فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۱

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد یازدہم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ______۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء______۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاھور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد یاز دہم

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ________

صفحات ________ ۷۳۶

اشاعت ________ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ / مئی ۱۹۹۷ء

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
  ۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰
* مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
* شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

رموز

محقق: علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح: علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش: علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب ردالمحتار

ط: علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدرالمختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر: الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر: الدرر شرح الغرر، ملاخسرو علامہ محمد بن فراموز

بحر: البحرالرائق، علامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ: فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف

نہر: النہرالفائق، سراج الدین عمر بن تمیم

فتح: فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ: غنیۃ المستملی، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ: حلیۃ المحلی، ابن امیر الحاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ اعلیٰ حضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃاللہ علیہ کے خزائن علمیہ و ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصرحاضر کے تقاضوں کے مطابق منظرعام پرلانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جوادارہ چندسال قبل قائم ہوا تھاوہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کتاب الطھارۃ، کتاب الصلوۃ،کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اورکتاب الحج پر مشتمل دس خوبصورت جلدیں آپ تک پہنچ چکی ہیں، اب بفضلہٖ تعالیٰ جلّ مجدہ وبعنایۃ رسول الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گیارہویں جلد پیش کی جارہی ہے۔

گیارہویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد پنجم کے آغاز سے باب الکفاءۃ کے آخرتک ۴۵۹ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ بتوفیق اللہ تعالیٰ وبفضلہٖ اس راقم پُرتقصیرعفی عنہ نے کیاہے۔رضاعی بھائی کی اولاد کے ساتھ حُرمت نکاح سے متعلق رسالہ "الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن" پیش نظرجلد میں شامل کیاگیاہے جو پہلے فتاوٰی رضویہ میں شامل نہیں تھا۔علاوہ ازیں اس میں شامل رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست بھی راقم نے افادہ قارئین کے لئے تیارکردی ہے۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل چارعنوانات زیربحث لائے گئے ہیں:

(۱) کتاب النکاح

(۲) باب المحرّمات

(۳) باب الولی

(۴) باب الکفاءۃ

مندرجہ ذیل عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور گراں قدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱)عباب الانوار ان لانکاح بمجرد الاقرار (۱۳۰۷ھ)

شاہدین کی موجودگی میں مرد اور عورت کے فقط ایک دوسرے کو شوہر وبیوی کہہ دینے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں۔

(۲)ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھند وبنجالۃ (۱۳۱۷ھ)

ہند وبنگال میں عورت سے اجازت نکاح لینے کی رسم کے متعلق۔

(۳)ھبۃ النساء فی تحقق المصاھرۃ بالزناء (۱۳۱۵ھ)

ساس سے زنا کرنے والے کے بارے میں شرعی حکم کا بیان

(۴)ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار (۱۳۱۵ھ)

غیر مقلد وہابی سے نکاح جائز ہے یا ممنوع، اس کا تفصیلی بیان۔

(۵)الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن (۱۳۳۰ھ)

رضاعی بھائی کی اولاد کے ساتھ حرمت نکاح کا عمدہ اور روشن بیان۔

(۶)تجویز الرد عن تزویج الابعد (۱۳۱۵ھ)

ولی اقرب کی عدم موجودگی میں ولی ابعد کے نکاح کر دینے کا شرعی حکم

محرم الحرام ۱۴۱۸ھ — حافظ عبدالستار سعیدی

مئی ۱۹۹۷ء — ناظم تعلیمات جامعہ رضویہ لاہور

فہرست مضامین

کنایات محتاج نیت ہیں۔	۱۲۸	صلح اقرب عقود شرعیہ کی طرف راجع کی جاتی ہے۔	۱۳۲
تعلیل دلیل تعویل ہے۔	۱۲۹	اگر کوئی مرد کسی عورت پر نکاح کا دعوی کرے اور عورت منکر ہو پھر وہ عورت اسے کچھ مال دے کر اس پر صلح کرے کہ وہ اس دعوی سے باز آجائے تو جائز اور یہ مدعی کے زعم میں معنی خلع میں ہوجائے گا مگر فقہاء نے فرمایا کہ اسے اس مال کا اخذ فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی حلال نہ ہوگا جبکہ وہ اپنے دعوی میں مبطل ہے۔	۱۳۲
جس کی دلیل اقوی ہو وہ تعویل کا زیادہ مستحق ہے۔	۱۲۹	بعض دین پر صلح صحیح ہے اور باقی کے دعوی سے براءت بھی ہوجائے گی یعنی فقط قضاءً نہ دیانۃً اسی لئے اگر وہ موقع پائے گا تو اسے باقی کا لے لینا جائز ہوگا۔	۱۳۲
عمل اسی پر جس پر اکثریت ہے۔	۱۲۹	ایسے الفاظ سے جن میں اخبار وانشاء دونوں کا احتمال ہو، بہ نیت انشاء نکاح صحیح ہوگا جبکہ شہود کو علم ہو کہ مقصود انشائے عقد ہے۔	۱۳۴
علیہ الفتوی اور بہ یفتی الفاظ فتوی سے آکد ہیں۔	۱۳۰	مرد نے عورت سے کہا تو میری بی بی نہیں اور اس سے اس نے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی اور اس کے یہ معنٰی ٹھہریں گے کہ تو میری بی بی نہیں اس لئے کہ میں تجھے طلاق دے چکا ہوں۔	۱۳۵
جس پر متون ہوں وہی عمدہ ہے اور اسی کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے۔	۱۳۰	اگر کوئی اپنی بی بی کو کہے میں نے اس سے نکاح نہیں کیا اور اس سے نیت طلاق کی کرے تو طلاق نہ ہوگی کہ یہ کذب محض ہے جس کی تصحیح ناممکن ہے۔	۱۳۵
اگر کوئی شخص کسی عورت پر نکاح کا دعوی کرے اور عورت انکار کردے پھر وہ شخص اس کو کچھ دے کر اس سے اس بات پر صلح کرلے کہ وہ اس نکاح کا اقرار کرے، اب عورت نے اقرار کرلیا تو یہ اقرار جائز اور مال لازم ہوگا۔ اگر یہ اقرار شہود کے سامنے ہوا ہو اب اگر عورت پھر انکار کرے گی تو قاضی اس کا یہ انکار نہ سنے گا۔	۱۳۰	امام فقیہ النفس کے مختار اور عام ائمہ کی تصحیح میں توفیق جلیل۔	۱۳۷
اگر کوئی شخص کسی بیع کا دعوی کرے اور مدعا علیہ قسم سے بچنے یا کچہری کی ذلت سے گریز کرنے کے سبب اقرار کرلے تو بیع قضاءً ثابت ہوجائیگی اور احکام، وجوب تسلیم ولزوم شفعہ وغیرہ جاری ہوں گے لیکن یہ مدعی کاذب وہ گھر کیا لے گا درحقیقت آگ لے گا۔	۱۳۱		

عاقدین کے کلام سے جو مقدم ہو وُہ ایجاب ہے اور جو مؤخر وہ قبول۔	۱۶۸	وکیل کا مسلم وبالغ ہونا ضروری نہیں، غیر مسلم ونابالغ سمجھدار بھی وکیل ہوسکتا ہے۔	۱۷۲
بے اذن آقا غلام نکاح کرلے اور مولٰی خبر پاکر طلاق کا حکم دے تو یہ حکم طلاق اس نکاح موقوف کی اجازت ہوگا۔	۱۶۸	مرتد کی وکالت جائز ہے۔	۱۷۲
فضولی اگر کفو سے نکاح کردے اور عورت خبر پاکر خاموش ہورہے تو یہ سکوت اجازت ہوسکے گا اور اظہار نفرت سے رَد ہوجائے گا۔	۱۶۹	اگر وقتِ توکیل وکیل مسلمان ہو پھر مرتد ہوجائے تو وکالت باطل نہ ہوگی جب تک دارالحرب میں نہ چلاجائے۔	۱۷۲
کفو یہ ہے کہ دین یا نسب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں مرد عورت سے اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیائے مخطوبہ کے لئے عار ہو۔	۱۶۹	مجنون اور ناسمجھ بچہ وکیل نہیں ہوسکتا۔	۱۷۲
گھر میں عورت تنہا ہو مرد شاہدوں کے سامنے کہے کہ میں نے اس گھر میں جو عورت ہے اس سے نکاح کیا، عورت کہے میں نے قبول کیا، نکاح ہوگیا اگرچہ شاہد عورت کو نہ دیکھیں۔	۱۷۰	بلوغ وحریت صحتِ وکالت کے لئے شرط نہیں۔	۱۷۲
عورت پردے میں ہو محض اس سے مجلس نہیں بدلتی۔	۱۷۰	مرتد یا بالغ اگر بزعمِ ولایت اپنے بیٹے بیٹی یا بہن بھائی یا کسی نابالغہ کا نکاح پڑھائے تو کس صورت میں باطل محض ہوگا۔	۱۷۳
اگر عورت مجلس نکاح میں نقاب ڈالے حاضر ہو تو شاہدوں کا اسے پہچاننا ضرور نہیں۔	۱۷۱	مرتد سے نکاح پڑھوانے کا حکم۔	۱۷۳
قبول فورًا ضرور نہیں اگر مجلس نہ بدلے۔	۱۷۱	مرتد کسی کا ولی نہیں ہوسکتا اور نابالغ بھی صالح ولایت نہیں۔	۱۷۳
نابالغ عاقل کہ کفر کرے یا کفر پر مطلع ہوکر اسے پسند کرے تو کافر مرتد ہے۔	۱۷۱	فضولی اگر کوئی ایسا عقد کرے جس کے لئے کوئی اجازت دہندہ نہ ہو تو وہ عقد باطل محض ہے۔	۱۷۳
رضا بالکفر بھی کفر ہے۔	۱۷۱	باپ نے کہا مکان خرید دو تو نکاح کروں گا۔ شوہر نے کہا پہلے نکاح کردو پھر خرید دوں گا۔ باپ نے نکاح ورخصت کردی، عورت نے کوئی شرط نہ کی، مکان بھی مجہول رہا، یہ نکاح بے شرط ہوا یا معلق اور شوہر کا اقرار معلق بالشرط باطل ہے یا نہیں اور یہ نکاح بے خلل ہے یا کیسا۔	۱۷۳
مشرک سے استعانت نہ چاہئے خصوصًا امور دینیہ میں۔	۱۷۲	ایک ہزار روپیہ اور کچھ ہدیہ دینا مہر قرار پایا اور ہدیہ نہ دیا تو مہر مثل لازم ہوگا۔ ہدیہ اگرچہ مجہول تھا مگر جب وجود میں آگیا تو جہالت جاتی رہی۔	۱۷۴
نابالغ یاکافر ایجاب وقبول کرائے نکاح ہوجائیگا اور اگر وکیل ہو اور خود ایجاب یا قبول کرے جب بھی۔	۱۷۲		

شرط فاسد قبل العقد مبادلاتِ مالیہ میں بھی ملتحق بالعقد نہیں ہوتی۔	۱۷۵	کسی نے اپنا مکان کرایہ پر دے دیا تھا پھر اسی مکان کو کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا اب مشتری کرایہ وصول کرتا ہے مگر بائع سے وعدہ کرلیا ہے کہ جب تُو ثمن مجھے واپس کرے گا تو مکان واپس کردوں گا اور کرایہ کے روپے ثمن سے مجرا دوں گا، مشتری کے پاس بائع ثمن کے روپے لایا اور کرایہ کے روپے اس میں سے مجرا کرنے کو کہتا ہے، اگر مشتری حسبِ وعدہ ایسا کرے تو بہتر ہے ورنہ اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۱۷۸
شرط فاسد جو عقد سے پہلے ہو اس سے کوئی عقد فاسد نہیں ہوتا۔	۱۷۵	کسی وظیفہ مقررہ سے کچھ رقم لے کر دوسرے کے حق میں فارغ ہوجائے اور دوسرا اس سے وعدہ کرے کہ میرا یہ روپیہ تو واپس کردے گا تو میں تیرا یہ وظیفہ مقررہ لوٹا دوں گا، اس سے اس پر لوٹانا واجب نہ ہوگا۔	۱۷۸
شروط فاسدہ سے نکاح نہیں فاسد ہوتا خود وہی باطل ہوتی ہیں۔	۱۷۵	نابالغ کا اقرار وانکار کچھ نہیں اجازت اس کے ولی کی درکار۔	۱۸۰
عقود تین قسم کے ہیں۔	۱۷۵	بالغہ اگر آواز سے اجازت لیتے وقت روئے تو یہ رَد ہے۔	۱۸۰
بیع واجارہ وقسمت وغیرہ شروطِ فاسدہ سے فاسد ہوتے ہیں۔	۱۷۵	نکاح کے لئے کن باتوں کی حاجت ہے۔	۱۸۰
ایفائے وعدہ محبوب ہے اور پورا نہ کرنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔	۱۷۶	نکاح کے لئے قاضی کی حاجت نہیں۔	۱۸۱
اقرار تعلیق بالشرط کی صلاحیت نہیں رکھتا۔	۱۷۶	ولی صغیر کہے (فلاں) نے اپنی لڑکی میرے فلاں لڑکے کے نکاح میں دے دی ہے اور ولی صغیرہ کہے ہاں میں نے دے دی، اس سے نکاح ہوگا یا نہیں۔	۱۸۱
اصطلاح فقہ میں کسی حق ثابت کی خبر دینے کو اقرار کہتے ہیں۔	۱۷۷	درمختار کی عبارت کذا انا متزوجك وجئتك خاطبا الخ اس سے منگنی نکاح ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اس کا کیا مطلب۔	۱۸۱
وعدے کی تعلیق بالشرط جائز ہے۔	۱۷۷	ہماری زبان میں صیغہ ماضی مقرون بہ لفظ خاص امر واقع شدہ سے خبر دینے کے لئے ہے، نہ امر غیر واقع کے انشاء وایجاد کے لئے۔	۱۸۲
ایفائے وعدہ پر جبر نہیں قاضی مجبور نہیں کرسکتا، وُہ وعدہ جو معلق ہو اس کی وفا دیانۃً لازم ہے، مگر ایک قول میں کفالت اور بیع الوفاء میں وفائے وعدہ پر جبر کرسکتا ہے۔	۱۷۷		

وقوع نکاح سے خبر دینا انشاء عقد سے بالکل مبائن وغیر مؤثر ہے۔	۱۸۲	فاسق بد دیانت قابل اعتماد جب وہ خود حرام وحلال کی پروا نہیں کرتا تو اوروں کے لئے احتیاط کی کیا اُمید۔	۱۸۸
نکاح اثبات اور اقرار اظہار ہے۔	۱۸۲	نکاح باعلان ہونا اور ایجاب وقبول سے پہلے خطبہ اور مسجد میں نکاح ہونا اور جمعہ کے دن ہونا اور نکاح خواں عالم باعمل ہونا مستحب ہے۔	۱۸۸
اظہار اقرار کے مغائر ہے۔	۱۸۲	اس زمانہ جہل وفساد میں اگر اہلِ علم حاضر جلسہ نہ ہوں تو نکاح میں سخت خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔	۱۸۹
نکاح وتزویج یہ دو لفظ عقد نکاح میں صریح ہیں اور عطا وہبہ وصدقہ وغیرہ کنایہ۔	۱۸۳	نکاح خواں کلماتِ ایجاب دُولھا کے کان میں کہے کہ کوئی نہ سُنے تو نکاح نہ ہوگا۔	۱۹۰
ان الفاظ سے بھی نکاح ہوجاتا ہے جبکہ گواہ نکاح ہونا سمجھیں اور قرینہ سے یہ معلوم ہو کہ ان سے نکاح مراد ہے۔	۱۸۳	نکاح دو آزاد ومکلّف مردوں یا ایک آزاد ومکلّف مرد اور دو آزاد مکلّف عورتوں کا بطور گواہ موجود ہونا شرط ہے جو ایجاب وقبول کو بیک وقت سُنیں۔	۱۹۰
باپ سے کہا تو نے اپنی لڑکی مجھے دی اس نے کہا دی، اگر یہ منگنی کے لئے گفتگو ہو تو منگنی ہوئی اور نکاح کے لئے تو نکاح۔	۱۸۳	جاہل کی نکاح خوانی قطعاً خلافِ اولیٰ ہے۔	۱۹۰
نکاح عقد ہے اور منگنی وعدہ ہے۔	۱۸۴	جاہل کی امامت خلافِ اولیٰ ہے۔	۱۹۰
عقد ووعد میں تباین ہے۔	۱۸۴	جاہل کی مضاربت خلافِ اولیٰ ہے۔	۱۹۰
منگنی کو نکاح ٹھہرانا بداہۃً باطل اور اجماعًا غلط ہے۔	۱۸۴	بعد نکاح اگر شہود انکار کرجائیں تو نکاح دوبارہ کرنا لازم ہوگا یا نہیں۔	۱۹۰
ھل اعطیتنیھا مجلس عقد میں مفید عقد اور جلسہ وعد میں طلب وعد ہے۔	۱۸۷	شہود ابتدائے نکاح میں شرط ہیں یعنی بے ان کے منعقد نہ ہوگا، بقاء میں شرط نہیں یعنی شاہدوں کا بقاءِ نکاح کے لئے باقی رہنا ضروری نہیں۔	۱۹۱
الفاظ محتملہ میں مدار قرینہ پر ہے۔	۱۸۷	اس شرط پر نکاح کا حکم کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا۔	۱۹۲
نکاح خواں اور شہود کا بینا ہونا ضروری نہیں۔	۱۸۸	ایک برس یا ایک ماہ یا سو۱۰۰ برس تک کے لئے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا، یہ متعہ کی صورت ہے۔	۱۹۲
عقد کرنے والا دیندار متقی مسائلِ نکاح سے واقف ہونا چاہئے۔	۱۸۸	نکاح متعہ ومؤقت اگرچہ مدت مجہولہ یا طویلہ ہو باطل ہے۔	۱۹۲

گواہان نکاح پر یہ لازم نہیں کہ وہ ان ہی الفاظ کا اعادہ کریں جو متعاقدین سے انہوں نے سنے ہوں یا یہ کہ ان کے مترادف الفاظ کریں یا ان الفاظ کا ترجمہ بیان کریں بلکہ ان کا یہ بیان کافی ہے کہ فلاں نے فلاں سے نکاح کیا۔	۲۳۳	فاسق کو امام بنانے والے گناہگار ہیں۔	۲۴۰
زن فاحشہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو۔	۲۳۵	تبدیل مذہب پر سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے۔	۲۴۰
عورت افعال خبیثہ کا ارتکاب کرے اور شوہر بقدر قدرت انسداد نہ کرے تو دیّوث ہے۔	۲۳۵	روافض سے نکاح باطل ہے۔	۲۴۱
آیت کریمہ الزّانیة لاینکحھاالازان اومشرك منسوخ الحکم ہے یا نکاح سے مراد یہاں جماع ہے۔	۲۳۵	ارتکابِ حرام سے نہ کافر ہوتا ہے نہ حنفیت سے خارج۔	۲۴۱
وقت نکاح لڑکی کے ولی کی بات قبول کی جائیگی یا لڑکی کی۔	۲۳۵	جمعہ کی نماز سے پہلے نکاح جائز ہوتا ہے یا نہیں۔	۲۴۱
نکاح میں ضروری الفاظ اور لازمی کیا کیا ہیں۔	۲۳۵	اپنی کنیز شرعی سے نکاح باطل ہے۔	۲۴۲
اولیاءِ نکاح کی شرعی ترتیب۔	۲۳۶	خواص وکنیز میں کیا فرق ہے۔	۲۴۲
نکاح کا خطبہ سنت اور کلمے پڑھنا ایک اچھی بات ہے۔	۲۳۶	دوسرے کی کنیز سے اس کی اجازت سے نکاح جائز ہے۔	۲۴۲
متعہ حرام ہونے کا قرآن عظیم سے ثبوت۔	۲۳۶	شرعًا نسب باپ سے ہے وُہ شریف ہے تو بیٹا بھی شریف۔	۲۴۲
رنڈی سے نکاح کا کیا حکم ہے۔	۲۳۷	کنیز سے جو اولاد ہو صحیح النسب اور ترکہ کی مستحق ہے۔	۲۴۲
وہ جائز بات جس سے فتنہ و نفرت پیدا ہو اور آپس میں پھوٹ پڑے ناجائز ہو جاتی ہے۔	۲۳۷	کچھ لے کر نکاح کر دینا حرام اور وُہ روپیہ رشوت ہے۔	۲۴۳
بیوہ کے نکاح ثانی کے متعلق سوال وجواب۔	۲۳۷	حیات النساء عرف رضیہ کی بجائے گواہوں نے نکاح خواں سے سعادت النساء عرف رضیہ کہا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں۔	۲۴۳
عورت گونگی ہے اور اس کے شوہر کا حال معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا مرگیا اس سے نکاح کا کیا حکم ہے۔	۲۳۸	وکیل بالنکاح مجاز توکیل نہیں۔	۲۴۳
جس نے متعہ کرلیا ہو وُہ حنفی رہا یا نہیں۔	۲۳۹	ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں بڑی عائشہ اور چھوٹی فاطمہ، بڑی کے نکاح میں وقت عقد بجائے عائشہ فاطمہ کہا تو فاطمہ سے عقد ہو جائے گا اور یہ کہا کہ میں اپنی بڑی لڑکی فاطمہ کا نکاح کرتا ہوں تو کسی سے نہ ہوگا کہ اس کی بڑی لڑکی فاطمہ نہیں اور نیت و معرفت شہود یہاں کچھ نافع نہیں۔	۲۴۳
فاسق معلن کی امامت ممنوع، اس کے پیچھے نماز گناہ اور پھیرنی واجب ہے۔	۲۳۹		

مرد اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔	۳۳۷	زید کے نکاح میں حرہ تھی پھر کنیز سے نکاح کیا، یہ نکاح کیسا ہوا، اور کنیز کا مہر ذمہ زید ہوگا تو کس قدر اور کنیز اور اولاد کنیز ترکہ زید پائیں گے یا نہیں۔	۳۴۰
نکاح کے بعد اقرار کیا کہ قبل نکاح منکوحہ کی ماں سے زنا کیا تھا تو حرمت ثابت ہوگئی مگر عورت کے حق پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اگر دخول کرچکا ہے تو پورا مہر مسمّٰی واجب ہوگا ورنہ نصف۔	۳۳۸	لونڈی پر حرہ کا نکاح جائز ہے مگر اس کا عکس ناجائز ہے۔	۳۴۰
حجت قاصرہ من جہۃ مقبول اور من جہۃ مردود ہوتی ہے۔	۳۳۸	اجماعًا نکاح فاسد و باطل میں توارث جاری نہیں ہوتا۔	۳۴۱
جہاں تک مقر پر اقرار کا ضرر ہے ماخوذ اور جتنا دوسرے پر الزام ہے منبوذ ہوگا۔	۳۳۸	نکاح فاسد میں بعد وطی مہر مسمّٰی و مہر مثل میں سے اقل لازم ہوگا۔	۳۴۱
کسی کی کنیز سے نکاح کیا اور قبل دخول اس نے پسرِ شوہر کا بوسہ لیا، شوہر کہتا ہے کہ بوسہ بشہوت تھا اور مولی انکار کرتا ہے تو حرمت ثابت ہوگئی اور نصف مہر دینا واجب ہوگا۔	۳۳۸	جو اولاد نکاح فاسد میں وقت وطی سے چھ مہینے بعد پیدا ہوئی بالاجماع ثابت النسب اور مستحق ارث ہے۔	۳۴۱
حقیقی خالہ سوتیلی ماں کے مرنے کے بعد اس کا شوہر اس کی بھانجی سوتیلی لڑکی سے عقد کرسکتا ہے۔	۳۳۸	اگر عورت کا بوسہ رخسار بنظر شہوت لیا عورت کی ساری اولاد اس پر حرام ابدی ہوگئی۔	۳۴۲
ہندہ نے زینب کا دودھ پیا ہندہ کے بیٹے پر زینب کی دختر حرام ہے۔	۳۳۹	نادانستہ اگر نکاح کرلیں تو طرفین پر واجب کہ فسخ کردیں اور شوہر فسخ پر راضی نہ ہو تو عورت خود فسخ کرسکتی ہے۔	۳۴۲
کسی نے زوجہ کے دھوکے میں ہمشیرہ یا خوشدامن کا بشہوت ہاتھ پکڑا نکاح میں کچھ خلل ہوا یا نہیں اور کس صورت میں عورت اس پر حرام ہوگی۔	۳۳۹	بوسہ لب خواہی نخواہی بنظرِ شہوت ٹھہرے گا لاکھ ادعا کرے کہ میں نے بشہوت نہ لیا تھا قبول نہ ہوگا اور امام محمد بن الہمام کے نزدیک بوسہ رخسار میں ایسا ہی ہے۔	۳۴۲
زید نے بکر کے ساتھ اپنی دختر کا نکاح کیا پھر بے تحقیق بکر کو نامرد ٹھہرا کر خالد سے اس لڑکی کا نکاح کردیا اس نکاح اور اولاد کا کیا حکم ہے۔	۳۳۹	ایک شخص نے ایک عورت اور اس کی بیٹی سے زنا کیا، اب زنا سے توبہ کرکے اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۳۴۳
لیلٰی و سلمٰی رضاعی بہنیں ہیں زید نے لیلٰی سے نکاح کیا ہے زید کے پسر عمرو کا نکاح سلمٰی سے جائز ہے۔	۳۴۰		

اگر اس حدیث کے ضعف سند سے قطع نظر بھی کی جائے تو بھی یہ اپنے ظاہر پر یقیناً صحیح نہیں۔	۳۶۳	عورت اور اس کی دختر کی فرج کو دیکھنے والے پر روز قیامت اللہ تعالٰی نظرِ رحمت نہ کرے۔	۳۶۴
قلیل پانی یا گلاب میں شراب یا پیشاب ڈال دیں تو وُہ پانی اور گلاب حرام ہوجائیں گے۔	۳۶۳	ساس سے زنا کرنے والے پر عورت اور ساس دونوں حرام ہوجاتی ہیں۔	۳۶۵
متعدد مثالیں جہاں حرام شیئ حلال کو حرام کردیتی ہے۔	۳۶۳	حرمتِ مصاہرہ کی صورت میں مرد وزن کو جدا ہوجانا فرض ہے مگر خود بخود نکاح زائل نہیں ہوتا جب تک شوہر متارکہ نہ کرے، اور بعد متارکہ عدت نہ گزر جائے عورت کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔	۳۶۵
لاجرم حدیث مذکور میں تاویل سے چارہ نہیں کہ حرام من حیث ھو حرام حلال کو حرام نہیں کرتا۔	۳۶۳	حرمت مصاہرہ کے بعد متارکہ سے قبل اگر شوہر وطی کرے تو حرام ہے مگر زنا نہیں اور اس وطی سے پیدا ہونے والی اولاد صحیح النسب ہوگی کیونکہ نکاح باقی ہے۔	۳۶۵
اگر کوئی طاہر شیئ جو کہ حرام ہو کسی حلال میں اس طرح مل جائے کہ تمیز ناممکن ہو تو وہ حلال خود حرام نہیں ہوجاتا بلکہ اپنی حلت پر قائم رہتا ہے۔	۳۶۳	طلاق اور متارکہ میں فرق۔	۳۶۵
حلال وحرام کے مخلوط کا تناول اس لئے ناجائز ہے کہ بوجہ اختلاط اس کا تناول حرام سے خالی نہیں ہوسکتا۔	۳۶۳	حرمت مصاہرہ اور حرمتِ رضاعت سے نکاح مرتفع نہیں بلکہ فاسد ہوجاتا ہے۔	۳۶۵
اس حدیث ضعیف میں بھی ہمارے مذہب کے مخالفین کے لئے اصلاً حجت نہیں۔	۳۶۴	حرمت مصاہرہ کے باوجود تفریق سے قبل اگر شوہر نے وطی کی تو اس پر حد لازم نہ ہوگی۔	۳۶۵
ہمارے مذہب کی مؤید چند احادیث۔	۳۶۴	حرمت مصاہرہ کے باوجود اگر خاوند نے نہ چھوڑا اور وطی کرتا رہا تو پیدا ہونے والی اولاد ماں اور باپ دونوں کی وارث بنے گی تاہم زن وشوہر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔	۳۶۶
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ بیٹی کی اس شیئ پر مطلع ہو جس چیز پر اس کی ماں مطلع تھی۔	۳۶۴	اولادِ زنا بھی اپنی ماں کی میراث پاتی ہے۔	۳۶۶
حدیث میں ہے جو شخص کسی عورت کی فرج کو شہوت سے دیکھے اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہے۔	۳۶۴	دربارہ مرتد و مرتدہ حکم شرعی یہی ہے کہ ان کا نکاح نہ کسی مسلم ومسلمہ سے ہوسکتا ہے نہ کافر وکافرہ سے نہ مرتد و مرتدہ ان کے ہم مذہب خواہ مخالف مذہب سے غرض تمام جہان میں کسی سے نہیں ہوسکتا۔	۳۶۷
جو شخص کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کی فرج کو دیکھے وہ ملعون ہے۔	۳۶۴		

زید وعمرو حقیقی چچازاد بھائی ہیں ایک کادوسرے کی دختر سے نکاح کیسا ہے اور غیر حقیقی میں کیا حکم ہے۔	۴۱۳	تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے، دیوث، مردانی وضع کی عورت اور شرابی۔	۴۱۶
آپس میں بھائی اور بہنوں سوائے نسبی اور رضاعی کے نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۴۱۳	زید نے جمع بین الاختین کیا باوجود منع کرنے کے نہ مانا اس پر مسلمانوں نے اس سے اجتناب کیا بعض نے اس کا ساتھ دیا تو شرعا یہ اجتناب حق ہے یا نہیں اور زید اور اس کے ہمراہیوں کے ساتھ کھانے پینے، سلام کلام کا کیا حکم ہے، اور زید پر کون سی عورت حلال ہے۔	۴۱۷
غیر حقیقی دادا کی دختر سے نکاح کا کیا حکم ہے۔	۴۱۳	سنی کو اپنی دختر رافضی کے نکاح میں دینا کیسا ہے اور سنی باوجود ناجائز کے دے تو کیا حکم ہے۔	۴۱۷
پھوپھی خالہ بہن اسی طرح جتنی عورات عورت کے محارم ہیں ان کی زندگی میں ان کے شوہروں سے عورت کا نکاح اگرچہ حرام ہے مگر وہ عورت کے محارم نہیں ہوجاتے ان سے پردہ کا وہی حکم ہے جو اجنبی سے۔	۴۱۴	زمانہ سلف سے اس وقت سنی اور رافضی کے درمیان قرابت کا کیا باعث، آیا اس وقت میں علماء نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی یا اس وقت کے شیعہ اوراب کے روافض میں کچھ فرق ہے۔	۴۱۷
شرعا پھوپھا، خالو، بہنوئی اور جیٹھ، دیور اور چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں کے بیٹوں اور راہ چلتے اجنبی سب کا ایک حکم ہے بلکہ ان سے زیادہ احتیاط لازم۔	۴۱۵	فاسق معلن سے ابتداء بالسلام مکروہ ہے یونہی بوڑھا مذاقی، کذاب، لاغی، گالیاں بکنے والا، اجنبی عورتوں کو گھورنے اور تاک جھانک کرنے والا، گانے والا اور کبوتر باز وغیرہ۔	۴۱۸
سنی کو اپنی دختر رافضی تبرائی قاذف حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں، اور باوجود ناجائز کے بھی ایسا کرے تو کیا حکم ہے۔	۴۱۵	مرتکب حرام کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے والا بھی اسی کی مثل ہے۔	۴۱۹
حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا قاذف کافر ملعون ہے جو اسے کافر نہ جانے خود کافر ہے۔	۴۱۶	گناہ کی نحوست فاعل کے غیر پر بھی ہوتی ہے۔	۴۱۹
جو شخص اپنی دختر یا خواہر کا نکاح قاذف یا مرتد سے کرے وہ دیوث ہے	۴۱۶	غیر نبی کو نبی سے افضل ماننا کفر ہے۔	۴۲۰
اللہ تعالٰی قیامت کے دن تین شخصوں پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا، ماں باپ کا نافرمان، مردوں سے مشابہت رکھنے والی عورت اور دیوث۔	۴۱۶	جو قرآن عظیم کو ناقص مانے کافر ہے۔	۴۲۰
		آج کل کے رافضیوں میں کوئی مسلمان ملنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کوّوں میں سپید رنگ والا۔	۴۲۰

ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے۔	۴۶۴	دو شخصوں نے کہا کہ لڑکے کا باپ اور لڑکی کی ماں ناجائز تعلقات رکھتے ہیں لڑکی کے باپ نے قرآن شریف اٹھانے کو کہا، انکار کیا اور چلے گئے ثبوت نہ ہوا، کیا حکم ہے۔	۴۶۸
نسبی رشتوں سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں۔	۴۶۴	مولانا صاحب سے پوچھا، نکاح پڑھانے آئیں گے کہا: میں نہیں آؤں گا تو کون آئے گا۔ وقت نکاح نہیں آئے اور کہا: جو کوئی ان کا نکاح پڑھائے گا اس کی عورت کو طلاق ہو جائے گی۔	۴۶۸
عورت نے دعوی کیا کہ تیرے باپ نے مجھ سے زنا کیا، اس پر شوہر نے طلاق دے دی، تین مہینے ہوگئے، اب عورت کہتی ہے تم نے مجھ پر تہمت رکھی تھی اس لئے غلط بات کہی، آیا عورت سے پھر نکاح ہو سکتا ہے۔	۴۶۵	یہی سوال انداز بدل کر۔	۴۶۹
آوارہ عورتیں بے پردہ رہتی کھلے بندوں چلتی پھرتی ہیں جن سے زنا بھی ثابت ہوا حمل گرائے گئے ہوں یا طوائف کا نکاح بے استبراء رحم جائز ہے یا نہیں۔	۴۶۶	زید کی سسرال کے رشتہ کے ماموں کے لڑکے اور زید کی لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔	۴۶۹
خسر نے بہو سے زنا کیا، بہو کو اقرار ہے، خسر نہ اقرار کرتا ہے نہ انکار، جب یہ کہا جاتا ہے کہ تونے بہت سخت گناہ کیا تو کہتا ہے خطا ہوئی، کیا کریں، کیا حکم ہے، عورت مہر لے سکتی ہے یا نہیں۔	۴۶۶	اپنے حقیقی بھائی کی رضاعی بیٹی کی بیٹی سے نکاح کے بارے میں بعض بنگالیوں کے فتوے کارد۔	۴۷۰
خسر نے بہو سے زنا کیا تو کیا وہ شوہر کے پاس رہ سکتی ہے۔	۴۶۷	بھائی کی رضاعی نواسی سے نکاح جہالت، گمراہی اور شریعت پر افتراء ہے۔	۴۷۷
رشتہ داروں کی کن کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے ناجائز۔	۴۶۷	بھائی کی نواسی سے نکاح ایسا ہے جیسے اپنی بہن سے۔ چاہے نواسی نسبی ہو یا رضاعی، اور یہ نکاح قرآن، حدیث اور اجماع کی رو سے حرام قطعی ہے۔ اس کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ یا کسی اور امام المسلمین کی طرف کرنا خطائے محض ہے۔	۴۷۷
لڑکا اور اس کا باپ شہادت دلاتے ہیں کہ ہم سنی ہیں اور ہمیں شیعہ جانتے ہو تو اطمینان کے لئے ہمیں سنی کرلو، ان کے ہم وطن شیعہ کہتے ہیں کہ یہ سنی ہیں، یہاں کے مسلمان کہتے ہیں کہ انھیں ہم نے ہمیشہ شیعہ مذہب کا برتاؤ کرتے دیکھا اور بعض مسلمان شہادت دیتے ہیں کہ یہ لڑکے شیعہ نہیں ہیں اور ان کے والد کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے، کیا حکم ہے۔	۴۶۸	بھائی کی رضاعی نواسی سے جواز نکاح کا فتوی دینے والے عالم نہیں بلکہ جاہلوں سے ہزار درجہ بدتر ہیں۔	۴۷۷
		جس نے بغیر علم کے فتوی دیا اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔	۴۷۷

حدیث میں ہے لوگ جاہلوں کو رہنما بناکر ان سے سوال کریں گے تو وہ بغیر علم کے فتوٰی دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔	۴۷۷	خلاف متفرد اجماع میں قادح نہیں۔	۴۸۳
جس مرد کی طرف دودھ منسوب ہے وہ رضیع کا باپ، اس کی اولاد رضیع کے بھائی بہن، اس کے بھائی رضیع کے چچے اور اس کی بہنیں رضیع کی پھوپھیاں ہوں گی جبکہ رضیع کی اولاد اس مرد کی اولاد ہو گی۔	۴۷۸	ظاہریہ مبتدع ہیں اجماع میں ان کے خلاف کا کچھ اعتبار نہیں کہ متبدع امت دعوت ہیں امت اجابت نہیں۔	۴۸۳
فرقہ ظاہریہ مخالف ائمہ اربعہ وتمام مجتہدین ہے ان کے امام داؤد ظاہری کو اہل سنت سے جاننا جہل وسفاہت ہے وہ ہرگز اہلسنت نہیں۔	۴۷۹	"ان اللہ حرم من الرضاع ماحرم من النسب" حدیث مشہور اور صدر اسلام سے اس وقت تک علماء میں متلقی بالقبول ہے۔	۴۸۳
فرقہ ظاہریہ کی مخالفت کا کچھ اعتبار نہیں۔ نہ ان میں سے کسی کی تقلید جائز، ظاہریہ مسلوب العقل ہیں کہ قیاس جلی کے منکر ہیں۔	۴۸۰	سنت مشہورہ کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوتا۔	۴۸۴
نقل مذہب غیر میں بارہا لغزش ہو جاتی ہے۔	۴۸۲	جو حکم کتاب وسنت مشہورہ اور اجماع کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔	۴۸۴
دارالحرب میں حربیہ سے زنا کی تحلیل کو امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرنا محض باطل ہے۔	۴۸۲	قول ضعیف ومرجوع پر حکم وفتوٰی جہل وخرق اجماع ہے۔	۴۸۴
حلت غراب کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کرنا باطل ہے۔	۴۸۲	مقلد کو اپنے امام کے خلاف حکم جائز نہیں۔	۴۸۵
امام مالک کی طرف حلت متعہ کی نسبت کرنا صحیح نہیں، امام مالک متعہ کرنے والے پر حد زنا نافذ کرتے ہیں۔	۴۸۲	قاضی مجتہد، مجتہد فیہ میں اپنی رائے کے خلاف اگر حکم کرے گا تو نافذ نہ ہوگا۔	۴۸۵
حنیفہ ودیگر ائمہ کے نزدیک متعہ حرام ہے مگر وہ اس پر حد زنا نافذ نہیں کرتے۔	۴۸۲	○ **الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن** (رضاعی بہن بھائی کی اولاد کے ساتھ حرمت نکاح کا عمدہ اور روشن بیان)	۴۸۶
ابن علیہ ایک محدث ہیں مجتہد نہیں ہیں۔	۴۸۳	کسی کم علم نے اولاد رضیع اور اولاد مرضعہ کے درمیان جواز نکاح کا فتوٰی لکھ دیا جو بذریعہ مولوی اکرام الدین صاحب امام وخطیب مسجد وزیر خاں اعلیحضرت امام احمد رضاخاں بریلوی تک پہنچا تو آپ نے اس غلط فتوے کے رد میں یہ رسالہ تحریر فرمایا۔	۴۸۶

اعتبار کفاءت وقت عقد ہے۔ بعد عقد اگر زائل بھی ہو جائے تو مفسد نہیں۔	۵۴۴	ماموں نے ماں کے مشورے سے بحالت عدم موجودگی والد اور چچا اور برادر اور دادا نکاح کردیا لڑکی نے بعد بلوغ منظور نہ کیا تو وہ نکاح رہا یا نہیں۔	۵۵۲
استیذان از بالغہ نکاح کے لئے ضرور ہے۔	۵۴۵	عورت کے نامنظور کرنے سے فسخ نہ ہوگا۔ فسخ کے لئے ضروری ہے کہ قاضی کے یہاں دعوی کرے تو قاضی فسخ کرے۔	۵۵۲
نابالغہ کا باپ مفقود الخبر ہے، بھائی بالغ ہے نکاح اس بھائی اور ماں نے کیا، ہوا یا نہیں۔	۵۴۵	خالاؤں نے چچا کی غیبت میں اپنے لڑکوں سے نابالغہ لڑکیوں کا عقد کرلیا، کیا حکم ہے۔	۵۵۳
نابالغہ کا نکاح ماں نے باوجود انکار نابالغہ وحیات والد کردیا، ہوا یا نہیں۔	۵۴۵	درجات بعض اولیا کی تفصیل خالہ سگے چچا سے ولایت میں چھتیسویں درجہ میں ہے۔	۵۵۳
غیبت منقطعہ کے لئے مفقود الخبر ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر معلوم ہو کہ ولی فلاں جگہ ہے اس کے آنے یا اس کی رائے سے اطلاع پانے میں کفو حاضر فوت ہوگا۔ یہ بھی غیبت منقطعہ ہے۔	۵۴۶	ماں نے لڑکی کا نکاح باپ کی عدم موجودگی میں زید سے کردیا جس سے وہ راضی تو تھا مگر یہ کہتا تھا کہ جب تک نوکر نہ ہو نہ کرنا۔ کیا حکم ہے۔	۵۵۴
پرورش کرنے والے کی عدم موجودگی میں اسی کی بی بی نے ہندہ کا نکاح کردیا، وہ آیا تو راضی نہ ہوا۔ کیا حکم ہے۔	۵۴۷	نابالغ کے والدین غنی ہوں تو وہ بھی غنی مانا جائیگا۔	۵۵۶
جس کا کوئی ولی نسبًا نہ ہو اس کا ولی قاضی شرع ہے، نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ جہاں قاضی شرع نہ ہو جیسے اکثر دیار ہندوستان وہاں اعلم علمائے اہل ہر بلد صاحب فتوی فقیہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۵۴۹	شوہر اگر خود محض نادار ہو تو وہ اپنے ماں باپ کے غنی سے کفو ٹھہرے گا اگرچہ بالغ ہو جبکہ اس کے مصارف کا اس کے ماں باپ تحمل کرتے ہوں۔	۵۵۶
ہمشیر اور نانی نانا ہوں تو ولایت نکاح کسے حاصل ہوگی۔	۵۵۰	اگر بالغہ بے اذن ولی کفو سے مہر مثل سے کم پر نکاح کرے تو ولی کو حق اعتراض ہے یا شوہر مہر مثل پورا کرے یا قاضی تفریق کردے۔	۵۵۷
نانی کے آگے نانا کو ولایت نکاح نہیں۔	۵۵۱	چچا بولایت خود ایسی حالت میں کہ لڑکی نانی کے پاس ہو اپنے پسر نابالغ سے اس کا نکاح کردے تو یہ نکاح درست ہوگا۔	۵۵۷
مرتد کو کسی پر ولایت نہیں اگرچہ دعوی اسلام رکھتا ہو۔	۵۵۱	جو غائب بغیبت منقطعہ ہو وہ اس وقت تک ولی نہیں رہتا یہی صحیح ہے۔	۵۵۸

چچانے بھتیجی کا عقد ماں سے چھپا کر ایک بیمار سے کردیا تو کیا حکم ہے۔	۵۵۹	شبہہ دافع حد ہے۔	۵۶۲
زید نابالغ کا نکاح باجازت اس کی پھوپھی کے محمودہ بالغہ سے ہوا۔ زید نکاح کے چار ماہ بعد مرگیا، یہ نکاح ہوا یا نہیں۔ مہر واجب الادا ہے یا نہیں۔ ہے تو کس قدر۔	۵۵۹	بچے پر حد نہیں۔	۵۶۲
لڑکا احتلام وانزال اور لڑکی احتلام وحیض وحمل سے بالغ ہوتی ہے۔	۵۶۰	ماموں نے نابالغہ کا نکاح بولایت خود کردیا اب بعد بلوغ لڑکی نامنظور کرتی ہے اور جس وقت بالغ ہوئی دو چار آدمیوں کو بلا کر اظہار کیا کہ میں اب بالغہ ہوئی اس نکاح کو فسخ کیا، دین مہر بھی معاف کرے دیتی ہے، شوہر صفائی نہیں کرتا اور فسخ کی خبر قاضی کو کرنا قاضی کو تفریق کرنا چاہئے اور اس سلطنت میں قضا یا نہیں الخ۔	۵۶۳
لڑکا کم از کم بارہ برس کی عمر میں بالغ ہوسکتا ہے اور لڑکی کم از کم نو برس کی عمر میں جبکہ دونوں زیادہ سے زیادہ پندرہ برس میں۔	۵۶۰	زوج کی عدم موجودگی میں قاضی تفریق نہیں کرسکتا بلکہ بوقت تفریق اس کی حاضری ضروری ہے۔	۵۶۳
مہر کا لزوم وطی، خلوت صحیحہ یا احدالزوجین کی موت سے ہوتا ہے۔	۵۶۱	ہائی کورٹ وغیرہ انگریزی کچہریاں شرعی دارالقضا نہیں لہذا ان حکام کے فسخ کئے نکاح فسخ نہ ہوگا۔	۵۶۳
نکاح موقوف میں اجازت سے قبل موت واقع ہوجائے تو باطل ہوجاتا ہے۔	۵۶۱	مسلمان پنچ شوہر کی موجودگی میں تفریق کرسکتا ہے۔	۵۶۴
سکوت ولی اجازت نہیں اگرچہ جلسہ نکاح میں موجود ہو جبکہ کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو جو اجازت پر دال ہو۔	۵۶۱	حدود، قصاص اور عاقلہ پر دیت کے علاوہ تمام معاملات میں پنچ کا فیصلہ مثل فیصلہ قاضی ہے۔	۵۶۴
نابالغ کا بالغہ سے نکاح موقوف ہوا اور وہ اس بالغہ سے جبرا وطی کرے تو مہر مثل لازم ہوگا، اور اگر عورت کی رضا سے وطی کرے تو کچھ لازم نہ ہوگا۔	۵۶۲	ریاست اسلامی میں جو مسلمان قاضی ایسا ہو جو خاص اس شہر کے لئے نہ ہو نہ کسی مذہب خاص پر قضا کے لئے مقید ہو تو وہ بھی تفریق کرسکتا ہے اگر مدعی اور مدعا علیہ وہاں کے نہ ہوں۔	۵۶۴
نکاح موقوف قبل از اجازت وطی کو حلال نہیں کرتا بلکہ نظر کو بھی تاہم جبرا وطی کی تو مہر مثل لازم ورنہ کچھ نہیں۔	۵۶۲	زید وہندہ نابالغوں کا نکاح بولایت پدران ہوا زید نابینا ہوگیا، ہندہ کا باپ مرگیا، ہندہ کی ماں اور چچا رخصت سے انکار کرتے ہیں، کیا حکم ہے۔	۵۶۴

جب دادا پر دادا کی اولاد سے کوئی عاقل بالغ مرد نہ ہو توولایت ماں کو ہے۔ ماں کے ہوتے ہوئے پھوپھی کوئی چیز نہیں۔ پھوپھی کا کیا ہوانکاح اس صورت میں ماں کی اجازت پر موقوف تھا، ماں نے رد کردیا رد ہوگیا۔	۵۶۵	ہندہ نابالغہ جس کا کوئی ولی سوائے ماں کے نہیں اس کا نکاح باجازت نابالغہ برضامندی والدہ خالد نابالغ سے ہوا۔ قبول نابالغ سے کرایا گیا، پھر ہندہ نے خالد کے یہاں جانا نہ چاہا، پیش کار کی تنبیہ سے رخصت ہوئی، چار برس وہیں رہی، اب پھر ناراضی ظاہر کرتی ہے، اور دوسری جگہ نکاح چاہتی ہے ہمبستری نہیں ہوئی، کیا حکم ہے۔	۵۷۰
پدر محمودہ کو حامد کے ساتھ نکاح کرنا منظور نہ تھا، مادر محمودہ اور تمام خاندان نے بغیبت پدر محمودہ کہ بارہ تیرہ کوس پر تھا منعقد کیا، محمودہ بالغہ ہے قبل از وقت نکاح اس کی ایک ہم عمر کو اس کی مرضی معلوم کرنے کے لئے بھیجا، محمودہ نے کہا مجھے بدل منظور ہے وقت نکاح وکیل و گواہ اذن لینے محمودہ کے پاس جاکر واپس آئے، پھر معلوم ہوا کہ انھوں نے صرف مادر محمودہ سے رضامندی حاصل کی ہے۔ پھر گئے، محمودہ نماز میں مشغول تھی، بعد فراغ اس سے پوچھا وہ خاموش رہی، مادر محمودہ نے کہا ہاں منظور ہے، دوبارہ محمودہ سے کہا، وہ سرنگوں ہوگئی، پھر پوچھا تو وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اور زیادہ جھکی، پھر پوچھا محمودہ کی وہی حالت سکوت و خاموشی رہی، وکیل و گواہ لوٹے اور نکاح ہوگیا، شب میں محمودہ کا والد آگیا اور شور وغل برپا کیا، صبح کو کہا کہ مادر محمودہ یہ کہتی ہے کہ محمودہ کو یہ نکاح منظور نہ تھا اور وقت استیذان محمودہ نماز پڑھ رہی تھی مادر محمودہ نے کہا کہ محمودہ نے کہا تھا کہ مجھ کو منظور ہے۔ والد محمودہ یہی کہتا رہا کہ بوجہ مشغولی نماز نکاح نہ ہوا۔ پھر باپ نے چاہا کہ علیحدگی ہوجائے۔ محمودہ نے ایک رقعہ اپنے والد کو لکھا کہ لفظ طلاق ہرگز درمیان میں نہ آنے پائے، ایسی صورت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں۔	۵۶۶	زید نے ہندہ باکرہ کا نکاح بغیبت والدہ ہندہ جو بارہ کوس پر تھا برضامندی مادر و نانی وبسکوت و گریہ ہندہ اپنے ساتھ ہونا ظاہر کیا اب کہتا ہے کہ ہندہ نے بصراحت خود قبول کیا وکیل و گواہان نے حسب بیان زید شہادت دی، ہندہ کہتی ہے کہ میں نے ہرگز منظور نہ کیا تھا، نہ اب ہے، کیا حکم ہے۔	۵۷۱
		استیذان اجنبی بلکہ ولی بعید پر سکوت اذن نہیں۔	۵۷۲
		محل خفاء میں تناقض مقبول وعفو ہے۔	۵۷۳
		اگر کوئی شخص کہے یہ میری رضیعہ ہے۔ پھر خطا کا اعتراف کرے تو سچا مانا جائے گا اور اسے اس کے ساتھ نکاح جائز ہوگا جبکہ اپنے اقرار پر ثابت نہ رہے۔	۵۷۴

بالغہ کے بھائی کے ہوتے چچانے بالغہ سے استیذان کیااس کی خاموشی کو اذن قرار دے کر اس کا نکاح کر دیا، زوجین میں خلوت صحیحہ بھی ہوئی، یہ نکاح کیساہوا۔	۶۱۳	نابالغ نے نکاح کیا یا کچھ بیچایاخریدااجازت پر موقوف رہے گا اگر قبل اجازت ولی بالغ ہوگیا تو خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا۔	۶۲۲
حقیقی چچانے بخیال نفع معاش براہ چالاکی بے علم ورضامندی مادر وعم علاتی ہندہ کا عقد اپنے بیٹے سے کرلیا۔ ہندہ بالغہ ہے اس کی عمر زائد از چودہ سال ہے۔ اس نے خبر نکاح سن کر نا منظور کیا، کیا حکم ہے۔	۶۱۴	ایک شخص نے کسی کو سفر سے لکھاکہ میری نابالغہ لڑکی کی منگنی فلاں نابالغ لڑکے سے کرنا، اس نے بعد منگنی خود ولی بن کر نکاح کردیا والد خبر سن کر خوش ہواانکار نہ کیا، کیا حکم ہے۔	۶۲۳
ہنگام نکاح خوانی مہر پر حجت ہوئی، زید مجلس سے اٹھ گیا، عمرو نے بحالت غصہ موذن سے کہا تم میری لڑکی کا نکاح بکر سے کردو بکر مجلس نکاح میں موجود تھا موذن نے صرف تین کلمے پڑھا کر ایجاب وقبول کرادیا کوئی وکیل وگواہ نہیں ہوا نہ مہر کی تعداد بکر کو بتائی یہ کہاکہ مثل لڑکی کی ماں کے مہر باندھالڑکی بالغ ہے اس سے اجازت نہ لی گئی۔ کیاحکم ہے۔	۶۱۸	ساکت کی طرف قول منسوب نہیں کیاجاتا۔	۶۲۴
لڑکی کا علاتی بھائی ماں اور ماموں کے مقابل ولی جائز ہے یا نہیں بے اجازت برادر علاتی ماں اور ماموں بالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کردیں، توکیاحکم ہے۔	۶۱۹	ہندہ بیوہ نے اپنا عقد ایک شریف اپنے خاندانی سے کرلیا، عمرو بکر خالد نے اس پر اسے اور اس کی ماں کو برادری سے نکال دیاایذادی، کیاحکم ہے۔	۶۲۴
باپ دختر کی منگنی کرکے فوت ہوگیا بغیبت والدہ دختر چند اشخاص نے بجبر اس دختر بالغہ کو ایک گھر میں کردیا، ماں نے دعوی دائر کیاجب دعوی ہواکہ متوفی کے بھائی نے جو دوسرے باپ سے ہے بے اجازت دختر و والدہ دختر نکاح کردیا کیاحکم ہے۔	۶۲۰	ناحق ایذاء مسلم حرام کہ بحکم حدیث وہ ایذا رسول ہے اور ایذا رسول ایذاء اللہ ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۶۲۵
ہندہ ماں نے رضیہ کا بحالت نابالغی حامد سے عقد کردیا رخصت نہ کی تھی چار سال بعد اب رضیہ بالغہ ہوئی اس عرصہ میں خالد نے دوسری عورت کو رکھ لیا خالد کی وضع واطوار چال چلن رضیہ اور ہندہ کو ناگوار ہیں کمال نفرت ہے خالد سے تعلق نہیں چاہتی انکار کرتی ہے اور خلع چاہتی ہے رضیہ کیا کرے جو خالد سے قطع تعلق ہو۔ اور یہ عقد عقد فضولی قرار پائے گایانہیں۔	۶۲۱	لڑکی دس سال کی ہے ماں نانی چچامیں کسی کواس کے نکاح کا اختیار ہے ایک بھائی بھی دوازدہ سالہ ہے۔	۶۲۵

بیوہ نے جس سے نکاح کیا اس کے دو لڑکے زوجہ اولیٰ سے ہیں، ایک دختر اس سے ہوئی، شوہر ثانی کے انتقال کے بعد بیوہ نے تیسرا خاوند کیا اور شوہر سوم نے اس دختر نابالغہ کا نکاح ایک نابالغ سے کردیا، ابتداءً قرارداد نسبت میں شوہر دوم کے دونوں لڑکوں کا بھی مشورہ تھا مگر وقت نکاح یہ دونوں نہ تھے، اب یہ دونوں اس نکاح سے رضامند ہیں۔ کیا حکم ہے۔	۶۳۳	فسخ بوجہ کفاءۃ قاضی ہی کے یہاں ہوسکتا ہے۔	۶۳۶
زید پدر ہندہ نابالغہ کو بکر نے فریب دیا کہ خالد اس کا ہم قوم ہے زید نے خالد سے عقد کردیا رخصت ہوئی تو معلوم ہوا کہ خالد ولدالحرام ذلیل قوم ہے صغیرہ اسے اپنا شوہر نہیں جانتی نہ اس کے پاس آئی گئی معاہدہ نکاح جو مرتب ہوا تھا بوقت بلوغ اس نے فسخ کردیا کیا حکم ہے۔	۶۳۴	لڑکیاں بعد موت والدہ اپنے نانا کے زیر پرورش رہ کر بالغہ ہوئیں والد اپنے وطن میں ہے لڑکیوں کی کسی قسم کی امداد نہیں کرتا۔ نانا شادیوں کا انتظام کرتا ہے تو والد مانع ہوتا ہے اور خود بوجہ صرف نہیں کرتا، کیا نانا ولی ہو کر نکاح کرسکتا ہے۔	۶۳۶
کسی کو صالح جان کر کہ یہ نشہ کی چیز نہیں استعمال کرتا اس سے اپنی بیٹی کا عقد کردیا پھر معلوم ہوا کہ وہ عادی ہے لڑکی نے بعد بلوغ کہہ دیا کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں، کیا حکم ہے۔	۶۳۴	نابالغہ کا باپ فوت ہوگیا اس کے شرعی وارث موجود ہیں مگر ولی بننے سے انکار کرتے ہیں، نابالغہ کی ماں جس نے عقد ثانی کرلیا ہے وہ یا اس کا شوہر ثانی ولی بن سکتے ہیں یا نہیں۔	۶۳۷
اپنی بیٹی کسی کے نکاح میں اسے حراصلی جان کردی اور وہ تھا آزاد شدہ۔ تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہوگا۔	۶۳۵	زید کے ہندہ سے ایک دختر ہوئی پھر زید نے ہندہ کو طلاق دے دی دختر ہندہ کے پاس رہی ہندہ نے بکر سے نکاح کرلیا جب دختر تقریبا ۹ سال کی ہوئی تو بکر وہندہ نے اس کا نکاح کردیا جس سے نکاح کیا وہ اسلام سے بالکل ناواقف ہے نہ روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے اب دختر پندرہ سال کی ہے نماز روزے کی پابند پڑھی لکھی ہے وہ اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی ولی اصلی زندہ ہے اس نے اجازت نکاح نہیں دی، کیا حکم ہے۔	۶۳۷
عدم کفاءۃ بوجہ فسق وغیر فسق میں کوئی فرق نہیں۔	۶۳۵	لڑکی ۱۳۔ ۱۴ سالہ ہے اس کا باپ نہ تو کھانا کپڑا دیتا ہے نہ لے جاتا ہے بہت کچھ اسے کئی دفعہ سمجھایا مگر کوئی خیال نہ کیا۔ ماموں نے کہا یا تو تم لڑکی کی شادی کرو نہیں کرتے تو لادعوی ہوجاؤ جواب نہ دیا ماموں نے جب چاہا کہ شادی کردی جائے تو اس شخص نے اپنے خسر کو نوٹس دیا کہ تم لڑکی کی شادی نہ کرنا ورنہ ہم دعوی کریں گے۔ کیا حکم ہے۔	۶۳۸
فرقت عورت کی طرف سے ہو تو فسخ، مرد کی طرف سے ہو توطلاق ہے اور قضاءً سب کے لئے شرط ہے۔	۶۳۵		

ہندہ بیوہ کا عمرو سے ناجائز تعلقات ہوا ہندہ کے چچا بکر نے یہ خبر پاکر بزور اپنے لڑکے زید سے بے رضامندی ہندہ ہندہ کا نکاح کردیا، وکیل نے ہندہ سے اجازت چاہی، بخوف جان ہندہ نے اذن دیا، دو چار ماہ بعد موقع پاکر عمرو کے یہاں بھاگ آئی، ہندہ نے حلفاً بیان کیا کہ مجھے ہر گز ہر گز منظور نہ تھا بکر وغیرہ کے جبر سے جو دھمکی ہلاکت کی تھی اقبال کیا پھر مجھے اور زید کو لوگوں نے ایک مکان میں بند کردیا خلوت صحیحہ بھی بجبر ہوئی، کیا ایسا نکاح جائز ہے۔ طلاق کی حاجت ہوگی یا نہیں۔	٦٤١	بعد وفات کے پدر ماں نے نابالغہ کا کہیں ناتا کردیا لڑکی کو کسی قدر زیور اور کپڑا چڑھایا گیا، ناتے والے اپنے زعم میں اسے نکاح سمجھتے ہیں دو تین سال بعد منگنی والوں نے شادی کا تقاضا کیا، ماں نے انکار کردیا، انھوں نے ناتا توڑ دیا اور چڑھاوا واپس لے لیا، لڑکی کی ماں کے مرنے کے بعد کہتے ہیں ہم نے ناتا نہیں توڑا۔ کیا بحکم "ولھما الخیار فی غیر الاب والجد" لڑکی کو فسخ ہے۔	٦٤٧
ولی جو مہر باندھے نابالغ بعد بلوغ اس مہر سے راضی نہ ہو انکار کرے تو کیا حکم ہوگا۔	٦٤٢	جہاں قاضی نہ ہو کیا وہاں اعلم علمائے اہل بلد سے فسخ کرالیا جائے۔	٦٤٧
زید مرگیا اس کا ایک بھائی جو مدت دراز سے علیحدہ ہے کسی قسم کا کوئی تعلق مرحوم سے نہیں رکھتا تھا زید کی لڑکی جو قریب بلوغ ہے اس کی شادی ہونے والی ہے لڑکی کی سوتیلی ماں جس نے اس کی پرورش کی ہے شادی کے متعلق مدد چاہی اس نے کہا کہ میں اس شادی میں شریک نہ ہوں گا، نہ مجھے کوئی واسطہ، جہاں چاہیں کریں، لڑکی کے دو سوتیلے بھائی جن کی عمر سولہ سال ہے موجود ہیں، کیا حکم ہے۔	٦٤٤	لڑکی چودہ سال کی ہے، باپ نے اس کی ماں کو خط لکھا کہ جس طرح چاہو کرو تمھیں اختیار ہے کیا باپ کی عدم موجودگی میں ماں نکاح کرسکتی ہے۔	٦٤٧
ماں باپ مرگئے نانی نے پرورش کیا آٹھ نو سال کی عمر میں نانی نے لڑکی کا نکاح نواسے کے ساتھ کردیا، دختر کے حقیقی بھائی موقع پر موجود نہ تھے ہندہ کو جب پہلی بار حیض ہوا وہ مع اپنی نانی کے اپنے محلّہ کے ایک گھر میں آئی اور دو مرد تین عورتوں کے سامنے کہا جس کے ساتھ میری نانی نے میری شادی کی تھی میں اس سے رضامند نہیں ہوں اس کے ساتھ اپنی عمر بسر نہیں کرسکتی، یہ نکاح رہا یا نہیں۔ ہندہ نے دوسرا عقد کرلیا، کیا حکم ہے۔	٦٤٥	زید نے اپنی پہلی بی بی کے بچوں کو عاق کردیا، تیسری بی بی سے دختر ہے، اس کی بکر سے نسبت کرکے فوت ہوگیا، لڑکی دس سال کی تھی ماں نے بولایت خود بکر سے شادی کردی، پہلی بی بی کا عاق لڑکا کہتا ہے میں ولی ہوں، دوسری جگہ شادی کرنا چاہتا ہے، کیا حکم ہے۔	٦٤٨

زید نے نابالغہ کا عقد نابالغ سے کر دیا نابالغ کے باپ نے یہ شرط کرلی تھی کہ اگر ہندہ بالغہ ہے تب میں اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کروں گا ورنہ نہیں، زید نے اقرار کیا کہ وہ بالغہ ہو گئی۔ والدین کے نکاح کے فسخ کا مجھے حق ہے۔ کیا حکم ہے۔	۶۵۳	مطلقہ بطور خود بلا رضائے ولی اگر کفو سے بغیر حلالہ نکاح وہمبستری کرے حلالہ نہ ہوگا کہ یہ نکاح ہوگا ہی نہیں۔	۶۵۹
زید شدت مرض میں تھا اس کے بھائی نے اس کی نابالغہ دختر کے عقد کی اپنے لڑکے کے ساتھ اجازت لے لی، زید تین دن بعد مر گیا، لڑکا کفو نہیں کہ ذلیل عورت سے ہے۔ نکاح ہوا یا نہیں۔	۶۵۴	یونہی اگر ولی نے بھی اجازت دے دی ہو مگر ولی کو پیش از نکاح اس کا غیر کفو ہونا معلوم نہ ہو تو نکاح نہ ہوگا۔	۶۵۹
زید متقی صوفی عالم خوش حال متورع عالم کا بیٹا زاہد عزلت گزین درویش کا پوتاہے، زینب دختر زید بہت نیک اور سیدھی اور ممنوعات سے بہت محترز ہے زید نے اس کی شادی نہ کی تھی کسی عالم متقی کی تلاش میں تھا عمرو جو کسی طرح زید وزینب کا کفو نہیں آیا، اور اس نے اسے دھوکا دیا کہ میں عالم ہوں اتنا اتنا مالدار ہوں، ایسا ہوں، ویسا ہوں۔ اور زینب سے نکاح کرلیا، بعد علم حقیقت حال زید وزینب اس سے سخت متنفر ہیں۔ نہ زینب جانا چاہتی ہے نہ زید بھیجنا چاہتاہے، عمرو مالا ودیانتا زینب کا ہرگز کفو نہیں، اور درمختار میں ہے: یفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوٰی" صورت مستفسرہ میں خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو عبارت مذکورہ کے بموجب بطلان نکاح کا حکم ہوسکتاہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو زینب اور اس کے اولیاء کو حق فسخ حاصل ہے یا نہیں۔	۶۵۵	غیر کفو کے ساتھ نکاح کی ولی سے اجازت طلب کی وہ ساکت رہا، عورت نے کرلیا، نکاح نہ ہوا۔ اگرچہ بعد کو ولی بصراحت اجازت دے دے۔	۶۶۰
فاسق اگرچہ غیر معلن ہو صالحہ یا بنت صلحاء کا کفو نہیں ہوسکتا۔	۶۵۸	لڑکے لڑکی کا بحالت نابالغی نکاح ہوا تھا اب لڑکا یا اس کے وارث لڑکی کی خبر کسی قسم کی نہیں رکھتے۔ لڑکی تین طرح کے علم سے واقف ہے اور لڑکا نرا جاہل، لڑکی اب کہتی ہے ہم اول شوہر کو طلاق دے کر نکاح ثانی کریں گے، کیا ارشاد ہے۔	۶۶۰
فقیر محتاج جو ذی حرفہ نہ ہو وہ فقیرہ کا کفو بھی نہیں۔	۶۵۸		

ہندہ نابالغہ کا باپ زید ہزار میل پر تھاماں اور چچا بکر نے ہندہ کے باپ کی تحریری اجازت حاصل کرکے مفتی شہر کو بتا کر خود نکاح خالد سے کردیا، جب زید مکان میں آیا تو خالد نے اس کی دعوت کی زید نے جلسہ دعوت میں نکاح کی رضامندی ظاہر کی، مہینوں رسوم دامادی وخسروی خالد کے ساتھ رکھے، اب زید خط سے انکار کرتا ہے، کیا حکم ہے۔	٦٦١	مقدمہ ہوتے ہوتے اولاد پیدا ہوگئی اور چند روز میں مرگئی تو اب بھی حق اعتراض للاولیاء ہے یا نہیں۔	٦٦٤
زید نے بھتیجی کا نکاح نابالغی میں کردیا جس وقت وہ بالغ ہوئی اسی وقت نکاح اور شوہر کے گھر جانے سے انکار کیا، نکاح باقی رہا یا نہیں۔ دوسری جگہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ مہر لازم ہوا یا نہیں۔	٦٦٢	ایک شخص فوت ہوا، بی بی اور دو نابالغ لڑکیاں اور باپ کو چھوڑا، دختران کا ولی کون ہوگا۔	٦٦٦
بیوہ کے ایک دختر شوہر اول سے تھی شوہر ثانی نے بصد سختی وتشدد بہزار زجر وتوبیخ بیوہ سے اپنے لڑکے کے ساتھ اس کی چھ سالہ دختر کے عقد کا اذن لے کر جبریہ نکاح کردیا لڑکی کا چچازاد چچا اور چچازاد بھائی وقت عقد موجود نہ تھے انھیں اطلاع نہ ہوئی لڑکی بعد بلوغ جب اظہار ہوا فورًا پکار اٹھی کہ مجھے اس شوہر کے یہاں جانا منظور نہیں ہرگز نہیں جاؤں گی، منٹ بھر بھی پورا نہ ہونے دیا کیا حکم ہے۔	٦٦٢	سوتیلی خالہ سے ایک شخص نے نکاح کیا وہ لڑکی دو سال سے اس کے والدین نے روبرو گواہوں کے دوسرے لڑکے کو دی ہے مگر رخصت کے وقت جو نکاح ثانی ہوتا ہے وہ باقی تھا کیا حکم ہے۔	٦٦٧
درمختار میں ہے "وللولی الاعتراض فی غیر الکفو مالم تلد لئلا یضیع الولد" طحطاوی، ابو حاتم وبنایہ وحاشیہ شلبی وہندیہ میں بعد ولایت بھی بربنائے ظاہر الروایہ ولی کو اعتراض کا حق بتایا اور امام حسن کی روایت مفتی بہا پر ابتداء ہی سے بطلان نکاح کا حکم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ولادت حق اولیاء کی مسقط نہیں۔ کیا ثبوت تفریق کا دعوی صحیح ہوگا "وان ولدت"۔	٦٦٣	کنواری لڑکی بے رضائے والدین غیر شخص کو اپنے نکاح کا ولی بنا سکتی ہے یا نہیں۔	٦٦٧
بعض مولوی کہتے ہیں علویات کا نکاح مع تراضی اولیاء بے تراضی باطل کہنا شیعہ کا مذہب ہے بنایہ کی اس عبارت سے مستند ہیں "وفی البسیط ذهب الشیعة الی ان نکاح العلویات ممتنع علی غیرهم مع التراضی قال السروجی وهما قولان باطلان" ان "قولان باطلان" سے کون سے دو قول مراد ہیں۔	٦٦٤	قاضی جسے علم ہو کہ اس لڑکی کے والدین زندہ ہیں وہ والدین کے بے پوچھے کسی غیر شخص کو ولی مقرر کرکے لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو ایسے قاضی کے لئے کیا حکم ہے۔	٦٦٧

لڑکی بوجہ شرم وحجاب ساکت رہے تو عزیز وقریب عورتیں جو اس کے گرد ہوں وہ کہہ دیں ہاں لڑکی کو منظور ہے۔ تو نکاح جائز ہوگا یا نہیں اور اس کا اقرار سکوتی قائم مقام ایجاب وقبول ہوگا یا نہیں۔	٦٦٧	بالغہ شیعہ لڑکی نے بے اجازت والدین سنی سے نکاح کردیا، اس کے والدین نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اس لئے ہمیں اختیار فسخ حاصل ہے۔ نیز نکاح کفو سے نہیں ہوا اس لئے بھی۔ وکیل نکاح نکاح کا تو مقر ہے مگر کہتا ہے کہ لڑکی کے ایجاب وقبول کی آواز نہیں سنی گواہ آواز سننا بھی بیان کرتے ہیں لڑکی نے گواہان کے سامنے نکاح سے پہلے اقرار کیا میں سنت جماعت حنفی مذہب اختیار کرچکی ہوں، کیا حکم ہے۔	٦٧١
لڑکی بالغہ یتیم ہے ماں نے اس کا نکاح کیا چچا تائے اس کے نکاح میں موجود نہ تھے، کیا حکم ہے۔	٦٦٨	سنیہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ رافضی سے کرنا چاہتا ہے، منع کرنے پر کہتا ہے جائز ہے، کیا لڑکی اس صورت میں نانا کو مل سکتی ہے کہ وہ سنی سے نکاح کردے۔	٦٧٢
"یتیمۃ بلغت من عمرھا خمسۃ عشر سنین زوجتھا امھا برضاھا لکن لم یحضروا مجلس النکاح اولیاؤھا وما استشیروا فی ھذا الباب ھل جاز النکاح"۔	٦٦٩	ماں نے حقیقی چچا کی عدم موجودگی میں نابالغہ کا چچیرے چچا کی اجازت سے نکاح کردیا، چچا ناراض ہے صرف عقد ہوا ہے اگر ناجائز ہوا تو دوسرے کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں۔	٦٧٣
بالغہ کے ماں بھائیوں نے میراثی سے کہا فلاں قبیلہ میں رشتہ کراؤ کسی دوسری جگہ نہ کرنا، میراثی رشوت لے کر دوسری جگہ کر آیا۔ معلوم ہونے پر انکار کر بھیجا اور بھائی خود بھی جاکر منع کرآئے، مگر وہ لوگ نہ مانے، میراثی نے اپنی طرف سے دن مقرر کرکے برات منگائی، اس میں رؤسا بھی تھے، لڑکی کی ماں اور بھائی برابر انکار کرتے رہے۔ رؤسا نے گرد ونواح کے اور رؤسا جمع کرکے زور ڈالا، بھائیوں کو ایک مقدمہ میں جعلسازی میں پھانس دیا وہ عاجز آکر بولے ٹھہرادو، جب بالغہ سے اذن لینے گئے اس نے انکار کردیا، لڑکی کو جبراً خاموش کردیا اور بھلی میں بٹھالے گئے، اس وقت بھی لڑکی نے کہا میرا نکاح ہی نہیں ہے۔ اب تک انکار پر مصر ہے، کیا حکم ہے۔	٦٧٠	بالغہ ہندہ بنت زید نے بے اجازت زید کفو سے نکاح کرلیا، زید نے ناخوش ہو کر بکر کے مکان سے ہندہ کو حیلہ کرکے لے آیا ایک سال بعد عمرو سے ہندہ کا نکاح کردیا، دوسرا نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ عمرو سے جو اولاد ہو اس کا کیا حکم ہے، زید کے لئے کیا حکم ہے، زید امام ہوسکتا ہے یا نہیں۔	٦٧٤

بالغہ ایسے شخص سے جو اس کی ذات کا خوش حال پڑھا لکھا جوان تھا پر راضی تھی زید بالغہ کا باپ اس سے راضی نہ تھا بالغہ جس سے راضی نہ تھی زبردستی اس کا نکاح کرادیا اور زبردستی چند آدمی پکڑ کر اس کے یہاں پہنچا آئے یہ نکاح درست ہوا نہیں، زید کے پیچھے نماز کا حکم ہے۔	٦٧٥	باپ نے اپنی بارہ برس کی لڑکی کے عقد کا ایک نابالغ سے وعدہ کیا اور برادری کے لوگوں کے سامنے مٹھائی اور کپڑا لڑکی کے واسطے لڑکے سے لے لیا اور اقرار کیا کہ فلاں تاریخ نکاح کردوں گا پھر بیمار ہوکر مکان چلا گیا، بیٹی بی بی کو چھوڑ گیا جس کا بار لڑکا اٹھاتا رہا، چھ مہینے ہوگئے خط بھیجے جواب نہ آیا، جانے زندہ ہے یا مرگیا، ماں پہلے راضی نہ تھی مگر جب لڑکے نے کہا تم نکاح نہیں کرتیں تو میں نے جواب تک صرف کیا وہ دے دو، اس پر راضی ہوئی، لڑکی اپنا بھلا برا جانتی ہے وہ بھی راضی ہے، کیا حکم ہے۔	٦٧٨
بالغہ کا نکاح والدین نے ایک شخص کے ساتھ کیا ماموں اذن لینے گیا لڑکی خاموش رہی، دوبارہ اصرار کرنے پر جواب نہ دیا، ماموں نے طمانچہ مارا لڑکی رونے لگی ماموں نے باہر آکر نکاح پڑھوادیا کیا حکم ہے لڑکی جانے پر رضامند نہیں ہے۔	٦٧٦	رفیق بیگم کا نکاح بعد موتِ والد چچا نے اپنے پسر سے کردیا، نابالغہ نے بالغ ہوتے ہی اعلان کردیا کہ اس نکاح کو نامنظور کرکے فسخ کردیا، ذریعہ نوٹس شوہر نابالغ اور اس کے باپ کو اطلاع کردی نوٹس واپس آیا رفیق بیگم نے دیوانی میں نالش دائر کردی، ہنوز فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ رفیق بیگم فوت ہوگئی ایسی صورت میں وہ نکاح برقرار متصور ہوگا اور شوہر کو ترکہ پہنچے گا یا نہیں۔	٦٧٩
بالغہ نے بے اجازت ولی اپنا عقد کفو سے کرلیا جائز ہوا یا نہیں ولی فسخ کرکے بے طلاق یا خلع کسی مالدار سے جبرًا کردے تو وبال کس پر ہوگا اور یہ فعل کیسا ہوگا۔	٦٧٧	شخصے بمیانِ حیات پدر خود بلا رضامندی روے نکاح خواہر صغیرہ بمعاوضہ بازو بجائے کردہ پدرش بعد خبر یافتن انکار کرد، وبعد چند مدت راضی شد بازو معاوضہ را در نکاح پسر خود گرفت باز انکار کرد، آیا از انکار اول نکاح باطل شد یانہ۔	٦٨٠
کیا رواج عرف عام قانون شرع شریف پر کسی حالت میں مرجح ہوسکتا ہے۔	٦٧٧	نابالغہ جس کے باپ دادا کی شاخ میں کوئی نہ تھا صرف اس کی ایک بڑھیا ماں ہے، برادری والے بلا رضامندی بڑھیا کی لڑکی کی شادی کرنے لگے، نکاح کے وقت بڑھیا دوسری کوٹھڑی میں روتی رہی، تو کیا یہ نکاح صحیح ہوا۔	٦٨١
ولی کا جھوٹا حلف ہندہ کے مقابلہ میں معتبر ہوگا یا ہندہ کا قول۔	٦٧٧		

زید حرامی مگر مسلمان دیندار ہے، اس کی اولاد سے حلالی اپنی اولاد کا عقد کر سکتے ہیں یا نہیں۔	۷۲۸	حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم کہ بطن پاک حضرت بتول زہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تھیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں دیں۔	۷۳۰
نکاح میں کفاءۃ معتبر اور کفاءۃ کامدار عرف پر ہے۔	۷۲۸	لڑکی بالغہ ہوگئی، کفو ملتا نہیں، غیر کفو ملتے ہیں کم حیثیت یا لڑکی کے باپ سے زائد حیثیت رکھنے والے، مگر ذات کے اچھے نہیں، ان میں سے کس سے نکاح کیا جائے یا کفو کا انتظار کیا جائے۔	۷۳۰
ایک شخص نے ایک یتیمہ نابالغہ سید زادی پالی، بحالت نابالغی پٹھان سے اس کا عقد کردیا، نابالغہ کے بھائی کو اطلاع بھی نہ دی لڑکی بالغہ ہے اور زوج مفقود الخبر ہوگیا، وہ اپنا دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔	۷۲۸	فقط مالی حیثیت میں کم ہونا مانع کفاءۃ نہیں۔	۷۳۱
زید نے منکوحہ کو طلاق دی اور اس کی نابالغہ دختر مطلقہ کے پاس رہی، زید سفر کرگیا اور متنبہ کرگیا کہ خبردار اس کا نکاح میری رائے کے خلاف نہ ہو۔ ماں نے زید کے خلاف رائے غیر کفو سے نکاح کردیا، جائز ہوا یا ناجائز۔	۷۲۹	باپ شریف ہو اور ماں طوائف جو توبہ کرکے اس کے باپ کے نکاح میں آئی ہو تو اس سے اولاد کے نسب پر کوئی حرف نہیں آتا۔	۷۳۱
سیدہ سے غیر سید نے نکاح کیا اس پر لوگ اسے کافر کہتے ہیں، کافر کہنے والوں کا کیا حکم ہے۔	۷۳۰	ہندہ کو یہ یقین دلا کر کہ محمود نجیب الطرفین تیرا کفو ہے ہندہ کا اس سے نکاح کردیا، بعد کو ثابت ہوا کہ وہ کفو نہیں، ہندہ اور اس کے عزیز عار سمجھتے ہیں، ہندہ کا باپ بھی ناراض ہے، یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں، یا نکاح فسخ ہی مانا جائے۔	۷۳۱
سیدہ بالغہ باکرہ یا ثیبہ یا مطلقہ اگر غیر سید سے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں۔	۷۳۰	قریش بعض ان کے کفو ہیں بعض کے۔	۷۳۲
غیر سید نے سیدہ سے نکاح کیا، اولاد سید ہوگی یا نہیں۔	۷۳۰	نابالغہ کا عقد بے اجازت اس کے والد کے کسی غیر کفو سے اس کی ماں کردے، تو کیا حکم ہے، اور اگر ماں کو بھی دھوکا دیا گیا ہو کہ اپنے آپ کو کسی نے شریف بتایا ہو اور وہ ہو نہایت نیچ ذات، اس صورت میں نکاح فسخ ہوتا ہے یا نہیں، بے طلاق والدین دوسرے شریف النسب سے نکاح کرسکتے ہیں۔	۷۳۲
سید سے نکاح کرنے والے کو کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہئے۔	۷۳۰	ایک اسی طرح کا اور سوال اور اس کا جواب۔	۷۳۳

محمد یحیٰی فوت ہوا انہوں نے اپنے باپ شاہ عبدالکریم اور بھائی محمد زکریا اور دختر مسماۃ محمودہ بی بی از زوجہ اولٰی دختر راضیہ بی بی از ثانیہ وغیرہ ورثا چھوڑے، شاہ عبدالکریم صاحب بولایتِ خود محمودہ کا نکاح مولوی محمد یحیٰی کے نانہالی رشتہ دار کے فرزند سے کرکے انتقال کرگئے وقتِ انتقال حافظ محمد زکریا وغیرہ کو بلا کر وصیت کی کہ رضیہ جس کی عمر ڈیڑھ سال ہے اس کا عقد تمہارے بیٹے عبدالسلام کے ساتھ بولایت جائز اپنے کئے دیتا ہوں ماں اور نانا دوسری جگہ غیر کفو سے اب اس کا عقد کیا چاہتے ہیں کیا حکم ہے۔	۷۳۴		

فہرست ضمنی مسائل

زید بکر کا رضاعی بھائی ہے، زید کے چھوٹے بھائی کا نکاح بکر کی چھوٹی بہن سے کیسا ہے۔	۲۷۹	بکر نے زید کی بی بی کا پہلی اولاد پر دودھ پیا تین اولادوں کے بعد زید کی جولڑکی ہوئی اس لڑکی سے بکر کے نکاح کا حکم۔	۴۶۳
اگر پسر زید نے زوجہ عمرو کی چھاتی جبکہ وہ چار پانچ ماہ کی حاملہ تھی اور حمل بھی پہلا تھا منہ میں لے لی اس وقت دودھ ہونا معلوم نہیں تو اس لڑکے کا عمرو کی لڑکی سے نکاح ہوگا یا نہیں۔	۲۸۴	اپنے حقیقی بھائی کی رضاعی بیٹی سے نکاح کے بارے میں بعض بنگالیوں کے فتوے کارد۔	۴۷۰
ثبوتِ رضاعت کے لئے ضروری ہے کہ جوفِ صبی میں دودھ کا قطرہ منہ یا ناک کے راستے جانا معلوم ہو محض چھاتی دبانے سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔	۲۸۴	بھائی کی رضاعی نواسی سے نکاح جہالت، گمراہی اور شریعت پر افتراء ہے۔	۴۷۷
دودھ اترنے کے لئے کوئی مدت نہیں قوتِ مزاج وکثرتِ خون سے کنواری کو دودھ اُتر سکتا ہے۔	۲۸۴	جس مرد کی طرف دودھ منسوب ہے وہ رضیع کا باپ، اس کی اولاد رضیع کے بھائی بہن، اس کے بھائی رضیع کے چچے اور اس کی بہنیں رضیع کی پھوپھیاں ہوں گی جبکہ رضیع کی اولاد اس مرد کی اولاد ہوگی۔	۴۷۸
ہندہ نے اپنے ابن الابن زید کو دودھ پلایا ہندہ کی نواسی سے زید کا نکاح ہوسکتا ہے۔	۳۱۱	رضیع ومرضعہ کی اولادوں کے درمیان نکاح کے حرام ہونے پر تین نصوص۔	۴۹۱
ہندہ نے زینب کا دودھ پیا ہندہ کے بیٹے پر زینب کی دختر حرام ہے۔	۳۳۹	رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے۔	۴۹۲
لیلٰی وسلمٰی رضاعی بہنیں ہیں زید نے لیلٰی سے نکاح کیا ہے زید کے پسر عمرو کا نکاح سلمٰی سے جائز ہے۔	۳۴۰	رضیع کی تمام اولاد پر مرضعہ کی تمام اولاد حرام ہے۔	۴۹۳
زید نے ہندہ سے نکاح کیا، ہندہ سے حسن وحسین پیدا ہوئے پھر بعد ہندہ حفصہ سے نکاح کیا، حفصہ نے اپنی بیٹی کے ساتھ حسین کے بیٹے بکر کو دودھ پلایا تو بکر کا نکاح زاہدہ بنت حسن سے جائز ہے یا نہیں،	۳۴۷	رضیع کی بیوی مرضعہ کے شوہر پر حرام ہے۔	۴۹۳
کیا زید کی حقیقی بہن کی رضاعی بہن زید کے نکاح میں آسکتی ہے۔	۴۲۲	رضیع کی بیٹیاں اور نواسیاں مرضعہ کے شوہر اور اس کے بیٹوں پر حرام ہیں۔	۴۹۳
فقیرے نے بیبا کا دودھ حفیظن کے ساتھ پیا پھر بیبا کے فہیمن ہوئی فقیرے کا نکاح فہیمن سے کیسا ہے۔	۴۶۰	دودھ کا چچا بھی چچا ہے ان سے پردہ کی حاجت نہیں۔	۴۹۳

اظہار اقرار کے مغائر ہے۔	۱۸۲	حلال و حرام کے مخلوط کا تناول اس لئے ناجائز ہے کہ بوجہ اختلاط اس کا تناول، تناولِ حرام سے خالی نہیں ہوسکتا۔	۳۶۳
عقل و نقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے کہ سوال جواب میں معاد ہوتا ہے۔	۲۱۱	عورت کا مرد پر قیاس کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔	۳۸۴
شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ خود شروطِ فاسدہ باطل ہوجاتی ہیں۔	۲۱۳	شرع مطہر نے کتابی سے مسلمہ کا نکاح ز نامانا اور مسلم کا کتابیہ سے صحیح جانا، وجہ فرق کیا ہے۔	۳۸۴
ہزل، جد کی ضد ہے۔	۲۲۶	عورت کے لئے کفاءت مرد بالاجماع ملحوظ ہے اور مرد بالغ کے حق میں کفاءتِ زن کا کچھ اعتبار نہیں۔	۳۸۵
ہزل لعب ہے یعنی شیئ سے اس کے غیر موضوع لہ کا ارادہ کرنا۔	۲۲۶	دناءت فراش وجہ غیظ مستقرش نہیں ہوتی۔	۳۸۵
بعد علم حکم بقصد حکم الفاظ تحاور دلیل مراضاۃ ہے۔	۲۲۷	صحت تو حل کو لازم ہے مگر حل صحت کو لازم نہیں۔	۳۸۵
دارالاسلام میں جہل عوارض مکتسبہ میں سے ہے۔	۲۲۸	جواز بمعنی صحت، عدم جواز بمعنی ممانعت واثم کے منافی نہیں۔	۳۸۹
کوئی شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا ابھی دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی تو اس پر شرائع اسلامیہ کا لزوم نہیں کہ اس کے لئے جہل عذر ہے۔	۲۲۸	شرع مطہر جس چیز کو حرام فرماتی ہے اس کے لئے مقدمہ اور داعی کو بھی حرام بتاتی ہے۔	۳۹۴
قبل وجوب اسقاط مہمل ہے۔	۲۹۸	مقولہ مسلمہ ہے کہ مقدمۃالحرام حرام۔	۳۹۴
نہی منافی صحت نہیں۔	۳۰۵	داعی کے لئے مفضی بالدوام ہونا ضرور نہیں۔	۳۹۵
تحریم مطلق کی نفی سے حل مطلق کا اثبات نہیں ہوتا۔	۳۰۹	جو دو بلاؤں میں مبتلا ہو اسے چاہئے کہ ان میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔	۴۳۴
حجت قاصرہ من جہۃ مقبول اور من جہۃ مردود ہوتی ہے۔	۳۳۸	خلاف متفرد اجماع میں قادح نہیں۔	۴۸۳
تخصیص کی دلیل پیش کرنا مدعی تخصیص کے ذمہ ہے۔	۳۵۵	ظاہر یہ مبتدع ہیں اجماع میں ان کے خلاف کا کچھ اعتبار نہیں کہ متبدع امت دعوت ہیں امت اجابت نہیں۔	۴۸۳
دخول حرام طور پر بھی ہو تو موطوہ کی دختر کے لئے موجب تحریم ہوجاتا ہے۔	۳۵۵	سنت مشہورہ کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوتا۔	۴۸۳
اگر کوئی طاہر شیئ جو کہ حرام ہو کسی حلال میں اس طرح مل جائے کہ تمیز ناممکن ہو تو وہ حلال خود حرام نہیں ہوجاتا بلکہ اپنی حلت پر قائم رہتا ہے۔	۳۶۳	جو حکم کتاب وسنت مشہورہ اور اجماع کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔	۴۸۴

متعہ ابتدائے اسلام میں تھا پھر قرآن میں اس کی حرمت نازل ہونے سے یہ حرام ہوگیا۔	۳۵۰	حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم کہ بطن پاک حضرت بتول زہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تھیں امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں دیں۔	۷۳۰
غزوہ تبوک کے موقع پر کچھ صحابہ نے متعہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی حرمت کو بیان فرمایا۔	۳۵۰	**متفرقات**	
تقلید شخصی کی سخت شدید تاکید فرمانے اور اس کے خلاف کو منکر وشنیع و باطل قرار دینے والے ائمہ کے نام۔	۳۷۸	شیطان کبھی حسنات کے حیلہ سے اغوا کرتا ہے۔	۱۰۹
حضرت امام عبداللہ محض رضی اللہ تعالٰی عنہ دنیا میں پہلے شخص تھے جن کے ماں باپ دونوں فاطمی ہیں اسی لئے آپ کو محض کہا جاتاہے آپ کے وصال کے بعد آپ کی قبر پر ایک سال تک آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت فاطمہ صغرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہانے خیمہ بنائے رکھا۔	۴۳۱	اخبار وانشاء میں بداہۃ تباین ہے۔	۱۲۸
غیر مقلدوں کے پیشوا نذیر حسین نے ایک وہابی خیال مولوی کے غلط فتوی پر مہر تصدیق لگادی اور اعلیحضرت کی طرف سے گرفت پر اس سے رجوع کیا دوسرا فتوی اس پہلے کے رد میں لکھا گیا اور عذر گناہ بدتر از گناہ پیش کیا۔	۴۸۹	استفہام اور عقد اقسام انشاء میں سے دو متباین قسمیں ہیں۔	۱۵۵
کلکتہ کے مولوی لطف الرحمٰن بردوانی نے محارم سے نکاح کے جواز کے بارے میں جہاں بھر کے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طویل عربی سوال چھپوایا جس کے جواب میں اعلٰحضرت نے دلائل ونصوص پر مشتمل ایک رسالہ "نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان" تحریر فرمایا۔	۴۹۰	عقد ووعد میں تباین ہے۔	۱۸۴
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور پرنور کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔	۴۹۱	آدمی نہ تبدل رائے سے محفوظ نہ کسی وقت بعض مصالح پر نہ اطلاع پانے سے مامون۔	۱۹۹
حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں کیونکہ دونوں کو ثویبہ نے دودھ پلایا۔	۴۹۲		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتابُ النّکاح

(نکاح کا بیان)

مسئلہ ۱: جس شادی میں رقص اور باجا وغیرہ ممنوعات شرعیہ ہوں وہاں نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس میں شک نہیں کہ یہ ناچ اور اکثر باجے شرعًا حرام ہیں اور ان کے دیکھنے سننے کا مرتکب فاسق و گنہگار، مگر کفر نہیں کہ نکاح ہی نہ ہو، شرع مطہر میں نکاح صرف اس سے ہوجاتا ہے کہ مرد وزن ایجاب وقبول کریں اور دو گواہ سُنتے سمجھتے ہوں، باقی اس کا کسی ممنوع شرعی پر مشتمل نہ ہونا شرط نہیں۔ شیطان کے طرق اغوا سے ایک بدتر طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی کو حسنات کے حیلہ سے ہلاک کرتا ہے۔ **امر بالمعروف ونھی عن المنکر** عمدہ تمغائے مسلمانی ہے۔ اس نیک کام میں بہت لوگ حدود خداوندی کا خیال نہیں رکھتے اور تشدد وتعصب کو یہاں تک نباہتے ہیں کہ ان کا گناہ ان جاہلوں کے گناہ سے بدرجہا زائد ہوجاتا ہے جن کے لیے یہ ناصح مشفق بنے تھے، اور یہ بلا حضراتِ وہابیہ میں بہت ہے ذرا ذرا سی بات کو کفر، شرک، بدعتِ ضلالت مخل اصل ایمان کہہ دیتے ہیں اور مطلق پاس ولحاظ اسلام و مسلمین دل میں نہیں لاتے۔ اسی طرح یہ قائل بھی اوروں کو ناچ گانے سے روکتا تھا اور خود اس سے اشد گناہ یعنی شریعت مطہرہ پر افتراء کیا معہذا اس پر لازم کہ اہل ہند اکثر عوام مسلمین مرد وزن کو **معاذ اللہ** زانی وزانیہ اور ان کی اولاد کو ولد الزنا ٹھہرائے حالانکہ حق سبحٰنہ و تعالٰی فرماتا ہے:

یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِہٖۤ اَبَدًا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷﴾[1]	اللہ تعالٰی تمھیں دوبارہ کبھی اس طرح کرنے سے منع فرماتا ہے بشرطیکہ تم مومن ہو۔(ت)

غرض امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بھی ایک حد مقرر ہے کہ اس سے تجاوز آدمی کو خود ترک معروف وارتکابِ منکر میں مبتلا کردیتا ہے۔

وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ[2]	جس نے حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔(ت)

ہاں اگر دُولھا دلہن میں سے کسی کا یہ عقیدہ ومذہب ہو کہ رنڈیوں کا یہ ناچ حلال ومباح ہے تو وہاں اس حکم کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲: از شہر کہنہ ۱۲ صفر المظفر ۱۳۰۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ماقولھم رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین اس صورت میں کہ شخص واحد کا متولی ہونا دونوں طرفوں نکاح کا جبکہ وہ اصیل ایک طرف سے ہو اور ولی دوسری طرف سے ہو ساتھ ایسے ایجاب کے کہ قائم مقام قبول ہے۔ جیسے ابن العم نے سامنے گواہوں کے کہا "زوجت بنت عمی فلانۃ من نفسی" (جیسے چچازاد کہے کہ میں نے اپنی چچازاد فلاں لڑکی کا اپنے ساتھ نکاح کیا۔ت) جائز ونافذ ہے یا نہیں۔ اور یہ جواز ونفاذ باجماع علمائے حنفیّہ رحمہم اللہ تعالٰی کے ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر بنتِ عم نابالغہ ہے اور اس ابنِ عم سے اقرب اس کا کوئی ولی حاضر نہیں، یا بالغہ ہے اور ابن عم نے خاص اپنے ساتھ نکاح کرنے کا اس سے اذن لے لیا ہے عام ازیں کہ اس کے لیے اور ولی اقرب ہو یا نہ ہو "فان ھذہ وکالۃ ولاولایۃ مجبرۃ علی البالغۃ" (تو یہ وکالت ہے بالغہ پر جبری ولایت نہیں ہے۔ت) ائمہ ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے نزدیک یہ شخص کہ ایک جانب سے اصیل دوسری طرف سے ولی یا وکیل ہے طرفین نکاح کا متولی ہوسکتا ہے خلافاً للامام زفر رحمہ اللہ تعالٰی (امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ت) ہدایہ میں ہے:

یجوز لابن العم ان یزوج بنت عمہ من نفسہ[3]۔	چچازاد کو جائز ہے کہ وہ چچازاد لڑکی کا اپنے ساتھ نکاح کرلے۔(ت)

---

[1] القرآن ۲۴/۱۷

[2] القرآن ۶۵/۱

[3] الہدایۃ فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۳۰۲

فتح القدیر میں ہے: الصغیرۃ بغیر اذنھا والبالغۃ باذنھا[1] (صغیرہ کا نکاح بغیر اجازت اور بالغہ کا اجازت سے کرے۔ ت) ہدایہ میں ہے:

وقال زفررحمہ اللہ تعالٰی لایجوز،واذا اذنت المرأۃ للرجل ان یزوجھا من نفسہ فعقد بحضرۃ شاھدین جاز وقال زفروالشافعی رحمھما اللہ تعالٰی لایجوز اھ[2] اقول: وبہ ظھر ان مافی ردالمحتار من نفاذخمس صور بالاتفاق وھی التی لافضولی فیھا من جانب،فانما اراد الاتفاق من ائمتنا الثلثۃ لاجمیع الائمۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم اجمعین۔	امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ جائز نہیں۔اور جب کسی عورت نے کسی مرد کو اپنے ساتھ نکاح کی اجازت دے دی تو اس مرد نے اگر دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے نکاح کرلیا تو جائز ہے۔اور امام زفر اور شافعی رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا ناجائز ہے اھ (ت) اقول (میں کہتا ہوں) اس سے واضح ہوا کہ ان پانچ صورتوں کے بارے میں جن میں سے کسی جانب سے خود نکاح کرنے والا فضولی نہ بنے،ردالمحتار کا "بالاتفاق" کہنا اس سے ان کی مراد صرف امام ابوحنیفہ، امام یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا اتفاق ہے تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالٰی کا اتفاق مراد نہیں ہے۔(ت)

پس ان صورتوں میں اس کی تنہا عبارت قائم مقام عبارتین ایجاب وقبول ہوجائے گی اور عبارت دیگر کی حاجت نہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:

اذا تولی طرفیہ فقولہ زوجت یتضمن الشطرین ولایحتاج الی القبول[3]۔	جب یہ شخص نکاح کی دونوں طرفوں کا ولی ہو تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے نکاح کرلیا، ایجاب وقبول دونوں طرفوں کو شامل ہوگا اور اب قبول کہنے کی ضرورت نہیں، نکاح کرلیا یا نکاح کردیا کہے دونوں طرح جائز ہے۔(ت)

عام ازیں کہ یہ شخص وہ لفظ ادا کرے جن میں خود اصیل ہے مثلاً "تزوجت" یا وہ جس میں ولی یا وکیل ہے جیسے "زوجت" خلافا للامام شیخ الامام بکر خواھر زادہ فی الثانی (امام شیخ الاسلام بکر خواہر زادہ کا دوسرے یعنی "نکاح کردیا" کہنے میں خلاف ہے۔ت)

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۱۹۶/۳

[2] الہدایۃ فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ العربیۃ کراچی ۳۰۲/۲

[3] الہدایۃ فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ العربیۃ کراچی ۳۰۲/

فتح القدیر میں ہے:

قال شیخ الاسلام خواھر زادہ ھذا اذا ذکر لفظاً ھو اصیل فیہ اما اذا ذکر لفظاً ھو نائب فیہ فلا یکفی، فان قال تزوجت فلانۃ کفی وان قال زوجتھا من نفسی لایکفی لانہ نائب فیہ وعبارۃ الھدایۃ وھی ماذکرناہ انفا صریحۃ فی نفی ھذا الاشتراط وصرح بنفیہ فی التجنیس ایضاً، فی علامۃ غریب الروایۃ والفتاوی الصغری [1] الخ۔	شیخ الاسلام خواہر زادہ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب وہ اپنے اصیل ہونے کو تعبیر کرے، یعنی "میں نے نکاح کرلیا" کہے، لیکن اگر اس نے نائب ہونے کو تعبیر کیا اور "نکاح کردیا" کہا تو یہ کافی نہیں، پس اگر اس نے "فلاں عورت سے نکاح کرلیا" کہا، تو وہ کافی ہے اور اگر یوں کہا کہ "میں نے فلاں عورت کا اپنے ساتھ نکاح کردیا" تو کافی نہ ہوگا کیونکہ اس کہنے میں وہ نائب ہے۔ اور ہدایہ کی وہ عبارت جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے وہ اس بات کی نفی میں صریح ہے اور تجنیس میں بھی اس کی نفی پر تصریح، غریب الروایۃ اور فتاوٰی صغرٰی کے حوالے سے کی ہے الخ (ت)
قلت وعلٰی ھذا عول فی الدر وغیرہ من المعتبرات وافاد البحر وغیرہ ضعف خلافہ۔	**قلت** (میں کہتا ہوں۔ت) کہ دُر وغیرہ معتبرہ کتب میں اسی کو معتمد علیہ قرار دیا ہے۔ اور بحر وغیرہ نے اس کے خلاف کو ضعیف ظاہر کیا ہے۔ (ت)

البتہ مشہود کے سامنے منکوحہ کا متمیز ہوجانا ضرور ہے۔

حتی لوکان حاضرۃ متنقبۃ کفت الاشارۃ وان کان الاحوط کشف الوجہ۔	حتی کہ اگر وہ عورت نقاب پہنے مجلس میں حاضر ہو تو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگرچہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وہ چہرہ کُھلا رکھے۔ (ت)

پس اگر بحالتِ غیبت صرف بنتِ عمی یا فلانۃ یا بنتِ عمی فلانۃ یا ان کے مثل جس لفظ سے شہود اسے متمیز کرلیں تو اس قدر کافی، ورنہ ذکرِ اب وجد یعنی فلانہ بنتِ فلاں بن فلاں کہنا ضروری ہے۔

خلافاً للامام الخصاف ومنتقی الامام الحاکم الشھید والامام شمس الائمۃ السرخسی۔	امام خصاف نے اور منتقی میں امام حاکم شہید اور امام شمس الائمہ سرخسی نے اس کے خلاف قول کیا ہے۔ (ت)

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳/ ۱۹۷

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر لابد من تمییز المنکوحۃ عند الشاھدین لتنتفی الجھالۃ.فان کانت حاضرۃ متنقبۃ کفی الاشارۃ الیھا والاحتیاط کشف وجھھا فان لم یروا شخصھا وسمعوا کلامھا من البیت ان کانت وحدھا فیہ جاز ولو معھا اخری فلا لعدم زوال الجھالۃ وان کانت غائبۃ ولم یسمعوا کلامھا بان عقد لھا وکیلھا فان کان الشھود یعرفونھا کفی ذکر اسمھا اذا علموا انہ ارادھا وان لم یعرفوھا لابد من ذکر اسمھا واسم ابیھا وجدھا وجوز الخصاف النکاح مطلقا حتی لو وکلتہ فقال بحضرتھما زوجت نفسی من موکلتی اومن امرأۃ جعلت امرھا بیدی فانہ یصح عندہ قال قاضی خان والخصاف کان کبیرا فی العلم یجوز الاقتداء بہ وذکر الحاکم الشھید فی المنتقی کما قال الخصاف اھ قلت وفی التتارخانیۃ	بحر میں ہے کہ گواہوں کے نزدیک منکوحہ کا ممتاز ہونا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی جہالت ولاعلمی نہ رہے، پس اگر مجلس میں نقاب پہن کر حاضر ہو تو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگرچہ چہرہ کُھلا رکھنے میں احتیاط ہے۔ اگر مجلس والے اس عورت کی شخصیت کو نہ دیکھ پائیں اور کمرے میں سے اس کی آواز سن رہے ہوں اگر وہ کمرے میں اکیلی ہو تو نکاح جائز ہے اور اگر اس کے ساتھ کمرے میں کوئی عورت بھی ہو تو جائز نہیں، کیونکہ لاعلمی باقی ہے۔ اور اگر وہ عورت مجلس میں موجود نہیں اور اس کی آواز بھی سنی نہیں جاسکتی اس کی طرف سے اس کا نکاح وکیل کر رہا ہو تو اگر گواہ اس عورت کو جانتے ہیں تو نکاح میں عورت کا نام ذکر کردینا کافی ہے جبکہ گواہوں کو علم ہو کہ وکیل کی مراد وہی عورت ہے۔ اور اگر گواہ اس کو نہ پہچانتے ہوں تو عورت، اس کے والد اور دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے۔ اور امام خصاف نے نام ذکر کئے بغیر بھی جائز کہا ہے مثلا ایک عورت نے نکاح کرنے والے کو گواہوں کے سامنے اپنا وکیل بنایا ہو تو اس سے نکاح کرنے والا یوں کہہ دے کہ میں نے ان گواہوں کی موجودگی میں اپنی مؤکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کردیا یا یوں کہہ دے کہ جس عورت نے مجھے اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے میں نے اس کا نکاح اپنے ساتھ کردیا، تو اس طرح بھی امام خصاف کے قول پر نکاح صحیح ہوگا، امام قاضی خاں نے فرمایا کہ خصاف کا علم میں بڑا مقام ہے اس کی بات پر

عن المضمرات ان الاول ھوالصحیح وعلیہ الفتوی وکذا قال فی البحر فی فصل الوکیل والفضولی ان المختار فی المذھب خلاف ماقالہ الخصاف وان کان الخصاف کبیرا [1] اھمافی ردالمحتار ملخصا۔	عمل جائز ہے۔اور حاکم شہید نے بھی منتقٰی میں خصاف جیسا قول کیا ہے اھ قلت اور تتارخانیہ میں مضمرات کے حوالے سے ہے کہ پہلا قول صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔بحر میں فضولی اور وکیل کی فصل میں یونہی اس کو مذہب میں مختار قرار دیا ہے جو کہ خصاف کے قول کے خلاف ہے اگرچہ خصاف کا بڑا علمی مقام ہے اھ یہاں رد المحتار کی عبارت کا خلاصہ ختم ہوا۔
۳ **اقول:** وما عزافی البحر للامام قاضیخان فانما نقلہ قاضی خان عن الامام شمس الائمۃ السرخسی اما ھوبنفسہ فقد قدم عدم الصحۃ ومعلوم انہ انما یقدم مایعتمدہ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) بحر میں جو کچھ امام قاضی خاں کی طرف منسوب کیا اس کو قاضی خاں نے امام شمس الائمہ سرخسی سے نقل کیا ہے لیکن خود ان کا موقف عدم صحت ہے جس کو انھوں نے پہلے ذکر کیا ہے اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ وہ اپنے معتمد علیہ کو پہلے ذکر کرتے ہیں۔(ت)

اور اگر بنتِ عم نابالغہ کے لیے ولی اقرب موجود ہے "**ای غیر غائب بغیبۃ منقطعۃ**" (یعنی لمبے سفر پر غائب نہ ہو۔ت) یا بالغہ سے خاص اپنے ساتھ نکاح کرلینے کا اذن نہ لیا اگرچہ اس نے مطلق تزویج کا اذن دیا ہو، تو ان صورتوں میں یہ ابن العم ایک جانب سے فضولی ہوگا اور جو کسی طرف سے فضولی ہو اُس کے لیے "**تولی شطری النکاح**" جائز نہیں اگرچہ ایجاب وقبول دو عبارتوں جداگانہ میں ادا کرے **ھوالحق الصواب خلاف لما فھم من بعض الکتب** (یہ حق اور صحیح ہے بعض کتب سے جو سمجھا گیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ت) یہاں تک کہ تنہا اس کا عقد کرلینا امام اعظم وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک باطل محض ہے کہ اس کے بعد اجازت ولی یا بالغہ سے بھی نافذ نہ ہوگا۔

خلافاللامام الثانی حیث جعلہ من الموقوف فان اجاز من لہ الاجازۃ جاز والاّلا۔	امام ثانی (یعنی امام یوسف) نے اس کے خلاف اس نکاح کو موقوف قرار دیا ہے کہ اگر صاحب اجازت اس کو جائز قرار دے تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔(ت)

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۲

یتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی ولو من جانب وان تکلم بکلامین علی الراجح[1] ملخصا اھ	جو شخص دونوں جانب سے نکاح کا ولی ہو وہ کسی جانب سے بھی فضولی نہ قرار پائے گا اگرچہ وہ ایجاب وقبول دو کلاموں سے ادا کرے، یہ راجح قول ہے ملخصًا اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان فضولیا منھما اومن احدھما ومن الاٰخر اصیلااووکیلااوولیا ففی ھذہ الاربع لایتوقف بل یبطل عندھما خلافا للثانی حیث قال یتوقف علی قبول الغائب کما یتوقف اتفاقا لوقبل عنه فضولی اٰخر **قوله** وان تکلم بکلامین خلافا لما فی حواشی الھدایة وشرح الکافی من انه لوتکلم بکلامین یتوقف اتفاقا وردہ فی الفتح بان الحق خلافه ولاوجود لھذا القید فی کلام اصحاب المذھب [2] اھ مختصرًا۔	اگر کوئی شخص دونوں جانب سے فضولی ہو یا ایک جانب سے فضولی اور دوسری جانب سے اصیل ہو یا وکیل یا ولی ہو تو ان چاروں صورتوں میں نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک باطل ہوگا، امام یوسف اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک یہ موقوف ہوگا جس طرح ایک فضولی کی طرف سے ایجاب کو دوسرا فضولی قبول کرلے تو بالاتفاق موقوف ہوتا ہے، **قوله** (اس کا قول) کہ اگرچہ دو کلاموں سے ایجاب وقبول کرے، یہ خلاف ہے اس کے جو ہدایہ کے بعض حواشی اور کافی کی شرح میں ہے کہ اگر دو کلاموں سے اس نے ادا کیا تو بالاتفاق نکاح موقوف ہوگا، اس کو فتح میں رد کردیا گیا ہے کیونکہ حق اس کے خلاف ہے اور اس قید کا اصحاب مذہب میں کوئی وجود نہیں ہے اھ **مختصرًا** (ت)

تنویر میں ہے:

لابن العم ان یزوج بنت عمه الصغیرۃ من نفسه [3]۔	چچازاد کو جائز ہے کہ وہ اپنی چچازاد نابالغہ کا خود اپنے ساتھ نکاح کرلے۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۶

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۶

شامی میں ہے:

ولایخفی ان المراد حیث لاولی اقرب منہ [1]۔	اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے زیادہ قریب کوئی اور ولی نہ ہو۔(ت)

شرح علائی میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ [2] اھ **اقول:** فافادان الابعد عند حضور الاقرب فضولی فاذا تولی الشطرین بطل۔	اگر بعید ولی نے اقرب کی موجودگی کے باوجود نابالغہ کا نکاح کیا تو یہ اقرب ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا اھ(ت) **اقول:** اس کلام کا مفاد یہ ہے کہ اقرب کی موجودگی میں بعید ولی، فضولی قرار پائے گا۔ لہٰذا اگر بعید اس صورت میں دونوں جانب سے ولی بن کر نکاح کرے تو نکاح باطل ہوگا (ت)

اسی میں ہے:

فلو کبیرۃ فلابد من الاستیذان(قبل العقد اھ ش)حتی لو تزوجھا بلااستیذان فسکتت اوافصحت بالرضی لایجوز عندھما(لانہ تولی طرفی النکاح وھو فضولی من جانبھا فلم یتوقف عندھما بل بطل اھ ش)و قال ابویوسف یجوز [3] اھ مزیدا من حاشیۃ الشامی۔	اگر لڑکی بالغہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہے (قبل از نکاح اھ ش) حتی کہ اگر فضولی نے اس سے خود نکاح بغیر اجازت کرلیا اور لڑکی خاموش رہی یا نکاح کے بعد اس نے رضامندی ظاہر کی تو امام اعظم اور امام محمد کے قول پر نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ بالغہ کی موجودگی میں خود اس کی طرف سے فضولی ہے لہٰذا دونوں اماموں کے نزدیک یہ نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ باطل ہوگا اھ ش،اور امام ابو یوسف کے قول پر جائز ہے۔اضافی عبارت حاشیہ شامی کی ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ مطلب فی الوکیل والفضولی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۷

[2] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[3] درمختار باب الکفاءۃ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۶،ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۷

فتح القدیر میں ہے:

وکلته ان یزوجها مطلقا فانه لو زوجها من نفسه لایجوز [1]۔	اگر بالغہ نے کسی کو کہا کہ میرا نکاح کردے اور کوئی تخصیص نہ کی اس صورت میں اگر اس شخص نے اس کا نکاح خود اپنے ساتھ کرلیا تو جائز نہ ہوگا۔(ت)

الحمد للّٰہ حکمِ مسئلہ مفصل و منقح ہوگیا اور سوال کی صورت کلیہ یعنی "تولی الواحد طرفی النکاح" اور الفاظ جزئیہ یعنی "زوجت بنت عمی فلانة من نفسی" (نکاح کی دونوں جانب سے ایک ہی شخص کا ولی بننا اور جزئیہ کے الفاظ کہ میں نے چچازاد کا نکاح اپنے ساتھ کرلیا۔ت) دونوں کے متعلق احکام وخلافیات علمائے کرام وتصحیحات ائمہ وغیرہا ضروریات متعلقہ مقام، سب نے وضوح تام وانجلائے تمام پایا اسی قدر بس ہے اور زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں، واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳: علمائے دین اور مفتیان شرع متین بیچ اس مقدمہ کے کیا فرماتے ہیں ایک عورت ہے کہ اس کے علامت سوائے مخرج بول کے اور نہیں ہے اور نکاح اس کا زید سے ہوگیا ہے، بعد نکاح ہونے کے یہ حال معلوم ہوا، اب اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ نکاح صحیح اور نصف مہر ذمہ زید لازم،

فی فتاوی الامام قاضی خان، خیار العیب وھو حق الفسخ بسبب العیب عندنا لایثبت فی النکاح فلا ترد المرأة بعیب ما [2] وفی الدر المختار الخلوة بلا مانع کالوطی فی تاکد المهر انتهی [3] مختصرًا و ملخصا، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	فتاوٰی قاضی خاں میں ہے خیار عیب جو کہ عیب کی وجہ سے حق فسخ کا نام ہے، ہمارے نزدیک یہ نکاح میں ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا کسی عیب کی بنا پر عورت کا نکاح رَد نہ ہوگا، درمختار میں ہے کہ نکاح کے بعد خلوت وطی کی طرح مہر لازم کردیتی ہے بشرطیکہ خلوت کے دوران کوئی مانع نہ ہو اھ مختصرًا وملخصًا واللّٰہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالة بالنکاح المکتبة النوریہ الرضویہ سکھر ۳/ ۱۹۷

[2] فتاوٰی قاضیخاں فصل فی الخیارات التی تتعلق بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۷

[3] درمختار باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹۔۹۸

مسئلہ ۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ انیس بیس برس ایک مکان میں بے تکلف بطور زن وشوہر رہتے، اور زید لباس اور جملہ امور خانہ داری میں اسے مثل زنانِ برادری رکھتا، خاندان میں آمد ورفت اس کی بتقریب شادی وغمی رہتی، اور زوجہ زید مشہور تھی، اور زید مرد پارسا تھا، اس کی وضع پر گمان بدکاری نہیں ہوتا، آیا مرد وزن زوج وزوجہ تصور کئے جائیں گے؟ اور جو لوگ جلسہ نکاح میں موجود نہ تھے مگر اس حال سے واقف ہیں ان کی گواہی سے نکاح ثابت ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ مرد وزن، زوج وزوجہ تصور کئے جائیں گے یہاں تک کہ جو اشخاص اس حال سے واقف ہیں ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دے سکتے ہیں، ہدایہ میں ہے:

وکذالك لورأی انسانا جلس مجلس القضاء یدخل علیه الخصوم حل له ان یشهد علٰی کونه قاضیا وکذا اذا رأی رجلا وامرأۃ یسکنان بیتا ینبسط کل واحد منهما الی الاٰخر انبساط الازواج [1] وفی الخلاصة واما النکاح اذا رأی رجلا یدخل علی امرأۃ وسمع من الناس ان فلانة زوجة فلان وسعه ان یشهد انها زوجته وان لم یعاین عقد النکاح [2] وفی فتاوٰی قاضیخان ولو رأی رجلا وامرأۃ یسکنان فی منزله وینبسط کل واحد منهما علی صاحبه کما یکون بین الازواج حل له ان یشهد علٰی نکاحهما [3]۔	اور ایسے ہی اگر کسی نے ایک شخص کو مجلس قضاء پر دیکھا اور اس کے ہاں فیصلے کے لیے مختلف فریقوں کا آنا جانا دیکھا تو اس کو جائز ہے کہ وہ شخص کے قاضی ہونے کی گواہی دے، اور ایسے ہی اگر کسی مرد وعورت کو ایک کمرے میں خاوند بیوی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرتے دیکھا، اور خلاصہ میں ہے کہ نکاح کے ثبوت میں اگر کسی نے ایک شخص کو عورت کے ہاں آتے جاتے دیکھا اور لوگوں سے بھی سنا کہ یہ مرد عورت آپس میں خاوند بیوی ہیں تو دیکھنے سننے والے کو جائز ہے کہ وہ اس عورت کے اس مرد کی بیوی ہونے کی شہادت دے اگرچہ اس نے ان کے نکاح کی مجلس نہ دیکھی ہو، اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ اگر کسی نے مرد وعورت کو ایک مکان میں رہتے دیکھا اور ان کو آپس میں میاں بیوی کی طرح بے تکلف پایا تو اس کے لیے ان دونوں کے نکاح کی شہادت دینا جائز ہے۔ (ت)

[1] ہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۵۲

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الشہادۃ علی النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۵

اور گواہ اگر انھیں زوج زوجہ بیان کریں اور کہیں ہم جلسہ نکاح میں نہ تھے لیکن یہ امر مشہور ہے تو ان کی گواہی شرعًا مقبول ہے اور نکاح ثابت ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے:

بل فی العزمیة عن الخانیة معنی التفسیران یقولا شهدنالانا سمعنامن الناس امالو قالالم نعاین ذٰلك ولکنه اشتهر عندنا جازت فی الکل وصححه شارح الوهبانیةوغیره [1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	بلکہ عزمیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ گواہ تفسیر کرتے ہوئے کہیں کہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے۔ لیکن اگر یوں بھی کہہ دیا کہ ہم نے نکاح ہوتے نہیں دیکھا لیکن ہمارے ہاں لوگوں میں مشہور ہے کہ (دونوں میاں بیوی ہیں) تو تمام صورتوں میں شہادت درست ہوگی۔ اس قول کو شارح وہبانیہ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

رسالہ
عُبَابُ الْاَنْوَارِ اَنْ لَّانِکَاحَ بِمُجَرِّدِ الْاِقْرَارِ ۱۳۰۷ھ
(محض اقرار کی بنیاد پر نکاح نہ ہونے کے بیان میں انوار کی موج)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۵ و ۶: از پنجاب فیروز پور صدر بازار مسجد جامع مرسلہ مولوی فضل الرحمٰن صاحب ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

از فقیر محمد فضل الرحمان بخدمت حضرت فیض درجت مظہر علوم دینی و مصدر فیوض دنیوی جناب مولانا بالفضل والکمال اولٰنا جناب مولوی محمد احمد رضاخان صاحب فاضل بریلوی دام فیضہ القوی السلام علیکم!

سوال (۱) زید نے ہندہ سے جو اپنے فعل شنیع قبیح سے تائب ہوئی، غیر ضلع میں جاکر نکاح کیا تاکہ کوئی مخل اور مانع اس کار خیر کا نہ ہو، اہل ضلع نے جب ان سے استفسار کیا کہ تمھارا نکاح ہوا ہے؟ تو انھوں نے یہ پاسخ دیا کہ اس قدر مہر پر ہمارا نکاح ہوا ہے، آیا یہ صورتِ نکاح صحیح ہے؟

(۲) اگر زید نے اقرار کیا کہ یہ میری بی بی ہے اور ہندہ نے بیان کیا کہ یہ میرا خاوند ہے یہ قیل و قال محض شہود میں بیان کی گئی، کیا ان الفاظ سے انعقاد نکاح ہوجاتا ہے، اس صورت میں ذکر مہر نہیں آیا، بعد توفیق و تطبیق روایات کے جواب مزین بمہر و دستخط فرماکر للہ عطا فرمایا جائے تاکہ آئندہ کسی جاہل کو مجال باقی نہ رہے والسلام مع الاکرام۔

الجواب:

لك الحمد رب الارباب صل علی الحبیب الاوّاب مع الاٰل والاصحاب واھدنا الحق والصواب اٰمین الٰھنا الوھاب۔	تمام کو پالنے والے اے رب! تیرے لیے ہی تمام حمد ہے، سب سے زیادہ رجوع فرمانے والے محبوب پر رحمت نچھاور فرما اور اس پر مع اس کی آل واصحاب سلامتی نازل فرما اور ہماری حق وصواب پر رہنمائی فرما، آمین، اے عطا کرنے والے ہمارے اللہ تعالٰی! (ت)

کرم فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ واقعی یہ مسئلہ قابل امعان انظار واعمال افکار ہے،

فاقول: وباللہ التوفیق وبه الوصول الی اوج التحقیق (پس میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور تحقیق کی بلندی تک پہنچنا اسی کی مدد سے ہے۔ت) اس میں شک نہیں کہ حکم قضا میں نکاح تصادق مرد وزن سے ثابت ہوجاتا ہے یعنی جب وہ دونوں اقرار کریں کہ ہم زوج وزوجہ ہیں یا باہم نکاح ہوگیا ہے یا اور الفاظ جو اس معنی کو مودی ہوں تو بلاشبہہ انھیں زوج وزوجہ جانیں گے اور قضاءً تمام احکام زوجیت ثابت ہوں گے بلکہ عندالناس اس سے بھی کمتر امر ثبوت نکاح کو کافی ہے جب مرد وزن کو دیکھے مثل زن وشو ایک مکان میں رہتے اور باہم انبساط زن وشوئی رکھتے ہیں تو ان پر بدگمانی حرام، اور ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز، اگرچہ عقدِ نکاح کا معائنہ نہ کیا ہو،

نص علیه فی الھدایه والھندیة وغیرھما وفی قرة العیون عن الدرر ویشھد من رأی رجلا وامرأة بینھما انبساط الازواج انھا عرسه[1]۔	ہدایہ، ہندیہ وغیرہما اور قرۃ العیون میں درر سے، ان سب کتب میں ہے کہ جس نے مرد وعورت کو خاوند بیوی کی طرح بے تکلف معاملات کرتے دیکھا اس کو جائز ہے کہ مرد کے لیے اس عورت کے بیوی ہونے کی شہادت دے۔ (ت)

اسی طرح تسامع بھی سامعین کے نزدیک اثبات نکاح کو بس ہوتا ہے یعنی جب ان کا زوج وزوجہ ہونا لوگوں میں مشہور ہو تو انھیں یہی سمجھا جائے گا، اور زوجیت پر شہادت روا ہوگی اگرچہ خود ان کی زبان سے اقرار نہ سنا ہو۔

کما فی الدر المختار وعامة الاسفار و	جیسا کہ در مختار اور عام کتب میں اور

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات مصطفی البابی مصر ۱/۱۷

فی قرۃ العیون عن العمادیۃ کذا تجوز الشھادۃ بالشھرۃ والتسامع فی النکاح حتی لورأی رجلا یدخل علی امرأۃ وسمع من الناس ان فلانۃ زوجۃ فلان وسعہ ان یشھد انہا زوجتہ وان لم یعاین عقد النکاح [1]۔	قرۃ العیون میں عمادیہ سے منقول کہ نکاح کے معاملہ میں شہرت کی بنا پر بغیر تحقیق شہادت جائز ہے حتی کہ ایک شخص کو ایک عورت کے ہاں آتے جاتے دیکھا اور لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ عورت اس شخص کی بیوی ہے تو اس کو جائز ہے کہ وہ اس عورت کے بارے میں اس شخص کی بیوی ہونے کی شہادت دے اگرچہ اس نے نکاح نہ دیکھا ہو۔ (ت)

تو ان کا باہم تصادق بدرجہ اولٰی مثبت نکاح،

فی الشامیۃ عن ابی السعود عن العلامۃ الحانوتی صرحوا بان النکاح یثبت بالتصادق والمراد منہ ان القاضی یثبتہ بہ ویحکم بہ [2] اھ ملخصا۔	فتاوٰی شامی میں ہے ابی سعود کی علامہ حانوتی سے راویت ہے کہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ مرد وعورت کی آپس میں خاوند بیوی ہونے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہوجائے گا اس سے مراد یہ ہے کہ قاضی اس نکاح کو ثابت قرار دے گا اور اس کو نافذ رکھے گا اھ ملخصًا (ت)

پس ایسی صورت میں واجب ہے کہ انھیں زوج وزوجہ ہی تصور کیا جائے گا جو خواہی نخواہی ان کی تکذیب کرے گا اور بدگمانی کے ساتھ پیش آئے گا مرتکب حرام قطعی ہوگا بااین ہمہ حکم قضا اور ہے اور امر دیانت اور چیز، اگر وہ اپنے اظہار واخبار میں حقیقۃً سچے ہوں یعنی واقع میں ان کے باہم نکاح ہولیا ہے تو عنداللہ بھی زوج وزوجہ ہیں ورنہ مجرد ان الفاظ سے جبکہ بطور اخبار بیان میں آئے ہوں نکاح منعقد نہ ہوگا وہ بدستور اجنبی واجنبیہ رہیں گے، نکاح جن امور وافعال کو ثابت وحلال کرتا ہے دیانۃً ان کے لیے اصلاً ثابت وروانہ ہوں گے کہ اس تقدیر پر یہ الفاظ کوئی عقد وانشانہ تھے محض جھوٹی خبر تھی اور جھوٹی خبر دیانۃً باطل وبے اثر،

اقول: علماء تصریح فرماتے ہیں اگر شوہر نے اقرار طلاق کیا کہ میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور واقع میں نہ دی تھی تو وہ قضاءً طلاق ہوگئی مگر دیانۃً ہرگز نہ ہوگی کہ اس کا یہ قول طلاق دینا نہ تھا بلکہ طلاق غیر واقع کی جھوٹی خبر دینا تھا، حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

---

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات دار الکتاب العربیۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۷

[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی ۲/۲۶۵

الاقرار بالطلاق کاذبًا یقع بہ الطلاق قضاء لادیانۃ[1]۔	طلاق کا جھوٹا اقرار قاضی کے ہاں طلاق قرار پائیگا عنداللہ نہیں۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

رجل طلق زوجتہ المدخولۃ واحدۃ رجعیۃ فسئل کیف طلقت زوجتك فقال ثلثا کاذبا لایقع فی الدیانۃ الاماکان اوقعہ من الواحدۃ الرجعیۃ فیملك مراجعتہا فی العدۃ والحال ھذہ[2] اھ ملخصا۔	ایک شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کوایک رجعی طلاق دی تو اس سے پوچھا گیا کہ تونے اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دی ہیں، جواب میں اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔تو عنداللہ ایک ہی رجعی طلاق ہوگی جو اس نے دی ہے تو عنداللہ اس کو عدت کے دوران رجوع کا حق ہے۔اھ ملخصًا۔(ت)

توجب اقرار خلاف واقع سے عنداللہ طلاق واقع نہیں ہوتی، نکاح بدرجہ اولٰی منعقد نہ ہوگا طلاق سبب تحریم فرج ہے اور نکاح سبب تحلیل اور امر فرج میں احتیاط جلیل، ولہٰذا علماء متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح فرماتے ہیں کہ مجرد اقرار مرد وزن سے نکاح ہر گز منعقد نہیں ہوتا، اسی پر ۱ وقایہ و ۲ نقایہ و ۳ اصلاح و ۴ ملتقی میں کہ سب اعاظم متون معتبرہ مذہب سے ہیں جزم میں فرمایا، اسی پر کتب ۵ البیہقی و ۶ فتاوائے اہل سمرقند وغیرہما میں اقتصار کیا، اسی کو ۷ شرح جصاص و ۸ مختارات النوازل و ۹ فتاوائے خلاصہ و ۱۰ خزانۃ المفتین و ۱۱ مختار الفتاوٰی و ۱۲ ایضاح الاصلاح و ۱۳ جامع الرموز میں مذہب مختار بتایا، اسی کو ۱۴ تنویر الابصار و ۱۵ درمختار میں مقدم رکھ کر ضعفِ مخالف کی طرف اشارہ فرمایا، اسی کو ۱۶ فتاوٰی ظہیریہ و ۱۷ فتاوٰی عالمگیریہ میں صحیح کہا، اسی پر ۱۸ جواہر اخلاطی میں ان دونوں لفظ فتوٰی یعنی مختار و صحیح کو جمع کرکے تیسرا لفظ آکد واقوی علیہ الفتوی اور زائد کیا، علامہ ۱۹ حانوتی وسید ۲۰ ابوالسعود کی عبارتیں ابھی گزریں باقی نصوص بالتلخیص یہ ہیں وقایۃ الروایہ ومختصر الوقایۃ میں ہے: لا ینعقد بقولہما عند الشھود مازن وشوئیم[3] (گواہوں کے سامنے مرد وعورت کا یہ کہنا کہ ہم بیوی خاوند ہیں، نکاح نہ ہوگا، ت) شرح نقایہ قہستانی میں ہے: لاینعقد علی المختار[4] (مذہب مختار پر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ ت) متن و شروح علامہ ابن کمال وزیر

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق مطلب طلق زوجتہ واحدۃ رجعیۃ الخ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۸

[3] نقایۃ مختصر الوقایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۱

[4] جامع الرموز کتاب النکاح مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۴۵

میں ہے:

لابقولهما مازن وشوئیم لان النکاح اثبات وهذا اظهار والاظهار غیر الاثبات ذکره فی التخییر وقال فی مختارات النوازل هو المختار[1]۔	نکاح منعقد نہ ہوگا جب انھوں نے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں، کیونکہ نکاح، معاملہ کو قائم کرنے کا نام ہے اور مرد وعورت کا یہ اقرار، اظہار ہے اور اظہار اثبات نہیں ہے اس کو انھوں نے تخییر میں ذکر کیا ہے اور مختارات النوازل میں ہے کہ یہی مختار مذہب ہے۔ (ت)

متن علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

لوقالا عند الشهود مازن وشوئیم لاینعقد[2]۔	اگر انھوں نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

ذکر البیهقی رحمه الله تعالٰی فی کتابه رجل وامرأة لیس بینهما نکاح اتفقا ان یقرا بالنکاح فاقرا لم یلزمهما قال لان الاقرار اخبار عن امر متقدم ولم یتقدم وکذالك فی البیع اذا اقرا ببیع لم یکن ثم اجاز لم یجز[3]۔	بیہقی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ کسی مرد وعورت میں پہلے نکاح نہیں ہے اب انھوں نے بالاتفاق نکاح کا اقرار کرلیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے ثابت شدہ چیز کی خبر ہوتی ہے جبکہ اقرار سے قبل ان کا نکاح نہیں تھا، اس طرح خرید وفروخت کا معاملہ ہے کہ دو فریقوں نے بیع کا اقرار کیا حالانکہ پہلے بیع نہ تھی تو اس اقرار سے بیع منعقد نہ ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

ذکر فی النوازل رجل وامرأة اقرابین یدی الشهود بالفارسیة مازن وشوئیم لاینعقد النکاح بینهما وکذا لوقال لامرأة هٰذه	نوازل میں مذکور ہے کہ مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے یہ اقرار فارسی میں کیا کہ "ہم بیوی خاوند ہیں" تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مرد نے

[1] ایضاح واصلاح

[2] ملتقی الابحر کتاب النکاح موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۳۸

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۴۹

امرأتی وقالت ھی، ھذا زوجی لایکون نکاحا[1]۔	ایک عورت کے بارے میں کہا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس عورت نے بھی کہا کہ یہ میرا خاوند ہے تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔(ت)

فتاوٰی امام علامہ حسین بن محمد سمعانی میں ہے:

اقرا بالنکاح بین یدی الشھود فقال مأزن وشوئیم لاینعقد ھو المختار لان النکاح اثبات والاظھار غیر الاثبات ولھذا لواقر بالمال لانسان کاذبا لایصیر ملکا خ(یعنی الخلاصۃ)ولو قال الرجل ھذہ امرأتی وقالت المرأۃ ھذا زوجی بمحضر من الشھود لایکون نکاحا لان الاقرار اخبار عن امر متقدم ولم یتقدم[2] (س)(ای فتاوٰی اھل سمر قند)۔(ملخصًا)	مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو نکاح نہ ہوگا، یہی مختار ہے، کیونکہ نکاح اثبات کا نام ہے، اور اقرار اثبات نہیں ہوتا بلکہ اظہار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کے لیے اپنے مال کا جھوٹا اقرار کیا تو دوسرے کے لیے ملکیت ثابت نہ ہوگی، خ (یعنی خلاصہ) اگر کسی مرد نے کسی عورت کے متعلق کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے، تو گواہوں کے سامنے اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے سے موجود چیز کے بارے میں خبر ہوتی ہے جبکہ یہاں نکاح موجود نہیں ہے، س (فتاوٰی سمرقند)۔(ت)

متن مولٰی غزی وشرح محقق علائی میں ہے:

لاینعقد بالاقرار علی المختار خلاصۃ کقولہ ھی امرأتی الاقرار اظھار لما ھو ثابت ولیس بانشاء[3] الخ وسیأتی تمامہ۔	محض اقرار سے نکاح نہ ہوگا مختار قول پر، خلاصہ۔ جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ یہ میری عورت ہے، تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار ثابت شدہ چیز کے اظہار کا نام ہے اور یہ انشاء نہیں ہوتا الخ یہ مکمل آئندہ آئے گا۔(ت)

فتاوٰی ہندیہ میں عبارت خلاصہ ھو المختار (یہی مختار ہے۔ت) تک نقل کی، پھر لکھا:

لوقال این زنِ من ست بمحضر من الشھود	اگر کسی نے گواہوں کے سامنے کہا یہ میری بیوی ہے

---

[1] فتاوٰی خانیہ کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۹

[2] خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ ۱/۷۶

[3] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

و قالت المرأۃ ایں شوئی من است ولم یکن بینھما نکاح سابق اختلف المشائخ فیہ والصحیح انہ لایکون نکاحا کذا فی الظھیریۃ وفی شرح الجصاص المختار انہ ینعقد اذا قضی بالنکاح اوقال الشھود لھما جعلتما ھذانکاحا فقال نعم ینعقد ھکذا فی مختار الفتاوی[1] اھ۔	اور عورت نے کہا کہ یہ میرا خاوند ہے حالانکہ ان کا پہلے نکاح نہیں تھا، تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے جبکہ صحیح یہی ہے کہ نکاح نہ ہوگا، ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔اور جصاص کی شرح میں ہے کہ اگر قاضی نے نکاح کا فیصلہ دیا یا مردوعورت کو گواہوں نے کہا کہ تم نے ان الفاظ کو نکاح بنادیا تو انھوں نے جواب میں ہاں کہہ دیا تو مختار یہ ہے کہ نکاح منعقد ہو جائیگا، مختار الفتاوٰی میں ایسے ہی ہے۔اھ (ت)
اقول: وجہ الانعقاد فی الاول ان القضاء یرفع الخلاف او انہ ینفذ ظاھراوباطنا وفی الثانی ان السؤال معاد فی الجواب والجعل انشاء کمافی الفتح و الدر وغیرھا۔	**اقول**: (میں کہتا ہوں۔ت) قاضی کے فیصلے کی صورت میں نکاح ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ حکم قاضی رافع خلاف ہے اور قضا ظاہرًا اور باطنًا نافذ ہوتی ہے اور دوسری صورت میں انعقاد کی وجہ سے کہ جواب، سوال پر مشتمل ہوتا ہے تو سوال میں نکاح بنانے کا ذکر ہے تو جواب میں بھی بنانے کے ذکر سے نکاح کا انشاء ہو گیا، جیسا کہ فتح اور دُر وغیرہ میں ہے۔(ت)

فتاوٰی علامہ برہان الدین بن ابی بکر بن محمد اخلاطی حسینی میں ہے:

اقرا بالنکاح بین یدی الشھود بقولھما مازن و شوئیم لاینعقد،ھوالمختار،قال بحضور الشھود ھذہ المرأۃ زوجی فقالت ھذا الرجل زوجی ولم یکن بینھما نکاح سابق لا ینعقد ھوالصحیح وعلیہ الفتوی[2]۔	دونوں نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو اس سے نکاح نہ ہوگا یہی مختار ہے مرد نے گواہوں کے سامنے کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے بھی گواہوں کے سامنے کہا یہ میرا خاوند ہے تو اس سے نکاح نہ ہوگا جبکہ پہلے نکاح نہ تھا یہی صحیح ہے اور اس پر فتوٰی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۲

[2] جواھر اخلاطی کتاب النکاح فصل فیما ینعقد النکاح من الالفاظ قلمی نسخہ ص ۴۸

بالجملہ اخبار وانشا کا تبائن بدیہی تو ارادہ اخبار ارادہ منافی اور ارادہ منافی عقد کا نافی۔

؎اقول: وبتقریری هذا اندفع ماعسٰی ان یتوهم من ان النکاح مما یستوی فیه الهزل والجد فلایحتاج الی نیة وقصد حتی لو تکلما بالایجاب والقبول هازلین اومکرهین ینعقد فکان المناط مجرد التلفظ وان عدم القصد وذلك لان بونًا بینًا بین عدم القصد وقصد العدم بارادة شیئ اٰخر غیره مما یحتمله اللفظ ومالایحتاج الی القصد یصح مع الاول دون الاٰخر الاتری انه لوقال انت طالق ولم ینو شیأ طلقت وان نوی الطلاق عن الوثاق اوالاخبار عن طلاق سابق صادقا او کاذبالم تطلق دیانة کما نصوا علیه اتقن هذا فانه هو التحقیق الحقیق بالقبول وان خفی بعضه علی بعض الفحول، علی ان هذا انما هو فی اللفظ الصریح اما الکنایات فلاشك فی توقفها علی النیة کما فی الطلاق والعتاق۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) میری اس تقریر سے اس شبہ کا ازالہ ہوگیا جس میں کہا گیا کہ نکاح تو ان امور میں سے ہے جن میں مذاق اور قصد برابر ہیں لہٰذا اس میں قصد اور ارادہ کی ضرورت نہیں حتی کہ جب مرد و عورت نے ایجاب قبول کے کلمات بول دیئے اگرچہ مذاق یا جبر سے کہے ہوں تو نکاح ہوجائے گا اس کی صحت کے لیے صرف الفاظ کی ادائیگی کافی ہے اگرچہ قصد نہ بھی ہو (لہٰذا بصورت اقرار نکاح صحیح ہونا چاہئے) اس شبہہ کے ازالہ کی وجہ یہ ہے کہ قصد نہ ہونا اور بات ہے اور نکاح کے خلاف کسی محتمل لفظ کا قصد کرنا اور بات ہے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، وہ امور جو قصد کے بغیر ہوجاتے ہیں وہ پہلی صورت یعنی قصد نہ ہونے کی صورت میں صحیح ہوجاتے ہیں۔ مگر کسی مخالف چیز کے قصد سے وہ صحیح نہیں ہوتے۔ آپ دیکھئے کہ طلاق کا لفظ بغیر ارادہ کے بولا جائے تو طلاق ہوجاتی ہے لیکن اگر یہی لفظ طلاق بول کر کسی دوسرے معنٰی کا ارادہ کیا جائے مثلاً طلاق بول کر باندھے ہوئے کو کھولنا مراد لیا جائے یا انت طالق کہہ کر پہلی دی ہوئی طلاق کو سچی یا جھوٹی خبر اور حکایت کا قصد وارادہ کیا جائے تو دیانةً یعنی عنداللہ طلاق نہ ہوگی جیسا کہ فقہاء کرام نے اس کو واضح بیان کیا ہے۔ اس فرق کو محفوظ کرو کیونکہ یہ تحقیق قابل قبول ہے۔ اگرچہ یہ قدرے بعض بڑی شخصیات پر مخفی رہا ہے، تاہم یہ بیان صریح الفاظ کے متعلق ہے لیکن کنایہ کے الفاظ بہر حال نیت کے محتاج ہیں، جیسا کہ طلاق وعتاق میں صریح وکنایہ کا فرق موجود ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ ظاہرًا اعوام ان الفاظ سے ارادہ انشاء کو جانتے بھی نہ ہوں گے بلکہ جو ان کا مفہوم متبادر ہے یعنی اخبار وہی ان کا مراد ومقصود ہوگا اور سامعین بھی انھیں سن کر یہی سمجھیں گے تو جبکہ واقع میں اس سے پہلے نکاح نہ ہوا تو صرف یہ سوال وجواب واخبار غلط کیونکر انھیں عنداللہ زوج وزوجہ بنا سکتے ہیں،

هذا ممالایعقل ولایستاهل ان یقبل	یہ غیر معقول ہے اور قبول کرلینے کے قابل نہیں،

؎ **اقول:** فقد بان بحمد اللہ ضعف مانقل فی التنویر والدر عن الذخیرۃ بعد ماقدما عدم الانعقاد بالاقرار علی المختار کما سمعت حیث قال عقیبہ وقیل ان کان بمحضر من الشھود صح وجعل الاقرار انشاء وھو الاصح ذخیرۃ[1] اھ فاعلم اولًا ان المولیین المحققین رحمھما اللہ تعالٰی قد اشارا الی تضیعف ھذا بوجوہ، اما المصنف فبتقدیمہ الاول وتعبیرہ ھذا بقیل واما المؤلف فبتقریرہ علی الامرین وتعلیلہ للاول فان التعلیل دلیل التعویل کما نص علیہ فی العقود الدریۃ وغیرھا فافھم، و؁ **ثانیًا** ان تاملت ماالقینا علیک فوجوہ ضعفہ لاتخفی لدیک ط ففلما تقدم فی کلامی وکلمات العلماء الکرام علی عدم الانعقاد بالاقرار من دلائل لاترد ولاترام ولاشک ان الاقوی دلیلا احق تعویلا و **اما ثانیا** فلما لہ من کثرۃ الترجیحات وقد تقرر ان العمل بما علیہ الاکثر	**اقول:** بحمد اللہ تعالٰی تنویر اور دُر میں جو ذخیرہ سے نقل کیا گیا جہاں انھوں نے اقرار انکاح کو مختار قول کے مطابق نکاح قرار دیا جیسا کہ تو نے سنا اور اس کے بعد یہ کہا (کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ اقرار گواہوں کے سامنے ہو تو نکاح صحیح ہے اور اقرار کو انھوں نے انشاء قرار دیا ہے اور ذخیرہ کے حوالے سے اس کو اصح کہا) اس نقل کا ضعف واضح ہوگیا تو غور کرو **اولًا** اس لیے کہ (شامی اور طحطاوی رحمہما اللہ دونوں قابل احترام حضرات نے اس کے ضعف پر کئی وجوہ سے اشارہ فرمایا، اور بیشک مصنف (صاحب در) نے پہلے قول یعنی عدم انعقاد کو پہلے ذکر اور دوسرے کو "قیل" کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مؤلف یعنی صاحب ذخیرہ نے اگرچہ دونوں قولوں کو ذکر کیا لیکن وجہ اور دلیل صرف پہلے قول کی ذکر کی جو کہ قابل اعتماد ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ یہ قاعدہ عقود الدریہ وغیرہ میں بیان ہے، غور کرو ___ **دوسرا** اس لیے کہ میں نے جو وجوہِ ضعف آپ کو بیان کئے ہیں اگر آپ نے غور کیا ہو تو اس نقل کے ضعف کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں مثلا **اول** یہ کہ میں نے اور دیگر علماء کرام نے جو کلمات ذکر کئے ہیں کہ اقرار سے نکاح نہیں ہوتا اور اس پر جو دلائل پیش کئے گئے وہ ناقابل تردید ہیں اور بلاشک وشبہہ جو دلائل وزنی ہوں گے وہ زیادہ قابل اعتماد ہونگے **ثانیًا** اس لیے کہ اس پر کثیر ترجیحات ذکر کی گئی ہیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ جس پر اکثریت ہو وہ عمل کے لیے

[1] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶۔۱۸۵

کمافی العقود وغیرھا و **اما ثالثا** فلان ماله من علامة الافتاء اشد قوة واعظم وقعة مما لهذا فقد نصوا ان علیه الفتوی وبه یفتی اٰکد مایکون من الفاظ الفتوی و **اما رابعا** فلان ماعلیه المتون وھی العمدة والیھا الرکون فھذه والاربعة فقد ظھرت من قبل، و **اما خامسا** فلما تسمع اٰنفا قد اظھر لنا المولی الامام برھان الدین محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد قدس سرھما فی ذخیرته مأخذ خیرته اذبنی ذلك انه ذکر محرر المذھب محمد رضی الله تعالٰی عنه فی صلح الاصل ادعی رجل علی امرأة نکاحا فجحدت فصالحها بمائة علی ان تقربھذا فاقرت فھذا الاقرار جائز والمال لازم [1] اھ فظن المولی البرھان ان محمدا اجاز النکاح بالاقرار وقد علم ان ھذا لایصح الابمحضر من الشھود ففرع علیه	قابل قبول ہے جیسا کہ عقود وغیرہ میں ہے **ثالثاً** اس لیے کہ جس میں فتوٰی کی قوی علامت پائی جائے وہ قوت اور وقعت کے لحاظ سے پختہ اور وزنی ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے اس پر تصریح کی ہے "**علیه الفتوی**" اور "**به یفتی**" کے الفاظ فتوٰی کے باب میں سب سے زیادہ پختہ الفاظ ہیں۔ **رابعًا** اس لیے کہ کتب متون جس کو معتمد علیہ قرار دیں اس کی طرف ہی رجوع کرنا ہوتا ہے، یہ چاروں امور پہلے واضح ہوچکے ہیں، **خامسًا** اس لیے جو آپ ابھی سنیں گے کہ امام برہان الدین محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد قدس سرہمانے اپنے ذخیرہ میں جس کو اپنے پسندیدہ امور کا ماخذ ہمارے لیے ظاہر کیا ہے اس کی بنیاد محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذکر کردہ مسئلہ پر ہے جس کو انھوں نے اصل یعنی مبسوط کے "باب الصلح" میں بیان کیا ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے ایک عورت کے بارے میں دعوٰی بیان کیا کہ یہ میری منکوحہ ہے جبکہ عورت نکاح سے انکاری ہے تو اس نے عورت سے سو روپے کے بدلے صلح کرکے اس سے نکاح کا اقرار کرالیا تو عورت کا اقرار جائز اور مال لازم ہوجائے گا اھ اس سے محترم برہان الدین کو گمان ہوا کہ امام محمد نے عورت کے اقرار سے نکاح کو جائز قرار دیا اور علامہ برہان الدین نے یقین کرلیا کہ یہ اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہوا تو صحیح ہوگا،

[1] ردالمحتار بحوالہ صلح الاصل کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی ۲/ ۲۶۵۔۲۶

ان الاصح الصحة لوالشهود حضورا۔ قال العبد الضعيف لطف به المولٰى اللطيف واى شيئ اكون انا حتى اتكلم بين يدى هذا الامام الجليل قدس سره الجميل ولكن كثرة تصحيحات الائمة وجزمهم فى الجانب الاٰخر بما تجرؤنى ان اقول: وبالله التوفيق لامساس لما فى الاصل بهٰذا الفصل فان محمدا انما اجاز الاقرار والزم المال فانما افاد جواز الصلح و انقطاع الجدال بحيث لوعادت المرأة بعد ذلك الى الجحود لم يسمعه القاضى امالو لم يجز الصلح لم يلزم المال واقرت المرأة على انكارها هذا هو حاصل جواز الصلح وعدم جوازه كمالايخفى واين هذا من انعقاد العقد فى الواقع فيما بينهم وبين ربهم العليم الخبير تبارك وتعالٰى اليس قد صرحوا انه لايطيب له البدل ان كان كاذبا ولو ادعى رجل على اٰخر بيع داره مثلًا فاقربه افتداءً عن يمينه اوفرارا عن ذل الجثوبين يدى القاضى ثبت البيع قضاء وجرت الاحكام من وجوب التسليم ولزوم الشفعة وغير ذلك لكن هذا المدعى الكاذب انما يأخذ جمرة نارثم السران المصالحين

اسی لیے انھوں نے اس کے بعد یہ تفریع قائم کی کہ اصح بات یہ ہے کہ گواہ موجود ہو تو اقرار سے نکاح صحیح ہوگا، یہ عبد ضعیف (اللہ تعالٰی مہربان اس پر مہربانی فرمائے) میں کون ہوں جو اس عظیم امام کے سامنے بات کروں لیکن تصحیح کی کثرت اور ائمہ کرام کا جزم اس کے خلاف ہے جس کی وجہ سے مجھے جراٴت ہو رہی ہے کہ میں بات کروں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ اصل کے بیان کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف اقرار کو جائز اور مال کو لازم فرمایا ہے جس کا مفاد صرف صلح کا جواز اور جھگڑا ختم کرنا ہے حتی کہ اگر عورت اس کے بعد دوبارہ انکار کرے تو قاضی اس کی سماعت نہیں کرے گا لیکن اگر صلح کو جائز نہ مانا جائے تو مال لازم نہیں ہوگا اور عورت کا انکار باقی رہے گا، صلح کے جواز اور عدم جواز کا حاصل صرف یہی ہے جیسا کہ واضح ہے، اس کا فی الواقع عند اللہ نکاح کے منعقد ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیا ایسی صورت میں مدعی کے جھوٹا ہونے پر معاوضہ کے اس کے لیے طیب نہ ہونے پر فقہاء نے تصریح نہیں کی، ایک شخص دوسرے کے خلاف اس کے مکان کی فروختگی کا جھوٹا دعوی کرے اور مدعی علیہ قسم سے بچنے کے لیے فروختگی کا اقرار کرلے یا قاضی کے ہاں پیشی کی رسوائی سے بچتے ہوئے اقرار کرلے تو اس صورت قضاء بیع ثابت ہو جائے گی اور اس پر مکان کا قبضہ دینا اور شفعہ وغیرہ جیسے احکام جاری ہوں گے اس کے باوجود جھوٹے مدعی کی وصولی اس کے لیے جہنم کا انگارا ہے، پھر دو صلح کرنے والوں نے

اراد اعقد الصلح وھو انما یصور بارجاعہ الی عقدمن العقود الشرعیۃ فلابد من حملہ علی اشبہ عقد بہ ضرورۃ تصحیح الکلام وقطع الخصام اما ھھنا اعنی فیما نحن فیہ فلم یریدا عقداوانما اخبرا خبرا کذبا و الکذب وان یرج علی الناس فلایصحح عند اللہ اصلافوضح الفرق وزال الاشتباہ والحمد للہ.قال فی الھدایۃ اذا ادعی رجل علی امرأۃ نکاحا وھی تجحد فصالحتہ علی مال بذلتہ حتی یترك الدعوی جاز وکان فی معنی الخلع لانہ امکن تصحیحہ خلعا فی جانبہ بناء علی زعمہ وفی جانبھا بذلا للمال لدفع الخصومۃ قالوا ولایحل لہ ان یأخذ فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی اذا کان مبطلا فی دعواہ [1] اھ قال فی الکفایۃ ھذا عام فی جمیع انواع الصلح [2] اھ وفی الدرالمختار عن القھستانی اما الصلح علی بعض الدین فیصح ویبرأعن دعوی الباقی ای قضاء لادیانۃ ولذا لوظفر بہ اخذہ [3] اھ

جب صلح کا عہد کر لیا تو حکمت کا تقاضا ہے کہ اس معاہدہ کو کسی شرعی عقد کی صورت دینے کے لیے اس کے قریب ترین عقد پر محمول کیا جائے تاکہ ان دونوں کی کلام کو صحیح بنایا جائے اور ان کے جھگڑے کو ختم کیا جاسکے، لیکن یہاں ہمارے زیر بحث مسئلہ میں تو مرد وعورت نے کوئی عقد نہیں کیا بلکہ دونوں نے جھوٹی خبر دی، جھوٹ اگرچہ لوگوں پر اثر انداز ہو جاتا ہے لیکن عنداللہ موثر نہیں ہو سکتا، پس فرق واضح اور اشتباہ ختم ہوا، للہ الحمد،

ہدایہ میں فرمایا اگر کسی مرد نے کسی عورت پر اس سے نکاح کا دعوی کیا جبکہ عورت انکاری ہے اور دعوی کو ختم کرنے کے لیے مال دے کر صلح کرتی ہے تو یہ صلح جائز ہے،اوراس صلح کو خلع کے معنٰی پر محمول کیا جائیگا کیونکہ مرد کی طرف سے اس کے دعوی کی بنا پر اس معاوضہ کی وصولی کو خلع قرار دینا صحیح ہے اور عورت کی طرف مال کی ادائیگی جھگڑے کو ختم کرنے کی کارروائی تصور کیا جائیگا،اس کے باوجود فقہاء کرام نے یہاں فرمایا کہ اگر وہ مرد جھوٹا ہے تواس کو عورت سے معاوضہ لینا حلال نہیں ہے اھ اور کفایہ میں کہا کہ یہ ہر قسم کی صلح کو شامل ہے اھ درمختار میں قہستانی سے منقول ہے کہ قرض کے کچھ حصے پر صلح ہو جائے تو جائز ہے اور باقی قرض سے قضاءً بری ہو جائے گا دیانۃً یعنی عنداللہ بری نہ ہوگا اسی لیے اگر قرضخواہ کو موقع ملے تو باقی کو وصول کرے اھ،

[1] ہدایہ کتاب الصلح مطبع یوسفی لکھنو ۳/۲۴۷

[2] کفایہ مع فتح القدیر کتاب الصلح نوریہ رضویہ سکھر ۷/۳۸۹

[3] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۲

وفی الشامیة عن المقدسی عن المحیط قضاہ الالف فانکر الطالب فصالحه بمائة صح ولایحل له اخذها دیانة [1] اھ،وسرد النقول فی ذاك یطول،وقال فی الهدایة الاصل ان الصلح یجب حمله علی اقرب العقود الیه واشبهها به احتیالا لتصحیح تصرف العاقد ما امکن [2] اھ فبما اسمعتك یتحصل الجواب عن تمسك المولی البرهان بثلثة اوجه "**الاول** ارجاع الصلح الی تلك العقود تقدیر وتصویر ضروری فلایتعدی "**الثانی** انما تثبت هذه العقود بتلك الالفاظ فی ضمن الصلح وکم من شیئ یثبت ضمنا ولایثبت قصدا الاتری ان قوله اعتق عبدك هذا عنی بالف یتضمن الابتیاع مع انه لایعقد قصدا بلفظ الاعتاق، "**الثالث** ان هذه العقود انما تقدر قضاء ولاتؤثر فی الدیانة	اور فتاوٰی شامی میں ہے مقدسی کے حوالے سے محیط سے منقول ہے کہ اگر کسی نے قرض خواہ کو ہزار دیا مگر قرضخواہ وصولی سے منکر ہے تو مقروض نے ایک صد پر صلح کرلی تو صحیح ہے لیکن قرض خواہ کو دیانۃً لینا حلال نہیں ہے اھ، یہاں تمام نقول کو ذکر کرنا ناطوالت کا باعث ہوگا، ہدایہ میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ صلح کرنے والے کے تصرف کو صحیح قرار دینے کے لیے صلح کے قریب ترین کسی عقد پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ حتی الامکان اس کے عقد کو صحیح بنایا جاسکے اھ، میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے مولانا برھان الدین کی دلیل کے تین جواب ہوئے **پہلا** یہ کہ اس صلح کو عقود کی طرف راجح کرنا صرف فرضی صورت ہے جو کہ ایک ضرورت کے لیے ہے اس ضرورت کے بغیر تجاوز کرنا درست نہیں، **دوسرا** یہ کہ ان عقود کا ثبوت صلح کے الفاظ میں ضمناً ہوتا ہے جبکہ بہت سے امور ضمناً تو ثابت ہوتے ہیں لیکن مقصوداً ثابت نہیں ہوتے،آپ غور کریں کہ جب کوئی کہتا ہے کہ تو اپنے غلام کو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے آزاد کردے تو یہاں ضمناً بیع ہوجاتی ہے، جبکہ "آزاد کردے" کے لفظ سے قصداً بیع منعقد نہیں ہوتی، **تیسرا** یہ کہ یہ عقود صلح کے ضمن میں صرف قضاءً نافذ ہوتے ہیں،

[1] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۴۷۵

[2] ہدایہ کتاب الصلح مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۴۶

اذا کان مبطلا ونحن لاننکران باقرار ھما یثبت النکاح قضاء وانما الکلام فی الدیانة فان کان مراد الامام البرھان ھو الصحة قضاء وقد یستأنس له بقوله عطراللہ مرقدہ جعل الاقرار انشاء حیث لم یقل کان انشاء ویعینه بناؤہ الامر علی عبارة الاصل فانھا کما علمت لاتفید الاالجواز قضاء فھذا حق لامریة فیه ولاغروفی المصیر الیه تصحیحا لکلام ھذا الامام وتحصیلا للوفاق بینه وبین غیرہ من الائمة الاعلام وان کان فیه بعد بالنظر الٰی ظاھر الکلام والافلاشك ان الحق مع ھٰؤلاء الجھابذة الکرام واللہ تعالٰی اعلم بحقیقة الامر فی کل مرام والحمدللہ مولٰینا الھادی ذی الجلال والاکرام۔

صلح جھوٹ پر مبنی ہو تو دیانۃً نافذ نہیں ہوتے، اور یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مرد و عورت کے قاضی کے ہاں اقرار سے قضاءً نکاح ہوجاتا ہے جبکہ ہماری گفتگو دیانت یعنی عنداللہ کے بارے میں ہے، تو اگر امام برہان الدین کی مراد یہ ہو کہ صرف قضاءً نکاح ہوجاتا ہے جبکہ ان کا کلام اس طرف مائل ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اقرار کو انشاء بنایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ انشاء ہے اور پھر انھوں نے اپنی بات کا مدار اصل یعنی مبسوط کی عبارت کو بنایا ہے جس سے صرف قضاءً جواز ثابت ہے اگر ان کا یہی مقصد ہے تو بجا اور حق ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اگر اس عظیم امام کے کلام کو درست بنانے کے لیے اس مقصد کی طرف راجع کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ ان کے ظاہر کلام سے یہ مقصد بعید نظر آتا ہے تاہم اس سے ان کے اور دیگر ائمہ کرام کے کلام میں موافقت پیدا ہوجاتی ہے اور اگر ان کا مذکورہ مقصد نہ ہو تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے مقابلہ میں دیگر ائمہ کا کلام حق ہے اور ہر مقصد میں اللہ تعالٰی ہی حقیقت کو بہتر جاننے والا ہے، اللہ تعالٰی رہنمائی فرمانے والے کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔(ت)

ہاں اگر مرد وزن نے وہ الفاظ کہے جو امر ماضی سے خبر دینے کے لیے متعین نہ تھے مثلاً مرد نے کہا یہ میری زوجہ ہے، عورت بولی یہ میرا شوہر ہے، یا مرد نے کہا میں اس کا خاوند ہوں، عورت بولی میں اس کی جورو ہوں، اور دونوں نے ان الفاظ سے عقد نکاح کرنے کی نیت کی یعنی ان میں کسی کا قصد اخبار نہ تھا دونوں نے بارادہ انشاء کہے تو بیشک یہ الفاظ عقد نکاح ٹھہریں گے کہ جب قصد اخبار نہیں تو یہ لفظ اقرار نہیں اور جب اخبار ماضی کے لیے متعین نہیں تو ارادہ انشاء کے صالح ہیں تو انھوں نے الفاظِ صالحہ سے قصد انشاء کیا اور اسی قدر تحقیق ایجاب وقبول کے لیے بس ہے، بخلاف ان الفاظ کے جو اخبار الماضی کے سوا دوسرے معنی کے محتمل نہ ہوں مثلاً کہیں باہم ہمارا نکاح ہوچکا ہے کہ اب اخبار میں متعین اور انشاء سے مبائن،

[۳] **اقول**: ھذا الذی قررته بتوفیق اللہ تعالٰی یجب ان یکون ھو المراد من قوله الامام الاجل فقیه النفس قاضیخاں رحمه اللہ تعالٰی حیث افاد بعد ما اثر عن البیھقی والنوازل ما اسلفنا، قال مولٰنا رضی اللہ تعالٰی عنه ینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان اقرا بعقد ماض ولم یکن بینھما عقد لایکون نکاحا وان اقرت المرأۃ انه زوجھا واقر الرجل انھا امرأته یکون ذٰلك نکاحا، ویتضمن اقرارھما بذٰلك انشاء النکاح بینھما بخلاف ما اذا اقرا بعقد لم یکن لان ذٰلك کذب محض وھو کما قال ابوحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه اذا قال الرجل لامرأته لست لی بامرأۃ ونوی به الطلاق یقع ویجعل کانه قال لست لی بامرأۃ لانی قد طلقتك ولو قال لم اکن تزوجتھا ونوی به الطلاق لایقع لان ذٰلك کذب محض لایمکن تصحیحه [1] اھ قال فی الفتح علی ما نقل عنه فی ردالمحتار ان الحق ھذا التفصیل [2] اھ	**اقول**: میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو تقریر کی ہے امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں کے قول کا بھی لازمی طور پر یہی مقصد ہے جہاں انھوں نے بیہقی اور نوازل کے قول کو ہمارے بیان کردہ کے مطابق نقل کرنے کے بعد افادہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مناسب ہے کہ جواب میں تفصیل سے کام لیا جائے کہ مرد و عورت نے ماضی میں نکاح نہ ہونے کے باوجود ماضی میں نکاح ہونے کا اقرار کیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا، اور اگر عورت نے اقرار میں یوں کہا کہ یہ میرا خاوند ہے اور مرد نے یوں کہا کہ یہ میری بیوی ہے تو یہ اقرار نکاح قرار پائے گا اور ان کے اقرار کے ضمن میں نکاح ایجاب ہوجائیگا، بخلاف جبکہ ماضی کے نکاح کے بارے میں اقرار ہو، کیونکہ وہ محض جھوٹ ہے۔ اس تفصیل کا ماحاصل ایسے ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے اور اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق ہو جائے گی گویا اس شخص نے یوں کہاں کہ تو میری بیوی نہیں کیونکہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے، اور اگر اس نے بیوی کو یوں کہا کہ میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا اس قول سے اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی توجیہ نہیں ہو سکتی اھ ردالمحتار میں فتح سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی تفصیل حق ہے اھ، اس

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب النکاح الفصل الاول دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۶

فانما المعنی علی ما بینا ولیس المراد ان اللفظ اذالم یتعین للاخبار عن الماضی صح العقد وان نویا به الاخبار کیف وانه لایکون ح الامحض کذب ویشهد لك بذٰلك مااستشهد به من مسئلة الطلاق فانه ان قال لست لی بامرأة ولم ینوبه انشاء الطلاق وانما قصدا الاخبار الکاذب لم یقع قطعا فانه لایقع عند ذلك بالتصریح کما قدمنا فکیف بالکنایات الاتری انه بنفسه قید المسئلة بقوله ونوی الطلاق فکذا یقال ھٰھنا ونویا النکاح ھذا ماصرت الیه لما وعیت ثم بتوفیق المولٰی سبحانه وتعالٰی رأیت العلامة عبدالعلی برجندی نقل فی شرح النقایة کلام الامام فقیه النفس بالمعنی وعبرعنه بعین ما فهمته، وﷲ الحمد،

تفصیل کا مقصد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور اس سے یہ مراد نہیں کہ جب اقرار کا لفظ ماضی کی خبر کیلئے متعین نہ ہو تو خبر کے باوجود عقد نکاح صحیح ہوگا، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ مرد وعورت نے محض جھوٹ سے کام لیا ہے، اس کا شاہد یہ بھی ہے کہ امام قاضیخان نے اس بیان پر طلاق کے مسئلہ کو بطور شاہد پیش فرمایا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے اوراس نے انشاء طلاق کا ارادہ نہ کیا بلکہ صرف جھوٹ مراد لیا تو قطعاً طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں صریح لفظ سے جب طلاق نہیں ہوتی تو کنایہ سے کیسے طلاق ہوسکتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ انھوں نے اس مسئلہ کو طلاق کی نیت سے مقید کیا ہے (مذکورہ لفظ طلاق کی نیت سے کہے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں) اسی طرح جھوٹے اقرار نکاح میں بھی دونوں نے نکاح کی نیت کی ہو تو نکاح ہوگا ورنہ نہیں، یہ جس کو میں نے سمجھا وہی میں نے اختیار کیا ہے، پھر میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے علامہ عبدالعلی برجندی کو دیکھا کہ انھوں نے نقایہ کی شرح میں امام قاضی خان کی عبارت کو بالمعنٰی نقل کیا اور اس کی وہی تعبیر کی جو میں نے سمجھی، اور اللہ تعالٰی کے لیے ہی تمام حمد ہے،

وھذا نصه فی الظھیریة لوقال بمحضرمن الشهود این زن من است فقالت ایں شوئی من ست اختلف المشائخ فیه والصحیح انه لاینعقد وفی فتاوی قاضی خان انما لایکون ھذا نکاحا اذا قالا ذلك علی سبیل الاخبار عن عقد ماض ولم یکن بینهما عقد اما

یہی ظہیریہ کی عبارت ہے کہ اگر ایک شخص نے لوگوں کی موجودگی میں ایک عورت کو کہا کہ یہ میری بیوی ہے، اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اور فتاوٰی قاضیخان میں ہے کہ اس صورت میں نکاح نہ ہوگا جب مرد و

اذا اقرت انه زوجها او اقرانها زوجته وارادا بذلك انشاء النکاح فھو نکاح [1] اھ فالحمد لله علی حسن التفھم،	عورت نے جھوٹی خبر کے طور پر ماضی میں عقد کے بارے میں کہا ہو، اور اگر انھوں نے اس سے انشاء نکاح کا ارادہ کیا تو یہ نکاح منعقد ہوگا، اچھے فہم پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے،
[15] **اقول:** وبما قررت ظھر لك ان ھذا الذی اختارہ المولی فقیه النفس وقال المحقق علی الاطلاق انه الحق لایخالف ماصححه عامة الائمة اصلا بل ھو عین مااعتمدوہ فانھم انما صححوا ان النکاح لاینعقد بالاقرار والاقرار انما یکون عند قصد الاخبار وح قد نص الفقیه علی عدم الانعقاد اما اذا قالاہ مریدین به الانشاء لم یکن ذٰلك من الاقرار فی شیئ فان الاقرار ھوالاخبار دون الانشاء فتوافق القولان وتظافرت التصحیحات علی صحةماافتیت به فان حمل کلام الذخیرة علی مااسلفناحصل التوفیق فی الاقوال جمیعا والافعلیکم بماحررت عضوا علیه بالنواجذ۔	**اقول:** میری تقریر سے آپ پر واضح ہوگیا کہ جو کچھ امام قاضیخان اور محقق علی الاطلاق نے فرمایا وہی حق ہے اور وہ عام ائمہ کرام کی تصحیح کے ہر گز خلاف نہیں ہے کیونکہ ان ائمہ کرام نے یہی تصحیح کی ہے کہ صرف اقرار سے نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ اقرار ماضی کے بارے میں خبر کا نام ہے جس وجہ سے امام قاضی خان نے نکاح نہ ہونے کی تصریح کی ہے لیکن اگر مرد وعورت نے نکاح منعقد کرنے یعنی انشاء نکاح کے ارادے سے اقرار کیا تو یہ بمعنٰی اخبار نہ ہوگا بلکہ انشاء ہوگا جبکہ اقرار حقیقتًا خبر کو کہتے ہیں پس فقہاء اور امام کے قول کے موافق اور تمام تصحیحات میرے فتوے پر مجتمع ہوگئیں اور اگر ذخیرہ کی عبارت کو اسی معنی میں لیا جائے جو میں نے پہلے ذکر کیا تو اس سے تمام اقوال میں بھی موافقت ہوجائے گی ورنہ میری تحریر کو مضبوطی سے اپناؤ۔ (ت)

[16] **اقول:** اب یہاں ایک مسئلہ خلافیہ وارد ہوگا جس طرح نکاح مسلم میں وقت ایجاب وقبول دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں عاقل بالغ آزاد اور نکاح مسلم میں انھیں اوصاف کے خاص مسلمین کا حاضر ہونا بالاتفاق اور ان کا کلام عاقدین معًا سننا عندالجمهور علی المذہب المنصور شرط وضرور ہے آیا یوں ہی ان کا کلام عاقدین سمجھنا بھی شرط ہے یا نہیں۔ مثلًا اگر دو ہندیوں کے سامنے مرد وزن نے عربی میں ایجاب وقبول کرلیا وہ نہ سمجھے، آیا یہ نکاح فاسد ہوگا یا صحیح، علمائے کرام کے اس میں دونوں قول منقول ہوئے،

جزم بالاول العلامة الزیلعی فی التبیین و	امام زیلعی نے تبیین میں اور محقق علی الاطلاق نے

[1] شرح النقایة للبرجندی کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴-۳

المحقق علی الاطلاق فی الفتح والمولی الغزی فی متن التنویر وصححه فی الجوهرة وقال فی الذخیرة والظهیریة وخزانة المفتین والسراج الوهاج وشرحی النقایة للقهستانی والبرجندی ومجمع الانهر والهندیة انه الظاهر [1] وکذا اختاره فقیه النفس فی الخانیة وضعف خلافه قال الذخیرة ثم البحر ثم الدر ومجمع الانهر فکان هوالمذهب [2]، وجزم بالثانی فی الفتاوی وکذا ذکره البقالی وقال فی الخلاصة وجواهر الاخلاطی انه الاصح [3]،وفی مجمع الانهر عن النصاب،علیه الفتوی [4] ولم یتعرض لقید الفهم فی مختصر القدوری والوقایة والنقایة والکنز والاصلاح والایضاح والملتقی وکلاهما روایة عن مدار المذهب محمد رضی الله تعالٰی عنه لما فی الفتح۔	فتح میں پہلے پر جزم کیا ہے اور غزی نے تنویر کے متن میں ذکر کیا اور جوہرہ میں اس کی تصحیح کی۔ ذخیرہ، ظہیریہ، خزانۃ المفتین، سراج الوہاج، قہستانی اور برجندی نے اپنی شرحوں، مجمع الانھر اور ہندیہ میں فرمایا کہ یہ ظاہر ہے،اور یونہی قاضی خان نے خانیہ میں اس کو پسندیدہ قرار دیا اوراس کے خلاف کو ضعیف کہا ہے۔اور ذخیرہ، بحر، در، مجمع الانہر نے کہا کہ یہی مذہب ہے،اور دوسرے (صحیح) پر جزم کا اظہار فتاوٰی میں کیا اور یوں اس کو بقالی نے ذکر کیا۔اور خلاصہ اور جواہر الاخلاطی میں کہا کہ یہ ظاہر ہے۔اور مجمع الانہر میں نصاب کے حوالے سے کہا کہ اس پر فتوٰی ہے،اور مختصر القدوری، وقایہ، نقایہ، کنز، اصلاح، ایضاح اور ملتقی میں فہم کی قید کو ذکر نہیں کیا جبکہ یہ دونوں قول مدار مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہیں، جیساکہ فتح میں مذکور ہے۔(ت)

اور توفیق نفیس یہ ہے کہ معنٰی الفاظ سمجھنا ضروری نہیں مگر اس قدر سمجھنا ضرور ہے کہ یہ عقد نکاح ہورہا ہے۔

---

[1] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴،مجمع الانہر کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۱

[2] مجمع الانہر کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۱

[3] جواہر اخلاطی کتاب النکاح قلمی نسخہ ص ۴۷

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۱

اقول: وقدکان سنح لی ھذا ثم رأیتہ للعلامۃ مصطفی الرحمتی لمحشی الدر وقال فی ردالمحتار ووفق الرحمتی یحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فھم انہ عقد نکاح والقول بعدمہ علی عدم اشتراط فھم معانی الالفاظ بعد فھم ان المراد عقد النکاح[1] اھ وھو کماتری حسن جدا۔ **اقول:** ومن علم الفقہ والحکمۃ فی اشتراط الشھادۃ فی عقد النکاح اتقن بھذا التوفیق فان من علم ان ھذا نکاح فقد شھد العقد وان لم یقف علی خصوص ترجمۃ الالفاظ ومن لم یفھم فکأن لم یسمع ومن لم یسمع فکأن لم یحضر وبتقریری ھذا یتضح لك ان الاجتزاء بذکر الحضور اوبہ وبالسماع اوذکرھما مع الفھم کل یودی مودی واحدا عند التدقیق واللہ ولی التوفیق۔	**اقول:** مجھے یہ واضح ہوا، پھر اس کے بعد مجھے یہ بات در کے محشّٰی علامہ مصطفٰی رحمتی کے ہاں مل گئی۔اور ردالمحتار میں فرمایا کہ علامہ رحمتی نے فہم کی شرط والے قول اور فہم کی شرط نہ ہونے والے قول میں یوں تطبیق دی ہے ____ کہ جہاں فہم کی شرط کا قول ہے اس سے مراد نکاح ہونے کا فہم ہے اور جہاں فہم کی شرط کی نفی ہے اس سے نکاح کے وقت بولے جانے والے الفاظ کے فہم کی نفی مراد ہے بشرطیکہ نکاح ہونا سمجھا گیا ہو۔اھ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ بہت اچھی تطبیق ہے **اقول:** جس کو عقد نکاح میں گواہوں کے موجود ہونے کی شرط کی حکمت معلوم ہے وہ اس تطبیق کی توثیق کرے گا کیونکہ جس نے گواہوں میں سے یہ معلوم کرلیا کہ یہ نکاح ہے تو نکاح کا گواہ اگرچہ اس نے الفاظ کا ترجمہ نہ سمجھا،اور جس کو نکاح کا فہم نہ ہوا گویا اس نے سنا ہی نہیں اور جس نے نہ سنا گویا وہ مجلس نکاح میں حاضر نہ ہوا۔میری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ نکاح کے جواز میں صرف گواہوں کا حاضر ہونا، یا گواہوں کی حاضری اور سماع، یا ان دونوں کے ساتھ فہم کا ذکر حقیقۃً ان سب کا مقصد ایک ہی ہے،اور اللہ سبحانہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے۔(ت)

پس مسئلہ دائرہ میں جبکہ مرد وزن ان الفاظ سے قصد انشاء کریں اس کے ساتھ یہ بھی ضرور کہ دو شاہد بھی ان کی اس گفتگو کو عقد نکاح سمجھیں خواہ بذریعہ قرائن یا خود عاقدین کے مطلع کررکھنے سے ورنہ اگر سب حضار نے اسے محض اخبار جانا تو "**فاھمین انہ نکاح**" صادق نہ آیا اور نکاح صحیح نہ ہوا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۳

هذا ما قلته تفقها ثم رأیت فی ردالمحتار ،قال حاصل مافی الفتح وملخصه انه لابد فی کنایات النکاح من النیة مع قرینة او تصدیق القابل للموجب وفهم الشهود المراد اعلامهم به[1] اهفاتضح المرام والحمد لله ولی الانعام ،اقول: وینبغی ان یکون الاعلام قبل العقد کما اشرت الیه لیکونا جامعی شرائط الشهادة عند العقد الاتری ان فاهمین فی کلامهم حال ولابد من مقارنة الحال والعامل والله تعالٰی اعلم هذا کله ممافاض علٰی قلب الفقیر بفیض القدیر والمولٰی تعالٰی اذا شاء الحق الجاهل العاجز بالماهر الخبیر والحمد لله علٰی حسن التوفیق والهام التحقیق والصلٰوة والسلام علٰی سید العالمین محمد واٰله وصحبها اجمعین۔	یہ میں نے اپنی سمجھ سے کہا پھر میں نے ردالمحتار میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ فتح کا ماحاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ کنایات نکاح میں نیت مع قرینہ، یاقبول کرنے والے کا ایجاب کرنے والے کی تصدیق کرنا اور گواہوں کا مراد سمجھنا یا ان کو بتایا جانا ضروری ہے اھ پس مقصد واضح ہوگیا اور اللہ تعالٰی مالک انعام کے لیے تعریف ہے **اقول:** گواہوں کو نکاح کے بارے میں پہلے بتانا مناسب ہے تاکہ وہ نکاح کے وقت شہادت کی شرائط پوری کرسکیں۔ جیسا کہ میں نے اشارہ کیا ہے، کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ فقہاء نے گواہوں کے فاہم ہونے کو حال قرار دیا ہے جبکہ حال اور اس کے عامل کا مقارن ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔یہ سب کچھ اس فقیر کے قلب پر فیضان ہوا مولٰی تعالٰی قادر کے فیض سے، جب اللہ تعالٰی چاہے تو وہ جاہل عاجز کو ماہر خبیر سے ملحق کردیتا ہے اور اللہ تعالٰی کے لیے سب تعریفیں ہیں اس کے اچھی توفیق دینے پر اور تحقیق کے الہام پر، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سید العالمین پر صلٰوۃ وسلام اور ان کی آل واصحاب پر، آمین! (ت)

پھر جس حالت میں انعقاد نکاح کا حکم ہو ذکر مہر کی کوئی حاجت نہیں کہ نکاح بے ذکر بلکہ بذکر عدم مہر بھی صحیح ومنعقد ہے کما نصوا علیه (جیسا کہ اس پر انھوں نے تصریح کی ہے۔ت) والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه تعالٰی اتم واحکم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۹

رسالہ
ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھند وبنجالہ ۱۳۱۷ھ
(بنگال اور ہندوستان میں نکاحوں کے بارے میں کوتاہی کو مٹانے والا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۷: ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ہجریہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جو کہ عقد ہوتے ہیں کہ ایک شخص غیر کو ولی ہندہ نے وکیل قرار دے کر اور دو شخص اور ہمراہ اس کے واسطے گواہی کے مقرر کرکے واسطے اجازت لینے نکاح کے ہندہ کے پاس بھیجے وہ شخص کسی کا سر اور کسی کا پاؤں کچلتا ہوا ہنگامہ مستورات میں جاکر قریب ہندہ کے بیٹھا اور یہ کلمات کہے کہ تو مجھ کو واسطے عقد اپنے کے وکیل کردے وہ بے چاری بباعث رواج اس ملک اور شرم کے کب گویا ہوتی ہے اکثر مستورات اس کو فہمائش کرتی ہیں مگر وہ نہیں جواب دیتی اور بعض بعض کچھ گریہ یا "ہوں" کا اشارہ کردیتی ہیں۔ بعد کو وکیل صاحب باہر تشریف مع دونوں گواہوں کے لاکر، دولھا کے روبرو آکر بیٹھتے ہیں اور داہنے دولھا کے ایک شخص اور، کہ دعوی قضا کا رکھتے ہیں اور پیشہ کفش دوزی یا خیاطی یا نور بافی کا کرتے ہیں وہ بھی بیٹھتے ہیں۔۔۔۔۔ جو کہ وکیل صاحب مع گواہوں کے تشریف لائے تھے وہ قاضی صاحب سے سلام علیك کرکے روبرو دولھا کے بیٹھ گئے، قاضی صاحب نے وکیل صاحب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ کا آنا کہاں سے ہوا، وکیل صاحب نے جواب اس کے، ارشاد کیا کہ دختر فلاں نے واسطے عقد اپنے کے مجھ کو وکیل مقرر کرکے

بھیجا ہے اور میری وکالت کے یہ دونوں اشخاص گواہ ہیں آپ اس کا عقد نوشہ ہذا کے ساتھ کر دیجئے۔ قاضی صاحب نے بعد طے ہونے گفتگو عقد اور تعین مہر مبلغ ایک لاکھ روپے اور بیس دینار سرخ سوائے نان نفقہ کے نوشہ کی طرف متوجہ ہو کر خیال کیا کہ کنگنہ جو ہاتھ میں دولھا کے بندھا تھا وہ کھول کر علیحدہ رکھ دیا اور سہرا کولوٹ کر شملہ پر لپیٹ دیا اور یہ کلمات فرمائے کہ فلاں شخص کی دختر کو بوکالت فلاں شخص اور بہ گواہی فلاں شخص کے بالعوض اس قدر مہر سوائے نان نفقہ کے بیچ نکاح تیرے کے دی میں نے، قبول کی تونے، اس نے کہا قبول کی میں نے۔ بعد کو وکیل صاحب مع گواہوں کے چلے گئے، اور قاضی صاحب بھی اپنا حق نکاح خوانی مع دو رکابی پلاؤ کے لے کر تشریف لے گئے۔ دولھا نے وہ کنگنہ پھر اپنے ہاتھ میں باندھ لیا۔ آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور جو کہ اولاد ہوئی وہ حرام کی ہوئی یا حلال کی ہوئی؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ نکاح درست نہیں ہوا اور جو کہ اولاد ہوئی وہ حرامی ہوئی اور شناخت حرام اور حلال کی یہ ہے کہ جو اولاد ایسے نکاحوں سے ہوتی ہے ان سے اکثر یہ فعل سرزد ہوتے ہیں جیسے زنا یا شراب خوری یا قمار بازی یا لواطت، سوا اس کے جو فعل ناشائستہ ہیں وہ سرزد ہوتے ہیں یا کہ والدین سے جنگ جدال کرنا اور بزرگ کا لحاظ پاس نہ کرنا۔ یہ فعل اولاد صالح اور حلال سے ہرگز عمل میں نہیں آئیں گے۔ اور قول عمرو کا یہ ہے کہ کچھ اس نکاح میں قباحت نہیں اور نہ اولاد حرام ہو سکتی ہے کیونکہ قدیم سے یہی رسم چلی آئی۔ اگر ایسا ہو تو سب مخلوق خدا حرامی ہوگی، آیا قول زید کا درست ہے یا عمرو کا؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ بالفرض کنگنہ بھی نہیں ہے اور نکاح بھی اصالۃً یا ولایۃً یا کہ جو وکیل ہے اسی نے ایجاب قبول کرایا اور بعد اس کے کلمات کفر کے طرفین سے خواہ شوہر یا عورت سے سرزد ہوئے اور ان کی تمیز نہیں ہے کہ یہ کلمات کفر ہیں جب بھی نکاح جاتا رہے گا اور جو قبل از توبہ اور سرِ نو ایجاب قبول کرنے کے اولاد ہوگی وہ بھی حرامی ہوگی۔ **بینوا توجروا من اللہ۔**

الجواب:

ظاہر ہے کہ عورت سے اذن جبھی لیا جاتا ہے کہ عاقلہ بالغہ ہو، اور بیشک عاقلہ بالغہ کا اذن شرعًا معتبر اور بیشک دوشیزہ کا سکوت بھی اذن۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم البکر تستأذن فی نفسہا واذنہا صماتہا[1]، رواہ احمد والستۃ	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: باکرہ لڑکی سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے اور اجازت کے جواب میں خاموشی باکرہ کی

[1] صحیح مسلم باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۵

الا البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اجازت ہوگی۔امام احمد نے اور صحاح ستہ میں ماسوائے بخاری کے اس کو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ ولی اقرب اس سے اذن لے ورنہ مجرد خاموشی اذن نہ ٹھہرے گی۔درمختار میں ہے:

فان استاذنھا غیر الاقرب کا جنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکوتھا[1] الخ۔	اگر باکرہ سے ولی اقرب کا غیر مثلاً کوئی اجنبی یا ولی بعید اجازت طلب کرے تو یہاں باکرہ کی خاموشی رضا میں معتبر نہیں الخ۔(ت)

اور بیشک اکثر لوگ جو وکیل کئے جاتے ہیں اجنبی یا ولی بعید ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں اگر انھوں نے اذن لے لیا اور دوشیزہ نے سکوت کیا تو سرے سے انھیں کے لیے وکالت ثابت نہ ہوئی اور اگر اس نے صاف "ہوں" کہہ دیا یا ولی اقرب کے اذن لینے پر سکوت کیا تو اس کے لیے وکالت حاصل ہوگئی مگر وکیل بالنکاح کو شرعاً اتنا اختیار ہے کہ خود نکاح پڑھائے نہ کہ دوسرے کو پڑھانے کی اجازت دے جب تک ماذونِ مطلق یا صراحۃً دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہ ہو بغیر اس کے اگر اس نے دوسرے سے پڑھوایا تو صحیح مذہب پر نکاح بلااذن ہوگا اگرچہ عقد اس کے سامنے ہی واقع ہو،

فی ردالمحتار عن العلامۃ الرحمتی عن العلامۃ الحموی عن کلام الامام محمد فی الاصل ان مباشرۃ وکیل الوکیل بحضرۃ الوکیل فی النکاح لاتکون کمباشرۃ الوکیل بنفسہ بخلافہ فی البیع[2] الخ "اقول: نص الغمز عن الولوالجیۃ ھکذا لو وکل رجلا فوکل الوکیل غیرہ وفعل الثانی بحضرۃ الاول فان کان بیعا اوشراء یجوز وماعدا البیع والشراء من الخصومۃ والتقاضی والنکاح والطلاق وغیر ذٰلک	ردالمحتار میں علامہ رحمتی نے علامہ حموی کے حوالے سے اصل(مبسوط) میں ذکر شدہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام نقل کیا ہے کہ نکاح میں خود وکیل کی موجودگی میں وکیل کی بات معتبر نہیں ہے، بیع کا معاملہ اس کے برخلاف ہے،**اقول:** میں کہتا ہوں کہ غمز نے ولوالجیہ سے یوں نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور اگر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں عمل کیا تو ایسی صورت میں اگر بیع وشراء کا معاملہ ہو تو جائز ہے اور اس کے علاوہ دیگر امور مثلاً عدالتی مطالبہ، نکاح،

---
[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۰

ذکر عصام فی مختصرہ انہ یجوز،وذکر محمد فی الاصل انہ لایجوز فانہ قال اذا فعل الثانی بحضرۃ الاول لم یجز الافی البیع والشراء وھو الصحیح [1] اھ ملخصا۔ فاذا کان ھذا ھو مفاد الاصل وقد ذیل با لتصحیح فانقطع الخلاف واضمحلت الروایۃ النادرۃ وسقط مافی الخانیۃ،فکیف بما فی القنیۃ وان ایدہ العلامۃ الطحطاوی وترکہ علامۃ البحر فی البحر والمحقق العلائی فی الدر مستشکلا ولاغرو فقد شھدت کلماتھم رحمھم اللہ تعالٰی انھم لم یطلعوا اذ ذاك علی کلام الاصل،اصلاحیث لم یلموا بہ الماما ولااشموا منہ اشماما،ولکن العجب من خاتمۃ المحققین العلامۃ الشامی قدس سرہ السامی حیث اورد کلام الاصل ثم لم یسمح الاباستظھار عدم الجواز مریدا عدم النفاذ،اذ العقد عقد فضولی فکانہ اقتصر علی النقل عن العلامۃ مصطفٰی ولوراجع الغمز لرأی تصحیح الامام الولوالجی لما فی الاصل ومعلوم ان	طلاق وغیرہ ہوں تو عصام نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ ان امور میں بھی اس کا عمل جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے تو یوں فرمایا کہ اگر دوسرا وکیل پہلے وکیل کی موجودگی میں عمل کرے تو بیع وشراء کے علاوہ میں جائز نہیں ہے،اور یہی صحیح ہے اھ ملخصا،جب اصل (مبسوط) کا مفاد یہی ہے اور اسی ضمن میں اس کی تصحیح کردی گئی ہے تو اس کا خلاف ختم اور نادر روایت کمزور ثابت ہوگئی اور خانیہ کا بیان ساقط ہوگیا۔تو اب قنیہ کے بیان کی کیا حیثیت ہے اگرچہ علامہ طحطاوی نے اس کی تائید کی ہے اور پھر اس کو علامہ بحر نے بحر میں اور محقق علائی نے در میں باعث اشکال قرار دیا ہے اور کوئی بعید نہیں ان حضرات نے اصل کے بیان پر اطلاع نہ پائی ہو جیسا کہ ان حضرات کے کلام سے عیاں ہو رہا ہے،کہ انھوں نے اصل کے مضمون کو چھوا تک نہیں ہے لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں تعجب ہے کہ انھوں نے اصل کے بیان کو ذکر کرنے کے باوجود عدم جواز کے اظہار کے علاوہ کچھ تعرض نہ فرمایا حالانکہ وہ اس کے نفاذ کے خواہاں نہیں ہیں کیونکہ دوسرے وکیل کا نکاح میں یہ عقد فضولی ہے،معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی نے علامہ مصطفٰی کی نقل کو کافی سمجھا اور اگر وہ غمز کی طرف رجوع کرتے تو امام ولوالجی کا اصل کی عبارت کو صحیح قرار دینا دیکھ لیتے

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۱/۲

روایۃ الاصول اذا صححت سقطت کل روایۃ سواھا فکان السبیل الجزم دون مجرد الاستظھار، واللہ ولی التوفیق۔	___ کیونکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ جب اصول کی روایات کی تصحیح ہوجائے تو باقی تمام روایات ساقط قرار پاتی ہیں اس لیے مناسب تھا کہ علامہ شامی صرف اظہار کی بجائے اپنے جزم کو کلام میں لاتے، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ (ت)

بہر حال مذہب راجح پر یہ نکاح نکاح فضولی ہوتے ہیں اور نکاح فضولی کو مذہب حنفی میں باطل جاننا محض جہالت وفضولی بلکہ باجماع ائمہ حنفیّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم منعقد ہوجاتا ہے اور اجازت اصیل پر (کہ یہاں وہ عورت ہے جس کے لیے بے اذن اس کا نکاح غیر وکیل نے کردیا) موقوف رہتا ہے اگر وہ اجازت دے نافذ ہوجائے اور رد کردے تو باطل۔

کما ھو حکم تصرفات الفضولی جمیعا عندنا کما صرح بہ فی عامۃ کتب المذھب۔	جیسا کہ فضولی کے تمام تصرفات کا ہمارے ہاں حکم ہے جس کی تمام کتب مذہب میں تصریح ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب اوسلطان بغیر اذنھا بکرا کانت اوثیبا فان فعل ذٰلك فالنکاح موقوف علی اجازتھا فان اجازتہ جاز وان ردتہ بطل کذا فی السراج الوھاج [1]۔	عاقلہ بالغہ کی مرضی کے خلاف باپ یا حاکم کا کیا ہوا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا خواہ وہ عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اگر ایسا ہو تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ وہ جائز قرار دے تو جائز ہوگا ورنہ اگر رد کردے تو وہ نکاح باطل ہوجائے گا، سراج وہاج میں یوں ہی ہے۔ (ت)

پھر اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے مثلاً عورت خبر نکاح سن کر کہے میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا راضی ہوئی یا مجھے قبول ہے یا اچھا کیا یا خدا مبارک کرے الٰی غیر ذٰلك من الفاظ الرضا (علاوہ ازیں تمام وہ الفاظ جو رضا پر دلالت کرتے ہیں۔ت) یوں ہی اس فعل یا حال سے بھی آگاہ ہوجاتی ہے جس سے رضامندی سمجھی جائے مثلاً عورت اپنا مہر مانگے یا نقد طلب کرے یا مبارکباد لے یا خبر نکاح سن کر خوشی سے ہنسے یا مسکرائے یا اپنا جہیز شوہر کے گھر بھجوائے یا اس کا بھیجا ہوا مہر لے لے یا اسے بلا جبر واکراہ اپنے ساتھ جماع یا بوس وکنار ومساس کرنے دے یا تنہا مکان میں اپنے ساتھ خلوت میں آنے دے یا اس کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

کام خدمت میں مشغول ہو جبکہ نکاح سے پہلے اس کی خدمت نہ کیا کرتی ہو۔ونحو ذلك من کل فعل یدل علی الرضا (اور یونہی اس قسم کے تمام وہ افعال جو رضا مندی پر دلالت کرتے ہیں۔ت) ان سب صورتوں میں وہ نکاح کہ موقوف تھا جائز و نافذ ولازم ہو جائے گا۔ عالمگیری میں ہے۔

کما یتحقق رضاها بالقول کقولها رضیت وقبلت واحسنت واصبت وبارك الله لك اولنا ونحوه یتحقق بالدلالة کطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطی وقبول التهنئة والضحك بالسرور من غیر استهزاء کذا فی التبیین[1]۔	جیسا کہ، میں راضی ہوں، میں نے قبول کیا، تونے اچھا کیا، تو نے درست کیا۔اللہ تعالٰی تجھے برکت دے یا ہمیں برکت دے جیسے الفاظ سے عاقلہ بالغہ کی رضامندی ثابت ہوتی ہے یوں ہی ان افعال سے دلالۃً رضا ثابت ہوگی مثلا مہر طلب کرنا، نفقہ طلب کرنا، وطی کی اجازت دینا، مبارکباد، قبول کرنا، خوشی سے ہنسنا وغیرہ، جیسا کہ تبیین میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وان تبسمت فهو رضا هوالصحیح من المذهب ذکره شمس الائمة الحلوانی کذافی المحیط[2]۔	اگر وہ خوشی سے تبسم کرے تو وہ رضا ہے، یہی صحیح مذہب ہے۔اس کو شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

الرضا باللسان اوالفعل الذی یدل علی الرضا نحوا لتمکین من الوطی وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدیة وکذافی حق الغلام[3]۔	رضا زبانی اور عمل دونوں طرح ہوتی ہے یہ ان امور میں ہے جو رضا پر دلالت کریں۔ جیسے وطی کی اجازت، مہر طلب کرنا، مہر کو وصول کرلینا، بخلاف ہدیہ قبول کرنے کے کہ یہ نکاح پر رضا مندی نہ ہوگی، لڑکے کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ میں زیر قول درمختار وقبول التهنئة والضحك سرور او نحو ذٰلک (مبارک باد قبول کرنا، ہنسنا خوشی میں وغیرہ۔ت) ہے کامرها بحمل جهازها الی بیت الزوج[4] (جیسے لڑکی کا جہیز کے سامان

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی شرائط النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۸

[4] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی دارالمعرفۃ بیروت ۲/۳۲

کو خاوند کے ہاں منتقل کرنے کا کہنا۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن الظھیریۃ لوخلاھا برضاھا ھل یکون اجازۃ لاروایۃ لھذہ المسئلۃ وعندی ان ھذا اجازۃ اھ فی البزازیۃ الظاھر انہ اجازۃ[1] اھ مافی الشامیۃ^٢٢ **اقول**: ومن ھٰھنا زدت المس والتعانق والتقبیل لان الخلوۃ برضاھا لما کانت امارۃ الرضا فھذہ الافعال اجدر واحری کمالایخفی۔	بحر میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ لڑکی کی رضامندی سے وہ شخص خلوت کرلے تو کیا یہ لڑکی کی طرف سے نکاح کو جائز قرار دینا ہے یا نہیں تو اس مسئلہ کی روایت نہیں ہے اور میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ، بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہوگی اھ شامی کی عبارت ختم ہوئی۔ **اقول**: یہاں پر میں نے چھونا، معانقہ، بوسہ کو مزید بڑھایا کیونکہ جب خلوت رضا کی دلیل ہے تو یہ امور رضا پر دلیل ہونے میں زیادہ واضح ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔(ت)

حاشیتین علامہ طحطاوی وشامی میں ہے:

قولہ بخلاف خدمتہ ای ان کانت تخدمہ من قبل ففی البحر عن المحیط والظھیریۃ ولواکلت من طعامہ اوخدمتہ کماکانت فلیس برضی دلالۃ[2] اھ۔	ماتن کے قول "لڑکی کاخدمت کرنا" اس کے خلاف ہے یعنی اگر لڑکی نکاح سے پہلے اس شخص کی خادمہ تھی تو اس بارے میں بحر، محیط اور ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر لڑکی نے اس شخص کا کھانا کھایا یا اس کی خدمت کی تو یہ رضا پر دلیل نہ ہوگی اھ(ت)

ہمارے بلاد میں عام لوگوں خصوصاً شریفوں خصوصاً اغنیاء میں اگرچہ یہ اکثر باتیں شب زفاف بلکہ مدت تک اس کے بعد بھی واقع نہیں ہوتیں۔اور بوس وکنار ومساس وجماع جو اس شب ہوتے ہیں غالبًا نہایت اظہار کراہت ونفرت کے ساتھ ہوتے ہیں جن کے باعث انھیں دلیل رضا ٹھہرانے میں دقت ہے مگراس میں شبہہ نہیں کہ شوہر کو شبِ زفاف تنہا مکان میں اپنے پاس آنے دینا اور اس خلوت پر سوا شرم کے کوئی اثر مترتب نہ ہونا یقینا ہوتا ہے نکاح نافذ ہوجانے کے لیے اسی قدر بس ہے اور یہ امر قطعًا پیش از جماع واقع ہوتا ہے تو جماع بعد نفاذ ولزوم نکاح واقع ہوا اور اولاد حلال ہوئی^٢٣ **بلکہ** اگر مقاصد شرع مطہرہ اور اپنے بلاد کے حالات کو پیش نظر رکھ کر نگاہ دقیق فقہی سے کام لیجئے تو شب اول شوہر کو اپنے ساتھ جماع پر قدرت دینا بھی حقیقۃً رضا ہے

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ٢/٣٠١

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت /۰، حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح دارالمعرفۃ بیروت ٢/٣٢

اگرچہ بظاہر ہزار اظہار تنفر کے ساتھ ہوں کہ یہ کراہتیں جیسی ہوتی ہیں سب کو معلوم ہے حقیقۃً حال یوں منکشف ہو کہ اس مرد کی جگہ کسی اجنبی کو فرض کیجئے جس سے اس کا نکاح نہ کیا گیا اس وقت بھی ایسی ہی ظاہر کراہتوں پر قناعت کرکے بالآخر جماع پر قدرت دے دے گی، حاشا وکلّا، تو صاف ثابت ہوا کہ یہ سب امور حقیقۃً قبول نکاح سے ناشی ہوتے [۲۴] **بلکہ** اس سے پہلے رخصت ہو کر جانا بھی اگرچہ بوجہ مفارقت اعزہ وخانہ مالوفہ نہایت گریہ وبکا کے ساتھ ہو انصافاً دلیل رضا ہے کہ اگر اسے اپنا شوہر ہونا پسند نہ کرتی اجنبی جانتی ہر گز زفاف کے لیے رخصت ہو کر اس کے یہاں نہ جاتی [۲۵] **بلکہ** اس سے بھی پہلے آرسی مصحف یعنی جلوہ کی رسم جہاں ہے بشرطیکہ عورت پہلے سے اس کے سامنے نہ آتی ہو وہ بھی دلیل قبول ہے کہ اگر غیر مرد سمجھتی زنہار منہ دکھانے پر راضی نہ ہوتی [۲۶] **اسی** طرح مٹھی کھلوانے وغیرہ کی رسمیں بھی کہ جلوہ سے بھی پیشتر ہوتی ہیں دلالت وعلامت قرار پاسکتی ہیں اور ان تمام باتوں میں بکر وثیب یکساں ہیں کہ ان میں صرف مسئلہ سکوت میں فرق ہے باقی دلالتیں دونوں برابر ہیں تبیین الحقائق میں ہے:

لافرق بینھما فی اشتراط الاستئذان والرضا وان رضا ھما قد یکون صریحا وقد یکون دلالۃ غیر ان سکوت البکر رضا دلالۃ لحیائھا دون الثیب [1]۔	باکرہ اور ثیبہ دونوں کا معاملہ اجازت طلب کرنے اور رضا حاصل کرنے میں مساوی ہے ہاں صرف اجازت کے موقعہ پر سکوت کے بارے میں فرق ہے کہ باکرہ کا سکوت اس کے حیاء کی وجہ سے رضا کی دلیل ہے مگر ثیبہ کے لیے نہیں۔ (ت)

غرض جب شرع سے قاعدہ کلیہ معلوم ہو لیا کہ جس فعل سے اس نکاح پر عورت کی رضا ثابت ہو اذن واجازت ہے اور بنظر تحقیق وانصاف جب اس شخص اور مرد اجنبی کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو یہ امور دلیل رضا وقبول نکلتے ہیں تو نفاذ نکاح کا انکار نہ کرے گا مگر جاہل بلکہ جب یہ طریقہ نکاح ہمارے بلاد میں عام طور پر رائج اور معلوم ہے کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا [۲۷] **بلکہ** دوسرے سے پڑھوائے گا تو کہہ سکتے ہیں کہ ضمن اذن میں دوسرے کو اذن دینے کا بھی عرفاً اذن مل گیا **فان المعروف کالمشروط کما ھو من القواعد المقررۃ والفقھیۃ** (جیسا کہ فقہی قواعد میں ہے کہ معروف مشروط کی طرح ہے (یعنی عرف میں مقررہ امور بغیر ذکر بھی معتبر ہوں گے۔ت) اور وکیل کو جب اذن توکیل ہو تو بیشک اسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے **فی الاشباہ لایوکل الوکیل الاباذن اوتعمیم** [2] الخ (اشباہ میں ہے کہ کوئی وکیل اپنا نائب وکیل مؤکل کی

---

[1] تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۱۱۹/۲

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۶/۲

اجازت یا عمومی اختیار کے بغیر نہیں بنا سکتا ہے۔ت)

اس تقدیر پر یہ نکاح سرے سے نافذ ولازم واقع ہوا جس کی تنفیذ میں ان تدقیقات کی اصلاً حاجت نہ رہی مگر یہ جب ہی کہہ سکیں گے کہ اس طریقہ نکاح کی شہرت ایسی عام ہو کہ کنواری لڑکیاں بھی اس سے واقف ہوں اور جانتی ہوں کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائے گا۔

والالم یکن معروفا عندھن فلا یجعل کالمشروط فی حقھن تأمل وراجع مسئلۃ سعر الخبز وغیرہ فی البلد۔	ورنہ یہ لڑکیوں کے ہاں معروف نہیں ہوگا اس لیے ان کے حق میں مشروط کی طرح نہ ہوگا، غور کرو اور شہر میں روٹی کے بھاؤ وغیرہ کے مسئلہ کی طرف رجوع کرو۔(ت)

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ وکیل اصلی نے بعد نکاح کوئی کلمہ ایسا نہ کہا جو اس نکاح کی اجازت ٹھہرے ورنہ خود اسی کے جائز کرنے سے جائز ہو جائے گا اگرچہ اسے اذن توکیل اصلاً نہ ہو۔

فی الاشباہ الوکیل اذا وکل بغیر اذن وتعمیم واجاز مافعلہ وکیلہ نفذ الا الطلاق والعتاق[1]۔	اشباہ میں ہے کہ اگر موکل کی اجازت کے بغیر یا عمومی اختیار حاصل کئے بغیر وکیل نے از خود دوسرا وکیل بنا لیا تو دوسرے وکیل کے لیے عمل کو پہلے وکیل نے جائز قرار دیا تو یہ عمل نافذ ہو جائے گا ماسوائے طلاق اور عتاق کہ ان میں نافذ نہ ہوگا۔(ت)

حموی میں ہے:

وکذا لو عقد اجنبی فاجاز الاول[2]۔	یوں ہی اگر وکیل کے لیے کسی اجنبی نے عمل کیا تو وکیل نے اسے جائز قرار دیا۔(ت)

غرض ہر طرح پیش از جماع ان نکاحوں کے نافذ اور لازم ہونے میں شبہہ نہیں تو اولاد قطعاً اولاد حلال اور [۲۸] **بالفرض** ان باتوں سے قطع نظر کیجئے اور بتقدیر باطل ہی مان لیجئے کہ اصلا ان امور سے کچھ واقع نہیں ہوتا تاہم جب ان بلاد میں عام مسلمین کو اس میں ابتلا ہے تو راہ یہ تھی کہ اس روایت پر عمل کریں جسے امام عصام نے اپنے متن میں اختیار فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی اور زاہدی نے قنیہ میں اس پر جزم کیا اور علامہ سیدی احمد طحطاوی نے اس کی تائید کی یعنی وکیل بالنکاح جب دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے اور وہ اس کے سامنے پڑھا دے تو نکاح جائز و نافذ ہو جائے گا اگرچہ وکیل کو

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱۔۱۰

[2] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱

اذن توکیل نہ ہو۔

اما روایة عصام فقد سمعت،واما الامام فقیه النفس فقال فی وکالة الخانیة الوکیل بالتزویج لیس له ان یؤکل غیرہ فان فعل فزوج الثانی بحضرة الاول جاز [1] اھ واما القنیة،ففی الدرلوا ستأذنها فسکتت فوکل من یزو جها ممن سماہ جازان عرفت الزوج والمهر کما فی القنیه،واستشکله فی البحر بانه لیس للوکیل ان یوکل بلااذن فمقتضاہ عدم الجواز اوانها مستثناہ [2] اھ قال ط قوله فمقتضاہ عدم الجواز قد یقال ان الوکیل فی النکاح وان تعدد سفیر ومعبر الحقوق ترجع الی الموکل فاذا لاضیر فی تعددہ لاسیما والزوج والمهر معلومان ویؤید ذٰلك ماذکرہ المص والشارح فی الوکالة حیث قالا الوکیل لایوکل الاباذن اٰمرہ الااذا وکله فی دفع زکاة فوکل اٰخر	لیکن عصام کی روایت توآپ نے سن لی مگر امام فقیہ النفس(قاضی خاں) توانھوں نے خانیہ کے باب وکالت میں فرمایا کہ نکاح کے وکیل نے اگر کسی کو وکیل بنایا تو یہ اس کو جائز نہیں،اور بنالیا تو دوسرے نے اگر پہلے کی موجودگی میں نکاح کیا تو جائز ہوگا اھ مگر قنیہ،تو در میں ہے کہ اگر وکیل نے لڑکی سے اذن لینا چاہا تو لڑکی خاموش رہی اور وکیل نے دوسرے شخص کو نامزد کیا تاکہ وہ اس لڑکی کا نکاح کرے تو لڑکی کو اگر زوج کا نام اور مہر معلوم ہو جائے تو اس دوسرے وکیل کا کیا ہوا نکاح جائز ہوگا۔جیسا کہ قنیہ میں ہے اس پر بحر میں اشکال کیا کہ وکیل از خود دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا،لہٰذا اس بنا پر دوسرے کا نکاح صحیح نہیں ہونا چاہئے،یا یہ صورت مستثنٰی قرار دی جائے اھ،اس پر طحطاوی نے فرمایا کہ اس کا قول،عدم جواز چاہئے،اس پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ نکاح کا وکیل صرف سفیر اور معبر ہوتا ہے،وہ اگر متعدد بھی ہوں تو حقوق صرف مؤکل کی طرف راجح ہوتے ہیں،تو یہ زیادہ بھی ہوں تو کوئی مضر نہیں خصوصًا جبکہ لڑکی کو خاوند اور مہر کا علم ہو جائے،اس کی تائید مصنف اور شارح کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انھوں نے وکالت کی بحث میں ذکر کیا ہے جہاں پر انھوں نے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوکالۃ فصل فی التوکیل بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۵۸۰/۳

[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۲/۱

والوکیل بقبض الدین اذا وکل من فی عیاله والاعند تقدیر الثمن من المؤکل للوکیل فیجوز التوکیل بلااجازة لحصول المقصود اھ ففی مسئلتنا ھذہ تظھر ھذہ العلة و ھی کالمسئلة الاخیرة بجامع التعیین فی کل فتکون مستثناة فتعین الجواب الثانی فی الشرح فتأمل[1] اھ مافی ط۔	فرمایا کہ وکیل بغیر اجازت دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا مگر جب کسی وکیل نے زکوۃ دینے کے لیے کسی کو اور قرض وصول کرنے میں وکیل نے اپنے عیال کو اور وکیل کے لیے موکل کی طرف سے ثمن طے کردینے کے بعد کسی دوسرے کو وکیل بنایا تو بلااجازت یہ وکالت جائز ہوگی کیونکہ اس سے مقصد پورا ہوجاتا ہے اھ تو ہمارے اس مسئلہ میں بھی یہی علت ظاہر ہوئی اور یہ آخری مسئلہ کی طرح ہے کہ ان میں جامع علت مقصد کی تعیین ہے اس لیے یہ مستثنٰی قرار پائے گا۔اور شارح کا جواب ثانی متعین ہوجائے گا،غور کر۔طحطاوی کا بیان ختم ہوا۔(ت)

اور اگر بحالت استیذان غیر اقرب سکوت ہوا تو روایت امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی موجود کہ مطلقاً سکوت کافی ہے۔

فی ردالمحتار تحت قوله استأذنها غیر الاقرب فلاعبرة لسکوتها الخ وعن الکرخی یکفی سکوتها فتح اھ[2]۔	ردالمحتار میں "لڑکی سے اجازت حاصل کرے کوئی غیر اقرب شخص،تو اس صورت میں لڑکی کے سکوت کا اعتبار نہیں الخ"کے تحت فرمایا،امام کرخی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کا سکوت رضا مندی کے لیے کافی ہے فتح اھ (ت)

مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق وتیسیر فرماتی ہے نہ معاذاللہ تضییق و تشدید،وللہذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوئیں علمائے کرام انھیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بناء پر مسلمان تنگی سے بچیں۔ردالمحتار کی کتاب الحدود میں ہے:

ھو خلاف الواقع حرج عظیم لانه یلزم منه تاثیم الامة[3]۔	یہ لوگوں میں مروج کے خلاف ہے اور بہت بڑا حرج ہے کیونکہ اس سے پوری امت کو گنہگار ٹھہرانا لازم آتا ہے۔(ت)

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب الولی دار المعرفة بیروت ۲/ ۳۰۔۲۹

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱

[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب فیمن وطی من زفت الیه داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۵

اسی کی کتاب الحظر میں ہے:

ھوارفق باھل ھذا الزمان لئلا یقعوا فی الفسق والعصیان [1]۔	یہ بات موجودہ زمانہ کے لوگوں کے لیے بڑی رعایت ہے تاکہ وہ فسق وگناہ میں مبتلانہ قرار پائیں۔(ت)

اسی کی کتاب البیوع میں ہے:

لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا ولاسیما فی مثل دمشق الشام، فانہ لغلبۃ الجھل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحد الطرق المذکورۃ وان امکن ذٰلك بالنسبۃ الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبۃ الی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج وما ضاق الامر الا اتسع ولایخفی ان ھذا مسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ کما یعلم من رسالتنا المسماۃ نشرالعرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف فراجعھا [2] اھ ملخصا۔	ہمارے زمانہ میں اس ضرورت کا پایا جانا واضح ہے خصوصًا شام میں دمشق جیسے شہر کے لیے کیونکہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے ان کو مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقہ سے باز رہنے کا پابند نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ بعض لوگوں کو پابند بنانا ممکن ہے مگر عام لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں ہے جبکہ عوام کو ان کی عادت سے منع کرنا ان کے لیے تنگی کا باعث ہے، اور جہاں معاملہ تنگ ہوتا ہے تو وہ وسعت کا باعث ہوتا ہے، اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ ظاہر روایت سے اختلاف کی وجہ یہی چیز ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے رسالہ "نشر العرف فی بناء الاحکام علی العرف" سے معلوم کیا جاسکتا ہے، تو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، اھ، ملخصًا۔(ت)

پس روشن ہوگیا کہ اگر روایت عصام وکرخی ہی پر مسلمانوں کا ان سخت آفتوں سے بچانا منحصر ہوتا تو انھیں پر بنائے کار چاہئے تھی نہ کہ مذاہب صحیحہ مشہورہ معتمدہ پر بالیقین یہ نکاح جائز ونافذ ہوں پھر بزور زبان یہاں کے عام مسلمان مردوں، مسلمان عورتوں، خدا کے پاکیزہ بندوں، ستھری بندیوں کو معاذاللہ زانی وزانیہ واولاد الزنا قرار دیا جائے، ایسی ناپاک جرأت نہ کرے گا مگر سخت ناخدا ترس۔

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ [3]۔	اللہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۲۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی بیع الثمر والزرع الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۹

[3] القرآن ۲۴/۱۷

اور اس کے باقی ہذیانات کہ ولد حلال وحرام کی تمیز چنیں وچناں ہے کلمات جنوں سے بہت مشابہ جو بشدت اہوال قابل جواب نہیں البتہ اس قدر ضرور ہے کہ اس طریقہ نکاح میں ایک بے احتیاطی ہے جس کے باعث بعض دقتوں میں پڑنے کا احتمال تو اہل اسلام کو ہدایت چاہئے کہ اس سے باز آئیں، تین باتوں سے ایک اختیار کریں:

اولاً سب سے بہتر یہ ہے کہ جس سے نکاح پڑھوانا منظور ہے عورت سے خاص اسی کے نام اذن طلب کریں اور ہمیشہ ہر طریقہ میں ملحوظ خاطر رہے کہ اذن لینے والا یا تو ولی اقرب یا اس کا وکیل یا رسول ہو یا عورت سے صراحةً "ہوں" کہلوالیں، مجرد سکوت پر قناعت نہ کریں، اور بعض احمق جاہلوں میں جو بدستور سنا گیا ہے کہ دلہن کے سر سے بلا ٹالنے کو پاس بیٹھنے والیوں میں سے کوئی "ہوں" کہہ دیتی ہے اس کا انسداد کریں۔

ثانیاً وکالت دوسرے ہی کے نام کرنا چاہیں تو یوں سہی کہ جس طرح دلھن سے اس کی وکالت کا اذن مانگیں یونہی اسے اختیار توکیل دینا بھی طلب کریں یعنی کہیں تو نے فلاں بن فلاں بن فلاں کو فلاں بن فلاں بن فلاں کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کا وکیل کیا اور اسے اختیار دیا کہ چاہے خود پڑھائے یا دوسرے کو اپنا نائب بنائے، دلھن کہے "ہوں"

ثالثاً اگر یہ بھی نہ ہو اور دوسرے ہی شخص نے وکیل کے سامنے نکاح پڑھایا تو جب وہ پڑھا چکے وکیل فوراً اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے اس نکاح کو جائز کیا۔ اور اس کہنے میں تاخیر نہ کرے کہ مبادا اس کے جائز کرنے سے دلھن کو خبر نکاح پہنچے اور اس کی ہم عمریں حسب عادت زمانہ اسے کچھ چھیڑیں اور وہ اپنی جہالت سے کوئی ایسی بات کہہ بیٹھے جس سے یہ نکاح کہ اب نکاح فضولی تھا رد ہوجائے پھر وکیل تو وکیل خود دلھن کے جائز کئے بھی جائز نہ ہوگا فان الاجازة لاتلحق المفسوخ (کیونکہ فسخ شدہ نکاح کو بعد کی اجازت مفید نہیں ہے۔ ت) بخلاف ان تینوں شکلوں کے کہ بالکل اندیشہ ودغدغہ سے پاک ہیں۔

رہا زید کا کنگنے وغیرہ کو ذکر کرنا، وہ محض فضول کہ آخر یہ رسمیں کفر تو نہیں جن کے باعث نکاح نہ ہو۔ ہاں معاذاللہ اگر مرد یا عورت نے پیش از نکاح کفر صریح کا ارتکاب کیا تھا اور بے توبہ واسلام ان کا نکاح کیا گیا تو قطعاً نکاح باطل، اور اس سے جو اولاد ہو ہوگی ولد الزنا، اس طرح اگر بعد نکاح ان میں کوئی معاذ اللہ مرتد ہوگیا اور اس کے بعد کے جماع سے اولاد ہوئی تو وہ بھی حرامی ہوگی، اس کے سوا وہ کلمات جن پر فتاوٰی وغیرہا میں خلافِ تحقیق حکم کفر لکھ دیتے ہیں اور وہ کلمات جن میں کوئی ضعیف مرجوع روایت بھی اگرچہ اور کسی امام کے مذہب میں عدم کفر کی نکل آئے ان کے ارتکاب سے گو یا تجدید اسلام ونکاح کا حکم دیں مگر اولاد اولادِ زنا نہیں۔

فی الدرالمختار وغیرہ مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا ومافیه خلاف یؤمر بالتوبة والاستغفار وتجدید النکاح [1] اھ. واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	درمختار وغیرہ میں ہے جو چیز بالاتفاق کفر ہو اس کے ارتکاب سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اوراس کے بعد کی اولاد، ولدِ زنا ہوگی اور جس چیز کے کفر میں اختلاف ہو اس کے ارتکاب پر توبہ واستغفار اور تجدید نکاح کا حکم ہوگا اھ، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸: از رامپور افغاناں فرنگن محل بذریعہ ملاظریف مرسلہ مولوی علیم الدین صاحب چاٹگامی ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ اس ملک بنگالہ میں زمانہ قدیم سے درمیان عوام بلکہ اکثر خواص کے بھی یہی دستور ہے کہ بعد خواستگاری اور قول اقرار مربّیان طرفین اور قبل ایجاب وقبول کے مخطوبہ کو بعد ضیافت براتیان کے مکان میں لاکراس طور پر نکاح کراتے ہیں کہ چند مربّیان عاقدین بالغین وچند بزرگان مجلس کی اجازت سے ایک شخص کواس مجلس والے وکیل مخطوبہ قرار دے کر اور دو گواہ یا تین چار گواہ کواس وکیل کے ساتھ کرکے دولھا کی مجلس سے مخطوبہ کے پاس جو قریب پردہ کے اندر بیٹھی ہوئی ہے روانہ کرتے ہیں اب یہ وکیل مخطوبہ کے قریب گواہوں کے ساتھ جاکر مخطوبہ سے اس طرح قبول کراتا ہے کہ اے فاطمہ، زید کی بیٹی! تو نے بکر کو جو خالد کا پسر ہے اس قدر مہرپر جو اس کے اوپر واجب الادا ہوگا اپنی زوجیت میں قبول کیا، تو فاطمہ بآواز بلند کہتی ہے کہ میں نے قبول کیا، یافقط "قبول کیا" کہہ دیا، اوراس قبول مخطوبہ کو گواہان نے بھی سن لیااب پھر وہ وکیل خاطب کی مجلس میں اپنے گواہان کے ساتھ حاضر ہوتا ہے تو جو قاضی عقد کرانے کو دولھاکے پاس بیٹھا ہے وہ اس وکیل سے سوال کرتا ہے کہ تو کون ہے، تو وہ وکیل جواب دیتا ہے کہ میں فاطمہ مخطوبہ کا وکیل ہوں، تو قاضی دریافت کرتا ہے کہ توکیا جانتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے کہ فاطمہ دختر زید نے بکر پسر خالد کو اپنی زوجیت میں قبول کیا ہے اور میں نے قبول کرایا ہے، پھر قاضی سوال کرتا ہے کہ تمھارا کوئی گواہ بھی ہے تو وکیل اپنے گواہوں کی طرف اشارہ کرکے بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ گواہ موجود ہیں تو قاضی پھر ان گواہوں کی طرف متوجہ ہو کر ہر ایک گواہ سے الگ الگ سوال کرتا ہے اور گواہ لوگ اپنی سماعت بیان کرتے ہیں یعنی فاطمہ نے بکر کو قبول کیا، اب جب قاضی کو سماعت شہادت سے فراغت ہوئی تو بہ تعلیم قاضی یا خود وکیل مذکور بکر کو قبول

[1] درمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۹

کراتا ہے کہ تونے فاطمہ دختر کو اس قدر (سو روپے یا ہزار مثلاً) مہر اپنے ذمہ لے کر قبول کیا یا "قبلت" تو بکر اقرار کرتا ہے کہ میں نے ہندہ کو قبول کیا یا فقط قبول کیا یا "**قبلت**" کہہ دیا پھر قاضی خطبہ وغیرہ پڑھ کر مجلس عقد ختم کردیتا ہے تو اب صورت مذکورہ میں فاطمہ اور بکر کا نکاح منعقد ہوا یا نہیں، بر تقدیر اول بعض علماء کو یہ شبہہ ہے کہ یہ وکیل مذکور نہ تو خاطب کی طرف سے مقرر ہوا نہ مخطوبہ کی طرف سے، حالانکہ یہ دونوں بالغ ہیں اور بالغ کا نکاح بلااذن عاقدین کیونکر ہوسکتا ہے، اور بر تقدیر ثانی ہزاروں آدمی حرامزادے قرار پاتے ہیں، اور یہ ایجاب وقبول مذکور کیا قرار پائیں گے، کیا نکاح مذکور بالکل معدوم قرار دیا جائے گا۔ کیا نکاح فضولی سے خارج ہوگیا، **بینوا توجروا**۔

الجواب:

اس مسئلہ میں ابانت جواب اور بتوفیقہ تعالٰی اصابت صواب محتاج نظر غائر وفکر دقیق۔

[۲۹]**فاقول: وباﷲ التوفیق** تحقیق مقام یہ ہے کہ سفیر مذکور جسے وہ عوام وکیل مخطوبہ ٹھہراتے ہیں اس کا مخطوبہ و خاطب دونوں سے خطاب مذکور بصورت استفہام ہے اگرچہ حرف استفہام مقدر ہے اور استفہام وعقد اقسامِ انشا سے دو قسم متبائن ہیں تو جہاں حقیقت استفہام مقصود ومفہوم ہو وہ کلام ایجاب یا قبول نہیں قرار پاسکتا ہاں اگر صورۃً استفہام اور معنیً تحقیق عقد مستفاد ہو تو ایجاب یا توکیل متصور ہوگا مگر اس کے لیے قیام قرینہ درکار **کما ھو شان کل مجاز** (جیسا کہ ہر مجاز کا تقاضا ہے۔ ت) ولہٰذا علماء فرماتے ہیں اگر زید نے عمرو سے کہا تو نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی اس نے کہا "دی" یا "ہاں" نکاح نہ ہوگا جب تک زید اس کے جواب میں "میں نے قبول کی" نہ کہے، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

لو قال رجل لاٰخر زوجتنی ابنتك فقال الاٰخر زوجت اوقال نعم مجیبا له لم یکن نکاحا مالم یقل الموجب بعدہ قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف زوجنی لانه توکیل[1]۔	اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، دوسرے نے جواب میں کہا کہ نکاح کردی، یا "ہاں" کہہ دیا تو نکاح نہ ہوگا جب تک ایجاب کرنے والا بعد میں یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کی، کیونکہ پہلے کا یہ کہنا کہ تو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، یہ صرف طلبِ خبر ہے عقد نکاح نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر پہلا یہ کہتا کہ تو مجھے نکاح کردے، تو اس سے دوسرا وکیل بن جاتا اور اس کا "نکاح کردی" کہنے سے نکاح ہوجاتا۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۷

خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

رجل قال لاٰخر دختر خویش فلانہ مرادہ بزنی فقال دادم وھی صغیرۃ ینعقد النکاح وان لم یقل الزوج قبلت ولوقال دادی لایجوز اذا قال دادم مالم یقل الزوج پذیر فتم[1] الخ۔	ایک شخص نے دوسرے کو کہاتو اپنی فلاں لڑکی مجھے بیوی کے طور دے دے، تو دوسرے نے کہا میں نے دی، اس صورت میں اگر وہ لڑکی نابالغہ ہو تو پہلے کے "قبلت" (میں نے قبول کی) کہے بغیر نکاح ہوجائے گا۔ اور پہلے نے یہ کہا کہ تو نے مجھے دی ہے تو دوسرے کے "دے دی" کہنے سے نکاح نہ ہوگا جب تک پہلا "میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان وہندیہ میں امام ابوبکر محمد بن عقیل الفضل سے ہے:

اذا قال لاب البنت زوجتنی ابنتك فقال زوجت اوقال نعم لایکون نکاحاً الاان یقول له الرجل بعد ذٰلك قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف قوله زوجنی لانه توکیل[2] اھ باختصار۔	جب ایک شخص نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ تو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے نکاح کردی یا "ہاں" کہا تو نکاح نہ ہوگا مگر یہ کہ بعد میں پہلا شخص "میں نے قبول کی" کہہ دے تو نکاح ہوجائیگا کیونکہ "تو نے نکاح کی" کا لفظ خبر کے حصول کے لیے ہے اور عقد نکاح نہیں ہے، اس کے بخلاف اگر پہلا یوں کہتا ہے کہ "تو مجھے نکاح کردے" تو بطور توکیل نکاح ہوجاتا ہے اھ اختصاراً (ت)

نیز خانیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ بالفارسیۃ دختر خویش را مرادادی فقال دادم لایکون نکاحاً۔[3]	ایک شخص نے دوسرے کو فارسی میں کہا کہ تو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو جواب میں دوسرے نے کہا دے دی، تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

اسی طرح کتب معتبرہ کثیرہ میں ہے، یہ اصل استفہام کا حکم ہے،

فالاطلاق انما ھو بالنظر الی الحقیقۃ	کلام میں اطلاق حقیقی معنٰی کے لحاظ سے ہوتا ہے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۴، خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ ۱/۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۹

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۹

امالو اطلقت عــہ فھی مقیدۃ حقیقۃ بما اذالم یردبہ التحقیق۔	اور اگر عام کر دیا جائے تو پھر اس وقت حقیقی معنٰی مراد لینے کے لیے مجازی معنٰی (تحقیق عقد) مراد نہ ہونے کی قید ضرور ہوگی۔ (ت)

یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ہنگام ارادہ تحقیق عقد تام ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

لو قال بالفارسیۃ دختر خویش مرادادی فقال دادم لاینعقد النکاح لان ھذا استخبار واستیعاد فلا یصیر وکیلا الا اذا ارادبہ التحقیق دون الاستیلام [1]۔	اگر ایک نے دوسرے سے فارسی میں کہا کہ تو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو دوسرے نے کہا "دی" تو نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ یہ پہلے کا کلام، طلب خبر ہے اور طلب وعدہ ہے لہٰذا اس کلام سے دوسرا پہلے وکیل نہ ہوسکے گا۔ مگر یہ کہ پہلے نے اپنی کلام سے تحقیق عقد (مجازی معنٰی) مراد لیا ہو تو نکاح ہو جائے گا اور استفہام کا حقیقی معنی استفسار اور منگنی واستخبار ہو تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

قال لہ دختر خود فلانہ رابمن دہ فقال دادم وھی صغیرۃ انعقد وان لم یقل قبلت لانہ توکیل ولو قال بمن دادی لا، الا اذا قال دادم وقال الزوج پذیر فتم، الا اذا اراد بدادی التحقیق [2]۔	ایک نے دوسرے سے کہا کہ اپنی فلاں لڑکی مجھے دے، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے دی، تو نابالغہ لڑکی ہو تو نکاح ہو جائیگا اگرچہ پہلے نے اس کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہا ہو کیونکہ "اپنی لڑکی دے" کہنا دوسرے کو وکیل بنانا ہے، اور اگر پہلے نے یہ کہا ہو کہ "تو نے مجھے دی" تو پھر نکاح نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب دوسرے نے "میں نے دی" کہا اور پہلے نے اس کے جواب "میں نے قبول کی" کہا ہو، ہاں اگر پہلے نے دادی کے لفظ سے استفہام کی بجائے تحقیق عقد مراد لی ہو۔ (ت)

عــہ: ای جعلت الکلام مطلقا شاملا للحقیقۃ والمجاز وبالجملۃ فالتقیید موجب للاطلاق والاطلاق موجب للتقیید فافھم ۱۲ منہ۔ غفرلہ۔ (م)	یعنی کلام کو اطلاق پر رکھ کر عام کر دیا جائے یوں کہ حقیقت اور مجاز دونوں کو شامل ہو۔ خلاصہ یہ کہ کلام کو حقیقت سے مقید کرنا، دلالت میں اطلاق کو چاہتا ہے، اور کلام کو عام کرنا (حقیقت ومجاز کو شامل کرنا) عدم جواز کی قید کو چاہتا ہے، غور کرو۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ ۱/۶۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱۰

محیط وہندیہ میں ہے:

لاینعقد النکاح مالم یقل الخاطب پذیر فتم الااذا اراد بقول دادی التحقیق دون السوم [1] الخ۔	منگنی پوچھنے والا جب تک لڑکی کے باپ کے جواب کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہے گا نکاح نہ ہوگا، مگر یہ کہ اس کے اس کہنے "مجھے تونے اپنی لڑکی دی" سے مراد منگنی نہ ہو بلکہ تحقیق مراد ہے الخ (ت)

ذخیرۃ العقبی میں ہے:

قوله دادی استخبار فلایثبت التوکیل به نعم اذا ارید بقوله دادی التحقیق دون السوم ینعقد النکاح وان لم یقل الخاطب پذیر فتم الخ [2]۔	ایک کا کہنا "تونے دی" یہ طلب خبر ہے اس سے توکیل ثابت نہ ہوگی، ہاں اگر "تونے دی" سے مراد منگنی کی بجائے تحقیق ہو تو نکاح ہوجائے گا اگرچہ بعد میں یہ کہنے والا "میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

یہی محل ہے اس فرع ذخیرہ وہندیہ کا:

قیل لامرأة خویش رازن من کردی فقالت کردم ینعقد النکاح وکذا لو قال خویش رازن من گردانیدی فقالت گردانیدم [3]۔	اگر کسی عورت کو یہ کہا گیا تونے اپنے کو میری بیوی کردیا تو عورت نے کہا "میں نے کردیا" تو نکاح منعقد ہوجائے گا، اور یونہی اگر کسی نے عورت کو کہا تونے اپنے کو میری بیوی بنادیا، تو عورت نے کہا "میں نے بنادیا" نکاح ہوجائے گا (ت)

اور اس فرع محیط وہندیہ کا:

سئل نجم الدین عمن قال لامرأة خویشتن را بهزاردرم بمن بزنی دادی فقالت بالسمع والطاعة قال ینعقد النکاح ولو قالت سپاس دارم لاینعقد لان الاول	نجم الدین سے سوال کیا گیا کہ جس نے کسی عورت کو کہا کہ تونے اپنے کو ہزار مہر کے بدلے میری بیوی کردیا تو عورت نے جواب میں کہا "سنا اور اطاعت کی" تو انھوں نے فرمایا: نکاح منعقد ہوگیا، اور اگر عورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] ذخیرہ عقبٰی کتاب النکاح نولکشور کانپور ۲/۱۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

اجابة والثانی وعد[1]۔	نے جواب میں یوں کہا "پسند کرتی ہوں" تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ پہلا جواب قبولیت ہے اور دوسرا صرف وعدہ ہے۔ (ت)

لاجرم قول فیصل یہ قرار پایا کہ مدار کا مفہوم ومستفاد بنظر احوال وقرائن استعمال پر ہے۔ زید نے کہا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی، عمرو نے کہا دی، اگر مجلس منگنی کی تھی منگنی ہوئی اور نکاح کی تھی تو نکاح ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

وکذا (ای فی کونه ایجابا قوله) انا متزوجك اوجئتك خاطبا لعدم جریان المساومة فی النکاح اوهل اعطیتنیها ان کان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد[2]۔	یوں ہی الفاظ ایجاب میں سے یہ بھی ہیں "میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں" یا "میں پیغام نکاح دینے کے لیے آیا ہوں" یا "کیا تو نے مجھے اپنی لڑکی دی"، ان صورتوں میں اگر مجلس نکاح ہے تو نکاح قرار پائے گا اور اگر یہ مجلس منگنی ہو تو منگنی قرار پائے گی، کیونکہ نکاح میں بھاؤ جاری نہیں ہوتا (صرف منگنی یا نکاح ہوتا ہے) (ت)

شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی پھر شرح قدوری للزاہدی پھر انقرویہ وواقعات المفتین میں ہے:

قال له هل اعطیتنیها فقال اعطیت فان کان المجلس للوعد فوعد وان کان لعقد النکاح فنکاح[3]۔	ایک نے دوسرے کو کہا تو نے اپنی لڑکی مجھے دی ہے تو دوسرے نے کہا میں نے دی، تو اگر یہ مجلس نکاح ہو تو نکاح ہوگا اور مجلس منگنی ہو تو منگنی ہوگی (ت)

فتح القدیر وردالمحتار میں ہے:

لما علمنا ان الملاحظة من جهة الشرع فی ثبوت الانعقاد ولزوم حکمه جانب الرضی عدّینا حکمه الی کل لفظ یفید ذٰلك بلا احتمال مسا و للطرف الاٰخر فقلنا لوقال بالمضارع ذی الهمزة اتزوجك فقالت زوجت نفسی انعقد و	جب ہمیں معلوم ہوا کہ نکاح کے منعقد ہونے اور اس حکم کے لازم ہونے میں شریعت نے رضا والے پہلو کا لحاظ کیا ہے۔ تو ہم نے اس پر نکاح کے حکم کو ایسے الفاظ تک پھیلایا جو رضا کے اظہار کا فائدہ دے سکتے ہیں بشرطیکہ یہ رضا کے خلاف کا مساوی طور پر احتمال نہ رکھتے ہوں، اس لیے ہم نے یہ کہا کہ اگر کسی نے مضارع واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے یوں کہا "میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں" تو عورت نے اس کے جواب میں کہا "میں نے اپنا نکاح کیا" تو نکاح ہوجائے گا اگر کسی نے مضارع واحد مخاطب کے صیغہ کو استعمال کیا اور یوں کہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب النکاح دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/۳۳

فی المبدوء بالتاء تزوجنی بنتك فقال فعلت عند عدم قصد الاستیعاد لانه یتحقق فیه هذا الاحتمال بخلاف الاول لانه لایستخبر نفسه عن الوعد واذاکان کذالك والنکاح مما لایجری فیه المساومة کان للتحقیق فی الحال فانعقد به لاباعتبار وضعه للانشاء بل باعتبار استعماله فی غرض تحقیقه واستفادة الرضی منه حتی قلنا لوصرح بالاستفهام اعتبر فهم الحال، قال فی شرح الطحاوی لوقال هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح[1] اھ۔	"تو اپنی بیٹی مجھ سے نکاح کردے گا" توجواب میں دوسرے نے کہا "میں نے کردیا" جب اس سے وعدہ کاارادہ نہ ہو تو یہ الفاظ بھی چونکہ رضامندی کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے نکاح ہوجائے گا، اسکے بخلاف پہلی صورت میں وعدہ کا احتمال نہیں کیونکہ خود متکلم مضارع کے صیغہ سے اپنی ذات کے بارے میں وعدہ کی خبر نہیں دیتا، جب یہ معاملہ ہے تواس صورت میں فی الحال نکاح کو قائم کرنا مقصود ہے تو اسی وقت نکاح ہوجائے گا، کیونکہ نکاح میں مذکورہ الفاظ سے بھاؤتو مراد نہیں ہوسکتا، توایسے الفاظ سے نکاح کا انعقاد اس لیے نہیں کہ یہ الفاظ نکاح کے لیے وضع ہیں بلکہ اس لیے کہ ان الفاظ کا استعمال مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے کیا گیا اور ان سے رضامندی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ حتی کہ ہم یہ کہیں گے اگر کسی نے ان الفاظ سے صراحۃً استفہام مراد لیا توپھر حال کا اعتبار کیا جائے گا، طحاوی کی شرح میں فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا: "کیا تونے اپنی بیٹی مجھے دی ہے" تودوسرے نے جواب میں کہا کہ "میں نے دی ہے" تواس صورت میں اگر مجلس منگنی ہو تو یہ منگنی ہوگی اور یہ مجلس نکاح ہوتو نکاح ہوگا اھ (ت)

اس تحقیق انیق سے عبارات ملتئم ہوگئیں اور حکم منتظم وتمام الکلام علی مسألة الاستفهام فیما علقنا ہ علی رد المحتار (اور مسئلہ استفہام پر مکمل کلام ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ت) جب یہ اصل منقح ہولی اب صورت مستفسرہ کی طرف چلئے، شخص مذکور کہ مجلس خاطب سے اٹھ کر مخطوبہ کے پاس جاتا ہے جبکہ اس سے پہلے نہ خاطب سے اذن لیا نہ مخطوبہ سے، اور وہ دونوں بالغ ہیں کہ ان کے معاملہ میں غیر کا اذن کوئی چیز نہیں تواسے وکالت سے کیا علاقہ، یقیناً فضولی محض ہوتا ہے مگر ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۴

کے نزدیک عقد فضولی محض فضول و نامقبول نہیں بلکہ منعقد ہو جاتا ہے اور اجازت صاحب اجازت پر موقوف رہتا ہے کما نصوا علیہ فی الکتب قاطبة (جیسا کہ فقہاء نے تمام کتابوں میں اس پر نص کی ہے۔ ت) پس اگر اس کلام سے کہ یہ فضولی مخطوبہ سے کہتا ہے تحقیق عقد مراد و مفہوم ہوتی تو اس وقت انعقاد نکاح میں شبہہ نہ تھا اس کا کلام ایجاب ہوا اور مخطوبہ کا جواب قبول۔ عقد موقوفاً منعقد ہوگیا۔ اس کے بعد جب فضولی مذکورہ خواہ دوسرے شخص نے خاطب کو اس کی خبر دی اور اس نے اظہار قبول کیا، یہ صراحۃً اس عقد موقوف کی تنفیذ ہوئی اور نکاح تام و نافذ ہوگیا، "قبول کیا میں نے" اور "قبول کیا" دونوں یکساں ہیں کہ جب "تو نے قبول کیا" کے جواب میں "قبول کیا" کہا تو اس کے صاف یہی معنٰی ہوئے کہ "میں نے قبول کیا" لان السوال معاد فی الجواب (کیونکہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے۔ ت) ذخیرہ و ہندیہ میں ہے:

قیل لامرأة خویشتن رابفلاں بزنے دادی فقالت داد وقیل للزوج پذیر فتی فقال پذیر فت ینعقد النکاح وان لم تقل المرأة دادم والزوج پذیر فتم [1]۔	اگر کسی عورت کو کہا کہ "تو نے اپنے کو فلاں کی بیوی بنادیا" تو عورت نے جواب میں کہا "بنادیا" تو خاوند کو کہا گیا "تو نے قبول کیا" اس نے کہا "قبول ہے" تو نکاح ہو جائیگا اگرچہ عورت اور مرد نے "میں نے قبول کیا" یا "میں نے اپنا نکاح دیا" نہ کہا ہو۔ (ت)

اصلاح وایضاح میں ہے:

قولھما داد پذیرفت بعد دادی وپذیر فتی جواب وقبول لمکان العرف فان جواب مثل ھذا الکلام قد یذکر بالمیم وبدونہ کفروخت وخرید فی البیع [2]۔	"تو نے دی، تو نے قبول کی" کے الفاظ کے بعد صرف "دی" "قبول کی" کہنا عرف کی بناپر ایجاب و قبول ہے، کیونکہ ایسی کلام کے جواب میں متکلم کا صیغہ ضروری نہیں ہے۔ جیسے بیع میں صرف "خرید وفروخت" کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے۔ (ت)

٣٠ **اقول:** جب فارسی میں داد و دادم و پذیرفت و پذیر فتم کا ایک حکم ہے تو اردو میں بدرجہ اولٰی

فان صیغۃ الماضی بالفارسیۃ للغائب	کیونکہ فارسی میں ماضی غائب اور متکلم کا صیغہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲۷۱/۱

[2] اصلاح وایضاح

غیرھا للمتکلم بخلاف لساننا فانما ھی صیغۃ واحدۃ للغائب والحاضر والمتکلم جمیعا وانما یفرق بالضمائر اوذکر الظاھر الاتری ان الفرس تقول اوکرد وتوکردی ومن کردم ونحن نقول فی الکل اس نے کیا، تونے کیا، میں نے کیا ومن کذٰلك فی الفعل اللازم وہ آیا تو آیا میں آیا وانما یفرق فیه بین الواحد والجمع والمذکر والمؤنث فصیغه فی اللازم اربع آیا آئی للواحد المذکر والمؤنث وآئے آئیں للجمعین کذٰلك وفی المتعدی صیغۃ واحدۃ للکل وھو کیا مثلاً سواء اسندته الی اس او انھوں او تو او ہم للذکر اوالذکور او الاثنی اوالاناث اولھم ذکرانا اواناثا ولافرق بین الغائب والحاضر والمتکلم فی شیئ منھما اصلا به تبین بطلان زعم من یزعم ان قول الخاطب قبول کی بدون میں نے لاینعقد به النکاح لعدم تعین القابل۔

علیحدہ ہے جبکہ ہماری زبان میں ماضی غائب، حاضر اور متکلم کا ایک ہی صیغہ ہے جو صرف ضمیر یا اسم ظاہر کی تبدیلی میں فرق پیدا کرتا ہے، آپ دیکھیں کہ فارسی والے اوکرد، تو کردی اور من کردم، ہر ایک کے لیے علیحدہ صیغہ استعمال کرتے ہیں، جبکہ ہم سب کے لیے صرف "کیا" کہتے ہیں، اس نے قبول کیا، تو نے کیا، میں نے کیا، اور یوں ہی ہماری زبان میں فعل کا بھی ایک ہی صیغہ ہے جو ضمیر لگانے سے غائب، حاضر اور متکلم کا فرق ظاہر کرتا ہے مثلاً وہ آیا، تو آیا، میں آیا، البتہ واحد و جمع اور مذکر و مونث کے لحاظ سے لازم کے چار صیغے ہیں، آیا، آئی واحد مؤنث ومذکر کے لیے آئے اور آئیں جمع مذکر و مونث کے لیے ہیں، اور فعل متعدی کا صرف ایک صیغہ ہے، اور یہ ،کیا، ہے اس کو بھی ضمیر لگا کر واحد مذکر و مونث، جمع مذکر و مونث کے ساتھ غائب، حاضر متکلم کا فرق کیا جاتا ہے مثلاً اس نے کیا، تو نے کیا، میں نے کیا، غرضیکہ اردو میں فعل لازم اور متعدی کے لیے غائب، حاضر اور متکلم کا ضمیروں کے بغیر کوئی فرق نہیں ہے، اس بحث سے واضح ہوگیا کہ بعض کا خیال غلط ہے کہ شادی کا پیغام دینے والے پہلے شخص کا دوسرے کے "میں نے دی" کے جواب میں صرف "قبول کی" کہنا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ "میں نے" ذکر نہ کرے کیونکہ اس سے قبول کرنے والے کا تعین نہیں ہوتا لہٰذا "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہے (اس خیال کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں غائب، حاضر متکلم کے لیے صیغہ کا فرق نہیں ہے)۔ (ت)

مگر تقدیر مذکور سوال سے ظاہر یہ ہے کہ فضولی کا مخطوبہ سے وہ کلام بقصد انشائے عقد نہیں ہوتا، نہ وہ مجلس مجلس عقد سمجھی جاتی ہے بلکہ اسے اپنے زعم میں ہندہ سے طلب اذن کی مجلس سمجھتے اور اس گفتگو کو استیذان جانتے اور مجلس عقد مجلس کو قرار دیتے ہیں جب یہ وہاں سے واپس آکر خاطب سے خطاب کرتا ہے

ولہذا پلٹ کر قاضی کے پاس جاتا ہے جو عقد کرانے کو دولھا کے پاس بیٹھا ہے اور اس کے سوال پر اپنے آپ کو وکیل مخطوبہ ظاہر کرتا ہے اور اس کے قبول یعنی رضا سے خبر دیتا ہے، ان قرائن واضحہ سے مجلس مخطوبہ کا مجلس عقد نہ ہونا ظاہر، اور لا اقل اتنا تو بدیہی کہ ارادہ عقد ظاہر نہیں، معنی مجاز مراد نہ ہوسکنے کو اس قدر بس ہے۔

فان المجاز مفتقرالی قرینة تظهر ارادته فحیث لاقرینة ترجح جانبه لاتصح ارادته کما علمت من قول المحقق علی الاطلاق بلااحتمال مسا وللطرف الاخر واذاکان الامر ماوصفنا لم یصح جعل الاستفهام تحقیقا کما دریت۔	کیونکہ مجاز ایسے قرینے کا محتاج ہے جس سے متکلم کا ارادہ واضح ہوسکے۔ تو جہاں ایسا قرینہ نہ ہو جو مراد کو واضح کرسکے وہاں اس معنی مجازی کو مراد نہیں لیا جاسکتا، جیسا کہ محقق علی الاطلاق کے قول "غیر کا مساوی احتمال نہ ہو" سے واضح معلوم ہوا، جب معاملہ یہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے تو استفہام کا مجازی معنٰی، تحقیق عقد قرینہ کے بغیر مراد لینا درست نہ ہوگا، جیسا کہ آپ نے سمجھ لیا۔ (ت)

اب قول مخطوبہ کو ایک رکن عقد یعنی ایجاب وقبول قرار دیجئے تو باطل محض ہے کہ اس ایجاب کا قبول جاکر دوسری مجلس خاطب میں ہوگا اور کوئی ایجاب مجلس سے باہر قبول پر موقوف نہیں رہ سکتا۔

کما نصوا علیه فی عامة الکتب وفی النهر والدر من شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس [1] وفی التنویر وشرحیه لایتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح وبیع وغیرهما بل یبطل الایجاب ولا تلحقه الاجازة اتفاقا [2]۔	جیسا کہ فقہاء کرام نے عام کتب میں اس کی تصریح کردی ہے۔ نہر اور در میں ہے کہ ایجاب وقبول کے معتبر ہونے میں مجلس کا اتحاد ضروری ہے، اور تنویر اور اس کی دونوں شرحوں میں ہے کہ ایجاب مجلس سے کسی غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا، تمام عقود، نکاح وبیع وغیرہما کا یہی حکم ہے کہ ایجاب بالاتفاق باطل ہوجاتا ہے اور اس کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ (ت)

اور اگر توکیل ٹھہرائیں تو اس کی طرف بھی راہ نہیں، توکیل دوسرے کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنا نائب بنانا ہے انابت کا اصلاً کوئی ذکر نہ کلام شخص مذکور میں تھا نہ کلام مخطوبہ میں، تو اس کا حاصل صرف اس قدر ہوا کہ مخطوبہ نے اس کے سامنے زید کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کی رضا ظاہر کی، یہ توکیل نہ ہوئی۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۶

تنویر الابصار میں ہے:

ھواقامۃ الغیر مقام نفسہ فی تصرف جائز معلوم [1]۔	وہ یہ کہ غیر کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنے قائم مقام بنانا۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں زید و عمرو سے کہا کاش ! تو میرا نکاح فلاں عورت سے کر دیتا، اس نے کر دیا، یہ نکاح، نکاح فضولی ہوا، حالانکہ یہاں صراحۃً عمرو سے استعانت تھی تو مجرد اس قدر کہ اس نے کہا تو فلاں سے نکاح پر راضی ہے؟ اس نے کہاں "ہوں" کیونکر توکیل ہوسکتی ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل قال کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم قال بمجلس لرجل لیتك تزوجنی فلانۃ ھل اذا زوجہ یحنث ام لااجاب لایحنث لانہ لم یتزوج بل زوج والمزوج فضولی بلاشك والحال ھذہ [2] الخ۔	ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا ہو کہ جس عورت سے بھی نکاح کروں اس کو طلاق ہے، پھر اس شخص نے کسی مجلس میں ایک آدمی کو کہا کاش تو فلاں عورت سے میرا نکاح کردے، تو اس آدمی نے اس کا نکاح اس عورت سے کر دیا، تو کیا حانث ہوگا یعنی اس عورت کو طلاق ہوجائیگی یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اس کا نکاح ایک غیر شخص (فضولی) نے کیا ہے اور بلاشک معاملہ یہی ہے الخ (ت)

بالجملہ اس وقت تک کی جو کارروائی تھی لغو و فضول گئی، اب رہا وہاں سے واپسی کے بعد شخص مذکور کا خاطب سے خطاب، یہاں ضرور تحقیق عقد ہی مقصود ہے کہ ان کے زعم میں مجلس مخطوبہ مجلس توکیل تھی اب کہ یہ اپنے نزدیک وکیل بن کر آیا اس مجلس عقد میں عقد کرتا ہے تو یہ استفہام حقیقۃً ایجاب ہوا اور زوج کا کہنا قبول کیا قبول۔

[3] **اقول:** وباللہ التوفیق، تحقیق مقام یہ ہے کہ استفہام ہنگام ارادہ تحقیق مفید معنی امر ہوتا ہے

قال اللہ تعالٰی فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ای انتھوا [3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا تم باز آؤ گے؟ اس سے مراد یہ ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوکالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۳

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح فصل فی نکاح الفضولی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۷

[3] تفسیر جلالین تحت الآیۃ فھل انتم منتھون اصح المطابع دہلی ص ۱۰۶

وقال تعالٰی اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا۠ ای اصبروا [1] وقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم هل انتم تارکوا لی صاحبی [2] ای اترکوا۔	یہ ہے کہ باز آؤ۔ اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کیا تم صبر کروگے۔ اور تیرا رب تعالٰی بصیر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ صبر کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیاتم مجھے میرے صاحب کے بارے میں چھوڑ وگے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ تم چھوڑو (ت)

تو "تونے قبول کیا"؟ بمعنٰی "قبول کر" ہے، اور امر میں اگرچہ ہمارے علما مختلف ہوئے کہ وہ توکیل ہے یا ایجاب۔

فی الدر المختار زوجنی او زوجینی نفسك اوكونی امرأتی لیس بایجاب بل توکیل ضمنی وقیل ایجاب ورجحه فی البحر [3] اھ مختصرا وفی ردالمحتار مشی علی الاول فی الهدایة والمجمع ونسبه فی الفتح الی المحققین وعلی الثانی ظاهر الکنز واعترضه فی الدرر بانه مخالف لکلامهم واجاب فی البحر والنهر بانه صرح به فی الخلاصة والخانیة قال فی الخانیة ولفظة الامر فی النکاح ایجاب وكذا فی الخلع والطلاق والکفالة والهبة اھ قال فی الفتح وهو الحسن [4] الخ۔	درمختار میں ہے: تو میرا نکاح کردے، اے عورت تو میرا نکاح کر، یا اس کو کہا تو میری بیوی ہوجا، تو یہ کلمات ایجاب نہ ہوں گے بلکہ ضمنًا توکیل ہوگی، بعض نے کہا کہ یہ ایجاب ہے، اور بحر میں اس کو ترجیح دی ہے اھ مختصرًا، اور ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ اور مجمع میں پہلے قول کو اپنایا ہے اور اس کو فتح میں محققین کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسرے پر کنز نے ظاہر کہا ہے، اور اس پر درر میں اعتراض کیا ہے کہ یہ علماء کے قول کے مخالف ہے، اور اس کا جواب بحر اور نہر میں یہ دیا گیا کہ خلاصہ اور خانیہ میں اس پر تصریح کی ہے، اور خانیہ میں فرمایا کہ امر کا لفظ نکاح میں ایجاب ہوتا ہے اور خلع، طلاق، کفالہ اور ہبہ میں بھی ایجاب ہے، اور فتح میں فرمایا کہ یہ احسن ہے الخ (ت)

اور قول توکیل پر یہاں انعقاد نکاح میں دقت ہوتی کہ یہ شخص خاطب کو وکیل کرنے والا کون، نکاح کا وکیل

---

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ اتصبرون وکان ربك بصیرا اصح المطابع کراچی ص ۳۰۴

[2] صحیح بخاری باب فضل ابی بکر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱۷

[3] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[4] ردالمحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۳

بالنکاح تو دوسرے کو وکیل کر سکتا ہی نہیں، فضولی کیا چیز ہے،

فی الخلاصة لوقال الوکیل بالنکاح هب ابنتك لفلان فقال الاب وهبت لاینعقد النکاح مالم یقل الوکیل بعده قبلت لان الوکیل لایملك التوکیل [1] اھ وان کان یترا ای لی ان لقائل ان یقول لعل لاینعقد فیه بمعنی لاینفذ فانه ان لم یملك کان توکیل فضولی فکان ماذا الا تری ان الفضولی لایملك التزویج ولو زوج لحصل الزواج ولو موقوفا فکذا ینبغی ان تحصل بتوکیله الوکالة وان توقف نفاذه علی تنفیذ من له التنفیذ قال فی البحر من البیوع الظاهر من فروعهم ان کل ماصح التوکیل به فانه اذا باشره الفضولی یتوقف الا الشراء بشرطه [2] اھ ومعلوم ان التوکیل مما یصح به التوکیل فالظاهر الانعقاد موقوفا وان ارید عدمه اصلا مالم یقل الوکیل قبلت فالتعلیل الصحیح الواضح ماافاد العلامة الفهامة علی المقدسی	خلاصہ یہ ہے اگر وکیل نے کسی کو کہا کہ تو اپنی لڑکی فلاں کو دے، تو باپ نے جواب میں "میں نے دی" کہا، تو جب تک اس کے بعد وکیل "میں نے فلاں کے لیے قبول کی" نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ کہ وکیل از خود دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا اھ، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس پر کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ جب نکاح کا وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا تو دوسرا فضولی قرار پائے گا، اور فضولی کا عقد نافذ نہیں ہوتا اگرچہ عقد کی حد تک ہوجاتا ہے تو یہاں "منعقد نہ ہوگا" کامعنٰی "نافذ نہ ہوگا" ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فضولی کو نکاح کردینے کا اختیار نہ ہونے کے باوجود اگر وہ نکاح کردے تو اس کا نفاذ موقوف رہتا ہے تو یہاں بھی وکیل کی توکیل موقوف ہو کر نافذ کرنے والے کی اجازت سے نافذ ہوجائے گی، بحر کے بیوع میں کہا ہے کہ فقہاء کرام کے بیان کردہ جزئیات سے ظاہر ہے کہ وہ امور جن میں توکیل جائز ہے اگران امور کو فضولی از خود سرانجام دے تو یہ امور موقوف رہیں گے ماسوائے کسی شرط کے ساتھ خریدکے اھ، توظاہر ہے کہ وکیل بنانا بھی ان امور میں سے ہے جن میں توکیل جائز ہے، توظاہر ہوا یہاں بھی فضولی کا تصرف جائز ہونا موقوف ہوگا، اگر وکیل کی قبولیت کے بغیر باپ کے "دے دی" کہنے سے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۳۰

[2] البحر الرائق فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۵۱

ان قول الوکیل ھب ابنتك لفلان ظاھر فی الطلب وانه مستقبل لم یرد به الحال والتحقق لم یتم به العقد بخلاف زوجنی بنتك بکذا بعد الخطبة ونحوھا فانه ظاھر فی التحقق والاثبات الذی ھو معنی الایجاب [1] اھ ویعینه عیناما فی البحر عن الظھیریة لوقال ھب ابنتك لابنی فقال وھبت لم یصح مالم یقل ابوالصغیر قبلت [2] اھ فلا مساغ ھٰھنا لزعم ان الاب لایملك التوکیل۔	بالکل نکاح نہ ہونا مراد ہو تو پھر اس کی واضح وجہ وہ ہے جس کو علامہ مقدسی نے بیان فرمایا ہے کہ وکیل کا لڑکی کے باپ کو "اپنی فلاں کو دے" کہنا امر اور طلب ہے جو کہ مستقبل کا صیغہ ہے اور فی الحال تحقق مراد نہیں، لہٰذا عقد تام نہ ہوگا، اس کے خلاف ہے وہ صورت جس میں خود مرد نے کہا کہ "تو اپنی لڑکی مجھے نکاح کردے" تو یہاں منگنی وغیرہ کے بعد، یہ کلام اثبات وتحقق میں ظاہر ہے اور یہی ایجاب ہوتا ہے اھ بحر میں ظہیریہ سے نقل میں اسی وجہ کو معین کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایک نے کہا کہ "تو اپنی بیٹی میرے بیٹے کو دے" دوسرے نے کہا "میں نے دی" تو اس وقت نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ لڑکے کے باپ کو اس کے بعد "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہوگا اھ تو یہاں لڑکے کے باپ کے بارے میں یہ خیال کرنا درست نہیں کہ یہ وکیل بنانے کا مالک نہیں ہے (ت)

مگر نظر فقہی حاکم ہے کہ یہ امر بالاتفاق مفید ایجاب اور ان دقتوں سے بر کراں ہو،

فانه امر بالقبول والقبول یطلق ویراد به الرضا وھو المحمل فی قول الفضولی المذکور للمخطوبة لعدم ارادتھم اذ ذٰلك الا استبانة رضاھا من دون تتمیم العقد کما قدمنا، ویرادبه احد رکنی العقد وھو المراد ھھنا حیث المراد تحقیق العقد وھذا القبول وجودله الاتلو الایجاب فی ردالمحتار	کیونکہ یہ قبول کرنے کی درخواست ہوتی ہے اور جواب میں قبول سے مراد رضامندی ہوتی ہے، اور فضولی شخص اگر لڑکی کو کسی کے لیے نکاح کی درخواست کرے تو یہاں بھی یہی مقصود ہوتا ہے کیونکہ اس کارروائی کا مقصد صرف لڑکی کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ نکاح مکمل کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، اور جہاں مجلس نکاح میں یہ بات کہی جائے تو اس سے نکاح کا ایک رکن مراد ہوتا ہے جیسا کہ زیر بحث مسئلہ میں ہے، قبول کا

[1] ردالمحتار بحوالہ العلامۃ المقدسی کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۴

[2] البحرالرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۸۲

اشار الی ان المقدم من کلام العاقدین ایجاب سواء کان المتقدم کلام الزوج اوکلام الزوجة والمتاخر قبول، ح عن المنح فلایتصور تقدیم القبول [1] الخ فالامر بالقبول یتضمن الایجاب علی جهة الاقتضاء کقوله اعتق عبدك عنی بالف یتضمن البیع کذلك وکما ان العبد لوتزوج بلااذن مولاہ فقول المولی له طلقها رجعیة اجازة للنکاح الموقوف [2]، کما فی الدرالمختار لان الطلاق الرجعی لایکون الابعد النکاح الصحیح فکان الامر به اجازة اقتضاء [3] کما فی ردالمحتار ھذا ما ظھر لی وھو ظاھر جلی وان ابیت فالقول بالایجاب مرجح مصحح بقول الفتح ھو احسن کما علمت۔	لفظ یہاں پر ایجاب کا جواب ہوتا ہے، ردالمحتار میں یہ اشارہ دیا کہ عاقدین میں سے پہلے کا کلام ایجاب اور دوسرے کا قبول کہلائے گا، خواہ مرد کا پہلا کلام ہو یا عورت کا۔ اب منح کے قول کہ "قبول پہلے متصور نہیں ہوسکتا الخ تو اس پر قبول کرنے کی درخواست اقتضاءً ایجاب پر مشتمل ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ تو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں اپنا غلام آزاد کردے، تو یہ قول ضمناً بیع پر مشتمل ہے (یعنی مجھے فروخت اور پھر آزاد کر) اور جیسا کہ کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس پر مالک اس کو کہے "تو رجعی طلاق دے" تو مالک کا یہ کہنا موقوف نکاح کو جائز قرار دینا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، کیونکہ رجعی طلاق نکاح کے بعد ہی ہوسکتی ہے لہٰذا رجعی طلاق کا حکم، نکاح کی اجازت متصور ہوگا، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے، یہ مجھے بالکل واضح معلوم ہوا ہے، اور اگر یہ قول قابل قبول نہ بھی ہو تو ایجاب والے قول کے بارے میں فتح کا یہ کہنا کہ "یہ احسن ہے" اس کے لیے ترجیح اور تصحیح قرار پائے گا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ (ت)

بہر کیف یہاں آکر اس نکاح کے منعقد ہوجانے میں شبہ نہیں مگر ازآنجا کہ شخص مذکور فضولی تھا اجازت مخطوبہ پر موقوف رہا، اب اگر بعد وقوع نکاح اس کی خبر پاکر قبل اس کے کہ مخطوبہ سے کوئی قول یا فعل دلیل رد وابطال صادر ہو قولاً یا فعلاً یا سکوتاً اجازت پائی گئی تو نکاح صحیح وتام ونافذ ہوگیا۔ اجازت قولی یہ کہ مثلاً مخطوبہ کہے میں راضی ہوئی مجھے منظور ہے یا اچھا کیا الحمد لله، اور فعلی یہ کہ مثلاً بے جبر واکراہ شوہر کو خلوت

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۳

[2] درمختار باب نکاح الرقیق مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۴

[3] ردالمحتار باب نکاح الرقیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۳

میں اپنے پاس آنے دے یا اس سے مہر یا نفقہ طلب کرے یا اور کوئی فعل کہ دلیل رضا ہو، اور سکوتی یہ کہ خود ولی یا اس کا رسول یا ایک ثقہ پرہیزگار جس کی عدالت معلوم متحقق ہو یا دو مستور الحال جن کا فسق معلوم نہ ہو مخطوبہ کو نکاح کی اطلاع دیں اور وہ شوہر کو پہچانتی ہو اور وہ اس کا کفو بھی ہو یعنی دین یا نسب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں ایسی کمی نہ رکھتا ہو کہ اس سے نکاح اولیاء مخطوبہ کے لیے عار ہو، اس صورت میں مخطوبہ یہ خبر سن کر خاموش ہو رہے تو یہ سکوت بھی اجازت سمجھا جائے گا **وقد فصلنا القول فی کل ذلك فی فتاوٰنا** (اس تمام بحث کو ہم اپنے فتاوٰی میں بیان کرچکے ہیں۔ت) بالجملہ یہ صورت رائجہ دقت سے خالی نہیں خصوصا بعد استماع خبر اظہار نفرت واقع ہو جیسا کہ بلاد ہندوستان میں اکثر دختران دوشیزہ کا معمول ہے جب تو نکاح صاف رد ہوجائے گا کہ پھر مخطوبہ کے جائز کئے بھی جائز نہیں ہوسکتا لہٰذا اس طریقے کی تبدیلی ہی واجب و مناسب ہے یا تو شخص متوسط پہلے خاطب سے اذن و وکالت حاصل کرکے جائے اور وہاں جو کلام مخطوبہ سے کہتا ہے اس سے تحقیق عقد مقصود رکھے کہ مخطوبہ سے اسی قدر گفتگو پر نکاح تام و نافذ ہوجائے، یا مخطوبہ سے یہ الفاظ نہ کہے بلکہ اپنے لیے اذن و وکالت لے کہ تونے فلاں ابن فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر اپنا نکاح کرنے کے لیے مجھے وکیل کیا۔ مخطوبہ کہے ہاں، پھر وہاں سے آکر خود یہی شخص خاطب سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو اتنے مہر پر تیرے نکاح میں دیا تو نے قبول کیا، خاطب کہے ہاں، یا یہی الفاظ رکھنا چاہیں تو اول ہی مخطوبہ سے جو گفتگو کی جاتی ہے اسے مجلس توکیل وطلب رضا نہ سمجھیں بلکہ اسی کو مجلس عقد سمجھیں، اور شخص مذکور وہ الفاظ بقصد تحقیق عقد ہی مخطوبہ سے کہے کہ نکاح وہیں منعقد ہوجائے پھر خاطب کا قبول اس کی تنفیذ قرار پائے۔

یہ سب تفصیل کہ مذکور ہوئی اس صورت میں ہے کہ مخطوبہ جلسہ خاطب سے اتنی دور بیٹھی ہو کہ اس کا کلام یہاں والے نہ سنیں یا وہ قبول کیا کہہ کر اٹھ جائے اس کے بعد خاطب سے گفتگو آئے یا جب مخطوبہ نے قبول کیا کہہ لیا اس کے بعد خاطب اٹھ کھڑا ہو پھر اس سے کہا گیا کہ ان صورتوں میں مجلس متبدل ہوگی یا شہود ان دونوں کا کلام معًا نہ سنیں گے اور اگر وہ اس قدر بیٹھی ہے کہ اہل جلسہ خاطب نے اس کا قبول کیا، کہنا سنا اور ابھی خاطب و مخطوبہ ویسے ہی بیٹھے ہیں کہ خاطب سے آکر بیان کیا گیا اور اس نے قبول کیا کہا کہ مجلس واحد میں دونوں کا کہنا حاضرین میں کم از کم دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں نے معًا سنا اور سمجھا تو نکاح کی صحت و تمامی میں اصلًا کلام نہیں، اب یہ بیچ کا شخص محض لغو و فضولی ہوگا اور خاطب و مخطوبہ ہی کا کلام ایجاب و قبول ہوگا

وذٰلك ماقدمنا عن الاصلاح والایضاح	اس کو ہم پہلے اصلاح، ایضاح، ذخیرہ اور

والذخیرۃ والھندیہ من قول قائل للمرأۃ دادی فقالت داد ثم للزوج پذیر فتی فقال پذیرفت[1] وفی الوقایۃ وشرحھا لصدر الشریعۃ اذا قیل للمرأۃ خویشتن را بزنی فلاں دادی فقالت داد ثم قیل للزوج پذیر فتی فقالت پذیرفت بحذف المیم یصح النکاح کبیع وشراء ای اذا قیل للبائع فروختی فقال فروخت ثم قیل للمشتری خرید فقال خرید یصح البیع[2] اھ	ہندیہ سے نقل کرچکے ہیں کہ اگر کوئی شخص عورت کو کہے کہ تو نے فلاں کو اپنا نکاح دیا؟ تو عورت نے دادم کی بجائے داد کہا، پھر اس شخص نے مرد کو کہا کہ تونے قبول کی؟ تو اس نے "میں نے قبول کی" کے بجائے صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہوگا، وقایہ اور اس کی شرح صدر الشریعۃ میں ہے کہ جب عورت کو کہا جائے کہ تونے فلاں کو بیوی ہونا دیا، تو عورت نے صرف "دیا" کہا اور پھر خاوند کو کہا گیا تو نے قبول کی، تو اس نے بھی صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہے جیساکہ بیع کی صورت میں بائع کو کہا گیا کہ تو نے بیچی، تو اس نے جواب میں "بیچی" کہا ہو اور "میں نے بیچی" نہ کہا، پھر خریدار کے ساتھ بھی یہی سوال وجواب ہوا تو بیع ہوجائے گی اھ (ت)

اور عورت کا پردے میں ہونا تغایر مجلس کا مقتضی نہیں، نہ صحت نکاح میں مخل ہوسکے جبکہ مخطوبہ دو شاہدوں کو عینًا یا تسمیۃً معلوم ہو۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن فتاوی ابی اللیث، رجل قال لقوم اشھدوا انی تزوجتہ ھذہ المرأۃ التی فی ھذا البیت فقالت المرأۃ قبلت فسمع الشھود مقالتھا ولم یرواشخصھا فان کانت فی البیت وحدھا جاز النکاح[3] الخ **قلت** فافا دان الحجاب لایغیر المجلس وانما اشترط کونھا	ہندیہ میں ذخیرہ سے اور انھوں نے فتاوٰی ابی اللیث کے حوالے سے ذکر کیا کہ ایک شخص نے لوگوں کو کہا کہ گواہ ہوجاؤ کہ میں نے اس کمرہ میں موجود عورت سے نکاح کیا اور عورت نے اندر سے جواب دیا کہ "میں نے قبول کیا" گواہوں نے عورت کی یہ بات سن لی اور عورت کو دیکھا نہیں، اگر عورت اس کمرہ میں اکیلی تھی تو نکاح ہوجائے گا الخ **قلت** (تو میں کہتا ہوں) حجاب مجلس کو تبدیل نہیں کرتا، صرف شرط یہ ہے کہ وہاں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] شرح وقایہ کتاب النکاح الباب الثانی مجتبائی دہلی ۲/۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۸

وحدها لانه لم یسمها وتعریف الغائب عند الاحتمال انما یکون بالتسمیة وفی الهندیة ایضًا عن محیط السرخسی ان کانت حاضرة متنقبة ولایعرفها الشهود جاز النکاح وھو الصحیح[1]۔	عورت اکیلی ہو کیونکہ مرد نے اس کا نام ذکر نہیں کیا جبکہ شبہ کی صورت میں عورت غائبانہ کی پہچان اس کے نام سے ہوتی ہے اور ہندیہ میں محیط سرخسی سے بھی منقول ہے کہ اگر وہ نقاب اوڑھے مجلس میں حاضر ہو اور گواہ نام نہ جانتے ہوں تو بھی نکاح جائز ہوگا، یہی صحیح ہے۔ (ت)

اسی طرح قبول خاطب میں اپنا وقفہ کہ شخص مذکور وہاں سے اُٹھ کر یہاں آیا اور قاضی سے وہ گفتگو ہوئی، گواہیاں لی گئیں، اس کے بعد خاطب سے کہا گیا تو اس نے قبول کیا کچھ مضر نہیں جبکہ مجلس متبدل نہ ہو کہ قبول فورًا ہو ناضرور نہیں فی ردالمحتار عن البحر اما الفور فلیس من شرطه[2] (ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے لیکن فورًا ہونا ضروری شرط نہیں اھ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹: مرسلہ حضرت نور العارفین دام ظلہم المبین از سیتاپور تامسن گنج ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۰۹ھ

بخدمت عالمان تبحر التماس ہے مثلًا کوئی لڑکا کہ عمر اس کی تیرہ چودہ برس کی ہے اور نابالغ ہے اپنے گھر کے عورات کو لے کر میلہ ہنود میں جاتا ہے اور عورتیں اس کے گھر کی، پرستش رسم ہنود کی کرتیں ہیں، ایسا لڑکا اگر کسی کا نکاح پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر فی الواقع اس کے یہاں کی عورات غیر خدا کو پوجتی ہیں یعنی حقیقۃً دوسرے کی عبادت کہ شرک حقیقی ہے (نہ صرف وہ بعض رسوم جاہلیت یا افعال جہالت کہ حد فسق وگناہ سے متجاوز نہیں، گو اہل تشدد انھیں بنام شرک وپرستش غیر تعبیر کریں) اور وہ اس شرک حقیقی پر مطلع اور اس پر راضی ہے تو خود کافر ومرتد ہے فان الرضا بالکفر کفر (کیونکہ کفر پر رضا بھی کفر ہے۔ت) اس تقدیر پر اس سے نکاح پڑھوانا ہرگز نہ چاہئے کہ مرتد کے پاس تک بیٹھنا شرعًا معیوب ہے۔

قال تعالٰی فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۶۸[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: یاد آنے پر ظالم لوگوں کی مجلس میں مت بیٹھو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۸

[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۶

[3] القرآن ۶/۶۸

نہ کہ خاص دینی شرعی کام میں اس سے مدد لینا،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لا نستعین بمشرك [1]۔اخرجہ احمد وابوداؤد و ابن ماجۃ عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہم مشرک سے مدد لینا ناپسند کرتے ہیں،اس کو صحیح سند کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے احمد،ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔(ت)

مگر پڑھائے گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا کہ اگر وہ صرف الفاظ ایجاب وقبول کہلوانے والا ہے،کہنے والے خود عاقدین یا ان کے اولیاء یا وکلاء جب توظاہر کہ اسے عقد سے کوئی علاقہ نہیں،تو اس کے کفر واسلام یا بلوغ یا عدمِ بلوغ سے عقد پر کیا اثر ہو سکتا ہے اور اگر وکیل بھی ہو کہ خود ہی ایجاب یا قبول کرے گا تاہم صحتِ وکالت کے لیے اسلام خواہ بلوغ شرط نہیں،عاقل ہونا درکار،وہ حاصل ہے،ہندیہ میں ہے:

تجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لوکان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ کذا فی البدائع [2]۔	مسلمان نے کسی مرتد کو وکیل بنایا مرتد کی وکالت جائز ہوگی،اور یوں ہی کسی مسلمان کو وکیل بنایا پھر وہ وکیل مرتد ہوگیا تو اس کی وکالت باقی رہے گی مگر وہ دارالحرب بھاگ جائے تو پھر اس کی وکالت باطل ہو جائے گی،بدائع میں اسی طرح ہے(ت)

اسی میں ہے:

لاتصح وکالۃ المجنون و الصبی الذی لایعقل واما البلوغ والحریۃ فلیسا بشرط لصحۃ الوکالۃ [3]۔	مجنون اور ناسمجھ بچے کی وکالت صحیح نہیں ہے تاہم بالغ ہونا اور آزاد ہونا وکالت کے لیے شرط نہیں ہے۔(ت)

اسی طرح اگر بے توکیل کسی مرد یا عورت بالغ وبالغہ خواہ صبی وصبیہ کا نکاح اس نے پڑھا دیا اور اس نابالغ کا کوئی ولی شرعی موجود ہے اگرچہ حاکم شرع ماذون بالتزویج یا سلطان اسلام ہی سہی،جب بھی صحیح ومنعقد ہوگیا کہ اس تقدیر پر یہ فضولی تھا اور فضولی کا عقد ہمارے نزدیک باطل نہیں اجازت پر موقوف رہتا ہے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوکالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۶۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوکالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۶۲

توجس کا نکاح بے اجازت معتبرہ شرعیہ اس نے پڑھایا اگر وہ خود بالغ یا بالغہ ہے تو خود اس کے ورنہ اس کے ولی مذکور کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر اس نے جائز رکھا جائز ہوجائے گا۔

فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ وقد کان یصلح لھذہ فکذا التلک۔	بعد کی ازجازت بھی پہلے کی وکالت کی طرح ہے جب وکالت میں یہ صلاحیت ہے تو بعد والی اجازت بھی ایسی ہی ہے۔(ت)

اور رد کردیا تو باطل کما ھو شان عقد الفضولی (جیساکہ عقد فضولی کا مقام ہے۔ت) اور اگر ان عورات کے افعال حد کفر تک نہیں یاہیں مگر یہ ان پر راضی نہیں جب تو مسلمان ہے، صُوَرِ مذکورہ میں اس سے نکاح پڑھوانے میں اصلاً مضائقہ نہیں، ہاں اگر کوئی مرتد یا صبی نابالغ اپنے بیٹے بیٹی، بہن بھائی، خواہ کسی اور نابالغ نابالغہ کا نکاح اگرچہ بزعم ولایت پڑھائے اوران کا مسلمان باپ یا جوان مسلمان بھائی، چچا، خواہ کوئی اور ولی شرعی مرتد عورت یہاں تک کہ وہاں سلطان اسلام یا اس کی طرف سے کوئی حاکم شرع ماذونِ بالا نکاح بھی ہو تو البتہ اس صورت میں یہ نکاح باطل محض ہوگا کہ مرتد یا نابالغ صالح ولایت نہیں تو عقد عقد فضولی ہوا، اور ایسی حالت میں صدور پایا کہ شرعا اس کا کوئی اجازت دینے والا نہیں،

وکل عقد صدر من فضولی ولامجیز لہ فھو باطل[1] کما فی الدر وغیرہ وفی الھندیۃ لا ولایۃ لصغیر کذا فی الحاوی ولا للمرتد علی احد لا علی مسلم ولا علی کافر ولا علی مرتد مثلہ کذا فی البدائع[2] (ملخصًا) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	فضولی کا ہر وہ عقد جس کو کوئی جائز کرنے والا نہ ہو تو وہ باطل ہوتا ہے جیساکہ در وغیرہ میں ہے، اور ہندیہ میں ہے کہ نابالغ کو ولایت حاصل نہیں جیساکہ حاوی میں ہے اور نہ مرتد کو مسلم وکافر پر اور نہ ہی اس کو اپنے جیسے مرتد پر ولایت ہے، بدائع میں ایسے ہی ہے (ملخصا) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰: ۲۲رجب ۱۳۰۹ھ از کٹھور ضلع سورت مرسلہ مولوی محمد عبدالحق صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادھم اللہ تعالٰی شرفا وتعظیما لدیہ، اس مسئلہ میں کہ سبحان خان نے اپنی دختر عاقلہ بالغہ مسماۃ امینہ بی بی کا خطبہ یعنی منگنی نورالدین عاقل بالغ سے بے کسی شرط واقرار کے کردی، جب نکاح کے چند روز رہے نورالدین سے کہا کہ مخطوبہ کے نام ایک مکان خرید دو

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۳۱/۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۲۸۴/۱

تو نکاح کردوں ورنہ تین برس نہ کروں گا،اس نے کہا پہلے تم نکاح کردو تو برس چھ مہینے کے بعد ہاتھ پہنچنے سے میں مکان خرید دوں گا۔ سبحان خاں راضی ہوگیا اور پانچ چھ دن بعد نکاح کرکے دوسرے دن وداع کردی، دو تین مہینے تک زن و شو ہمبستر رہے،اب سبحان خان نے امینہ کو اپنے یہاں روک رکھا اور کہتا ہے نکاح بوجہ شرطِ مکان فاسد ہوا حالانکہ عورت نے وقت توکیل بالنکاح یا اس سے پہلے سوا ایک سو ساٹھ روپے مہر کے کوئی شرط مکان وغیرہ کی نہ کی،نہ بعد وداع کوئی گفتگو زبان پر لائی اور مکان بھی مجہول ہے کہ پختہ و خام کی کوئی تصریح نہ ہوئی،نورالدین کا اقرار بھی معلق تھا کہ پہلے نکاح کردو تو بعد کو خرید دوں گا،پس یہ نکاح بلاشرط ہوا یا معلق بالشرط الصحیح یا بالشرط الفاسد،اور اقرار مذکور نورالدین معلق بالشرط ہے اور اقرار معلق بالشرط باطل ہے یا نہیں،بہر تقدیر شرعًا اس نکاح میں کوئی خلل نورالدین سے مکان دلوانا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا بیانا شافیا للمذھب الحنفی من الکتب المعتبرۃ المتداولۃ بین العلماء العظام والفقہاء الکرام توجروا اجرکم اللہ تعالٰی اجرا وافیا۔

الجواب:

نکاح مذکور صحیح و بے خلل،اور گمان فساد محض باطل و پرزلل۔

اولًا: تقریر سوال سے واضح کہ مکان دینا کلام سبحان خاں میں شرط تعجیل نکاح تھا باآخر وہ بھی نہ رہی نہ شرط فی النکاح۔

ثانیًا: علی التسلیم زوج پر ایجاب مال للزوج مقتضیات عقد نکاح سے ہے نہ اس کے خلاف "ومثلہ لایفسد البیع فکیف بالنکاح" (اس طرح سے بیع فاسد نہیں ہوتی چہ جائیکہ نکاح فاسد کرے۔ت) اگر واقعی مہر و شرط بھی نہ صرف بروجہ وعدہ اس قرارداد کا ذکر خود اصل عقد میں آتا تاہم اصلا خلل نہ لاتا نہ جہالت مکان سے کوئی نقصان آتا،کہ وہ بحالت ایفا بالشرط خود متعین ہو کر مجہول نہ رہتا اور بے ایفا الزام مہر مثل ہوتا۔

کما حققہ المولی المحقق الشامی قدس سرہ السامی فی رد المحتار،قال فقد صرح فی النھر بانہ فی المبسوط بعد ان ذکر عبارۃ محمد لوتزوجھا علی الف و کرامتھا اویھدی لھا ھدیۃ فلھا مھر مثلھا لاینقص عن الالف قال ھذہ المسألۃ	جیسا کہ محقق شامی قدس سرہ السامی نے ردالمحتار میں اس کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا کہ نہر میں تصریح ہے کہ مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا اگر کسی شخص نے عورت سے ہزار اور اعزاز پر یا ہزار اور ہدیہ دینے کے شرط پر نکاح کیا تو اس کا مہر مثل ہوگا جو ہزار سے کم نہ ہو،علامہ شامی نے

علی وجہین ان اکرمہا واھدی لہا ھدیۃ فلہا المسمی والافمھر المثل اھ وفی البدائع لو شرط مع المسمٰی شیئا مجھولا کأن تزوجہا علی الف درھم وان یھدی لہا ھدیۃ فاذالم یف بالھدیۃ یجب تمام مھر المثل اھ وجہالۃ الھدیۃ والاکرام ترتفع بعد وجودھا [1] اھ ملخصاوتمامہ فیہ۔	فرمایا کہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، اگر اس نے وعدہ کے مطابق کوئی اعزازیہ یا ہدیہ دیا تو پھر مہر مقررہ ہزار ہی ہوگا ورنہ مہر مثل ہوگا اھ، بدائع میں ہے کہ اگر مقررہ مہر کے ساتھ کوئی مجہول شیئ ذکر کی مثلایوں کہا کہ ایک ہزار درہم اور کوئی ہدیہ دے گا۔ تو اگر ہدیہ کا وعدہ پورا نہ کیا تو پورا مہر مثل واجب ہوگا اھ، ہدیہ اور اعزازیہ دینے کے بعد اس کی جہالت ختم ہوجائے گی اھ ملخصا، مکمل بحث ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

ثالثاً: بفرض باطل اسے شرط فاسد بھی مانیے تاہم پر ظاہر کہ وقت عقد اس کا کوئی ذکر نہ ہوا وہ صرف ایک گفتگو پیش از عقد تھی جس کا طے ہونا باعث علی التزوج ہوا نہ کہ ماخوذ فی التزویج اور شرط مذکور قبل العقد مبادلات مالیہ میں بھی ملتحقق بالعقد نہیں ہوتی مالم یتفقا علی المواضعۃ علیہ حین العقد (میاں بیوی جب تک کمی پر متفقہ طور پہ راضی نہ ہوں گے اس وقت تک خاوند پر نکاح کے وقت ذکر شدہ مہر لازم رہے گا۔ ت) نہ کہ امثال نکاح میں، جامع الفصولین میں ہے:

لو شرطا شرطا فاسدًا قبل العقد ثم عقدا لم یبطل العقد [2]۔	اگر نکاح سے پہلے کوئی فاسد شرط ذکر کی ہو تو اس کے بعد کا نکاح باطل نہ ہوگا۔ (ت)

رابعًا: التحاق بھی سہی یعنی مان لیجئے کہ وہ شرط فی النکاح ہی تھی اور فاسد بھی تھی اور نفس عقد میں ملحوظ اور ماخوذ بھی رہی تو نکاح ان عقود میں نہیں کہ شروط فاسدہ سے فاسد ہوسکے بلکہ وہ شرط ہی خود فاسد ہوتی اور نکاح صحیح وبے خلل رہتا ہے اور جہالت بدل کا علاج مہر مثل ہے۔ خلاصہ میں ہے:

فی شرح الطحاوی العقود ثلثۃ عقد یتعلق بالجائز من الشرط وھوذکر البدل والفاسد من الشرط یفسدہ کالبیع والاجارۃ والقسمۃ والصلح عن مال وعقد لایتعلق بالجائز من الشرط والفاسد من الشرط	شرح الطحاوی میں ہے کہ عقد تین قسم پر ہیں، ایک وہ کہ جس میں جائز شرط موثر ہو مثلاً بدل کا ذکر، اور فاسد شرط بھی موثر ہو یعنی اس کو فاسد کردے، جیسے عقد اجارہ بیع، تقسیم، مال پر صلح، اور دوسرا وہ کہ اس میں کوئی شرط خواہ جائز ہو یا فاسد موثر نہ ہو، جیسے نکاح، خلع،

---

[1] ردالمحتار باب المھر مطلب تزوجہا علی عشرۃ دراھم وثوب داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۴۹/۲

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن عشر فی بیع الوفاء الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲۳۷/۱

لایبطله کالنکاح والخلع والصلح عن دم العمد والعتق عن مال فهذه العقود تصح بغیر ذکرہ البدل وتجوز بالبدل المجهول الخ وفی زیادات القاضی الامام فخر الدین العقود التی یتعلق تمامها بالقبول اقسام ثلثة قسم یبطله الشرط الفاسد وجهالة البدل وهی مبادلة المال کالبیع والاجارة وقسم لا یبطله الشرط الفاسد ولاجهالة البدل وهو معاوضة المال بمالیس بمال کالنکاح والخلع[1] اھملخصًا۔	قتل عمد پر صلح اور عتق علی المال، یہ عقود بدل کو متعین کئے بغیر بھی صحیح ہوتے ہیں اور بدل مجہول پر بھی جائز ہوتے ہیں الخ، قاضی امام فخر الدین کی زیادات میں ہے کہ وہ عقود جو صرف قبول کرلینے سے مکمل ہوجاتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن کو فاسد شرط اور بدل کی جہالت فاسد کردیتی ہے اور یہ مالی عقود ہیں جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ، دوسری وہ جن کو فاسد شرط اور جہالت بدل فاسد نہیں کرتی، جیسے وہ عقود جن میں غیر مال کے بدلے مال ہو، مثلاً نکاح اور خلع اھ ملخصا (ت)

بیان حکم نکاح میں یہی وجہ کافی ووافی تھی مگر اسئلہ سائل کا استیفائے جواب ذکر وجوہ سابقہ پر حامل ہوا، وباللہ التوفیق، بالجملہ صورت مستفسرہ میں نکاح کو فاسد خیال کرنا سخت جہالت بے معنی ہے، رہا مکان تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ وہ بطور مہر نہ مانا گیا۔نہ عاقدین نے اسے بدل بضع قرار دینے پر لحاظ کیا بلکہ نورالدین کی طرف سے بدرخواست سبحان خاں ایک وعدہ تھا جس پر رضامندی ہو کر تزویج ایک جدا مہر مسمّٰی پر واقع ہوئی اس صورت میں وہ مکان دینا بیشک مکارم اخلاق سے ہے اور ایفائے وعدہ شرعًا محبوب اور خلف وعدہ ناپسند ومکروہ۔تو نورالدین کو بھی چاہئے کہ بشرط دسترس (جس کی تصریح وہ اصل وعدہ کرچکا ہے) امینہ کو ایک مکان خرید دے، اقرار اگرچہ تعلیق بالشرط کی صلاحیت نہیں رکھتا، سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مبسوط کی کتاب الاقرار میں فرماتے ہیں: تعلیق الاقرار بالشرط باطل[2] (اقرار کو شرط سے معلق کرنا باطل ہے۔ت) خلاصہ میں ہے:

التی تبطل بالشروط الفاسدة ولایصح تعلیقها بالشرط ثلثة عشر البیع والقسمة والاجارة (الی قوله)	وہ امور جو فاسد شرط سے باطل ہوجاتے ہیں اوران کی کسی شرط سے تعلیق بھی صحیح نہیں ہوتی، ایسے امور کی تعداد تیرہ ہے، ان میں بیع، تقسیم، اجارہ،

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی البیع اذاکان فیہ شرط مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۲ و ۵۱

[2] مبسوط امام محمد

والاقرار[1]۔	اور اقرار بھی ہے۔(ت)

مگر پر ظاہر کہ یہ اقرار مصطلح فقہی نہیں،

فانہ اخبار من حق کائن علیہ ھذا ھوالتحقیق عندی او ھذا اخبار من وجہ وانشاء منجز من وجہ کما لھج بہ کثیرون۔	کیونکہ وہ پہلے سے موجود حق سے خبر دینا ہے، میرے نزدیک یہی تحقیق بات ہے، یا من وجہ خبر اور من وجہ پورا کرنے کا انشاء ہے جیسا کہ بہت سے علماء نے بیان کیا ہے۔(ت)

بلکہ وعدہ ہے اور وعدے کی تعلیق بالشرط جائز بلکہ بعض علماء فرماتے ہیں وعدہ تعلیق پاکر واجب ہو جاتا ہے، اشباہ میں ہے:

فی القنیۃ وعد ان یأتیہ فلم یأتہ لایأثم ولایلزم الوعد الااذا کان معلقا کما فی کفالۃ البزازیہ وبیع الوفاء کماذکرہ الزیلعی[2]۔	قنیہ میں ہے ایک شخص نے وعدہ کیا کہ میں آؤں گا، تو وہ نہ آیا، گنہگار نہ ہوگا، اور وعدہ صرف وہی لازم ہوتا ہے جو کسی شرط سے معلق ہو، جیسا کہ بزازیہ کی کفالت کی بحث میں ہے، اور بیع الوفاء بھی وعدہ کی یہی قسم ہے جیسا کہ امام زیلعی نے ذکر فرمایا۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمۃ[3]۔	جن وعدوں میں تعلیق ذکر کی جائے وہ لازم ہوتے ہیں۔(ت)

توظاہر اطلاق عبارات مذکورہ سے صورت دائرہ میں بھی نورالدین پر جس نے وعدہ معلقہ بتقدیم نکاح کیا تھا اور شرط تقدیم متحقق ہوئی بحال دسترس وجوب وفا مستفاد ہوسکتا ہے مگر بعد احاطہ کلمات ائمہ نظر غائر استظہار کرتی ہے کہ یہ وجوب ہو بھی تو دیانۃً ہے قضاءً وفائے وعدہ پر جبر نہیں۔

الافی الکفالۃ وفی بیع الوفاء علی قول وقد ذکرنا الوجہ فیھما فیما علقنا علی ردالمحتار۔	صرف کفالت اور بیع الوفاء میں ایک قول کے مطابق وفالازم ہے جس کی وجہ ہم نے ان دونوں مقام پر ردالمحتار کے حاشیہ میں ذکر کردی ہے۔(ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی البیع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/۵۴، ۵۵

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱۰

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳

امام فقیہ النفس فخر الدین خانیہ میں فرماتے ہیں:

رجل اٰجر دارہ کل شھر بدرھم وسلم ثم باعھا من غیرہ وکان المشتری یاخذ اجرۃ الدار من ھذا المستاجر ومضی علی ذلك زمان وکان المشتری وعدالبائع انہ اذارد علیہ الثمن یرد دارہ ویحتسب ما قبض من المستاجر من ثمن الدار فجاء البائع بالدراھم واراد ان یجعل الاجر محسوبا من الثمن قالوا لیس للبائع ان یجعل ذلك من الثمن وماقال المشتری للبائع کان وعدًا فلایلزم الوفاء بذلك حکما فان نجز وعدہ کان حسنا والافلا شئی علیہ[1] اھ ملخصا۔	ایک شخص نے اپنا مکان ہر ماہ فی درہم کرایہ پر دیا پھر اس نے وہ مکان اس کے غیر کو فروخت کردیا اور اب کرایہ دار سے یہ مشتری کرایہ ایک زمانہ تک وصول کرتا رہا جبکہ مشتری نے بائع سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ جب آپ مکان کی قیمت واپس کردیں گے تو میں مکان واپس آپ کو دے دوں گا اور قیمت میں سے وصول شدہ کرایہ آپ کو منہا کردوں گا،اب ایک مدت بعد بائع نے آکر مشتری کو مکان کی قیمت واپس کردی اور اس نے کرایہ کی رقم میں منہا کرنا چاہی تو اس پر فقہا کرام نے فرمایا کہ بائع کو کرایہ کی رقم قیمت میں شمار کرکے منہا کرنے کا اختیار نہیں،اور مشتری نے جو یہ وعدہ کیا تھا وہ وعدہ تھا جس کی وفا مشتری پر لازم نہیں ہے،ہاں اگر مشتری اپنے طور پر وعدہ کو پورا کردے تو بہتر ہے ورنہ اس پر حکمًا لازم نہیں ہے اھ ملخصا(ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے اسی صورت خانیہ میں ہے:

ان انجز وعدہ کان حسنا والا فلا یلزمہ الوفاء بالمواعید[2]۔	اگر وہ وعدہ پورا کردے تو بہتر ہے ورنہ وعدوں کی وفا لازم نہیں ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل لہ وظیفۃ فرغ منھا لاٰخر بعوض وقررہ القاضی لاھلیتہ ونذر المفروغ لہ للفارغ اذارد الیہ نظیر المدفوع یفرغ لہ فھل	ایک شخص کو قاضی نے اس کی اہلیت کی بناء پر وظیفہ مقرر کرکے ایک کام سپرد کیا تو اس نے ایک معاوضہ کے بدلے وہ کام آگے ایک دوسرے کے سپرد کردیا اور قاضی نے بھی اس کو منظور کرلیا جبکہ دوسرے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاجارات فصل فی الاجارۃ الطویلۃ نولکشور لکھنو ۳/ ۴۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

لایلزم الوفاء بہ شرعا اجاب لایلزمہ الوفاء بما نذر اذ النذر لایلزم الوفاء بہ الابشروط وھی متخلفۃ فی ھذا ولو فرضنا اجتماع شرائطہ فالقاضی لایقضی بہ علی الناذر کما صرحوا بہ قاطبۃ [1] اھ ملخصًا فافھم ولاتعجل۔	شخص نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر پہلے مقررہ شخص مجھ سے وصول کردہ کے برابر مجھے واپس کردے تو میں اس کے حق میں اس کام سے دستبردار ہوجاؤں گا۔اس سوال کے جواب میں کہ اس دوسرے شخص پر اپنے عہد کی پابندی ضروری شرعًا ہے تو جواب میں فرمایا کہ عہد کی وفا لازم نہیں ہے کیونکہ عہد کی وفا چند شرطوں کے بغیر لازم نہیں جو یہاں مفقود ہیں، چنانچہ قاضی عہد کرنے والے شخص پر ایفائے عہد کے لزوم کا فیصلہ نہیں کرے گا۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

قال سیدی الوالد رحمہ اللہ تعالٰی لایلزم الوفاء بالوعد شرعا۔[2]	میرے آقا والد صاحب نے فرمایا کہ شرعًا وعدہ کی وفا لازم نہیں ہے۔(ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے وتمام تحقیق المسألۃ حسب مااراناللہ تعالٰی فی تعلیقنا المذکور (اور مسئلہ کی پوری تحقیق بتوفیق الٰہی ہمارے مذکورہ حاشیہ میں ہے۔ت) بہر حال یہاں ایجاب قضاء کی گنجائش نہیں تو نہ اینہ کو اس پر مطالبہ جبری پہنچتا ہے نہ حاکم جبرًا مکان دلاسکتا ہے، خیریہ میں ہے:

ھذا اذا ذکر علی سبیل انہ من المھر وان ذکر علی سبیل العدۃ فھو غیر لازم بالکلیۃ الاان یتبرع الزوج[3]۔	یہ تب ہے جب خاوند نے اس کو مہر میں سے قرار دیا ہو،اور اگر وعدہ کے طور پر ذکر ہو تو بالکل لازم نہیں ہاں اگر بطور عطیہ دے دے تو درست ہے۔(ت)

ہاں اگر معلوم ہو کہ وہ بھی علٰی جہۃ المہر مشروط اور عاقدین کو عقد میں اس کی طرف لحاظ تھا تو حکم وہی ہے جو اوپر گزرا کہ اگر مکان دے گا تو باقی مہر مسمّٰی بھی بدستور لازم ورنہ مہر مثل کہ اس مقدار مسمّٰی سے کم نہ ہو کما اسلفنا عن الامام محمد رحمہ اللہ تعالٰی (جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے ہم نے

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۸۔۱۵۷

[2] قرۃ العیون کتاب العاریہ دارالکتب العربیہ الکبرٰی مصر ۲/۳۰۰

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح باب المہر دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۰

پہلے نقل کردیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱: ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ رضامند زید کو تھی اور جابر نے جبر کیا بلا رضامندی ہندہ اور بغیر رضامندی ولیوں کے عمرو سے فرضی مہر مقرر کرکے ایجاب وقبول کرایا اور وقت ایجاب کے مسماۃ آہ وزاری اور فریاد واویلا انکار کرتی تھی، مسماۃ کے اس انکار آہ وزاری شور واویلا کو اذن قرار دے کر دولھا سے ایجاب قبول کراکے نکاح مشہور کرکے شیرینی تقسیم کردی، ایسا نکاح نزدیک علمائے حقانی جائز ہے یا ناجائز۔؟ اگر ناجائز ہو یا جائز ہو تو ادلّہ مع آیات اور حدیث کے تحریر فرمائیے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ہندہ نابالغہ تھی جب تو اس کا انکار اقرار کوئی چیز نہ تھا اس کے ولی سے اجازت لینی تھی اور اگر بالغہ تھی تو اگرچہ اذن لیتے وقت اس کا انکار بلکہ صحیح مذہب پر صرف آواز اور فریاد سے رونا ہی ردِ استیذان کے لیے کافی ہو مگر اس کا حاصل اس قدر نکاح کرنے والے کی وکالت صحیح نہ ہوئی، بہر حال یہ نکاح فضولی ہوا کہ درصورت بلوغ ہندہ خود اس کی وجہ اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر بعد نکاح جب خبر نکاح پہنچے رد کیا جائے گا رد ہو جائے گا اور اجازت دی جائیگی تو جائز ہو جائے گا۔

فی ردالمحتار عن الذخیرۃ بعضھم قالو ان کان مع الصیاح والصوت فھو رد والافھو رضی وھو الاوجہ وعلیہ الفتوی [1] اھ تمامہ فیہ فی الدرالمختار لو استاذ نھا فی معین فردت ثم زوجھا منہ فسکتت صح فی الاصح [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ اگر لڑکی کا رونا چیخ وپکار کے طور پر ہو تو یہ نکاح سے انکار ہوگا ورنہ وہ رضا ہے اور یہی درست ہے اور اسی پر فتوی ہے اھ، اور پوری بحث ردالمحتار میں ہے، اور درمختار میں ہے کہ اگر لڑکی سے معین شخص کے ساتھ نکاح کی اجازت طلب کی تو لڑکی نے انکار کردیا۔ اس کے بعد پھر اس کا نکاح اسی شخص سے کیا اور لڑکی خاموش رہی تو نکاح صحیح ہوگا اصح قول میں واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲: از پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں متصل مکان مدینہ شاہ مرسلہ نظام الدین ۲۹ رمضان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح قبولیت سے جائز ہے یا کوئی اور بات؟ اور قاضی کا

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۹

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

ہو نا ضروری ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب

نکاح کے لیے فقط مرد و عورت کا ایجاب و قبول چاہئے اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کا اسی جلسہ میں ایجاب و قبول کو سننا اور سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، بس اسی قدر درکار ہے، اس سے زیادہ قاضی وغیرہ کی حاجت نہیں،

فی الدر المختار ینعقد بایجاب وقبول وشرط حضور شاھدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معًا علی الاصح فاھمین انه نکاح علی المذھب بحر [1] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ دو ۲ مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی موجودگی میں جو کہ عاقل بالغ اور حر ہوں اور انھوں نے لڑکے لڑکی کا ایجاب وقبول ایک مجلس میں سنا ہو تو نکاح ہوجائیگا بشرطیکہ ان گواہوں نے اس کو نکاح سمجھا ہو، مذہب یہی ہے، بحر، اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳: از مدراس محلّہ چک منڈی مسیت مکہ مرسلہ مولوی عبدالرزاق صاحب امام مسجد غرہ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین کثرھم اللہ تعالٰی، ایک شخص عمرو نے اپنی برادری کو دعوت منگنی کی دے دی اور وہ اسباب جو فی زمانناد ولھا کی جانب سے دئے جاتے ہیں، مثلاً ساڑھی اور انگیا اور زیور وغیرہ حاضر کیا، اہل برادری نے ولی سے باز پرس کی کہ ہم طلبی کی کیا وجہ تھی، تو اس نے جواب دیا کہ عبداللہ صاحب نے اپنی لڑکی مسمّٰی بہ ہندہ میرے لڑکے مسمّٰی بہ زید کو دے دی ہے لیکن چونکہ مجھے یہ مقصود تھا کہ یہ بات علی رؤس الاشہاد متحقق ہوجائے لہٰذا میں نے آپ کو تکلیف دی ہے علٰی ھذا القیاس ولی صغیرہ سے دریافت کیا گیا کیا تم نے اپنی لڑکی مسمّٰی بہ ہندہ زید کو دی ہے؟ اس نے کہا ہاں میں نے دی ہے اور آپ کی تکلیف دہی کی یہی وجہ ہے، تو ایسی صورت میں نکاح صغیر وصغیرہ منعقد ہوا یا نہیں؟ اور جو درمختار کتاب النکاح میں مذکور ہے:

وکذا انا متزوجك وجئتك خاطبا لعدم جریان المساومة فی النکاح [2]۔	اور یوں ہی کہ تجھ سے نکاح کرتا ہوں اور میں تجھے نکاح کا پیغام دینے آیا ہوں کیونکہ نکاح بھاؤ چکانا نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵۔۸۶

[2] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵۔۸۶

آیا اس عبارت منقولہ سے منگنی نکاح ہو سکتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو **فھو المراد** والا اس عبارت کا کیا مطلب؟

الجواب:

ارشادات علمائے کرام میں نظر سے واضح کہ کلمات مذکورہ فی السوال انعقاد نکاح کے لیے اصلا کافی نہیں، عمرو عبداللہ دونوں کے کلام صراحۃً اخبار ہیں کہ ہماری زبان میں صیغہ ماضی مقرون بلفظ ہے خاص امر واقع شدہ سے خبر دینے کے لیے ہے نہ امر غیر واقع کے انشاء وایجاد کو، پھر کلام عمرو سخن ابتدائی نہیں، اہل برادری کے اس بازپرس کا جواب ہے کہ ہماری طلبی کی کیا وجہ تھی، پُر ظاہر کہ اس سوال کا جواب اخبار ہوگا۔ نہ کہ انشائے ایجاب یوں ہی کلام عبداللہ کا سیاق بھی کہ ہاں دی ہے، اور آپ کی تکلیف دہی کی یہی وجہ ہے صاف صاف اسی معنٰی اخبار وبیان وجہ جمع کی تاکید کر رہا ہے **کما لایخفی علی العارف باسالیب الکلام** (جیسا کہ کلام کے اسلوب کو سمجھنے والے پر مخفی نہیں۔ت) اور شک نہیں کہ وقوع نکاح سے خبر دینا انشائے عقد سے بالکل مباین وغیر مؤثر ہے، اگر بنظر ظاہر کہئے تو حسب تصحیحات جمہور ائمہ واختیارات خبر دینا انشائے مذہب مذیل بآکد الفاظ اور نظر وثیق لیجئے تو امثال مقام میں بالاجماع بلانزاع،

کما حققنا ذٰلك بتوفیق اللہ تعالٰی فی رسالتنا "عباب الانوار ان لانکاح بمجرد الاقرار" من فتاوٰنا و لنقتصر ھٰھنا علی الاشارۃ الی بعض عبارات الافتاء تنزلًا الی الطریقۃ الاولٰی۔	جیسا کہ ہم نے اس کو اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے رسالہ "**عباب الانوار ان لانکاح بمجرد الاقرار**" میں محقق کیا ہے اور یہاں ہم صرف فتوٰی کی بعض عبارات کی طرف اشارہ کرینگے، پہلے طریقہ پر۔(ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

اقرا بالنکاح بین یدی الشھود لاینعقد ھو المختار وقیل ینعقد والاول ھو الصحیح وعلیہ الفتوٰی[1]۔	مرد وعورت نے گواہوں کی موجودگی میں اقرار کیا تو اس سے مختار قول کے مطابق نکاح منعقد نہ ہوگا، اور بعض نے کہا کہ ہوجائے گا۔ لیکن پہلا قول صحیح اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

اصلاح وایضاح میں ہے:

النکاح اثبات وھذا اظھار والاظھار	اقرار اظہار کا نام ہے جبکہ نکاح اثبات کا نام ہے

---

[1] جواھر الاخلاطی کتاب النکاح قلمی نسخہ ص ۴۸

غیر الاثبات ذکرہ فی التخییر وقال فی مختارات النوازل ھوالمختار [1]۔	اور اظہار واثبات دو مختلف چیزیں ہیں، اس کو تخییر میں ذکر کیا ہے، اور مختارات النوازل میں کہا کہ یہی مختار ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے: الصحیح انہ لایکون نکاحا کذا فی الظھیریہ [2] (صحیح یہی ہے کہ نکاح نہ ہوگا جیسا کہ ظہیریہ میں ہے، ت) وجیز کردری میں ہے: لاینعقد فی المختار الصحیح [3] (مختار اور صحیح قول کے مطابق نکاح منعقد نہ ہوگا۔(ت) علاوہ بریں دینا، عطا، ہبہ، یہ الفاظ خود ہی نکاح میں صریح نہیں کنایہ ہیں اور عقد ووعد دونوں کو محتمل، منگنی ہونے پر بھی عرف شائع میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنی بیٹی فلاں کو دی، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ بہ نیت خطبہ کہے جائیں تو خطبہ ہی ٹھہرے گا مجلس وعد میں صادر ہوں تو وعدہ ہی قرار پائے گا۔ درمختار میں ہے:

لفظ ترویج ونکاح صریح وماعداھما کنایۃ وھو کل لفظ وضع لتملیک عین کاملۃ فی الحال کھبۃ وتملیک وصدقۃ وعطیۃ بشرط نیۃ اوقرینۃ وفھم الشھود المقصود [4] اھملتقطا۔	نکاح میں لفظ "ترویج" اور "نکاح" صریح ہیں۔ ان کے علاوہ باقی سب کنایہ ہیں، اور کنایہ کے لئے وہ تمام الفاظ ہیں جو بروقت کسی کامل چیز کی تملیک کے لیے ہوں، مثلاً ہبہ، صدقہ، عطیہ اور تملیک کے الفاظ جب نکاح کی نیت سے استعمال ہوں یا اس پر قرینہ موجود ہو اور اس سے گواہ بھی مقصد کو سمجھ سکیں اھ ملتقطا (ت)

خانیہ میں ہے:

اذا قال لاب البنت وھبت ابنتك منی فقال وھبت فقال قبلت قالوا ان کان ھذا القول من الخاطب علی وجه الخطبة ومن الاب ایضا علی وجه الاجابة لاعلی وجه العقد	جب ایک لڑکے نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ آپ نے اپنی لڑکی مجھے ہبہ کی تو باپ نے جواب میں کہا کہ میں نے ہبہ کی، اس کے بعد پہلے نے کہا میں نے قبول کی، فقہاء کرام نے فرمایا اگر منگنی کرنے والے اور باپ نے مذکورہ

[1] اصلاح وایضاح
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۲۷۲/۱
[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۱۰۹/۴
[4] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱۸۶/۱

لم یکن نکاحا[1] اھ ملخصاً۔	الفاظ منگنی اوراس کے جواب کے طور پر استعمال کئے اور عقد نکاح مقصود نہ ہو تو نکاح نہ ہوگا اھ ملخصا (ت)

شرح طحاوی پھر مجتبٰی پھر مجموعہ علامہ انقروی وواقعات علامہ قدری افندی وغیرہا میں ہے:

قال له هل اعطيتنيها فقال اعطيت فان كان المجلس للوعد فوعد وان كان لعقد النكاح فنكاح[2]۔	کسی نے لڑکی کے باپ کو کہا تو نے مجھے لڑکی دی، تو باپ نے کہا دی، تو مجلس نکاح میں نکاح اور منگنی کی مجلس ہو تو منگنی ہو گی۔ (ت)

سوال سے ظاہر کہ یہ مجلس منگنی ہی کی تھی اور کوئی قرینہ واضحہ ایسا نہ پایا گیا جو ان الفاظ کو انشائے عقد کے لیے متعین کرے تو یوں بھی منگنی ہی ٹھہرے گی نہ نکاح، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

جواب سوال دوم: نکاح عقد ہے اور منگنی وعد عقد ووعد کا تباین بدیہی، تو منگنی کو نکاح ٹھہرانا بداہۃً باطل اور اجماعًا غلط، ابھی کلمات علماء سے عقد و وعد کا تفرقہ گزرا، اس کے نصوص کے نقل بدیہی پر استدلال ہے جئتک خاطبا سے انعقاد نکاح نہ اس وجہ سے ہے کہ خطبہ عقد ہو بلکہ الفاظ مذکورہ خود الفاظِ عقد ہی قرار پائے ہیں یعنی جبکہ نیت وقرینہ متحقق ہو لما علمت ان ماعدا التزويج والنكاح كناية تفتقر اليهما (جیسا کہ آپ نے معلوم کرلیا کہ تزویج اور نکاح کے الفاظ کے علاوہ باقی کنایہ ہیں جو کہ نیت اور قرینہ کے محتاج ہیں۔ت) ولہٰذا علماء انھیں الفاظ ایجاب کے ساتھ شمار فرماتے ہیں، وجیز کردری میں ہے:

كتاب النكاح تسعة عشر فصلا الاول فى الألة كل لفظ يفيد ملك الرقبة انعقد به كقوله بعت و تزوجت و انكحت و ملكتك وهبت وتصدقت وجئتك خاطبا وجعلت نفسى لك[3]۔	کتاب النکاح میں انیس بحثیں ہیں، پہلی آلہ میں وہ ہر لفظ جو رقبہ کی ملکیت کے لیے مفید ہو اس سے نکاح منعقد ہوگا، جیسے میں نے فروخت کیا، نکاح کر دیا، تجھے مالک بنایا، ہبہ کیا۔ صدقہ کیا، میں رشتہ لینے آیا ہوں، میں نے اپنا نفس تجھے دیا۔ (ت)

خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

ينعقد بقول تزوجت وانكحت وملكتك	نکاح منعقد ہو جاتا ہے ان الفاظ سے: میں نے نکاح

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۰

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب النکاح دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۳۳

[3] فتاوی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۰۸

و وھبت وتصدقت وجئتك خاطبا وجعلت نفسی لك وبعت [1]۔	کردیا، تجھے مالک بنادیا، ہبہ کیا، صدقہ کیا، میں رشتہ لینے آیا ہوں، میں نے اپنا نفس تجھے دیا، فروخت کیا۔(ت)

۳۴ **اقول: وباللہ التوفیق** فقہ اس میں یہ ہے کہ **جئتك خاطبا** (میں رشتہ لینے آیا ہوں۔ت) کسی خطبہ متقدمہ سے اخبار نہیں بلکہ انشائے طلب وتزویج ہے اور انشائے طلب عین حاصل امر، تو **جئتك خاطبا** بمعنٰی **زوجنی** ہے۔ ولہذا بزازیہ میں ان دونوں کا ایک حکم رکھا۔

حیث قال جاء رجل فقال زوجنی بنتك او جئتك خاطبا او جئتك تزوجنی بنتك فقال زوجتك فالنكاح واقع لازم ولیس للخاطب ان لایقبل [2]۔	جیسا کہ انھوں نے ذکر کیا کہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ تو اپنی بیٹی مجھے نکاح کردے یا میں آپ کے پاس رشتہ لینے آیا ہوں، یا، میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے اپنی بیٹی بیاہ دیں، تو باپ نے کہا میں نے بیاہ دی، تو ان الفاظ سے لازمی نکاح ہوجائے گا، اب رشتہ طلب کرنے والے کو قبول نہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔(ت)

اور "زوجنی" الفاظ مفیدہ عقد سے ہے

توکیلا او ایجابا علی اختلاف قولین والاولی عــہ اظھر عندی کما بیناہ فیما علقناہ علی ہامش ردالمحتار تو اسی طرح جئتك خاطبا۔	وکیل بناتے ہوئے یا ایجاب کے طور پر دونوں اقوال کے اختلاف پر، اور پہلا یعنی وکیل بناتے ہوئے میرے نزدیک اظہر ہے، جیسا کہ ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیہ پر بیان کیا ہے تو اسی طرح، میں تیرے پاس رشتہ لینے آیا ہوں۔(ت)

بالجملہ لفظ خطبہ باضافت بیانیہ بعد تحقق نیت وقیام قرینہ الفاظ عقد سے ہے نہ الفاظ خطبہ باضافت لامیہ یعنی وہ الفاظ کہ شرعًا خطبہ قرار پائیں نہ کہ وہ الفاظ کہ صراحۃً اخبار ہوں اور معنٰی انشاء سے منزلوں دور **کما لایخفی علی ذی شعور** (جیسا کہ اہل شعور پر مخفی نہیں۔(ت) رہا نکاح میں عدم جریان مساومت ۳۵ **اقول: وباللہ التوفیق** اس کا منشاء خود یہی ہے کہ عادۃً نکاح

عــہ: انظرہ مع ماذکرہ ۱۲ منہ (م)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۲/۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱۱

سے پہلے منگنی وغیرہ مقدمات ہوچکتے ہیں تو ان کے بعد الفاظ مجلس عقد کو مساومت پر حمل نہیں کرسکتے بخلاف بیع کہ نہ وہاں ایسا تقدم، نہ اس کے لیے کوئی مجلس قرینہ قصد عقد، فتح القدیر پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

النکاح لایدخل المساومۃ لانہ لایکون الابعد مقدمات ومراجعات فکان للتحقیق بخلاف البیع [1]۔	نکاح میں بھاؤ لگانا نہیں ہوتا کیونکہ نکاح کئی مقدمات اور آمدورفت کے بعد ہوا کرتا ہے تو کنایہ الفاظ اس موقعہ پر نکاح کے تحقق کے لیے ہوتے ہیں بخلاف بیع کے۔(ت)

تحقیق مقام یہ ہے کہ عبارت مذکورہ سوال کے معنٰی اگر یہ ٹھہریں کہ امثال الفاظ بعد قیام قرینہ قصد مثل جلسہ نکاح بعد خطبہ وقرأت خطبہ وغیرہما بحکم دلالت ظاہرہ جانب عقد متصرف ہوں گے نہ کہ سوئے مساومت کہ یہاں کوئی محل مساومت نہیں، تو بیشک صحیح ہے۔ اور یہی معنٰی مقصود ومراد۔

الاتری ان الکلام فی الکنایۃ ولاانعقاد بھا الاعند قیام القرینۃ کما علمت۔	آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ گفتگو کنایہ کے بارے میں ہے اوران میں قرینہ کے بغیر نکاح منعقد نہ ہوگا جیسا کہ آپ معلوم کرچکے ہیں۔(ت)

مگر اس بناپر ہر منگنی یا الفاظ مذکورہ عمرو وعبداللہ کو نکاح نہیں ٹھہرا سکتے کما بینا (جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ت) اور اگر یہ معنٰی لیں کہ جو کچھ الفاظ خاطب ومخطوب الیہ میں جاری ہوں خواہی نخواہی نکاح ٹھہریں گے اگرچہ معنٰی مساومت وطلب وعد کو محتمل اور قرینہ معینہ قصد عقد سے عاری تو محض باطل، نہ ہرگز یہ مراد علماء، علماء صاف تصریحات فرماتے ہیں کہ احتمال مساومت واستیعاد یعنی صورت واقعہ میں معنٰی استیام وطلب وعد کا احتمال ہونا مانع انعقاد نکاح ہے۔ خزانۃ المفتین برمز ظ فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی سے ہے:

لو قال بالفارسیۃ دختر خویش مرا دادی فقال دادم لاینعقد النکاح لان ھذا استخبار واستیعاد فلا یصیر وکیلا الا اذا ارادبہ التحقیق دون الاستیام [2]۔	اگر ایک نے فارسی میں کہا کہ تونے اپنی بیٹی مجھے دی، تو دوسرے نے جواب میں "دادم" کہا تو اس سے بغیر ارادہ نکاح متحقق نہ ہوگا، کیونکہ یہ الفاظ حقیقتًا خبر معلوم کرنے اور وعدہ لینے کے لیے ہوتے ہیں اس لیے دوسرا وکیل نہ بنے گا۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۴

[2] خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ (غیر مطبوعہ) ۱/ ۶۷

اذا قال لغیرہ دختر خویش مرادہ، فقال دادم، ینعقد النکاح وان لم یقل الخاطب پذیر فتم، ولو قال مراد ادی فقال دادم، لاینعقد النکاح مالم یقل الخاطب پذیر فتم الا اذا اراد بقولہ دادی التحقیق دون السوم [1]۔	جب دوسرے کو کہا کہ تو اپنی لڑکی مجھے دے۔ تو دوسرے نے کہا "دی" تو اس سے نکاح منعقد ہوجائے گا اگرچہ پہلا "میں نے قبول کی" نہ کہے اور اگر پہلے نے کہا "تو نے بیٹی مجھے دی" تو دوسرے نے جواب میں کہا "میں نے دی" تو جب تک پہلا اس کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس صورت میں دوسرے نے "میں نے دی" سے مراد نکاح کا تحقق لیا اور خواہش اور مرضی کا اظہار مراد نہ لیا تو نکاح ہوجائے گا۔ (ت)

اسی طرح بزازیہ میں ہے ــــ ردالمحتار میں شرح علامہ مقدسی سے نقل فرمایا:

انما توقف الانعقاد علی القبول فی قول الاب ا والوکیل ھب ابنتك لفلان اولابنی اواعطھا مثلاً لانہ ظاھر فی الطلب وانہ مستقبل لم یرد بہ الحال والتحقق فلم یتم بہ العقد بخلاف زوجنی بنتك بکذا بعد الخطبۃ ونحوھا فانہ ظاھر فی التحقق والاثبات الذی ھو معنی الایجاب [2]۔	لڑکے کے باپ یا وکیل نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ تو اپنی بیٹی فلاں کو یا میرے لڑکے کو ہبہ کر یا عطا کر، تو اس میں نکاح کا انعقاد لڑکی کے باپ کے دے دینے کے بعد لڑکے کے باپ یا وکیل کے قبول کرلینے پر موقوف رہے گا، کیونکہ یہ الفاظ ظاہر طور پر طلب کے لیے ہوتے ہیں جس میں مستقبل ہوتا ہے۔ تحقق اور حال مراد نہیں ہوتا، لہٰذا عقد تام نہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر یہ کہا ہو کہ "تو اپنی بیٹی مجھے بیاہ دے" اور یہ کہنا مہر طے کرنے اور منگنی کے بعد ہو تو یہ الفاظ تحقق اور اثبات میں ظاہر ہیں جو کہ ایجاب کہلاتا ہے۔ (ت)

شرح طحاوی سے گزرا کہ ھل اعطیتنیھا (کیا تو نے بیٹی مجھے عطا کی۔ت) مجلس عقد میں مفید عقد ہے اور جلسہ وعد میں طلب وعد بالجملہ الفاظ محتملہ میں مدار قرینہ پر ہے۔ پھر الفاظ مذکورہ عمرو وعبداللہ تو مساومت و تحقیق دونوں سے مہجور اور خاص اخبار میں متعین ہیں تو انھیں اس عبارت سے بھی کچھ علاقہ نہیں کما لایخفٰی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی فیما ینعقد النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح الباب الثانی فیما ینعقد النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۴

مسئلہ ۱۴، ۱۵: از ملک آسام ضلع جورہاٹ ڈاکخانہ کٹنگا مقام سرائے بہی مرسلہ سید محمد صفاء الدین صاحب ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

سوال اول: ایک عدیم البصر عالم وفاضل اور ایک نگہبان بھی اس کے پاس موجود تھا اس نے نکاح پڑھایا، نکاح جائز ہے یا نہ؟

الجواب؛

بلاشبہہ جائز ہے کہ نکاح پڑھانے میں آنکھوں کا کیا کام، بلکہ جب وہ عالم ہے تو وہی انسب واولٰی، خود گواہان نکاح جن کے بغیر نکاح اصلاً صحیح نہیں اگر نابینا ہوں کچھ مضائقہ نہیں[1]۔

کمانص علیه فی المتون کالکنز والوقایة والاصلاح والمختار والهدایة والملتقی والتنویر وغیرها۔	جیسا کہ کنز، وقایہ، اصلاح، مختار، ہدایہ، ملتقی اور تنویر وغیرہ متون میں اس پر تصریح موجود ہے۔ (ت)

تو نکاح پڑھانے والے کی بینائی کیا ضرور کہ وہ خود ہی نکاح کے لیے ضروری نہیں، عاقدین کا آپ ایجاب وقبول کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال دوم: اگر عدیم البصر عالم نہ ہو اور نگہبان بھی موجود نہ ہو اس صورت میں اس نے نکاح پڑھایا، آیا جائز ہے یا نہ؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اب بھی جائز ہے جبکہ ٹھیک پڑھائے، بے نگاہی یا بے نگاہ بانی کچھ نکاح پڑھانے میں مخل نہیں، ہاں جاہل ہونا مخل ہوسکتا ہے کہ جب مسائل نکاح سے آگاہ نہیں تو ممکن کہ وہ صورت کردے جس سے نکاح صحیح نہ ہو اور زوجین بھی بوجہ جہل اس سے غافل رہیں تو معاذاللہ عمر بھر حرام میں مبتلا ہوں، لہٰذا نکاح میں بہت احتیاط لازم، عقد کرنے والا دیندار، متقی، مسائل نکاح سے واقف ہو کہ جاہل سے نادانستہ وقوع مخل کا اندیشہ تھا، فاسق بددیانت پر اعتماد نہیں، جب وہ خود حلال وحرام کی پروانہیں رکھتا تو اوروں کے لیے احتیاط کی کیا امید، بحرالرائق و درمختار وفتح اللہ المعین وغیرہا میں ہے:

واللفظ للدر یندب اعلانه وتقدیم خطبة	دُر کے الفاظ ہیں، نکاح کا اعلان، اس سے پہلے خطبہ

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۷

وکونہ فی مسجد یوم جمعۃ بعاقد رشید الخ[1].	مسجد میں ہونا، جمعہ کا دن ہونا اور نکاح کرنیوالا صاحب رشد یعنی صاحب علم و عمل ہونا مستحب ہے الخ۔ (ت)

۳۶ **اقول: الرشد ینتظم العلم والعمل** (رشد علم اور عمل دونوں کو جامع ہے۔ت) اس زمانہ جہل وفساد میں اکثر وہ صورت رائج ہے کہ اگر اہل علم حاضر جلسہ نہ ہوں تو نکاح میں سخت خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے یعنی دولھن سے زید کے لیے صرف وکالت نکاح لی، یہ تصریح نہ کرائی کہ اسے دوسرے کو وکیل کردینے کا بھی اختیار ہے۔اب زید وکیل جو شرعًا صرف نکاح پڑھانے کا مجاز ہوا وہ خود نہیں پڑھاتا بلکہ قاضی کوئی اور صاحب باہر بیٹھے ہیں ان سے آکر کہتا ہے مجھے فلاں عورت نے اپنے نکاح کا وکیل کیا، دو گواہ گواہی دیتے ہیں، وہ تو اتنا کہہ کر الگ ہوگیا، اب قاضی جی نے نکاح پڑھایا، یہ نکاح ہر گز نہ ہوا کہ نہ خود عورت نے ایجاب وقبول کیا نہ اس کے وکیل ماذون نے بلکہ ایک اجنبی شخص نے کہ اول تو وکیل کا اپنی وکالت سے خبر دینا اس قاضی کو اپنی طرف سے وکیل کرنا نہیں، اور ہو بھی تو صحیح مذہب میں وکیل نکاح کو دوسرے کے وکیل کرنے کا بے اذن موکل اختیار نہیں۔

فی الدر عن البحر لیس للوکیل (ای فی النکاح) ان یؤکل بلااذن[2] وفی وکالۃ غمز العیون عن الولوالجیہ لووکل رجلا فی نکاح فوکل الوکیل غیرہ ذکرہ محمد فی الاصل انہ لایجوز فانہ قال اذا فعل الثانی بحضرۃ الاول لم یجز وھوالصحیح[3] اھ ملخصًا۔	نکاح کے وکیل کو جائز نہیں کہ وہ بغیر اجازت اس میں کسی دوسرے کو وکیل بنائے، یہ بحر کے حوالے سے دُر میں مذکور ہے اھ غمز العیون کی وکالت کی بحث میں ولوالجیہ سے منقول ہے کہ اگر ایک نے کسی کو نکاح کا وکیل بنایا تو وکیل نے کسی دوسرے کو از خود وکیل بنالیا تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل یعنی مبسوط میں ذکر کیا کہ یہ جائز نہیں، انھوں نے فرمایا کہ پہلے کی موجودگی میں دوسرے وکیل نے کارروائی کی تو جائز نہیں ہوگی، یہی صحیح ہے اھ ملخصا (ت)

تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا اور اجازت زنِ بالغہ پر موقوف رہا، اگر خبر پر نفرت وکراہت ظاہر کی، جیسا کہ اکثر دخترانِ دوشیزہ سے ایسا ہی واقع ہوتا ہے، جب تو ڈھول سے کھال بھی گئی، اب وہ نکاح یکسر باطل ہوگیا کہ آئندہ اجازت سے بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۲-۴۱۱

فی الدرالمختار لو بلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانه بالرد ولذا استحسنواالتجدید عند الزفاف لان الغالب اظهار النفرة عند فجأة السماع [1]۔	درمختار میں ہے کہ لڑکی کو نکاح کی اطلاع ملی تو انکار کردیا پھر بعد میں اس نے کہا میں راضی ہوں، تو پہلے رد شدہ نکاح اس سے جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ انکار کرنے کی وجہ سے باطل ہوچکا ہے۔اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا کہ ایسی صورت میں رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح کرنا بہتر ہوگا کیونکہ اچانک نکاح کی خبر پر نفرت کااظہار ہوتا ہے(اس لیے پہلا انکار نفرت کی وجہ سے ہوا)(ت)

یونہی بعض نکاحوں میں مشاہدہ ہوا ہے کہ نکاح خواں نے کلمات ایجاب دولھا کے کان میں کہے کہ حاضرین میں کسی نے نہ سنے صحیح مذہب میں یوں نکاح نہیں ہوتا کہ مجلس واحد میں معًا دو گواہوں کا دونوں الفاظ ایجاب وقبول سننا شرط ہے۔

فی الدر وشرط حضور شاهدین حرین اوحر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معا علی الاصح [2]۔	دُر میں ہے کہ نکاح میں دو عاقل بالغ حر مرد یاایک مرد اور دو عورتیں گواہ کے طور پر مجلس میں موجود ہو کر نکاح کے دونوں فریقوں کا کلام سنیں، یہ شرط قرار دیا گیا ہے صحیح قول کے مطابق۔(ت)

ان باتوں کامنشا وہی جہل وناواقفی ہے اوران کے سوااور بیس اغلاط کااندیشہ ہے جن سے علماء ہی آگاہ ہوتے ہیں یا وہ نیک توفیق والے جنھیں علماء کی خدمت وصحبت اور ان سے مسائل دینیہ کی تحقیقات کا شوق کامل ہے غرض جاہل کی نکاح خوانی قطعاً خلاف اولٰی ہے جس طرح اس کی امامت یا مضاربت کہ جو اندیشہ خلل وفساد وہاں ہے وہی نکاح میں بھی، کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: از جورہاٹ ملک آسام ہائی اسکول مرسلہ میاں محمد علی صاحب ۳ شعبان ۱۳۱۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے) اس مسئلہ میں کہ اگر زید نے ایک عورت سے دو گواہ غیر ملکی کے سامنے نکاح کیا پھر زید نے وہ دونوں گواہ جانے کے بعد اپنے نکاح کو ظاہر کیا اور عورت بھی نکاح ہونے پر زید کے مقر ہے اور وہ دونوں گواہان مذکوران ایک غیر ملک میں جاکر ایک عالم سے اور اپنے ملک میں جاکر قاضی کے روبرو دونوں

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

جگہ نکاح ہونے زید کی گواہی دئے ہیں اور دونوں جگہ سے دو خط مع مہر و دستخط کے اور صورت گواہی ان دونوں گواہوں کے زید کے نکاح ہونے کا ثبوت زید کے ملک کے ایک عالم اور ایک معتبر آدمی کے پاس ارسال کیا پھر ایک برس کے بعد ان دونوں گواہوں سے ایک گواہ آکر پہلے تین چار آدمی کے روبرو نکاح ہونے زید کی گواہی دی تھی بعدہ دس بارہ روز کے بعد ایک جماعت کے روبرو انکار نکاح زید کا کیا، زید اور بی بی کے درمیان میں کوئی جھگڑا اور تنازع نہیں ہے، زید بھی خاص وعام کے روبرو کہتا ہے کہ وہ میری بی بی ہے اور بی بی کہتی ہے کہ زید میرا شوہر ہے، اور حال چال بھی دونوں کے خاوند اور جورو ہونے کے پائے جاتے ہیں، اور مقر نکاح جانبین ہے۔ از روئے شرع شریف کے زید کا نکاح درست اور نافذ ہوا یا نہیں؟ اور نکاح دوبارہ کرنا لازم آئے گا یا نہ؟ اور صورت نکاح دوبارہ میں حد ان دونوں کے اوپر یعنی زوج زوجہ کے اوپر لازم ہوگا یا نہیں۔؟ مع دلیل وبرہان کے جواب باصواب فرمائیں، اگر دونوں گواہ انکار نکاح کا ہو جائیں تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دونوں زوج وزوجہ ہیں، ان کا نکاح صحیح وثابت ہے، دوبارہ نکاح کی اصلاً حاجت نہیں، اگرچہ دونوں گواہ انکار کر جائیں۔

فان الشهود شرط النکاح فی الابتداء دون البقاء۔	گواہوں کا ہونا نکاح کی ابتداء میں شرط ہے اس کے بقاء کے لیے شرط نہیں۔ (ت)

جبکہ دونوں باہم مقر نکاح ہیں، یہ اسے اپنی بی بی وہ اسے اپنا شوہر بتاتی ہے تو کسی کو اعتراض کی ہرگز گنجائش نہیں بلکہ ان کا صرف یہ باہمی اقرار ہی ثبوت نکاح کے لیے کافی ہے اگرچہ کوئی گواہ گواہی نہ دے،

فی ردالمحتار صرحوا ان النکاح یثبت بالتصادق [1] فی الهدایة حل له ان یشهد اذ رأی رجلا وامرأة یسکنان بیتا وینبسط کل واحد منهما الی الاٰخر انبساط الازواج [2] اھ ملخصاً۔ واللّٰه سبحانه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	(ردالمحتار میں ہے کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے۔ ت) پھر ان کا باہم زن و شو کی طرح رہنا دوسرا مثبت نکاح ہے یہاں تک کہ جتنے لوگ اس حال سے واقف ہیں سب کو ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے جب کوئی مرد و عورت آپس میں خاوند بیوی کی طرح گھر میں رہیں اور دونوں آپس میں میاں بیوی کی طرح بے تکلف ہوں تو دیکھنے والے کو ان کے نکاح کی شہادت دینا جائز ہے اھ ملخصا، واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم و احکم۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۵

[2] ہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۵۸

مسئلہ ۱۷: ۱۵ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے بایں شرط نکاح کیا کہ بعد ایک ماہ کے طلاق دے دوں گا۔ اور اس امر کو اپنے دل میں رکھا، یا یہ کہ ہندہ سے بیان کیا، تو آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

نکاح صحیح ہے خواہ دل میں یہ قصد رکھا خواہ عقد میں اس کی شرط کرلی کہ طلاق کا شرط کرنا ہی ارادہ نکاح دائم پر دلیل ہے، ہاں اگر یوں عقد کرے کہ میں نے تجھ سے ایک مہینہ یا ایک برس یا سو برس کے لیے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کہ ایک وقت تک نکاح کو محدود کردینا صورت متعہ ہے اور متعہ محض حرام اور زنا، درمختار میں ہے:

بطل نکاح متعۃ وموقت وان جھلت المدۃ لوطالت فی الاصح ولیس منہ مالو نکحھا علی ان یطلقھا بعد شھر اونوی مکثہ معھا مدۃ معیّنۃ [1]۔	متعہ کے طور پر نکاح یا مقررہ مدت کے لیے نکاح خواہ مدت لمبی ہو یا مدت مجہول ہو تو صحیح مذہب میں یہ نکاح باطل ہے، اور اگر اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا، یا اس وقت دل میں مقررہ مدت کی نیت کی تھی تو باطل نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان اشتراط القاطع یدل علی انعقادہ مؤبدا وبطل الشرط بحر [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لیے کہ نکاح میں طلاق کی شرط دلالت کرتی ہے کہ یہ نکاح دائمی ہے اور شرط باطل ہوگی، بحر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ منکوحہ زید میں کوئی علامت مردی وزنی سے نہیں صرف ایک مخرج ہے جس سے بول آتا ہے، مگر پستان اس کے مثل زنان ہیں، اس صورت میں یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر زید اسے طلاق دے تو ادائے مہر ذمہ زید لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہے اور نصف مہر بعد طلاق ذمہ زید پر واجب الادا کہ منکوحہ زید اگرچہ

[1] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۹۰

[2] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۴

قبل از بلوغ بوجہ انتفائے ہر دو علامت از قبیل خنثی تھی مگر جب بعد بلوغ اس کی پستانیں مثل پستانِ زن ظاہر ہوئیں تو اشکال زائل اور اس کا عورت ہونا منکشف ہوگیا، اب بلاشبہہ یہ نکاح اپنے محل میں واقع اور حل استمتاع کو شرعاً مفید کہ شرائط صحت سب موجود ہیں اور موانع شرعیہ بالکل مفقود، البتہ فساد خلوت عدم تاکد مہر کا باعث ہے، اور خیار عیب کو نکاح میں دخل نہیں تاکہ زید بوجہ اس کے فسخ نکاح کرسکے اور کل مہر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے، رہا امر حسی کا عائق ہونا وہ ہر گز منافیِ جواز نہیں۔

فی تنویر الابصار من کتاب الخنثی ھو ذو فرج وذکر اومن عری عن الانثیین فان ظھرله ثدی فامرأۃ انتھی مع التلخیص [1]، وفی الدرالمختار من النکاح ھو عندالفقھاء عقد یفید ملك المتعۃ ای حل استمتاع الرجل من امرأۃ لم یمنع من نکاحھا مانع شرعی انتھی [2]، وفیه من باب المھر الخلوۃ بلامانع حسی کرتق بفتحتین التلاحم وقرن بالسکون عظم وعقل بفتحتین غدۃ لایطاق فیه الجماع کالوطی فی تاکد المھر [3] انتھی ملخصا وفیه من ذٰلك الباب ویجب نصفه بطلاق قبل وطی او خلوۃ [4] انتھی وفی فتاوی الامام قاضی خاں والرتق	تنویر الابصار کی خنثی کی بحث میں ہے خنثی وہ ہے کہ جس کا ذکر اور فرج دونوں ہوں یا خصیتین نہ ہوں، تو اگر اس کے پستان ظاہر ہو جائیں تو عورت قرار پائے گی، تنویر کی عبارت ختم ہوئی، تلخیصاً۔ درمختار میں نکاح کی بحث میں ہے فقہاء کرام کے ہاں نکاح ایسا عقد ہے جو مرد کو عورت سے جماع کا مالک بنا دیتا ہے جبکہ اس سے کوئی شرعی مانع نہ ہواھ اور اسی کے مہر کے باب میں ہے کہ جب خلوت بغیر کسی حسی مانع کے حاصل ہوجائے تو اس کا حکم مہر کو لازم کرنے میں جماع کی طرح ہے، خلوت میں حسی مانع جیسے رتق (راء اور تاء فتح کے ساتھ) جس کا معنٰی شرمگاہ میں گوشت کا اُبھر جانا، اور جیسے قرن بسکون راء، جس کا معنی ہڈی اور عقل، ع اور ق پر فتح، جس کا معنی غدود ہے یعنی ہڈی اور غدود شرمگاہ میں اس طرح بڑھ جائے کہ جماع کے لیے مانع بن جائے اھ ملخصاً، درمختار کے اسی باب میں ہے کہ نصف مہر لازم ہوگا جب خلوت یا جماع سے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الخنثی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۸

يمنع الخلوة لانه يمنع الجماع وذكر فى طلاق الاصل ان العدة يجب على الرتقاء اى فلها نصف المهر[1] انتهى وفيها من فصل خيارات النكاح ومنها خيار العيب وهو حق الفسخ بسبب العيب عندنا لايثبت فى النكاح فلاترد المرأة بعيب ما و قال الشافعى له ان يرد بالقرن والرتق و يفسخ النكاح فان رد قبل الدخول يسقط كل المهر والامهر المثل كماهو حكم الفسخ[2] انتهى مع التلخيص، والله تعالٰى اعلم۔	قبل طلاق دی ہو اھ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ رَتَق، خلوت کے لیے مانع ہے کیونکہ یہ جماع کے لیے مانع ہے، اور اصل (مبسوط) کی بحث طلاق کے بیان میں ہے کہ رتقا، عورت پر عدت واجب ہے اور اس کے لیے نصف مہر ہوگا اھ اور اصل کی بحث اختیارات نکاح میں ہے کہ خیار عیب جس کو عیب کی وجہ سے حقِ فسخ کہتے ہیں، ہمارے ہاں نکاح کے باب میں ثابت نہیں، لہٰذا کسی عیب کی وجہ سے عورت کو رَد نہیں کیا جائے گا۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ قرن اور رتق والے عیب کی وجہ سے مرد کو فسخ کا اختیار ہے پس اگر قبل از خود دخول رَد یا فسخ کردے تو تمام مہر ساقط ہوجائے گا ورنہ پورا مہر مثل عورت کا حق ہے جیسا کہ فسخ کا حکم ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عورت طوائف کسی مرد آشنا کے ساتھ پردہ میں حسب دستور عیاشیوں کے جو بغرض مفید رکھنے اور نہ ملتفت ہونے اس کے ساتھ دوسرے مرد کے، پردہ میں رکھتے ہیں ہم خانہ رہی ہو، وہ عورت شرعاً زوجہ تصور کی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر زوجہ تصور کی جائے گی تو ایسے ہم خانہ رہنے کے واسطے کوئی مدت مقرر ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس قدر مدت ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں پردہ اس طوائف کا صرف ان لوگوں سے جن سے احتمال موافقت کا ہو معتد بہ نہیں، ایسا پردہ ثبوت نکاح کی دلیل نہیں ہوسکتا، البتہ اگر وہ مرد وزن مثل زوج وزوجہ رہتے، اور جو لوگ ان کے حالات خانگی سے واقف ہیں انھیں زوج وزوجہ تصور کرتے ہوں تو شرعاً زوج زوجہ قرار پائیں گے نہ کہ زانی وزانیہ کہ مسلمان کی طرف بدکاری کی نسبت بے ثبوت شرعی ہرگز جائز نہیں، شارع نے جس قدر احتیاط اس بارے میں فرمائی دوسرے معاملہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الخلوۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الخیارات التی تتعلق بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۷

میں نہ آئی یہاں حسنِ ظن واجب اور تکذیب قاذف لازم، **قال عزاسمہ** لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ[1] **الآیۃ** (اس پر اگر وہ چار گواہ پیش نہ کریں، الآیۃ۔ت) اور ارشاد ہوتا ہے:- وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ[2] **الآیۃ** (اور کیوں نہیں تم کہتے جب تم اسے سنتے ہو، الآیۃ۔ت) اگر کوئی مسلمان حر عاقل بالغ عفیف کی طرف نسبت زنا کرے اور چار گواہوں سے ثابت نہ کردے تو بعد طلب مقذوف کے اسے اسی کوڑے مارے جاتے ہیں اور گواہی اس کی کبھی قبول نہیں ہوتی، **قال اللہ تعالٰی**: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ[3] **الآیۃ** (اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں الآیۃ۔ت) اسی طرح اگر تین گواہ معائنہ زنا کی گواہی دیں اور چوتھا نہ ہو تو ان گواہوں پر قذف لازم آتی ہے،

فی الفتاوی الھندیۃ ان یشھد علی الزنا اقل من اربعۃ بأن شھد واحد أو اثنان أو ثلثہ لاتقبل الشھادۃ ویحد الشاھد حد القذف[4] اھ	فتاوٰی ہندیہ میں ہے کہ اگر چار سے کم ایک یا دو یا تین گواہ زنا کی گواہی دیں تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی اور گواہوں پر حد قذف ہوگی اھ (ت)

پس ایسی صورت میں گو گواہانِ معائنہ نکاح موجود نہ ہوں شرع حکم نکاح کا فرمادیتی ہے اور اس امر کے لیے شرع شریف میں کوئی مدت مقرر نہ فرمائی بلکہ بحالت عدم شہود معائنہ مدار ثبوت انبساط و شہرت پر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا اور زید شب زفاف میں بالکل مخاطب نہ ہوا اور چارپر علیحدہ رہا اور باہم صحبت زید نے ہندہ سے نہیں کی، بعدہ معلوم ہوا کہ زید نامرد ہے اور ہندہ نے زید کا عنین ہونے کا بھی ایک عرصہ تک علاج کیا لیکن صورت صحبت ظہور میں نہ آئی، اب ہندہ اپنے والدین کے یہاں رہتی ہے اور زید سبب نامردی کے چاہتا ہے کہ ہندہ کو جان سے مارڈالے، اس صورت میں نکاح ہندہ کا زید سے درست ہوا یا نہیں؟ اور ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں۔؟ جیسا کہ حکم شرع شریف کا ہو ویسا کیا جائے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نکاح ہندہ کا زید سے درست ہے،

اذلیس عدم العنۃ من شرائط صحتہ ولوکان کذلك لما احتیج الی ماذکروہ من باب العنین من المرافعۃ و	کیونکہ نکاح کے درست ہونے کے لیے نامرد نہ ہونا شرط نہیں ہے، اور اگر یہ بات ہوتی تو پھر نامرد کے سلسلہ میں قاضی کے ہاں پیش کرنے اور قاضی کا مہلت

[1] القرآن ۱۳/۲۴
[2] القرآن ۱۶/۲۴
[3] القرآن ۴/۲۴
[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحدود الباب الخامس فی الشھادۃ علی الزنا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۵۲/۲۔۱۵۱

التاجیل والطلب والتفریق وھذا واضح جدا۔	دینا، عورت کا مطالبہ، اور پھر قاضی کی تفریق وغیرہ امور ذکر کرنے کی فقہاء کو ضرورت پیش نہ آتی، جبکہ یہ بات بالکل واضح ہے۔ (ت)

ہندہ کو ہر گز روا نہیں کہ بغیر حصول طلاق دوسرے شخص سے نکاح کرلے، اگر کرے گی نکاح ثانی باطل محض ہوگا اور شوہر ثانی سے قربت زنائے خالص، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

وذٰلك لبقاء العصمة کما ذکرنا فالعنین وغیرہ فیھا سواء۔	دوسرے نکاح کا عدم جواز پہلے نکاح کے تحفظ کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، پس اس معاملہ میں نامرد اور مرد برابر ہیں۔ (ت)

ہاں صورت خلاص یہ ہے کہ زید و ہندہ اپنے معاملہ میں کسی ذی علم کو پنچ کریں۔

ففی الخیریہ یصح التحکیم فی مسئلة العنین لانہ لیس بحد ولاقود ولادیة علی العاقلة ولھم ان یفرقوا بطلب الزوجة[1] اھ۔	تو فتاوٰی خیریہ میں ہے نامرد کے مسئلہ میں حکم بنانا اس لیے درست ہے کہ یہ حد، قصاص اور عاقلہ پر دیت کا مسئلہ نہیں ہے، حکم حضرات کے لیے عورت کے مطالبہ پر تفریق کرنا جائز ہے اھ (ت)

ہندہ اس کے حضور عنت شوہر کا دعوٰی کرے اور اس بناء پر تفریق چاہے پنچ کے نزدیک جب اس کا عنین ہونا بطریق شرعیہ کہ ان میں سے ایک طریقہ مثلاً اقرار زید ہے ثابت ہو جائے گا تو بملاحظہ تفاصیل مذکورہ فی الفقہ سال بھر کی زید کو مہلت دے اور اس تمام برس میں زن و شو یکجا رہیں، اگر کچھ دنوں کو ہندہ کہیں چلی جائیگی وہ دن سال میں معدود نہ ہوں گے، جب اس طرح سال کامل گزر جائے اور زید ہندہ پر قدرت نہ پائے تو اس وقت بطلب ہندہ زید و ہندہ میں تفریق کردی جائے، اب بعد عدت ہندہ کو اختیار نکاح ہوگا۔

وکل ماذکرنا مفصل فی الدر المختار وردالمحتار والفتاوی الخیریہ وغیرھا من الکتب الفقھیة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل درمختار، ردالمحتار اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتب میں موجود ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مع چند ہمراہیوں کے عمرو کے یہاں اس کی دختر کو پیام دینے گیا عمرو نے اس کے ساتھ شادی دختر کردینے پر رضا ظاہر کی اور گفتگو کرنے والوں سے

[1] فتاوٰی خیریہ باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۶

مخاطب ہو کر کہا میں نے اپنی لڑکی آپ کو دی، اس پر زید نے کہا بہتر ہم کو منظور ہے جب آپ نے میرا خطبہ کو منظور کیا اور زبان دی تو میری تسکین ہو گئی غرض بہمہ وجوہ قرار پا گئی اور طرفین کا اطمینان ہو گیا اب عمرو اس دختر کا نکاح دوسرے شخص سے کرنا چاہتا ہے یہ اسے جائز ہے یا نہیں اور بغیر ترک یا اعراض زید کے دوسرے شخص سے اس دختر کا نکاح صحیح ہوگا یا نہیں اور جبکہ عمرو نے کہا میں نے اپنی لڑکی آپ کو دی اور زید نے اس کے جواب میں کہا بہتر قبول و منظور ہے تو یہ صاف ایجاب وقبول ہو کر نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگرچہ مخطوب منہ کا اپنے اقرار سے پھرنا اور خاطب اول کو زبان دے کر دوسرے سے قصد تزویج کرنا شرعًا مذموم وبے جا و قابل مواخذہ ہے، **قال تبارك وتعالٰی: اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا** [1] (عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ت) اور جس طرح مخطوب منہ پر مواخذہ ہے اسی طرح وہ دوسرا خاطب جس نے مخطوبہ غیر پر پیام دیا شرعًا مرتکب شناعت ہے،

وقد صح ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن السوم علی سوم اخیہ والخطبۃ علٰی خطبۃ اخیہ [2]۔	صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھائی کے سودے پر سودے اور بھائی کی منگنی پر منگنی سے منع فرمایا۔ (ت)

مگر بااینہمہ اگر مخطوب منہ اپنی لڑکی کا خاطب اول سے نکاح نہ کرے اور غیر سے تزویج کردے یہ نکاح شرعًا صحیح ودرست ہو جائے گا اور ترک واعراض خاطب اول کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ گفتگو جواب تک خاطب و مخطوب منہ کے درمیان آئی اس کی طرف سے مجرد خطبہ تھی اور اس کی جانب سے محض وعدہ، نہ عقد ایجاب وقبول، پس مخطوبہ ہنوز خاطب کی عصمت نکاح میں نہ داخل ہوئی جس کے سبب غیر سے اس کی تزویج ناروا ٹھہرے،

فی العقود الدریۃ سئل فیما اذا خطب وکیل زید ابنۃ عمروا لبالغۃ لزید بمحضر من الناس فاجابہ الاب الی ذٰلك قائلا ان مھر ابنتی کذا ان رضیت فبھا والافلا فرضی الخاطب ودفع للاب	عقود الدریہ میں سوال کیا گیا کہ جب زید کے وکیل عمرو کی بالغہ لڑکی کے بارے میں لوگوں کی موجودگی میں زید کے لیے منگنی کی تو لڑکی کے باپ نے جواب میں کہا کہ میری لڑکی کا اتنا مہر ہے اگر آپ راضی ہیں تو بہتر ورنہ نہیں، اس پر منگنی والا راضی ہو گیا اور

[1] القرآن ۱۷/ ۳۴

[2] صحیح مسلم باب یحرم الخطبۃ علی خطبہ اخیہ الخ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۱/ ۴۵۴

شیئا من الحلی والبسه لابنته فلم ترض البنت بالخطبة و ردتها فهل یسوغ لها ذٰلك ولاتکون الخطبة واقعة موقع عقد النکاح اصلا الجواب حیث لم یجر بینهما عقد نکاح شرعی بایجاب وقبول شرعیین لاتکون الخطبة واقعة موقع عقدالنکاح اصلا[1]۔	اس نے لڑکی کے باپ کو کچھ زیور دئے اور لڑکی کو کپڑا پہنایا تو لڑکی نے منگنی پر رضامندی سے انکار کردیا اور منگنی کو رد کردیا تو اس صورت میں کیا لڑکی کو رد کا اختیار ہے اور کیا یہ منگنی نکاح کے قائم مقام نہ ہوگی؟ جواب: شرعی طور پر یہ قبول وایجاب کے ساتھ نکاح نہ ہوا اور یہ منگنی نکاح کے قائم مقام نہ ہوگی۔

اور یہ لفظ کہ میں نے لڑکی آپ کو دی ہر چند کنایات تزویج سے ہے مگر مجلس عقد میں عقد قرار پاتا ہے اور مجلس وعد میں وعد۔

فی ردالمحتار عن فتح القدیر عن شرح الطحاوی لوقال اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح[2] اھ واقرہ العلامة العلائی والفاضل الرحمتی والسید الطحطاوی و غیرہم رحمهم الله تعالٰی۔	ردالمحتار میں فتح القدیر کے حوالے سے طحاوی کی شرح سے منقول ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا کہ تونے لڑکی مجھے دی، جواب میں اس نے کہا کہ میں نے دی، تو اگر بات مجلس نکاح میں ہے تو نکاح ہے اور وعد (منگنی) کی مجلس ہے تو منگنی ہوگی اھ اس کو علامہ علائی، فاضل رحمتی، سید طحطاوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے ثابت رکھا۔ (ت)

اوپر ظاہر ہوا کہ وہ مجلس مجلس نکاح نہ تھی اور خاطب کا اس وقت مع چند ہمراہیوں کے جانا بات ٹھہرانے اور وعدہ لینے اور رضامندی حاصل کرنے ہی کے طور پر تھا تو پدر مخطوبہ کے وہ الفاظ بھی وعدہ ہی پر محمول ہوں گے نہ عقد پر، یہاں تک کہ خود خاطب کے کلام سے واضح وروشن کہ وہ بھی ان کلمات کو اقرار نکاح واظہار رضا وقبول خطبہ ہی سمجھا نہ ایجاب وتزویج کہ اس نے جواب میں کہا: بہتر ہم کو منظور ہے، جب آپ نے میرے خطبہ کو منظور کیا اور زبان دی تو میری تسکین ہوگئی اور ہر عامی جانتا ہے کہ ہماری زبان میں زبان دینا کسی کام کے وعدہ کو کہتے ہیں نہ کہ اس کے ایقاع واصدار کو، زید نے اگر عمرو سے کچھ روپے مانگے

---

[1] عقود الدریہ علی تنقیح حامدیہ مسائل منشورہ من ابواب النکاح حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب قندھار ۳۱/۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۶۴/۲

اور اس نے دے دئے تو یہ نہ کہا جائے گا کہ عمرو زبان دے چکا، ہاں نہ دئے اور دینے کا وعدہ کرلیا تو یہ لفظ بولنا صحیح ہوگا، پس ثابت ہوگیا کہ مخطوب منہ کا وہ کلام محض اجابت تھا نہ کہ لفظ ایجاب **وشتان بینھما** (دونوں میں فرق ہے۔ت) ایک وجہ تو عدم نکاح کی یہ ہوئی اور یہیں سے دوسری وجہ بھی ظاہر ہے کہ جب کلام خاطب با علی ندا منادی کہ وہ سخن مخطوب منہ کا محصل اقدام العقد نہ سمجھا تھا بلکہ محض اقرار و وعد جانا تو اب اس کا یہ کہنا بھی کہ "بہتر ہم کو منظور" بر سبیل قبول وتزویج نہ تھا بلکہ اس کی اجابت پر اپنی خوشی کا اظہار تھا تو اگر فی الواقع مخطوبہ منہ کے وہ الفاظ ایجاب ہی ٹھہریں تاہم مفقود ہے اور جملہ اخیرہ کہ "آپ نے زبان دی تو میری تسکین ہوگئی" مفسر مراد موجود جس کے سبب لفظ اول صریح قبول ٹھہرا کر الفاظ اور نیت کا الغا نہیں کرسکتے اور اس کے سوا بعض وجوہ اور بھی پیدا ہوسکتے ہیں جو عدم انعقاد نکاح پر دلالت کریں۔

کمالایخفی علی ماھر الفقیہ وفیماذ کرنا کفایۃ للنبیہ۔	جیسا کہ مخفی نہیں، ماہر فقیہ پر، اور ہم نے جو ذکر کردیا ہے وہ عالم کو وضاحت کے لیے کافی ہے۔(ت)

بالجملہ نہ الفاظ مخطوب الیہ ایجاب کے قابل نہ جانب خاطب سے قبول حاصل، نہ مخطوبہ حبالہ نکاح خاطب میں داخل، نہ غیر سے تزویج نارواو باطل، رہا مخطوب منہ پر گناہ، وہ بھی اسی وقت تک ہے کہ اس نے بلاوجہ یا کسی رنجش دنیوی کے سبب تزویج خاطب اول سے اعراض کیا ہو، اور اگر درحقیقت کوئی عذر مقبول پیدا ہوا اور اس نکاح میں اس نے حرج شرعی سمجھا اور خاطب ثانی کو حق دختر میں بہتر جانا تو شرع مطہر ہر گز اس پر دلیل لازم نہیں کرتی کہ تو اپنی زبان پالنے کے لیے محذور شرعی گوارا یا دیدہ ودانستہ بیٹی کے حق میں برا کر، نیک و بد پر کامل نظر ذمہ پدر واجب وضرور، اور آدمی نہ تبدیل رائے سے محفوظ ومصون، نہ کسی وقت بعض مصالح پر نہ اطلاع پانے پر مامون، یہ تو صرف اقرار ہی تھا، ہمارے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو دربارہ قسم ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم کسی بات پر قسم کھا بیٹھو پھر خیال میں آئے کہ اس کا خلاف شرعًا بہتر ہے تو اس بہتری پر عمل کرو اور قسم کا کفارہ دے دو۔

فقد اخرج الامام احمد ومسلم فی صحیحہ والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیات الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ[1]۔	امام احمد نے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام ترمذی نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی قسم کھائی اور اس نے اس قسم کے خلاف کو بہتر جانا تو بہتر کو اپنالے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔(ت)

[1] صحیح مسلم باب ندب من حلف یمینًا فرای غیرھا خیرًا منھا الخ قدیمی کتب خانہ پشاور ۴۸/۲

پس پدر مخطوبہ پر لازم ہے کہ خدا سے ڈرے اور اصلح واوفق پر نظر کرے وہ دو مطالبوں کے زیر تقاضا ہے ایفائے موعدت ودفعِ مفسدت، پھر اگر خاطب اول میں کوئی محظور شرعی نہ ہو تو اول پر عمل کرے ورنہ ثانی پر کاربند رہے **من ابتلی بلیتین فاختار اھونھما** (جو دو آزمائشوں میں مبتلا ہو تو آسان کو اختیار کرے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ باپ کو نکاح ہندہ بالغہ کا زید کے ساتھ جو اہل کفو سے ہے منظور نہ تھا اور نہ ہے زید نے بغیبت باپ ہندہ جو صرف بارہ کوس کے فاصلہ پر اپنے علاقہ پر تھا بہ سکوت و گریہ ہندہ برضامندی مادر ونانی ہندہ وکالت اور شہادت تین اقربا خاص نکاح ظاہر کیا ہندہ کہہ رہی ہے کہ مجھ کو بلا رضامندی اپنے باپ کے یہ نکاح نہ پہلے منظور تھا اور نہ اب ہے۔ ایسی حالت میں باپ ہندہ یا ہندہ کے مجبور کرنے کے واسطے منجانب زید بخیال جواز نکاح یہ بیان وشہادت گزری کہ ہندہ نے زبان سے اقرار کیا تھا وبعد از رخصتی بذریعہ عدالت یا جس طرح پر ہو اپنے گھر جاکر نکاح کا قصد رکھیں ایسی صورت میں ہندہ کو جو ولایت اپنے باپ میں ہے کسی ذریعہ سے لی جائے اطلاق غصب یا کس گناہ کا ہوگا ونکاح مابعد کی نسبت جو گھر لے جاکر دختر مذکور کو مجبور کرکے کرے کیا کہنا چاہئے وزید وغیرہ مرتکب کس گناہ کے ہوں گے یا کچھ نہیں، فرض کیا جائے کہ قضاء بوجہ نصاب شہادت نکاح جائز ہو لیکن جب باپ ہندہ کو نہ پہلے منظور تھا نہ اب ہے وہندہ کہہ رہی تھی کہ مجھ کو بلارضامندی اپنے باپ کے یہ نکاح نہ پہلے منظور تھا نہ اب ہے ایسی حالت میں زید وغیرہ کی نسبت کیا کہنا چاہئے کہ بالجبر باپ ہندہ خواہ ہندہ کو مجبور کرنا کیسا ہے، اگر ناجائز ہے تو مرتکب غصب یا کس گناہ کا مرتکب وگواہ ووکیل ومعین اس کے کس گناہ کے مرتکب اور نکاح آئندہ کی نسبت جو بالجبر اپنے گھر لے جاکر کرے کیا کہنا چاہئے اور یہاں رضاعت کا بھی شبہہ ہے اگرچہ اس میں شک واقع ہے کہ ہندہ کی نانی اور ہندہ نے پہلے کہا تھا کہ ایام رضاعت میں زید کو دودھ پلایا ہے بعدہ بحلف کہنے کو موجود کہ نہیں پلایا ہے ایسی صورت میں احتیاط وتقوی کا کیا مقتضی ہے گو نکاح ناجائز ہو مگر احتیاط وتقوی مقتضی اس امر کا ہے کہ نہ کیا جائے اگر ہوگیا تو ترک کیا جائے یا کیا اگر احتیاط مانع ہے تو اس احتیاط کے ہاتھ سے نہ جانے میں جس قدر باپ ہندہ کا جان دے رہا اور نقصان امور دنیاوی اٹھا رہا ہے آوارہ وطن ہوجائے داخل امور دینی وثواب ہے اور اگر اس صدمہ سے یا مقابلہ میں یعنی جس وقت زید رخصت بجبر یا کوئی فعل جبر یہ کرنا چاہئے اس وقت جان جاتی رہے تو شہید کا اطلاق کیا جائے یا کیا ونیز متعلق اسی کے یہ مسئلہ دریافت طلب ہے، کہ زید وغیرہ کہتے ہیں جب بسبب عدم ثبوت رضاعت نکاح شرعًا جائز تو تجدید نکاح کردو گو احتیاط وتقوی مانع ہے وباپ ہندہ کہتا ہے کہ جب احتیاط وتقوی مانع ہے تو ہم کیوں کریں پس ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ زید کا قول مرقومہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ احتیاط وتقوی کو ایک ادنٰی چیز سمجھتا ہے یا کچھ نکلتا ہے دوسرے یہ کہ زید جو وہ باپ ہندہ کو احتیاط وتقوی سے روکتا ہے

کیسا فعل ہے؟

الجواب:

جواب سوال اول عـــہ میں واضح ہوچکا ہے عہ: کہ یہ نکاح اگر باذن صریح ہندہ نہ ہوا نہ بعد کو اذن صریح قولی یا فعلی سے نافذ ہولیا تو مجرد سکوت ہندہ اس کے نفاذ کے لیے کافی نہیں، نکاح نکاح فضولی تھا اور اذن ہندہ پر موقوف، جب ہندہ نے کہا کہ مجھے یہ نکاح نہ پہلے منظور رتھا نہ اب ہے تو یہ صاف رد و باطل ہوگیا، اب اگر ہندہ و پدر ہندہ کہ مجبور کرنے کے لیے کسی جھوٹی شہادت سے نفاذ نکاح ثابت کیا جائے تو زید اور اس کے شہود سب مستحق غضب الٰہی وعذاب شدید ہوں گے، جھوٹی گواہی دینے والے پر جو سخت ہولناک وعیدیں ارشاد ہوئی ہیں ہر مسلمان جانتا ہے یہاں تک کہ قرآن عظیم میں اسے بت پوجنے کے برابر شمار فرمایا،

قال اللہ تعالٰی: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حنفاء للہ غیر مشرکین بہ [1]۔	بتوں کی نجاست سے بچو، جھوٹی بات سے پرہیز کرو، شرک سے بچتے ہوئے اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتے ہوئے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عدلت شھادۃ الزور الاشراك باللہ عدلت شھادۃ الزور الاشراك باللہ [2]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن خریم بن فاتك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جھوٹی گواہی خدا کے ساتھ شریک کرنے کے برابر کی گئی جھوٹی گواہی خدا کے لیے شریک بتانے کے ہمسر ٹھہرائی گئی (جھوٹی گواہی خدا کا شریک ماننے کے مساوی کی گئی)، اس کو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے خریم بن فاتک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الا انبئکم باکبر الکبائر قول الزور اوقال شھادۃ الزور [3]۔ رواہ الشیخان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیا میں تمھیں نہ بتادوں کہ سب کبیروں سے بڑا کبیرہ کون سا ہے، بناوٹ کی بات، یا فرمایا جھوٹی گواہی، (اسے شیخین نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

عـــہ: یعنی مقام مذکورہ کا سوال کہ باب الولی میں ہے ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۲۲/ ۳۰

[2] سنن ابی داؤد باب فی شہادۃ الزور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۰

[3] صحیح بخاری باب ماقیل فی شہادۃ الزور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۲، صحیح مسلم باب الکبائر واکبرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۴

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لن تزول قدما شاھد الزور حتی یوجب اللہ لہ النار [1]۔ رواہ ابن ماجۃ والحاکم وصحح سندہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جھوٹی گواہی دینے والا اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ عزوجل اس کے لیے جہنم واجب کردیتا ہے، اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح قرار دے کر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

ایسی ناپاک کارروائی کے ساتھ کسی کی بیٹی کو بلانکاح رخصت کراکرلے جانا اگرچہ اسی قصد پر ہو کہ گھرلے جا کر نکاح کرلیں گے سخت شدید کبیرہ عظیمہ ملعونہ ہے جس کا مرتکب کہ اشد ظلم میں گرفتار ہے مستحق عذاب الیم نار ہے،

اللہ عزوجل فرماتا ہے، اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ [2] سن لو خدا کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: دفتر تین ہیں، ایک میں سے اللہ عزوجل کچھ نہ بخشے گا، اور دوسرے کی اسے کچھ پروانہیں، اور تیسرے میں سے کچھ نہ چھوڑے گا، وہ جس سے کچھ نہ بخشے گا کفر ہے، اور وہ جس کی اسے پروانہیں آدمی کے حقوق اللہ میں گناہ ہیں جیسے کسی دن کا روزہ یا کوئی نماز ترک کرنی کہ اللہ عزوجل چاہے گا تو اسے معاف فرمادے گا واما الدیوان الذی لایترك اللہ منہ شیئا مظالم العباد بینھم القصاص لامحالۃ [3] اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ چھوڑے گا بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے اس کا بدلہ ضرور ہونا ہے رواہ الامام احمد والحاکم وصححہ عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا (اس کو امام احمد اور حاکم نے صحیح قرار دے کر حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت) نکاح اگرچہ جبر واکراہ سے بھی ہوجاتا ہے

فی الھندیۃ الاصل ان تصرفات المکرہ کلھا قولا منعقدۃ عندنا الا ان مایحتمل الفسخ منہ کالبیع والاجارۃ یفسخ ومالایحتمل الفسخ منہ کالطلاق	ہندیہ میں ہے یہ قاعدہ کہ جس پر جبر کیا گیا ہو اس کے اس حالت کے تمام تصرفات نافذ العمل ہونگے ہاں وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال رکھتے ہوں جیسے بیع اور اجارہ کہ یہ فسخ قرار پائیں گے اور جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے

[1] سنن ابن ماجہ باب شہادۃ الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

[2] القرآن ۱۱/ ۱۸

[3] مسند احمد بن حنبل مرویات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دارالفکر بیروت ۶/ ۲۴۰

والعتاق والنکاح والتدبیر والاستیلاد والنذور فھو لازم کذا فی الکافی[1] اھ وتمامہ فی ردالمحتار قبیل قولہ وشرط حضور شاھدین[2] الخ اقول: واما قول الھندیۃ رضا المرأۃ اذا کانت بالغۃ[3] الخ فقد کتبنا علی ھامشہ ما نصہ ای اذنھا قولا وفعلا صریحا اودلالۃ ولو جبرا وکرھا ھکذا ینبغی ان یفسر ھذا المقام۔	مثلاً طلاق، عتاق، نکاح، مدبر بنانا، ام ولد بنانا اور نذر تو یہ امور لازم ہوجائیں گے، جیسا کہ کافی میں ہے اھ اس کی تمام بحث ردالمحتار میں ہے، ان کے قول "گواہوں کی موجودگی شرط ہے۔" سے تھوڑا پہلے ہے الخ **اقول:** ہندیہ کا قول جو کہ انھوں نے خانیہ سے نقل کیا نکاح کی شرائط میں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت کی رضا الخ تو ہم نے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے یعنی اس کی اجازت قول، فعلِ صریح یا دلالت سے ہوجاتی ہے اگرچہ بطور جبر ہو، اس مقام کی یونہی تفسیر مناسب ہے۔ (ت)

مگر کسی کی بیٹی کو جبراً بلا نکاح لے جانا پھر بالجبر نکاح کرنا ظلم پر ظلم اور مسلمان کو عار لاحق کرنا ہے۔

قال اللہ تعالٰی لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: دین میں جبر نہیں ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لایحل لمسلم ان یاخذ عصا اخیہ بغیر طیب نفس منہ[5]۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی مسلمان کی لکڑی بغیر اس کی دلی مرضی کے لے لے (اس کو ابن حبان نے صحیح میں ابو حمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

جب بے مرضی لکڑی لینی حرام ہے لڑکی یعنی کس درجہ حرام واشد حرام ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳۸/۵

[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۷۲/۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲۶۹/۱

[4] القرآن ۲۵۶/۲

[5] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب البیوع باب ماجاء فی الغصب حدیث المطبعۃ السلفیہ بالروضۃ ص ۲۸۳

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی الله [1]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (اسے طبرانی نے اوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

گواہ ووکیل و معین جتنے لوگ اس واقعہ پر آگاہ ہو کر زید کی اعانت کریں گے سب اس کی مثل ظلم و حرام واستحقاق عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

قال الله تعالٰی وَلَاتَعَاوَنُوْاعَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [2]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: گناہ وعداوت میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینه وھو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام [3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختار عن اوس بن شرحبیل الاشجعی رضی الله تعالٰی عنه۔	جو کسی ظالم کے ساتھ چلا اس کی مدد کرنے اور وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے وہ بیشک اسلام سے نکل گیا۔ (اسے طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختار میں اوس بن شرحبیل اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

رہا مسئلہ رضاعت، ہمارے مذہب میں ایک عورت کا بیان ثبوت رضاعت کے لیے کافی نہیں خصوصا جبکہ خود مضطرب ہو،

کما فصلناہ فی فتاوٰنا السابقة الواردة علینا من المسائل فی ھذا الباب۔	جیسا کہ ہم نے اس بارے میں پہلے سے آئے ہوئے مسائل کے جوابات میں اس کی تفصیل اپنے فتاوٰی میں بیان کردی ہے۔ (ت)

اس سے احتیاطًا بچنا صرف مرتبہ استحباب میں ہے اور فعل غایت درجہ مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولٰی کہ نہ کرے تو بہتر، کرے تو کچھ گناہ نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأة فاخبر رجل مسلم ثقة	ایک شخص کا عورت سے نکاح ہونے کے بعد ایک ثقہ

[1] المعجم الاوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۳۷۳، الترغیب والترہیب من تخطی بہ الرقاب یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰۴

[2] القرآن ۵/۲

[3] معجم کبیر حدیث مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱/۲۲۷

اوامرأۃ انھما ارتضعا من امرأۃ واحدۃ قال فی الکتاب احب الی ان یتنزہ فیطلقھا ویعطیھا نصف المھر ان لم یدخل بھا ولایثبت الحرمۃ بخبر الواحد عندنا مالم یشھد بہ رجلان اورجل وامرأتان [1] ۔	مرد یا عورت نے یہ خبر دی کہ ان میاں بیوی نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے، تو امام قاضی خان نے کتاب میں فرمایا کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ وہ شخص بطور احتیاط عورت کو طلاق دے دے اور دخول نہ کیا ہو تو نصف مہر ادا کرے، جبکہ رضاعت کی حرمت ایک شخص کی خبر سے ثابت نہیں ہوتی جب تک دو مرد، یا ایک مرد دو عورتیں شہادت نہ دیں حرمت ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

ایسے امر سے بچنے کے لیے جان دینے کی اجازت ہر گز نہیں ہوسکتی کہ جان کا رکھنا ہر فرض سے اہم فرض ہے بلکہ اہل وعیال کو چھوڑ کر جلاوطنی وغیرہ امور بھی کہ خود گناہ یا منجر بہ گناہ ہوں جائز نہیں ہوسکتے۔

اذلیس من قضیۃ الشرع الکریم والعقل السلیم درء شیئ خفیف بارتکاب ثقیل عظیم۔	شریعت مطہرہ اور عقل سلیم اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ معمولی چیز کو کسی عظیم اور بھاری چیز کے ارتکاب سے ختم کیا جائے۔ (ت)

یہاں تقوی بمعنٰی اتقائے شہادت ہے وہ صرف مستحب ہے، نہ فرض وواجب، علماء فرماتے ہیں:

لیس زماننا زمان اجتناب الشبھات [2]، کمافی الاشباہ وغیرہ عن الخانیہ والتجنیس وغیرھما۔	جس طرح اشباہ وغیرہ میں خانیہ اور تجنیس کے حوالے سے ہے کہ ہمارا زمانہ شبہات سے بچاؤ کا زمانہ نہیں ہے۔ (ت)

زید وغیرہ کی اس درخواست سے تقوی کی اہانت نہیں نکلتی بلکہ اس احتیاط کا غیر ضروری ہونا اور اس قدر ضرور صحیح ہے، ہاں اس سے درکنار اگر بالجبر ہو تو ہم لکھ چکے ہیں کہ مسلمان پر جبر واکراہ کسی امر مباح میں حرام وظلم ہے نہ امر غیر مستحب میں، مگر اس پر جان نہیں دے سکتے، البتہ صورت اولٰی میں یعنی جبکہ واقع میں نکاح باطل ہوا اور زید جھوٹی گواہیاں دلوا کر بالجبر بلانکاح چھین لے جانا ______ یا بالجبر اس کے ساتھ کوئی فعل ناجائز کرنا چاہے اس وقت اگرچہ اپنے ناموس کی حفاظت جائزہ کرے جو شرعًا وعقلًا وعرفًا ہر طرح اس کا حق ہے اور ظالم اسے قتل کردے تو یہ شہید ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قتل دون مالہ فھو شھید ومن	جو اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فیما یقبل قول الواحد الخ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۸۷

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۰۸

قتل دون دمه فهو شهید ومن قتل دون دینه فهو شهید ومن قتل دون اهله فهو شهید [1]۔ اخرجه الائمة احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن حبان فی صحاحهم عن سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنهما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اپنی جان بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو اپنا دین بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو اپنے گھر والوں کے بچانے میں مارا جائے وہ شہید، (اسے احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان نے سعید بن زید سے اپنی صحاح (کتب) میں روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

مسئلہ ۲۳: از مسجد جامع مرسلہ مولوی احسان حسن صاحب ۱۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید وہندہ نے باہم کلمات ایجاب وقبول نکاح کے، بموجودگی دو آدمیوں کے، کہے۔ لیکن ان دونوں آدمیوں کو مطلقاً سماعت اور علم نکاح زید اور ہندہ کا نہ ہوا۔ بعد ازاں زید نکاح سے منکر ہوا۔ اور ان دونوں شاہدوں نے بھی سماعت اور علم نکاح سے لاعلمی روبرو حاکم شرع کے ظاہر کی، تو آیا حاکم شرع زوجہ کو مہر دلائے گا یا نہیں؟ اور یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں—؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نکاح میں شرط ہے کہ دونوں گواہ معاً دونوں لفظ ایجاب وقبول جلسہ واحدہ میں سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے۔

فی الدرالمختار شرط حضور شاهدین حرین اوحر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معاعلی الاصح فاهمین انه نکاح علی المذهب [2]، بحر۔	درمختار میں ہے کہ نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں عاقل بالغ اور آزاد کا مجلس میں اس طرح موجود ہونا کہ وہ نکاح سمجھتے ہوئے نکاح کرنے والوں کے کلام کو سنیں، شرط ہے، یہ صحیح مذہب ہے، بحر۔ (ت)

تو مذہب اصح پر یہ نکاح منعقد نہ ہوا، زید کا انکار سچا ہے، اگر نوبت ہمبستری نہ آئی تو مہر سے کیا علاقہ، ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔

فان الوطء فی دارالاسلام لا یخلو عن حد اوعقر [3] کما فی الدرالمختار وغیرہ	کیونکہ دارالاسلام میں بے محل جماع حد یا عقر سے خالی نہیں ہوتا، جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔

---

[1] سنن النسائی کتاب المحاربۃ تحریم الدم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۷۲/۲

[2] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱۸۶/۱

[3] درمختار باب المہر مجتبائی دہلی ۲۰۴/۱

من معتمدات الاسفار وقد کانت ھٰھنا شبھۃ العقد فالحد سقط فالعقر ثبت۔	یہاں چونکہ نکاح کا شبہ ہے للذا حد ساقط ہو گئی تو عقر واجب ہوگا۔ (ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۴: مسئولہ حافظ علی بخش صاحب ساکن آنوالہ مسجد حنفیاں ۲۵ شوال ۱۳۲۳ھ

تعظیمًا جمع کالفظ خدا کی شان میں بولنا جائز ہے یا نہیں، جیسے کہ "اللہ جل شانہ یوں فرماتے ہیں" اسی طرح ناکح سے کہنا کہ "تم نے یہ عورت قبول کی" جمع بولنا چاہئے یا نہیں-؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرج نہیں، اور بہتر صیغہ واحد ہے کہ واحد احد کے لیے وہی انسب ہے، قرآن عظیم میں ایک جگہ رب عزوجل سے خطاب جمع ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴿۹۹﴾[1]، وہ بھی زبان کافر سے ہے۔ اور ناکح سے کہنا کہ تم یا آپ یا جناب نے قبول کی، اس میں بھی حرج نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۲۵: ۱۶ صفر ۱۳۰۳ھ

زید کہتا ہے کہ متناکحین بالغین کو بوقت نکاح کلمے اور صفت ایمان مجمل و مفصل پڑھانا بہت ضرور بہتر ہے اس کو کرنا چاہئے، شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ کے فتاوٰی میں ہے:

از روئے شریعت غرا نکاح درمیان مومن وکافر منعقد نمی گردد وظاہر است کہ ازانسان درحالت لاعلمی یاازروئے سہوا کثر کلمہ کفر صادر مے گردد کہ برآں متنبہ نمی شود، دریں صورت اگر نکاح متناکحین واقع شد منعقد نمی شود، لہذا متاخرین از علمائے محتاطین احتیاطا صفت ایمان مجمل ومفصل را بحضور متناکحین می گویند ومی گویانند تاانعقاد بحالت اسلام واقع شود فی الحقیقت علمائے متاخرین ایں احتیاط را در عقد نکاح افزودہ خالی از نزاکت اسلامی نیست کسائے کہ از اسلام بہرہ ندارند بلطف	روشن شریعت کی رو سے مومن کافر کے درمیان نکاح نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ انسان سے لاعلمی میں کبھی سہوًا کوئی کلمہ کفر صادر ہوجاتا ہے جس پر وہ آگاہ ہی نہیں ہوتا، تو اس صورت میں اگر مرد وعورت کا نکاح ہوا تو منعقد نہیں ہوگا، لہٰذا محتاط علماء متاخرین مجلس نکاح میں صفت ایمان مجمل ومفصل خود بھی کہتے ہیں اور مرد و عورت سے بھی کہلواتے ہیں تاکہ نکاح بحالت اسلام واقع ہو، علماء متاخرین نے عقد نکاح میں اس احتیاط کا جو اضافہ فرمایا ہے وہ درحقیقت اسلامی نزاکت سے خالی نہیں، جو لوگ اسلام کے بارے میں معلومات

[1] القرآن ۹۹/۲۳

آن کے میر سند [1]۔ انتھی	نہیں رکھتے وہ اس کی لطافت تک کب پہنچ سکتے ہیں۔(ت)

یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بہتر ہونے میں کیا کلام کہ ذکر خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر محض ہے، خصوصًا تجدید ایمان، کہ ویسے بھی حدیث میں اس کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

ان الایمان لیخلق فی جوف احدکم کما یخلق الثوب الخلق فاسئلوا اللہ تعالٰی ان یجدد الایمان فی قلوبکم [2]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر بسند حسن والحاکم فی المستدرک عن عمر وبسند صحیح رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	بیشک ایمان تم میں کسی کے باطن میں پرانا ہو جاتا ہے جیسے کپڑا کہنہ ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل سے مانگو کہ تمھارے دلوں میں ایمان کو تازہ فرمائے، (اسے طبرانی نے کبیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

جددوا ایمانکم اکثروا من قول لاالٰہ الااللہ [3]۔ رواہ الامام احمد والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	اپنے ایمان تازے کرو لاالٰہ الااللہ بکثرت کہو۔ (اس کو امام احمد اور حاکم نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔ت)

تو اس قدر ضرور مسلم کہ اس کو کرنا چاہئے، ہاں بہت ضروری کہنا نوعِ افراط سے خالی نہیں جہلًا یا سہوًا معاذاللہ کلمہ کفر صادر ہو جانا محتمل سہی مگر اسے مظنون ٹھہرا لینا سوئے ظن ہے اور بے حصول ظن حکم ضرورت نہیں، کما لایخفی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دختر زید بعمر سترہ ۱۷ سال وپسر عمرو بعمر تئیس ۲۳ سال ہے اور

---

[1] فتاوٰی عزیزی حکم اعلام کلمہا وصفت ایمان مجمل ومفصل بروز عقد نکاح مجتبائی دہلی ۱۲۶/۲

[2] مستدرک للحاکم کتاب الایمان الامر بسؤال تجدید الایمان دارالفکر بیروت ۴/۱

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۳۵۹/۲

مانع شرعی موجود نہیں، پسر کا ولی واسطے نکاح کے چار ماہ کی مہلت چاہتا ہے، اگر مہلت دی جائے تو شرعاً گنہگاری ہے یا نہیں—؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

کوئی گناہ نہیں جبکہ کوئی اندیشہ صحیح نہ ہو۔ اور اگر معاذاللہ اندیشہ ہے اور دوسرا کفو موجود ہے تو مہلت نہ دینا چاہئے، اگر نہ مانے اس دوسرے سے نکاح کردیں جبکہ دختر رضامند ہو۔

لحدیث یا علی لا تؤخر ثلثا الصلوۃ اذا حانت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوا[1] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس حدیث کی بنا پر جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، نماز میں جب وقت ہوجائے، جنازہ میں جب حاضر ہو، اور غیر شادی شدہ لڑکی میں جب اس کا کفو ملے۔ یا جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: از ریاست رام پور سرشتہ پولیس مرسلہ سید جعفر حسین صاحب محرر سرشتہ ۲۰ محرم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس طور پر نکاح کیا کہ دو گواہوں اور ایک وکیل نے ہندہ کے پاس جاکر یہ کہا کہ بکر کے بیٹے زید نے ایک ہزار روپے کے بدلے میں تم کو اپنی زوجیت میں طلب کیا ہے یعنی خواستگاری کی ہے تم بھی اس کو اپنی شوہریت میں قبول کرو اور مجھ کو وکیل قرار دو، تو ہندہ مذکورہ نے فقط لفظ "قبول" کہا (اور اس لفظ قبول کو اس ملک کے عوام وخواص قائم مقام ایجاب کے بنابر عرف کے سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں) پھر اس طرح تینوں شخص زید کے پاس گئے اور وکیل نے زید سے جاکر کہا کہ تم نے خالد کی بیٹی ہندہ کو مہر مذکور پر قبول کیا تو زید نے صرف لفظ "قبول" کہا (اور اس قبول کو یہاں کے باشندے بمنزل قبول نکاح کے تصور کرتے ہیں اور ہزاروں نکاح اس طور سے ہوگئے اور ہوتے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے کیونکہ یہ طور یہاں کا رسم ورواج قرار پایا ہے) اب اس صورت میں فقط لفظ "قبول" سے نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ بعضے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نکاح صحیح ہوجائے گا کیونکہ عاقل وبالغ کا کلام لغو کرنا نہ چاہئے ورنہ ہزاروں آدمی حرام زادہ قرار پائیں گے مسلمان کو زنا سے شرعاً بچانا چاہئے اور عرف اور رواج

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۵۲، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النکاح باب اعتبار الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷/۱۳۳

بھی ادلہ شرعیہ سے ایک دلیل ہے تو موافق عرف کے نکاح کو صحیح قرار دینا چاہئے اور بعضے علماء کہتے ہیں کہ لفظ "قبول" سے نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے کیونکہ لفظ "قبول" مصدر ہے اور مصدر سے نکاح درست نہیں ہوتا، اب متنازعہ فیہ میں حکم شرع شریف جوارشاد ہو، عوام بیچارے نہ مصدر کو جانیں نہ ماضی کو، وہ تو اپنے عرف ورواج جانتے ہیں، اسی کے پیرو وتابعدار ہیں، ان کی اصلاح کس طور پر ہو، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں صحت نکاح میں شبہہ نہیں، جب ہندہ نے بعد سوال توکیل لفظ "قبول" کہا یہ ایجاب توکیل ہوا اور وہ شخص وکیل ماذون ہوگیا۔

فان التوکیل یتم بمجرد الایجاب ولایتوقف علی القبول وان کان یرتد بالرد کما فی الاشباہ والھندیہ وغیرھما وھٰھنا وان امکن ان یجعل قول الوکیل تقبلیہ فی زوجیتك ایجاب فضولی بناء علی ماصرح فی الخانیۃ والخلاصۃ ان الامر فی النکاح ایجاب[1] قال فی الفتح وھذا احسن[2] وح یکون قول المرأۃ "قبول" قبولا وینعقد النکاح موقوفا علی اجازۃ الرجل فاذا خاطبہ الوکیل وقال قبول یکون تنفیذ الکنہ خلاف ماقصدوہ فان صنیعھم شاھدانھم لم یجعلوا مجلس المخاطبۃ مع المخطوبۃ مجلس عقد بل استئذان فیکون طلبا للوکالۃ وقولھا قبول توکیلا۔	وکیل بنانے کے لیے صرف ایجاب کافی ہے اور قبول کرنے پر موقوف نہیں اگرچہ ایجاب کو رد کردینے پر وکالت رد ہو جائیگی، جیسا کہ اشباہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ اور یہاں اس مسئلہ میں اگرچہ وکیل کا لڑکی کو یہ کہنا کہ "تو بھی لڑکے کو اپنا خاوند ہونا قبول کرلے" فضولی کی طرف سے ایجاب قرار دیا جاسکتاہے وہ خانیہ اور خلاصہ کی اس تصریح کی بناپر کہ "نکاح میں درخواست" ایجاب ہوجاتاہے جس کے متعلق فتح میں کہا گیا کہ یہ قول بہت اچھاہے، تو فضولی کے جواب میں لڑکی کا "قبول" کہنا نکاح کو قبول کرنا قرار دیا جائے گا، جس سے نکاح منعقد ہوجائے اور لڑکے کی اجازت پر موقوف قرار پائے، اور جب نکاح کرانے والا شخص (فضولی) لڑکے کو پیشکش کرے اور لڑکا قبول کرلے تو نکاح نافذ ہوجائے۔ لیکن یہاں مجلس والوں کا مقصد یہ نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد صرف لڑکی سے اجازت طلب کرنا ہے اور اس مجلس میں وکالت کرنا اور لڑکی کا "قبول" کہنا صرف توکیل ہوگی۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۱

[2] فتح القدیر کتاب النکاح نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۰۴

اب کہ وکیل نے خاطب سے آکر وہ لفظ کہے یہ جانب وکیل سے ایجاب ہوا،

فانہ استفہام وان کان حرفہ مقدرا والا ستفہام عند ارادۃ التحقیق یؤدی مودی الامر کما حققناہ فی فتاوٰنا والامر کما سمعت ایجاب فی النکاح ولانعدل عن ھذا القول المرجح الٰی قول انہ توکیل لان الوکیل لایملك التوکیل فلا ینفذ العقد وفیہ تضییق واللہ یحب الرفق۔	توحقیقتًا یہ استفہام ہے اگرچہ صرف استفہام پوشیدہ ہے اور استفہام مقام تحقیق وانعقاد میں امر کا معنٰی دیتا ہے جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں تحقیق کی ہے اور نکاح میں امر ایجاب قرار پاتا ہے، اس ترجیح یافتہ قول کو چھوڑ کر ہم اس کو توکیل نہ بنائیں گے کیونکہ عورت کا وکیل کسی دوسرے کو وکیل نہیں بناسکتا جس کی بناپر عقد نافذنہ ہوگا جبکہ اس میں تنگی ہے اور اللہ تعالٰی تو نرمی اور وسعت کو پسند فرماتا ہے۔ (ت)

اور زوج کا "قبول" کہنا قبول ہوا اور نکاح صحیح وتام نافذ ہوگیا، اور یہ اعتراض کہ قبول مصدر ہے اور مصدر سے نکاح درست نہیں راسًا ساقط ہے کہ یہ لفظ اس سوال وکیل کے جواب میں ہے کہ تم نے ہندہ کو قبول کیا اور عقل ونقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے کہ:

السؤال معاد فی الجواب[1] کما صرح بہ فی الاشباہ وغیرھما کتاب۔	جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے جیساکہ اشباہ وغیرہ بہت سی کتب میں تصریح ہے۔ (ت)

توجواب میں صرف لفظ "قبول" کے قطعًا یہی معنٰی ہیں کہ "قبول کیا" اور یہ ماضی ہے اور ماضی سے نکاح یقینا درست ہے کما صرحوا بہ متونا وشروحا وفتاوٰی (جیساکہ متون، شروح اور فتاوٰی میں تصریح ہے۔ ت) معہذا یہاں اصل کار وہ الفاظ ہیں جو رضا بالا نشاپر بے احتمال مساوی دلیل ہوں اور شک نہیں کہ لفظ "قبول" صراحۃً اس پر دال، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں اگر عورت سے کہا اپنے نفس کو میری زوجیت میں دے اس نے کہا بالسمع والطاعۃ نکاح ہوگیا۔

کما فی النوازل والخلاصۃ والبزازیۃ والبحر والدر والمحیط والھندیۃ وغیرھا من الاسفار الغر۔	جیساکہ نوازل، خلاصہ، بزازیہ، بحر، دُر، محیط، ہندیہ وغیرہا مشہور کتب میں ہے۔ (ت)

سمع وطاعت بھی مصدر ہی ہیں اور مناط صحت وہی تقدیر ماضی ہے یا اعتبار تراضی، وہ دونوں

---

[1] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الحادیۃ عشرۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۱۷۳

یہاں حاصل، تو حکم عدم نکاح محض باطل، فتح القدیر میں ہے:

لما علمنا ان الملاحظة جهة الشرع فی ثبوت الانعقاد ولزوم حکمه جانب الرضی عدینا حکمه الٰی کل لفظ یفید ذٰلك بلا احتمال مساو للطرف الاٰخر [1] الخ۔	جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ نکاح کے انعقاد اور اس کے حکم کے لزوم میں شرعا رضا کے پہلو کا اعتبار ہے تو ہم نے اس حکم کو ہر ایسے لفظ میں معتبر قرار دیا جو اس چیز کا احتمال رکھتا ہو اور اس کے مخالف پہلو کا اس میں مساویانہ احتمال نہ ہو الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله اوبالسمع والطاعة متعلق بمحذوف دل علیه المذکور ای زوجت اوقبلت متلبسا بالسمع والطاعة لامرك یحصل السمع والطاعة لامره الابتقدیر الجواب ماضیا مرادا به الانشاء لیتم شرط العقد بکون احدهما للمضی [2]۔	ماتن کا قول "اوبالسمع والطاعۃ" کا متعلق محذوف ہے جس پر مذکور دال ہے یعنی میں نے نکاح کیا یا قبول کیا آپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اور حکم کی اطاعت مقدر طور پر ماضی کے صیغہ کے ساتھ جواب کے بغیر نہیں ہوسکتی جبکہ ماضی سے انشاء مراد ہوگی تاکہ نکاح کی شرط یعنی ایجاب وقبول میں سے ایک کا صیغہ ہونا تام ہوجائے۔ (ت)

بحرالرائق میں زیر قول کنز: انما یصح بلفظ النکاح والتزویج وما وضع لتملیك العین فی الحال ("نکاح، تزویج اور تملیک عین فی الحال کے لیے موضوع الفاظ سے عقد ہوجاتا ہے۔" ت) فرمایا:

یرد علی المصنف الفاظ ینعقد بها النکاح غیر الثلثة (وعد اشیاء کثیرة الٰی ان قال) ومنها بالسمع والطاعة لوقال زوجی نفسك منی فقالت بالسمع والطاعة فهو نکاح کما فی الخلاصة	مصنف پر اعتراض ہے کہ ان مذکورہ الفاظ ثلٰثہ کے علاوہ دیگر الفاظ سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے وہاں انھوں نے بہت سے امور ذکر کیے جن میں سے سمع وطاعت بھی ذکر کرکے فرمایا کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت کو کہا کہ تو اپنے نفس کو مجھے بیاہ دے تو عورت نے جواب میں "بالسمع والطاعۃ" کہہ دیا تو نکاح

[1] فتح القدیر کتاب النکاح نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۰۳

[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۳

ومنھا مافی الذخیرۃ لو قال یثبت حقی فی منافع بضعك بالف فقالت نعم صح النکاح اھ والجواب ان العبرۃ فی العقود للمعانی حتی فی النکاح کما صرحوا بہ وھذہ الالفاظ تؤدی معنی النکاح [1]۔	ہو جائے گا جیسا کہ خلاصہ میں ہے، ان الفاظ سے وہ بھی ہے جو ذخیرہ میں مذکور ہے کہ اگر مرد نے عورت کو کہا کہ ہزار کے بدلے تجھ سے جماع کا حق میرے لیے ثابت ہے تو عورت نے جواب میں کہا کہ "ہاں" تو نکاح صحیح ثابت ہوگا اھ، تو جواب یہ ہے کہ عقود میں حتی کہ نکاح میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے جبکہ یہ مذکورہ الفاظ نکاح کا معنی ادا کررہے ہیں۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ دونوں شخص چند شخصوں کے روبرو اس کے مقر ہوں کہ ہمارا نکاح آپس میں ہوگیا، یازید علیحدہ ایک وقت میں چند اشخاص کے روبرو فرداً فرداً یہ ظاہر کریں کہ ہمارا نکاح آپس میں ہوگیا ہے اور پھر خط وکتابت میں ہندہ زید کو وہی القاب آداب جو بی بی خاوند کو لکھتی ہے استعمال کرے تو کیا سمجھا جائے گا اور شرعاً کیا حکم دیا جائے گا؟

الجواب:

تصادق مرد وزن کہ مرد کہے یہ میری منکوحہ ہے، عورت کہے یہ میرا شوہر ہے، عندالناس مثبت نکاح ہے، مگر اگر غلط اقرار کیا ہو تو عنداللہ ہر گز نفع نہ دے گا وہ زانی وزانیہ ہوں گے اور سخت عذاب جہنم کے مستحق اور اولاد ولد الزنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں تجھ کو بعد تین چار ماہ کے طلاق دوں گا، آیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

نکاح جائز ہے اور طلاق دینا اس پر لازم نہیں، فان النکاح لایبطل بالشروط الفاسدۃ بل ھی التی تبطل (شرائط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ شرائط خود باطل قرار پاتی ہیں، ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] بحر الرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۸۷

مسئلہ ۳۰: ۱۸ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

حال یہ ہے کہ حامد اور محمودہ دونوں میں ایسا رشتہ تھا کہ محمودہ اس کے سامنے آسکتی تھی اور یہ دونوں ایک مدت تک صغر سنی میں ایک ہی جگہ رہتے سہتے تھے۔ ۱۸۹۷ء میں حامد کی بیوی کا انتقال ہوگیا اور برضامندی فریقین (یعنی حامد اور محمودہ) کے والدین کی نسبت محمودہ سے ہوگئی اور مراسم نسبت ادا ہونے کے بعد ایک تاریخ نکاح مقرر ہوگئی، لیکن اس تاریخ مقررہ پر حامد کو کہ وہ گورنمنٹ کا ملازم تھا اتفاق سے رخصت نہ ملی اور تاریخ مقررہ پر نکاح نہ ہوسکا، اس کے بعد کچھ جھگڑے ایسے درپیش ہوگئے کہ دوسری تاریخ مقرر ہونے سے پہلے حامد اپنی ملازمت سے علیحدہ ہوا، اس کے بعد جب حامد کے والدین نے تاریخ مقرر کرنا چاہی تو محمودہ کے والدین نے یہ عذر پیش کیا کہ حامد اب بے نوکر ہے اس لیے ہم نکاح نہیں کرنا چاہتے۔ حامد اور محمودہ دونوں بالغ ہیں، محمودہ تاریخ نسبت سے حامد سے پردہ کرتی ہے، جب یہ حال محمودہ کو معلوم ہوا تو اس نے اپنی والدہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں دوسرے امیر گھر جانا پسند نہ کروں گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جس سے نسبت ہوئی اس سے نکاح ہو جانا چاہیے، محمودہ کے باپ واقعی امیر کبیر ہیں اور حامد ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے، محمودہ کے باپ یہ کوشش کرتے ہیں کہ محمودہ کا کسی امیر اور مالدار سے نکاح کردیں اور محمودہ کی رضامندی پر کوئی توجہ نہ کی جائے، اس لیے محمودہ یہ چاہتی ہے کہ قبل اس کے کہ یہ جبر اس پر کیا جائے وہ حامد کے ساتھ اپنا نکاح کرلے، مگر اس نکاح کا حال اس کے والدین کو نہ معلوم ہوا اور حامد بھی یہی چاہتا ہے، تو علمائے دین محمدی سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ محض اگر گواہان اور وکیل کی موجودگی اور علم میں قاضی صاحب نکاح پڑھادیں اور ازروئے شریعت ایجاب وقبول کا اطمینان کرلیں تو یہ نکاح خفیہ جائز ہے اور کسی طرح ناقص تو نہیں۔؟ **فقط۔**

الجواب:

بالغہ جو بے رضائے ولی بطور خود اپنا نکاح خفیہ خواہ اعلانیہ کرے، اس کے انعقاد وصحت کے لیے یہ شرط ہے کہ شوہر اس کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا پیشے یا مال یا چلن میں عورت سے ایسا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس کا نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار وبدنامی ہو، اگر ایسا ہے تو وہ نکاح نہ ہوگا،

فی الدرالمختار ویفتی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان[1]	درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے جائز نہ ہونے کا فتوٰی ہے کہ فساد زمان کی وجہ سے نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

مال میں کفاءت کو صرف اس قدر کہ وہ شخص اگر پیشہ ور ہو تو روزکا روز اتنا کماتا ہو جو اس عورت غنیہ کے قابل کفایت روزانہ دے سکے، اور پیشہ ور نہیں تو ایک مہینہ کا نفقہ دے سکے، اور مہر جس قدر معجّل ٹھہرے اس کے ادا پر قدرت بہر حال درکار ہے۔

فی الدرالمختار تعتبر الکفاءۃ فی العرب والعجم ما لابان یقدر علی المعجل ونفقۃ شھر لوغیر محترف و الا فان کان یکتسب کل یوم کفایتھا لو تطیق الجماع ملخصًا۔[1]	درمختار میں ہے کہ مال کے اعتبار سے عرب وعجم میں کفو کا اعتبار بایں طور ہے کہ مہر معجّل دینے اور ایک روزانہ کا نفقہ دینے پر قادر ہو جبکہ غیر کاروباری ہو ورنہ روزانہ کا خرچہ دینے پر قدرت رکھتا ہو بشرطیکہ بیوی جماع کی قدرت رکھتی ہو ملخصًا (ت)

پس اگر حامد اس قدر مال رکھتا ہو اور مذہب ونسب وحرفت وروش میں بھی محمودہ سے ویسا کم نہیں کہ اس سے نکاح باعث عار پدر محمودہ ہو، جیسا کہ صورت سوال سے یہی ظاہر ہے کہ باپ پہلے اس سے نکاح پر راضی تھا اب صرف نوکری نہ رہنے کا عذر کرتا ہے تو اس صورت میں برتقدیر صدق مستفتی دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کے سامنے حامد اور محمودہ کے ایجاب وقبول کرلینے سے جائز وصحیح ہوجائے گا۔ نفس نکاح میں نقصان نہ ہوگا، ماں باپ کو ناراض کرنے کا وبال محمودہ پر ہو تو جدا امر ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱: ضلع پشاور تحصیل صوابی ڈاکخانہ یار حسین موضع یعقوبی سید عید شاہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ اور ہمشیرہ عمرو کے مکان پر بطور مہمان داری کے آئیں وسوئی تھیں، عمرو نے زید کی والدہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے اپنی بیٹی تم کو دی ہے جس سے اس کا منشا یہ تھا کہ زید سے اس لڑکی کا نکاح کریں گے، زید کی والدہ نے اس کے جواب میں عمرو کو دعائیں دیں اور قبول زبان سے نہیں کیا، بعد کو زید نے ایک چھوٹا سا زیور بطور نشانی کے بنا کر عمرو کی بیٹی کے واسطے بھیجا، اور جس وقت عمرو نے اپنی بیٹی کا تذکرہ زید کی والدہ سے کیا، اس وقت زید کی والدہ اور ہمشیرہ اور عمرو کی بیوی تھی یہ تین عورتیں موجود تھیں، اور سوائے عمرو کے اور کوئی مرد گھر میں موجود نہیں تھا، نہ اس ایجاب کا قبول صراحۃً ہوا نہ ذکر مہر ہوا اور نہ گواہ موجود تھے، پھر عمرو کے انتقال کے بعد عمرو کے لڑکے نے اس نابالغہ کا عقد خالد سے کیا اور ابھی رخصت نہیں ہوئی ہے لیکن عقد مع گواہ اور ذکر مہر کے ہوا ہے تو اس صورت میں عقد خالد کا صحیح ہوا یا نہیں؟ اور زید مدعی اس بات کا ہے کہ نکاح مجھ سے صحیح ہے، بینوا توجروا۔

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

الجواب:

زید کا دعوی محض غلط ہے اس سے نکاح ہر گز صحیح نہ ہوا،

وان فرض ان کلام عمرو مع ام زید کان ایجابا وان دعاء ھا له قام مقام القبول لدلالة الرضا وان بعثه حلیا للعرس کانه اجازته لعقد الفضولی فعلی فرض کل ذٰلك لاوجه للصحة فی الوجه المذکور لعدم شاهد من الذکور۔	اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ عمرو کی والدہ سے بات کرنا ایجاب ہے اور والدہ مذکورہ کا عمرو کو دعائیں دینا قبول کے قائم مقام ہے کہ یہ اظہار رضامندی ہے، اور پھر زید کا زیور بھیجنا زید کی طرف سے فضولی کے عقد کی اجازت ہے بایں ہمہ مذکورہ صورت میں نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس عقد کا کوئی مرد گواہ نہیں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرطه حضور شاهدین حرین اوحرو حرتین مکلفین [1]۔	نکاح منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عاقل بالغ اور حر، مجلس میں حاضر ہوں (ت)

بحرالرائق میں ہے:

فلا ینعقد بحضرة العبید والصبیان [2]۔	غلاموں اور بچوں کی موجودگی سے نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

خالد کا عقد صحیح ہوا۔

لان الاقدام علیه فسخ للفاسد ان قلنا بالفرق بینه وبین الباطل فی النکاح کما هو قضیة فروع جمة۔	اس لیے کہ اس کا یہ اقدام فاسد نکاح کے لیے فسخ قرار پایا ہے، جب ہم نکاح میں فاسد و باطل کے فرق کا قول کریں جیسا کہ تمام فروع کا معاملہ ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲: مسئولہ مولوی سید ظہور احمد صاحب از بیتھو شریف ضلع گیا ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

ایک شخص کا نکاح بحضور دو شخص کے عورت کی اجازت سے ہوا اور دونوں شخص چپ رہے، تو ایسی صورت میں نکاح درست ہوا یا نہیں۔؟ اور وکیل بالنکاح ایک شخص ثالث ہے اور وہ شخصین ناکح کو جانتے ہیں

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

[2] بحرالرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۸۹

لیکن ناکح نہیں جانتاہے اور عورت نے وکیل بالنکاح کو وہ دو شخص کے سامنے پردہ سے اپنے نکاح کی اجازت دی اور وکیل نے یوں کہاکہ فلاں عورت کو اس قدر مہر پر آپ کو دیا، نہ نکاح کا لفظ کہا ہو اور نہ زوجیت کا۔

الجواب:

نہ ناکح کا شاہدین کو پہچاننا ضرور، نہ شاہدین کا وقت عقد کچھ بولنا ضرور، نہ خاص نکاح یاز وجیت ضرور، نہ صرف فلاں عورت کہنے میں محذور، جبکہ تنہا اسی قدر سے اس کی معرفت ہوجائے، شاہدین کا معًا لفظین ایجاب وقبول کو سننا اور اتنا سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہاہے اور لفظ نکاح وتزویج ہو نا یا کوئی اور لفظ جو تملیک عین کا فی الحال کے لیے وضع کیا گیااور شاہدین کے نزدیک عاقدین اعنی زوج وزوجہ کا متمیز ہوجانا خواہ بحضور ورؤیت واشارہ یا بغیبت وتسمیہ مجردہ یا مع نسبت وغیرہ متمیزات میں اس قدر ضرور ہے اور شک نہیں کہ کسی مرد کو اتنے مہر پر عورت کا دیا جانا مفید معنی نکاح ہے توصورت مستفسرہ میں اگر باقی شرائط مذکورہ مجتمع تھے نکاح درست ہوگیا، **والمسائل کلھا مصرحۃ فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار** (ان تمام مسائل کی تصریح درمختار اور دیگر معتمد کتب میں موجود ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۳: مرسلہ سید ظہور احمد مذکور الصدر ۳۰ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

ناکح کو تین مرتبہ قبول کرنا شرط ہے یا ایک بار؟ اور گھبرانے کی وجہ تین بار تین طرح کہا، کبھی یہ کہ قبول ہے، کبھی میں نے قبول کیا، کبھی قَبِلْتُ، ایسی صورت میں نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور یہ بحضور شاہدین ہے اور عورت سے ایجاب درست طور پر ہوا یا نہیں؟

الجواب:

نکاح خواہ کسی عقد میں تین بار قبول اصلاً ضرور نہیں ایک ہی بار کافی ہے، اور تین بار تین طرح الفاظ قبول ادا ہونا کچھ مضر نہیں، ہاں اگر گھبراہٹ میں بجائے قبول بعض الفاظ رد وانکار ادا ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ پہلے لفظ قبول کہا تھا تو نکاح ہوگیا کہ بعد تمامی عقد رد وانکار مانع انعقاد نہیں، اور پہلے لفظ "انکار" نکلا تو وہ ایجاب رد ہوگیا، اب جو اس کے بعد اس نے لفظ "قبول" کہا یہ اس کی طرف سے ایجاب ہوا، اگر اس مجلس میں ادھر سے لفظ "قبول" متحقق ہوا منعقد ہو جائے گا ورنہ باطل ہو جائے گا، اور اگر متعدد الفاظ میں لفظ رد کوئی نہیں تھا ہاں ایسے الفاظ تھے کہ قبول نہ ٹھہریں تو وہ خواہ پہلے ہوں یا پیچھے جبکہ مجلس بدلنے سے پہلے ایک لفظ بھی قبول صحیح کا ادا ہوگا نکاح ہوجائے گا **لان الفور غیر شرط والمجلس یجمع المتفرق** (کیونکہ فورًا قبول کرنا شرط نہیں اور مجلس جامع متفرقات ہے۔ت) اور ایجاب عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے دونوں درست ہیں، عقود میں ایجاب وقبول کچھ متعین نہیں، عاقدین میں جس کی طرف سے الفاظِ

عقد پہلے صادر ہوں گے، ان کا نام "ایجاب" رکھا جائے گا ان کے جواب میں دوسرا جو کہے گا وہ قبول اقرار پائے گا، مثلاً عورت نے مرد سے کہا "میں نے تجھے اپنی زوجیت میں قبول کیا" یہ ایجاب ہوا اگرچہ بلفظ قبول ہے، مرد نے اس کے جواب میں کہا "میں نے تجھے اپنی زوجیت میں لیا" یہ قبول ہوا اگرچہ بلفظ قبول نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴: از موضع بیتھو ضلع گیا مرسلہ جناب مولوی سید ظہور احمد صاحب ۱۶ شوال ۱۳۲۴ھ

جناب مولانا صاحب السلام علیک، استفتایہ ہے کہ اگر وکیل بالنکاح یا شاہدین نکاح غیر مقلد وہابی ہو تو ایسے شخص کی وکالت یا شہادت درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور نکاح درست ہوگا یا نہیں اگر ایسے لوگ وکیل یا شاہد ہوں؟

الجواب:

سید صاحب! وعلیک السلام، وہابی وغیر مقلد کی ضلالت جبکہ کفر تک نہ پہنچی ہو (اور یہ غیر مقلد وہابیوں میں نادر ہے اور جیسے طائفہ رشیدیہ پیدا ہوا، مقلد وہابیوں میں بھی کٹر اسمٰعیلوں کی طرح یہی حالت ہوگئی ان میں غالبًا کوئی نہ ہوگا، جس پر بحکم فقہائے کرام لزوم کفر نہ ہو، اور بہت تو صریح التزام کی حد پر ہیں نسأل اللہ العافیۃ وحسن العاقبۃ) جب تو نکاح میں ان کا شاہد ہونا اصلاً مخل نہیں اور اگر حد کفر پر ہوں تو وکالت جب بھی جائز ہے کہ مرتد کو وکیل کرسکتے ہیں اس کی وکالت صحیح ہوجائے گی اگرچہ اس سے میل جول اختلاط حرام ہے، ہندیہ میں ہے:

تجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لوکان مسلماً وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الاان یلحق بدارالحرب فتبطل وکالتہ کذافی البدائع [1]۔	مسلمان نے مرتد کو وکیل بنایا یا مسلمان کو وکیل بنایا وہ بعد میں مرتد ہوگیا تو یہ وکالت باقی رہے گی، مگر جب وہ دارالحرب بھاگ جائے تو وکالت ختم ہوجائے گی، بدائع میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

رہی شہادت، عوام میں دو شخص جن کو گواہی نکاح سے نامزد کیا جاتا ہے وہ اگر دونوں مرتد وہابی تھے مگر جلسے میں اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان ہیں جنھوں نے معًا ایجاب وقبول سنا اور سمجھا جب تو اگرچہ نکاح صحیح ہوگیا، **لوجود الشھود وان کان من سموا شھودا مرتدین** (گواہوں کی حاضری کی وجہ سے، اگرچہ انھوں نے مرتد گواہوں کو نامزد کیا ہو۔ ت) اور اگر صرف یہی حاضر وسامع وفاہم تھے یا اور جتنے ہیں وہ بھی ایسے ہی ہیں ایک نصاب مسلمانوں سے پورا نہیں تو نکاح صحیح نہ ہوا فاسد محض ہوا **لان من شرائط الصحۃ**

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوکالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۶۳

الشهود ولاشهادة لمرتد کما فی الدر المختار وغیرہ (کیونکہ صحت کے لیے گواہی شرط ہے اور مرتد شہادت دینے کا اہل نہیں ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵: عورت مرد اگر باہم ایجاب وقبول کرلیں اور کسی کو اطلاع نہ ہو تو یہ نکاح ہوجائے گا؟

الجواب:

بے حضور دو گواہ نکاح فاسد ہے، حدیث میں فرمایا:-

الزوانی^ف اللاتی ان ینکحن انفسھن بغیر بینة [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	زناکار ہیں جو اپنی جانوں کو نکاح میں دیتی ہیں بغیر گواہوں کے۔

مسئلہ ۳۶: مسئولہ محمد یوسف از جبل پور ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی غیر مقلد کسی مقلد کا نکاح بموجب شرع مصطفوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پڑھادے تو اس کا پڑھایا ہوا نکاح جائز ہے یا حرام؟ اور جو اس نکاح سے اولاد پیدا ہو وہ حرامی تو نہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگرچہ نکاح خواں شرع مطہر میں کوئی چیز نہیں، اگر کوئی ہندو مشرک زوجین کو ایجاب وقبول روبروئے گواہان کرادے اور شرائط صحت متحقق ہوں نکاح ہوجائے گا۔ مگر یہاں ایک نکتہ جلیلہ ہے جسے وہی سمجھتے ہیں جو موفق من اللہ تعالٰی عزوجل ہیں وہ یہ کہ اگر ہندو مشرک پڑھا جائے گا تو کوئی کلمہ گو اسے معظم دینی بلکہ مسلمان بھی نہ جانے گا بخلاف ان کلمہ گویان کفر دردل کے کہ عوام ان کو خالص مسلمان جانتے ہیں حالانکہ ان پر صدہا وجہ سے بحکم احادیث صحیحہ وتصریحات فقہیہ حکم کفر لازم ہے۔

کما فصلنا فی الکوکبة الشھابیة وفی النھی الاکید وغیرھما ولدی مزید۔	جیسا کہ الکوکبة الشھابیہ اور النھی الاکید وغیرہ رسائل میں ہم نے تفصیل بیان کردی ہے اور میری نظر میں مزید امور بھی ہیں (ت)

اور ان میں بہت تو کھلم کھلا ضروریات دین کے منکر اور قطعًا اجماعًا مرتد کافر ہیں اور نکاح خوانی کے لیے لوگ اسے بلاتے ہیں جسے اپنے نزدیک صالح اور معتبر جانتے ہیں تو اگر زوجین میں سے کسی نے ان کے کفریات پر مطلع ہوکر پھر ان کو نیک اور صالح سمجھا تو ان پر بھی وہی حکم نقد وقت ہوگا کما صرح بہ فی الشفاء والاشباہ وغیرھما

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النکاح دار صادر بیروت ۷/ ۱۲۵

ف: یہ حدیث سنن کبرٰی سے ملی اس میں الزوانی کے بجائے البغایا کا لفظ ہے۔ **نذیر احمد**

(جیسا کہ الشفاء اور الاشباہ وغیرہما میں تصریح کی گئی ہے۔ ت) ایسی صورت میں بحکم فقہ اصلاً مطلق نکاح نہ ہوگا، لہٰذا احتیاط کی ضرورت ہے، اگر ایسا واقع ہو لیا یعنی اس کی گواہیوں پر مطلع ہو کر پھر اسے معظم ومتبرک سمجھ کر نکاح خوانی کے لیے بلایا تو بعد توبہ تجدید اسلام تجدید نکاح لازم۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷: از نگلہ مرہرو ڈاکخانہ بیلاؤدہ ضلع میرٹھ مسئولہ محمد ذاکر علی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں توام ہیں، کمر سے لے کر سرین تک جڑیں ہوئی ہیں، مبرز ایک ہے، اور باقی عام اعضاء الگ الگ علیحدہ علیحدہ، وہ اپنی مادری زبان تلنگی میں اچھی طرح گفتگو کرسکتی ہیں، عمر ان کی بارہ سال ہے، یہ قصہ سکندر آباد دکن کا ہے، میں نے اس کو اخبار وطن لاہور جلد نمبر ۸ ۲۳ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۸ ص ۱۳ میں دیکھا ہے، لکھا ہے کہ یہ ہندو ہیں، ان کے والدین کو ان کے ذریعہ سے کافی آمدنی ہے، درصورت صحیح ہونے اور مسلمان ہونے ان کے لیے ان کی صورت نکاح کیا ہے؟ اگر کیا جائے تو دو بہنیں ایک مرد کے نکاح جمع نہیں ہوسکتیں، اور کہا جائے کہ دوسے کیا جائے تو بے حیائی لازم آتی ہے اور یہ دونوں لڑکیاں علیحدہ نہیں ہوسکتیں، حکم اس مسئلہ کا مفصل مدلل ارقام فرمائے اور روایت فقہاء بھی تحریر کیجئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ظاہرًا یہ اخباری گپ ہے، ایسے عجائب اگر نادرًا پیدا ہوتے ہیں تو عادۃً زندہ نہیں رہتے اگر بارہ برس سے ایسا عجوبہ ملک میں موجود ہوتا تو جب ہی سے تمام اخبار اس کے ذکر سے بھر جاتے، دیار وامصار میں شہرت ہوتی نہ کہ اب بارہ سال کے بعد درج اخبار ہوا، اور بالفرض اگر صحیح بھی ہوا اور وہ دونوں مسلمان بھی ہوجائیں تو شریعت مطہرہ نے کوئی مسئلہ لاجواب نہ چھوڑا، بھلا یہ صورت تو بہت بعید ہے فرض کیجئے جو عورت ابتدائے بلوغ سے معاذاللہ جذام وبرص میں مبتلا ہو اور اس کے ساتھ ایسی کریہیہ المنظر کہ اسے کوئی قبول نہ کرتا نہ کہ بحالت جذام، اس کے لیے کیا صورت ہوگی، اسے شرع کیا حکم دے گی، ہاں اسے عفت وصبر کا حکم فرماتی ہے اور روزں کی کثرت اس کا علاج بتاتی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ[1]	جو نکاح کی طرف کوئی راہ نہ پائیں وہ بچے رہیں جب تک اللہ اپنے فضل سے انھیں بے پرواہ کردے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] القرآن ۲۴/۳۳

یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وِجَاء[1]۔	اے گروہ نوجوانان! تم میں جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کہ نکاح پریشان نظری وبدکاری روکنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے اور جسے ناممکن ہو اس پر روزے لازم ہیں کہ کسر شہوت نفسانی کردیں گے۔

یہی حکم وعلاج اس عجوبہ خلقت کے لیے ہوگا، اس کی نظیر وہ سوال ہے کہ جہاں عرض تسعین کی نسبت کیا کرتے ہیں جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہے کہ وہاں رمضان کے روزے کیسے رکھیں حالانکہ وہاں انسانی آبادی کا نام نہیں کہ اسی درجے عرض سے آگے لوگوں کا گزر بھی نہیں کہ ہمیشہ کی ہر آن برف باری نے وہاں سمندر کو دلدل کررکھا ہے، نہ پانی رہاکہ جہاز گزرے، نہ زمین ہوگیاکہ آدمی چلیں بلکہ ستر درجے آگے سے آبادی کا پتا نہیں، وہاں جبکہ چھ چھ مہینے دن رات ہیں بلکہ قطب شمالی میں چھ ۶ مہینے نودن کا دن اور نودن سے کم چھ مہینے کی رات، اور قطب جنوبی میں بالعکس، اس لیے کہ اوج آفتابی شمالی اور حضیض جنوبی ہے اور اس کی رفتار اوج میں سست اور حضیض میں تیز ہے، پھر یہ نہار ولیل تنجیمی ہے، عرفی لیجئے تو نصف قطر آفتاب اور حصہ انکسار بڑھ کر مقدار نہار میں اور بہت سے دن بڑھ جائیں گے، اور نہار شرعی کے لیے اٹھارہ درجے کا انحطاط لیجئے تو کئی مہینے مقدار نہار میں شامل ہوکر رات بہت کم رہ جائے گی اور وہاں قمر وغیرہ کسی کوکب کا طلوع وغروب حرکت شرقیہ فلکیہ سے نہیں بلکہ صرف اپنی حرکت خاصہ سے جب منطقہ سے شمالی ہوگا قطب شمالی میں طلوع کرے گا اور جب تک شمالی رہے گا طالع رہے گا پھر جب جنوبی ہوگا غروب کرے گا اور جب تک جنوبی رہے گا غارب رہے گا اور اس ظہور وبطون کے لیے کوئی تعیین نہیں کہ قمر اس وقت اجتماع میں ہو یااستقبال میں تربیع میں ہو یا شکل ہلال میں، توسال کے بارہ دن رات جو قمر نے پائے ان میں حساب انتظام اہلہ وشہور نامقدور، اور اگر حکما صورت تقدیر وانداز لیجئے بھی جس طرح دربارہ ایامِ طوال دجال نمازوں کے لیے ارشاد ہواتو وہی قرآن عظیم جس نے **فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ**[2] (جو تم میں سے ماہ رمضان کو پائے تو اس کا روزہ رکھے۔ ت) فرمایا اس نے **وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ**[3] (جو روزہ کی استطاعت نہ رکھے تو مسکین کا کھانا فدیہ میں دے۔ ت) ارشاد کیا یعنی جنھیں روزے کی قدرت نہ ہو ان پر بدلہ ہے ہر روزے کے عوض ایک مسکین کا کھانا

---

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ پشاور ۷۵۸/۲، صحیح مسلم کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ پشاور ۴۴۹/۱

[2] القرآن ۱۸۵/۲

[3] القرآن ۱۸۴/۲

اور جن کو اس کی بھی استطاعت نہ ہو وہ حصولِ استطاعت کا انتظار کریں اور اپنے رب سے انابت واستغفار کہ وہی قرآن کریم میں فرماتا ہے: لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّاوُسۡعَھَا[1] خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸: از خیرآباد محلّہ میاں سرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ سید فخرالحسن صاحب ۳ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

خطبہ نکاح کا کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے یا بیٹھ کر، اور کس طریقہ سے مسنون ہے؟

الجواب:

اگرچہ خطبہ میں مطلقًا افضل قیام ہے کہ آواز بھی دور پہنچتی ہے اور باعث توجہ حاضرین بھی ہوتا ہے اور اس امر میں سب خطبے مشترک ہیں، ہاں جو خطبہ سواری پر ہوتا ہے جیسے خطبہ عرفہ۔ وہاں قیام مرکب قائم مقام قیام راکب ہے مگر خطبِ نافلہ بیٹھ کر بھی ثابت ہیں،

ابن جریر عن سماك بن حرب قال سمعت معرورا اوابن معرور التمیمی قال سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه وصعد المنبر فقعددون مقعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بمقعدین فقال اوصیکم بتقوی اللہ واسمعوا واطیعوا من ولاہ اللہ تعالٰی امرکم[2]۔	ابن جریر نے سماک بن حرب سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا:- میں نے معرور یا ابن معرور تمیمی سے سنا انھوں نے کہا میں نے عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا جبکہ آپ منبر پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نشستگاہ سے دو سیڑھیاں نیچے تشریف فرما ہوئے تو آپ نے فرمایا میں تمھیں اللہ تعالٰی سے تقوٰی کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی طرف سے تمھارے امور کے بنائے ہوئے والی کی اطاعت وسمع اختیار کرو۔ (ت)

اور خطبہ نکاح نفل ہی ہے تو بیٹھ کر بھی مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹: از سلون ضلع رائے بریلی احاطہ شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

جناب مولانا صاحب مجدد مائۃ حاضرہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعلی من لدیکم، کیا مسلک ہے آپ کا اس مسئلہ میں کہ زید نے "تَزَوَّجتُ" اور ہندہ نے "قَبِلۡتُ" دو گواہوں کے سامنے کہہ دیا اور دونوں ان الفاظ کے معنی نہیں سمجھتے بلکہ گواہ بھی نہیں سمجھے۔ آیا اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں،

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث خطب عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۱۵۷

شرح وقایہ اور فتاوٰی قاضی خاں اور فتاوٰی ظہیریہ اور ردالمحتار اور درمختار میں ایسا نکاح جائز لکھا ہے بلکہ درمختار میں اس پر فتوٰی ہے، اور دلیل اس کی کل کتابوں میں یہ لکھی ہیے کہ مضمون لفظ کا علم اور اس کا سمجھنا ان امور میں معتبر ہے جن میں نیت اور قصد کی ضرورت ہو اور جن امور میں جد وہزل برابر ہوں ان میں معنٰی سمجھنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا نکاح محض بتلفظ "نَکَحْتُ وقَبِلْتُ" بلا فہم معنٰی منعقد ہوجائیگا جیسا کہ قاضی خاں وغیرہ میں ہے:

لان العلم بمضمون اللفظ انما یعتبر لاجل القصد فلایعتبر فیما یستوی فیه الجد والهزل[1] انتھی۔	کیونکہ لفظ کے مضمون کا علم کسی چیز کے قصد کے لیے ضروری ہوتا ہے اور جس میں قصد اور غیر قصد مساوی ہوں وہاں مضمون کا علم معتبر نہ ہوگا، انتہی (ت)

میرے خیال میں یہ دلیل صحیح نہیں، عبارت قاضی خاں کی فلا یعتبر (ای العلم بمضمون اللفظ) فیما یستوی فیه الجد والهزل (لفظ کے مضمون کا علم معتبر نہ ہوگا جہاں قصد اور غیر قصد (مذاق) برابر ہو۔ ت) ہر گز قابل تسلیم نہیں، ہزل میں مضمون لفظ کا علم اور معنٰی کا سمجھنا ضروری ہے بغیر فہم معنٰی ہزل غیر ممکن ہے اس واسطے کہ استعمال لفظ وارادہ غیر معنٰی حقیقی ومجازی کا نام ہزل ہے اور اس میں شرط ہے کہ قبل عقد متعاقدین آپس میں ذکر کرلیں کہ یہ عقد بطریق ہزل ہے، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:-

الهزل ان یراد بالشیئ غیر ماوضع له بغیر مناسبة بینهما والجد مایراد به ماوضع له اوماصلح له اللفظ مجازا[2] اھ۔	ہزل (مذاق) سے مراد یہ ہے کہ مناسبت کے بغیر مجازی معنٰی مراد لینا، جِد (قصد) سے مراد یہ کہ حقیقی معنٰی یا ایسا مجازی معنٰی مراد لینا جس کے لیے لفظ صلاحیت رکھتا ہو اھ (ت)

نورالانوار میں ہے:

وشرط الهزل ان یکون صریحا مشروطا باللسان بان یذکر العاقد ان قبل العقد انهما یهزلان فی العقد ولایثبت ذٰلك بدلالة الحال[3]۔	مذاق کی شرط یہ ہے کہ زبانی طور پر صراحۃً عقد کرنے والے دونوں فریقوں، عقد سے قبل ذکر کریں کہ ہم مذاقاً عقد کریں گے، اور مذاق دلالتِ حال سے ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۱

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الخلع والطلاق المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/۴۲۷

[3] نورالانوار مبحث الامور المعترضۃ للاھلیۃ نوعان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰۳۔۳۰۲

اس صورت میں جبکہ عاقدین بالکل سمجھتے ہی نہیں کہ ان الفاظ کے کیا معنٰی ہیں اور کس موقع میں استعمال کئے جاتے ہیں توہزل کیسے ہوسکتاہے، قطع نظر اس کے کہ ہزل میں اگرچہ ہازل نفس حکم سے راضی نہیں ہوتا لیکن اس کے اسباب سے راضی رہتاہے جیساکہ نورالانوار میں ہے:

وانہ ینافی اختیار الحکم والرضاء بہ ولاینافی الرضاء بالمباشرۃ[1] الخ۔	مذاق، حکم اور اس پر رضامندی کے منافی ہے لیکن کام کو سرانجام دینے کے لیے منافی نہیں ہے۔ (ت)

اور یہاں عاقدین جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کیسے ہیں اور ان کے کیا معنٰی ہیں، تو رضا بالاسباب بھی مفقود ہے لہٰذا اس صورت کو ہزل میں داخل کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا، دوسری دلیل مجوزین کی یہ ہے کہ اگرچہ متعاقدین معنٰی نہیں سمجھتے لیکن ان کا جہل معتبر نہ ہوگا اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لان الدار دارالاسلام فلایکون الجھل فی احکام الشرعیۃ عذرا۔	چونکہ یہ دارالاسلام ہے لہٰذا احکام شرعیہ سے جاہل ہونا کوئی عذر نہ بن سکے گا۔ (ت)

اس جگہ دعوی ودلیل میں صراحۃً تخلف ہے، دلیل کا منشا تو یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں جہل معتبر نہیں، یہ ضرورت قابل تسلیم ہے لیکن یہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ زبان عربی سے جہل بھی غیر معتبر ہو احکام شرعیہ منحصر بزبان عربی نہیں، عاقدین احکام نکاح کو زبان غیر عربی مثلاً فارسی اردو وغیرہ میں جانتے ہیں اور زبان عربی سے واقف نہیں تو یہ نہیں کیا جاسکتا کہ جاہل بالاحکام ہیں، جہل بالاحکام اور جہل باللسان کو متحد جان کر دونوں کو غیر معتبر کہنا صحیح نہیں ہوسکتا، لہٰذا جب عاقدین کو کسی طرح اس کا علم نہیں کہ ان الفاظ کے کیا معنٰی ہیں اور کس موقع پر اس کا استعمال ہوتاہے، توان کے تلفظ سے نکاح نہیں ہوسکتا، فصول عمادی میں ہے:

انہ لایصح عقد من العقود اذالم یعلما معناہ[2] اھ۔	جب گواہ حضرات کسی عقد کا معنٰی نہ سمجھیں تو عقد صحیح نہ ہوگا اھ (ت)

فتاوٰی حمادیہ میں مثل اس کے لکھاہے، شمس الاسلام اوزجندی سے کسی نے اس مسئلہ کو پوچھا، فرمایا: نہ منعقد ہوگا،

لان المرأۃ فی ھذہ بمنزلۃ الطوطی والصبی الذی لایعقل۔	کیونکہ اس معاملے میں عورت طوطے اور ناسمجھ بچے کی طرح ہے۔ (ت)

[1] نورالانوار مبحث الامور المعترضۃ للاھلیۃ نوعان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰۲

[2] فصول عمادی

صاحب فتاوٰی بزازیہ کی بھی یہی رائے ہے، درمختار کے فتوی کو ردالمحتار میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے، اب آپ کے نزدیک اگر یہ نکاح جائز ہے تو شبہہ مذکورہ بالا کا جواب مدلل طور سے ارقام فرمائے اور اگر ناجائز ہے تو یہ فرمائے کہ مجوزین کی دلیل بالکل سست ہے یا نہیں۔؟ تیسری دلیل میں نے ان لوگوں کی نہیں دیکھی، اگر آپ کی نظر سے گزری ہو تو مطلع فرمایئے، یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بہت عدیم الفرصت ہوں گے، مگر خدا نے وارث الانبیاء آپ کو کیا ہے، سائل اور کس سے اپنے شبہے رفع کرے، والسلام۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فقیر کی رائے میں دونوں دلیلیں اعتراض سے بری اور دونوں قول اپنے اپنے محل پر صحیح ہیں، دلیل اول کی برأت تو واضح تر، امام اجل قاضی خاں نے فتاوٰی خانیہ میں امام ظہیر الدین مرغینانی نے فتاوٰی ظہیریہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں اسے افادہ فرمایا اور امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر، پھر محقق زین نے بحرالرائق میں اس پر تعویل کی، اس میں صورت مذکورہ کو ہزل نہ کہا بلکہ ایک مقدمہ دلیل پر مسئلہ ہزل سے استدلال فرمایا ہے، تقریر کلام یہ ہے کہ یہاں انعقاد نکاح سے مانع ہو تو یہی کہ معنٰی معلوم نہیں، اور ایسا ہو تو علم بمعنٰی شرط ہو لیکن وہ شرط نہیں کہ اس کا اشتراط ہو تو قصد ہی کے لیے اور یہاں قصد درکار نہیں، دیکھو ہزل میں معنی مقصود نہیں ہوتے اور نکاح صحیح ہے، اسی مطلب کو تجنیس میں بایں عبارت ادا فرمایا:

ولو عقدا عقد النکاح بلفظ لایفھمان کونہ نکاحا ھل ینعقد اختلف المشائخ فیہ قال بعضھم ینعقد لان النکاح لایشترط فیہ القصد[1]۔	اگر مرد و عورت نے ایسے الفاظ سے نکاح منعقد کیا جن سے ان دونوں کو نکاح ہونے کا پتا نہ چل سکے، کیا اس صورت میں نکاح ہوجائے گا اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ نکاح منعقد ہوجائے گا کیونکہ نکاح میں قصد شرط نہیں ہے۔ (ت)

رہی دوسری دلیل، اس پر اعتراض اشتباہ معنٰی سے ناشی ہے، فقیر بعون القدیر اسے ایسے نہج سے بیان کرے جس سے دلائل واحکام سب کا انکشاف ہوجائے ۳۸ **فاقول: وباللہ التوفیق** یہاں دو چیزیں ہیں ۱لفظ کا مفہوم کہ لغوی شرعی عرفی حقیقی مجازی کی طرف مقسوم، اور ۲اس کا حکم کہ غرض غایت مقصود وثمرہ وغیرہا سے موسوم، ان دونوں پر لفظ کے معنٰی مضمون حتی کہ موضوع لہ کا بھی اطلاق آتا ہے اگرچہ اول کے بعض

[1] التجنیس والمزید

اقسام میں وضع نوعی ہے۔ امام اجل فخر الاسلام بزدوی قدس سرہ نے اصول میں فرمایا:-

الهزل اللعب وهوان يراد بالشيئ مالم يوضع له وهو ضد الجد وهوان يراد بالشيئ ماوضع له [1]۔	ہزل (مذاق) ایسے کھیل کا نام ہے جس میں کسی چیز سے ایسی مراد لی جائے جس کے لیے وہ چیز وضع نہ کی گئی ہو، یہ جد (قصد) کی ضد ہے اور جد کسی چیز سے اس کا موضوع لہ مراد لینا ہے۔ (ت)

امام جلیل عبدالعزیز بخاری اس کی شرح کشف کبیر میں فرماتے ہیں:-

ليس المراد من الوضع ههنا وضع اللغة لاغير بل وضع العقل والشرع فان الكلام موضوع عقلا لافادة معناه فى حقيقة كان اومجاز ا والتصرف الشرعى موضوع لافادة حكمه فاذا اريد بالكلام غير موضوعه العقلى وهو عدم افادة معناه اصلا واريد بالتصرف غير موضوعه الشرعى وهو عدم افادة الحكم اصلا فهو الهزل وتبين بما ذكرنا الفرق بين المجاز والهزل فان الموضوع العقلى للكلام وهوافادة المعنى فى المجاز مراد وان لم يكن الموضوع له اللغوى مرادا وفى الهزل كلاهما ليس بمراد وهو معنى مانقل عن الشيخ ابى منصور رحمه الله تعالٰى ان الهزل مالايراد به معنى [2]۔	یہاں وضع سے خاص وضع لغوی مراد نہیں بلکہ وضع عقلی وشرعی سب کو شامل ہے، کیونکہ عقلی طور پر کلام کی وضع اس لیے ہے کہ اپنے معنی کا فائدہ دے چاہے معنی حقیقی ہو یا مجازی ہو اور شرعی تصرف کی وضع اس کے حکم کے افادہ کے لیے ہے تو جب کلام سے اس کا عقلی معنٰی یعنی افادہ مقصد مراد نہ ہو اور تصرف شرعی سے شرعی معنی یعنی حکم کا افادہ مراد نہ ہو تو اس کو ہزل کہتے ہیں، ہمارے بیان سے واضح ہوگیا کہ مجاز اور ہزل (مذاق) میں فرق ہے کہ مجاز میں عقلی وضع کے لحاظ سے معنٰی مراد لیا جاتا ہے اگرچہ لغوی معنی مراد نہیں ہوتا جبکہ مذاق میں دونوں معنوں میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہوتا، اور شیخ ابو منصور رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول کا یہی معنٰی ہے کہ مذاق وہ ہے جس سے کوئی معنٰی مراد نہ لیا جائے (ت)

معنٰی بمعنی اول کا علم اصلاً ضرور نہیں ولہٰذا اگر عورت نے "**زوجت نفسی منك بالف**" اور مرد نے "**قبلت**" کہا اور دونوں زبان عربی سے محض ناآشنا تھے مگر اتنا اجمالاً معلوم تھا کہ یہ الفاظ عقد نکاح

[1] اصول البزدوی فصل الهزل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۷

[2] کشف الاسرار عن اصول البزدوی فصل الهزل دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۵۷

کے لیے کہے جاتے ہیں باتفاق علماء نکاح ہوگیا، خانیہ میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بلفظۃ العربیۃ اوبلفظ لایعرف معناہ او زوجت المرأۃ نفسھا بذلك ان علما ان ھذاالفظ ینعقد بہ النکاح یکون النکاح عند الکل[1]۔	اگر کسی مرد نے عربی زبان یا کسی بھی زبان کا ایسا لفظ استعمال کرکے نکاح کیا اوریوں ہی عورت نے ایسا لفظ استعمال کیا کہ جس کا معنٰی اسے معلوم نہ ہو اگر ان دونوں کو ان الفاظ سے نکاح کے انعقاد کا علم ہوگیاتو یہ نکاح سب کے ہاں درست ہے۔ (ت)

یوں ہی اگر نا آشنایانِ عربی نے "بعت اشتریت" بقصد بیع وشراء کہا اور جانتے تھے کہ یہ الفاظ عقد بیع کے ہیں ضرور بیع ہو جائے گی اگرچہ تفسیر الفاظ سے ناواقف ہوں کہ بعد علم حکم بقصد ان الفاظ کا تحاور دلیل مراضاۃ ہے اور ایسی مراضاۃ ہی ان عقود میں کفیل اثبات ہے۔ ہدایہ میں ہے:

المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود ولھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھوالصحیح لتحقق المراضاۃ[2]۔	ان عقود میں معنٰی کااعتبار ہوتاہے اور اس لیے ہر چھوٹی موٹی چیز کے لین دین کرنے سے بیع منعقد ہوجاتی ہے کیونکہ اس صورت میں رضاظاہر ہوجاتی ہے (ت)

توثابت ہوا کہ مسئلہ دائرہ میں معنی بمعنی دوم ہی مراد ہے کہ اول بالاجماع مراد نہیں تواس کا جہل مناط نزاع نہیں ہوسکتا، بعض اکابر نے کہ الفاظ عربی اور عاقدین کے ہندی یاترکی ہونے سے تصویر فرمائی وہ بحسب عادات فقہاء ہے کہ مظنہ غالبہ شئے کو قائم مقام شیئ کرتے ہیں۔

کما لایخفی علی من مارس کلماتھم العلیہ وقد ذکرنا طرفا منھا فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ فقہاء کرام کے کلام کے فہم میں ماہر پر مخفی نہیں جس کا کچھ بیان ہم نے اپنے فتاوٰی میں کیا ہے۔ (ت)

غالب یہی ہے کہ آدمی الفاظ زبان غیر مفہوم کے مقاصد پر بھی مطلع نہیں ہوتا، ولہذا امام فقیہ النفس نے "وان لم یعرفا معنی اللفظ" (اگرچہ دونوں نے لفظ کا معنٰی نہ سمجھا۔ ت) پر قناعت نہ کی کہ اول کی طرف ذہن نہ جائے بلکہ افادہ مراد کے لیے "ولم یعلما ان ھذا لفظ ینعقد بہ النکاح"[3] (اور دونوں نے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۱

[2] ہدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۴

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۱

یہ نہ سمجھا کہ اس لفظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ ت) بڑھایا، اور امام برہان الدین نے اصل مقصود لفظ **لایفھما کونہ نکاحا** (ایسا لفظ جس سے دونوں نے نکاح ہونا نہ سمجھا۔ ت) فرمایا، علامہ ابن عابدین نے منحۃ الخالق میں کلام خانیہ سے یہی اخیر فقرہ مقصودہ نقل کیا اول ترک کردیا،

حیث قال قال فی الخانیۃ وان لم یعلما ان ھذا اللفظ ینعقد بہ النکاح فھذہ جملۃ مسائل[1] **الخ۔**	جہاں انھوں نے کہا کہ خانیہ میں فرمایا کہ اگر انھوں نے اس لفظ سے نکاح ہونا نہ سمجھا تو یہ تمام مسائل ہیں الخ (ت)

اسی قدر نے دلیل دوم سے رفع اعتراض کردیا۔

۳۹ **ثم اقول:** پھر جس طرح علم بمعنی اول اصلاً ضرور نہیں بمعنی دوم دیانۃً مطلقاً ضرور ہے **قال تعالٰی** لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ[2] (تاکہ تمھیں ڈر سناؤں اور ان لوگوں کو جن کو یہ ڈر پہنچے۔ ت) اگرچہ یہ بلوغ حکم حکماً ہو جیسے دارالاسلام میں ہونا اور سیکھنے کا تیسر کہ پھر نہ جاننا اپنی تقصیر ہے، ولہذا جہل کو عوارض مکتسبہ سے شمار فرماتے ہیں کہ ازالہ پر قادر ہوں کہ باقی رکھنا گویا آپ اس کا حاصل کرنا ہے یہی منشا ہے کہ نشہ کی طلاق واقع ہے اگرچہ ایقاع کو عقل ضرور، اور نشہ اس کا مزیل مگر دانستہ اس کا ارتکاب خود اس کا قصور، اصول امام بزدوی میں ہے:

الجھل فی دارالحرب من مسلم لم یھا جریکون عذرا فی الشرائع حتی لاتلزمہ لانہ غیر مقصر وکذلك الخطاب فی اول مانزل فان من لم یبلغہ کان معذورا فاما اذا انتشر الخطاب فی دارالاسلام فقد تم تقصیر فمن جھل بعد فانما اتی من قبلہ تقصیرہ فلا یعذر کمن لم یطلب الماء فی العمران وتیمم وکان الماء موجودا فصلی لم یجز[3]**۔**	دارالحرب میں مسلمان جو کہ ہجرت کرکے دارالاسلام نہ آیا ہو اس کی شرعی مسائل میں جہالت عذر ہے کہ اس عذر کی بناء پر وہاں اس کے لیے لازم نہ ہوں گے، کیونکہ یہ اس کی طرف سے کوتاہی نہیں ہے، یونہی جب پہلا خطاب نازل ہوا اور دارالاسلام میں رہنے والے کو نہ پہنچا تو وہ بھی معذور قرار پائیگا لیکن وہ خطاب جب دارالاسلام میں پھیل جائے اور تبلیغ تام ہوجائے اس کے بعد جو جاہل رہے تو یہ اس کی کوتاہی شمار ہوگی تو وہ معذور نہ قرار پائے گا جیسا کہ کوئی شخص آبادی میں جہاں پانی موجود ہے تو پانی طلب یا تلاش کئے بغیر تیمّم سے نماز پڑھ لے تو نماز نہ ہوگی۔ ت)

---

[1] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحر الرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۵/۳

[2] القرآن ۱۹/۶

[3] اصول البزدوی باب العوارض المکتسبہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۵

یہی معنی ہیں اس قول کے کہ دارالاسلام میں جہل عذر نہیں، اور یہیں سے واضح ہوا کہ اگر ہمارے بلاد میں کوئی جاہل سا جاہل اپنی غیر مدخولہ عورت سے کہے تجھ پر طلاق ہے عورت فورا نکاح سے باہر ہوجائے گی اور بے حاجت عدت اسے اختیار ہوگا کہ جس سے چاہے نکاح کرلے اور اس کا یہ مسئلہ نہ جاننا کہ غیر مدخولہ مطلقًا ہر طلاق سے بائن ہوجاتی ہے اسے مفید نہ ہوگا، کسی ناخواندہ ہندی یا بنگالی کو اگر سکھائے کہ عورت سے کہہ: تراازز نی بہشتم (تجھ کو زوجیت سے نکال دیا۔ ت) یا طلقتك فالحقی باهلك (میں نے تجھے طلاق دے دی ہے تو اپنے گھروالوں کے پاس چلی جا۔ ت) اور وہ نہ جانے کہ یہ کلمات طلاق کے ہیں عنداللہ طلاق نہ ہوگی کہ یہ جہل بالحکم جہل باللسان سے ناشی ہوا، اور جہل باللسان تقصیر نہیں، فارسی سیکھنا اصلًا اور عربی سیکھنا ہر شخص پر فرض نہیں، اسی سے امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

لابد من القصد بالخطاب بلفظ الطلاق عالما بمعناه اوالنسبة الی الغایة کما یفیده فروع [1] الخ۔	لفظ طلاق سے خطاب کرتے ہوئے اس کے معنی کا علم یا غرض کی طرف نسبت ہو جیساکہ فروع نے افادہ کیا الخ (ت)

یعنی علم بمعنی دوم طلاق بھی ضرور ہے، اگر وہ صورت پائی جائے کہ اس کے جہل میں معذور ہو جیسے جہل بالحکم بوجہ جہل باللسان تو دیانۃً طلاق نہ ہوگی، نہرالفائق میں ہے:

اراد انہ شرط للوقوع قضاء ودیانة فخرج مالایقع بہ لاقضاء ولادیانة کمن کرر مسائل الطلاق ومایقع بہ قضاء فقط کمن سبق لسانہ لانہ لایقع فیہ دیانة [2] اھ **قلت** فقولہ قضاء ودیانةً ای معًا ای ھو شرط لان یقع دیانةً ایضًا کمایقع قضاءً ولوبدونہ فافھم۔	ان کی مراد یہ ہے کہ وہ قضاءً ودیانۃً وقوع طلاق کے لیے شرط ہے تو اس سے وہ صورت خارج ہے جس میں قضاءً ودیانۃً واقع نہ ہو، جیسے کوئی شخص مسائل طلاق کا تکرار کرے اور وہ صورت بھی خارج ہے جس میں صرف قضاءً واقع ہو، جیسے غلطی سے کہہ دیا ہو تو اس میں دیانۃً واقع نہ ہوگی، اھ **قلت** اس کے "قول قضاءً ودیانۃ" کا مطلب یہ ہے کہ "قضاءً ودیانۃً" دونوں اکٹھی یعنی یہ شرط دیانۃً وقوع کے لیے بھی ہے جس طرح قضاءً بغیر دیانۃً کے لیے شرط ہے اسے سمجھو۔ ت)

البتہ قاضی دعوی جہل نہ مانے گا اور حکم طلاق دے گا جب تک دلائل واضحہ سے اس کا عذر روشن نہ ہوجائے۔

---

[1] فتح القدیر باب ایقاع الطلاق مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۳۵۱

[2] نہرالفائق

ولہذا درمختار میں فرمایا:

تلفظ به (ای بالطلاق) غیرعالم بمعناه اوغافلا اوساهیا اوبالفاظ مصحفة یقع قضاء فقط بخلاف الهازل واللاعب فانه یقع قضاء ودیانة لان الشارع جعل هزله به جدا[1]۔ فتح۔	معنٰی معلوم نہ ہونے یا غفلت یا بھول کر، یا غلط تلفظ کی صورت میں طلاق کا لفظ بولا تو صرف قضاء طلاق ہوگی، اس کے برخلاف جبکہ مذاق اور کھیل کے طور پر لفظ طلاق بولے تو قضاءً ودیانۃً دونوں طرح طلاق ہوجائی گی کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلاق میں مذاق کو قصداً طلاق کا حکم دیا ہے۔ فتح۔ (ت)

اس تقریر سے مستنیر ہوا کہ جن اکابر نے صورت مسئولہ میں انعقاد نہ مانا وہ حکم دیانت ہے اور جن ائمہ نے مانا وہ حکم قضا ہے۔ لاجرم امام فقیہ النفس نے صاف فرمایا:

ان لم یعرفا معنی اللفظ ولم یعلما ان هذا لفظ ینعقد به النکاح فهذه جملة مسائل الطلاق والعتاق والتدبیر والنکاح والخلع والابراء عن الحقوق و البیع والتملیك فالطلاق والعتاق والتدبیر واقع فی الحکم ذکره فی عتاق الاصل فی باب التدبیر واذا عرف الجواب فی الطلاق والعتاق ینبغی ان یکون النکاح کذلك لان العلم بمضمون اللفظ انما یعتبر لاجل القصد فلایشترط فیما یستوی فیه الجد والهزل بخلاف البیع ونحو ذلك[2]۔	اگر دونوں لفظ کا معنٰی نہیں جانتے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس لفظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے تو طلاق عتاق، تدبیر، خلع، حقوق سے بری کرنا بیع اور تملیک یہ تمام مسائل ہیں ان میں سے طلاق، عتاق اور تدبیر (مدبر بنانا) حکم میں شامل ہیں، امام محمد نے اس حکم کو اصل کے باب عتاق کی بحث تدبیر میں ذکر کیا ہے اور جب طلاق وعتاق کا حکم معلوم ہوگیا تو نکاح کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے کیونکہ لفظ کے مضمون کا علم قصد واختیار کے لیے معتبر ہوتا ہے تو جہاں قصد ومذاق کا حکم مساوی ہو وہاں یہ علم شرط نہیں ہوگا۔ بخلاف بیع جیسے امور کے (وہاں علم مذکور شرط ہے) (ت)

ہاں مشائخ اوزجند نے اہل تلبیس کا مکرر رد کرنے کو مطلقاً عدم انعقاد فرمایا یعنی قضاء بھی حکم نہ دیں گے۔ بحر الرائق میں ہے:

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۱

لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غیر عالم بمعناه وقع قضاء لادیانة وقال مشائخ اوزجندی لایقع اصلا صیانة لاملاك الناس عن الضیاع بالتلبیس کمافی البدائع کذافی البزازیة[1]۔	اگر بیوی نے خاوند کو طلاق کے لفظ کہلائے جبکہ خاوند کو ان کا معنٰی معلوم نہیں تھا تو یہ لفظ کہنے سے طلاق قضاءً واقع ہوگی دیانۃً نہیں ہوگی، مشائخ اوزجند نے فرمایا کہ اس صورت میں بالکل طلاق نہ ہوگی تاکہ دھوکے سے لوگوں کے املاک کو ضیاع سے بچایا جاسکے، جیساکہ بدائع میں ہے، اور یوں ہی بزازیہ میں ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ پھر منحہ میں ہے:

حکی عن القاضی الامام محمود الاوزجندی عمن لقنته امرأة طلاقا فطلقها وهو لایعلم بذلك قال وقعت هذه المسألة باوزجند فشاورت اصحابی فی ذلك واتفقت اٰراؤنا انه لایفتی بوقوع الطلاق صیانة لاملاك الناس عن الابطال بنوع تلبیس ولو لقنها ان تخلع نفسها منه بمهرها ونفقة عدتها واختلعت لایصح وبه یفتی[2]۔	امام قاضی محمود اوزجندی کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے اس صورت کے بارے میں کہ بیوی نے خاوند کو طلاق سکھائی جبکہ خاوند کو اس کا معنی معلوم نہ تھا، خاوند نے طلاق کہہ دی فرمایا کہ یہ مسئلہ اوزجند میں پیش آیا تو میں نے اپنے اصحاب سے اس کے متعلق مشورہ کیا توہماری متفقہ رائے یہ قرار پائی کہ اس صورت میں طلاق ہوجانے کا فتوٰی نہیں دیا جائیگا تاکہ دھوکے کے ذریعے لوگوں کے املاک کو ضیاع سے بچایا جاسکے، اور اگر خاوند نے بیوی کو خلع بعوض مہر نفقہ عدت سکھایا، تو عورت نے خلع کے یہ الفاظ کہہ دئے تو خلع صحیح نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

لقنت المرأة بالعربیة زوجت نفسی من فلان ولا تعرف ذٰلك وقال فلان قبلت والشهود یعلمون اولایعلمون صح النکاح قال فی النصاب وعلیه الفتوی وکذا الطلاق	کسی عورت کو عربی میں کہلایا گیا "زوجت نفسی من فلان" (میں نے اپنے آپ کو فلاں شخص سے بیاہ دیا) جبکہ عورت کو اس عبارت کا معنٰی معلوم نہ تھا اس کے بعد اس فلاں شخص نے جواب میں

[1] بحر الرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۵۸۔

[2] منحة الخالق حاشیة علی البحر الرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۸

وقال الامام شمس الاسلام الاوزجندی لالانہ کالطوطی وسیأتی علیہ التعویل[1]۔	"قبلت" (میں نے قبول کیا) کہا تو صحیح ہوگا خواہ گواہوں کو عبارت کا معنی معلوم ہو یا نہ ہو، نصاب میں فرمایا کہ اسی پر فتوٰی ہے اور مسئلہ طلاق کا بھی یہی حکم ہے، اور امام شمس الاسلام اوزجندی نے فرمایا: طلاق نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ صورت میں مرد، طوطے کے مانند ہے اور عنقریب آئے گا کہ اس پر اعتماد ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لقنہ الطلاق بالعربیۃ وھولایعلم قال الفقیہ ابو اللیث لایقع دیانۃ وقال مشائخ اوزجند لایقع اصلا صیانۃ لاملاك الناس عن الابطال بالتلبیس وکذا لو لقنت الخلع وھی لاتعلم وقیل یصح و المختار ماذکرنا[2] اھ ملتقطاً۔	خاوند کو کسی نے عربی زبان میں طلاق سکھائی جبکہ وہ اس کا معنٰی اور مقصد نہ جانتا تھا اس کے طلاق کہنے پر فقیہ ابواللیث کے قول کے مطابق دیانۃً طلاق نہ ہوگی، اور مشائخ اوزجند نے فرمایا طلاق بالکل نہ ہوگی تاکہ دھوکے سے لوگوں کے اموال کو ضیاع سے بچایا جاسکے، اور یوں ہی اگر عورت کو خلع سکھایا گیا اور اس کو معلوم نہیں کہ معنٰی کیا ہے، تو بعض نے کہا کہ خلع صحیح ہوگا جبکہ مختار وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اھ ملتقطا (ت)

رہا نکاح میں گواہوں کا سمجھنا، اس میں تحقیق وتوفیق یہ ہے کہ معنٰی بمعنی اول کا سمجھنا ضرور نہیں بمعنی دوم کا سمجھنا دیانۃً وقضاءً ہر طرح لازم ہے یعنی اتنا جانتے ہیں کہ یہ نکاح ہورہا ہے یہ الفاظ ایجاب وقبول ہیں اگرچہ تفسیر الفاظ نہ جانیں نہ اس سے آگاہ ہوں، درمختار میں ہے:

شرط حضور شاہدین فاھمین انہ نکاح علی المذھب، بحر[3]۔	نکاح سمجھنے والے دو گواہوں کی حاضری شرط ہے یہ مذہب ہے بحر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر جزم فی التبیین بانہ لوعقدا بحضرۃ ھندیین لم یفھما کلامھما لم یجز و	بحر میں ہے کہ تبیین میں اس پر جزم کیا گیا ہے کہ اگر دو ہندی گواہوں کی حاضری میں عربی میں نکاح فریقین نے کیا جن کے کلام کو وہ نہ سمجھ سکے تو نکاح جائز نہ ہوگا۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ مسائل الایقاع بلاقصد الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷۹

[3] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

صححه فی الجوهرة وقال فی الظهیریة والظاهرانه یشترط فهم انه نکاح واختاره فی الخانیة فکان هو المذهب لکن فی الخلاصة لویحسنان العربیة فعقد ابها والشهود لایعرفونها الاصح انه ینعقد ووفق الرحمتی بحمل الاشتراط علی اشتراط فهم انه عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد نکاح[1] اھ۔	جوہرہ میں اس حکم کو صحیح کہا ہے، اور ظہیریہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نکاح ہونا گواہوں کو سمجھنا شرط ہے۔ اور خانیہ میں اس کو مختار کہا تو یہی مذہب ہے لیکن خلاصہ میں ہے کہ اگر نکاح کے فریقین عربی اچھی طرح جانتے ہیں اور انھوں نے نکاح عربی میں کیا جس کو گواہوں نے نہ سمجھا تو اصح یہ ہے کہ نکاح ہوجائیگا۔ اور علامہ رحمتی نے دونوں اقوال میں یہ موافقت کی کہ جہاں گواہوں کے فہم کو شرط کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نکاح ہونے کو سمجھ لیں اور جہاں فہم کو شرط قرار نہیں دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ قبول وایجاب کے الفاظ کے معانی سمجھنا شرط نہیں جبکہ نکاح ہونے کا فہم حاصل ہوچکا ہو اھ
[۱۳] **قلت** قد کان سنح للعبد الضعیف قبل ان اره لاشك انه حسن جدا وفی وجیز الامام الکردری تزوجها بالعربی وهما یعقلان لاالشهود قال فی المحیط الاصح انه ینعقد وعن محمد تزوجها بحضرة هندیین ولم یمکنهما ان یعبرا لم یجز فهذا نص علی انه لایجوز فی الاول ایضا اھ[2]۔	**قلت** اس عبد ضعیف پر واضح ہوا کہ یہ تطبیق بہت اچھی ہے جبکہ ابھی میں نے یہ نہیں دیکھا تھا اور وجیز کردری میں ہے کہ مرد وعورت نے عربی میں نکاح کیا، وہ دونوں عربی جانتے تھے اور گواہ نہ جانتے تھے محیط میں فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ نکاح ہوجائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ فریقین نے عربی میں دو ہندی حضرات کی حاضری میں نکاح کیا جبکہ یہ حضرات اس کی تعبیر پر قدرت نہیں رکھتے تو نکاح جائز نہ ہوگا، امام احمد سے مروی یہ اس بات پر نص ہے کہ عقد نکاح ہونا سمجھنے سے بھی نکاح نہ ہوگا اھ

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۳

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۸

[42] **اقول**: فی قول محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یمکنھما ان یعبرا اشارۃ الی ماذکر نا اذلا حاجۃ الاالی التعبیر الذی یطلب من الشھود عنداداء الشھادۃ ولیس علیھم ان یعیدوا الالفاظ التی تلفظا بھا ولا ان یعبروھا بمرادفاتھا اوترجمتھا بل لوشھدوا ان فلا ناتزوج فلا نۃ کفی فھذا ھوا لتعبیر المحتاج الیہ اویکفی فھذا ھوالتعبیر المحتاج الیہ اویکفی لہ ان یفھما انہ عقد نکاح وان لم یعرفا تفسیر الکلام لفظا لفظا وایضا اشتراط ھذا ھو المحقق للمقصد الذی شرع لہ الشرع شرط الشھود فی ھذا العقد منفر زاعن سائر العقود فاسقاطہ الغاء للمقصود واشتراط فھم الالفاظ زیادۃ مستغنی عنھا فعلیھا فلیکن التعویل وبہ یحصل التوفیق وباللہ التوفیق ثم لم یظھر لی معنی قول البزازیہ فی الاول ایضا فما ھوالا الاول۔	**اقول**: امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کہ "گواہ تعبیر نہ کرسکیں" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کی، کیونکہ گواہوں کو تعبیر کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب ان سے گواہی ادا کرنے کا مطالبہ کیا جائے تواس وقت گواہوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ نکاح کے فریقین کے الفاظ کو دہرائیں یا ان کے الفاظ کے مترادف الفاظ یا ان الفاظ کا ترجمہ بیان کریں، بلکہ اگر اتنا ہی بیان کردیں کہ فلاں مرد کا فلاں عورت سے نکاح ہوا ہے، تو کافی ہے، بس یہ وہ تعبیر ہے جس کی ضرورت ہے اور اس کے لیے گواہوں کا مجلس میں اتنا سمجھنا کافی ہے کہ نکاح ہو رہاہے اگرچہ وہ الفاظ کی تفسیر و معانی نہ سمجھ پائیں، پھر یہ کہ شریعت نے خاص اس عقد نکاح کے لیے گواہوں کی حاضری کا جو مقصد متعین کیا ہے اس کے لیے یہ شرط مثبت ہے لہٰذا اتنی شرط کو سمجھنا شرعی مقصد سے بے اعتنائی ہوگی، اور گواہوں کی شرط لگانا غیر ضروری زیادتی ہے تو اس پر اعتماد ہونا چاہئے جبکہ اسی سے تطبیق ہوجاتی ہے اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ہے۔ پھر مجھے بزازیہ کے پہلے قول کا مفہوم بھی نہیں ملا تو معلوم ہوا کہ ان کا بیان کردہ قول وہ پہلا قول ہی ہے۔ (ت)

بالجملہ حاصل حکم یہ ہے کہ اگر دو گواہ یہ نہ سمجھے کہ یہ عقد نکاح ہے تو نکاح مطلقًا نہ ہوا اگرچہ زن و مرد خوب سمجھتے اور انشائے نکاح ہی کا قصد رکھتے ہوں اور اگر دو گواہ اس قدر سمجھ لیے اگرچہ تفسیر الفاظ نہ جانتے ہوں تو اگر عاقدین بھی اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاتا ہے تو بالاجماع نکاح ہوجائے گا اگرچہ اس زبان سے دونوں وہ اور گواہ سب ناآشنا ہوں، اور اگر عاقدین میں دونوں یا ایک کو معلوم نہ تھا کہ یہ الفاظ نکاح ہیں تو جہاں احکام اسلام کا چرچا نہیں وہاں یہ جہل عذر ہے اور جہاں چرچا ہے اور وہ

الفاظ کسی غیر زبان کے نہ تھے جس سے آگاہی نہ ہو تو نکاح ہو جائے گا اور یہ عذر مسموع نہیں، اور اگر غیر زبان کے تھے اور فی الواقع اس نے اسے عقد نہ سمجھا تو عنداللہ نکاح نہ ہوگا، رہا قاضی، اسے نظر کامل چاہئے اگر ظاہر ہو کہ واقعی فریب کیا گیا اور دھوکا دیا گیا تو بطلان نکاح کا حکم دے ورنہ صحت کا۔

ھذا ماعندی وارجو ان یکون ھوالفقہ المتین والقول الجامع الناصع المبین۔	میرے ہاں فہم یہ ہے اور امید ہے کہ یہی مضبوط فہم ہے اور یہی جامع واضح اور خاص قول ہے (ت)

زن فاحشہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو، ہاں اگر اپنے افعال خبیثہ پر قائم رہے اور یہ تاقدر قدرت انسداد نہ کرے تو یہ دیوث ہے اور سخت کبیرہ کا مرتکب، مگر یہ حکم اس کی اس بے غیرتی پر ہے نفس نکاح پر اس سے اثر نہیں، حق سبحانہ وتعالٰی نے محرمات گنا کر فرمایا: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمۡ [1] (اور ان کے سوا جو رہیں وہ تمھیں حلال ہیں۔ت) رہی آیہ کریمہ:

وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ [2]۔	زانیہ عورت سے صرف زانی یا مشرک نکاح کرے اور مومنین پر یہ حرام ہے (ت)

اس کا حکم منسوخ ہے قالہ سعید بن مسیب وجماعۃ (یہ سعید بن مسیب اور ایک جماعت کا قول ہے۔ت) یا نکاح سے یہاں جماع مراد ہے کما قال حبر الامۃ عبداللہ بن عباس وسعید بن جبیر ومجاھد والضحاك وعکرمۃ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ویزید بن ھارون [3] (جیسا کہ امت کے ماہر عالم عبداللہ بن عباس اور سعید بن جبیر اور مجاہد، ضحاک، عکرمہ، عبدالرحمان بن زید بن اسلم، اور یزید بن ہارون کا قول ہے۔ت) والتفصیل فی فتاوٰنا (اس کی تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰: مسئولہ عبدالرحیم خاں یکم رجب ۱۳۲۹ھ

نکاح کے وقت ولی کی بات قبول کی جائے گی یا لڑکی کے زبانی الفاظ جو وہ کہتی ہے اور ولی کس کو بنانا چاہئے؟ نکاح میں ضروری الفاظ اور لازمی کیا کیا ہیں اور ان کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب:

لڑکی بالغہ ہے تو اس کا اپنا ایجاب یا قبول ہونا چاہئے اگرچہ بواسطہ وکیل۔ اور نابالغہ ہے تو

---

[1] القرآن ۴/۲۴

[2] القرآن ۲۴/۳

[3] تفسیر درمنثور سورۃ النور آیہ اللہ العظمی النجفی قم ایران ۵/۱۹

اس کے ولی کا ولی کسی کے بنانے کا نہیں ہوتا بلکہ وہ شرع مطہر نے ترتیب وار مقرر کئے ہیں سب میں پہلا ولی بیٹا ہے پھر باپ پھر دادا پھر سگا بھائی پھر سوتیلا پھر سگا بھتیجا پھر سوتیلا پھر سگا چچا پھر سوتیلا پھر سگے چچا کا بیٹا پھر سوتیلے کا، وعلٰی ہذا القیاس دادا پر دادا کی اولاد کا جو مرد عاقل بالغ قریب تر ہو گا وہی ولی ہے، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر ماں ہے، اسی طرح بترتیب اصحاب فرائض، پھر ذوی الارحام، اوران میں کوئی نہ ہو تو پھر حاکم اسلام۔ نکاح میں ضروری الفاظ ایجاب وقبول ہیں جن سے عقد سمجھا جائے نہ وعدہ مثلاً مرد عورت سے کہے میں نے تجھے اپنے نکاح میں لیا عورت کہے میں نے قبول کیا یا عورت کا وکیل کہے میں نے فلاں عورت بنت فلان ابن فلاں کو دادا تک نام لے اگر صرف باپ کے نام سے پوری تمیز نہ ہو جائے یا عورت سامنے بیٹھی ہے تو کسی کے نام لینے کی حاجت نہیں اشارہ کرکے کہے اس عورت کو تیرے نکاح میں دیا مرد کہے میں نے قبول کیا اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان عاقل بالغ آزاد ان دونوں کی گفتگو کو معاً سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، بس اسی قدر ضروری ہے اس کے سوا خطبہ پڑھنا سنت ہے اور کلمے پڑھانا ایک اچھی بات ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۱: از ریاست رام پور محلّہ پیلا تالاب مرسلہ مولوی شفاعت رسول صاحب سلمہ قادری برکاتی رضوی ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حضور پرنور کا در بارہ متعہ کے کیا ارشاد ہے، اوائل اسلام میں جائز تھا پھر حرام کردیا گیا، آیا اس کی حرمت حدیث سے ثابت ہے یا اقوال سے؟

الجواب:

متعہ کی حرمت صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشادوں سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اقوال شریفہ سے ثابت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن عظیم سے ثابت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ [1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ماسوا سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں وہ ملامت سے محفوظ ہیں اور جو لوگ غیر کے متلاشی ہیں وہ حد سے متجاوز ہیں۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] القرآن ۲۳/ ۷۔۶۔۵

مسئلہ ۴۲: از موضع میونڈی بزرگ مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب مورخہ ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی آشنائی ایک طوائف سے ہے اور اس سے فعل حرام کرتاہے اور اس سے کئی اولاد پیدا ہوچکی ہیں اب طوائف مذکور کا یہ ارادہ ہے کہ میرا نکاح اس زید آشنا سے ہوجائے تاکہ میں فعل حرام سے بچ جاؤں، زید کی بھی کچھ منشا پائی جاتی ہے لیکن زید کے گھر والے اس نکاح کے منکر ہیں اور زید پر اس بات کا دباؤ ڈالتے ہیں کہ اگر تونے اپنا نکاح طوائف سے کیا توتم کو برادری سے خارج کردیں گے اس واسطے کہ ہمارے خاندان کو دھبہ لگاناہے کیونکہ ہم شریف ہیں، اور نہ اس کی اولاد کا ہم لوگ اپنی برادری میں شادی بیاہ کرسکتے ہیں، یہ نکاح ٹھیک نہیں، اب علمائے دین فرمادیں کہ یہ نکاح کرنا کیساہے، آیا سنت میں داخل ہے یاخلاف سنت؟ اور زید اس نکاح کے کرنے سے دائرہ اسلام اور برادری میں رہا یانہیں؟ اور منکر اس نکاح کے کس درجہ میں شمار کئے جائیں؟ اور جو اس نکاح پر اعتراض کریں اور برا کہیں وہ کس درجہ میں شمار ہیں؟ فقط، جناب اعلٰی حضرت کے مع آیت وحدیث، مہر، دستخط کے امیدوار ہیں، **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح سنت ہے مگر رنڈی سے نکاح سنت نہیں، بلکہ اس کے جائز ہی ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، پھر ایک جائز بات جس سے فتنہ ونفرت پیدا ہو اور آپس میں پھوٹ پڑے، ناجائز ہوجاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ :

بشروا ولاتنفروا[1] (خوشخبری دو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳، ۴۴: از چوہڑکوٹ یارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین دریں مسائل کہ:	کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:
(۱) اگرزنے بیوہ شود دویم بارنکاح کردن لازم است یامیخواہد کہ من نکاح نمی کنم کہ مے گوید بنشینم رواست یا نہ، خواہ جوان باشد یا درمیان سالہ باشد یا پیرزن بود، ہر چہ حکم شرع باشد تحریر فرمایند۔	**(۱)** کوئی عورت بیوہ ہوجائے توکیا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے جبکہ وہ کہتی ہے میں نکاح نہیں کروں گی اور بغیر نکاح بیٹھوں گی، جوان، درمیانہ عمر یا عمر رسیدہ ہو، کیا اس کو بغیر دوسرے نکاح کے بیٹھنا جائز ہے جو شرعی حکم ہو تحریر فرمادیں۔
(۲) چو پدر درزندگی خود دختر رابکودکے درعقد	**(۲)** باپ نے بیٹی کا نکاح کسی بچے سے کیااور خاوند

[1] صحیح بخاری باب ماکان النبی یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

نکاح آورد کہ صغیر ست درخانہ خود دختر نشستہ ست محض ایجاب وقبول کردہ پدرش بمرد دختر دوسہ سال منقضی گردید کہ بالغہ است وکودک تاحال خورد آیا شرعا اکنوں بر برادران گناہ ست یانہ، یا حوالہ آں خورد بکنند؟ ایں چنیں کار برائے پدر مرحوم چگونہ باشد وچہ گناہ؟	بچہ ہے اس لیے باپ نے بیٹی کو اپنے گھر پر رکھا اور رخصتی نہ دی، باپ کے فوت ہونے پر بیٹی دو تین سال سے بالغ ہے اور لڑکا تاحال نابالغ ہے تو کیا اب لڑکی کے بھائیوں پر کوئی گناہ ہوگا اگر وہ نابالغ کے حوالے نہ کریں، یا گناہ نہ ہوگا؟ اور اب باپ مرحوم کے بارے میں بھی بتایا جائے کہ اس کا فعل درست تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا گناہ ہے؟ (ت)

الجواب:

(۱) پیر زن راخود جبر بر نکاح نتواں کردہ جوان نیز اگر بر نفس خود اطمینان دارد واتباع رسم باطل ہنود نمی کنند از قید نکاح دیگر آزاد ماندنش می رسد کمادل علیہ حدیث ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا وبیناہ فی اطائب التہانی آرے اگر بر خود اطمینان ندارد نکاح واجب ست واللہ تعالٰی اعلم۔ **(۲)** قاصرہ رانکاحیکہ پدر کرد فسخ نتواں نمود گو با غیر کفو وبغبن فاحش در مہر باش صبی اگر مراہق شدہ زنش رامے خواہد باو سپردن لازم ست۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	**(۱)** عورت بوڑھی ہو تو اسے نکاح پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر جوان ہے تو بھی اس پر جبر نہیں بشرطیکہ وہ اپنے نفس کو محفوظ رکھنے میں مطمئن ہو، اور ہندوؤں کی غلط رسم کی پیروی میں نکاح سے انکار نہ کرتی ہو، تو اس کو دوسرے نکاح کی قید سے آزاد رہنے کا حق ہے جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا والی حدیث اس پر دال ہے، اور اس کو ہم نے اطائب التہانی میں بیان کیا ہے، ہاں اگر جوان عورت کو اپنے نفس کے بارے میں اطمینان نہ ہو تو پھر اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔** نابالغہ کا نکاح جو والد نے کیا ہے وہ لازم ہے کفو میں ہو یا غیر کفو میں، پورے مہر سے ہو یا بہت کم مہر پر، لڑکا اگر قریب البلوغ ہو اور وہ بیوی کی رخصتی کا مطالبہ کرے تو رخصتی ضروری ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵: از مقام گائے گھاٹ ڈاکخانہ ہلدی ضلع بلیا مرسلہ مولوی عبدالحہ صاحب ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت گنگی یہاں ایک ماہ سے آئی ہے اس کے ساتھ اس کا ایک لڑکا چار پانچ برس کا ہے، اس کے قبل یہ عورت یہاں سے دس میل پر ایک گاؤں ہے وہاں پندرہ

مہینے سے تھی جب وہاں آئی تو ادھر اُدھر پتا لگایا گیا مگر یہ پتا نہیں لگا کہ عورت کہاں کی ہے اور اس کا شوہر مر گیا ہے یا زندہ ہے اور لاپتا ہوگیا یا طلاق دے دیا، اب اس کو ایک شخص نے نکاح کرنے کے لیے رکھا ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر اس کا شوہر زندہ رہتا تو لڑکے کو نہ چھوڑتا، اب اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نکاح نہیں ہوسکتا،

فان المانع معلومه والمزیل مجهول وما ثبت بیقین لایزول الا بیقین مثله۔ والله تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اس سے نکاح میں مانع (شادی شدہ) ہونا معلوم ہوتا ہے اور مانع کو ختم کرنے والا (خاوند کا فوت ہونا یا طلاق دینا) معلوم نہیں ہے تو یقینی امر کا زوال بھی اس جیسے یقینی امر سے ہی ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۴۶: از ملیح آباد ضلع لکھنؤ مرسلہ محمد یوسف خاں صاحب ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حنفی المذہب بحلف کچہری میں بیان کرتا ہے کہ اس نے ایک مسماۃ کے ساتھ عقد کے وعدہ پر متعہ کرلیا، اب ایسا شخص مذہب حنفی کے اندر داخل رہا یا نہیں؟ اور سنی حنفی لوگوں کو نماز میں اس کی امامت یا جماعت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا یہ فعل شرعًا کیا قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور ایسی حالت میں اس کی بیعت ارادت جو ایک بزرگ کے ہاتھ پر کی تھی قائم رہی یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے افعال واقوال معتبر ہوں گے یا نہیں؟ اور حنفی سنی لوگ بعد اس کے مرنے کے اس شخص کی تجہیز وتکفین ونماز جنازہ پڑھنے کے شرعًا ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

الجواب:

متعہ نص قرآن عظیم واجماع ائمہ اہلسنت بلاشبہ باطل وحرام قطعی ہے،

قال تعالٰی: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو شخص (بیویوں اور لونڈی مملوکہ) کے علاوہ غیر کی خواہش کرتا ہے وہ حد سے متجاوز ہے۔ (ت)

شخص مذکور اس کے ارتکاب اور کچہری میں اعلان سے فاسق معلن ہوا اس کی امامت ممنوع اور اس کے پیچھے

[1] القرآن ۲۳/۷

نماز پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ فتاوٰی حجہ میں ہے:

لوقدموا فاسقا یاثمون[1]۔	اگر فاسق کو امام بنایا تو وہ گناہ گار ہوں گے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوۃ وفعل ما ینافیھا ھو الغالب بالنظر الی فسقہ[2]۔	اس بناپر کہ فاسق کو امام بنانے کی کراہت، کراہت تحریمی ہے، کیونکہ وہ دینی امور سے بے اعتنائی کرتا ہے تو کیا بعید کہ وہ نماز کی بعض شرطوں میں خلل اور ان کے منافی عمل نماز میں کردے، اس کے ظاہر حال سے یہی غالب گمان ہوتا ہے (ت)

اور جب ایک بدبودار چھڑے کے لیے اس نے حرام قطعی کا ارتکاب کیا اور بیباک اتنا کہ کچہری میں اس کا خود اعلان کیا تو اس کے قول وفعل کا کیا اعتبار رہا، بلکہ معاذاللہ مرتے وقت اس کے سلب ایمان کا خوف ہے، تاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہما میں ہے:

حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، خطب الی رجل من اصحاب الحدیث ابنتہ فی عھد ابی بکر الجوزجانی فابی الا ان یترك مذھبہ، فیقرأ خلف الامام ویرفع یدیہ عند الانحطاط ونحو ذلك فاجابہ فزوجہ فقال الشیخ بعد ما سئل عن ھذہ واطرق راسہ النکاح جائز ولکن اخاف علیہ ان یذھب ایمانہ وقت النزع لانہ استخف بمذھب الذی ھو حق عندہ وترکہ لاجل جیفۃ منتنۃ[3]۔	ایک شخص کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقلد تھا اس نے (شافعی مسلک) ایک محدث کی لڑکی کی منگنی چاہی تو محدث صاحب نے حنفی مسلک چھوڑنے اور رفع یدین اور قرات خلف الامام کرنے کی شرط پر رشتہ دیا جو اس نے قبول کرلیا اور محدث صاحب نے نکاح دے دیا، یہ واقعہ شیخ ابوبکر جوزجانی کے زمانے کا ہے جب آپ سے اس واقعہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے سوچ بچار کے بعد فرمایا: نکاح تو جائز ہے لیکن اس شخص کے بارے میں مجھے اندیشہ ہے کہ نزع کے وقت اس کا ایمان جاتا رہے کیونکہ اس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی توہین کی ہے اور اسے بدبودار مردار

[1] غنیہ المستملی منیۃ المصلی بحوالہ فتاوٰی حجہ فصل فی الامامۃ مجتبائی دہلی ص ۵۱۳
[2] غنیہ المستملی منیۃ المصلی بحوالہ فتاوٰی حجہ فصل فی الامامۃ مجتبائی دہلی ص ۵۱۳
[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب اذا ارتحل الی غیر مذہبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۹۰

کی خاطر چھوڑ دیا۔ (ت) بلکہ متعہ کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی سوائے اس کے کہ جس سے کیا وہ رافضیہ ہو اور رافضیہ حال سے نکاح بھی باطل ہے نہ کہ متعہ، تو یہ حرام در حرام ہوا، ظہیریہ وہندیہ وحدیقہ وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے: **احکامھم احکام المرتدین**[1] (ان سے متعلق مرتدین کے احکام ہیں۔ت) بالجملہ وہ شرعاً سخت سزا کا مستحق ہے مگر ارتکاب حرام کے باعث کافر نہ ہوا کہ اس کی بیعت فسخ ہوجاتی یا اس کے مرنے پر مسلمان اس کی تجہیز و تکفین و نماز کے ذمہ دار نہ رہیں بلکہ بہ سبب کبیرہ حنفیت سے بھی خارج نہ ہوگا اگر اسے حرام جان کر کیا ہو، ہاں اگر حلال جانا تو حنفیت کیا سنیت سے خارج ہوگیا **ولا یخرج عن الاسلام لما لھم فیہ الشبھۃ** (شبہ والی بات سے خارج از اسلام نہ ہوگا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴: از موضع نڈوا مہوا ڈاکخانہ بکھر بازار ضلع بستی مرسلہ گل میاں صاحب ۱۳رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ساکن مہداول میں اپنی سگی بھتیجی عاقل بالغ کو ایک شخص ساکن امر ڈوبھا کے حوالے کر دی چونکہ اس لڑکی کا باپ مدت سے انتقال کر گیا لڑکی کا چچا اس کا مربی تھا وہ لڑکی جس شخص کے حوالے کر دی اس کو کہا گیا کہ تم اپنے گھر جا کر اس لڑکی سے نکاح کرلو، جمعہ کے روز روبرو گواہان معتبران کے نکاح کر لیا گیا، بعد چند یوم کے چچا کو اس کے عزیزوں نے بہکادیا، انھوں نے جھگڑا ڈال کرکے ایک مولوی کو بلایا، مولوی صاحب نے یہ حکم دیا جمعہ کی نماز ادا کرنے کے پہلے نکاح جائز نہیں ہوتا اس واسطے ہم لوگ یہ عریضہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ سچ ہے کہ جمعہ کے روز نکاح ناجائز ہے.برائے مہربانی یہ مسئلہ لکھ کرکے روانہ فرمادیں۔

الجواب:

اس شخص کا یہ کہنا محض غلط اور شریعت پر افترا ہے، نکاح ہر دن جائز ہے، ہاں اگر اذان جمعہ ہو گئی تو اس کے بعد جب تک نماز نہ پڑھ لی جائے نکاح کی اجازت نہیں کہ اذان ہوتے ہی جمعہ کی طرف سعی واجب ہو جاتی ہے:

قال تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز اس کی اذان ہو تو اللہ تعالٰی کے ذکر کے لیے چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ (ت)

[1] الحدیقۃ الندیہ مطلب الاستخفاف بالشریعۃ کفر ای ردۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۰۵

[2] القرآن ۶۲/ ۹

پھر بھی اگر بعد اذان نکاح کریگا گناہ ہوگا مگر نکاح جائز و صحیح ہو جائے گا کما فی الھدایۃ فی البیع ان الکراھۃ للمجاور [1]
(جیسا کہ ہدایہ میں بیع کے بارے میں ہے کہ کراہت مجاور یعنی ترک سعی کی وجہ سے ہے، ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: از اجمیر شریف ڈگی بازار مرسلہ سید زاہد حسین صاحب مالک و مینجر پریس اعلان الحق ۱۴ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص یا چند اشخاص نے خصوصیۃً یہ کہہ دیا ہو کہ فلاں شخص خواص منکوحہ سے ہے جو خواص باعصمت و عفت لکھی گئی ہو تو کیا وہ اولاد جائز ہے؟ اور وہ جدی ورثہ پانے کے مستحق ہے یا نہیں؟ کیا ایسی اولاد کی شرافت و نجابت میں کوئی شک وشبہہ ہے؟ خواص و کنیزک میں کیا فرق ہے اور ان کی تعریف کیا ہے؟

الجواب:

خواص و کنیزک میں کوئی فرق نہیں وہ عورت کہ بملک شرعی کسی کی ملک ہو اس کی کنیز ہے، پھر اگر دوسرے کی کنیز سے اس کی اجازت سے اس نے نکاح کیا تو نکاح صحیح ہوا۔ اور باپ اگر شریف و نجیب ہے تو اولاد بھی شریف و نجیب ہے کہ شرعًا نسب باپ سے لیا جاتا ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا؟ اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا خرچہ ہے۔ (ت)

ہاں ہندوستان میں دربارہ کفاءت اسے کم مانیں گے کہ یہاں کنیز کی اولاد کو کم درجہ سمجھتے ہیں اور اگر اپنی کنیز شرعی ہے تو اس سے نکاح باطل ہے اور بلا نکاح حلال ہے اگر کوئی ممانعت شرعیہ نہ ہو۔ بہر حال مولا کے جو اولاد اس سے ہو صحیح النسب ہے اور ترکہ پدری پانے کی مستحق ہے جبکہ مولا نے اقرار کیا ہو کہ یہ میری اولاد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۹: از دہلی پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ مرسلہ سید محمد عبدالکریم صاحب ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ اکثر جاہل لوگوں میں رواج ہے کہ اگر کوئی شخص مر گیا اور بعد عدت اس عورت نے برادری کے مرد سے نکاح کرنا چاہا تو اس مرنے والے کے لواحقین نے کچھ روپیہ نکاح کرنے والے سے نقد لے کر اس عورت کو نکاح کرنے دیا روپیہ کی تعداد دو سو سے تین سَے تک لیتے ہیں، اگر ان کو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ روپیہ لینا جائز نہیں تو جواب دیا جاتا ہے کہ یہ تو پنچان کی رسوم ہے، اگر یہ رسوم نہ ہو تو تمام عورتیں

---

[1] ہدایہ کتاب البیوع فصل فیما یکرہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۷۰

[2] القرآن ۲/ ۲۳۳

بیوہ کسی غیر مرد کے ساتھ بھاگ جائیں گی اور کوئی عورت برادری میں نکاح نہیں کرے گی، اب سوال یہ ہے کہ تمام وجوہات سوچ کر جیسے قرآن شریف اور حدیث شریف، فقہ شریف سے ثابت ہو ارشاد فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب:

یہ روپے حرام اور رشوت ہیں ان کا لینا دینا دونوں حرام، اور ان کے کھانے والے حرام خور، پنچوں کی رسم سے شریعت کا حرام حلال نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰: از ریاست رامپور مسئولہ سید احمد میاں صاحب برادرزادہ مولانا سید محمد عاشق صاحب علیہ الرحمۃ ۶ رمضان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد کا نکاح مسماۃ حیات النساء بیگم عرف رضیہ بیگم پردہ نشین بنت زید سے قرار پایا تھا، حسب قاعدہ شہود واسطے حصول اجازت واذن مسماۃ کے پاس گئے اور بعد حصول اجازت شہود نے قاضی کے روبرو جلسہ عام میں شہادت اس صورت سے ادا کی کہ سعادت النساء بیگم عرف رضیہ بیگم بنت زید نے اپنے نکاح کا اختیار عمرو وکیل کو دیا، چنانچہ قاضی نے باجازت عمرو وکیل بہ تعداد مہرِ مثل خالد کے ساتھ نکاح پڑھایا، آیا شرعاً نکاح مسماۃ مذکور کا خالد مذکور کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں کیونکہ شہود نے بجائے نام حیات النساء عرف رضیہ بیگم زید کے سعادت النساء بیگم عرف رضیہ بیگم بنت زید شہادت میں ادا کیا، سعادت النساء بیگم بنت زید کوئی نہیں ہے اور نہ سعادت النساء کا عرف رضیہ بیگم ہے، اس صورت کی غلطی سے نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

الجواب:

یہ طریقہ نکاح مخترع اہل ہند ہے وکیل بالنکاح مجاز توکیل نہیں، شہادت کہ ان گواہوں نے دی باطل گئی، نہ اس کا کچھ اعتبار ہے، قاضی جس نے ایجاب کیا اگر اس نے ایجاب صحیح لفظوں سے کیا جن سے کم از کم دو حاضران جلسہ جامعان شرائط شہادت کے نزدیک منکوحہ متمیز ہو گئی نکاح فضولی منعقد ہوگیا کہ رضیہ کی اجازت پر موقوف رہا اور اگر اس نے بھی ایجاب میں وہی لفظ سعادت عرف رضیہ بنت زید کہے تو نکاح باطل ہوا کہ ان تینوں لفظوں کی مصداق وہاں کوئی عورت نہیں، عالمگیریہ میں ہے:

لرجل بنتان کبری عائشه وصغری فاطمة ارادان یزوج الکبری وعقد باسم فاطمة ینعقد علی الصغری ولو قال زوجت ابنتی الکبرٰی فاطمة	ایک شخص کی دو بیٹیاں ہیں ایک بڑی جس کا نام عائشہ اور دوسری چھوٹی جس کا نام فاطمہ ہے، اس نے بڑی کا نکاح کرتے ہوئے فاطمہ کا نام لیا تو چھوٹی کا نکاح ہوگیا، اور اگر نکاح کرتے ہوئے اس نے

لاینعقد علٰی احدٰھما کذافی الظھیریۃ[1]۔	یوں کہا کہ میں نے اپنی بڑی بیٹی فاطمہ کا نکاح دیا، توکسی بیٹی کا نکاح نہ ہوا، ظہیریہ میں ایسے ہے۔ (ت)

ولوالجیہ میں ہے:

لاینعقد علی احدٰھما لانہ لیس لہ ابنۃ کبری بھذا الاسم[2] اھ ونحوہ فی الفتح[3] عن الخانیہ ولاتنفع النیۃ ھٰھنا ولامعرفۃ الشھود بعد صرف اللفظ عن المراد۔ واللہ تعالٰی اعلم	کسی بیٹی کا نکاح نہ ہوا کیونکہ اس کی بیٹی کی کوئی بڑی بیٹی اس نام کی نہیں ہے اھ اور فتح میں خانیہ سے بھی یہی مروی ہے اور یہاں نیت اور گواہوں کا فہم کارآمد نہ ہوگا جبکہ اس نے مراد کے خلاف صریح لفظ استعمال کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۱، ۵۲: از شہر میرٹھ اندر کوٹ مرسلہ عبدالرحمان صاحب عرف ننھے ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اہل تسنن واہل تشیع میں باہم عقد ہوسکتا ہے یا نہیں یعنی لڑکا فرقہ شیعہ کا ہو اور لڑکی اہلسنت وجماعت کی ہو ان دونوں میں باہمی نکاح مذہب اہل سنت کے عقائد کے موافق صحیح ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کچھ عرصہ بعد لڑکی اہل تشیع ہوجائے تو نکاح رہے گا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) عوام ان تبرائی روافض کو اہل تشیع کہتے ہیں ان سے مناکحت حرام قطعی وباطل محض، اور قربت زنائے خالص ہے اگرچہ مرد سنی اور عورت ان میں کی ہو، نہ کہ عکس کہ اشد غضب اللہ کا موجب ہے، **والعیاذباللہ تعالٰی**۔

(۲) اگر وقت نکاح سنی تھے پھر مرد معاذاللہ ان میں کا ہوگیا تو نکاح فوراً فسخ ہوگیا خواہ عورت نے بھی وہی مذہب اختیار کرلیا ہو یا نہیں۔

لان ردۃ الرجل فسخ فی الحال بالاجماع ولانکاح لمرتد مع احد ولو مرتدۃ مثلہ[4]۔	کیونکہ خاوند کے ارتداد سے فوراً نکاح فسخ ہوجاتا ہے بالاجماع، اور مرتد کا کسی سے بھی حتی کہ اس جیسی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۰

[2] ولوالجیہ

[3] فتح القدیر کتاب النکاح نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۴

[4] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

کمافی الدر المختار والفتاوی العالمگیریۃ وغیرھما۔	مرتدہ سے بھی نکاح جائز نہیں، جیسا کہ درمختار اور فتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں ہے۔ (ت)

اگر عورت سنیہ رہی اور ہنوز خلوت نہ ہوئی تھی تو ابھی اور ہو چکی تھی تو بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے، اگر شوہر اسلام لے بھی آئے اس پر کچھ اختیار نہیں رکھتا لان المنفسخ لایعود (کیونکہ فسخ شدہ نکاح بحال نہیں ہوسکتا۔ ت) اگر عورت معاذاللہ ان میں کی ہوگئی اور مرد سنی رہا تو نکاح تو فسخ نہ ہوا علی مافی النوادر وحققنا الافتاء بہ فی ھذا الزمان فی فتاوٰنا (نوادر کی روایت کے مطابق اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے کہ اس زمانہ میں فتوی یہی ہے۔ ت) مگر مرد کو اس سے قربت حرام ہوگئی جب تک اسلام نہ لائے لان المرتد لیست باھل ان یطأھا مسلم اوکافر او احد (کیونکہ مرتد عورت اس قابل نہیں رہی کہ کوئی بھی اس سے وطی کرے خواہ مسلمان مرد ہو یا کافر یا کوئی بھی ہو۔ ت) ان مسائل کی تحقیق رسالہ ردالرفضہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳: از نگینہ مرسلہ عبدالرشید صاحب سوداگر سب ایجنٹ برہما آئل کمپنی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی عورت کا نکاح کسی ایسے ش۔خص سے ہو جس کی ایک عورت اور بچے ہوں اور وہ شخص معاش اس قدر کافی رکھتا ہو کہ ان سب کی پرورش کے لیے نہایت کافی ہو، مرد میں کسی قسم کا نقص نہ ہو، عورت بوقت نکاح بالغ ہو، مہر ایک ہزار روپیہ ہو، نکاح مکان منکوحہ پر ہو جس کو عرصہ تین سال پانچ ماہ ہوئے ہوں شوہر نے بعد عقد پندرہ بیس مرتبہ مختلف اوقات میں کئی کئی یوم قیام کیا، کیا عورت منکوحہ کو تنسیخ نکاح کا دعوی کرنے کا حق ہے؟ بیان منکوحہ حسب ذیل ہے: میری پیدائش ایک ماہ بعد انتقال والد ہوئی میں نے آغوش مادر میں پرورش پائی اور ہنوز والدہ کے پاس رہی، میری والدہ نے اس شخص کے ساتھ عقد کردیا، شخص مذکور نے یہ دھوکا دیا کہ نہ میری بیوی ہے نہ بچے، میری والدہ کے انتقال کو دو ماہ کا عرصہ ہوا، میں والدہ کی وجہ سے مجبور تھی، اب میں خود مختار ہوں، بیان شوہر میں نے بیوی بچے ہونے کا اقرار کیا اور چھپایا نہیں، اس کا علم منکوحہ اور ان کے جملہ رشتہ داران کو ہے جس کی بابت تحریریں شوہر کے پاس ہیں ایسی حالت میں منکوحہ عورت کے صرف بیان پر کہ میرے شوہر کے پاس اور بیوی بچے موجود ہیں اور شوہر نے دھوکا دیا، نکاح میری لاعلمی میں ہوا، کیا حکم شرع شریف ہے؟

الجواب:

عورت کے عذرات باطل ہیں، برسوں سکوت ومعاملہ زن وشوئی کے بعد یہ مہملات پیش کرتی ہے، ماں کی زندگی کیا باعث مجبوری تھی، نہ بی بی بچوں کا عذر قابل سماعت۔ نہ مجبوری مانع جواز نکاح، اس پر فرض ہے کہ شوہر کی اطاعت کرے، اس شیطانی خیال سے باز آئے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۴: از شہر بریلی محلّہ کٹرا گلی حکیم وزیر علی مسئولہ ولایت احمد صاحب ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ولایت احمد کا عقد قریشی بانو جس کی عمر قریب بیس سال سے زائد ہے اس کے ساتھ ہوا لیکن مسماۃ مذکورہ کی اجازت لینے کے لیے نہ وکیل صاحب گئے اور نہ گواہان گئے اور نہ مسماۃ مذکورہ سے اجازت باقاعدہ طور پر لی گئی صرف مسماۃ کے والد کی اجازت سے عقد پڑھا دیا گیا ایسی صورت میں عقد ہوا یا نہیں، اور مسماۃ مذکورہ ولایت احمد کی زوجیت میں رہتی ہے اور قریب ایک ماہ کے حمل بھی ہے حالانکہ والد مسماۃ سے کہا گیا کہ مسماۃ سے اجازت لینا چاہئے انھوں نے جواب دیا ہمارے یہاں ضلع بدایوں میں یہی قاعدہ ہے۔

الجواب:

بالغہ کا عقد کے بے اس کے اذن کے ہو بالغہ کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر جائز کردے جائز ہوجاتا ہے، رَد کرے باطل ہوجاتا ہے، رخصت ہو کر شوہر کے یہاں جانا بھی اجازت ہے اذاکان غیر مسبوق بالرد (جبکہ پہلے بالغہ کی طرف سے اس کو رد نہ کیا گیا ہو۔ت) خصوصًا یہاں تو حمل موجود ہے لہٰذا عقد نافذ ہوچکا اب اعتراض کی گنجائش نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: از ریاست رام پور محلّہ زیارت حلقہ والی مرسلہ اکرام اللہ خاں صاحب عرف چندا میاں ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح اپنی برادری میں ایک عورت سے بایں صورت ہوا کہ گواہان نے مسماۃ مذکورہ کا نام ہندہ عرف خویلہ بنت عمرو جلسہ نکاح میں لے کر ادائے شہادت کی اس سے عورت مذکورہ کی تعریف وتعیین کما حقہ نزد جلسہ ہوگئی اور کوئی شبہ واشتراک نزد زید وقرابت داران زید جو موجود تھے باقی نہیں رہا اور ایجاب وقبول ہو کر نکاح ہوگیا اور گواہان نکاح عورت مذکورہ کے قریبی رشتہ دار تھے جن کی گودوں میں عورت مذکورہ نے پرورش پائی ہے۔ اب والدہ مسماۃ کہتی ہیں کہ نکاح صحیح منعقد نہیں ہوا اس لیے کہ نام عورت کا جلسہ نکاح میں غلط لیا گیا ہے اس کا نام کلثوم ہے، چنانچہ مہر میں اس کا نام کلثوم کندہ ہے حالانکہ سوائے مہر کے ہر جگہ اس کا نام ہندہ ہے حتی کہ تنخواہ جو مقررہ گورنمنٹ ہے اس کی وصول یابی کی رسیدوں میں بھی یہی نام ہندہ لکھا جاتا ہے اور نیز گورنمنٹی چٹھی میں بھی یہی نام درج ہوتا ہے اور جو عرائض گورنمنٹ میں قبل اس سے دی گئی ہیں ان میں بھی یہی نام تحریر ہے اور عمرو کے انتقال کے بعد جو درخواست باستحقاق وراثت دی گئی ہیں ان میں بھی یہی نام ہے غرضیکہ عورت مذکورہ کے دونوں نام ہیں، ایسی حالت میں یہ نام غلط قرار دے کر نکاح کو غیر صحیح شرعا مانا جائے گا یا یہ کہ عورت کے نام دونوں اور چونکہ ان دونوں

میں سے ہندہ بہ نسبت کلثوم کے زیادہ مشہور ہے اس لیے اس سے کافی طریق سے تعریف و تعیین عورت مذکورہ کی بوقت نکاح سمجھی گئی، اس بنیاد پر نکاح صحیح شرعی منعقد ہوگیا۔ امید کہ جواب صاف مرحمت فرمایئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر ہندہ اس عورت کا نام ہے (نہ جس طرح عورتوں کو ہندہ سلمٰی مردوں کو زید عمرو سے تعبیر کرتے ہیں) اور اس نام اور صرف ذکر پدر بے ذکر جد سے حاضرین میں دو گواہان صالح شہادت نکاح مسلمہ نے اسے پہچان لیا تو نکاح صحیح ہوگیا اس کے دس نام اور بھی ہونا کچھ مضر نہیں لان المقصود التعریف لاتکثیر الحروف (کیونکہ مقصود پہچان ہے الفاظ کی کثرت مقصد نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶: از بچھم گاؤں ضلع پڑابنگال مرسلہ سید عبدالاغفر صاحب ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معتمد و معتبر ایک گواہ مذکور سے بالغہ عورت کا نکاح درست ہوگا یا نہیں یعنی ایک گواہ سے نکاح درست ہوگا یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نکاح ایک گواہ سے نہیں ہوسکتا جب تک دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ مسلم نہ ہوں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: از گوپال ناگر پرگنہ پیلی بھیت مسئولہ نثار احمد صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے بھائی مرحوم عمر کی بی بی ہندہ سے بعد انقضائے میعاد عدت نکاح کی درخواست کی اس نے انکار کیا اور نہایت ناخوشی ظاہر کی تو زید کے رشتہ داران نے جبرًا اذن لینا چاہا ہندہ نے رونا شروع کیا اور کہا کہ میں ہرگز رضامند نہیں تم جبر کرتے ہو اس وجہ سے کہ میرا کوئی عزیز ہمدرد یہاں موجود نہیں، ان لوگوں نے کہا کہ رونا بھی اذن میں شامل، نکاح پڑھا کر مٹھائی تقسیم کردی، بعد ایک ماہ کے ہندہ اپنے والدین کے یہاں کسی حیلہ سے چلی آئی اور جانے سے انکار ہے کہ میں نے اذن نہیں دیا فرضی نکاح پڑھا لیا میں ہرگز نہیں جاؤں گی، تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس نکاح کے بعد ہندہ نے زید کے ساتھ خلوت وصحبت بلاجبر واکراہ کی تو نکاح جب نافذ نہ تھا اب نافذ ہوگیا، اور اگر خلوت نہ کرنے دی یا وہ بھی بالجبر ہوئی تو ہندہ کی ناراضی سے وہ نکاح باطل محض ہوگیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۸: از موضع میراں پور مسئولہ سید عاشق حسین ولد محمد حسین ۱۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

علمائے دین ونائب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ وقت نکاح کے وکیل کس طرف

کا ہونا چاہئے؟ اور شاہد کس طرف کے ہوں؟ اور ایک دینار سرخ سلطانی کس قدر روپیہ کا ہوتا ہے اور کَے دوجون پر منقسم ہے اور تعداد کیا کیا ہے؟

الجواب:

وکیل کسی طرف کا ضرور نہیں، اور دونوں طرف سے ہوسکتے ہیں، خواہ ایک طرف سے ہو، جدھر سے چاہیں، اور شاہد وہ دو مرد یا ایک مرد دو عورت عاقل بالغ آزاد مسلم ہیں کہ ایجاب وقبول معًا سنیں اور نکاح ہونا سمجھیں، وہ کسی کی طرف کے نہیں ہوتے، یہ جو رسم ہے کہ دو گواہ معین کرتے ہیں بے اصل ہے جتنے حاضران جلسہ اس صفت کے ہیں سب خود ہی شاہد ہیں کوئی انھیں مقرر کرے یا نہ کرے۔ دینار شرعی ساڑھے چار ماشہ بھر سونے کا تھا اور سلاطین کے دینار کوئی معین نہیں مختلف تھے، دینار شرعی دس درہم تھا کہ یہاں کے دو روپے پونے تیرہ آنے اور کچھ کوڑیاں ہوا، غالبًا نکاح کے درجوں سے سائل کی مراد مہر کے درجے ہیں، مہر کا اقل درجہ وہی دس درہم بھر چاندی ہے اور اکثر کے لیے حد نہیں جتنا بندھے، اور مہر حضرت بتول زہرا چار سو مثقال چاندی تھا کہ یہاں کے ایک سو ساٹھ روپے بھر ہوئی، اور مہر اکثر ازواج مطہرات پانسو درم کہ یہاں کے ایک سو چالیس روپے ہوئے اور مہر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وعنہن جمیعا میں دو روایتیں ہیں چار ہزار درہم کہ گیارہ سو بیس روپے ہوئے یا چار ہزار دینار کہ گیارہ ہزار دو سو روپے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از فتحپور محلّہ قاضیانہ مکان میر خیرات علی تحصیلدار مسئولہ محمد صادق ۱۰رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ بازاری عورت ہے اور وہ زید کے پاس بلا نکاح مدت تک رہی زید نے بلاعلم واطلاع ہندہ کے قاضی کے سیاہہ میں اپنا ہندہ کے ساتھ نکاح درج کردیا، اس کے بعد ہندہ کی ماں وہیں لینے کی غرض سے آئی تو اس وقت زید نے ہندہ سے کہا کہ تو نہیں جاسکتی تیرے ساتھ میرا نکاح ہوگیا، تب ہندہ کی ماں نے ہندہ سے کہا کہ ہمارا زیور اور کپڑا ہم کو دے دے تو مجھ سے حیلہ کررہی ہے تیرا نکاح ہوگیا ہے اس پر ہندہ نے جواب دیا کہ زیور اور کپڑا نہ دوں گی اگر تم کہتی ہو کہ نکاح ہوگیا، تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا اگرچہ واقعی نکاح نہیں ہوا، اس کے کچھ عرصہ بعد ہندہ زید کے پاس سے فرار ہوگئی تب زید نے کچہری فوجداری میں عورت کے بھگالے جانے کا دعوی کیا، خارج ہوگیا، اس کے بعد طلب زوجہ کا دارالقضاء میں دعوی کیا، قاضی صاحب نے بعد لینے ثبوت وتردید کے دعوی ڈگری کیا جس کو آٹھ برس کا عرصہ ہوا آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں، جبکہ واقعی عورت سے اجازت نہیں لی گئی اور دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور عورت بعد مفروری عرصہ دس بارہ سال سے زید کے ساتھ حرام کررہی ہے۔

الجواب:

زید کا بے اطلاع ہندہ سیاہہ میں اس کے ساتھ اپنا نکاح ہونا درج کرادینا نکاح نہیں، نہ ہندہ کا کہنا کہ اگر تم کہتی ہو کہ نکاح ہوگیا تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا کسی طرح حد نکاح میں آسکتا ہے تو ہندہ ضرور بے نکاحی تھی، رہی دارالقضا کی ڈگری، اس کی تفصیل معلوم ہونی ضرور دعوٰی کہ اس میں ہوا شرائط شرعیہ پر صحیح تھا یا نہیں، ثبوت کیا گزرا اور وہ قوانین شرعیہ پر صحیح تھا یا نہیں، حکم کس نے دیا، اور وہ قاضی عندالشرع تھا یا نہیں، اگر ان میں سے ایک بات بھی کم ہے ہندہ بدستور بے نکاحی ہے زید کو اس پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(اس کے بعد پھر وہیں سے سوال آیا جو مع جواب منقول ہے)

یہ واقعہ حیدرآباد دکن کا ہے وہاں حکومت کی طرف سے عدالت قضا قائم ہے جس میں طلاق، خلع، ترکہ، مہر، طلب زوجہ کے مقدمات حسب قانون شرع شریف دائر ہوتے اور فیصل ہوتے ہیں مگر قاضی صاحب جنھوں نے اس مقدمہ کو فیصل کیا ہے غیر متشرع تھے یعنی داڑھی منڈی ہوئی لباس کوٹ پتلون مگر ساتھ ہی اس کے سفارش رشوت سے قطعی اجتناب رکھتے تھے اور گواہان جیسے فی زمانناحالت ہے اور ناکح صاحب بھی بہت معمولی طور پر پڑھے ہوئے ہیں لہٰذا اس صورت واقعہ پر مسئلہ بالا کا کیا جواب ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وہ قاضی منجانب سلطنت اسلامیہ فصل قضا پر مقرر ہے، اگر اس کے یہاں دعوٰی بروجہ صحیح شرعی ہوا اور ثبوت بروجہ شرعی گزرا اور قاضی نے ثبوت نکاح کا حکم دیا تو نکاح ثابت ہوگیا، ہندہ بغیر موت یا طلاق دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی۔

کما فی الھدایۃ وتنویر الابصار[1] وغیرھا من معتمدات الاسفار ورجحہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر وقد قال امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم شاھداك زوجاك[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ ہدایہ، تنویر الابصار وغیرہما کتب معتمدہ میں ہے اور فتح القدیر میں محقق علی الاطلاق نے اس کو ترجیح دی ہے، اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ تجھے تیرے گواہوں نے بیاہ دیا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۰: از ریاست جاورہ، لال املی مسئولہ ممتاز علی خاں اہل کار حساب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی صحیح ولدیت زید ہے اور بوقت نکاح بکر قائم کرکے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۹

[2] فتح القدیر باب المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۶

ایجاب وقبول ہوا ہے توایسانکاح درست ہوا یانہیں؟ نیز اس کا اصل باپ یعنی زید جو زندہ موجود ہے. بروقت نکاح نہ اس سے اجازت لی گئی نہ اسے اطلاع دی صورت مسؤلہ میں اگر نکاح نہیں ہوا تو کیا ہندہ اپنی منشا کے موافق اپنے کفو میں نکاح ثانی کرسکتی ہے، ایام عدت کی قید ہے یا نہیں،؟ ہندہ ب-الغ ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر ہندہ اس جلسہ نکاح میں حاضر نہ تھی اور اس کی طرف اشارہ کرکے نہ کہا گیا کہ اس ہندہ بنت بکر کا نکاح تیرے ساتھ کیا بلکہ ہندہ کی غیبت میں یہ الفاظ کہے گئے تو ہندہ کا نکاح نہ ہوا۔ نہ اسے طلاق کی حاجت نہ عدت کی ضرورت جس سے چاہے اپنا نکاح کرسکتی ہے کہ نکاح تو ہندہ بنت بکر کا ہوا اور یہ ہندہ بنت بکر نہیں، ہاں اگر بکر نے اسے پرورش یا متبنی کیا تھا اور وہ عرف میں ہندہ بنت بکر کہی جاتی ہے اور اس کے کہنے سے اس کی طرف ذہن جاتا ہے تو نکاح ہوگیا اب بغیر طلاق ہندہ کو مخلص نہیں۔ درمختار میں ہے:

غلط وکیلھا بالنکاح فی اسم ابیھا بغیر حضورھا لم یصح۔[1]	لڑکی کی غیر موجودگی میں اس کے وکیل نے لڑکی کے باپ کا نام غلط کہہ دیا تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

قال امرأته عمرة بنت صبیح طالق وامرأته عمرة بنت حفص ولانیة له لاتطلق امرأته فان کان صبیح زوج اُم امرأته وکانت تنسب الیه وھی فی حجرہ فقال ذٰلك وھو یعلم نسب امرأته اولایعلم طلقت امرأته۔[2]	کسی شخص نے طلاق دیتے وقت اپنی بیوی کا نام عمرہ بنت صبیح کو طلاق کہا جبکہ اسکی بیوی کا نام عمرہ بنت حفص ہے تو طلاق کے وقت اس شخص نے کوئی نیت نہ کی تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی، اور اگر اس کی بیوی عمرہ کی ماں کے دوسرے خاوند کا نام صبیح تھا اور یہ عمرہ اپنی ماں کے ساتھ صبیح کی پرورش میں رہی اس وجہ سے عمرہ صبیح کی طرف منسوب ہوتی ہے اور خاوند کو عمرہ کے اصل نسب کا علم ہے دونوں صورتوں میں اس کی بیوی عمرہ کو طلاق ہوجائیگی۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱: از میرٹھ بازار محلّہ سوتی گنج مرسلہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی تعلیم یافتہ مدرسہ منظر اسلام بریلی امام مسجد سوتی گنج ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

چہ مے فرمایند دریں مسئلہ کہ در ملک ہند علماء فتوٰی	کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان کے

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵۸

دادند کہ بعد منگنی دختر دیگر جائے نکاح کردن مے تواند حقیر ناجائز پندارد چراکہ ایجاب وقبول از جانبین ثبوت شود از جانب بچہ گویند کہ "دے دو" از جانب دختر گویند "دے دیا ودے چکا یاسگائی کرچکا" ایں الفاظ برائے وضع عقدست اگرایں طور گویند کہ "دیں گے" توخیر، جناب مولایم عجیب افسوس کہ دیوبندی خذلھم اللہ دین اوخراب ومسلمان رانیز بیخ کنی کردند اگرایں فتوٰی غلط باشد از ایشاں ہزاراں نطفہ زنا درعالم منتشر شدہ تدارک ایں عمل بفرمایند۔

علماء فتوی دیتے ہیں کہ منگنی کے بعد لڑکی کا دوسری جگہ نکاح جائز ہے لیکن یہ ناچیز اس کو ناجائز سمجھتا ہے کیونکہ ایجاب وقبول جانبین سے ثابت ہوجاتا ہے لڑکے والے "دے دو" کہتے ہیں اور لڑکی والے "دے دی" یا "دے چکا" کہتے ہیں یا "سگائی کرچکا" کہتے ہیں، یہ الفاظ عقد نکاح کے لیے وضع ہیں، ہاں اگر لڑکی والے "دیں گے" کہیں توخیر ہے، جناب میرے آقا عجیب افسوس ہے کہ دیوبندی جن کا دین خود خراب ہے وہ مسلمانوں کی بیخ کنی کررہے ہیں، اگر علماء کا یہ فتوٰی غلط ہو تو ان کی وجہ سے دنیامیں ہزاروں نطفہ زنا پھیلے ہوئے ہیں اس لیے اس عمل کا تدارک فرمادیں (ت)

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، لفظ "سگائی کرچکا" خود ظاہر است سگائی نسبت ووعدہ عقد راگویند نہ عقدرا "دے دیا" یا "دے چکا" ازانجاکہ مجلس مجلس وعد می باشد نہ مجلس عقد ہمیں بروعد محمول می شود نہ بر عقد درشرح امام طحاوی وفتح ودر مختار و ردالمحتار ست **لوقال ھل اعطیتنیھا فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح**[1] وچہ گونہ نکاح شود حالانکہ شرط او حضور دو گواہ ست کہ فہمند کہ ایں نکاح ست **فی التنویر والدر وشرط حضور شاھدین فاھمین انہ نکاح علی المذھب بحر**[2] وایںجا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، "سگائی کرچکا" کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ "سگائی" نسبت اور وعدہ نکاح کو کہتے ہیں نہ کہ نکاح کو، لڑکی والوں کا دے دیا یا دے چکا کہنا مجلس وعد میں وعدہ پر محمول ہوگا نہ کہ عقد نکاح پر، امام طحاوی کی شرح، فتح، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر مرد نے کسی کو کہا کہ تو نے مجھے لڑکی دی، تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے دی، تو اگر یہ مجلس وعدہ اور منگنی ہو تو وعدہ اور منگنی ہے اور اگر مجلس عقد ہے تو نکاح ہے، پھر مسئولہ صورت میں نکاح کیسے ہوسکتا ہے جبکہ نکاح کے لیے دو گواہوں کی موجودگی بایں طور پر شرط ہے کہ وہ اس کو نکاح سمجھیں۔ تنویر اور در

---

[1] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

اگر ہزار حاضر باشند ہیچ کس نکاح نہ فہمد کہ منگنی نزد ایشاں چیزے از مقدمات نکاح ست نہ نکاح واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ہے نکاح میں دو گواہوں کا ہونا جو یہ سمجھیں کہ یہ نکاح ہے شرط قرار دیا گیا، یہ مذہب ہے بحر۔اور یہاں مذکورہ صورت میں مجلس میں ہزار بھی ہوں تو کوئی بھی اس کو نکاح نہ سمجھیں گے کیونکہ منگنی کو وہ نکاح نہیں بلکہ اس کے مقدمات میں سے سمجھتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۲: از چونیاں ضلع لاہور مسئولہ ضیاء الدین انچارج اصطبل گورنمنٹی ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے حسب ہدایت والد خود جس نے اس کی ہدایت کی تھی کہ اپنی فلاں دختر کا ناطہ اپنے فلاں برادر حقیقی کو دینا تب سے راضی ہوگیا چنانچہ اپنے والد کی موجودگی اور چند مسلمانوں کی مجلس میں اپنے برادر حقیقی کو مخاطب کرکے کہا میں نے اپنی فلاں نام والی دختر بالغہ کا ناطہ تمھارے فلاں بالغ کو دے دیا، والد پسر نے قبول کرلیا، آیا ہر دو ولیوں کے ایجاب وقبول سے یہ نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں؟ اگر ہوگیا تو اب والدِ دختر اس کا اور جگہ نکاح کرسکتا ہے بغیر طلاق کے، اور ولی اور گواہان ونکاح خوانِ نکاح ثانی کے واسطے حکم شرع کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناتا دینا عرف میں منگنی کرنے کو کہتے ہیں اور منگنی نکاح نہیں، اس صورت میں جب تک عقد نکاح نہ ہو والدِ دختر دوسری جگہ اس کا نکاح کرسکتا ہے اور نکاح خواں وغیرہ پر کوئی الزام نہیں، اور اگر کہیں کے عرف میں ناتا کرنا نکاح کردینے کو بھی کہتے ہیں تو وہاں دیکھا جائے گا کہ وہ مجلس جس میں یہ الفاظ ادا ہوئے عقد نکاح کے لیے تھی یا منگنی کے لیے، اگر منگنی کے لیے تھی تو وہی حکم ہے کہ نکاح نہ ہوا، اور والدِ دختر کو اختیار ہے، اور اگر نکاح کے لیے تھی اور حاضرین میں سے کم از کم دو شخصوں نے اس نکاح کے گواہ ہوسکتے ہوں وہ ایجاب وقبول سنے اور سمجھے کہ یہ نکاح ہورہا ہے تو نکاح ہوگیا اب دوسری جگہ اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، والد دختر اور نکاح خواں اور گواہان نکاح ثانی جن کو معلوم تھا کہ اس کا نکاح پہلے ہوچکا ہے سب مبتلائے حرام ہوں گے، درمختار میں ہے:

هل اعطیتنیها ان المجلس للنكاح فنكاح وان للوعد فوعد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اگر ایک نے دوسرے کو کہا کیا تونے مجھے دی، دوسرے نے جواب میں "دی" کہا تو اگر یہ مجلس نکاح ہو تو نکاح ہوگا، اور اگر مجلس وعدہ ہے تو منگنی ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

مسئلہ ۶۳: از دہلی پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ مسئولہ سید عبدالکریم صاحب قادری رضوی ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب قبلہ حضرت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب نائب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دامت برکاتہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شریف زادہ نے ایک عورت کو جو قوم کی چماری تھی مسلمان باقاعدہ کیا اور اس سے نکاح کیا اور اپنے مکان میں لے گیا، جب اہل برادری کو معلوم ہوا کہ اس نے خاندان قادریہ اور سادات کے بٹالگادیا کہ چماری کو مسلمان کرکے نکاح پڑھ لیا اور پردہ میں بٹھالیا، وہ عورت دو سال سے بیوہ تھی تمام اہل برادری اور تمام مسلمانوں اور ہندوؤں نے اس عورت کو بے پردہ کیا اور بے عزتی کی اور غیر محرموں نے مارپیٹ بھی کی اور اسے تھانہ میں پہنچادیا، اب سوال یہ کہ اس عورت نومسلمہ کے ساتھ ایسا کرنے کی اللہ ورسول جل وتعالٰی وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ اور جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ کس گناہ کے مرتکب ہیں یا جس نے مسلمان کرکے اسے اپنے نکاح میں لایا وہ گنہگار ہے اور اس سے ترک موالات کرنا برادری سے خارج کرنا اس کا حقہ پانی بند کرنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ عورت کفو میں کب آسکتی ہے؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

مسلمان کرنا باعث اجر عظیم ہے اور اس سے نکاح کرنا پردہ میں بٹھانا بھی کار خیر ہے اور اس بناپر اسے برادری سے خارج کرنا ظلم ہے، اور اس مسلمہ عورت کے ساتھ جو زیادتی اور مارپیٹ اور بے پردگی کی گئی سب حرام اور سخت حرام اور ظلم شدید تھا، ایسا کرنے والے حق العبد میں گرفتار ہیں اور اللہ ورسول ان سے ناراض ہیں جل وعلاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ بالغ مرد کے لیے کفاءت کچھ شرط نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدعی کے تین شاہد شہادت دیتے ہیں کہ والد دختر نابالغہ نے سفر سے ایک خط اپنے بھائی کو لکھا کہ میری دختر نابالغہ فرحان بی بی کا ناتا یا نکاح جس جگہ تمھاری مرضی ہو کردو، ہم لوگ اس کاغذ کے سامعین ہیں، بعدہ اس وکیل والد کے ایک لڑکے نابالغ مسمّٰی کھڑکہ جس کا کوئی عصبہ زندہ نہیں ہے کنایہ نکاح کے طور پر کردیا تھا اور لڑکے معلوم کی طرف سے اس کے ماموں نے اس کے لیے قبول کرلیا ہے اور ہم نے یہ نکاح ہی سمجھا ہے، یہ تقریر شاہدین مدعی کی بتمامہ ہے، اب والد دختر معلومہ کا سفر سے بالکل منکر ہے اور گواہ اس کے بھی منکر ہیں، تقریر بالا سے، یاکہتے ہیں کہ ناتا ہوا ہے نہ نکاح حالانکہ وکیل فوت ہوگیا اور کاغذ بھی گم ہوگیا ہے۔ قیمت کاغذ دی جائے گی، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بات صاف لکھئے ایجاب کس نے کیا، قبول کس نے کیا، ایجاب کے کیا لفظ تھے، قبول کے کیا لفظ تھے، لڑکی کا چچا جس کو اس کے باپ نے وکیل کیا تھا اس نے خود پڑھایا تھا یا کسی سے پڑھوایا تھا کسی نے بطور خود پڑھادیا تھا اور وہ وکیل والد اس جلسے میں موجود تھا یا نہ تھا، اور جب والد لڑکے کا موجود تھا تو لڑکے کی طرف سے ماموں نے قبول کیوں کیا، والد پسر کے کہنے سے یا بطور خود، اور والد پسر نے اس پر کیا کہا، اور جب وہ الفاظ کنایہ تھے تو ان لوگوں نے کس قرینہ سے نکاح ہونا سمجھا اور دختر کا والد کس بات سے منکر ہے اس وکیل کرنے سے یا نکاح ہونے سے، اور وہ خط ڈاک میں آیا تھا یا آدمی کے ہاتھ، اور یہ جو مدعی کے تین گواہ ہیں ان کے سامنے پڑھا گیا یا ان کے سامنے والد دختر نے لکھا تھا، اور یہ گواہ ثقہ پرہیزگار ہیں یا کیسے، ان سب باتوں کے مفصل جواب آنے پر جواب ہوسکے گا، قیمت کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ فتوٰی اللہ کے لیے دیا جاتا ہے بیچا نہیں جاتا۔ آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھئے۔ فقط

مسئلہ ۶۵: ازرامہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مرسلہ محمد جی صاحب ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ

باپ نے برادر کو خط لکھا کہ میری دختر نابالغہ کا ناتا یا نکاح جہاں تمھاری مرضی ہو کردو، مکتوب الیہ نے باجازت باپ کے ایک جگہ اس نابالغہ کا نکاح کردیا، ایجاب کے لفظ یہ ہیں "دختر معلومہ فلاں لڑکے کو میں نے دی ہے" اور نابالغ لڑکے کی جانب سے قبول اس کے ماموں نے کیا ہے اور تین گواہ کہتے ہیں کہ وہ خط ہم نے خود سنا ہے کہ باپ نے برادر کو اجازت نکاح دختر نابالغہ معلومہ دی ہے اور ہم نے مجلس میں ذکر نکاح کا سنا ہے اور نکاح کے وقت باپ سفر میں تھا اور خط بھی گم ہوگیا ہے اور بعد نکاح چند روز بعد مکتوب الیہ فوت ہوگیا، اب باپ سفر سے آیا وہ کہتا ہے میں نے برادر کو کوئی اجازت نہیں دی اور اس کے گواہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل نہیں ہوئی لیکن یہ گواہ باپ کے بہت فاسق ہیں اور تین گواہ جو بالا مذکور ہیں وہ فاسق نہیں ہیں،

الجواب:

جبکہ باپ اس خط کے لکھنے سے منکر ہے تو اسے کسی شہادت کی حاجت نہیں، شہادت اس کی ہونا چاہئے تھی کہ ہمارے سامنے اس نے یہ خط لکھا ہے اس پر کوئی شہادت نہیں، گواہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے خط سنا یہ شہادت کچھ معتبر نہیں لہذا اجازت دینا ثابت نہیں، باپ کے انکار سے وہ نکاح باطل ہوگیا جبکہ وہ حلف سے کہہ دے کہ وہ خط میں نے نہ لکھا تھا نہ میں نے بھائی کو اجازت دی تھی **لان الخط یشبہ الخط ولا حجۃ الا البینۃ او الاقرار او النکول** (کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے، گواہی، اقرار اور قسم سے انکار کے علاوہ کوئی حجت نہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۶ تا ۷۲: از بنارس محلّہ پتر کندہ مرسلہ جناب مولانا مولوی عبدالحمید صاحب پانی پتی زید کرمہ ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

علمائے دین ان مسائل میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) نابالغ لڑکے اور لڑکی سے ایجاب وقبول کرانے سے نکاح صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) یہاں دستور ہے کہ نکاح خواں نابالغ کے باپ یا کسی اور ولی سے اجازت لے کر دو گواہوں کے ساتھ نابالغہ دلھن کے پاس آتے ہیں اور اس کو کلمہ شہادت وآمنت باللّٰہ پڑھا کر کہتے ہیں کہ تمھارا نکاح بعوض عہ/۸ مہر کے فلاں لڑکے مسمّٰی فلاں سے ہوتا ہے تم نے قبول کیا کہو ہاں قبول کیا، اسی طرح تین بار کہلاتے ہیں اس کے بعد نابالغ دولھا کے پاس آتے ہیں اور وہی سب کلمات پڑھا کر کہتے ہیں کہ فلاں کی لڑکی مسماۃ فلاں بعوض عہ/۸ مہر کے تمھارے نکاح میں آتی ہے تم نے قبول کیا، کہو ہاں قبول کیا۔ اسی طرح تین بار کہتے ہیں غرض دونوں جانب قبولیت ہوتی ہے ایجاب کا پتا نہیں، شرعًا یہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور اس مجلس میں بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ دلھن یا دولھا نابالغان کے وہ سب یا اور ولی موجود نہیں رہتے بلکہ وہ اپنے اور کاموں میں مشغول رہتے ہیں اس طریقہ میں شرعًا جو خرابی اور نقص ہو اس کی تصریح فرمائیں، اور شرعًا جو طریقہ نکاح مسنون ہو ارشاد فرمائیں۔

(۳) اگر ولی خطبہ مسنون نہ پڑھنے یا صرف ایجاب وقبول کرنے پر قادر ہو تو غیر سے ایجاب وقبول کرانا کیسا ہے؟

(۴) نکاح خواں کو اُجرت لینا اور دینا کیسا ہے؟

(۵) اگر اُجرت نکاح اپنے مصرف میں نہ لائے بلکہ مسجد کے تیل اور چٹائی میں صرف کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۶) نوشہ کے سرپر پگڑی رکھنے کے واسطے اس کے پھوپھا یا بہنوئی کو بلاتے ہیں جب تک یہ نہیں آتے دوسرا پگڑی نہیں رکھ سکتے، جب یہ آتے ہیں تو بغیر دس پانچ روپے لیے نہیں رکھتے، جب کم ہوتا ہے تو لینے پر انکار اور زیادتی پر اصرار کرتے ہیں، جب حسب مرضی پالیتے ہیں تو رکھ دیتے ہیں، اور بعض پھوپھا داماد قبل لینے کے رکھ دیتے ہیں، اس کے بعد جو ملا لے لیا، اور بعض کچھ اصرار کرکے اور زیادہ لیتے ہیں آیا شرعا یہ لینا دینا کیسا ہے؟ اور اس کو ضروری حق سمجھنا اور اس پر اہتمام واصرار کرنا کیسا ہے؟

(۷) شرعًا ولیمہ کی تعریف کیا ہے اور اس کی مدت کَے روز تک ہے؟

(الف) پہلے دعوت کرنا پھر بارات اور رخصتی کرکے دلھن لانا یہ ولیمہ ہے یا نہیں؟

(ب) نابالغ کی رخصتی کے بعد چونکہ زفاف نہیں ہوتا تو بعد دلھن لانے کے دعوت کرنا ولیمہ مسنون ہے

یا نہیں؟

(ج)اگر ولیمہ بارادہ سنت نہ کرے بلکہ خیال نام آوری وبرادری سے سرخ روئی مقصود ہواور یہ کہتا رہے کہ چونکہ دس دفعہ بھائی لوگ کے یہاں کھاآئے ہیں لہٰذا برادری کو کھلانا ضرور ہے چاہے ہمارے پاس ہو یا نہ ہو، یہ دعوت کیسی ہے؟ اور مستطیع غیر مستطیع دونوں کاحکم فرمائے۔

الجواب:

(۱) نابالغ لڑکے اور لڑکی جن کا تلفظ کلام سمجھا جائے اور وہ الفاظ ومعنٰی کا قصد کرسکیں ان کا ایجاب وقبول خود ہو یا دوسرے کی تلقین سے صحیح ہے، پھر اگر باجازت ولی ہے نافذ بھی ہے ورنہ اجازت ولی پر موقوف جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) اس کا جواب جواب سوال اول میں آگیا اور ان عقود میں جو کلام پہلے ہے وہ ایجاب ہے اگرچہ بلفظ قبول ہو اور جو بعد کو ہو وہ قبول، اور جب باذن ولی ہو تو ولی کا وہاں موجود ہونا ضروری نہیں، اور بلااذن ہو تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ اولیاء خود ایجاب وقبول کریں یا ان کی اجازت سے ان کے وکیل نابالغوں سے کہلوانے کی کوئی حاجت نہیں۔

(۳) کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۵) جب جائز ہے تو مسجد میں دینا اور بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۶) یہ ایک مخترع رسم ہے، اسے ضروری سمجھنا ناجائز، اور اگر اصرار حد ناگواری تک ہو تو حرام ورنہ آپس کے معاملات ہیں جن پر شرع سے منع وارد نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۷) شب زفاف کی صبح کو احباب کی دعوت ولیمہ ہے، رخصت سے پہلے جو دعوت کی جائے ولیمہ نہیں، یونہی بعد رخصت قبل زفاف اور ریا ونا موری کے قصد سے جو کچھ ہو حرام ہے۔ اور جہاں اسے قرض سمجھتے ہیں وہاں قرض اتارنے کی نیت میں حرج نہیں اگرچہ ابتداءً یہ نیت محمود نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۳: از سلطان پورہ ہکراسٹیٹ مسئولہ مرتضٰی خاں پی سارجنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس آفس ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید قاضی ہے مگر وکالت کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وکالت کا پیشہ جس طرح آج کل رائج ہے شرعًا حرام ہے۔ ایسے شخص کو قاضی کرنے کی اجازت نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴: از سلطان پور (اودھ) محلّہ پرتاب گنج مرسلہ حافظ عبدالغنی صاحب ۱۴رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ

زید نے پسر بکر سے اپنی لڑکی کا نکاح بموجودگی خود کیا اور ہندہ کئی بار اپنی سسرال بھی گئی پھر مخاصمت کی وجہ سے رخصتی تین سال سے بند کردی، ہندہ اپنے والد زید کی وجہ سے مجبور ہے، اب زید نے ایک دعوی فسخ نکاح کا اپنی لڑکی کے نام دائر کیا ہے کہ میرا نکاح نابالغی کی حالت میں ہوا، زید کا بیان ہے کہ لڑکی کا نکاح میری عدم موجودگی میں ہوا ہے کیونکہ میں شادی کا سامان مہیا کرکے کسی ضرورت سے ہفتہ عشرہ کے لیے کسی دوسرے شہر کو چلا گیا تھا بی بی نے میری بے اجازت نکاح کردیا اس کچہری میں زید نیز اہل محلّہ نے حلف اٹھایا حالانکہ دعوی اس بناپر خارج ہوگیا کہ بکر کے وکلا نے اس بات کو ثابت کردیا کہ زید خود موجود تھا اور زید کی اجازت سے قاضی نے نکاح پڑھایا، لہٰذا زید و معین زید کا شرعًا کیا حکم ہے؟ اور ایسے جھوٹے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

حدیث میں ہے:

شاھد الزور لاتزول قدماہ حتی یوجب اللہ لہ النار[1]۔	جھوٹا گواہ وہاں سے اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالٰی اس کے لیے جہنم واجب کردیتا ہے۔

گواہوں کا تو یہ حال ہے، اور زید پر ان سب کے برابر وبال ہے کہ وہی ان کو جھوٹی شہادت پر باعث ہوا، پھر انھوں نے عورت کو شوہر سے جدا کرنا اور غیر منکوحہ ٹھہرانا چاہا، یہ دوسرا کبیرہ ہے، غرض یہ سب لوگ فاسق معلن ہیں ان کو امام بنانا گناہ، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ۔ اور پڑھ لی ہو تو پھیرنی واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵: مسئولہ سید ایوب علی صاحب ساکن بریلی محلّہ بہاری پور کسگران

جو شخص وہابیہ سے میل جول اور باہمی شادی بیاہ رکھتا ہو اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ وہابی ہے اس کے یہاں شادی بیاہ کرسکتے ہیں جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہابیہ سے اس کا میل جول ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہابیہ سے میل جول رکھنے والا ضرور وہابی ہے کہ وہابیہ کو گمراہ بددین نہیں جانتا تو خود گمراہ بددین ہے اور اس کے ساتھ مناکحت ہو ہی نہیں سکتی، اور اگر ان کو گمراہ بددین جانتا اور کہتا ہے پھر بھی ان سے میل جول رکھتا ہے تو سخت فاسق بیباک ہے اس کی مناکحت سے احتراز چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] تاریخ بغداد محمد بن عیسٰی دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۰۳، سنن ابن ماجہ باب شہادت الزور ص ، تاریخ کبیر باب ف ۱/ ۲۰۸

مسئلہ ۷۶: از موضع میر کلی پور ڈاکخانہ لاہور پور ضلع سیتاپور مسئولہ محمد حسین طالب علم ۱۱محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے شادی کا پیام دیا اور اس میں یہ اظہار کیا کہ لڑکا لہر پور کا ہے وہ لڑکا قصبہ ہر گام پور کا نکلا، مزید بریں نوشہ کے تعین علم میں اختلاف رہا۔ لڑکی تو کہتی ہے کہ میرا نکاح عبدالرحمٰن بن کلو کے ساتھ پڑھا گیا اور قاضی کا بھی یہی قول ہے مگر گواہ لعل محمد بن منوں بتلاتے ہیں اور وکیل لعل محمد بن کلو کا مدعی ہے اور وہ لڑکا جو نوشہ بن کر آیا تھا دراصل ہر گام کا تھا اور اس کا نام لعل محمد بن منوں تھا۔ اس صورت میں نکاح کس کے ساتھ ہوا اور اس میں شرعی حکم کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رائج یوں ہے کہ عورت اس کے ولی سے اذن لے کر دولھا سے خطاب کرتے ہیں کہ فلاں کی فلاں لڑکی اتنے مہر پر تیرے نکاح میں دی، وہ کہتا ہے میں نے قبول کی، اس صورت میں جس سے خطاب کیا گیا اور اس نے قبول کیا، اسی کے ساتھ نکاح ہوا، کہیں کا رہنے والا ہو اور اس کا کچھ بھی نام ہو۔ پھر اگر بالغہ عورت یا نابالغہ کے ولی نے اسی کے لیے اجازت دی تھی جب تو یہ نکاح نافذ ہوگیا اگر کوئی مانع شرعی نہ ہو ورنہ فضولی کا نکاح ہوا عورت یا اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر جائز کیا جائے جائز ہوگیا، رد کیا جائے باطل ہوگیا، یہ تو نکاح ہونے نہ ہونے کا حکم ہے، رہا یہ کہ نکاح ہوا اور مرد نے دعوی کیا کہ میرے ساتھ اس کا نکاح ہوا اور اس عورت کے وکیل اور گواہوں کے بیان میں اختلاف ہوا، کسی نے کسی کے ساتھ نکاح ہونا بیان کیا اور دوسرے نے کسی کے ساتھ، اگر دو گواہ شرعی عادل قابل قبول دعوی مدعی کے مطابق گواہی دے دیں ڈگری کر دیا جائے گا عورت و وکیل کچھ کہا کریں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۷: از نوشہرہ تحصیل جامپور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴محرم ۱۳۳۹ھ

ایک شخص کہتا ہے کہ میری اپنی عورت کے ساتھ تن بخشی ہے۔ آیا شرعاً تن بخشی کوئی چیز معتبر ہے یا نکاح؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تن بخشی پر قناعت صریح زنا ہے اگر اسے حلال جانے تو کافر،

انما کان ذٰلك من خصائصه صلی الله تعالٰی علیه وسلم، قال تعالٰی خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ[1]۔ و الله تعالٰی اعلم	یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ خاص آپ کے لیے ہے مومنین کے لیے نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] القرآن ۳۳/ ۵۰

دوسرا مسئلہ ۷۸:
ایک شخص نے دعائے خیر جلسہ میں کہہ دی کہ میں نے لڑکی اپنی اس شخص مثلاً زید کو دی، بعدہ وہ یعنی باپ لڑکی کا مر گیا اس کے وارثان نے اس لڑکی کا عقد نکاح دوسرے شخص کو کر دیا، آیا دعاء خیر جائز ہے یا وارثان کا نکاح جائز ہے؟

الجواب:

دعائے خیر سے اگر وعدہ سمجھا جاتا ہے تو وارثوں نے جو یہ نکاح کیا، جائز ہے۔ اور اگر اسی وقت نکاح کر دینا مقصود ہوتا ہے اور زید نے اس جلسہ میں قبول کیا اور دو گواہوں نے معًا سنا اور نکاح ہونا سمجھا تو نکاح ہوگیا تھا، دوسرا نکاح باطل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹ تا ۸۰: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ تاج محمود صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید کے بارے میں تین افراد شہادت دیتے ہیں کہ مدعی علیہ نے والد لڑکے کو بولا ہے کہ میں نے اپنی دختر نابالغہ فلانی تمھارے فلانے لڑکے کو دے دی ہے اس نے قبول لڑکے معلوم کے لیے کرلی ہے اور اس مجلس میں نہ نکاح کا ذکر ہوا نہ خطبہ پڑھا گیا نہ ذکر مہر کا ہوا، اس کے علاوہ مدعی علیہ بھی کہتا ہے کہ میں نے ارادہ ناطہ کا کیا ہے نہ نکاح کا، اب یہ نکاح ہوگا یا خطبہ یا ناطہ؟

(۲) قرینہ نکاح کا خطبہ اور ذکر مہر کا ہر دو ہوویں گے یا فہم شہود نکاح کا فقط کافی ہوگا یا نیت ولی دختر پر ہے؟

الجواب:

(۱) خطبہ پڑھا جانا یا ذکر مہر ہونا کچھ شرط نکاح نہیں، وہ مجلس اگر عقد کے لیے تھی عقد ہوگیا اور اگر مجلس وعدہ تھی اور حاضرین نے اسے وعدہ ہی سمجھا تو وعدہ ہوا نکاح نہ ہوا۔

فی الدر المختار ان المجلس للوعد فوعد وللعقد فعقد[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	درمختار میں ہے کہ اگر یہ مجلس وعدہ (منگنی) کے لیے ہے منگنی ہے اور مجلس نکاح ہے تو نکاح ہوگا۔ (ت)

(۲) نکاح بالفاظ صریحہ میں نیت شرط نہیں، الفاظ ایجاب وقبول ہونا اور دو شاہدوں کا سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے کافی ہے۔ ذکر مہر نہ ضرور نہ قرینہ، اور خطبہ اگرچہ ضروری نہیں مگر قرینہ نکاح ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

مسئلہ ۸۱: از پنڈی گھیب ڈاک خانہ خاص ضلع اٹک مسئولہ مولوی غلام محی الدین امام ومدرس جامع مسجد ۲۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت عاقلہ بالغہ بعض غیر تعلقد اروں یا کہ ان ذوی الارحاموں (جن کا ولایت نکاح میں کوئی حق نہیں) کے ورغلانے بہکانے پر کچہری میں جاکر درخواست پیش کرے کہ میں جوان ہوں اور اپنے حسب منشاء نکاح کرنا چاہتی ہوں اور میرے والی مثلا باپ یا کہ بھائی یا کہ دیگر عصبوں سے مجھے روکتے ہیں سرکار کو اطلاع دیتی ہوں کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں جہاں طبیعت ہو نکاح کرالوں، والیوں کی رکاوٹ مجھے نہ ہو، اور کچہری گورنمنٹ اسے اجازت دے دے اور وہ جہاں چاہے نکاح کرالیوے، والی خوش ہوں یا ناراض، اگر اسی موقعہ پر ان ورغلانے والوں اور ذوی الارحاموں کو کوئی مولوی لکھے میاں! یہ تمھارا نکاح اچھا نہ ہوگا باپ یا دیگر والی کو تم ضرور مجلس نکاح میں بلاؤ تو وہ کہیں کہ لڑکی عاقلہ بالغہ جوانہ خود مختار ہے کسی والی کا کوئی ایک ذرہ تک تعلق نہیں ہم ابھی کرتے ہیں، پھر جس مولوی نے توڑا تو دیکھا جائے گا مولوی کیا کرے گا جب کچہری نے اجازت دے دی۔

الجواب:

یہ حالت غالبًا اس صورت میں ہوتی ہے کہ عورت جس سے نکاح کرنا چاہتی ہے وہ غیر کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم کہ اس سے اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار ہو، ایسا نہ ہو تو اس درجہ بے حیائی کیوں اختیار کرے اور اس صورت میں نکاح باطل محض ہے، جب تک ولی پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر بالتصریح اجازت نہ دے۔ درمختار میں ہے:

(ویفتی) فی غیر الکفو (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتوی لفساد الزمان [1]۔	غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا اور یہی فتوی کے لیے مختار ہے کیونکہ زمانہ میں فساد برپا ہوچکا ہے۔ (ت)

اولیاء پر لازم ہے کہ جب کفو پائیں تزویج میں جلدی کریں کہ ایسے وقائع سے ننگ وبے حیائی کا دروازہ نہ کھلے۔ حدیث میں ہے:

یا علی! لاتؤخر ثلثۃ الصلٰوۃ اذا اٰنت و الجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت	اے علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ)! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو نماز میں جب وقت ہو جائے، جنازہ میں جب حاضر

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

لھا کفوا [1]۔	ہو جائے، اور غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح میں جب اس کا کفو مل جائے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۲: شیخ سلامت اللہ قصبہ تلہر محلّہ عمر پور ضلع شاہجہان پور پارچہ فروش ۱۸ جمادی الآخری ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی کی کتنی عمر تک نکاح ناجائز ہوتا ہے اور کتنی عمر ہو تو جائز ہوتا ہے؟

الجواب:

نکاح کسی عمر میں ناجائز نہیں، اگر اسی وقت کے پیدا ہوئے بچے کا نکاح اس کا ولی کردے گا نکاح ہو جائے گا، ہاں پیٹ کے بچے کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

اذلاولایۃ علی الجنین لاحد [2] کما فی غمز العیون۔	کیونکہ پیٹ میں بچے پر کسی کو ولایت نہیں، جیساکہ غمز العیون میں ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۳: مسئولہ عبدالعزیز صاحب از شہر محلّہ کٹکوئیاں ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں توام اس صورت سے پیدا ہوئیں کہ دونوں کے کولھوں کی ہڈیاں جڑی ہوئی تھیں اگر وہ ہڈی کاٹ دی جائے تو ان کے مرجانے کا خوف تھا، اب دونوں جوان ہوئیں ان کی شادی کس طرح کی جاسکتی ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جھوٹ اور بے اصل بات قائم کرکے شریعت کو تکلیف دینی سخت بیہودگی ہوتی ہے کیا سائل ان لڑکیوں کو پیش کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۸۴: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مضمون نکاح خوانی جائز ہے یا نہیں، واجد علی خاں کی لڑکی نام اس کا تم کو معلوم ہے، بالعوض مہر موجل مبلغ دو سو روپیہ سکہ انگریزی کے بوکالت فلاں اور شہادت فلاں فلاں علاوہ نان نفقہ کے بیچ عقد نکاح تمھارے کے دی گئی تم کو قبول ہے؟ قبول کیا میں نے۔

الجواب:

جائز ہے جبکہ واجد علی خاں معروف ہو یعنی حاضرین سے دو گواہ پہچانیں کہ فلاں شخص ہے ورنہ اس کے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب اعتبار الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷/۱۳۳

[2] غمز عیون البصائر للحموی علی الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۰۴

باپ دادا کا بھی نام لیا جائے اور بوکالت فلاں وشہادت اور علاوہ نان ونفقہ کے کہنا ایک زائد بات ہے جس کی حاجت نہیں، اور "دی گئی" کی جگہ "دی میں نے" کہے، اور وہ کہے جو نابالغہ کا ولی یا ولی کا وکیل یا بالغہ کا وکیل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۵ تا ۸۶: مسئولہ جناب مولوی انوار الحق صاحب تحصیل چونیاں ضلع لاہور بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ہندہ کے باپ کے چچاکا بیٹا جو ہندہ مذکورہ کا ولی تھا وہ چونیاں میں رہتا تھا اور اس کی والدہ نے اس مقام سے سات کوس کے فاصلہ پر ولی مذکور کی عدم موجودگی میں ہندہ کا نکاح پڑھادیا اب جب ولی مذکور نے اپنی ناراضگی ظاہر کی تو نکاح والدہ کی اجازت سے جو ہوا تھا وہ کس واسطے باطل ٹھہرا حالانکہ درمختار کی اختیار کردہ عبارت کے بعد لکھا تھا کہ:

واختار فی الملتقی مالم ینظر الکفو الخاطب جوابه واعتمده الباقانی ونقل ابن الکمال ان الفتوی علیه[1]۔	ولی ابعد کا نکاح جائز ہوگا جب کفو والا رشتہ ولی اقرب کے جواب کاانتظار کرے، یہ صاحب ملتقی کا مختار اس پر باقانی نے اعتماد کیا ہے، ابن الکمال نے نقل کیا کہ فتوی اس پر ہے۔ (ت)

اور صاحب بزازیہ نے اسی قول کو اقرب الی الفقہ کہا ہے، اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کہ:

هوالاصح فی البحر عن المجتبٰی والمبسوط انه الاصح فی النهایة واختاره اکثر المشائخ وصححه ابن الفضل[2] انتهی۔	یہی اصح ہے اور بحر میں مجتبٰی اور مبسوط سے منقول ہے کہ یہی اصح ہے، اور نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اس کو اپنایا ہے اور ابن الفضل نے اس کی تصحیح کی ہے۔ انتہی۔ (ت)

اتنی عبارتوں سے جب معلوم ہوتا ہے کہ ولی عصبہ اقرب کی غیبت میں ولی بعید کو نکاح پڑھانے کا اختیار ہے تووالدہ کا نکاح کیاہوا کس واسطے سے باطل کیاگیا فقط

(۲) مجلس خطبہ میں ناکح نے روبرو گواہان کے ہندہ کے باپ عمرو کو کہاکہ تونے اپنی لڑکی بکر کے لڑکے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

زید کو دی اس نے کہا "دی" پھر بکر کو کہا کہ تو نے عمرو کی لڑکی ہندہ اپنے لڑکے زید کے واسطے قبول کی، اس نے کہا "قبول کی" یا حضرت اس ایجاب اور قبول سے ہندہ کا نکاح ہوا یا کہ نکاح کا وعدہ ہوا؟

الجواب

(۱) فی الواقع اقوال اس میں مختلف ہیں اور تصحیحیں بھی مختلف اور اصح التصحیحین یہی ہے جو در مختار میں ہے مگر در مختار کا یہ مطلب نہیں کہ سات کوس کے فاصلہ پر **مالم ینظر الکفو الخاطب** صادق آجائے تفقہ فقط کتاب سے عبارت دیکھ لینے اور لفظی ترجمہ سمجھ لینے کا نام نہیں بلکہ مقصد شرع کا ادراک اور احوال بلاد وعباد پر نظر رکن اعظم تفقہ ہے، اسی در مختار میں ہے:

من لم یکن عالمًا اھل زمانہ فھو جاھل [1]۔	جو اپنے زمانہ والوں کے حالات نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ (ت)

ہمارے بلاد میں نکاح ابکار کی حالت معلوم ہے مہینوں پیام سلام رہتے ہیں اگر بیٹی والوں کی مرضی بھی ہو تو جلد قبول کردینے کو عیب جانتے ہیں یہ ان کے یہاں مثل دائر وسائر ہے کہ بیٹی کا معاملہ کچھ بازار کا سودا نہیں ابھی نہ جوتیاں ٹوٹیں نہ چادریں پھٹیں ابھی سے اقبال کردیا جائے اور ایسا تو کوئی بھی کفو خاطب نہیں کہ ولی اقرب سات کوس پر بیٹھا ہے اور وہ اس سے اجازت لینے تک کا انتظار نہ کرے ہاں یہ وہی کرے گا جسے معلوم ہوگا کہ ولی اقرب اس پر رضا نہ دے گا ایسی تعجیل معتبر کرلینے میں ولایت قربے کا ابطال اور حکم شرع کا نقض ہے بلکہ عندالانصاف یہ روایت مفتی بہا تو روایت مسافت قصر سے بھی تنگ تر ہے ریل نے مسافت قصر کو گھنٹے کی مسافت کردیا کون سا خاطب ہے کہ اتنی دیر کا انتظار نہ کرے گا **وبقیۃ التفصیل فی فتاوی الفقیر** (باقی تفصیل فقیر کے فتاوٰی میں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) اگر وہ مجلس وعدہ کی تھی اور وعدہ ہی مفہوم ہوا تو وعدہ ہی ہوا نہ کہ نکاح، ورنہ نکاح۔

قال ھل اعطیتنیھا قال نعم ان المجلس للوعد فوعد وان للعقد فعقد [2] **درمختار وغیرہ۔**	اگر کہا کہ تو نے مجھے لڑکی دی تو جواب میں ہاں کہا تو یہ بات مجلس وعدہ میں وعدہ اور مجلس نکاح میں نکاح ہوگی، درمختار وغیرہ (ت)

اس کی بنا وہاں کے رواج ومتفاہم عرف پر ہے **کما اشرنا الیہ** (جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۵ ۳۱۵/۲

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

مسئلہ ۸۷: مسئولہ لال محمد خیاط از کچھوچھ اٹاوہ بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا۔ پھر اسی مرد نے اسی عورت کے ساتھ بحالت حمل نکاح کیا، بعد نکاح اس کے ساتھ مباشرت کی، اس صورت میں نکاح رہایا نہیں؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

اگروہ عورت بے شوہر تھی یا شوہر مرگیا یا طلاق دے دی تھی اور یہ حمل شوہر کا شرعاً نہیں قرار پاسکتا تھا یعنی اس کی موت اور طلاق دو برس کے بعد بچہ پیدا ہوا تو ان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہوگیا، پھر اگر وہ حمل اسی زانی کا تھا تو اسے بعد نکاح پاس جانا بھی جائز تھا، اور دوسرے کا تھا تو نہیں، بہر حال اس مباشرت سے نکاح میں کوئی خلل نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۸: از ضلع چھپّرہ سارن ڈاکخانہ حدائی باغ بازار موضع چکدارہ مسئولہ شاہ حبیب احمد صاحب بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کو مع دوشاہد کے وکیل معین چند اشخاص کے مقابلہ اجازت دی کہ میری لڑکی جو فلاں نام کی ہے اس کا نکاح ولید سے دس ہزار روپیہ اور دو دینار سرخ پر کردو، اب وکیل معین وقت ایجاب بجائے دس ہزار روپیہ کے دس ہزار درہم کا الفاظ زبان پر لایا۔ شاہد نے روکا کہ چھوڑو روپیہ کہو۔ وکیل معین نے یہ کہا کہ درہم روپے کو کہتے ہیں اور دینار اشرفی، یہاں پر درہم ودینار دونوں جمع ہے، لہٰذا اہل زبان کے نزدیک مستعمل روپیہ واشرفی ہے، اس پر شاہدان واہل مجلس تمام ساکت رہے اور وکیل معین نے بایں الفاظ ایجاب وقبول کرایا کہ بنت فلاں بعوض مہر دس ہزار درہم سکہ رائج الوقت اور دو دینار سرخ تمھاری زوجیت میں دیا تم نے قبول کیا، تین مرتبہ ایجاب وقبول کراکے زبان سے کہہ دیا کہ تم کو کمی بیشی کرنے کی مجاز وحق نہیں ہے۔ درہم سے دس ہزار روپیہ مراد ہے اور سکہ کی دوسری قید ہے جو اس وقت کا روپیہ ہے جو رائج ہے، اگر اس کے خلاف وکیل معین کرے گا تو اس کے نزدیک نکاح باطل ہوگا، اب فریق ثانی دوسرے روز معہ نوشہ وہم جلیس اس کے وفریق اول میں یہ قصہ ہے کہ کتاب دیکھی جاتی ہے کہ لغت میں درہم کے معنٰی پیسہ ہے لہٰذا دو سو روپے سے بھی کم پر نکاح ہوا، اور کوئی جہلافریقین یہ کہتا ہے کہ نکاح باطل ہوا، بیان فرمایئے اجر وثواب پایئے، **فقط۔**

الجواب:

نکاح صحیح ہوگیا اور دس ہزار روپیہ اور دو دینار مہر ہوا، درہم پیسہ کو نہیں کہتے روپیہ ہی کو کہتے ہیں، ہاں

اگر اسے مطلق رکھتا تو درہم شرعی کا احتمال ہوتا جس کا وزن ۳ ماشے ایک رتی ۱/۵ رتی کا ہے اب کہ اس نے سکہ رائج الوقت کہہ دیا احتمال قطع ہوگیا اور یقینا یہی روپیہ مراد رہا جو سوا گیارہ ماشہ کا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۹: از مقام سیپری علاقہ راجہ ضلع بریلی تحصیل آنولہ تھانہ سرولی روز چہار شنبہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ مسئولہ ننھے خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس باب میں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت خواہ باہر کی پھرنے والی یا طوائف سے نکاح کرلے تو وہ جائز یا ناجائز؟ اور بعد نکاح کے بے پردہ عورت باہر جاوے تو نکاح رہا یا نہیں؟ یا اس فعل پر اس کو طلاق دے دے اور مہر ادا کردے تو پھر کوئی حق اس کا ذمہ زوج کے رہا یا نہیں؟ اور نکاح میں ایجاب وقبول باہم کرلے اور گواہ وکیل نہ ہو تو نکاح جائز یا ناجائز؟ اگر بعد نکاح اس عورت کا فعل ناجائز عرصہ ایک یا دو یوم کے معلوم ہو تو زوج اس کو طلاق دے دے اور مہر ادا کرے تو طلاق ہوجاوے گی یا نہیں؟ اور بروقت نکاح تعداد مہر کم از کم کتنی ہونی چاہئے؟

الجواب:

نکاح زن بے پردہ وبازاری سے بھی جائز ہے اور عورت کے بے پردہ نکلنے سے نکاح نہیں جاتا اور بعد طلاق مہر دینا لازم ہوتا ہے اور عدت تک کا نفقہ، پھر عورت کا کوئی حق مرد پر نہیں رہتا۔ نکاح میں وکیل کی ضرورت نہیں۔ نہ ایسے دو شخصوں کی ضرورت ہے جن کو گواہ سے نامزد کیا جائے، ہاں یہ ضرور ہے کہ دو مرد عاقل بالغ یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ (اور مسلمان عورت کے نکاح میں ان دونوں تینوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے) معًا ایجاب وقبول سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، وہی لوگ شرعًا گواہ ہیں اگرچہ وہ لوگ گواہی کے لیے نامزد نہ کئے جائیں، بغیر اس کے نکاح نہیں ہوسکتا، طلاق اس دن دیں، خواہ جب دیں واقع ہوجائے گی، مہر کم از کم دس درہم بھر چاندی ہے یعنی دو تولے ساڑھے سات ماشے بھر، یا یہاں کے روپے سے دو روپے پونے تیرہ آنے اور ایک پیسہ کے پانچویں حصے کے برابر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰ تا ۹۱: مسئولہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب محمود آبادی امام رسالہ پلٹن بریلی چھاؤنی ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

(۱) ماہ محرم الحرام وصفر المظفر میں نکاح کرنا منع ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟

(۲) زید کی لڑکی (لے پالک) ربیبہ کا نکاح زید کے سگے بھائی بکر سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) نکاح کسی مہینے میں منع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۲: بروز شنبہ ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

ایک عورت کا مرد فوت ہوگیا ہے مگر اس کی عدت پوری نہیں ہوئی اس کا نکاح پڑھنا جائز ہے؟ اگر کوئی پیش امام یا قاضی عدت کے اندر نکاح پڑھاوے تو وہ نکاح ہوگا یا نہیں؟ اور اس نکاح پڑھانے والے کے نکاح میں کچھ فساد ہوگا یا نہیں؟ یا اس کا نکاح پڑھانے والے پیش امام کے لیے کچھ کفارہ آتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ صورت دیگر یعنی پیش امام نے ایک عورت کا نکاح عدت کے اندر پڑھادیا اور پھر دوسرے روز اس نے دو مسلمان کے روبرو اقرار کیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی خدا کے لیے معاف کرو۔ انھوں نے اس کو کہا کہ پیش امام صاحب! آپ کا خود نکاح باطل ہوگیا ہے۔ تو اس نے کہا کہ اچھا میں نکاح دوبارہ چوری سے پڑھالوں گا مگر برائے خدا مجھ کو معاف کرو آئندہ کو ایسا نہ کروں گا، مگر پھر اس کو کسی دوسرے مولوی صاحب نے کہہ دیا کہ تم کہہ دو کہ مجھ کو خبر نہ تھی میں نے بے خبری میں نکاح پڑھادیا، تو اس کے لیے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ تو ایسے نکاح پڑھانے والے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور جس نے اس کو ایسا جھوٹ کہنا سکھلایا کہ تم کہہ دو کہ مجھ کو خبر نہ تھی، تو اس سکھانے والے کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ مجلس نکاح میں حاضر تھے ان کا نکاح درست ہے یا کچھ خلل ہوا؟ اور ایسے نکاح پڑھانے والے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے نکاح پڑھانے والے کو کچھ کفارہ دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

عدت میں نکاح تو نکاح، نکاح کا پیغام دینا حرام ہے۔ جس نے دانستہ عدت میں نکاح پڑھایا اگر حرام جان کر پڑھایا سخت فاسق اور زناکار کا دلال ہوا مگر اس کا اپنا نکاح نہ گیا، اور اگر عدت میں نکاح کو حلال جانا تو خود اس کا نکاح جاتا رہا اور وہ اسلام سے خارج ہوگیا، بہر حال اس کو امام بنانا جائز نہیں جب تک توبہ نہ کرے، یہی حال شریک ہونے والوں کا ہے، جو نہ جانتا تھا کہ نکاح پس از عدت ہو رہا ہے اس پر کچھ الزام نہیں اور جو دانستہ شریک ہوا اگر حرام جان کر تو سخت گنہ گار ہوا۔ اور حلال جانا تو اسلام بھی گیا، اور جس شخص نے امام کو جھوٹ بولنے کی تعلیم دی وہ سخت گناہ گار ہوا، اس پر توبہ فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۳: مسئولہ نور احمد ٹھیکدار از مقام پیلی بھیت چندی لکڑہ پار روز شنبہ ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی، دو تین روز کے بعد دوسرے شخص نے نکاح کرلیا، ابھی عدت گزری نہیں ہے۔ آیا اس کا نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح نہیں ہوا تو تیں برس تک اس نے حرام کیا اور حرام کا مرتکب ہوا، اب ہم برادری والے اس پر جرمانہ ڈالنا چاہتے ہیں، شریعت اس میں کیا حکم لگاتی ہے اور ہم لوگ کون سی اس کو سزا دیں، جو حکم شریعت کرے اس کو ہم سزا دے دیں،

آیا اس کو برادری سے علیحدہ کردیں یا کچھ لوگوں کو کھانا کھلوادیں، اس کا حکم حضور جلد روانہ فرمادیجئے کیونکہ یہاں پر جھگڑا پڑا ہوا ہے۔ **فقط**

الجواب:

وہ نکاح نہیں ہوا، حرام محض ہوا، ان مرد و عورت پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں، نہ ہوں تو برادری والے ان دونوں کو قطعاً برادری سے خارج کردیں، ان سے بول چال، میل جول۔ نشست و برخاست سب یک لخت ترک کردیں، اس کے سوا یہاں کیا سزا ہوسکتی ہے۔ اور جبراً کھانا ڈالنا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۴: مسئولہ عبداللطیف خاں دکاندار پیلی بھیت محلّہ ڈوری لال بروز یکشنبہ ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ جس کا ایک لڑکا تھا اس نے اپنا نکاح زید سے کیا اور جو لڑکا عورت بیوہ یعنی اب زوجہ زید اپنے ہمراہی لے کر آئی تھی اس کا نام بکر ہے، زوجہ زید فوت ہوگئی اور کوئی اولاد زید سے نہیں ہوئی اور نہ کوئی اولاد زید کی تھی، بکر مذکور نے اپنا نکاح کسی عورت کے ساتھ کیا جب بکر سے کوئی اولاد نہیں ہوئی بکر نے اپنی زوجہ کو نکال دیا اور طلاق دے دی، بعد انقضائے مدت عدت کے زید نے اس کے ساتھ نکاح کیا، آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔ وہ اس کی بہو نہیں، کہ بکر اس کا بیٹا نہیں، اس کی زوجہ کا بیٹا ہے۔

قال تعالٰی وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ[1] و **قال تعالٰی وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ**[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی بننے والیوں سے نکاح حرام ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان مذکورہ محرمات کے علاوہ باقی عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۵: از شاہجہاں پور بروز شنبہ بتاریخ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ماقولکم فی ھذہ الصورۃ ایھا العلماء الکرام، اول ہندہ کی نسبت اس کی رضا و رغبت سے زید کے ساتھ ہوئی پھر ہندہ کی والدہ نے اس کا نکاح بکر کے ساتھ ہندہ کو اطلاع دئے بغیر کردیا، اور ہندہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر تجھ سے کوئی نکاح کے متعلق دریافت کرے تو یہ کہہ دینا کہ میری ماں کو اختیار ہے۔ جب ہندہ کو اپنے

---

[1] القرآن ۴/ ۲۳

[2] القرآن ۴/ ۲۴

نکاح کی اطلاع ہوئی جو بکر کے ساتھ کیا گیا تھا تو اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اپنی رضامندی سے اپنا نکاح زید کے ساتھ پڑھوالیا (اور اس لڑکی کے سوائے ماں اور بہنوں کے اور کوئی نہ تھا، اور عمر لڑکی کی سترہ سال کی تھی) یعنی بالغ تھی، سوال یہ ہے ان صورتوں میں ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ صحیح ہوا یا زید کے ساتھ؟ **فقط**

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ ہندہ وقت نکاح بکر بالغہ تھی اور ماں نے بے اس کی اجازت کے اس کا نکاح کیا، جس کی خبر پا کر اس نے قبول نہ کیا اور اپنا نکاح زید سے کرلیا تو نکاح بکر باطل ہوگیا، اور اگر ہندہ کے کوئی مرد دادا پردادا کی اولاد کا کہ ولی نکاح ہوسکے نہیں، یا زید جس سے ہندہ بالغہ نے برضائے خود نکاح کرلیا ہندہ کا کفو ہے یعنی مذہب نسب، چال چلن، پیشے وغیرہ کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ ہندہ کا اس سے نکاح ولی ہندہ کے لیے باعث ننگ وعار ہو یا اگر وہ کفو نہیں تو ولی نے پیش از نکاح اسے ایسا جان کر اس سے نکاح ہندہ کی صریح اجازت دے دی تو ان صورتوں میں زید کا ہندہ سے نکاح صحیح اور لازم ہوگیا، اور اگر زید مذکور کفو نہیں اور ہندہ کے ولی نے پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر صریح اجازت نہ دی تو ہندہ کا نکاح زید سے بھی باطل محض ہوا **والمسائل کلھا منصوص علیھا فی الدر وغیرہ من الاسفار والغر** (یہ تمام مسائل در وغیرہ کتب میں صراحۃً مذکور ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۶: از ڈاک خانہ سندیلہ حاجی محلّہ متھوا ضلع ہردوئی مرسلہ محمد عبدالوکیل صاحب بروز شنبہ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ احد الفریقین سنی المذہب ہے اور دوسرا فریق شیعہ امامیہ طریقہ رکھتا ہے، کیا ان دو اشخاص کے باہم عقد مناکحت شرعاً جائز ہے؟ اور یہ کہ ان سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب ہے یا نہیں؟

الجواب:

نکاح اصلًا نہ ہوگا **والمسألۃ فی الھندیۃ وغیرھا وقد فصلناھا غیر مرۃ فی فتاوٰنا** (یہ مسئلہ ہندیہ وغیرہ میں ہے ہم نے کئی بار اسے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۷: از گونا ریاست گوالیار مقصود علی گردآور بروز شنبہ بتاریخ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

بحضور واقفانِ طریقت وعالمان نکات شریعت پیشوائے دین احمدی ورہنمائے احکامات محمدی مدظلہ بعد آداب نیاز دست بستہ گزارش ہے کہ میں عقد تزویج سلطان احمد خاں میں عرصہ ایک سال کا ہوا آئی اس کا بھائی سلیمان خاں ۷ ماہ تک میرے والدین کے پاس رہا، اس کی بد چلنی واوباشی سے میرے والدین نے اس سے

کہاکہ چلن اپنا سنبھالو، کاش میں ایسا چلن تمھارا خیال کرتا اپنی عورت کو تمھارے سامنے آنے کی اجازت نہ دیتا اس نے کہا میں ابھی جاؤں، والد نے کہا جاؤ سلام، وہ چلا گیا، میری والدہ کو والد نے یہ حکم دیا کہ آج سے تم جس وقت اس کا منہ دیکھو گی نکاح سے خارج سمجھنا، میرا شوہر اس کو لایا، میری والدہ نے پردہ کیا، میرے شوہر نے مجھ سے کہا میرے بھائی کو تمھارے والدین نے علیحدہ کیا میں آج سے تم کو علیحدہ کرتا ہوں، تمھارا مجھ سے کچھ واسطہ نہیں، میں روتی ہوئی اندر آئی وہ چلے گئے صبح کو کریم خاں کو شوہر کے پاس بھیجا، بلایا تو کہا میں چھوڑ چکا اب کیا واسطہ، اب اگر کعبہ بھی اس طرف ہو تو سر نہ جھکاؤں گا، گواہوں کے روبرو کہہ دیا، اس دن سے قریب چھ ماہ کے منقضی ہوئے بالکل میں متروکہ پڑی رہی، اب اس کی ہمشیرہ نے آکر اول یہ تجویز کیا کہ کسی صورت سے گھر میں لائے، پھر کہا طلاق کا قصور ہوگیا ہے اس کی تجویز اچھی طرح کرلیں گے کہ ہم اپنے دوسرے بھائی سے نکاح کراکر طلاق دلاکر تیسرا نکاح پڑھالیویں گے، کسی کو کچھ معلوم نہ ہوگا۔ یہ میں نے منظور نہیں کیا اور نوٹس زر مہر کا دیا، تو اب دعوی رخصت کا کرتا ہے، لہٰذا دست بستہ ملتجی ہوں کہ میرا عقد سلطان احمد خاں سے قائم رہا یا ساقط ہوا؟ زر مہر موجل کی میں حقدار ہوں یا نہیں؟ ایام عدت میرے ختم ہوچکے ہیں یا باقی ہیں؟ میں شوہر سابقہ سے اب تعلق ازدواج سابقہ رکھوں تو جائز ہے یا نہیں؟ عند اللہ جواب باصواب سے آگاہی بخشی جائے کہ جس سے دین محمدی کے احکام میں کوئی قصور اس عاصیہ سے نہ سرزد ہو، اس کا اجر حضور کو اللہ تعالٰی دے گا، یہ ریاست ہندوستانی ہے کوئی اس قدر لیاقت نہیں رکھتا جو شرعا حکم دے ویسراج کا برتاؤ ہے۔

الجواب:

بیان مذکور اگر واقعی ہے تو عورت پر بائن طلاق ہوگئی اور نکاح سے نکل گئی اور تین طلاقیں نہ ہوئیں کہ حلالہ کی حاجت ہو جس کے واسطے سلیمان خاں سے نکاح ہو کر طلاق لی جائے۔ زن و شوہر کی اگر ایک مکان تنہا میں یک جائی ہوچکی ہے تو کل مہر واجب الادا ہوگیا اور عورت پر روز طلاق سے تین حیض کی عدت لازم ہوئی تین حیض اگر شروع ہو کر ختم ہوگئے تو عدت سے نکل گئی ورنہ ابھی نہیں، اور اگر ابھی صرف نکاح ہوا ہے اور ایک مکان میں زن و شوہر کی تنہائی نہ ہوئی تو نصف مہر ساقط ہوگیا ارو نصف واجب الادا، اور عدت اصلا نہیں، اس طلاق کے بعد عورت اگر چاہے تو سلطان احمد خاں سے دوبارہ نکاح ہوسکتا تھا، مگر وہ کلمہ جو اس نے کہا کہ اگر ادھر کعبہ بھی ہو تو سر نہ جھکاؤں گا، اسے علماء نے کلمہ کفر لکھا ہے۔ لہٰذا اگر وہ اب توبہ کرے اور تجدید اسلام، تو اس کا اس سے نکاح ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸: از جناب عثمان ایوب حاجی آدم جی حاجی یعقوب صاحبان ضلع بلاسپور سی پی ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

ماقولکم ایھا العلماء الحنفیون رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ اگر زید نے ایک جماعت کثیرہ کے روبرو

بکر سے اس کی دختر کو مانگا اور کہا کہ میں آپ کی دختر کو اپنے پسر کے واسطے مانگنے والا آیا ہوں اور بکر نے بھی بسمع وطاعت قبول کرلیا اور کپڑے وزیورات زید نے حاضر کئے اور قبول و تقسیم شیرینی وغیرہ کے دختر کا بھیجنا بھجانا بھی خاطب کے یہاں برابر ہوتا رہا، درمیان میں کسی قدر شکررنجی کے باعث بکر دختر موصوفہ کو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ ہے پس سائل سوال کرتا ہے کہ صورت مذکورۃ الصدر میں ایقاع نکاح ہوا کہ نہیں، کیا صورت بالا میں بکر دختر موصوفہ کو کسی دوسرے کے نکاح میں دے سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا بالدلیل وتوجروا بالاجر الجزیل۔**

الجواب:

جبکہ وہ جلسہ منگنی کا تھا نہ کہ نکاح کا تو صرف اتنے الفاظ سے کہ سوال میں مذکور ہوئے نکاح منعقد نہ ہوا، اسے دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: از نظام علی خاں ولد امام علی خاں پرگنہ سہسوان ضلع بدایوں بھوانی پور خورد ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

ایک شخص ہمارے یہاں بھوانی پور خورد میں پیش امام تھا اس کی بیوی انتقال کرگئی اور اس کی سوتیلی ماں سے نکاح کرلیا ہے جو کہ اس کی سوتیلی ساس تھی یعنی اس کی بیوی کی سگی ماں نہ تھی، اب اس کی بابت ہم کو فتوٰی کی ضرورت ہے حضور کو تکلیف دیتے ہیں کہ اس مسئلہ کو خوب صحیح طور سے ہم کو آگاہ کیجئے گا نکاح درست ہے کہ نادرست ہے؟ وہ کون آیت کلام پاک میں ہے کہ جس سے ناجائز ہے اور وہ کون آیت ہے کہ جس سے جائز ہے اور کون کون پارہ میں ہیں اور وہ کون کون رکوع میں ہیں؟

الجواب

زوجہ کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے کہ سوتیلی ماں ماں نہیں ہوتی۔

قال اللہ تعالٰی اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ[1] **وقال تعالٰی** وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ[2] **۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کی مائیں صرف وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنم دیا ہے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے ماسوا تمھارے لیے حلال قرار دی گئی ہیں (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] القرآن ۵۸/۲

[2] القرآن ۴/۲۴

مسئلہ ۱۰۰: مسئولہ منشی محمد حسین صاحب جے پوری از شاہجہاں پور ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ بتوسط کنور جگندر پال سنگھ بی اے، ایل ایل بی، ڈپٹی کلکٹر

کیا فرماتے ہیں اس میں کہ زید کی نانی دو بہنیں ہیں اصلی نانی کی لڑکی تو زید کی اصلی خالہ ہوئی اس سے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا، لیکن نانی کی دوسری بہن کی لڑکی سے جو زید کی رشتہ میں خالہ ہے کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

ماں کی خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے، **قال تعالٰی وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: (ان کے سوا تمھارے لیے حلال قرار دی گئی ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۱: از گیا فرحت باغ کوٹھی ایسری پرشاد سنگھ رئیس گیا مسئولہ مظہر الحق صاحب ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اپنے حقیقی ساڑھو (سانڈھوں) کی لڑکی سے عقد ومناکحت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ساڑھو (سانڈھو) کی لڑکی اگر سالی کے بطن سے نہیں تو اس سے نکاح مطلقاً جائز ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، اور اگر سالی سے ہے یعنی اپنی زوجہ کی بھانجی، تو جب تک زوجہ اس کے نکاح میں ہے اس کی بھانجی سے نکاح حرام ہے، ہاں عورت کو طلاق دے دے اور عدت گزر جائے یا عورت مرجائے اس کی بھانجی سے نکاح جائز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲: مسئولہ مولوی عزیز الحسن صاحب قادری رضوی برکاتی پھپھوند ضلع اٹاوہ بتاریخ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے جماع **بین الاختین** کیا، اور اولادیں دونوں سے ہیں، پس از روئے شرع اقدس یہ اولادیں اور بیویاں جائز قرار پائیں گی یا نہیں؟ اور پانے ترکہ زید کی مستحق ہوں گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر دونوں سے ایک ساتھ نکاح کیا دونوں حرام، اور اگر آگے پیچھے کیا تو پہلی کا نکاح بے خلل، دوسری کا

---
[1] القرآن ۴/۲۴

حرام، پھر جب دوسری سے قربت کی پہلی سے قربت بھی حرام ہو گئی، جب تک اسے جدا کرکے عدت نہ گزر جائے اولادیں بہر حال عــہ ولد الحرام ہیں جیسے وہ نطفہ جو حالتِ حیض میں ٹھہرا مگر ولد الزنا نہیں، زید کا ترکہ ان سب اولاد کو ملے گا۔ ہاں دونوں سے معًا نکاح کیا دونوں زوجہ ورنہ پچھلی ترکہ نہ پائے گی، یہ سب اس صورت میں ہے کہ دونوں سے نکاح کیا ہو، اور اگر زوجہ نکاح میں ہے اور سالی سے زنا کیا تو زوجہ سے قربت بھی حرام نہ ہو گی، نہ اس کی اولاد ولد الحرام ہو گی، سالی سے جو بچے ہوں گے ولد الزنا ہوں گے اور زید کا ترکہ نہ پائیں گے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ میاں محمد غوث صاحب ضلع اٹک ڈاکخانہ خود بتاریخ ۵ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

لاتنکح المرأۃ علی عمتھا والمرأۃ علی خالتھا نسائی وغیرہ۔ بینوا توجروا	نسائی وغیرہ میں ہے پھوپھی اور خالہ کی موجودگی میں ان کی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ (ت)

جواب: صریحا نص سے پایا جاتا ہے اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ [1] الآیۃ (ان مذکورہ محرمات کے ماسوا حلال ہیں۔ ت) تو حل ثابت ہو گئی۔ اور حدیث "کلامی لاینسخ کلام اللہ وکلام اللہ ینسخ کلامی" [2] (میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے۔ ت) تو تطبیق کی کچھ حاجت نہ رہی، جب ناسخ ٹھہری تو حرمت اٹھ گئی حل پر حکم پایا گیا۔

الجواب:

لاتنکح المرأۃ علی عمتھا ولا علی خالتھا [3]۔	پھوپھی اور خالہ کی موجودگی میں ان کی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ (ت)

حدیث صحیح مشہور ہے، مع ھذا وہ مخالف قرآن نہیں بلکہ آیہ کریمہ **وان تجمعوا بین الاختین** [4] (حرام ہے

عــہ: یعنی اگر ایک ساتھ نکاح کیا ہو یا آگے پیچھے مگر سب اولاد بعد جمع ہوئی ہو ورنہ وہ اولاد جو دوسری کے نکاح اور قربت سے پہلے ہوئی ولد الحرام نہیں۔ ۱۲ مصطفٰی رضا قادری غفرلہ

[1] صحیح بخاری باب لاتنکح المرأۃ علی عمتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۶۶

[2] القرآن ۴/۲۴

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جبرون بن واقد الخ دار الفکر بیروت ۲/۶۰۲

[4] صحیح مسلم کتاب النکاح باب تحریم الجمع بین المرأۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۳

کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ ت) کی تفسیر ہے کہ اختیت سے ہر علاقہ محرمیت مراد ہے علاوہ بریں کریمہ "وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ"[1] (ان کے سوا حلال ہیں۔ ت) عام مخصوص منہ البعض ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

وَلَا تَنۡکِحُوا الۡمُشۡرِکٰتِ حَتّٰی یُؤۡمِنَّ ؕ وَلَاَمَۃٌ مُّؤۡمِنَۃٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِکَۃٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ ۚ[2] ۔	مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان لائیں، اور مومن لونڈی، مشرکہ سے بہتر ہے اگرچہ مشرکہ تمھیں پسند ہو۔ (ت)

حدیث **کلامی لاینسخ کلام اللہ**[3] (میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا۔ ت) محض بے اصل ہے۔ خود صحاح احادیث کثیرہ میں ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: دیکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا بے فکر اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ کہے ہم نہیں جانتے جو قرآن میں حلال پائیں گے اسے حلال کہیں گے اور جو قرآن میں حرام پائیں گے اسے حرام کہیں گے[4]۔ **الا انی اوتیت القراٰن ومثلہ معہ**[5] سن لو میں قرآن دیا گیا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل، اور **الا وان ماحرم رسول اللہ مثل ماحرم اللہ**[6] سنو بیشک جسے رسول اللہ نے حرام کیا وہ ایسا ہی حرام ہے جسے اللہ نے حرام کیا۔ خود رب العزت تبارک وتعالٰی قرآن عظیم میں کافروں کی حالت بیان فرماتا ہے:

وَلَا یُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ[7] ۔	کافر حرام نہیں جانتے ان چیزوں کو جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا۔

اور مسلمانوں سے فرماتا ہے:

مَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ ۚ وَمَا نَہٰىکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا ۚ[8] ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جو کچھ رسول تم کو عطا فرمائیں اس کو لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

---

[1] القرآن ۲۴/۴

[2] القرآن ۲۲۱/۲

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جبرون بن واقد دارالفکر بیروت ۶۰۲/۲

[4] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص

[5] سنن ابی داؤد باب فی لزوم السنۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲۷۶/۲

[6] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳

[7] القرآن ۲۹/۹

[8] القرآن ۷/۵۹

مسئلہ ۱۰۴: مرسلہ عنایت اللہ خاں صاحب موضع سسونہ ضلع رامپور ۷ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغ کے والدین نے اپنی برادری میں ایک نابالغ لڑکے سے نسبت یعنی منگنی کردی، کچھ عرصہ کے بعد لڑکی کا باپ فوت ہوگیااس کی ماں نے بوجہ تنگی معاش بلا نکاح اس لڑکے نابالغ کے باپ کو بلاکر رخصت کردیا جس کے ساتھ نسبت ہوچکی ہے۔ اس نے اپنے مکان پر لے جاکر نکاح اپنے پسر نابالغ کے ساتھ پڑھوالیا، اب کچھ عرصہ بعد اس کی ماں لڑکی کو رخصت کرالائی اور دوسری جگہ نکاح کردیا جس کو اب پانچ یا چھ سال ہوچکے ہیں اب وہ شخص جس سے پہلے نکاح ہوا تھا دعویدار ہے کہ میرے ساتھ رخصت کرائی جاوے میری منکوحہ ہے۔ ماں لڑکی کی پہلے نکاح سے انکار کرتی ہے اور لڑکی بھی پہلے نکاح سے بے خبری بیان کرتی ہے۔ رخصت کرنے کا اور اس کی منگنی کا ماں اقرار کرتی ہے جس سے اس وقت اجازت نکاح قرینہ سے پائی جاتی ہے گو کہ اب انکار کرتی ہے، لہٰذاایسی صورت میں بموجب شرع شریف جو حکم صادر ہو فرمائے کہ نکاح اول کا صحیح رہایا دوسرے کا؟ کیونکہ بموجودگی ولی صرف رخصت کردینااجازت نکاح ولی کی جانب سے کسی فضولی کو نکاح کرنے کے لیے کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ وہ نکاح یعنی نابالغی میں ہوا تھااور دوسرا نکاح بالغ ہونے پر۔ اس پر عورت بھی راضی ہے۔

الجواب:

جس نابالغ کا کوئی عصبہ ہو یعنی اس کے داداپرداداکی اولاد کاقریب تر مرد ہو وہ اس کے نکاح کا ولی ہے۔ اس کے ہوتے ماں کو بھی اختیار نہیں وہ نکاح کہ لڑکے کے باپ نے پڑھوالیا اجازت ولی پر موقوف تھا، عصبہ ہو تو وہ ورنہ ماں۔ اگر ولی کی اجازت ہوگئی تھی اور لڑکا اس کا کفو تھا یعنی مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں کسی بات میں کم نہ تھا، کہ اس سے نکاح ولی کے لیے باعث ننگ وعار ہو نکاح پہلا صحیح ہوگیااور دوسرا باطل ہے۔ ورنہ دوسرا صحیح ہوگیا، اور پہلا باطل ہے لان البات اذاطرء علی موقوف ابطلہ (کیونکہ قطعی حکم جب موقوف حکم پر آجائے تو وہ موقوف کو باطل کردیتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴: مرسلہ عبدالسلام صاحب پوسٹ ماسٹر ڈاکخانہ دوسہ راج جے پور ۹ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورہائے مندرجہ ذیل میں:

(۱) لڑکی کے برس کی عمر میں بالغ شمار ہوتی ہے اگر بالغہ برضائے خود کسی کے ساتھ نکاح کرے تو وہ شرعادرست ہے یا نہیں؟

(۲) زید نابالغ العمر ۱۱ سال جو ہندہ اور خالد کے حقیقی تایاکالڑکا ہے وہ بولایت بکر کے جو زید کا چارپشت کے فاصلہ سے چچا ہوتا ہے ہندہ بعمر ۱۸ سال اور حقیقی برادر ہندہ سے خالد بعمر ۱۵ سال کے ولایت کا بمقابلہ ہندہ خالد کے حقیقی نانی کے مدعی ہے۔ شرعًا زید کا یہ دعوی صحیح ہے یا نہیں یعنی ہندہ اور خالد کی ولایت اس صورت

حقیقی نانی کو پہنچتی ہے یا زید نابالغ تایازاد بھائی کو یا بکر کو جو چار پشت کے فاصلہ سے چچا ہوتا ہے؟

الجواب:

(۱) لڑکی کم از کم نو برس میں اور زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی عمر میں بالغہ ہوتی ہے اس بیچ میں جب آثار بلوغ ظاہر ہوں بالغہ ہے ورنہ پندرہ سال پورے ہونے پر حکم بلوغ دیا جائے گا اگرچہ آثار بلوغ کچھ نہ ظاہر ہوں، بالغہ بے اذن ولی خود اپنا نکاح کرسکتی ہے مگر کفو میں، یعنی جس سے نکاح کرے وہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں اس سے ایسا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ نکاح ہونا اس کے ولی کے لیے باعث ننگ وعار ہو، اگر غیر کفو سے برضائے خود نکاح کرے گی اور ولی رکھتی ہے اور اس نے پیش از نکاح غیر کفو جان کر بالتصریح اجازت نہ دی تو نکاح اصلاً نہ ہوگا ہاں اگر کوئی ولی نہیں رکھتی یا ولی نے پیش از نکاح شوہر کو غیر کفو جان کر بالتصریح اجازت دی تو اس سے بھی نکاح صحیح ہوجائے گا۔

(۲) خالد کی جب عمر پندرہ سال کامل ہے تو وہ شرعاً بالغ ہے اور اپنے نفس کا خود ولی ہے کسی ولی کا محتاج نہیں، اور ہندہ کہ اٹھارہ سال عمر رکھتی ہے اس پر ولایت جبر کسی کو نہیں کہ خود بالغہ ہے اور ولایت غیر مجبرہ اس کے بھائی کو ہے اس کے ہوتے نانی یا بکر کوئی چیز نہیں، اور زید نابالغ کو دوسرے کا ولی بنانا جنون ہے نابالغ کسی کا ولی نہیں ہوسکتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: مرسلہ جناب ولی محمد صاحب بیتاب مدرس سررشتہ تعلیم ریاست ہلکر اندور بمبئی بازار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ ہندہ ایک کمسن لڑکی کا نکاح اس کے دادا نے ایک نہایت ہی کمسن لڑکے زید سے کردیا، ہندہ اس وقت بالکل بالغہ ہے مگر زید نابالغ، کم از کم پانچ برس اس کی بلوغت کو درکار ہیں، ہندہ اور زید میں زن وشوہر کا تعلق ہونا کیا معنی بلکہ ہندہ کی آج تک اپنے میکہ سے رخصتی ہی نہیں ہوئی، زید کے یہاں زید کے والد کی حین حیات سے جس کا انتقال یکایک ہوگیا اور گو مشتبہ مگر اب تک نامعلوم کسی نہ کسی وجہ سے اس سانحہ کی خبر زید کے چچا تک کو نہ دی گئی تھی ایک پردیسی نوجوان ملازم چلا آتا ہے زید کے والد مشتبہ جوانا مرگ کے بعد اس ملازم نے زید کے مکان میں وہ رسوخ حاصل کیا کہ ہر سیاہ وسفید وہی کرتا ہے اور اس کے چوبیس گھنٹہ اس مکان میں رہنے سے جہاں کوئی دوسرا بالغ مرد بطور رکن خاندان کے نہیں رہتا ہے زید کے خاندان کو ایک زمانہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور درپردہ مورد اتہام ہے۔ زید کے چچا نے سانحہ مذکورہ بالا سے متعجب ہو کر اس ملازم کے گزشتہ چال چلن کی نسبت جو تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ ابتداء سے یہ ایک آوارہ چلن شخص ہے حتی کہ اسے والدین نے بھی اس کو مکان سے نکال دیا تھا اس کے بعد وہ عرصہ تک ناٹکوں میں ناچتا رہا گاتا رہا بجاتا رہا، اس تحقیق کے بعد متاثر ہو کر زید کے چچا نے جو زید کا جائز طور سے سرپرست ہے زید کی والدہ سے درخواست کی کہ اس

ملازم کو مکان سے علیحدہ کر دیا جائے۔مگر زید کی والدہ نے یہ جواب دیا کہ ہر گز نہیں ہو سکتا چاہے کچھ بھی ہو،نہ ملازم مجھ سے نہ میں ملازم سے جدا ہو سکتی ہوں،ان تمام وقوعات سے ہندہ بخوبی واقف ہے،وہ سسرال جانے سے خود کی عصمت دری اورآبروریزی کے خوف کے علاوہ اپنی جان معرض خطرہ میں سمجھتی ہے اس لیے سسرال ہر گز نہیں جانا چاہتی بلکہ اپنے خاندان کے حفظ آبرو کے لحاظ سے تفریق کے بعد دوسرا نکاح کرلینا چاہتی ہے۔اس صورت میں ہندہ کے لیے کیا حکم ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

ہندہ کا باپ اگر نہیں اور دادا نے نکاح کر دیا اور ہندہ وقت نکاح نابالغہ تھی گواب بالغہ ہے یا بالغہ تھی اس سے اذن لے کر نکاح کیا یا بے اس کی اجازت کے نکاح کیا مگر بعد وصول خبر اس نے اجازت دی یا دادا آپ اذن لینے آیا تھا اور ہندہ نے سکوت کیا،توان سب صورتوں میں نکاح منجانب ہندہ لازم ہو گیا،اس کا فسخ ناممکن ہے۔تفریق ہو تو موت یا طلاق سے،اور نابالغ کی طلاق باطل ہے۔نہ اس کی طرف سے اس کا کوئی ولی طلاق دے سکے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارہ برس ہوئے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا لیکن ہندہ نے بوقت نکاح زبان سے ایجاب نہیں کیا تھا،نہ انکار کیا بلکہ سکوت اختیار کیا،ایک دوسری عورت نے جو عروس کے پاس موجود تھی وکیل سے یہ کہہ دیا تھا کہ ہندہ منظور کرتی ہے۔ہندہ کا بیان ہے کہ اس وقت میں بالکل خالی الذہن تھی نہ میرے دل میں اقرار تھا نہ انکار کا خیال بلکہ دوسرے خیالات رنج وغم ونئی زندگی شروع ہونے کے تر ددات میں مبتلا تھی،دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ نکاح شرعًا درست ہوا یا نہیں،توزید وہندہ کو مواخذہ وعقبٰی سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہئے؟بیّنوا توجروا مزید عرض ہے کہ جواب جلد مرحمت ہو کیونکہ ہندہ مواخذہ عقبٰی کے خیال سے نہایت خائف وترساں ہے۔**فقط**

الجواب:

ہندہ سے اذن لینے کون آیا تھا وہ سب سے قریب تر ہندہ کا ولی یا اس ولی کا بھیجا ہوا یا کون تھا؟ہندہ کی رخصت ہوئی یا نہیں؟ قبل رخصت ہندہ کے کسی قول یا فعل سے اس نکاح کی خبر سن کر اظہار رغبت یا نفرت ہوا یا نہیں؟ان تمام باتوں کی تفصیل پر جواب دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔

جوابات امور مستفسرہ

ہندہ کے والد کے چچازاد بھائی یعنی ہندہ کے رشتہ کے تایا اذن لینے گئے تھے،یہ یاد نہیں کہ اس وقت کس نے

انھیں اس کام پر متعین کیا تھا، بالعموم ایسے بزرگ خاندان جن سے لڑکی پردہ نہ کرتی ہو بھیجے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا، ہندہ کا باپ اس شہر میں موجود نہ تھا، اس نے ہندہ کے ماموں کو اس نکاح کے مراسم و تقریبات ادا کرنے کے لیے بذریعہ خط مامور کیا تھا یہ کہا جاسکتا ہے اذن لینے کے لیے ہندہ کے ماموں ہی نے وکیل کو متعین کیا ہوگا در حقیقت یہ یاد نہیں، رخصت اس ہفتہ میں ہو گئی کوئی امر ہندہ کی رغبت و رضامندی کے خلاف نہ اس وقت نہ آج تک بارہ برس گزرنے کے بعد تک کوئی امر ایسا ظہور پذیر نہ ہوا جس سے ہندہ کی نارضامندی ظاہر ہو بلکہ ایسا کمال اتحاد سے زن و شوبسر کرتے ہیں یہ سوال صرف ہندہ کے اس توہم کی بناپر پیدا ہوتا ہے کہ مبادا نکاح صحیح نہ ہوا ہو اور عنداللہ مواخذہ باقی رہے اس کا اطمینان مقصود ہے۔

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ ازانجا کہ اذن لینے والا ولی اقرب نہ تھا ہندہ کا سکوت اذن نہ ٹھہرے اور وہ نکاح نکاح فضولی ہوا اور ہندہ کی اجازت پر موقوف رہا، مگر جبکہ پیش از رخصت ہندہ سے کوئی قول و فعل ایسا واقع نہ ہوا جس سے ہندہ کا اس نکاح سے ناراض ہونا سمجھا جاتا اور ہندہ برضاو رغبت ہو کر شوہر کے یہاں آتی تو وہ نکاح موقوف نافذ و تام ہو گیا، اس میں کوئی اندیشہ مواخذہ کا نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۹ تا ۱۱۱: از گونڈل کاٹھیاواڑ مسئولہ جناب سیٹھ عبدالستار بن اسمٰعیل رضوی تاریخ ۷ ارجب المرجب ۱۳۳۴ھ روز شنبہ

(۱) یہاں پر یہ رواج ہو چلا ہے کہ وقت نکاح وکیل کے ہمراہ دو گواہ نہیں جاتے ہیں اور قاضی وکیل کی وکالت اور حاضرین کی شہادت سے نکاح پڑھا دیتا ہے آیا یہ امر عندالشرع محمود ہے یا مردود؟ نیز اس ترکیب سے مذہب حنفی میں نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟ وکیل کو اپنے ساتھ دو گواہ کا رکھنا اور ان شاہدوں کو عورت کی اجازت سننا ضروری ہے یا نہیں: اگر اس طرح نہ کرکے بر طریق ان مروجہ پر مدام عمل کرنے پر سب گنہ گار ہیں یا نہیں؟

الجواب

وکیل کے ساتھ شاہدوں کی حاجت کچھ نہیں، اگر واقع میں عورت نے وکیل کو اذن دیا اور اس نے پڑھا دیا نکاح ہو گیا، ہاں اگر عورت انکار کرے گی میں نے اذن نہ دیا تھا تو حاکم کے یہاں گواہوں کی حاجت ہو گی، یہ تو کوئی غلطی نہیں۔ ہاں یہ ضرور غلطی ہے کہ وکیل ہوتا ہے کوئی اور۔ نکاح پڑھاتا ہے دوسرا، مذہب صحیح وظاہر الروایہ میں وکیل بالنکاح دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا، اس میں بہت دقتیں ہیں جن کی تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے۔ لہٰذا یہ چاہئے کہ جس سے نکاح پڑھوانا منظور ہے اس کے نام کی اجازت لی جائے یا اذن مطلق لے لیا جائے **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) نوشہ کا وقت نکاح سہرا باندھنا نیز باجے گاجے سے جلوس کے ساتھ نکاح کو جانا شرعاً کیا

حکم رکھتا ہے؟

الجواب:

خالی پھولوں کا سہرا جائز ہے اور یہ باجے جو شادی میں رائج و معمول ہیں سب ناجائز و حرام۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) ولیمہ شریف کا کھانا کھلانا شریعت مطہرہ کے کس حکم میں داخل ہے۔اس کا تارک کیسا ہے؟ نیز جس شہر کے لوگوں میں سے کوئی بھی بعد نکاح ولیمہ نہ کرتا ہو بلکہ پہلے نکاح کے اول روز جس طرح کہ رواج ہے کھلادیتا ہو توان سب لوگوں کے لیے شریعت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاحکم شریف کیا ہے؟

الجواب:

ولیمہ بعد نکاح سنت ہے اس صورت میں صیغہ امر بھی وارد ہے،عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا **اولم ولو بشاۃٍ**[1] ولیمہ کر اگرچہ ایک ہی دنبہ یا اگرچہ ایک دنبہ،دونوں معنی محتمل ہیں،اور اول اظہر تارکان سنت ہیں۔مگر یہ سنن مستحبہ سے ہے۔تارک گناہ گار نہ ہوگا اگر اسے حق جانے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۱۲: از ضلع ھزاری باغ،ڈاکخانہ چترپور مقام چترپور، مسئولہ محمد عبدالرب صاحب روز پنجشنبہ ۲۲ رجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین رحمہم اللہ تعالٰی اجمعین اس مسئلہ میں کہ زید کی بی بی نے بحالت شیر خوارگی اپنے بیٹے عمرو کے اندر مدت رضاعت کے بکر کو دودھ پلایا،بعدہ زید کی بی بی سے تین لڑکے مسمیان محمد سعید و محمد فاضل و محمد سلیم تولد ہوئے تواب بکر کی لڑکی سے محمد سلیم جو برادر حقیقی عمرو کا ہے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ وبدرج عبارات کتب معتبرہ حنفیّہ ارشاد ہو۔

الجواب:

بکر کی لڑکی زوجہ زید کی اگلی پچھلی سب اولاد کی حقیقی بھتیجی ہے اور باہم مناکحت حرام قطعی۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۱۳: مسئولہ جناب عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب از شہر گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ یک شنبہ ۹ شعبان ۱۳۳۴ھ

بعض لوگ اپنی لڑکیاں اس ملک میں ہزار دوہزار روپیہ لے کر کفو یا غیر کفو سے نکاح کردیتے ہیں اس میں بعض وقت عمر کا بھی خیال نہیں رکھتے یعنی جو شخص زائد رقم دے اس سے نکاح کردتیے ہیں،آیا ایسی رقم کا لینا والدین کے حق میں مباح ہے یا نہیں اگرچہ والدین غریب ہوں اور اس طرح یہ رقم لے کر غیر کفو یا

---

[1] صحیح بخاری باب الصفرۃ للمتزوج قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۵-۷۷۴

بڑی عمر والے کے ساتھ نکاح کر دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

مال کے سبب اپنی اولاد کا نکاح غیر کفو سے اس کے حق میں بد خواہی ہے، اور یہ روپیہ رشوت میں داخل ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں اس جزئیہ پر بحث فرمائی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۴: مسئولہ عابد خاں، معرفت منشی خدا بخش صاحب ٹھیکدار صدر بازار بریلی دوشنبہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس بارے میں کہ زید بکر کا چچازاد بھائی ہے اور رضاعی بھی، زید کے صرف ایک حقیقی چھوٹا بھائی ہے اور بکر کے ایک چھوٹا بھائی اور ایک بڑی بہن جو کہ حقیقی ہیں اور بکر کی بہن دونوں بھائیوں سے چھوٹی ہے، تو زید کے چھوٹے بھائی کا نکاح بکر کی چھوٹی بہن سے جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ زید اور بکر آپس میں رضاعی بھائی ہیں۔

الجواب:

بکر نے اگر زید کی ماں کا دودھ پیا ہے تو زید اور اس کا بھائی بکر کے بھائی ہوئے نہ کہ خواہر بکر کے اور اگر زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا ہے تو یہ خواہر بکر کا بھائی ہوا نہ کہ زید کا بھائی، بہر حال زید کے بھائی اور بکر کی بہن میں نکاح جائز ہے **لقولھم تحل اخت اخیہ رضاعًا** (فقہاء کے قول کے مطابق بھائی کی رضاعی بہن حلال ہے۔ ت)

مسئلہ ۱۱۵: مسئولہ عنایت حسین خاں محرر تھانہ دوسہ علاقہ ریاست جے پور ملک راجپوتانہ ۱۲ شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) کیا نابالغ لڑکی بر ضامندی خود اور خلاف مرضی ولی جائز کے اپنا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) بالغہ بر ضامندی خود اور خلاف مرضی ولی جائز کے اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو وہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور اگر ولی نے قبل از نکاح غیر کفو میں نکاح کرنے سے منع کر دیا ہو اور پھر بھی کسی طرح پوشیدہ یا زبردستی کسی غیر کفو کے ساتھ لڑکی نے نکاح کر لیا ہو تو اس کے ولی کو اس نکاح کے تنسیخ کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ہر گز نہیں، ہاں ولی کے اذن سے کر سکتی ہے جبکہ سمجھ وال ہو یا بطور خود کرے اور ولی بعد اطلاع اسے جائز کر دے تو جائز ہو جائے گا، رد کر دے تو باطل ہو جائے گا، در مختار میں ہے:

الولی شرط صحۃ نکاح صغیر [1] **الخ اقول:**	نابالغ کے صحت نکاح کے لیے ولی شرط ہے الخ **اقول:**

[1] در مختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

الوجه تقدیر النفاذ فان الموقوف من الصحیح غیر انه اراد بالصحة النفاذ علی التبادر۔ واللہ تعالٰی اعلم	اس کو درست کرنے کے لیے لفظ "نفاذ" مقدر ہے کیونکہ ولی کے بغیر نکاح موقوف ہوتا ہے جو کہ صحیح نکاح ہے مگر یہاں صحت سے مراد نفاذ ہے کیونکہ یہی متبادر ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) شرع میں غیر کفو وہ ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اس کے ساتھ عورت کا نکاح اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار ہو، ایسے شخص سے اگر بالغہ بطور خود نکاح کرے گی نکاح ہوگا ہی نہیں اگرچہ نہ ولی نے منع کیا ہو نہ اس کے خلاف مرضی ہو۔ یہ نکاح اس صورت میں جائز ہوسکے گا کہ ولی نے پیش از نکاح اس غیر کفو بمعنٰی مذکور کی حالت مذکورہ پر مطلع ہو کر دیدہ ودانستہ صراحۃً بالغہ کو اس کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دے دی ہو، ان میں سے ایک شرط بھی کم ہو تو بالغہ کا کیا ہوا وہ نکاح باطل محض ہوگا اور ولی کو اس کے فسخ کرنے یا اس کا فسخ چاہنے کی کیا حاجت کہ فسخ تو جب ہو کہ نکاح ہولیا ہو، یہ تو سرے سے ہوا ہی نہیں۔ درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	غیر کفو میں اصلا نکاح کے ناجائز ہونے کا فتوٰی دیا جائے گا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

ہاں عوام کے محاورہ میں غیر کفو اسے کہتے ہیں جو اپنا ہم قوم نہ ہو مثلاً سید و شیخ یا شیخ اور پٹھان یا پٹھان اور مغل، ایسا غیر کفو اگر اس شرعی معنی پر غیر کفو نہ ہو تو بالغہ کا بے اذن ولی بلکہ بناراضی ولی اس سے نکاح کرلینا جائز ہے اور ولی کو اس پر کوئی حق اعتراض نہیں۔ درمختار میں ہے:

نفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضی ولی [2] واللہ تعالٰی اعلم	عاقلہ بالغہ حرہ عورت کا نکاح ولی کی رضا کے بغیر بھی نافذ ہوتا ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۷: آگرہ چھاؤنی انجن گودام جی، آئی، پی، ریلوے بابو محمد نیاز خاں اسٹورس کلرک روز چہار شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بعد سلام سنت اسلام ومحبت مشام آن کہ معلوم ہو کہ حضور کو میں تکلیف دیتا ہوں کہ اس مسئلہ میں علماء کیا فرماتے ہیں میرے ایک عزیز کا عقد ایک مسماۃ کے ساتھ ہوا اور اس مسماۃ کے والدین نے لڑکی کی رخصت ۵ ماہ کے بعد کی مگر اس درمیان میں ایک نقص مسماۃ کے بعد ۳ ماہ کے، خفیہ ظاہر ہوا ہے کہ مسماۃ کو سفید کوڑھ و برص کہتے ہیں وہ ہے۔ اور اس مسماۃ کے والدین سے دریافت

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

کرنے پر اب ظاہر کیا ہے کہ کچھ شکم کا داغ ہے۔اول نکاح کے ظاہر نہ کیا، اگر مسماۃ کو رخصت کرکے نہ لایا جائے اپنے گھر پر تو وہ مہر کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور لڑکا اپنا خرچہ اس کے والدین سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

نکاح صحیح وتام ہوگیا، دو باتوں سے ایک فرض ہے یا بھلائی کے ساتھ رکھنا یا اچھی طرح چھوڑ دینا، اگر قبل خلوت طلاق دی جائے گی آدھا مہر ساقط ہوجائے گا نصف واجب الادا ہوگا، شادی میں جو اٹھادیا، خرچ کردیا، اس کا تاوان کسی پر نہیں۔ہاں جو زیور اور کپڑے چڑھاوے میں دئے ہوں اور عورت کو ان کا مالک کردینے کی وہاں رسم نہ ہو یہ تملیک نہ سمجھی جاتی ہو نہ تملیک کی ہو تو ان اشیاء کے واپس لینے کا شوہر کو اختیار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۸: از جبلپور پریس انجمن محمد یوسف یکشنبہ ۱۹ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص حنفی المذہب نے اپنا نکاح قاضی شافعی المذہب یا اہلحدیث غیر مقلد سے بموجب قاعدہ احناف پڑھوایا، پس اس کا نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اور بصورت ناجائز ہونے نکاح حسب خیال مؤلف فتح المبین تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر کوئی واقعی شافعی المذہب ہے تو شافعیہ مثل ہمارے اہلسنت ہیں اس میں تو کوئی حرج ہی نہیں جبکہ اس نے نکاح ایسے طور پر نہ پڑھایا ہو کہ وہ مذہب حنفی میں صحیح نہیں اور غیر مقلدین صرف تارک تقلید نہیں بلکہ ان کا مذہب بہت عقائد کفریہ پر مشتمل ہے جس کی قدرے تفصیل **الکوکبۃ الشھابیۃ** میں ہے۔نکاح پڑھوانا ایک تو بطور رسم ہوتا ہے جیسے نکاح خواں قاضی مقرر ہوتے ہیں یوں پڑھوایا اور اس نے حنفی مذہب کے طور پر صحیح پڑھایا تو تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔اور ایک نکاح پڑھوانا بطور تعظیم ہوتا ہے کہ اس کو معظم اور متبرک سمجھ کر اس سے پڑھواتے ہیں، اگر یوں پڑھوایا اور اس کو غیر مقلد نہ جانتا تھا کہ وہابیہ میں تقیہ بکثرت ہے تو یوں بھی تجدید نکاح کی ضرورت نہیں جبکہ اس نے صحیح طور پر پڑھایا ہو، اور اگر غیر مقلد جان کر اسے معظم ومتبرک سمجھا اور اس سے نکاح پڑھوایا تو نہ فقط تجدید نکاح بلکہ تجدید اسلام کی بھی حاجت ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۹: از راجپوتانہ کوٹہ محلّہ رامپور متصل مسجد موموناں عبدالصمد ملازم بینڈ باجہ دو شنبہ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں غیر مقلد شافعی ہیں یا نہیں؟ اور ہندہ بالغہ نو ماہ سے بیوہ ہے اور دو بچے بھی رکھتی ہے اپنے والدین کی بلا رضامندی وعدم موجودگی کے برضامندی ورغبت خود بلاخوف وترغیب کے زید حنفی سے خود قاضی کے مکان پر جاکر بہمراہی چند آدمی نکاح پڑھ لیا، پھول وشیرنی ونئے کپڑے وغیرہ پہنے نہیں گئے، دو گواہوں اور ایک وکیل اور قاضی نے ایجاب وقبول ارکان نکاح پورے طور پر ادا کردئے

کیا یہ نکاح ناجائز ہے؟ اور بعد نکاح زید ہندہ نے مثل زن وشوہر کے ہمبستری کی اور صرف تین دن ہندہ زید کے پاس رہی اور اب ہندہ نکاح سے منکر ہے اور اپنے بچاوے کے لیے کہتی ہے کہ غیر مقلد ہوں۔ اور شافعی المذہب میں بغیر ولی کے نکاح ناجائز ہے اس کے برخلاف قاضی ودو گواہ وکیل حلفیہ نکاح ہونا بیان کرتے ہیں، قاضی حلف سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ہندہ نے نکاح کے پیشتر اس کے دریافت کرنے پر کہا تھا کہ میں سنت جماعت یعنی حنفی ہوں، اس کا یقین ہونے پر قاضی نے نکاح پڑھایا۔ کیا ہندہ کا کہنا نکاح کے ناجوازی کے لیے صحیح ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غیر مقلد شافعی نہیں بلکہ اہل بدعت واہوا واہل نار ہیں، طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

فمن کان خارجا من ھؤلاء الاربعۃ فی ھذہ الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار[1]۔	جو ان چاروں مذاہب سے خارج ہے اس دور میں تو وہ بدعتی اور جہنمی ہے (ت)

ہندہ نے جس سے نکاح کیا اگر وہ ہندہ کا کفو ہے یعنی مذہب نسب چال چلن پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ اس سے ہندہ کا نکاح اولیائے ہندہ کے لیے باعث ننگ و عار ہو تو بیشک نکاح صحیح ولازم ہوگیا، ہندہ کے انکار سے اب مٹ نہیں سکتا اگرچہ ہندہ واقع میں شافعیہ ہوتی، خلاصہ ودرمختار میں ہے:

اذا سئل ماقول الشافعی فی کذاوجب ان یقول قال ابو حنیفہ کذا[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جب حنفی سے سوال کیا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا اس مسئلہ میں قول کیا ہے تو اسکو چاہیئے کہ وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۰: نو ضلع پرتاب گڑھ مانک پور ظہور حام چہار شنبہ ۲۲ شوال ۱۳۳۴ھ

زید محض غریب آدمی ہے جائداد وغیرہ کچھ نہیں رکھتا صرف پیشہ طبابت وغیرہ سے کام چلتا ہے اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مہر سوالاکھ روپے سے کم نہ ہوگا۔ عمرو جس کو لڑکی منسوب ہے وہ اس سے بھی زیادہ غریب ہے غربت کی وجہ سے عمرو اس قدر دین منظور نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میں محض غریب آدمی ہوں سوالاکھ روپیہ میں نے دیکھا بھی نہیں ہے۔ اس قدر مہر میں ہرگز قبول نہ کروں گا، غرضیکہ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زیادتی اگرچہ غیر مستحسن ہے لیکن حیثیت کا کچھ لحاظ رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حیثیت زوج کا کچھ لحاظ کیا ہے ایسی صورت میں کہ عمرو کی حیثیت سے کہیں زیادہ ہے نکاح سوالاکھ مہر پر کیسا ہوگا اور اگر ہوگیا تو حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ اگر مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہوئی تو زنا ہوگا اور لڑکے حرامی۔ اس کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ اور نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ **فقط**

---

[1] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/۱۵۳

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

الجواب:

حیثیت کا لحاظ رکھنا مناسب ہے مگر نکاح ہر طرح ہو جائے گا اگرچہ نان شبینہ کے محتاج پر تمام خزائن دنیا کے برابر مہر باندھا جائے مہر نکاح میں اصل نہیں ولہذا نفی مہر کے ساتھ بھی نکاح صحیح ہے مہر مثل لازم ہوگا اور جب رقم معین کر دی اگرچہ کسی قدر کثیر تو وہ ضرور ذمہ پر لازم ہوگی انسان اگرچہ بادشاہ ہفت اقلیم ہو اس کی حیثیت محدود ہے ذمہ کی وسعت محدود نہیں اگر محتاج محض ہو، حدیث میں فرمایا: المال غاد ورائح (مال صبح وشام آنے جانے والی چیز ہے۔ت) وہ کہ جنھیں روٹی نصیب نہ تھی آنکھوں دیکھتے والی ملک ہوگئے، البتہ یہ ضرور ہے کہ طرفین اسے دین سمجھیں اور شوہر نیت ادا رکھے، ایک صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ محض مفلس تھے، نکاح کیا، مہر کثیر کی درخواست کی گئی قبول فرمالی اور فرمایا: علی اللہ وعلی رسولہ المعال اللہ اور اس کے رسول پر بھروسہ ہے یعنی وہ عطا فرمادیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خود قرآن عظیم فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾[1]۔	اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہوتے اللہ ورسول کے دئے پر، اور کہتے ہمیں کافی ہے اب ہمیں دیتے ہیں اللہ ورسول اپنے فضل سے، بیشک ہم اللہ ہی کی طرف روئے نیاز لاتے ہیں۔

ایسی حالت میں کوئی الزام بھی نہیں بلکہ نکاح نیت صحیحہ اور حاجت صادقہ کے ساتھ کیا گیا ہے تو حسب وعدہ صادقہ حدیث صحیح اللہ عزوجل اس دین کا ضامن ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک بار خطبہ میں مغالاۃ فی المھور یعنی حیثیت سے زیادہ مہر باندھنے پر انکار شدید فرمایا، حاضرین میں سے ایک بی بی اٹھیں آیہ کریمہ "اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا"[2] (تم ان عورتوں کو ڈھیر مال دیتے ہو۔ت) تلاوت کی جس میں سونے کا ڈھیر عورت کے مہر میں مقرر کرنا جائز فرمایا گیا فوراً امیر المومنین نے انکار سے رجوع فرمائی اور بکمال تواضع فرمایا:

اللھم کل احد افقہ من عمر حتی المخدرات فی المحال[3]۔	اے اللہ! عمر سے ہر ایک زیادہ فقیہ ہے حتی کہ پردہ دار عورتیں بھی۔ (ت)

ہاں یہ ناجائز ہے کہ مہر باندھے اور ادا کی نیت نہ ہو اگرچہ اس کی حیثیت سے کتنا ہی کم ہو، اس کو حدیث میں

---

[1] القرآن ۹/۵۹

[2] القرآن ۴/۲۰

[3] سنن الکبرٰی للبیہقی باب لاوقت فی الصداق الخ دار صادر بیروت ۷/۲۳۳

فرمایا ہے کہ وہ حشر میں زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے، یہ اس حدیث میں بھی نہیں کہ وہ شرعاً زانی زانیہ ہیں اور اولاد حرامی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۱: از بریلی محلّہ ذخیرہ چہار شنبہ ۲۲ شوال ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو آپس میں حقیقی بھائی ہیں زید کے لڑکے نے زوجہ عمرکی چھاتی اتفاقیہ درآنحالیکہ وہ سورہی تھی اور چار پانچ ماہ کی نوحاملہ بھی تھی یعنی پہلا حمل تھا اپنے منہ میں لے لی، زوجہ عمرو کا بیان ہے کہ جس وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے لڑکے کو دیکھا کہ میری چھاتی اپنے منہ میں لئے ہوئے اس طرح منہ چلارہا ہے جیسے بچے دودھ پیتے ہیں مجھ کو نہیں معلوم کہ میرے اس وقت دودھ تھا یا نہیں۔ یا مجھ کو کوئی اثر دودھ کا معلوم ہوا یانہیں میں نے لڑکے کو فوراً اپنی چھاتی سے علیحدہ کردیا اس واقعہ کو عرصہ قریبًا سترہ اٹھارہ سال کا ہوا اس صورت میں ازروئے شرع زید کے لڑکے مذکور کا عمرو کی کسی لڑکی کے ساتھ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور نیز یہ کہ یہ مدت قلیل حمل کی عورت حاملہ کے اترآنے دودھ کی ہے یا نہیں؟ زوجہ عمرو کی عمر اس وقت چودہ سال اور زید کے لڑکے کی عمر ایک سال کی تھی۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب تک دودھ کا کوئی قطرہ جوف میں جانا معلوم وثابت نہ ہو حرمت ثابت نہ ہوگی، درمختار میں ہے:

یثبت بہ ان علم وصولہ بجوفہ من فمہ او انفہ لاغیر فلو التقم الحلمۃ ولم یدر دخل اللبن فی حلقہ ام لالم یحرم لان فی المانع شکا ولوالجیۃ [1]۔	اس سے ثابت ہوا کہ دودھ کا حلق یاناک کے ذریعہ پیٹ میں پہنچنے کا علم ہو، اس کے بغیر نہیں، اور اگر بچے نے پستان کا سرمنہ میں ڈالا اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ بچے کے حلق سے دودھ اترایا نہیں تو حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ نکاح سے مانع میں شک پایا گیا، ولوالجیہ (ت)

دودھ اترآنے کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں، عورت کے مزاج کی قوت اور خون کی کثرت پر ہے۔ کبھی بعد ولادت بھی نہیں اترتا اور کبھی کنواری کے اترآتا ہے، درمختار میں ہے:

الرضاع المص من ثدی اٰدمیۃ ولو بکرا [2]۔	عورت خواہ باکرہ ہو، کے پستان کو چوسنا رضاع کہلاتا ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۲

[2] درمختار باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۲

یہ معاملہ عمر بھر کے حلال اور اولاد کے حلالی اور حرامی ہونے کا ہے۔ عورت پر فرض ہے کہ جو بات واقعی ہو ظاہر کردے اخفاء نہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۲ تا ۱۲۷: مسئولہ محمد اسحاق صاحب برمکان قادر بخش دفعدار محلّہ شاگرد پیشہ ریاست جاورہ ملک مالوہ چہار شنبہ ۲۹ شوال ۱۳۳۴ھ

مخدوم ومکرم جناب مولٰنا مفتی احمد رضاخاں صاحب دام مجد ہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، التماس ہے کہ میں حضور عالی کو امور ذیل کے لیے تکلیف دیتا ہوں امید ہے کہ معاف فرماویں گے۔ مسماۃ ہندہ کا نکاح بعمر گیارہ سال سوتیلے والد کی اجازت سے زید کے ہمراہ ہوا، بعد نکاح ہندہ چند یوم زید کے گھر رہ کر والدین کے گھر چلی آئی اور وہاں سے بغیر اجازت زید ہندہ والدین کے ہمراہ چالیس کوس دور جاکر سکونت اختیار کی اور قریبًا ایک سال ہندہ کو اپنے والدین کے گھر رہتے ہوئے ہوگیا زید نے اب آن کر رخصت زوجہ کا دعوی کیا چونکہ اب ہندہ تیرھویں سال میں ہے اور اپنا بالغہ ہونا کہتی ہے اور بوقت نکاح نابالغہ تھی نکاح فسخ کرنا چاہتی ہے کہ میں نابالغہ تھی اور میرا نکاح سوتیلے والد کی اجازت سے ہوا میں فسخ کراؤں گی ایسی صورت میں شرع شریف کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب:

سائل کو چند امور کا جواب دینا چاہئے:

(۱) ہندہ کا کوئی ولی ہے یا نہیں؟ مثلاً جوان بھائی یا چچا یا چچا کا بیٹا یا دادا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد؟

(۲) اگر ہے تو وہ وقت پر موجود تھا یا نہ تھا، اگر تھا تو خبر نکاح سن کر کچھ بات کی یا نہیں؟ اور اگر کی تو کیا کہا؟

(۳) ہندہ کس مہینے اور وقت میں بالغہ ہوئی، کیا گھنٹہ منٹ تھا؟

(۴) وہ کب سے دعوی فسخ کرتی ہے۔ اس کو کتنے دن ہوئے، کس مہینے تاریخ وقت میں اس دعوی کا لفظ منہ سے نکلا؟

(۵) جس سے نکاح ہوا وہ مذہب، نسل، چال چلن، پیشہ میں موافق ہے یا کم وبیش ہے تو کیا اور کس قدر؟

(۶) ہندہ کا نکاح یا رخصت اس کی ماں کی مرضی سے ہوئی یا بلا مرضی؟

ان سوالوں کا جواب آنے پر جواب دیا جائے گا۔

جواب سوالات

(۱) ہندہ کا کوئی ولی مرد جیسا ارشاد ہوا زندہ نہیں۔ ازواج میں ماں ہندہ کی حیات ہے۔

(۲) اس وقت کوئی زندہ نہ تھا۔
(۳) ہندہ یکم شوال ۱۳۳۴ھ روز شنبہ کو بالغہ ہوئی بوقت ظہر قریب ڈھائی بجے کے گھڑی نہ تھی منٹ دیکھے جاتے۔
(۴) بالغہ ہونے کے دن یعنی یکم شوال ۱۳۳۴ھ روز شنبہ تین بجے دعوے کا لفظ منہ سے نکلا۔
(۵) زید مذہب میں اہل سنت حنفی مسلمان ہے۔ نسب اچھا ہے، پٹھان، اور چال چلن اور پیشہ میں بھی موافق۔
(۶) ہندہ کا نکاح سوتیلے والد کی اجازت سے ہوا ونیز رخصت، حالانکہ ماں کی مرضی نہ تھی مگر خاوند کے کہنے سے اور زبردستی سے۔

الجواب:

اگر یہ بیانات واقعی ہیں اور ہندہ کی ماں نے کہ صورت مذکورہ میں وہی ولی شرعی ہے اس کے نکاح کی اجازت نہ دی، نہ بعد کو جائز کرنے کا کوئی لفظ کہا، نہ کوئی فعل ایسا کیا کہ دلیل اجازت ہو تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا، اور والدہ ہندہ کی اجازت پر موقوف تھا، اگر قبل بلوغ ہندہ اس کی والدہ نے اس نکاح سے ناراضی اور اس پر انکار ظاہر کردیا توجبھی وہ نکاح باطل ہوگیا، اب ہندہ کو طلب فسخ کی حاجت نہیں، اور اگر والدہ ہندہ اب تک ساکت رہی تھی انکار نہ کیا تھا اگرچہ ناراض تھی تو ہندہ کے بالغہ ہوتے ہی وہ نکاح موقوف، اب خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا، جب اس نے اس پر ناراضی ظاہر کی باطل ہوگیا، اور کسی دعوے کی ہندہ کو حاجت نہیں، اور اگر والدہ ہندہ قبل بلوغ ہندہ اسے قولاً یا فعلاً جائز کرچکی تھی اور وہ جائز کرنا شوہر کے جبر واکراہ شرعی سے تھا جب بھی ظاہر یہی حکم ہے کہ وہ اجازت اجازت نہ ہوئی، اور اگر بخاطر شوہر تھا اگرچہ وہ ناراض تھی تو اجازت یقیناً صحیح ہوگئی اور نکاح نافذ ہوگیا، اب ہندہ کو صرف خیار بلوغ رہا اس لیے کہ حسب بیان سائل شوہر ہندہ ہندہ کا کفو ہے اس صورت میں ہندہ کو بالغ ہوتے ہی فوراً دعوی فسخ کرنا تھا اس نے بالغہ ہونے کے آدھے گھنٹہ بعد دعوی کیا تو یہ دعوی نامسموع ہے اور نکاح لازم ہوچکا۔ اب ہندہ کے لیے اس میں کوئی چارہ کار نہیں "**وبعید غایۃ البعد انہا لم تعلم بالنکاح الابعد البلوغ حین ادعت الفسخ**" (یہ انتہائی بعید ہے کہ کسی لڑکی کو بلوغ ہونے کے بعد دعوی فسخ کے وقت ہی نکاح کا علم ہوا ہو۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۸: مسئولہ عبدالعزیز صاحب جمعدار انجینئری کوٹہ راجپوتانہ نیاپورہ چہار شنبہ ۱۹ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

قاضی شہر کے علاوہ اگر کوئی دوسرا شخص پابند شریعت شرع شریف کے مطابق نکاح پڑھاوے یا دیگر مسلمان نکاح پڑھاوے اور اس کا اندراج رجسٹر قاضی شہر میں نہ ہو تو کیا وہ ناجائز ہے؟ اس کا جواب بھی دیجئے۔ **فقط**

الجواب

یہ نکاح خواں قاضی نہ شرعًا ضرور ہیں نہ ان کے رجسٹر کی شرعًا حاجت۔ہاں اندراج میں مصلحت ہے۔باقی جس سے چاہیں پڑھوائیں کوئی روک نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۹: از کوہ شملہ ولیر نگل لاج مرسلہ کفایت حسین صاحب روز یک شنبہ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

مخزن علوم، معدن فنون، علمائے دین شرع متین، جناب مولوی صاحب قبلہ دام ظلکم یہ مسئلہ حضور کی خدمت میں پیش کیا جاتاہے کہ خالہ زاد دو بھائی ہیں،ایک کی بی بی دوسرے بھائی کے لڑکے سے یعنی اپنے بھتیجے سے فعل ناجائز کرتی تھی سامنے شوہر کے، جبکہ شوہر فوت ہوگیا تو اسی بھتیجے کے ساتھ عقد کرلیا تو وہ عقد جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

شوہر کے بھتیجے سے بعد وفات شوہر وانقضائے عدت نکاح جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۰: از کاٹھیاواڑ مقام اڑتیاں مرسلہ امین احمد صاحب پنجشنبہ ۱۹ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

ایک شخص نے نکاح کیا،اس کا ارادہ یہ ہے کہ تھوڑی یا زیادہ مدت بعد اس کو طلاق دے دے گا۔یہ نکاح ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر نکاح میں کسی مدت کی قید نہ لگائے صرف دل میں ارادہ ہو کہ سال بھر یا ایک مہینے یا ایک ہی دن کے بعد طلاق دے دوں گا تو نکاح میں کوئی حرج نہیں،ہاں بلاوجہ بے سبب محض طلاق دینا منع ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱: مرسلہ حاجی سید نعیم الدین صاحب مقام امام گنج ڈاک خانہ سندر گنج ضلع رنگپور بنگال ۲صفر ۱۳۳۵ھ

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی یتیمہ مظلومہ مسماۃ بہ الف بعمر صغیرہ نابالغہ ۱۱ یا ۱۲ سال کی اس کے چچا حقیقی کی عین موجودگی میں قہرًا وجبرًا اہل قریہ بطمع رشوت ایک عمر رسیدہ شخص سے یتیمہ الف کا عقد ونکاح کردیا اور چچا حقیقی یتیمہ کا بخیال فتنہ منع کرنے سے قاصر رہا اور لڑکی یتیمہ سے بھی جبرًا اذن لیا اور لڑکی قبل سے انکار کرتی تھی اور بوقت اذن انکار کرتی رہی لہذا آج تک انکار کرتی ہے بعد عقد نکاح پر چھ ماہ کے درمیان کئی بار مصنوعی شوہر کے مکان پر آمدورفت کیا لیکن جبرًا۔لہذا ایک وقت کچھ کھا کر مرنے پر آمادہ ہوگئی تھی اس وجہ سے وارثان مظلومہ رخصتی کراکے اس کے نانا کے مکان مقیم کیا ہے عرصہ چار سال سے زیادہ ہوا اور اس وقت عمر لڑکی کی قریبًا ۱۶ یا ۱۷ سال کی ہے اور ایک سال سے بالغ کامل ہے اب

شخص عاقد وعقد وہندہ وارثان الف پر مستعد شر ہے اور رخصتی چاہتا ہے۔لڑکی جانے سے انکار کرتی ہے۔احتمال ہے رخصتی کرنے سے لڑکی جان بہلاک ہو،اس لیے دست بستہ عرض ہے کہ یہ ولایت واذن یتیمہ کا صحیح ہوا یا نہیں،اور عقد ونکاح صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے عاقد وعقد وہندہ وعقد پڑھانے والوں پر کچھ حد شرع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ امید کہ فی سبیل اللہ یتیمہ مظلومہ پر رحم فرمایا جائے،اور ان سب امور کی بشرط توفیق رفیق تحقیق حقیقی خلاصہ بیان قابل اطمینان،جواب باصواب صاف صاف مفصل بعبارت اردو مدلل بدلائل شرعیہ احمدیہ حنفیّہ مزین بمہر ودستخط تحریر صحیح عنایت فرماکر ممنون ومشکور فرمایا جائے،اور کار خیر وثواب عظیم میں داخل ہوجایئے اور مجھ کو معصیت سے نجات دلایئے۔**بینوا توجروا**

الجواب:

حقیقت کا علم اللہ عزوجل کو ہے۔اگر یہ بیان واقعی ہے کہ الف اس وقت نابالغہ تھی اور اس کے چچانے نہ اس وقت اجازت دی نہ اس سے پہلے۔نہ خبر نکاح سن کر کوئی قول وفعل دلیل اجازت اس سے صادر ہوااور الف کی رخصت اور چند بار شوہر کے یہاں جانا،یہ بھی اس کی بلا اجازت کے ہو،اور اس وقت تک اس نے کوئی کلمہ اس نکاح کے رد کا بھی نہیں کہا،نہ الف کے ہنوز کوئی اولاد ہوئی،تو ان سب شرائط کے ساتھ وہ نکاح الف کے بالغہ ہونے تک چچا کی اجازت پر موقوف تھااور بعد بلوغ الف خود الف کی اجازت پر موقوف ہوا،اب اگر یہ بیان واقعی ہے کہ بعد بلوغ الف سے کوئی قول وفعل مثبت اجازت صادر نہ ہوابلکہ اسے نکاح پر انکار ہے تو ناراضی ظاہر کرتے ہی وہ نکاح کہ موقوف تھارَد ہوگیا،الف کو اختیار ہے کہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے اگر خلوت صحیحہ واقع ہوچکی ہو جیسا کہ عبارتِ سوال سے ظاہر ہے،اور اگر خالی جانا آنا ہوااور ایک مکان میں تنہا تھوڑی دیر کے لیے بھی نہ ہوئے تو عدت کی بھی حاجت نہیں،اور عاقد اسے اگر اپنے تصرف میں لایا تو شرائط مذکورہ کے ساتھ مرتکب حرام ہوا کہ نکاح موقوف میں قبل اجازت وطی حرام ہے اور وطی کہ الف کی نابالغی میں واقع ہوئی دلیل اجازت نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کی اجازت سے ہو،عقد پڑھانے والا اگر اس بدنیتی میں شریک تھاتو وہ بھی گناہگار ہے ورنہ عقد موقوف فی نفسہٖ جرم نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۲: مرسلہ حاجی ولد میاں صاحب از ضلع گونڈا ریاست بلرام پور بازار چوک ۸صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ہندہ سے جوزنا سے حاملہ تھی دیدہ ودانستہ حالت حمل میں نکاح کیا بعد اس کے چند آدمیوں نے مجبور کرکے ایک جلسہ میں تین طلاقیں دلوادیں،یہ نکاح اور طلاق جائز ودرست ہوا یا نہیں؟ بر تقدیر اول وضع حمل کے بعد جدید نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو عورت معاذاللہ زنا سے حاملہ ہو اس سے نکاح صحیح ہے خواہ اس زانی سے ہو یا اس کے غیر سے، فرق اتنا ہے کہ زانی جس کا حمل ہے وہ اس سے قربت بھی کرسکتا ہے اور غیر زانی اگر نکاح کرے تو تا وضع حمل قربت نہیں کرسکتا۔

لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ [1] درمختار، وصحح نکاح حبلی من زنا [2] تنویر الابصار۔	تاکہ دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب نہ کرے۔ درمختار، زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے۔ تنویر الابصار (ت)

عدت زن شوہر دار پر ہوتی ہے، جب شوہر مرے طلاق دے اور ذات زوج کا حمل زوج ہی کا ٹھہرتا ہے قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: **الولد للفراش وللعاھر الحجر** [3] (بچے کا نسب نکاح والے کے لیے ہے زانی کو محرومی ہے۔ت) آیہ کریمہ میں "اولات الاحمال" سے یہی مراد ہے صدر کلام خاص صورت طلاق ارشاد ہوئی ہے اور اسی کی تفصیل فرمائی گئی۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ [4]۔	اے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عورتوں کو طلاق دیتے وقت ان کی عدت کا پاس کرو اور عدت کا شمار کرو۔ (ت)

حدیث مذکورہ بطلان نکاح حبلی من زنا پر ہرگز دلیل نہیں بلکہ اگر دلیل ہے تو صحت نکاح پر کہ فرمایا "فرق بینھما" معہذا ممکن ہے کہ وہ تفریق ارشادی ہو یعنی ایسی عورت رکھنے کے قابل نہیں، غرض صورت مستفسرہ میں عورت کا نکاح بیشک صحیح تھا اب اگر یہ شخص اس سے قربت کرچکا اس کے بعد طلاق دی، یا قربت نہ کی تھی تو ایک لفظ میں تین طلاقیں دیں، مثلاً یہ کہ تو تین طلاق سے مطلقہ ہے، تو ان دونوں صورتوں میں طلاق مغلظہ ہوگئی اور بغیر حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ اور اگر ہنوز قربت نہ کی تھی اور متفرق لفظوں میں تین طلاقیں دیں مثلاً تجھ پر طلاق ہے طلاق ہے تو طلاق بائن ہوئی مغلظہ نہ ہوئی بے حلالہ اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۳تا۱۳۴: مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگو ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ

(۱) یہ کہ بیوگان کا عقد مابین ایام عدت سہواً ہوجائے تو یہ درست ہے کہ نہیں یا بعد گزر جانے ایام مذکورہ

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[3] صحیح مسلم باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۰

[4] القرآن ۶۵/۱

نکاح کیا جائے تو اس میں کسی کی اجازت درکار ہوگی، عورت خود اپنے اختیار سے نکاح پڑھ سکتی ہے یا اس کے رشتہ دار یا کسی اور شخص موجودہ کی اجازت درکار ہوگی
(۲) ایسی عورت جس کا خاوند مرجائے اس کا نکاح اس کے جیٹھ سے ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ کیسی حالت میں اور کس وقت کن شرائط پر۔

الجواب:

عدت میں نکاح باطل وحرام محض ہے سہوًا ہو خواہ اقصدًا رہا، بعد عدت اگر عورت نابالغہ ہے تو اجازت ولی مطلقًا درکار ہے۔ اور اگر بالغہ ہے تو دو صورتیں ہیں جس سے نکاح کیا چاہتی ہے اگر وہ اس کا کفو ہے یعنی مذہب نسب وچال چلن پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ اس سے اس کا نکاح اس کے اولیاء کے لیے باعث ننگ وعار ہو جب تو یہ خود اختیار رکھتی ہے اجازت ولی کی حاجت نہیں، اور اگر غیر کفو ہے اور عورت کا کوئی ولی شرعی نہیں جب بھی اپنے نفس کا اختیار ہے اور اگر ولی شرعی ہے مثلاً بیٹا یا باپ یا دادا پردادا کی اولاد کا کوئی مرد بترتیب فرائض تو جب تک وہ پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر اس نکاح کی اجازت صراحۃً نہ دے گا عورت کے کئے نکاح نہ ہوسکے گا باطل محض ہوگا۔

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا بہ یفتی لفساد الزمان[1] درمختار۔	فساد زمان کی وجہ سے غیر کفو میں اصلا نکاح نہ ہونے کا فتوٰی دیا جائے گا۔ درمختار (ت)

(۲) بعد عدت جیٹھ سے نکاح جائز ہے جبکہ کوئی مانع مثل رضاعت یا مصاہرت یا جمع محارم نہ ہو اور نکاح کی وہی شرطیں ہیں جو ابتدائے نکاح میں ہوتی ہیں کوئی نئی شرط نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۵: از بلاسپور سی پی، مرسلہ جناب حاجی آدم جی حاجی یعقوب صاحبان ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں اگر جلسہ منگنی میں ایجاب وقبول ہوں تو بھی نکاح ہوگا اور شرط نکاح پائی گئی تو وہی جلسہ جلسہ نکاح ہوگا جیساکہ درمختار عـــہ وغایۃ الاوطار میں ہے، اور بعض مولوی کہتے ہیں وہ جلسہ جلسہ نکاح نہ ٹھہرے گا

عـــہ: درمختار میں ہے: کذا انا متزوجك اوجئتك خاطبا[2] (یوں ہی اگر کہا، میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں یا میں تجھے نکاح کا پیغام دینے آیا ہوں۔ت) غایۃ الاوطار میں ہے: "اس واسطے نکاح صحیح ہوجائے گا کہ مول چکانا نکاح میں رائج نہیں[3]" ۱۲ (م)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[3] غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی نولکشور لکھنؤ ۲/۴

اور الفاظ ایجاب و قبول و شواہد اس جلسہ منگنی میں غیر معتبر ہوگا، کون فریق حق پر ہے اور بر تقدیر قول بعض مولوی صاحب اس عبارت عــہ خلاصہ کے کیا معنٰی ہوں گے۔

الجواب:

عبارت خلاصہ کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں وہ اس امر میں ہے کہ ایجاب اگر نا متعین کے لیے واقع ہوا تو وہ نکاح صحیح نہیں اور متعین کے لیے واقع ہوا تو صحیح۔ اور اس مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ ان الفاظ کو دیکھا جائے اگر وہ ایجاب قبول کے لیے متعین ہیں تو نکاح ہو جائے گا اگرچہ جلسہ منگنی کا ہو اور اگر خطبہ وعقد میں متردد ہیں تو جلسہ کا اعتبار رہے گا۔ جلسہ منگنی کا ہے تو منگنی ٹھہرائیں گے، اور نکاح کا ہے تو نکاح۔ درمختار میں ہے:

وکذا هل اعطیتنیها ان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یوں ہی کہا "کیا تونے اپنی لڑکی مجھے دی" نکاح کی مجلس میں نکاح اور وعدہ کی مجلس میں وعدہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۶: مرسلہ محمد اقبال و نور محمد صاحبان امام مسجد تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی مفصلہ ذیل میں، ایک لڑکے کی ایک جگہ منگنی ہوئی تھی نکاح سے پیشتر کچھ عرصہ کے بعد لڑکے اور لڑکی کے والدین کے درمیان کسی خانگی امر کی وجہ سے ناموافقت پیدا ہوگئی جس سے لڑکی والے نکاح دینے سے منکر ہوگئے لڑکے کے والد نے کسی طرح لڑکی کو ورغلا کر چوری بوقت رات لڑکی کو میکے سے

عــہ: عبارت خلاصہ کی یہ ہے:

ابو الصغیر اذا قال زوجت بنتی فلانة من ابن فلان بکذا وقال فلان قبلت لابنی ولم یسم الابن ان کان له ابنان او اکثر لایجوز وان کان له ابن واحد صح[2] (م)	نابالغہ کے باپ نے جب کہا میں نے اپنی بیٹی فلانی، فلاں کے بیٹے کو اتنے مہر میں دی، اس کے جواب میں دوسرے نے کہا میں نے اپنے بیٹے کے لیے قبول کی اور بیٹے کا نام ذکر نہ کیا، تو اگر اسکے بیٹے زیادہ ہوں تو نکاح نہ ہوگا اور اگر ایک ہی بیٹا ہو تو نکاح صحیح ہوگا ۱۲ (ت)

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۵

نکال لیا اور فرار کرکے لے آیا۔لڑکی چونکہ بالغ ہے اس نے خود بخود شہر گوجرانوالے جاکر باوجود لڑکی کے والدین کی نارضامندی اور عدم موجودگی کے اپنے لڑکے سے نکاح کرالیا،اس سے طرفین میں بہت سافساد برپا ہوگیا،جس کی نوبت کچہری تک پہنچی،یہ امر دینی مصلحت کے برخلاف ہوتاہے۔امید ہوسکتی ہے کہ ایسی دست درازی آئندہ بھی ایسی کارروائیوں اور فتنوں کی بانی ہو،جس کا انسداد واجب امر ہے۔کیا ایسے رخنہ انداز آدمیوں کے لیے شریعت میں کوئی سزا مقرر ہے؟مفصل حال سے آگاہی فرمائیں۔فقط۔

الجواب:

بلاشبہ ایسے لوگ مفسد وفتنہ پرداز اورآبروریز فتنہ انگیز مستحق عذاب شدید ووبال مدید ہیں،معاذاللہ اگرایسی جرأتیں روا رکھی جائیں تو ننگ وناموس کو بہت صدمہ پہنچے گا،کم سے کم اس میں شناعت یہ ہے کہ بلاوجہ شرعی ایذاء مسلم ہے۔اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذٰی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[1]۔	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ کو ایذادی۔

یہ نکاح جس سے ہوا اگر وہ عورت کا کفو نہیں یعنی مذہب یانسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار ہے جب تو یہ نکاح کہ زن بالغہ نے بے رضائے ولی خود کیا سرے سے ہوا ہی نہیں باطل محض ہے،درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا بہ یفتی لفساد الزمان[2]۔	فساد زمان کی وجہ سے غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا فتوٰی دیا جائے گا۔(ت)

اور اگر کفو ہے تووالدین کو ناراض کرکے عورت کا بطور خود نکاح کرلینا خصوصًا وہ بھی اس طورپر جاکر عورت کے لیے سخت محرومی وناراضی الٰہی کا باعث ہے۔اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اب بھی نکاح نہ ہوا کہ ان کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح باطل ہے۔یہ کیا تھوڑی شناعت ہے کہ ایک امام برحق کے نزدیک عورت بے نکاح ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] المعجم الکبیر حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۳۷۳/۴

[2] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱۹۱/۱

مسئلہ ۱۳۷: بریلی خوجی محلّہ مرسلہ عظیم اللہ صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بجبر کرایا گیا حالانکہ زید کی منشاء ہر گز نہ تھی جس کے چند شاہد موجود ہیں، بوقت ایجاب قبول کرنے کے زید نے "ہوں" مثل عورات کے کہا اور رخصت نہ ہونے پائی کہ زید اپنے مکان کو چلا گیا، اور اس سے قبل بھی تاریخ مقرر پر زید اپنے گھر سے فرار ہوگیا تھا تو اس صورت میں نکاح زید کا ہندہ کے ساتھ ہوا یا نہیں؟ مہر سے مزین فرمایا جائے۔

الجواب:

نکاح ہوگیا اگرچہ قبول میں صرف "ہوں" جبراً کہا ہو،

فان الاکراہ ان تحقق لم یعمل فیما یستوی فیہ الجد والھزل کالنکاح والطلاق والعتاق فکیف مالیس باکراہ۔	جبر واکراہ اگر پایا گیا تو ان امور میں موثر (عذر) نہیں بنے گا جن میں قصد ومذاق مساوی ہے مثلاً نکاح طلاق اور عتاق اور اگر ان امور میں جبر نہ ہو پھر کیا کہا جائے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۸: محمد رحیم بخش عبدالحمید صاحبان از قصبہ فتح نگر ضلع گوڑگانوہ ۱۱ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جبکہ بے ریش تھا اس کی نسبت (یعنی سگائی) ہندہ سے ہوئی تھی اور زید ہندہ کے مکان پر کسی وجہ سے رہتا تھا یا پرانی رشتہ داری کی وجہ سے رہتا تھا۔ ہندہ کی پھوپھی نے ہندہ کو گود لیا ہوا تھا یعنی ہندہ کی پھوپھی لاولد یا بانجھ تھی، ہندہ کے گھر میں سوائے ہندہ کے پردہ نہیں کرتا تھا، ہندہ کی پھوپھی نے زید کے ساتھ اس قدر محبت بڑھائی جو کہ شفقت مادری سے زیادہ تر نظر آتی تھی، آخر کار زید سے سوال ہم بستری کا کیا، چونکہ اس زمانے میں زید بالکل بے خبر تھا یعنی خدا و رسول اور نماز و روزہ سے بالکل بے خبر تھا۔ غرض دونوں کے باہم ناجائز دوستی کئی سال تک رہی، یہاں تک کہ زید اور ہندہ کے والدین نے شادی کردی، چونکہ میاں بیوی میں کمال درجہ الفت اور محبت ہوئی اور ہندہ کی پھوپھی سے کچھ تعلق نہ رہا۔ اب چونکہ شادی کو تقریباً اٹھارہ سال گزر گئے اور تین بچے بھی ہوگئے۔ آج تک زید کو اس بات کا خیال تک نہ آیا اب زید ایک بزرگ سے شرف بیعت ہو کر خدا اور رسول کی اطاعت میں کمربستہ ہے اور اسی طرح ہندہ بھی پابند شرع ہے اور وہ بھی شرف بیعت ہو چکی ہے باوجود زید کو ہمیشہ کتب احادیث وفقہ سے کام رہتا ہے لیکن یہ مسئلہ آج تک اسکی نظر سے نہیں گزرا اور نہ کسی سے ذکر سنا نہ اس بات کا خیال تھا، اب زید کہتا ہے کہ اکسیر ہدایت کا مطالعہ کر رہا تھا اس میں باب النکاح پر نظر پڑی، اس میں یہ عبارت لکھی پائی کہ پھوپھی بھتیجی یک جا نکاح میں حرام ہیں، جب سے زید نے یہ عبارت پڑھی دیوانہ اور پاگل سا ہوگیا ہے کیونکہ نہ عورت یعنی بیوی کو چھوڑنے کا یارا ہے۔

اور نہ خدا ورسول کے حکم کے برخلاف ہو کر رہنے کی طاقت ہے، اگراس کو چھوڑ نا چاہتا ہے یا طلاق دینا چاہے تو اس کے والدین یہ دریافت کریں گے کہ ہماری لڑکی کی کیا خطا ہے۔اور جدائی بھی نہایت شاق گزرے گی، مبادا کوئی اور آفت پیدا ہو، زید کی بدکرداریوں کی آج تک کسی کو خبر نہ ہوئی اب یہ رسوائی کیونکر لی جاوے، اب تمام کیفیت زید وہندہ کی آنجناب میں ظاہر کردی امیدوار ہوں کہ آپ حکم شریعت سے بلا کسی لحاظ ومروت کے حکم فرماویں، اور اگر اس گناہ کا کفارہ ہوسکتا ہے تو وہ بھی بتلایا جائے۔اور اگر زید وہندہ میں جدائی کرانے کا حکم ہو تو تین لڑکیاں جو پیدا ہوچکی ہیں ان کو کیا کیا جاوے اور مہر ہندہ کا مبلغ ماعہ بندھا وہ ادا کرنا ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ ہندہ نے شب عروس کو اپنا مہر معاف کردیا تھا۔

الجواب:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ[1]۔	اللہ ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں سے در گزر فرماتا ہے۔

والحمد للہ رب العٰلمین، جوگناہ ہوا اس سے توبہ کرے استغفار کرے، باقی جو توہمات دربارہ منکوحہ پیش آئے محض بے معنٰی ہیں، کسی عورت سے زنا کرنا اس کی بھتیجی بھانجی کو حرام نہیں کرتا، نہ ان کے نکاح میں کوئی خلل آتا ہے۔خلاصہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

وطی اخت امرأته لاتحرم علی امرأته[2]۔	سالی سے زنا کرنے کی وجہ سے بیوی حرام نہیں ہوگی۔(ت)

اکسیر ہدایت میں جو لکھا اس کا مطلب ہے کہ پھوپھی بھتیجی دونوں ایک شخص کے نکاح میں ہونا یہ حرام ہے مثلاً بھتیجی نکاح میں ہے تو جب تک وہ نکاح میں رہے یا اگر اسے طلاق دے دے تو طلاق کی عدت جب تک نہ گزرے اس وقت تک اس کی پھوپھی سے نکاح حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹: مرسلہ سید عبداللہ صاحب ڈاکخانہ پچھم گاؤں پڑہ بنگال ۱۵ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد گواہ کے مقابل بالغہ نو مسلمان عورت کو نکاح کیا تو درست ہے یا نہیں؟ از روئے مہربانی جواب عنایت فرماکر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوویں اور مجھ کو سرفراز فرماویں۔

الجواب:

نکاح کے لیے دو مردوں یا ایک مرد دو عورتیں گواہ ہونا لازم ہے۔صرف ایک مرد کے سامنے ایجاب و

---

[1] القرآن ۴۲/۲۵

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

قبول کرلینے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔**وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰: مسئولہ ببراکلواز موضع کرن پورہ ڈاکخانہ سیوان ڈویژن ضلع سارن چھپّرا ۱۵ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں

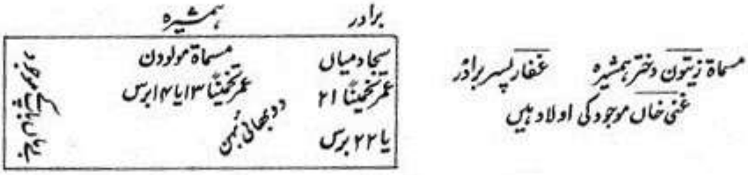

شادی گولاوٹ یعنی بدلین شرط پر میاں سجاد مذکور نے اپنا نکاح مسماۃ زیتون مذکور دختر غنی خاں سے کیااور سجاد مذکور اپنے ہمشیرہ مسماۃ مولودن کا نکاح ساتھ غفار پسر غنی خاں سے کیااور تاریخ شادی روانگی وآمد وبارات کابعد نکاح مذکورین کے تاریخ دوسرا مقرر تھاکہ اس درمیان میں جب تین روز سجاد کے کہنے سے بارات جانے کو باقی تھے تب ہی مسماۃ زیتون اپنے باپ کے گھر سے باہر نکل گئی تب بعدہ غفارمذکور کی بارات بھی سجاد کے نہیں آئی۔اب درمیان اس گھرانے اور اس گھرانے کے تکرار رنجار نجی تطویل کلامی پیش ہوگیا، سجاد کا مقولہ ہے کہ جب زیتون میرے گھر میں نہیں آئی تھی تب الحال بوجہ نقص شرط نکاح بدلین کے رہی اس خاندان کی بدچلنی وغیرہ ظاہر ہوجانے سے ہرگز ہم اپنی ہمشیرہ مولودن کواس خاندان میں نہیں جانے دیا نہ اب آنے دیں گے اور نکاح مذکورین بوجہ شرط شکنی وعہد شکنی کے باطل ہوگیا، خدانخواستہ مسماۃ مولودن کی جان کو کوئی نقصان پہنچ جاوے تو عجب نہیں ہے۔عرض ہے صاف صاف فتوٰی اس کاحضور ارقام فرماویں، والسلام سجاد میاں برادر مولودن ہمشیرہ ان لوگ کے والدین فوت کرگئے

الجواب:

نکاح میں کوئی شرط بدل کی نہ تھی اور ہوتی بھی تو نکاح شرط فاسد سے فاسد نہ ہوتااور یہ بھی نہ سہی توشرط نکاح زیتون تھا وہ ہوگیا، بہرحال مولودن غفار خاں کی منکوحہ ہے اور سجاد کواس کے روکنے کا کوئی حق نہیں سجاد اپنی منکوحہ زیتون کوتلاش کرکے اپنے قبضہ میں رکھے اورنہ رکھنا چاہے تو طلاق دے، مولودن کے نکاح پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۱: از بدایوں مولوی محلّہ کونچہ مولوی انوار حسین صدر اعلٰی مکان بخش والا مرسلہ حبیب اللہ صاحب ۱۲ شوال ۱۳۳۵ھ

مسماۃ ہندہ دختر مسماۃ خالدہ بیوہ ہے۔اس کے دو بچے نابالغ ہیں، زید پدر شوہر متوفی ہندہ کا

بچوں کو کھانے کو دیتا ہے مگر غیر کافی، ہندہ و خالدہ اپنی محنت کرکے بشمول زید بسر کرتے ہیں زید چاہتا ہے کہ ہندہ اس کے دوسرے لڑکے سے جس کی بیوی واولاد موجود ہے عقد نکاح باندھنے پر رضامند ہوجائے مگر ہندہ وخالدہ رضامند نہیں دیگر اعزائے ہندہ عقد ثانی کو برا خیال کرتے ہیں۔ اور اگر ہندہ کی جوانی پر خیال کرکے رائے عقد کی دیتے ہیں تو ایسے شخص سے جس سے ہندہ وخالدہ کو اطمینان ہوتا ہے اب خالدہ ایک شخص ثالث سے جس سے ہندہ بھی رضامند ہے اور ایک جگہ رہتے ہیں اس طرح عقد کرنا چاہتی ہے کہ دو ایک شخص عزیز تیسرے آدمی جس سے عقد کرنا چاہتی ہے واقف ہوں، اور خود واقف ہو تاکہ ہندہ برے خیال وافعال سے بچی رہے اور اولاد کی بابت نزاع پیدا نہ ہو، تو اس طرح عقد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بخیال مزید احتیاط شخص ثالث جس سے عقد نکاح پر رضامند ہے ہندہ کو خطبہ نکاح پڑھ کر ایجاب وقبول ہندہ سے کراسکتا ہے یا عقد نکاح باندھنے کے واسطے شخص غیر کی ضرورت ہے؟

الجواب:

نکاح پڑھانے کے لیے دوسرے شخص کی حاجت نہیں صرف مرد وزن ہوں اور ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ مسلم کہ معًا دونوں مرد وزن کا ایجاب وقبول سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہورہا ہے۔ مگر ہندہ اگر ولی نہیں رکھتی یعنی دادا پر دادا کی اولاد میں کوئی مرد عاقل بالغ جب تو اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ ورنہ اگر یہ شخص جس سے نکاح کیا چاہتا ہے ہندہ کا کفو ہے یعنی مذہب نسب چال چلن پیشے کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ اس سے نکاح ہونا ولی ہندہ کے لیے باعث ننگ و عار ہو جب بھی ہندہ مختار ہے۔ اور اگر کفو نہیں تو جب تک ولی پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت نکاح نہ دے گا نکاح ہوگا ہی نہیں اگرچہ ہزار اعلان کیا جائے علیہ الفتوی در مختار وغیرہ (فتوی اسی پر ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۲: از بہاری پور بریلی مسئولہ جناب مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب مورخہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ

عرض درخدمت والیان شریعت محمدی وحامیاں دین متین احمدی علمائے مقلدین مذہب حنفی یہ ہے کہ ایک شخص میر امام الدین نامی اپنی دختر عاقلہ بالغہ کا نکاح عبدالقدوس نامی کے ساتھ کردیا، نکاح کا ایجاب وقبول ایک لئیق شخص نے کرایا۔ بستی کے سب لوگ حاضر تھے مگر قاضی صاحب جلسہ میں موجود نہ تھے تو یہ نکاح جو غیر قاضی سے پڑھایا جائز ہوا یا نہیں؟ اور ان دونوں قاضیوں کو کیا اختیارات ہیں اور اگر کسی شخص نے کسی خاص وجہ سے قاضی کو شادی میں دعوت نہیں دی تو اس پر کیا الزام آتا ہے، اور قاضی کا حق نکاح خوانی اس کو دینا چاہئے یا نہیں جبکہ قاضی سے پڑھوایا، **بینوا بیانا وافیا اجرکم اللہ اجرا کافیا۔**

الجواب:

قاضی کوئی شرط نکاح نہیں، آدمی جس سے چاہے پڑھوائے چاہے مرد وزن دو گواہوں کے سامنے

خود ایجاب وقبول کرلیں اس نام کے قاضی کے لیے شرعاً کچھ اختیارات نہیں، نہ وہ اجرت کا مستحق، جبکہ نکاح دوسرے نے پڑھایا، نہ قاضی کو دعوت نہ دینے میں کوئی الزام، یہ نکاح خوانی کے قاضی اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ[1] (یہ اپنے بنائے نام ہیں، شرعی طور ان پر کوئی دلیل نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳: از بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ حکیم ریاض الدین صاحب رضوی ۲۳ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت بیوہ جو کہ اس کے چھوٹے بھائی کی زوجہ تھی اس سے نکاح کیا اور اب اس کے ساتھ میں ایک دختر نابالغ تھی اس دختر کانکاح اس کے سوتیلے باپ جو اس کا پہلے تایا تھا اس نے اپنی ولایت سے نابالغہ کا نکاح ایک لڑکے کے ساتھ کردیا لیکن لڑکی نکاح سے تاہنوز اپنے شوہر کے یہاں نہیں گئی اب ناکحین بالغ ہوئے تو ناکح اپنی منکوحہ کو اپنے گھر بلاتا ہے اور منکوحہ اس کے گھر جانے سے انکار کررہی ہے اور کہتی ہے کہ تیرا چال چلن ٹھیک نہیں ہے میں تجھ سے نکاح توڑ دوں گی، تو اس صورت میں لڑکی اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے یا لڑکے کو مجاز ہے کہ زبردستی اسے لے جائے اور ولایت اس کے سوتیلے باپ کی درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سوتیلا باپ ہونا تو کوئی وجہ ولایت نہیں۔ ہاں چچا ہونا سبب ولایت ہے۔ اگر اس سے مقدم اور کوئی ولی نہ تھا اور یہ لڑکا جس سے اس نے اس لڑکی کا نکاح کیا مذہب نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم نہ تھا کہ اس سے اس لڑکی کا نکاح باعث ننگ وعار ہو تو نکاح ہوگیا، مگر اس لڑکی کو اختیار تھا کہ بالغہ ہوتے ہی فوراً اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے، جب تو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور اگر ذرا دیر لگائی تو اب نکاح لازم ہوگیا اختیار فسخ نہ رہا، اور اگر وقت نکاح ہی اس لڑکے میں امور مذکورہ میں کوئی کمی تھی جس کے سبب اس لڑکی کا نکاح باعث ننگ وعار ہو، جب نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت! **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۴ تا ۱۴۷: از دلیل گنج پرگنہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ منشی محب اللہ صاحب ضلعدار پنشنر ۲۳ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

وقت نکاح جو ایجاب وقبول کرائے جاتے ہیں اس میں اکثر اشخاص ایک دوسرے کے خلاف اعتراض کرتے ہیں۔
(۱) زید کی لڑکی کہ نام اس کا تم کو معلوم ہے اور بالفعل اس نام کی کوئی لڑکی اس گھر میں موجود نہیں ہے بعوض مہر شرعی اس قدر روپے اور اس قدر دینار سرخ سلطانی سکہ رائج الوقت سوائے نان نفقہ کے بیچ نکاح

---
[1] القرآن ۷/۷۱

تمھارے کے آئی،اور دی میں نے قبول کی تم نے۔

(۲) باقی عبارت سب وہی ہے صرف بجائے لفظ "سوائے "کے علاوہ استعمال کرتے ہیں۔

(۳) میں سب عبارت وہی ہے بجائے" سوائے " یا "علاوہ "کے لفظ "**مع** "استعمال کرتے ہیں

(۴) بعض شخص صرف یہ کہتے ہیں کہ بیچ نکاح تمھارے کے آئی اور دی میں نے اور بعض صرف لفظ "آئی" کہتے ہیں اور بعض شخص صرف لفظ "دی" کہتے ہیں،اس میں کون سا لفظ استعمال کرنا چاہئے،اب اعتراض اس لفظ پر ہے کہ جب لفظ سوائے نان نفقہ کہا گیا تو نان ونفقہ دولھا کے ذمہ عائد نہ ہوا بلکہ صرف روپیہ مہر کا عائد ہوا جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں فلاں شے فلاں شخص کو دی گئی سوائے پگڑی کے یعنی پگڑی نہیں دی گئی،اس طرح لڑکی بالعوض اس قدر مہر کے نکاح میں دی گئی سوائے نان ونفقہ کے یعنی اس لڑکی کا نان ونفقہ دولھا کے نکاح میں نہیں آیا،یہی اعتراض لفظ علاوہ کے کہنے سے بھی پیدا ہوتا ہے۔اور جب لفظ مع نان ونفقہ کہا جاتا ہے تو معترض لوگ رجوع کرتے ہیں تعداد مہر کی طرف،اور کہتے ہیں کہ بالعوض اس قدر مہر شرعی مع نان ونفقہ کے کہنے سے نان ونفقہ مہر میں شامل ہوگیا،یعنی جب عورت نان ونفقہ پائے تو وہ مہر مجرا دیا جائے اور تعین مہر کا روپیہ اس نان ونفقہ کے حساب سے جب سب پاچکے تو پھر عورت نہ نان ونفقہ پانے کی مستحق رہی اور نہ زر مہر کی،گویا وہ بے نان ونفقہ اور مہر کے نکاح میں رہی،اپنے کھانے پینے کا انتظام عورت خود کرے،معزز فرمائے کہ ہر سہ الفاظ سوائے علاوہ مع کے استعمال کے نکاح درست ہوگااور نان نفقہ بذمہ مرد عائد رہے گا یانہیں؟اور کون سے لفظ کے استعمال سے نان نفقہ عائد ہوگااور کون سے نہیں؟

الجواب:

یہ سب اوہام ہیں اوران کی بحث فضول بھی،اوہام تویوں ہیں کہ جو رقم ذکر کی جاتی صرف مہر کے لیے مقصود ہوتی ہے اورعلاوہ اور ماسوائے اور مع یہ سب مہر کی صفتیں ہوتی ہیں یعنی وہ مہر کہ نان نفقہ سے علاوہ یاان کے سوا یاان کے ساتھ ہے علاوہ اور سوائے کے یہ معنٰی کہ اس کا وجوب ان کے وجوب پر زائد ہے اور مع کے یہ معنٰی کہ یہ اور وہ وجوب میں شریک ہیں یہی مراد ہوتی ہے اوریہ مفہوم،اوران سے بحث فضول یوں کہ نان ونفقہ ومہر ایسی چیز نہیں کہ اگر بالقصد ان کی نفی بھی کی جائے تو منتفی ہوجائیں یا نکاح میں کچھ خلل آئے،نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا بلکہ وہ خود شرطیں ہی باطل ہوجاتی ہیں،اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ مہر کچھ نہ ہوگا جب بھی مہرلازم شرعًا ہوگا مہر مثل دینا آئے گا۔اور اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ نان ونفقہ کچھ واجب نہ ہوگا جب بھی اپنی صورت وجوب میں ضرور واجب ہوگا کہ قبل وجوب اسقاط مہمل ہے۔حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال اقوام یشترطون بشروط لیست فی کتاب الله من اشترط شرطا لیس فی کتاب الله	ایسی قوم کا کیا حال ہو جوایسی شرطیں لگاتے ہیں جن کی اجازت کتاب اللہ میں کسی طرح نہیں،ایسی شرطیں

فھو ردوان کانت مائة شرط شرط اللہ احق واوثق [1]۔	سو بھی ہوں تو وہ مردود ہوں گی، اللہ تعالٰی کی طرف سے جائز شرط زیادہ ثابت مضبوط ہے۔(ت)

باایں ہمہ اگر ایسی عبارت چاہیں جس میں یہ اوہام پیدا نہ ہوں تو یوں کہیں بعوض اتنے مہر کے کہ نان ونفقہ کا وجوب اس کے علاوہ ہے تیرے نکاح میں دی اور "آئی" سے "دی" بہتر ہے کہ یہ انشامیں صریح ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: از مقام ہنگن گھاٹ محلّہ نشان پورہ ضلع وردھا مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب مورخہ ۲۵ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

جناب مولانا صاحب مدظلہ السلام علیکم۔ مندرجہ ذیل میں شرع شریف کا کیا حکم ہے تحریر فرمائیں، اللہ آپ کو اجر نیک عطا کرے، زید نے عمرو کی لڑکی سے نکاح کیا، نکاح کے وقت کسی قسم کی شرط وغیرہ نہ تھی، لڑکی رخصت ہوکر گھر آئی، چندروز کے بعد لڑکی کا والد لڑکی کو اپنے مکان میں لے گیا اور اب زید سے اس بات کا طالب ہے کہ وہ ایک اسٹامپ اس مضمون کا تحریر کردے کہ میں لڑکی کو اپنے وطن میں نہیں لے جاؤں گا یہیں اس کے والدین کے پاس اس شہر میں رکھوں گا، اگر زید اسٹامپ نہ لکھے گا تو لڑکی کی طرف سے میرا جواب ہے کہ اب میں لڑکی کو رخصت نہ کروں گا، دریافت طلب امور یہ ہیں کہ کیا عمرو کا یعنی لڑکی کے باپ کا یہ عذر معقول ہے اور وہ ایسی حالت میں لڑکی کو روک سکتا ہے؟

الجواب:

اگر مہر کل یا بعض پیشگی دینا قرار نہ پایا تھا یا قرار پایا تھا اور وہ ادا ہوگیا تو لڑکی کے باپ کا یہ عذر بیجا ہے اور وہ اسے نہیں روک سکتا۔

قال اللہ تعالٰی و اَسۡکِنُوۡھُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیویوں کو اپنے ساتھ سکونت دو گنجائش کے مطابق۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

ہاں اگر کوئی صورت خاص ہو کہ سفر بہت طویل ہے اور وہاں تنہائی میں لڑکی کو ضرر رسانی کا ظن غالب ہے تو اس کے ثبوت پر بے بند وبست کافی، وہاں لے جانے کی اجازت نہ دیں گے۔

قال اللہ تعالٰی ولاتضاروھن لتضیقوا علیھن [3]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو تنگی دینے کے لیے ضرر مت دو، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۷۷

[2] القرآن ۶/۶۵

[3] القرآن ۶/۶۵

وسلم لا ضرر ولاضرار فی الاسلام [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نے فرمایا: اسلام ضرر اور نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا۔(ت)واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۹: مرسلہ شیخ فضل احمد صاحب درزی بازار کٹرہ متصل کارخانہ میز کرسی یعقوب خاں مورخہ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے شوہر نے اپنی زوجہ کو طلاق دی عدت گزرنے نہ پائی کہ عورت نے دوسرے شخص کے پاس جاکر کہاکہ تم میرے ساتھ نکاح کرلو ورنہ میں حرام کرنے پر تیار ہوں اس نے یہ خیال کرکے کہ عورت حرام کرنے سے خراب ہوجائیگی اور اس عورت کو سمجھایا کہ تیری عدت گزر جائے، بعدہ نکاح کرلینامگر عورت نے کسی طرح نہ مانا لہٰذااس شخص نے مجبورًااس عورت سے نکاح کرلیاتو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ دیگر یہ کہ عرصہ آٹھ ماہ سے یہ عورت اسی شخص کے پاس ہے جس کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا، بایں وجہ شفقت ومحبت دونوں میں حدِاعتدال زیادہ ہوگئی کہ تھوڑی دیرکے واسطے بھی نگاہ سے اوجھل ہوناایک کا دوسرے کو ناگوار خاطر ہوتا ہے۔لہٰذادوسرا نکاح اگراس عورت کے ساتھ ناجائز ہوتوکس صورت سے جائز ہواور خود بھی زوج وزوجہ پریشان ہیں کہ کیونکر نکاح ہواوراکثراوقات ہمبستر بھی ہوئے ہیں،بینوا توجروا

الجواب:

وہ نکاح نہ ہوازنائے خالص ہوا،ان مردوزن پر فرض ہے کہ فورًاجداہوجائیں،مرداسے چھوڑدے،پھراگر پہلے کی طلاق کے بعد ابھی تین حیض نہ آئے ہوں توانتظارفرض ہے یہاں تک کہ تین حیض شروع ہوکر ختم ہوجائیں اوراگر ختم ہوگئے ہیں اور یہ دوسرا اس سے نکاح چاہتاہے توچھوڑنے کے بعد فورًا کرسکتاہے،اور اگر عورت کسی تیسرے سے نکاح چاہے تو یہ دوسراجس دن چھوڑے اس کے بعد تین حیض شروع ہوکر ختم ہونالازم ہے۔اس سے پہلے تیسرے سے نکاح نہیں کرسکتی،درر میں ہے:

المطلقۃ اذا تزوجت فی عدتھا فوطئھا الثانی فرق بینھما وتداخلتا عندنا ویکون ماتراہ من الحیض محتسبا منھما جمیعا واذا انقضت العدۃ الاولی ولم تکمل الثانیۃ فعلیھا اتمام العدۃ الثانیۃ [2]۔	مطلقہ عورت نے اگر عدت میں کسی دوسرے سے نکاح کیااور اس دوسرے نے اس سے جماع کرلیا،تو دونوں میں تفریق کی جائے گی اور دونوں عدتیں متداخل ہوجائیں گی،اور آنے والا حیض دونوں کا مشترکہ ہوگا،اور جب پہلی عدت پوری ہوجائے اور دوسری عدت پوری نہ ہو تودوسری کو تام کرے۔(ت)

خانیہ وبحر وردالمحتار میں ہے:

[1] المعجم الاوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۶/۹۱

[2] درر شرح غرر باب العدۃ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت ۱/۴۰۳

اذا تمت عدۃ الاول حل للثانی ان یتزوجھا لالغیرہ مالم تتم عدۃ الثانی بثلاث حیض من حین التفریق[1]۔	جب پہلی عدت پوری ہو جائے تو دوسرے خاوند کو اس سے نکاح حلال ہوگا، تفریق کے بعد جب تک دوسری عدت کے تین حیض مکمل ہو جائیں اس وقت تک کسی غیر کے لیے حلال نہ ہوگی۔(ت)

مسئلہ ۱۵۰: از موضع بھوٹا بھوئی بسوٹولانڈ ملک افریقہ مرسلہ جناب حاجی اسمٰعیل میاں بن حاجی امیر میاں صدیقی حنفی قادری

(۱) زید سوال کرتا ہے کہ خدانے مرد کو حکم دیا دو دو تین تین چار چار، اور عورت کو کیوں نہیں ملا کہ تم دو دو تین تین چار چار مرد کرو۔

(۲) ایک شخص زانی عوت کافرہ کو اسلام قبول کرواکے نکاح کیا اب وہ عورت حاملہ ہے مگر اسی مرد سے جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے۔ آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ اگرچہ حاملہ اسی سے ہو جب بھی نکاح جائز نہیں اور شاہد وحاضرین کا ٹوٹ جاتا ہے۔ مجموعہ خانی جلد ثانی ص ۳۹؟:

در ہدایہ وکافی آوردہ ست عورتے حربیہ در دارالاسلام آمد برآں عورت عدت لازم نشود خواہ اسلام در دار حرب آوردہ باشد خواہ نیاوردہ باشد وایں قول امام اعظم ست رحمۃ اللہ علیہ۔ ونزدیک امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی عدت لازم شود، وباتفاق علماء برکنیز کہ درتاخت گیرند عدت لازم نیست فاما استبراء، لازم ست واگر حربیہ کہ در دارالاسلام آمدہ ست وحاملہ تاآں زمان کہ	ہدایہ وکافی میں ہے کہ اگر کوئی عورت دارالاسلام آجائے تو اس پر عدت لازم نہیں خواہ دارالحرب میں مسلمان ہوئی یا نہ ہوئی، یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر عدت لازم ہے اور جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی پر عدت لازم نہیں ہے۔ یہ سب کا اتفاق ہے، اس پر صرف استبراء لازم ہے، اگر کوئی حاملہ عورت دارالحرب سے دارالاسلام آئی تو وہ بچہ کی پیدائش سے قبل نکاح نہیں کرسکتی، امام صاحب نے ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ وہ نکاح کرسکتی ہے لیکن بچے کی پرورش سے قبل اس سے جماع جائز نہیں ہے جس طرح زنا سے

[1] ردالمحتار باب العدۃ مطلب فی وطی المعتدۃ بشبھۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۹

فرزند نزاید نکاح نہ کند دیگر روایت از امام آنست کہ نکاح درست ست اگر حاملہ باشد فامانزدیکی باآں عورت شوہر نہ کند تاآں زمان کہ فرزند نزاید چنانچہ عورت راازز نا حمل ماندہ ست خواستن اور واست ونزدیکی کردن روانیست تاآں زمان کہ فرزند نزاید واگر یکے از میان زن وشوہر مرتد شد فرقت میاں ایشاں واقع شود فاما طلاق واقع نشود ایں امام اعظم امام اابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی ونزدیک امام محمد اگر مرتد شدہ است فرقت واقع شدہ است بے طلاق پس اگر مرد مرتد شدہ است وبازن نزدیکی کردہ باشد تمام مہر بر او لازم شود اگر نزدیکی نہ کردہ است چیزے از مہر لازم نشود ونفقہ نیز لازم نشود اگر خوداز خانہ مرد بیروں آمدہ باشد واگر خوداز خانہ مرد بیروں نیا مدہ باشد نفقہ برمرد لازم شود۔[1]	حاملہ سے نکاح جائز مگر بچے کی پیدائش سے قبل اس سے جماع جائز نہیں ہے۔اگر خاوند بیوی سے کوئی ایک مرتد ہوجائے تو دونوں کی فرقت ہوگی لیکن طلاق نہ ہوگی، یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی علیہ کا ہے۔اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اگر صرف خاوند مرتد ہوجائے توفرقت ہوجائے گی طلاق نہ ہوگی، تو خاوند کے مرتد ہونے کے بعد اگر اس نے بیوی سے جماع کیا تو مکمل مہر لازم ہوگا،اور مرتد ہونے کے بعد جماع نہ کیا تو مہر اور نفقہ لازم نہ ہوگا،بشرطیکہ عورت خود اس کے گھر سے علیحدہ ہوچکی ہواور اگر اس کے گھر میں ہو تو نفقہ مرد پر لازم ہوگا۔(ت)

الجواب:

(۱) اللہ عزوجل فرماتاہے: **اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ**[2] بیشک اللہ عزوجل بے حیائی کا حکم نہیں فرماتا۔ ایک عورت پر دو مردوں کااجتماع صریح بے حیائی ہے، جسے انسان توانسان جانوروں میں بھی جو سب سے خبیث تر ہے یعنی خنزیر وہی روا رکھتاہے۔حرمت زنا کی حکمت نسب کا محفوظ رکھنا ہے،ورنہ پتا نہ چلے کہ بچہ کس کا ہے۔اگر عورت سے دومردوں کا نکاح جائز ہو تو وہی قباحت کہ زنا میں تھی یہاں بھی عائد ہو معلوم نہ ہوسکے کہ بچہ کس کا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جسے زنا کا حمل ہو والعیاذ باللہ تعالٰی اور وہ شوہر دار نہ ہو اس سے زانی وغیر زانی ہر شخص کا نکاح جائز ہے فرق اتنا ہے کہ غیر زانی کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں جب تک وضع حمل نہ ہولے،اور جس کا حمل ہے وہ نکاح کرے تو اسے قربت بھی جائز،درمختار میں ہے:

صح نکاح حبلی من زنا وان حرم وطؤھا و دواعیه حتی تضع لئلا	زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے اگرچہ اس سے وطی اور اس سے متعلقہ امور حرام ہیں جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے

[1] مجموعہ خانی

[2] القرآن ۷/۲۸

یسقی ماءہ زرع غیرہ اذ الشعر ینبت منہ ولو نکح الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا[1]۔	تاکہ اس کا پانی غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرے یہ اس لیے کہ جماع سے حاملہ کے بچے کو بال اگتے ہیں، اور اس سے خود زانی نے نکاح کیا تو اس کو جماع بھی جائز ہے۔(ت)

زید کا قول محض غلط ہے اور اس کا کہنا اگرچہ حاملہ اسی مرد سے ہے جب بھی نکاح جائز نہیں شریعت پر افترا ہے بلکہ صحیح ومفتی بہ یہ ہے کہ اگرچہ حمل دوسرے کا ہو جب بھی نکاح جائز ہے اور اس کا کہنا کہ شاہد وحاضران محفل کے ٹوٹ جاتے ہیں افتراء برافتراء ہے، مجموعہ خانی سے جو عبارت اس نے نقل کی ہے صراحۃً اس کے خلاف ہے۔

اگر عورت را از زنا حمل ماندہ است خواستن او رواست ونزدیکی کردن روانیست تاآنکہ نزاید۔	اگر عورت زنا سے حاملہ ہو جائے تو اس سے نکاح جائز اور جماع جائز نہیں جب تک بچے کو جنم نہ دے دے۔(ت)

اور وہ جو اسی سے نقل کیا کہ:

حربیہ کہ دارالاسلام آمدہ است وحاملہ تانزاید نکاح نہ کند[2]۔	حربی عورت اگر دارالاسلام آجائے اگر حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش تک وہ نکاح نہ کرے۔(ت)

یہ اس میں ہے کہ حربی کافر کی حاملہ عورت دارالاسلام میں آکر مسلمان ہوگئی نہ کہ حمل زنا میں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۲: از (برہما) ڈاک خانہ چیگانگ محلّہ میڈنگ ضلع اکیاب مرسلہ محمد عمر صاحب ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی الفتاوٰی قاضی خاں وان ترك الجمعة ثلاث مرات یصیر فاسقا کذا ذکر فی بعض المواضع و بہ اخذ شمس الائمہ السرخسی رحمہ اللہ تعالٰی وذکر فی بعض المواضع انہ یبطل العدالة انتھی، وان ترك الصلٰوة بالجماعة ولم یستعظم ذلك کما یفعل بہ العوام بطلت عدالتہ	حضرات علمائے کرام اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، آپ کا کیا حکم ہے کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ اگر کسی نے تین جمعے ترک کردئے تو وہ فاسق ہوگا، یوں ہی بعض مقامات پر مذکور ہے جس کو شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی نے لیا ہے اور بعض مقامات پر انھوں نے ذکر کیا کہ اس کی عدالت ختم ہوجائے گی اھ اور اگر کسی نے نماز باجماعت کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ترک کیا جیسا کہ عوام کرتے ہیں تو اس کی عدالت باطل

[1] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹
[2] مجموعہ خانی

وان ترکھا متاؤلابان کان یضلل او یفسق لایبطل عدالته ولایقبل شھادة من کان معروفا بالکذب [1] انتھی وفی الدرالمختار لاتقبل شھادته الابتاویل بدعة الامام اوعدم مراعاته [2] اھ	ہوجائے گی اور اگراس نے اہمیت کے باوجود کسی تاویل وعذر کی بناپر مثلاً امام کو گمراہ یا فاسق قرار دیتے ہوئے جماعت ترک کردی تو اس کی عدالت باطل نہ ہوگی، اور جو شخص جھوٹ بولنے میں مشہور ہوجائے تو اس کی شہادت مقبول نہیں اھ اور درمختار میں ہے کہ ایسے شخص کی شہادت مقبول نہ ہوگی، الایہ کہ وہ تاویل اور عذر مثلاامام کے بدعتی ہونے یا شرعی امور کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے جماعت ترک کرے۔اھ (ت)

جب ان لوگوں کی عدالت باطل ہوگئی تو بوقت نکاح وطلاق شہود بنانے سے نکاح وطلاق صحیح ہوگا یا نہیں، چونکہ درمختار میں ہے، **شھود عادل عند الشافعی** [3] (امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں عادل گواہ ہوں۔ت) شہود عادل شرط ہے، اور رجعت کرنے کے بارے میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے: **وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ** [4] (دو عادل گواہ بناؤ۔ت) اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **لانکاح الابولی وشاھدی عدل** [5] (ولی کے بغیر نکاح نہیں، اور دو عادل گواہوں کے بغیر بھی۔ت) اس عبارت مرقومہ اور بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کو نکاح وغیرہ میں مشہود بنانا معتبر نہیں، جب معتبر نہیں ہے تو ثانیۃً تجدید نکاح کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

بلاشبہ بلاعذر ترک جمعہ اور ترک جماعت کی عادت موجب فسق ومسقط عدالت ووجہ رد شہادت ہے مگر نکاح میں جو شاہدین کی شرط ہے یہ وقت ادائے شہادت نہیں کہ عدالت کی حاجت ہو بلکہ وقت تحمل شہادت ہے اور اس میں عدالت کچھ ضرور نہیں، حنفی مذہب میں تصریح ہے کہ شاہدین نکاح اگر فاسق بھی ہوں حرج نہیں، درمختار میں ہے: **ولو فاسقین او محدودین فی قذف** [6] (اگرچہ دو گواہ فاسق ہوں یا قذف کی حد لگائے گئے ہوں۔ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشہادات نولکشور لکھنؤ ۴/۵۳۲

[2] درمختار باب الامامة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲

[3] ردالمحتار مع درمختار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۲

[4] القرآن ۲/۶۵

[5] السنن الکبرٰی للبیہقی لانکاح الابشاہدین وعادلین دارصادر بیروت ۷/۱۲۵

[6] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

حدیث میں ارشاد ہوا: **لانکاح الابولی وشاھدی عدل** (ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں۔ت) نفی بمعنی نہی ہے اور منافی صحت نہیں بلکہ ہمارے نزدیک یہ نہی ارشادی ہے کہ بالغہ کے نکاح میں ولی بھی شرط نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۳: از شمس آباد ضلع کیمل پور علاقہ اٹک مرسلہ مولوی قاضی گیلانی صاحب ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بحضور لامع النور، موفور السرور، قاطع الشرور والفسق والفجور حضرت عالم اہل السنۃ والجماعۃ مجدد مائۃ حاضرہ زید مجد ہم! بعد نیاز بے آغاز حضور نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ فیض نشانہ میں عینی ہدایہ نہیں ولہذا دو ورق بقدر حاجت ارسال خدمت فیض درجت ہیں، مسئلہ خطبہ ونکاح بغیر کفو میں اس ملک کے علماء سخت مخالف ہیں بعض کتب عربیہ وفارسیہ قلمی غیر مشہور میں لکھا ہے کہ تقسیم فواکہ وشکر بافاتحہ خوانی بلاایجاب وقبول کے یا وعدہ کہ میں تم کو اپنی بیٹی دوں گا یا اس ارادہ پر کوئی تحفہ خوردنی یا پوشیدنی لیا تو بھی مثل ایجاب وقبول کے موجب انعقاد نکاح ہوگیا اور حدیث **تحرم الخطبہ علٰی خطبۃ اخیہ**[1] (بھائی کی منگنی پر منگنی حرام ہے۔ت) سے ان عبارتوں کو اور بھی تاکید دیتے ہیں اور عینی شرح ہدایہ کی عبارت کتاب النکاح میں **لان الخطبۃ التزوج**[2] (کیونکہ منگنی نکاح کے لیے ہوتی ہے۔ت) ان کے مدعا کی پوری مثبت ہے ان کے نزدیک ایجاب وقبول لفظی یا کوئی قول وفعل اس پر دال ہو موجب نکاح ہے اگرچہ فتاوی مہدیہ وغیرہ کتب کی عبارتیں ان کو بارہا دکھائی گئیں مگر وہ لوگ قاصر الفہم اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے اور اس کا نام احتیاط فی الفروج رکھا ہے۔ حضور نے ایک بار فرمایا تھا کہ قلم ناسخ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، اور صحیح عبارت "**لان الخطبۃ للتزوج**" معلوم ہوتی ہے حضور کی یہ درفشانی نہایت اوفق واوجہ ہے مگر عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ خطبہ کے متعلق کل مالہا وما علیہا مع ازالہ اوہام وابانۃ مرام ابحاث کے ساتھ بقدر چار پانچ ورق کے بزبان عربی حضور ارشاد فرمائیں۔ دوسری عبارت عینی کی:

وعنہ فی الرجل یشرب الشراب او ھوحائك یفرق بینھما وفی البسیط ذھبت الشیعۃ الی ان نکاح العلویات ممتنع علی غیرھم مع التراضی قال السروجی وھما قولان باطلان انتھی۔[3]	عینی سے روایت ہے کہ جو شراب کا عادی یا جولاہا ہے تو دونوں کی تفریق کردی جائے گی، اور بسیط میں ہے کہ شیعہ کا مذہب ہے کہ علویات (سیدزادیوں) کا نکاح ان کے اولیاء کی رضامندی کے باوجود بھی غیر سے ممنوع ہے، سروجی نے کہا: یہ دونوں قول باطل ہیں انتھی۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۴

[2] عینی شرح ہدایہ فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/۴۳۴

[3] عینی شرح ہدایہ فصل فی الکفاءۃ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/۱۰۲

اور عبارت تو اس سے پہلے صاف ہے ھماکے مرجع ہی میں شبہہ ہے۔ اگر اس قاعدہ اکثریہ پر کہ اصل مرجع میں مذکور قریب ہے قریب کے دو قول لیے جائیں جو کہ ایک شارب وحائک کا دوسرا شیعہ والا ہے۔ تو اگرچہ شیعہ کے قول کا بطلان ظاہر ہے کہ ظاہر روایت میں بغیر تراضی اولیاء بھی نکاح درست ہے باوجود ثبوت اعتراض للولی، اور بروایت نوادر نا درست ہے، لفساد الزمان فلم یکن ممتنعا (اس کی وجہ زمانے کا فساد ہے لہٰذا اصلا ممنوع نہ ہوا۔ ت) مگر شارب الشراب یا حائک سے اگر اعلٰی قوم کی عورت نے بغیر تراضی اولیاء کے نکاح کرلیا تو ظاہر روایت ہی کی رو سے تو تفریق کی جائے گی جیسا کہ کل متون وشروح وفتاوی میں مذکور ہے پس اس کے بطلان کی وجہ کیا ہے، سروجی حنفی مذہب کا ہے یا کہ غیر، اور کس طبقہ کا ہے، اور اس کی عبارت کا صاف مطلب کیا ہے، ملک خراساں کے اکثر حصص میں اکثر علمائے احناف اس کے قائل ہیں کہ سید زادی کا نکاح ہر شخص شریف ورذیل کے ساتھ درست ہے ولی راضی ہو یا خفا۔ اور فقہ کی کل کتابوں سے اغماض کرکے صرف دو عبارتوں پر مصر ہیں ایک آیت سورہ احزاب کے اول رکوع میں؛

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ اَزْوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمْ[1] الخ	نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مومنین کی جانوں سے بھی ان کے لیے قریب تر ہیں اور آپ کی ازواج پاک مومنین کی مائیں ہیں الخ (ت)

کہ تحریم ازواج مطہرات کی رسول اللہ وازواج کی بنات واخوات وخالات کی طرف متعدی نہیں، جیسا کہ مدارک وخازن واحمدی وروح البیان وغیرہ میں ہے۔ اور دوسری عبارت **قال السروجی** الخ جو کہ ابھی عینی سے نقل ہوئی ان کو جواب دیا گیا ہے کہ ظاہر روایت ونوادر سے یہ عبارت مخالف نہیں کیونکہ ظاہر روایت میں بھی درست ہے مع اعتراض ولی، اور نوادر میں جو نادرست ہے تو وہ بوجہ فساد زمانہ ہے **فلاتعارض ولاتصادم** (ظاہر اور نادر روایت میں تعارض وتصادم نہیں ہے۔ ت) اس کے متعلق بھی حضور لامع النور کچھ تحریر فرمائیں

الجواب:

بملاحظہ شریفہ مولٰنا المبجل المکرم ذی المجد والفضل والکرم مولٰنا مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب دامت معالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عبارت بنایہ صفحہ ۱۰۲ بہت صاف ہے۔ اوپر کی روایت سے موازنہ کرکے اس روایت کا مطلب واضح ہوتا ہے، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دو روایتیں ذکر کیں، اول

[1] القرآن ۳۳/ ۶

لابد من اعتبار الکفاءۃ ولایسقط الابتراضی الولی والمرأۃ[1]۔	کفو کا اعتبار ضروری ہے صرف ولی اور خود لڑکی کی رضا سے اس کا اعتبار ساقط ہوسکتا ہے۔(ت)

یہ ہمارے مذہب کے موافق ہے حتی کہ روایت حسن مفتی بہا کے بھی کہ اس میں بھی اگر بالغہ برضائے ولی قبل النکاح عالما بعدم الکفاءۃ غیر کفو سے نکاح کرے گی صحیح و نافذ ہوگا اور حق اعتراض بھی نہ رہے گا۔ دوسری:

وعنه فی الرجل یشرب الشراب اوھو حائك یفرق بینھما[2]۔	انہی سے مروی کہ شراب کا عادی یا جولاہا ہو تو دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔(ت)

یہ مطلق ہے وہ استثنائے تراضی یہاں نہیں یہاں بھی وہ استثناء ہو تو دونوں روایتیں ایک ہوجائیں لاجرم اس کے اطلاق کا یہ حاصل کہ لحاظ کفاءت حقاللشرع لازم تراضی زن و ولی سے بھی ساقط نہ ہوگا، اور گو سب کی رضا سے ایسا نکاح ہو قاضی جبرًا علیہم تفریق کردے گا، جیسے ہمارے یہاں بنت ممسوسہ بشہوت سے برضائے زن و اولیاء نکاح کرے **یفرق بینھما** (دونوں میں تفریق کردی جائے گی، ت) یہی حکم روافض نے دربارہ علویات دیا کہ دوسرے سے اگرچہ قرشی ہو علویہ کا نکاح اگرچہ برضائے کل ہو ممتنع ہے۔ ان دونوں قولوں کو امام سروجی فرماتے ہیں، باطلان (دونوں باطل ہیں، ت) اور وہ بیشک باطل ہیں، اگر بالغہ برضائے ولی حائک سے نکاح کرلے **لایفرق بینھما** (دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی، ت) اور علویہ بالغہ قرشی غیر علوی سے نکاح کرے اگرچہ بے رضائے ولی یا غیر قرشی سے برضائے ولی **لایمتنع** (منع نہیں کیا جائے گا۔ ت) امام سروجی ابوالعباس احمد قاضی مصر متوفی ۷۱۰ھ صاحب غایہ شرح ہدایہ اجلہ علمائے حنفیّہ سے ہیں، اس وقت تو فقیر نے قیاس سے گزارش کیا تھا کہ **الخطبۃ للتزوج** (منگنی نکاح کے لیے۔ت) ہوگا، اب کتاب کا ورق کہ جناب نے بھیجا دیکھ کر یقین کرتا ہوں کہ بیشک لام ہی ہے۔ کاتب نے اس کتاب کو نسخ نہ کیا مسخ کیا ہے اسی لیے میں نے نہ خریدی، خطبہ کا غیر نکاح ہونا ایسا روشن ہے جیسے صبح کا غیر شمس ہونا حاشایہ احتیاط فی الفروج نہیں بلکہ احتیال فی الفروج ہے کہ منگنی ہوتے ہی منکوحہ بنالیں **ولایقول بہ جاھل فضلا عن فاضل** (کوئی جاہل بھی یہ بات نہ کہے گا چہ جائیکہ کوئی فاضل کہے۔ت) کس قدر کثرت وافرہ سے نصوص ملیں گے جو خطبہ و تزوج کی مباینت ثابت کریں گے۔

ولیس یصح فی الاعیان شیئ   اذا احتاج النھار الی دلیل

(دن کی موجودگی بھی اگر کسی دلیل کی محتاج ہو تو پھر دنیا میں کوئی چیز ثابت نہیں قرار پائے گی۔ت)

[1] البنایہ شرح ہدایہ فصل فی الکفاءۃ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/ ۱۰۲

[2] البنایہ شرح ہدایہ فصل فی الکفاءۃ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/ ۱۰۲

حدیث تحرم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ [1] (بھائی کی منگنی پر منگنی حرام ہے۔ت) اس کی تائید جہل شدید، ورنہ حدیث یحرم السوم علی سوم اخیہ [2] (بھائی کے لگائے ہوئے بھاؤ پر بھاؤ لگانا حرام ہے۔ت) سے نفس سوم کو عقد بیع کرلیں گے۔ بنایہ کی پہلی عبارت لاینبغی ان تخطب المعتدۃ ش لان الخطبۃ للتزوج ونکاح المعتدۃ لایجوز [3] (عدت والی عورت کو منگنی کا پیغام دینا مناسب نہیں، شرح میں ہے۔ کیونکہ منگنی نکاح کے لیے ہوتی ہے جبکہ عدت والی کو نکاح جائز نہیں۔ت) تو ظاہر ہے کیا نکاح معتدہ کو "لاینبغی" کہا جاتا اس کی تحریم تو محرمات میں گزری، یہاں کاتب نے "لان" چھوڑ دیا ہے متن نے دو مسئلے بیان فرمائے ایک خطبہ صریحہ اسے منع فرمایا، شارح اس کی دلیل بتاتے ہیں کہ خطبہ تو بغرض تزوج ہی ہے اور تزوج معتدہ حرام، دوسرا خطبہ بالکنایہ، اسے جائز فرمایا کہ لاباس بالتعریض فی الخطبۃ [4] (عدت والی کو کنایہ کے طور پر منگنی کے پیغام میں کوئی ممانعت نہیں۔ت) یعنی خطبہ ہو مگر نہ الفاظ صریحہ میں بلکہ کنایہ تو حرج نہیں۔ کیا کوئی مسلم بلکہ کوئی عاقل اس کے یہ معنی لے سکتا ہے کہ معتدہ سے نکاح بالکنایہ جائز ہے حاش ﷲ! دوسری عبارت:

ای لایجوز ان یقول صریحا اریدان انکحك اواخطبك لان الخطبۃ للتزوج کماذکرنا [5]۔	یعنی صراحۃً یہ کہنا کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ یا میں تجھے پیام نکاح دیتا ہوں، ناجائز ہے کیونکہ منگنی نکاح کے لیے ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا (ت)

جس میں کاتب نے "ای" کا "ان" اور للتزوج کا التزوج لکھا ہے اس میں ان صاحبوں کو غالبًا یہ دھوکا لگا کہ اخطب کہ منصوب پڑھا اور انکح پر معطوف اور "ارید" کے تحت میں داخل مانا کہ یہ کہنا جائز نہیں کہ میں تجھ سے خطبہ کرنا چاہتا ہوں یوں سمجھ لیا خطبہ تزوج ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اخطب مرفوع حکائی اور اس کا عطف "ارید" پر ہے یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ میں تجھ سے نکاح کیا چاہتا ہوں نہ یہ کہنا جائز ہے کہ میں تجھے خطبہ کرتا یعنی پیام نکاح دیتا ہوں پھر اس کے صریح ہونے کی وجہ فرماتے ہیں کہ خطبہ تزوج ہی کے لیے ہوتا ہے تو "اخطبک" کے معنٰی بعینہٖ وہی ہوئے کہ "ارید ان انکحک" آیہ کریمہ کی مثل امہات تحریم ابدی عام کے لیے ہے، یہ بیشک ازواج مطہرات سے خاص ہے ورنہ ختنین کریمین سے تزویج بنات مکرمات نہ ہوسکتی اس سے یہ لازم سمجھنا کہ غیر ازواج مطہرات

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۴

[2] صحیح مسلم باب تحریم البیع علی بیع اخیہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳

[3] البنایہ شرح ہدایہ فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمہ ۲/۴۳۴

[4] البنایہ شرح ہدایہ فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمہ ۲/۴۳۴

[5] البنایہ شرح ہدایہ فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمہ ۲/۴۳۴

میں حل مطلق ہے سخت جہل ہے کہاں تحریم مطلق کی نفی کہاں حل مطلق کا اثبات، یعنی سالبہ کلیہ کا نقیض موجبہ کلیہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: از موضع بین ضلع پٹنہ مرسلہ جناب سید مظفر حسین صاحب مورخہ ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بالغہ لڑکی ہندہ کی نسبت عمرو سے مقرر کی اور بکر کو وکیل بالنکاح اور ناکح مقرر کرکے خط لکھ بھیجا کہ ہندہ کا نکاح عمرو سے اکیس ہزار روپے دین مہر پر کردو، ان تمام باتوں کی اطلاع ہندہ کو ہے اگرچہ اجازت ہندہ سے موافق دستور ہندستان نہیں مانگا گیا اور ہندہ کی کسی حرکات وسکنات سے عدم رضامندی اور ناراضگی بھی ظہور میں نہ آئی، بکر نے اکیس ہزار دین مہر پر عمرو سے ہندہ کا نکاح کرکے زید کے پاس خط لکھ بھیجا کہ فلاں تاریخ عمرو سے ہندہ کا نکاح اکیس ہزار پر کردیا آپ لڑکی کو خبر کردیجئے، زید نے اپنی لڑکی کو اطلاع دلوایا تو لڑکی نے قبول کرلیا، نکاح ایسی صورت میں قبول ہوا اور تجدید کی ضرورت تو نہیں ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اگر صورت واقعہ یہ ہے تو نکاح صحیح وتام ونافذ ولازم ہوگیا، اگر کوئی مانع شرعی مثل فساد مذہب وغیرہ نہ ہو تجدید کی حاجت نہیں **فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالہ السابقۃ** [1] **کما فی الخیریہ وغیرھا** (کیونکہ بعد کی اجازت پہلی وکالت کی طرح ہے۔ جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی نکاح الفضولی دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۷

باب المحرمات

(محرمات کا بیان)

مسئلہ ۱۵۵: ۱۹رجب ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے ابن الابن زید کو دودھ پلایا، اب زید کا نکاح اپنی نواسی لیلٰی بنت سلمی سے کیا چاہتی ہے آیا یہ نکاح شرعا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر گز جائز نہیں کہ جب زید نے اپنی دادی کا دودھ پیا تو وہ اس کی ماں ہوئی، اور جب وہ اس کی ماں ہوئی تو اس کی ساری اولاد خواہ اس دودھ سے پہلے پیدا ہوئی ہو یا بعد، سب اس کے بھائی بہن ہوئے، اور جب وہ سب بہن بھائی ہیں تو ان کی بیٹیاں اس کی بھتیجیاں بھانجیاں ہیں، بس لیلٰی بھی کہ سلمٰی بنت ہندہ کی دختر ہے زید کی بھانجی ہے اور زید اس کا ماموں ہے۔ اور ماموں بھانجی کا نکاح کہیں حلال نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما حتی المرضعۃ لو ولدت قبل ھذا الارضاع اوبعدہ وارضعت رضیعھا فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ[1] اھ ملخصا۔	دودھ پینے والے بچے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول وفروع حرام ہو جاتے ہیں حتی کہ اگر وہ دودھ پلانے سے قبل یا بعد اس نے کوئی بچہ جنا ہو یا کسی کو دودھ پلایا ہو تو وہ سب اس کے بھائی بہن ہوں گے اور ان کی اولاد اس کے بھتیجے اور بھتیجیاں اور بھانجے اور بھانجیاں ہوں گی۔ اھ ملخصًا (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرضاع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۴۳

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ بعض مدعیان علم کا یہ خیال کہ سلمٰی اور لیلٰی زید سے پہلے پیدا ہوئی تھی تو دودھ میں شرکت نہ ہوئی، نہ سلمٰی اس کی بہن نہ لیلٰی اس کی بھانجی ٹھہری، محض جہالت فاحشہ ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۶: از خیر آباد مرسلہ حسین بخش صاحب رضوی یکم ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو بکر کی بیٹی بیاہی ہے اور بکر نے دوسری عورت سے نکاح کیا، بعدہ بکر مر گیا، اب زید چاہتا ہے کہ اپنی سوتیلی خوشدامن سے نکاح کرے، یہ نکاح موافق حاشیہ عینی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور زن مذکورہ **قولہ تعالٰی "وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ"** میں داخل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح مذکور بیشک جائز ہے۔**قال اللہ عزوجل: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ**[1] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) علماء قاطبۃً متون و شروح و فتاوٰی میں محرمات صہریہ زوجات اصول و فروع اصول و فروع زوجات بتاتے ہیں نہ زوجہ اصول زوجہ و **عدم الذکر فی امثال المقام ذکر العدم کما لایخفی** (ایسے مقام میں ذکر نہ ہونا گویا نہ ہونے کا ذکر ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اور سوتیلی ماں لفظ امہات میں ہر گز داخل نہیں، ورنہ آیۃ تحریم میں **حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ**[2] (تم پر تمھاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔ت) کے بعد **وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ**[3] (جن سے تمھارے آباء نے نکاح کیا تم ان سے نکاح نہ کرو۔ت) کیونکر فرمایا جاتا۔علماء تصریح فرماتے ہیں کہ سوتیلی ماں کی ماں اور اس کی بیٹی اور اس کی بہن سب حلال ہیں، اگر سوتیلی ماں بھی ماں ہوتی تو یہ عورتیں اس کی نانی، بہن، خالہ قرار پاتیں۔علامہ خیر الدین رملی فرماتے ہیں:

لاتحرم بنت زوج الام ولاامہ ولاام زوجۃ الاب ولابنتہا[4]۔	ماں کے خاوند کی بیٹی اور اس کی ماں اور باپ کی دوسری بیوی کی ماں اور بیٹی حرام نہیں۔(ت)

اصل یہ ہے کہ ساس کی حرمت اس وجہ سے نہیں کہ وہ خسر کی زوجہ ہے بلکہ اس لیے کہ وہ زوجہ کی ماں ہے، سوتیلی ساس میں یہ وجہ نہیں لہٰذا اس کی حلت میں کوئی شبہ نہیں، مسئلہ واضح ہے اور حکم ظاہر، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۷: از نرسنگھ پور کنڈیلی متصل جامع مسجد مرسلہ مولوی یقین الدین صاحب ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔ امابعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ نصیبن اپنے خاوند

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴

[2] القرآن ۴/ ۲۳

[3] القرآن ۴/ ۲۲

[4] فتاوٰی خیریہ فصل فی المحرمات دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳

زید کی موجودگی میں بکر سے پھنسی ہوئی تھی، زید اپنے روزگار کی وجہ سے دوسرے شہر میں رہتا ہے، مگر اپنی زوجہ نصیبن کو دو برس تک کچھ خرچہ نہ بھیجا، چنانچہ نصیبن علانیہ بکر کے گھر میں آ گئی، اس کے ایک لڑکا بھی زید سے ہے۔ طلاق نہیں دی ہے مگر ہاں زید کی مرضی ہے کہ مسماۃ کچھ دے تو طلاق دے دوں، بکر درصورت طلاق نہ دینے زید کے نصیبن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ عورت بے اذن شوہر کے گھر سے نکل جائے تو نکاح سے نکل جائے محض غلط ہے۔

قال تعالیٰ: وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ [1] ۔ الایۃ۔ تخافون تعلمون ومن النشوز الخروج بلا اذن۔	جن عورتوں کی نافرمانی کا احساس کرتے ہو ان کو نصیحت کرو، الآیۃ، یہاں تخافون بمعنی تعلمون اور نشوز سے مراد اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا ہے۔ (ت)

معاذ اللہ اگر ایسا ہو تو نکاح کی گرہ زنان ناقصات العقل والدین کے ہاتھ میں ہو جائے، جو عورت چاہے بے ارادہ شوہر سہل طور پر نکاح سے آزادی حاصل کرلے حالانکہ اللہ عزوجل نے نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں رکھی ہے۔ قال عزوجل:

بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ [2] یعنی الزوج فی قول علی وسعید بن المسیب وسعید بن جبیر وغیرهم رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	اسی (خاوند) کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ، سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم نے خاوند مراد لیا ہے۔ (ت)

اسی طرح عیاذًا باللہ عورت کے فسق وفجور سے بھی نکاح نہیں جاتا۔ قال اللہ تعالٰی:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ [3] ۔ سماهن مع ذلك نسائهم، وقال جل وعلا وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ [4] الآیۃ الی قول تبارك وتعالٰی وَیَدْرَؤُا عَنْهَا	تمھاری بیویوں میں سے جو فحش کاری کی مرتکب ہو، اس میں اس کے باوجود ان کو بیویاں فرمایا گیا ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں الآیۃ، اس عورت سے حد کو ساقط

[1] القرآن ۴/۳۴
[2] القرآن ۲/۲۳۷
[3] القرآن ۴/۱۵
[4] القرآن ۲۴/۶

الْعَذَابَ[1]۔الآیۃ	کرو، الآیۃ تک۔(ت)

پس جبکہ زید نے ہنوز طلاق نہ دی نصیبن بدستور اس کے نکاح میں باقی ہے اور بکر خواہ کسی کو ہر گز اس سے نکاح حلال نہیں اگر کر بھی لیا، تاہم جیسے اب تک وہ دونوں مبتلائے زنا رہے یوں ہی اس نکاح بے معنی کے بعد بھی زانی وزانیہ رہیں گے، اور یہ جھوٹا نام نکاح کا کچھ مفید نہ ہوگا، قال تعالیٰ: وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[2] (شادی شدہ پاکیزہ عورتیں۔ت) پس چارہ کار یہی ہے کہ بکر نصیبن فوراً جدا ہو جائے اور اللہ عزوجل کے غضب سے ڈر کر اپنے ان کبیرہ گناہوں سے توبہ کریں پھر نصیبن زید کے پاس نہ رہنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ زید کی طلاق کے بدلے مال دے کر خواہ بغیر مال دئے طلاق حاصل کرے، قال المولیٰ سبحانہ وتعالیٰ:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ[3]۔	اگر تمھیں ڈر ہے کہ عدل کے طور پر وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو (خلع کے طور پر عورت کی طرف سے) فدیہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔(ت)

جب زید طلاق دے دے تو تین حیض کامل گزرنے کے بعد نصیبن کو حلال ہو گا کہ بکر خواہ غیر بکر جس سے چاہے نکاح کرلے، قال سبحنہ وتعالیٰ:

وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ[4]۔	طلاق شدہ عورتیں اپنے کو تین حیض تک پابند رکھیں، (ت)

بکر ونصیبن اگر اس حکم الٰہی پر گردن رکھیں فبہا اور اگر نہ مانیں اور اسی حالت پر رہیں یا بے طلاق حاصل کئے آپس میں نکاح کرلیں، تو ایمان والے مرد اور ایمان والی بیبیاں انھیں یک لخت چھوڑ دیں، نہ اپنے پاس بیٹھنے دیں نہ خود ان کے پاس بیٹھیں، قال عزوجل:

وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[5]۔ واللہ تعالیٰ اعلم	اور کبھی شیطان تجھے بھول میں ڈال دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔(ت)

مسئلہ ۱۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عالم حیات زوجہ میں حقیقی سالی یا رشتہ کی سالی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تا حیات زوجہ جب تک اسے طلاق ہو کر عدت نہ گزر جائے اس کی بہن سے جو اس کے باپ کے نطفے

---

[1] القرآن ۲۴/۸

[2] القرآن ۴/۲۴

[3] القرآن ۲/۲۲۹

[4] القرآن ۲/۲۲۸

[5] القرآن ۶/۶۸

یا ماں کے پیٹ سے یا دودھ شریک ہے نکاح حرام ہے۔قال اللہ تعالٰی: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ[1] (منع ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ت) اوران کے سوا زوجہ کی رشتہ کی بہنیں مثلاً چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کی بیٹیاں اس کے شوہر پر ہر وقت حلال ہیں کل ذلك مصرح بہ فی کتب الفقہ (ان تمام مسائل کی تصریح کتب فقہ میں موجود ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بھتیجی بہواور بھانج بہو سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دونوں سے درست ہے،قال اللہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ[2] (اور مذکورہ محرمات کے علاوہ تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۰: ۵ذی الحجہ ۱۳۰۶ از لکھنؤ محلّہ علی گنج مرسلہ حافظ عبداللہ صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین جواب اس مسئلہ کا کہ ایک شخص نے اپنی سالی کی لڑکی کو واسطے اپنے لڑکے کے نکاح کے پرورش کیا، تقدیر ربی سے لڑکا انتقال کرگیا، بعدہ خود پرورش کنندہ کی بی بی فوت ہوگئی، اب پرورش کنندہ نے اپنی شادی اس لڑکی پرورش کردہ شدہ سے کرلی، یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

قطعاً جائز ہے۔قال اللہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ[3] (اور مذکورہ محرمات کے علاوہ تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) ظاہر ہے کہ بیٹے کے لیے نیت نکاح ہونے سے وہ بیٹے کی منکوحہ نہ ہوگئی جو حَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ[4] (تمھارے صلبی بیٹوں کے لیے حلال شدہ عورتیں تم پر حرام ہیں۔ت) میں داخل ہوسکے۔حلائل جمع حلیلہ ہے یعنی وہ عورتیں تم پر حرام ہیں جو بذریعہ نکاح تمھارے صلبی بیٹوں کے لیے حلال ہوچکیں، یہاں نہ ابھی بیٹے سے نکاح ہوا نہ یہ عورت اس کے لیے حلال ہوئی باپ پر کیونکر حرام ہوسکتی ہے، اور اگر پرورش کے خیال سے ایسا کہا جائے تو بھی محض غلط، قرآن عظیم نے یوں فرمایا ہے:

وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِھِنَّ	تمھاری گود کی پالیاں تمھاری ان عورتوں کی بیٹیاں جن سے تم ہم بستر ہوچکے اگر تم نے ان عورتوں سے ہم بستری

[1] القرآن ۴/ ۲۳
[2] القرآن ۴/ ۲۴
[3] القرآن ۴/ ۲۴
[4] القرآن ۴/ ۲۳

فَلَاجُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ [1]	نہ کی ہو تو ان کے ساتھ نکاح میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔

دیکھو قرآن مجید تصریح فرماتا ہے کہ اپنی منکوحہ کی دختر اپنی گود کی پالی بھی حلال ہے جب تک منکوحہ سے خلوت نہ کی ہو اختیار رکھتا ہے کہ منکوحہ کو چھوڑ کر یا اس کے مرے پر اس سے نکاح کرلے تو سالی کی بیٹی پرورش کرنے سے کیوں حرام ہونے لگی، یہ محض ہندوانہ خیالات ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۱: ۲۱رجب ۱۳۰۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کا نکاح عمرو کے ساتھ کردیا، عمرو نے طلاق نہیں دی، زید نے کچھ روپیہ بکر سے لے کر نکاح بکر کے ساتھ کردیا، اور بکر نے بھی طلاق نہیں دی۔ زید نے اور شخص ثالث کے ساتھ کچھ روپیہ لے کر نکاح کردیا، اس صورت میں یہ نکاح جائز ہوگئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ نکاح نہ ہوئے محض زنا ہوئے، **قال اللہ تعالٰی:** وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [2] (شادی شدہ عورتیں حرام ہیں، ت) عورت اب جس کے پاس ہے اس پر قطعی فرض ہے کہ عورت کو اپنے پاس سے الگ کردے اور نکال دے۔ اور عورت پر فرض قطعی ہے کہ اس سے جدا ہوجائے اپنے خاوند عمرو کے پاس آئے اور یہ روپیہ کہ زید نے بکر اور اس شخص ثالث سے لیا بالکل حرام قطعی اور رشوت بلکہ زنا کی خرچی تھا، زید پر فرض ہے کہ یہ روپیہ جس سے لیا ہے اسے واپس کرے زید اور شخص ثالث اور وہ عورت تینوں میں سے جو شخص ان احکام کی تعمیل نہ کرے مسلمان اسے اپنی صحبت سے نکال دیں اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کریں، **قال اللہ تعالٰی:**

وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ [3] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب کبھی شیطان تجھے بھول میں ڈالے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۲: ۷ ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک بیٹا ہے اور ہندہ کی ایک بیٹی۔ زید کا بیٹا ہندہ سے نکاح کیا چاہتا ہے اور زید ہندہ کی بیٹی سے، اس صورت میں یہ دونوں نکاح ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ کتاب اللہ سے فرمائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ دونوں نکاح حلال ہیں **قال اللہ تعالٰی:** وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ [4] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمھارے لیے

---

[1] القرآن ۴/ ۲۳

[2] القرآن ۴/ ۲۴

[3] القرآن ۶/ ۶۸

[4] القرآن ۴/ ۲۴

حلال کی گئی ہیں۔ت) ظاہر ہے کہ پسر زید کے لیے ہندہ اگر ہو گی تو باپ کی ساس ہو گی **ذلك اذا تقدم نکاح زید** (اور یہ جب ہے کہ زید کا نکاح پہلے ہوا ہو۔ت) اور باپ کی ساس حلال ہے جبکہ وہ اپنی نانی نہ ہو۔

فی ردالمحتار قال الخیر الرملی لاتحرم ام زوجه الاب [1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ خیر الدین رملی نے فرمایا کہ باپ کی ساس حلال ہے۔(ت)

اور زید کے لیے ہندہ کی بیٹی اگر ہو گی تو بہو یعنی زوجہ پسر کی بیٹی ہو گی **وھذا اذا سبق نکاح ابن زید** (یہ جب ہے کہ زید کے بیٹے کا نکاح پہلے ہوا ہو۔ت) اور بہو کی بیٹی حلال ہے جبکہ وہ اپنی پوتی نہ ہو۔

فی ردالمحتار اما بنت زوجة ابنه فحلال [2]۔	ردالمحتار میں ہے بیٹے کی بیوی کی بیٹی حلال ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳: از اوجین مرسلہ میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ ۲۹ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے سالی حقیقی سے صحبت کی اور عمرو نے سالی کے ساتھ نکاح، توزید وعمرو کی اولین عورتوں پر طلاق عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ قرآن مجید وفرقان حمید میں اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ (منع ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو مگر جو ہو گزرا۔ت) وارد ہے، اس مسئلہ میں جو حکم شرعًا ہو جداگانہ مع التشریح بحوالہ کتب بیان فرمائیں۔

الجواب:

بموجودی زوجہ سالی سے نکاح حرام ہے۔ اور اس پر فرض ہے کہ اسے ہاتھ نہ لگائے اور فورًا چھوڑ دے اور زنا تو ہر حال حرام ہی ہے مگر سالی سے نکاح یا زنا کرنے سے زوجہ مطلقہ نہیں ہوتی، نہ آیت کا یہ مطلب ہے نہ سالی سے زنا کے سبب زوجہ سے جماع حرام ہو، درمختار میں ہے:

فی الخلاصة وطی اخت امرأته لاتحرم علیه امرأته [3]۔	خلاصہ میں ہے کہ سالی سے زنا کی وجہ سے بیوی حرام نہ ہو گی۔(ت)

نہ سالی کے ساتھ فقط نکاح کرنے سے جماع زوجہ ممنوع ہو جائے۔ جب تک سالی سے جماع واقع نہ ہو، ہاں اگر بعد نکاح سالی سے جماع کرلیا تو اب زوجہ سے جماع حرام ہو گیا، یہاں تک کہ سالی کو چھوڑ دے اور اس کی عدت گزر جائے اس وقت زوجہ سے جماع جائز ہو گا یوں ہی اگر بے نکاح سالی سے جماع کیا مگر دیدہ دانستہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی المحرمات دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۹

[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

زنانہ کیا بلکہ بلاشبہہ اور دھوکے سے جماع واقع ہو تو بھی زوجہ سے جماع حرام ہوگیا جب تک اس جماع شبہہ کے سبب سالی پر جو عدت لازم آئی ہے ختم ہوجائے۔

فی ردالمحتار فی مسئلة نکاح المرأة علی اختہا الثانی باطل ولہ وطی الاولی الاان یطأ الثانیة فتحرم الاولی الی انقضاء عدة الثانیة کما لووطئ اخت امرأتہ بشبہة حیث تحرم امرأة مالم تنقض عدة ذات الشبہة ح عن البحر [1]۔	ردالمحتار میں بہن کی موجودگی میں سالی سے نکاح کے مسئلہ میں فرمایا کہ دوسرا نکاح باطل ہے اور جب تک دوسری سے وطی نہ کی ہو پہلی سے جماع جائز ہے۔ اگر دوسری سے وطی کرلی ہو تو پہلی سے جماع اس وقت تک حرام ہے جب تک دوسری کی عدت نہ گزر جائے۔

جس طرح شبہہ کی بناء پر بیوی کی بہن سے جماع ہوجائے تو بیوی سے جماع حرام ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ شبہہ والی کی عدت پوری نہ ہوجائے، یہ بحر سے منقول ہے۔ (ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم**

مسئلہ ۱۶۴: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سید ظہور حیدر میاں صاحب قبلہ پنجم شوال ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے اپنی دختر ہندہ نابالغہ کا عقد بولایت اپنے ہمراہ بکر کردیا کہ جس کو عرصہ ایک سال کا گزرا زید کی زوجہ کو سفر درپیش آیا واسطے حفاظت ونگرانی بکر کو ہمراہ کردیا زوجہ زید نے بہمراہی اپنے داماد بکر کے مع ایک خادمہ سفر گاڑی پر کیا شب کو سرائے میں بکر نے باارادہ فاسدہ ونیت خراب اپنی خوشدامن کی چارپائی پر آکر زبردستی کہا کہ میں پاؤں دابوں، ہر چند منع کیا لیکن زبردستی پاؤں دبانے شروع کردئے اور شکم پر ہاتھ پھیر کر قریب تھا کہ کمر بند کھول ڈالے اور اپنا ازار بند اول کھول لیا تھا، نہایت مشکل وزبردستی سے بکر کو چارپائی سے علیحدہ کیا گیا، دوبارہ پھر قریب تین بجے شب کے بکر نے آکر چارپائی پر بیٹھ کر ارادہ دست درازی کا کیا، زوجہ زید کی آنکھ کھلی گئی اور وہ چیخ کر غل مچانے لگی جس سے گاڑی بان اور خادمہ نے چونک کر چراغ سے دیکھا تو بکر تھا عذر بدتر از گناہ کرنے لگا کہ میں کتا مارنے آیا تھا یہ بات زوجہ زید یقین اور خوب مضبوطی سے از روئے مباہلہ وقسم شرعی کہتی ہے کہ بکر نے اول مرتبہ میرے شکم پر ہاتھ پھیر کر میرے ازار بند کھولنے کی نیت سے دست درازی کی تھی اور اپنا ازار بند کھول رکھا تھا اور اس وقت بکر کے دست وپا میں رعشہ سخت تھا اگر میں ناراض ہوکر زبردستی بکر کو چارپائی سے علیحدہ نہ کرتی تو بیشک میری عصمت بکر خراب کرڈالتا اور اسی ارادہ سے دوبارہ پھر بکر آکر میری چارپائی پر بیٹھا اگر گاڑی بان وخادمہ چراغ لے کر نہ آتے اور نہ دیکھتے

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۶

توبکر ہرگز اپنے ارادہ سے باز نہ آتا، زید کو بعد دریافت اس حالت کے اپنی دختر ہندہ کے عقد میں شک پڑگیا اور کہا کہ میں اب رخصت نہ کروں گا، تو اب جس حالت میں دونوں ولی اصلی یعنی والدین ہندہ زید مع زوجہ بکر سے بباعث اس حرکت کے ناراض ہیں تو نکاح ہندہ کا بکر سے باقی رہ گیا یا ٹوٹ گیا؟ اور اگر ٹوٹ گیا تو عقد ثانی اس کا خواہ بکر سے یا اور جگہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ دختر زید یعنی ہندہ نابالغہ ہے اور ولی یعنی والدین اس کے بکر سے ناراض ہیں تو ایسی حالت میں مسئلہ شریعت کیا ہے۔ اور اب معاملہ ہندہ وبکر کیا ہونا چاہئے؟ اور زوجہ زید جوان ہے جس سے یہ حرکت بکرنے کی، **فقط، بینوا توجروا**

الجواب:

اس میں شک نہیں کہ اپنی منکوحہ کی ماں کے جسم کو بنظر شہوت کسی جگہ ہاتھ لگانے سے گو نکاح زائل نہیں ہوتا مگر عورت ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہوجاتی ہے۔ اور اس شخص پر واجب ہوتا ہے کہ اسے چھوڑ دے لیکن اس قدر ضرور ہے کہ مس بحالت شہوت ہو یعنی ہاتھ لگانے کے وقت ہی معاً نعوظ (یعنی عضو تناسل کا قائم ہونا) پیدا ہو یا پہلے سے نعوظ تھا تو ایسی حالت میں زائد ہوجائے ورنہ اگر جس وقت مس کیا نعوظ نہ تھا جب مس ختم ہوچکا اس کے بعد پیدا ہوا یا نعوظ پہلے سے تھا اور مس کرنے میں کچھ زیادہ نہ ہوا بدستور رہا تو حرمت نہ ہوگی۔

فی الدرالمختار العبرة للشہوة عند المس والنظر، لابعدھما وحدھا فیما تحرک اٰلتہ او زیادتہ بہ یفتی[1]۔ وفی ردالمحتار قولہ او زیادتہ ای زیادة التحرک ان کان موجودا قبلھما قولہ بہ یفتی قال فی الفتح وفرع علیہ مالو انتشر وطلب امرأتہ فاولج بین فخذی بنتھا خطأ لاتحرم امھا مالم یزد الانتشار[2]۔	درمختار میں ہے کہ دیکھنے اور چھونے کے وقت شہوت کا اعتبار ہے اس کے بعد والی شہوت معتبر نہیں، اور اس وقت معتبر شہوت کی حد یہ ہے کہ چھونے اور دیکھنے پر آلہ تناسل حرکت کرے یا اس وقت حرکت میں زیادتی پیدا ہو۔ اسی پر فتوٰی ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے: اس کا قول "زیادتہ" اس سے مراد حرکت کی زیادتی ہے جبکہ پہلے حرکت موجود ہو، اس کا قول بہ یفتی، فتح میں کہا اور اس پر تفریع بیان کی کہ کسی کو انتشار ہوا، اپنی بیوی کی طلب کی تو بیوی کی بجائے (بیوی کے پہلے خاوند سے) بیٹی کی رانوں کو غلطی اور خطا سے استعمال کیا تو اس لڑکی کی ماں (بیوی) اس پر حرام

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۰

نہ ہوگی کیونکہ اس وقت انتشار زائد نہ ہوا (بلکہ وہ انتشار موجود رہا جو پہلے بیوی کے لیے ہوا تھا) (ت) اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ مس برہنہ جسم پر ہو یا کسی ایسے باریک کپڑے پر سے کہ عورت کے جسم کی حرارت اس کے ہاتھ کو پہنچنے سے مانع نہ ہو، جیسے اس زمانے میں جالی یا تنزیب کی کرتیاں، ورنہ اگر ایسا سنگین کپڑا حائل تھا کہ جسم زن کی گرمی ہاتھ کو محسوس نہ ہونے دے تو حرمت نہیں اگرچہ مس بہزار شہوت واقع ہوا ہو۔

فی الدرالمختار واصل ممسوسۃ بشھوۃ ولو بشعر علی الرأس بحائل لایمنع الحرارۃ[1] فی ردالمحتار فلوکان مانعا لاتثبت الحرمۃ کذا فی اکثر الکتب وکذا لوجامعھا بخرقۃ علی ذکرہ[2]۔	درمختار میں ہے شہوت کے ساتھ مس شدہ عورت خواہ یہ مس عورت کے سر کے بالوں کا کسی ایسے پردہ اور کپڑے کے حائل ہونے کے باجود ہو جو بدن کی حرارت پہنچنے کے لیے مانع نہ ہو، تو بھی اس عورت کے اصول حرام ہو جائیں گے، ردالمحتار میں ہے کہ اگر وہ کپڑا بدن کی حرارت کے لیے مانع ہو تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اکثر کتب میں ایسے ہی ہے۔ اور یوں ہی اگر کسی عورت سے جماع کے وقت ذکر پر موٹا کپڑا لپیٹ لیا (جس سے آپس میں دونوں کے بدن کی حرارت نہ محسوس ہوسکے اور عورت کے باقی تمام بدن پر موٹا کپڑا ہو کہ کوئی حصہ بدن برہنہ مس نہ ہو) (ت)

نیز ایک شرط حرمت یہ ہے کہ یہ حرکت انزال کی طرف مودی نہ ہو، اگر انزال ہوگیا حرمت نہ ہوئی۔

فی الدرالمختار ھذا اذالم ینزل فلو انزل مع مس اونظر فلاحرمۃ بہ یفتی ابن کمال[3]۔	درمختار میں ہے کہ حرمت تب ثابت ہوگی جب اس انتشار میں انزال نہ ہوا ہو، اور اگر مس یا نظر کے وقت شہوت سے انزال ہوجائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اس پر فتوی ہے۔ ابن کمال (ت)

غرض مس یا نظر کے سبب حرمت مصاہرت ثابت ہونے میں یہ شرطیں ہیں زوجہ زید کا بیان جس قدر سوال میں مذکور اس سے کچھ نہیں کھلتا کہ صورت واقعہ میں یہ متحقق تھیں یا نہیں۔ تین بجے شب کے واقعہ میں بکر کا صرف اس کی چارپائی پر آکر بیٹھنا اور دست درازی کا ارادہ کرنا بیان کرتی ہے کہ مجرد ارادہ کوئی چیز نہیں، اور واقعہ اول شب میں بھی کچھ نہیں کہتی کہ بکر کا پاؤں دبانا کپڑے پر سے تھا یا برہنہ پاؤں پر،

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۰

[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

اور شکم پر ہاتھ پھیرنا بھی کچھ خواہی نخواہی اس میں نص نہیں کہ برہنہ پیٹ پر ہاتھ پھیرا، نہ یہ معلوم کہ اس وقت زوجہ زید کی کرتی کیسے کپڑے کی تھی، تواس کے فقط اتنے بیان پر حکم حرمت نہیں ہوسکتا جب تک صاف صاف تمام شرائط کا متحقق ہونانہ ظاہر ہو۔لہٰذا فقیر اس مسئلہ کے جواب میں صرف اس قدر حکم دے سکتا ہے کہ اگر بکر نے زوجہ زید کے پاؤں یا پیٹ خواہ کسی جسم پر برہنہ یا حائل نرم کے ساتھ بطور شہوت ہاتھ لگایا کہ اس حرکت کی حالت ہی میں اسے نعوظ پید ہوا یا پہلے سے تھا تو اسی حالت میں بڑھ گیااور انزال واقع نہ ہوا تو بیشک ہندہ ہمیشہ ہمیشہ بکر پر حرام ہو گئی کہ کبھی کسی طریقہ سے اسے ہاتھ نہیں لگاسکتا ہے،اور اگر ان شرائط میں کچھ کمی تھی تو ہندہ بدستور اس کے لیے حلال ہے، پھر جس حالت میں حکم حرمت دیا جائے گا اس کا بھی یہ حاصل ہر گز نہیں کہ نکاح بالفعل ٹوٹ گیا، یہ محض خطا ہے بلکہ اس وقت حکم صرف اس قدر ہوگا کہ ہندہ بکر پر حرام ابدی ہو گئی، بکر پر فرض کہ اسے چھوڑ دے اگر نہ چھوڑے گا سخت گناہ گار ہوگااور ہندہ کے حق میں بھی گرفتار ہوگا۔قال اللہ تعالٰی:

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ[1]،واذ قد فاته الامساك بالمعروف لزمه التسريح باحسان۔	بھلائی سے پاس رکھو یا اچھے انداز میں اس کوآزاد کردو، اس صورت میں پاس رکھنا ممکن نہیں رہالہٰذااس کو چاہیئے کہ چھوڑ دے۔(ت)

مگر جب[عہ] تک وہ ترک نہ کرے یاحاکم شرع تفریق نہ کردے نکاح بیشک باقی ہے۔دوسری جگہ ہر گز ہندہ کا نکاح جائز

عـــہ:انظر ههنا فان الدرخص المتاركة بالزوج و حقق الشامی انهاتكون من المرأة ايضاوان لافرق بينها وبين الفسخ،وقد تقرران حرمة المصاهرة تفسد النكاح وان فی النكاح الفاسد لكل منهما فسخه ولو بغير محضر من صاحبه دخل بها اولا وانظر ان غير البالغة هل لها او لو ليها فسخ نكاحها الفاسد تحرزا عن المعصية ام ينتظر بلوغها اذلامعصيه منها قبله والظاهر الاول فليحرر(م)	یہاں غور کرنا چاہیئے کیونکہ در نے متارکہ کاحق خاوند کے لیے خاص کیا ہے، جبکہ علامہ شامی نے کہاکہ عورت کو بھی متارکہ کا حق ہے کیونکہ اس میں اور فسخ میں کوئی فرق نہیں اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حرمت مصاہرہ نکاح کو فاسد کردیتی ہے۔جبکہ نکاح فاسد میں خاوند وبیوی دونوں کوایک دوسرے کی موجودگی ہو یا نہ ہو دخول کیا ہونہ کیا ہو فسخ کاحق ہے،اور یہ بھی قابل غور ہے کہ کیا نابالغہ کے فاسد نکاح میں نابالغہ یااس کے ولی کو فسخ کااختیار ہے تاکہ گناہ سے بچایا جاسکے یااس کے بالغ ہونے کاانتظار کیا جائے گا اس بناپر کہ اس سے قبل گناہ مقصود نہیں اور ظاہر پہلااحتمال ہے۔اس کوواضح کرنا چاہیئے۔(ت)

[1] القرآن ۲/ ۲۲۹

نہیں۔ہاں بعد متارکہ یا تفریق حاکم شرع پدر ہندہ کو اختیار ہوگا کہ بکر کے سوا جس سے چاہے نکاح کردے۔

فی الدرالمختار بحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج باٰخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطء بھا لایکون زنا [1]۔وفی ردالمحتار ای وان مضی علیھا سنون کما فی البزازیۃ وعبارۃ الحاوی الابعد تفریق القاضی اوبعد المتارکۃ [2] اھ۔	درمختار میں ہے حرمت مصاہرہ نکاح کو ختم نہیں کرتی حتی کہ متارکہ اور عدت گزر جانے کے بعد اس کا کسی دوسرے شخص سے نکاح اور وطی جائز ہوگی،اس سے قبل جائز نہیں (حرمت مصاہرہ کے بعد متارکہ سے قبل) خاوند کی وطی کو زنا نہ کہا جائے گا،ردالمحتار میں ہے کہ اگرچہ کئی سال گزر جائیں اور حاوی کی عبارت کے مطابق قاضی کی تفریق یا متارکہ کے بعد ہی وہ نکاح کرسکے گی۔(ت) واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۶۵: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ جناب سید امیر حیدر صاحب قبلہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح بولایت خود و شوئے خود بکر سے کیا،بعدہ بوجہ نااتفاقی باہمی یہ خیال ہوا کہ یہ نکاح کسی شکل سے توڑنا چاہئے کہ دوسری جگہ نکاح ہوسکے،ہندہ سفر کو گئی،ہمراہی میں بکر اور ایک خادمہ اور ایک نابالغہ،چھ آدمی اور گاڑی بان جس سے پردہ نہ تھا،گئے،سرائے میں کھانا کھا کر جو بچا ہندہ نے اپنے سرہانے رکھوالیا،چارپائی پر ہندہ اور نیچے فرش پر خادمہ بکر و چھوکری سوئے،۱۲ بجے شب کے خادمہ مع چھوکری پیشاب کو گئی،بکر غافل سوتا تھا،ہندہ نے بآواز سخت پکارا کہ جلد ہوشیار ہو مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔بکر پاس گیا اور فرش پر بیٹھنے کا ارادہ کیا کہا میری چارپائی پر بیٹھ جاؤ،وہ ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اتنے میں خادمہ آگئی تو بکر سے بہ سہولت کہا اب تو جاکر سو رہ،بکر اپنی جگہ پر سو رہا،۲ بجے شب کے بکر حقہ پینے اٹھا مکان میں کتا جاتا معلوم ہوا حقہ گاڑی بان کو دے کر اندر آگیا،اندھیرا تھا،چارپائی کو ٹھوکر لگی،ہندہ نے خادمہ اور گاڑی بان کو پکارا،بکر نے فورًا کہا میں ہوں کتا مارنے آیا ہوں کہ کھانا خراب نہ کرے،سب سو رہے۔صبح کو ہندہ نے خادمہ سے کہا بکر نے میرے ساتھ بدنیتی کا اردہ کیا،کہا کب؟ کہا جب تو پیشاب کو گئی تھی،کہا مجھے ایسی کیا دیر ہوئی تھی اور تم نے جبھی کیوں نہ کہا میں بکر سے پوچھتی ہوں،اسے سخت قسم دے دی،پھر ہفتہ بھر ساتھ رہے کچھ ظاہر نہ ہوا مکان پر آکر ہندہ نے بہتان باندھا،خادمہ اور گاڑی بان بقسم محض لاعلمی بیان کرتے ہیں اور بکر بھی اپنی بے قصوری کی صدہا قسمیں کھاتا ہے۔آیا تنہا بیانِ ہندہ قابل وثوق ہے اور نکاح بکر قائم رہا یا گیا،**بینوا توجروا**

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۳

الجواب:

تنہا ایک عورت کا بیان اصلا قابل سماعت نہیں، قال اللہ تعالٰی: وَّاَشْہِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ[1] (اپنے دو عادل گواہ بناؤ۔ت) نکاح بکر یقینا قائم ہے

حتی علی فرض صدقها ایضا لان المذهب عندنا ان حرمة المصاهرة لاترفع النکاح، وانما تفسده فلا بد من متارکة من زوج اوتفریق من قاض[2]۔ کما فی رد المحتار عن النهر عن الزیلعی (مفهومًا) واللہ تعالٰی اعلم	حتی کہ عورت کو سچا بھی تسلیم کیا جائے، اس لیے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ حرمت مصاہرہ نکاح کو ختم نہیں کرتی بلکہ اس کو فاسدہ کرتی ہے۔ لہٰذا خاوند کا متارکہ یا قاضی کی تفریق ضروری ہے۔ جیساکہ ردالمحتار میں زیلعی کے حوالے سے نہر سے منقول ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۶۶: از رائپور علاقہ جے پور ڈاکخانہ نڈاون مرسلہ منشی فرزند حسن صاحب ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کو جس شخص کا حمل ہو قبل وضع حمل اسی سے یا غیر سے نکاح کرنا اسے جائز ہے یا نہیں۔؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب:

حمل اگر حلال کا ہے (یعنی وہ جس میں شرعا نسب ثابت ہو) تو قبل از وضع اس کا نکاح کسی غیر سے نہیں ہوسکتا۔ قال اللہ تعالٰی:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ[3]۔	حاملہ عورتوں کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔(ت)

ہاں شوہر سے جس کا حمل ہے نکاح جائز، اس کی صورت یہ کہ بعد حمل رہنے کے شوہر نے طلاق دے دی تو اگرچہ ہنوز وضع حمل نہ ہو اس سے نکاح ہوسکتا ہے بشرطیکہ طلاق مغلظہ نہ ہو جس میں حلالہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

فی الدر المختار ینکح مبانته بمادون الثلاث فی العدة وبعدها بالاجماع لامطلقة بالثلث حتی یطأها غیره بنکاح نافذ[4] (ملتقطا)	درمختار میں ہے کہ اپنی مطلقہ بائنہ سے عدت پوری ہونے سے قبل یا بعد نکاح کرسکتا ہے بالاجماع، تین طلاق والی سے نکاح نہیں کرسکتا، جب تک کسی غیر شخص سے اس کا نکاح اور وطی نہ ہوجائے۔ (ملتقطا)(ت)

---

[1] القرآن ۲/۶۵

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۳

[3] القرآن ۴/۶۵

[4] درمختار باب الرجعة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۰

اور اگر زنا کا حمل ہے (جس میں بچہ شرعًا مجہول النسب ٹھہرتا ہے) تو زانی وغیر زانی جس سے چاہے بے وضع حمل نکاح کرسکتی ہے کہ زنا کے پانی کی شرع میں اصلا حرمت وعزت نہیں۔ مگر فرق اتنا ہے کہ اگر خود زانی سے نکاح جس کا حمل رہا تھا تو اسے صحبت کرنی بھی جائز ہوجائے گی اور غیر سے نکاح ہوا جب تک وضع حمل نہ ہولے وہ ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

فی الدرالمختار صح نکاح حبلی من زنا لاحبلی من غیرہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع ولو نکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا[1] اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم	درمختار میں ہے: زنا سے حاملہ کے ساتھ نکاح جائز ہے نہ کہ غیر زنا کی حاملہ سے جبکہ اس سے وطی اور متعلقہ امور بچے کی پیدائش تک حرام ہیں، اور اس سے خود زانی نے نکاح کیا ہو تو وطی بھی بالاتفاق جائز ہے اھ ملخصًا (ت)

مسئلہ ۱۶۷: از آنولہ ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ میں ناجائز طور کی ملاقات تھی، زید اس سے ارادہ نکاح رکھتا تھا، ہندہ کی بیٹی سلمہ نابالغہ کو جس کی عمر نو برس کی ہے اس کے چچا نے اپنی بیٹی ظاہر کرکے زید سے نکاح کردیا مگر ہنوز رخصت واقع نہ ہوئی، اب زید کو معلوم ہوا کہ یہ اسی ہندہ کی بیٹی ہے جس سے قبل اس نکاح کے زید کا ناجائز تعلق رہ چکا ہے، اس حالت میں اس نکاح کی نسبت کیا حکم ہے، اور زید بعد اس نکاح کے ہندہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ زید اس نکاح سے پہلے ہندہ کو ناجائز طور پر ہاتھ لگا چکا تھا تو اس کا یہ نکاح کہ ہندہ کی بیٹی سے کیا گیا محض ناجائز وحرام ہوا، اس پر فرض ہے کہ فورًا اس سے دست بردار ہو اور بعد اس کے وہ ہندہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

فان نکاح البنات وان کان یحرم الامھات لکن اذا کان صحیحا ولایصح النکاح مع بنت ممسوسۃ لحرمۃ المصاھرۃ۔	بیٹی سے نکاح کی وجہ سے ماں اگرچہ حرام ہوجاتی ہے مگر اس وقت جب بیٹی سے صحیح نکاح ہو، اور حرمت مصاہرہ کی بناپر شہوت کے ساتھ مس شدہ عورت کی بیٹی سے نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

درمختار میں ہے:

حرم بالمصاھرۃ بنت زوجۃ الموطوئۃ و ام زوجتہ وجداتھا مطلقا بمجرد العقد الصحیح [1]۔	بیوی سے وطی کرنے پر اس کی بیٹی حرمت مصاہرہ کی بنا پر حرام ہوجاتی ہے اور بیوی کی ماں اور دادیاں بھی اس پر محض صحیح نکاح کی بنا پر حرام ہوجاتی ہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

احتراز عن النکاح الفاسد فانہ لایوجب بمجردہ حرمۃ المصاھرۃ بل بالوطء اوما یقوم مقامہ من المس بشھوۃ والنظر بشھوۃ [2] الخ۔	صحیح نکاح کا یہ حکم ہے، رہا فاسد نکاح تو صرف نکاح سے حرمت مصاہرہ ماں اور دادیوں کی نہ ہوگی بلکہ وطی سے ہوگی یا وطی کے قائم مقام امور شہوت سے دیکھنے اور چھونے سے ہوگی الخ (ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۸: از موضع دربھنگہ ڈاکخانہ روسٹرا بازار مقام موتی پور مرسلہ ملاشیر علی صاحب ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت مریدہ ازروئے شرع پیر پر حرام ہے یا حلال؟ اور ازواج مطہرات حضرت خدیجہ وحضرت عائشہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مریدہ تھیں یا نہیں؟ اس نکاح کی حرمت وحلت جو کچھ ہو بحوالہ حدیث وفقہ صاف تحریر کریں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

پیر کو اپنی مریدہ سے نکاح قطعاً حلال [عہ] ہے اسے ممنوع جاننا کتاب وسنت اجماع امت وقیاس

عہ: اس سے صاف ظاہر ہے کہ مریدہ کو اپنے پیر کے سامنے بے پردہ آنا ناجائز ہے، غضب تو یہ ہے کہ اس زمانے کے بعض جاہل بے باک متصوف اس جھوٹے مسئلہ کو کہ مریدہ بیٹی ہے دستاویز بنالیتے ہیں اور تمام عورتوں کو جو ان کی مریدی کے جال میں پھنسی ہوتی ہیں حکم قطعی دیتے ہیں کہ ہمارے سامنے بے پردہ حجاب آیا کرو، بلکہ تنہائیوں میں انھیں لے کر بیٹھتے ہیں، حالانکہ یہ باتیں حرام قطعی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ کوئی پیر نہیں وہ خود اپنے سامنے عورتوں کو بے باکانہ آنے سے منع فرماتے، اور کبھی حضور پرنور نے نامحرم عورت کو ہاتھ نہ لگایا، جو بیبیاں کہ حاضر خدمت ہوکر بیعت چاہتیں آپ ان سے

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۸

چاروں دلائل شرع سے محض باطل وبے اصل ہے قرآن عظیم سے یوں کہ مولٰی عزوجل نے حرام عورتیں گنا کر فرمایا: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [1] ان کے سوا سب عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں، لاجرم مریدہ بھی کہ ان محرمات میں ذکر نہ فرمائی اس حکم حلت میں داخل رہی سنت سے یوں کہ نبی سے زیادہ پیر ومرشد کون ہے، خصوصًا ہمارے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین وبارک وسلم کہ حضور تو تمام جہانوں کے پیر ہیں پھر حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے اپنی امتی بیبیوں ہی سے نکاح فرمایا جن میں حضرت ام المومنین خدیجہ الکبرٰی وحضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما اعلٰی درجہ کی مریدہ اور اعلٰی درجہ کی بیبیاں ہیں، باتفاق علماء ثابت کہ جب اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت عامہ کو ظاہر فرمایا، سب سے پہلے حضرت ام المومنین خدیجہ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا شرف ارادت سے مشرف ہوئیں، بعض جاہلوں کی سمجھ میں یوں نہ آئے تو یہ مانیں گے کہ حضرات شیخین حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سب سے افضل واکمل رید تھے، اولیاء کرام فرماتے ہیں:

تاجہاں ست نہ ہیچو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیرے بودنہ ہیچو ابوبکر صدیق مریدے۔	پوری کائنات میں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جیسا نہ کوئی پیر ہے اور نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ جیسا کوئی مرید ہے۔ (ت)

وہ جاہلانہ خیال کہ پیری ومریدی کارشتہ بعینہٖ مثل رشتہ نسب کے ہے، اگر سچا ہوتا تو مریدہ اپنی بیٹی ہوتی، مریدوں کی بیٹیاں پوتیاں ہوتیں، یونہی ختنین عثمان غنی وعلی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا نکاح بنات مطہرات حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیونکر ہوسکتا، اس تقدیر پر صاحبزادیاں بہنیں ہوتیں، مگر جہل وسفاہت کے مفاسد اس سے بھی زائد ہیں، اجماع سے یوں کہ آج تک تمام عالم میں کوئی عالم اس نکاح کی حرمت کا قائل نہ ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

زبانی بیعت لیتے، اور فرماتے تمھاری بیعت ہوگئی کبھی ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہ لی شیطان کے مکر سے اللہ سبحانہ محفوظ رکھے، اور بعض جاہل مردوں کو ابلیس باتلبیس نے یوں ورغلایا اور ان کے ذہن میں یہ سمایا کہ جب ہمارے حالات ہمارے مرشد پر پوشیدہ نہیں تو ہم کیوں اپنی عورتوں کا پیر جی سے پردہ کرائیں، پس بے غل وغش پیر صاحب بحالت موجوگی وعدم موجودگی صاحب خانہ کے زنانے میں جاتے اور وہیں آرام کرتے ہیں، یہ راقم آثم کا چشم دید تھا جو بیان میں آیا، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، (مولوی نواب) سلطان احمد خاں بریلوی)

[1] القرآن ۴/ ۲۴

فقہائے جملہ مذاہب کی کتابیں موجود، کسی نے مریدہ کو محرمات سے نہ گنا، قیاس سے یوں کہ رشتہ استاذی وشاگردی بھی تو مثل رشتہ پیری ومریدی ہے۔ پیر واستاذ دونوں بجائے باپ کے مانے جاتے ہیں، خود حدیث میں فرمایا:

انما انالکم بمنزلة الوالد اعلمکم [1]۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	میں تمھارے لیے بمنزلہ والد ہوں تمھیں تعلیم دیتاہوں، اس کو احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بذریعہ ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیاہے۔(ت)

بلکہ پیری ومریدی بھی خود استاذی وشاگردی ہے۔ اگر یہ خیال باطل ٹھیک ہوتا تو اپنی شاگرد عورت سے بھی نکاح حرام ہوتا اور عورت کو علم سکھانا نکاح جاتے رہنے کا باعث ہوتا کہ اب وہ اس کی بیٹی ہوگئی حالانکہ قرآن و حدیث سے زوجہ کو شاگرد کرنا اور اپنی شاگرد عورت کو نکاح میں لانا دونوں باتیں ثابت۔

قال اللہ تعالٰی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا [2]۔	اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ۔

ظاہر ہے کہ گھر والوں کو دوزخ سے بچانا بغیر مسائل سکھائے متصور نہیں کہ بچنا بے عمل اور عمل بے علم میسر نہیں، تو قرآن مجید صاف حکم فرماتا ہے کہ اپنی عورتوں کو علم دین سکھاؤ اور اس پر عمل کی ہدایت کرو، سول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رجل کانت لہ امة فغذاھا فاحسن غذاء ھا ثم ادبھا فاحسن تادیبھا وعلمھا فاحسن تعلیمھا ثم اعتقھا وتزوجھا فلہ اجران [3]۔ رواہ الائمة احمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یعنی جو کوئی کنیز رکھتا ہے اسے کھلائے اور اچھا کھلائے پھر ادب سکھائے اور بہتر سکھائے اور علم پڑھائے اور خوب پڑھائے، پھر اسے آزاد کرکے اپنے نکاح میں لائے وہ شخص دوہرا ثواب پائے (اس کو احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

[1] سنن ابو داؤد باب کراھیة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳

[2] القرآن ۶۶/ ۶

[3] صحیح بخاری باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰

جاہلوں کی جہالت کہ مریدہ سے نکاح ناجائز بتاتیں اور زن وشو دونوں کو بے تکلف مرید بنائیں، وہ دونوں اگر باپ بیٹی تھے یہ دونوں سگے بہن بھائی ہوئے، اس نکاح کو ممنوع جاننے والا شریعت مطہرہ پر کھلا ہوا افترا کرتا اور حلال خدا کو حرام ٹھہراتا ہے۔ اس پر توبہ فرض ہے، اللہ تعالٰی ہدایت بخشے، آمین! **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۹: ۱۳ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناجو عقیدہ مروجہ شیعہ رکھتے ہیں علی الخصوص شیعہ لکھنو کے ان کی دختر سے نکاح سنی کا درست ہے یا نہیں اور اولاد اس کی مستحق ترکہ پدری کی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

آج کل عام روافض تبرائی خذلہم اللہ تعالٰی عقائد کفریہ رکھتے ہیں ان میں کوئی کم ایسا نکلے گا جو قرآن مجید میں سے کچھ گھٹ جانا نہ مانتا اور حضرت امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضی و باقی ائمہ اطہار کرم اللہ تعالی وجوھھم کو حضرات علیہ انبیاء سابقین **علی نبینا الکریم وعلیہم افضل الصلوٰۃ والتسلیم** سے افضل نہ جانتا ہو، اور یہ دونوں عقیدے کفر خالص ہیں مجتہد لکھنو نے اپنے مہری فتوے میں ان دونوں ملعون عقیدوں کی صاف تصریح کی جو ان میں خود یہ اعتقاد (بالفرض) نہ بھی رکھتا ہو تاہم اس سے یہ امید نہیں کہ مجتہد کا فتوی دیکھ کر اسے کافر جاننا درکنار خود بھی اس پر اعتقاد نہ لے آئے اور ایسے عقیدے والے کو اس کے عقیدے پر مطلع ہو کر جو کافر نہ جانے خود کافر ہے **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**[1] (جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہے۔ت) تو آج کل تبرائی رافضیوں میں کسی ایسے شخص کا ملنا جسے ضعیف طور پر بھی مسلمان کہہ سکیں شاید ایسا ہی دشوار ہوگا جیسے حبشیوں زنگیوں میں چمپئی رنگت کا آدمی یا سپید رنگ کا کوّا، ایسے رافضیوں کا حکم بالکل مثل حکم مرتدین ہے[2] **کما صرح بہ فی الظھیریۃ والھندیۃ والحدیقۃ الندیۃ وغیرھا من الکتب الفقھیۃ** (جیسا کہ ظہیریہ، ہندیہ، اور حدیقہ وغیرہا کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے۔ت) پس دختر رافضیان جو ایسے ہی عقائد کفریہ رکھتی ہو اس سے سنی یا غیر سنی کسی کا نکاح نہیں ہو سکتا کہ مرتدہ اصلا محل نکاح نہیں[3] **کما نص علیہ فی الدر المختار والعالمگیریۃ وعامۃ الاسفار**

---

[1] در مختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

[2] فتاوٰی ہندیہ باب فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴

[3] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرك نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

(جیسا کہ درمختار، عالمگیریہ اور عام کتب میں اس پر نص ہے۔ت) اس سے جو اولاد ہوگی قطعًا ولدالزنا ہوگی اور ترکہ پدری سے مطلقًا محروم کہ ولدالزنا کے لیے شرعاً کوئی باپ ہی نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للعاھر الحجر[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زانی کے لیے محرومی ہے۔(ت)

اور اگر دختر مذکورہ ایسے عقائد نہیں رکھتی بلکہ مسلمان ہے تو مسلمان کا نکاح اس سے ہوسکتا ہے اولاد صحیح النسب ہوگی اور ترکہ پدری کی مستحق۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۷۰: ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعانِ مروجہ کی اولاد حرامی ہے یا حلالی؟ اگر حرامی ہے تو عنداللہ حرامی عورت کا نکاح سنی مرد سے ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اس کی اولاد بطنی میں کچھ نقصان واقع ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ان میں مرد یا عورت جس کا عقیدہ کفریہ ہو اولاد حرامی ہے،

اذلانکاح لمرتد ولا لمرتدۃ اصلا حتی مع مثلہ فی الارتداد[2] کما نص علیہ فی الائمۃ الامجاد۔	مرتد مرد اور عورت کا بالکل کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا حتی کہ ان جیسے مرتد سے بھی، جیسا کہ اس پر ائمہ بزرگوار نے تصریح کی ہے۔(ت)

ہاں اگر زن وشوہر دونوں عقائد کفریہ سے پاک ہیں تو اولاد حلالی ہے۔ اور حرامی عورت رافضیہ کا نکاح سنی سے ہوسکتا ہے جبکہ وہ خود عقیدہ کفریہ نہ رکھتی ہو، اس صورت میں اس کی اولاد بطنی میں کوئی نقصان نہیں، اور اگر وہ خود بھی اپنے ماں باپ کی مثل کوئی عقیدہ کفریہ رکھتی ہے تو خود بھی نطفہ حرام ہے اور اس کی اولاد بھی حرامی خواہ رافضی سے ہو یا سنی سے۔ اور اس سے کسی کا نکاح اصلاً ممکن نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۱: ایک شخص کا حمل ایک عورت کو رہا اور بعد معلوم ہونے حمل کے وہ عورت چاہتی ہے کہ راز فاش نہ ہو مابین حمل عقد درست ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

درست ہے اگرچہ غیر زانی سے ہو مگر وطی ودواعی اسے روا نہیں جب تک وضع نہ ہو، اور جو زانی سے

---

[1] صحیح مسلم باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۰

[2] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

نکاح کرے تو یہ بھی روا، ہاں تاوقت وضع اصلا نکاح ناروا اسی صورت میں ہے کہ حمل زنا سے نہ ہو کما فی الدر المختار وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۲: از نینی تال تحصیل کھٹیما تھانہ مجھولا موضع جمور مرسلہ سکندر شاہ ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا، ہنوز ہندہ اس کے گھر میں موجود ہے کہ ہندہ کی دوسری بہن سے بھی زید نے نکاح کرلیا اور دونوں عورتیں اس کے گھر میں موجود ہیں کسی کو طلاق نہیں دی ہے وہ دو بہنیں زید پر حلال ہیں یا حرام؟ دونوں بہنیں ایک بطن سے ہیں اور باپ ہر ایک کا جداگانہ تھا، **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید کا اپنی سالی سے نکاح حرام،

قال اللہ تعالٰی وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: منع ہے کہ تم نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو۔ (ت)

اس پر فرض ہے کہ فورًا اسے چھوڑ دے پھر اگر ابھی سالی سے صحبت نہیں کی جب تو ہندہ اس کے لیے حلال ہے اور اگر اس سے صحبت کرلی تو اب اپنی منکوحہ ہندہ کے پاس بھی جانا حرام ہوگیا، جب تک سالی کو چھوڑ کر اس کی عدت نہ گزر جائے، جب اسے چھوڑے گا اور اس کی عدت گزر جائے گی اس وقت ہندہ کو ہاتھ لگانا جائز ہوگا، ہندیہ میں ہے:

ان تزوجھما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد ویجب علیہ ان یفارقھا ولو علم القاضی بذلك یفرق بینھما فان فارقھا قبل الدخول لایثبت شیئ من الاحکام وان فارقھا بعد الدخول فلھا المھر ویجب الاقل من المسمی ومن مھر المثل وعلیھا العدۃ ویثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتی تنقضی عدۃ اختھا کذا فی	اگر دو بہنوں سے علیحدہ علیحدہ نکاح کیا تو دوسری کا نکاح فاسد ہے اور اس پر مفارقت لازم ہے، اور اگر قاضی کو یہ معلوم ہو تو وہ دونوں میں تفریق کردے، اگر دوسری کو دخول سے قبل علیحدہ کردیا تو نکاح کا کوئی حکم نہ ثابت ہوگا، اور اگر اس کو دخول کے بعد جدا کیا تو پھر اس کو مہر دینا ہوگا مہر مثل اور مقررہ سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا اور اس پر عدت ہوگی اور نسب ثابت ہوسکے گا، اور پہلی سے اس وقت تک علیحدگی اختیار کرے

[1] القرآن ۴/۲۳

محیط السرخسی [1]۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	جب تک دوسری بہن کی عدت نہ گزر جائے، محیط سرخسی میں یونہی ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۷۳: ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو اور مرد و عورت ہر دو حنفی مذہب کے ہیں تو عورت دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا کس قدر مدت تک انتظار کرے؟ علماء مذہب حنفیّہ کے اس میں کیا حکم دیتے ہیں؟

الجواب:

اتنی مدت کہ مرد کی عمر سے ستر برس گزر جائیں یعنی اگر اب تک زندہ ہو تو ستر برس کا ہو، مثلاً تیس سال کی عمر میں مفقود ہوا تو عورت چالیس برس تک انتظار کرے، اس مدت گزرنے پر قاضی اس کی موت کا حکم کرے۔ بعد حکم عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے، عدت گزار کر جس سے چاہے نکاح کرے، فتح القدیر میں ہے:

عندی الاحسن سبعون لقوله علیه الصلٰوۃ والسلام اعمار امتی مابین الستین الی السبعین فکانت المنتھی غالبًا[2]۔	میرے نزدیک ستر بہتر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کی عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے۔" تو آخری حد غالبا معتبر ہوگا۔(ت)

جواہر اخلاطی میں ہے: انه احوط واقیس [3] (یہی احتیاط اور قیاس کے زیادہ موافق ہے۔ت) اسی میں ہے: وعلیه الفتوٰی [4] (اسی پر فتوی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

فی واقعات المفتین لقدروی آفندی معزیا للقنیة انه انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فمالم ینضم الیه القضاء لایکون حجة [5]۔	واقعات المفتین میں ہے کہ قنیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے آفندی نے کہا کہ موت کا حکم قاضی کے ذریعہ ہوگا کیونکہ احتمالی معاملہ ہے تو جب تک قاضی کا فیصلہ نہ مل جائے اس وقت تک محض مدت کا گزرنا حجت نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح القسم الرابع المحرمات بالجمع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۸۔۲۷۷

[2] فتح القدیر کتاب المفقود نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۷۴

[3] جواہر الاخلاطی کتاب المفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۲

[4] جواہر الاخلاطی کتاب المفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۲

[5] درمختار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۶۹

تنویر میں ہے:

بعدہ یحکم بموتہ فتعتد عرسہ للموت[1] (ملخصاً)	مدت گزرنے کے بعد خاوند کی موت کا حکم دیا جائے گا لہٰذا یہ عورت موت والی عدت پوری کرے گی ملخصا(ت)

ردالمحتار میں ہے: ای عدۃ الوفاۃ[2] (یعنی وفات والی عدت مراد ہے۔ت) بہت سن رسیدہ مرد نو عمر عورتوں سے نکاح کرتے ہیں وہاں ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں کہ مرد ستر برس کا اور عورت جوان ہو، مثلا پچاس پچپن برس کی عمر میں پندرہ برس کی عورت سے نکاح کیا اور مفقود ہو گیا تو جب اس کی عمر سے ستر برس گزریں گے عورت تیس پنتیس برس کی ہوگی اس عمر کی عورت بیشک نکاح کے قابل ہے اور نہ ہو تو حکم شرع کے لیے ہے نہ کہ اپنی خواہش نفس کے لیے۔قرآن عظیم صاف فرمارہا ہے: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[3] (شادی شدہ عورتوں میں سے۔ت) پھر اس کے خلاف کی طرف راہ کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۴: از کلکتہ امام باغ لین نمبر ۱۴ مسجد مرسلہ حافظ عزیز الرحمٰن صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد چچا مرنے کے چچی سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

درست ہے۔دلیل اس کی قول اللہ عزوجل ہے: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ[4] (محرمات کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) کہ حرام عورتوں کو شمار فرما کر ارشاد ہوا ان کے سوا عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، حرام عورتوں میں چچی کو نہ شمار فرمایا نہ شرح میں کہیں اس کی تحریم آئی تو ضرور وہ حلال عورتوں میں سے ہے۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۷۵: از آمود ضلع بھڑوچ گجرات کلاں مرسلہ سید غلام سرور ۲ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا نام مسمّٰی عبداللہ ہے اس کی ہمشیرہ کا نام نورن تھا، مسماۃ نورن کا نکاح مسمّٰی ہدایت اللہ کے ساتھ ہوا، مسمّٰی ہدایت اللہ کے نطفہ و

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۶۹

[2] ردالمحتار کتاب المفقود داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳۲

[3] القرآن ۴/۲۴

[4] القرآن ۴/۲۴

شکم مسماۃ نورن سے دو فرزند پیدا ہوئے مسماۃ نورن مر گئی، بڑے فرزند کا بھی انتقال ہوگیا، چھوٹا فرزند زندہ ہے، مسمّٰی عبداللہ مذکور کے دو دختر ہیں بعد مرنے اپنی بہن مسماۃ نورن کے اپنی بڑی دختر کا نکاح ہدایت اللہ موصوف سے کر دیا، دوسری دختر جو چھوٹی مسمّٰی عبداللہ کی ہے۔ ہدایت اللہ کے فرزند سے نکاح پڑھا دیا جاتا ہے، اول تو ہدایت اللہ کا عبداللہ سالا ہوا اور فرزند کا ماموں ہوا عبداللہ کا ہدایت اللہ بہنوئی ہوا، اور لڑکا ہدایت اللہ کا عبداللہ بھانجا ہوا۔ جب عبداللہ کی دختر نکاح میں آئی فرزند سوتیلی والدہ ہوئی، سوتیلی ماں کی بہن حقیقی خالہ ہوئی اور ہدایت اللہ کا عبداللہ سسر ہوا و زید یا عبداللہ نانا ہوا، نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مع مہر نام کتب عبارت عربی ترجمہ اردو خلاصہ تحریر فرمایئے، اس کا اجر اللہ آپ کو عطا کرے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

فرزند ہدایت اللہ کا نکاح دختر عبداللہ سے جائز ہے، عبداللہ اس کا ماموں ہے نانا نہیں، سوتیلی ماں کا باپ نہ اپنا نانا، نہ سوتیلی ماں کی بہن اپنی خالہ۔ سوتیلی ماں کی حقیقی ماں یا بہن یا بیٹی سب سے نکاح جائز ہے اگرچہ وہ اپنے باپ کی ساس یا سالی یا دختر زن ہے، ردالمحتار میں ہے: **لاتحرم ام زوجۃ الاب ولا بنتھا**[1] (باپ کی منکوحہ کی ماں اور بیٹی حرام نہیں ہوتیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۶ تا ۱۷۷: از الہ آباد محلّہ دوندے پور مکان صوبیدار صاحب مرحوم مرسلہ مولوی عبیداللہ صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۱۲ھ

بگرامی خدمت سامی منزلت، جامع الکمالات العلمیہ والعملیہ، حاوی الفنون الاصلیہ والفرعیہ۔ مخدوم معظم، مطاع مفخم، نیاز کیشاں جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب دامت فیوضہم از نیاز مند عبیداللہ سلام مسنون خشوع و خضوع مشحون در قطعہ استفتاء ابلاغ خدمت والا میں دو باتوں کے لیے بکمال ادب گزارش کرکے توجہ وجیہ کا امیدوار ہوں، ایک یہ کہ یہ دونوں مسئلے معرکۃ الآرا ہو رہے ہیں فتوی بکمال تحقیق وتدقیق مبرہن مدلل خوب بسط وتفصیل سے لکھے جائیں، دوم یہ کہ ان کی ضرورت اشد ہے دوسرے فتووں پر انھیں کو مقدم فرمایا جائے، صورت سوال یہ ہے، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ زوجہ اولٰی کو اپنے گھر سے نکال دیا اور دوسری عورت سے نکاح کیا، چند شخصوں نے سبب نکال دینے کا زید سے پوچھا، زید نے کہا میں نے اس کی ماں سے زنا کیا تھا اب معلوم ہوا کہ وہ مجھ پر حرام ہے۔ اس لیے اس کو نکال دیا، بعدہ زوجہ ثانیہ کو طلاق دے کر زوجہ اولٰی ہندہ کو اپنے مکان میں لاکر رکھا اور اقرار زنا سے انکار کیا قاضی بلدہ کے سامنے شہادت اقرار زنا کی پیش ہوئی تو صورت مذکورہ میں اس کی شہادت اقرار زنا سے حرمت

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۹

مصاہرت شرعاً ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور ہندہ زید پر حرام ہوگئی یا کیا؟ ایک عالم صاحب نے فرمایا کہ اقرار زنا پر شہادت معتبر نہیں ہے اس شہادت سے زنا ثابت نہیں ہوتا تو حرمتِ مصاہرت کیسے ثابت ہوگی، تحریر میں جلدی فرمائی جائے کہ مسئلہ میں بہت سے علماء مختلف ہیں۔

سوال دوم: اگر اقرار یہ کیا ہو کہ میں نے اس کی ماں سے قبل اس کے نکاح کے زنا کیا تھا، تو کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاشبہہ صورت مستفسرہ میں حکم شرع میں حرمت مصاہرت ہوگئی، ہندہ زید پر حرام ابدی سمجھی جائیگی **فان البینة کاسمها مبینة** (بینہ اپنے نام کی طرح، واضح کرنے والا ہے۔ت) جب شہادت شرعیہ سے زید کا اقرار بالزنا ثابت ہوا تو اس کے رد کی طرف کیا سبیل کہ ثابت بشہادت بمنزلہ ثابت بمشاہدہ ہے۔ اس گواہی سے ثبوت زنا نہ ہونا مطلقاً ابطال شہادت یا تکذیب شہود یا رد مشہود کی بنا پر نہیں کہ اس سے نفس اقرار بھی ثابت نہ مانئے۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں پھر علامہ زین مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

ان شهد رجلان اورجل وامرأتان علی اقرار المقذوف بالزنا یدرؤعن القاذف الحد وعن الثلثة ای الرجل والمرأتین لان الثلث بالبینة کالثابت بالمعاینة فکاناسمعنا اقراره بالزنا[1]۔	زنا سے متہم شخص کے اقرار زنا پر مردوں یا ایک مرد دو عورتوں نے شہادت دی تو اس سے فقہاء نے تہمت لگانے والے اور گواہ ایک مرد دو عورتوں سے حد قذف کو ساقط قرار دیا ہے کیونکہ گواہی سے ثابت شدہ چیز ایسے ہے جیسے دیکھی ہوئی ہو، تو گواہوں کے بیان سے ثابت شدہ زنا کا اقرار ایسے ہے جیسے ہم نے خود سنا ہے۔(ت)

ثابت ہوا کہ شہادت اقرار اگرچہ مثبت زنا ہونے کی اصلاً صلاحیت نہ رکھے کہ اثبات زنا میں شہادت زنان وشہادت دو مرد زنہار مسموع نہیں مگر مثبت اقرار بیشک ہے کہ اس کے لیے نصاب کامل ہے۔ نیز بحر میں ہے:

لو شهد رجلان انه زنی وأخران انه اقر بالزنا فانه لایحد قال فی الظهیریة ولایحد الشهود	دو مردوں نے گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے زنا کا اقرار کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کو زنا کی حد نہیں

[1] فتح القدیر باب حد القذف نوریہ رضویہ سکھر ۵/۱۱۱

ایضاً وان شھد ثلثۃ بالزنا وشھد رابع علی الاقرار بالزنا فعلی الثلثۃ الحد۔اھ لان شھادۃ الواحد علی الاقرار لاتعتبر فبقی کلام الثلثۃ قذفا[1]۔	لگائی جائیگی،اور ظہیریہ میں کہاکہ گواہوں کو بھی حد نہ ہوگی،اور اگر تین مردوں نے زنا کی شہادت دی اور چوتھے نے زنا کے اقرار پر شہادت دی،تو تین پر حد قذف ہوگی کیونکہ اقرار کے ایک گواہ کی شہادت معتبر نہیں،تو تین گواہوں کی بات تہمت ہوجائیگی۔(ت)

دیکھو شہادت واحد وشہادت رجلین میں تفرقہ فرمایاکہ اول باطل وبیکار اور ثانی معتبر ومثبت اقرار حالانکہ اثبات زنا سے دونوں برکنار بلکہ اس شہادت سے ثبوت زنا ہونے کی اور دو وجہیں ہیں: **اولًا** وہ اقرار جوان سے ثابت ہوا بیرون مجلس قضا تھااور دارالقضا سے باہر کااقرار مثبت زنا نہیں ہوتا،شرح نقایہ علامہ شمس قہستانی میں ہے:

الاقرار لم یعتبر عند غیر الامام حتی لو شھدوا بذٰلك لم تقبل[2]۔	قاضی یاحاکم کی موجودگی کے بغیر اقرار معتبر نہیں حتی کہ اگر گواہ مجلس سے باہر کے اقرار کی شہادت دیں تو مقبول نہ ہوگی۔(ت)

ثانیًا مشہود علیہ اگر مقر ہے تو شہادت کی کیاحاجت،

فانھا انما تقام علی المنکر کما فی الدر وغیرہ ولاتجامع الاقرار الافی بضع صور مذکورۃ فی الاشباہ لیست ھذہ منھا۔	شہادت تو منکر کے خلاف ہوتی ہے جیساکہ در وغیرہ میں ہے اشباہ میں مذکور ہے چند صورتوں کے علاوہ شہادت،اقرار کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی،اور یہ صورت ان چند میں سے نہیں ہے۔(ت)

اور منکر ہے تو اقرار سابق سے رجوع کرچکااور اقرار بالزنا بعد رجوع مثبت زنا نہیں رہتا،تحفۃ الفقہاء وبدائع وتبیین الحقائق اور معین الحکام وجامع الرموز وبحرالرائق وغنیہ ذوی الاحکام وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للعلامۃ الشرنبلالی عن الامام ملك العلماء الکاشانی لو اقر بالزنا اربع مرات فی غیر مجلس القاضی وشھد الشھود علی	ملک العلماء امام کاشانی سے منقول کے بارے میں علامہ شرنبلالی کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر اپنے زنا پر مجلس قضاء سے باہر چار مرتبہ اقرار کرے اور اس

---
[1] بحرالرائق کتاب الحدود ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۵

[2] جامع الرموز کتاب الحدود مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/۵۱۵

اقرارہ لاتقبل شھادتھم لانہ ان کان مقرا فالشھادۃ لغو لان الحکم للاقرار لاللشھادۃ وان کان منکرا فالانکار منہ رجوع والرجوع عن الاقرار فی الحدود الخالصۃ حقاللہ تعالٰی صحیح[1]۔	اقرار پر گواہ شہادت دیں تو قبول نہ ہوگی، کیونکہ اگر وہ شخص اقراری ہے تو حکم اس کے اقرار پر ہوگا اور گواہی کی وجہ سے نہ ہوگا اس لیے کہ شہادت لغو ہوگی اور اگر وہ مجلس قضا میں منکر ہوجائے تو اسکا یہ انکار اپنے اقرار سے رجوع ہوگا، اور حدود جو کہ خالص اللہ تعالٰی کا حق ہیں ان میں رجوع صحیح ہے۔ (ت)

علماء کی یہ تعلیلیں جیسے کہ ثبوت زنا کی نفی فرماتی ہیں یونہی ثبوت اقرار کی تقریر فرمارہی ہیں تو اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ شہادت مذکورہ سے زید کا اقرار مزبور ثابت ہوگیا، اب یہ دیکھنا رہا کہ اثبات مصاہرت کو خاص نامسموع، کلمات علماء باعلی نداء منادی کہ یہاں ثبوت زنا کی اصلاً حاجت نہیں، مجرد اقرار وہ بھی ایک بار بس ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہزل ومزاح ہی میں کہہ دیا کہ اس شخص نے اپنی ساس کے ساتھ جماع کیا، حرمت مصاہرت ثابت کردیں گے پھر ہزار بار کہا کرے میں نے جھوٹ کہا تھا ہر گز نہ سنیں گے، محیط ہندیہ وخلاصہ وبحر الرائق وجامع الرموز ومجموعہ انقروی ودر مختار وغیرہا معتمدات الاسفار میں ہے:

والنظم للدر فی الخلاصۃ قیل لہ مافعلت بام امرأتك فقال جامعتھا تثبت الحرمۃ ولایصدق انہ کذب ولوھازلا[2] اھ۔	در کی عبارت ہے کہ خلاصہ میں ہے کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ تونے اپنی ساس سے کیا کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا، تو اس سے حرمت ثابت ہوجائے گی اور اب اگر یہ کہے کہ میں نے تو مذاق میں جھوٹ بولا تھا، تو بھی نہیں مانا جائے گا اھ (ت)

خلاصہ وبحر وانقروی وغیرہا میں ہے:

والاصرار لیس بشرط فی الاقرار بحرمۃ المصاہرۃ[3]۔	حرمت مصاہرت سے متعلق اقرار میں اصرار شرط نہیں ہے۔ (ت)

یونہی اگر عورت سے بشرط دوشیزگی نکاح کیا تو وقت ارادہ جماع غیر دوشیزہ پایا، عورت نے کہا تیرے

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحدود ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۵۰، غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر غرر باب حد القذف مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ بیروت ۲/۷۴

[2] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[3] خلاصۃ الفتاوی الفصل الثالث فی حرمۃ المصاہرۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۱۰

باپ نے ازالہ کیا اس نے تصدیق کردی حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی، ظہیریہ وہندیہ وشمنی ودرمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للدر تزوج بکرا فوجدھا ثیبا(ولفظ الاولین تزوج امرأۃ علی انھا عذراء فلما اراد وقاعھا وجدھا قد افتضت)وقالت ابوك فضنی ان صدقھا بانت بلامھر والالا،شمنی [1]۔	درکے الفاظ میں ہے کہ باکرہ سے نکاح کیا تو اس کو ثیبہ پایا، اور پہلی دونوں کتب کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک عورت سے باکرہ ہونے کی شرط پر نکاح کیا تو جماع کے وقت اس کی بکارت ٹوٹی ہوئی پائی،اور عورت نے کہا کہ تیرے باپ نے میری بکارت توڑی(یعنی دخول کیا) تو اگر اس نے بیوی کی بات کو سچ تسلیم کرلیا تو بیوی کا نکاح ختم ہوجائے گا اور مہر نہ ہوگا ورنہ نکاح ختم نہ ہوگا، شمنی۔(ت)

ظاہر ہے کہ ان صورتوں سے ثبوت زنا محض ناممکن اخیرہ میں تو عورت کا بیان اور اس کی تصدیق کیا بکار آمد ہو سکتی ہے جہاں چار مردوں سے کم کی شہادت مردود ہو،اولی میں بار اقرار وہ بھی بیرون دار القضاء وہ بھی ہزل ومزاح کے موقع پر کیا، قابلیت اثبات زنا رکھتا ہے، بااینہمہ مجرد اقرار و تصدیق پر حرمت مصاہرت کا حکم ہوگیا اور بعد اقرار انکار بیکار رہا،اسی قدر تقریر ایضاح مقام وازاحت اوہام کو بس ہے بلکہ غور کیجئے تو فرع اول صورت مستفسرہ کا خاص نص ہے کہ جب اس کے صرف اس قول کو مثبت حرمت مانتے اور رجوع وانکار کو نامسموع جانتے ہیں،اور پر ظاہر کہ یہ اثبات اثبات فی القضاء ہی ہے **کما اشرنا الیہ وفی ردالمحتار وغیرھا نصوا علیہ** (جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اور عند القاضی بعد انکار طریقہ اثبات وہی بینہ تو صاف ثابت ہوا کہ شوہر اگر بعد اقرار بالزنا انکار کر جائے اور بینہ عادلہ سے اس کا اقرار ثابت ہو قاضی فورًا حکم حرمت دے گا **وھو المقصود**۔انہی بیانوں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ زنا بمادر زن پیش از نکاح زن اور اس کا عکس دونوں کا اقرار اس حکم حرمت میں یکساں کہ حرمت ابدیہ دونوں طرح حاصل،اگرچہ ایک صورت میں سابقہ ہو،دوسری میں طاریہ،توہر طرح یہ اقرار اقرار بالمحرم ہے **والرجل مواخذ باقرارہ** (اور مرد اپنے اقرار کی بناپر ماخوذ ہے۔ت) ہاں اتنا تفاوت ہوگا کہ اقرار زنا قبل النکاح میں شوہر حق زن میں،اس دعوی اسناد الی ما قبل النکاح میں مصدق نہ ہوگا،کہ بر تقدیر عدم دخول ابطال مہر یا بحالت دخول افساد تسمیہ مجرد اس کے کہنے سے مان لیں صرف اپنے حق

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

یعنی بطلان حل وفساد وعصمت واخذ بالمتارکہ میں مصدق ہوگا لہٰذا حرمت غیر مستندہ ثابت کرکے نصف مسمّٰی یاکل علی التقدیرین لازم کردیں گے۔ بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

اذا اقربجماع امها قبل التزوج لایصدق فی حقها فیجب کمال المهر المسمی ان کان بعدالدخول ونصفه ان کان قبله کمافی التجنیس[1]۔	اگر نکاح سے قبل کے ساس سے زنا کا اقرار کرتا ہے تو اس اقرار کو بیوی کے حق مہر کے بارے میں سچ نہیں مانا جائے گا لہٰذا مقررہ مہر پورا دینا ہوگا بشرطیکہ یہ اقرار بیوی سے دخول کے بعد کیا ہو اور اگر دخول سے قبل یہ اقرار کیا تو نصف مہر واجب ہوگا، جیساکہ تجنیس میں ہے۔(ت)

اور یہ کوئی نئی بات نہیں کہ اقرار واحد من جہۃ مقبول اور من جہۃ مردود ہو اقرار حجت قاصرہ ہے ہمیشہ اس کی یہی شان ہوتی ہے کہ جہاں تک مقر پر اس کا ضرر ہے۔ماخوذ اور جتنا دوسرے پر لازم ہے منبوذ، ولہٰذا اگر کسی کی کنیز سے نکاح کیا اس نے پیش از دخول اس کے پسر کا بوسہ لیا شوہر کہتا ہے بشہوت تھا حرمت ثابت ہوگئی مگر حق اسقاط مہر میں مسموع نہ ہوگا نصف مہر دینا آئے گا جبکہ مولٰی شہوت کنیز وقصد افساد کو نہ مانتا ہو، ہندیہ میں ہے:

تزوج بامة رجل ثم ان الامة قبلت ابن زوجها قبل الدخول بها فادعی الزوج انها قبلت بشهوة وکذبه المولی فانها تبین من زوجها لاقرار الزوج انها قبلت بشهوة ویلزمه نصف المهر بتکذیب المولی ایاه انها قبلته بشهوة ولایقبل قول الامة فی ذٰلك لوقالت قبلته بشهوة کذافی المحیط[2] اھ والله سبحانه وتعالٰی اعلم	ایک شخص نے کسی کی لونڈی سے نکاح کیا تو لونڈی نے قبل از دخول خاوند کے بیٹے کا بوسہ لیا تو خاوند نے دعوی کیا کہ اس نے یہ بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہے جبکہ لونڈی کا مالک خاوند کو جھٹلا رہا ہے تو وہ لونڈی نکاح سے خارج ہوجائے گی کیونکہ خاوند نے شہوت کے ساتھ بوسے کا اقرار کیا ہے۔اور مالک کی تکذیب کی وجہ سے خاوند پر نصف مہر لازم ہوگا اور یہاں لونڈی کے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کہ میں نے شہوت سے بوسہ لیا ہے۔یونہی محیط میں ہے۔(ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کے مرنے پر سالی سے نکاح کیا

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۳

[2] فتاوٰی ہندیہ القسم الثانی المحرمات بالصهریة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۶

اور پہلی عورت سے ایک دختر تھی اب یہ شخص مرگیا اور سالی منکوحہ بے اولاد نے دوسرے سے نکاح کیا اور مر گئی اب وہ جو دختر اس شخص کی ہے جس نے اپنی سالی سے نکاح کیا تھا اور مرگیا تھا سالی کے دوسرے شوہر کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۹: ہندہ نے زینب کا دودھ پیا ہندہ کے بیٹے کو زینب کی دختر جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۰: ایک شخص نے اپنی زوجہ کے دھوکے میں سہو سے اپنی ہمشیرہ یا خوشدامن کا ہاتھ از روئے شہوت کے پکڑا، اس کے نکاح میں کچھ خلل واقع ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہمشیرہ کا ہاتھ پکڑنے سے نکاح میں کچھ خلل واقع نہ آیا اور خوشدامن کا ہاتھ پکڑنے سے نکاح فاسد ہوگیا اس سے شہوت پیدا ہوئی یا پہلے سے تھی تو زائد ہو گئی اور انزال نہ ہوا عورت ہمیشہ کو اس پر حرام ہو گئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے اپنی دختر زینب کا بکر کے ساتھ نکاح کیا اور بعد نکاح قبل رخصت بکر کو بلا تحقیق زبانی باتوں پر نامرد ٹھہرا کر بے طلاق دلوائے بحالت حیات بکر کے زینب کا نکاح خالد کے ساتھ کر دیا اور اس سے اولاد پیدا ہوئی پس ایسی صورت میں یہ نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں قطع نظر اس سے کہ تفریق بوجہ عنت کے لیے جو امور شرعًا درکار ہیں ان میں سے یہاں ایک بھی نہیں نہ پایا گیا، راسًا بکر کا ایسا عنین ہونا ہی ثابت نہیں جس کی بناء پر زینب کو اختیار مخاصمہ ومطالبہ تفریق حاصل ہو، اس لیے ممکن تھا کہ وہ بالخصوص اس عورت سے نزدیکی پر قادر ہوتا جس صورت میں کہ زینب کی رخصت ہی نہ ہونے پائی اس کے حق میں بکر کا نامرد ہونا کیسے ثابت ہوا۔

فی العالمگیریۃ وان کان یصل الی الثیب دون الابکار اوالٰی بعض النساء دون البعض وذٰلك لمرض بہ اولضعف فی خلقہ اولکبر سنہ اوسحر	عالمگیریہ میں ہے جو شخص ثیبہ سے جماع کی طاقت رکھتا ہو باکرہ سے نہیں یا بعض عورتوں سے جماع کی طاقت رکھتا ہو اور دیگر بعض سے نہیں اور اس کی کمزوری مرض کی وجہ سے یا پیدائشی یا بڑھاپے یا جادو کی وجہ سے ہو

فھو عنین فی حق من لایصل الیھا کذا فی النھایۃ[1]۔	توان عورتوں کے حق میں اس کو نامرد تصور کیا جائے گا جن سے جماع کی طاقت نہ رکھتا ہو، نہایہ میں یوں ہے۔(ت)

پس بلاشبہہ نکاح ثانی زینب کا محض ناجائز و باطل ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۲: از اٹاوہ مرسلہ مولوی وصی علی صاحب نائب ناظر کلکٹری اٹاوہ **۲۵ ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ**

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لیلٰی و سلمٰی دو رضاعی بہنیں ہیں، لیلٰی سے زید نے نکاح کیا اب سلمٰی سے اس کے پسر عمرو بن جمیلہ کا نکاح ہوسکتا ہے یا وہ عمرو کی سوتیلی خالہ یعنی سوتیلی ماں کی رضاعی بہن سمجھ کر حرام مانی جائے گی۔**بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عمرو و سلمٰی کا نکاح جائز ہے کہ باپ کی سالی جبکہ اپنی حقیقی یا رضاعی ماں کی سگی یا سوتیلی یا مادری یا رضاعی بہن نہ ہو حلال ہے خواہ نسبی ہو خواہ رضاعی۔**قال اللہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ**[2] (محرمات مذکورہ کے سوا تم کے لیے حلال ہیں۔ت) سوتیلی خالہ کہ حرام ہے اس کے معنی حقیقی یا رضاعی ماں کی سوتیلی بہن نہ کہ سوتیلی ماں کی حقیقی یا رضاعی بہن،**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے نکاح میں ایک عورت حرہ تھی دوسرا نکاح اس نے ایک کنیز سے کیا، یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور کنیز کا مہر اس کے ذمہ کس قدر لازم ہوگا؟ اس کنیز سے اس کی اولاد بھی ہوئی، اب زید نے انتقال کیا تو کنیز اور اس کی اولاد ترکہ پائیں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زن حرہ پر لونڈی سے نکاح کرنا فاسد ہے،

فی الدرالمختار وصح نکاح حرۃ علی امۃ و لایصح عکسہ انتھی[3] ملخصًا۔	درمختار میں ہے لونڈی پر حرہ عورت سے نکاح صحیح ہے اور اس کا عکس یعنی حرہ پر لونڈی سے نکاح صحیح نہیں ہے۔انتہی ملخصا(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۲

[2] القرآن ۴/۲۴

[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

اور زن منکوحہ بنکاح فاسد مستحق ارث نہیں۔

فی الدرالمختار من باب نکاح الکافر واجمعوا انھم لایتوارثون لان الارث انما ثبت بالنص علی خلاف القیاس فی النکاح الصحیح مطلقًا فیقتصر علیہ ابن ملك[1]۔ وفیہ من کتاب الفرائض ویستحق الارث باحد ثلثة برحم ونکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولا باطل اجماعا[2] اھ۔	درمختار کے "باب نکاح کافر" میں ہے کہ ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ یہ آپس میں وارث نہ بنیں گے کیونکہ وراثت کا ثبوت نص میں قیاس کے خلاف ہے اور یہ صرف نکاح میں ہے اور اس میں منحصر رہے گا۔ ابن ملک۔ اور اسی درمختار کے کتاب الفرائض میں ہے کہ وارث کا استحقاق تین وجہ سے ہوتا ہے۔ رشتہ رحم اور صحیح نکاح کی بنا پر نکاح فاسد یا باطل سے باجماع استحقاق وارثت نہیں اھ (ت)

ہاں اگر وطی واقع ہوگئی تو مہر مسمّٰی ومہر مثل سے جو کم ہوگا لازم آئے گا مثلاً اگر عقد پانسو روپے مہر پر بندھا ہے اور مہر مثل سو روپے ہے تو مہر مثل، اور در صورت عکس مہر مسمّٰی یعنی جو عقد میں بندھا ہے واجب الادا ہوگا، اور جو عقد میں کچھ نہ بندھا یا بندھا معلوم نہیں ہوسکتا تو مہر مثل جس قدر ہو قرار پائے گا۔

فی الخلاصة الواجب فی النکاح الفاسد الاقل من المسمی ومن مھر المثل ان کان ھناك تسمیة[3]۔ فی الدرالمختار ویجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطی لابغیرہ ولم یزدمھر المثل علی المسمی ولو کان دون المسمی لزم مھر المثل ولو لم یسم اوجھل لزم بالغا مابلغ[4] انتھی مع التلخیص۔	خلاصہ میں ہے اگر مہر مقررہ ہو تو فاسد نکاح سے مہر مثل اور مقررہ سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے کہ فاسد نکاح میں مہر مثل وطی سے واجب ہوتا ہے وطی کے بغیر مہر مثل واجب نہیں ہوتا اور مہر مثل مقررہ مہر سے زیادہ بھی نہیں کیا جائیگا اگرچہ مقررہ مہر سے مہر مثل کم ہو اور اگر مقرر نہ ہو یا مقرر معلوم نہ ہو تو اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا جتنا بھی ہو اھ ملخصا (ت)

اور اولاد کہ نکاح فاسد میں وقت وطی سے چھ مہینے بعد پیدا ہوئی بالاجماع ثابت النسب و مستحق الارث ہے،

فی الدرالمختار ویثبت النسب احتیاطا بلادعوة	درمختا میں ہے کہ نکاح فاسد میں بغیر دعوی احتیاطًا نسب

[1] درمختار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۸

[2] درمختار کتاب الفرائض باب نکاح الکافر ۲/۳۵۲

[3] خلاصة الفتاوٰی الفصل الثالث عشر فی النکاح الفاسد مکتب حبیبیہ کوئٹہ ۲/۴۱

[4] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

وتعتبر مدته وھی ستة اشھر من الوطی والالایثبت وھذا قول محمد وبه یفتی وقالا ابتداء المدة من وقت العقد کالصحیح و رجحه فی النھر بانه احوط[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ثابت ہوگا جبکہ مدت کا اعتبار ہوگا جو کہ وطی سے چھ ماہ تک ہے ورنہ نہیں، یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔اور امام اعظم اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر مدت کا اعتبار وقت نکاح سے چھ ماہ ہے جیسا کہ صحیح نکاح میں ہوتا ہے، نہر میں اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے۔(ت)واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۴: چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ت) کہ ہندہ زوجہ بکر کسی تقریب خانگی میں بہت سی مستورات کے ہمراہ ایک مقام پر جہاں دروازہ پر پردہ لگا تھا موجود تھی،اور اس جلسہ میں زوجہ زید بھی تھی،زوجہ بکر دوپٹہ یا چادر زوجہ زید کا اتفاق سے اوڑھے تھی،وقت شب تھا،روشنی کافی جیسا کہ تقریبات میں قاعدہ ہے موجود تھی،دریں اثناء زید وہاں آیا اور ہندہ زوجہ بکر مذکورہ بالا اپنا منہ جو کھلا تھا باہر پردہ کے لائی کہ زید مذکور نے اس کا بوسہ رخسار پر لیا،ہندہ نے و دیگر عورات نے اس کا مواخذہ زید سے کیا،اس وقت زید نے روبرو جملہ اور پانچ سات ذکور عادل کے یہ عذر کیا کہ میں نے اپنی زوجہ کے دھوکا میں بوسہ لیا تھا بوجہ اس کے کہ زوجہ بکر یعنی ہندہ مذکور میری زوجہ کا چادر اوڑھے تھی اس دھوکا اور شبہہ سے بوسہ لیا تھا ہرگز دانستہ یہ فعل نہیں کیا،پس اب ہندہ مذکورہ کی لڑکی کا نکاح زید کے ساتھ ازروئے شرع شریف کے درست ہے یا نادرست؟اس امر پر حکم فرما کر دستخط خاص سے جواب تحریر فرمایا جائے عنداللہ ماجور ہوں گے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ثابت ہے کہ زید نے زوجہ بکر کا بوسہ بنظر شہوت لیا تو اس پر عورت کی سب اولاد ہمیشہ کے لیے زید پر حرام ہوگئی، کسی طرح اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا،اور اگر نادانستہ نکاح کرلیا ہے فریقین پر واجب ہے کہ اسے فسخ کردیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گے۔اور اگر شوہر فسخ پر راضی نہ ہو تو عورت بذات خود فسخ کرسکتی ہے **کما نص علیه فی ردالمحتار** (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص ہے۔ت) بلکہ امام محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین محمد بن الہمام قدس سرہ العزیز نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں تصریح فرمائی ہے کہ جس طرح لبوں کا بوسہ لینا خواہی نخواہی بنظر شہوت قرار پائے گا یہاں تک کہ اگر وہ شخص ادعا کرے کہ یہ فعل مجھ سے بنظر شہوت نہ ہوا تو ہرگز قبول نہ کریں گے اور حکم حرمت ابدی دیں گے یہی حال بوسہ رخسار کا ہونا چاہئے کہ یہ بھی بشہوت ہی ٹھہرے گا اور

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۲۰۱/۱

بوسہ لینے والیے کاانکار مسموع نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

وفی الفتح یترأای الحاق الخدین بالفم [1]۔	فتح میں ہے کہ رخسار بھی منہ سے ملحق قرار پائیں گے۔ (ت)

اس طور پر صورت مستفسرہ میں مطلقاً حکم حرمت ہے اور اگر زید انکار شہوت کرے مسموع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ نواب پور مرسلہ نیاز اللہ خاں ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیامدت تک، اور پھر اس کی زندگی میں اس کی بیٹی سے بھی حرام کیا یہاں تک کہ دس برس تک اسے گھر میں ڈال کر پردہ میں رکھ کر حرام کرتا رہا۔ اب زنا سے توبہ کرکے نکاح کرنا چاہتا ہے آیا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کسی وقت کسی حال اس سے نکاح نہیں ہوسکتا کہ ماں کے ساتھ حلال خواہ حرام کسی طرح صحبت کرنے بلکہ صرف بشہوت ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے سے بیٹی ہمیشہ ہمیشہ حرام ہوجاتی ہے اور بیٹی کے ساتھ ان معاملات سے ماں۔ درمختار میں ہے:

حرم ایضا بالصھریۃ اصل مزنیۃ اراد بالزناء الوط الحرام واصل ممسوستہ بشھوۃ والمنظور الی فرجھا الداخل وفروعھن [2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مزنیہ کی اصل بھی مصاہرۃ کے طورپر حرام ہوگئی زنا سے مراد حرام وطی ہے۔ اور شہوت کے ساتھ مس شدہ عورت اور جس کی فرج داخل پر شہوت سے نظرپڑی ہو کی اصل اور ان کی فرع حرام ہوگی اھ ملخصا (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۶تا۱۸۸: از ٹاہ نگریا مرسلہ نیاز محمد خان ۱۲رجب ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) استاد کی بیٹی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) شاگرد اناث سے استاد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۳) بھتیجے کا نکاح چچا کی بی بی سے درحالیکہ محارم سے نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

الجواب:

ان سب سے نکاح جائز ہے جبکہ محارم نہ ہوں۔قال اللہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ [1] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمھارے لیے حلال ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۹: از اٹاوہ مکان قاضی مظفر علی صاحب ڈگری نویس منصفی مرسلہ شیخ دیدار بخش صاحب ۲۳ صفر ۱۳۱۴ھ

ہندہ کا نکاح نو برس کی عمر میں ہوا تھا،اس کا شوہر جو بالغ تھا تین ماہ بعد نکاح کے نینی تال کو چلا گیا وہاں اس نے اپنا نکاح کیااور زوجہ ثانیہ سے اولاد ہوئی۔ہندہ شوہر سے نان ونفقہ کی طالب ہوئی،اس نے کچھ التفات نہ کی،تب خواہان طلاق ہوئی،طلاق بھی نہ دی،بلکہ ایک عرصہ کے بعد زوجہ ثانیہ اور اولاد کو بھی چھوڑ کر کہیں چلا گیا،پانچ چار سال سے مفقود الخبر ہے،ہندہ اب اپنا دوسرا نکاح کیا چاہتی ہے،اس معاملہ میں بنظر حالات جو مسئلہ شرعی ہو فرمایئے،اب عمر ہندہ پچیس سال کی ہے۔بینوا توجروا

الجواب:

ہر گزیوں نکاح نہیں کرسکتی،قال اللہ تعالٰی: والمحصنٰت من النساء [2] (شادی شدہ عورتیں حرام ہیں۔ت) اس پر لازم ہے کہ صبر وانتظار کرے یہاں تک کہ اس کے شوہر کی ولادت کو ستر برس گزر جائیں،اس کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے فی جواہر الاخلاطی یحکم بموتہ بعد سبعین سنۃ وعلیہ الفتوی [3] (جواہر الاخلاطی میں ہے: گم شدہ کی عمر کے ستر سال پورے ہونے کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے گا۔اسی پر فتوی ہے۔ت) ادعائے ضرورت وعذر جوانی حرام کو حلال نہیں کرسکتا۔بہت کمسن لڑکیاں کہ بیوہ ہوجاتی ہیں باتباع رسم ہنود عمر بھر نام نکاح نہیں لیتیں۔اس وقت ضرورت وجوانی کدھر جاتی ہے۔ہزاروں وہ ہیں جن کے شوہر زندہ موجود ہیں مگر ان کی طرف سے قطعًا برگشتہ و روگرداں،وہ اپنی عمر کیونکر کاٹتی ہیں! یہ جو بعض کا زعم ہے کہ چار سال گزرنے پر عورت کو نکاح ثانی کا اختیار امام مالک کے مذہب میں حاصل ہوجاتا ہے محض جہل۔اور امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب سے ناواقفی ہے ان کا مذہب یہ ہے کہ عورت حاکم شرعی کے حضور مستغیثہ ہو وہ بعد ثبوت مفقودی روز مرافعہ سے چار سال کی مہلت دے۔اس کے گزرنے پر قاضی تفریق کرے۔اب عورت عدت پوری کرکے نکاح کرسکتی ہے

---

[1] القرآن ۴/۲۴

[2] القرآن ۴/۲۴

[3] جواہر الاخلاطی مسائل مفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۲

پیش از حکم قاضی شرع اگر بیس برس گزر گئے تو وہ معتبر نہیں صرح به علماء المالکیة فی کتبھم (مالکی علماء نے اپنی کتب میں اس کی تصریح کی۔ت) اس مسئلہ کی تفصیل جلیل فتاوائے فقیر کتاب المفقود میں ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۰: از پٹنہ لودی کٹرہ مرسلہ مولانا مولوی عبدالوحید غلام صدیق صاحب بہاری ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

حضرت مولانا اعزکم اللہ فی الدارین تسلیم، ایک شیعہ عورت سے سنی نے نکاح کیا آیا درست ہوگا یا نہیں؟ جلد فتوی مرتب فرما کر روانہ کیجئے ضرورت شدیدہ ہے۔ میری خاص رائے عدم مناکحت پر ہے۔ منکرین ضروریات دین کافر ہیں اور کفر کے سبب نکاح مسلمان سے کب درست ہے، والسلام!

الجواب:

شیعہ تین قسم ہیں:

اول غالی کہ منکر ضروریات دین ہوں، مثلاً قرآن مجید کو ناقص بتائیں، یا اصحاب عثمانی کہیں یا امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ خواہ دیگر ائمہ اطہار کو انبیائے سابقین علیہم الصلٰوۃ والتسلیم خواہ کسی ایک نبی سے افضل جانیں یا رب العزت جل وعلا پر بدع یعنی حکم دے کر پشیمان ہونا، پچتا کر بدل دینا، یا پہلے مصلحت کا علم نہ ہونا بعد کو مطلع ہو کر تبدیل کرنا مانیں، یا حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تبلیغ دین متین میں تقیہ کی تہمت رکھیں الی غیر ذلك من الکفریات (اس کے علاوہ دیگر کفریات۔ت) یہ لوگ یقیناً قطعاً اجماعاً کافر مطلق ہیں اور ان کے احکام مثل مرتد، فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی ہندیہ وحدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے: **احکامھم احکام المرتدین**[1] (ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ت) آج کل کے اکثر بلکہ تمام رافض تبرائی اسی قسم کے ہیں کہ وہ عقیدہ کفریہ سابقہ میں ان کے عالم جاہل مرد عورت سب شریک ہیں الا ماشاء اللہ (مگر جو اللہ تعالٰی چاہے۔ت) جو عورت ایسے عقیدہ کی ہو مرتدہ ہے کہ نکاح نہ کسی مسلم سے ہوسکتا ہے نہ کافر سے نہ مرتد سے نہ اس کے ہم مذہب سے۔ جس سے نکاح ہوگا زنائے محض ہوگا اور اولاد ولد الزنا۔

دوم تبرائی کہ عقاید کفریہ اجماعیہ سے اجتناب اور صرف سَبّ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ارتکاب کرتا ہو، ان میں سے منکران خلافت شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما اور انھیں برا کہنے والے فقہائے کرام کے نزدیک کافر و مرتد ہیں [2]**نص علیه فی الخلاصة والھندیة وغیرھما** (خلاصہ اور ہندیہ میں اس پر نص ہے۔ت) مگر مسلک محقق قول متکلمین ہے کہ یہ بدعتی ناری جہنمی کلاب النار ہیں مگر کافر نہیں، ایسی عورت سے نکاح اگرچہ

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۱

صحیح ہے مگر سخت کراہت شدیدہ سے مکروہ ہے۔

لما فی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتناکحوھم[1]۔	کیونکہ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ان سے نکاح نہ کرو۔(ت)

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ناقہ کو لعنت کی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے چھڑوادیا کہ ملعونہ ناقہ پر ہمارے ساتھ نہ رہ۔ پھر کسی نے اس ناقہ کو نہ چھوا[2] حالانکہ ناقہ فی نفسہا مستحق لعنت نہیں۔ حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر لعنت کرنے والے بلاشبہہ لعنت الٰہی کے مورد ہیں:

اولئك یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون[3]۔	یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالٰی لعنت فرماتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔(ت)

احادیث صحیحہ کثیرہ اس معنی پر ناطق ہیں توایک ملعونہ سے صحبت رکھنا کیونکر شرع مطہر کو گوارا ہوگا واللہ الھادی۔

سوم تفضیلی کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو خیر سے یاد کرتا ہو خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی امامت برحق جانتا ہو صرف امیر المومنین مولٰی علی کو شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل مانتا ہو، انھیں کفر سے کچھ علاقہ نہیں بدمذہب ضرور ہیں ایسی عورت سے بالاتفاق نکاح جائز ہے ہاں کراہت سے خالی نہیں کہ مبتدعہ ہے اگرچہ ہلکے درجہ کی بدعت ہے خصوصاً اگر اس کی محبت میں اپنے مذہب پر اثر پڑنے کا احتمال ہو تو کراہت شدید ہو جائے گی اور ظن غالب تواشد بالغ بدرجہ تحریم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۱: از احمد آباد گجرات محلہ کالپور متصل پور گلیان مرسلہ عبدالکریم صاحب ولد عبدالغنی صاحب ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا ابھی وہ عورت زندہ سلامت اس مرد کے نکاح میں موجود ہے اب وہی مرد اس عورت کے بھائی کی نواسی سے نکاح کرنا چاہتا ہے آیا یہ جمع کرنا درمیان عورت اور اس کی بھتیجی کی بیٹی کے حلال ہے یا حرام؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجراوافیا۔

الجواب:

حرام ہے، اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو دو عورتیں آپس میں محرم ہوں یعنی ان میں سے جس کو مرد فرض کیا جائے دوسری پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جائز نہیں۔ یہاں ایسا ہی ہے کہ

---

[1] کنز العمال حدیث و موسسۃ الرسالۃ بیروت /و ۵۴۲

[2] صحیح مسلم باب النھی عن لعن الدواب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۳

[3] القرآن ۲/ ۱۵۹

اگر منکوحہ اولٰی کو مرد فرض کرتے ہیں تووہ دوسری اس کے بھتیجے کی بیٹی۔اور جس طرح بھتیجی حرام ہے یونہی بھتیجے کی بیٹی،اور اگر اس دوسری کو مرد فرض کرتے ہیں تووہ پہلی اس کی ماں کی پھوپھی ہے اور جس طرح اپنی پھوپھی حرام ہے یونہی ماں کی،بحرالرائق میں ہے:

الاصل ان کل امرأتین لو کانت احداھما ذکرا والاخری انثی لم یجز للذکر ان یتزوج الانثی فانہ یحرم الجمع بینھما بالقیاس علی حرمۃ الجمع بین الاختین [1]۔	قاعدہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جن میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے توان کاآپس میں نکاح جائز نہ ہو کیونکہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت دو بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت پر قیاس ہے۔(ت)

نقایہ اور اس کی شرح جامع الرموز میں ہے:

وحرم علی المرء اصلہ وفرعہ وفروع اصلہ القریب من الاخوات لاب وام اولاحدھما وبناتھن وبنات الاخوۃ وان بعدت وصلبیۃ اصلہ البعید من عماتہ وخالاتہ لاب وام اولاحدھما وعماتھما اوعمات احدھما و ان علت وخالاتھما او خالات احدھما و ان علت [2]۔واللہ تعالٰی اعلم	مرد کی اصل اور اس کی اپنی اولاد اور اس کے ماں باپ کی اولاد یعنی بہنیں،صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے یادونوں کی طرف سے ہوں اور ان بھائیوں اور بہنوں کی اولاد خواہ نیچے تک ہو،اور اوپر والے ماں باپ یعنی دادا دادی اور نا نانی،اوپر تک کی صلبی اولاد،اس کی پھوپھیاں اور خالائیں،ماں باپ دونوں کی طرف سے یا ایک طرف سے ہوں،اور ماں باپ کی حقیقی پھوپھیاں اور خالائیں ہوں یا صرف ماں یا باپ کی طرف سے ہوں،خواہ اوپر تک ہوں سب اس پر حرام ہیں۔(ت)واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۲: از ضلع صاحب گنج گیا موضع کہراڈاکخانہ مخدوم پور مرسلہ شیخ نجم الدین حیدر صاحب ۳ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اس زوجہ سے دو بیٹے حسن وحسین پیدا ہوئے،بعد وفات ہندہ کے زید نے حفصہ سے نکاح کیا اس زوجہ سے چند اولاد پیدا ہوئی اور حفصہ نے اپنی بیٹی زبیدہ کے ساتھ حسین کے بیٹے بکر کو دودھ پلایا،پس اس صورت میں بکر کا نکاح حسن کی بیٹی زاہدہ سے موافق شرع محمدی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] بحرالرائق فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۹۵

[2] جامع الرموز شرح نقایہ کتاب النکاح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۴۸تا۴۵۰

الجواب:

تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ زبیدہ دختر زید ہے اور یہ شیر حفصہ کہ بکر نے پیا زید ہی سے تھا، اگر صورت واقعہ یہی ہے تو بکر وزاہدہ میں نکاح حرام محض ہے کہ اس تقدیر پر بکر اپنے دادا زید کا بیٹا ہوا اور اس کا بیٹا حسن اس کا سوتیلا بھائی اور حسن کی بیٹی بکر کی سوتیلی بھتیجی، اور بھتیجی اگرچہ سوتیلی ہو چچا پر حرام قطعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحرم من الرضاعة مایحرم من الولادة [1]۔ رواہ الجماعة الا ابن ماجة عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	رضاعت سے سب رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو پیدائش (نسب) سے حرام ہیں، اس کو ابن ماجہ کے بغیر محدثین نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما و فروعھما من النسب والرضاع جمیعا حتی ان المرضعة لو ولدت من ھذا الرجل اوغیرہ قبل ھذہ الارضاع اوبعدہ اوارضعت رضیعا او ولد الرجل من غیر ھذہ المرأة قبل ھذہ الارضاع او بعدہ اوارضعت امرأة من لبنہ رضیعا فالکل اخوة الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ کذافی التھذیب [2]۔	دودھ پینے والے بچے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول وفروع نسبی ہوں یا رضاعی سب حرام ہوجاتے ہیں، حتی کہ دودھ پلانے والی عورت کا موجودہ خاوند سے یا کسی دوسرے سے، دودھ پلانے سے پہلے یا بعد کا بچہ ہو یا اس نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہو، یا اس عورت کے خاوند کی کوئی اولاد اس عورت سے ہو یا کسی اور سے ہو۔ دودھ پلانے سے پہلے کی ہو یا بعد کی ہو، یا کسی عورت نے اس مرد سے اترے ہوئے دودھ کو کسی بچے کو پلایا ہو، تو یہ تمام، دودھ پینے والے بچے کے بہن بھائی ہوں گے، اور ان کی اولاد اس بچے کے بھتیجے اور بھانجے ہوں گے تہذیب میں یوں ہے۔ (ت)

تفسیر نیشاپوری میں ہے:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرضاع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۴۳

بنات الاخوۃ من الرضاع کل انثی ولدھا ابن الفحل الذی منہ اللبن[1] اھ ملخصًا	رضاعی بھتیجیاں یہ تمام وہ لڑکیاں ہیں جو دودھ پلانے والی عورت کے اس خاوند کے بیٹے کی اولاد ہوں جس سے اس عورت کو دودھ اترا ہے۔اھ ملخصا(ت)

ہاں اگر حفصہ کے یہ دودھ زید سے نہ ہوتا تو بکر کی یہ رضاعت زاہدہ کو اس پر حرام نہ کرتی۔

لان الحسن وبکرا ح لم یشتر کافی ام ولااب فلم یکن الحسن الاعمہ وبنت العم یحل مالم یوجد مایمنع الحل۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کیونکہ حسن اور بکر اس صورت میں ماں میں اور نہ ہی باپ میں شریک ہوئے،تو حسن بکر کے لیے صرف چچا ہوا۔اور چچا کی لڑکی اگر کوئی اور مانع نہ ہو تو حلال ہوتی ہے۔(ت)واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۳: از شہر کہنہ مسئولہ امیر حیدر صاحب ۹ رجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ متعہ کی حرمت کس آیت وحدیث سے اہل سنت کے یہاں ثابت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾[2]	وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو بچائے ہوئے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا اپنی شرعی کنیزوں پر کہ ان پر کچھ ملامت نہیں تو جو اس کے سوا کوئی اور راہ طلب کرے تو وہی لوگ ہیں حد سے بڑھنے والے۔

ظاہر ہے کہ زن ممتوعہ نہ اس کی بی بی ہے نہ کنیز شرعی،تو یہ وہی تیسری راہ ہے جو خدا کی باندھی ہوئی حد سے جدا اور حرام وگناہ ہے۔رب تبارک وتعالٰی مردوں سے فرماتا ہے:

مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ وَلَا مُتَّخِذِیۡۤ اَخۡدَانٍ ؕ[3]	نکاح کرو بی بی بنا کر،قید میں رکھنے کو نہ پانی گرانے نہ آشنا بنانے کو۔

عورتوں سے فرماتا ہے: مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ[4] قید میں آتیاں نہ مستی نکالتیاں نہ یار بناتیاں

[1] غرائب القرآن(تفسیر نیشاپوری) بیان ان نکاح الامہات والبنات الخ مصطفی البابی مصر ۸/۵

[2] القرآن ۲۳/۷۔۶۔۵

[3] القرآن ۵/۵

[4] القرآن ۲۵/۴

ظاہر ہے کہ متعہ بھی مستی نکالنے پانی گرانے کا صیغہ ہے۔نہ قید رکھنے بی بی بنانے کا، صحیح مسلم شریف میں حدیث حضرت سبرہ بن معبدہ جہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یاایھاالناس انی کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ عزوجل قد حرم ذٰلك الی یوم القیامۃ[1]۔	اے لوگو! میں نے پہلے تمھیں اجازت دی تھی عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی،اور اب بیشک اللہ عزوجل نے اسے حرام کردیا قیامت تک۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن متعۃالنساء یوم خیبروعن لحوم الحمر الانسیۃ[2]۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ اور گدھے کا گوشت حرام فرمادیا۔

جامع الترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال انما کانت فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدۃ لیس لہ معرفۃ فیتزوج المرأۃ بقدر مایری انہ یقیم فتحفظ لہ متاعہ وتصلح لہ شانہ حتی اذا نزلت الاٰیۃ الاعلی ازواجھم اوماملکت ایمانھم قال ابن عباس فکل فرج سواھمافھو حرام[3]۔	متعہ ابتدائے اسلام میں تھا مرد کسی شہر میں جاتا جہاں کسی سے جان پہچان نہ ہوتی تو کسی عورت سے اتنے دنوں کے لیے عقد کرلیتا جتنے روز اس کے خیال میں وہاں ٹھہرنا ہوتا،وہ عورت اس کے اسباب کی حفاظت اس کے کاموں کی درستی کرتی،جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی کہ سب سے اپنی شرمگاہیں محفوظ رکھو سوا بیبیوں اور کنیزوں کے اس دن سے ان دو کے سوا جو فرج ہے وہ حرام ہوگئی۔

حازمی کتاب الناسخ والمنسوخ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی غزوہ تبوک میں ہم نے کچھ عورتوں سے متعہ کیا۔

فجاء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے

[1] صحیح مسلم باب نکاح المتعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۱

[2] صحیح بخاری باب النھی عن نکاح المتعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۷

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی نکاح المتعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۸۱

فنظر الیھن وقال من ھؤلاء النسوۃ، قلنا یارسول اللہ نسوۃ تمتعنا منھن، قال فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی احمرت وجنتاہ، وتمعر وجھہ وقام فینا خطیبا، فحمد اللہ واثنٰی علیہ ثم نھٰی عن المتعۃ[1]۔	انھیں دیکھا اور فرمایا یہ عورتیں کون ہیں؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! ان سے ہم نے متعہ کیا ہے، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غضب فرمایا، یہاں تک کہ دونوں رخسارہ مبارک سرخ ہوگئے اور چہرہ انور کا رنگ بدل گیا، خطبہ فرمایا اللہ تعالٰی کی حمد وثناء بیان کی پھر متعہ کا حرام ہونا بیان فرمایا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۴: از ملک بنگالہ شہر چاٹگام کا کس بازار مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندرینکہ نکاح کردن زوجہ برادر حقیقی صغیر خود جائز ست یانہ؟ بینوا توجروا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹے سگے بھائی کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ست بالاتفاق بعد افتراق بموت یا طلاق برادر اصغر باشد یا اکبر۔ قال اللہ عزوجل، واحل لکم ماوراء ذالکم[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	چھوٹے یا بڑے بھائی کے طلاق دینے یا فوتیدگی کے سبب جدائی کے بعد بالاتفاق جائز ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا محرمات مذکورہ کے سوا تمہارے لیے حلال ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] نصب الرایہ بحوالہ الحازمی کتاب النکاح المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا ریاض الشیخ ۳/۱۷۹

[2] القرآن ۴/۲۴

ھبۃُ النساء فی تحقق المصاھرۃ بالزنا ۱۳۱۵ھ

(زنا سے حرمت مصاہرہ کے ثبوت میں تحقیق جلیل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۹۵: از بہار محلّہ محلّی پر مرسلہ سید محمد عبدالسبحان صاحب حنفی　　دوم شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

و بار دوم از ملک بنگالہ ضلع ڈھاکہ ڈاکخانہ امیر آباد موضع بیر کاندب مرسلہ محمد زینت علی صاحب ۱۰ شوال مکرم ۱۳۲۵ھ

حضرت اقدس قبلہ وکعبہ دامت برکاتہم، آداب وتسلیم، عرض ہے ایک بات کا جھگڑا بہار شریف میں حضرات حنفیّہ سلمہم اللہ ووہابیہ خذلہم اللہ کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس کا جواب جلد تر روانہ فرمایئے، زید نے اپنی ساس سے زنا کیا اور اس کی بی بی کو اس کا علم تھا تو اب زید پر وہ بی بی حرام ہوئی یا نہیں؟ اور اگر حرام ہوئی تو ضرورت طلاق دینے کی ہے یا نہیں؟ دوسرے وہ بی بی باوجود علم کے اپنے شوہر زید کے ساتھ رہی اور زید بھی وطی حسب دستور کرتا رہا اور بی بی سے اولاد بھی ہوئی تو وہ اولاد بعد فوت زید یا بی بی زید کے ترکہ کی مستحق ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق من الطین بشرا	تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے مٹی سے بشر کو

وجعل له نسباً وصهراً وافضل الصلوٰة والسلام علی سیدنا الانام واٰله الکرام وصحبه العظام علی الدوام۔	پیدا فرمایا اور اس کے لیے نسب اور رشتہ ازدواج بنایا، بہترین صلوٰۃ وسلام کائنات کے آقا اور اس کی برگزیدہ آل اور اس کے صحابہ عظام پر، دائمی ہو، (ت)

زوجہ زید اس پر حرام ہوگئی اگرچہ اسے اس واقعہ شنیعہ کا علم بھی نہ ہوتا **اقول: وباللہ التوفیق** اس کی دلیل جلیل قول مولٰی عزوجل وتبارک وتعالٰی ہے:

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ[1]۔	تم پر حرام کی گئیں تمھاری گود کی پالیاں ان عورتوں کی بیٹیاں جن سے تم نے صحبت کی پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

اس آیہ کریمہ میں زن مدخولہ کی بیٹی حرام فرمائی اور جس طرح وصف الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ یعنی اس کی گود میں پلنا بالاجماع شرط حرمت نہیں۔ مثلاً زید کسی پچیس سال والی عورت سے نکاح کرے اور اس کے پہلے شوہر سے اس کی ایک بیٹی چار دہ سالہ ہو جسے گود میں پالنا در کنار زید نے آج سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو کیا زید کو حلال ہو سکتا ہے کہ اس کی لڑکی سے بھی نکاح کرلے اور مادر دختر دونوں کو تصرف میں لائے لاالٰہ الا اللہ یہ ہر گز شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہیں۔ اسی طرح وصف نِّسَآئِكُمْ یعنی ان مدخولات کا زوجہ ومنکوحہ ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں، کیا لیلٰی وسلمٰی ماں بیٹی دونوں جس کی کنیز شرعی ہوں اسے حلال ہے کہ دونوں سے جماع کیا کرے، مادر ودختر دونوں ایک پلنگ پر، عیاذاً باللہ، یہ شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کس درجہ بعید ہے۔ حالانکہ ہر گز کنیزیں نِّسَآئِكُمْ میں داخل نہیں نہ ان کی بیٹیوں پر رَبَآئِبُكُمْ صادق، غالباً ان حراموں کو حلال بتاتے ہوئے غیر مقلد صاحب بھی شرم کریں، تو ثابت ہوا کہ نکاح جس طرح بحکم تتمہ آیت فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ تحریم دختر کے لیے کافی نہیں، یونہی شرط وضروری بھی نہیں یعنی نہ وہ علت ہے، نہ جزء علت اب آیہ کریمہ میں نہ رہا مگر الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ یعنی ان عورتوں کی بیٹیاں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی، معلوم ہوا صرف اس قدر علت تحریم ہے اور یہ قطعاً مزنیہ میں بھی ثابت کہ وہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ اس نے صحبت کی، لاجرم بحکم آیت اس کی بیٹی اس پر حرام ہوگئی، نظیر اس کی اسی بیان محرمات میں ہے قولہ عزشانہ ہے۔ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ[2] حرام کی گئیں تم پر تمھارے ان بیٹوں کی جوروئیں جو تمھاری پشت سے ہیں کہ جس طرح الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یعنی بیٹے کا اس کی پشت سے ہونا اخراج متبنی کے لیے ہے نہ کہ اخراج وغیرہ و

[1] القرآن ۴/ ۲۳

[2] القرآن ۴/ ۲۳

بنسہ کے واسطے، یونہی وصف حلائل یعنی بیٹے کی جورو ہونا بھی ملحوظ نہیں، بیٹے کی کنیز مدخولہ بھی ضرور حرام ہے اور وہ لفظ حلیلہ میں داخل نہیں، اور اگر اشتقاقی معنی لیجئے جو بیٹے پر حلال ہے تو اب عموم تحریم صحیح نہ رہے گا کہ بیٹے کی کنیز مطلقاً حرام نہیں جب تک مدخولہ نہ ہو، یہی حال وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ [1] کا ہے کہ حرام کی گئیں تم پر تمھاری عورتوں کی مائیں، یہاں پر بھی وصف زوجیت قید نہیں کہ کنیز مدخولہ کی ماں بھی بدلیل مذکور بالاتفاق حرام، بعینہٖ اسی دلیل سے وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ [2] (اپنے باپوں کی منکوحہ بیویوں سے نکاح نہ کرو۔ت) میں اگر نکاح بہ معنی عقد لیجئے تو عقد غیر قید اور بمعنی وطی لیجئے تو وہ ہمارا عین مذہب، بالجملہ ان سب مواضع میں مطمع نظر صرف مدخولہ ہونا ہے اگرچہ بلانکاح وبس، اب **دخلتم بھن** میں مولٰی عزوجل نے دخول حلال وحرام کی کوئی قید ذکر نہ فرمائی اور اس کے اطلاق میں دونوں داخل، تو جو مدعی تخصیص ہو دلیل پیش کرے اور دلیل کہاں بلکہ دلیل اس کے خلاف پر قائم، کیا جس نے اپنی منکوحہ سے صرف حالت حیض یا نفاس یا صوم یا اعتکاف یا احرام میں صحبت کی، اس کی بیٹی اس پر قطعاً اجماعاً حرام نہ ہوئی حالانکہ یہ دخول حرام تھا بلکہ علمائے کرام نے بہت وہ صورتیں ذکر فرمائیں جن میں دخول تو دخول، عورت ہی کو اس کے لیے حلال نہیں کہہ سکتے اور اس سے وطی بالاتفاق موجب تحریم دختر موطوءہ ہوجاتی ہے مثلاً ایک کنیز دو مولٰی میں مشترک ہے ان میں سے جو اس سے مقاربت کرے گا دختر کنیز اس پر حرام ہوجائے گی، یونہی اپنے پسر کی کنیز یا اپنی کنیز کافرہ غیر کتابیہ یا اپنی اس عورت سے مجامعت جس سے ظہار کیا اور کفارہ نہ دیا، یہ سب بالاتفاق ان عورتوں کی بنات کو حرام کردیتی ہے حالانکہ یہ عورات سرے سے خود ہی حلال نہ تھیں۔

اقول: ان مسائل سے زن مظاہرہ تو استناد بالاتفاق کا بھی محتاج نہیں کہ اس پر خود قرآن عظیم دلیل شافی، ظہار بنص قرآن مزیل نکاح نہیں تو زن مظاہر بلاشبہہ **نسائکم** میں داخل، اور بعد وطی **دخلتم بھن** بھی حاصل، تو قطعاً اس کی دختر کو حکم حرمت شامل، زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور قبل صحبت ظہار کرلیا بعدہ مشغول بجماع ہوا اور کفارہ نہ دیا، کیا اس صورت میں اسے روا ہے کہ ہندہ کی بیٹی سے بھی نکاح کرلے، حاش للہ یہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہیں، حالانکہ بعد ظہار عورت بنص قرآن اس پر حرام ہوگئی اور جب تک کفارہ نہ دے اسے ہاتھ لگانا جائز نہ تھا، تو ثابت ہوا کہ نہ نکاح شرط نہ وطی کا بروجہ حلال ہونا لازم بلکہ مناط حرمت صرف وطی ہے اور حاصل آیت کریمہ یہ کہ جس عورت سے تم نے کسی طرح صحبت کی اگرچہ بلانکاح اگرچہ بروجہ حرام، اس کی بیٹی تم پر حرام ہوگئی، یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب، اور یہی اکابر صحابہ کرام مثل حضرت امیر المومنین عمر فاروق وحضرت علامہ صحابہ عبداللہ بن مسعود وحضرت عالم القرآن عبداللہ بن عباس وحضرت اقرؤ الصحابہ

---

[1] القرآن ۴/ ۲۳

[2] القرآن ۴/ ۲۴

ابی بن کعب وحضرت عمران بن حصین وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت مقتیہ چار خلافت صدیقہ بنت الصدیق محبوبہ رب العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین وجماہیر ائمہ تابعین مثل حضرات امام حسن بصری وافضل التابعین سعید بن المسیب وامام اجل ابراہیم نخعی وامام عامر شعبی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سلیمن بن یسار وامام حماد اور اکابر مجتہدین مثل امام عبدالرحمان اوزاعی وامام احمد بن حنبل وامام اسحٰق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام مالک بن انس کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

اقول معہذا نکاح معنی وطی میں حقیقت ہے یا مجاز متعارف قال قائلہم (شاعر نے کہا)۔

التارکین علی طھر نساء ھم والناکحین بشطے دجلۃ البقرا

(بیویوں کو طہر کی حالت میں چھوڑنے والے دجلہ کے کنارے گائے سے وطی کرتے ہیں۔ت)

وقال آخر (ایک دوسرے شاعر نے کہا)۔

کبکر تحب لذیذ النکاح وتھرب من صولۃ الناکح

(باکرہ کی طرح کہ وہ جماع کی لذت کو پسند کرتی ہے اور خاوند کے حملہ سے فرار کرتی ہے۔ت)

تو کریمہ "**لاتنکحوا مانکح آباؤکم**" (اپنے باپوں کی منکوحہ عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ت) میں لااقل محتمل تو ضرور اور امر فرج میں احتیاط واجب، تو جانب تحریم ہی غالب، بلکہ اصل فرج میں حرمت ہے۔ تو جب تک حل ثابت نہ ہو حرمت ہی پر حکم ہوگا پھر مصاہرت مصاہرت میں فرق نہیں تو نفس جماع ہی اگرچہ بروجہ حرام بلانکاح ہو علت تحریم رہے گا۔

ولعلک ان رجعت کلماتھم دریت ان تقریر الدلیل علی ھذا الوجہ احسن ماقیل اذلایرد علیہ ماافادہ فی الفتح بل ھو اصح عندی من کلام الاول ایضا کما یرشدک الیہ ماذکرتہ ھٰھنا علی ھامشہ وباللہ التوفیق۔	ہوسکتا ہے کہ جب آپ فقہاء کرام کے کلام کی طرف رجوع کریں تو سمجھ جائیں کہ دوسرے قول کے مقابلہ میں دلیل کی یہ تقریر زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس پر فتح کا بیان کردہ اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ میرے نزدیک یہ پہلے کلام سے بھی اصح ہے جیسا کہ اس کے حاشیہ پر یہاں میرا ذکر کردہ بیان تیری رہنمائی کرے گا۔ اللہ تعالٰی سے ہی توفیق ہے۔ (ت)

مخالف کے پاس اس کی حلت پر کوئی دلیل نہیں مگر حدیث **لایحرم الحرام الحلال**[1] حرام حلال کو حرام

---

[1] سنن الکبرٰی للبیہقی باب الزنا لایحرم الحلال دار صادر بیروت ۷/۱۶۹

نہیں کرتامگر یہ حدیث کس طرح مخالف کی دلیل ہوسکے جبکہ سخت ضعیف وساقط وناقابل احتجاج ہے۔بیہقی باآنکہ انتصار شافعیت میں اہتمام شدید رکھتے ہیں اسے حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرکے تضعیف کردی **کما فی التیسیر شرح الجامع الصغیر**[1] (جیسا کہ جامع صغیر کی شرح تیسیر میں ہے۔ت)

اقول: دلیل ضعف کو یہی کافی کہ ام المومنین خود قائل حرمت **کما تقدم** (جیساکہ گزرا۔ت) اگراس باب میں خود ارشاد اقدس حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنے ہوتے توخلاف کے کیا معنی تھے لاجرم امام احمد نے فرمایانہ وہ ارشاد اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے نہ اثرام المومنین، بلکہ عراق کے کسی قاضی کاقول ہے **کما فی الفتح**[2] (جیساکہ فتح میں ہے۔ت) روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما میں عثمٰن بن عبدالرحمٰن وقاصی ہے جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا ہے۔امام بخاری نے فرمایا ترکوہ[3] محدثین نے اسے متروک کردیا۔امام ابوداؤد نے فرمایا **لیس بشیئ**[4] کوئی چیز نہیں۔امام علی بن مدینی نے سخت ضعیف[5] فرمایا۔نسائی ودارقطنی نے کہامتروک[6] ہے۔حتی کہ امام یحیٰی بن معین نے فرمایا **یکذب**[7] جھوٹ بولتا ہے۔

اقول: یہی عثمٰن حدیث ام المومنین صدیقہ کا بھی راوی ہے۔روایت ابن حبان **کتاب الضعفاء** میں یوں ہے:

حدثنا الحسن بن سفٰین نا اسحٰق بن بھلول نا عبداللّٰه بن نافع نا المغیرہ بن اسمٰعیل بن ایوب بن سلمۃ عن عثمان بن عبدالرحمٰن عن	ہمیں حدیث بیان کی حسن بن سفیان نے انھوں نے اسحاق بن بہلول سے،انھوں نے عبداللہ بن نافع سے،انھوں نے مغیرہ بن اسمٰعیل بن ایوب بن سلمہ سے،انھوں نے عثمان بن عبدالرحمان سے،انھوں نے امام ابن شہاب زھری سے، انھوں نے

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر حرف لا مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۲/۵۰۴

[2] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۲۸

[3] کتاب الضعفاء الصغیر مع التاریخ الصغیر باب العین مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۲۷۰،میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/۴۳

[4] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۲۸

[5] میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دارالمعرفہ بیروت ۳/۴۳

[6] میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دارالمعرفہ بیروت ۳/۴۳

[7] میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دارالمعرفہ بیروت ۳/۴۳

ابن شہاب الزھری عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الرجل یتبع المرأۃ حراما اینکح ابنتہا اویتبع الابنۃ حراما اینکح امہا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحرم الحرام الحلال انما یحرم ماکان بنکاح حلال۔	عروہ سے۔انھوں نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے،انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص کسی عورت سے حرامکاری کرے تو کیا وہ اس عورت کی بیٹی یا ماں سے نکاح کرسکتا ہے۔تو آپ نے فرمایا حرام،حلال کو حرام نہیں بناتا۔حلال نکاح ہی حرام بناتا ہے۔(ت)

ابن حبان نے اسے روایت کرکے کہا:

عثمان بن عبدالرحمان ھو الوقاصی یروی عن الثقات الاشیاء الموضوعات لایجوز الاحتجاج بہ[1]	عثمان بن عبدالرحمان وہی وقاصی ہے ثقات سے موضوع خبریں روایت کردیتا ہے اس سے سند لانا حلال نہیں۔

ہاں سنن ابن ماجہ میں روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما یوں آئی:

حدثنا یحیی بن معلی بن منصور ثنا اسحق بن محمد الفروی ثنا عبداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لایحرم الحرام الحلال[2]۔	ہمیں حدیث بیان کی یحیٰی بن معلٰی بن عثمان بن منصور نے انھوں نے اسحٰق بن محمد فروی سے انھوں نے نافع سے انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حرام حلال کو حرام نہیں بناتا(ت)

اولا اس میں اسحٰق بن ابی فروہ متکلم فیہ ہیں،امام عبدالحق نے احکام میں حدیث کو ذکر کرکے فرمایا: فی اسنادہ اسحٰق بن ابی فروہ وھو متروک[3] (اس کی سند میں اسحاق بن ابی فروہ ہے اور وہ متروک ہے،نقلہ عنہ المحقق فی الفتح (اسے فتح میں شیخ محقق نے اس سے نقل کیا ہے۔ت) امام ابوالفرج نے

---

[1] العلل المتناہیہ بحوالہ ابن حبان حدیث۱۰۳۱ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲/ ۱۳۶

[2] سنن ابن ماجہ باب لایحرم الحرام الحلال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۴۶

[3] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۲۸

علل متناہیہ میں فرمایا:

قد رواہ اسحق بن محمد الفروی عن عبداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحرم الحرام الحلال قال یحیی الفروی کذاب وقال البخاری ترکوہ [1]۔ انتہی۔	یعنی یہ حدیث اسحٰق بن محمد فروی نے بسند خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، امام یحیٰی بن معین نے فرمایا: فروی کذاب ہے۔ امام بخاری نے فرمایا محدثین کے نزدیک متروک ہے۔ انتہی

وانا اقول: وباللہ التوفیق سبحٰن من لاینسی (اور میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی سے ہی توفیق ہے پاک ہے وہ ذات جو بھولتی نہیں۔ت) حافظین جلیلین عبدالحق وابی الفرج کو التباس واقع ہوا اسحٰق بن ابی فروہ خواہ اسحٰق فروی۔ دو ہیں: ایک اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ تابعی معاصر و تلمیذ امام زہری رجال ابوداؤد، و ترمذی وابن ماجہ ہے۔ یہی متروک ہے، اسی کو امام بخاری نے ترکوہ فرمایا کما فی تھذیب التھذیب و میزان الاعتدال وغیرھما (جیسا کہ تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہما میں ہے۔ت) تہذیب التہذیب میں ہے: قال ابو زرعۃ وجماعۃ متروک [2] ابو زرعہ اور ایک جماعتِ ائمہ نے فرمایا: متروک ہے۔ت) میزان میں ہے؛

لم ارا احدامشاہ وقال ابن معین وغیرہ لایکتب حدیثہ [3]۔	میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ اسے رواں کیا یعنی اس کی روایت کو کچھ بھی معتبر سمجھا ہو۔ امام ابن معین وغیرہ نے فرمایا اس کی حدیث لکھی تک نہ جائے۔

دونوں کتابوں میں ہے:

نھی احمد بن حنبل عن حدیثہ وقال ابراھیم الجوزجانی سمعت احمد بن حنبل یقول لاتحل الروایۃ عندی عن اسحٰق	امام احمد بن حنبل نے اس کی حدیث نقل کرنے سے منع فرمایا: ابراہیم جوزجانی نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل کو فرماتے سنا کہ میرے نزدیک اسحٰق بن ابی فروہ

[1] العلل المتناہیہ حدیث ۰ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲/ ۱۳۶

[2] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱/ ۲۴۱

[3] میزان الاعتدال حرف الالف ترجمہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۹۳

بن ابی فروہ[1]۔	سے روایت حلال نہیں۔

امام ترمذی نے ابواب الفرائض باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل میں حدیث:

القاتل لایرث[2] بطریق اسحق بن عبداللہ عن الزھری عن حمید بن عبدالرحمن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، روایت کرکے فرمایا ھذا حدیث لایصح واسحق بن عبداللہ بن ابی فروۃ قد ترکہ بعض اھل العلم منھم احمد بن حنبل[3]۔	قاتل وارث نہیں ہوگا، اس حدیث کو اسحٰق بن عبداللہ، انھوں نے زہری انھوں نے حمید بن عبدالرحمٰن انھوں نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں کہ اسحٰق بن عبداللہ بن ابو فروہ کو بہت سے اہل علم نے متروک قرار دیا ہے ان میں سے امام احمد بن حنبل ہیں۔(ت)

ابوالفرج نے موضوعات میں حدیث:

الصبحۃ تمنع الزرق[4] بطریق اسمعیل بن ابی عیاش عن ابی فروۃ عن محمد بن یوسف عن عمر وبن عثمٰن بن عفان عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرکے کہا ھذا حدیث لایصح وابن ابی فروۃ متروک[5] (ملخصاً)	الصبحۃ تمنع الزرق (صبح کو سونا زرق کی (برکت) کے لیے مانع ہے) والی حدیث کو اسماعیل بن عیاش انھوں نے ابن ابی فروہ انھوں نے محمد بن یوسف انھوں نے عمرو بن عثمان بن عفان انھوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے کہا یہ صحیح نہیں کیونکہ ابن ابی فروہ متروک ہے ملخصا (ت)

امام خاتم الحفاظ نے لآلی میں اس پر تقریر فرمائی اور تعقبات میں بھی اس جرح پر جرح کی، غرض یہ بالاتفاق متروک ہے مگر یہ قدیم ہے ۱۳۶ھ میں انتقال کیا قالہ ابن ابی فدیک[6] (یہ ابن ابی فدیک نے کہا ہے۔ت) یا ۱۴۴ھ میں کماقالہ ابن سعد وغیرہ واحمد وھذا ھو الصحیح[7] کمافی تہذیب

---

[1] میزان الاعتدال حرف الالف ترجمہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۹۳، تہذیب التہذیب ترجمہ ۴۴۹ حیدرآباد دکن ۱/۲۴۱

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۳۲

[3] جامع ترمذی ابواب الفرائض باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۳۲

[4] موضوعات ابن جوزی کتاب النوم نوم الصبحۃ دار الفکر بیروت ۳/۶۸

[5] موضوعات ابن جوزی کتاب النوم نوم الصبحۃ دار الفکر بیروت ۳/۶۸

[6] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ دارئرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد بھارت ۱/۲۴۲

[7] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد بھارت ۱/۲۴۲

التہذیب (جیسا کہ اس کو ابن سعد اور بہت سے حضرات نے بیان کیا ہے یہی صحیح ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔ت) یحیٰی بن معلّی نے کہ طبقہ حادیہ عشرہ سے ہیں اسے کہاں پایا۔

دوم اس کے بھائی کے پوتے اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی فروہ یہ تبع تابعین سے بھی نہیں، ان کے تلامذہ سے ہیں، رجال بخاری وترمذی وابن ماجہ سے، امام بخاری کے استاذ ہیں، ۲۲۶ھ میں انتقال کیا یہ ہر گز متروک نہیں، امام بخاری نے خود جامع صحیح میں ان سے روایت کی تو وہ ان کی نسبت "ترکوہ" کیونکر فرماتے، ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا، اور ابو حاتم وغیرہ نے صدوق کہا، البتہ کلام سے خالی یہ بھی نہیں، امام نسائی نے کہا ثقہ نہیں، امام دارقطنی نے کہا ضعیف ہیں، ائمہ مجتہدین امام بخاری پر ان سے روایت کرنے میں معترض ہیں، امام ابو حاتم نے کہا مضطرب الحدیث ہیں آنکھیں جانے کے بعد بارہا ہوتا کہ جیسا کوئی سکھا دیتا ویسے ہی روایت کرنے لگتے۔ عقیلی نے کہا امام مالک سے بکثرت وہ حدیثیں روایت کیں جن پر ان کا کوئی متابع نہیں، امام ابوداؤد نے سخت ضعیف کہا، امام الشان نے فرمایا آنکھیں جاکر حفظ خراب ہوگیا تھا، امام حافظ عبدالعظیم منذری کی ترغیب میں ہے:

اسحق بن محمد بن اسعیل بن ابی فروه الفروی صدوق روی عنه البخاری فی صحیحه، وقال ابوحاتم وغیره صدوق، وذکره ابن حبان فی الثقات ووهاه ابوداؤد وقال النسائی لیس بثقة[1]۔	اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل بن ابی فروہ الفروی صدوق ہے، اس سے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور ابوحاتم وغیرہ نے کہا یہ صدوق ہے، اس کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، اور ابوداؤد نے اس کو کمزور بتایا ہے اور نسائی نے کہا یہ ثقہ نہیں ہے۔(ت)

میزان الاعتدال میں ہے:

هو صدوق فی الجملة، صاحب حدیث، قال ابو حاتم صدوق ذهب بصره فربما لقن وکتبه صحیحة، وقال مرة مضطرب، وقال العقیلی جاء عن مالک باحادیث کثیرة لایتابع عن مالک باحادیث کثیرة لایتابع علیها، وذکره ابن حبان فی	وہ مجموعی طور پر صدوق ہے اور صاحب حدیث ہے، ابوحاتم نے کہا یہ صدوق ہے اور اس کی نظر ضائع ہوگئی تھی اور بعض اوقات دوسرے کی بات مان لیتا تھا اور اس کی کتب حدیث صحیح ہیں، اور انھوں نے کبھی اس کو مضطرب قرار دیا ہے، اور عقیلی نے کہا کہ اس نے امام مالک سے کثیر روایات ذکر کیں لیکن ان کی

[1] الترغیب والترہیب باب ذکر الرواۃ المختلف فیهم الخ مصطفی البابی مصر ۵۶۷/۴

الثقات،وقال النسائی لیس بثقه،وقال الدارقطنی لا یترک،وقال ایضاً ضعیف قدروی عنه البخاری و یوبّخونه علی هذا،وکذاذکرہ ابوداؤدووھاہ جدا[1]۔	تائید نہ ہوئی،اور اس کو ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے،اور نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے،اور دارقطنی نے کہا کہ یہ متروک نہیں،اور ضعیف بھی کہا ہے،اور بخاری نے اس سے روایت کیا ہے اس وجہ سے امام بخاری پر طعن بھی ہوا ہے،ابوداؤد نے یوں ہی کہا اور اس کو بہت کمزور قرار دیا۔ (ت)

تقریب میں ہے:صدوق،کف فساء حفظه[2] (صدوق ہے۔اس کا حفظ کمزور ہوگیا تھا۔ت) تہذیب التہذیب میں ہے: قال البخاری مات ۲۳۶ھ[3] (امام بخاری رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ ۲۳۶ میں فوت ہوا۔ت) پر ظاہر کہ اس حدیث کے راوی یہی اسحٰق بن محمد فروی متکلم فیہ ہیں نہ کہ وہ اسحٰق بن عبداللہ فروی متروک، بہر حال ایک موضع کلام تو اس کی سند میں یہ ہے۔

ثانیاً اقول: دوسرا محل کلام اسحٰق مذکور کے شیخ عبداللہ میں ہے ائمہ محدثین کا ان میں کلام معروف ہے،امام ترمذی نے باب فیمن یستیقظ بللاولایذکر احتلاما (باب جو نیند سے بیدار ہو کر کپڑے پر رطوبت پائے مگر احتلام یاد نہ ہو۔ت) میں ایک حدیث ان سے روایت کرکے فرمایا:

عبدالله ضعفه یحیٰی بن سعید من قبل حفظه فی الحدیث[4]۔	عبداللہ کو امام یحیٰی بن سعید قطان نے نقصانِ حافظہ کی رو سے حدیث میں ضعیف بتایا۔

اسی کے ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل(ابواب الصلٰوۃ، باب اول وقت کی فضیلت کے بیان میں۔ت) میں ہے:

عبدالله بن عمر العمری لیس هو بالقوی عنداهل الحدیث[5]۔	عبداللہ بن عمر العمری محدثین کے نزدیک چنداں قوی نہیں۔

امام نسائی نے کہا قوی نہیں،امام علی بن مدینی نے کہا ضعیف ہیں،ابن حبان نے کہا:

کان ممن غلب علیه الصلاح والعبادۃ حتی	صلاح وعبادت نے ان پر یہاں تک غلبہ کیا کہ حفظِ

[1] میزان الاعتدال حرف الالف ترجمہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۹۹

[2] تقریب التہذیب حرف الالف ترجمہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۸۴

[3] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد بھارت ۱/۲۴۸

[4] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ باب فیمن یستیقظ ویری بللا الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۶

[5] جامع الترمذی باب ماجاء فی الوقت الاول الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۴

غفل عن حفظ الاخبار وجودۃ الحفظ للآثار فلما فحش خطؤہ استحق الترک [1]۔	احادیث سے غافل ہوئے حدیثیں خوب یاد نہ رہیں جب خطا بکثرت واقع ہوئی ترک کے مستحق ہوگئے۔

امام احمد ویحیٰی سے ان کی توثیق کے اقوال بھی ہیں مگر قول فیصل یہ قرار پایا کہ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا: **ضعیف عابد** [2] (کمزور عابد ہے۔ت)

ثالثاً اقول اس حدیث سے جواب کو وہی آیہ کریمہ ومسئلہ زن مظاہرہ کافی ظہار میں جماع حرام تھا پھر اس نے مظاہرہ کی دختر حلال کو کیونکر حرام کردیا۔

رابعاً یہ حدیث جس طرح ابن ماجہ نے روایت کی کہ اگر کچھ قابل ذکر ہے تو یہی۔ اگر اس کے ضعف سند سے قطع نظر بھی کی جائے تو اس میں کوئی قصہ سوال اس حدیث متروک وساقط کی طرح نہیں صرف اتنا بیان ہے کہ حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، یہ اپنے ظاہر پر تو یقیناً صحیح نہیں، کیا اگر قلیل پانی یا گلاب میں شراب یا پیشاب ڈال دیں تو اسے حرام نہ کردیں گے!

اقول کیا کوئی اگر زنا سے جنب ہو تو اسے نماز وقراءت ودخول مسجد وطواف کعبہ کہ حلال تھے حرام نہ ہوجائیں گے! کیا اگر کوئی ظالم کسی مظلوم کی بکری کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے تو اس کا یہ فعل کہ اگر اپنے مال کے ساتھ ہوتا جب بھی بوجہ اضاعت مال حرام تھا اور مال غیر کے ساتھ ظلماً حرام در حرام اس حلال جانور کو حرام نہ کردے گا! کیا اگر کوئی شخص اپنی عورت کو ایک ہفتہ میں تین طلاقیں دے خصوصاً ایام حیض میں تو اس فعل حرام در حرام سے وہ زن حلال اس پر حرام نہ ہوجائے گی! صدہا صورتیں ہیں جن میں حرام حلال کو حرام کردیتا ہے، تو یہ اطلاق کیونکر مراد ہوسکتا ہے، لاجرم تاویل سے چارہ نہیں کہ حرام من حیث ہو حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔

اقول یعنی بول وشراب نے جو آب وگلاب کو حرام کیا نہ بوجہ اپنی حرمت کے بلکہ اس جہت سے کہ یہ نجس تھے اس سے مل کر اسے بھی نجس کردیا، اب اس کی نجاست باعث حرمت ہوئی اور اگر کوئی شئی طاہر حرام کسی حلال میں ایسی مل جائے کہ تمیز ناممکن ہو تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ حلال خود حرام ہوگیا بلکہ حلال اپنی حلت پر باقی ہے اور مخلوط کا تناول اس لیے ناجائز کہ بوجہ اختلاط اس کا تناول تناول حرام سے خالی نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اگر جدا ہوسکے اور جدا کرلیں تو حلال بدستور اپنی حلت پر ہو **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) یونہی زنا سے نماز وغیرہ کو اس حیثیت سے حرام نہ کیا کہ وہ زنا ہے کہ خصوصیت زنا کو اس میں کیا دخل، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ

---

[1] میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دار المعرفہ بیروت ۴۶۵/۲

[2] تقریب التہذیب حرف العین ترجمہ ۰۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵۱۶/۱

فرج مشتہی میں ایلاج مشتہی ہے **وقس علی ذلک البواقی** (باقی کو اس پر قیاس کرو۔ت) اب ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور حدیث ہم پر وارد نہیں، یہاں بھی عورت سے زنا کرنے نے دختر زن کو اس بنا پر حرام نہ کیا کہ وہ زنا ہے کہ خصوصیت زنا کو اس میں بھی دخل نہیں بلکہ اسی حیثیت سے حرام کیا کہ وہ وطی وادخال ہے تو "**دخلتم بھن**" صادق آیا اور دختر موطوہ کی حرمت لایا تو اس حدیث ضعیف میں بھی مخالف کے لیے اصلاحجت نہیں **وللہ الحمد**۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں یہاں بعض احادیث اپنے مذہب کی مؤیدات ذکر فرمائیں، ازانجملہ،

قال رجل یا رسول اللہ انی زنیت بامرأۃ فی الجاھلیۃ افانکح ابنتھا قال لااری ذٰلک ولایصح ان تنکح امرأۃ تطلع من ابنتھا علی ماتطلع علیہ منھا [1]۔	ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک عورت سے زنا کیا تھا اس کی بیٹی سے نکاح کرلوں، فرمایا: میری رائے نہیں اور نہ ایسا نکاح جائز ہے کہ تو بیٹی کی اس چیز پر مطلع ہو جس چیز پر اس کی ماں کی مطلع تھا۔

اقول نیز اس کے مؤید ہے وہ حدیث کہ غایہ سمعانیہ میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من نظر الٰی فرج امرأۃ بشھوۃ حرمت علیہ امھا وبنتھا [2]۔	جو کسی عورت کی فرج کو شہوت سے دیکھے اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائیں،

دوسری حدیث میں ہے:

ملعون من نظر الی فرج امرأۃ وبنتھا [3]۔	ملعون ہے وہ جو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کی فرج دیکھے۔

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

نظر الٰی فرج امرأۃ وبنتھا لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ [4]۔	جو کسی عورت اور اس کی دختر دونوں کی فرج دیکھے اللہ تعالٰی روز قیامت اس پر نظر رحمت نہ کرے۔

---

[1] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۲۹

[2] البنایہ شرح الھدایہ فصل فی نکاح المحرمات مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/۴۱

[3] البنایہ شرح الھدایہ فصل فی نکاح المحرمات مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/۴۱

[4] کنز العمال بحوالہ مصنف عبدالرزاق حدیث ۰ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/۵۱۷

نیز مصنف عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

فی الذی یزنی بام امرأته قال حرمتا علیه [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی اپنی ساس سے زنا کرنے والے کی نسبت فرمایا کہ اس پر ساس اور عورت دونوں حرام ہو گئیں۔

اس حرمت کے پیدا ہونے سے مرد و زن کو جدا ہو جانا اور اس نکاح فاسد شدہ کا فسخ کر دینا فرض ہو جاتا ہے مگر خود بخود نکاح زائل نہیں ہو جاتا، یہاں تک کہ شوہر جب تک متارکہ نہ کرے اور بعد متارکہ عدت نہ گزرے عورت کو روا نہیں کہ دوسرے سے نکاح کرے، اور قبل متارکہ شوہر کا اس سے وطی کرنا حرام ہوتا ہے مگر زنا نہیں کہ نکاح باقی ہے، ولہذا اس وطی سے جو اولاد پیدا ہو صحیح النسب ہے ایسے نکاح کے ازالہ کو جو الفاظ کہے جائیں طلاق نہیں بلکہ متارکہ کہلاتے ہیں اگرچہ بلفظ طلاق ہوں یہاں تک کہ ان سے عدد طلاق کم نہیں ہوتا، درمختار میں ہے:

بحرمة المصاهرة لایرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج بآخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة والوطئ بها لایکون زنا [2]۔	حرمت مصاہرۃ سے نکاح ختم نہیں ہوتا لہذا دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک خاوند متارکہ نہ کرے اور عدت نہ گزر جائے، اس دوران اگر خاوند نے وطی کی تو وہ زنا نہیں ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الذخیرة ذکر محمد فی نکاح الاصل ان النکاح لایرفع بحرمة المصاهرة والرضاع بل یفسد حتی لووطئها الزوج قبل التفریق لایجب علیه الحد اشتبه علیه اولم یشتبه [3]۔	ذخیرہ میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل یعنی مبسوط کی بحث نکاح میں ذکر فرمایا کہ حرمت مصاہرت اور حرمت رضاعت کی بنا پر نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہوتا ہے لہذا اگر خاوند نے تفریق سے قبل وطی کرلی تو اس پر زنا کی حد نہیں ہوگی۔ اس کو کوئی اشتباہ ہو یا نہ ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال فی الحاوی والوطئی فیها لایکون زنا	حاوی میں ہے کہ اس مدت میں وطی کو زنا نہ کہا جائے گا

---

[1] کنزالعمال بحوالہ مصنف عبدالرزاق حدیث موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۵۱۶

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

[3] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۳

لانه مختلف فيه وعليه مهرالمثل بوطئها بعد الحرمة ولاحد عليه ويثبت النسب[1]۔	کیونکہ یہ بات مختلف فیہ ہے جبکہ بیوی کے حرام ہونے کے بعد وطی کرنے سے مہر مثل لازم ہوگا اور بچہ ہو تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس پر حد زنا نہ ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

فی البزازیه المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الابقول کخلیت سبیلک اوترکتک ومجرد انکار النکاح لایکون متارکة اما لو انکر وقال ایضا اذهبی وتزوجی کان متارکة والطلاق فیه متارکة لکن لاینقص به عدد الطلاق[2]۔	بزازیہ میں ہے کہ فاسد نکاح میں دخول کے بعد متارکہ صرف زبانی ہوسکتا ہے، مثلاً یہ کہے میں نے تجھے نکاح سے آزاد کیا، یا یوں کہے میں نے تجھے چھوڑ دیا، اور صرف سابقہ نکاح سے انکار کو متارکہ نہ کہا جائے گا، ہاں اگر نکاح کے ساتھ یہ بھی کہے کہ جا نکاح کر، تو متارکہ ہوجائے گا۔ اور اس موقعہ پر طلاق دینے سے متارکہ ہوجائے گا لیکن اس سے عدد طلاق کم نہ ہوگا۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس حالت میں اگر شوہر نے نہ چھوڑا اور ناجائز طور پر ہندہ سے وطی کرتا رہا اور اولاد ہوئی تو وہ اولاد اپنے ماں باپ دونوں کی وارث ہے، ماں کی وراثت تو ظاہر کہ اولاد زنا بھی اپنی ماں کی میراث پاتی ہے کما نصوا علیه والمسألة فی الدر وغیرہ (جیسا کہ فقہاء کرام نے اس پر نص کی ہے اور یہ مسئلہ در وغیرہ میں ہے۔ت) اور باپ کی وراثت یوں کہ ابھی منقول ہوچکا کہ ایسی حالت کی اولاد ولدالزنا نہیں صحیح النسب ہے، ہاں زن و شوہر ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۹۶: از ریاست رامپور مرسلہ جناب نوشہ میاں صاحب ۲۰ محرم ۱۳۱۶ھ

جناب کا یہ فتوی جس کی نقل حاضر کی جاتی ہے علمائے رامپور کے حضور بغرض مہر پیش ہوا جناب مفتی محمد لطف اللہ صاحب نے فرمایا یہ نقل ہے اور اس میں جو لکھا ہے کہ جو عورت ایسے عقیدہ کی ہو وہ مرتدہ ہے اس کا نکاح نہ کسی مسلمان سے ہوسکتا ہے نہ کافر سے نہ مرتد سے نہ اس کی ہم مذہب سے مجھے اس میں تامل ہے اس کے ہم مذہب سے نہ ہونے کی سند کیا ہے، مولوی صاحب (یعنی جناب) اس کی

[1] ردالمحتار باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۳

[2] ردالمحتار باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲-۲۵۱

سند لکھ کر مہر فرمادیں تو مجھے مہر کرنے میں عذر نہیں لہذا نقل فتوی مرسل خدمت ہے۔ یہ فتوی جناب کا تحریر فرمایا ہوا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس حکم کی سند کیا ہے؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

فی الواقع یہ فتوی فقیر ہی کا لکھا ہوا ہے اور در بارہ مرتد و مرتدہ حکم شرعی یہی ہے کہ ان کا نکاح نہ کسی مسلم و مسلمہ سے ہو سکتا ہے نہ کافر و کافرہ سے۔ نہ مرتد و مرتدہ سے ان کے ہم مذہب خواہ مخالف مذہب سے، غرض تمام جہاں میں کہیں نہیں ہو سکتا۔ مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لایجوز للمرتدان یتزوج مرتدہ ولامسلمۃ لاکافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد[1]۔	مرتد شخص کو مرتدہ، مسلمان ہو یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، یوں ہی مرتدہ عورت کسی مسلمان مرد کے لیے حلال نہیں۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایجوز نکاح المرتدۃ لاحد والمجوسیۃ لاتحل للمسلم وتحل لکل کافر الاالمرتد[2]۔	مرتدہ کا نکاح کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ مجوسیہ مسلمان کو حلال نہیں وہ ہر اصلی کافر کے لیے حلال ہے اور مرتد کے لیے حلال نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

المبیض اذاتزوج مبیضۃ بشھود و ولی ان کانا یظھران الکفر اواحدھما کانا بمنزلۃ المرتدین لم یصح نکاحھما[3] مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	منافق نے اگر منافقہ عورت سے اس کے ولی اور گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا اور اپنے کفر کو ان دونوں نے یا ان میں سے ایک نے ظاہر کردیا تو ان کا حکم بھی مرتدوں والا ہوگا اور ان کا نکاح صحیح نہ ہوگا اھ مختصرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۷: از گلگت چھاؤنی جو ئنال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۷ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ وغیرہ بدمذہبوں کے ساتھ شادی کرنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح القسم السابع المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح باب فی المحرمات نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح باب فی المحرمات نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۷

الجواب:

جو ان میں کوئی عقیدہ کفر رکھتا ہے جیسے آج کل کے عام رافضی، اس کے ساتھ کسی کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا یہاں تک کہ خود اس کے ہم مذہب کا بھی، اور جو بدمذہب عقائد کفر سے بچا ہو اس کے ساتھ نکاح اگرچہ بایں معنی درست کہ کرلیں تو درست ہوجائے گا زنا نہ ہوگا مگر بدمذہبوں کے ساتھ ایسا بڑا علاقہ پیدا کرنے سے دور بھاگنا لازم، زوجیت وہ عظیم رشتہ ہے کہ خواہی نخواہی باہم انس و محبت والفت پیدا کرتا ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱ [1]۔	اللہ کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے بنائیں تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوروئیں کہ تم ان کی طرف رغبت کرو ان سے مل کر چین پاؤ اور تمہارے آپس میں دوستی اور مہر رکھی، بیشک اس میں ٹھیک نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لیے،

اور بدمذہب سے دوستی پیدا ہونی اس کی محبت دل میں آنی دین کو سخت نقصان دیتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **المرء مع من احب** [2] آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الرجل علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل [3]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد حسن۔	آدمی اپنے خاص دوست کے دین پر ہوتا ہے تو غور کرے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ (اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

انہی آیات واحادیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ بدمذہب عورت کو نکاح میں لاتے وقت یہ خیال کرلینا کہ ہم اس پر غالب ہیں اس کی بدمذہبی ہمیں کیا نقصان دے گی بلکہ اسے سنی کریں گے محض حماقت ہے یہ رشتہ تو دوستی میل رغبت میل محبت مہر پیدا کرتا ہے اور محبت میں آدمی اندھا بہرا ہوجاتا ہے، حدیث میں فرمایا:

حبک الشیئ یعمی ویصم [4]۔ رواہ احمد والبخاری	شیئ کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔ اس کو احمد،

[1] القرآن ۲۱/۳۰

[2] صحیح مسلم باب المرء مع من قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۳۲/۲

[3] سنن ابو داؤد باب من یؤمر ان یجالس الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۳۰۸/۲

[4] مسند احمد بن حنبل مرویات ابو الدرداء دار الفکر بیروت ۴۵۰/۶

فی التاریخ وابوداؤد عن ابی الدرداء وابن عساکر بسند حسن عن عبداللہ بن انیس والخرائطی فی الاعتلال عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابوداؤد نے ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور ابن عساکر نے اس کو عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور خرائطی نے اعتلال میں ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

دل پلٹتے، خیال بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی اللہ عزوجل اپنے حفظ وامان ہی میں رکھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان القلوب بین اصبعین من اصابع اللہ یقلبہا کیف یشاء [1]۔رواہ احمد و الترمذی والحاکم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ورجالہ رجال مسلم۔	دل اللہ تعالٰی کے خاص تصرف میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیرتا ہے۔اس کو حاکم نے، احمد اور ترمذی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور اس سند کے راوی رجال امام مسلم ہیں۔(ت)

اور اپنی بیٹی دینا تو سخت قہر، قاتل زہر ہے کہ عورتیں مغلوب و محکوم ہوتی ہیں، قال اللہ تعالٰی: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ [2] (مرد، عورتوں کے منتظم ہیں۔ت) پھر انھیں شوہر کی محبت بھی ماں سے باپ سے تمام دنیا سے زیادہ ہوتی ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للزوج من المرأۃ لشعبۃ ماھی لشیئ [3]۔رواہ ابن ماجۃ والحاکم عن محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	خاوند کے لیے بیوی کو خاص محبت ہوتی ہے جو کسی دوسرے سے نہیں۔اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

پھر وہ نرم دل بھی زائد ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رویدک یا انجشۃ بالقواریر [4]۔	اے انجشہ(رضی اللہ تعالٰی عنہ) نرم ونازک عورتوں کا پاس کر۔(ت)

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر دارالفکر بیروت ۲/۱۶۸

[2] القرآن ۴/۳۴

[3] مستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۴/۶۲

[4] صحیح بخاری باب المعاریض، مندوحۃ عن الکرب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۱۷

ناقصات العقل والدین بھی ہیں قالہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما فی الصحیح یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے جیساکہ صحیح حدیث میں ہے۔ت) پھر یہ سب اس صورت میں ہے جہاں شوہر کا کفو عورت نہ ہونا مانع صحت نہ ہو ورنہ نکاح محض باطل ہوگا۔ کما فصلناہ فی فتاوٰنا (جیسے ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ سید شاہ محمد کمال صاحب ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

حضرت مولانا صاحب قبلہ! اگر کسی مرد نے اپنی رضاعی ساس اور رضاعی سالی کے ساتھ ایک دفعہ یا دو دفعہ زنا کیا ہو سہوا یا عمدا تو اس حالت میں بی بی کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ اور اگر نکاح نہیں رہا تو پھر اس بی بی سے کسی طرح نکاح یا وہی بی بی اپنے شوہر پر پھر حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ مگر قبل اس فعل کے اس مرد کو اس مسئلے سے واقفیت نہ تھی۔ بینوا توجروا

الجواب:

سالی اگرچہ خاص نسبتی حقیقی ہو اس سے معاذاللہ زنا اگرچہ بارہا ہو عورت کو اصلاً حرام نہیں کرتا۔

فی الدر المختار فی الخلاصۃ وطی اخت امرأتہ لاتحرم علیہ امرأتہ[1]۔	درمختار میں ہے کہ خلاصہ میں ہے کہ سالی سے وطی بیوی کو حرام نہیں کرتی۔(ت)

ہاں اگر سالی سے شبہہ اور دھوکے میں وطی ہوجائے تو جب تک سالی اس وطی بالشبہہ کی عدت سے نہ نکلے مرد اپنی منکوحہ کو ہاتھ نہیں لگاسکتا کیلا یلزم الجمع بین المحارم عدۃ (تاکہ عدت میں دو محرم عورتیں ایک کے لیے جمع نہ ہوں۔ت) یہ حرمت اتنے ہی دنوں کے لیے ہوگی بعد اختتام عدت عورت بدستور حلال ہوجائیگی

فی رد المحتار قولہ لاتحرم ای لا تثبت حرمۃ المصاھرۃ فالمعنی لاتحرم حرمۃ مؤبدۃ والافتحرم الی انقضاء عدۃ الموطؤۃ لو بشبھۃ قال فی البحر لو وطی اخت امرأۃ بشبھۃ تحرم علیہ امرأتہ مالم تنقض عدۃ ذات الشبھۃ[2]۔	ردالمحتار میں ہے اس کے قول "حرام نہیں" کا مطلب مصاہرت کی حرمت ابدی نہیں ہے ورنہ سالی کے ساتھ شبہہ میں وطی سے اس کی بیوی عدت پوری ہونے تک حرام رہتی ہے۔ بحر میں کہا ہے اگر سالی سے شبہہ کی بناپر وطی ہوجائے تو بیوی حرام رہتی ہے جب تک شبہہ والی وطی کی عدت پوری نہ گزر جائے۔(ت)

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۱

اور ساس اگرچہ رضاعی ہو یعنی زوجہ کی رضاعی ماں یا رضاعی نانی دادی عیاذاً باللہ اس سے زنا بلکہ دواعی وطی بھی یعنی بشہوت اس کے کسی جز وبدن کو چھو جانا اگرچہ ایسے حائل کے ساتھ کہ اس کے جسم کی گرمی اسے محسوس ہونے سے منع نہ کرے یا بشہوت اس کی فرج داخل پر نظر پڑ جانا جبکہ یہ دواعی دواعی رہیں یعنی ان سے انزال واقع نہ ہوا اگرچہ وہ زنا یا داعی زنا دانستہ ہو یا بھول کر یا دھوکے سے یا کسی کے جبر واکراہ سے بہر حال زوجہ کو حرام ابدی اور نکاح کو فاسد کر دیتا ہے، عورت کو فوراً چھوڑ دینا اور اس نکاح فاسد شدہ کو فسخ کرنا واجب ہو جاتا ہے اب زوجہ کبھی اس کے لیے حلال نہ ہو گی نہ کبھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ یہی مذہب ہمارے جمیع ائمہ اور امام احمد اور امام مالک فی احد الروایتین (دو روایتوں میں سے ایک روایت میں۔ت) اور اکابر صحابہ مثل امیر المومنین عمر فاروق اعظم وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس فی الاصح عنہ (ان سے اصح روایت میں۔ت) اور حضرت ام المومنین صدیقہ وابی بن کعب وجابر بن عبداللہ وعمران بن حصین اور جمہور تابعین مثل امام حسن بصری وامام ابراہیم نخعی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سعید بن المسیب وامام سلیمٰن بن یسار وامام حماد بن ابی سلیمن وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے۔

کما ذکرہ فی الفتح وغیرہ وفی الدر المختار حرم اصل مزنیۃ وممسوسۃ بشھوۃ ولو بشعر علی الرأس بحائل لایمنع الحرارۃ والمنظور الی فرجھا الداخل وفروعھن مطلقا اذا لم ینزل فلو انزل مع مس او نظر فلاحرمۃ ولافرق فیما ذکر بین عمد و نسیان و خطاء واکراہ [1] اھ ملتقطا، وفی ردالمحتار قال فی البحرار ادبحرمۃ المصاھرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبا ورضاعا وحرمۃ اصولھا وفروعھا علی الزانی نسبا ورضاعا کما فی الوطی الحلال [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جیسا کہ اس کو فتح وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور در مختار میں ہے کہ مزنیہ اور وہ عورت جس کو حرارت بدنیہ سے مانع چیز کے بغیر شہوت کے ساتھ مس کیا ہو خواہ سر کے بالوں کو مس کیا ہو اور وہ عورت جس کی فرج داخل پر شہوت سے نظر پڑی ہو تو ان عورتوں کے اصول و فروع اس مرد پر مطلقًا حرام ہو جاتے ہیں بشرطیکہ اس وقت اس کو انزال نہ ہوا ہو اور نظر یا مس کے وقت انزال ہو جائے تو حرمت ثابت نہ ہو گی اس میں فرق نہیں خواہ قصدا ہو یا بھول کر یا خطاء یا جبراً ہو اھ ملتقطا، اور ردالمحتار میں ہے بحر میں کہا ہے کہ حرمت مصاہرت سے چار حرام مراد ہیں۔ مرد پر عورت کے اصول و فروع نسبی و رضاعی اور عورت پر مرد کے اصول فروع نسبی و رضاعی، جیسا کہ وطی حلال میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] در مختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۹

ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار ۱۳۱۶ھ

(معزز خواتین کو جہنم کے کتّوں کے نکاح میں نہ دیتے ہوئے انھیں رسوائی سے بچانا)

مسئلہ ۱۹۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک عورت سنیہ حنفیہ جس کا باپ بھی سنی حنفی ہے اس کا نکاح ایک غیر مقلد وہابی سے کر دینا جائز ہے یا ممنوع؟ اس میں شرعاً گناہ ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

مستفتی محمد خلیل اللہ خاں از ریاست رامپور دولت خانہ حکیم اجمل خاں صاحب

الجواب: از دفتر تحفہ حنفیہ پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

نکاح مذکورہ ممنوع وناجائز وگناہ ہے۔ غیر مقلدین زماں کے بہت عقائد کفریہ وضلالیہ کتاب "**جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد**" میں ان کی تصانیف سے نقل کئے اور ان کا گمراہ وبد مذہب ہونا بروجہ احسن ثابت کیا اور حدیث ذکر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بدمذہبوں کی نسبت فرمایا:

ولاتؤاکلوھم ولاتشاربوھم	یعنی ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور پانی نہ پیو

ولاتنا کحوھم [1]۔	اور بیاہ شادی نہ کرو۔

اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر سے نقل کیا ہے کہ:

ہر کہ با بدعتیان انس و دوستی پیدا کند نور ایمان و حلاوت آں ازوے بر گیرند [2]۔	جو شخص بد عقیدہ لوگوں سے دوستی اور پیار کرتا ہے اس سے نور ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ (ت)

اور طحطاوی حاشیہ در مختار سے نقل کیا:

من کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعۃ فی ذٰلک الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار [3]۔	جو اس زمانے میں ان چاروں مذہب سے خارج ہو وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔

کثرت سے علمائے مشاہیر کی اس پر مہریں ہیں، بالجملہ اگر غیر مقلد عقیدہ کفریہ رکھتا ہو تو اس سے نکاح محض باطل وزنا ہے کہ مسلمان عورت کا کافر سے نکاح اصلاً صحیح نہیں اور اگر عقیدہ کفریہ نہ بھی رکھتا ہو تو بدمذہب سے مناکحت بحکم آیت وحدیث منع ہے، حدیث اوپر گزری، اور آیت یہ ہے قال اللہ تعالٰی:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ [4]۔	نہ میل کرو ظالموں کی طرف کہ تمھیں چھوئے گی آگ دوزخ کی۔

ناظم ندوہ نے اپنے فتوی عدم جواز نکاح سنیہ وشیعہ مطبوعہ مطبع نظامی میں اسی آیت سے استدلال کیا ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

الساطر الوازر المعتصم بذیل سیدہ و مولاہ امیر المومنین سیدن الصدیق العتیق التقی عبدالوحید غلام صدیق الحنفی الفردوسی العظیم آبادی عفاعنہ ربہ ذوالایادی۔

فتوائے علمائے پٹنہ

(۱) اصاب من اجاب (جو جواب دیا گیا ہے درست ہے۔ت) حافظ محمد فتح الدین پنجابی (صدر مجلس اہلسنت پٹنہ، مقیم مرشد آباد)

---

[1] الضعفاء الکبیر ترجمہ احمد بن عمران دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۶، کنز العمال حدیث نمبر موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۱/۵۲۹

[2] تفسیر عزیزی پارہ آیۃ ودوالوتدھن فیدھنون کے تحت افغانی دار الکتب لال کنواں دہلی ص ۵۶

[3] طحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/۱۵۳

[4] القرآن ۱۱/۱۱۳

(۲)ھذا ھوالحق الصریح وماسواہ باطل قبیح (یہ جواب صریح ہے اور اس کے سوا باطل قبیح ہے۔ت) محمد امیر علی (مرحوم) سابق ہیڈ مولوی نارمل اسکول پٹنہ۔

فتوائے علمائے بہار

(۱)مبسلا ومحمدا او مصلیا اما بعد ماقالہ العلامہ وافادہ الفھامہ حق صریح ومحقق صحیح جدیر بالاعتماد و حقیق بالاستناد ودونہ خرط القتاد ولاینکرہ الااھل الغیّ والعناد والبغی والفساد۔	بسملہ، تحمید اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کے بعد، جو کچھ حضرت علامہ وفہامہ نے کہا وہ واضح حق، مثبت و صحیح، لائق اعتماد واستناد ہے اور اس کا خلاف مشکل ہے، اور سوائے گمراہ، ہٹ دھرم، باغی اور فسادی کے کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔(ت)

کتبہ خویدم الطلبہ ابوالاصفیا محمد عبدالواحد خاں رامپوری بہاری عفاعنہ

(۲)من کان من زمرۃ محمد بن عبدالوھاب ممن یتھمون عامۃ امۃ مرحومۃ با لشرك والکفر علی زعمھم الفاسد وفھمھم الکاسد فھو من الزنادقۃ والملاحدۃ ولایجوز بہ المناکحۃ والمخالطۃ وکذٰلك من کان من الغیر المقلدین من یرکن الی المجسمیۃ والمشبھیۃ والرافضیۃ فی السوء۔	تمام امت مرحومہ کو اپنے زعم فاسد اور فہم کاسد کی بناء پر شرک وکفر کے ساتھ متہم کرنے والے محمد بن عبدالوہاب کے گروہ سے تعلق رکھنے والا شخص زندیق وملحد ہے اور اس کے ساتھ نکاح اور میل جول ناجائز ہے، اور یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو غیر مقلدین میں سے اور مجسمیہ، مشبہیہ اور روافض کی طرف میلان رکھتا ہو۔(ت)

حررہ محمد یوسف بہاری

(۳)اصاب من اجاب جزی اللہ المحقق المدقق وحامی السنۃ وماحی البدعۃ مولانا متنظم التحفۃ خیر	مجیب نے درست جواب دیا، محقق، مدقق، سنت کے حامی، بدعت کو مٹانے والے، ہمارے سردار اور تحفہ حنفیّہ کے منتظمہ کو اللہ تعالٰی

الجزاء۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	بہترین جزا عطا فرمائے، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ (ت)

جناب مولانا حکیم (ابوالبرکات) استھانوی بہاری

(۴) حامدا ومصلیا قد صح ما فی ھذہ الفتوی کیف لاوھی مملوۃ من الروایات الفقھیۃ المعتبرۃ والاحادیث الصحیحۃ فالمجیب مصیب بلاامتراء جزاہ اللہ سبحٰنہ بفضلہ الاوفی خیر الجزاء حیث صرف ھمۃ العلیا و بذل جھدہ بالنھج الاعلی فی رد الکلمات السفلی من اجاب فقد اصاب ودونہ خرط القتاد. واللہ اعلم بالصواب فقط	اللہ تعالٰی کی حمد کرتے اور نبی کریم پر درود بھیجتے ہوئے کہتاہوں کہ جوکچھ اس فتوی میں ہے درست ہے، کیسے نہ ہو جبکہ یہ فتوی معتبر فقہی روایات اور صحیح احادیث سے لبریز ہے اور مجیب بلاشبہ مصیب ہے۔ اللہ تعالٰی اپنے بے انتہا فضل سے مجیب کو جزائے خیر عطا فرمائے جس نے کلمات سفلی کے رد میں اپنی بلند ہمتی اور سعی بلیغ کو کامل طریقے سے بروئے کار لایا۔ مجیب نے درست کہا جس کے خلاف کہنا مشکل وناممکن ہے واللہ تعالٰی اعلم بالصواب فقط (ت)

حررہ خویدم الطلبۃ الراجی الی رحمۃ ربہ المنان السید محمد سلیمان اشرف البھاری المرداوی عفی عنہ۔

(۵) حامدا ومصلیا، الجواب حق فماذا بعد الحق الا الضلال۔

اللہ تعالٰی کی حمد کرتے ہوئے اور نبی اقدس پر درود بھیجتے ہوئے کہتاہوں کہ جواب حق ہے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔ (ت)

کتبہ خادم الطلبہ خاکسار سید ناظر حسین بہاری المرداوی

فتوائے علمائے بدایوں

(۱) المجیب مصیب (جواب درست ہے۔ ت)

محب الرسول عبدالقادر قادری

(۲) لاریب فیہ (اس میں کوئی شک نہیں۔ ت)

مطیع الرسول محمد بن عبدالمقتدر قادری

(۳) الجواب صحیحٌ (جواب صحیح ہے۔ ت)

محمد عبدالقیوم قادری

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحمد للہ الذی لم یرتض الطیبات الاللطیبین الاخیار وترك الخبیثین للخبیثات الاقذار والصلٰوۃ والسلام علی من امرنا بالتجنب عن کلاب النار وعلٰی اٰلہ وصحبہ الشاھرین سیوفھم علٰی رؤوس المبتدعین الفجار۔	اس اللہ تعالٰی کے لیے حمد ہے جس نے طیبات کو صرف طیب لوگوں کے لیے منتخب فرمایا اور خبیث خبیث لوگوں کے لیے چھوڑ دیا گیا اور صلٰوۃ وسلام اس پر جس نے ہمیں جہنم کے کتوں سے بچنے کا حکم فرمایا ہے اور آپ کے آل واصحاب پر جو بدعتی فاجر لوگوں پر اپنی تلواریں لہرارہے ہیں۔ (ت)

فی الواقع صورت مستفسرہ میں وہ نکاح یا تو شرعاً محض باطل وزنا ہے یا ممنوع وگناہ، سائل سنی صاحب معاملہ سنی وسنیہ۔ برادران سنت ہی سے خطاب ہے اور انھیں کو حکم شرع سے اطلاع دینی مقصود کہ ایک ذرا بنگاہ غور ملاحظہ فرمائیں، اگر دلیل شرعی سے یہ احکام ظاہر ہوجائیں تو سنی بھائیوں سے توقع کہ نہ صرف زبانی قبول بلکہ ہمیشہ اسی پر عمل فرمائیں گے اور اپنی کریمہ عزیزہ بنات واخوات کو ہلاک وابتلا اور دین وناموس میں گرفتاری بلا سے بچائیں گے **وباللہ التوفیق**، وہابی ہو یارافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے جیسے ختم نبوت حضور پرنور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انکار یا قرآن عظیم میں نقص ودخل بشری کا اقرار، تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین بالقطع والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے اگرچہ صورت صورت سوال کا عکس ہو یعنی سنی مرد ایسی عورت کو نکاح میں لانا چاہے کہ مدعیان اسلام میں جو عقائد کفریہ رکھیں ان کا حکم مثل مرتد ہے **کما حققنا فی المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ والمکفرۃ** (جیساکہ ہم نے اپنے رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ والمکفرۃ" میں تحقیق کی ہے۔ت) ظہیریہ وہندیہ وحدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے: **احکامھم مثل احکام المرتدین**[1] (ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ت) اور مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت ومرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہوسکتا، خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

واللفظ للاخیرۃ لایجوز للمرتدان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذافی المبسوط[2]۔	دوسری کے الفاظ یہ ہیں مرتد کے لیے کسی عورت، مسلمان، کافرہ یا مرتدہ سے نکاح جائز نہیں، اور یونہی مرتدہ عورت کا کسی بھی شخص سے نکاح جائز نہیں۔ جیساکہ مبسوط میں ہے۔(ت)

---

[1] حدیقہ ندیہ الاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرك کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

اور اگر ایسے عقائد خود نہیں رکھتا مگر کبرائے وہابیہ یا مجتہدین روافض خذلہم اللہ تعالٰی کہ وہ عقائد رکھتے ہیں انھیں امام وپیشوا یا مسلمان ہی مانتا ہے تو بھی یقینا اجماعا خود کافر ہے کہ جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے، وجیز امام کردری ودر مختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

واللفظ للشفاء مختصرًا اجمع العلماء ان من شك فی كفرہ وعذابہ فقد كفر [1]۔	شفاء کے الفاظ اختصارًا یہ ہیں، علما کا اجماع ہے کہ جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔(ت)

اور اگر اس سے بھی خالی ہے ایسے عقائد والوں کو اگرچہ اس کے پیشوایانِ طائفہ ہوں صاف صاف کافر مانتا ہے (اگرچہ بد مذہبوں سے اس کی توقع بہت ہی ضعیف اور تجربہ اس کے خلاف پر شاہد قوی ہے) تو اب تیسرا درجہ کفریات لزومیہ کا آئے گا کہ ان طوائف ضالہ کے عقائد باطلہ میں بکثرت ہیں جن کا شافی ووافی بیان فقیر کے رسالہ الكوكبة الشهابية فی كفريات ابی الوهابية (۱۳۱۲ھ) میں ہے اور بقدر کافی رسالہ سل السيوف الهنديه علی كفريات بابا النجدية (۱۳۱۲ھ) میں مذکور۔ اور اگرچہ نہ ہو تو تقلید ائمہ کو شرک اور مقلدین کو مشرک کہنا ان حضرات کا مشہور ومعروف عقیدہ ضلالت ہے یونہی معاملات انبیاء واولیاء واموات واحیائے کے متعلق صدہا باتوں میں ادنٰی ادنٰی بات ممنوع یا مکروہ بلکہ مباحات ومستحبات پر جا بجا حکم شرک لگادینا خاص اصل الاصول وہابیت ہے جن سے ان کے دفاتر بھرے پڑے ہیں، کیا یہ امور مخفی ومستور ہیں، کیا ان کی کتابوں زبانوں رسالوں بیانوں میں کچھ کمی کے ساتھ مذکور ہیں، کیا ہر سنی عالم وعامی اس سے آگاہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو موحد اور مسلمانوں کو معاذاللہ مشرک کہتے ہیں آج سے نہیں شروع سے ان کا خلاصہ اعتقاد یہی ہے کہ جو وہابی نہ ہو سب مشرک، ردالمحتار میں اسی گروہ وہابیہ کے بیان میں ہے:

اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقاد هم مشركون [2]۔	ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو عقیدہ میں ان کے خلاف ہو وہ مشرک ہے(ت)

فقیر نے رسالہ النهی الاكيد عن الصلاة وراء عدى التقليد (۱۳۰۵ھ) میں واضح کیا کہ خاص مسئلہ تقلید میں ان کے مذہب پر گیارہ سو برس کے ائمہ دین وعلمائے کاملین واولیائے عارفین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین معاذاللہ سب مشرکین قرار پاتے ہیں خصوصًا وہ جماہیر ائمہ کرام وسادات اسلام وعلمائے اعلام جو تقلید شخصی پر سخت شدید تاکید فرماتے اور اس کے خلاف کو منکر وشنیع وباطل وفظیع

[1] کتاب الشفاء القسم الرابع الباب الاول دار سعادت بیروت ۲۰۸/۲، درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۳۵۶/۱

[2] ردالمحتار باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱۱/۳

بتاتے رہے جیسے امام حجۃ الاسلام محمد غزالی وامام برہان الدین صاحب ہدایہ و امام احمد ابوبکر جوزجانی وامام کیاہراسی وامام ابن سمعانی وامام اجل امام الحرمین وصاحبان خلاصہ وایضاح وجامع الرموز وبحرالرائق و نہر الفائق وتنویر الابصار ودر مختار وفتاوٰی خیریہ وغمزالعیون وجواہر الاخلاطی ومنیہ وسراجیہ ومصفی وجواھر وتتارخانیہ ومجمع وکشف وعالمگیریہ ومولانا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وجناب شیخ مجدد الف ثانی وغیرہم ہزاروں اکابر کے ایمان کا تو کہیں پتا ہی نہیں رہتا اور مسلمان تو نرے مشرک بنتے ہیں یہ حضرات مشرک ٹھہرتے ہیں والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی، اور جمہور ائمہ کرام فقہائے اعلام کا مذہب صحیح ومعتمد ومفتی بہ یہی ہے کہ جو کسی ایک مسلمان کو بھی کافر اعتقاد کرے خود کافر ہے، ذخیرہ وبزازیہ وفصول عمادی وفتاوٰی قاضی خاں وجامع الفصولین وخزانۃ المفتین وجامع الرموز وشرح نقایہ برجندی وشرح وہبانیہ ونہرالفائق ودر مختار ومجمع الانہر واحکام علی الدرر وحدیقہ ندیہ وعالمگیری وردالمحتار وغیرہا عامہ کتب میں اس کی تصریحات واضحہ کتب کثیرہ میں اسے فرمایا: **المختار للفتوی** [1] (فتوی کے لیے مختار ہے۔ت) شرح تنویر میں فرمایا: **بہ یفتی** [2] (اس پر فتوی دیا جاتا ہے۔ت) یہ افتاء وتصحیحات اس قول اطلاق کے مقابل ہیں کہ مسلمانوں کو کافر کہنے والا مطلقاً کافر اگرچہ محض بطور دشنام کہے نہ از راہ اعتقاد، جامع الفصولین میں ہے:

قال لغیرہ یا کافر قال الفقیہ الاعمش البلخی کفر القائل وقال غیرہ من مشائخ بلخ لایکفر فاتفقت ہذہ المسألۃ ببخاری اذاجاب بعض ائمہ بخاری انہ کفر فرجع الجواب الی بلخ فمن افتی بخلاف الفقیہ الاعمش رجع الی قولہ وینبغی ان لایکفر علی قول ابی اللیث وبعض ائمۃ بخاری والمختار للفتوٰی فی جنس ہذہ المسائل ان قائل ہذہ المقالات لو ارادالشتم ولایعتقد کافرا لایکفر ولو	کسی نے غیر کو کہا "اے کافر" امام اعمش فقیہ بلخی نے فرمایا وہ کافر ہوگیا، اور ان کے علاوہ دیگر مشائخ نے فرمایا: وہ کافر نہ ہوگا، اور یہی مسئلہ بخارٰی میں پیش آیا تو بخاری کے بعض ائمہ نے فرمایا: وہ کافر ہوگیا۔ جب یہ جواب بلخ پہنچا تو جن لوگوں نے امام اعمش فقیہ کے خلاف فتوی دیا تھا انھوں نے رجوع کرکے اعمش کے قول سے اتفاق کرلیا، اور ابولیث اور بخاری کے بعض ائمہ کے نزدیک کافر نہ کہنا مناسب ہے جبکہ اس قسم کے مسائل میں فتوی یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے نے اگر گالی مراد لی ہو اور کفر مراد نہ لیا تو کافر نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے

[1] جامع الفصولین فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۱

[2] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

اعتقد کافرا کفر[1] اھ اختصارا	کفر کا اعتقاد کیا تو وہ کافر ہے اھ اختصارا

تو فقہائے کرام کے قول کے مطلق وحکم مفتی بہ دونوں کے رو سے بالاتفاق ان پر حکم کفر ثابت، اور یہی حکم ظواہر احادیث صحیحہ سے مستفاد صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرئ قال لاخیه کافرا فقد باء بها احدهما،[2] زاد مسلم ان کان کما قال والا رجعت الیه[3]	جو کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان دونوں میں ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گی، اگر جسے کہا وہ فی الحقیقۃ کافر ہے تو خیر، ورنہ یہ کفر کا حکم اسی قائل پر پلٹ آئے گا۔ (ت)

نیز صحیحین وغیرہما میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے ہے:

لیس من دعا رجلا بالکفر او قال عدو الله ولیس کذلك الا حار علیه۔[4]	جو کسی کو کفر پر پکارے یا خدا کا دشمن بتائے اور وہ ایسا نہ ہو تو اس کا یہ قول اسی پر پلٹ آئے۔

طرفہ یہ کہ ان حضرات کو ظواہر احادیث ہی پر عمل کرنے کا بڑا دعوٰی ہے، تو ثابت ہوا کہ حدیث وفقہ دونوں کے حکم سے مسلمان کی تکفیر پر حکم کفر لازم، نہ کہ لاکھوں کروڑوں ائمہ واولیاء وعلماء کی معاذ اللہ تکفیر ان صاحبوں کا خلاصہ مذہب ابھی ردالمحتار سے منقول ہوا کہ جو وہابی نہیں سب کو مشرک مانتے ہیں اسی بنا پر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی نے انھیں خوارج میں داخل فرمایا اور وجیز کردری میں ارشاد ہے:

یجب اکفار الخوارج فی اکفارهم جمیع الامة سواهم۔[5]	خوارج کو کافر کہنا واجب ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے ہم مذہب کے سوا سب کو کافر کہتے ہیں۔

لاجرم الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں فرمایا:

هؤلاء الملاحدة المکفرة للمسلمین[6]	یعنی یہ وہابی ملحد بے دین کہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔

[1] جامع الفصولین فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۳۱۱
[2] صحیح البخاری باب من اکفر اخاہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۰۱
[3] صحیح مسلم باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یاکافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۷
[4] صحیح مسلم باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یاکافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۷
[5] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش ہندیہ نوع فیما یتصل بہا مما یجب اکفارہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳۱۸
[6] الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیۃ المکتبہ الحقیقۃ استنبول ترکی ص ۳۸

پھر یہ بھی ان کے صرف ایک مسئلہ ترک تقلید کی رو سے ہے باقی مسائل متعلقہ انبیاء واولیاء وغیر ھم میں ان کے شرک کی اونچی اڑانیں دیکھئے۔ فقیر نے رسالہ اکمال الطآمۃ علی شرك سوی بالامور العامۃ میں کلام الٰہی کی ساٹھ آیتوں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تین سو[300] حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کے مذہب نامہذب پر نہ صرف امت مرحومہ بلکہ انبیائے کرام وملائکہ عظام وخود حضور پر نور سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام حتی کہ خود رب العزۃ جل وعلا تک کوئی بھی شرک سے محفوظ نہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم، پھر ایسے مذہب ناپاک کے کفریات واضحہ ہونے میں کون مسلمان تامل کر سکتا ہے، پھر یہ عقائد باطلہ و مقالات زائغہ جب ان حضرات کے اصول مذہب ہیں تو کسی وہابی صاحب کا ان سے خالی ہونا کیونکر معقول، یہ ایسا ہو گا جس طرح کچھ روافض کو کہا جائے تبرا وتفضیل سے پاک ہیں، اور بالفرض تسلیم بھی کرلیں کہ کوئی وہابی صاحب کسی جگہ کسی مصلحت سے ان تمام عقائد مردودہ واقوال مطرودہ سے تحاشی بھی کریں یا بفرض غلط فی الواقع ان سے خالی ہوں تو یہ کیونکر متصور کہ ان کے اگلے پچھلے چھوٹے بڑے مصنف مؤلف واعظ مکلب نجدی دہلوی بنگالی بھوپالی وغیر ھم جن کے کلام میں ان اباطیل کی تصریحات ہیں یہ صاحب ان سب کے کفر یا اقل درجہ لزوم کفر کا اقرار کریں کیا دنیا میں کوئی وہابی ایسا نکلے گا کہ اپنے اگلے پچھلوں پیشواؤں ہم مذہبوں سب کے کفر ولزوم کفر کا مقر ہو اور جتنے احکام باطلہ سے کتاب التوحید و تقویۃ الایمان و صراط مستقیم و تنویر العینین و تصانیف بھوپالی و سورج گڑھی و بٹالوی وغیر ھم میں مسلمانوں پر حکم شرک لگا یا جو معاذ اللہ خدا و رسول وانبیاء وملائکہ سب تک پہنچا ان سب کو کفر کہہ دے حاش للہ ہر گز نہیں، بلکہ قطعاً انھیں اچھا جانتے امام وپیشوا وصلحائے علما مانتے اور ان کے کلمات واقوال کو بامعنی ومقبول سمجھتے اور ان پر رضا رکھتے ہیں اور خود کفریات بکنا یا کفریات پر راضی ہونا برا نہ جاننا ان کے لیے معنی صحیح ماننا سب کا ایک ہی حکم ہے، اعلام بقواطع الاسلام میں ہمارے علمائے اعلام سے ان امور کے بیان میں جو بالاتفاق کفر ہیں نقل فرمایا:

من تلفظ بلفظ کفر یکفر و کذا کل من ضحك او استحسنه اورضی به یکفر[1]	جس نے کلمہ کفریہ بولا اس کو کافر قرار دیا جائے گا، یونہی جس نے اس کلمہ کفر پر ہنسی کی یا اس کی تحسین کی اور اس پر راضی ہوا اس کو بھی کافر قرار دیا جائے گا (ت)

[1] اعلام بقواطع الاسلام ملحق بسبل النجاۃ مطبعہ حقیقہ استانبول ترکی ص ۳۶۶

بحر الرائق میں ہے:

من حسن کلام اھل الاھواء وقال معنوی اوکلام له معنی صحیح ان کان ذلك کفرا من القائل کفر المحسن[1]۔	جس نے بے دینی کی بات کو سراہا یا با مقصد قرار دیا، یا اس کے معنی کو صحیح قرار دیا تو اگر یہ کلمہ کفر ہو تو اس کا قائل کافر ہوگا اور اس کی تحسین کرنے والا بھی (ت)

تو دنیا کے پردے پر کوئی وہابی ایسا نہ ہوگا جس پر فقہائے کرام کے ارشادات سے کفر لازم نہ ہو اور نکاح کا جواز عدم جواز نہیں مگر ایک مسئلہ فقہی، تو یہاں حکم فقہا یہی ہوگا کہ ان سے مناکحت اصلا جائز نہیں خواہ مرد وہابی ہو، یا عورت وہابیہ اور مرد سنی، ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اس باب میں قول متکلمین اختیار کرتے ہیں اور ان میں جو کسی ضروری دین کا منکر نہیں نہ ضروری دین کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے اسے کافر نہیں کہتے مگر یہ صرف برائے احتیاط ہے، در بارہ تکفیر حتی الامکان احتیاط اس میں ہے کہ سکوت کیجئے، مگر وہی احتیاط جو وہاں مانع تکفیر ہوئی تھی یہاں مانع نکاح ہوگی کہ جب جمہور فقہائے کرام کے حکم سے ان پر کفر لازم نہیں تو ان سے مناکحت زنا ہے تو یہاں احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے دور رہیں اور مسلمانوں کو باز رکھیں، ﷲ انصاف کسی سنی صحیح العقیدہ فقہائے کرام کا قلب سلیم گوارا کرے گا کہ اس کی کوئی عزیزہ کریمہ ایسی بلا میں مبتلا ہو جسے فقہائے کرام عمر بھر کا زنا بتائیں، تکفیر سے سکوت زبان کے لیے احتیاط تھی اور اس نکاح سے احتراز فرج کے واسطے احتیاط ہے یہ کونسی شرع کہ زبان کے باب میں احتیاط کیجئے اور فرج کے بارے میں بے احتیاطی، انصاف کیجئے تو بنظر واقع حکم اسی قدر سے منقح ہولیا کہ نفس الامر میں کوئی وہابی ان خرافات سے خالی نہ نکلے گا اور احکام فقہیہ میں واقعات ہی کا لحاظ ہوتا ہے نہ احتمالات غیر واقعیہ کا،

بل صرحوا ان احکام الفقة تجری علی الغالب من دون نظر الی النادر۔	بلکہ انھوں نے تصریح کی ہے کہ فقہی احکام کا مدار غالب امور بنتے ہیں، نادر امور پیش نظر نہیں ہوتے۔ (ت)

اور اگر اس سے تجاوز کرکے کوئی وہابی ایسا فرض کیجئے جو خود بھی ان تمام کفریات سے خالی ہو اور ان کے قائلین جملہ وہابیہ سابقین ولاحقین سب کو گمراہ وبدمذہب مانتا بلکہ بالفرض قائلان کفریات مانتا اور لازم الکفر ہی جانتا ہو اس کی وہابیت صرف اس قدر ہو کہ باوصف عامیت تقلید ضروری نہ جانے اور بے صلاحیت اجتہاد پیروی مجتہدین چھوڑ کر خود قرآن وحدیث سے اخذ احکام روا مانے تو اس قدر میں شک نہیں کہ یہ فرضی شخص بھی آیہ کریمہ قطعیہ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝[2] (اگر یہ نہیں جانتے تو اہل ذکر (علماء) سے پوچھو۔ت)

---
[1] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۴/۵
[2] القرآن ۴۳/۱۶

اور اجماع قطعی تمام ائمہ سلف کا مخالف ہے یہ اگر بطور فقہاء لزوم کفر سے بچ بھی گیا تو خارق اجماع ومتبع غیر سبیل المومنین وگمراہ وبددین ہونے میں کلام نہیں ہوسکتا جس طرح متکلمین کے نزدیک دو قسم پیشین کافر بالیقین کے سوا باقی جمیع اقسام کے وہابیہ، اب اگر عورت سنیہ بالغہ اپنا نکاح کسی ایسے شخص سے کرے اور اس کا ولی پیش از نکاح اس شخص کی بدمذہبی پر آگاہ ہو کہ صراحۃً اس سے نکاح کئے جانے کی رضامندی ظاہر نہ کرے خواہ یوں کہ اسے اس کی بدمذہبی پر اطلاع ہی نہ ہو یا نکاح سے پہلے اس قصد کی خبر نہ ہوئی یا بدمذہب جانا اور اس ارادہ پر مطلع بھی ہوا مگر سکوت کیا صاف رضا کا مظہر نہ ہوا، یا عورت نابالغہ ہو اور ولی مزوج اب وجد کے سوا یا اب وجد ایسے جو اس سے پہلے اپنی ولایت سے کوئی تزوج کسی غیر کفو سے کرچکے ہوں یا وقت تزویج نشے میں ہوں ان سب صورتوں میں یہ بھی نکاح باطل وزنائے خالص ہوگا کہ بدمذہب کسی سنیہ بنت سنی کا کفو نہیں ہوسکتا اور غیر کفو کے ساتھ تزویج میں یہی احکام مذکورہ ہیں، درمختار میں ہے:

الکفاءة تعتبر فی العرب والعجم دیانة ای تقوی فلیس فاسق کفوا الصالحة، نھر[1]۔	عربی اور عجمی لوگوں کے کفو میں دیانت اور تقوٰی کا اعتبار ہے تو فاسق شخص نیک عورت کا کفو نہ ہوگا، نہر (ت)

غنیہ میں ہے:

المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل[2]۔	اعتقاد فاسق، عمل فاسق سے زیادہ برا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار وشرح علائی میں ہے:

لزم النکاح بغیر کفو ان المزوج ابا وجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لوسکران بحر، وان المزوج غیرھما لایصح النکاح من غیر کفو اصلا[3]۔	اگر باپ یا دادا نے نکاح کیا تو غیر کفو میں بھی یہ نکاح لازم ہوگا بشرطیکہ باپ اور دادا نے اس سے قبل اختیار کو غلط استعمال نہ کیا ہو، اور اگر وہ غلط اختیار استعمال کرچکا ہو تو بالاتفاق یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، اور اگر باپ یا دادا نشے میں ہو تب بھی بالاتفاق نکاح صحیح نہ ہوگا (بحر) اور نکاح والد اور دادا نے نہ کیا تو غیر کفو میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

انہی میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی و بہ یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاوھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلاتحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ [1]۔	عاقلہ بالغہ نے ولی کی رضاکے بغیر نکاح کیا تو نکاح نافذ ہوگا اور غیر کفو میں عدم جواز کا فتوی دیا جائیگا اور یہی فتوی کے لیے مختار ہے کیونکہ زمانہ میں فساد آگیا ہے، تو مطلقہ ثلاثہ بھی اگر ولی کی رضاکے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی جبکہ ولی کو یہ معلوم ہو کہ وہ غیر کفو ہے یاد رکھو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایلزم التصریح بعدم الرضا بل السکوت منہ لایکون رضی وقولہ بلارضی یصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ و بعدمہا و بوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلثۃ لاتحل وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلك اھ [2] اھ الکل مختصر۔	ولی کو اپنی عدم رضا مندی کے اظہار کے لیے تصریح ضروری نہیں ہے بلکہ اس بارے میں اس کا خاموش رہنا ہی عدم رضا ہے اس کے قول "بغیر رضا" کا مصداق کفو غیر کفو کے علم کے بعد اور اسی طرح علم کے بغیر رضا کی نفی اور غیر کفو کا علم نہ ہونے پر رضامندی، ان تین صورتوں میں حلال نہ ہوگی، صرف چوتھی صورت میں حلال ہے اور وہ یہ ہے کہ ولی کو غیر کفو کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ نکاح پر راضی ہو اھ ح تمام اختصاراً(ت)

اس تقریر منیر سے اس شبہہ کا ایک جواب حاصل ہوا جو یہاں بعض اذہان میں گزرتا ہے کہ جب اہل کتاب سے مناکحت جائز ہے تو مبتدعین ان سے بھی گئے گزرے، غیر مقلد مسلم ہے پھر نکاح مسلم و مسلمہ میں کیا توقف، اہل کتاب سے مناکحت کے کیا معنی، آیا یہ کہ مسلمان مرد کا کتابیہ کافرہ کو اپنے نکاح میں لانا، اس کے جواز وعدم جواز سے ہم ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب بحث کریں گے یہاں اسی قدر کافی ہے کہ مسئلہ دائرہ میں عورت سنیہ اور مرد وہابیہ کے نکاح سے بحث ہے، عورت کا مرد پر قیاس کیونکر صحیح، آخر وہ کیا فرق تھا جس کے لیے شرع مطہر نے کتابی سے مسلمہ کا نکاح زنا مانا اور مسلم کا کتابیہ سے صحیح جانا، اگر مسلمان مرد کسی کافرہ کو اپنے تصرف میں لاسکے تو کیا ضرور ہے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

کہ سنیہ عورت بھی بد مذہب کے تصرف میں جاسکے، عورت کے لیے کفاءت مرد بالاجماع ملحوظ جس کی بناپر احکام مذکورہ متفرع ہوئے اور مرد بالغ کے حق میں کفاءت زن کا کچھ اعتبار نہیں کہ دناءت فراش وجہ غیظ مستفرش نہیں ہوتی۔

فی الدر المختار الکفاءۃ معتبرۃ من جانب الرجل لان الشریفۃ تأبی ان تکون فراشًا للدنی ولاتعتبر من جانبھا لان الزوج مستفرش فلاتغیظه دناءۃ الفراش[1]۔ملخصا	در مختار میں ہے کہ کفو مرد کی طرف سے معتبر ہے کیونکہ شریف عورت، حقیر مرد کی بیوی بننے سے انکاری ہوتی ہے اور عورت کی طرف سے مرد کے لیے ہم کفو ہونا معتبر نہیں ہے کیونکہ خاوند تو بیوی بنالیتا ہے خواہ عورت ادنٰی ہو، وہ اس وجہ سے عار نہیں پاتا۔ملخصا(ت)

وہابی تو بد مذہب گمراہ ہے اگر کوئی زن شریفہ بے رضائے صریح ولی بروجہ مذکور کسی سنی صحیح العقیدہ صالح حائک سے نکاح کرلے یا غیر ولی غیر اب وجد اپنی صغیرہ کو کسی ایسے سے بیاہ دے تو ناجائز و باطل ہوگا یا نہیں، ضرور باطل ہے پھر یہ سنی صالح کیا ان سے بھی گیا گزرا، اور نکاح مسلم و مسلمہ میں کیوں بطلان کا حکم ہوا، ھذا ولنرجع الٰی ما کنا فیه (اس کو محفوظ کرو اور ہمیں اپنی بحث کی طرف لوٹنا چاہئے۔ت) یہ صورتیں بطلان نکاح بوجہ عدم کفاءت کی تھیں اور اگر ان کے سوا وہ صورت ہو جہاں عدم کفاءت مانع صحت نہیں تو پہلے اتنا سمجھ لیجئے کہ عرف فقہ میں جواز دو معنی پر مستعمل، ایک بمعنی صحت اور عقود میں یہی زیادہ متعارف، یہ عقد جائز ہے یعنی صحیح مثمر ثمرات مثل افادہ ملک متعہ یا ملک یمین یا ملک منافع ہے اگرچہ ممنوع وگناہ ہو جیسے بیع وقت اذان جمعہ، دوسرے بمعنی حلت اور افعال میں یہی زیادہ مروج، یہ کام جائز ہے یعنی حلال ہے، حرام نہیں، گناہ نہیں، ممانعت شرعیہ نہیں، بحر الرائق کتاب الطہارۃ بیان میاہ میں ہے:

المشائخ تارۃ یطلقون الجواز بمعنی الحل وتارۃ بمعنی الصحۃ وھی لازمۃ للاول من غیر عکس والغالب ارادۃ الاول فی الافعال والثانی فی العقود[2]۔	مشائخ لفظ "جواز" کو کبھی حلال ہونے کے معنٰی میں اور کبھی صحیح ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جبکہ صحیح ہونا حلال ہونے کو لازم ہے، غالب طور پر افعال میں حلال ہونے اور عقود میں صحیح ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے(ت)

اسی طرح علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ در میں نقل کیا اور مقرر رکھا، در مختار میں ہے:

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

یجوز رفع الحدث بماذکر [1] الخ (مذکور چیز کے ساتھ حدث کو ختم کرنا جائز ہے الخ۔ ت) اسی پر ردالمحتار میں کہا:

یجوز ای یصح وان لم یحل فی نحو الماء المغصوب وھو اولی من ارادۃ الحل وان کان الغالب ارادۃ الاول فی العقود والثانی فی الافعال [2]۔	یجوز یعنی یصح، اگرچہ حلال نہ ہو، مثلاً غصب شدہ پانی کے ساتھ، اور یہی معنٰی یہاں بہتر ہے بجائیکہ حلال والا معنی مراد لیا جائے اگرچہ صحیح غالب طورپر عقود میں اور حلال افعال میں استعمال ہوتا ہے۔ (ت)

درمختار کتاب الاشربہ میں ہے:

صح بیع غیر الخمر مامر و مفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والافیون قلت وقد سئل ابن نجیم عن بیع الحشیشۃ ھل یجوز فکتب لایجوز فیحمل علی ان مرادہ بعدم الجواز عدم الحل [3]۔	مذکورہ چیزوں میں سے غیر خمر کی بیع صحیح ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حشیش اور افیون کی بیع صحیح ہے، میں کہتا ہوں کہ ابن نجیم سے حشیش کی بیع کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ جائز ہے تو انھوں نے جواب میں لکھا لایجوز۔ ان کا مقصد عدم جواز سے عدم حل ہے۔ (ت)

بالجملہ جواز کے یہ دونوں اطلاق شائع وذائع ہیں اور ان کے سوا اور اطلاقات عــہ بھی ہیں جن کی تفصیل سے

عــہ: فقد یطلق بمعنی النفاذ کماقال فی کفاءۃ التنویر امرہ بتزویج امرأۃ فزوجہ امۃ جاز [4] ای نفذ لان الکلام ثمہ فی النفاذ لافی الجواز [5] افادہ السادات الثلثۃ المحشون ح ط ش	اور کبھی جواز کا اطلاق "نفاذ" پر بھی ہوتا ہے جیساکہ تنویر کے کفاءۃ کے باب میں ہے، اگر کسی نے دوسرے کو کہا کسی عورت سے میرا نکاح کردے تو اس نے لونڈی سے نکاح کردیا تو جائز ہے یعنی نافذ ہے کیونکہ یہاں نفاذ میں بات ہورہی ہے جواز میں بحث نہیں، (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۲۳

[3] درمختار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۳/۲۶۰

[4] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[5] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۵

یہاں بحث نہیں۔اب اس صورت خاصہ میں جواز بمعنی صحت ضرور ہے یعنی نکاح کردیں تو ہوجائے گااور حل بمعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وھو اخص من وجه من الصحة والحل جمیعاً فقد ینفذ عقد ولایصح ولایحل کالبیع عند اذان الجمعة الیٰ اجل مجھول وقد یصح ویحل ولاینفذ کبیع فضولی مستجمعاً شرائط الصحة والحل، قال فی ردالمحتار ظاھرہ ان الموقوف من قسم الصحیح وھو احد طریقین للمشائخ وھو الحق [1] الخ وقد یطلق بمعنی اللزوم قال فی رھن الدر القبض شرط اللزوم کما فی الھبة [2] اھ قال الشامی قال فی العنایة ھو مخالف لروایة العامة قال محمد لایجوز الرھن الامقبوضاً اھ وفی السعدیہ انه علیه الصلوٰة والسلام قال لاتجوز الھبة الامقبوضة والقبض لیس بشرط الجواز فی الھبة فلیکن ھنا کذٰلك اھ وحاصله ان یفسر ھنا ایضاً الجواز

اس فائدے کو تین بزرگوار محشیٰ حضرات ____ یعنی حلبی، طحطاوی اور شامی نے بیان کیا،اور یہ معنٰی پہلے دو معنٰی صحیح اور حلال ہونے سے خاص من وجہ ہے کیونکہ کبھی عقد صحیح اور حلال نہ ہونے کے باوجود نافذ ہوتا ہے جیسے جمعہ کی اذان کے بعد بیع مجہول مدت کے ادھار پر ہو،اور کبھی عقد حلال اور صحیح ہوتا ہے لیکن نافذ نہیں ہوتا، جیساکہ فضولی کی وہ بیع جو حلال اور صحیح ہونے کی شرائط کی جامع ہو،ردالمحتار میں کہا کہ موقوف بیع، صحیح کی قسم ہے اور یہ مشائخ کے استعمال کے دو طریقوں میں سے ایک ہے اور یہی حق ہے الخ اور جواز بمعنی لزوم بھی استعمال ہوتا ہے، درمختار کے مسئلہ رہن میں ہے کہ قبضہ لزوم کے لیے شرط ہے جیساکہ ہبہ میں ہوتا ہے اھ،اس پر علامہ شامی نے کہا کہ عنایہ میں کہا ہے کہ یہ عام روایت کے خلاف ہے،امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ رہن، قبضہ کے بغیر صحیح نہیں اھ اور سعدیہ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہبہ قبضہ کے بغیر جائز نہیں، جبکہ ہبہ کے جواز کے لیے قبضہ شرط نہیں ہے، مناسب ہے کہ یہاں بھی یونہی ہو اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں رہن کے معاملہ میں بھی امام محمد کے قول میں جواز کی تفسیر لزوم کے ساتھ کی جائے نہ کہ صحت کے ساتھ جیساکہ فقہاء نے ہبہ میں کیا یعنی لایجوز کا معنی یہی

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

[2] درمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۵

عدم حرمت وطی بھی حاصل یعنی اس میں جماع زنانہ ہوگا وطی حرام نہ کہلائے گا۔

وذلك كقوله عزوجل واحل لكم ما وراء ذلكم مع ان فيهن من يكره نكاحهن تحريما كالكتابية كما سيأتي فعلم ان الحل بهذا المعنى لاينافي الاثم في الاقدام على فعل النكاح فافهم واحفظ كيلا تزل والله الموفق۔	اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں محرمات کے سوا" حالانکہ غیر محرمات میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جن سے نکاح مکروہ تحریمہ ہے جیساکہ کتابیہ عورت کے بارے میں آئندہ بیان ہوگا۔تو معلوم ہوا کہ اس معنی میں حلال، نکاح کرنے کے اقدام پر گناہ کے منافی نہیں ہے،اس کو سمجھو اور یاد رکھو تاکہ غلط فہمی نہ ہو اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہی ہے۔(ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

باللزوم لابالصحة كما فعلوا في الهبة [1] اھ مختصرًا وفي مداينات غمز العيون لوجاز اي لزوم تأجيله لزم ان يمنع المقرض عن مطالبة قبل الاجل ولاجبر على المتبرع [2] اھ وهو اخص مطلقا من الصحة والنفاذ فقد يصح الشيئ وينفذ ولالزوم كتزويج العم من كفو بمهر المثل ولالزوم لموقوف فهو ظاہر ولالفاسد لانه واجب الفسخ، ومن وجه من الحل فقد يلزم ولايحل كالبياعات المكروهة، والله تعالیٰ اعلم ۱۲ منه غفرله (م)

لایلزم ہو (یعنی قبضہ کے بغیر رہن جائز تو ہے لازم نہیں) اھ مختصرًا۔ اور غمزالعیون کے مداینات میں ہے لوجاز یعنی مہلت لازم ہوگی تو لازم ہے کہ قرضخواہ کو مدت پوری ہونے سے قبل مطالبہ سے منع کیا جائے جبکہ قرض کی نیکی کرنے والے پر جبر نہیں ہوسکتا،اھ اور جواز بمعنی لزوم، نفاذ اور صحت کے معنی سے خاص مطلق ہے کیونکہ کبھی چیز صحیح اور نافذ ہوتی ہے اور لازم نہیں ہوتی، جیساکہ چچازاد کا مہر مثل کے ساتھ کفو میں لڑکی کا نکاح کرنا صحیح اور نافذ ہے مگر لازم نہیں کیونکہ یہ موقوف ہے اور موقوف چیز لازم نہیں ہوتی،اور یہ ظاہر ہے،اور فاسد بھی لازم نہیں کیونکہ وہ واجب الفسخ ہے اور جواز بمعنی لزوم جواز بمعنی حل سے خاص من وجہ ہے، کیونکہ کبھی چیز لازم ہوتی ہے مگر حلال نہیں ہوتی جیساکہ مکروہ بیع کا حکم ہے،واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۰۸/۵

[2] غمزعیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۴۷/۲-۴۴۶

عبارات درمختار وغیرہ تجوز مناکحۃ المعتزلۃ لانا لانکفر احدا من اھل القبلۃ وان وقع الزامالھم فی المباحث[1] (معتزلہ سے نکاح جائز ہے ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے اگرچہ بحث کے طور پر ان پر کفر کاالزام ثابت ہے۔ت) کے یہی معنی ہیں، پر ظاہر کہ نکاح عقد ہے اور ابھی بحر الرائق وطحطاوی وردالمحتار سے گزراکہ عقود میں غالب وشائع جواز بمعنی صحت ہے مگر وہ عدم جواز بمعنی ممانعت واثم کے منافی نہیں، فتح القدیر وغنیہ وبحرالرائق وغیرہا میں ہے:

یراد بعدم الجواز عدم الحل ای عدم حل ان یفعل وھولاینافی الصحۃ[2]۔	عدم جواز سے عدم حل مراد لیا جاتا ہے یعنی اس کا کرنا حلال نہیں اور یہ صحیح کے منافی نہیں۔(ت)

رہاجواز فعل بمعنی عدم ممانعت شرعیہ بد مذہبوں سے سنیہ عورت کا نکاح کر دینا روا ومباح ہو جس میں کچھ گناہ و مخالفت احکام شرع نہ ہو یہ ہر گز نہیں۔ارشاد مشائخ کرام المناکحۃ بین اھل السنۃ و اھل الاعتزال لاتجوز[3] کے یہی معنی ہیں یعنی سنیوں اور معتزلیوں میں مناکحت مباح نہیں، فتاوٰی خلاصہ میں فرمایا: المسألۃ فی مجموع النوازل[4]۔ یہ مسئلہ مجموع النوازل امام فقیہ احمد بن موسی کشنی تلمیذ امام مفتی الجن والانس عارف باللہ سیدنا نجم الدین عمر النسفی میں ہے اسی میں فرمایا: کذا اجاب الامام الرستغفنی[5] امام رستغفنی نے ایسا ہی جواب ارشاد فرمایا۔ردالمحتار میں نہایہ امام سغناقی سے ہے انھوں نے اپنے شیخ سے نقل کیاوہ فرماتے تھے:

الرستغفنی امام معتمد فی القول والعمل ولواخذنا یوم القیٰمۃ للعمل بروایتہ ناخذہ کما اخذنا[6]۔	یعنی رستغفنی امام معتمد ہیں قول وفعل میں،اگر روز قیامت ان کی روایت پر عمل میں ہم سے گرفت ہوئی توہم ان کا دامن پکڑیں گے کہ ہم نے ان کے ارشاد پر عمل کیا۔

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[2] فتح القدیر باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

[3] بحر الرائق فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۰۲

[4] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح جنس آخر فی الاجازۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۶

[5] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح جنس آخر فی الاجازۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۶

[6] ردالمحتار

وجیز امام کردری میں ہے:

سمعت عن ائمة خوارزم انه یتزوج من المعتزلی ولایزوج منهم کما یتزوج من الکتابی ولایزوج منهم ولعله اخذ هذا التفصیل من کلام ابی حفص السفکردری[1]۔	میں نے بعض ائمہ خوارزم سے سنا کہ معتزلی کی بیٹی تو بیاہ لے اور اپنی بیٹی ان کے نکاح میں نہ دے۔ جس طرح یہودی نصرانی کی بیٹی بیاہ لیتا ہے اور اپنی بیٹی ان کے نکاح میں نہیں دیتا اور ممکن ہے کہ ان امام نے یہ تفصیل امام ابوحفص سفکردری کے قول سے اخذ کی۔

یہ دوسرا جواب ہے اس شبہہ کا، کہ مبتدعین کتابیوں سے بھی گئے گزرے **ثم اقول: وبالله التوفیق** (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی ہی سے ہے۔ت) اگر نظر تحقیق کو رخصت جولاں دیجیئے تو بدمذہب سے سنیہ کی تزویج ممنوع ہونے پر شرع مطہر سے دلائل کثیرہ قائم ہیں مثلاً:

دلیل اول: قال عزوجل وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[2]۔	اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

بدمذہب سے زیادہ ظالم کون ہے اور نکاح کی صحبت دائمہ سے بڑھ کر کون سی صحبت، جب ہر وقت کا ساتھ ہے، اور وہ بدمذہب تو ضرور اس سے نادیدنی دیکھے گی ناشنیدنی سنے گی اور انکار پر قدرت نہ ہوگی اور اپنے اختیار سے ایسی جگہ جانا حرام ہے جہاں منکر ہو اور انکار نہ ہوسکے نہ کہ عمر بھر کے لیے اپنے یا اپنی قاصرہ مقسورہ عاجز مقہورہ کے واسطے اس فضیحہ شنیعہ کا سامان پیدا کرنا۔

دلیل دوم: قال تبارك وتعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ[3]۔	اللہ کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمھیں میں سے تمھارے جوڑے بنائے کہ ان سے مل کر چین پاؤ اور تمھارے آپس میں دوستی و مہر رکھی۔

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوی بزازیہ علی ہامش فتاوی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۲

[2] القرآن ۶/ ۶۸

[3] القرآن ۳۰/ ۲۱

ان للزوج من المرأۃ لشعبۃ ماھی لشئی [1]۔رواہ ابن ماجۃ والحاکم عن محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	عورت کے دل میں شوہر کے لیے جو راہ ہے کسی کے لیے نہیں (اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

آیت گواہ ہے کہ زن وشوئی وہ عظیم رشتہ ہے کہ خواہی نخواہی باہم انس ومحبت الفت ورافت پیدا کرتا ہے اور حدیث شاہد ہے کہ عورت کے دل میں جو بات شوہر کی ہوتی ہے کسی کی نہیں ہوتی، اور بدمذہب کی محبت سم قاتل ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ [2]تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انھیں میں سے ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المرء مع من احب [3]۔رواہ الائمۃ احمد والستۃ الاابن ماجہ عن انس والشیخان عن ابن مسعود واحمد ومسلم عن جابر وابوداؤد عن ابی ذر والترمذی عن صفوان بن عسال وفی الباب عن علی وابی ھریرۃ وابی موسٰی وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے (اس کو امام محمد نے اور ابن ماجہ کے ماسوا صحاح ستہ کے ائمہ نے روایت کیا ہے حضرت انس سے اور بخاری ومسلم نے ابن مسعود سے، احمد ومسلم نے جابر سے، ابوداؤد نے ابوذر سے، اور رترمذی نے صفوان بن عباس سے، اور اس باب میں علی، ابوھریرہ، ابوموسٰی وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایت ہے۔ت)

دلیل سوم: قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ [4]۔	اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور بدمذہبی ہلاک حقیقی ہے۔

قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا): وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ [5](اور خواہش کے

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۶۲/۴، سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۱۵

[2] القرآن ۵/۵۱

[3] سنن ابوداؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۴۳

[4] القرآن ۲/۱۹۵

[5] القرآن ۳۸/۲۶

پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔ت)اور صحبت خصوصًا بد کا اثر پڑ جانا احادیث و تجاربِ صحیحہ سے ثابت۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما مثل الجلیس الصالح وجلیس السوء کحامل المسك ونافخ الکیر فحامل المسك اما ان یحذیك واما ان تبتاع منه واما ان تجد منه ریحا طیبة ونافخ الکیر اما ان یحرق ثیابك واما ان تجد منه ریحا خبیثة [1]۔رواہ الشیخان عن ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اچھے اور برے ہمنشین کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک کے پاس مشک ہے اور دوسرا دھونکنی پھونکتا، وہ مشک والا یا تجھے مفت دے گا یا تو اس سے مول لے گا۔اور کچھ نہیں تو خوشبو ضرور آئے گی، اور دھونکنی والا تیرے کپڑے جلادے گا یا تجھے اس سے بد بو آئے گی، (اسے شیخین (امام بخاری و مسلم) نے ابو موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبك من سوادہ اصابك من دخانه [2]۔رواہ ابوداؤد والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	برا ہمنشین دھونکنے والے کی مانند ہے تجھے اس کی سیاہی نہ پہنچے تو دھواں تو پہنچے گا۔(اس کو ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

تیسری حدیث صریح میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [3]۔رواہ مسلم۔	گمراہوں سے دور بھاگو۔انھیں اپنے سے دور کرو۔کہیں وہ تمھیں بہکا نہ دیں۔کہیں وہ تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔(اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ت)

چوتھی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعتبروا الصاحب بالصاحب [4]۔رواہ ابن عدی	مصاحب کو مصاحب پر قیاس کرو(اس کو ابن عدی

[1] صحیح بخاری باب المسك قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۳۰/۲

[2] سنن ابو داؤد باب من یومران یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۳۰۸/۲

[3] صحیح مسلم باب النھی عن الروایة عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰/۱

[4] کنز العمال بحوالہ عبداللہ بن مسعود حدیث ۲۴۷۳۰ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۸۹/۱۱

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ حسن لشواھدہ۔	نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیااور اس کے شواہد کی بناپر اس حدیث کو انھوں نے حسن قرار دیا۔ت)

پانچویں حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك وقرین السوء فانك به تعرف [1]۔رواہ ابن عساکر عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	برے ہمنشین سے دور بھاگ کہ تو اسی کے ساتھ مشہور ہوگا(اس کو ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ماشئی ادل علی الشئی ولاالدخان علی النار من الصاحب علی الصاحب [2]۔ذکرہ التیسیر۔	کوئی چیز دوسری پر اور نہ دھواں آگ پر اس سے زیادہ دلالت کرتا ہے جس قدر ایک ہمنشین دوسرے پر(اس کو تیسیر میں ذکر کیا گیا۔ت)

عقلاء کہتے ہیں گوش زدہ اثرے دارد نہ کہ عمر بھر کان بھرے جانا۔ پھر اس کے ساتھ **دوسرا** مؤید شوہر کا اس پر حاکم ہونا، مجربین کہتے ہیں: **الناس علی دین ملوکھم** [3](لوگ اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ت)

تیسرا مؤید عورت میں مادہ قبول وانفعال کی کثرت، وہ بہت نرم دل ہیں جلد اثر پذیر ہیں یہاں تک کہ اہل تجربہ میں موم کی ناک مشہور ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **رویدك یاانجشه بالقواریر** [4](اے انجشہ! آبگینوں کو بچا کر رکھو۔ت) **چوتھا** مؤید، ان کا ناقصات العقل والدین ہونا، یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا **کمافی الصحیحین** (جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ت) **پانچواں** مؤید، شوہر کی محبت، جس کا بیان آیت وحدیث سے گزرا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حبك الشئی یعمی ویصم [5]۔رواہ احمد والبخاری	محبت اندھا بہرا کر دیتی ہے(اسے احمد وبخاری

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۹/۴۳

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ماقبل کے تحت مکتبۃ امام شافعی الریاض السعودیہ ۲/۴۰۲

[3] المقاصد الحسنہ حرف النون حدیث دار الکتب العلمیۃ بیروت ص۴۴۱

[4] صحیح بخاری باب المعاریض مندوحۃ عن الکذب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۱۷

[5] سنن ابو داؤد کتاب الادب باب فی الھوٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۴۳

فی التاریخ وابوداؤد عن ابی الدرداء وابن عساکر بسند حسن عن عبداللہ بن انیس والخرائطی فی الاعتلال عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	نے اپنی تاریخ میں اور ابوداؤد نے ابودرداء سے، اور ابن عساکر نے سند حسن کے ساتھ عبداللہ بن انیس سے اور خرائطی نے اعتلال میں ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الرجل علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل[1]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	آدمی اپنے محبوب کے دین پر ہوتا ہے تو دیکھ بھال کر کسی سے دوستی کرو (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مسلمانو! اللہ عزوجل عافیت بخشے دل پلٹتے خیال بدلتے کیا کچھ دیر لگتی ہے قلب کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ منقلب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل القلب مثل الریشۃ تقلبھا الریاح بفلاۃ[2]۔ رواہ ابن ماجۃ عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دل کی حالت اس پر کی طرح ہے کہ میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اسے پلٹے دے رہی ہوں۔ (اس کو ابن ماجہ نے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نہ کہ عورتوں کا سانرم نازک دل اور اس پر یہ صحبت وسماع متصل پھر واسطہ حاکمی محکومی کااور اس کے ساتھ مہر ومحبت کا غضب جذبہ باعثوں داعیوں کا یہ متواتر وفور اور مانع کہ عقل ودین تھے ان میں نقصان وقصور تو اس تزویج میں قطعاً یقینا عورت کی گمراہی وتبدیل مذہب کا مظنہ قویہ ہے اور یہ خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا ہے کہ بنص قطعی ممنوع وناروا ہے شرع مطہر جس چیز کو حرام فرماتی ہے کہ مقدمہ وداعی کو بھی حرام بتاتی ہے **مقدمۃ الحرام حرام** (حرام کا پیش خیمہ بھی حرام ہوتا ہے۔ت) مقدمہ مسلمہ ہے، **قال اللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةًؕ وَ	زنا کے پاس نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی ہے اور

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الادب باب من یومران یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۸

[2] سنن ابن ماجہ باب فی القدر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰

سَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾ [1]	بہت بری راہ۔

جس طرح زنا حرام ہوا زنا کے پاس جانا بھی حرام ہوا اور یہ خیال کہ ممکن ہے اثر نہ ہو محض نافہمی اور عقل و نقل دونوں سے بیگانگی ہے داعی کے لیے مفضی بالدوام ہونا ضرور نہیں آخر بوس وکنار ومس ونظر دواعی وطی داعی ہی ہونے کے باعث حرام ہوئے مگر ہرگز مستلزم ومفضی دائم نہیں۔

دلیل چہارم: قال المولی تبارك وتعالٰی (مولی تبارک وتعالٰی نے فرمایا):

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ [2]۔	مرد حاکم و مسلط ہیں عورتوں پر بسبب اس فضیلت کے جو اللہ نے ایک دوسرے پر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعظم الناس حقا علی المرأۃ زوجها [3]۔رواہ الحاکم وصححه عن ام المومنین الصدیقه رضی الله تعالٰی عنها۔	عورت پر سب سے بڑھ کر حق اس کے شوہر کا ہے (اسے حاکم نے روایت کیا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کی تصحیح کی۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لوکنت امر احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجهن لما جعل الله لهم علیهن من الحق [4]۔ولوکان من قدمه الی مفرق رأسه قرحة تنجس بالقیح والصدید ثم استقبلته فلحسته ماادت حقه [5]۔رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن قیس بن سعد بن عبادۃ واحمد	اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ غیر خدا کو سجدہ کرے تو البتہ عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں بسبب اس حق کے کہ اللہ عزوجل نے ان کے لیے ان پر رکھا ہے۔اور اگر شوہر کی ایڑی سے مانگ تک سارا جسم پھوڑا ہو جس سے پیپ اور گندا پانی جوش مارتا ہو عورت آکر اپنی زبان سے اسے چاٹ کر صاف کرے تو خاوند کا حق ادا نہ کیا (اس کو ابوداؤد

---

[1] القرآن ۳۲/۱۷

[2] القرآن ۳۴/۴

[3] مستدرك للحاکم کتاب البر والصلة دارالفکر بیروت ۱۵۰/۴

[4] سنن ابی داؤد باب فی حق الزوج علی المرأۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۱، المستدرك للحاکم کتاب النکاح دارالفکر بیروت ۱۸۷/۲

[5] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند انس بن مالك دارالفکر بیروت ۱۵۹/۳

والترمذی عن انس بن مالك وفصل السجود احمد وابن ماجة وابن حبان عن عبدالله بن ابی اوفی والترمذی وابن ماجة عن ابی هریرة واحمد عن معاذبن جبل والحاکم عن بریدة الاسلمی رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین۔	اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ، اور احمد اور ترمذی نے انس بن مالک سے، اور احمد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے عبدالعزیز بن ابی اوفٰی سے سجدہ کی فصل میں، اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور احمد نے معاذ بن جبل اور حاکم نے بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

الغرض شوہر کے لیے سخت واجب التعظیم ہے اور بد مذہب کی تعظیم حرام، متعدد حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام [1]۔رواه ابن عدی وابن عساکر عن ام المومنین الصدیقه والحسن بن سفیان فی مسنده وابونعیم فی الحلیة عن معاذ بن جبل والسجزی فی الابانة عن ابن عمر وکابن عدی عن ابن عباس والطبرانی فی الکبیر وابونعیم فی الحلیة عن عبدالله بن بسر والبیهقی فی شعب الایمان عن ابراهیم بن میسرة التابعی المکی الثقة مرسلا فالصواب ان الحدیث حسن بطرقه۔	جس نے کسی بد مذہب کی توقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی (اس کو ابن عدی اور ابن عساکر نے ام المومنین عائشہ صدیقہ اور حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں معاذ بن جبل سے اور سجزی نے ابانۃ میں ابن عمر سے اور ابن عدی نے ابن عباس سے اور طبرانی نے کبیر میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں عبداللہ بن بسر اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابراہیم بن میسرہ تابعی مکی سے مرسل طور پر روایت کیا ہے۔اور صحیح یہ ہے کہ اپنے طرق پر یہ حدیث حسن ہے۔ت)

علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ مبتدع تو مبتدع فاسق بھی شرعا واجب الاہانۃ ہے اور اس کی تعظیم ناجائز، علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

الفاسق العالم تجب اهانته شرعافلایعظم۔[2]	فاسق عالم کی شرعا توہین ضروری ہے اس لیے اس کی تعظیم نہ کی جائے۔(ت)

[1] شعب الایمان حدیث نمبر ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۶۱

[2] مراقی الفلاح فصل فی بیان الاحق بالامامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

امام علامہ فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق، پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح المعین، پھر علامہ سید احمد مصری حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:

قد وجب علیھم اھانتہ شرعا[1]۔	ان پر اس کی اہانت ضروری ہے۔(ت)

علامہ محقق سعد الملۃ والدین تفتازانی مقاصد وشرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

حکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنه والاھانۃ والطعن واللعن[2]۔	بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض و عداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل و تحقیر بجالائیں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔

لاجرم ثابت ہوا کہ بد مذہب کو سنیہ کا شوہر بنانا گناہ و ناجائز ہے۔

دلیل پنجم: قال العلی الاعلی جل وجلا (اللہ بلند واعلٰی نے فرمایا): وَّ اَلۡفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ ؕ[3] ان دونوں نے زلیخا کے سید وسردار یعنی شوہر کو پایا دروازے کے پاس، ردالمحتار باب الکفاءۃ میں ہے: النکاح رق للمرأۃ والزوج مالك[4] نکاح سے عورت کنیز ہو جاتی ہے اور شوہر مالک۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقولوا للمنافق یاسید فانه ان یکن سیدا فقدا سخطتم ربکم عزوجل[5]۔ رواہ ابوداؤد و النسائی بسند صحیح عن بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنه۔	منافق کو "اے سردار" کہہ کر نہ پکارو کہ اگر وہ تمھارا سردار ہو تو بیشک تم نے اپنے رب عزوجل کو ناراض کیا۔ (اس کو ابوداؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حاکم نے صحیح مستدرک میں بافادہ تصحیح اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان لفظوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الامامۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴۳

[2] شرح مقاصد المبحث الثامن حکم المومن دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/۲۷۰

[3] القرآن ۱۲/۲۵

[4] ردالمحتار باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۷

[5] سنن ابی داؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۲۴

اذا قال الرجل للمنافق یاسید فقد اغضب ربه [1]۔	جو شخص کسی منافق کو "سردار" کہہ کر پکارے وہ اپنے رب عزوجل کے غضب میں پڑے۔

امام حافظ الحدیث عبدالعظیم زکی الدین نے کتاب الترغیب والترھیب میں ایک باب وضع کیا:

الترھیب من قوله لفاسق او مبتدع یاسیدی، او نحوھامن الکلمات الدالة علی التعظیم [2]۔	یعنی ان حدیثوں کا بیان جن میں کسی فاسق یا بدمذہب کو "اے میرے سردار" یا کوئی کلمہ تعظیم کہنے سے ڈرانا۔

اوراس باب میں یہی حدیث انھیں روایات ابی داؤد ونسائی سے ذکر فرمائی۔جب صرف زبان سے "اے میرے سردار" کہہ دینا باعث غضب رب جل جلالہ ہے تو حقیقۃً سردار مالک بنالینا کس قدر سخت موجب غضب ہوگا والعیاذ باللہ رب العالمین۔

دلیل ششم: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗؕ [3] وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّؕ [4]۔ ایحب احدکم ان تکون کریمته فراش کلب فکرھتموہ [5]۔	اے لوگو! ایک مثل کہی گئی اسے کان لگا کر سنو، بیشک اللہ عزوجل حق بات فرمانے میں نہیں شرماتا۔ کیا تم میں کسی کو پسند آتا ہے کہ اس کی بیٹی یا بہن کسی کتے کے نیچے بچھے تم اسے بہت برا جانوگے۔

رب جل وعلانے غیبت کو حرام ہونا اسی طرز بلیغ سے ادا فرمایا:

اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُؕ [6]۔	کیا تم میں سے کوئی پسند رکھتا ہے کہ اپنے مردے بھائی کا گوشت کھائے، تو یہ تمھیں برا لگا۔

---

[1] مستدرك للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/ ۳۱۱، شعب الایمان حدیث دارالکتب العلمیه بیروت ۴/ ۲۳۰

[2] الترغیب والترھیب الترھیب من قوله لفاسق او مبتدع یاسیدی الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۵۷۹

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۳

[4] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۳

[5] سنن ابن ماجه ابواب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۳۹، مسند احمد بن حنبل مروی از مسند علی رضی الله عنه دارالفکر بیروت ۱/ ۸۶

[6] القرآن ۴۹/ ۱۲

سنیو سنیو اگر سنی ہو تو بگوش سنو لیس لنا مثل السوء التی صارت فراش مبتدع کالتی کانت فراشا لکلب ہمارے لیے بری مثل نہیں جو عورت کسی بدمذہب کی جورو بنی وہ ایسی ہی ہے جیسے کسی کتے کے تصرف میں آئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی چیز دے کر پھیر لینے کا ناجائز ہونا اس وجہ انیق سے بیان فرمایا:

العائد فی ہبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء [1]۔	اپنی دی ہوئی چیز پھیرنے والا ایسا ہے جیسے کتّا قے کرکے اسے پھر کھالیتا ہے۔ ہمارے لیے بری مثل نہیں؟

اب اتنا معلوم کرنا رہا کہ بدمذہب کتا ہے یا نہیں؟ ہاں ضرور ہے بلکہ کتے سے بھی بدتر وناپاک تر، کتا فاسق نہیں اور یہ اصل دین ومذہب میں فاسق ہے، کتے پر عذاب نہیں اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے، میری نہ مانو سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث مانو، ابو حاتم خزاعی اپنے جزء حدیثی میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اصحاب البدع کلاب اھل النار [2]۔ بدمذہبی والے جہنمیوں کے کتے ہیں، امام دارقطنی کی روایت یوں ہے:

حدثنا القاضی الحسین بن اسمٰعیل نامحمد بن عبداللہ المخرمی نا اسمعیل بن ابان نا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی غالب عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل البدع کلاب اھل النار [3]۔	(قاضی حسین بن اسمٰعیل نے محمد بن عبداللہ مخرمی سے انھوں نے اسمٰعیل بن ابان سے انھوں نے حفص بن غیاث سے انھوں نے اعمش سے انھوں نے ابو غالب سے انھوں نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) بدمذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں،

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/۲۱۷

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۱۰۸۰ دار المعرفۃ بیروت ۱/۵۲۸، کنز العمال بحوالہ ابی حاتم الخزاعی حدیث ۱۰۹۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸

[3] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد عن ابی امامہ حدیث موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۲۳

ابو نعیم حلیہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اھل البدع شر الخلق والخلیقۃ [1]۔	بدمذہب لوگ سب آدمیوں سے بدتر اور سب جانوروں سے بدتر ہیں۔

علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا:

الخلق الناس والخلیقۃ البھائم [2]۔	خلق سے مراد لوگ اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں۔ (ت)

لاجرم حدیث میں ان کی مناکحت سے ممانعت فرمائی، عقیلی وابن حبان حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتجالسوھم، ولاتشاربوھم، ولاتؤاکلوھم ولاتناکحوھم [3]۔	بدمذہبوں کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، نہ کھانا کھاؤ، ان سے شادی بیاہ نہ کرو۔

دلیل ہفتم: کتابیہ سے نکاح کا جواز عدم ممانعت وعدم گناہ صرف کتابیہ ذمیہ میں ہے جو مطیع الاسلام ہو کر دارالاسلام میں مسلمانوں کے زیر حکومت رہتی ہو وہ بھی خالی از کراہت نہیں بلکہ بے ضرر مکروہ ہے، فتح القدیر وغیرہ میں فرمایا:

الاولی ان لایفعل ولایأکل ذبیحتھم الا للضرورۃ [4]۔	بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت ان سے نکاح نہ کرے اور نہ ذبیحہ کھائے۔ (ت)

مگر کتابیہ حربیہ سے نکاح یعنی مذکورہ جائز نہیں بلکہ عندالتحقیق ممنوع وگناہ ہے، علمائے کرام وجہ ممانعت اندیشہ فتنہ قرار دیتے ہیں کہ ممکن کہ اس سے ایسا تعلق قلب پیدا ہو جس کے باعث آدمی دارالحرب میں وطن کرلے نیز بچے پر اندیشہ ہے کہ کفار کی عادتیں سیکھے نیز احتمال ہے کہ عورت بحالت حمل قید کی جائے تو بچہ غلام بنے، محیط میں ہے:

یکرہ تزوج الکتابیۃ الحربیۃ لان الانسان لایأمن ان یکون بینھا ولد فینشأ علی طبائع اھل الحرب ویتخلق باخلاقھم فلا	حربیہ کتابیہ عورت سے نکاح مکروہ ہے کیونکہ انسان اس بات سے بے فکر نہیں ہوسکتا کہ اس سے بچہ پیدا ہو تو وہ اہل حرب میں پرورش پائیگا اور انکے طور طریقے اپنالے گا اور پھر مسلمان اس بچے سے

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ابو مسعود موصلی دارالکتاب العربی بیروت ۸/ ۲۹۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ماقبل مکتبہ امام شافعی الریاض سعودیہ ۱/ ۳۸۳

[3] الضعفاء الکبیر للعقیلی حدیث دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶

[4] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

یستطیع المسلم قلعه عن تلك العادة [1]۔	ان کی عادات کو چھوڑنے پر قادر نہ ہوگا۔ (ت)

فتح اللہ المعین میں علامہ سید احمد حموی سے ہے:

عم مالوکانت حربیة ولکن مکروه بالاجماع لانه ربما یختار المقام فی دارالحرب ولانه فیه تعریض ولده للرق فربما تحبل وتسبی معه فیصیر ولده رقیقا وان کان مسلما وربما یتخلق الولد باخلاق الکفار [2]۔	جواز نکاح کا حکم کتابیہ حربیہ کو بھی شامل ہے لیکن یہ مکروہ ہے بالاجماع، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بیوی کی وجہ سے دارالحرب میں قیام پسند کرلے، اور اس لیے بھی کہ اس میں بچے کو غلامی میں مبتلا کرنے کی سبیل ہوسکتی ہے کہ اس کی وہ حاملہ بیوی مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوجائے تو بچہ بھی ماں کی وجہ سے قیدی ہوکر غلام بن جائے اگرچہ وہ مسلمان ہے نیز وہ بچہ دارالحرب میں کفار کی عادات کو اپنا سکتا ہے۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں بعد عبارت مذکورہ فرمایا:

وتکره الکتابیة الحربیة اجماعا لانفتاح باب الفتنة من امکان التعلق المستدعی للمقام معها فی دارالحرب وتعریض الولد علی التخلق باخلاق اهل الکفر وعلی الرق بان تسبی وهی حبلی فیولد رقیقا وان کان مسلما [3]۔	حربیہ کتابیہ بالاجماع مکروہ ہے کیونکہ اس سے فتنے کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے وہ یہ کہ بیوی سے تعلق مسلمان مرد کو دارالحرب میں رہنے پر آمادہ کرسکتا ہے اور بچے کو کفار کی عادات کا عادی بنانے کا راستہ ہے نیز بچے کی غلامی کے لیے راستہ ہموار کرنے کی کوشش ہے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ بیوی حاملہ ہو کر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوجائے تو بچہ بھی ماں کی وجہ سے غلام بنے اگرچہ وہ مسلمان ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله والاولی ان لایفعل یفید کراهة التنزیه فی غیر الحربیة ومابعده یفید کراهة التحریم فی الحربیة [4]۔	اس کے قول کہ "بہتر ہے نہ کرے" سے یہ فائدہ ملتا ہے کہ کتابیہ غیر حربیہ سے نکاح مکروہ تنزیہہ ہے جبکہ اس کا مابعد میں حربیہ کے بارے میں مکروہ تحریمہ ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ (ت)

[1] بحرالرائق بحوالہ المحیط فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۳

[2] فتح المعین فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰

[3] فتح القدیر فصل فی المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

[4] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

اہل انصاف ملاحظہ کریں کہ جواندیشے ائمہ کرام نے وہاں مرد اور اولاد کے لیے پیدا کئے وہ زائد ہیں یا یہ جو یہاں عورت واولاد کے لیے ہیں، وہاں مرد کا معاملہ ہے یہاں عورت کا، وہ حاکم ہوتا ہے یہ محکوم، وہ مستقل ہوتا ہے یہ متلونہ، وہ موثر ہوتا ہے یہ متاثر، وہ عقل ودین میں کامل ہوتا ہے یہ ناقصہ، وہ اگر دارالحرب میں متوطن ہوگیا تو گنہ گار ہوا دین نہ گیا یہ اگر اس کی صحبت میں مبتدعہ ہوگئی تو دین ہی رخصت ہوا، بچہ بعد شعور اپنے ماں باپ کی تربیت میں رہتا ہے وہاں باپ مسلم ہے یہاں بدمذہب، وہاں کافروں کی عادتیں ہی سیکھنے کا احتمال ہے یہاں خود مذہب کے بدل جانے کا قوی مظنہ، وہاں اگر غلام بنا تو ایک دنیوی ذلت ہے آخرت میں ہزاروں غلام کروڑوں آزادوں سے اعز واعلٰی ہوں گے یہاں اگر رافضی وہابی ہوگیا تو اخروی ذلت دینی فضیحت ہے۔ وہاں غلامی ایک احتمال ہی احتمال تھی اور یہاں یہ بدانجامی مظنون قوی، تو وہاں وہ اندیشے اگر کراہت تنزیہہ لاتے یہاں یہ ظنون کراہت تحریمیہ تک پہنچ جاتے، ہم اوپر گزارش کرچکے ہیں کہ شرعاً جو چیز حرام ہے اس کے مقدمات ودواعی بھی حرام ہوتے ہیں اور جب کہ وہاں ان کے سبب کراہت تحریم مانیں تو یہاں ان کے باعث کھلی تحریم رکھی ہے، یہ تیسرا جواب ہے اس شبہہ کا کہ یہ ان سے بھی گئے گزرے، مع ہذا شرع مطہر میں اگرچہ وہ مبتدع جس کی بدعت حد کفر کو نہ پہنچی آخرت میں کفار سے ہلکا رہے گا ان کا عذاب ابدی ہے اور اس کا منقطع اور بعد موت دنیوی احکام میں بھی خفت ہوگی مگر اس کے جیتے جی اس کے ساتھ برتاؤ کافر ذمی کے برتاؤ سے اشد ہے اور اس کی وجہ ذی عقل پر روشن، کافر ذمی سے ہرگز وہ اندیشہ نہیں جو اس دشمن دین مدعی اسلام وخیر خواہ مسلمین سے ہے وہ کھلا دشمن ہے اور یہ مار آستین، اس کی بات کسی جاہل سے جاہل کے دل پر نہ جمے گی کہ سب جانتے ہیں یہ مردود کافر ہے خدا اور رسول کا صریح منکر ہے اور یہ جب قرآن وحدیث ہی کے حیلے سے بہکائے گا تو ضرور اسرع واظہر ہے **والعیاذ باللہ رب العالمین**، امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

ان كانت البدعة بحيث يكفر بها فامره اشد من الذمی لانه لايقر بجزية ولايسامع بعقد ذمة وان كان مما لايكفر به فامره بينه وبين الله اخف من امر الكافر لامحالة۔ ولكن الامر فی الانكار عليه اشد منه على الكافر لان شر الكافر غير متعد	وہ بدعت جو مسلمان کو کفر میں مبتلا کردے تو ایسا کافر بدعتی دارالاسلام میں ذمی کافر سے بدتر ہے کیونکہ وہ جزیہ کا پابند نہیں بنتا اور نہ ہی وہ عقد ذمہ کی پروا کرتا ہے اور اگر بدعت ایسی ہو جس کی وجہ سے بدعتی کو کافر نہیں کہا جاسکتا تو ایسے بدعتی کا معاملہ کافر کی نسبت سے اللہ تعالٰی کے ہاں ضرور خفیف ہے لیکن اس کی تردید کا معاملہ کافر کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے کیونکہ کافر کا شر مسلمانوں کے لیے اتنا نقصان دہ

فان المسلمین اعتقد وا کفرہ فلایلتفتون الی قولہ اذلایدعی الاسلام واعتقاد الحق اما المبتدع الذی یدعوالی البدعۃ ویزعم ان مایدعو الیہ حق فھو سبب لغو ایۃ الخلق فشرہ متعدفالاستحباب فی اظھار بغضہ ومعاداتہ والانقطاع عنہ وتحقیرہ والتشنیع علیہ ببدعتہ وتنفیر الناس عنہ اشد[1]۔	نہیں کیونکہ مسلمان اس کے کافر ہونے کی وجہ سے اس کی بات کو قابل التفات نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اسلام اور حق کا مدعی نہیں بنتا لیکن گمراہ بدعتی اپنی بدعت کو حق قرار دے کر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے اس لیے وہ عوام الناس کو گمراہ کرنے کا سبب بنتا ہے لہٰذا اس کا شر زیادہ موثر ہے، ایسے شخص کو برا جاننا اس کی مخالفت کرنا، اس سے قطع تعلق کرنا، اس کی تحقیر کرنا، اس کارد کرنا، اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنا زیادہ باعث اجر وثواب ہے۔ (ت)

یہ چوتھا جواب ہے اس شبہ کا الحمد للہ آفتاب حق بے حجاب سحاب متجلی ہوا اور دلائل واضحہ سے نہ صرف وہابی بلکہ ہر بدمذہب کے ساتھ سنیہ کی تزویج کا باطل محض یا اقل درجہ ممنوع وگناہ ہونا ظاہر ہوگیا، ہاں ہمارے بعض بھائیوں کا بعض متقشفی وہابیہ کے فریب سے دھوکا پاکر یہ عذر باقی ہے کہ یہ احکام تو ان کے لیے ہیں جو مذہب اہلسنت سے خارج ہیں اور وہابی ایسے نہیں فلاں فلاں وہابی تو سنی ہیں، اس کا جواب اسی قدر بس ہے کہ عزیز بھائیو! دین حق کے فدائیو! دیکھو یہ دام در سبزہ ہیں دھوکے میں نہ آئیو، بھلا وہابی صاحب جو چاہیں بکیں وہاں نہ خوف خدا نہ خلق کی حیاء، مگر پیارے سنیو! تم نے یہ کیونکر باور کرلیا کہ بعض وہابی اہلسنت ہیں، عزیزو! کیا یہ اس کہنے سے کچھ زیادہ عجیب تر ہے کہ فلاں رات دن ہے یافلاں نصرانی، مومن ہے، جب سنیت، وہابیت سے صاف مباین ہے تو ان کا اجتماع کیونکر ممکن ہے، ہاں یوں کہتے تو ایک بات تھی کہ فلاں فلاں لوگ جو وہابی کہلاتے ہیں وہابی نہیں اہلسنت ہیں، بہت اچھا، چشم ماروشن دل ماشاد، خدا ایسا ہی کرے، اگر واقع اس کے مطابق ہے تو ہمارا کیا ضرر، اور اس فتوی پر اس سے کیا اثر، فتوی میں زید وعمرو کسی کی تعیین نہ تھی، سائل نے وہابی کی نسبت سوال کیا مجیب نے وہابی کے باب میں جواب دیا فلاں اگر وہابی نہیں سنی ہے اس سوال وجواب دونوں سے بری ہے، فتوی کی صحت میں کیا شک پروری ہے، پھر عزیز بھائیو! یہ تنزل جواب اس کے تسلیم ادعا پر مبنی ہے، ابھی امتحان کا مرحلہ باقی ودیدنی ہے، زبان سے کہہ دینا کہ ہم وہابی نہیں گنتی کے لفظ ہیں کچھ بھاری نہیں،

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا	کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اس زبانی کہہ دینے پر

[1] احیاء العلوم کتاب الالفۃ والاخوۃ بیان مراتب الذین یبغضون فی اللہ مکتبہ ومطبعۃ المشھد الحسینی القاہرہ مصر ۲/۱۶۹

وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ [1]۔ لاالٰہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم،وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم۔	چھوڑدئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اوران کی آزمائش نہ ہوگی۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اورحضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں،اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے کوئی حرکت اور کوئی قوت اللہ تعالٰی عظیم وبلند کی مشیت کے بغیر نہیں ہے۔(ت)

بہت اچھاجو صاحب مشتبہ الحال وہابیت سے انکار فرمائیں امور ذیل پر دستخط فرماتے جائیں۔

کھوٹے کھرے کاپردہ کھل جائے گا چلن میں

(۱) مذہب وہابیہ ضلالت وگمراہی ہے۔

(۲) پیشوایان وہابیہ مثل ابن عبدالوہاب نجدی واسمٰعیل دہلوی ونذیر حسین دہلوی وصدیق حسن بھوپالی اور دیگر چھٹ بھیے آروی بٹالی پنجابی بنگالی سب گمراہ بددین ہیں۔

(۳) تقویۃ الایمان وصراط مستقیم ورسالہ یکروزی وتنویرالعینین تصانیف اسمٰعیل اوران کے سوادہلوی وبھوپالی وغیرہما وہابیہ کی جتنی تصنیفیں ہیں صریح ضلالتوں گمراہیوں اور کلمات کفریہ پر مشتمل ہیں۔

(۴) تقلید ائمہ فرض قطعی ہے بے حصول منصب اجتہاد اس سے روگردانی بددین کاکام ہے،غیر مقلدین مذکورین اور ان کے اتباع واذناب کہ ہندوستان میں نامقلدی کا بیڑا اٹھائے ہیں محض سفیہان نامشخص ہیں ان کا تارک تقلید ہونا اور دوسرے جاہلوں اور اپنے سے اجہلوں کوترک تقلید کااغواکرنا صریح گمراہی وگمراہ گری ہے۔

(۵) مذاہب اربعہ اہلسنت سب رشد وہدایت ہیں جوان میں سے جس کی پیروی کرے اور عمر بھراس کا پیرورہے،کبھی کسی مسئلہ میں اس کے خلاف نہ چلے،وہ ضرور صراط مستقیم پر ہے،اس پر شرعًا الزام نہیں ان میں سے ہر مذہب انسان کے لیے نجات کوکافی ہے تقلید شخصی کو شرک یاحرام ماننے والے گمراہ ضالین **متبع غیر سبیل المومنین** ہیں۔

(۶) متعلقات انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء مثل استعانت وندا وعلم وتصرف بعطائے خدا وغیرہ مسائل متعلقہ اموات واحیامیں نجدی ودہلوی اوران کے اذناب نے جواحکام شرک گھڑے اور

---

[1] القرآن الکریم ۲۹/۲

عامہ مسلمین پر بلاوجہ ایسے ناپاک حکم جڑے یہ ان گمراہوں کی خباثت مذہب اور اس کے سبب انھیں استحقاق عذاب وغضب ہے۔

(۷) زمانہ کو کسی چیز کی تحسین وتقبیح میں کچھ دخل نہیں، امر محمود جب واقع ہو محمود ہے اگرچہ قرون لاحقہ میں ہو، اور مذموم جب صادر ہو مذموم ہے اگرچہ ازمنہ سابقہ میں ہو، بدعت مذمومہ صرف وہ ہے جو سنت ثابتہ کے رد وخلاف پر پیدا کی گئی ہو، جواز کے واسطے صرف اتنا کافی ہے کہ خدا اور سول نے منع نہ فرمایا، کسی چیز کی ممانعت قرآن وحدیث میں نہ ہو تو اسے منع کرنے والا خود حاکم وشارع بنناچاہتا ہے۔

(۸) علمائے حرمین طیبین نے جتنے فتاوے ورسائل **مثل الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ** وغیرہا رد وہابیہ میں تالیف فرمائے سب حق وہدایت ہیں اور ان کا خلاف باطل وضلالت۔

حضرات! یہ جنت سنت کے آٹھ باب ہادی حق وصواب ہیں، جو صاحب بے پھیر پھار بے حیلہ انکار بکشادہ پیشانی ان پر دستخط فرمائیں تو ہم ضرور مان لیں گے کہ وہ ہر گز وہابی نہیں، ورنہ ہر ذی عقل پر روشن ہو جائیگا کہ منکر صاحبوں کا وہابیت سے انکار نرا حیلہ ہی حیلہ تھا، مسمے پر جمنا اور اسم سے رمنا، اس کے کیا معنی ؎

منکر می بودن ودر رنگ مستان زیستن

(منکر ہونا اور مستیوں کے رنگ میں جینا۔ت)

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[1] (اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ت)

الحمدللہ کہ یہ مختصر بیان تصدیق مظہر حق وحقیق اوائل عشرہ اخیرہ ماہ مبارک ربیع الاول شریف سے چند جلسوں میں بدرسمائے تمام اور بلحاظ تاریخ "**ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار**" نام ہوا، **و صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین والحمدللہ رب العالمین۔**

مسئلہ ۲۰۰: غرہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب ہے اور ہندہ زوجہ شیعی مذہب رکھتی ہے اور باہم کسی طریقہ پر عقد بھی ہوگیا ہے ایسی حالت میں شرعًا ہمبستری یعنی مجامعت جائز ہے اور ایسی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ نطفہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل کے روافض تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں شاید شاذ و نادر ان میں کوئی مسلمان نکل سکے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

جیسے کوّوں میں سپید رنگ کا کوّا، ایسی عورت سے نکاح محض باطل ہے اور قربت صریح زنا، اور اولاد یقیناً ولدالزنا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۱: از کلکتہ سندریا پٹی ۱۰۹ متصل مسجد ناخداد کان کتب شیخ فخرالدین مرسلہ نظیر حسن صاحب ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

بعالی خدمت جناب مولانا مولوی احمد رضاخان صاحب دام افضالہ پس از سلام مسنون الاسلام آن کہ زید نے اپنی سگی یعنی حقیقی بہن کی لڑکی کی لڑکی سے بحکم ایک عالم عقد کیا یہ از روئے شرع شریف کے عندالاحناف جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مفصل تحریر فرمائیے۔ بینوا توجروا

الجواب:

عقد مذکور زنائے محض ہے حرام قطعی ہے سخت عظیم شدید گناہ کبیرہ ہے، نہ فقط حنفیہّ بلکہ شافعیہ مالکیہ حنبلیہ تمام امت مرحومہ کے اجماع سے حرام ہے نص قرآن عظیم سے حرام ہے، قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

حرمت علیکم امھاتکم وبنتکم واخواتکم وعمّٰتکم وخالتکم وبنت الاخ وبنت الاخت [1]۔	تم پر تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، اور بھانجیاں حرام کی گئی ہیں۔ (ت)

اس آیہ کریمہ میں رب عزوجل نے بنات کا لفظ تین جگہ ارشاد فرمایا کہ حرام کی گئیں تم پر تمھاری بیٹیاں، بھائی کی بیٹیاں، بہن کی بیٹیاں، اگر بنات یعنی بیٹیاں پوتی نواسی کو بھی شامل تو ضرور بھائی بہن کی پوتی، نواسی بھی اسی حکم میں داخل، اور اگر شامل نہیں تو خود اپنی پوتی نواسی بھی حکم آیت میں داخل نہیں تو اس جاہل بیباک کے طور پر وہ حلال ٹھہرے گی، لقولہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ [2] (تمھارے لیے ان کے ماسوا حلال قرار دی گئی ہیں، ت) لاجرم کتب تفسیر میں اسی آیت کریمہ سے بھائی بہن کی پوتی نواسی کا حرام ابدی ہونا ثابت فرمایا اور کتب فقہ میں انھیں بھتیجی بھانجی میں داخل مان کر محارم ابدیہ میں گنایا، معالم التنزیل میں ہے:

یدخل فیھن بنات اولاد الاخ والاخت وان سفلن [3]۔	ان محرمات ابدیہ میں بھائی اور بہن کی اولاد کی بیٹیاں خواہ نیچے تک ہوں، داخل ہیں۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/۴

[2] القرآن الکریم ۲۴/۴

[3] معالم التنزیل حرمت علیکم امھتکم الخ کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/۵۰۱

تفسیر کبیر میں ہے:

النوع الثانی من المحرمات البنات کل انثی یرجع نسبھا الیك بالولادۃ بدرجۃ اوبدرجات باناث اوبذکر فھی بنتك النوع السادس والسابع بنات الاخ وبنات الاخت والقول فی بنات الاخ وبنات الاخت کالقول فی بنات الصلب فھذہ الاقسام السبعۃ محرمۃ فی نص الکتاب بالانساب والارحام [1] اھ ملتقطا۔	محرمات کی دوسری قسم بیٹیاں ہیں وہ تمام لڑکیاں جن کا نسب ایک درجہ یا کئی درجوں کے مرد اور عورتوں کے واسطہ سے تیری طرف بطور ولادت لوٹتا ہے وہ سب کی سب تیری بیٹیاں ہیں اور چھٹی اور ساتویں قسم بھائی اور بہن کی بیٹیاں ہیں، اور بھائی بہن کی بیٹیوں کا حکم بھی اپنی صلبی بیٹیوں کی طرح ہے، تو یہ سات اقسام نسب اور ارحام کی وجہ سے قرآنی نص سے حرام ہیں اھ ملتقطا (ت)

تفسیر بیضاوی و تفسیر ارشاد العقل میں ہے:

بنات الاخ وبنات الاخت تتناول القربی والبعدی [2]۔	محرمات میں بھائی اور بہن کی بیٹیاں قریب ہوں یا بعید ہوں سب شامل ہیں۔ (ت)

تفسیر جلالین میں ہے:

وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت وتدخل فیھن اولادھن [3]۔	بھائی اور بہن کی بیٹیوں میں ان بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہے۔ (ت)

فتوحات الٰہیہ حاشیہ جلالین میں ہے:

فشملت العبارۃ بنت ابن الاخ وان سفل وبنت ابن الاخت وان سفل [4]۔	یہ عبارت بھتیجوں اور بھانجی کی بیٹیوں کو بھی اگرچہ نیچے تک ہو شامل ہے۔ (ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

تحرم علی الرجل اختہ وبنتھا وبنت اخیہ	مرد پر اس کی بہن اور اس کی بھانجی اور بھتیجی اور ان

---

[1] تفسیر کبیر تحت الآیۃ حرمت علیکم امھاتکم مطبعۃ البھیۃ مصر ۱۰/ ۲۹۔۲۸

[2] تفسیر بیضاوی تحت الآیۃ حرمت علیکم امھاتکم مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۳

[3] تفسیر جلالین تحت الآیۃ حرمت علیکم امھاتکم اصح المطابع دہلی ص ۷۳

[4] فتوحات الھیہ حاشیہ جلالین تحت الآیۃ حرمت علیکم امھاتکم مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۷۰

وان سفلتا[1]۔	کی اولاد نیچے تک حرام ہے۔(ت)

نقایہ میں ہے:

حرم اصلہ وفرعہ اصلہ القریب[2]۔	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصل قریب (باپ اور ماں) کے فروع حرام ہیں۔(ت)

شرح وقایہ میں ہے:

وبنات الاخوۃ والاخوات وان سفلت فیحرم جمیع ھؤلاء[3]۔	بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک سب حرام ہیں۔(ت)

اصلاح میں ہے:

حرم علی المرء اصلہ وفرعہ واختہ وفرعھا وفرع اخیہ[4]۔	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اس کی بہن اور بھائیوں کی اولاد حرام ہے۔(ت)

درر میں ہے:

واختہ وبنتھا وان سفلت[5]۔	بہن اور اس کی بیٹیاں نیچے تک حرام ہیں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

تدخل فی بنات الاخ والاخت بناتھن وان سفلن[6]۔	بھتیجیوں اور بھانجیوں میں ان کی بیٹیاں بھی نیچے تک داخل ہیں۔(ت)

اختیار شرح مختار وخزانۃ المفتین میں ہے:

وبنات الاخ وبنات الاخوات وان سفلن فھن محرمات بنص الکتاب نکاحا	بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک محرمات ہیں جن سے نکاح، وطی اور اس کے دواعی کی ابدی حرمت

---

[1] ملتقی الابحر باب المحرمات موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۳۹

[2] النقایۃ مختصر الوقایۃ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲

[3] شرح وقایہ المحرمات من النساء مجتبائی دہلی ۲/۱۱

[4] اصلاح

[5] درر الحکام کتاب النکاح احمد کامل الکائنہ دار السعادت بیروت ۱/۳۳۰۔۳۲۹

[6] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۱۸

ووطأودواعیه علی التابید [1]۔	کتاب اللہ کی نص سے ثابت ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خان وغیرہا میں ہے:

وبنات الاخوات وان سفلن [2]۔	بھانجیاں نیچے تک۔(ت)

محیط سرخسی وفتاوی عالمگیری میں ہے:

وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن [3]۔	یونہی بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک۔(ت)

انوار امام یوسف اردبیلی شافعی میں ہے:

المحرمات علی التابید بالنسب الامهات وان علت والبنات وان سفلت وبنات الاخوة والاخوات وان سفلت [4]۔	نسبی طور پر ابدی محرمات مائیں اوپر تک، بیٹیاں نیچے تک، بھانجیاں اور بھتیجیاں نیچے تک ہیں۔(ت)

اس جاہل احمق نکاح کرنے والے پر فرض ہے کہ فوراً فوراً اس اپنی سگی بیٹی سے جدا ہوجائے اور اس اجہل اضل عالم پر الزام کہ از سر نو کلمہ اسلام پڑھے اپنے اس ناپاک ملعون فتوی سے توبہ کرے اپنی عورت سے نکاح از سر نو کرے۔"**اعلام بقواطع الاسلام**" میں ہے:

ومن ذلک(ای من المکفرات)ان یستحل محرما بالاجماع کالخمر واللواط ولو فی مملوکه الخ [5]۔	کافر بنانے والی چیزوں میں سے کسی ایسی چیز کو حلال بنالینا جس کی حرمت پر اجماع ہے مثلا شراب، لواطت خواہ اپنے مملوک سے ہو، الخ(ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے:

من اعتقد الحرام حلالا او علی القلب یکفر [6]۔	جو شخص حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے پر عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔(ت)

الٰہی! اس زمانہ پر فتن کے ہر فتنے وشر سے تیری پناہ، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الاختیار لتعلیل الاختیار فصل فی المحرمات دار فراس للنشر والتوزیع بیروت ۸۵/۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی المحرمات نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۵

[3] فتاوٰی ہندیہ فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۳

[4] انوار الاعمال الابرار

[5] الاعلام بقواطع الاسلام ملحق بسبل النجاۃ مکتبہ حقیقۃ دار الشفقت استنبول ترکی ص ۳۵۳

[6] فتاوٰی ہندیہ احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۷۲

مسئلہ ۲۰۲: از نواب گنج ضلع بریلی مکان تحصیلدار ظہور الاسلام صاحب مرسلہ حضرت سید نور عالم میاں صاحب مارہروی ۵ رجب ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع شریف اساطین فرقہ اہل سنت وجماعت متبعین ملت حنفیہ اس باب میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کی زندگی میں اس کی خواہر حقیقی سے نکاح کیااور بعد نکاح خواہر زن مگر قبل خلوت صحیحہ یااس سے خلوت صحیحہ کے بعد پہلی بی بی کو طلاق دے دی ان دونوں صورتوں میں یہ نکاح عندالشرع درست وجائز ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب ایک بہن نکاح میں ہو دوسری سے نکاح حرام قطعی ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ [1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: حرام ہے دونوں بہنوں کو جمع کرنا۔(ت)

تو یہ نکاح ضرور حرام وناجائز ہوااور پہلی زوجہ کو اس نکاح فاسد کے بعد پیش از خلوت خواہ بعد خلوت طلاق دے دینا اس حرام کو حلال اس فاسد کو صحیح اس ناجائز کو جائز نہیں کرسکتا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر اوّلاً زوجہ کو طلاق دے اور ہنوز اس کی عدت نہ گزری ہو کہ اس کی بہن سے نکاح کرلے تو یہ نکاح حرام ہوگا تو یہاں کہ پہلے اس کی خواہر سے نکاح کرلیا بعد کو طلاق دی کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

حرم الجمع بین المحارم نکاحا وعدۃ ولو من طلاق بائن [2]۔	وہ عورتیں جو آپس میں محرم ہوں ان کو نکاح اور عدت خواہ طلاق بائن کی عدت ہو، میں جمع کرنا حرام ہے۔(ت)

شخص مذکور پر فرض ہے کہ فوراً فوراً اس دوسری کو چھوڑ دے پھر اگر پہلی کی عدت گزرچکی ہے تو اسے اختیار ہوگا کہ اس دوسری کو چھوڑ کر ابھی معاً اس سے نکاح کرلے ورنہ اتنا انتظار فرض ہے کہ اس پہلی کی عدت گزرجائے اس کے بعد اس دوسری سے نکاح صحیح بروجہ شرعی کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۳: ۵ رجب ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معاذاللہ ساس سے زنا کے باعث جب منکوحہ حرام ہوجائے تو اس سے پردہ بھی فرض ہوجاتا ہے یا وہ مثل محارم کے ہوجاتی ہے کہ دیکھنا، چھونا، تنہا مکان میں رہنا جائز ہے۔ **بینوا توجروا**

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

الجواب:

مذہب اصح یہی ہے کہ حرمت مصاہرت اگرچہ معاذاللہ زنا سے ناشی ہوئی ہو عورت کو مثل محارم کے کردیتی ہے تو نظر ومس بہ شہوت تو قطعًا حرام ہوگئے اور بلاشہوت میں حرج نہیں جبکہ اپنے یا عورت کے لیے حدوث شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔ بحالت اندیشہ بلاشہوت بھی دیکھنا چھونا حرام ہوگا بلکہ اگر شک بھی ہو کہ شاید مجھے یا عورت کو شہوت پیدا ہو، نہ ہو جب بھی حکم حرمت ہے، تنہا ایک مکان میں جانے کی تو اصلا اجازت نہیں کہ یہ خواہی نخواہی مظنہ شہوت ہے خصوصًا منکوحہ میں جو ایک زمانے تک اس کے نکاح میں رہ چکی اور باہم حجاب وتکلف مرتفع رہا تھا تو عندالانصاف جبکہ منکوحہ سے معاذاللہ حرمت مصاہرت پیدا ہو اسے مثل اجنبیہ تصور کرنے ہی میں احتیاط ہے **وباللہ العصمۃ**، درمختار میں ہے:

ینظر الرجل من محرمه هی من لایحل له نکاحها ابدا بنسب اوبسبب ولوبزنا الی الراس والوجه والصدر والساق والعضدان أمن شهوته وشهوتها وان لم یأمن اوشاهی لایحل النظر والمس، کشف الحقائق لابن سلطان والمجتبی[1] اهملتقطا۔	محرمہ وہ عورت ہے جس سے ابدی طور پر نکاح حرام ہو، نسب کی وجہ سے محرمہ ہو یا کسی سبب کی وجہ سے وہ سبب زنا ہی کیوں نہ ہو، شہوت کا خدشہ نہ ہو تو ایسی محرم عورتوں کے سر، چہرہ، سینہ، پنڈلی اور بازو کو دیکھنا مرد کے لیے جائز ہے اور اگر مرد یا عورت کو شہوت کا خدشہ ہو یا کوئی ان میں سے حالت شہوت میں ہو تو پھر محرمہ کو چھونا اور دیکھنا جائز نہیں۔ کشف الحقائق ابن سلطان اور مجتبٰی اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولوبزنا ای ولوکان عدم حل نکاحها له بسبب زناه باصولها او فروعها قال الزیلعی وقیل انها کالاجنبیة والاول اصح اعتبارا للحقیقة لانها محرمة علیه علی التابید[2]۔	اس کا قول "اگرچہ زنا سے ہو" یعنی اس سے نکاح حلال نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اصول یا فروع سے زنا ہو، زیلعی نے کہا کہ ایسی عورت کا چھونے اور دیکھنے میں اجنبی عورت جیسا حکم ہے جبکہ پہلا قول اصح ہے کیونکہ اس کے ابدی ہونے کی حقیقت کا اعتبار ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

قوله اوشك معناه استواء الامرین	اس کا قول "اوشک" اس کا معنٰی یہ ہے کہ شہوت اور

---

[1] درمختار فصل فی النظر والمس مجتبائی دہلی ۲/۲۴۱

[2] ردالمحتار فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۳۵

تاتارخانیہ [1]۔	عدم شہوت دونوں کا احتمال مساوی ہو۔ تاتارخانیہ (ت)

درمختار میں ہے:

والخلوة بالمحرم مباحة الاالاخت رضاعا والصهرة الشابة [2]۔	محرم عورتوں سے خلوت مباح ہے مگر رضاعی بہن اور جوان ساس سے جائز نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی القنية وفی استحسان القاضی الصدر الشهيد وينبغی للاخ من الرضاع ان لايخلو باخته من الرضاع لان الغالب هنالك الوقوع فی الجماع۔اھ، وافادالعلامة البيری ان ينبغی معناه الوجوب هنا [3] اھ مافی ردالمحتار **قلت** فاذاكان الغالب ذلك فی الاخت رضاعا فماظنك فی التی كانت تحته زمانا وقد ذاق كل عسيلة صاحب،نسأل الله العفو والعافية۔والله سبحنه وتعالٰی اعلم	قنیہ اور قاضی الصدر الشہید کے استحسان میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کے ساتھ تخلیہ مناسب نہیں کیونکہ تخلیہ جماع کا موجب ہوتا ہے، غالب یہی ہے۔اھ اور علامہ بیری نے مفید بات کی ہے کہ یہاں ینبغی کا معنی وجوب ہے، ردالمحتار کا بیان ختم ہوا، **قلت** (میں کہتا ہوں کہ۔ت) جب رضاعی بہن کے متعلق غالب امر یہ ہے تو اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے جو مدت بھر اس کی بیوی رہی ہو اور یہ مرد عورت دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے رہے ہوں، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۰۴: از مارہرہ مطہرہ مدرسہ درگاہ معلٰی مرسلہ مولوی رحمت اللہ صاحب ۱۷ رجب المرجب ۱۳۱۷ھ

زید نے ہندہ کے ساتھ عرصہ پندرہ برس کا ہوا نکاح کیا، لڑکا بھی پیدا ہوا پھر زید چلاگیا اور اب تک اس کی خبر نہ لی، نہ نان نفقہ دیا، چند بار اس کو واسطے دینے طلاق کے تحریر کیا، جواب نہ دیا، اب ہندہ دوسرا عقد کرنا چاہتی ہے بخیال حالات کہ زمانہ نامعلوم کیا امر نامناسب آئندہ پیش آئے، اس وقت بجز ندامت اہل دنیا والزام شرع کچھ سود نہ ہوگا، پس یہ از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] ردالمحتار فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۳۵/۵

[2] درمختار فصل فی النظر والمس مجتبائی دہلی ۲۴۱/۲

[3] ردالمحتار فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۳۶/۵

الجواب

جب تک موت یا طلاق نہ ہو حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: شادی شدہ عورتیں۔(ت)

چارہ کار نالش ہے ورنہ صبر، ورنہ یہ نکاح خود کیا حرام نہ ہوگا تو وہم آئندہ سے بچنے کے لیے قصداً حرام کاری کے کیا معنی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۵ تا ۲۰۸: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاک خانہ کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ مولوی عبدالغنی صاحب ۱۹ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سید سید شیخ شیخ پٹھان پٹھان، آیا ان قوموں میں بڑے بھائی کی لڑکی اور چھوٹے بھائی کا لڑکا اس صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **(۲)** زید وعمرو حقیقی چچازاد بھائی ہیں اب عمرو کی دختر کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ اور غیر حقیقی میں کیا حکم ہے؟ **(۳)** آپس میں بھائی اور بہنوں سوائے نسبی اور رضاعی کے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۴) زید کا دادا غیر حقیقی ہے اب زید اس غیر حقیقی دادا کی دختر سے نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ان سب صورتوں میں یعنی اپنے حقیقی چچا کی بیٹی یا چچازاد بھائی کی بیٹی یا غیر حقیقی دادا کی اگرچہ وہ حقیقی دادا کا حقیقی بھائی ہو، اور رشتے کی بہن جو ماں میں ایک نہ باپ میں شریک نہ باہم علاقہ رضاعت جیسے ماموں خالہ پھوپھی کی بیٹیاں یہ سب عورتیں شرعاً حلال ہیں جبکہ کوئی مانع نکاح مثل رضاعت ومصاہرت قائم نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: محرمات کے علاوہ عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں۔(ت)

نقایہ میں ہے:

حرم اصلہ وفرعہ وفرع اصلہ القریب	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصل قریب (ماں باپ)

[1] القرآن الکریم ۴/۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/۲۴

وصلبیۃ اصلہ للبعید [1]۔	کے فروع (بہن بھائی) اور اصل بعید (دادا اور اوپر والے) باپوں کے صلبی رشتے حرام ہیں۔ (ت)

در مختار میں ہے:

حلال بنت عمہ وعمتہ وخالہ وخالتہ لقولہ تعالٰی وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ [2] اھ قلت ویدخل فیھم اعمام ابیہ وجدہ وان علا وامہ وجدتہ وان علت وعماتھم واخوالھم وخالاتھم کما دخلن فی قولہ تعالٰی وَعَمّٰتُکُمْ وَخٰلٰتُکُمْ کما فی التبیین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی لڑکیاں حلال ہیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ محرمات کے ماسوا سب عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں، **قلت** (میں کہتا ہوں۔ت) ان میں ماں، باپ، دادا اور دادی کے چچوں اور ان کے ماموں، خالاؤں، اور پھوپھیوں کی بیٹیاں بھی حلال ہونے میں داخل ہیں، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۹: مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۶ محرم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو بہنیں اور ایک بیٹی ہے اور ان کا نکاح بھی ہوگیا ہے، اب آیا زید کی بیٹی کو زید کی دونوں بہنوں کے شوہر سے پردہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور بعد مرنے کے ایک ہمشیرہ کے اس کے شوہر سے زید کی لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس سے بھی پردہ اس حالت میں ہے یا نہیں؟ اور جس بہن کا شوہر زندہ ہے اس سے بھی نکاح درست ہے یا نہیں؟ **بینوا بالدلیل توجروا باجر الجزیل۔**

الجواب:

پھوپھی یا خالہ یا بہن اور اسی طرح جتنی عورت کی محارم ہیں ان کی زندگی میں ان کے شوہروں سے عورت کا نکاح اگرچہ حرام۔

واصلہ قولہ عزوجل وان تجمعوا بین الاختین [3]۔ وفی الحدیث لاتنکح المرأۃ علی عمتھا ولاعلی	اور اس کا اصل اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد "حرام ہے دو بہنوں کو جمع کرنا" اور حدیث میں ہے کہ پھوپھی اور

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲
[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۷
[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

خالتہا[1]۔	خالہ کے ہوتے ہوئے ان کی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔(ت)

مگر وہ عورت کے محارم نہیں ہوجاتے کہ ان سے نکاح صرف اس حالت تک حرام جب تک اس کی پھوپھی یا خالہ یا بہن یا کوئی محرم عورت ان کے نکاح میں ہے بعد افتراق بموت یا طلاق ان کے شوہروں سے عورت کا نکاح حلال ہے اور محرم وہ ہوتا ہے جس سے کبھی کسی حال میں نکاح نہ ہوسکے اس کی حرمت ابدیہ ہو جیسے باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، وغیرہم، اور جو محرم نہیں وہ اجنبی ہے اس سے پردہ کا ویسا ہی حکم ہے جیسے اجنبی سے خواہ فی الحال اس سے نکاح ہوسکتا ہو یا نہیں۔اگر حرمت فی الحال عدم پردہ کے لیے کافی ہو تو چاہئے کہ زن شوہر کا تمام جہان میں سے کسی سے پردہ نہ ہو کہ جب تک وہ اپنے شوہر کے عقد عصمت میں ہے کسی کو اس سے نکاح روا نہیں۔قال اللہ تعالٰی: **وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ**[2] (منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ت) اس طرح جس مرد کے نکاح میں چار عورتیں موجود ہوں چاہئے کہ اس سے کسی عورت شوہر دار خواہ بے شوہر کا پردہ نہ ہو کہ جب تک ان چار میں سے کسی سے بذریعہ موت یا طلاق جدائی نہ ہو پانچواں نکاح اسے حلال نہیں، غرض یہ سب ہندی ہوسیں اور جاہلانہ رسمیں ہیں، شرع مطہر میں پھوپھا اور خالو اور بہنوئی اور جیٹھ اور دیور اور چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں کے بیٹوں اور راہ چلتے اجنبی سب کا ایک حکم ہے نہ وہ بے تکلف گھر میں آسکتا ہے بخلاف ان کے، ولہذا حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی گئی یارسول اللہ ارایت الحمو یارسول اللہ! جیٹھ دیور کا حکم ارشاد ہو، فرمایا: **الحمو موت**[3] یہ تو موت ہیں، والعیاذ باللہ تعالٰی، اس بیان سے تمام مراتب سوال کا جواب منکشف ہوگیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: از عثمان پور ڈاک خانہ کوٹھی ضلع بارہ بنکی مرسلہ محمد حسن یار خان صاحب ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی سنی المذہب کو اپنی دختر شیعی تبرائی و قاذف حضرت

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الجمع بین المرأۃ وعمتہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی /، صحیح بخاری باب لاتنکح المرأۃ علی عمتہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۶۶/۲

[2] القرآن الکریم ۲۴/۴

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر الجھنی رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱۴۹/۴

صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہاکے عقد نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں؟اگر ناجائز ہے اور کوئی سنی باوجود ناجائز سمجھنے کے بھی ایسا کرے تواس کی بابت شرعاکیاحکم ہے؟جواب مختصر ومدلل مرحمت فرمایا جائے،**بینوا توجروا**

الجواب:

معاذاللہ رافضی قاذف باجماع مسلمین کافر ملعون ہے یہاں تک کہ جو اسے کافر نہ جانے خود کافر ہے، ردالمحتار میں ہے:

لاشك فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشه رضی الله تعالٰی عنها الخ[1]۔	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت لگانے والے کے کفر میں کوئی شک نہیں الخ (ت)

اسی کے باب البغاوۃ میں ہے:

لان ذلك تکذیب صریح القرآن[2]۔	کیونکہ یہ صریح قرآن کی تکذیب ہے۔(ت)

جو شخص اپنی دختر یا خواہر ایسے کے نکاح میں دے وہ یقینا دیوث ہے۔وہ اپنی بہن بیٹی کو صریح زنا کے لیے دینے والا ہے، حدیث ارشاد فرماتی ہے کہ اس پر جنت حرام ہے اللہ تعالٰی روز قیامت اس پر نظر رحمت نہ فرمائے گا۔

احمد والنسائی والحاکم عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما بسند حسن عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم، ثلثة لاینظر الله الیهم یوم القیامة العاق لوالدیه والمرأة المترجلة المتشبهة بالرجال والدیوث[3]۔وروی الحاکم والبیهقی فی الشعب بسند صحیح عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه	(احمد، نسائی اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا۔ت) تین شخصوں پر اللہ تعالٰی روز قیامت نظر نہ کرے گا ماں باپ کو آزار دینے والا اور مردانی عورت یعنی مردوں کی وضع بنانے والی اور دیوث۔(حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت) تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کا نافرمان اور

[1] ردالمحتار باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۹۴

[2] ردالمحتار باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۱۰

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عمر دار الفکر بیروت / سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۳۵۷

والدیوث ورجلۃ النساء [1]۔ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما.ثلثۃ لایدخلون الجنۃ ابدا الدیوث والرجلۃ من النساء ومدمن الخمر [2]۔	دیوث اور مردانی وضع کی عورت۔ (طبرانی نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے: دیوث اور مردانی وضع کی عورت اور شرابی۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱ تا ۲۱۲: از موضع مذکور بوساطت نواب نثار احمد خاں صاحب بریلوی ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) زید باوجود علم ہونے کے حقیقی دو بہنوں کو اپنے عقد میں لایا اور دونوں کے ساتھ اوقات بسر کرتا ہے، اہل اسلام اس حرکت سے مانع ہوئے لیکن زید نے کچھ خیال نہ کیا، نہ دونوں میں سے کسی کو جدا کیا، مسلمانوں نے مجبور ہو کر زید سے اجتناب اختیار کیا مگر بعض اشخاص نے زید کا ساتھ دیا تو از روئے شرع شریف مسلمانوں کا یہ اجتناب حق ہے یا نہیں؟ اور زید و نیز اس کے ہمراہیوں کے یہاں خورد ونوش اور سلام علیک جائز ہے یا نہیں؟ اور زید پر کون سی عورت جائز ہے اولٰی یا ثانیہ؟ یا دونوں ناجائز ہیں؟ جواب مدلل مرحمت فرمائیے، بینوا توجروا۔

(۲) سنی کو اپنی دختر شیعی کے نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے کوئی سنی باوجود ناجائز سمجھنے کے ایسا کرے تو اس بابت شرعاً کیا حکم ہے؟ اور جو سنی و شیعہ کی قرابت زمانہ سلف سے اس وقت تک جاری ہے اس کا کیا باعث ہے آیا اس وقت میں علمائے دین نے اس طرف کچھ توجہ نہیں فرمائی یا اس وقت کے شیعہ سے اس وقت کے شیعہ میں کچھ فرق ہے؟ اس کی وجہ مدلل زیب قلم فرمائیے کہ سائل کی خلش و معترضین کا اعتراض دفع ہو جواب مختصر مدلل مرحمت فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب:

(۱) اولٰی وثانیہ کہنے سے واضح ہوا کہ دونوں سے معًا نکاح نہ کیا تھا اس صورت میں ثانیہ سے نکاح

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الایمان ثلاثۃ لایدخلون الجنۃ الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۷۲، شعب الایمان باب فی الغیرۃ والمذاء الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۴۱۲

[2] مجمع الزوائد باب فیمن لایرضی لاھلہ بالخبث دار الکتاب بیروت ۴/ ۳۲۷

حرام ہوا لقولہ تعالٰی: وَ اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ[1] (حرام ہے دو بہنوں کو جمع کرنا۔ت) اور جب تک اسے ہاتھ نہ لگایا تھا زوجہ حلال تھی اسے ہاتھ لگاتے ہی وہ بھی حرام ہو گئی، اب جب تک اس دوسری کو چھوڑ کر اس کی عدت نہ گزر جائے زوجہ کو بھی ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں، زید پر فرض ہے کہ اسے ترک کردے، جب اس کی عدت بعد متارکہ گزر جائے گی اس وقت زوجہ اس کے لیے حلال ہو گی۔

فی ردالمحتار الثانی باطل ولہ وطء الاولی الاان یطأ الثانیۃ فتحرم الاولی الی انقضاء عدۃ الثانیۃ کما لووطی اخت امرأتہ بشبھۃ حیث تحرم امرأتہ مالم تنقض عدۃ ذات الشبھۃ عن البحر[2]۔	ردالمحتار میں ہے: دوسرا نکاح باطل ہے اس کی پہلی سے وطی جائز ہے لیکن اگر دوسری سے وطی کرلی تو پہلی دوسری کی عدت گزر جانے تک حرام ہو گی جیسا کہ اگر شبہ کے طور پر بیوی کی بہن سے وطی ہو جائے تو بیوی اس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک شبہ والی کی عدت نہ گزر جائے حلبی بحوالہ بحر۔(ت)

مسلمانوں کا یہ اجتناب حق ہے۔قال اللہ تعالٰی:

فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾[3]۔	ظالموں کے ساتھ یاد آنے پر مت بیٹھو۔(ت)

زید سے، جب تک تائب نہ ہو، ابتدا بسلام ممنوع ہے کہ وہ فاسق معلن ہے اور گناہ کبیرہ پر مصر ہے۔

فی الدرالمختار یکرہ السلام علی الفاسق لومعلنا[4] الخ وفی ردالمحتار عن فصول العلامی لایسلم علی الشیخ المازح الکذاب واللاغی ولاعلی من یسب الناس اوینظر وجوہ الاجنبیات ولاعلی الفاسق المعلن ولاعلی من یغنی اویطیر الحمام مالم تعرف توبتھم[5]۔	درمختار میں ہے کہ فاسق کو سلام کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ وہ اعلانیہ فسق کرتا ہو الخ، اور ردالمحتار میں ہے فصول علامی سے مروی ہے کہ جھوٹے اور مذاق کرنے والے بوڑھے، لغویات بولنے والے، لوگوں کو گالی گلوچ کرنے والے، اجنبی عورتوں کو دیکھنے والے، اعلانیہ فسق کرنے والے، گانے والے اور کبوتر بازی کرنیوالے کو اس وقت تک سلام نہ کیا جائے جب تک اس کی توبہ کا علم نہ ہو جائے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳

[2] ردالمحتار باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۶

[3] القرآن الکریم ۶/۶۸

[4] درمختار فصل البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۱

[5] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۶۷

اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے بھی احتراز کرنا چاہئے، سنن ابی داؤد وجامع الترمذی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھتھم علماؤھم فلم ینتھوا فجالسو ھم فی مجالسھم واٰکلوھم وشاربو ھم فضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض فلعنھم علی لسان داؤد وعیسٰی بن مریم [1]۔ الحدیث۔	جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑے ان کے مولوی مانع آئے، انھوں نے نہ مانا، اب وہ مولوی ان کے پاس بیٹھے، ساتھ کھانا کھایا پانی پیا تو اللہ تعالٰی نے ان میں ایک کے دل میں دوسرے پر مارے اور ان سب کو ملعون کردیا داؤد اور عیسٰی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر۔ (الحدیث)

زید کا ساتھ دینے والے اگر خاص اس گناہ میں اس کے مدد ومعاون ہوئے جب تو ظاہر کہ وہ بھی زید کے مثل بلکہ اس سے بدتر ہیں، قال اللہ تعالٰی: لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۪ [2] (گناہ اور دشمنی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ ت) حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام [3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو کسی ظالم کے ساتھ مدد دینے کو چلے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ اسلام سے نکل جائے (اس کو طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور اگر اسی قدر ہو کہ زید سے باوصف اس حرکت کے راضی ہیں جب بھی بدلیل حدیث مذکور بنی اسرائیل شریک گناہ ومستحق توہین وتذلیل ہیں، حدیث میں ہے:

الذنب شؤم علٰی غیر فاعلہ (الٰی قولہ) وان رضی بہ شارکہ [4]۔ رواہ فی مسند الفردوس عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم	یعنی گناہ کرتا ایک ہے اور اس کا وبال اوروں پر بھی پڑتا ہے کہ جو اس پر راضی ہو وہ بھی شریک گناہ ہے، (اس کو مسند فردوس میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

[1] جامع ترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدۃ امین کمپنی کراچی ۱۳۰/۲

[2] القرآن ۲/۵

[3] المعجم الکبیر حدیث اوس بن شرحبیل حدیث المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۲۷/۱

[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۴۹/۲

(۲) آج کل عام رافضی منکران ضروریات دین اور باجماع امت کفار مرتدین ہیں کما حققناہ فی فتاوٰنا وفی المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ والمکفرۃ (جیساکہ اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوی میں اور اپنے رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ" میں کردی ہے۔ت) علاوہ اور کفریات کے دو کفر تو ان کے عالم وجاہل مرد عورت سب کو شامل ہیں، مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکیرم کو انبیاء سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم سے افضل ماننا، اور جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل کہے کافر ہے، اور قرآن عظیم سے معاذاللہ صحابہ کرام وغیرہم اہلسنت کا چند پارے یا سورتیں آیتیں گھٹانا کچھ الفاظ تغیر وتبدیل کردینا اور جو قرآن عظیم کے ایک حرف ایک نقطے کی نسبت ایسا گمان کرے کافر ہے، قال اللہ تعالٰی: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝[1] (ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ ت) ان کے مجتہد حال نے یہ عقائد باطلہ اور دیگر عقیدہ کفریہ صاف صاف لکھ کر اپنی مہر کردی ان میں جو کوئی خود ان عقائد کا معتقد نہ بھی ہو تو مجتہد کو کافر ہر گز نہ کہے گا بلکہ جناب قبلہ وکعبہ ہی مانے گا اور جو منکر ضروریات دین کو معظم دینی جانے یا کافر ہی نہ کہے خود کافر ہے، بزازیہ ودرمختار وغیرہما میں ہے: من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[2] (جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہے۔ت) لہٰذا جزم کیا جاتا ہے کہ آج کل رافضیوں میں کوئی مسلمان ملنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کوّوں میں سپید رنگ والا، ایسوں کے ساتھ مناکحت تو حرام قطعی وزنائے خالص ہے، جو اپنی بہن بیٹی ان کو دے دیوث ہے، اس عقد باطل کے ذریعہ سے جو نام اس کی بہن بیٹی کو ملنے والے ہیں ان میں ہلکے نام یہ ہیں: زانیہ، فاجر، قحبہ، فاحشہ، روسی، رنڈی، بدکار، جو اسے پسند کرتا ہو اس کبیرہ فاحشہ پر اقدام کرے ورنہ اللہ عزوجل کے غضب سے ڈرے، اور اگر بالفرض کوئی رافضی ایسا ملے جسے مسلمان کہہ سکیں تو حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر صرف تبرا بھی فقہائے کرام کے نزدیک مطلقًا کفر ہے، کما نص علیہ فی الخلاصۃ والفتح والدر وغیرہا من الاسفار الغر (جیساکہ خلاصہ، فتح، در وغیرہا مشہور کتب میں اس پر تصریح ہے۔ت) تو فقہاء کے طور پر ہر تبرائی کے ساتھ مناکحت میں وہی احکام ہوں گے اور بغرض غلط اس سے بھی محفوظ ملے تو آخر گمراہ بددین ہونے میں شبہ نہیں اور ایسے کو بیٹی دینا شرعًا گناہ وممنوع ہے۔

کما بیناہ فی رسالۃ مفردۃ فی ھذا الباب سمینا ھا ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار۔	جیساکہ ہم نے اس کو علیحدہ ایک رسالہ میں بیان کیا ہے جو اس موضوع سے متعلق ہے جس کا نام ہم نے "ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار" رکھا ہے۔(ت)

ائمہ معتمدین سلف صالحین سے ہر گز یہ امر ثابت نہیں اور اگر نادرًا شاذ کہیں وقوع ہوا ہو تو اس کا منشا اس کے رفض پر اطلاع نہ پانا اور رافضی کے دین میں تقیہ ہونا وامثال ذٰلك من الاعذار (اور اس قسم کے

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/۹

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

دیگر عذر۔ت) ہوگا اس وقت اور پہلے کے روافض میں اتنا فرق بھی ہے کہ اول اتنی آزادی نہ تھی عام طور پر انکار ضروریات دین کی جرات وتمادی نہ تھی رافضی تواب پیدا ہوئے زناکاری وحرام خواری توان سے بھی ہزاروں برس پہلے رائج ہے، کیا علمائے دین نے اس طرف کچھ توجہ نہ فرمائی یا اس وقت کے زنا واکل حرام سے اس وقت کے زنا وحرام کو کچھ فرق ہے، حاشا علمائے دیندار ہر قرن وطبقہ وزمانہ میں منع فرماتے آئے، ماننا نہ ماننا عوام کا فعل ہے، اور ہدایت کرنا نہ کرنا اللہ عزوجل کے اختیار، یہی حال گمراہوں سے میل جول کا ہے کہ علمائے اہل حق صحابہ وتابعین وائمہ دین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین قرنا فقرنا منع فرماتے آئے، رسائل رد ندوہ خصوصا فتوائے جدیدہ فقیر مسمّٰی بہ "فتاوٰی الحرمین برجف ندوۃ المین" ملاحظہ ہوں۔ پھر اگر عوام نہ مانیں یا دنیا پرست مولوی ضلالت کی طرف بلائیں تو اس کا کیا علاج اور علمائے اہل حق پر کیا الزام، **والی اللّٰہ المشتکی من ضعف الاسلام** (لوگوں کے ضعف اسلام کی شکایت اللہ تعالٰی ہی کے دربار میں ہے۔ت) **ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم۔ واللّٰہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۳:   ۸ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر نے طلاق بائن دی، درمیان عدت کے ہندہ نے نکاح ثانی کرلیا، بعد نکاح کم وبیش ایک سال کے، شوہر ثانی ہندہ کا، باہر چلاگیا اور کچھ خبر گیراں نہ ہوا، اب کچھ کم ایک سال کے بعد بتحریک ورثہ ہندہ ونیز بخواہش خود ہندہ کو اپنے پاس بلانا چاہتا ہے لیکن اب ہندہ وورثہ ہندہ اس کے یہاں بھیجنے پر رضامند نہیں اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح درمیان عدت کے جائز نہیں تھا اب نکاح ثالث کسی شخص دیگر سے کرنا چاہتی ہے آیا یہ نکاح بلاطلاق جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس دوسرے شخص کو وقت نکاح معلوم تھا کہ عورت ہنوز عدت میں ہے یہ جان کر اس سے نکاح کرلیا جب تو وہ زنائے محض تھا عدت کی کچھ حاجت نہیں نہ طلاق کی ضرورت بلکہ ابھی جس سے چاہے نکاح کرے جبکہ شوہر اول کی عدت گزر چکی ہو اور اگر اسے عورت کا عدت میں ہونا معلوم نہ تھا تو طلاق کی اب حاجت نہیں مگر متارکہ ضرور ہے یعنی شوہر کا عورت سے کہنا کہ میں نے تجھے چھوڑدیا یا عورت کا اس سے کہہ دینا کہ میں تجھ سے جدا ہوگئی، اس کے بعد عدت بیٹھے عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے۔ درمختار میں ہے:

لاعدۃ لوتزوج امرأۃ الغیرعالما بذٰلك ودخل بھا وبہ یفتی [1]۔	دوسرے کی منکوحہ عورت سے یہ جانتے ہوئے کہ منکوحہ ہے، نکاح اور دخول کرنے سے عدت نہ ہوگی، اسی پر فتوی ہے (ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۹

ردالمحتار میں ہے:

اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انہا للغیر [1]۔	غیر منکوحہ اور معتدہ کو جانتے ہوئے بھی اس سے نکاح اور دخول کی وجہ سے عدت واجب نہ ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

فسخ ھذا النکاح یصح من کل منہما بمحضر الاخر اتفاقا والفرق بین المتارکۃ والفسخ بعید کذافی البحر [2]۔	ان مرد وعورت میں سے ہر ایک کی طرف سے اس نکاح کا فسخ باتفاق دوسرے کی موجودگی میں متارکہ سے صحیح ہوجاتا ہے کیونکہ متارکہ اور فسخ میں یہاں فرق بعید ہے، جیساکہ بحر میں ہے۔(ت)

اسی میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے: **الحق عدم الفرق ولذاجزم بہ المقدسی** [3] (فرق نہ ہونا ہی حق ہے، اسی لیے مقدسی نے اس پر جزم کیا ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۴: از شہر کہنہ لاڈلے میاں صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی حقیقی بہن کی رضاعی بہن زید کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حقیقی بہن کی رضاعی بہن ہونا خود یہ رشتہ موجب حرمت نہیں جبکہ اس کے ساتھ کوئی مروجہ حرمت نہ پائی جائے، مثلا اگر حقیقی بہن کی رضاعی بہن یوں ہے کہ اس نے اس کی ماں یا باپ کا دودھ پیا ہے تو وہ خود اس کی بھی رضاعی بہن ہوئی اور اس پر حرام ہے، اور اگر یوں ہے کہ زید کی بہن نے اس لڑکی کی ماں کا دودھ پیا یا دونوں نے تیسری عورت کا دودھ پیا جس سے زید کو کوئی علاقہ نہیں تو اس صورت میں وہ لڑکی زید پر حرام نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۵: از مقام بیادرہ ایجنسی بھوپال ملک مالوہ مرسلہ محمد عاشق صاحب اہلکار نظامت ۲۹ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سائلہ اپنی حیات میں بخواہش اولاد چاہتی ہے کہ میرا

---

[1] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۰

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۲

[3] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۲

شوہر میری ہمشیرہ حقیقی بیوہ کے ساتھ اپنا عقد کرلیوے اور شوہر اس کا رضامند ہے جو کچھ کہ حکم شرع شریف میں سے ہو، آگہی بخشی جائے۔

الجواب:

جب زوجہ مرجائے یا اسے طلاق دے اور عدت گزر جائے تو اس وقت زوجہ کی بہن سے نکاح جائز ہوتا ہے بغیر اس کے حرام قطعی اور مثل زنا ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ[1] (حرام ہے جمع کرنا دو بہنوں کو۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فلا تعرضن علیّ بناتکن ولا اخواتکن[2]۔	اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو (اے میری ازواج!) مجھ پر مت پیش کرو۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۶: ۱۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح سالی کی لڑکی سے بعد فوت بی بی کے درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زوجہ کا انتقال ہوتے ہی فوراً اس کی بھتیجی بھانجی سے نکاح جائز ہے،

لعدم الجمع نکاحا ولا عدۃ اذلا عدۃ علی الرجل کما حققہ فی العقود الدریۃ۔	بوجہ عدم اجتماع کے نکاح اور عدت میں کیونکہ مرد پر عدت نہیں ہوتی جیسا کہ عقود الدریہ میں تحقیق فرمائی۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۷: مسئولہ ثناء اللہ صاحب متصل سرائے خام ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا، بعد نکاح کے چھ مہینے کے واسطے سفر کو گیا داماد کو اور اپنی بیٹی کو مع لڑکی کے مکان پر چھوڑ گیا، بعد واپس آنے سفر کے دیکھا کہ بیوی منکوحہ اپنی کو حاملہ پایا، بعد تحقیقات کے معلوم ہوا کہ حاملہ داماد سے ہوئی تھی، آیا لڑکی اس کی داماد کے نکاح سے علیحدہ ہوگئی یا نہیں؟ اور طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور مہر اس لڑکی کا بذمہ داماد رہا یا نہیں؟ اور زوجہ اس کی بعد وضع حمل کے اس کی رہی یا نہیں؟ اور داماد کے نکاح میں اس کی زوجہ

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] مسند احمد بن حنبل خطب علی رضی اللہ عنہ ومواعظہ دار الفکر بیروت ۶/ ۳۰۹

آسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چھ مہینے بلکہ دوسال سے ایک دن کم کے بعد واپس آکر عورت کو حاملہ پانے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ حمل دوسرے کا ہے، اور بدگمانی قطعی حرام ہے، اور تحقیقات اگر بذریعہ شہود یعنی لوگوں نے گواہی دی کہ اس کی زوجہ نے داماد سے زنا کیا تو یہ قریب بہ ناممکن ہے، شہادت کے لیے عدالت درکار ہے، جو یہاں گویا عنقا ہے، پھر ثبوت زنا کے لیے چار مرد عادل کا مشاہدہ ضرور کہ انھوں نے اپنی آنکھ سے اس کا اندام اس کے بدن میں سرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھا، یہ کہاں متصور! لوگ محض قرائن وقیاسات پر اڑادیتے ہیں، اس پر اعتبار نہیں اور وہ سب شرعًا اسی اسی کوڑے کے مستحق ہوتے ہیں۔

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۱۷﴾ [1]	اللہ تعالٰی انھیں فاسق فرماتا ہے اور حکم دیتاہے کہ ایمان رکھتے ہو تو پھر ایسی بات زبان سے نہ نکالنا۔

تحقیقات کا تو یہ حال ہے یہ تو تہمت زنا رکھنے کا حکم تھا، ہاں ثبوت مصاہرت کے لیے دو گواہ بھی کافی ہیں، اگرچہ صرف مس بہ شہوت کی گواہی دیں، اور اگر کوئی گواہ نہ ہو تو عورت اور داماد اپنے حال سے خوب آگاہ ہیں اور ان کا رب ان سے زیادہ ان کا حال جانتا ہے، اگر واقعی اس نے بشہوت اس عورت کے بدن کو صرف ہاتھ لگایا تو جب بھی اس کی منکوحہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہوگئی، وہ اس کی بیٹی ہوگئی اور ساس تو اس کی ماں تھی، اب وہ دونوں ماں بیٹیاں اس پر ابدالآباد تک حرام ہیں۔ کسی طرح کبھی ان سے نکاح نہیں ہوسکتا، اس پر فرض ہے کہ اپنی زوجہ کو چھوڑدے اور اس کا مہر ادا کردے، زوجہ زید بدستور نکاح میں ہے زنا کے سبب اس کے نکاح میں خلل نہ آیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۸: ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے نکاح ثانی کیا، اس کے ایک لڑکی شوہر اول سے ہے، اب اس کا نکاح شوہر ثانی کے بھائی سے کرنا چاہتی ہے جو اس لڑکی کا سوتیلا چچا ہے، یہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ماں کا شوہر ثانی نہ اپنا باپ ہے، نہ اس کا بھائی اپنا چچا نہ سگا نہ سوتیلا، سوتیلا چچا وہ ہے کہ اپنے

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۷

باپ کا سوتیلا بھائی ہو۔نہ وہ کہ سوتیلے باپ کا بھائی ہو، یہ نکاح حلال ہے،قال تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ[1] (محرمات کے ماسوا عورتیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۹: ۲۰رجب المرجب ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ زید کے پدر ومادر سے خسر اور خوشدامن کو بوجوہ ناروا ناراضی پیدا ہوئی لہٰذا زید کی زوجہ کو خسر خوشدامن نے طلب کیا، زید اور پدر ومادر زید نے کہا کہ ناراضی فیما بین کی دور ہوجائے تو زوجہ کو بھیجیں گے۔اس پر بکر کے مکان سے کہ وہاں بتقریب دنیاوی زوجہ زید کی گئی تھی زبردستی جاکے خسر کے بھیجے ہوئے آدمی اور خوشدامن زوجہ کو لے گئے اب جب زید نے چاہا کہ میری زوجہ میرے گھر آئے تو خسر اور خوشدامن مجیب ہوئے کہ زید نے تو طلاق دے دی اور جھوٹے گواہ بھی بنائے،اور خود ارادہ دوسرے شخص سے نکاح کا خسر وخوشدامن رکھتے ہیں، پس یہ نکاح ثانی بدون طلاق زوج اول کے جائز ہوگا یا ناجائز اور وطی زوج ثانی سے حرام ہوگی یا حلال؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے تو نکاح ثانی محض باطل ہوگا اور زوج ثانی سے وطی نری زنا ہوگی، جتنے لوگ اس سخت شدید کبیرہ عظیمہ میں اس حال سے آگاہ ہو کر شریک ہوں گے سب سخت گنہ گار ومستحق عذاب نار ہوں گے اور ان میں پہلے عذاب دوزخ کا استحقاق جھوٹے گواہوں کو ہوگا جن کی ناپاک گواہی ایسے ناپاک فاحشہ بات کی تمہید ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجھا[2]۔رواہ الامام احمد وابن حبان والبزار والحاکم وقال صحیح واقروہ عن بریرۃ وابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ وابویعلی بسند جید والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس وفی الصغیر ونحوہ فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں (اسے امام احمد، ابن حبان، بزار اور حاکم نے صحیح کہہ کر اور دوسرے نے ثابت مان کر، حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ابوداؤد اور حاکم بسند صحیح ابوہریرہ سے ابو یعلٰی نے سند جید سے اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے اور طبرانی صغیر میں اوسط کی مثل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فیمن خبب امرأۃ علی زوجھا آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

جب کسی عورت کو شوہر سے بگاڑ دینے پر یہ حکم ہے تو **معاذاللہ** عورت کو شوہر سے توڑ کر دوسرے کے نکاح میں کرادینا کیسا اشد ظلم ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عدلت شھادۃ الزور بالاشراك باللّٰه، عدلت شھادۃ الزور بالاشراك باللّٰه، عدلت شھادۃ الزور بالاشراك باللّٰه، ثم قرأ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور [1]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن خزیم بن فاتك رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	جھوٹی گواہی بت پوجنے کے برابر کی گئی، جھوٹی گواہی بت پوجنے کے برابر کی گئی، جھوٹی گواہی بت پوجنے کے برابر کی گئی، (تین بار اسے فرماکر) حضور نے یہ آیت اس کی سند میں پڑھی کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے بچو ناپاکی سے کہ وہ بت ہیں اور بچو جھوٹی گواہی سے۔ (اس کو ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے خزیم بن فاتک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لن تزول قدما شاھد الزور حتی یوجب اللّٰه له النار [2]۔ رواہ ابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر والحاکم وصحح سندہ عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	ہرگز جھوٹے گواہ کے پاؤں جگہ سے ہٹنے نہ پائیں گے، کہ اللہ تعالٰی اس کے لیے جہنم واجب کردے گا۔ (اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابن ماجہ اور حاکم نے سند کو صحیح قرار دے کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

جب مطلق جھوٹی شہادت کا یہ وبال ہے جس میں پیسہ دو پیسہ مال پر جھوٹی گواہی بھی داخل تو شہادت کذب سے کسی کے ناموس کو برباد کردینا کس قدر موجب غضب الٰہی ہوگا **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت دے۔ آمین!

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۰: از بدایوں مولوی ٹولہ مرسلہ شیخ نذر اللہ صاحب ۳۰ شوال ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، ایک عورت اس کے نکاح میں تھی، بعدہ اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا، اب وہ دونوں سگی بہن اس کے پاس ہیں، جب ساس سے کہا جاتا ہے

---

[1] سنن ابی داؤد باب فی شھادۃ الزور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۰۔۱۵۱، سنن ابن ماجہ باب فی شھادۃ الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۳

[2] سنن ابن ماجہ باب فی شھادۃ الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۳

تو کہتا ہے یہ امام شافعی کے مذہب میں جائز ہے۔اس صورت میں اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دو بہنوں کا ایک شخص کے نکاح میں ہونا حرام قطعی ہے،اس کی حرمت ایسی نہیں کہ کسی امام نے اپنے اجتہاد سے نکالی ہو جس میں دوسرے امام کو خلاف کی گنجائش ہو،نہ اس کی حرمت کسی حدیث احاد سے ہے کہ جسے وہ حدیث نہ پہنچے یا اس کی صحت اسے ثابت نہ ہوئی وہ انکار کرسکے بلکہ اس کی حرمت قرآن عظیم نے خاص اپنی نص واضح صریح سے ارشاد فرمائی ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ (الٰی قولہ عزوجل) وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ [1] ۔الآیۃ۔	حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں،(اللہ عزوجل کے اس قول تک)اور یہ کہ اکٹھی کرو دو بہنیں۔الآیۃ

دیکھو جس طرح آدمی پر اس کی ماں بہن بیٹی حرام ہے اسی طرح دو بہنوں کو جمع کرنا اس پر حرام ہے،زید نے امام شافعی پر سخت جھوٹا افترا کیا اور اب تک تو وہ اس ناپاک فعل سے فقط حرام کار و مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب نار تھا اب مسلمانوں کے اماموں میں مختلف فیہ مان کر اس کی حرمت کا منکر ہوا اور اس کا کام سرحد کفر تک پہنچا،اس کا معاملہ بہت سخت ہوگیا،اسے امام بنانا حرام ہے اس کے پیچھے نماز محض باطل ہے،مسلمانوں پر لازم ہے کہ جب تک وہ اپنے اس ناپاک فعل سے باز نہ آئے اس دوسری کو الگ کرکے جدا نہ کردے اپنے اس نجس تر قول سے توبہ نہ کرے نئے سرے سے تجدید اسلام نہ کرے جب تک اس کے پاس نہ بیٹھیں اس سے میل جول نہ کریں ورنہ خوف کریں کہ اس کی آگ انھیں بھی نہ پھونک دے،**قال اللہ تعالٰی:**

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً [2] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	ایسے فتنے سے بچو جو صرف ظالموں تک محدود نہ رہے گا (ت)**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۱: مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ساکن امرتسر کٹرہ حکیماں نزیل بریلی ۵ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو زوجہ تھیں،زوجہ اولٰی سے ایک بیٹا عمرو اور ثانیہ سے تین بیٹے بکر،خالد،ولید ہوئے،عمرو کا بیٹا سعید ہوا،سعید کی دختر لیلٰی تھی،لیلٰی دختر سلمٰی ہے،یہ سلمی

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/۴

[2] القرآن الکریم ۲۵/۸

عمرو کے بیٹے سعید کی نواسی عمرو کے سوتیلے بھائیوں بکر و خالد و ولید پر حرام ہے یا حلال؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب

سلمٰی اپنی ماں لیلٰی کے ان سب سوتیلے داداؤں پر ایسے ہی حرام ہے جیسے اس کے سگے دادا عمرو پر، وہ ان سب کی بیٹی ہے، اسے ان میں سے کسی کے لیے حلال جاننا نص قطعی واجماع امت کا انکار اور موجب کفر ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ [1]۔	تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں تم پر حرام کی گئی ہیں۔ (ت)

اللہ تعالٰی بھائی کی بیٹیوں کو حرام فرماتا ہے، اور بھائی عام ہے سگا ہو خواہ سوتیلا، ماں جدا ہو خواہ باپ جدا، اور بیٹیاں عام ہیں خواہ بھائی کی اپنی بیٹی ہو یا پوتی یا نواسی یا اس کے بیٹے کی بیٹی، پوتی، نواسی آخر تک، عالمگیریہ میں ہے:

اما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت لام وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن [2]۔	بہنوں کا حرام ہونا تینوں قسم، سگی، باپ یا ماں کی طرف سے بہن کو شامل ہے اور اسی طرح بھائی اور بہن کی بیٹیوں کے بارے میں نیچے تک (ت)

تفسیر کبیر میں بیان بنت صلبی میں ہے:

کل انثی یرجع نسبھا الیك بالولادۃ بدرجۃ او بدرجات باناث او بذکور فھی بنتك [3]۔	ہر وہ عورت جس کا صلبی نسب ایک درجہ یا کئی درجات سے مرد وعورت کے ذریعہ تیری طرف پلٹے وہ تیری بیٹی ہے (ت)

اسی میں ہے:

القول فی بنات الاخ وبنات الاخت کالقول فی بنات الصلب فھذہ الاقسام السبعۃ محرمۃ فی نص الکتاب بالانساب [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم	بھتیجیوں اور بھانجیوں کا حکم صلبی بیٹی کی طرح ہے، تو سات قسم کی یہ عورتیں نسب کی بناپر قرآنی نص سے حرام ہیں (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ باب فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۳

[3] تفسیر کبیر تحت آیت حرمت علیکم امہاتکم الخ مطبع بالمطبعۃ البھیۃ المصریۃ ۱۰/ ۲۸

[4] تفسیر کبیر تحت آیت امہاتکم الذی ارضعنکم الخ مطبع بالمطبعۃ البھیۃ المصریۃ ۱۰/ ۲۹

مسئلہ ۲۲۲: از پورن پور ضلع پیلی بھیت ۱۴ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں، زید اپنی عورت چھوڑ کر مر گیا، عورت بیوہ اندر ایام عدت کے عمرو سے مرتکب زنا کی ہوئی حاملہ، حمل زنا کا قرار پاگیا، عدت کے ایام اب گزر گئے، عمرو مستدعی نکاح کا اسی عورت سے ہے، اب نکاح جائز ہے اور وطی کرنا قبل استبرا کے بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور کفارہ ذمہ زانی وزانیہ کے عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ جواب سے مشرف فرما کر داخل اجر وحسنات ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وفات شوہر کی عدت گزر گئی تو اب عورت کو نکاح جائز ہوگیا اور وضع حمل کا انتظار زانی خواہ غیر زانی کسی کو ضرور نہیں کہ حمل جو اثنائے عدت وفات میں حادث ہو اس سے عدت موت کہ چار مہینے دس دن ہے نہیں بدلتی، ردالمحتار میں ہے:

فی النھر ان المعتدۃ لو حملت فی عدتھا ذکر الکرخی ان عدتھا وضع الحمل ولم یفصل والذی ذکرہ محمد ان ھذا فی عدۃ الطلاق امافی عدۃ الوفاۃ فلاتتغیر بالحمل وھو الصحیح کذافی البدائع[1]۔	نہر میں ہے کہ اگر عدت کے دوران معتدہ کو حمل ہو جائے تو کرخی نے کہا کہ اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش تک ہوگی، اس کی تفصیل بیان نہ کی کہ کون سی عدت میں یہ حکم ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جو ذکر فرمایا وہ یہ ہے کہ مذکورہ حکم طلاق کی عدت کا ہے لیکن عدت وفات ہو تو اس کا حکم تبدیل نہیں ہوگا، یہی صحیح ہے جیسا کہ بدائع میں ہے۔(ت)

فرق اتنا ہے کہ خود عمرو جس کے زنا سے یہ حمل رہا ہے وہ اب اگر نکاح کرے تو اسے فی الحال وطی جائز اور دوسرے شخص سے نکاح صحیح ہے مگر اسے تا وضع حمل زنا عورت کو ہاتھ لگانا ناجائز ہوگا۔ درمختار میں ہے:

صح نکاح حبلی من زنا وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع لونکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا[2]۔	زنا سے حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے اگر اس سے وطی اور اس کے دواعی بچے کی پیدائش تک حرام ہے لیکن اگر زانیہ حاملہ سے خود اس کا زانی نکاح کرے تو اس کو وطی بالاتفاق حلال ہے(ت)

[1] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۴

[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

زانی و زانیہ پر جو حد شرع مطہر نے لازم فرمائی ہے وہ یہاں کہاں، مگر توبہ فرض ہے اور اللہ عزوجل کا عذاب سخت ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۳تا۲۲۶: از اکبرآباد مرسلہ محمد عبدالرزاق صاحب پانی پتی اڈیٹر رسالہ ہمدرد اسلام آگرہ ۹ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے اپنے لڑکے کی شادی اپنے حقیقی بھائی کی بیٹی سے کردی یا تایا چچازاد دو بھائیوں نے آپس میں اپنے لڑکے اور دوسرے بھائی کی بیٹی سے نکاح کردیا از روئے شرع شریف یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، اور چچازاد بہن تایازاد بھائی پر اور تایازاد بھائی کی دختر چچازاد بھائی کے پسر پر حلال ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جائز اور حلال ہے تو جو شخص اس حکم کو نہ مانے اور یہ کہے کہ گو یہ مسئلہ شرع شریف کا ہے لیکن ہم اس پر عمل نہیں کرتے کہ ہماری برادری اور باپ داداؤں سے کبھی ایسا نہیں ہوا تو ایسے لوگوں سے ملنا جلنا اور برادرانہ برتاؤ رکھنا کیسا ہے اور نیز ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی گروہ ایسے نکاح کرنے والے کا حقہ پانی، میل جول برادرانہ بند کردیں اور اس نکاح کو ننگ و ناموس قومی تصور کریں تو ان سے میل جول رکھنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) اگر ایسے لوگوں کی مخالفت سے ماں باپ ناراض ہوں تو باطاعت والدین گو مخالفت شرع شریف ہوجائے ان سے میل جول رکھنا چاہئے یا اطاعت شریعت مقدم رکھے گو والدین ناراض ہوجائیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دو بھائی حقیقی ہوں خواہ عم زادہ، ان میں ہر ایک کی اولاد دوسرے کی اولاد پر قطعاً یقینا باجماع امت جائز و حلال ہے، چچا ماموں خالہ پھوپھی کی اولاد کو بہن بھائی کہنا ایک مجازی بات ہے جسے ہرگز آیہ کریمہ محارم کے کلمات **اخواتکم، یا بنت الاخ وبنت الاخت** (تمھاری بہنیں یا تمھاری بھتیجیاں اور بھانجیاں۔ت) کسی اسلامی مذہب میں شامل نہیں بلکہ نص قطعی قرآن عظیم گواہ ہے کہ یہ عورتیں ہرگز بہنوں میں داخل نہیں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ	اے نبی! بیشک ہم نے حلال کیں تمھارے لیے تمھاری زوجات جن کے مہر تم نے دئے اور تمھاری کنیزیں جو اللہ نے تمھیں غنیمت میں دیں اور تمھارے چچا کی

وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الآیۃ۔[1]	بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور ماموؤں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں۔الآیۃ۔

ہاں ہنود عنود نے انھیں حقیقی بہن کی طرح سمجھا ہے جیسے متبنی کو بزعم باطل بیٹا اور اس کی زوجہ کو حقیقی بہو کے مثل جانتے ہیں، مشرکان عرب اس پچھلے مسئلے میں مشرکان ہند کے ہم خیال تھے جس پر ان سفہا نے نکاح حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا پر طعن واعتراض کئے اور قرآن عظیم نے ان کے شیطانی خیال ان کے منہ پر مار دئے،

قال اللہ تعالٰی: فَلَمَّاقَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَاوَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَایَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىٕهِمْ اِذَاقَضَوْامِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ[2]۔	جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو اس کو ہم نے آپ سے بیاہ دیا تاکہ مومنین کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی مدخولہ مطلقہ بیویوں سے نکاح کے بارے حرج نہ ہو۔ (ت)

مگر عم و عمہ وخال وخالہ کی بیٹیوں کو مشرکین عرب بھی بہن نہ جانتے تھے ان سے مناکحت ان میں بھی رائج تھی اور مسلمانوں میں بھی ہمیشہ رائج تھی اور اب تمام ممالک اسلامیہ میں شائع وذائع ہے اس کی سب سے اعلٰی نظیر حضرت ام حسن مثنٰی وحضرت فاطمہ صغرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا نکاح ہے کون نہیں جانتا کہ حضرت حسن مثنٰی حضرت امام حسن مجتبٰی کے صاحبزادے ہیں اور حضرت فاطمہ صغرٰی حضرت امام حسین شہید کربلا کی صاحبزادی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، پھر یہ ان کے نکاح میں تھیں، حضرت امام عبداللہ محض رضی اللہ تعالٰی عنہ انہی دونوں پاک مبارک والدین سے پیدا ہوئے انھیں محض اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دنیا میں پہلے شخص تھے جن کے ماں باپ دونوں بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہا الکریم وعلیہا وسلم کی اولاد امجاد ہیں، باپ حضرت خاتون جنت کے پوتے اور ماں ان کی پوتی، صحیح بخاری شریف میں ہے:

لما مات الحسن بن الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم ضربت امرأتہ القبۃ علی قبرہ سنۃ[3]۔	جب حسن بن حسن بن علی (رضی اللہ تعالٰی عنہم) فوت ہوئے تو ان کی بیوی نے ایک سال تک ان کی قبر پر خیمہ لگایا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۳۳/۶

[2] القرآن الکریم ۳۳/۳۷

[3] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۷

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے:

(امرأته)فاطمة بنت الحسن بن علی رضی الله تعالٰی عنهم وهی ابنة عمهم[1]۔	بیوی سے مراد فاطمہ بنت حسن بن علی (رضی اللہ تعالٰی عنہم) ہے جو ان کی چچازاد ہیں (ت)

یہ نیا مسئلہ خاص مشرکین ہند کی گھڑت ہے وہ بھی ہندوستان کے بعض شہروں کے لیے دیگر مثل دکن کے سکان کو شاید وہ بھی حلال مانتے ہیں۔ ہنود عنود کو تو آسان ہے کہ ان کا امام ہوائے نفس و شیطان ہے، عجب اس سے جو دعوی اسلام رکھے قرآن عظیم کو اپنا امام جانے اور پھر خلاف قرآن مسائل شیطان مانے والعیاذ باللہ رب العالمین، غالبًا یہ ایسے ہی لوگوں کے ناپاک اوہام ہو سکتے ہیں جن کے باپ دادا ہندو تھے اسلام لائے تھوڑا زمانہ گزرا ہوا اور رہے جاہل بے شعور اور صحبت اہل علم سے دور، دل میں وہی خیالات بے معنی جمے ہوئے ہیں اور موروث ہونے کے باعث گویا طبیعت ثانیہ ہوگئے ہیں اب کہ حکم قرآن عظیم معلوم ہوا طبعی گھن کہ اس سے چڑھی ہوئی ہے اس کے امتثال سے مانع آتی ہے جیسے کوئی پرانا پجاری برہمچاری خوبی قسمت سے مشرف بہ اسلام ہو جائے اور اس کے سامنے نوجوان گھتی کا نفیس عمدہ فربہ تازہ سرخ بریاں خوشبو خوشنما نرم چکنا چپٹا سلونا گوشت پیش کیا جائے تو عادت قدیمہ کے باعث یکایک اس کی ہمت اس لذیذ نوالے کے لیے یاری نہ دے گی بلکہ دیکھتے ہی آنکھ بند ہو جائے گی، اگر فی الواقع ان لوگوں کے انکار کا صرف اسی قدر منشا ہے خوب جانتے ہیں، اور ایمان لاتے ہیں کہ یہ نکاح حلال ہیں ان میں کوئی قباحت نہیں، اور ہنود کہ انھیں حرام سمجھتے ہیں یہ ان کا شنیع و قبیح زعم ہے باایں ہمہ اس عادت قدیمہ کے سبب اس سے جھجکتے بچتے ہیں جب تو کفر نہیں مگر یہ خیال ناپاک رسوم کفر کا بقیہ ہے ان پر فرض ہے کہ اسے دل سے دور کریں اور پورے پورے اسلام میں داخل ہوں ورنہ عذاب الٰہی کے منتظر رہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ(۲۰۸) فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ(۲۰۹) هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُؕ وَ اِلَى اللّٰهِ	اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمھارا صریح دشمن ہے پھر اگر لغزش کرو بعد اس کے کہ تمھارے پاس آچکیں روشن آیتیں تو جان رکھو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے یہ لوگ کس انتظار میں ہیں مگر یہی کہ آئے ان پر اللہ کا عذاب بادل کی گھٹاؤں میں

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۲۹/۲

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾[1]	اور فرشتے اور ہو چکے ہونے والی،اور اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں سب کام۔

جلالین شریف میں ہے:

نزل فی عبداللّٰہ بن سلام واصحابہ لما عظموا السبت عـــہ وکرھوا الابل بعد الاسلام ادخلوا فی السلم ای الاسلام کافۃ ای جمیع شرائعہ[2] (ملخصاً)	جب عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے ہفتہ کا دن منانا چاہا اور سابقہ دین کے پیش نظر اونٹ کے گوشت کو ناپسند کیا تو آیہ کریمہ "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" نازل ہوئی یعنی داخل ہو جاؤ سلم میں،سلم سے مراد اسلام ہے یعنی یہ کہ پوری شریعت اسلامیہ کو اپناؤ۔(ملخصا)(ت)

یعنی جب علمائے یہود مشرف باسلام ہوئے عادت قدیمہ کے باعث اونٹ کے گوشت سے کراہت کی کہ یہود کے یہاں اونٹ حرام تھا اور تعظیم شنبہ کا عزم کیا کہ یہود میں ہفتہ معظم تھا اس پر حق سبحنہ وتعالٰی نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اس کے سب احکام مانو ورنہ عذاب الٰہی کے منتظر رہو والعیاذ باللہ تعالٰی۔اگر یہ لوگ نہ مانیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ ان سے میل جول نہ کریں خصوصا جن سفہا نے وہ ناپاک کلمہ کہا کہ "گویہ مسئلہ شرع کا ہے مگر ہم الخ" اور جنھوں نے ایسے نکاح کرنے والے کو برادری سے خارج کردیا وہ سخت ظالم اور شدید مجرم ہیں مسلمانوں کو ان سے احتراز ضرور ہے۔

قال اللہ تعالٰی: وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ[3] ۔	ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمھیں چھوئے دوزخ کی آگ۔

ان کے پیچھے نماز ممنوع ہے کہ وہ اس تعصب وتشدد کے باعث فاسق معلن ہوئے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ، کما نص فی الغنیۃ وغیرھا وحققناہ فی النھی الاکید (جیسا کہ اس پر غنیہ وغیرہا میں نص کی ہے اور ہم نے اس کی تحقیق اپنے رسالہ النھی الاکید میں کی ہے۔ت

عـــہ: مصدر منہ قولہ تعالٰی ویوم لایسبتون لاتاتیھم والمعنی تعظیم السبت ۱۲ منہ غفرلہ(م)	یہ مصدر ہے،اسی سے ہے اللہ تعالٰی کا قول "یوم لایسبتون لاتأتیھم" روز ہفتہ کے علاوہ دنوں میں مچھلیاں انکے پاس نہ آتیں اور اس سے مراد روز ہفتہ کی تعظیم ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸تا۲۱۰

[2] تفسیر جلالین زیر آیۃ ادخلوا فی السلم کافۃ اصح المطابع کراچی ص۳۱

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۳

اسی صورت میں حتی الوسع کوشش کرے کہ والدین راضی رہیں اور ان کی مرضی کی مخالفت سے بھی نجات ملے ورنہ ظاہری مخالفت اس قدر کہ منجر بہ معصیت نہ ہو مجبورانہ محض والدین کے دکھانے تک بجالائے۔

فان ایذاء ھما من اشدالکبائر ولیست مخالفتھم علی ماوصفنا فی السوء والشناعۃ مثل العقوق ومن ابتلی بلیتین اختار اھونھما وقد کان سیدنا عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما حامل لواء صفین مع ابیہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ طاعۃ لہ من دون قتال مع علمہ ان الحق مع امیرالمومنین علی کرم اللّٰہ وجھہ وکان یعتذر عن ذلك بان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ بطاعۃ ابیہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم۔	والدین کو اذیت دینا گناہ کبیرہ ہے، اور بری باتوں اور غلط امور میں ان کی مخالفت والدین کی نافرمانی جیسی بات نہیں ہے، اور جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ دونوں میں سے آسان کو اختیار کرے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے والد کے حکم پر جنگ صفین میں علم بردار تھے اور جنگ میں شرکت نہ چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حق پر ہیں انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے والد کی اطاعت کی پابندی کے حکم کے عذر سے والد کی موافقت کی۔ (ت)

اور اگر معاذاللہ اس انکار کی وجہ یہ ہو کہ اس نکاح کو واقع میں حرام جانتے اور حکم شرع کو باطل مانتے مسئلہ کفار کو صحیح وحسن سمجھتے ہیں جب تو صریح کفار مرتدین ہیں ان سے میل جول قطعی حرام، اب اس صورت میں ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں، ان سے ہمبستری زنا ہوگی، اولاد ولد الزنا ہوگی، ان کے پیچھے نماز باطل محض، ان سے میل جول میں والدین کی اطاعت ناجائز، ان سے مخالفت وجدائی لازم، اگرچہ ماں باپ ناراض ہوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللّٰہ تعالٰی [1]۔ رواہ البخاری ف ومسلم وابوداؤد والنسائی امیر المومنین علی کرم اللّٰہ وجھہ۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔ (اس کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔ ت)

[1] مسند امام احمد بن حنبل بقیہ حدیث الحاکم بن عمر والغفاری رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۶۶/۵

ف: بخاری ۱۰۷۸/۲، مسلم ۱۲۵/۲، سنن ابی داؤد ۳۵۳/۱ اور سنن النسائی ۱۸۶/۲ سب کے الفاظ یوں ہیں:

لاطاعۃ فی معصیۃ اللّٰہ انما الطاعۃ فی المعروف۔ نذیر احمد سعیدی

غمز العیون میں ہے:

اتفق مشائخنا من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل ترك الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس اوترك المضاجعة عندهم حال الحیض حسن فهو کافر۔[1]	ہمارے مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفار کے شعائر کو پسند کرنے والا کافر ہے، حتی کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص مجوسیوں کے شعار، کھانا کھاتے وقت بات چیت کے ترک، کو اچھا کہے یا حالت حیض میں بیوی کے ساتھ ایک بستر میں لیٹنے کے ترک، کو مجوسیوں کی وجہ سے اچھا کہے وہ کافر ہے(ت)

اور اتنا حکم تو پہلی صورت میں بھی ہے کہ جس نے وہ الفاظ انکار کہے احتیاطاً تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے، جامع الفصولین میں ہے:

قال لخصمه حکم الشرع کذا فقال خصمه من برسم کار می کنم بشرع نے قیل کفر وقیل لا[2]۔	جس نے اپنے مقابل کو کہا کہ حکم شرع یوں ہے اور مقابل کہے میں مروجہ رسم پر عمل پیرا ہوں شرع پر نہیں، تو بعض نے فرمایا وہ کافر ہوگیا اور بعض نے فرمایا نہ ہوا(ت)

در مختار میں ہے:

فی شرح الوهبانیة للشرنبلالی مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا ومافیه خلاف یومر بالاستغفار والتوبه وتجدید النکاح[3]. والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	شرح وھبانیہ شرنبلالی میں ہے کہ متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے حالت کفر کی اولاد اولاد زنا ہوگی، اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ و استغفار اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا ___ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم اور اس جل مجدہ کا علم اتم واکمل ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۲۷: از ملک بنگال ضلع پٹنہ ڈاکخانہ بنگاشی موضع مختار گاتی مرسلہ مصلح الدین صاحب ۱۲ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حقیقی بھانجا کی بیٹی سے نکاح جائز

---

[1] غمز العیون مع الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۹۵

[2] جامع الفصولین فصل فی تنفیذ الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۳۱۰

[3] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۱/۳۵۹

ہے یا نہیں؟ بادلیل عنایت ہو، بینوا توجروا

الجواب:

حرام قطعی ہے وہ خود اسی کی بیٹی ہے،

قال اللہ تعالٰی وَبَنٰتُ الْاُخْتِ[1] وھن یشملن بناتھا من بطنھا ومن ابنھا ومن بنتھا وان سفلن۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بھانجیاں جبکہ یہ لفظ بھانجی کی بیٹیوں، پوتیوں اور نواسیوں کو نیچے تک شامل ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۸:

چہ مے فرمایند علمائے دین وحامی شرع متین دریں مسئلہ کہ اگر مردے از طریق اہل سنت وجماعت وزنے از طریق اہل شیعہ وباہم مرد وزن صیغہ نکاح مروجہ بطریق اہل سنت وجماعت خواندہ باشد وہنوز خلوت صحیحہ بلکہ رسم رخصت مروجہ ہندوستان نہ شدہ باشد وحالا باہم رضامندی نہ، چہ حکم دارد، آیا نکاح صحیح ست یانہ؟ بینوا توجروا	علمائے دین وحامی شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مرد اہل سنت وجماعت ہو اور عورت اہل شیعہ میں سے، ان دونوں کا نکاح اہل سنت و جماعت کے طریقہ پر ہوا، اور ابھی خلوت صحیحہ بلکہ رخصتی نہ بھی ہوئی، جیسا کہ ہندوستان کا طریقہ ہے، جبکہ ابھی رضامند بھی نہ ہوں، تو ایسا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

آں زن اگر بسلامت قلب خود از عقائد مکفرہ بری ست نکاح صحیح شد وبعد نکاح عدم رضائے اعتبارے نے وحکما سپرد شوہر کردہ شود اگر در رنگ عامہ روافض زمانہ عقیدہ مکفرہ دارد، نکاح باو باطل محض ست نہ سنی را رسد نہ رافضی نہ یہودی نہ مجوسی ہیچ کس را لان المکفر من اھل الھوی کالمرتد حکمہ والمرتدۃ لاینکحھا مسلم ولاکافر اصلی ولامرتد	اگر وہ عورت خود دل سے عقائد کفریہ سے توبہ کرچکی ہے اور بری ہوچکی ہے تو نکاح صحیح ہے، اور نکاح کے بعد عدم رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں، ایسی عورت کو حکما شوہر کے سپرد کیا جائے گا، اور اگر وہ عورت موجودہ عام روافض جیسے کفریہ عقیدے رکھتی ہو تو اس سے نکاح باطل محض ہے، سنی رافضی اور مجوسی کسی کے لیے بھی وہ حلال نہیں کیونکہ اہل ہوی میں سے جن کو کافر قرار دیا گیا ہو وہ مرتد کی طرح ہیں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

مثلہا کما نصوا علیہ آرے اگر وقت نکاح از کفر بری بود تا آنکہ نکاح صحیح شدہ وحالا ارتکاب او کند تا از حبالہ نکاح بدر آید ایں حیلت ومکیدہ فاسدہ اش ہم بروئے زن زنند وحکم ببقائے نکاح ووجوب تسلیم نفس کنند کما ھو المختار الان للفتوی علی ما حققناہ فی فتاوٰنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور مرتد والا حکم رکھتے ہیں اور مرتدہ سے کسی مسلمان، اصلی کافر یا اس جیسے مرتد کو نکاح جائز نہیں، جیساکہ فقہاء کرام نے اس پر تصریح کی ہے، ہاں اگر نکاح کے وقت کفر سے بری تھی تو نکاح صحیح ہوا مگر اس کے بعد اب وہ عقائد کفریہ کا اظہار بطور حیلہ ومکر اس لیے کرتی تاکہ نکاح سے خلاصی حاصل کرے تو اس حیلہ ومکروفریب کو اس کے منہ پر دے مارا جائے اور نکاح کا حکم باقی رکھا جائے اور اس کو خاوند کے سپرد کرنا ضروری ہے جیساکہ آج کل فتوی میں مختار ہے جس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوی میں کردی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۹تا۲۳۱: مسئولہ جناب مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی مدرس اول مدرسہ منظر اسلام بریلی ۱۹ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سوتیلی خالہ سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کوئی شخص اگر ساس سے آشنائی اور صحبت کرے تو عورت اس کے نکاح سے باہر ہوجاتی ہے اور اس کی عدت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

(۳) ایسی دو عورتوں کا ایک وقت میں نکاح میں لانا کہ اگر ایک کو مرد اور ایک کو عورت قرار دیا جائے تو صورت محرمات میں آجائیں تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) خالہ سگی ہو یا سوتیلی، مثل ماں کے حرام قطعی ہے، **قال اللہ تعالٰی: وَخٰلٰتُکُمْ** (اور تمہاری خالائیں۔ت) درمختار میں ہے: **الاشقاء وغیرھن**[1] (سوتیلی وغیرہ۔ت) ہاں منکوحہ پدر کہ اس کی ماں نہیں تو اس کی سگی بہن بھی حلال ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، **قال تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ**[2] (تمہارے لیے ان محرمات کے ماسوا حلال کی گئی ہیں۔ت) مگر وہ اس کی خالہ نہیں کہ جس کی بہن ہے وہ اس کی ماں نہیں ہے مجازاً اور ادعائے مجاز بے قرینہ مدفوع ونا مسموع۔ اور بفرض غلط اگر سوتیلی ماں کی بہن،

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[2] القرآن الکریم ۴/۲۴

بھی سوتیلی خالہ ہو تو ماں کی سوتیلی بہن یقینا سوتیلی خالہ ہے بلکہ وہی اطلاقاً اکثر اور فہماً اظہر تو بعض عمائد غیر مقلدین سے تحلیل حرام و تضلیل عوام کے دونوں الزام مدفوع نہیں ہو سکتے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) سالی سے زنا عورت کو حرام نہیں کرتا، ساس کو بشہوت ہاتھ لگانے ہی سے عورت ہمیشہ کو حرام ہو جاتی ہے کہ کسی طرح اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی مگر نکاح نہیں جاتا بلکہ متارکہ ضرور ہے مثلا عورت سے کہہ دے میں نے تجھے چھوڑا یا ترک کر دیا، متارکہ کے بعد عدت واجب ہو گی جبکہ عورت سے خلوت کر چکا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) دو عورتیں کہ ان میں جس کو مرد فرض کریں دوسری اس پر ہمیشہ حرام ہو ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں خواہ ایک وقت میں خواہ مختلف اوقات میں۔ جیسے ماں بیٹی کہ بعد فرض ماں بیٹا یا باپ بیٹی ہوں گی اور اگر ایک کو مرد فرض کئے سے دوسری اس پر حرام ابدی ہو مگر دوسری کو مرد ٹھہرانے سے وہ پہلی حرام نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کر سکتے ہیں جیسے ساس بہو کہ ساس مرد ہو تو وہ خسر اور بہو ہیں، بہو خسر پر ہمیشہ حرام ہے اور اگر بہو مرد ہو تو اب ساس سے کوئی رشتہ نہیں وہ اس کے لیے حلال ہو گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۲تا ۲۳۳: از تحصیل ستار گنج ڈاک خانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ الٰہی بخش صاحب کاریگر

ہادی دین شرع متین جناب مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب دام مجدہم، بعد سلام دست بستہ کے التماس ہے آپ کی ذات مجمع کمالات ہم عاصیوں کے لیے باعث افتخار ہے اور ہر مشکل مسئلہ میں آپ سے عقدہ کشائی ہو کر کار ثواب میں داخل ہو کر کار نیک کے پابند ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک عورت بیوہ نے اپنی لڑکی نابالغ کو لڑکے کی زوجیت میں دیا، بعد تھوڑی مدت میں وہ لڑکی نابالغ مر گئی، بعد تھوڑی مدت کے اس عورت نے جو بیوہ پہلے سے تھی اب اس نے اپنے داماد سے نکاح کر لیا ہے اور اس نکاح سے اب ایک بچہ موجود ہے، آیا یہ نکاح درست ہے یا حرام ہے؟

(۲) ایک شخص نے ایک عورت بیوہ سے نکاح کر لیا، اس عورت بیوہ کا جو پہلا خاوند تھا اس سے ایک لڑکا تھا جو اب عورت کے دوسرے نکاح کرنے پر ہمراہ آیا تھا وہ لڑکا جوان ہو کر مر گیا اور اس کی ماں بھی مر گئی، اب اس جوان لڑکے کی بیوی بیوہ ہے اور اب اس لڑکے کا باپ یعنی اب سوتیلا ہے اور یہ سوتیلا باپ اس سوتیلے لڑکے کی بیوہ بیوی کو یعنی اب اپنی سوتیلی بہو کو یعنی اب سوتیلے بیٹے کی بیوی بیوہ کو نکاح میں لایا چاہتا ہے اور حرام بھی کیا ہے اور اسی وجہ سے وہ بیوہ بہو حاملہ ہے اور اس کا حمل قریبًا چار ماہ کا ہے اور اسی قدر عرصہ اس کے خاوند کو مرے ہوئے گزرا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد مرنے اپنے سوتیلے بیٹے کے وہ شخص اپنی

سوتیلی بہو کے ساتھ فعل کرتا رہا، اب یہ نہیں معلوم کہ حمل بیٹے کا ہے یا باپ کا، البتہ قرین قیاس یہ ہے کہ سوتیلے بیٹے کا یعنی اس کے شوہر کا ہے کیونکہ اس کے شوہر کو مرے ہوئے بھی عرصہ چار ماہ کا گزرا ہے، آیا بعد وضع حمل کے نکاح ہونا یعنی سوتیلے بیٹے کی بیوہ بیوی سے خسر سوتیلے کا جائز ہے یا ناجائز؟ والسلام، دوسرے مسئلہ کا اصل قصہ مختصر یہ ہے کہ سوتیلے بیٹے کی بیوہ بیوی کو سوتیلا خسر اپنے نکاح میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) ساس پر داماد مطلقاً حرام ہے اگرچہ اس کی بیٹی کی رخصت نہ ہوئی ہو اور قبل رخصت مر گئی ہو، **قال اللہ تعالٰی: وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ**[1] (اور تمھاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں) یہ نکاح حرام محض ہوا، وہ بچہ ولد الحرام ہوا، ان دونوں پر کہ حقیقۃً ماں بیٹے ہیں فرض ہے کہ فوراً جدا ہو جائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جبکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس بیوہ کا یہ حمل اپنے شوہر کا ہو، تو جب تک وضع حمل نہ ہو اس سے نکاح قطعی حرام ہے، بعد وضع حمل نکاح کرسکتا ہے **لقولہ تعالٰی: وَحَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ**[2] (اور تمھارے نسبی بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں، ت) **مع قولہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ**[3] (اللہ تعالٰی کے اس قول کے پیش نظر: اور تمھارے لیے ان کے ماسوا حلال کی گئیں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: مسئولہ مولوی محمد امانت الرسول صاحب از رام پور محلّہ پیلا تالاب

سوتیلی ماں کو اگر باپ تین طلاقیں دے دے لڑکا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر ہو، والسلام۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

اللہ لاالٰہ الا اللہ، سوتیلی ماں حقیقی ماں کے برابر حرام قطعی ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں ماں کی حرمت سے پہلے سوتیلی ماں کی حرمت بیان فرمائی ہے، **اذ قال اللہ تعالٰی** (جبکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ الٰی قولہ تعالٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ۟[4]۔	نہ نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے تمھارے باپ نکاح کرچکے، بیشک وہ بے حیائی اور خدا کو دشمن اور نہایت بری راہ ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۵: از شہر مسئولہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عدت میں نکاح پڑھوا دیتا ہے اور "یتربصن" کو صرف

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳
[2] القرآن الکریم ۴/۲۳
[3] القرآن الکریم ۴/۲۴
[4] القرآن الکریم ۴/۲۲

جماع سے بچنے پر حمل کرتا ہے، صحیح ہے یا غلط؟ اور اس شخص کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عدت میں نکاح حرام قطعی ہے بلکہ نکاح تو بڑی چیز ہے۔قرآن عظیم نے عدت میں نکاح کے صریح پیام کو بھی حرام فرمایا۔ نکاح بعد عدت کرلینے کے وعدہ کو بھی حرام فرمایا صرف اس کی اجازت دی ہے کہ دل میں خیال رکھو یا کوئی پہلو دار بات ایسی کہو جس سے بعد عدت ارادہ نکاح کا اشارہ نکلتا ہو۔ صاف صاف یہ ذکر نہ ہو کہ میں بعد عدت تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، یہاں تک کہنا بھی حرام ہے، تو خود نکاح کرلینا کیونکر حلال ہوگا، پھر پہلو دار بات بھی عدت وفات والی سے کہنا جائز ہے، عدت طلاق والی سے باجماع امت وہ بھی جائز نہیں، **قال اللہ عزوجل** (اللہ عزوجل نے فرمایا۔ت):

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ [1]	یعنی تم میں جو لوگ مریں اور عورتیں چھوڑیں وہ عورتیں چار مہینے دس دن اپنی جانوں کو روکے رہیں۔جب عدت پوری ہوجائے پھر جو کچھ اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اس کا تم پر الزام نہیں۔اور خدا جانتا ہے کہ تمھیں ان سے نکاح کا خیال گزرے گا مگر باہم نکاح کا وعدہ خفیہ بھی نہ کر رکھو۔ہاں اس طریقہ معلوم پر کنایۃً کچھ کہہ سکتے ہو اور جب تک عدت پوری نہ ہو نکاح کا قصد بھی نہ کرو۔اور جان لو کہ اللہ تمھارے دلوں کی بات جانتاہے تو اس سے ڈرو۔اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے یعنی عذاب نہ آنے پر مغرور نہ ہو کہ وہ حلیم ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

قوله لاباس بالتعریض فی الخطبة اراد المتوفی عنها زوجها اذالتعریض لایجوز فی المطلقة بالاجماع [2]۔	خاص وفات کی عدت والی عورت سے کنایہ کے طور پر پیام نکاح میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ طلاق کی عدت والی سے بالاجماع کنایہ بھی جائز نہیں (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۳۵-۲۳۴

[2] فتح القدیر باب فی العدۃ المکتبۃ النوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۶۵

اگر کوئی شخص عدت میں نکاح پڑھادیا کرتا اور اسے حرام وزنا جانتا تو اتنا ہوتا کہ وہ سخت مرتکب کبائر اور زانی وزانیہ کا دلال ہوتا مگر وہ جواسے جائز بتاتا ہے اور قرآن عظیم میں تحریف کرکے "**یتربصن**" کو فقط منع جماع پر حمل کرتا ہے وہ ضرور منکر قرآن مجید ہے اور اس پر یقینا کفر لازم۔ اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور اپنے اس قول ناپاک کو جھٹلائے اور نئے سرے سے اسلام لائے۔ اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۶: از سلون شریف ضلع رائے پور بریلی احاطہ شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب مدرسہ اسلامیہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

جناب مولانا صاحب مجدد مائۃ حاضرہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زن فاحشہ رنڈی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بعد توبہ یا بغیر توبہ بھی؟ اگر بعد توبہ بھی جائز ہے تو توبہ کی قید کیوں ہے؟ کتابیہ سے تو بلا کراہت جائز ہو اور اس سے بلاتوبہ جائز نہ ہو۔ عقل سلیم خلاف حکم کرتی ہے۔ اور اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ **والسلام! بینوا توجروا**

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زن فاحشہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو، ہاں اگر اپنے افعال خبیثہ پر قائم رہے، اور یہ تاقدر قدرت انسداد نہ کرے تو دیوث ہے اور سخت کبیرہ کا مرتکب، مگر یہ حکم اس کی اس بے غیرتی پر ہے، نفس نکاح پر اس سے اثر نہیں، حق سبحانہ وتعالٰی نے محرمات گنا کر فرمایا: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَاۗءَ ذٰلِكُمْ [1] (اور تمھارے لیے محرمات کے ماسوا حلال کی گئیں ہے۔ت) رہی آیہ کریمہ:

وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ؀ [2]۔	زانیہ سے صرف زانی مرد یا مشرک نکاح کرے اور یہ مومنین کے لیے حرام ہے۔(ت)

اس میں چار تاویلیں ماثور ہیں۔ ان میں سے اول کی دو فقیر کے نزدیک اصح واحسن ہیں۔

تاویل اول: نکاح سے عقد ہی مراد ہے۔ پہلے زانیہ سے نکاح حرام تھا یہ حکم منسوخ ہوگیا، یہ قول سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ہے اور بغوی نے اسے ایک جماعت کی طرف منسوب کیا۔ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کی تصحیح کی، کتاب الام میں فرماتے ہیں:

اختلف اھل التفسیر فی ھذہ الاٰیۃ اختلافا	اہل تفسیر نے اس آیہ کریمہ میں واضح اختلاف کیا ہے

[1] القرآن الکریم ۴/۲۴

[2] القرآن الکریم ۲۴/۳

متبائنا فقیل ھی عامة ولکن نسخت بقوله تعالٰی وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى الخ وقد رویناہ عن سعید بن المسیب وھو کما قال وعلیه دلائل من الکتاب والسنة فلا عبرة بما خالفه اھ بمحصولہ۔ نقله فی عنایة القاضی [1]۔	بعض نے کہا کہ یہ عام ہے لیکن اللہ تعالٰی کے قول وانکحوا الایامٰی الخ کے نازل ہونے پر منسوخ ہوگئی ہے، اور اس قول کو ہم نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے اور وہ ان کے قول کے مطابق درست ہے اور اس پر قرآن وحدیث سے دلائل ہیں۔ تو اس کے مخالف قول کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس کا خلاصہ ختم ہوا، جس کو عنایۃ القاضی میں نقل کیا ہے۔ (ت)

تفسیرات احمدیہ میں ہے:

ھذا ھوالذی اختارہ الفقیه ابواللیث و قال ان الاٰیة منسوخة اومعناھا الزانی لاینکح الازانیة اومثلھا [2] اھ۔ **اقول:** الذی رأیت من لفظ الفقیه فی بستانه قال سعید بن جبیر والضحاك معناھا الزانی لایزنی الا بزانیة مثله وھکذا روی عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما وقد قیل ان الاٰیة منسوخة لان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال ان امرأتی لاترد ید لامسٍ، فقال طلقھا، فقال انی احبھا، قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فامسکھا [3] اھ فقوله معنا ھا الزانی لاینکح صوابه لایزنی وجزمه بان الفقیه جزم بالنسخ غیر ظاھر	اسی کو فقیہ ابواللیث نے مختار قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ زانی، زانیہ یا اس جیسی عورتوں سے نکاح کرے۔ اھ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ ت) میں نے جو کچھ فقیہ مذکور کی کتاب "بستان" دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ سعید بن جبیر اور ضحاک نے فرمایا کہ اس آیت کا معنٰی یہ ہے کہ زانی صرف اپنے جیسی زانیہ سے زنا کرتا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ آیہ کریمہ منسوخ ہے کیونکہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا کہ میری بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس کو طلاق دے، تو اس شخص نے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تو پھر طلاق نہ دے اھ، تو اس کا قول کہ

[1] عنایۃ القاضی حاشیہ البیضاوی زیر آیۃ ماقبل دار صادر بیروت ۶/۳۵۷

[2] تفسیرات احمدیہ زیر ایۃ ماقبل مطبع کریمیہ بمبئی ص ۵۴۵

[3] بستان العارفین علی ہامش تنبیہ الغافلین الباب الحادی والسبعون تزویج الزانیۃ دار الزہراء للطباعۃ والنشر ص ۱۰۴-۱۰۳

من کلام الفقیه۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ابواللیث نے کہا اس کا معنی "لاینکح" درست نہیں۔ مگر میرے حوالے کے مطابق صحیح یہ ہے کہ انھوں نے معنی "لایزنی" بتایا ہے اور انھوں نے بطور اعتماد کہا کہ ابواللیث نے نسخ کو مختار قرار دیا۔ یہ بات ابواللیث کے کلام سے ظاہر نہیں ہوتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رغائب الفرقان میں ہے:

قیل انه صار منسوخا امابالاجماع وهو قول سعید بن المسیب، وزیف بان الاجماع لاینسخ ولاینسخ به، واما بعموم قوله تعالٰی "وانکحوا الایامٰی فانکحوا ماطاب لکم" وهو قول الجبائی وضعف بان ذلك العام مشروط بعدم الموانع السببیة والنسبیة، ولیکن هذاالمانع ایضا من جملتها [1] اھ اقول مانسب الی الجبائی فهو ؏	بعض نے کہا کہ منسوخ ہے یا اجماع کے ساتھ یہ قول سعید بن مسیب کا ہے یہ موقف کمزور ہے کیونکہ اجماع نہ منسوخ ہوتا اور نہ ناسخ ہوتا ہے۔ یا منسوخ ہے اللہ تعالٰی کے ارشاد "وانکحوا الایامٰی فانکحوا ماطاب لکم" کے ساتھ، اور یہ جبائی کا قول ہے، اور یہ بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس آیت میں بیان کردہ اباحت، سببی یا نسبی مانع نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے اور زنا بھی ان موانع میں سے ایک مانع ہے اھ **اقول** جو جبائی کی طرف منسوب ہے تو وہ (اس سے آگے عبارت دستیاب نہیں ہوسکی)۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷: از فرید آباد ڈاک خانہ غوث پور ریاست بہاولپور مرسلہ مولوی نور احمد صاحب فریدی دوازدہم محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

شرعاً قبل متارکہ و تفریق بین المحارم غیر مدخولہ سے کسی دوسرے کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور قاضی شرعاً کون ہے؟ بوقت ضرورت فسخ و تفریق اس ملک ریاست بہاولپور اسلامیہ میں جو تحت قبضہ نصارٰی ہے کون حق فسخ و تفریق بالارکھتا ہے؟ علما کا ہے یا گرد آور قاضیان سرکار کا یا محض حکام کا؟ اور حکام بعض صاحب اسلام ہیں بعض اہل ہنود، ان میں کوئی امتیاز ہے یا سب اس کا حق رکھتے ہیں اس

؏: افسوس کہ یہ فتوٰی اس قدر منقول ملا، آگے دستیاب نہ ہوسکا، جتنا ملا اتنا چھاپ دیا، باقی اگر کبھی آئندہ کہیں مل سکا تو وہ بھی ان شاء اللہ تعالٰی علیحدہ یا بطور تبرک چھاپ دیا جائے گا یا کسی حصہ آئندہ میں۔ (مرتب)

---

[1] رغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری) زیر آیہ ماقبل مصطفی البابی مصر ۱۲/ ۵۸

ریاست اسلامی میں دو عورات ایک شخص سے یکے بعد دیگرے نکاح کر چکی ہیں اور بحکم شرعی وان تزوجهما علی التعاقب صح الاول وبطل الثانی (آپس میں دو محرم عورتوں سے اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلا صحیح ہوا دوسرا باطل ہے۔ت) متارکہ یا تفریق ثانیہ کی ضرور ہے لیکن ناکح متارکہ نہیں کرتا۔ تفریق لازمی ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسلامی ریاست میں مسلمان حاکم کہ وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری وامثالہم سے نہ ہو، نائب شرعی ہے، مگر یہاں نہ قاضی کی حاجت نہ متارکہ شوہر کی ضرورت کہ نکاح راسًا فاسد واقع ہوا، عورت تنہا اس کے فسخ کا اختیار رکھتی ہے، شوہر سے کہہ دے میں نے اس حرام کو چھوڑا، پھر اگر مجامعت نہ ہوئی تو ابھی، ورنہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

یثبت لکل واحد منهما فسخه ولوبغیر محضر من صاحبه دخل بها اولافی الاصح خروجا عن المعصیة فلاینافی وجوبه بل یجب علی القاضی التفریق بینهما [1]۔	مرد وعورت دونوں کو فسخ کا حق ہے اگرچہ دونوں میں ایک غیر حاضر ہو۔ دخول ہوچکا ہو یا نہیں، اصح قول یہی ہے، تاکہ گناہ سے علیحدگی ہوجائے تو یہ متارکہ قاضی کی تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ قاضی پر الگ کرنا ان دونوں کو واجب ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فی الاصح وقیل بعد الدخول لیس لاحدهما فسخه الابحضرة الاٰخر. قوله یجب علی القاضی ای ان لم یتفرقا [2]۔	اس کا قول "فی الاصح" اور بعض نے کہا کہ دخول کے بعد ایک کی تفریق دوسرے کی موجودگی کے بغیر جائز نہیں، اور اس کا قول کہ قاضی پر واجب ہے یعنی اس وقت جب دونوں نے آپس میں تفریق نہ کی ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

فسخ هذہ النکاح من کل منهما بمحضر الاٰخر اتفاقا والفرق بین المتارکة والفسخ بعید	اس نکاح کا فسخ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی میں کریں۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے اور یہاں متارکہ اور

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۲۰۱/۱

[2] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۵۱/۲

کذافی البحر[1]۔	فسخ کا فرق بعید ہے، بحر میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اسی میں خیریہ سے ہے:

الحق عدم الفرق ولذا جزم به المقدسی فی شرح نظم الکنز[2]۔	حق یہی ہے کہ دونوں میں فرق نہیں ہے، اسی لیے مقدسی نے اس پر نظم الکنز کی شرح میں جزم کیا ہے۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

رجحنا(فی باب المھر)الثانی انھاتکون من المرأة ایضا ولذا ذکر مسکین من صورھا ان تقول له ترکتك[3]۔	ہم نے باب المھر میں ثانی کو ترجیح دی ہے یہ کہ عورت کو بھی حق ہے۔اسی لیے مسکین نے اس کی صورت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ عورت کہہ سکتی ہے کہ میں نے تجھ سے علیحدگی کرلی ہے۔(ت)

اسی مسئلہ کی تمام تحقیق ہمارے فتاوی میں ہے اور یہاں اس کی حاجت نہیں کہ عورت کے فسخ کو متارکہ کہیں یا نہیں، اسے فسخ کا اختیار بلاشبہہ بالاتفاق ہے **دفعًاللمعصیة** (گناہ کو ختم کرنے کے لیے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۸: از متن پوری محلّہ زیر قلعہ راجہ مرسلہ سعد اللہ صاحب معمار ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

ہندہ بیوہ نے زید سے تعلق ناجائز پیدا کیا، اور سنا ہے کہ چند حمل بھی ساقط ہوئے اور ہندہ نے اپنی دختر کا کہ وہ بھی صغر سنی میں بیوہ ہوگئی تھی زید کے ساتھ جس سے خود تعلق ناجائز رکھتی تھی بلارضامندی دختر خود بجبر عقد کرلیا تو یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور اب اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ بلاطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہ ہے یہ نکاح حرام محض ہے۔ زید پر فرض ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے، زید کے چھوڑنے کے بعد عدت کے دن پورے کرکے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۹: از جے پور راجپوتانہ چاندپول بازار متصل دکان گوبند رام فوٹو گرافر مرسلہ حافظ رحیم بخش صاحب خرادی ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حرمت مصاہرت کے لیے عورت کا مشتہاۃ ہونا ضروری ہے،

---

[1] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۲

[2] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۲

[3] بحر الرائق باب العدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۴۶

هذا اذاکانت حیة مشتهاة اما غیرها یعنی المیتة وصغیرة لم تشته(فلا)تثبت الحرمة بها اصلا، درمختار [1]۔	حرمت مصاہرت تب ہوگی جب عورت زندہ اور شہوت والی ہو، لیکن اگر مردہ ہو یا صغیرہ غیر شہوت والی ہو تو حرمت مصاہرت ہرگز ثابت نہ ہوگی۔ درمختار۔(ت)

اور مشتہاۃ کم سے کم نوسال کی لڑکی ہوسکتی ہے تو عبارت ذیل بھی:

اویزداد انتشارًا ای ان تکون منتشرة قبله حتی قیل من انتشرت اٰلته وطلب امرأته لو طیها فاولجها بین فخذی بنتها لاتحرم علیها امها مالم یزداد انتشارا، و وجود الشهوة من احدهما یکفی [2]۔	یا انتشار زیادہ ہوجائے یعنی آلہ تناسل پہلے منتشر تھا اس پر یہاں تک کہا گیا کہ اگر اس نے آلہ تناسل کے انتشار کے بعد بیوی کو طلب کیا ہو۔ یا طلب کرتے ہوئے غلطی سے بیوی کی بیٹی کی ران پر مل دیا تو اس لڑکی کی ماں حرام نہ ہوگی جب تک لڑکی کو چھوتے ہوئے انتشار زیادہ نہ ہوا ہو، اور چھوتے وقت مرد یا عورت میں سے ایک کا شہوت میں ہونا حرمت کے لیے کافی ہے۔(ت)

جو شرح چلپی کے صفحہ ۹۳ کے متعلقہ حاشیہ پر درج ہے نوسال یا اس سے زائد کی لڑکی کے واسطے معلوم ہوتی ہے بآنکہ دہ۱۰سال کی لڑکی پر بھی یہ مسئلہ عائد ہوسکتا ہے، یعنی حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی یا کیا؟

الجواب:

ثبوت حرمت مصاہرت کے لیے مشتہاۃ ہونا ضروری ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ عامہ کتب میں تصریح ہے اور **وجود الشهوة من احدهما یکفی** [3] (دونوں میں سے ایک کا شہوت سے ہونا کافی ہے۔ت) کے یہ معنی نہیں کہ صرف یہ مشتہی اور دختر غیر مشتہاۃ یا عورت مشتہاۃ ہو اور لڑکا غیر مشتہی تو حرمت ثابت ہوجائے یہ کسی کا بھی قول نہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ مشتہی ہو اور وہ مشتہاۃ اور بالفعل شہوت ایک کی طرف سے ہو مثلاً اس کے سوتے میں مس بشہوۃ کیا کہ اسے اطلاع بھی نہ ہوئی تو حرمت ہوگئی کہ **وجود من احدهما** کافی ہے۔ **واللّٰه تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۰: از ماہم ڈاک خانہ نمبر ۱۶ بمبئی مرسلہ حاجی محمد سلیمان ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

زید کا نکاح زید کی بھتیجی کی دختر سے حلال ہے یا حرام یعنی زید وبکر حقیقی دونوں بھائی ایک باپ مادر کی پشت سے ہیں، اب زید کا نکاح بکر کی نواسی سے حلال ہے یا نہیں؟ جیسا خدا اور رسول کا حکم ہو قرآن مجید

---

[1] درمختار باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ذخیرة العقبٰی حاشیة شرح وقایہ کتاب النکاح منشی نولکشور لکھنؤ ۲/۱۷۹

[3] ذخیرة العقبٰی حاشیة شرح وقایہ کتاب النکاح منشی نولکشور لکھنؤ ۲/۱۷۹

حدیث فقہ سے حکم صادر فرمائیں، بھتیجی کی لڑکی سے اور بھانجی کی لڑکی سے اور بھتیجے کی بیٹی سے اور بھانجے کی لڑکی سے نکاح درست ہے اور بھتیجی وبھانجی سے تو حرام ہے مگر ان کی اولاد آل سے جائز ہے یا حرام؟

الجواب:

حرام قطعی ہے، یہ سب اس کی بیٹیاں ہیں، جیسے بھتیجی بھانجی ویسے ہی ان کی اور بھتیجوں اور بھانجوں کی اولاد، اور اولاد اولاد کتنے ہی دور سلسلہ جائے سب حرام ہیں، بنات پوتیوں نواسیوں دور تک کے سلسلے سب کو شامل ہے۔ جس طرح فرمایا گیا۔ **حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ أُمَّهَٰتُكُمۡ وَبَنَاتُكُمۡ**[1] تم پر حرام کی گئیں تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں، اور ماؤں میں دادی، نانی، پر دادی، پر نانی جتنی اوپر ہوں سب داخل ہیں، اور بیٹیوں میں پوتی، نواسی، پر پوتی، پر نواسی جتنی ہوں نیچے سب داخل ہیں، یوں فرمایا: **وَبَنَاتُ الۡأَخِ وَبَنَاتُ الۡأُخۡتِ**[2] تم پر حرام کی گئیں بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں۔ ان میں بھی بھائی بہن کی پوتی، نواسی، پر پوتی، پر نواسی جتنی دور ہوں سب داخل ہیں **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۴۱: از ضلع بہرائچ محلہ ناظرہ پورہ بمکان سید منصب علی صاحب عرضی نویس مرسلہ سید نصیر الدین صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید، مذہب اہل سنت والجماعت نے ایک عورت شیعہ کے مطابق مذہب شیعہ صیغہ پڑھایا اور نکاح بطریق اہلسنت نہیں کیا اور مدۃ العمر دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہے، ایسی حالت میں جو اولاد ہوئی وہ جائز یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل تبرائی رافضی علی العموم مرتدین ہیں اور مرتد خواہ مرد خواہ عورت سے دنیا بھر میں کسی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ اولاد ہوگی ولد الحلال نہیں ہو سکتی، عالمگیری میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا ان قال واحکامھم احکام المرتدین[3]۔	رافضیوں کے اس قول پر کہ "فوت شدہ لوگ دنیا میں پھر واپس آئیں گے" ان کی تکفیر واجب ہے اور یہاں تک کہ انھوں نے فرمایا کہ ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ (ت)

اسی میں مبسوط سے ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[3] فتاوٰی ہندیہ باب فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

لایجوز للمرتدان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد[1]۔	مرتد کو کسی مرتدہ عورت یا مسلمان یا اصلی کافر عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں اور یوں ہی مرتدہ عورت کا بھی کسی ایک سے نکاح جائز نہیں۔(ت)

اس کے بعد صیغہ ونکاح کی بحث کی کچھ حاجت نہیں، سنیوں کے طور پر نکاح ہوتا تو کب ہوسکتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۲: از میران پور کٹرہ تحصیل تلسر ضلع شاہجہان پور متصل چوکی مرسلہ قاضی تفضل حسین صاحب نائب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حاملہ عورت کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیے کہ بورے آدمیوں کے نکاحوں کا کیا حال ہے؟

الجواب:

عورت جسے حلال سے حمل ہو دوسرے شخص سے اس کا نکاح باطل محض ہے جب تک بچہ پیدا نہ ہولے۔ اور اگر بے شوہر عورت اور حمل زنا کا ہے تو اس سے نکاح ہوسکتا ہے، پھر اگر وہ ہی نکاح کرے جس کا یہ حمل ہے تو وہ پاس بھی جاسکتا ہے اور اگر یہ دوسرا شخص نکاح کرے تو جب تک بچہ پیدا نہ ہولے ہاتھ نہیں لگا سکتا، **کما فی الدرالمختار وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) بُورہ نابالغ کے حکم میں ہے اس کا نکاح ولی کی اجازت سے ہوگا، **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۴۳: زید نہایت بدچلن تھا اب وہ مفقود الخبر ہے اور زید کی عورت کو گزراوقات کرنا دشوار ہے اور زید کے باپ نے اس عورت کو نظر بد سے دیکھا اور زنا کیا اس صورت میں وہ عورت اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے تاکہ اپنی گزراوقات کرے اور اس حرام سے بچے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

معاذاللہ اگر یہ زنا ثابت ہو اور اس کا ثابت ہونا بہت دشوار ہے تو عورت اپنے شوہر پر ضرور ہمیشہ ہمیشہ حرام ہوگئی مگر نکاح سے نہ نکلی جب تک شوہر اپنی زبان سے اسے چھوڑنے کا کوئی لفظ نہ کہے۔ درمختار میں ہے:

بحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطء بھا لایکون زنا[2]۔	حرمت مصاہرۃ سے نکاح ختم نہیں ہوتا اور عورت دوسرے کو اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک متارکہ اور اس کی عدت پوری نہ ہوجائے، اس دوران وطی کو زنا نہیں قرار دیا جائے گا۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی المحرمات بالشرک نورانی کتب پشاور ۱/۲۸۲

[2] درمختار باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

اسی میں ہے:

تجب العدۃ بعد الوطء لاالخلوۃ للطلاق لاللموت من وقت التفریق اومتارکۃ الزوج وان لم تعلم المرأۃ بالمتارکۃ فی الاصح [1] اھ قال الشامی خص الشارح المتارکۃ بالزوج کمافعل الزیلعی لان ظاھر کلامھم انھا لاتکون من المرأۃ اصلامع ان فسخ ھذا النکاح یصح من کل منھما بمحضر الاخر اتفاقا والفرق بین المتارکۃ والفسخ بعید کذا فی البحر وفرق فی النھر بان المتارکۃ فی معنی الطلاق فیختص بہ الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلایختص بہ وان کان فی معنی المتارکۃ ورد الخیر الرملی بان الطلاق لایتحقق فی الفاسد فکیف یقال ان المتارکۃ فی معنی الطلاق فالحق عدم الفرق ولذاجزم بہ المقدسی فی شرح نظم الکنز الخ وتمامہ فیما علقناہ علی البحر [2] اھ ذکر فیہ استناد الرملی بمالیس لہ بل علیہ کما	نکاح فاسد میں وقت تفریق یا متارکہ سے عورت پر وطی سے طلاق والی عدت ہوگی محض خلوت سے یہ عدت واجب نہ ہوگی اور نہ ہی خاوند کی موت سے موت کی عدت ہوگی، عورت کو متارکہ کا علم نہ بھی ہو تب بھی خاوند کے متارکہ سے عدت لازم ہوگی اھ شامی نے کہا کہ شارح نے متارکہ کو خاوند کے ساتھ مختص کیا جیسا کہ امام زیلعی نے کیا ہے کیونکہ ظاہر کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ متارکہ کا حق عورت کو نہیں ہے حالانکہ اس نکاح کا فسخ مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی میں بالاتفاق جائز ہے اور متارکہ اور فسخ میں فرق بعید ہے، بحر میں یوں ہی ہے جبکہ نہر میں فرق بتایا گیا کہ متارکہ طلاق کی طرح ہے اس لیے طلاق کی طرح خاوند ہی متارکہ کرسکتا ہے، اور فسخ نکاح کو کالعدم قرار دینے کا نام ہے اس لیے یہ خاوند سے مختص نہ ہوگا۔ اگرچہ متارکہ کا معنی پایا جاتا ہے، اس کو خیر الدین رملی نے رد کردیا اور کہا کہ فاسد نکاح میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی تو وہاں متارکہ، طلاق کے معنی میں کیسے کہا جاسکتا ہے، لہذا حق یہی ہے کہ متارکہ اور فسخ میں کوئی فرق نہیں، اس لیے مقدسی نے نظم الکنز کی شرح میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے، اور یہ تمام بحث بحر پر ہمارے حاشیہ میں ہے اھ وہاں شامی نے

[1] درمختار باب فی المہر مجتبائی دہلی ۱/۳۰۱

[2] ردالمحتار باب فی المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۲

بینہ فی منحۃ الخالق وبالجملۃ فلایثبت من کلامھم الا اختصاص الزوج بالمتارکۃ ثم لایشم خلافہ اصلا۔اقول وقول النھران المتارکۃ فی معنی الطلاق معناہ ان المتارکۃ فی الفاسد فی معنی الطلاق فی الصحیح فلایمسہ ماذکر الرملی وایدہ الشامی واما الاستشکال بقولھم کمافی الدریثبت لکل واحد منھا فسخہ ولوبغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولافی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلاینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما[1] اھ	خیر الدین رملی کی جو دلیل ذکر کی وہ ان کے حق میں نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے، جیسا کہ انھوں نے منحۃ الخالق میں اس کو ذکر کیا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ فقہاء کرام کے کلام سے متارکہ کاخاوند کے ساتھ خاص ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، اوراس کے خلاف کی بو تک محسوس نہیں ہوتی۔اقول نہر کے قول میں کہ متارکہ، طلاق کے معنی میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسد نکاح میں متارکہ طلاق کے قائم مقام ہے صحیح قول میں، لہٰذا رملی کا اعتراض بے جا ہے اس کی تائید علامہ شامی نے کی ہے، باقی رہاوہ اشکال جو فقہاء کی اس عبارت سے پیدا ہوتا ہے جس کو در میں اختیار کیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اگرچہ ایک دوسرے کی غیر حاضری میں ہو، دخول ہو ایانہ، تاکہ گناہ سے اجتناب ہوسکے، اوریہ آپس کا متارکہ قاضی پر تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے بلکہ قاضی دونوں پر تفریق کا حکم دے گا اھ
فاقول: یترأی لی واللہ تعالٰی اعلم ان ھذا فیما اذاوقع فاسدا کما اذا انکحھا بلاشھود اوبعد مامس امھا وذلك لانہ لم یثبت لہ الید الشرعیہ علیھا اصلاوکان لکل منھما فسخہ ازالۃ للمعصیۃ وماذکروا ھھنامن تخصیص المتارکۃ بالزوج فھو	**فاقول**: واللہ تعالٰی اعلم مجھے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ مرد اور عورت دونوں کو بہر صورت فسخ کا اختیار اس صورت میں ہے جبکہ نکاح ابتداءً ہی فاسد منعقد ہوا ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح یا منکوحہ کی ماں کو پہلے شہوت سے چھوچکا ہو، کیونکہ اس صورت میں خاوند کا بیوی پر شرعی حق ثابت ہی نہیں ہوتا اس لیے دونوں کو ایک دوسرے سے متارکہ کا حق ہے تاکہ گناہ کا ازالہ ہوجائے اور فقہاء کرام نے جو یہ کہا کہ متارکہ خاوند کا ہی حق ہے وہ

[1] درمختار باب فی المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

فیما اذاطرأ الفساد فح لاتتفرد بالفسخ لانه لیس دفعا بل رفع لید شرعیة ثبتت للزوج فلا بد من متارکته والحکمة فیه ان لوجوزنا تفردهافیه بالفسخ لشاعت الفتن فکل امرأة ترید ان تفارق زوجها تقبل ابنه مثلاً بشهوة فیفسد النکاح فتفسخه مبتدءة وتنکح من شاءت وهذا باب یجب سده۔	اس صورت میں ہے جبکہ ابتداءً نکاح صحیح ہوا ہو اور بعد میں فساد اس پر طاری ہواہو،تو اس صورت میں اکیلی عورت کو فسخ کا حق نہیں کیونکہ یہ گناہ کادفاع نہیں بلکہ ثابت شدہ شرعی حق کا خاتمہ ہے اس لیے خاوند کی طرف سے متارکہ ضروری ہےاور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر اس صورت میں عورت کو مستقل طورپر فسخ کا حق دیا جائے تو فتنہ برپا ہوگا کہ جب بھی عورت اپنے خاوند سے علیحدگی چاہے تو وہ مثلا خاوند کے بیٹے کا شہوت سے بوسہ لے لے اور خود نکاح کو فاسد کرکے جہاں چاہے نکاح کرتی پھرے تو اس فتنہ کا سد باب ضروری ہے۔(ت)

یہاں شوہر مفقود ہے اور حرمت موجود ہے، عورت پر لازم کہ حاکم شرع کے حضور مرافعہ کرے اور وہ ثبوت لے،اگر وہ گواہان عادل سے پدر زید کازوجہ زید کے ساتھ فعل بدکا ارتکاب ثابت ہو لان هذا هو نصاب ثبوت حرمة المصاهرة وان لم یثبت به الزنافی حق الحد (کیونکہ یہ حرمت مصاہرہ کے ثبوت کے لیے نصاب ہے اگرچہ اس سے حد کے معیار پر زنا ثابت نہیں ہوتا۔ت) تو ان دونوں مرد وزن میں تفریق کردے،روز تفریق سے عورت تین حیض کی عدت کرے اوراس کے بعد نکاح ثانی جائز ہوسکتا ہے،**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۴۴: از شہر بریلی مسئولہ عبدالجلیل صاحب طالب علم **۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ**

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر آپس میں حقیقی برادر ہیں،زید عمر میں بکر سے بڑا ہے اور بکر عمر میں چھوٹا ہے زید سے،زید کے پاس ایک لڑکی ہے اوراس سے زید کو ایک نواسی بھی ہے،بکر کے پاس ایک لڑکا ہے،اس صورت میں زید اگر اپنی نواسی سے اپنے برادر حقیقی کے لڑکے کے ساتھ نکاح کردے تو نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چچا کی نواسی سے نکاح جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۴۵: از رنگون مرسلہ جناب سیٹھ عبدالستار ابن اسمٰعیل صاحب قادری برکاتی رضوی ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی سوتیلی والدہ کی سگی ہمشیرہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سوتیلی ماں ماں نہیں، قال اللہ تعالٰی: اِنۡ اُمَّهٰتُهُمۡ اِلَّا الّٰٓـىِٴۡ وَلَدۡنَهُمۡ ؕ[1] (تمھاری مائیں وہی ہیں جنھوں نے تمھیں جنم دیاہے۔ت) اس کی سگی بہن سے نکاح جائز ہے، قال تعالٰی: وَ اُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰ لِكُمۡ[2] (محرمات کے علاوہ عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۶: از رامپور مرسلہ فاروق حسن صاحب ایڈیٹر اخبار دبدبہ سکندری ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ نادرۃ الوقوع میں کہ زید اپنے بیٹے عمرو کی زوجہ ہندہ سے فعل حرام کا مرتکب ہوا، اب مابین عمرو وہندہ کے نکاح باقی ہے یا نہیں؟ اور اگر عورت خود اقرار کرے کہ زید جو میرے شوہر کا باپ ہے وہ مجھ سے بالجبر وطی کیاہے اور زید منکر ہے تو کیا حکم؟ اور اگر زید وہندہ دونوں اقرار کریں وقوع وطی کا جب کیا حکم؟ پھر اگر وقوع وطی کو شہادت سے ثابت کیا جاوے تو شاہدوں کی شہادت کی صورت کیسی ہونی چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس فعل سے عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہے مگر نکاح زائل نہیں ہوتا۔نہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے جب تک شوہر متارکہ نہ کرے،، مثلاً کہے میں نے تجھے چھوڑا، اور عدت گزرے اس کے بعد نکاح دوسرے سے کرسکے گی، درمختار میں ہے:

بحرمه المصاہرة لایرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج باٰخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة[3]۔	حرمت مصاہرۃ سے نکاح ختم نہیں ہوتا اسی لیے دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک متارکہ اور اس کی عدت پوری نہ ہوجائے۔(ت)

عورت کا بیان کوئی چیز نہیں جب تک شوہر اس کی تصدیق نہ کرے۔درمختار میں ہے:

لان الحرمة لیست الیها قالو ا وبه یفتی فی جمیع الوجوه بزازیه[4]۔	کیونکہ حرمت کا فیصلہ عورت کے ہاتھ نہیں ہے اور فقہاء کرام نے فرمایا تمام صورتوں میں اسی پر فتوٰی ہے۔بزازیہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۸/۲

[2] القرآن الکریم ۴/۲۴

[3] درمختار باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[4] درمختار باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۴

اور اگر پدر شوہر بھی اقرار کرے جب بھی شوہر پر حجت نہیں۔

لانه یرید ازالة ملك ثابت بشهادة واحد لاسیما وهی علی نفسه وشهادة المرء علی فعل نفسه لاتقبل کما نصوا علیه قاطبة۔	کیونکہ ثابت شدہ ملکیت کو وہ ایک گواہی سے ختم کرنا چاہتا ہے خصوصاً جبکہ اس ایک گواہ کی شہادت اپنے فعل پر ہو جبکہ اپنے فعل پر کسی شخص کی شہادت مقبول نہیں، جیساکہ اس پر تمام فقہاء کرام نے تصریح کی ہے۔(ت)

ہاں اگر شوہر کے قلب میں اس کا صدق واقع ہو تو اس پر واجب ہے کہ عورت کو اپنے اوپر حرام جانے اور متارکہ کردے، بزازیہ پھر ہندیہ میں ہے:

فان وقع عنده صدقه وجب قبوله [1]۔	تو اگر اس کے دل میں اس کا صدق واقع ہو تو اسے قبول کرنا اس پر واجب ہے۔(ت)

یا دو شاہد عادل کی گواہی سے یہ امر ثابت ہوا اگرچہ اسی قدر کہ اس کے باپ نے اسے بشہوت مس کیا یا بشہوت بوسہ لیا کہ حرمت کو اسی قدر بس ہے، تنویر الابصار میں ہے:

تقبل الشهادة علی اللمس والتقبیل عن شهوة فی المختار [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شہوت کے ساتھ چھونے اور بوسہ لینے پر شہادت قبول کی جائے گی مختار قول میں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۷: از بنڈیل اسٹیشن وڈاک خانہ ہوگلی مرسلہ حقاخاں صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اپنے خاص دادا کی پرنتی اور جو کہ اپنے خاص دادا کی بھانجی کی لڑکی ہوتی ہے اور ایک رشتہ سے اپنی چچیری چچی ہوتی ہے ان سے عقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

پرداد کی پرنواسی، دادا کی بھانجی کی بیٹی، چچیری خواہ حقیقی چچی، اس میں کوئی رشتہ ممانعت نکاح کا نہیں۔ اس سے نکاح جائز ہے جبکہ رضاعت وغیرہ کا کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۸: از ضلع پورینہ ڈاکخانہ فارس گنج از دکان بخشی شاہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی خوش دامن سے قصداً وطی کی اب اس کی بی بی کا نکاح اس کے ساتھ قائم رہا یا نہیں یا پھر اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات نورانی کتب خانہ پشاور ۳۱۲/۵

[2] درمختار باب المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۸/۱

یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

جس نے اپنی منکوحہ کی حقیقی ماں سے وطی کی یا اسے قصداً خواہ کسی طرح بشہوت ہاتھ لگایا اس کی عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی کبھی نہ اسے رکھ سکتا ہے نہ کسی حال میں اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے اس پر فرض ہے کہ عورت کو فوراً چھوڑ دے تاکہ وہ اس کے نکاح سے باہر ہو جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۹: از ٹانڈہ چھنگا ڈاک خانہ درؤ ضلع بریلی مرسلہ ہدایت اللہ صاحب پارچہ فروش ۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ مریم و مسماۃ سکینہ کی والدہ ایک ہے لیکن باپ دونوں کے علیحدہ علیحدہ ہیں، اب مسماۃ مریم کی ایک دختر ہے جس کا نکاح مسماۃ مریم نے بکر کے ساتھ کر دیا ہے اب بکر اپنی زوجہ کی خالہ کو جس کا نام سکینہ ہے نکاح میں لانا چاہتا ہے، نزدیک اللہ و رسول کے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

سکینہ سے اس کا نکاح حرام ہے، ہاں جب اس کی یہ عورت مر جائے یا یہ اس کو طلاق دے دے اور عدت گزر جائے اس وقت سکینہ سے نکاح کر سکے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۰: از موضع لال پور ڈاک خانہ موہن پور ملک بنگال مرسلہ منیر الدین احمد کرلوی لال پوری ۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ اخت علاتی کی لڑکی کی لڑکی کے ساتھ نکاح حلال ہے یا حرام؟**بینوا توجروا**

الجواب:

اپنی علاتی بہن کی پوتی سے نکاح حرام قطعی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۱: از موضع میونڈی ڈاک خانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا نکاح کسی عورت سے کیا اور اس عورت کی ایک دختر بھی پہلے شوہر کی اس کے ساتھ تھی، بعد چند مدت کے اس عورت کا انتقال ہو گیا، اب زید یہ چاہتا ہے کہ میں اس لڑکی کے ساتھ اپنا نکاح کرلوں تو یہ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگرچہ بی بی گھر میں ہو یا نہ ہو اور اگر ایسا کرلیا ہو تو کیا حکم شریعت ہے ایسے لوگوں کے لیے؟**بینوا توجروا۔**

الجواب

اگراس عورت سے خلوت نہ ہوئی تھی تو اس کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے ورنہ حرام، اور اگر کرلیا تو جدا کردینا اور جدا ہونا فرض قطعی، قال اللہ تعالٰی:

وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ۡ[1] واللہ تعالٰی اعلم	تمھاری مدخولہ بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمھارے پاس زیر پرورش ہیں اور اگر بیویوں سے دخول نہ کیا ہو تو تمھیں ممانعت نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۲: از موضع بھونی ڈاک خانہ امریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد نور صاحب ۲۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی عبدالرزاق نے ایک مسماۃ محمودہ عرف نورجہان کے ساتھ نکاح کیا اور اس کے بعد اسکی بہن جو ایک ماں سے پیدا ہوئی ہیں مگر باپ دونوں کا دو ہیں اس کا نام مسماۃ نجبن ہے نکاح کرلیا، عرصہ تقریبًا چھ ماہ سے زائد ہوگیا، مسلمانوں نے یہاں کے اس کو بہت برا سمجھا اور اس سے کہا کہ ایک عورت کو دونوں میں سے طلاق دے دو، مگر نہیں سمجھا، اس پر مسلمانوں نے اپنا رسم ترک کردیا تو وہ مجبور ہوگیا، مسماۃ نورجہاں زوجہ اول سخت بیمار ہوگئی کہ اس کے پاس لوگوں کا بیٹھنا دشوار ہوگیا، اس نے خواہش کی میری طلاق ہوجائے تو افضل ہے اور مسماۃ نورجہاں اب عرصہ ایک ہفتہ سے کسی جگہ بلااجازت شوہر گھر سے چلی گئی ہے اور ہنوز مفقود الخبر ہے، اب عبدالرزاق و نورجہاں مفقود الخبر کی خواہش یہ تھی کہ ہم میں باہمی طلاق ہوجائے اور مسماۃ نجبن سے نکاح ہوجاوے تو مناسب ہو، ایسی صورت میں مسماۃ نورجہاں کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں اور نجبن سے دوبارہ نکاح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نورجہاں کو طلاق دینے کے بعد اس کی عدت گزر جائے یعنی اسے تین حیض آکر ختم ہوجائیں اس کے بعد نجبن سے نکاح کرسکتا ہے ورنہ حرام حرام حرام، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۳: از ہوڑہ محلہ بینا پاڑہ مدرسہ دارالعلوم مرسلہ میر احسان علی صاحب مدرس ۵ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس نے اپنی عورت کو طلاق دے دیا ایک ہفتہ ہوا طلاق دے کر، اور جس شخص سے اب نکاح ہوگا وہ عورت اسی شخص کے گھر ہے مگر وہ شخص باہر رہتا ہے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

اندر مکان کے نہیں جاتا۔ کہتا ہے کہ جب تک نکاح نہ ہوگا اندر نہ جاؤں گا اور عورت کی دایہ وغیرہ سے جانچ کرایا گیا کہ حمل تو نہیں ہے، معلوم ہوا کہ حمل نہیں ہے، اس صورت میں اگر نکاح کردیا جائے تو گناہ تو نہیں ہوسکتا؟ جلدی اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ شیطان ہر وقت بہکاتا ہے، اگر اس صورت میں جلد نکاح کردیا جائے اس پر کیا حکم ہے؟ صرف گناہ کا خیال کرکے ایسا ہو کہ عدت کے اندر نکاح کردیا جاوے حمل نہیں ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عدت کے نکاح حرام حرام حرام، نکاح تو نکاح، نکاح کا پیام دینا حرام، اگر نکاح ہو اور قربت ہو نرا زنا ہوگا۔ اس سے زیادہ یہاں شیطان کا بہکانا اور کیا ہے جسے خود چاہ رہے ہو، عورت کو ایام عدت شوہر ہی کے مکان پر پورے کرنے فرض ہیں وہاں سے نکلنا حرام ہے، اب کہ نکل آئی ہے فرض ہے کہ فوراً شوہر کے یہاں چلی جائے اور وہیں عدت کے دن پورے کرے، اگر یہاں سے وہاں تک تین دن کی راہ نہ ہو، ورنہ اطمینان کی جگہ رہے، اس شخص کے یہاں جب تک ہرگز نہ رہے جس سے اندیشہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۴: از مقام ٹانڈہ چھنگا ڈاک خانہ دروٗ تحصیل کچھار مرسلہ عبداللہ صاحب منیب بنجارہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مریم وسکینہ ہمشیر حقیقی ہیں لیکن باپ دونوں کے جدا ہیں ایک خیاط دوسرا نداف۔ اب مریم کی ایک دختر ہے جس کا نام فاطمہ ہے اور فاطمہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوگیا ہے، اب زید اپنی زوجہ کی حقیقی خالہ کو نکاح میں لاکر دونوں سے ہمبستر ہورہا ہے اس صورت میں اللہ ورسول کا کیا حکم ہے عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا دونوں نکاح جائز ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حرام حرام قطعی حرام، اس پر فرض ہے کہ اپنی زوجہ کی خالہ کو چھوڑ دے اور جب تک اس کی عدت گزرے زوجہ کو ہاتھ لگانا بھی اس پر حرام ہے جب اس کی خالہ عدت سے نکل جائے اس وقت اسے اپنی زوجہ کے پاس جانا حلال ہوگا **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵: از سلطان پور ملک اودھ مرسلہ عبدالخالق صاحب عرائض نویس کچہری دیوانی ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی تین شادیاں ہوئیں، زوجہ اول سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس کی شادی زید کے حقیقی بھتیجے کے ساتھ ہوئی اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو زید کی حقیقی نواسی ہوئی، اور زید کی تیسری شادی جو ہوئی اس سے تین لڑکے ہیں اب زید اس اپنے لڑکے یعنی نرینہ کی شادی اپنے حقیقی بھتیجے کی لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتا ہے پس ایسی حالت میں جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حرام حرام حرام، وہ صرف اس کے بھائی کی پوتی نہیں جو اس کے بیٹے کو حلال ہو خود اس کی نواسی بھی ہے تو اس کے بیٹے کی بھانجی ہے اگرچہ بیٹا اور زوجہ سے ہے اور وہ بیٹی اور سے تھی بہرحال بھانجی ہے اور بھانجی حرام، قال اللہ تعالٰی: وبنت الاخت (اور تمھاری بھانجیاں حرام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۶: از شہر آگرہ کلو گلی نائی منڈی مرسلہ رحیم بخش صاحب مالک کارخانہ رحیم شو فیکٹری ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جو پابند مذہب اہل سنت وجماعت تھا اس نے اپنا عقد نکاح مسماۃ ہندہ کے ساتھ کیا جو مذہب اہل شیعہ رکھتی تھی، زید نے اپنے بیٹے عمرو کا نکاح جو بطن ہندہ سے پیدا ہوا تھا بحالت نابالغی بکر کی لڑکی حلیمہ نابالغہ کے ساتھ کردیا اور بوجہ نابالغی منکوحہ حلیمہ کی وداع نہیں ہوئی، حلیمہ نجیب الطرفین اہلسنت والجماعت ہے، زید بقضائے الٰہی فوت ہوگیا، زید کی بیوہ ہندہ نیز اس کی تمام اولاد ہر طریقہ سے پابند اہل تشیع ہے، عمرو اب بالغ ہو کر چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو رخصت کراکے لے جائے، حلیمہ بھی اب چونکہ بالغہ ہے وہ اپنے عقد میں غیر مذہب کے آدمی شیعہ کو منظور نہیں کرتی اور اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتی نیز والدین حلیمہ بھی اب وداع سے انکاری ہیں، اندریں صورت یہ نکاح حلیمہ کا جو بحالت نابالغی ایک شیعہ کے ساتھ ہوا تھا از روئے شرع شریف جائز رہا یا باطل؟ اور حلیمہ اپنا عقد کسی دوسری جگہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل جو لوگ شیعہ کہلاتے ہیں یعنی تبرائی رافضی، ان کے ساتھ نکاح باطل محض ہے، اگر حلیمہ اور اس کے اولیا سب راضی ہیں تو اللہ ورسول راضی نہیں، حلیمہ کو حرام ہے کہ اپنے آپ کو اس کی زوجیت میں سمجھے، فتاوٰی ظہیریہ وحدیقہ ندیہ وعالمگیریہ میں مثال روافض کے لیے ہے **احکامھم احکام المرتدین**[1] (ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ت) نیز عالمگیری میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مرتد کا مرتدہ، مسلمہ اور اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اور یوں ہی مرتدہ کو بھی کسی سے نکاح جائز نہیں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] الحدیقہ الندیہ والاستخفاف بالشریعۃ کفر ای ردۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیہ فصل فی المحرمات بالشرك نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

مسئلہ ۲۵۷: از شمس آباد ضلع کیمل پور مرسلہ مولانا مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید خود عرصہ تیرہ برس سے ملک افریقہ میں رہتا ہے اس کی خوشدامن کہتی ہے کہ اس نے میرے ساتھ فعل بد کیا ہے اس پر دو گواہ اس امر کے معائنہ کے ہیں کہ ایک کہتا ہے کہ میں نے بوقت دوپہر کے فلاں مقام میں دونوں کو عین مشغولی میں دیکھا، دوسرا کہتا ہے کہ دونوں کو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ہے، اس موضع کے کل لوگ ہر ایک مکان کے ایک دو آدمی جن کا مجموعہ ۵۰ نفر ہوتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ قرائن قاطعہ سے ہم لوگ جانتے ہیں کہ زید اور اس کی خوشدامن باہم بد معاش تھے اور ان کے ناجائز تعلق میں کوئی شک نہ تھا، برابر دو برس تک دونوں کا باہم اختلاط اور انبساط رہا، جب ان دو گواہوں نے ان کو ایسی کریہہ صورت میں دیکھا تب سے زید فرار کرگیا اور ایک دوسرے سے کہہ گیا کہ اب یہ میری عورت غیر مدخولہ جو کہ اس خوشدامن کی دختر ہے میرے اوپر حرام ہے جس کو اس کا دل چاہے دے دے، اس کی عورت اب عرصہ آٹھ دس برس سے جوان ہے اور خورد ونوش وسکونت کی اس کو بہت تکلیف ہے اور غالب گمان ہے کہ کہیں حرامکاری میں مبتلا ہوجائے، پس اگر کوئی عالم افقہ واورع اس علاقہ کا بموجب عبارت حدیقہ ندیہ:

واذاخلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور کلھا مفوضۃ الی العلماء یصیرون ولاۃ[1]۔	جب زمانہ موثر حکمران سے خالی ہو تو تمام فیصلہ طلب امور علماء کے سپرد ہوں گے اور وہ والی قرار پائیں گے۔(ت)

کے اس غائب کے باپ کے روبرو یا اس کی طرف سے کسی کو وکیل کرکے اس پر سمع دعوی وشہادت کرکے تفریق کا حکم دے دے تو درست ہوگا یا نہیں، اور اگر درست ہے تو چونکہ غائب ولایت قاضی میں نہیں لہٰذا اس کی طرف سے مسخر پکڑنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ شامی جلد ۴ ص ۳۵۳ میں باب القضاء میں **وفی البحر والمعتمدان القضاء علی المسخر الخ** (بحر میں ہے مسخر کے خلاف فیصلہ صادر کرنے سے متعلق قول الخ۔ت) کے متعلق ہے:

وتفسیر المسخران ینصب القاضی وکیلا عن الغائب یسمع الخصومۃ علیہ وشرطہ عندالقائل بہ ان یکون الغائب فی ولایۃ القاضی[2]۔	اور مسخر کی تفسیر یہ ہے کہ قاضی کسی غائب شخص کی طرف سے کسی کو وکیل بنائے تاکہ وہ غائب کے خلاف الزامات کو سن سکے، لیکن اس کے جواز کے قائل کے ہاں یہ شرط ہے کہ وہ غائب شخص اس قاضی کے علاقہ میں ہو۔(ت)

[1] الحدیقۃ الندیہ النوع الثالث من انواع العلوم الثلاثۃ الخ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

[2] ردالمحتار فصل فی الحبس مطلب فی القضاء علی المسخر داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۳۹

الجواب:

صورت مسطورہ اگر واقعی ہے تو اصلًا نہ کسی قضا کی حاجت نہ تفریق کی ضرورت، نہ مسخر درکار نہ قضا علی الغائب، عورت کو اختیار ہے کہ فی الحال جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے، یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یہ حرمت مصاہرت یا تو نکاح دختر سے پہلے ہوئی یا بعد، اگر پہلے ہوئی تو نکاح سرے سے فاسد ومردود واقع ہوا، عورت بذات خود اسے فسخ کر سکتی ہے اگرچہ شوہر کی غیبت میں کہ وہ معصیت ہے اور اعدام معصیت سب پر واجب، کما حققناہ فیما علی ردالمحتار علقناہ (جیسا کہ ردالمحتار کے حاشیہ میں ہم نے اس کی تحقیق کی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

(و)یثبت لکل واحد منھما فسخه ولو بغیر محضر من صاحبه دخل بھا اولا فی الاصح خروجا من المعصیة فلاینافی وجوبه[1]۔	اور دونوں مرد اور عورت کے لیے اس نکاح کو ایک دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی فسخ کرنا جائز ہے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اصح قول میں تاکہ گناہ کو ختم کیا جاسکے، اور یہ بات قاضی پر تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔(ت)

اور اگر وہ حرمت مصاہرت بعد نکاح واقع ہوئی تو نکاح فاسد ہوگیا مگر بلا متارکہ فسخ نہ ہوگا اور عورت کو دوسری جگہ نکاح کا اختیار نہ ہوگا اور یہ متارکہ صرف شوہر ہی کر سکتا ہے کما بیّنا وبه وفقنا علی ابن عابدین علقنا (جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اور ردالمحتار کے حاشیہ میں ہمیں اس کی توفیق دی گئی۔ت) درمختار میں ہے:

بحرمة المصاھرة لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج بأٰخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة والوطی بھالایکون زنا[2]۔	حرمت مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا اس لیے عورت کو دوسرے شخص سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک متارکہ کے بعد عدت نہ گزر جائے، اس دوران خاوند کی اس سے وطی کو زنا کا حکم نہ دیا جائیگا۔(ت)

اسی میں ہے:

مبدؤھا(ای العدة)فی النکاح الفاسد بعد التفریق من القاضی بینھما اوالمتارکة	عدت کی ابتداء متارکہ یا قاضی کی تفریق کے بعد ہوگی، متارکہ سے مراد خاوند کا مدخولہ بیوی سے علیحدگی کا اعلان

[1] درمختار باب فی المھر مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

ای اظهار العزم من الزوج علی ترك وطئها لامجرد العزم لومدخوله[1]۔	ہے صرف وطی کے ترک کا عزم کافی نہیں ہے۔(ت)

یہاں تک کہ زید نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اب یہ میری عورت غیر مدخولہ میرے اوپر حرام ہے جس کو اس کا دل چاہے دے دے بالاتفاق متارکہ ہوگیا اور نکاح فسخ ہوگیا قضاء قاضی کی کچھ حاجت نہیں۔نہ غیر مدخولہ کو عدت کی حاجت،اس وقت جس سے چاہے نکاح کرلے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۸: از قصبہ ایرانواں محلّہ سادات ضلع فتحپور مرسلہ محمد رفیع صاحب ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی فقیرے نے مسماۃ بیبا کا(جبکہ اس کی گود میں مسماۃ حفیظن اس کی لڑکی دودھ پیتی تھی)اندر ایام رضاعت کے دودھ پیا،اسی مسماۃ بیبا کے دوسری لڑکی مسماۃ فہیمن پیدا ہوئی،اب فقیرے مذکور کا نکاح مسماۃ فہیمن کے ساتھ کیا گیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟اگر ناجائز ہے تو مسماۃ فہیمن کسی دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟اور فہیمن کو فقیرے سے طلاق حاصل کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیبا کی اگلی پچھلی سب لڑکیاں فقیرے کی حقیقی بہنیں ہیں اور ان میں کسی سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا حرام محض ہے،اس پر فرض ہے فہیمن کو فوراً چھوڑ دے اور وہ نہ چھوڑدے تو فہیمن پر فرض ہے کہ فوراً اس فاسد نکاح کو فسخ کردے اور عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے،درمختار میں ہے:

یثبت لکل واحد منهما فسخه ولوبغیر محضر من صاحبه دخل بها اولافی الاصح خروجا عن المعصیة فلاینافی وجوبه[2]۔والله تعالٰی اعلم۔	مرد وعورت ہر ایک کو فسخ کا حق حاصل ہے خواہ دوسرے کی موجودگی ہو یا نہ ہو،دخول کیا ہو یا نہ،اصح قول میں،تاکہ گناہ کو ختم کیا جاسکے،اور یہ بات قاضی پر وجوب تفریق کے منافی نہیں ہے(ت)واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۹: از موضع خورد موٗ ڈاک خانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد فوت ہونے بیوی کے،بیوی کی خالہ وعمہ سے نکاح جائز

---

[1] درمختار باب فی العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۸

[2] درمختار باب فی المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

ہے یا ناجائز؟ اور لڑکے کے طلاق دینے پر لڑکے کے مرجانے پر بہو کے ساتھ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

زوجہ کے مرنے پر اس کی خالہ وعمہ سے نکاح جائز ہے، **قال اللہ تعالٰی:** وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [1] (اور محرمات کے سوا عورتیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) اور بیٹا مرجائے خواہ طلاق دے دے اس کی زوجہ سے نکاح ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے، **قال تعالٰی:** وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمْ [2] اور تمھارے بیٹوں کی بیویاں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۰: از پرسونہ پرگنہ بریلی مرسلہ شیخ کریم اللہ ومنشی الہ دین ومعین الدین وسعدی وشیخ مسیت زمیندار وبندو خاں وواحد کھیا وغلامی ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

جناب عالی! گزارش ہے کہ مسمّٰی میڈو نورباف نے نکاح کیا تھا، اس کی بی بی کے ساتھ ایک لڑکی آئی تھی اس کے ساتھ مسمّٰی میڈو مذکور نے حرکت ناشائستہ کی اور ایک لڑکا بھی پیدا ہوا ہے اب اس کو علیحدہ کردیا ہے وہ اپنی خطا معاف کرانا چاہتا ہے، حضور پرنور اس امر میں کیا فتوی فرماتے ہیں؟ **فقط**

الجواب:

اس کی عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، اس پر فرض ہے کہ فوراً اسے چھوڑ دے اور اب کبھی اس سے کسی طرح نکاح نہیں کرسکتا، نہ کبھی کسی طرح اس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے، یہ اس کی بیٹی کی جگہ ہے اور بی بی ماں کی جگہ ہو گئی، دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئیں، دونوں کو فوراً جدا کردے اور سچے دل سے تائب ہو اور نماز کی پوری پابندی کرے تو اسے ملالیں ورنہ ہمیشہ برادری سے خارج رکھیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۱: از پیران پٹن معرفت اسٹیشن میانہ محلّہ قصاب واڑہ مرسلہ کمال بھائی یارو بھائی ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً بکر کے دو فرزند ہیں، ایک کا نام زید ہے اور دوسرے کا نام عمرو، زید کا نکاح ہونے سے ایک دختر پیدا ہوئی جس کا نام فاطمہ ہے، اب فاطمہ کی شادی ہونے سے فاطمہ کے ایک دختر پیدا ہوئی جس کا نام مریم ہے، اب مریم کا نکاح عمرو کے ساتھ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں دودھ کا تعلق کس طرف سے اور کسی ذریعہ سے کسی کا بھی نہیں؟ اور یہ جو دونوں فرزند

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

بکر کے ہیں یعنی زید و عمرو ان دونوں کی والدہ الگ الگ ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید عمرو کا بھائی ہے۔ فاطمہ عمرو کی بھتیجی ہے، مریم عمرو کی بھتیجی کی بیٹی ہے، جیسے بھتیجی حرام ہے یونہی بھتیجی کی بیٹی حرام ہے، بھتیجی بیٹی ہے اور بھتیجی کی بیٹی نواسی، عمرو مریم کا نانا ہے نانا کے لیے نواسی کیسے حلال ہو سکتی ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

وَبَنٰتُ الْاَخِ[1] تم پر بھائی کی بیٹیاں حرام ہیں۔ بیٹیوں میں نواسیاں پوتیاں بھی داخل ہیں جیسے فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ[2] تم پر حرام ہیں تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں۔ بیٹیوں میں نواسی پوتی داخل نہ ہوں تو آدمی پر خود اس کی پوتی نواسی کہاں سے حرام ہوگی کہ قرآن مجید میں تو بیٹیاں حرام فرمائیں اور یہ محرمات گنا کر فرمایا:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ[3]	ان کے سوا اور جو رہیں وہ تم پر حلال ہیں۔

بالجملہ بھائی کی نواسی حرام ہونے سے انکار قرآن واسلام سے انکار ہے، نقایہ میں ہے:

حرم علی المرء اصلہ وفرعہ اصلہ القریب[4] الخ۔	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصل قریب یعنی ماں باپ کے فروع حرام ہیں۔ الخ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

من الاخوات لاب وام اولاحدھما وبنات الاخوۃ وان بعدت[5]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	سگی بہنیں یا ماں یا باپ کی طرف سے بہنیں اور بھتیجیاں نیچے تک۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۲: از شہر بریلی سبزی منڈی مسئولہ کبیر احمد میاں ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی نواسی زوجہ اول سے اور زید کا لڑکا زوجہ ثانیہ سے جس کو ایک شخص غیر نے پالا ہے، کیا پسر زید زید کی نواسی کی لڑکی سے عقد کرسکتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرام ہے، وہ اس کی بھانجی کی بیٹی ہے اس کی نواسی کی جگہ ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم /
[2] القرآن الکریم /
[3] القرآن الکریم ۴/۲۴
[4] مختصر الوقایۃ فی مسائل الهدایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲
[5] جامع الرموز کتاب النکاح مکتبۃ الاسلام گنبد قاموس ایران ۱/۴۴۹

مسئلہ ۲۶۳: از فتح پور محلّہ سید واڑہ مرسلہ نور خاں محرر، محمد یار خاں وکیل ہائی کورٹ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر دونوں کی عورتیں رشتہ میں سگی بہنیں تھیں، زید کی بی بی کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں، منجملہ ان کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی مر گئی، اور ایک لڑکی بیوہ موجود ہے، اور بکر کی بی بی کا ایک لڑکا بن بیاہا موجود ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب زید کا پہلا لڑکا پیدا ہوا ہے تو بکر کے اس لڑکے نے اپنی خالہ یعنی زید کی بی بی کا دودھ پیا تھا، بعد اس کے تین اولاد کے بعد زید کی یہ لڑکی پیدا ہوئی جو اس وقت بیوہ موجود ہے، اس سے بکر کے کنوارے لڑکے کا نکاح درست ہے یا ہو سکتا ہے جبکہ بکر کے بیٹے نے زید کی بی بی کا دودھ پیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ زید کی بی بی کا دودھ بکر کے بیٹے نے پیا ہے اور زید کی بیٹی یہ اس دودھ شریکی بھائی کی تیسری اولاد کے بعد پیدا ہوئی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:

ان دونوں کا نکاح حرام قطعی ہے، وہ آپس میں سگے بھائی بہن ہیں، تین یا تیس اولاد کے بعد اس لڑکی کا پیدا ہونا زید کی بی بی کو بکر کے بیٹے کے ماں باپ ہونے سے خارج نہ کرے گا۔ نہ ان کی کسی اولاد کو پسر بکر کے بھائی بہن ہونے سے، **قال اللہ تعالٰی:** وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ [1] (اور تمھاری رضاعی بہنیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۴: از نواب گنج بریلی مرسلہ سید نثار حسین صاحب ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

زید کی زوجہ ہندہ کی ہمشیرہ زاہدہ ہے، زاہدہ کے زید سے بلا نکاح لڑکا پیدا ہوا، ہندہ کے ساتھ زید کا نکاح رہا یا نہیں؟ اور زاہدہ کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب

ہندہ بدستور اس کے نکاح میں ہے، سالی کے ساتھ زنا حرام مگر عورت کو حرام نہیں کرتا، زاہدہ سے جب تک ہندہ اس کے نکاح میں ہے نکاح نہیں کر سکتا، اگر ہندہ مر جائے تو اسی وقت یا یہ اسے طلاق دے دے تو عدت گزرنے پر زاہدہ سے نکاح کر سکے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۵: از لاہور مسجد بیگم شاہی، مسئولہ مولوی احمد الدین صاحب ۶ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

زید نے ہندہ سے نکاح کیا بحالت نابالغی ہندہ زید نے اس سے وطی کی، بعد وطی ہندہ کو طلاق دے دی

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳

اس نے عمرو سے نکاح کیا عمرو سے ہندہ کے لڑکی پیدا ہوئی تو یہ لڑکی زید پر حرام ہے یا نہیں؟ ماں سے محض نکاح بیٹی کو حرام کرتا ہے یا نہیں، یونہی بیٹی سے نکاح ماں کو؟ دونوں میں وطی شرط حرمت ہے یا نہیں؟ اور وطی کے لیے کیا بلوغ مدخولہ شرط ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعت مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ بیٹی سے مجرد نکاح ماں کو حرام ابدی کرتا ہے وطی کی شرط نہیں، **قال تعالٰی: وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ** [1] (تمھاری بیویوں کی مائیں۔ت) اور وطی ہو تو بدرجہ اولٰی نکاحًا ہو تو بالاجماع اور بلانکاح ہو تو ہمارے نزدیک اور ماں سے مجرد نکاح بیٹی کو حرام نہیں کرتا جب تک وطی نہ ہو، قال تعالٰی:

وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ۫ [2]	تمھاری مدخولہ بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمھاری پرورش میں ہیں، اور اگر تم نے بیویوں سے دخول نہ کیا تو تم پر ممانعت نہیں۔(ت)

ہاں اگر وطی ہو تو تحریم لائے گی اسی تفصیل پر کہ نکاح میں بالاجماع اور بلانکاح ہمارے نزدیک تو وہ صغیرہ نابالغہ جس سے زید نے صحبت کی پھر طلاق دے دی اور اس نے دوسرے سے نکاح کیا اور اس سے اس عورت کے بیٹی پیدا ہوئی یہ بیٹی قطعاً شوہر اول پر حرام ہے کہ جب صحبت کی "دخلتم بھن" صادق آگیا بلوغ کی شرط نہیں۔ ہاں اگر صغیرہ چار پانچ برس کی ہو جہاں ایلاج حشفہ ممکن نہ ہو تو البتہ حرمت نہ ہوگی کہ صحبت نہ ہوگی اور مدخولہ کی ماں مطلقًا حرام ہے خواہ مدخولہ بالحلال ہو یا بالحرام، اور زوجہ کی والدہ ابدًا اپنی ماں کی طرح ہے زوجہ کے مرنے یا طلاق ہو کر عدت گزرنے کے بعد بھی کسی طرح حلال نہیں ہو سکتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۶: از موضع سندھولی ضلع بریلی مسئولہ غفور صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ علاوہ چچی وپھوپھی وممانی ودادی ونانی ووالدہ وغیرہ کے رشتہ داروں میں کسی عورت سے نکاح جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چچی اور ممانی سے بھی نکاح جائز ہے، نسبی رشتوں میں چار قسم کی عورتیں حرام ہیں،

ایک وہ کہ یہ جن کی اولاد سے ہے جیسے ماں، دادی، نانی کتنے ہی اوپر کی ہوں۔

دوسری وہ جو اس کی اولاد ہیں، جیسے بیٹی، پوتی، نواسی کتنے ہی نیچے کی ہوں۔

تیسری وہ جو اس کے ماں یا باپ کی اولاد خواہ اولاد در اولاد جیسے بہن، بھانجی، بھتیجی اور ان کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

اور بھائیوں بھتیجوں کی اولاد کتنی ہی دور ہوں۔

چوتھی وہ کہ ماں باپ کے سوا اور جن کی اولاد سے یہ شخص ہے جیسے دادا، دادی، نانا، نانی کتنے ہی اوپر کے ہوں ان کی خاص اپنی اولاد جیسے اپنی پھوپھی خالہ یا اپنے ماں یا دادا یا دادی یا نانا یا نانی کی پھوپھی خالہ، ان لوگوں کی اولاد کی اولاد حرام نہیں جیسے پھوپھی کی بیٹی یا خالہ کی بیٹی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷: از موضع سندھولی ضلع بریلی مسئولہ غفور صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک کنواری لڑکی کا حمل زید سے رہ گیا اس کے والدین نے عمرو کے ساتھ نکاح کردیا، اب علمائے دین کی خدمت بابرکت میں استغاثہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ جس کا نطفہ ہے اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عمرو کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔

الجواب:

نکاح عمرو سے بھی جائز ہے مگر عمرو کو اس کے پاس جانا منع ہے جب تک بچہ پیدا نہ ہولے، یہ اس صورت میں ہے کہ حمل زنا کا ہو، اور اگر زنا نہ ہوا بلکہ شبہہ اور دھوکے سے زید اس کے ساتھ ہمبستر ہوا تو بیشک جب تک بچہ نہ ہولے دوسرے سے نکاح جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۸:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا پھر اس کی بہن کو بھی گھر میں ڈال لیا اب زید کا ہندہ سے وطی کرنا کیسا ہے اور دونوں بہنوں کی اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے؟ **بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔**

الجواب:

اگر دوسری کو بلانکاح گھر میں ڈال لیا تو پہلی سے وطی بدستور جائز ہے اس سے جو اولاد ہوگی اولاد حلال ہے، اور اس دوسری سے صحبت حرام وزنا ہے اس سے جو اولاد ہوگی ولدالزنا ہوگی، اور اگر دوسری سے بھی نکاح کرلیا تو جب تک اسے ہاتھ نہ لگایا پہلی سے وطی حلال ہے۔ لیکن جس وقت اس دوسری کو ہاتھ لگائے گا پہلی سے قربت بھی حرام ہوجائے گی، جب تک اس دوسری کو چھوڑے اور اس کی عدت گزرے اس وقت تک پہلی حرام ہے، اس صورت میں دونوں عورتوں سے اس کے بعد جو اولاد ہوگی اگرچہ اسی کی ٹھہرے گی ولدالزنا نہ ہوگی مگر ولدالحرام ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۹: ۳ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

زید کے والد نے زید کی زوجہ سے زنا بالجبر کیا، عورت نے زید سے کہہ دیا، اس پر زید نے اپنی عورت کو طلاق دے دی جس کو عرصہ تین ماہ کا ہوگیا اس کے بعد زید سے عورت نے کہا کہ تم نے مجھ پر تہمت رکھا تھا، اس لیے

میں نے یہ غلط بات بیان کی، زید نے عورت کو طلاق دی اب وہ اپنی اس عورت کو نکاح میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب:

اگر زید نے صرف عورت کے بیان پر اس کو طلاق دے دی تو طلاق ہو گئی مگر ہمیشہ کے لیے اس کا زید پر حرام ہونا ثابت نہ ہوا۔ جب تک زید خود اس کی تصدیق نہ کرے لیکن سائل نے بیان کیا کہ زید نے تین طلاقیں دیں زید گنہ گار ہوا اور عورت سے اب بغیر حلالہ کے نکاح نہیں کر سکتا، یوں اسے رکھے گا تو حرام ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۰: مرسلہ قاضی محمد ابراہیم و قاضی نیاز الدین صاحبان صدیقی صابون فروش سنیہ دروازہ اندر جھانسی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں: ایسی عورتیں جو آوارہ ہیں، بے پردہ رہتی ہیں، کھلے بندوں چلتی پھرتی ہیں۔ زنا بھی ان سے ثابت ہو اور حمل بھی گرائے گئے ہوں یا طوائف وغیرہ۔ تو ایسی عورتوں کا نکاح بلااستبراء رحم جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

الجواب:

اگر وہ کسی کی منکوحہ نہیں تو بلااستبراء رحم بلکہ خاص حالت زنا میں اس سے نکاح جائز ہے مگر حمل خود اس ناکح کا نہ ہو تو اسے قربت جائز نہیں جب تک وضع حمل نہ ہو جائے **لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ درمختار**[1] (تاکہ اس کا پانی دوسرے کی کھیتی کو سیراب نہ کرے۔ درمختار۔ ت)

مسئلہ ۲۷۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

ایک شخص نے اپنے حقیقی بیٹے کی بی بی سے زنا کیا اور عورت اس کی مقر ہے مرد یعنی جس نے زنا کیا اس کو تمام برادری کے لوگوں نے علیحدہ کر دیا اس سے بات چیت سب بند ہے سلام وغیرہ سب لوگ نہیں کرتے اور مرد زانی نہ اقرار کرتا ہے نہ انکار بلکہ جب لوگ کہتے ہیں کہ تو نے بڑا بھاری گناہ کیا تو کہتا ہے کہ خطا ہوئی کیا کریں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ عورت کیا اب خاوند اصلی کے پاس رہ سکتی ہے اور اس کے لیے حلال ہے یا کہ دوسرے شخص سے نکاح کر لے اور کیا اس عورت کو خاوند سے طلاق لینے کی بھی ضرورت ہے اور کیا جب تک وہ طلاق نہ دے اس وقت تک غیر سے نکاح نہیں کر سکتی؟ اور بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بلاطلاق دیئے غیر سے نکاح نہیں کر سکتی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ طلاق کی ضرورت نہیں وہ عورت اپنے خاوند اصلی کے لیے حرام ہو گئی اور کیا یہ عورت مہر لے سکتی ہے؟

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

الجواب:

شوہر اگر مانتا ہے کہ ایسا ہوا تو عورت اس پر ہمیشہ کو حرام ہو گئی، کسی حیلہ سے اس کی زوجیت میں نہیں آسکتی، اس پر فرض ہے کہ اسے فوراً جدا کردے متارکہ کرے، مثلاً کہہ دے میں نے تجھے چھوڑا اب اس کے دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی اس لیے زیادہ طلاق کی بھی حاجت نہیں، اور اگر شوہر کو امر مذکور کا وقوع تسلیم نہیں تو صرف عورت کے کہنے سے ثبوت نہیں ہوسکتا، اگر شوہر نے طلاق نہ دی وہ اس کی عورت ہے اور دی تو جیسی طلاق دی ویسا حکم، اگر تین طلاقیں دیں تو بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ رہا مہر وہ تمام صورتوں میں مطلقاً لازم ہے مہر متاخر میں عورت کو لینے کا اختیار بعد متارکہ یا طلاق یا موت ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۲: از مقام اکلترہ ضلع بلاسپور مسئولہ حامد علی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے زنا کیا، اب کیا یہ بیوی اپنے اصلی شوہر جو کہ زانی کا لڑکا ہے پاس رہ سکتی ہے؟ اور اگر نہیں رہ سکتی تو دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور شوہر اول سے مہر لینے کی مستحق ہے کہ نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ کہ زنا کیا، جھوٹ بک دینے سے ثابت نہیں ہوسکتا اس کے لیے چار شاہد چاہئیں، بغیر اس کے زید کا باپ اگر اقرار بھی کرے اور زید باور نہ کرے تو اس کا اقرار زید پر حجت نہیں۔ ہاں اگر شہادت شرعیہ سے ثابت ہوجائے یا زید اس کی تصدیق کرے تو عورت زید پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی مگر ابھی نکاح سے نہ نکلی، دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی جب تک زید اسے نہ چھوڑے، اور اس صورت میں زید پر فرض ہوگا کہ فوراً اسے چھوڑ دے، اس کے بعد عورت عدت کرے بعد عدت سوائے زید کے جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، زید پر اس کا مہر بہر حال لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳: از کولمبو سیلون مسئولہ عبدالقادر صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رشتہ داروں کی کن کن عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں اور کن کن سے ناجائز؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ شخص جن کی اولاد میں ہے جیسے باپ، دادا، نانا، جو اس کی اولاد میں ہو جیسے بیٹا، پوتا، نواسا، ان کی بیبیوں سے نکاح حرام ہے اور خسر کی بی بی سے بھی حرام ہے جبکہ وہ اپنی زوجہ کی حقیقی ماں ہو، باقی رشتہ داروں کی بیبیوں سے ان کی موت یا طلاق وانقضائے عدت کے بعد نکاح جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴تا۲۷۶: از کوہ رانی کھیت کوٹھی انجینئر اسپیل مرسلہ غلام محمد صاحب ۲۴ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

(۱) شیعہ مذہب کا نکاح سنی مذہب کی لڑکی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ لڑکا اور اس کا باپ شہادت دلاتے ہیں کہ ہم سنی مذہب ہیں اور اگر تم شیعہ سمجھتے ہو تو اپنے دل کے اطمینان کے واسطے ہمیں سنی مذہب کرلو، اور جو ان کے ہم وطن ہیں وہ کہتے ہیں ہم لوگ شیعہ ہیں اور ان کے گاؤں میں سنی مذہب رہتے ہیں اور ان کے خاندان سے واقف ہیں کہ یہ سنی مذہب ہیں اس پر یہاں کے مسلمان کہتے ہیں کہ انھیں ہم نے ہمیشہ شیعہ مذہب کا برتاو کرتے دیکھا، اور بعض مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ لڑکے شیعہ مذہب میں نہیں ہیں اور ان کے والد کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے۔

(۲) اور دو شخص نے یہ کہا کہ لڑکی کا باپ اور لڑکے کی ماں کچھ تعلق رکھتے ہیں اس پر لڑکی کے باپ نے قرآن شریف لاکر کہا کہ اس کو اٹھاؤ، وہ انکار کیا اور چلا گیا اور کوئی ثبوت نہ ہوا۔

(۳) جب برات گئی اور لڑکی کا بھائی مولانا صاحب کے پاس گیا کہ نکاح پڑھانے کو آئیں گے یا نہیں، تو انھوں نے کہا میں نہیں جاؤں گا تو کون آئے گا، نکاح کے وقت وہ نہیں آئے اور کہا کہ جو کوئی ان کا نکاح پڑھائے گا اس کی عورت کو طلاق ہوجائے گی۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) رافضیوں میں تقیہ ہے، بے حاجت بھی تقیہ کرتے ہیں۔ حاجت کے وقت کا کیا اعتبار اور اشتباہ مٹانے کی کیا صورت کہ تقیہ وہ ملعون چیز ہے جس کا کرنے والا سب کچھ کہہ لے گا۔ خالص اسلام بولے اور دل میں کفر بھرا ہوگا۔ رافضیوں کی شہادت کہ یہ سنی ہے کیا معتبر ہوسکتی ہے، رافضی کی گواہی کچھ معتبر نہیں لاایمان لھم (ان کا ایمان ہی نہیں۔ ت) بعض مسلمانوں کی گواہی کہ یہ شیعہ نہیں اور مسلمانوں کی شہادت کہ انھیں شیعی برتاؤ کرتے دیکھا، یہ شہادت اثبات ہے اور وہ شہادت نفی جو مقبول نہیں۔ لہٰذا یہ نکاح ہرگز نہ کیا جائے۔ **قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیف وقد قیل**[1] (حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیسے ہوسکتا ہے جبکہ یہ بات کہہ دی گئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) ایسے خیالی بیانوں سے ناجائز تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) اس کے رافضی ہونے کے سبب جس نے نکاح پڑھانے سے انکار کیا بہت اچھا کیا اور وہ حکم

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹

جو اس نے بیان کیا اگرچہ مطلق نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ جب رافضی کے ساتھ سنیہ کا نکاح جائز وحلال جانا تو خود اس کی عورت نکاح سے نکل جائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۷: از رانی کھیت صدر بازار مسئولہ محمد ابراہیم خان صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک خان تبت کا اور اس کا لڑکا اپنے آپ کو سنت جماعت بتاتے ہیں اور قرآن شریف کے رو سے اپنا طریقہ سنت وجماعت بتاتے ہیں اور قریب ۳۰، ۳۵ سال سے رانی کھیت میں رہتے ہیں، اب سب لوگ ان کو رافضی مذہب کا کہتے ہیں، اب دریافت یہ کرنا کہ سنی کی لڑکی کا نکاح ایسے شخص سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یہ شخص غریب ہے سب لوگ عداوت سے رافضی کہنے لگے ہیں ان کے سب طریقے روزے، زکوۃ، نماز کے اہل سنت وجماعت کی طرح ہیں، رانی کھیت کی مسجد کے مولانا نے جن کا نام عبدالرحمٰن ہے نکاح نہیں پڑھایا کہ رافضی کا نکاح سنی سے نہیں ہو سکتا عداوت سے سب مسلمان ایک ہو گئے ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاوجہ عداوت سے سب مسلمانوں کا ایک ہو جانا معقول نہیں اور رافضیوں کا تقیہ معلوم ہے اور نکاح امر عظیم ہے احتیاط لازم ہے، حدیث میں فرمایا: **کیف وقد قیل**[1] (کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ بات کہہ دی گئی ہے۔ت) **ھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۸: از لکھنؤ بنگال بنک ڈاکخانہ حضرت گنج مسئولہ عبدالرحیم صاحب

مسئلہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کی سسرال کے رشتہ کے ماموں کا لڑکا اور زید کی لڑکی سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اپنے حقیقی ماموں کے بیٹے سے بیٹی کا نکاح جائز ہے۔ سسرال کے رشتہ کا ماموں تو بہت دور ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو مثل رضاعت وغیرہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۹: از شہر اکیاب تھانہ کیوکتو موضع کاؤنچی بازار مرسلہ مولوی سکندر علی صاحب بنگالی طالب علم مدرسہ نیازیہ خیرآباد ضلع سیتاپور ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

ماقولکم ماحکم اللہ تعالٰی فی ھذہ	تمھاری کیا رائے ہے کہ اللہ تعالٰی کا کیا حکم ہے اس

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب فی المسألۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹

المسألۃ شخصے قاسم زنے راکہ در قرابتش بنت بنت رضاعی مر برادر حقیقی قاسم باشد بحبالہ نکاحش آورد وظن او چنان بود کہ موافق مذہب خود جائز ست، از علما ہم استفتا نمودہ بود، ایشاں بصحت نکاحش قضا نمودند، پس از چندے علمائے احناف بعدم جواز نکاحش فتوی می دادند وجماعت مسلمین را باو مجالست وامواکلتش منع می کنند مادامیکہ تفریق نکاحش نکنند۔	مسئلہ میں، کہ قاسم نامی ایک شخص نے اپنے قریبیوں میں سے ایک عورت جو کہ قاسم کی حقیقی بھائی کی رضاعی نواسی ہے، سے نکاح کیا اور اس کا خیال تھا کہ اپنے مذہب میں یہ جائز ہے اور اس نے علماء سے بھی پوچھا تو انھوں نے بھی اسے جائز کہا، اس کے بعد چند حنفی علماء نے اس نکاح کے ناجائز ہونے کا فتوی دیا اور مسلمانوں کو نکاح کرنے والوں کے ساتھ میل جول اور کھانے پینے سے منع کر دیا تاوقتیکہ وہ اس نکاح کو ختم کرکے علیحدگی اختیار نہ کرلیں۔ (ت)

جواب بنگالیاں

بر تقدیر صدق مسئولہ عنہا علمائے شریعت غرّا وفضلائے طریقت بیضا بالخاصہ فقہائے مذہب حنیف وعلمائے ملت منیف می نگارند کہ چوں علمائے مذہب مستمرہ شاں مجتہد باشد یا مقلد ظنًا یا سہوًا عملے کنند وحکمے بکارے صادر نمایند وقضا برآں تنفیذ فرمایند، پس آں دانستند ووقوف یافتند کہ ہماں عمل وفعل زیشاں بظہور پیوستہ بطبق مذہب شاں نپرداختہ وبمشرب یکے از ائمہ ودیگرے کہ معدود ومحدود بہ سنت جماعت ست در پیوستہ پس بار دیگر تنقیض وتردید آنہا کردن روا وجائز نباشد بل بہمیں مسلک تقلید نمودہ کہ ہم خالی از تلفیق دارد ہماں عمل وفعل رالا محالہ	مسئولہ صورت کے صدق پر علمائے شریعت اور طریق حق کے ناقلین خصوصًا فقہائے مذہب حنیف اور علمائے ملت لکھتے ہیں کہ جب مروجہ مذاہب کے مجتہد یا مقلدین میں سے کوئی اپنے ظن سے یا غلطی سے کسی کام کا حکم صادر کریں اور اس پر فیصلہ بطور قضاء نافذ کردیں، اور بعد میں معلوم ہو کہ یہ عمل یا کام ان کے مذہب کے خلاف ہے اور کسی دوسرے اہلسنت کے امام کے مسلک میں جائز ہے تو اس عمل اور کام کو کالعدم کرنا جائز نہیں بلکہ دوسرے جائز قرار دینے والے مسلک کی تقلید میں اس کو جائز اور نافذ رکھنا چاہئے، اس سے اپنے مروجہ مذہب سے خروج اور دوسرے مذہب کو اختیار کرنا لازم نہ آئے گا۔ پس قاسم مذکور کا مذکورہ نکاح اگرچہ حنفی مذہب کے خلاف ہے مگر اہل ظواہر کے مسلک مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی جو کہ

صحیح ودرست دارند ونیز ازیں تقلید ظنی از مذہب مستمرہ خود خارج نہ شوند ومنسوب بداں مذہب دیگر نگردند پس مناکحت قاسم بدیں منوال بہمیں مقال صادق ست کہ لاریب ولا محالہ صحیح ونافذ گردیدہ است اگرچہ بالفرض والتقدیر مخالف مذہب حنفی آمدہ لیکن بمسلک اہل ظواہر کمثل امام ہمام شافعی علیہ رضوان الباری وغیرہ کہ مسلوک ومشمول بسنت جماعت ست بپرداختہ در پیوستہ کہ علمائے احناف بظن جواز مذہب شان مظنون شدہ بنت بنت رضاعی رامر برادر حقیقی قاسم مذکور بود حکم نکاحش دادہ بودند بحالتیکہ در تحت حجاب ممنوعات کلیہ حنفیہ محجوب ومستور بودہ ودر ضمن ضابطہ مامور بہا محللات اہل ظواہر کہ ہچوں شافعی وغیرہ ہستند مکشوف ومظہر ماندہ پس ہر گز علماء احناف را نمی رسد کہ تفریق وافساد در نکاحش کنند کہ آں مستلزم تحقیر تنکیر سنت جماعت کردد وحقارت یکے را از سنت عند اللہ بموجب ضلالت دارد، کما قال العلامۃ ابن عابدین الشامی الحنفی فی ردالمحتار ناقلاً عن العلامۃ الشرنبلالی فی عقد الفرید، ان لہ التقلید بعد العمل کما اذا صلی ظانا صحتہا علٰی مذہبہ ثم تبین بطلانہا فی مذہبہ وصحتہا علی مذہب غیرہ فلہ تقلیدہ ویجتزی بتلک الصلوۃ علی ماقال فی البزازیۃ انہ روی عن ابی یوسف انہ صلی الجمعۃ مغتسلاً من الحمام ثم اخبر بفارۃ فی بئر الحمام، فقال ناخذ بقول اخواننا من اہل المدینۃ اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا[1] اھ

اہلسنت وجماعت ہیں کے ہاں نکاح درست ہوا، نیز علمائے احناف نے جب غلطی سے اس نکاح م-ذکورہ کو جائز گمان کیا تو ان کے گمان میں جائز ٹھہرا کہ حقیقی بھائی کی رضاعی نواسی سے قاسم کا نکاح درست قرار دے کر کردیا اور ان کی نظر میں امام شافعی جیسے اہل ظواہر کے مسلک پر اس کا جواز معلوم ہوا تو اب علمائے احناف کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ اس نکاح کو فاسد کریں اور تفریق کریں، کیونکہ جماعت کی اور ایک سنت اور مسلک کی تحقیر لازم آئے گی جو کہ عنداللہ گمراہی کا موجب ہے، جیساکہ علامہ شامی نے علامہ شرنبلالی سے ردالمحتار میں عقدالفرید سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو عمل کے بعد بھی دوسرے کی تقلید جائز ہے جیساکہ اپنے مذہب کے مطابق نماز کو صحیح سمجھ کر ادا کیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے مذہب صحیح میں نہیں ہوئی مگر دوسرے امام کے مذہب میں صحیح ہو گئی تو اب دوسرے امام کی تقلید کرتے ہوئے نماز کو صحیح قرار دینا جائز بشرطیکہ نماز پڑھتے وقت اسی نے تحری کی ہو جیساکہ بزازیہ میں فرمایا کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ حمام کے پانی سے جمعہ کا غسل کیا پھر بعد میں بتایا گیا کہ حمام میں چوہا مرا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم اپنے بھائی اہل مدینہ کے مسلک کو اپناتے ہوئے کہ جب پانی دو۲ قلے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا اس پر عمل پیرا ہیں اھ اور نیز انھوں نے درمختار کے قول

[1] ردالمحتار مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۱

وایضاً فیه تحت قول الدرالمختار واما المقلد الخ نقله فی القنیة عن المحیط وغیرہ وجزم به المحقق فی فتح القدیر وتلمیذہ العلامه قاسم وادعی فی البحران المقلد اذا قضی بمذهب غیرہ وبروایة ضعیفة اوبقول ضعیف نفذ۔اقوی ماتمسك به مافی البزازیه عن شرح الطحاوی اذالم یکن القاضی مجتهدًا وقضی بالفتوی ثم تبین ان علی خلاف مذهبه نفذ ولیس لغیرہ نقضه وله ان ینقضه کذا عن محمد وقال الثانی لیس له ان ینقضه ایضاً[1]۔لان امضاء الفعل کامضاء القاضی لاینقض[2]۔ و دلیل مذہب الظاهر که ملحق بہ سنت جماعت ست ومخالف فرعی درباب رضاعت باحناف می دارند ہمچوں امام ہمام شافعی وغیرہ ہستند ہمیں ست چنانچہ شارح مسلم امام نووی درشرح آں مے نگارند ولم یخالف فی هذا الا اهل الظاهر وابن علیة فقالوا لاتثبت حرمة الرضاع بین الرجل والرضیع ونقله المازری

"امام المقلد" کے تحت فرمایا کہ قنیہ نے محیط وغیرہ سے نقل کیا اور اس پر فتح القدیر میں محقق اور ان کے شاگرد علامہ قاسم نے جزم کیا ہے اور بحر میں دعوی کے طور پر کہا کہ قاضی مقلد نے اگر غیر کے مذہب یا ضعیف قول یا روایت پر فیصلہ دے دیا تو وہ نافذ ہوگا،اور اس سلسلہ میں بہترین استدلال بزازیہ کی شرح طحاوی سے منقول عبارت ہے کہ جب قاضی مجتہد نہ ہو اور کسی کے فتوی پر فیصلہ کردیا ہو تو بعد میں اگر معلوم ہوا کہ اس نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا ہے تو فیصلہ نافذ رہے گا،اور دوسرا قاضی اس کو رد نہیں کرسکتا،ہاں وہ خود کالعدم کرسکتا ہے،امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں منقول ہے،اور دوسرے امام یعنی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ خود اس قاضی کو بھی کالعدم کرنے کا حق نہیں کیونکہ عمل نافذ ہوجانے پر گویا کہ قاضی نے نافذ کردیا ہے اور نافذ شدہ کو کالعدم نہیں کہا جاسکتا،اور اہل ظواہر کامذہب بھی اہلسنت میں شامل ہے اور اس کا صرف فروعی اختلاف رضاعت کے بارے میں احناف سے ہے یہ بھی امام شافعی کی طرح ہیں۔چنانچہ شارح مسلم شریف امام نووی نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے،کہ اس میں صرف اہل ظاہر اور ابن علیہ کا خلاف ہے کہ وہ کہتے ہیں دودھ پینے والی لڑکی اور مرد کے درمیان رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔اور اس کو مازری نے

[1] ردالمحتار مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنه داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۲

[2] ردالمحتار مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنه داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۱

عن ابن عمر وعائشه (رضی اللہ تعالٰی عنہما) واحتجوا بقوله تعالٰی وامھتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة ولم یذکر البنت والعمة کما ذکرھما فی النسب [1] وامام ابو عیسٰی ترمذی درجامع ترمذی شان می آرند حدثنا الحسن بن علی اخبرنا ابن نمیر عن ھشام بن عروة عن ابیه عن عائشه قالت جاء عمی من الرضاعة یستأذن علی فابیت ان اذن له حتی استأمر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فلیلج علیك فانه عمك قالت انما ارضعتنی المرأة ولم یرضعنی الرجل قال فانه عمك فلیلج علیك ھذاحدیث حسن صحیح والعمل علی ھذه عند بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وغیرھم کرھوالبن الفحل والاصل فی ھذا حدیث عائشة وقد رخص بعض اھل العلم فی لبن الفحل والقول الاول اصح [2] رواہ الترمذی	عبداللہ بن عمر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل کیا ہے اور اصحاب ظواہر نے اپنی دلیل میں کہا کہ اللہ تعالٰی نے دودھ پلانے والی تمھاری ماؤں اور تمھارے رضاعی بھائیوں کو ذکر کیا ہے اور بیٹی اور پھوپھی کو ذکر نہیں کیا جس طرح ان کو نسب میں بیان فرمایا ہے اور امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں بیان کیا ہے کہ ہمیں حدیث بیان کی حسن بن علی انھوں نے ابن نمیر انھوں نے ہشام انھوں نے اپنے باپ عروہ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے انھوں نے فرمایا میرا رضاعی چچاآیا اور اس نے میرے ہاں آنے کی اجازت چاہی تو میں نے انکار کیا حتی کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا وہ تیرے ہاں داخل ہوسکتا ہے کیونکہ وہ تیرا چچا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کیا کہ مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں پلایا۔ تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے وہ داخل ہوسکتا ہے۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اس پر عمل ہے بعض صحابہ کرام کا اور ان کے غیر نے دودھ والے خاوند یعنی رضاعی باپ کو داخل ہونا مکروہ کہا ہے اور اصل ثبوت حضرت عائشہ کی حدیث ہے، اور بعض اہل علم نے دودھ والے باپ (رضاعی باپ) کو داخل ہونے کی اجازت دی ہے، اور پہلا قول صحیح ہے اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے،

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۶

[2] جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی لبن الفحل امین کمپنی کراچی ۱/۱۳۷

وقال الشامی ونظیر هذه ما نقله العلامة بیری فی اول شرحه علی الاشباه عن شرح الهدایه لابن شحنه ونصه اذا صح الحدیث وکان علی خلاف المذهب عمل بالحدیث ویکون ذلك مذهبه ولا یخرج مقلده عن کونه حنفیا بالعمل به فقد صح عن ابی حنیفة امام الاعظم انه قال اذا صح الحدیث فهو مذهبی وقد حکی ذلك ابن عبدالبر عن ابی حنیفة وغیره من الائمة [1] الخ وقاضی خان وصاحب ہدایہ ہماں مذہب اہل ظاہر نقل بالتصریح فرمودہ اند کما قال فی فتاوی قاضی خاں وقال الامام الهمام الشافعی الحرمة لاتثبت فی جانب الاب والفقهاء یسمون هٰذه المسألة لبن الفحل [2] وقال فی الهدایة وفی احد قول الشافعی لبن الفحل لایحرم لان الحرمة لشبهة البعضیة واللبن بعضها لابعضه [3] ہر گاہ از دلائل کتب فقہائے حنفیّہ مبین ومبرہن گردید کہ تزویج قاسم نامی نزد علمائے حنفی رواودرست گردیدہ واز اں مذہب حنفی بیروں

اور شامی نے کہا کہ اور اس کی نظیر وہ ہے جس کو علامہ بیری نے اشباہ پر اپنی شرح کے ابتداء میں ہدایہ کی شرح سے نقل کیا یہ شرح ابن شحنہ کی ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ جب حدیث صحیح ہے جو کہ مذہب کے مخالف ہے تو عمل حدیث پر ہوگا، ____ اور یہی امام کا مذہب ہوگا اور اس حدیث پر عمل سے مقلد، امام صاحب کی تقلید سے خارج نہ ہوگا کیونکہ امام ابو حنیفہ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب حدیث صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے، اس کو ابن عبدالبر نے امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ سے نقل کیا ہے الخ،
قاضی خاں اور صاحب ہدایہ نے اہل ظواہر کا مذہب صراحةً یہی ذکر کیا ہے جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں کہا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی باپ کی جانب سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں کرتے، اور فقہاء کرام نے اس مسئلہ کو "لبن الفحل" (خاوند کا دودھ) کا عنوان دیا ہے، اور ہدایہ میں کہا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول میں رضاعی باپ حرام نہیں ہوتا کیونکہ رضاعت میں حرمت جزئیت کی وجہ سے ہوتی ہے جبکہ دودھ عورت کا جز ہے مرد کا نہیں، بہر حال حنفی فقہ کی کتب میں مذکور دلائل سے ثابت ہے کہ قاسم نامی شخص کا مذکورہ نکاح درست ہوجاتا ہے اور اس کو درست ماننے سے حنفی مذہب

---

[1] ردالمحتار مطلب صح عن الامام انہ قال اذصح الحدیث فھو مذہبی احیاء التراث بیروت ۱/۴۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب الرضاع نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۹

[3] الہدایہ باب الرضاع مکتبہ عربیہ کراچی ۲/۳۳۱

نہ آمدہ باوجود آں اگر جماعت مسلمین بروے زبان طعن ولعن بہ کشایند پس عنداللہ ماخوذ شوند عند الناس مستحق سزا کما ھو فی کتب الفقه من اذی مسلما بقول اوبفعل ولوبغمز العین عزر [1] پس ایشاں مادامیکہ تائب وآئب نہ شوند از مواکلت ومشاربت جماعت مسلمین خارج کردہ شوند چنانچہ وارد شدہ کہ ایاک ومجالسۃ الشریر فقط واللہ تعالٰی اعلم وعلمه احکم وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآله وصحبه اجمعین برحمتك یاارحم الراحمین۔	سے خارج ہونالازم نہیں آتا۔اس کے باوجود اگر مسلمان اس پر لعن طعن کریں گے تو عنداللہ مجرم ہوں گے اور قانون میں سزا کے مستحق ہوں گے جیسا کہ کتب فقہ میں ہے کہ اگر کسی نے مسلمان کو اپنے قول، فعل یا اشارہ سے اذیت دی تو وہ قابل سزا ہے، پس ایسے لوگ جب تک توبہ اور رجوع نہ کریں تو ان سے مل کر کھانا پینا منع ہے جیسا کہ وارد ہے کہ "شریر کی مجلس سے بچو" فقط واللہ تعالٰی اعلم۔اس جل مجدہ کا علم کامل ہے۔ہماری آخری بات یہ ہے کہ الحمدللہ رب العالمین،والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین وآلہٖ وصحبه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔ (ت)

الراقم احقر الحقیر محمد عظیم الدین کیوکتوی بہاریاروی خلف الہدی شیخ اکبر علی سلمہ، بانی مسجد مہتمم مدرسہ اسلامیہ محلّہ وی۔

تحریر دیگر تائیدآں

آرے مذاہب ائمہ اربعہ جملگی درحق ست وحق بہماں دائرست اگرچہ مجتہد مطلق یا مقلد محض بہ مذہب شان عملے وفعلے قضا کند بعدہ دانستہ کہ مخالف مذہب شان وموافق مذہب دیگرے کہ معدود بسنت جماعت ست بخطائے ظن شاں ملصق گشتہ فقہا احناف روانمی دارند کہ بار دیگر آں را ابطال وافساد کنند تا موجب تحقیر وتنفیر بمذاہب ائمہ سنت جماعت	ہاں چاروں مذہب حق ہیں اور حق انہی میں دائر ہے،اگر کوئی مجتہد مطلق یا مقلد محض ان کے مذہب پر کوئی عمل یا فعل کرتے ہوئے فیصلہ کرے اور بعد میں معلوم ہوجائے کہ اس کے مذہب کے مخالف ہے اور دوسرے کے مذہب کے موافق ہے اور یہ دوسرا مذہب اہل سنت میں شمار ہو تو اس فیصلہ کو فقہائے احناف باطل وفاسد کرنا جائز نہیں کرتے تاکہ اہل سنت وجماعت کے ائمہ کرام کی تحقیر وتنفیر

[1] درمختار باب التعزیر مجتبائی دہلی ۱/۳۲۷

لازم نیاید آں خطائے عظیم وسخط جسیم باشد عنداللہ تعالٰی لہذا علماء زاں اباوانکار فرمودند ودر تواریخ بروایت صحیح مروی شدہ کہ بارے در مجلس شریف حضرت پیران پیر غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ از کسے مذکور شدہ بود کہ امام احمد حنبل دراجتہاد پایہ چنداں ندارند لہذا درمذہب شاں جماعت قلیل دارند بمجرد استماع آں حضرت پیران پیر رضی اللہ تعالٰی عنہ چیں بر جبیں آوردہ وغضبناک شدہ فرمودند کہ ازیں تاریخ عبدالقادر بمذہب احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ تقلید نمودہ پیش ازیں بمذہب امام مالك بودند سبحان اللہ ما اعظم شانہ وما اکبر شانھم وفخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم درشان ائمہ اربعہ رحمۃ من اللہ ووسعۃ من اللہ فرمودند ونقل السیوطی عن عمر بن عبدالعزیز اختلاف ائمۃ الھدی رحمۃ من اللہ تعالٰی علی ھذہ الامۃ کل یتبع ماصح عندہ وکلھم علٰی ھدی وکل یرید اللہ وتمامہ فی کشف الخفاء، پس تزویج قاسم نزد فقہائے حنفی بہ صحیح آوردہ اگرچہ بالفرض مخالف مذہبی روے دادہ واز حنفیت نیز بیروں نیامدہ کما حررہ المجیب للہ درہ واجرہ ولقد نظرت ھذا الفتوی بامعان النظر وتصفحت ھذہ المسألۃ بصفحات الکتب الفقھیۃ الحنفیۃ فوجدت صحیحا

لازم نہ آئے، اور اس فیصلہ کو غلط کہنا عنداللہ بڑا گناہ ہے اس لیے علمائے کرام اس سے پرہیز کرتے ہیں، تاریخ میں صحیح روایت موجود ہے کہ حضرت پیر پیران غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مجلس میں ایک شخص نے ذکر کیا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اجتہاد میں کوئی اہم مقام نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے مقلدین کی تعداد بہت کم ہے، حضرت پیر پیران سنتے ہی جلال میں آگئے اور فرمایا کہ میں (عبدالقادر) آج سے امام احمد بن حنبل کا مقلد ہو رہا ہوں جبکہ آپ پہلے امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مقلد تھے، سبحان اللہ! اس کی شان اعظم واکبر ہے، فخر عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ائمہ اربعہ (اللہ تعالٰی کی رحمت ووسعت ہو ان پر) کی شان میں فرمایا جس کو امام سیوطی نے نقل فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ ہدایت کے اماموں کا اختلاف اللہ تعالٰی کی رحمت ہے اس امت کے لیے، ہر ایک نے جس کو صحیح سمجھا وہی اس نے اپنایا، اور تمام ائمہ ہدایت پر ہیں، اور تمام اللہ تعالٰی کی رضا کے طالب ہیں، اس کا تمام بیان کشف الخفاء میں ہے۔ لہٰذا قاسم مذکور کا نکاح حنفی فقہاء کے نزدیک درست ہے اگرچہ بالفرض مذہب کے مخالف ہے اور حنفیت سے بھی خارج نہیں ہوتا جیسا کہ مجیب نے تحریر کیا ہے اس کا اجر ونفع اللہ تعالٰی اس کو عطا فرمائے، میں نے اس فتوی کو گہری نظر سے دیکھا اور فقہ کی کتب میں اس کی میں نے چھان بین کی تو میں نے اس کو صحیح مطابق قرآن اور موافق ثواب پایا ہے

مطابقا بالکتاب وموافقا للصواب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل۔ کتب الحقیر الراجی الی رحمۃ ربہ الخلاق عبدالرزاق الکیوکتوی غفرلہ۔	اور اللہ تعالٰی ہی حقیقت زیادہ جانتا ہے اور اس کی طرف رجوع ہے، اس کو اللہ تعالٰی کی رحمت کے امیدوار عبدالخالق کیوکتوی غفرلہ، نے لکھا ہے۔(ت)

الجواب:

ایں ہمہ جہل شدید وضلال بعید وافترا بر شرع مجید ست نکاح باہنت بنت الاخ بعینہٖ ہمچو نکاح بادختر خود ست نسبًا باشد یا رضاعًا وحرام قطعی ست باجماع ائمہ دین ونص قرآن مبین وصحاح احادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین نسبت جواز ش بامام شافعی خواہ بامام دیگر از ائمہ مسلمین خطائے محض ست وایں بنگالیاں کہ فتوی بجوازش دادہ بودند علما نہ بودند بہ ہزاران درجہ بدتر از جہلا بودند واینان کہ فتوی ملعونہ ایشاں را نافذ می کنند ہمہ ہاحرام خدا راحلال می نمایند ہمچو کسان راحرام وسخت حرام ست کہ تصدی بافتاکنند درحدیث فرمود **من افتی بغیر علم لعنۃ ملئکۃ السماء والارض**[1] ہر کہ بے علم فتوی دہد ملائکہ آسمان وزمین براولعنت وبرآن حاکمان وایں فتوائے نفاذ ہر دو ملعون ست وبر حاکماں وایں مفتیان توبہ فرض ست ورنہ مسلمان از مجالست ایشان احتراز درزند درہیچ امر فتوی ازایشاں خواستن حرام ست **قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا**	یہ تمام شدید جہالت اور انتہائی گمراہی ہے اور شریعت پر افتراء ہے، بھائی کی نواسی سے نکاح ایسے ہے جیساکہ اپنی بیٹی سے، نواسی نسبی ہو یا رضاعی، اور قرآن وحدیث اور اجماع سے یہ حرام قطعی ہے، اس کے جواز کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ یا کسی اور امام المسلمین کی طرف کرنا خطائے محض ہے اور جن بنگالیوں نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے وہ عالم نہیں بلکہ ہزار درجہ جاہلوں سے بھی بدتر ہیں، جنھوں نے بھی یہ ملعون فتوی نافذ کیا انھوں نے اللہ تعالٰی کے حرام کو حلال کیا اوراسی طرح وہ حضرات جنھوں نے اس کی تصدیق کی انھوں نے حرام ترین کی تصدیق کی، حدیث شریف میں ہے کہ جس نے علم کے بغیر فتوی دیا اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں لہذا جنھوں نے یہ فتوی دیا اور جنھوں نے اس کو نافذ کیا دونوں ملعون ہیں، نافذ کرنے والے حاکم اور مفتیوں پر توبہ فرض ہے ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان سے بائیکاٹ کریں اور آئندہ ان سے کوئی فتوی طلب کرنا حرام ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ لوگ جاہلوں کو رہنما بنائیں گے توجب ان سے سوال

[1] کنزالعمال ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا [1]
مفتیان خشم نہ کنند اینکہ گفتہ شد خیر خواہی ایشاں بود، حرام خدا راحلال گرفتن وزنائے پدر باد خترش روا داشتن نہ سہل کارے ست۔ ہرکہ ہمچو ضلالت قطعیہ تنبیہ کرد مستوجب شکراست نہ مستحق شکایت وَاللّٰہُ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۱۳﴾ [2]
وبرآں ناکح زانی فرض ست کہ دختر راازتصرف خود وا گزارد وبرآں منکوحہ مزنیہ فرض ست کہ بپائے کہ دارداز زنائے پدرش بگریزد فورًا فورًا ورنہ آناں ومزوجان آناں ومجوزاں اینہاھمہ عذاب شدید الٰہی منتظر باشند،نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
امام اجل ابو زکریا نووی کہ احد الشیخین مذہب امام شافعی ست ونص اوہمچو نص امام شافعی ست رضی اللہ تعالٰی عنھم در شرح صحیح مسلم فرماید اما رجل المنسوب ذٰلك اللبن الیہ لکونہ زوج المرأۃ اووطئہا بملك اوشبھۃ فمذھبنا ومذھب العلماء کافۃ ثبوت حرمۃ الرضاعۃ بینہ وبین الرضیع

کیا جائے گا تو بغیر علم فتوی دینگے خود بھی گمراہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کردیں گے، ان مفتیوں کو یہ کہتے ہوئے خوف خدا نہیں کہ یہ خیر خواہی ہے، اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال بنانا اور باپ بیٹی سے زنا کو جائز کرنا کوئی آسان کام ہے، ہر گز نہیں، اور جس شخص نے ان کی اس گمراہی پر تنبیہ کی وہ شکریہ کا مسحق ہے نہ کہ شکایت کا، اور اللہ تعالٰی جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے، اس نکاح کرنے والے زانی پر فرض ہے کہ وہ فورًا لڑکی کو آزاد کردے اور جدائی اختیار کرے، اور منکوحہ مزنیہ پر لازم ہے کہ اپنی توفیق کے مطابق رضاعی باپ کے زنا سے فورًا بچے اور جدائی اختیار کرے ورنہ یہ دونوں اور نکاح کو نافذ کرنے والے اور جائز کرنے والے سب اللہ تعالٰی کے شدید عذاب کا انتظار کریں، ہم اللہ تعالٰی سے عافیت اور معافی کا سوال کرتے ہیں ولا حول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ شافعی مسلک کے شیخین میں سے ایک برگزیدہ امام ابو زکریا نووی جن کی نص امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے منصوص کی طرح ہے، انھوں نے شرح مسلم شریف میں فرمایا ہے کہ وہ شخص جس کی طرف یہ دودھ منسوب ہے کیونکہ یہ عورت کا خاوند ہے یا لونڈی کا مالک یا شبہ کی بناپر وطی کی ہے تو اس کے متعلق ہمارا اور تمام علماء کا مذہب ہے کہ اس کے اور دودھ پینے والے بچے کے درمیان

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۰

[2] القرآن الکریم ۲/۲۱۳

ویصیر ولدالہ واولاد الرجل اخوۃ الرضیع واخواتہ ویکون اخوۃ الرجل اعمام الرضیع واخواتہ عماتہ، ویکون اولاد الرضیع اولاد الرجل ولم یخالف فی ھذہ الا اھل الظاھر وابن علیۃ[1]

این تصریح صریح این امام شافعیہ ببیں کہ مذہب ماو جملہ علماء تحریم ست ودرو خلاف نہ کردند جزء فرقہ ظاہریہ وابن علیہ طرفہ آنکہ مجیب عبارت مذکورہ نووی از ینجا نقل کرد کہ لم یخالف فی ھذہ الخ وصدر کلام کہ فرمودہ بودند کہ مذہب ماو مذہب جملہ علماء تحریم ست در پردہ اخفا داشت وامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ راظلماً از اہل ظاہر شمرد حالانکہ ظاہریہ طائفہ ایست مخالف ائمہ اربعہ وسائر مجتہدین شاہ عبدالعزیز صاحب گفتہ اند داؤد ظاہری ومتبعانش را از اہل سنت وجماعت شمردن درچہ مرتبہ از جہل وسفاہت ست رافضیاں کہ ظاہریہ راسنی گرفتہ باقوال ایشاں بر اہلسنت اعتراض می کردند، شاہ صاحب جوابش دادند کہ فرقہ ظاہریہ ہر گز از اہلسنت نیست، ایں جہل وسفاہت شماست کہ ایشاں راسنی گرفتہ برسنیان طعن مے کنید، امام ابن حجر مکی شافعی در کف الرعاع فرماید واعلم

حرمت رضاع ہوگی اور یہ اس بچے کا باپ ہوگا اور اس کی دوسری اولاد اس بچے کے بہن بھائی ہوں گے اور اس شخص کے اپنے بھائی بہن اس بچے کے لیے چچا اور پھوپھی ہوں گے اور اس بچے کی اولاد اس شخص کی اولاد قرار پائے گی، اس میں اہل ظاہر وابن علیہ کے بغیر کسی کو اختلاف نہیں۔ شافعی حضرات کے امام کی صاف تصریح ہے کہ ہم اور تمام علماء اس تحریر پر متفق ہیں اور ہمارا یہ مذہب ہے اس میں فرقہ ظاہریہ اور ابن علیہ کے بغیر کسی نے خلاف نہ کیا، تعجب ہے کہ مجیب نے امام نووی کی صرف اتنی عبارت کہ "مخالفت نہیں کی" کو نقل کیا اور اس سے پہلی عبارت کہ "ہمارا تمام علماء کامذہب تحریم ہے" کو چھپالیا اور پھر امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کو غلط طورپر اہل ظواہر میں شمار کردیا، حالانکہ ظاہریہ فرقہ تمام ائمہ مجتہدین کے خلاف ہے، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ہے کہ داؤد ظاہری اوراس کے پیروکار کو اہلسنت سے شمار کرنا انتہائی جہالت ہے، رافضیوں نے ظاہریہ فرقہ کو اہلسنت کہہ کر ان کی باتوں کی وجہ سے اہلسنت پر اعتراض کئے ہیں، شاہ صاحب نے جواب میں رافضیوں کو فرمایا کہ ظاہری فرقہ ہر گز اہلسنت نہیں ہے ان کو اہلسنت کہنا تمھاری انتہائی جہالت ہے جس کی وجہ سے تم سنیوں پر اعتراض کرتے ہو، امام ابن حجر مکی شافعی اپنی کتاب کف الرعاع میں فرماتے ہیں: جاننا

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۶

ان الائمة صرحوابان الظاھریة لایعتد بخلافھم،ولایجوز تقلید احد منھم لانھم سلبوا العقول حتی انکروا القیاس الجلی [1]۔نیز فرمود لانھم اصحاب ظاہریة محضة تکاد عقولھم ان تکون مسخت،ومن وصل الی انه یقول ان بال الشخص فی الماء تنجس او فی اناء ثم صبه فی الماء یتنجس کیف یقام له وزن،ویعد من العقلاء فضلاء عن العلماء [2]۔ ہمچناں دیگر اکابر شافعیہ تصریح بلبن فحل کردہ اندو درمذہب خود بوئے از خلاف نہ دادہ اند واجلہ اورامذہب ائمہ اربعہ واصحاب ایشاں وفقہائے امصار گفتہ اند امام احمد عسقلانی شافعی درارشاد الساری فرمود فیہ دلیل علی ان لبن الفحل یحرم حتی تثبت الحرمة فی جھة صاحب اللبن کماتثبت فی جانب المرضعة فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اثبت عمومة الرضاع والحقھا بالنسب وھذامذھب الشافعی	چاہئے کہ ائمہ کرام نے تصریح کی ہے کہ ظاہریہ فرقہ کے مخالف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ان میں سے کسی کی تقلید جائز ہے، کیونکہ وہ مسلوب العقل لوگ ہیں حتی کہ وہ قیاس جلی کا بھی انکار کرتے ہیں، نیز انھوں نے فرمایا کہ یہ لوگ محض ظاہری ہیں تقریبا بے عقل ہیں،اور یہاں تک کہہ گئے اگر کوئی شخص پانی میں پیشاب کرے تو پانی ناپاک ہے اور اگر کسی برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دے تو پانی پاک ہے ناپاک نہ ہوگا۔تو ایسے لوگ کس شمار میں ہیں،ان کو اہل عقل میں شمار کرنا کیسے مناسب ہے چہ جائیکہ ان کو علماء میں شمار کیا جائے۔اسی طرح دیگر شوافع حضرات نے بھی اس کے بارے میں واضح تصریحات کی ہیں اور انھوں نے اس مسئلہ میں کہیں بھی اختلاف ظاہر نہیں کیااور بڑے بڑے ائمہ شوافع نے اس مسئلہ کو متفقہ علیہ اور چاروں اماموں کا مسلک قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ائمہ کے اصحاب اور علاقوں کے تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے چنانچہ امام احمد عسقلانی شافعی نے اپنی کتاب ارشاد الساری میں فرمایا: اس میں یہ دلیل ہے کہ جس مرد کا دودھ ہے وہ حرمت پیدا کرتا ہے چنانچہ جس طرح دودھ والی عورت کی طرف سے حرمت ثابت اسی طرح اس کے مرد کی طرف سے بھی حرمت ثابت ہوگی کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے رضاعی چچاکااثبات

[1] کف الرعاع القسم الرابع عشر باب فی بیان ان ما مرہ صغیرۃ اور کبیرۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۴

[2] کف الرعاع تنبیہ ادلة التحلیل والردعلیھا دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۸

وابی حنیفہ وصاحبیہ ومالك واحمد کجمهور الصحابة و التابعین وفقهاء الامصار[1]۔ امام حافظ قسطلانی شافعی در فتح الباری فرماید ذهب الجمهور من الصحابة والتابعین وفقهاء الامصار کابی حنیفة وصاحبیہ ومالك والشافعی واحمد واتباعهم الی ان لبن الفحل یحرم[2] امام ابو یوسف اردبیلی شافعی در کتاب الانوار فرماید والفحل الذی منه اللبن ابوه واولادہ من المرضعة وغیرها اخوته واخواته[3]، علامہ زین الدین شافعی تلمیذ ابن حجر مکی در قرۃ العین فرماید تصیر المرضعة امه وذواللبن اباه وتسری الحرمة من الرضیع الی اصولهما وفروعهما وحواشیهما نسبًا ورضاعًا[4] تا ایں جاہمہ نصوص کبرائے شافعیہ است وصاحب البیت ابصر بمافی البیت وصاحب الدار ادری، امام اجل قاضی عیاض مالکی درشرح صحیح مسلم فرماید لم یقل احد من ائمة الفقهاء واهل الفتوی باسقاط حرمة لبن الفحل

فرمایا اور نسب کی طرح قرار دیا ہے اور یہی مذہب امام شافعی، ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا ہے جس طرح کہ صحابہ اور تابعین اور تمام علاقوں کے علماء کا یہی مذہب ہے، اور امام قسطلانی شافعی نے فتح الباری میں فرمایا کہ تمام صحابہ، تابعین اور فقہاء ابوحنیفہ ان کے صاحبین، مالک، شافعی اور احمد اور ان کے تمام متبعین کا مذہب یہ ہے کہ دودھ والا مرد بھی حرام ہوتا ہے، امام ابو یوسف اردبیلی شافعی نے کتاب الانوار میں فرمایا کہ جس مرد سے عورت کو دودھ اترا وہ دودھ پینے والے بچے کا باپ ہے اور اس کی تمام اولاد خواہ اس مرضعہ سے ہو یا کسی دوسری عورت سے وہ سب اس بچے کے بہن بھائی ہوں گے، علامہ زین الدین شافعی ابن حجر مکی کے شاگرد قرۃ العین میں فرماتے ہیں کہ دودھ پلانے والی، ماں، اور دودھ والا مرد باپ ہوگا، اور پھر یہ حرمت بڑھ کر بچے سے مرد و عورت کے اصول وفروع اور ان کے نسبی اور رضاعی متعلقین تک سرایت کرجاتی ہے، تمام نصوص شافعی حضرات کی اس مسئلہ میں یہی ہیں، جبکہ گھر والا گھر کی باتوں کو زیادہ جانتا ہے، برگزیدہ امام قاضی عیاض مالکی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ائمہ فقہاء اور اصحاب فتوی میں سے کسی نے بھی دودھ والے خاوند کی حرمت کو

[1] ارشاد الساری کتاب الرضاع باب لبن الفحل دار الکتب العربی بیروت ۸/۳۳

[2] فتح الباری کتاب النکاح باب لبن الفحل دار المعرفۃ بیروت ۹/۳۱۔۱۳۰

[3] الانوار لاعمال الابرار

[4] قرۃ العین مع شرح فتح العین ارکان النکاح مطبعۃ عامر الاسلام تروز نگاڈی کیرلہ ص ۳۹۰

الااھل الظاھر وابن علیة والمعروف عن داؤد موافقة الائمة الاربعة [1] امام جلیل بدرالدین محمود عینی در عمدة القاری فرمایند لبن الفحل یحرم وھو قول ابی حنیفة ومالك والشافعی واحمد واصحابھم وقال القاضی عیاض لم یقل احد من الائمة [2] الخ (ملخصا) این ست نقول ونصوص ائمہ اجلہ ثقات اثبات ونسبتے کہ در خانیہ وہدایہ واقع شدہ معارضش نتواں بود در نقل مذہب غیر بارہا زلت روی نماید، یکے از اکابر شافعیہ تحلیل زنا بحربیہ در دارالحرب، ودیگرے اجلہ شافعیہ حلت غراب بحضرت امام اعظم نسبت کردو ہر دو باطل است درہمیں ہدایہ حلت متعہ باامام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نسبت نمود حالانکہ باامام مالک بروے حد زنا مے زنند کماھو قول عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنھما اذقال جرب علی نفسك لان فعلتھا لارجمنك باحجارك [3] بخلاف حنفیہ ودیگر ائمہ کہ حرام دانند وتاحد نرسانند بالجملہ جواز ایں نکاح باطل است ہر گزنہ مذہب امام شافعی است نہ مذہب ہیچکس از ائمہ مجتھدین متبوعین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین، ابن علیہ مردے از محدثین است	ساقط نہیں کیا ماسوائے ابن علیہ اور اہل ظاہر حضرات کے، اور داؤد ظاہری سے نقل مشہور ہے کہ وہ بھی ائمہ اربعہ کے موافق ہے، برگزیدہ امام بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا ہے کہ دودھ والے خاوند کی حرمت تمام ائمہ ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے اور قاضی عیاض نے فرمایا کہ کسی امام نے اس حرمت کے اسقاط کا قول نہیں کیا، یہ ہیں تمام ثقہ ائمہ کی نصوص جو ان سے منقول ہیں، اور وہ جو خانیہ اور ہدایہ میں اس کے خلاف ان ائمہ کی طرف منسوب ہے وہ ان نصوص کے معارض نہیں ہوسکتا کیونکہ بارہا دوسروں کے مذہب کو نقل کرنے میں اکثر لغزش ہوجاتی ہے، شافعی مسلک کے اکابرین میں سے ایک نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کی طرف منسوب کردیا کہ ان کے نزدیک دارالحرب میں حربی عورت سے زنا جائز ہے اور دوسرے نے امام ابوحنیفہ کی طرف کوے کے حلال ہونے کی نسبت کردی جبکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، اور اسی ہدایہ میں امام مالک کی طرف متعہ کے حلال ہونے کی نسبت کردی گئی حالانکہ امام مالک ایسے شخص پر حد زنا لگاتے ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول ہے کہ یہ تجربہ کرکے دیکھ اگر تو کریگا تو میں تجھے تیرے ہی پتھروں سے رجم کروں گا۔ بخلاف حنفیّہ اور دیگر ائمہ کہ وہ متعہ کو حرام کہتے ہیں مگر حد نہیں لگاتے

[1] شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض مالکی

[2] عمدة القاری باب لبن الفحل ادارة الطباعة المنیریة مصر ۲۰/۹۷

[3] صحیح مسلم باب نکاح المتعة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۲

عداد در مجتہدین ائمہ نسیت واگر باشد متفرد است وظاہر یہ خود مبتدعا نند ومبتدع را در اجماع اعتبارے نیست ووفاقش ملحوظ نشود وبخلافش خلل نہ پزیرند،لانهم لیسوا من الائمة علی الاطلاق کمافی التوضیح وغیرہ لیسوا من امة الاجابة وانما هم من امة الدعوة،کمافی مرقاة المفاتیح وغیرها،وخود در خصوص ظاہر یہ از امام ابن حجر مکی گزشت کہ مخالفت ایشاں اصلاً قابل التفات نیست،پس دریں مسئلہ حکم بخلاف راز نہار مساغ نیست اولاً خلاف سنت مشہورہ است کہ ان اللہ حرم من الرضاع ماحرم من النسب[1]۔

ایں حدیث بالفاظ متنوعہ وروایات متظافرہ در دواوین اسلام مروی ومنقول است واز صدر اسلام تاحال میان علماء متلقی بالقبول ہمیں امام ترمذی در ہماں جامع فرماید والعمل علی هذا عند عامة اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

خلاصہ یہ کہ نکاح باطل ہے اور کسی بھی امام خواہ شافعی ہو یا کوئی اور مجتہدین میں سے کسی کے مذہب میں جائز نہیں ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم،ابن علیہ کا شمار محدثین میں تو ہوتا ہے مگر مجتہدین میں نہیں،اور اگر بالفرض ہو بھی تو وہ دوسرے ائمہ سے الگ تھلگ ہے،رہا ظاہریہ فرقہ تو وہ بدعتی فرقہ ہے جبکہ اجماع کے معاملہ میں بدعتی کا اعتبار نہیں ہوتا،اس کی موافقت اور مخالفت کا کوئی اثر اجماع پر نہیں پڑتا کیونکہ یہ ائمہ میں سے نہیں ہیں،جیساکہ توضیح وغیرہ میں ہے،اور امت اجابہ میں سے نہیں بلکہ وہ امت دعوت میں سے ہیں جیساکہ مرقاۃ المفاتیح وغیرہ میں ہے،اور خود ظاہریہ فرقہ کے بارے میں امام ابن حجر مکی کا قول گزرا کہ ان کی مخالفت قابل التفات نہیں ہے لہٰذا اس مسئلہ میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں اولا اس لیے کہ اس کا خلاف سنت مشہورہ کے خلاف ہے جو کہ یہ ہے جو نسب کی بناء پر حرام فرمایا ہے وہ رضاعت کی بناء پر بھی اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے،یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ کثیر روایات میں ہے اور اسلام کی قانونی کتب میں مروی ومنقول ہے اور ابتداء اسلام سے آج تک علماء کے درمیان مقبول ہے، امام ترمذی نے اپنی جامع میں فرمایا کہ اس پر عام صحابہ اور بعد والوں کا عمل ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے

[1] جامع الترمذی ابواب الرضاع امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۳۶

وغیرھم لانعلم بینھم فی ذٰلك اختلافا[1] وحکم برخلاف سنت مشہورہ نافذ نہ شود، در تنویر الابصار است **اذا رفع الیہ حکم قاض آخر نفذہ الاماخالف کتابًا اوسنۃ مشھورۃ اواجماعا**[2] ثانیا مخالف اجماع من یعتد باجماعھم افتادہ ست کما تقدم بیانہ، وامام شعرانی شافعی در میزان الشریعۃ الکبرٰی فرمود **اتفق الائمۃ علی انہ یحرم من الرضاع مایحرم من النسب**[3] وحکم برخلاف اجماع نفاذ نیست، ائمہ ثقات اثبات از حکایات شاذہ غافل نبودند بلکہ خود ذکر نمودہ اند باز تصریح فرمودہ کہ دریں مسئلہ جز ظاھریہ وابن علیہ کسے راخلاف نیست چنانکہ از امام قاضی عیاض مالکی وامام ابو زکریا نووی شافعی وامام محمود عینی حنفی گزشت **فمن الغریب نسبۃ الغراب الیھم علی ماوقع فی فتح المغیث** واگر بالفرض اینجا قولے ضعیف محکی بود **کما اول بہ فی الفتح الفقھی**، پس حکم وفتوے بر قول ضعیف ومرجوح خود جہل وخرق اجماع است **کما فی تصحیح القدوری**

اور سنت مشہورہ کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوسکتا، اور تنویر الابصار میں ہے کہ جب ایک قاضی کے پاس دوسرے قاضی کا حکم پہنچے تو اس کو نافذ کرے بشرطیکہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کے خلاف نہ ہو، ثانیا اس لیے کہ جن لوگوں کا اجماع معتبر ہے ان کے اجماع کے بھی خلاف ہے جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے، اور امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرمایا ہے کہ ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو رشتہ نسب کی وجہ سے حرام ہے وہ رضاع کی وجہ سے بھی حرام ہے اور اجماع کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوسکتا، اور کسی مسئلہ کو ثابت قرار دینے والے ائمہ ثقات خود بھی شاذ حکایات سے غافل نہیں ہوتے بلکہ خود ان کو ذکر کردیتے ہیں، نیز انھوں نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ اس مسئلہ کا ظاہریہ اور ابن علیہ کے بغیر کسی نے خلاف نہیں کیا، جیساکہ امام قاضی عیاض، ابوزکریا نووی شافعی اور امام محمود عینی حنفی سے گزرا فتح المغیث میں ان حضرات کی طرف شاذ امور کو منسوب کرنا تعجب کی بات ہے، اگر بالفرض یہاں کوئی ضعیف قول نقل کیا گیا ہو جیساکہ فتح القدیر میں تاویل کی گئی ہے تو بھی ضعیف قول اور مرجوع قول پر فتوی دینا خود جہالت اور اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ علامہ قاسم

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب فی الحبس مجتبائی دہلی ۲/ ۷۹۔۷۸

[2] میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب الرضاع مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۳۸

[3] میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب الرضاع مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۳۸

للعلامة قاسم والدر المختار **ثالثا** حکم بخلاف قاضی مجتہد راست مقلدرا روانبود بر خلاف امام خود حکم کردن تنویر الابصار ست **قضی فی مجتهد فیه بخلاف رأیه لاینفذ مطلقا وبه یفتی**[1] ودر مختار است **ولوحکم القاضی بحکم مخالف لمذهبه ماصح اصلا یسطر**[2] در ردالمحتار آورد **اما المقلد فلایملك المخالفة**[3] مجیب عبارتش از سابق ولاحق قطع کردہ آورد وخود درقدر منقول خود لفظ ادعی ندید **رابعا** اگراز ہمہ گزرند قضاء شرعی چیز یست کہ رفع خلاف مے کند، نہ کہ دو حروف خوانند وخود رابرمندِ افتاء نشانند، ہرچہ خواہند برزبان رانند، و خلاف مرتفع شود، ومذہب مردود ومندفع **حاشالله لایقول به جاهل فضلا عن فاضل نسأل الله العفو والعافیة، والله تعالٰی اعلم۔** فقیر مصطفٰی رضاخاں قادری نوری غفرلہ	کی تصحیح القدوری میں اور درمختار میں ہے، **ثالثًا** مخالف کے قول پر فیصلہ کا اختیار صرف مجتہد قاضی کو ہے، مقلد کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے امام کے قول کے خلاف فیصلہ کرے، تنویر الابصار میں ہے کہ قاضی کا مجتہد فیہ میں اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ مطلقًا نافذ نہ ہوگا اور اسی پر فتوی ہے، اور درمختار میں ہے کہ اگر قاضی نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا تو نافذ نہ ہوگا اور یہ صحیح نہ ہوگا۔ اور ردالمحتار میں کہا: لیکن مقلد اپنے مذہب کی مخالفت نہیں کرسکتا مجیب نے ان کی عبارت سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کی اور خود اس نے جوان کی عبارت نقل کی اس میں لفظ ادعی کو نہ دیکھا، **رابعًا** یہ کہ اگر مذکورہ امور کو نظرانداز بھی کردیں تو قضا شرعی طور پر ایسا اہم عہدہ ہے کہ جس میں جمہور کے خلاف کو ختم کیا جاتا ہے، نہ کہ چند حرف پڑھ لیے اور مسند قضا پر بیٹھ کر جو کچھ چاہے اس کو زبان پر جاری کردے اور یہ خیال نہ کرے کہ میرے فیصلہ سے خلاف قوی اور مذہب کمزور ہوگا، اللہ تعالٰی کا خوف ہو تو خلاف والا قول جاہل بھی نہ کرے چہ جائیکہ کوئی فاضل کرے، اللہ تعالٰی سے عافیت اور معافی کی درخواست ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔** فقیر مصطفٰی رضاخاں قادری نوری غفرلہ

[1] درمختار متن تنویر الابصار باب القضاۃ فصل فی الحبس مجتبائی دہلی ۲/۸۰

[2] درمختار متن تنویر الابصار باب القضاۃ فصل فی الحبس مجتبائی دہلی ۲/۸۰

[3] ردالمحتار باب القضاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۳۵

فی الواقع نکاح مذکور باطل وحرام محض ست وبرآں کس از دختر برادر خودش فورًا فورًا جدا شدن فرض است تنزویج ایناں جہل وتنفیذ او ظلم شدید، واللہ تعالٰی اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ	فی الواقع نکاح مذکور باطل اور محض حرام ہے اس شخص پر لازم ہے کہ فورًا فورًا اپنے بھائی کی نواسی سے جدائی اور علیحدگی اختیار کرے، اس نکاح کو نافذ کرنا اور جائز کہنا جہالت اور ظلم شدید، واللہ تعالٰی اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

رسالہ
الجلی الحسن فی حرمۃ ولداخی اللّبن ۱۳۳۰ھ
(اولاد رضیع اور اولاد مرضعہ کے درمیان حرمت نکاح کا عمدہ اور روشن بیان)

کسی کم علم نے ایک غلط فتوی درباب جواز نکاح مابین اولاد رضیع و مرضعہ لکھ دیا تھا وہ فتوی بذریعہ مولوی اکرام الدین صاحب امام وخطیب مسجد وزیر خاں اعلیحضرت امام احمد رضاخان بریلوی تک پہنچا تو آپ نے اس کے رد میں مندرجہ ذیل المسمی بہ الجلی الحسن فی حرمۃ ولداخی اللبن مستند بنصوص صحیحہ و مبرہن بہ براہین شرعیہ تحریر فرمایا،

وھـــوھـــذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الانسان فجعله نسبًا وصهرا وجعل الرضاع کالنسب فوهب به محرمیة اخری والصلوة والسلام علی من هدانا للصواب	اللہ تعالٰی کے لیے سب تعریفیں جس نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس کو نسب اور سسرالی رشتہ سے نواز اور رضاعت کو نسب کی مثل بنایا تو اس کے سبب ایک اور محرمیۃ عطاکی، صلٰوۃ وسلام اس ذات پر جس نے ہمیں درستگی

ووعد علیه جزیل الثواب فاعظم البشری واوجب التثبت فی الافتاء وحرم الاجتراء فاوعد علیه وعید انکرا صلی الله تعالٰی علیه وسلم واٰله وصحبه والمنتمین الیه الدنیاواخری،اٰمین!	کی رہنمائی فرمائی،اوراس پر بھاری ثواب کا وعدہ فرمایا تو بشارت عظیم فرمائی اور جس نے فتوی دینے میں مضبوطی کو واجب اور جسارت کو حرام فرمایا تو جسارت پر سخت وعید فرمائی،اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر اور ان سب پر جو آپ کی طرف دنیا وآخرت میں منسوب ہوں،آمین(ت)

مسئلہ ۲۸۰: از لاہور مرسلہ مولوی اکرام الدین صاحب بخاری وامام وخطیب مسجد وزیر خان مرحوم ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ ہجری المقدس

جناب مستطاب،محمدت مآب،قدوۃ الابرار واُسوۃ الاخیار،زین الصالحین وزبدۃ العارفین،علامۃ العصر وفرید الدہر،عالم اہل السنۃ،مجد دمائۃ حاضرہ،استاذ زمان ومقتدائے جہان،لازوال نتیجہ خاطرہ،درۃ تاج الفیضان وثمرۃ شجرۃ ضمیرہ باکورۃ بستان العرفان السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

بعد اتحاف اساس تسلیمات حوراصورت کہ رخسارہ صفاامارا تش از تکلف حلل عبارت مستغنی ست درنظر آن سلیمان ملک عرفان معروض دارم التجاء مخلصانہ بخدمت والا مرتبت انیست کہ فتوی بہ ہمراہی مکتوب ارسال داشتہ شد موافق رائے مبارک عالی سطرے نوشتہ بنام نیاز مند ارسال نمایند،الٰہی سلامت باشند ثم السلام،کتبہ المسکین محمد اکرام الدین بخاری عفاعنه الباری،	نورانی اور روشن تسلیمات کے تحائف جن کا رخ زیبا لباس الفاظ کے تکلف کا محتاج نہیں،سلطنت عرفان کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد مخلصانہ التجا ہے اپنی رائے عالی کے موافق چند سطریں تحریر فرماکر اس نیاز مند کے نام روانہ فرمادیں اللہ تعالٰی سلامت رکھے،والسلام،کتبہ المسکین محمد اکرام الدین بخاری عفاعنہ الباری۔(ت)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی حقیقی بہن کا دودھ پیا ہے،اس شخص اور اس کی بہن سے اولاد پیدا ہوئی،یہ بھائی بہن اپنی اولاد کا آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں،ان کی اولاد کا نکاح شرعاً آپس میں درست ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

شخص مذکور کی اولاد کا نکاح اس کی بہن مرضعہ کی اولاد کے ساتھ جائز ہے کیونکہ حرمت رضاعت خاص رضیع کے لیے ثابت ہوتی ہے،رضیع کے اصول وفروع کے لیے حرمت مذکورہ ثابت نہیں ہوتی،پس دودھ پینے والی بمعہ جمیع فروع کے حرام ہے،فروع رضیع پر فروع مرضعہ ہر گز حرام

نہیں ہو سکتا، چنانچہ شرح وقایہ وغیرہ میں محرمات بالرضاع کو اس شعر میں درج کیا ہے:

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند

وز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع

(دودھ پلانے والی کی جانب سے تمام رشتے حرام ہوں گے اور شیر خوار کی جانب سے وہ اور اس کا زوج یا زوجہ، اور اس کے فروع حرام ہوں گے۔ت)

تحرم المرضعة وزوجها علی الرضیع ویحرم قومها علی الرضیع کما فی النسب وتحرم فروع الرضیع علی المرضعة وزوجها ویحرم زوجا الرضیع علی المرضعة وزوجها[1] کذا فی شرح الوقایة ص۔	دودھ پلانے والی خود، اس کا خاوند اور اس کی قوم دودھ پلانے والے پر حرام ہوگی جیسے نسب میں حرام ہیں، اور دودھ پینے والے کے فروع دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند پر حرام ہیں، اور خود دودھ پینے والا اور اس کا زوج یا زوجہ دودھ پلانے والی اور اس کے زوج پر حرام ہیں، شرح وقایہ میں ایسے ہی ہے ص ۶۳ (ت)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ حرمت رضاعت رضیع کے لیے ثابت ہے، رضیع کی اولاد پر مرضعہ کی اولاد جائز ہے، بنابریں شخص مذکور کی اولاد اپنی ہمشیرہ کی اولاد پر حلال ہے، آپس میں ان کا نکاح درست ہے،

الجواب:

انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون، حرام قطعی حلال کردیا گیا، محارم سے زنا حلال کردیا گیا، چچا بھتیجی کا نکاح حلال کردیا گیا، پھوپھی بھتیجے کا نکاح حلال کردیا گیا، ماموں بھانجی کا عقد حلال کردیا گیا، خالہ بھانجی کا زنا حلال کردیا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ گویا ماں بیٹے کا نکاح حلال کردیا گیا، باپ بیٹے کا زنا حلال کردیا گیا، لاالٰہ الا اللہ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ۔ اول یہ قیامت مراد آباد میں ایک وہابی خیال مولوی عالم صاحب نے اُٹھائی اور غیر مقلدوں کے پیشوا نذیر حسین مع ذریات نے اس پر مہر لگائی، یہاں سے اس کا رد ہو کر گیا، وہ پرانا سیانا رجوع کر گیا، اور دوسرا فتوی اس کی حرمت میں لکھا اور پہلے کا یہ عذر بدتر گناہ پیش کیا کہ:

قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم صاحب کہ درحلت آن نوشتہ بودند بر اعتماد ایشان بر نظر سرسری	اس سے پہلے مولوی صاحب کے فتوی پر جو کہ اس کے حلال ہونے میں انھوں نے لکھا تھا

[1] شرح وقایہ کتاب الرضاع مجتبائی دہلی ۲/۶۷

مہر من کردہ شد،	ان پر اعتماد کرتے ہوئے سرسری نظر سے میری مہر لگادی گئی۔(ت)

حلال وحرام خصوصًا معاملہ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرات وبیباکی کا کھلا اقرار ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار [1]۔	تم میں سے جو فتووں پر زیادہ جرات کرتا ہے وہ آگ پر زیادہ جرات کرتا ہے۔(ت)

خیر یہ تو غیر مقلد کے لازم بین ہے مگر "براعتماد زایشاں" نے انکے اجتہاد کی جان پر پوری قیامت توڑ دی، اے سبحان اللہ! مجتہدی کا دعوی اور ایک ادنی سے ادنی مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا، اور اس "کردہ شد" کے لطف کو تو دیکھئے، کیا شرمایا ہوا صیغہ مجہول ہے، گویا انھوں نے خود اس پر مہر نہ کی کوئی اور کر گیا، اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھا دیتا ہے اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے نسأل اللہ العفو والعافیہ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں، ت) اسکی تفصیل اسی زمانہ میں رسالہ سیف المصطفٰی علی ادیان الافترا میں لکھی گئی، دوبارہ اسی زنائے محارم کو حلال کرنے کی سخت اشد آفت کلکتہ سے اٹھی، کوئی صاحب مولوی لطف الرحمٰن بردوانی ہیں انھوں نے جہان بھر کے تمام علماء کو مخاطب کرکے ایک عربی طویل سوال چھپوایا اور یہاں بھیجا، بفضلہٖ تعالٰی اس کے جواب میں یہاں سے عربی رسالہ نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان اعلٰی مباحث ودلائل فقہ ونصوص پر مشتمل تصنیف ہو کر بھیج دیا گیا، جس نے بحمد اللہ تعالٰی سارا اُبال بیٹھا کر جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ [2] (حق آیا اور باطل زائل ہوا بیشک باطل زوال پذیر ہے۔ت) کا نقشہ کھینچ دیا، اب سہ بارہ یہ بلائے عظیم لاہور سے اٹھنے کو رہ گئی تھی، گویا ہر سولھویں سال اس وبال میں اُبال آتا ہے، پہلے ۱۲۹۸ھ میں اُٹھا پھر ۱۳۱۴ھ میں، اب ۱۳۳۰ھ میں، وہابیت کو ایسے فتوے زیب دیتے تھے کہ ان کے قلوب اوندھے کردئے جاتے ہیں، مگر اس بار صدمہ سخت تر ہے کہ ہمارے بعض سنی علماء نے اس میں شرکت کی، انا للہ وانا الیہ راجعون، ابھی چندہی مہینے تو ہوئے کہ فقیر نے اس واقعہ ہائلہ نذیر حسین دہلوی کو اپنا رسالہ تازہ کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدارھم میں ذکر کیا اور وہ چھپ کر شائع ہوگیا، احباب نے یا تو اُس ضروری تصنیف کو براہ بے پرواہی ملاحظہ نہ فرمایا، یا اس قدر بھول گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فقیر از انجا کہ "نقد البیان" میں بہ تقریب

---

[1] کنز العمال حدیث موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۸۴

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۱

از ہاق اوہام بر دوانی، اس مسئلہ کی تحقیق بازغ کر چکا ہے، یہاں صرف چند نصوص ہندی کی چندی کرکے عرض کرے کہ کسی طرح اس دھوکے کا سد باب تو ہو، آخر یہ فتنہ کتنی بار اٹھے گا!

نص ا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب [1]۔ رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ عن ام المومنین الصدیقۃ واحمد ومسلم والنسائی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	جو کچھ نسب سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے، (اس کو ائمہ کرام، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اور امام احمد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

بھانجا بھانجی، بھتیجا بھتیجی نسب سے حرام ہیں یا نہیں؟ ضرور ہیں، تو دودھ سے بھی قطعاً حرام ہیں، اور شک نہیں کہ اپنی نسبتی ماں کی رضاعی اولاد بہن بھائی ہے، تو اس اولاد کی نسبتی اولاد اپنے سے یہی رشتے رکھتی ہے، اسے یوں سمجھئے مثلاً زید کی ماں ہندہ کا دودھ عمرو نے پیا، تو عمرو اور زید رضاعی بھائی ہوئے، اگر کہے نہ ہوئے تو ہندہ مرضعہ کی بیٹی لیلٰی بھی عمرو رضیع کی بہن نہ ہوگی کہ جب ہندہ کا بیٹا زید عمرو کا بھائی نہ ہوا، تو ہندہ کی بیٹی لیلٰی کس رشتہ سے عمرو کی بہن ہوجائے گی حالانکہ وہ بہ نص قرآن عمرو کی بہن ہے۔

قال اللہ تعالٰی: وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھاری مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا اور تمھاری رضاعی بہنیں۔(ت)

وعلٰی ھذا القیاس باقی صورتیں، اور جب مرضعہ کی سب اولاد رضیع کے بہن بھائی ہوگئے تو رضیع کی اولاد مرضعہ کے لیے یقیناً اپنے بہن بھائی کی اولاد ہے، اور اپنے بہن بھائی کی اولاد یقیناً اجماعاً حرام ہے، تو پھوپھی بھتیجے یا چچا بھتیجی یا خالہ بھانجے یا ماموں بھانجی کا زنا کیونکر حلال ہوسکتا ہے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نص ۲: صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اور صحیح مسلم میں امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ہے، انھوں نے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! حضور کے چچا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صاحبزادی قریش میں سب سے زائد خوبصورت نوجوان ہیں حضور چاہیں تو ان سے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۷

[2] القرآن الکریم ۴/۲۳

نکاح فرمالیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انھا لاتحل لی انھا ابنۃ اخی من الرضاعۃ ویحرم من الرضاعۃ مایحرم من الرحم [1]۔	وہ میرے لیے حلال نہیں وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے، اور جو کچھ نسبی رشتہ سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے،

دوسری حدیث کے لفظ یہ ہیں:

اماعلمت ان حمزۃ اخی من الرضاعۃ وان اللہ حرم من الرضاعۃ ماحرم من النسب [2]۔	تمھیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ نے جو رشتے نسب سے حرام فرمائے وہ دودھ سے بھی حرام فرمائے ہیں۔

صاف اشارہ ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے جب بھائی نے اپنی بہن کا دودھ پیا تو وہ اپنی بہن کے بیٹے کا رضاعی بھائی ہوگیا تو اس کی بیٹی بہن کے بیٹے کے لیے کیونکر حلال ہوسکتی ہے!

نص ۳: نیز صحیحین میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے درہ بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں فرمایا:

لولم تکن ربیبتی ماحلت لی ارضعتنی واباھا ثویبۃ [3]۔	یعنی اول تو میری ربیبہ ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی بیٹی ہے اور اگر ربیبہ نہ بھی ہوتی جب بھی میرے لیے حلال نہ ہوتی کہ اس کے باپ ابو سلمہ میرے رضاعی بھائی تھے مجھے اور ان کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم۔

یہ بھی اس طرح نص صریح ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے۔

نص ۴ و ۵: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں شرح السنۃ امام بغوی رحمہ اللہ تعالٰی سے شرح حدیث اول میں ہے:

فی الحدیث دلیل علی ان حرمۃ الرضاعۃ کحرمۃ النسب فی المناکح فاذا ارضعت المرأۃ رضیعا یحرم علی الرضیع واولادہ من	یعنی اس حدیث میں دلیل ہے کہ نکاحوں کے بارے میں دودھ اور نسب کی حرمت ایک سی ہے، تو جب کوئی عورت کسی بچہ کا دودھ پلائے تو اس رضیع اور

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۷

[2] مسند امام احمد کتاب الرضاع دار الفکر بیروت ۱/۲۷۵

[3] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۸

اقارب المرضعة کل من یحرم علی ولدها من النسب[1]۔	رضیع کی اولاد پر مرضعہ کے وہ سب رشتہ دار حرام ہوجائیں گے جو مرضعہ کی نسبی اولاد پر حرام ہیں،

یہ عام نص صریح ہے کہ رضیع کی تمام اولاد پر مرضعہ کی تمام اولاد حرام ہے،

نص ۶: تفسیر نیشاپور میں دودھ کی بھتیجیوں بھانجیوں کے بیان میں ہے:

کذلك بنات من ارضعت امك[2]۔	یعنی اسی طرح جس کو تیری ماں نے دودھ پلایا۔

وہ مرد تھا اس کی بیٹیاں تیری بھتیجیاں ہوگئیں، اور عورت تھی تو اس کی بیٹیاں تیری بھانجیاں ہوگئیں اور یہ سب **بنت الاخ وبنت الاخت** میں داخل اور حرام ہیں۔

نص ۷: مستخلص شرح کنز میں ہے:

تحرم زوجة الرضیع علی زوج المرضعة وکذا بنات بناته علی زوج المرضعة وابنائه کذا فهم من شرح الوقایة[3]۔	یعنی رضیع کی بی بی مرضعہ کے شوہر پر حرام ہے یونہی رضیع کی بیٹیاں نواسیاں مرضعہ کے شوہر اور اس کے بیٹوں پر حرام ہیں، شرح وقایہ کا مفاد یہی ہے۔

نص ۸: ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کہ صحیحین بخاری ومسلم میں ہے:

جاء عمی من الرضاعة فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه عمك فلیلج علیك[4] هذا مختصر۔	میرے رضاعی چچا آئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دودھ کا چچا بھی چچا ہے، ان سے پردہ کی حاجت نہیں۔ (مختصرًا)

شیخ محقق نے لمعات میں رضاعی چچا کی یہ تفسیر فرمائی:

بان ام ابیها ارضعته اوامه ارضعت اباها[5]۔	یعنی دودھ کے چچایوں کہ یا تو ام المومنین کی دادی نے انھیں دودھ پلایا یا ان کی ماں نے ام المومنین کے باپ کو دودھ پلایا۔

یہ صورت دوم تصریح صریح ہے کہ اپنی ماں نے جسے دودھ پلایا اس کی بیٹی اپنی بھتیجی اور محرم ہے

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المحرمات مکتبۃ امدادیہ ملتان ۶/ ۲۳۔ ۲۲۲

[2] غرائب القرآن (نیشاپوری) حرمت علیکم امھاتکم کے تحت مصطفی البابی مصر ۵/ ۸

[3] مستخلص الحقائق کتاب الرضاع دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۲/ ۹۹

[4] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۶

[5] لمعات التنقیح

نص ۹ و ۱۰: امام اجل ابو زکریا نووی شرح صحیح مسلم اور امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں شوہر مرضعہ کی نسبت فرماتے ہیں:

واللفظ للنووی فمذھبنا ومذھب العلماء کافۃ ثبوت حرمۃ الرضاعۃ بینہ وبین الرضیع ویصیر ولدالہ ویکون اولاد الرضیع اولاد الرجل[1]۔(ملخصًا)	امام نووی کے الفاظ میں ہمارا اور تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ رضیع اور شوہر مرضعہ میں حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے، رضیع اس کا بچہ ہوجاتا ہے اور رضیع کی اولاد اس شخص کی اولاد ہوجاتی ہے،

یعنی اولاد رضیع جس طرح مرضعہ کی پوتا پوتی نواسا نواسی باجماع قطعی ہے یونہی باجماع مذاہب اربعہ وجملہ ائمہ وفقہاوہ شوہر مرضعہ کے بھی پوتے نواسے ہیں، اور باجماع امت مرحومہ اپنے ماں باپ کے پوتا پوتی نواسا نواسی اپنے لیے حرام قطعی اور اپنے بھتیجا بھتیجی بھانجا بھانجی ہیں۔

نص ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴: فتح القدیر، بحرالرائق، طحطاوی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا میں ہے:

انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احال مایحرم من الرضاع علی مایحرم من النسب ومایحرم من النسب مایتعلق خطاب تحریمہ بہ و قدتعلق بما قد عبر عنہ بلفظ الامھات والبنات واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت فما کان من مسمی ھذہ الالفاظ متحققا من الرضاع حرم فیہ[2]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دودھ کی حرمتوں کو نسب کی حرمتوں پر حوالہ فرمایا کہ جو نسب سے حرام ہے دودھ سے بھی حرام ہے، اور نسب سے وہ حرام ہیں جن سے خطاب الٰہی تحریم کے ساتھ متعلق ہوا، اور وہ ان سے متعلق ہوا ہے، جن پر ماں اور بیٹی اور بہن اور پھوپھی اور خالہ یا بھائی کی بیٹی یا بہن کی بیٹی کا لفظ صادق آئے تو دودھ کے رشتوں میں جن جن پر یہ لفظ صادق آئیں وہ بھی حرام ہیں۔

ظاہر ہے کہ اپنی ماں نے جسے دودھ پلایا اس پر بہن یا بھائی کا لفظ صادق ہے اور اس لیے وہ اپنے اوپر حرام ہے تو اس کی اولاد پر اپنے بھائی یا بہن کے بیٹے کا لفظ صادق ہے لاجرم وہ بھی قطعًا حرام ہیں،

نص ۱۵: فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

الاصل الکلی فی الرضاع ان کل امرأۃ	یعنی دودھ کے رشتوں میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس

[1] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۶

[2] بحرالرائق کتاب الرضاع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۶۔ ۲۲۵

انتسبت الیك او انتسبت الیھا بالرضاع او انتسبتا الی شخص واحد بلا واسطة او احد کما بلا واسطة والاخر بواسطة فھی حرام [1]۔	سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں، اول وہ جو دودھ کے سبب تیری طرف منسوب ہو، یعنی تیری بیٹی پوتی نواسی کہلائے یہ رضاعی بیٹی ہوئی، دوسری وہ کہ دودھ کے سبب تو اس کی طرف منسوب ہو یعنی اس کا بیٹا پوتا نواسا ٹھہرے یہ رضاعی ماں ہوئی، تیسرے وہ کہ تو اور وہ دونوں ایک شخص کے بیٹا بیٹی قرار پائیں، یہ رضاعی بہن بھائی ہوئے، چوتھے وہ کہ تم میں ایک تو اس شخص کا بیٹا یا بیٹی ٹھہرے اور دوسرا اس شخص کا پوتا پوتی نواسا نواسی یہ رضاعی خالہ پھوپھی بھتیجی بھانجی ہوئے اور اگر تو پوتا نواسا ہے اور وہ بیٹی تو وہ تیری پھوپھی یا خالہ ہوئے، شک نہیں کہ صورت مسئولہ میں دودھ پلانے والی بہن کی اولاد بلاواسطہ اس کے بیٹا بیٹی ہے اور دودھ پینے والے بھائی کی اولاد اس مرضعہ بہن کی پوتا پوتی، تو یہ تحریم کی خاص چوتھی صورت ہے۔

نص ۱۶: برجندی شرح نقایہ میں ہے:

بنت الاخ تشتمل البنت النسبیة للاخ الرضاعی [2]۔	رضاعی بھائی کی بیٹی بھی بھتیجی میں داخل ہے۔

نص ۱۷ و ۱۸: شرح وقایہ ودرر شرح غرر میں ہے:

بنت الاخت تشتمل البنت النسبیه للاخت الرضاعیة [3]۔	رضاعی بہن کی بیٹی بھی بھانجی میں داخل ہے۔

نص ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵: متون معتمدہ مذہب کنز الدقائق، وقایہ، نقایہ، اصلاح، غرر، ملتقی، تنویر میں ہے:

واللفظ للغرر حرم تزوج اصله وفرعه واخته وبنتھا وبنت اخیه والکل رضاعًا۔ [4] (ملخصا)	(غرر کے الفاظ میں) یعنی آدمی پر اس کے اصول وفروع اور بہن اور بہن کی بیٹی اور بھائی کی بیٹی سے نکاح حرام ہے اور یہ سب دودھ کے رشتے سے بھی حرام ہیں۔

---

[1] فتاوی بزازیہ علی ہامش فتاوی ہندیہ الرابع فی الرضاع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۵

[2] شرح نقایہ للبرجندی کتاب النکاح مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۲/ ۶

[3] شرح وقایہ کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی /، درر شرح غرر کتاب النکاح احمد کامل الکائنہ فی دار سعادت بیروت ۱/ ۳۳۰

[4] الدرر الحکام شرح غرر الحکام کتاب النکاح احمد کامل الکائنہ فی دار سعادت بیروت ۱/ ۳۳۰-۳۲۹

نص ۲۶: یونہی متن وافی میں لایحل للرجل ان یتزوج بامه وبنته واخته وبنات اخته وبنات اخیه فرما کر شرح کافی میں فرمایا:

اعلم ان من ذکرنا من المحرمات من اول الفصل الی هنا تحرم من الرضاع[1] ایضًا۔	یعنی ماں اور بیٹی اور بہن اور بھانجی اور بھتیجی حرام ہیں اور یہ جتنی محرمات شروع سے یہاں تک ہم نے ذکر کیں سب دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں۔

نص ۲۷: تبیین الحقائق میں ہے:

یحرم علیه جمیع من تقدم ذکرہ من الرضاع وهی امه واخته وبنات اخوته[2] الخ۔	یعنی جتنی عورتیں مذکور ہوئیں سب دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں رضاعی ماں اور بیٹی اور بہن اور رضاعی بہن اور بھائی کی بیٹیاں۔

نص ۲۸: درمختار میں ہے:

حرم علی المتزوج ذکرا اوانثی اصله وفرعه وبنت اخیه واخته وبنتها والکل رضاعًا[3]۔	یعنی ہر مرد وعورت پر اس کے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، بھتیجا بھتیجی، بہن اور بھائی کے بیٹا بیٹی خواہ یہ رشتے نسب سے ہوں یا دودھ سے، حرام ہیں۔

نص ۲۹: جوہرنیرہ میں ہے:

کذلك بنات اخیه وبنات اخته من الرضاعة لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب[4]۔	یعنی نسبی کی طرح رضاعی بھائی بہن کی بیٹیاں بھی حرام ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو نسب سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے۔

ان تمام نصوص جلیلہ میں بالاتفاق بلاخلاف صاف صاف واشگاف تصریحیں فرمائیں کہ رضاعی بھائی بہن کی بیٹیاں، بھانجی، بھتیجی نسبی کی طرح حرام قطعی ہیں، اور شک نہیں کہ اخوت رشتہ متکررہ ہے کہ دونوں

---

[1] کافی شرح وافی

[2] تبیین الحقائق فصل فی المحرمات مطبع الکبری الامیریہ مصر ۲/ ۱۰۳

[3] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۷

[4] الجوہرۃ النیرہ کتاب النکاح مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۶۸

طرف سے یکساں قائم ہوتا ہے، جس طرح مرضعہ کا بیٹا رضیع کا بھائی ہوا، واجب کہ یوں ہی رضیع پسر مرضعہ کا بھائی ہو یہ محال ہے کہ زید تو عمرو کا بھائی ہو اور عمرو زید کا بھائی نہ ہو، اور جب رضیع اولاد مرضعہ کا یقینا اجماعًا بھائی ہے جس سے انکار کسی ذی عقل بلکہ فہیم بچہ کو بھی متصور نہیں۔ اور جملہ ائمہ ونصوص مذہب صریح قطعی تصریحیں فرمارہے ہیں کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے تو رضیع کی اولاد مرضعہ کی اولاد کے لیے کیونکر حلال ہوسکتی ہے، یہ یقینا نصوص قطعیہ واجماع امت کے خلاف ہے، ائمہ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے اور رضیع اور پسر مرضعہ دونوں یقینا آپس میں رضاعی بھائی ہیں۔ تو ان میں ہر ایک کی بیٹی دوسرے پر حرام قطعی ہے، کیا کوئی عاقل یہ بھی گمان کرسکتا ہے کہ ایک بھائی کی بیٹی دوسرے پر حرام ہو اور اس دوسرے بھائی کی بیٹی اس بھائی کے لیے حلال ہو، شرع، عرف، عقل، نقل کسی میں بھی اس لغو و بیہودہ فرق کی گنجائش ہوسکتی ہے؟ حاشا ہرگز نہیں۔

نص ۳۰: شرح وقایہ میں فرمایا:

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند وز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع [1]

(دودھ پلانے والی کی جانب سے تمام رشتے حرام ہوں گے اور شیر خوار کی جانب سے وہ اور اس کا زوج یا زوجہ اور اس کے فروع حرام ہوں گے۔ت)

یہ شعر نقایہ وشرح الکنز للملا مسکین میں بھی مذکور ہے۔ فاضل چلپی وفاضل قرہ باغی محشیان شرح وقایہ وعلامہ برجندی شارح نقایہ نے تو اس پر ایک حرف بھی نہ لکھا اور علامہ قہستانی نے دو سطریں فارسی میں لکھ دیں جن سے ظاہری الفاظ کے سوا مغز مطلب کی کچھ توضیح نہ ہوئی عـــہ۱۔ اور علامہ سید ابو السعود ازہری نے فتح اللہ المعین میں آدھی سطر اس کے ترجمہ عربی کی لکھی جو شعر کے صرف ایک مصرع کا بھی آدھا ہی ترجمہ ہے عـــہ۲ سب سے

عـــہ۱: حیث قال یعنی شیر دہندہ وشوہرش بافرزندان وپدران ومادران وخواہران ایشاں خویش خوارہ شوند وشیر خوارہ وزنش یا شوہرش بافرزندان خویش شیر دہندہ و شوہرش شوند ۱۲ (م)[2]

یوں کہا یعنی دودھ پلانے والی اور اس کا خاوند، ان کی اولاد، والدین، بھائی اور ان کی بہنیں شیر خوار کے رشتہ دار ہوں گے اور دودھ پینے والا اس کی بیوی یا خاوند، اولاد سمیت دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند کے رشتہ دار ہوں گے ۱۲ (ت)

عـــہ۲: حیث قال معنی البیت ان زوجات الرضیع و فروعہ یحرمن علی ابیہ [3] ۱۲ (م)

یوں کہا شعر کا معنی یہ ہے کہ دودھ پلانے والے کی بیویاں اور اس کی اولاد اپنے رضاعی باپ پر حرام ہیں ۱۲ (ت)

---

[1] شرح وقایہ کتاب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۶۷/۲

[2] جامع الرموز للقہستانی کتاب الرضاع مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۵۰۱/۱

[3] فتح المعین فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۳/۲

متاخر لکھنوی صاحب نے بھی عمدۃ الرعایہ میں نِرے ترجمہ پر قناعت کی، فقط ایک حرف زائد کیا وہ بھی غلط۔

حیث قال مفاد المصرع الاول ان من جانب المرضعة وکذا زوجھا یکون الکل ذاقرابة من الرضیع ای الذین لھم قرابة محرمة من النسب فیدخل فیه المرضعة وزوجھا واقرباؤھما ومفاد المصرع الثانی ان من جانب الرضیع انما یثبت القرابة للمرضعة وزوجھا من فروعه واحد زوجیة[1] انتھی۔	انھوں نے یوں کہا پہلے مصرع کا مفاد یہ ہے کہ دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند کی جانب سے تمام رشتے دودھ پینے والے کے قریبی ہوں گے یعنی ان کے وہ رشتے جو نسبی طور پر حرام ہوتے ہیں، تو اس میں دودھ پلانے والی اور اس کا خاوند اور ان دونوں کے اقرباء داخل ہوں گے، اور دوسرے مصرع کا مفاد یہ ہے کہ دودھ پینے والے کی جانب سے دودھ پلانے والی اور اس کے زوج پر تمام فروع اور اس کے زوج یا زوجہ کی قرابت ثابت ہوگی، انتھی (ت)

ظاہر ہے یہ محض ترجمہ ہے، صرف اتنا زائد ہے کہ ہمہ سے مراد محارم نسبی ہیں، یہ غلط ہے کہ ماں باپ کے جتنے علاقہ والے اولاد پر حرام ہوتے ہیں نسبی ہوں خواہ رضاعی صہری، وہ خود ماں باپ کے محارم ہوں یا نہ ہوں۔ جہاں جہاں معنی محرم فی النسب موجود ہو سب مراد ہیں، مثلاً رضاعی ماں باپ کے رضاعی ماں باپ بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی رضیع ورضیعہ پر حرام ہیں حالانکہ وہ رضاعی ماں باپ کے محارم رضاعی ہیں نہ کہ نسبی، یوں ہی رضاعی ماں باپ کے سوتیلے ماں باپ رضیع ورضیعہ پر حرام ہیں کہ وہ رضیع کے رضاعی نانا دادا کی بیبیاں ہیں اور رضیعہ کے رضاعی نانی دادی کے شوہر حالانکہ وہ رضاعی ماں باپ کے محارم صہری ہیں نہ کہ نسبی، یونہی رضاعی باپ کے دوسری بی بی رضاعی ماں کا دوسرا شوہر رضیع ورضیعہ پر حرام ہیں کہ وہ ان کے سوتیلے ماں باپ ہیں حالانکہ وہ رضاعی ماں باپ کے محارم ہی نہیں بلکہ حلیل وحلیلہ ہیں، تو قرابت محرمہ اور نسبیہ دونوں قیدیں غلط ہیں بلکہ سرے سے لفظ قرابت ہی ٹھیک نہیں کہ مصرع اول میں لفظ ھمہ مرضع کے زوجین کو بھی یقینا شامل، اور زوجیت داخل قرابت نہیں، تفسیر نیشاپوری میں ہے:

امك من الرضاع کل انثی ارضعتك اوارضعت من ارضعتك[2]۔	تیری رضاعی ماں سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ عورت جس نے تجھے یا تیری رضاعی ماں کو دودھ پلایا ہو (ت)

ہندیہ میں ہے:

المحرمات بالصھریة اربع فرق، الرابعة	نکاح کی وجہ سے محرمات کے چار گروہ ہیں، چوتھا

[1] عمدۃ الرعایة حاشیہ شرح الوقایہ کتاب الرضاع مجتبائی دہلی ۶۷/۲

[2] غرائب القرآن (نیشاپوری) تحت آیت حرمت علیکم امھاتکم الخ مصطفی البابی مصر ۸/۵

نساء الآباء والاجداد من جهة الاب والام وان علوا کذافی الحاوی القدسی[1]۔	ماں باپ کی طرف سے سگے باپ دادوں کی بیویاں اگرچہ یہ باپ دادے اوپر تک ہوں، حاوی القدسی میں ایسے ہی ہے۔(ت)

پھر لکھا:

المحرمات بالرضاع کل من تحرم بالقرابة و الصهریه کذافی محیط للسرخسی[2]۔	رضاعی محرمات وہ تمام جو قرابت اور نکاح سے حرام ہوتے ہیں۔ محیط سرخسی میں یوں ہی ہے۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لایجوز له ان یتزوج بامه ولابموطوة ابیه ولاببنت امرأته کل ذٰلك من الرضاع[3]۔	اس کو یہ جائز نہیں کہ وہ ماں، باپ کی وطی کردہ(بیوی) اور اپنی بیوی کی بیٹی ان رضاعی رشتوں سے نکاح کرے۔(ت)

غرض فقیر نے نہ دیکھا کہ اس شعر کا ایضاح کسی نے کیا ہو۔ اور اہل زمانہ کو اس کی فہم میں دقتیں بلکہ سخت لغزشیں ہوتی ہیں لہٰذا بقدر حاجت اس کی شرح کردینی مناسب۔

فاقول: وباللّٰه التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اصل علت حرمت جزئیت ہے کہ نسب میں ظاہر اور رضاع میں کراہت انسان کے لیے شرع کریم نے معتبر فرمائی اور عرف میں بھی معروف ومشتہر ہوئی جس کے لحاظ سے "وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ" فرمایا، اور زوجیت کا مرجع بھی جانب جزئیت ہے کما حققه فی الهدایه والکافی والتبیین وغیرها (جیسا کہ ہدایہ، کافی اور تبیین وغیرہ میں تحقیق ہے۔ت) مگر زوجیت میں اس کا تحقق نہایت غموض میں ہے کہ مدارک عامہ اس تک وصول سے قاصر، لہٰذا صاحب ضابطہ نے شعر میں دو علاقے رکھے، ایک زوجیت دوسرا جزئیت، عام ازیں کہ یہ نسبًا ہو یا رضاعًا، پھر دو۲ شخصوں میں علاقہ جزئیت کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ان میں ایک دوسرے کا جز ہو، دوسرے یہ کہ دونوں تیسرے کے جز ہوں، صورت اولٰی میں دو قسمیں پیدا ہوئیں، اصول، جن کا تو جز ہے یعنی باپ، دادا، نانا، ماں، دادی، نانی جہاں تک بلند ہوں نسبًا خواہ رضاعًا، اور فروع جو تیرے جز میں ہیں یعنی بیٹا، پوتا، نواسا، بیٹی، پوتی، نواسی جہاں تک نیچے جائیں، اور صورت ثانیہ میں تین صورتیں ہیں:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۷

[3] تبیین الحقائق کتاب الرضاع مطبع الکبرٰی الامیریہ مصر ۲/۱۸۳

(۱) دونوں ثالث کے جز قریب ہوں، یہ عینی یا علاتی یا اخیافی بھائی یا بہنیں یا بہن بھائی ہوئے، عام ازیں کہ دونوں اس کے جز نسبی ہوں یا دونوں رضاعی یا ایک نسبی ایک رضاعی۔

(۲) ان میں ایک تو ثالث کا جز قریب ہو اور دوسرا بعید، یہ انہی تعمیموں کے ساتھ عمومت اور خولت کا رشتہ ہوا، جزء قریب اپنے یا اپنے ماں یا باپ یا دادا یا دادی یا نانا نانی کے چچا ماموں خالہ پھوپھی، اور جزء بعید انہی نسبتوں پر ان کے مقابل بھتیجا بھانجا بھتیجی بھانجی،

(۳) دونوں ثالث کے جز بعید ہوں جیسے ایک شخص کا پوتا اور نواسی، یہ تیسری صورت تحریم سے ساقط ہے خالص نسب میں بھی حلال ہے تو حرمت میں چار صورتیں ہیں:

اول اصل، دوم فرع، یہ دونوں کتنے ہی نزدیک یا دور ہوں تو فروع میں فروع الفروع اور فروع فروع الفروع لاالٰی نہایہ سب داخل ہیں۔ یونہی اصول میں اصول الاصول اور اصول اصول الاصول الٰی غایۃ المنتہی، سوم اصل قریب کی فرع اگرچہ بعید ہو جیسے ماں یا باپ کی پوتی نواسی اور ان کی اولاد و اولادِ اولاد۔ چہارم اصل بعید کی فرع قریب جیسے پھوپھی کہ دادا کی بیٹی ہے یا خالہ کے نانا کی یا دادا کی پھوپھی کہ پر دادا کے باپ کی بیٹی ہے یا اس کی خالہ کہ دادا کے نانا کی بیٹی ہے وقس علیہ (اور قیاس اسی پر ہے۔ت) چار یہ اور پانچواں علاقہ زوجیت انھیں شیر دہ اور شیر خوارہ ہر ایک کی طرف نسبت کرنے سے دس ہوئے، پھر اصل تعلق رضیع اور مرضعہ میں پیدا ہوتا ہے، رضیع اس کا جزء ہوتا ہے اور مرضعہ اس کی اصل، اور جب وہ ماں ہوئی تو جس مرد کا دودھ تھا وہ ضرور باپ ہوگیا، اور ان کے فروع قریبہ اس کے اصل قریب کے فروع قریب، اور فروع بعیدہ اس کے اصل قریب کے فرع بعید، اور ان کے اصول اس کے اصول کہ اصل کی اصل اصل ہے، لاجرم جانب شیر دہ سے سب علاقے متحقق و موجب تحریم ہوئے، مگر فرع کی اصل نہ اپنی اصل ہونا لازم نہ فرع، تو شیر خوارہ کے اصول کو شیر دہ سے کچھ تعلق نہ ہوا، اور جب خود اصول غیر متعلق رہے تو اصول کے فروع قریبہ یا بعیدہ اس حیثیت سے کہ ان اصول کے فروع میں کیا علاقہ رکھیں گے کہ ان کا علاقہ تو بواسطہ اصول ہوتا۔ وہ خود بے تعلق ہیں، ہاں فرع کی فرع ضرور فرع ہوتی ہے تو جانب شیر خوارہ سے صرف دو علاقے ثابت و باعث حرمت ہوئے۔

زوجیت و فرعیت __ اب ان کی تفصیل اور ہر ایک میں معنی خویش شوند سمجھئے **(از جانب شیر دہ)**

اول زوجین یعنی مرضعہ کا شوہر کہ یہ دودھ جو رضعیہ نے پیا اس کا نہ تھا دوسرے شوہر کا تھا، یا مرضع کی زوجہ کہ رضیع نے اس کا دودھ نہ پیا بلکہ دوسری زوجہ کا، یا مرضع و مرضعہ کے اصول میں نزدیک و دور کسی کے زوج و زوجہ کہ سلسلہ شیر ان سے نہ ہوئے، یہ سب رضیع و رضیعہ پر حرام ہیں اور یہاں **خویش شوند** کے معنی یہ ہیں کہ وہ رضیعین کے سوتیلے ماں باپ یا سوتیلے دادا دادی، نانا نانی ہوگئے۔

دوم اصل کہ خود مرضع و مرضعہ ہیں یعنی وہ عورت جس نے دودھ پلایا اور وہ مرد جس کا یہ دودھ تھا اور ان کے

اصول نسبی ورضاعی پدری مادری منتہی تک اور یہاں خویش کے یہ معنی ہیں کہ مرضع ومرضعہ رضیعین کے ماں باپ ہوگئے، اور ان کے اصول ان کے سگے دادا دادی نانا نانی۔

سوم فرع کہ خود رضیعین ہیں اور رضیعین کے جملہ فروع نسبی ورضاعی پسری ودختری انتہاتک، اور یہاں یہ معنی کہ یہ سب مرضع ومرضعہ کے بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی ہوگئے۔

چہارم اصل قریب کی فرع یعنی مرضعین کے نسبی، رضاعی فروع وفروع الفروع آخر تک اور یہاں یہ معنی کہ یہ سب رضیعین کے بہن بھائی، بھتیجا بھتیجی، بھانجا بھانجی ہوگئے، پھر وہ اگر مرضع ومرضعہ دونوں کی فرع الفرع ہیں تو عینی اور صرف مرضع کے فروع ہیں تو علاتی اور صرف مرضعہ کے تو اخیافی۔

پنجم اصل بعید کی فرع قریب یعنی مرضعین کے اصول واصول الاصول نسبی ورضاعی کے فروع قریب نسبی خواہ رضاعی، اور یہاں یہ معنی کہ یہ سب رضیعین یا رضیعین کے اصول رضاعی چچا ماموں پھوپھی خالہ ہوگئے۔

(از جانب شیر خوارہ) اول زوجین یعنی رضیع کی زوجہ اور رضیعہ کا شوہر یا رضیع ورضیعہ کے فروع نسبی رضاعی میں کسی کے زوج وزوجہ کہ یہ سب مرضعین پر حرام ہوگئے، اور یہاں یہ معنی کہ وہ مرضعین کے دور یا نزدیک کے داماد اور بہو ہوگئے۔

دوم فرع کہ رضیعین کی تمام اولاد واولاد اولاد جہاں تک جائے، نسبی ہو یا رضاعی، سب مرضعین کی اولاد اولاد ہوگئے، مگر رضیعین کے اصول یا فروع قریبہ وبعیدہ اصول کو مرضعین سے کچھ علاقہ نہ ہوا۔ الحمدللہ شعر کے یہ معنی ہیں، ان تمام تاصیلات وتفریعات پر کہ ہم نے ذکر کیں اگر نصوص لائیں موجب اطالت ہو اور حاجت نہیں کہ اول **بحمداللہ تعالٰی** یہ سب مسائل خادم فقہ پر خود ظاہر، ثانیا ان پر نصوص کتب مذہب میں دائر وسائر۔ **والحمدللہ فی الاول والاٰخر** مسئلہ نے بحمداللہ تعالٰی وضوح تام پایا۔ اب فتوائے خلاف کی طرف چلئے اگرچہ حاجت نہ رہی:

اولا اس تشریح سے کھل گیا کہ یہ شعر تحریم صورت مسئولہ میں نص صریح تھا جسے برعکس دلیل گمان کیا گیا، کاش اتنا ہی خیال کرلیا جاتا کہ جانب شیر خوارہ سے فروع کا خویش مرضعین ہوجانا کیا معنی دے رہا ہے فروع شیر خوارہ شیر دہ کے خویش ہوجانے میں کوئی معنی ہی نہیں سوا اس کے کہ شیر خوارہ کی اولاد شیر دہ کی اولاد اولاد ہوگئی، پھر وہ اولاد شیر دہ پر کیونکر حلال ہوسکتی ہے، کون سی شریعت میں ہے کہ اپنے ماں باپ کی پوتی نواسی اپنے لیے حلال ہو جس بچہ سے چاہے پوچھ دیکھئے کہ ماں باپ کی پوتی اپنی بھتیجی ہوتی ہے اور نواسی اپنی بھانجی اور تمام جہان جانتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں بھتیجی اور بھانجی حرام قطعی ہے۔ سوئے اتفاق سے یہ گمان ہوا کہ فروع شیر خوارہ کو شیر دہ کے خویش بتایا ہے نہ کہ اولاد شیر دہ کے، اور نہ جانا کہ یہاں شیر دہ کے خویش ہونے کو اولاد شیر دہ کے لیے خویش ہونا قطعاً لازم بین ہے، یہ کیونکر متصور کہ آدمی کی ماں باپ کی اولاد

اپنی کوئی نہ ہو، شیر دہ کی طرف اضافت بوجہ اصالت ہے کہ اول اسی کے لیے ثابت ہو کہ باقیوں کی طرف سرایت کرتی ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

حقیقة الحال ان حقیقة البعضیة تثبت بین المرضعة والرضیع فثبتت حرمة الابنیة ثم انتشرت لوازم تحریم الولد [1]۔	حقیقت حال یہ ہے کہ دودھ پلانے اور دودھ پینے والوں کے درمیان جزئیت حقیقیہ پائی جاتی ہے جو ابنیت کی حرمت کو ثابت کرتی ہوئی بچے کی تحریم کے تمام لوازمات میں پھیل جاتی ہے۔(ت)

ثانیاً کاش مفتی نے اپنی ہی عبارت کو شعر سے ملا کر دیکھا ہوتا توبہ نگاہ اولین کھل جاتا کہ دونوں طرفین نقیض پر ہیں۔ شعر توصاف بتارہاہے کہ حرمت رضاعت رضیع کی طرف زوجین وفروع رضیع کو شامل ہوتی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ خاص رضیع کے لیے ہوتی ہے رضیع کے فروع کے لیے نہیں ہوتی صاف صاف نفی واثبات کاخلاف ہے اس کی نظیر اس سے بہتر کیا ہوسکتی ہے کہ زید کہے بیٹے کے لیے ماں حلال ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: **حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمۡ اُمَّھٰتُکُمۡ** [2] (تم پر تمھاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔ت)

ثالثاً آگے تفریع میں فرماتے ہیں: "پس فروع رضیع پر فروع مرضعہ ہر گز حرام نہیں" آپ کی اس اصل بے اصل کی یہ پوری تفریع نہ ہوئی، جب آپ کے نزدیک حرمت رضاعت جانب رضیع میں صرف رضیع کی ذات پر مقصور ہے، اس کے اصول کی طرح فروع کو بھی شامل نہیں۔ تو تفریع یوں کیجئے کہ فروع رضیع خود مرضع ومرضعہ پر بھی حرام نہیں جس طرح اصول رضیع ان پر حرام نہیں۔ وہاں تک تو بھانجی بھتیجی حلال ہوئی تھی اب پوتی نواسی حلال ہو گئی۔

رابعاً عبارت شرح وقایہ کا جو مفاد ٹھہرایا کاش اتنا ہی ہوتا کہ عبارت اس سے بے علاقہ محض ہوتی مگر زنہار ایسا نہیں بلکہ عبارت یقیناً قطعاً اس کارد کررہی ہے عبارت جس شے کی خاص حرمت بیان کرنے کو لکھی گئی، اس اختراع مفاد نے وہی حلال کردی جیسا کہ بحمد اللہ تعالٰی آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا، آخر نہ دیکھا کہ نص ہفتم میں مستخلص نے عبارت شرح وقایہ کا کیا مطلب ٹھہرایا۔

خامساً بلکہ نص ۱۷و۲۱ میں دیکھئے کہ خود امام شارح وقایہ نے کیا فرمایا اور اپنا مطلب کیا بتایا۔ **الحمد للہ** اس روشن مسئلہ کا روشن تر کرنا جس طرح مقصود فقیر تھا کہ ہر بات ہجے کرکے پڑھادی جائے بروجہ اتم

---

[1] فتح القدیر کتاب الرضاع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۳۱۴

[2] القرآن الکریم ۴/۲۳

حاصل ہوگیا، احباب پر تو یہ سخت شدید عظیم فرض ہے۔ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ (پوشیدہ کی پوشیدہ اور علانیہ کی علانیہ۔ت) معاملہ حرام قطعی کا ہے جس سے اغماض ناممکن تھا، رجوع الی الحق میں عار نہیں بلکہ تمادی علی الباطل میں۔ اور معاذ اللہ اس باطل و مہمل فتوی پر عمل ہو کر اگر نکاح ہوگیا تو یہ زنا، اور زنا بھی کیسا زنائے محارم۔ اس کا عظیم وبال تمام فتوی دہندوں پر رہے گا۔ اور ہر حرکت ہر بوسہ ہر مس کے وقت روزانہ رات دن میں خدا جانے کتنے کتنے بار یہ کبائر وجرائم ان سب کے نامہ اعمال میں ثبت ہوتے رہیں گے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ[1]۔ رواہ ابوداؤد والدارمی والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جسے بغیر علم کے فتوی دیا گیا تو اس کا گناہ فتوی والے پر ہے۔ اس کو ابوداؤد، دارمی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اللہ تعالٰی زیادہ علم والا ہے اور اس جل مجدہ کا علم کامل و محکم ہے۔ (ت)

کتبــــــــــہ

العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

- الجواب صحیح والمجیب نجیح۔
  مصطفٰی رضاخاں قادری عرف ابوالبرکات محی الدین
- الجواب صحیح۔
  نواب مرزا عبدالغنی قادری سنی حنفی بریلوی
- الجواب صحیح۔ واللہ اعلم
  محمد عبدالرب عرف محمد رضاخان قادری
- الجواب صحیح۔
  محمد امجد علی اعظمی

[1] سنن ابوداؤد کتاب العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۵۹، المستدرک کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/۱۲۶

○ فقیر غفراللہ القدیر نے مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجت قاہرہ، علامہ رحلہ، امام المسلمین اعلیحضرت مولانا وسیدنا ومفیدنا ومفیضنا مولوی محمد احمد رضاخان صاحب متع اللہ الناس بافاداتہ الی یوم الدین کے جواب کے بنظر غائر حرفاً حرفاً دیکھا عین صواب پایا جزاہ اللہ خیر الجزاوکالہ بالمکیال الاوفی فقط۔
فقیر قادری وصی احمد حنفی

الجواب صحیح وموثق بنصوص الصحیح وروایات المستند جزاہ اللہ خیر الجزا فی الدارین لراقم الفاضل الجلیل وعلامۃ النبیل اٰیۃ من اٰیات اللہ۔	جواب صحیح اور صحیح نصوص اور مستند روایات سے مضبوط کیا ہوا ہے، اللہ تعالٰی دونوں جہان میں جواب لکھنے والے عالم جلیل، علامہ نبیل، اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے نشانی کو بہتر جزا عطا فرمائے۔(ت)

حکیم مفتی سلیم اللہ ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور

○ ماحققہ عمدۃ العلماء الاعلام زبدۃ الفقہاء الکرام قدوۃ الفضلاء العظام امام النبلاء الفخام قاطع ورید المردۃ اللئام مظہر الکلمات العرفانیۃ کاشف الاٰیات الربانیۃ حامی السنۃ واھل السنۃ ماحی آثار الکفر والبدعۃ وحید العصر فرید الدھر مجدد الزمان سیدنا العریف الماھر مولانا المولوی محمد احمد رضاخان سلمہ اللہ المنان فھو حق صراح وصدق قراح والحق احق بالاتباع وفقنا اللہ تعالٰی وسائر المسلمین والصلوۃ والسلام علی ختم المرسلین والہ وصحبہ حماۃ الدین۔ کتب العبد المفتقر الی ربہ الاکبر محمد عمر المراد آبادی۔	بلند علماء میں عمدہ، فقہاء کرام میں منتخب، بڑے فضلاء کے مقتداء، بڑے ماہرین کا امام، سرکش ملعونوں کی رگ کاٹنے والے، عرفانی کلمات کو ظاہر کرنے والے، سنت اور اہلسنت کی حمایت کرنے والے، کفر وبدعت کے آثار کو مٹانے والے، اپنے زمانہ کے بے مثل ماہر مولانا مولوی احمد رضا خان، اللہ تعالٰی منان ان کو سلامت فرمائے، نے جو تحقیق فرمائی وہ خالص حق، صاف سچ، جبکہ حق ہی اتباع کے قابل ہے، اللہ تعالٰی ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق دے، صلٰوۃ وسلام ہو خاتم المرسلین اور ان کی آل پر اور دین کی حمایت کرنے والے صحابہ پر۔(ت)

○ بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اللہ تعالٰی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے میری آنکھوں کو اس پاکیزہ تحقیق کے انوار سے روشن کیا۔ اللہ تعالٰی جزا عطا فرمائے حضرت مجیب کو جن کی تحقیق کا ایک ایک حرف صدق وصواب ہے ومن اعرض فھو من الجاھلین (جس نے اس سے

روگردانی کی وہ جاہلوں میں سے ہے۔ت) فی الواقع حضرت مجدد صاحب دامت برکاتہم کی ذات والا صفات حضرت حق کی ایک شان رحمت ہے، اور بے شمار برکات کا مجموعہ، کتنے اندھوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور ہزارہا نابیناؤں کو بینا بنادیا، اللہ تعالٰی ایسے فاضل جلیل کو مدت ہائے دراز تک بایں فیض رسانی سلامت رکھے، آمین بحرمت المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالٰی علیہ وسلامہ، بیشک اس مسئلہ کے ایضاح میں تحقیق کے خزانے کھول دئے ہیں اور نادان مفتی کی غلطی کو خوب آشکار کرکے سمجھا دیا ہے، اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو سیدھی راہ چلائے۔ آمین!

العبد المعتصم بحبل اللہ المتین محمد نعیم الدین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین

مسئلہ ۲۸۱: از موضع بہار ضلع بریلی مسئولہ عبدالرحمٰن خان صاحب ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکے نے سنا کہ میرے والد نے میری بی بی کے ساتھ زنا کیا ہے اس پر اس کو غصہ آیا اور اپنی بی بی کو مارا اور طلاق دے کر مکان سے علیحدہ کردیا یعنی نکال دی۔ لڑکی نے اپنی مہر کی نالش کردی، مہر اس کا جو کچھ تھا اس کی ڈگری ہوگئی۔ لڑکے کا وکیل کہتا ہے کہ طلاق اس نے غصہ میں دی اس وجہ سے طلاق نہیں ہوئی، او رلڑکی کا وکیل کہتاہے کہ طلاق ہوگئی، اس صورت میں کون سچا ہے؟ کون سے وکیل کی بات مانی جائے؟ یعنی طلاق ہوئی کہ نہیں ہوئی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر یہ صحیح ہے اور ثبوت شرعی سے ثابت ہے کہ اس کے باپ نے اس کی بی بی سے زنا کیا جب تو وہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ اس پر فرض تھا کہ اسے فوراً جدا کردے، جو طلاق دی یہ جدا کرنا ہی ہوا اور اب وہ اسے کبھی واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر مذکور ثبوت شرع سے ثابت نہ ہو نہ لڑکے نے اس کی تصدیق کی ہو تو یہ طلاق طلاق ہوئی اور مجرد غصہ کا عذر مسموع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۲ تا ۲۸۴: از غازی پور محلّہ بربرہنہ برمکان منشی واجد علی صاحب مسئولہ محمد ادریس صاحب ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں (۱) کہ زید عمر ۱۶ سال، بی بی عمر ۲۵ سال سے جو کہ رشتہ میں زید کی ممانی ہوتی ہے ہمیشہ مذاق و تفریح کرتا رہا ہو کسی وقت میں زید نے جمیلہ کا ہاتھ یا پیر پکڑ لیا ہو اور ایک مرتبہ بوسہ بھی لے لیا ہو ازروئے شہوت مذاق کے۔ کچھ عرصہ کے بعد بکر جو کہ رشتہ میں زید کا باپ ہے صغرٰی سے جو کہ جمیلہ کی لڑکی ہے نکاح کرنا چاہتا ہے اور زید ازروئے شرم وحیاکے اس بات کو ظاہر نہیں کرسکتا ہے تو ایسی حرکت میں نکاح ہوگا یا نہیں؟ اگر نہ ہو تو اور کوئی صورت جواز کی نکل سکتی ہے ازروئے کفارہ کے

یا نہیں؟

(۲) اور اگر نکاح کر دیا ہو اس وقت میں کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۳) اور ہماری طرف ممانی اور بھاوج سے مذاق اور تفریح کرنا کچھ عیب میں داخل نہیں؟

الجواب:

بھاوج یا ممانی سے ایسا مذاق حرام قطعی ہے اور کرنے والا اور وہ عورت دونوں فاسق، اور ان کے شوہر باپ بھائی اگر اس پر راضی ہوں دیوث ہیں۔ اور دیوث پر جنت حرام، اور صغرٰی سے بکر کا نکاح حلال ہے، درمختار میں ہے: **اما بنت زوجة ابیه وابنه فحلال**[1] (اور اپنے باپ کی زوجہ یعنی سوتیلی ماں کی بیٹی جو باپ کے نطفے سے نہیں اور اپنے بیٹے کی زوجہ کی بیٹی جو بیٹے کے نطفہ سے نہیں وہ حلال ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۵ تا ۲۸۶: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک بہن کا لڑکا ہے اور دوسری بہن کی دختر لڑکی ہے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) سالی حقیقی سے نکاح اس وقت میں جائز ہے کہ اپنے بیٹے کا نکاح بھی سالی کی دختر سے کیا جائے اور بر تقدیر جائز بھی ہے تو پہلے کس کا نکاح ہو؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ہاں جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جب عورت مر جائے یا اسے طلاق دے اور عدت گزر جائے تو سالی سے نکاح جائز ہے۔ اور سالی کی بیٹی سے اپنے بیٹے کا نکاح مطلقًا جائز ہے، خواہ پہلے اس کا نکاح کرے یا اپنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از مدرسہ رحمانیہ رائے بریلی مسئولہ محمد ابراہیم صاحب ۲۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ زید کی دوسری زوجہ ہے اور زید کی زوجہ اولٰی کے چند لڑکے ہیں ان میں سے ایک لڑکے نے ہندہ سے کئی بار اظہار تعشق کیا اور کہا کہ ہم تم بھاگ چلیں۔ اور کئی بار اپنا آلہ منتشر ہندہ کے ہاتھ میں بلا حجاب کسی کپڑے کے پکڑا دیا۔ کئی بار بوسہ لے لیا۔ اور دو مرتبہ آمادہ زنا ہو گیا یہاں تک کہ ازار کھول دیا اور پوری کوشش کی کہ دخول کرے۔ مگر ایک مرتبہ کسی نے آواز دے کر برا بھلا کہا، اور ایک مرتبہ ہندہ پوری کوشش کرکے بھاگ نکلی، ان وجوہ سے ہندہ کا پردہ عصمت

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۷

چاک نہیں ہوا، مگر ان سب صورتوں میں ہندہ متنفر تھی اور اس کو کبھی شہوت نہیں ہوئی اور ہر مرتبہ ہندہ نے اپنے شوہر زید کو خبر دی مگر اس نے سمجھا دیا کہ لڑکے کا معاملہ ہے بدنامی بہت ہوگی اس کا اظہار نہ کرو۔ مگر لڑکے کو بہت برا بھلا کہا اور ساتھ کھانا چھوڑ دیا اور مارا بھی، مگر لڑکا اپنی حرکات ناشائستہ سے باز نہیں آیا۔ اب ایسی صورت میں ہندہ زید پر حرام ہوگی یا نہیں؟ اور اگر حرام ہوگئی تو وہ اپنا نکاح دوسرا بلا طلاق زید کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح کرسکتی ہے تو عدت بیٹھنا ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب

جبکہ پسر زید نے زن زید سے یہ افعال خبیثہ کئے کہ قطعاً بہ شہوت تھے تو زن زید زید پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی اگرچہ زن زید کی طرف سے شہوت نہ ہونا تسلیم کرلیا جائے کہ مس میں ایک طرف سے شہوت کافی ہے، درمختار میں ہے: **تکفی الشھوۃ من احدھما**[1] (دونوں میں سے ایک کا شہوت سے ہونا کافی ہے۔ت) مگر نکاح زائل نہ ہوا، زید پر لازم ہے کہ عورت سے متارکہ کرے یعنی اسے چھوڑ دے، مثلاً کہے میں نے تجھے چھوڑا، اس کے بعد عورت عدت کرے اس کے بعد دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے، زید یا پسر زید سے کبھی نہیں کرسکتی، زید کی بیٹی کی جگہ ہوگئی اور پسر زید کی ماں کی جگہ تھی ہی، جب تک زید متارکہ نہ کرے اور عدت نہ گزرے دوسرے سے نکاح حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

بحرمۃ المصاہرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل التزوج بآخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حرمت مصاہرہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا تاوقتیکہ بعد متارکہ عدت نہ گزر جائے دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۸: از روضہ حضرت مجدد الف ثانی سرہند شریف مسئولہ عبدالقادر صاحب مدرس درگاہ شریف ۳۰ رمضان شریف ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرزائی مذہب شخص کی دختر نابالغہ سے جو عقد نکاح ہوگیا ہے وہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ دختر مذکورہ اپنے مذہب کو کچھ نہیں جانتی ہے۔ والد اس کا انتقال کرچکا ہے صرف اس کی والدہ نے نکاح ایک حنفی مذہب سے کردیا ہے، ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے اس کو علیحدہ کردیا جائے یا تاوقت بلوغ رکھا جائے۔ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

الجواب:

مرزائی مرتد ہیں کما ھو مبین فی حسام الحرمین (جیسا کہ حسام الحرمین میں واضح بیان کیا گیا ہے۔ت) اور مرتد مرد ہو یا عورت اس کا نکاح کسی مسلمان یا کافر اصلی یا مرتد غرض انسان یا حیوان جہان بھر میں کسی سے نہیں ہوسکتا۔ جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذافی المبسوط [1]۔	مرتد کے لیے مرتدہ، مسلمہ یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اور اس طرح مرتدہ عورت کا بھی کسی مرد سے نکاح جائز نہیں، جیسا کہ مبسوط میں ہے۔ (ت)

عورت اگرچہ نابالغہ ہے سال دو سال کی ناعاقلہ بچی نہ ہوگی اور عقل و تمیز کے بعد اسلام وارتداد صحیح ہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

اذا ارتد صبی عاقل صح کاسلامہ [2]۔	بچہ اگر مرتد ہوجائے تو اس کا ارتداد صحیح ہے جیسے اس کا اسلام لانا صحیح ہے۔ (ت)

سمجھ وال ہونے کی حالت میں اگر اس نے مرزائیت قبول کی یا اتنا ہی جانا کہ مرزا نبی یا مسیح یا مہدی تھا تو اسی قدر اس کے مرتدہ ہونے کو بس ہے، تجربہ ہے کہ یہ مرتد لوگ بچپن سے اپنی اولاد کو اپنے عقائد کفریہ سکھاتے ہیں تو سائل کا کہنا کہ اپنے مذہب کو کچھ نہیں جانتی ہے بعید از قیاس ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے ایسی قرابت قریبہ رکھنا بارہا منجربہ فتنہ وفساد مذہب ہوتا ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**، تو سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو فوراً جدا کردیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹: از ریاست فرید کوٹ کوٹھی ملیر گنج مسئولہ علیم الدین صاحب فراش ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ غیر مقلدوں کے ساتھ تعلقات رکھنا اور ان کے ساتھ رشتہ ناتا اپنے لڑکے لڑکی کا جائز ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو حنفی المذہب اپنی لڑکی کو کسی طور سے واپس لے سکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غیر مقلدوں سے میل جول حرام ہے اور ان سے مناکحت ناجائز **کما بیناہ فی رسالتنا ازالۃ العار**

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۱

بحجر الکرائم عن کلاب النار (جیساکہ ہم نے اپنے رسالہ ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار میں بیان کیا ہے۔ت) وہابیت ارتداد ہے اور مرتد مرد ہو یا عورت اس کا نکاح تمام جہان میں کسی سے نہیں ہوسکتا، نہ کافر سے، نہ مرتد سے، نہ مسلمان سے، نہ انسان سے، نہ حیوان سے، جس سے ہوگا زنائے خالص ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط[1]۔	مرتد کو مرتدہ، مسلمہ اور اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اور یوں ہی مرتدہ کو بھی کسی مرد سے نکاح جائز نہیں۔ مبسوط میں ایسی ہی ہے۔ (ت)

حنفی اگر اس میں مبتلا ہوا ہو تو اپنی لڑکی اسی دعوے سے واپس لے کہ نکاح ہوا ہی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از مند سورہ مالوہ اے، وی، ایم، سکول ریاست گوالیار مسئولہ محمد عبدالحمید صاحب مدرس ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک بیوہ عورت حاملہ ہوگئی اور بروقت تحقیقات پولیس مسماۃ مذکورہ نے بیان کیاکہ یہ حمل خاص میرے داماد کا ہے۔ ایسی حالت میں منکوحہ داماد مسماۃ مذکورہ کی حرام ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب

فقط اس عورت کے کہنے سے داماد پر اس کی منکوحہ حرام نہیں ہوسکتی۔ یا تو ثبوت شرعی ہو یا داماد اقرار کرے۔ اس وقت اس کی منکوحہ پر حرام ابدی ہونے کا حکم دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۱: از بستی محلّہ دکھن دروازہ دھنیاٹولہ مسئولہ بقرعیدن صاحب ضلعدار محکمہ افیون ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ دوبرس سے مفرور ہوگئی ہے اور نہ طلاق دی نہ اس کا کچھ پتا ہے کہ زندہ ہے یا مرگئی، زید اپنی بی بی کی حقیقی بہن سے چاہتا ہے کہ نکاح کروں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ناجائز، **قال تعالٰی: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ**[2] (دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

[2] القرآن الکریم ۴/۲۳

زید اگر چاہتا ہے تو زوجہ کو طلاق دے اور تا انقضائے عدت انتظار کرے اس کے بعد اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے، انقضائے عدت یہاں ظن غالب سے لیا جائے گا **فانہ ملتحق فی الفقھیات بالیقین** (فقہ میں یہ یقین سے ملحق ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۲تا۲۹۳: از احمد نگر دکن گنج بازار متصل مسجد شاہی مسئولہ محمد ابراہیم صاحب خطیب حنفی قادری ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

(۱) زید وعمرو حقیقی بھائی ہیں، عمرو اپنے پوتے کے ساتھ زید کی لڑکی کا نکاح کرانا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے چھ ماہ کی عمر میں زینب کا دودھ ہندہ کے ساتھ پیا اور ہندہ کی عمر چار سال کی تھی، کیا زینب کی تیسری لڑکی سے زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) یہ نکاح جائز ہے کہ حقیقی پھوپھی نہیں رشتہ کی پھوپھی ہے۔ **قال تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ**[1] (اور ان کے سوا جو رہیں وہ تمھیں حلال ہیں۔ت) یعنی بھتیجی سے بیٹے کا نکاح جائز ہے حالانکہ وہ رشتہ میں اس کی بہن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) زینب زید کی ماں ہو گئی اور زینب کی جتنی اگلی پچھلی اولاد ہے سب زید کی بہن بھائی، زینب کی کسی لڑکی سے زید کا نکاح جائز نہیں۔ **قال تعالٰی: وَاَخَوٰتُکُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ**[2] (اور تمھاری رضاعی بہنیں حرام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۴: مولوی عبداللہ صاحب بہاری مدرس مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو حقیقی بہنیں ان کا نکاح زید و اس کے حقیقی لڑکے کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں میں ایسا جائز ہے ان کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب

شرعاً جائز ہے کہ ایک بہن کا نکاح باپ اور دوسری کا بیٹے سے ہو، اس میں کچھ حرج نہیں جبکہ کوئی مانع شرعی اور وجہ سے نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۵: از شاہجہاں پور مسئولہ خان بہادر فصیح الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر ۲۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان عورت یا مرد کسی دوسرے مذہب کے مرد یا عورت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

سے مثلاً بدھ، جین، ہندو، دہریہ وغیرہ سے مناکحت کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کہ وہ غیر مذہب والا مرد یا عورت اسلام قبول نہ کرے اور اپنے مذہب پر قائم رہے، اگر نہیں کرسکتا ہے تو اس بارہ میں احکام کلام مجید کیا ہیں؟ براہ مہربانی ان آیات کو درج فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمان عورت کا نکاح مطلقاً کسی کافر سے نہیں ہوسکتا۔ کتابی ہو یا مشرک یا دہریہ یہاں تک کہ ان کی عورتیں جو مسلمان ہوں انھیں واپس دینا حرام ہے۔

قال تعالٰی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ [1]۔	اے ایمان والو! جب تمھارے پاس اسلام لانے والی عورتیں کافروں کا دیار چھوڑ کر آئیں تو ان کی آزمائش کرو، اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو، پھر اگر تمھیں آزمائش سے ان کا ایمان ثابت ہو تو انھیں کافروں کو واپس نہ دو، نہ مسلمان عورتیں کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ کافر مسلمان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

مسلمان مرد کافرہ کتابیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

قال تعالٰی: اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ [2]۔	آج کے دن ستھری چیزیں تمھارے لیے حلال کی گئیں اور کتابیوں کا ذبیحہ تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور تمھارے لیے حلال کی گئیں پارسا مسلمان عورتیں اور عفت والی کتابیہ عورتیں جب تم انھیں ان کے مہر دو۔

لیکن غیر کتابیہ سے مسلمان مرد کو نکاح حرام ہے۔

قال تعالٰی: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ [3]۔	مشرکہ یعنی غیر کتابیہ سے نکاح نہ کرو جب تک ایمان نہ لائیں اور بیشک ایک مسلمان باندی کافرہ غیر کتابیہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ کافرہ تمھیں پسند آئے۔

یہ حکم کافران اصلی کا ہے، مرتد و مرتدہ کا نکاح تمام عالم میں کسی سے نہیں ہوسکتا نہ مسلم سے، نہ کافر سے، نہ اصلی

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/۶۰

[2] القرآن الکریم ۵/۵

[3] القرآن الکریم ۲۱/۲

سے نہ مرتد سے۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد، کذافی المبسوط [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مرتد کو کسی مرتدہ، مسلمہ یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں اور یوں ہی مرتدہ کو بھی کسی مرد سے نکاح جائز نہیں، مبسوط میں یونہی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۶: از بنگالہ مدرسہ معین الاسلام ڈاک خانہ جنگل آباد اہل موضع کادکا کسی ضلع جسر مسئولہ عبدالصمد صاحب ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بی بی یعنی اپنی بہو سے زنا کیا اب وہ بی بی مذکورہ کواپنے شوہر کے لیے حلال رہے گی یا نہیں؟ اور وہ دونوں کے درمیان نکاح باقی رہے گا یا طلاق ہو گئی؟ اگر طلاق ہو گئی تو کس قسم کی؟ اور علت طلاق ہونے کی کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

لوگ اپنی طرف سے خیالات باطلہ باندھ لیتے یا فقط دو ایک شخصوں یا صرف عورت کے کہنے پر اتہام لگاتے ہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ شہادت عادلہ شرعیہ ہو یا شوہر تصدیق کرے اس وقت حرمت کا حکم دیا جائے گا۔ عورت ہمیشہ کے لیے اپنے شوہر پر حرام ہوجائے گی کہ اس کے باپ کی مدخولہ ہوگئی اور باپ کی مدخولہ بیٹے پر حرام ابدی ہے، **قال تعالٰی:** **وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ** [2] (جن سے تمھارے باپ نکاح کرلیں تم ان سے نکاح نہ کرو۔ت) مگر طلاق نہ ہوئی، نہ نکاح سے خارج ہوئی جب تک شوہر متارکہ نہ کرے، مثلاً اس سے کہے میں نے تجھے چھوڑ دیا یا جدا کیا، جب یہ کہے گا اور عدت گزر جائے گی اس وقت عورت کسی تیسرے شخص سے نکاح کرسکے گی، ان دونوں باپ بیٹوں پر تو ہمیشہ کے لیے حرام ہے، شوہر پر فرض ہے کہ اسے متارکہ کردے کہ اب اسے رکھ نہیں سکتا تو چھوڑنا لازم۔ **قال تعالٰی:** **فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ** [3] (تو ہمدردی سے پاس رکھو یا اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔ت) درمختار میں ہے:

وبحرمۃ المصاہرۃ لایرتفع النکاح حتی	حرمت مصاہرہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا حتی کہ

[1] فتاوی ہندیہ باب فی المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

[2] القرآن الکریم ۴/۲۲

[3] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

لایحل لھا التزوج بآخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب تک متارکہ اور عدت پوری نہ ہوجائے کسی دوسرے کے لیے حلال نہ ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۷: از سواوالہ ڈاک خانہ ریڑھ ضلع بجنور مسئولہ حکیم عبدالرحمان ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

ما قولکم رحمکم اللہ (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کا کیا فرمان ہے۔ت) کہ زید نے اپنے لڑکے عمرو کی زوجہ سے زنا بالجبر کیا یا زنا کی نیت کی جس کا اقرار دونوں کرتے ہیں،اس صورت میں یہ عورت عمرو کی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟اور کون سی طلاق واقع ہوئی؟ عدت بھی ہوگی یا نہیں؟ عمرو کے لیے یہ عورت کسی طرح پھر بھی حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ وقوع زنا،نیت زنا،دواعی زنا،تینوں میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟**بینوا توجروا**

یہی استفتاء اس سے قبل مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دیوبند کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس کے جواب میں بوجہ انتقال مولانا محمود الحسن صاحب نوراللہ مرقدہ انھوں نے یہ مختصر جواب دیا تھا کہ: "اگر عمرو اس کا مقر نہیں ہے تو اس کے حق میں اس کی عورت حرام نہیں ہوئی"**انتہی** چونکہ یہ فیصلہ بروئے پنچایت برادری طے ہونے والا ہے اس لیے ضروری ہے کہ کل مسئول عنہا امور کا جواب دیکھنے پر اگر حکم ہو تو برادری میں ان سے انقطاع یا حقہ پانی بند کی سزائے مروج دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا محض ان سے جرمانہ وصول کرکے غربا ومساکین کی دعوت کرائی جائے اور وہ جرمانہ مسجد یا اور کسی نیک کام میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

محض نیت زنا سے کچھ نہیں ہوتا اور بیٹے پر اس کی زوجہ حرام ابدی ہونے کے لیے صرف دواعی بھی کافی ہیں۔اگر عمرو کے قلب پر ان کا صدق جمتا ہے تو لازم ہے کہ وہ عورت کو اپنے اوپر حرام سمجھے،

فان التحری من دلائل الشرع وقول فاسق معتبر اذا وقع التحری علی صدقہ۔	کیونکہ تحری (سوچ کے بعد فیصلہ) شرعی دلائل میں سے ہے اور فاسق کا قول تحری سے تصدیق کے بعد معتبر قرار پاتا ہے۔(ت)

یونہی اگر عمرو نے ان کی تصدیق کی تو عورت کی حرمت ابدی کا حکم ہے **لان الاقرار حجۃ ملزمۃ** (کیونکہ اقرار اپنے اوپر لازم کرنے کے لیے دلیل ہے۔ت) اور اگر نہ اس نے ان کی تصدیق کی نہ اس کے قلب پر ان کا صدق

[1] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

جمتا ہے تو عورت اس پر حرام نہ ہوئی لان الاقرار حجۃ قاصرۃ لاتعد والمقر (کیونکہ اقرار کمزور دلیل ہے اس لیے مقر کا غیر اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ت) پھر جن صورتوں میں عورت اس پر حرام مانی جائے گی ہمیشہ کے لیے حرام ہوگی، کسی طرح ان باپ بیٹوں کے لیے حلال نہیں ہوسکتی مگر ہنوز طلاق نہ ہوئی، عمرو پر فرض ہوگا کہ اسے چھوڑدے اور اس کے چھوڑنے کے بعد عورت پر عدت لازم ہوگی، بعد عدت کسی تیسرے سے نکاح کرسکے گی، درمختار میں ہے:

وبحرمۃ المصاہرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج باٰخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ[1]۔	حرمت مصاہرہ نکاح کو ختم نہیں کرتی حتی کہ دوسرے شخص سے نکاح، متارکہ اور اس کے بعد عدت گزر جانے کے بغیر جائز نہیں۔(ت)

اگر بصورت حرمت عمرو عورت کو رکھے تو مسلمان اس سے میل جول چھوڑ دیں مگر جرمانہ لینا حرام ہے اور اسے مسجد میں صرف کرنا اور دیوبندیوں سے فتوی پوچھنا حرام اور ان کے فتوی پر عمل کرنا حرام، اور انھیں مولٰنا یا نوراللہ مرقدہ کہنا حرام، تمام علماء کرام حرمین شریفین نے شان الوہیت وشان رسالت میں ان کی سخت گستاخیوں کے سبب ان کی تکفیر پر اتفاق کیا اور حسام الحرمین میں فرمایا: **من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر**[2] یعنی جو ان کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہوکر ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر۔ والعیاذ باللہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۸تا۳۰۰: مسئولہ مولانا مولوی احمد مختار صاحب میرٹھی مورخہ ۸ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ

(۱) **ماقولکم ایھا العلماء الکرام** (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) مرزا غلام احمد قادیانی کو مجدد مہدی، مسیح موعود اور پیغمبر صاحب وحی والہام ماننے والے مسلمان ہیں یا خارج از اسلام اور مرتد۔

(۲) بہ شکل ثانی اس کا نکاح کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ یا ان کی ہم عقیدہ عورت سے شرعادرست ہے یا نہیں؟

(۳) بہ صورت ثانیہ جس عورت کا نکاح ان لوگوں کے ساتھ منعقد کیا گیا ہے ان عورات کو اختیار حاصل ہے کہ بغیر طلاق لیے اور بلاعدت کسی مرد مسلم سے نکاح کرلیں۔ **بینوا آجرکم اللہ تعالٰی**

الجواب:

(۱) **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنے کا جو قائل ہو

---

[1] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور ص ۱۳

وہ تو مطلقاً کافر مرتد ہے اگرچہ کسی ولی یا صحابی کے لیے مانے، قال اللہ تعالٰی:

وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [1] ۔وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: انا خاتم النبیین لانبی بعدی [2]۔	لیکن اللہ تعالٰی کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔(ت) حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں (ت)

لیکن قادیانی تو ایسا مرتد ہے جس کی نسبت تمام علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ **من شك فی کفرہ فقد کفر** [3] (جس نے اس کے کفر میں شک کیا ہو کافر ہوگیا۔ت) اسے معاذاللہ مسیح موعود کیا مہدی یا مجدد یا ایک ادنی درجہ کا مسلمان جاننا درکنار جو اس کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں ادنی شک کرے وہ خود کافر مرتد ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) قادیانی عقیدے والے قادیانی کو کافر مرتد نہ ماننے والے مرد خواہ عورت کا نکاح اصلا ہرگز زنہار کسی مسلم کافر یا مرتد اس کے ہم عقیدہ یا مخالف العقیدہ غرض تمام جہان میں انسان حیوان جن شیاطین کسی سے نہیں ہوسکتا جن سے ہوگا زنائے خالص ہوگا۔ فتاوی علمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد، کذافی مبسوط [4]۔	مرتد کو کسی مرتدہ، مسلمہ یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، ایسے ہی مرتدہ کو کسی مرد سے نکاح جائز نہیں، جیساکہ مبسوط میں ہے۔(ت)

اسی میں دربارہ تصرفات مرتد ہے:

منہا ماھو باطل بالاتفاق نحوالنکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولامرتدۃ ولاذمیۃ ولاحربیۃ ولامملوکۃ [5]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بعض وہ چیزیں جو بالاتفاق باطل ہیں جیسے نکاح تو اس کے لیے کسی مسلمہ مرتدہ اور اصلی کافرہ اور ذمی عورت، حربیہ اور لونڈی سے نکاح باطل ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/۴۰

[2] جامع الترمذی ابواب الفتن باب ماجاء لاتقوم الساعۃ الخ امین کمپنی دہلی ۲/۴۵

[3] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

[4] فتاوی ہندیہ باب فی المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

[5] فتاوی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۵۵

جس مسلمان عورت کا غلطی خواہ جہالت سے کسی کے ساتھ نکاح باندھا گیا اس پر فرض فرض ہے کہ فوراً فوراً اس سے جدا ہوجائے کہ زنا سے بچے اور طلاق کی کچھ حاجت نہیں بلکہ طلاق کا کوئی محل ہی نہیں، طلاق تو جب ہو کہ نکاح ہوا ہو، نکاح ہی سرے سے نہ ہوا، نہ اصلا عدت کی ضرورت کہ زنا کے لیے عدت نہیں، بلاطلاق بلاعدت جس مسلمان سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، درمختار میں ہے:

نکح کافر مسلمة فولدت منه لایثبت النسب منه ولاتجب العدة لانه نکاح باطل[1]۔	کافر نے مسلمان عورت سے نکاح کیا جس سے اولاد ہوئی تو اس سے نسب ثابت نہ ہوگا، عورت پر عدت واجب نہ ہوگی کیونکہ یہ نکاح باطل ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فالوطء فیه زنا لایثبت به النسب[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی اس میں وطی زنا ہے جس سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۱: از قصبہ نہٹور ضلع بجنور محلّہ میاں صاحب سادات اول مرسلہ سید محمد مختار احمد صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۴ھ روز چہار شنبہ

مکرم معظم جناب قبلہ مولانا صاحب زاد ظلکم۔ السلام علیکم، مزاج شریف! کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ زید کی دو زوجہ، زوجہ اول کا انتقال ہوگیا، اس سے اس کے ایک نواسہ، زوجہ دوم کے ایک لڑکی، اب زوجہ دوم کی لڑکی سے زوجہ اول کے نواسہ کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ گویا سوتیلی خالہ سے یعنی اپنی ماں کی سوتیلی بہن سے جو دوسری ماں سے پیدا ہو کوئی شخص اپنا نکاح کرسکتا ہے؟ سبب یہ ہے کہ ناکح کا باپ اور منکوحہ کا باپ اور ماں دونوں علیحدہ ہیں کیونکہ بعض شخص کچھ ایسی حجت پیدا کرتے ہیں کہ چچازاد یا تائی زاد یا خالہ زاد بہن بھائی حقیقی کا نکاح جائز ہے جبکہ ناکح اور منکوحہ کے ماں اور باپ کا ایک باپ اور ایک ماں ہیں، جزئیت کس طرف سے شمار ہوتی ہے، کسی ایسی عام فہم صورت میں جواب صاف اور کسی مستقل حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

زوجہ دوم کی وہ لڑکی اگر زید ہی کے نطفہ سے ہے بلاشبہہ زید کے نواسے پر حرام قطعی ہے، اور اگر کسی دوسرے شوہر سے ہے تو جائز ہے، جزئیت کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اپنی فرع اور اپنی اصل کتنی بعید ہو مطلقاً حرام ہے، اور اپنی اصل

---

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۳

[2] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۳

قریب کی فرع اگرچہ بعید ہو حرام ہے، اور اپنی اصل بعید کی فرع بعید حلال، اپنی فرع جیسے بیٹی پوتی نواسی کتنی ہی دور ہو اور اصل ماں دادی نانی کتنی ہی بلند ہو اور اصل قریب کی فرع یعنی اپنی ماں اور باپ کی اولاد یا اولاد کی اولاد کتنی ہی بعید ہو اور اصل بعید کی فرع قریب جیسے اپنے دادا، پر دادا، نانا، دادی، پر دادی، نانی، پر نانی کی بیٹیاں یہ سب حرام ہیں، اور اصل بعید کی فرع بعید جیسے انہی اشخاص مذکورہ آخر کی پوتیاں نواسیاں جو اپنی اصل قریب کی نوع نہ ہوں حلال ہیں۔ صورت مذکورہ میں جبکہ زوجہ دوم کی لڑکی زید کے نطفہ کی ہو تو وہ اس کے اصل بعید کی فرع بعید قریب ہوئی، زید اس کا نانا ہے وہ اس کی اصل بعید ہوا اور یہ لڑکی اس کی بیٹی، یہ اس کی فرع قریب ہوئی، لہٰذا حرام ہوئی۔ اور اگر دوسرے شوہر سے ہے تو اس سے کوئی تعلق نہ ہوا لہٰذا حلال ہوئی، چچا، خالہ، ماموں، پھوپھی کی بیٹیاں اس لیے حلال ہیں کہ وہ اس کی اصل بعید کی فرع بعید ہیں یعنی دادا نانا کی پوتیاں نواسیاں جو اپنی اصل قریب سے نہیں۔ نقایہ میں ہے:

حرم علی المرء اصلہ وفرعہ اصلہ القریب وصلبیۃ اصلہ البعید [1]۔ وھو تعالٰی اعلم۔	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصل قریب کی فرع اور اصل بعید کی صلبیہ عورتیں حرام ہیں۔ (ت) وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۲: مسئولہ حافظ محمد علاؤالدین صاحب پیش امام مسجد مقام بلرام پور ڈاک خانہ انگہ ڈیرہ ضلع مان بھوم

(۱) جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ کون کون ہیں؟ عام فہم ہو خصوصًا میرے سمجھنے کے قابل۔

(۲) جو عورت زید کے بڑے بھائی کے نکاح میں آچکی ہو، بعد مرنے بڑے بھائی کے اس عورت یعنی اپنی بھاوج سے زید عقد کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جھگڑا پڑا ہوا ہے اس کا خلاصہ تحریر فرمائیں، **فقط۔**

الجواب:

(۱) حرمت کے اسباب متعدد ہیں:

اول نسب جیسے ماں بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی۔

دوم رضاعت، دودھ کے رشتہ سے یہ عورتیں، دودھ پلانے والی ماں اور اس کی بیٹی بہن اور جس نے اس کا دودھ پیا بیٹی اور جن مرد و عورت کا دودھ پیا ان کی بہنیں خالہ پھوپھی اور اپنے رضاعی بھائی بہن کی اولاد یا اپنے بھائی بہن کی رضاعی اولاد بھتیجی بھتیجیاں، **وقس علیہ۔**

سوم مصاہرت کہ اپنے اصول مثلًا باپ دادا نانا اپنی فروع مثلًا بیٹا پوتا نواسہ ان کی بیبیاں یا

---

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الھدایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲

جن عورتوں کو انھوں نے بشہوت ہاتھ لگایا ہو، یونہی اپنی بی بی یا مدخولہ کی ماں، دادی، نانی۔

چہارم شرک یعنی غیر کتابی کافرہ عورت مسلمان پر حرام ہے۔

پنجم ارتداد جو عورت مسلمان ہو کر اسلام سے نکل جائے اس سے نکاح حرام ہے اگرچہ وہ کتابیوں ہی کا دین اختیار کرے۔

ششم پانچویں، یعنی چار عورتیں نکاح میں موجود ہوں تو پانچویں حرام ہے۔

ہفتم دو محارم میں جمع کرنا، مثلاً ایک عورت نکاح میں ہے تو جب تک وہ نکاح میں رہے اس کی بہن پھوپھی خالہ بھتیجی بھانجی سے نکاح حرام ہے۔

ہشتم جب کوئی آزاد عورت نکاح میں ہو اس کے ہوتے ہوئے کنیز سے نکاح جائز نہیں۔

نہم جس عورت کو تین طلاقیں دے چکا جب تک حلالہ نہ ہو اس سے نکاح حرام ہے۔

دہم جس عورت سے لعان کر چکا جب تک اپنے نفس کو تکذیب نہ کرے اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔

یازدہم وہ عورت کہ دوسرے کے نکاح میں ہے۔

دوازدہم وہ عورت کہ دوسرے کے عدت میں ہے۔ جزئیات بہت کثیر ہیں تفصیل کو اجزا درکار ہیں، یہ چند اجمالی باتیں ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) عدت گزرنے کے بعد کر سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۴: از دوارکا او کھاکاٹھیاوار مرسلہ نائیک حبیب خان ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۵ھ

مصدر بوارق معانی، مظہر شوارق فیض رسانی، ادام اللہ عنایتکم، السلام علیکم، دست بستہ آداب۔ خیریت طرفین کا خواستگار ہوں، وہ لڑکی کہ جس نے بچپن میں میری اس ہمشیرہ کا دودھ ایک یا دو دفعہ نیند کی حالت میں پیا ہو کہ اس کی اور میری والدہ ایک ہے اور والد جدا۔ آیا وہ لڑکی میرے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ لڑکی میرے نکاح میں آچکی ہو اور دودھ پلانے کی واردات پیچھے ظاہر ہوئی اس کے لیے کیا فتوی ہے؟ براہ نوازش جلد مطلع فرما کر فخر بخشیں۔

الجواب:

جس لڑکی نے سائل کی بہن کا دودھ پیا اگرچہ اس کے سوتے میں۔ اگرچہ ایک ہی بار، اگرچہ ایک ہی قطرہ، اگرچہ وہ بہن سائل سے صرف ماں میں شریک اور باپ میں جدا تھی، وہ لڑکی سائل کی بھانجی ہو گئی اور اس سے اس کا نکاح حرام قطعی ہے، اور اگر نادانستگی میں ہو گیا اور اب بہ ثبوت شرعی رضاعت ثابت ہوئی تو سائل پر فرض ہے کہ فوراً فوراً اسے جدا کردے کہ وہ اس کی بھانجی اور مثل حقیقی دختر کے ہے، پھر اگر جماع واقع ہوا،

تو مہر دینا آئے گا جو مہر مثل و مہر مسمّٰی میں کم ہو اور عورت اس کے چھوڑنے کے بعد تین حیض عدت کرے گی، پھر جس سے چاہے نکاح کرے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۵: مسئولہ میاں قدرت اللہ صاحب چشتی از مقام پٹن ضلع گجرات ریاست بڑودہ ۲۰ رجب ۱۳۳۵ھ

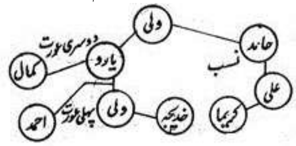

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ لڑکا کمال اور لڑکی کریما دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اس شجرہ سے واضح ہے کہ کمال اور ولی دونوں آپس میں سوتیلے بھائی ہیں۔ باپ ایک اور ماں جدا۔ اور کریمہ ولی کی نواسی یعنی بیٹی ہے تو وہ کمال پر حرام ہے نکاح نہیں ہوسکتا، قال تعالٰی: وَبَنٰتُ الْاَخِ[1] (اور بھائی کی بیٹیاں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶: از مارہرہ شریف مرسلہ محمد نعیم صاحب ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے اپنے لڑکپن میں جبکہ اس کی عمر صرف دس گیارہ سال تھی ایک چودہ سالہ عورت سے جس کی شادی اسی ماہ میں ہوئی تھی عورت کے رغبت کرنے اور سکھانے سے زنا کیا لیکن لڑکا نابالغ تھا اب اس عورت سے ایک لڑکی ہے، اس کا نکاح لڑکے مذکور سے جس نے اپنی نابالغی کی حالت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا جائز اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس وقت لڑکے کی عمر ۱۲ برس سے کم تھی تو حرمت ثابت نہ ہوئی، وہ لڑکا اس عورت کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے، درمختار میں ہے:

لو جامع غیر مراهق زوجة ابیه لم تحرم[2] **فتح۔**	اگر غیر مراہق نے اپنے باپ کی زوجہ سے جماع کیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ فتح (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

ردالمحتار میں ہے:

لابد فی کل منھما من سن المراھقۃ واقلہ للاثنی تسع وللذکر اثنا عشر لان ذلك اقل مدۃ یمکن فیھا البلوغ کما صرحوا بہ فی باب بلوغ الغلام وھذا یوافق مامران العلۃ ھی الوطء الذی یکون سببا للولد، والمس الذی یکون سببًا لھذا الوطء ولایخفی ان غیر المراھق منھما لایتأتی منہ الولد [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مرد و عورت دونوں کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کم از کم مراہق کی عمر میں ہوں، اور مراہق کی عمر لڑکی کے لیے کم از کم نو سال اور لڑکے کے لیے بارہ سال، کیونکہ یہ وہ کم از کم عمر ہے جس میں بلوغ ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے لڑکے کے بلوغ کے متعلق تصریح فرمائی ہے اور یہ بیان گزشتہ اس بیان کے موافق ہے کہ حرمت مصاہرہ کی علت وہ وطی ہے جو بچے کا سبب بن سکے اور وہ مس جو اس وطی کا سبب بن سکے، اور یہ ظاہر ہے کہ مراہق سے کم عمر والے کی وطی بچے کا سبب نہیں ہوتی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۲

باب الولی
(ولی کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۳۰۶: از کھنڈوا ضلع نماڑ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ جس کی عمر آٹھ برس کی ہے، باپ اس کا اس کی شیر خوارگی میں انتقال کرگیا، پرورش اس کی ماں نے کی اور وہی اس کی وارث وکفیل ہے، ایک چچا اس کا ہے وہ لڑکی کے باپ مرحوم سے تخمیناً چالیس سال سے بالکل علیحدہ ہے، کسی نوع کا واسطہ و تعلق باہمی نہیں۔ اس لڑکی کا نکاح بے اجازت والدہ وعم کے ایسے مقام پر لے جاکر پڑھادیا جہاں ماں موجود نہ تھی، پس یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

تقریر سوال سے واضح کہ اس لڑکی کا دادا یا کوئی جوان بھائی نہیں۔ پس صورت مستفسرہ میں اس کا چچا ہی اس کا ولی ہے جس کے ہوتے ماں کو بھی اختیار نہیں۔ اور چچا کا باپ سے جدا وبے علاقہ ہونا اس کی ولایت شرعیہ کو ساقط نہیں کرتا غایت درجہ قطع رحم ہوگا اس کی نہایت گناہ اور گناہ مسقط ولایت نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ [1]۔	نکاح میں ولی عصبہ بنفسہٖ ہوتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام [2]۔	اگر عصبہ موجود نہ ہو تو پھر ماں کو ولایت ہوگی۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الام لاتملك تزویج ابنھا مع العم [3]۔	والدہ کی بیٹی کے چچا کی موجودگی میں ولایت نہیں۔(ت)

فتاوٰی خانیہ میں ہے:

الفسق لایمنع الولایۃ [4]۔	فسق، ولایت کے لیے مانع نہیں ہے۔(ت)

پس وہ نکاح کہ بے اجازت چچا کے ہوا اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر رد کردے باطل ہوجائے گا۔ مجمع الانہر میں ہے:

وقف تزویج فضولی وھو من لم یکن ولیا ولااصیلا ولاوکیلا علی اجازۃ من لہ العقد فان اجاز ینعقد والالا [5]۔	جو شخص ولی، اصیل اور وکیل نہ ہو وہ فضولی ہوتا ہے جس کا کیا ہوا نکاح ولایت والے کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر وہ جائز کردے تو جائز، ورنہ ناجائز ہوگا۔(ت)

اور اجازت دے تو نافذ ہوجائے گا بشرطیکہ جس شخص کے ساتھ نکاح ہوا وہ اس دختر کا کفو ہو اور اس کے مہر میں کمی فاحش نہ کی گئی ہو۔ ورنہ اگر کفو نہیں یا مہر میں ایسی کمی ہے تو نکاح اصلًا وجہ صحت نہیں رکھتا۔ نہ چچا وغیرہ ان اولیاء کی اجازت سے نافذ ہوسکے کہ ایسا نکاح اگر خود چچا کے ہاتھوں کا کیا ہوتا تاہم باطل ہوتا پھر اس کے جائز کئے نفاذ کیونکر پاسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرالاب وابیہ ولوالام لایصح النکاح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا [6] اھ ملخصا	نکاح کرنے والا باپ یا دادا نہ ہو اگرچہ ماں ہو تو غیر کفو اور مہر کی فحش کمی کی صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح باب الاولیاء دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴

[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۳

[5] مجمع الانہر فصل فی تزویج الفضولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۴۳

[6] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

ردالمحتار میں ہے:

اصلاای لالازماولاموقوفاعلی الرضابعد البلوغ [1]۔	بالکل نہ ہوگا۔نہ اب نافذ ہوگا اور نہ بعد بلوغ رضاپر موقوف ہوگا۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

العم ونحوہ لایصح منہم التزویج بغیر الکفو [2]۔	چچاوغیرہ کا غیر کفو میں نکاح کردینا صحیح نہ ہوگا۔(ت)

اور کفو کے یہ معنی کہ اس کی قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشے میں بہ نسبت خاندان دختر کے کوئی ایسا قصور وعیب نہ ہو جس کے سبب اولیائے دختر کو عار لاحق ہو نہ ایسا محتاج ہو کہ اگر یہ دختر بالفعل قابل جماع ہے تو نفقہ نہیں دے سکتا یا کسی قدر مہر کل یا بعض از روئے شرط یاحسب رواج معجّل ہے تو فی الحال اس کے ادا پر قادر نہیں۔تنویر میں ہے:

تعتبر (یعنی الکفاءۃ) نسبا وحریۃ واسلاما ودیانہ ومالا وحرفۃ [3]۔	کفو ہونے میں نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال اور حرفت کا اعتبار ہے۔(ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

وتعتبر مالافالعاجز عن المہر المعجل والنفقۃ غیر کفو الخ [4]۔	مال کا اعتبار ہے تو جو شخص مہر معجّل اور نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہو تو کفو نہیں بنے گا۔(ت)

شامی میں ذخیرہ وفتح القدیر میں ہے:

قولہ لوتطیق الجماع،فلو صغیرۃ لاتطیقہ فہو کفو وان لم یقدر علی النفقۃ لانہ لانفقۃ لہا [5]۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ سبحنہ احکم۔	اس کا قول کہ بیوی جماع کے قابل ہو، تو اگرایسی کم عمر ہو کہ وہ جماع کے قابل نہیں تو کفو ثابت ہوگی اگرچہ خاوند نفقہ پر قادر نہ ہو کیونکہ ایسی عمر کے لیے خاوند پر نفقہ لازم نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم، اللہ جل مجدہ کا علم کامل واکمل اور اس کا حکم نافذ مضبوط ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار باب فی الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

[2] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵۔۱۹۴

[4] ملتقی الابحر الکفاءۃ فی النکاح مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۴۶

[5] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۱

مسئلہ ۳۰۷: ۱۲جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ہجری قدسی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صغیرہ کا باپ اس کے نکاح کی زید کے ساتھ اپنے پسر جوان کو اجازت دے کر اپنی نوکری کے مقام پر کہ وہاں سے سات آٹھ کوس ہے چلاگیا، اس کے پیچھے وہ نکاح ہوا، رخصت کے بعد باپ آیا، چوتھی کی رخصت اس کے سامنے ہوئی اور برسوں آئی گئی، اب سات برس کے بعد باپ کہتا ہے میں اس نکاح سے راضی نہیں، اس صورت میں باپ یا اس صغیرہ کو بلوغ حق فسخ نکاح پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور وہ نکاح کہ بھائی نے کیا صحیح ہوا یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب:

جبکہ ثابت ہو کہ پدر صغیرہ نے اپنے پسر جوان کو دختر نابالغہ کے نکاح کی زید کے ساتھ اجازت دی اور وہ نکاح حسب اجازت واقع ہوا تو اب اسے نہ پدر صغیرہ خود فسخ کرسکے نہ صغیرہ بعد بلوغ اس کا اختیار فسخ رکھے، بلکہ وہ نکاح قطعاً صحیح ونافذ ولازم ہوگیا۔

فان الاذن توکیل وفعل الوکیل کفعل المؤکل ومن سعی فی نقض ماتم من جھتہ فسعیہ مردود علیہ۔	وکیل کو اجازت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فعل کو مؤکل کا فعل قرار دیا جائے گا لہٰذا وکیل کی طرف سے تمام شدہ کارروائی کو کالعدم قرار دینے والے کی کوشش کو رد کردیا جائے گا۔ (ت)

تنویر میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش اوبغیر کفو ان کان الولی ابا اوجدا[1] الخ۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	اگر باپ یا دادا نکاح کرنے والا ہو تو غیر کفو اور مہر کی فحش کمی کے باوجود نکاح لازم ونافذ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۸: ۳رجب المرجب ۱۳۰۵ہجری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لیلٰی کا باپ بکر اس کا نکاح عمرو کفو کے ساتھ کردینے کی اجازت اپنے جوان بیٹے خالد کو دے کر بریلی سے اپنی نوکری پر بیسل پور کہ یہاں سے بیس کوس ہے چلاگیا، خالد برادر وہندہ مادر لیلٰی کو عمرو سے نکاح منظور نہ تھا ان کی مرضی زید کے ساتھ نکاح میں تھی کہ وہ بھی مثل عمرو آپس اور برادری ہی کا ہے لہٰذا برخلاف اجازت بکر مادر وبرادر لیلٰی نے جلدی کرکے لیلٰی نابالغہ دہ سالہ کا نکاح زید نابالغ ہفت سالہ سے کردیا،

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

جب پدر لیلٰی آیا خبر سن کر سخت ناراض ہوا، اور دختر کو سسرال سے بلالیا اور پھر نہ جانے دیا، اس پر سات برس کا زمانہ گزرا کہ لیلٰی بالغہ ہوگئی مگر زید ہنوز نابالغ ہے لیلٰی نے بالغہ ہوتے ہی فوراً اس نکاح سے انکار کردیا اور دوسری جگہ اپنا نکاح کیا چاہتی ہے اس صورت میں نکاح اول فسخ ہوا اور لیلٰی کو نکاح ثانی کا اختیار ملا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ت)

الجواب:

چند روز ہوئے کہ یہ مسئلہ سائل کی طرف مقابل یعنی پدر زید نے فقیر سے دریافت کیا اور اس میں صورت سوال بالکل اس کے خلاف تھی، اس نے ظاہر کیا تھا کہ پدر لیلٰی اس کے نکاح کی اجازت خالد پسر جوان کو اسی زید کے ساتھ دے گیا تھا اور چوتھی کی رخصت اس کے سامنے ہوئی اور لیلٰی برسوں آئی گئی، ان سات برس کے بعد کہتا ہے میں راضی نہیں۔ اس پر فقیر نے لکھا تھا کہ مضمون مذکور ثابت ہو تو بیشک نکاح صحیح ولازم ہوگیا جسے کوئی فسخ نہیں کرسکتا، اب پدر لیلٰی یہ شکل اختیار کرتا ہے اور اس کے ساتھ چند کسان برادری جو اپنے آپ کو فریقین کا رشتہ دار قریب بتاتے ہیں بقسم اس بیان بکر کی تائید کرتے ہیں۔ غرض علم واقع حق وعلا کو ہے، اگر یہ لوگ سچے ہیں اور صورت سوال یونہی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نکاح برخلاف اجازت پدر ہوا تو اگر اس نے ناراضی میں اس نکاح کے رد کرنے کا کوئی لفظ کہا تو نکاح اسی وقت فسخ ہوگیا اور اگر کوئی ایسا لفظ نہ کہا اور نہ اس پر راضی ہوا نہ اس نے کبھی رخصت کی اور لیلٰی نے بالغہ ہو کر انکار کردیا تو اب نکاح فسخ ہوگیا کہ برادر لیلٰی کو جب پدر لیلٰی نے خاص عمرو کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی تھی تو اسے بتوکیل پدر اس قدر کا اختیار تھا کہ اب اس نے مخالفت کرکے زید سے نکاح کردیا۔ یہ نکاح نکاح فضولی ٹھہرا، درمختار میں ہے:

اجمعوا انه لم یجز کمالو امره بمعینة فخالف [1] اھ ملخصا یعنی الوکیل بالنکاح۔	فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر معینہ عورت سے نکاح کا کہا اور وکیل نے اس کے خلاف کیا تو یہ جائز نہ ہوگا اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے: فی

کل موضع لاینفذ فعل الوکیل فالعقد موقوف علی اجازة المؤکل [2]۔	جہاں پر وکیل کا عمل نافذ نہ ہوگا وہاں وہ عمل موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

[1] الدرالمختار باب الکفاءۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۹۶

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۵

اور نکاح فضولی بے اجازت نافذ نہیں ہوتا۔ پس اگر لیلٰی کے باپ نے رد کیا تو جبھی رد ہوگیا اور اگر نہ رد کیا نہ اجازت دی اور لیلٰی نے بالغہ ہوکر فسخ کردیا تواب فسخ ہوگیا۔

فی ردالمحتار فی فصل الفضولی عن جامع الفصولین یتوقف علی اجازة ولیه مادام صبیا ولو بلغ قبل اجازة ولیه فاجازبنفسه جاز ولم یجز بنفس البلوغ بلااجازة[1]۔	ردالمحتار میں ہے فضولی کے بیان میں جامع الفصولین سے منقول ہے کہ جب تک نابالغ ہے اس کا نکاح اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اور اگر ولی کی اجازت سے قبل وہ بالغ ہوگیا تو اس نے اپنے نکاح کو جائز قرار دیا تو جائز ہوجائے گا، اس کے جائز کئے بغیر محض بالغ ہونے پر جائز نہ ہوگا۔ (ت)

پس لیلٰی کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

واعلم ان غیبة بکر لم تکن منقطعة حتی تنتقل الولایة الی الاخ فیکون تزویجه ایاها صحیحا نافذا ولو غیر لازم فلا ینفسخ بمجرد فسخها بل تحتاج فیه الی حکم القاضی کما فی الهدایة والدر[2] وغیرهما من الاسفار الغراء علی ما اختاره اکثر المتاخرین وجزم به فی التنویر وغیره، وقال فی التبیین ان علیه الفتوی[3] وهو التقدیر بمسافة القصر فالامر واضح واما علی مااختاره اکثر المشائخ وقال السرخسی ومحمد بن الفضل واصحاب الذخیرة والمجتبٰی والبحر انه الاصح[4] وصاحب	واضح رہے کہ یہاں بکر کا غائب ہونا ایسا نہیں جس سے اس کی ولایت منقطع ہوکر لڑکی کے بھائی کو منتقل ہوجائے کہ اس کا کیا ہوا نکاح صحیح اور نافذ ہوتا اگرچہ لازم نہ ہوتا۔ محض لڑکی کے فسخ کرنے سے فسخ نہ ہوتا بلکہ قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی، جیسا کہ ہدایہ، در وغیرہما معتبر کتب میں ہے، لیکن جس کو اکثر متاخرین نے اختیار کیا ہے اور اس پر تنویر وغیرہ میں جزم کیا ہے، ور تبیین میں کہا کہ اس پر فتوی ہے وہ یہ کہ نماز کو قصر کرنے کی مسافت یعنی مسافت سفر پر دور ہو، تو اس قول پر معاملہ واضح ہے، اور وہ جس کو اکثر مشائخ نے جس کے متعلق سرخسی اور محمد بن فضل، ذخیرہ، مجتبٰی اور بحر کے مصنفین نے فرمایا کہ یہ اصح ہے اور صاحب ہدایہ

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۳۵

[2] درمختار فصل فی الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[3] تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء المطبعة الکبری الامیریة مصر ۲/۱۲۷

[4] البحرالرائق باب فی الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۶

الهداية انه اقرب الى الفقه [1] والامام قاضی خان فی شرح الجامع الصغير انه حسن لانه النظر [2] و الزيلعی فی التبيين انه احسن [3] والمحقق فی الفتح انه الاشبه بالفقه [4] وعليه مشى فی الاختيار والنقايه الملتقى والباقانی، ونقل ابن الكمال ان عليه الفتوى [5] وفی شرح الملتقى عن الحقائق انه اصح الاقاويل وعليه الفتوى [6] ويشير كلام النهر الى اختياره وفی البحران الاحسن الافتاء به [7] وبالجملة كان ارجح التصحيحين وهوكونه بحيث لوانتظر حضوره او استطلاع رأيه فات الكفو الذی حضروان كان مختفيا فی نفس البلد فلان المبنى عندهم الحاجة الى استطلاع مفوت للكفو الحاضر لما فيه ضرر والولاية للنظر فواجب اسقاطها وههنا كلا الامرين منتفی	نے کہا کہ یہ اقرب الفقہ ہے، اور امام قاضی خاں نے جامع الصغیر کی شرح میں کہا کہ شفقت کی وجہ سے اچھا ہے اور زیلعی نے تبیین میں اچھا، محقق نے فتح میں اشبہ بالفقہ کہا اور یہی موقوف اختیار، نقائی، ملتقی اور باقلانی کا ہے اور ابن کمال نے اس پر فتوی کہا ہے اور ملتقی کی شرح میں حقائق سے منقول کہ اقوال میں یہ اصح اور اس پر فتوی ہے اور نہر کا کلام ابھی اس کے مختار ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور بحر میں کہا کہ اس پر فتوی بہتر ہے، غرضیکہ دونوں تصحیحوں میں یہ قول زیادہ راجح ہے کہ اگر ولی اتنی مسافت پر ہے کہ اس سے رابطہ، مشورہ اور اجازت حاصل کرنے میں موجود رشتہ جو کہ کفو ہے، چھوٹ جائے گا۔ تو یہ ولایت کے ختم ہونے اور دوسرے کو منتقل ہونے کا معیار ہے، اگرچہ وہ ولی شہر میں چھپا ہوا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ غائب ولی کی ولایت کے انقطاع کا سبب کفو والے رشتہ کے چھوٹ جانے کا خدشہ قرار دیا ہے تو ایسی صورت میں اس سے اجازت حاصل کرنے

[1] الهداية باب فی الاولیاء والاکفاء المکتبة العربیه کراچی ۱/۲۹۹

[2] البحر الرائق بحواله شرح جامع الصغیر باب فی الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی /

[3] تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء المطبعة الکبرٰی مصر ۲/۱۲۷

[4] فتح القدیر باب الاولیاء والاکفاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۸۵

[5] الدر المختار فصل فی الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[6] الدر المنتقی علی حاشیه مجمع الانهر باب الاولیاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۳۹

[7] البحر الرائق باب فی الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۶

الحاجة الی الاستطلاع لحصول الاطلاع فانه قداذن فی التزویج لعمر ووفوات الکفو لوجود عمرو، بل لقائل ان یقول ان لاغیبة اصلا لوجودالتوکیل ووجود الوکیل کوجود الموکل فظن انه تزویج نافذ صدر عن ولایة ظن باطل، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	میں ولایت کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اس لئے اتنی مسافت یا شہر میں تلاش کی بجائے اس کی ولایت کو منقطع قرار دیا جائے گا، جبکہ موجودہ مسئلہ میں ولایت کو منقطع قرار دینے کی متاخرین اور مشائخ والی دونوں صورتیں نہیں پائی جاتیں کہ اس سے اجازت حاصل کی جائے کیونکہ بکر نے خود عمرو سے نکاح کردینے کی اجازت دی نہ ہی کفو کے فوت ہونے کا خدشہ رہا کیونکہ عمرو وہاں موجود ہے، بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ولی کے غیب ہونے والی صورت یہاں نہیں پائی جاتی کیونکہ ولی کا وکیل یعنی خالد موجود ہے جبکہ وکیل کا موجود ہونا خود موکل کی موجودگی کی طرح ہے، پس مسئولہ صورت میں یہ خیال کرنا کہ زید سے کیا ہوا نکاح ولی سے صادر شدہ ہے یہ خیال باطل ہے (کیونکہ بکر نے عمرو سے نکاح کی اجازت دی تھی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۹: ۱۹ ربیع الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نابالغ کا نکاح ہندہ نابالغہ کے ساتھ ان کے وارثوں نے کیا، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور زید یا ہندہ بعد بلوغ اسے فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ زید کا نکاح اس کے باپ نے کیا، اور باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے یعنی اولاد کو اس کے فسخ کا اختیار نہیں ہوتا۔

فی الدر المختار لزم النکاح ولو بغبن فاحش بزیادة مهره اوبغیر کفو ان کان الولی ابا اوجدا ولم یعرف منهما سوء الاختیار [1]۔ (ملخصًا)	درمختار میں ہے جب باپ یا دادا نے اپنی ولایت میں نکاح کیا ہو تو اگرچہ فحش کمی مہر کی ہو یا غیر کفو میں کیا ہو تو وہ نکاح لازم ونافذ ہوگا بشرطیکہ باپ اور دادا کی اس سے پہلے غلط روی مشہور نہ ہو (ملخصا)۔ (ت)

اور ہندہ کا نکاح اس کے چچا نے کیا کہ پدر ہندہ مرچکا تھا اس حالت میں اگر زید ہندہ کا کفو نہیں یعنی اس سے قوم یا دین یا پیشہ وغیرہا امور معتبرہ میں ایسا گھٹا ہوا ہے جس کے ساتھ نکاح ہونا باعث عار وبدنامی ہو یا یہ کہ ہندہ کا جس قدر مہر مثل تھا اس سے بہت کم مہر باندھا گیا تو ان صورتوں میں نکاح اصلاً صحیح نہ ہوا یہاں تک

[1] الدر المختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

کہ اگر ہندہ بالغہ ہو کر اسے ناجائز رکھے تب بھی جائز نہ ہوگا۔

فی الدر المختار ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا ومافی صدر الشریعۃ صح ولھما فسخہ وھم [1] (ملخصًا)	درمختار میں ہے اگر باپ یا دادا کے غیر نے نکاح کیا ہو تو غیر کفو اور فحش کمی مہر کے ساتھ بالکل صحیح نہ ہوگا۔ اور جو صدر الشریعہ میں کہا گیا کہ وہ نکاح صحیح ہے اور باپ اور دادا کو بعد میں فسخ کا اختیار ہے، یہ محض وہم ہے (ملخصًا)۔ (ت)

اور اگر یہ بات نہیں بلکہ زید کفو ہے اور مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہوئی تو نکاح صحیح ہو گیا مگر ہندہ کو اختیار ہے کہ بعد بلوغ فورًا اس سے نکاح کو رد کردے اور حاکم شرع کے حضور دعوی کرکے فسخ کرائے۔

فی الدر المختار وان کان من الکفو وبمھر المثل صح ولصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ لقصور الشفقۃ بشرط القضاء للفسخ [2] (ملخصًا)	درمختار میں ہے اگر مہر مثل اور کفو میں نکاح کیا ہو تو صحیح ہے لیکن نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اس کے فسخ کا اختیار ہے اگرچہ دخول کے بعد بلوغ ہوا ہو یا بلوغ کے بعد نکاح کا علم ہوا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ اور دادا کے غیر میں شفقت کمزور ہوتی ہے تاہم فسخ کے لئے قاضی کا حکم شرط ہے۔ (ملخصًا)۔ (ت)

مگر ازانجا کہ ہندہ بِکر ہے تو بحالت بلوغ جس وقت نکاح پر مطلع ہو فورًا اور پہلے سے مطلع تھی تو بالغ ہوتے ہی معًا نکاح کو رد کردے، اگر ذرا بھی دیر کی تو نکاح لازم ہو جائے گا اور اسے فسخ کرانے کا اختیار نہ رہے گا۔

فی الدر المختار بطل خیار البکر بالسکوت لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس [3]۔ (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اطلاع ملنے پر باکرہ کا سکوت اس کے فسخ کے اختیار کو باطل کردیتا ہے بشرطیکہ اپنے نکاح کے بارے میں اس کو علم ہوا ہو اور وہ بالغہ ہو، تاہم فسخ کا اختیار اس مجلس تک محدود رہے گا جس میں اس کو علم ہوا ہو، (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۰: ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ از چھاؤنی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ بعد بیوہ ہو جانے کے اپنا نکاح ایسے شخص سے

---

[1] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳-۱۹۲

[3] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

چاہتی ہے جس سے اس کے ماں باپ ہندہ سے اس امر پر راضی نہیں اب اگر ہندہ ناراضی والدین گوارا کرکے اپنا نکاح کرلے تو آیا یہ نکاح شرعا درست ہوگا یا نادرست؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ شخص جس سے ہندہ بہ ناراضی پدر اپنا نکاح بطور خود کیا چاہتی ہے ہندہ کا کفو ہے یعنی اس کی قوم یا پیشہ یا مذہب وغیرہا میں بہ نسبت ہندہ کے کوئی ایسا قصور وعیب نہیں جس کی وجہ سے ہندہ کا اس کی مناکحت میں آنا پدر ہندہ کے لئے موجب عار ہو تو بلاشبہ نکاح صحیح ودرست ہوجائے گا اور والدین کی ناراضی اگرچہ ہندہ کو نقصان کرے مگر جواز نکاح میں خلل نہ آئے گا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الایم احق بنفسہا من ولیہا[1] رواہ الائمۃ مالك واحمد ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بالغ لڑکی اپنے ولی کے مقابلہ میں اپنے بارے میں فیصلہ کی زیادہ حقدار ہے، اس کو امام احمد، مالک، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[2] (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	عاقلہ بالغہ حرہ عورت کا اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر بھی جائز ہے، اور غیر کفو میں کیا تو بالکل ناجائز ہونے کا فتوی دیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۱: ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور زید کی اہلیہ نے انتقال کیا، دو بیٹیاں چھوڑیں، اور لڑکیوں کا کوئی وارث سوا ایک ماموں حقیقی کے کوئی نہ تھا، ماموں نے ایک لڑکی جس کی عمر تخمینًا سات برس کی تھی اس کا نکاح اپنے بیٹے کے ساتھ کردیا جس کو اب عرصہ آٹھ برس کا ہوا، اور دوسری بڑی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کردیا، اب بڑی دختر باغوا اپنے شوہر کے اپنی چھوٹی ہمشیرہ کو بہکاتی ہے کہ تو کہہ دے کہ میری نابالغی

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۵، سنن ابی داؤد فصل فی الثیب آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۶

[2] الدر المختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

میں نکاح ہوا ہے میں راضی نہیں ہوں تو میں تیرا نکاح اپنے دیور سے کرادوں گی، چنانچہ چھوٹی لڑکی اب اپنے ماموں سے کلمات ناراضی بیان کرتی ہے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل اظہار کرتا ہے کہ اس چھوٹی لڑکی کو بالغہ ہوئے سال بھر گزرا اور اسے نکاح کی خبر کئی برس سے ہے اور یہ کلمات ناراضی اس نے کوئی دو مہینے سے کہنے شروع کئے ہیں، اگر یہ بیان واقعی ہے تو وہ نکاح لازم ہوگیا اور عورت کو حق اعتراض اصلا نہ رہا جبکہ اسے پہلے سے نکاح پر اطلاع تھی، تو جس آن میں بالغہ ہوئی فوراً اسی آن میں اگر ناراضی ظاہر کردیتی تو اسے حق اعتراض رہتا یہاں تک کہ اگر بالغہ ہو کر ایک لمحہ کو بھی دوسرے کام یا دوسری بات میں مصروف رہی تو اب اعتراض کا اختیار نہیں رکھتی، یہاں تو جوان ہونے پر کئی مہینے بعد اس نے اعتراض شروع کیا ہے، یہ اصلاً قابل قبول نہیں۔ عورت پر فرض ہے کہ اس جہالت سے باز آئے اور اس کی بہن پر فرض کہ پرائی زوجہ کو اغوا نہ کرے ورنہ سوا گناہ کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار بطل خیار البکر بالسکوت لوعالمۃ بالنکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس [1] اھ ملخصاً۔	درمختار میں ہے کہ باکرہ لڑکی کی اپنے نکاح کے علم پر خاموشی اس اختیار فسخ کو ختم کردیتی ہے اور اختیار بھی صرف اس مجلس تک محدود ہوگا جس میں اسے علم ہوا ہے اس کے بعد اسے اختیار نہ ہوگا اھ ملخصاً۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منامن خبب امرأۃ علی زوجھا [2]۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم باسناد صحیح عن ابی ھریرۃ ونحوہ احمد وابن حبان وللبزار والحاکم بسند صحیح عن بریدۃ وابویعلی والطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن ابن عباس والطبرانی فی الاوسط	جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ (اس کو ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ایسے ہی احمد، ابن حبان، بزار اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ابویعلی اور طبرانی نے اپنی اوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] الدرالمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] سنن ابو داؤد اول کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶

والصغیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمیعن ۔واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	ما نیز طبرانی نے اوسط اور صغیر میں اس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

مسئلہ ۳۱۲: ۱۶رجب ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک لڑکی نابالغہ کہ جس کی عمر گیارہ برس کی ہے اوراس کی ماں مرچکی ہے اور باپ اس کا گوالیار میں نوکر ہے، نانا اس لڑکی کا باپ کی غیبت میں لڑکی کو اپنے یہاں لے گیااور بلا مشورہ باپ کے اس کا نکاح ایک رافضی سے کردینا چاہتاہے، جب باپ کو اطلاع ہوئی آیااور نانا کو ممانعت کی کہ میں ایسی تقریب ہرگز روا نہیں رکھتا بلکہ اس مضمون کااس نے نوٹس بھی دے دیا ہے مگر وہ اپنے ارادہ سے باز نہیں رہتا ہے لڑکی کو روک رکھا ہے اور لڑکی اوراس کا باپ سب سنی ہیں اس صورت میں اگر نانا اس نابالغہ کا نکاح باوجود ممانعت پدر کے اس رافضی سے کردے گاتو صحیح ہوگا یانہیں؟اور نانا کولڑکی کے اپنے پاس بٹھارکھنے اور باپ سے روکنے کااختیار ہے یانہیں؟

الجواب:

باپ کے ہوتے نانا کوئی چیز نہیں، نہ بے اس کی اجازت کے وہ نکاح کردینے کا مختار، یہاں تک کہ اگر نانا بے اجازت پدر اس نابالغہ کا کسی سنی سے نکاح کردے گااور باپ روانہ رکھے گا تووہ نکاح باطل ہے نہ کہ رافضی کہ آج کل عموما مرتدین ہیں اور ان سے سنیہ عورت کا نکاح اصلاً صحیح نہیں، علاوہ بریں اس قدر میں تو شک نہیں کہ رافضی سنیہ بنت سنی کا کفو نہیں ہوسکتا اور غیر کفو سے جو نکاح باپ دادا کے سوا دوسرا کردے گا ہرگز صحیح نہ ہوگا، نہ کہ باپ کی صریح ممانعت کی حالت میں یہ نکاح کیا جائے، یہ کیونکر وجہ صحت رکھے گا، پس یقینا یہ نانا کا محض ظلم ہے۔اگر وہ ایسا کرے گا تو ہرگز نکاح نافذ نہ ہوگا بلکہ باطل ہوگااور لڑکی نوبرس کی عمر سے باپ ہی کے پاس رہے گی، اگر ماں ہوتی تو وہ بھی نوبرس کے بعد اپنے پاس نہ رکھ سکتی نہ کہ نانا، یہ سب ظلم وتعدی ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبۃ بلا توسط انثی علی ترتیب الارث والحجب[1]۔	نکاح کا ولی عصبہ بنفسہ یعنی وہ مرد شخص جس کی نسبت میں عورت کا واسطہ نہ ہو، یہ ولی وراثت کی ترتیب اور ایک دوسرے کے لیے مانع ہونے کی ترتیب سے ہوں گے۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[1]۔	اگر قریب ولی کی موجودگی میں بعید ولی نے نکاح کردیا تو وہ نکاح قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

ان کان المزوج غیرھما ای الاب وابیہ ولو الام لایصح من غیر کفو اصلا[2]۔(ملخصاً)	اگر باپ اور دادا کے غیر نے خواہ والدہ ہی ہو نکاح کیا تو غیر کفو میں بالکل جائز نہ ہوگا(ملخصًا)۔(ت)

اسی میں ہے:

لیس فاسق کفو الصالحۃ اوفاسقۃ بنت صالح نھر[3] انتھی ملخصاً۔	صالحہ لڑکی یا صالح مرد کی فاسقہ لڑکی کے لیے فاسق شخص کفو نہیں ہے۔ نہر اھ ملخصا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ اصلا ای لالازماً ولا موقوفاً علی الرضاع بعد البلوغ[4]۔	اس کا قول اصلا یعنی وہ نکاح نہ لازم اور نہ موقوف ہوتا ہے کہ بلوغ کے بعد رضا پر صحیح ہوجائے۔(ت)

درمختار میں ہے:

الام والجدۃ احق بھا حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی[5](ملخصًا)	والدہ اور دادی/نانی لڑکی کو پرورش میں لینے کی زیادہ حقدار ہیں یہ حق لڑکی کے بلوغ تک ہے اور بعض نے نو سال تک کہا یہی مفتی بہ ہے(ملخصًا)۔(ت)

مسئلہ ۳۱۳: یکم شعبان ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ورمفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ تھی اس کے ولی نے اپنی اجازت سے اس کا نکاح زید کے ساتھ کردیا، ہندہ کو معلوم تھا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ ہوگا لیکن اس نے خاص اجازت اپنی زبان سے نہیں دی اور نہ انکار کیا، اس صورت میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہوگیا

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[4] ردالمحتار باب فی الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۵

[5] ردالمحتار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو ولی اور نکاح پڑھانے والے پر کیا کفارہ ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اصل یہ ہے کہ زن بالغہ پر کسی کی ولایت جبریہ نہیں اور اس سے پیش از نکاح اذن لینا مسنون ہے اگر بے اذن لئے نکاح کیا جائے تو وہ نکاح نکاح فضولی ہے کہ اجازت زن پر موقوف رہے گا۔ اگر جائز رکھے جائز ہوجائے اور رد کردے تو باطل۔ مگر زن دوشیزہ کا سکوت بھی اذن ہوتا ہے جبکہ خود ولی اقرب یا اس کا وکیل یا فرستادہ نکاح کرنے کا اس سے اذن لے بشرطیکہ جس کے ساتھ نکاح کا اذن لیا گیا عورت اسے پہچانتی بھی ہو اور بغیر استیذان ولی کے مجرد اس جاننے پر کہ میرا نکاح فلاں کے ساتھ کیا جائے گا خاموش رہنا اذن نہیں کہ اذن وعلم میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہاں تک کہ اگر ولی اقرب کے ہوتے ولی ابعد اذن لے اور دوشیزہ سکوت کرے تاہم یہ سکوت اذن نہ ٹھہرے گا، تو جہاں اصلا استیذان نہ ہو مجرد واقفیت پر خاموشی کیونکر اذن ہوسکتی ہے، درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ فان استاذنها هو ای الولی وهو السنة اووکیله اورسوله فسکتت عن رده مختارة فهو اذن ای توکیل ان علمت بالزوج لتظهر الرغبة فیه اوعنه ولوفی ضمن العام کجیرانی اوبنی عمی لویحصون والا لا فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة بسکوتها [1] اھ ملخصا وفی ردالمحتار عن البحر عن المحیط ان زوجها بغیر استئمار فقد اخطأ السنة وتوقف علی	باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے بالغ ہوجانے پر اس پر کسی کی ولایت نہیں رہی، تو اگر اس سے اس کا ولی اجازت طلب کرے اور یہ سنت ہے، یا ولی کا وکیل یا اس کا قاصد اجازت طلب کرے اور لڑکی اپنے اختیار کے باوجود خاموش رہے تو یہ وکالت کی منظوری تصور ہوگی، بشرطیکہ اس کے ہونے والے خاوند کا اس کو علم ہوتا کہ پسند یا ناپسند کرسکے، خاوند کا علم شخصی طور پر ضروری نہیں عمومی طور پر بھی مثلاً یہ کہ پڑوسی ہے یا چچازادوں میں سے ہے کافی ہے، جن کو وہ جانتی ہو، اگر خاوند کا علم بالکل نہ ہوسکے تو پھر یہ سکوت رضامندی نہ قرار پائیگا، اگر ولی اقرب کی بجائے ولی بعید یا اجنبی نے بالغہ سے اجازت طلب کی تو اس وقت سکوت کو اجازت نہ قرار دیا جائے گا اھ ملخصا۔ ردالمحتار میں بحر اور اس

[1] درمختار باب فی الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱-۱۹۲

رضاھا [1] اھ وفیہ(قولہ لایحصون)عبارۃ الفتح وھم محصورون معروفون لھا [2] اھ۔	میں محیط کے حوالے سے کہ اگر ولی نے بالغہ کے مشورہ اوراجازت کے بغیر نکاح کردیا تولڑکی کی رضامندی پر موقوف ہوگا اھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ درمختار کا قول"لایحصون"کا مطلب فتح کی عبارت میں یہ ہے کہ لڑکی کے ہاں معروف ومحدود ہوں اھ۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر ولی اقرب نے بروجہ مذکور ہندہ سے اذن لیااور اس نے سکوت کیا تھاجب تو یہ نکاح خود ہی جائز ونافذ ہوا کہ کنواریوں کازبان سے صراحۃً اذن دیناضرور نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واذنھا صماتھا [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکی کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔(ت)

ورنہ نکاح فضولی ہوا کہ قولًا یافعلًا رد کردے تو رد ہوجائے اور قولًا یافعلًا یا سکوتًا اجازت دے تو جائز ہوجائے **ردّ قولی** یہ کہ خبر نکاح سن کر صاف کہے میں نے رد کیا یا مجھے منظور نہیں یا میں نکاح کرنا ہی نہیں چاہتی یا اور کوئی کلمہ ان کے مثل اور **ردّ فعلی** یہ کہ مثلا ہاتھ ہلادے کہ میں راضی نہیں یا اور کوئی حرکت ایسی کرے جس سے اس نکاح سے حقیقۃً نفرت وناراضی ظاہر ہو اور **اجازتِ قولی** یہ کہ میں راضی ہوئی یا مجھے پسند ہے یاخدا مبارک کرے یا بہتر ہوا، یااس کی مثل اور الفاظ،اور **اجازتِ فعلی** مثلا بلاجبر واکراہ شوہر کے یہاں رخصت ہو کر جانا یا خلوت میں اپنے پاس اسے آنے دینا یااس سے مہر یا نفقہ طلب کرنا یااور کوئی فعل کہ دلیل رضامندی ہو،اور **اجازتِ سکوتی** یہ کہ خود ولی یااس کا رسول یاایک ثقہ پرہیزگار یعنی جس کی عدالت وثاقت معلوم ہو یا دو مستور الحال یعنی جن کا کوئی فسق نہ معلوم ہو نکاح ہوجانے کی عورت کو خبر دیں اوروہ شوہر کو پہچانتی ہو اور غیر اَب وجَد نے نکاح کیا ہو مہر میں کمی فاحش نہ کی ہو اور شوہر اس کا کفو بھی ہو یعنی اس کے دین یا نسب یا پیشہ وغیرہا میں کوئی بات ایسی نہ ہو جس کے باعث اس سے نکاح اس کے اولیاء کے حق میں عار ہو اس صورت میں عورت خبر سن کر خاموش رہے تو یہ خاموشی بھی اجازت تصور کی جائے گی، غرض یہ پانچ صورتیں ہیں دو رد کی کہ ان کے وقوع سے نکاح باطل ہوجائے گا اور تین اجازت کی کہ ان کے وقوع سے نفاذ پائے گا،اور جب تک ان پانچ میں سے کوئی صورت واقع نہ ہو بدستور

---

[1] درمختار باب فی الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۹۔

[2] درمختار باب فی الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۰

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۷۴۶ ۱۰/۳۷۳

موقوف رہے گا جب تک کہ ان میں سے ایک واقع ہو مثلاً ہنوز عورت کو نکاح کی خبر ہی نہ ہوئی یا خبر دو اجنبی فاسقوں یا ایک اجنبی مستور الحال نے دی اور عورت خاموش رہی یا خود ولی خواہ اس کے فرستادہ نے اطلاع دی، مگر عورت شوہر کو نہ پہچانتی تھی مگر جس سے اَب وجَد کے سوا اور ولی نے نکاح کر دیا وہ کفو تھا یا مہر مثل سے کمی فاحش کی تھی، تو ان سب صورتوں میں یہ خاموشی نہ اجازت ہوگی نہ رد، بلکہ عورت کو اختیار رہے گا چاہے جائز کر دے خواہ باطل۔

اتقن هذا التحرير فانك لاتجده بهذا التحبير فی غير هذا التقرير والحمدلله الهادی القدير۔	اس تقریر کو محفوظ کرلو کہ اس مہارت سے کسی دوسری تقریر میں نہ پاؤگے، تمام محامد اللہ تعالٰی ہادی اکمل کے لئے ہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

لو بلغها فردت ثم قالت رضيت لم يجز لبطلانه بالرد ولذا استحسنوا التجديد عندالزفاف لان الغالب اظهار النفرة عند فجأة السماع [1] اھ قال ط ای فيحتمل انها نفرت من النكاح عند اعلامها به فيبطل العقد ولايلحقه الرضا [2] اھ **قلت** فاذا تبين ذلك كان ردا محققا كمالا يخفی وفی الدر ايضا زوجها وليها واخبرها رسوله او فضولی عدل فسكتت فهو	اگر لڑکی کو نکاح کی خبر پہنچی تو اسے رد کر دیا پھر کہتی ہے میں راضی ہوں تو اس سے وہ نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ رد کر دینے پر وہ باطل ہو چکا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا کہ (جب لڑکی سے پہلے اجازت لئے بغیر نکاح کیا ہو جس کو وہ بعد میں جائز قرار دے) ایسی صورت میں بہتر ہے کہ زفاف کے وقت نکاح کی تجدید کرلی جائے کیونکہ عام طور پر ایسی صورت میں اچانک نکاح کے متعلق سن کر لڑکی نفرت کا اظہار کر دیتی ہے اھ، طحطاوی نے فرمایا کہ اس احتمال کی بنا پر کہ نکاح باطل کی خبر پا کر لڑکی نے بطور نفرت رد کر دیا ہو تو نکاح باطل ہو جائے گا جو بعد میں اظہار رضامندی سے جائز نہ ہوگا اھ **قلت**: اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو پھر یقینی طور پر وہ نکاح مردود ہوگا جیسا کہ واضح ہے۔

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار باب الولی دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۹

اذن ای اجازۃ ان علمت بالزوج [1] اھ(ملخصًا) قال الشامی الشرط فی الفضولی العدالۃ اوالعدد فیکفی اخبار واحد عدل او مستورین [2] الخ قال فی الدر فان استأذنھا غیر الاقرب فلا بد من القول کالثیب او ماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا کطلب مھرھا ونفقتھا ودخولہ بھا برضاھا وقبول التھنئۃ ونحو ذلك [3] اھ ملخصا۔وفی ردالمحتار عن البحر عن الظھیریۃ لوخلابھا برضاھا عندی ان ھذا اجازۃ اھ وفی البزازیہ الظاھر انہ اجازۃ [4] اھ **قلت** وتمام الکلام علی الافعال التی تدل علی الرضا فی فتاوٰنا ثم فی الشامیۃ فی البحر اختلف	اور در میں یہ بھی ہے کہ ولی نے لڑکی کا نکاح کیا جس کی اطلاع ولی کے قاصد یا کسی اجنبی عادل شخص نے لڑکی کو دی تو لڑکی نے خاموشی اختیار کی تو یہ اجازت ہو گی بشرطیکہ اس کو خاوند کا علم ہوچکا ہو اھ شامی نے کہا کہ فضولی کی خبر میں عدالت یا عدد (دو ۲) ہونا شرط ہے اس لئے ایک عادل یا دو مستور الحال حضرات کافی ہیں۔در میں فرمایا کہ بالغہ لڑکی سے ولی اقرب کے غیر نے اجازت طلب کی ہو تو ضروری ہے کہ لڑکی قولی یا فعلی طور پر جواب دے جس سے اس کی رضا معلوم ہوسکے،مثلا مہر طلب کرے یا نفقہ طلب کرے یا مبارکباد قبول کرے یاخاوند کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دے وغیرہ،جیساکہ ثیبہ یا اس جیسی عورت کے لئے ضروری ہوتاہے اھ ملخصا۔ ردالمحتار میں بحر کے حوالے سے ظہیریہ سے منقول ہے اگرلڑکی نے رضامندی سے خاوند کے ساتھ خلوت کرلی تو میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ،اور بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہے،**قلت**: ان تمام افعال جو رضامندی پر دلالت کرتے ہیں،کو ہم نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے،پھر شامی میں ہے کہ بحر میں ہے اگر ولی نے بالغہ

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۹

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[4] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۱

فیما اذا زوجها غیر کفو فبلغها فسکتت فقال لایکون رضا وقیل فی قول ابی حنیفة یکون رضا ان کان المزوج ابا اوجدا وان کان غیرهما فلا کما فی الخانیه اخذا من مسئلة الصغیرة المزوجة من غیر کفو اھ قال فی النهر وجزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا[1] اھ مافی الشامی **قلت** وقدمه فی الخانیة وهولا یقدم الا الاظهر الاشعر لکن قالوا یؤتی به للتبری وقد علل فی الخانیة للقول الثانی بتعلیل جلیل والتعلیل دلیل التعویل ونص فی المحیط والمبسوط وجامع قاضی خاں ثم الکافی شرح الهدایة ثم الشلبی علی التبیین انه قول الامام وقد صحح فی الکفایة والکافی و الدرایة والدر التفرقة بین الاب والجد وغیرهما بناء علی مذهب الامام رضی اللہ تعالٰی۔	عاقلہ کو غیر کفو میں نکاح کر دیا تو اس وقت اجازت طلب کرنے پر یا معلوم ہونے پر لڑکی خاموش رہے تو کیا یہ اجازت ہوگی یا نہیں۔اس میں اختلاف ہے، بحر نے کہا کہ رضانہ ہوگی، بعض نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایک قول کے مطابق اگر نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا ہو تو سکوت اجازت قرار پائیگی ورنہ نہیں، جیساکہ خانیہ میں اس مسئلہ کو نابالغہ کو غیر کفو میں نکاح کر دینے کے مسئلہ سے اخذ کیا ہے اھ نہر میں کہا کہ درایہ میں اس پر "**قالوا**" کے لفظ کہہ کر پہلے قول پر جزم کیا ہے،شامی کی عبارت ختم ہوئی،**قلت**: خانیہ میں اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور وہ زیادہ ظاہر اور مشہور قول کو مقدم ذکر کرتے ہیں لیکن علماء نے فرمایا کہ یہاں خانیہ کا اس کو مقدم ذکر کرنا اس سے فراغت کے طور پر ہے ورنہ انھوں نے دوسرے قول کی مضبوط دلیل ذکر کی ہے جبکہ دلیل کو ذکر کرنا اعتماد کی دلیل ہے، محیط، مبسوط، جامع قاضی خاں پھر کافی شرح ہدایہ میں پھر تبیین کے حاشیہ میں اس کو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتایا ہے،اور کفایہ،کافی،درایہ،درر میں اس دوسرے قول کی تصحیح کی گئی ہے کیونکہ امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں باپ دادا اور غیر کے اقدام میں فرق ہے۔(ت)

اور بے اذن لیے ولی کا نکاح کر دینا اگرچہ خلاف سنت ہے مگر گناہ نہیں،یوں ہی نکاح پڑھانے والے پر کوئی الزام **نہیں** کما لایخفی (جیساکہ مخفی نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۱۴: ۷ صفر ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکاح لڑکی نابالغ کا جس کی عمر قریب

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۹

تین سال کے ہے، ساتھ عمرو نابالغ کے جس کی عمر قریب چار سال کے ہے ولایت مادر لڑکی کے جائز ہے یا نہیں؟ درحالیکہ باپ کے چار پانچ پشت کے لوگ چچا تاؤ وغیرہ موجود ہوں، اور اب بعد بالغ ہونے کے وہ لڑکی اس نکاح سے ناراض بھی ہے۔

الجواب:

اگر وہ لڑکی جس سے اس نابالغہ کا نکاح ہوا اس کا کفو نہ تھا یعنی قوم وروش ومذہب وغیرہا امور معتبرہ سے کسی بات میں بہ نسبت دختر ایسا نقص رکھتا تھا کہ اس دختر کا اس کے نکاح میں دیا جانا اولیاء دختر کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو وہ نکاح سرے سے باطل واقع ہوا، یونہی اگر دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کر دی گئی مثلاً مہر مثل پچاس ہزار تھا اس نکاح میں پچیس ہزار بندھا تو بھی نکاح باطل محض ہوا، ان دونوں صورتوں میں بعد بلوغ اگر خود اجازت دے اور نکاح نہ صرف ماں بلکہ ان سب اولیاء نے مل کر کیا ہو جب بھی صحیح نہیں ہوسکتا کہ نابالغہ کے ایسے نکاح کرنے کا باپ دادا کے سوا کسی کو اختیار نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیه ولو الام والقاضی لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا[1] (ملخصًا)	اگر غیر باپ اور دادا نے غیر کفو یا مہر میں فحش کمی کے ساتھ نکاح کیا تو بالکل نکاح جائز ہوگا خواہ وہ غیر والدہ ہو یا قاضی ہو۔ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الفتح القدیر لو کبرت واجازت لایصح لانه لم یکن عقدا موقوفا اذلامجیز له[2]۔	فتح القدیر میں ہے کہ اگر وہ نابالغہ لڑکی بالغ ہو اس غیر کے نکاح مذکورہ کو جائز بھی کردے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ نکاح کی اجازت دینے والے کی اجازت پر موقوف نہ تھا۔ (ت)

اور اگر نہ لڑکا ایسا تھا نہ مہر مثل میں اس طرح کی کمی تو صحیح ہوگیا مگر ازانجا کہ یک جدی مردوں میں سے جب تک کوئی موجود ہو ماں کو ولایت نکاح نہیں ہوتی بلکہ ان میں جو درباب وراثت مقدم ہو وہی ولی ہوتا ہے

فی الدر المختار الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالولایة للام[3]۔	درمختار میں ہے نکاح کا ولی وراثت کے استحقاق وحجب کی ترتیب پر عصبات ہیں، اور اگر عصبہ بنفسہٖ نہ ہو تو پھر والدہ کو ولایت ہوگی۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۵

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

لہذا یہ نکاح اس ولی کی بے اجازت صرف ماں نے کر دیا تو نکاح فضولی ہوا اور اجازت ولی پر موقوف رہا، اگر اس نے خبر سن کر رد کر دیا مثلاً کہا کہ میں اس نکاح کو جائز نہیں رکھتا یا رد کرتا ہوں یا میں راضی نہیں یا اس کے مثل اور الفاظ، تو رد ہوگیا، اب دختر کی رضامندی و ناراضی کا بھی اعتبار نہیں کہ سرے سے نکاح باقی ہی نہ رہا، اور اگر ابتداءً باجازتِ ولی واقع ہوا یا تزویج مادر کے بعد ولی نے اجازت دے دی تھی مثلاً کہا بہتر ہوا یا میں نے پسند کیا یا مجھے منظور یا ان کے مانند اور کلمات، تو نکاح نافذ ہوگیا۔

فی الدرالمختار لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته[1]۔	درمختار میں ہے اگر بعید ولی نے اقرب ولی کے ہوتے ہوئے نکاح کر دیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

پھر بھی ازانجا کہ مزوج غیر اَب وجَد اور دختر دوشیزہ ہے اسے اتنا اختیار دیا جائے گا کہ پہلے سے نکاح کی خبر رکھتی ہو تو اپنے بالغ ہوتے ہی اور بعد بلوغ اطلاع پائے تو خبر سنتے ہی فوراً بے وقفہ کہہ سکتی ہے کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں یا میں نے اسے فسخ کر دیا یا مجھے ناپسند ہے یا اس کے مثل اور کوئی امر کہ دلیل ناراضی ہو۔ پس اگر بلوغ یا اطلاع پر فی الفور اس نے یہ ناراضی ظاہر کی تو اسے اجازت دی جائے گی کہ قاضی کے حضور دعوی کرکے فسخ کرالے، اور اگر ایک لمحہ بھی بے عذر سکوت کیا یا کسی دوسرے کام یا کلام میں مشغول ہوئی تو اب وہ نکاح لازم ہوگیا، اس کے بعد اظہار ناراضی کچھ بکار آمد نہیں۔ درمختار میں ہے:

وان کان من کفو وبمهر المثل صح ولکن لهما ای لصغیر وصغیرة خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده بشرط القضاء للفسخ وبطل خیار البکر بالسکوت لومختارة عالمة بالنکاح ولایمتد الٰی اٰخر المجلس[2] (ملخصا)	اگر کفو اور مہر مثل کے ساتھ نکاح کیا تو صحیح ہے لیکن نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بلوغ پر یا بلوغ کے بعد جب علم نکاح ہو فسخ کا اختیار ہوگا لیکن فسخ قاضی کے حکم سے ہوگا۔ اگر باکرہ بالغہ اپنے نکاح کا علم ہونے پر خاموش رہی تو اس کو فسخ کا اختیار نہ رہے گا اور نکاح کے علم والی مجلس کے آخر تک یہ اختیار باقی نہ رہے گا (ملخصًا)۔ (ت)

اور اگر وہ نکاح نہ ابتداءً اجازت ولی سے ہوا نہ زمانہ نابالغی دختر میں ولی نے اجازت دی نہ رد کیا بلکہ اسے خبر

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳۔۱۹۲

ہی نہ ہوئی یا بعد خبر سکوت محض کیا یہاں تک کہ دختر بالغہ ہوئی تو اب وہ خود اجازت دختر پر موقوف ہوا، پس اگر دختر نے اس اظہار ناراضی سے پہلے بعد بلوغ کوئی کلمہ اجازت کہا یا دلالۃً اس کے کسی فعل یا حال سے رضامندی ثابت ہوئی تھی، مثلا بالغ ہونے پر شوہر کے پاس گئی یا اس سے کوئی برتاؤ زن وشوئی کا کیا یا کسی نے فلاں کی دلہن کہہ کرپکارا اس نے جواب دیا تو نکاح لازم ہوگیا اب ناراضی محض بے سود ہے اور اگر ہنوز قول یا فعل یا حال سے رضا ثابت نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے ایسی ناراضی ظاہر کی جس سے رد نکاح مفہوم ہوا تو بے شک نکاح باطل ہوگیا۔

فی فتح القدیر یتوقف علی اجازۃ الولی فی حالۃ الصغر فلو بلغ قبل ان یخبرہ الولی فاجازہ بنفسہ نفذ لانہا کانت متوقفۃ ولا ینفذ بمجرد بلوغہ [1]۔	فتح القدیر میں ہے نابالغ کے نکاح کا جواز ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر ولی کی طرف سے اطلاع سے قبل خود بالغ ہوگیا اور اس نے اپنے نکاح کو جائز کردیا تو جائز اور نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ اجازت پر موقوف تھا اور اجازت کے بغیر محض بلوغ سے نافذ نہ ہوگا۔(ت)

مستفتی ان سب صورتوں کو سمجھ کر جو صورت واقعہ ہو اس کے حکم پر عمل کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۵: از رائے پور علاقہ جے پور ڈاک خانہ ہنڈون مرسلہ منشی محمد فرزند حسن صاحب ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک طوائف قوم مسلمان نے جس کی عمر تخمیناً ۲۸ یا ۲۹ سال ہوگی زناکاری سے توبہ کرکے ایک شریف مسلمان سے اپنا نکاح کرلیا، اب اس کی نائکہ کہتی ہے کہ میں ولی ہوں بے میری اجازت کے نکاح جائز نہیں، اور زید کہتا ہے کہ طوائف خود فعل مختار بالغہ ہے تیری اجازت کی حاجت نہیں، اور ولی واسطے ہدایت کار نیک کے ہوتا ہے زنا کے لیے ولی نہیں، نابالغ کو ولی بھی فعل بد کرانے کا مختار نہیں، ایسی ولایت شرعا باطل ہے نائکہ کسی طرح ولی نہیں ہوسکتی، جو لونڈی اس نے حرام کی کمائی سے حرام کاری کے لیے خریدی وہ شرعًا لونڈی نہیں ہوسکتی بلکہ جو شرعا ایسی ولایت کا دعوی کرے وہ قابل سزا ہے۔ پس صحیح قول زید کا ہے یا نائکہ کا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قول زید کا صحیح ہے اور نائکہ کا محض دعوی باطل وقبیح۔ ہندوستان میں جو بعض خداترس محتاج اپنی اولاد قحط وغیرہ میں بیچ ڈالتے ہیں شرعا یہ بیع کسی حالت میں جائز نہیں بلکہ باطل ومحض مہمل وبے معنی ہے وہ ہرگز لونڈی

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۸

غلام نہیں ہوسکتی، نہ خریدنے والا ان کا مالک ہوسکتا ہے نہ کسی وجہ سے استحقاق ان میں رکھتا ہے کہ حُر کی بیع محض باطل ہے، ہدایہ میں ہے:

بیع المیتة والدم والحر باطل لانها لیست اموالا فلاتکون محلا للبیع[1]۔	مردار، خون اور آزاد کی خرید وفروخت باطل ہے کیونکہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں اس لئے یہ بیع کا محل نہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الباطل لایفید ملك التصرف[2]۔	بیع باطل ملک تصرف کا فائدہ نہیں دیتی۔ (ت)

اور جبکہ وہ عورت بالغہ ہے تو اپنی جان کا آپ اختیار رکھتی ہے، نکاح کہ اس نے بہ ہدایت الٰہی زنا سے تائب ہو کر ایک شریف مسلمان سے کرلیا قطعاً صحیح ولازم ہے جو کسی کے روکے رد نہیں ہوسکتا، فتاوی عالمگیری میں ہے:

نفذ نکاح حرة مکلفة بلاولی[3]۔	حرہ عاقلہ بالغہ کا ولی کے بغیر اپنا نکاح صحیح ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

سئل شیخ الاسلام عطاء بن حمزة عن امرأة شافعیة بکر بالغة زوجت نفسها من حنفی بغیر اذن ابیها والاب لایرضٰی ورده هل یصح هذا النکاح قال نعم[4]۔	شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ سے ایک باکرہ بالغہ شافعی عورت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس نے اپنا نکاح بغیر ولی ایک حنفی مرد سے خود کیا، والد کی اجازت اور مرضی نہ تھی، اور والد نے اس کے نکاح کو رد کردیا، تو یہ نکاح صحیح ہوگا؟ تو انھوں نے جواب فرمایا: ہاں صحیح ہے۔ (ت)

جب خود باپ کی نسبت یہ حکم ہے تو نائکہ کا دعوی کیا قابل التفات ہوسکتا ہے، یہ محض جہل ناسزا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: از پیلی بھیت محلّہ ملک احمد خاں مرسلہ حافظ بشیر احمد خاں صاحب ۱۵رجب ۱۳۱۰ھ

جناب عالی! گزارش یہ ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح نابالغی میں باپ کی ولایت سے ہوا اب وہ لڑکی

---

[1] ہدایہ باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۳

[2] ہدایہ باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۳

[3] فتاوی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

[4] فتاوی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

بالغ ہوئی وہ اپنے باپ کے فعل کو ناپسند کرتی ہے، باپ کی ولایت سے نکاح جائز ہے یا ناجائز ہے؟ فقط

الجواب:

صورت مسئولہ میں حق جواب یہ ہے کہ باپ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح جس شخص سے کیا اگر وہ کفو یعنی دین و نسب و پیشہ ومال وغیرہ میں کوئی امر ایسا نہیں رکھتا کہ اس سے تزویج باعث عار ہو نہ دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کی ہو تو وہ نکاح مطلقاً صحیح نافذ ولازم ہے اگرچہ ناپسند کرے اگرچہ باپ اس سے پہلے معروف بسوئے اختیار ہو کہ اس نکاح میں اس کا حسن اختیار ظاہر تو پہلے کے سوء اختیار اس کی صحت میں مخل نہیں ہو سکتے یوں ہی اگر باپ وقت تزویج نشہ میں نہ تھا نہ اس سے پیشتر اپنی کسی قاصرہ کا نکاح غیر کفو سے اگرچہ مہر مثل میں کمی فاحش پر کرکے معروف بسوء اختیار ہو چکا تو بھی یہ نکاح صحیح ولازم اگرچہ غیر کفو سے ہو اگرچہ مہر مثل میں کمی فاحش کی ہو، ہاں اگر دونوں امر مجتمع ہیں یعنی اس نکاح میں کفاءت بمعنی مذکور نہیں یا مہر میں کمی فاحش ہے اور ہنگام تزویج نشہ میں یا پہلے سے معروف بسوء اختیار تھا تو اس صورت میں نابالغہ کا نکاح اگرچہ بولایت پدری ہے اصلاً صحیح نہیں۔ درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

وکذا لوکان سکران فزوجها من فاسق او شریر اوفقیر اوذی حرفة دنیة الظهور سوء اختیارہ فلاتعارضه شفقته المظنونة، بحر[1]۔	اور ایسے ہی اگر ولی نے نشہ کی حالت میں فاسق یا شریر یا فقیر سے یا باعث ہتک کام والے سے نکاح کردے کیونکہ اس صورت میں اس ولی کا اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنا ثابت ہو چکا ہے اس کے مقابلہ میں اس کی شفقت جو کہ ظنی ہے معارض نہیں بن سکتی بحر (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت ویقتضی التعلیل ان السکران او المعروف بسوء الاختیار لوزوجها من کفوء بمهر المثل صح لعدم الضرر المحض (الی قوله) وهذا مفقود فی السکران وسیئ الاختیار اذا خالف لظهور عدم رایه وسوء اختیارہ	**میں کہتا ہوں** کہ یہ عبارت تفصیل کو چاہتی ہے کہ اگر نشے والا یا غلط اختیار کی شہرت والا اگر لڑکی کا نکاح کفو میں اور مہر مثل کے ساتھ کرے تو یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ اس میں لڑکی کے لیے کوئی ضرر نہیں ہے (ان کا کلام یہاں تک ہوا) کہ عدم ضرر کی صورت میں اس نشے والے اور غلط اختیار والے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

فی ذلك انتھی [1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	جنھوں نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے میں نہیں پائی جاتی کیونکہ نشے والے کی رائے ظاہر نہ ہوئی اور دوسرے کا غلط اختیار اس معاملہ میں ظاہر ہوچکا ہے انتہی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷: از پیلی بھیت ایضا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ نابالغہ کا نکاح عمرو سے اس حالت میں کہ اوضاع واطوار عمرو موصوف کے درست تھے اپنی ولایت سے کردیا جب ہندہ مذکورہ رخصت کے زمانہ تک خود بلوغ کو پہنچی تو اس نے اپنے شوہر عمرو کو محرمات وممنوعات شرعیہ کا مرتکب اور مامورات ومشروعات کا محترز پاکر اپنے باپ زید کے فعل کو قبیح سمجھا اس تزویج کو ناجائز رکھا، پس صورت مسئولہ میں ہندہ کا عمرو سے عقد نکاح منعقد رہا یا فسخ ہوا؟ بینوا توجروا

الجواب:

جب ہنگام تزویج عمرو میں کوئی امران بداطواریوں سے نہ تھا بلکہ یہ باتیں اس نے بعد میں اختیار کیں تو عدم کفایت بعد نکاح حادث ہوئی اور ایسی عدم کفاءت اصلا مانع صحت نکاح نہیں خصوصًا تزویج پدر میں کہ آئندہ کا علم بندہ کی قدرت سے باہر ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [2] (اللہ تعالٰی کسی کو وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ت) پس اس بناپر ہندہ کا اس نکاح کو جائز رکھنا اصلا قابل سماعت نہیں۔ درمختار میں ہے:

والکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلا یضر زوالھا بعدہ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ابتداء نکاح کے وقت کفو کا اعتبار ہوتا ہے لہٰذا بعد میں کفو کا زوال مضر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۸: ۲۳ رجب ۱۳۱۰ھ

بالغہ کا نکاح باپ خود کسی کفو سے کرے استیذان بالغہ ضرور ہے یا نہیں؟ نہیں تو مستحب ومسنون یا مباح یا کوئی حاجت نہیں؟

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

[2] القرآن ۲/ ۲۸۶

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

الجواب:

بالغہ پر ولایت نہیں، استیذان نفاذ نکاح کے لیے ضرور ہے، اگر بے استیذان نکاح کردے گا نافذ نہ ہوگا بلکہ اجازت بالغہ پر موقوف رہے گا۔ اگر جائز کرے گی جائز ہوجائے گا۔ رد کرے گی رد ہوجائے گا، **کما صرحوا بہ قاطبۃ** (جیسا کہ تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔ت) باقی واجب نہیں کہ ترک پر گناہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۹: ۱۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا باپ مفقود الخبر ہے اور اس کا کچھ پتا نہیں، اور ہندہ کا ایک بھائی بالغ ہے جس کی عمر پندرہ برس کی ہے اور سبزہ آغاز ہندہ کا نکاح اس کی ماں اور اس کے بھائی نے کردیا، اس صورت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں جبکہ ہندہ نابالغہ ہے اور اس کا باپ مفقود الخبر ہے اور ہندہ کے جوان بھائی نے اس کا نکاح کیا تو وہ نکاح ہوگیا بشرطیکہ جس شخص سے نکاح کیا ہو وہ اس کا کفو ہو اس کی قوم یا پیشہ یا مذہب وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہ ہو کہ اس کے نکاح سے ہندہ کے اولیاء کو ننگ وعار آئے اور بشرطیکہ مہر میں ایسی کمی نہ کی گئی ہو جس کا تحمل لوگ نہ کرتے ہوں اور اگر ان باتوں میں سے ایک بات ہوگی یعنی اس شخص کے قوم یا مذہب یا پیشہ وغیرہ میں کوئی امر موجب ننگ وعار ہوگا یا مہر میں ایسی سخت کمی کی گئی ہو مثلاً ہندہ کا مہر مثل دس ہزار تھا اور بھائی نے پانچ ہزار پر نکاح کردیا تو ان صورتوں میں وہ نکاح اصلاً نہ ہوا، **والمسائل منصوص علیہا فی الدر المختار وغیرہ** (یہ مسائل درمختار وغیرہ میں منصوص ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ نکاح دختر نابالغہ کا باوجود انکار دختر نابالغہ اور حیات ہوتے اس کے باپ کے، بے اجازت اس کے باپ کے، اس کی ماں نے زید کے ساتھ کردیا، آیا شرعاً یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ نکاح مادر وبرادر بالغ نے بریلی میں کیا اور اس کا باپ کان پور میں موجود ہے جسے ہنوز اس نکاح کی اطلاع نہ ہوئی، اور جس لڑکے سے نکاح ہوا وہ اس کا کفو ہے، اگر یہ سب بیان

واقعی ہیں تو دیکھا جائے گا کہ ناکح کفو اس قدر انتظام پر راضی ہو سکتا تھا کہ باپ کو خط لکھا جائے اور اس کی اجازت منگائی جائے یا وہ اس پر راضی نہ ہوتا بلکہ اتنے انتظار پر نکاح ہی نہ کرتا اگر یہ پچھلی صورت فرض کی جائے جس کے وقوع کی امید بہت ہی ضعیف بلکہ کالمعدوم ہے کہ انتظار جواب میں یہ بات ہاتھ سے جاتی تھی تو نکاح نافذ ہوگیا بشرطیکہ مہر مثل میں کمی فاحش نہ کی گئی ہو اور اگر ایسا نہ تھا بلکہ انتظار جواب کرلیتا اور غالب ایسا ہی ہے تو یہ نکاح بشرط مذکور اجازت پر موقوف ہے اگر جائز رکھے گا جائز ہو جائے گا اور باطل کردے گا تو باطل ہو جائے گا۔

فی الدر المختار للولی الابعد التزویج بغیبة الاقرب واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفو الخاطب جوابه واعتمده الباقانی ونقل ابن الکمال ان علیه الفتوی [1] همختصرا، وفی ردالمحتار قال فی الذخیرة الاصح انه اذا کان فی موضع لو انتظر حضوره اواستطلاع رأیه فات الکفو الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشار فی الکتاب وفی البحر المجتبٰی عن المبسوط انه الاصح وفی النهایة اختاره اکثر المشائخ وصححه ابن الفضل وفی الهدایة انه اقرب الی الفقه وفی الفتح انه الاشبه بالفقة وفی شرح الملتقی من الحقائق انه اصح الاقاویل وعلیه الفتوی وعلیه مشی فی الاختیار والنقایة ویشیر کلام النهر	درمختار میں ہے اگر ولی اقرب اتنی مسافت پر ہے کہ رشتہ طلب کرنے والا ہم کفو وہاں سے جواب کا انتظار نہ کرتا تو ولی ابعد کو نکاح جائز ہے، اس پر باقانی نے اعتماد کیا اور ابن کمال نے نقل کیا ہے کہ اس پر فتوی ہے اھ مختصرا، اور ردالمحتار میں ہے ذخیرہ میں کہا اصح یہی ہے کہ اگر ولی اقرب اتنی مسافت پر ہو کہ رشتہ طلب کرنے والا ہم کفو وہاں سے جواب یا اس کی رائے حاصل کرنے کا انتظار نہیں کرتا تو غیبت منقطعہ قرار پائی گئی اور کتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے، اور بحر میں مجتبٰی کے حوالے سے مبسوط سے منقول ہے کہ یہ اصح ہے، اور نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اسے پسند کیا ہے اور ابن فضل نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور ہدایہ میں ہے کہ یہ اقرب الی الفقہ ہے، اور فتح میں ہے کہ حق کے قریب ہے، اور ملتقی کی شرح میں حقائق سے منقول ہے کہ یہ تمام اقوال میں اصح ہے اور اس پر فتوی ہے، اور اختیار اور نقایہ میں اس کو قائم رکھا ہے، اور نہر کا کلام بھی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

الی اختیارہ وفی البحر والاحسن الافتاء بماعلیه اکثر المشائخ[1] اھ مافی ردالمحتار **قلت** لاسیما فی هذا الزمان فان العجلة الدخانیة قد جعلت مسافة القصر کمسافة ساعة واحدة بل اقل فوجب التعویل علی ماافتی به اکثر المشائخ۔	اس کے مختار ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور بحر میں ہے کہ جس پر مشائخ کا اعتماد ہو اس پر فتوی باعث اطمینا ن ہے، درمختار کی عبارت ختم ہوئی، **قلت** خصوصا موجودہ زمانہ میں کہ جب ریل گاڑی نے مسافت قصر کو ایک گھنٹہ کی مسافت بنادیا ہے بلکہ اس سے بھی کم کردیا ہے لہٰذا جس پر اکثر مشائخ نے فتوی دیا ہے یہی قابل اعتماد ہے۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں کہ عورت کے مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہوئی ہو مثلا مہر مثل سو روپے کا تھا اس نکاح میں پچاس کا باندھا تو سرے سے نکاح ہی نہ ہوا۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیرالاب وابیه ولوالام لایصح النکاح بغبن فاحش[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر نکاح کرنے والا باپ دادا کا غیر کفو ہو خواہ ماں ہی کیوں نہ ہو مہر میں فحش کمی کے ساتھ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۱: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۵ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے اہل سنت وجماعت دریں مسئلہ کہ مسماۃ ہندہ ورثہ شرعیہ ندارد ونہ از نطفہ زید مگر زید بسعی تام از ایام طفلی پرورش کردہ تا بعمر دہ سالہ دررسیدہ وبہ سبب اطلاق پرورش زید ولی ہندہ ظاہر بعد زید منکوحہ زید نکاح ہندہ بہمراہ خیراتی خاں کردہ فرارشد وقتیکہ زید آمد برنکاحش وقوف یافتہ راضی نہ گشت دریں صورت بدون اجازت	کیافرماتے ہیں علمائے اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ نامی لڑکی جو زید کی اولاد نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شرعی وارث ہے لیکن زید نے اس کی بچپن سے دس سال کی عمر تک پرورش کی۔ اس پرورش کی وجہ سے زید ہندہ کا ولی معلوم ہوتا ہے تو زید کی عدم موجودگی میں زید کی بیوی نے ہندہ کا نکاح خیراتی خاں سے کردیا، اور خیراتی خاں اس کے بعد بھاگ گیا، اب جب زید واپس آیا تو اس نے ہندہ

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

زید نکاح ہندہ خورد سالہ درست ست یا نہ، بیان فرمایند بعبارت کتب، ورحمۃ اللہ علیکم اجمعین۔

کے نکاح کو ناپسند کیا اور راضی نہ ہوا، تو کیا مذکورہ صورت میں ہندہ نابالغہ کا نکاح زید کی مرضی کے خلاف درست ہوا یا نہیں؟ کتب کے حوالہ سے جواب دیا جائے۔ اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔ (ت)

الجواب:

اولا دیدہ باید کہ شخصے کہ زن زید ہندہ را بحبالہ نکاحش داد باہندہ کفایت دارد یانے، اگر ندارد مثلا در نسب یا حرفہ یا روش یا مذہب قصورے دارد کہ ہندہ را در نکاحش آمدن نزد اہل عرف موجب عار باشد آنگاہ ایں نکاح باطل محض افتد کہ باجازت ہیچ کس روئے نفاذ نہ بیند تاآنکہ ہندہ اگر خویشتن بعد رسیدن اجازت کند ہم روئے نیابد زیرا کہ تزویج باغیر کفو جز پدر یا پدر پدر کہ دریں کار بسوء اختیار معروف نباشد ہیچ کس را نمی رسد کما نصوا علیہ قاطبۃ وفی **جامع الصغار ولی غیر الاب والجد زوج الصغیرۃ من غیر کفوء فادرکت الصبیۃ فاجازت لایجوز**[1]۔ واگر کفاءت دارد آنگاہ دیدنی ست کہ ہندہ ہنگام نکاح ہیچ قریبے قریب یا بعید مرد یا زن از جانب پدر یا مادر اگرچہ در غایت بعد ودوری می داشت یانے، اگر می داشت پس ہماں کس ولی نکاح اوست نکاح مذکور بر اجازت آں ولی موقوف ست خود ایں زید باشد یا دیگرے اگر اجازت دہد جائز شود اگر رد کند باطل

پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ زید کی بیوی نے جس شخص سے ہندہ کا نکاح کیا ہے وہ ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں۔ اگر نہیں مثلا نسب، کردار، حرفہ یا مذہب میں ایسی کمی والا ہے کہ عرف میں اس کو عار سمجھا جاتا ہے تو اس صورت میں یہ نکاح محض باطل ہے اور کسی کی اجازت حتی کہ ہندہ خود بالغ ہونے پر اس کو جائز نہیں کرسکتی، کیونکہ غیر کفو میں نابالغہ کا نکاح کرنے کی ایسے باپ دادا جو سوء اختیار میں مشہور نہ ہوں، کے بغیر کسی کو اجازت نہیں ہے، جیسا کہ تمام فقہائے تصریح کی ہے جامع صغار میں ہے باپ دادا کے غیر کسی ولی نے نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کردیا ہو تو لڑکی بالغ ہوکر خود بھی اس نکاح جائز نہیں کرسکتی، اور اگر وہ شخص ہندہ کا ہم کفو تھا پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ہندہ کا کوئی رشتہ دار مرد یا عورت قریب یا بعید جو کہ کسی کی ولایت رکھتا ہو موجود ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ وہ جائز قرار دے تو جائز اگر رد کردے تو رد ہوجائے گا۔ وہ ولی زید ہو یا کوئی اور ہو، اور اگر ہندہ کا کوئی بھی

[1] جامع احکام الصغار علی ہامش حاشیہ جامع الفصولین فی مسائل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲۹/۱

گردد، واگر باہندہ ہیچ کس را از زندگان وقت نکاح قرابت نسبی نبودند زید نہ غیر اوراآنگاہ دردیار ماکہ زیرولایت ہیچ قاضی شرع وحاکم اسلام نیست نظرکردن ست اگر دراں شہر عالمے از علمائے دین کہ فقیہ وصاحب فتوی واعلم علمائے بلد باشد موجودست پس نکاح مذکور براجازت او موقوف ست اگراجازت دہد نافذ شود واگرردکند باطل گردد۔

فی الحدیقۃ الندیۃ عن الفتاوی العتابیۃ اذا خلاالزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروافالمتبع اعلمھم [1] واگرآنجا ہیچو عالمے نیز نباشد آنگاہ ایں نکاح اصلا انعقاد نہ یافت خود باطل محض ست لکونہ عقد فضولی صدر ولامجیز فی جامع الصغار ان کان فی موضع لایکون تحت ولایۃ قاض فانہ لاینعقد [2] اھ وفی ردالمحتار عن الفتح مالامجیز لہ ای مالیس لہ من یقدر علی الاجازۃ یبطل کما اذا زوجہ الفضولی مجیزہ یتیمۃ فی دارالحرب اواذالم یکن

زندہ لوگوں میں سے نسبی ولی نہیں، نہ زید ہے نہ کوئی اور ہے، تو ایسی صورت میں جبکہ ہمارے ملک میں کوئی قاضی یا شرعی حاکم سرکاری طورپر مقرر نہیں ہے، اگر اس شہر میں کوئی ایسا عالم جو مفتی، فقیہ اور علاقہ کا بڑا عالم ہو موجود ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا کہ وہ اگر جائز کردے تو جائز اور اگر رد کردے تو رد ہوجائے گا، حدیقہ ندیہ میں فتاوی عتابیہ سے منقول ہے کہ جب زمانہ شرعی طورپر امور کو سرانجام دینے والے حاکم وقاضی سے خالی ہو تو یہ امور علماء کے سپرد ہوں گے اور امت پر لازم ہوگا کہ وہ ان علماء کی طرف رجوع کریں اور یہ علماء والی بن جائیں گے، اور اگر ایک عالم کی طرف سب کو رجوع مشکل ہو تو ہر علاقہ کے لوگ اپنے علاقہ کے عالم کی طرف رجوع کریں گے اور کسی علاقہ میں ایسے علماء کی تعداد زیادہ ہو تو پھر ان میں سے بڑے عالم کی اتباع کریں گے، اور اگر وہاں کوئی ایسا عالم نہ ہو تو پھر یہ نکاح اصلا منعقد نہ ہوگا اور خود بخود باطل ہوجائے گا کیونکہ یہ فضولی کا ایسا نکاح ہوگا جسے کوئی بھی جائز کرنے والا نہ ہے، جامع الصغار میں ہے کہ اگر ایسی جگہ ہو کہ وہاں کوئی سرکاری شرعی حاکم نہ ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا اھ، اور ردالمحتار میں فتح سے منقول ہے کہ جہاں کوئی ایسا حاکم مجاز نہ ہو جو نکاح جائز کرسکے تو نکاح باطل ہوگا۔

---

[1] الحدیقہ الندیۃ النوع الثانی من الانواع الثلاثۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

[2] جامع احکام الصغار علی حاشیۃ جامع الفصولین فی مسائل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹

سلطان ولاقاض لعدم من یقدر علی الامضاء حالة العقدفوقع باطلا [1] اھ ملخصا بے قرابت بمجرد پرورش ولایت نکاح ثابت نہ شود فی جامع الصغار من یتولی صغیرا اوصغیرۃ لایملك تزویجھما [2]۔پس دریں صورت اجازت و عدم اجازت زید چیزے نیست،واللہ تعالٰی اعلم۔	جیساکہ کسی فضولی نے نابالغہ یتیم لڑکی کا نکاح دارالحرب میں کردیا، یا وہاں کہ جہاں کوئی سلطان و قاضی نہ ہو توایسی صورت میں نکاح باطل ہوجائے گا کیونکہ وہاں کوئی جائز کرنے والا نہیں ہے اھ ملخصا،زید کو محض پرورش کی وجہ سے ولایت حاصل نہ ہوگی،جامع الصغار میں ہے کہ کسی بچے یا بچی کی کفالت کرنے والا اس کے نکاح کا ولی نہیں بن سکتا لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کی اجازت وعدم اجازت کوئی معنی نہیں رکھتی،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۲۲: از قاضی باڑی ضلع ہردوئی،ڈاکخانہ شاہ آباد مرسلہ حضرت سید امیر حیدر صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ سید سجاد حسین مرحوم نے چار لڑکیاں اور ایک زوجہ چھوڑ کر انتقال کیا بعد چند عرصہ کے ایک لڑکی فوت ہوگئی،بعد اس کے زوجہ نے انتقال کیا، تین لڑکیاں دو منسوبہ اور ایک نابالغہ چھوڑی،بعد دو سہ ماہ کے دختر کلاں نے بھی انتقال کیا،اب لڑکی نابالغ کے نکاح کی اجازت بموجب شرع شریف کے فوقیت ہمشیرہ حقیقی کوہے یا نانی نانا کو حاصل ہے فقط۔

الجواب:

اس نابالغہ کے دادا پردادا یا ان کے باپ دادا پردادا کی اولاد پسری میں کوئی مسلمان عاقل بالغ مرد باقی ہے تو اس کے نکاح کی ولایت اسی کو ہے،اُس کے ہوتے نانا نانی بہن بلکہ ماں بھی کوئی چیز نہیں اور اس طرح کے مرد متعدد ہیں،تو ان میں جو قریب تر ہوگا یعنی جو اس نابالغہ کے نسب میں بہ نسبت دوسروں کے کم واسطوں سے ملے گا وہی ولایت پائے گا،اور جو برابر درجے کے ہیں وہ ہر ایک ولی ٹھہرے گا،مثلاً ہندہ بنت زید بن خالد ہے اور سعید ورشید پسران حمید بن حامد بن خالد اور باقر ابن جعفر بن احمد بن حامد اور کبیر صغیر منیر پسران طاہر بن مطہر بن حامد مذکور ہیں تو ولایت نکاح ہندہ سعید ورشید دونوں کو یکساں ہے اور ان کے ہوتے باقر وکبیر ومنیر کو استحقاق نہیں،ہاں اگر دُدھیال میں کوئی مرد

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۷

[2] جامع احکام الصغار علی حاشیۃ جامع الفصولین فی مسائل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲

ایسا نہیں خواہ یوں کہ سرے سے کوئی مرد رہا ہی نہیں یا جو ہے وہ مجنون یا رفض وغیرہ بدمذہبوں میں حد کفر تک پہنچا ہوا ہے، تو اس وقت اشخاص مذکورین سوال میں ولایت نکاح نانی کو ہے، وہ نہ رہے تو نانا کو، وہ نہ رہے تو بہن کو، اور ان سب میں بھی عقل واسلام کی شرط ضرور ہوگی یعنی اگر مذہب میں فساد ہو تو حد کفر تک نہ پہنچا ہو ورنہ مرتد کو کسی پر ولایت نہیں اگرچہ دعوی اسلام رکھتا ہو،

فی الدرالمختار الولی فی النکاح العصبة بنفسه بلا توسط انثی علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریة وتکلیف واسلام فی حق مسلمة وولد مسلم فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب ثم للجد الفاسد ثم للاخت [1] الخ اھ ملخصا۔ وفی ردالمحتار صرح فی الجوھرة بتقدیم الجدة علی الاخت، ونقل ذٰلك الشرنبلالی عن شرح النقایة للعلامة قاسم قال ولم یقید الجدة بکونها لام اولاب اھ، وفیه عن الخیریة ان الجدة لاب اولی من الجدة لام قولا واحدا فتحصل بعد الام ام الاب ثم ام الام ثم الجد الفاسد تامل اھ قال وما جزم به الرملی افتی به فی الحامدیة [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے نکاح میں عصبہ بنفسہٖ یعنی وہ مرد جس کی نسبت میں عورت واسطہ نہ بنے، وراثت وحجب کی ترتیب پر ولی بنتے ہیں بشرطیکہ یہ حر، مکلّف اور مسلمان ہوں جبکہ ان کی ولایت مسلمان لڑکی یا لڑکے کے لئے ہو، اور اگر عصبات بنفسہا نہ ہوں پھر والدہ کو، پھر دادی کو، پھر نانے کو، پھر اخت کو ولایت ہوگی الخ اھ ملخصا، اور ردالمحتار میں ہے کہ جوہرہ میں جدہ کو بہن پر متقدم کرنے کی صراحت کی ہے، شرنبلالی نے اس کو علامہ قاسم کی شرح نقایہ سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ جدہ کو سگی کی قید سے مقید نہیں کرسکتے اھ، اور اسی میں فتاوی خیریہ سے منقول ہے کہ دادی کا نانی سے مقدم ہونا ایک ہی قول ہے تو حاصل یہ ہوا کہ والدہ کے بعد دادی اور پھر نانی پھر نانا، غور کرو اھ، اور کہا کہ جس پر رملی نے خیریہ میں جزم کیا ہے اسی پر حامدیہ میں فتوی دیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۳: از کلکتہ اسٹریٹ ۱۶۲ دھرم تلا مرسلہ حافظ عزیز الرحمٰن صاحب　　۴ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح اس کے ماموں نے درصورت نہ ہونے والدہ اور چچا اور برادر اور دادا اس لڑکی کے بہ موجودگی والدہ کے کردیا تھا اب اس نے بحالت بلوغ

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۳-۳۱۲

اس نکاح کو منظور نہ کیا تو وہ نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر عورت کی نامنظوری اس بنا پر ہے کہ ماموں نے جس کے ساتھ اس کا نکاح کیا وہ اس کا کفو نہیں یعنی اس سے قوم یا دین یا پیشہ وغیرہ امور معتبرہ میں ایسا گھٹا ہوا جس سے نکاح اس کے لیے باعث ننگ وعار ہے یا اس بنا پر کہ ماموں نے اس کے مہر مثل میں کمی فاحش کی ہے جب تو وہ نکاح خود ہی باطل محض ہوا جسے خود شرع مطہر نکاح نہیں ٹھہراتی، عورت کو منظوری ونامنظوری کو کچھ دخل نہیں، اور اگر یہ دونوں وجہیں نہیں بلکہ کسی اور سبب سے نامنظور کرتی ہے تو اس صورت میں اگر عورت نے کہ بکر تھی بعد بلوغ خبر نکاح سنتے ہی یا پہلے سے معلوم تھا تو بالغہ ہوتے ہی فورا بلا توقف اختیاری نامنظوری ظاہر نہ کی تو نکاح لازم ہوگیا، اب عورت کو اصلا کوئی چارہ نہیں، اور اگر فی الفور آن بلوغ میں یا بعد بلوغ نکاح معلوم ہوا تو آن استماع خبر میں معا اپنی نامنظوری ظاہر کی تو ازانجا کہ نکاح غیر اَب وجَد کا کیا ہوا ہے عورت کو اختیار فسخ حاصل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ بطور خود فسخ کردے اور اس کے حبالہ زوجیت سے باہر ہوجائے بلکہ یہ کہ حاکم شرع کے یہاں دعوی رجوع کرے، حاکم بعد تحقیقات امور مذکورہ نکاح فسخ کردے، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرالاب وابیہ لایصح النکاح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا ومن کفو وبمھر المثل صح ولصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ ولوبعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ وشرط للکل القضاء وبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس وان جھلت [1] اھ ملتقطا۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اگر نابالغہ کا نکاح باپ اور دادا کے غیر نے کیا تو غیر کفو میں یا بہت کم مہر کے ساتھ کیا تو نکاح بالکل نہ ہوگا۔اور اگر کفو یا مہر مثل سے کیا تو نکاح صحیح ہوگا، اور نابالغ لڑکی اور لڑکے کو نکاح کے فسخ کا اختیار ہوگا خواہ دخول کے بعد بلوغ یا نکاح کا علم ہوا ہو اس وقت فسخ کرسکتے ہیں، فسخ کی ان تمام صورتوں میں قضاء شرط ہے اور باکرہ بالغہ لڑکی کا سکوت اس کے خیار فسخ کو ختم کردیتا ہے جبکہ وہ اپنے نکاح سے باخبر ہو اور اس سے اس کی اجازت طلب کی گئی ہو اگرچہ اس کو اپنے اختیار کے بارے میں علم نہ بھی ہو اور مجلس کے خاتمہ تک یہ اختیار باقی رہے گا، اھ، ملتقطا، واللہ سبحانہ وتعالٰی زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم اتم واکمل ہے۔(ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳۔۱۹۲

مسئلہ ۳۲۴: از شہر کہنہ ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے انتقال کیااور دولڑکی ایک قریب ایک سال،اور دوسری قریب تین سال،اور بیوی اور والدہ تین بھائی چھوڑے،ان لڑکیوں نے تامدت سات سال زیر سایہ اپنی والدہ اور چچاؤں کے پرورش پائی،قضائے الٰہی بعد سات سال والدہ نے بھی انتقال کیا،چونکہ چچااپنے اپنے تعلقوں پر تھے یہاں موجود نہ تھے،خالائیں آئیں اور حیلہ وفریب کرکے لڑکیوں کو لے گئیں کہ تاآنے چچاؤں کے یہ لڑکیاں ہمارے پاس ہیں جب چچا آئیں گے فورا روانہ کردیں گے،یہاں سے لے جاکر دونوں لڑکیوں کے نکاح عدم موجودگی چچاؤں میں باختیار خود اپنے لڑکوں کے ساتھ کرلئے،اس صورت میں یہ نکاح ہوئے یانہیں؟**بینواتوجروا۔**

الجواب:

آٹھ سال کی لڑکی ضرور نابالغہ ہے،یونہی دس سال کی بھی،جب تک حیض نہ آئے یاپندرہ سال کامل کی عمر نہ ہوجائے،اور نابالغ کااختیار عصبہ کو ہے،عصبہ کے ہوتے ذوی الارحام کوئی چیز نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

لغیر العصبات من الاقارب ولایۃ التزویج عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی معناہ عند عدم العصبات[1]۔	نابالغہ کے نکاح کی ولایت عصبات کی غیر موجودگی میں دیگر اقارب کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حاصل ہے۔(ت)

چچاعصبہ ہےاور خالہ ذوات الارحام سے،خالہ سگے چچاسے چھتیسویں درجے میں ہے کہ ۱حقیقی چچانہ ہو تو ۲سوتیلے چچاکو نکاح کی ولایت ہے،پھر ۳حقیقی چچاکے بیٹے کو،پھر ۴سوتیلے چچاکے بیٹے کو،پھر ۵باپ کا حقیقی چچا،پھر ۶سوتیلا،پھر ۷باپ کے حقیقی چچاکا بیٹا،پھر ۸سوتیلا کا،پھر ۹دادا کا حقیقی چچا،پھر ۱۰سوتیلا پھر ۱۱دادا کے حقیقی چچاکا بیٹا،پھر ۱۲سوتیلے کا،پھر ۱۳اور دور کا سگا چچا ۱۴پھر سوتیلا،۱۵پھر اس کا بیٹا،۱۶پھر اس کا،۱۷پھر آزاد کرنے والا،۱۸پھر اس کا عصبہ،یہ سب عصبات ہیں،۱۹جب ان میں کوئی نہ ہو توماں ولی ہے،۲۰پھر دادی،۲۱پھر نانی،۲۲پھر بیٹی،۲۳پھر پوتی،۲۴پھر نواسی،۲۵پھر پسر کی پوتی نواسی،۲۶پھر دختر کی،۲۷پھر نانا،۲۸پھر سگی بہن،۲۹پھر سوتیلی،۳۰پھر ماں کی اولاد جو باپ میں شریک نہیں،۳۱پھر سگی بہن کی اولاد،۳۲پھر سوتیلی کی، ۳۳پھر اولاد مادر کی،۳۴پھر پھوپھی،۳۵پھر ماموں،۳۶اور جب ان سب میں کوئی نہ ہو تو خالہ،ان تمام درجات کی تفصیل عالمگیری ودرمختار وغیرہا سے ظاہر،فتاوی قاضی خاں

[1] ہدایہ باب فی الاولیاء والاکفاء المکتبۃ العربیہ کراچی ۲۹۸/۲

میں ہے:

ولایۃ النکاح الی العصبات اقرب الی الصغیر والصغیرۃ الاب ثم الجد ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم بنوھما علی ھذا الترتیب وان سفلوا ثم العم لاب وام[1] اھ ملخصاً۔	نکاح کی ولایت عصبات کو ہے اور نابالغ لڑکے اور لڑکی کے قریب ترین عصبات والد پھر دادا، حقیقی بھائی، پھر باپ کی طرف سے بھائی، پھر ان دونوں کے لڑکوں کو اس ترتیب سے نیچے تک، پھر حقیقی چچا کو، اھ ملخصا (ت)

درمختار میں ہے:

فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام (وعد درجات الی ان قال) ثم الخالات[2]۔	اگر عصبہ نہ ہو تو ماں کو ولایت ہے، اور ولایت کے درجات متعددہ کو بیان کرنے کے بعد انھوں نے کہا پھر خالاؤں کو ولایت ہوگی۔ (ت)

پس چچا کے ہوتے جو نکاح خالہ کردے چچا کی اجازت پر موقوف ہے، اگر جائز رکھے جائز اور اگر رد کردے تو باطل ہوجائے درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	اگر قریبی ولی کے ہوتے ہوئے بعید ولی نے نکاح کردیا تو قریب ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اللہ تعالٰی اعلم ہے اور اس کا علم اتم اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۵: از سوروں ضلع ایٹہ محلّہ ملک زادگان مرسلہ مرزا حامد حسن صاحب ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نوجوان بالغ لڑکی نا کتخدا کا نکاح اس کی ماں نے عدم موجودگی پدر میں اپنے عزیز واقارب کو جمع کرکے اپنے بھانجے کے ساتھ کردیا، باپ بھی اس لڑکے کو جانتا ہے اور اس پر راضی بھی تھا مگر یہ کہتا تھا کہ جب تک یہ نوکر نہ ہو مت کرنا، اس صورت میں نکاح شرعاً درست ہوا یا نہیں؟ اور ماں کو بہ موجودگی باپ کے اولاد پر ایسا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب:

نابالغ اولاد باپ کے ہوتے ماں کے لئے ایسا اختیار اصلاً نہیں۔ اور بالغ اولاد پر ماں باپ کسی کے لئے

---

[1] فتاوی قاضی خاں فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۳

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

ولایت جبری نہیں۔ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الایم احق بنفسھا من ولیھا[1] رواہ الستۃ الا البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	بالغہ عورت ولی کی بنسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے، اس کو امام بخاری کے سوا ائمہ ستہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ذکر کیا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ[2]۔	بالغہ باکرہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے بالغ ہوجانے پر اس پر جبر کی ولایت کسی کو حاصل نہ رہی، (ت)

صورت مذکورہ میں جبکہ لڑکی بالغہ ہے تو اس کا نکاح بے اس کے اپنے اذن کے نہ ماں کے کئے نافذ ہوسکے نہ باپ کے ہاں، جس عورت بالغہ کا ولی موجود ہو وہ غیر کفو سے اپنا نکاح نہ خود کرسکتی ہے نہ دوسرے کو اذن دے سکتی ہے جب تک ولی اس شخص کے غیر کفو ہونے پر مطلع ہو کر پیش از نکاح بالتصریح اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے، ورنہ نکاح محض باطل ہوگا کہ پھر رضائے ولی سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ درمختار میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ[3] اھ ملخصاً۔	ولی کی رضا کے بغیر حرہ عاقلہ بالغہ کا اپنی مرضی سے نکاح نافذ ہوتا ہے اور غیر کفو میں ولی کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح جائز ہونے پر فتوی ہے جبکہ ولی غیر کفو میں ہونے کا علم حاصل کرچکا ہو اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا اذاکان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلایفید الرضی بعدہ بحر[4]۔	یہ اس صورت میں ہے جب لڑکی کا کوئی ولی ہو اور نکاح سے قبل وہ اس پر راضی نہ ہو تو نکاح کے بعد ولی کی رضا مفید نہ ہوگی، بحر۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۵، سنن ابوداؤد فصل فی الثیب آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۶

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[4] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

اور کفو وہ ہے جس کے قوم، مذہب، چلن، پیشے وغیرہ میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جس کے سبب اس کے ساتھ نکاح اولیائے دختر کے لئے اہل عرف کے نزدیک موجب ننگ وعار وبدنامی ہو، نہ ایسی حالت محتاجی ناداری بے حرفگی وبے سامانی میں ہو کہ عورت کا نفقہ واجبہ نہ چل سکے، یا جس قدر مہر شرعًا یا عرفًا پیشگی دینا ٹھہرا ہے نہ دے سکے۔ درمختار میں ہے:

تعتبر فی العرب والعجم دیانة ومالا بان یقدر علی المعجل ونفقة شھر لو غیر محترف والافان کان یکتسب کل یوم کفایتھا لو تطیق الجماع وحرفة[1] اھ ملخصًا۔	عرب وعجم میں کفو کے لئے دینداری اور مال کا اعتبار ہوگا کہ وہ مہر معجّل دینے پر قادر ہو اور وہ کاروبار والا نہ ہو تو ایک ماہ کا خرچہ ادا کرنے پر قادر ہو، ورنہ اگر وہ کاروبار والا ہے تو روزانہ بیوی کو کفایت کے لئے نفقہ کی قدرت رکھتا ہو اگر عورت کو جماع کی برداشت ہو ورنہ مہر معجّل کی قدرت کافی ہے اور برابری معتبر ہے پیشہ میں اھ ملخصًا (ت)

پس اگر شخص مذکور ان سب نقائص سے خالی تھا اور نکاح باذن دختر ہوا تو بلاشبہ صحیح وتام ونافذ ہوگیا جس میں ناموجودی وناراضی پدر کچھ خلل انداز نہیں۔ نہ اس کا نوکر نہ ہونا مخل ہوسکتا ہے جبکہ وہ اور مال رکھتا ہو یا کسی دستکاری سے اپنے اور زوجہ کے کھانے پینے کے قابل ہوسکتا ہے یا حسب عادت بلد اس کے ماں باپ بہو بیٹے کی کافی خبرگیری رکھیں اور کچھ مہر پیشگی دینا ہو تو اس کے ادا پر بھی قادر ہو، درمختار میں ہے:

الصبی کفو بغنی ابیه وامه بالنسبة الی المھر المعجل لاالنفقة لان العادة ان الاٰباء یتحملون عن الابناء المھر لا النفقة ذخیرة[2] اھ ملخصا۔	لڑکا باپ یا ماں کے غنی ہونے کی وجہ سے مہر کے بارے میں کفو ہوسکتا ہے کیونکہ عادۃً والدین لڑکوں کے مہر کو خود برداشت کرتے ہیں، نفقہ کے معاملہ میں والدین کا غنا کارآمد نہیں کیونکہ والدین نفقہ کی کفالت نہیں لیتے، ذخیرہ، اھ ملخصا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مقتضاہ انه لوجرت العادة بتحمل النفقة ایضا عن الابن الصغیر کمافی	اس سے حاصل ہوا کہ اگر نابالغ بیٹے کی طرف سے نفقہ کو اپنے ذمّے لئے جانا عادت ہو جیسا ہمارے زمانہ میں ہے تو بھی کفو

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

زماننا انه یکون کفوا بل فی زماننا یتحملها عن ابنه الکبیر الذی فی حجره والظاھر انه یکون کفوا بذلك لان المقصود حصول النفقة من جهة الزوج بملك اوکسب اوغیرہ ویؤیدہ ان المتبادر من کلام الھدایة وغیرھا ان الکلام فی مطلق الزوج صغیرا کان اوکبیرا الخ۔[1]	ہوسکے گا ہمارے زمانے میں تو لوگ اپنے اس رہنے والے بالغ بیٹے کی طرف سے بھی نفقہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ تو اس صورت میں کفو ہونا ظاہر ہے کیونکہ مقصد تو لڑکے کی طرف سے بیوی کے لئے نفقہ کا حصول ہے مالک ہونے یا کاسب یا کسی اور طریقہ سے نفقہ حاصل ہو، اور اس بات کی تائید ہدایہ کے کلام سے متبادر ہوتی ہے کہ انھوں نے مطلق خاوند کی بات کی ہے خواہ نابالغ ہو یا بالغ ہو الخ (ت)

ہاں اگر دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کی گئی ہے تو باپ کو اس پر اعتراض پہنچتا ہے جس کا حاصل اس قدر کہ مہر مثل پورا کرالیا جائے، اور پورا نہ کرے تو قاضی نکاح فسخ کردے، نہ یہ کہ خواہ مخواہ نکاح رد ہوجائے، درمختار میں ہے:

لونکحت باقل من مھرھا فللولی العصبة الاعتراض حتی یتم مھر مثلها اویفرق القاضی بینهما دفعا للعار[2]۔	اگر بالغہ نے اپنے نکاح میں مہر مثل سے کم مہر منظور کیا تو ولی عصبہ کو اعتراض کا حق ہے تاوقتیکہ لڑکی اپنا مہر مثل پورا کرائے یا پھر قاضی ولی کی عار کو ختم کرنے کے لئے نکاح فسخ کرے۔ (ت)

البتہ اگر امور مذکورہ بالا سے کسی امر میں ایسا بھی ہے جس کے باعث وہ شرعاً کفو نہ ٹھہرے، اور باپ نے اس پر مطلع ہوکر اپنی رضامندی ظاہر نہ کردی تھی تو بیشک، یہ نکاح سرے سے باطل ہوا کہ اب باپ کی رضامندی سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا، اس تقدیر پر فرض ہے کہ مرد عورت فوراً جدا ہوجائیں اور اس نکاح کو ترک کردیں، پھر اگر چاہیں تو بعد اجازت صریحہ پدر از سرنو نکاح کرلیں، واللہ سبحنه تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۶: ۲۸ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ اس کے باپ، دادا، بھائی، بھتیجا کوئی نہیں حقیقی چچا ہیں، چچا کا نابالغ لڑکا ہے، اگر یہ ولی جائز اپنی بھتیجی نابالغہ کا اپنے پسر نابالغ سے بولایت

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۴

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

خود ایسی حالت میں نکاح کردے کہ لڑکی زیر پرورش نانی کے ہو اس کے پاس موجود ہو تو یہ نکاح صحیح وجائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صحیح وجائز ہے جبکہ وہ لڑکا اس نابالغہ کا کفو ہو اور نابالغہ کے مہر مثل میں صریح کمی نہ کی جائے۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرہ ای غیر الاب وابیہ لایصح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمہر المثل صح[1] الخ اھ	ملخصاً۔ اگر نکاح دینے والا باپ اور دادا نہ ہو تو غیر کفو یا مہر مثل سے صریح کم کی صورت میں نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا۔ اور کفو اور مہر مثل ہو تو نکاح صحیح ہوگا الخ اھ ملخصاً۔ (ت)

جبکہ یہ شخص لڑکے لڑکی دونوں کا ولی ہے تو دو گواہوں کے سامنے اس کا صرف اتنا کہہ دینا کہ "میں نے اپنی فلاں بھتیجی اپنے فلاں بیٹے کے نکاح میں اتنے مہر پر دی" کفایت کرتا ہے کچھ لڑکے یا لڑکی کا حاضر ہونا ضرور نہیں۔

نعم یجب ان لایکون غائبا غیبۃ منقطعۃ فانہ لایبقی ولیا علی ماصححوہ کمانقحہ فی ردالمحتار[2]	ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ چچا اس حد تک غائب نہ ہو کہ وہاں تک رسائی مشکل ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ ولی نہ قرار پائے گا، جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصحیح کی ہے جس کی تنقیح ردالمحتار میں کی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یتولی طرفی النکاح واحد بایجاب یقوم مقام القبول کأن کان ولیا من الجانبین[3] اھ ملخصا وفی ردالمحتار کزوجت ابنی بنت اخی[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص نکاح میں دونوں جانب سے ولی ہوتے ہوئے ایجاب کردے تو وہ قبول کے قائم مقام بھی ہو جائیگا مثلا جب وہ دونوں جانب سے خود ولی ہو اھ ملخصا، اور ردالمحتار میں ہے، مثلا یوں کہے: "میں نے اپنی بیٹی کا اپنے بھتیجے سے نکاح کردیا" واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۶

[4] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۶

مسئلہ ۳۲۷: عمرو اور زید دو حقیقی بھائی ہیں ان میں زید ایک لڑکی نابالغ چھوڑ کر مرگیا، عمرو اپنی بھاوج بیوہ زوجہ زید سے لڑکی نابالغ کو حیلہ کرکے اپنے مکان پر لے گیا، اس لڑکی نابالغ کا نکاح بلااجازت اس کی والدہ کسی شخص بیمار کے ساتھ اپنی اجازت سے کردیا، اب عمرو اپنی بھاوج سے متقاضی ہے کہ لڑکی کا نکاح ہم نے اپنی اجازت سے کردیا اور رخصت نہیں کیا اب رخصت کردو ورنہ عدالت ہوگی، اس صورت میں بیوہ پوچھتی ہے کہ علمائے دین و مولویان شرع متین کیا فتوی دیتے ہیں کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ فتوی لکھ کر مہر و دستخط سے مزین فرمائیں۔

الجواب

نابالغہ کی ولایت اس کے چچا کو ہے (بشرطیکہ کوئی جوان بھائی بھتیجا حاضر نہ ہو) چچا کے ہوتے ماں کو اختیار نہیں اور شوہر کی بیماری سے بھی درستی نکاح میں کوئی خلل نہیں آتا، پس اگر وہ شخص جس سے عمرو نے اپنی بھتیجی کا نکاح کردیا اس کا کفو ہے (یعنی قوم، مذہب، پیشہ وغیرہ میں اس کی بہ نسبت ایسا کم نہیں کہ اس سے نکاح ہونا اس صغیرہ کے اولیاء کو باعث عار ہو) اور مہر مثل میں فاحش کمی بھی نہ کی تو نکاح بے شک صحیح ہوگیا جس پر ماں کو کسی طرح اعتراض نہیں پہنچتا، ہاں لڑکی جوان ہو کر اگر خود ناراضی ظاہر کرے تو حاکم شرع کے حضور نالشی ہو کر فسخ کراسکتی ہے، اور اگر وہ شخص کفو نہیں یا چچا نے مہر مثل میں کمی فاحش کی ہے مثلاً مہر مثل سو روپے کا تھا اس نے پچاس روپے باندھے تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولا الام لایصح النکاح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمھر المثل صح ولصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ [1] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر نکاح دینے والا باپ اور دادا کا غیر ہو خواہ وہ ماں ہو غیر کفو یا مہر مثل صریح کم ہو تو نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا اور کفو اور مہر مثل ہو تو صحیح ہوگا اور نابالغ لڑکے یا لڑکی کو بلوغ پر فسخ کا اختیار ہوگا یا اگر ان کو بلوغ کے بعد علم ہوا ہو تو اس وقت بھی فسخ کا اختیار ہوگا اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نابالغ کا نکاح بہ اجازت ہندہ اس کی پھوپھی کے محمودہ بالغہ کے ساتھ ہوا، وقت نکاح عمر زید کی چودہ سال کی اور عمر محمودہ کی سولہ سال کی تھی، زید نکاح سے چار مہینے بعد فوت

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

ہوگیا، آیا یہ نکاح صحیح اور دین مہر محمودہ کا واجب الادا ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس قدر؟ اور زید محمودہ دونوں سنی المذہب ہیں، بحوالہ کتاب جواب تحریر فرمایا جائے۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زید کا ایک جوان بھائی موجود ہے پس صورت مذکورہ میں اولاً اس قدر معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ شرعاً بلوغ کا دارومدار خواہی نخواہی عمر ہی پر نہیں رکھا گیا جب تک آدمی اتنے سال کا نہ ہو بالغ نہ کہا جائے گا اگرچہ تمام آثار جوانی واضح وآشکار ہوں عالم میں کوئی عالم اس کا قائل نہیں بلکہ حقیقۃً لڑکوں میں مدار کار انزال واحتلام لڑکیوں میں حیض وغیرہ پر ہے، اس لئے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ لڑکا کم سے کم بارہ سال اور لڑکی نو برس میں بالغ ہوسکتی ہے، ہاں جب یہ امور ظاہر نہ ہوں تو اس وقت عمر پر فیصلہ کیا گیا۔

فی الدرالمختار بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والاصل ھوالانزال والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیھما شیئ فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی لقصر اعمار اھل زماننا وادنی مدتہ لہ اثنا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین ھوالمختار [1] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے لڑکے کا بلوغ احتلام، انزال اور بیوی کو حاملہ کرنے سے ثابت ہوگا جبکہ انزال اصل ثبوت ہے، اور لڑکی کا بلوغ احتلام، حیض اور حمل سے ثابت ہوگا، اگر ان علامات میں سے کوئی چیز دونوں میں نہ پائی جائے تو پھر دونوں کی عمر پندرہ سال تک ہونا ان کا بلوغ ہوگا۔ اس پر فتوٰی دیا جائے گا کیونکہ ہمارے زمانہ والوں کی عمریں کم ہوتی ہیں، اور لڑکے کے لئے کم از کم حد بلوغ بارہ سال اور لڑکی کے لئے نو سال ہے، یہی مختار قول ہے، اھ، ملخصا۔ (ت)

پس ممکن کہ زید چہاردہ سالہ وقت نکاح بالغ ہو جب تو صحت نکاح ووجوب تمامی مہر میں کچھ نزاع ہی نہیں۔ اس طرح اگر نابالغ تھا اور نکاح باجازت برادر واقع ہوا یا اس وقت معمولی اجازت صرف پھوپھی سے لی گئی ہو اور بھائی نے جبھی یا کسی اور وقت صراحۃً خواہ دلالۃً اس نکاح کو جائز رکھا اور پسند کیا یا یہ بھی نہ ہوا مگر چند مدت بعد زید بالغ ہوگیا اور خود اس نے نکاح جائز رکھا، ان سب صورتوں میں نکاح بھی نافذ اور مہر بھی کامل واجب ہے۔

فی الدرالمختار للولی الاتی بیانہ انکاح الصغیر والصغیرۃ جبرًا [2] اھ،	درمختار میں ہے کہ ولی کو اختیار ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح اپنی مرضی سے کردے اھ،

---

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۹/۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۲/۱

وفی تنویر الابصار الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ[1] اھ وفی الدرالمختار لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[2] اھ وفی الخانیہ نفذ باجازۃ الصبی بعد بلوغ[3] اھ وفی الدرالمختار المھر یتاکد عند وطء اوخلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما[4] اھ۔	اور تنویر الابصار میں ہے کہ نکاح میں عصبہ بنفسہٖ ولی ہوتا ہے اھ اور درمختار میں ہے اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے نکاح کردیا تو اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا اھ، اور خانیہ میں ہے کہ بچے کے بالغ ہو کر اجازت دینے سے نکاح نافذ ہوجائے گا۔اور درمختار میں ہے کہ وطی، خلوت صحیحہ اور خاوند بیوی میں سے کسی ایک کے فوت ہوجانے سے مہر لازم ہوجاتا ہے اھ (ت)

ہاں اگر ان امور میں سے کچھ نہ واقع ہوا یعنی نہ زید بالغ تھا نہ نکاح بہ تجویز ولی واقع ہوا، نہ ولی نے کسی وقت صریحًا یا دلالۃً اس کی اجازت دی، نہ زید خود لائق اجازت ہوا، یہاں تک کہ مرگیا تو بے شک نکاح باطل ہوگیا۔

لان الموقوف یبطل بالموت قبل الاجازۃ کما لایخفی علی احد۔	کیونکہ موقوف نکاح، اجازت سے قبل موت سے باطل ہوجاتا ہے، جیسا کہ سب پر واضح ہے۔ (ت)

اور جلسہ نکاح میں ولی کا مجرد خاموش بیٹھا رہنا اجازت وپسندی پر یقین نہیں دلاسکتا بلکہ اس کا کوئی فعل ایسا ہونا چاہئے جس سے رضامندی سمجھی جائے، مثلاً دلہن کو رونمائی دینا یا دولھا کی سلامی کے روپے لینا یا مبارک باد لینا دینا۔

وغیر ذلک عمایدل علی الرضا وفی ردالمحتار تقدم ان البالغۃ لوزوجت نفسھا غیر کفو فللولی الاعتراض مالم یرض صریحا او دلالۃ کقبض المھر ونحوہ فلم یجعلوا سکوتہ	ان کے علاوہ دیگر امور جو رضا کی دلیل ہوسکتے ہیں، اور ردالمحتار میں ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح خود غیر کفو میں کرلیا اور ولی صراحۃ یا دلالۃ رضامندی ظاہر نہ کرے مثلاً مہر وصول کرنا وغیرہ عمل

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳
[2] الدرالمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴
[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی شرائط النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۷
[4] الدرالمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۷

اجازۃ والظاہر ان سکوتہ ھنا کذلك فلو یکون سکوتہ اجازۃ لنکاح الابعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یرض صریحا اودلالۃ تامل[1]۔	نہ کرے، تو ولی کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہے تو فقہاء نے اس کے سکوت کو اجازت نہیں قرار دیا اور ظاہر یہی ہے کہ اس کا یہاں موقعہ پر سکوت کا یہی مطلب ہے تو اس کا سکوت ابعد ولی کے نکاح کی اجازت قرار نہیں پائے گا اگرچہ یہ اقرب مجلس نکاح میں موجود ہو جب تک صریحا یا دلالۃ رضامندی ظاہر نہ کردے، غور کرو (ت)

اور اس صورت میں مہر بھی لازم آئے گا،

لان النکاح باطل والباطل معدوم والمعدوم لایفید۔	کیونکہ یہ نکاح باطل ہے اور باطل کالعدم ہوتا ہے اور معدوم چیز مفید نہیں۔ (ت)

البتہ اگر ایسی صورت میں یہ ثابت ہو کہ زید نابالغ نے بعد اس عقد نافذ کے محمودہ سے بالجبر قربت کی اور محمودہ اس وقت حقیقۃ حالت جبر واضطرار میں تھی نہ وہ حالت جو ابتداء بوجہ شرم وحجاب عموما انکار کی باعث ہوتی ہے بلکہ وہ حالت جو زن عفیفہ کو مرد اجنبی کے ساتھ ہوتی ہے تو اس تقدیر پر ہندہ کا مہر مثل ذمہ زید لازم ہونا چاہئے۔

وذٰلك لان الموقوف قبل الاجازۃ لایحل الوطی بل ولا النظر[2] کما صرح بہ فی احکام الخلوۃ من باب المھر من ردالمحتار عن النھر عن النھایۃ وقد تبین بالموت انھا لم تکن زوجتہ ولاحد للشبھۃ وللصبی فیجب العقر الا ان تکون مطاوعۃ فلایوجب لعدم الفائدۃ اذلولزم لرجع بہ الولی علیھا لانھا مکلفۃ وقد وقع ماوقع بامرھا لکونھا طائعۃ کمافی ردالمحتار عن الشرنبلالی عن الفتح۔ واللہ	یہ اس لئے کہ اجازت سے قبل موقوف نکاح میں وطی حلال نہیں بلکہ اس کو دیکھنا بھی حلال نہیں جیساکہ مہر کے باب میں خلوت کے احکام میں ردالمحتار نے نہر سے انھوں نے نہایہ سے نقل کیا ہے اور اجازت سے قبل موت سے ظاہر ہوگیا کہ یہ اس کی بیوی نہ تھی، اگر قبل از اجازت ولی اقرب وطی یا خلوت ہوجائے تو حلال نہ ہونے کے بعد زنا کی حد نہ ہوگی کیونکہ مقام شبہ ہے نیز لڑکا نابالغ ہے، تاہم عقر یعنی جوڑا خرچہ واجب ہوجائے گا بشرطیکہ لڑکی کی خواہش پر یہ عمل نہ ہوا ہو، ورنہ عقر واجب نہ ہوگا کیونکہ اس میں فائدہ نہیں ہے۔

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۴۱

تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ اگر واجب قرار دیا جائے تو لڑکے کا ولی لڑکی سے تعرض کرے گا۔ کیونکہ جو واقعہ ہوا ہے وہ لڑکی کی مرضی اور کہنے سے ہوا اس لئے کہ لڑکی بالغ ہے جس کی خواہش پر یہ کچھ ہوا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں شرنبلالی سے اور اس نے فتح سے نقل کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۹: از کلکتہ دھرم تلا اسٹریٹ نمبر ۱۰۲ مرسلہ حافظ عزیز الرحمان صاحب ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح بسبب نہ رہنے باپ دادا کے اس کے ماموں نے اپنی ولایت سے کر دیا تھا اب بحالت بلوغ لڑکی نے اس نکاح کو منظور نہ کیا اور بعین حالت بلوغ دو چار آدمیوں کو بلا کر اظہار کیا کہ میں اس وقت بالغ ہوئی اپنے ولی کے نکاح کو نامنظور کرکے فسخ کیا آپ لوگ اس امر کے شاہد رہیں۔ اور اس فسخ کی خبر اس کے ناکح کو ہوئی اور دین مہر بھی معاف کر دیتی ہے، تاہم صفائی نہیں کرتا، قریب سال کے گزرا اور در بارہ مسئلہ فسخ درمختار وغیرہ میں ہے کہ فسخ کی خبر قاضی کو کرے۔ قاضی تفریق کر دے، اور اس سلطنت انگریزی میں قضا یا نہیں حکم قضا یا حکام ہائی کورٹ کے متعلق ہے اور ہائیکورٹ میں خبر کے واسطے وکیل اور بیرسٹر مبلغ ایک ہزار طلب کرتے ہیں اور لڑکی مذکورہ نان ونفقہ کو محتاج اور عالم شباب رکھتی ہے، خوف شیطانی غالب رہے، پس ایسی صورت میں کیا کرے؟ بیان فرمائیے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع اس فسخ کے لئے قضائے قاضی شرط ہے **کما فی الدرالمختار** (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ت) اور حاضری شوہر وقت تفریق بھی ضرور۔

فی ردالمحتار الزوج لوکان غائبا لم یفرق بینھما مالم یحضر للزوم القضاء علی الغائب نھر ،قلت وبه صرح الاستروشنی فی جامعه [1]۔	ردالمحتار میں ہے جب تک خاوند حاضر نہ ہو قاضی تفریق نہ کرے، ورنہ اس کی غیر موجودگی میں تفریق، قضاء علی الغیب ہوگی، نہر، میں کہتا ہوں استروشنی نے اپنی جامع میں یہی تصریح کی ہے۔ (ت)

اور ہائی کورٹ وغیرہ انگریزی کچہریاں دارالقضاء شرعی نہیں۔ نہ وہ حکام حکام وقضاۃِ شرع، تو ایسے مسائل میں ان کی طرف رجوع اگر آسان بھی ہو تو اصلا مفید نہیں کہ ان کے فسخ کئے یہ نکاح فسخ نہ ہوگا اور عورت بدستور زوجہ شوہر رہے گی بلکہ وہاں جو عالم فقیہ سنی تمام اہل شہر سے علم فقہ میں زائد ہو اس قسم کے خاص دینی کاموں میں اس کی طرف رجوع لازم ہے، اور اگر وہاں یہ بھی نہ ہو تو چارہ کار یہ ہے کہ زن وشوہر

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۷

اس معاملہ کو پنچایت پر رکھیں، مسلمان پنچ بعد ثبوت بمواجہہ شوہر تفریق کردے نکاح فسخ ہوجائے گا۔

فان الحکم کالقاضی فی کل مالیس بحد ولاقود ولادیۃ علی عاقلۃ کمانصوا علیہ۔	حکم یعنی ثالث، قصاص، حداور عاقلہ پر دیت کے سوا باقی امور میں قاضی کی طرح ہے، جیساکہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے۔(ت)

اور اگر شوہر پنچایت پر راضی نہ ہو تو عورت کسی اسلامی ریاست کے شہر میں جائے جس طرح یہاں ریاست رام پور وغیرہ اور وہاں قاضی شرع کے حضور (جس کی قضا کو نواب والی ملک مسلمان نے نہ اس شہر والوں سے خاص کردیا ہو نہ سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر حکم کے لئے مقید کیا ہو)استغاثہ کرے وہ بلحاظ قواعد شرعیہ تفریق کرسکتاہے،اور اگر شوہر بھی وہاں جانے پر راضی ہو یا قاضی کی طلبی پر اسے جانا ضرور ہو جب تو امر آسان ہے،اب اس قاضی میں صرف اتنی شرط ہوگی کہ والی نے صرف اہل شہر کے ساتھ اسی کی قضاء کو خاص کردیا ہو جیساکہ اکثر یہی ہے کہ تخصیص نہیں کرتے۔

وذٰلك لما عرف ان القضاء یتخصص بکل ماخصص بہ المقلد کمافی الاشباہ والدر وغیرھما واذالم یخصص باھل البلد لم یشترط ان یکون المتدا عیان من اھل البلد[1] کمافی ردالمحتار وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے کہ قضاء کا دائرہ قاضی کو مقرر کرنے والے کی تخصیص سے خاص ہوتاہے جیساکہ اشباہ، درمختار وغیرہ کتب میں مذکور ہے،اور جب قاضی کا دائرہ کسی خاص علاقہ سے مخصوص نہ ہو تو دعوی کے فریقین کااہل بلد سے ہونا شرط نہیں ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**(ت)

مسئلہ ۳۳۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ کے باہم شادی بولایت پدران عالم نابالغی زوجین میں ہوئی، بعد ایک عرصہ کے زید نابینا ہوگیا اور ہنوز وہ دونوں نابالغ ہیں اور پدر ہندہ نے وفات پائی اب مادر وعم ہندہ اسے رخصت کرنا نہیں چاہتے اور کہتے ہیں ہم اپنی بیٹی زید کو نہیں دیں گے اس صورت میں ماں کے انکار سے اس نکاح میں خلل آیا یا نہیں؟ اور ماں اور چچا کو فسخ کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں نکاح مذکور بحالہ باقی ہے اورام وعم ہندہ بلکہ کسی کے انکار سے اس میں خلل نہیں

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۵۷

آتا، نہ انھیں اختیار فسخ حاصل، یہاں تک کہ اگر خود ہندہ بعد بلوغ فسخ نکاح چاہے تاہم منفسخ نہ ہوگا۔

فی تنویر الابصار لزم النکاح ولو بغبن فاحش ان کان الولی اباً اوجداً[1] الخ فی فتاوی قاضی خاں اذا بلغ الصغیر اوالصغیرۃ قد زوجھما الاب والجد لاخیار لھما[2] انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے کہ ولی باپ یا دادا ہو تو بہت کم مہر سے بھی نکاح لازم ہوتا ہے الخ۔ اور فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ لڑکا یا لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار نہ ہوگا انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳۱: ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر مرگیا اور دو لڑکی ایک کی عمر تین برس کی اور ایک کی چھ برس کی، چھ برس کی عمر کی لڑکی کو اس کی پھوپھی چور سے لے گئی اپنے گھر کو، جب ہندہ کو معلوم ہوا تو وہ اس فکر میں رہی کہ جب موقع پاوے اپنی لڑکی کو لے آئے، اور اپنے عزیزوں سے بھی کہہ رکھا کہ جب موقع ملے تو میری لڑکی میرے پاس لے آؤ، حسب اتفاق وہ لڑکی ہندہ کی کسی دکان پر گوشت لے رہی تھی اور ہندہ کا بھانجا اس طرف سے آرہا تھا اسے گودی میں اٹھالایا اور ہندہ کو دے دیا، جب وہ لڑکی ہندہ کے پاس آگئی تو چھ سات روز بعد اس کی پھوپھی آئی اور ہندہ سے کہا میں نے اس کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کردیا ہے اب اس کو بھیج دو، ہندہ نے کہا میں ماں تھی میری بلااجازت تم نے کیوں نکاح کیا میں اس لڑکی کو نہیں دوں گی اور اس کے نکاح کا مجھے اختیار ہے، اور وہ لڑکی ایک برس اپنی پھوپھی کے رہی اور چھ برس کی عمر میں گئی تھی اور اس کو ماں کے پاس آئے ہوئے چار پانچ برس کا عرصہ ہوا اس حساب سے اب گیارہ بارہ برس کی عمر ہے تو اس صورت میں وہ نکاح فاسد رہا یا قائم رہا؟ اور ہندہ اس کا اور جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، آیا بموجب شرع شریف کے کرسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ان لڑکیوں کا کوئی جوان بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا بیٹا، پوتا غرض دادا پردادا کی اولاد سے کوئی عاقل بالغ مرد نہ تھا تو ان کے نکاح کی ولایت ان کی ماں ہی کو تھی پھوپھی کو ماں کے ہوتے کچھ اختیار نہ تھا جو نکاح پھوپھی نے بے اجازت ماں کے کیا جبکہ ماں نے اسے رد کردیا کہ تم نے کیوں کیا میں اس کو نہ دوں گی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۴

اس کا مجھے اختیار ہے وہ نکاح باطل ہو گیا اب ہندہ کو اختیار ہے جہاں مناسب دیکھے لڑکی کا نکاح کردے۔

فی الدرالمختار ان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام[1]۔واللہ تعالٰی اعلم بالصواب الیہ المرجع والمآب۔	درمختار میں ہے اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر ولایت ماں کو ہے،واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب(ت)

مسئلہ ۳۳۲: از شہر اعظم گڑھ مرسلہ عنایت اللہ خاں صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ مسماۃ محمودہ کا نکاح حامد ایک شخص ہم کفو کے ساتھ مندرجہ ذیل صورت میں ہوا ہے صرف پدر محمودہ کو یہ نکاح حامد کے ساتھ کرنا منظور نہیں تھا مگر مادر محمودہ ونیز تمام خاندان کو بہر صورت منظور تھا اس لئے یہ نکاح بہ تحریک مادر محمودہ ودیگر بزرگان خاندان بغیبت پدر محمودہ کے جبکہ وہ اپنے علاقہ پر بہ فاصلہ بارہ تیرہ کوس کے تھا باعلان عام منعقد کیا گیا،چونکہ محمودہ عاقلہ بالغہ تھی اس لئے ایک روز قبل از انعقاد نکاح اس کی ہم عمر ایک کتخدا لڑکی واسطے استمزاج محمودہ کے بھیجی گئی،اس سے محمودہ نے کہا کہ یہ نکاح مجھ کو بدل منظور ہے،یہ بھی کہا کہ اس میں یہ خوبی ہے کہ میں تم اور نیز تمام اعزہ سے جدا نہ ہوں گی اور ایک ہی جگہ رہوں گی،دوسرے روز بروز جمعہ اس کا عقد قرار پایا،ایک وکیل اور دو گواہ جس کمرہ میں محمودہ تھی واسطے دریافت رضامندی کے گئے و حسب رواج اس ملک کے سوال جواب کرکے واسطے پڑھانے نکاح کے باغ حامد میں جہاں نکاح پڑھانے والا اعزہ اور نیز شہر کے معزز وممتاز لوگ موجود تھے واپس آئے،واپس آنے پر معلوم ہوا کہ وکیل وگواہان نے محض مادر محمودہ سے رضامندی حاصل کی ہے،اس پر حاضران کی یہ رائے ہوئی کہ مسماۃ محمودہ عاقلہ بالغہ ہے اس سے پوچھنا ضروری امر ہے لہٰذا پھر وکیل وگواہان گھر میں جائیں اور خاص محمودہ سے دریافت کریں،چنانچہ وکیل وگواہان ونیز چند اعزہ محمودہ کے گھر میں گئے،معلوم ہوا کہ مسماۃ محمودہ نماز صلٰوۃ التسبیح پڑھ رہی ہے،وکیل نے یہ کہا کہ محمودہ جب نماز سے فارغ ہولے تو دریافت کیا جائے،تھوڑی دیر کے بعد محمودہ نماز پڑھ چکی،ایک گواہ نے محمودہ کو بایاں سلام اور ایک عزیز نے دونوں سلام پھیرتے دیکھا اور اس جگہ قریب محمودہ کے مادر محمودہ و بہن حامد بیٹھی ہوئی تھیں،بعد فراغت نماز حسب احکام شرعیہ ایجاب وقبول کے الفاظ محمودہ سے بغرض حصول رضامندی کہے گئے تو مادر محمودہ نے حسب رواج اس ملک کے وموافق رسم شرفائے اس دیار کے کہا کہ ہاں منظور ہے اور محمودہ ساکت رہی،مگر وکیل نے کہا کہ محمودہ خود عاقلہ بالغہ ہے اس کو اپنی زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ کا اعادہ کرنا چاہئے،اس بات پر محمودہ نے ونیز اور لوگوں نے کہا کہ ہندوستان میں شریفوں کی کوئی لڑکی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

کنواری آج تک کبھی بولی ہے کہ یہ بولے گی بلکہ بالعموم سکوت علامت رضامندی ہوتی ہے مگر باایںہمہ وکیل نے بمقابلہ گواہان کے محمودہ کا نام لے کر کلمات ایجاب وقبول کو پوچھا کہ محمودہ تم کو منظور ہے؟۔ محمودہ اس وقت محض ساکت رہی اور کچھ سرنگوں ہوگئی، اس طور پر دوبارہ باصرار دریافت کیا گیا تو اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر اور زیادہ جھکی، تیسری دفعہ وکیل نے اسی طرح تقریر کی، محمودہ کی حالت وہی حالت سکوت وخاموش کی رہی، بعد اس کے وکیل گواہان باغ حامد میں آئے اور حسب اصول شرعیہ ودستور مروجہ نکاح محمودہ کا حامد کے ساتھ جماعت کثیرہ کے روبرو ہوگیا اور نکاح مکان محمودہ میں حسب دستور سب اعزہ آئے وباہم مبارک وسلامت ہوئی اور رسوم شربت نوشی کی عمل میں آئی جس پر مادرو بہن ونانی محمودہ نے شادمانی کا اظہار کیا اور یہ واقعہ قبل از نماز جمعہ کے تھا اور شب میں آٹھ بجے والد محمودہ کا علاقہ سے مکان پر آگیا اور اس نے ایک شور وغل برپا کیا صبح کو تمام اعزہ کو بلاکر یہ کہا کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا، اور کہنے لگا کہ مادر محمودہ یہ کہتی ہے کہ محمودہ کو یہ نکاح منظور نہ تھا اور وقت اعادہ الفاظ نکاح بغرض حصول رضامندی کے محمودہ نماز میں تھی اور جب وہ سجدہ سہو میں جانے لگی تو حامد نے اس کا سر پکڑ لیا، آپ لوگ چلیں اور گھر میں دریافت کرلیں، اعزہ گھر میں آئے، ان کے روبرو پدر محمودہ نے مادر محمودہ سے یہ پوچھا کہ آیا محمودہ کو یہ عقد منظور تھا یا نہیں۔ وہ نماز میں تھی یا نہیں۔ بجواب اس کے مادر محمودہ نے یہ کہا کہ مجھ کو منظور ہے اور سجدہ سہو کی بابت مادر محمودہ نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی اگرچہ مکرر سہ کرر والد محمودہ مادر محمودہ سے دیر تک سجدہ سہو کی نسبت پوچھتا رہا مگر وہ انکار کرتی رہی اگرچہ بیان والد محمودہ کا بالکل خلاف واقعہ کے تھا اور صریح بے اصل تھا، دوپہر تک والد محمودہ اس امر پر غلو کرتا رہا کہ بوجہ مشغولی نماز کے یہ نکاح نہیں ہوا، جب یہ امر بے اصل کسی طرح سے ثابت نہ ہوا کہ وقت نکاح کے محمودہ نماز میں تھی تو اس نے بعد دوپہر کے اعزہ کو جمع کرکے یہ خواہش ظاہر کی کہ علیحدہ ہوجائے، جس علیحدگی کا مطلب یہ تھا کہ طلاق ہوجائے، حامد اور اعزہ حامد نے اس علیحدگی کو منظور نہیں کیا اگرچہ عرصہ تک والد محمودہ کا اس پر اصرار تھا، محمودہ خواندہ ہے اس عرصہ میں محمودہ نے ایک رقعہ دستخطی اپنے والد کو لکھا کہ مجھے آپ کی خوشی منظور ہے مجھے سوائے نماز وروزہ کے اور کوئی چیز نہیں چاہئے مگر لفظ طلاق کا ہرگز درمیان میں نہ آنے پائے، اور انہی الفاظ کا اعادہ محمودہ نے اپنی چند ہم عمروں سے بھی کیا، صورت استمزاج ما قبل نکاح وسکوت بوقت نکاح وتحریر رقعہ بعد نکاح واظہار خیال از ہم عمران سے منظوری ورضامندی محمودہ کی اس نکاح کی نسبت بخوبی ثابت ہے اور اس وقت تک یہ نکاح محمودہ کو منظور ہے، چونکہ یہ نکاح باپ محمودہ کی غیبت میں برضامندی محمودہ ومادر محمودہ ونیز تمام خاندان فریقین ہوا ہے تو ایسی صورت میں یہ نکاح از روئے فقہ جائز ہوا یا نہیں؟ **بینوا بالکتاب توجروا بالثواب۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر حامد محمودہ کا کفو شرعی ہے یعنی اس کے نسب ومذہب وروش وپیشہ وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہیں کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے محمودہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو نکاح مذکورہ منعقد ہوجانے میں اصلا شبہہ نہیں اگرچہ وقت طلب اجازت نماز ہی پڑھتی ہو بلکہ اگرچہ اس سے اصلا اجازت نہ لی گئی ہو، والد محمودہ کا ادعا کہ نکاح نہ ہوا محض باطل وبے معنی ہے عقد بے اجازت غایت یہ کہ عقد فضولی ہو، پھر عقد فضولی صحیح ومنعقد ہوتا اور اجازت صاحب اجازت پر اس کا نفاذ موقوف رہتا ہے نہ کہ اصلا باطل ٹھہرے۔

فی الدرالمختار الفضولی من یتصرف فی حق غیرہ بغیر اذن شرعی کل تصرف صدر منه تملیکا کان کبیع وتزویج اواسقاطا کطلاق وعتاق وله من یقدر علی اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا[1]۔	درمختار میں ہے فضولی وہ ہوتا ہے جو شرعی اجازت کے بغیر، غیر کے حق میں خود بخود تصرف کرے، فضولی کا کوئی تصرف خواہ مالک بنانے کے لئے ہو جیسا کہ بیع ونکاح یا ملکیت کو ساقط کرنے کے لئے ہو، جیسا کہ طلاق وعتاق، تو اس کے تصرف کے وقت اگر کوئی اس کو جائز کرنے والا ہو تو فضولی کا یہ تصرف موقوف ہوگا۔(ت)

نظر بوقائع مذکور سوال عقد محمودہ ایسا ہی واقع ہوا، نکاح سے ایک دن پہلے ہم عمر لڑکی سے جو گفتگو آئی اور محمودہ نے پسند ظاہر کی وہ صرف رائے تھی نہ کسی شخص کو نکاح کرنے کی توکیل وقت تزویج اذن لینے پر جو سکوت محمودہ نے کیا وہ بھی توکیل کے لئے ناکافی تھا کہ ولی اقرب یعنی پدر چند ہی کوس پر تھا اور اذن لینے والا جب نہ خود ولی اقرب نہ اس کا وکیل نہ اس کا رسول، تو دوشیزہ کا سکوت بھی معتبر نہیں اذن صاف درکار ہے۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار ان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی(المراد به من لیس له ولایة لکن رسول الولی قائم مقامه فیکون سکوتها رضاعند استیذانه کما فی الفتح والوکیل کذٰلك کما فی البحر عن القنیة)اوولی بعید(کالاخ مع الاب اذالم یکن الاب غائبا	تنویر الابصار، درمختار، ردالمحتار میں ہے اگرلڑکی سے نکاح کی اجازت چاہنے والا، ولی اقرب کا غیر مثلا اجنبی یعنی غیر ولی ہو یا ولی ابعد ہو مثلا والد کی موجودگی میں بھائی، جبکہ والد لمبے سفر پر نہ ہو(جیساکہ خانیہ میں ہے) تو لڑکی کی اجازت کے لئے اس کا سکوت معتبر نہ ہوگا بلکہ اس موقعہ پر اس کا بولنا ثیبہ عورت کی طرح ضروری ہے یا کوئی ایسا فعل ضروری ہے جو بولنے کے قائم مقام

[1] درمختار فصل فی الفضولی مجتبائی دہلی ۲/۳۱

غیبة منقطعة کما فی الخانیة)فلا عبرة لسکوتھا بل لا بد من القول کالثیب البالغة اوماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا[1]۔	رضا پر دلالت کرسکے، لیکن ولی اقرب کا قاصد یا وکیل ہو تو وہ ولی کے قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا ان کے اجازت طلب کرنے پر لڑکی کی خاموشی کو رضا قرار دیا جائے گا۔ جیساکہ فتح میں ہے،اور وکیل کے بارے بحر میں قنیہ سے منقول ہے۔(ت)

معہذا رسم اکثر دیار ہندیہ یوں ہے کہ وکالت واذن زید کے نام لیتے ہیں اور پڑھانے والا عمرو ہوتا ہے یوں باوصف اذن صریح بھی عقد عقد فضولی رہتاہے کہ جسے اذن تھااس نے نہ پڑھایا،

فی ردالمحتار عن الرحمتی عن الحموی عن کلام محمد فی الاصل ان مباشرة وکیل الوکیل بحضرة الوکیل فی النکاح لاتکون کمباشرة الوکیل بنفسہ بخلافہ فی البیع[2] اھ وفی وکالة غمز العیون عن الولوالجیة ھو الصحیح[3]۔	ردالمحتار نے رحمتی اور انھوں نے حموی کے واسطہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مبسوط میں بیان کردہ کلام نقل کیاہے کہ وکیل کا وکیل، نکاح کے معاملہ میں اصل وکیل کی موجودگی میں،وکیل والاحکم نہیں پاتا، بیع کا معاملہ اس کے خلاف ہے اھ،اور غمز العیون کے باب وکالت میں ولوالجیہ سے ہے کہ یہی صحیح ہے۔(ت)

بہر حال یہ نکاح نکاح فضولی ہوااور اجازت محمودہ پر موقوف رہا،اب بعد نکاح محمودہ کا واقعہ اگرچہ بنظر بعض تدقیقات علمیہ کہ عوام خصوصًا عورات کی بات ان پر محمول ہونی مستبعد ونامقبول مدارک فقہ ہے رد واجازت کا قطعی فیصلہ نہ کرے تاہم شک نہیں کہ اس سے ظاہر ومتبادر یہی ہے کہ محمودہ نے اس نکاح کو جائز رکھا اگرچہ رضائے پدر کے لئے شوہر سے علیحدہ اور عمر بھر نماز روزے پر قانع رہنا قبول کرتی ہے مگر طلاق پر ہر گز راضی نہیں اور طلاق بآنکہ مزیل نکاح ہے خود ہی سبقت نکاح چاہتی ہے نہ کہ اس کی ناپسندی کہ بقائے نکاح کی رضامندی ہے اوراسی قدر نفاذ نکاح موقوف کے لئے کافی ہے:

لما مر من الدر المختار من قولہ اوماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا[4]۔	درمختار میں اس کے قول "اور جو فعل رضا پر دلالت کرنے میں کلام جیسا ہو" کی وجہ سے(ت)

---

[1] ردالمحتار حاشیہ درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱

[2] ردالمحتار حاشیہ درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی دار حیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۰

[3] الاشباہ والنظائر معہ غمز العیون کتاب الوکالة ادارة القرآن کراچی ۲/ ۱۱

[4] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

پس صورت مستفسرہ میں بشرط کفاءت مذکورہ نکاح محمودہ جائز وتام ونافذ ولازم ہے جس پر پدر وغیرہ کسی کو حق اعتراض نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۳: از بھوندپوری ضلع ترائیں نینی تال ۲۰ صفر ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا نکاح خالد نابالغ سے ہوا، ہندہ اس وقت نوبرس کی تھی، ہندہ کا باپ، بھائی، چچا وغیرہ کوئی ولی سوا ماں کے نہیں۔ یہ نکاح ماں کی رضامندی سے ہوا، مگر اذن ہندہ نابالغہ سے لیا اور خالد کا نکاح اس کے باپ نے کیا مگر قبول خود خالد سے کرایا گیا، بعد نکاح ہندہ نے خالد کے یہاں جانا نہ چاہا، اس بنا پر اس کے ماموں نے روک رکھا مگر پیشکار کی تنبیہ سے جو یہاں دیہات میں مثل حاکم سمجھا جاتا ہے، ہندہ پندرہ سال یا اس سے کم کی عمر میں رخصت ہوکر خالد کے یہاں گئی اور چار برس وہیں رہی، وقت نکاح ہندہ وخالد دونوں نابالغ سمجھ وال تھے نہ تو بالغ تھے نہ ناسمجھ بچے، ہندہ پندرہ برس کی عمر میں بالغ ہوئی، اب پھر اس نے اپنی ناراضی ظاہر کی اور دوسری جگہ اپنا نکاح کیا چاہتی ہے اس صورت میں یہ اختیار اسے ہے یا نہیں؟ ہندہ کا بیان ہے کہ آج تک ہمبستری نہ ہوئی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں کے لوگ بوجہ نقصان آب وہوا کے ضعیف وکمزور بہت ہوتے ہیں، **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ خالد ہندہ کا نسب ومذہب وغیرہا میں ہر طرف کفو ہے اور مہر اس کے یہاں رواج سے زیادہ باندھا گیا لہٰذا نکاح صحیح ہوگیا، ہاں اس وجہ سے کہ ہندہ کا نکاح کرنے والا اس کا باپ دادا نہیں۔ ہندہ کو بالغ ہوتے ہی فورًا فورًا اختیار فسخ تھا، اگر اس نے حیض آتے ہی معا ناراضی اور فسخ کی طلب گاری ظاہر کی تو نکاح فسخ کیا جائے گا۔ اور اگر ذرا بھی دیر کردی تو اب نکاح لازم ہوگیا کہ ہرگز فسخ نہیں ہوسکتا۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیه ولوالام لایصح النکاح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا وان من کفو وبمهر المثل صح ولهما خیار الفسخ بالبلوغ وبطل خیار البکر بالسکوت[1] اهملتقطا۔	درمختار میں ہے جب نکاح کرکے دینے والا باپ دادا کا غیر ہو تو اگرچہ وہ ماں ہی کیوں نہ ہو، غیر کفو اور انتہائی قلیل مہر سے اصلا نکاح نہ ہوگا۔ اور اگر کفو اور مہر مثل ہے تو صحیح ہوگا لیکن لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے پر فسخ کا اختیار ہوگا، اور باکرہ بالغہ کی خاموشی اس فسخ کے اختیار کو ختم کردے گی اھ ملتقطا (ت)

اسے بہت کامل تحقیق کرنی ضرور ہے کہ معاحیض آتے ہی عورت کا مطالبہ فسخ کرنا بہت نادر ہے خصوصًا

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳۔۱۹۲

جبکہ جاہلہ ہو، اور تقریر سوال سے ظاہر اس کا خلاف ہے اور پیش از بلوغ اظہار ناراضی کوئی چیز نہیں، عورت اگر اس میں فریب کرے گی اور بعد بلوغ ایک ذرا دیر بھی خاموش رہی یا کوئی اور بات کی تھی اور اب ظاہر کرے گی کہ میں نے فورًا فورًا بالغ ہوتے ہی بلاتاخیر سب میں پہلے یہی لفظ کہا تھا اور اس بناپر فسخ کا حکم لے کر دوسرے سے نکاح کرلے گی تو ہمیشہ ہمیشہ زناکاری کی بلا میں گرفتار رہے گی، اتنا اور بھی معلوم رہے کہ مدت کے بعد اس کا یہ دعوی کہ میں نے حیض کے آتے ہی فورًا نکاح فسخ کردیا تھا بے گواہان عادل شرعی کے ہرگز قبول نہ ہوگا **کما بینہ فی ردالمحتار** (جیسا کہ اس کو ردالمحتار میں بیان کیا ہے۔ ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۴: ازاعظم گڑھ مرسلہ خواجہ عنایت اللہ خاں صاحب ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جو اہل کفو ہندہ سے تھا ہندہ بالغہ باکرہ کا نکاح بغیبت اس کے باپ کے جو صرف بارہ کوس کے فاصلہ پر اپنے علاقے پر تھا بر ضامندی مادر و نانی وبہ سکوت وگریہ ہندہ اپنے ساتھ بوکالت وشہادت تین اقربا خاص ہونا ظاہر کیا، زید اب کہتا ہے کہ ہندہ نے خود اپنی زبان سے صراحت کے ساتھ میرے نکاح کو قبول کیا تھا۔ وکیل گواہان زید حسب بیان زید شہادت دیں، ہندہ کہتی ہے میں نے ہرگز ہرگز نہ زبان سے اقرار ونہ کسی طرح منظوری اپنی ظاہر کی تھی وبلا رضامندی اپنے باپ کے مجھ کو یہ نکاح نہ پہلے منظور تھا نہ اب ہے، باپ ہندہ کا نہ پہلے راضی تھا نہ اب راضی ہے، پس ایسا نکاح وشخص عنداللہ والرسول کیسا اور ہوا یا نہیں؟ اور سوال یہ ہے کہ زید و گواہان زید ووکیل کو ترجیح ہے یا کیا صورت، کس کے مقابلہ میں کس کو ترجیح؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ نکاح مذکورہ بالا حسب اظہار ہندہ اگر بحالت سکوت وگریہ ہندہ بغیبت اس کے باپ کے حسب کیفیت نارضامندی وفاصلہ مرقومہ اس کے ہوا ہو تو ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تقریر سوال سے واضح ہے کہ یہ نکاح بغیبت پدر ہندہ بوجہ ناراضی پدر ہندہ عمل میں آیا ایسی حالت میں ۱۲ کوس کا فاصلہ کسی قول پر غیبت منقطعہ نہیں ہوسکتا، مسافت قصر نہ ہونا ظاہر، اور یہاں ولی ابعد کی تعجیل (بحالیکہ ماں یہاں ولی ابعد ہو بھی) اس وجہ سے نہیں کہ ولی اقرب سے مشورہ لینے میں دیر لگے گی اور اتنی دیر میں کفو حاضر ہاتھ سے نکل جائے گا بلکہ اس لئے کہ ولی اقرب کی رائے اپنے ارادہ کے خلاف معلوم ہے اور اس کے خلاف کام کرنا منظور تو ہرگز یہ صورت ناقابل ولایت بولی ابعد نہیں **والاتکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض** (ورنہ زمین پر فتنہ اور وسیع فساد برپا ہوگا۔ ت) ایسا ہو تو شرع مطہر نے جس حکمت سے ترتیب رکھی ہے راسًا باطل ہوجائے، ہر ولی ابعد سے ابعد ہر زن بے عقل وبے خرد کو اختیار حاصل ہو کہ پدر مہربان یا برادر شفیق ولی قریب کو دہ کوس بلکہ گھر سے باہر مسجد یا بازار ہی تک جائے اور وہ اس کے خلاف رائے جس سے چاہے نکاح کردے، یہ مقاصد شرع

سے منزلوں دور ہے بالجملہ قول آخر میں انتقال ولایت ہے کہ انتظار کی دیر باعث کفو ہو، نہ یہ کہ بوجہ علم ناراضی، قصدًا انتظار نہ کیا جائے۔

فی ردالمحتار اختلف فی حدالغیبة واختار المصنف تبعا للکنز انہا مسافة القصر ،ونسبہ فی الھدایة لبعض المتاخرین والزیلعی لاکثر ھم قال وعلیہ الفتوی اھ وقال فی الذخیرة الاصح انہ اذاکان فی موضع لوانتظر حضورہ اواستطلاع رایہ فات الکفو الذی حضر فالغیبة منقطعة والیہ اشار فی الکتاب اھ وفی النھایة واختارہ اکثر المشائخ وفی شرح الملتقی عن الحقائق علیہ الفتوی [1] اھ مختصرا۔ فی الدر المختار وثمرة الخلاف فیمن اختفی فی المدینة ھل تکون غیبة منقطعة [2]۔	ردالمحتار میں ہے کہ غیبۃ منقطعہ کی حد کے متعلق اختلاف ہے تو مصنف نے کنز کی اتباع میں فرمایا وہ مسافت قصر کا سفر ہے اور اس کو ہدایہ نے بعض متاخرین اور زیلعی نے اکثر متاخرین کی طرف منسوب کیا ہے اور زیلعی نے فرمایا اسی پر فتوی ہے اھ،اور ذخیرہ میں کہا ہے اصح یہ ہے کہ وہ اتنا دور ہو کہ اگر اس کی واپسی کاانتظار یا اس سے مشورہ حاصل کرنے سے موجودہ رشتہ کفو فوت ہوجائے تو یہ "غیبت منقطعہ" ہوگی اور کتاب میں اس کی طرف اشارہ ہے اھ،اور نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اس کو پسند کیا ہے،اور منیہ کی شرح میں حقائق سے منقول ہے کہ اس پر فتوی ہے اھ مختصرًا اور درمختار میں اس اختلاف کا ثمرہ بیان کیا کہ شہر میں ہی کوئی ولی چھپا ہوا ہو تو کیا وہ غیبۃ منقطعہ ہوگی یا نہیں۔(ت)

اور ولی ابعد بحالت عدم انتقال ولایت یا کوئی اجنبی کہ ولی اقرب کا وکیل ورسول نہ ہوجب بکر بالغہ سے اذن نکاح مانگے تو اس کا سکوت معتبر نہیں بلکہ قولًا یا فعلا صاف اظہار رضا ضرور ہے،بحال سکوت نکاح فضولی ہوگا،اور اجازت عروس پر موقوف رہے گا۔اسی طرح اگر غیر ولی اقرب نے بلااذن بکر بالغہ نکاح کردیا پھر اسے خبر ہوئی تو اجازت صریحہ سے نافذ ہوگا،سکوت کافی نہیں۔

فی الدرالمختار ان استاذنہا الولی اووکیلہ اورسولہ اوزوجہا ولیہا واخبرہا رسولہ او	درمختار میں ہے کہ اگر بالغہ سے ولی نے اجازت طلب کی یا ولی کے قاصد یا وکیل نے اجازت طلب کی یاولی نے اس کا نکاح کردیا اور قاصد نے

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

فضولی عدل فسکتت عن ردہ مختارۃ او ضحکت غیر مستھزیۃ اوتبسمت او بکت بلاصوت فھو اذن فان استأذنھا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ بسکوتھا بل لابدلھا من القول کالثیب البالغۃ اومن فعل یدل علی الرضا کطلب مھرھا ونفقتھا وتمکینھا من الوطی[1] اھ مختصرا۔ وفی الھندیۃ عن جامع المضمرات ان کان لھا ولی اقرب من المزوج لایکون السکوت منھا رضا ولھا الخیاران شاءت رضیت وان شاءت ردت[2]۔	یا اجنبی عادل شخص نے اس بالغہ کو نکاح کی اطلاع دی تو وہ خاموش رہی اور نکاح کو رد نہ کیا۔ یا سنجیدگی سے ہنس پڑی یاآواز کے بغیر روپڑی تو اجازت قرار پائے گی۔اور اگر کسی غیر اقرب مثلا اجنبی یا ولی بعید کے اجازت طلب کرنے پر بالغہ نے خاموشی اختیار کی تو وہ رضا معتبر نہ ہوگی، بلکہ ثیبہ بالغہ کی طرح صریح قول یا فعل کرے جو اس کی اجازت واضح کرسکے، مثلا اس موقعہ پر مہر دے اھ مختصراً، اور ہندیہ میں جامع المضرات سے منقول ہے کہ اگر نکاح دینے والے کی نسبت کوئی اقرب دوسرا ہے تو یہ اس کا سکوت رضا نہ قرار پائے گا اور اس کو اختیار ہوگا کہ نکاح کو رد کردے یا راضی ہو کر جائز قرار دے۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں کہ زید نے اولا اجازت نکاح بسکوت و گریہ ہندہ ظاہر کی اور بعد کو اجازت بلفظ صریح مدعی ہوا، اگر یہ دونوں بیان وقت واحد کی نسبت ہیں مثلا پہلے کہتا تھا کہ ہندہ سے جب اذن لیا گیا تو اس نے سکوت و گریہ کیا اب کہتا ہے صریح اذن دیا تو اگرچہ پھر یہاں بیان سابق کے خلاف اور صاف صورت تناقض ہے،

لانہ اقر اولا بعدم ثبوت الملك لہ علیھا اذلا ملك حیث لانفاذ ولذالایحل الوطء فی الموقوف۔	کیونکہ پہلے لڑکی پر اپنے حق نہ ہونے کا اقرار کرچکا ہے اور جب ملکیت نہ ہوئی تو نکاح کا نفاذ نہ ہوا، تو نکاح موقوف رہا جس میں وطی حلال نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر یہ تناقض محمل خفا میں ہے کہ زوج وقت استیذان دلھن کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتا اور یہ فعل خاص دلھن کا ہے جس پر زوج کو اطلاع بذریعہ حکایت ہی ہوتی ہے ممکن کہ پہلے کسی نے غلط طور پر صرف سکوت و گریہ بیان کیا اور اس نے اس کے اعتبار پر یہی ظاہر کیا بعدہ تحقیق ہوا کہ اذن بالفاظ صریحہ تھا بلکہ دُلھنوں

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲-۱۹۱

[2] فتاوی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

سے استیذان میں دیر لگتی ہے، ممکن ہو جس وقت ناقل اول وہاں موجود تھا سکوت و گریہ ہی کیا ہو اس کے اٹھ جانے کے بعد مثلاً "ہوں" کہا زوج کو اول حکایت اولیٰ ہی پہنچی تھی، بعد کو دوسری تحقیق ہوئی، ایسا تناقض شرعاً عفو ہے، اشباہ میں ہے:

التناقض غیر مقبول الافیما کان محل الخفاء [1]۔	بیان میں تناقض مقبول نہیں ہے مگر ایسے مقام میں جہاں خفاء ہو۔ (ت)

غمزالعیون میں ہے:

فی الفوا که البدریة قد اغتفروا التناقض فی کثیر من المسائل التی یظهر فیها عذر منها لوقال هذه رضیعتی ثم اعترف بالخطاء یصدق وله ان یتزوجها بعد ذلك اذالم یثبت علی اقرار والعذر انه ممایخفی علیه فقد یظهر بعد اقراره علی خطاء الناقل [2] اھ مختصرا۔	فواکہ بدریہ میں ہے کہ بہت سے ایسے مقامات میں جہاں عذر واضح ہو تو تناقض کو فقہاء نے نظر انداز کیا ہے ایسے مقامات میں سے ایک یہ ہے ایک شخص نے پہلے کہا یہ لڑکی رضاعی بیٹی ہے، پھر اس بات کے بارے میں خطاء کا اعتراف کرتا تو اس اعتراف خطاء کو تسلیم کرلیا جائے گا اور اس لڑکی سے اس کا نکاح جائز قرار دیا جائے گا کیونکہ رضاعت کا معاملہ اس پر مخفی ہوسکتا ہے کہ پہلے ناقل کی غلطی پر اقرار رضاعت کرنے کے بعد اس کی حقیقت معلوم ہوئی اور اپنے اقرار کو خطاء پر مبنی قرار دیا اھ مختصراً (ت)

تو اس صورت کا حاصل یہ قرار پایا کہ مرد نکاح نافذ کا دعوی کرتا ہے اور عورت انکار، اور اگر یہ بیان دو وقت مختلف کی نسبت ہیں یعنی سکوت و گریہ استیذان پیش از نکاح یا بلوغ خبر نکاح کے وقت بیان کیا تھا، اور اب مدعی ہے کہ اس کے بعد دلھن نے بلفظ صریح نکاح جائز کردیا تو یہ رد واجازت نکاح موقوف میں اختلاف زوجین کی صورت ہے، بہر حال صورت مسئولہ میں اگر جانب شوہر شہادت عادلہ کافیہ نہ ہو تو قول عورت کا قسم کے ساتھ معتبر ہے، اگر قسم کھالے گی نکاح باطل ٹھہرے گا اور جبکہ دعوی شوہر اجازت بالفاظ صریحہ ہے تو یہاں ہر صورت میں بینہ شوہر کو ترجیح ہے، اگر گواہان عادل شرعی سے اپنا دعوی ثابت کردے گا نکاح ثابت و نافذ قرار پائے گا۔ یونہی بحالت عدم گواہان اگر دلھن قسم کھانے سے انکار کرے گی دعوی شوہر ثابت ہوجائیگا

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۵۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۵۰

یہ سب حکم قضا ہے، رہا واقع کا حال، وہ رب العزت کے علم میں ہے اور دونوں اہل معاملہ اوران کے شرکاء واقف جو جھوٹا ہوگا عنداللہ عذاب الیم شدید کا سزاوار ہوگا۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**:

فی الدر المختار قال الزوج للبکر البالغة بلغك النکاح فسکت، وقالت رددت النکاح ولا بینة لهما علی ذٰلك ولم یکن دخل بها طوعا فی الاصح فالقول قولها بیمینها علی المفتی به وتقبل بینته علی سکوتها لانه وجودی بضم الشفتین ولو برهنا فبینتها اولی الا ان یبرهن علی رضاها او اجازتها[1]۔ **قلت** فرض المسألة فی تزویج الاقرب فقوله سکت بمعنی اجزت وقوله یبرهن علی رضاها او اجازتها ای صریحا کما بینه فی ردالمحتار ولنذکر طرفا من کلامه لاتضاح المقام قال رحمه الله تعالٰی **قوله** فالقول قولها لانه یدعی لزوم	درمختار میں ہے: خاوند نے باکرہ بالغہ کو کہا کہ تو نکاح کی اطلاع پر خاموش رہی، لڑکی نے جواب میں کہا میں خاموش نہ رہی بلکہ میں نے نکاح رد کردیا تھا جبکہ دونوں کے پاس گواہ نہیں، اور نہ ہی لڑکی نے ابھی تک خاوند کو اطلاع کا موقع دیا، تو اس صورت میں لڑکی کی بات قسم کے ساتھ قبول کرلی جائے گی، یہ مفتٰی بہ قول کے مطابق ہے، اور اگر خاوند نے گواہوں کے ذریعہ لڑکی کی خاموشی پیش کی اور لڑکی کے گواہ نہیں تو اس صورت میں سکوت پر گواہی قبول کرلی جائے گی کیونکہ سکوت وجودی امر ہے، اور اگر دونوں نے اپنے اپنے موقف پر گواہ پیش کردئے تو لڑکی کے گواہوں کو ترجیح ہوگی، ہاں اگر خاوند نے سکوت پر گواہی کے بجائے لڑکی کی رضا یا اجازت پر گواہی پیش کی تو پھر خاوند کی طرف سے شہادت کو ترجیح ہوگی۔ **قلت** (میں کہتاہوں کہ) مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ نکاح ولی اقرب نے کرایا ہو، تو خاوند کا کہنا کہ "خاموش رہی" کا مطلب یہ ہے کہ تونے اجازت دی تھی، اور مصنف کا قول کہ "رضا یا اجازت پر گواہ پیش کئے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند صریحا اجازت کا مدعی ہو، جیساکہ ردالمحتار میں بیان کیا ہے، ہم یہاں ردالمحتار کے کلام کا کچھ حصہ

[1] ردالمحتار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

العقد وملك البضع والمرأة تدفعه فكانت منكرة [1]۔ ثم ذكر فی البحر ذكر الحاكم الشهيد فی الكافی لو ادعی احدهما ان النكاح كان فی صغره فالقول قوله ولانكاح بينهما [2] اھ **قلت** عللها فی الذخيرة بقوله لان النكاح فی حالة الصغر قبل اجازة الولی ليس نكاحًا معنًا وذكر قبله ان الاختلاف لوفی الصحة والفساد فالقول لمدعی الصحه بشهادة الظاهرولوفی اصل وجود العقد فالقول لمنكر الوجود [3]۔ ثم ان الظاهران مانحن فيه من قبيل الاختلاف فی اصل وجود العقد لان الرد صير الايجاب بلا قبول **قوله الا** ان يبرهن ای فتترجح بينته لاستوائهما فی الاثبات	ذکر کرتے ہیں تاکہ مقام واضح ہوسکے، انھوں نے کہا **قولہ** کہ "لڑکی کی بات کو ترجیح ہوگی" کیونکہ خاوند لڑکی پر نکاح کے لزوم اور اپنے لئے ملک بضعہ یعنی جماع کے حق کا دعوی کرتا ہے جبکہ لڑکی دفاع کرتے ہوئے انکار کرتی ہے اور وہ منکر ہے، پھر بحر میں کہا کہ حاکم شہید نے کافی میں ذکر کیا ہے کہ اگر اختلاف یہ ہے کہ لڑکے کی نابالغی میں ہوا یا نہیں، تو جس نے نابالغی میں نکاح کا دعوی کیا اس کا قول معتبر ہوگا، اور نکاح ثابت نہ ہوگا اھ ___ قلّت (میں کہتاہوں کہ) ذخیرہ میں اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ بچپن میں ولی کی اجازت سے قبل نکاح معنی درست نہیں، اور اس سے قبل ذخیرہ میں ذکر ہے کہ اگر اختلاف نکاح صحیح یافاسد ہونے میں ہو تو صحت کے مدعی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نکاح صحیح ہوتا ہے، اور اختلاف اگر نکاح کے ہونے نہ ہونے میں ہو تو وجود نکاح کے انکار والے کی بات معتبر ہوگی، پھر بلاشبہہ ظاہر ہے ہماری بحث اصل نکاح کے وجود میں ہے تو لڑکی کا انکار اور رد ایجاب بغیر قبول ہوگا لہذا لڑکی کی بات معتبر ہوگی قولہ "مگر یہ کہ خاوند گواہ پیش کرے" یعنی اس کی گواہی کو ترجیح ہوگی کیونکہ خاوند اور لڑکی دونوں کے گواہ اثبات میں

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۳

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۳

وزیادۃ بینۃ باثبات اللزوم کذا فی الشروح وعزاہ فی النہایۃ للتمرتاشی وکذا ھوفی غیر کتاب من الفقہ لکن فی الخلاصۃ عن ادب القاضی للخصاف ان بینتہا اولی ففی ھذہ الصورۃ اختلاف المشائخ ولعل وجھہ ان السکوت لماکان ممایتحقق الاجازۃ بہ لم یلزم من الشہادۃ بالاجازۃ کونہا بامرزائد علی السکوت مالم یصرحوا بذٰلك کذا فی الفتح وتبعہ فی البحر واستفید منہ التوفیق بین القولین بحمل الاول علی مااذا صرح الشہود بانہا قالت اجزت اورضیت وحمل الثانی علی مااذا اشہدوا بانہا اجازت اورضیت باحتمال اجازتہا بالسکوت فافہم[1] اھ ملتقطا۔

وفی الھندیۃ لو اقام الزوج البینۃ انہا اجازت العقد حین اخبرت واقامت البینۃ انہا ردت

مساوی ہیں لیکن خاوند کی طرف سے گواہی میں نکاح کے ثبوت کے ساتھ لزوم نکاح بھی ثابت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو ترجیح ہوگی، شروح میں ایسے ہی بیان ہے، اوراس کو نہایہ میں تمرتاشی کی طرف منسوب کیا ہے، بہت سی کتب فقہ میں ایسے ہی ہے لیکن خلاصہ میں خصاف کی ادب القاضی سے منقول ہے کہ لڑکی کی طرف کی گواہی کو ترجیح ہوگی، تو اس طرح اس مسئلہ میں مشائخ کا اختلاف سامنے آیا ہے، ہوسکتاہے اس کی وجہ یہ ہو کہ سکوت پر لڑکی کی شہادت سے لزوم نکاح متحقق نہ ہوتا ہو لہٰذا یوں خاوند کی طرف سے شہادت زیادہ اثبات نہ کرسکتی ہو جب تک کہ گواہ صراحۃً اجازت کی بات نہ کریں، یوں ہی فتح میں ہے اوراس کی اتباع بحر نے کی ہے، اس سے حاصل یہ ہوا کہ دونوں قولوں میں موافقت یوں ہوگی کہ پہلے یعنی خاوند کی شہادت کی ترجیح کو اس صورت پر محمول کریں کہ جب گواہوں نے تصریح کی ہو کہ لڑکی نے کہا ہے "میں اجازت دیتی ہوں__ یا راضی ہوں" اور دوسرے قول یعنی لڑکی کی شہادت کی ترجیح کو اس صورت پر محمول کریں گے کہ گواہوں نے شہادت میں کہا ہو کہ "اس نے اجازت دی یا راضی ہوئی تھی" جس میں گواہوں کے سکوت کو رضا قرار دیا ہو، اس میں غور کرو، اھ ملتقطا، اور ہندیہ میں ہے اگر خاوند یہ شہادت پیش کرے کہ لڑکی کو جب نکاح

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۳

حین اخبرت کانت البینۃ بینۃ الزوج کذا فی السراج الوھاج[1]۔	کی خبر ملی تو اس نے نکاح کو جائز قرار دیا، اور لڑکی یہ شہادت پیش کرے جب مجھے خبر ملی تو رد کردیا تھا تو اس صورت میں خاوند کی شہادت معتبر ہوگی، یونہی سراج وہاج میں ہے۔(ت)

رہی باپ کی ناراضی، وہ صحت ونفاذ میں خلل انداز نہیں جبکہ عورت حرہ، عاقلہ، بالغہ اور شوہر کفو ہے،

فی الدرالمختار نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[2] اھ ملخصا وفیہ لاتجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ[3] اھ۔	درمختار میں ہے: آزاد، عاقلہ، بالغہ کا اپنا نکاح ولی کی رضاکے بغیر صحیح ہے، اور یہ نکاح غیر کفو سے ہوا تو ناجائز ہونے کا فتوی ہوگا اھ ملخصا، اور اسی میں ہے کہ باکرہ بالغہ پر نکاح کے بارے میں جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ بلوغ کی وجہ سے اس پر جبر کی ولایت ختم ہوجاتی ہے اھ (ت)

ہاں اگر مہر مثل میں کمی فاحش واقع ہوئی تو باپ کو حق اعتراض حاصل ہے یہاں تک کہ مہر مثل پورا کردیا جائے یا قاضی زن وشوہر میں تفریق کردے،

فی الدرالمختار لونکحت باقل من مھرھا فللولی العصبۃ الاعتراض حتی یتم مھر مثلھا اویفرق القاضی بینھما دفعا للعار[4] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: اگر عاقلہ بالغہ نے قلیل مہر پر نکاح کیا تو ولی عصبہ کو مہر تام کرنے تک اعتراض کا حق ہے مہر مثل تام کرے یا پھر قاضی خاوند بیوی میں تفریق کردے تاکہ ولی کی عار ختم ہوسکے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۳۵: از مہد پور علاقہ اندور مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پدر ہندہ نے نکاح اپنی دختر کا بعمر چہار سالہ کیا تھا، جب وہ ایامِ شعور پر فائز ہوئی تو اس شوہر کو پسند وقبول نہیں کرتی، اس صورت میں نکاح اس کا جائز ہے یا

[1] فتاوٰی ہندیہ باب الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۹

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[4] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

منسوخ؟ اور بعد جدائی زوجین مہر اس کا ذمہ شوہر پر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

باپ جو اپنے نابالغ بچے کا نکاح کردے وہ مطلقاً لازم ہوتا ہے کہ نابالغ کو بعد بلوغ بھی اس پر اعتراض کا حق نہیں ہوتا اگرچہ نکاح غیر کفو سے یا مہر میں غبن فاحش کردے، مثلاً دختر کو کسی رذیل قوم یا کسی ذلیل پیشے والے یا غلام فاسق کے نکاح میں دے یا اس کا مہر مثل ہزار روپے ہو پانسو یا سو پر نکاح کردے یا پسر کا نکاح کسی کنیز یا ذلیل قوم یا فاسِقہ فاجرہ سے کرے لازم و ناقابل فسخ ہے مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ ایسا نکاح خلاف شفقت پدری کرتے وقت باپ نشے میں ہو، دوسرے یہ کہ اس سے پہلے بھی اپنے کسی بچے کے نکاح میں ایسی ہی بے شفقتی برت چکا ہو تو البتہ یہ نکاح ناجائز ہوگا،

فی الدرالمختار لزم النکاح ولوبغبن فاحش بنقص مھرھا وزیادۃ مھرہ اوبغیر کفو ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا اوجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران فزوجھا من فاسق اوشریر اوفقیر اوذی حرفۃ دنیئۃ لظھور سوء اختیارہ فلا تعارضہ شفقتہ المظنونۃ بحر[1] اھ وفی ردالمحتار زوج بنتہ من فاسق صح وان تحقق بذٰلک انہ سیئ الاختیار واشتھربہ عندا لناس فلو	درمختار میں ہے: اگر نکاح کرنے والا ولی خود باپ یا دادا ہو تو اس کا کیا ہوا نکاح لازم ہوجائے گا خواہ لڑکی کا مہر انتہائی قلیل ہو یا لڑکے پر مہر بہت زیادہ مان لیا ہو یا نکاح غیر کفو میں ہو بشرطیکہ پہلے باپ دادا اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے میں معروف نہ ہوں، اور اگر وہ غلط اختیار میں معروف ہوں تو پھر بالاتفاق مذکورہ صورتوں میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر یونہی باپ یادادا نے نشے میں ہوتے ہوئے لڑکی کا نکاح فاسق یا شرپسند یا فقیر یا کسی کمینے کسبی سے کردیا تو یہ اختیار کا غلط استعمال ہوگا تو اس صورت میں باپ دادا کی منظونہ شفقت اس اقدام کو غلط قرار دینے میں آڑے نہ آئے گی اور یہ سوء اختیار کہلائے گا، بحر، اھ، اور ردالمحتار میں ہے کہ فاسق سے بیٹی کا نکاح کیا تو صحیح ہوگا اگرچہ

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح الثانی لانه کان مشهورًا بسوء الاختیار قبله بخلاف العقد الاول [1] الخ وفیه قوله فزوجها من فاسق وکذا لو زوجها بغبن فاحش فی المھر لایجوز اجماعا والصاحی یجوز بحر عن الذخیرۃ ثم قال وکذا السکران لوزوج من غیر الکفوء کما فی الخانیۃ وبه علم ان المراد بالاب من لیس بسکران ولاعرف بسوء الاختیار [2] اھ وفی الخانیۃ اذا زوج الرجل ابنه امرأۃ باکثر من مھر مثلھا اوزوج بنته الصغیرۃ باقل من مھر مثلھا اووضعھا فی غیر کفوء اوزوج ابنه الصغیر امۃ اوامرأۃ لیست بکفوله جازفی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنه وقال صاحباہ رحمھما اللہ تعالٰی لایجوز ان فحش واجمعوا علی انه لایجوز ذٰلک من غیر الاب والجد ولامن القاضی [3] اھ

یہ سوء اختیار ہے جس کی بنا پر باپ اختیار کے غلط استعمال میں لوگوں کے ہاں معروف ہوجائے گا تو اس نے اگر دوسری بیٹی کا نکاح کسی فاسق سے کیا تو یہ دوسرا نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ قبل ازیں وہ اختیار کے غلط استعمال (سُوءِ اختیار) میں مشہور ہوچکا ہے جبکہ پہلی لڑکی کے نکاح کے وقت ایسا معروف نہ تھا، یوں ہی اگر اس نے دوسری بیٹی کے نکاح میں انتہائی قلیل مہر قبول کیا تو یہ مہر جائز نہ ہوگا یہ اجماع ہے بحر میں ذخیرہ سے منقول کہ اس کے بعد ردالمحتار میں کہا یونہی اگر نشے کی حالت میں باپ نے غیر کفو سے کیا تو نکاح نہ ہوگا جیسا کہ خانیہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ باپ سے مراد وہ ہے جو نشہ میں نہ ہو اور سُوء اختیار میں مشہور نہ ہو، اھ، اور خانیہ میں ہے: اگر کسی نے اپنے لڑکے کا کسی ایسی عورت سے مہر مثل سے زائد پر کردیا یا نابالغہ بیٹی کا نکاح انتہائی کم مہر یا غیر کفو میں کردیا، یا نابالغ بیٹے کا نکاح لونڈی یا غیر کفو والی عورت سے کردیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر نکاح صحیح ہے، اور ان کے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر نکاح ناجائز ہے، اور اس بات پر اجماع ہے کہ غیر باپ اور دادا اور قاضی کا کیا ہوا یہ نکاح جائز نہ ہوگا اھ اور بحر الرائق

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۴۔۵

[2] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۴

وفی البحر الرائق ثم الخیریۃ ظاھر کلامھم ان الاب اذاکان معروفا بسوء الاختیار لم یصح عقدہ باقل من مھر المثل ولاباکثر فی الصغیر بغبن فاحش، ولامن غیر الکفوء فیھما سواء کان عدم الکفاءۃ بسبب الفسق اولا[1] الخ۔	پھر خیریہ میں ہے کہ فقہاء کرام کا ظاہر کلام یہ ہے کہ باپ جب سوء اختیار میں مشہور ہوجائے تو لڑکی کا مہر مثل سے کم اور لڑکے کا مہر مثل سے زیادہ جبکہ یہ کمی اور زیادتی انتہائی ہو، اور غیر کفو میں لڑکی اور لڑکے کا کیا ہوا باپ کا نکاح صحیح نہ ہوگا خواہ غیر کفو فسق کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہوالخ(ت)

واقع اگر یہ صورتیں ہوں جن میں نکاح شرعًا جائز نہیں تو اگر ہنوز ہمبستری یعنی جماع حقیقی کا وقوع نہ ہوا مہر اصلًا لازم نہیں ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔

فان الوطء فی دارالاسلام لایخلو عن حد اوعقر کما نصوا علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ دارالاسلام میں وطی پر حد یا مہر بصورت خرچہ ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی صورت نہیں ہے، جیساکہ فقہاء کرام کی اس پر نص ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۳۶: ازامریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ سعید الدین خاں صاحب رئیس امریا ۲۷ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

عرض بخدمت علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغ صغیر سن کہ والد اس کا فوت ہوگیا، اور دادا اور بھائی اس کا کوئی نہیں تھا، اور اس کے سگے چچا نے اپنے بھائی مرحوم کی زوجہ یعنی اس لڑکی نابالغہ کی والدہ سے بغیر رضامندی والدہ اس لڑکی کا نکاح ایک شخص سے کردیا، اب وہ لڑکی بالغ ہوئی تو وہ کہتی ہے کہ میرا نکاح اس شخص کے ساتھ نہیں اور نہ کروں گی، عرض پرداز ہوں کہ نزد خدا اور رسول مقبول نکاح فسخ ہوگیا یا وہی نکاح قائم رہا؟ اگر فسخ ہوگیا تو اس کا نکاح دوسرے کے ساتھ کیا جائے ورنہ جیسا حکم ہو، **بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع جبکہ دختر نابالغہ کا نہ باپ ہو نہ دادا، نہ جوان بھائی نہ جوان بھتیجا، تو چچا ہی اس کا ولی اقرب ہے اس کے کئے ہوئے نکاح میں ماں کی رضامندی و نارضامندی کا لحاظ نہ ہوگا، تنویر الابصار

[1] بحرالرائق فصل فی الاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۳۵

میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه بلاتوسط انثی علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریة وتکلیف فان لم تکن عصبة فالولایة للام [1] الخ ملخصا۔	نکاح میں ولی وہ عصبہ بنفسہٖ ہوتا ہے یعنی وہ عصبہ جو لڑکے اور لڑکی کی طرف کسی عورت کے واسطہ میں منسوب نہ ہو، ان کی ولایت وراثت اور حجب کی ترتیب پر ہوتی ہے بشرطیکہ یہ عصبہ لوگ آزاد اور بالغ عاقل ہوں، اور اگر عصبہ نہ ہو تو پھر ماں کو ولایت حاصل ہوگی الخ ملخصا۔ (ت)

ہاں یہ دیکھا جائے گا کہ جس سے چچا نے نکاح کردیا اگر اس دختر کا کفو نہیں یعنی اس سے کم قوم ہے جس کے ساتھ اس کے نکاح میں ننگ وعار ہے یا ذلیل پیشہ یا محتاج یا بدمذہب یا بدرویہ ہے، غرض کسی وجہ سے وہ صورت ہے کہ اس کے ساتھ نکاح میں دختر واقربائے دختر کی مطعونی وذلت ہے یا مہر جو چچا نے باندھا اس میں دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کردی ہے کہ لوگ اپنے جو نرم گرم کرلیا کرتے ہیں ان میں یہاں تک کمی نہیں پہنچتی مثلاً ہزار روپیہ مہر مثل پانسو باندھ دیا ہو، تو ان صورتوں میں وہ چچا کا کیا ہوا نکاح محض باطل ہوا، دختر سچ کہتی ہے کہ میرا نکاح نہ ہوا، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیه لایصح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا [2]۔	اگر نکاح دینے والا باپ، دادا کا غیر ہو تو مہر کی انتہائی کمی بیشی سے اور غیر کفو میں نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر ان دونوں خللوں میں سے خالی ہے یعنی جس سے نکاح کیا وہ وقت نکاح دختر کا کفو بمعنی مذکور تھا اور مہر مثل میں بھی ویسی کمی نہ کی گئی تو نکاح صحیح ہوگیا مگر ہندہ کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے بالغہ ہونے پر اس نکاح کو پسند نہ کرے اور دعوی کرکے فسخ کرالے، تنویر میں ہے:

وان کان من کفو وبمهر المثل صح ولها خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده [3]۔	اور مہر مثل اور کفو میں کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا اور لڑکی کو بالغ ہونے یا بلوغ کے بعد اطلاع ملنے پر فسخ کا اختیار ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲
[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

در میں ہے: **بشرط القضاء للفسخ**[1] (اس فسخ کے لئے قضا ضروری ہے۔ت) لیکن کنواری لڑکی کو یہ اختیار اسی قدر ملتا ہے کہ اگر پہلے سے نکاح کی خبر ہے تو بالغہ ہوتے ہی یعنی جس وقت علامت بلوغ مثل حیض وغیرہ ظاہر ہو یا پندرہ برس کامل کی عمر ہوجائے فورًا بلاتوقف اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کردے، اور اگر نکاح کی خبر بالغہ ہونے کے بعد ملی تو جس وقت خبر ہوئی فورًا اس وقت ناپسندی جتادے، اور اگر ذرا دیر لگائی یا اس سے جدا کوئی آدھی بات کی یا کچھ چپ رہی یا بیٹھی تھی کھڑی ہوگئی یا کھڑی تھی ایک قدم اٹھالیا اس کے بعد ناراضی کا اظہار کیا تو ہرگز نہ سنا جائے گا اور نکاح لازم ہوجائے گا۔ تنویر الابصار میں ہے:

خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح ولایمتد الی اخر المجلس[2]۔	بالغہ باکرہ لڑکی کی خاموشی اس کے اختیار کو ختم کردیتی ہے جبکہ وہ نکاح کا علم رکھتی ہو تو خاموشی کے بعد مجلس کے اختتام تک بھی اختیار نہیں رہتا بلکہ خاموش ہوجانے پر ختم ہوجاتا ہے۔ (ت)

اس نابالغہ کے بارے میں اس کا دیکھ لینا ضرور ہے کہ اس نے بالغہ ہوتے ہی فورًا ناراضی ظاہر کی ہے یا ایک لمحہ دیر بھی لگائی تھی تواب اسے نکاح سے انکار حرام ہے وہ ضرور اس کی زوجہ ہے ورنہ اختیار دعوی رکھتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷ ۳۳: از مرادآباد محلّہ بازار دیوان متصل مکان نواب تفضل علی خاں مرسلہ حکیم برہان الحق صاحب ۷ ۲ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح کردیا اس وقت عمر اس کی تخمینًا سات یا آٹھ برس کی ہوگی اور پیشتر نکاح سے لڑکی کا باپ اور چچا اور تایا قضا کرگئے تھے مگر ایک بھائی یا تایازاد حقیقی جس کی عمر تخمینًا ۲۷،۲۶ برس اس وقت تھی اب موجود ہے مگر بوقت نکاح والدہ دختر نے اپنی ولایت سے نکاح اس لڑکی کا کردیا، شرعًا یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس نابالغہ کے باپ، دادا، جوان بھائی، بھتیجا، چچا نہ ہو تو جوان بھائی چچازاد ہی اس کے نکاح کا ولی ہے، اس کے ہوتے ماں کو اپنی دختر کے نکاح کردینے کا اختیار نہیں، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

اقرب العصبات الی صغیر والصغیرۃ الاب ثم الجد ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم بنوھما ثم العم لاب وام ثم العم لاب ثم بنوھما وعند عم العصبۃ الاقرب الام [1] اھ مختصرا۔	نابالغ لڑکے اور لڑکی کے قریب ترین عصبہ باپ، پھر دادا، پھر حقیقی بھائی، پھر ان کے لڑکے، پھر حقیقی چچا، پھر اس کے لڑکے، پھر صرف باپ کی طرف چچا، پھر اس کے لڑکے، اور عصبات نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ولایت ہے اھ مختصرًا (ت)

پس صورت مذکورہ میں ماں کا کیا ہوا نکاح اس بھائی کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر یہ رد کردے گا رد ہوجائے گا یا جائز کردے گا جائز ہوجائے گا بشرطیکہ وہ نکاح کسی غیر کفو یعنی ایسے شخص سے نہ ہوا ہو جو اس دختر سے قوم یا پیشے یا مذہب وغیرہ میں ایسا کم ہو کہ اس کے ساتھ نکاح ہونا باعث ننگ وعار ہو، نہ دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کی ہو، ورنہ نکاح سرے سے باطل ہے، بھائی بھی اسے جائز نہیں کرسکتا، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفو او غبن فاحش [2]. واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اگر نکاح دینے والا باپ دادا نہ ہو خواہ ماں بھی ہو تو غیر کفو میں اور انتہائی کمی کے مہر سے نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۳

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

تجویز الرد عن تزویج الابعد ۱۳۱۵ھ

(ولی اقرب کی غیبت میں ولی ابعد کے نکاح پڑھانے کا حکم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۳۳۸ تا ۳۴۲: از پیلی بھیت محلّہ منیر خاں مرسلہ حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ رجب ۱۳۱۵ھ

سوال اول

ولی ابعد، ولی اقرب کی غیبت میں اگر نکاح کردے تو ولی اقرب درصورت خلاف مرضی اس کے فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں جبکہ غیبت منقطعہ نہ ہو،

فی الدرالمختار فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر بعید ولی نے قریب ولی کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

سوال دوم

غیبت کی تفاسیر میں سے کہ مدت قصر یا دشواری استطلاع رائے یا اس بلد میں قافلہ سال بھر میں ایک مرتبہ جاتا ہو، میں کون سی تفسیر معتمد علیہ ہے؟

الجواب:

اول پر بھی فتوی دیا گیا اور ثالث اختیار امام قدوری ہے اور کتاب **التجنیس والمزید** میں یک ماہہ راہ کو اختیار اکثر مشائخ واعدل الاقاویل فرمایا **کما فی مجمع الانہر** [1] (جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے۔ت) اور امام سغدی نے مفقود الخبری اختیار فرمائی، امام محمد سے ایک روایت بیس ۲۰ ایک پچیس ۲۵ منزل کی آئی **کما فی جامع الرموز** [2] (جیسا کہ جامع الرموز میں ہے۔ت) تو یہ سات قول ہیں جن میں اقوی واوثق ومذیل بآکد الفاظ فتیا صرف اول ودوم ہیں مگر اصح التصحیحین وارجح الترجیحین وماخوذ ومعتمد علیہ یہی ہے کہ جب اس کی رائے لینے تک کفو حاضر انتظار نہ کرے اور اس پر اٹھا رکھنے میں یہ موقع ہاتھ سے جاتا ہے تو غیبت غیبت منقطعہ ہے یہاں تک کہ اگر ولی اقرب شہر ہی میں روپوش ہو اور پتا نا معلوم یا رسائی نہیں اور انتظار باعث فوت کفو ہو تو غیبت منقطعہ سمجھی جائے گی اور ولی بعید کو جو مراتب ولایت میں اس اقرب کے متصل ہے ولایت ہاتھ آئے گی اور اگر اقرب ہزار کوس دور ہے اور کفو حاضر نہیں یا انتظار پر راضی، تو یہ غیبت منقطعہ نہیں، ولی بعید نکاح کرے گا تو نافذ نہ ہو گا بلکہ اجازت اقرب پر موقوف رہے گا۔

فی تنویر الابصار للولی الابعد التزویج بغیبۃ الاقرب مسافۃ القصر [3] اھ فی رد المحتار نسبہ فی الھدایۃ لبعض المتأخرین والزیلعی لاکثرھم قال وعلیہ الفتوی [4] اھ **قلت** وکذا قال علیہ الفتوی فی الولوالجیۃ	تنویر الابصار میں ہے ولی اقرب سفر کی مسافت پر غائب ہو تو ولی ابعد کو نکاح کر دینا جائز ہے اھ ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ میں اس کو بعض متاخرین کی طرف منسوب کیا ہے اور زیلعی میں اس کو اکثر کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ اس پر فتوی ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) یوں ہی ولوالجیہ میں کہا اس پر

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الاولیاء والاکفاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۹

[2] جامع الرموز باب الولی والکفو مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۶۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[4] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

کما فی مجمع الانھر قال القھستانی فی جامع الرموز ھو الصحیح وبه یفتی [1] اھ فی الدر واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفؤ الخاطب جوابه واعتمدہ الباقانی ونقل ابن الکمال ان علیه الفتوی وثمرۃ الخلاف فی من اختفی فی المدینة ھل تکون غیبة منقطعة [2] اھ قال الشامی قال فی الذخیرۃ الاصح انه اذاکان فی موضع لوانتظر حضورہ واستطلاع رأیه فات الکفؤ الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشار فی الکتاب اھ وفی البحر عن المجتبٰی والمبسوط انه الاصح وفی النھایة واختارہ اکثر المشائخ وصححه ابن الفضل وفی الھدایه انه اقرب الی الفقة وفی الفتح انه الاشبه بالفقه وانه لاتعارض بین اکثر المتاخرین واکثر المشائخ ای لان المراد من المشائخ المتقدمون وفی شرح الملتقی عن الحقائق انه اصح الاقاویل وعلیه الفتوی اھ وعلیه مشی فی الاختیار والنقایة ویشیر کلام النھر

فتوی ہے جیسا کہ مجمع الانہر میں قہستانی نے جامع الرموز میں کہا: یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے اھ، در میں ہے: اور اس کو ملتقی میں پسندیدہ قرار دیا ہے منگنی کرنے والا کفو کے جواب کا انتظار نہ کرے، اور باقانی نے اس کو معتمد قرار دیا، اور ابن کمال نے اس پر فتوی کو نقل کیا اور ثمرہ اختلاف اس شخص کے متعلق ظاہر ہوگا جو شہر میں چھپ گیا ہو، تو کیا اس صورت میں غیبت منقطعہ ہوگی اھ، شامی نے کہا کہ ذخیرہ میں کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ اگر ایسی صورت ہو کہ حاضر کفو، اس کی انتظار اور اس کی رائے معلوم کرنے تک، ضائع اور فوت ہوجانے کا خطرہ ہو تو یہ غیبۃ منقطعہ ہوگی، اور کتاب میں اسی صورت کی طرف اشارہ ہے اھ، بحر میں مجتبٰی اور مبسوط سے منقول ہے کہ یہی اصح ہے، اور نہایہ میں ہے کہ اس کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے اور ابن فضل نے اس کی تصحیح کی ہے، اور ہدایہ میں ہے کہ یہ اقرب فقہ ہے، اور فتح میں کہا کہ یہ فقہ کے اشبہ ہے اور یہ کہ اکثر متاخرین اور اکثر مشائخ میں کوئی تعارض نہیں ہے، یعنی اکثر مشائخ سے مراد متقدمین ہیں، اور شرح ملتقی میں حقائق سے منقول ہے کہ اقوال میں سے یہی اصح ہے اور اس پر فتوی ہے اھ، اور اختیار اور نقایہ میں اسی پر رجحان ہے، اور نہر کی کلام میں اس کے

---

[1] جامع الرموز باب الولی والکفاءۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۶۹

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

الی اختیارہ وفی البحر والاحسن الافتاء بما علیه اکثر المشائخ [1] اھ کلام الشامی، قلت والزیلعی مع قوله للاول علیه الفتوی ذکر تصحیح الثانی عن شمس الائمة السرخسی ومحمد بن الفضل ثم قال وهذا احسن [2] اھ وقال فی جواہر الاخلاطی وعلیه الفتوی [3] کما فی الهندیة، ورأیتنی کتبت ههنا علی هامش ردالمحتار علی قول البحر الاحسن الافتاء الخ مانصه قلت لاسیما فی هذا الزمان فان العجلة الدخانیة قدردت مسافة القصر الی اکثر من مسافة ساعتین فکیف یبنی الامر علیها بل وجب التعویل علی ماافتی به اکثر المشائخ رحمهم الله تعالٰی [4] اھ ماکتبت، **اقول:** وشیئ اٰخر وهو ان القول الثانی بنی الامر علی الحاجة والتضرر ولاشك ان الولایة انما هی للنظر ودفع الضرر فکان من الفقه اثبات الولایة للذی یلی الاقرب عند کونه بحیث لووقت الامر علی رأیه لتضررت به القاصرة وعدمه

مختار ہونے کا اشارہ ہے، اور بحر میں کہا کہ جس پر اکثر مشائخ ہوں اس پر فتوی بہتر ہے، شامی کا کلام ختم ہوا، **قلت** (میں کہتا ہوں) زیلعی نے پہلے قول پر فتوی کہا اس کے باوجود انھوں نے شمس الائمہ سرخسی اور محمد بن فضل کی دوسرے قول پر تصحیح نقل کی، پھر کہا یہ احسن ہے اھ، اور جواہر اخلاطی میں کہا کہ اس پر فتوی ہے جیسا کہ ہندیہ میں ہے، مجھے یہاں پر ردالمحتار پر اپنا حاشیہ یاد ہے جب انھوں نے بحر کے قول کہ "اس پر فتوی ہے" الخ کو بیان کیا حاشیہ کی عبارت یہ ہے: میں کہتا ہوں کہ خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ ریل گاڑی نے سفر کی مسافت کو ایک دو گھنٹہ کی مسافت میں تبدیل کردیا ہے تو مسافت کو بنیاد بنانا کیسے درست ہوگا، بلکہ اکثر مشائخ کے فتوی پر اعتماد ضروری ہے، میرا حاشیہ ختم ہوا، **اقول** ایک اور چیز ہے وہ یہ کہ دوسرے قول کی بنیاد حاجت اور نقصان پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ ولایت کا اثبات شفقت اور دفع ضرر پر مبنی ہے، تو فقہ یہ ہوگی کہ اقرب ولی کے بعد والے کو ولایت تب ہی ہوسکتی ہے جب ولی اقرب ایسے مقام پر ہو کہ اگر اس کی رائے اور اجازت حاصل کی جائے تو نابالغہ کو نقصان ہو اور اگر نقصان

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الاولیاء والاکفاء مکتبہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۲/ ۱۲۷

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۵

[4] جدالممتار باب الولی قول ۷۱۴ المجمع الاسلامی مبارکپور، بھارت ۲/ ۳۸۴

عند عدمه كما اذا كانت صغيرة جدا ولا كفو يستعجل ولا حرج فی الانتظار ففيم يفتات على الاب الشفيق ويوكل الامر الى بعيد سحيق وربما لايومن ان يترك النظر لها لمصلحة نفسه اولجلب حطام فظهران فی القول الاول سلب الولاية حيث يحتاج اليها كالمختفى فی البلد واثباتها حيث لاحاجة اليها كما فی هذه الصورة هذا ،ورأيتنی كتبت على قول الدر وثمرة الخلاف الخ مانصه ،اقول وحيث المدار عند اهل القول الثانی على فوات الكفو فكما لم يعتبر مسافة القصر شرطا للانتقال كذلك لانظر اليها ف عند عدم الفوات والاستعجال فلو وجدت ولم يفت الكفؤ بانتظاره اواستطلاع رأيه لم يجزتزويج الا بعد على الثانی خلافا للاول فالثمرة غير محصورة فيما قال هذا ما ظهر لی	نہ ہو تو پھر بعد والے کو ولایت نہ ہوگی، مثلاً ایک چھوٹی بچی ہو جس کے لئے کفو کی کوئی عجلت نہیں اور نہ ہی اس کے نکاح کے لئے ولی اقرب کے انتظار میں کوئی حرج ہے تو پھر کیونکر ولی اقرب شفیق باپ کی ولایت کو ختم کرکے دوسرے بعید غیر شفیق کو ولایت سونپی جائے جبکہ یہ ممکن ہے کہ وہ بعید اپنے ذاتی فائدہ اور اپنی مصلحت کی خاطر بچی کے فائدہ کو نظر انداز کردے، تو ظاہر ہوا کہ پہلے قول میں اقرب کی ولایت کے سلب ہونے کی بات وہاں ہوگی جہاں حاجت اور ضرورت ہوگی جیسا کہ کوئی شہر میں گم ہوجائے اور حاجت پیدا ہوجائے ،اور جہاں حاجت نہیں وہاں ولایت ثابت رہے گی، جیسا کہ مذکورہ صورت ہے، مجھے در کے قول "ثمرۃ الخلاف" پر اپنا حاشیہ یاد ہے جس کی عبارت یہ ہے **اقول:** (میں کہتاہوں) جب دوسرے قول والوں کے ہاں مدار کفو کا فوت ہونا ہے اس بنیاد پر ولایت کے منتقل ہونے کے لئے جیسے مسافت سفر (قصر) شرط نہیں ہے ایسے ہی یہ مسافت سفر، کفو فوت نہ ہونے کے باوجود عجلت کے لئے بھی پیش نظر نہیں ہے، تو مسافت سفر ہونے کے باوجود اقرب کی انتظار اور اس کی رائے حاصل کرنے میں کفو فوت نہ ہو تو ولی ابعد کا نکاح کرنا درست نہ ہوگا، یہ دوسرے قول کا ماحصل ہے جبکہ پہلا قول اس کے خلاف ہے، تو ثمرہ اختلاف، ان کے بیان میں محصور نہ رہا، یہ ہے

ف: جد الممتار میں خط کشیدہ عبارت یوں ہے: لاتعتبر علة تامة له بل ان وجدت المسافة الخ۔ **نذیر احمد**

فلیحرر [1] اھ وھو کما تری ظاھر محرر لما علمت، ولما مر من عبارات الملتقی و الذخیرۃ وغیرھما فان مفاھیم الخلاف معتبرۃ فی عبارات العلماء بالوفاق کما نصوا علیہ بالاطباق ثم رأیت فی مجمع الانھر فلو انتظرہ الخاطب لم ینکح الابعد [2] فھٰذا عین ما فھمت وللہ الحمد واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	جو مجھے ظاہر ہوا تو تحقیق چاہئے اھ تو یہ بیان ظاہر ہے جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں، اور ملتقٰی ذخیرہ وغیرہما کی عبارات سے گزرا، کیونکہ بالاتفاق علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہے، جیسا کہ اس پر سب کی نص موجود ہے، اس کے بعد میں نے، مجمع الانہر میں دیکھا کہ اگر منگنی والا انتظار کرے تو ولی ابعد نکاح نہ کرے، یہی میرا مؤقف ہے، وللہ الحمد، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

سوال سوم

یہ جو فقہاء لکھتے ہیں کہ ولی ابعد غیبت میں اقرب کے، نکاح کرا سکتا ہے، یہاں ولی ابعد سے کیا مراد ہے عصبہ یا مطلق وارث؟ گو ذوی الارحام میں سے ہو، اگر مراد عصبہ ہے تو حدیث عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے جو موطائے امام محمد کے باب الرجل بجعل امر امرأتہ بیدہا میں مخرج ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اپنی بھتیجی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی بیٹی کا نکاح عبداللہ بن زبیر سے کرا دیا باوجودیکہ عبدالرحمٰن شام میں تھے، کیا جواب ہے کہ عمہ ذوی الارحام سے ہے۔

الجواب:

ابعد میں افعل التفضیل اپنے باب پر نہیں بلکہ اس سے ہر ولی بعید مراد ہے مگر نہ مطلقاً بلکہ وہی جو اس ولی اقرب کے متصل ہو یعنی باقی تمام اولیاء میں کوئی اس سے اقرب نہ ہو سب اس سے نیچے ہوں یا برابر، مثلاً باپ غائب اور جد و برادران و عم موجود ہیں تو ولایت جد کے لئے ہے، نہ برادران و عم کے واسطے، اور جد نہ ہو تو سب برادران ہمسر کو، نہ عم کو،

فی ردالمحتار المراد بالابعد من یلی الغائب فی القرب کما عبر بہ فی کافی الحاکم وعلیہ فلو کان الغائب اباھا ولھا جد وعم فالولایۃ	ردالمحتار میں ہے کہ ابعد سے مراد ولی اقرب کے بعد دوسرے مرتبے والا ہے جیسا کہ اس کی تعبیر امام حاکم کی کافی میں ہے، اس بنا پر اگر والد غائب کے بعد لڑکی کا دادا اور چچا دونوں موجود ہوں تو ولایت دادا کو

[1] جدالممتار باب الولی قول المجمع الاسلامی مبارکپور بھارت ۲/ ۳۸۴

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر فصل فی الاولیاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۳۹

للجد لاللعم [1]	ہو گی، چچا کو نہ ہو گی۔(ت)

اور جبکہ ذوی الارحام بلکہ مولی الموالاۃ بھی ہمارے نزدیک سلسلہ اولیاء میں داخل تو من یلی الغائب فی القرب (جو قرب میں بعد والے مرتبہ پر ہو۔ت) انھیں بھی شامل، مثلاً والد ولی اقرب غائب ہے تو اس کے من یلی فی القرب یہی ذوی الارحام ہیں، اور ذوی الارحام اقرب الاولیاء الموجودین ہوں تو ان کی غیبت میں من الموالاۃ من یلی ہے کما ھو قضیۃ الترتیب وھو ظاھر جدا (جیسا کہ ترتیب کا تقاضا ہے، یہ بالکل ظاہر ہے۔ت) درمختار میں ہے:

ثم لولد الام ثم لذوی الارحام ثم مولی الموالاۃ ثم للسلطان [2] الخ۔	پھر والدہ کے بیٹے اور پھر ذوی الارحام کو پھر معاہدہ والے کو پھر سلطان کو حق ولایت ہے الخ(ت)

اور ردالمحتار میں اختیار سے ہے:

ولاتنتقل الی السلطان لان السلطان ولی من لاولی لہ وھذہ لھا اولیاء [3]۔	سلطان کو ولایت منتقل نہ ہو گی کیونکہ سلطان اس وقت ولی بنتا ہے جب دوسرا کوئی ولی نہ ہو جبکہ اس کے اولیاء موجود ہیں۔(ت)

جب ہمارے نزدیک ذوی الارحام و مولیٰ الموالاۃ بھی سلطان پر مقدم تو بحکم ھذہ لھا اولیاء (یہ اس کے اولیاء ہیں۔ت) یہاں بھی لاتنتقل الی السلطان (سلطان یعنی حکم کو منتقل نہ ہو گی۔ت) کا حکم محکم مگر صرف اس قدر کہ ذوی الارحام بھی کبھی بحالت غیبت اقرب ولایت پاتے ہیں، حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رفع شبہہ مذکورہ نہ کرے گا۔ اوپر معلوم ہو چکا کہ مطلقاً ہر بعید ولی نہیں ہو جاتا بلکہ وہی جو اس اقرب کے بعد سب سے اقرب ہے، پدر و عمہ کے درمیان تمام عصبات و تمام اصحاب فروض و بعض ذوی الارحام بکثرت اولیاء ہیں، حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے بحالت غیبت پدر ان میں کسی کا اصلا موجود نہ ہونا یہاں تک کہ ولایت حضرت عمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے ثابت ہو بہت مستبعد ہے، بلکہ جواب یہ ہے کہ واقعۃ عین لا عموم لھا (یہ خاص واقعہ ہے اس میں عموم نہیں ہے۔ت) وقائع عین ہر گز نہ احتمال کے محل ہوتے ہیں، ممکن کہ حضرت حفصہ

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱۵/۲
[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۳/۱
[3] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱۵/۲

وقت نکاح بالغہ ہوں توان پر ولایت مجبرہ کسی کو نہیں۔ ممکن کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضرت منذر بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تزویج کے لئے تجویز وپسند فرمایا اور اقرب الاولیاء الحاضرین کو ان سے نکاح کردینے کا حکم کیا اور انھوں نے حسب حکم والا نکاح کردیا ہو تو نکاح ہوا تو ولی مستحق ہی کی ولایت سے، مگر حضرت کے حکم حضرت کی رائے حضرت کی تجویز سے ہونے کے باعث حضرت کی طرف منسوب ہوا ایسی نسبتیں شائع وذائع ہیں جیسے:

فتح الامیر الحصن وقطع السلطان اللص وغسل علی فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	امیر نے قلع فتح کیا، سلطان نے چور کا ہاتھ کاٹا، علی نے فاطمہ کو غسل دیا رضی اللہ تعالٰی عنہما (ت)

جب منذر بن زبیر نے حضرت عبدالرحمٰن کی ناراضی پاکر انھیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو تفریق کردیں حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر اپنی خواہر مطہرہ سے عرض کی **ما کنت لاارد امرا قضیتہ**[1] مجھے نہیں پہنچتا کہ اس بات کو رد کروں جس کا آپ نے حکم فرمایا، اور اگر "**انہا زوجت حفصۃ**" کے معنی یہی رکھے جائیں کہ ام المومنین نے بنفس نفیس تزویج فرمائی تو ممکن کہ ولی مستحق سے ذکر فرماکر اجازت لے لی ہو، اب یہ صورت توکیل کی ہوجائیگی بہر حال کوئی مقام شبہہ واشکال نہیں۔ یہ وہ وجوہ ہیں کہ خاطر فقیر میں آئیں، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی عنہ نے ام المومنین کے خصائص سے شمار فرماکر بوجہ اس قرب کے جو حضرت قدسی منزلت کو حضرت پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تھا، ان کی یہ تزویج جائز رہی، زرقانی علی مؤطا للامام مالک میں ہے:

قال مالك فی الموازیۃ انما کان ذلك لمثل عائشۃ لمکانہا من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام مالک نے موازیہ میں فرمایا: یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو حق تھا کیونکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خاص تعلق تھا الخ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

سوال چہارم

اس مسئلہ میں اگر ولی ابعد نے غیر برادری میں نکاح کردیا تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب:

ولی اقرب کہ غائب ہے پدر یا جد صحیح ہے ہر ایک غیر معروف بسوء اختیار یا معروف کہ اس سے

---

[1] مؤطا الامام مالک کتاب الطلاق مالا یبین من التملیک میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵۱۳

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک کتاب الطلاق مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۳/ ۱۷۲

پہلے اپنی اولاد سے کسی بچے کا نکاح غیر کفو سے یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ کرچکا ہو یا ان دونوں کا غیر، اور جبکہ غائب پدر ہو تو ولی ابعد جد معروف بسوء اختیار یا غیر معروف یا کوئی اور، یہ نو صورتیں ہوئیں اور ہر تقدیر پر غیبت منقطعہ ہے یا غیر، وہ غیر برادری والا کفو ہے یا غیر یعنی نسب یا مذہب یا حرفت یا روش یا مال غرض کسی بات میں اس سے ایسی کمی رکھتا ہے کہ اس سے نکاح اس کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہے، نکاح مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ ہوا مثلا دختر کا مہر مثل ہزار تھا پانسو باندھے یا زوجہ پسر کا پانسو تھا ہزار باندھے یا غیر، یہ جملہ بہتر ۷۲ صورتیں ہوئیں، ان کے حکم کا ضابطہ بتوفیق اللہ تعالٰی یہ ہے کہ اگر **غیبت غیر منقطعہ** تھی اور ولی غائب پدر یا جد غیر معروفین بسوء اختیار ہیں تو یہ نکاح مطلّقا ان کی اجازت پر موقوف ہے اگرچہ غیر کفو غبن فاحش سے ہو، اور اگر غائب مذکور معروف بسوء اختیار تو نکاح مطلّقا باطل محض، اگرچہ غیبت پدر میں جد صحیح غیر معروف بسوء اختیار نے کیا ہو۔

والوجه فی ذٰلك ان الغيبة اذالم يكن منقطعة لاتكون الولاية لغيره كما قدمنا فی مسئلة الاولی و الاب والجد لهما التزويج بغير الكفو وبالغبن الفاحش اذالم يعرفا بسوء الاختيار لااذا عرفا به كما فی الدرالمختار[1] وغيره من الاسفار وقد قال فيه وفی متنه تنويرالابصار فی فصل الفضولی كل تصرف صدر منه كتزويج وله مجيز ای من يقدر علی اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا ومالامجيز له حالة العقد لاينعقد[2] اھ.فاذالم يعرفا به	اس میں وجہ یہ ہے کہ جب تک غیبت منقطعہ نہ ہو تو غیر کو ولایت حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے مسئلہ میں ہم نے ذکر کیا ہے، اور باپ اور دادا کو اس وقت غیر کفو اور گراں مہر یا انتہائی کم مہر کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے جب وہ سوء اختیار میں معروف نہ ہوں، اس میں معروف ہونے کی صورت میں جائز نہیں، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے جبکہ درمختار اور اس کے متن تنویر الابصار میں فضولی کی بحث میں مذکور ہے کہ تمام وہ تصرفات جن کے صادر ہونے پر وہ کسی کی اجازت پر موقوف ہوں تو اجازت دینے والے کی موجودگی میں وہ تصرفات موقوف قرار پائیں گے اور اگر ایسے تصرفات کی اجازت دینے والا موجود نہ ہو تو پھر یہ تصرفات منعقد ہی نہ ہوں گے اھ، تو جب

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱

فهذا عقد وقع وله من يملك تنفيذه فوقف وان عرفا فلا فلا[عہ] فلا توقف بتزويج جد لم يعرف به بغيبة اب معروف به وان كان الجد يملكه اذا لم يعرف به فان هذا انما هو حين قيام ولايته وهو عند غيبة للاب غيبة غير منقطعة لايلى اصلا ولومن كفو فضلا عن غيره۔	باپ دادا سوءِ اختیار سے معروف نہ ہوں تو یہ عقد درست ہو کر اجازت پر موقوف رہے گا کیونکہ اس عقد کو جائز کرنے والا خود موجود ہے، اور اگر سوءِ اختیار میں معروف ہوں تو منعقد نہ ہوگا اور نہ موقوف ہوگا، تو اس صورت میں سوءِ اختیار میں غیر معروف دادا اگر اس باپ کی غیبت غیر منقطعہ میں جو سوءِ اختیار میں معروف ہو نکاح کردے تو یہ نکاح موقوف نہ رہے گا اگرچہ دادا غیر معروف بسوءِ اختیار خود نکاح کر دینے کا مالک ہوتا ہے مگر یہاں اس لئے نہیں کہ باپ غیبت منقطعہ میں غائب نہیں بلکہ وہ غیر منقطعہ غیبت میں غائب ہے تو ایسی صورت میں دادا کو ولایت منتقل نہیں ہوتی اگرچہ دادا کفو میں بھی کرے چہ جائیکہ غیر کفو میں کرے۔(ت)

اور اگر ولی غائب غیر اب وجد ہے تو کفو سے بے غبن فاحش اجازت غائب پر موقوف **لقيام ولايته بعدم الانقطاع** (عدم انقطاع کی بناپر ولایت باقی رہنے کی وجہ سے۔ت) اور غیر کفو یا غبن فاحش سے مطلقاً باطل **لعدم المجيز** (جائز کرنے والا نہ ہونے کی وجہ سے مطلقاً باطل ہے۔ت) اگرچہ اس ولی غائب بغیبت غیر منقطعہ کے سوا صغیر و صغیرہ کا باپ یا دادا غیر معروف بسوئے اختیار غائب بغیبت منقطعہ زندہ موجود ہوں کہ غیبت منقطعہ مثل موت ہے۔

بناء على ماصحح فى البدائع انها تنقل الولاية عن الاقرب الى من يليه فى القرب حتى لوزوجها حيث هو لم يجز واليه يميل كلام المبسوط و الهداية والفتح بل هما مصرحان	بدائع میں مذکورہ تصحیح کی بناپر کہ ولایت اقرب سے منتقل ہو کر اس کے بعد والے قریبی کو حاصل ہوگی، حتی کہ اگر اقرب نے جہاں پر وہ ہے وہاں نکاح کردیا ہو تو نافذ نہ ہوگا، اسی کی طرف مبسوط، ہدایہ اور فتح کا کلام مائل ہے، بلکہ آخری دونوں نے اس کی تصریح

عـــہ: اى ان عرفا بسوء الاختيار فلا مجيز فلا توقف بل يبطل ثم فرع عليه فقال فلاتوقف بتزويج جد الخ ۱۲ منه(م)	یعنی اگر وہ معروف بسوءِ اختیار ہیں تو یہ نکاح موقوف نہیں بلکہ باطل ہوگا، پھر اس پر تفریعًا کہا **فلاتوقف بتزويج جدا** لخ ۱۲ منہ (ت)

به وسیأتی نصوصهما فی جواب الخامس وقواه الزیلعی روایة ودرایة و علیه فرع فی محیط السرخسی وذکر الشامی انه الذی فی اکثر الکتب وقد قال فی الهدایه والبحر ففوضناه الی الابعد کما اذامات الاقرب[1] اھ اما علی ما استظهر فی الخانیه والظهیریة والتنویر و الدر وعلیه فرع الاسبیجابی فی شرح مختصر الطحاوی وعلیه مشی فی البحر من انها لاتنفی ولایته وانما تحدثها لمن یلیه فیکون کان هنا ولیین مستویین کاخوین اوعمین فایهما عقد نفذ فالظاهر فیما ذکرنا التوقف اذالم یکن الاب اوالجد معروفا بسوء الاختیار لانه وقع وهو مجیز فافهم۔	کی ہے اور ان کی بعض نصوص پانچویں سوال کے جواب میں آئیں گی اور اس کو زیلعی نے قوی قرار دیا، درایۃً و روایۃً اور اس پر محیط سرخسی میں تفریع قائم کی اور شامی نے کہا کہ یہی اکثر کتب میں ہے جبکہ ہدایہ اور بحر میں کہا کہ ہم یہ ولایت ہمیشہ کے لئے دوسرے مرتبہ والے کو سونپ دیں گے جیساکہ اقرب کے فوت ہوجانے پر ہوتا ہے اھ، لیکن خانیہ، ظہیریہ، تنویر اور در نے جس کو ظاہر قرار دیا اور شرح مختصر الطحاوی میں اسبیجابی نے جس پر تفریع قائم کی ہے اور بحر نے اس کو اپنایا، وہ یہ ہے کہ اقرب غائب کی ولایت ختم نہ ہوگی، ہاں قربت میں دوسرے مرتبہ والے کے لئے بھی ولایت ثابت ہوجائے گی، گویا یوں دو مساوی قرار پائیں گے جیسے دو بھائی یا دو چچے برابر ہوں تو دونوں کو ولایت نفاذ حاصل ہوتی ہے، جو بھی عقد کرے گا نافذ ہوگا، تو ظاہر وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ باپ یا دادا سوء اختیار سے معروف نہ ہوں تو نکاح موقوف رہے گا کیونکہ یہ حضرات نکاح کو جائز کرنیوالے موجود ہیں۔ غور کرو۔ (ت)

اور اگر **غیبت منقطعہ** تھی تو غیر کفو یا غبن فاحش سے مطلقا بالکل مگر اس صورت میں کہ غائب پدر ہو اور مزوج جد صحیح کہ نہ معروف بہ سوءِ اختیار ہو نہ اس تزویج کے وقت نشے میں کہ اس تقدیر پر یہ عقد نہ صرف صحیح و نافذ بلکہ لازم ہوگا جو کسی طرح رد نہیں ہوسکتا اور اگر نکاح کفو سے بے غبن فاحش ہے تو مطلقًا تام و نافذ مگر ولی مزوج اگر جد ہے تو لازم بھی ہوگیا ورنہ غیر لازم کہ قاصر و قاصرہ کو اگر پیش از بلوغ نکاح کی خبر ہے تو بلوغ ہوتے ہی ورنہ بعد جب خبر پائیں اختیار ملے گا کہ اس پر معترض ہو کر قاضی شرع سے نکاح فسخ کرالیں۔

والمسائل ظاهرة وفی کتب المذهب	یہ مسائل واضح اور مذہب کی کتب میں مذکور ہیں جبکہ

[1] الھدایہ باب الاولیاء والاکفاء مکتبہ عربیہ کراچی ۲/۲۹۹، بحر الرائق باب الاولیاء والاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۶

دائرۃ وقد قال فی الخیریۃ قد نصوا علی ان غیر الاب والجد اذا زوج الصغیر او الصغیرۃ مع وجود احد ھما ان کان بغیبۃ وثبوت الولایۃ لہ بالغیبۃ المجوزۃ لذٰلك فلھما خیار البلوغ لانہ زوج بالولایۃ[1] اھ	خیریہ میں کہا کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ باپ اور دادا کی غیر موجودگی میں اگر کسی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردیا تو اگر باپ اور دادا ایسے غائب ہیں جس کی بناپر اس غیر کو ولایت اور اجازت ہوسکتی ہے تو لڑکے اور لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوگا کیونکہ غیر نے یہ نکاح اپنی ولایت سے کیا ہے اھ۔
تنبیہ: کتبت ھھنا علی ھامش ردالمحتار مانصہ وانظر ھل اذا عادالاب اوالجد حتی عادت ولایتہ کما نصوا علیہ ھل یکون لہ ایضا الاعتراض قبل بلوغ الصغیرین ام ھو لھما خاصۃ حتی یبلغا والظاھر ھوالاول لانہ لدفع ضرر خفی کما فی الھدایۃ اوضرر غیر متحقق کما فی الفتح فینبغی ثبوتہ لمن لہ النظر وانما النظر لدفع الضرر فلم ذا یؤخر مع امکان الدفع قبل ان یتقرر ثم ان قلنا بحصول ذلك للاب والجد ولم یعارضا حتی بلغ الصغیران فھل یکون ھذا الاعتراض عن الاعتراض مبطلا لخیار الصغیرین کمالوزوج الابوان بانفسھما الظاھر لالان النکاح اذا وقع لغیبتھما فقد نفذ غیر موقوف علی	**تنبیہ:** میں نے یہاں ردالمحتار کے حاشیہ پر لکھا ہے جس کی عبارت یوں ہے کہ غور کرنا ہوگا کہ کیا باپ یا دادا واپس آگئے تو لڑکے یا لڑکی کے بالغ ہونے سے قبل ان کو دوبارہ ولایت لوٹ آئیگی جس کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے کئے ہوئے نکاح پر ان کو اعتراض کا حق ہوگا یا اب ان کو اعتراض کا حق نہیں بلکہ لڑکے یا لڑکی کو ہی اپنے بلوغ پر اختیار رہے گا جیساکہ عام فقہاء نے تصریح کی ہے جبکہ ظاہر پہلی صورت ہے کیونکہ کسی مخفی ضرر کی بناء پر جیساکہ ہدایہ میں ہے یا احتمال ضرر کی بناپر جیساکہ فتح میں ہے صاحب شفقت کو اختیار ولایت ثابت ہے جبکہ ولایت شفقت دفع ضرر کے لئے ہوتی ہے، تو بچوں کے بلوغ کی انتظار تک کیوں مؤخر کی جائے جبکہ ضرر واقع ہوجانے سے قبل اس کے دفاع کا امکان موجود ہے، پھر قابل غور یہ ہے کہ جب ہم تسلیم کرلیں کہ باپ دادا کو ولایت دوبارہ مل گئی ہے اب وہ نابالغ کے نکاح پر تعرض نہ کریں حتی کہ وہ بچے بالغ ہوجائیں تو کیا باپ دادا کا تعرض نہ کرنا بچوں کے خیار بلوغ کو ختم کردے گا جیساکہ خود باپ دادا نے نکاح کیا ہو تو بالغ کا خیار بلوغ باطل ہوتا ہے،

[1] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۵

اجازتهما فلم ینسب الیهما ایقاعا ولانفاذ ا و اعراضهما عن اعتراضهما لایوجب ابطال حق الصغیرین کما اذالم یزاحما ظالما یتصرف فی مالهما فلیتأمل ولیحرر [1] هما کتبت۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تو ظاہر یہی ہے کہ والدین کے عدم تعرض سے خیار بلوغ ختم نہ ہوگا کیونکہ نکاح کے وقت ان کے غائب ہونے کی بناپر ان کی اجازت پر موقوف نہ تھا تو نکاح کا نفاذ ان کی طرف منسوب نہ رہا، تو اب عدم تعرض او راعتراض نہ کرنے کی وجہ سے بچوں کو حاصل شدہ اختیار باطل نہ ہوگا، جیساکہ ظالم نے بچوں کے مال میں تصرف کیا اور باپ دادا نے تعرض نہ کیا ہو،اس میں غور چاہئے اور واضح کرنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

سوال پنجم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سو کوس سے زائد سفر میں گیا ہے اس کے مکان پر اس کی والدہ اور اس کی دختر زینب نامی اور اس کا پھوپھی زاد بھائی خالد موجود ہیں، زید نے اپنی والدہ کو لکھا کہ زینب کا نکاح بغیر میری اجازت کے نہ کرنا میں خود سفر سے آکر اپنے برادر کے پسر کے ساتھ کروں گا، مگر اس کی والدہ نے بغیر دریافت کئے زید کے اور بغیر دریافت کئے خالد کے جو موجود تھا اپنی رائے سے اپنی پوتی زینب نابالغہ کا نکاح بہت دور کے عزیزوں میں کردیا اس صورت میں زید سفر سے آنے کے بعد فسخ نکاح کراسکتا ہے یا نہیں؟ اور خالد جو بحالت عقد اپنے مکان پر موجود تھا اور اس کی رائے کے خلاف نکاح ہوگیا تو آیا یہ بھی زینب نابالغہ کا نکاح فسخ کراسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خالد تو یہاں کوئی چیز نہیں۔نہ اسے کچھ اختیار ہے کہ ابن عمۃ الاب ذوی الارحام سے ہے۔اور دادی بالاتفاق ان پر مقدم۔

فی الدرالمختار الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب الی قوله ثم ذوی الارحام [2]۔	درمختار میں ہے: نکاح میں ولی، وراثت وحجب کی ترتیب پر عصبات بنفسہٖ ہوتے ہیں،اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ولایت ماں کو پھر دادی کو ہوتی ہے،ان کا بیان ذوالارحام تک ہوا۔(ت)

[1] جدالممتار باب الولی قول المجمع الاسلامی مبارکپور ۳۶۹/۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۳/۱

مگر تقریر سوال سے جو صورت ظاہر ہو وہ صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ نکاح اس وجہ پر واقع نہ ہوا جو شرع مطہر نے غیبت ولی اقرب میں ولی ابعد کے لئے رکھی ہے قطع نظر اس سے یہاں دادی ولی ابعد ہے بھی یا نہیں۔(کہ ابعد وہ جو اقرب کے بعد مرتبہ ولایت میں ہو غیبت پدر میں دادی اس وقت ولی ابعد ہو سکتی ہے کہ دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا بیٹا سگے سوتیلے، غرض دادا پردادا کی اولاد کو کوئی مرد عاقل بالغ کتنے ہی دور کے رشتے کا اصلا موجود نہ ہوں، نہ زینب کی ماں حاضر ہو کہ یہ سب مراتب ولایت میں دادی پر مقدم کماتقدم وقد حققنا تقدم الام علی ام الاب فیما علقنا علی ردالمحتار) (جیسا کہ پہلے گزر چکا اور ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں تحقیق کی ہے کہ ماں کو دادی پر تقدم حاصل ہے۔ ت) مذہب معتمد میں بحالت غیبت اقرب ولی ابعد کو بے اجازت اپنی رائے سے صغیرہ کا نکاح کر دینے کا اختیار صرف اس ضرورت سے دیا جاتا ہے کہ سردست صغیرہ کے لئے کوئی کفو خواستگار حاضر و موجود ہے اور اسے اتنی مہلت منظور نہیں کہ ولی اقرب واپس آئے یا اس کا جواب لیا جائے۔ اگر اتنا انتظار کرتے ہیں تو اس دیر کے باعث کفو موجود نکاح پر راضی نہ ہوگا اور موقع ہاتھ سے نکل جائے گا فوات کفو کے سبب صغیرہ کو نقصان پہنچے گا کہ کفو ہر وقت میسر نہیں آتا، کیا معلوم پھر ہاتھ نہ لگے، لہٰذا بضرورت اس ولی اقرب کے بعد کے درجے کا جو ولی حاضر ہے شرع مطہر اسے اجازت دیتی ہے کہ تو کر دے وجہ یہ کہ احراز کفو شرع مطہر میں سخت مہم و مہتم بالشان ہے اور کفو حاضر کا ہاتھ سے کھودینا ضرور نقصان، بلکہ سرے سے نابالغ پر ولایت تزویج کی تشریع اگرچہ باپ ہی کی ہو اسی حکمت کے لئے واقع ہوئی ورنہ بچپن میں نکاح کی کیا ضرورت،

فتح القدیر میں ہے:

النکاح یراد لمقاصدہ ولاتتوفر الابین المتکافئین عادۃ ولایتفق الکفؤ فی کل زمان فاثبات ولایۃ الاب بالنص بعلۃ احراز الکفؤ اذا ظفر بہ لحاجۃ الیہ اذقد لایظفر بمثلہ اذا فات بعد حصولہ[1]	نکاح بعض مقاصد کے لئے ہوتا ہے جو عادتاً دوہم مثل حضرات سے پورے ہوتے ہیں، اور یہ مماثلت اور کفوٗ ہر وقت میسر نہیں ہوتی، اور باپ کو ولایت نص سے ثابت ہوئی ہے تاکہ وہ ضرورت کے وقت کفوٗ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے، کیونکہ ہر وقت کفو میسر آنے کے بعد ضائع ہو جانے پر حاصل نہیں ہوتی۔(ت)

حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یاعلی ثلاث لاتؤخرھا الصلٰوۃ اذا	اے علی! تین چیزوں میں دیر نہ کرنا، نماز جب اس کا

[1] فتح القدیر باب الاولیاء المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۱۷۳/۳

اُنت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوًا[1]۔رواہ الترمذی والحاکم عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ۔	وقت آئے، اور جنازہ جب حاضر ہو، اور زن بے شوہر جب اس کے لئے کفو پائے (اس کو ترمذی اور حاکم نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاجاء کم الاکفاء فانکحوھن ولاتربصوابھن الحدثان[2]۔رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جب تمھارے پاس کفو آئیں تو لڑکیاں بیاہ دو اور ان کے لئے حادثوں کا انتظار نہ کرو (اس کو مسند فردوس میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

یعنی دیر میں شاید کوئی حادثہ پیش آئے کہ فی التاخیر اٰفات (تاخیر میں کئی آفتیں ہیں۔ت) چند حدیثوں میں ہے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اتاکم من ترضون خلقہ ودینہ فزوجوہ الاتفعلوا تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض[3]۔رواہ الترمذی وابن ماجۃ والحاکم عن ابی ھریرۃ وابن عمر والترمذی والبیھقی فی السنن عن ابی حاتم المزنی رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	جب تمھارے پاس وہ شخص آئے جس کا چال چلن اور دین تمھیں پسند ہو تو اس سے نکاح کردو، ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔ (اسے ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے ابن عمر، اور ترمذی اور بیہقی نے سنن میں ابو حاتم المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

ذخیرہ وردالمحتار میں ہے:

الاصح انہ اذاکان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع	اصح یہ ہے کہ اگر ایسے مقام پر ہو کہ اس کی واپسی کے انتظار اور اس کی رائے حاصل کرنے سے موجودہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ ص ۲۴، ابواب الجنائز ص ۱۲۷، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ج ۱، المستدرک للحاکم کتاب النکاح باب تزوجواالودود والولود دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۳۔ ۱۶۲

[2] کنزالعمال بحوالہ فر عن ابن عمر حدیث موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۱۷

[3] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء من ترضون دینہ الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۲۸، المستدرک کتاب النکاح دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۵

رأیه فات الکفؤ الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشار فی الکتاب [1]۔	کفو فوت ہوجائے گا تو ایسے مقام پر ولی اقرب کی غیبت منقطعہ ہوگی، اور اسی کی طرف کتاب میں اشارہ ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

اذا بقینا ولایة الاقرب ابطلنا حقها وفاتت مصلحتها [2]۔	ولی اقرب کی (باوجود غائب ہونے کے) ولایت کو باقی رکھیں تو لڑکی کا حق باطل اور اس کی بھلائی فوت ہوجائے گی۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

هذا اقرب الی الفقه لانه لانظر فی ابقاء ولایته حینئذ [3]۔	یہ بات فقہ سے اقرب ہے کیونکہ یہاں اقرب کی ولایت کو باقی رکھنے میں بچی پر شفقت نہیں ہے۔(ت)

تو ابعد کے لئے حصول ولایت تین شرط پر مشروط:

اول یہ ابعد بغیبت اقرب جس کے نکاح میں دے صغیرہ کا کفو ہو،

فانه ان لم یکن کفوا فای شئی یفوت بفوته والام تمس الحاجة۔	اگر وہ کفو نہ ہو تو پھر کس چیز کے فوت ہونے کا خطرہ اور ماں کو کس کی حاجت محسوس ہوئی۔(ت)

دوم ہو کفو ولی اقرب کا جواب آنے تک نہ رکے ورنہ ہر گز ابعد کو اختیار نہ ہوگا، جامع الرموز و مجمع الانہر میں ہے:

لو انتظرہ الخاطب لم ینکح الابعد [4]۔	اگر منگنی طلب کرنے والا ولی اقرب کا انتظار کرتا ہے تو پھر ولی ابعد نکاح نہ کرے۔(ت)

منحۃ الخالق میں ہے:

ان رضی الخاطب ان ینتظر الی استیذان الولی الاقرب لم یصح للابعد العقد [5]۔	اگر منگنی والا ولی اقرب سے اجازت حاصل کرنے پر راضی ہے تو ابعد کا نکاح درست نہ ہوگا۔(ت)

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱۵/۲

[2] فتح القدیر باب فی الاولیاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۸۴/۳

[3] الہدایہ باب فی الاولیاء والاکفاء المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲۹۹/۲

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب فی الاولیاء والاکفاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۳۹/۱

[5] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحر الرائق باب الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۶/۳

سوم اس جاری کرنے والے کفو کے سوااور کوئی کفو خواستگار نکاح ایسا حاضر نہ ہو جو جواب آنے تک انتظار پر راضی ہو۔

فانه حینئذ لایفوتها الکفوالخاطب بالفعل انما یفوت ان فات احد هما ولیس فی ذلك ابطال حقها ولاتفویت مصلحتها حتی تسلب الولایه من قریب شفیق الی بعید سحیق وھذا ظاھر لاسترة علیه۔	کیونکہ اس صوت میں لڑکی کے لئے کفووالا رشتہ فوت نہ ہوگا۔ہاں دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہوا، مگر اس سے لڑکی کا حق باطل ہوا نہ اس کی مصلحت فوت ہوئی جس کی بناپر اقرب ولی کی ولایت سلب کی جائے جو کہ نہایت شفیق ہے اور بعید غیر شفیق کو دی جائے، یہ بالکل ظاہر بات ہے۔(ت)

یہاں اولاً زید کا بھتیجا جس کے ساتھ تزویج زینب کا ارادہ وہ اپنے خط میں لکھ چکا ظاہراً صریح کفو خواستگار موجود ہے یہ دوسرا جس کے ساتھ نکاح کیا گیا اگر کفو بھی تھا اور اتنی دیر میں ہاتھ سے نکل جاتا تو دوسرا تو موجود تھا تو وہ ضرورت جس کے لئے ولی ابعد کو اختیار ملنا متحقق نہ ہوئی، ولہذا علامہ خیر الدین رملی حاشیہ بحر الرائق مسئلہ عضل ولی اقرب میں فرماتے ہیں:

الولایة بالعضل نیابة انما انتقلت للقاضی لدفع الاضرار بها ولایوجد مع ارادة التزویج بکفؤ غیره[1]۔	رکاوٹ کی وجہ سے ولایت قاضی کو بطور نیابت منتقل ہوتی ہے تاکہ وہ لڑکی کے ضرر رسانی کا دفاع کرسکے، جبکہ ایک کفو کی بجائے دوسرے کفو کو نکاح دینا لڑکی کے لئے ضرر نہیں ہے۔(ت)

علامہ شامی حاشیہ بحر میں لکھتے ہیں:

ان کان الکفو الاٰخر حاضرا وامتنع الاب من تزویجها من الاول واراد تزویجها من الثانی لایکون عاضلا لان شفقته دلیل علی انه اختار لها الانفع[2]۔	اگر دوسرا کفو موجود ہے اور باپ پہلے کو نکاح نہ دے اور وہ دوسرے کو دینا چاہتا ہے تو اس کو باپ کی رکاوٹ نہ کہا جائے گا کیونکہ اس کی شفقت پدری اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بچی کے لئے زیاد مفید کو پسند کرتا ہے۔(ت)

---

[1] منحة الخالق بحواله الرملی فصل فی الاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۷/۳

[2] منحة الخالق حاشیه علی البحر الرائق فصل فی الاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۷/۳

ثانیًا جب خط مذکور آنے اور ارادہ زید ظاہر ہو جانے کے بعد یہ نکاح واقع ہوا تو ظاہر کہ یہ جلدی اس لئے نہ تھی کہ کفوٴ حاضر کو اتنی مہلت نہیں زید کا جواب آنے تک بیٹھا نہ رہے گا بلکہ قصدًا اس کی رائے کے خلاف جان کر بالا کارروائی کرلی گئی کہ وہ نہ آنے پائے اور اپنا مطلب ہو جائے یہ ہر گز نہ ضرورت نہ مصلحت نہ مراد شرع سے اسے مناسبت بلکہ مقصود شرع سے صاف مناقضت شرع مطہر نے مراتب ولایت کی ترتیب اسی دن کے لئے رکھی تھی کہ جس کی عقل کامل صغیر السِّن پر شفقت وافران بے چاروں کے کام آرام کا انتظام اہتمام اس کے ہاتھ میں دیا جائے نہ کسی کم شفقت یا ناقص العقل کے قبضے میں، اگر ترک انتظار اسی کا نام رکھا جائے کہ ولی اقرب کی رائے اپنے خلاف معلوم ہے لہٰذا اس سے دریافت کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ پوچھے سے منع کردے گا تو ایسی غیبت تو ہر وقت نقد وقت ہو سکتی ہے، آخر مذہب معتمد پر غیبت منقطعہ میں سفر در کنار شہر سے باہر ہونا بھی شرط نہیں **کما فی الخانیۃ والبحر والدرر وغیرھا** (جیسا کہ خانیہ، بحر اور درر وغیرہ میں ہے۔ت) صغیرہ کا مہربان باپ اس کی مصلحت کا خواہاں اس کی مضرت سے ترساں جب مسجد میں نماز کو جائے گھر میں کوئی عورت ناقصۃ العقل والدین اپنی خواہش کے مطابق جس کفو کو چاہے بیٹی دے دے اگرچہ باپ جانتا ہو کہ اس سے رشتہ میں صغیرہ کی شامت ہے تو شرع مطہر میں باپ کی تقدیم اور اس کی رائے وشفقت پر اس قدر اعتماد عظیم (کہ اگر وہ ایک بار کفو کے ہوتے غیر کفو سے بیاہ دے تو تمام جہان میں کسی کو اختیار اعتراض نہیں کہ اس نے کفاءت سے بڑھ کر کوئی مصلحت سوچ لی ہوگی۔

فی ردالمحتار انہ لوفور شفقتہ بالابوۃ لایزوج بنتہ من غیر کفو او بغبن فاحش الالمصلحۃ تزید علی ھذا الضرر کعلمہ بحسن العشرۃ معھا وقلۃ الاذی ونحو ذٰلک[1]	ردالمحتار میں ہے کہ وہ پدری شفقت کی بنا پر اپنی بیٹی کا نکاح غیر کفو اور انتہائی کم مہر سے نہیں کریگا مگر جبکہ اس ضرر کی نسبت سے زیادہ فائدہ اور مصلحت پیش نظر ہو مثلاً لڑکی کے لئے اچھی معاشرت اور لڑکی کو اذیت سے تحفظ وغیرہ مقصود ہو (ت)

سب بیکار و معطل ہو کر رہ گئے **ان ھذا البعید من الفقہ ای بعید** (یہ فقہ سے بہت بعید ہے۔ت) بلکہ ایسی باگ چھوڑنے میں سخت فتنوں کا احتمال قوی ہے مثلاً زن بے خرد اپنے کسی عزیز کے ساتھ بوجہ قرابت خواہ کسی طمع سے یا دلالہ خبائث کی باتوں میں آکر کسی شخص سے دختر کا نکاح چاہتی ہو پدر شفیق ہو آگاہ ہو کہ یہ بدمذہب یا کم نسب ہے اور کسی وجہ سے کفو نہیں وہ منع کردے اس کے جاتے ہی یہ ناقصۃ العقل اس بُری جگہ

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۵

لڑکی اٹھادے اور دعوی کرے کہ یہ کفو تھا انتظار میں فوت ہو جاتا لہٰذا مجھے ولایت ملی اب کہیں یہ ہوگا کہ ذی عزت آدمی **معاذاللہ** ایسے معاملات کچہری تک لے جاتے غیرت کرے اور قہر درویش بر جان درویش کہہ کر خاموش رہے تو نابالغہ کو کیسا ضرر عظیم پہنچا اگر دعوی کرے تو عدم کفاءت کا ثبوت دینا دشوار ہو خصوصا مثل مذہب میں کہ بہت بدمذہب خصوصا روافض ایسی جگہ تقیہ کی بڑی ڈھال رکھتے ہیں تو ایسی اجازتوں میں کیسی آفتوں کا فتح باب ہے **والعیاذ باللہ العزیز الحکیم** (عزت وحکمت والے اللہ کی پناہ۔ت)۔

ثالثًا مذہب معتمدہ بلکہ قول مقابل پر بھی ولی اقرب کی غیبت منقطعہ میں ابعد کو ولایت دینے کا منشا صرف یہ کہ ولایت اس لئے رکھی ہے کہ اس کی رائے سے نابالغ کو نفع پہنچے اور جب وہ ایسا غائب ہے تو اس کی رائے سے نفع معدوم۔ لہٰذا جو اس کے بعد درجہ رکھتا ہے اس کی رائے پر رکھیں گے، ہدایہ میں ہے:

ان ھذہ ولایۃ نظریۃ ولیس من النظر التفویض الی من لاینتفع برأیه ففوضناہ الی الابعد والغیبۃ المنقطعۃ ان یکون بحال یفوت الکفؤ باستطلاع رأیه[1] اھ ملتقطا۔	یہ نکاح کی ولایت شفقت پر مبنی ہے تو جس کی رائے سے انتفاع نہ ہوسکے ایسے کو ولایت سونپنا شفقت نہ کہلائے گی، لہٰذا ہم یہ ولایت اس کے بعد والے ولی کو سونپتے ہیں، اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ اقرب ایسی جگہ ہو کہ اس کی رائے حاصل کرنے میں کفو فوت ہوجائے۔اھ ملتقطا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لانظر فی التفویض الی من لاینتفع برأیه لان التفویض الی اقرب لیس لکونه اقرب بل لان فی الاقربیۃ زیادۃ مظنۃ للحکمۃ وھی الشفقۃ الباعثۃ علی زیادۃ اتفاق الرائی للمولیۃ فحیث لاینتفع برأیه اصلا سلبت الی الابعد[2]۔	جس کی رائے سے انتفاع ممکن نہ ہو اس کو ولایت سونپنا شفقت نہیں ہے کیونکہ اقرب کو ولایت اس لئے نہیں کہ وہ اقرب ہے بلکہ اس لئے کہ اقرب ہونے میں زیادہ شفقت کا پہلو ہے جو کہ لڑکی کے لئے فوائد سے اتفاق ہے، تو جہاں اس کی رائے سے انتفاع ممکن نہ ہو وہاں اسے ابعد کی طرف منتقل کیا جائے گا۔ (ت)

[1] الهدایه باب الاولیاء والاکفاء المکتبه العربیة کراچی ۲/ ۲۹۹

[2] فتح القدیر باب الاولیاء المکتبة النوریه الرضویه سکھر ۳/ ۱۸۳

بحر الرائق میں ہے:

قوله وللابعد التزويج بغيبة الاقرب مسافة القصر ای ثلثة ايام فصاعدا الان هذه ولاية نظرية وليس من النظر التفويض الى من لاينتفع برأيه ففوضناه الى الابعد[1]۔	ماتن کا قول کہ "ابعد کو نکاح کردینے کی ولایت ہے جبکہ اقرب اتنی مسافت پر ہو جس سے قصر لازم ہو" یعنی تین دن یا زیادہ مسافت، کیونکہ یہ ولایت شفقت پر مبنی ہے، تو ایسے کو ولایت سونپنا جس کی رائے قابل انتفاع نہ ہو تو وہ شفقت نہ ہوگی، اس لئے ہم نے یہ ولایت ابعد کو سونپی ہے۔(ت)

یہاں کہ ولی اقرب کی رائے سے انتفاع بالفعل حاصل وہ خط لکھ چکا اپنی رائے ظاہر کرچکا تو اب ابعد کی رائے پر رکھنے کا کیا منشا اس کی رائے تو اس لئے لی جاتی ہے کہ اقرب کی رائے سے انتفاع معدوم، نہ اس لئے کہ اس کی رائے سے جو نفع حاصل ہے اس کے رد و ابطال کے واسطے یہ سراسر عکس مقصود ہے تو بنظر بحالات واقعہ صاف ظاہر ہے کہ یہ اس صورت سے بہت ابعد ہے جس میں شرع مطہر اقرب سے ابعد کی طرف ولایت نقل فرمائے، لاجرم غیبت زید غیبت منقطعہ نہیں اور وہی اقرب ہے، اس کے سوا دادی وغیرہا کسی کا کیا نکاح نکاح فضولی ہے کہ زید کی اجازت پر موقوف تو فسخ کراسکتا کیا معنی، زید خود اپنے قول سے فسخ کرسکتا ہے زبان سے کہہ دے "میں نے یہ نکاح رد کیا" فوراً رد و باطل ہوجائے گا۔ محیط وہندیہ وشرح تنویر وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاخير لوزوج الابعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته[2]۔	عبارت آخری کتاب کی ہے کہ اگر ابعد نے اقرب کی موجودگی میں نکاح دیا تو اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا (ت)

یہ سب کلام اس حالت میں ہے کہ جس سے زینب کا نکاح ہوا زینب کا کفو ہو اور اگر کفو نہیں یعنی نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن یا مال غرض کسی بات میں ایسا کم ہے کہ اس سے اس کا نکاح ہونا زید کے لئے باعث عار ہو جب تو حکم بلادقت ظاہر کہ مذہب معتمدہ پر یہاں سرے سے غیبت منقطعہ کی پہلی ہی شرط متحقق نہ ہوئی تو ایسا نکاح قطعاً اجازت پر موقوف ہے اگرچہ ہزار کوس پر ہو وہ بھی جبکہ زید اس سے پہلے اپنی ولایت سے کوئی نکاح غیر کفو سے نہ کرچکا ہو ورنہ نکاح زینب اس کی اجازت پر بھی موقوف نہ رہا، سرے سے خود ہی باطل محض ہوا **الصدورہ من فضولی ولامجیز** (فضولی سے صادر ہونے اور اس کو جائز کرنے والا نہ ہونے کی بنا پر۔ت)

---

[1] بحر الرائق باب الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۶/۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الاولیاء مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۴/۱

ظاہر حال صورت سوال تو یہ ہے اور اگر فرض کیجئے کہ جدہ زینب کی یہ جلدی اور جس سے نکاح ہوا اس کی بے انتظاری اس بنا پر نہ تھی بلکہ واقعی ہی امر تھا کہ صرف یہی کفو خواستگار ہے بھتیجا وغیرہ یا تو خواستگار ہی نہیں یا ہیں تو کفو نہیں، اور یہ کفو اپنی کسی ضرورت کے باعث اس درجہ مستعجل ہے، زید نے کہ خط لکھا اس وقت کوئی کفو خواستگار نہ تھا، اب اگر اسے اطلاع ہو کہ یہ موقع ہاتھ آیا اور ایسا خواستگار پایا عجب نہیں کہ وہ بھی رضامند ہو مگر بے مہلتی کے باعث خط یا آدمی بھیج کر دریافت کرنے کا وقت کہاں انتظار میں کفو فوت ہوگا زینب کو ضرر پہنچے گا فی الواقع اگر حالت یہ تھی تو بیشک زید کی غیبت پر غیبت منقطعہ کی تعریف مذکور صادق نظر آئے گی اور کہا جائے گا کہ اب جو ولی حاضر درجات ولایت میں اس کے بعد ہے اس نے ولایت پائی، اب اول تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس نکاح میں زینب کے مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہوئی مثلاً اس کا مہر مثل پچاس ہزار تھا پچیس ہزار بندھے، اگر ایسا ہے تو یہ نکاح مطلقاً باطل محض ہوا کہ اب باپ بھی جائز کرے تو جائز نہ ہوگا، مگر یہ کہ باپ کی غیبت منقطعہ میں زینب کا جد صحیح ولی حاضر ہو جو اس سے پہلے کوئی نکاح اپنے کسی زیر ولایت کا ایسی بے شفقتی کا نہ کرچکا ہو، اور یہ نکاح دادی نے اس کی اجازت سے کیا یا بعد وقوع اس نے جائز رکھا اور نافذ کردیا، اور اس اجازت سابقہ یا لاحقہ کے وقت نشے میں نہ تھا البتہ جائز بلکہ لازم ہوگا کہ پھر کسی طرح رد نہیں ہوسکتا، مگر تقریر سوال سے زینب کا دادا موجود ہونا مفہوم نہیں۔ درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها اوبغبن کفو ان الولی المزوج ابا اوجدالم یعرف منهما سوء الاختیار اتفاقا وکذالو کان سکران [1] اھ وفی الخیریة و مثل الوکالة السابقة الاجازة اللاحقة [2]۔	اگر باپ یا دادا نکاح دینے والا ہو جس کے بارے میں سوء اختیار معروف نہ ہو تو اس کا غیر کفو اور انتہائی کم مہر سے کیا ہو نکاح بھی لازم ہوگا، اور اگر وہ سوء اختیار سے معروف ہوں تو بالاتفاق یہ نکاح نہ ہوگا۔ یوں ہی اگر وہ نشہ میں ہوں تو بھی صحیح نہ ہوگا اھ اور خیریہ میں ہے پہلی وکالت کی طرح ہی بعد والی اجازت کا حکم ہے۔ (ت)

اور اگر یہ نکاح اس عیب سے بھی خالی ہے یعنی مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہوئی تو اب دیکھنا ضرور یہ ہے کہ باپ اور جدہ کے درمیان جس قدر اولیاء ہیں جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ان میں سے کوئی موجود تھا یا نہیں، اگر تھا تو دادی نے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۵

اس سے اجازت لے لی تھی یا نہیں۔ اگر نہ لی تھی تو بعد وقوع نکاح قبل واپسی پدر اس نے اجازت دے دی تو بیشک یہ نکاح صحیح وتام ونافذ ہوگا کہ باپ اسے رد نہیں کرسکتا۔

فی الفتح القدیر لوحضر الاقرب بعد عقد الابعد لایرد عقدہ وان عادت ولایتہ بعودہ[1]۔	فتح القدیر میں ہے کہ اگر ابعد کے نکاح کردینے کے بعد اقرب آجائے تو ابعد کے نکاح کو رد نہ کرسکے گا اگرچہ اقرب کے واپس آنے پر اس کی ولایت لوٹ آئی ہے۔(ت)

مگر یہ ولی جس نے اول یا بعد اجازت دی، اگر زینب کا دادا نہیں جیسا کہ صورت سوال سے یہی ظاہر ہے تو یہ نکاح اس کی اجازت سے نافذ سہی لازم اب بھی نہ ہوا زینب کو بعد بلوغ اختیار ملے گا اگر پہلے سے نکاح کی خبر ہے تو بالغہ ہوتے ہی فورًا فورًا اور نہ بلوغ کے بعد جس وقت خبر ملے اسی وقت معًا اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کردے کہ اس صورت میں حاکم اس نکاح کو فسخ کردے گا اگرچہ پیش از بلوغ زینب ہمبستری بھی واقع ہولی ہو مگر ازانجا کہ زینب دوشیزہ ہے دیر لگانے کا اختیار نہ ہوگا اگر پہلے سے خبر ہے تو بالغہ ہونے پر ورنہ خبر پانے پر بلاعذر ضرورت ایک لحہ کی دیر کرے گی تو اختیار ساقط اور نکاح لازم ہوجائے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ سے ناواقف ہو اور انجانی کے سبب فورًا مبادرت نہ کی ہو، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام من کفو وبمھر المثل صح ولکن لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ ولوبعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ وبطل خیار البکر بالسکوت لومختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولایمتد الٰی اٰخر المجلس وان جھلت بہ[2] اھ ملتقطا۔	اگر باپ دادا کے غیر نے نکاح دیا خواہ ماں ہو بشرطیکہ کفو میں اور مہر مثل سے کیا ہو تو وہ نکاح صحیح ہے لیکن لڑکی اور لڑکے کو بالغ ہونے کے بعد فسخ کا اختیار ہوگا فسخ کا اختیار لڑکی کو دخول کے باوجود بلوغ پر یا بلوغ کے بعد نکاح کے علم پر بھی ہوگا اور فسخ کے لئے قضا شرط ہے، اور باکرہ کا اس موقعہ پر خاموش رہنا اس کے اختیار کو باطل کردے گا بشرطیکہ وہ اپنے نکاح کا علم رکھتی ہو اور عاقلہ ہو، اس کا یہ اختیار مجلس علم کے آخر تک باقی رہے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ سے جاہل ہو، اھ ملتقطا(ت)

اور اگر دادی سے بالاتر جو ولی موجود تھا باپ کے آنے سے پہلے اس نے رد کردیا تو باطل ہوگیا باپ کو فسخ

[1] فتح القدیر باب الاولیاء والاکفاء المکتبۃ النوریہ الرضویہ سکھر ۳/۱۸۴

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳۔۱۹۲

کی کیا حاجت، اور اگر ہنوز نہ اس ولی نے اجازت دی نہ رد کیا تھا کہ زید آگیا تو اب وہ توقف اس ولی سے منتقل ہو کر خود زید کی اجازت پر رہے گا اگر رد کردے گا اسی وقت باطل ہو جائے گا۔

فی الدرالمختار وتبیین الحقائق للامام الزیلعی واللفظ له وعنه فی الهندیة تبطل ولایة الابعد بمجی الاقرب لاماعقد لانه حصل بولایة تامة [1]۔	درمختار اور تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے زیلعی کی عبارت میں، اور ہندیہ میں زیلعی سے منقول کہ اقرب کے واپس آنے پر ابعد کی ولایت باطل ہو جائے گی، اور ابعد کا کیا ہوا نکاح باطل نہ ہوگا کیونکہ یہ اس کی کامل ولایت میں حاصل ہے۔(ت)

تنبیہ نفیس: اقول: وباللّٰه التوفیق، یہ تمام کلام فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے کلمات علمائے کرام کے اس ظاہری مفاد پر مبتنی کیا کہ بادی النظر میں اذہان عامہ اس طرف جائیں اور اگر حق تحقیق و عین تدقیق چاہئے تو نگاہ مقصود وشناس جزم و قطع کے ساتھ اسی ابتدائی بات پر حکم کرے گی جسے ہم نے اولا ظاہر صورت سوال بناکر دوبارہ فرضًا اس سے تنزل کیا تھا یعنی اس غیبت کا غیبت منقطعہ نہ ہونا اور ولایت پدر کا بدستور باقی رہنا اور اگر یہ نکاح منعقد واقع ہوا تو مطلقًا بلااستثناء ہر حال وہر صورت میں اجازت ولی اقرب پر توقف پانا اور اس کے رد کئے سے فورًا رد ہو جانا، جب مذہب معتمد میں بناء کار اس پر ٹھہری کہ ولی اقرب کے ایاب وجواب کے انتظار میں کفو فوت ہوتا اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہو کیا معلوم پھر کفو ملے یا نہیں تو یہ بات ہمارے اعصار وامصار میں کنواری لڑکیوں کے حق میں جبکہ ولی اقرب کا پتا معلوم اور وہاں تک ڈاک کی آمد ورفت بے وقت مرسوم ہو متصور نہیں، ادھر تو ازمنہ سابقہ میں نہ راہیں ایسی آسان تھیں نہ ڈاک کے ایسے انتظام، مدتوں میں منزلیں طے ہوتیں، خط جاتا تو آدمی لے جاتا، پھر تنہائی گزر دشوار، نہ ہر وقت قافلے میسر نہ ہر شخص قاصد بھیجنے پر قادر، ادھر ان بلاد طیبہ میں نکاح کی یہ رسم کہ آج خطبہ ہوا کل نکاح ہوگیا، وہ ایک روز کی دیر لگی تو دوسری جگہ موجود، یہاں یہ رواج کہ مہینے کی آمد ورفت پیام سلام میں کسی کا نکاح ہوگیا تو لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ہیں جھٹ منگنی پٹ بیاہ، پھر خطوط کی آمد ورفت وہ کہ تیسرے دن کلکتہ خط پہنچے چوتھے دن بمبئی، وہ کون سا جلد باز ہوگا کہ آج پیام دے اور آج ہی نکاح چاہے ایک ہفتہ کا انتظار ہو تو نکاح ہی نہ کرے یا صبح وشام دوسری جگہ نکاح ہو جائے۔ ہندوستان کی لڑکیاں سہل نہیں ملتیں ایک ایک بڑھیا کے منہ سے سن لیجئے کہ میاں لڑکیاں آندھی کی بیر تو نہیں۔ نہ جوتیاں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۵، تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء مطبعہ امیریہ کبرٰی مصر ۲/۱۲۷

ٹوٹیں، نہ چادریں پھٹیں، کیا کوئی پھٹ سے ہاں کہہ دیتا ہے، تو مقاصد علماء پر نظر شاہد عدل کہ یہاں غیبت منقطعہ وہی کہی جاسکتی ہے کہ یاتو ولی اقرب کا پتا نہ معلوم ہو آخر بے نشان کا کب تک کوئی انتظار کرے یا کسی ایسے دور دراز ملک غیر میں جہاں ڈاک پر اطمینان نہ ہو خطوط جائیں اور پتا نہ چلے، آدمی بھیجو تو صرف کثیر، دو ایسی صورتوں میں کفو کا یہ عذر ہو سکتا ہے کہ کب تک بیٹھیں، اور ممکن کہ زبان نہ دو تو انتظار میں وہ مدتیں گزریں کہ دوسری جگہ اس کی ٹھیک ٹھاک ہو جائے ورنہ ہندوستان بلکہ آج کل برہما میں بھی جو موجود اور پتا معلوم ہے اس کی نسبت عادۃً کوئی کفو یہ تقاضا نہ کرے گا کہ ہم آٹھ دس روز کا انتظار ہر گز نہ کریں گے کرنا ہے تو آج کردو، اور بالفرض کوئی زبان دینے میں جلدی بھی کرے تو یہاں کفو کی روک تھام کے لئے منگنی وہ عمدہ صیغہ ہے جس سے اس کا اطمینان ہو جائے اور رائے ولی اقرب فوت نہ ہونے پائے۔ منگنی کے بعد مدتوں دونوں طرف ساز وسامان کی درستی میں گزرتے ہیں بلکہ یہاں کے رواج سے اپنی منگیتر کو بھی من وجہ گویا اپنی ناموس جانتے اور دوسری جگہ اس کے نکاح سے برا مانتے اور اس کے انتظار میں سال گزارتے ہیں منگنی کے بعد خدا جانے کتنی بار ولی اقرب کی رائے لے سکتے ہیں اس کے جواب ملنے تک انتظار نہ ہونا کیا معنٰی، یہ عذر مصنوع وہیں پیش ہوگا جہاں اپنی اغراض فاسدہ سے ولی اقرب کے خلاف رائے بالا بالا کارروائی کرنی ہوگی جو شرع مطہر کے بالکل نقیض مراد ہے اور اس کی توسیعوں میں انھیں آفات کا دروازہ کھلنا جو ابھی ہم ذکر کر آئے، شاید شاذ ونادر برخلاف عادت ملک اگر کہیں ایسی جلدی پائی جائے تو امور نادرہ مبنائے احکام فقہیہ نہیں ہو سکتے بلکہ عادت شائعہ پر حکم دینا واجب،

کما نصوا علیه فی غیر ما مسئلة منها مسألة دخول النساء الحمام فی الدر المختار وغیرہ ومنها مسألة جوار الحرمین فی فتح القدیر ومنها مسألتنا هذہ بناء علی ماکان معتادا عندهم علی خلاف ماهو العادة عندنا فیه ایضاً الی غیر ذلك ممالایخفی علی من خدم کلماتهم الطیبة۔	جیسا کہ انھوں نے بہت سے مسائل میں تصریح کی ہے، ان میں سے ایک مسئلہ حمام میں عورتوں کے داخلہ کا ہے جس کو درمختار وغیرہ میں بیان کیا ہے، انہی مسائل میں سے فتح القدیر میں حرمین شریفین میں رہائش کا مسئلہ ہے، ان مسائل میں سے ایک ہمارا مسئلہ جو ان کی عادت کے مطابق تھا اور ہماری عادت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ اور بھی ہیں جو کہ فقہاء کے کلمات طیبات پر اطلاع رکھنے والا جانتا ہے۔(ت)

بلکہ انصافاً وہ علماء بھی جنھوں نے مسافت قصر اختیار فرمائی، اگر ریل اور ڈاک اور یہاں کے عادات ملاحظہ فرماتے ہر گز حکم نہ دیتے، بریلی کا ساکن مراد آباد تک گیا اور اس کی ولایت اپنی اولاد پر سے سلب ہوئی جس کے دن میں دو پھیرے ہو سکتے ہیں بالجملہ جب مدار کا انتظار کے سبب فوت کفو پر ٹھہرا تو اس مناط کو تحقق ضروری،

جب تک یہ حالت نہ ہو غیبت منقطعہ ہر گز نہیں، اس پر نظر کامل رکھنا اور اصحاب اغراض کے فریبوں سے بچنا لازم، **ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل** (جو اپنے زمانہ کے عرف سے ناواقف ہو وہ جاہل ہے۔ت) ہاں کوئی بیوہ سن رسیدہ باختیار خود کسی سے شرعی نکاح خالی از رسوم کرلینا چاہے تو وہاں جلدی متصور، وہ اول تو ہندیوں کی عادت نہیں اور ہو بھی تو ہماری بحث سے خارج کہ یہاں کلام قاصرہ میں ہے اور قواصر کے باب میں ضرور وہی عادت، لہٰذا فقیر ان صُوَرِ مذکورہ بالا کے سوا یہاں غیبت منقطعہ کے حکم پر زنہار جسارت روا نہیں رکھتا، یہ بعونہٖ تعالٰی فقہ انیق وحق تحقیق ہے،

وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد واٰلہٖ و صحبہ اجمعین اٰمین، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کی مدد سے توفیق اور راستہ کی راہنمائی ہے۔ **الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین آمین، واللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۳۴۳: کلکتہ دھرم تالہ اسٹریٹ ٹیپو سلطان مرسلہ حافظ محمد عظیم صاحب ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک لڑکی بعمر سہ سال تھی زید نے اس کی منگنی عمرو سے کردی، بعدہ زید کا انتقال ہوگیا، جب لڑکی تیرہ ۱۳ برس کی ہوئی کوئی علامت بلوغ کی اس سے ظاہر نہیں۔ زید کے پدر خاص نے لڑکی کی عدم موجودگی میں اس کا نکاح عمرو سے کردیا، چار مہینے کے بعد زید متوفی کے چچا نے لڑکی کی موجودگی میں اس کا نکاح عقد بکر سے کردیا بخیال اس کو بالغہ ٹھہرانے کے، مگر کوئی نشانی بلوغ کی آج تک لڑکی سے ظاہر نہیں، اس صورت میں شرعا کون سا نکاح معتبر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یتیمہ بالغہ کا سب سے زیادہ ولی اقرب واقدم اس کا حقیقی دادا یعنی اس کے باپ کا باپ ہے، اس کے ہوتے باپ کے چچا خواہ کسی کو کچھ اختیار نہیں ہے، اس کے دادا کا کیا ہوا نکاح کسی کے رد کئے رد نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اگر وہ خود بالغہ ہو کر نکاح کو رد کرے ہر گز رد نہ ہوگا، نہ ولی کے نکاح کرتے وقت نابالغہ کا موجود ہونا درکار ہے کہ نابالغ پر ولایت جد جبری ہے اور اس کا حاضر ہونا نہ ہونا سب یکساں، تو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نابالغہ اس چار مہینے میں بالغہ ہوگئی اور باپ کے چچا نے اس کی موجودگی میں اس کی رضا سے اس کے بالغہ ہونے پر اس کا نکاح بکر سے کردیا جب بھی یہ نکاح محض باطل و نامعتبر ہے، وہ لڑکی عمرو کی زوجہ ہے جب تک موت یا طلاق نہ ہو، دوسرے سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، **قال اللہ تعالٰی وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ** (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور آزاد پاکیزہ عورتیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

لزم النکاح بلاتوقف علی اجازۃ احد وبلاثبوت خیار فی تزویج الاب والجد [1] الخ۔	باپ یا دادا کے دیئے نکاح کسی کی اجازت پر موقوف ہوئے بغیر اور ثبوت خیار بلوغ بغیر فورًا نافذ اور لازم ہوجاتے ہیں۔(ت)

واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۴۴: از اوجین حویلی میر صاحب مرسلہ مرزا مختار علی بیگ صاحب وکیل ۱۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی اللہ بیلی حجام نے اپنی دختر زیتون کا نکاح ۱۳۰۶ھ میں مسمّٰی احمد قوم حجام سے کہ اللہ بیلی کا ہم قوم ورشتہ دار ہے کیا، وقت نکاح زیتون چار پانچ سال کی تھی، اب ۱۳۱۵ھ میں جبکہ زیتون قریب ۱۳ یا ۱۴ سال کے ہوئی، احمد نے رخصت چاہی اللہ بیلی نے انکار کیا، احمد نے فوجداری میں نالش کی، اللہ بیلی نے عذر کیا کہ داماد میرا نامرد ہے، ہیجڑوں میں گاتا بجاتا ہے اگر ڈاکٹر اس کا مرد ہونا تحریر کردیں تو رخصت میں عذر نہیں، ڈاکٹر نے بعد معائنہ ظاہر کیا کہ احمد کے اعضائے تناسل کو حالت تندرستی میں پایا ہنوز فوجداری سے حکم اخیر نہ ہوا تھا کہ اللہ بیلی نے دیوانی میں دعوی فسخ نکاح ان وجوہ پر کیا کہ وہ نامرد ہے ہیجڑوں کے افعال قبول کرکے حالت شرمناک اختیار کرلی ہے میری برابری کا نہ رہا زیتون کا نکاح نابالغی میں ہوا ہے فسخ قرار دیا جائے، احمد کو ان الزاموں سے قطعی انکار ہے، جانبین سے شہادتیں اپنے اپنے موافق گزریں، اگر بالفرض الزامات نامردی وغیرہ تسلیم بھی کرلئے جائیں تو ایسی صورت میں حسب استغاثہ پدر زیتون یا زیتون کا نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں یا خود بخود بوجوہات مظہرہ پدر زیتون نکاح فسخ ہے اور دعوی منجانب پدر زیتون بوجہ اس کے کہ عمر زیتون ۱۳، ۱۴ سال کی ہے جائز ہے یا نہیں یا ایک سال قمری کی مہلت تاریخ یکجا ہونے زن وشو سے دی جائے گی اور زوجہ رخصت پر مجبور کی جائے گی یا نہیں اور ہمبستری احمد وزیتون کی کرائی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں پدر زیتون کا دعوی اصلا قابل سماعت نہیں، زنانوں کے افعال کرلینا اگرچہ مسقط کفاءت ہے مگر کفاءت وقت نکاح درکار ہے بعد نکاح شوہر کیسے ہی شرمناک افعال اختیار کرے نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

الکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد	نکاح کے ابتداء میں کفو کا اعتبار ہوتا ہے اس کے

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۴

فلایضر زوالها بعدہ فلو کان وقتہ کفوا ثم فجر لم یفسخ[1]۔	بعد کفو کے زائل ہونے سے کوئی ضرر نہیں، اگر نکاح کے وقت کفو تھا پھر فاسق وفاجر ہوگیا تو نکاح فسخ نہ ہوگا۔(ت)

رہا دعوی نامردی وہ بھی منجانب پدر زیتون اصلا مسموع نہیں کہ اگر زیتون ہنوز نابالغہ ہے جب تو یہ دعوی دائر ہی نہیں ہوسکتا کہ اس کے لئے عورت کا بالغہ ہونا شرط ہے، اور اگر بالغہ ہے تو خود زیتون کا مدعیہ ہونا درکار، باپ کو دعوی کا کوئی حق نہیں، درمختار میں ہے:

فرق الحاکم بطلبها لو حرة بالغة[2].	اگر حرہ بالغہ ہو تو اس کے مطالبہ پر حاکم تفریق کردے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو صغیرة انتظر بلوغها فی المجبوب والعنین لاحتمال ان ترضی بهما بحر وغیرہ[3]۔	اگر نابالغہ ہو تو اس کے بلوغ تک نامرد اور شرمگاہ کٹے ہوئے خاوند کے معاملہ میں انتظار کیا جائیگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بالغہ ہونے کے بعد اس پر راضی ہوجائے۔ بحر وغیرہ۔(ت)

نیز درمختار وردالمحتار میں ہے:

طلبها یتعلق بالجمیع ای جمیع الافعال وهی فرق واجل وبانت ح عن النهر[4]۔	عورت کے مطالبہ کا تعلق تمام افعال یعنی تفریق اور مہلت سے ہے، اس پر وہ بائنہ ہوجائے گی، نہر سے منقول ہے۔(ت)

اور اگر فرض کیا جائے کہ زیتون نے خود ہی بعد بلوغ دعوی کیا پدر زیتون وکیل ہے جب بھی ہنوز کہ رخصت تک نہ ہوئی زن وشو میں ہمبستری واقع نہ ہوئی طلب فسخ کا کوئی محل نہیں، حکم شرعی یہ ہے کہ عورت شوہر سے ہمبستر ہو، اگر شوہر اس پر قدرت نہ پائے تو اس وقت دعوی کرے جب حاکم کو ثابت ہو کہ فی الواقع اس نے قدرت نہ پائی اس کے بعد حاکم شرع شوہر کو ایک سال کامل کی مہلت دے اور اس مدت میں عورت کو اس سے جدا

---

[1] درمختار باب الکفاءة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] درمختار باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

[3] ردالمحتار باب العنین وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۹۳

[4] ردالمحتار باب العنین وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۹۶

رہنے کو کوئی حق نہیں، جتنے دنوں خود اس سے جدا رہے گی مدت میں مجرانہ ہوں گے، سال گزرنے پر بھی اگر قدرت نہ پائے تو عورت پھر دعوی کرے اور حاکم پھر ثبوت قدرت نہ پانے کا لے اگر ثابت ہو جائے تو عورت کو اختیار دے کہ خواہ شوہر کے پاس رہنا پسند کرے یا اس کے نکاح سے جدا ہونا، اگر عورت فورا فورا بلا توقف جدا پسند کر لے تو حاکم شوہر کو طلاق کا حکم دے وہ نہ دے تو آپ تفریق کردے، اور اگر عورت ذرا بھی اختیار جدائی کے اظہار میں تاخیر کرے تو دعوی باطل اور اختیار زائل، درمختار میں ہے:

وجدته عنینا اجل سنة قمریة ورمضان وایام حیضها منها لامدة غیبتها ومرضه ومرضها فان وطئی مرة فبها والا بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها وبطل حقها لووجد منها دلیل اعراض بان قامت من مجلسها او اقامها اعوان القاضی اوقام القاضی قبل ان تختار شیئا لامکانه مع القیام [1] اھ مختصرا۔	بیوی مرد کو نامرد پائے تو ایک سال بحساب قمری سے مہلت دی جائے گی، رمضان اور حیض کے دن بھی اس میں شمار ہوں گے، اور عورت کے غیر حاضر ہونے اور مرد یا بیوی کے مرض کے دن گنتی میں شامل نہ ہوں گے، اس مدت میں خاوند نے ایک دفعہ بھی وطی کرلی تو بہتر، ورنہ سال کے بعد تفریق پر بیوی بائنہ ہو جائیگی، تفریق قاضی کرے گا، جب خاوند بیوی کے مطالبہ پر طلاق دینے سے انکار کردے اور بیوی کا مطالبہ تفریق باطل ہو جائے گا جب اس سے کوئی بھی ایسی دلیل پائی جائے جس سے مطالبہ سے اعراض سمجھا جائے جیساکہ بیوی مطالبے کی مجلس سے اٹھ کر چلی جائے، یا قاضی کا عملہ اس کو قائم رہنے پر مجبور کردے، یا قاضی کی موجودگی میں وہ فیصلہ کرسکتی تھی اس کے باوجود وہ فیصلہ نہ کرپائی تھی کہ قاضی اٹھ گیا اھ مختصرًا (ت)

پس صورت مستفسرہ میں پدر زیتون رخصت کردینے اور زیتون ہم بستری پر مجبور کی جائے گی، اس کے بعد اگر نامردی پائے تو طریقہ مذکورہ عمل میں لائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۵: ۲۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بالغ ہے اور اس کا باپ دادا چچا بھائی وغیرہ نہیں، ایک ماموں ہے اس نے عورت سے اذن نکاح کا نہ لیا، باہر سے باہر دو گواہ کرکے نکاح کردیا، یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ دوسری ایک عورت بالغ ہے اس کی ماں موجود ہے، نہ عورت نے اذن دیا نہ اس کی ماں نے، بلکہ سوتیلے باپ نے نکاح کا اذن دیا، یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

الجواب:

دونوں صورتوں میں جبکہ عورتیں بالغہ ہیں اور ان سے بغیر اذن لئے نکاح کردئے گئے تو وہ نکاح ان عورتوں کی اجازت پر موقوف رہے، اگر انھوں نے خبر سن کر جائز رکھے جائز ہوگئے اور اگر رد کردئے رد ہوگئے، اور اگر اب تک ساکت ہیں نہ رد کئے نہ جائز رکھے تو اب انھیں اختیار ہے چاہے جائز کردیں چاہے باطل۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۶: از کان پور مدرسہ احسن المدارس مرسلہ محمد عبدالحلیم صاحب ۱۳رجب ۱۳۱۶ھ

چہ می فرمایند علمائے محققین وفضلائے مدققین اندریں مسئلہ کہ باوجود برادر حقیقی مخطوبہ عم حقیقی مخطوبہ استیذان نکاح از مخطوبہ کرد ومخطوبہ بالغہ باکرہ است صامت ماندہ آں صموت رااذن دانستہ عم حقیقی بہ وکالۃ نکاح او رامنعقد کرد و بااوخلوت صحیحہ ھم گردید دریں صورت نکاح باطل خواہد شد یاچہ؟ **بینواتوجروا**	کیا فرماتے ہیں علمائے محققین اور فضلائے مدققین اس مسئلہ میں کہ حقیقی بھائی موجود ہونے کے باوجود حقیقی چچا نے لڑکی سے نکاح کی اجازت طلب کی جبکہ لڑکی باکرہ بالغہ ہے اور اجازت کے وقت خاموش رہی، اس خاموشی کو چچا نے اجازت سمجھ کر بطور وکالت اس کا نکاح کردیا خلوت صحیحہ بھی ہوچکی ہے تو یہ نکاح باطل ہوگیا یا کیا صورت ہوگی؟ **بینواتوجروا۔** (ت)

الجواب:

سکوت بکر کہ بجائے اذن داشتہ اندران صورت ست کہ استیذان خود ولی اقرب یا وکیل یا رسول او کردہ باشد کمافی الدر وغیرہ اینجا کہ استیذان ولی ابعد قیام اقرب کردہ است اگرنہ بروجہ وکالت ورسالت از اقرب بود بسکوت زن اصلاکارے نکشود نکاح نکاح فضولی شدہ براجازتے دیگر قولا یا فعلا یا سکوتا چنانکہ درفتاوائے خود وجہ آنہا روشن کردہ ایم از زن قولے یافعلے مظہر رد نکاح بمیان نیامدہ بود واین خلوت برضائے او	باکرہ کی خاموشی وہاں اجازت قرار دی جاتی ہے جب اجازت طلب کرنے والا خود یا ولی اقرب ہو یا اس کا وکیل یا قاصد ہو، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے، یہاں کی صورت میں ولی ابعد نے اجازت ولی اقرب کی موجودگی میں طلب کی ہے تو اگر اس نے ولی اقرب کی وکالت یا قاصد ہونے کی حیثیت سے اجازت نہ طلب کی ہو تو اس صورت میں باکرہ کی خاموشی رضا کے لئے کارآمد نہیں ہے، یہ نکاح نکاح فضولی ہوا جو کہ عورت کی اجازت پر موقوف تھا، اگر باکرہ نے خلوت سے قبل قولا یا فعلا یا خاموش رہ کر کسی قول یا

روئے نمود نکاح موقوف نفاذ یافت فی الدر المختار ان استأذنها غیر الاقرب کولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لابد من القول اوماهو فی معناه من فعل یدل علی الرضا کتمکینها من الوطئ [1] (ملخصا)۔ وفی ردالمحتار عن الظهیریة لوخلابها برضاها هل یکون اجازة لارواية لهذه المسألة وعندی ان هذا اجازة اھ قال البزازية الظاهر انه اجازة [2] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فعل کے ذریعے نکاح کو رد نہ کیا ہو (جیسا کہ رد کے وجوہ ہم نے اپنے فتاوی میں واضح کئے ہیں) تو یہ خلوت جو باکرہ کی رضامندی سے ہوئی ہے اجازت قرار پائے گی اور موقوف نکاح نافذ ہو جائیگا، درمختار میں ہے کہ اگر لڑکی سے غیر اقرب مثلا ولی ابعد نے اجازت طلب کی ہو تو لڑکی کے سکوت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ لڑکی کی طرف سے صراحۃً قول یا اس کے قائم مقام کسی اپنے فعل، جو رضا پر دلالت کرتا ہو، کا اظہار ضروری ہے مثلا وہ خاوند کو وطی کی اجازت دے دے۔ اور ردالمحتار میں جو بحر سے منقول انھوں نے ظہیریہ سے نقل کیا کہ اگر لڑکی کی رضامندی سے خلوت کی ہو تو کیا یہ رضا ہوگی، تو اس مسئلہ میں روایت نہیں ہے، جبکہ میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ، اور فرمایا کہ بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہے اھ، **واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)**

مسئلہ ۳۴۷: از عظیم آباد پٹنہ لودی کٹرہ مرسلہ جناب مولٰنا مولوی قاضی عبدالوحید صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سلخ ربیع الآخر ۱۳۱۷ھ

عمرو نامی ایک شخص نے بوقت انتقال اپنے، ایک لڑکی ہندہ نامی، ایک بی بی زبیدہ، ایک بھائی حقیقی خالد، ایک بھائی علاتی بکر چھوڑا، ہندہ ہمراہی اپنی مادر اور نانی کے پرورش پاتی رہی، اب وہ بالغ ہے سن اس کا زائد چودہ سال سے ہے، ہندہ کی ولایت کا سارٹیفیکیٹ گورنمنٹ سے ہندہ کی ماں کو ملا ہے، اس وقت تک ہندہ نے مادر و نانی کے مکان میں ابتدائے پیدائش سے رہ کر پرورش و تعلیم پائی ہے، خالد نے یعنی چچا حقیقی ہندہ کے براہ چالاکی و بخیال نفع معاش بلاعلم و رضامندی ہندہ و چچا علاتی و مادر و نانی وغیرہ کے ایک شخص غیر کے مکان میں اپنے بیٹا سے بولایت اپنے ایک شخص کو وکیل مقرر کرکے ہندہ کا عقد کر دیا ہے اور کوئی خبر ہندہ کو نہیں دی گئی، جس وقت ہندہ کو افواہًا خبر نکاح کی پہنچی اس وقت اس نے نکاح کو نامنظور کیا اور بہت بیزار ہوئی، علماء بدلائل کتاب جواب سے سرفراز فرمائیں، فقط

الجواب:

شرعًا عورت کے بالغہ ہونے کے لئے پندرہ سال کامل عمر ضرور ہے یا اس سے پہلے حیض وغیرہ

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۱

علامات کا ہونا بغیر اس کے صرف چودہ سال سے زیادہ عمر کا ہونا کافی نہیں۔ہاں نو سال کے بعد سے پندرہ سال کے قبل تک جو عورت کے لئے امکان واحتمال بلوغ کی عمر ہے اگر عورت اپنا بالغہ ہونا ظاہر کرے تو بے حاجت شہادت بغیر قسم لئے اس کا قول مان لیا جائے گا جبکہ اس کے جسم وقوی کی حالت اس دعوی کی تکذیب نہ کرتی ہو،اور وہ بالغہ ہونے کی وجہ بھی بیان کردے،یعنی مثلاً کہے مجھے حیض آیا،خواب میں احتلام ہوا اس سے میں نے اپنا بلوغ جانا۔خالی دعوی بے بیان معنی بلوغ مقبول نہیں،اور اگر بدن وقوی کی حالت ظاہر وقابلیت بلوغ نہ بتاتی ہو تو اس کا دعوی اصلا مسموع نہ ہوگا جب تک دلیل شرعی سے بلوغ ثابت نہ ہو،یہی احکام بارہ سال کے بعد سے پندرہ سال کے قبل تک پسر کے لئے ہیں۔

فی الدرالمختار بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد شیئ فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین ھو المختار فان بلغنا بلغا ھذا السن فقالابلغنا صدقا ان لم یکذبھما الظاھر وھوان یکون بحال یحتلم مثلہ والا لایقبل قولہ شرح وھبانیۃ وفی الشرنبلالیۃ یقبل مع تفسیر کل بماذا بلغ بلایمین [1] اھ مختصرا،وفی ردالمحتار عن جامع الفصولین عن الفتاوی النسفی عن القاضی محمود السمرقندی	درمختار میں ہے کہ لڑکے کا بلوغ احتلام،حاملہ کردینا اور انزال ہے،اور لڑکی کا بلوغ احتلام،حیض اور اس کا حاملہ ہونا ہے،اگر دونوں کے لئے مذکورہ علامات میں سے کوئی نہ پائی جائے تو بلوغ ہر ایک کی عمر کے پندرہ سال پورے ہونا ہے،اسی پر فتوی ہے،اور لڑکے کے بلوغ کے لئے کم از کم بارہ سال اور لڑکی کے لئے کم از کم نو سال کی عمر ہے،یہی مختار ہے،اگر یہ عمر پوری ہوجائے تو ان کا کہنا کہ ہم بالغ ہیں،تسلیم کیا جائے گا بشرطیکہ کوئی ظاہر امر ان کی بات کو نہ جھٹلائے،مثلاً یہ کہ ان جیسے عمر والوں کو احتلام ہوسکتا ہو،ورنہ ان کی بات قبول نہ کی جائے گی،شرح وہبانیہ وشرنبلالیہ میں ہے کہ ان کی بات بلوغ کی علامت کی وضاحت کرنے پر تسلیم کی جائے گی اور قسم نہ لی جائے گی اھ مختصرا،اور ردالمحتار میں جامع الفصولین کے حوالے سے فتاوی نسفی سے منقول قاضی محمود سمرقندی کے بارے

[1] درمختار کتاب الحجر فصل فی البلوغ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۹

ان مراھقا اقر فی مجلسه بلوغه فقال بما ذا بلغت قال باحتلام قال فماذا رأیت بعد ما انتبهت قال الماء .قال ای ماء فان الماء مختلف قال المنی قال ماالمنی قال ماء الرجل الذی یکون منه الولد قال علی ماذا احتلمت علی ابن او بنت او اتان قال علی ابن فقال القاضی لابد من الاستقصاء فقد یلقن الاقرار بالبلوغ کذبا قال شیخ الاسلام ھذا من باب الاحتلام وانما یقبل قول مع التفسیر وکذا جاریة اقرت یحیض [1] اھ۔	میں حکایت کی ایک قریب البلوغ نے ان کی مجلس میں اپنے بالغ ہونے کا اقرار کیا تو قاضی نے پوچھا تو کیونکر بالغ ہوا، اس نے جواب میں احتلام کا ذکر کیا تو اس پر قاضی نے پوچھا کہ تو نے نیند سے بیدار ہو کر کیا دیکھا تو جواب میں کہا کہ تری دیکھی، تو پھر سوال کیا کہ رطوبت تو کئی قسم کی ہوتی ہے تو نے کون سی دیکھی ہے، تو اس نے کہا منی دیکھی ہے، پھر سوال کیا کہ منی کیا ہوتی ہے، تو جواب میں کہا کہ مرد کا وہ پانی جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو سوال کیا کہ تجھے احتلام میں کیا شکل نظر آئی جس پر تجھے احتلام ہوا، لڑکی، لڑکا، گدھی وغیرہ کیا تھا، جواب میں کہا کہ لڑکا تھا، تو قاضی محمود سمرقندی نے کہا کہ یوں پورے سوال کرنے ضروری ہیں کیونکہ کبھی کسی کے سکھانے پر جھوٹا اقرار کردیتے ہیں، شیخ الاسلام نے کہا یہ احتلام کے بارے میں تفسیر ہے، اگر لڑکی حیض کے ذریعہ بلوغ کا اقرار کرے تو پھر بھی ایسے ہی اس سے تفسیر کرائی جائے اھ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر وقت نکاح ہندہ کا بلوغ ثابت ہو خواہ شہادت شرعیہ خواہ ہندہ کا بیان مفصل سے جسے ظاہر حال ہندہ تکذیب نہ کرتا ہو، نہ صرف اتنی بات سے کہ اس کی عمر چودہ سال سے زائد ہے، بیشک اس پر چچا خواہ ماں کسی کی ولایت جبریہ نہ تھی اس کا نکاح بے اس کی اجازت کے نافذ نہیں ہوسکتا، جب اس نے خبر پاکر نامنظور کیا رد و باطل ہوگیا،

فی الدر المختار الولایه نوعان ولایة ندب علی المکلفة ولوبکرا و ولایة اجبار علی الصغیرة ولوثیبا [2] وفیه بلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانه بالرد [3] ۔	درمختار میں ہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں، ایک محض فضیلت کے طور پر جو کہ بالغہ پر ہوتی ہے اگرچہ باکرہ ہو، اور دوسری ولایت اجبار جو کہ نابالغہ پر ولی کو حاصل ہوتی ہے اگرچہ نابالغہ ثیبہ ہو اسی میں ہے کہ اگر بالغہ کو نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے نکاح کو رد کردیا بعد میں اس نے کہا کہ میں راضی ہوں تو

[1] ردالمحتار کتاب الحجر فصل فی البلوغ دار احیاء التراث العربی بیروت ۹۷/۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱/۱

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۲/۱

نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ پہلے رد کرچکی جس کی وجہ سے نکاح باطل ہوچکا ہے۔(ت)اور اگر اس وقت ہندہ بالغہ نہ تھی اگرچہ بعد نکاح معًا بلوغ ہوگیا ہو تو بلاشبہ اس کا ولی شرعی وہی عم حقیقی تھا اس کے ہوتے ماں یا علاتی چچا کوئی چیز نہیں، نہ سار ٹیفکیٹ شرعا کچھ اثر رکھتا ہے۔

فی الدرالمختار الولی فی النکاح العصبة علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالولایة للام [1]۔	درمختار میں ہے کہ نکاح کا ولی عصبہ وراثت اور حجب کی ترتیب پر بنتے ہیں، اگر عصبہ نہ ہو تو پھر ماں ولی ہے۔(ت)

اس حالت میں یہ چچا کا بیٹا جس کے ساتھ چچا نے اس نابالغہ کا نکاح کردیا، اگر مذہب یا اطوار یا پیشے وغیرہ کی رو سے ایسا نقص رکھتا ہو جس کے سبب اس کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہونا عرفًا موجب عار ہو یا چچا نے ہندہ کے مہر مثل میں کمی فاحش کی مثلا مہر مثل ہزار روپے کا تھا پانسو باندھا تو ان صورتوں میں وہ نکاح سرے سے مردود و باطل محض ہوا، اور ان نقائص سے پاک تھا تو بیشک نکاح صحیح و نافذ ہوگیا جسے نہ ماں یا علاتی چچا کی ناراضی سے ضرر نہ قبل بلوغ ہندہ کی نامنظوری و بیزاری کا اثر، ہاں بعد بلوغ اسے اختیار ملے گا کہ نکاح سے ناراضی ظاہر کرکے حاکم شرع سے بحضور شوہر نکاح فسخ کرالے۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیه لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمهر المثل صح ولصغیر وصغیرة خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده بشرط القضاء للفسخ [2] اھ مختصرا۔ وفی ردالمحتار فیه ایماء الی ان الزوج لوکان غائبا لم یفرق بینهما مالم یحضر للزوم القضاء علی الغائب نهر [3]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر باپ دادا نہ ہو تو غیر کفو اور انتہائی کم مہر کی صورت میں غیر کا دیا ہوا نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا، اور اگر کفو میں اور مہر مثل سے ہو تو پھر نکاح صحیح ہوگا، اور لڑکے لڑکی نابالغہ کو بلوغ پر یا بلوغ کے بعد جب نکاح کا علم ہو فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ فسخ قاضی کی نگرانی میں ہو، اھ مختصرا۔ ردالمحتار میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اگر خاوند غائب ہو تو قاضی فسخ کی کارروائی نہ کرے کیونکہ اس سے قضا علی الغیب لازم آتی ہے نہر، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳۔ ۱۹۲

[3] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۷

مسئلہ ۳۴۷: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

زید کا نکاح عمرو کی لڑکی کے ساتھ قرار پایا تھا اور شرائط یہ تھیں کہ شرع پیمبری میں نکاح و مہر باندھا جائے ہنگام نکاح پڑھانے کے کچھ حجت زیادتی مہر پر زید و عمرو کے مابین ہوئی جس پر زید مجلس سے اٹھ کر مکان کو چلا گیا، عمرو نے بحالت غصہ و رنج کے اس وقت ایک موذن سے کہا کہ تم میری لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کردو، چنانچہ بکر اس وقت مجلس میں موجود تھا، موذن صاحب نے جو کہ قاضی یا مولوی نہیں ہیں صرف تین کلمے پڑھائے اور ایجاب وقبول کرادیا، کوئی وکیل وگواہ نہیں تھا اور نہ مہر کی تعداد بکر کو بتائی، صرف یہ کہہ دیا کہ مثل لڑکی کی ماں کے مہر باندھا جائے، عمرو کی لڑکی بالغ ہے جس کی عمر پندرہ سال ہے۔لڑکی کی ماں نے اور نہ خود لڑکی نے اجازت نکاح کی دی تھی صرف لڑکی کے والد نے اجازت نکاح کی بحالت رنج وغصہ کے دی تھی، تو ایسی صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل مظہر کہ اس جلسہ میں بہت آدمی تھے تو وہی سننے والے گواہ کافی تھے نکاح ہوگیا مگر عورت جبکہ بالغہ ہے تو اگر باپ نے اس سے اجازت خاص بکر کے ساتھ نکاح کردینے کی یا مطلق نکاح کی نہ لی تھی تو نکاح عورت کی اجازت پر موقوف رہا مگر وہ جائز کردے گی جائز ہوجائے گا اور رد کردے گی رد ہوجائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۹: از کانپور نئی سڑک متصل گرجا گھر متصل مکان احسان اللہ وکیل ڈاکٹر اللہ یار خاں مرسلہ خداداد خاں صاحب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

جناب مولانا صاحب زیدت معالیکم فی الدارین، اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجھے تعجب ہے کہ آج کل ندوہ کی ایسی خراب حالت کیوں ہوگئی، میں نے وہاں کے مفتی صاحب کے نام سے ٹکٹ رکھ کر ایک استفتا بھیجا مگر مطلقًا جواب نہیں دیا، ان سے اگر اس کا جواب نہیں ہوسکتا تھا تو واپس کردینا چاہئے تھا نہ کہ دبا بیٹھا، افسوس علماؤں کا نام بدنام کرنے کو جلسہ قائم کیا گیا ہے بے شک۔

بدنام کنندہ نکو نامی چند

(نیک نامی کو بدنام کرنے والا)

میرا تو پہلے ہی سے ارادہ تھا کہ آپ کے پاس بھیجوں مگر غلطی ہوئی کہ وہاں بھیج دیا، خیر اب بعینہٖ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں کہ آپ براہ نوازش جواب سے مشرف فرمایئے، جواب کے لئے ٹکٹ پیش خدمت ہے زیادہ حدِ ادب۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کاعلاتی بھائی اس کی عینی ماں اور ماموں کے مقابلہ میں ولی جائز ہے یانہیں؟ وبر تقدیر ولی جائز ہونے کے اس کی عدم موجودگی میں بلااطلاع ورضا لڑکی بالغہ کا غیر کفو کے ساتھ ماموں اور اس کی ماں کا عقد کردینا کیسا ہے اور نیز لڑکی کی ماں اپنے شوہر کا متروکہ دین مہر میں پاچکی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس لڑکی کا ولی نکاح اس کا علاتی بھائی ہے، ماں یا ماموں اس کے ہوتے کچھ استحقاق نہیں رکھتے۔

فی الدر المختار الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام (الٰی قولہ) ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال الخ اھ[1] ملتقطا۔	درمختار میں ہے: نکاح کا ولی عصبہ بنفسہٖ ہوتا ہے اگر وہ نہ ہو تو پھر ولایت ماں کو ہوتی ہے، انھوں نے ذوی الارحام پھوپھیاں پھر ماموں تک بیان کیا، الخ ملتقطا (ت)

شرع مطہر میں غیر کفو وہ ہے جس کے نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں کوئی ایسا نقص ہو جس کے باعث اس عورت کا اس سے نکاح ہونا اس کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہو، اور یہاں عوام غیر قوم کو غیر کفو کہتے ہیں اگرچہ شرافت میں اپنا ہمسر ہو، بلکہ بعض تو یہاں تک توسیع کرتے ہیں کہ اگر اپنے سے برتر ہو شرع میں اس میں نظر نہیں، مغل پٹھان کفو ہیں، شیخ، قریشی وسادات کرام کفو ہیں، اپنا ہم قوم بد مذہب کفو نہیں، یہاں اگر عدم کفاءت یہی محاورہ عامیہ کے طور پر تھا یعنی وہ شخص اس دختر کا ہم قوم نہ تھا مگر اس طرح کا کوئی نقص نہ رکھتا تھا کہ شرعًا غیر کفو ہو جب تو یہ نکاح مطلقًا صحیح ومنعقد ہوگیا رضا واطلاع برادر کی حاجت نہیں، دختر کہ بالغہ ہے اگر اس سے اذن لے کر ہوا تو نافذ ہوگیا ورنہ دختر ہی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر جائز کرے گی نافذ ہوگا رد کردے گی باطل ہوجائے گا برادر وغیرہ کسی ولی سے کوئی تعلق نہیں لانقطاع الولایۃ بالبلوغ کما نصوا علیہ (کیونکہ بالغ ہونے پر ولایت منقطع ہوگئی جیسا کہ انھوں نے اس پر نص کی۔ت) اور اگر عدم کفاءت بہ معنی مذکور شرعی تھا تو یہ نکاح کہ بے رضائے ولی عصبہ ہوا اصلا نہ ہوا کہ اگر باجازت دختر تھا تو عورت جو نکاح غیر کفو سے بے رضا عصبہ کرے باطل ہے، اور اگر ماں یا ماموں نے بطور خود بے اذن دختر کیا تو یہ وہ عقد فضولی ہوگا جسے نافذ کرنے والا کوئی نہیں کہ اختیار تنفیذ عورت کو ہوتا ہے وہ خود ایسے نکاح پر

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

قادر نہیں، اور ہر عقد فضولی کہ وقت وقوع جس کا کوئی منفذ نہ ہو باطل ہے، ولی عصبہ بھی اپنی رضا شامل کرکے اسے صحیح نہیں کرسکتا یہاں رضائے ولی قبل عقد لازم ہے بعد عقد لغو وبیکار ہے،

فی الدر المختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان [1]۔ فی ردالمحتار ھذا اذاکان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ [2] بحر .فی الدر من فصل الفضولی کل تصرف صدر منہ کبیع وتزویج وطلاق ولہ مجیز ای من یقدر علی اجازتہ حال وقوعہ انعقد موقوفا ومالامجیز لہ حالۃ العقد لاینعقداصلا [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے جائز نہ ہونے کا فتوی ہے، زمانہ فساد کی وجہ سے یہی مختار ہے، ردالمحتار میں ہے کہ اگر لڑکی کا ولی نکاح سے قبل اس نکاح پر راضی نہ تھا تو بعد کی رضا مفید نہیں، بحر۔ در میں فضولی کی فصل میں ہے کہ فضولی کا ہر ایسا تصرف کہ اس کے صدور کے وقت کوئی اس کو جائز کرنے پر قدرت رکھنے والا موجود ہو تو فضولی کا وہ تصرف موقوف ہونے کی حد تک جائز ہوگا، جیساکہ بیع، نکاح دینا، طلاق وغیرہ، اور اگر کوئی اس وقت جائز کرنے والا موجود نہ ہو تو یہ تصرف قطعًا منعقد نہ ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۰: از ستار گنج ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی دختر کی منگنی کرکے زوجہ اور دختر چھوڑ کر فوت ہوا، ایک دن والدہ کی غیبت میں اس لڑکی بالغہ کو چند شخصوں نے زبردستی ایک گھر میں کردیا، والدہ نے کچہری میں دعوی کیا، ادھر کا جواب یہ ہے کہ متوفی کا ایک بھائی جو دوسرے باپ سے تھا اس نے بلااجازت دختر ووالدہ دختر کے نکاح کردیا، پس اس صورت میں ولایت نکاح ماں کو ہے یا نہیں اور کس کس رشتے دار کو ماں کے سامنے اجازت ولایت ہے، جس نے زبردستی اس لڑکی کو گھر میں رکھا ہے اس نے لڑکی کی والدہ کا دودھ پیا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بالغہ پر ولایت جبریہ کسی کو نہیں، ولی نکاح ہر عصبہ ہے یعنی نزدیک یا دور کے دادا پردادا کے اولاد میں

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱

جو مرد عاقل بالغ ہو رشتے میں سگا ہو یا سوتیلا مثلا عورت کے پردادا کے سوتیلے پردادا کی نسل میں پرپوتے کا پوتا، جب تک ان میں سے کوئی شخص عاقل بالغ موجود ہو ماں کو اصلا ولایت نہیں، اور بعد بلوغ تو ماں کو ولایت سے کوئی تعلق ہی نہیں خواہ عصبہ موجود ہو یا نہ ہو،

لان حق الاولیاء بعد ذٰلك انما ھو فی الاعتراض ان نکحت غیر کفو اوبغبن فاحش فی مھر المثل وابطال النکاح بغیر الکفو اذالم یرض الولی بہ قبل العقد صریحا مع العلم بعدم الکفائۃ وذٰلك انما ھو فی حق العصبۃ لاغیر[2] کمانص علیہ فی الدر وغیرہ۔	کیونکہ اس کے بعد اولیاء کا حق اعتراض صرف اس صورت میں ہے جب لڑکی نے غیر کفو اور انتہائی کم مہر پر نکاح کیا ہو یا جب نکاح سے قبل ولی کو غیر کفو ہونے کا علم ہوا تو صراحتًا اس نے اپنی عدم رضا کا اظہار کر دیا ہو تو اس کا نکاح باطل کرنے کا حق ہے، اور حق اعتراض بھی صرف اولیاء عصبہ کو حاصل ہے کسی دوسرے کو نہیں، جیساکہ در وغیرہ میں اس پر تصریح ہے (ت)

(footnote marker [1] appears before وابطال النکاح)

دودھ شریک بھائی سے نکاح نہ ہوسکنا خود ظاہر ہے مگر الزام اس حالت میں ہے جب انھیں دودھ شریک ہونا معلوم ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۱: از کانپور محلّہ فراش خانہ عقب آبکاری سڑک جدید متصل کوڑہ گھر مکان حافظ زبیر حسن عطار مرسلہ سعید الحسن صاحب ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کے ایک بیٹی مسماۃ رضیہ شوہر متوفی سے ہے، جب رضیہ کی عمر آٹھ برس دو مہینے کی تھی ہندہ نے رضیہ کا عقد بزمانہ نابالغی ساتھ خالد کے کر دیا لیکن بوجہ نابالغی رضیہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رخصت ہوئی بدستور اپنی ماں کے ساتھ رہی، اب زمانہ عقد کو چار سال سے زیادہ عرصہ گزرا اور رضیہ بھی اب ہوشیار و بالغ ہوئی، اس درمیان خالد نے ایک دوسری عورت کو رکھ لیا جس سے اطفال بھی پیدا ہوئے، خالد کی وضع اور اطوار وچال چلن ہندہ ورضیہ کو تمام تر ناگوار ہیں اور تعلق ہونا خالد سے نہیں چاہتی کمال درجہ نفرت وانکار رکھتی ہے اور خلع چاہتی ہے، بحکم شرع شریف مسماۃ رضیہ کو کیا کرنا چاہئے جس سے اس کو خالد سے قطع تعلق ہو جائے اور عقد فضولی یہ عقد نابالغی کا قرار پائے گا یا نہیں؟ اور تعمیل حکم خلع کا کس طریقہ سے کیا جائے گا اور مدت نابالغی ازروئے شرع شریف ہندوستان میں علی الخصوص ممالک مغرب شمال کے لئے کس سنہ وسال کی مقدار سے ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲-۱۹۱

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲-۱۹۱

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر خالد رضیہ کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا پیشے وغیرہ میں ایسا کم ہے کہ اس کے ساتھ رضیہ کا عقد ہونا اولیائے رضیہ کے لئے موجب ننگ وعار ہو جب تو یہ نکاح سرے سے نہ ہوا، مگر یہ نکاح کرنے والا رضیہ کا دادا ہو جو اس سے پہلے اپنی ولایت سے کسی نابالغ کا نکاح غیر کفو سے نہ کرچکا ہو یہ نکاح اس کے اذن سے ہوا یا بعد نکاح اس نے اپنی ولایت کی حالت میں نافذ کردیا جائز رکھا تو نکاح صحیح ولازم ہے کہ بعد بلوغ رضیہ کی ناراضی بھی اسے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتی، اور اگر خالد رضیہ کا کفو بمعنی مذکور ہے مگر رضیہ کے لئے کوئی ولی عصبہ مثلاً عاقل بالغ بھائی یا بھتیجا یا چچا یا چچا کا بیٹا غرض دادا کی اولاد سے کوئی مرد موجود تھا اور ماں نے بغیر اس کے اذن کے نکاح کردیا تو تین صورتیں ہیں اگر اس ولی نے نکاح کی اطلاع پاکر اپنی حالت ولایت میں رد کردیا تھا تو اس صورت میں بھی وہ نکاح باطل ہوگیا کہ اب رضیہ کی رضا بھی اسے نافذ نہیں کرسکتی اور اگر سن کر اب تک ساکت رہا نہ رد کیا نہ جائز رکھا تو وہ نکاح نکاح فضولی اور اجازت ولی پر موقوف تھا، جب رضیہ بالغ ہوئی وہ اجازت خود اس کی طرف منتقل ہوآئی، اب اسے اختیار ہے چاہے جائز کردے جائز ہوجائے گا چاہے رد کردے، مثلاً کہہ دے میں نے اس نکاح کو رد کردیا میں اس نکاح پر راضی نہیں، یا مجھے یہ نکاح نامنظور ہے، صرف اتنے کہنے سے رد ہوجائے گا زیادہ کسی امر کی حاجت نہیں، اور یہ اختیار رضیہ کو ہمیشہ رہے گا جب تک نکاح کو جائز نہ کردے کہ اس کے بعد پھر اختیار رد نہیں رہتا اور اگر نکاح مذکور ولی غیر جد نے سن کر جائز کردیا یا ابتداءً نکاح ماں نے بے اذن ولی مذکور کیا یا رضیہ کے لئے کوئی ولی عصبہ تھا ہی نہیں خود ماں ولی تھی جس نے نکاح کردیا ان سب صورتوں میں وہ نکاح صحیح ونافذ ہوگیا مگر ازانجا کہ نکاح کنندہ غیر اب وجد اور رضیہ دوشیزہ ہے اسے اتنا اختیار ملا کہ معًا بالغ ہوتے ہی فورًا فورًا اس نکاح کو فسخ چاہے تو فسخ کردیا جائے گا اگر بعد بلوغ ذرا دیر گزری اور اس نے فسخ کا ارادہ ظاہر نہ کیا تو نکاح تام ولازم ہوگیا کہ اب اس کی رضا وعدم رضا کچھ دخل نہ رہا، اس صورت اخیرہ اور نیز اس صورت سابقہ میں جبکہ نکاح دادا کے کردینے سے لازم ہوچکا ہو، رضیہ اگر جدائی چاہے تو اس کے ہاتھ کوئی ذریعہ سوا خلع چاہنے کے نہیں بہ عوض مہر خواہ اور مال کے جس پر شوہر راضی ہو شوہر سے طلاق مانگے اگر وہ دے دے گا قطع تعلق ہوجائے گا ورنہ صبر لازم ہے، فتح القدیر میں ہے:

الصبی اذاباع اواشتری اوتزوج یتوقف علی اجازۃ الولی فی حالۃ الصغر فلو بلغ قبل ان یجیزہ الولی فاجاز بنفسہ نفذ لانہا کانت	بچے نے جب خرید وفروخت یا نکاح کرلیا تو یہ امور ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے، اور اگر اس ولی نے بچے کے بلوغ سے قبل اجازت نہ دی ہو تو لڑکا اپنے بلوغ کے بعد ان امور کو نافذ کرسکتا ہے کیونکہ

متوقفة ولاتنفذ بمجرد بلوغه [1] اھ مختصرا وفی تنویر الابصار بطل خیار البکر بالسکوت عالمة بالنکاح ولایمتد الی المجلس وان جهلت به [2] وباقی المسائل مشهورة وفی الکتب مذکورة۔	موقوف تھے اس لئے صرف لڑکے کے بلوغ سے نافذنہ ہوں گے اھ مختصرا۔اور تنویر الابصار میں ہے باکرہ بالغہ اگر اپنے نکاح کا علم ہوجانے پر خاموش رہے تو اسکا حق فسخ باطل ہوجاتاہے اور جس مجلس میں علم ہوا اس مجلس کے اختتام تک باقی نہ رہے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ میں جاہل ہو، باقی مسائل مشہور اور کتب میں مذکور ہیں،(ت)

نابالغی کی حد پندرہ سال کی عمر تک ہے،اس مدت سے پہلے اگر دختر کو نوبرس یا پسر کو بارہ برس کی عمر کے بعد آثار بلوغ مثل احتلام وحیض ظاہر ہوگئے تو اس وقت سے حکم بلوغ ہوجائے گا ورنہ پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر لڑکا لڑکی دونوں مطلّقا بالغ سمجھے جائیں گے اگرچہ کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہو **بہ یفتی کما فی الدرالمختار** [3] **وغیرہ لقصر زماننا** (اور اس پر فتوی ہے جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے کیونکہ ہمارے زمانے کی عمریں کم ہیں،ت)

مسئلہ ۳۵۲: ازاحمد آباد گجرات محلّہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیارہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب ۱۶ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کی منگنی کرنے کے لئے سفر سے دوسرے شخص پر لکھا کہ میری لڑکی کی منگنی فلاں لڑکے کے ہمراہ کرنا لڑکا لڑکی دونوں نابالغ ہیں یہاں اس شخص نے جس کو فقط منگنی کی اجازت دی گئی تھی خود ولی ہوکر بعد منگنی کے نکاح بھی کردیا اس کے والد کو خبر ہوئی کہ لڑکی کا نکاح جس کو منگنی کا اختیار دیا تھا کردیا اس سے یہ شخص خوش ہوا اور اس کے پڑھائے ہوئے نکاح پر انکار نہ کیا،اب یہ نکاح عند الشرع منعقد ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

منگنی کی اجازت نکاح کی اجازت نہ تھی،

فان هذا عقد وذاك وعد وقد یفعل الوعد لینتظر لخاطب ثم ینظر	کیونکہ نکاح عقد ہے اور منگنی صرف وعدہ ہے جبکہ وعدہ کبھی اس لئے کرلیا جاتا تاکہ منگنی کرنے والے کا

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۹۸/۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۳/۱

[3] درمختار کتاب الحج فصل فی البلوغ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۹/۲

ویتأتی فیہ فان وافق اجیب والامنع فلایکون الرضا بالوعد رضا بالعقد وھذا ظاھر جدا۔	جائزہ لیا جائے اور غور کیا جائے اور تاخیر کی جاتی ہے تاکہ وہ موافق ہو تو منگنی قبول کی جائے ورنہ انکار کیا جائے لہذا وعدہ پر رضا کو عقد نکاح پر رضامندی نہیں قرار دیا جاسکتا، یہ معاملہ ظاہر ہے۔(ت)

تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا اور اجازت ولی پر موقوف رہا، بعد سماع خبر اگر ولی نے قولاً یا فعلاً اس کی تنفیذ ظاہر کی نافذ ہوگیا صرف دل میں خوش ہونا اور زبان سے انکار کافی نہیں لانہ سکوت والساکت لاینسب الیہ قول (کیونکہ یہ سکوت ہے اور ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں ہوسکتا۔ت) درمختار میں ہے:

قبض ولی لہ الاعتراض المھر ونحوہ مما یدل علی الرضی دلالۃ لاسکوتہ مالم تلد[1] اھ مختصرا۔	لڑکی کے ولی کو مہر پر اعتراض تھا اس کے باوجود اس نے مہر وصول کیا اور ایسا کام کیا جس کو رضا پر دال قرار دیا جاسکتا ہے تو دلالۃً رضا ہوگی محض سکوت رضا نہ قرار پائے گا جب تک لڑکی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوجائے اھ مختصرا۔(ت)

پس اگر واقع اسی قدر ہے تو نکاح بدستور اس کی اجازت پر موقوف ہے باطل کردے خواہ نافذ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۳: ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بیوہ نے اپنا عقد ایک شریف اپنے خاندانی سے کرلیا اس پر عمرو بکر وخالد نے اسے اور اس کی ماں اور شوہر کو برادری سے نکال دیا اور ایذا دی، اس میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ہندہ نے عقد ثانی بعد عدت گزرنے کے کیا اور شوہر دوم بدمذہب نہیں جس سے نکاح باطل یا گناہ ہو اور ہندہ اگر کوئی عصبہ اپنا ولی رکھتی ہے تو شوہر دوم اس کا کفو ہوگا یا اگر کفو نہیں اور ولی نے دیدہ ودانستہ پیش از نکاح صریح اجازت دے دی ہو تو ان صورتوں میں ہندہ اور اس کی ماں اور شوہر پر کچھ الزام نہیں خالد وعمرو بکر صرف بوجہ نکاح ثانی انھیں ایذا دیتے ہیں ظالم وگنہگار اور حق العبد میں گرفتار ہیں ان پر توبہ فرض ہے، اگر نہ کریں تو خود یہی لوگ برادری سے نکال دینے کے قابل ہیں جو لوگ ان خالد وعمرو بکر کا ساتھ دیں گے وہ بھی مستحق عذاب ہوں گے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص [1]	گناہ اور زیادتی میں باہم مدد نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ [2]۔	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ستایا اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالٰی کو ایذا دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۴: ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی دس برس کی ہے، ماں نانی چچا میں سے کس کو اس کے نکاح کا اختیار ہے؟ اور دختر کا ایک بھائی بھی دوازدہ سالہ ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

چچا کو ہے اگر بھائی نابالغ ہو ورنہ بھائی کو، بارہ برس کی عمر میں بلوغ ممکن ہے اگر وہ دعوی بلوغ کرے مانا جائے گا **کما فی الدر المختار** (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵۵: مسئولہ کرم الدین صاحب ساکن جلالپور جٹاں محلّہ ساہدوان ضلع گجرات ملک پنجاب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے اسلام مبین اس صورت میں کہ خالد نے اپنی لڑکی نابالغہ جس کی عمر اندازی دس یا گیارہ برس کی تھی رحیم بخش بالغ کے ساتھ نکاح پڑھا دیا اب بوجہ کوئی فساد کے دختر بالغہ مذکور چاہتی ہے کہ نکاح فسخ ہو جائے آیا شرعًا ممکن ہے کہ عقد مذکور باختیار دختر موصوفہ فسخ ہو جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

باپ دادا جو نکاح نابالغہ کا کردیں وہ لازم ہو جاتا ہے۔ لڑکی بعد بلوغ کے خواہ کوئی اور اسے فسخ نہیں کر سکتا، مگر صرف دو تین صورتیں ہیں کہ جس کی اس وقت تفصیل کی حاجت نہیں ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاہل (جو اپنے زمانے کے عرف سے ناواقف ہے وہ جاہل ہے۔ت) مستفتی صاحب کو چاہئے کہ مفصل کیفیت سے مطلع کریں کہ وہ کیا فساد ہے جس کے سبب اب عورت فسخ چاہتی ہے اور اس فساد پر

---

[1] القرآن الکریم ۵/۲

[2] کنز العمال بحوالہ طب عن انس حدیث ۔ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/۱۰، الترغیب والترہیب من تخطی الرقاب یوم الجمعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰۴

کب اطلاع ہوئی؟ اور باپ بھی وقت نکاح اس پر مطلع تھا یا نہیں؟ وہ فساد بعد نکاح حادث ہوا یا پہلے سے تھا؟ غرض سب حال، بتفصیل تام بیان کیا جائے تو جواب دیا جائے، درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن او بغیر کفو ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا او جدا [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نکاح لازم ہوجائے گا جب نکاح دینے والا خود باپ یادادا ہو اگرچہ انتہائی کم مہر سے یا غیر کفو میں ہو، الخ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۵۶: مسئولہ شاہ معین احمد صاحب از ڈاک خانہ نگر اسٹیشن فتوحہ ضلع پٹنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زینب کی کل ایک اولاد ہے یعنی ہندہ دختر بالغہ ہے ہندہ کے باپ نے قضا کیا، زید ہندہ کا بھائی ہے، زینب ہندہ کی ماں، اور زید برادر علاتی نے ہندہ کی نسبت خالد بن بکر ساکن فلاں جگہ سے مقرر و پختہ پز کیا، اس کی خبر ہندہ کو بخوبی ہوگئی اس طرح سے کہ ہندہ اسی مکان میں رہتی تھی اور اس کے سامنے نسبت کی گفتگو ہوئی اور اس پر ثابت ہوگیا کہ میری نسبت فلاں جگہ فلاں شخص سے ہے گو اس سے خاص کر کسی نے نہ کہا اور پوچھا نہیں اس کے بعد رقعہ تقرری تاریخ آمد برات کا خالد بن بکر کے یہاں سے آیا اس کی اطلاع بھی ہندہ کو ہوئی چنانچہ اس روز وہ سنواری بھی گئی اور جو مراسم کہ قبل نکاح اس طرف رائج ہیں مثلاً مانجہ وغیرہ میں بیٹھنا اس سب کو اس نے انجام دیا اور کسی طرح کی نارضامندی نہیں ظاہر کیا یہاں تک کہ تاریخ مقررہ پر برات آئی اور احباب واقربا اندر باہر جمع ہوئے، اس کی اطلاع بھی ہندہ کو ہوئی اس وقت بھی ہندہ نے کسی طرح نارضامندی ظاہر نہیں کی، زید اور برادر علاتی نے چند شخصوں کے سامنے عمرو کو وکیل بالنکاح مقرر کیا اور عمرو نے جہاں برات کا قیام تھا وہاں جا کر سب لوگوں کے سامنے خالد بن بکر سے ہندہ کا نکاح مہر مثل پر کرادیا مگر اس کی اطلاع ہندہ کو عمرو وکیل نے یا زید برادر علاتی نے نہیں دیا بلکہ عورتوں میں کہہ دیا گیا کہ نکاح ہوگیا ___ اور یہ بات مشتہر ہوگئی کہ نکاح ہوگیا، اس کے بعد جو جو مراسم شادی اس طرف رائج ہیں ان سب کو ہندہ نے بخوبی ادا کیا اور کسی طرح کی ناراضامندی نہیں ظاہر کیا یہاں تک کہ رخصتی بھی ہوئی اور نوبت استراحت کی بھی آئی ان تمام متذکرہ بالا زمانہ میں کبھی ہندہ نے اپنی نارضامندی ظاہر نہیں کی اور نہ اس وقت تک کسی طرح کی نارضامندی ظاہر کرتی ہے تو یہ نکاح صحیح ہوا یا کسی طرح کا شبہہ یا نقص رہ گیا، یہ شبہہ صرف اس وجہ سے پیدا ہے کہ ہندہ بکر بالغہ تھی اس سے قبل نکاح زید برادر علاتی یا کسی شخص نے صراحۃً استمزاج نہیں لیا اور نہ بعد نکاح صراحۃً اس کو خبر دیا، گو اس کو خارجی طریقہ سے سب باتیں معلوم تھیں اور معلوم ہوئی اور نہ اس وقت تک اپنی رضامندی ظاہر کرتی ہے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

بلکہ ظاہرًا خوش معلوم ہوتی ہے۔بینوا توجروا

الجواب:

اس صورت میں یہ نکاح فضولی تھا اگر خبر نکاح سن کر ہندہ نے کوئی قول یا فعل اظہار ناراضی کا نہ کیا بلکہ عادل ثقہ سے نکاح کی خبر سن کر خاموش ہی ہورہی یا خبر کسی عادل سے نہ سنی نہ ولی نے اسے اطلاع کرا بھیجی تو ساکت رہی یہاں تک کہ شوہر سے برضا ہم خواب ہوئی تو نکاح نافذ وتام ہوگیا۔

فی الھندیۃ اذا مکنت الزوج من نفسھا بعد مازوجھا الولی فھورضا [1] وفی الدرالمختار زوجھا ولیھا واخبرھا رسوله اوفضولی عدل فسکتت فھواذن [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے کہ جب بالغہ نے خاوند کو جماع کا موقعہ دے دیا تو یہ ولی کے نکاح پر اس کی رضامندی ہوگی، درمختار میں ہے کہ اگر ولی نے نکاح دیا تو ولی کے قاصد نے یا کسی عادل اجنبی نے بالغہ کو اطلاع دی اور وہ اس پر خاموش رہی تو یہ رضامندی ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۵۷: از صاحب گنج گیا مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب ۴ شعبان ۱۳۲۴ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید اور اس کی زوجہ ہندہ میں جنگ باغوائے مفسدان بدکاران پیدا ہوا،اور ہندہ کے بطن سے ایک لڑکی زید کی جس کا نام سعیدہ تھا اور عمر گیارہ برس گیارہ مہینے کی تھی بکر نے اپنے لڑکے خالد کی منسوب سعیدہ سے چاہا زید کو منظور نہ ہوا تب بکر نے ہندہ زوجہ کو برہم کرایا اور ہندہ نے اس قدر فساد مچایا کہ زید کو مجبوری ہوئی بمجبوری وتاکید وبخوف حکام ضلع بخیال اس کے کہ رفع جملہ فساد وقصہ ہوجائے گا اور یہ ثابت بھی کیا گیا تھا کہ اگر یہ عقد ہوگا تو قصہ سب دفع ہوگا صلح سے زمانہ گزرے گا اس منسوب کو منظور کیا اور سعیدہ نے اپنی لڑکی کا نکاح خالد سے بلااذن کردیا لیکن خالد وسعیدہ سے آج تک ملاقات نہ ہوئی اور نہ سعیدہ سے کسی قسم کی رضامندی لی گئی نہ سعیدہ کو سمجھایا گیا کہ کیا ہوتا ہے اور بعد نکاح کے خالد لندن چلا گیا اور بحیلہ تحصیل انگریزی وہاں فسق وفجور ولہو ولعب میں مبتلا ہوا چھ برس ہوا کہ خالد لندن میں ہے نہ پڑھتا ہے نہ آتا ہے اور نہ کسی قسم کی خبر گیری یا پرسش سعیدہ کی کرتا ہے زید نے بکر کو وخالد کو یعنی دونوں پدر وپسر کو لکھا کہ شادی کرلی جائے اور خالد آئے اور اپنی منکوحہ کو لے جائے،مگر نہ خالد آتا ہے نہ کسی قسم کی کفالت خرچہ کی سعیدہ کی خالد یا بکر اس کے باپ کی طرف سے ہوتی ہے اور بلکہ زید سے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

خرچہ لندن کے قیام کا طلب کیا جاتا ہے ان حالتوں سے فسخ ہوگا یا نہیں؟ اور سعیدہ مجاز ہے کہ اپنے باپ کے نکاح کو جو بخوشی نہیں بلکہ محض بمجبوری وبخوف حکام وقت وتوقع رفع خرخشہ کیا تھا اور رفع بھی نہ ہوا بلکہ بعد از بسیاری جنگ کے خلع وجدائی درمیان زید وہندہ کے ہوگئی تو ایسے نکاح کو سعیدہ توڑ سکتی ہے یا نہیں اور خالد کا کب تک انتظار کیا جائے گا، نہ وہ آتا ہے اور نہ کسی قسم کی خبرگیری اخراجات کی بھی سعیدہ کی کرتا ہے بدستور سعیدہ اپنے باپ کے گھر ماں سے بھی جدا پڑی ہے اور زید کو یہ بھی خیال ہے کہ خالد ہرگز نہیں آئے گا اور آئے گا تو بوجہ طرز معاشرت بدل جانے وصحبت غیر مذاہب کے حقوق کی تعمیل پوری پوری خالد سے ادا نہ ہوگی، ایسی حالت میں شریعت کیونکر سعیدہ کو مجبور کرے گی اور باپ کے ایک لغو ومجبوری سے عمل کے باعث وہ غریب بدقسمت سعیدہ پریشانی میں مبتلا رہے گی۔

الجواب:

باہمی جھگڑے قصے نہ حد اکراہ تک پہنچتے ہیں نہ نکاح میں اکراہ کو دخل ہے اگر ولی کسی کے جبر واکراہ ہی سے نکاح کردے نکاح ہوجائے گا

فی الھندیۃ من الاکراہ زوجھا اولیاؤھا مکرھین فالنکاح جائز[1]۔	ہندیہ میں ہے کہ اگر اولیاء نے کسی جبر کی بناپر نابالغہ کا نکاح دیا تو نکاح جائز ہوگا۔ (ت)

نہ نابالغہ سے اجازت لینے کی حاجت نہ باپ کے کئے ہوئے نکاح پر عورت کا بعد بلوغ حق اعتراض، مگر اس حالت میں کہ شوہر وقت نکاح کفو نہ تھا اور باپ اس سے پہلے بھی کبھی اپنی ولایت سے کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کرچکا ہو، غیر کفو وہ جس سے نکاح ہونا عرفاً اولیائے ہندہ کے لئے وجہ ننگ وعار ہو کہ وہ نسب یا پیشے یا مذہب یا چال چلن میں رذیل وذلیل وبدنام ہو، یہاں جب یہ صورتیں نہیں نکاح بے شک نافذ وتام ولازم ہوگیا جو کسی کے رد کئے رد نہیں ہوسکتا، یہ اس حالت میں ہے کہ سعیدہ وقت نکاح نابالغہ ہو جیسا کہ بظاہر اس کی عمر مذکور سے مترشح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اس عمر پر بلوغ نادر ہے اگر نابالغہ تھی کہ لڑکی نو برس کی عمر میں بالغہ ہوسکتی ہے تو وہ نکاح کہ باپ نے اس کے لئے بے اذن کیا نکاح فضولی تھا اسے خبر پہنچنے پر اختیار تھا کہ رد کردیتی مگر یہ رد اسی جلسہ خبر میں ہوسکتا تھا اگر جلسہ بدل کر رد کرے تو مقبول نہ ہوگا۔ اور تقریر سوال سے سعیدہ کا رد کرنا اصلاً ظاہر نہیں بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ساکت رہی اور بکر کا سکوت بھی اذن ہے تو نکاح یوں بھی لازم ہوگیا جس کے رد کی طرف سبیل نہیں مگر صورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ باب الثانی فیما یحل للمکرہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۵

مذکور میں عورت کا ضرر صریح ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فَاَمۡسِکُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ[1]	عورتوں کو یا تو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑ دو۔

اور فرماتا ہے:

وَعَاشِرُوۡھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ[2]	(عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ت)

اور فرماتا ہے:

اَسۡکِنُوۡھُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡھُنَّ لِتُضَیِّقُوۡا عَلَیۡھِنَّ[3]۔	جہاں آپ رہو وہاں عورتوں کو رکھو اپنے مقدور کے قابل اور انھیں نقصان نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی لاؤ۔

اور فرماتا ہے:

فَلَا تَمِیۡلُوۡا کُلَّ الۡمَیۡلِ فَتَذَرُوۡھَا کَالۡمُعَلَّقَۃِ[4]۔	پورے ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ عورت کو یوں چھوڑو جیسے ادھر میں لٹکتی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولاضرار فی الاسلام[5]۔	دین اسلام میں نہ ضرر ہے نہ مضرت پہنچانا۔

لہٰذا حاکم پر واجب ہے کہ خالد پر جبر کرے کہ یا تو ہندہ کو رخصت کرائے یا طلاق دے، اور اگر وہاں کی صحبت سے خالد کا دین فاسد ہوگیا کہ نیچریوں کی طرح ضروریات دین پر ہنسنے لگا تو آپ ہی نکاح جاتا رہے گا **والعیاذ باللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵۸: مرسلہ حاجی احمد اللہ خان صاحب مرحوم از پیلی بھیت ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک عورت ہندہ جس کی عمر ۱۳ برس کی تھی باپ اس کا فوت ہوگیا اب ہندہ کے نکاح کی اجازت اس کی ماں نے ہندہ کی سوتیلی بہن جس کی عمر تخمیناً قریب چالیس کے ہوگی اس بہن نے ہندہ کو بچپن سے مثل اولاد کے پالا تھا اجازت دی تھی بلکہ ہندہ نے خود ہی اقرار کیا تھا ہندہ کی بہن نے سوتیلی بہن سے یہ کہلا بھیجا تھا کہ تم کو اختیار ہے جہاں چاہو اس کا نکاح کردو ہندہ کی بڑی بہن اور بہنوئی نے اپنے کفو میں ایک شریف خاندان کے لڑکے کے ساتھ بلکہ رشتہ داری میں نکاح کردیا اب بعد دو برس کے کچھ جھگڑا عورات میں باہم کسی بات پر ہوا یعنی ہندہ کی ساس اور ہندہ کی بڑی بہن میں، اس پر مسماۃ ہندہ کی ماں اور بہن دونوں اب یہ کہتی ہیں کہ ہندہ کا نکاح اس وجہ سے کہ اس عمر تک بالغ نہیں ہوئی تھی

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۱

[2] القرآن الکریم ۴/۱۹

[3] القرآن الکریم ۶۵/۶

[4] القرآن الکریم ۴/۱۲۹

[5] المعجم الکبیر حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۶/۹۱

وقت نکاح کے ہندہ کے چچا اور بھائی نہیں موجود تھے مگر ان کو علم تھا اور ہندہ کی ماں اور بہن میں ایک مدت سے رنج تھا آمد ورفت نہیں تھی جس پر ہندہ کی ہمشیرہ نے اس کی والدہ سے اجازت چاہی تھی قبل از مہینہ بیس روز آگے دونوں میں صلح ہو گئی اور والدہ کی لڑکی کو دو چار روز آگے اپنے مکان میں لے گئی تھی جب تاریخ نکاح قریب آئی تو پھر ہندہ کو اس کی بڑی بہن جس نے کہ اس کو پالا تھا اس کے مکان پر بھیج دیا واسطے نکاح کے، اب ہندہ کی والدہ اپنے مکان پر ہندہ کو لے گئی بڑی بہن کے مکان سے بخوشی۔ ہندہ کی بڑی بہن کے خاوند اب ہندہ کے بہنوئی ہندہ کے نکاح میں گواہ تھے، اور بہنوئی کے بڑے بھائی وکیل نکاح کے تھے، نکاح خواں نابینا تھے، تو ایسی صورت میں نکاح ہندہ صحیح قرار پائے گا یا باطل؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر ہندہ وقت نکاح فی الواقع نابالغہ تھی اور اس کے نکاح کی اجازت اس کے جوان بھائی نے نہ دی تھی تو جو نکاح بڑی بہن نے ماں کی اجازت سے کیا بھائی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر بھائی نے نکاح کی اطلاع پا کر انکار کر دیا تو وہ نکاح باطل ہو گیا اور اگر پسند کیا اجازت دی تو نافذ ہو گیا، اور اگر ہنوز کچھ نہ کہا اور ہندہ اب بھی نابالغہ ہے تو اب بھی بھائی کی اجازت پر موقوف ہے اگر جائز کر دے گا تو جائز ہو جائیگا رد کر دے گا تو باطل ہو جائے گا۔ اور اگر ہندہ کے بالغہ ہونے تک بھائی نے نہ رد کیا نہ اجازت دی اور اب ہندہ بالغ ہو گئی یعنی اس کی عمر پورے پندرہ سال کی ہو گئی یا اسے حیض آنے لگا تو اب وہ نکاح خود ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے اگر جائز کر دے گی جائز ہو جائے گا اور اگر رد کر دے گی باطل ہو جائے گا، اور اگر نکاح بھائی کی اجازت سے ہوا تھا یا بعد نکاح بھائی نے قبل بلوغ ہندہ اجازت دے دی تو نکاح نافذ ہو گیا مگر ہندہ کو خیار بلوغ ملے گا یعنی بالغہ ہوتے ہی فورًا فورًا اگر اس نکاح سے اس نے انکار کر دیا ایک لفظ کی دیر نہ لگائی تو دعوی کرکے اس کو فسخ کرا سکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵۹ تا ۳۶۶: مرسلہ حکیم محمد علی حسین خان صاحب جاگیر دار ریاست گوالیار صدر لشکر نیا بازار ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین سوالات مندرجہ ذیل کی نسبت:

(۱) لڑکی کے والد نے مظہر کو دہلی سے واسطے عقد لڑکی اپنی کے بہ مقام بھوپال طلب کیا اور بعد پہنچنے برات کے سرکار عالیہ میں ایک درخواست تحریر کرکے پیش کی کہ میں نے لڑکے کو بلایا ہے سرکار عالیہ خداوندی فرما کر اس کار خیر کو اپنے روبکاری سے اہتمام فرمائیں، میں نے تاریخ عقد ۴ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ یوم دوشنبہ مقرر کر دی ہے

(۲) سرکار عالیہ نے یہ درخواست منظور فرماکر جملہ انتظامات ضروری کیا تب حکم نافذ فرمادیا اور صاحبزادگان دام اقبالہ اور قاضی صاحب وغیرہ کو بلاوا بھی پہنچ گیا۔

(۳) لڑکی اپنے ماموں کے یہاں تھی، لڑکے کے والد عقد کے دن لڑکی کو لانے کی غرض سے ماموں کے مکان پر گئے، ماموں نے عین وقت پر بھیجنے لڑکی سے قطعی انکار کیا، بیچارے شریف باپ نے اس غیرت کی وجہ سے زہر کھاکر اپنی جان کو ہلاک کیا۔

(۴) باپ ولی جائز کی اجازت تحریری بعد فوتی اس کے یہ عقد کیا تب کچھ وقعت اور اثر رکھتی ہے یا نہیں؟

(۵) اب ماموں لڑکی کا بوجہ نفسانیت مظہر کے ساتھ عقد کرنے سے انکاری ہے اور اسی کے قبضہ میں لڑکی ہے۔

(۶) لڑکی کا سن گیارہ سال کچھ ماہ کا ہے۔

(۷) ورثاء میں لڑکی کے ایک چچا حقیقی اور ایک ماموں حقیقی، ایک بھائی حقیقی نابالغ اور والدہ ومطلقہ یہ شخص غیر کے نکاح میں ہیں۔

(۸) لڑکی کے چچا صاحب اس لڑکی کے مظہر سے عقد کرنے پر رضامند ہیں ان کی یعنی چچا صاحب موصوف کی محض اجازت سے عدم موجودگی اور بغیر اطلاع لڑکی کے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں یا کہ لڑکی کا موجود ہونا وقت نکاح لازمی ہے؟ فقط۔

الجواب

صورت مذکورہ میں جب تک لڑکی نابالغ ہے (یعنی) اسے حیض شروع نہ ہوا یا پندرہ سال کامل کی عمر نہ ہوئی اس وقت تک اس کا ولی نکاح اس کا چچا ہے اور لڑکی کے بلوغ سے پہلے اس کا بھائی بالغ ہوجائے تو ولایت چچا سے بھائی کی طرف منتقل ہوجائے گی بہر حال ماموں یا ماں کو اس کے نکاح کا کچھ اختیار نہیں، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالو لایة للام ثم للاخت ثم لولدالام ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال [1]۔	نکاح کا ولی، وراثت اور مانع ہونے کی ترتیب کے مطابق عصبات بنفسہ ہوتے ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ولایت ماں کو حاصل ہوگی، پھر بہن کو پھر والدہ کی طرف سے بھائی پھر ذوی الارحام میں پھوپھی پھر ماموں کو حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

دختر کی نابالغی میں چچا یا بالغ ہو کر بھائی اگر اس کا نکاح ایسے شخص سے کر دے گا جو اس لڑکی کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس دختر کا نکاح باعث ننگ وعار ہو نہ دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کرے مثلاً لاکھ روپیہ مہر مثل ہو یہ پچاس ہزار باندھ دیں، جب ان دونوں نقصانوں سے خالی ہو تو چچا یا بھائی کا وہ کیا ہوا نکاح نافذ ہوگا نہ لڑکی سے اذن لینے کی ان کو حاجت نہ اطلاع دینے کی نہ وقت نکاح لڑکی کے وہاں موجود ہونے کی، یہ سب بے ضرورت امور ہیں۔ درمختار میں ہے:

للولی انکاح الصغیر والصغیرۃ جبرا[1]۔	باپ دادا کو نابالغہ پر جبری نکاح کی ولایت ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوزوجھا الاقرب حیث ھو جاز النکاح[2]۔	اقرب جہاں بھی نکاح کرے جائز ہوگا۔ (ت)

ماں یا ماموں کو اس نکاح پر اصلاً اعتراض نہیں پہنچ سکتا، ہاں لڑکی کہ دوشیزہ ہے اگر بالغہ ہوتے ہی معاً کہہ دے گی کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں، یا اول سے اسے اطلاع نکاح نہ تھی تو بعد بلوغ جس وقت خبر پائی فوراً نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے تو اس صورت میں البتہ خود اس کو اختیار ہوگا کہ حاکم شرع کے حضور رجوع کرکے چچا یا بھائی کا کیا ہوا نکاح فسخ کرالے، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ان کان من کفو وبمھر المثل صح ولھما ای لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ وبطل خیار البکر بالسکوت لو عالمۃ بالنکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس[3]۔	اگر نکاح دینے والا باپ دادا نہ ہو تو کفو اور مہر مثل کی صورت میں نکاح صحیح ہے لیکن نابالغ اور نابالغہ کو بلوغ پر یا بلوغ کے بعد علم ہونے پر بشرط قضاء فسخ کا اختیار ہوگا، اور بالغہ باکرہ کا اختیار اس کو علم ہوجانے پر سکوت کی وجہ سے باطل ہوجائے گا، اور مجلس کے اختتام تک یہ اختیار باقی نہ رہے گا، (ت)

ہاں چچا یا بھائی جس سے نکاح کردیں اگر وہ بمعنی مذکور دختر کا کفو نہ ہو اگرچہ ہم قوم ہو یا مہر مثل میں کمی فاحش کریں تو سرے سے نکاح ہوگا ہی نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرھما لایصح النکاح	اگر غیر باپ دادا نے نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں یا انتہائی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳۔۱۹۲

من غیر کفو، او بغبن فاحش اصلا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کم مہر سے دیا تو بالکل جائز نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

باپ کی اجازت تحریری کی عبارت محتاج نظر ہے، دیکھا جائے گا اور اب اس کا کیا اثر ہے اور اس کی چنداں حاجت بھی نہیں کہ ولی شرعی موجود ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶۷: مسئولہ محمد صبور صاحب ولد منشی محمد ظہور صاحب مرحوم مغفور ساکن بریلی محلّہ پل قاضی ۱۲صفر ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ نے ایسے رنڈوے شخص کے ساتھ نکاح کیاکہ جس کے دولڑکے زوجہ اولٰی سے تھے اب زن وشو سے ایک دختر پیدا ہوئی بعدہ اس شوہر ثانی کا انتقال ہوگیا، ازاں بعد اس بیوہ عورت نے پھر اپنا نکاح کرلیا اب وہ لڑکی جو شوہر ثانی سے پیدا ہوئی تھی نابالغ ہے کہ جس کا نکاح اس عورت اور حال کے تیسرے شوہر نے ایک نابالغ لڑکے کے ساتھ بموجودگی اس کے والدین کے کردیا جس کے اندر ابتداء قرارداد ونسبت میں قبل از نکاح دوسرے شوہر کے دونوں لڑکوں کا بھی مشورہ رضامندی تھا لیکن وقت نکاح کے یہ دونوں لڑکے موجود نہ تھے اب یہ دونوں لڑکے اس نکاح سے نارضامند ہیں۔ آیا یہ نکاح جائز طریقہ سے ہوا یا ناجائز طورپر؟ اور اب قابل رہنے کے ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شوہر دوم یعنی پدر دختر کے دونوں لڑکے کہ زوجہ اولٰی سے ہیں اگر بالغ ہیں اس دختر کے ولی ہیں، اگر ان دونوں یا ان میں سے ایک نے پیش از نکاح عورت کے شوہر سوم یا خود عورت کواس دختر کا نکاح اس نابالغ کے ساتھ کرنے کی اجازت دی تھی اور وہ نابالغ اس دختر کا کفو تھا یعنی نسب وغیرہ میں ایسا کم نہ تھا جس کے سبب اس سے نکاح اس دختر کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو یہ نکاح صحیح وجائز ونافذ واقع ہوا اور بلاوجہ صحیح شرعی اب ان لڑکوں کی ناراضی معتبر نہیں۔

فان من سعی فی نقض ماتم من جہتہ فسعیہ مردود علیہ۔	جو اپنے تام کئے ہوئے معاملہ کو توڑنے کی کوشش کرے تو اس کی یہ کوشش مردود ہے۔ (ت)

ہاں دختر کو اختیار ہوگا کہ اگر پسند نہ کرے تو بالغہ ہوتے ہی معًا انکار کردے نکاح فسخ کرادیا جائے گا "**لانہ غیراب وجد**" (کیونکہ یہ غیر باپ دادا ہیں۔ ت) اور اگر لڑکوں نے ان کو نکاح کرنے کی اجازت نہ دی تھی اگرچہ وقت مشورہ اپنی رضامندی ظاہر کی تھی تو یہ نکاح کہ دختر کی ماں اور اس کے شوہر سوم نے بے اجازت اولیاء کیا اجازت اولیاء پر موقوف رہا ان لڑکوں نے خبر نکاح سن کر اگر کوئی کلمہ رضا کہہ دیا یا کوئی فعل

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

کہ رضا پر دال ہو کیا تو نکاح نافذ ہوگیا، اور اب ان کی نارضامندی بلاوجہ صحیح شرعی معتبر نہیں بلکہ وہی بحال بلوغ دختر کو اختیار انکار تو دعوی فسخ ہوگا اور اگر کوئی قول وفعل رضا کا بعد نکاح ان سے صادر نہیں ہوا تھا کہ انھوں نے اسے رد کردیا تو نکاح رد ہوگیا اور اب یہ دختر اس سے محض اجنبیہ ہے اور اگر وہ لڑکا اس عورت کا کفو نہیں یعنی کوئی ایسی کمی رکھتا ہے جس سے اس کے ساتھ نکاح اولیائے دختر کے لئے باعث بدنامی ومطعونی ہو تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں اگرچہ خود لڑکوں نے کیا ہوتا اگرچہ دختر بعد بلوغ اس پر راضی ہوتی۔

لانہ یفتی فی غیر الکفو بعدم الصحۃ اصلا لفساد الزمان [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ زمانہ کے فساد کی وجہ سے غیر باپ دادا کا دیا ہوا نکاح غیر کفو اور غیر مہر مثل میں بالکل صحیح نہ ہوگا، اسی پر فتوی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۶۸: از بدایوں براہم پور مرسلہ عظیم اللہ خاں صاحب ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پدر ہندہ نابالغہ کو بکر نے ازراہ فریب یہ یقین دلایا کہ خالد اس کا ہم قوم اور شریف الخاندان ہے اور اس طرح زید کو اس امر کی ترغیب دی کہ وہ اپنی نابالغہ دختر ہندہ کا نکاح نابالغ سے کرے، چنانچہ خالد کے ساتھ زید نے اپنی دختر نابالغہ کا عقد کرادیا، ہندہ بعد عقد خالد کے ماموں زاد ہمشیر کے گھر جس کے زیر پرورش خالد بیان کیا گیا تھا رہی صغیرہ ہندہ کو اب علم اس بات کا ہوا کہ خالد اس کا ہم قوم وکفو نہیں ہے بلکہ ولد الحرام وذلیل قوم ہے تو ہندہ نے خالد کو اپنا شوہر نہیں جانا اور نہ اس کے پاس آئی گئی اور معاہدہ نکاح جو مرتب ہوا تھا بوقت بلوغ فسخ کردیا، یہ انفساخ مطابق شرع محمدی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں صورت مستفسرہ میں نکاح فسخ کیا جائے گا یعنی ہندہ کو اختیار دعوی اور بعد دعوی حکماً فسخ ہوگا قاضیخاں وفتح القدیر وبزازیہ وردالمحتار وغیرہ میں ہے:

زوج بنتہ من رجل ظنہ مصلحا لایشرب مسکرا فاذا ھو مدمن فقالت بعد الکبر لاارضی بالنکاح ان لم یکن ابوھا یشرب المسکر	کسی شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح ایسے شخص سے کردیا جس کے متعلق باپ کو گمان تھا کہ صالح ہے اور شراب نہیں پیتا تو بعد کو معلوم ہوا کہ وہ شراب کا عادی ہے بیٹی نے بلوغ پر باپ کے کئے ہوئے نکاح کے بارے میں کہا کہ میں راضی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

ولاعرف به وغلبة اهل بيتها مصلحون فالنكاح باطل بالاتفاق [1] اهـ	نہیں ہوں تو اگر باپ شرابی نہیں اور لڑکی کا خاندان غالب طور پر صالح لوگ ہیں تو بالاتفاق یہ نکاح باطل ہے اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

معناه انه سيبطل كما فى الذخيرة لان المسألة مفروضة فيما اذالم ترض البنت بعد ما كبرت كما صرح به فى الخانيه والذخيرة وغيرهما وعليه يحمل مافى القنية زوج بنته الصغيرة من رجل ظنه حر الاصل وكان معتقافهو باطل بالاتفاق اه وعلم من عبارة القنية بسبب الفسق انه لافرق فى عدم الكفاءة بسبب الفسق اوغيره حتى لوزوجها من فقير اوذى حرفة ولم يكن كفوالها لم يصح افاده فى البحر [2] ۔	اس کا معنی یہ ہے کہ وہ باطل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے، کیونکہ مسئلہ کی صورت اس مفروضہ پر ہے کہ لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد عدم رضا کا اظہار کیا ہو جیسا کہ ذخیرہ اور خانیہ وغیرہما میں اس کی تصریح کی ہے، اور قنیہ کے اس مسئلہ کو کسی نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایسے شخص سے کردیا جس کے بارے میں اسے گمان تھا کہ یہ اصلی آزاد ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسی کا آزاد کردہ ہے تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہے بھی اسی پر محمول کیا جائے گا اھ اور قنیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر کفو فسق یا کسی اور وجہ سے ہو دونوں میں فرق نہیں۔ حتی کہ کسی نے نابالغہ کا نکاح فقیر یا کسی کسبی سے کردیا اور یہ کفو نہ تھا، تو بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اس کا افادہ بحر میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الفرقة ان من قبلها ففسخ وان من قبله فطلاق وشرط للكل القضاء الاثمانية [3] .	اگر لڑکی کی طرف سے تفریق کی وجہ ہے تو فسخ ہوگا، اور اگر خاوند کی طرف سے ہو تو وہ طلاق ہے اور ہر صورت میں قضا شرط ہے ماسوائے آٹھ صورتوں کے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۱، فتاوی قاضی خاں فصل فی الکفاءۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۲، فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۹۵

[2] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۵

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

خانیہ میں ہے:

لایکون الفسخ لعدم الکفاءۃ الاعند القاضی لانہ مجتھد فیہ[1] اھ۔	کفونہ ہونے کی بناپر فسخ صرف قاضی کے ہاں ہی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔اھ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶۹: مسئولہ خان بہادر مولوی محمد خلیل اللہ خان ڈاک خانہ گولہ ضلع کھیری

مسماۃ ہندہ نے انتقال کیااور اولاد دختری سے دو لڑکیاں چھوڑیں وقت انتقال میں مسماۃ مذکورہ کی لڑکیوں نے اپنے حقیقی نانا کی پرورش ہر قسم کی اس وقت تک پائی، دختران کی عمر سن بلوغت کو پہنچی ہے، والد لڑکیوں کا اپنے وطن میں موجود ہے اور کسی قسم کی امداد پرورش دختران مذکور نہیں کرتا، والد والدہ دختران مذکور کا شادی کا انتظام کرتا ہے تو والد منع آتا ہے، والد شریک شادی دختران مذکور بوجہ اس کے کہ صرفہ شادی سے علیحدہ رہے، نہیں ہوتا ہے، توایسی حالت میں حقیقی نانا بحیثیت ولی کے نکاح کرسکتا ہے اگر نکاح دختران مذکور کا حقیقی نانا ایسی حالت مذکور میں کردے توکیا مناسب ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

لڑکیاں جبکہ بالغ ہوگئیں ان پر ولایت جبریہ کسی کی نہ رہی، ان کی رضا سے جو نکاح ان کا ہو صرف دو حالت میں ولی یعنی ان کے باپ کو ان پر اعتراض کا حق ہوگا، اول یہ کہ جس سے نکاح کیا جائے وہ اس دختر کا کفو یعنی نسب یا مذہب یا چال چلن یا پیشہ وغیرہ کسی بات میں اس سے اتنا کم ہو کہ اس سے نکاح ہونا پدر دختر کے لئے باعث ننگ وعار ہو، اس صورت میں توجب تک باپ پیش از نکاح اس شخص کو غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت نہ دے نکاح ہوگا ہی نہیں محض باطل ہوگا۔ دوم یہ کہ دختروں کے مہر میں کمی فاحش کی جائے مثلاً اس کا مہر مثل ہزار روپے ہو اور پانسو باندھا جائے، اس صورت میں باپ کو اعتراض کا حق ہوگا یہاں تک کہ شوہر مہر پورا کردے اور جب ان صورتوں سے پاک ہو یعنی جس سے نکاح کیا جائے وہ نسب ومذہب وغیرہ میں دختر سے ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا پدر دختر کے لئے باعث مطعونی وبدنامی ہو، اور مہر مثل میں بھی کمی فاحش نہ کی جائے، تولڑکیوں کی اجازت سے نانا کا ایسا کیا ہوا نکاح صحیح وتام ونافذ ولازم ہوگا جس پر پدر دختران کو کوئی اعتراض نہیں پہنچتا، درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ[2]۔	باکرہ بالغہ پر ولایت اجبار نہیں کیونکہ اس کے بالغ ہوجانے پر ولایت ختم ہوچکی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکفاءۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

اسی میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی ولہ اذاکان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفو ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[1]۔	آزاد عاقلہ بالغہ کا اپنا کیا ہوا نکاح ولی کی رضا کے بغیر بھی نافذ ہوگا، ولی اگر عصبہ ہو تو اس کو غیر کفو کی صورت میں اعتراض کا حق ہے اور غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا۔ (ت)

اسی میں ہے:

لونکحت باقل من مھرھا فللولی العصبۃ الاعتراض حتی یتم مھر مثلھا ویفرق القاضی بینھما دفعاللعار[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر لڑکی نے انتہائی کم مہر پر اپنا نکاح کیا تو ولی عصبہ کو حق اعتراض ہے حتی کہ مہر مثل پورا کریں، اور قاضی ولی کی عار کو ختم کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷۰: از موضع ساندھن ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ محبوب احمد صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

والدِ ہندہ نابالغہ کے فوت ہونے پر ہندہ کے شرعی وارث موجود ہیں مگر ولی بننے سے انکار کرتے ہیں ہندہ کی ماں حقیقی جس نے اب عقد ثانی کرلیا ہے وہ یا اس کا شوہر ثانی ولی بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

ولی بننا نہ بننا اختیاری نہیں۔ جس کو شرع مطہر نے ولی کیا وہ ولی ہے اس کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا، ہاں اگر صورت یہ ہے کہ کفو موجود ہے اور ولی بلاوجہ شرعی اس کے نکاح کرنے سے انکار کرتا ہے اور اس انکار میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ صحیح ہے تو جو ولی ابعد ہے اگرچہ ماں ہو اگرچہ نکاح کرچکی ہو وہ وہاں کے عالم دین سنی صحیح العقیدہ کے صوابدید سے نابالغ کا نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷۱: از افضل گڑھ ضلع بجنور محلّہ قاضی سرائے مرسلہ راغب الدین صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے ہندہ سے نکاح کیا، ایک دختر پیدا ہوئی، جب عمر دختر کی تین سال کی ہوئی زید نے ہندہ کو طلاق دی، وہ دختر بھی ہندہ کے پاس رہی، بعد ختم ہونے عدت کے ہندہ نے اپنا نکاح بکر سے کیا، جب دختر کی عمر قریب نو سال کے ہوئی تب اس کا نکاح ہندہ نے اور بکر نے ایک سے کردیا وہ شخص بالکل اسلام سے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

واقف نہیں، نہ روزہ رمضان شریف نہ نماز کبھی ادا کرتا ہے، اب عمر دختر کی پندرہ سال ہے وہ پابند صوم وصلٰوۃ ہے اور کلام مجید اور دو چار کتاب مسائل کی جانتی ہے وہ اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی، اور ولی اصلی زندہ ہے اس نے اجازت نکاح نہیں دی، یہ نکاح عندالشرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اتنے گول سوال کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا، نکاح بکر وہندہ نے کیا، اس وقت لڑکی کی عمر نو برس کی تھی۔ معلوم ہونا چاہئے کہ بالغہ تھی یا نابالغہ، نو برس کی لڑکی بھی بالغہ ہوسکتی ہے، اس نکاح کی خبر زید کو کب پہنچی، اور اس نے اس وقت یا اس کے بعد کیا کہا، وہ لفظ لکھے جائیں، رخصت کس کے اختیار سے ہوئی، شوہر کے یہاں سے باپ کے یہاں بھی آنا جانا رہا یانہیں۔ لڑکی اگر اس وقت نابالغہ تھی تو کب بالغہ ہوئی، اس کو کتنا زمانہ گزرا پھر وہ جو شوہر کے یہاں نہیں رہنا چاہتی یہ کتنے زمانہ سے ہے، اور یہ کراہت صرف قلب سے ہے یا زبان سے بھی کچھ کہا، کہا تو کیا لفظ کہے اور کب کہے، شوہر سے اس کے کوئی اولاد بھی ہوئی یا نہیں، ان سب باتوں کا مفصل جواب لکھنے پر حکم لکھا جاسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷۲: از چھاؤنی ملتان مرسلہ کریم بخش صاحب خانساماں ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حسین بخش خانساماں کی دختر کی شادی پیر بخش خانساماں از کوہ سپاٹو ضلع شملہ عرصہ گیارہ بارہ برس کا ہوا کہ جس وقت برخورداری کی نسبت پیر بخش خانساماں کے ساتھ بندوبست کیا گیا تھا تو اس وقت پیر بخش خانساماں کی پہلی زوجہ جو کہ شادی کی ہے سبب نہ اولاد ہونے کے دوسری شادی کا انتظام کیا دختر حسین بخش کے ساتھ، پیر بخش اقرار گھر دامادی کا کیا جو رجسٹر مسجد کوہ سپاٹو ضلع شملہ میں موجود ہے، اور پیش امام مسجد کے جنھوں نے نکاح پڑھایا تھا وہ بھی اسی وقت موجود ہیں، جس وقت نکاح وغیرہ سے فارغ ہوئے تو دوسرے دن پیر بخش نے جھگڑنا شروع کیا کہ میری زوجہ میرے ہمراہ بھیج دو، لڑکی کے والدین نے پنچ کی رو سے انکار کیا کہ چند عرصہ تم ہمارے ہمراہ رہو جب تمھاری بی بی کی رضا تمھارے ساتھ جانے کی ہوجائے لے جاؤ، اس شخص نے اصرار کیا کہ میرے ہمراہ ابھی بھیج دو، یعنی شروع سے جھگڑا یہاں کئی ایک ماہ ان کا جھگڑا رہا، چند عرصہ کے بعد جو کہ زوجہ پیر بخش کا چھوٹا بھائی تھا اس نے فیصلہ کیا کہ پیر بخش کی زوجہ کو پیر بخش کے ہمراہ کردیا، بعد عرصہ کے لڑکی حمل سے ہوئی تو اپنی ماں کے پاس آئی، لڑکی پیدا ہوئی جو اس وقت تیرہ چودہ برس کی ہے، جس وقت لڑکی دو ماہ کی ہوئی تو زوجہ پیر بخش اپنے خاوند کے ساتھ چلی گئی، بہ سبب نااتفاقی ان دونوں عورتوں میں جھگڑا رہا، چھ ماہ کے بعد زوجہ پیر بخش پھر اپنے والدین کے پاس آگئی پھر ان کا اتفاق کردیا گیا، پھر زوجہ پیر بخش اپنے خاوند کے ہمراہ چلی گئی، عرصہ تین ماہ بعد پھر واپس بھیج دی، پیر بخش کے پھر بعد کو لڑکا پیدا ہوا جو کہ عمر گیارہ بارہ برس کا ہے، نہ تو اس شخص

نے کھانا کپڑا دیا نہ اپنے بچوں کو لے گیا، چار دفعہ پنچایت میں فیصلہ ہوا کہ جو کچھ زر بچوں کی پرورش کرنے میں ہوا وہ ادا کردو اور اپنے بال بچوں کو لے جاؤ، مگر یہ شخص پنچوں میں بھی اقرار کرگیا وہ پورا نہ کیا نہ کیا نہ جواب دیا یعنی بہتیرا کچھ اس شخص کو سمجھا یا گیا لیکن اس عرصہ گیارہ بارہ برس میں کوئی خیال نہ کیا، پچھلے سال اس لڑکی کے ماموں نے منگنی بھی کردی اس وقت بھی کوئی خیال نہ کیا بلکہ خود جاکر لڑکی کے ماموں نے کہا کہ یا تو تم لڑکی کی شادی کروا اگر تم لڑکی کی شادی نہیں کرسکتے تو تم لادعوی ہو، کوئی جواب نہیں دیا، اب لڑکی کے ماموں نے چاہا کہ شادی کردی جائے، تو پیر بخش نے اپنے خسر کے نام نوٹس دی کہ تم لڑکی کی شادی نہ کرنا ورنہ ہم کچہری میں دعوی کریں گے آپ کی زیر باری ہوگی اس لڑکی کا ماموں ملتان گیا پیچھے نوٹس دی، اس گیارہ بارہ برس کے اندر ایک پیسہ اپنے بال بچوں کو نہیں دیا گواہ موجود ہیں، یہ فیصلہ آپ کے پاس بھیجا جاتا ہے کہ آپ شریعت کی رو سے فتوی عنایت فرمائیں۔

الجواب:

لڑکی بالغہ ہے یعنی اسے ماہواری عارضہ آتا ہے جب تو نکاح میں خود لڑکی کی اجازت کافی ہے، بشرطیکہ کسی غیر کفو سے نکاح نہ ہو، یعنی ایسے نہ ہو جو مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں اتنا کم ہو جس سے نکاح اس دختر کا پیر بخش کے لئے باعث ننگ وعار ہو، اور اگر لڑکی نابالغہ ہے تو ضرور اس کے باپ کی اجازت درکار ہے بے اس کی اجازت کے اگر ماں یاماموں یا کوئی نکاح کردے گا تو پیر بخش کی اجازت پر موقوف رہے گا، وہ جائز کردے گا جائز ہوجائے گا رد کردے گا باطل ہوجائے گا، ہاں اگر کفو کے ملتے ہوئے پیر بخش نکاح میں تاخیر کثیر کرے جس سے ضرر کا اندیشہ ہو نہ آپ نکاح کرے نہ دوسرے کو اجازت دے تو اس وقت پیر بخش سے اتر کر نابالغہ کا جو ولی ہوگا مثلا دادا پھر سگا بھائی پھر سوتیلا پھر سگا بھتیجا پھر سوتیلا پھر سگا چچا پھر سوتیلا پھر سگے چچا کا بیٹا پھر سوتیلے کا، غرض دادا کی اولاد میں کوئی مرد عاقل بالغ کہ باپ کے بعد اس سے قریب تر کوئی نہ ہو اسے اختیار ہوگا کہ لڑکی کا نکاح کسی کفو بمعنی مذکور سے کردے اور اس وقت باپ کو اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا اگر دادا پردادا دور ونزدیک کی اولاد قریب وبعید میں کوئی ایسا مرد نہ ہو اس وقت ماں کو اختیار ملے گا، درمختار میں ہے:

ان لم تکن عصبۃ فالولایۃ للام [1]۔	اگر عصبات نہ ہوں تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

یثبت للابعد التزویج بعضل الاقرب	اقرب کے نکاح نہ کرنے پر ابعد کو نکاح دینے کا

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

ای بامتناعه عن التزویج اجماعا خلاصة[1]۔	بالاجماع اختیار ثابت ہے۔ خلاصہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بامتناعه عن التزویج من کفو بمهر المثل امالو امتنع عن غیر الکفو اولکون المهر اقل من مهر المثل فلیس بعاضل[2]۔	مہر مثل اور کفو میں اقرب کے نکاح نہ کرنے پر ابعد کو اختیار ہے ورنہ اگر اقرب کم مہر اور غیر کفو میں نکاح سے انکار کرے تو پھر اس کو مانع قرار دینا درست نہیں ہے۔ (ت)

یہاں ضرر سے مراد یہ ہے کہ کفو ملتا ہو اور اس کے ساتھ اس نابالغہ کا نکاح کسی وجہ سے خلاف مصلحت نہ ہو مہر مثل بھی پورا دینے کا کہتا ہو اور بلاوجہ باپ نہ مانے اور نکاح نہ کرے نہ کوئی دوسرا کفو موجود ہو جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس حالت میں اور جو اولیا ہم نے شمار کئے ان میں سے جو قریب تر ہو اس سنی دیندار عالم کی رائے سے جو وہاں سب سے زیادہ فقیہ ہو اس کفو موجود سے مہر مثل یا اس سے زائد پر نکاح کردے۔

وذٰلك لانهم اختلفوا فی المراد بالا بعد الذی یثبت له التزویج بعضل الاقرب فذهب فی شرح الوهبانية ان المراد لابعد من اولیاء النسب وبه جزم فی البحر ونقله فی الدرثم استدرك علیه بما فی القهستانی عن الغیاثی لو لم یزوج الاقرب زوج القاضی عند فوت الکفو[3] اھ قال ش ای خوف فوته[4] ثم نقل عن رسالة العلامة الشرنبلالی کشف المعضل فیمن عزل نصوصا وافرة متظافرة علی	یہ اس لئے کہ اس ابعد کے بارے جن کو اقرب کے انکار پر نکاح دینے کا جواز ہے میں فقہاء کا اختلاف ہے، تو وہبانیہ میں اس طرف رجحان ہے کہ ابعد اولیاء سے مراد نسبی اولیاء ہیں اور بحر میں اسی پر جزم کیا ہے، اور در میں اس کو نقل کیا اور پھر اس پر استدراک کرتے ہوئے قہستانی میں غیاثی کے حوالے سے کہا کہ اگر اقرب نکاح نہ کرے تو کفو کے فوت ہونے کی صورت میں قاضی نکاح کردے اھ شارح نے کہا کہ کفو کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو قاضی نکاح کردے، پھر انھوں نے علامہ شرنبلالی کے رسالہ کشف المعضل فیمن عزل

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۶

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[4] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۶

ان المراد بالابعد القاضی ولاقاضی ھٰھنا فقد تدارکنا بماذکرنا من جمیع النظرین، واللہ المستعان واللہ تعالٰی اعلم۔	سے بہت سی نصوص نقل کیں کہ ابعد سے مراد قاضی ہے اور یہاں قاضی نہیں ہے اس لئے ہم نے نقصان کاتدارک کرتے ہوئے مذکور اولیاء کو ذکر کیا ہے تاکہ دونوں مصلحتیں جمع ہوجائیں، اور اللہ تعالٰی سے ہی امداد طلب کی جاتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷۳: از موضع پکریا ڈاک خانہ بانکی ضلع ڈالٹن گنج مرسلہ سید منہاج الحق صاحب احراری ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ہندہ کے شوہر نے قضاء کیا اور عمرو سے بیوہ کا ناجائز تعلق ہوا، بعد خبر پانے کے بکر نے جو ہندہ کا چچا ہے بسا سرزنش گھر میں بند رکھا اور کچھ دنوں باہر نکلنے نہ دیا اور بزور اپنے لڑکے زید سے جس کی بی بی موجود ہے بے رضامندی جو بخوف ہلاکت ہندہ نے قبول کیا نکاح کردیا، وکیل نکاح واقعہ معلومہ نے بمقابلہ شاہدین اجہل جو چچازاد بھائی بیوہ کے ہیں برضامندی اجازت عقد نکاح چاہی، بخوف جان ہندہ نے قبول کیا اور اذن دیا، بعد دوچار ماہ کے موقع وقت پاکر عمرو کے یہاں چلی آئی اور ہنوز اس کے مکان میں موجود ہے۔ ہندہ سے بمقابلہ چند گواہاں پوچھا گیا حلفاً بیان کیا کہ ہم کو ہرگز ہرگز منظور نہ تھا جبر سے بکر وغیرہ کے جو دھمکی ہلاکت دیا تھا اقبال کیا بعدہ ہم دونوں کو یعنی ناکحین کو لوگوں نے ایک مکان میں بند کردیا، چنانچہ خلوت صحیحہ بھی اسی قاعدہ مسطورہ صدر سے ہوا پس صورت مستفسرہ میں امیدوار جواب باصواب کا ہوں، ایسا نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں کیونکہ ہندہ نے اقرار زبانی کیا دِلی حالت کسی کو معلوم نہیں، صورت مذکورہ بالا میں طلاق کی بھی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ حسب بیان وخواہش ہندہ بغیر طلاق عمرو سے نکاح یا بعد طلاق وعدت؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر واقعی اکراہ ومجبوری کی صورت نہ تھی صرف دھمکی تھی اور اسے بھی صحیح طور پر اندیشہ جان نہ تھا جب تو وہ اذن صحیح ہوگیا اور اگر اس وقت واقعی اکراہ تھا اور شوہر کے پاس جانا بلا اکراہ ہوا تو اگر پہلے نہ بھی تھی اب ہوگئی، ان دونوں صورتوں میں نکاح ہوگیا اور بغیر موت یا طلاق شوہر وانقضائے عدت دوسرے سے نکاح نہیں ہوسکتا، اور جانا بھی باکراہ تھا اور جیسا کہ ہندہ کا بیان ہے خلوت بھی باکراہ ہوئی، تو یہ مسئلہ شدید الاشکال ہے کتابوں میں اس کا جزئیہ کہیں نہیں، علامہ خیرالدین رملی کی نظر حاشیہ بحرالرائق میں صحت توکیل کی طرف گئی اور حاشیہ منح الغفار میں عدم جواز کی طرف علامہ شامی نے کتاب الاکراہ میں اول کی طرف میل فرمایا اور آخر میں بھی لکھا کہ:

الحاصل ان المحل محتاج الی زیادۃ	حاصل یہ کہ یہ مقام زیادہ تحریر وتحقیق کا محتاج ہے

التحریر وھذا غایة ماوصل الیه فھمنا القاصر، واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جہاں ہمارا قاصر فہم پہنچاوہ یہی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

فقیر نے اس پر تعلیقات میں ان کی ابحاث سے جواب دئے اور تعلیقات کتاب الطلاق میں اولا وجوہ جواز لکھ کر انھیں رد کیااور عدم جواز کی ترجیح بیان کی اور آخر میں یہی لکھا کہ :

بالجملة محل اشتباہ ولابد من تحریر فوق ذٰلک، واللہ تعالٰی اعلم۔	غرض یہ کہ محل اشتباہ ہے تو اس کی صفائی کے لئے اس سے زائد تحقیق کی ضرورت ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ایسی شدید مشتبہ حالت میں بھی احتیاط یہی ہے کہ بلاطلاق ومرور عدت نکاح ثانی کی جرأت نہ کی جائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷۴: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

نابالغ کے نکاح میں اس کے ولی سے ایجاب کے کرانے کی نوبت پہنچے گی تب تعین مہر بحیثیت ولی کے ہوگی پس بعد بلوغ اقبال سے وہ نابالغ مہر کے ناراض ہو اور نکاح کرے تو کیا حکم ہوگا، **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ ولی جس نے نابالغ کا نکاح کیا اس کا باپ نہ ہونے کی حالت میں دادا ہے ایسا جو اس سے پہلے کوئی نکاح اپنی ولایت سے مہر میں ایسے فرق کثیر پر یا غیر کفو سے نہ کرچکا ہو نہ اس نکاح کے وقت نشہ میں ہو جب تو نکاح صحیح اور مہر لازم ہوگیا، نابالغ کو کسی وقت کوئی حق اعتراض نہیں، اور اگر نکاح کرنے والا اَب وجَد کے سوا اور کوئی ولی ہے یا اب وجد ہیں اور اس وقت نشہ میں تھے یا اس سے پہلے بھی کوئی نکاح اپنی ولایت سے ایسا کرچکے تھے اور مہر مثل سے فرق کثیر ہے مثلا پسر کا نکاح ہے اور عورت کا مہر مثل دس ہزار تھا انھوں نے پندرہ ہزار بندھوایا یا دختر کا نکاح ہے اور مہر مثل دس ہزار تھا انھوں نے پانچ ہزار بندھوایا تو اس صورت میں نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت ہے، اور اگر فرق فاحش نہیں مثلا پسر کے نکاح میں دس ہزار کا گیارہ ہزار یا دختر کے نکاح میں دس ہزار کا نوہزار، تو نکاح ہوگیا، پھر اگر وہ ولی جس نے نکاح کیا غیر اب وجد ہے تو صغیر وصغیرہ کو خیار بلوغ ملے گا جو غیر اب وجد کے نکاح کرنے میں مطلقًا ملتا ہے اگرچہ مہر مثل میں کوئی کمی بیشی نہ ہوئی ہو، صغیرہ اگر بکر ہے تو بالغہ ہوتے ہی فورا یا اس کے بعد علم نکاح ہو تو علم پاتے ہی معًا اگر اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے گی تو دعوی کرکے قاضی سے فسخ کراسکے گی اور صغیرہ اگر ثیب ہے یا صغیرہ کا نکاح ہے تو انھیں بعد بلوغ مطلقًا اختیار اعتراض رہے گا جب تک صراحةً

اپنی رضا ظاہر نہ کریں یا کوئی فعل ایسا نہ کریں مثلا بوسہ وکنار جو رضا پر دلیل ہو، درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مھرھا و زیادۃ مھرہ او بغیر کفو ان کان الولی المزوج ابا اوجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران وان کان المزوج غیرھما لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمھر المثل صح ولھما خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ وبطل خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح ولایمتد اٰخر المجلس وخیار الصغیر والثیب اذا بلغا لایبطل بالسکوت بلا صریح رضا اودلالۃ کقبلۃ ولمس ولابقیامھا عن المجلس لان وقتہ العمر فیبقی حتی یوجد الرضا[1] اھ ملتقطا۔	اگر نکاح دینے والا باپ یا دادا ہو تو انتہائی کم یا زیادہ مہر یا غیر کفو میں نکاح لازم ہو جائے گا بشرطیکہ یہ باپ یا دادا سوء اختیار میں معروف نہ ہوں، اور اگر وہ اس میں معروف ہوں تو کم مہر اور غیر کفو میں ان کا دیا ہوا نکاح بالاتفاق صحیح نہ ہوگا، اور ایسے ہی اگر وہ نشہ میں ہوں تو صحیح نہ ہوگا، اور باپ دادا کا غیر نکاح دے تو غبن فاحش یعنی انتہائی کم مہر اور غیر کفو میں نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا، اور اگر انھوں نے مہر مثل اور کفو میں کیا ہو تو صحیح ہوگا لیکن نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے پر یا بلوغ کے بعد نکاح کے علم پر فسخ کا اختیار ہوگا، اور اگر لڑکی باکرہ بالغہ ہو تو غیر کے کئے ہوئے نکاح پر خاموشی سے اس کا خیار فسخ ختم ہو جائے گا بشرطیکہ اس کو اپنے نکاح کا علم ہو اور خاموشی کے بعد مجلس کے اختتام تک یہ اختیار باقی نہ رہے گا، اور نابالغ لڑکے اور ثیبہ کا اختیار محض خاموشی پر ختم نہ ہوگا جب تک بالغ ہونے پر صراحۃً اظہار رضامندی نہ کردیں، یا دلالۃً مثلا بوس وکنار وغیرہ سے رضا ظاہر نہ ہو جائے اور ان دونوں کے، اختیار والی مجلس سے اٹھ جانے سے بھی ان کا اختیار باطل نہ ہوگا، کیونکہ اظہار رضا کے لئے ان دونوں کو عمر بھر اختیار باقی رہتا ہے جب تک کہ راضی نہ ہو جائیں یا رد نہ کردیں اھ ملتقطا (ت)

فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

اذا زوج الرجل ابنہ بامرأۃ باکثر من مھر مثلھا او زوج ابنتہ الصغیرۃ باقل من مھر مثلھا او وضعھا فی غیر کفو	جب کوئی شخص اپنے بیٹے کا مہر مثل سے زائد مہر پر یا نابالغہ لڑکی کا مہر مثل سے کم مہر پر یا غیر کفو میں نکاح دے یا نابالغ بیٹے کا نکاح لونڈی سے یا غیر کفو والی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳۔۱۹۲

او زوج ابنه الصغیر اَمَۃً اوامرأۃ لیست بکفوله جاز فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی وقال صاحباہ رحمهما الله تعالٰی لایجوز ان فاحش واجمعوا علی انه لایجوز ذلك من غیر الاب والجد ولا من القاضی [1] ۔	عورت سے کردے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مطابق یہ نکاح جائز ہونگے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر جائز ہوگا، جبکہ باپ دادا کے غیر حتی کہ قاضی کے دئے ہوئے یہ نکاح ناجائز ہونے پر اجماع ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لو زوج ولدہ من غیر کفو بان زوج ابنه امةً او ابنته عبدا اوزوج بغبن فاحش بان زوج البنت ونقص من مهرها اوزوج ابنه وزاد علی مهر امراته جاز عند ابی حنیفة تبیین وعندهما لاتجوز الزیادة والحط الابما یتغابن الناس فیه قال بعضهم فاما اصل النکاح فصحیح والاصح ان النکاح باطل عندهما کافی والخلاف فیما اذالم یعرف سوء الاختیار الاب امااذا عرف فالنکاح باطل اجماعا وکذا اذا کان سکران السراج الوهاج [2] اهملخصا۔ والله تعالٰی اعلم۔	اگر اپنے بیٹے کا نکاح غیر کفو مثلا لونڈی سے یا نابالغہ بیٹی کا نکاح غلام سے کردیا، یا اس کا نکاح انتہائی کم مہر پر کردیا، یا بیٹے کا نکاح کرکے اس کی بیوی کا مہر زائد کردیا، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر جائز ہوگا، تبیین، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر اتنی زیادتی یا کمی پر نکاح کیا جو مروج کے مطابق نہ ہو تو یہ جائز نہیں ہے، بعض کے نزدیک صاحبین کے قول پر اصل نکاح صحیح ہوجاتا ہے، کافی، یہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ باپ سوء اختیار سے معروف نہ ہو اور اس میں مشہور ہو تو بالاجماع باطل ہے، اور یوں ہی اگر وہ نشہ میں ہو تو بھی باطل ہے، سراج الوہاج، اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷۵: از مندیاہو ضلع جونپور محلّہ قضیانہ مرسلہ حافظ کریم بخش صاحب ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۶ھ

زید نے قضا کی اس کا ایک حقیقی بھائی جو مدت دراز سے علیحدہ رہتا ہے اور مرحوم سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا تھا زندہ ہے، زید کی ایک لڑکی جواب قریب بلوغ ہے اور اس کی شادی برادری میں دس ۱۰ رجب المرجب کو

---

[1] فتاوی قاضی خاں فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۴

[2] فتاوی ہندیہ الباب الخامس فی الاکفاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۹۴

ہونے والی ہے، اس لڑکی کی ایک سوتیلی ماں ہے جس نے اس کی پرورش کی اور شادی بھی کرتی ہے، زید کے حقیقی بھائی سے اس نے اس کی شادی کے متعلق مدد چاہی کہ تمام اہل برادری کے سامنے اس نے انکار کیا کہ میں نہ اس شادی میں شریک ہوں گا نہ مجھ سے کسی قسم کا واسطہ ہے جہاں چاہیں شادی کریں مجھ سے کوئی واسطہ نہیں، اس لئے سخت پریشانی ہے کہ اس کی بیوہ سوتیلی ماں نے کل انتظام شادی کا کرلیا ہے خدانخواستہ اگر وہ عین وقت مخل ہو تو اس کا سخت نقصان ہوگا گو امید نہیں ہے کہ وہ ایسا کرے کیونکہ اس نے سب اہل برادری کے سامنے اپنی بے تعلّقی بیان کیا ہے مگر احتیاطًا ضرورت ہے کہ علماء کی بھی سند موجود ہو، لڑکی کا ولی اس کی بڑی بہن کا شوہر ہوسکتا ہے، اس کی بڑی بہن کا انتقال ہوچکا ہے اور دوسری بہن مع شوہر موجود ہے اور سوتیلی ماں کے چار لڑکے اس کے باپ کے نطفہ سے موجود ہیں جن میں سے دو کی عمر ۱۴، ۱۶ سال کی ہے اور ایک سوتیلی ماں ہے اور تمام اہل برادری ہیں ان میں اس کا ولی کون ہوسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت میں اس نابالغہ کے نکاح کا ولی نہ اس کا حقیقی چچا ہوسکتا ہے نہ بہن نہ بہنوئی نہ ماں بلکہ لڑکی کا سوتیلا بھائی کہ سولہ سال کا ہے اس کے نکاح کا ولی ہے، اور دوسرا کہ چودہ سال کا ہے اگر وہ بالغ ہے تو وہ بھی ہے، درمختار وغیرہ میں ہے:

الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث اوالحجب[1]۔	نکاح کا ولی عصبہ بنفسہٖ وراثت اور مانع ہونے کی ترتیب پر ہوتے ہیں۔ (ت)

لہٰذا لڑکی کا نکاح کفو میں مہر مثل یا زائد پر جوان سوتیلے بھائی کی اجازت سے ہونا چاہئے، اگر ماں حقیقی بھی ہوتی تو اس کا کیا ہوا نکاح بھی اس بھائی کی اجازت پر موقوف رہتا، اور جبکہ اس کا بھائی کی اجازت سے ہو یا بعد نکاح قبل ردیہ اسے جائز کردے اور نکاح میں مہر مثل سے کمی فاحش نہ کی گئی ہو اور جس سے نکاح ہوا وہ کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ان بھائیوں کے لئے وجہ عار وبدنامی ہو تو وہ نکاح صحیح ہوجائے گا اور چچا اس میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہوسکتا، ہاں لڑکی کو اختیار ہوگا کہ بالغہ ہوتے ہی اگر فورًا اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے تو دعوی کرکے فسخ کراسکے گی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷۶، ۳۷۷: از بلگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدان مرسلہ سید محمد تقی صاحب قادری ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی عمر چار پانچ سال کی تھی کہ اس کے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

ماں باپ نے قضا کی اور ہندہ کو اس کی حقیقی نانی نے پرورش کیا جبکہ ہندہ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو اس کی حقیقی نانی نے ہندہ کا عقد اپنے دوسرے نواسے کے ساتھ کر دیا، گو ہندہ کے بھائی حقیقی تھے مگر اس موقع پر موجود نہ تھے جبکہ اس کا عقد اس کی نانی نے کیا تھا، لہٰذا شادی ہونے کے بعد سے پانچ چھ برس کامل تک ہندہ کو نہ اس کے شوہر نے روٹی کپڑا دیا اور نہ اس کے ساس سسر نے، بدستور سابق ہندہ اپنی نانی کے پاس رہی اس نے اس کو روٹی کپڑا دیا جبکہ ہندہ کی عمر چودہ سال کچھ ماہ کی ہوئی اور اس کو پہلا ایام ہوا، اس وقت ہندہ مع اپنی نانی کے اپنے محلّہ کے ایک گھر میں آئی اور اس نے دو مرد اور تین عورتوں کے روبرو کہا کہ میری شادی میری نانی نے جس کے ساتھ کی تھی اس سے میں رضامند نہیں ہوں اور میں اس کے ساتھ اپنی عمر کسی طرح بسر نہیں کر سکتی ایسی حالت میں وہ نکاح ہندہ کا رہا یا ٹوٹ گیا؟

(۱) اس کے پانچ ماہ بعد ہندہ کا دوسرا نکاح ہندہ کی رضامندی سے دوسرے شخص کے ساتھ کر دیا گیا جبکہ وہ بالغ ہو چکی تھی اس صورت میں یہ نکاح جائز سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اگر ہندہ کا پہلا شوہر عدالتی لڑائی فساد سے اپنی عورت کو لینا چاہے تو ان تمام امورات کو مدنظر رکھ کر ہندہ کو لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جس سے ہندہ کا پہلا نکاح ہوا اگر وہ ہندہ سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم تھا کہ اس کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہونا برادران ہندہ کے لئے باعث ننگ وعار وبدنامی ہو تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔

یفتی بعدم الصحۃ فی غیر الکفو لفساد الزمان[1] **در مختار وغیرہ۔**	فتوی یہ ہے کہ غیر کفو میں زمانہ کے فساد کی بنا پر اصلا نکاح نہ ہوگا در مختار وغیرہ (ت)

اور اگر ایسا نہ تھا وہ نکاح صحیح ومنعقد ہوگیا **لصدورہ من فضولی ولہ مجیز** (فضولی سے صادر اور اس کو جائز کرنے والا موجود ہونے کی وجہ سے۔ت) ہندہ اگر بالغ ہوتے ہی ناراضی ظاہر کرتی اس نکاح کو فسخ کرا سکتی اب کہ دیر لگائی وہاں سے دوسری جگہ جاکر وہ الفاظ کہے اب نکاح لازم ہوگیا بے موت یا طلاق شوہر اول اس سے جدا نہیں ہو سکتی،

(۲) دوسرا نکاح جو کیا باطل محض ہے اس پر فرض ہے کہ فوراً اس سے جدا ہو جائے، در مختار میں ہے:

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

بطل خیار البکر بالسکوت مختارۃ عالمۃ بالنکاح ولایمتدالیٰ اٰخر المجلس [1]۔واللہ تعالیٰ اعلم۔	باکرہ بالغہ کو جب علم ہوجائے تو خاموشی پر اس کا اختیار فسخ ختم ہوجاتا ہے اور خاموشی کے بعد مجلس کے اختتام تک باقی نہ رہے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۷۸: از موضع سموال ڈاکخانہ سیگتر ریاست جموں ضلع میر پور ملک پنجاب براستہ جہلم مرسلہ حافظ مطیع اللہ صاحب ۱۸ربیع الاآخر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں مثلاً زید کی لڑکی نابالغہ کا بعد وفات زید لڑکی کی والدہ نے کسی جگہ ناتا یعنی ساک کردیا اور ان نے لڑکی مذکورہ کو کسی قدر زیور اور کپڑا دیا،اپنے زعم میں انھوں نے لڑکی اپنی منکوحہ سمجھ لی،بعد گزرنے دو تین سال کے والدہ لڑکی کے پاس گئے تاکہ شادی کردیوے،اس نے کہا مجھے فرصت نہیں،پھر چلے گئے،دوبارہ جس کے ذریعہ سے منگنی کی تھی بھیج کر سوال کیا،پھر والدہ لڑکی نے انکار کردیا،منگنی والوں نے کہا زیور وغیرہ واپس کردو ہم اس سے رہے،غرض وہ اپنے زیورات وغیرہ لے کر واپس چلے آئے اور دعوی ناتا چھوڑ دیا،اب لڑکی بالغ ہے اور اس کی والدہ مرگئی ہے دوبارہ ناتے والے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم نے ناتا نہیں چھوڑا اور نہ ہم نے زیور لیا وکیل نے لیا ہوگا،آیا بروقت منگنی نابالغ کا اس کی والدہ یا چچایا برادر نے کردیا اس کو بموجب شریعت اختیار فسخ ہے بحکم **ولھما الخیار فی غیر الاب والجد**(نابالغ اور بالغہ کو غیر باپ دادا کے دئے ہوئے نکاح میں اختیار ہوتا ہے،ت)لیکن بروقت بلوغ قاضی کے نزدیک بیان دیوے اور قاضی حکم فسخ کرے،چونکہ اس ولایت میں کوئی قاضی نہیں تو کیا اس ملک میں اعلم علماء فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

محض منگنی کوئی چیز نہیں اور ان کا منکوحہ سمجھ لینا باطل ہے جبکہ ایجاب وقبول نہ ہوا ہو،اس صورت میں فسخ کی کیا حاجت کہ نکاح ہی نہ تھا جسے فسخ کیا جائے،ہاں اگر ایجاب وقبول ہوگیا تو بے شک صورت مذکورہ میں نابالغہ کو خیار فسخ ہے،اگر بالغہ ہوتے ہی فوراً اسی مجلس میں انکار واعتراض کرے تو دعوی فسخ کرسکتی ہے،اعلم وافقہ اہل بلد بحضور زوج فسخ کرے اور اس کی تنفیذ بذریعہ کچہری کرالے،اور اگر مجلس بلوغ میں سکوت کیا تو اب دعوی فسخ نہیں کرسکتی نکاح لازم ہوگیا جبکہ کفو سے ہوا ہو یعنی زوج زوجہ سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس کا نکاح اولیاء کے لئے عرفاً باعث ننگ وعار ہو کہ اس صورت میں غیر اب وجد کا کیا ہوا نکاح باطل محض ہوتا ہے،جب سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت،

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

والمسائل کلها مصرحة بها فی عامة زبر المذهب کالدرالمختار وغیره ومسألة العالم فی الحدیقة الندیة عن فتاوی الامام العتابی وقد فصلنا الکل فی فتاوٰنا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	یہ تمام مسائل مذہب کی عام کتب میں تصریح شدہ ہیں جیسے درمختار وغیرہ۔اور عالم فقہیہ والامسئلہ حدیقہ ندیہ میں امام عتابی سے منقول ہے،ہم نے ان تمام کی تفصیل اپنے فتاوی میں ذکر کی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۷۹: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ حمید اللہ صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی کی عمر ۱۴سال کی ہے اور اس کے والد نے خط اپنی بیوی کے نام اس مضمون کا بھیجاہے کہ جس طرح چاہو کرو تمھیں اختیار ہے،ماں نکاح کرنا چاہتی ہے اور والد اس کے یہاں موجود نہیں ہیں عدم موجودگی میں والد کے نکاح ہوسکتاہے یانہیں؟

الجواب:

اگر ثالث ہو کہ خط اس کا ہے توماں کو اختیار ہے اگرلڑکی نابالغہ ہواور بالغہ کی خود اپنی اجازت معتبر ہوتی ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸۰: از کوٹیلی ڈاک خانہ خاص ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالعلیم شاہ صاحب ۱۵جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو تین شادی محل اولٰی (مرحوم) سے دولڑکے ایک لڑکی اور محل ثانی لاولد مرحوم، محل سوم (قائم) سے دولڑکے اور ایک لڑکی،زید نے محل اولی کی اولاد کو اپنی حیات میں علیحدہ کردیا،جوکہ زید کو بدرمیاں اولاد محل اولٰی کے کوئی سروکار نہیں بلکہ سننے میں آتاہے کہ زید نے محل اولٰی والی اولاد کو عاق کیاتھااور زید محل سوم کے ساتھ مع اولاد کے رہتے تھے،زید نے اپنی حیات میں محل سوم کی لڑکی کی نسبت بکر کے لڑکے سے کی تھی یعنی نسبت شادی کی مقرر ہوئی تھی،چونکہ عمرلڑکی کی دس برس کی تھی بعد مقرر کرنے نسبت مذکور کے زید نے قضا کیا،بعد قضا کرنے زید کے ایک سال بعد مسماۃ محل سوم نے اپنی لڑکی کی شادی بولایت خاص بکر کے لڑکے کے ساتھ کردی،اس درمیان میں محل اولٰی والی اولاد سے جوکہ عاق شدہ ہے اس سے معاملہ حقداری کا ساتھ محل سوم مسماۃ کے تھا،بعد شادی ہونے تھوڑے زمانہ کے اور اٹھ جانے معاملہ کے محل اولٰی والی اولاد نے محل سوم والی مسماۃ کو اپنی رائے میں یعنی میل میں لے آئے،اب محل اولی والی اولاد کی جانب سے یہ کہا جاتاہے کہ عقد ناجائز ہوگا کیونکہ اس لڑکی کا وارث میں ہوسکتاہوں یعنی اس کا ولی میں ہوں گا بلکہ اس لڑکی کو اپنی سسرال سے لاکر اپنے گھرمیں رکھ لیاہے اور دوسری شادی کرنے پر لڑکی آمادہ ہے آیا یہ عقد جوکہ مسماۃ محل سوم والی نے بولایت اپنے کیاہے کیاجائز ہے یانہیں؟

الجواب:

فی الواقع بھائی اگرچہ سوتیلا ہو اس کے ہوتے ماں کو ولایت نہیں، جو نکاح ماں نے کیا اور کسی جوان بھائی کا اذن نہ تھا، نہ بعد نکاح کسی جوان بھائی نے جائز کیا اسے جو جوان بھائی فسخ کرے فسخ ہو جائے گا، اور عاق کر دینا شرعاً کوئی چیز نہیں، نہ اس سے ولایت زائل ہو، درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر ولی ابعد ولی اقرب کی موجودگی میں نکاح کر دے تو یہ نکاح اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۸۱: از بسولی ضلع بدایوں مرسلہ محمد ایوب حسن صاحب سلمہ، ولد قاضی محمد یوسف صاحب ۲۱ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہاجرہ خاتون عرف بنو دختر راحت حسین مرحوم کا جس کی عمر اس وقت پندرہ برس چھ ماہ ہے اس کی ماں بساز اپنے بھائی اولاد حسین اور بھانجے قطب الحسن (قطب الحسن کو ہاجرہ کی بڑی بہن بیاہی ہے) جبکہ مکان پر کوئی شخص از ذکور موجود نہ تھا اپنی بہن کے لڑکے عزیز الحسن سے جو قطب الحسن مذکور سے چھوٹے ہیں بوکالت اپنے بھائی حقیقی اولاد حسین مذکور وبگواہی بندہ حسن جو قطب الحسن وعزیز الحسن مذکور کے عم زاد ہیں وبگواہی احمد حسین جو قطب الحسن کے قریبی رشتہ دار ہیں نکاح پڑھوا دیا، بیان ہاجرہ خاتون جو کہ بموجودگی ممتاز حسین وفرحت حسین وصولت حسین کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر بیان کیا میرے سامنے قبل نکاح کے واقع کے چند مرتبہ میری بہن زوجہ قطب الحسن نے عزیز الحسن سے میرا نکاح کئے جانے کا تذکرہ کیا مگر میں نے قطعی انکار کیا اور میرے اس انکار کی خبر قطب الحسن وعزیز الحسن اور ان کی والدہ اور میری ماں اور بہنوئی کو کماحقہ ہو چکی تھی اب بوقت نکاح جب مجھ سے اذن طلب کیا گیا میں بوجہ لحاظ شرم بآواز بلند اس مجمع میں انکار نہ کر سکی مگر انکاری سر ہلایا اور اُوں ہونہ جو انکار تھا کیا تھا میری آواز نکلتے ہی میری بہنوں اور خالہ وماں نے غل وشور مچا دیا کہ ہو گیا ہو گیا، میں عزیز الحسن کے ساتھ نکاح کئے جانے کہ نہ قبل اس واقعہ کے نہ اس وقت اور نہ اب رضامند ہوں مجھ پر خدا اور اس کے رسول کی پھٹکار ہو جو اس وقت ایک لفظ بھی غلط کہتی ہوں، بیان گواہ بندہ احسن جو تحریر کرالیا گیا ہے، بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۸ء بوقت ۵ بجے شام قطب الحسن مجھ کو قاضی ٹولہ بغرض نکاح عزیز الحسن کے لئے گئے وہاں پر جا کر مجھ کو معلوم ہوا کہ تم گواہ ہو کہ مسماۃ بنو

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

دختر راحت حسین کے گیا تھا وہاں جاکر مجھ کو گواہ بنایا گیا میں نے اندر جاکر اس کی والدہ سے دریافت کیا اس نے اقرار کیا اور اجازت نکاح کی دی پھر میں نے لڑکی سے اذن طلب کیا وہ پردہ میں تھی اندر سے اُوں کی آواز آئی پھر نکاح پڑھوادیا گیا فرحت حسین بوقت نکاح موجود نہ تھے، دستخط احمد حسین، وکیل صاحب مسمّٰی قاضی اولاد حسین علیل تھے اور اس کے بعد زیادہ علیل ہوگئے اور انتقال ہوگیا، کوئی بیان تحریری حاصل نہ ہوسکا، قاضی صاحب نے جنھوں نے کہ نکاح پڑھایا ہے مکان پر یا اس موقع پر قسم ذکور سے کسی کو نہ پاکر قطب الحسن سے کہا گیا کہ ایسا نکاح پڑھوا کر مجھ کو کسی مقدمہ میں ماخوذ تو نہ کراؤ گے جو کوئی مرد مکان پر موجود نہیں ہے جس کا جواب قطب الحسن نے یہ دیا کہ کسی مرد کی کچھ ضرورت نہیں ہے لڑکی خود بالغ ہے قاضی صاحب نے لڑکی سے ایجاب قبول کرادیا، اندر کا کچھ حال اس وقت قاضی صاحب کو گواہان اور وکیل صاحب کے بیانات سے طرح طرح کے شکوک عدم جواز نکاح کے پیدا ہوئے جس کی وجہ سے ضرورت فتوی لینے کی ہوئی، معروضہ احقر، اب وہ لوگ طرح طرح کے دباؤ رخصت کے ڈالتے ہیں اور لڑکی بالکل قطعی انکار کرتی ہے حتی کہ جان دینے پر آمادہ مگر وہاں رخصت کئے جانے کو منکر ہے، معاملہ مذکور بالا کو غور فرماکر حکم شرع شریف سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب:

اللہ واحد قہار عالم الغیب والشہادہ ہے۔ یہ معاملہ حلال حرام اور وہ بھی خاص شرمگاہ کا ہے جس کی حرمت سخت اشد ہے، اگر واقع میں ہاجرہ بالغہ نے اذن دے دیا تھا اگرچہ دباؤ سے اگرچہ جبراً تو نکاح صحیح ہوگیا اور اب اسے انکار کا کچھ اختیار نہیں اگر نہ مانے گی اور دوسری جگہ نکاح کرے گی تو زنا ہوگا زنا زنا، اور اگر واقع میں اس نے انکار کیا تھا اور اسے اذن بناکر ہوگیا ہوگیا اڑایا تو حرام حرام سخت حرام ہے کہ اسے عزیز الحسن کی زوجہ سمجھا جائے پہلی صورت میں ہاجرہ اور دوسری میں عزیز الحسن وغیرہ اس کے ساعی مستحق لعنت الٰہی وعذاب شدید ہوں گے باقی جو شہادتیں مذکور ہوئیں ثبوت اذن کے لئے محض ناکافی ہیں ان کی بناپر ہاجرہ کہ اذن سے منکر ہے مجبور نہیں کی جاسکتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۲: از پیلی بھیت محلّہ شیخ چاند متصل سرائے پختہ مرسلہ حافظ ولایت احمد صاحب ۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح چچا حقیقی کی ولایت سے جو اس کے علم میں نابالغہ تھی بعدم موجودگی ہندہ ومادر ہندہ زید نابالغ کے ساتھ بولایت دادا حقیقی زید عرصہ پانچ سال کا گزرا ہوا تھا، دوسال سے زید بالغ ہے اب رخصت کرانا چاہتا ہے تو مادر ہندہ سے معلوم ہوا کہ ہندہ وقت نکاح کے بالغہ تھی ماں ہندہ کی رخصت نہیں کرتی ہے اور کہتی ہے کہ نکاح صحیح نہیں اور مادر ہندہ کے بیان کی تصدیق کرلی گئی کہ صحیح ہے،

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ ہندہ بالغہ تھی اور اس سے اذن نہ لیا گیا اور چچا نے نابالغہ سمجھ کر بے اذن لئے خود پڑھادیا تو یہ نکاح اجازت ہندہ پر موقوف رہا، اس پانچ برس کے عرصہ میں اگر اس نے اگرچہ اپنی ہم عمر لڑکیوں میں کوئی کلمہ اس کی اجازت کا کہا ہے جائز ہوگیا، رد کہا رد ہوگیا، اب تک کچھ نہیں کہا ہے تو اب اگر رد کردے گی رد ہوجائے گا، جائز کردے گی جائز ہوجائے گا، یہ خوب یاد رہے کہ اعتبار سب میں پہلی بار کا ہے، نکاح کی اطلاع کے بعد سب میں اول اگر کلمہ رد کہا ہے رد ہوگیا، اس کے بعد ہزار بار اجازت دے بیکار ہے، اور سب میں اول اگر کلمہ اجازت کہا ہے جائز ہوگیا، اس کے بعد لاکھ بار رد کردے بے اثر ہے، اللہ واحد قہار سے ڈرے، یہ معاملہ حلال حرام و نکاح و زنا کا ہے، جو بات واقعی ہو ظاہر کردے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۳ تا ۳۹۰: از قصبہ اوریا ضلع اوٹاوہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی عبدالحہ صاحب مدرس ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کی بیوی معہ بیٹی ہندہ کے اپنے والد کے گھر زید کی رضامندی سے گئی زید کا خسر جو چچا بھی ہوتا ہے اس نے اپنے خاندان کے لڑکے بکر کے ساتھ زید مذکور کی لڑکی ہندہ سے عقد کردیا بلااطلاع زید اور ہندہ ابھی نابالغ ہے، وہ عقد جائز ہوا یا نہیں، اس عقد کو کون اور کتنے عرصہ تک فسخ کرسکتا ہے؟

(۲) اگر ہندہ بالغ ہے اور وہ اپنے شوہر کے گھر پر رہی اور اس کے ہمراہ اپنے والد زید کے گھر آئی اور چندے قیام بکر یعنی ہندہ کے شوہر کا رہا، اس کے بعد وہ ملازمت پر چلا گیا، اس صورت میں یہ عقد درست ہوا یا نہیں جبکہ ہندہ بالغ ہے۔

(۳) زید کے جائے قیام سے زید کی سسرال فاصلہ پر ہے جہاں پر ہندہ کا عقد بکر کے ساتھ ہوا تھا، جس وقت زید کے ملنے والوں نے زید سے یہ سوال کیا کہ تم یہاں پر موجود رہے اور وہاں پر عقد بلااجازت جبکہ ہندہ نابالغ تسلیم کیا جاوے کیونکر ہوا، اس وقت زید مذکور نے یہ جواب دیا کہ ہم اجازت دے آئے تھے کہ آپ عقد کردیں اور ہم کو صرف اطلاع دیں تاکہ ہم اس خوشی میں میلاد شریف کریں، ایسی صورت میں اجازت صحیح ہوئی یا نہیں اور عقد جائز ہوا یا نہیں؟

(۴) کچھ واقعات ایسے ہیں جس سے زید کی رضامندی کا پتا چلتا ہے مثلاً زید کے مکان پر تنہا آیا بکر شوہر ہندہ کا اور قیام کیا اور زید اس کو یعنی داماد کو اکثر مجالس و بازار میں ہمراہ لے گیا، دریافت کرنے پر بھی کہا کہ یہ داماد ہے، اس کے چند یوم کے بعد وہ داماد اپنی ملازمت پر چلا گیا جس کو عرصہ ۴ یا ۵ سال کا ہوا اسی قدر عرصہ عقد کو، جس وقت وہ ملازمت پر گیا تھا اول تو خط کتابت کی بھی رہی سنا گیا ہے، اب زید کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ نہیں

معلوم کہاں پر ہے، نہ خط آتا ہے اور نہ کچھ خرچ کی خبر لیتا ہے، اول تو ہم کو یعنی زید کو اس لڑکے بکر کے ساتھ عقد اپنی لڑکی ہندہ کا منظور نہیں تھا، خیر اگر ہو بھی گیا تھا تو جبرًا قہرًا منظور کیا، اب تک اس کا راستہ دیکھا یعنی داماد کا، جس کو عرصہ ۴ یا ۵ سال کا ہو گیا، ان واقعات سے یہ عقد صحیح ہوا یا نہیں جبکہ ہندہ نابالغ تھی،

(۵) بعض کا یہ قیاس ہے کہ ہندہ اس وقت بالغ تھی جب عقد ہوا، اور یہ واقعات جو اوپر مذکور ہیں زید یعنی ہندہ کا جائز ولی باپ کے ساتھ پیش آئے وہ عقد جائز ہوا یا نہیں؟

(۶) اب زید کی نیت میں خلل آیا اور وہ اب نمبر ۳ کے مضمون سے انکار کرتا ہے کہ میں نے ہرگز نہیں کہا کہ اجازت دے دی تھی لیکن نمبر ۴ کے مضمون سے نہیں انکار کر سکتا کیونکہ چشم دید واقعات ہیں، نمبر ا کی عبارت کو تسلیم کرکے سنا گیا ہے کہ فتوی منگایا مگر کسی کو دکھلایا نہیں ہے، کہ اس میں کیا سوال کیا ہے محض اس بناء پر کہ وہ جائز ولی نہیں تھے میں ولی جائز ہوں مجھ کو اختیار ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ۵ سال تک تو خاموش رہا زید، اور نمبر ۴ کے واقعات اس داماد بکر کے ساتھ پیش آئے، کیا ایسی حالت میں یہ عقد اب ۵ سال کے بعد فسخ ہو سکتا تھا یا نہیں اور عقد ثانی ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیا یہ حرام ہے اور اولاد بھی حرامی ہوگی؟

(۷) ہم لوگ زید کے ساتھ ربط ضبط رکھیں یا نہیں؟ اگر میل جول قائم رکھیں تو گناہگار ہوں گے یا نہیں جبکہ اس نے شرع کے خلاف کیا؟

(۸) بعد میں تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ ہندہ کی رخصت نہیں ہوئی اور نہ وہ اپنے شوہر کے گھر گئی اور نہ اس کے ہمراہ شوہر مذکور آیا لیکن شوہر ہندہ کا مکان پر زید کے آیا اور قیام کیا اور زید مذکور نے اپنے ملنے والوں سے کہا یہ داماد ہے اور سب کو دکھلایا، نمبر ۳ کو اس معاملہ سے علیحدہ تصور کرکے بقیہ کل نمبروں کا جواب دیجئے اور نمبر ۲ کا جواب بھی علیحدہ سے دیجئے دوسرا واقعہ خیال فرما کر۔

الجواب:

(۱) جبکہ ہندہ نابالغہ ہے یہ نکاح اجازت زید پر موقوف رہا، اگر جائز کر دے گا جائز ہو جائے گا رد کر دے گا باطل ہو جائے گا، زید اگر سکوت محض کرے کوئی قول یا فعل ایسا نہ کرے جس سے اس نکاح کا جائز یا رد کرنا ثابت ہو یہاں تک کہ ہندہ بالغہ ہو جائے تو اس وقت اس کا رد یا جائز کرنا خود ہندہ کے اختیار ہو جائے گا۔

(۲) درست ہو گیا اگر بکر ہندہ کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ ہندہ کا

اس سے نکاح زید پدر ہندہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو۔

(۳) اجازت صحیح ہے عقد جائز ہوگیا۔

(۴) جبکہ ہندہ نابالغہ تھی اور باپ نے اسے منظور کیا اور بکر کو اپنا داماد کہا نکاح نافذ ہوگیا۔

(۵) ہندہ اگر بالغہ تھی اور نکاح اس کے اذن سے ہوا یا بعد نکاح اس نے قولا یا فعلا جائز کردیا مثلا بغیر رد کے بخوشی رخصت ہوکر گئی تو نکاح نافذ ہوگیا، جبکہ بکر ہندہ کا کفو ہوا، اور اگر ہندہ سے کوئی قول وفعل اجازت کا اب تک صادر نہ ہوا تو نافذ نہ ہوا اگرچہ اس کے باپ سے کچھ واقعات پیش آئے ہوں۔

(۶) اگر ہندہ نابالغہ تھی اور نمبر ۴ کا مضمون ثابت ہو تو وہ نکاح تام ولازم ہوگیا، زید کو کوئی اختیار اس کے فسخ کا نہ رہا، یہ نکاح ثانی باطل ہوا، اس میں قربت حرام ہوگی اور اولاد ولدالحرام، اور اگر ہندہ بالغہ تھی اور وہ کسی قول یا فعل سے نافذ کرچکی تھی جب بھی وہی جواب بکر ہندہ کا کفو ہو اور اگر نافذ نہ کرچکی تھی اور رد کرکے نکاح ثانی کیا تو حرج نہیں اگرچہ بکر اس کا کفو ہو اور اگر ہندہ نے نافذ کیا لیکن بکر اس کا کفو نہ تھا تو نکاح صحیح نہ ہوا اگرچہ بعد کو زید بھی راضی ہو **لان شرط صحتہ رضا الولی قبل النکاح صریحا مع العلم بانہ غیر کفو کما اوضحہ فی ردالمحتار** (کیونکہ اس کی صحت کے لئے نکاح سے قبل اس بات کا علم ہوتے ہوئے صراحۃً ولی کی رضامندی شرط ہے کہ یہ نکاح غیر کفو میں ہوگا جیساکہ ردالمحتار میں اس کی وضاحت کی ہے۔ت) اس صورت میں اس غیر صحیح نکاح کو چھوڑ کر اگر نکاح ثانی کرلیا حرج نہ ہوا او ریہی نکاح ثانی صحیح ہوا اگر شرائط کا جامع ہو اور اولاد ولدالحلال۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۷) اوپر کے جوابوں سے معلوم ہوا کہ زید کس صورت میں گنہگار ہے اور کس میں نہیں۔ اگر صورت وہ ثابت ہو جس میں اس نے ایسے حرام کا ارتکاب کیا تو اس سے میل جول ترک کرنے میں گناہ نہیں بلکہ مناسب ہے اور نہ ترک کریں اور گناہ کو گناہ جانیں اور اس کے سبب اسے برا سمجھیں جب بھی حرج نہیں، ہاں جو سمجھے کہ میرے ترک کے سبب زید کو توبہ کرنی ہوگی وہ ضرور ترک کرے۔

(۸) صورت واقعہ میں استفتاء کا یہ طریقہ نہیں ہوتا بات پوری تحقیق شدہ پر فتوی لینا چاہئے بہر حال جواب ہر نمبر کا ہوگیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹۱: از شہر سلطان پور محلّہ پرتاب گنج مرسلہ حافظ عبدالغنی وعبدالحمید صاحبان ۱۳رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح بکر کے لڑکے خالد کے ساتھ اپنے کفو میں اور مہر میں بلحاظ اپنے کفو کے کردیا، اور زید نے کئی مرتبہ ہندہ کو رخصت بھی کیا اور بکر نے زید سے اقرار بھی لے لیا تھا کہ اگر ہندہ بالغہ ہے تب میں اس کا نکاح اپنے لڑکے خالد سے کردوں گا ورنہ نہیں۔ لہذا زید نے اقرار کیا

کہ میرا نکاح حالت نابالغی میں ہوا تھااب میں حد بلوغ اور خود مختاری کو پہنچ گئی ہوں مجھ کو والدین کے کئے ہوئے نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہے لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ مذکورہ کو حق فسخ حاصل ہے یا نہیں اور اس کے فسخ کرنے سے یہ نکاح جو باپ نے کیا ہے فسخ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

ہندہ کو اصلا نکاح مذکور کے فسخ کا اختیار نہیں، نہ اس پر کچھ اعتراض کر سکتی ہے، اگر وہ نابالغہ ہی تھی جیسا کہ اس کا بیان ہے، تو باپ کے کئے ہوئے نکاح پر نابالغہ بعد بلوغ معترض نہیں ہو سکتی۔ در مختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفو ان کان الولی المزوج ابا اوجدا لم یعرف منہما سوء الاختیار [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر نکاح دینے والے باپ دادا ہوں اور وہ سوء اختیار سے معروف نہ ہوں تو انتہائی کم مہر اور غیر کفو میں نابالغہ کا نکاح لازم ہو جاتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۹۲: از پیلی بھیت مرسلہ واحد اللہ صاحب ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید شدت مرض میں تھا اس حالت میں اس کے حقیقی بھائی نے اس سے اس کی کم سن لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کرنے کی اجازت لے لی اور نکاح کر دیا، زید تین روز کے بعد انتقال کر گیا، اب لڑکی کی عمر سات برس کی اور لڑکے کی چوبیس سال برس کی ہے تو یہ نکاح ہو گیا یا نہیں؟ مکرر عرض یہ ہے کہ لڑکا لڑکی کا کفو نہیں کہ وہ ذلیل عورت کی نسل سے ہے۔ لڑکی کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا۔

الجواب:

شدت مرض صحت اجازت کو مانع نہیں،

ھذا القدر ماذکرہ السائل فتجیب علیہ ولانزید مایکون تعلیما۔	یہ سائل کے ذکر کردہ پر ہم جواب دے رہے ہیں، اور تعلیم کے طور پر ہم زیادہ بات نہیں کرتے۔ (ت)

ماں کا غیر کفو ہونا اولاد کو غیر کفو نہیں کر دیتا کہ نسب باپ سے ہے نہ کہ ماں سے قال اللہ تعالٰی: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ [2]

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] القرآن الکریم ۲/۲۳۳

(اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا ہے۔ت) اور بالفرض کفاءت نہ بھی ہو تو باپ ایک بار غیر کفو سے بھی نکاح کر سکتا ہے لہٰذا صورت مستفسرہ میں وہ نکاح صحیح ولازم ہو گیا جس کے فسخ کا کسی کو بھی اختیار نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹۳: از ریاست رامپور محلّہ زینہ عنایت خاں مدرسہ عزیزیہ مرسلہ محمد سفیر الرحمان صاحب بنگالی ۳ ذیقعد ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ ایک لڑکی بالغہ اور سن بھی چودہ برس کا ہے، اس کے باپ نے جس لڑکے کے ساتھ اس کی شادی مقرر کر دی ہے وہ ہونے والا شوہر نہ کہ باپ کے ذکر کرنے سے بلکہ اور کسی طریقہ سے لڑکی کو معلوم ہے کہ میری شادی اس شخص کے ساتھ مقرر کرادی ہے اور وہ دوسرے شہر میں رہتا ہے، جب باپ عقد پڑھانے کو لڑکی کے مکان کو چلا، نہ اس وقت لڑکی سے اجازت لی اور نہ کچھ کہا بلکہ ویسے ہی وہاں جا کر مجلس میں کہہ دیا میں نے اپنی لڑکی تمھارے نکاح میں دے دی، یہ نکاح نافذ ہوا یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بالغہ نے پہلے اجازت نہ دی تھی نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہا، جائز کر دے گی جائز ہو جائیگا جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، رد کر دے گی باطل ہو جائے گا اگرچہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بالغہ باکرہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اب اس پر کسی کی کوئی ولایت نہ رہی، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۹۴: ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں دین اس مسئلہ میں کہ زید کا دادا جمال الدین شاہ مرحوم ایک درویش شخص تھا چنانچہ اس نے اپنی عمر زہد وعزلت میں ایک جگہ میں بسر کر دی اور زید کا باپ فرید الدین مرحوم ایک متورع اور عالم شخص تھا اور زید خود بھی بحمدہٖ تعالٰی ایک متقی اور عالم اور صوفی اہل وعیال کے تین چار برس کے نفقے کا مالک شخص ہے اور مکان مملوک رکھتا ہے، اور زید کی بیوی ہندہ ایک پابند صوم وصلوٰۃ اور تالیہ قرآن پاک اور قاریہ اور اد و وظائف عورت ہے، اور زید کی لڑکی زینب بھی ایک صوم وصلوٰۃ کی شائق اور اوراد ووظائف کی جانب

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

راغب اور کذب وغیرہ امور نامشروع سے محترز بہت نیک اور سیدھی لڑکی ہے، اسی وجہ سے زید باوجود زینب کی نسبتیں متعدد جگہ سے آنے کے زینب کے بلوغ کے بھی سات آٹھ بلکہ اور زیادہ سال بعد تک کسی شریف عالم متقی شخص کی تلاش میں تھا اور ان نسبتوں کو بوجہ ان میں سے کسی کے موافق مرضی نہ ہونے کے منظور نہیں کیا تھا کہ یکایک عمرو (کہ جس کی بابت چار پانچ سال پیشتر خالد نے اس کا بہت متقی ہونا ظاہر کیا تھا چنانچہ کہا تھا کہ میں نے ایک حلقہ مسمّٰی حلقہ حبیب جاری کر رکھا ہے جس میں ایک خاص طریقے سے درود شریف پڑھا جاتا ہے اس کا عمرو سر حلقہ ہے) آگیا اور اس نے زید وہندہ کو یہ دھوکا دے کر کہ میں اخبار شائع کرتا ہوں اس میں دو سو روپیہ ماہوار نفع ہے اس میں سے پچاس روپیہ ماہوار اپنی والدہ کو ان کے خرچ کے لئے دیتا ہوں، حالانکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ جس مقام میں اخبار شائع کرتا تھا وہاں کئی سو روپیہ کا قرضدار تھا اور کرایہ ریل تک پاس نہ تھا دوسرے شخص کے کرایہ سے زید کے شہر تک آیا تھا اور اپنی والدہ کو ایک حبہ بھی ماہوار نہ دیتا تھا، اور اب جو زید کے شہر سے اپنے وطن میں جاکے رہا ہے کسی طرح کچھ نہیں کماتا کمال عسرت میں ہے ایک مہینہ تو کیسا ایک ہفتہ کی بھی قوت کا مالک نہیں اور نیز یہ فریب دے کر کہ میرے رہنے کی موروثی پختہ حویلی ہے حالانکہ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، اور وہ کرایہ بھی اس کی والدہ اپنی محنت مزدوری سے ادا کرتی ہے اور نیز یہ فریب دے کر کہ میں عالم ہوں میں نے حدیث شریف کی سند فلاں عالم سے حاصل کی حالانکہ یہ بالکل غلط کہ فارسی عربی کی ابتدائی کتابوں کی بھی لیاقت نہیں رکھتا اور نیز اپنے تقوی و ورع کا فریب دے کر کہ میں مشائخ وقت میں سے فلاں کا خلیفہ طریقت ہوں حالانکہ نماز پنجگانہ کا بھی پابند نہیں بلکہ لونڈے بازی وغیرہ امور شنیعہ کا عادی اور اشد فاسق ہے چنانچہ عقد کے پانچویں روز شب کے وقت ایک لونڈے سے پکڑا گیا پس اس کی صبح ہی کو جو گیا تو آج عرصہ قریب ڈیڑھ سال کے ہوتا ہے نہ ایک پیسہ خرچ بھیجا اور ایک ہفتہ کے وعدہ پر مار/ص ۱۵۰ روپیہ قرض لے گیا تھا نہ ایک پائی اس کا دیا، زید کی لڑکی زینب بالغہ کے ساتھ عقد کرلیا، پس عقد کے بعد جب سے حالات معلوم ہوئے، تب سے زینب اور زید اور ہندہ عمرو سے سخت متنفر ہیں اور زینب اس کے یہاں جانا اور زید وہندہ اس کے یہاں جانے دینا ہرگز منظور نہیں کرتے تو یہ ظاہر ہے کہ عمرو مالا اور دیانۃً زینب کا کفو ہرگز نہیں، اور درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی [1]۔	غیر کفو میں نکاح کے اصلا عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا یہی فتوی کے لئے مختار ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

پس دریافت طلب یہ بات ہے کہ صورت مرقومہ میں عام اس سے کہ خلوت صحیحہ ہوئی یا نہ ہوئی ہو، درمختار کی اس عبارت کے بموجب بطلان نکاح کا حکم دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اس عبارت کے بموجب حکم بطلان نہیں دیا جاسکتا تو کسی اور عبارت کے مطابق زینب اور اس کے اولیاء کو حق فسخ ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو فسخ کی کیا صورت ہے؟

الجواب:

نکاح مذکورہ اصلامحتاج فسخ نہیں، فسخ تو وہ ہو جو منعقد ہوا ہو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، باطل محض ہے، ظاہر ہے کہ زینب عاقلہ بالغہ ہے اس کا نکاح بے اس کے اذن کے نفاذ نہیں پاسکتا **لانقطاع الولایۃ بالبلوغ**[1] درمختار (بالغ ہوجانے کی وجہ سے اس پر ولایت منقطع ہوجانے پر، درمختار۔ت) اگر یہ نکاح بے اس کی اجازت کے ہوا اور اس نے خبر پاکر رد کردیا تو اگر کفو ہوتا جب بھی رد و باطل ہوجاتا **لانہ نکاح فضولی** (کیونکہ یہ نکاح فضولی ہے۔ت) عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب اوسلطان بغیر اذنہا بکر اکانت اوثیبا فان فعل ذلك فالنکاح موقوف علی اجازتہا فان اجازتہ جاز وان ردتہ بطل، کذا فی السراج الوہاج[2]۔	عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس کی مرضی کے خلاف کسی کا نکاح کرنا صحیح نہیں۔ یہ باپ ہو یا حاکم اور اگر کسی نے ایسا کیا تو یہ نکاح عاقلہ کی اجازت پر موقوف ہوگا اس کی مرضی ہے کہ جائز کرے تو جائز ہوگا اگر رد کردے تو باطل ہوجائے گا۔ سراج الوہاج میں یونہی ہے۔(ت)

اور اگر اس کے اذن سے ہوا تو خود زینب کا کیا ہوا ہے کہ غیر کفو سے کیا، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

تزویجہ لہا باذنہا کتزویجہا بنفسہا وھی مسئلۃ من نکحت غیر کفو[3]۔	بالغہ کی اجازت سے نکاح ایسا ہے جیساکہ اس نے خود کیا ہو، یہ مسئلہ غیر کفو میں اس کے نکاح کرنے کا ہے۔(ت)

اور اگر بلااذن کیا تھا اس نے بعد کو اجازت دی جائز رکھا تو اب بھی زینب ہی کا کیا ہوا ہے۔

فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[4] **خیریۃ وغیرہما عامۃ الکتب۔**	بعد کی اجازت ایسے ہی ہے جیسے پہلے اجازت دے رکھی ہو، خیریہ وغیرہ کتب۔(ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

[3] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفہ بیروت ۱/۲۵

[4] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفہ بیروت ۱/۲۵

بہر حال یہ وہ نکاح ہے کہ زن عاقلہ بالغہ نے غیر کفو سے کیا کہ فاسق ہر گز صالحہ بنت صالح کا کفو نہیں۔ درمختار میں ہے:

لیس فاسق کفو الصالحۃ اوفاسقۃ بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاھر نہر [1]۔	فاسق صالحہ لڑکی ایسی فاسِقہ جو صالح کی بیٹی ہو کا کفو نہیں ہے، وہ فاسق اعلانیہ فسق کرتا ہو یا مخفی طور پر ظاہر روایت پر یہی حکم ہے، نہر۔ (ت)

عامہ شروح میں ہے:

لایکون الفاسق کفوا البنت الصالحین [2]۔	فاسق نیک لوگوں کی بیٹی کا کفو نہیں۔ (ت)

متن مجمع میں ہے:

لایکون الفاسق کفوا للصالحۃ [3]۔	فاسق صالحہ کا کفو نہیں ہے۔ (ت)

فتاوی امام فقیہ النفس میں ہے:

قال بعض المشائخ رحمھم اللہ تعالٰی الفاسق لایکون کفوا لبنت الصالحین معلنا کان اولم یکن وھو اختیار الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل [4]۔	بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا: فاسق معلن ہو یا غیر معلن وہ صالحین کی بیٹی کا کفو نہیں ہے، یہی امام شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل کا مختار ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایکون الفاسق کفوا البنت الصالحین [5]۔	فاسق صالحین کی بیٹی کے لئے کفو نہیں ہے۔ (ت)

نیز ایسا معسر کہ نہ روزانہ کماتا ہو نہ ایک مہینے کے اپنے ہی قوت کا مالک ہو نفقہ درکنار کفو نہیں ہوسکتا اگرچہ عورت بھی فقیرہ ہو، درمختار میں ہے:

تعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی	کفو میں جس چیز کا عرب و عجم میں اعتبار کیا جاتا ہے وہ دیانت

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۰

[3] ردالمحتار بحوالہ المجمع باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۰

[4] فتاوی قاضی خاں فصل فی الکفاءۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۱

[5] ردالمحتار بحوالہ خانیۃ باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۰

ومالابان یقدر علی المعجل ونفقۃ شھر لوغیر محترف[1]۔	یعنی تقوی،اور مال جس سے مہر معجّل اور ایک ماہ کا نفقہ دینے پر قادر ہو اگر کاریگر نہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

شمل مالوکانت فقیرۃ بنت فقراء کما صرح بہ فی الواقعات معللا بان المھر والنفقۃ علیہ فیعتبرھذا الوصف فی حقہ[2]۔	یہ فقیر کی بیٹی کو شامل ہے،جیساکہ واقعات میں تصریح کی گئی ہے کہ وجہ یہ ہے کہ مہراور نفقہ خاوند پر ہی ہوتا ہے لہذا اس کا مالدار ہونا معتبر ہوگا۔(ت)

اور بالغہ کہ اپنا نکاح غیر کفو سے کرے باطل محض ہے جبکہ ولی رکھتی ہو مگر اس صورت میں کہ ولی نے پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت دے دی ہو،ان میں تین شرطوں سے ایک بھی کم ہوگی نکاح اصلا نہ ہوگا،درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفۃ ایاہ فلیحفظ[3]۔	غیر کفو میں نکاح کے اصلا عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا،لہذا تین طلاق والی نے اگر اپنے ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کیا جبکہ ولی کو غیر کفو کا علم ہو تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی،اس کو محفوظ کرو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یصدق بنفی الرضا بعد المعرفۃ وبعدمھا وبوجوہ الرضا مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلاث لاتحل وانما تحل فی الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلک[4] اھ۔	ولی اگر کہے کہ معلوم ہونے پر میں راضی نہ ہوا یا مجھے معلوم نہ ہوا،یا معلوم ہونے کی وجہ سے میں راضی ہوا تھا تو ان تینوں صورتوں میں ولی کی تصدیق کی جائے گی اور وہ مطلقہ ثلاثہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی،ہاں چوتھی صورت میں حلال ہوجائے گی وہ یہ کہ ولی کہے کہ غیر کفو کا علم ہونے کے باوجود میں راضی ہوں اھ ح۔(ت)

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۳۱

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[4] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

اسی میں ہے:

لابد حینئذ لصحه العقد من رضاہ صریحا وعلیه فلو سکت قبله ثم رضی بعدہ لایفید فلیتأمل[1] اھ وکتبت علیه جزم به فی الخیریة تبعاللبحر والوجه فی ماسنذکرہ[2] الخ۔	اس لئے اس عقد کی صحت کے لئے ولی کا صراحۃً اظہار رضامندی کرنا ضروری ہے اور اسی بناپر اگر پہلے وہ خاموش رہااور بعد میں راضی ہوا تو نکاح کے بعد کی رضا معتبر نہیں ہے، غور چاہئے اھ، اس پر میں نے حاشیہ لکھا، خیریہ میں اس پر جزم بحر کی اتباع میں کیا ہے اور وجہ وہی ہے جو ہم ذکر کریں گے الخ۔ (ت)

یہاں رضائے ولی غیر کفو جان کر نہ تھی بلکہ کفو سمجھ کر لہٰذا اصلا معتبر نہیں۔ شرط انعقاد نہ پائی گئی اور نکاح بالکل محض ہوا، زینب پر فرض ہے کہ اس سے فوراجدا ہو جائے، اگرچہ خلوت ہو چکی ہو اور زید وہندہ پر حرام ہے کہ اسے عمرو کے یہاں بھیجیں کہ وہ نرا اجنبی بلکہ اس سے بدتر ہے **نسأل الله العفو والعافیة** (اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹۵: از کلکتہ بھوانی پور ڈاکخانہ بھوانی پور رسہ روڈ نمبر ۱۰۹ مرسلہ شیخ حاجی نادر علی صاحب بقر قصاب ۱۵صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی شادی چھ مہینے کی عمر میں ہوئی اور لڑکے کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی تب دونوں کی شادی ہو گئی اور اب لڑکی کی عمر اس وقت چودہ برس کی ہے اور لڑکا یا لڑکے کا کوئی وارث ابھی تک کسی طرح لڑکی کی خبر نہیں لینے گئے اور لڑکی خدا کے فضل سے تین قسم کے علم سے بھی واقف اچھی طرح سے ہے اور لڑکا بالکل جاہل ہے کچھ علم سے تعلق نہیں، اور نہ لڑکے کی طرف سے کوئی شخص لڑکی کا پرسان حال ہوا انہی سب وجوہات سے اب لڑکی کہتی ہے کہ ہم اول شوہر کو طلاق دے کر نکاح ثانی کریں گے، لڑکی اول شوہر کو طلاق دے کر نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور طلاق اس پر واجب ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلے کو حضور ارشاد فرمائیں تاکہ لڑکی اگر نکاح ثانی کرے اور لڑکے کی طرف سے کوئی کارروائی مقدمہ وغیرہ کا کرے تو ہم کو اس مسئلہ کو پیش کرنا ہوگا خوب کوشش کرکے بلکہ جوفرماویں خرچ وغیرہ کے لئے تو غلام خدمت کے لئے حاضر ہے۔

الجواب:

یہاں فتوی پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے، طلاق دینا عورت کے

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

[2] جدالممتار حاشیہ ردالمحتار باب الولی حاشیہ ۰ المجمع الاسلامی مبارکپور ۲/۳۴۵

اختیار نہیں، نہ وہ شوہر کو طلاق دے سکتی ہے نہ اس کے دئے طلاق پڑ سکتی ہے، قرآن عظیم میں فرمایا: بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ط[1] (اسی (خاوند) کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ت) حدیث شریف میں ہے: الطلاق لمن اخذ الساق[2] (یہ جماع سے کنایہ ہے یعنی طلاق وہی دے سکتا ہے جو جماع کا مالک ہے۔ت) اس کی تفصیل معلوم ہونی چاہئے کہ لڑکی کا نکاح چھ مہینے کی عمر میں اس کے باپ نے کیا یا دادا نے یا اور کسی نے اور باپ کے سوا جس نے کیا اس سے قریب تر کوئی ولی تھا یا نہیں، تھا تو کون تھا، اور اس نے قبل نکاح یا بعد نکاح خبر سن کر کیا کہا، لڑکی کو پہلا عارضہ ماہواری کس سال کس مہینے کون تاریخ کے کس منٹ پر آیا، اور اس نکاح سے ناراضی کا اظہار اس نے کس سال کس مہینے کس دن تاریخ کے کس منٹ پر کیا لڑکی کی قوم کیا ہے اور لڑکے کی کیا، لڑکا مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں بہتر یا برابر یا کتنا کمتر ہے، یہ سب باتیں ایمانًا سچی سچی بتائی جائیں، تو جو صورت واقعہ ہو اس کا جواب دیا جائے گا۔ فقط

مسئلہ ۳۹۶: از جاورہ مرسلہ مولوی مصاحب علی صاحب امام مسجد چھیپیان ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا والد زید قریبًا ایک ہزار میل کی مسافت پر تھا، والدہ اور چچا بکر نے رضامند ہو کر ہندہ کے والد کی تحریری اجازت حاصل کرکے مفتی شہر کو بتاکر خود نکاح خالد کے ساتھ کردیا، نکاح کے ڈھائی مہینے بعد زید اپنے مکان پر آیا، چنانچہ خالد نے اپنے خسر کی دعوت دی اور زید نے جلسہ دعوت میں نکاح کی رضامندی ظاہر کی، ساڑھے چار ماہ تک رسومات عیدی و دیگر رسومات دامادی خسری خالد کے ساتھ رکھے، اب باہمی رنجش ہونے پر خالد نے زید سے اپنی زوجہ رخصت کرنے کو کہا، زید کہتا ہے میں نے خط نہیں لکھا تھا، یعنی نکاح کرنے کی اجازت اپنے بھائی کو نہیں دی تھی، اور نکاح فسخ کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس خط کے انکار سے باوجودیکہ بعد آجانے کے ساڑھے چار ماہ تک رسومات مذکورہ برتے گئے نکاح فسخ ہوسکتا ہے؟ ہندہ کی عمر وقت نکاح بارہ برس کی تھی اور اب ساڑھے بارہ برس ہے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں انکار خط اسے کچھ مفید نہیں انکار خط سے اتنا ہوا کہ اجازت سابقہ ثابت نہ ہوگی اور غایت درجہ نکاح نکاح فضولی ٹھہرے گا اگر یہ صورت غیبت منقطعہ کی نہ لی جائے علی ما فصلناہ فی فتاوٰنا (جس طرح ہم نے اس کی تفصیل اپنے فتاوی میں کی ہے۔ت) مگر نکاح فضولی بعد اجازت نافذ ولازم ہے اور اجازت لاحقہ مثل وکالت سابقہ کما فی الفتاوی الخیریۃ وغیرہا (جیسا کہ فتاوی خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۷

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق باب طلاق العبد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۲

مسئلہ ۳۹۷: از علی گڑھ محلّہ بیرم بیگ مدرسہ عربی عائشہ خاتون مرسلہ محمد صدیق حسین صاحب ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بھتیجی کا نکاح اس کی نابالغی میں کردیا۔ جس وقت وہ بالغ ہوئی اس وقت اس لڑکی نے اس نکاح اور شوہر کے مکان جانے سے انکار کیا، اب اس لڑکی کا نکاح باقی ہے رہا یا نہیں اور دوسری جگہ اس کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور مہر لازم آوے گا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

یہ معاملہ حلال وحرام بلکہ نکاح وزنا کا ہے، اللہ سے ڈریں، اور جو واقعی بات ہو اس کے حکم پر عمل کریں، غلط بیان پر فتوی لینا حشر میں نفع دے گا نہ زنا کو حلال کردے گا، غیر اَب وجد نے جو نکاح کفو سے کیا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ نابالغہ بفور بلوغ معًا بلاتاخیر انکار کرسکتی ہے اور ذرا بھی دیر لگائی تو نکاح لازم ہوگیا انکار کا اصلًا اختیار نہیں اور یہاں فور محض بلاتاخیر بہت نادر ہے، اللہ واحد قہار سے ڈر کر زنا کو نہایت بدتر خبیث سمجھ کر دیکھیں اگر بالغہ نے جس گھنٹے منٹ سیکنڈ میں اسے پہلا حیض آیا تو فورًا فورًا معًا معًا اسی وقت اس نکاح سے انکار کیا تو البتہ وہ دعوی کرکے اس کو فسخ کراسکتی ہے بشرطیکہ کفو سے ہوا ہو، اور اگر چچا نے غیر کفو سے کیا جو مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں وقت نکاح ایسا کم تھا کہ اس سے نکاح اس کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا ضرورت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹۸:　　　　یکم ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سعیدہ بی بی کا عقد اول موضع گورا میں بشیر الدین کے ساتھ ہوا، ایک لڑکی پیدا ہوئی، جب لڑکی قریب ڈیڑھ سال کے ہوئی سایہ پدری سر سے جدا ہوا، اب بیوہ اپنی لڑکی کو لے کر باپ اور بھائیوں کے یہاں آرہی، سوا چار برس کے بعد نکاح ثانی موضع کرگہنا میں عبدالصمد سے ہوا، خاوند دیگر کا ایک لڑکا جس کی عمر چھ سال کی تھی بیوی سابق سے تھا بصد سختی وتشدد وبہزار زجر وتوبیخ بی بی سے اذن لے کر اپنے لڑکے کا عقد بیوی ثانی کے ہمراہ جو لڑکی آئی تھی جس کی عمر چھ سال کی تھی جبر یہ کرادیا گیا، لڑکی کا نہ کوئی چچا نہ بھائی صرف چچا اور چچازاد بھائی اور دو پھوپھیاں حقیقی اور نانا اور ماموں حقیقی ہیں اور وہاں موجود نہ تھے اور نہ اطلاع، جب لڑکی سن بلوغ کو پہنچی اور اس کا اظہار ہوا فورًا پکار اٹھی یعنی منٹ بھی پورا نہ ہونے دیا کہ مجھ کو شوہر کے یہاں کسی نوع جانا منظور نہیں اور ہر گز نہ جاؤں گی، دن کے سات یا آٹھ بجے کا واقعہ ہے معزز اشخاص شاہد ہیں۔

الجواب:

سوال میں یہ فقرہ کہ فورًا پکار اٹھی حکم شرعی سننے کا نتیجہ ہے اور آگے اس کی تفسیر نے کہ یعنی منٹ بھی

پورا نہ ہونے دیا کہ اسے پھر بگاڑ دیا۔

فانہ ان بقی تمام الدقیقۃ ثانیۃ اوثانیتین صدق انہالم تتم ولکن این الفور۔	کیونکہ اگر منٹ میں سے ایک سیکنڈ یا دو سیکنڈ رہتے تو کہا جاسکتاہے کہ منٹ پورا نہ ہو، لیکن یہ فورًا نہیں ہے۔(ت)

یہ معاملہ حلال وحرام نکاح وزنا کاہے، بات بناکر کچھ حکم لے لینا زنا سے نہ بچالے گا، پھر اگر تمام شرائط شرعیہ متحقق ہو بھی لیں تو عورت کے کہے سے نکاح فسخ نہیں ہوجاتا بلکہ اس کو دعوی کا اختیار ملتاہے حاکم مجاز کے یہاں دعوی کرے، وہ تحقیق شرعیہ کا گواہان عادل سے ثبوت لے، جب ثبوت ہوجائے تو حاکم نکاح فسخ کرے ویسے نہیں ہوسکتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹۹: از لاہور سٹی بازار انار کلی مدرسہ تعلیم القرآن معرفت مولوی احمد الدین صاحب مرسلہ جناب مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

بجناب مستطاب حضرت عالم اہلسنت وجماعت مجدد مائۃ حاضرہ زید فضلہم بعد نیاز مندی عقیدت مندانہ درمختار باب الولی میں ہے:

وللولی الاعتراض فی غیر الکفو مالم یلد لئلا یضیع الولد[1]۔	ولی کو غیر کفو میں اعتراض کا حق ہے جب تک بچہ پیدا نہ ہو(اس کے بعد نہیں) تاکہ بچے کا نسب ضائع نہ ہو، (ت)

طحطاوی وابوالمکارم حاشیہ شرح وقایۃ وبنایہ علی الہدایہ وحاشیہ شلبی علی الزیلعی وہندیہ میں لکھا کہ بعد ولادت بھی بناء بر ظاہر الروایات ولی کو اعتراض ہے فسخ کے لئے، اور امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی روایت مفتی بہا پر ابتداء ہی سے بطلان نکاح کا حکم باقی ہے، اس سے معلوم ہوتاہے کہ ولادت، حق اولیا کی مسقط نہیں اور یہی خادم الاقدام کا مقصود بھی ہے، اس بارہ میں حضور کو تکلیف تو ہوگی مگر حضور کے توکل اوقات ہی اس کام کے لئے وقف ہیں، ثبوت تفریق واعتراض بعد الولادۃ کے لئے حضور سے جہاں تک توثیق ہوسکے بہتر ہے بشرطیکہ خادم کا اعتقاد خدام عالی شان کے اعتقاد سے مطابق ہو ورنہ خیر، خادم نے ثبوت تفریق کا دعوی کیا ہے وان ولدت (اور اگر بچہ پیدا ہوجائے۔ت) اور دوسری جانب کے مولوی لوگ اس کے عدم پر ہیں، آج ۲۶ اس مہینے انگریزی اور آئندہ دسمبر مہینے کی ۸ لاہور میں جج کے پاس مقرر ہے فقیر کو بھی جانا ہوگا، سید زادی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

کہ ایک مرد غیر سید غیر قریشی نے نکاح کرلیا ہے اور مقدمہ بازی میں اس کا بچہ بھی ہوگیا ہے دوسری جانب کے مولوی کہتے ہیں کہ علویات کا نکاح مع تراضی اولیاء یا بلاتراضی باطل کہنا شیعہ کا مذہب ہے اور بنایہ کی عبارت سے مستند ہے:

وفی البسیط ذھب الشیعۃ الی ان نکاح العلویات ممتنع علی غیر ھم مع التراضی قال السروجی وھما قولان باطلان [1]۔	بسیط میں ہے کہ رضامندی کے باوجود علویات (سید زادیوں) کا غیر سے نکاح شیعہ لوگوں کے ہاں ناجائز ہے سروجی نے کہا کہ دونوں قول باطل ہیں۔(ت)

اس قولان باطلان سے کون سے دو قول مراد ہیں، یہ عبارت تفسیر طلب ہے، حضور فیض النور اس عریضہ کا جواب اس پتہ پر ارشاد فرمائیں، ۸ تاریخ سے اگرایک دو روز اول جواب پہنچے تو فقیر اس تحریر منیر کا جلسہ علماء میں پیش کردے، امید تو پختہ ہے کہ علماء بھی مان لیں گے ورنہ حاکم فیصلہ تسلیم کرلے گا، ایسی حالت میں کہ مقدمہ ہوتے ہوتے اولاد پیدا ہو گئی اور چند روز میں مر گئی تو اب بھی حق اعتراض للاولیاء ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، بملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرام والفضل اتم مولانا قاضی غلام گیلانی صاحب اکرم اللہ تعالٰی وتکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجھے ۲۷ محرم سے یکم ربیع الاول شریف تک بخار کے دورے ہوئے جن میں بعض بہت شدید تھے، اب تین روز سے ببرکت دعاء جناب بخار تو نہیں آیا مگر ضعف بدرجہ غایت ہے، اسی حالت حمّٰی میں پہلے سوال سامی کا جواب حاضر کردیا تھا اور رسالہ دربارہ ذبیحہ پہلے جبل پور جانے اور اب اس بخار کے دوروں کے سبب مکمل نہ ہوسکا طالب عفو و دعا ہے بنایہ اور ابوالمکارم میرے پاس نہیں شلبی علی الزیلعی وہندیہ میں بعد ولادت بھی بقاء حق اعتراض صرف شیخ الاسلام سے نقل کی ہے اور اس کی طرف سے کوئی میل ان کی عبارت سے نہیں پایا جاتا اکابر و مشاہیر کا جزم اسی پر ہے کہ مالم تلد (جب تک بچہ پیدا نہ ہو۔ت) زیلعی میں تھا:

الااذاسکت الی ان تلد فیکون رضاً دلالۃ [2]۔	مگر جب ولی خاموش رہا حتی کہ لڑکی نے بچہ کو جنم دیا، تو یہ دلالۃً رضامندی ہوگی۔(ت)

اسی پر شلبی نے کہا:

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ فصل فی الکفاءۃ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۱۰۲/۲

[2] تبیین الحقائق فصل فی الکفاءۃ مطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱۲۸/۲

وعن شیخ الاسلام ان له التفریق بعد الولادۃ ایضاً اھ کمال منقول عنه [1]۔	شیخ الاسلام سے منقول ہے کہ بچہ کی پیدائش کے بعد بھی تفریق کا حق ہے اھ کمال سے منقول ہے۔(ت)

کمال کی عبارت یہ ہے:

لایکون سکوت الولی رضاً الاان سکت الی ان ولدت فلیس له ح التفریق وعن شیخ الاسلام ان له التفریق بعدالولادۃ ایضاً [2]۔	ولی کا سکوت رضا نہیں ہوگا مگر جبکہ سکوت لڑکی کے ہاں بچے کی پیدائش تک جاری رہا تو اب ولی کو اختیار تفریق نہیں اور شیخ الاسلام سے منقول ہے کہ اس کو ولادت کے بعد بھی تفریق کا اختیار ہے۔(ت)

ہندیہ میں پہلے شرح جامع صغیر قاضی خاں سے نقل کیا:

لایبطل حقه فی الفسخ وان طال الزمان حتی تلد [3]۔	اس کا حق فسخ باطل نہ ہوگا اگرچہ مدت تک وہ فسخ نہ کرے حتی کہ لڑکی بچہ کو جنم دے۔(ت)

پھر نہایہ سے نقل کیا:

اذا ولدت منه فلیس للاولیاء حق الفسخ [4]۔	جب لڑکی نے اپنے خاوند سے بچہ جنم دیا پھر اولیاء کو حق فسخ نہیں۔(ت)

حکم اس میں بھی یہ ہی لکھا ہے آگے استدراگا قول شیخ الاسلام ذکر کیا اور طحطاوی میں تو اس قول کا ذکر تک نظر نہ آیا ایک عبارت شارح سے ابہام ہوتا تھا کہ اگر ولی کو خبر نکاح نہ ہو تو بعد ولادت بھی معترض ہوسکتا ہے اس پر اعتراض کردیا، متن میں تھا: له الاعتراض مالم تلد [5] (بچہ جننے تک اس کو اختیار ہے۔ت) اسے شارح نے یوں بنایا: مالم یسکت حتی تلد [6] (بچے کے جنم تک خاموش نہ رہے۔ت) اسی پر محشّی نے فرمایا:

الاولی حذف مافی الشرح لانه یفھم منه	جو کچھ شرح میں ہے اس کو حذف کرنا بہتر ہے کیونکہ اس سے یہ

---

[1] حاشیہ شلبی علی تبیین الحقائق فصل فی الکفاءۃ مطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۲/۱۲۸

[2] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۸۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ شرح جامع الصغیر قاضیخاں باب الکفاءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹۳۔۲۹۲

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ النہایۃ باب الکفاءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹۳

[5] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[6] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

ان ذلك عن علم فلو كان عن غير علم يكون له اعتراض وان ولدت والعلة تنفی ذٰلك فالاولی ابقاء المصنف علی ظاھرہ فتامل[1]۔	سمجھا جارہا ہے کہ علم کے باوجود ایسا ہے اگر علم کے بغیر ہو تو اسے اعتراض کا حق ہے اگرچہ اس نے بچے کو جنم دیا ہو، حالانکہ علت اس کی نفی کرتی ہے، لہٰذا بہتر ہے کہ مصنف کی عبارت کو ظاہر پر باقی رکھا جائے، غور کرو۔ (ت)

روافض کے نزدیک کوئی قرشی غیر علوی علویہ کا کفو نہیں اور ہمارے نزدیک "**قریش بعضھم اکفاء بعض**" میرے پاس بنایہ نہیں کہ دوسرا قول معلوم ہو، یہ صورت کہ یہاں واقع ہوئی کہ ولی دعوی تفریق کرچکا اس کے بعد ولادت ہوئی اختلاف سے بر کراں ہے مسقط حق تفریق، سکوت حتی تلد تھا، وہ نہ پایا گیا قبل ولادت دعوی دائر ہوچکا، پھر ان تکلفات کی ضرورت کیا ہے جبکہ مفتی بہ مطلقاً فساد وعدم انعقاد ہے، **والسلام۔**

مسئلہ ۴۰۰: از شہسرام ضلع شاہ آباد محلّہ شاہ جمعہ مرسلہ شیخ عبدالواحد صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اور ایک زوجہ زینب اور دو دختر نابالغہ ہندہ وکلثوم، ایک باپ خالہ کو چھوڑا، تو ان دونوں دختران نابالغہ کا ولی کون شخص ہوگا؟

الجواب:

ان دختران کے مال ونکاح سب کا ولی ان کا دادا خالد ہے اگر ان کا باپ کسی کو اپنی اولاد یا جائداد کی غورپرداخت نگہداشت سپرد نہ کرگیا ہو ورنہ وہ وصی ولی مال دختران ہوگا، اور نکاح کا ولی بہر حال خالد، درمختار میں ہے:

ولیه ابوہ ثم وصیه بعد موته ثم وصی وصیه ثم بعدھم جدہ الصحیح وان علا[2] الخ۔	اس کا ولی اس کا باپ ہے، پھر باپ نے جس کو اپنا وصی بنایا، پھر وصی کا وصی، پھر دادا ترتیب وار اوپر تک۔ (ت)

اسی میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث ولیس للوصی ان یزوج الیتیم مطلقا وان اوصی الیه الاب بذلك علی المذھب[3] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	نکاح کا ولی عصبہ بنفسہ وراثت کی ترتیب پر، اور وصی کو مطلقاً یتیم کے نکاح کی ولایت نہیں ہے اگرچہ باپ نے اسے وصیت بھی کی ہو، مذہب یہی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الولی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۶ و ۲۷

[2] درمختار کتاب المأذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲۔ ۱۹۳

مسئلہ ۴۰۱تا۴۰۴: از بریلی محلّہ پھوٹا دروازہ مسئولہ فخر الدین صاحب ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص رنڈوا ہے اس نے نکاح ثانی کیا، بعدہ اس شخص کے پہلے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا جو اس کی سوتیلی خالہ ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) وہ لڑکی عرصہ دو سال سے دوسرے لڑکے کو والدین نے دی ہوئی ہے موافق رواج کے روبرو گواہوں کے والدین نے دی ہے مگر جو رخصتی کے وقت نکاح ثانی ہوتا ہے وہ باقی ہے۔

(۳) جبکہ لڑکی کے والدین زندہ ہیں اور لڑکی کنواری ہے تو بغیر رضامندی والدین کے کیا وہ غیر شخصوں کو ولی بناسکتی ہے اپنے نکاح میں؟

(۴) قاضی جس کو پورا علم ہو کہ اس لڑکی کے والدین حقیقی زندہ ہیں اور موجود ہیں تو وہ بلادریافت اس کے والدین ان کی بے علمی میں غیر شخص کو ولی مقرر کرکے لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو ایسے قاضی کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے، کچھ حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دو نکاح کہیں نہیں ہوتے، پہلی منگنی ہوتی ہے وہ نکاح نہیں ہوتا، بات زبان پھیر کر کہنا کچھ مفید نہیں۔ دو سال سے دی ہوئی ہے، وہ جلسہ نکاح کرنے کے لئے تھا یا منگنی کا؟ اور کیا لفظ طرفین نے کہے تھے؟ پوری بات بیان کی جائے۔

(۳) لڑکی اگر بالغہ ہے تو اسے خود اپنے نکاح کا اختیار ہے اور نابالغہ ہے تو وہ باپ کے ہوتے کسی کو ولی نہیں بناسکتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) بالغہ کا نکاح اس کی اجازت سے پڑھا جاسکتا ہے، اگرچہ والدین کو علم نہ ہو، ہاں ہاں یہ ضرور ہے کہ جس سے یہ نکاح ہو وہ بالغہ کا کفو ہو یعنی مذہب، نسب، چال چلن، پیشے کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا لڑکی کے باپ کے لئے باعث ننگ وعار ہو ورنہ نکاح نہ ہوگا۔ اور اگر نابالغہ ہے تو یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، قاضی نے بدنیتی نہ کی تو الزام نہیں ورنہ الزام ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۵تا۴۰۶: از شہر محلّہ گندہ نالہ مسئولہ عبدالودود لیڈر صاحب ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) بالغ لڑکی اگر نکاح کے وقت بوجہ شرم وحجاب اپنی زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ ادا نہ کرے صرف

یہ ہو کہ اس کے عزیز وقریب مستورات جو اس کے گرد وپیش موجود ہیں وہ کہہ دیں کہ ہاں لڑکی کو منظور ہے اور بالعموم اکثر نکاحوں میں اسی طرح کی صورت واقع ہوا کرتی ہے لڑکیاں بوجہ شرم وحجاب خود نہیں بولتی ہیں ایسی صورت میں نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اس کا اقرار سکوتی ایجاب وقبول کے قائمقام سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(۲) لڑکی بالغ ہے مگر یتیم ہے اس کی ماں نے اس کا نکاح کیا متوفی باپ کے بھائی یعنی چچا تائے موجود نہ تھے آیا ان کی عدم موجودگی نکاح کے جواز پر شرعاً کچھ مؤثر ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر ولی اقرب مثلاً باپ وہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو بھائی، وہ نہ ہو تو بھتیجا، وہ نہ ہو تو چچا، وہ نہ ہو تو چچا کا بیٹا اگر خود جا کر بالغہ دوشیزہ سے اذن لے یا اپنی طرف سے کسی کو اذن لینے کے لئے اس کے پاس بھیجے اور وہ طلب اذن پر سکوت کرے تو یہی اذن ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصماتھا اذنھا [1]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: باکرہ کی خاموشی ہی اذن ہے۔(ت)

اور اگر نہ ولی اقرب خود گیا نہ اپنی طرف سے کسی کو اذن لینے کے لئے بھیجا بلکہ اور شخص بے اس کے بھیجے بطور خود اس سے اذن لینے گیا تو اس کا سکوت اذن نہ ہوگا اگرچہ یہ اذن لینے والا کیسا ہی قریب رشتہ دار ہو جبکہ ولی اقرب نہ ہو مثلاً باپ کے ہوتے ہوئے دادا یا حقیقی بھائی اپنی طرف سے اذن لینے جائیں تو ضرور ہوگا کہ عورت خود ہاں کہے اپنی زبان سے اذن دے، پاس بیٹھنے والیوں کا یہ ظلم ہوتا ہے کہ وہ دھوکا دینے کو ہوں یا ہاں کر دیتی ہیں، اس صورت میں نکاح فضولی ہوگا جبکہ کفو کے ساتھ ہو دختر کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر خبر سن کر اس وقت یا بعد کو بے اظہار نفرت جائز کردے جائز ہو جائے گا رد کردے رد ہو جائے گا، اگر اپنے کسی قول یا فعل سے صراحۃً دلالۃً اب تک رد نہ کیا ہو تو بخوشی رخصت ہو کر جانا اذن ہے اس وقت نکاح نافذ ہو جائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) چچا کے ہوتے ہوئے ماں اگر یتیمہ بالغہ کا نکاح یتیمہ سے اذن لے کر دے یا بعد نکاح وہ دختر اذن قولاً یا فعلاً دے دے تو نکاح صحیح ونافذ ولازم ہے، چچا تھا یا بھائی کسی کو گنجائش اعتراض نہیں جبکہ نکاح کفو میں سے کیا ہو یعنی وہ شخص مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہیں جس کے ساتھ اس دختر کا نکاح اس کے ولی کے لئے باعث ننگ وعار وبدنامی ہو، اگر ایسا ہے تو نکاح ہوگا ہی نہیں اور اگر یتیمہ نابالغہ ہے

[1] مؤطا امام مالک کتاب النکاح مطبع میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۴۹۸

کہ حقیقۃً یتیمہ وہی ہوتی ہے تواگر ماں نے غیر کفو بہ معنی مذکور سے نکاح کردیا تو ہوا ہی نہیں اور کفو سے کیا تو چچا وغیرہ جو ولی اقرب ہو اس کی اجازت پر موقوف رہے گارد کردے گارد ہوجائے گا جائز کردے گا جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰۷: از شہر محلّہ گندہ نالہ مسئولہ عبدالودود لیڈر صاحب ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی وایدکم بنصرہ فی یتیمۃ بلغت من عمرھا خمسۃ عشر سنین زوجتھا امھا برضاھا باحد من الاقارب ولکن لم یحضروا مجلس النکاح اولیاء الیتیمۃ المذکورۃ کالاعمام وغیرہم وما استشیروا فی ھذا الباب وتولت فی امر النکاح امھا وحدھا لانھا کانت وحدھا کفیلۃ لبنتھا الی الاٰن ھل جاز النکاح ام لا۔	علماء کرام آپ کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک پندرہ سالہ لڑکی کا نکاح اس کی والدہ نے لڑکی کی رضامندی سے رشتہ داروں میں کردیا جبکہ لڑکی کے اولیاء چچا وغیرہ مجلس نکاح میں حاضر نہ ہوئے اور نہ ہی اس نکاح سے متعلق ان سے مشورہ لیا گیا، صرف والدہ نے ہی نکاح کی تولیت کی کیونکہ لڑکی کی کفیل اس وقت والدہ ہی تھی، کیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہ؟

الجواب:

ان بلغت قبل ھذا بعلامۃ کحیض او تمت لھا قبل اذنھا بالنکاح خمس عشرۃ سنۃ کوامل وکان النکاح من کفولیس فی دینہ ولانسبہ ولاخلقہ ولاحرفتہ مایتعیربہ اولیاؤھا عرفا جاز النکاح فان وقع بعد اذنھا او رضیت بہ بعد وقوعہ قبل ردہ تم ولزم ولیس لھا ولالاحدمن کان من غیر کفو بالمعنی المذکور فھو باطل رأسا وان اذنت و اجازت اوبنفسھا تولت وان کان من کفو ولم تبلغ بعد توقف علی اجازۃ الولی ان اجاز جاز وان ابطل	اگر لڑکی نکاح سے قبل بالغ ہوچکی تھی جس پر حیض یا کوئی اور علامت بلوغ ظاہر ہوچکی تھی، یا وہ نکاح سے قبل پورے پندرہ سال کی ہوچکی تھی تو اس نے نکاح کی اجازت دی اور نکاح بھی کفو میں ہوا کہ لڑکے کے دین، نسب، اخلاق اور اس کے کسب پر عرفا لڑکی کے اولیاء کو اعتراض نہ ہو یعنی اس سے عار محسوس نہیں کرتے تو نکاح جائز ہے پس اگر نکاح عورت کے اذن کے بعد واقع ہو یا وہ رضامندی ظاہر کرچکی ہو تو یہ نکاح نافذ ولازم ہوگا ہے اب اس کو یا اس کے ولی کو نکاح پر اعتراض کا حق نہیں رہا، اگر یہ نکاح غیر کفو میں معنی مذکور میں ہوا تو وہ نکاح بالکل باطل ہے اگرچہ اجازت اور رضامندی ظاہر کرچکی ہو یا اس نے خود اپنا نکاح کیا ہو اگر نکاح کفو میں ہوا لیکن ابھی بالغ نہ تھی تو پھر ولی کی اجازت پر موقوف رہا اگر ولی جائز کردے تو جائز اگر باطل کردے

بطل وان سکت الاولیاء حتی بلغت اُل الامر الیھا فلتمض اولترد و المسائل ظاھرۃ وفی الکتب دائرۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔	تو باطل ہوجائے گا، اور اگر لڑکی کے بلوغ تک ولی خاموش رہے حتی کہ لڑکی خود بالغ ہوگئی تو اب اجازت لڑکی کی طرف سے ہوگی چاہے راضی ہوجائے یا نکاح کو رد کردے، یہ مسائل ظاہر ہیں اور کتب میں مذکور ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۰۸: از اجمیر شریف محلّہ لاکھن کوٹھری مرسلہ مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ معینیہ اجمیر معلّٰی یکم رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغہ لڑکی کی والدہ اور بھائیوں نے ایک میراثی کو رشتہ کے واسطے بھیجا کہ فلاں قبیلہ میں رشتہ کرآؤ، اس قبیلہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہ جانا، میراثی نے کچھ روپیہ رشورت کالے کر دوسری جگہ رشتہ کردیا، بعد ازیں لڑکی اور والدہ اور بھائیوں کو اطلاع ہوئی انھوں نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ رشتہ والوں سے کہہ دے کہ ہم نہیں رشتہ کرتے، اور پھر لڑکی کے بھائی بھی گئے منع کرنے کے واسطے، آخر کار وہ باز نہ آئے، اور میراثی نے چند ایام اپنی طرف سے مقرر کرکے برات منگوائی، برات آنے پر لڑکی اور والدہ بھائی نکاح سے سراسر انکار کرتے رہے، حتی کہ پانچ چھ ایام اسی طرح گزر گئے، چونکہ برات کے ساتھ چند رؤسا تھے، انھوں نے گرد ونواح کے سب رؤسا جمع کئے اور کہا کہ جس صورت سے ہوسکتا ہے ہمیں نکاح دلادو، سب رؤسا نے جمع ہوکر لڑکی کے بھائیوں کو ایک مقدمہ جعلسازی میں پھانس دیا، وہ بیچارے غریب عاجز ہوکر کہنے لگے کہ اچھا نکاح ٹھہرادو، جب لڑکی سے اذن لینے کے واسطے گئے تو انکار کردیا، پھر ایک شخص نے لڑکی کو جبراً خاموش کردیا اور بھلی میں بٹھا کرلے گئے، بوقت وداع لڑکی کے بھائیوں نے لڑکی سے پوچھا تجھ کو کپڑا وغیرہ دیں، لڑکی نے انکار کیا اور کہا کہ میرا نکاح ہی نہیں ہے تم کس واسطے دیتے ہو، بعد آنے کے وہ اب تک انکار پر مصر ہے، عرصہ پانچ سال کا ہوا، یہ نکاح عندالشرع ہوا یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے کہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہے اور اس نے اذن نہ دیا جبکہ صاف انکار کردیا ور بالجبر رخصت کے وقت بھی تصریحاً کہا کہ میرا نکاح ہی نہیں ہے، اور جب سے اب تک انکار پر مصر ہے تو نکاح مذکور باطل ومردود محض، اور ان جبر کرنے والوں کا ظلم خالص ہے، بھائیوں نے یہ بجبر نہ سہی بخوشی اجازت دی ہوتی یا خود نکاح کردیا ہوتا بالغہ کے انکار سے وہ بھی فوراً باطل ہوجاتا نہ کہ ان کی اجازت بھی جبر سے، یونہی اگر بعد نکاح انکار کے بعد بالغہ خود بھی راضی ہوجاتی مفید نہ ہوتا کہ باطل شدہ نکاح رضا سے صحیح نہ ہوسکے گا نہ کہ وہ اب تک انکار پر مصر ہے، غرض اس باطل نکاح کو نکاح سمجھنا جہل بعید وظلم شدید ہے، عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب اوسلطان بغیر اذنہا بکرا کانت اوثیبا فان فعل ذٰلک فالنکاح موقوف علی اجازتہا فان اجازتہا جازوان ردتہ بطل کذافی السراج الوھاج[1]۔	عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس کی مرضی کے خلاف باپ یا حاکم کسی کو بھی اس کے نکاح کا اختیار نہیں، اگر کسی نے ایسا نکاح کیا یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ جائز کردے تو جائز اور رد کردے تو رد ہوجائے گا۔ سراج الوہاج میں ایسے ہی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

بلغہا فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانہ بالرد[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب بالغہ کو نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے رد کردیا ہو پھر بعد میں اس نے کہامیں راضی ہوں تو جائز نہ ہوگا کیونکہ قبل ازیں رد کرنے سے نکاح باطل ہوچکا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۰۹: از بمبئی جیل روڈ پوسٹ نمبر ۹ معرفت خلیفہ احمد اللہ صاحب مرسلہ جمیل محمد خان صاحب دہلوی ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

ایک بالغہ شیعہ لڑکی نے برضا و رغبت خود بلااجازت والدین ایک سنی المذہب افغانی النسب سے چار گواہ اور ایک وکیل کی موجودگی میں قاضی کے سامنے بمعرفت قاضی نکاح کردیا۔ منکوحہ کے والدین بوجہ شیعہ ہونے کے اس کا یہ نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ چونکہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اس لئے نکاح کے فسخ کرانے کا استحقاق ہمیں حاصل ہے، دوسرے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ نکاح ہم کفو سے نہیں ہوا لہٰذا ہمیں فسخ کا اختیار ہے، وکیل جو مجلس نکاح میں لڑکی کی جانب سے مقرر ہوا تھا وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ نکاح ہوا میں وکیل بھی بنا مگر لڑکی کے ایجاب وقبول کی آواز نہیں سنی، قبل از نکاح لڑکی نے گواہان کے سامنے اقرار کیا ہے کہ میں اہلسنت وجماعت حنفی مذہب اختیار کرچکی ہوں، نکاح کے گواہ موجود ہیں وہ مقر ہیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ایجاب وقبول کی آواز ہمارے کانوں تک آئی، اور قبل از نکاح لڑکی نے کہا کہ میں اہلسنت وجماعت ہوچکی ہوں۔

الجواب:

بالغہ پر ولایت جبریہ کسی کی نہیں خصوصًا اس حالت میں کہ وہ سنیہ ہے اور باپ رافضی، عدم کفاءت کی وجہ کوئی سائل نے نہیں لکھی، اگر صرف بربنائے تخالف مذہب ایسا کہا جاتا ہے تو سنی لاکھوں درجے رافضی سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

اعلیٰ ہیں، اور مغل پٹھان باعتبار قوم ہم کفو ہیں، اس کے باپ کا اعتراض باطل ہے اور اسے کوئی اختیار فسخ نہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الایم احق بنفسھا**[1] (بے نکاح عاقلہ بالغہ کو اپنے نفس پر زیادہ اختیار ہے۔ت) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾[2]۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی کافروں کو مومنوں پر ہر گز ولایت نہیں دے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۴۱۰: کوہ رانی کھیت متصل جامع مسجد مسئولہ عبدالرحمان صاحب خانساماں ۹ محرم ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص اہلسنت وجماعت نے ایک رافضی کی بیوی سے کہا کہ تو مجھ سے مل، تو اس رافضی کی عورت نے کہا کہ اس شرط پر ملوں گی اگر تو اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے کرے، اس شخص مذکور نے اس شرط کو قبول کیا اور مدت دراز تک زناکاری رہی اور ابھی تک موجود ہے، اب وہ لڑکی اہلسنت کی جوان ہو گئی ہے اور شخص مذکور اس کی شادی اس رافضی سے کرنے کو تیار ہے، اور اس لڑکی سنیہ کا نانا موجود ہے وہ بھی منع کرتا ہے اور تمام اہلسنت وجماعت منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں، مگر شخص مذکور کہتا ہے کہ جائز ہے، اب اس صورت میں یہ لڑکی اپنے نانا کو مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح جائز ہے یا ممنوع شرعاً اس میں گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

یہ نکاح حرام قطعی اور زنائے خالص ہے، عالمگیری میں ہے:

لایجوز له ان یتزوج امرأة مسلمة ولامرتدة ولا ذمیة لاحرة ولامملوكة[3]۔	مرتد کو کسی مسلمان عورت، مرتدہ، ذمیہ، آزاد یا لونڈی عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ (ت)

جبکہ وہ لڑکی جوان ہے اور باپ اسے معاذاللہ زنا کے لئے دینا چاہتا ہے تو نانا وغیرہ دیگر اولیاء پر لازم ہے کہ لڑکی کو اس کے قبضہ تصرف سے نکال کر فوراً لڑکی کی رضا سے کسی سنی صحیح العقیدہ کفو کے ساتھ اس کا نکاح کردیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] مؤطا امام مالک کتاب النکاح میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۴۹۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[3] فتاوی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۵

مسئلہ ۴۱۱ تا ۴۱۲: از مقام بلیا ڈاکخانہ رسڑا مسئولہ مولوی حکیم عبدالشکور صاحب ۲۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ جس کی عمر تخمیناً دس برس کی تھی بعد انتقال اپنے والدین کے اپنے حقیقی چچازید سے خفا ہوکر اپنے حقیقی ماموں کے گھر چلی گئی اور وہاں رہنے لگی، کچھ عرصہ کے بعد اس کے ماموں نے ہندہ کا عقد قبل بلوغ مسمّٰی بکر سے بلااجازت حقیقی چچاکے اس شرط پر کیاکہ تم جب میری بستی میں آکر مکان بناؤگے اس وقت ہم لڑکی رخصت کریں گے، اب بکر اس بستی میں مکان نہیں بناتا ہے اور لڑکی رخصت کراکر لے جانا چاہتا ہے اور لڑکی وہاں جانے پر راضی نہیں، کیا حقیقی چچاکے موجود ہوتے ہوئے اس کے ماموں نے عقد کردیا تو یہ عقد شرعاً درست ہوا یا نہیں؟

دوم جب بکرنے اس بستی میں مکان نہیں بنایا تو عقد فسخ ہوگا یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

بے اجازت چچاکے ماموں نے جو نکاح کیا جائز وصحیح ہوا، مگر چچا کی اجازت پر موقوف تھا، اگر وہ رد کردیتا رد ہوجاتا، مگر عبارت سوال سے ظاہر کہ اس نے رد نہ کیا نکاح پر راضی ہوا دوسری جگہ لے جانے پر راضی نہیں، جب صورت یہ ہے تو وہ نکاح نافذ بھی ہوگیالڑکی کو خیار بلوغ ملا، عبارت سوال سے ظاہر ہے کہ لڑکی نے جسے بالغہ ہوئے کئی سال گزرے اس خیار کا استعمال نہ کیا، وہ بھی نفس نکاح سے ناراض نہیں بلکہ دوسری جگہ جانے سے۔ پس صورت مذکورہ میں نکاح لازم ہوگیااور کسی کو اس پر اعتراض کا اختیار نہ رہا۔ اس گاؤں میں مکان بنانے کی شرط فاسد ہے، اور شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے، اسے اختیار ہے کہ عورت کو اپنے گھر لے جائے، **قال اللہ تعالٰی**:

اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ[1]۔	بیویوں کو اپنی سکونت کے ساتھ سکونت گنجائش کے مطابق دو۔ (ت)

ہاں اگر ظاہر ہو کہ شوہر عورت کو ضرور ایذا دینے کے لئے دوسری جگہ لے جانا چاہتا ہے اور یہاں رکھنا نہیں چاہتا تو لے جانے کی اجازت نہ دیں گے۔

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ[2]۔ هذا حاصل ماحط علیه کلام المحققین وعلیك برد المحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیویوں کو تنگ کرنے کے لئے ضرر مت دو، محققین کے کلام کا مصداق یہی ہے، آپ پر ردالمحتار کی طرف رجوع ضروری ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/۶۵

[2] القرآن الکریم ۶/۶۵

مسئلہ ۴۱۳: از مقام گھو، گھو ڈاک خانہ اسٹیٹ ضلع دیناجپور ڈاکخانہ خاص مسئولہ حاجی سید نورالحسن صاحب بہاری ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغہ جس کے دو نابالغ بھائی حقیقی ہیں اور ایک حقیقی ماں اور ایک حقیقی چچا اور اور ایک حقیقی ماموں ہیں، لڑکی نابالغہ اور دونوں بھائی اور اس کی ماں یعنی ان چاروں کی کفالت بعد فوت باپ وشوہر، بھائی شوہر کا و بھائی ماموں کا یعنی ماموں حقیقی و چچا حقیقی کر رہا ہے، ماموں و چچا حقیقی اور دو بھائی نابالغ حقیقی پردیس میں چچا و ماموں کے ساتھ ہیں، ماموں و چچا و بھائی کی عدم موجودگی میں غیر اقربا اور لڑکے کی ماں نے بہکا کر لڑکی کی ماں کو راضی کرکے چچیرے چچا کی اجازت سے نکاح کر دیا، اس نکاح سے ماموں اور چچا دونوں سخت ناراض ہیں اور کفالت کرنے سے دست بردار ہیں، لڑکی ہمیشہ سے جب سے اپنی ماں کے ساتھ اپنے حقیقی چچا کے مکان میں رہتی ہے شوہر مجازی سے کوئی تعلق نہیں ہوا صرف عقد ہوا ہے رسم بارات وغیرہ باقی ہے نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اگر ناجائز ہوا تو دوسرے کے ساتھ یا شوہر اول کے ساتھ دوبارہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

یہ شخص جس سے نکاح ہوا اگر لڑکی کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے دختر کے لئے باعث ننگ وعار ہے تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ نہ جب تک لڑکی نابالغہ ہے کسی ایسے شخص سے کوئی اس کا نکاح کر سکتا ہے، اور اگر جس سے نکاح ہوا وہ کفو ہے یعنی کسی بات میں ویسا کم نہیں تو یہ نکاح لڑکی کے حقیقی چچا کی اجازت پر موقوف رہا، اگر اس نے جائز کر دیا اگرچہ ناراضی کے ساتھ، مثلاً کہے "خیر نکاح تو ہوگیا مگر ہم کفالت سے دست بردار ہیں" تو نکاح نافذ ہوگیا، چچا یا ماموں کسی کو اختیار نہیں کہ وہ دوسری جگہ نکاح کر دے، ہاں لڑکی کو اس پر اعتراض کا حق ہوگا اگر بالغ ہوتے ہی فوراً فوراً اپنی ناراضی کا اظہار کرے، اور اگر چچا نے خبر سن کر رد کیا تو رد ہوگیا، چچا کو اختیار ہے جس کفو سے چاہے نکاح کر دے اگرچہ اسی شوہر سے، غرض ان الفاظ پر مدار ہے جو چچا نے خبر سننے پر پہلی پہل کہے ایماناً وہ پورے الفاظ بے کم و بیش تبدیلی معلوم ہونا ضروری ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۴: از موضع آچورہ ڈاکخانہ بیجاری ضلع فرید پور ملک بنگال مسئولہ حاجی عبدالغنی صاحب ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کی لڑکی بالغہ ہندہ نے

بلااجازت زید کے اپنے کفو بکر کے ساتھ نکاح کیا، زید سن کر نہایت ناخوش ہو کر بکر کے مکان سے حیلہ وبہانہ کرکے ہندہ کو اپنے مکان میں لے آیا، پھر ہندہ سے کہا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہوا اس لئے کہ میں تیرا باپ ہوں بلااجازت باپ کے نکاح صحیح نہیں۔ اس حال میں ایک سال سے زیادہ گزر گیا، پھر زید نے ہندہ کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح ثانی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو اولاد عمرو سے ہوئی اس کا اور زید کے شرع شریف میں کیا حکم ہے زید امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح ثانی صحیح ہے تو بکر پر مہر مثل لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پہلا نکاح عورت نے جس سے کیا تھا اگر وہ کفو شرعی تھا یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم نہ تھا کہ اس کے ساتھ عورت کا نکاح ہونا عورت کے باپ کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو وہ پہلا نکاح ہوگیا اور یہ دوسرا نکاح باطل ہوا، عورت کا باپ اور یہ دوسرا شوہر دونوں سخت کبیرہ کے مرتکب ہیں، اور بچہ جو پیدا ہوا وہ پہلے شوہر کا ہے، اس صورت میں زید کو امام کرنا گناہ ہے جب تک توبہ کرے، اور اگر پہلا نکاح عورت نے جس سے کیا وہ بمعنی مذکور کفو شرعی نہ تھا تو وہ پہلا نکاح باطل ہوا دوسرا نکاح صحیح ہوا، بچہ اس دوسرے شوہر کا ہے، زید وعمرو پر کوئی الزام نہیں ان کے پیچھے نماز اس وجہ سے ممنوع نہیں، پہلا نکاح جس سے ہوا تھا اگر وہ قربت کرچکا ہے تو اسے مہر مثل دینا آئے گا یعنی ایسی عورت کا جتنا مہر ہو جو مہر بندھا تھا اس کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۵: از موضع اٹریا ضلع بریلی مسئولہ قمرالدین صاحب یکم صفر المظفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ تھی اور بالغہ تھی کیونکہ اس کے ایک لڑکا پیدا ہوچکا تھا اس رانڈ نے عقد ثانی کے واسطے ایک شخص کو جو اسی کی ذات کا تھا اور جوان بھی تھا اور علم دار بھی تھا اور روٹی کپڑے سے خوش تھا تجویز کی مگر اس جوان کے واسطے اس رانڈ کا والد نکاح کرنے کو راضی نہ تھا، زید نے کچھ لالچ پاکر اس شخص کی طرف سے جس کے ساتھ رانڈ کا والد راضی. بریلی سے تعویذ اور مٹھائی لے جاکر کھلایا تاکہ اس کا خیال اس جوان کی طرف ہو جس سے اس کا والد راضی تھا، اور زید نے مٹھائی کھلاتے وقت اس شخص کا نام لیا کہ وہ رانڈ جس سے راضی تھی کہ تم کو میں اس شخص کی طرف سے مٹھائی کھلاتا ہوں جس سے کہ تم راضی ہو، اس کے بعد میں اس رانڈ کا نکاح اس شخص کے ساتھ زبردستی کرادیا جس سے وہ رانڈ ناراض تھی اور زبردستی چند آدمی پکڑ کر اس شخص کے یہاں پہنچا آئے، یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور زید کو انجمن کی طرف سے صدر بنایا ہے اب زید کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ انجمن والوں نے زید کو صدر ممبر بنایا تو ان کو یہ قصہ معلوم نہیں تھا اور یہ نکاح زبردستی زید ہی کی کوشش سے ہوا تھا، **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے بیان: کیا کہ عورت کو اذن دیتے وقت بتایا گیا تھا کہ یہ نکاح دوسرے سے ہوتا ہے جس سے وہ راضی نہیں لیکن کسی نے ہاتھ پکڑے کسی نے پاؤں اور اس سے جبراً اذن دلوایا، صورت مذکورہ میں نکاح صحیح ہوگیا کہ نکاح وطلاق میں اکراہ کو دخل نہیں، جس طرح خوشی سے ہو جاتے ہیں یونہی جبر سے بھی، حدیث میں ارشاد ہوا:

ثلاث جدھن جدو ھزلھن جدا لنکاح والطلاق والعتاق[1]۔	تین چیزیں جن میں سنجیدگی اور مذاق سنجیدگی ہے نکاح، طلاق اور عتاق۔(ت)

باقی رہا کہ مجبور کرنا شرعاً کوئی وجہ الزام رکھتا ہے یا نہیں۔ ممکن نہ رکھتا ہو بلکہ عورت کی خیر خواہی ہو عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں، اور باپ سے زیادہ اولاد پر کون مہربان ہے سوا اللہ و رسول کے، ظاہر یہی ہے کہ جہاں وہ چاہتی تھی اس میں شر تھا اور جہاں باپ نے چاہا اس میں خیر، تو ایسے احتمال قوی کی حالت میں اس جبر کو بوجہ الزام نہیں ٹھہرا سکتے جیسے مریض کو بالجبر دوا پلانا، لہٰذا اس وجہ سے امامت زید میں کوئی خلل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱۶: از شہر کہنہ محلّہ صوفی ٹولہ مسئولہ طفیل احمد صاحب ۱۱ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نکاح اس کے والدین نے ایک لڑکے کے ہمراہ جو کہ ایک بیوی معہ دو بچوں کے چھوڑ چکا ہے اور لڑکی کا خالہ زاد بھائی ہوتا ہے لڑکی کے اقربا (تایا، پھوپھا، بھائی وغیرہ) کو بغیر جمع کئے محلّہ میں دھوکہ سے لے جاکر سرائے خام کے ایک طالب علم سے اس طرح پڑھوایا کہ ماموں جو کہ دونوں (لڑکے اور لڑکی) کا ہوتا ہے وکیل بنایا (اور گواہ اول دونوں کا خالو ہے اور گواہ دوم لڑکے کا تایا زاد بھائی ہوتا ہے) جب ماموں اذن لینے گیا تو اس نے جواب نہ دیا مگر اصرار کرنے پر بھی جواب نہ دیا تو ماموں نے اس کے ایک طمانچہ مارا کہ جس کے سبب سے وہ رونے لگی اور ماموں نے باہر آکر نکاح پڑھوا دیا،

---

[1] جامع الترمذی ابواب الطلاق باب ماجاء فی الھزل والجد فی الطلاق امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۴۲، سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب الطلاق فی الھزل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۸، الدر المنثور زیر آیۃ ولاتتخذوا آیات اللہ ھزوا مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱/۲۸۶

ف: درمنثور کے الفاظ یہ ہیں: ثلاث من قالھن لاعباً اوغیر لاعب فھن جائزات علیہ الطلاق والعتاق والنکاح۔ اور جامع الترمذی اور سنن ابی داؤد میں العتاق کے بجائے الرجعۃ کاذکر ہے، نصب الرایۃ میں ان دونوں لفظوں سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے مطالعہ کے لئے جلد سوم کتاب ایمان صفحہ ۲۹۳ و ۲۹۴ ملاحظہ ہو۔ نذیر احمد

لڑکی جانے پر رضامند نہیں ہے کیونکہ وہ اگلی بیوی کا حال دیکھ چکی ہے، تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ لڑکی کی عمر وقت نکاح دو مہینے اوپر پندرہ سال کی تھی، اگر یہ بیان اور صورت سوال واقعی ہے تو وہ نکاح فضولی ہوا، اجازت لینے والے اور گواہوں کا رشتہ دار ہونا تو کوئی مخل نہیں، اور بکر کا رونا بھی اذن میں شامل کیا جاتا ہے مگر نہ وہ رونا کہ طمانچہ مارنے سے ہو، وہ ہر گز دلیل اجازت نہیں ہوسکتا، تو عقد نہ ہوا مگر عقد فضولی، اور لڑکی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر اس نے اظہار اجازت سے پہلے اظہار ناراضی کیا نکاح رد ہوگیا، اور شوہر کو اس پر کوئی دعوی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۷: از حیدر آباد دکن قصبہ نارائن پینٹھ جی آئی پی ریلوے کرشنا مسئولہ سید اکرم علی عرف مطلوب شاہ صاحب مدرس فارسی مدرسہ سلطانیہ درجہ اول ۱۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ عاقلہ بالغہ حرہ مکلفہ باکرہ نے بلااجازت ولی جائز اپنا عقد دو گواہان شرعی کے روبرو اپنے ایک ہم کفو سے کرلیا، پس یہ نکاح ازروئے مذہب حنفی ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو کیا ولی جائز فسخ کرکے بلاطلاق وخلع ہندہ کا عقد کسی مالدار سے جبرًا کرنا چاہتا ہے اگر کردے تو اس کا وبال کس پر ہوگا؟ اور یہ فعل اس کا کس حد تک جائز ہے؟ کیا رواج عرف عام قانون شرع شریف پر کسی حالت میں مرجح ہوسکتا ہے اور ولی جائز کا جھوٹا حلف ہندہ کے مقابلہ میں معتبر ہوگا یا ہندہ کا قول؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرعا کفو کے معنی یہ ہیں کہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس عورت کا نکاح اولیائے زن کے لئے باعث ننگ وعار ہو، اگر وہ اس معنی پر کفو ہے تو حرہ مکلفہ کا برضائے خود بے اجازت ولی اس سے نکاح نافذ ولازم ہے، ولی اسے ہر گز فسخ نہیں کرسکتے، اگر بلاطلاق اس کا نکاح دوسری جگہ کردیں گے باطل محض ہوگا، اور اس میں قربت زنائے خالص جس کا وبال مرتکب تزویج پر ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلاولی[1]۔	آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر ولی نافذ ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے: **نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی**[2] (ولی کی رضا کے بغیر بھی حرہ عاقلہ بالغہ کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

نکاح نافذ ہے۔ت)اور اگر اس معنی شرعی پر کفو نہیں اگرچہ ہم قوم ہو جسے عوام میں کفو کہتے ہیں مثلا مذہب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اس عورت کا اس سے نکاح ولی زن کے لئے باعث عار و بدنامی ہے تو زن مکلفہ کا بے اجازت ولی اس سے نکاح باطل و مردود محض ہے، درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا [1]۔	غیر کفو میں اصلا نکاح نہ ہونے کا فتوی ہے۔(ت)

رواج، عرف و قانون کوئی چیز شرع مطہر پر مرجح نہیں۔

قال اللہ تعالٰی: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [2] **وقال اللہ:** **وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: حکم صرف اللہ تعالٰی کا ہے۔ اور فرمایا: جو اللہ تعالٰی کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ دے وہ فاسق ہے۔(ت)

سائل نے کچھ نہیں لکھا کہ عورت اور اس کے ولی میں کس بات کا اختلاف ہے جس کا جواب دیا جائے کہ ان میں کس کا قول معتبر ہے کہیں اس کا قول معتبر ہوگا کہیں اس کا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۸: ضلع ہوگلی ڈاک خانہ تیلن پاڑہ باڑی عجب میاں مسئولہ سلطان احمد خاں صاحب مرزاپوری ۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی بعمر بارہ برس کی ہے، اس کا عقد کرنے کو اس کا باپ ایک مرد نابالغ سے کرنے کو وعدہ کیا کہ ہم تمھارے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کریں گے، اور رسم دنیاوی بھی کردیا گیا کہ لڑکا لڑکی کے واسطے کپڑا اور مٹھائی وغیرہ اور دس پانچ برادری کے لوگوں کو ساتھ لے کر گیا، لڑکی کے باپ نے برادری کے روبرو سب سامان لیا اور اقرار کیا کہ فلاں تاریخ میں نکاح کردوں گا کہ درمیان میں لڑکی کا باپ بیمار ہوگیا اور زیادہ علیل ہوگیا سو وہ مکان پر چلا گیا، جس کو عرصہ چھ ماہ کا ہوگیا، لڑکی اور اس کی ماں یہیں پر رہ گئیں اور اب بھی وہ موجود ہیں، جب سے لڑکی کا باپ مکان گیا وہی لڑکا برابر خرچ وغیرہ کا بھی بار اٹھاتا ہے، اب وہ لڑکا لڑکی کی ماں سے بہت زور کرتا ہے کہ میرا نکاح کردو۔ عورت نے کئی مرتبہ خط بھی مکان پر لکھا مگر کچھ جواب نہیں آیا کہ زندہ ہے یا مرگیا، لڑکی کی ماں پہلے راضی نہ تھی مگر جب لڑکے نے کہا کہ اگر تم نکاح نہیں کرتی ہو تو جو کچھ روپیہ میرا اتنے عرصہ میں خرچ ہوا اس کو دو ورنہ ہم

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۷

نالش کریں گے، سواب لڑکی کی ماں نکاح لڑکی کا کرنے پر راضی ہے اور کہتی ہے کہ ہم راضی ہیں نکاح پڑھوالو، اور یہ کہا کہ شوہر میرا کہہ گیا تھا کہ ہم مکان سے واپس آکر شادی کریں گے اس وجہ سے ہم نہیں راضی ہوئے تھے، سواب ان کا کچھ پتہ نہیں ہے، میں خوشی سے کہتی ہوں کہ قاضی کو بلاکر ایجاب وقبول کر کرالو، اور لڑکی بھی اپنے برے بھلے کو پہچانتی ہے، سو وہ بھی رضامند ہے، اور عرصہ چھ ماہ سے اسی مرد کے ہمراہ گویا رہتی ہے، جو باتیں حق حق تھیں ان کو لکھ کر علمائے دین کے حضور میں پیش کردیا جو کچھ حکم شریعت مطہرہ کا ہو بیان فرمائیں، اور ذیل میں جو علامات انگوٹھا ہے وہ ان برادریوں کا ہے جن کے سامنے لڑکی کے والد نے اقرار کیا اور کپڑا وغیرہ لیا، ان لوگوں کے سامنے یہ سوال لکھا گیا اور دستخط لیا گیا لہٰذا عدم موجودگی اس کے والد کے نکاح ہونے یا نہ ہونے سے یا جس طرح اور جس قاعدہ سے نکاح ہو اس مسئلہ کو حضور تحریر کریں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

لڑکی اگر نابالغہ ہے تو اس کے نکاح کے لئے ولی کی ضرورت ہے۔ ولی اس کا باپ ہے، بے اجازت پدر کسی کو لڑکی کے نکاح کرنے کا اختیار نہیں، اور پہلے اس کا راضی ہونا اور وعدہ کرنا اجازت کے لئے کافی نہیں کہ اس نے کسی کو وکیل نہیں کیا، اب اس سے اجازت لی جائے۔ اگر اس کا پتہ نہ چلے تو لڑکی کا جوان بھائی اس کا ولی ہے وہ نہ ہو تو بھتیجا، وہ نہ ہو تو چچا کا بیٹا، اس طرح جو عصبہ ہو، اگر عصبات میں کوئی نہ رہا ہو تو البتہ اس وقت ماں کو ولایت ہوگی اور اس کی اجازت سے نکاح ہوسکے گا۔ اور اگر لڑکی بالغہ ہے یعنی اسے ماہواری عارضہ آچکا ہے تو خود اس کی اپنی اجازت کافی ہے۔ مگر بہر حال باپ کے سوا جو دوسرا شخص اس کا نکاح کرے یا بالغہ ہو کر خود کرے یہ ضرور ہوگا کہ جس سے نکاح کیا جائے وہ اس لڑکی سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا لڑکی کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہو ورنہ نکاح ہوگا ہی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۹: از پیلی بھیت محلّہ غفار خان مسئولہ حکیم سعید الرحمٰن خاں صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رفیق بیگم کا نکاح اس کی نابالغی میں جبکہ اس کا باپ دادا زندہ نہ تھے اس کے چچا نے اپنے پسر کے ساتھ کردیا، نابالغہ مذکورہ نے بالغ ہوتے ہی اعلان کردیا کہ اس نے نکاح مذکور کو نامنظور وناپسند کرکے فسخ کردیا اور بذریعہ نوٹس رجسٹری شدہ شوہر کو جو ہنوز نابالغ ہے اور اس کے والد کو بھی اطلاع دے دی، نوٹس یہ لکھ کر واپس آیا بعد ازاں رفیق بیگم نے دیوانی میں نالش کی اور حسب ذیل استدعائے داد رسی کی: "استقرار اس امر کا فرمادیا جائے کہ جو نکاح مدعیہ کا اس کی نابالغی میں ہوا تھا اور جس کو مدعیہ نے بعد بلوغ شرعی کے مسترد کردیا ہے مدعیہ

بوجہ مصرحہ عرضی نالش نکاح مذکور کی فسخ اور کالعدم ہو جانے کی وجہ سے پابند نہیں ہے اور اب مدعیہ زوجہ مدعاعلیہ کی نہیں ہے۔" ہنوز اس نالش کا فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ رفیق بیگم فوت ہو گئی، ایسی حالت میں نکاح مذکور وقت وفات رفیق بیگم کے قائم و برقرار متصور ہوگا یا فسخ و مسترد، اور شوہر کو ترکہ رفیق بیگم کا پہنچے گا یا نہیں؟

الجواب:

رفیق بیگم کی اخیر سانس تک نکاح برقرار تھا، وہ اپنے شوہر کی زوجیت ہی میں مری، شوہر اس کے نصف ترکہ کا وارث ہوگا اور نصف مہر بھی ساقط ہوگیا، نصف مہر بحق دیگر ورثادے گا، خیار بلوغ سے عورت کو یہ حق نہیں ہوتا کہ اپنا نکاح خود فسخ کرلے، نہ اس کے فسخ کئے فسخ ہوسکتا ہے، بلکہ اسے صرف دعوی فسخ کا اختیار ملتا ہے، بعد دعوی قاضی شرع کے فسخ کئے سے فسخ ہوگا، اگر قبل فسخ مرجائے تو زوجیت ہی میں مرے گی، ردالمحتار میں ہے:

قولہ فیفسخہ القاضی فلایثبت ھذہ الفرق الا بالقضاء لانہ مجتھد فیہ وکل من الخصمین یثبت بدلیل فلا ینقطع النکاح الابفعل القاضی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول کہ "قاضی اس کو فسخ کرے" تو فرقت قضاء کے بغیر ثابت نہ ہوگی، کیونکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور ہر فریق اس میں دلیل کا سہارا لیتا ہے اس لئے نکاح قاضی کی کارروائی کے بغیر فسخ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۲۰: ضلع سکھر سندھ اسٹیشن ڈھرکی ڈاکخانہ خیرپور ڈھرکی خاص دربار معلٰی قادریہ پر چونڈی شریف از طرف ابوالنصر فقیر سردار شاہ ۱۷ جمادی الاُخری ۱۳۳۹ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی، شخصے بحین حیات پدر خود بلارضامندی وشمولیت وے نکاح خواہر صغیرہ بمعاوضہ بازوبجائے کردہ پدرش بعد خبریافتن انکار کرد وبعد چند مدت راضی شدہ باز معاوضہ رادر نکاح پسر خود گرفت وبازانکار کرد، آیاازانکاراول نکاح باطل شد یانہ؟	علماء کرام اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، آپ کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ باپ کی زندگی میں باپ کی رضامندی اور شمولیت کے بغیر بھائی نے اپنی نابالغہ بہن کا نکاح بدلے کی شرط پر کردیا، اور کچھ مدت بعد باپ اس نکاح پر راضی ہوگیا اور بدلہ میں لڑکے کے لئے رشتہ لے لیا اور دوبارہ

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

محض اقبال بعد انکار تجدید ایجاب وقبول فائدہ دارد یا نہ ؟بینوا توجروا	پھر انکار کردیا، کیا پہلے انکار پر نکاح باطل ہوا یا نہ؟ انکار کے بعد صرف ایجاب وقبول سے نکاح ہوگا یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

نکاح بالغہ کہ برادرش بے اجازت پدر کرد نکاح فضولی بود براجازت پدر موقوف چوں پدر باستماع خبر انکار کرد فورًا باطل شد و باطل راعود نیست باز راضی شدن پدر بکار نیاید تاازسرنو ایجاب وقبول پیش شہود نہ کنند در درمختار است **بلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانه بالرد** [1] در ردالمحتار ست **لان نفاذ التزویج کان موقوفا علی الاجازة وقد بطل بالرد** [2]، در بحر الرائق ست **الاجازة شرطها قیام العقد** [3]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	بھائی نے باپ کی اجازت کے بغیر نابالغہ کا جو نکاح کیا وہ فضولی کا نکاح ہے اور باپ کی اجازت پر موقوف ہے جب باپ نے خبر سنتے ہی انکار کردیا تو نکاح فورًا باطل ہوگیا اور باطل شدہ دوبارہ صحیح نہیں ہوسکتا ہے اس کے بعد باپ کا راضی ہونا بے فائدہ ہے جب تک دوبارہ گواہوں کی موجودگی میں نیا ایجاب وقبول نہ کریں صحیح نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے کہ اگر لڑکی نے خبر ملنے پر نکاح رد کردیا پھر کہا کہ میں راضی ہوں تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ رد کی وجہ سے پہلے باطل ہوچکاہے، ردالمحتار میں ہے کیونکہ نکاح کا نفاذ اجازت پر موقوف تھا جبکہ رد کرنے سے باطل ہوچکاہے، بحرالرائق میں ہے اجازت کے لئے عقد نکاح کا باقی ہونا شرط ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**(ت)

مسئلہ ۴۲۱ تا ۴۲۲: از ضلع بلاسپور امام مسجد اکلترا

ایک بڑھیا کی لڑکی تھی اس کی برادری والے بلا رضامندی شادی کرنے لگے۔ بڑھیا مذکور نکاح کے وقت نامناسب رہنے پر دوسری کوٹھری پر روتی تھی اور یہ خبر نہیں کہ میری لڑکی کا کیا ہو رہا ہے، لڑکی کی عمر پانچ یا چھ سات سال کی تھی، اس لڑکی کو یہ کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہو رہا یا کیا ہوا، اس لڑکی مذکور کے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۰

[3] بحرالرائق باب فی الاولیاء والاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۱۴

وارث سوائے بڑھیا ماں کے کوئی اس کے باپ دادا کی شاخ میں بھی نہ تھے، بلکہ بلاوارث والوں نے نکاح طفلیت میں پڑھایا تو کیا یہ نکاح صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں سوائے اس کے جو لوگ نامناسب نکاح بنایا ہوا داماد نکاح بے کئے تو بڑھیا مذکور غریب بیوہ منہاری بیچنے والی بچی کو کوئی گزر کرتی تھی بعض وقت یہ بنایا ہوا داماد دو تین بار گیا تو بڑھیا بطور مہماں نوازی کے کھلاتی پلاتی بطور برادرانہ، لیکن کچھ بڑھیا کی بچی سے سروکار بات چیت دیگر حرکات سے پاک رکھتی تھی، جاتے وقت بڑھیا جب روکتی تھی تو بناہوا داماد برائے نام کھلے الفاظ میں یہ صاف صاف کہتا تھا کہ مجھ کو کیوں روکتی ہے میں نہ رہوں گا اور نہ کسی کو چاہتا ہوں اور یاد نہ رکھوں گا، پس یہ نمبر ۲ کے متعلق ایک تو نکاح ہی درست نہیں ہوا اور جو بنائے ہوئے داماد والوں کی طرف سے نکاح بھی مغالطًا ثابت کریں، تو جب دو ایسا الفاظ کھلا ہوا سے کہے کہ نہ رکھوں گا نہ چاہتا ہوں، تو بھی نکاح والے کا نکاح ساقط ہوجاتا ہے تو اب لڑکی کا نکاح بڑھیا بالغی میں پڑھاوے تو اولاد بھی ہوتی تو جو اولاد مسلمان ہوں۔**فقط**

الجواب:

دوسرا سوال مہمل ہے، اتنی باتوں کا جواب لکھا جائے تو اس کا جواب ہو:

(۱) اس لڑکی کے دادا پردادا نزدیک دور کی اولاد میں کوئی مرد اس نکاح کے وقت تھا یا نہیں۔ بے تحقیق کوئی نہ تھا نہ کہہ دیا جائے کہ تحقیق کے بعد نکلتے ہیں۔

(۲) اگر ایسا کوئی مرد تھا تو اس نے نکاح کی خبر سن کر کیا لفظ کہے۔

(۳) اگر ایسا کوئی مرد نہ تھا تو ماں نے نکاح ہوجانے پر کیا لفظ کہے اور اس کے بعد کیا لفظ کہے یا کچھ نہ کہا۔

(۴) جب وہ شخص آتا تھا تو ماں اس کی خاطر داماد کی سی کرتی تھی یا عام مہمانوں کی سی۔

(۵) لڑکی کو اب ماہواری عارضہ آتا ہے یا نہیں۔ اس کی عمر اب کیا ہے، عارضہ ماہواری آتا ہے تو کب سے آتا ہے۔

(۶) ماں کو اس نکاح سے وجہ ناراضی کیا تھی۔

(۷) لڑکی کو اگر عارضہ ماہواری آیا تو فورًا اس کے آتے وقت اس نکاح کے بارے میں کچھ کہا یا کتنی دیر بعد کچھ کہا یا کچھ نہ کہا اور اگر عارضہ ماہواری اب تک نہ آیا اور لڑکی کی عمر پندرہ برس کی ہوگئی تو جس وقت عمر پندرہ برس کی ہوئی تھی اس وقت یا اس کے دیر کے بعد لڑکی نے اس نکاح کے بارے میں کیا کہا تھا یا کچھ نہ کہا۔

(۸) یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جس سے نکاح ہوا اس کی قوم کیا ہے اور لڑکی کی کیا قوم ہے اور اس کا چال چلن کیسا ہے اور اس کا مذہب کیا ہے کیا پیشہ کرتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۲: از لکھنؤ چھتر منزل کلب مسئولہ عبدالرحیم خان صاحب قادری رضوی ۶ رجب ۱۳۳۹ھ پنجشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کسی وجہ سے اپنا نکاح پڑھانے نہیں جاسکتا تو اپنے پیر بھائی کو اپنا ولی بنالیا تو ولی نکاح پڑھا کر لاسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسے ولی نہیں وکیل کہتے ہیں کسی کو اپنا وکیل کردے کہ میری طرف سے ایجاب وقبول کرآؤ، نکاح پڑھانے والا اس سے کہے کہ فلاں بن فلاں بن فلاں کی سب سے بڑی یا سب سے چھوٹی لڑکی (یا جس طرح تعیین ہو) میں نے تیرے موکل فلاں بن فلاں بن فلاں کے نکاح میں اتنے مہر پر دی، وکیل کہے کہ میں نے اپنے موکل مذکور کی طرف سے اس کے لئے قبول کی، یا وکیل خود عورت یا اس کے وکیل یا نابالغہ ہے تو اس کے وکیل سے کہے کہ میں نے تجھے یا فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو تیری موکلہ ہے یا جس کا تو ولی ہے اپنے موکل فلاں بن فلاں بن فلاں کے نکاح میں لیا عورت یا اس کا وکیل یا ولی کہے میں نے قبول کیا نکاح ہوجائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۳: از تلہر ضلع شاہجہان پور محلّہ عمرپور مسئولہ شیخ سلامت اللہ صاحب پارچہ فروش ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کتنی عمر میں لڑکی کا نکاح جائز اور کتنی عمر کا ہو تو ناجائز یعنی لڑکا سن بلوغ بحکم شرع کتنی عمر میں ہوتا ہے، کتنی عمر مدت سال کی ہو تو نکاح جائز ہوتا ہے جب کہ اس کا کوئی حقیقی شخص وکیل مطلق نہ ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب آثار بلوغ ظاہر ہوں لڑکے کو احتلام لڑکی کو حیض، اس وقت سن بلوغ ہوتا ہے، اور اگر آثار نہ ہوں تو پندرہ برس پوری عمر ہونے پر حکم دیا جائے گا، اگر لڑکی نو برس کامل یا لڑکا بارہ برس کامل کا ہوچکا ہے اور وہ دعوی بلوغ کریں اور ان کی ظاہری حالت اس دعوے کی تکذیب نہ کرتی ہو تو ان کا قول مان لیا جائے گا جب تک ان صورتوں میں سے کسی صورت پر بلوغ ثابت نہ ہو وہ بغیر اذن ولی کے اپنا نکاح نہیں کرسکتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۴: از لصرات پرگنہ پڑادہ ریاست علاقہ ٹونک محلّہ سلطانپورہ مسئولہ ابراہیم صاحب ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ۱۴ سال سے علیحدہ رہتا ہو عورت حاملہ تین ماہ کی ہو اسی حمل سے لڑکی پیدا ہوئی اور لڑکی نے چودہ سال تک اپنی ماں کے پاس پرورش پائی باپ نے کسی قسم کی امداد نہیں دی نہ کبھی لڑکی کو بلوا کر دیکھا، ایسی صورت میں جوان لڑکی ۱۴ سال کی بالغ ہوگئی ہے لڑکی نے اپنی خوشی اور اس کی والدہ نے اپنی اجازت سے لڑکی کا نکاح کردیا باپ موجود نہ تھا نکاح بھی ہم قوم سے ہوا یعنی غیر قبیلہ میں نہیں ہوا، یہ نکاح جائز رہا یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرعًا وہ لڑکی اسی کی ہے اگرچہ کتنے ہی برسوں سے عورت سے علیحدہ ہو فقط چودہ برس کی عمر ہونا بلوغ کے لئے کافی نہیں۔اگر حیض نہ آیا ہو نا بالغہ ہے، نکاح کے لئے اس کی اجازت کوئی چیز نہیں،اور ماں کا کیا ہوا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا،اگر جائز کردے گا جائز ہوجائے گا رد کردے گا باطل ہوجائے گا،اور اگر لڑکی واقعی بالغہ ہوگئی تھی حیض آچکا تھا تو وہ کفو میں اپنے نکاح کی مختار ہے غیر کفو میں بغیر اجازت باپ کے کہ اس نے پیش از نکاح غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت دی ہو لڑکی کا نکاح اس کی اجازت سے باطل ہے، غیر کفو ہونے کے لئے یہی ضروری نہیں کہ کم قوم ہو بلکہ مذہب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم کہ اس کے ساتھ نکاح ہونا لڑکی کے لئے باعث بدنامی ہو یہ بھی غیر کفو ہونا ہے اگرچہ خاص اسی خاندان کا ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۵:　از سمیتہ ڈاکخانہ دراپختہ تحصیل ڈیرہ غازی خان مسئولہ اللہ بخش صاحب　۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک عورت زینب پر عاشق ہوا باوجود اہل وعیال کے اس کے عشق میں مغلوب ہو کر اپنی دختر صغیرہ چارسالہ کا نکاح حق مہر زینب پر.برادر زینب عمرو زوجہ سے کردیا بعد اس کے زید نے زینب سے عقد کرکے سرمیل کیا اور اس وقت بیمار ہوا،بعد ہفتہ کے فوت ہوگیا،اب وہ لڑکی بالغہ ہو کر کہتی ہے کہ میرے باپ نے مرض عشق میں جو میرا نکاح نااہل غیر پردہ دار سے کردیا ہے مجھے منظور نہیں،آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

صغیرہ کا نکاح کہ اس کے باپ نے کیا لازم ہے، صغیرہ کو بعد بلوغ اس کے فسخ کا کوئی حق نہیں اور عذرات کہ سوال میں لکھے مہمل وبے معنٰی ہیں شرع میں ان کی کوئی اصل نہیں۔ درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولوبغبن فاحش او من غیر کفو ان کان المزوج اباًاوجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار [1]۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	نکاح کردینے والا باپ یا دادا ہو اگرچہ یہ نکاح غیر کفو یا انتہائی کم مہر پر کیا ہو تو بھی لازم ہوجائے گا بشرطیکہ باپ دادا سوء اختیار سے معروف نہ ہوں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۴۲۶:　از شہر مین پوری دریبہ مکان مولوی حکیم محمد عباس مسئولہ نثار احمد صاحب　۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوجہ زید نے چند لڑکے چھوڑ کر انتقال کیا، زید نے اپنا عقد ثانی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

ہندہ سے کیا، ہندہ سے بھی چند لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، پھر زید نے بھی انتقال کیا، ہندہ اپنی اولاد کو لے کر اپنے میکے چلی گئی، اس کے سوتیلے لڑکے اس کو اپنے حسب مقدرت ماہانہ خرچ خورد ونوش پہنچاتے رہے، پھر ہندہ بھی مر گئی، اور اس کا بھائی ان بھانجی بھانجوں پر قابض ہوگیا اور اپنی بھانجی کا عقد خالد سے بلا صلاح ومشورہ اس کے علاتی بھائیوں کے پوشیدہ طور پر کردیا۔ جب یہ خبر عالم آشکار ہوئی تو بالا بالا اس کے علاتی بھائیوں کو بھی خبر پہنچی، تو کسی ترکیب سے اپنی سوتیلی بہن کو خالد کے مکان سے بلوالیا اور اب یہ چاہتے ہیں کہ اپنی سوتیلی بہن کا کسی معزز سے نکاح کردیں اور وہ لڑکی بھی اپنے شوہر خالد سے نہایت بدظن ہے، بوقت عقد اس کی عمر آٹھ سال کی تھی اب گیارہ سال سے زائد نہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ دختر ہندہ نابالغہ کا کوئی حقیقی بھائی بالغ نہ ہو تو اس کے علاتی بھائیوں میں جو بالغ ہوں اس کے ولی نکاح ہیں، وہ نکاح کہ اس کے ماموں نے ان بھائیوں سے چھپا کر دیا فسخ ہوگیا، ان بھائیوں کو اختیار ہے کہ حسب اجازت شرع کسی کفو شرعی سے بغیر مہر مثل میں کمی فاحش کئے ہوئے اس کا نکاح کردیں، اگر وہ اب بھی نابالغہ ہے، اور اگر اب بالغہ ہوگئی یعنی عارضہ ماہواری آنے لگا تو کسی کفو شرعی سے نکاح کرلینے کا اسے خود اختیار ہے، بہر حال طلاق کی کچھ حاجت نہیں کہ بھائیوں کے رد کئے سے ماموں کا کیا ہوا نکاح سرے سے فسخ ہوگیا، اور خالد کو اس دختر سے کچھ تعلق نہ رہا پھر طلاق سے کیا علاقہ! درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر ولی ابعد نے اقرب کی موجودگی کے باوجود نکاح دیا تو اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۲۷: مرسلہ سید امداد علی صاحب مختار عالم ساہوان ٹھاکر دروازہ محلہ پیرزادگان ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں ایک شخص کی لڑکی اپنے نانا کی زیر پرورش ابتداء سے ہے باپ نے روز اول سے اس سے تعلق قطع کر رکھا ہے اور مطلق کسی بات کی خبر نہیں لیتا ہے مرض دکھ درد ورنج راحت وغیرہ کو نہیں پوچھتا، ایسی حالت میں ان لڑکیوں کا نانا عقد کردے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ حال یہ ہے کہ وہ لڑکی جس کا عقد کرنا چاہتا ہے تیرھویں سال میں ہے اگر کوئی صورت جواز ہو تو بیان فرمائیے کیونکہ جب باپ کسی حالت کا شریک نہیں تو لڑکی کے عقد کی کیا سبیل کی جائے اور یہ بیان فرمائیے کہ لڑکی کس سن پر بالغ ہوئی اور بروئے فقہ اس کی کیا کیا شرائط اور نشانیاں ہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

الجواب

باپ کے ہوتے ہوئے نانا کو ولایت نہیں ہو سکتی، باپ کا بے علاقہ رہنا اس کی ابوت کو زائل نہیں کرتا،

ولم یذکر فی السؤال صورۃ العضل وفیھا الولایۃ للقاضی دون اب الام کما حققه المولی الشرنبلالی فی کشف المعضل۔	سوال میں لا تعلّقی کی صورت بیان نہیں کی جبکہ اس میں ولایت قاضی کو ہے نانا کو نہیں ہے جیسا کہ مولٰنا شرنبلالی نے اپنی کتاب "کشف المعضل" میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

لڑکی کم سے کم نو برس کامل اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال کامل کی عمر میں بالغہ ہوتی ہے۔اس بیچ میں آثار بلوغ پیدا ہوں تو بالغہ ہے ورنہ نہیں۔آثار بلوغ تین ہیں: حیض آنا یا احتلام ہونا یا حمل رہ جانا، باقی بغل میں یا زیر ناف بال جمنا یا پستان کا ابھار معتبر نہیں، تنویر میں ہے:

بلوغ الجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فحتی یتم خمس عشرۃ سنۃ وادنی مدته لھا تسع سنین[1] (ملخصا)	لڑکی کا بلوغ احتلام، حیض یا حمل سے ثابت ہوتا ہے اگر ان میں کوئی علامت نہ ہو تو جب عمر پورے پندرہ سال کو پہنچ جائے اور اس کے بلوغ کی کم از کم مدت نو سال ہے (ملخصا)(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانۃ ونھود الثدی فذکر الحموی انه لا یحکم به فی ظاھر الروایۃ وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الھاملی ابوالسعود وکذا شعر الساق والابط والشارب[2] (ملخصا) وھو تعالٰی اعلم۔	لڑکی کے بلوغ کے لئے زیر ناف بال اگنے اور پستان کے ابھار کا اعتبار نہیں ہے تو حموی نے ذکر کیا کہ اس پر حکم نہیں کیا جاسکتا ظاہر روایت کے مطابق، اور یوں ہی آواز کا بھاری ہونا بھی معتبر نہیں، جیسا کہ ابوالسعود ہاملی کے منظوم کی شرح میں ہے، اور یوں ہی پنڈلی، بغل، مونچھوں کے بالوں کا بھی اعتبار نہیں۔(ملخصا) وھو تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۲۸: از مبارکپور ڈاکخانہ خاص محلّہ رانی پورہ ضلع اعظم گڑھ مرسلہ نثار احمد صاحب درزی

زید بیمار ہوا اپنی حالت بیماری میں اپنی لڑکی کو اس کے ماموں کے سپرد کیا، لڑکی کا سن پندرہ برس کا تھا

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی البلوغ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۹/۲

[2] ردالمحتار فصل فی البلوغ داراحیاء التراث العربی بیروت ۹۷/۵

پھر لڑکی کا والد قضا کر گیا اور دادا بھی موجود ہے اور لڑکی کی اب تک اپنے ماموں کے یہاں پرورش پاتی ہے، بعد کچھ روز کے لڑکی کے دادا نے کہیں نکاح کر دیا یعنی کفو میں، اس نکاح کو نہ تو اس کا ماموں جانتا ہے نہ لڑکی جانتی ہے، بعد کچھ روز کے لڑکی نے سنا تو کہا ہم کو نکاح منظور نہیں، اور لڑکی کا ایک چچا بھی موجود ہے وہ بھی نکاح میں شریک نہیں وہ بھی نہیں جانتا اور نہ اس کی رائے سے نکاح ہوا، صرف دادا نے اپنی خودی سے نکاح کیا تھا اس نکاح کو کوئی نہیں جانتا، نہ ماموں نہ لڑکی کا چچا، آیا وہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غیب کا علم اللہ عزوجل پھر اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے، اگر فی الواقع جس وقت دادا نے اس کا نکاح کیا اس کی عمر کامل پندرہ برس کی یا اس سے زائد تھی یا آثار بلوغ مثل حیض وغیرہ ظاہر تھے تو دادا نے جو نکاح کیا عورت کی اجازت پر موقوف رہا، اگر عورت نے خبر سن کر نامنظور کیا رد ہوگیا اور اگر وقت نکاح عورت کی عمر پوری پندرہ سال کی نہ تھی نہ آثار بلوغ ظاہر تھے اور دادا نے نکاح کر دیا تو لازم ہوگیا اب رد نہیں ہوسکتا، عورت اگر دوسرا نکاح بحیات شوہر کرے گی زنا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب الکفائۃ فی النکاح
(نکاح کے سلسلہ میں کفو کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۴۲۹: از مراد آباد محلّہ قانونگویاں مرسلہ محمد نبی خاں صاحب رئیس اوائل جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ شریف زادی جس کے باپ نے انتقال کیا اور بھائی کوئی نہیں صرف عمرو اس کا حقیقی چچا ولی شرعی ہے، مادر ہندہ نے غیبت عمرو میں باذن ہندہ بے اطلاع عمرو اس کا نکاح زید کم قوم غیر کفو یعنی قصاب مالدار سے کر دیا، جب عمرو آیا اور مطلع ہوا اس خیال سے کہ نکاح تو ہو ہی گیا مصلحۃً منظور کر لیا اور ہندہ کی رخصتی کر دی برضائے ہندہ وطی بھی واقع ہوئی، اب ہندہ اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور تا ادائے مہر معجّل زید کے یہاں جانا یا اسے اپنے نفس پر قدرت دینا نہیں چاہتی، اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے اور ہندہ کو ناشزہ کہا جائے گا یا نہیں؟ اور اسے زید کے یہاں نہ جانے اور اپنے نفس کے بچانے کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نہ ہندہ ناشزہ اور نہ زید کو اس پر دسترس، نہ زنہار اسے قدرت دیں گے کہ ہندہ کو اپنے یہاں بلائے، نہ ہرگز ہندہ کو اجازت دیں گے کہ بطور زوجیت اس کے یہاں جائے بلکہ شرعًا دونوں پر واجب ہے کہ اس نکاح فاسد وواجب الفسخ سے دست بر داری کریں اور زید نہ مانے تو ہندہ پر لازم ہے کہ بطور خود

فسخ کردے صرف اسی کے فسخ کئے سے فسخ ہوجائے گا، اور یہ بھی نہ کرے تو حاکم پر واجب ہے کہ ان میں تفریق کردے اور ہندہ کے لئے مہر مثل اتنا کہ مہر مسمّٰی پر زیادہ نہ ہو زید پر لازم آئے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ نکاح غیر ولی یعنی ماں نے چچا کے ہوتے اسے ولایت نہیں بے رضائے ولی باذن ہندہ کیا تو درحقیقت یہ زن بالغہ کا بطور خود نکاح کرنا ہوا کہ بسبب اذن ولایت متحقق ہوئی اور فعل وکیل بعینہٖ فعل موکل ہے۔

فی الخیریة سئل فی بکر بالغة زوجها اخوها لامها من غیر کفو باذنها اجاب تزویجها لها باذنها کتزویجها بنفسها وهی مسئلة من نکحت غیر کفو بلارضا اولیائها[1] اھ ملخصا۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے، سوال ہوا کہ ایک بالغہ باکرہ کا نکاح اس کی اجازت سے اس کی والدہ کی طرف سے بھائی نے غیر کفو میں کیا؟ جواب میں فرمایا کہ مذکورہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہی ہے جیسے اس نے بذات خود نکاح کیا ہو تو یہ مسئلہ لڑکی کا خود کو غیر کفو میں اپنے اولیاء کی مرضی کے بغیر نکاح کرنیکا ہوا اھ ملخصا (ت)

اور روایت مفتی بہا مختار للفتوی یہ ہے کہ بالغہ ذات الاولیاء جو اپنا نکاح غیر کفو سے کرے وہ اس وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ ولی شرعی پیش از نکاح صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر کرے اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص کفو نہیں ورنہ اگر عدم کفاءت پر مطلع نہ تھا یا تھا مگر پیش از نکاح اس نے تصریحات اظہار پسند ورضا نہ کیا تو ہرگز نکاح صحیح نہیں اگرچہ ولی مذکور نکاح کے وقت ساکت بھی رہا ہو اگرچہ باوجود اطلاع اصلاً انکار نہ کیا ہو اگرچہ بعد وقوع نکاح صاف صاف تصریح رضامندی بھی کردی ہو اگرچہ اس کی رخصت وغیرہ خود ہی کی ہو، یہ سب باتیں بیکار ہیں اور اس نکاح کی کہ شرعاً صحیح نہ ہوا اصلاح نہیں کرسکتیں،

فان الرضی الاحق انما ینفع فی الموقوف دون الفاسد۔	بعد کی رضا موقوف نکاح کے لئے تو مفید ہے مگر فاسد نکاح کے لئے مفید نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وهو المختار للفتوی لفساد الزمان فلاتحل مطلقة ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفته ایاہ فلیحفظ[2]۔	غیر کفو میں نکاح اصلا جائز نہ ہونے کا فتوی دیا جائے گا فساد زمان کی وجہ سے فتوی کے لئے یہی مختار ہے تو مطلقہ ثلاثہ اگر غیر کفو میں نکاح کرے گی تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوسکے گی بشرطیکہ اس کے اولیاء اس غیر کفو پر مطلع ہونے پر رضامند نہ ہوں، اس کو محفوظ کرلو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریة باب الاولیاء والاکفاء دار المعرفة بیروت ۱/۲۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

اسی طرح فتح القدیر و فتاوی خیریہ و مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر وغیرہا میں ہے:

وفی ردالمحتار ھذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وھذا اذاکان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلایفید الرضی بعدہ[1]۔	اور ردالمحتار میں ہے یہ امام ابوحنیفہ سے امام حسن کی روایت ہے، یہ جب ہے کہ اس کے ولی ہوں اور وہ نکاح سے قبل راضی نہ ہوچکے ہوں تو بعد کی رضامندی مفید نہیں ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

السکوت منہ لایکون رضی کماذکرنا[2]۔	اس موقع پر ولی کی خاموشی، رضا نہ قرار پائے گی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

یجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطء فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئہا ولم یزد علی المسمی ویثبت لکل واحد منہما فسخہ ولوبغیر محضر من صاحبہ دخل بہا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلاینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینہما[3] اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	نکاح فاسد میں وطی فی القبل ہوجانے پر مہر مثل لازم ہوجائے گا اور کسی عمل مثلا خلوت وغیرہ سے لازم نہ ہوگا کیونکہ یہاں وطی حرام ہے، اور یہ مہر مثل مقرر شدہ سے زائد نہ ہوگا، اور خاوند بیوی دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی نکاح کو فسخ کرنیکا حق حاصل ہوگا، خواہ وطی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تاکہ گناہ سے بری ہوسکیں، اسی لئے مہر کا وجوب فسخ کے منافی نہیں ہوگا بلکہ بہرصورت قاضی پر واجب ہے کہ وہ اس نکاح سے دونوں کی تفریق کرے، اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۳۰: از سہسوان ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے غیر شہر سے سہسوان میں آکر اپنے آپ کو سنی اور قوم کا سید ظاہر کیا، عمرو نے کہ شیخ انصاری ہے اپنی لڑکی لیلٰی جس کی عمر وقت نکاح بارہ تیرہ برس کی تھی بیان زید سے دھوکا کھا کر اسے بیاہ دی، وہ لڑکی اور اس کا باپ اہلسنت وجماعت ہیں، ہنوز رخصت بھی نہ ہوئی تھی نہ لیلٰی

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

[3] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

نے زید کی صورت دیکھی تھی کہ زید چلا گیا اور جب سے اصلا خبر نہیں کہ زندہ ہے یا مرگیا، اسے کوئی دو برس کا زمانہ ہوا، اب جو اس کا حال دریافت ہوا وہ رافضی نکلا اور شراب خوری وقمار بازی اس کے علاوہ ہے، جب سے یہ کیفیت معلوم ہوئی تو لیلٰی اور اس کا باپ عمرو اور اس کی ماں سب ناراض ہیں اور لیلٰی جس کی عمر خود پندرہ برس کی ہے اپنا نکاح اور شخص سے کیا چاہتی ہے جو مذہب کا سنی اور اعمال کا نیک ہو، اس صورت میں شرع شریف لیلٰی کے حق میں کیا حکم دیتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اللھم العفو والعافیۃ (اے اللہ تجھ سے معافی اور عافیت کی درخواست ہے۔ت) روافض میں جو ضروریات دین سے کسی امر کا منکر ہو مثلاً قرآن عظیم کو بیاض عثمانی کہے اس کے ایک لفظ ایک حرف ایک نقطے کی نسبت گمان کرے کہ معاذاللہ صحابہ کرام یا ہم اہلسنت خواہ شخص نے گھٹادیا، بڑھادیا، بدل دیا، یا حضرت جناب امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم خواہ دیگر ائمہ اطہار رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے کسی کو انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کل یا بعض سے افضل بتائے، قطعًا کافر ہے اور اس کا حکم مثل مرتدین کے ہے والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا (الی ان قال) وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظھیریۃ[1]۔	رافضیوں کے اس قول پر کہ "مردے دنیا پر واپس آتے ہیں" ان کی تکفیر ضروری ہے (عالمگیری نے یہاں تک کہا کہ) یہ قوم ملت اسلامیہ سے خارج ہے اور ان کے احکام مرتدین جیسے ہیں، ظہیریہ میں یونہی ہے۔(ت)

آج کل عامہ روافض اسی قسم کے ہیں ان کے عالم جاہل چھوٹے بڑے تحریرًا تقریرًا علی الاعلان ان کفریات کا اعتراف کرتے اور ان کے معتقد کو مومن کامل جانتے ہیں اور اپنا پیشوا و مجتہد مانتے ہیں تو اگر ان میں بعض بالفرض خود معتقد نہ تھے تو یوں کافر ہوئے، شفاء شریف میں ہے:

نکفر من دان بغیر ملۃ المسلمین او وقف فیھم او شك اوصحح مذھبھم وان اظھر مع ذلك الاسلام واعتقدہ[2] الخ واقرہ علیہ العلامۃ الخفاجی فی	جس نے ملت اسلامیہ کے علاوہ کسی دین کو اپنایا یا ان میں شک یا توقف رہا یا ان کے مذہب کو صحیح کہا تو ایسے لوگوں کی ہم تکفیر کریں گے اگرچہ یہ لوگ اسلام اور

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو المقالات مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ فی بلاد العثمانیۃ ۲/ ۲۷۱

نسیم الریاض۔	اس کے اعتقاد کا اظہار کریں الخ اور علامہ خفاجی نے اسے نسیم الریاض میں مضبوط قرار دیا۔(ت)

اس لئے کہا جاتا ہے کہ روافض زمانہ میں کسی ایسے کا ملنا جسے ایک ضعیف طور پر بھی مسلمان کہہ سکیں کبریت احمر کے ملنے سے کچھ زیادہ ہی دشوار ہے، فقیر غفراللہ تعالٰی نے یہ مسئلہ اپنے فتاوی میں مشرحًا بیان کیا اور بارہا ان لوگوں سے بطلان مناکحت پر فتوی دیا، اکابر مشاہیر علمائے عصر اس افتاء میں فقیر سے موافق ہیں، ہاں جو اس درجہ کا نہ ہو اور ضروریات اسلام سے کسی شے کا انکار نہ کرتا ہو نہ اس کے منکروں کو مسلمان جانتا ہو اگرچہ اپنی خباثت سے تبرائے ملعونہ شیعہ مغضوبہ تک پہنچے صحیح مذہب مشرب پر بدعتی فاجر ہے، نہ مرتد کافر **کما حققه ابی وسیدی مقدام المحققین قدس سرہ المکین فی فتاواہ** (جیساکہ میرے والد ماجد مقدام المحققین قدس سرہ نے اپنے فتاوی میں اس کی تحقیق فرمائی۔ت) پس اگر زید مذکور جس کے ساتھ لیلٰی کا نکاح ہوا درجہ اول کا رافضی تھا جب تو وہ نکاح یقینا جزمًا باطل محض ہے جیسے کسی ہندو نصرانی یہودی مجوسی کے ساتھ بلکہ ان سے بھی بدتر مرتد اخبث اقسام کفار ہے، **والعیاذ باللّٰہ سبحٰنه وتعالٰی**، اس صورت میں لیلٰی کو ایک آن کا انتظار بھی ضرور نہیں بے دغدغہ جس سے چاہے نکاح کرلے، اور اگر اس کا رافضی درجہ دوم سے متجاوز نہ تھا تو صورت مسئولہ میں کہ نکاح باپ نے کیا اور تقریر سوال سے واضح کہ جب تک فریب زید نہ کھلا تھا لیلٰی و والدین لیلٰی سب راضی تھے پس عام ازیں کہ لیلٰی وقت نکاح بالغہ تھی یا نہیں ہر طرح نکاح منعقد ہوگیا مگر ازانجا کہ رافضی مرد وزن سنیہ بنت سنی کا کفو نہیں ہوسکتا اور زید نے اپنے آپ کو سنی بتاکر فریب ومغالطہ دیا لہٰذا شرع مطہر اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار دے گی، اگر لیلٰی ہنگام نکاح صغیرہ تھی تو بعد بلوغ اسے اعتراض وانکار کا اختیار ہوا یا ہوگا، اور بالغہ تو جس وقت فریب زید کھلا اسے اور اس کے اولیاء سب کو اختیار دعوی فسخ ملا، ردالمحتار میں ہے:

فی النوازل لوزوج بنته الصغیرة ممن ینکرانه یشرب المسکر فاذا ھو مدمن له وقالت لاارضی بالنکاح ای بعدما کبرت ان لم یکن یعرف الاب بشربه وکان غلبة اھل بیته صالحین فالنکاح باطل لانه انمازوجه علی ظن انه کفو اھ ثم معناہ انه سیبطل کمافی الذخیرة	نوازل میں ہے اگر اپنی نابالغہ بیٹی کا نکاح ایسے شخص سے کردیا جو شراب نوشی کا انکار کرتا تھا حالانکہ وہ شراب کا عادی تھا، تو لڑکی نے بالغ ہونے پر کہا میں اس نکاح سے راضی نہیں اگر والد کو شراب نوشی کا علم نہ تھا اور والد کا غالب خاندان صالحین لوگ ہیں تو یہ نکاح باطل قرار پائے گا، کیونکہ والد نے کفو سمجھتے ہوئے نکاح دیا تھا اھ پھر اس باطل کا

لان المسئلة مفروضة فیما اذا لم ترض البنت بعدما کبرت کما صرح به فی الخانیة والذخیرة وغیرهما ولا فرق فی عدم الکفاءة بین کونه بسبب الفسق اوغیره اھملتقطا۔[1]	مطلب یہ ہے کہ اس نکاح کو باطل کیا جائے گا جیساکہ ذخیرہ میں ہے، کیونکہ مسئلے کا تعلق اس صورت سے ہے کہ لڑکی نے بالغ ہوجانے پر عدم رضا کااظہار کیا ہو جیساکہ خانیہ میں ہے، ذخیرہ وغیرہما میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔اور عدم کفاءت میں فرق نہیں خواہ فسق کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو، اھ ملتقطا۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوزوجوها برضاها ولم یعلموا بعدم الکفاءة ثم علموا، لاخیار لاحد الا اذاشرطوا الکفاءة اواخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علی ذٰلك ثم ظهر انه غیر کفولهم الخیار ولوالجیة فلیحفظ۔[2]	جب اولیاء نے لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے غیر کفو میں لاعلمی کی بناپر کردیا اور بعد میں کفو نہ ہونا معلوم ہوا تو اب کسی کو فسخ کا اختیار نہیں۔ مگر جب نکاح کے وقت اولیاء نے کفو ہونے کی شرط پر نکاح دیا ہو یا خاوند نے نکاح کے وقت اپنے کفو ہونے کا اظہار کیا ہو تو اس کے اظہار پر انھوں نے نکاح کردیا ہو پھر بعد میں معلوم ہوا ہو کہ یہ غیر کفو ہے تو اب ان کو فسخ کا اختیار ہے، ولوالجیہ، پس اسے یاد کرلو۔ (ت)

شامی میں ہے:

فی البحر عن الظهیریة لوانتسب الزوج لها نسبا غیر نسبه فان ظهر دونه وهو لیس بکفو فحق الفسخ ثابت للکل۔[3]	بحر میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر خاوند نے نکاح کے وقت لڑکی پر اپنے نسب کو بدل کر کسی اور کی طرف منسوب کیا تو بعد میں اگر اس کا نسب گھٹیا جو کہ کفو نہیں ہے، معلوم ہوا تو اب سب کو فسخ کا حق ہے۔(ت)

مگر اس اختیار کے یہ معنی نہیں کہ عورت یا اولیاء خود ہی فسخ کرلیں کہ یہ تو ہر گز جائز نہیں اور اس پر قناعت کرکے نکاح ثانی کرلیں گے تو زنہار نہ ہوگا بلکہ اس کے یہ معنی کہ قاضی شرع کے یہاں رجوع لائیں جب اس کے نزدیک آفتاب روشن کی طرح ثابت ہوجائے کہ واقعی زید رافضی تھا اور اس نے ان لوگوں کو

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۴

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[3] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۷

دھوکا بھی دیا یہ اس وقت تک کہ اس کے احوال سے آگاہ نہ تھے۔ نہ اب زید کا پتاہے (کہ اسے بلا کر اس کے حضور مقدمہ سنا جائے) یا پتا معلوم ہے تو وہ ایسی جگہ ہے جہاں قاضی نہیں (کہ مقدمہ ترتیب دے کر گواہ سن کر بلحاظ شرائط کتاب القاضی الی القاضی وہاں بھیج دیں کہ وہ قاضی اسے دارالقضا میں حاضر کرکے بمواجہہ فریقین حکم فسخ سنادے) اور زید کو یہاں بلاتے ہیں تو آتا نہیں اور اس پر جبر کا کوئی طریقہ نہیں، غرض ہر طرح قاضی مذکور ضرورت و مجبوری ملاحظہ کرلے اس وقت زید کے عزیزوں یا دوستوں سے کسی کو اور وہ نہ ملیں تو اور کسی بے لگاؤ متدین آدمی کو زید کا نائب و وکیل قرار دے کر اس کے حضور مقدمہ سنے اور بعد ثبوت کامل نکاح فسخ کردے اور از انجا کہ حسب تصریح سوال ہنوز زید و لیلٰی میں خلوت نہ ہوئی تھی اصلا انتظار و عدت کی حاجت نہیں حکم قاضی ہوتے ہی فورًا جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، فتاوی قاضی خان میں ہے:

لایکون الفسخ لعدم الکفاءۃ الاعند القاضی لانہ مجتھد فیہ[1] الخ۔	کفو نہ ہونے کی وجہ سے فسخ صرف قاضی کی موجودگی میں ہوسکتا ہے کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔ الخ (ت)

درمختار میں ہے:

شرط للکل القضاء لاثمانیۃ[2] الخ۔	ہر فسخ کے لئے قضا شرط ہے ماسوائے آٹھ صورتوں کے الخ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیہ ایماء الی ان الزوج لو کان غائبا لم یفرق بینھما مالم یحضر للزوم القضاء علی الغائب نھر[3]۔	اسی میں اشارہ ہے کہ اگر خاوند حاضر نہ ہو تو اس کی حاضری تک تفریق نہ کی جائے گی تاکہ قضاء علی الغائب لازم نہ آئے۔ نہر (ت)

اور اسی میں ہے:

قال فی جامع الفصولین الظاھر عندی ان یتأمل فی الوقائع ویحتاج ویلاحظ الحرج والضرورات فیفتی	جامع الفصولین میں کہاہے کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ واقعہ پر غور کیا جائے اور احتیاط کی جائے اور حرج اور ضروریات کااندازہ کیا جائے تاکہ اس

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاکفاء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[3] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۷

بحسبہا جوازًا اوفسادًا مثلا لو طلق امرأته عند العدل فغاب عن البلد ولایعرف مکانه او یعرف ولکن یعجز عن احضارہ اوعن تسافر الیه ھی اووکیلها لبعدہ اولمانع اخرففی مثل ھذا لوبرھن علی الغائب وغلب علی ظن القاضی انه حق لا تزویر ولا حیلة فیه فینبغی ان یحکم علیه وله وکذا للمفتی ان یفتی بجوازہ دفعا للحرج والضرورات مع انه مجتهد فیه ذھب الیه الائمة الثلثة وفیه روایتان عن اصحابنا وینبغی ان ینصب عن الغائب وکیل یعرف انه یراعی جانب الغائب ولایفرط فی حقه اھواقرہ فی نورالعین قلت ویؤیدہ مافی الفتح من باب المفقود لایجوز القضاء علی الغائب الا اذا رأی القاضی مصلحة فی الحکم له وعلیه فحکم فانه ینفذ لانه مجتهد فیه [1] اھملخصًا۔	لحاظ سے صحت وفساد کا فتوی دیا جائے، مثلا اگر کسی نے عادل شخص کی موجودگی میں بیوی کو طلاق دی اور شہر سے چلا گیا اس کی جگہ معلوم نہ ہو یا علم ہو لیکن وہاں سے اس کو یہاں حاضر کرنا یا وہاں خود پہنچنا دشوار ہو اور خود بیوی یا اس کے وکیل کا دوری کی وجہ سے سفر کرنا مشکل ہو یا کوئی اور وجہ ہو تو ایسی صورت میں اس غائب خاوند کے خلاف شہادت گزرے اور قاضی کو اس کے حق ہونے کا ظن غالب ہوجائے اور معلوم ہوجائے کہ اس میں کوئی حیلہ اورفریب نہیں ہے تو وہ خاوند کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ دے دے، یونہی مفتی کو چاہئے کہ اس غائب کے بارے میں فیصلے کا فتوی دے دے تاکہ حرج اور ضرورت ختم ہوسکے جبکہ یہ مسئلہ بھی اجتہادی ہے اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں، اور ہمارے ائمہ کے اس میں دو قول ہیں، اور مناسب یہ ہے کہ غائب شخص کی طرف سے کوئی وکیل مقرر کردیا جائے جس کے متعلق معلوم ہوکہ یہ غائب کی رعایت کرتے ہوئے کوتاہی نہیں کرے گا اھ اس کو نورالعین میں ثابت رکھا ہے، میں کہتاہوں اوراس کی تائید فتح میں باب المفقود کے اس جزئیہ سے ہوتی ہے کہ قضاء علی الغائب ناجائز ہے مگر جب قاضی غائب کے حق یا خلاف فیصلہ دینے میں کوئی مصلحت سمجھے تو فیصلہ دے دے تو نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اھ ملخصا (ت)

تنویر میں ہے:

العدۃ سبب وجوبها النکاح المتأکد	عدت کے وجوب کا سبب وہ نکاح ہے جس میں رخصتی

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مطلب المسائل التی یکون القضاء فیها الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۳۹/۴

بالتسلیم وماجری مجراہ[1]۔	ہو چکی ہو یا اس کے قائم مقام کوئی معاملہ ہو۔(ت)

اور اگر لیلٰی کے شہر میں کوئی قاضی نہ ہو تو اس کی تدبیر ہم مسئلہ مفقود میں لکھ چکے ہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ سبحانہ وتعالٰی المرجع والمآب (اللہ تعالٰی ہی درستی کو جانتا ہے اور اس کی پاک ذات کی طرف ہی پناہ اور لوٹنا ہے۔ت)

مسئلہ ۴۳۱: ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک زن بازاری کے لڑکا پیدا ہوا جب وہ لڑکا سن بلوغ کو پہنچا تب اس نے دین اسلام قبول کیا اب جو شخص کہ پہلے سے اہل اسلام تھا اسے اپنی لڑکی صغیرہ کا نکاح اس کے ساتھ کردینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جائز ہے، قال اللہ عزجلالہ: لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا[2] الآیۃ مشرکوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ مومن نہ ہوجائیں۔ت) مگر یہ نکاح غیر کفو کے ساتھ ہے دو وجہ سے:

اولاً عورت قدیمی مسلمان ہے اور یہ شخص نو مسلم، اور نو مسلم مسلمان قدیم کا کفو نہیں،

فی الدرالمختار مسلم بنفسه غیر کفو لمن ابوها مسلم[3]۔	درمختار میں ہے: خود مسلمان ہونے والا ایسی لڑکی کا کفو نہیں ہے جس کا باپ مسلمان ہوا ہو۔(ت)

ثانیاً اس کی ماں زنان بازاری سے تھی اور ان بلاد کا عرف عام ہے کہ ایسے شخص سے نکاح کردینا اولیائے زنان کے لئے قطعاً موجب عار ہوتا ہے اور یہی مبنائے عدم کفاءت ہے۔

فی الفتح القدیر الموجب هو استنقاص اهل العرف فیدور معه[4]۔	فتح القدیر میں ہے: اس کا سبب اہل عرف کا ناقص سمجھنا ہے لہٰذا حکم کا مدار یہی بنے گا(ت)

لہٰذا اس میں ان سب شرائط کا لحاظ واجب ہوگا جو غیر کفو سے نکاح کرنے میں ہیں مثلاً جبکہ دختر نابالغہ ہے اور باپ برضائے خود اس شخص کے نکاح میں دینا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ اس سے پہلے اپنی

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۱

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[4] فتح القدیر باب الکفاءۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۹۳

کسی بیٹی کا نکاح غیر کفو سے نہ کرچکا ہو ورنہ ناجائز ہوگا۔

فی الدرالمختار لزم النکاح بغیر کفو ان کان الولی ابا اوجد الم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ یہ نکاح غیر کفو میں تب صحیح ہوگا جب نکاح کا ولی باپ یا دادا ہو بشرطیکہ وہ سوء اختیار میں مشہور نہ ہوں۔ اور اگر ہوں تو پھر صحیح نہیں ہوگا، اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۳۲: از شہر کہنہ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ عاقلہ بالغہ کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا، عمرو کی نسبت اس وقت شبہہ ہوا تھا کہ شاید رافضی ہو اس پر اس سے پوچھا گیا اس نے صاف انکار کیا اور اپنے آپ کو سنی بتایا اور بہت صفائی کے ساتھ اپنے سنی ہونے کا اطمینان دلایا یہاں تک کہ ہندہ کے معمولی اذن و رضا سے نکاح ہوگیا ہندہ رخصت ہوکر عمرو کے یہاں گئی کچھ عرصہ بعد جب ماہ محرم آیا اور زید نے ہندہ کو اپنے یہاں بلایا اس وقت عمرو کا رافضی ہونا ظاہر ہوا اس نے ہندہ کا زیور وغیرہ سب اتار کر ایک نیلا چیتھڑا رافضیوں کا ساڑھا کر ہندہ کو بھیج دیا اور تحقیق ہوا کہ عمرو رافضی ہے، جب سے زید نے ہندہ کو اس کے یہاں جانے نہ دیا، اب علماء اہل سنت سے فتوی طلب ہے کہ اس صورت میں عمرو رافضی اور ہندہ سنیہ کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قطع نظر اس سے کہ آج کل عام رافضی ضروریات دین کے منکر اور دائرہ اسلام سے قطعًا خارج ہیں جن سے کسی کا نکاح اصلا کسی طرح نہیں ہوسکتا بفرض باطل اگر یہ شخص اس حد کا نہ بھی ہو نہ ان کا منکر ان ضروریات دین اور ان کے مجتہدین کو مسلمان جانتا ہو تاہم اس قدر میں شک نہیں کہ رافضی سنی کا کفو نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

وتعتبر یعنی الکفاءۃ فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفو الصالحۃ[2] الخ۔	عرب وعجم میں کفاءت دینداری کی یعنی پرہیزگاری کی معتبر ہے لہٰذا فاسق شخص صالحہ لڑکی کا کفو نہ ہوگا الخ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھوا شد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئا علی خلاف مایعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ[1]۔	بدعتی شخص اعتقادی لحاظ سے فاسق ہے اور یہ عمل فسق سے زیادہ برا ہے کیونکہ عملی فاسق اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اس لئے وہ ڈرتا ہے اور استغفار کرتا ہے بخلاف بدعتی کے، اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہلسنت وجماعت کے اعتقاد کے خلاف اعتقاد بنائے۔(ت)

طحطاوی حاشیہ درمختار میں زیر قول شرح تزوجتہ علی انہ حر اوسنی اوقادر علی المھر والنفقۃ فبان بخلافہ[2] (جب نکاح دینے والا کہے میں نے آزاد، سنی اور مہر ونفقہ دینے پر قادر سمجھ کر نکاح کیا ہے تو بعد کو اس کے خلاف ظاہر ہوا۔ت) فرمایا:

لفقد الکفاءۃ بالرق فی الاول وفی الدین فی الثانی وفی المال فی الثالث[3]۔	پہلی صورت (آزاد) میں غلامی کی وجہ سے، دوسری میں دین کی وجہ سے، اور تیسری میں مال کی وجہ سے کفو نہ ہوئی۔(ت)

اور جبکہ ہندہ عاقلہ بالغہ تھی اور نکاح اس کے اذن سے واقع ہوا تو حقیقۃً وہ ہندہ کا خود اپنا نکاح کرنا تھا کہ بالغہ پر سے ولایت منقطع اور فعل وکیل فعل مؤکل ہے خصوصا نکاح میں کہ یہاں تو وکیل سفیر ومعبر محض ہوتا ہے اور تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ زید ولی ہندہ کو اس وقت تک عمرو کا رافضی ہونا معلوم نہ تھا عمرو نے براہ فریب اسے مغالطہ دیا اور وہ اسے سنی سمجھ کر نکاح پر راضی ہوا تو حاصل اس صورت کا یہ ٹھہرا کہ عورت نے اپنا نکاح غیر کفو سے کیا اور ولی کو پیش از نکاح اس کے غیر کفو ورافضی ہونے پر اطلاع نہ تھی، ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ تو یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی دونوں کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار ہے، درمختار میں ہے:

تزوجتہ علی انہ سنی فبان بخلافہ کان لھا الخیار فلیحفظ[4] انتہی ملخصًا۔	عورت نے سنی ہونے کی وجہ سے نکاح کیا اور اس کے خلاف پایا تو اسے فسخ کا اختیار ہے اسے محفوظ کرلو انتہی ملخصا(ت)

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[2] درمختار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۵

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار باب العنین وغیرہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۱۳

[4] درمختار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۵

اسی میں ہے:

اذا شرطوا الکفاءۃ اواخبرھم بھا وقت العقد فزوجھا علی ذلك ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار ولو لو الجیۃ فلیحفظ [1]۔	اگر کفو ہونے کی شرط پر ولیوں نے نکاح دیا یا نکاح کے وقت انھیں کفو کی خبر دی گئی تواس بناپر انھوں نے نکاح کردیا، پھر ظاہر ہوا کہ وہ ایسا نہیں یعنی غیر کفو ہے تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہے، ولوالجیہ، اسے محفوظ کرلو۔(ت)

مگر روایت صحیحہ ومفتی بہاپر نکاح اصلا نہ ہوا، فتاوی خیریہ میں ہے:

سئل فی بکر بالغۃ زوجھا اخوھا من غیر کفو باذنھا اجاب تزویجہ لھا باذنھا کتزوجھا بنفسھا وھی مسئلۃ من نکحت غیر کفو بلارضا اولیائھا افتی کثیر بعدم انعقادہ اصلا وھی روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ ففی المعراج معزیا الی قاضی خاں وغیرہ والمختار للفتوی فی زماننا روایۃ الحسن [2] اھ ملخصا۔	باکرہ بالغہ کا اس کے بھائی نے غیر کفو میں نکاح کردیا جبکہ لڑکی نے اجازت دی ہو، سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہے جیسے لڑکی نے خود نکاح کیا ہو، یہ مسئلہ لڑکی کا خود غیر کفو میں اپنے اولیاء کی رضا کے بغیر نکاح کرنے کا ہے، بہت فقہاء نے اس نکاح کے اصلا منعقد نہ ہونے پر فتوی دیا ہے، اور یہ امام حسن کی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے، تو معراج میں اس کو قاضی خاں وغیرہ کی طرف سے منسوب کرکے کہا کہ ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے یہی مختار ہے جو امام حسن نے روایت کی ہے اھ ملخصا(ت)

درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ [3]۔	غیر کفو میں اصلا جائز نہ ہونے کا فتوی دیا جائے گا، فساد زمان کی وجہ سے فتوی کے لئے یہی مختار ہے، لہٰذا مطلقہ ثلاثہ نے اگر ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا تو شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی جبکہ ولی کو شوہر ثانی کے غیر کفو ہونے کا علم ہو اور وہ اس نکاح ثانی پر راضی نہ ہوا ہو، اس کو محفوظ کرلو۔(ت)

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] فتاوی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۵

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بلارضی نفی منصب علی المقید الذی ھو رضی الولی والقید الذی ھو بعد معرفتہ ایاہ فیصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ وبعدمھا وبوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلثۃ لاتحل وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلک[1] اھ۔	ماتن کا قول "بغیر رضا" یہ مقید کی نفی ہے اور وہ ولی کی رضا ہے اور اس کی قید "جبکہ ولی کو شوہر ثانی کے غیر کفو ہونے کا علم ہو" ہے تو اس کا مصداق یہ تمام صورتیں ہوں گی، غیر کفو ہونے کے علم کے بعد رضا نہ ہو، یا علم غیر کفو اور رضا دونوں نہ ہوں، یا رضا ہو مگر غیر کفو کا علم نہ ہو، تو ان تینوں صورتوں میں وہ حلال نہ ہوگی، صرف ایک چوتھی صورت حلال ہوگی کہ غیر کفو ہونے کا علم ہونے کے باوجود رضا ہو، اھ ح (ت)

پس صورت مستفسرہ میں حکم یہ ہے کہ عمرو وہندہ کا نکاح اصلا منعقد نہ ہوا، نہ وہ اس کا شوہر ہے نہ یہ اس کی زوجہ، نہ اسے اس کے یہاں بھیجنا یا جانا روا، نہ اس کو اس پر کسی قسم کا اختیار یا دعوی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۳۳: از دیور نیا مسئولہ عنایت حسین صاحب ۸ شوال ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص نے اپنی بھتیجی کا نکاح اپنے سالے کے ساتھ میں کردیا اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ شخص جملہ منہیات میں مبتلا ہے جیسے شراب خوری اور جوابازی اور زناکاری اور چوری کرتا ہے تمام، اور عارضہ سوزاک اور آتشک وغیرہ کا موجود ہے، اور علاوہ اس کے غیر کفو بھی ہے، اور تارک الصلوۃ ہے، اور خوش دامن وغیرہ اس کی صالحین میں سے ہیں اور ان کو اس تقریب سے نہایت خفت اور ذلت اور عار معلوم ہوتی ہے، آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ لڑکی وقت نکاح نابالغہ ویتیمہ تھی اور اس کا کوئی بھائی بھی نہیں، چچا نے جس سے نکاح کیا وہ پیش از نکاح بھی ایسا ہی بدرویہ وبداطوار تھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو نکاح مذکور اصلا نہ ہوا،

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیرھما	اگر نکاح کردینے ولا باپ دادا کا غیر ہو تو غیر کفو سے

[1] ردالمحتار باب الولی احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

ای غیر الاب وابیہ لایصح النکاح من غیر الکفو اصلا ومافی صدر الشریعۃ صح ولھما فسخہ وھم[1]۔(ملخصاً)	اصلا نکاح نہ ہوگا۔اور جو صدر الشریعۃ میں ہے کہ نکاح صحیح اور باپ دادا کو اس کے فسخ کا اختیار ہے یہ صرف وہم ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وتعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا لصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان اولاعلی الظاھر نہر[2]۔انتھی۔واللہ تعالٰی اعلم۔	عرب وعجم میں کفاءت دینداری یعنی پرہیزگاری کی معتبر ہے،دیانت سے مراد تقوی ہے،لہٰذا کوئی فاسق کسی صالحہ یا فاسقہ بنت صالح کے لئے کفو نہیں بن سکتا،فسق اعلانیہ ہو یا غیر اعلانیہ،یہ ظاہر الروایت ہے،نہر انتھی،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۳۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سید زادی کا نکاح اس کے چچانے گیارہ برس کی عمر میں بے اطلاع باپ کے ان کی غیبت میں زید پٹھان سے کردیا،آیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

پٹھان سید زادی کا کفو نہیں ہوسکتا،تو یہ نکاح کہ بے اطلاع پدر تھا،عام ازانکہ ہندہ اس وقت بالغہ ہو خواہ نابالغہ اس نکاح پر راضی تھی خواہ ناراض مطلقاً محض باطل واقع ہوا،یہاں تک کہ اب اگر اس کا باپ بھی جائز رکھے تو درست نہیں ہوسکتا،زید وہندہ کو باہم قربت ناروا،اور ہندہ اب اگر بالغہ ہو تواسے ورنہ اس کے ولی کو اختیار ہے کہ بے طلاق لئے جس سے چاہے نکاح کردے،زید ہر گز مزاحم نہیں ہوسکتا کہ مذہب مفتٰی بہ پر وہ محض اجنبی ہے،

فی ردالمحتار عن کافی الامام الحاکم الشھید، قریش بعضھا اکفاء لبعض والعرب بعضھم اکفاء لبعض ولیسوا باکفاء لقریش ومن کان لہ من الموالی ابوان اوثلثۃ فی	ردالمحتار میں ہے کہ امام حاکم شہید کی کافی میں ہے کہ قریش ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں،اور عرب ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں مگر قریش کے لئے کفو نہیں اسلام میں اگر کسی کے دو باپ یعنی باپ دادا، یا تین ۳

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

الاسلام فبعضھم اکفاء لبعض ولیسوا باکفاء للعرب [1] اھوفی الدرالمختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلث نکحت غیر کفو بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ [2] اھ وفی ردالمحتار عن البحر الرائق اذاکان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ [3] اھواللہ تعالٰی اعلم۔	باپ آزادی میں ہو گزرے ہوں وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے لیکن عربوں کے کفو نہیں ہوں گے اھ،اور درمختار میں ہے کہ ولی کی رضاکے بغیر غیر کفو میں نکاح اصلا صحیح نہ ہوگا اور فساد زمان کی بناپر اسی پر فتوی ہے، لہٰذا مطلقہ ثلاثہ نے اگر غیر کفو میں ولی کی عدم رضاکے باوجود نکاح کرلیا جبکہ ولی کو شوہر ثانی کے غیر کفو ہونے کا علم ہو تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی،اس کو محفوظ کرلو اھ،اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ جب لڑکی کا ولی نکاح سے قبل راضی نہ ہو تو بعد کی اجازت کارآمد نہ ہوگی اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۳۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ولیہ ہندہ کو کہ سید زادی ہے دھوکہ دے کر اپنی قوم اوراپنااور اپنے باپ کا مشہور نام اور اپنی ماں کا کنیز غیر شرعی ہونا چھپا کر بذریعہ تحریر وتقریر اپنے آپ کو شیخ یا سیداور ڈھائی بسوہ حقیت کا مالک ظاہر کرکے ہندہ سے نکاح کرلیااور اس ملک فرضی کو مہر ہندہ قرار دیا،بعد خلوت صحیحہ ہندہ کو معلوم ہواکہ نہ زید کا وہ نام نہ قوم نہ زمین،بلکہ وہ کنیزک غیر شرعی سے پیدا ہوا ہے،اب ہندہ نارضامند ہو کر فسخ نکاح چاہتی ہے،آیا صورت مستفسرہ میں نکاح کو خود فسخ یااس کے فسخ کا دعوی کرسکتی ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ہندہ نابالغہ ہے اور یہ نکاح اَب وجَد نے نہ کیا یاانھیں نے کیامگراس بارہ میں اُن کی بے احتیاطی ہوئی تھی یعنی کبھی اور بھی کسی بیٹی پوتی کا غیر کفو دنی القوم یا محتاج سے نکاح کرچکے ہوں تو یہ نکاح اصلا صحیح نہ ہوا،اگر ہندہ کے لئے دور ونزدیک کہیں کوئی ولی مرد عصبہ عاقل بالغ حر مسلم مثلا باپ دادا بھائی بھتیجا اپنا چچایا اپنے باپ دادا کا چچایا ان میں کسی کی اولاد ذکور عام ازاں اَب وجَد کے سوا یہ سب سگے ہوں یا سوتیلے موجود ہے اور یہ نکاح اس کے بے اطلاع ہوا یا مطلع تھا

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۹

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

مگر اس نے صراحۃً نکاح کی اجازت نہ دی اگرچہ سکوت کیا ہو، اگرچہ مجلس عقد میں موجود رہا ہو، یا صراحۃً اجازت ورضا مندی بھی ظاہر کی بلکہ خود متولی نکاح ہوا، مگر وہ ان حالات باطنہ زید پر وقوف نہ رکھتا تھا تو ان سب صورتوں میں مذہب مفتی بہ پر وہ نکاح محض باطل وکالعدم بلکہ شرعًا فی الحقیقت منعدم ہے اگرچہ بعد وقوع نکاح وعلم بحالات زید ولی ہندہ صراحۃً کہہ دے کہ میں ایسی حالت پر بھی اس نکاح پر راضی اور اسے جائز رکھتا ہوں تاہم کچھ حاصل نہیں کہ جو شرعًا باطل ہے کسی کی رضامندی سے صحیح نہیں ہوسکتا، اس تقدیر پر تو فسخ کی خود کیا حاجت کہ جب عقد ہوا ہی نہیں تو فسخ کیا کیا جائے۔

فی الدرالمختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ [1] اھ فی ردالمحتار لایلزم التصریح بعدم الرضی بل السکوت منہ لایکون رضی کما ذکرنا فلا بد لصحۃ العقد من رضاہ صریحا وعلیہ فلو سکت قبلہ ثم رضی بعدہ لا یفید فلیتامل [2] اھ وفیہ یصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ وبعدمھا وبوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھٰذہ الصور الثلثۃ لاتحل وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلك [3] اھ۔

درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے اصلا ناجائز ہونے پر فتوی دیا جائے گا، فساد زمان کی وجہ سے یہی مختار ہے لہٰذا مطلقہ ثلاثہ نے اگر ولی کو علم کے باوجود اس کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کردیا تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اس کو محفوظ کرلو اھ ردالمحتار میں ہے کہ ولی کا اپنی عدم رضا کو صراحۃً بیان کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کا سکوت ہی عدم رضا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، لہٰذا صحت نکاح کے لئے صراحۃً رضامندی کا اظہار ضروری ہے، اسی بناپر اگر پہلے خاموش رہا اور نکاح کے بعد راضی ہوگیا تو کارآمد نہیں غور کرو، اھ۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں عدم رضا ہوگی، علم ہو رضا نہ ہو یا علم نہ ہو رضا ہو، یا غیر کفو کا علم اور رضا دونوں نہ ہوں، ان تینوں صورتوں میں وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، اور صرف ایک صورت میں حلال ہوگی وہ یہ کہ اس کو غیر کفو ہونے کا علم ہو اور راضی ہو اھ۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

اور اگر ہندہ کے لئے اس قسم کا کوئی ولی نہیں یا جو ہیں وہ کل یا بعض یا دو صورت تفاوت درجہ صرف ولی اقرب پیش از نکاح باوجود وقوف بحالات زید صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر کرچکا ہو تو بشرطیکہ ہندہ بالغہ ہو صحت نکاح میں کچھ شبہہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳۶: از شہر کہنہ ۴ رمضان مبارک ۱۳۱۳ھ

ماقولہم رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ پٹھان کے لڑکے کا سید کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ لڑکی جوان ہے اور اس کا باپ زندہ، دونوں کو معلوم ہے کہ یہ پٹھان ہے اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں، باپ خود اس کے سامان میں ہے، جب صورت یہ ہے تو اس نکاح کے جواز میں اصلا شبہہ نہیں **کما نص علیہ فی رد المحتار وغیرہ من الاسفار** (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں اس پر نص ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳۷: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں صاحب ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح ہندہ بعمر چار سالہ ہوا تھا اور اس وقت عمر اس کے زوج بکر کی پانچ سال تھی جب بکر سن تمیز کو پہنچا تو مردی سے خارج ہے اور اور بہمراہی ہیز رقص کرتا ہے تو نامردی اور ان حرکات زشت کے باعث والد ہندہ عار وکسر شان سمجھ کر دختر کے بھیجنے میں منکر ہے اور اب دختر کی عمر چودہ سال ہے، شوہر کو پسند وقبول نہیں کرتی، تو اس صورت میں دربارہ جواز وعدم جواز نکاح کا کیا حکم ہے اور بعد تفریق دین ومہر اس کا ذمہ شوہر پر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگرچہ مخنثوں کے ساتھ رقص کرنا بیشک زوال کفاءت کا باعث ہے کہ ایسے شخص سے رشتہ ضرور موجب ننگ وعار ہے مگر کفاءت کا اعتبار ابتدائے نکاح کے وقت ہے اگر اس وقت کفو ہو پھر کفاءت جاتی رہے تو اس کا لحاظ نہ ہوگا۔

فی الدر المختار والکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلا یضر زوالھا بعدہ فلو کان وقتہ کفوا ثم فجر لم یفسخ[1]۔	درمختار میں ہے کہ کفو کا اعتبار ابتداء نکاح کے وقت ہے لہٰذا نکاح کے بعد اگر کفو ختم ہوجائے تو مضر نہیں جیسا کہ نکاح کے وقت صالح ہونے کی وجہ سے کفو تھا اور بعد میں وہ فاسق بن گیا تو نکاح فسخ نہ ہوگا۔(ت)

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

ظاہر ہے کہ خصلت شنیعہ بکر میں بعد نکاح پیدا ہوئی تو اس وجہ سے ابتداء اس کے نکاح پر اعتراض نہیں بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ آیا جس وقت نکاح ہوا اس وقت بھی بکر کفو ہندہ تھا یا نہیں اور مہر ہندہ میں اس کے مہر مثل سے کمی فاحش ہوئی یا نہیں اور نکاح ہندہ کے باپ یا اس کی عدم ولایت کی حالت میں دادا نے کیا یا ان کے غیر کے مثلاً ماں بھائی چچا وغیرہم نے اور ان میں سے کسی نے کیا تو بحالت ولایت خود کیا مثلاً باپ وغیرہ جو اس سے اقرب تھے شرعاً قابل ولایت نہ تھے خواہ ان کی ولایت نہ رہی تھی یا بحال عدم ولایت کیا تھا کہ دوسرا ولی اقرب موجود تھا پھر اس تقدیر پر ولی اقرب نے سن کر جائز کر رکھا یا رد کر دیا ہنوز ساکت ہے، غرض صورتیں بہت ہیں اور ان سب کا حکم شرعی یہ کہ صغیرہ کا نکاح جب غیر اَب وجَد نے کیا ہو اگر مہر مثل میں کمی فاحش کی یا زوج اسی وقت مثلاً بوجہ کم قوم ہونے کے کفو نہ تھا تو وہ نکاح سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتا۔ اگرچہ غیر ہی اسی وقت ولی اقرب ہو اور اگر اس وقت کفاءت تھی اور مہر میں بھی کمی فاحش نہ ہوئی تو بحال عدم ولایت نکاح اجازت ولی اقرب پر موقوف رہتا ہے، اگر اس نے جائز کر دیا نافذ ہوگیا رد کر دیا باطل ہوگیا، ساکت ہے تو ابھی اسے اختیار ہے کہ رد کردے خواہ نافذ، اور اگر وہ ساکت ہی رہے یہاں تک کہ صغیرہ سن بلبلوغ کو پہنچی تو اب اسے اختیار ہوگا کہ اس نکاح موقوف کو رد کر دے یا نافذ کر دے، اور بحال ولایت نکاح منعقد و نافذ ہوتا مگر صغیرہ کو خیار بلوغ ملتا ہے یعنی اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر نکاح کا حال اسے پہلے سے معلوم ہے تو جس وقت بالغہ ہو یعنی علامت بلوغ مثل حیض ظاہر ہو یا پندرہ برس کی عمر ہو جائے، اور اگر پہلے سے معلوم نہیں تو بعد بلوغ جس وقت نکاح کی خبر ہو کہہ دے کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں۔ اس صورت میں حاکم مطلقاً نکاح فسخ کر دے گا اگرچہ شوہر نامرد ومخنث نہ بھی ہو، مگر اس خیار میں کنواری لڑکی کو حکم ہے کہ بالغہ ہوتے ہی یا بعد بلوغ خبر پاتے ہی فوراً فوراً بلا توقف اپنی ناراضی ظاہر کرے، اگر ذرا دیر لگائے گی یہ خیار جاتا رہے گا اگرچہ شوہر نامرد ومخنث سہی، اور جو لڑکی شوہر رسیدہ ہو اسے اختیار وسیع ملتا ہے کہ بعد بلوغ یا بالغہ ہونے پر اطلاع کے بعد جب چاہے ناراضی ظاہر کرے نکاح فسخ کر دیا جائے گا جب تک کہ وہ صراحۃً زبان یا کسی فعل مثل بوسہ لینے یا نان ونفقہ مانگنے سے رضامندی ظاہر نہ کرے، اور جب باپ دادا نکاح کریں تو صغیرہ کو اس راہ سے اصلاً اختیار فسخ نہیں ہوتا اگرچہ کفاءت نہ ہو یا مہر مثل میں کمی فاحش ہو بشرطیکہ نکاح خود باپ دادا نے پڑھایا یا شوہر ومقدار مہر معین کرکے کسی کو وکیل کیا یا جس نے چاہا بلا اجازت پڑھا دیا مگر جب باپ یا دادا ولی اقرب کو خبر ہوئی تو باوصف علم عدم کفاءت وغبن فاحش اسے نافذ کر دیا کہ ان صورتوں میں بھی وہ نکاح باپ دادا کا بذات خود ہی کیا ہوا ٹھہرے گا اور صغیرہ کو اصلاً اختیار اعتراض نہ ملے گا مگر یہ کہ باپ دادا اس تزویج یا توکیل یا تنفیذ کے وقت نشے میں ہوں یا اس سے پہلے بھی اپنے بچے کا نکاح غیر کفو یا

مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کرچکے ہوں تو یہ نکاح ان کا کیا ہوا بھی صحیح نہیں ہوتا۔

فی الدرالمختار لزم النکاح ولو بغبن فاحش اوبغیر کفو ان کان الولی المزوج بنفسه ابا اوجدا لم یعرف منهما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران، وان کان المزوج غیر الاب وابیه ولوا لام لایصح النکاح من غیر کفواو بغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمهر المثل صح ولکن لصغیر وصغیرة خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده بشرط القضاء للفسخ وبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارة عالمة باصل النکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس وان جهلت به، خیار الصغیر والثیب اذا بلغا لایبطل بالسکوت بلاصریح رضا او دلالة علیه کقبلة ولمس اھ ملتقطا[1]، وفیه عن النهر بحثا لو عین(ای الاب او الجد)لو کیله القدر(ای قدر المهر)صح[2] اھ موضحا، وفی ردالمحتار وکذا لو عین له

درمختار میں ہے کہ جب نکاح دینے والا باپ دادا ہو تو غیر کفو اور انتہائی کم مہر کی صورت میں بھی نکاح ہوجائیگا بشرطیکہ وہ باپ دادا سوءِ اختیار میں مشہور نہ ہوں، اور اگر وہ اس میں مشہور ہوں تو بالاتفاق نکاح صحیح نہ ہوگا، اور یہی حکم ہے جب وہ نشہ میں ہوں، اور اگر نکاح دینے والے باپ دادا کا غیر ہوں خواہ ماں ہو تب بھی غیر کفو اور غبن فاحش یعنی انتہائی کم مہر کی صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر مہر مثل اور کفو میں یہ نکاح ہو تو صحیح ہوگا لیکن لڑکی کو بلوغ یا بلوغ کے بعد علم پر فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ قاضی فسخ کرے، مذکورہ صورت میں اگر لڑکی عاقلہ بالغہ ہو اور غیر کفو کا کیا ہوا نکاح سُن کر خاموش رہے بشرطیکہ نکاح کا علم رکھتی ہو تو اس کا اختیار باطل ہوجائے گا، اور اس کا اختیار مجلس کے آخر تک باقی نہ رہے گا اگرچہ وہ اپنے اختیار کا علم نہ رکھتی ہو، اور اگر نابالغ لڑکا ہو یا لڑکی ثیبہ ہو تو بلوغ پر محض سکوت سے اختیار ختم نہ ہوگا جب تک صریح رضا یا اس کے قائم مقام کوئی عمل مثلاً بوس وکنار نہ کرے اھ ملتقطا، اسی میں نہر سے منقول ایک بحث ہے کہ اگر باپ دادا نے پورے مہر کی شرط پر غیر کو وکیل بنایا تو نکاح صحیح ہوگا اھ وضاحت ہے، اور ردالمحتار میں ہے کہ ایسے ہی ہوگا جب انھوں نے کفو کی شرط

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳۔ ۱۹۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

رجلا غیر کفو کما بحثه العلامة المقدسی [1] اھ وفیه بعیدہ عن البحر عن المحیط. ان الجواز ثبت باجازۃ الولی فالحق بنکاح باشرہ [2] اھ وفی التنویر والدر (للولی الابعد التزویج بغیبة الاقرب)فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته مسافة القصر واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفو الخاطب جوابه وعلیه الفتوی [3] اھ مختصرا. وفی فتح القدیر لو بلغ قبل ان یجیزہ الولی فاجاز بنفسه نفذ لانها کانت متوقفة [4] الخ۔	پر کسی کو وکیل بنادیا ہو، جیسا کہ یہ بحث علامہ مقدسی نے کی ہے اھ، اور اسی میں اس کے تھوڑا سا بعد بحر سے منقول ہے اور انھوں نے محیط سے کہ ولی کی اجازت سے کسی کا نکاح دینا یہ بھی ولی کے اپنے دئے ہوئے نکاح سے ملحق ہوگا اھ تنویر اور در میں ہے ولی اقرب کی غیر حاضری میں ولی ابعد کو نکاح کا اختیار ہے، تو اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے نکاح دیا تو یہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، غیر حاضری یہ ہے کہ سفر کی مدت پر یا اتنے بعد پر ہو کہ منگنی والا واپسی اس کے جواب واجازت کا انتظارہ نہ کرتا ہو اور اسی پر فتوی ہے اھ مختصرا اور فتح القدیر میں ہے کہ اگر نابالغ ولی کی اجازت دینے سے قبل بالغ ہوجائے تو پھر خود اس کو اختیار ہوگا تو اس کی رضا پر نکاح نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ نکاح موقوف تھا الخ (ت)

پس اگر ہندہ میں صورت واقعہ وہ تھی جس میں نکاح سرے سے صحیح ہی نہ ہوا یا صحیح ہو کر بسبب رَدِّ ولی اقرب باطل ہوگیا، جب تو ظاہر ہے کہ بکر کو ہندہ پر کوئی دعوی نہیں پہنچتا، نہ وہ اس کی زوجہ نہ یہ اس کا شوہر، اور جب کہ ہنوز رخصت نہیں ہوئی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے مہر اصلا لازم نہیں بلکہ ایسی حالت میں اگر فی الواقع مرد نامرد ہو تو اس صورت میں مہر لازم ہونے کی کوئی شکل نہیں کہ نکاح غیر صحیح ہو تو مہر جماع سے لازم ہوتا ہے اور نامرد قابل جماع نہیں، اور اگر صورت وہ ہو جس میں نکاح ہنوز اجازت صاحب اجازت پر موقوف ہو تو اگر پدر ہندہ کی جانب سے قبل اس نکاح کے اجازت ورضا متحقق نہ ہوئی تھی تو اب اس انکار سے رد ہوگیا، اور اگر یہ انکار اس طور پر ہے کہ نکاح کو تو رد نہیں کرتا مگر رخصت کرنا نہیں چاہتا تو اب یہ ولی ہندہ

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[4] فتح القدیر فصل فی الاولیاء نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۸

یا بحال بلوغ خود ہندہ کے ہاتھ کی بات ہے رد کردیں رد ہوجائے گا اور جب کہ جماع نہ ہوا مہر کچھ نہیں کما یاتی لکونہ فسخا (جیسا کہ آئندہ آئیگا کیونکہ یہ فسخ کی صورت ہے۔ت) اور اگر صورت وہ تھی جس میں ہندہ کو خیار بلوغ ملے اور وہ اس خیار کو حسب شرائط مذکورہ استعمال میں لاچکی، یا ہنوز اس کا وقت نہیں آیا کہ ہندہ ابھی نابالغہ ہے تو جب تک وقت آئے استعمال میں لائے تو بھی ہندہ کو نجات کامل بے دقت حاصل کہ فقط اس کا یہ اظہار ناراضی کرنا ہی حکم فسخ کا منشا ہوجائے گا اور حاکم مجرد اسی بناء پر نکاح فسخ کردے گا اور اب بھی مہر اصلا عائد نہ ہوگا کہ نکاح فسخ سے گویا کالعدم (یعنی بے ہوا) ہوجاتا ہے۔

فی ردالمحتار المھر کما یلزم جمیعه بالدخول کذا بموت احدھماقبل الدخول اما بدون ذٰلك فیسقط ولو الخیار منه لان الفرقة بالخیار فسخ للعقد والعقداذا انفسخ یجعل کانه لم یکن کمافی النھر [1]۔	ردالمحتار میں ہے: جس طرح دخول وجماع سے مہر لازم ہوجاتا ہے یونہی دخول سے قبل خاوند یا بیوی کے فوت ہوجانے سے مہر لازم ہوجاتا ہے اور دخول کے بغیر موت اور موت کے بغیر ساقط ہوجائے گا، اگرچہ لڑکے کو اختیار ہو تب بھی فسخ کرنے سے مہر ساقط ہوجائے گا کیونکہ فسخ نکاح کو کالعدم کردیتا ہے جیسا کہ نہر میں ہے (ت)

ہاں اگر صورت وہ تھی جس میں ہندہ کو خیار بلوغ سرے سے نہ ملا، یا ملاتھا، او راز انجا کہ ہندہ کنواری ہے جسے خیار وسیع نہیں ملتا بوجہ سکوت ساقط ہوگیا تو اب بالفعل ہندہ خواہ اس کے باپ کو اصلا کوئی حق اعتراض وانکار حاصل نہیں، نکاح صحیح وتام ہوچکا اور اُن حرکات شنیعہ کا بکر میں پیدا ہوجانا مبطل یا وجہ ابطال نکاح نہیں، اور ابھی کہ ہندہ کی رخصت نہ ہوئی نامردی بکر کا دعوی قابل سماعت نہیں کہ عورت کے حق میں نامرد وہ ہوتا ہے جو خاص اس عورت کے فرج داخل کے اندر ذکر حشفہ تک غائب کرنے پر قادر نہ ہو، اور یہ باختلاف زمان مختلف ہوسکتا ہے ممکن کہ کوئی شخص ایک عورت کی فرج میں ادخال نہ کرسکے اور دوسری پر قادر ہوجائے تو اس دوسری کے حق میں نامرد نہ ہوگا۔

فی الھندیة عن النھایة ان کان یصل الی الثیب دون الابکار اوالی بعض النساء دون البعض وذٰلك لمرض اولضعف فی خلقه اولکبر سنه	ہندیہ میں نہایہ سے ہے: اگر کوئی مرد ثیبہ عورت سے وطی کرسکتا ہے باکرہ سے نہیں کرسکتا، یا بعض قسم کی عورتوں سے کرسکتا ہے اور بعض سے نہیں کرسکتا اس کی وجہ مرض ہے یا پیدائشی کمزوری یا بڑھاپا ہے

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۷

اوسحر فھو عنین فی حق من لایصل الیھا[1]۔	یا جادو ہے، تو وہ ایسی عورتوں کے حق میں نامرد قرار دیا جائیگا جن سے وطی نہیں کرسکتا۔(ت)

بلکہ اگر تسلیم ہی کرلیں کہ بکر ہندہ کے حق میں بھی نامرد ہے تاہم اس بناپر رخصت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ نامردی مبطل نکاح نہیں ہوتی بلکہ بعد دعوی وثبوت عدم مجامعت مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دی جاتی ہے اور عورت ہرگز اختیار نہیں رکھتی کہ ان دنوں کو اس سے جدارہ کر گزار دے جتنے دن خود جدا رہے گی مدت میں اتنے روز اور بڑھادئے جائیں گے۔

فی الدرالمختار وجدته عنینا اجل سنة ورمضان وایام حیضها منها وکذا حجة وغیبته لامدة حجها وغیبتها[2]۔	درمختار میں ہے کہ کسی بیوی نے خاوند کے متعلق کہا کہ میں نے اسے نامرد پایا ہے تومرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی جس میں رمضان اور ایام حیض بھی شمار ہوں گے یونہی حج، اور مرد کی غیر حاضری کے دن بھی شمار ہوں گے لیکن عورت کے حج اور غیر حاضری کے ایام شمار نہ ہوں گے۔(ت)

جب زوجہ کے حق میں نامردی بثبوت شرعی ثابت ہونے کے بعد بھی ہنوز خود مختار نہیں ہوتی جب تک مدت ایک سال گزرنے پر بھی عدم جماع ثابت ہو کہ تفریق نہ ہوجائے تو پیش از رخصت ایسے خیالات کی بناپر خود مختاری ہرگز صحیح نہیں بلکہ چارہ کار وہی حاکم شرع کے حضور دعوی نامردی اور بعد ثبوت بکارت اس کے حکم سے مہلت یکسالہ ملنی اور بعد مرور میعاد حاکم شرع کو بقائے بکارت ثابت ہونے پر ہندہ کے فورًا تفریق مانگنے پر خود بکر یا وہ نہ مانے تو حاکم شرع کا تفریق کردینا کافی ہے اس وقت طلاق بائن ہوجائے گی، اور اگر بکر نے ہندہ سے خلوت ہی نہ کی تو نصف مہر اور خلوت کی اور ادخال ذکر پر قدرت نہ پائی تو کل مہر لازم آئے گا،

فی الھندیة ان اختارت الفرقة امرہ القاضی ان یطلقها طلقة بائنة فان ابی فرق بینهما ھکذا ذکر محمد رحمه الله تعالٰی فی الاصل کذا فی التبیین، والفرقة	ہندیہ میں ہے (کہ مدت ختم ہونے پر) اگر عورت تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی خاوند کو کہے گا کہ اس کو بائنہ طلاق دے دے، اگر خاوند انکار کرے تو قاضی خود تفریق کردے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں یونہی ذکر فرمایا جیسا کہ تبیین میں ہے۔ اور تفریق

[1] فتاوی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۲

[2] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

تطلیقۃ بائنۃ کذافی الکافی ولھا المھر کاملا وعلیھا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلابھا والا فلا عدۃ علیھا ولھا نصف المھر ان کان مسمی و المتعۃ ان لم یکن کذافی البدائع[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	طلاق بائنہ ہوگی، جیساکہ نہر میں ہے اور اسے پورا مہر دیا جائے گا، اور بالاجماع اس پر عدت ہوگی بشرطیکہ خاوند اس سے خلوت کرچکا ہو ورنہ عدت نہ ہوگی اور مہر بھی نصف دیا جائیگا جب مقرر ہو، اور اگر مقرر نہ ہو تو پھر جوڑا وغیرہ دیا جائے گا جیساکہ بدائع میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۳۸: ۲۲ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص اجنبی عمرو کے مکان پر رہتا ہے، عمرو نے وارثان ہندہ کے بہکا کر اور دھوکا دے کر زید کا نسب سید بتایا اور نکاح کرادیا، بعد کچھ مدت کے معلوم ہوا کہ وہ سید نہیں نور باف ہے، اب وارثان ہندہ کو شرم معلوم ہوتی ہے اور بہت اہانت ہے کہ سید اور نور باف کا نکاح بہت عار ہے، لہٰذا وارثان ہندہ کو فسخ کرنا فی زمانناجائز ہے یا نہیں؟ زید بعد ظاہر ہونے حال کے وہاں سے چلا گیا وقت رخصت زوجہ سے قسم کھا کر کہا میں اس قریہ میں تاحیات نہ آؤں گا، پھر اس مضمون کا خط لکھ کر بھیجا اب اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کچھ حاجت فسخ نہیں کہ وہ نکاح سرے سے خود ہی نہ ہوا، سائل مظہر کہ ہندہ بالغہ ہے اور روایت مفتی بہا پر ولی والی عورت کے لئے کفاءت شرط صحت نکاح ہے یا ولی اقرب پیش از عقد عدم کفاءت پر دانستہ اپنی رضا ظاہر کردے بعد عقد راضی ہوجانا بھی نفع نہیں دیتا۔

فی ردالمحتار تعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح علی ظاھر الروایۃ ولصحتہ علی روایۃ الحسن المختار للفتوی[2] اھ وفی الدرالمختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا	ردالمحتار میں ہے کہ کفو کا اعتبار نکاح لازم کرنے کے لئے ہے جیساکہ ظاہر روایت ہے، اور امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی کی روایت پر صحت نکاح کے لئے ہے اور یہی فتوٰی کے لئے مختار ہے اھ، درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے اصلا ناجائز ہونے کا فتوٰی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۴

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۸

وهو المختار للفتوی فلا تحل بلارضی ولی بعد معرفته ایاه فلیحفظ[1] اھ مختصرا۔ فی ردالمحتار هذا اذاکان لها ولی لم یرض به قبل العقد فلا یفید الرضی بعده بحر[2]۔	دیا جائیگا یہی فتوی کے لئے مختار ہے، تو ولی کی رضا کے بغیر بیوی حلال نہ ہوگی بشرطیکہ ولی کو غیر کفو کا علم ہو، اسے محفوظ کرلو اھ مختصراً، ردالمحتار میں ہے: یہ جب ہے کہ اس کا ولی ہو اور نکاح سے قبل راضی نہ ہوا ہو، اور نکاح کے بعد کی رضا کارآمد نہ ہوگی، بحر (ت)

یہاں جب کہ وہ کفو نہیں اور ولی کو دھوکا دیا گیا دونوں امر سے کچھ متحقق نہ ہوا اور نکاح باطل محض رہا، بعد ظہور حال زید کی وہ قسم و تحریر سب مہمل ہے جس پر ہندہ کے لئے حکم حرمت مترتب نہیں ہوسکتا۔

اما مسألة الهندیة انتسب الزوج لها نسبا غیر نسبه فان ظهر دونه وهو لیس بکفو فحق الفسخ ثابت لکل[3]، ومسألة الدر عن الولوالجیة نکحت رجلا ولم تعلم حاله فاذا هو عبد لا خیار لها بل للاولیاء ولو زوجوها برضاها وشرطوا الکفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجها علی ذلك ثم ظهر انه غیر کفو کان لهم الخیار[4] (ملخصا) فظاهر ان کل ذلك مبنی علی الظاهر وهو صحة العقد و ثبوت الاعتراض کیف وقد نقل المسألة فی الخانیة عن الاصل اما علی المختارة للفتوی فلا صحة اصلا کما لایخفی۔ والله تعالٰی اعلم۔	لیکن ہندیہ کا مسئلہ کہ اگر مرد نے عورت کو اپنا نسب تبدیل کرکے بتایا تو بعد میں اس کا نسب اس کے بیان کردہ نسب سے کم درجہ ظاہر ہوا تو یہ کفو نسبی ہے لہٰذا اولیاء کو فسخ کا اختیار ہوگا، اور در کا مسئلہ یہ ہے کہ جو بحوالہ ولوالجیہ ہے کہ اگر لڑکی نے خود کسی شخص سے لاعلمی میں نکاح کرلیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غلام ہے تو لڑکی کو خود اختیار نہ ہوگا بلکہ اس کے اولیاء کو حق فسخ ہوگا اور اگر اولیاء نے خود نکاح کیا لڑکی کی رضامندی سے اور اولیاء نے کفاءت شرط کرلی یا نکاح کے وقت زوج نے وقت نکاح اولیاء کو کفو ہونے کی خبر دی اس شرط پر اولیاء نے نکاح کردیا، بعد میں لڑکے کا غیر کفو ہونا ظاہر ہوا تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہوگا، تو ظاہر ہے کہ یہ صحت نکاح اور ثبوت اعتراض پر مبنی ہے اور ظاہر کیسے نہ ہو جبکہ خانیہ میں یہ مسئلہ مبسوط سے منقول ہے لیکن جو چیز فتوی کے لئے مختار قرار دی گئی ہے، اس پر یہ نکاح کا قول صحیح نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱
[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷
[3] فتاوی ہندیہ باب فی الاکفاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹۳
[4] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

مسئلہ ۴۳۹: از الہ آباد چوک مرسلہ مولوی عبدالغفور صاحب سوداگر ۲۳ صفر ۱۳۱۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ان العالم العجمی کفو للسیدۃ ام لابینوا بسند الکتاب توجروا یوم الحساب۔	آپ (رحمکم اللہ تعالٰی) کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے کہ عجمی عالم سید زادی کا کفو ہے یا نہیں؟ کتاب کے حوالے سے بیان فرمائیں، قیامت کے روز اجر پائیں۔

الجواب:

نعم اذاکان دینا متدینا لان فضل العلم فوق فضل النسب قال اللہ تعالٰی یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ [1] ۔وقال تعالٰی قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ [2]، فی وجیز الامام الکردری، العجمی العالم کفو للعربی الجاھل لان شرف العلم اقوی وارفع، وکذا العالم الفقیر لغنی الجاھل، وکذا العالم الذی لیس بقرشی کفو للجاھل القرشی والعلوی [3] اھ وفی الفتح والنہر وغیرھما عن جامع الامام قاضی خان العالم العجمی یکون کفوا لجاھل العربی والعلویۃ لان شرف العلم فوق شرف النسب [4] اھ وفی النہر والدر جزم بہ	ہاں، جب عجمی عالم دیندار عامل ہو، کیونکہ علم کی فضیلت نسب کی فضیلت سے فائق ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں سے ایمان والوں کو اللہ تعالٰی نے بلندی دی اور ان لوگوں کو جو علم دئے گئے ان کو کئی درجات دئے گئے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں، امام کردری کی وجیز میں ہے کہ عجمی عالم، جاہل عربی کا کفو ہوگا کیونکہ علمی شرافت اقوی وارفع ہے، اور یوں ہی عالم فقیر ہو تو وہ جاہل غنی کا کفو ہوگا اور یوں ہی غیر قرشی عالم جاہل علوی اور جاہل قرشی کا کفو بنے گا اھ فتح اور نہر وغیرہما میں جامع الامام قاضی خان سے منقول ہے کہ عجمی عالم، جاہل عربی اور جاہل علوی کا کفو ہے کیونکہ علمی شرافت نسبی پر غالب ہے، اھ۔ نہر اور در میں ہے کہ بزازی نے اس پر جزم کیا ہے اور

[1] القرآن الکریم ۵۸/۱۱

[2] القرآن الکریم ۳۹/۹

[3] وجیز الامام الکردری علی هامش فتاوی ہندیہ الخامس فی الکفاءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱۶

[4] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۰

البزازی وارتضاہ الکمال وغیرہ والوجہ فیہ ظاھر [1] الخ وفی ردالمحتار عن الخیر الرملی عن مجمع الفتاوی عن المحیط العالم یکون کفو اللعلویۃ لان شرف الحسب اقوی [2] الخ۔ قال وذکر ایضا یعنی الرملی انہ جزم بہ فی المحیط والبزازیۃ والفیض وجامع الفتاوی والدر [3] الخ۔ وتمامہ تحقیقہ فیہ. وفی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ، قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما للعلماء درجات فوق المؤمنین بسبعمائۃ درجۃ مابین کل درجتین مسیرۃ خمسمائۃ عام و ھذا مجمع علیہ وکتب العلم طافحۃ بتقدم العالم علی القرشی ولم یفرق سبحانہ وتعالٰی بین القرشی وغیرہ فی قولہ تعالی ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون [4] اھ ملتقطا۔
قلت وانما قید نابکونہ دینا متدینا لانہ ھو العالم حقیقۃ واما اصحاب الضلال فشر من الجھال فان الجھل المرکب اشنع واخنع وصاحبہ فی الدارین احقر و اوضع، صغارھم کالانعام بل ھم اضل وکبارھم کالکلاب لابل اذل، اخرج الدارقطنی

کمال وغیرہ نے اس کو پسند فرمایا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے الخ۔ اور ردالمحتار میں خیرالدین رملی سے انھوں نے مجمع الفتاوی سے نقل کیا کہ محیط میں ہے کہ عالم، علوی لڑکی کا کفو ہے کیونکہ عہدہ کی شرافت اقوی ہے الخ، اور فرمایا کہ رملی نے مزید ذکر کیا کہ محیط، بزازیہ، فیض، جامع الفتاوی اور در نے اس پر جزم کیا ہے، اور اور فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: علماء کو عام مومنین پر سات سو درجات برتری ہے اور ہر دو درجوں میں پانسو سال کا سفر ہے اور اس پر اجماع ہے اور تمام علمی کتب، قرشی پر عالم کے تقدم میں متفق ہیں، جبکہ اللہ تعالٰی نے اپنے ارشاد "کیا عالم اور جاہل برابر ہیں" میں قرشی اور غیر قرشی کی کوئی تفریق نہیں فرمائی اھ ملتقطا۔
قلت (میں کہتا ہوں) ہم عالم کو دین کا عالم اور دین دار عالم سے مقید کریں گے کیونکہ حقیقۃً عالم یہی ہے جبکہ گمراہ علماء تو جاہلوں سے بدتر ہیں کیونکہ جاہل مرکب، انتہائی برا، رسوا، اور دونوں جہاں میں وہ حقیر اور ذلیل ہیں، ان کے چھوٹے چوپایوں کی طرح بلکہ اس سے بھی گئے گزرے، اور ان کے بڑے، کتے بلکہ ذلیل ترین ہیں، دار قطنی نے

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸
[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۳
[3] ردالمحتار باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۳
[4] فتاوی خیریہ مسائل شتی آخر کتاب دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۳۴

قال حدثنا القاضی الحسین بن اسمٰعیل نا محمد بن عبداللہ المخرمی نا اسمعیل بن ابان ثنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی غالب عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل البدع کلاب اھل النار [1]۔واخرجہ عنہ ابوحاتم الخزاعی فی جزئہ الحدیثی بلفظ اصحاب البدع کلاب اھل النار [2]، ولابی نعیم فی الحلیة عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل البدع شر الخلق والخلیقہ،قال العلماء الخلق الناس والخلیقة البھائم [3]۔نسأل اللہ السلامة والعفو والعافیة۔	تخریج کی ہے کہ ہمیں قاضی حسین بن اسمٰعیل ان کو محمد بن عبداللہ مخرمی ان کو اسمٰعیل بن ابان ان کو حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی انھوں نے اعمش انھوں نے ابوغالب انھوں نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدعتی لوگ جہنم کے کتے ہیں۔"اس کی تخریج ابوحاتم خزاعی نے ان سے اپنی جزء حدیثی میں ان الفاظ کے ساتھ کی کہ "اصحاب بدعت جہنم کے کتے ہیں۔"ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ "اہل بدعت تمام مخلوق سے شریر ہیں۔" علماء نے فرمایا کہ حدیث میں خلق سے مراد لوگ اور خلیقہ سے مراد چوپائے ہیں،اللہ تعالٰی سے ہم عافیت، سلامتی اور معافی کا سوال کرتے ہیں۔
ثم اقول: یجب التقیید ایضا بما اذا لم یکن من المتناھین فی الدنائة المعروفین بھا،کالحائك و الدباغ والخصاف والحلاق ونظرائھم،فان المدار علی وجود العار فی عرف الامصار کما صرح بہ العلماء الکبار۔قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر الموجب ھو استنقاص اھل العرف	**ثم اقول:** (میں پھر کہتا ہوں کہ) وہ عالم اس قید سے بھی مقید ہونا ضروری ہے کہ وہ انتہائی حقیر اور مشہور کمتر نہ ہو، جیسا کہ جولاہا، نائی، موچی، چمڑا رنگنے والا اور ان کی مثل نہ ہو کیونکہ دارومدار اس بات پر ہے کہ علاقے کے عرف میں وہ حقیر شمار نہ ہو، جیسا کہ اکابر علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا کہ اہل عرف کا ناقص سمجھنا سبب ہے لہٰذا حکم کا دارومدار

[1] کنزالعمال بحوالہ قط فی الافراد حدیث مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۲۳

[2] کنزالعمال بحوالہ ابو حاتم الخزامی حدیث ۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۱۸

[3] حلیۃ الاولیاء ترجمہ نمبر ابو سعود الموصلی دارالکتاب العربی بیروت ۸/ ۲۹۱

فید ورمعه [1] اھوفی ردالمحتار قد علمت ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فید ور معه فعلی ھذا من کان امیرا او تابعاله وکان ذا مال ومروءۃ وحشمة بین الناس لاشك ان المرأۃ لاتتعیر به فی العرف کتعیرھا بدباغ وحائك ونحوھما وان کان الامیر اوتابعه اٰکلا اموال الناس لان المدار ھنا علی النقص والرفعة فی الدنیا [2] اھ مختصرا۔ ولا شك ان العلویة فی بلادنا لاتتعیر بالافاغنة والمغول المحلین بحلیة العلم والفضل فانھم فی انفسھم یعدون ھنا من الشرفاء الانجاب فاذا انضاف الی ذلك فضل العلم جبر نقص نسبھم بالنسبة الی العلوی بخلاف الحاکة والحلاقین وامثالھم فان التعیربھم لایزل بعلمھم اللھم الااذا تقادم العھد وتناساہ الناس وظھرله الوقع فی القلوب والعظم فی العیون بحیث لم یبق العار لبنات الکبار وذٰلك قلیل جدا فی ھذہ الامصار بل لایکاد یوجد عند الاعتبار ومن عرف المدار عرف ان	اس پر ہی ہوگا الخ، ردالمحتار میں ہے: آپ نے معلوم کرلیا کہ سبب وہ اہل عرف کا حقیر جاننا ہے تو اسی بات پر مدار ہوگا اس لئے اگر کوئی امیر حاکم یا اس کا نائب اور مالدار اور سنجیدہ ہو اور لوگوں میں رعب والا ہو تو کوئی شک نہیں ایسے شخص سے عورت عار محسوس نہیں کرتی جیسا کہ وہ دباغ اور جولاہے وغیرہ سے عار محسوس کرتی ہے اگرچہ حاکم اور اس کا نائب ظلم کے طور پر لوگوں کے مال کھاتے ہوں ____ کیونکہ یہاں مدار دنیاوی حقارت و رفعت ہے اھ مختصرا، اس میں شک نہیں کہ علویہ لڑکی ہمارے علاقے میں افغان اور مغل جو کہ علم کے زیور سے آراستہ ہیں اور اہل فضل ہیں جو اپنے کو منتخب لوگوں اور شرفاء میں شمار کرتے ہیں ان سے عار محسوس نہیں کرتی، تو جب یہ لوگ علم و فضل کی طرف منسوب ہوں تو مزید شرافت کی بناء پر نسبی طور پر اگر علوی سے کم ہیں تو علم و فضل کی وجہ سے وہ کمی ختم ہوجاتی ہے، اس کے برخلاف جولاہے، دھوبی اور نائی موچی وغیرہ کی عار علم کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی، ہاں جب یہ لوگ قدیم سے یہ کام چھوڑ چکے ہوں اور لوگ معزز انداز میں ان سے مانوس ہوچکے ہوں اور لوگوں کے دلوں میں ان کا وقار اور عام نگاہوں میں ان کی وقعت قائم ہوچکی ہو کہ اب بڑے لوگوں کی لڑکیوں کے لئے عار نہیں رہے تو اور بات ہے، لیکن ایسے علاقے ہیں بہت کم ہیں جن کا اعتبار

---

[1] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۳

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۲

الحکم علیه یدار فافھم، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	نہیں کیا جاسکتا، تاہم حقارت کا مدار عرف پر ہے، جب مدار یہ ہے کہ تو حکم اس پر ہوگا، سمجھو ___ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۴۰: مرسلہ حاجی موسی عربی ۳ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ سادات کرام بیبیوں سے غیر قوم غیر سید مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سید ہر قوم کی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور سیدانی کا نکاح قریش کے ہر قبیلہ سے ہوسکتا ہے خواہ علوی ہو یا عباسی یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اموی، رہے غیر قریش جیسے انصاری یا مغل یا پٹھان ان میں جو عالم دین معظم مسلمین ہو اس سے مطلقًا نکاح ہوسکتا ہے ورنہ اگر سیدانی نابالغہ ہے اور اس غیر قریشی کے ساتھ اس کا نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا نہیں تو نکاح باطل ہوگا اگرچہ چچا یا سگا بھائی کرے، اور اگر باپ دادا اپنی کسی لڑکی کا نکاح ایسے ہی پہلے کرچکے ہیں تو اب ان کے کئے بھی نہ ہوسکے گا اور اگر بالغہ ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں تو وہ اپنی خوشی سے اس غیر قریشی سے اپنا نکاح کرسکتی ہے، اور اگر اس کا کوئی ولی یعنی باپ دادا پردادا ان کی اولاد ونسل سے کوئی مرد موجود ہے اور اس نے پیش از نکاح اس شخص کو غیر قرشی جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت دے دی جب بھی جائز ہوگا، ورنہ بالغہ کا کیا ہوا بھی باطل محض ہوگا۔ ان تمام مسائل کی تفصیل درمختار وردالمحتار وغیرہما کتب معتمدہ مذہب اور فقیر کے فتاوی میں متعدد جگہ ہے۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴۱: از رسالہ مرسلہ سید محمد شاہ صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

ایک شخص کا فرمان ہے کہ سید یعنی آل نبی کی دختر ہر ایک کو پہنچ سکتی ہے یعنی ہر مسلمان سے عقد جائز ہے، دوسرے نے جواب دیا کہ اگر جاروب کش مسلمان ہوجائے تو بھی جائز ہے؟ تو اس کا جواب دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔

الجواب:

شخص مذکور جھوٹا کذاب اور بے ادب گستاخ ہے، سادات کرام کی صاحبزادیاں کسی مغل پٹھان یا غیر قریشی شیخ مثلا انصاری کو بھی نہیں پہنچتیں جب تک وہ عالم دین نہ ہوں اگرچہ یہ قومیں شریف گنی جاتی ہیں مگر سادات کا شرف اعظم واعلٰی ہے اور غیر قریش قریش کا کفو نہیں ہوسکتا تو رذیل قوم والے معاذاللہ کیونکر سادات کے کفو ہوسکتے ہیں یہاں تک کہ اگر بالغہ سیدانی خود اپنا نکاح اپنی خوشی ومرضی سے کسی مغل پٹھان یا انصاری

شیخ غیر عالم دین سے کرے گی تو نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں جب تک اس کا ولی پیش از نکاح مرد کے نسب پر مطلع ہو کر صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے، اور اگر نابالغہ ہے اور اس کا نکاح باپ دادا کے سوا کوئی ولی اگرچہ حقیقی بھائی یا چچا یا ماں ایسے شخص سے کردے تو وہ بھی باطل و مردود ہوگا۔ اور باپ دادا بھی ایک ہی بار ایسا نکاح کرسکتے ہیں دوبارہ اگر کسی دختر کا نکاح ایسے شخص سے کریں گے تو ان کا کیا ہوا بھی باطل ہوگا۔

کل ذٰلك معروف فی کتب الفقة کالدر المختار وغیرہ من الاسفار وقد فصلنا القول فیہ فی فتاوٰنا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	یہ تمام کتب فقہ میں معروف ہے جیسے درمختار وغیرہ اور ہم نے تفصیل کے طور پر اپنا قول اپنے فتاوی میں بیان کردیا ہے، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴۲: از مدرسہ تحصیل نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ مدرس اول مدرسہ مذکور ۲۲ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح خالد کے ساتھ جو غیر کفو تھا لاعلمی میں کردیا بعد بلوغ زوجہ اور علم غیر کفو ہونے زوج کے زوجین میں نااتفاقی ہے، اور ہندہ بھی بعد علم کے نہایت ناراض ہے اور دختر کی مفارقت چاہتی ہے مگر خالد محض ایذارسانی کی وجہ سے اس کو طلاق نہیں دیتا، اس صورت میں یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں اور زوجہ مذکورہ کو نکاح ثانی کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے بعد استفسار اظہار کیا کہ عورت پٹھان ہے اور خالد قوم کا دھنا اور اس نے اپنے آپ کو پٹھان ظاہر کرکے براہ فریب نکاح کرلیا منکوحہ مذکورہ کا وقت نکاح باپ دادا کوئی نہ تھا، ہاں جوان بھائی موجود تھا مگر کسی وجہ سے جلسہ نکاح میں شریک نہ ہوا نہ ماں نے اس سے اجازت لی، پس صورت مستفسرہ میں شرعاً یہ نکاح ہوا نہیں فسخ کسے کیا جائے، دختر ہندہ کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفو اصلا وما فی صدر الشریعة صح ولهما فسخه وهم [1]۔	اگر نکاح دینے والا باپ دادا کا غیر ہوا اگرچہ وہ ماں ہو تو نکاح غیر کفو میں اصلاً نہ ہوگا اور جو صدر الشریعۃ میں ہے کہ نکاح صحیح ہے اور باپ دادا کو فسخ کا اختیار رہے یہ محض وہم ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں زیر قول شارح **تعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح** (کفو کا اعتبار لزوم نکاح کے لئے ہے۔ ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

فرمایا:

ای علی ظاهر الروایة ولصحته علی روایة الحسن المختارة للفتوی[1]۔	یعنی ظاہر روایت پر اور امام حسن کی روایت پر صحت نکاح کے لئے یہ شرط ہے اور یہی فتوی کے لئے مختار ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته[2]۔	اگر اقرب حاضر ہو تو ابعد کا دیا ہوا نکاح اس اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے:

انهم قال کل عقد لا مجیز له حال صدوره فهو باطل لایتوقف[3]۔	جس نکاح کو جائز کرنے والا کوئی بھی نکاح کے وقت نہ ہو تو وہ موقوف نہ ہوگا باطل ہوگا (ت)

فتح القدیر میں ہے:

مالامجیزله ای مالیس له من یقدر علی الاجازة یبطل[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جس کا کوئی جائز کرنے والا نہ ہو یعنی اجازت کا اختیار نہ رکھتا ہو تو وہ باطل ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴۳ تا ۴۴۶: از سنبھل ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

زید پہلے ٹھاکر تھا اب اپنے والدین واطفال کو چھوڑ کر مشرف باسلام ہوگیا، زید کی خواہش ہے کہ نکاح کرے، زید کا کل خاندان اس سے برعکس ہے، بی بی کو مسلمان ہونا قبول نہیں، پس ایسی حالت میں سوالات ذیل ازروئے شرع شریف حل طلب ہیں، زید کی عمر اب ۲۲ سال ہے:

(۱) زید مشرف باسلام ہونے کے بعد کون شمار کیا جائے گا اگرچہ شیخ کیونکہ شیخ بہت قسم کے ہیں۔

(۲) کس قوم کی لڑکی کے ساتھ زید کا نکاح ہوسکتا ہے فی الحال سب اقوام انکار کرتی ہیں، شرع شریف کی رو سے کس قوم پر استحقاق ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۸

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۴

[4] فتح القدیر باب الولی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۹

(۳) اب زید کی اولاد ماں کی قوم پر مانی جائے گی یا باپ کی ذات پر؟

(۴) شرع شریف کی رو سے رذالت اور شرافت قوم پر منحصر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) مسلمان ہونے سے دونوں جہان کی عزت حاصل ہوتی ہے مگر مذہب کسی قوم کا نام نہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں جس قوم وقبیلہ کے لوگ اسلام لاتے بعد اسلام بھی اس قوم وقبیلہ کی طرف نسبت کئے جاتے، ہندوانی قوموں میں چار قومیں شریف گنی جاتی ہیں ان میں چھتری یعنی ٹھاکر دوسرے نمبر پر ہے، ہندوستان میں اکثر سلطنت اسی قوم کی ہے، ولہذا انھیں راجپوت کہتے ہیں تو ہندی قوموں میں ان کا معزز ہونا ظاہر ہے اور ہماری شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے کہ:

اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ[1] ۔	جب تمھارے پاس کسی قوم کا عزت دار آدمی آئے تو اس کی خاطر کرو۔

خالی آنے پر تو یہ حکم تھا اور جو بندہ خدا بہدایت الٰہی بالکل ٹوٹ کر ہم میں آملا ہم میں کا ہوگیا اس کا کس قدر اعزاز واکرام اللہ سبحنہ کو پسند ہوگا، اسلام کی عزت کے برابر اور کیا عزت ہے، اس نے تو اسے اور بھی چار چاند نہیں، بلکہ ہزار چاند لگادئے، اگر کوئی چمار بھی مسلمان ہو تو مسلمان کے دین میں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام اور سخت حرام ہے وہ ہمارا دینی بھائی ہوگیا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [2] (مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔ت) اور فرماتا ہے: فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ[3] (تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔ت) پھر جو کسی معزز قوم کا اسلام لائے اسے کیونکر حقیر سمجھا جائے، شیخ کسی خاص قوم کا نام نہیں، ہندوستان میں مسلمانوں نے تین قومیں خاص شریف قرار دیں اور انھیں سید یا میر اور خاں اور بیگ کے خطاب دئے کہ ان سب لفظوں کے معنی عربی وفارسی وترکی میں سردار ہیں، باقی تمام شرفاء مثل اولاد امجاد خلفائے کرام وبنی عباس وانصار کو ایک لقب عام دیا، شیخ کہ یہ بھی بمعنی بزرگ ہے، ان کے سوا جو قومیں رہ گئیں کہ دنیاوی عرف میں رذیل سمجھی جاتی ہیں انھوں نے جب دیکھا کہ میر وخادم وبیگ تو خاص خاص اقوام کے لقب ہیں ان میں گنجائش نہیں اور شیخ ایک عام لفظ ہے جس میں باقی سب داخل، تو اسی کو سمائی والا خطاب پاکر سب قوموں نے اپنی بھرتی اسی میں

---

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ سعید بن ایاس الجریری دار الکتاب العربی بیروت ۶/۲۰۵

[2] القرآن الکریم ۴۹/۱۰

[3] القرآن الکریم ۳۳/۵

کردی، دھنا، جولاہا جس سے پوچھئے اپنے آپ کو شیخ بتائے گا مگر حقیقۃً شیخ کی اصطلاح صرف انہی شریف قوموں یعنی صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، جعفری، عباسی، انصاری وامثالہم کے لئے ہیں، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے استاذ امام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا مذہب یہ تھا کہ جو شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہو اس کی اولاد اس کے لئے ہے۔

فی ردالمحتار عن البدائع عند عطاء ھو مولی للذی اسلم علی یدہ[1]۔	ردالمحتار میں بدائع سے ہے کہ عطاء کے ہاں وہ جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اس کا وہ مولٰی ہے۔(ت)

اور ولاء ایک رشتہ ہے مثل رشتہ نسب کے حدیث میں ہے:

الولاء لحمۃ کلحمۃ النسب[2] اخرجہ الحاکم و البیھقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	ولاء نسب کی طرح ایک رشتہ ہے،(اس کو حاکم اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مولی القوم انفسھم[3] رواہ الشیخان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کسی قوم کا آزاد کردہ ان میں سے ہے،اس کو شیخین نے انس رضی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔(ت)

اسی مذہب کا ایک حدیث بھی پتا دیتی ہے:

من اسلم علی یدی رجل فلہ ولاءہ[4]۔اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس والدارقطنی والبیھقی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جس کے ہاتھ پر کوئی شخص اسلام لائے تو اس کا رشتہ ولاء اسی سے قرار پائے(اسی کو طبرانی نے کبیر میں ابن عباس سے اور دارقطنی اور بیہقی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب الولاء فصل فی ولاء الموالاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۷۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب الفرائض دارالفکر بیروت ۴/۳۴۱

[3] صحیح بخاری کتاب الفرائض باب موالی القوم من انفسھم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۰۰،السنن الکبرٰی باب من زعم ان موالی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/۱۵۱

[4] السنن الکبرٰی کتاب الولاء دار صادر بیروت ۱۰/۲۹۸

عجب نہیں کہ اس حدیث کا منشا بھی یہی ہو کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من اسلم من اھل فارس فھو قرشی [1]۔رواہ ابن النجار عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اہل فارس سے جو اسلام لائے وہ قرشی ہے (اسے ابن نجار نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

کہ قریش نے فارس فتح کیا اس کے لوگ ان کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے اس مذہب کی بناپر جو شخص جس کے ہاتھ مسلمان ہوگا بطور رشتہ ولاء اسی قوم میں گنے جانے کے قابل ہوگا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) زید جبکہ خود اپنی ذات سے مسلمان ہوا تو اسے دربارہ نکاح کفو وہمسر ہونے کا حق اسی عورت پر پہنچتا ہے جو خود مسلمان ہوئی ہو، جس لڑکی کا باپ مسلمان ہوا اور اس کے اسلام کی حالت میں یہ لڑکی پیدا ہوئی خود مسلمان ہونے والا اس کا بھی کفو نہیں۔

فی الدرالمختار اما فی العجم فتعتبر حریۃ واسلاما فمسلم بنفسہ غیر کفو لمن ابوھا مسلم ومن ابوہ مسلم غیر کفو لذات ابوین وابوان فیھما کالاٰباء لتمام النسب بالجد [2] اھ مختصرا۔	درمختار میں ہے کہ عجمیوں میں آزاد، مسلمان ہونا کفو ہے۔ لہٰذا جو شخص خود مسلمان بنا وہ ایسے کے لئے کفو نہیں جس کا باپ مسلمان بنا، اور جس کا باپ مسلمان ہو وہ ایسے کا نہیں جس کے دو باپ یعنی باپ اور دادا مسلمان ہوچکے ہوں، اس معاملہ میں دو مسلمان باپ متعدد مسلمان آباء کی طرح ہیں کیونکہ نسب دادا پر مکمل ہوجاتا ہے اھ مختصرا۔(ت)

اور اس کے سوا پانچ صورتیں اس نکاح کی اور ہیں۔

۱ایک یہ کہ عورت عاقلہ جس کا کوئی ولی نہ ہو برضائے خود اس سے نکاح کرے۔

۲دوم ایسی عورت کا ولی بھی پیش از نکاح اسے نومسلم جان کر اس کے ساتھ نکاح کرنے پر صراحۃً اپنی رضا ظاہر کردے۔

۳سوم نابالغہ کا باپ یا یتیمہ کا دادا اس کے ساتھ نکاح کردے جبکہ اس سے پہلے کسی نابالغہ کا نکاح اپنی ولایت سے کم قوم یا کسی طرح کے غیر کفو میں نہ کرچکا ہو۔

۴چہارم مجہول النسب لڑکی کو حاکم اسلام اپنی ولایت سے اس کے نکاح میں دے دے۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن ابن عمر حدیث ۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۸۳/۴

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۸/۱

۵ **پنجم** یہ شخص علم دین حاصل کرلے، مسلمانوں میں اس کی علمی فضیلت اوروں کی نسبی شرافت یا اسلامی قدامت کے ہم پلہ ہوجائے، عار عرفی باقی نہ رہے، اس وقت یہ شخص ہر قوم وقبیلہ کا کفو ہوسکتا ہے۔

(۳) اولاد ہمیشہ باپ کی قوم پر ہوتی ہے۔ **قال تعالٰی: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ** [1] (جس کا بچہ ہے عورت کا نفقہ اس پر ہے۔ت)

(۴) شرع شریف میں شرافت قوم پر منحصر نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ** [2] تم میں زیادہ مرتبے والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقوی رکھتا ہے۔ ہاں دربارہ نکاح اس کا ضرور اعتبار رکھا ہے، باپ دادا کے سوا کسی ولی کو اختیار نہیں کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو سے کردے جس سے اس کی شادی عرف میں باعث ننگ وعار ہو اگر کردے گا نکاح نہ ہوگا، عاقلہ بالغہ کو اجازت نہیں کہ بے رضامندی صریح اولیا اپنا نکاح کسی غیر کفو سے کرلے اگر کرلے گی نکاح نہ ہوگا **والمسائل معروفة فی کتب المذہب جمیعا** (یہ تمام مسائل مذہب کی کتابوں میں معروف ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴۴: از کوپاگنج ڈاک خانہ کوپاگنج محلّہ پورہ چندن ضلع اعظم گڑھ مکان مولوی الٰہی بخش صاحب مرسلہ حافظ محمد عبدالکریم صاحب ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت داشتہ رکھا، یعنی ہندہ کو جو خالد کی منکوحہ تھی اور خالد نے طلاق نہیں دیا اور جس زمانہ سے زید نے ہندہ کو اپنے پاس رکھا اس کے بطن سے کئی ایک لڑکے لڑکی پیدا ہوئے، زید لڑکے لڑکی کی شادی چاہتا ہے، لوگ کہتے ہیں حرامی ہیں، پس حدیث شریف میں ایسے لڑکے لڑکیوں کے بارہ میں کوئی وعید وارد ہے یا اس فعل کا عذاب ثواب ان کے ماں باپ کو ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر نے محاورے کے مطابق لفظ ثواب بھی لکھ دیا جس طرح کسی حکایت پر کہتے ہیں عذاب و ثواب برگردن راوی، حالانکہ اس کا محل وہاں ہے کہ اس امر میں دو باتوں کا احتمال ہو حرام میں ثواب کی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۳

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

کیا گنجائش، یہ لفظ خطائے شدید ہے آئندہ احترام لازم، زنا کا عذاب صرف زانی وزانیہ پر ہے اولاد زنا پر اس کا وبال نہیں۔ قال اللہ تعالٰی: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] (ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں۔ت) حدیث میں ہے:

لیس علی ولد الزنا من وزر ابویہ شیئ[2]۔ رواہ الحاکم عن الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	ولد زنا پر اس کے والدین کا بوجھ کچھ نہیں ہے (اس کو حاکم نے عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث صحیح میں اولاد زنا کی نسبت اس قدر وارد ہے کہ:

ولد الزنا شر الثلثۃ[3]۔ رواہ الامام محمد وابوداؤد والحاکم والبیہقی فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	حرام کا بچہ اپنے ماں باپ سے بھی بدتر ہوتا ہے (اس کو امام محمد، ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے سنن میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ت)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ بھی وہی حرکات اختیار کرے، خود دوسری حدیث میں اس مطلب کی تصریح ارشاد ہوئی کہ:

ولد الزنا شر الثلثۃ اذا عمل بعمل ابویہ[4]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن۔	حرامی اپنے ماں باپ سے بھی بدتر ہے جبکہ ان کی طرح وہی کام کرے، (اس کو طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند حسن روایت کیا ہے۔ت)

یا یہ معنی کہ یہ عادتوں خصلتوں میں غالبًا ان سے بھی بدتر ہوتا ہے جبکہ علم وعمل اس کی اصلاح نہ کریں کہ برے تخم سے بری ہی کھیتی پیدا ہوتی ہے۔

شمشیر نیک زاہن بدچوں کند کسے

(ناقص لوہے سے اچھی تلوار کوئی کیسے بنائے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/۱۶۴

[2] مستدرک للحاکم کتاب الاحکام دار الفکر بیروت ۴/۱۰۰

[3] مستدرک للحاکم کتاب العتق و کتاب الاحکام دار الفکر بیروت ۲/۲۱۵ و ۴/۱۰۰

[4] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الایمان دار صادر بیروت ۱۰/۵۷ و ۵۸ و ۵۹

اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ:

فرخ الزنا لایدخل الجنة[1]۔ رواہ ابن عدی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند ضعیف۔	زنا کا چوزہ جنت میں نہ جائے گا۔ (اس کو ابن عدی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)

یعنی غالباً اس سے وہ افعال صادر ہوں گے جو سابقین کے ساتھ دخول جنت سے روکیں گے، بالجملہ یہ مطلب کسی طرح نہیں کہ ان کے گناہ کا عذاب اس پر ہو یا بے گناہ وعید کا مستحق ہو، مگر اس امر نکاح میں شرع مطہر نے کفاءت کا بھی لحاظ فرمایا ہے دختروں کے لئے مطلقاً بالغہ ہوں خواہ نابالغہ اور پسروں کے لئے جبکہ نابالغ ہوں۔

کما حررہ فی ردالمحتار مستند المافی البدائع و حققناہ فی البحر والخیریة والخانیة والتبیین والکافی والسراج الوھاج والھندیة کما ذکرناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار۔	اس کو ردالمحتار میں بدائع کے حوالے سے بیان کیا ہے، اور ہم نے اس کی تحقیق بحر، خیریہ، خانیہ، تبیین، کافی، سراج الوہاج اور ہندیہ کے بیانوں سے کی ہے، جیسے کہ ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیہ پر ذکر کیا ہے۔ ت)

اور شک نہیں کہ جس کا ولد الزنا ہونا مشہور ہو اس سے دختر حلال کا نکاح عرفاً باعث ننگ وعار و انگشت نمائی ہوتا ہے اور یہی معنی عدم کفاءت کے ہیں۔

فی الشامیة عن الفتح ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معه[2]۔	فتاوی علامہ شامی میں فتح سے منقول کہ اہل عرف کا حقیر جاننا سبب ہے لہٰذا حکم کا مدار اسی پر ہوگا (ت)

تو بحالت عار کسی عورت کا نکاح ولد الحرام کے ساتھ نہیں ہوسکتا اگر کیا جائے گا نکاح اصلاً نہ ہوگا مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ دختر نابالغہ کا نکاح باپ یا وہ نہ ہو تو دادا اپنی تزویج سے کرے اور وقت نکاح نشے میں نہ ہو نہ اس سے پہلے اپنی اولاد سے کسی دختر کا نکاح غیر کفو سے کرچکا ہو دوسرے یہ کہ زن بالغہ برضائے خود کرے اور اس کے لئے کوئی ولی ہو تو وہ پیش از نکاح باوصف اس اطلاع کے کہ وہ شخص ولد الحرام ہے تصریحاً اپنی رضا ظاہر کردے **والمسائل مفصلة فی الدر وغیرہ** (در وغیرہ میں یہ مسائل تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ ت)

---

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ بن ابی صالح ذکوان السمان مدینی دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۸۶

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۲

یونہی اگر پسر کے نکاح میں دختر حرام کا دینا وہاں کے عرف میں باعث بدنامی وعار ہو تو نابالغ پسر کا نکاح بھی ایسی دختر سے اصلانہ ہوگا سوا اسی صورت پدر وجد بشرط مذکور کے **علی ماتحرر فی ماتقرر** (جیسا کہ تقریر میں واضح کیا گیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۴۸: از بدایوں مرسلہ مولوی عبدالرسول محب احمد صاحب ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

زید نے کہ صدیقی شریف متقی ہے خالد اور عمرو کے کہنے سے کہ خالد تیرا کفو ہے اور شریف خاندان ہے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح خالد کے ساتھ کردیا اب بعد نکاح معلوم ہوا کہ خالد کے یہاں ہمیشہ سے پیشہ حرامکاری چلا آتا ہے اس کے خاندان کے اکثر لوگ پیشہ زناکاری کرتے ہیں اور اسی قسم کی ان کی اولادیں ہیں مگر اب خالد نے اپنی بہنوں کا نکاح لوگوں کے کہنے سننے سے شرعی طور پر کردیا فقط اب زید ایسی حالت میں کیا کرے کہ اس نے خالد کو اس کے اخبار پر اپنا کفو سمجھ کر ہندہ نابالغہ کا نکاح کردیا تھا آیا یہ نکاح شرعاً جائز ولازم ہے یا نہیں؟ اور زید کو اس وقت حق فسخ حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید کو حق فسخ حاصل ہونے میں تو اصلاً کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ ولوالجیہ ودرمختار میں ہے:

اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذلك ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار[1]۔	جب اولیاء نے کفو کی شرط پر نکاح دیا یا لڑکے نے وقت نکاح خود کو کفو ہونا بتایا، بعد میں غیر کفو ہونا ظاہر ہوگیا تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہے۔(ت)

کلام اس میں ہے کہ فسخ کی حاجت بھی ہے یا نہیں، بہت کتب میں تصریح ہے کہ ایسا نکاح محض باطل ہے اور جب باطل ہے تو سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا ضرورت ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی بزازیہ ونوازل امام فقیہ ابواللیث وفتح القدیر شرح ہدایہ وردالمحتار علی الدرالمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للوجیز زوج بنتہ الصغیرۃ من رجل ظنہ مصلحا لایشرب مسکرا فاذا ھو مدمن فقالت بعد الکبر لاارضی بالنکاح، ان	لفظ وجیز کے ہیں کہ ایک شخص کو نابالغ بیٹی کا نکاح اس گمان سے کردیا کہ یہ صالح ہے اور شرابی وغیرہ نہیں ہے تو بعد میں معلوم ہوا کہ شراب کا عادی ہے اور بیٹی نے بالغ ہونے پر کہا کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں۔ تو

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

لم یکن ابوھا یشرب المسکر ولاعرف بہ وغلبۃ اھل بیتھا صالحون فالنکاح باطل بالاتفاق [1] اھ وقال فی النوازل فالنکاح باطل لانہ انما زوج علی ظن انہ کفو [2] اھ۔	اگر باپ شرب خمر نہ کرتا ہو اور نہ ہی شرابی مشہور ہو اور اس کا خاندان غالب طور صالحین ہیں تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہے اھ،اور نوازل میں کہا کہ یہ نکاح باطل ہے کیونکہ والد نے کفو ہونے پر نکاح دیا ہے اھ۔(ت)

قنیہ میں ہے:

زوج بنتہ الصغیرۃ من رجل ظنہ حر الاصل وکان معتقافھو باطل بالاتفاق [3]۔	نابالغ بیٹی کا نکاح کسی سے اس گمان پر کیا گیا کہ یہ اصلی آزاد ہے جبکہ بعد میں آزاد شدہ معلوم ہوا تو نکاح باطل ہے بالاتفاق۔(ت)

مگر ذخیرہ میں اس بطلان کو بطلان آئندہ یعنی بطلان بعد الفسخ کے ساتھ تفسیر فرمادیا۔ردالمحتار میں ہے:

مامر عن النوازل من ان النکاح باطل،معناہ انہ سیبطل کما فی الذخیرۃ لان المسألۃ مفروضۃ فیما اذالم ترض البنت بعدما کبرت کما صرح بہ فی الخانیۃ والذخیرۃ وغیرھما وعلیہ یحمل مافی القنیۃ [4] الخ۔	نوازل سے جو گزرا کہ "نکاح باطل ہے"اس کا مطلب یہ ہے کہ باطل ہوسکتا ہے جیساکہ ذخیرہ میں ہے یہ اس لئے کہ مسئلہ مفروضہ یہ ہے کہ بیٹی نے بالغ ہونے کے بعد نکاح پر عدم رضامندی کی ہو جیساکہ خانیہ اور ذخیرہ وغیرہ میں تصریح کی ہے۔اور قنیہ میں جو ذکر ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے الخ۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

رجل زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل علی ظن انہ صالح لایشرب الخمر فوجدہ الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنۃ فقالت	ایک شخص نے اپنی بیٹی نابالغہ کا کسی لڑکے سے اس گمان پر کیا کہ لڑکا صالح ہے شرابی وغیرہ نہیں ہے تو بعد میں اسے شراب کا عادی پایا اور بیٹی بالغ ہوچکی ہو اور کہہ چکی ہو کہ

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ الخامس فی الاکفاء نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۶

[2] ردالمحتار بحوالہ النوازل باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۴

[3] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیہ باب فی نکاح الصغار والصغائر مطبعۃ مشتہرہ بالمہانندیہ ص ۷۵

[4] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

لارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوھا بشرب الخمر وغلبة اھل بیتہ الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وھذہ المسألة بالاتفاق کذافی الذخیرة.وانما الخلاف بین ابی حنیفة وصاحبیہ رحمھم اللہ تعالٰی فیما اذا زوجھا من رجل عرفہ غیر کفو فعند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی یجوز لان الاب کامل الشفقة وافر الرأی فالظاھر انہ تأمل غایة التأمل ووجد غیر الکفو اصلح من الکفو کذافی المحیط[1]۔	ایک شخص نے اپنی بیٹی نابالغہ کا کسی لڑکے سے اس گمان پر کیا کہ لڑکا صالح ہے شرابی وغیرہ نہیں ہے تو بعد میں اسے شراب کا عادی پایا اور بیٹی بالغ ہوچکی ہو اور کہہ چکی ہو کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں۔اس صورت میں اگر باپ کا نکاح کے وقت شرابی ہونا معروف نہ ہوا اور اس کا غالب خاندان صالحین لوگ ہوں تو نکاح باطل ہوگا،یعنی باطل ہوسکتا ہے اور یہ مسئلہ متفقہ ہے جیساکہ ذخیرہ میں ہے البتہ امام اور صاحبین کا اختلاف اس صورت میں ہے جب نکاح کے وقت باپ کو لڑکے کا غیر کفو ہونا معلوم ہو تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ باپ کامل شفیق ہے اور مکمل صاحب الرائے ہے لہذا اس نے انتہائی سوچ وبچار کیا ہوگا کہ یہ غیر کفو کفو والوں سے بہتر ہے،محیط میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اور نظر بقواعد ظاہر یہی ہے کہ شوہر کی طرف سے ولی کو دھوکا دئے جانے کی صورت میں مطلقًا بطلان کا حکم ہو،ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان یقال لایصح العقد اصلا کما فی الاب الماجن والسکران مع ان المصرح بہ ان لھا ابطالہ بعد البلوغ وھو فرع صحتہ فلیتأمل[2]۔	ظاہر یہی ہے کہ اصلا نکاح صحیح نہ ہونے کا قول کیا جائے جیساکہ باپ مجنون یا نشے والا ہو،نیز یہ بھی تصریح ہے کہ ایسی صورت میں بالغ ہونے پر بیٹی کو اختیار ہے جبکہ یہ بات نکاح کے صحیح ہونے پر متفرع ہوسکتی ہے پس غور کرو۔(ت)

اقول:(میں کہتا ہوں۔ت)فرع مذکور کی اصل کتاب الاصل اعنی مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے اور وہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے اور ظاہر الروایۃ میں بالغہ کا غیر کفو سے بلارضائے ولی نکاح کرلینا صحیح ہے ولی کو اختیار فسخ ہے اور مختار للفتوی روایت حسن ہے کہ وہ نکاح ہوتا ہی نہیں اور فساد زمانہ کے باعث جو وجہ علماء نے وہاں فرمائی یہاں بھی بلاتفاوت جاری ہے توحکم عبارات مذکورہ میں تاویل نہ کرنا اور دھوکے کی صورت میں نکاح کو سرے سے باطل ٹھہرانا بظاہر وجہ وجیہ رکھتا ہے لااقل اختیار فسخ ہونے میں

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی الکفاءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹۱

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۸

شک نہیں۔ درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان[1]۔	غیر کفو میں نکاح کے متعلق اصلا عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا فساد زمان کی وجہ سے فتوی کے لئے یہی مختار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

لانہ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ والخصومۃ ولا کل قاضی یعدل ولواحسن الولی وعدل القاضی فقد یترك انفۃ للتردد علی ابواب الحکام واستثقالا لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعہ دفعالہ فتح[2]۔	کیونکہ ہر باپ مقدمہ دائر کرنے اور بحث کرنے کا ماہر نہیں ہوتا اور نہ ہر قاضی عادل ہوتا ہے اور اگر باپ ماہر ہو اور قاضی عادل بھی ہو تب بھی حکام کے دروازوں کے چکر لگانے اور مقدمہ بازی کی مشقت سے نفرت تو موجود ہے جس کی وجہ سے ضرر ثابت ہے تو اس ضرر سے بچنے کے لئے وہ باز رہے گا۔ فتح۔(ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴۹: از پکھریرارائے پور ضلع مظفرپور محلّہ نورالحلیم شاہ شریف آباد مرسلہ مولوی شریف الرحمٰن صاحب مرحوم ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید حرامی ہے مگر مسلمان دیندار ہے، شرعا اس کے لڑکا لڑکی سے نکاح والے اپنے لڑکا لڑکی کا عقد کرسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح میں کفاءت معتبر ہے اور کفاءت کا مدار عرف پر ہے ان سے رشتہ عرفا باعث ننگ وعار ہو تو احتراز کیا جائے خصوصا دختر میں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۵۰: مسئولہ اختر حسین خان از بریلی محلّہ شاہ آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک یتیم نابالغہ سیدزادی لے کر پالی اور اسی نابالغی میں اس کا نکاح ایک پٹھان سے کردیا اور اس کا بالغ بھائی تھا اسے اطلاع بھی نہیں دی بوجہ نابالغی رخصت نہ ہوئی اب وہ مفقود الخبر ہے اور لڑکی بالغہ ہوگئی، اس صورت میں وہ اپنا نکاح دوسری جگہ کرسکتی ہے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر یہ بیانات واقعی ہیں تو وہ نکاح اصلانہ ہوا، لڑکی کو اختیار ہے جس اچھی جگہ چاہے اپنا نکاح کرلے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵۱: از شہر بریلی محلّہ براہم پور مسئولہ محمد عرف کمال اللہ شاہ صاحب ۱۱ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ سے بعد دینے طلاق کے اپنی دختر نابالغہ کو طلب کیا اس نے دینے سے انکار کیا، اس وقت زید بارادہ سفر دور دراز کے مجبور ہوا اور متنبہ کردیا کہ خبردار اس کا نکاح خلاف رائے میری کے نہ ہو، چنانچہ مسماۃ مذکورہ نے عدم موجودگی زید کے اس دختر نابالغہ کا نکاح خلاف رائے زید کے کردیا، وہ شوہر دختر مثل عورات بازاری کے رقص کرنے والا ہے اور پابند صوم وصلوٰۃ نہیں شراب خور ہے، اب دختر بفضلہٖ تعالٰی بالغہ ہے اس نے دفتر شکایات اس شوہر کا اپنے باپ زید سے بیان کیا کہ میرا نکاح اس شخص کے ساتھ جائز ہوا یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے بیان کیا نکاح ہوئے تین ۳ برس ہوئے اور عورت کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی اور نابالغہ تھی اور مرد کی عمر پچیس ۲۵ سال تھی اور جبھی سے ناچنے کا پیشہ رکھتا تھا، اور اسی وجہ سے باپ نے اس کے ساتھ نکاح کرنے کو منع کردیا تھا، باپ اندور چلاگیا، اس کے پیچھے عورت نے نکاح کردیا اور باپ کو کوئی خبر نہ ہوئی، لڑکی تین مہینے سے بالغہ ہوگئی، اب کوئی ایک ہفتہ ہوا اس کا باپ اندور سے آیا تو اب لڑکی نے اس سے شکایت کی، اس سے پہلے اس نے بھی کچھ نہ کہا، اگر صورت واقعہ یہ ہے تو نکاح مذکور باطل ہوگیا، ابتداء میں جب نکاح واقع ہوا ہے پدر پر موقوف تھا،

لانہ وان کان من غیر کفو والمزوج غیر اب وجد لکنہ عقد فضولی صدر، ولہ مجیز وھو الاب لان التزویج من غیر کفؤ۔	کیونکہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے اور نکاح دینے والے باپ دادا کا غیر ہیں اور یہ فضولی کا نکاح ہوا جس کو جائز کرنے والا لڑکی کا باپ ہے کیونکہ اسی کو غیر کفو میں نکاح کا اختیار ہے۔ (ت)

جبکہ اس مدت میں عورت بالغہ ہوگئی تو اب وہ نکاح خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا اور اس نے بعد بلوغ مدت سکوت کیا اس کی طرف سے اجازت ہوگئی، تو اب یہ ایسا ہوا کہ بالغہ نے اپنی رائے سے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرلیا اور ایسا شخص ضرور غیر کفو ہے اور اس کے ساتھ بالغہ کا اپنی رائے سے نکاح کرلینا باطل محض

ہے، در مختار میں ہے:

ویفتی بعدم الصحۃ فی غیر کفو لفساد الزمان[1]۔	غیر کفو میں نکاح کے اصلا عدم جواز کا فتوی دیا جائیگا فساد زمان کی وجہ سے۔(ت)

لہذا یہ نکاح باطل محض ہوگیا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵۲تا ۴۵۴: از سیرہ ضلع ہوشنگ آباد محلّہ مانپورہ مسئولہ حافظ شاہ افضل خاں صاحب ۲۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں، براہ کرم جواب سے مع دلائل نقلی کے مشرف وممتاز فرمائیں:

(۱) ایک عورت ہے جو نسبی سیدہ ہے اس سے کسی شخص نے جو نسبًا سید نہیں ہے نکاح کیا تو اس کو لوگ کافر کہتے ہیں تو کیا شخص مذکورہ کافر ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کہنے والوں پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) عورت بالغہ جو نسبا سیدہ ہے باکرہ ہو یا ثیبہ یا مطلقہ کسی شخص سے جو نسبا سید نہیں ہے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) مرد غیر سید نے سیدہ عورت سے نکاح کیا اور اگر وہ نکاح جائز ہوا تو جو اولاد کہ اس سے پیدا ہوگی وہ نسبا سید کہلائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) حاشاللہ اسے کفر سے کیا علاقہ، کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہئے کہ بلاوجہ مسلمان کو کافر کہتے ہیں، امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کہ بطن پاک حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا سے تھیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں دیں اور ان سے حضرت زید بن عمر پیدا ہوئے اور امیر المومنین نسبًا سادات سے نہیں۔

(۲) سیدہ عاقلہ بالغہ اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفو سے نکاح کرے گی ہوجائے گا اگرچہ سید نہ ہو مثلاً شیخ صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا عباسی، اور اگر غیر کفو سے بے اجازت صریحہ ولی نکاح کرے گی تو نہ ہوگا جیسے کسی شیخ انصاری یا مغل، پٹھان سے مگر جبکہ وہ معزز عالم دین ہو،

(۳) جب باپ سید نہ ہو اولاد سید نہیں ہوسکتی اگرچہ ماں سیدانی ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵۵: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالبعلم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی بالغہ ہوگئی اور فی الحال کوئی کفو نہیں ملتا کہ جس کے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

یہاں نکاح ہو غیر کفو ملتے ہیں یعنی کم حیثیت والے یا لڑکی کے والدین سے زائد حیثیت کے ملتے ہیں مگر ذاتا کامل اچھے نہیں، مثلا لڑکے کے آباؤ اجداد اچھے تھے لیکن ان کی جورو طوائف تھی بعد نکاح اس سے یہ لڑکا ہوا تو دونوں میں کس کے یہاں کرنا بہتر ہے یا کفو کا انتظار کرے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فقط مالی حیثیت میں کم ہونا مانع کفاءت نہیں کفو وہ نہیں ہے جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح اس کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہو، باپ اگر شریف القوم ہے اور طوائف سے بعد توبہ اس نے نکاح کیا تو اس سے بچہ کی نسب پر حرف نہیں آتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵۶: از ریاست جاورہ لال املی مسئولہ ممتاز علی خاں صاحب اہلکار محکمہ حساب　۲ شوال ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو یہ یقین دلا کر تمھارا نکاح شوہر محمود جو نجیب الطرفین اور تمھارا کفو ہے کرایا گیا لیکن ہندہ کو بعد نکاح ثابت ہوا کہ شوہر یعنی محمود غیر کفو ہے اب ہندہ اور اس کے عزیز واقارب اپنے کفو کا داخل ہونا عار سمجھتے ہیں اور ہندہ ایسے غیر کفو کو خود بھی شوہر بنانا عار وننگ خاندان سمجھتی ہے نیز اس کا اصل باپ یعنی زید بھی اس تعلق غیر کفو سے ناراض ہے پس ایسی حالت میں نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا غیر کفو ہونے کی حالت میں نکاح فسخ ہی مانا جائے ہندہ بالغہ ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ ہندہ بالغہ ہے اور نکاح غیر کفو سے ہوا اور زید پدر ہندہ نے قبل نکاح اسے غیر کفو جان کر اس سے نکاح کی اجازت نہ دی تو نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت، درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ[1] (ملخصاً)	غیر کفو میں نکاح کے اصلا عدم جواز کا فتوٰی دیا جائے گا جبکہ ولی نے لڑکی کے غیر کفو معلوم ہوجانے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو۔

مگر غیر کفو کے معنی شرعًا یہ ہیں کہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اسکے ساتھ اس کا نکاح اسکے اولیاء کیلئے واقعی باعث ننگ وعار ہو نہ کہ بعض جاہلانہ خیالات پر، بعض عوام میں دستور ہے کہ خاص اپنے ہم قوم کو اپنا کفو سمجھتے ہیں، دوسری قوم والے کو اگرچہ ان سے کسی بات میں کم نہ ہو غیر کفو کہتے ہیں اس کا شرعا لحاظ نہیں جیسے شیخ صدیقی ہو شیخ فاروقی کو اپنا کفو نہ جانے یا سید ہو اور وہ شیخ صدیقی یا فاروقی یا قریشی کو اپنا کفو نہ سمجھے حالانکہ حدیث میں ہے۔

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

قریش بعضھم اکفاء بعض [1] (بعض قریش بعض کے لئے کفو ہیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فلو تزوجت ھاشمیۃ قرشیا غیر ھاشمی لم یرد عقدھا [2]	اگر ہاشمی لڑکی نے غیر ہاشمی قرشی سے نکاح کرلیا تو اسے رد نہیں کیا جائے گا۔(ت)

مسئلہ ۴۵۷: از لکھنؤ محلّہ سبزی منڈی مکان بگن وبٹن عقب مکان ابراہیم صاحب عینک ساز مرحوم مرسلہ عبدالمجید صاحب ۲۸ رجب ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام رحمہم اللہ علیہم اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ کی شادی بغیر حکم یا بے اجازت اس کے والد کے کسی غیر کفو شخص کے ہمراہ اس لڑکی کی ماں کردے تو جائز ہے اور جبکہ اس کی ماں کو بھی دھوکا دیا گیا ہو یعنی جو شخص اس لڑکی کے ساتھ شادی کررہا ہے وہ ایسے آپ کو حلفاً نہایت شریف شخص بتارہا ہے لیکن دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شخص نہایت پنچ ذات کا شخص ہے تو ایسی حالت میں اس لڑکی کی ماں ناراض ہوکر اور باپ بھی ناراض ہوکر اس لڑکی کا نکاح فسخ کراسکتا ہے یا نہیں؟ آیا ان دونوں یعنی لڑکے کے والدین کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ اپنی لڑکی کو بغیر طلاق دلوائے ہوئے دوسرے شریف النسب شخص سے نکاح کراسکتے ہیں یا طلاق دلوانے کی ضرورت ہوگی؟ فقط، بینواتوجروا

الجواب:

اگر صورت واقعیہ یہ ہے کہ نابالغہ کی شادی اس کی ماں نے خصوصاً ایسے شخص سے کردی خواہ دانستہ یا دھوکے سے، اور والد کا اذن نہ اجازت، تو اس صورت میں بدرجہ اولٰی یہ نکاح سرے سے بے ثبات محض ہوا، باپ کو نکاح فسخ کرانے کی اس حالت میں بھی حاجت نہ تھی کہ نکاح کفو سے ہوا ہوتا، اس کا رد کردینا ہی کافی ہوتا، تو یہاں بدرجہ اولٰی اس کا صرف اتنا کہہ دینا بس ہے کہ "میں اس پر راضی نہیں" وہ نکاح رد ہوجائے گا، اور والد کو اختیار ہوگا کہ بغیر طلاق دوسری جگہ نکاح کردے۔

لان عقد فضولی صدر ولہ مجیز فتوقف علی اجازتہ فیرد	کیونکہ یہ فضولی کا عقد ہے جو اس حال میں صادر ہوا کہ اس وقت اس کو جائز کرنے والا موجود تھا تو

[1] فتح القدیر بحوالہ حاکم فصل فی الاکفاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۸۸/۳، ردالمحتار بحوالہ کافی للحاکم باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱۹/۲

[2] ردالمحتار بحوالہ کافی للحاکم باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱۸/۲

بردہ۔	اسی کی اجازت پر موقوف ہوا تو اس کے رد کرنے پر رد ہو جائے گا۔(ت)

اور اگر والد اس سے پہلے اپنی کسی دختر کا نکاح غیر کفو سے کرچکا ہو تو اب اس کی اجازت سے بھی جائز نہیں ہوسکتا نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔

لانہ عقد فضولی صدر ولامجیز لہ لکون الاب عرف بسوء الاختیار فبطل رأسا کمافی الدر وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ ایسا نکاح فضولی صادر ہوا ہے کہ اس وقت اس کو جائز کرنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ باپ سوء اختیار سے معروف تھا لہٰذا یہ باطل ہوگا جیساکہ درو غیرہ میں ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۵۸: از شہر بریلی محلّہ ذخیرہ مرسلہ عبدالحلیم صاحب ۳۰ شوال ۱۳۳۵ھ

صاحبان علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں: زید نے اپنے آپ کو قوم کا پٹھان خاندانی ظاہر کیا اور بکر سے کہا کہ تم اپنی دختر کا نکاح میرے ساتھ کردو، بکر نے اپنی دختر کا نکاح زید کے ساتھ کردیا، بعد نکاح ہوجانے کے بکر کو معلوم ہوا کہ زید قوم کا پٹھان نہیں ہے دھوکا دے کر نکاح کیا، اور وہ قوم کا فقیر تکیہ دار قبرستان ہے کہ جس سے میرے خاندان میں حقارت ہوگی اور سبب بدنامی ہوگی، بکر نے اپنی دختر کو رخصت کرنے سے انکار کیا اور بعد نکاح کے رخصت نہیں کی اور بکر قوم کا سید ہے۔

الجواب:

دختر بالغہ تھی یا نابالغہ؟ کیا عمر تھی، عارضہ ماہواری آتا تھا یا نہیں؟ وقت نکاح دختر سے اذن لیا تھا یا نہیں؟ سب مفصل لکھا جائے کہ سوال لائق جواب ہو **فقط**

عالی جاہ! وقت نکاح دختر کی عمر ۱۳ سال ۲ ماہ کی تھی، عارضہ ماہواری آتا تھا، اذن لڑکی سے لیا گیا تھا لیکن اس نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں جانتی، اس پر مجبورًا اس کی چچی نے اجازت دی، اجازت لڑکی کے باپ کی تھی بلکہ صرف لڑکی کا باپ اور بھائی بھی دونوں گواہ نکاح تھے **فقط**۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ظاہر ہے کہ زید کسی طرح سادات تو سادات کسی مغل، پٹھان کا بھی کفو نہیں ہوسکتا، اور لڑکی بالغہ تھی اور اس نے اذن لینے پر لفظ یہ کہے کہ "میں کچھ نہیں جانتی" ظاہر ہے کہ یہ صاف اذن نہیں بلکہ اس سے معاملہ میں اپنا دخل نہ دینا بحسب منطوق مستفاد ہوتا ہے اور کبھی بحسب قرینہ دوسروں کے اختیار پر چھوڑ نا بھی مفہوم ہوتا ہے یعنی مجھے بحث نہیں تم جیسا جانو کرو۔ بر تقدیر دوم یہ نکاح دختر کی اجازت سے قرار

پائے گااور بالغہ کہ ولی رکھتی ہے اپناجو نکاح غیر کفو سے کرے جسے پیش از نکاح غیر کفو جان کر ولی نے صراحۃً اجازت نکاح نہ دی ہو وہ نکاح باطل محض ہوتا ہے **کمافی البحر والدر واوضحه فی ردالمحتار** (جیساکہ بحر اور در میں ہے اور ردالمحتار میں اس کی توضیح کی گئی ہے۔ت) اس تقدیر پر تو یہ نکاح اصلا ہوا ہی نہیں اور بر تقدیر اول نکاح فضولی تھا اور ضرور ہے کہ بعد نکاح دختر کو نکاح ہوجانے کی خبر عادۃً پہنچی اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس نے خبر سن کر اس نکاح فضولی کو جائز کیا اگرچہ یونہی کہ خبر سن کر مسکرائی یا خاموش رہی، یا جائز نہ کیا بلکہ اپنی ناراضی کا اظہار کیا، بر تقدیر دوم ظاہر ہے کہ وہ نکاح کہ اجازت دختر پر موقوف تھا اس کے اظہار ناراضی سے مردود و باطل ہوگیا، بر تقدیر اول پھر یہ نکاح باجازت دختر ٹھہرا۔

لان الاجازة اللاحقة كالوكالة السابقة[1]۔**وقد صرح به فی الخيرية فی مثل الجزئية۔**	کیونکہ بعد کی اجازت ایسے ہے جیسے سابقہ وکالت ہو، اس کی تصریح خیریہ میں اسی طرح کے جزئیہ میں کی ہے۔(ت)

اور بالغہ ولی رکھتی ہے بے اجازت صریحہ ولی بعد علم بعدم کفاءت جو نکاح غیر کفو سے کرے باطل ہے تو اس طرح باطل ہوگیا، غرض صورت مذکورہ میں جس پہلو پر دیکھا جائے یہ نکاح باطل محض ہے۔**واللہ اعلم۔**

مسئلہ ۴۵۹: قصبہ کست ڈاکخانہ بندھیاچل ضلع مرزاپور مرسلہ محمد زکریا صاحب ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی محمد یحیٰی نے انتقال کیا اور شاہ عبدالکریم والد اور اپنی والدہ اور برادر حقیقی حافظ محمد زکریا اور ہمشیرہ اور زوجہ مسماۃ احمدی بی بی اور دختر مسماۃ محمودہ بی بی زوجہ اولٰی اور دختر مسماۃ راضیہ بی بی زوجہ ثانیہ بااحمدی بی بی کو چھوڑا، شاہ عبدالکریم نے بولایت خود مسماۃ محمودہ بی بی کا عقد مولوی محمد یحیٰی مرحوم کے نانہالی رشتہ دار کے فرزند سے کردیا اور شاہ عبدالکریم کا انتقال ہوگیا قبل انتقال ہونے کے شاہ عبدالکریم مرحوم مسماۃ احمدی بی بی زوجہ مولوی محمد یحیٰی مرحوم وحافظ محمد زکریا اپنے فرزند کو بلاکر وصیت کیا کہ مسماۃ راضیہ بی بی جس کی عمر تخمیناً ڈیڑھ سال کی ہے اس کا عقد تمھارے بیٹے عبدالسلام کے ساتھ بولایت جائز اپنے کئے دیتا ہوں اگر تم اس کے خلاف کروگے تو مواخذہ عقبٰی تمھارے ذمہ ہوگا۔ اب اس لڑکی مسماۃ راضیہ بی بی کا عقد جس کی عمر تخمینا تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ سال کی ہے مسماۃ احمدی بی بی اور اس کے نانا شاہ عبدالعزیز ایک ایسے شخص کے ساتھ جو سب انسپکٹری اور تارک الصلوٰۃ داڑھی منڈواتا ہے اور رشوت خوری اور اس کے خاندان سے اور مولوی محمد یحیٰی مرحوم کے خاندان سے اور مسماۃ احمدی بی بی کے خاندان سے کبھی کوئی رشتہ داری اور قرابت نہیں رہی اور نہ کچھ واسطہ کرنا چاہتے ہیں۔ حافظ محمد زکریا بالغ

[1] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۵

کہتا ہے کہ حق ولایت شرعا مجھ کو حاصل ہے اور لڑکی نابالغ ہے قانونًا اٹھارہ برس بلوغ کا رکھا گیا ہے اور وہ سب انسپکٹر غیر کفو ہے اور خلاف شریعت محمدیہ کے اس کے افعال وحرکات ہیں اور تبرائی رافضیوں سے اس کی رشتہ داری اور اس کی محفلوں اور مجلسوں میں وہ شریک ہوتا ہے اس لئے اس سے نکاح ناجائز اور بدون اجازت ولی یعنی مربی اس کا نکاح اس کی ماں اور نانا وغیرہ کرسکتے، آیا شرعًا ولی جائز کون ہے؟ آیا شرعا کفو سے اور کفو اور غیر کفو کی تعریف شریعت محمدیہ میں کیا تعریف ہے؟ آیا ایک مسلمہ کا نکاح ایسے شخص سے جو تارک الصلوٰۃ ہو اور خلاف شریعت نبویہ کے کام کرتا ہو جائز ہے؟ آیا وصیت پر عمل جائز ہے یا ناجائز؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

سوال سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالکریم نے اپنے انتقال سے پہلے اپنی نابالغہ پوتی راضیہ کا نکاح حافظ محمد زکریا کے بیٹے سے کہ غالبا وہ بھی اس وقت نابالغ ہوگا کیا آگے سوال میں کچھ مذکور نہیں کہ محمد زکریا نے اس جلسہ میں الفاظ قبول کہے یا نہیں، اور اس وقت دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں جلسہ میں حاضر اور شاہ عبدالکریم وحافظ محمد زکریا کے ایجاب وقبول کو سننے والے اور اس کی گفتگو کو عقد نکاح سمجھنے والے موجود تھے یا نہیں، اگر حافظ زکریا نے اسی جلسہ میں اپنے بیٹے کے لئے کہا کہ میں نے قبول کیا اور دو گواہوں نے سنا اور سمجھا تو راضیہ کا اسی وقت نکاح ہوگیا اب اگر اس کا وہ شوہر موجود ہے تو دوسرے سے نکاح ہوسکتا ہی نہیں۔ اور اگر یہ صورت نہ تھی اور سوال سے ظاہر یہی ہے کہ نہ تھی محمد زکریا اپنے ولایت کے دعوی سے اس نکاح سے مانع ہے یہ نہیں کہتا کہ اس کا نکاح تو میرے بیٹے سے ہوچکا۔ تو اب دو صورتیں ہیں اگر راضیہ کے اولیاء اور گھر والے صالحین ومتبع شرع ہوں اور ایک ایسے شخص کے ساتھ کہ فاسق معلن ہے راضیہ کا نکاح ان کے لئے باعث ننگ وعار ہے یا وہ نسب وغیرہ کسی اور بات میں ایسی کمی رکھتا ہے تو راضیہ کے لئے وہ کفو نہیں، شریعت مطہرہ میں بلوغ ظہور آثار پر ہے۔ عورت کم از کم نو۹ برس کی بالغہ ہوسکتی ہے جبکہ اسے عارضہ ماہواری آنا شروع ہو، اور اگر آثار ظاہر نہ ہوں تو جب پندرہ برس پورے کی عمر ہوجائے بالغہ ہوجائے گی، راضیہ کی عمر پندرہ برس سے کم ہے تو اگر اسے عارضہ ماہواری آتا ہے بالغہ ہے ورنہ نابالغہ اگر نابالغہ ہے جب تو شخص مذکور سے کہ غیر کفو ہے اس کا نکاح ہوسکتا ہی نہیں۔ محمد زکریا کہ اس کا ولی ہے اگر وہ بھی کرے گا باطل محض ہوگا نہ کہ احمدی یا شاہ عبدالعزیز کہ ولی ہی نہیں۔ اور اگر بالغہ ہے تو اس پر ولایت جبریہ کسی کو نہیں، بے اس کی اجازت کے کفو سے بھی نہیں ہوسکتا اور غیر کفو سے وہ خود بھی نہیں کرسکتی جبکہ اس کا ولی اس سے نکاح پر راضی نہیں۔ اگر کرے گی تو باطل محض ہوگا، غرض اس شخص کے غیر کفو بمعنی مذکور ہونے کی حالت میں بنا راضی

محمد زکریا یہ نکاح کسی طرح نہیں ہوسکتا خواہ راضیہ بالغہ ہو یا نابالغہ اور اگر وہ اس معنی پر غیر کفو نہیں یعنی راضیہ کے خاندان والے بھی اسی قسم کے افعال رکھتے ہیں اور نسب ومذہب وغیرہ میں بھی کوئی ایسی کمی نہیں کہ یہ رشتہ اولیائے راضیہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو اس صورت میں اگر راضیہ کو عارضہ ماہواری آتا ہے تو وہ خود اپنے نفس کی مختار ہے اگر اس کے ماں یا نانا نکاح کردیں گے اور وہ اجازت دے دے گی صحیح ونافذ ہوگا اور محمد زکریا کو کوئی اختیار اعتراض نہ ہوگا، اور اگر راضیہ راضی نہ ہوگی تو محمد زکریا کے کئے بھی نافذ نہیں ہوسکتا نہ کہ احمدی وعبدالعزیز کے، اور اگر اسے عارضہ ماہواری نہیں آتا تو اب اختیار محمد زکریا کو ہے، اگر احمدی وعبدالعزیز بے اجازت محمد زکریا نکاح کردیں گے اجازت محمد زکریا پر موقوف رہے گا، اگر وہ رد کردے گا باطل ہوجائے گا جائز کردے گا جائز ہوجائے گا، **والمسائل کلها مشهورة وفی عامة الاسفار مذکورة** (یہ مسائل مشہور ہیں اور عام کتب میں مذکور ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

نوٹ: اس جلد کا آخری عنوان **باب الکفائۃ** ہے، بارہویں جلد کا آغاز **باب المهر** سے ہوگا۔

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۲

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد دوازدہم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــ ۱۹۲۱ء

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰
* مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
* شبیر برادرز، ۴۰بی، اردو بازار، لاہور

نام کتاب ______ فتاوی رضویہ جلد دوازدہم
تصنیف ______ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ______ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد عباس رضوی
باہتمام وسرپرستی ______ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ______ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ______
صفحات ______ ٦٨٨
اشاعت ______ رجب المرجب ١٤١٨ھ / مئی ١٩٩٧ء
مطبع ______
ناشر ______ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ______ روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ اعلٰی حضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ وذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ رضویہ لاہور میں ''رضا فاؤنڈیشن'' کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کتاب الطہارۃ، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج اور کتاب النکاح پر مشتمل خوبصورت ضخیم جلدیں آپ تک پہنچ چکی ہیں۔ کتاب النکاح کے اکثر وبیشتر حوالہ جات کی تخریج فاضل جلیل، فن اسماء الرجال ومناظرہ کے ماہر حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی ساکن گوجرانوالہ نے فرمائی ہے، جس پر ادارہ کے اراکین ان کے شکر گزار ہیں۔ اب بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بارہویں جلد پیش کی جارہی ہے۔

اب تک شائع ہونے والی جلدوں کی تفصیل سنین اشاعت اور مجموعی صفحات کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

پہلی جلد	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء	صفحات ۸۳۸
دوسری جلد	ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ / نومبر ۱۹۹۱ء	صفحات ۷۱۰
تیسری جلد	شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ / فروری ۱۹۹۲ء	صفحات ۷۵۶
چوتھی جلد	رجب المرجب ۱۴۱۳ھ / جنوری ۱۹۹۳ء	صفحات ۷۶۰

پانچویں جلد	ربیع الاول ۱۴۱۴ھ/ستمبر ۱۹۹۳ء	صفحات ۶۹۲
چھٹی جلد	ربیع الاول ۱۴۱۵ھ/اگست ۱۹۹۴ء	صفحات ۷۳۶
ساتویں جلد	رجب المرجب ۱۴۱۵ھ/دسمبر ۱۹۹۴ء	صفحات ۷۲۰
آٹھویں جلد	محرم الحرام ۱۴۱۶ھ/جون ۱۹۹۵ء	صفحات ۶۶۴
نویں جلد	ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ/اپریل ۱۹۹۶ء	صفحات ۹۴۶
دسویں جلد	ربیع الاول ۱۴۱۷ھ/اگست ۱۹۹۶ء	صفحات ۸۳۲
گیارہویں	جلد محرم الحرام ۱۴۱۸ھ/مئی ۱۹۹۷ء	صفحات ۷۳۶

بارہویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد پنجم کے **باب المھر** سے **باب تفویض الطلاق** کے آخر تک ۳۲۸ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ بتوفیق اللہ تعالٰی وبفضلہٖ اس راقم پُر تقصیر عفی اللہ تعالٰی عنہ نے کیاہے۔ علاوہ ازیں اس میں شامل رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست بھی راقم نے افادہ قارئین کے لئے تیار کردی ہے۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل نو عنوانات زیر بحث لائے گئے ہیں:

(۱) **باب المھر** (۲) **باب الجھاز**

(۳) **باب نکاح الکافر** (۴) **باب المعاشرۃ**

(۵) **باب القسم** (۶) **باب النکاح الثانی**

(۷) **کتاب الطلاق** (۸) **باب الکنایۃ**

(۹) **باب تفویض الطلاق**

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور گراں قدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱) **البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجّل** (۱۳۰۵ھ)

وطی کے بعد مہر معجّل کی وصولی کے لئے عورت کو منع نفس کا حق حاصل ہے یا نہیں۔

(۲) **اطائب التہانی فی النکاح الثانی** (۱۳۱۲ھ)

نکاح ثانی کے احکام میں۔

() رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق (ھ)

طلاق بائن کے الفاظ کی تعداد اور ان کی تفصیل

نوٹ: اس جلد کے مسئلہ نمبر ۱۲۱ کے آخر سے عربی عبارت کا کچھ حصہ جو فتاوٰی رضویہ قدیم جلد پنجم کے صفحہ ۴۱۳ سے ۴۱۸ تک تھا غیر مربوط ہونے کی وجہ سے خارج کردیا گیا ہے، دراصل یہ عربی عبارت مصنّف علیہ الرحمۃ کی تصنیف جلیل جدّالممتار کی ہے جو سہواً یہاں نقل ہوگئی تھی۔

رجب المرجب ۱۴۱۸ھ — حافظ عبدالستار سعیدی

نومبر ۱۹۹۷ء — ناظم تعلیمات

(جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

فہرست مضامین

متون شروح پراور شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں۔	۱۱۳	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تابعی ہیں۔	۱۱۷
متن وشرح میں تعارض ہو توعمل متن پر ہوگا۔	۱۱۳	علماء نے اس کی تصحیح فرمائی کہ ہم پر بقولِ امام فتوی دینا لازم اگرچہ مشائخ نے اس کے خلاف پر فتوی دیا ہو۔	۱۱۷
متون وفتاوٰی باہم متعارض ہوں تومعتمد وہی ہوگا جو متون کے موافق ہوگا۔	۱۱۳	قولِ امام سے قولِ صاحبین کی طرف یاان میں سے کسی ایک کی طرف بلاضرورت عدول نہ کیاجائے۔	۱۱۸
صاحبِ ھدایہ اصحابِ ترجیح میں سے ہیں۔	۱۱۴	صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں قولِ امام پر فتوی بہر حال میرے نزدیک واجب ہے۔	۱۱۸
امام کمال الدین ابن الہمام صاحب فتح القدیر لائق اجتہاد اور اصحاب ترجیح سے ہیں	۱۱۴	وقت عشاء میں قول صاحبین کو درر میں مفتٰی بہ کہا اس پر اعتماد جائز نہیں کہ قول امام سے عدول کا کوئی سبب نہیں۔	۱۱۸
معاصرت دلیلِ منافرت ہے۔	۱۱۴	بغیر ضعف دلیل یاضرورت یاتعامل یااختلافِ زماں قولِ امام پر قولِ صاحبین مرجّح نہیں ہوسکتا۔	۱۱۸
امام قاضی خاں اصحابِ ترجیح سے ہیں اُن کی تصحیح اوروں کی تصحیح پرمقدم ہے ان کی تصحیح سے عدول نہ کیاجائے۔	۱۱۴	ضعف دلیل جس کے سبب قولِ امام سے عدول جائز ہے وُہ ہے کہ اعاظم ائمہ مجتہدین فتوی اس کے ضعف پر تنصیص کریں۔	۱۱۹
علماء نے شروح وفتاوٰی کی بعض صریح تصحیحیں صرف اس بناء پر رَد کردیں کہ متون ان کے خلاف پر ہیں۔	۱۱۵	بیع عین پر وارد ہوتی ہے۔	۱۱۹
جس پر متون ہوں وہی قول معتمد ہوگا۔	۱۱۵	نکاح عورت کے گوشت پوست پر نہیں منافع بضع پر وارد ہوتا ہے۔	۱۱۹
عصبات کے بعد ولایتِ نکاح ماں کو ہے۔	۱۱۵	بصورت تجدّد بعض کی تسلیم کل کی تسلیم نہیں اور نہ بعض پر رضاسے کل پر رضالازم ہے۔	۱۲۰
صاحب محیط ائمہ ترجیح سے ہیں	۱۱۵	بیع میں اگر چند چیزیں ایک عقد بیچیں اور بعض بخوشی دے دیں، بعض باقی کو روک سکتا ہے جب تک تمام ثمن وصول نہ ہو۔	۱۲۰
بعض جگہ قولِ صاحبین پر فتوی کی وجوہ۔	۱۱۶	اشیائے متعددہ میں اقباض بعض اقباض کُل نہیں۔	۱۲۰
ایک تہائی مذہب کے قریب قولِ صاحبین قولِ امام کے خلاف ہے لیکن اکثر اعتماد قولِ امام پر ہی ہے۔	۱۱۶	ثمن مؤجل ہو تو حبس مبیع کا استحقاق بالاجماع زائل ہوجاتا ہے۔	۱۲۰

یُونہی اصل وفرع شوہر کا بشہوت بوسہ لینا یا مَسّ ذکر یا بشہوت اصل یا فرع کے ذکر کی طرف نظر کرنا۔	۱۲۷	ہندہ کا مہر مؤجل ہے اور کوئی میعاد معیّن قرار نہ پائی اور طلاق بھی نہ ہوئی، ہندہ مہر لینے کی کس وقت مستحق ہے۔	۱۳۲
عورت اگر اپنی صغیرہ (سَوت) کو دودھ پلادے قبل وطی یا خلوتِ صحیحہ یا موت یا شوہر کی موت سے پہلے ایسا کیا تو مہر ساقط ہوجائے گا۔	۱۲۷	زید نے ہندہ کو طلاق دے دی جب مہر طلب کیا گیا تو کہا مہر دس[۱۰] درہم تھا تعداد مہر نہ ہندہ کو یاد ہے نہ اس کے ولی خالد کو، نہ قاضی اور نہ وکیل کو، اور نہ یہ یاد ہے کہ نکاح کے گواہ کون کون مقرر ہوئے تھے، مگر اس قوم میں مہر کم درجہ پانچسو[۵۰۰] روپیہ اور دو[۲] دینار سُرخ اکثر ہے، دس[۱۰] درہم کسی کا نہیں بلکہ شہر بھر مین شاید کسی کا بھی ۱۰ درہم مہر نہ ہو۔ ولی ہندہ پانچسو[۵۰۰] روپیہ اور دو[۲] دینار سُرخ کا طالب ہے، ہندہ دس درہم پائے گی یا بموجب عرف پانچ سو روپیہ اور دو دینار سُرخ۔	۱۳۳
اگر ان مؤکدات ثلثہ سے کسی ایک کے وقوع سے پہلے بخیار بلوغ مرد یا عورت فسخ نکاح اختیار کرے تو پورا مہر ساقط ہوجائے گا۔	۱۲۷	مہرہ ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ زہرا کس قدر تھا	۱۳۵
اگر عقد فاسد قبل از وطیٔ حقیقی متارکہ ہو جب بھی پُورا مہر ساقط ہوجائے گا۔	۱۲۷	عامہ ازواج مطہرات وبنات مکرمات حضور پر نور علیہ وعلیہن افضل الصلوات واکمل التحیات کا مہر اقدس پانچسو درہم سے زائد نہ تھا۔	۱۳۵
اگر معاذاللہ مرد مرتد ہو یا عورت کی دختر سے زنا کرے یا عورت کی اصل وفرع کسی سے یا ان میں سے کسی کا بشہوت بوسہ لے یا مساس کرے یا ہم آغوش ہو یا فروج اندرونی پر نظر کرے ان سب صورت میں نصف ساقط ہوجائے گا جبکہ مؤکداتِ ثلثہ سے پہلے ان میں سے کوئی بات واقع ہو۔	۱۲۷	نش نصف اوقیہ کو کہتے ہیں	۱۳۶
قبل وطی یا خلوت کے طلاق ہو تو نصف مہر دینا ہوگا۔	۱۲۷	امّ المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر ایک روایت پر چار ہزار درہم اور دوسری پر چار ہزار دینار تھا۔	۱۳۶
اگر کبیرہ نے صغیرہ کو دُودھ پلادیا تو دونوں حرام ہوگئیں اور صغیرہ کا مہر نصف ساقط نصف لازم۔	۱۲۸	حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا۔	۱۳۶
زید نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح بکر سے کیا زوجہ بحالتِ نابالغی بکر کے گھر مر گئی ورثائے نابالغہ بکر شوہر پر کس قدر مہر کا دعوی کرسکتے ہیں۔	۱۳۰	درہم شرعی کا وزن۔	۱۳۶
		دینار کا وزن۔	۱۳۷

نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کے باپ کو شوہر کی ماں نے دودھ پلایا ہے لاعلمی میں ہمبستری ہوچکی مہر کی نسبت کیا حکم ہے۔	۱۵۶	صراحتًا کہی ہوئی بات عرف ورواج وغیرہ سے دلالۃً سمجھی جانے والی بات پر ترجیح رکھتی ہے۔	۱۵۹
نکاح فاسد میں متارکہ بالقول ہی ہوسکتا ہے مثلًا یُوں کہہ دے کہ میں نے تیری راہ کھول دی یا تجھے چھوڑا۔	۱۵۶	زیور وغیرہ جو شوہر نے عورت کو دیا اور تملیک صراحتًا یا عرفًا کسی طرح ثابت نہ ہوئی تو اس میں قول شوہر معتبر ہوگا اور وُہ جبرًا واپس لے سکتا ہے۔	۱۵۹
نکاح محارم نادانستہ واقع ہوجائے تو بعد وطی مہر مثل پورا لازم آتا ہے اگرچہ مسمّٰی سے زائد ہو۔	۱۵۷	بلاتملیک شوہر زیور وغیرہ عورت کے برتنے، پہننے اور استعمال کرنے سے ملک عورت ثابت نہیں ہوسکتی۔	۱۶۰
ہندہ کا نکاح بالغی میں زید کے ساتھ ہوا رخصت نہیں ہوئی، ہندہ مہر چاہے تو پاسکتی ہے یا نہیں۔	۱۵۷	گھر مین پہننے کے کپڑے جن کا دینار بحکم نفقہ شوہر پر واجب ہوچکا تھا وُہ دے کر دعوی کرے کہ میں نے عورت کو مالک نہیں بنایا تھا تو اس میں شوہر کا قول معتبر نہ ہونا چاہئے۔	۱۶۰
نکاح نافذ غیر لازم ہو اور رَد سے پہلے احدالزوجین کا انتقال ہوجائے تو کل مہر لازم ہوگا۔	۱۵۷	عورت نے اقرار کیا کہ یہ چیز شوہر کی ملک تھی پھر دعوی کرے کہ اس کی ملکیت میری طرف منتقل ہوگئی ہے تو بغیر گواہوں کے عورت کا یہ دعوی ثابت نہ ہوگا۔	۱۶۰
نکاح موقوف تھا ہنوز نافذ نہ ہوا تھا احدالزوجین نے انتقال کیا تو اصلًا کچھ مہر نہ ملے گا۔	۱۵۷	اپنی زوجہ کو بے طلاق دئے اس کی رضاعی بہن سے بھی نکاح کرلیا جب اس کا حرام ہونا معلوم ہوا تو ثانیہ کو طلاق دینا چاہا وُہ مطالبہ مہر کرتی ہے اس صورت میں صرف تفریق معتبر ہے یا اس پر طلاق ہوگی اور مہر زوج پر لازم ہوگا یا نہیں۔	۱۶۰
زید نے نکاح کیا عورت کو مرد کے قابل نہ پایا طلاق دے دی مہر لازم ہوگا تو کتنا۔	۱۵۸	ایک بہن نکاح میں ہو تو دوسری سے نکاح فاسد۔	۱۶۰
زید نے اپنی منکوحہ کو نکال دیا اور کئی مہینے نان نفقہ نہ دیا پھر طلاق دے دی۔ عورت کا مہر (۵ ؎ صہ ۵) تھا زید نے ایک مکان (صہ عہ) کا بعوض دین مہر رجسٹری کرادیا تھا اب عورت کو بے دخل کردیا، اپنے دئے ہوئے زیور واپس لینے کا دعویدار ہے کیا حکم ہے۔	۱۵۹	نکاح فاسد میں متارکہ واجب ہے۔	۱۶۰
جب زن وشوہ ایک دوسرے کو کچھ ہبہ کریں تو رجوع کا اختیار نہیں اگرچہ نکاح منقطع ہوجائے۔	۱۵۹		

زید نے ہندہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں تجھے طلاق دوں تو مہر سو روپے دوں اور تو خود طلاق چاہے تو تین روپے، ہندہ طلاق چاہتی ہے تو سو کی مستحق ہوگی یا تین کی۔	۱۶۸	اگر کسی قوم یا شہر کا رواج عام ہو کہ اگرچہ تصریح نہ کریں مگر اس قدر پیشگی دینا ہوتا ہے تو بلا قرار داد صریح بھی اتنا معجّل ہوجائے گا باقی بدستور مؤجل یا مؤخر رہے گا۔	۱۷۱
ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو قبالہ لکھ دی کہ جو کچھ تقریبات شادی وغمی وخاندانی میں صرف ہوگا اس کے سرانجام کا صرفہ میرا ہے اور آمدنی و تنخواہ و جاگیر سے کوئی علاقہ نہیں، اس قبالہ کے بعد وہ یا اس کی اولاد اس شرط کو وفا نہ کرے تو زوجہ کو جو کچھ دے وُہ اس کے مہر میں شمار کرے تو کیا حکم ہے۔	۱۶۹	بے تعیین مہر نکاح ہوگا یا نہیں اور شرعی مہر کہا تو کس قدر لازم ہوگا۔	۱۷۲
شوہر نے جو کچھ عورت کو دیا اگر قسم کے ساتھ کہہ دے کہ میں نے مہر میں دیا تو تین صورتوں کے ماسوا میں اس کا قول مان لیا جائے گا۔	۱۶۹	مہر شرعی جو بنات صالحات کا چار سو مثقال چاندی ہے آج کل کے سکّہ سے کتنے روپے ہوئے۔	۱۷۲
مہر معجّل ومؤجل کی کچھ تعداد ہے یا نہیں، اور کس وقت زرِ مہر وصول کرنے کا مجاز ہے اور کوئی سبب ہے یا نہیں۔	۱۷۱	مہر ازواج مطہرات سوائے ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے کہ پانچ سو درہم ہے سکّہ مروّجہ سے کس قدر ہوتے ہیں، وزن درہم اور اوقیہ اور مثقال اور دینار کی صراحت فرمائی جائے۔	۱۷۳
مہر تین قسم ہے: (۱) معجّل (۲) مؤجل (۳) مؤخر۔	۱۷۱	دس درم شرعی کے سکّہ مروّجہ سے کے روپے ہوتے ہیں۔	۱۷۳
مہر مؤخر یہ ہے کہ نہ پیشگی ٹھہری ہو نہ کوئی میعاد مقرر کی گئی ہو یونہی جو مطلق ومبہم طور پر بندھا ہو۔	۱۷۱	آجکل جو حیثیت سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہے جس کے ادا کی کوئی صورت حالت موجودہ سے نہیں، دل میں خیال کرکے کہ دینا پڑتا نہیں زبانی جمع خرچ ہے قبول کرلو نکاح کرے تو کیا حکم ہے۔	۱۷۳
آج کل عام مہر بطور مؤخر ہی بندھتے ہیں۔	۱۷۱	وہ کون سی صورت ہے کہ صرف ایک جوڑا کپڑا پانے کی زوجہ مستحق ہے۔	۱۷۳
مہر مؤخر میں جب تک موت یا طلاق نہ ہو عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں۔	۱۷۱	میکے والوں نے محض جھُوٹی خبر پر کہ سسرال والے زہر دے دیں گے ہندہ کو روک رکھا ہے ان کا ارادہ مہر وصول کرکے دوسری جگہ شادی کردینے کا ہے، نصف مہر معجّل ہے اور نصف غیر معجّل، معجّل میں زمانہ کی کوئی حد نہیں اسے روک رکھنا قبل طلاق مہر وصول کرنا، دوسری جگہ شادی کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۱۷۳
مہر معجّل ومؤجل کے لئے شرع مطہر نے کوئی تعداد معیّن نہ فرمائی۔	۱۷۱		

ہندہ مدعیہ نے گواہوں سے ثابت کیا کہ میرا مہر ایک لاکھ روپے تھا شوہر نے گواہوں سے یہ ثابت کیا کہ دس ہزار تھا کس کے گواہ معتبر ہوں گے کمی کے یا زیادتی کے۔	۱۸۵	نفقہ کے لئے کچھ پاس نہ رہنا مانع صحت مہر نہیں جو مہر میں یں دے دیا وہ عورت کا ہوگیا۔	۱۹۳
نکاح کے لئے مہر کا ہونا لازم ہے یا نہیں، مہر کی نقد ادھار، ان کا کیا شرعی حکم ہے۔	۱۸۹	یہ رواج کہ بہن کو ترکہ نہیں دیتے باطل ومردود ہے۔	۱۹۳
اگر عورت چاہے تو سب مہر کو مثل نقد یا اپنے قرضہ کے وصول کرسکتی ہے۔	۱۸۹	اگر طالق ومطلقہ دونوں کہتے ہیں کہ وطی اور دخول نہیں ہوا تو کیا حکم ہے۔	۱۹۳
زوج نے جو زیور مہر معجّل دیا اگر واپس لے لے تو مقروض ہوگا یا نہیں۔	۱۸۹	اگر طالق اور مطلقہ میں خلوت ودخول کے بارے میں اختلاف ہو تو کس کے قول پر اعتماد ہوگا۔	۱۹۳
زوج نے پانسو روپے کا مکان منجملہ مہر معجّل خرید کردینے کا وعدہ کیا تو زوجہ مہر معجّل پانے کی مستحق ہے یا نہیں۔	۱۸۹	ثبوت خلوت صحیحہ یا دخول گواہوں سے ہوگا یا طالق ومطلقہ سے۔	۱۹۳
جب تک شوہر مہر معجّل ادا نہ کرے نان نفقہ پاسکتی ہے یا نہیں۔	۱۸۹	جو شخص ایسی بات کا انکار کرے جس میں اس کا نفع ہو تو اس کا قول معتبر نہیں۔	۱۹۴
مہر غیر معجّل بعد خلوتِ صحیحہ کب سے کب تک پانے کی مستحق ہے، اگر ہر وقت پانے کی مستحق ہو تو جب تک وصول نہ کرلے زوج کے گھر جانے سے انکار کرسکتی ہے یا نہیں۔	۱۸۹	نفی پر شہادت معتبر نہیں۔	۱۹۴
مہر کی اقسام ثلثہ یعنی معجّل، مؤجل اور مؤخر کی تعریفات اور احکام کی تفصیل۔	۱۸۹	کسی قبیلہ میں رسم ہے کہ عقد سے پیشتر جو شرائط متعلق عقد طے کرنا ہوتے ہیں والدین یا اور اعزّہ طے کرتے ہیں نوشاہ خاموش رہتا ہے جو طے ہوتا ہے اس کا وُہ پابند سمجھا جاتا ہے، اور پابندی کرتا ہے زید اسی قبیلہ کا ہے یہ طے ہوا کہ زید بعد بلوغ زوجہ سسرال میں رہ کر نان ونفقہ کی خبر گیری کرے گا اور بعوض مہر جو پانچ ہزار پانسو روپے ہے جائداد وغیر منقولہ دوسالہ کے اندر زوجہ کے نام خرید وادیگا یا نقد دیگا، زید معاہدوں سے منکر ہے کہتا ہے یہ معاہدہ میرے والد سے ہوا تھا' نہ مجھ سے، حالانکہ اُس وقت وہ موجود تھا اور بالغ تھا اور کسی بات پر انکار نہ کیا، کیا زید ان معاہدوں کے پورا کرنے کا ذمہ دار نہیں۔	۱۹۵
ایک شخص نے نکاح کیا اپنی ساری جائداد کا مہر کیا جائداد علی التوریث چلی آرہی ہے جو ایک کھیت زمین بارانی اور مکان سکنی اور آمدنی خانقاہ ہر قسم حصّہ خود، ایک گاؤں سے کچھ نقد رقم آتی ہے وہ غرض سب جائداد منقولہ وغیر منقولہ بیوی کے نام کرکے ہبہ کردی یہ جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کیسا مہر لازم ہوگا۔	۱۹۱		

المعروف کالمشروط۔	۱۹۵	اس حدیث کا مطلب جس میں فرمایا گیا کہ جن کا نکاح ہوا اور ان کی نیت میں اداءِ مہر نہیں وُہ روزِ قیامت زانی وانیہ اٹھائے جائیں گے۔	۱۹۹
عقد سے پہلے یہ طے ہوا کہ مہر مؤجل باجل دو سال ہے دو سال کے اندر بعوض مہر ساڑھے پانچ ہزار روپے جائداد غیر منقولہ زوجہ کے نام شوہر خرید دے گا یا نقد ادا کرے گا مگر وقتِ عقد صرف اتنا کہا گیا کہ مہر موء جل مطلق ہوگا یا باجل دو سال مؤجل۔	۱۹۵	**باب الجھاز** (جہیز)	۲۰۱
زید نے اپنے نواسے خالد کی منگنی میں ایک زیور اس کے والد عمرو کو دے کر کہا کہ یہ تمہارے لڑکے کی طرف سے بطور نشانی لڑکی کو پہناتا ہوں اُس وقت خالد نابالغ تھا عمرو نے قبول کرکے لڑکی کو خالد کی طرف سے پہنادیا اب لڑکا لڑکی جوان ہیں لڑکا طلاق پر آمادہ ہے زیور وغیرہ واپس ہوئے، زید کہتا ہے وُہ زیور جو میں نے دیا تھا مجھے ملے، لڑکا کہتا ہے کہ مجھے، عمرو کہتا ہے مجھے ملنا چاہئے۔ کون مستحق واپسی ہے۔	۱۹۷	جہیز کا مالک بی بی کی حیات میں اس کا شوہر ہے یا وہ خود۔	۲۰۱
نابالغ کو ہبہ کیا اس کے باپ نے قبضہ کرلیا تو ہبہ تام ہوگیا۔	۱۹۸	اگر شوہر اس زیور میں بے اذن زوجہ تصرف کرے جو اسے جہیز میں ملا تھا تو نافذ ہوگا یا نہیں۔	۲۰۲
ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو واپس نہیں لے سکتا۔	۱۹۸	باپ جو چیز اپنی صحت کی حالت میں بیٹی کو سونپ دے وہ اس سے واپس نہیں لے سکتا نہ اس کے وارثوں کے لینے کا کوئی حق۔	۲۰۲
والدین نے بخیال دُنیا اس قدر وسیع مہر بندھوایا کہ لڑکا کسی طرح ادا نہیں کرسکتا، لڑکے نے اس خیال سے کہ منظور نہ کروں گا تو نکاح منظور نہ ہوگا منظور کرلیا، بالغہ لڑکی نے کچھ دن بعد بخوشی معاف کردیا، چند لوگ کہتے ہیں یہ نکاح ناجائز ہے اور صحبت حرام۔	۱۹۹	ان شہروں میں یہ متعارف ہے کہ جوڑا دُولھا کی جانب سے دُلھن کو بھیجا جاتا ہے بایں اُمید کہ اُدھر سے بہت زیور وغیرہ ملے گا لہٰذا جوڑے بہت گراں قیمت اور اس کے ہمراہ اور کچھ بھی بھیجا جاتا ہے اور صراحت بھی ہوتی ہے کہ ادھر سے دو سو کا جائے گا تو اُدھر سے چار سو کا آئے گا۔ اس صورت میں کیا جُدائی پر واپس لیا جاسکتا ہے یا نہیں، اور اگر ہلاک کردے تو کیا حکم ہوگا۔	۲۰۲

والدین زوجہ نے بہو کو کچھ زیور واسطے تالیف دیا، یہ سمجھ کر کہ کہا ہمارے گھر میں رہے گا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہوگا جب چاہیں دوسرے کام میں لائیں گے جیسا تاجر بطور رعایت دیا کرتے ہیں، اپنے گھر کی زیبائش کے لئے نہ کہ بطور تملیک اس صورت میں اس کے مالک والدین ہیں یا نہیں۔	۲۰۳	ہبہ سے رجوع مکروہ تحریمی ہے۔	۲۰۶
جہیز ہمارے بلاد کے عرف عام شائع میں خاص ملک زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں طلاق ہوئی تو کُل لے لے گی وار مر گئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہوگا۔	۲۰۳	موہوب لہ، مِلک سے خروج مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۰۸
عورتیں جو بے تکلف اموالِ شوہر استعمال میں رکھتی ہیں ان سے وُہ ان کی ملک نہ ہوں گے۔	۲۰۳	عاریت سے بحالتِ بقاء ہر وقت رجوع جائز وحلال ہے۔	۲۰۸
عوض ومعوض ایک مِلک میں جمع نہیں ہوسکتے۔	۲۰۳	جو اشیاء عاریتًا لی جائیں وہ اگر بلا تعدّی ہلاک ہوجائیں تو ضمان لازم نہیں۔	۲۰۸
بلادِ شام وغیرہ میں اس امید پر مہر بڑھاتے ہیں کہ عورت کثیر جہیز لائے گی۔	۲۰۴	مستعار شئی میں اگر بحالتِ استعمال نقصان آجائے تو ضمان لازم نہیں بشرطیکہ استعمال معہود ہو۔	۲۰۸
ہلاک موہوب مطلقًا مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۰۴	اگر عاریت کسی وقتِ معین تک ہو اور لینے والا واپسی پر قدرت کے باوجود وقتِ معیّن کے بعد بھی اپنے پاس اسے روکے رکھے تو اب ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا اگرچہ وقتِ معیّن کے بعد استعمال نہ کی ہو۔	۲۰۹
قرابت محرمہ اور زوجیت دونوں مانع رجوع ہبہ ہیں۔	۲۰۵	فتوٰی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب ہے۔	۲۰۹
عوض صریح موانع رجوع ہبہ سے ہے۔	۲۰۶	باپ نے بیٹے کی شادی اپنے صرف سے کی اب بہو کا جہیز روکتا ہے کہتا ہے میں نے جو شادی میں صرف کیا ہے اس کے عوض میں نے یہ مال رکھ لیا ہے، اس مال اسباب کی مالک زوجہ ہوگی یا والدِ زید۔	۲۱۰
ہبہ میں جہاں رجوع کا اختیار ہو وہاں بھی رجوع سے گنہگار ہوگا۔	۲۰۶	باپ کے انتقال کے بعد بکر نے اپنی دو چھوٹی بہنوں کی پرورش کی، ان کی شادیاں بھی بعد بلوغ کردیں، خرچ پرورش و شادی مال متروکہ مشترکہ سے کیا، یہ خرچ بکر کو ان دو ۲ چھوٹی بہنوں سے مجرا ملے گا یا نہیں۔	۲۱۱
دے کر پھیرنے والا مثل کُتّے کے ہے کہ قے کرکے پھر کھالے۔	۲۰۶	بحکم دیانت بحالت عدم وصی وارثان کبیر کو وارثانِ صغیر کو پرورش کرنا، ان کے کھانے پینے کی چیزیں ان کے لئے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اسراف و تبذیر ان پر اٹھانا شرعًا جائز ہے جبکہ وُہ بچے ان کے پاس ہوں۔	۲۱۲

دینے والا دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے۔	۲۲۱	(۴) شرح وقایہ میں ہبہ واپسی کا حکم ہے، کیا ہبہ جہیز اسی قسم کا ہے۔	۲۲۸
بہن بھائی ترکہ میں شریک ہوں اور بھائی بہن کو جہیز دے تو یہ عرفاً ہبہ نہیں، بخلاف والدین ان کا جہیز عرفاً ہبہ ہوگا۔	۲۲۱	(۵) جو شیئ منجانب مدعیہ داماد کو ملی ہو اس کی واپسی کا مدعیہ کو کیا حق ہے۔	۲۲۸
قبول علم کی فرع۔	۲۲۲	(۶) جو سامان مدعا علیہ نے وقت شادی اپنی بی بی کو دیا مدعیہ اسے بھی لے سکتی ہے۔	۲۲۸
اگر کسی نے کہا میں نے اپنے درختوں کے پھلوں کی لوگوں کو اجازت دی کہ جو لے وہ اس کا ملک ہے تو جن لوگوں کو واہب کے اس اذن کی خبر ہوئی وہ جو بھی لیں گے اس کے مالک بن جائیں گے مگر جو شخص اذنِ واہب سے بے خبر ہوگا وُہ جو کچھ لے گا اس کا مالک نہیں ہوگا۔	۲۲۲	(۷) مرحومہ کے حکم سے جو شیئ اس کے صرف کے لئے رہن ہوئی اسے کون چھڑائے گا۔	۲۲۸
ہبہ مشاع محتمل قسمت صحیح نہیں اور نہ ہی مفید ملک۔	۲۲۵	جواب سوال اوّل تا چہارم۔	۲۲۸
ہبہ مشاع غیر متحمل قسمت کی شرط صحت یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو۔	۲۲۵	بعض احکام شرع بحکم شرع عرف پر دائر ہوتے ہیں۔	۲۲۸
فیض النساء نے اپنی سوتیلی لڑکی کی شادی کی، شادی کے ڈیڑھ برس بعد لڑکی مر گئی فیض کل سامانِ جہیز کی واپسی کو کہتی ہے کہ میں نے اپنے پاس سے یہ سب سامان کیا تھا اس لئے اس کی واپسی کی میں حقدار ہوں، سامانِ جہیز واپس لینے کا رواج مدراس میں جاری ہے۔ لڑکی کا شوہر جواب دیتا ہے کہ زیور وغیرہ مرحومہ کے حکم سے اسکے معالجہ وغیرہ میں رہن رکھے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ میرا بہت روپیہ صرف ہُوا، مرحومہ کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا زندہ تھا وہ اسکے مال کا مالک ہوا اور اس کے بعد میں بطور باپ وارث ہوں، حکم شرعی کیا ہے۔	۲۲۷	اشیاء منقولہ میں اسے جنکا وقت معروف ہو جائز ہے ورنہ نہیں۔	۲۲۸
(۱) مدراس میں لڑکی مرجائے تو جہیز واپس لینے کا رواج ہے کیا حکم ہے۔	۲۲۷	جن چیزوں کے استصناع کا رواج ہو ان میں اُجرت دے کر معدوم شئی کا بنوانا جائز ہے ورنہ نہیں۔	۲۲۸
(۲) شرع میں رواج ملک کو کیا دخل ہے۔	۲۲۸	شرائط بیع میں سے جو شرط مفسد معروف ہو جائے محتمل ہے ورنہ نہیں۔	۲۲۸
(۳) جہیز کا سامان عاریۃً سمجھا جائے گا یا تملیکًا۔	۲۲۸		

مرتہن کا شئی مرہون سے انتفاع اگر باذنِ راہن بے شرط ہو توجائز ورنہ حرام، مگر ہمارے زمانے میں مطلقًا حکمِ حُرمت دیا جائیگا کو بے طمعِ نفع بہ مرہون قرض نہ دینے کا عُرف ورواج ہے۔	۲۲۸	مملک جہت تملیک کو زیادہ جانتا ہے۔	۲۳۲
جب دوامر محتمل ہوگا مغلوب نامقبول ہوگااور جہاں دونوں برابر ہوں وہاں تعیین مراد کا قول بقسم معتبر ہوگا۔	۲۲۹	ہبہ تاحینِ حیات ہبہ کاملہ ہے اور حینِ حیات کی شرط لغو و باطل ہے۔	۲۳۳
عرف غالب کا اعتبار ہوگا مغلوب نامقبول ہوگا اور جہاں دونوں برابر ہوں وہاں تعیین مراد کا قول بقسم معتبر ہوگا۔	۲۲۹	احدالمعاقدین کی موت رجوع ہبہ کے موانع میں سے ہے۔	۲۳۵
بیٹی کو جہیز دیا پھر مدعی ہوا کہ میں نے عاریۃً دیا تھا بیٹی کہتی ہے تملیکًا یا اس کے مرنے کے بعد اس کا شوہر یہ کہتا ہو تو کس کا قول کب اور کس طرح معتبر ہوگا۔	۲۲۹	بحالت عدم عرف مدعی کا قول بقسم معتبر ہوگا یہ حکم باپ کے لئے ہے حقیقی ماں کو بھی اس سے عرفًا لاحق کیا گیا ہے۔	۲۳۶
جہاز میں جس کا قول معتبر ہوگا بقسم معتبر ہوگا۔	۲۳۰	ماں کا دعوی اختصاص محتاج بینہ ہونا چاہئے مگر دوصورتوں میں ،ایک یہ کہ باپ مال نہ رکھتا ہو، دوسرے یہ کہ ماں نے اس سے جدا ہو کر بطور خود تزویج کی ہو۔	۲۳۶
عرف جن خصوصیتوں کے ساتھ ہو سب کی رعایت واجب ہے۔	۲۳۰	لڑکی نے باپ کے مال سے دستکاری کرکے جہیز کا کچھ سامان تیار کیا ماں کے مرنے بعد باپ نے وہ سامان جہیز میں اسے دے دیا تو یہ سب اسی کا ہے اسی کے بھائیوں کو حق نہیں کہ وُہ اسے ماں کا ترکہ قرار دے کر اپنا حصہ طلب کریں۔	۲۳۸
اگرایک خاص مقدار تک حسبِ حیثیت جہیز دینے کا عرف ہو اور اس کے زائد عاریت تو اس مقدار تک تملیک سمجھیں گے اور زائد میں قول واقع بالاتفاق معتبر مانیں گے۔	۲۳۰	دادا باپ کی طرح ہے سوائے چند مسائل کے۔	۲۳۹
بیٹی کا باپ پر قرض تھا جہیز دیا پھر کہا میں نے قرضہ میں دیا ہے، بیٹی کہتی ہے نہیں اپنے مال سے تو کس کا قول معتبر ہوگا۔	۲۳۱	بی بی بے جہیز رخصت ہو کر آئی تو شوہر کو پانے خسر سے ان دراہم ودنانیز کا مطالبہ پہنچتا ہے جو اس نے بھیجے ہوں جبکہ بعد زفاف زمانہ دراز تک چُپ نہ بیٹھا ہو۔	۲۴۴
شوہر نے زوجہ کو کوئی چیز بھیجی، عورت کہتی ہے ہدیہ ہے، شوہر کہتا ہے مہر، تو کب، کس کا قول معتبر ہوگا۔	۲۳۲	زمانہ دراز سے کون سازمانہ مراد ہے۔	۲۴۴

ایک زمانہ تک کسی شیئ میں تصرف ہوتا دیکھتا رہا پھر مدعی ہوا حالانکہ پہلے بھی دعوی کے کوئی امر مانع نہ تھا اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔	۲۴۵	اگر مالک سے پوچھ کر اس کی شیئ کو رہن رکھا یا بعد رہن مالک نے اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردیا تو رہن نافذ صحیح ہوگیا۔ اب جب تک دین مرتہن ادا نہ ہو مالک مرہون شیئ کو واپس نہیں لے سکتا۔	۲۴۹
اگر اجنبی نے جہیز دیا بعد مرگ عروس عاریت کا مدعی ہوا تو بے بینہ اس کا قول معتبر نہیں۔	۲۴۵	مالک کی اجازت سے کوئی شیئ کسی نے رہن کردی تو مالک کو اختیار ہے کہ مرتہن کا دین دے کر اپنی چیز چھڑالے اور جو کچھ مرتہن کو دے وُہ مدیون یا اس کے وارثوں سے واپس لے لے۔	۲۴۹
اب سوال پنجم ۔	۲۴۵	سوتیلی ماں نے حسب رواج ملک مال ومتاع بنام جہیز لڑکی کو دیا لڑکی کے بعد واپسی چاہتی ہے دیتے وقت نہ تو تملیک کی نیت ہوتی ہے نہ عاریت ہبہ کی، لہذا حسبِ رواج ملک واپس ہو اس پر پر فتاوٰی طلب کئے گئے،۔ بریلی سے بھی فتوی آیا جس کا مطلب بتایا گیا کہ رواج ملک کو شرع میں کچھ دخل نہیں، نہ فیض النساء واپسی جہیز کی حقدار ہوسکتی اس کا دعوی مردود اور رواجِ ملک متردوالخ۔ کیا یہ مطلب صحیح ہے؟	۲۵۰
موہوب شیئ کا ہلاک ہوجانا یا موہوب لہ، کی ملک سے خارج ہونا دونوں رجوع ہبہ سے مانع ہیں۔	۲۴۷	انجمن نے یتیمہ کا نکاح کیا، شوہر نے اسے نہ رکھا سامانِ جہیز جو انجمن نے دیا تھا واپس آیا اسکی مالک یتیمیہ ہے یا انجمن۔	۲۵۴
عاریت امانت ہے بے تعدی اس میں ضمان نہیں۔	۲۴۸	صدر انجمن جس کے حکم سے سب کام ہوتے ہیں تمام تصرفات جائزہ انجمن میں چندہ دینے والوں کا وکیل مجاز ہوتا ہے۔	۲۵۴
جواب سوال ششم :	۲۴۸	اگر کسی کو غیرہ معیّن شیئ کی خریداری کا وکیل کیا تو شراء وکیل کے لئے ہوگی مگر جبکہ وکیل نے مؤکل کے لئے خریداری کی نیت کرلی ہو یا مال مؤکل سے شیئ خریدی ہو۔	۲۵۴
جواب سوال ہفتم	۲۴۸	اگر دو شخص کسی کو ایک گھر ہبہ کردیں تو یہ ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ مشاع نہیں۔	۲۵۵
بے اجازت مالک کوئی شے رہن کردی مالک نے بعد میں بھی اس تصرف کو جائز نہ کیا تو مالک کو اختیار ہے کہ اس رہن کو فسخ کرکے مرتہن سے اپنی چیز واپس لے لے اپنا دین مدیون سے لیتا رہے۔	۲۴۹	فضولی کا شراء جب تک نفاذ پائے مشتری پر نافذ ہوتا ہے۔	۲۵۵

"اگر میری اجازت کے بغیر نکلی تو طلاق کی قسم کھالی ہے" شوہر کا قول معتبر ہے۔	۳۳۹	ایک شخص کو لوگوں نے شراب پینے کے لئے بلایا، اس نے جُھوٹ کہا کہ میں نے شراب پینے پر طلاق کی قسم کھائی ہے۔ اب شراب پیئے تو طلاق واقع ہوگی۔	۳۵۳
"طالق" کہنے کی صورت میں شوہر سے پوچھا جائیگا کہ یہ کس کی نیت کی ہے۔	۳۴۰	لفظ میں اضافت نہ ہو اور قرائن بھی نہ ہو تو شوہر کی نیّت پر دارومدار ہوگا۔	۳۵۳
یک طلاق دوطلاق سہ طلاق کی صورت میں قضاء بھی طلاق نہیں۔	۳۴۰	عورت نے کہا" مجھے گراں خریدا تو بعیب کے ساتھ لوٹا دو"۔ شوہر نے کہا" تجھ کو عیب کے ساتھ لوٹا دیا نیت طلاق ہے تو واقع ہے، اور اگر صرف اتنا کہا لوٹا دیا، طلاق واقع نہ ہوگی۔	۳۵۵
می دہم کی صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔	۳۴۱	بے اضافت طلاق میں اگر قرائن سے طلاق متبادر ہو تو شوہر کا قول قسم کے بعد معتبر ہے۔	۳۵۸
رات میں کہا یک طلاق دوطلاق سہ طلاق، صبح کو بے اضافت خبر دیا کہ "طلاق دادہ ام" دیانۃً طلاق واقع نہیں۔	۳۴۲	مبہم اور بے اضافت الفاظ طلاق میں مدار شوہر کے قول پر ہے۔	۳۵۸
ترک اضافت کی مختلف صورتیں۔	۳۴۳	یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔	۳۵۹
وقوعِ طلاق کے لئے لفظ یا نیت میں اضافت ضروری ہے۔	۳۴۴	اگر فی الواقع طلاق کی نیت تھی اور ظاہر کیا کہ طلاق کی نیّت نہ تھی توسارا وبال شوہر پر ہوگا۔	۳۵۹
لفظ میں وجوہ اضافت کی تین صورتیں ہیں۔	۳۴۴	تین طلاقیں ہوجائیں تو رجعت محال ہے۔	۳۶۰
"طلقنی" کے جواب میں مارا اور کہا کہ یہ طلاق ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور اگر کہا یہ " تجھے طلاق" تو واقع ہے۔	۳۴۸	ماں نے کہا عورت کو طلاق دے دو، لڑکے نے کہا طلاق طلاق، عورت پر طلاق واقع ہوگئی۔	۳۶۰
متکلم جب اپنے کلام میں جواب سے الگ بات ذکر کرے تو وُہ جواب نہیں رہتا بلکہ الگ کلام مانا جاتا ہے۔	۳۴۹	تین طلاقیں ہوگئی تو بے حلالہ شوہر اوّل کے نکاح میں نہیں آسکتی۔	۳۶۰
جو عرفاً معہود ہو وُہ ایسے ہی ہے جیسے موجود لفظاً ہو۔	۳۵۰	نکاح کے پہلے اقرار نامہ لکھا میں اُلفت کا خرچ چلاؤں گا اور علیم اللہ کی حکم عدولی نہیں کروں گا' اور اس کا خلاف کروں تو طلاق، نان نفقہ نہ دینے اور حکم عدولی کرنے پر طلاق نہ ہوگی۔	۳۶۱
لفظ میں اضافت نہ ہو تو دیانۃً نیت پر مدار ہوگا، اور قضاء اگر قرائن اضافت پر دلالت کرتے ہوں تو شوہر کا قول قسم کے بعد معتبر ہوگا۔	۳۵۰		

"واسطہ نہیں رہا" کنایہ ہے، سابقہ دو صریح طلاقیں وقوعِ طلاق کا قرینہ بن جائیں گی۔	۴۱۶	طلاق کو شرائط پر موقوف کیا شرائط نہ پائے گئے طلاق واقع نہ ہوئی۔	۴۲۰
شوہر نے کاتب سے کہا دستبرداری کی تحریر لکھ دو، اس نے تین طلاقیں لکھ دیں سُن کر اُنہیں عورت کے پاس بھیج دیا، تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔	۴۱۸	عورت طلاق کی دعویدار ہے گواہی میں اس کے بھائی ہیں اور شوہر غائب ہے، ناکح کا دل عورت کے بیان پر جمے اور عدت گزر چکی ہو تو نکاح کرسکتا ہے۔	۴۲۱
ثبوتِ خط کے لئے اس کا اقرار یا گواہاں عادل کی شہادت درکار ہے۔	۴۱۸	آج کل عادل شخص کا ملنا دشوار ہے۔	۴۲۱
قرائن سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے کہ خط فلاں کا ہے۔	۴۱۹	عادلہ عورت کا صرف اتنا بیان ہی کہ مجھے طلاق ہوگئی اور عدت گزر گئی جوازِ نکاح کے لئے کافی۔	۴۲۱
خط مشابہ خط اور خاتم مشابہ خاتم ہوسکتی ہے۔	۴۱۹	طلاق کے ایک گول مول سوال پر تنبیہ۔	۴۲۲
عورت کو شوہر کی تحریر ہونے کا اعتبار ہے، اور وُہ انکار نہ کرے تو اس کے موافق عمل کرسکتی ہے۔	۴۱۹	تحریری طلاق میں شوہر کا اقرار یا گواہانِ عادل سے اس کا ثبوت ضروری ہے۔	۴۲۲
شوہر نے کہا "تجھے تین طلاق اگر کوئی بات پوشیدہ رکھی"۔ "رکھی" میں دو احتمال ہیں ہائے مجہولہ ومعروفہ۔ اول میں اس قول کے بعد کچھ چھپائے گی طلاق پڑے گی، اور ثانی میں چھپایا ہو تو اسی وقت پڑ گئی۔	۴۱۹	طلاق نامہ میں شوہر کا یہ لکھنا کہ میں نے عدت معاف کی، جاہلانہ بات ہے، اس سے عدّت ساقط نہیں ہوتی۔	۴۲۳
فارغ خطی باقاعدہ لکھا کہ میں فلاں ابن فلاں اپنی زوجہ فلاں کو طلاق دیتا ہوں، تو اگرچہ زوجہ کو اس کی اطلاع نہ دی طلاق واقع ہوگئی۔	۴۱۹	دورانِ عدت عورت سے نکاح باطل ہے۔	۴۲۳
معاہدوں میں دستاویز کا لکھنا حسبِ عرف معاہدے کی تمہید ہوتا ہے نہ کہ تنفیذ۔	۴۲۰	محلل جب تک نکاح صحیح کے بعد وطی نہ کرے عورت شوہر اوّل کے لئے حلال نہیں ہوتی۔	۴۲۳
المشروط عرفاً کالمشروط لفظاً۔	۴۲۰	نکاح فاسد وموقوف حلالہ کے لئے کافی نہیں نکاح نافذ ضروری ہے۔	۴۲۳
عورت سے شوہر نے کہا "تُو مہر معاف کردے تو میں طلاق دوں"۔ اس نے مہر معاف کردی لیکن شوہر نے طلاق نہ دی۔ مہر معاف نہ ہوا۔	۴۲۰	گواہوں کے سامنے طلاق دی، اب انکاری ہے، اگر گواہ عادل ہوں اس کا انکار نہ سنا جائے گا۔	۴۲۳

گواہ عادل نہ ہوں اور عورت کے سامنے طلاق نہ ہو تو عورت شوہر سے حلف لے اگر قسم کھاکر طلاق سے انکار کردے تو عورت خود کو اس کی زوجہ سمجھے، اور عورت کے سامنے طلاق دے کر مکر گیا اور گواہ نہ ہوں تو عورت ہر ممکن صورت سے اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔	۴۲۳	جاہلوں سے فتوٰی لینا حرام اور مخالفانِ دین کی طرف رجوع کرنا سخت اشد حرام ہے۔	۴۲۶
جو مطلقہ ثلاثہ تین طلاق دینے والے شوہر سے کسی طور پر چھٹکارا حاصل کرنے پر قادر نہیں اور بالکل بے بس ہے وُہ کبھی بھی اپنی خواہش سے اس کے ساتھ زن وشور کا برتاؤ نہ کرے نہ اس کے مجبور کرنے پر اس سے راضی ہو پھر وبال صرف شوہر پر ہے۔	۴۲۴	عورت پر جب طلاق بائن پڑ گئی عورت نکاح سے نکل گئی اب شوہر کو رجعت کا کچھ اختیار نہ رہا۔	۴۲۷
خطوط سے طلاق کا ثبوت، شوہر کے اقرار یا گواہانِ عادل کی گواہی پر موقوف ہے۔	۴۲۴	"تو میرے پاس سے چلی جا" حالتِ مذاکرہ میں بھی نیت طلاق کی ضرورت ہے۔	۴۲۷
ثبوت تحریر کے بعد، وقت تحریر سے طلاق مانی جائے گی اور عدت کے اندر جتنی بار خط آیا سب جدید طلاقیں مانی جائیں گی۔	۴۲۴	"تجھ کو اختیار ہے جو چاہے کر" حالتِ مذاکرہ میں نیتِ طلاق کی ضرورت نہیں۔	۴۲۷
تاسیس اولٰی ہے بنسبت تاکید کے۔	۴۲۵	صریح کے بعد بائن طلاق دی تو وہ صریح بھی بائن ہوجائے گی۔	۴۲۷
طلاق صریح غیر کو لاحق ہوجاتی ہے۔	۴۲۵	عدت اسی وقت سے لی جائے گی جب سے طلاق بائن دی اگرچہ حالت حیض میں دی ہو۔	۴۲۷
اگر بعض خطوط سے یہ پتا چلے کہ پہلے کے طلاق کی خبر دے رہا ہے تو اس کو انشاء نہ قرار دیں گے۔	۴۲۵	تمام احکامِ عدت وقتِ طلاق سے ثابت ہوجائیں گے۔	۴۲۷
اگر بذریعہ خط طلاق دینے والا منکر ہو اور شہادت کافیہ نہ ہو تو اصلاً ثبت طلاق نہ ہوگا۔	۴۲۵	جس حیض میں طلاق دی وُہ عدت میں شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد تین حیض کامل درکار ہوں گے۔	۴۲۷
شان خط ملنا کوئی حجت شرعیہ نہیں۔	۴۲۵	طلاق بائن پڑتے ہی مہر واجب الاداء ہوگیا	۴۲۷
اگر بذریعہ خط طلاق دے کر انکار کرنے والا اگر اس انکار میں جُھوٹا ہے تو اس کا لینے والا اخدا ہے، عورت اس وبال سے پاک اور جُدا ہے۔	۴۲۶	طلاق دے کر میاں بیوی دونوں منکر ہوجائیں تو باہم تعلقات حرام اور جماع زنا ہے۔	۴۲۷
		طلاق کی گواہی کے لئے دعوی ضروری نہیں کوئی دعوی نہ کرے تو گواہوں پر فرض ہے کہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں۔	۴۲۸

خوفِ برادری کہ حدِ اکراہ تک نہ ہو کوئی عذر نہیں۔	۴۵۱	شوہر کو شک ہو کہ دو طلاقیں تھیں یا تین، تو دو ہی سمجھی جائیں گی جب تک گواہوں سے تین ثابت نہ ہوں۔	۴۵۷
آج سے اس قدر ماہوار ماہ بماہ دیا کرے گا، نہ دے تو طلاق واقع ہوگی۔ اس صورت میں ایک مہینہ گزر گیا اور نہ دیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔	۴۵۲	"میں نے تجھ کو طلاق دی میرے گھر سے نکل جا" دو بار کہا اور لفظ "نکل جا" سے ایک بار بھی نیتِ طلاق کی تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔	۴۵۷
شوہر کے خط پر اطمینان ہو کہ اسی کا لکھا ہوا ہے تو عورت اپنے کو مطلقہ تصور کرسکتی ہے۔ لیکن پردیس سے آکر انکار کرے تو گواہوں کی ضرورت ہوگی۔	۴۵۲	لفظ "گھر سے نکل جا" رَد کا احتمال بھی رکھتا ہے اس لئے حالتِ مذاکرہ میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔ ۴۵۷ عورت کو حرام سمجھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ لفظ بائن زبان سے کہے بائن ہوگی نیت کی ضرورت نہیں۔	۴۵۸
میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں طلاق کے گواہ عورت کے معتبر ہوں گے۔ اگر گواہ عادل نہ ہوں تو شوہر سے قسم لے کر فیصلہ کیا جائے گا، شوہر کے گواہ پیش نہیں ہوسکتے۔	۴۵۳	ایک یا دو طلاق دے کر نکاح کیا تو حل جدید کے ساتھ نہ لوٹے گی۔	۴۵۹
زوجہ نے دعوی کیا کہ شوہر نے مجھے یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ "میری ماں کی وصیّت ہے کہ اگر اپنی بیوی کو زوجیت میں رکھے گا میں حشر میں دامنگیر ہوں گی" اس سے طلاق نہ ثابت ہوگی بلکہ اتنا اگر خود شوہر اقرار کرے تو اس سے بھی طلاق ثابت نہ ہوگی۔	۴۵۳	ایک مجلس کی تین، تین ہی ہیں۔	۴۵۹
عورت کو گھر سے نکال دینا طلاق نہیں جب تک زبان سے بنیت طلاق نہ کہے کہ نکل جا۔	۴۵۳	آن واحد میں تین اکھٹی طلاقیں واقع ہونا کسی آیت وحدیث سے ثابت نہیں تو سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ حکم کہاں سے لیا اور س پر اجماع کیسے منعقد ہوگیا۔	۴۵۹
لفظ "جا" حالتِ مذاکرہ میں طلاق ثابت کریگا اور اس سے پہلے کی طلاق صریح اس کے لئے مذاکرہ ہوگی۔	۴۵۴	ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع کے منکر مخالفِ سوادِ اعظم ہیں۔	۴۵۹
طلاق بائن سے عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۴۵۵	حکم عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ حکمِ خدا ہے۔	۴۵۹
زبان سے کہا طلاق دیتا ہوں، طلاق نامہ لکھا گیا میں تجھ کو تلاخ دیتا ہوں، گواہ ایک عورت، اس مسئلہ کی مختلف صورتوں کے احکام۔	۴۵۵	حق سبحٰنہ وتعالٰی نے حقِ عمر میں فرمایا "لعلمه الذين يستنبطونه منكم"	۴۵۹

نفقہ اگر مفروضہ بحکمِ حاکم ہوتو موت احدالزوجین سے ساقط ہوجاتا ہے مگر جبکہ نفقہ مفروضہ شوہر سے نہ ملا ہواور قاضیِ شرع عورت نے قرض لے لے کر خرچ کیا ہو کہ اس صورت میں ذمہ شوہر پر دین قرار پاکر موت سے ساقط نہیں ہوتا۔	۴۷۳	عورت کو دینی، دُنیوی، جانی اور جسمانی ضرر کا اندیشہ ہوتو شوہر کے پاس رہنے پر مجبور نہیں کی جائے گی۔	۴۷۸
بیمار شوہر پر بھی عورت کا نان ونفقہ واجب ہے جبکہ وُہ عورت اس کی قید میں رہے۔	۴۷۵	ضرر شرعًا واجب الدفع ہے۔	۴۷۸
آوارہ گرد عورت کا نفقہ شوہر کے ذمے لازم نہیں۔	۴۷۵	اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورتوں کو ضررمت پہنچاؤ۔	۴۷۸
عورت کی طرف سے کوئی بات مسقط نان ونفقہ نہیں ہوئی شوہر پھر بھی نفقہ نہ دے تو حاکم شوہر کے مجبور کرے کہ وُہ نفقہ دے ورنہ طلاق دے۔	۴۷۵	ظالم وجابر شوہر کے پاس عورت کے رہنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔	۴۷۸
شوہر کی رضا سے عورت مہر وغیرہ مال پر خلع کرے تو جائز ہے۔	۴۷۵	شوہر کے ظلم وتعدّی کی وجہ سے عورت مجبورًا والدین کے پاس رہے تو نفقہ شوہر پر لازم ہے۔	۴۷۸
جذامی عورت کے ادائے حقوق پر قادر ہوتو اس طلاق واجب نہیں، قادر نہ ہو تو طلاق دے، طلاق واجب ہو اور نہ دے تو جبرًا ہی طلاق لی جاسکتی ہے۔	۴۷۵	شوہر کسی طرح درست نہ ہوتو اس سے جبرًا طلاق حاصل کی جاسکتی ہے۔	۴۷۹
بے شوہر کے طلاق دیئے طلاق تحصیلدار کے دیئے نہیں ہوتی۔	۴۷۶	ترک واجب گناہ جس پر حاکم سزادے سکتا ہے۔	۴۷۹
شوہر بڈھا ہو اور عورت کے ادائے حقوق پر قادر نہ ہوتو اس پر فرض ہے کہ طلاق دے دے مگر عورت بے طلاق دئے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔	۴۷۶	جس معصیت پر حد لاگو نہ ہوتی ہو اس پر تعزیر ہے۔	۴۷۹
موجودہ کچہریوں کے فیصلہ سے شرعًا طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۴۷۷	حنفی مذہب میں شوہر کی زیادتی کی صورت میں بے طلاق عورت خود فسخ نکاح کرے ایسا ممکن نہیں۔	۴۷۹
زید نے واقع میں طلاق نہیں دی ہندہ نے جھوٹے گواہ پیش کرکے ڈگری لے لی یا طلاق رجعی دی تھی اور ختمِ عدت سے پہلے زید نے رجعت کرلی تو ہندہ کو دوسری جگہ نکاح حرام قطعی ہے۔	۴۷۷		

دو رجعی طلاقیں ہوں تو عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے، تین طلاقیں ہوجائیں تو بلاحلالہ وُہ عورت شوہر اوّل کے لئے جائز نہیں، اور دو۲ طلاقیں بائن ہوں تو عورت نکاح سے نکل گئی مگر اس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے چاہے عدّت گزرچکی ہو یا نہیں۔	۵۶۹	"صفائی دے دیا" یہ لفظ کنایہ ہے نیت ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔	۵۷۲
"چھوڑتا ہوں" کا لفظ صریح ہے تین بار کہا تو طلاق مغلّظہ واقع ہوگی۔	۵۷۰	بائن کو بائن لاحق نہیں ہوتی۔ شوہر قسم کھا کر عدم نیت طلاق کا قول کرے تو مان لیا جائے گا اور قسم لینے کے لئے قاضی یا پنچ کی ضرورت نہیں، خود عورت بھی شوہر سے یہ قسم لے سکتی ہے۔	۵۷۳
بدیہیات پر اہل علم حوالہ طلب نہیں کیا کرتے۔	۵۷۰	لا دعوٰی کا لفظ عربی لفظ "انتِ مجارۃ" کا ہم معنی ہے نیت ہو تو طلاق بائن ہوگی۔	۵۷۴
جاہل کا حوالہ وہ بھی مع عبارت طلب کرنا سُوءِ ادب ہے۔	۵۷۰	شوہر عدم نیت طلاق پر قسم کھانے سے انکار کرے تو عورت معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرے وہ انکار کی صورت میں تفریق کردے گا۔	۵۷۵
خسر و داماد میں لڑائی کے دوران داماد کہے کہ "اگر تم کل چُھڑواتے ہو تو میں آج ہی چھوڑتا ہوں" اس سے ایک طلاق رجعی ہوجائے گی۔	۵۷۰	لفظ "لا دعوٰی" سے شوہر نے طلاق کی نیت کی تھی اور اب جھوٹی کھالی تو عنداللہ طلاق ہوگئی مگر اس کا وبال شوہر پر ہے عورت پر کوئی الزام نہیں۔	۵۷۵
"دوسرے سے نکاح کردو" بنیت طلاق کہا تو طلاق بائن واقع ہوگی اور عدمِ نیت کے بارے میں شوہر کا قول مقسم معتبر ہوگا۔	۵۷۰	لفظ "لا دعوٰی" کا سوال مکرر۔	۵۷۵
"چھوڑ دیا میرے کام کی نہیں" سے دو بائن طلاقیں واقع ہوں گی۔	۵۷۱	"وہ میری بیوی نہیں، مجھ کو اس سے غرض نہیں" یہ الفاظ طلاق سے نہیں، نیتِ طلاق ہو تب بھی ان سے طلاق واقع نہ ہوگی۔	۵۷۶
طلاق بائن کے بعد عورت دوبارہ نکاح پر راضی نہیں تو اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۵۷۱	"وہ میری بیوی نہ رہی، وہ میرے نکاح سے باہر ہے، میرے کام کی نہ رہی" یہ الفاظ کنایہ کے ہیں۔	۵۷۷
"میں نے تجھے چھوڑ دیا" صریح ہے اور "تو میرے کام کی نہیں ہے" کنایہ ہے۔	۵۷۱	عوام کا یہ گمان غلط ہے کہ عورت بے اجازتِ شوہر گھر سے چلی جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۵۷۸
بائن جب رجعی کو لاحق ہو تو اس کو بھی بائن بنادیتی ہے۔	۵۷۱	طلاق بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی مثلاً کہا انت بائن، پھر کہا انت بائن، تو ایک ہی بائن طلاق ہوگی۔	۵۷۸
"تمہارا جہاں جی چاہے چلی جاؤ، دوسرا خاوند کر" یہ الفاظ کنایہ کے ہیں ان سے وقوعِ طلاق کے لئے نیت شرط ہے۔	۵۷۲		

رجعی بائن کے ساتھ جمع ہو کر بائن ہو جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں رجعت ممتنع ہوتی ہے۔	٦١١	امام اعظم کے نزدیک کم از کم دوماہ اور صاحبین کے نزدیک انتالیس دن میں تین حیض گزر سکتے ہیں۔	٦١٤
صریح نیت کی محتاج نہیں ہوتی۔	٦١١	مسئلہ شرعیہ میں غلط اعتراف کی ترغیب پر سرزنش۔	٦١٥
صریح جب کنایہ طلاق سے مؤخر ہو تو وہ نیت طلاق پر قرینہ نہیں بن سکتی۔	٦١١	دانستہ حق کو باطل اور حق سے رجوع کرکے اس میں اپنا شبہہ بتانا موجب عزت نہیں دارین میں سخت ذلت کا باعث ہے۔	٦١٥
کنایات میں قرینہ کو مقدم ہونا چاہئے۔	٦١١	خلفاءِ راشدین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کبھی حق سے رجوع نہیں کیا۔	٦١٥
فتاوٰی خیریہ اور محیط میں اختلاف کی طرف اشارہ۔	٦١١	مقدس ہستیوں کی طرف رجوع عن الحق کی نسبت کرنے والا بے ادب مختل الدین ہے۔	٦١٥
شوہر نے بیوی کو کہا انت طالق فاعتدی یا انت طالق واعتدی یاانت طالق اعتدی تو کیا حکم ہے۔	٦١٢	"میں کسی قابل نہیں جواب دے دُوں گا، میری بیوی نیس ماموں زاد بہن ہے" الفاظ طلاق میں سے نہیں۔	٦١٥
وقت اقرار سے عدت کا معتبر ہونا ائمہ اربعہ اور جمہور صحابہ وتابعین کے خلاف جو فتوی متاخرین ہے صرف محلِ تہمت میں ہے اور وہ بھی وہاں کہ طلاق صرف اقرار سے ثابت ہو۔	٦١٣	"فلاں سے اس کی شادی کردو" کنایہ کے الفاظ میں سے ہے، طلاق کے لئے نیت شرط ہے۔	٦١٦
اگر طلاق اقرار سے پہلے معلوم ہو تو بالاجماع عدت وقت طلاق سے ہوگی نہ کہ وقت اقرار سے۔	٦١٣	"طلاق کنائی میں نیت کے بارے میں شوہر سے قسم لی جائے گی، اگر کہے طلاق مراد نہ تھی تو حکم طلاق نہ ہوگا اور عورت کا دوسری جگہ نکاح محض حرام ہوگا۔	٦١٦
طلاق اگر اقرار سے پہلے ثابت نہ ہو مگر وقت سے طلاق دینا بیان کرتا ہے جب سے زوجہ کو جُدا کردیا تھا تو عدّت وقتِ طلاق سے شمار ہوگی۔	٦١٣	طلاق بالکنایہ کی صورت میں شوہر قسم سے انکاری ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی۔	٦١٦
امام محمد کے ارشاد اور متاخرین کے فتوی میں تطبیق۔	٦١٣	لفظ کنائی استعمال کرکے شوہر غائب ہوگیا اور اس پر قسم نہ رکھی جاسکی تو طلاق ثابت نہیں ہوگی۔	٦١٧
ڈیڑھ دوسال میں اگرچہ ذوات الحیض کی عدت کا انقضاء لازم نہیں مگر یہ مدت انقضاءِ عدت کے لئے کافی ضرور ہے۔	٦١٤	"تم ہمارے سامنے ونظر سے دور ہوجاؤ" بنیت طلاق طلاق ہے۔	٦١٧

شوہر نے عورت کو گھر سے نکالتے وقت کہا "تو نکل جا، آج سے مجھ سے اور تجھ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں" بعد میں پوچھنے پر شوہر نے اقرار کیا "میں اس کو اسی تاریخ سے چھوڑ چکا ہوں جب وہ گئی" اس صورت میں طلاق بائن واقع ہو گئی۔	۶۱۸	کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ "وہ میرے کام کی نہیں رہی" اور نیتِ طلاق سے انکار کرتا ہے تو بیوی اس سے حلف لے سکتی ہے اگر حلف سے انکار کرے تو قاضی کے سامنے پیش کیا جائے وہاں بھی انکاری ہو تو طلاق بائن ہو گی۔	۶۲۳
عرصہ چھ۶ سال اگرچہ تین حیضوں کا گزر جانا ظاہر ہے مگر نہ گزرنے جاناظاہر ہے مگر نہ گزرنے کا بھی احتمال ہے اور جب تک تین حیض نہ گزریں حیض والی عورت کی عدت ختم نہیں ہوتی۔	۶۱۸	"میں عائشہ بیگم کو اختیار دیتا ہوں چاہے کسی سے عقد کرے یا بیٹھی رہے، مجھے کچھ عذر نہیں" ان الفاظ سے بشرطِ نیت طلاق واقع ہو گی۔	۶۲۴
طلاق پہلے دی، اقرار بعد میں کیا، اگر طلاق کے وقت سے ہی جدا ہوں تو عدت اسی وقت سے لی جائے گی اور ساتھ رہتے ہوں تو وقتِ اقرار سے۔	۶۱۸	"چلی جا" نیت طلاق سے طلاق ہے۔	۶۲۴
قولِ امام محمد کہ عدت وقتِ طلاق سے اور فتوائے متاخرین کہ وقتِ اقرار سے ہے، ان میں تطبیق وتوفیق۔	۶۱۸	"میرے مطلب کی نہیں" بشرطِ نیت طلاق ہے۔	۶۲۵
بے اضافت صریح طلاق میں مدار نیت پر ہوگا۔	۶۲۰	حاملہ کی عدت واضع حمل ہے۔	۶۲۵
"آزاد کیا" سے محلِ غضب میں طلاق بائن ہوجائیگی، لیکن عورت کی طرف اضافت نہ ہو تو مدار شوہر کی نیت پر ہوگا۔	۶۲۱	بلا ثبوت طلاق اور عدت کے اندر دوسرا نکاح حرام ہے۔	۶۲۵
"چلی جا" کنایات سے ہے۔ اگر اس پر حلف لینے سے انکار کرے کہ میں نے اپنی عورت مراد نہیں لی تھی تو معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے۔	۶۲۱	"ہفتہ کے اندر میرے پاس نہ آئے تو جہاں چاہے جائے، تجھ اختیار تیرے دل کا مجھے اختیار میرے دل کا" بشرطِ نیت طلاق ہے۔	۶۲۶
غصہ اور حمل کی حالت میں نیز عورت دور ہو تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔	۶۲۲	کنایہ میں شوہر نیت کے بارے میں حلف سے انکاری ہو تو حاکمِ شرعی کے حضور نالش کی جائے اگر شوہر اس کے سامن بھی قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہو جائے گی۔	۶۲۶
"وہ بالکل میرے کام کی نہ رہی" بشرطِ نیت طلاق واقع ہو گی۔	۶۲۳	"میں پسند نہیں ہُوں تو دوسرے سے نکاح کر دو" اس جملہ سے حالت مذاکرہ وغضب میں طلاق واقع ہو گی۔	۶۲۶
		"اپنے گھر کو چلی جا میرے کام کی نہیں، میں نے تجھے طلاق دی" عدمِ نیت کی صورت میں صرف آخری لفظ سے طلاق رجعی پڑے گی۔	۶۲۷

حاملہ کو طلاق رجعی دیا اور وضع حمل سے قبل رجوع نہ کیا تو اب برضاءِ عورت دوبارہ نکاح کی حاجت ہے۔	۶۲۷	شوہر کا یہ کہنا کہ اس خط کو بطور طلاق نامہ تصور فرمائیں صالح ایقاع طلاق نہیں۔	۶۳۱
حلالہ تین طلاقوں پر لازم ہوتا ہے اور جب لازم ہوتا ہے تو اس کے ساقط کرنے کی کوئی صورت نہیں۔	۶۲۷	بیوی نے طلاق مانگی، شوہر نے کہا طلاق دادہ انگار (بزبان فارسی) یا کہا احسبی انک طالق (بزبان عربی) یعنی تو خود کو طلاق شدہ شمار کر، تو نیت کے باوجود طلاق نہیں ہوگی۔	۶۳۱
لزومِ حلالہ کے بعد اس کو ساقط کرنے کے جو حیلے قنیہ وغیرہ میں مذکور ہیں سب باطل ہیں۔	۶۲۷	شوہر کا یہ کہنا کہ "اگر آپ میری بیوی کا نکاح کرادیں گے تو مجھے کسی سے نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا" بظاہر ترک نزاع کا وعدہ ہے۔	۶۳۲
متعدد الفاظ سے چند طلاقیں دیں تو غیرہ مدخولہ ایک ہی طلاق سے بائن ہوجاتی ہے بقیہ لغو ہیں۔	۶۲۸	"مجھے اپنی بیوی سے اب کچھ سروکار نہیں رہا" الفاظ طلاق سے نہیں۔	۶۳۲
"میں تمھاری لڑکی کو چھوڑتا ہوں، میرے کام کی نہیں" سے دو۲ بائن طلاقیں واقع ہوگئیں۔	۶۲۸	لفظ "سروکار" کے لغوی معانی۔	۶۳۲
رخصتی سے پہلے عورت کو طلاق ہوگئی تو عدت کی حاجت نہیں۔	۶۲۸	شوہر کا یہ کہنا محض لغو وغلط ہے کہ "میری بیوی میری بلااجازت گئی تو نکاح سے باہر ہونا اظہر من الشّمس ہے"۔	۶۳۳
بائن کا رجعی کو لحوق امتناعِ رجعت کی وجہ سے رجعی کو بھی بائن بنادیتا ہے۔	۶۲۸	جو اقرار غلط بناء پر ہو وہ معتبر نہیں ہوتا۔	۶۳۳
"چھوڑتا ہوں" کا لفظ صریح ہے تین بار کہا تو طلاق مغلظ واقع ہوگئی۔	۶۲۹	مندرجہ ذیل تین الفاظ کا حاصل اجازت نکاح دینا ہے اور وُہ بیشک کنایات سے ہے: (۱) بخوشی تمام اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے سے کردو (۲) برضاء ورغبت آپ کو اجازت دی (۳) اس کا خرابانہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دی۔	۶۳۳
"اس وقت سے جواب دیتا ہوں اور اپنا کوئی تعلق نہیں رکھتا" ایک بائن طلاق ہوگی۔	۶۲۹	کتنی ہی کنایات بائنہ ہوں اور سب سے نیتِ طلاق بھی کی ہو تب بھی صرف ایک واقع ہوگی کیونکہ بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔	۶۳۴
طلاق کی رجسٹری واپس کردینے سے طلاق واپس نہیں ہوتی۔	۶۳۱	خط کو حرف بحرف پڑھ کر سنادیں تاکہ اس پر شرعًا طلاق واقع ہوجائے اگر خط کا ایک لفظ بھی پڑھنے سے رہ گیا طلاق واقع نہ ہوگی۔	۶۳۴
چند الفاظ کے بارے میں الفاظ طلاق سے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ۔	۶۳۱		

فہرست ضمنی مسائل

افتاء ورسم المفتی		متون وفتاوٰی باہم متعارض ہوں تو معتمد وہی ہوگا جو متون کے موافق ہوگا۔	۱۱۳
متون خاص نقلِ مذہب صحیح ومعتمد کیلئے وضع کئے جاتے ہیں۔	۱۰۵	صاحب ھدایہ اصحاب ترجیح میں سے ہیں۔	۱۱۴
ملتقی الابحر متون معتمدہ فی المذہب سے ہے۔	۱۰۶	امام کمال الدین ابن الہمام صاحب فتح القدیر لائق اجتہاد اور اصحاب ترجیح سے ہیں۔	۱۱۴
ملتقی الابحر میں جو قول مقدم ہو وہی ارجح ومختار للفتوٰی ہوتا ہے۔	۱۰۶	امام قاضی خاں اصحاب ترجیح سے ہیں اُن کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے۔	۱۱۴
فقیہ النفس امام قاضی خاں اسی قول کو مقدم کرتے ہیں جو اشہر واظہر اور معتمد ہوتا ہے۔	۱۰۶	علماء نے شروح وفتاوٰی کی بعض صریح تصحیحیں صرف اس بناء پر رَد کردیں کہ متون ان کے خلاف پر ہیں۔	۱۱۵
صاحب ہدایہ اکثر قولِ قوی کو مقدم کرتے ہیں اور قول مختار کی دلیل کو مؤخر کرنا ان کی عادت مستمرہ ہے	۱۰۷	جس پر متون ہوں وہی قول معتمد ہوگا۔	۱۱۵
علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقاً قولِ امام پر فتوٰی دے اور قاضی عموماً مذہبِ امام پر فیصلہ کرے مگر بضرورت داعیہ ترک۔	۱۰۹	صاحب محیط ائمہ ترجیح سے ہیں۔	۱۱۵
امام اعظم کے بعد امام ابو یوسف پھر امام محمد پھر امام زفر وحسن بن زیاد کے قول کی طرف رجوع کرنا چاہئے	۱۰۹	بعض جگہ قولِ صاحبین پر فتوٰی کی وجوہ۔	۱۱۶
ہم پر امام کے قول پر فتوٰی دینا واجب ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف فتوٰی دیں۔	۱۱۰	ایک تہائی مذہب کے قریب قولِ صاحبین قولِ امام کے خلاف ہے لیکن اکثر اعتماد قولِ امام پر ہی ہے۔	۱۱۶
مسائل وقف وقضاء میں غالبًا امام ثانی کے قول پر فتوٰی ہے۔	۱۱۱	علماء نے اس کی تصحیح فرمائی کہ ہم پر بقولِ امام فتوٰی دینا لازم اگرچہ مشائخ نے اس کے خلاف پر فتوٰی دیا ہو۔	۱۱۷
لاکھوں مسائلِ معاملات میں قولِ امام پر فتوٰی ہے اگرچہ امام ابویوسف کی رائے سے امام محمد بھی موافق ہوں۔	۱۱۱	قولِ امام سے قولِ صاحبین کی طرف یا ان میں سے کسی ایک کی طرف بلاضرورت عدول نہ کیا جائے۔	۱۱۸
متون شروح پر اور شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں۔	۱۱۳	صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں قولِ امام پر فتوٰی بہر حال میرے نزدیک واجب ہے۔	۱۱۸
متن وشرح میں تعارض ہو تو عمل متن پر ہوگا۔	۱۱۳		

ضعف دلیل جس کے سبب قولِ امام سے عدول جائز ہے وُہ ہے کہ اعاظم ائمہ مجتہدین فتوٰی اس کے ضعف پر تنصیص کریں۔	۱۱۹	حرام سے اجتناب واجب ہے۔	۳۳۲
بصورت تجدّد بعض کی تسلیم کل کی تسلیم نہیں اور نہ بعض پر رضا سے کل پر رضالازم ہے۔	۱۲۰	متکلم جب اپنے کلام میں جواب سے الگ بات ذکر کرے تو وُہ جواب نہیں رہتا بلکہ الگ کلام مانا جاتا ہے۔	۳۴۹
اشیائے متعددہ میں اقباضِ بعض اقباضِ کُل نہیں۔	۱۲۰	جو عرفاً معہود ہو وُہ ایسے ہی ہے جیسے موجود لفظاً ہو۔	۳۵۰
المعروف کالمشروط۔	۱۹۵	یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔	۳۵۹
عوض ومعوض ایک مِلک میں جمع نہیں ہو سکتے۔	۲۰۴	صریح لفظ محتاج نیت نہیں ہوتا۔	۳۹۵
ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں ہوتا۔	۲۱۵	رضا بالحرام حرام بلکہ بعض دفعہ کُفر ہوتی ہے۔	۳۹۸
اگر کوئی شخص اپنا تلف ہوتا ہُوا دیکھے اور خاموش رہے تو یہ خاموشی اذنِ اتلاف نہ ہوگی۔	۲۱۵	تاسیس اولٰی ہے بنسبت تاکید کے۔	۴۲۵
نابالغ تبرع کی اہلیّت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کے مال سے کسی کو تبرع کرنے کا اختیار ہے۔	۲۱۵	شان خط ملنا کوئی حجت شرعیہ نہیں۔	۴۲۵
عقد ایک ربط ہے اور ربط کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔	۲۱۷	کلام جب تک مؤثر بن سکے گا لغو نہ ٹھہرائیں گے۔	۴۳۷
جو شیئ مقصود سے خالی ہو وُہ باطل ہوتی ہے۔	۲۱۷	ایسا دعوٰی جسمیں کوئی حصہ کلام کا لغو جاتا ہو تسلیم نہ کریں گے۔	۴۳۸
قبول علم کی فرع۔	۲۲۲	انقضاءِ عدت کو اجنبی اور محلیت طلاق سے خارج کر دیتی ہے۔	۴۴۱
بعض احکام شرع بحکم شرع عرف پر دائر ہوتے ہیں۔	۲۲۸	ضرر شرعاً واجب الدفع ہے۔	۴۷۸
جب دو امر محتمل ہوگا تو اقل متعین ہوتا ہے کیونکہ وہی یقینی ہوتا ہے۔	۲۲۹	ضرورتِ صادقہ میں کسی امام کی تقلید صرف اس مسئلہ میں ان کے مذاہب کی رعایت کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔	۵۱۰
عرف غالب کا اعتبار ہوگا مغلوب نامقبول ہوگا اور جہاں دونوں برابر ہوں وہاں تعیین مراد کا قول بقسم معتبر ہوگا۔	۲۲۹	صریح محتاج نیت نہیں ہوتا۔	۵۵۹
مملک جہت تملیک کو زیادہ جانتا ہے۔	۲۳۲	صحیح یہ ہے کہ "طلاق لے "طلاق صریح ہے۔	۵۶۱
منسوخ پر عمل حرام ہے۔	۲۷۰	تاسیس تاکید سے اولٰی ہے۔	۵۶۱

مُفَوَّض مملک ہوتا ہے۔	۵۲۶	مہر کی اگر کچھ مدّت مقرر نہ ہوئی وہاں اس شہر کے عرف وعادات پر عمل ہوگا۔	۱۳۸
مُملّک اپنی مرضی سے کام کرتا ہے مُملِّک کی مرضی کا پابند نہیں ہوتا۔	۵۲۶	مہر میں معجّل ومؤجل کی وضاحت نہ کی گئی ہو تو وُہ عرف بلد پر رہے گا۔	۱۴۰
جو شرعًا معتبر نہ ہو اس کو معتبر بنانا کسی کے بس میں نہیں۔	۶۰۲	ہمارے بلاد میں عام مہور بیان تعجیل وتاجیل سے خالی ہوتے ہیں اور رواج یہ ہے کہ اس کے لزومِ ادا کو موت یا طلاق پر موقوف رکھا جاتا ہے۔	۱۴۰
جو اقرار غلط بناء پر ہو وہ معتبر نہیں ہوتا۔	۶۳۳	زنا سے حاملہ سے لاعلمی میں نکاح کیا مرد کہتا ہے میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا۔ یہ عذر اسقاطِ مہر کے لئے کافی ہے یا نہیں۔	۱۴۱
دلالت قال دلالت حال کی طرح ہے۔	۶۳۵	خلوت صحیحہ کی تعریف کیا ہے۔	۱۴۲
دلالت حال دلالت مقال سے عام ہے۔	۶۳۵	مہر معجّل کی تعریف۔	۱۴۲
جو کچھ سوال میں ہو جواب اس کو متضمن ہوتا ہے۔	۶۴۴	مہر مؤجل اس وقت واجب الادا ہوگا جب وعدے کا وقت آئے گا، اس سے پہلے عورت اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔	۱۴۲
فوائد فقہیہ		اگر مؤجل کہا اور کوئی میعاد بیان نہیں کی تو وہ طلاق یا موت تک مؤجل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا۔	۱۴۲
مہر شرع محمدی کی مقدار کیا ہے۔	۱۲۳	خلوتِ صحیحہ وجوب مہر کے لئے شرط نہیں۔	۱۴۳
ہر عاقد وحالف اور واقف وموصی کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کرنا لازم۔	۱۲۴	جو بات عرف ورواج سے ثابت ہو وہ ایسی ہی ہے جیسے زبان سے شرط کی گئی ہو۔	۱۵۹
فساد تسمیہ کے وقت مہر مثل قائم ہوتا ہے۔	۱۲۵	صراحتًا کہی ہوئی بات عرف ورواج وغیرہ سے دلالۃً سمجھی جانے والی بات پر ترجیح رکھتی ہے۔	۱۵۹
کون سا وہ امر ہے جس سے تمام مہر ساقط ہوجاتا ہے اور کون سا وہ جس سے نصف رہ جاتا ہے۔	۱۲۶	متارکہ فسخ ہے طلاق نہیں اگرچہ الفاظِ طلاق سے ہو۔	۱۶۰
درہم شرعی کا وزن۔	۱۳۶	نکاح فاسد وُہ نکاح ہے جس میں شرائط صحت سے کوئی مفقود ہو مثلًا بے شہود نکاح۔	۱۶۱
دینار کا وزن۔	۱۳۷	چونکہ نکاح فاسد میں طلاق دراصل نہیں بلکہ فسخ ہے لہذا اس سے تعدادِ طلاق میں کمی نہ ہوگی۔	۱۶۱

طلاق کی گواہی کے لئے دعوی ضروری نہیں کوئی دعوی نہ کرے تو گواہوں پر فرض ہے کہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں۔	۴۲۸	میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں طلاق کے گواہ عورت کے معتبر ہوں گے۔ اگر گواہ عادل نہ ہوں تو شوہر سے قسم لے کر فیصلہ کیا جائے گا، شوہر کے گواہ پیش نہیں ہوسکتے۔	۴۵۳
حقوق العباد میں قبول شہادت کے لئے تقدم دعوی شرط ہے حقوق اللہ میں شرط نہیں۔	۴۲۸	دیانات اور مذہبی معاملات میں فاسق وغیر مسلم کی بات معتبر نہیں۔	۴۹۴
طلاق کے گواہوں میں ایک لڑکا بارہ چودہ سال' ایک عورت کی ماں ایک بھاوج اور ایک اجنبی عورت۔ پھر طلاق کی تعداد میں ان کے درمیان اختلاف۔ ان مختلف صورتوں کا حکم۔	۴۳۰	گواہ شرعی نہ ہوں تو طلاق ثابت نہ ہوگی۔	۶۵۵
تنہا عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔	۴۳۰	طلاق کے بارے میں اکیلی عورت کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔	۶۵۵
فرع کی گواہی اصل کے لئے اور اصل کی گواہی فرع کے حق میں نہیں۔	۴۳۰	**قضاء**	
امام صاحب کے نزدیک شہادت میں لفظاً اور معنیً جتنے پر اتفاق ہو وُہ ثابت ہے۔	۴۳۱	قاضی پر لازم ہے کہ حد خالص، طلاق، ایلاء اور ظہار میں بغیر دعوی بھی شہادت سُنے۔	۴۲۸
اختلافِ شہود موجب رَدِّ شہادت ہے۔	۴۳۱	قاضی حجتِ شرعیہ کے ساتھ فیصلہ کرے گا، نہ مجرد خط کے ساتھ کیونکہ خط خط کے مشابہ ہوسکتا ہے۔	۴۴۵
شوہر کا انکار طلاق ثقہ گواہوں کی موجودگی میں اصلاً مسموع نہ ہوگا۔	۴۳۲	فاسق قضاءِ شرعی کے عہدہ کا مستحق نہیں ہوتا۔	۴۶۲
بھائی کی گواہی بہن کے حق میں شرعاً قبول ہے۔	۴۳۲	موجودہ کچہریوں کے فیصلہ سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۴۷۷
طلاق کے ثبوت کے لئے دو شرعی گواہ کافی ہیں۔	۴۳۲	قاضی شرع نائب شرع مطہر ہوتا ہے۔	۴۸۱
طلاق کی آواز سُنی، دینے والے کو دیکھا نہیں، گواہی نہیں دے سکتے۔	۴۳۳	مقلد قاضی اپنے مذہب کے خلاف حکم نہیں کرسکتا۔	۴۸۱
جو شخص زید سے عداوت ظاہرہ دنیویہ اس حد تک رکھنے والا ہو کہ اس کے باعث زید کے حق میں متہم ہو تو اس کی گواہی ضرر زید پر قبول نہیں۔	۴۴۰	مذاہب اربعہ سے غیر حنفی قاضی اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے یا حنفی قاضی جسے سلطان نے منصب قضاء پر مقرر کیا ہو اور اجازت دے رکھی ہو بوقتِ ضرورت قول مرجوح پر فیصلہ کردے تو اس کی قضاء نافذ ہوگی۔	۴۸۲

حاصل یہ قرار پایا کہ حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا اصل مہر کریم جس پر عقد اقدس ہوا چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی تھی اور زرہ برسم پیشگی وقتِ زفاف دی گئی کہ بحکم اقدس چار سو اسی ۴۸۰ درہم کو بکی۔	۱۵۵	بائع نے وصولی ثمن سے قبل اگر مبیع کا بعض حصہ مشتری کے حوالے کردیا تو بقیہ کو روکنے کا اسے حق حاصل ہے۔	۱۰۷
ام المومنین حضرت سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی عمر مبارک اور سنِ وصال۔	۳۰۳	بیع میں اگر چند چیزیں ایک عقد بیچیں اور بعض بخوشی دے دیں، بعض باقی کو روک سکتا ہے جب تک تمام ثمن وصول نہ ہو۔	۱۲۰
سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زوجہ مطہرہ رباب بنت امرؤالقیس رضی اللہ تعالٰی عنہا حضرت علی اصغر اور حضرت سکینہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی والدہ ہیں۔امام مظلوم کی شہادت کے بعد شرفاءِ قریش کے پیغاماتِ نکاح کو مسترد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں وُہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو اپنا خسر بناؤں۔ چنانچہ آپ جب تک زندہ رہیں کسی سے نکاح نہ کیا۔	۳۰۴	ثمن مؤجل ہو تو حبس مبیع کا استحقاق بالاجماع زائل ہو جاتا ہے۔	۱۲۰
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک صحابیہ کا قصہ جن کا نام نامی رباب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	۳۰۵	امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ حق حبس بیع میں ۱۲۰اصل عقد کا اقتضاء نہیں اور نکاح میں بحالتِ اطلاق نفس عقد کا مقتضٰی ہے۔	۱۲۰
حضرت اسماء بنتِ صدّیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہما جفاکشی کا ایک واقعہ۔	۳۱۰	بیع مقایضہ میں احد البدلین کی تسلیم اوّلًا واجب نہیں۔	۱۲۰
قریش نے زمانہ جاہلیت میں کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کے وقت کیا کیا تبدیلیاں بناءِ خلیل میں کیں۔	۳۱۶	ایسا فعل جو رضائے تبادل ملکین پر دال ہو وُہ بیع کا رکن ہے۔	۲۱۷
امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی عمر شریف بوقتِ نکاح کیا تھی۔	۳۹۰	تعاطی احد اجانبین سے بعض کے نزدیک بیع جائز ہے اور یہی مفتٰی بہ اور راجح ہے مگر بیان بدل ضروری ہے اگر بدل مجہول ہوگا تو بیع اجماعًا منعقد نہ ہوگی۔	۲۱۸
بیوع		شرائط بیع میں سے جو شرط مفسد معروف ہوجائے محتمل ہے ورنہ نہیں۔	۲۸۸

بہن بھائی ترکہ میں شریک ہوں اور بھائی بہن کو جہیز دے تو یہ عرفاً ہبہ نہیں بخلاف والدین ان کا جہیز عرفاً ہبہ ہوگا۔	۲۲۱	زیور وغیرہ جو شوہر نے عورت کو دیا اور تملیک صراحتًا یا عرفاً کسی طرح ثابت نہ ہوئی تو اس میں قول شوہر معتبر ہوگا اور وُہ جبرًا واپس لے سکتا ہے۔	۱۵۹
اگر کسی نے کہا میں نے اپنے درختوں کے پھلوں کی لوگوں کو اجازت دی کہ جو لے وہ اس کا ملک ہے تو جن لوگوں کو واہب کے اس اذن کی خبر ہوئی وہ جو بھی لیں گے اس کے مالک بن جائیں گے مگر جو شخص اذنِ واہب سے بے خبر ہوگا وُہ جو کچھ لے گا اس کا مالک نہیں ہوگا۔	۲۲۲	بلاتملیک شوہر زیور وغیرہ عورت کے برتنے، پہننے اور استعمال کرنے سے ملک عورت ثابت نہیں ہوسکتی۔	۱۶۰
ہبہ مشاع محتمل قسمت صحیح نہیں اور نہ ہی مفید ملک۔	۲۲۵	والدین زوج نے بہو کو کچھ زیور واسطے تالیف دیا، یہ سمجھ کر کہ کہا ہمارے گھر میں رہے گا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہوگا جب چاہیں دوسرے کام میں لائی گے جیسا تاجر بطور عاریت دیا کرتے ہیں، اپنے گھر کی زیبائش کے لئے نہ کہ بطور تملیک اس صورت میں اس کے مالک والدین ہیں یا نہیں۔	۲۰۳
ہب مشاع غیر متحمل قسمت کی شرط صحت یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو۔	۲۲۵	عورتیں جو بے تکلف اموالِ شوہر استعمال میں رکھتی ہیں اس سے وُہ ان کی ملک نہ ہوں گے۔	۲۰۳
ہبہ تاحینِ حیات ہبہ کاملہ ہے اور حینِ حیات کی شرط لغو وباطل ہے۔	۲۳۵	عاریت سے بحالتِ بقاء ہر وقت رجوع جائز وحلال ہے۔	۲۰۸
احدالمعاقدین کی موت رجوع ہبہ کے موانع میں سے ہے۔	۲۳۵	جو اشیاء عاریتاً لی جائیں وہ اگر بلا تعدّی حلال ہوجائیں تو ضمان لازم نہیں۔	۲۰۸
موہوب شئی کا ہلاک ہوجانا یا موہوب لہ، کی ملک سے خارج ہونا دونوں رجوع ہبہ سے مانع ہیں۔	۲۴۷	مستعار شئی میں اگر بحالتِ استعمال نقصان آجائے تو ضمان لازم نہیں بشرطیکہ استعمال معہود ہو۔	۲۰۸
اگر دو شخص کسی کو ایک گھر ہبہ کردیں تو یہ ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ مشاع نہیں۔	۲۵۵	اگر عاریت کسی وقتِ معین تک ہو اور لینے والا واپسی پر قدرت کے باوجود وقتِ معیّن کے بعد بھی اپنے پاس اسے روکے رکھے تو اب ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا اگرچہ وقتِ معیّن کے بعد استعمال نہ کی ہو۔	۲۰۸
عاریت			

قضاء عرف یعنی نکاح خوانی کا عہدہ بھی فاسق کو تفویض نہ کرنا چاہئے۔	۴۶۲	جب زید نے تین طلاقیں دے دیں تو مطلقہ کا اس کے پاس جانا حرام محض ہے۔	۵۵۹
فاسق کا امورِ دینیہ میں کچھ اعتبار نہیں، نہ اس پر کسی بات میں اطمینان۔	۴۶۲	بدیہیات پر اہل علم حوالہ طلب نہیں کیا کرتے۔	۵۷۰
کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دے کر اپنی مطلقہ سالی سے نکاح کرلے تو کیا حکم ہے۔	۴۶۲	جاہل کا حوالہ وہ بھی مع عبارت طلب کرنا سُوءِ ادب ہے۔	۵۷۰
غیر محرم عورت کو بلا نکاح اپنے مکان میں رکھنا اور خلوت میں اس کے ساتھ ہونا فسق ہے۔	۴۶۳	بیوی کا دودھ پینا حرام ہے۔	۵۹۳
طلاق کے لئے مالکانہ دینے کا جو رواج ہے اس کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔	۴۶۳	طلاق بائن کے بعد بے تجدید نکاح مباشرت عورت سے حرام ہے۔	۵۹۵
خاوند والی عورت سے علم رکھنے کے باوجود نکاح کیا یا لاعلمی میں کیا اور علم آنے پر اس کو چھوڑا نہیں تو یہ زانی ہے۔	۴۶۴	جس عورت پر عدت واجب ہو وہ مرورِ عدت سے قبل دوسرے مرد سے نکاح کرے تو ناجائز و باطل وزنا و حرام ہے۔	۶۴۸
نیت ہو کہ تھوڑے دنوں بعد طلاق دے دوں گا، تو یہ متعہ نہ ہوگا، لیکن ایسی عادت بنانا یا لوگوں کو اس کی ترغیب دینا جائز نہیں۔	۴۶۷	**فضائل ومناقب**	
نکاح متعہ اور نکاح مؤقت صحیح نہیں۔	۴۶۸	امام ابویوسف علماً امام اعظم کے ہم پلّہ نہیں۔	۱۱۲
بے ضرورت شرعیہ طلاق شرعاً ممنوع ہے۔	۴۶۸	جو مسئلہ امام اعظم کے حضور طے نہ ہو لیا وہ قیامت تک مضطرب رہے گا۔	۱۱۲
ایک وقت چار تک عورتیں رکھنے کی شرعی اجازت ہے اس سے زائد کبھی جمع نہیں ہوسکتیں	۴۶۹	امام ابویوسف فرماتے ہیں جس مسئلہ میں ہمارے استاذ کا کوئی قول نہیں اس میں ہم پریشان حال ہیں۔	۱۱۲
شوہر بڈھا ہو اور عورت کے ادائے حقوق پر قادر نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ طلاق دے دے مگر عورت بے طلاق دئے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔	۴۷۶	امام ابویوسف سے منقول ہے کہ میں بعض مسائل میں جانتا کہ حدیث میری طرف ہے، تنقیح کے بعد کُھلتا کہ جس حدیث سے امام صاحب نے فرمایا ہے میرے خواب میں بھی نہ تھی۔	۱۱۲
جو مرد عورت کا حق ادا نہیں کرسکتا اس پر طلاق دینا فرض ورنہ گنہگار و مستحق عذاب ہوگا۔	۴۸۷		

آج کل عادل شخص کاملنادشوار ہے۔	۴۲۱	مرد نے کہا کہ "اگر بیوی کو گھر میں رکھوں تو اسی کا دودھ پیوں" یہ نہ تو ایلاء ہے اور نہ ہی قسم، لہٰذا کفارہ لازم نہیں۔	۵۹۲
آج کل عدالت شرعیہ مردوں میں کم ہے اور زنان ناقصات العقل میں ثقہ شرعیہ ہندوستان میں شاید گنتی کی ہوں۔	۴۴۰	تطفل علی الخیریہ۔	۵۹۸
سیدنا امام حسن مجتبٰی اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں ایک شبہہ کاازالہ۔	۴۶۹	فتاوٰی خیریہ اور محیط میں اختلاف کی طرف اشارہ۔	۶۱۱
نفسِ امّارہ سختی سے دبتا ہے اور ڈھیل دینے سے زیادہ پاؤں پھیلاتا ہے۔	۴۶۹	امام محمد کے ارشاد اور متاخرین کے فتوی میں تطبیق۔	۶۱۳
مجتہد صدیوں سے مفقود ہے۔	۴۸۲		

بابُ المھر

رسالہ

البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل ۱۳۰۵ھ

(زوجہ بعد وطی بھی مہر معجّل لینے کے لئے اپنے نفس کو روک سکتی ہے اس بارے میں کشادہ تحریر اور فیصلہ مسٹر محمود کارد)

مسئلہ ا و ۲: از مراد آباد مرسلہ محمد نبی خاں صاحب یکم جمادی الاخری ۱۳۰۵ھ

سوال اوّل

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے ہندہ کا نکاح ہوا، نصف معجّل نصف موٴجل ٹھہرا، حسبِ رواج ہندہ کی رخصتی ہوگئی کہ وطی بر ضائے ہندہ واقع ہوئی، بعدہ، زید بد اطوار نکلا اور ہندہ سے بہت ایذا و اضرار و تکلیف وآزار کے ساتھ پیش آیا، ہندہ ان وجوہ سے ناراض ہو کر اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور تاوصول مہر معجّل اس کے پاس جانے سے انکار رکھتی ہے، اس صورت میں ہندہ کو مہر معجّل لینے تک حق منع نفس حاصل ہے یا نہیں؟ اور منع کرنے سے ناشزہ ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

سوال ۲ دوم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب ادائے مہر معجّل سے پہلے وطی برضائے زوجہ واقع ہوجائے تواِس صورت میں برخلاف مذہب امام مذہب صاحبین کو کہ منع نفس کا حق ساقط ہوجاتا ہے بوجوہ عـــہ مصرحہ ذیل ترجیح دینی صحیح ورجیح اور نظر فقہی میں قرینِ تحقیق وتنقیح ہے یانہیں:

(۱) درمختار میں ہے جب ایسے امر کی نسبت مابین ابوحنیفہ اور اُن کے مریدوں (یعنی صاحبین) کے اختلاف ہو تورائے مریدوں کی غالب ہونی چاہئے۔

(۲) امام ابوحنیفہ اور امام محمد دونوں محض ذہنی باتوں کے مقنن تھے لیکن قاضی ابویوسف کو اُسی قدر علم روایات تھااور بوجہ عہدہ قاضی القضاۃ کے موقع متعلق کرنے کا حالات انسان سے حاصل تھااور ان کے قواعد خصوصا معاملات دُنیوی اور تعبیر شرع میں اس قدر مستند سمجھے جاتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہ یا امام محمد کی رائے ان سے متفق ہو تواُن کی رائے از رُوئے ایک قاعدہ مسلّمہ کے قبول کی جاتی ہے۔

(۳) سب سے عمدہ خلاصہ سب سے حال کی کتاب مستند شرع یعنی فتاوٰی عالمگیری (کی عبارت یہ ہے) اس سے ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے کے خلاف نہ صرف ان کے دو ۲ مشہور مریدوں بلکہ شیخ الصفار نے بھی جہاں تک کہ بحث ہم خانگی کو تعلق ہے رائے ظاہر کی ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہ اور ان کے دو ۲ مرید قانون حنفی مین تین استاد سمجھے گئے ہیں اور میں قاعدہ عام تصوّر کرتا ہوں کہ اختلاف رائے ہوتو دو ۲ کی رائے بمقابلہ تیسرے کے غالب ہوگی بموجب معمولی قاعدہ شرع کے میں رائے دو ۲ مریدوں کی بطور کثرت رائے منجملہ تین استادوں کے اختیار کرتا ہوں۔ **(۵)** اس حق کے نفاذ میں کہ زوجہ کے ساتھ ہم خانگی کرے مانع یہ بیان کیاگیا ہے کہ مہر معجّل ادانہ ہوا ہو اور یہ قاعدہ محض اس مواخذے کی مشابہت پر مبنی ہے جو بائع کو مال پر تاادائے قیمت قبل حوالگی مال کے حاصل رہتا ہے لیکن اُس مواخذے میں دراصل حقِ ملکیت مشتری کا قیاس کرلیاگیا ہے اور جبکہ حوالگی عمل میں آجائے گی تواسی وقت وہ مواخذہ ختم ہوجاتا ہے **انتہٰی، بینوا توجروا**

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ المنعم فی المعجل والمؤجل	سب تعریفیں دنیاوآخرت میں ہم پر انعام کرنے والے

عـــہ: یہ وجوہ مسٹر محمود اپنے فیصلے میں ایجاد کیں ۱۲(م)

والصلٰوۃ والسلام علی من ختم دفتر الرسالۃ واسجل علٰی اٰلہ وصحبہ وجمیع اھل دینہ المبجل۔	اللہ تعالٰی کے لئے ہیں، اور صلوٰۃ وسلام اس ذات پر جس نے رسالت کا دفتر ختم کیا اور مضبوط کیا، اور اُن کی آل واصحاب اور ان کے تمام برگزیدہ دین والوں پر۔ (ت)

جواب سوال اوّل

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ کو حق منع نفس حاصل ہے اُسے اختیار ہے جب تک مہر معجّل وصول نہ کرلے اپنے آپ کو تسلیم شوہر نہ کرے اس منع کئے سے ناشزہ نہ ہوگی۔ وقایہ میں ہے:

لھامنعہ من الوطی والسفر بھا والنفقۃ لومنعت ولو بعد وطی او خلوۃ برضاھا[1]۔	معجّل مہر وصول کرنے کیلئے خاوند کو جماع سے اور سفر پر ساتھ لے جانے سے روکنے اور نفقہ وصول کرنے کا بیوی کو حق ہے اگرچہ وطی اور خلوت رضامندی سے ہوجانے کے بعد روک دے۔ (ت)

نقایہ میں ہے:

قبل اخذ المعجل لھامنعہ من الوطی والسفر بھا ولو بعد وطئ برضاھا بلاسقوط النفقۃ[2]۔	مہر معجّل وصول کرنے سے قبل بیوی کو حق ہے کہ خاوند کو جماع، سفر پر ساتھ لے جانے سے روک دے اگرچہ رضامندی سے وطی کے بعد ہو، بیوی کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

کنز میں ہے:

لھامنعہ من الوطی والاخراج للمھر وان وطئھا[3]۔	بیوی کو مہر کے لئے وطئ اور سفر پر لے جانے سے منع کرنے کا حق ہے (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لھامنعہ من الوطی والسفر بھا ولو وطی او خلوۃ رضتھما[4]۔	خوشی سے وطی یا خلوت کے بعد بھی بیوی کو مہر وصول کرنے کیلئے خاوند کو جماع اور سفر پر لے جانے سے منع کرنے کا حق ہے۔ (ت)

[1] شرح الوقایۃ باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۵

[2] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ باب المہر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[3] کنز الدقائق باب المہر ایچ ایم کمپنی کراچی ص ۱۰۴

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

درمختار میں ہے:

لان کل وطأة معقود علیہا فتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی[1]۔	ہر وطی مہر کے بدلے میں ہے (ہر وطی پر جداجدا مہر لازم ہے) تو بعض کا بدل دینے سے باقی کا دینا ثابت نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجہا ولومنعت نفسہا للمہر دخل بہا اولا[2] اھ ملخصًا۔	خاوند پر بیوی کا نفقہ واجب ہے اگرچہ بیوی نے مہر کے لئے خاوند کو اپنے سے روک رکھا ہو دخول ہوچکا یا نہیں اھ ملخصًا (ت)

تحقیق مقام یہ ہے کہ مہر معجّل لینے سے پہلے وطی یاخلوت برضائے عورت واقع ہوجانا صاحب مذہب امامِ اقدم قدوۂ اعظم امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حق منع نفس ومنع سفر کسی کا اصلًا مسقط نہیں، اور عورت کو اختیار ہے جب تک ایک روپیہ بھی باقی رَہ جائے نہ تسلیم نفس کرے نہ شوہر کے ساتھ سفر پر راضی ہو اگرچہ اس سے پہلے بارہا وطی برضامندی ہوچکی ہو اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک صرف خلوت برضا واقع ہوجانا بھی حق منع نفس ومنع سفر دونوں کا مسقط ہے، امام ابوالقاسم صفار علیہ رحمۃ الغفار دربارہ سفر قولِ امام اور دربارہ وطی قولِ صاحبین پر فتوے دیتے تھے اصل معنٰی اس تفصیل کے یہی ہیں اُن کے بعد جس نے ادھر میل کیا انہیں کا اتباع کیا مثلًا امام صدر شہید شرح جامع صغیر میں ان کا مسلک نقل کرکے فرماتے ہیں: وانہ حسن[3] (بیشک وہ حسن ہے۔ت) امام بزدوی شرح کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

ھذا احسن فی الفتیا[4] کما نقلہ عنہ فی البنایۃ کذا الطحطاوی عن البحر عن غایۃ البیان۔	یہ فتوٰی کے لئے مناسب ہے، جیسا کہ صاحب، بنایہ نے اس کو بنایہ میں ان سے نقل کیا ہے، اور ایسے ہی طحطاوی نے بحر سے انہوں نے غایۃ البیان سے نقل کیا ہے (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب نفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۷-۲۶۶

[3] حاشیۃ الجامع الصغیر باب فی المہور مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۱

[4] البنایۃ فی شرح الہدایۃ باب المہر المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۲/۱۵۶

واستحسن بعض المشایخ اختیارہ اھ[1]۔	بعض مشائخ نے ان کے مختار کو پسند فرمایا ہے اھ (ت)

اسی طرح ہندیہ میں محیط سے ہے: **ولفظہ مشایخنا**[2]۔ (اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے بعض مشائخ نے۔ت) مگر اکثر اکابر ائمہ وعلماء فقہاء مذہب امام کو ترجیح دیتے اور اسی پر جزم واعتماد کرتے ہیں متون کہ خاص نقل مذہب صحیح ومتعمد کے لئے وضع کئے جاتے ہیں علی العموم اسی مذہب پر ہیں۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے: **بہ صرحت المتون قاطبۃ**[3] (تمام متون اس کی تصریح کرچکے ہیں۔ت) اور وقایہ ونقایہ وتنویر ودرمختار کی عبارتیں سُن چکے کہ اُنہوں نے تصریحًا مذہب صاحبین کی نفی فرمائی اور جب ماتن نے باب نفقہ میں **ولومنعت نفسہا للمہر**[4]۔ (اگرچہ بیوی نے مہر کے لئے اپنے کو روک رکھا ہو۔ت) فرمایا شارح نے **دخل بہا اولا**[5] (دخول ہوچکا ہو یانہ۔ت) اور بڑھایا تاکہ اس کی نفی پر تنصیص تام ہوجائے، اسی طرح وافی ومختار میں بھی اسی پر اقتصاد کیا اور درمختار میں صرف اسی مذہب پر دلیل قائم کی **کما سبق نقلہ** (جیسا کہ اس کی نقل گزری۔ ت) اور اقتصار وتعلیل دونوں دلیل اختیار وتعویل، ردالمحتار میں ہے:

اقتصارہ فی المتن (یعنی تنویر الابصار) یفید ترجیحہ اھ ملخصًا[6] ذکرہ فی کتاب القضاء مسئلۃ ولایۃ بیع الترکۃ لامستغرقۃ بالدّین۔	ماتن کا یعنی تنویرالابصار کا اس پر اکتفاء کرنا ترجیح کو مفید ہے اھ ملخصًا۔ اس کو انہوں نے کتاب القضاء میں قرض میں مستغرق ترکہ کی ولایت بیع کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ[7] اھ ذکرہ قبیل الوصیۃ بثلث المال۔	اس پر اکتفاء ان کے اعتماد کی دلیل ہے اھ اس کو انہوں نے ثلثِ مال کی وصیّت سے قبل ذکر کیا۔(ت)

---

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی المہر قلمی نسخہ ص ۶۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الحادی عشر فی منع المرأۃ نفسہا بمہرھا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۱۷

[3] فتاوٰی خیریہ باب النفقۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۶۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

[5] درمختار شرح تنویر الابصار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

[6] ردالمحتار مطلب فی بیع الترکۃ المستغرقہ بالدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۴۰

[7] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الوصایا دارالمعرفۃ بیروت ۴/۳۲۱

عقودالدریہ میں ہے: التعلیل دلیل الترجیح[1] (علت کو بیان کرنا ترجیح کی دلیل ہے۔ت) اسی میں ہے:

ھوالمرجح اذھو المحلی بالتعلیل اھ[2] ذکرھما فی النکاح قبل باب الولی۔	یہی راجح ہے کیونکہ یہی دلیل سے مزین ہے، یہ دونوں باتیں انہوں نے کتاب النکاح میں باب الولی سے پہلے ذکر کی ہیں۔(ت)

علامہ ابراہیم حلبی نے ملتقی الابحر میں کہ بتصریح فاضل شامی متون معتمدہ المذہب سے ہے قول امام کو مقدم رکھا اور اسی پر حکم دے کر صاحبین کی طرف خلاف نسبت کی،

حیث قال ھذا قبل الدخول وکذا بعدہ خلافا لھما[3]۔	جب انہوں نے کہا کہ یہ دخول کے بعد ہو یا پہلے اس میں صاحبین کا خلاف ہے(ت)

اور وہ خود دیباچہ ملتقی میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں مَیں جس قول کو مقدم لاؤں وہی ارجح ہے شارح نے فرمایا: وہی مختار للفتوی ہے، متن وشراح کی عبارت یہ ہے:

صرحت بذکر الخلاف بین ائمتنا وقدمت من اقاویلھم ماھوالارجح (المختار للفتوی[4]) (ملخصًا)	میں نے اپنے ائمہ کے ہاں اختلاف کی تصریح کردی اور ان میں سے زیادہ راجح قول کو پہلے ذکر کیا، ارجح وُہ ہے جو فتوی کے لئے مختار ہے (ملخصًا)۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں میں امام علامہ فقیہ النفس نے قول امام کی تقدیم کو مقدم کرتے ہیں جو اشہر واظہر ہو، خود اپنے فتاوی کے خطبے میں فرمایا:

قدمت ماھو الاظھر وافتتحت بما ھوالاشھر[5]۔	میں ظاہر کو مقدم اور مشہور ابتداء کرتا ہوں۔(ت)

علماء فرماتے ہیں تو جسے یہ پہلے بیان کریں وہی قول معتمد ہے، حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

---

[1] عقود الدریہ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار وپسران ارگ بازار قندھار ۱/۱۷

[2] عقود الدریہ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار وپسران ارگ بازار قندھار ۱/۱۷

[3] ملتقی الابحر باب المھر موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۵۱

[4] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر مقدمہ کتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷

[5] فتاوی قاضی خان مقدمہ کتاب نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲

اصطلاحہ تقدیم الاظھر فیکون المعتمد اھ[1] ذکرہ فی کتاب الوصایا اول باب الوصی۔	ان کی اصطلاح زیادہ ظاہر کو مقدم کرنا ہے تو وہی قابلِ اعتماد ہے اھ، اس کو انہوں نے کتاب الوصایا میں باب الوصی کے شروع میں بیان کیا ہے۔(ت)

امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ کی عادت مستمرہ ہے کہ استدلال کے وقت قول مختار کی دلیل اخیر میں لاتے ہیں تاکہ اقوال سابقہ کے دلائل سے جواب ہو جائے اور نقل اقوال کے وقت غالبًا قولِ قوی کو پہلے ذکر فرماتے ہیں تاکہ اوّل صحیح مسئلہ سمع متعلّم میں آئے، درمختار میں نہر الفائق سے ہے:

تاخیر صاحب الھدایۃ دلیلھما(ای فی مسئلۃ کساد فلوس القرض) ظاہر فی اختیارہ قولھمااھ[2] ذکرہ اخر باب الصرف قبیل التذنیب۔	صاحب ہدایہ کا صاحبین کی دلیل کو مؤخر لانا (یعنی قرض والے سکّے کے بند ہو جانے کے مسئلہ میں) ان کے قول کو مختار بنانے کی دلیل ہے، اس کو انہوں نے تذنیب سے قبیل باب الصرف کے آخر میں ذکر کیا ہے(ت)

اسی طرح فتح القدیر میں ہے، افندی زین الدین رومی نتائج الافکار حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں:

من عادۃ المصنف المستمرۃ ان یؤخر القوی عند ذکر الادلۃ علی الاقوال المختلفۃ لیقع المؤخر بمنزلۃ الجواب عن المقدم وان کان قدم القوی فی الاکثر عن نقل الاقوال[3]۔	مصنّف کی عادتِ مستمرہ ہے کہ دلائل ذکر کرتے وقت قوی دلیل کو آخر میں ذکر کرتے ہیں تاکہ پہلے اقوال کا جواب بن سکے، یہ اختلافی بحث میں ایسا کرتے ہیں اگرچہ وُہ قوی قول کو ذکر میں پہلے لاتے ہیں جب اقوال کو نقل کرنا ہو، اکثر ایسا ہی کرتے ہیں۔(ت)

اب یہاں انہوں نے مذہب امام کو پہلے نقل بھی کیا اور اُسی کی دلیل کو مؤخر بھی لائے اور قول صاحبین کو برقرار بھی نہ رکھا تو بوجوہ عدیدہ ترجیح قول کا افادہ فرمایا، علامہ سید جلال الملّۃ والدّین خوارزمی نے کفایہ حاشیہ ہدایہ میں تائید مذہب امام کو دوبالا کیا اور ایک مسئلہ متفق علیہا سے جسے صاحبین بھی تسلیم فرمائیں، قولِ امام کو رنگ ایضاح دیا،

حیث قال، لابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انھا منعت منہ ماقابل البدل کمالوسلم	جب انہوں نے فرمایا امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ بیوی بدل کے مقابل کو روک سکتی ہے جیسا کہ کوئی بائع

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الوصی دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۴۰

[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[3] نتائج الافکار

البائع بعض المبیع الی المشتری لایسقط حقه فی حبس مابقی منه [1]۔	بعض مبیع مشتری کو سونپ دے تو بائع کے لئے باقی مبیع کے روکنے کا حق ساقط نہیں ہوتا۔(ت)

اسی طرح صدر الشریعۃ شرح وقایہ وکافی شرح وافی واختیار شرح مختار ومستخلص شرح کنز وغیرہا شروح میں مذہب امام پر دلیل قائم کی اور دلیل صاحبین سے جواب دیئے، امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی نے فتح القدیر میں ترجیح ہدایہ اور علامہ شیخی زادہ عالم دیار رومیہ قاضی دولت علیہ عثمانیہ معاصر ومستند صاحب درمختار نے مجمع الانہر میں تقدیم ملتقی اور علامہ یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبٰی فی شرح صدر الشریعۃ العظمٰی میں اعتماد متن وشرح اور محقق علامہ وسیع النظر دقیق الفکر محمد بن عابدین شامی نے ردالمحتار علی الدرالمختار میں افاداتِ درمختار کو مقرر ومسلّم رکھا اور ترجیح مذہب امام میں خلاف ونزاع کی طرف بھی اشارہ نہ کیا پھر بکثرت علماء اہلِ متون وشروح وفتاوٰی ان مذکورین اور ان کے غیر باب النفقات میں عورت کو طلب مہر معجّل کے لئے بالفظ ارسال واطلاق منع نفس کا استحقاق بتاتے ہیں اور اصلاً عدمِ وطی وخلوت بر ضا کی قید نہیں لگاتے کما یظهر بالمراجعة الی کتبهم (جیسا کہ انکی کتب کی طرف مراجعت سے ہوتا ہے۔ت) بلکہ شرح وقایہ میں تو صورتِ مسئلہ یُوں فرض کی کہ:

خروجها بحق کما لولم یعطها المهر المعجل فخرجت عن بیته [2]۔	بیوی کا باہر نکلنا برحق ہے جیسا کہ خاوند نے اس کو مہر معجّل نہ دیا ہو تو وہ اس کے گھر سے نکل جائے۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ شوہر کے یہاں آنے کے بعد غالبًا وطی واقع ہی ہوتی ہے بانیہمہ حکم مطلق چھوڑا تقیید کی طرف مطلق التفات نہ فرمایا یہ اطلاقات بھی اُسی اختیار مذہب امام سے خبر دے رہے ہیں، لاجرم علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحبِ درمختار نے قولِ امام ہی پر فتوٰی دیا اور مذہب آخر کا ذکر تک نہ کیا، فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

سئل فی المرأة اذا سلمت نفسها قبل استکمال ماشرط تعجیله لها من المهر هل لها بعد ذلك منع نفسها عنه اجاب لها منع نفسها حتی تستکمل	ان سے ایسی عورت کے متعلق سوال کیا گیا جو مہر معجّل وصول کرنے سے پہلے اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرچکی ہو کیا پھر مہر معجّل کے لئے اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے؟ تو جواب دیا کہ ہاں روک سکتی ہے یہاں تک کہ مہر معجّل پورا

[1] کفایہ مع فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۵۰-۲۴۹

[2] شرح الوقایہ باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۳

ذٰلك عند الامام وان كانت سلمت نفسها وبه صرحت المتون قاطبة[1]۔	وصول کرلے امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں ہے، اگرچہ بیوی پہلے اپنے آپ کو سونپ چکی ہو، اس مسئلہ پر تمام متون تصریح کرچکے ہیں۔(ت)

آخر یہ علمائے محققین وعظمائے مدققین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فتوائے امام صفار واختیار بعض مشائخ سے غافل نہ تھے، پھر قولِ امام ہی پر جزم واعتماد فرماتے ہیں، کوئی تو قولِ صاحبین کا نام تک نہیں لیتا اور اکثر متون کا یہی حال ہے، کوئی صاف وہ الفاظ بڑھاتا ہے جس سے ان کے مذہب کی صریح نفی ہوجائے، کوئی صرف مذہب امام ہی پر دلیل قائم کرتا ہے، کوئی دلیل صاحبین سے جواب دیتا ہے، جنہوں نے وعدہ کیا کہ قولِ قوی کو مقدم لائیں گے وُہ اسی مذہب کی تقدیم کرتے ہیں، جنہوں نے التزام کیا کہ دلیل معتمد کی تاخیر کریں گے وہ اسی کی دلیل پیچھے لاتے ہیں۔ غرض طرح طرح سے ترجیح وتصحیح مذہب امام کا افادہ فرتے ہیں، اور کبرائے ناظرین شراح ومحشین کہ مذکور ہوئے تقریر وتسلیم سے پیش آتے ہیں' ناچار ماننا پڑے گا کہ ان سب کے نزدیک معتمد ومرجح ومحقق ومنقح مذہب امام ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور قوت دلیل کہ مطالعہ ہدایہ وکافی واختیار وکفایہ وغیرہ سے واضح ہوتی ہے اس پر علاوہ، پس جبکہ یہی '۱مذہبِ امام اعظم ہے اور اسی پر ۲متون کا اجماع اور اسی ۳کی دلیل اقوی اور اس ۴قدر کثرت سے اس کے مرجحین، تو وجہ کیا ہے کہ اس سے عدول کیا جائے حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقًا قول امام پر فتوی دے، اور قاضی عمومًا مذہب امام پر فیصلہ کرے یعنی جب کوئی ضرورت مثل تعامل المسلمین یا اجماع المرجحین علی الخلاف کے داعی ترک، نہ ہو، کما فی مسئلتی جواز المزارعۃ وتحریم القلیل من لامائع المسکر جیسا کہ مزارعت کے جواز اور قلیل مسکر پانی کی تحریم کے دونوں مسئلوں میں ہے۔ت اور حکم دیتے ہیں کہ قول امام سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ مشائخ مذہب اس کے خلاف پر فتوی دیں۔ ۱منیہ و۲سراجیہ و۳محیط امام سرخسی وفتاوٰی ۴عالمگیری و۵بحر الرائق و۶نہر الفائق و۷فتاوی خیریہ و۸تنویر الابصار و۹شرح علائی ۱۰حاشیہ طحطاویہ وغیرہا کتبِ معتمدہ میں اس کی تصریح ہے، درمختار میں ہے:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفة علی الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زیاد وھو الاصح منیة وسراجیة[2]۔	قاضی بھی مفتی کی طرح امام صاحب کے قول مطلقًا لے گا، پھر امام ابویوسف، پھر امام محمد، پھر امام زفر اور حسن بن زیاد کے اقوال کو لے گا، یہی اصح ہے، منیہ وسراجیہ۔

[1] فتاوٰی خیریہ باب النفقۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۶۹

[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

بحرالرائق میں فرمایا:

یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافہ[1]۔	ہم پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل واجب ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف پر فتوٰی دے چکے ہوں۔(ت)

اور ایسا ہی فتاوٰی خیریہ میں ہے خصوصًا صورت مسئولہ میں جبکہ تقریر سوال سے ظاہر کہ زید کی طرف سے سوء معاشرت ہندہ کے ساتھ واقع ہوئی تو یہاں توایک اور فتوٰی قولِ امام کے موافق ہے تہذیب میں کلامِ امام ابوالقاسم نقل کرکے فرماتے ہیں:

المختار عندی فی المنع ان کان سوء المعاشرۃ من الزوج لہا المنع وان کان من جہتہا فلیس لہا المنع وفی السفر قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	میرے نزدیک منع کے بارے میں مختار یہ ہے کہ اگر بداخلاقی خاوند کی طرف سے ہوتو بیوی کو منع حق ہے اور اگر بداخلاقی بیوی کی طرف سے ہوتو پھر اس کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند سے روک رکھے، سفر کے بارے میں فتوٰی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے(ت)

اسی طرح فتاوٰی ابراہیم شاہی وفتاوٰی حمادیہ میں اس سے نقل کیا، یہ ہے اس بارے میں کلام اجمالی، اور قدرے تفصیلی ان مباحث کی ہمارے فتوائے ثانیہ میں آتی ہے **وباللہ التوفیق**، بالجملہ صورت مستفسرہ میں عندالتحقیق مفتی وقاضی کے لئے قولِ امام ہی پر اعتماد ہے۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

جواب سوال دوم

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق اس تقریر میں **امر اول** ایک سخت حیرت انگیز بات ہے، درمختار میں اس مطلب کا کہیں پتا نہیں بلکہ اس میں صراحۃً اس کاخلاف مصرح کتاب القضا میں فرماتے ہیں:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق[3]۔	قاضی بھی مفتی کی طرح مطلقًا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول لے گا۔(ت)

پھر منیۃ المفتی وفتاوٰی سراجیہ سے نقل کیا ہو الاصح[4] (وہی زیادہ صحیح ہے۔ت) ہاں ایک قول حاوی قدسی سے یہ لائے کہ وقت دلیل پر مدار ہے پھر اُسے بھی برقرار نہ رکھا، اور نہرالفائق سے نقل فرمایا: الاول اضبط[5] (وہی

[1] بحرالرائق فصل تقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۲۹۔۷۰

[2] تہذیب

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[4] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[5] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

زیادہ مضبوط ہے۔ت) اور تحقیق وتوفیق وُہ ہے جو ماتن نے فرمایا کہ لایخیر الااذاکان مجتهدا یعنی جو خود مجتہد ہو وہ قوتِ دلیل پر نظر کرے اور ہم پر وہی ترتیب لازم کہ علی الاطلاق مذہبِ امام پر افتاوقضا کریں جب تک کوئی مانع قوی وعظیم نہ پایا جائے کماسنذکرہ ان شاء اللہ تعالٰی (ان شاء اللہ تعالٰی اس کو عنقریب ہم ذکر کریں گے۔ت)

امر دوم کے جواب، میں **اوّلاً** عبارتِ درمختار کہ ابھی گزری اور وُہ عبارت کثیرہ کہ ان شاء اللہ تعالٰی لکھتا ہوں بس ہیں۔

ثانیاً کلماتِ علماء میں نہ عموماً نہ بعد تخصیص معاملاتِ دُنیوی کہیں اس کانشان نہیں کہ جب امام ابویوسف کے ساتھ حضرات طرفین سے ایک رائے اور ہو تو ان کی تجربہ کاری کے باعث اُس کا قبول قاعدہ مسلّمہ ہے، ہاں علماء نے مسائلِ وقف وقضاء کی نسبت بیشک فرمایا کہ وہاں غالبًا قولِ ثانی پر فتوٰی ہے، اس سے ہر وہ امر کے زیر قضا آسکے مراد نہیں تاکہ امثال صوم وصلٰوۃ کے سوا نکاح وبیع وہبہ اجارہ ورہن وغیرہا تمام ابواب فقہ کو عام ہوجائے یوں تو وقف بھی اسی قبیل سے تھا، پھر خاص اسے الگ گننے کے کیا معنی، نہ ہرگز عالم میں کوئی عالم اس کا قائل، اور خود ہزاراں ہزار کتبِ فقہ اس کے خلاف پر گواہ عادل، کہ لاکھوں مسائل معاملات میں بھی قولِ امام ہی پر فتوٰی ہے اگرچہ رائے امام ابویوسف سے امام محمد بھی موافق ہوں بلکہ یہ امر خاص اُن مسائل میں اکثری طور پر ہے جنہیں فقہاء کتاب القضاء وکتاب الوقف میں لکھتے ہیں اشباہ والنظائر میں جہاں یہ فائدہ زیرِ قاعدہ المشقة تجلب التیسیر (مشقت کے سبب حکم میں آسانی ہوجایا کرتی ہے۔ت) وہاں یہی مسائل شمار کئے۔حیث قال:

ووسع ابویوسف رحمة اللہ تعالٰی فی القضاء والوقف والفتوی علی قوله فیما یتعلق بهما فجوز للقاضی تلقین الشاهد وجواز کتاب القاضی الی القاضی من غیر سفر ولم یشترط فیه شیئا مما شرطه الامام و صحح الوقف علی النفس وعلٰی جهة تنقطع ووقف المشاع ولم یشترط التسلیم الی المتولی ولاحکم القاضی وجوز استبداله عند الحاجة	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے قضاء ووقت کے متعلق وسعت پیدا کی ہے، ان دونوں بابوں میں ان کے قول پر فتوٰی ہوگا، انہوں نے گواہ کو قاضی کی تلقین، قاضی کا قاضی کو بغیر سفر خط، بغیر ان شرائط کے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے لگائی ہیں کو جائز قرار دیا ہے، انہوں نے وقف علی النفس (یعنی اپنی جائدادیوں وقف کرے کہ تاحیات وہ خود اسکی آمدنی سے ممتنع رہے گا) اور وقف علی جہۃ منقطعہ اور غیر منقسم چیز کے وقف کو جائز کہا ہے اور متولی کو سونپ دینے کی شرط نہیں لگائی اور نہ ہی

الیہ بلاشرط وجوزہ مع الشرط ترغیباً فی الوقف وتیسیرًا علی المسلمین [1]۔	انہوں نے وقف کے لئے قاضی کے حکم کی شرط لگائی ہے، اور انہوں نے وقف کو ضرورت کے وقت تبدیل کرنے کو بلا شرط جائز قرار دیا ہے اور بلاضرورت اس کے تبدیل کرنے کو مع جائز الشرط جائز قرار دیا ہے تاکہ وقف کرنے میں ترغیب اور مسلمانوں کے لئے آسانی ہو۔(ت)

ثالثًا ان مسائل میں تو موافقت رائے دیگر، کی بھی حاجت نہیں **کما یظھر بالمراجعۃ** (جیسا کہ کتب کی طرف سے مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ت) تو کلماتِ علماء اس قید کے مساعد نہیں۔

رابعًا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام ابویوسف علمًا امام اعظم کے ہم پلّہ ہیں، امام سے بے اذن لئے ان کے مجلس درس منعقد کرنے پر امام کا کسی کو پانچ سوال دے کر بھیجنا' ان کے ہر مسئلے میں مختلف جواب دینا، ہر جواب پر سائل کی طرف سے تخطیہ ہونا' آخر متحیّر ہو کر خدمتِ امام میں رجوع لانا، مشہور اور اشباہ والنظائر وغیرہا میں مذکور۔ علماء فرماتے ہیں جو مسئلہ امام کے حضور طے نہ ہو لیا قیامت تک مضطرب رہے گا، امام ابویوسف بعض مسائل میں پریشان ہو کر فرماتے: جہاں ہمارے استاد کا کوئی نہیں اس میں ہمارا یہی حال (پریشان) ہے۔ بحر الرائق کے **مفسدات الصّلوٰۃ** میں ہے:

لقد صدق صاحب الفتاوی الظھیریۃ حیث قال فی الفصل الثالث فی قراءۃ القراٰن ان کل مالم یروعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی فیہ قول بقی کذٰلك مضطر باالٰی یوم القیامۃ وحکی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی علیہ انہ کان یضطرب فی بعض المسائل وکان یقول کل مسئلۃ لیس لشیخنا فیھا قول فنحن فیھا ھکذا انتھی [2]۔	فتاوٰی ظہیریہ والے نے درست فرمایا، جو انہوں نے قراءت قرآن کی فصل ثالث میں فرمایا کہ جس معاملہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کوئی قول مروی نہ ہو وُہ معاملہ قیامت تک باعثِ اضطراب ہی رہے گا، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ وہ بعض مسائل میں مضطرب تھے تو انہوں نے فرمایا: جس معاملہ میں ہمارے شیخ کا کوئی قول نہ ہو تو اس میں ہمارا یہی حال ہوتا ہے **انتھی**۔(ت)

امام ابویوسف سے منقول ہے میں بعض مسائل میں جانتا حدیث میری طرف ہے تنقیح کے بعد کُھلتا کہ امام نے جس حدیث سے فرمایا وہ میری خواب میں نہ تھی او کما قال رحمۃ اللہ تعالٰی۔

---

[1] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الرابعۃ المشقتہ تجلب التیسیر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۵۔ ۱۱۴

[2] بحر الرائق باب مفسدات الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

امر سوم میں فتاوٰی عالمگیری کو سب کتب پر ترجیح دی گئی حالانکہ وُہ ایک فتاوٰی ہے، اور علماء ارشاد فرماتے ہیں: عمدہ ترین کتب مذہب متون ہیں پھر شروح پھر فتاوٰی عند التخالف متون سب پر مقدم ہیں اور فتاوٰی سب سے مؤخر۔ پھر کیونکر روا ہو کہ سب میں مفضول کو سب سے افضل قرار دیجئے۔ ردالمحتار میں ہے:

مافی الفتاوٰی اذا خالف مافی المشاهیر عن الشروح لایقبل[1]۔	فتاوٰی میں جو کہا گیا ہو وہ مشہور شروحات کے مخالف ہو تو قبول نہ ہوگا۔(ت)

درمختار میں ہے:

حیث تعارض متنه وشرحه فالعمل علی المتون کما تقرر مرارا[2]۔	جب متن وشروح میں تعارض ہو تو متن پر عمل ہوگا، جیسا کہ کئی دفعہ گزرا۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

اذا تعارض مافی المتون والفتاوٰی فالمعتمد مافی المتون کما فی انفع الوسائل وکذا یقدم مافی الشروح علٰی مافی الفتاوٰی[3]اھ نقله الشامی من القضاء فی فصل الحبس۔	اگر متون اور فتاوٰی میں مذکور کا تعارض ہو تو متون کا ذکر کردہ قابلِ اعتماد ہے جیسا کہ انفع المسائل میں ہے، اور یُونہی جو شروحات میں ہو وہ فتاوٰی سے مقدم ہے اھ اس کو علامہ شامی نے کتاب القضاء فصل فی الحبس سے نقل کیا ہے۔(ت)

حموی شرح اشباہ میں ہے:

غیرخاف ان مافی المتون والشروح ولو کان بطریق المفهوم مقدم علی مافی فتاوی وان لم یکن فی عبارتها اضطراب[4]۔	یہ چیز مخفی نہیں کہ جو متون اور شروح میں ہو اگرچہ بطریق مفہوم ہی ہو وہ فتاوٰی میں مذکور پر مقدم ہے اگرچہ فتاوٰی کی عبارات میں اضطراب نہ بھی ہو(ت)

[1] درالمحتار کتاب الرضاع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۱۲
[2] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶
[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۱۷، بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی الحبس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۸۵
[4] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الحجر والمأذون ادارۃ القرآن کراچی ۲/۴۸۰

رہاامام صفار کا در بارہ وطی قول صاحبین اختیار فرمانا، اس کا جواب ہمارے فتوائے سابقہ سے مل سکتا ہے جس سے ظاہر کہ قول امام کو کتنی وجہ سے ترجیح ہے : اوّلاً قوت دلیل جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب ظاہر ہوگی ۔

ثانیاً کثرت مفیدان و مسلّمانِ ترجیح جن میں ایک امام برہان الحق والدّین فرغانی صاحب ہدایہ جن کی جلالتِ شان آفتاب نیم رُوز وماہتاب نیم ماہ سے اظہر، ایک امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام ہیں جن کی نسبت علماء کی تصریح کہ پایہ اجتہاد رکھتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے بعض معاصر اُنہیں لائقِ اجتہاد کہتے حالانکہ معاصرت دلیلِ منافرت ہے۔ ردالمحتار میں ہے :

قدمنا غیر مرۃ الکمال من اھل الترجیح کما افادہ فی قضاء البحر بل صرح بعض معاصریۃ بانہ من اھل الاجتھاد [1]۔	ہم متعدد بار پہلے ذکر کر چلے ہیں کہ امام کمال اہلِ ترجیح سے ہیں جیسے کہ بحر کے قضاء کے باب میں افادہ کیا ہے بلکہ ان کے بعض معاصرین نے تصریح کی ہے کہ وُہ اہلِ اجتہاد میں سے ہیں۔ (ت)

ایک امام علامہ فقیہ النفس قاضی خاں ہیں جن کی نسبت علماء فرماتے ہیں ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں ہے :

فی تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم ان مایصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس [2]۔	علامہ قاسم کی تصحیح القدوری میں ہے کہ جس کو امام قاضی خان صحیح قرار دیں، وہ قول دوسروں کے اقوال پر مقدم ہے کیونکہ آپ فقیہ النفس ہیں۔ (ت)

اور فرماتے ہیں ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے، ردالمحتار میں ہے :

کن علی ذکر مما قالوا لایعدل عن تصحیح قاضی خاں فانہ فقیہ النفس [3]۔	فقہاء کرام نے جو فرمایا اسے یاد رکھو کہ امام قاضی خاں کی تصحیح سے عدول جائز نہیں کیونکہ وُہ فقیہ النفس ہیں۔ (ت)

ثالثاً اجماع متون جن کی عظمتِ مکان ابھی سُن چکے پھر اُن کا اطباق واتفاق کیسا ہوگا ولہذا بارہا

---

[1] ردالمحتار کتاب العتق باب التدبیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵

[2] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الاجارات الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۶-۴۵۵

[3] ردالمحتار کتاب الھبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

دیکھا ہے کہ علماء نے شروح وفتاوٰی کی بعض صریح تصحیحیں صرف اس بناپر رَد کردی ہیں کہ متون اس کے خلاف پر ہیں، درمختار کی کتاب القسمۃ میں ہے:

قال فی الخانیة وعلیه الفتوی لکن المتون علی الاول فعلیه المعول [1]۔	خانیہ میں فرمایا کہ فتوٰی اسی پر ہے لیکن متون پہلے قول پر ہیں تواسی پر اعتماد ہوگا۔(ت)

دیکھو امام اجل قاضی خاں سامرجح، اور علیه الفتوی سالفظ ترجیح جسے علماء آکد الفاظِ تصحیح سے شمار کرتے ہیں بااینہمہ کہا گیا کہ متون اوّل پر ہیں تو وہی معتمد ہے، امام کے نزدیک عصبات کے بعد ولایتِ نکاح ماں کو ہے۔ قہستانی شرح مختصر الوقایہ میں لکھا صاحبین کے نزدیک غیر عصبہ ولی نہیں، اور یہی ایک روایت امام سے ہے، پھر مضمرات شرح قدوری سے نقل کیا: وعلیه الفتوی [2] (اور اس پر فتوٰی ہے۔ت) مگر محققین نے نہ مانا کہ خلافِ متون ہے۔ بحرالرائق ونہرالفائق دونوں میں فرمایا:

ماقیل من ان الفتوی علی الثانی غریب لمخالفته المتون الموضوعة لبیان الفتوی اھ [3]۔	جو کہا جاتا ہے کہ فتوٰی ثانی پر ہے یہ غریب ہے کیونکہ یہ متون کے مخالف ہے جو کہ فتوٰی کو بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں اھ (ت)

علامہ شامی نے ردالمحتار اسے نقل کرکے مقرر رکھا، کنوئیں سے نجاست نکلے اور وقتِ وقوع نہ معلوم ہو تو امام ایک یا تین دن سے تنجس مانتے ہیں اور صاحبین فی الحال صاحب محیط کہ ائمہ ترجیح سے ہیں دربارہ وضو غسل وعجین قولِ امام اور ان کے ماورا میں قول صاحبین اختیار کرتے اور وُہ امام زیلعی تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق میں اسی تفصیل کو **ھوالصحیح** (یہی صحیح ہے۔ت) کہتے ہین اور اسی پر بحرالرائق ومنح الغفار وتنویرالابصار ودرمختار میں جزم کیا، بااینہمہ علّامہ شامی سے رَد کرتے اور عدمِ تسلیم کی پہلی وجہ یہی لکھتے ہیں کہ **مخالف لاطلاق المتون قاطبة** [4] (یہ تمام متون کے اطلاق کے مخالف ہے۔ت) حموی شرح اشباہ میں ایک مسئلے کی نسبت جس میں روایتِ ابی یوسف کو حاوی قدسی میں **علیه الفتوی** اشباہ میں **المصحح المعتمد** کہا، فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۹

[2] جامع الرموز فصل الولی والکفؤ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۶۷

[3] بحرالرائق باب الاولیاء والاکفیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۲۴، ردالمحتار بحوالہ البحر والنہر باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

[4] ردالمحتار فصل فی البئر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

مجرددعوی الحاوی ان الفتوٰی علیہ لایقتضی انہ المصحح المعتمد فی المذھب کیف واصحاب المتون قاطبۃ والشروح ماشون علی قولھما(یعنی الطرفین) ومشی اصحاب المتون تصحیح التزامی علی ان مافی المتون والشروح مقدمہ علی مافی الفتاوی [1]۔	حاوی کا صرف یہ دعوٰی کردینا کہ اسی پر فتوٰی ہے، اس سے یہ لازم آتا کہ یہی تصحیح شدہ اور قابلِ اعتماد ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ تمام متون اور شروح طرفین کے قول پر ہیں، اور تمام متون اس تصحیح کا التزام کیے ہوئے ہیں کہ متون وشروح کے مسائل فتاوٰی کے مسائل پر مقدم ہیں۔(ت)

رابعًا یہی مذہب امام ہے، اور علماء فرماتے ہیں قولِ امام ہی پر اعتماد ضرور ہے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ کرام مذہب صاحبین کی تصحیح کریں کمایاتی اِنفاان شاء اللہ تعالٰی (جیساکہ عنقریب آئے گاان شاء اللہ تعالٰی۔ت)

امر چہارم میں جس قاعدہ کا ذکر ہُواجب سے مذہب حنفی عالم میں آیا کسی عالم نے در بارہ اختلاف امام وصاحبین اُسے جاری نہ کیا، نہ ہر گز تمام دنیا میں کوئی اس کا قائل، بلکہ سلف وخلف کا اجماع کامل اُس کے برخلاف پر گواہ عادل، ہزار ہا مسائل میں صاحبین نے خلاف کیا، پھر شوق وغروب سے کتبِ فقہ جمع کرکے دیکھئے قولِ صاحبین معدود ہی جگہ مفتٰی ملے گا جہاں اختلافِ زمانہ کے سبب تغیر حکم ہوا یا تعامل ودفع حرج کے مثل کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آئی، علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی حاشیۂ درمختار میں فرماتے ہیں:

حصل المخالفۃ من الصاحبین فی نحو ثلث المذھب ولکن الاکثر فی الاعتماد علی قول الامام [2]۔	صاحبین کا تقریبًاایک تہائی مذہب میں اختلاف ہے لیکن اکثر اعتماد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مسلک پر ہے۔(ت)

میں یہاں ائمہ محققین کی بعض عبارات اقتصار کرتاہوں جن سے کالشمّس ظاہر کہ سوا موضع معدودہ کے قولِ امام ہی پر اعتماد لازم، اور اس کے خلاف کثرتِ رائے، بلکہ فتوائے مشائخ پر بھی التفات نہیں کہ ایک آفتاب لاکھ ستاروں کوچھپالیتا ہے، اسی "سب سے عمدہ خلاصہ سب سے حال کی مستند کتاب" فتاوٰی عالمگیری میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

اذا اختلفو فیما بینھم قال عبد اللہ بن	جب احناف کاآپس میں اختلاف ہو تو عبد اللہ بن مبارک

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام الجمعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار مقدمۃ الکتاب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۸

المبارك یؤخذ بقول ابی حنیفة رحمه اللہ تعالٰی لانه کان من التابعین وزاحمهم فی الفتوی[1]۔	کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ کا قول قابل عمل ہوتا ہے کیونکہ وہ تابعی ہیں اور دیگر تابعین کے فتاوٰی کے مقابل اُنہوں نے فتاوٰی پیش کئے۔(ت)

تنویرالابصار میں ہے:

یاخذ بقول ابی حنیفة علی الاطلاق[2]۔	قاضی مطلقًا امام ابوحنیفہ کے قول کو لے گا۔(ت)

درمختار کا منیہ وسراجیہ سے نقل کرنا گزرا **ھوا لاصح** (وہی زیادہ صحیح ہے۔ت) اور یہ بھی کہ **القاضی کالمفتی** (قاضی کی مثل ہے۔ت) اور یہ بھی کہ نہر الفائق میں اسی کو اضبط کہا، اسی کی کتاب ادب المقال میں تصحیح کی، **کما فی الحاشیة الطحطاویة** (جیساکہ حاشیہ طحطاوی میں ہے۔ت) اسی پر امام محقق علی الاطلاق نے جزم فرمایا، اور بعض مشائخ جو کہیں قولِ صاحبین پر افتا کردیتے ہیں اُسے بلاوجہ قوی محض نامقبول ٹھہرایا۔ حاشیہ شامیہ میں ہے:

ردالمحقق ابن الهمام علی بعض المشائخ حیث افتوا بقول الامامین بانه لایعدل عن قول الامام الالضعف دلیله[3]۔	بعض مشائخ نے صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا تو محقق ابن ہمام نے ان کا رَد کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے قول سے اعراض نہیں کیا جاسکتا الّایہ کہ ان کی دلیل کمزور ہو۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

قد صححوا ان الافتاء بقول الامام فینتج من هذا انه یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافه[4] اھ نقله العلامة الطحطاوی اول القضاء۔	مشائخ نے تصحیح فرمائی ہے کہ فتوٰی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم پر امام کے قول پر فتوٰی دینا واجب ہے اگرچہ مشائخ نے قولِ امام کے خلاف فتوٰی دیا ہو اھ اس کو طحطاوی نے باب قضاء کی ابتداء میں نقل کیا ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث فی ترتیب الدلائل للعمل بہا نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۱۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

[3] ردالمحتار مطبع عن الامام اذا صح الحدیث الخ داراحیاء التراث بیروت ۱/۴۶

[4] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹-۷۰

فتاوٰی خیریہ"کی کتاب الشہادات مسئلہ شہادۃ الاعمٰی میں ہے:

المقرر ایضاً عندنا انه لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم ولایعدل عنه الی قولھما اوقول احدھما اوغیرھما الالضرورۃ (من ضعف دلیل اوتعامل بخلافه) لمسئلة المزارعة وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما لانه صاحب المذہب والامام المقدم۔ اذا قالت حذام فصدقوھا فان القول ماقالت حذام [1]	یہ طے شدہ ہے کہ ہمارے ہاں امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہی عمل وفتوٰی ہوگا، اور صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کے قول یا کسی اور کے قول پر بغیر ضرورت فتوٰی نہ ہوگا (اور ضرورت کی مثال، ضعیف دلیل یا عرف وتعامل کا اس کے خلاف ہونا ہے) جیسا کہ مزارعت کا مسئلہ ہے اگرچہ مشائخ تصریح کرچکے ہوں کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ صاحبِ مذہب ہیں اور سب سے مقدم امام ہیں (شعر کا ترجمہ) جب حذام کچھ کہے تو اس کی تصدیق کرو، کیونکہ بات وہی ہے جو حذام کہتی ہے۔(ت)

بعینہٖ اسی طرح بحر الرائق کی کتاب الصلٰوۃ بحث اوقات میں تصریح فرمائی اور اس سے ردالمحتار وحاشیہ طحطاویہ میں نقل کرکے مقرر رکھا، امام المحققین شیخ الاسلام برہان الدین صاحبِ ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة علی کل حال [2]	میرے نزدیک ہر حال میں امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوٰی دینا واجب ہے۔(ت)

مسئلہ وقتِ عشا میں جو قول صاحبین کو دُرر میں مفتٰی بہ بتایا علّامہ نوح آفندی نے اس پر فرمایا:

لایجوز الاعتماد علیه لانه لایرجح قولھما علی قوله الابموجب من ضعف دلیل او ضرورۃ او تعامل او اختلاف زمان ولم یوجد شئی من ذٰلك فالعمل علٰی قوله [3] اھ نقلھما	اس پر اعتماد درست نہیں کیونکہ امام صاحب کے مقابلہ میں صاحبین کے قول کو ترجیح نہیں ہوسکتی مگر جب کوئی سبب ہو مثلاً دلیل کا ضعف، ضرورت، تعامل یا اختلاف زمان میں سے کوئی چیز ہو، اور جبکہ ان میں سے کچھ بھی نہیں تو امام کے قول پر عمل ہوگا اھ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۵

العلامۃ الطحطاوی فی مبحث اوقات الصّلٰوۃ۔	علامہ طحطاوی نے ان دونوں عبارتوں کو اوقاتِ صلٰوۃ کی بحث میں ذکر کیا ہے (ت)

پھر یہ ضعیف دلیل جسے علماء مبیح عدول فرماتے ہیں اس کے معنی بھی سمجھ لیجئے یہ وُہ ہے کہ اعاظم ائمہ مجتہدانِ فتوٰی اُس کے ضعف پر تنصیص کریں، نہ وُہ جسے من وتو اپنے اذہان قاصرہ سے ضعیف سمجھ لیں کہ اوّل تو یہ دلائل جو مصنفین لکھتے ہیں کیا معلوم امام کی نظر انہیں پر تھی اور ہو بھی تو ہم کیا اور ہمارا ضعیف سمجھنا کیا۔

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش

نظام مملکت خویش خسرواں دانند

(اے حافظ! گدائے خاک نشین کو مت چھیڑ کہ ملک کے نظام کو چلانا خود بادشاہ ہی جانتا ہے) علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

انہ قد یظہر قوۃ لہ بحسب ادراکہ ویکون الواقع بخلافہ او بحسب دلیل ویکون لصاحب المذہب دلیل اٰخر لم یطلع علیہ انتہی [1]	کبھی امام کی دلیل کی قوت ظاہر ہوتی ہے جس کا ادراک کرلیا جاتا ہے اور واقع میں اس کے خلاف ہوتا ہے، یا یہ ہوتا ہے یہ کچھ دلیل سمجھے حالانکہ صاحبِ مذہب (امام صاحب) کی دلیل کچھ اور ہے جس پر اطلاع نہ ہوئی انتہی (ت)

اب مجھے اس تحقیق انیق کے بعد اصلاً ضرورت نہ رہی کہ امر پنجم کی طرف توجہ کروں، میرا یہی کلام ہر گونہ دلائل کے جواب میں بس ہے معہذا جو کچھ اُس میں بیان ہُوا اُسی دلیل سے ماخوذ ہے جو ہدایہ وشرح وقایہ وکافی واختیار و مستخلص وغیرہا میں مذہب صاحبین پر ظاہر کی گئی اور اُس کے ساتھ ہی انہیں کتابوں میں اُس کا نفیس جواب بھی دے دیا جہاں تک میری نظر ہے کوئی کتاب مستند ایسی نہ ملے گی جس میں یہ تقریر مسطور اور اُس کا جواب نہ مذکور ہو میں یہاں صرف درمختار کے وُہ مختصر لفظ جو اُنہوں نے امام صدرالشریعۃ وغیرہ سے اخذ کرکے لکھے نقل کرنا کافی سمجھتا ہوں دلیل امام میں فرماتے ہیں:

کل وطاٰۃ معقود علیہا فتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی [2]	ہر وطی مہر کا بدل ہے تو بعض مہر کا سونپنا باقی کے سونپنے کا موجب نہیں بنتا ہے۔ (ت)

اس مرام نفیس کی توضیح وتلخیص یہ ہے کہ بیع عین پر وارد ہوتی ہے وُہ ایک بار سپرد ہوکر کیا باقی ہے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء مطبع دارالمعرفۃ بیروت ۱۷۶/۳

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۲۰۲/۱

کہ محبوس ہو بخلاف نکاح کہ عورت کے گوشت پوست پر وارد نہیں منافع بضع پر ہے اور وُہ متجدد تو بعض کی تسلیم کل کی تسلیم نہیں، نہ بعض پر رضا سے کل پر رضالازم، وبعبارۃ اُخری شرع نے حق حبس دیا ہے نہ اختیار استرداد، اور مبیع میں تجدید منع بشکلِ استرداد ہی معقول، اور نکاح میں منفعت ماضیہ کی واپسی محال تو نہ ہوگا مگر حبس منفعت آئندہ، ولہذا اگر بیع میں بھی چند چیزیں ایک عقد میں بیچیں اور بعض بخوشی دے دیں بعض باقی کر روک سکتا ہے جب تک تمام ثمن وصول نہ ہو، کہ یہاں بھی بوجہ تعدد اقباض بعض اقباض کل نہیں، کفایہ میں ہے:

لوسلم البائع بعض المبیع الی المشتری لایسقط حقه فی حبس مابقی منه [1]۔	اگر بائع مشتری کو کچھ مبیع سونپ دے تو باقی کو روک رکھنے کا حق اس سے ساقط نہیں ہوگا۔(ت)

پس فرق واضح ہوگیا اور استدلال ساقط، میں یہاں تطویل کلام نہیں چاہتا کہ یہ امر تو علما پہلے ہی طے فرما چکے مگر شاید اتنا کہنا بیکار نہ ہو کہ خود امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی بیع ونکاح کے اس مسئلہ میں زمین وآسمان کا فرق رکھتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے نزدیک مہر مؤجل کے لئے بھی عورت کو حق، منع حاصل، اور ثمن مؤجل ہو تو استحقاق حبس بالاجماع زائل، وُہ فرماتے ہیں حقِ حبس بیع میں اصل عقد کا مقتضی نہیں اور نکاح میں بحالت اطلاق نفس عقد کا مقتضی ہے، ولہذا شوہر پر تقدیم تسلیم مطلقاً لازم اگرچہ مہر اشیائے متعینہ سے ہو جیسے عبد یا دار یا ثوب، اور بیع میں مشتری پر تقدم اُسی حالت میں ضرور کہ مبیعین ہو اور ثمن دین، جیسے درہم ودینار، امام سغناقی نہایہ میں کہ ہدایہ کی پہلی شرح ہے تقریر مذہب ابی یوسف میں میں فرماتے ہیں:

قال ان موجب النکاح عند الطلاق تسلیم المهر عینا کان اودینا فحین قبل الزوج الاجل مع علمه بموجب العقد فقد رضی بتاخیر حقه الی ان یوفی المهر بعد حلول الاجل وبه فارق البیع لان تسلیم الثمن اولا لیس من موجبات البیع لامحالة الاتری ان البیع لوکان مقایضة لاتجب تسلیم احد	انہوں نے کہا کہ نکاح کا موجب مطلقاً مہر کا ادا کرنا ہے خواہ نقد ہو یا دین ہو، توجب خاوند نے مہر کے لئے مدّتِ مقررہ قبول کرلی جبکہ وُہ نکاح کے موجب کے جانتا ہو تو گویا اس نے مدت مقررہ گزرنے تک اپنے حق کو مؤخر کرنا تسلیم کرلیا، اسی نکتہ کی بنا پر نکاح اور بیع میں فرق واضح ہوگیا، کیونکہ بیع میں اوّلاً ثمن کی ادائیگی اس کا موجب لازمی نہیں، آپ جانتے ہیں کہ بیع مقایضہ (سامان کا سامان سے سودا) میں کسی بدل کا

[1] کفایہ مع فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۲۵۰

البدلین اولافلم یکن المشتری راضیا بتاخیر حقه فی المبیع الی ان یوفی الثمن وجعل (ف)فتوی علی قول ابی یوسف[1]۔	بھی ادا کرنا ابتداءً ضروری نہیں، لہٰذا بیع میں ثمن کی ادائیگی تک مشتری بیع کی تاخیر پر راضی نہ ہوا اور فتوٰی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے(ت)

اسی طرح فتح القدیر وغیرہ شروح ہدایہ میں ہے پھر باوجود اس قدر تفرقوں کے کیونکر مانا جائے کہ نکاح میں یہ حکم محض مشابہت بیع ہی پر مبنی ہے کہ اس کے احکام سے کہیں تفاوت نہ کرسکے، یہ مسئلہ ایک مبسوط رسالے کے قابل تھا،

وفیما ذکرنا کفایة لاھل الدرایة واللہ ولی الھدایة منه البدایة والیه النھایة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس اہلِ فہم کے لئے کفایت ہے، اللہ تعالٰی ہی ہدایت کا مالک اور اسی سے ابتداء اور انتہا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳: از سہسوان ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے صرف نکاح کرکے چلا گیا، رخصت نہ ہُوئی، نہ ایک نے دوسرے کی صورت دیکھی، دو۲ برس بعد ہندہ نے اس پر نالش کی، رخصت کرائے یا طلاق دے۔ وُہ کچہری میں آیا اور حاکم کے سامنے طلاق نامہ لکھ دیا، پدر ہندہ نے کل مہر ہندہ بے اجازتِ ہندہ معاف کردیا، ہندہ اس معافی کو نامنظور کرتی اور اپنا نصف مہر مانگتی ہے، اس صورت میں ہندہ پر عدّت لازم ہے یا نہیں؟ اور اس کا دعوی مہر صحیح ہے یا نہیں؟ اور باپ کے معاف کئے سے مہر معاف ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

باپ کو کسی طرح اپنی بیٹی کے مہر معاف کردینے کا اختیار نہیں، نہ ہرگز اس کے معاف کئے معاف ہوسکے

فان البنت ان کانت بالغة فلاولایة للاب علیھا اصلاوان کانت صغیرة فالولایة للنظر ولانظر فیما تمحض للضرر وکتب المذھب طافحة بھذا۔	اگر بیٹی بالغ ہو تو باپ کو اس پر بالکل ولایت نہیں اور اگر نابالغہ ہوتو پھر باپ کی ولایت شفقت پر مبنی ہے تو جو چیز محض ضرر ہو وُہ شفقت نہیں ہوسکتی مذہب کی کتب اس بیان میں بھرپور ہیں۔(ت)

[1] العنایة حاشیة علی الھدایة مع فتح القدیر باب المھر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۲۴۹

ف: خط کشیدہ عبارت عنایہ میں نہیں، یہ نہایہ کی ہے، اور نہایہ دستیاب نہیں۔ **نذیر احمد**

پس اگر زید نے بلاشرط معافیِ مہر طلاق دی تھی تو بیشک ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوئی جس کے سبب وُہ زید کے نکاح سے نکل گئی اور ازانجا کہ ہنوز خلوت نہ ہُوئی تھی عدّت کی بھی حاجت نہیں،

فی مجمع الانہر طلق غیر المدخول بہا بانت لاالی عدۃ[1] اھملتقطا۔	مجمع الانہر میں ہے: غیر مدخول بہا کو طلاق دی تو عورت بائنہ ہوجائے گی اور عدت نہ ہوگی اھ ملتقطا (ت)

اور اس لئے نصف مہرِ ہندہ زید پر واجب الادا، جس کے دعوی کا اسے ہر وقت اختیار،

اذالاحالۃ تنتظر بعد الافتراقِ بموت اوطلاق۔	کہ موت یا طلاق کی وجہ سے افتراق کے بعد کوئی قابلِ انتظار نہیں۔ (ت)

اور اگر اُس نے یُوں کہا کہ میں نے ہندہ کو اس شرط پر طلاق دی کہ مجھے مہر معاف ہوجائے تو صورتِ مسئولہ میں نہ مہر معاف ہُوا نہ طلاق پڑی اذافات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہوجائے تومشروط بھی فوت ہوجاتا ہے۔ت) اس تقدیر پر دعوی مہر میں حکم ہوگا جو عورت کو بحالتِ زوجیت دیا جاتا ہے کہ مہر معجّل ہو تو فی الفور لے سکتی ہے اور کچھ وعدہ مقرر ہُوا ہو تو میعاد معلوم تک نہیں مانگ سکتی اور کچھ نہ ٹھہرا ہو تو اُس شہر کے رواج پر چھوڑیں گے یعنی ایسی حالت میں جو وہاں کا عُرف ہو اُسی پر عمل ہے،

فی النقایۃ المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	نقایہ میں ہے کہ اگر مہر معجّل یا مؤجّل بیان کرے تو بہتر ورنہ جو عرف میں ہو وہ ٹھہریگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴: ۳۰ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ از سہوان مرسلہ حافظ علی محمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح اُس کی رضاعی بہن کے ساتھ بوجہ لاعلمیت کے ہُوا اور وُہ اس کے تصرف میں بھی رہی، تو اس صورت میں زید پر دین مہر واجب الادا ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورتِ مسئولہ میں پُورا مہر مثل واجب ہے اگرچہ مہر مسمّٰی سے زائد ہو، ردالمحتار وطحطاوی علی الدرالمختار میں زیرِ قول شارح **ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطی ولمیزد علی المسمی لرضاھا بالحط** (نکاح فاسد وطی کرلینے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے اور وہ مقررہ سے زائد نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ ساقط

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی طلاق غیر المدخول بہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۰۰

[2] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

پر راضی تھی۔ت) فرمایا:

وفی الخانیۃ لوتزوج محرمہ لاحدّ علیہ عند الامام وعلیہ مھر مثلھا بالغا ما بلغ اھ فھی مستثناۃ الاان یقال ان نکاح المحارم باطل لافاسد[1]۔ الخ ای فلا استثناء۔	خانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے محرم عورت سے نکاح کیا توامام صاحب کے ہاں اس پر حد نہیں، ہاں اس عورت کا مہر مثل جتنا گراں ہو خاوند پر لازم ہوگا اھ تو یہ صورتیں مستثنٰی ہیں، ہاں یُوں کہا جاسکتا ہے کہ محارم سے نکاح فاسد نہیں بلکہ ابتداء ہی باطل ہے الخ تواستثناء نہ ہُوا۔(ت)

خانیہ میں اس کی امثلہ میں فرمایا:

نحو الام والبنت والاخت والعمۃ والخالۃ اوتزوج بامرأۃ ابیہ وابنہ الخ[2] فذکر محرمات الصھر ایضا فافادشمول محرمات الرضاع بالاولی وقال فی رد المحتار قولہ شبھۃ العقد کوطی محرم نکحھا مانصہ اطلق فی المحرم فشمل المحرم نسبا ورضاعا و صھریۃ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جیسے ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، یا باپ کی بیوی یا بیٹے کی بیوی الخ تواس میں انہوں نے سسرال رشتے بھی ذکر کئے، تو اس سے رضاعی محرمات کا شامل ہونا بطریقہ اولٰی واضح ہوگیا۔ ردالمحتار میں شبہہ عقد کی مثال لکھی ہے جیسے محرم عورت سے نکاح کرکے وطی کرلی ہو۔اس عبارت میں انہوں نے محرمات نسبیہ، رضاعیہ، صہریہ یہ سب کو شامل کیا ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: ازمارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ حضرت سیّدابراہیم میاں صاحب یکم ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ تعداد مہر شرع محمدی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چہ مقداراست؟ بینوا توجروا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعتِ محمدی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مہر کی مقدار کیا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

مہر در شرع مطہر جانب کمی حدے معین ست	شریعت پاک میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم مقرر ہے

---
[1] ردالمحتار باب المھر مطلب فی نکاح الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی ذکر مسائل المھر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب فی بیان شبھۃ العقد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۳

یعنی دہ درہم جانب زیادت ہیچ تحدید نیست ہرچہ کہ بستہ شود ہماں قدر بحکم شرع محمد لازم آید صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ بارك وسلم ،قال اللہ تعالٰی وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا[1]، پس تعیین نتواں کرد کہ ہمیں قدر مقدار مہر شرعی است نہ غیر او آرے ایں لفظ در بسیارے از عوام اہلِ حرفہ ایں بلاد شائع وذائع است ماں کہ او را مقابل رسم شرفاؤ متمولانِ ہند نہادہ باشند آناں در مہور مغالات وافراط را از حد گزرانیدہ بر گردن کم مایہ پنجہ پنجاہ ہزار وصد ہزار وازاں ہم فزوں تر بار می نہادند ایناں بتقلیل گرائیدہ مہر کمی سہل الحصول می بستند وایں را بمقاصد شرع مطہر نزدیک تر دانستہ مہر شرع محمدی می گفتند تا رفتہ رفتہ تسمیہ وتعیین از میان برخاست ودر بسیارے از عقود ایشاں ہمیں لفظ برزبانہا ماند اگر پسی چہ قدر مہر بستہ شد گویند شرع محمدی وگر ہیچ وچوں ایں لفظ اصطلاح خاص ایشاں ست واجب ست در فہم مرادش رجوع ہم ایشاں کردن فانہ یجب ان یحمل کلام کل عاقد وحالف وموص وواقف علی عرفہ[2] کما فی رد المحتار وغیرہ	لیکن زیادہ سے زیادہ مقدار نہیں بلکہ جتنا بھی مقرر کردیا جائے وُہ شریعت محمدی میں لازم ہوگا صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلّم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: اور تم ان عورتوں میں سے بعض کو بہت زیادہ مال دیتے ہو، اس لئے کوئی تعیین نہیں کی جاسکتی کہ یہ مقدارِ شرعیہ اور یہ نہیں ہے ہاں شرعی مہر کا لفظ اس علاقے کے اہل ہُنر لوگون میں مشہور ہے تاکہ اس کو بڑے مالدار لوگوں اور معزز خاندانوں کی رسم کے برابر رکھا جائے جو اپنے ہاں بہت بھاری مہر مقرر کرتے تھے وُہ اس حد تک بڑھ گئے کہ ولی اپنے سے کم مایہ لوگوں کی گردن پر بھی پچاس ہزار پچپن ہزار اور لاکھ اور اس سے بھی زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں، تو اہلِ ہنر نے مہر کا بوجھ کم کرنے کے لئے اور سہل اور معتدل کام کو شریعت کے قریب تر خیال کرکے اس کو شرعی مہر کہنا شروع کردیا اور آہستہ آہستہ یہ نام مشہور ہوگیا اور اکثر طور پر نکاح میں جب پوچھا جائے کہ کتنا مہر ہے تو جواب میں شرعی کہہ دیتے ہیں جب یہ لفظ خاص لوگوں کی اصطلاح بن گیا تو اب لازمًا اس کی مراد یا مقدار کا تعیّن معلوم کرنے کیلئے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا کیونکہ عقد، قسم، وصیّت اور وقف کرنے والے لوگوں کے کلام کو ان کے عرف پر محمول کرنا ہوتا ہے جیساکہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے،

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۰

[2] ردالمحتار باب التعلیق ۲/ ۴۹۹، باب الایلاء ۲/ ۵۵۳، کتاب البیوع ۴/ ۱۴ داراحیاء التراث العربی بیروت

پس اگر مراد ومتعارف ایشاں یا گروہے از ایشاں ازیں لفظ ہماں اقل مقادیر مہرست دراں گروہ دہ درہم لازم آید وقومے راکہ مقصود ومفہوم مہر سرادق عفت فلک رفعت کنیز ان درگاہ طہارت پناہ حضرت بتول زہرا صلوات اللہ وسلامہ علٰی ابیہا الکریم وعلیہا باشد آنجا چار صد مثقال سیم کہ بسکہ تُوقت یک صد و شصت روپیہ است واجب شود وکسانکہ خود اذہان ایشاں نیز از معنی ایں لفظ خالی ست ہمیں سخنے ست کہ برزباں رانند ومفہوم ومرادش خود ندانند (ومی ترسم کہ غالب ہمچنیں باشک) تاآنگاہ ظاہر آنکہ مہر مثل لازم گردد اذ ھوالاصل اذھوالاعدل فلاعدول عنہ الاعند صحۃ التسمیۃ وقد فسدت لمکان الجھالۃ فوجب المصیر الی الاصل وراجع لھدایۃ وغیرھامن الکتب المعللۃ۔	لہٰذا اس لفظ کو استعمال کرنے والے لوگوں سے معلوم کیا جائے، اگر اس سے ان کا مقصد مہر کی کم از کم مقدار ہے تو دس درہم مراد ہوں گے اور اگر کسی قوم کا مقصد حضرت بتول زہرا جناب عزّت مآب فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر ہے تو یہ چار سو مثقال چاندی مراد ہوگی جو آج کل کے سکّہ کے حساب سے ایک سو ساٹھ "۱۶۰" روپے ہوں گے، اور اگر اس لفظ کو استعمال کرنے والے کچھ لوگ خالی ذہن ہیں اور کوئی مراد معین نہیں ہے ویسے ہی زبان پر یہ لفظ لاتے ہیں اسکے مفہوم ومراد کو نہیں جانتے، میرے خیال میں اکثریت ایسی ہی ہے جو ایسی صورت میں نکاح ہو تو مہر مثل لازم ہوگا اس لئے کہ وہی اصل اور معتدل ہے اس سے عدول جائز نہیں ہے جب تک مقرر شدہ ہونا معلوم نہ ہو اور مقرر شدہ یہاں مفقود ہے کیونکہ مجہول ہے، تولازمی طور پر اصل کی طرف رجوع کرنا ہوگا جوکہ مہر مثل ہے۔ ہدایہ وغیرہ جو احکام کی علت کو بیان کرنے والی کتب ہیں انکی طرف رجوع کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر معرابیان تعجیل وتاجیل سے قبل از موت وطلاق واجب الادا فی الحال ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مسئولہ میں نہ عموماً وجوب ادا فی الحال ہے نہ کلیۃً عدم، بلکہ مدار عرف وعادت پر ہے، اگر عرف یہ ہے کہ قبل از موت وطلاق ادا کردیتے ہیں تو فی الحال ادا لازم ہے ورنہ نہیں،

فی مختصر الوقایۃ والمعجل والمؤجل ان بینا والا فالمتعارف[1] وفی شرحہا	مختصر الوقایہ میں ہے کہ معجّل یا مؤجّل مہر کو بیان کیا گیا ہو تو بہتر ورنہ عرف میں جو مراد ہو وہی ٹھہرے گا، اسکی شرح میں ہے

[1] مختصر الوقایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۵۶

مختصر الوقایه والمختار هذافان المتأخرین اختار وهذا بناءً علی المتعارف[1] واللّٰہ اعلم بالصواب وعندہ تعالٰی ام الکتاب۔	یہی مختار ہے کیونکہ متاخرین نے مہر کو عرف پر مبنی قرار دیا ہے۔(ت) واللہ اعلم بالصواب وعندہ تعالٰی ام الکتاب

مسئلہ ۷: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب یکم جمادی الاولی ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے شریعت پناہ دریں مسئلہ کہ اگر زن فاسقہ گردد مرد بوجہ فسق او طلاقش دہد مہر ساقط شود یا نہ وبچہ کار تمام مہر عورت دُور میشود وبچہ کار نصف مے ماند۔ بینوا بیانا شافیا اجر کما اللہ تعالٰی اجراوافیا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت اس مسئلہ میں کہ اگر بیوی کو فاسقہ ہوجانے کی وجہ سے مرد نے طلاق دے دی ہو تو کیا اس کا مہر ساقط ہوجائے گا یا نہیں، اور کس وجہ سے پورا مہر ختم ہوجاتا ہے اور کس وجہ سے نصف مہر رہ جاتا ہے، مکمل بیان فرمائیں، اللہ تعالٰی آپ کو پُورا اجر عطا فرمائے۔(ت)

الجواب:

مہر بنفس عقد زن وشوئی واجب شود بوطی یا خلوت صحیحہ یا موت احد الزوجین تاکد وتقرر یابد کہ بعد وقوع یکے ازینہا بہیچ وجہ پارہ ازاں بے ادا یا ابراء ساقط نہ گردد اگرچہ زن معاذاللہ فسق وفجور ورزد، یاعیاذًا باللہ مرتدہ شود فی الدرالمختار یتاکد عند وطی او خلوۃ صحت او موت احدھما[2] وفی ردالمحتار، افادان المھر وجب بنفس العقد لکن مع احتمال سقوطه بردتھا او تقبیلھا ابنه اوتنصفه بطلاقھا قبل الدخول، وانما یتأکد لزوم تمامه بالوطی	مہر محض نکاح سے لازم ہوجاتا ہے اور وطی یا خلوتِ صحیحہ یا فریقین میں سے کسی کے فوت ہوجانے سے مہر پکّا ہوجاتا ہے اور مذکورہ امور کے بعد مہر میں سے کوئی حصہ بغیر ادائیگی یا بغیر معاف کئے ساقط نہ ہوگا اگرچہ بیوی فاسقہ فاجرہ یا معاذاللہ مرتدہ بن جائے، درمختار میں ہے: وطی یا خلوتِ صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کے فوت ہوجانے پر مہر پکّا ہوجاتا ہے، اور ردالمحتار میں ہے کہ اس معلوم ہوا کہ مہر محض نکاح سے واجب ہوجاتا ہے لیکن مرتدہ ہوجانے یا خاوند کے بیٹے کو بوس وکنار کرنے سے ساقط ہوجانے کا احتمال باقی رہتا ہے یا دخول سے قبل طلاق ہوجانے کی

[1] شرح الوقایہ باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

[2] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

ونحوہ(الٰی قولہ) قال فی البدائع واذا تأکد المھر بماذکر لایسقط بعد ذٰلک وان کانت الفرقۃ من قبلھا لان البدل بعد تأکدہ لایحتمل السقوط الا بالابراء کالثمن اذا تأکد بقبض المبیع [1] اھ آرے اگر پیش از وقوع چیزے از مؤکدات ثلثہ مذکور زن معاذاللہ ارتداد کند یا باپدر یا پسر شوہر یعنی اصل یا فرعش زنا نماید بشہوت پدر یا پسر شوئے رابوسہ دہد یا دست بذکر آناں رساند یا ذکر شاں را بہ شہوت نظر کند یا ضرّہ صغیرہ خودراشیر دہد یا احد الزوجین بخیار بلوغ فسخ نکاح اختیار کند یا درعقد فاسد پیش از وطی حقیقی متاسر کہ شود دریں صور ہمہ مہر ساقط گردد و اگر شوئے معاذاللہ مرتد شود یا بامادر یا دختر زن یعنی اصل یا فرعش زنا کند یا بشہوت مادر یا دختر زن رابوسہ آنہا چیند یا مساس کنند یا دربرکشد یا فرج اندرونی آنہا بینند ، درصونیم مہر سقوط پذیرد وغیر ایں صور صور تہائے دیگر نیز ہست کہ اگر درجملہ انہا بتفصیل کلام و تحقیق احکام و تنقیح مرام پردازیم رسالہ مستقلہ مے باید نوشت فی الدرالمختار یجب نصفہ بطلاق قبل وطی او خلوۃ [2]۔ردالمحتار لو قال بکل فرقۃ

بنا پر نصف مہر کا احتمال ہو سکتا ہے، اور وطی وغیرہ سے پُورا مہر پکا ہو جاتا ہے، یہ بیان انہوں نے یہاں تک فرمایا کہ بدائع میں فرمایا کہ جب مہر مذکور پکا ہو جائے تو اس کے بعد ساقط نہ ہوگا اگرچہ بیوی کی طرف سے فرقت ہو، کیونکہ بدل (وطی) حاصل ہو جانے کے بعد اس کا بدل (مہر) ساقط ہونے کا احتمال نہ رکھے گا مگر جب عورت معاف کردے جیسا کہ بیع میں مبیعہ پر قبضہ سے ثمن لازم ہو جاتا ہے اھ ہاں اگر مہر کو پکا کرنے والی مذکورہ تین چیزوں سے قبل عورت معاذ اللہ مرتد ہو جائے یا خاوند کے باپ یا بیٹے سے یعنی اس کے اصول و فروع میں سے کسی کے ساتھ زنا کیا یا ان میں کسی کا شہوت سے بوسہ لیا یا دیا یا اُن کی شرمگاہ کو چھو لیا یا ان کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھا، یا اپنی شیر خوار سوکن کو دُودھ پلایا، یا زوجین میں سے کسی کو خیار بلوغ تھا تو اس اختیار سے نکاح فسخ کردیا، یا نکاح فاسد تھا تو حقیقی وطی سے قبل متارکہ ہو گیا، تو ان تمام صورتوں میں پورا مہر ساقط ہو جائے گا، اور اگر خاوند معاذاللہ مرتد ہو گیا یا اس نے بیوی کی اصل یا فرع یعنی ماں یا بیٹی کو شہوت سے چُھو لیا یا ان سے زنا کر لیا یا بوس و کنار کر لیا یا دبوچ لیا یا انکی اندرونی فرج کو دیکھ لیا تو ان تمام صورتوں میں نصف مہر ساقط ہو جائے گا، ان مذکور صورتوں کے علاوہ اور بھی ایسے امور ہیں جن سے مہر کُل یا نصف ساقط ہو جاتا ہے، اگر ان تمام امور کی تفصیل اور ان کے احکام کی تحقیق اور مقاصد کی

[1] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۰

[2] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

من قبله لشمل مثل ردته وزناه و تقبيله ومعانقته لام امرأته وبنتها قبل الخلوة قهستانی عن النظم [1] اه وفيه عن البحر عن القنيه طلقها قبل الدخول اوجاءت الفرقة من قبلها يعود نصف المهر فی الاول ولكل فی الثانی الی ملك الزوج [2] الخ وفی التنوير للموطوءة كل مهرها ولغيرها نصفه لو ارتد ولاشيئ لوارتدت [3] اه وفی الدرالمختار لو ارضعت الكبيرة ضرتها الصغيرة حرمتا ولامهر للكبيرة ان لم توط لمجی الفرقة منها وللصغيرة نصفه لعدم الدخول [4] اه ملخصا، وفی ردالمحتار فی النكاح الفاسد بعدم الشهود مثلا، مهر المثل ان يكن دخل اما	تنقیح کی جائے تو اس سے ایک مستقل کتاب بن جائے۔ درمختار میں ہے کہ دخول سے قبل یا خلوت سے قبل طلاق دینے سے نصف مہر واجب ہوگا۔ اور ردالمحتار میں کہا کہ اگر مصنف طلاق کی بجائے خاوند کی طرف سے فرقت کہہ دیتے تو اس میں خاوند کا مرتد ہونا، زنا، بوس کنار، بیوی کی ماں یا بیٹی سے معانقہ، قبل از خلوت تمام کو شامل ہوجاتا (یہ قہستانی نے نظم سے نقل کیا ہے) اھ اور اس میں بحر سے اس نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر خاوند نے قبل از دخول طلاق دی تو نصف مہر، اور اگر عورت کی طرف سے فرقت کی وجہ پائی جائے تو پُورا مہر خاوند کی ملکیت میں آجائے گا الخ، تنویرالابصار میں ہے: وطی سے پورا اور بغیر وطی نصف مہر دینا ہوگا اگر خاوند مرتد ہوجائے، اور اگر وطی سے قبل عورت مرتد ہوجائے تو اس پر کچھ مہر نہ ملے گا اھ، درمختار میں ہے: اگر بڑی بیوی نے شیر خوار سوکن کو دُودھ پلایا تو دونوں حرام ہو جائیں گی اور بڑی سے اگر وطی نہ ہوئی تو اسکا پُورا مہر ساقط ہوجائے گا کیونکہ فرقت کی وجہ اس نے پیدا کی ہے اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا کیونکہ اس سے دخول نہیں کیا گیا، ملخصًا ردالمحتار میں ہے: نکاح فاسد مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح ہوا

[1] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۲

[2] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۲

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۳

اذالم یدخل لایجب شئی [1] اھ ملتقطا وفی الدرالمختار لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ بشرط القضاء للفسخ فیتوارثان فیه ویلزم کل المهر [2] الخ وفی الشامیة قوله ویلزم کل المهر لان المهر کما یلزم جمیعه بالدخول ولو حکما کالخلوۃ الصحیحة کذٰلك یلزم بموت احدهما قبل الدخول اما بدون ذٰلك فیسقط ولو الخیارمنه لان الفرقة بالخیار فسخ للعقد والعقداذا انفسخ یجعل کانه لم یکن کمافی النهر [3] اھ هذا۔(یعنی فاحفظ هذا) واعلم ان من العلماء من قررله ضابطة وهی ان کل فرقة جاء ت من قبل الزوج قبل الدخول فانها تنصف المهر، وکل فرقة اتت من قبلها تسقط وهو الذی یبتنی علیه ماذکر الشامی من استثنٰی منها خیار البلوغ لما مرانه وان کان منه لاینصف بل یسقط	اگر دخول کیا گیا ہو تو مہر مثل لازم ہوگا اور دخول نہ کیا ہو تو کوئی مہر نہ ہوگا اھ ملتقطًا، درمختار میں ہے: بالغ لڑکے یا لڑکی کو خیار فسخ بالبلوغ ہو تو یہ فسخ قاضی کی قضاء کی شرط سے مؤثر ہوگا (پھر اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی فسخ سے قبل فوت ہوگیا) تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور پورا مہر بھی لازم ہوگا الخ، شامی میں ہے کہ مصنف کا قول کہ کل مہر لازم ہوگا اس لئے کہ کل مہر دخول حقیقی یا حکمی مثلاً خلوتِ صحیحہ کے ساتھ لازم ہوجاتا ہے یونہی دخول سے قبل کسی کے مرجانے سے کل مہر لازم ہوتا ہے اور اس دخول یا موت کے بغیر مہر ساقط ہوجائے اگرچہ یہ فرقت لڑکے کے خیار بلوغ کی وجہ سے ہو کیونکہ فرقت خیار کی وجہ سے نکاح فسخ ہوتا ہے اور جب نکاح فسخ ہو تو کالعدم ہوجاتا ہے جیسا کہ نہر میں ہے۔ اسکو محفوظ کرلو۔ واضح رہے کہ بعض علماء نے اس مسئلہ میں ضابطہ بنایا کہ اگر دخول سے قبل فرقت کی وجہ عورت کی طرف سے ہو تو پورا مہر ساقط ہوگا اور خاوند کی طرف سے ہو تو مہر نصف ہوگا۔ اسی ضابطہ کی بنا پر علامہ شامی نے نظم سے منقول علامہ قہستانی کا قول بیان کیا ہے، اور بعض نے اس ضابطہ سے لڑکے کے خیارِ بلوغ کی صورت کو مستثنٰی قرار دیا کہ اگر یہ خیار بلوغ لڑکے کی طرف سے ہو تو نصف مہر نہ ہوگا بلکہ ساقط

[1] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۵۲
[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۹۳۔ ۱۹۲
[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۰۱

وھوالذی اختارہ فی الدرالمختار ولکن ردھما فی الذخیرۃ بما اذاملك الزوجۃ قبل الدخول بشراء مثلاحیث ینفسخ االنکاح ویسقط المھر کلہ مع انھا فرقۃ جاء ت من قبلہ وحقق الضابطۃ بان کل فرقۃ جاء ت من قبلہ وھی طلاق فانھاتنصف وکل ماجاءت وھی فسخ فانھا تسقط وردہ فی البحر بردۃ الزوج حیث تنصف کما علمت مع انھا فسخ جاء من قبلہ ثم قال فالحق ان لایجعل لھذہ المسألۃ ضابط بل یحکم فی کل فرد بما افادہ الدلیل اھ[1] ھذا ھوالذی حمل العبد الضعیف علی الاقتصار علی ذکر بعض الصور وعدم التعرض لضابط۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ہوگا، اسی کو دُرمختار میں اختیار کیا، لیکن ذخیرہ میں اس کو رد کیا ہے مثلًا اگر کسی نے (لونڈی) بیوی کو دخول سے قبل خرید لیا اور اس کا مالک بن گیا تو یہ نکاح فسخ ہوگیا اور پورا مہر ساقط ہوا، حالانکہ وجہ فرقت خاوند کی طرف سے ہے، اس کے بعد انہوں نے نیا ضابطہ یہ بتایا کہ اگر خاوند کی طرف سے فرقت کی وجہ ہو اور وُہ وجہِ طلاق بنے تو مہر نصف ہوگا اور جو فرقت فسق بنے تو مہر ساقط ہوجائے گا، پھر اس ضابطہ کو بحر میں رَد کیا کہ جب خاوند مرتد ہوجائے تو قبل دخول مہر نصف ہوگا حالانکہ یہ فرقت مرد کی طرف سے فسخ ہے طلاق نہیں ہے، جیسا کہ تمہیں معلوم ہے، پھر بحر نے کہا کہ حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کے لئے کوئی ضابطہ نہ بنایا جائے بلکہ ہر جزئیہ کا جواب اس کی دلیل کے مطابق علیحدہ دیا جائے اھ، اسی بناء پر اس عبد ضعیف نے بعض جزئیات کے ذکر پر اکتفاء کیا اور کسی ضابطہ کو بیان نہیں کیا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۸: از اٹاوہ قریب کچہری منصفی مرسلہ مولوی حبیب علی صاحب علوی ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس صورت میں کہ زید نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح شرعی دوہزار روپے مہر پر بکر بالغ کے ساتھ کیا، قضارا دختر مذکورہ بعد نکاح کے ایامِ نابالغی میں زید کے گھر مر گئی اب زید پدر و دیگر وارثانِ شرعی متوفاۃ مذکورہ کو دعوی مہر مذکور کا بکر شوہر دختر متوفاۃ پر شرعًا پہنچتا ہے تو کس قدر کا، بحوالہ کتب معتبرہ فقہ حنفی جواب مرحمت ہو، گو اس مسئلہ کا جواب اصول سے بہت صاف دیا جاسکتا ہے مگر مستفتی کو اصرار کہ بحوالہ کتاب اس صورت خاص میں حکم دیا جائے۔ میرے پاس جو کتابیں ہیں ان میں باوصف تلاش یہ صورتِ خاص نہ ملی، چونکہ آپ کا کتب خانہ بہت بڑا ہے

[1] بحرالرائق باب الاولیاء والاکفیاء ایچ ایم سعید کراچی ۳/ ۱۲۱

اور نظر کی اکثر کتب پر بہت وسیع ہے اس واسطے صورتِ مسئلہ تحریر کی جاتی ہے، جواب سے جس قدر جلد مشرف فرمائے گا ممنون ہوں گا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر چہ موت احد الزوجین کے سبب مہر کا متأکد ہو جانا اور تمام وکمال لازم آنا یونہی علی وجہ الاطلاق جمیع کتبِ مذہب متون وشروح وفتاوٰی میں مبین جس میں بالغ ونابالغ ودخول وعدمِ دخول کی اصلاً کوئی تقیید و تخصیص نہیں اور صرف اسی قدر جواب مسئلہ میں قطعاً بس تاہم اگر یہ صورت خاص معیّنہ ہی درکار ہے کہ عورت نابالغہ ہو اور ولی اس کا نکاح ایک مہر پر کردے اور وُہ قبل بلوغ شوہر نادیدہ مرجائے تو یہ جزئیہ بھی بہت کتب میں صاف صاف مصرح اور حکم اس کا وہی کہ بوجہ موت کل مہر لازم بلکہ علماء نے اس صورت میں اس کی تصریح فرمائی کہ ولی مزوج غیر اب وَجد ہو جہاں نکاح لازم نہیں ہوتا اور بعد بلوغ صغیر وصغیرہ کو اختیار طلب فسخ دیا جاتا ہے تو شاید کسی کو عدمِ تاکد کا توہم ہوتا نہ کہ تزویج پدر کہ قطعاً لازم و ناقابلِ فسخ ہے یہاں کسی کو بھی اُس کا وہم گزرنا اصلاً معقول نہیں۔ ملتقی الابحر اور اُس کی شرح مجمع الانہر میں ہے:

للولی انکح الصغیرہ والصغیرۃ فان مات احدھما ورثہ الاٰخر بلغا اولا ویجب المھر کلہ وان مات قبل الدخول اھ[1] ملتقطا **قلت** و معلوم ان ضمیر مات الی احدھما الشامل للزوج والزوجۃ کما لایخفی۔	ولی کو نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کردینے کا اختیار ہے۔ پھر اگر دونوں میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہوجائے تو دوسرا وارث ہوگا اور پورا مہر واجب ہوگا بالغ ہوں یا نابالغ، اگرچہ وہ دخول سے قبل ہی فوت ہوگیا ہو اھ ملتقطا **قلت** مات کی ضمیر دونوں سے ایک کے لئے ہے جو خاوند بیوی دونوں کو شامل ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

یتورثان فیہ (یعنی الصغیر والصغیرۃ) ویلزم کل المھر[2]۔	اس صورت میں دونوں نابالغ لڑکا اور لڑکی باہم وارث بنیں گے اور پورا مہر لازم ہوگا (ت)

تبیین الحقائق شرح کنزالدقایق میں ہے:

[1] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر باب الاولیاء والاکفاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۲۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

وتوارثا قبل الفسخ لان النکاح صحیح والملك به ثابت فان مات احدھما فقد انتھی النکاح سواء مات قبل البلوغ اوبعدہ لان الفرقة بینھما لاتقع الابالقضاء القاضی فیتوارثان ویجب المھر کله وان مات قبل الدخول الخ [1]۔	قبل از فسخ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کیونکہ نکاح صحیح ہے، اور اس سے ملکیت ثابت پس جب کوئی مرگیا تو نکاح تو مکمل ہو چکا، یہ موت بلوغ قبل ہو یا بعد، کیونکہ ان میں فرقت ہوئی تو قضاء قاضی سے ہوتی، اس لئے آپس میں وارث بنیں گے اور پورا مہر لازم ہوگا اگرچہ دخول سے قبل مرا ہو الخ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں کل مہر مسمّٰی ذمہ بکر لازم ہُوا جس میں نصف یعنی ایک ہزار روپے کا وُہ خود وارث ہے بقیہ ورثاء ہزار روپے کا اس پر دعوی کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹: ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید بکر کی زوجہ منکوحہ کو اُس کی غیبت میں بھگا کرلے گیا اور اُس سے زنا کرتا ہے اور واسطے براءت الزام تعزیراتِ ہند کے دعوی دلاپانے دین مہر شرعی زوجہ بکر کی جانب سے بصیغہ دیوانی دائر کراکر بیان کرایا کہ مجھ کو بکر نے طلاق دے دی میرا مہر شرعی بکر زوج میرے سے دلایا جائے۔ اس صورت میں از روئے شرع شریف زوجہ ہندہ مفرورہ وصول یابی مہر کا استحقاق ہے یا نہیں، اور مہر ہندہ کا مؤجل ہے اور کوئی میعاد معیّن قرار نہ پائی اور بکر نے طلاق بھی نہیں دی۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب تک موت یا طلاق واقع نہ ہو عورت کو ہرگز مطالبہ مہر کا استحقاق نہیں کہ جب مہر مؤجل بندھا اور میعاد کی کوئی شرح بیان میں نہ آئی کہ سال بھر بعد ادا کیا جائے گا یا دس برس تو شرعًا اس کی میعاد موت یا طلاق قرار پاتی ہے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لاخلاف لاحد ان تأجیل المھر الی غایة معلومة نحو شھر او سنة صحیح وان کان لاالی غایة معلومة فقد اختلف المشائخ فیه قال بعضھم یصح وھوا لصحیح وھذ الان الغایة معلومة فی نفسھا	اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مہر کے لئے مدّت مقرر کی جاسکتی ہے مثلًا مہینہ یا سال وغیرہ، یہ صحیح ہے اور اگر مدّت معلوم نہ ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا صحیح ہے، اور یہی اصح ہے کیونکہ انتہا معلوم ہے کہ وہ طلاق یا موت ہے۔

[1] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الاولیاء والاکفاء مطبعة الکبری الامیریه بولاق مصر ۱۲۵/۲

وھو الطلاق اوالموت الایری ان تاجیل البعض صحیح وان لم ینص علی غایۃ معلومۃ کذا فی المحیط [1]۔	دیکھا نہیں کہ بعض مہر کو مؤخر کرنا صحیح ہے اگرچہ اس کی انتہائی مدت معلوم نہ ہو، محیط میں یونہی ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بألف علی ان کل الالف مؤجل ان کان الاجل معلوما صح التاجیل وان لم یکن لایصح واذا لم یصح التاجیل یؤمر الزوج بتعجیل قدرما یتعارفہ اھل البلدۃ فیؤخذ منہ الباقی بعد الطلاق او بعد الموت ولایجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولا یحبسہ [2]۔	ایک شخص نے عورت سے نکاح کیا ہزار مہر پر، اور مکمل ہزار مؤخر کیا، تو اگر انتہائی مدّت معلوم ہے تو صحیح ہے، اگر معلوم نہیں تو صحیح نہیں، تو جب صحیح نہ ہو تو خاوند کو کہا جائے گا کہ عرف کے لحاظ سے جتنا ہوسکے فوری ادا کرو اور باقی اس سے طلاق یا موت کے بعد وصول کیا جائے گا، اور قاضی اس پر باقی کی وصول پر جبر نہ کرے گا اور نہ ہی اس کو قید کرے گا۔(ت) پس میعاد سے پہلے دین کا مطالبہ ہرگز روا نہیں، نہ ایسا دعوی مسنوع ہوسکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰: از سجول ضلع بہرائچ مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب تاجر لٹھا ۷ رمضان ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بلاوجہ شرعی اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دیدی، جب ہندہ کے ولی یعنی خالد اس کے باپ نے زید سے مہر طلب کیا تو زید مدعی اس امر کا ہوا کہ میرا مہر دس درم کا تھا، اور صورت یہ واقع ہوئی ہے کہ تعداد مہر کی نہ ہندہ اور نہ اُس کے ولی خالد کو یاد ہے اور نہ قاضی نکاح خواں اور نہ وکیل کو یاد ہے اور نہ یہ امر یاد ہے کہ وقتِ نکاح کون کون گواہ مقرر ہُوئے تھے لیکن اُس قوم میں ادنٰی ادنٰی عورتوں کا بھی مہر کم درجہ پانچ سو روپے اور دو ۲ دینار سُرخ اکثر ہیں اور دس ۱۰ درہم مہر جیسا کہ دعوی زید کا ہے اُس قوم میں کسی کا نہیں بلکہ غالبًا اُس شہر میں بھی جہاں یہ دونوں طلاق دہندہ اور مطلّقہ رہتی ہے شاید کسی کا بھی نہ ہو اور اسی اعتبار سے کہ اکثر عرف قوم میں ادنٰی درجہ پانچ سو روپے اور دو ۲ دینار سُرخ ہے، خالد

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل الحادی عشر فی منع المرأۃ نفسھا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۱۸

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی ذکر مسائل المہر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۳

ولی ہندہ مدعی اور طالب پانچ سوروپے اور دو ۲ دینار سُرخ کا ہے پس ایسی شکل میں ہندہ بقول اپنے زوج طلاق دہندہ کے دس ۱۰ درم پائے گی یا بموجب عرف اپنی قوم کے حسبِ دعوٰی اپنے ولی خالد کے پانچ سوروپیہ اور دو ۲ دینار سُرخ پانے کی مستحق ہوگی۔

بینوا توجروا

الجواب:

عبارتِ سوال سے واضح کہ یہ طلاق بعد رخصت وخلوت زن وشو واقع ہوئی، پس اگر واقع ایسا ہی ہے توصورتِ مستفسرہ میں زوج وزوجہ میں جو اپنے دعوے پر گواہان عدول شرعی قائم کردے گا اُسی کے موافق فیصلہ کردیا جائے گا اور اگر دونوں اپنے اپنے مطابق گواہ شرعی دے دیں تو عورت کے مہر مثل پر نظر کرینگے اگر وہ پانچ سوروپے دو ۲ دینار سُرخ کی اور اگر دس ۱۰ درم سے زائد اور پانچ سوروپے دو ۲ دینار سے کم ہو تو جتنا مہر مثل ہو اسی قدر دلایا جائے گا اور اگر ان میں سے کوئی اپنے دعوے پر گواہ نہ لاسکے تو بھی مہر مثل کو دیکھیں گے، اگر پانچسو روپے دو ۲ دینار یا اس سے زائد ہوا تو عورت سے قسم لے گیں واللہ میرا نکاح اس سے دس درم نہ ہوا، اگر قسم کھالے گا دس ۱۰ درم کی ڈگری ہوگی، اور انکار کیا تو پانچسو روپے دینے ہوں گے، اور اگر دس ۱۰ درم سے زائد پانچسو روپے دو ۲ دینار سے کم ہوا تو مرد وزن دونوں سے قسم ہائے مذکورہ لیں گے، اور اولٰی یہ کہ شوہر سے ابتدا کریں، اگر وُہ قسم سے انکار کرے پانچسو روپے دو ۲ دینار دلائیں اور قسم کھائے تو عورت سے قسم لیں اگر وُہ انکار کرے دس درم پائے اگر وُہ بھی کھالے تو مہر مثل دلائیں۔

فی تنویر الابصار والدر المختار وردالمحتار ان اختلفا فی قدرہ حال قیام النکاح (ای قبل الدخول او بعدہ کذا بعد الطلاق والدخول رحمتی) فالقول لمن شھد لہ مھر المثل بیمینہ وایّ اقام بینۃ قبلت سواء شھد مھر المثل لہ اولھا اولا وان اقاما فبینتھا مقدمۃ ان شھد لہ وبینتہ ان شھد لھا، لان البینات لاثبات خلاف الظاھر	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا، یہ اختلاف قیامِ نکاح کے دوران ہوا ہو (یعنی قبل از دخول یا بعد از دخول اور یوں ہی یہ اختلاف طلاق ودخول کے بعد ہوا ہو، رحمتی) تو دونوں میں سے جس کی مہر مثل تائید کرے اس کی بات معتبر ہوگی اور ساتھ قسم بھی لی جائیگی، اور دونوں میں سے جس نے گواہ پیش کئے تو گواہی قبول کرلی جائے گی خواہ مہر مثل زوج یا زوجہ کی موافقت کرے یا نہ کرے اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو بیوی کے گواہ مقدم ہوں گے اگر مہر مثل خاوند کی تائید کرے اور

وان کان مهر المثل بینهما تحالفا (والاولی البداء ةبتحلیف الزوج فایهما نکل لزمه دعوی الاخر) فان حلفا اوبرهنا قضی به(ای بمهر المثل) [1] اھ ملتقطا **قلت** وفی عبارة الدر ھٰهنا تقصیرنبه علیه الشامی وایضاح المسئلة فی الخانیة والهندیة وغیرهما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خاوند کے گواہ مقدم ہوں گے اگر مہر مثل بیوی کی تائید کرے کیونکہ گواہی خلافِ ظاہر کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے بین بین ہے تو دونوں سے قسم لی جائے گی (بہتر ہے کہ پہلے خاوند کی قسم لی جائے، تو جو قسم سے انکار کرے اس پر دوسرے کا دعوی لازم ہو جائے گا) اور اگر دونوں نے قسم دے دی یا گواہ پیش کر دئے تو پھر قاضی مہر مثل پر فیصلہ دے اھ ملتقطا **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) یہاں دُر کی عبارت میں کوتاہی ہے جس پر علامہ شامی نے توجہ دلائی ہے اور مسئلہ کی وضاحت خانیہ اور ہندیہ وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۱۳رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

مہر ازواج مطہرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کس قدر تھا؟ اور مہر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا کس قدر مع تعداد درہم ودینار و تطبیق سکّہ رائج الوقت ارشاد ہو اور وزن درہم ودینار موافق وزن اس وقت کے کیا ہے؟ وبینوا توجروا

الجواب:

عامہ ازواج مطہرات وبنات مکرمات حضور پُر نور سیّد الکائنات علیہ وعلیہن افضل الصلوٰۃ اکمل التحیات کا مہر اقدس پانچ سو درہم سے زائد نہ تھا۔

مسلم فی صحیحه عن ابی سلمة قال سألت عائشة رضی الله تعالٰی عنها کم کان صداق النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قالت کان صداقه لازواجه ثنتی عشرة اوقیة ونش، قالت اتدری ماالنش،	صحیح مسلم شریف میں ہے ابوسلمہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی سے پوچھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج کیلئے بارہ اوقیہ (چالیس درہم فی اوقیہ) اور ایک نش مقرر فرمایا۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳۔۲۰۲، ردالمحتار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۱۔۳۶۲

[1] قلت لاقالت نصف اوقیة فتلك خمس مائة دراھم احمد والدارمی والاربعة عن امیرالمؤمنین عمر الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه قال ماعلمت رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیه وسلم نکح شیئا من نسائه ولا انکح شیئا من بناته علی اکثر من اثنتی عشرة اوقیة[2]۔	تو آپ نے پُوچھا کہ تمہیں معلوم ہے نش کیا ہوتا ہے، میں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا: نش نصف اوقیہ کو کہتے ہیں، تو یہ کل پانسو درہم ہوئے۔ امام احمد، دارمی اور سُنن اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے اپنی ازواج یا صاحبزادیوں کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کیا ہو یہ مجھے معلوم نہیں۔ (ت)

مگر اُم المومنین اُمِّ حبیبہ بنت ابی سفیان خواہر جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کہ ان کا مہر ایک روایت پر چار ہزار درہم[3] کما فی سنن ابی داؤد (جیسا کہ سُنن ابی داوٗد میں ہے۔ت) دوسری میں چار ہزار دینار تھا[4]۔

فی المستدرك صححه الحاکم واقرہ الذھبی ولا یخالف ھذاما من حدیثی ام المؤمنین وامیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنهما فان ھذہ الامھار لم یکن من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بل من ملك الحبشة سیّدنا النجاشی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جیسا کہ مستدرک میں امام حاکم نے اس کی تصحیح کی اور ذہبی نے اس کو ثابت مانا، اور یہ حضرت ام المؤمنین اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی کا مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ مہر حضور علیہ الصّلٰوۃ والسّلام نے مقرر نہیں کیا بلکہ حبشہ کے بادشاہ حضرت سیّدنا نجاشی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقرر کیا تھا۔ (ت)

اور حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر اقدس چار سو چاندی[5] علی ماذکر فی المرقاة الجزم به عن روضة الاحباب والمواھب (جیسا کہ مرقاۃ میں ذکر فرمایا کہ روضۃ الاحباب اور مواہب نے اس پر جزم کیا ہے۔ت) درہم شرعی کا وزن ۳ ماشے ۵-۱/۱ سرخ چاندی ہے کما حققنا فی الزکوة

---

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح باب الصداق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۸
[2] جامع الترمذی ابواب النکاح امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۳۲
[3] سنن ابی داود کتاب النکاح باب الصداق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۷
[4] المستدرك للحاکم کتاب النکاح مہر ام حبیبہ دار الفکر بیروت ۱۸۱/۲
[5] مرقاۃ المفاتیح کتاب النکاح فصل ثانی حدیث۔ ۳۳ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۶۰

من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الزکوۃ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور دینار ایک مثقال یعنی چار ۴ ماشے سونا، یہی وزن سبعہ ہے یعنی سات مثقال وزن میں برابر دس درہم کے، **فی تنویر الابصار کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مساقیل**[1] (تنویر الابصار میں ہے کہ ہر دس ۱۰ کاوزن سات مثقال ہے۔ت) اور باعتبار قیمت ایک دینار شرعی دس ۱۰ درہم کا تھا،

فی ردالمحتار فی الھدایۃ کل دینار عشرۃ دراہم فی الشرع قال فی الفتح ای یقوم فی الشرع بعشرۃ کذاکان فی الابتداء[2]۔	ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ میں ہے کہ ہر دینار دس ۱۰ درہم ہے شرع، فتح میں فرمایا ہے کہ شرع میں ہر دینار کی قیمت دس ۱۰ درہم مقرر ہوئی جیسا کہ ابتداء میں تھا۔(ت)

یہاں کا روپیہ ۱۱ ماشہ ۲ سُرخ ہے تو درہم اس کا ۲۵/۷ ہے کہ مجنس کرنے سے درہم ایک سو چھبیس روپیہ ۴۵۰ ہوا تو درہم روپے کا ۱۲۶ لاا / ۴۵۰ یعنی ۲۵/۷ ٹھہرا جس کا حاصل یہ ہے کہ معہ ۷ روپے برابر مء ۲۵ درہم کے یا ایک روپیہ برابر ۳-۴/۷ درم کے، ولہذا نصاب فضّہ کہ دوسو ۲۰۰ درم ہے اس درم ہ اس روپے سے ۵۶ آتی ہے صما ۵۰/درمکے مالعہ ۱۴۰ ہوئے اور چار سو ۴۰۰ مثقال کے ایک سوساٹھ ۱۶۰ روپے، دس ۱۰ درہم اقل مقدارِ مہر ہے عا ۹/۱۲-۳/۵ پائی یعنی دو روپے پونے تیرہ آنہ اور پانچواں حصّہ پیسے کا، چار ہزار درم کے یہاں کہ سکّہ سے ایک ہزار ایک سو بیس ۱۱۲۰ روپے ہُوئے، اور ہر دینار دس ۱۰ درہم کا ہے، لہٰذا چار ہزار دینار کے گیارہ ہزار دوسو روپے۔ اس حساب سے ظاہر ہُوا کہ زمانہ اقدس رسالت میں سونے کی قیمت ساڑھے سات روپے تولہ سے بھی کم تھی کہ جب دینار یعنی ساڑھے چار ماشہ سونا دس ۱۰ درم یعنی دو ۲ روپے بارہ ۱۲ آنے ۹-۳/۵ پائی کا تھا تو بحساب اربعہ ایک تولہ سونا معہ ۷/۵-۳/۵ پائی کا ہوا، یہ برکات دنیا تھیں علاوہ برکات دینیہ کے جن کا شمار اللہ عزّوجل کے سوا کوئی نہیں کرسکتا **وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا**[3] (اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کرسکو گے۔ت)

مسئلہ ۱۲: از بڑودہ گجرات کلاں محلّہ بھوتنی کا جھانپہ نظام پورہ مرسلہ امراؤ مائی بنت غلام حسین ۱۶ رجب ۱۳۱۱ھ

عورت کا مہر سوا دس ہزار روپے کا ہے، مرد نے نان ونفقہ بند کرلیا ہے، عورت نے مہر کا دعوٰی کیا ہے، اس صورت میں مہر اسے دلایا جائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار تنویر الابصار باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۴

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱

[3] القرآن الکریم ۱۶/۱۸

الجواب:

اگر مہر پیشگی یعنی شوہر کے پاس جانے سے پہلے دینا قرار پایا تھا کوئی میعاد معین ٹھری تھی کہ اتنی مدّت کے بعد دیا جائے گا اور وُہ مدّت گزر گئی جب تو عورت ابھی دعوی کرسکتی ہے اور مہر فورًا دلایا جائے گا، اور اگر کچھ مدّت مقرر نہ ہُوئی تھی تو وہاں اُس شہر کے عرف وعادت پر عمل ہوگا' اگر وہاں کا عرف یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت جب طلب کرے ادا کیا جاتا ہے تو دعوی قابلِ سماعت ہے مہر ابھی دلایا جائے، اور اگر عرف یہ ہے کہ ایسی حالت میں جب مرد وعورت میں کسی کا انتقال ہو یا مرد طلاق دے دے اُس وقت مہر کا مطالبہ ہوتا ہے تو اُسی وقت ملے گا اس سے پہلے دعوی نہ سُنا جائے گا۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بينا فذاك والا فالمتعارف [1]۔	مہر معجّل یا مؤجّل کی مدّت بیان کردی گئی ہو تو وہی مراد ہے ورنہ جو عرف میں ہو وہی مراد ہوگا(ت)

ہمارے شہروں کا عرف یہی ہے تو یہاں عورت کو پیش از طلاق یا موت مطالبہ مہر کا اختیار نہیں، ایسے ہی عرف کے سبب ردالمحتار کتاب القضا میں ہے:

حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت والطلاق [2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق طلاق یا موت بعد ثابت ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳: ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بوقتِ نکاح تصریح مہر معجّل ومؤجل نہیں ہُوئی تو کس وقت میں مہر ذمہ شوہر واجب الادا ہوگا؟

الجواب:

جب طلاق یا زن وشوہر میں کسی کی موت واقع ہو اس وقت واجب الادا ہوگا اس سے پہلے عورت مطالبہ نہیں کرسکتی،

هو المتعارف فی بلاد فی ردالمحتار حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لا من وقت النكاح [3]۔ والله تعالٰی اعلم۔	ہمارے علاقہ میں یہی متعارف ہے، ردالمحتار میں ہے کہ بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق طلاق یا موت کے بعد ہوگا، نکاح کے وقت سے نہیں ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مختصر الوقاية فی مسائل الهداية فصل اقل المهر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

مسئلہ ۱۴: از بڑودہ پہلی پلٹن تیسری کمپنی مکان شیخ امام صوبہ دار مرسلہ رحمت بی ۲۲ذوالحجہ ۱۳۱۱ھ

شرع محمدی حنفیّہ مذاہب کا اس سوال کے جواب میں کیا حکم ہے میرا مہر سات سو روپے کا تھا میں نے اپنے شوہر کو معاف کر دیا میں نے نیک کام کیا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک نیک کام کیا اور اس میں بڑے ثواب کی امید ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من نفس عن غریمه او محی عنه کان فی ظل العرش یوم القیامة[1]۔رواہ الامام احمد ومسلم عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه والامام البغوی شرح السنة عن ابی قتادة رضی اللہ تعالٰی عنه وقال ھذا حدیث حسن۔	جو اپنے مدیون کو مہلت دے یا معاف کر دے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہو۔ (اسے امام احمد اور امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنۃ میں ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔ت)

اگلی اُمتوں میں ایک گنہگار آدمی اپنے مدیونوں سے در گزر کرتا تھا جب وُہ مرا اللہ تعالٰی نے اُس کے گناہوں سے در گزر فرمائی [2] **رواہ الشیخان عن حذیفة رضی اللہ تعالٰی عنه** (اس کو بخاری اور مسلم نے حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) اور اُسے جنّت میں جگہ بخشی [3] **رویاہ عنه وعن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنهما** (انہوں نے اس سے اور ابو مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت) مولٰی تعالٰی نے فرمایا: جب یہ اپنے مدیون سے در گزر کرتا تھا تو مجھے زیادہ لائق ہے کہ در گزر فرماؤں [4] **رواہ مسلم عن ابی مسعود وعن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنهما کلهم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم** (اس کو مسلم نے ابو مسعود اور عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے ان سب نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر مسماۃ ہندہ صغیرہ نابالغہ کا

---

[1] مسند امام احمد حدیث ابو قتادہ انصاری مطبع دار الفکر ۳۰۸/۵

[2] صحیح مسلم کتاب امساقاۃ والمزارعۃ فصل انظار المعسر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۸/۲

[3] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ فصل انظار المعسر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۸/۲

[4] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ فصل انظار المعسر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۸/۲

نکاح عمرو کے ساتھ کرنا چاہا، وقت نکاح کے وکیلِ نکاح نے تعداد مہر کی مبلغ دس ہزار روپے اور دو ۲ دینار سُرخ ظاہر کی، اس پر عمرو کی طرف سے لوگوں نے کہا کہ تعداد مہر کی بہت ہے، عمرو کی حیثیت اتنی بھی نہیں کہ دسواں حصّہ اس کا ادا کرسکے، تعداد مہر کی کم کرنا چاہئے، وکیلِ نکاح نے جواب دیا کہ تعدادِ مہر کم کرنے کا مجھ کو اختیار نہیں ہے مگر یہ مہر ایسا نہیں ہے جو دونوں کی زندگی میں لیا دیا جائے، جبکہ اس مہر پر نکاح ہوگیا اور ہندہ باپ کے گھر سے آکر عمرو کے گھر دو تین مہینے رہی مگر بوجہ صغیرہ ونابالغہ ہونے ہندہ کے عمرو کو استمتاع وطی نہیں ہوا بعدہ، زید ہندہ کو بلا مرضی عمرو کے اپنے گھر لے گیا اور اب عمرو کے گھر نہیں آنے دیتا ہے اور دعوی بعض مہر کا بہ ترک بعض مہر کے منجانب ہندہ کو بولایت پانے بوجہ نابالغی ہندہ کے کرتا ہے پس اس صورت میں مہر عمرو سے دلایا جائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مہر میں جب نہ یہ شرط کی جائے کُل یا اس قدر پیشگی لیں گے جسے معجّل کہتے ہیں، نہ اُس کے ادا کے لئے کوئی میعاد معیّن کی جائے، مثلاً سال دوسال، یا جو قرار پائے، جسے مؤجل کہتے ہیں، تو وہ عرفِ بلد پر رہے گا، جس شہر میں عام طور پر یہ رواج ہو کہ مثلاً نصف یا ربع یا کسی قدر بغیر تصریح تعجیل کے بھی پیشگی لیتے ہیں وہاں اتنا پیشگی دینا ہوگا، اور جہاں عرف یُوں ہے کہ بے موت یا طلاق لینا دینا نہیں ہوتا وہاں جب تک زوجین میں کسی کا انتقال یا طلاق واقع نہ ہوا اختیارِ مطالبہ نہ دیں گے۔ مختصر الوقایہ میں ہے

المعجل والمؤجل ان بیّنا فذاك والا فالمتعارف [1]۔	اگر مہر معجّل و مؤجّل کی مدّت بیان کی گئی ہو تو بہتر ورنہ متعارف مراد ہوگا۔ (ت)

ہمارے بلاد میں عام مہور بیان تعجیل وتاجیل سے خالی ہوتے ہیں اور رواج یہ ہے کہ اُس کے لزوم ادا کو موت یا طلاق پر موقوف رکھا جاتا ہے، پس صورتِ مسئولہ میں اگر وکیلِ نکاح اس مضمون کی تصریح بھی نہ کرتا کہ یہ وُہ مہر نہیں جو زندگی میں لیا دیا جائے تاہم پدرِ ہندہ بحالتِ نابالغی اور خود ہندہ بعد بلوغ تاوقتیکہ موت یا طلاق نہ ہو عمرو سے کسی جزوِ مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتے، ردالمحتار میں ہے:

حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح [2]۔	بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق موت یا طلاق کے بعد ہوگا، نکاح کے وقت سے نہیں ہوگا۔ (ت)

---

[1] مختصر الوقایة فی مسائل الهدایة فصل اقل المهر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

یہاں کہ وکیلِ نکاح نے وقتِ نکاح اس مضمون کی صاف تصریح کردی بدرجہ اولٰی کسی کو اختیارِ مطالبہ نہیں۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کاکہ زنا سے حاملہ تھی نکاح غیر زانی سے کہ اُسے اس کے حمل سے اطلاع نہ تھی ہوگیا، آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ عذر مرد کاکہ میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا نہ حاملہ، اسقاطِ مہر کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہے اب نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، مگر جس صورت میں حمل اس مرد سے نہیں رہا تواُسے قبل از وضعِ حمل مباشرت اوراس کے دواعی اس عورت کے ساتھ جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

وصح نکاح حبلی من زنالاحبلی من غیرہ ای الزنا لثبوت نسبہ ولو من حربی او سیدھا المقربہ وان حرم وطؤھا اور دواعیہ حتی تضع [1]۔	زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے غیر زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح نہیں کیونکہ اسکی نصب ثابت ہوگی خواہ حربی سے یا مالک سے جب وُہ اقرار کرے اگرچہ زنا کی حاملہ سے نکاح جائز مگر جماع اور دواعی حرام ہیں جب تک وُہ بچّہ کو جنم نہ دے۔(ت)

اور یہ عذر کہ میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا نہ کہ حاملہ، مہر کو ساقط نہ کرے گا کہ کفاءت عورت کی طرف سے معتبر نہیں۔ کتاب مذکور میں ہے:

لاتعتبر من جانبھا لان الزوج مستفرش فلاتغیظہ دناءۃ الفراش وھذا عند الکل فی الصحیح [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عورت کی طرف سے کفاءت نہیں کیونکہ خاوند کے لئے بیوی بستر بنتی ہے تو اسے کمتر مفروش سے رنج وغیظ نہیں آتا۔ صحیح مذہب میں اس پر سب کا اتفاق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷: از ذخیرہ مسئولہ مولوی برکات احمد صاحب وکیل دیوانی

مولانا صاحب دام عنایتکم، سالم مسنون کے بعد عارض ہوں، ایک مسئلہ شرعی بتادیجئے، وُہ یہ ہے

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

کہ مہر کب واجب ہوتا ہے، اگر معجّل ہو تو کس وقت؟ خلوتِ صحیحہ مہر کے واسطے ضروری ہے یا نہیں؟ اور خلوتِ صحیحہ کس کو کہتے ہیں اس کی تعریف کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مہر معجّل وُہ مہر یا پارہ مہر کا ہے جس کا ادا کرنا فوراً اقرار پایا ہو خواہ از رُوئے شرط کہ نفس عقد نکاح میں تعجیل مذکور ہو یا عقد کے بعد شرط تعجیل ٹھہری خواہ از روئے عرف جبکہ وُہ شرط صحیح کے مخالف نہ واقع ہو یہ مہر فوراً واجب الادا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے ادا سے پہلے شوہر عورت کو بے اس کی رضا کے ہاتھ نہیں لگا سکتا بلکہ رخصت نہیں کراسکتا، اور مؤجّل وہ جس کے لئے کوئی میعاد معیّن قرار دی گئی ہو مثلاً ایک سال، دس سال، یا جس قدر ٹھہرائیں، یہ اُس وقت واجب الادا ہوگا جب وعدے کا وقت آجائے اس سے پہلے عورت اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ جامع الرموز میں ہے:

المهر المعجل والمؤجل ان بيناً ای بين فی العقد كله او بعضه يكون معجلا او مؤجلا فذاك المبين واجب اداؤه علی مابين[1]۔	مہر معجّل اور مؤجل اگر بوقت عقد بیان ہو چکے ہیں یعنی تمام یا بعض معجّل ہوگا یا مؤجّل ہوگا، تو اس بیان کے مطابق ادائیگی واجب ہوگی۔ (ت)

اور اگر مؤجل کہا اور کائی میعاد اصلاً نہ بیان کی تو وُہ طلاق یا موت تک مؤجل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا اس سے پہلے مطالبہ کا عورت کو اصلاً استحقاق نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

من اول الفروع المذكورة فی كتاب القضاء قبل باب التحكيم مسئلة عدم سماع الدعوی بعد مرور كذا سنه. لامات زوج المرأة او طلقها بعد عشرين سنة مثلاً من وقت النكاح فلها طلب موخر المهر لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لامن وقت النكاح[2]۔	کتاب القضاء میں تحکیم کے باب سے قبل سب سے پہلا جزئیہ یہ مذکورہ کہ اتنے سال گزر جانے کے بعد دعوی قابلِ سماعت نہیں ہوتا، اس پر تفریع یہ ہے کہ نکاح کے وقت سے مثلاً بیس ۲۰ سال بعد خاوند فوت ہوجائے یا طلاق دے دے تو بیوی کو مؤخر شدہ مہر کے مطالبہ کا حق ہے، کیونکہ مہر مؤجل میں بیوی کو مطالبہ کا حق ہے، کیونکہ مہر مؤجل میں بیوی کو مطالبہ کا حق موت یا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے نکاح کے وقت سے مطالبہ کرنے کا حق نہیں۔ (ت)

[1] جامع الرموز باب المہر مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۸۳

[2] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۴

اسی طرح جس پارہ مہر یا کل مہر کی نسبت تعجیل وتاجیل کا کچھ ذکر نہ آیا وُہ بھی موت یا طلاق تک مؤجل ٹھہرے گا کہ ایسی صورت میں مدار عرفِ بلد پر ہے اور یہاں عام عرف شائع فی البلاد یہی ہے کہ جس مہر کی تعجیل مشروط نہ ہُوئی اُس کا مطالبہ تا وقت فرقت نہیں کیا جاتا۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بینافذاك والافالمتعارف [1]۔	معجّل اور مؤجل کی مدّت بیان ہوچکی تو بہتر ورنہ اس میں عرف کا اعتبار ہوگا کہ کتنا مؤجل ہے یا معجّل۔(ت)

اور خلوت صحیحہ یہ ہے کہ زن وشو تنہائی کے مکان میں جہاں کسی کے آنے جانے یا نظر پڑنے سے اطمینان ہو، یُوں متفق ہوں کہ اُن کے ساتھ کوئی تیسرا ایسا نہ ہو جو ان کے افعال کو سمجھ سکے، نہ اُن میں کسی کو مقاربت مانع شرعی یا حِسّی ہو مثلاً مرد یا عورت کی ایسی کم سِنی جس میں صلاحیت قربت وقابلیتِ صحبت نہ ہو یا شوہر کی ناسازی طبع یا عورت کا حیض یا نفاس یا ایسے مرض میں ہونا جس کے سبب وقت وقوع فعل قربت سے اسے مضرت پہنچے یا ان میں کسی کا نماز میں فرض یا ماہِ رمضان میں روزہ فرض سے مشغول ہونا کل ذٰلك فی الخانیة والدرالمختار وحواشیة (یہ تمام بحث خانیہ، درمختار اور اس کے حواشی میں ہے۔ت) اور خلوتِ صحیحہ وجوبِ مہر کی شرط نہیں، وجوبِ مہر تو عقدِ نکاح سے ہوتا ہے، ہاں خلوت سے مہر متاکد ہوجاتا ہے بایں معنی کہ اگر پیش از وطی وخلوتِ صحیحہ طلاق تو نصف مہر لازم آتا، اب کہ خلوت واقع ہوگئی کُل لازم آئے گا۔ نقایہ میں ہے:

یجب نصفه بطلاق قبلها ای قبل خلوة الصحیحة [2] اھ ملخصا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	نصف مہر، طلاق قبل از خلوتِ صحیحہ سے واجب ہوتا ہے اھ ملخصًا۔(ت) واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ہندہ سے نکاح ہوا اور خلوتِ صحیحہ برضائے زوجہ واقع ہوگئی اور مہر مؤجل قرار پایا تھا اب ہندہ مطالبہ کرتی ہے اور زید کے پاس نہیں جاتی، اور زید درصورت نہ آنے ہندہ کے مہر دینے سے منکر ہے، اس صورت میں یہ مطالبہ صحیح اور بوجہ نہ آنے ہندہ کے مہر ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کوئی جزو مہر کا بعد وقوع خلوتِ صحیحہ ذمہ شوہر سے ساقط نہیں ہوسکتا اور تمامی مہر کا ادا کرنا زید

[1] مختصر الوقایة فی مسائل الهدایة فصل اقل المهر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] مختصر الوقایة فی مسائل الهدایة فصل اقل المهر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۵

پرلازم، مگر ہندہ کو بوجہ تاجیل و وقوعِ خلوت. برضائے زوجہ بالاتفاق مطالبہ مہر و منع نفس کا اختیار حاصل نہیں، امام ابویوسف سے کہ مہر مؤجل میں تخیر منع منقول ہے قبل از تسلیم نفس وو قوع وطی یا خلوت صحیحہ. برضائے زوجہ پر محمول ہے کہ وُہ بعد از تسلیم مہر معجّل میں بھی اختیارِ منع نہیں دیتے حالانکہ وہاں بوجہ تعجیل حق منع و مطالبہ مؤکد ہوچکا ہے پس مؤجل میں کہ ایسا نہیں بالاولٰی نہ دیں گے۔

فی الھدایة وللمرأة ان تمنع نفسھا حتی تاخذ المھر ای المعجل ولو کان المھر کله مؤجلا لیس لھا ان تمنع نفسھا لاسقاطھا حقھا بالتأجیل کما فی البیع وفیه خلاف ابی یوسف وان دخل بھا فکذٰلك الجواب عند ابی حنیفة وقالا لیس لھا ان تمنع نفسھا[1] انتھی ملخصا ومثله فی غیرھا من کتب الفقه۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔	ہدایہ میں ہے: بیوی کو مہر معجّل کی صورت میں اپنے اسے خاوند کو منع کرنے کا حق ہوتا ہے تک وصول نہ کرے، اور اگر تمام مہر مؤجل ہو تو پھر اس کو اپنے سے خاوند کو روکنے کا حق نہیں کیونکہ اس نے مہر مؤجّل کرکے اپنے مطالبہ کا حق ساقط کردیا ہے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے، اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے اور مہر معجّل کی صورت میں اگر دخول ہوچکا ہو تو عورت کو منع کا حق ہے مہر معجّل وصول کرنے تک یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا مسلک ہے۔ اس میں صاحبین کا قول یہ ہے کہ اس کو اس کے منع کا حق نہیں ہے انتھٰی ملخصًا، اسی طرح دوسری کتب میں بھی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: ۲۵ محرم ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بغیر اجازت شوہر کے کئی مرتبہ اپنے میکے چلی گئی اور اپنے شوہر سے اکثر لڑتی رہتی ہے اور اب کی دفعہ اُس نے اپنے شوہر کو مارا بھی، اگر شوہر مہر اُس کا ان وجوہ کے سبب نہ دے تو مواخذہ ہوگا یا نہیں اور اُس کو اپنے گھر رکھے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

وُہ عورت فاسقہ ہے سخت گنہگار ہے، مگر ان حرکات کے سبب مہر ساقط نہ ہوگا، رکھنے نہ رکھنے کا مرد کا اختیار ہے مگر اگر نہ رکھنا چاہے تو طلاق دے دے یہ جائز نہیں کہ نکال دے اور طلاق نہ دے اور خبر گیری بھی نہ کرے ہاں وُہ خود ہی نکل جائے تو اس پر نان ونفقہ واجب نہیں جب تک واپس نہ آئے

لانھا ناشزة ولا نفقة للناشزة وقال	کیونکہ نافرمان ہے اور اس کے لئے خاوند پر نفقہ

[1] ہدایہ باب المہر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۳۱۴

تعالٰی فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	واجب نہیں، اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو پاس رکھو بھلائی سے یا ان کو چھوڑ دو بھلائی سے۔ (ت)

مسئلہ ۲۰: از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی عبدالعلی صاحب مدراسی ۱۷ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ایجاب وقبول مہر فاطمی پر بلاتصریح وتعیین دراہم وسکّہ وغیرہ ہو یعنی بروقتِ نکاح صرف مہرِ فاطمی کا لفظ کہا جائے یہ نہ کہا جائے کہ مہر فاطمی پر جس کے اس قدر دراہم شرعی یا سکّہ رائج الوقت ہوتے ہیں تو اس صورت میں مہر فاطمی ہی رہے گا یا مہر مثل کی طرف عود کرجائے گا بوجہ اختلافِ روایات کے جو در بارہ مہر جناب فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وارد ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مہر فاطمی ہی رہے گا۔ ذخیرہ پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

واللفظ للبحر لیس من صور عدم التسمیة مالو تزوجت بمثل مھر والزوج لایعلم مقدار مھرامھا فانه جائز بمقدار مھر امھا الخ [2]۔	الفاظ بحر کے ہیں مہر مقررہ نہ ہونے کی یہ صورت نہیں ہے کہ بیوی کا مہر اس کی ماں کے مہر کے برابر ہو اور خاوند کو ماں کے مہر کا علم نہ ہو کیونکہ بیوی کی ماں کے مہر مقدار پر مہر رکھنا جائز ہے الخ (ت)

مہر اقدس حضرت سیّدۃ النساء بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علی ابیہا الکریم وعلیہا وسلّم میں اگرچہ روایات بظاہر مختلف ہیں مگر بتوفیق اللہ تعالٰی اُن سب میں تطبیق بروجہ نفس ودقیق حاصل ہے **فاقول:** **وباللہ التوفیق** اس بارے میں روایات مسندہ معتد بہا تین ۳ ہیں:

اوّل یہ کہ مہر مبارک درم ودینار نہ تھے بلکہ ایک زِرہ کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین مولی المسلمین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو عطا فرمائی تھی وہی مہر میں دی گئی،

اخرج ابن سعد فی طبقاته اخبرنا خالد بن مخلد ثنا سلیمٰن ھو ابن بلال ثنی جعفر بن محمد عن ابیه	ابن سعد نے طبقات میں تخریج کی ہے کہ خالد بن مخلد نے بیان کیا ان کو سلیمان ابن بلال نے حدیث بیان کی جعفر بن محمد نے اپنے والد سے بیان کیا حضرت

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۱

[2] بحرالرائق باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۴۶

اصدق علی فاطمۃ درعا من حدید وعن عازم عن حماد بن زید عن ایّوب عن عکرمۃ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لعلی حین زوجہ فاطمۃ اعطھا درعک الحطمیۃ[1]، قال الحافظ فی الاصابۃ ھذا مرسل صحیح الاسناد[2]، وابوداؤد فی سننہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال لما تزوج علی فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما قال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعطھا شیئا قال ماعندی شیئ قال این درعک الحطمیۃ[3]۔ واحمد فی مسند ہ من طریق ابن ابی نجیح عن قبیہ عن رجل سمع علیا یقول اردت ان اخطب الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابنتہ فقلت مالی من شیئ ثم ذکرت صلتہ وعائدتہ وخطبتھا الیہ

علی کرم وجہہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر ایک لوہے کی درع دی، عازم سے انہوں نے حماد بن زید سے انہوں نے ایوب سے انہوں نے عکرمہ سے بیان کی کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے جب حضرت فاطمہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نکاح کیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا تُو اپنی خطمی درِع (تلواروں کو توڑنے والی زرہ) مہر میں دے دے۔ حافظ نے اصابہ میں کہا یہ حدیث مرسل صحیح ہے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نکاح کیا تو فرمایا: اس کو مہر میں کُچھ دو۔ تو انہوں نے عرض کی: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تیری خطمی زرہ کہاں ہے؟ احمد نے اپنی مسند میں ابن ابی نجیح وہ اپنے والد اور انہوں نے ایک ایسے شخص سے روایت کیا جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سُنا ہے کہ وُہ فرمارہے تھے کہ میرا ارادہ ہُوا کہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے آپکی صاحبزادی کا رشتہ طلب کروں تو مجھے خیال آیا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں، پھر مجھے آپ کی شفقت اور مہربانی یاد آئی، پس میں نے رشتہ طلب کیا تو

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد باب ذکر بناتِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۸/۲۱

[2] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ ۸۳۰ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا دار صادر بیروت ۴/۳۷۷

[3] سُنن ابوداؤد کتاب النکاح آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۹

فقال وھل عندك شئی،قلت لا،قال فاین درعك الحطمیة التی اعطیتك یوم کذاوکذا،قلت ھو عندی،قال فاعلطھا ایاہ [1] ابن اسحٰق فی السیرۃ الکبرٰی حدثنی ابن نجیح عند مجاھد عن علی کرم اللہتعالٰی وجھه انه خطب فاطمة رضی اللہتعالٰی عنھا فقال له النبی صلی اللہتعالٰی علیه وسلم ھل عندك من شیئی،قلت لا،قال فما فعلت الدرع التی سلحتکھا یعنی من مغانم بدر [2]۔	آپ نے فرمایا: کیا تیرے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کچھ نہیں توفرمایا تیری خطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے تجھے اسلحہ کے طورپر فلاں موقعہ (یعنی بدر کے روز) غنیمت میں سے دی تھی؟ میں نے عرض کیا: وہ میرے پاس ہی ہے۔ توآپ نے فرمایا: وہ اسے دے دو۔ ابن اسحاق نے سیرت کبرٰی میں یُوں بیان کیا کہ ابن نجیح نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ،نے کہا کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے منگنی کی تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نےپُوچھا پاس کُچھ ہے نے کہا: کچھ نہیں۔ تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تیری وہ زرہ کہاں ہے جو میں نے تجھے بدر کی غنیمت میں سے دی تھی۔(ت)

دوم چار سو اسی ۴۸۰ درم تھے،

اخرجه الائمة احمد فی المناقب وابوداؤد ابوحاتم الرازی وابن حبان فی صحیحه کلھم عن انس رضی اللہتعالٰی عنه بعضھم اتم سیاقا من بعض،قال جاء ابوبکر ثم عمر یختبان فاطمة الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم،فسکت ولم یرجع الیھما شیئا فانطلقا الی علی رضی اللہتعالٰی عنه یأمرانه بطلب ذٰلک	امام احمد نے مناقب میں اور ابوداؤد اور ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں،ان تمام نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا بعض کا سیاق بعض سے اتم ہے،انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا رشتہ مانگنے آئے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا،تو یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے انہیں رشتہ

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از علی رضی اللہ عنه دار الفکر بیروت ۱/۸۰

[2] السنن الکبری مروی عن محمد بن اسحٰق کتاب الصدق دار صادر بیروت ۷/۲۳۵

قال علی فنبهانی لامر کنت عنه غافلا فقمت اجر ردائی حتی اتیت النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم فقلت تزوجنی فاطمة، قال عند شیئی، فقلت فرسی وبُدنی، قال امافرسك فلابدلك منها واما بدنك فبعها فبعتها باربع مائة وثمانین درهما فجئته بها فوضعتها فی حجره صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم فقبض منها قبضه فقال ای بلال ابتع بها لنا طیبا وامرهم ان یجهزوها فجعل لها سریرا مشرطا بالشرط ووسادة من ادم حشوها لیف وقال لعلی اذا اتتك فلا تحدث شیئا حتی اٰتیك فجاءت مع ام ایمن حتی قعدت فی جانب البیت وانا فی جانب وجاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم الحدیث[1]۔ وفی الخمیس فی روایة خطبها فزوجها النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه

طلب کرنے کو کہا تو حضرت علی فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھے ایسے معاملے کی طرف متوجہ کیا جس سے میں غافل تھا تو میں فورًا چادر سنبھالتے ہوئے اٹھا حتٰی کہ حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! فاطمہ کا نکاح مجھ سے کردیں۔ آپ نے پوچھا: تیرے پاس کُچھ ہے؟ میں نے عرض کی: گھوڑا ہے اور ایک اونٹ ہے گھوڑا تو تیرے لئے ضروری ہے لیکن اُونٹ کو فروخت کردو۔ تو میں نے اس کو چار سو اسّی ۴۸۰ درہم میں فروخت کردیا وُہ آپ کے پاس لاکر میں نے آپ کی گود میں ڈال دئے۔ تو آپ نے ان میں سے ایک مٹھی بھر اٹھا کر فرمایا: اے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ! اس کی خوشبو خرید لاؤ۔ اور فرمایا: اس رقم سے جہیز تیار کرو۔ تو ایک بُنی ہُوئی چارپائی اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجی بھری تھی تیار کئے، تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! جب تیرے پاس فاطمہ پہنچ جائے تو کوئی بات نہ کرنا جب تک میں نہ پہنچ جاؤں۔ تو حضرت فاطمہ حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ہمراہ آئیں حتی کہ وہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں اور دُوسری جانب مَیں تھا تو اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لے آئے، الحدیث۔ اور خمیس ہے کہ ایک روایت ہے کہ منگنی کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے

[1] کنزالعمال بحوالہ مسند انس حدیث مؤسسة الرسالة بیروت ۱۳/ ۸۵ - ۶۸۴

وسلم علی اربعمائۃ وثمانین درھما [1] الخ وفیہ قیل انہ باع الدرع باثنتی عشرۃ اوقیۃ والاوقیۃ اربعون درھم وکان ذٰلك مھر فاطمۃ من علی رضی اللہ تعالٰی عنھما [2]۔	نکاح کردیا اور مہر چارسواسّی ۴۸۰ درہم تھا، اور خمیس میں یہ بھی کہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے زرہ فروخت کی بارہ اوقیہ کے عوض میں۔ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے تھا(ت)

سوم چارسو مثقال چاندی،

اخرج الحافظ رضی الدین ابوالخیر احمد بن اسمٰعیل القزوینی لاحاکمی وابوعلی الحسن بن شاذان عن انس ایضا رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث طویل قال فیہ فی خطبۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم ان اللہ تعالٰی امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی ابن ابی طالب فاشھدوا انی قدزوجتہ علی اربع مائۃ مثقال فضۃ ان رضی بذٰلك علی ثم دعا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بطبق من بسرثم قال انتھبو افانتھبنا ودخل علی فتبسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی وجھہ ثم قال ان اللہ عزوجل امرنی ان ازوجك فاطمۃ علی اربعمائۃ مثقال فضۃ ارضیت بذالک، فقال قدرضیت بذالك یا رسول اللہ، فقال صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع اللہ	حافظ رضی الدین ابوالخیر احمد بن اسمٰعیل قزوینی حاکمی اور ابوعلی حسن بن شاذان نے بھی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا طویل حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے خطبہ میں فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کردوں، تو گواہ ہوجاؤ کہ میں نے یہ نکاح چارسو مثقال چاندی پر کردیا ہے بشرطیکہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس پر راضی ہوں۔ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے بُسر کھجوروں کا بڑا ٹوکرا طلب فرمایا اور فرمایا: اس میں سے چن چن کر کھاؤ۔ تو ہم نے کھائیں۔ اتنے میں حضرت علی آئے تو آپ نے ان کی آمد پر تبسم فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے حکم فرمایا کہ میں فاطمہ کا نکاح تجھ سے کروں چارسو مثقال چاندی پر، کیا تو راضی ہے؟ تو حضرت علی نے عرض کیا: میں اس پر راضی ہوں۔ تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے دُعا کرتے ہوئے

[1] تاریخ الخمیس تزوج علی بفاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنھا موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۳۶۱

[2] تاریخ الخمیس تزوج علی بفاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنھا موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۳۶۲

شملکما واعزجدکما وبارك علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا ،قال انس فو اللہ لقد اخرج منھما الکثیر الطیب [1] ،ورواہ ابن عساکر نحوہ من طریق محمد بن شھاب بن ابی الحیاء عن عبدالملك بن عمر عن یحی بن معین عن محمد بن دینار عن ھشیم عن یونس بن عبد عن الحسین عنھما و عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکرہ محمد بن طاھر فی تکملۃ الکامل بن عدی کما نقلہ الحافظ فی لسان المیزان۔	فرمایا: اللہ تعالٰی تم دونوں کے حال متفق فرمائے اور تمہاری بزرگی کو باعزّت بنائے اور تم دونوں پر برکتیں نازل فرمائے اور تم میں سے اللہ تعالٰی کثیر طیّب پیدا فرمائے۔تو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے ان دونوں سے کثیر طیّب پیدا فرمائے۔اور ابن عساکر نے اسی طرح کی روایت محمد بن شہاب بن ابوالحیا سے انہوں نے عبدالملک بن عمر سے انہوں نے یحیٰی بن معین سے انہوں نے محمد بن دینار سے انہوں نے ہشیم سے انہوں نے یونس بن عبد سے انہوں نے حسین سے انہوں نے انس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے،اس کو محمد بن طاہر (بن القیسرانی) نے تکملہ کامل بن عدی میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ اس کو حافظ نے لسان المیزان میں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

ان کے سوا جو اقاویل مجہولہ ہیں کہ پانسو درم مہر تھا یا چالیس مثقال سونا،

نقلھا فی الرحمانیۃ عن بعض حواشی شرح الوقایۃ۔	ان دونوں روایتوں کو شرح وقایہ کے بعض حاشیوں سے رحمانیہ میں نقل کیا ہے(ت)

یا انیس ۱۹ مثقال ذہب،

ذکرہ فی المرقاۃ انہ اشتھر بین اھل مکّۃ قال ولا اصل لہ [2]۔	اس کو مرقاۃ میں ذکر کیا ہے کہ یہ اہل مکّہ میں مشہور ہے جس کی کوئی اصل نہیں(ت)

سب بے اصل ہیں۔

اما ما حاول القاری من توجیہ ھذا المشھور بقولہ اللھم الا ان یقال ان ھذا المبلغ قیمۃ درع علی رضی اللہ	لیکن ملّا علی قاری نے جو اس روایت کی مشہور توجیہ اپنے اس قول سے فرمائی، مگر یہ ہو سکتا ہے کہ یُوں کہا جائے کہ علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زرہ کی یہ

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ حدیث انس رضی اللہ عنہ زواج علی من فاطمہ رضی اللہ عنہما المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۸۵

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۶۰

تعالٰی عنه [1] **فاقول:** لایلتئم لما علمت انها بیعت باربعمائة وثمانین درهما تسعة عشر مثقالا من الذهب لاتبلغ بسعرذاك الزمن المبارك الامائة وتسعین درهما اذکل دینار مثقال وکل دینار بعشرة دراهم نعم یجوز ان یکون هذا التقدیر ببعض الاسعار الواقعة فی البلدة الکریمة فی بعض الازمنة المتأخرة واللّٰه تعالٰی اعلم، وکذاما حاول هو رحمه اللّٰه تعالٰی من الجمع بین تقدیری الدراهم والمثاقیل بان عشرة دراہم سبعة مثاقیل مع عدم اعتبار الکسور [2]۔ **فاقول:** لایتجة ایضا فان اربعمائة مثقال فضة علی هذا خمس مائة واحد وسبعون درهما کسر، واربع مائة وثمانون درهما ثلث مائة ستة وثلاثون مثقالا فلکسر فی الاول ازید من النصف فلایحذف وفی الثانی اقل فلایرفع علی انه لامعنی یحذف وفی الثانی اقل فلایرفع علی انه لامعنی لاسقاط الزیادة فی الدراہم والقصر علی ثمانین بلا لو کان لقیل خمسمائة کما لایخفی فلیتأمل لعل لکلامه وجها اٰخر۔

قیمت تھی۔ **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں۔ت) یہ بنتا نہیں جیسا کہ تجھے معلوم ہوچکا کہ وہ زرہ چار سواسّی ۴۸۰ درہم مین فروخت ہوئی تھی جب کہ ۱۹ مثقال سونا اس زمانہ مبارک کے بھاؤ سے صرف ایک سونوے ۱۹۰ درہم کا بنتا ہے، کیونکہ ایک دینار مثقال کا اور ہر دینار دس ۱۰ درہم کا تھا، ہاں ہوسکتا ہے کہ یہ اندازہ بعد کے زمانے میں مدینہ منورہ کے کسی بھاؤ کا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔ اور یونہی ان کی وُہ تاویل جس میں وُہ درہم اور مثقال کے وزنوں کو جمع کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ دس ۱۰ درہم سات ۷ مثقال میں کچھ کسریں ہوں جن کا اعتبار نہ کیا گیا ہو **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں۔ت) یہ بھی قابلِ توجہ نہیں کیونکہ اس طرح چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی پانچسو اکہتر ۵۷۱ درہم اور کچھ کسر ہوتے ہیں اور چار سواسّی ۴۸۰ درہم تین سو چھتیس ۳۳۶ مثقال ہیں تو پہلے میں کسر نصف سے زائد ہوئی جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور دوسرے میں نہایت ہی کم ہے تو اس کو قابل لحاظ نہیں کہا جاسکتا، اس کے علاوہ دراہم میں زیادتی کو ساقط کرنے اور صرف اس ۸۰ پر اکتفا کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے بلکہ اگر ایسا ہوتا تو پُورا پانچسو ۵۰۰ کہنا چاہئے تھا، جیسا کہ مخفی نہیں ہے، غور کرو، ہوسکتا ہے انکے کلام کی کوئی دوسری وجہ بن سکے (ت)

اب بتوفیقہ تعالٰی توفیق سُنئے، پہلی دو ۲ روایتوں میں وجہِ تطبیق ظاہر ہے کہ مہر میں زرہ دی کہ چار سواسّی ۴۸۰ کو بکی، اب چاہے کہئے خواہ اتنے درم، حافظ محب الدین احمد بن عبد اللہ طبری نے دونوں روایت میں اسی طرح توفیق کی، ذخائر العقبٰی فی مناقب ذوی القربٰی میں فرماتے ہیں:

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳۶۰/۶

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳۶۰/۶

اختلف فی صداقها رضی اللہ تعالٰی عنها کیف کان' فقیل کان الدر ولم یکن اذ ذاك بیضاء ولاصفراء وقیل کان اربع مائة وثمانین وورد مایدل کلا اقولین ویشبه ان العقد وقع علی الدرع وانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اعطاها علیا لیبیعها فباعها واتاہ بثمنها فلاتضاد بین الحدیثین [1] اھ ملخصا	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے مہر کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا تھا، بعض نے کہا کہ زرہ تھی اور درہم یا دینار نہ تھے اور بعض نے کہا کہ چار سواسّی ۴۸۰ درہم تھے۔دونوں باتوں پر دلالت کرنیوالی مناسب اور مشابہ بات یہ ہے کہ نکاح کاانعقا زرہ پر ہُوا اور بعد میں حضور علیہ الصّلوۃ والسلام نے وہی زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دی کہ فروخت کردو، تو اُنہوں نے فروخت کرکے قیمت آپ کو پیش کردی، تو دونوں حدیثوں میں تضاد نہ رہااھ ملخصًا(ت)

اور پُر ظاہر کہ روایت مسندہ ثانیہ کے الفاظ ہی خود اس تطبیق کے شاہد ہیں ولہذا علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں کلامِ طبری نقل کرکے فرمایا:

ھذا الجمع مدلول الحدیث السابق [2]۔	یہ پہلی حدیث کامدلول ہے جو دونوں کو جمع کرتا ہے۔(ت)

اور روایت ثالثہ سے ان کی یُوں کہ حدیث زرہ کو ہمارے علمائے کرام نے مہرِ معجّل پر محمول فرمایا جو وقت زفاف اقدس ادا کیا گیا۔

قلت ویشهد له ایضا الحدیث المذکور حیث ذکر انه جاء بالدراھم فامر صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بشراء الطیب وان تجهز وقال لعلی ماقال فان ذٰلك انما کان حین زفت لاحین العقد کمالایخفی۔	میں کہتا ہوں کہ اس پر مذکورہ حدیث بھی شاہد ہے، جس میں ذکر ہُوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے دراہم پیش کئے تو حضور علیہ الصّلوۃ والسلام نے خوشبو اور جہیز خرید نے کاحکم فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو گفتگو فرمائی وُہ زفاف کے وقت ہے نہ کہ نکاح کے وقت کی، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔(ت)

مولانا علی قاری مرقاۃ میں زرہ کی نسبت فرماتے ہیں دفعها الیها مهرا معجلا [3] یہ مہر معجّل کے طور پر دی گئی تھی۔ت) امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ ذخائر العقبٰی ذکر تزویجِ علی بفاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دارالمعرفۃ بیروت ۶/۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ ذخائر العقبٰی ذکر تزویجِ علی بفاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دارالمعرفۃ بیروت ۶/۲

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب النکاح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳۶۰/۶

ان العادة عندهم كان تعجيل بعض المهر قبل الدخول،حتی ذهب بعض العلماء الی انه لايدخل بها حتی يقدم شيئا لها،نقل عن ابن عباس وابن عمر والزهری وقتادة تمسکا بمنعه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علیا فیما رواہ ابن عباس(رضی اللہ تعالٰی عنهما)ان علیا رضی اللہ تعالٰی عنه لما تزوج بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اراد ان یدخل بها فمنعه رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حتی یعطیها شیئا فقال یارسول اللہ لیس لی شیئ فقال"اعطها درعک"فاعطاها درعه ثم دخل بها اللفظ لابی داؤد و رواہ النسائی ومعلوم ان الصداق کان اربع مائة درهم وهی فضة[1] الخ **قلت** وحدیث ابی داؤد کماتری نص صریح لایقبل التاویل ان هذا کان حین البناء ومعلوم ان البناء کان بعد عدة اشهر من حین العقد،ثم الروایة الثالثة مصرحة بان العقد وقع علی اربعمائة مثقال فضة ولیس فی الروایات الاولی مایصرح بصدور العقد علی الدرع ومن مارس	ان کے ہاں عادت تھی کہ مہر کا کچھ حصّہ دخول س قبل معجّل طور پر دے دیا جاتا تھا، حتی کہ بعض علماء نے اسی بناء پر فرمایا کہ پہلے کچھ ادائیگی کے بغیر دخول جائز نہیں۔ابن عباس،ابن عمر،زہری، قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول کو وُہ حضرت علی کو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام کے منع فرمانے کی دلیل قرار دیتے ہیں جس اس روایت میں ہے جس کو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام کی صاحبزادی سے نکاح کیا تو انہوں نے دخول کا ارادہ فرمایا تو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے ان کو پہلے کچھ ادا کئے بغیر دخول سے منع فرمایا، تواُنہوں نے عرض کی میرے پاس تو کچھ نہیں۔توآپ نے فرمایا کہ اپنی زرہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو دے دو۔چنانچہ انہوں نے زرہ دے دی اور اس کے بعد دخول کیا۔یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں'اور اسی کو نسائی روایت کیا ہے۔اور یہ بات معلوم ہے کہ مہر چار سو دراہم تھا جو کہ چاندی ہے الخ **قلت** (میں کہتا ہوں)ابوداؤد والی حدیث صریح نص ہے جو اس تاویل کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ واقعہ بناء یعنی دخول کا ہے جس کے متعلق معلوم ہے کہ وُہ نکاح سے چند ماہ بعد ہوا ہے۔پھر تیسری روایت تصریح کر رہی ہے کہ نکاح چار سو مثقال چاندی ہُوا ہے،اور پہلی روایات میں یہ تصریح نہیں ہے کہ نکاح زرہ پر ہوا ہے۔جو شخص حدیث میں

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل اول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳۵۶/۶

الاحادیث علم ان الرواۃ ربما یختصرون الاشیاء فلابد من ردالمحتمل الی المنصوص والجمع متعین مهما امکن فکیف وهو واضح جلی ثم قول المحقق معلوم ان الصداق کان اربع مائة درهم استشکله فی المرقاۃ لمخالفته لحدیثی المثاقیل والدراهم جمیعا۔ **اقول:** ولا اشکال فان الدراهم کانت مختلفة علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وعهد ابی بکرن الصدیق الی زمن امیرالمؤمنین عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما فمنها ماکان زنة مثقال ومنها دون ذٰلك ثم ان عمر هوالذی درها الی وزن سبعة فی رد المحتار عن الطحطاوی عن منح الغفار اعلم ان الدراهم کانت فی عهد عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه مختلفة فمنها عشرة دراهم علی وزن عشرة مثاقیل وعشرة علی ستة مثاقیل وعشرة علی خمسة مثاقیل فاخذ عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه من کل نوع ثلثا کی لاتظهر الخصومة فی الاخذ والعطاء فالمجموع سبعة ولذا کانت الدراهم العشرة وزن سبعة[1] اھ ملخصا۔ وفی خزانة المفتین برمزظ لفتاوی الامام ظهیر الدین ان الاوزان فی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم

ممارست رکھتا ہے وُہ جانتا ہے کہ راوی حضرات بعض چیزوں کو مختصر کرجاتے ہیں، تواس لئے ضروری ہے کہ قابل احتمال کو منصوص کی طرف پھیرا جائے جبکہ مختلف روایات کو حتی الامکان جمع پر محمول کرنا طے شدہ بات ہے، یہ بات بالکل واضح ہے پھر محقق کا یہ قول کہ یہ بات معلوم ہے کہ مہر چار سو درہم تھے اس کو مرقاۃ میں مشکل قرار دیا کیونکہ مثقال اور دراہم والی دونوں حدیثوں میں اس کی مخالفت ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) کوئی اشکال نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے عہد تک مختلف دراہم تھے تو کچھ کا وزن ایک مثقال اور کچھ کا اس سے کم تھا، پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انکو ایک وزن سبعہ پر مقرر کیا۔ ردالمحتار میں طحطاوی سے انہوں نے منح الغفار سے نقل کیا کہ جاننا چاہئے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں دراہم مختلف تھے بعض دس۱۰ درہم کا وزن دس۱۰ مثقال تھا اور بعض دس۱۰ کا چھ مثقال، اور بعض دس۱۰ کا وزن پانچ مثقال تھا، تو عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تینوں قسموں میں سے ہر ایک کا ثلث لیا تاکہ لینے دینے میں جھگڑا نہ ہو، تو مجموع کا وزن سات ہُوا اس لئے دس درہم کا وزن سات مثقال قرار پایا اھ ملخصًا۔ اور خزانۃ المفتین میں ظ کے رمز سے امام ظہیر الدین کے فتاوٰی کی طرف اشارہ کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں وزن مختلف تھے، بعض دراہم بیس۲۰ قیراط تھے

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸و۲۹

وعهد ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنه کانت مختلفة فمنها ماکان الدرهم عشرون ماکان عشرة قراریط وهو الذی یسمی وزن خمسة، ومنها ماکان اثنی عشر قیراط وهو الذی یسمی وزن ستة فلما کان فی زمن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه طلبوا منه ان یجمع الناس علی نقد و احد فاخذ من کل نوع[1] الخ ومن الدلیل علی ذٰلك ان المحقق جعل الدرع ماعجل من المهر وقد بیعت باربع مائة وثمانین فکیف یکون المعجل من اربع مائة اربع مائة وثمانین۔	اور بعض کا وزن ۱۰دس قیراط تھا جن کو پانچ کا وزن کہتے تھے، اور بعض کا وزن بارہ ۱۲ قیراط تھا جن کو چھ کا وزن کہتے تھے، تو جب عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عہد آیا تو لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ایک سکّہ ہونا چاہئے تو آپ نے ہر ایک میں سے کچھ لیا الخ اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محقق علیہ الرحمۃ نے زرہ کو مہر معجّل قرار دیا جو کہ چار سواسّی ۴۸۰ دراہم میں فروخت ہُوئی، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کل چار سو ۴۰۰ میں سے چار سواسّی ۴۸۰ معجّل ہوں۔(ت)

پس حاصل یہ قرار پایا کہ اصل مہر کریم جس پر عقدِ اقدس واقع ہُوا چار ۴۰۰ مثقال چاندی تھی۔ ولہذا علماءِ سیر نے اس پر جزم فرمایا، مرقاۃ میں ہے،

ذکر السید جمال الدین المحدث فی روضة الاحباب ان صداق فاطمة رضی اللہ تعالٰی عنها کان اربع مائة مثقال فضه وکذا ذکره صاحب المواهب[2] الخ۔	سیّد جمال الدین محدّث نے روضۃ الاحباب میں ذکر کیا کہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھی۔ اسی کو صاحبِ مواہب نے ذکر کیا ہے الخ۔

زرہ برسمِ پیشگی وقت زفاف دی گئی کہ بحکمِ اقدس چار سواسّی ۴۸۰ درم کو بکی،

وبه ظهر ما فی العلامة المحب الطبری یشبه ان العقد وقع علی الدرع وانما حقه ان یقال ان المعجل کانت الدرع ولعل حامله علیه ذهوله عن	اس سے علّامہ محب طبری کے قول پر اعتراض بھی واضح ہوگیا جو انہوں نے کہا کہ "حق کے مشابہ یہ ہے کہ نکاح زرہ پر ہوا" جبکہ حق بات یہ ہے کہ یُوں کہا جائے کہ زرہ مہر معجّل تھی، ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ

[1] خزانۃ المفتین فصل فی مال تجارۃ قلمی نسخہ ۱/۴۱و۴۲

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/۳۶۰

حدیث المثاقیل المصر اھ بان العقد انما وقع علیہا لاعلی الدرع ولاعلی الدراھم ولذالم یذکر الاقولین کما رأیت۔	انداز اس حدیث سے ذہول کی وجہ سے اختیار کیا جس میں مثاقیل کے بارے میں تصریح ہے کہ نکاح ان پر ہُوانہ کہ زرہ پر، اور نہ ہی دراہم پر ہوا۔اسی لئے انہوں نے صرف دو ۲ قول ہی ذکر کئے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے(ت)

مثقال ساڑھے چار ماشہ ہے، اور یہاں کا روپیہ سوا گیارہ ماشے، تو چار سو مثقال کے پورے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے ہُوئے **فاحفظہ فلعلك لاتجد ھذاالتحریر فی غیر ھذاالتحریر** (اس کو محفوظ کرلو، ہوسکتا ہے کہ آپ کو یہ تحریر دوسری جگہ نہ ملے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: از پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں مسئولہ احمد حسین خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ ۲۳ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسلمان سے ایک مسلمان کا نکاح ہوا، اُس کے بعد نکاح کنندہ کو معلوم ہُوا کہ اُس عورت کے باپ سے مجھ کو رشتہ شِیر خوارگی ہے یعنی میری ماں نے اس کے باپ کو دُودھ پلایا ہے اور اس زمانہ میں بوجہ عدم واقفیت ہمبستری بھی ہو گئی، ایسی صورت میں نسبت جواز نکاح کے کیا حکم ہوگا اور مہر کی نسبت کیا حکم فرمایا جائے گا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ امر مذکور معلوم وثابت ہولیا تو ظاہر ہُوا کہ وُہ عورت اس شخص کی بھتیجی ہے اور نکاح ناجائز وفاسد،

فی ردالمحتار یحرم من الرضاع اصولہ وفرعہ وفروع ابویہ وفروعہ[1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ رضاعت سے اس کے اصول وفروع اور اس کے والدین کے فروع اور فروع کے فروع ہوجاتے ہیں۔(ت)

اس پر فرض ہے کہ فوراً اسے ترک کردے اور اُس جُدا ہوجائے زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑا یا تیرے نکاح کو ترک کیا،

فی ردالمحتار فی البزازیۃ المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الابا لقول کخلیت سبیلك او ترکتك[2] الخ۔	ردالمحتار میں ہے بزازیہ میں ہے کہ نکاح فاسد میں دخول کے بعد متارکہ کہ صرف قول (مثلاً میں نے تیرا راستہ آزاد کیا یا تجھے چھوڑ دیا ہے) سے ہوتا ہے الخ (ت)

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۹

[2] ردالمحتار باب المھر مطلب فی النکاح الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲-۳۵۱

اور ازانجا کہ ہمبستری یعنی مجامعت واقع ہولی عورت کے لئے مہر مثل تمام وکمال لازم آیا اگرچہ مہر مسمّٰی سے زائد ہو، نکاح فاسد میں ضرور یہ حکم ہے کہ جب مہر کچھ معین کیا گیا تو لازم تو مہر مثل ہی آئے گا مگر قرار یافتہ سے زیادہ نہ دلایا جائے گا، مثلاً ہزار روپیہ مہر ٹھہرا تھا تو اگر مہر مثل ہزار یا ہزار سے زائد ہے تو ہزار ہی دلائے جائیں گے اور مہر مثل ہزار سے کم ہے تو صرف اُسی قدر دلائیں گے ہزار تک نہ بڑھائیں گے، لیکن بعض صورتیں اس سے مستثنٰی ہیں ازاں جملہ نکاح محارم کہ نادانستہ وقوع میں آیا وہاں بعد وطی مہر مثل پورا لازم آتا ہے اگرچہ مسمّٰی سے زائد ہو مسمّٰی کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے گا اور یہاں یہی صورت واقع ہے کہ وہ اس کی بھتیجی اور محرم رضاعی ہے۔

فی تنویر الابصار، یجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطی لابغیرہ ولم یزد علی المسمی [1]۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	تنویرالابصار میں ہے: نکاح فاسد میں مہر مثل صرف جماع سے لازم آتا ہے کسی غیر جماع سے نہیں، وُہ مہر مثل بھی مقرر سے زیادہ نہ ہو۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۲۲:　　　　　　　۵ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح ایّام نابالغی میں زید کے ساتھ ہُوا اور نکاح کے روز سے ایک لمحہ کو بھی ہندہ زید کے گھر نہیں گئی اور نہ ہم صحبت ہوئی اس صورت میں ہندہ مہر چاہے تو پاسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ زن وشو نے انتقال کیا اور اُن میں ایک کامر جانا بھی مہر کو مؤکد کرتا ہے، پس صورتِ مذکورہ میں کُل مہر ہندہ ترکہ زید پر لازم ہے جبکہ وُہ نکاح لازم واقع ہُوا جیسا کہ اَب وجد نے کیا یا نافذ غیر لازم تھا اور پیش از رد، احد الزوجین کا انتقال ہوگیا۔

فی الدرالمختار، یتأکد عند وطء او خلوۃ صحت او موت احدھما [2] الخ۔	درمختار میں ہے: وطی یا خلوت صحیحہ یا دونوں میں سے کسی کی موت سے مہر لازم ہوجاتا ہے الخ(ت)

اور اگر نکاح منعقد ہی نہ ہُوا تھا جیسے غیر اَب وجد نے نابالغی ہندہ میں غیر کفو سے یا مہر مثل میں کمی فاحش کے ساتھ نکاح کردیا کہ شرعاً ایسا نکاح باطل ہے' یا موقوفاً منعقد ہُوا اور ہنوز نافذ نہ ہونے پایا تھا کہ

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۷

اُن میں ایک نے انتقال کیا جیسے بحالتِ ولایتِ پدر اُس کے غیر نے بے اسکی اجازت نکاح کر دیا اور ہنوز باپ نے جائز نہ کیا تھا کہ احد الزوجین نے وفات پائی تو اس صورت مین اصلاً کچھ مہر وغیرہ نہ ملے گا۔

فی ردالمحتار، المھر کما یلزم جمیعہ بالدخول والخلوۃ کذٰلک بموت احدھما قبل الدخول اما بدون ذٰلک فتیسقط لان العقد اذا انفسخ یجعل کانہ لم یکن نھر اھ[1] مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ جس طرح دخول اور خلوتِ صحیحہ سے پورا مہر لازم ہوجاتا ہے ایسے ہی دونوں میں سے کسی کی موت قبل از دخول سے بھی لازم ہوجاتا ہے، اگر مذکورہ صورتیں نہ واقع ہُوئی تو مہر ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ جب نکاح فسخ ہوتو وُہ کالعدم ہوجاتا ہے، نہر اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳: ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا، اُس عورت کو مرد کے قابل نہ پایا، اُس کے جسم میں ہڈی ہے، ایک زمانے کے بعد زید نے اُسے طلاق دے دی، اب اس کا مہر دینا واجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس صورت میں آدھا مہر دینا آئے گا۔ درمختار میں ہے:

یجب نصفہ بطلاق قبل وطء اوخلوۃ[2]۔	طلاق قبل از خلوت سے نصف مہر لازم ہوتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الخلوۃ بلامانع کرتق التلاحم (وقرن) عظم (وعفل) غدۃ (کالوطء تأکد المھر[3] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم	خلوت ایسی کہ جہاں کوئی مانع نہ ہو۔ مثلاً شرمگاہ میں گوشت پُر ہوجائے، ہڈّی ہوجائے، غدود ہوجائے ان موانع کے بغیر خلوت ہو تو وہ وطی کے حکم میں ہے مہر لازم ہوجاتا ہے اھ ملتقطا (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار باب الول دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۷

[2] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

[3] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۹

مسئلہ ۲۴: از ریاست ریواں محلّہ گھوگھر مرسلہ عبداللہ خاں صاحب چابک سوار ۱۰صفر ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو باشتباہِ زنا اپنے مکان سے نکال دیا، چار ماہ سے زائد ہوتا ہے کہ نان نفقہ مطلقًانہ دیا، قریب ایک ماہ کے ہوتا ہے کہ جلسہ واحد میں تین طلاق دئے مگر نہ رُوبرو عورت کے بلکہ دوسرے اشخاص کے۔ دین مہر عورت کا ۱۲۵ مــ پایا تھا شوہر نے قطعہ مکان مالیتی ۱۲۵ مــ بعوض دین مہر رجسٹری کراکر دخل دے دیا تھا اب بے دخل کرکے نکال دیا اپنے دئے ہُوئے زیورات کا مسمّاۃ سے بجبر واکراہ بنالش کچہری دعودیدار ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں آیا مرد مجاز ہے کہ علاوہ دین مہر کے جو اشیاء از قسم زیورات وغیرہ عورت کو بنوادیا تھا جبرًا واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتبِ معتبرہ مع ترجمہ عبارتِ عربی جلد مرحمت فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

تین طلاقیں ہوگئیں، عورت کے رُوبرو ہونا کچھ شرط نہیں، قطعہ مکان کہ بعوض دین مہر دیا تھامِلک عورت ہے عورت بذریعہ نالش واپس لے سکتی ہے، علاوہ مہر جو اشیاء مثل زیور وغیرہ زید نے ہندہ کو دیں اگر گواہان عادل شرعی یا اقرار زید سے ثابت ہو کہ وُہ چیزیں زید نے ہندہ کو ہبہ کردی تھیں تو زید ان کی واپسی کا اختیار نہیں رکھتا۔ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا وھب ازوجین لصاحبہ لایرجع فی الھبۃ وان انقطع النکاح بینھما[1]۔	جب میاں بیوی نے ایک دُوسرے کو کوئی ہبہ دیا تو رجوع کا اختیار نہیں اگرچہ بعد کو نکاح منقطع ہوجائے۔ (ت)

یُونہی جس چیز کی نسبت اُس کی مالک سمجھی جاتی ہے اُس میں بھی زید کو اختیارِ واپسی نہیں۔ علماء فرماتے ہیں: **المعھود عرفاً کالمشروط نصّاً** (عرف میں ثابت ایسے ہے جیسا کہ نص کرکے مشروط کیا ہو۔ ت) مگر جبکہ اس قسم دوم کی چیز میں زید گواہان شرعی سے ثابت کردے کہ میں نے دیتے وقت جتادیا تھا کہ برتنے کے لئے دیتا ہوں تجھے مالک نہیں کرتا، توالبتہ وُہ چیز ملک شوہر سمجھی جائے گی اور وُہ بالجبر واپس لے سکتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں: **الصریح یفوق الدلالۃ** (صراحت کو دلالت پر فوقیت حاصل ہے۔ ت) اسی طرح زیور کپڑا وغیرہ ہر وُہ چیز کہ شوہر نے دی اور تملیک صراحۃً خواہ عرفاً کسی طرح ثابت نہ ہُوئی اس میں بھی قول شوہر کا معتبر ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی الرجوع فی الھبۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۶

جبراً واپس لے سکے گا اور بلاتملیک شوہر عورت کے برتنے، پہننے، استعمال کرنے سے مِلک عورت ثابت نہیں ہو سکتی البتہ گھر میں پہننے کے کپڑے جن کا دینا بحکمِ نفقہ شوہر پر واجب ہو چکا ہو وُہ دے کہ اگر دعوٰی کرے کہ میں نے عورت کو مالک نہ کیا تھا اس میں شوہر کا قول معتبر ہونا چاہیے۔ عقود الدریہ میں ہے:

قال فی البحر وفی البدائع اقرت بالزوجھا ثم ادعت الانتقال الیھا لایثبت الانتقال الابالبینۃ اھ. ولابد من بینۃ علی الانتقال الیھا منہ بھبۃ او نحو ذٰلك ولایکون استمتاعھا بمشریہ ورضاہ بذٰلك دلیلا علی انہ ملکھا ذٰلك کما تفھمہ النساء والعوام وقدافتیت بذٰلك مرارا، وینبغی تقییدہ بمالم یکن من ثیاب الکسوۃ الواجبۃ علی الزوج اھ [1] ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بحر میں فرمایا کہ بدائع میں ہے کہ بیوی نے خاوند کی ملکیت کا اقرار کیا اور پھر اس کے اپنی طرف منتقل ہو جانے کا دعوٰی کیا تو اب بیوی کی ملکیت شہادت کے بغیر ثابت نہ ہوگی اھ، گواہ ضروری ہیں کہ شوہر نے بذریعہ ہبہ وغیرہ عورت کو مالک کردیا بیوی کا خاوند کی خریدی ہُوئی چیز سے فائدہ پانا اگرچہ خاوند کی رضامندی سے ہو، یہ بیوی کی ملکیت کی دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ عام طور پر عورتیں اور عوام سمجھ لیتے ہیں کہ یہ خاوند کی طرف سے ملکیت کردی گئی ہے میں نے کئی بار یہ فتوٰی جاری کیا اھ یہاں یہ قید مناسب ہے کہ وُہ دی ہُوئی چیز پہننے کے کپڑے نہ ہوں جن کا دینا شوہر پر واجب ہوچکا تھا اھ ملخصًا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵: از کٹرہ ڈاک خانہ ادیرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی سیّد کریم رضا صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جاہل نے بدون طلاق اپنی زوجہ کی رضاعی بہن سے نکاح کرلیا، جب اس کو معلوم ہوا کہ جمع بین الاختین حرام ہے تب اس نے ثانیہ کو طلاق دینا چاہا، ثانیہ نے کہا کہ مجھ کو طلاق دینا چاہتے ہو تو میرا مہر ادا کرو۔ تو اس صورت میں بہ سبب ناجوازی نکاح زوجہ ثانیہ کے زوجہ ثانیہ کے حق میں صرف تفریق ہی معتبرہ یا اس پر طلاق واقع ہوگا اور مہر زوجہ ثانیہ زوج پر باوجود عدم جوازِ نکاح لازم آئے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک بہن جب نکاح میں ہو تو دوسری سے نکاح نکاح فاسد ہے، متارکہ یعنی چھوڑ دینا جُدا کردینا واجب ہے، اور وہ طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے، یہاں تک کہ اگر الفاظِ طلاق کہے گا جب بھی متارکہ ہی ٹھہرے گا طلاق

[1] عقودالدریۃ کتاب الفرائض حاجی عبدالغفار و پسران تاجرانِ کُتب قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۰

میں شمار نہ ہوگا، پھر اگر اس دوسری سے حقیقۃً وطی یعنی خاص فرج داخل میں بقدر حشفہ ایلاج ذکر، کر چکا تھا تو مہر مثل و مہر مسمّی سے جو کم ہو لازم آئے گا ورنہ کچھ نہیں اگرچہ خلوت بلکہ بوس وکنار بہ شہوت بلکہ غیر فرج میں ادخال کر چکا ہو۔

فی الدرالمختار یجب مھر المثل فی نکاح فاسد وھوالذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود بالوطئ فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئھا ولم کزد علی المسمی ولو کان دون المسمی لزم مھر المثل[1] اھ باختصار وفی ردالمحتار **قولہ** کشھود ومثلہ تزوج الاختین معاونکاح الاخت فی عدۃ الاخت **قولہ** فی القبل فلوفی الدّبر لایلزمہ مھر خلاصۃ وقنیۃ فلایجب بالمس والتقبیل بشھوۃ شیئی بالاولی کما صرحوا بہ ایضا بحر[2] اھ ملتقطا۔ وفی الدر من العدۃ، الخلوۃ فی النکاح الفاسد لاتوجب العدۃ والطلاق فیہ لاینقص عدد الطلاق لانہ فسخ جوھرۃ[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ نکاح فاسد میں صرف شرمگاہ میں وطی سے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ نکاح فاسد وُہ ہے کہ جس میں صحتِ نکاح کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو، مثلاً بے شہود نکاح اور مہر مثل بھی مقرر مہر سے زیادہ نہ ہوگا، اور اگر مہر مثل کم ہو مہر مسمّٰی سے تو بھی مہر مثل لازم ہوگا، یہاں خلوت وغیرہ سے مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ وطی کے قائم مقام نہیں ہے کیونکہ نکاح فاسد میں وطی خود حرام ہے اھ اختصارًا۔ اور ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول، جیسے گواہ' اور اسی طرح اگر دو ۲ بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا ہو یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کیا ہو، ماتن کا قول کہ صرف شرمگاہ میں وطی سے مہر لازم ہوتا ہے تو دُبر میں وطی کرنے سے مہر لازم نہ ہوگا، خلاصہ اور قنیہ یونہی مَس اور بوس کنار شہوت سے کئے ہوں تو بھی مہر بطریق اولٰی لازم نہ ہوگا، جیسا کہ فقہاء نے اس کی بھی تصریح کی ہے، بحر اھ ملتقطا۔ درمختار کی عدّت بحث میں ہے کہ نکاح فاسد میں خلوت، عدّت کو واجب نہیں کرتی اور نکاح فاسد میں طلاق سے عدد طلاق کم نہ ہوگا کیونکہ یہ فسخ ہے، جوہرہ اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: از جنگل کوکرہ ڈاک خانہ گولا ضلع کھیری مرسلہ عبدالرحمٰن خاں صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح بعوض دس ۱۰ درہم مہر کے کیا تو

---

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۱۔۳۵۰

[3] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۸

ایسی صورت میں کہ مُلک ہند میں رواج درہم کا نہیں ہے، بجائے دس ۱۰ درہم کے دس ۱۰ درہم چاندی کافی ہوگی یا تعداد اُس کی روپے آنے سے پُوری کرنی ہوگی، اگر روپے آنے مہر کے تجویز کئے جائیں گے تو کس قدر ہوں گے؟ اور کم سے کم کتنا مہر ہوسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چاندی کافی ہے، سکّہ ہونے کی کچھ ضرورت نہیں، کم سے کم مہر دس ۱۰ ہی درہم ہے یعنی دو ۲ تولے ساڑھے سات ماشے چاندی اُس تولے سے جس کے حساب میں انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے، نہ روپیہ بھر کا تولہ جو بعض بلاد میں معروف ہے، مہر خود اس قدر چاندی ہو یا چاندی کے سوا اور کوئی شے اتنی ہی چاندی کی قیمت کی،

فی الدرالمختار، قلہ عشرۃ دراھم فضۃ وزن سبعۃ مثاقیل مضروبۃ کانت اولا ولو دینا او عرضا قیمتہ عشرۃ وقت العقد[1] فی ردالمحتار "فلوسمی عشرۃ تبرا اوعرضا قیمتہ عشرۃ تبرا لامضروبۃ" صح[2]۔	درمختار میں ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار دس ۱۰ درہم چاندی جس کا وزن سات ۷ مثقال ہو، یہ چاندی سکّے کی شکل میں ہوں یا بے سکّہ اگرچہ قرض ہو یا کوئی سامان ہو جس کی قیمت دس ۱۰ درہم بوقت نکاح ہو۔ ردالمحتار میں ہے اگر دس ۱۰ ٹکڑیاں مہر مقرر کیا یا سامان جس کی قیمت دس ۱۰ ٹکڑیوں کے برابر ہو دس ۱۰ سکّوں برابر نہ ہو تو بھی جائز ہے (ت)

وزن کے اعتبار سے دس ۱۰ درم کے دو ۲ روپے ایک اٹھنی ایک چوانی اور ۹-۳/۵ پائی ہُوئے یعنی کچھ کم دو ۲ روپے تیرہ ۱۳ آنے، اگر روپے اٹھنی چوانی دے تو اسی قدر دینا ہوگا، لان الجنس لامعتبر فیہ للقیمۃ (کیونکہ جنس میں قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ت) اور چاندی کے علاوہ اور کوئی چیز دے تو دو ۲ تولے ساڑھے سات ماشہ چاندی کی قیمت معتبر ہوگی مثلاً چاندی ۱۲۔ تولہ ہو تو ایک روپے ساڑھے پندرہ آنے کی قیمتی شَے کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷: شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید سے بتعین صہ عہ (۲۵۰۰۰) ہزار مہر کے ہوا زید کو مہر میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے لئے کیا شرائط لازم وضروری ہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۷

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۳۰

الجواب:

شوہر کو ہر وقت زوجہ کے مہر میں زیادت کرنے کا اختیار ہے اور اب مہر یہی قرار پائے گا جو بعد اس زیادت کے مقرر ہُوا اور اس کے لئے تجدید نکاح کی حاجت نہیں، بلاتجدید بھی زیادت کرسکتا ہے، نہ گواہوں کی ضرورت تنہائی میں باہم اضافہ کرلینا صحیح ہو جائے گا، نہ زیادت جنسِ مہر سے ہونی لازم، خلافِ جنس بھی صحیح ہے، مثلاً روپے مہر تھے اب کوئی جائداد اضافہ کردی وُہ روپے اور یہ جائداد سب کا مجموعہ مہر ہوجائے گا، نہ اگلے مہر کا صرف تین[۳] شرطیں درکار ہیں، دو[۲] بالاتفاق۔ ایک[۱] تو اُس زیادت کا معلوم ومعین ہونا مثلاً یہ کہا کہ میں نے تیرے نے تیرے مہر میں کچھ بڑھادیا تو یہ زیادت باطل دوسرے[۲] اسی جلسہ میں عورت کا اسے قبول کرلینا، اگر عورت نے قبول نہ کیا یا بعد مجلس بدلنے کے قبول کیا زیادت صحیح نہ ہوگی۔ تیسری[۳] "شرط مختلف فیه" بقائے نکاح ہے اگر بعد زوال نکاح بموت زوجہ یا طلاق بائن یا انقضائے عدّت بعد طلاقِ رجعی زیادت کی تو ایک روایت پر صحیح نہ ہوگی۔ نہر الفائق میں اسی کو ظاہر الروایۃ قرار دیا۔ درمختار میں ہے:

زید علی ماسمی فانھا تلزمه بشرط قبولھا فی المجلس اوقبول ولی الصغیرۃ ومعروفۃ قدرھا وبقاء الزوجیۃ علی الظاہر نھر[1]	اگر مقررہ مہر پر زیادہ کیا ہو تو خاوند پر یہ زائد مہر لازم ہوجائے گا بشرطیکہ بیوی نے مجلس میں قبول کرلیا ہو یا اس کے ولی نے جب یہ نابالغہ ہو۔ اور مقدار بھی معلوم ہو اور زوجیت کا موجود رہنا بھی شرط ہے ظاہر مذہب میں، نہر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

افادانھا صحیحۃ ولو بلاشھود او بعد ھبۃ المھر والابراء ومن غیر جنسه بحر، وفی انفع الوسائل لایشترط فیھا لفظ الزیادۃ بل تصح بلفظھا وبقوله	اس عبارت نے یہ فائدہ دیا کہ یہ زیادتی جائز ہے خواہ گواہوں کے بغیر اور مہر ادا کردینے کے بعد یا مہر سے معاف کرنے کے بعد ہو، یہ زیادتی جنس مہر سے ہو یا غیر جنس مہر سے ہو، بحر۔ اور انفع الوسائل میں ہے اس کے لئے "زیادہ" کا لفظ بھی ضروری نہیں بلکہ اس لفظ سے اور اس قول سے بھی صحیح ہے کہ میں نے

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

راجعتك بكذا ان قبلت وكذا بتجديد النكاح وان لم يكن بلفظ الزيادة على خلاف فيه وكذا لو اقرلزوجته بمهر وكانت قد وهبته له فانه يصح ان قبلت فی مجلس الاقراروان لم يكن بلفظ الزيادة[1] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اتنوں کے ساتھ تجھ پر رجوع کیا اگر تجھے قبول ہو، اوریُوں ہی تجدید نکاح سے اگرچہ اس میں زیادہ کا لفظ نہ بھی ہو، اس میں خلاف ہے، اور یونہی اگر بیوی نے خاوند کو مہر ہبہ کردیا اور بعد میں خاوند بیوی کے لئے کسی مہر کا اقرار کرلے، جب بیوی نے اقرار والی مجلس میں قبول کرلیا ہو اگرچہ زیادہ کا لفظ نہ بھی ہو تو یہ زیادت صحیح ہے اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: ۶ شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مہر معجّل سے ششم حصّہ بکر شوہر نے وقتِ نکاح ادا کردیا اب ہندہ کو بقیہ پانچ حصّوں کا مطالبہ قبل افتراق زن وشو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور اگر رخصت بلاخلوت صحیحہ واقع ہُوئی ہو تو دعوی کا اختیار رہا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں بالاتفاق ہندہ کو قبل افتراق بموت یا طلاق بقیہ مہر معجّل کا دعوی اور جب تک وتمام وکمال وصول نہ کرلے شوہر کے گھر جانے سے باز رہنا اور اپنے نفس کو شوہر سے روکنا پہنچتا ہے، اور اصل مذہب یہ ہے کہ اگر خلوت بلکہ قربت برضائے زوجہ واقع ہولی تو اس کے بعد بھی زوجہ کو ہر وقت اختیار دعوی ومطالبہ ومنع نفس حاصل ہے جب چاہے رُک جائے اور شوہر کو ہاتھ نہ لگانے دے اور اُس کے گھر جانے سے انکار کرے جب تک مہر معجّل نہ لے لے۔ درمختار میں ہے:

لها منعه من الوطئ ودواعيه والسفر بها ولو بعد وطئ وخلوة رضيتها لان كل وطأة معقود عليها فتسليم البعض لايوجب تسليم الباقی لاخذ مابيّن تعجيله من المهر كله او بعضه او اخذ قدر مايعجل لمثلها عرفا، به يفتی[2]۔	بیوی کو مہر وصول کرنے کے لئے خاوند کو وطّی سے اور اس کے دواعی سے سفر میں ساتھ لے جانے سے منع کا حق ہے اگرچہ برضائے زوجہ وطی یا خلوت کرلی گئی ہو کیونکہ ہر وطی مہر پر معقود ہوتی ہے، تو کچھ دے دینے سے باقی کو بھی دے دینا ثابت نہیں کرتا، یہ منع کا حق اس واسطے ہے کہ عورت وُہ مہر وصول کرلے جس کا جلد دینا بیان ہوچکا وہ کل مہر ہو یا بعض، یا اس قدر مہر وصول کرلے جتنا اس جیسی عورتوں کو عرف میں جلد دیا جاتا ہے فتوٰی اسی پر ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۸

[2] درمختار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

اسی میں ہے:

لھا السفر والخروج من بیت زوجھا للحاجۃ وزیارۃ اھلھا بلا اذنہ مالم تقبض المعجل[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مہر معجّل وصول کرنے تک بیوی کو سفر کرنا اور خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کسی حاجت یا والدین کی زیارت کے لئے نکلنا جائز ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۹: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

مہر کی تعداد شرع پیغمبری کیا ہے؟اور حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر کیا تھا؟**بینوا توجروا**

الجواب:

مہر شرعی کی کوئی تعداد مقرر نہیں، صرف کمی کی طرف حد معین ہے کہ دس درم یعنی تقریباً دو روپے تیرہ آنے سے کم نہ ہوا اور زیادتی کی کوئی حد نہیں، جس قدر باندھا جائے لازم آئے گا۔اور حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر اقدس چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی تھا کہ یہاں کے روپے سے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰: از فرید پور ضلع بریلی مرسلہ قاضی محمد نبی جان صاحب ۲۷ رمضان شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے مہر شرعی پر نکاح کیا مگر اب وُہ طلاق دیتا ہے بوجہ نافرمانی کے،اور وہ تخمین مال ۲۵۰ روپے قرضدار ہے قرض سودی ہے وہ اس کے مہر سے کس صورت سے ادا ہووے اور کتنا دیوے بموجب حکم خدا اور سول سے؟ تحریر فرمائے۔

الجواب:

مہر شرعی جو لوگ یہ سمجھ کر باندھتے ہیں کہ سب سے کم درجے کا مہر جو شریعت میں مقرر ہے تو اس صورت میں دو تولے سات ماشے چار رتی چاندی دینی آئے گی،اور جو یہ سمجھ کر باندھتے ہوں کہ جو مہر حضرت خاتونِ جنّت کا تھا تو ڈیڑھ سو تولے چاندی آئے گی، یعنی انگریزی روپے سے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر،اور جس کی سمجھ میں کچھ معنی نہیں خالی ایک لفظ بول دیتے ہیں تو وہاں مہر مثل لازم آنا چاہئے یعنی عورت کے دُدھیال میں جو عورت اس کی ہم عمر اور صورت شکل اور کنواری یا بیاہی ہونے میں اور اُن باتوں میں جن سے مہر کم بیش ہو جاتا ہے اس عورت کی مانند ہو اس کا جو مہر بندھا ہو وُہ دینا آئے گا،اور جو اپنوں

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

میں ایسی عورت نہ ملے تو بیگانوں سے دیکھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۱تا ۱۳۲: ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

سوال اوّل

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر نابالغہ کانکاح ساتھ عمرو کے عوض مہر پانچ ہزار روپے اور دو ۲ دینار شریک کر دیا تھااور یہ بات قرار پائی گئی تھی اور وکیلِ نکاح نے تصریح کردی تھی کہ مہر نہ تو اس وقت نقد لیا جائے گا اور نہ رخصت کے وقت، اور نہ کوئی وعدہ ادائے مہر کا ہے، اور ہنوز رخصت نہیں ہوئی ہے، تو ہندہ مذکور یا اُس کے باپ کو کس وقت میں طلب کرنے جزو یا کُل مہر کا اختیار حاصل ہوگا اور اس مہر کو کون سا مہر کہا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسے مہر کا مطالبہ بعد موتِ زوج یا زوجہ یا بعد طلاق ہو سکتا ہے اس سے قبل نہیں، یہ نہ معجّل ہے کہ قبلِ رخصت دینا قرار نہ پایا، نہ مؤجل کہ کوئی اجل یعنی میعاد مقرر نہ کی گئی بلکہ عرفاً مؤخر ہے، ردالمحتار میں ہے:

لو مات زوجل المرأة اوطلقها بعد عشرین سنة من وقت النکاح فلها طلب مؤخر المهر لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح [1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اگر بیوی کا خاوند بیس ۲۰ سال بعد فوت ہوجائے یا طلاق دے دے تو بیوی کو مؤخر کیا ہُوا طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ بیوی کو اس مہر کے مطالبے کا حق مرنے یا طلاق دینے کے بعد ثابت ہوتا ہے وقت نکاح سے مطالبہ کا حق نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم ز۔(ت)

سوال دوم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر موجل کے کیا معنے ہیں اور غیر مؤجل کے کیا معنے ہیں؟ اور معجّل جس کا حرف ثانی عین مہملہ ہے کیا معنی ہیں اور ان کا کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ت) اور دینار سُرخ کتنے روپے کا ہوتا ہے؟

الجواب:

مہر مؤجل وُہ جس کے لئے کوئی میعاد مقرر کی ہو مثلاً دس ۱۰ برس بعد دیا جائے گا، اور غیر مؤجل وُہ کہ تعین و تقرر میعاد نہ ہو **فان کان مع نفی الاجل کان معجلا والافلا** (اگر میعاد کی نفی کی ہو تو معجّل ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

ورنہ نہیں۔ت) اور معجّل وہ جس کا قبل رخصت ادا کرنا قرار پایا ہو۔ مؤجل کا مطالبہ میعاد آنے پر ہو سکتا ہے اس سے پہلے اختیار نہیں، اور معجّل کو عورت فوراً مانگ سکتی ہے، اور جب تک نہ ملے رخصت سے انکار کا اسے اختیار ہے اور جو نہ معجّل اور نہ مؤجل وُہ بحکم عرف طلاق یا موت تک موخر ہے اس سے پہلے اختیارِ مطالبہ نہیں۔

فی النقایہ المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نقایہ میں ہے: مہر معجّل اور مؤجّل کی مدّت بیان کردی گئی تو بہتر، ورنہ عرف کے لحاظ سے مہر ادا کیا جائیگا(ت) واللہ تعالٰی اعلم

دینار شرعی دس ۱۰ درم شرعی کا ہوتا ہے، دس ۱۰ درم انگریزی روپے سے دو ۲ روپے تیرہ ۱۳ آنے ہوتے ہیں پانچواں حصّہ پیسہ کا کم، کما حققنافی الزکوٰۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے بابِ زکوٰۃ میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۳: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی لڑکی کا نکاح تھا اور قاضی صاحب نے نکاح پڑھا دیا، کلمہ ودعائے قنوت اور دونوں اٰمَنتُ باللّٰہ پڑھا کر اقرار پڑھایا تھا اور فاتحہ کے لئے جب حاضرینِ محفل پڑھنے کو ہُوئے تب ایک قاضی دیگر جگہ کے تھے وہ اس نکاح میں گواہ تھے لڑکی کی طرف سے، اور درجہ دوم شرع پیغمبری قائم کیا گیا تھا تو نکاح پڑھانے والے قاضی نے کہا کہ مجھ کو اس کی تعداد معلوم نہیں کہ کتنی تعداد ہے، وُہ جو قاضی گواہ تھے اُس نکاح کے، وہ کہنے لگے صہ ۶۵ روپے، درجہ دوم کی میں خلاصہ کردیوں تاکہ محفل میں اور لوگوں کو معلوم ہوجائے، پڑھانے والے نے کہا کہ درجہ اول دوم درجہ سوم درجہ چہارم کی تعداد مجھ کو معلوم نہیں مع نام درجہ تعداد روپیہ کے آگاہی ہوجائے۔

الجواب:

شریعت میں مہر کی کم سے کم تعداد مقرر ہے کہ دس ۱۰ درم سے کم نہ ہو جس کے اس روپے سے کچھ کوڑیا کم دو ۲ روپے تیرہ ۱۳ آنے بھر چاندی ہُوئی یعنی دو ۲ روپے بارہ ۱۲ آنے ۹-۳/۵ پائی بھر اس کے سوا شریعت میں مہر کا کائی درجہ مقرر نہیں فرمایا ہے، یہ ان قاضیوں کی گھڑت ہے مہ ۶۵ روپے کا کوئی درجہ مہر کا نہیں ہے، اکثر ازواج مطہرات کا مہر پانسو ۵۰۰ درم تھا کہ یہاں کے روپوں سے ایک سو چالیس ۱۴۰ ہُوئے، اور حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی تھا جس کے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر چاندی ہوئی، اور حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار ہزار درم یا دینار تھا جس کے گیارہ سو بیس ۱۱۲۰ یا گیارہ ہزار دو سو ۱۱۲۰۰

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ فصل اقل المھر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

روپے ہُوئے، مہر معیّن کر دینا چاہئے، فقط شرع پیغمبری یا اس کا فلاں درجہ کہنا بیو قوفی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دُوں تو سو روپے مہر کے ادا کروں اور اگر مجھ سے خود طلاق چاہے گی تو تجھ کو مبلغ تین روپے میں دُوں گا اور کچھ نہ دُوں گا، اب خود ہندہ نے درخواست طلاق کی زید اپنے شوہر سے رُوبرو وکیل اور رُبرو گواہانِ نکاح مسمّیان عظیم اللہ اور جمّن کے، حسبِ درخواست ہندہ کے، زید نے ہندہ کو طلاق دے دی آیا ہندہ اس صورت میں سَو روپے پانے کی مستحق ہوگی یا تین روپے پانے کی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نہ تین روپے نہ سَو روپے بلکہ اُس کا مہر مثل دیکھا جائے، وُہ اگر سَو روپے یا سَو سے زائد ہو تو سَو روپے دئے جائیں، اور اگر تین روپے یا بالفرض تین روپے سے دو تین آنے کم ہوں کہ یہاں تک کمی کی گنجائش ہے تو تین روپے دئے جائیں، اور اگر تین روپے سے زائد اور سَو روپے کم ہوں تو پورا مہر مثل دیا جائے، درمختار میں ہے:

نکحها علی الف ان اقام بها وعلی الفین ان اخرجها فان اقام بها فلها الالف لرضاهابه، والافمهر المثل لایزاد علی الفین ولاینقص عن الف لاتفاقهما علی ذٰلك بخلاف مالو تزوجها علی الف ان کانت قبیحة والفین ان جمیلة فانه یصح لقلة الجهالة، الٰی آخرة[1] مختصرا، **اقول:** وفیما نحن فیه الجهالة اشد من الصورة الاولی، فثمه احد الشرطین حاصل والثانی علی الخطر وهٰهنا کان کل علی الخطر لجواز ان لایقع شیئی منهما فلایطلق	بیوی کے شہر میں رہنے پر ایک ہزار اور وہاں سے لے جانے پر دوہزار مہر پر نکاح کیا، تو اگر مرد عورت کے شہر میں رہے تو ایک ہزار بیوی کو دے گا کیونکہ وُہ اس پر راضی ہُوئی تھی، اگر وہاں سے باہر لے جائے تو پھر مہر مثل ہوگا جو دوہزار سے زائد نہ ہو اور ایک ہزار سے کم نہ ہو کیونکہ اس پر دونوں کی رضا مندی تھی، یہ صورت اس کے خلاف ہے، جب یہ، کہہ کر نکاح کیا ہو کہ اگر بد شکل ہو تو ایک ہزار اور خوبصورت ہو تو دوہزار مہر ہے تو یہ دونوں شرطیں صحیح ہیں کیونکہ اس میں جہالت کے مواقع بہت کم ہیں، مختصراً۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) ہماری بحث میں پہلی صورت سے بھی زیادہ جہالت ہے کیونکہ وہاں ایک شرط تو حاصل ہے دوسری میں ہونے نہ ہونے کا احتمال ہے، اور

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۰

ولاتسأل فتمکنت الجہالۃ ففسد التسمیتان فوجب مہر المثل مطلقا۔ واللہ تعالٰی اعلم	یہاں تو دونوں میں ہونے نہ ہونے کا احتمال ہے کیونکہ ممکن ہے کہ دونوں میں کوئی بھی حاصل نہ ہو، مثلاً نہ مرد طلاق دے اور نہ عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو جہالت مؤثر ہوگئی، اور دونوں شرطیں مفقود ہوں گی، لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا، مطلقاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵: از لاہور مسئولہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی　۲۳ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت منکوحہ کو کسی قبالہ میں یہ عبارت لکھ دی (جو کچھ تقریبات شادی وغمی خانگی اور خاندانی میں تھوڑا یا بہت صرف ہوگا اس کے سرانجام کا صرفہ میرا ہے اور آمدنی تنخواہ ودیہی جاگیر سے کچھ علاقہ نہیں) پس تحریر کے بعد قبالہ نویس خود یا بعد وفات قبالہ نویس کے اُس کی اولاد اس شرط کی وفانہ کرے بلکہ زوجہ مذکورہ کو جو کچھ دیا جائے وہ اُس کے دین مہر وغیرہ میں شمار کیا جائے تو شرعاً کیا حکم ہے آیا قاضیِ شریعت اس شرط کی ایفا پر قبالہ نویس یا اُس کی اولاد کو مجبور کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور وُہ دیا ہوا اس کے دین مہر میں محسوب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب

فی الواقع اس وعدہ کی وفا پر شرعاً نہیں **کمانص علیہ فی الاشباہ والنظائر وجامع الفصولین** (جیسا کہ الاشباہ والنظائر اور جامع الفصولین میں اس پر نص ہے۔ت) شوہر نے جو کچھ دیا اگر دینے کے وقت مہر کے سوا اور کسی وجہ کا نام لیا جس پر وُہ جانب شوہر سے ہبہ وعطیہ قرار پاسکے جب تو اُسے مہر میں محسوب کرنے کا اختیار نہیں، یُوں ہی نان ونفقہ واجبہ کو اُس میں محسوب نہ کرسکے گا اگرچہ دیتے وقت نام نفقہ نہ لیا ہو، بلکہ نفقہ ہی ٹھہرے گا۔ یُونہیں اور اشیاء جو ازرُوئے عرف ہدیہ قرار پاتی ہیں اور جو ان تینوں صورتوں سے جُدا ہے اُس میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، اگر بقسم کہہ دے گا کہ میں نے مہر میں دیا تھا مہر میں محسوب ہوگا، یُونہی بعد شوہر اولادِ شوہر جو کچھ بھیجنے اور ظاہر حال بسبب عُرف ورسم قوم منافی ارادہ مہر نہ ہو، نہ اُنہوں نے صراحۃً غیر مہر کسی اور وجہ کے لئے اُسے قرار دیا ہو تو اُن کا قول بھی معتبر ہے۔

لان المملك ادری بجہۃ التملیك کما فی عقود الدریۃ وغیرہا۔	کیونکہ مالک بنانے والا ملکیت کی وجہ کو بہتر جانتا ہے، جیسا کہ عقود الدریہ میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو بعث الی امرأته شیئا ولم یذکر جهة عند الدفع غیرالمهر کقوله لشمع او حناء ثم قال انه من المهر لم یقبل،لوقوعه هدیة فلاینقلب مهرا فقالت هدیة وقال من المهر فالقول له بیمینه والبینة لها فی غیر المهیأ للاکل ولها فی المهیأله لان الظاہر یکذبه ولذاقال الفقیة،المختار انه یصدق فیما لاتجب علیه کخف وملاء ةلافیما یجب کخمار ودرع [1] اھ مختصرا۔	خاوند نے بیوی کو کوئی چیز ارسال کی اور دیتے وقت مہر کے علاوہ کسی وجہ کو ذکر نہ کیا ہو مثلاً شمع اور مہندی۔ پھر بعد میں کہا کہ یہ مہر ہے تو خاوند کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ وُہ ہدیہ ہوچکی جواب مہر نہیں بن سکتا، پھر بیوی کہے یہ ہدیہ ہے اور خاوند مہر کہے تو خاوند کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کرلی جائے گی ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیّا نہیں کیں اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو عورت کے گواہ مقدم ہونگے اور عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیا کیں کیونکہ زوج کا ظاہر حال جھٹلاتا ہے، اسی لئے فقیہ نے فرمایا کہ مختار یہ ہے کہ خاوند کی بات کی تصدیق اس صورت میں کی جائے گی جب وُہ چیز نفقہ واجبہ میں سے نہ ہو، مثلاً موزہ یا باریک کپڑا اور جو چیز زوج پر واجب ہو اس میں زوج کی تصدیق نہ کی جائے، جیسے دوپٹہ اور قمیص۔اھ مختصراً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح'الذی یجب اعتبار فی دیارنا ان جمیع ما ذکر من الحنطه واللوزوالد قیق والسکروالشاة الحیة وباقیها یکون القول فیها اقول المرأة لان المتعارف فی ذٰلك کله ان یرسله ہدیة والظاہر معها لامعه ولایکون القول قوله الافی نحوالثیاب و الجاریة وذکر تائیده فی البحر وتقییده عن النهر [2]۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	فتح میں ہے: ہمارے علاقے میں جن چیزوں میں بیوی کی بات معتبر ہوگی وُہ یہ مذکور ہیں مثلاً گندم، اخروٹ، آٹا، شکّر اور زندہ بکری وغیرہ (جو چیز مہینہ بھر باقی رہے نہ وسڑے خراب ہو) کیونکہ ان تمام چیزوں کو ہمارے عرف میں ہدیۃً دیا جاتا ہے لہٰذا ظاہر بیوی کا ساتھ دے گا، خاوند کا نہیں، اور خاوند کا قول معتبر نہ ہوگا لونڈی، کپڑا وغیرہ میں ___ اس کی تائید بحر میں اور اس کی تقیید نہر سے ذکر کی۔واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶: مسئولہ مولوی عبدالغنی صاحب از حسن پور ضلع مرادآباد محلّہ چاہ کنکر ۸ رمضان ۱۳۲۴ھ

الحمدللّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصّلٰوة والسلام علی سیّدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین،

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۴

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومتوجہان متین دربارہ مہر معجّل وموجّل، مہر معجّل کے کیا معنی ہیں اور منکوحہ کو کس وقت زرِ مہر کا مجاز وصول کرنے کا ہے، اور کوئی سبب ہے یا نہیں، اوراس کی کچھ تعداد ہے یا نہیں۔ مہر موجّل کے کیا معنی اور کس وقت منکوحہ کو زرِ مہر وصول کرنے کا مجاز ہے اوراس کی کوئی تعداد بھی یا نہیں، اور کوئی سبب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مہر تین قسم ہے:

معجّل کہ پیش از رخصت دینا قرار پالیا ہو اُس کے لئے عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرلے رخصت نہ ہو، اور اگر رخصت ہوگئی تو اسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مطالبہ کرے اوراس کے وصول تک اپنے نفس کو شوہر سے روک لے اگرچہ رخصت کو بیس برس گزر گئے ہو۔

دوسرا موجّل جس کی میعاد قرار پائی ہو کہ دس برس یا بیس برس یا پانچ دن کے بعد ادا کیا جائے گا اس میں جب تک وُہ میعاد نہ گزرے عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں اور بعد انقضائے میعاد ہر وقت مطالبہ کر سکتی ہے۔

تیسرا موخر کہ نہ پیشگی کی شرط ٹھری ہو نہ کوئی میعاد معین کی گئی ہو، یُونہی مطلق ومبہم طور پر بندھا ہو جیسا کہ آج کل عام مہر یوں ہی بندھتے ہیں اس میں تاوقتیکہ موت یا طلاق نہ ہو' عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں، مہر معجّل وموجّل کے لئے شرع مطہر نے کوئی تعداد معین نہ فرمائی، جتنا پیشگی دینا ٹھرے اس قدر معجّل ہوگا باقی کی کوئی میعاد قرار پائی تو اتنا موجّل ہوگا ورنہ موکر رہے گا، ہاں اگر کسی قوم یا شہر کا رواج عام ہو کہ اگرچہ تصریح نہ کریں مگر اس قدر پیشگی دینا ہوتا ہے تو بلاقرار دارِ تصریح بھی اُتنا معجّل ہوجائے گا باقی بدستور موجّل یا موخر رہے گا۔ درمختار میں ہے:

لها منعه من الوطی ودواعیة ولو بعد وطء وخلوة رضیتهما لاخذ مابیّن تعجیله من المهر کله اوبعضه او اخذ قدر ما یعجل لمثلها عرفا به یفتی ان لم یؤجل اوریعجل کله فکما شرطا[1]۔	بیوی کو مہر معجّل کل یا بعض جتنا بیان ہُوا یا عرف میں جتنی مقدار معجّل ہوتی ہے وصول کرنے کے لئے خاوند کو وطی اور اس کے دواعی سے منع کرنے کا حق ہے اگرچہ زوجہ کی رضامندی سے پہلے وطی یا خلوت ہوچکی ہے اسی پر فتوی ہے (یعنی رواج کا اعتبار ہے اگر کل مہر کی مدّت یا تعجیل مقرر نہ کی گئی ہو، اگر مدّت یا تعجیل مقرر ہوچکی ہو) تو ویسا ہی کرنا چاہیے جیسا کہ دونوں نے شرط کیا (ت)

[1] درمختار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۲۰۲/۱

ردالمحتار میں ہے:

لومات زوج المرأة او طلقها عبد عشرین سنة مثلا من وقت النکاح فلها طلب مؤخر المهر لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او لطلاق لامن وقت النکاح [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر خاوند فوت ہوجائے یا نکاح سے بیس سال بعد فوت ہو یا اس نے طلاق دی ہو تو بیوی کو مؤخر مہر طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ بیوی کے لئے موت یا طلاق کے بعد ہی مہر کے مطالبہ کا حق ثابت ہوتا ہے نہ کہ وقتِ نکاح سے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷ ۴۲۳تا۴۲:

سوال اوّل

حضور! اوّل یہ بتادیجئے کہ بلاتعیینِ مہر نکاح ہوگا یانہیں، اگر لفظ شرعی مہر کہا جائے اور کوئی تشریح نہ کی جائے تو کس قدر مہر سمجھا جائے گا، **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح بلاتعیینِ مہر بلکہ نفی مہر کے ساتھ بھی صحیح ہوجاتا ہے اور مہر مثل دینا آتا ہے یونہی مہر شرعی کہنے سے بھی، جبکہ ان کی اصطلاح میں اس سے کوئی خاص مقدار مثلاً اقل درجہ مہر یا مہر حضور بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا مراد نہ ہو ورنہ جو ان کی اصطلاح معروف ہے وہی لازم آئے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال دوم

مہرِ شرعی جو بنات صالحات کا لکھا ہے چار سو مثقال چاندی کا، آج کل کے سکّہ سے کس قدر روپے ہوئے ہیں؟

الجواب:

چار سو مثقال چاندی مہر حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا تھا یہاں تک کے سکّے سے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر چاندی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال سوم

مہر جو ازواج مطہرات کا پانچ سودرہم کا سوائے بی بی اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہاکے کہ دوہزار قدقیہ یا پانچ سو دینار کا لکھا ہے سکّہ مروّجہ سے کس قدر ہوتے ہیں؟ وزن درم اور اوقیہ مثقال اور دینار کی صراحت فرمادیجئے۔

الجواب

پانچسو درم کے اس سکّہ رائجہ سے ایک سو چالیس روپے ہوتے ہیں۔ درم شرعی تین ماشے ایک رتّی اور

[1] ردالمحتار کتاب القضاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

پانچواں حصّہ رتّی کا، اور مثقال کہ وہی وزن دینار شرعی ہے ساڑھے چار ماشے، ایک اوقیہ چالیس درم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال چہارم

اقل درجہ دس ۱۰ درم شرعی کے سکّہ مروّجہ سے کَے روپے ہوتے ہیں؟

الجواب:

دس ۱۰ درم کے اس سکّہ سے دو ۲ روپے تیرہ ۱۳ آنے ایک پیسے کا پانچواں حصہ، دوسو ۲۰۰ درم کے پُورے چھپّن ۵۶ روپے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال پنجم

آج کل جو حیثیت سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہے جس کے ادا کی کوئی صورت حالت موجودہ سے نہیں ہے دل میں یہ خیال کرلینا کہ کُچھ دینا تو نہیں پڑتا ہے صرف زبانی جمع خرچ ہے قبول کرلو، ایسے خیال سے کوئی نکاح میں تو نقص نہیں آئے گا؟

الجواب

نکاح میں کوئی نقص نہیں مگر ایسا خیال عند اللہ سخت قبیح و شنیع ہے یہاں تک کہ حدیث میں ارشاد ہوا جو مردو عورت نکاح کریں اور مہر کے دینے لینے کی نیّت نہ رکھیں یعنی اُسے دَین نہ سمجھیں وُہ روز قیامت زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے[1]۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال ششم

وہ کون سی صورت طلاق کی ہے کہ ایک جوڑی کپڑے پانے کی زوجہ مستحق ہے۔

الجواب

نکاح جب بلاتعیّن مہر ہُوا اور عورت کو قبل خلوت طلاق دی جائے تو ایک جوڑا واجب آتا ہے جس کی قیمت پانچ درم شرعی سے کم نہ ہو اور عورت کے نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو ان دو حدوں کے اندر، اگر مرد وزن دونوں غنی ہوں اعلٰی درجہ کا واجب ہوگا اور دونوں فقیر تو ادنٰی اور ایک فقیر ایک غنی تو اوسط۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: از موضع دیوری نیا ضلع بریلی مسئولہ مسیح الدین صاحب ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید کی بی بی ہندہ کو اس کے میکے والوں نے محض جُھوٹی خبر پر کہ ہندہ کو سسرال والے زہر دے دیں گے روک رکھا ہے اور اُن کا یہ ارادہ ہے کہ ہندہ کا دین مہر وصول کرکے ہندہ کی شادی دوسری جگہ کردیں، آیا قبل طلاق دینے شوہر کے ہندہ کے دین مہر کا مطالبہ جائز ہے یا نہیں، اور اس کا دوسری جگہ نکاح کردینا جائز ہے یا نہیں، اور اسے

[1] السنن الکبرٰی باب ماجاء فی حبس الصداق دار صادر بیروت ۷/ ۲۴۲، کنز العمال حدیث موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۳۲۳

روک رکھنا جائز ہے یا نہیں، ہندہ کامہر سوالاکھ روپیہ ہے جس میں نصف معجّل ہے اور نصف غیر معجّل، مگر معجّل میں زمانے کی کوئی حد نہیں ہے۔

الجواب:

آدھا مہر یعنی ساڑھے باسٹھ ہزار روپیہ تک ادانہ کرے زید کو ہندہ کے بلانے کا کوئی اختیار نہیں، اور میکے والے ہندہ کو روک سکتے ہیں قبل طلاق اگر نکاح کردیا جائے حرام وزنا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۴ تا ۴۵: از مرادآباد محلّہ مقبرہ مرسلہ حاجی کریم بخش صاحب ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) زوج نے زوجہ کے نام کچھ زمین مہر معجّل میں دے دی اور غیر معجّل مہر شوہر کے ذمّہ ہے، زوج سے لڑکی تولّد ہوئی یا لڑکا تولّد ہوا، اب زوج زوجہ سے ناراض ہے اور طلاق دیتا ہے، اب وہ معاملہ برادری کے پنچوں میں ہے، اگر پنچ مہر معجّل واپس کرلیں اور غیر معجّل بھی نہ دلائیں اور کچھ روپے مسمّاۃ کو دے کر رضامند کرلیں اور زوج سے طلاق دلوادیں تو ایسے پنچوں پر کیا حکم ہے، اور زوجہ سے مہر معجّل واپس کرنے کا کچھ گناہ ہے یا نہیں، اور پنچوں کو کس بات کا زیادہ لحاظ رکھنا لازم ہے، اور اگر پنچ کسی کی رعایت کرکے فیصلہ کریں تو کیا کچھ گناہ ہے؟

(۲) جو معاملات برادری کے متعلق طے ہوں اور شریعت سے باہر ہوں تو کیا گناہ ہے؟

الجواب:

یہ معاملہ رضامندی پر ہے جبکہ وُہ جانے کہ باہم نباہ نہ ہوگا تو زوجہ اپنی خلاصی کے لئے کُل مہر چھوڑ دے اور لیا ہُوا واپس دے اور اُس کے سوا اور روپے بھی دے سب جائز ہے، **قال تعالٰی:** فَلَاجُنَاحَ عَلَیۡہِمَا فِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِہٖ ؕ[1] (عورت اگر فدیہ دے تو خاوند بیوی دونوں پر کوئی حرج نہیں۔ت) ہاں اگر پنچوں نے اُسے ناجائز طور پر دبا تو گنہگار ہُوئے اور عورت کے حق میں گرفتار، جن معاملات میں شریعت مطہرہ نے اپنے حق کے لئے کوئی حکم خاص فرمایا ہے اُس کا اتباع مسلمانوں پر فرض، کسی کی رضامندی اس کی مخالفت کو جائز نہیں کرتی جیسے سُود کہ اگر لینے دینے والا دونوں راضی ہوں جب بھی حرام قطعی ہے اور جن امور میں شرع نے اپنے حق کیلئے کوئی حکم نہ فرمایا جو ممانعت ہے وہ بندہ کے حق کے سبب ہے اُن میں اگر صاحب حق راضی ہو جائے تو ممانعت نہ رہے گی جیسے پرایا مال چُرالینا حرام اور اُس کی خوشی سے حلال۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

مسئلہ ۴۶تا۴۷: از شہسرام ضلع گیا مرسلہ سراج الدین احمد صاحب ۳جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

(۱) اصناف تعین مہر میں کہ معجّل وموٴجل ومثل ہے معجّل میں کلام نہیں اور موٴجل میں کا بین کا لکھنا ضرور ہے یا نہیں ہے، ہے تو موافق شریعت کے مضمون کیا ہے؟

(۲) مہر مثل ازواج مطہرات رسول علیہ التحیۃ والصّلٰوۃ کہ امہات المومنین والمومنات ہیں کا افضل یا خاندانی مثل ام وعمہ، عروس ودااماد۔

الجواب:

(۱) مہر معجّل وُہ ہے جو پیشگی دینا ٹھہرے، اور موٴجل وہ جس کی ایک میعاد معین قرار پائے کہ اتنے زمانے کے بعد ادا کی جائے گا، اور موٴخر وُہ کہ نہ پیشگی دینا ٹھہرا نہ اُس کا کوئی وقت معین کیا گیا، مہر مثل کوئی ان کی مقابل قسم نہیں، موٴجل کی دستاویز لکھنا بہتر ہے۔ قال تعالٰی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُؕ[1]۔	اے ایمان والو! جب تم ادھار لین دین مقررہ مدت پر کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ (ت)

تفسیر احمدی میں ہے:

فی الزاھدی ان الاٰیۃ عامۃ فی السلم وکل دین یصح فیہ الاجل[2]۔	زاہدی میں ہے کہ یہ آیہ کریمہ بیع سلم اور ہر ادھار سودا جس میں مدّت مقرر کرنا صحیح ہو سب کو شامل ہے (ت)

مدارک التنزیل میں ہے: **الامر للندب**[3] (آیہ کریمہ میں امر استحباب کے لئے ہے۔ت) لباب التاویل میں ہے: **وھوقول جمھور العلماء**[4] (یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ت) اور مضمون میں وہی طریقہ معہودہ کافی ہے جو تمسکات میں رائج ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں میں نے فلاں تاریخ فلانہ بنت فلاں بن فلاں سے اتنے مہر پر نکاح کیا جس کی ادا اتنے دنوں بعد قرار پائی ہے (اقرار کرتا ہُوں کہ مہر مذکور میعادِ مذکور ادا کروں گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ازواج مطہرات کا مہر کس کے لئے مہر مثل ہو سکتا ہے، ان کے مثل کون ہے، مہر مثل سے اپنے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

[2] تفسیر احمدیہ تحت آیۃ اذا تداینتم بدین الخ (پ ۳) مطبع کریمہ، بمبئی، بھارت ص ۱۷۵

[3] مدارك التنزيل (تفسير النفسی) تحت آیہ مذکورہ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۳۹

[4] لباب التاویل (تفسیر خازن) مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰۵

خاندانِ پدر ہی کا مہر مراد ہے بہن پھوپھی وغیرہ عمر ومال وجمال وبکارت وغیرہا میں اس کے مثل ہیں، ازواج مطہرات امہات المومنین ہیں امہات المومنات نہیں، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

انا ام رجالکم ولست ام نسائکم۔[1] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	میں تم مردوں کی ماں ہوں تمہاری عورتوں کی ماں نہیں ہوں۔(ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۸: از بجواڑ اکاٹھیاواڑ مرسلہ حاجی عبداللطیف صاحب ۱۵رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

تجدید نکاح میں مہر کم از کم کتنا باندھنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مہر کی مقدار کم از کم دس۱۰ درم بھر چاندی ہے جس کی مقدار تقریبًا دو۲ روپے پونے آنے تیرہ آنے بھر رہُوئی، باقی جواحکام مہر کے ابتدائی نکاح میں ہیں وہی تجدید نکاح میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۹: از موضع میونڈی بزرگ مرسلہ سیّد امیر عالم حسن صاحب ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی ناکتخدا کا نکاح کسی شخص سے کردیا اور وُہ شخص بلاقربت کئے اپنی بی بی کے مرگیا اور کسی طرح کی کوئی بات چیت نہیں کی یعنی کسی طرح کا کوئی فعل نہیں کیا اَب علمائے دین فرمائیں کہ اس لڑکی ناکتخدا کا کتنا مہر اس کے شوہر کے مال یا جائداد وغیرہ سے چاہئے نصف یا پُورا، اور اگر اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرنا چاہیں تو کتنے دنوں کے بعد کیا جائے، بعض شخص کہتے ہیں کہ ایسے نکاح کی عدّت نہیں ہوتی ہے کیونکہ جب اس کے شوہر نے اس قربت ہی نہیں کی تو عدّت کس چیز کی کرنا چاہئے، اور بعض کہتے ہیں کہ تین ماہ کی عدّت کے بعد نکاح ایسے کا جائز، اب علمائے دین فرمادیں کہ یہ لوگ غلطی پر ہیں یا صحیح پر، اور جو لوگ غلطی پر ہوں شریعت کو نہ مانتے ہوں ان کے لئے کیا سزا شرع اطہر میں ہے فقط، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سزا پوچھنا لغو ہے، آج کون کس کو سزا دے سکتا ہے جو شریعت کو نہ مانے جہنّم میں سزا پائے گا، جب شوہر مرجائے پورا مہر واجب ہوتا ہے اگرچہ ایک نے دوسرے کی صورت نہ دیکھی ہوں اور چار مہینے دس دن کی عدّت فرض ہے اس سے پہلے نکاح حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] درمنثور بحوالہ ابن سعد وابن المنذر والبیہقی تحت آیہ اولی بالمومنین الخ آیت اللہ العظمی المرعشی ایران ۵ / ۱۸۳

مسئلہ ۵۰: از بلرام پور ضلع گونڈہ مرسلہ سکنڈ ماسٹر مڈل اسکول ۲ ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ

بکر اپنی لڑکی کا نکاح زید کے ساتھ کردینے کے لئے چند شرائط پر تیار ہے زید جو سلسلہ ملازمت بیس ۲۰ روپیہ ماہوار سے زائد حیثیت نہیں رکھتا ہے حسبِ حیثیت تنخواہ زائد سے زائد کتنے روپیہ پر اُس کا مہر شرعی ہونا جائز ہے اور حیثیت سے زائد مہر ہونے پر کیا مواخذہ ہے؟

الجواب:

حیثیت سے زائد مہر نامناسب ہے کوئی گناہ نہیں جس پر مواخذہ ہو **فان المال غاد و رائح** (مال آنے جانے والی چیز ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۱: از شہر بریلی محلّہ صندل بازار مرسلہ نواب نثار احمد خاں صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی فوت ہوجائے تو اس کے ورثا شرعی سے مہر عورت مذکورہ متوفیہ کا شوہر یا ورثاء شوہر بخشوالیں تو شرعاً جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب:

وارثانِ زن میں جو عاقل بالغ معاف کرے گا اُس کا حصّہ معاف ہوجائے گا' اگر سب عاقل بالغ ہوں اور سب معاف کردیں توسب معاف ہوجائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۲: ۲۰ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک فاحشہ سے توبہ کراکے نکاح کیا، بروقت عقدِ نکاح مہر شرعی پیمبری صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مقرر ہُوا تھا اور اُس کے قبیلہ کی کوئی عورت نہیں بلکہ اُن کا نکاح بھی نامعلوم، اب مہر مثل معلوم نہیں ہوسکتا، زید نے اس کو قرآن مجید پڑھوایا، اب بعد فوت زید کے وہ عورت زید کو سخت سخت گالیاں دیتی ہے، یہاں تک کہ ولدالزنا بھی کہہ دیتی ہے، وہ لوگ کہ زندگیِ زید میں اُس کے سامنے نہ آئے تھے اب برابر آتے ہیں، راتوں کو گھومتی ہے، وکیلوں کے پاس جاتی ہے، اب وُہ کل اشیاء پر دعوی کرتی ہے، مکان بیچنا چاہتی ہے تو اب اُس کا کتنا مہر از روئے شرع شریف نکلتا ہے اور اس کی گفتگو ہے کہ وُہ کہتی ہے مر گیا وُہ جہنمی جو مجھ کا یہاں چھوڑ گیا، پڑیں اس کے لاشے میں کیڑے، تین بھائی اور والدین اور ایک ہمشیرہ بھی ہے۔

الجواب:

اُس کے اقوال افعال کی سزا اللہ کے یہاں ہے اس سے اُس کا مہر یا حصّہ نہیں جاتا مہر شرعی پیمبری سے اگر لوگوں کے عرف میں اقل مقدارِ مہر مراد ہوتی ہے تو وہ دس ۱۰ درم ہے یعنی دو ۲ روپے پونے تیرہ آنے اور ۳/۵ پائی

اور اگر اُن مراد مہرِ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا ہوتی ہے تو وہ چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی یعنی یہاں کے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر، اور اگر مہرِ ازواج مطہرات مراد ہے تو پانسو درم یعنی یہاں کے ایک سو چالیس ۱۴۰ روپے، اور اگر کوئی خاص رقم ان کے ذہن میں نہیں تو مہر مثل لازم آئے گا جو ایک سو ساٹھ روپے بھر چاندی یا ایک سو چالیس روپے سے زائد نہ ہو کہ یہ قلّت ضرور مراد ہوتی ہے، یہاں کے کثیر التعداد مَسروں سے بھاگنے کے لئے یہ لفظ عوام نے وضع کیا ہے تو اُن سے زیادہ نہ دیا جائے گا، وارث اگر کمی کا دعوٰی کریں تو بحلف کہیں کہ ایسی عمر و شکل کی بازاری عورت کا مہر مثل اتنا ہوتا ہے یا حکم تجویز کرے جو اس مقدار سے زائد نہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۳: از ضلع رائے پور سی پی مرسلہ سردار خاں صاحب کلرک مہاندی ڈویژن دفتر ۱۱صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر معجّل کی شرطِ ادا کیا ہے، اور زید کا نکاح ہندہ سے بمہر معجّل قرار پایا لیکن عرصہ دراز تقریبًا ۲۵ سال کا گزرا کہ وہ مہر معجّل ادا نہ ہوا، ایسی حالت میں کیا معجّل مؤجل ہو سکتا ہے یا اس مہر کا استحقاق جاتا رہا، در صورت حبطِ استحقاق آیا زید اور ہندہ کی خلوت صحیح ہُوئی۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ادا نہ ہونے سے مہر کا استحقاق کبھی نہیں جاسکتا، اور جو معجّل ٹھہرا ہے وُہ ہمیشہ معجّل ہی رہے گا جب تک عورت اُسے اپنی رضا سے مؤجل نہ کردے، پچیس برس مطالبہ نہ کرنا اُس کے حق میں فرق نہیں لاتا، وُہ جب تک عورت اُسے اپنی رضا سے مؤجل نہ کردے، پچیس برس مطالبہ نہ کرنا اُس کے حق میں فرق نہیں لاتا، وُہ اب بھی جس وقت چاہے اپنے مہر معجّل کا مطالبہ کرسکتی ہے اور جب تک نہ ملے اپنے نفس کو شوہر سے روک سکتی ہے، درمختار میں ہے:

(ولها منعه من الوطی) ودواعيه شرح مجمع (والسفر بها ولو بعد وطی وخلوة رضيتها) لان كل وطأة معقود عليها فتسليم البعض لايُوجب تسليم الباقی (لاخذ مابين تعجيله) من المهر كله او بعضه [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیوی کی وطی اور اس کے دواعی سے خاوند کو منع کرنے کا حق ہے۔ شرح مجمع، سفر سے بھی، اگرچہ برضائے زوجہ وطی اور خلوت ہو چکی ہو کیونکہ ہر وطی مہر پر معقود ہوتی ہے (یعنی ہر وطی پر جدا جدا مہر لازم آتا ہے) تو بعض بدل دینے سے باقی کا دے دینا ثابت نہیں ہوتا، جتنا مہر معجّل بیان کیا ہو اس کی وصولی کے لئے وُہ کُل مہر ہو یا بعض، عورت اپنے نفس کو شوہر سے روک سکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

مسئلہ ۵۴: از مدن پور مرسلہ عزیز الدین صاحب ۲رجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ دیہات میں ہمارے یہاں رواج ہے کہ مہر کی تفصیل نہیں ہوتی، اور بعض لوگ کرتے بھی ہیں تو اس طرح کہ زیور وغیرہ مہر معجّل دیتے ہیں اور بعض قاضی مہر معجّل نام رکھ دیتے ہیں ورنہ علی العموم نہ معجّل نام رکھتے ہیں نہ مؤجل، تو ایسی حالت میں ہندہ اپنے شوہر زید سے مطالبہ دَین مہر کر سکتی ہے یا نہیں کہ پہلے میرا مہر ادا کردو تو میں اپنے والدین کے یہاں سے رخصت ہوں تمہارے گھر چلوں گی، اور حال یہ ہے کہ فی الحال زید کو مہر ادا کرنے کی مقدرت بھی نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ نہ مہر معجّل ٹھہرا رخصت سے پہلے ادا کیا جائے نہ مؤجل کہ اتنی مدّت معیّن گزرنے پر دیا جائے یا جتنا معجّل ٹھہرا تھا وُہ زیور وغیرہ دے کر ادا ہو چکا ہو، باقی نہ معجّل ٹھہرا نہ مؤجل خواہ قاضی نے غیر معجّل کہہ دی یا کچھ نہ کہا ہو تو اب ہندہ کو جب تک طلاق یا دونوں میں سے ایک کی موت نہ واقع ہو ہر گز مطالبہ مہر کا کچھ حق تھا نہ وہ اس لیے رخصت سے انکار کر سکتی ہے اگرچہ زید کو فی الحال ادائے مہر کی لاکھ مقدرت ہو۔ ردالمحتار کتاب القضاء میں قبیل باب التحکیم ہے:

لومات زوج المرأۃ او طلقھا بعد عشرین سنۃ مثلا من وقت النکاح فلھا طلب مؤخر المھر لان حق طلبہ انما ثبت لھا بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر خاوند فوت ہو جائے یا نکاح سے بیس ۲۰ سال بعد طلاق دے تو بیوی کو مؤخر کردہ مہر طلب کرنے کا حق ہے، کیونکہ اس مہر کے مطالبہ کا حق موت یا طلاق کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے نہ کہ نکاح کے وقت سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۵: از رچھا مرسلہ رفیق احمد صاحب ۸رجب شریف یوم دوشنبہ ۱۳۳۸ھ

ایک عورت سے اس کے خاوند نے کہا تُو اپنا مہر معاف کردے، اس نے کہا کہ میں معاف نہیں کرتی، اس پر اس کے خاوند نے سخت پریشان کیا اور تنگ رکھا اور ساس سسر نے بھی بُرا بھلا کہا لہٰذا وہ عورت اپنے ماں باپ کے یہاں آگئی ہے، اس کا خاوند لینے آیا تو اس نے سوال کیا کہ میں اپنا مہر جب تک کُل نہ لُوں گی جب تک جاؤں گی، اس کے خاوند نے کہا کہ ہم تم کو زبردستی پکڑ لے جائیں گے، اور یہ بھی کہا کہ تُو مہر کا کیا کرے گی، تو اس نے کہا کہ میں مسجد بنواؤں گی۔ اب عرض یہ ہے کہ پنچ لوگ بلا مہر ادا کرائے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

اس کو زبردستی لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ میاں بیوی میں نااتفاقی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

بیانِ سائل ہُوا کہ مہر بلامیعادی ہے، لہٰذا قبل موت یا طلاق اُس کے مطالبہ کا عورت کو کچھ اختیار نہیں، نہ اس کی وجہ سے اپنے مہر آپ کو شوہر سے روک سکتی ہے، اُسے شوہر کے یہاں جبراً جانا ہوگا اور شوہر پر حرام قطعی ہے کہ اس پر معافی مہر کا جبر کرے، اور اگر جبر کرکے معاف کرالے گا معاف نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶: از رامسہ تحصیل گوجرخاں ڈاک خانہ جاتلی ضلع راولپنڈی مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

ایک مرد اور زوجہ صرف اوّل روز ایک کوٹھے میں رہے اور دشمن گرد گرد کوٹھے کے مارنے کے لئے کھڑے رہے ہیں، اور زوجین کو بھی یہ حالت معلوم تھی، علی الصباح اس مرد نے عورت کو طلاق دے دی ہے، مرد دخول کا مقر اور عورت منکر ہے، اب یہ دخول یا خلوت صحیحہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔

الجواب:

اگر کوٹھے کا دروازہ اندر سے بند ہے اور مسقف ہے یا دیواریں بلند ہیں کہ دشمنوں کے گھس آنے کا اندیشہ نہیں تو خلوت صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

تصح علی سطح کانا فوقه وحدهما وامنا من صعود احد الیهما[1] اھ ملتقطا۔	ایسی سطح ہو جس پر صرف دونوں میاں بیوی ہوں اور کسی تیسرے کے وہاں چڑھنے سے بے فکر ہوں تو خلوت صحیح ہے اھ ملتقط (ت)

صورت اگر پہلی تھی تو عورت کا دخول سے انکار بیکار ہے کہ مہر کامل بہر حال لازم ہوگیا، دخول ہوا یا نہیں، ہاں صورتِ ثانیہ میں شوہر کا کہنا کہ دخول ہوا کل مہر لازم ہونے کا اقرار ہے اور عورت کا انکار اس کا رَد ہے اور اقرار مقرلہ کے انکار سے رَد ہو جاتا ہے تو صرف نصف مہر پائے گی هذا ما ظهر لی (یہ جو مجھے معلوم ہوا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۷: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت اللہ شاہ صاحب خاکی بوڑاہا ۹ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر کسی نے بی بی کے نزع کے وقت اس سے کہا کہ میرا دَین مہر معاف کیا اس نے زبان سے بوجہ

[1] ردالمحتار باب المهر مطلب فی احکام الخلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۴۰

آواز بند ہو جانے کے جواب نہ دیا لیکن سرہلادیا تواس کا دَین مہر معاف ہوا یا نہیں؟

الجواب:

مرض الموت میں مہر کی معافی بے اجازت دیگر ورثاء معتبر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۸: ازاودیپور میواڑ ہاتھی دروازہ مدرسہ شرفیہ مسئولہ عبدالرحیم خلف مولوی شرف شاہ صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

ایک شخص وزیر خاں نے دو۲ عورتیں کیں اور ہر دو عورتیں کے تین تین بچّے ہیں، سابق عورت کو بوجہ معمولی لڑائی کے طلاق دے کر ایک طلاق کی تحریر لکھ دی، اس میں یہ مضمون درج کیا کہ جو کہ تیرا مہر ہے اُس میں تیرے بطن کے دونوں بچّے تجھ کو مہر میں دئے۔ اور حمل سے بھی تھی، بعد طلاق کے لڑکی بھی پیدا ہوئی، وزیر خاں فوت ہوگیا، بعد عدّت کے اس عورت نے نکاح ثانی کرلیا، اب یہ اس وقت بالکل بچّے بالغ ہیں اور آوارہ ہیں، سو یہ لڑکے جدّی حق پانے کے حقدار ہیں یا نہیں۔

الجواب:

دونوں لڑکے اور وُہ لڑکی اپنے باپ کے مال میں حصّہ پائیں گے اور طلاق شدہ اگرچہ حصّہ نہ پائے گی مگر مہر کی مستحق ہے، اور وُہ جو کہہ دیا تھا کہ دونوں بیٹے تیرے مہر میں دئے فضول تھا اس سے مہر ادا نہیں ہوتا، ہاں اگر عورت نے یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں بیٹے میرے دو میں نے مہر چھوڑا، تو مہر نہ پائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از کریلی گنج ضلع نرسنگ پور ڈاک خانہ وتحصیل نرسنگ پور مسئولہ الہ بخش صاحب ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

زید اپنی عورت ہندہ کو عرصہ تقریبًا پانچ سال سے علیحدہ کئے ہوئے ہے، ہندہ کے ماں باپ اس عرصہ مذکورہ میں چند مرتبہ اپنی لڑکی کو زید کے گھر چھوڑ آئے لیکن بوجہ عدم توجہی زید، زید کے ماں بہن ہندہ کے اقسام اقسام کی تکالیف دیتے ہیں جو اس سے برداشت نہیں ہوسکتیں، مزید برآں نان نفقہ کی بھی کفالت نہیں کرتا، نہ اس کو رخصت دیتا کہ وُہ اپنا دوسرا تدارک کرے اور مہر ہندہ زرِ مہر کچہری سے پانے کی مستحق ہوسکتی ہے یا نہیں اور اپنے نفس کو اس سے علیحدہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید کی نیت صرف اُس کو اور اس کے ماں باپ کو اذیت پہنچانی ہے، ورنہ اس کا وجہ کفاف ایسا ہے کہ وُہ اپنی زوجہ متوسط حالت پر نان نفقہ کی کافی طور پر امداد پہنچا سکتا ہے، اس لئے عرض ہے کہ موافق شرع شریف جو ہندہ کے حق میں انسب ہو اس سے ابلاغ فرمایا جائے۔

الجواب:

مہر اگر واقعی معجّل بندھا ہے تو ہندہ ہر وقت اس کا مطالبہ کر سکتی ہے، زید نہ دے تو بذریعہ نالش وصول کرے، اور جب تک نہ ملے ہندہ کو اختیار ہے کہ اپنے نفس کو زید روکے اور اس کے گھر نہ جائے، اور اس روکنے کی وجہ سے ہندہ کا نان نفقہ زید سے ساقط نہ ہوگا۔

لانھا منعت بحق فلم تکن ناشزۃ والمسئلۃ فی الدر المختار من الاسفار۔	کیونکہ بیوی نے اپنے حق کے لئے خاوند کو منع کیا ہے لہذا نافرمان نہ ہوگی، اور مسئلہ در مختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

ہاں یہ ناممکن ہے کہ ہندہ بغیر طلاق یا موتِ شوہر وانقضائے عدّت دوسرے سے نکاح کرسکے، قال تعالٰی: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[1] (شادی شدہ عوتیں تم پر حرام ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۰: از شہر محلّہ برہمپور مسئولہ حاجی شاہ محمد عرف کمال اللہ شاہ صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ معصومن زوجہ لعل محمد کے مہر کا حال اس طرح معلوم ہوا ہے کہ وُہ خود کہتی ہے کہ میرا ایک سودس ۱۱۰ روپیہ کا مہر ہے اور وکیل و گواہ نکاح مسمّاۃ مذکورہ کے فوت ہوگئے کوئی زندہ نہیں ہے، اس کے چچازاد بہنیں چار ہیں جن میں سے تین کے مہر کی تعداد معلوم نہیں، سب یہی کہتے ہیں کہ شرع پیغمبری تھا اور ایک چچازاد بہن کا مہر مبلغ پانچسوروپے ہونا معلوم ہوا ہے جو کہ مسمّی ننھے کی زوجہ ہے، ایسی صورت میں مسمّاۃ معصومن کا مہر کیا قائم کیا جائے گا؟

الجواب:

جبکہ عوت ایک سودس روپے اپنا مہر بتاتی ہے اور اس سے زائد بھی اس کے خاندان میں باندھا گیا ہے اور اس کے خلاف پر کوئی شہادت نہیں تو اس پر اس سے حلف لیا جائے، اگر حلف سے کہہ دے کہ میرا مہر ایک سودس روپے بندھا تھا تو ایک سودس دلائے جائیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

امرأۃ ادعت علٰی زوجھا بعد موتہ ان لھا علیہ الف درھم من مھرھا فالقول قولھا الی تمام مھر	اگر خاوند کے فوت ہوجانے کے بعد بیوی نے دعوی کیا کہ میرے مہر کے ہزار درہم اس کے ذمہ ہیں تو اس کی بات مہر مثل کی حد تک قابل قبول ہوگی، محیط السرخسی

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴

مثلہا[1] کذافی محیط السرخسی۔ واللہ تعالٰی اعلم	میں ایسے ہی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۱: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ حاجی کفایت اللہ صاحب ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ہندہ بہت محتاج ہے اور خانہ ویران، بظاہر کوئی حیلہ رزق نہیں رکھتی، اس کا بھائی زید مزدوری کرکے لاتا ہے اسمیں دونوں گزر کرلیتے ہیں، ہندہ کے خسر نے بعد اپنی موت کے ایک مکان تقریبًا ڈیڑھ سو گز وسعت کا چھوڑا جواب ٹوٹ پھوٹ گیا، اس کے دو۲ وارث ہوئے، ہندہ کا اپنی شوہر اور دوسرا ہندہ کا جیٹھ، ہندہ کے جیٹھ نے اپنا حصّہ اپنے لڑکے کو دے یا، اب ہندہ کے شوہر کے حصّے پر قبضہ کرکے بیچنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں ہندہ کا کیا حق ہے اس واسطے کہ میرے بھائی کو غائب ہوئے تقریبًا تیس برس ہوگئے، غالبًا مرگیا، کیونکہ پانچ چھ برس سے اُس کی خبر نہیں، اور قانون کہتا ہے کہ تیس برس کے بعد دعوی مہر نہیں چل سکتا ہے اور وکیل کہتا ہے کہ دعوی مہر کرو تم کو ملے گا، اور وکیل یہ رائے دیتا ہے کہ تمہارا دعوی چلے گا اس صورت میں کہ ہندہ کہے میرے شوہر کے مرنے کی خبر توتم نے مجھے آج دی ہے میں ابھی تک اپنے آپ کو بیوہ نہیں جانتی تھی میں جانتی تھی کہ وُہ زندہ ہے اگر اب تم کہتے ہو کہ مرگیا تو آج سے تین برس تک مہر طلب کرنے کا مجھ کو حق ہے ہندہ کے عزیزوں میں سے کسی مہر کی تعداد یاد نہیں اس نکاح کو کم وبیش چالیس برس ہوئے ہوں گے ہندہ کو خوب یاد ہے کہ میرا مہر دوسو۲۰۰ روپے تھا اور میں سُنتی ہوں کہ میری والدہ اور پھوپھی کا مہر بھی دوسو۲۰۰ روپے تھا اور اب میری بھتیجیوں اور میرے بھائیوں اور میرے بھائیوں کا مہر بھی دوسو۲۰۰ روپے ہے اب ہندہ کے اقوال پر اُن کا حقِ شرعی دلانے کے لئے یہ کہہ دینا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہاں دوسو۲۰۰ روپے کا تھا، ان کے لئے کچہری میں اس کا حق شرعی دلانے کے لئے یہ کہہ دینا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہاں دوسو۲۰۰ روپے تھا، ان لوگوں کی گواہی پر اگر اُس کا حق ان شاء اللہ تعالٰی ملے گا تو اس کا جینا اور مرنا بآسانی ہوجائے گا کسی وقت ہندہ کے جیٹھ نے ہندہ کی خبر نہیں لی کہ وُہ کس حالت میں ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہندہ جبکہ دوسو۲۰۰ روپے مہر بیان کرتی ہے اور اُس وقت کا کوئی گواہ نہیں اور ثابت ہو کہ یہ اس کا خاندانی مہر مثل ہے تو ضرور دوسو۲۰۰ روپے دلائے جائیں گے، گواہوں کی گواہی یہ جائز نہ ہوگی ہمارے سامنے دوسو۲۰۰ روپے کا مہر بندھا تھا، بلکہ یہ گواہی دینا کہ اس کا مہر مثل دوسو۲۰۰ روپے ہے، یہی گواہی اس کی ڈگری کے لئے کافی ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی عشر اختلاف الزوجین فی المہر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۲۲

مسئلہ ۶۲: حفیظ اللہ خاں صاحب محلّہ ٹیکور قصبہ چنار پوسٹ آفس چنار ضلع مرزاپور ۱۸ جمادی الآخر

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سال بھر اور تین ماہ پردیس رہابعدہ، جب اپنے مکان پر واپس آیا تو معلوم ہواکہ اس کی بیوی کو آٹھ مہینے کا حمل ہے موقع سے وُہ شخص مذکورہ طلاق دینے پر آمادہ وتیار ہے ایسی حالت میں بعد طلاق کے وہ عورت کچہری مجاز میں مہر کا دعوی کرسکتی ہے یا نہیں؟اور شرعًا مہر پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

اس وجہ سے اُس کا طلاق پر آمادہ ہونا محض ناواقفی ہے، شریعت میں حمل کی مدّت دو ۲ برس کامل ہے اتنی مدّت تک بچّہ بیٹ میں رہ سکتاہےاور دایہ وغیرہ کی یہ شناخت کہ آٹھی مہینے کا ہے کچھ معتبر نہیں، بہر حال اگر طلاق دے گا مہر واجب الادا ہوگا' اور اگر مرد کی جھوٹی بدگمانی بالفرض صحیح ہو جب بھی عورت مہر کی مستحق ہے کہ معاذاللہ زنا سے مہر ساقط نہیں ہوتا،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۳: ۱۴شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیااور اس کی حیات میں اس کی چھوٹی بہن کے ساتھ نکاح کیا، نکاح دوم جائز ہے یا ناجائز؟اور ان دونوں عورتوں سے جواولاد ہوگی وُہ کسی ہوگی؟اور زید کا متروکہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟اور یہ نہیں دونوں عورتوں مہر پانے کی مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب:

زوجہ جب تک زوجیت یا عدّت میں ہےاس کی بہن سے نکاح حرام قطعی ہے،**قال تعالٰی: وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ**[1] (حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ت) اس سے جواولاد ہوگی شرعًا اولاد حرام ہے مگر ولد الزنا نہیں اسے ولد حرام بمعنی ولد الزنا کہنا جائز نہیں جب تک اس دوسری کو ہاتھ نہ لگایا تھا پہلی حلال تھی اس وقت تک کے جماع سے جواولاد پہلی سے ہوئی ولد حلال ہے اور بعد کے جماع سے جواولاد ہو وہ بھی شرعًا اولاد حرام ہے مگر ولد الزنا نہیں، دونوں عورتوں کی سب اولادیں کہ زید ہوئیں زید کاترکہ پائیں گی کہ نسب ثابت ہے،ہاں زوجہ ثانی ترکہ نہ پائے گی کہ نکاح فاسد سے ہے، دونوں عورتیں مہر کی مستحق ہیں پہلی مطلّقااور دوسری اس صورت میں کہ حقیقۃً اس سے جماع کیاہو فقط خلوت کافی نہیں، پھراپنا پورا مہر پائے گی اور دوسری مہر مثل،اور جو مہر بندھا تھاان دونوں میں سے جو کم وُہ پائے گی، درمختار میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

یجب مھر المثل فی نکاح فاسد و ھوالذی فقد شرطاً من شرائط الصحۃ کشھود[1] (ومثلہ تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت[2] اھ ش) بالوطئ فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ ولم یزد علی المسمی لرضاھا بالحط ولوکان دون المسمی لرضاھا مھر المثل[3]۔	نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے، نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحتِ نکاح کی کوئی شرط مفقود ہو جیسے گواہ نہ ہوں، اور اسی طرح ہے دو بہنوں سے اکھٹا نکاح کرنا، اور ایک بہن کی عدت میں دوسری سے نکاح کرنا اھ ش) نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور صرف وطی سے واجب ہوتا ہے کسی اور چیز سے نہیں مثلاً خلوت سے نہیں اور یہ مہر مثل، مقررہ سے زائد نہ ہوگا بسبب راضی ہوجانے عورت کے کمی مہر پر اور اگر مہر مثل کم ہو مہر مسمّی سے تو بھی مہر مثل ہی لازم آئے گا۔ (ت)

ھدایہ باب النکاح الرقیق میں ہے:

بعض المقاصد فی النکاح الفاسد حاصل کالنسب ووجوب المھر والعدۃ[4]۔	بعض مقاصد نکاح فاسد میں حاصل ہوجاتے ہیں، جیسا کہ نسب، وجوب مہر اور عدّت (ت)

درمختار میں ہے:

یستحق الارث بنکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولاباطل اجماعاً[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وارث کا استحقاق صحیح سے ہوتا ہے لہٰذا فاسد یا باطل نکاح سے وراثت کا استحقاق بالاجماع نہ ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۴: از رامپور مدرسہ انوار العلوم مسئولہ جلال الدّین پٹھان ۱۶ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مدعیہ نے اپنے گواہان سے یہ ثابت کیا کہ میرا دَین مہر ایک لاکھ روپے کا تھا، فریق ثانی نے گواہان سے اس امر کا ثبوت پیش کیا کہ ہندہ کا دین مہر دس ہزار روپے کا تھا، صورتِ مسئولہ میں گواہان کمیِ مہر کے معتبر ہوں گے یا زیادتی

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵

[3] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

[4] ہدایہ باب نکاح الرقیق مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۳۲۰

[5] درمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲

کے۔بینوا توجروا

الجواب:

اگر شوہر زندہ اور نکاح قائم ہے یا طلاق بعد خلوت ہوئی یا شوہر مرگیا اور عورت کی نزاع اُس کے وارثوں سے ہے ان سب صورتوں میں دیکھا جائے کہ [1]عورت کا مہر مثل دس ہزار خواہ کم ہے یا [2]ایک لاکھ خواہ زائد یا [3]دس ہزار سے زیادہ ایک لاکھ سے کم ہے، پہلی [1]صورت میں عورت کے گواہ معتبر ہیں لاکھ روپے کی ڈگری ہوگی۔ دوسری [2]صورت میں فریق ثانی کے گواہ معتبر ہیں دس [10]ہزار دلائے جائیں گے۔ تیسری [3]صورت میں جتنا مہر مثل ہے اُتنے کی ڈگری دیں گے۔ یہ سب اُس حال میں ہے کہ دونوں کے گواہ قابل قبول شرع ہوں اور وجہ شرع پر شہادت ادا کی ہو، اور اگر اُن میں ایک ہی فریق کے گواہ ایسے ہیں تو مطلّقا انہوں کا اعتبار ہوگا خواہ لاکھ کے ہوں یا دس [10]ہزار [10]کے، دوسرے فریق کی شہادت کالعدم ہوگی، اور اگر دونوں فریق کی شہادت شرعًا کالعدم ہو تو پہلی صورت میں فریقِ شوہر سے حلف لیں گے کہ لاکھ روپے مہر نہ بندھا تھا اگر قاضی کے حضور حلف سے انکار کردے گا لاکھ کی ڈگری ہوگی اور حلف سے انکار کردے گی دس [10]ہزار پائے گی اور حلف کرلے گی تو لاکھ، اور تیسری صورت میں دونوں حلف کرلیں گے مہر مثل دلایا جائیگا اگر زن وشو میں طلاق قبل خلوت کے بعد اختلاف ہوا تو مطلقًا قولِ شوہر حلف سے معتبر ہے۔ جس طرح بعد موت زوجین اُن کے ورثہ میں اختلاف ہو تو مطلقًا وارثان، شوہر کا قول معتبر ہے۔ درمختار میں ہے:

(ان اختلفا) فی المھر (فی قدرہ حال قیام النکاح فالقول لمن شھد لہ مھر المثل) بیمینہ (وای اقام بینۃ قبلت) سواء(شھد لہ او لھا اولاوان اقاما فبینتھا) مقدمۃان شھد لہ وبینتہ ان شھد لھا وان کان بینھما تحالفا فان حلفا اوبرھنا قضی بہ وان برھن احدھما قبل	نکاح کے دوران اگر خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا (تو مہر مثل کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا) لہذا مہر مثل جس کی تائید کرے گا اس کی بات قسم لے کر تسلیم کی جائے گی، اور جس نے گواہ پیش کردئے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی، مہر مثل بیوی یا خاوند کی تائید کرے یا کسی کی نہ کرے، ہر طرح گواہی مقبول ہوگی، اگر مہر مثل خاوند کی تائید کرے اور خاوند کی شہادت کو اولیت

برھانہ)لانہ نور دعواہ[1] اھ(ملخصًا)**اقول:** قولہ وان کان بینھما مسئلۃ مستانفۃ غیر داخلۃ تحت قولہ"وان اقاما"جمع فیہ ما اذا برھن احدھما وکلاھما اولا احد۔فبین احکام الصور الثلاث وقد اختار قول ابی بکر الرازی الذی صححہ قاضیخان فی شرح الجامع الصغیرو السغناقی فی النھایۃ وجزم بہ فی الملتقٰی وقدمہ فی الھدایۃ والتبیین وغیرھما ان لاتحالف الا اذا کان المھر بینھما' فسقط کلا اعتراضی العلامۃ الشامی انہ کان علیہ حذف قولہ"تحالفا"لانہ اذا برھنا لاتحالف وان قولہ"وان برھن احدھما"یغنی عنہ قولہ قبلہ وای اقام بینۃ قبلت الخ فللّٰہ درہ ما امھرہ،وقول الکرخی انھما یتحالفان مطلقا سواء شھد المھر لہ اولھا اولا وصححہ فی المبسوط والمحیط وجزم بہ فی الکنز فی باب التحالف اقول لکن الاول ھوالمذکورفی الجامع الصغیر کما فی ش فترجح بہ بعد تکافؤالتصحیحین خلافا لما فی البحر انہ لم یرمن رجح الاول فلذاجعلناعلیہ المحول وباللّٰہ التوفیق۔

ہوگی اگر مہر مثل بیوی کی تائی کرے اور مہر مثل دونوں کے مابین ہو یعنی کسی کی تائید نہ کرے تو دونوں سے قسم لی جائیگی پھر اگر دونوں نے قسم کھائی یا دونوں نے گواہ پیش کئے تو قاضی مہر مثل کافیصلہ کرے اور اگر صرف ایک نے شہادت پیش کی تو قاضی اس کی شہادت پر فیصلہ دے کیونکہ اس نے اپنے دعوی کو روشن کردیا اھ (ملخصا)

اقول: اس کا قول"ان کان بینھما" سے نیا مسئلہ شروع کیا ہے یہ پہلے مذکورہ انہوں نے تین صورتوں کو جمع کیا ہے کہ کسی نے گواہ پیش نہ کئے، یا ایک نے کئے، یا دونوں نے کئے، تو تینوں صورتوں کے احکام بیان کئے اور ابوبکر رازی کے قول کو مختار بنایا جس کو قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں اور سغناقی نے نہایہ میں صحیح قرار دیا ہے، اور اس پر ملتقٰی میں جزم کیاہ، اور اسی کو ہدایہ میں اور تبیین وغیرہما میں مقدم رکھا کہ جب مہر مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں سے علامہ شامی کے دونوں اعتراض سقط ہوگئے کہ مصنّف پر لازم تھا کہ وہ"تحالفا" کو حذف کرتے، کیونکہ جب دونوں نے گواہ پیش کردئے تواب دونوں پر قسم نہیں ہوگی۔اور دوسرا یہ اعتراض کہ اس کا قول"ان برھن احدھما" سے ان کا پہلا قول"وای بینۃ قبلت" مستغنی کرتا ہے الخ تو اللہ تعالٰی کے لئے ہی مصنّف کی بھلائی ہے انہوں نے کیا مہارت دکھائی۔اور امام کرخی کا قول ہے کہ مطلقًا دونوں قسم دیں، مہر مثل دونوں سے کسی کی تائید کرے یا نہ کرے اس کو مبسوط ومحیط میں صحیح قرار دیا، اور کنز کے

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲۔۲۰۳

	باب تحالف میں اس پر جزم کیا، **اقول:** لیکن پہلا قول: جامع صغیر میں مذکور ہے جیسا کہ ش میں ہے تو دونوں تصحیحات کے مساوی ہونے کے بعد ترجیح بن جائے گی۔ بحر میں اس کے خلاف ہے، انہوں نے پہلے کو ترجیح دینے والا کوئی نہ پایا، تو اسی بناء پر ہم نے اس پر نشان دہی کر دی، توفیق من جانب اللہ ہے۔ (ت)

بدائع وہندیہ میں ہے:

ولو اختانا بعد الطلاق بعد الدخول او الخلوة فکما لو اختلفا حال قیام النکاح، وان کان قبل الدخول والخلوة والمھر دین فاختلفا فی الالف والالفین فالقول قول الزوج ویتنصف مایقول الزوج ولم یذکر الخلاف ذکرہ الکرخی وحکی الاجماع وقال نصف الالف فی قولھم[1] اھ وصححه فی البدائع وشرح الطحاوی ورجحه فی الفتح۔	اگر خاوند بیوی نے طلاق کے بعد اختلاف کیا جبکہ دخول یا خلوت ہوچکی تو حکم وہی ہے جو حالت نکاح میں اختلاف کا تھا، اور اگر یہ اختلاف طلاق قبل از دخول وخلوت کے بعد ہوا اور مہر دین ہوا تو ہزار اور دو ہزار میں اختلاف ہوا تو اس میں خاوند کا قول معتبر ہے، لہٰذا خاوند کے بیان کردہ کا نصف دیا جائے، اور انہوں نے کرخی کا بیان کردی خلاف ذکر نہیں کیا اور اجماع کو حکایت کرکے یہ کہہ دیا کہ سب کے قول میں ہزار کا نصف ہوگا اھ اس کو بدائع میں اور شرع طحاوی میں صحیح کہا، اور فتح میں اس کو راجح قرار دیا۔ (ت)

تبیین الحقائق وعالمگیریہ میں ہے:

فان مات الزوجان ووقع الاختلاف بین الورثة فی مقدار المسمّٰی فالقول قول ورثه الزوج[2]۔	اگر خاوند بیوی دونوں فوت ہوجائیں اور ان کے وارثوں میں مقرر مہر کے بارے میں اختلاف ہوا تو خاوند کے ورثاء کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیلزمھم ما اعترفوا به بحر، ولا یحکم بمھر المثل لان اعتبارہ یسقط عند ابی حنیفة بعد موتھما درر اھ[3]، کذا ھو فی نسختی بمھر المثل	تو ان پر اپنے اقرار کے مطابق لازم ہوگا، بحر۔ اور مہر مثل پر فیصلہ نہ دیا جائے گا، کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں دونوں کی فوتگی کے بعد مہر مثل کا اعتبار ختم ہوجاتا ہے، درر، اھ۔ اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی عشر اختلاف الزوجین فی المھر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۲۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی عشر اختلاف الزوجین فی المھر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۲۱

[3] ردالمحتار باب المھر مسائل الاختلاف فی المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۲

اقول والاولی اسقاط الباء۔واللہ تعالٰی اعلم۔	میرے پاس نسخہ میں "بمھر المثل" باء کے ساتھ ہے **اقول:** باء کو ساقط کرنا اولٰی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۵تا۶۶: از ریاست جاروہ لال املی مسئولہ ممتاز علی خاں صاحب اہل کار محکمہ حساب ۲ شوال ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے لئے مہر کا ہونا لازم ہے جو عموماً متعین ہوتا ہے مہر کی نقد اُدھار بھی ضروری ہے اگر عورت چاہے تو کیا سب مہر کو مثل نقد یا مثل اپنے مطالبہ یا قرضہ کے حاصل کرسکتی ہے اس کی حسب ذیل تشریح فرمادی ہے:

(ا) مہر معجّل کی یہ تعریف ہے کہ تاوقتیکہ زوجہ تمام وکمال معجّل وصول نہ کرے اسے اختیار ہے کہ خواہ وُہ زوج کے گھر جائے یا نہ جائے یا اس سے بات چیت کرے یا نہ کرے، پس اگر زوج نے دھوکے سے منجملہ مہر معجّل جو زیور ہندہ کو دیا تھا وُہ نکاح کے بعد دُلہن گھر گئی واپس لے لیا پس اب زوج بھی اس کا مقروض سمجھا جائے گا یا نہیں اور زوج نے منجملہ مہر معجّل کے پانسو روپیہ (صماء) کا مکان حسبِ منشاء زوجہ خود خرید کردینے کا تحریری اقرار کیا تھا تو کیا ہندہ اب مہر معجّل پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا جب تک اسے مہر معجّل نہ پہنچے اسے زوج کے گھر جانا چاہئے یا نہیں، اگر اسے اختیار ہے تو کیا جب تک شوہر مہر معجّل ادانہ کردے وُہ نان ونفقہ پاسکتی ہے یا نہیں؟

(ب) مہر غیر معجّل نکاح اور خلوتِ صحیحہ کے بعد کب سے کب تک زوجہ پاسکتی ہے کیونکہ مہر غیر معجّل کے لئے کوئی زمانہ مقرر نہیں، اگر بعد خلوتِ صحیحہ ہر وقت مہر پانے کی مستحق ہے تو جب تک اپنا مہر اتنا نہ وصول کرلے زوج کے گھر رہنے سے انکار کرسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح کے لئے مہر لازم ہے بایں معنی کہ مہر کا ذکر نکاح میں ہو یا نہ ہو بلکہ مہر کی نفی شرط کرلی ہو جب بھی مہر دینا آئے گا تعیینِ مہر نکاح کے لئے کچھ ضرور نہیں، اگر تعیین نہ ہوگی مہر مثل دینا پڑے گا، مہر کہ نکاح میں مقرر کیا جاتا ہے تین قسم ہے:
معجّل، مؤجل، مؤخر۔

معجّل وُہ کہ قبل رخصت دینا قرار پائے۔ عورت کو اختیار ہے کہ جب تک اُسے تمام وکمال وصول نہ کرلے شوہر کے یہاں نہ جائے، اور اس نہ جانے سے وہ نفقہ سے محروم نہ ہوگی، پانسو (صماء) روپیہ کا مکان اگر منجملہ مہر قرار پایا تھا تو اس کے وصول تک بھی ہندہ اپنے آپ کو روک سکتی ہے۔ زیورات جو مہر معجّل میں دئے گئے تھے وہ مہر ادا ہوگیا، پھر اگر زوج نے دھوکا دے کر واپس لے لئے تو اس سے مہر معجّل اس کے ذمہ عود نہ کرے گا

اور اس کی وجہ سے عورت کو اپنے نفس کے روکنے کا اختیار نہ ہوگا کہ مہر تو زیور پر قبضہ زن سے ادا ہو لیا تھا، اب یہ عورت کا ایک مال ہے جو زوج نے غصب کرلیا، اگر بعینہٖ باقی ہے اس کا واپس دینا فرض ہے اور ہلاک ہوگیا تو اس کا تاوان دے۔

اور مہر مؤجل وُہ جس کے ادا کی ایک میعاد مُعین قرار پائی ہو، مثلاً سال بھر بعد یا دس برس بعد، میعاد جب تک نہ گزرے عورت کو مطالبہ اختیار نہیں، بعد انقضائے میعاد مطالبہ کرسکے گی، اور میعاد آنے پر اگر شوہر دینے میں تاخیر کرے تو اس کے لئے اپنے نفس کو نہیں روک سکتی خصوصًا جبکہ رخصت ہوچکی ہو۔ شرح جامع صغیر امام قاضی خاں میں ہے:

لوکان المھر مؤجلا لیس لھا المنع قبل حلول الاجل والابعدہ وعلی قول ابی یوسف لھا المنع الی استیفاء الاجل اذالم یکن دخل بھا[1]۔	اگر مہر مؤجّل ہو تو مقررہ مدّت ختم ہونے سے قبل یا بعد بیوی کو منع کا حق نہیں ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول پر غیر مدخول بہا کو مدت مقررہ آنے تک بیوی کو منع حق ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

وبہ یفتی استحسانا. والوالجیۃ[2]۔	اسی پر فتوٰی دیا جائے گا استحسانًا، والوالجیہ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وفی البحر عن الفتح ھذا کلہ اذا لم یشترط الدخول قبل حلول الاجل فلو شرطہ ورضیت بہ لیس لھا الامتناع اتفاقا[3]۔	بحر میں فتح سے ہے یہ جب ہے کہ مقررہ مدت پوری ہونے سے قبل دخول کی شرط نہ لگائی ہو اور اگر یہ شرط لگائی گئی ہو اور بیوی کی رضامندی سے دخول ہوچکا ہو تو پھر بالاتفاق اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔(ت)

اس پر حاشیہ فقیر جدالممتار میں ہے:

اقول: وعرف بلادنا الدخول قبل اداء شیئ منہ والمعروف کالمشروط فلایکون لھا الامتناع	**اقول:** اور ہمارے علاقے کا عرف یہ ہے کہ مہر کا حصہ ادا کرنے سے قبل دخول ہوتا ہے، تو معروف

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح الجامع الصغیر امام قاضیخان باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۰

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[3] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۵۹

اجماعا بالاتفاق[1]	مشروط کی طرح ہوتا ہے اس لئے ہمارے علاقہ میں بالاجماع بیوی کو منع کا حق نہیں ہوگا۔(ت)

مؤخر وُہ کہ نہ پیشگی دینا ٹھہرا ہو، نہ اس کی کوئی میعاد مقرر کیا ہو اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، مگر بعد موت یا طلاق نہ اس کے لئے کسی وقت اپنے نفس کو روک سکتی ہے۔ فتاوٰی خانیہ میں ہے:

اذا لم یصح التاجیل یؤمر الزوج بتعجیل قدر مایتعارفه اهل البلدة فیؤخذ منه الباقی بعد الطلاق او الموت ولایجبره القاضی علی تسلیم الباقی ولایحبسه[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب مہلت دینا صحیح نہ ہو تو خاوند کو کہا جائے گا کہ عرف کے مطابق جو قدر معجّل ہو وہ ادا کردے اور باقی طلاق یا موت کے بعد وصول کیا جائے گا، اس سے قبل قاضی اس کو تمام مہر ادا کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا اور نہ ہی قاضی اسے قید کرسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۶۷: از قصبہ نرمڑ ڈاکخانہ چڑوہ ضلع شیخاواٹی محلّہ پیرزادگان مرسلہ منشی محمد علی صاحب ارم مدرس ۲۲ شوال ۱۳۳۹ھ

اس مسئلہ میں شریعت عزائے اسلام کا کیا حکم ہے ایک شخص نے اپنا نکاح ثانی کیا اور اپنی تمام جائداد کا مہر مقرر کیا، جائداد علی التوریث چلی آرہی ہے جس میں ایک کھیت زمین بارانی' مکان سکنی، آمدنی خانقاہ ہر قسم حصّہ خود ایک گاؤں سے کچھ نقد رقم آتی ہے، وُہ رقم حصّہ خود غرض سب جائداد منقولہ غیر منقولہ کا مہر مقرر کرکے اپنی بیوی کے نام ہبہ کردی، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا مہر لازم آئے گا؟ اس کے ایک حقیقی بہن بھی ہے مگر یہاں رواج ہمشیرہ کو حصّہ کا نہیں، رشتہ کے بھتیجے موجود ہیں جو حسب دستور اُس کے بعد مستحقِ جائداد وغیرہ ہیں، عمر ساٹھ برس ہے جو مکان اور جائداد مہر ہو کر ہبہ ہوچکی اس کے سوا اور کوئی مکان رہنے کو اور نان نفقہ کو کوئی وجہ معاش نہیں، یہاں نکاح ثانی نہیں ہوتا اب بکوشش جاری ہوا ہے، یہی وجہ زیادتی مہر ہے، ان سب صورتوں میں یہ شخص یا ہر شخص ایسا مہر مقرر کرسکتا ہے؟

الجواب:

جس قدر جائداد اُس کو متروکہ پدری یا مادری سے پہنچی اُس میں سے جس قدر اس کا حصّہ ہے

---

[1] جدالممتار حاشیہ المجمع الاسلامی مبارکپور، انڈیا ۲/ ۴۱۷

[2] قاضیخان باب فی ذکر مسائل المهر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۷۴-۱۷۳

وُہ مہر مِلکِ زوجہ ہوگیا، اور جتنا حصّہ اس کی بہن کا ہے اگر وُہ اجازت دے دے تو وُہ بھی مِلکِ زوجہ ہوگیا، اور اگر وُہ اجازت نہ دے تو حصّہ خواہر کی جتنی قیمت ہے وہ اسے مہر میں دینا پڑے گی۔ عالمگیریہ میں ہے:

فاذا تزوجها علٰی هذا العبد وهو ملك الغير او علی هذه الدار وهی ملك الغير فالنكاح جائز والتسمية صحيحة فبعد ذٰلك ينظر ان اجاز صاحب الدار وصاحب العبد ذٰلك فلها عين المسمی وان لم يجز المستحق لايبطل النكاح ولاالتسمية حتی لايجب مهر المثل وانماتجب قيمة المسمی كذافی المحيط[1]۔	جب کسی نے ایک خاص عبد یا ایک مکان بطور مہر پر نکاح کیا جبکہ وُہ عبد اور مکان کسی غیر کی ملکیت ہوں تو یہ نکاح جائز ہوگا، اور مہر کے طور پر ان کا ذکر صحیح ہے، بعد میں دیکھا جائے کہ اس عبد یا مکان کا مالک دینے پر تیار ہے تو وہی عبد یا مکان مذکورہ دیا جائے گا اور مالک دینے پر تیار نہ ہو تو پھر بھی نکاح اور مہر باطل نہ ہوگا حتی کہ مہر مثل واجب نہ ہوگا بلکہ اب اس عبد یا مکان کی قیمت دی جائے۔ محیط میں یُونہی ہے (ت)

آمدنی خانقاہ جیسے نذور وغیرہا کہ فی الحال معدوم ہیں وُہ داخل مہر نہ ہُوئیں مگر ان چیزوں کے نکل جانے سے جائداد کے حصص موجودہ کہ مہر کئے گئے اُن پر اثر نہ پڑے گا وہ مہر میں ہوچکے، نہ اس کی وجہ سے مہر مثل لازم آئے بلکہ وہی حصص موجودہ مہر میں دئے جائیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

واذاسمی فی العقد ماهو معدوم فی الحال بان تزوجها علی مايثمر نخيله العام او علی ماتخرج ارضه العام او علی مايكتسب غلامه لايصح التسمية وكان لها مهر المثل[2]۔	اگر نکاح میں ایسی چیز کو مہر ذکر کیا جو فی الحال معدوم ہے مثلاً اس سال کھجوریں یا زمین جو فصل دیں گی، یا میرا غلام اس سال جو کمائے گا وغیرہ، تو مہر میں ان کا ذکر صحیح نہیں لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوسمی عشرة دراهم ورطل خمر فلها المسمی ولا يكمل مهر المثل بحر[3]۔	اگر مہر میں دس درم اور ایک رطل شراب مقرر کیا ہو تو بیوی کو مقررہ مہر دیا جائیگا اور مہر مثل کو پورا نہ کیا جائے گا، بحر۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المہر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۰۳

[2] فتاوٰی ہندیہ باب المہر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۰۳

[3] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۵

بھتیجے اس کے وارث ہونا، یا نفقہ کے لئے کچھ پاس نہ رہنا مانع صحت مہر نہیں، جو مہر میں دے چکا، اور جو کوئی ایسا مہر باندھے گا اس کا یہی حکم ہوگا اگرچہ ایسا کرنا عقل سے بعید ہے اور وہ رواج کہ بہن کو ترکہ نہیں دیتے باطل و مردود ہے، اس سے اس کا حق سقط نہیں ہوتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۸ تا ۷۰: ازرامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی صاحب ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

رئیس المحققین عمدۃ الامین محافظ الدین دام لطفہ، تسلیم کے بعد عرض خدمت ہے کہ:

(۱) اگر طالق اور مطلقہ دونوں کہتے ہیں کہ نہ ہم نے وطی کی ہے نہ ایک جگہ تنہائی میں بیٹھے ہیں، اب حضور انور بتائیں کہ ان کے کہنے پر اعتماد کرکے بغیر عدّت کئے نکاح کیا جائے تو کچھ نکاح خواں پر تو گناہ نہیں ہے یا ہے؟

(۲) اگر محض عورت طالق کے دخول اور خلوتِ صحیحہ سے منکرہ ہے، اور طالق کہتا ہے میں نے دخول کیا ہے، یا برعکس ہو تو کس کے قول پر اعتماد کرکے بغیر عدّت کئے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کیا جائے یا نہیں؟

(۳) ثبوت خلوت صحیحہ اور دخول کا گواہان سے ہوگا یا طالق مطلقہ سے، سند فقہاء مع عبارت کتب و اسمِ کتاب ارشاد ہو قیمت رقیمہ دی جائے گی، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) جبکہ ظاہر حال اُن کے قول کا مکذب نہ ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا نکاح خواں پر کوئی الزام نہ ہوگا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر عورت خلوتِ صحیحہ ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر منکر ہو تو عورت کا قول معتبر ہے، تنویر میں ہے:

ولوافترقا فقالت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول فالقول لها[1]۔	جب دونوں میں مفارقت ہوئی تو بیوی نے کہا کہ دخول کے بعد ہوئی ہے اور خاوند نے کہا دخول سے قبل مفارقت ہُوئی ہے، تو بیوی کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فقالت بعد الدخول المراد هنا الاختلاف فی الخلوة[2]۔	اس کے قول کہ "بیوی نے دخول کے بعد کہا" سے مراد خلوت میں اختلاف ہے۔ (ت)

اور اگر عکس ہو تو قولِ شوہر بدرجۂ اولٰی معتبر ہے کہ وہ مقر ہے اور عورت انکار سے متعنت۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۰

[2] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۳

درمختار میں ہے:

والاصل ان من خرج کلامه تعنتا فالقول لصاحبه بالاتفاق[1]۔	ضابطہ یہ ہے کہ جو بھی اپنے مفاد کے خلاف بات کرے تو دُوسرے فریق کی بات معتبر ہوگی بالاتفاق۔(ت)

ردالمحتار میں ہے: **تعنتا بان ینکر ماینفعه**[2] (تعنت یہ ہے کہ وُہ اپنے مفاد کے خلاف بات کرے۔ت) بہر حال اُن میں جو کوئی خلوت صحیحہ ہونا بیان کرتا ہو دوسرے کو قبل عدّت نکاح پر اقدام نہ چاہئے، **قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیف وقد قیل**[3] (حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے فرمایا: کیاکیا جائے جب بات کہہ دی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) دربارہ دخول تو ظاہر ہے کہ گواہوں کو کچھ دخل نہیں کہ وہ اس پر مطلع نہیں اور ظاہرا خلوت صحیحہ بھی شہادت سے جُدا۔ اُن کا علم اگر محیط ہوسکتا ہے تو صرف اتنی بات کو کہ سامنے یہ دونوں تنہا مکان میں گئے اُس میں کوئی اور نہ تھا اور کواڑ بند کرلئے اس پر اگر ثابت ہوئی تو صرف خلوت صحیحہ کے لئے تو یہ بھی لازم ہے کہ کوئی مانع نہ حسی ہونہ شرعی نہ طبع۔ اس پر شہادت نفی پر شہادت ہوگی اور وہ معتبر نہیں خصوصا بعض موانع وُہ ہیں جو شاہدوں کی اطلاع سے وراہیں' معہذا اگر شوہر خلوتِ صحیحہ ہونا بیان کرتا ہے تو وُہ مقر ہے اقرار کے ساتھ شہادت کسی۔ اور اگر عورت بیان کرتی ہے تو وُہ منکرہ ہے اور گواہ منکر سے نہیں لئے جاتے بلکہ مدعی سے، ہاں یہ صورت متصور ہے کہ عورت اپنے اوپر سے دفع حلف کے لئے اقرارِ شوہر کے گواہ دے جو شہادت دیں کہ ہمارے سامنے شوہر نے خلوت صحیحہ ہونے کا اقرار کیا،

هذاکله ماقلته تفقها والفقیر الاٰن متنزہ علی جبل بعید عن وطنی وکتبی فان اصبت فمن ربی وعندہ العلم بالحق وھو حسبی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ جو کچھ میں نے کہا ہے محض فہم کی بنا پر کہا ہے اس وقت میں دور ایک پہاڑ پر تفریح میں ہوں، اپنی کتب اور وطن سے دور ہوں، لہٰذا اگر یہ درست ہو تو میرے علم رب کی طرف سے ہے اور اس کے پاس ہی حق کا علم ہے، وہی مجھے کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسائل پر بفضلہٖ تعالٰی یہاں کبھی کوئی اُجرت نہیں لی جاتی اور اس کو سخت عیب سمجھا جاتا ہے مَآ اَسْئَلُکُمْ

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۱۱

[3] صحیح البخاری باب الرحلة فی المسألة النازلة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹

عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾[1] (تم سے کسی اجر کا سوال نہیں میرا اجر اللہ تعالٰی کے ہاں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۱تا۱۷۲: از کانپور طلاق محال مکان ابوالضیاء حکیم نورالدین صاحب مسئولہ عبیداللہ صاحب ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی قبیلہ میں یہ رسم ہے کہ عقد کے پیشتر جو کچھ شرائط متعلق عقد کرنا ہوتے ہیں نوشاہ سے بتوسط والدین یا کسی دیگر عزیز قریب کے ساطرح پر طے کرتے ہیں کہ نوشاہ بالکل خاموش بیٹھا رہتا ہے اور دوسرے لوگ جو کچھ اس کے واسطے طے کردیتے ہیں اس کا وُہ پابند سمجھا جاتا ہے اور پابندی بھی کرتا ہے تو کیا زید کو جو اسی قبیلہ کا ہے اور اس سے بھی اس رسم قبیلہ کے مطابق یہ طے کیا گیا کہ وُہ بعد بلوغ زوجہ کے سسرال میں رہ کر نان نفقہ کی خبر گیری کرتا رہے گا یا نقد ادا کردے گا مگر بعد عقد کے زید ان معاہدوں کو پورا کرنے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے معاہدہ میرے والد سے ہُوا تھا نہ کہ مجھ سے، حالانکہ معاہدہ کے وقت زید بھی موجود تھا اور باوجود بالغ ہونے کے اُس نے معاہدہ کے کسی جُز سے انکار نہیں کیا، تو کیا ایسی صورت میں حسبِ رواج قبیلہ زید ان معاہدوں کے پورا کرنے کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۲) ہندہ کا عقد زید سے اس طرح پر ہوا کہ حسبِ رواج قبیلہ عقد سے چار یوم پیشتر زید سے بتوسط والدین یہ طے پایا تھا کہ مہر مؤجل باجل دو۲ سال مقرر ہے اس طرح پر کہ چاہے دو۲ سال کے اندر بعوض دین مہر مبلغ ساڑھے پانچ ہزار روپیہ کے جائداد غیر منقولہ بنام ہندہ خرید کردی جائے گی یا مبلغ ساڑھے پانچ ہزار روپیہ نقد بابت دین مہر ادا کردیا جائے گا مگر بروقت عقد یہ تفصیل دُہرائی نہیں گئی صرف اتنا کہا گیا مہر مؤجل تعداد ساڑھے پانچ ہزار روپیہ ہے تو کیا یہ مہر مطلق میں شمار کیا جائے گا یا باجل دو۲ سال مؤجل ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) شرع مطہر کا قاعدہ عامہ ہے کہ **المعروف کالمشروط** (عرف رواج مشروط کی طرح ہے۔ت) جبکہ ان لوگوں میں عام رواج یہی ہے اور شوہر کے سامنے شرائط کئے جاتے ہیں اور وہ ساکت رہتا ہے اور اس کا سکوت ہی قبول قرار پاتا ہے اور ان شرائط کی پابندی کرتا ہے تو زید کہ انہیں لوگوں میں سے ہے اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا مگر پہلا معاہدہ بیکار ہے سسرال میں رہنا ایک وعدہ ہے جس کی وفا پر جبر نہیں اور زوجہ کو اپنے پاس

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/۱۰۹

رکھنا حقِ شوہر و حکمِ شرعی ہے۔ قال تعالٰی:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ[1]	ان کو سکونت دو جہاں تم ساکن ہو اپنی گنجائش کے مطابق۔ (ت)

شوہر جب چاہے اس حق کا مطالبہ کرسکتا ہے **کمن ترکت قسمها لها ان تعود متی تشاء** (جیساکہ بیوی اپنی باری چھوڑ دے تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جب چاہے۔ ت) اور دوسرے معاہدہ سے مہر دو۲ برس کے لئے مؤجل ہوگا اس پر لازم ہے کہ دو برس کے اندر کردے خواہ جائداد خرید کر یا نقد۔ اگر صرف جائداد خرید دینے کا معاہدہ ہوتا تو وہ بھی محض ایک وعدہ ہوتا زوجہ کو دو برس کے بعد مطالبہ مہر ہی کا استحقاق ہوتا نہ بالخصوص جائیداد کا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر شوہر تسلیم کرے کہ عقد اسی قرارداد کی بناء پر ہُوا تھا اور مؤجل سے وہی اجل مراد تھی تو دو۲ سال میں ادا کرنا لازم ہوگا ورنہ اطلاق لفظ اپنا عمل کرے گا اور یہ مہر مؤخر رہے گا قبل موت وطلاق مطالبہ کا اختیار نہ ہوگا کہ تاجیل بوجہ جہالت اجل صحیح نہ ہوئی۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بالف علی ان کل الالف مؤجل ان کان الاجل معلوما صح التاجیل وان لم یکن لایصح واذا لم یصح التاجیل یؤمر الزوج بتعجیل قدر مایتعارفہ اھل البلدۃ فیوخذ منه الباقی بعد الطلاق او بعد الموت ولایجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولایحبسہ[2]۔	ایک شخص نے کسی عورت سے ایک ہزار پر نکاح کیا اور کہا کہ پُورا ہزار مؤجل ہے، تو اگر اس کی مدت معلوم ہو تو مہلت دینا صحیح ہے اور اگر مدت معلوم نہ ہو تو مہلت دینا صحیح نہیں اور جب مہلت دینا صحیح نہ ہو تو خاوند کو کہا جائیگا کہ علاقہ کے عرف کے مطابق کچھ معجّل طور پہلے دے دے اور باقی اس سے طلاق یا موت کے بعد وصول کیا جائیگا اور قاضی اس پر باقی کی ادائیگی میں جبر نہ کرے گا اور نہ قید کرے گا۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

تأجیل المھر الی غایۃ معلومۃ یصح ھو الصحیح لان الغایۃ معلومۃ فی نفسھا وھو الطلاق او الموت کذا فی المحیط[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مہر کی مہلت، مدتِ غیر معین تک ہو تو صحیح ہے، یہی صحیح ہے، کیونکہ انتہائی مدت خود بخود معلوم ہے، اور وہ طلاق یا موت ہے، محیط میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی مسائل ذکر المہر نولکشور لکھنؤ ۱/۷۴-۱۷۳

[3] فتاوٰی ہندیہ باب المہر فصل الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۱۸

مسئلہ ۷۳: از سرائے صالحہ ضلع ہزارہ تحصیل ہری پور مرسلہ حاجی عبدالعزیز خاں صاحب ۱۲ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے نواسہ خالد کی منگنی میں جرگہ عام میں ایک زیور از قسم طلائی اس کے والد عمرو کو دے کر بطور ہبہ کہا کہ یہ تمہارے لڑکے کی طرف سے بطور نشانی لڑکی کو پہناتاہُوں، اس وقت عمرو کالڑکا خالد نابالغ تھااور عمرو نے وہ زیور زید سے قبول کرلیالڑکی کے ہاتھ میں خالد کی طرف سے پہنایا گیا، اب وُہ دونوں یعنی لڑکا اور لڑکی بالغ ہیں کسی خاص وجہ سے لڑکی کی طرف سے وُہ زیور وغیرہ اور پارچات واپس ہوکر طلاق ہونے پر فریقین تیار ہیں لیکن وُہ زیور جو زید نے اپنی طرف سے نواسہ کو دیاہے اور لڑکی کواس کی طرف سے پہنایا گیا تھا زید کہتا ہے کہ وہ مجھ کو واپس ہوئے اور لڑکا کہتا ہے کہ میں اب بالغ ہوں مجھ کو ملے اور عمرو لڑکے کا والد کہتا ہے مجھ کو ملنا چاہئے، اس لئے صاحبانِ شرع شریف سے مفصل طور پر دریافت کیا جاتا ہے کہ آیا اس صورت میں اس زیور کے لینے کا شرعاً کون مستحق ہے، کیا نانا یا باپ یا خود لڑکا جس کی منگنی ہُوئی تھی؟ جوابِ باصواب عنایت فرماکر اجر دارین حاصل فرماویں، بینواتوجروا، اگر صورتِ مسئولہ میں ہبہ ہے تو نانا نواسے وُہ زیور شرعًا واپس لینے کاحقدار ہے یا نہ؟

الجواب:

ایسے زیور پارچہ کو عرف میں چڑھاوا کہتے ہیں اسے دُولھا کی طرف سے دُلہن کو دینے میں اگرچہ عرف وعادت ناس کااختلاف ہے، بعض ہبۃً دیتے ہیں بعض عاریۃ، مگر وُہ جو دُولہاکے اقارب دُولہاکے یہاں بھیجتے ہیں اس میں اصلًا اختلاف نہیں وُہ یقینا بطور ہبہ وامداد ہی ہوتا ہے، کسی حالت میں اُنہیں اس کی واپسی کادعوی نہیں ہوتا، اولاد کی شادیوں میں جو ایسی اعانت کی جاتی ہے اس میں اعانت کرنے والا اگر تصریح کردے کہ میں نے ہبہ کی جب تو وہ اس کی ہے، اور تصریح نہ کرے تو وُہ چیز اگر اولاد کے مناسب ہے توان کی ہے ورنہ اگر یہ امداد کرنے والا باپ کے اقارب یا شناساؤں میں سے ہے تو وہ ہبہ باپ کے لئے ہے اور ماں کے اقارب سے یا شناساؤں میں ہے تو ماں کے لئے، مگر یہ کہ امداد کرنے والے نے اس وقت کچھ نہ کہا، اور اب وہ موجود ہے اور بیان کرے کہ میں نے فلاں کو ہبہ کیا تھا مثلًا باپ یاماں یا اولاد کو تواُس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا اتخذ الرجل عذیرۃ للختان فاھدی الناس ھدایا ووضعوا بین یدی الولد فسواء قال المھدی ھذا للولد اولم یقل فان کانت الھدیۃ تصلح للولد	مثلًا بچے کے کپڑے، یا وہ شے جو بچّہ استعمال کرتے ہیں جیسے ہاکی اور گیند تو یہ بچے کیلئے ہی ہونگے کیونکہ ایسی چیزیں عادۃً بچّے کی ملکیت کیجاتی ہیں، اور اگر وُہ ہدیے بچّے کے مناسب ہوں

مثل ثیاب الصبیان اوشیئی یستعمله الصبیان مثل الصولجان والکرة فهو للصبی لان هذا تملیك للصبی عادة کالدراهم والدنانیر، ینظر الی المهدی فان کان من اقارب الاب او معارفه فهو للاب وان کان من اقارب الام اومعارفه فهو للاب وان کان من اقارب الام اومعارفها فهو للام لان التملیك هنا من الام عرفا وهناك من الاب فکان التعویل علی العرف حتی لو وجد سبب او وجه یستدل به علی غیر ماقلنا یعتمد علی ذٰلک، وکذٰلك اذا اتخذ ولیمة لزفاف ابنته فاهدی الناس هدایا فهو علی ماذکرنا من التقسیم، وهذاکله اذالم یقل المهدی شیئا وتعذر الرجوع الی قوله اما اذا قال اهدیة للاب او للام او للزوج او للمرأة فالقول للمهدی کذافی الظهیریة[1]۔	مثلاً بچے کے کپڑے، یا وہ شے جو بچّے استعمال کرتے ہیں جیسے ہاکی اور گیند تو یہ بچے کیلئے ہی ہونگے کیونکہ ایسی چیزیں عادةً بچّے کی ملکیت کیجاتی ہیں، اور اگر وُہ ہدیے بچّے کے مناسب نہ ہوں جیسا کہ دراہم و دینار وغیرہا، تو پھر ہدیہ دینے والوں کو دیکھا جائے گا کہ وُہ والد کے قریبی اور واقفیت والے ہیں یا ماں کے، اگر وُہ والد کے تعلق والے ہوں تو وہ والد کے لئے ہوں گے، اور اگر ماں کے تعلق والے ہوں تو وُہ ماں کے لئے ہوں گے، کیونکہ عرفاً یہاں ماں کی طرف سے تملیک سمجھی جاتی ہے اور وہاں باپ کی طرف سے سمجھے جاتے ہیں، لہٰذا عرف پر اعتماد کرنا ہوگا، ہاں اگر کوئی ایسا سبب یا وجہ پائی جائے جو ہمارے بتائے ہوئے عرف کے خلاف قرینہ ہے تو پھر اسی قرینہ پر اعتماد کی جائے، اوریُونہی اگر کسی نے بیٹی کے زفاف کے لئے ولیمہ کا انتظام کیا تولوگوں نے ہدیے دئے تو وہ اسی تقسیم پر ہوں گے جو ہم نے ذکر کی ہے، یہ تمام گفتگو اس صورت میں ہے جب ہدیہ دینے والے نے کوئی تصریح نہ کی ہو، اور اس سے معلوم کرنے کے لئے رجوع بھی مشکل ہو، لیکن جب اس نے کہہ دیا کہ یہ باپ یاماں یاخاوند یا بیوی کے لئے ہیں تو پھر اس کے قول کے مطابق حکم ہوگا، ظہیریہ میں یُونہی ہے۔ (ت)

بالجملہ زید کی طرف سے وہ زیور ہبہ ہونے میں کلام نہیں اور جبکہ اس کے لفظ وُہ ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے کہ یہ تمہارے لڑکے کی طرف سے بطور نشانی تو یہ نواسے کو ہبہ ہُوااور وُہ اس وقت نابالغ تھااور اس کے باپ نے قبول کرکے قبضہ کرلیاتو ہبہ تمام ہوگیااور نواسہ اس کا مالک ہوگیا، اس میں نہ باپ کا حق ہے نہ نانا کا، نہ نانا اسے کسی طرح واپس لے سکتا ہے کہ قرابت محرمہ مانع رجوع ہے، درمختار میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب لاھبہ باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۳

لو وھب الذی رحم محرم نسبا ولو ذمیا او مستامنا لایرجع[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے اپنے ذی محرم نسبی کو ہبہ دیا تو وہ خواہ کافر ذمی ہو یا امن لے کر آیا ہو تو واپس نہ لے سکے گا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۴: از چاندہ پار ڈاک خانہ شہرت گنج ضلع بستی مسئولہ محمد یار علی صاحب نائب مدرس ٹریننگ اسکول ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے وقت لڑکی بالغہ کے والدین نے بخیال دنیا اس قدر وسیع مہر بندھوایا کہ لڑکا بالغ اپنے والدین کی جائداد موجودہ سے کسی صورت ادا نہیں کر سکتا، لڑکے نے اس خیال پر کہ اگر منظور نہ کروں گا نکاح نہ ہوگا مجبورًا محض اللہ کے بھروسے پر اپنے نزدیک نکاح جائز سمجھ کر منظور کرلیا جب مکان پر ہمراہ رہنے کا دونوں کا اتفاق ہُوا تو اسی ہفتہ کے اندر لڑکی بالغہ نے بخوشی ورضامندی بغیر کسی مجبوری اور دباؤ شوہر کے سامنے اللہ کو شہید وبصیر جان کر جمیع انبیاء وملائکہ کا واسطہ دلا کر معاف کر دیا، جب سے آج تک ایک سال کا زمانہ گزرا میاں بی بی دونوں ساتھ ہیں اب چند روز سے لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ نکاح ناجائز وحرام ہوا اور یہ صحبت حرامکاری ہے لڑکا بخوف عقبٰی اپنی براءت کے لئے ہر صورت سے راضی ہے گو کہ بی بی اس کو بہت محبوب ہے مگر شرعی فتوٰی پر کاربند ہونے کو دل وجان سے تیار ہے، مہر جو بندھا ہے اس کی تعداد ایک ہزار دو اشرفی لڑکے کے والدین کی جائداد تقریبًا پانچ سو روپے ۵۰۰ سکّہ رائج الوقت، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر لڑکے کے پاس ایک پیسے کا سہارا نہ ہوتا اور دس کروڑ اشرفی کا مہر باندھا جاتا جب بھی نکاح صحیح تھا اور معاذاللہ اسے حرام کاری سے کچھ تعلق نہ تھا، یہ جو حدیث میں ارشاد ہُوا ہے کہ جن کا نکاح ہوا ان کی نیت میں ادائے مہر نہیں وہ روز قیامت زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے[2] یہ ان کے واسطے ہے جو محض برائے نام جُھوٹے طور پر ایک لغو رسم سمجھ کر مہر باندھیں شرعًا نکاح اُن کا بھی ہو جائے گا اور وُہ بحکم شریعت زانی وزانیہ نہیں زن وشو ہیں اگرچہ قیامت میں اُن پر اس بدنیت کا وبال مثل زنا ہو کہ اُنہوں نے حکمِ الٰہی کو ہلکا سمجھا یہاں کہ لڑکے نے اللہ عزوجل پر بھروسا کرکے قبول کیا تو اس صورت سے کچھ علاقہ نہ ہُوا پھر جبکہ لڑکی بالغہ نے بے کسی دباؤ کے بخوشی معاف کر دیا معاف ہوگیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

[2] السنن الکبرٰی باب ماجاء فی حبس الصداق الخ دار صادر بیروت ۷/ ۲۴۲، کنز العمال حدیث بیروت ۱۶/ ۳۲۳

باب الجھاز

(جہیز کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۷۵: ۲۵صفر ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں اُس کو کچھ زیور یا اسباب یا جائداد دی تواُس مال کا مالک اس لڑکی کے حینِ حیات میں اس کا شوہر ہوسکتا ہے یا وہ لڑکی ہی مالک ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ مال تمام وکمال خاص مِلک عورت ہے دوسرے کا اس میں کُچھ حق نہیں:

فی ردالمحتار احد یعلم ان الجھاز ملك المرأة وانه اذا طلقھا تاخذ کله واذا ماتت یورث عنھا ولایختص بشئی منه[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور جب شوہر اس کو طلاق دے دے وہ تمام جہیز لے لے گی، اور اگر عورت مر جائے تو جہیز اس کے وارثوں کو دیا جائے گا شوہر اس میں سے اپنے لئے کچھ بھی مختص نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب النفقه داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

مسئلہ ۷۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جو زیور اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا اس کی مالک دخترِ زید ہے یا اس کا شوہر، اور اگر شوہر بے اذنِ زوجہ اس میں تصرف کرے تو نافذ ہوگا یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

زیور وغیرہ جہیز کہ زید نے اپنی بیٹی کو دیا خاص مِلک دختر ہے شوہر کو کسی طرح کا استحقاق مالکانہ اُس میں نہیں، نہ اس کا تصرف بے رضا واذنِ زوجہ نافذ ہوسکے۔

فی الدرالمختار جهز ابنته بجهاز وسلمها ذٰلك ليس له الاسترداد منها، ولا لورثته بعده ان سلمها ذٰلك فی صحته بل تختص به وبه يفتی[1]۔	درمختار میں ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیٹی کو کچھ جہیز دیا اور وُہ اس کے سپرد بھی کردیا تو اب اس سے واپس نہیں لے سکتا، اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اُس کے وارث واپس لے سکتے ہیں بلکہ وہ خاص عورت کی ملکیت ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس نے یہ جہیز حالتِ صحت میں بیٹی کے سپرد کیا ہو (یعنی مرض الموت میں نہ دیا ہو)۔ (ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

كل احد يعلم ان الجهاز ملك المرأة[2] لاحق لاحد فيه۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اس میں کسی اور کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۷: ۳۰ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ یہ جو متعارف ان شہروں میں ہے کہ دُولہا کی طرف سے جوڑا وغیرہ دُلہن کو بھیجا جاتا ہے بایں اُمید کہ اُدھر سے بہت زیور وغیرہ ملے گا لہٰذا بامید عوض جوڑے گراں قیمت سَو روپے دو سو روپے کے اور دیگر اسباب قیمتی مناسب اس کے بھیجتے ہیں اور یہ صراحت بھی ہوتی ہے کہ ادھر سے دو سو کا مال جائے گا تو اس کے عوض میں چار سو کا مال ملے گا، ایسا ہی دُلہن کی طرف سے دُولہا کے واسطے جوڑا وغیرہ گراں قیمت بھیجا جاتا ہے، پھر جب زوجین میں جُدائی ہوگئی اور زوجہ کی طرف سے طلب اپنے دئے کی ہُوئی، اور زوج کی طرف بمقتضائے ایمانداری جو کچھ اُدھر سے آیا تھا جوڑا وغیرہ سب دے دیا اور رسید اُن اشیاء کی لکھوالی، اس صورت میں زوج کی طرف سے جو کچھ جوڑا اور زیور وغیرہ گیا تھا واپس ہوسکتا ہے یا

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

[2] ردالمحتار باب النفقہ احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۵۳

نہیں اور اگر ہلاک کردے ایک شخص ان دونوں میں سے جو دیا تھا اس کو دوسرے نے، تو اس صورت میں ہلاک کردینے والے سے وُہ دوسرا شخص جس کا مال ہلاک کیا، لے سکتا ہے یا نہیں۔ والدین زوج نے اپنے پسر کی زوجہ کو کچھ زیور وغیرہ واسطے تالیفِ قلوب کے بایں غرض کہ ہمارے گھر میں رہے گا اور ہر وقت ہمارے اختیار میں جس وقت چاہیں گے اس کو دوسرے کام میں لائیں گے اور جب چاہیں گے بنادیں گے جیسا کہ تاجروں میں ہے بطور عاریت کے ایسا مال دیا کرتے ہیں واسطے زیبائش اپنے گھر کے، نہ بطور تملیک کے، اس صورت میں مالک اُس مال کے والدین ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

جہیز ہمارے بلاد کے عرف عام شائع سے خاص مِلک زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں، طلاق ہُوئی تو کُل لے گئی، اور مر گئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجھاز للمرأة وانہ اذا طلقھا تاخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنھا[1]۔	ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے، جب شوہر اس کو طلاق دے دے تو وہ تمام جہیز لے لے گی اور جب عورت مرجائے تو جہیز اس کے وارثوں کو دیا جائے گا۔ (ت)

ہاں مرد بحالت ہمحانگی اُن کے والدین بھی بعض اشیائے جہیز مثل ظروف وفروش وغیرہا اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور عرفاً اس سے ممانعت نہیں ہوتی اس کی بناملک شوہر یا والدینِ شوہر پر نہیں بلکہ باہمی انبساط کہ زن وشو کے املاک میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا جیسے عورتیں بے تکلف اموال شوہر استعمال میں رکھتی ہیں اس سے وہ اُس کی مِلک نہ ہوگئے۔ عقود الدریہ کتاب الفرائض میں بحر الرائق سے ہے:

لایکون استمتاعھا بمشریہ ورضاہ بذٰلك دلیلا علی انہ ملکھا ذٰلك کما تفھمہ النساء والعوام وقد افتیت بذٰلك مرارا[2]۔	شوہر کے خریدے ہوئے مال سے عورت کا نفع حاصل کرنا اور شوہر کا اس پر رضا مند ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عورت اس مال کی مالک ہو گئی جیسا کہ عورتیں اور عام لوگ سمجھتے ہیں اور تحقیق میں اس پر متعدد بار فتوٰی دے چکا ہُوں۔ (ت)

یہاں سے ظاہر کہ جانب شوہر کی بری اگرچہ بامید کثرت جہیز گراں بہا بنے معاوضہ نہیں کہ اگر یہ اشیاء اپنے ملک پر رکھتے اور وقت پر برائے نام بھیج دیتے ہوں کہ ہمارے گھر آجائے گی جب تو ظاہر کہ

---

[1] ردالمحتار باب النفقہ احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

[2] العقود الدریہ تنقیح فی فتاوٰی حامدیۃ، کتاب الدعوی /، کتاب الفرائض ۲/ ۳۵۰ حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان

جانب شوہر سے کوئی تملیک نہ ہُوئی اور تملیک ہی قصد کرتے اور دُلہن کو اس گہنے جوڑے کا مالک جانتے ہوں تاہم معاوضہ نہ ہُوا کہ اس کے عوض میں جس شے کی امید رکھتے ہیں یعنی جہیز وہ بھی ملک زوجہ ہی ہوگا اور عوض و معوض ایک مِلک میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ہاں کثرت جہیز کی امید پر بھاری جوڑے گہنے بھیجتے ہیں مگر نہ اس لئے کہ ہم یہ دے کر جہیز کے مالک ہوں گے بلکہ اس خیال سے کے بسببِ انبساط مذکور ہمیں بھی تمتع وانتفاع ملے گا ہمارے گھر کی زیب وآرائش ہوگی نام ہوگا آرام ہوگا وقتِ حاجت ہر گونہ کا برآری کی توقع ہے کہ یہاں کی نیک بیبیاں غالبًا اپنا مال خصوصًا ہنگامِ ضرورت اپنے شوہروں سے دریغ نہیں رکھتیں، یہ وجوہ اُس باعث ہوتی ہیں کہ ادھر سے دوسو کا جائے گا تو چار سو کا آئے گا جیسے بلادِ شام وغیرہ میں اسی اُمید پر مہر بڑھاتے ہیں۔

فی ردالمحتار کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة ولایختص بشیئی منه وانما المعروف انه یزید فی المهر لتاتی بجهاز کثیر لیزین به بیته وینتفع به باذنها ویرثه هو واولاده اذا ماتت کمایزیده فی مهرا لغنیة لاجل ذلك لالیکون الجهاز کله او بعضه ملکا له، ولا لیملك الانتفاع به وان لم تأذن[1]۔	ردالمحتار میں ہے ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور شوہر اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتا، اور بیشک متعارف ہے کہ شوہر مہر میں اس توقع پر اضافہ کرتا ہے کہ عورت بھی زیادہ جہیز لائے گی تاکہ اس سے گھر کی زینت وآرائش ہو اور عورت کی اجازت سے شوہر اس سے نفع اٹھائے گا اور عورت کے مرنے کے بعد وُہ اور اس کی اولاد جہیز کی وارث بنے گی، جیسا کہ اسی غرض سے وہ غنی عورت کے مہر میں اضافہ کرتا ہے، اس لئے نہیں کہ وُہ تمام یا بعض جہیز کا مالک بن جائے گا یا عورت کی اجازت کے بغیر اس سے نفع حاصل کرسکے گا۔(ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں جہیز تو ذرّہ ذرّہ دینا واجب ہی تھا اور اُس کی واپسی سے بری کی واپسی لازم نہیں کہ وُہ اس کا عوض نہ تھی بلکہ اُس کا حکم آگے آتا ہے شوہر کا جوڑا ادھر سے آتا ہے بعد قبضہ قطعًا مِلک شوہر ہو جاتا ہے کہ لوگ اُس تملیک ہی کا قصد کرتے ہیں وذلك واضح لاخفاء به (اور یہ واضح ہے اس میں کسی قسم کی پوشیدگی نہیں۔ت) پس اگر وہ اس نے ہلاک کردیا خواہ ہلاک ہوگیا تو اُدھر والے اس کا کوئی تاوان اس سے نہیں لے سکتے کہ ہلاک موہوب مطلقًا مانع رجوع ہے۔ یونہی اگر جوڑا عورت کے والد یا والدہ نے اپنے مال سے بنا کر بھیجا جیسا کہ ان بلاد میں اکثر یہی متعارف ہے اور یہ شخص نسبًا اس کا محرم مثلًا بھتیجا بھانجا ہے یا نکاح پہلے ہو لیا بعدہ، جوڑا مال زوجہ

[1] ردالمحتار باب النفقه داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

سے برضائے زوجہ بنا کر بھیجا گیا تو ان صورتوں میں بھی واپس لینے کا اصلاً اختیار نہیں اگرچہ جوڑا سلامت موجود ہو کہ قرابت محرمہ زوجیت دونوں مانع رجوع ہیں،

فی الدرمختار و ردالمحتار یمنع الرجوع فیھا حروف **دمع خزقه** فالزوجیة وقت الھبة فلو وھب لامرأة ثم نکحھا رجع ولو وھب لامرأته لا کعکسه ای لو وھبت لرجل ثم نکحھا رجعت ولو لزوجھا لا ،والقاف القرابة فلو وھب لذی رحم محرم منه نسبا لا یرجع والھاء ھلاك العین الموھوبة وکذا اذا استھلك کما ھو ظاہر صرح به اصحاب الفتاوٰی رملی[1] اھ ملتقطین۔	درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ہبہ میں رجوع سے مانع یہ حروف ہیں: **دمع خزقه**، پس (ان سات حروف میں سے زا سے مراد ہے زوجیت ہے جو بوقتِ ہبہ موجود ہو لہٰذا اگر کسی عورت کو بطور ہبہ کچھ دیا پھر اس عورت سے نکاح کرلیا تو ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے اور اگر اپنی بیوی کو بطور ہبہ کچھ دیا تو رجوع کرسکتا ہے اور اگر اپنی بیوی کو بطور ہبہ کچھ دیا تو رجوع نہیں کرسکتا، ایسا ہی اس کے برعکس میں بھی ہے یعنی اگر عورت نے کسی مرد کو بطور ہبہ کچھ دیا پھر اس سے نکاح کیا تو رجوع کرسکتی ہے، اور اگر اپنے شوہر کو بطور ہبہ کچھ دیا تو رجوع نہیں کرسکتی۔ اور قاف سے مراد قرابت ہے، لہٰذا اگر کسی ایسے ذی رحم رشتہ دار کو بطور ہبہ کچھ دیا جو اس کے لئے محرم نسبی ہے تو رجوع نہیں کرسکتا۔ اور ہاء سے مراد موہوب شیئ کا ہلاک ہونا ہے اور اسی طرح ہلاک کرنا ہے: جیسا کہ ظاہر ہے اصحاب فتاوٰی نے اس کی تصریح کی، رملی اھ ملتقطین۔ (ت)

فتح القدیر وغیرہ میں ہے:

لو بعث ابوھا من ماله فله الرجوع لو قائما والا فلا ولو من مالھا باذنھا فلارجوع لانه ھبة منھا والمرأة لاترجع فی ھبة زوجھا[2]۔	اگر زوجہ کے باپ نے اپنے مال سے کچھ بھیجا تو اگر وُہ موہوب شیئ شوہر کے پاس موجود ہے تو رجوع کرسکتا ہے ورنہ نہیں، اور زوجہ کے مال سے اس کی اجازت سے بھیجا تو رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ یہ زوجہ کی طرف سے ہبہ ہے اور زوجہ کو زوج کے ہبہ میں رجوع کا حق نہیں۔ (ت)

ہاں اگر جوڑا ملکِ شوہر میں موجود اور باقی موانع رجوع بھی مفقود ہوں مثلاً والدینِ زن نے بنایا تو اُن سے قرابت محرمہ نسبیہ نہ ہو، یا مالِ زوجہ سے بنا تو پیش از نکاح بھیجا گیا ہو تو شوہر کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کا اختیار ہوگا کہ طرفین سے جوڑیں کا جانا بحکمِ عرف دونوں جانب کی مستقل رسم ہے، نہ ایک دوسرے کے عوض

[1] ردالمحتار باب الرجوع فی الھبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۹-۵۱۸-۵۱۵، درمختار باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۱

[2] فتح القدیر باب المھر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۵۶-۲۵۵

میں، ولہٰذا اگر ایک جان سے مثلاً بوجہ افلاس جوڑانہ آئے تو بھی دوسری طرف والے بھیجتے ہیں تو عوض صریح کہ موانع رجوع سے ہے متحقق نہیں، پھر دُولہا کی جانب سے بری میں ہر گز اُس جوڑے کا خیال نہیں جو دُولہا کو ملتا ہے بلکہ محض ناموری یا وہی کثرتِ جہیز کی طمع پروری، بہر حال یہ ہبہ معاوضہ سے خالی ہے تو بشرائط مذکورہ دُلہن والوں کو رجوع کا اختیار، مگر گنہگار ہوں گے۔ حضورپُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العائد فی ھبتہ کالعائد فی قیئہ [1]۔ رواہ الائمۃ احمد والستۃ بالفظ شتی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	دے کر پھیرنے والا مثل کُتّے کے ہے قے کرکے پھر کھالے (اس کو امامِ احمد اور اصحاب صحاح ستّہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

درمختار میں ہے:

(کرہ) الرجوع (تحریما) وقیل تنزیھا نھایۃ [2] اھ **اقول:** والاول الذی جزم بہ فی المتن واشار الشارح الی تضعیف خلافہ فانہ ھو الصحیح الذی لامعدل عنہ لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل للرجل ان یعطی عطیۃ فیرجع [3] فیھا ،رواہ الائمۃ احمد والاربعۃ عن ابن عمر وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم قال فی المنتقٰی صححہ الترمذی۔	(ہبہ میں) رجوع مکروہ تحریمی ہے، اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے نہایہ اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اوّل جس پر متن میں جزم کیا اور شارح نے اس کے خلاف کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا وہی صحیح ہے اس اعراض کا کوئی سبب نہیں بسبب فرمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ کسی مرد کے لئے جائز نہیں کہ کچھ عطیہ دے کر اس میں رجوع کرے۔ اسے امام احمد اور اصحابِ سُننِ اربعہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا، منتقٰی میں فرمایا کہ امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا۔(ت)

اس صورت میں شوہر نے اگر یہ جوڑا واپس کردیا تو رجوع صحیح ہوگئی اور اس کی مِلک سے خارج ہوگیا **لتحقق الرجوع بالتراضی** (باہمی رضامندی سے رجوع متحقق ہونے کی وجہ سے۔ت) اور اگر موجودہ صورت اولٰی ہے

[1] صحیح مسلم کتاب الھبۃ باب التحریم فی الصدقۃ مطبع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۶

[2] درمختار باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] مسند امام احمد بن حنبل مروی از ابن عمر وابنِ عباس دارالفکر بیروت ۲/ ۲۷

یعنی قرابت وزوجیت وغیرہما کوئی مانع، تو اس حال مین بھی اگر اس نے برضائے خود جوڑا انہیں ہبہ کرنے کے ارادہ سے واپس کردیا ہبہ صحیح ہوگیا۔

فی الدرالمختار اتفق والواهب والموهوب له علی الرجوع فی موضع لایصح رجوعه من لامواضع السبعة السابقة کالهبة لقرابته جاز هذاالاتفاق منهما جوهرة وفی المجتبی لاتجوز الاقالة فی الهبة و الصدقة فی المحارم الابالقبض لانها هبة[1]۔	درمختار میں ہے کہ واہب اور موہوب لہ، ہبہ کے رجوع پر متفق ہوگئے، مذکورۃ الصدر ان سات مواضع میں سے کسی موضع پر جن میں رجوع صحیح نہیں جیسے ہبہ بوجہ قرابت تو ان دونوں کا یہ اتفاق جائز ہے (جوہرہ) اور مجتبٰی میں ہے کہ محارم کے ہبہ اور صدقہ میں بلا قبضہ اقالہ جائز نہیں کیونکہ (اقالہ) ہبہ ہے۔(ت)

اور اگر اس گمان پر واپس دیا کہ جوڑا بھی مثل جہیز ہے بعد افتراق اس کی واپسی بھی مجھ پر لازم تو یہ واپس دینا معتبر نہ ہوگا، نہ وُہ جوڑا مِلک شوہر سے نکلے گا، اسے اختیار ہے اب واپس لے لے، اور ان پر لازم کہ واپس دیں۔

لان الجوع حیث لایصح انما یصح هبته مبتدأة کما تقدم واذلاهبة فلاصحة ولاعبرة بالظن البین خطؤه قال فی العقود الدریة من کتاب الشرکة من دفع شیألیس بواجب علیه فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه القابض کما فی شرح النظم للوهبانی وغیره من المعتبرات[2] اه وفی الخیریة من الوقف قد صرحوا بان من ظن ان علیه دینا فبان خلافه یرجع بما ادی ولو کان قداستهلکه رجع ببدله اه[3]۔	کیونکہ جہاں رجوع صحیح ہو وہاں نئے سرے سے ہبہ صحیح ہوتا ہے جیسا کہ گزرا، جب ہبہ نہیں تو صحت نہیں، اور اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں جس کی خطاء واضح ہے۔ عقود الدریہ کی کتاب الشرکۃ میں فرمایا کہ جس نے کسی کو ایسی شے دی جس کا دینا واجب نہ تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے سوائے اس کے کہ جب بطور ہبہ دی ہو اور قابض نے اس کو ہلاک کرڈالا ہو جیسا کہ وہبانی کی شرح النظم اور دیگر معتبر کتابوں میں ہے اھ اور خیریہ کے کتاب الوقف میں ہے تحقیق انہوں نے تصریح کی اس بات کی کہ کسی شخص نے گمان کیا کہ اس پر قرض ہے پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو جو کچھ ادا کرچکا ہے واپس لے سکتا ہے، اور اگر لینے والے نے اس کو ہلاک کردیا ہے تو اس کا بدل لے سکتا ہے اھ (ت)

[1] درمختار باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] العقود الدریة تنقیح فی فتاوٰی حامدیة کتاب الشرکة حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۳-۱۳

دلہن کا گہنا جوڑا جو بری میں دیا جاتا ہے اگر نصًا یا عرفًا اس میں بھی تملیک مقصود ہوتی ہے جیسے شکر، میوہ، عطر، پھل وغیرہ، مطلقًا ہوتی ہے تو وہ بھی قبضہ منکوحہ ملک منکوحہ ہوگا ہمارے یہاں شرفا کا عرف ظاہر یہی ہے ولہذا بعد رخصت اس کے واپس لینے کو سخت معیوب وموجب مطعونی جانتے ہیں، اور اگر لے لیں تو طعنہ زن یہی کہتے ہیں کہ دے کر پھیر لیا یا صرف دکھانے کو دیا تھا جب دُلہن آگئی چھین لیا، یعنی یہ ان کی رسمِ معہود کے خلاف ہے اس صورت میں تو اس کے لئے بھی بعینہٖ وہی احکام ہوں گے جو دُولہا کے جوڑے میں گزرے کہ بعد ہلاک دُلہن سے تاوان لینے کا اصلًا اختیار نہیں جیسے شکر میوہ کا تاوان بٹ جانے کے بعد نہیں مل سکتا اگرچہ ہنوز کھانے میں نہ آیا ہو،

فان الخروج عن ملك الموهوب له ایضا من الموانع کما فی الدر وسائر الاسفار الغر۔[1]	اس لئے کہ بیشک موہوب لہ، کی مِلک سے ہبہ کا نکل جانا بھی رجوع کے موانع میں سے ہے جیسا کہ در اور دیگر عظیم الشان روشن کتابوں میں ہے (ت)

یُونہیں اگر وُہ جوڑا گہنا بحالتِ قرابت محرمہ والدین شوہر یا بعد نکاح شوہر نے بنا کر بھیجا تو رجوع نا متصور، ورنہ بحالت بقائے موہوب وفقدان موانع برضائے زوجہ یا قضائے قاضی واپسی گناہ کے ساتھ ممکن، ہاں جہاں عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہنانے کے لئے بھیجا جاتا اور بنانے والوں ہی کی مِلک سمجھا جاتا ہو وہاں دُلہن کی ملک نہیں ایک عاریت ہے کہ بحالتِ بقا جس سے بروقت رجوع جائز وحلال اور بحال ہلاک اگر قبل افتراق زوجہ کے پاس بے اُس کے فعل کے تلف ہوگیا مثلًا، چور لے گیا، گر پڑا، دُلہن کے پہننے برتنے میں ٹوٹا بگڑا خراب ہوگیا بشرطیکہ وہیں تک اپنے استعمال میں لائی ہو جہاں تک کے پہننے پر عرفًا رضامندی سمجھی جاتی ہو تو ان صورتوں میں دُلہن پر تاوان نہیں،

فان العواری لاتضمن بالهلاك من غیر تعد[2] کما فی التنویر وغیرہ وفی الهندیة عن الفصول العمادیة اذا انتقض عین المستعار فی حالة الاستعمال لایجب الضمان بسبب النقصان اذا استعمله	اس لئے کہ بے شک مستعار اشیاء پر بلا تعدی ہلاک کی صورت میں ضمان نہیں جیسا کہ تنویر وغیرہ میں ہے۔ ہندیہ میں فصول عمادیہ سے ہے کہ جب مستعار شئی میں استعمال کی حالت میں کوئی نقص پیدا ہوجائے تو اس نقصان کے سبب سے ضمان واجب نہیں

[1] درمختار باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

[2] درمختار کتاب العاریة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

استعمالًامعہودا[1]	استعمال عادت وعرف کے مطابق ہو۔(ت)

اور اگر خلاف عرف وعادت بے طوری سے پہننے میں خراب کیا مثلاً بھاری جوڑے یا موتیوں کے نازک جڑاؤ گہنے راتوں کو پہنے سویا کی، یا صرف آنے جانے میں پہننے کا عرف تھا یہ گھر میں پہنتی ہے تو نقصان کا تاوان دے گی،یُونہی اگر بے احتیاطی بے پروائی سے گما دیا یا بعد طلاق اپنے گھر لے آئی اور یہاں کسی طرح تلف ہوگیا تو قیمت دینی آئے گی،

لان العاریة کانت موقتة دلالة الی بقاء الزوجیة فانتھت کانتھائھا فامساکھا بعد ذٰلك تعد منھا وان لم تستعمل،فی جامع الفصولین لو کانت العاریة موقتة فامسکھا بعد الوقت مع امکان الرد ضمن وان لم یستعملھا بعد الوقت ھو المختار سواء توقتت نصا او دلالةً الخ[2] **اقول:** ھذا ھو المنصوص علیه فی الاصل کما فی الھندیة فیترجح علی مافیھا ان من مشائخنا من قال بان ھذا اذا انتفع بھا بعد الوقت فان لم ینتفع بھا لم یضمن وھو المختار[3] الخ فان الفتوی متی اختلف وجب المصیر الی ظاہر الروایة بل ھٰھنا اولی کما لایخفی۔	اس لئے کہ یہ عاریت، دلالت کے اعتبار سے بقاءِ زوجیت تک مؤقت تھی لہٰذا زوجیت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی یہ بھی ختم ہوگئی چنانچہ اب اس کے بعد عورت کا اس کو روکے رکھنا عورت کی طرف سے تعدی ہے اگرچہ اسے استعمال نہ کرے جامع الفصولین میں ہے کہ اگر عاریت موقت ہو اور وقت گزر جانے کے بعد امکان رد کے باوجود اُسے روکے رکھے تو ضامن ہوگا اگرچہ وقت مختار ہے.برابر ہے کہ توقیت باعتبار نص کے ہو یا باعتبار دلالت کے الخ__**اقول:**(میں کہتا ہوں) یہ وہی ہے جس پر اصل میں نص کی گئی جیسا کہ ہندیہ میں ہے پس اس کو ترجیح ہوگی اس پر جو اس میں ہے کہ بیشک ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ تحقیق یہ حکم تب ہے جب وقت گزرنے کے بعد اس سے نفع اٹھائے، اور نفع نہیں اٹھایا تو ضامن نہ ہوگا یہی مختار ہے الخ اس لئے کہ جب فتوٰی میں اختلاف واقع ہوجائے تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع ہوتا ہے بلکہ یہاں پر اولٰی ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

اور وُہ **زیور** وغیرہ کہ والدین زوج اپنی بہو کے پہننے برتنے دیتے ہیں جس میں نصاً یا عرفاً کسی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۶۸

[2] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب الخامس فی تضییع العاریۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۶۸

طرح مالک کر دینا مقصود نہیں ہوتا وہ بدستور ملک والدین پر ہے بہو کا اُس میں کچھ حق نہیں **کما تقدم فی استمتاع المرأۃ بمشری الزوج** (جیسا کہ عورت کے لئے شوہر کے خریدے ہُوئے مال سے نفع حاصل کرنے کی صورت میں گزر چکا ہے۔ ت) اس کے احکام وہی احکام عاریت ہیں کہ مفصلاً مذکور ہوئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۸: ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مسمّٰی زید نے اپنے پسر ابو محمد کی شادی ساتھ حبیبہ بنت خالد کے بصرف زر اپنے کے کی خالد نے بطریق جہیز اسباب وزیور وغیرہ دے کر زوجہ ابو محمد کو بدستور معروف رخصت کیا بعد چند روز کے زید نے اپنی خوشی سے ابو محمد اور اس کی زوجہ کا کھانا پینا علیحدہ کیا اُس وقت اُس کی زوجہ نے اپنا مال واسباب جو اس کے والدین نے اُسے دیا تھا زید یعنی خسر سے طلب کیا زید نے کہا وہ مال ہمارا ہے ہم نے بالعوض اُس روپے کے جو شادی ابو محمد میں صَرف ہوا رکھ لیا ہے اب فرمائیے کہ عندالشرع اس مال واسباب کی مالک زوجہ ابو محمد ہے یا زید والد ابو محمد ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وُہ زیور واسباب کہ زوجہ ابو محمد اپنے جہیز میں لائی خاص اُس کی مِلک ہے ابو محمد یا اُس کے باپ کا اس میں کچھ حق نہیں اور وُہ روپیہ کہ زید نے ابو محمد کی شادی میں صَرف کیا بحکم عرف شائع وعام تبرع واحسان قرار پائے گا کہ زید اس کا مطالبہ کسی سے نہیں کر سکتا اور اگر قرض بھی ٹھہرے مثلاً ابو محمد بالغ نے خود استدعا کی کہ میری شادی کے مصارف آپ میری طرف سے ادا کر دیجئے میں واپس دُوں گا، یا زید ہی نے اس سے کہا کہ یہ صرف تیری طرف سے بطور قرض کروں گا، اُس نے قبول کرلیا، یا ابو محمد نابالغ تھا زید نے قبلِ صَرف لوگوں کو گواہ کرلیا کہ یہ خرچ میں طرف ابو محمد بطور قرض اٹھاتا ہوں میں اس سے واپس لُوں گا، اور اس صورت میں صرف وہی کیا جو رسم وعادت وحیثیت کے موافق تھا، ان سب صورتوں میں جو اُٹھایا وہ قرض ہے مگر اُس کا تقاضا ابو محمد سے کرے، زیور واسباب کو مِلکِ زوجہ ہے کہ اُس روپے کے عوض کیونکر لے سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

فصل اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۷۹: ۲۷ ربیع اول ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک زوجہ اور ایک پسر بالغ اور ایک دختر بالغہ اور دو[۲] لڑکیاں نابالغہ چھوڑ کر فوت ہُوا، نابالغ بہنیں اپنے جوان بھائی بکر کی پرورش میں رہیں (جب وُہ بالغ ہُوئیں تو بکر نے ان کی شادیاں معمولی خرچ سے کردیں اور جو بڑی بہن بکر کی تھی اس کی شادی زید نے اپنی زندگی میں کردی تھی اس کی پرورش یا شادی کا خرچ بکر کے پاس سے نہ ہوا) صرف دو[۲] بہنوں کا خرچ پرورش وشادی اس نے مال متروکہ ومشترکہ سے کیا اس صورت میں یہ خرچ بکر کو ان دونوں چھوٹی بہنوں سے مجرا مل سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں تین[۳] چیزیں ہیں:

(۱) خرچ پرورش

(۲) شادی کے مصارفِ بالائی یعنی جہیز کے سوا جو اور خرچ ہوتے ہیں جیسے برات کا کھانا، خدمتیوں کا انعام، سمدھیانے کے جوڑے، دُولہا کی سلامی، سواریوں کا کرایہ، برات کے پان چھالیا وغیر ذٰلک۔

(۳) دُلہن کا جہیز۔

بتوفیق اللہ تعالٰی ہر ایک کا حکم علیحدہ سُنئے:

خرچ پرورش بے شک بحکم دیانت بحالت عدم وصی، وارثانِ کبیر کو وارثانِ صغیر کی پرورش کرنا اور اُن کے کھانے پہننے وغیرہ ضروریات کی چیزیں اُن کے لئے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اسراف و تبذیر اُن پر اٹھانا شرعاً جائز ہے جبکہ وُہ بچّے اُن کے پاس ہوں اگرچہ یہ اُن رو صابت وولایت مالیہ نہ رکھیں۔ تنویرالابصار ودر مختار ور دالمحتار وغیرہا اسفار میں ہے:

جاز شراء مالابد للصغیر منه (کالنفقة والکسوة واستئجار الظئر منح) وبیعه ای بیع مالابد للصغیر منه لاخ وعم وام وملتقط هو فی حجرهم ای فی کنفهم والالا۔[1]	چھوٹے بچّے کا مال سے اس کی ضرورت کی اشیاء خریدنا (جیسے کھانا، لباس اور اجرت پر دایہ حاصل کرنا، منح) اور ضرورت کے تحت اس کے مال سے کچھ بیچنا بھائی، چچا، ماں اور گم شدہ بچّے کو پانے والے کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وُہ ان کی زیرِ حفاظت وپرورش ہو ورنہ نہیں۔ (ت)

علامہ شامی قولِ درمختار **لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا اذنه ولاولایته الافی مسائل** (غیر کے مال میں بے اذن ولایت تصرف ناجائز سوائے چند مسائل کے۔ت) کی شرح میں بہ ضمن مسائل استثنا ارشاد فرماتے ہیں:

کذا لو انفق بعض اهل المحلة علی مسجد لامتولی له من غلته لحصیر ونحوه اوانفق الورثة الکبار علی الصغار ولاوصی لهم فلاضمان فی الکل دیانة[2] اھ ملخصا **اقول:** ولایخالفه بل ربما یؤیده مافی شهادة الاوصیاء من الطحطاوی من الفصول حیث قال ورثه صغار وکبار وفی الترکة دین وعقار	جیسے بعض اہل محلّہ کسی ایسی مسجد پر مسجد کے مال سے خرچ کرے جس کا کوئی متولی نہیں مثلاً چٹائی وغیرہ کا انتظام کرے یُوں ہی بڑے وارث ایسے چھوٹے وارثوں پر جس کا کوئی وصی نہیں ان کا مال خرچ کریں تو اس تمام میں دیانتًا ضمان نہیں (تلخیص) میں کہتا ہوں یہ اس کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تائید ہُوں یہ اس کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تائید کرتا ہیں وہ جو طحطاوی میں بحوالہ فصول شہادۃ الاوصیاء کے بارے میں ہے جہاں فرمایا کہ

[1] درمختار کتاب الخطر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۶، ردالمحتار کتاب الخطر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۰ ۵/ ۱۲۷

فھلک بعض المال وانفق الکبار البعض علی انفسھم وعلی الصغار فما ھلک فھو علی کلھم، وما انفقہ الکبار ضمنوا حصّۃ الصغار ان کانوا انفقوا بغیر امر القاضی اوالوصی وما انفقوہ بامر احدھما حسب لھم الی نفقۃ مثلھم [1] اھ فان ھذا عند وجود الوصی ومامر فعند عدمہ لاسیما فی بلادنا فافھم۔	اگر وارث بڑے اور چھوٹے ہیں اور ترکہ میں دین وعقار ہے پھر بعض مال ہلاک ہوگیااور بڑے وارثون نے کچھ مال اپنے آپ اور چھوٹے وارثوں پر خرچ کردیا تو جو مال ہلاک ہوا وہ سب پر ہے اور جو بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا اگر قاضی اور وصی کی اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے تو ضامن ہوں گے، اور اگران دونوں سے کسی کی اجازت سے خرچ کیا ہے تو نفقہ مثلی کی مقدار مجرا پائیں گے اھ اس لئے بے شک یہ حکم وصی کے موجود ہونے کی صورت میں ہے اور جو حکم ماقبہ گزرا وہ اس کی عدم موجودگی کی صورت میں ہے خاص طور پر ہمارے علاقے میں۔ پس سمجھ۔ (ت)

پاس جو کچھ بکر نے اُن لڑکیوں کی پرورش میں صرف کیا اگر نفقہ مثل کا دعوی کرے تو بیشک دیانۃً مجرا پائے گا،

فانہ کان ماذونا لہ فی ذٰلک من جھۃ الشرع فلایکون ضمینا بل امینا مقبول القول مالم یدع مایکذب بہ الظاہر، الاتری الی ماقدمنا عن الفصول حیث حکم بالاحتساب الی نفقۃ المثل عند وجود الاذن ممن لہ الاذن کالوصی والقاضی والشرع المطھر احق من لہ الاذن وقد وجد منہ الاذن فی مسئلتنا وان لم یوجد من وصی او قاض لفقد انھما ھٰھنا راسًا و انت تعلم ان المفتی انما یفتی بالدیانۃ	کیونکہ اس کو شرع کی طرف سے ایسا کرنے کااذن حاصل تھا لہٰذا وُہ ضامن نہیں بلکہ ایسا امین ہوگا کہ جب تک وُہ خلافِ ظاہر دعوی نہ کرے اس کے قول کو تسلیم کیا جائے گا، کیا تو نے نہیں دیکھا جس کا ذکر ہم فصول کے حوالے سے پہلے کرچکے ہیں کہ نفقہ مثل تک مجرا پانے کا حکم کیا گیا جبکہ وصی یا قاضی وغیرہ جنہیں اختیار اذن ہے میں سے کسی کااذن پایا جائے اور شرع مطہر زیادہ حقدار ہے کہ اس کو اختیارِ اذن ہو، اور ہمارے زیر بحث مسئلہ میں شرع کی طرف سے اذن پایا گیا اگرچہ وصی یا قاضی کی طرف سے اذن نہیں پایا گیا کیونکہ اس صورت میں دوسرے سے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار فصل فی شہادۃ الاوصیاء دار المعرفۃ بیروت ۴/۳۴۵

بل قد اثبتنا عرش التحقیق بتوفیق المولٰی سبحانه وتعالٰی فی کتاب الوصایا من العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة ان الابن الکبیر فی امصارنا هذه فی اعصارنا هذه یقوم مقام وصی ابیه علی الاولاد الصغار من دون حاجة الٰی تصریح بالوصایا لوجود الاذن والتفویض دلالة بحکم العرف الفاشی المطر دمع تحقق الضرورة الملجئة الی اعتبار تلك الدلالة والله یعلم المفسد من المصلح ومن لم یعرف اهل زمانه ولم یراع فی الفتیا حال مکانه فهو جاهل مبطل فی قوله وبیانه وقد بینا المسئلة بحول القدیر جل مجده بما یتعین المراجعة الیه وحینئذ فالامر اظهر۔	موجود ہی نہیں ہیں۔ اور تُو جانتا ہے کہ مفتی دیانت پر فتوٰی دیتا ہے بلکہ ہم نے مولٰی سبحانہ، وتعالٰی کی توفیق سے العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی کتاب الوصایا میں بلند ترین تحقیق کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہمارے شہروں میں موجودہ زمانے میں تصریح وصیت کے بغیر بھی بڑا بیٹا باپ کے وصی کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ ہمارے عام و رائج عرف وعادت کے طابق بطور دلالت اذن تفویض موجود ہے باوجودیکہ ایسی ضرورت بھی متحقق ہے جسے اس دلالت کا اعتبار کرنے پر مجبور کرنے والی ہے۔ اللہ تعالٰی مفسد اور مصلح کو جانتا ہے جو شخص اپنے اہلِ زمانہ کو نہ پہچانے اور فتوٰی میں اپنے علاقے کے احوال کا لحاظ نہ رکھے وُہ جاہل ہے اور اس کا قول وبیان باطل ہے اور ہم نے اللہ قدیر جل مجدہ، کی طاقت سے مسئلہ کو اس اسلوب سے بیان کردیا جس کی طرف رجوع کرنا متعین ہے، اس صورت میں معاملہ زیادہ ظاہر ہوا۔ (ت)

اور نفقہ مثل کے یہ معنی کہ اتنی مدّت ایسے بچّوں پر اتنے مال والوں میں متوسط صرف بے تنگی واسراف کس قدر ہوتا ہے اتنا مجرا پائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

نفقة المثل مایکون بین الاسراف والتقتیر کذا فی المحیط[1]۔	نفقہ مثل وہ ہے جو فضول خرچی اور تنگی کے درمیان ہو، ایسا ہی محیط میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماینفق علی مثلهم فی تلك المدة[2]۔	جواُن کا مثل بچّوں پر اتنی مدت میں خرچ کیا جاتا ہو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی نورانی کتب خانہ پشاور ۱۵۵/۶

[2] ردالمحتار فصل فی شهادت الاوصیاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۶۰/۵

مصارف شادی: عبارتِ سوال میں مذکور کہ دونوں قاصرہ وقت شادی جوان تھیں اور سائل نے بعد استفسار بذریعہ تحریر اظہار کیاکہ مصارف عروسی وجہیز سب بکر نے محض اپنی رائے سے کئے والدہ کاانتقال دونوں قاصرہ کی شادی سے پہلے ہوا،اور بہنیں ان کی شادیوں میں عام بیگانوں کی طرح شریک ہُوئیں نہ ان سے دربارہ صرف کوئی استفسار ہوا نہ اُن کا کوئی اذن نہ قاصرات سے کہا گیاکہ ہم یہ صرف تمہارے حصّہ سے کرتے یا جہیز تمہارے حصّے میں دیتے ہیں اور واقعی ہمارے بلاد میں مصارف شادی کنّواریوں سے پُوچھ کر نہیں ہوتے نہ اُن سے اس امر میں کوئی اذن لیا جاتا ہے پس اگر بیانِ مذکور صحیح ہے توجو کچھ مصارف بالائی جس قاصرہ کی شادی میں ہُوئے وہ دُلہن کے حصّہ سے مجرا نہیں ہوسکتے:

لانا وان قلنا بوصایہ بکر دلالۃ کما اشرنا الیہ فقد انقطعت الولایۃ بالبلوغ۔	کیونکہ بیشک ہم نے اگرچہ بکر کے لئے باعتبار دلالت وصی ہونے کا قول کیا ہے جیسا کہ ہم اس کی طرف اشارہ کرچکے ہیں مگر وہ ولایت بالغ ہونے کے ساتھ منقطع ہوگئی۔(ت)

ردالمحتار میں عنایہ سے ہے:

انھم (یعنی ورثہ الکبار) اذاکانوا حضورا لیس للوصی التصرف فی الترکۃ اصلا الا اذا الخ[1]	بے شک وُہ (یعنی بڑے ورثاء) جب حاضر ہوں تو وصی کے ترکہ تصرف کا کوئی حق نہیں مگر جب الخ(ت)

توان مصارف میں جو کچھ بکر نے صرف کیا بہنوں کے ساتھ تبرع واحسان ہوا جو کسی سے مُجرا نہ پائے گا سب صرف اسی کے حصہ پر پڑے گا خواہ ضمناً خواہ قصاصًا دوسرے ورثہ جنھوں نے نہ خود صرف کیا نہ صراحۃً اذن دیا بری رہیں گے اگرچہ اُنھوں نے صرف ہوتے دیکھا اور خاموش رہے ہوں اذا لاینسب الیٰ ساکت قول (خاموش رہنے والے کی طرف قول کی نسبت نہیں کی جاتی۔ت) اشباہ میں ہے:

لو رأی غیرہ یطلف مالہ فسکت لایکون اذنا باتلافہ[2]۔	اگر کوئی کسی کو اپنا مال تلف کرتا دیکھ کر خاموش رہے تو خاموشی اتلاف کی اجازت نہ ہوگی۔(ت)

خصوصًا اگر اُن میں کوئی اس وقت نابالغہ ہو کہ نابالغ کااذن بھی معتبر نہیں،

فانہ لیس من اھل التبرع ولا لاحد ان یتبرع من مالہ۔	کیونکہ وُہ اہلِ تبرع میں سے نہیں اور نہ ہی کسی اور کو یہ حق ہے کہ اس کے مال میں تبرع کرے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دارا حیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۴

[2] اشباہ النظائر القاعدۃ الثانیۃ عشر لاینسب الی ساکت قول ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۸۵

بزازیہ وبحر الرائق وردالمحتار وتنویر الابصار وسراج وہاج وغیرہا میں ہے :

الهبة والقرض وماكان اتلافا للمال او تمليكا من غير عوض فانه لايجوز مالم يصرح به نصا[1] اھ اقول: هذا افادوه فى شريكى العنان والمفاوضة مع ان كلامنهماوكيل عن صاحبه ماذون التصرف فى المال من جانبه. فكيف بالشريك شركة العين فانه اجنبى صرف عن حصة اخيه ليس له التصرف فيه كمانصوا عليه۔	ہبہ وقرض اور جو مال کا اتلاف یا بے عوض تملیک ہو وُہ جائز نہیں جب تک شریک بنص صریح اس کی اجازت نہ دے دے اھ اقول (میں کہتا ہوں) یہ وُہ ہے جس کاانہوں نے شرکت عنان ومفاوضہ کے شریکوں کے بارے میں افادہ فرمایا باوجودیکہ شرکتِ عنان اور شرکتِ مفاوضہ میں شریک ایک دوسرے کے وکیل اور ایک دوسرے کی طرف سے تصرف کے مجاز ہوتے ہیں تو یہ حکم شرکت عین کے شریک کیلئے کیسے ہوسکتا ہے کہ اس میں تو شریک دوسرے کے حصہ سے محض اجنبی ہوتا اسے دوسرے کے حصہ میں تصرف حلال نہیں جیسا کہ اُنہوں نے اس پر نص کی ہے۔(ت)

حاشیہ طحطاویہ میں ہے :

التجهيز لايدخل فيه الجمع والموائد فالفاعل لذٰلك ان كان من الورثة يحسب عليه من نصيبه و يكون متبرعاو كذا ان كان اجنبيا اھ[2] ملخصا۔	جمع وموائد تجہیز میں داخل نہیں تو جو تجہیز کے علاوہ ان میں خرچ کرے اگر وُہ ورثاء میں سے ہے تو اُسی کے حصّہ سے شمار کیا جائے گااور وہ متبرع ٹھہرے گایُونہی اجنبی اھ ملخصًا(ت)

دُلہن کا جہیز وہ اگر بکر نے بطور ہبہ نہ دیا بقصد مجرائی دیا تو یہ دینا کچھ اثر پیدانہ کرے گا جبکہ باہم کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ آئی کہ یہ اشیاء تیرے فلاں حصّہ کے معاوضہ میں دیتے ہیں اس کے بعد کُل ترکہ یا ترکہ کی فلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہوگا نہ بالیقین یہ ہوا کہ اموال منقولہ کی ہر جنس جُدا جُدا جوڑ کر دُلہن کا حصّہ نکال کر ہر چیز سے خاص جس قدر اس کے حصّہ میں آیا بے کمی بیشی ایک ذرّہ کے اُس کے لئے جُدا کر لیا اور وہی اس کے جہیز میں دیا ہو،

فصلا عن الاقتصار على المثليات والتحرز عن الا اسباد بالاستبدال فى القيميات۔	چہ جائیکہ مثلی چیزوں پر اکتفاء کیا گیا ہو اور قیمت والی چیزوں میں مستقل تبادلہ کرنے سے احتراز کیا گیا ہو۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشرکت داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۵

[2] حاشیہ طحطاویہ کتاب الفرائض دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۷

انہ اجناس مختلفہ میں قسمت جمع بے تراضی ممکن یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں **کما نصوا علیہ فی الکتب جمیعا** (جیسا کہ تمام کتابوں میں اس پر نص فرمائی گئی۔ت) تو غایت درجہ اس قدر رہا کہ بکر نے دیتے وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ ہم علی الحساب دیتے ہیں جو کچھ جہیز کی لاگت ہے دُلہن کے حصہ میں مجرا لیں گے صرف اتنا سمجھ لینا کوئی عقد شرعی نہیں ہوسکتا قسمت نہ ہونا تو ظاہر **لما مر** (جیسا کہ گزرا۔ت) صُلح و تخارج یُوں نہیں کہ کُل ترکہ یا اُس کی کسی قسم سے حصہ دلہن کا ساکت نہ کیا گیا نہ دلہن کے خیال میں ہوگا اب فلاں قسم طرقہ میں میرا کوئی دعوٰی نہ رہا اگرچہ میرا حصہ مقدار جہیز سے زائد نکلے، نہ ایسا امر بے صریح رضامندی فقط ایک طرف کے خیال پر عقد ٹھہر سکتا ہے،

فان العقد ربط ولا بد فی الربط من شیئین۔	کیونکہ عقد ربط ہوتا ہے اور ربط میں دو۲ چیزوں کا ہونا لازم ہے۔(ت)

معہذا عند الحساب جہیز کی لاگت میں اختلاف پڑنا ممکن بلکہ مظنون تو قطع نزاع جس کے لئے صلح تخارج کی وضع ہے حاصل نہ ہوا،

وما من شیئ خلا عن مقصودہ الابطل وجہالۃ المصالح عنہ انما لاتمنع جواز الصلح اذا لم تفض الی المنازعۃ والامنعت۔	اور نہیں ہے کوئی شیئ اپنے مقصود سے خالی مگر وہ باطل ہے، اور جس شیئ پر صلح ہو رہی ہے اس کا مجہول ہونا اگر موجبِ نزاع نہ ہو تو جواز صلح سے مانع نہیں ورنہ مانع ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الصلح شرعا عقد یرفع النزاع ویقطع الخصومۃ[1]۔	صلح شرعًا ایسا عقد ہے جو نزاع کو رفع اور خصومت کو قطع کرتا ہے۔(ت)

نہایہ میں ہے:

جہالۃ تفضی الی المنازعۃ تمنع جواز الصلح اھ ملخصین[2]۔	جو جہالت منازعت تک پہنچائے وُہ جواز صلح سے مانع ہوتی ہے اھ ملخصین (ت)

رہی بیع وہ اگر بتصریح ایجاب و قبول بھی ہوتی مثلاً بکر کہتا ہے میں نے یہ جہیز بعوض ان اشیائے متروکہ کے

---

[1] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۱/۲

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ النہایۃ کتاب الصلح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲۳۱/۴

جو بمقدار مالیت جہیز تیرے حصّہ میں آئیں بیع کیا اور دُلہن قبول کرتی تاہم فاسد ہوتی کہ نہ جہیز کی لاگت بیان میں آئی نہ یہ معلوم کہ اس کی مالیت کی کتنی چیزیں اور کیا کیا اشیاء حصّہ عروس میں آئیں گی یہاں کہ اس قدر بھی نہ ہوا بلکہ کوئی تذکرہ درمیان نہ آیا صرف بکر نے ایک امر سمجھ کر جہیز سپرد کیا یہ بھی خبر نہیں کہ اُس وقت قلبِ عروس میں کیا نیت تھی اسے کیونکر کوئی عقدِ شرعی قرار دے سکتے ہیں،

ومعلوم انہ لیس من عقد یتم بالنیۃ بل لابد من شیئ یظھر القصد القلبی ویکون دلیلا علی الرضا النفسی۔	اور یہ معلوم ہے کہ ایسا کوئی عقد نہیں جو محض نیت سے تام ہوتا ہو بلکہ کسی ایسی شیئ کا ہونا ضروری ہے جو ارادہ قلبی کوظاہر کرے رضاءِ قلبی پر دلالت کرے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

رکنہ الفعل الدال علی الرضا بتبادل الملکین من قول او فعل[1] اھ(ملخصًا) نعم المظھر قد یکون نصًا وھو اللفظ المقرر للایجاب والقبول وقد یکون دلالہ کالمساومۃ واخذالثمن بعد بیان الثمن فی بیع التعاطی وحیث لاحاجۃ الی البیان للعرف العام کالخبز مثلًا حیث یکون لہ قیمۃ معلومۃ لاتختلف ففتح البائع الدکان وجلوسہ للبیع واعدادہ الخبز لذٰلك دلیل علی البیع واخذ المشتری علی الشراء اما ھٰھنا فان فرضت دلالۃ من بکر فلادلالۃ اصلامن قبل العروس ولئن سلمت ایضا فالتعاطی ھھنا من احد الجانبین وھو وان جاز عند البعض وبہ یفتٰی وھو اربح التصحیحین فلابد فیہ عند مجیزہ من بیان البدل	اس کا رکن وُہ فعل ہے جو قولی یا فعلی طور پر تبادل ملکین کے ساتھ رضامندی پر دلالت کرے، ہاں کبھی تو اس امر کا ظاہر کرنے والی شیئ بطور نص ہوتی ہے اور وُہ لفظ ہے جو ایجاب وقبول کے لئے مقرر کیا گیا اور کبھی وُہ بطور دلالت ہوتی ہے جیسے بھاؤ چکانا اور بیع تعاطی میں بیان ثمن کے بعد مبیع کو لے لینا اور جہاں عرف عام کی وجہ سے حاجتِ بیان نہیں ہوتی جیسے مثال کے طور پر روٹی جہاں اس کی قیمت متعین ہو اور مختلف نہ ہوتی ہو وہاں بائع کا دکان کھول کر بیٹھنا اور فروخت کے لئے روٹی تیار کرنا بیع پر دلالت کرتا ہے اور مشتری کا اس کو لے لینا خریداری پر دلالت کرتا ہے لیکن یہاں اگر بکر کی طرف سے دلالت فرض کر بھی لی جائے تو دُلہن کی طرف سے بالکل دلالت نہیں پائی گئی اور اگر بالفرض اس کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو یہاں تعاطی صرف ایک جانب سے ہوگی ایک طرف سے تعاطی

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۵۵

والبدل ھھنا کما علمت مجھول فلم ینعقد البیع اجماعا۔	اگرچہ بعض کے نزدیک جائز ہے اور یہی مفتی بہ اور ارجح التصحیحین ہے، مگر اس کو جائز ماننے والوں کے نزدیک بیان بدل، ضروری ہے اور یہاں پر جیسا کہ تُو جانتا ہے بدل مجہول ہے لہذا بالاجماع یہ بیع منعقد نہ ہوگی۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الشرط فی بیع التعاطی الاعطاء من الجانبین عند شمس الائمۃ الحوانی کذافی الکفایۃ وعلیہ اکثر المشائخ وفی البزازیۃ ھو المختار کذافی البحر الرائق والصحیح ان قبض احد ھما کاف لنص محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ علی ان بیع التعاطی یثبت بقبض احد البدلین وھذا ینتظم الثمن والمبیع کذا فی النھر الفائق وھذا القائل یشترط بیان الثمن لانعقاد ھذا البیع بتسلیم المبیع وھکذا حکی فتوی الشیخ الامام ابی الفضل الکرمانی کذافی المحیط[1]۔	بیع تعاطی میں دونوں جانبوں سے اعطاء امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک شرط ہے یونہی کفایہ میں ہے، اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں، بزازیہ میں ہے کہ یہی مختار ہے، البحرالرائق میں بھی ایسے ہی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ ایک کا قبضہ کافی ہے کیونکہ امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نص فرمائی کہ بیع تعاطی بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرنے سے ثابت ہوجاتی ہے اور یہ ایک پر قبضہ ثمن ومبیع دونوں کا شامل ہے جیسا کہ النہر الفائق میں ہے اور یہ قائل تسلیم مبیع کے ساتھ اس بیع کے منعقد ہونے کے لئے بیان ثمن کی شرط لگاتا ہے، اور اسی طرح شیخ امام ابوالفضل کرمانی کا فتوٰی نقل کیا گیا جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

پس واضح ہو کہ جہیز دینے میں کسی عقد شرعی کی حقیقت تو حقیقت صورت بھی نہ تھی تو یہ دینا اصلاً کوئی اثر تبدل ملک پیدا نہ کرے گا' بلکہ وُہ مال جس کی مِلک تھا بدستور اسی کی ملک پر رہے گا۔ اب معرفت مالک درکار ہے جو چیزیں عین متروکہ تھیں مثلاً زیور، برتن، کپڑے وغیرہا کہ مورثوں نے چھوڑے بعینہٖ جہیز میں دئے گئے وُہ جیسے سب وارثوں میں پہلے مشترکہ تھیں اب بھی مشترک رہیں گی اور جو اشیاء بکر نے خرید کردیں وہ سب مطلقاً مِلک بکر تھیں اور اب بھی خاص اسی کی مِلک پر ہوں گی اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں لماعلم ان الشراء اذا وجد نفاذا علی الشاری نفذ (کیونکہ یہ معلوم ہوچکا کہ بیشک شراء جب نفاذ پائے تو مشتری

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۹/۳

پر نافذ ہوجاتی ہے۔ت) غایت یہ کہ مال مشترک سے خرید نے میں بکر باقی ورثہ کے حصص کا ذمہ دار رہے گا **کما نقلنا فی مواضع منافتاوٰنا عن ردالمحتار** (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار سے اپنے فتاوٰی میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے۔ت) پھر اس قسم یعنی مملوکات بکر پر دُلہن کا قبضہ قبضہ امانت ہوگا **لحصوله بتسليط المالك** (کیونکہ اس قبضہ کا حصول مالک کی طرف سے قدرت دینے سے ہوا۔ت) پس جس چیز کو دلہن نے استہلاک نہ کیا بغیر اس کے فعل کے چوری وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اُس کا تاوان دلہن پر نہ آئے گا اور جو اس کے فعل وتعدی سے تلف ہُوئی اس کی قیمت بکر کے لئے دلہن کے ذمّہ واجب ہوگی **لان الامين ضمين اذا تعدى** (اس لئے کہ امین جب امانت میں تعدی کرے تو ضامن ہوگا۔ت) اور جو باقی ہو وہ بعینہٖ بکر کو واپس دے اور قسم اول یعنی عین متروکہ سے جو کچھ جہیز میں دیا گیا اس پر دلہن کا ہاتھ دست ضمان ہوگا یعنی کسی طرح اس کے پاس ہلاک ہوجائے مطلقاً تاوان آئے گا،

وذلك لان بكرا قد تعدى على حصص الشركاء بتجهيز الاخت من مال مشترك وتسليمه اليها جهاز التلبس وتستعمل وبالتصرف تستقبل وكل يد مترتبة على يد ضمان يد ضمان۔	اور یہ اس لئے ہے کہ بیشک بکر نے شرکاء کے حصوں میں تعدی کی کیونکہ اس نے مال مشترک سے بہن کا جہیز بنا کر بہن کے حوالے کیا تاکہ وہ اس کے پہنے اور استعمال کرے اور اس میں مستقل تصرف کرے قبضہ جو قبضہ ضمان پر مترتب ہو وہ قبضہ ضمان ہی ہوتا ہے۔(ت)

پس باقی وارث جنہوں نے اذن نہ دیا مختار رہیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا چاہیں اپنے حصوں کا تاوان بکر سے لیں **لانه الغاصب** (کیونکہ وُہ غاصب ہے۔ت) چاہیں دلہن سے **لانها كغاصبة الغاصب** (کیونکہ وہ گویا غاصب سے غصب کرنے والی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اليد المترتبة على يد الضمان يد ضمان فلرب البهيمة ان يضمن من شاء[1] الخ۔	قبضہ ضمان پر مترتب ہونے والا قبضہ بھی قبضہ ضمان ہی ہوتا ہے لہذا چار پائے کے مالک کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے ضمان لے الخ(ت)

اور وہ بکر یا دُلہن جس سے ضمان لیں اُسے دُوسرے پر دعوٰی نہیں پہنچتا:

اما بكر فلانه الغاصب وانما قبض العروس بتسليطه واما العروس فلانها قبضت	لیکن بکر تو اس لئے کہ وُہ غاصب ہے بے شک دلہن نے اس کے قدرت دینے سے قبضہ کیا اور

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الغصب دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۴۹

لنفسها لا لبکر۔	رہی دلہن تو وہ اس لئے کہ بے شک اس نے اپنے لئے قبضہ کیا ہے نہ بکر کے لئے۔(ت)

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

وهب الغاصب المغصوب او تصدق او اعار وهلك فی ایدیهم وضمنوا للمالك لایرجعون بما ضمنوا للمالك علی الغاصب لانهم کانوا عاملین فی القبض لانفسهم بخلاف المرتهن والمستاجر والمودع فانهم یرجعون بما ضمنوا علی الغاصب لانهم عملوا له[1] الخ۔	غاصب نے شیئ مغصوبہ کسی کو بطور ہبہ یا صدقہ یا عاریت دے دی اور وہاں ہلاک ہو گئی تو جنہیں وہ شیئ بطور ہبہ یا صدقہ یا عاریت دی گئی یہ لوگ اصل مالک کیلئے ضامن ہوں گے اور جتنا ضمان انہوں نے مالک کو دیا وُہ غاصب سے نہیں لے سکیں گے کیونکہ انہوں نے قبضہ کرنے میں اپنے لئے عمل کیا نہ کہ غاصب کے لئے۔ بخلاف مرتہن، مستاجر اور مودع کے کہ یہ لوگ جتنے کے ضامن ہوئے غاصب سے اس کا رجوع کر سکیں گے کیونکہ اُنہوں نے غاصب کے لئے عمل کیا الخ۔(ت)

اور جو کچھ باقی ہوں وہ دلہن سے واپس لے کر فرائض الٰہیہ پر تقسیم ہوجائیں، یہ سب احکام اس صورت میں تھے کہ بکر نے جہیز بطور ہبہ نہ دیا ہو اور بے شک اس امر میں کہ ہبہ کی نیت تھی یا مجرائی کی، بکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا،

لانه الدافع فهوادری بجهة الدفع کما فی الاشباه وجامع الفصولین والفتاوی الخیریة وغیرها وقد نصوا علیه فی مسائل کثیرة **اقول**: ولیس فی تجهیز الاخوة الاخوات اذا کن ذوات مال شریکات فی مابایدی الاخوة من الترکة عرف فاش یقضی بالهبة بخلاف الاباء والامهات فی بلادنا کیف یکون الظاهر	کیونکہ بیشک وُہ دینے والا ہے لہٰذا وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ دینے کی جہت کی ہے جیسا کہ اشباہ، جامع الفصولین اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتابوں میں ہے اور تحقیق انہوں نے متعدد مسائل میں اس پر نص فرمائی ہے **میں کہتا ہوں** کہ مال دار بہنیں جو بھائیوں کے جہیز دینے میں یہ عرف عام نہیں کہ یہ بھائیوں کی طرف سے ہبہ ہے۔ بخلاف ماں باپ کے کہ وُہ جو کچھ بطور جہیز دیں وہ ہمارے علاقے کے عرف میں ہبہ ہے اور بقاء واجب کے

[1] ردالمحتار کتاب الغصب دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶

قصد التبرع مع بقاء الواجب بل الظاہر انھم یریدون الاحتساب علیھن من انصابھن۔	ہوتے ہوئے قصدِ تبرع کیسے ظاہر ہوگا بلکہ ظاہر تو یہاں یہ ہے کہ وُہ بہنوں کے حصّوں سے مجرا کاارادہ کرتے ہیں (ت)

اسی طرح اگر بکر نے دل میں نیتِ ہبہ کی مگر دُلھن نے ہبہ جان کر قبضہ نہ کیا بلکہ مثلاً اپنے حصّہ کا معاوضہ یا حصّے میں مجرائی سمجھ کرلیا تو بھی بعینہٖ یہی احکام ہوں گے کہ اس صورت میں دُلہن کی طرف سے قبولِ ہبہ نہ پایا گیا،

فان القبول فرع العلم وھی اذالم تحسبہ ھبۃ کیف یتصور انہا قبلت الھبۃ۔	اس لئے کہ قبول علم کی فرع ہے تو جب اس نے اسے ہبہ جانا ہی نہیں تو یہ کیسے متصور ہے کہ اس نے ہبہ قبول کیا۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

وکذا بقولہ اذنت للناس جمیعا فی ثمر نخلی من اخذ شیئا فھو لہ فبلغ الناس من اخذ شیئا یملکہ کذا فی المنتقی وظاہرہ ان من اخذ ولم یبلغہ مقالۃ الواھب لایکون لہ کما لایخفی [1] اھ **اقول**: ومثلہ مافی الھندیۃ عن الخلاصۃ رجل سیب دابتہ فاصلحھا انسان ثم جاء صاحبھا واقروقال قلت حین خلیت سبیلھامن اخذھافھی لہ اوانکر فاقیمت علیہ البینۃ او استحلف فنکل فھی للاٰخذ سواء کان حاضر اسمع ھذہ المقالہ اوغالب	اور اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنے درختوں کے پھلوں کی تمام لوگوں کو اجازت دی کہ جو جتنا لے لے وہ اُسی کا ہے، لوگوں کو اس کی خبر پہنچی تو اس میں سے جو جتنا لے گا وہ اس کامالک ہو جائے گا جیسا کہ منتقٰی میں ہے۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ جس کے واہب کے اس کہنے کی خبر نہ پہنچی اس نے جو کچھ لیا وہ اس کا مالک نہ ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں، **میں کہتا ہوں** اسی کی مثل ہے وہ جو ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے اپنا چوپایہ آزاد چھوڑ دیا پھر کسی نے اس کو پکڑ کر اس کی اصلاح کرلی یعنی اس کو کام کے لائق بنالیا اب مالک آیا اور اس نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو چھوڑتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ جو بھی اس کو پکڑلے گا یہ اسی کا ہوگا' یا اس نے

[1] البحرالرائق کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۲۸۴

فبلغه الخبر[1] ووجهه ظاہر فانه اذاعلم بمقالة الواهب فیکون الاخذ علٰی جهة الاتهاب ویقوم القبض مقام القبول بخلاف ما اذا لم یعلم فانه یتحقق القبول قطعا وهو مدار ثبوت الملك للموهوب له قطعا سواء جعل رکنا کما نص علیه فی التحفة ولو الجیة والکافی والکفایة والتبیین والبحر ومجمع الانهر والدرالمختار وابی السعود وغیرہا من کتب الکبار وهو ظاہر الهدایة وملتقی الابحر وغیرها من الاسفار الغر اوشرطا کما نص علیه فی المبسوط والمحیط والهندیة وغیرها وافادفی البدائع انه الاستحسان وان الاوّل قول زفروعلی کل فاتفق القولان علی انه لاتملك فیها بدون القبول وهو الذی نص علیه فی الخانیة وغیرها وقد حققنا المسئلة بتوفیق الله‌تعالٰی علی هامش ردالمحتار بما لامزید علیه۔	انکار کیا اور گواہ قائم ہوگئے کہ اس نے ایسا کہا تھا یا اس سے حلف کا مطالبہ کیا گیا تو وہ حلف سے انکار کر گیا، ان تمام صورتوں میں ہو چو پایہ اُس پکڑنے والے شخص کا ہوگا چاہے تو خود حاضر ہو کر اُس نے اپنے کانوں سے اس کی یہ بات سُنی ہو یا وُہ غائب تھا اور اس تک یہ خبر پہنچی ہو اھ اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ جب اس کو واہب کے اس قول کا علم ہوگیا تو قبضہ قبول کے قائم مقام ہوگا بخلاف اس کے جب اس کو واہب کے قول کا علم نہ ہو تو قطعًا قبول متحقق نہ ہوگا اور وُہ قبول ہی موہوب لہ، کے لئے ثبوتِ ملک کامدار ہے چاہے اس قبول کو رکن قرار دیا جائے، جیساکہ اس پر تحفہ، والوالجیہ، کافی، کافیہ، تبیین، بحر، مجمع الانہر، درمختار اور ابوالسعود وغیرہ کتب کبیرہ میں نص کی گئی اور ہدایہ اور ملتقی الابحر وغیرہ جلیل القدر کتابوں سے بھی یہی ظاہر ہے، یا اس قبول کو شرط قرار دیا جائے جیساکہ اس پر مبسوط، محیط اور ہندیہ وغیرہ میں نص کی گئی اور بدائع میں افادہ فرمایا کہ بے شک یہ استحسان ہے اور یہ بے شک اول قول زفر ہے اور بہر صورت دونوں اس پر متفق ہیں کہ بغیر قبول کے ہبہ میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور خانیہ وغیرہ میں اسی پر نص فرمائی گئی اور البتہ ہم نے اس مسئلہ کی حاشیہ ردالمحتار میں ایسی تحقیق کردی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔(ت)

تو اس حالت میں بھی وُہ اشیاء بدستور ملک اصل مالک پر رہیں گی خواہ بکر ہو یا سب شرکاء اور احکام سابقہ عود کریں گے، **ہاں اگر** بکر کا ارادہ ہبہ قولًا یا فعلًا یا درایۃً کسی طرح ظاہر ہوا جس کے سبب

[1] فتاوٰی ہندیہ باب الھبۃ الباب الثالث فیما یتعلق بالتحلیل نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

دلہن نے اسے ہبہ ہی سمجھ کر فیصلہ کیا تو البتہ ایجاب و قبول دونوں متحقق ہوگئے،

فان القبض لوجه الاتهاب قبول وان ناقصاً کما فی مشاع یقسم لاستواء الکل فی الدلالة علی الرضا کما لایخفی۔	اس لئے کہ ہبہ سمجھ کر قبضہ کرنا قبول ہے اگرچہ ناقص ہو جیسے متحمل قسمت مشاع کا ہبہ کیونکہ رضا پر دلالت کرنے میں تمام برابر ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

ولوالجیہ میں ہے:

القبض فی باب الهبة جار مجری الرکن فصار کالقبول[1]۔	ہبہ کے باب میں قبضہ رکن کے قائمقام ہے لہٰذا وُہ قبول کی طرح ہوگیا۔(ت)

پس اشیاء بکر نے خرید کر جہیز میں دیں اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں دلہن اُن کی مالک مستقل ہوگئی اور بکر پر اس مال مشترک میں اور ورثہ کے حصص کا تاوان آیا جن کے بے اذن یہ شراء واقع ہُوا یہاں تک کہ خود اُس دلہن کے حصّے کا بھی جس نے جہیز پایا،

فان البدل وان الیها اوصل لکن الشراء نفذ علی بکر فوقع الملك له وتم الضمان ثم العطاء للعروس هبة علیحدة من مال نفسه فلایرتفع به ضمان قسط العروس۔	اس لئے کہ بدل اگرچہ دلہن تک پہنچ گیا لیکن شراء بکر پر نافذ ہُوئی لہٰذا اس کے لئے ملک ثابت ہوئی اور ضمان تام ہُوا پھر بکر کا دُلہن کو عطا کرنا یہ بکر کے اپنے مال سے علیحدہ ہبہ ہُوا تو اس سے دُلہن کے حصّے کا ضمان ساقط نہیں ہوگا۔(ت)

اور جو کچھ عین ترکہ سے ہبہ کیں تو ہبہ باقی ورثہ کے حق میں نافذ نہ ہُوا **اذا منهم ولاولایة علیهم** (اس لئے کہ نہ تو ان کی طرف سے اذن ہے اور نہ ہی اس کی ان پر ولایت ہے۔ت) تو اُن کے حصّے تو ہر حال دُلہن کے ہاتھ میں مضمون رہے اور ضمان کا وہی حکم کہ اُنہیں اختیار ہے چاہیں بکر پر ڈالیں یا دلہن پر، جس پر ڈالیں دوسرے حصّہ جہیز جس مال قابل تقسیم تھا یعنی اس کے حصّے کیجئے تو وہی انتفاع اس سے مل سکے جو قبل از تقسیم ہے ملتا تھا جب تو بکر کے حصّے میں بھی بہ ہوا **لانها هبة فیما یقسم** (کیونکہ یہ متحمل قسمت مشاع کا ہبہ ہے۔ت) اس صورت میں مال مذکور بدستور شرکت جمیع ورثاء پر رہے گا اور جو کچھ دُلہن کے ہاتھ میں کسی طرح ہلاک ہوگا اس میں حصّہ بکر کا تاوان خاص پر پڑے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

[1] والوالجیه

لاتصح ھبة المشاع الذی یحتمل القسمة ولایفید الملك فی ظاہر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعا لایملکه فیکون مضمونا علیه اھ[1] ملخصا وتمامه فیھما وفی ردالمحتار۔	محتمل قسمت مشاع کا ہبہ ظاہر الروایۃ کے مطابق صحیح نہیں، اور نہ ہی مفید ملک ہے۔ امام زیلعی نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کو مشترک غیر منقسم شیئ بطور ہبہ دے دے تو موہوب لہ، اس کا مالک نہیں ہوگا اور اس پر ضمان آئے گا، اس کی پُوری تفصیل مذکورہ بالا دونوں کتابوں اور ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

اسی طرح اگر مال ناقابلِ تقسیم ہو مگر دُلہن نہ جانے کہ اس میں بکر کا حصّہ کس قدر ہے جب بھی ہبہ صحیح نہ ہوگا اور بعد ہلاک وہی حکم ہے کہ بکر کا تاوان دلہن پر آئے گا۔ بحرالرائق میں ہے:

یشترط فی صحة ھبته المشاع الذی لایحتملھا ان یکون قدرامعلوما حتی لو وھب نصیبه من عبد ولم یعلمه به لم یجز[2]۔	غیر متحمل قسمت مشاع کے ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو یہاں تک کہ اگر غلام سے اپنا حصہ کسی کو ہبہ کیا اور مقدار نہ بتائی تو جائز نہ ہُوا۔ (ت)

محیط امام سرخسی میں ہے:

واذاعلم الموھوب له نصیب الواھب ینبغی ان تجوز عند ابی حنیفة رحمه اللہ تعالٰی[3] نقلھا فی الفتاوی الھندیة۔	اگر موہوب لہ، کو واہب کا حصہ معلوم ہے تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ ہبہ جائز ہونا چاہئے۔ ان دونوں کو فتاوٰی ہندیہ میں نقل فرمایا۔ (ت)

جامع الفصولین میں فتاوٰی امام فضلی سے ہے:

اذاھلکت افتیت بالرجوع للواھب ھبة فاسدة لذی رحم محرم منه اذالفاسدة مضمونة علی مامر[4]۔	اگر شیئ موہوب ہلاک ہوجائے تو میں اس واہب کیلئے رجوع کا فتوٰی دُوں گا جس نے اپنے ذی رحم محرم کو بطور ہبہ فاسدہ کچھ دیا کیونکہ ہبہ فاسدہ پر ضمان لازم آتا ہے جیسا کہ گزر گیا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

[2] بحرالرائق کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۶

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ محیط السرخسی الباب الثانی فیما یجوز من الھبۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[4] جامع الفصولین الفصل الثلثون فی التصرفات الفاسدۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۷

اور اگر دُلہن کو معلوم تھا تو اس قدر میں ہبہ صحیح و نافذ و تام و لازم ہو گیا اور ان اشیاء میں دُلہن اپنے اور بکر دونوں کے حصص کی مالک ہو گئی باقی ورثہ کے حصّے بدستور ودستِ عروس میں حکمِ ضمان پر ہیں جن کا حکم بارہا گزرا اور اوّل سے آخر تک سب صورتوں میں جو مشترک چیزیں دُلہن کے ہاتھ میں تلف ہُوئی اُن میں دُلہن اپنے حصّہ کا تاوان کسی سے نہیں لے سکتی کہ اُس کا مال اُسی کے ہاتھ میں ہلاک ہُوا اور بکر نے اس کے حصّے پر کوئی تعدی نہ کی،

فانه انما سلم الملك لید من ملك فماهلك فی یدها فعلیها هلك هذاكله من اوله الٰی آخره مما افیض علی قلب الفقیر من فیض القدیر واخذته تفقها من كلمات العلماء اعظم الله اجورهم یوم الجزاء فما اصبت فمن الله تعالٰی وله الحمد علیه وما اخطأت فمن قصور نفسی وانا اتوب الیه اتقن هذه اتقانا كبیرا فان المسائل مما تمس الیه الحاجة كثیرا فاغتنم هذا التفصیل الجمیل والحمد لله علی فیضه الجلیل۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ بیشک اس نے مملوک شیئ اس کے سپرد کی جو مالک ہوا تو جو دُلہن کے قبضہ میں ہلاک ہُوا وہ اسی کی ضمان میں ہلاک ہُوا۔ یہ تمام از اول تا آخر ربِّ قدیر جل مجدہ، کے فیض سے فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور میں نے اس کو بطور فقہ علماءِ کرام کے ارشادات عالیہ سے اخذ کیا تو جو میں نے درست کہا وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اس پر اسی کے لئے حمد ہے اور جس میں مجھ سے خطا ہُوئی تو میرا اپنا قصور ہے میں اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ ان مباحث کو زبردست مضبوطی عطا فرمائے کیونکہ یہ وُہ مسائل ہیں جن کی طرف بکثرت حاجت واقع ہوتی ہے پس اس عمدہ تفصیل کو غنیمت جان اور اللہ تعالٰی کے فیض جلیل پر اسی کی حمد ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

فصل دوم

مسئلہ ۸۰ تا ۸۶: از بیجناتھ پارا رائے پور ممالک متوسط مرسلہ شیخ اکرم حسین صاحب متولی مسجد و دبیز مجلس انجمن نعمانیہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامدًا و مصلّیًا

(فیض النساء بیگم مدعیہ بنام حسام الدین داروغہ جنگل مدعا علیہ)

دعوٰی واپس پانے سامان جہیز ہر قسم کپڑے وزیورات وغیرہ متروکہ لڑکی متوفیہ مسمّاۃ فیض النساء بیگم نے اپنی سوتیلی لڑکی خدیجہ بی بی کی شادی حسام الدین کے ساتھ کردی، ڈیڑھ برس بعد وُہ لڑکی مرگئی اور اُس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہُوا تھا بعمر ایک سال بعد چار مہینے مرنے ماں کے وُہ لڑکا مرگیا، فیض النساء بیگم کا دعوٰی ہے کہ کُل سامان جہیز زیور وغیرہ جو وقت شادی خدیجہ بی بی مرحومہ کو جہیز دی تھی واپس ملے اور صرف سامان جہیز وغیرہ میں اپنے پیسے سے کرنے کے سبب میں واپس پانے کی حقدار ہوں سامان جہیز واپس ملنے کا رواج ملک مدراس میں جاری ہے۔ جواب حسام الدین یہ ہے کہ زیورات متوفیہ کے حکم سے اسی کے دوامعالجہ میں رہن رکھ کر خرچ ہُوا مجھ کو اس قدر وسعت نہ تھی کہ اس قدر عرصہ دراز کی بیماری میں اس کثیر صرفہ کے بار کا متحمل ہوسکتا اس کے علاوہ اور بھی بہت سا میرا ذاتی خرچ ہُوا ہے متوفیہ کا لڑکا متوفیہ کے کثیر صرفہ کے بار کا متحمل ہوسکتا اس کے علاوہ اور بھی بہت سا میرا ذاتی خرچ ہُوا ہے متوفیہ کا لڑکا متوفیہ کے مرتے وقت زندہ تھا، ماں کے جائداد کا لڑکا مالک ہوا اور بعد مرنے لڑکے کے میں باپ اس کا وارث ہوں، متوفیہ کی سوتیلی ماں کا کوئی حق نہیں ہے۔ علمائِ دین اور مفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) مُلک مدراس میں متوفیہ لڑکی کا جہیز واپس لینے کا رواج ہے فرمایئے شرع میں کہاں حکم ہے۔

(۲) شرع میں رواج ملک کو مداخلت ہے کیا۔

(۳) جہیز میں جو سامان لڑکی کو دیا جاتا ہے وُہ عاریۃً سمجھا جائے گا یا تملیکاً۔

(۴) شرح وقایہ جلد سوم میں ہبہ واپسی کا حکم ہے کیا ہبہ جہیز اسی قسم کا ہبہ ہے حسبِ دعوی مدعیہ۔

(۵) جو شیئ منجانب مدعیہ خاص مدعاعلیہ یعنی داماد کو وقت شادی کے ملی ہے اُس کے واپس پانے کا کیا مدعیہ کو حق ہے۔

(۶) جو جہیز یا سامان مدعاعلیہ نے وقتِ شادی اپنی بی بی کو دیا اس پر بھی حق واپس لینے کا مدعیہ کا ہے یا نہیں۔

(۷) متوفیہ کے حکم سے زیورات وقتِ بیماری رہن رکھ کر صَرف ہوا اُس کے چھُڑانے کا کون ذمہ دار ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جواب سوال اوّل تا چہارم

حکم شرع مطہر کے لئے ہے عرف ورواج وغیرہ کسی کو حکم میں کُچھ دخل نہیں **ان الحکم الّا للہ** (نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالٰی کا۔ت) ہاں بعض احکام کو شرع مطہر اپنے حکم سے عرف پر دائر فرماتی ہے خواہ یُوں کہ اگر یہ شے معروف ورائج ہو جائے تو اس کے لئے یہ حکم ہے ورنہ یہ جس طرح وقف منقول کہ اشیائے منقولہ میں جس کا وقت معروف ہو جائز، ورنہ نہیں، یا استصناع یعنی بے طریق سلم معدوم چیز اُجرت دے کر بنوانا اس میں جن اشیاء کے بنوانے کا رواج ہو، جائز، ورنہ نہیں، یا شرط البیع کہ جو شرط مفسد معروف ہو جائے متحمل ہے ورنہ نہیں **الی غیرذٰلك ممّاصرحوا به فی الکتب** (اس کے علاوہ جس کی تصریح انہوں نے کتاب میں فرمائی۔ت) خواہ یُوں کہ حکم فی نفسہٖ حاصل اور عُرف اُس کی صورت کا بتانے والا مثلاً مرتہن کا شیئ مرہون سے انتفاع اگر باذنِ راہن بے شرط ہو، جائز، ورنہ حرام۔ اب اگر عرف ورواج ہو کہ بے طمع نفع بمرہون قرض نہیں دیتے، جیسے ہمارے زمانہ میں، تو مطلقاً حکمِ حُرمت دیا جائے گا **کما فی الشامی عن الطحطاوی وقد افتیت به مرارا** (جیسا کہ شامی میں طحطاوی کے حوالے سے ہے اور تحقیق میں اس پر کئی بار فتوٰی دے چکا ہوں۔ت) یہاں عرف نے بتادیا کہ صورتِ شرط ہے نہ یہ کہ قرض ورہن خالص واقع ہوئے اور اُس کے بعد راہن نے برضائے خود مرتہن کو اجازتِ انتفاع دی، ایسی ہی جگہ **المعروف کالمشروط** (معروف مشروط کی طرح ہوتا۔ت) یا **المعهود عرفاً کالمشروط لفظاً** (جو عرف کے اعتبار سے معہود متعین ہو وُہ

ایسے ہی ہے جیسے لفظ کے اعتبار سے مشروط ہو۔ت) کہتے ہیں کتبِ فقہ میں دونوں صورتوں کی مثالیں بکثرت موجود۔یہ مسئلہ جہیز بھی صورت ثانیہ سے ہے کہ والدین اپنے مال سے دلہن کو جہیز دیتے ہیں اور دینا ہبہ وعاریت دونوں کو محتمل، تو بنظر اصل حکم مطلقاً اُنہیں کا قول معتبر ہونا چاہئے تھا۔

فان الاصل ان الدافع ادری بجھة الدفع وایضااذا احتمل امران تعین الاقل اذھو المتیقن والی ھذا نظر الامام شمس الائمة السرخسی فاختار ان القول للاب مطلقا۔	بے شک اصل یہ ہے کہ دینے والادینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے نیز جب دو عمر محتمل ہوں تو ان میں سے اقل متعین ہوتا ہے کیونکہ وہی یقینی ہوتا ہے۔امام شمس الائمہ سرخسی نے اسی کی طرف نظر فرمائی اور اختیار فرمایا کہ قول مطلقاً باپ ہی کا معتبر ہے۔(ت)

مگر عرف بلاد مظہر قصد ومراد ہوتا ہے جہاں عرف غالب تملیک ہو وہاں دعوی عاریت نامقبول اور جہیز دینا تملیک ہی پر محمول جب تک گواہان شرعی سے اپنا عاریۃً دینا ثابت نہ کریں، اور جہاں عرفِ غالب عاریت، ہو یا دونوں رواج یکساں وہاں آپ ہی ان کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور ایسی جگہ جہیز دینا تملیک سمجھا جائے گا۔"مشیاعلی الاصل المار لعدم مایحمل علی العدول عنه" (اصل رائج پر چلتے ہوئے کیونکہ اس سے عدول پر برانگیختہ کرنے والی کوئی شیئ موجود نہیں۔ت) یہی صحیح و معتمد و مختار للفتوی ہے بل ھو التوفیق بین الاقوال فاذاحقق فالیه المآل (بلکہ مختلف اقوال میں اسی سے تطبیق حاصل ہوئی جب اس کی تحقیق ہو گئی تو اسی کی طرف لوٹنا لازم ہے۔ت) درمختار میں ہے:

جھز ابنته ثم ادعی ان مادفعه لھا عاریة وقالت ھو تملیك اوقال الزوج ذلك بعد موتھا لیرث منه وقال الاب او ورثته بعد موته عاریة فالمعتمد ان القول للزوج ولھا اذاکان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثله جھازا لاعاریة واماان مشترکا کمصر و الشام فالقول للاب[1]۔	کسی شخص نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا پھر دعوی کیا کہ اس نے جو کچھ دیا وہ بطور عاریت دیا، جب کہ لڑکی کہتی ہے کہ بطور تملیک دیا تھا، یا اس کے مرنے کے بعد یہی بات اس کا شوہر کہے تاکہ وُہ جہیز سے بطور میراث حصّہ پائے، اور لڑکی کا باپ یا اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کہیں کہ یہ رعایت کے طور پر دیا تھا تو معتمد یہی ہے کہ قول بیٹی اور اس کے شوہر کا مانا جائے گا جبکہ عرف یہی رائج ہو کہ ایسا مال باپ پانی بیٹی کو بطور جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور رعایت

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳

(جیسا کہ ہمارے علاقے میں ہے) اور اگر عرف مشترک ہو جیسا کہ مصر اور شام میں، تو باپ کا قول معتبر ہوگا۔(ت) اسی میں ہے: **بہ یفتی** (اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے۔ت) بحر الرائق میں ہے:

فی فتح القدیر والتجنیس والذخیرۃ المختار للفتوی ان القول للزوج ولھا اذاکان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ جھاز الاعاریۃ کما فی دیارنا وان کان مشترکا فالقول قول الاب[1]۔	فتح القدیر، تجنیس اور ذخیرہ میں کہ فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ بیشک قول بیٹی اور اس کے شوہر کا معتبر ہوگا جبکہ عرف یہی رائج ہو کہ ایسا مال باپ بطور جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور عاریت، جیسا کہ ہمارے علاقے میں ہے۔اور اگر عرف مشترک ہو تو باپ کا قول معتبر ہوگا۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان العرف مشترکا فالقول للام مع یمینھا وقد ذکران کل من کان القول قولہ یلزمہ الیمین الا فی مسائل اوصلھا فی شرح الکنز الی نیف وستین مسئلۃ لیست ھذہ منھا وافتی قاریء الھدایۃ القول قول الاب والام انھما لم یملکاھا انما ھو عاریۃ عندکم مع الیمین[2] مختصرا۔	جہاں عرف مشترک ہو تو وہاں ماں کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ تحقیق مذکور ہے کہ ان تمام صورتوں میں جن میں کسی کا قول معتبر ہو اُسے یمین لازم ہے سوائے چند مسائل کے جنہیں شرح کنز میں ساٹھ سے کچھ اوپر تک پہنچایا، مسئلہ جہیز ان مسائل میں سے نہیں (یعنی اس میں قول قسم کے ساتھ ہی معتبر ہوگا) اور قاری ہدایہ نے فتوٰی دیا کہ قول ماں باپ کا قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ بے شک اُنہوں نے بیٹی کو جہیز کامالک نہیں بنایا اور تمہارے نزدیک عاریت ہے اھ مختصراً(ت)

پھر عرف جن خصوصیتوں کے ساتھ ہو سب کے مراعات واجب مثلاً شرفا میں عرف تملیک ہے کم درجہ کے لوگوں میں مشترک تو صرف شرفا ہی کی جانب سے تملیک سمجھی جائے گی یا حسب حیثیت ایک مقدار خاص تک جہیز دینے کا عرف ہو اور زیادہ ہو تو عاریت، تو جب اُسی مقدار تک دیا گیا ہو تملیک سمجھیں گے۔بحر الرائق میں ہے:

قال قاضی خاں وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان الاب من الشراف والکرام لایقبل قولہ انہ عاریۃ	قاضی خاں نے فرمایا کہ جواب بالتفصیل ہونا چاہئے، اگر باپ اشراف ومعززین میں سے ہے تو اس کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا کہ یہ (جہیز) عاریت ہے

[1] بحر الرائق باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

[2] العقود الدرایۃ تنقیح فی الفتاوی الحامدیۃ مسائل الجھاز مطبع حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۲۶

وان کان الاب ممن لایجھز البنات بمثل ذٰلك قبل قولہ[1]۔	اور اگر باپ ان لوگوں میں سے ہے جو اس کی مثل جہیز بیٹیوں کو نہیں دیتے تواس کا قول مان لیا جائے گا(ت)

نہرالفائق میں ہے:

وھذاالعمری من الحسن بمکان[2].	اور میری عمر کی قسم یہ قول حُسن میں اُونچا مقام رکھتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوکان اکثر ممایجھر بہ مثلھافان القول لہ اتفاقا[3]۔	اگر جہیز میں دیاجانے والامال اس سے زیادہ ہے جتنا ایسی لڑکیوں کو جہیز میں دیا جاتا ہے تو بالاتفاق باپ کا قول معتبر ہوگا۔(ت)

بالجملہ یہاں مدار عرف ورواج پر ہے اور ان سب اقوال وتفاصیل کا یہی منشاء، تو جدھر عرف لے جائے اسی طرف جانا واجب، مگر کہ یہ کوئی دلیل دیگر اُس سے صارف ہو، مثلاً باپ پر بیٹی کا قرض آتا تھا وُہ کہتا ہے میں نے قرض دیا یہ کہتی ہے اپنے مال سے دیا، تو باپ کا قول بقسم معتبر ہے کہ مدیون کے حال سے یہی ظاہر کہ ادائے دین کی فکر مقدم رکھے گا۔ بحرالرائق میں ہے:

لو کان لھا علی ابیھا دین فجھز ھا ابو ہاشم قال جھزتھا بدینھا علیّ وقالت بل بما لك فالقول للاب وقیل للبنت[4]۔	اگر بیٹی کا باپ پر قرض ہواور باپ بیٹی کو جہیز دے پھر کہے کہ میں نے یہ اس کے قرضے کے عوض میں دیا جو بیٹی کا مُجھ پر تھا اور بیٹی کہے کہ باپ نے انے مال سے دیا ہے تو باپ کا قول معتبر ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ بیٹی کا قول معتبر ہوگا۔(ت)

انقرویہ میں ہے:

والاول اصح فانہ لوقال الاب کان لامک	اول اصح ہے اس لئے کہ اگر باپ کہے تیری ماں کو مجھ پر

[1] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۷/۳

[2] ردالمحتار بحوالہ النہرالفائق باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۶۷/۲

[3] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۲۰۳/۱

[4] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۷/۳

علیّ مائۃ دینار فاتخذت الجهاز بها وقالت بل بمالك فالقول للاب جامع الفتاوٰی وکذٰا فی القنیة[1]۔	سو ۱۰۰ دینار قرض تھامیں نے اس سے جہیز بنایا ہے، اور بیٹی کہے کہ تونے اپنے مال سے بنایا ہے، تو باپ کا قول معتبر ہوگا، جامع الفتاوٰی، اور ایسا ہی قنیہ میں ہے۔ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق مگر اگر بحالت دین بھی عرف مقتضی تملیک ہو تو اسی پر نظر کی جائے گی کہ اب دلالتِ دین دلالتِ عرف کے معارض نہ رہی۔ ہدایہ میں ہے:

(من بعث الی امرأته شیأ فقالت هو هدية وقال الزوج هو من المهر فالقول له) لانه هو المملك فكان اعرف بجهته المتليك كيف وان الظاهر انه يسعى فی اسقاط الواجب (الا فی الطعام الذی یؤکل) فان القول قولها والمراد منه مایکون مهیأ للاکل لانه یتعارف هدیة فاما فی الحنطة و الشعیر فالقول قوله لما بینا[2] اھ فانظر کیف رجح دلالة العرف علی دلالة انه مدین فالظاهر منه السعی فی اسقاط الدین ثم زاد الشارحون فسایرو العرف کیفما سار قال المحقق فی الفتح هذا والذی یجب اعتباره فی دیارنا ان جمیع ماذکر من الحنطة	شوہر نے عورت کو کوئی شیئ بھیجی عورت کہتے ہے وہ ہدیہ ہے اور شوہر کہتا ہے وہ مہر سے ہے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہی مالک بنانے والا ہے لہذا وہ تملیک جہت کو بہتر طور پر سمجھتا ہے اور اس کا قول کیسے معتبر نہ ہوگا جبکہ ظاہر یہی ہے کہ وُہ اس شیئ کو ساقط کرنے کی کوشش کرے گا جو اس پر واجب ہے سوائے اس طعام کے جو کھایا جاتا ہے کیونکہ اس میں عورت کا قول معتبر ہوگا، اس سے مراد وہ طعام ہے جو کھانے کے لئے تیار کیا گیا ہو کیونکہ ایسا طعام بطور ہدیہ ہی متعارف ہے، لیکن گندم اور جو وغیرہ کی صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا اسی بناء پر جس کو ہم نے بیان کیا، پس دیکھ کہ دلالت عرف کو کیسے ترجیح حاصل ہوئی اس دلالت پر کہ وُہ مدیون ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وُہ اسقاطِ دین میں سعی کرے گا پھر شارحین نے اس پر اضافہ کیا کہ عرف کے ساتھ چلو جدھر لے جائے محقق نے فتح میں فرمایا اور وُہ جس کا اعتبار ہمارے علاقے میں واجب ہے یہ ہے کہ بیشک گندم،

[1] فتاوٰی انقرویہ باب فی اختلاف الجهاز والمهر دارالاشاعت العربیہ افغانستان ۱/ ۶۵۔ ۶۴

[2] ہدایہ باب المهر المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۳۱۷

و اللوزوالدقیق والسکر والشاۃ الحیلۃ وباقیھا یکون القول فیھا قول امرأۃ لان المتعارف فی ذلک کلہ ان یرسلہ ھدیۃ فالظاہر مع المرأۃ لامعہ ولایکون القول لہ الا فی نحو الثیاب والجاریۃ[1] اھ وقال فی النہر الفائق واقول وینبغی ان لایقبل قولہ ایضا فی الثیاب المحمولۃ مع السکر ونحوہ للعرف[2] اھ وقال السید ابو السعود فی حاشیۃ الکنز بعد نقلہ واقول ینبغی ان یکون القول لھا فی غیر النقول للعرف المستمر[3] اھ وقال فی ردالمحتار قلت ومن ذلک مایبعثہ الیھا قبل الزفاف فی الاعیاد والمواسم من نحو ثیاب وحلی وکذا ما یعطیھا من ذلک اومن دراھم اودنا نیر صبیحۃ لیلۃ العرس ویسمی فی العرف صبحۃ فانکل ذلک تعورف فی زماننا کونہ ھدیۃ لامن المھر ولاسیما المسمی صبحۃ فان الزوجۃ تعوضہ عنھا ثیابا ونحوھا صبیحۃ العرس[4] ایضا اھ فکل ذلک انما ھو لان العرف	بادام، آٹا، شکّر، زندہ بکری اور دیگر تمام اشیاء مذکورہ میں عورت کا قول معتبر ہوگا ان تمام اشیاء میں عرف یہ ہے کہ بطور ہدیہ بھیجی جاتی ہیں لہٰذا ظاہر عورت کا مؤید ہے نہ کہ مرد کا، اور مرد کا قول کپڑوں اور لونڈی جیسی اشیاء کے ماسواء میں معتبر نہ ہوگا النہر الفائق میں فرمایا کہ میں کہتا ہوں شکّر وغیرہ کے ساتھ بھیجے ہُوئے کپڑوں میں بھی عرف کی وجہ سے مرد کا قول معتبر نہیں ہونا چاہئے، سیّد ابوالسعود نے حاشیہ کنز میں اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا میں کہتا ہوں کہ عرف عام کی وجہ سے نقود کے غیر میں عورت کا قول معتبر ہونا چاہئے۔ ردالمحتار میں فرمایا میں کہتا ہوں کہ زفاف سے پہلے عیدوں اور موسموں پر جو کپڑے اور زیور کی مثل اشیاء شوہر بیوی کی طرف بھیجتا ہے وُہ بھی اسی قبیل سے ہیں، اور یونہی حکم ہے ان اشیاء اور دراہم ودنانیز کا جو شبِ زفاف کی صبح اپنی بیوی کو دیتا ہے جس کو عرف میں صبحہ کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ ان تمام اشیاء کا ہمارے زمانے میں ہدیہ ہونا متعارف ہے نہ کہ مہر سے ہونا خصوصًا وہ جس کو صبحہ کہا جاتا ہے، اس لئے کہ عورت بھی شبِ زفاف کی صبح اس کے عوض میں کپڑے وغیرہ

[1] فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۵۶

[2] ردالمحتار بحوالہ النہر الفائق باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

[3] فتح المعین باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۰

[4] ردالمحتار باب المہر داراحیا التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

قضی بکونه هدیة مع العلم بان الزوج مدین بالمهر فسقطت بجنبه دلالة الدین فکذلك لوان العرف ههنا عم وصم ولوالاب مدینالها وجب القضاء بالتملیك وکان القول قولها هکذا ینبغی ان یفهم هذا المقام واللہ الموفق وبه الاعتصام۔	شوہر کو دیتی ہے پس یہ سب عرف ہی ہے جس نے ان اشیاء کے ہدیہ ہونے کا فیصلہ دیا باوجود اس بات کے معلوم ہونے کے کہ شوہر مہر کا مدیون ہے چنانچہ عرف کے مقابل دلالت دین ساقط ہوگئی، تو یوں ہی یہاں پر جب عرف عام وکثیر ہے اگرچہ باپ بیٹی کا مدیون ہو تملیک کا فیصلہ دینا واجب ہے اور بیٹی کا قول معتبر ہوگا۔اس مقام کو اسی طرح ہی سمجھنا چاہئے، اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے اور اسی کی پناہ مطلوب ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ اب عامہ بلاد وعجم کا عرف غالب وظاہر وفاش ومشتہر مطلقاً یہی ہے کہ جہیز جو دلہن کو دیا جاتا ہے دلہن ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے بلکہ جہیز کہتے ہی اُسے ہیں جو اُس وقت بطور تملیک دلہن کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔

کمافی سبق من قول الدروالبحر والفتح والتجنیس والذخیرة ان الاب یدفع مثله جهاز الاعاریة[1]۔	جیسا کہ در، بحر، فتح، تجنیس اور ذخیرہ کے قول سے گزرا کہ بیشک باپ اس کی مثل بطور جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور عاریت۔(ت)

ہمارے بلاد میں عموماً شرفاء واوساط وعامہ اراذل سب کا یہی عرف ہے جہیز واپس لینے یا بیٹی کے قرض میں محسوب کرنے کو سخت عیب وموجبِ طعن سمجھیں گے تو یہاں علی العموم تملیک ہی مفہوم اور سماع دعوی عاریت بے بینہ معدوم۔ردالمحتار میں ہے:

هذا العرف غیر معروف فی زماننا بل کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة وانه اذا طلقها تأخذه کله واذا ماتت یورث عنها[2] اهملخصا وفیه عن حاشیة الاشباه للسید محمد ابی السعود	یہ عرف ہمارے زمانے میں معروف نہیں کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے، جب شوہر اس کو طلاق دے دے تو وہ تمام لے لیتی ہے اور اگر وُہ عورت مرجائے تو جہیز اس کے وارثوں کو ملتا ہے، اھ ملخصًا، اور اسی میں سیّد محمد ابوالسعود کے حاشیہ

[1] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۷/۳

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۶۸/۲

عن حاشية العلامة الشرف الغزی قال قال الشیخ الامام الاجل الشهيد المختار للفتوی ان یحکم بکون الجهاز ملکا لاعاریة لانه الظاہر الغالب [1] الخ	اشباء سے بحوالہ حاشیہ علامہ شرف غزی مذکور ہے کہ شیخ امام اجل شہید نے فرمایا فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ جہیز کے مِلک ہونے کا فیصلہ دیا جائے نہ کہ عاریت ہونے کا، کیونکہ یہی ظاہر غالب ہے الخ (ت)

ملک مدراس میں کہ واپس لینے کا رواج ہے اگر مثل عامہ بلادِ دُنیا وہاں بھی جہیز تملیکاً ہی دیتے اور تملیک ہی اس سے قصد کرتے ہیں اور یہ واپسی بعد موتِ عروس اس بنا پر ہوتی ہے کہ اُسے ہبہ تا حینِ حیات سمجھتے ہیں جب تو وہ مثل دیگر بلاد ہبہ کاملہ ہو جاتا ہے اور حینِ حیات کی شرط لغو و باطل بعد موت عروس ترکہ عروس قرار پاکر وارثانِ عروس پر منقسم ہوگا۔ درمختار میں ہے:

جاز العمری للمعمرله لو ورثته بعده لبطلان الشرط [2]۔	ہبہ تا حینِ حیات جائز ہے معمولہ، کی زندگی میں اس کے لئے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کے لئے ہوگا کیونکہ حین حیات کی شرط باطل ہے (ت)

شوہر وغیرہ دیگر ورثہ عروس پر واپسی کا جبر ہر گز نہیں ہو سکتا، نہ اس کا اصلًا استحقاق، فان مواحد العاقدین من موانع الرجوع (کیونکہ بے شک عاقدین میں سے کسی ایک کی موت رجوع کے موانع میں سے ہے۔ت) ہبہ میں واپسی جہاں ہو بھی سکتی ہے تو اُسی وقت تک واہب و موہوب لہ، دونوں زندہ ہوں، جب اُن میں کوئی مر جائے تو اُسی شرح وقایہ وغیرہ تمام کتب میں تصریح ہے کہ اب رجوع نہیں، اور اگر وہاں تملیکاً نہیں دیتے بلکہ عاریت مقصود ہوتی ہے تو بیشک یہ واپسی حق وبجا ومطابق شرع مطہر ہے اگرچہ دلہن کی حیات ہی میں واپس لے،

فان علی الید ما اخذت حتی تردها اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ [3]۔	اس لئے کہ بے شک جو اس عورت نے لیا وہ بطور احسان وامانت ہے یہاں تک کہ وہ اسے لوٹادے (قرآن پاک میں ہے کہ) بے شک اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کو ادا کرو۔ (ت)

یہاں تک چار سوال پیشین کا جواب تھا، سائل نے کلیۃً سوال کئے لہٰذا اُن کے جواب میں ان مسائل

[1] ردالمحتار باب المهر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[2] درمختار کتاب الهبه فصل فی مسائل متفرقه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

کی حاجت ہوئی ورنہ مسئلہ فیض النساء بیگم سے اس بحث کو علاقہ نہیں، یہ حکم کہ بحالت عدم عرف تملیک مدعی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو کہ میں نے اپنے مال سے عاریۃً جہیز دیا لہٰذا واپسی کا مستحق ہوں عامہ کتبِ مذہب میں باپ کے لئے مذکور ہے اور بحکم عرف حقیقی ماں کو بھی اس سے لاحق کیا گیا واقعی ماں باپ پانے ہی مال سے اولاد کا جہیز تیار کرتے ہیں توان کی طرف سے ہونا بحکم ظاہر خود ثابت رہا دعوی عاریت وہ بحال عدم دلیل تملیک اُنہیں اصول پر واجب القبول بخلاف اجنبی کہ اُس کا یہ دعوی حدِ دعوی سے ہر گز متجاوز نہیں یہاں تک کہ علامہ بحر نے بحر میں حقیقی ماں اور دادا کے لئے بھی اس حکم کے ہونے میں تردّد فرمایا اور جبکہ اُن کے تلمیذ علّامہ غزی نے متنِ تنویر میں ماں کے مثل پدر ہونے پر جزم کیا۔علامہ طحطاوی کو حقیقی نانی دادی کے مثلِ مادر میں تردّد رہا،

فقال تحت قوله والام کالاب فی تجهیزها انظر هل الجدة مثلها[1]۔	چنانچہ اپنے اس قول کے تحت کہ ماں جہیز دینے میں باپ کی طرح ہے فرمایا دیکھو کیا دادی اور نانی ماں کی مثل ہے؟(ت)

علامہ ابن واہبان نے اپنی رائے سے دیگر اولیاء کو اسی حکم میں شامل کرنے کی بحث کی علامہ ابن الشحنہ نے اُس میں نظر کردی کہ علّامہ شرنبلالی نے نقل فرماکر مقرر رکھی اور شک نہیں کہ یہ الحاق سخت محلِ تامل ہے جب تک والدین کی طرح عرف عام وخاش سے ثابت نہ ہو جائے کہ سب اولیاء بھی اپنے ہی مال سے جہیز دیتے ہیں بلکہ ہمارے بلاد میں تنہاماں کے مال خاص سے بھی تجہیز ہونا ہر گز معروف نہیں جہیز مطلقاً مال پدر سے ہوتا ہے یا بعض اشیاء ماں بھی شامل کردیتی ہے نہ کہ خاص مالِ مادر سے ہو، مگر جبکہ باپ مال نہ رکھتا ہو یا اُس سے جُدا ہو کر ماں نے بطورِ خود تزویج کی وہ توان دو۲ صورتوں کے علاوہ ماں کا دعوی اختصاص بھی ضرور محتاج بینہ ہونا چاہئے کہ ظاہراً اُس کے لئے شاہد نہیں کما لایخفی، واللہ تعالٰی اعلم۔

وهذا بحمد الله تحقيق شريف فتح به المولى القوی اللطيف علی عبده الذليل الضعيف' اتضح به نظر العلامة عند البرواتجه به كلام البحر فلنسق لك كلماتهم ليتجلى عندك الامر	اور یہ بحمد اللہ تعالٰی عظیم الشان تحقیق ہے جو قوی ولطیف مالک نے اپنے اس ناقص وضعیف بندے پر منکشف فرمائی، اس سے علامہ عبدالبر کی نظر واضح ہو گئی اور کلامِ بحر وجیہ ہو گیا تو اب ہم تیرے لئے ان کے ارشادات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ تیرے نزدیک

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب المھر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۶۷

قال ابن وھبان فی منظومتہ۔

ومن فی جھاز البنت قال اعرتہ
یصدق والاشھاد یشترط اظھر[1]

ثم قال فی شرحھا ینبغی ان یکون الحکم فیما تدّعیہ الام وولی الصغیرۃ اذا زوجھا کما مر لجریان العرف فی ذٰلك کذٰلك[2] الخ ای انھم انما یجھزون من اموالھم فکان الظاہر شاھدا لھم قال الشارح العلامۃ قلت وفی الولی عندی نظر[3] اھ وھکذا انقلہ الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد واقر قال فی الدر (الام) وولی الصغیرۃ (کالاب) فیما ذکر[4] اھ. قال ط قولہ فیما ذکر ای فی اعتبار العرف وھذا الحکم فی الام والولی بحث لابن وھبان قال العلامۃ عبد البر وفی الولی عندی نظر ای فان الغالب من حالہ العاریۃ بخلاف الابوین

معاملہ منکشف ہوجائے۔

ابن وہبان نے اپنی منظومہ میں فرمایا: اور جو شخص اپنی بیٹی کے جہیز کے بارے میں کہے کہ میں نے بطور عاریت دیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس میں گواہوں کا شرط ہونا اظہر ہے۔ پھر اس کی شرح میں فرمایا کہ جہیز کے بارے میں ماں اور نابالغہ کا نکاح کرنے والے ولی کے دعوی کا حکم بھی ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ گزرا کیونکہ اس میں عرف ایسا ہی ہے یعنی وُہ اپنے مالوں سے جہیز بناتے ہیں تو ظاہر ان کے لئے شاہد ہُوا۔ علامہ شارح نے فرمایا کہ میرے نزدیک ولی صغیرہ میں نظر ہے، ایسا ہی شرنبلالی نے تیسیر المقاصد میں اس کو نقل کرکے مقرر رکھا۔ در میں فرمایا کہ ماں اور صغیرہ ولی مذکور میں باپ کی طرح ہیں، اور ط نے فرمایا کہ اس کے قول فیما ذکر (مذکور میں) سے مراد یہ ہے کہ اعتبار عرف میں، اور ماں اور صغیرہ کے ولی کے بارے میں یہ حکم ابن وہبان کی بحث ہے۔ علامہ عبد البر نے فرمایا کہ ولی صغیرہ میں میرے نزدیک نظر ہے کیونکہ اس کے حال سے غالب عاریت ہے بخلاف ماں باپ کے کہ ان کی

[1] منظومہ ابن وہبان

[2] ردالمحتار بحوالہ شرح منظومہ باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[3] ردالمحتار بحوالہ شرح منظومہ باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[4] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۷

المزید شفقتها لکن حیث کان العرف مستمر اان الولی یجهز من هذه فلانظر[1] اھ اقول: لیس منشأ النظر بثبوت الحکم بعد تسلیم العرف وانما الشان فی جریان العرف فالایراد علی قول ابن وهبان لجریان العرف فی ذٰلك کذٰلك وبه ظهر انه ماکان ینبغی تفسیر قوله ماذکر باعتبار العرف فان العرف اذا ثبت اینما ثبت فهو القاضی الماضی القول لاتفرقة فی ذٰلك بین اب وام وغیرهما بل المراد فیما ذکر من قبول دعوی العاریة من ماله وکذٰلك لیس تفسیر النظر ماذکر بل النظر انالانسلم ان الغالب من حاله التجهیز من ماله.ثم اعلم ان العلامة البحر بعدماافادحکم الاب کما تقدم.قال فی البحر صغیرة نسجت جهازا بمال امها وابیها وسعیها حال صغرها وکبرها فماتت امها فسلم ابوها جمیع الجهاز الیها فلیس لاخوتها دعوی نصیبهم من جهة الام[2] اھ ثم قال وبهذا

شفقت بیٹی پر زیادہ ہوتی ہے، لیکن عرف رائج یہی ہو کہ ولی اپنے پاس سے جہیز بناتا ہے تو پھر کوئی نظر نہیں اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اعتراض کا منشاء عرف کے تسلیم کرنے کے بعد حکم ثبوت نہیں، اصل معاملہ تو صرف عرف کے جاری ہونے میں ہے، پس ابن وھبان کے قول پر اعتراض وارد ہے کیونکہ اس (ولی کے عاریۃً دینے) میں عرف اسی طرح ہے اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ ماذکر سے مراد اعتبارِ عرف لینا درست نہیں اس لئے کہ عرف جب بھی ثابت ہو وہی حاکمِ قوی ہوتا ہے اس میں ماں اور باپ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ ماذکر سے مراد اُسکے اپنے مال سے دعوی عاریت کو قبول کرنا ہے اور یُوں ہی نظر کی بھی وہ تفسیر نہیں جو ذکر کی گئی بلکہ نظر یہ ہے کہ بیشک ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اُس کے ولی صغیرہ کے حال سے غالب اس کے اپنے مال سے جہیز بنانا ہے۔ پھر جان کہ علّامہ بحر نے باپ کے حکم کا افادہ فرمانے کے بعد، جیسا کہ گزرا۔ بحر میں فرمایا کہ صغیرہ نے ماں باپ کے مال اور اپنی دستکاری سے حالتِ صغر اور کبر میں کچھ جہیز بنایا پھر اس کی ماں مر گئی اور باپ نے وُہ سارا سامان اس لڑکی کو جہیز میں دے دیا تو اس کے بھائیوں کو یہ حق نہیں کہ ماں کا ترکہ قرار دے کر اس میں سے اپنے حصّے کا دعوی کریں اھ

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/۳۹۰

[2] بحر الرائق باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۷

یعلم ان الاب او الام اذا جھز بنتہ ثم مات فلیس لبقیہ الورثۃ علی الجھاز سبیل لیکن ھل ھذا الحکم لامذکور فی الاب یتأتی فی الام والجد فلو جھز ھا جدھا ثم ماتت وقال ملکی وقال زوجھا ملکھا صارت واقعۃ الفتوی ولم ار فیھا نقلا صریحا [1] اھ قال فی منحۃ الخالق قال الرملی الذی یظھر ببادی الرأی انھما ای الام والجد کذلك اما الام فلما قدمہ من قول القنیۃ صغیرۃ نسجت جھازا من مال امھا وابیھا الخ واما الجد فلقولھم الجد کالاب الافی مسائل لیست ھذہ منھا تأمل [2] اھ **اقول:** ماکان ھذا البحر الطام الحبر التام لیذکر فرع القنیۃ فی ھذہ الاسطر العدیدۃ ویفرع علیہ بنفسہ ان الاب او الام اذجھز بنتہ فلیس لوارث علی الجھاز سبیل ثمّ یتردد متصلا بہ فی التحاق الام بالاب فی کون التجھیز منھا ظاہر افی	پھر فرمایا اسی سے معلوم ہوگیا کہ جب باپ یاماں بیٹی کو جہیز بنا کردیں تو ان کے مرنے کے بعد باقی وارثوں کا جہیز پر کوئی حق نہیں ہوتا لیکن کیا یہ حکم جو باپ کے لئے مذکور ہُوا وہ ماں اور دادا کے لئے حاصل؟ تو اگر لڑکی کو اس کے دادا نے جہیز دیا پھر وہ لڑکی مر گئی اور دادا نے کہا یہ جہیز میری ملکیت ہے اور اس لڑکی کا شوہر کہتا ہے کہ یہ لڑکی کی ملکیت ہے یہ فتوے سے متعلق ایک واقعہ پیش آگیا ہے اور میں نے اس میں کوئی صریح نقل نہیں دیکھی۔ منحۃ الخالق میں فرمایا کہ رملی نے کہا ہے بنظر ظاہر وُہ دونوں یعنی ماں اور دادا، باپ کی طرح ہی ہیں، ماں تو اس وجہ سے جس کا بحوالہ قنیہ پہلے ذکر کیا ہے کہ لڑکی نے اپنے باپ اور ماں کے مال سے جہیز بنایا الخ اور دادا اس لئے کہ ان (فقہاء) کا قول ہے کہ دادا مثل باپ کے ہے سوائے چند مسائل کے جن میں جہیز نہیں ہے۔ غور کر الخ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ایسے عظیم سمندر اور کامل وماہر عالم کے لائق یہ نہیں کہ وُہ ان چند سطروں میں قنیہ کی فرع ذکر کرے اور بذاتِ خود اس پر یہ تصریح ذکر کرے کہ بیشک ماں یا باپ جب بیٹی کو جہیز دیں تو کسی وارث کا جہیز میں کوئی حق نہیں پھر اس کے متعلق ہی اس بات میں تردّد کرے کہ ماں اس حکم میں باپ کے ساتھ ملحق ہے کہ ماں کی طرف سے

[1] بحرالرائق باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۷

[2] منحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۷

التملیك حتی یرد علیه بماقدم من قول القنیة وھل یتأتی مثله الامن لایکاد یفھم مایخرج من رأسه فکیف یجعل علی مثله کلام مثل ھذا الجلیل النبیل، ولذا لمالم یتضح الامرعند العلامة السیّدالطحطاوی اسقط لفظ الام من کلام البحر واقتصر علی قوله ھل ھذا الحکم المذکورفی الاب یتأتی فی الجد [1] الخ لکن العلامة الشرنبلالی فی غنیة لم یستبعدہ فقال قال صاحب البحر ھل ھذاالحکم المذکور فی الاب یتأتری فی الام والجد صارت واقعة الفتوی ولم ارفیھما نقلا صریحا [2] اھ وقال العلامة الشامی تردد فی البحر فی الام والجد [3] الخ وقال الرملی ماسمعت فانماالامر مافتح المولٰی سبحانه وتعالٰی ان لاتردد فی الحاق الام بالاب فی کون التجھیز منھا تملیکا لمکان العرف وانما تردّد رحمه اللّٰہتعالٰی فی قبول	جہیز دینا تملیک میں ظاہر ہے۔ یہاں تک اس پر وارد ہو وُہ قنیہ کے قول سے مقدم گزرا۔ اور نہیں حاصل ہوتا اس کی مثل مگر صرف اس شخص سے جو یہ نہ سمجھتا ہو کہ اس کے سر سے کیا خارج ہورہا ہے، تو ایسے عظیم الشان عالم نبیل کے کلام کو اس قسم کے بیہودہ مؤقف پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب علّامہ سیّد طحطاوی پر یہ امر واضح نہ ہوسکا تو انہوں نے کلام بحر سے لفظ ام کو حذف کرتے ہوئے اس قول پر اکتفاء فرمایا کہ کیا یہ حکم جو باپ کے بارے میں مذکور ہے دادا کے لئے حاصل ہوگا الخ لیکن علامہ شرنبلالی نے اس کو مستبعد نہ جانتے ہوئے غنیہ میں فرمایا کہ صاحب بحر نے کہا کیا یہ حکم جو باپ کے بارے میں مذکور ہے ماں اور دادا کے لئے حاصل ہوگا؟ یہ فتوی سے متعلق ایک واقعہ پیش آگیا ہے اور میں نے اس میں کوئی صریح نقل نہیں دیکھی۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ بحر میں ماں اور دادا کے بارے میں تردّد کیا، رملی نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا، بے شک معاملہ جو مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی نے منکشف فرمایا وُہ یہ ہے کہ صاحبِ بحر نے ماں کو باپ کے ساتھ اس حکم میں ملحق ماننے میں تردّد نہیں فرمایا کہ ماں کی طرف سے دیا جانے والا جہیز عرفاً تملیک ہے البتہ صاحبِ بحر

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار باب المھر دار المعرفة بیروت ۶۷/۲

[2] غنیة ذوی الاحکام حاشیة الدرر الاحکام باب المھر مطبعة احمد کامل دار سعادت بیروت ۳۴۸/۱

[3] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۶۷/۲

دعوی التجهیز من مال نفسها عاریة فان الاکثر ان الجهاز انما یکون من مال الاب وح لامساس لفرع القنیة بماهو فیه ولاماقدمه من قوله بهذا یعلم ان الاب اوالام الخ ینا فیه وکذا لانظر ههنا الی کون الجد کالاب الافی مسائل فان هذا امر لایؤخذ الامن العرف وانما قبلنا دعوی الاب لما علمنا من العرف الفاشی ان الجهاز یکون من ماله فکان الظاهر شاهدا له فان ثبت مثله فی الجد فذاك والا فلا الحاق ولااشتراك هکذاینبغی التحقیق والله ولی التوفیق واغرب من هذاماذکر بعده فی منحة الخالق من قوله قلت وجزم فی متن التنویر ان الام کا لاب فی تجهیزها وعزاه فی شرح المنح الی فتاوی قاری الهدایة وفی شرحه الدرالمختار معزیا الی شرح الوهبانیة وکذا ولی الصغیرة ولایخفی شموله الجد وغیرہ اھ[1] ۔**اقول**: نعم لایخفی ولکن البحر	رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ماں کے اس دعوی کو قبول کرنے میں تردّد فرمایا کہ جو جہیز اس نے مال سے دیا ہے وُہ عاریت ہے کیونکہ اکثر طور پر جہیز باپ کے مال سے دیا جاتا ہے، تودریں صورت قنیہ کی فرع کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں جس میں صاحبِ بحر گفتگو کررہے ہیں نیزان کا قول سابق کہ اسی سے معلوم ہوگیا کہ بیشک باپ اور ماں الخ اس کے منافی نہیں،اور نہ ہی یہاں اس بات کی طرف نظر ہے کہ دادا سوائے چند مسائل کے باپ ہے اس لئے کہ یہ امر تو صرف عرف سے ماخوذ ہےاور بلاشبہ ہم نے باپ کا دعوی اس لئے قبول کیا کہ ہم نے عرف مشہور سے جان لیا کہ جہیز وُہ اپنے مال سے دیتا ہے لہٰذاظاہر اس کے لئے شاہد ہوا،تواگر کسی کی مثل دادامیں ثابت ہوجائے تواس کا حکم بھی یہی ہوگا وگرنانہ الحاق ہے نہ اشتراک،یوں ہی تحقیق چاہئے،اور اللہ تعالٰی ہی مالک توفیق ہے،اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہے وہ جو اس کے بعد منحۃالخالق میں اس کے اس قول کے ساتھ مذکور ہُوا،میں کہتا ہوں کہ متنِ تنویر میں اس پر جزم فرمایا کہ تجہیز میں ماں، باپ کی طرح ہے۔اور شرح منحہ میں اس کی نسبت فتاوٰی قاری ہدایہ کی طرف کی،اور درمختار کی شرح میں شرح وہبانیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ہے کہایونہی ولی صغیرہ بھی ہےاور اس کاشمول دادا وغیرہ کو مخفی نہیں ہے اھ **اقول**: (میں

[1] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

انما یقول لم ارفیھا نقلا صریحا وبحث ابن وھبان لیس من النقل فی شیئ والعبد الضعیف فی عجب من سوق الدر المسألۃ مساق المنقول مع علمہ بانہ بحث منہ وقد بحث فیہ الشارحون وقد علمت مماقد منا ان بحثھم حسن وجیہ فالحمد ﷲعلی حسن التنبیہ۔	کہتاہُوں ہاں مخفی نہیں لیکن بے شک بحر میں فرماتے ہین کہ میں نے اس میں صریح نقل نہیں دیکھی اور ابن وہبان کی بحث کوئی نقل نہیں اور بندہ ضعیف کو اس بات پر حیرت ہے کہ درنے مسئلہ بطور منقول چلایا حالانکہ وُہ جانتے ہیں کہ یہ ابن وہبان کی بحث ہے اور تحقیق شارحین نے اس یں بحث کی ہے اور تحقیق ہمارے بیان سابق سے تو جان چکا ہے کہ ان کی بحث حسن و وجیہ ہے پس حُسنِ تنبیہ پر اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔(ت)

بالجملہ جب حقیقی دادی نانی، حقیقی دادا، حقیقی ماں میں علمائے کرام نے تردّد فرمایا تو سوتیلی ماں کہ محض اجنبیہ ہے کیونکر اس حکمِ پدر میں شریک ہوسکتی ہیں، اجنبی کے لئے صورتِ مستفسرہ میں یہی حکم لکھتے ہیں کہ اُس کا دعوی لے گواہانِ مسموع نہ ہوگا۔
درمختار میں ہے:

الام وولی الصغیرہ کالاب فیما ذکر وفیما یدّعیہ الاجنبی بعد الموت لایقبل الاببینۃ شرح وھبانیۃ[1]۔	ماں اور ولی صغیرہ حکمِ مذکورہ میں باپ کی طرح ہیں اور جہاں اجنبی کے بعد دعوی کرے تو گواہوں کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا، شرح وہبانیہ۔(ت)

اور یہاں گواہوں سے اثبات عاریت کے دو۲ طریقے ہیں:
ایک یہ کہ باپ ماں یا اجنبی جس کے ذمے اقامت بینہ کا حکم ہو گواہان عادل شرعی سے شہادت دلائے کہ میں نے یہ جہیز عروس کو دیتے وقت شرط کرلی تھی کہ عاریۃً دیتا ہوں۔
دوسرے یہ کہ دُلہن کا اقرار نامہ بتصدیق شہود عدل پیش کرے جس میں اس نے اقرار کیا ہو کہ یہ یہ جہیز مجھے فلاں نے اپنی ملک سے عاریۃً دیا ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

قال فی التجنیس والولوالجیۃ والذخیرۃ والبینۃ الصحیحۃ ان یشھد عند التسلیم	تجنیس، ولوالجیہ اور ذخیرہ میں فرمایا بینہ صحیحہ یہ ہے کہ عورت کو یہ اشیاء دیتے وقت گواہ قائم کرے کہ

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۷

الی المرأۃ انی انما سلمت ھذہ الاشیاء بطریق العاریۃ اویکتب نسخۃ معلومۃ ویشھد الاب علی اقرارھا ان جمیع مافی ھذہ النسخۃ ملك والدی عاریۃ فی یدی منہ[1] الخ	بے شک میں نے یہ اشیاء بطور عاریت دی ہیں یا یہ کہ ایک معین تحریر تیار کرکے باپ کو لڑکی کے اس اقرار پر گواہ قائم کرے کہ وُہ تمام اشیاء جو اس تحریر میں مرقوم ہیں میرے والد کی ملکیت ہیں اور میرے پاس اس کی طرف سے بطور عاریت ہیں الخ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہُوں اور اللہ تعالٰی سے توفیق ہے۔ت) یہاں دو۲ مرحلے ہیں: اول اس کا اثبات کہ یہ جہیز میں نے مال سے دیا، ان بلاد میں باپ اس ثابت کرنے میں گواہوں کا محتاج نہیں لما تقدم من جریان العرف فی ذٰلك کذٰلک (جیسا کہ پہلے گزرا کہ اس میں عرف ایسا ہی جاری ہے۔ت) بلکہ دُلہن یا اس کے ورثہ میں اسکے منکر ہوں تو وہ گواہ دیں کہ یہ جہیز باپ نے اپنے مال سے نہ دیا دُلہن کی مِلک سے بنایا، بخلاف اجنبی کہ اُسے اوّلًا یہی ثابت کرنا ضرور ہوگا،

لعدم ظاہر یشھد لہ فی ذٰلك وانما البینۃ علی کل من یدعی خلاف الظاہر۔	کیونکہ اس معاملہ میں ظاہر اس کے لئے شاہد نہیں اور ہر اس شخص پر گواہ لازم ہوتے ہیں جو خلاف ظاہر دعوی کرے۔ (ت)

پھر اگر یہ امر بینہ یا اقرار عروس یا تسلیم ورثہ سے ثابت ہو تو دوسرا درجہ ثبوت عاریت کا ہے یہاں اگر عرف عام یا مشترک سے عاریۃً دینا ثابت یا محتمل ہو تو ظاہرًا اجنبی بھی مثل پدر اور اس ثبوت دوم میں محتاج اقامت بینہ نہیں کہ جب اباء عاریۃً دیتے ہیں تو اجنبی کا قصدِ عاریت ہر گز خلافِ ظاہر نہیں بلکہ بلحاظ اجنبیت وہی اظہر ہے

ولا بینۃ علی من شھد لہ الظاہر مع انہ قد ثبت انہ الدافع فھو ادری بجھۃ الدفع مع ماتقدم من ان الاقل ھو المتعین فی ما احتمل۔	اس پر گواہ لانا لازم نہیں جس کے لئے ظاہر شاہد ہو باوجود اس کے کہ ثابت ہوچکا ہے کہ وُہ دینے والا ہے پس وُہ دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے باوجود اس کے جو گزرا کہ محتمل میں اقل ہی متعین ہوتا ہے۔ (ت)

تو جب تک صراحۃً کوئی دلیلِ تملیک نہ پائی جائے بحالِ عموم یا اشتراک عرف عاریت اجنبی کا اس فعل پر اقدام خواہی نخواہی قصدِ تملیک پر محمول نہ ہونا چاہئے اور اگر عرف عام تملیک ہو کہ جہیز دینا مالک کرنا ہی سمجھا جاتا ہو

[1] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

جیسا کہ ہمارے بلاد میں ہے کہ اقارب اجانب جو تجہیز کریں تملیک ہی کرتے ہیں، اگر کوئی کسی لڑکی کو پالیتا یا ویسے ہی کسی یتیمیہ کا نکاح کرتا ہے تو جو کچھ جہیز میں دیتا ہے یقینا تملیک ہی کا ارادہ کرتا ہے چند روزہ عاریت دے کر واپسی لینے کا اصلاً وہم بھی نہیں گزرتا تو ایسی حالت میں اس ثبوت دوم یعنی دعوی عاریت میں اجنبی بھی آپ ہی محتارج گواہان ہوگا **کما علمت ان المعھود عرفا کالمشروط نصا** (کیونکہ تُو جان چکا ہے کہ جو بطور عرف کے معہود ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے بطور نص کے مشروط ہو۔ت) اسی طرح اگر جہیز دئے ایک زمانہ ممتد گزر جائے دلہن برتتی استعمال کرتی رہے اور اسکی جانب سے بے مانع غیبوبت وغیرہ سکوتِ مطلق رہے طلب واپسی ظاہر نہ ہو پھر ایک مدّت مدیدہ خصوصًا موتِ عروس کے بعد دعوی کرے کہ میں نے تو عاریۃً دیا تھا مجھے واپس ملے تو اب بھی اس کا یہ دعوی خلافِ ظاہر ومحتاج بینہ ہے والدین واولاد کا معاملہ دوسرا ہے ان میں ایک دوسرے کے مال سے مدۃ العمر ممتع رہے تو باہم گوارا ہوتا ہے عرفا اجانب سے متوقع نہیں کہ اتنی مدت تک اپنا مال دوسرے کے ایسے تصرف واستعمال میں چھوڑے رہیں اور اپنی ملک ہونا زبان پر نہ لائیں۔

وھذا کماقال فی البحر قال فی المبتغی من زفت الیه امرأته بلاجھاز فله مطالبة الاب بمابعث الیه من الدنانیر والدراھم ولو سکت بعد الزفاف طویلا لیس له ان یخاصمه بعده[1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار قال الشارح فی کتاب الوقف ولو سکت بعد الزفاف زمانا یعرف بذلك رضاہ لم یکن له ان یخاصم بعد ذٰلك وان لم یتخذ له شیئ اھ واشار بقوله یعرف الی ان المعتبر فی الطول والقصر	ایسا ہی ہے جیسا کہ بحر میں فرمایا کہ مبتغی میں کہا جس شخص کی بیوی جہیز کے بغیر رخصت ہو کر اس کی طرف آئی ہو تو بیوی کے باپ ان ونانیر ودراہم کا مطالبہ کرسکتا ہے جو اس نے اس کی طرف بھیجے تھے اور اگر زفاف کے بعد زمانہ دراز تک خاموش رہا تو اس کے بعد اس سے مخاصمہ نہیں کرسکتا اھ مختصرًا۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ شارح نے کتاب الوقف میں فرمایا کہ اگر زفاف کے بعد اتنا زمانہ خاموش رہا جس سے اس کی رضا سمجھی گئی تو اب اس کے بعد اس کو مخاصمت کا حق نہیں اگرچہ اس کے لیے کچھ بھی نہ بنایا ہو الخ اس عبارت میں شارح نے اپنے قول "**یعرف**" سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ زمانہ کے

[1] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۷، ۱۸۶

العرف[1] اھ وفیه عن البزازیة لانه لما کان محتملا وسکت زمانا یصلح للاختیار دل ان الغرض لم یکن الجهاز[2] اھ **قلت** وقد نصوا ان من رأی احدا یتصرف فی شیئ زمانا ثم ادعی انه ولم یکن ثم مانع من دعواہ لم تسمع قطعا للحیل وقد بیناہ فی الدعاوی من فتاوٰنا۔	دراز اور مختصر ہونے کا اعتبار عرف پر ہے اھ اور اسی میں بزازیہ سے ہے، اسلئے کہ جب محتمل تھا اور وہ اتنا زمانہ اور ردالمحتار میں ہے کہ شارح نے کتاب الوقف میں فرمایا کہ اگر زفاف کے بعد اتنا زمانہ خاموش رہا جس سے اس کی رضا سمجھی گئی تو اب اس کے بعد اُس کو مخاصمت کا حق نہیں اگرچہ اُس کے لئے کچھ بھی نہ بنایا ہو الخ اس عبارت میں شارح نے اپنے قول "یعرف" سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ زمانہ کے خاموش رہا جس میں وُہ مطالبہ کو اختیار کرسکتا تھا تو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی غرج جہیز لینانہ تھا الخ **قلت** (میں کہتا ہوں) اس پر انہوں نے نص کی کہ جو شخص ایک زمانہ تک کسی کو کسی شیئ میں تصرف کرتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر دعوی کیا کہ یہ شیئ اس کی ہے حالانکہ اس سے پہلے بھی دعوی سے کوئی مانع نہ تھا تو اس کا یہ دعوی اس کے حیلوں کی بنیاد پر مسموع نہ ہوگا۔ تحقیق ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی کے دعاوی میں بیان کیا ہے۔(ت)

قرۃالعیون میں ہے:

لوجهزها الاجنبی ثم ادعی انه عاریة بعد موتها لایقبل قوله الاببینة لان الظاہر انه لا یجهزها ویترکه فی یدها الی الموت الابمالها بخلاف الاب والام فانهما یجهزانها بمال انفسها لکن یکون ذلك تملیکا تارۃ وتارۃ عاریة ولذا قال شارح الوهبانیة وفی الولی عندی نظر الخ ای فی جعله کالاب والام لان الظاہر فی	اگر اجنبی نے کسی عورت کو جہیز دیا پھر عورت کے مرنے کے بعد دعوی کی کہ یہ بطور عاریت تھا تو بغیر گواہوں کے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ عورت کو جہیز دے کر اس کے مرنے تک اس کے قبضہ میں چھوڑ دینا صرف وہیں ہوگا جہاں عورت کے اپنے مال سے ہو بخلاف ماں باپ کے کیونکہ وہ اپنے مال سے بیٹیوں کو جہیز دیتے ہیں تاہم کبھی تو وہ بطور تملیک ہوتا ہے اور کبھی بطور عاریت۔ اسی لئے شارح وہبانیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ولی صغیرہ میں نظر ہے الخ یعنی اس کو ماں باپ کی مثل قرار

[1] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[2] ردالمحتار باب المھر ۲/ ۳۶۸

غیرہما لا یجھز ھا الا بمالہا اھ[1] **اقول:** ھذاکلام قدرزق مت من الحسن وھو ینحو منحی ماقدمت من التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق ولعلك تفطنت مماالقینا علیك سابقا ولاحقا ان الموت غیر قید وقد احسن السید العلامۃ الطحطاوی حیث قال قد ذکرالمص فی باب المھران الام کالاب وان حکم الموت کحکم الحیات [2]اھ ھذاکلہ ماظھر لی والعلم بالحق عندربی، والحمدللہ رب العالمین۔	دینے میں کیونکہ ماں باپ کے غیر میں ظاہر یہی ہے کہ وہ لڑکی کے مال سے جہیز بناتے ہیں الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کلام کو حسن سے وافر حصّہ ملا اور وُہ اسی روش پر چلا جو تحقیق ہم سابق میں کرچکے ہیں اور اللہ تعالٰی ہی مالک توفیق ہے، اور ہم نے سابق ولاحق میں جو تجھ پر القاء کیا (یعنی بیان کیا) اُس سے شاید تو نے سمجھ لیا ہوگا کہ حکم مذکور میں موت قید نہیں، اور علّامہ سیّد طحطاوی نے بہت خوب کہا جہاں فرمایا کہ تحقیق مصنّف نے باب المہر میں کہا کہ بیشک ماں، باپ کی طرح ہے۔ اور موت کا حکم حیات کے حکم کی مثل ہے الخ یہ سب وُہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہُوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ (ت)

بہر حال فیض النساء بیگم میں حکم یہی ہے

کہ اس کا یہ دعوٰی یُوں قابلِ سماعت نہیں، اولًا اس کی بنائے دعوٰی پر نظر لازم، آیا واپسی بخیال ہبہ تا حینِ حیاتے چاہتی ہے (جس طرح لفظ کپڑے وزیورات وغیرہ متروکہ لڑکی متوفیہ سے اُس کا کچھ پتا چلتا ہے جبکہ عرضی دعوے میں فیض النساء بیگم کے لفظ یہی ہوں کہ عاریت کو مستعیر متوفی کا ترکہ نہیں کہتے) جب تو دعوٰی کہ بعد مرور مدت خصوصًا بعد موت عروس ہوا بہت کیف محتاج شہادت ہے انہیں دو طریقہ مذکورہ سے کسی طریقہ پر گواہان عادل دے کہ یہ جہیز بدی تفصیل خدیجہ بی بی کو میں نے اپنے مال خاص سے عاریۃً دیا اگر گواہ دیدیں فبھا نہ دے سکے تو حاکم یا حاکم شرعی شوہر خدیجہ وغیرہ ورثاء سے قسم لے کہ واللہ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ جہیز مال فیض النساء بیگم سے خدیجہ بی بی کے پاس عاریۃً تھا اگر وُہ قسم کھالیں تو مقدمہ بحقِ وارثانِ خدیجہ ورنہ بحق فیض النساء بیگم

---

[1] قرۃ عیون الاخبار کتاب العاریۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۱۷

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار باب المھر دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۶۷

فیصل ہو۔ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

قولہ وفیما یدعیہ الاجنبی ای من انہ اعار المتوفی ھذاالشیئ لایصدق الاببینۃ ولہ ان یحلف الوارث ان انکر علی العلم کما ھو الحکم فی نظائرھا [1] اھ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور قول مصنف کہ جس میں اجنبی دعوی کرے یعنی یُوں کہے کہ یہ شیئ میں نے متوفی کو بطور عاریت دی تھی تو بغیر گواہوں کے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور متوفی کا وارث اگر منکر ہو تو (حاکم) اس سے یُوں قسم لے سکتا ہے کہ ہمیں اس کے عاریت ہونے کا علم نہیں جیسا کہ اس کے نظائر میں یہی حکم ہے اھ اور واللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

جواب سوال پنجم

بھی تقریباتِ سابقہ سے واضح اس دعوی کے ثبوت میں کہ یہ اشیاء وقت شادی حسام الدین کو فیض النساء بیگم نے اپنے مال سے دیں فیض النساء بیگم محتاج گواہان ہے اگر یہ امر شہادت یا اقرار مدعا علیہ سے ثابت ہو تو در بارہ تملیک وعاریت وہی عرف وغیرہ دلاء پر نظر ہوگی اگر نصًا یا عرفاً کسی طرح دلالتِ تملیک ثابت ہو (جس طرح ہمارے بلاد میں رواج عام ہے کہ دلہن والوں کی طرف سے سلامی وغیرہ جو کچھ کپڑے یا نقد یا دیگر اشیاء دُولہا کر دیتے ہیں اُس سے تملیک ہی کا ارادہ کرتے ہیں بلکہ یہاں عاریت بتانا جہیز دختر کو عاریت کہنے سے زیادہ موجب ننگ وعار سمجھتے ہیں) تو وُہ دینا ہبہ سمجھا جائے گا اور فیض النساء بیگم اگر عاریت کہے گی تو بغیر اُن طرق ثبوت کے مسموع نہ ہوگا اور اگر دلالتِ تملیک متحقق نہیں تو فیض النساء بیگم کا قول عاریت بہ قسم قابلِ قبول ہوگا، پھر اگر اُس مال کا ہبہ ہونا ثابت ہو تو اُس میں سے کچھ تلف ہوگیا خواہ حسام الدین کے اپنے فعل سے یا بلا قصد یا اُس نے کسی کو دے دیا یا بیچ ڈالا تو اس کی واپسی ممکن نہیں،

فان ھلاك الموھوب وخروجہ عن ملك الموھولہ کلاھمامن موانع الرجوع۔	کیونکہ بے شک موہوب شیئ کا ہلاک ہونا اور اُس کا موہوب کہ کی ملک سے خارج ہونا دونوں ہی رجوع کے موانع میں سے ہیں۔ (ت)

اور جو بدستور اُس کے پاس موجود ہے اور کوئی مانع موانع رجوع سے نہیں تو فیض النساء بیگم بتراضی یا لقضائے قاضی واپس لے سکتی ہے مگر گنہگار ہوگی کہ ہبہ میں رجوع سخت مکروہ ممنوع ہے بغیر اس کے بطور خود رجوع نہیں

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ: بیروت ۳/ ۳۹۰

کر سکتی، اور اگر عاریت ہونا ثابت قرار پائے تو جو جہیز موجود ہے اُسے بطورِ خود واپس لے سکتی ہے اگرچہ حسام الدین نے کسی کو دے دی یا بیع کردی ہو **فان العواری مردودۃ وتصرف الفضول الفضولی بالرد یبطل** (کیونکہ بطورِ عاریت دی ہوئی اشیاء واپس کی جاتی ہےں اور فضول کا تصرف رَد سے باطل ہو جاتا۔ت) اور جو تلف ہو گیا اگر بے فعلِ حسام الدین تلف ہُوا مثلاً چوری ہو گیا جل گیا ٹوٹ گیا اور اُس میں حسام الدین کی طرف سے کوئی بے احتیاطی نہ تھی تو اُس کا تاوان نہیں لے سکتی **فان العاریۃ امانۃ لاتضمن الا بالتعدی** (اس لئے کہ عاریت امانت ہے اور بلا تعدی اس میں ضمان لازم نہیں آتا۔ت) اسی طرح جو کُچھ حسام الدین کے پہنے برتنے میں تلف ہوا نقصان ہو اس کا بھی تاوان نہیں جبکہ اُس نے عادت وعرف کے مطابق اُسے برتا استعمال کیا ہو **فان کان بتسلیط منہا وما کانت العاریۃ الا للاستعمال** (کیونکہ وُہ اس عورت کی تسلیط دے اس کے پاس تھا اور عاریت تو ہوتی ہی استعمال کیلئے ہے۔ت) ہاں جو کچھ حسام الدین نے قصداً خراب کیا یا اُس کے بے احتیاطی سے ضائع ہُوا یا عرف و عادت سے زیادت استعمال کرتے میں ہلاک ہو گیا اُس کا تاوان حسام الدین سے لے سکتی ہے **لحصول التعدی** (تعدی حاصل ہونے کی وجہ سے۔ت) فصول عمادی میں ہے:

اذا انتقص عین المستعار فی حالۃ الاستعمال لایجب الضمان بسبب النقصان اذا استعملہ استعمالا معہودا[1]**۔واللہ تعالٰی اعلم۔**	جب عین مستعار کی حالت میں نقصان ہُوا تو اس نقصان کے سبب سے ضمان واجب نہں ہوگا بشرطیکہ اُس نے عرف وعادت کے مطابق استعمال کیا ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

جواب سوال ششم

جو مال حسام الدین نے وقتِ شادی خواہ بعد شادی اپنی بی بی کو دیا اُس کی واپسی سے فیض النساء بیگم کو کُچھ علاقہ نہیں ہو سکتا کہ اگر حسام الدین نے عاریۃً دیا تھا تو وُہ خود اُس کا مالک ہے اور اگر زوجہ کو مالک کر دیا تھا تو بعد مرگ زوجہ اُس کے پسر و شوہر کو پہنچ کر پھر حسام الدین کے پاس آیا فیض النساء بیگم کا اُس میں کوئی حق نہ تھا' نہ ہے، **وھذا ظاہر جدا** (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

الجواب سوال ہفتم

(اس سوال کا جواب اُسی تحقیق جوابات سابقہ پر مبنی ہے زیور جہیز اگر بنظرِ احکام مذکور مِلک خدیجہ بی بی

---

[1] فصول عمادی

قرار پائے تو وُہ ایک چیز ہے کہ بحکم مالک رہن رکھی گئی ہے مورثہ مدیونہ ہے اور مرتہن دائن وارث فک رہن کرائیں گے یا بتراضی باہمی وہی شے دین مرتہن میں دے دیں گے یا زیور دین میں بیچا جائے گا کچھ ہوگا یہ ان کا باہمی معاملہ ہے جس سے فیض النساء بیگم کو کوئی تعلق نہیں اور اگر زیوروں کا ملک فیض النساء بیگم اور خدیجہ بی بی کے پاس عاریت ہونا ثابت ہو تو نظر کریں گے کہ یہ رہن رکھنا بے اجازت فیض النساء بیگم تھا یعنی نہ اُس سے اذن لے کر رہن رکھا نہ اُس نے بعد رہن اس تصرف کو جائز کیا جب اُسے اختیار ہے کہ رہن فسخ کرکے اپنی چیز مرتہن سے واپس لے لے مرتہن اپنا دین ترکہ خدیجہ بی بی سے لیتا رہے، ردالمحتار میں ہے:

لانہ تصرف فی ملکہ علی وجہ لم یؤذن لہ فیہ فصار غاصبا وللمعیر ان یاخذہ من المرتھن ویفسخ الرھن جوہرۃ[1]۔	کیونکہ بیشک اس (راہن) نے دوسرے (معیر) کی مِلک میں اس طور پر تصرف کیا جس کا اذن اس کو نہیں دیا گیا تو وُہ غاصب ہوگیا اور عاریت دینے والے کو حق حاصل ہے کے مرتہن سے شیئ مرہون لے لے اور رہن کو فسخ کردے۔ جوہرہ۔ (ت)

اور اگر اُس سے پوچھ کر اس کی مرضی کے مطابق رہن رکھا (اگرچہ صورتِ حاضرہ میں ظاہراً اس کی اُمید نہیں) یا بعد رہن اس نے تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردیا تو رہن صحیح و نافذ ہوگیا اب فیض النساء بیگم جب تک دین مرتہن ادا نہ ہو شیئ مرہون واپس نہیں لے سکتی، ہاں یہ اختیار رکھتی ہے کہ اگر ورثہ خدیجہ بی بی فک رہن میں دیر لگائیں یہ خود مرتہن کو اُس کا دین دے کر اپنی چیز چُھڑالے اور جو کچھ مرتہن کو دے ترکہ خدیجہ بی بی سے واپس لے۔ عالمگیریہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

لو ارادالمعیر افتکاکہ لیس للراھن والمرتھن منعہ ویرجع علی الراھن بما قضٰی لانہ مضطر فی قضائہ لاحیاء حقہ وملکہ[2]۔	اگر معیر مرہون شَے کو چُھڑانا چاہے تو راہن اور مرتہن اس کو منع نہیں کرسکتے اور وُہ جو کچھ مرتہن کو دے راہن سے لے سکتا ہے کیونکہ وُہ اپنے حق وملک کو حاصل کرنے کے لئے اس ادائیگی پر مجبور ہے (ت)

درمختار میں ہے:

لورھن دار غیرہ فاجاز صاحبھا جاز[3]۔	اگر کوئی کسی کا گھر رہن رکھ دے پھر گھر کا مالک اس کی اجازت دے دے تو جائز ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۳۱/۵

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط سرخسی الباب الحادی عشر فی التفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴۸۶/۵

[3] درمختار باب التصرف فی الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲۷۴/۲

ردالمحتار میں ہے:

ویکون بمنزلۃ مالو اعارھا لیر ھنھا[1] ط۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور یہ بمنزلہ اس شیئ کے ہوگیا جس کو کسی نے بطور عاریت دیا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس کو رہن رکھ دے،ط۔اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۸۷: از رائے پور چھتیس گڈھ بیجناتھ بارہ مرسلہ منشی محمد قاسم صاحب حوالدار پیشی ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مقدمہ ذیل میں ،فیض النساء بیگم انجمن نعمانیہ رائے پور میں دادخواہ تھی کہ میں اپنی سوتیلی لڑکی مسماۃ خدیجہ بی بی کی شادی مسمّٰی حسام الدین سے کردی اور لڑکی مذکور نے رحلت کی،اب مجھے حسبِ رواج ملک اپنے کے جو کچھ مال متاع بنام جہیز اپنی لڑکی کو دی ہوں حسام الدین سے واپس دلایا جائے چونکہ وقت دینے اسباب جہیز اپنی لڑکی کو مطابق رسم ورواج عادت عالَم کے نہ تونیت تملیک کی جاتی ہے نہ ہبہ وعاریت کی بلکہ یُوں ہی بلاکسی نیت کے جو کُچھ دینا ہو وقت رخصت دولہادُلہن کے ہمراہ اُن کے کردیا کئے جاتا ہے غرض جورواج عام خاص وعام میں پشتہاپُشت سے جاری ہے حسام الدین سے واپس دلاکر دادرسی فرمائی جائے انتہٰی،اربابِ انجمن فیصلہ مقدمہ ھذاکا صرف اپنی ہی معلومات پر منحصر نہ فرمایا علمائے دین سے بھی فتوٗوں کا استدعاکیا چنانچہ علمائے دیوبند کاآخری فیصلہ فتوی روایات فقہ اس بارہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرفا میں مطلّقا تملیک سمجھا جاتا ہے اور بغالب ظن عرف میں یہی ہے کہ کوئی شخص اسباب شادی دے کر واپس نہیں لیتا لیکن باایںہمہ عرف وہاں کا یہی ہے کہ واپس لیا جاتا ہے اور ہبہ وتملیک نہیں ہوتا فیض النساء بیگم اُس کو واپس لے سکتی ہے انتہٰی،فتوی ندوۃالعماء جس جگہ میں یہ عرف ہو کہ اشیاء جہیز بطور تملیک دیا جاتا ہے جیسا کہ بلادہندوستان میں بھی یہی رواج ہے تو اُس مقام میں اشیاء لڑکی کی مِلک ہوجائیں گی اور لڑکی کے ماں باپ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ واپس کرلے،ہاں جس مقام میں رواج عاریۃً دینے کا ہے وہاں اشیائے جہیز مِلک لڑکی کی نہ ہوں گی اور ماں باپ کو اختیار ہوگا کہ واپس کرلے فیض النساء بیگم کو چاہئے کہ گواہوں سے اسباب جہیز دینا اپنے مال سے ثابت کردے اُس کے بعد حسبِ رواج کاربند ہوانتہٰی فیض النساء کے اپنے مال سے دینے پر صدہا گواہ موجود ہیں۔فتوی جناب مولانا احمد رضاخاں صاحب

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۳۰

بریلوی، سوال انجمن نعمانیہ رائے پور، سوال: شرع میں رواج ملک کو بھی مداخلت ہے کیا؟ **جواب**: مولانا صاحب ! حکم شرع مطہر کے لئے ہے عرف ورواج وغیرہ کسی و حکم میں کُچھ دخل نہیں، ہاں بعض احکام کو شرع اپنے حکم سے عرف پر دائر فرماتی ہے خواہ یُوں کہ اگر یہ شَے معروف ورائج ہو جائے تو اس کے لئے یہ حکم ہے خواہ یُوں کہ حکم فی نفسہ حاصل، اور یہ اس کی صورت کا بنانے والا ہے یہ مسئلہ جہیز بھی صورت ثانیہ سے ہے کہ والدین اپنے مال سے دُلہن کو جہیز دیتے ہیں اور دینا ہبہ وعاریت دونوں کو محتمل 'اور ان کا تعیّن عرف پر محمول، جہاں عرف غالب تملیک ہو وہاں دعوی عاریت نامقبول، اور جہیز دینا تملیک ہی پر محمول جب تک گواہانِ شرعی سے اپنا عاریت دینا ثابت نہ کریں، اور جہاں عرف غالب عاریت ہو یا دونوں رواج یکساں ہوں وہاں ان کے قول قسم کے ساتھ معتبر، ایسی جگہ جہیز دینا جہاں تملیک نہ سمجھا جائے گا الخ۔ جنابِ من ! فتوی جناب کا فائز انجمن نعمانیہ ہو کر کے عرصہ دوسال کا ہوگا اس عرصہ دراز میں اکثر اوقات پیش نظر یعنی جناب رکن اعظم انجمن جناب مولوی حکیم مسمّی ابو سعید صاحب کے بھی رہا، یقین ہُوا کہ مولوی صاحب اُن فتوں کے مطالب مقاصد ظاہر الروایات کے موافق ومطابق بخوبی سوچ سمجھ گئے ہوں گے، آخر الامر بروز جلسہ مع فتوی جناب کا بھی فتوی مولوی صاحب نے پڑھا اور جملہ اوّل جناب کے فتوی کا یہ تھا: "حکم شرع مطہر کے لئے ہے۔" مولوی صاحب نے جملہ مذکور کا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا کہ جو حکم شرع کا ہے وُہ پاک ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ علاوہ بریں مولانا ممدوح کے فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ رواج مُلک کو شرع میں کُچھ دخل نہیں ورنہ فیض النساء بیگم موافق دعوی اپنے اشیاءِ جہیز پانے کا کسی طرح حقدار ہو سکتی ہے بلکہ دعوی اس کا شرعًا مردود اور رواج مُلک مطرود، کیونکہ رواج مُلک بمقابلہ شرع کے ایک بیہودہ بات ہے، غرض اربابِ انجمن نے مولوی صاحب کے لاطائل بیان کو عدمِ واقفیت مسائل فتوی سے بلاغور وتامل مان لیا انتھی، التماس بندہ محمد قاسم ع

دل صاحبِ انصاف سے انصاف طلب ہے

اگرچہ یہ ناچیز حسبِ مقدور انجمن نعمانیہ میں بہت کُچھ رویا مگر نہ رونے کا اثر ہُوا نہ گانے کا، چونکہ تاریخ ملاحظہ فتوی سے تا آخر یہی کہتا رہا کہ مقدمہ مذکور میں جو رواج ملکی کا ذکر ہے ہر فتوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ رواج حکم میں عین شرعِ محمدی ہے اور جس پر حکم شارع علیہ السلام کا موجود، پس فیض النساء بیگم موافق فتوی علمائے دین کے مال واسباب جہیز کا موافق شرع محمدی کے واپس لینے کی مستحق ہے، جیسے مولانا احمد رضاخاں صاحب مدظلہ، اپنے فتوے میں لکھتے ہیں، قولہ ہمارے بلاد میں رواج عام ہے کہ دُلہن والے اپنی طرف سے سلامی وغیرہ جو کچھ کپڑے ونقد دُولہا کو دیتے ہیں اُس سے تملیک ہی کا ارادہ کرتے ہیں وُہ دینا ہبہ سمجھا جائے گا۔ غرض بندہ نے جناب کے مسئلہ کا خلاصہ ممبرانِ انجمن کو اس طرح سمجھا و سمجھا دی کہ ہندوستان میں ہزار ہا بندگانِ خدا اس طرح کے بھی ہیں کہ جنہوں نے عمر خود میں کبھی نام تملیک کا سُنا نہ ہبہ وعاریت کا بلکہ خاص رواج ملک کے بلانیت تملیک وہبہ وعاریت کے

جو کُچھ دینا ہے بیٹی داماد کو دیا کرتے ہیں مگر اتنا ضرور سمجھتے ہیں کہ یہ جو اسباب شادی ہم بیٹی داماد کو دیتے ہیں وُہ سب خاص مِلک اُنھوں ہی کی ہے پس اسقدر سمجھنا اُنھوں کا حکم تملیک کا رکھتا ہے پس اسی کا نام شرع محمدی ہے پس اُس رواج عام کی تعمیل ہر فرد بشر پر کیا معنی بلکہ حاکم پر بھی واجب ہے پس اسی طرح اہلِ مدراس بھی بلانیت تملیک وہبہ عاریت کے اسباب جہیز دیا کرتے ہیں مگر دینے کے وقت اُن کی نیت یہ ہوا کرتی ہے کہ بعد فوت لڑکی کے وہ سب مال واسباب واپس لیا کریں گے اور دُولہا بھی سمجھ لیا ہے کہ مجھے ضرور ہی واپس دینا ہوگا، پس یہ طرفین کے سمجھ لینے کا نام شرع محمدی میں معاہدہ ٹھرا، پس اُس کے واپس لینے میں کون امر شرعی مانع ہے، پس بموجب رواج شرعی کے ایک بڑے زبردست فاضل وفقیہ مسمّٰی صوبیدار شیخ حسین صاحب نے بمجرد فوت ہوتے ہی اپنی بہو کے اُس کا سب مال واسباب جہیز کا واپس کردیا اور اس مال کے استعمال کو واسطے حلال نہ جانا اور اس معاملہ کو ممبرانِ انجمن بخوبی جانتے ہیں بمقابلہ سمجھ اپنے نہ تو خدا کی مانے اور نہ رسولِ خدا کی، تو پھر علماء فضلاء کی کب ماننے لگے غرض اگر کوئی ہندوستانی مدراسی عورات کو شادی کرے بعد موت اُس عورت کے موافق رواج ملک کے اُس کو سب جہیز واپس دینا ہوگا، چونکہ پابندی رواج مُلک کی اس پر واجب ہوگی برخلاف رواج مُلک اپنے کے، غرض فیض النساء بیگم کا اسبابِ جہیز دینا لڑکی کو موافق رواج ملک کے طرفین کی رضامندی سے شرعًا معاہدہ ٹھرا جو حقیقت میں نظیر عاریت کی ہوسکتی ہے، غرض فتوے سے علمائے دین کے صرف دو[۲] بات ہے:

اوّلًا یہ کہ جس ملک میں رواج تملیکًا کا ہے وہاں مِلک لڑکی کی ہوگی اُس میں ماں باپ واپس نہیں لے سکتے اور جہاں رواج عاریۃً دینے کا ہے وہاں ماں باپ واپس لے سکتے ہیں اور ملک مدراس میں موافق رواج قدیم کے بمجرد فوت ہونے لڑکی کے جو کچھ اسباب جہیز میں دیا گیا ہے واپس لیا کرتے ہیں، نہ وہاں کوئی تمیک کو پوچھتا ہے انتہٰی التماس فیض النساء بیگم موافق رواج ملک اپنے کے اور مطابق فتوی علمائے دین کے جو آگے لکھ چکا ہوں اپنے داماد ہندوستانی سے پاسکتی ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

ثانیًا فیض النساء بیگم کی نسبت جو کچھ مناسب ہو مختصر طور سے دوچار سطر کافی ہے باقی جناب کے فتوے کا پہلا مسئلہ جو رواج، اسباب جہیز وغیرہ کی نسبت ہے آگے اس استفتاء کے لکھاہُوں جس کا پہلا جملہ حکم شرع مطہر کے لئے ہے، اس تمام مسئلہ کا خلاصہ سہل سلیس عبارت موافق عام فہم کے جس میں عربی وفارسی عبارت ولغات نہ ہو، براہِ نوازش تحریر فرمائیں، عین بندہ نوازی ہوگی، اُمید کہ جواب بھی اسی کاغذ میں مرحمت ہو تا اعتبار میں بندہ کے فرق نہ ہو۔

الجواب:

فتوائے فقیر کا وہ مطلب کہ رکن اعظم انجمن نے بیان کیا محض غلط ہے، نہ اُن الفاظ سے کسی طرح اس کا وہم گزر سکتا ہے، سائل نے ان لفظوں سے سوال کیا تھا کہ "شرع میں رواج ملک کو مداخلت ہے کیا ان کے جواب میں اگر "ہاں" کہا جاتا تو ایک بُرے معنٰی کو موہوم ہوتا کہ شرع کے حکم میں اُن کے غیر کو مداخلت ہے اور اگر "نہ" کہا جاتا تو معنی غلط مفہوم ہوتے کہ عرف کا شرع میں کچھ اعتبار نہیں حالانکہ صدہا احکام شرع مطہر نے عرف پر دائر فرمائے ہیں، لہٰذا ان لفظوں سے جواب دیا گیا کہ حکم شرع مطہر کے لئے ہے یعنی اصل حاکم شرع شریف ہے عرف ورواج وغیرہ کسی کو حکم میں کچھ دخل نہیں کہ خلافِ شرع یا بے حکم شرع عرف وغیرہ اپنے آپ کوئی حکم لگا سکیں ان الحکم الّا للّٰہ حکم کا مالک بس ایک اللہ ہے ہاں بعض احکام کو شرع مطہر اپنے حکم سے عرف پر دائر فرماتی ہے کہ جہاں جیسا عرف ہو شرع اس کا لحاظ فرما کر ویسا ہی حکم دیتی ہے تو اصل حکم شرع ہی کیلئے ہُوا اور اُسی کے معتبر رکھنے سے وہاں عرف کا اعتبار ہُوا یہ مسئلہ جہیز بھی صورت ثانیہ سے ہے کہ شرع نے یہاں عرف ورواج ملک پر مدارِ کار رکھا ہے، اگر جہیز دے کر دُلہن کو اس کا مالک سمجھتے ہیں تو تملیک مطلقًا مردود وبے اعتبار ہے، اُسی فتوی میں صراحۃً یہ لفظ موجود تھے، بالجملہ یہاں مدار عرف ورواج پر ہے اور ان سب اقوال وتفاصیل کا یہی منشا، توجدھر عرف لے جائے اسی طرف جانا واجب الخ سائل نے سولات کلّی طور پر کئے تھے کہ شرع میں رواج کو دخل ہے یا نہیں، جہیز جو لڑکی کو دیا جاتا ہے عاریت سمجھا جائے گا یا نہیں۔ اس وجہ سے جواب میں اُن تفصیلوں تحقیقوں کا افادہ ضرور ہُوا، اب کہ آج کے سوال میں خاص مسئلہ فیض النساء بیگم سے سوال اور تصریحًا بیان کیا ہے کہ یہاں تملیک مقصود نہیں ہوتی اور عمومًا واپس لیتے ہیں اور گواہ موجود ہیں کہ فیض النساء بیگم نے یہ جہیز اپنے ہی مال سے دیا، اس کا جواب اسی قدر ہے کہ اس صورت میں ضرور فیض النساء بیگم جہیز واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے جبکہ اس کی طرف سے کوئی دلیلِ تملیک نہ پائی گئی ہو جبکہ وہاں مطلقًا عمومًا بعد موت عروس لینے کا اختیار رکھتی ہے جبکہ اس کی طرف سے کوئی دلیلِ تملیک نہ پائی گئی ہو کہ جبکہ وہاں مطلقًا عمومًا بعد موت عروس واپسی جہیز کا رواج ہے تو ظاہرًا یہ رواج حقیقی ماں باپ کے سوا اَوروں میں بھی دائر وسائر ہوگا کہ جو شخص اپنے مال سے عروس کو جہیز دے بعد موتِ عروس واپس لے کہ جب حقیقی ماں باپ ہمیشہ واپس لیتے ہیں تو اور لوگ بدرجہ اولی واپس لیتے ہوں گے تو اس عرف واپسی بعد الموت میں فیض النساء بیگم بھی داخل ہُوئی، ہاں غیروں کے لئے یہاں محلِ نظر اتنا امر تھا کہ جہیز اپنے مال سے دینا ثابت ہو اس کی نسبت سائل بیان کرتا ہے کہ صدہا گواہ موجود ہیں تو اب فیض النساء بیگم کو اختیار واپسی ملنے سے کوئی مانع نہ رہا،

وذٰلك كله ظاہر لمن حقق النظر فی فتوٰنا الاولی ھذا اما عندی والعلم بالحق عند ربّی واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اور یہ تمام اس شخص کے لئے ظاہر ہے جس نے ہمارے فتوٰی سابقہ میں تحقیقی نظر ڈالی۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۸۸: ازانجمن بریلی ۴جمادی الاآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انجمن اسلامیہ بریلی نے ایک یتیمیہ کا نکاح کیا، بعد نکاح کے معلوم ہُوا کہ یتیمیہ عورت نہیں اس وجہ سے شوہر نے نہیں رکھا اور سامانِ جہیز جو انجمن سے یتیمیہ کو دیا گیا تھا وہ واپس آیا، آیا وُہ جہیز حق انجمن کا ہے یا یتیمیہ کا ہے یا یتیمیہ کو ملنا چاہئے؟

الجواب:

بیان تفصیلی سوال آرندہ سے معلوم ہُوا کہ یتیمہ عورت توضرور ہے مگر مرد کے قابل نہی، عورت نہ ہونے سے سائل کی یہ یہی مراد ہے، صورتِ مستفسرہ میں وُہ جہیز خاص مِلک یتیمہ ہے انجمن کا اُس میں کچھ حق نہیں کہ جہیز ان بلاد بلکہ عامہ امصار کے عرفِ عام میں تملیکاً دیا جاتا ہے اور عورت اس کی مالک مستقل ہوتی ہے، مرد کے قابل نہ ہونا کچھ مانع مِلک نہیں۔

فی ردالمحتار کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة[1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے۔(ت)

اقول: تحقیق مقام یہ ہے کہ انجمنوں میں جو روپیہ چندے سے جمع ہوتا ہے اگرچہ ملک چندہ ہندگان سے خارج نہیں ہوتا **کما حققناہ بتوفیق اللہ فی کتاب الوقف من فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر صدر انجمن جس کے حکم سے یہ سب کام ہوتے ہیں تمام تصرفات جائز وانجمن میں چندہ دینے والوں کا وکیل مجاز ہے اسبابِ جہیز کہ اس نے خریدا اگرچہ یہاں کسی شئ معین کی خریداری پر توکیل نہیں، نہ وقت شرا یہ نیت ظاہر کہ چندہ دینے والوں کے لئے خریدا اگرچہ یہاں کسی شئے معین کی خریداری پر توکیل نہیں، نہ وقت شرا یہ نیت ظاہر کہ چندہ دینے والوں کے لئے خریدتا ہوں مگر زرِ چندہ نیت للموکلین ہے کہ انجمن اُن کی ہیئت مجموعی سے عبارت ہے۔

فی الدر المختار لو وکله لشراء شیئ بغیر عینه	درمختار میں ہے کہ اگر کسی کو غیر معین شیئ کی

---
[1] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۸

فالشراء للوکیل الّا اذانواہ للموکل وقت الشراء اوشراء بمال الموکل اھملتقطا[1]	خریداری کے لئے وکیل بنایا تو خریداری وکیل کے لئے ہوگی مگر جب کہ وکیل نے بوقت خریداری موکل کے لئے خریداری کی نیت کرلی ہو۔ یا موکل کے مال سے خریداری ہوا ھ ملتقطا

اب جس طرح وُہ وکیل بالشراتھا بالہبہ بھی ہے تو یہ ایک ہبہ ہے کہ جماعت کی طرف سے بنام یتیمہ واقع ہوااور ایسا ہبہ مطلق جائز ہے اگرچہ شے موہوب قابل قسمت بھی ہو۔

لان القابض واحد فلاشیوع فی الدرالمختار وھب اثنان دارالواحد صح لعدم الشیوع[2]۔	کیونکہ قابض ایک ہے تو شیوع نہ ہُوا۔ درمختار میں ہے کہ دو شخصوں نے ایک شخص کو گھر ہبہ کیا تو صحیح ہے کیونکہ شیوع نہیں ہے۔(ت)

یہ اس صورت میں ہے کہ یتیمات کا نکاح کرنا اُنہیں مالِ انجمن سے جہیز دینا اغراضِ مشتہرہ معلومہ انجمن میں داخل ہو جس سے اس امر میں بھی ملکانِ چندہ کی طرف سے توکیل صدر حاصل ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ بلا اذن مالکین یہ تجہیز صدر نے بطور خود کی تواب وُہ اس شرائے سامان میں فضول ہوگا اور شراء جب تک نفاذ پائے مشتری پر نافذ ہوتا ہے اور اس صورت میں وقت شراء چندہ دہندوں کی طرف اضافت نہ ہونا خود ظاہر، تو تمام سامان مِلک صدر ہوا اور اس کی طرف سے یتیمہ کے لئے ہبہ تامہ ہوگیا، یُوں بھی صورت مذکورہ میں مال مِلک یتیمہ ہوگا حق انجمن سے اصلاً علاقہ نہیں، ہاں انجمن کے روپے کا تاوان صدر پر آئے گا لخلافہ واتلافہ فیما لم یوذن بہ (اس کی مخالفت اور اس چیز کو تلف کرنے کی وجہ سے جس کا اذن اس کو نہیں دیا گیا تھا۔ت) درمختار میں ہے:

لواشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضاف بان قال بع ھذا الفلانٍ فقال بعتہ لفلان توقف بزازیۃ وغیرہا باختصار،[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے دوسرے کے لئے کچھ خریدا تو شراء مشتری پر نافذ ہوگی جبکہ اُسے دُوسرے کی طرف مضاف نہ کیا ہو۔ اور اگر دوسرے کی طرف اس کی اضافت کی اور یُوں کہا کہ یہ شیئ فلاں کے لئے بیچ، اس پر بائع نے کہا کہ میں نے فلاں کے لئے بیچی تو یہ شراء موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ اھ اختصار۔ اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۱۰۵/۲

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۱/۲

[3] درمختار باب البیع الفاسد فصل فی الفضول مطبع مجتبائی دہلی ۳۱/۲

مسئلہ ۸۹: ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی جس وقت شادی ہُوئی تو اس کے والدین حسبِ دستور جوڑے زیور وغیرہ چڑھایا اور بعد نکاح ہونے کے لڑکی کے والدین نے کچھ زیور اور جوڑے وغیرہ جہیز میں دیا بعدہ، کُچھ زیور نکاح کے بعد بنوادیا زید نے، اور کچھ کپڑا وغیرہ بھی علاوہ معمولی کپڑے کے، اور اس عورت نے وقت مرنے اپنے شوہر کے اور اب تک مہر بھی معاف نہیں کیا بلکہ مرتے وقت اُس کے پاس بھی نہیں گئی اور زید کے نام کچھ جائداد وغیرہ نہیں ہے، اس صورت میں اُس مال کا مالک کون ہوگا اور مہر کا ادا کرنا کسی کے ذمّے عائد ہوگا یا نہیں، اگر عائد ہوگا تو کس کے ذمّے ہوگا؟

الجواب:

جو کُچھ زیور، کپڑا، برتن وغیرہ عورت کو جہیز میں ملا تھا اس کی مالک خاص عورت ہے اور جو کچھ چڑھاوا شوہر کے یہاں سے گیا تھا اس میں رواج کو دیکھا جائے گا، اگر رواج یہ ہو کہ عورت ہی اس کی مالک سمجھی جاتی ہے تو وُہ بھی عورت کی مِلک ہو گیا، اور اگر عورت مالک نہیں سمجھی جاتی ہے تو وہ جس نے چڑھایا تھا اُسی کی مِلک ہے خواہ والدِ شوہر ہو یا والدہ یا خود شوہر۔ اور جو زیور زید نے بعد نکاح بنوایا اگر عورت کو تملیک کردی تھی یعنی یہ کہہ دیا تھا کہ میں نے یہ زیور تجھے دے ڈالا تجھے اس کا مالک کردیا اور قبضہ عورت کا ہو گیا تو یہ زیور بھی مِلکِ زن ہو گیا، اور اگر کہا کہ تجھے پہننے کو دیا تو شوہر کی مِلک رہا۔ اور اگر کچھ نہ کہا تو رواج دیکھا جائے گا، اسی طرح زیور بنادینے کو اگر عورت کی تملیک سمجھتے ہیں تو بعد قبضہ عورت مالک ہوگی ورنہ مِلک شوہر پر رہا، عورت کا مہر ذمہ شوہر ہے، اگر شوہر کا کچھ مال مثلاً یہی زیور کہ اس نے بنادیا تھا اور عورت کی مِلک اس میں ثابت نہ ہوئی تھی، یا اور جو چیز مِلکِ شوہر پالے اُس سے وصول کرلے، اگر مِلکِ شوہر کُچھ نہ ملے تو شوہر کے والدین وغیرہما سے کچھ مطالبہ کسی وقت نہیں کرسکتی جبکہ انہوں نے مہر کی ضمانت نہ کرلی ہو اُس کا معاملہ عاقبت پر رہا اور افضل یہ ہے کہ شوہر کو معاف کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰: از ملک برہما شہر اکیاب تھانہ منگڈوچ پوسٹ آفس ناکپورا بازار موضع رامپور بیل مسئولہ ناظر علی صاحب

دادوستد معتادومعروف کہ در مصالح انتظام مناکحت و مصاہرت مروج ومعروف ست ازروئے شرع شریف جائز است یا نہ، اگر چیزے ونقدے بنابر عرف دیار خود از خاطب وناکح گرفتہ مع شود خواہ بشرط باشد بغیر چنانکہ در دیار بنگالہ	عرف وعادت کے مطابق دینا اور لینا جو کہ شادی بیاہ کے انتظامی مصالح کے لئے مروج ومانوس ہے شرع شریف کی رُو سے جائز ہے یا نہیں، اگر کوئی چیز یا نقدی اپنے علاقے کے رواج کے مطابق خاطب (پیغامِ نکاح دینے والا) اور

وبرہماازقدیم الایام دستور است کہ از خطاب ونلح قبل عقد نکاح بطور ساچق لوازمہ شادی ونکاح کہ مراد ازبرگ تنبول وپوپل وجغرات وشکر وغیر ذلک باشد وخرچہ ضیافت احباب طرفین می گویند کہ باہں طور گرفتین جائز نیست زیر اکہ رشوت ست وداقسام رشوت داخل پس قولِ ایشاں صحیح ست یانہ۔ بینوابسند الکتاب توجروامن اللہالوہاب فی یوم الجزاء والحساب۔	نلح سے لی جائے چاہے مشروط ہو یا غیر مشروط، جیسا کہ بنگال اور برہما کے علاقوں میں زمانہ قدیم سے دستور چلاآرہا ہے کہ عقد نکاح سے پہلے خاطب ونلح سے شادی اور نکاح کے لئے ضروری سامان کے طور پر لیتے ہیں جس سے ان کے مراد پان کے پتّے، سپاری، چھالیہ، دہی، شکّر، اور فریقین کے احباب کی دعوت کا خرچہ ہوتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز، بنگال وبرہما کے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس طرح لینا جائز نہیں کیونکہ یہ رشوت ہے اور رشوت کی رقموں میں داخل ہے، کیاان کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتاب بیان فرمائیں جزاء وحساب کے روز بہت عطافرمانے والے معبود سے اجر پائیں۔ (ت)

الجواب:

رشوت آنست کہ دربعض اقوام اراذل شائع ست کہ دختر وخواہر خودرابزنی ندہند تاچیزے بمعاوضہ از خاطب برائے خود نگیرندونیز آنست کہ کسے مولیہ خود رابزنی دادہ باشد بشوئی نسپرد تاچیزے برائے خود نگیر وفی البزازیۃ الاخ ابی ان یزوج الاخت الا ان یدفع الیہ کذا فدفع لہ ان یاخذہ قائما او ھالکالانہ رشوۃ[1] اھ وفی تنویر الابصار والدر المختار وردالمحتار اخذ اھل المرأۃ شیئا عند التسلیم بان ابی	رشوت وُہ ہے جو بعض قوموں میں رائج ہے کہ اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ کسی سے اس وقت تک نہیں کرتے جب تک خاطب سے اپنے لئے کوئی چیز حاصل نہ کرلیں، نیز رشوت وُہ ہے کہ کوئی شخص اپنے زیر ولایت لڑکی کا رشتہ تو کردے مگر اپنے لئے کچھ لئے بغیر وہ لڑکی شوہر کے حوالے نہ کرے۔ بزازیہ میں ہے کہ بھائی نے اپنی بہن کی شادی کرنے سے اس وقت تک انکار کیا جب تک کہ اس کو کُچھ دیا نہ جائے چنانچہ اس کو کُچھ دے دیا گیا تو دینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وُہ اس بھائی سے واپس لے چاہے وُہ دی گئی شے اُس کے پاس موجود ہو یا ہلاک ہوچکی ہو

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ باب المھر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳۶

ان یسلمھا اخوھا اونحوہ حتی یاخذ شیئا فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ[1] اما انچہ بروجہ صلہ وہدیہ ومعونۃ متعارف شدہ است تادرضیافات وامثالہا صرف کردہ شود زنہار نہ رشوت ست نہ حرام فی الخیریۃ رجل خطب من اخرتہ ودفع لھا شیئا یسمٰی ملا کا ودراھم وایضامن عادۃ اھل الزوجۃ اتخاذ الطعام بھا ان اذن لھم باتخاذہ واطعامہ للناس صار کانہ اطعم الناس بنفسہ طعاما لہ وفیہ لایرجع[2] ۔تمام تحقیق ایں مسئلہ درفتاوٰی فقیر مذکور ست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وُہ رشوت ہے الخ تنویر الابصار، در مختار اور ردالمحتار میں ہے کہ عورت والوں نے رخصتی کے وقت کوئی شَے وصول کی بایں طور کہ عورت کے بھائی وغیرہ نے کچھ لئے بغیر وہ عورت شوہر کے حوالے کرنے سے انکار کردیا تو شوہر وہ شیئ واپس لے سکتا ہے کیونکہ وُہ رشوت ہے، مگر وُہ جو تحفہ، ہدیہ اور امداد کے طور پر متعارف ہے کہ اسکو دعوت وغیرہ میں خرچ کریں وُہ ہرگز رشوت وحرام نہیں ہے۔ خیریہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو اس کی بہن سے نکاح کا پیغام دیا اور اُس کو کوئی شیئ دی جس کو ملاک کہا جاتا ہے اور کچھ درہم بھی دئے کہ عورت والوں کی عادت اُس سے کھانا تیار کرنے کی ہے، اگر اُس نے ان کو کھانا تیار کرنے اور لوگوں کو کھلانے کی اجازت دی ہے تو ایسا ہی ہے جیسے اس نے بذاتِ خود اپنی طرف سے لوگوں کو کھانا کھلایا ہو لہٰذا اس میں رجوع نہیں کرسکتا۔ اس مسئلہ کی پُوری تحقیق فقیر کے فتاوٰی میں مذکور ہے۔ اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۹۱: از کھاتہ نگریا مرسلہ سیّد ضیاء الدین صاحب ۹ محرم شریف ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمد نعیم خاں نے اپنے بست سالہ لڑکے عبدالرحیم خاں کا نکاح ایک لڑکی سے اور قبل عقد حسبِ رواج کچھ زیور طلائی ونقرئی اس لڑکی کو چھڑھایا، رخصت نہ ہونے پائی تھی کہ عبدالرحیم خاں انتقال کرگیا، لڑکی اپنے والدین کے گھر رہی، شوہر کو بالکل دیکھا بھی نہیں، ایسی حالت میں وُہ زیور والد متوفی کو قابلِ واپسی ہے یا نہیں، اور یہ امر بھی قابلِ اظہار ہے کہ ایسے موقع پر اکثر زیور عاریت لے کر بھی چڑھادیتے ہیں اور بعد رخصت واپس لے کر دے دیتے ہیں یہ شخص بہت قلیل المعاش اور معمولی شخص تھا اس کے والدین اس قدر حیثیت نہیں رکھتے کہ اس قدر کثیر مال کے زیور کو اپنے پسر کی زوجہ کو بعد رخصت

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳، ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۶

[2] فتاوٰی خیریہ باب المہر دارالمعرفۃ بیروت ۱/۶۷

بھی بخشیدہ اور موہوبہ سمجھ لیتے اور اُن کے یہاں رواج عام بھی خانگی ایسا ہی ہورہا ہے کہ اگر ایسا چڑھاوا چڑھایا تو بعد رخصت واپس لے لیا، اگر ذی مقدور ہوئے اور حاجت نہ ہُوئی تو چھوڑ دیا، فقط۔

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں اُس کی واپسی ضروری ہے،

لانہ لاھبۃ نصاولادلالۃ ولواشترك العرف لم یدل علی التملیك وکان الدافع ادری بجھۃالدفع۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ یہ نہ تو صراحۃً ہبہ ہے اور نہ ہی دلالۃً، اور اگر عرف مشترک ہو تو تملیک پر دلالت نہیں کرتا اور دینے والا دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲تا ۹۳: مسئولہ عبدالرحیم خاں یکم رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) شادی کے قبل جس کو چھڑھاوا کہتے ہیں جو کہ دُلہن کو کچھ زیورات وکپڑا وغیرہ پہنایا جاتا ہے وہ کیسا ہے؟

(۲) جس کو لگن کہتے ہیں ایک پیتل کی تھالی ہوتی جس میں کچھ روپیہ کپڑا وغیرہ دُلہن کی طرف سے رکھ کر دُولہا کے مکان پر آتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا مالک کون ہے؟

الجواب:

(۱) جائز ہے پھر اگر اس سے مقصود دُلہن کو مالک کردینا ہوتا ہو تو بعد قبضہ دُلہن مالک ہوجائے گی ورنہ جس نے چڑھایا اس کی ملک رہے گا۔واللہ تعالٰی اعلم

(۲) جائز ہے اور دُولہا بعد قبضہ اس کا مالک ہوجاتا ہے کہ اس میں یہی عرف عام ہے اور گہنے میں رواج مختلف۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴: از بلہاری احاطہ مدراس مرسلہ محمد نصیرالدین صاحب قادری حنفی ۲۴ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید بچپن سے اپنے باپ کے ساتھ ایک ہی دکان میں بیوپار کرتا رہا (یعنی اپنے باپ کے ماتحت تھا اور کام بھی کرتا تھا) اور اپنے باپ ہی کے گھر میں تھا مذکور زید کی شادی باپ عمرو نے ہی کیا اب زید نے انتقال کیا مرحوم زید کی عورت اپنا جہیز اور اپنا مال وزر اور وُہ مال جو نسبت کے وقت اس کو دئے ہیں (عرف میں جسکو چڑھاوا کہتے ہیں) اور اپنا مہر اپنے خسر سے طلب کرسکتی ہے یا نہیں اور اس کی عدّت میں نان ونفقہ کس کے ذمّہ ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جہیز تو سب عورت کا ہے اس میں کسی کا حق نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

کُل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأۃ لاحق لاحدٍ فیه [1]	ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا (ت)

اور چڑھاوے کا اگر عورت کو مالک کردیا گیا تھا خواہ صراحۃً کہہ دی تھا کہ ہم نے اس کا تجھے مالک کیا یا وہاں کے رسم و عرف سے ثابت ہو کہ تملیک ہی کے طور پر دیتے ہیں جب تو وُہ بھی عورت ہی کی ملک ہے ورنہ جس نے چڑھایا اس کی مِلک ہے باقی مال ورزجو اپنے باپ کے یہاں سے لائی یا شوہر یا شوہر کے باپ نے بطور تملیک اُس کو دیا یعنی ہبہ کرکے قبضہ دے دیا وہ بھی عورت ہی کی مِلک ہے اور اگر گھر کے خرچ کے لئے دیا اور مالک اس کا ذاتی مال ہو اُس سے وصول کرے شوہر کے باپ پر دعوی نہیں کرسکتی جب تک اُس نے کفالت نہ کرلی ہو عدّتِ طلاق کا نفقہ ہوتا ہے عدتِ موت کا نفقہ ہی نہیں جس کا وُہ کسی سے مطالبہ کرسکے اپنے پاس سے کھائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۶۸/۲ و ۶۵۳

باب نکاح الکافر
(کافر کے نکاح کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۹۵: از شاہجہان پور محلّہ بارہ دری مرسلہ عبداللہ خاں صاحب ۵رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید نے قادیانی مذہب اختیار کرلیا اور اس کی عورت بدستور اپنے اصلی مذہب حنفی پر رہی گو زید نے مذہب قادیانی گوارا کرنے میں اپنی عورت کو مجبور نہیں کیا لہٰذا ایسی حالت میں کہ جب مابین زن و شوہر کے اختلاف مذہب ہوگیا ازرُوئے حکم شرع شریف کے بحالت طرزِ معاشرت درمیان زن و شوہر جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں عورت فوراً نکاح سے نکل گئی اُن میں باہم کوئی علاقہ نہ رہا مرد محض بیگانہ ہوگیا اب اس قربت زنائے خالص ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے:

وارتد احدھما فسخ عاجل[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	خاوند بیوی میں سے کسی ایک کے مرتد ہوجانے سے اُسی وقت نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

مسئلہ ۹۶: از ریاست بھوپال کچھ بنگلہ چیف سکریٹری صاحب مرسلہ مجتبٰی علی خاں صاحب ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ ایک عورت قوم نصارٰی یا مجوس ہے اور وُہ عورت مسلمان نہیں ہُوئی ہے وُہ اپنے مذہب پر قائم ہے، ایک شخص کہ وہ مسلمان ہے اور وہ شخص اس کے ساتھ عقد کرنا چاہتا ہے، اور وُہ عورت مسلمان نہیں ہوئی، تو اس کے ساتھ نکاح جائز ہے یا مسلمان ہووے تو جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عورت مجوسیہ سے مسلمان نکاح نہیں کرسکتا، اگر کرے گا باطل، یوں ہی نصرانیہ سے ایک قول پر اور دوسرے قول پر نصرانیہ سے نکاح اگرچہ ہوجائے گا مگر ممنوع وگناہ ہے، پہلے قول پر اس سے بچنا فرض ہے اور دوسرے قول پر واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۷: از خیرآباد ڈاکخانہ خاص محلّہ شیخ سرائے ضلع سیتاپور مرسلہ امتیاز علی صاحب ۹ شوال ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ دونوں مسلمان حنفی المذہب زن وشوہر ہیں ہندہ سیّدہ ہے مگر جاہل بیوقوف تندمزاج ہے اور زید شیخ کچھ لکھاپڑھا اور سخت مزاج عصّہ ور ہے اور ہر دو معزز اور ایسے خاندان کے ہیں جو اپنے مذہب کے پابند ومطیع اور مسائل شریعت سے واقف ہیں جس میں ایک دوسرے کے حقوق کے بھی مسائل شامل ہیں، زید چاہتا ہے کہ ہندہ پرورشِ اطفال وخدمتِ خود وخاطر مدارات اعزا واحباب وامورِ خانہ داری ومہمان نوازی تابہ مقدور کرے، اگر کوئی کام زید کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے تو زید ہندہ سے سختی سے پیش آتا ہے اور اکثر سخت مگر مہذّب الفاظ کہتا ہے ایسے کاموں میں وسط رمضان المبارک میں زید ہندہ سے خفا ہوا اور ہندہ سے کہا کہ میں نے تم کو بارہا نصیحت کی اور پھر اپنے اور تمہارے گھر والوں میں فضیحت کی مگر کُچھ سُود مند نہ ہُوا اب صرف اذیت کا درجہ باقی ہے جس کو اگر میں چاہوں تو مجھ کو پہنچانے کا حق ہے اور یہ شرعی احکام ہیں مگر میں بوجہ شرافت اس کو پسند نہیں کرتا ہوں اگر تم کو یہ پسند نہیں ہے اور نباہ ہونا مشکل ہے تو مجھ سے کہہ دو کہ میں تم کو آزاد کردُوں یعنی طلاق دے دوں کیونکہ شریعت کی یہ تعلیم ہے بعد کو تم اپنا کرلینا جیسا تم کو اچھا معلوم ہو میں اپنا کرلوں گا اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اس پر ہندہ نے عصّہ میں آکر کہا کہ "چُولہے میں جائے ایسی شریعت" یا "مَری پڑے ایسی شریعت پر" زید کو فقرہ اوّل یاد ہے کہ ہندہ نے کہا تھا، ہندہ اس سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں نے فقرہ نمبر ۲ کہا تھا،

اور کہتی ہے کہ مجھ سے غصہ میں روز مرہ کو بول چال کے مطابق یہ الفاظ نکل گئے اس سے میری غرض نیت اسلام سے خارج ہونے کی نہ تھی نہ تحقیر شریعت، لہذا مفصلہ ذیل امور کا جواب برائے خدا و رسول بحوالہ کتب جلد مرحمت فرمائے:

(۱) کیا فقرہ مذکورہ بالا سے ہندہ مرتد ہوگئی اور اسلام سے خارج ہوئی؟

(۲) اگر مرتد ہوگئی تو کیا نکاح فسخ ہوگیا اور ہندہ درجہ طلاق میں گئی؟

(۳) کیا اب زید بلا طلاق دئے ہُوئے ہندہ سے تعلق ترک کرسکتا ہے اور کوئی مواخذہ اس سے نہ ہوگا؟

(۴) کیا بحالت مرتد ہونے کے اور نکاح فسخ ہونے پر مہر سابقہ کلیۃً یا اس کا کوئی جُز اس پر جواب الادا ہے یا بالکل سوخت؟

(۵) کیا ایسی صورت میں ہندہ بعد تجدید ایمان بلا اجازت زید دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

(۶) کیا ہندہ کا نفقہ ایسی صورت میں زید پر واجب الادا ہے؟

(۷) اگر ہندہ نے تجدید ایمان کرلیا تو کیا زید وہندہ باہم گر تجدید نکاح پر شرعاً مجبور ہیں اور اگر نہ کریں تو کوئی مواخذہ تو نہ ہوگا؟

(۸) صورتِ حال میں اگر زید تجدید نکاح پر تیار ہو تو مہر سابقہ تعداد پر معیّن ہوگا یا اب تعداد جدید فریقین کی رضامندی پر معیّن ہوگی۔

(۹) صورت حال میں کیا ہندہ زید کی مرضی کے موافق کم مہر پر مجبور کی جائے گی اور تعداد مہر کم سے کم کیا ہوسکتی ہے؟

الجواب:

ہندہ نے پہلا فقرہ کہا ہو خواہ دوسرا، ہر طرح اس کا ایمان جاتا رہا کہ اس نے شرع مطہر کی توہین کی مگر ہندہ نکاح سے نہ نکلی، نہ ہرگز اُسے روا ہے کہ بعد اسلام کسی دوسرے سے نکاح کرلے **لان الفتوی علی روایۃ النوادر لاجل فسادالزمان کما بیّنّاہ فی فتاوٰنا** (کیونکہ فساد زمانہ کی وجہ سے فتوی نوادر کی روایت پر ہے جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) ہاں بعد اسلام زید سے تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی **احتیاطا لاصل المذہب** (احتیاط کے طور پر واسطے اصل مذہب کے۔ت) زید اگر اُس سے ترک تعلق چاہے تو طلاق دے، ہندہ کا نفقہ زید پر نہیں جب تک اسلام نہ لائے کہ وُہ اپنے فعل سے زید پر حرام ہوگئی ہے **ولانفقۃ لمرتدۃ** (مرتدہ کے لئے کوئی نفقہ نہیں۔ت) مگر مرتدہ ہونے سے مہرِ مدخولہ ساقط نہیں ہوتا تمام وکمال بدستور زید پر واجب ہے، تجدید نکاح میں مہر جدید برضائے فریقین معیّن ہونا یا پہلی تعداد کا لحاظ کچھ ضرور نہیں بلکہ ہندہ سب سے کم مہر پر مجبور کی جاسکتی ہے جس طرح نکاح پر مجبور

کی جائے گی۔ درمختار میں ہے:

تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجرا لھا بمھر یسیر کدینار وعلیہ الفتوٰی[1]۔	اسلام پر مجبور کی جائے گی اور بطور زجر کمترین مہر مثلاً ایک دینار کے بدلے تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلکل قاض ان یجددہ بمھر یسیر ولو بدینار رضیت ام لا[2]۔	یہ قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اس عورت سے کمترین مہر کے عوض تجدید نکاح کرائے اگرچہ ایک دینار ہو چاہے وُہ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ (ت)

مہر کی اقل مقدار دس ۱۰ درم ہے کہ یہاں کے دو ۲ روپے تیرہ آنے سے کُچھ کم ہے یعنی ۹/۱۲-۲/۳ ۵ پائی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۸: از نذر محمد خاں صاحب امام جامع مسجد مُلّا جی صاحب ڈاکخانہ خاص لگانہ ضلع رہتک۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ کسی ہندو کی لڑکی نابالغ بغیر اجازت والی کے کہیں سے لے آوے اور بغیر مسلمان کئے پڑھا دیوے جائز ہے یا کہ نہیں، اور اسی طرح مسلمان نابالغ لڑکی سے بغیر اجازت والی کے دُوسرا کوئی نکاح پڑھا دیوے تو پھر والی اس کو توڑ سکتا ہے یا کہ نہیں اور پڑھانے والے پر کیا الزام ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نابالغہ کا نکاح بے اجازت ولی نافذ نہیں ہو سکتا، ولی اس کو فسخ کر سکتا ہے، اور ہندو کی لڑکی سمجھ وال کہ اسلام وکفر جانتی ہے اگر کُفر اختیار کرے تو خود مشرک ہے، اور سمجھ وال نہ ہو تو اپنے باپ کے اتباع سے مشرک ہے، بہر حال اس سے نکاح باطل ہے اگرچہ باجازت ولی ہو، ہاں اگر سمجھ دار ہونے کی حالت میں ایمان لے آئے اس کے بعد باجازت اُس کے کسی ولی مسلم ورنہ اذنِ حاکمِ اسلام سے نکاح کیا جائے تو صحیح ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

[2] ردالمحتار باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۹۲

مسئلہ ۹۹: از لکھنؤ محلّہ گڈھیا کمال جمال مسئولہ مولوی عابد حسین صاحب عباسوی ۱۴محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رافضیہ عورت سے نکاح شرعاً جائز ہے یا ناجائز، نیز اگر دھوکہ سے کوئی شخص کسی رافضیہ عورت سے نکاح کرے مثلاً زید کو یہ نہیں معلوم ہے کہ عورت کامذہب سُنّی یا شیعہ، اور زید سے پوشیدہ بھی رکھا جائے اور بعد کو معلوم ہوجائے اور منکوحہ توبہ بھی نہ کرے توایسی میں کیا کرنا چاہئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

رافضیہ سے نکاح باطل محض ہے اس وقت معلوم ہو یا نہ ہو بہر حال اس پر فرض ہے کہ اُس سے جُدا ہو جائے وہ محض اجنبیہ ہے اصلاً قابلیت نکاح نہیں رکھتی جب تک اسلام نہ لائے۔ عالمگیریہ میں ہے:

وکذٰلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد[1]۔ واﷲتعالٰی اعلم۔	اور اسی طرح مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں۔ اور اﷲ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۰: از بنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب شب ۵ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک ہندو قوم کھٹک نے اپنی عورت کو مذہب کے موافق طلاق دے دی، تخمیناً چار ماہ کے بعد عورت مذکورہ مسلمان ہوئے اپنی خوشی ورضامندی سے، اور جس جلسے میں مسلمان ہوئی اسی جلسہ میں نکاح بھی ہُوا، نکاح کیسا ہُوااور اس میں عدّت کی ضرورت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نکاح صحیح ہو گیا، کافر کے لئے عدّت تو اصلاً نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لاعدۃ من الکافر عند الامام اصلا فلاتثبت الرجعۃ للزوج بمجرد طلاقھا وقیل تجب والاصح الاول کما فی القھستانی عن الکرمانی ومثلہ فی العنایۃ وذکر فی الفتح انہ ولی[2]۔	امام صاحب رضی اﷲتعالٰی عنہ کے نزدیک کافر کے لئے اصلاً عدّت نہیں۔ محض اُس عورت طلاق دینے سے شوہر کے لئے رجوع ثابت نہ ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ عدّت واجب ہے اور اصح قول اوّل ہے جیسا کہ قہستانی میں کرمانی سے ہے اور اسی کی مثل عنایہ میں ہے، فتح میں مذکور ہے کہ یہی اولٰی ہے۔ (ت)

اور جب وُہ طلاق دے چُکا اسے عورت سے کُچھ علاقہ نہ رہا کہ بعد اسلامِ زن اُس کے اسلامی انکار کاانتظار

[1] فتاوٰی ہندیۃ باب المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

[2] ردالمحتار باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸۶

کیا جائے اور یہاں بوجہ عدم حکومت اسلام تین حیض گزرنے تک اُس کے اسلام نہ لانے کو قائم مقام انکار ٹھرا کر حکمِ فرقت دیا جائے، درمختار و ردالمحتار میں ہے:

لواسلم احد المجوسیین فی دار الحرب وملحق بھا لم تبن حتی تحیض ثلاثا قبل اسلام الاخر اقامۃ لشرط الفرقۃ (وھو مضی ھذہ المدۃ ش مقام السبب وھو الاباء لان الاباء لایعرف الا بالعرض وقد عدم العرض لانعدام الولایۃ ومست الحاجۃ الی التفریق لان المشرك لایصلح للمسلم واقامۃ الشرط عند تعذر العلۃ جائز. فاذا مضت ھذہ المدۃ صار مضیھا بمنزلۃ تفریق القاضی بدائع ش) ولیست بعدۃ لدخول غیر المدخول بھا[1]۔	اگر مجوسی زوجین میں سے کوئی ایک دارالحرب میں یا ایسی جگہ مسلمان ہوجائے جو دارالحرب کے ساتھ ملحق ہے تو بیوی نکاح سے خارج نہ ہوگی جب کہ دوسرے کے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کو تین حیض نہ آجائیں شرط فرقت یعنی اس مدّت کے گزرنے کو سبب فرقت یعنی انکار اسلام کا پتا تو عرضِ اسلام (اسلام پیش کرنے) سے چلے گا اور دارالحرب میں عدمِ ولایت کی وجہ سے عرض اسلام معدوم ہے حالانکہ تفریق کی ضرورت ہے کیونکہ مشرک و مسلم کا نکاح برقرار نہیں رہ سکتا اور تعذرعلّت کے وقت شرط کو اس کے قائم مقام رکھنا جائز ہے، چنانچہ جب یہ مدّت گزرجائے تو اس کا گزرنا تفریق قاضی کے قائم مقام ہوجائے گا بدائع ش) اور یہ مدّت عدّت نہیں کیونکہ غیر مدخولہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہے (حالانکہ غیر مدخولہ پر عدّت نہیں)۔ (ت)

یہاں نفسِ طلاق سے فرقت پہلے ہی ہوچکی اور عدت ہے نہیں لہٰذا انتظار کی اصلاً حاجت نہیں، عورت اگرچہ طلاق ہوتے ہی فوراً مسلمان ہوجائے مسلمان ہوتے ہیں فوراً نکاح کرسکتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

لابی حنیفۃ انھا ای العدۃ اثر النکاح المتقدم وجبت اظھارا لخطرہ ولاخطر لملك الحربیّ ولھذا لاتجب علی المسبیّۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دلیل یہ ہے کہ عدّت پہلے نکاح کا اثر ہے جو اس کے احترام کے اظہار کے لئے واجب ہوئی اور حربی کی ملک کا کوئی احترام نہیں اور اسی لئے اُس عورت پر عدت واجب نہیں جو گرفتار کرکے لائی گئی ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۸-۲۰۹، ردالمحتار باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۹۰

[2] ہدایہ باب نکاح اہل الشرک المکتبۃ العربیہ، کراچی ۲/۳۲۸

باب المُعَاشِرَة

(زوجین کے باہمی برتاؤ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۱تا۱۰۲: از مسجد جامع میرام پور ضلع ہوگلی مرسلہ سراج الحق صاحب امام جامع مذکور و شیخ بدّو ودربان چٹکل ۷ ۲ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ فی ھذہ المسألة ھل یجوز لزید عند الاختلاط ان یقبل خدمنکوحته وثد یھاوان یمص ثدیھا اوان یدخل ثدیھا فی فمه شھوة و تلذذا سواءکانت ذات لبن ام لا،وسواءکانت مراھقة ام بالغة،فبینوا حکم کل شق منھا بالادلة والتفاصیل۔	کیاارشاد ہے آپ کااللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیازید کے لئے بوقتِ صحبت اپنی بیوی کے رخسار اور پستان کا بوسہ لینا یاپستان کو مُنہ میں دبانا یا شہوت و تلذّذ کے طور پر پستان کو مُنہ میں داخل کرنا جائز ہے؟ چاہے اس کی بیوی دُودھ والی ہو یا نہ ہو،چاہے قریب البلوغ ہو یانابالغہ،ہر شق کا جواب دلائل وتفصیلات کے ساتھ بیان فرمائیں۔(ت)

الجواب:

یجوز للرجل التمتع بعرسه کیف	مرد کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کے سر سے لے

ماشاء من رأسها الٰی قدمها الامانھی اللہ تعالٰی عنه، وکل ماذکر فی السؤال لانھی عنه. اما التقبیل فمسنون مستحب یؤجر علیه ان کان بنیة صالحة واما مص ثدیها فکذٰلك ان لم تکن ذات لبن، وان کانت واحترس من دخول اللبن حلقه فلاباس به، وان شرب شیئًا منه قصدًا فھو حرام وان کانت غزیرة اللبن وخشی ان لو مص ثدیها یدخل اللبن فی حلقه فالمص مکروہ قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ومن رتع حول الحمٰی اوشك ان یقع فیه[1]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	کر پاؤں تک جیسے چاہے لُطف اندوز ہو سوائے اس کے جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا ہے، اور سوال مذکور امور میں سے کسی سے منع نہیں کیا گیا۔ بوسہ تو مسنون ومستحب ہے اور اگر بنیّت صالحہ ہو تو باعثِ اجروثواب ہے۔ رہا پستان کو مُنہ میں دبانا، تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے جب کہ بیوی دُودھ والی نہ ہو، اور اگر وُہ دُودھ والی ہے اور مرد اس بات کا لحاظ رکھے کہ دودھ کا کوئی قطرہ اس کے حلق میں داخل نہ ہونے پائے تو بھی حرج نہیں، اور اگر اُس دُودھ میں سے جان بُوجھ کر کچھ پیا تو یہ پینا حرام ہے۔ اور اگر وُہ زیادہ دُودھ والی ہے اور اُسے ڈر ہے کہ پستان منہ میں لے گا تو دُودھ حلق میں داخل ہوگا تو اس صورت میں پستان کو منہ میں لینا مکروہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چراگاہ کے ارد گرد (جانور) چرائے تو قریب ہے کہ وہ (جانور) چراگاہ میں جا پڑے۔ اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خُوب جانتا ہے۔

السوال الثانی	دوسرا سوال
وکم مدة یجوزله السفر حال کونه مجردًا عنها۔	بیوی کو چھوڑ کر سفر پر جانے والے کے لئے کتنی مدّت تک سفر میں رہنا جائز ہے:

الجواب:

السفر ان کان بضرورة تقدر بقدرها ولا یعین له حد وقدامر	سفر اگر ضرورت کی وجہ سے ہو تو بقدر ضرورت ہوگا اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تحقیق حضور اقدس

[1] شرح السنة للامام البغوی باب مضاجعة الحائض المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۳۰

صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتعجیل القفول بعد قضاء الحاجة والسفر قطعة من العذاب یمنع احدکم طعامه وشرابه ونومه فاذا قضی احدکم نهبه فلیعجل الی اهله [1] اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اما اذاکان بلاضرورة ولم یستصحبها معه فلا یسکن اکثر من اربعة اشهر بذٰلك امر امیر المؤمنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنه وفی الحدیث قصّة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ضرورت پُوری ہو جانے کے بعد جلدی واپسی کا حکم دیا ہے اور سفر عذاب کا ٹکڑا ہے جو تم میں سے کسی ایک کو اس کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی اپنی حاجت پُوری کرلے تو جلدی گھر لوٹے، یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیکن اگر سفر بلاضرورت ہو اور بیوی کو ساتھ نہ لے کر جائے تو چار ۴ ماہ سے زیادہ سفر میں نہ ٹھہرے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی کا حکم فرمایا، حدیث میں قصّہ مذکور ہے۔ اور اللہ سُبحانہ و تعالٰی خُوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از حیدرآباد دکن معرفت پوسٹ ماسٹر مرسلہ حسام الدین صاحب ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو زید کے خالو ہوتے ہیں اور اُن کا وطن قدیم امیٹھی خطّہ اوّدھ ہے، اُن کے تعلقات ملازمت حیدرآباد میں ہُوئے، زید اصل باشندہ کاکوری ضلع لکھنؤ کا ہے اور اس نے خطّہ متوسط میں ملازمت انگریزی اختیار کی۔ تعارف وقرابت سابقہ کی وجہ سے زید کا نکاح عمرو کی دختر کے ساتھ حیدرآباد میں ہُوا اور کوئی شرط کسی قسم کی مہر وآمد ورفت وغیرہ کی نسبت نہیں ہوئی، بعد نکاح عمرو نے اپنی دختر کو زید کے ساتھ متعدد مرتبہ زید کی جائے ملازمت مختلف اضلاع خطّہ متوسط پر اس کے ہمراہ روانہ کردیا حتی کہ زید کی صلب سے ہندہ دختر عمرو کے تین اولادیں ہُوئیں، نکاح کے چھ سال بعد مسمّاۃ ہندہ اور خود والد ہندہ کو یہ عذر ہُوا کہ زید کے ساتھ سفر دُور دراز جائے ملازمت زید پر جانا منظور نہیں کیونکہ اُن کا بیان ہے کہ زید کو شرعًا ایسا حق نہیں کہ وُہ ہندہ کو سفر میں اپنے ساتھ لے جائے مطالبہ مہر باعث انکار سفر نہیں قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ ایسی حالت میں زید کو اپنی زوجہ ہندہ کو اپنی جائے ملازمت وسکونت پر لے جانے کا شرعًا حق ہے کہ نہیں، اگر ہندہ عذر اذیت وتکلیف دہی پر جانے سے انکار کرے اور اس عذر کو ثابت

[1] صحیح بخاری کتاب الاطعمہ باب ذکر الطعام ۲/ ۸۱۶، صحیح بخاری کتاب الجهاد باب الشرعة فی السیر باب ذکر الطعام ۱/ ۴۲۱

نہ کرسکے یا ثبوت پیش کردہ اگر سمجھا جائے تو زید بعد ادخال ضمانت معتبر ہندہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا مجاز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل حکم ہے مرد جہاں رہے اپنی عورت کو اپنے ساتھ رکھے۔ **قال اللہ تعالٰی:**

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ [1]۔	عورتوں کو وہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود ٹھہرو۔ (ت)

اور ساتھ ہی یہ حکم ہے کہ عورت کو ضرر نہ پہنچائے، اس پر تنگی نہ کرے **قال اللہ تعالٰی:**

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ [2]۔	انہیں ضرر نہ پہنچاؤ کہ تم ان پر تنگی کرو (ت)

جبکہ مہر معجّل نہ تھا یعنی پیش از رخصت دینا قرار نہ پایا تھا تو عورت کو اپنے نفس کے روکنے کا کوئی اختیار نہیں، نہ اُس کا باپ اُسے شوہر سے جُدا کرسکتا ہے، ہاں اگر شوہر کی طرف سے عورت کو ضرر رسانی وبلاوجہ شرعی ایذادہی بروجہ کافی ثابت ہو تو اُس کا بندوبست کیا جائے اگرچہ کچہری کے ذریعہ سے ضمانت داخل کرنے سے ظاہرًا یہ سمجھا جاتا ہے کہ زید کوئی ایسا کفیل معتمد پیش کرے گا جو زید کو ایذا رسانی سے مانع ہوسکے اور عمرو وہندہ کو اس پر اعتبار ہو یا یہ معنٰی ہیں کہ کوئی ضامن دیا جائے گا۔ کہ اگر زید ایذا رسانی کرے تو اتنا روپیہ جرمانہ کا بھرے اور وُہ نہ دے تو ضامن دے گا۔ اگر معنی اوّل مراد ہیں تو صحیح وقابلِ قبول ہیں اور معنی دوم مراد ہیں تو یہ شرعًا ناجائز باطل ہے مالی جرمانہ نہیں ہوسکتا **لانہ منسوخ والعمل بالمنسوخ حرام** (کیونکہ یہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے۔ ت) اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔

مسئلہ ۱۰۴: از قادری گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ ظہور الحسن صاحب ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جماع کے وقت شوہر کا اپنی بی بی کی فرج دیکھنا تاکہ لذّتِ پوری پوری حاصل ہو یا شوہر کا اپنی بی بی کی شرمگاہ کو مس کرنا اور عورت کا اپنے شوہر کے آلہ تناسل کو مس کرنا تاکہ آلہ تناسل ایستادہ ہو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

زوجین کا وقتِ جماع ایک دُوسرے کی شرمگاہ کو مس کرنا بلاشبہ جائز بلکہ بہ نیتِ حسنہ مستحق و

[1] القرآن الکریم ۶۵/۶

[2] القرآن الکریم ۶۵/۶

موجب اجر ہے **کمارُوی عن نفس سیّدنا الامام الاعظم رضی تعالٰی عنہ** (جیسا کہ خود ہمارے سردار امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ت) مگر اُس وقت رؤیتِ فرج سے حدیث میں ممانعت فرمائی اور فرمایا: **فانہ یورث العمی** وہ نابینائی کا سبب ہوتا ہے۔ علمائے نے فرمایا کہ محتمل ہے کہ اس کے اندھے ہونے کا سبب ہو یا وُہ اولاد اندھی ہو جو اس جماع سے پیدا ہو یا **معاذ اللہ** دل کا اندھا ہونا کہ سب سے بدتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

باب القسم

(بیویوں میں باری مقرر کرنا اور حقوق میں مساوات رکھنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۰۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوجہ کو بے وجہ شرعی ایذا دینا اور عاریت مساوات دو ۲ زوجہ میں نہ کرنا اور دونوں کو مکانِ واحد میں جبراً رکھنا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر چند اللہ تعالٰی نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی،

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ ط [1] ۔	مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے ان میں ایک دوسرے پر فضیلت دی اور اس لئے کہ مردوں نے ان پر مال خرچ کئے۔(ت)

یہاں تک کہ حدیث میں آیا اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم کرتا عورت کو حکم دیتا کہ مرد کو سجدہ کرے مگر عورتوں کو بے وجہ شرعی ایذا دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ ان کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی اور اُن کی بدخوئی پر صبر اور

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۴

اُن کی دلجوئی اور جن باتوں میں مخالفتِ شرع نہیں اُن کی مراعات شارع کو پسند ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ازواج مطہرات کی دلجوئی کرتے اور فرماتے:

ان من اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا و الطفهم باهله[1]۔	بیشک مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جوان میں سے زیادہ حسن اخلاق والا اور اپنی اہل کے ساتھ زیادہ مہربان ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں:

خیرکم خیرکم لاھله وانا خیرکم لاھلی[2]۔	تم میں سب سے بہتر وُہ ہے جو اپنی اہل کے ساتھ زیادہ اچھا برتاؤ کرنے والا ہے اور میں اپنی اہل کے ساتھ حسنِ سلوک میں تم سب سے بہتر ہوں۔(ت)

اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[3]۔(اور ان (اپنی بیویوں) کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ت) امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:

واعلم انه لیس من حسن الخلق معها کف الاذی عنها بل احتمال الاذی منها والحلم عند طیشها وغضبها اقتداءً برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[4]۔الخ	اور تُو جان لے کہ عورت کے ساتھ حُسنِ خلق یہ ہی نہیں کہ اس کو ایذا نہ دے بلکہ اس کی طرف سے اذیتیں برداشت کرنا ہے اور رسولِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے اُس (عورت) کے طیش وغضب کے وقت تحمل اختیار کرنا ہے۔(ت)

اور جس طرح اللہ تعالٰی نے مردوں کے حق اُن پر مقرر فرمائے اُن کے حق بھی مردوں پر مقرر کئے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[5] (اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق۔ت) ازانجملہ کھلانے پہنانے وغیرہا امور اختیاریہ میں اُنہیں برابر رکھنا واجب ہے۔

---

[1] شعب الایمان حدیث دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/۴۱۵

[2] شعب الایمان دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/۴۱۵

[3] القرآن الکریم ۴/۱۹

[4] احیاء العلوم الباب الثالث فی آداب المعاشرۃ المکتبۃ المشہد الحسینی ایران ۲/۴۳

[5] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

فی الدرالمختار یجب وظاہر الآیۃ انہ فرض نہر ان یعدل ای ان لایجوز فیہ ای فی القسم بالتسویۃ فی البیتوتۃ وفی الملبوس والماکول والصحبۃ[1]۔	درمختار میں ہے واجب ہے اور آیت کاظاہر یہ ہے کہ عدل کرنا فرض ہے (نہر) یعنی قسم ظلم نہ کرے بایں صورت کہ شب باشی، لباس، کھانے اور صحبت میں برابری قائم رکھے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر فرق کرے گا قیامت میں ایک طرف جھکا اٹھے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان لہ امرأتان فمال الی احدٰھمادون الاخری جاء یوم القیٰمۃ واحد شقیہ مائل[2]۔	جس کی دو۲ عورتیں ہوں وُہ ان میں سے ایک کی طرف میلان کرے اور دوسری کو نظرانداز کرے تو قیامت کے دن اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوگی (ت)

اور اُنہیں مکانِ واحد میں جبرًا رکھنا جائز نہیں بلکہ ہر ایک کو مکان علیحدہ کا مطالبہ شوہر سے پہنچتا ہے،

فی الدرالمختار فلکل من زوجتہ مطالبتہ ببیت من دار علٰحدۃ[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ دو۲ بیویوں میں سے ہر ایک اپنے شوہر سے گھر کا علیحدہ مکان طلب کرسکتی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۶: کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کی رعایت مساوات دو۲ زوجہ میں مرد پر واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر ان میں قومِ طوائف میں سے ہو تو کچھ فرق کیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرد اپنی دو۲ زوجہ حرّہ کو کھلانے اور پہنانے اور پاس رہنے وغیرہا امور اختیار میں برابر رکھنا واجب ہے اور اس امر میں طوائف وغیر طوائف شریف ورذیل میں کچھ فرق نہیں کہ آیت قسم مطلق ہے۔

فی الدرالمختار یجب وظاہر الاٰیۃ انہ فرض "نہر" ان یعدل ای ان لایجور فیہ ای فی القسم بالسویۃ فی البیتوتۃ و	درمختار میں ہے واجب ہے اور آیت کاظاہر یہ ہے کہ عدل کرنا فرض ہے (نہر) یعنی قسم میں ظلم نہ کرے، بایں صورت کہ شب باشی، لباس، کھانے اور صحبت

[1] درمختار باب القسم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۱

[2] سُنن ابن ماجہ باب القسمۃ بین النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۳

[3] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۱

فی الملبوس والماکول والصحبۃ[1]۔	میں برابر قائم رکھے (ت)

یہاں تک کہ اگر فرق کرے گا قیمت کو ایک طرف جھکائے اٹھے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان لہ امرأتان فمال الی احدٰھما دُون الاخری جاء یوم القیٰمۃ واحد شقیہ مائل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس کی دو۲ بیویاں ہوں ان میں سے ایک کو نظر انداز کرتے ہُوئے دُوسری کی طرف میلان کرے تو قیامت کے دن اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کی ایک جانب جُھکی ہو گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷: از بچھرایوں ضلع مراد آباد مکان حکیم غلام علی صاحب مرسلہ حکیم غلام احمد صاحب ۲۵ رمضان مبارک ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱عدل بین الزوجین میں کھانے کی کیا صورت ہے، آیا جو چیز ایک زوجہ کو کھانے کو دی وہی دوسرے کو بھی دے اگرچہ از قسم مکلفات ہو یا فقط معمولی غذا میں، ۲مثلًا ایک کو دُوسری زوجہ سے خفیہ دُودھ پلایا یا ثمارِ فصل کھلائے تو اُسی قدر دُوسری کو بھی دینا ضرور ہے یا یہ مستحب ہے، اگر دُوسری کو بھی دینا ضرور ہے تو صورتِ ذیل میں کُچھ فرق ہے یا نہیں مثلًا ۳ایک زوجہ نے زوج سے کسی چیز کی فرمائش کی چونکہ اس کی طبیعت اس چیز کے کھانے کو چاہتی تھی بایں وجہ خفیۃً دوسری زوجہ سے اسکی فرمائش کی پورا کردیا تو دُوسری کو بھی شیئ مذکور کا کھلانا بذمہ زوج ضرور ہے یا نہیں، ۴اگر ضرور ہے تو اس میں کچھ فرق ہے یا نہیں کہ اگر دوسری زوجہ بھی اس شیئ کی فرمائش کرتی تو اس کو بھی پورا کرتا اور اگر ۵زوج اپنی خواہش طبیعت سے کچھ شیئ ایک زوجہ کو کبھی کوئی شیئ دوسری کو کھلاتا ہے مگر برابری نہیں ہے کہ جس قیمت اور جس لذت کی وُہ شیئ ہے دُوسری کو وُہ نہیں ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں، ۶ایک یہ صورت ہے کہ ایک زوجہ کھانا کھاتے وقت زوج کو کھانا پکا کر لاتی ہے دُوسری نہیں آتی ہے خاطراً اس کو ہر ترکاری سے قدرے قدرے کھلایا تو اس میں زوج گنہگار ہُوا یا نہیں، اور خفیہ میں یہ مصلحت ہے کہ دونوں زوجہ میں بغض نہیں پڑتا ہے اور زوج سے دونوں خوش رہتی ہیں کیونکہ ایک کی دوسری کو خبر نہیں۔ جواب مدلّل تحریر فرمائے۔

الجواب:

کھانا دو۲ قسم ہے ایک اصل نفقہ جو زوجہ کے لئے زوج پر واجب ہے، دُوسرا اس سے زائد مثل

[1] درمختار باب القسم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۱

[2] سُنن ابن ماجہ باب القسمۃ بین النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۳

فواکہ وپان و الائچی وعطایا وہدایا، قسم اوّل میں برابری صرف اُس صورت میں واجب ہے جب دونوں عورتیں مال حالت فقر وغنا میں یکساں ہوں ورنہ لحاظ حال زوج کے ساتھ غنیہ کے لئے اس کے لائق واجب ہوگا اور فقیرہ کے لئے اس کے لائق مثلاً زوج اور ایک زوجہ دونوں امیر کبیر ہیں کہ اپنے اپنے یہاں اُن کی خوراک باقرخانی ومُرغ پلاؤ ہے، اور دوسری زوجہ فقیرہ ہے کہ جوار باجرے کی روٹی کھاتی ہے اور آپ پیستی پکاتی ہے، ان دونوں کے نفقہ میں مساوات واجب نہیں ہوسکتی، پہلی کے لئے وہی بریانی اور مرغ لازم ہے اور دوسری کے لئے گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت، پہلی کے لئے خادم بھی ضرور ہوگا دوسری آپ خدمت کرلے گی، پہلی کریب اور زربفت پہنے گی دوسری کو تنزیب اور ساٹھن بہت ہے، پہلی کے لئے مکان بھی عالی شان درکار ہوگا دوسری کے لئے متوسط۔ اور قسم دوم میں مطلقاً برابری چاہئے، جو چیز جتنی اور جیسی ایک کو دے اُتنی ہی اور ویسی ہی دوسری کو بھی دے۔ دُودھ، چائے، میوے، پان، چھالیا، الائچی، برف کی قلفیاں، سُرمہ، مہندی وغیرہ وغیرہ تمام زوائد میں مساوات رکھے کہ وہاں فرق اصل وجوب میں تھا یہ اشیاء واجب نہیں ان میں ایک کو مرجح رکھنا اس کی طرف میل کرنا ہوگا اور میل ممنوع ہے فرمائشوں کا حال بھی یہیں سے واضح ہوگیا اگر اس نے وہ فرمائش اپنے نفقہ کے متعلق کی ہے اور وہ اسکی مستحق ہے اور دوسری مستحق نہیں تو اس پر لازم نہ ہو کہ دوسری کو بھی وہی چیز دے اور نفقہ سے زائد شَے کی تو برابری درکار ہوگی کہ وُہ بعد فرمائش بھی عطیہ کی حد سے خارج نہیں،

وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل بنیك نحلت مثل ھذا[1] قال لاقال لاتشھد نی علی جور[2] (ملخصًا) فاذاکان التفضیل فی العطایا جورا ومیلافی البنین ففی الازواج اولی واحری۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تُونے ہر بیٹے کو اس کی مثل تحفہ دیا۔ صحابی نے عرض کی کہ نہیں، تو حضور نے فرمایا کہ مجھے ظلم پر گواہ مت بنا۔ جب تحائف میں کمی بیشی بیٹوں کے اندر ظلم و میل قرار پائی تو بیویوں میں بدرجہ اولی ظلم و میل ہوگی۔ (ت)

اور چھپا کر دینے سے دونوں کی رضا سمجھنی غلطی ہے بلکہ جسے چھپا چھپا کر دے گا وہ جان لے گی کہ میری جگہ اس کے قلب میں زائد ہے وُہ دوسری کا دبانے کی جرأت کرے گی اور یہ تخم فساد کا بونا ہوگا۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث النعمان بن بشیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دارالفکر بیروت ۲۶۸/۴

[2] سُنن النسائی کتاب النحل المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱۲۶/۲

یجب ان یعدل ای لایجوز فی القسم بالتسویة فی البیتوتة وفی الملبوس والماکول والصحبة لافی المجامعة کالمحبة بل یستحب[1]۔	بیویوں میں عدل کرنا واجب ہے یعنی قسم میں ظلم نہ کرے بایں صورت کہ شب باشی، لباسِ خوردونوش اور صحبت وموانست میں برابری کرے نہ کہ جماع میں مثل محبت کے بلکہ جماع میں برابری مستحب ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر قال فی البدائع یجب علیه التسویة فی الماکول والمشروب والسکنی والبیتوتة وھکذا ذکر الولوالجی والحق انه علی قول من اعتبر حال الرجل وحدہ فی النفقة واما علی القول المفتی به من اعتبار حالھما فلا،فان احدھما قدتکون غنیة والاخری فقیرة فلایلزم التسویة بینھما مطلقا فی النفقة[2] اھ وراٴیتنی کتبت علیه مانصه یقول العبد الضعیف غفرله بقی له مجملان اخران الاول ان تستوی المرأتان یسار او اعسار ا وح لامحل للتفاضل بینھما بل تجب التسویة فی الماکول والمشروب والملبوس والسکنی ایضا کالبیوتة مطلقا،والیه[ف] الاشارة بقوله فلایلزم التسویة	بحر میں فرمایا کہ بدائع میں کہا ہے کہ کھانے، پینے، لباس، رہائش اور شب باشی میں شوہر پر مساوات واجب ہے ولوالجی نے بھی یُوں ذکر فرمایا اور حق یہ ہے کہ بے شک یہ اس کا قول ہے جس نے نفقہ میں فقط شوہر کے حال کا اعتبار کیا لیکن مفتی بہ قول میں چونکہ دونوں کا حل معتبر ہے تو اس کے مطابق نفقہ میں مطلقًا مساوات واجب نہیں کیونکہ کبھی دو۲ بیویوں میں سے ایک مالدار اور دوسری فقیر ہوتی ہے تو ان میں برابری لازم نہیں۔مجھے یاد ہے کہ میں نے اس پر حاشیہ لکھا ہے جس کی عبارت یُوں ہے بندہ ضعیف کہتا ہے کہ اس کے دو محمل اور بھی ہیں ایک یہ کہ دونوں عورتیں امیری اور فقیری میں برابر ہوں تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان نفقہ میں مطلقًا برابری لازم ہے اسی کی طرف اشارہ ہے اس کے اس قول میں کہ ان دونوں کے درمیان نفقہ میں مطلقًا برابری لازم نہیں اس بنیاد پر کہ "مطلّقا" منفی کی طرف ناظر ہے نہ کہ نفی کی طرف،

[1] درمختار باب القسم مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۱/۱

[2] ردالمحتار باب القسم داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۹۸/۲

ف: جدالممتار مطبوعہ میں عبارت مختصر ہے خط کشیدہ عبارت مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔**نذیر احمد**

بینھما مطلقا فی النفقۃ، علی ان مطلقا ناظر الی المنفی دون النفی فیکون محصلہ سلب الاطلاق لا اطلاق السلب فانہ غیرسدید، والثانی ان یراد مایزاد علی النفقۃ من الھدایا والعطایا فلامانع من ایجاب التسویۃ بینھما بل ھو الظاہر نفیا للمیل المنھی عنہ اھ [1] ماکتبتہ وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	پس اس کا ثمر سلب اطلاق ہوگا نہ کہ اطلاق سلب کیونکہ وہ درست نہیں۔ دوسرا یہ کہ مراد وُہ اشیاء ہوں جو اصل نفقہ سے زائد ہیں یعنی تحفے اور ہدیے وغیرہ، تو اب دونوں کے درمیان برابری کو واجب ٹھرانے سے کوئی مانع نہیں بلکہ یہی ظاہر ہے اس میل کی نفی کے لئے جس سے رد کا گیا ہے، میرے حاشیہ کی عبارت ختم ہُوئی اور مجھے امید ہے ان شاء اللہ تعالٰی وہ درست ہوگا۔ اور اللہ سُبحانہ، وتعالٰی خُوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از شہر محلّہ ربڑی ٹولہ مسئولہ احسان علی صاحب زردوز ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہندہ کی چند اولادیں ہُوئیں ان میں سے صرف ایک بچّہ چند سال کا دائم المریض حیات ہے اس ہندہ کو مرض ایسا سخت لاحق ہے کہ ہر بار سخت تکلیف اور مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور مس ہر بار وقت ولادت یہی تجویز کرتی ہے کہ یہ عورت ضرور مرجائے گی مگر شافی مطلق برحق ہر بار بعد تکلیف بسیار وخرچ کثیر کے اچھا کردیتا ہے چنانچہ حال میں بعد ولادت وصحت کے ہندہ نے اپنی جان بچانے اور ہر بار غم وصدمہ سے بچنے کے لئے عہد کیا کہ اب میں اپنے زوج سے جماع نہ کروں گی تاکہ اسبابِ نطفہ نہ واقع ہو، اور اپنے زوج سے کہا کہ تم کو صبر نہ آوے تو دوسری شادی کرلو اور جو مقدرت نہ ہو تو مجھے نان ونفقہ بھی نہ دو۔ پس شوہر نے کہا کہ اگر شرع شریف تجھ کو اس امر کی اجازت دے تو مضائقہ نہیں میں صبر کرلُوں اور جو شرع اس عہد کی اجازت نہ دے تو میں اپنے حقوق اور منافع اور تیرے حقوق کو تلف ہرگز نہیں کرسکتا لہٰذا تحریر فرمائیں کہ شرعًا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسی صورت میں شوہر ہندہ کے کہنے پر عمل کرسکتا ہے اور دُوسری شادی کرلے اور ہندہ سے جُدا رہے جب تک ہندہ راضی ہو، اور نان نفقہ ہندہ کو بھی ضرور دے اگر ہندہ اس کے یہاں رہے، اور اگر

[1] جدالممتار حاشیہ ردالمحتار باب القسم حاشیہ نمبر المجمع السلامی مبارکپور انڈیا ۲/۴۵۰

ہندہ اپنا نفقہ ساقط کرے تو اختیار کہ نہ دے جب تک ہندہ پھر از سرِ نو مطالبہ پر نہ آئے، اور اگر ہندہ اپنے والدین کے یہاں چلی جائے اور شوہر کے بُلانے پر نہ آئے تو آپ ہی اس کا نفقہ ساقط ہے جب تک واپس نہ آئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۹: از کانپور طلاق محال مطب حکیم نورالدین صاحب مسئولہ عبید اللہ صاحب ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نابالغہ ۱۲ سال کی جو مجامعت کی متحمل نہیں ہوسکتی ہے اس کا ولی اُسے شوہر کے یہاں جانے سے روک سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب بارہ ۱۲ سال کی ہے ضرور متحمل ہوسکتی ہے مگر کسی صورت نادرہ میں کہ بہت کمزور نازک ہو اور مرد دیو قامت قوی الجثّہ کہ واقعی عدم تحمل مظنون ہو، تو اس صورت میں بیشک روک سکتا ہے، اور عند الاختلاف اس کا فیصلہ رائے قاضی سے ہوگا وہ دیکھ کر تجویز کرے گا کہ عورت تحمل کر سکتی یا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

قد صرحواعندنا بان الزوجة اذاکانت صغیرة لا تطیق الوطی لاتسلم الی الزوج حتی تطیقه و الصحیح انه غیر مقدر بالسن بل یفوض الی القاضی بالنظر الیها من سمن اوهزال وقد منا عن التاتر خانیة ان بالغة اذاکانت لاتحمّل لایؤمر بدفعها الی الزوج ایضا فقوله لاتتحمل یشمل مالوکان لضعفها اوهزالها اولکبر ألته[1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تحقیق انہوں نے تصریح فرمائی کہ زوجہ جب صغیرہ ہو اور وطی کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کو شوہر کے حوالے نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ وطی کے قابل نہ ہوجائے، اور صحیح یہ ہے کہ اس میں عمر کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ قاضی کی رائے پر چھوڑا جائے گا کہ وُہ دیکھے کہ زوجہ قوی ہے یا کمزور۔ اور ہم تاتارخانیہ سے سابق میں ذکر کرچکے ہیں کہ حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اور اس کا قول کہ "وہ وطی کی متحمل نہ ہو" ان دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ وُہ عدمِ تحمل چاہے تو عورت کی کمزوری کی وجہ سے یا مرد کے آلہ کی بڑائی کی وجہ سے ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب القسم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۹۹

مسئلہ ۱۱۰: از سوروں ضلع ایٹہ محلّہ ملک زادگان مرسلہ مرزا حامد حسن صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمروایک شخص جس کی ایک لڑکی جوان ہے اور بہت جگہ سے پیغام نسبت کے اُس کے پاس آئے لیکن اس نے سب کو جواب دیااور زید کے لڑکے سے اپنی لڑکی کی نسبت کردی، بعد چند عرصہ کے عمرومذکور نے زید کے لڑکے سے اپنی لڑکی کی نسبت چھڑاکر دوسری جگہ پر یعنی بکر کے لڑکے سے کردی، اب یہ نسبت جوآخر جگہ پر بکر کے لڑکے سے کی گئی ہے درست وجائز ہے یانہیں؟ یاکہ اول عمرو کے لڑکے سے کہ جس کے ساتھ اس نے پہلے نسبت کردی تھی اس کی اجازت اور رضامندی لینا چاہئے، اور اگر عمرو کالڑکا اجازت نہ دے توبکر کے لڑکی کے نکاح میں تو کوئی نقص شرعی باقی نہیں رہا؟ مفصل طور پر جواب مرحمت فرمائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

نسبت صرف ایک اقرار ووعدہ ہے، اور ایک جگہ نسبت کرکے چُھڑالینا خلف وعدہ جس کی تین صورتیں ہیں اگر وعدہ سرے سے صرف زبانی بطور دنیاسازی کیااور اُسی وقت دل میں تھاکہ وفانہ کریں گے توبے ضرورتِ شرعی وحالتِ مجبوری سخت گناہ وحرام ہے ایسے ہی خلافِ وعدہ کو حدیث میں علاماتِ نفاق سے شمار کیا،

کما بیناہ فی رسالتنا انباء الحذاق بمسالک النفاق و ھو محمل مافی الاشباہ من ان خلف الوعدہ حرام[1] الخ۔	جیساکہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ "انباء الحذاق بمسالک النفاق" میں بیان کیا ہے، اور وہ جو اشباہ میں ہے وعدہ خلافی حرام ہے اس کا محمل بھی یہی ہے۔ الخ (ت)

اور اگر وعدہ سچے دل سے کیاپھر کوئی عذر مقبول وسبب معقول پیدا ہواتو وفانہ کرنے میں کچھ حرج کیاادنٰی کراہت بھی نہیں جبکہ اس عذر ومصلحت کو اس وفائے وعدہ کی خوبی وفضیلت پر ترجیح ہو خصوصًا امر نکاح میں کہ عمر بھر کے ساتھ کاسامان اور سخت نازک معاملہ ہے خصوصًا بے چاری شریف زادیوں کے لئے خصوصًا بلادِ ہندوستان میں، پس اگر نسبت کے بعد کوئی حرج ونقصان ظاہر ہو نسبت چھڑالی جائے ورنہ اپنی زبان پالنے کے لئے ایک بے کس بے زبان کو عمر بھر مضرت میں پھنسانا ہوگا خصوصًا جبکہ ضرورت دینی ہو مثلًا معلوم ہواکہ جس سے نسبت قرار پائی رافضی وہابی اور کسی قسم کا بدمذہب ہے کہ اس صورت میں نسبت چُھڑالینا شرعًا لازم۔ **قال تعالٰی:**

[1] الاشباہ والنظائر باب حظر واباحت ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۹

وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ [1]، وللعقیلی عن انس عن النبی صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم لاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم [2]۔	اور اگر تجھے شیطان بُھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس مت بیٹھ۔اور عقیلی میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ نہ اُن کے ہم مجلس بنو نہ کھانے پینے میں ان سے مشارکت کرو نہ ہی ان سے باہمی نکاح کرو۔(ت)

لڑکی والوں کو تولحاظ مصالح واحتراز مفاسد زیادہ اہم ہے لڑکے والے بھی اگر ترک میں مصلحت سمجھیں ترک کردیں، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ضباعہ بنت عامر بن قرط رضی اللہ تعالٰی عنہا کو نکاح کا پیغام دیا انہوں نے قبول کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مصلحت پیش آئی ترک فرمایا۔

فی المواہب وشرحھا للعلامۃ الزرقانی السادسۃ ضباعۃ اسلمت قدیما بمکۃ وھاجرت وکانت من اجمل نساء العرب خطبھا صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلّم الی ابنھا سلمۃ بن ھشام فقال یارسول اﷲ تعالٰی علیك وسلم ماعنك مدفع افاستأمرھا قال نعم فاتاھا فقالت اﷲ افی رسول صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم تستأمرنی انی ابتغی ان احشر مع ازواجہ ارجع الیہ فقل لہ نعم قبل ان یبدو لہ فقیل للنبی صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم انھا کبرت فلما عاد ابنھا وقد اذنت لہ	مواہب اور اس کی شرح زرقانی میں ہے کہ (جن عورتوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیغامِ نکاح بھیجامگر نکاح نہ فرمایا ان میں سے) چھٹی حضرت ضباعہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ہیں وہ ابتدًا ہی مکرمہ میں ایمان لے آئی تھیں پھر انہوں نے ہجرت کی وہ عرب کی حسین ترین عورتوں میں سے تھیں، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے بیٹے سلمہ بن ہشام کو ان کے لئے پیغام نکاح دیا تواس (سلمہ) نے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم !آپ سے کوئی مانع نہیں، کہا میں اس (ضباعہ) سے مشورہ کرلوں؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں (مشورہ کرلو) چنانچہ وُہ ضباعہ کے پاس آیا توانہوں (ضباعہ) نے کہا کہ اللہ سے ڈر، کیارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیتا ہے، میں ان کی ازواج مطہرات کے ساتھ قیامت میں اٹھنا چاہتی ہوں آپ

[1] القرآن الکریم ۶/۶۸

[2] الضعفاء الکبیر للعقیلی ترجمہ احمد بن عمران نمبر ۱۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۲۶

سکت عنہا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم ینکحہا رضی اللہ تعالٰی عنہا[1] ملخصا۔	کی طرف واپس جا اور قبل اس کے آپ کے لئے کوئی نئی بات ظاہر ہو ہاں کہہ دے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ (ضباعہ) عمر رسیدہ ہیں۔ چنانچہ جب ان کا بیٹا واپس آیا اس حال میں کہ انہوں نے نکاح کی اجازت دے دی تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور ان سے نکاح نہ فرمایا اھ ملخصًا (ت)

اور اگر کوئی عذر و مصلحت نہیں بلاوجہ نسبت چھڑائی جاتی ہے تو یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے،

وھو محمل مافی ردالمحتار من ھنا تعلم ان خلف الوعد مکروہ لاحرام وفی الذخیرۃ یکرہ تنزیہا لانہ خلف الوعد ویستحب الوفاء بالعھد[2]۔	اور یہی محمل ہے اس کا جو ردالمحتار میں ہے، یہاں سے تو جان جائے گا کہ وعدہ خلافی مکروہ نہ کہ حرام، اور ذخیرہ میں ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ خلف وعد ہے اور وفاءِ عہد مستحب ہے (ت)

یہ بات اس تقدیر پر بے جا وخلافِ مروّت ہے مگر حرام وگناہ نہیں، حضور پُر نور سیّد العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس الخلف ان یعد الرجل ومن نیتہ ان یفی ولکن الخلف ان یعد الرجل ومن نیتہ ان لایفی[3]۔ رواہ ابو یعلی فی مسند عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	وعدہ خلافی یہ نہیں کہ مرد وعدہ کرے درانحالیکہ اس کی نیّت وعدہ کو پورا کرنے کی ہو، لیکن وعدہ خلافی یہ ہے کہ مرد وعدہ کرے درانحالیکہ اس کی نیت اس وعدہ کو پورا نہ کرنے کی ہو۔ اس کو ابویعلی نے اپنے مسند میں حضرت زید ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ حسن روایت فرمایا۔ (ت)

اس صورت میں یہ کراہت ہی دفع ہوگی کہ پہلے جہاں نسبت کی تھی وُہ بخوشی اجازت دے دیں، یہ تو نسبت چھڑانے کا حکم تھا، رہا دوسری جگہ نکاح کرنا اس میں کسی طرح کوئی خلل نہیں خواہ یہاں تینوں صور مذکورہ سے کوئی صورت واقع ہو کہ نسبت بہر حال صرف وعدہ ہی وعدہ تھی کوئی عقد نہ تھی کہ اب بے موت یا طلاق دوسری جگہ نکاح نہ ہوسکے ہاں جب تک وہاں سے نسبت چھُوٹ نہ جائے دوسروں کو پیام دینے کی ممانعت ہے،

[1] شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ ذکر صفیہ ام المومنین دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۷۰

[2] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۲

[3] کنزالعمال بحوالہ ع عن زید بن ارقم حدیث مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/ ۳۴۷

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایخطب الرجل علی خطبة اخیه حتی ینکح اویترک[1]۔اخرجه الشیخان عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه۔	کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ نکاح کرلے یا چھوڑدے۔ شیخین نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا۔(ت)

یہ جُدا بات ہے مگر نکاح بے نسبت چھڑائے بھی کردیا جائے گا تو نکاح میں کچھ نقص نہیں کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱: موضع علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳رمضان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نسبت یا نکاح کے وقت جو روپیہ لوگ لیتے ہیں حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وُہ روپیہ دینے والا اس لئے دیتا ہے کہ اس کے لالچ سے میرے ساتھ نکاح کردیں جب تو وہ رشوت ہے اس کا دینا لینا سب ناجائز وحرام۔

فی الهندیة انفق علی طمع ان یتزوجها قال الاستاذ قاضی خاں الاصح انه یرجع علیها زوجت نفسها اولم تزوج لانها رشوة[2] اهملخصا۔	ہندیہ میں ہے کہ مرد نے کسی عورت کو اس طمع پر خرچہ دیا کہ وہ اس سے نکاح کرے گی تو امام استاذ (قاضی خاں) نے فرمایا کہ اصح یہی ہے کہ وُہ اس عورت سے واپس لے سکتا ہے وہ عورت اس سے نکاح کرے یا نہ کرے کیونکہ یہ رشوت ہے اھ ملخصًا(ت)

یُوں ہی اگر اولیائے عورت نے کہا کہ اتنا روپیہ ہمیں دے تو تجھ سے نکاح کردیں گے ورنہ نہیں جیساکہ بعض دہقانی جاہلوں میں کفار ہنود سے سیکھ کر رائج ہے تو یہ بھی رشوت وحرام ہے،

فی الهندیة خطب امرأة بیت اخیها فابی ان یدفعها	ہندیہ میں ہے کہ مرد نے کسی عورت کو اس کے بھائی کے گھر

[1] صحیح بخاری باب لایخطب علی خطبه اخیه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۴۰۳

حتی یدفع دراهم فدفع وتزوجها یرجع بمادفع لانها رشوة کذافی القنیة[1]۔	پیغامِ نکاح بھیجا تو اس کے بھائی نے اس شرط پر نکاح دینے کا اظہار کیا کہ وہ اس عورت کے بھائی کو کچھ درہم دے تو اس شخص نے وہ درہم دے دئے تو اس کے بھائی نے اس کا نکاح اس مرد سے کردیا اب وہ درہم واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ رشوت ہے۔ایسے ہی قنیہ میں بھی ہے۔(ت)

اور اگر یہ صورتیں نہیں بلکہ رسم ہے کہ نکاح سے پہلے دُولہا کی طرف سے کچھ روپیہ دُلہن کی طرف جائے جیسے ہمارے بلاد میں گہنا اور جوڑا جاتا ہے جسے چڑھاوا کہتے ہیں، اگر نکاح ہوجائے تو ہوجائے ورنہ وُہ مال واپس دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اور اس کا وہی حکم ہے کہ اگر نکاح ٹھہرے گا تو واپس دیا جائے گا۔

فی الهندیة سئل من علی بن احمد عمن ارسل الی اهل خطیبته دنانیر ثم اتخذواله ثیابا کما هو العادة، ثم بعد ذلك یقول هو نقدتها من المهر هل یکون القول قوله فقال القول قول الباعث، قیل له لودفع الیهم دنانیر فقال انفقوا البعض الی اجرة الحائك والبعض الی ثمن الشاة للشراء والبعض الی الجوزقة کما هو العادة، ثم فعلواذلك فزفت الیه ثم بعد ذلك یدّعی انی بعثت الدنانیر لاجل المهر یقبل قوله قال اذا صرح بالقول لایقبل قوله فی التعیین، وسئل ابوحامد عن رجل خطب لابنه خطیبة وبعث	ہندیہ میں ہے کہ علی بن احمد سے ایسے شخص کے بارے میں پُوچھا گیا جس نے اپنی منگیتر والوں کو کچھ دینار بھیجے پھر انہوں نے حسبِ عادت اس شخص کے لئے کپڑے بنادئے، اب وہ کہتا ہے کہ میں نے دینار مہر میں دئے تھے تو کیا اس کا قول معتبر ہوگا، تو انہوں نے کہا کہ بھیجنے والے کی بات معتبر ہوگی، عرض کی گئی کہ اگر وہ منگیتر والوں کو دینار دے کر کہے کہ اس میں سے کچھ جولاہے کی مزدوری میں خرچ کردو کچھ بکری خرید لو اسکی قیمت میں خرچ کردو اور دیگر رسم ورواج میں حسبِ عادت خرچ کردو، پھر اہلِ مخطوبہ نے ایسا ہی کیا اور وُہ عورت اس کے پاس بھیج دی گئی اب وُہ کہتا ہے کہ میں نے وہ دینار مہر میں بھیجے تھے تو کیا اس کا قول تسلیم کیا جائے گا، آپ نے فرمایا کہ جب اس نے قول کے ساتھ تصریح کردی ہے تو اب تعیین میں اس کا قول معتبر نہ ہوگا۔امام ابوحامد سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الحادی عشر فی المتفرقات کتاب الھبۃ نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۴۰۳

الیھا دراھم ثم مات الاب وطلب سائر الورثۃ لا میراث من ھذا المال المبعوث، فقال ان تمت الوصلۃ بینھما فھو ملك لابنہ وان لم تتم فھو میراث، وان کان الاب حیایرجع الی بیانہ، وسئل والدی عمن بعث الی الخطیبۃ سکرا وجوزاوتمرًا و غیرھا ثم بدالھم فترکوا المعاقدۃ ھل لھذا الخاطب ان یرجع علیھم باسترداد مادفع فقال ان فرق ذلك علی الناس باذن الدافع لیس لہ حق الرجوع وان لم یأذن لہ فی ذٰلك فلہ ذٰلك کذافی التتارخانیۃ[1] اھ قولہ فھو ملك لابنہ **اقول:** انت تعلم ان ھذا یرادعلی العرف فان کان العرف ان یراد بذلك تملیك العروس فھو ملکھا لاملك الزوج کمالایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کے لئے کسی لڑکی سے منگنی کی اور اس لڑکی کو کچھ درہم بھیجے پھر یہ باپ مرگیا تو اس کے وارثوں نے اس مال سے میراث طلب کی جو لڑکی کو بھیجی گئی تھی، توامام ابو حامد نے فرمایا کہ اگر ان دونوں میں تعلق تام ہوگیا ہے تو وُہ مال اس کے بیٹے کی ملک ہوگا، اور اگر تعلق تام نہیں ہوا تو وُہ میراث ہوگا اور اگر باپ زندہ ہو تو اس کے بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور میرے والد سے پُوچھا گیا کہ ایک مرد نے اپنی منگیتر کی طرف شکر، اخروٹ، بادام اور چھوہارے وغیرہ بھیجے پھر مرد والوں کی رائے میں آیا تو انہوں نے عقد ترک کردیا تو اکی اب اس مرد (خاطب) کے لئے جائز ہے کہ وُہ یہ بھیجی ہوئی چیزیں واپس لے، توانہوں نے فرمایا کہ اگر لڑکی والوں نے یہ چیز اس مرد کے کہنے سے لوگوں میں تقسیم کردی ہیں تو وہ واپس لینے کا حق نہیں رکھتا، اور اگر اس نے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی تو واپس لینے کا حق رکھتا ہے، ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے اھ اس کا قول کہ وُہ بیٹے کی ملک ہوگا **اقول:** (میں کہتا ہوں) آپ کو معلوم ہے کہ اس کا دارومدار عرف پر ہے اگر عرف میں اس مراد دلہن کی ملکیت ہوتا ہے تو اس کی ملک ہوگا نہ لڑکے کی، جیسا کہ مخفی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب اختلاف الزوجین فی المھر مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۲۲

بابُ النکاح الثانی

رسالہ
اطائبُ التّھانی فی النّکاح الثّانی ۱۳۱۲ھ
(بیوہ کے نکاح ثانی کے مفصّل احکام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۱۲: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۹ صفر ۱۳۱۲ھ

حمد کے لائق ہے وُہ اک پاک ذات — جس نے پیدا کی یہ ساری ممکنات
اور حبیب اپنے کو بس پیدا کیا — جس سے عالم میں ہوئے نور وضیا

محمد یعقوب علی خاں خلف پیر محمد خاں مرحوم نظامی چشتی قادری خدمت فیض موہب میں عرض پرواز ہے کہ یہ فتوی نوشتہ مولوی عبد الرحیم دہلوی نظرِ احقر سے گزرا، اس کے مضمون سے اکثر ساکنانِ ہند اہلِ اسلام پر گناہ درکنار کفر عائد ہوتا ہے، اس واسطے عبارتِ فتوی خدمت شریف میں روانہ کرکے طالبِ جواب ہُوں کہ تسکین خاطر کی جائے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾[1] (بیشک اللہ تعالٰی احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ت)

[1] القرآن الکریم ۹/۱۲۰

خلاصہ فتوٰی یہ ہے جانو اے مسلمانو! نکاح بیوہ کا ثابت ہے قرآن مجید وحدیث شریف سے،فرمایا اللہ تعالٰی نے : وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ[1] یعنی نکاح کردو بیوہ عورتوں کا۔اور فرمایا حضرت رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے :

النکاح سنّتی فمن رغب عن سنتی فلیس منّی[2]۔	نکاح کرنا میری سنّت ہے اور جس نے منہ پھیرا میرے طریقہ سے یعنی انکار کیا سو وہ مُجھ سے نہیں۔

پس جو لوگ اس سے انکار کریں یا عیب اور بُرا جانیں یا کرنے والوں پر طعن کریں حقیر جانیں ذات سے نکالیں یا نکاح کرنے والوں کو روک دیں نہ کرنے دیں یا ایسی فساد کی بات اٹھائیں جس سے حکمِ خدا اور سنت رسول جاری نہ ہو اور کافروں کی رسم قائم رہے یا جاہلوں کے کہنے سننے کا خیال کرکے خدا اور رسول کا حکم قبول نہ کریں، سو یہ سب قسم کے لوگ کافر ہیں، عورتیں اُنکی نکاح سے باہر ہوجاتی ہیں، نماز روزہ کچھ قبول نہیں، کھانا پینا ان لوگوں کے ساتھ ہرگز درست نہیں جب تک توبہ نہ کریں اس واسطے کہ ان سب صورتوں میں انکارِ حکم خدا اور تحقیر سنت لازم آتی ہے اور یہ ظاہر کفر ہے جیسا کہ تمام کتابوں میں لکھا اور آیت مذکور کی تفسیر میں آیا ہے کہ جو کوئی عیب جانے دوسرے نکاح کو وہ بے ایمان ہے، پس سب مسلمانوں کو واجب ہے کہ جن لوگوں کے گھر میں بیوہ عورت لائق نکاح کے ہو ان کو سمجھادیں اور نصیحت کردیں،اور جو نہ مانیں تو تعزیر دیں،اور جو تعزیر کا قابُو نہ چلے تو اُن کے گھر کا کھانا پینا بولنا سلام علیک کرنا سب چھوڑدیں اور اپنی شادی غمی میں اُن کو نہ بُلائیں اور نہ اُن کے جنازے پر جائیں،اگر ایسا نہ کریں گے تو یہ بھی ان کے ساتھ دنیا وعاقبت کے وبال میں گرفتا ہوں گے،سوائے بھائیوں! نکاح رانڈوں کا کردو،اور جو نہ مانے اس سے ملنا چھوڑدو اور ذات سے ڈال دو نہیں تو تمہارے بھی ایمان جانے کا خوف ہے،مکّہ کے سو اسو بزرگوں نے یہ فتوٰی بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اب بھی جو لوگ نہ مانیں گے دنیا میں بے عزّت اور تباہ ہوجائیں گے اور آخر کو بے ایمان مریں گے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی سال ۱۲۸۸ھ میں عشاء کے وقت ہزار آدمیوں نے دیکھا کہ ایک سُرخی بڑی شدت کی مدینہ مبارک کی طرف نمودار ہُوئی اور بڑی دیر تک رہی پھر تمام آسمان میں پھیل گئی اس ہیبت کی تھی کہ اس کی طرف دیکھا نہ جاتا تھا،مکّہ شریف میں تمام بزرگوں نے فرمایا کہ بڑا بھاری

[1] القرآن الکریم ۲۴/۳۲

[2] صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۵۷، صحیح مسلم کتاب النکاح باب استحباب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۹، سُنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب ماجاء فی فضل النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

غضب نازل ہونے والا ہے، سو ایک بزرگ کو خواب میں الہام ہُوا کہ یہ سُرخی ہندوستان کی بیوہ عورتوں کا خون جمع ہو کر جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فریاد کرنے آیا تھا، سو عنقریب ان مسلمانوں پر غضب آنے والا ہے جلد نکاح کردیں ورنہ بھاری وبا آئے گی اور قحط پڑے گا کہ اکثر یزید کی طرح غارت ہوجائیں گے۔ الٰہی! سب مسلمانوں کو ہدایت کر اور غضب سے بچا، آمین یارب العالمین برحمتك یاارحم الراحمین۔ اللھم ھدایۃ الحق والصواب

الجواب:

اس مسئلہ میں جاہلانِ ہندو ۲ فرقے ہوگئے ہیں: ۱ اہلِ تفریط کہ نکاح بیوہ کو ہنود کی طرح سخت ننگ وعار جانتے اور **معاذ اللہ** حرام سے بھی زائد اس سے پرہیز کرتے ہیں نوجوان لڑکی بیوہ ہوگئی اگرچہ شوہر کا منہ بھی نہ دیکھا ہو اب عمر بھر یونہی ذبح ہوتی رہے ممکن ہے کہ نکاح کا حرف بھی زبان پر نہ لاسکے، اگر ہزار میں ایک آدھ نے خوفِ خدا و ترس روزِ جزا کرکے اپنا دین سنبھالنے کو (کہ حدیث میں آیا:

من تزوج فقد استکمل نصف دینه فلیتق اللہ فی نصف الباقی[1]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم والبیہقی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	جس نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پُورا کرلیا باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے (اس کو کبیر میں امام طبرانی نے اور امام حاکم وبیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ (ت)

نکاح کرلیا اس پر چار طرف سے طعن تشنیع کی بوچھار ہے، بیچاری کو کسی مجلس میں جانا بلکہ اپنے کُنبے میں مُنہ دکھانا دشوار ہے، کل تک فلاں بیگم یا فلاں بانو لقب تھا اب دو خصمی کی پکار ہے **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلیّ العظیم**، یہ بُرا کرتے اور بے شک بہت بُرا کرتے ہیں باتباع کفار ایک بیہودہ رسم ٹھہرالینی پھر اس کی بناپر مباح شرعی پر اعتراض بلکہ بعض صور میں ادائے واجب سے اعراض کسی جہالت اور نہایت خوفناک حالت ہے، پھر حاجت والی جوان عورتیں اگر روکی گئیں اور معاذاللہ بشامتِ نفس کسی گناہ میں مُبتلا ہُوئیں تو اس کا وبال ان روکنے والوں پر پڑے گا کہ یہ اس گناہ کے باعث ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] شعب الایمان عن انس بن مالك حدیث دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۸۳۔ ۳۸۲

مکتوب فی التوراۃ من بلغت لہ ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ فلم یزوجہا فرکبت اثما فاثم ذلك علیہ[1]۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن امیرالمومنین عمر الفاروق وعن انس بن مالك رضی اللہ عنہما بسند صحیح۔	اللہ عزّوجل توراۃ شریف میں فرماتا ہے جس کی بیٹی بارہ ۱۲ برس کی عمر کو پہنچے اور وہ اس کا نکاح نہ کردے اور یہ دختر گناہ میں مبتلا ہو تو اس کا گناہ اس شخص پر ہے (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت امیرالمومنین عمر فاروق اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما بسندِ صحیح روایت فرمایا۔ت)

جب کنواری لڑکیوں کے بارہ میں یہ حکم ہے تو بیاہیوں کا معاملہ تو اور بھی سخت کہ دخترانِ دوشیزہ کو حیاء بھی زائد ہوتی ہے اور گناہ میں تفضیح کا خوف بھی زائد اور خود ابھی اس لذّت سے آگاہ نہیں صرف ایک طبعی طور پر ناواقفانہ خطرات دل میں گزرتے ہیں، اور جب آدمی کسی خواہش کا لطف ایک بار پاچکا تو اب اس کا تقاضا رنگِ دگر پر ہوتا ہے اور ادھر نہ ویسی حیا نہ وُہ خوف واندیشہ۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت بخشے، آمین۔

(۲) دوسرے اہلِ افراط کہ اکثر واعظین وہابیہ وغیرہم جُہّال مُشدّدین ہیں، ان حضرات کی اکثر عادت ہے کہ ایک بیجا کے اٹھانے کو دس۱۰ بیجا اس سے بڑھ کر آپ کریں، دوسرے کو خندق سے بچانا چاہیں اور آپ عمیق کنویں میں گری، مسلمانوں کو وجہ بے وجہ کافر مشرک بے ایمان ٹھہرادینا تو کوئی بات ہی نہیں، ان صاحبوں نے نکاح بیوہ کو گویا علی الاطلاق واجب قطعی وفرض حتمی قرار دے رکھا ہے کہ ضرورت ہو یا نہ ہو بلکہ شرعًا اجازت ہو یا نہ ہو بے نکاح کئے ہرگز نہ رہے اور نہ صرف فرض بلکہ گویا عین ایمان ہے کہ ذرا کسی بناء پر انکار کیا اور ایمان گیا اور ساتھ لگے آئے گئے پاس پڑوسی سب ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے کہ کیوں پیچھے پڑ کر نکاح نہ کردیا اور اگر بس نہ تھا تو پاس کیوں گئے، بات کیوں کی، سلام کیوں لیا، بات بات پر عورتیں نکاح سے باہر جنازہ کی نماز حرام، تمام کفر کے احکام، **ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم**۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ہلك المتنطعون[2]۔ رواہ الائمۃ احمد ومسلم وابو داؤد عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہلاک ہوئے بے جا تشدّد کرنے والے (اس کو امام احمد، امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

[1] شعب الایمان حدیث ۸۶۷۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۴۰۲

[2] صحیح مسلم کتاب العلم باب النہی اتباع متشابہ القرآن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۹

وانا اقول: وباللّٰہ التوفیق (اور میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ت) حق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نکاح ثانی مثل نکاح اول فرض، واجب، سنّت، مباح، مکروہ، حرام سب کچھ ہے صور واحکام کی تفصیل سُنیے:

(۱) جس عورت کو اپنے نفس سے خوف ہو کہ غالبًا اس سے شوہر کی اطاعت اور اُس کے حقوق واجبہ کی ادانہ ہوسکے گی اسے نکاح ممنوع وناجائز ہے اگر کرے گی گنہگار ہوگی، یہ صورت کراہت تحریمی کی ہے۔

(۲) اگر یہ خوف مرتبہ ظن سے تجاوز کرکے یقین تک پہنچا جب تو اُسے نکاح حرام قطعی ہے۔

حکم ایسی عورتوں کو نکاح اول خواہ ثانی کی ترغیب ہرگز نہیں دے سکتے بلکہ ترغیب دینی خود خلاف شرع ومعصیت ہے کہ گناہ کا حکم دینا ہوگا یہ عورتیں یا ان کے اولیاء اگر نکاح سے انکار کرتے ہیں انہیں انکار سے پھیرنے والا جاہل ومخالفِ شرع۔

(۳) جنہیں اپنے نفس سے ایسا خوف نہ ہو انہیں اگر نکاح کی حاجت شدید ہے کہ بے نکاح کے معاذاللہ گناہ میں مبتلا ہونے کا ظن غالب ہے تو ایسی عورتوں کو نکاح کرنا واجب ہے۔

(۴) بلکہ بے نکاح معاذاللہ وقوع حرام کا یقین کُلی ہو تو اُنہیں فرض قطعی یعنی جبکہ اُس کے سوا کثرت روزہ وغیرہ معالجات سے تسکین متوقع نہ ہو ورنہ خاص نکاح فرض وواجب نہ ہوگا بلکہ دفع گناہ جس طریقہ سے ہو۔

حکم ایسی عورتوں کو بیشک نکاح پر جبر کیا جائے اگر خود نہ کریں گی وُہ گنہگار ہوں گی، اور اگر ان کے اولیاء اپنے حدِ مقدور تک کوشش میں پہلو تہی کریں گے تو وُہ بھی گنہگار ہوں گے، ایسی جگہ ترک وانکار پر بیشک انکار کیا جائے مگر کتنا، صرف اتنا جو ترکِ واجب وفرض پر ہوسکتا ہے، نہ یہ جاہلانہ جبروتی حکم کہ جو انکار کرے کافر، جو روک دے کافر، جو نہ کرنے دے کافر، فرائض ادا کرنے یا اُنکی ادا سے باز رکھنے پر آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک ایسے فرض کی فرضیت کا منکر نہ ہو جس کا فرض ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، پھر ترک واجب وفرج پر جس قدر انکار وتشدّد کرسکتے ہیں وہ بھی یہاں اس وقت روا ہوگا جب معلوم ہو کہ اس عورت سے اطاعت وادائے حقوق واجبہ شوہر کا ترک متیقن یا مظنون نہیں کہ ایسی حالت مین تو فرضیت ووجوب درکنار عدمِ جواز و حرمت کا حکم ہے، پھر یہ بھی ثابت ہو کہ اس عورت کی حالتِ حاجت اس حد تک ہے کہ نکاح نہ کرے گی تو گناہ میں مبتلا ہوجانے کا یقین یا ظن غالب ہے کہ بغیر اس کے وجوب اصلاً نہیں، اور جب کسی خاص عورت کے حق میں یہ امور بروجہ شرعی ثابت نہ ہوں تو مسلمان پر بدگمانی خود حرام، اور محض اپنے خیالات پر تارک فرض و واجب ٹھہرادینا بیباک کا کام، پھر امر حاجت میں عورت کا اپنا بیان مقبول ہوگا کہ حاجت نکاح امر خفی و وجدانی ہے جس پر خود صاحبِ حاجت ہی

کو ٹھیک اطلاع ہوتی ہے جب وُہ بیان کرے کہ مجھے ایسی حاجت نہیں تو خواہی نخواہی اس کی تکذیب کی طرف کوئی راہ نہیں ہوسکتی عُمر وغیرہ کامظنہ سب جگہ ایک سا نہیں ہوتا مزاج، عقل، حیا، خوف، اشغال، احوال، ہموم، افکار، صحبت، اطوار صدہا اختلافوں سے مختلف ہوجاتا ہے جس کی تفصیل اہلِ عقل وتجارب پر خوب روشن ہے، درمختار میں ہے :

یکون واجبا عند التوقان(المراد شدۃ الاشتیاق کما فی الزیلعی بحیث یخاف الوقوع فی الزنا لولم یتزوج اذلایلزم من الاشتیاق الی الجماع الخوف المذکور، بحر)فان تیقن الزنا الابه فرض، نهایة(ای بان کان لایمکنه الاحتراز من الزنا الّابه لان مالایتوصل الی ترك الحرام الابه یکون فرضابحر، وقوله لایمکنه الاحتراز الابه ظاھر فی فرض المسألة فی عدم قدرته علی الصوم المانع من الوقوع فی الزنا فلو قدر علی شیئ من ذٰلك لم یبق النکاح فرضا، او واجبا عینا بل هو أوغیرہ مما یمنعه من الوقوع فی المحرم)وهذا ان ملك المهر والنفقة والافلااثم بترکه بدائع (هذا الشرط اثم الی القسمین اعنی الواجب والفرض وزاد فی البحر شرطاً اٰخر فیهما وهو عدم خوف الجور ای الظلم قال فان تعارض خوف الوقوع فی الزنا لو لم یتزوج وخوف	اور غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہوتا ہے(اس سے مراد بقول امام زیلعی کے ایسا شدید اشتیاقِ جماع ہے کہ اگر نکاح نہ کرے گا تو وقوعِ زنا کا خوف ہے کیونکہ محض اشتیاقِ جماع کو خوف مذکور لازم نہیں، بحر) پس اگر نکاح کے بغیر زنا یقینی ہو تو نکاح فرض ہے، نہایہ (یعنی نکاح کے بغیر زنا سے بچنا ممکن نہ ہو کیونکہ جس کے بغیر ترک حرام رسائی نہ ہو وہ فرض ہوتا احتراز ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ مسئلہ کی وُہ صورت فرض کی گئی ہے جس میں نلح روزے رکھنے پر قادر نہ ہو جو کہ زنا سے مانع ہیں لہذا اگر وہ روزے رکھنے پر قادر ہو تو نکاح فرض یا واجب عین نہ ہوگا بلکہ اسے اختیار ہوگا کہ نکاح کرے یا حرام یعنی زنا سے بچنے کا کوئی اور طریقہ اپنائے) اور یہ وجوب وفرضیتِ نکاح اس صورت میں ہے جب وُہ مہر ونفقہ پر قادر ہو ورنہ ترک نکاح میں گناہ نہیں، بدائع (یہ شرط دونوں قسموں یعنی نکاح واجب وفرض کی طرف راجح ہے۔ بحر میں ان دونوں قسموں میں ایک اور شرط کا اضافہ فرمایا ہے اور وُہ یہ ہے کہ جور وظلم کا ڈر نہ ہو، صاحبِ بحر نے فرمایا کہ عدمِ نکاح کی صورت میں خوفِ زنا نکاح کی صورت میں جور وظلم کے خوف سے متعارض ہو

الجور لو تزوج قدم الثانی افتراض بل یکرہ افادہ الکمال فی الفتح ولعله لان الجور معصیة متعلقة بالعبادوالمنع من الزنا من حقوق اللہتعالٰی وحق العبد مقدم عند التعارض لاحتیاجه وغنی المولٰی تعالٰی اھ)ویکون مکروھا(ای تحریما،بحر)لخوف الجور فان تیقنه(ای الجور)حرم [1] اھ ملخصا مزید امن ردالمحتار مابین الخطین۔**اقول**: ویؤید تعلیل البحر حدیث ابن ابی الدنیا وابی الشیخ عن جابر بن عبداللہ وابی سعید الخدری رضی اللہتعالٰی عنهم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ایاکم والغیبة فان الغیبة اشد من الزنا ان الرجل قدیزنی ویتوب فیتوب اللہعلیه وان صاحب الغیبة لایغفرله حتی یغفرله صاحبه [2]۔	تو ثانی کا اعتبار مقدم و راجح ہوگا چنانچہ اس صورت میں نکاح فرض نہیں بلکہ مکروہ ہوگا، کمال نے فتح میں اس کاافادہ فرمایا، شاید خوفِ جور کو خوفِ زنا پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہو کہ جَور و ظلم ایسا گناہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور زنا سے باز رہنا حقوق اللہ سے ہے اور حق عبد بوقت تعارض حق اللہ پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ عبد محتاج ہے اور مولٰی تعالٰی غنی ہے اھ) اور اس صورت میں نکاح مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہوگا جبکہ ظلم کا خوف ہو اور اگر ظلم کا یقین ہو تو حرام ہے۔ قوسین میں زائد عبارتیں ردالمحتار سے لی گئی ہیں، **اقول**: (میں کہتا ہوں کہ) بحر کی بیان کردہ علت کی تائید کرتی ہے ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ کی وُہ حدیث جس کو حضرت جابر بن عبداللہاور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہتعالٰی عنہم نے نبی کریم صلی اللہتعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا کہ غیبت سے بچو کیونکہ غیبت زناء سے سخت تر ہے، اس لئے کہ آدمی زناء کرتا ہے اور توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، اور غیبت کرنے والے کی مغفرت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی (ت)

(۵) اگر حاجت کی حالت اعتدال پر ہو یعنی نہ نکاح سے بالکل بے پروائی نہ اس شدّت کا شوق کہ بے نکاح وقوعِ گناہ کا ظن بالیقین ہو ایسی حالت میں نکاح سنّت ہے مگر بشرطیکہ عورت اپنے نفس پر اطمینان کافی رکھتی ہو کہ مجھ سے ترک اطاعت اور حقوقِ شوہر کی اضاعت اصلاً واقع نہ ہو گی۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵، ردالمحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۱۔۲۶۰

[2] جامع الاحادیث للسیوطی قسم الاقوال حدیث ۹۳۱۰ دارالفکر بیروت ۳/۳۹۰

(٦) اگر ذرا بھی اس کا اندیشہ ہو تو اس کے حق میں نکاح سنّت نہ رہے گا صرف مباح ہوگا بشرطیکہ اندیشہ حدِ ظن تک نہ پہنچے ورنہ اباحت جداسرے سے ممنوع و ناجائز ہو جائے گا **کما سبق** (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) درمختار میں ہے:

یکون سنة مؤکدة فیاثم بترکه(مع الاصرار)حال الاعتدال(ای الاعتدال فی التوقان ان لایکون بالمعنی المارّفی الواجب والفرض وھو شدّة الاشتیاق وان لایکون فی غایة الفتور کالعنین ولذا فسره فی شرحه علی الملتقٰی بان یکون بین الفتور والشوق وفی البحروالمراد حاله عدم الخوف من الجور وترك الفرائض والسنن فلو خاف فلیس معتدلا فلایکون سنة فی حقه کما افاده فی البدائع،وترك الشارح قسما سادسا ذکره فی البحرعن المجتبٰی وھوالاباحة ان خاف العجز عن الایفاء بمواجبه اھ ای خوفا غیر راجح والاکان مکروھا تحریما لان عدم الجور من مواجبه [1] اھ ملتقطا مزیدا من ابن عابدین۔	اور حال اعتدال میں نکاح سنّتِ مؤکدہ ہوتا ہے جس کے (باصرار) ترک پر گناہ لازم ہوتا ہے (اعتدال سے مراد یہ ہے کہ غلبہ شہوت اس حد تک پہنچا ہوا نہ ہو جیسا کہ نکاح واجب وفرض میں گزرا یعنی جماع کا اشتیاق شدید اور نہ ہی انتہائی طور پر کمزور اور قاصر ہو جیسا کہ عنین۔اسی واسطے شرح منتقٰی میں اس کی تفسیر یُوں فرمائی کہ وُہ فتور اور شوق کے درمیان ہو۔بحر میں ہے کہ اس سے مراد آدمی کا وہ حال ہے جس میں اسے ظلم، ترک فرائض اور ترک سُنن کا خوف نہ ہو، اور اگر اسے ان امور کا خوف ہے تو وہ معتدل نہیں، لہٰذا اس کے لئے نکاح سنت نہیں ہوگا جیسا کہ بدائع میں اس کا افادہ فرمایا، اور شارح نے نکاح کی چھٹی قسم کا ذکر نہیں فرمایا جس کو بحر مجتبٰی سے ذکر کیا اور وُہ ہے نکاح کا مباح ہونا جبکہ لوازمِ نکاح راجح نہ ہو ورنہ مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ عدمِ جور لوازمِ نکاح میں سے ہے اھ ملتقطا__ زائد عبارتیں ابن عابدین سے لی گئی ہیں۔ (ت)

حکم بحالت سنیت بیشک نکاح کی ترغیب بتاکید کی جائے اور اس سے انکار پر سخت اعتراض پہنچتا ہے اسی قدر جتنا ترک سنت پر چاہئے اور درصورت اباحت نہ نکاح پر اصلا جبر کا اختیار نہ اس سے انکار پر کچھ اعتراض وانکار کہ مباح وشرع مطہر نے مکلّف کی مرضی پر چھوڑا ہے چاہے کرے یا نہ کرے، پھر انصاف

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۵، ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۱

کی میزان ہاتھ میں لیجئے تو عورتوں کے حق میں سنیت نکاح بھی بہت ندرت سے ثابت ہوگی، ہزار میں ایک ہی ایسی نکلے گی جس کے لئے سنت کہہ سکیں، کیا کسی عورت کی نسبت خود وُہ یا اس کے اولیاء یا یہ تشدد والے حضرات پورے طور پر ضامن ہو جائیں گے کہ اس سے نافرمانی شوہر یا اس کے کسی حق میں ادنٰی تقصیر واقع ہونے کا اصلاً اندیشہ نہیں، ایسی بے معنی ضمانت وہی کرسکتا ہے جسے نہ مردوں کے حقوق عظیمہ پر اطلاع، نہ عورات کی عادات ونقصان عقل ودین پر وقوف کیا، **حدیث** صحیح میں حضورپُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد سُنا کہ:

رأیت النار فلم ارکالیوم منظر اقط افظع ورأیت اکثر اھلھا النساء	میں نے دوزخ ملاحظہ فرمائی تو آج کی برابر کوئی چیز سخت وشنیع نہ دیکھی اور میں نے اہلِ دوزخ میں عورتیں زیادہ دیکھیں۔

فقالو! یارسول اللہ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ یعنی حضور! اس کا کیا سبب ہے؟ **قال بکفر ھن** فرمایا ان کے کفر کے باعث۔ **قیل یکفرن باللہ** عرض کی گئی کیا اللہ عزّوجل سے کفر کرتی ہیں؟ **قال یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان** فرمایا شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتی ہیں **لو احسنت الی احدٰھن الدھر ثم رأت منك شیئًا قالت مارأیت منك خیراقط**[1] اگر تو ان میں سے کسی کے ساتھ عمر بھر احسان کرے پھر ذرا سی بات خلافِ مزاج تجھ سے دیکھے تو کہے میں نے کبھی تجھ سے کوئی بھلائی نہ دیکھی **رواہ الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما** (اس کو شیخین نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان المرأۃ خلقت من ضلع اعوج لن تستقیم لك علی طریقۃ فان استمتعت بھا وبھا عوج وان ذھبت تقیمھا کسرتھا وکسرھا طلاقھا[2]۔ رواہ مسلم و الترمذی عن ابی ھریرۃ ونحوہ	عورت ٹیڑھی پسلی سے بنی ہے ہرگز سی راہ پر تیرے لئے سیدھی نہ ہوگی، اگر تُو اس سے نفع لے تو اس کی کجی کے ساتھ نفع لے اور سیدھا کرنے چلے تو توڑ دے، اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے (اس کو امام مسلم وترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

[1] صحیح بخاری باب صلٰوۃ الکسوف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۴، صحیح مسلم باب صلٰوۃ الکسوف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۸

[2] صحیح مسلم باب الوصیۃ بالنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۵

احمد ابن حبان والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تعالٰی عنہ سے اور اس کی مثل کو امام احمد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

حاصل یہ کہ پسلی ٹوٹ جائے گی مگر سیدھی نہ ہوگی، عورت بھی بائیں پسلی سے بنی ہے نہ نبھے تو طلاق دے دے مگر ہر طرح موافق آئے یہ مشکل ہے۔

حدیث ۳: ایک بی بی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! میں عورتوں کی فرستادہ ہوں، حضور کی بارگاہ میں جن عورتوں کو خبر ہے اور جنہیں خبر نہیں سب میری اس حاضری کی خواہاں ہیں، اللہ عزوجل مردوں عورتوں سب کا پردگار ہے اور حضور مردوں عورتوں سب کی طرف اس کے رسول، اللہ عزوجل نے مردوں پر جہاد فرض کیا کہ فتح پائیں تو دولتمند ہوجائیں اور شہید ہوں تو اپنے رب کے پاس زندہ رہیں رزق پائیں اور ہم عورتیں اُن کے کاموں کا انتظام کرنے والیاں ہیں تو ہمارے لئے وُہ وہ کون سی طاعت ہے جو ثواب میں جہاد کے برابر ہو۔فرمایا:

طاعۃ ازواجھن بحقوقھم وقلیل منکن من یفعلہ[1]۔ رواہ البزار والطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	شوہروں کی اطاعت اور اُن کے حق پہچاننا اور اس کی کرنے والیاں تم میں تھوڑی ہیں(اس کو بزار اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۴: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

حاملات والدات مرضعات رحیمات باولادھن لولا ما یأتین الٰی ازواجھن لدخل مصلیا تھن الجنۃ[2]۔ اخرجہ الامام احمد وابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر	حمل کی سختیاں اٹھانے والیاں، دُودھ پلانے والیاں، جننے کی تکلیف جھیلنے والیاں، اپنے بچوں پر مہربانیں، اگر نہ ہوتی وُہ تقصیر جو اپنے شوہروں کے ساتھ کرتی ہیں تو ان کی نماز والیاں سیدھی جنّت میں

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی حق المرأۃ علی الزوج دارالکتاب بیروت ۳۰۶/۴، مصنف عبدالرزاق حدیث حبیب الرحمٰن الاعظمی بیروت ۴۶۳/۸

[2] المعجم الکبیر حدیث المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳۰۲/۸، مسند امام احمد دارالفکر بیروت ۲۵۲/۵

والحاکم فی المستدرك عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جائیں (اس کو امام احمد، ابن ماجہ، کبیر میں طبرانی نے اور مستدرک میں حاکم نے حضرت ابوامام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

تو سنّیت در کنار اکثر عورتوں کے لئے حدیث اباحت ہی ثابت رہے یہی بڑی بات ہے پھر اُن کے انکار پر اعتراض اور نکاح پر اصرار کی کیا سبیل نہ کہ اعتراض بھی معاذاللہ تاحد اکفار اور اصرار بھی ہم پہلوئے اکراہ واجبار، وللہذا احادیث میں وارد کہ حقوقِ شوہر اور ان کی شدّت سُن کر متعدد بیبیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے عمر بھر نکاح نہ کرنے کا عہد کیا اور حضور پُرنور صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا مگر جاہل واعظین خصوصًا وہابیہ ہمیشہ خدا و رسول سے بڑھ کر چلا چاہتے ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۱: ایک زن خثعمیہ نے خدمت اقدسِ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! حضور مجھے سُنائیں کہ شوہر کا حق عورت پر کیا ہے کہ میں زنِ بے شوہر ہوں اُس کے ادا کی اپنے طاقت دیکھوں تو نکاح کروں ورنہ یوں ہی بیٹھی رہوں، فرمایا:

فان حق الزوج علی الزوجة ان سألها نفسها وهی علی ظهر بغیران لاتمنعه نفسها ومن حق الزوج علی الزوجة ان لاتصوم تطوعا الاباذنه فان فعلت جاعت وعطشت ولایقبل منها ولاتخرج من بیتها الاباذنه فان فعلت لعنتها ملئكة السماء وملئكة الارض وملئكة الرحمة وملئكة العذاب حتی ترجع۔	تو بیشک شوہر کا حق زوجہ پر یہ ہے کہ عورت کجاوہ پر بیٹھی ہو اور مرد اُسی سواری پر اس سے نزدیکی چاہے تو انکار نہ کرے، اور مرد کا حق عورت پر یہ ہے کہ اس کے بے اجازت کے نفل روزہ نہ رکھے اگر رکھے گی تو عبث بُھوکی پیاسی رہی روزہ قبول نہ وہوگا اور گھر سے بے اذن شوہر کہیں نہ جائے اگر جائے گی توآسمان کے فرشتے، زمین کے فرشتے، رحمت کے فرشتے، عذات کے فرشتے سب اُس پر لعنت کرینگے جب تک پلٹ کرآئے۔

یہ ارشاد سُن کر بی بی نے عرض کی: لاجرم لاتزوج ابدا[1] ٹھیک یہ ہے کہ نکاح نہ کرونگی رواہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما (اس کو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار باب حق الزوج علی المرأة مؤسسة الرسالہ بیروت ۲/ ۱۷۷، مجمع الزوائد باب حق الزوج علی المرأة دار الکتاب بیروت ۴/ ۳۰۷۔۳۰۶

تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲: ایک بی بی نے دربارِ دُربار سیّد الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: میں فلاں دخترِ فلاں ہوں۔ فرمایا: میں نے تجھے پہچانا اپنا کام بتا۔ عرض کی: مجھے اپنے چچا کے بیٹے فلاں عابد سے کام ہے۔ فرمایا: میں نے اُسے بھی پہچانا یعنی مطلب کہہ۔ عرض کی؛ اس نے مجھے پیام دیا ہے۔ تو حضور ارشاد فرمائیں کہ شوہر کا حق عورت پر کیا ہے اگر وُہ کوئی چیز قابو کی ہو تو میں اُس سے نکاح کرلوں۔ فرمایا:

من حقه لوسال منخراه دما او قیحا فلحسته بلسانها ما ادت حقه لوکان ینبغی لبشران یسجد لبشر لامرت المرأة ان تسجد لزوجها اذادخل علیها بما فضله الله علیها۔	مرد کے حق کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اگر اس کے دونوں نتھنے خون یا پیپ سے بہتے ہوں اور عورت اُسے اپنی زبان سے چاٹے تو شوہر کے حق سے ادا نہ ہوئی اگر آدمی کا آدمی کو سجدہ روا ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ مرد جب باہر سے آئے اس کے سامنے آئے اسے سجدہ کرے کہ خدا نے مرد کو فضیلت ہی ایسی دی ہے۔

یہ ارشاد سُن کر وُہ بی بی بولیں:

والذی بعثك بالحق لاا تزوج مابقیت الدنیا۔[1] رواه البزار والحاکم عن ابی ہریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں رہتی دنیا تک نکاح کا نام نہ لوں گی (اسکو بزار اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

حدیث ۳: ایک صاحب اپنی صاحبزادی کو لے کر درگاہِ عالم پناہ حضور سیّد العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی: میری یہ بیٹی نکاح کرنے سے انکار رکھتی ہے حضور صلوات اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: "**اطیعی اباک**" اپنے باپ کا حکم مان۔ اُس لڑکی نے عرض کی: قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں نکاح نہ کروں گی جب تک حضور یہ نہ بتائیں کہ خاوند کا حق عورت پر کیا ہے۔ فرمایا:

---

[1] مستدرك کتاب النکاح باب حق الزوج علی الزوجة دارالفکر بیروت ۱۸۹/۲، کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث موسسة الرسالہ بیروت ۱۷۸/۲

حق الزوج علی زوجته لوکانت به قرحة فلحستها او انتثر منخراه صدیدا او دما ثم ابتلعته ماادت حقه۔	شوہر کا حق عورت پر یہ ہے اگر اس کے کوئی پھوڑا ہو عورت اسے چاٹ کر صاف کرے یا اس کے نتھنوں سے پیپ یا خون نکلے عورت اسے نگل لے تو مرد کے حق سے ادا نہ ہوئی۔

اس لڑکی نے عرض کی:

والذی بعثك بالحق لا اتزوج ابدا۔	قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں کبھی شادی نہ کروں گی۔

حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتنکحوھن الاباذنھن[1] رواہ البزار وابن حبان فی صحیحه عن ابی سعید الخدر رضی اللہ تعالٰی عنه۔	"عورتوں کا نکاح نہ کرو جب تک ان کی مرضی نہ ہو"۔ اس کو بزار اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

امام حافظ زکی الملۃ والدّین عبد العظیم منذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند جیّد اور اس کے سب راوی ثقات مشہورین ہیں انتھی، سبحان اللہ اس حدیث جلیل کو دیکھئے دختر ناکتخدا کو نکاح سے انکار، باپ کو اصرار، باپ حضور کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہیں، صاحبزادی عین دربار اقدس میں قسم کھاتی ہیں کہ کبھی نکاح نہ کروں گی۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ اس انکار کرنے والی پر ناراض ہوتے ہیں نہ اعتراض کرتے ہیں بلکہ اولیاء کو ہدایت فرماتے ہیں کہ جب تک ان کی مرضی نہ ہو ان کا نکاح نہ کرو، کہاں یہ ارشادِ ہدایت بنیاد کہاں وُہ جبروتی حکم زبردستی کا ظلم کہ اگرچہ ایک بار نکاح ہوچکا اب بیوہ ہوگئی، اور دوبارہ نکاح پر جبر کرو اور پھر بیوہ ہو تو پھر سہ بارہ گلا دباؤ اگر مان لے تو خیر، اور انکار کرے تو کافرہ ہوگئی، اور ساتھ لگے اولیا کی بھی خیر نہیں اگر وُہ خواہ مخواہ نکاح نہ کردیں تو اُن پر بھی معاذاللہ اللہ عزوجل کا غضب ٹوٹے عیاذًا باللہ یزید پلید کی طرح غارت ہوں، مرتے وقت ایمان جانے کا اندیشہ، مزہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک ایک حکم شریعت مطہرہ کا اُنہوں نے چھوڑا دوسرے حکم فرض قطعی کے ترک کی یہ مسلمانوں کو تاکید کرتے ہیں کہ وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو، حالانکہ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصّلوٰۃ واجبة علیکم علی کل مسلم یموت	ہر مسلمان کے جنازہ کی نماز تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۷۸/۲

براكان او فاجرا وان هو عمل الكبائر [1]۔ اخرجه ابو داؤد ابويعلى والبيهقى فى سننه عن ابى هريرة رضى الله تعالٰى عنه بسند صحيح علٰى اصولنا معشر الحنفية۔	چاہے اُس نے کتنے ہی گناہ کبیرہ کئے ہوں (اس کو امام ابوداؤد، ابویعلی اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایسی سند کے ساتھ روایت فرمایا جو ہمارے یعنی احناف کے اصول کے مطابق صحیح ہے۔ ت)

دوسری **حدیث** میں ہے، مولائے دوجہاں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلو على كل ميّت [2]۔ اخرجه ابن ماجة عن واثلة والد ابى الطفيل رضى الله تعالٰى عنهما۔	ہر (مسلمان) میت کی نماز جنازہ پڑھو۔ (اس کو ابن ماجہ نے واثلہ والدِ ابی الطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

تیسری **حدیث** میں ہے حضور سیّد عالم مولائے اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلوا على من قال لااله الاالله [3]۔ اخرجه ابوالقاسم الطبرانى فى معجمه الكبير ابونعيم فى حلية الاولياء عن عبدالله ابن الفاروق رضى الله تعالٰى عنهم۔	جس نے لاالٰہ الّا اللہ پڑھا اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ اس کو ابو القاسم طبرانی نے اپنی معجم کبیر اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ ابن فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا۔ (ت)

معاذاللہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احکام کو پس پشت ڈالنا اور اپنی طرف سے نئی شریعت نکالنا بیوہ کے نکاح کرنے سے لاکھ درجے بدتر ہے۔ جبھی تو کہا تھا کہ یہ حضرات اور کو خندق سے بچائیں اور خود گہرے کنویں میں گرجائیں **ولاحول ولاقوة الّا بالله العلى العظيم۔**

بالجملہ عندالتحقیق عامہ زنان خصوصًا زنانِ زمان کے حق میں غایت درجہ حکم اباحت ہے اور مباح سے انکار پر اصلًا مواخذہ نہیں خصوصًا جب اس کے ساتھ اور کوئی مصلحت بھی ترک نکاح پر داعی ہو۔ صحیح **حدیث** میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب خواہر

---

[1] سُنن ابوداؤد کتاب الجهاد باب فى الغزو مع ائمة الجور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۳، السنن الکبرٰی باب الصّلوٰة حلف من لایحمد فعله دارصادر بیروت ۳/ ۱۲۱

[2] سنن ابن ماجه ابواب الجنائز باب فى الصلوٰة على اہل القبلہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۰

[3] المعجم الکبیر حدیث مروی از عبداللہ ابن عمر المکتبة الفیصلیه بیروت ۱۲/ ۴۴۷

امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو پیامِ نکاح دیا، عرض کی:

امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو پیامِ نکاح دیا، عرض کی: مابی عنك رغبة یارسول اللہ ولکن لا احب ان اتزوج وبنی صغار۔	یارسول اللہ! کچھ حضور سے مجھے بے رغبتی تو ہے نہیں مگر مجھے یہ نہیں بھاتا کہ میں نکاح کروں اور میرے بچّے چھوٹے چھوٹے ہیں۔

سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناہ علی طفل فی صغرہ وارعاہ علی بعل فی ذات یدہ[1]۔ رواہ الطبرانی عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا برجال ثقات، قالت خطبنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلت فذکرہ۔	عرب کی تمام عورتوں میں بہتر زنانِ قریش ہیں اپنے بچّہ پر اس کے بچپن میں سب سے زیادہ مہربان اور خاوند کے مال کی سب سے زیادہ نگاہ رکھنے والیاں۔ (اس کو طبرانی نے حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ثقہ راویوں پر مشتمل سند کے ذریعہ روایت کیا، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے عرض کی، اور آگے حدیث مذکورہ کو ذکر کیا۔ت)

دوسری صحیح **حدیث** میں ہے، جب حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے انہیں پیام دیا، یوں عرض کی:

یارسول اللہ لانت احب الی من سمعی وبصری وحق الزوج عظیم فاخشٰی ان اضیع حق الزوج[2] ملخصًا۔ اخرجہ ابن سعد بسند صحیح عن الشعبی مرسلا۔	یارسول اللہ! بیشک حضور مجھے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں سے زیادہ پیارے ہیں اور شوہر کا حق بڑا ہے میں ڈرتی ہوں کہ حق شوہر مجھ سے فوت نہ ہو، ملخصًا۔ (اس کو ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ شعبی سے مرسلًا روایت فرمایا۔ت)

تیسری **حدیث** میں ہے:

فخطبہا الی نفسہا فقالت کیف بہذا ضجیعا وہذا رضیعا لولدین بین یدیہا[3]۔	جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے نکاح کے لئے فرمایا اپنے دو بچّوں کی طرف کہ سامنے موجود تھے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۶۷ مروی از امّ ہانی رضی اللہ عنہا المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۴/۴۳۷

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد باب ذکر من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من النساء دارصادر بیروت ۳/۱۵۲

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد باب ذکر من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من النساء دارصادر بیروت ۳/۱۵۲

رواہ عن ابی نوفل بن عقرب ایضامرسلا۔	اشارہ کرکے عرض کی یہ دودھ پیتی اور یہ ساتھ سونے کو بہت ہے۔(اس کو بھی ابن سعد نے ابو نوفل بن عقرب سے مرسلًا روایت کیا۔ت)

امّ المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اوّل حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بیوہ ہُوئیں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُنہیں پیغامِ نکاح کردیا، انکار کردیا، پھر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پیام دیا انکار کردیا، پھر حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیام دیا، عرض کی:

انی امرأۃ غیری وانی امرأۃ مصیبۃ ولیس احد من اولیائی شاھدا۔	میں رشک ناک عورت ہوں (یعنی ازواج مطہرات سے شکر رنجی کا خیال ہے) اور عیالدار ہوں اور میرا کوئی ولی حاضر نہیں۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے عذروں پر کچھ عتاب نہ فرمایا نہ یہ ارشاد ہوا کہ تم سنت سے منکر ہوتی ہو تم پر شرعی الزام ہے، بلکہ عذر سن کر اُن کے علاج وجواب ارشاد فرمادئے کہ تمہارے رشک کے لئے ہم دُعا فرمائیں گے اللہ تعالٰی اسے دور کردے (چنانچہ ایسا ہی ہوا ام المومنین ام سلمہ باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالٰی عنہن کے ساتھ اس طرح رہتی تھیں گویا یہ ازواج ہی نہیں صلی اللہ تعالٰی علی بعلھن وعلیھن وبارك وسلم اور تمہارے بچّے اللہ و رسول کے سپرد ہیں اور تمہارا کوئی ولی حاضر غائب میرے ساتھ نکاح کو ناپسند نہ کرے گا[1] رواہ احمد والنسائی عنھا رضی اللہ تعالٰی عنھا بسند صحیح (اس کو امام احمد اور نسائی وغیرہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت کیا۔ت)

ابن ابی عاصم روایتوں میں ہے منجملہ عذروں کے یہ بھی عرض کی کہ امّا انا فکبیرۃ السن میری عمر زیادہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا فانا اکبر منک[2] میں تم سے بڑا ہوں۔ رواہ من طریق عبدالواحد بن ایمن عن ابی بکر بن عبد الرحمن عنھا رضی اللہ تعالٰی عنھا (ابن عاصم نے اس کو عبد الواحد بن ایمن کے طریق سے ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمایا۔ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ام سلمہ دار الفکر بیروت ۶/ ۳۱۳، سنن النسائی کتاب النکاح المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۶۸

[2] طبقات الکبرٰی لابن سعد باب ذکر فی خطب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من نساء دار صادر بیروت ۸/ ۹۱

ام المومنین (ام سلمہ رضی اللہ عنہا) نے ۶۰ھ عــہ یا ۶۱ یا ۶۲ میں وفات پائی، عمر شریف چوراسی ۸۴ برس کی ہوئی قالہ الواقدی وکثیر من العلماء نقلہ عنھم فی الاصابۃ[1] وھو الصواب کما فی الزرقانی (واقدی اور کثیر علماء نے یہی کہا ہے جن سے اصابہ میں نقل کیا اور یہی درست ہے جیسا کہ زرقانی میں ہے۔ت) اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آخر شوال ۴ھ ہجری میں ان سے نکاح فرمایا ھو الصحیح کما فی الزرقانی (یہی صحیح ہے جیسا کہ زرقانی میں ہے۔ت) تو جس وقت انہوں نے ترک نکاح کے لئے عمر زیادہ ہونے کا عذر عرض کیا ہے تیس ۳۰ سال کی نہ تھیں یہی کوئی چھبیس ۲۶ ستائیس ۲۷ برس کی عمر تھی رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے ابن سعد انہیں ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی کہ انہوں نے فرمایا:

بلغنی انہ لیس امرأۃ یموت زوجھا وھو من اھل الجنۃ وھی من اھل الجنۃ ثم لم تزوج بعدہ الاجمع اللہ بینھما فی الجنۃ۔	جس عورت کا شوہر مرجائے اور وہ دونوں جنتی ہوں پھر عورت اُس کے بعد نکاح نہ کرے تو اللہ تعالٰی اُن دونوں کو جنت میں جمع فرمائے۔

اسی بناپر اُنہوں نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا تھا آؤ ہم تم عہد کریں کہ جو پہلے مرجائے دوسرا اس کے بعد نکاح نہ کرے، مگر یہ علمِ الٰہی میں امہات المومنین میں داخل ہونے والی تھیں، حضرت ابوسلمہ نے قبول نہ فرمایا[2] رواہ من طریق عاصم الاحول عن زیاد بن ابی مریم عنھا رضی اللہ تعالٰی عنھا (اس کو بطریق عاصم احول، زیاد بن ابی مریم سے روایت کیا اور انہوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمایا۔ت)

عــہ: صحح الاوّل الیعمری والثانی ابو عمر بن عبد البر والثالث الحافظ التقریب وھناك تصحیح رابع وھو ۵۹ھ صححہ القسطلانی فی المواھب قال الزرقانی وھو معارض بھذہ التصحیحات[3] واللہ تعالٰی اعلم۔ (م)	اول کو یعمری، ثانی کو ابوعمر بن عبد البر اور ثالث کو حافظ نے تقریب میں صحیح قرار دیا اور یہاں ایک چوتھی تصحیح ۵۹ھ کی بھی ہے جس کو قسطلانی نے مواہب میں صحیح قرار دیا، زرقانی نے فرمایا کہ وہ ان تصحیحات کے معارض ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ذکر ام سلمہ نمبر ۰ دار اصادر بیروت ۴/ ۴۵۹_۶۰

[2] الطبقات الکبرٰی ذکر من خطب النبی صلی اللہ تعالٰی وسلم من النساء دار صادر بیروت ۸/ ۸۸

[3] شرح الزرقانی علی المواھب الدنیۃ ذکر ام سلمہ رضی اللہ عنہا دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۴

حضرت سلمٰی بنت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہاکے شوہر شہید ہُوئے وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئیں اور کہا میرے شوہر نے شہادت پائی اور لوگ مجھے پیام دے رہے ہیں میں نکاح سے انکار رکھتی ہوں کیا آپ اُمید کرتے ہیں کہ اگر میں اور وہ جمع ہوئے تو میں آخرت میں ان کی زوجہ ہوں (بیوی بنوں) فرمایا: ہاں۔

احمد فی المسند حدثنا ابو احمد ثنا ابان عبد اللہ البا جلی عن کریم بن ابی حازم عن جدتہ سلمٰی بنت جابر ان زوجھا استشھد فاتت عبد اللہ بن مسعود فقالت انی امرأۃ استشھدزوجی وقد خطبنی الرجال فابیت ان اتزوج حتی القاہ فترجو لی ان اجتمعت انا وھو ان اکون من ازواجہ قال نعم فقال لہ رجل ما رأیناك نقلت ھذامذقاعدناك قال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول ان اسرع امتی لی لحوقافی الجنۃ امرأۃ من احمس[1]۔	امام احمد نے اپنی مسند میں یُوں بیان فرمایا کہ ہمیں حدیث بیان کی ابو احمد نے، انہوں نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی ابان بن عبداللہ بجلی نے، انہوں نے کریم بن ابی حازم سے، اور انہوں نے اپنی دادی سلمی بنت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ ان (حضرت سلمی رضی اللہ تعالٰی عنہا) کے شوہر شہید ہوئے تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں وہ عورت ہوں جس کے شوہر شہید ہوگئے ہیں اور بہت سے مردوں نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا مگر میں نے نکاح سے انکار کیا تا وقتیکہ میں اپنے شوہر سے ملوں، کیا آپ میرے متعلق امید کرتے ہیں کہ اگر میں اور میرا شوہر جمع ہُوئے تو ان کی بیوی بنوں گی؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہاں۔ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا کہ جب سے ہم آپ کے پاس بیٹھ رہے ہیں آپ کو یہ نقل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے ہُوئے سُنا کہ بیشک جنت میں سب سے جلد مجھ ملنے والی عورت احمس (قریشی) سے (ت)

حضرت سید سعید شہید سیّدنا امام حسین صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علٰی جدّہ الکریم وعلیہ وبارک وسلم کی زوجہ مطہرہ رباب بنت امرئ القیس کہ حضرت اصغر وحضرت سکینہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی والدہ ماجدہ ہیں بعد شہادت امامِ مظلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ بہت شرفائے قریشی نے انہیں پیامِ نکاح دیا، فرمایا:

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن مسعود دار الفکر بیروت ۱/ ۴۰۳

ما کنت لاتخذنی حموا بعد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	میں وُہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو اپنا خسر بناؤں۔(ت)

جب تک زندہ رہیں نہ کیا ذکرہ ابن الاثیر فی الکامل (ابن اثیر نے اسے کامل میں ذکر کیا ہے۔ت) مرثیہ حضرت امام انام رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتی ہیں:

واللہ لا ابتغی صھرا بصھر کم

حتی اغیب بین الرملی والطین [2]

خدا کی قسم تمہارے رشتہ کے بعد کسی سے رشتہ نہ چاہوں گی یہاں تک کہ ریت اور مٹی میں دفن کردی جاؤں ذکرہ ھشام بن الکلبی (اس کو ہشام بن کلبی نے ذکر کیا۔ت)

بلکہ علّامہ ابوالقاسم عماد الدین محمود ابن فریابی کتاب خالصۃ الحقائق لمافیہ من اسالیب الدقائق میں صحابیات حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بی بی رباب نامی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ذکر کرتے ہیں:

انھاکانت زوجا لرجل یقال لہ عمر وفتعاھدا أیھما مات قبل الاخر لایتزوج الذی یبقٰی حتی یموت فمات فاقامت مدۃ فزوجھا ابوھا فرأت فی تلك اللیلۃ عمرا انشدھا ابیاتا فاصبحت مذعورۃ وقصت علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم القصۃ فامرھا ان تستأنس بالوحدۃ حتی تموت وامرزوجھا بفراقھا ففعل ذٰلك۔	یعنی وُہ ایک شخص عمرو نامی کی زوجہ تھیں اُن کے آپس میں عہد ہولیا تھا کہ جو پہلے مرے دوسرا تادم مرگ نکاح نہ کرے، عمر کا انتقال ہوا، رباب ایک مدّت تک بیوہ رہیں پھر ان کے باپ نے اُن کا نکاح کردیا، اُسی رات اپنے پہلے شوہر کو خواب میں دیکھا اُنہوں نے کچھ شعر اس معاملے کی شکایت میں پڑھے یہ صبح کو خائف وترساں اُٹھیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حال عرض کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مرتے دم تک تنہائی میں جی بہلائیں اوراس شوہر کو حکم دیا کہ انہیں چھوڑدے، انہوں نے چھوڑدیا۔(ت)

نقلہ الحافظ فی الاصابۃ وقال ھی حکایۃ مشھورۃ لغیر ھذین [3] الخ (اس کو حافظ نے الاصابہ میں نقل کیا اور فرمایا کہ یہ حکایت ان دونوں کے غیر کے لئے مشہور ہے الخ۔ت) بلکہ احادیث میں ہے خود

---

[1] الکامل فی التاریخ لابن اثیر ذکر مقتل حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ دار صادر بیروت ۴/ ۸۸

[2] الکامل فی التاریخ لابن اثیر ذکر مقتل حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ دار صادر بیروت ۴/ ۸۸

[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ محمود بن احمد فریانی الرباب غیر منسوبہ دار صادر بیروت ۴/ ۳۰۰

حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس بیوہ کی نہایت تعریف فرمائی جو اپنے یتیم بچّوں کو لئے بیٹھی رہے اور اُن کے خیال سے نکاح ثانی نہ کرے،

حدیث ۱: سُنن ابوداؤد میں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انا وامرأة سفعاء الخدین کھاتین یوم القیٰمة واومی بیدہ یزید بن زریع السبابة والوسطی امرأة ایمت من زوجها ذات منصب وجمال حبست نفسها علی یتاماها حتی بانوا اوماتو [1]۔	میں اور چہرہ کا رنگ بدلی ہُوئی عورت روزِ قیامت ان دو۲ انگلیوں کے مثل ہوں گے (راوی نے انگشتِ شہادت اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کرکے بتایا یعنی جیسے یہ دو۲ انگلیاں پاس پاس ہیں یُونہی اسے روزِ قیامت میرا قُرب نصیب ہوگا) وہ عورت کہ اپنے شوہر سے بیوہ ہُوئی عزّت والی صورت والی با اینہمہ اُس نے اپنے یتیم بچّوں پر اپنی جان کو روک رکھا سبب بناؤ سنگھار کی حاجت نہیں)۔

حدیث ۲: ابن شبر ان انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرأة قعدت علی بیت اولادها فهی معی فی الجنة [2]۔	جو عورت اپنی اولاد پر بیٹھی رہے گی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگی۔

حدیث ۳: ابویعلٰی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اول من یفتح باب الجنة الا انی اری امرأة تبادرنی فاقول لها مالك ومن انت فتقول انا امرأة قعدت علی ایتام لی۔ [3]	سب سے پہلے جو دروازہ جنت کھولے گا وُہ میں ہُوں مگر میں ایک عورت کو دیکھوں گا کہ مجھ سے آگے جلدی کریگی میں فرماؤں گا تجھے کیا ہے اور تُو کون ہے، وہ عرض کریگی میں وُہ عورت ہوں کہ اپنے یتیموں پر بیٹھی رہی۔

[1] سُنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی فضل من عال الیتامٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۳۴۵/۲

[2] کنز العمال بحوالہ ابن بشر ابن عن انس حدیث مؤسسة الرسالہ بیروت ۴۰۸/۱۶

[3] مسند ابی یعلٰی حدیث موسسہ علوم القرآن بیروت ۱۲۵/۶

امام عبدالعظیم منذری فرماتے ہیں: **اسنادہ حسن ان شاء اللہ تعالٰی** (اس کی اسناد ان شاء اللہ تعالٰی حسن ہے۔ت)

تنبیہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بہشت میں تشریف لے جانا بارہا ہوگا، اولیت مطلقہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خاص ہے، دروازہ کھلنا حضورِ والا ہی کے لئے ہوگا، رضوان داروغہ جنت عرض کرے گا مجھے یہی حکم تھا کہ حضور سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں، حضور پر کوئی نبی مرسل بھی تقدیم نہیں پاسکتا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یہ سب مضامین احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں جن کی بعض فقیر نے پانے رسالہ مبارکہ تجلی الیقین بان نبینا سیّد المرسلین میں ذکر کیں۔ حضور کے بعد جو اور بندگانِ خدا جائیں گے دروازہ کھلا پائیں گے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پہلے سے فتح باب فرماچکے ہوں گے:

قال تعالٰی جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بسنے کے باغ ان کے لئے سب کے دروازے کھلے ہوئے۔(ت)

یہاں جو اُس عورت کا آگے ہونا ہُوا یہ اور بار کے تشریف لے جانے میں ہے، جب اہتمام کارِ اُمّت میں آمد ورفت فرماتے ہوں گے نہ کہ خاص بارِ اوّل میں، **وباللہ التوفیق** (اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔ت)

الحمدللہ اس تحقیقِ انیق سے مسئلہ کا حکم بھی بہنایت ایضاح منصّہ ظہور پر مرتفع ہُوا اور اہل تشدّد کے وہ متعصبانہ احکام بھی مخذول ومندفع **والحمدللہ علی ماوفق وعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد واٰلہ وسلم** (تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اس کے توفیق اور علم عطا فرمانے پر، اور اللہ تعالٰی درود وسلام نازل فرمائے ہمارے آقا مصطفٰی اور آپ کی آل پر۔ت) یہاں تک نفسِ نکاح اور اس پر اجبار اور عورت یا اولیاء کی جانب سے ترک یا انکار اور ان کے انکار پر زجر وانتہا کا حکم تھا۔

اب رہا نکاح ثانی پر طعن **اقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے۔ت) ہماری تحقیق سابق سے روشن ہُوا کہ نکاح ثانی مطلقاً فرض یا واجب یا سنت نہیں بلکہ عام زنان کیلئے نہایت درجہ مباح ہی ہے اور مباح پر طعن صرف اُسی صورت میں کفر ہوسکتا ہے کہ اُس کی اباحت ضروریاتِ دین سے ہو اور باوصف اس کے یہ شخص اُسے شرعاً مباح نہ جانے، نکاح ثانی کی اباحت تو بیشک ضروریاتِ دین

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/۵۰

سے ہے کہ تمام مسلمین اُس سے آگاہ، قرآن عظیم کی متعدد آیتیں اُس پر گواہ۔

قال اللہ تعالٰی عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ الی قولہ تعالٰی ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا[1]۔ (وقال تعالٰی فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا[2]، وقال تعالٰی فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے رب قریب ہے اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں کہ انہیں تم سے بہتر بیویاں بدل دے (اللہ تعالٰی کے قول) ثیبٰت وابکارًا (بیاہیاں اور کنواریاں) تک۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: پھر زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وُہ (زینب) تمہارے نکاح میں دے دی۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اب وُہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ آئے۔(ت)

کریمہ وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى[4] (اور نکاح کردواپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہیں۔ت) میں ایم کے نکاح کردینے کو فرمایا، ایم ہر زنِ بے شوہر کو کہتے ہیں جس کے اطلاق میں کنواری، مطلّقہ، بیوہ سب داخل۔اگرچہ ایم خاص بیوہ کا نام نہیں بالخصوص بیوہ کے لئے یہ آیتیں ہیں قال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا	اور جو تم میں مریں اور بیویاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں تو جب ان کی عدت پُوری ہوجائے تو اے والیو! تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں جو تمہارے کاموں کی خبر ہے، اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم نے عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو۔ اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کروگے۔ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ رکھو یہ کہ اتنی ہی بات کہو جو شرع میں

[1] القرآن الکریم ۶۶/۵

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

[4] القرآن الکریم ۲۴ / ۳۲

مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ[1]	معروت ہے اور نکاح کی گرہ پکّی نہ کروجب تک لکھاہُوا حکم اپنی میعاد کونہ پہنچ لے۔ (ت)

وقال اللہ تعالٰی:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۴۰ [2]	اور تم میں مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں وُہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں سال بھر نان ونفقہ دینے کی بے نکالے، پھر اگر وُہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مواخذہ نہیں جو انہیں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا، اور اللہ تعالٰی غالب حکمت والا ہے (ت)

ان آیاتِ کریمہ کا جملہ جملہ جوازِ نکاح بیوہ پر نص صریح ہے، پھر حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واہلبیتِ کرام وصحابہ عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے قولاً وفعلاً تقریراً اس کی اباحت متواتر، اُمّ المومنین صدیقہ بنت الصدیق تھیں **کما ثبت ذٰلك فی صحیح البخاری من حدیث نفسہا ومن حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم** (جیسا کہ صحیح بخاری میں خود ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ثابت ہے۔ت) مگر کلام اس میں ہے کہ جاہلانِ ہند جو اُسے ننگ وعار سمجھتے ہیں آیا اس بناء پر ہے کہ اُسے ازرُوئے شریعت ہی حلال نہیں جانتے ایسا ہو تو بیشک کفر ہے مگر انصافاً عامہ ناس سے اس کا اصلاً ثبوت نہیں، جس مسلمان سے پُوچھئے صاف اقرار کرے گا کہ شرعاً بے شک جائز ہم ناجائز وحرام نہیں جانتے بلکہ ازرُوئے رسم لوگوں کے نزدیک ایک ننگ وعار کی بات ہے بخیال طعن وبدنامی اس سے احتراز ہے ایسے خیالات پر ہرگز حکمِ تکفیر نہیں ہوسکتا سلفاً وخلفاً تمام لوگوں میں معاملاتِ دنیویہ میں مصالح دُنیویہ کے لحاظ سے ہی باہم ایک دوسرے پر مباحات میں طعن وسرزنش رائج ہے وہاں کیوں گیا، یہ کیوں کیا، فلاں سے کیوں ملا حالانکہ یہ سب امور مباحات شرعیہ ہیں یہ تو خاص خاص ہر شخص کے اپنے ذاتی معاملات میں ہے اور مصلحاتِ عامہ قوم یا شاملہ ملک میں بھی بہت باتیں مباح شرعی ہیں کہ بوجہ عرف وعادت معیوب ٹھہری ہیں کہ اس احتراز واعتراض میں اکثر یہ حضرات مکفرین بھی شریک مثلاً باپ کے سامنے اپنے زوج یا زوجہ سے ہمکلام ہونا خصوصًا نئے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۵۔۲۳۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۰

دنوں میں۔یُوں ہی باپ یا پیر وغیر ہما بزرگوں کے حضور حقّہ پینا، دختر و داماد رات کو ایک پلنگ پر ہوں اُن کے پس جانا پاس بیٹھنا بات کرنا اُن کا بدستور لیٹے رہنا۔ماں بہن بیٹی کا اپنے بیٹے بھائی باپ کے سامنے سینہ وپستان کھولے پھرنا، شریف عورتوں کا برقع اوڑھ کر سرِ بازار سودے خریدنا، اجنبی لوگوں سے باتیں کرنا، ان میں کون سی بات شرعًا ممنوع وناجائز ہے مگر رسم ورواج واصطلاح حادث کی وجہ سے اب تمام اہل حیا انہیں عیب جانتے ہیں جو ایسے امور کا مرتکب ہو اُس پر طعن کریں گے، کیا اس بنا پر معاذاللہ سب مسلمان کافر ٹھہریں گے اسی قبیل کا طعن واعتراض یہاں کے عوام کو نکاح ثانی میں ہے تو اس پر بے تکلّف حکمِ کُفر جاری کرنا سخت مجازفت اور کلمہ طیبہ پر بیباکانہ جرات ہے **والعیاذ باللہ رب العلمین**۔ صحیح حدیث سے ثابت کہ حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صاحبزادی حضرت اُمّ المومنین صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی بہن حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سالی حضرت اسماء رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے گھر کا پانی خود بھر کر لاتیں اپنے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گھوڑے کے لئے بیرونِ شہر دو۲ میل پر جاکر دانہائے خرمہ جمع فرماتیں اُن کی گھڑی پیادہ پا اپنے سر مبارک پر اُٹھا کر لاتیں، ایک بار پلٹتے ہوئے راہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع ایک جماعت انصار کرام کے ملے حضور نے اُنہیں بلایا اور اونٹ بیٹھنے کا حکم فرمایا کہ اپنے پیچھے سوار فرمالیں، اُنہوں نے مردوں کے ساتھ چلنے میں حیا کی، اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی غیرت کا خیال آیا، نہ مانا۔ حضرت زبیر سے حال کہا، فرمایا واللہ تمہارا گھٹلیاں سر پر لے کر چلنا مجھ پر زیادہ سخت تھا اس سے کہ تم حضور کے ساتھ سوار ہو لیتیں۔ صحیحین میں ہے:

عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما قالت تزوجنی الزبیر وماله فی الارض من مال ولا مملوك ولا شیئ غیر ناضح وغیر فرسه فکنت اعلف فرسه واستقی الماء واخرز عربه واعجن ولم اکن احسن اخبز وکان تخبز جارات لی من الانصار وکن نسوة صدیق وکنت انقل النوی من ارض الزبیر التی اقطعه رسول اللہ	حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہا مُجھ سے حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نکاح کیا حالانکہ زمین میں اس کے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ ہی کوئی مملوک، اور ایک اونٹنی اور ایک گھوڑے کے سوا کوئی شیئ اس کے پاس نہ تھی، میں اس کے گھوڑے کو چارہ دیتی اور اس کو پانی پلاتی تھی اور اس کا ڈول سیتی اور آٹا گوندتی تھی اور میں اچھی طرح روٹی نہیں پکا سکتی تھی، ہماری ہمسائی انصار عورتیں تھی جو کہ بہت اچھی عورتیں تھیں وُہ مجھے روٹیاں پکادیتی تھی اور میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی رأسی وھی منی علی ثلثی فرسخ فجئت یوما والنوی علی رأسی فلقیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومعہ نفر من الانصار فدعانی ثم قال اخ اخ لیحملنی خلفہ فاستحیت ان اسیر مع الرجال وذکرت الزبیر وغیرتہ وکان اغیر الناس فعرف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی قد استحییت فمضی فجئت الزبیر فقلت لقینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی راسی النوی ومعہ نفر من اصحابہ فاناخ لارکب فاستحییت منہ وعرفت غیرتک فقال واللہ لحملک النوی کان اشد علی من رکوبک معہ قالت حتی ارسل ابوبکر بعد ذلک بخادم یکفینی سیاسۃ الفرس فکانما اعتقنی [1]۔	زمین سے جو کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دی تھی اپنے سر پر گھٹلیاں اٹھا کر لاتی تھی جبکہ وُہ زمین مجھ سے دو تہائی فرسخ (یعنی تقریبًا چھ کلومیٹر) دُور تھی، ایک دن میں گھٹلیاں سر پر اٹھا کر آرہی تھی پس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملی اور آپ نے مجھے بلایا پھر (اُونٹ کو بٹھانے کے لئے) فرمایا: اخ اخ، تاکہ مجھے اپنے پیچھے اونٹ پر بٹھالیں، مجھے شرم آئی کہ میں مردوں کے ساتھ چلوں، مجھے زبیر اور اس کی غیرت یاد آئی جبکہ وہ سب لوگوں سے زیادہ غیّور تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پہچان لیا کہ میں شرم کر رہی ہوں، چنانچہ آپ تشریف لے گئے، پھر میں زبیر کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملے جبکہ گھٹلیاں میرے سر پر تھیں آپ کے ساتھ چند صحابہ کرام تھے آپ نے اونٹ کو بٹھایا تاکہ اس پر سوار ہو جاؤں مجھے اس سے شرم آئی اور میں نے تمہاری غیرت کو یاد کیا، زبیر نے کہا بخدا تمہارا گھٹلیوں کو سر پر اٹھانا سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اونٹ سوار ہونے سے مجھ پر زیادت سخت تھا۔ حضرت اسماء نے کہا میرا یہ حال رہا حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے بعد میری طرف ایک خادم بھیجا جو مجھ سے گھوڑے کے انتظام سے کفایت کرتا تھا گویا کہ اس نے مجھے آزاد کر دیا۔ (ت)

تکفیر کرنے والے حضرات ذرا سچ سچ کہیں اُن کے یہاں کے معزّز شریف شہری لوگ کیا اسے روا رکھیں گے کہ ان کی شریف خاندانی بیبیاں گھر کا پانی کنویں سے بھر کر لائیں شہر سے دو۲ دو۲ کوس پر جا کر گھوڑے کیلئے گھاس چھیلیں گھاس کا گھٹّا سر پر رکھ کر سرِ بازار لائیں، بہنوئی نہیں خاص اپنے حقیقی بھائی ہی کے پیچھے مردوں

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۸۶/۲

کے مجمع میں اُونٹ پر چھڑھی پھریں، کیا وہ ان باتوں کو عیب نہ جانیں گے، کیا وہ ان پر طعن نہ کریں گے، اگر نہیں تو زبانی جمع خرچ کی نہیں سہی، ذرا کرد کھائیں، اور اگر ہاں تو پہلے اپنی نسبت بتائیں پھر اور مسلمانوں پر منہ آئیں، میں اس قسم کی بکثرت حدیثیں پیش کرسکتاہُوں مگر عاقل کو ایک حرف کافی اور نامنصف کو دفتر ناوانی **بلکہ** اگر نظر تدقیق کیجئے تو ایک وجہ وُہ بھی نکل سکتی ہے کہ کوئی شخص ان بلاد میں نکاح ثانی کو ممنوع شرعی جانے اور اس کی تکفیر کی طرف اصلًا راہ نہ ہو وہ یہ کہ مثلًا زید زعم کرے کہ نکاح ثانی فی نفسہٖ اگرچہ مباح ہے مگر ان اعصار وامصار میں نکاح بیوہ پر لوگ طعنہ زن ہو کر کبیرہ شدیدہ میں واقع ہوتے اور اس عورت کی مذمت کرتے اور اس سے نفرت رکھتے ہیں تو یہاں اس کا فعل مسلمانوں کے ایسے مہالک عظیمہ میں واقع ہونے اور اُن پر دروازہ کبائر واتباع شیطان کھلنے کا باعث ہوگیا ہے اور جو مباح ایسے امور کی طرف منجر ہو اس عارض کو وجہ سے مباح نہیں رہتا شرعًا قابل احتراز ہوجاتا ہے۔ **نظیر نمبرا** اس کی عوام کے سامنے حقائق عالیہ ودقائق غالیہ کا ذکر جو اُن کے مدارک واقسام سے وراہو، کہ اشاعتِ علم فرض اور کتمان حرام، مگر یہاں عوام کا فتنہ میں پڑ ناگناہ میں بتلا ہونا متوقع، لہٰذا اُن کے سامنے ایسا بیان شرعًا ممنوع۔ **حدیث** میں ہے :

حدثواالناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ و رسولہ[1]۔رواہ البخاری فی صحیحہ عن امیرالمومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ موقوفا علیہ والدیلمی فی مسند الفردوس عنہ عن النبی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	لوگوں سے وُہ باتیں کہو جنہیں وُہ پہچانیں، کیا یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ ورسول کی تکذیب کریں (اس کو بخاری نے اپنی صحیح میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے موقوفًا روایت کیا اور علمی نے مسند الفردوس میں حضرلی علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ (ت)

حدیث ۲:

امرنا ان تکلم الناس علی قدر عقولھم[2]۔رواہ الامام ابو عبد الرحمٰن السلمی ومن طریقہ الدیلمی والحسن بن سفیان فی مسندہ وابوالحسن التمیمی فی کتاب العقل عن	ہمیں حکم ہے کہ لوگوں سے بقدر ان کے عقول کے کلام کریں۔اس کو امام عبد الرحمٰن سلمی اور ان کے طریق سے دیلمی اور حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابوالحسن تمیمی نے کتاب العقل میں حضرت عبداللہ

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من خصّ بالعلم قومًاالخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث مطبع دارالباز مکۃالمکرمۃ ۱/ ۳۹۸

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور انہوں نے نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

حدیث ۳:

ماحدث احدکم قوما بحدیث لا یفھمونہ الاکان فتنۃ علیھم۔[1] رواہ العقیل وابن السنی وابونعیم فی الریاضۃ وغیرہم عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	تم میں سے کوئی شخص کسی قوم سے کوئی ایسی حدیث کہ ان کی سمجھ سے وراہو بیان نہ کرے گا مگر یہ کہ وُہ حدیث ان پر فتنہ ہوجائے گی (اس کو عقیلی، ان سنی اور ابونعیم نے الریاضۃ میں اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور انہوں نے بنی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ ت)

دوسری روایت میں ہے:

لاتحدثوا امتی من احادیثی الامالاتحتملہ عقولھم فیکون فتنۃ علیھم[2]۔ رواہ عنہ ابونعیم ومن طریقہ الدیلمی وفیہ فکان ابن عباس یخفی اشیاء من حدیثہ ویفشیھا الی اھل العلم۔	میری اُمّت سے میری حدیثیں نہ بیان کرو مگر وہ جوان کی عقلیں اُٹھالیں کہ وُہ حدیث فتنہ ہوجائے گی۔ اس کو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ابونعیم نے اور ان کے طریق سے دیلمی نے روایت کیا اور اس میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث سے کُچھ اشیاء مخفی رکھتے اور انہیں اہلِ علم پر ظاہر فرماتے۔ ت)

تیسری روایت میں ہے:

یاابن عباس لاتحدث قوما حدیثا لا تحتملہ عقولھم[3]۔ رواہ عنہ	اے ابن عباس! لوگوں سے وہ حدیث بیان نہ کروجو اُن کی عقل میں نہ آئے۔ (اس کی مسند الفردوس

---

[1] اتحاف السادۃ بحوالہ العقیلی فی الضعفاء بیان ما بدل من الفاظ العلوم مطبع دارالفکر بیروت ۱/ ۲۵۳

[2] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث مطبع دارالباز مکۃ المکرمۃ ۵/ ۱۷

[3] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث مطبع دارالباز مکۃ المکرمۃ ۵/ ۳۵۹

فی مسند الفردوس۔	میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا۔ت)

حدیث ۴: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ما انت بمحدث قوما حدیثا لاتبلغه عقولهم الاکان لبعضهم فتنة[1]۔رواہ مسلم فی مقدمۃ صحیحہ۔ **قلت** ومن هذا الباب ماکان الامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنه یخفی فی بعض مجالسه القول بروية النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ربه لیلة المعراج ذکرہ الزرقانی وقد صح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه انه قال حفظت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وعائین اماحدهما فبثثته واما الاٰخرفلو بثثته قطع هذا البلعوم[2]۔رواہ البخاری۔	توجب کسی قوم سے وُہ حدیث بیان کرے گا جس تک ان کی عقل نہ پہنچے وُہ ضرور اُن میں کسی پر فتنہ ہوجائے گی۔ **قلت**(میں کہتا ہوں)اپنی بعض مجالس میں حضرت امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا شبِ معراج نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی عنہ وسلم کے رؤیت باری تعالٰی کے قول پر چھپانا اسی باب سے ہے جیساکہ زرقانی نے ذکر کیا،اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث صحیح مروی ہے کہ میں نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے علم کی دو۲ نوعیں یاد کیں،ان میں سے ایک کو تو میں نے لوگوں میں پھیلایا،اور رہی دوسری تو اس کو اگر پھیلاؤں تو گلا کاٹ دیا جائے۔اس کو بخاری نے روایت فرمایا۔(ت)

نظیر۲: عمامہ کا شملہ چھوڑنا یقیناً سنّت مگر جہاں جُہّال اس پر ہنستے ہوں وہاں علمائے متاخرین نے غیر حالتِ نماز میں اس سے بچنا اختیار فرمایا جس کا منشاء وہی حفظ دینِ عوام ہے۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّثِ دہلوی قدس سرہ القوی رسالہ آدابِ لباس میں فرماتے ہیں:

ارسالِ رابر ارسال شملہ براہین قیاسی بسیارست وارسالِ آں سنّتِ مؤکدہ دانند وعلمائے متاخرین سوائے صلوات پنجگانہ را ارسال ندارند برائے طعن ومسخرہ جہّالِ زمانہ[3] اھ ملخصًا۔	فقہاء کے پاس شملہ چھوڑنے پر بہت سے دلائل قیاسیہ موجود ہیں اور وہ اس کو سنت،مؤکدہ سمجھتے ہیں مگر علماء متاخرین جہّال زمانہ کے طعن و تمسخر سے بچنے کے لئے سوائے نماز پنجگانہ کے شملہ نہیں چھوڑتے ہیں اھ ملخصًا(ت)

---

[1] الصحیح المسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹

[2] الصحیح البخاری کتاب العلم باب حفظ العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳

[3] رسالہ آدابِ لباس عبدالحق دہلوی

نظیر ۳: قرآن عظیم کی دسوں قراٰتیں حق اور دسوں منزّل من اللہ، دسوں طرح حضور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھا اور حضور سے صحابہ، صحابہ سے تابعین، تابعین سے ہم تک پہنچا تو ان میں ہر ایک کا پڑھنا بلاشبہہ قراءتِ قرآن ونورِ ایمان ورضائے رحمان ہے۔ بایں ہمہ علماء نے ارشادفرمایا کہ جہاں جو قراءت رائج ہو نماز وغیر نماز میں عوام کے سامنے وہی قراءت پڑھیں، دُوسری قراءت جس سے ان کے کان آشنا نہیں نہ پڑھیں مبادا وہ اس پر ہنسنے اور طعن کرنے سے اپنے دین خراب کرلیں۔ ہندیہ میں ہے:

فی الحجة قراءة القراٰن بالقراءات السبعة والروایات کلها جائزة ولکنی اری الصواب ان لایقرء القرأة العجبیة بالامالات والروایات الغریبة کذافی التاتار خانیه[1]۔	حجہ میں ہے کہ ساتوں قراءات اور تمام روایات میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے لیکن اس بات کو درست سمجھتاہُوں کہ نامانوس قراءت میں امالات اور روایات غریبہ کے ساتھ قرآن مجید نہ پڑھاجائے، جیساکہ تاتارخانیہ میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان بعض السفهاء یقولون مالایعلمون فیقعون فی الاثم والشقاء ولاینبغی للائمة ان یحملوا العوام علی مافیه نقصان دینهم ولا یقرأعندهم مثل قراءة ابی جعفر وابن عامروعلی بن حمزة والکسائی صیانة لدینهم فلعلهم یستخفون اویضحکون وان کان کل القراءات والروایات صحیحة فصیحة ومشائخنا اختاروا قراءة ابی عمر وحفص عن عاصم اھ[2] من التتارخانیة عن فتاوی الحجة۔	اس لئے کہ بعض بیوقوف وُہ کچھ کہیں گے جو وُہ جانتے نہیں ہیں تو گناہ اور بدبختی میں مبتلا ہوجائیں گے، اور ائمہ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عوام کو اس چیز پر انگیختہ کریں جس میں ان کے دین کا نقصان ہے اور عوام کے یدن کو بچانے کے لئے ان کے پاس ابوجعفر، ابن عامر، علی بن حمزہ اور کسائی کی قراءۃ میں قرآن مجید نہ پڑھائے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ اس کو ہلکا جانیں اور اس پر ہنسیں اگرچہ تمام قراءات وروایات صحیح اور فصیح ہیں۔ ہمارے مشائخ نے ابوعمر وحفص کی قراءۃ کو اختیار کیا ہے جو عاصم سے مروی ہے اھ تتارخانیہ از فتاوٰی حجہ۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل الرابع فی القراءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷۹

[2] ردالمحتار فصل فی القراءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۶۴

نظیر ۴: قریش نے جب زمانہ جاہلیت میں کعبہ از سرِ نو بنایا کچھ تنگی خرچ اپنی اغراضِ فاسدہ سے بنائے خلیل صلی اللہ تعالٰی علٰی ابنہ وعلیہ وبارک وسلم میں بہت تغیرات کردیں، دو۲ روازہ غربی شرقی سے صرف ایک در شرقی رکھا اور اُسے بھی زمین سے بہت بلندی پر نکالا کہ جسے چاہیں میں خرچ زیادہ درکار تھا باآنکہ یہ صریح بدعتِ جاہلیت و تغییر سنّت ابراہیمی علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم تھی مگر حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے محض بغرضِ حفظ دینِ نو مسلمین اُسے قائم وبرقرار رکھا کہ تغییر بے ہدم عمارت موجودہ نہ ہوتی خدا جانے ان کے دلوں میں کیا وسوسہ گزرے۔ صحیحین میں ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الجدار من البیت ھو، قال نعم، قلت فما لھم لم یدخلوہ فی البیت قال ان قومك قصرت بھم النفقۃ قلت فماشأن بابہ مرتفعا قال فعل ذٰلك قومك لیدخلوا من شاءوا ویمنعوا من شاءوا ولولا ان قومك حدیث عھدھم الجاھلیۃ فاخاف ان تنکر قلوبھم ان ادخل الجدر فی البیت وان الصق بابہ بالارض [1] وفی الاخری ان النّبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لھا یا عائشۃ لولا ان قومك حدیث عھد بجاھلیۃ لامرت بالبیت فھدم فادخلت فیہ ما اخرج منہ والزقتہ بالارض وجعلت لہ بابین بابا شرقیا وبابا غربیا فبلغت بہ اساس ابراھیم [2] الخ۔	ام المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حطیم کی دیوار کے بارے میں پوچھا کہ کیا بیت اللہ کا حصّہ ہے، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، میں نے دریافت کیا اس کو قریش نے بیت اللہ میں کیوں داخل نہیں کیا، آپ نے فرمایا: تمہاری قوم کے پاس خرچ کم ہوگیا ہے، میں نے پوچھا پھر اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں ہے، تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری قوم نے یہ اس لئے کیا تاکہ وُہ جس کو چاہیں بیت اللہ میں داخل کریں اور جس کو چاہیں روک دیں، اگر تمہاری قوم نے نیا نیا کفر نہ چھوڑا ہوتا اور مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ ان کو دلوں کو بُرا لگے گا تو میں حطیم کی دیواروں کو بیت اللہ میں داخل کردیتا اور دروازے کو زمین سے ملادیتا۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت کے زمانہ کے قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو گرانے کا

[1] صحیح بخاری باب فضل المکۃ وبنیانہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۱۵/۱

[2] صحیح بخاری باب فضل المکۃ وبنیانہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۱۵/۱

حکم دیتااور اس میں سے جو خارج کردیا گیا ہے میں اس کو اس میں داخل کردیتااور اس کو زمین کے برابر کرکے دو[2] دروازے بناتا ایک دروازہ مشرقی اور ایک دروازہ مغربی، اور میں اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔(ت)

یہ **تقریر** اگرچہ دعوی ممانعت کے اثبات سے قاصر یا سراسر غلط ہی سہی مگر شک نہیں کہ اب تکفیر قطعًا محال کہ اس میں نفس اباحت کا کہ ضروریاتِ دین سے تھی انکار نہ ہُوا بلکہ اس میں کسی ایسی چیز کا بھی انکار نہیں جس کی وجہی سے تکفیر درکنار تضلیل ہوسکے غایت یہ کہ خطا وغلط کہیے وُہ بھی بلحاظ دعوی ممانعت ورنہ شبہہ نہیں کہ نظائر مذکورہ ان بلاد میں نکاح ثانی سے مصلحۃً احتراز کی وجہ موجہ ہوسکتی ہیں جبکہ نوبت تا وجوب وافتراض نہ ہو **کما یخفی علی اولی النھٰی واللہ الھادی الی صراط سوی** (جیسا کہ عقلمندوں پر مخفی نہیں ہے اور اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔ت)

بالجملہ تکفیر اہل قبلہ واصحاب کلمہ طیّبہ میں جرأت وجسارت محض جہالت بلکہ سخت آفت جس میں وبال عظیم ونکال کا صریح اندیشہ **والعیاذ باللہ رب العالمین**، فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول وفعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع وفظیع ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں اگر کوئی ضعیف سے ضعیف، نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو جس کی رُو سے حکمِ اسلام نکل سکتا ہو تو اس کی طرف جائیں، اور اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانبِ کفر جاتے ہوں خیال میں نہ لائیں۔ حدیث میں ہے حضور سیّد العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

الاسلام یعلوولایعلی[1]۔ **اخرجہ الرؤیانی والدارقطنی والبیھقی والضیاء فی المختارۃ والخلیل کلھم عن عائذ بن عمرو والمزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ**۔	اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔اس کو رؤیانی، دارقطنی، بیہقی، مختارہ میں ضیاء اور خلیل نے عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

احتمال اسلام چھوڑ کر احتمالاتِ کفر کی طرف جانے والے اسلام کو مغلوب اور کفر کو غالب کرتے ہیں **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔

حدیث ۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

کفوا من اھل لاالٰہ الا اللہ لاتکفروھم	لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں سے زبان روکو انہیں

[1] سنن الدارقطنی باب المھر نشر السنۃ ملتان ۳/ ۲۵۲

بذنب فمن اکفر اھل لاالٰہ الااللّٰہفھو الی الکفر اقرب[1]۔رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما۔	کسی گناہ پر کافر نہ کہو،لاالٰہ الااللّٰہ کہنے والوں کو کافر کہے وُہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔(اس کو طبرانی نے کبیر میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لاالٰہ الااللّٰہ ولاتکفر بذنب ولاتخرجہ من الاسلام بعمل[2]۔ رواہ ابوداؤد عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	تین باتیں اصل ایمان میں داخل ہیں،لاالٰہ الااللّٰہ کہنے والے سے باز رہنا اور اسے گناہ کے سبب کافر نہ کہا جائے اور کسی عمل پر اسلام سے خارج نہ کہیں۔(اس کو ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

حدیث ۴: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتکفروا احدامن اھل القبلۃ[3]۔رواہ العقیلی عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہو(اس کو عقیلی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

الحمدُللّٰہ کلام اپنی نہایت کو پہنچا اور حکم مسئلہ نے من جمیع الوجوہ رنگِ ایضاح پایا خلاصہ مقصود یہ کہ عوام جو نکاح بیوہ کو باتباع رسم مردود وعنود ونگ وعار سمجھتے ہیں اور کیسی ہی حالت حاجت وضرورتِ شدیدہ ہو معاذاللہ حرام کے مثل اس سے احتراز رکھتے ہیں،برا کرتے ہیں اور بہت برا کرتے ہیں،بیجا پر ہیں اور سخت بیجا پر،خاں صاحب شیخ صاحب مرزا صاحب درکنار وُہ کوئی حضرت میر صاحب ہی ہوں تو کیا ان کی بیٹیاں نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خاص جگر پاروں سیّدۃ النساء بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہا وعلیہا وسلم کی بطنی صاحبزادیوں سے زیادہ عزّت والیاں بڑھ کر غیرت والیاں ہیں جن کے دو دو تین تین اور اس سے بھی زائد نکاح ہوئے سُبحان اللہ! ع

---

[1] المعجم الکبیر ترجمہ ۰ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۷۲/۱۲

[2] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الغزو مع ایمۃ الجور آفتاب عالم پریس لاہور ۳۴۳/۱

[3] نصب الرایہ بحوالہ العقیلی الضعفاء باب الاحادیث فی الاقتداء المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۲۸/۲

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

(ان خاکی عورتوں کو ان پاکباز عورتوں سے کیا نسبت۔ت)

مسلمانو! کلمہ پڑھنے کی شرم کرو اور اپنے آقا اپنے مولا اپنے بادشاہ عرش بارگاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت چھوڑ کرنا پاکوں، گندوں، اینٹ پتھر کے بندوں کے قدم پر قدم نہ دھرو، ذرا غور کرو کس کی راہ چھوڑتے اور کس گمراہ کے پیچھے دوڑتے ہوے

بقولِ دشمن پیماں دوست شکستی

بہ بیں کہ از کہ بُریدی وبا کہ پیوستی

(دشمن کے کہنے پر تو دوست کے پیماں (عہد) کو توڑتا ہے، بنظرِ غائر دیکھ تو کس سے قطع تعلق کررہا ہے اور کس سے تعلق جوڑ رہا ہے۔ت)

نکاح کی چھ ۶ صورتیں اور ان کے احکام مفصلاً گزرے انہیں بغور دیکھو اور بصدقِ دل عمل میں لاؤ کہ دنیا وآخرت کے منافع پاؤ، اور اس رسمِ نیک کے طعن و تشنیع سے قطعًا باز رہو کہ کہیں اس اندھے کنویں میں گر کر نورِ ایمان کو خیر باد نہ کہو، ادھر ان حضرات اہلِ تکفیر سے التماس کہ شوق سے منکر کو اٹھایئے بُری رسم کو مٹایئے مگر ذرا اپنا بھی نفع ونقصان دیکھے بھالے، اپنا بھی دین وایمان روکے سنبھالے، یہ کیا موقع ہے اور کو نصیحت آپ کو فضیحت، اللہ اکبر، لاالٰہ الااللہ کی عظمت جانو تو اہلِ لاالٰہ الااللہ کی تکفیر سخت آفت مانو، یہاں زبان قابُو میں ہے جسے چاہو کافر بتاؤ مشرک کہہ جاؤ مگر اس دن کا بھی کچھ جواب بنا رکھو جب لاالٰہ الااللہ کو اپنے قائلوں کی طرف سے جھگڑتا دیکھو۔ اے لاالٰہ الااللہ کے سچّے ایمان پر دُنیا سے اٹھا اٰمین اٰمین اٰمین الٰہ الحق اٰمین والحمدللہ ربّ العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیّد المرسلین محمّد والہٖ وصحبہ اجمعین۔

الحمدللہ کہ یہ شافی جواب خفیف جلسوں میں ۱۵ صفر ۱۳۱۲ھ کو تمام اور بلحاظِ تاریخ اطائب التہانی فی النکاح الثانی ۱۳۱۲ھ نام ہوا، امید کرتا ہوں کہ یہ سب مباحث رائقہ ودلائل فائقہ حصّہ خاصہ خامہ فقیر اور اس مسئلہ کی توضیح اس مطلب کی تنقیح میں آپ ہی اپنی نظیر ہوں والحمد للہ اولًا واٰخرًا وباطنًا وظاھرًا والصّلوٰۃ والسلام علٰی سیّد الانام محمد ن الحبیب واٰلہ الکرام وردا وصدرا وسرًا وجھرًا والحمدللہ رب العالمین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کتابُ الطّلاق

(طلاق کا بیان)

مسئلہ ۱۱۳: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب مکان میر خادم علی صاحب اسٹنٹ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے شریعت پناہ وطریقت آگاہ دریں مسئلہ کہ زوجہ مسمّٰی زید کارِ فحش وناقصہ علانیہ می نماید وزوجہ عمرو بہ خلاف شوہر خود می باشد وکارِ فحش پوشیدہ می کند وایں کار زشتہ او ہم پہلوئے یقین کامل ست پس بہ تشکیک یقینی شوہر شوہر او طلاق دادن خواہد درست ست یانہ؟ **بینوا توجروا۔**	علمائے شریعت و طریقت کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں، کہ زید کی بیوی فحش کاری وبدکاری علانیہ کرتی ہے، اور عمرو کی بیوی اپنے شوہر کے مخالف ہے اور فحش کاری خفیہ طور پر کرتی ہے اور اس کا بدکاری یقین کی حد تک ہے، پختہ ظن ہوجانے پر شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے تو کیا یہ درست ہے؟ بیان کرو، اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

درصورتِ مستفسرہ طلاق باجماع درست ومباح ست زیراکہ دراباحت طلاق علماء راسہ[3] قول ست: یکے آنکہ مطلقًا مباح ست گوبے سبب محض باشد مشی علیہ العلامۃ الغزی فی	صورتِ مستفسرہ میں بالاجماع طلاق درست اور مباح ہے کیونکہ طلاق کے مباح ہونے میں علماء کے تین قول ہیں: ایک[1] یہ کہ طلاق مطلقًا مباح ہے اگرچہ بلاوجہ دی جائے۔ علامہ غزی نے تنویر کے متن

متن التنویروزعم شارحه العلامة العلائی انه هو قول العلامه وادعی العلامة المذهب۔ دوم آنکہ جزبوجہ پیروی زن یاآوارگی وبدوضعی اواباحت نہ دارد وهو قول ضعیف کما فی ردالمحتار سوم آنکہ حاجتے باشد مباح ست ورنہ ممنوع ہمیں صحیح ومؤید بدلائل ست صححه العلامة المحقق علی الاطلاق فی الفتح وانتصرله خاتم المحققین العلامة الشامی بمایتعین استفادته ایں جاکہ آوارگی زناں متحقق ست ہرسہ قول براباحت طلاق متفق آمد بلکہ چوں فسق وارتکاب چیزے از محرمات ثابت شود طلاق مستحب گردد فی الدر المختار بل یستحب لوموذیة اوتارکة صلٰوة کذا فی الغایة [1] وفی ردالمحتار الظاهران ترك الفرائض غیر الصلوة کالصلوة [2] اماواجب نیست اگر شوئے دادن نخواہد ندہد فی الدرالمختار لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں اس کو بیان کیا ہے جس کے متعلق اس کے شارح علّامہ علائی کا خیال ہے کہ علامہ غزی کایہی مؤقف ہے اور علامہ بحر نے اپنی کتاب بحر میں دعوٰی کیا ہے کہ یہی حق اور یہی مذہب ہے۔ دوسرا [2] یہ کہ بیوی کے بڑھاپے یااس کی آوارگی یابدوضعی کے بغیر شوہر کے لئے طلاق دینا مباح نہیں ہے، یہ ضعیف قول ہے جیساکہ ردالمحتار میں ہے۔ تیسرا [3] قول یہ ہے کہ اگر شوہر کو طلاق کی کوئی حاجت ہے تو مباح ہے ورنہ ممنوع ہے، یہی قول صحیح اور دلائل سے مؤید ہے۔ علامہ محقق نے فتح القدیر میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اور علّامہ خاتمۃ المحققین شامی نے اس کا دفاع کیا ہے جس سے اس کی صحت مستفاد ہوتی ہے، مسئولہ صورت میں جب آوارگی پائی جاتی ہے تو تینوں اقوال پر طلاق کا مباح ہونا محقق ہے بلکہ عورت کا فسق اور کسی حرام فعل کا ارتکاب ثابت ہے تو طلاق مستحب ہے۔ درمختار میں ہے: بلکہ عورت اگر موذی ہے یا نماز کو ترک کرنے کی عادی ہے تو مستحب ہے غایہ میں اسی طرح ہے، اور ردالمحتار میں ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر فرائض کاترک بھی نماز کی طرح ہے، تاہم اس صورت میں طلاق دیناواجب نہیں ہے اگر خاوند طلاق نہ دینا چاہے تو نہ دے۔ درمختار میں ہے کہ فاسقہ عورت کا طلاق دینا خاوند پرواجب نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۵

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۶

[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۰

مسئلہ ۱۱۴: از کسراٹون پرگنہ شکن آباد ڈاک خانہ سرساگنج مرسلہ تصدق حسین صاحب زمیندار ورئیس موضع مذکور ۶ رجب ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغہ کی شادی ایک شخص سے ہوئی جو آنکھوں سے معذور ہے، عورت کی عمر اب دس ۱۰ برس کی ہے،اس کے سسرال والے چاہتے ہیں کہ اسے شوہر سے طلاق دلواکر شوہر کے چھوٹے بھائی سے اُس کا عقد کردیں اور عورت کی بڑی بہن بیوہ کا اس نابینا سے نکاح کریں،اس صورت میں چھوٹی بہن کہ بے خطا ہے کوئی شرعی جرم اس کے ذمہ نہیں،طلاق دینا جائز ہے یانہیں،اگر جائز ہے تواس کا مہرادا کرناپڑے گا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاوجہ شرعی طلاق دینااللہ تعالٰی کو سخت ناپسند ومبغوض ومکروہ ہے،حدیث میں ہے:

ابغض الحلال الی اللہ تعالٰی الطلاق[1]۔	حلال چیزوں میں سے طلاق دینا اللہ تعالٰی کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔(ت)

مگر وہ اس کا اختیار ضرور رکھتا ہے،اگر دے گا ہو جائے گی،پھر اگر زوجہ سے ابھی خلوت یعنی بغیر کسی مانع کے تنہائی یکجائی نہ کی یا زوجہ کی ابھی دہ ۱۰ سالہ ہے قابلیتِ جماع اصلًا نہ رکھتی ہو جب تو نصف مہر دینا ہوگا اگر بندھا ہو،اور کچھ نہ بندھا ہو تو ایک پورا جوڑا جس میں دوپٹہ،پاجامہ اور عورتوں کے چھوٹے کپڑے اور جوتا سب کچھ ہو،اور مرد عورت دونوں کے حال کے لحاظ سے عمدہ نفیس یا کم درجہ یا متوسط ہو دینا آئے گا جس کی قیمت نہ پانچ درہم سے کم ہو نہ عورت کے نصف مہر مثل سے زیادہ ہو،اگر مرد عورت دونوں غنی ہیں تو نفیس اور دونوں فقیر تو ادنٰی اور ایک فقیر دُوسرا غنی تو اوسط اور اگر یہ دس ۱۰ سالہ لڑکی قابلِ جماع ہے اور خلوت ہو چکی تو پُورا مہر لازم ہوگا ـــــ تنویر الابصار ودرمختار وردالمحتار میں ہے:

تجب متعۃ لمفوضۃ وہی من زوجت بلا مہر طلقت قبل الوطء وھی درع وخمار وملحفۃ(قال فخر الاسلام ھذا فی دیارھم امافی دیارنا فیزاد علی انوارو	مفوضہ یعنی جس عورت سے مہر کے بغیر نکاح کیا ہوا اور اس کو وطی سے قبل طلاق دے دی ہو تو ایسی عورت کے لئے پُورا جوڑا لباس دینا بطور متعہ واجب ہے،اور وہ قمیص،دوپٹہ اور بڑی چادر ہے (فخر الاسلام نے فرمایا یہ ان کے علاقہ کا رواج ہے،

[1] سُنن ابوداؤد باب فی کراہیۃ الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶

مکعب کذافی الدرایة.قلت مقتضی ھذا ان یعبتر عرف کل بلدة لا ھلھا فیما تکسٰی بہ المرأة عند الخروج اھ ش)لاتزید علٰی نصف مھر المثل لوالزوج غنیا،ولا تنقص عن خمسة دراھم لو فقیر او تعتبر المتعة حالھما کا لنفقة،بہ یفتی(فان کان غنیین فلھا الا علی من الثیاب،اوفقیرین فالادنی،او مختلفین فالوسط،وما ذکرہ قول الخصاف وفی الفتح انہ الاشبہ بالفقة قال فی البحر قول الخصاف لان الولوالجی صححہ وقال وعلیہ الفتوی کما افتوا بہ فی النفقةاھ[1]ش)الکل ملخص واللہ تعالٰی اعلم۔	لیکن ہمارے ہاں اس پر تہبند اور جُوتا مزید دیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ ہر علاقہ کا رواج وہاں کے لوگوں میں معتبر ہوگا یعنی جو لباس عورت باہر نکلتے وقت پہنتی ہو وہ دیا جائے گا اھ، ش) اور وُہ جوڑا قیمت میں مہرِ مثل کے نصف سے زائد نہ ہو اگر خاوند امیر ہو،اور اگر وُہ غریب ہو تو پھر کم از کم پانچ درہم سے کم نہ ہو،اور اس جوڑے میں خاوند بیوی کی حیثیت کا اعتبار ہوگا جیسا کہ نفقہ میں دونوں کا لحاظ کیا جاتا ہے،اسی پر فتوی ہے پھر اگر دونوں امیر ہیں تو عورت کو اس کا اعلٰی لباس اور اگر دونوں فقیر ہوں تو ادنٰی لباس،اگر دونوں کی حیثیت مختلف ہو تو پھر درمیانہ لباس دیا جائے گا اور یہ جو خصاف کا قول مذکور ہے۔اور فتح میں اس کو اشبہ بالفقہ کہا ہے۔ بحرالرائق میں کہا ہے کہ خصاف کا قول ارجح ہے کیونکہ ولوالجیہ نے اس کو صحیح بتایا ہے اور کہا کہ اس پر فتوی ہے جیسا کہ نفقہ میں فقہاء نے فتوی دیا ہے،اھ ش) یہ تمام عبارت ملخص ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۵: از ملک بنگالہ موضع سبیب پور علاقہ کملا مرسلہ انوار الدین بار اول ۱۹شعبان ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق حق اللہ یا حق العباد ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

طلاق کسی کا حق نہیں، حق ہے وہ جس کا مطالبہ پہنچے،اور طلاق کا مطالبہ عورت کو نہیں پہنچتا،بلکہ بے وجہ شرعی مطالبہ کرے تو گنہگار ہو۔اور اللہ عزوجل بھی طلاق طلب نہیں فرماتا بلکہ اسے ناپسند و مبغوض رکھتا ہے،تو نہ وُہ حق اللہ ہے نہ حق العبد،ہاں جب مرد عورت کو وجہ شرعی رنہ رکھ سکے مثلاً نامرد ہو تو اس وقت شرعاً

[1] ردالمحتار معہ درمختار شرح تنویر الابصار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۶

اس پر طلاق دینی لازم ہو جاتی ہے۔قال اللہ تعالٰی:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[1]۔	ان کو بھلائی کرتے ہوئے روک لو، یا ان کو بھلائی کے ساتھ رخصت کردو۔(ت)

ایسی حالت میں ضرور وُہ حق العبد وحق اللہ دونوں ہو جائے گی، حق العبد تو یُوں کہ عورت کی خلاصی اسی سے متصور، اور حق اللہ یُوں کہ ہر حق العبد حق اللہ بھی ہے جس کے ادا کا وُہ حکم فرماتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶ تا ۱۱۷: از ملک بنگال ضلع سلہٹ ڈاک خانہ ایٹ کھولا موضع نارائن پور مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب روز عرفہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

سوال اوّل: کسی نے تین برس کے بعد ایک عورت کے طلاق پر گواہی دی اب شرعًا گواہ مقبول ہے یا مردود؟ اور مدّت فاصلہ جو درمیاں طلاق اور شہادت کے ہے مانع شہادت ہے یا نہیں؟ اور قبل اس شہادت کے تذکرہ طلاق اور عدمِ تذکرہ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا مع الدلائل** (دلائل کے ساتھ بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

سوال دوم: طلاق حق اللہ ہے حق العباد؟ مع برہان قاطع **بینوا توجروا**

الجواب:

طلاق بمعنی الایقاع یعنی اُس کا احداث اصلاً منجملہ حقوق نہیں،

حیث لامطالب لامن جھۃ العبد ولامن اللہ تعالٰی بل ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔	کیونکہ یہاں اللہ تعالٰی اور بندے کو طلاق کا کوئی مطالبہ نہیں پہنچتا بلکہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ تعالٰی کے ہاں طلاق ہے۔(ت)

البتہ جب ادائے حقِ زوجہ پر قادر نہ ہو جیسے عنین وغیرہ، تو طلاق حق العبد ہے حق زن کے لئے دیانۃً بھی واجب ہے اور ہر واجب دیانۃً حق اللہ سبحٰنہ تو اس حالت خاص میں طلاق حق العبد بھی ہے اور حق اللہ بھی ہے **لقولہ تعالٰی:**

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[2]۔	انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی سے رخصت کرو۔(ت)

---

[1] القرآن ۲/۲۳۱

[2] القرآن ۲/۲۳۱

اور طلاق بمعنی الوقوع یعنی بعد حدوث اُس کا ثمرہ حالاً مآلاً تحریم فرج ہے جو حق اللہ عزوجل ہے ولہذہ اس پر ادائے شہادت کے لئے کسی کا مدعی ہونا ضرور نہیں یہاں تک زن ومرد دونوں منکر ہوں مگر دوشاہد شرعی شہادتِ طلاق دیں حکمِ طلاق دیا جائے گا اور اُن دونوں کے انکار پر اصلاً التفات نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

یجب الاداء بلا طلب لو الشھادۃ فی حقوق اللہ تعالٰی کطلاق امرأۃ ای بائنا وعتق امۃ وتدبیرھا[1] (ملخصًا)	طلب کئے بغیر ہی شہادت کی ادائیگی حقوق اللہ میں ضروری ہے جیسا کہ کسی عورت کی بائنہ طلاق اور لونڈی کی آزادی اور اس کے مدبّر کرنے کے بارے شہادت (ملخصًا)۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

وتقبل وان انکر الزوجان[2]۔	بائنہ طلاق کے متعلق شہادت قبول کرلی جائے گی اگرچہ خاوند بیوی انکار کریں۔(ت)

ولہذا اطلاق بائن میں اگر شاہدین جانبین جبکہ زوجین بعد طلاق بھی بروجہ ناجائز معاشرت رکھتے ہوں بلاعذر شرعی شہادت ایک عدّت تک ادا نہ کریں فاسق ہوجائیں گے اور اب ان کی گواہی مردود ہوگی۔ قنیہ واشباہ ودرمختار میں ہے:

متی اخرشاھد الحسبۃ شھادتہ بلا عذر فسق فیرد[3]۔	اگر گواہ نے بلاوجہ حقوق اللہ میں شہادت دینے میں تاخیر کردی تو وُہ فسق قرار پائے گا اور اس کی شہادت مردود ہوجائے گی۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

شاھد الحسبۃ اذا اخرشھادتہ ھل المعتبر خمسۃ ایام او ستۃ اشھر فیہ خلاف ذکرہ فی القنیۃ ولم یذکرہ المصنف	اگر حقوق اللہ میں شہادت دینے میں گواہ نے تاخیر کی تو تاخیر میں پانچ دن یا چھ ماہ میں سے کیا معتبر ہے، اس میں اختلاف کو قنیہ نے ذکر کیا ہے اور مصنف نے

[1] درمختار کتاب الشھادت مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الشھادت دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۲۹

[3] درمختار کتاب الشھادت مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

رحمہ اللہ تعالٰی قال بعض الفضلاء الذی یظھر ان ذکر خمسة ایام کلام القنیة لیس بقید، بل المدار علی التمکن من الشھادة عند القاضی، ویدل علیہ مافی الصیر فیة شھدا انھما کان یعیشان عیش الازواج وکان طلقھا منذ کذا لاتقبل، لانھما صار فاسقین بتاخیر ھما الشھادة[1] اھ۔	ذکر نہیں کیا۔ بعض فضلاء نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ قنیہ کا کم از کم پانچ دن کا ذکر کرنا کوئی قید نہیں ہے بلکہ قاضی کے ہاں پہنچ کر شہادت دینے کی قدرت کا مدار ہے۔ صیر فیہ کی یہ عبارت اس پر دال ہے کہ دو۲ گواہوں نے شہادت دی کہ طلاق دینے کے باوجود یہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں جبکہ زوج نے طلاق اتنی مدت سے دے لکھی ہے تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے دونوں گواہ فاسق ہوگئے اھ (ت)

پس صورت مسئولہ میں اگر طلاق مغلظ تھی یا طلاق بائن تھی اور ادائے شہادت سے کوئی عذر صحیح مانع نہ تھا اور شہادت ادا نہ کی تو گواہی مردود ہے اگرچہ ہنوز تین ہی دن ہوئے ہوں نہ کہ تین برس، اور اس سے پہلے تذکرہ وعدم تذکرہ طلاق میں کوئی فرق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۸: بریلی محلّہ نقشبندیاں مسئولہ سیّد والیت حسین صاحب ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ زید اور اس کی خالہ کے باہم نفاق دلی ہے اور دونوں کے مکان سکنی کا صحن ایک ہ، زید اپنی زوجہ کو ممانعت کرتا ہے کہ تو میری خالہ کے صحنِ مکان میں مت جایا کر، اور میری خالہ سے مت مل، اور نہ بات کر، نہ کچھ لینے دینے کا رسوم رکھ کہ وہ میری مخالف ہے۔ اور وہ اس کی نہیں مانتی اور اس کی خالہ کے مکان میں جانا اور اس سے بات کرنا اور راہ رسم نہیں چھوڑتی، اور جب زید اس بات پر اس سے سخت کلامی کرتا ہے تو وُہ برابر سخت کلامی کرتی ہے اور اپنے ماں باپ اور خالہ سے زید کو مجبور کراتی ہے یہاں تک کہ زید کو اور اس کی والدہ کو تنگ کرتی ہے، اور بے حرمتی کی باتیں کرتی ہے اور زید اس کی نافرمانی کی وجہ سے اپنی زوجہ کو طلاق شرعی دینا چاہتا ہے، تو ایسی عورت نافرمان کو طلاق دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس حالت میں کہ وہ بارِ حمل سے ہو، جیسا ارشاد ہو عمل کیا جاوے۔

الجواب:

حدیث صحیح میں ارشاد ہوا کہ: عورت ٹیڑھی پسلی سے بنائی گئی ہے ٹیڑھی ہی چلے گی اور اگر تو اس سے فائدہ لینا چاہے

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشھادت والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴۷

تو اسی حال پر اس سے نفع اٹھا اور سیدھی کرنا چاہے تو ٹوٹ جائے گی اور اس کا توڑنا اُسے طلاق دینا ہے[1]۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا کہ: مسلمان عورت سے اچھا برتاؤ رکھو اگر تمہیں اس کی ایک عادت ناپسند ہُوئی تو دوسری ہوگی[2]۔

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا۔[3]	قریب ہے کہ تم ایک بات کو مکروہ جانو گے اور اللہ عزوجل اس میں بہت بھلائی رکھے گا۔

اور اگر عورت کو طلاق دے کر پھر کبھی نکاح نہ چاہے تو خیر، ورنہ کیا معلوم کہ دوسری اس سے بھی بُری ملے، اس لئے حتی الامکان عورت کے ساتھ نیک برتاؤ اور اس کی دلجوئی اور اُسے خوش کرکے اپنی اطاعت پر لانا اور اس کی کج خلقی پر صبر کرنا چاہئے، اور اصطلاح ناممکن ہو تو طلاق دے سکتا ہے، مگر ایک طلاق رجعی سے زیادہ دینا گناہ ہے، فقط ایک بار اس سے کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، پھر اگر عدّت کے اندر یعنی حاملہ کے بچّہ پیدا ہونے سے پہلے دل میں اُسے رکھنے کی آئی تو زبان سے کہہ لے میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھر لیا، وہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی ورنہ اس سے الگ رہے، یہاں تک کہ بچّہ پیدا ہو جائے اس وقت وہ نکاح سے نکل جائے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۱۹تا۱۲۰:　از چھاؤنی فیروز پور مرسلہ عبدالعزیز خاں پنشنر　یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

بخدمت اقدس حامی شرعِ رسول، حاوی معقول ومنقول حضرت مجدد مائۃ حاضرہ جناب مولانا صاحب دامت فیوضہم، مؤدبانہ السلام علیکم کے بعد گزارش ہے کہ طلاق بہر نہج کے باشد عورتوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو واقع ہو جاتی ہے مگر اس کا ایقاع بلاوجہ ملجیہ شرعیہ نادرست اور حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

وایقاعہ مباح عند العامۃ لاطلاق الاٰیات اکمل، وقیل قائلہ الکمال	طلاق دینا جمہوری فقہاء کے نزدیک مباح ہے کیونکہ طلاق والی آیاتِ کریمہ مطلق ہیں کما ذکرہ اکمل اور بعض نے

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع الوصایۃ بالنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۵

[2] صحیح مسلم کتاب الرضاع الوصایۃ بالنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۵

[3] القرآن الکریم ۴/۱۹

الاصح حظرہ الالحاجة[1] الخ۔	کہا یعنی کمال الدین ابن ہمام نے کہ قولِ اصح یہ ہے کہ طلاق ممنوع ہے مگر حاجت ہو تو مباح ہے الخ (ت)

معاشرتِ نساء کے بارے میں جو آیات اور احادیث وارد ہیں اُن میں بھی جانب عدم ایقاع اور حرمت مرجح معلوم ہوتی ہے، بعد نکاح ایقاع وعدم کل مختار ہے اور عدمِ ایقاع زیادہ مختار اور پسندیدہ نظرًا الی الاٰیات والاحادیث التی وردت فی المعاشرت بالنساء (اُن آیات واحادیث کے پیشِ نظر جو عورتوں سے معاشرت کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ت) اور بعد چند سال کے اگر آپس شقاق واقع ہو تو پنچایت مطابق آیت وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ[2] (اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو۔ت) مصالحت کی راہ سے اختیار کریں بنابریں قرار پایا کہ میں اس عورت کو ہرگز طلاق نہ دوں گا تازندگی، اور اقرار نامہ لکھ دیا اور اپنے اختیار ایقاع طلاق کو اس معاہدہ سے باطل کردیا ہے اور بروئے اقرار نامہ کے طلاق نہیں دے سکتا کہ اسے نقضِ معاہدہ لازم آتا ہے نقض معاہدہ عام ہے وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ ۚ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾[3] (وعدہ وفا کرو یقینا عہد کے متعلق سوال ہوگا۔ت) واقع ہوا بدیں لحاظ ایقاعِ طلاق بلاوجوہ موجبہ شرعیہ حرام اور محظور ہوگا لہٰذا سوال کے جواب میں طلاق دینا بلحاظ اقرار نامہ محظور وممنوع لکھنا درست اور استفتاء ثانی میں عدمِ وقوعِ طلاق عبارت عالمگیریہ سے بظاہر ثابت ہوتا ہے وہ بھی صحیح ہے کیونکہ حبیب خاتون کے خاوند نے طلاق نامہ اس بناپر لکھوایا ہے کہ اسے خرچ نہ دینا پڑے لہٰذا اس کا طلاق نامہ لکھوانا قابلِ سماعت نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کا بیان ہے کہ میں نفقہ نہیں دُوں گا میں اُس کو طلاق نامہ رجسٹری بذریعہ ڈاک بھیج چکا ہوں، مسمّاۃ حبیب خاتون نے واپس کردیا مسماۃ خاتون انکاری ہے اور کہتی ہے کہ مجھے خبر تک بھی نہیں کہ مجھے طلاق دیا گیا اور طلاق نامہ میرے پاس نہیں بھیجا گیا، لہٰذا ملتمس ہوں کہ براہِ عنایت ونوازش قدیمانہ کے دست بستہ عرض ہے کہ آپ ہر دو ۲ استفتاء کو بعد ملاحظہ کے حقیقت مسئلہ سے آگاہ فرمائیں کیونکہ اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے اور جناب کی ذات والا صفات پر کمال بھروسا ہے۔

سوال: جو عورت صالحہ نمازی اللہ اور رسول کی تابعداری ہے احکامِ شریعت پابندی خاوندی کی تابعداری ہر ایک حکم میں مع ہذا چار پانچ سال بعد کسی ناچاقی کے وقت میں رُوبروئے پنچایت اقرار نامہ بھی لکھ دیا جس میں شرط

---

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۵

[2] القرآن ۴/۳۴

[3] القرآن ۱۷/۳۴

ہے کہ تازندگی طلاق نہیں دُوں گا، کیا اسے پانے اس اقرار نامہ کے رو سے اس عورت کو طلاق دینا جائز اور درست ہے؟ اور شیر خوار لڑکی بھی اس کے پاس ہے۔

سوال متعلق سوال سابق اقرار نامہ

سائل نے یہ بھی تحریر کر دیا ہے اس اقرار نامہ کے ضمن میں نان نفقہ بابت پانچ روپیہ ماہور دیا کروں گا، خرچ نہ بھیجنے پر عورت نے حاکم کے پاس نالش کی ہے، مدعا علیہ کی طلبی ہوئی، اس پر جواب دعوی کے ساتھ وکیل نے طلاق نامہ لکھوا کر پیش کر دیا ہے، یہ طلاق نامہ نان ونفقہ کے نہ لازم ہونے کے لئے پیش کیا ہے کہ میں اس کو طلاق نامہ دے چکا تھا جس سے عورت انکاری ہے، کیا یہ طلاق نامہ اس کا ایسی صورت میں معتبرہ اور نان ونفقہ اس پر واجب نہ ہوگا؟

جواب سوالِ اوّل

شَے واحد میں حل وحظر کا دو جہت سے مجتمع ہونا کچھ بعید نہیں، طلاق فی نفسہٖ حلال ہے، اور ازانجا کہ شرع کو اتفاق محبوب اور افتراق مبغوض ہے، بے حاجت یاریت محظور ہے، حدیث میں ان دونوں جہتوں کے اجتماع کی طرف صاف اشارہ فرمایا گیا:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق [1]۔	حلال چیزوں میں سے اللہ تعالٰی کے ہاں طلاق ناپسندیدہ ترین ہے (ت)

حلال بھی فرمایا اور مبغوض بھی، آیہ کریمہ میں مطلقاً ارشاد ہوا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ [2]۔	اے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)! جب آپ طلاق دیں تو عدت کو پیشِ نظر رکھ کر طلاق دیں اور عدت کو شمار کریں۔ (ت)

اور حدیث میں فرمایا:

---

[1] سنن ابوداؤد باب کراہیۃ الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶

[2] القرآن ۶۵/۱

لعن اللہ الزواقین ف۱ والزواقات[1]۔	نکاح کو شغل بنانے والے مرد اور عورت پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔(ت)

اور فرمایا:

ان المختلعات ھن النافقات[2]۔	خلع طلب کرنے والی عورتیں منافق ہیں(ت)

اور فرمایا:

ماحلف بالطلاق مومن ولا استحلف بہ الامنافق[3]۔	طلاق کی قسم دینے والا مومن نہیں،اور طلاق کی قسم لینے والا صرف منافق ہے۔(ت)

آیت کا وہ حکم اور احادیث کے یہ ارشادات انہی وجہین حل و بغض پر ہیں،اگر عورت پر کوئی شُبہ ہو یا وُہ عاصیہ ہو یا نماز نہ پڑھتی ہو یا بُوڑھی ہوگئی ہو اور اُسے قسم بین النساء سے بچنا ہو تو ان سب صورتوں میں طلاق بلا کراہت جائز ومباح ہے بلکہ بعض صورتوں میں مستحب،علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت نماز نہ پڑھے اور یہ ادائے مہر پر قادر نہ بھی ہو جب بھی طلاق دے دینی چاہئے کہ

لان ف۲ یلقی اللہ ومھرھا فی عنقہ خیر لہ من ان یعاشر امرأۃ لاتصلّی کما فی الخانیۃ والغنیۃ وغیرھما[4]۔	اللہ تعالٰی کے ہاں پیشی میں بیوہ کا مہر شوہر کے گلے میں پڑا ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ بے نماز عورت سے معاشرت جاری رکھے،جیسا کہ خانیہ،غنیہ وغیرہما میں ہے۔(ت)

---

[1] مجمع الزوائد باب من یکثر الطلاق دار الکتاب بیروت ۳۳۵/۴

[2] الترغیب والترتیب باب ترہیب المرأۃ ان تسأل زوجھا مصطفی البابی مصر ۸۴/۲،جامع الترمذی ابواب الطلاق امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۴۲/۱

ف۱: غالبًا حدیث کے الفاظ یُوں ہیں:ان اللہ لایحب الزوقین والزوقات۔ تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو معجم اوسط ۴۱۳/۸،دُر منثور ۲۷۸/۱،تفسیر القرطبی ۱۴۹/۱۸،کشف الاستار عن زوائد البزار ۱۹۲/۲ان سب کتب میں "ان اللہ لا یحب الزواقین"کے الفاظ ہیں "لعن اللہ الزواقین"کے الفاظ نہیں۔ **نذیر احمد**

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۴۶۳۴۰ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶۸۹/۱۶

[4] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت /

ف۲: یہ عبارت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے اصل الفاظ یوں ہیں:"لان القی اللہ وصداقھا بذمتی خیر من ان اعاشر امرأۃ لاتصلی"۔ملاحظہ ہو ردالمحتار کا صفحہ مذکور ۴۱۶/۲۔ **نذیر احمد**

بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہوتی ہے، جیسے اس کو اس کے ماں باپ کو طلاق دینے کا حکم دیں اور نہ دینے میں ان کی ایذا وناراضی ہو واجب ہے کہ طلاق دے دے اگرچہ عورت کا کچھ قصور نہ ہو "لان العقوق حرام والا جتناب عن الحرام واجب" (کیونکہ نافرمانی حرام ہے اور حرام سے بچنا واجب ہے۔ت) حدیث میں فرمایا:

وان امراك ان تخرج من اهلك ومالك فاخرج[1]۔	اگر والدین بیوی اور مال سے علیحدگی کا حکم دیں تو ایسا ہی کرو۔(ت)

ہاں بے حاجت بلا عذر شرعی طلاق دینا مکروہ وممنوع ہے مگر دے گا توپڑ ضرور جائے گی کہ وہ اس کی زبان پر رکھی گئی "بیدہ عقدۃ النکاح" (نکاح کی گرہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ت) اس کا مرتکب مکروہ وہ بلکہ گنہگار ہونا بھی اس کے وقوع کو نہیں روکتا جیسے حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے کہ حکم فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ[2] (عدّت کو پیشِ نظر رکھ کر طلاق دو۔ت) مگر دے گا تو ضرور ہوجائے گی اور یہ گنہگار۔ عہد نامہ کا اثر فقط اتنا ہوگا کہ بلاحاجت جو طلاق جو طلاق دینا مکروہ تھا اب سخت مکروہ ہوگا کہ نقضِ عہد بھی ہوگا مگر وقوع سے یہ بھی مانع نہیں ہوسکتا، دے گا توپڑ جانے میں شبہہ نہیں اگرچہ مخالفت کا عہد بھی ہوگا مگر وقوع سے یہ بھی مانع نہیں ہوسکتا، دے گا توپڑ جانے میں شبہہ نہیں اگرچہ مخالفت کا عہد بھی اس پر الزام آئے گا۔ اس عہد کا اگر حاصل یہ تھا کہ پانے اختیار طلاق کو سلب کرتا ہے تو وُہ عہد ہی مردود ہے کہ تغیر حکم شرع ہے شرع مطہر نے اس کو مالک کیا ہے اس مِلک کو باطل نہیں کرسکتا۔ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مابال اقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب الله، من اشترط شرطا لیس فی کتاب الله فهو رد ان کانت مائة شرط شرط الله احق واوثق[3]۔	قوموں کا کیا حال ہوگا کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو شخص ایسی شرط لگائے جو اللہ تعالٰی کی کتاب میں موجود نہیں یعنی اللہ تعالٰی کی پسندیدہ نہیں، تو وہ شرط مردود ہے اگرچہ ایسی سو۱۰۰ شرطیں ہوں، صرف اللہ تعالٰی کی پسندیدہ شرط قبولیت کے لائق اور باوثوق ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الترغیب والترهیب من ترك الصّلوٰة تعمدًا مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۸۳، السنن الکبرٰی کتاب القسم والنشور دار صادر بیروت ۷/ ۳۰۴، کنز العمال حدیث ۴۴۰۱۸ موسسة الرساله بیروت ۱۶/ ۴۹

[2] القرآن ۶۵/ ۱

[3] صحیح مسلم باب بیان ان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

یقع کثیر فی کلام العوام انت طالق تحلی للخنازیر وتحرّمی علیّ وافتی فی الخیریّة بأنه رجعی لان قوله وتحرمی علیّ ان کان للحال فخلاف المشروع لانها لا تحرم الابعد انقضاء العدّة، وان کان للاستقبال فصحیح ولاینافی الرجعة، وکذلك افتی بالرجعی فی قولهم انت طالق لایردك قاضی ولا عالم لانه لا یملك اخراجه عن موضوعه الشرعی وایده فی حواشیه علی المنح بمافی الصیرفیة لوقال انت طالق ولارجعة لی علیك فرجعیة[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عوام کے کلام میں کثیر الوقوع ہے کہ "تجھے طلاق ہے تو خنزیروں پر حلال اور مجھ پر حرام ہے"، خیریہ میں فتوی دیا ہے کہ یہ طلاق رجعی ہے کیونکہ "تومجھ پر حرام" کہنا، اگراس سے مراد یہ ہے کہ "فی الحال مجھ پر حرام" تو یہ خلاف، مشروع ہے کیونکہ طلاق کے بعد بیوی عدت ختم ہونے پر حرام ہوتی ہے اور استقبال کے لئے حرام کیا تو یہ صحیح ہے اور یہ رجوع کرنے کے خلاف نہیں اور یوں ہی فقہاء نے رجعی طلاق کا فتوی دیا ہے جب کوئی یہ کہے کہ تجھے ایسی طلاق جس پر تجھے کوئی قاضی اور عالم واپس نہ کرسکے، کیونکہ ایسا کہنے کا وُہ مجاز نہیں کہ جس سے وُہ شرعی حکم کو معطل کردے۔ منح کے حواشی میں اس کی تائید پر صیرفیہ کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے بیوی کو کہا تجھے طلاق ہے اور تجھے پر رجوع کا حق نہیں ہے، تو یہ طلاق رجعی ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال دوم

طلاق نامہ دربارہ وقوعِ طلاق ضرور معتبر ہے اس کے کہنے سے کہ میں طلاق دے چکا ہوں، ضرور طلاق ہوجائے گی،

لانه یملك انشاءه فی الحال فلاینازع فیما قال۔	کیونکہ فی الحال وُہ طلاق کا مالک ہے، توجو اس نے کہا وہ اس کے مخالف نہیں۔ (ت)

ہاں زمانہ کی طرف اس کی اسناد اگر کرے کہ اتنے دن ہوئے میں اسے طلاق دے چکا ہوں تو یہ مدّت نہ مانی جائے گی بلکہ اسی وقت سے طلاق قرار پائے گی۔ درمختار میں ہے:

لو اقر بطلاقها منذزمان ماض فان الفتوی انها من وقت الاقرار نفیا	اگر ماضی میاں میں کسی وقت کی طلاق اقرار کیا تو مطلقًا اس وقت اقرار سے طلاق کا فتوی ہے تاکہ

[1] ردالمحتار باب الصریح من کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۱

لتھمة المواضعة[1]۔	میاں بیوی کے ناجائز سمجھوتہ کی تہمت نہ لگ سکے (ت)

مگر نفقہ مفروضی ساقط کرنے کے لئے اس کا قول معتبر نہ ہوگا اس وقت تک کا نفقہ مفروضہ دلائیں گے اور اس وقت سے مطلقہ مانیں گے اور آج سے تمامی عدت تک کا نفقہ واجب کریں گے۔ ہاں اگر عورت بھی تسلیم کرلے کہ اتنا زمانہ ہوا طلاق ہوچکی اور عدّت گزرچکی تو بے شک نفقہ لازم نہ آئے گا مگر طلاق بہرحال اس وقت سے لازم ہے۔ درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

لکن ان کذبته فی الاسناد اوقالت لا ادری وجبت العدة من وقت الاقرار ولها النفقة والسکنی وان صدقته فکذٰلك غیرانه لانفقة لا سکنی لقبول قولها علٰی نفسها خانیة[2] (ملخصا)	لیکن اگر عورت مرد کو زمانہ کی نسبت میں جھوٹا قرار دے یا کہے کہ مجھے معلوم نہیں، تو ایسی صورت میں اقرار کے وقت سے عدّت شروع ہوگی، اگر اس کو نفقہ اور رہائش دینی ہوگی، اور عورت اس کی تصدیق کرے تو پھر حکم یہی ہے مگر وُہ اپنی تصدیق کی وجہ سے اپنے نفقہ اور سکنٰی کے حق سے محروم ہوجائے گی (ملخصًا) (ت)

ذخیرہ امام برہان الدین محمود پھر ہندیہ میں امام خصاف رحمۃ اللہ تعالٰی سے ہے:

لوان رجلا قدمته امرأته الی القاضی وطالبته بالنفقة وقال الرجل للقاضی کنت طلقتها منذسنة وانقضت عدتها وجحدت الطلاق لایقبل قوله فان شهد له شاهدان بذلك والقاضی لایعرفهما فانه یامره بالنفقة علیها فان عدلت الشهود واقرت انها حاضت ثلث حیض فی هذه السنة،فلانفقة لها علیه فان اخذت منه شیئا ردت علیه[3]۔	اگر کسی عورت نے قاضی کے ہاں کسی شخص کی پیشی کرادی اور نفقہ کا مطالبہ کیا اور مرد نے قاضی سے کہا کہ میں نے اس کو ایک سال قبل طلاق دے دی تھی اور عدت بھی گزرچکی ہے اور عورت طلاق کا انکار کردے تو قاضی مرد کی بات کو قبول نہیں کرے گا، اگر دو گواہوں جن کو قاضی نہیں جانتا، نے گواہی مرد کے حق میں دی تو پھر بھی قاضی نفقہ واجب کردے گا، ہاں اگر عورت ان گواہوں کو عادل قراردے اور تین حیض سال بھر میں گزرنے کا اقرار کرلے تو اب عورت کے لئے نفقہ نہ ہوگا پھر اگر عورت نے کچھ وصول کیا ہو تو واپس کرے گی۔ (ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۷

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵۹

لم یقبل قولہ فی ابطال نفقتھا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مرد کا قول بیوی کے نفقہ کو باطل کرنے میں قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مکان بوائن صاحبہ مرسلہ مولوی ابوالخیر سید حسن صاحب ۱۳جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

سیّدی مولائی وماوائی مدظلہ اللہ تعالٰی بعد السلام علیکم کے خدمت میں عرض یہ ہے کہ حضور معتمد علیہ کلی ہیں لٰہذا یہ استفتاء بھیجا جاتا ہے حضور ہی کے مہر پر جواز وعدمِ جواز ہے اگرچہ اکثر علماء نے دستخط کیا ہے، صورت سوال یہ ہے:

چہ می فرمایند دین اندریں صورت کہ زید بحضور خالد بعدم موجودگی عدم تسمیہ ہندہ یعنی زوجہ خود گنت یک طلاق، دوطلاق، سہ طلاق، مید ہم یانمی دہم ہیچک نہ گفتہ وبجر کہ بردر حقیقی زید ست می گوید کہ رُوبروئے من بلا تسمیہ وبلا حضور ہندہ می گفت طلاق مید ہم طلاق مید ہم طلاق عمرومیگوید کہ صباح زید زپرسیدم کہ شب گزشتہ درمکان شما شوروغل بچ سبب بود گفت من طلاق دادہ ام (بلاحضور ہندہ وبلاتسمیہ واضافت) وہندہ لفظ طلاق از جائے دیگر شنیدہ می گوید کہ زید یعنی شوہرم مرا طلاق دادہ است زید ازو انکار می سازد۔ دریں صورت ہندہ مطلقہ خواہد شد یانہ؟	کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے خالد کے ہاں اپنی بیوی ہندہ کا نام لئے بغیر، بغیر اسکی موجودگی کے لئے "ایک طلاق، دو۲طلاق، تین طلاق"۔اس نے "دیتا ہوں" یا "نہیں دیتاہوں" کچھ نہ کہا۔ زید کا حقیقی بھائی بکر کہتا ہے کہ میرے سامنے زید نے اپنی بیوی ہندہ کی غیر موجودگی اور اس کا نام ذکر کئے بغیر کہا: "طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہوں"۔ عمرو کہتا ہے صبح جب میں نے زید سے پوچھا کہ تمہارے گھر گزشتہ رات کیا شوروغل ہورہاتھا، اس نے کہ میں نے طلاق دی ہے۔ (یہ ہندہ کا نام اور اسکی طرف نسبت کئے بغیر اس کی غیر موجودگی میں کہا ہے) اور ہندہ نے طلاق کے متعلق کسی سے سن کر کہا کہ زید یعنی میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے، جبکہ زید اس سے انکار کرتا ہے، تو اس صورت میں ہندہ کو طلاق ہوئی یا نہ۔ (ت)

حضور والا راسخ المحققین ہیں گوکہ کبھی اس حقیر کو حضور وملازمت حاصل نہ ہوئی لیکن فیوضات نامتناہی سے مستفیض ہوتا ہے، اکثر فتوے حضور کے اس شہر میں آتے رہتے ہیں، یہ واقعہ اس خاکساری کے بالمواجہ ہوا ہے، زید نے بلاتسمیہ وخطاب واضافت بحالت عدم موجودگی ہندہ لفظ "طلاق" و "طلاق دیتا ہوں" کہا ہے

[1] بدائع الصنائع کتاب النفقۃ فصل فی سبب وجوب ہذہ النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸/۴

اور صبح کو بوقتِ دریافت عمرو زید نے کہا کہ میں نے جو کہا کہ میں نے طلاق دیا ہے بلاتسمیہ وبلااضافت بطرف زوجہ اس کہنے سے زید کی مراد وہی لفظ طلاق ہے جو شب کو کہا تھا انشا نہیں خبر دے رہا ہے طلاق شب کی۔ زیادہ حدِادب!

الجواب:

حکم ہر دو گونہ است حکم دیانت وحکم قضاء، دیانت آنکہ فیما بین العبدوربہ باشد ایں جا دیگراں را دخل نیست او داند وخدائے او۔ دریں سخن اضافت بسوئے زن نیست، اگر دردل ہم قصد اضافت نہ کردہ باشد قطعًا طلاق نیست وذٰلك لان الطلاق لاوقوع له الابالا يقاع ولا ايقاع الاباحداث تعلق الطلاق بالمرأة ولايتاتی ذلك الابالاضافة ولو فی النية۔ فاذا خليا عنه لم يكن احداث تعلق اذلاتعلق الا بمتعلق فلم يكن ايقاعا فلم يورث وقوعا وهذاضروری لايرتاب فيه، مجرد تلفظ بلفظ طلاق ہی بے اضافت بزن نہ درلفظ ونہ درقصد اگر موجب تطلیق شود ہرکسے کہ لفظ طلقت یا طلاق دادم یامی دہم برزبان آرد زن او مطلقہ شود اگرچہ ہمیں قصد حکایت دارد ولازم آید طلبہ درکتاب الطلاق ازیں گونہ صدہا

حکم دو۲ طرح ہوتا ہے ایک دیانۃً اور دوسرا قضاءً۔ دیانۃً حکم کا معنٰی یہ ہے کہ بندے اور اللہ تعالٰی کے درمیان معاملہ ہے یہاں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں، بندہ جانے اور اس کا خدا جانے اور مسئولہ صورت میں بیوی کی طرف طلاق کی اضافت کا قصد نہ کیا ہو تو قطعًا طلاق نہ ہوئی، کیونکہ طلاق کا وقوع بغیر واقع کرنے (ایقاع) کے نہیں ہوتا اور ایقاع اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک طلاق کا تعلق بیوی سے نہ کیا جائے اور یہ اضافت کے بغیر ممکن نہیں اس لئے اضافت ضروری ہے خواہ نیت میں ہو، تو طلاق جب اضافت لفظی یا قلبی سے خالی ہو تو طلاق کا تعلق پیدا نہ ہوگا کیونکہ تعلق بغیر متعلق نہیں ہوسکتا، اس لئے ایقاع نہ ہوگا، تو وقوع بھی نہ ہوگا، اتنی بات واضح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ اگر زبان پر لفظ طلاق نسبتِ لفظی یا ارادی کے بغیر ہی طلاق دینے کا موجب قرار پائے تو لازم آئے گا کہ جو شخص بھی کسی صورت میں اپنی زبان سے لفظ طلاق استعمال کرے اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے خواہ حکایت کرتے ہوئے ہی استعمال کرے، نیز دینی طلباء کتاب الطلاق

الفاظ می خوانند ودر بحث وتکرار بار بار زبان رانند زنان ہمہ سہ ۳ طلاقہ مانند هل هذا الابهت بحت۔ درمحیط وہندیہ وغیرہما است لایقع فی جنس الاضافة اذا لم ینو لعدم الاضافة الیها[1] زید بہ نیت خود عالم ہست وعالم الضمائر والسرائر جل جلالہ، از وعالم تراست اگر ارادہ طلاق ہندہ نہ کردہ بود ہندہ ہمچناں زن اوست و فہم وقول دیگراں ہیچ زیاں نیارد آنچناں کہ محبان قصد طلاق فتوائے مفتی بعدم سود نہ دارد، واللّٰہ علیم بذات الصدور والیہ سبحانہ ترجع الامور، واماحکم قضاء کہ قاضی وزن باآں کاربند ند پس تحقیق آں ست کہ قضاءً نیز حکم بوقوع طلاق را از تحقق اضافت باگزیرست، کما فی کتب المذهب لا یحصی عددها ولا ینقطع مددها ومن فقیر درتعلیقات خودم بر ردالمحتار بعد تحقیق آں کہ اضافت در لفظ ہر چند گونہ است تحقیق آں کہ اضافت در لفظ ہر چند گونہ است تحقیق نمودہ ام کہ چوں لفظ از ہمہ وجوہ اضافت تہی باشد آنگاہ بنگرند اگر ایں جاقرینہ باشد کہ باو راجح تر ارادہ اضافت ست قضاءً	میں اس قسم کے صدہا الفاظ پڑھنے، تکرار اور بحث کرنے میں بار بار زبان پر لاتے ہیں تو لازم کہ آئیگا کہ ان سب کی بیویوں کو تین طلاق پڑجائیں۔ جبکہ یہ خالص جھوٹ ہے۔ محیط اور ہندیہ وغیرہما میں ہے کہ اضافت نہ ہونے پر طلاق نہ ہوگی تو موجودہ صورت میں زید اپنی نیت کو اس سے زیادہ جاننے والا ہے، اگر ہندہ بدستور اس کی بیوی ہے۔ دوسروں کا فہم یاان کی بات اس معاملہ میں مضر نہیں ہے، جو لوگ طلاق کے خواہاں ہیں ان کو کسی مفتی کا فتوٰی عدمِ طلاق کارآمد نہیں ہوگا، اللہ تعالٰی دل کی باتوں کو جانتا اور امور کا فیصلہ آخر اس کے پاس ہوگا۔ حکم قضاء میں قاضی اور عورت کا کردار ہوگا، تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ قضاءً بھی طلاق کو واقع کرنے کے حکم کے لئے اضافت کا تحقق ضروری ہے، جیسا کہ مذہب کی کتب میں بے شمار مرتبہ مذکور ہے، اور اس فقیر نے ردالمحتار کی تعلیقات میں بحث کرتے ہوئے پہلے لفظی اضافت کی تحقیق پیش کی کہ وُہ کن کن صورتوں میں ہوسکتی ہے پھر یہ تحقیق کی کہ اگر لفظ ہر طرح اضافت سے خالی ہوں تو وہاں دیکھا جائے گا کہ یہاں کوئی ایسا قرینہ

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

حکم بطلاق کنند نظر الی الظاہر واللہ یتولی السرائر اگر شوہر بہ قسم انکار ارادہ آں راکند پس اورامصدق دارند وزن را مطلقہ نانگارند لکونہ امینا فی الاخبار عن نفسہ وقداتی بما یحتملہ کلامہ درہندیہ از فتاوٰی می آرد رجل قال لا مرأتھا گرتوزن منی سہ ۳طلاق مع حذف الیاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیھا[1]۔ ہندیہ از محیط می نگارد سئل شیخ الاسلام الفقیۃ ابونصر عن سکران قال لامرأتہ اتریدین ان اطلقك قالت نعم فقال بالفارسیۃ اگرتو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی واخرجی من عندی وھو یزعم انہ لم یردبہ الطلاق فالقول قولہ[2] ہمچناں درخانیہ فرمود وزادمعللا لانہ لم یضف الطلاق	موجود ہے جس سے اضافت کا ارادہ راجح طور پر معلوم ہوتا ہو تو قضاءً ظاہر قرینہ کی بناء پر طلاق کا حکم کردیا جائے گا، باطنی امور اللہ تعالٰی کے سپرد ہیں ارادے کا انکار کرتا ہو تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کی بیوی مطلّقہ نہ ہوگی، کیونکہ وہ اپنے بارے میں خبر دینے میں امین متصور ہوگا جبکہ وہ بات بھی ایسی ہی کہتا ہے جس کا کلام میں احتمال موجود ہے۔ ہندیہ میں متعدد فتووں میں کہا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو میری بیوی، تین طلاق (یائے نسبت کو مخذوف کیا) تو طلاق نہ ہوگی جب یہ بتائے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، کیونکہ یائے اضافت کو حذف کردینے کی وجہ سے بیوی کی طرف اضافت کا ذکر نہ ہوا، ہندی نے محیط سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے کسی نے پوچھا کہ ایک نشے والا اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دوں؟ بیوی نے جواب میں ہاں کہا تو نشے والے نے فارسی میں کہا اگر تو میری بیوی، ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اٹھ جا، نکل جا۔ اور خاوند کا گمان ہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو اس کی بات مان لی جائیگی۔ یوں ہی خانیہ میں ہے لیکن اس پر انہوں نے علّت

[1] الفتاوٰی الهندیة الفصل السابع فی الطلاق بالا الفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] الفتاوٰی الهندیة الفصل السابع فی الطلاق بالا الفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۳

الیھا[1]، نیز در ہندیہ از ذخیرہ می سپارد سئل نجم الدین عمن قال لامرأته چوں تو روی طلاق دادہ شد وقال لم انو الطلاق ھل یصدق قال نعم[2] ہم در خانیہ وبزازیہ است قال لھا لاتخرجی الاباذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکرہ حلفه بطلاقھا ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول له[3]، واگر ہیچو قرینہ نیست آنگاہ حکم طلاق اصلا نہ کنند مگر آنکہ شوہر اقرار ارادہ طلاق نماید۔ درخلاصہ وہندیہ وجیز والنقروی وغیرہا است سکران ھربت منه امرأته فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیة بسه طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع[4] ولفظ مجموعہ چناں ست	بیان کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا، کیونکہ اس نے طلاق کی اضافت بیوی کی طرف نہ کی، نیز ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول لکھا، کہ، نجم الدین سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے بیوی کو کہا جب تو گئی تو طلاق ہو جائے گی، اور کہتا ہے کہ میں نے بیوی کو طلاق کی نیّت نہیں کی، تو کیا اس شخص کی بات مان لی جائیگی۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا ہاں مان لی جائے گی خانیہ اور بزازیہ میں بھی ہے، کسی نے بیوی کو کہا کہ میری اجازت کے بغیر نہ نکلنا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو اگر عورت نکل جائے طلاق نہ ہو گی، کیونکہ اس نے بیوی کی طلاق کی قسم کو ذکر نہ کیا تو اس میں غیر بیوی کی قسم کا احتمال ہے اس لئے اس کی بات تسلیم کرلی جائے گی، اگر وہاں قرینہ بالکل نہ ہو تو بھی طلاق نہ ہو گی اور قاضی طلاق کا حکم نہ کرے گا، مگر یہ کہ خاوند طلاق کے ارادے کا اقرار کرے۔ خلاصہ، ہندیہ، وجیز اور نقروی وغیرہا میں ہے کہ ایک نشہ والے سے اس کی بیوی فرار ہو گئی، وہ پیچھے بھاگا اور کامیاب نہ ہونے پر اس نے کہا: تین طلاق کے ساتھ، پس اگر وہ خاوند کہے کہ میں نے اپنی بیوی کی نیت سے کہا، تو طلاق واقع ہو گی، اور اگر اس نے

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق مطبوعہ نولکشور ۱/۲۱۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۵

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی حاشیۃ الفتاوی الھندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۷۰

[4] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق الفصل الاول من جنس اخر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ جزء ۲/۷۶

فرت ولم یظفر بھا فقال سه طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والا لا ،ودر بحر الرائق لو قال طالق فقیل من عنیبت فقال امرأتی طلقت امرأته[1] اھ.فقد علق الوقوع علی اقرارہ انه عناھا این ست تحقیق انیق وبه یحصل بتوفیق الله تعالٰی التوفیق وتمام الکلام فی غیر المقام مع توضیع المسائل وتنقیح الدلائل مذکورفیما علقنا علی ردالمحتار فعلیك به فانك لا تجدہ فی غیرہ والحمدلله العزیز الغفار۔چوں ایں معنی عالی منجلی شد حالادر مسئلہ دائر نظر باید پیداست کہ لفظ عاری از اضافت ست وسائل فاضل درنامہ خودش وانمودہ کہ صدور ایں کلام از زید ابتداءً بود بے مکالمہ احدے دربارہ طلاق ہندہ حتی یتوھم وجود الاضافة فی سوال صدر ھذاجوباً له و السوال معاد فی الجواب بازآغاز اظہار سوال آنست کہ زید ہمیں یک طلاق دوطلاق سہ طلاق	کچھ نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی۔اور مجموعہ الفتاوٰی کے الفاظ یہ ہیں: بیوی بھاگ گئی اور کامیاب نہ ہوا تو اس نے کہا، تین طلاق، اگر وہ کہے میں نے بیوی کے ارادے سے یہ الفاظ کہے ہیں تو بیوی کو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، بحرالرائق میں ہے: کسی نے کہا طالق، تو پوچھا گیا کہ تو نے کس کے ارادے سے کہا، اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کے ارادے سے کہا ہے، تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی اھ۔بحرالرائق نے طلاق واقع ہونے کو اس کے اقرار سے مشروط کیا ہے کہ اس نے بیوی مراد لی ہے، یہ واضح تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے عبارات میں موافقت ہوگئی ہے، اس کی مکمل بحث دوسری جگہ مسائل کی وضاحت اور دلائل کی چھان بین کے ساتھ ردالمحتار کے ہمارے حاشیہ میں مذکور ہے، اس کی طرف رجوع تجھ پر لازم ہے کیونکہ دوسری جگہ ایسی تحقیق نہ پائے گا، سب تعریف اللہ تعالٰی غالب اور بخشنے والے کے لئے ہی ہے۔جب یہ عالی شان بحث روشن ہوگئی تو اب زیرِ نظر مسلہ میں غور کرنا ضروری ہے کہ یہاں لفظ اضافت سے خالی ہیں، اور سائل نے اپنے خط میں خود واضح کیا ہے کہ زید سے یہ کلام ابتداء صادر ہوا ہے جس سے قبل کوئی مذاکرہ طلاق ہندہ کسی نے نہیں کیا، تاکہ یہ شبہہ ہوسکے کہ ہندہ کے بارے میں طلاق کے سوال میں اضافت مذکور ہے جس کے جواب میں یہ کلام ہے

[1] بحر الرائق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۳

گفت ومی دہم وغیرہ بادیچ نیامیخت پس ایں صورت از وجہ دوم اعنی عدم قرینہ مذکورہ باشد کما رأیت النص فی قولہ بعد طلبھا وعدم الظفر بھا سہ ۳طلاق او بسہ ۳طلاق پس ایں جا قضاءً نیز حکم طلاق راخود گنجائشے نیست لانہ ح یتوقف علی اقرارہ وزید ھٰھنا أب عنہ کماذکرہ فی السوال، واگر رنگ ثبوت گیرد کہ زید طلاق می دہم گفتہ بود چناں کہ بکر برادرش دانمود، آنگاہ غایت آنکہ ایں صورت از صور وجہ اوّل باشدفان قولہ میدہم فان نفی احتمالات اخرکانت لسری الی ماعری عنہ کان یقول سہ طلاق یرید دادنی است او دادن میخواہم اوسہ طلاق راسزاوار است الی غیرذٰلك مما لیس من الایقاع شیئ فلاینفی احتمال ارادۃ غیرھا ولیس باصرح من قولہ لامرأتہ لاتخرجی فانی حلف بالطلاق بل ولامن قولہ لھا اگرتوزن منی یک طلاق دوطلاق سہ طلاق بل الحق ان ھٰذین اللفظین المنصوص علیھما اصرح وقولہ طلاق میدہم من دون

اور جواب میں سوال کا اعادہ ہونے کی وجہ سے جواب میں اضافت پائی گئی ہے، پھر سائل نے سوال کی ابتداء میں ذکر کیا کہ زید نے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق بغیر ذکر "دیتا ہوں" وغیرہ کہے ہیں، تو اس سے قرینہ نہ ہونے کی دوسری وجہ پائی گئی جیسا کہ اسکی نص پہلے "بیوی بھاگ گئی اور کامیاب نہ ہوا" آپ کو معلوم ہے تو خاوند نے "تین طلاق" یا "تین طلاق کے ساتھ" کہا تھا (اور قرینہ نہ ہونے کی وجہ سے طلاق نہ ہوئی تھی) لہٰذا یہاں بحکم قضاء بھی طلاق کی گنجائش نہیں ہے، کہ اب طلاق، زید کی اقرار پر موقوف ہوئی جبکہ زید یہاں انکاری ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، اگر یہ ثابت بھی ہوجائے کہ زید نے "میں دیتا ہوں" کہا ہے جیسا کہ اس کا بھائی بکر کہہ رہا ہے تو ایسی صورت میں بھی یہ ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ اس کو پہلی صورتوں سے ایک صورت شمار کیا جائیگا کیونکہ زید کا کہنا "میں دیتا ہوں" اگر دوسرے احتمالات کی نفی بھی کردے تب بھی ان الفاظ کی طرح ہوگا جو "میدہم یعنی میں دیتاہوں" سے خالی ہیں، جیسے تین طلاق کہنا کہ اس میں "میں نے دی"، "دینا چاہتا ہوں" یا "یہ تین طلاق کے لئے لائق" وغیرہ احتمالات ہیں جو کہ طلاق کو واقع کرنیوالے نہیں ہیں، لہٰذا اس سے دوسرے احتمالات کی نفی نہ ہوگی، اور یہ لفظ بیوی کو کہنا "مت نکل" کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے بلکہ اس کو یہ کہنا "تو اگر میری بیوی ہے ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق" وغیرہ سے زیادہ صریح نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ "طلاق می دہم" سے زیادہ صریح ہیں، اور زید کا اپنی

ذکر جرى لامرأته ہندہ ولامن غیرھا پس ایں جانیز حکم طلاق علی الاطلاق نتواں کرد بلکہ اگر زید بقسم گوید کہ بایں سخن ارادہ طلاق زنش نہ کردہ بود مصدق دارند وزن را مطلقہ نشمارند کما قدمنا النصوص علیہ ہمچناں قول او بجواب عمرو کہ طلاق دادہ ام نیز از اضافت خالی است در سوال وجواب ہیچ جاذکر زن نیست پس قضاء حکمش ہماں حکم الفاظ سابقہ است ودیانۃً ازاں ہم آسان تر است کہ طلاق دادہ ہم صریح دراخبار است اگر ایں جا اضافت درنیت داشتہ از اضافت منویہ عاری بود لانہ ح لایکون الا اخبار کاذبا والاخبار الکاذب لایرد بہ طلاق دیانۃ کما نص علیہ فی الخیریۃ وردالمحتار وغیرہما من معتمدات الاسفار، پس در صورت مستفسرہ حکم قضاء آن است کہ اگر ثابت ہماں بمجرد لفظ یک طلاق دوطلاق سہ طلاق بے ضم می دہم است کما مشروح فی اول السوال آنگاہ بازید ہیچ تعرض نہ کنند بعدم ثبوت الطلاق اصلا، واگر بدوشاہد عدل ثبوت نہ پزیرد کہ سہ بار طلاق میدہم گفتہ بود پس زید را سوگند دہند اگر حلف کرد کہ بایں سخن طلاقِ زن

بیوی ہندہ یا غیر کے ذکر کے بغیر "طلاق می دہم" کہنے پر بھی علی الاطلاق قاضی طلاق کا حکم نہ کرے گا، بلکہ اگر زید قسم کھا کر کہہ دے میں نے بیوی کی طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو قاضی کو اس کی تصدیق کرنی ہوگی، اور بیوی کو مطلقہ نہ قرار دے گا، جیسا کہ ہم سابقہ نصوص میں اسے بیان کرآئے ہیں اور یونہی زید کا عمرو کے جواب میں یہ کہنا "طلاق دادہ ام" (میں نے طلاق دی ہے) بھی اضافت سے خالی ہے، لہٰذا قضاءً اس کا حکم بھی سابقہ الفاظ کی طرح ہوگا، اور دیانۃً یہ لفظ پہلے الفاظ سے آسان ہیں کیونکہ "طلاق دادہ ام" صریح خبر ہے اس میں یہاں اگر اضافت کی نیت ہو تب بھی طلاق نہ پڑے گی نیز مذکورہ الفاظ نیت میں اضافت سے خالی ہونے کی بناء پر جھوٹی خبریں قرار پائیں گے جبکہ جھوٹی خبر سے طلاق کا ارادہ دیانۃً درست نہیں ہے جیسا کہ اس پر خیریہ اور ردالمحتار وغیرہما معتبر کتب میں تصریح موجود ہے۔ لہٰذا مسئولہ صورت میں قضاءً حکم یہ ہے کہ اگر صرف یہی الفاظ ہوں ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، ان کے ساتھ "میدہم" نہ ثابت ہو تو یہ زید سے کسی قسم کا تعرض جائز نہ ہوگا کیونکہ طلاق کا اصلاً کوئی ثبوت نہیں، اور اگر زید نے ان الفاظ کے ساتھ "میدہم" کہا ہو تو پھر اگر دو[2] گواہ عادل ثابت نہ کرسکیں کہ زید نے تین بار "طلاق میدہم" کہا ہے تو زید سے قسم لی جائے، اگر حلفاً کہہ دے کہ میں نے ان الفاظ سے بیوی کی طلاق

نخواستہ ام راہش گزارندوانش دارند واگر نکول کند بارادہ طلاق معترف شود سہ طلاق رنگ ثبوت یابد۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	مراد نہیں لی، توزید بری ہے اور اس کوامن ہے اور اگر وُہ قسم سے انکار کرے تو وہ طلاق کے ارادہ کا معترف قرار پائے گا اور اس کی بیوی کی تین طلاق ہوجائیں گی۔ واللہ سبحانہ، و تعالٰی اعلم (ت)
اقول: وباللہ التوفیق بقی بعد اشیاء فانك ان تتبعت فروع ترك الاضافۃ وجدتھم ،ربما یقولون لایقع مالم یقل اردتھا فھذا یدل علی ان الوقوع مشروط بالقول،وربما قالوا یقع مالم یقل اردت غیرھا اولم اردطلاقھا فھذا یدل علی ان عدم الوقوع ھوالموقوف حتی لولم یقل ذٰلك وقع وان لم یقل اردت طلاقھا،وربما تراھم یحکمون بالوقوع من دون حاجۃ الی النیۃ مع ترك الاضافۃ حیث وجدت فی کلام الخاطب کالمرأۃ وغیرھا وواخری تراھم ینوون مع وجودالاضافۃ فی کلام المخاطب،وربما تسمعھم یحکمون بالوقوع مطلقا من دون نیۃ مع عدم الاضافۃ لافی قولہ ولافی قول غیرہ،وربماینوون فی	**اقول:** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی حاصل ہے۔ت) کچھ امور باقی ہیں، کیونکہ جب آپ فقہاء کرام کی عبارات کو ترک اضافت کے مسائل میں غور سے تلاش کریں توآپ ان کو کبھی یُوں پائیں گے کہ وُہ کہہ رہے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی جب تک خاوند بیوی مراد لینے کا قول نہ کرے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کا وقوع خاوند کے اس قول سے مشروط ہ،اور کبھی وُہ کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہوگی جب تک یہ نہ کہہ دے کہ کسی اور عورت کاارادہ کیا ہے یا میں نے بیوی کی طلاق کاارادہ نہیں کیا تھا،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر اضافت طلاق کا عدمِ وقوع اس کی مذکور وضاحت پر موقوف ہے،اگر وضاحت نہ کرے تو طالق ہوجائے گی اگرچہ بیوی کی طلاق کاارادہ نہ بھی ظاہر کرے۔اور کبھی تم دیکھوگے کہ فقہاء کرام ایسی صورت میں طلاق کا حکم دیتے ہیں اور نیت کی حاجت محسوس نہیں کرتے اور اضافت بھی متروک ہوتی ہے جہاں پر کوئی بیوی یا کسی غیر سے خطاب کررہاہو اور کبھی ان کواضافت کے باوجود نیت کا متلاشی پاؤگے، جبکہ مخاطب کے کلام میں اضافت پائی جائے اور کبھی آپ سُنیں گے کہ وہ اضافت نہ ہونے کے باوجود نیت نہ ہونے پر وقوعِ طلاق کا

هذه الصورة فهذه اختلافات يتحير لديها من لم يتأمل ولم ينزل كل فرع على ماينبغى ان ينزل۔

و الذى تحصل للعبد الضعيف بتوفيق المولى اللطيف جل وعلا ،ان الاضافة لابد منها ام فى اللفظ واما فى النية اذلاطلاق الابالايقاع الاباحداث تعلق الطلاق بالمرأة،وليس ذلك الابالاضافة وهذا ضرورى لاشك فيه اذ لولاه لزم الطلاق عل كل من تلفظ بلفظ طلاق او طالق ونحوهما وان لم يرد على هذاشيئا اولم يرد طلاق امرأته وهو باطل قطعًا فاشتراط الاضافة حق لامرية فيه،نعم قد توجد الاضافة فى اللفظ فلايحتاج فى الحكم الى النية وقد لاتوجد فى اللفظ فيحتاج الى ظهور النية۔

اماوجود الاضافة فى اللفظ **فاقول**: على ثلثة انحاء، الاوّل تحققها صريحا فى كلام الزوج وهذا الذى ذكر الحلبى والطحاوى امثلته كقوله انت طالق

حکم لگاتے ہیں حالانکہ خاوند یا غیر کے کلام میں اضافت کا کوئی ذکر نہیں ہوتا،اور بعینہٖ اسی صورت میں کبھی وُہ نیّت کی بات کرتے ہیں،تو فقہاء کرام کی عبارات میں یہ اختلافات ہیں جو غور کرنے والے اور ہر مسئلہ کو مناسب محمل پر محمول نہ کرنے والے کے لئے حیرت کا باعث بنتے ہیں۔(ت)اور عبد ضعیف کو اللہ تعالٰی لطف فرمانے والے جلّ وعلا کی توفیق سے جو حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو طلاق دینے میں اضافت ضروری ہے لفظوں میں ہو خواہ وُہ نیت میں ہو،کیونکہ طلاق کا وقوع،ایقاع پر موقوف ہے اور ایقاع کا وجود نہیں ہوتا تاوقتیکہ طلاق کو عورت سے متعلق نہ کای جائے،اور یہ چیز ہے جس میں شک نہیں ہوسکتا،کیونکہ اگر طلاق کو عورت کی طرف منسوب کرنا اور اس کی طرف اضافت کرنا ضروری نہ ہو تو پھر طلاق یا طالق کا تلفظ کرنے والے ہر شخص کی بیوی کو طلاق لازم ہوجائے اگرچہ وُہ اس پر کسی چیز کا ارادہ نہ کرے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا لہٰذا طلاق کے وقوع کے لئے نسبت اور اضافت کے شرط ہونے میں کوئی شک نہیں،ہاں اضافت کبھی لفظوں میں موجود ہوتی ہے تو اس وقت حکم کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اور کبھی لفظوں میں اضافت نہیں ہوتی اس وقت نیت کو ظاہر کی حاجت ہوتی ہے۔(ت) (یا میں اضافت کا موجود ہونا **فاقول**: (تومیں کہتا ہوں) یہ تین طرح ہوتی ہے:اوّل،یہ کہ خاوند کی کلام میں صراحۃً پائی جائے وہ یہ کہ جس کی مثال علامہ حلبی اور طحاوی نے یہ ذکر کی ہیں،مثلاً تو طلاق

او طلقتك او هذه او زينب اوبنت زيد او ام عمرو اواخت بكر او امرأتي طالق. الثاني [2] تحققها فيه لاجل كونه جوابا كلام تحققت فيه فتحقق في الجواب ايضالان السوال معاد في الجواب وهذامافي الهندية عن الخلاصة قالت طلاق بدست تو است، مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق می کنم وکرر ثلثا طلقت ثلثا [1] اھ وفيها عن الذخيرة سئل شمس الائمة الاوزجندی عن امرأة قالت لزوجها لوكان الطلاق بيدی لطقت نفسی الف تطليقة فقال الزوج من نيز ہزار دادم ولم يقل دادم ترا قال يقع الطلاق [2] اھ وفيها عن العمادية زن را گفت ترا طلاق دادم، مردماں ملامت کردند، گفت دیگر دادم نہ گفت ویراونہ گفت طلاق، قال يقع اذاكان في العدة [3] اھ وفيها عن الخانية دخلت عليه ام امرأته فقالت طلقها ولم تحفظ حق ابيها وعاتبته في ذلك فقال الزوج هذه ثانية او هذه ثالثة	والی ہے، میں تجھے طلاد ی، (بیوی کواشارہ کرتے ہوئے) اس کو، نام لے کر، زینب کو، زید بیٹی کو، عمرو کی ماں، بکر کی بہن کو، میری بیوی کو، طلاق دوسری دوسری صورت، یہ کہ طلاق الفاظ کسی ایسی کلام کے جواب میں ذکر کیے جائیں جس میں اضافت مذکور تھی تو اس وجہ سے وہ اضافت جوابًا طلاق کے الفاظ میں بھی متحقق ہوگی، کیونکہ جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے، اس کی مثالیں ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہیں، مثلًا بیوی کہے "طلاق تیرے ہاتھ میں ہے مجھے طلاق دے۔" تو جواب میں خاوند کہے "میں نے طلاق دی" تین دفعہ تکرار کیا تو تین طلاقیں بیوی کو پڑیں گی اھ (ت) اور ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ شمس الائمہ اوزجدنی سے سوال ہوا کہ عورت کہے اگر طلاق میرے ہاتھ میں ہوتی تو اپنے ہزار طلاق دے دیتی، اس کے جواب میں خاوند نے کہا میں بھی ہزار دے دیں، یہ نہ کہا کہ تجھے دے دیں، تو شمس الائمہ نے جواب دیا کہ طلاق ہوجائے گی، اور ہندیہ میں عمادیہ سے منقول ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، اس پر لوگوں نے ملامت کی، توخاوند نے کہا میں نے دوسری دی، اس میں نہ تو بیوی کی طرف نسبت کی اور نہ ہی لفظِ طلاق کہا، تو شمس الائمہ نے فرمایا یہ دوسری بھی ہوگئی اگر بیوی عدّت میں ہو اھ، ہندیہ میں خانیہ سے منقول، کہ خاوند کے پاس بیوی کی ماں داخل ہوئی اور کہا کہہ تو نے بیوی کو طلاق دے دی تو نے

[1] فتاوی ہندیہ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

[2] فتاوی ہندیہ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۳

[3] فتاوی ہندیہ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

تقی اخری ولوعاتبته ولم تذکر الطلاق فقال هذه المقالة لاتقع الزیادة الابالنیة[1] اھ وفی جامع الفصولین برمز فشین لفوائد شیخ الاسلام برهان الدین قال تربیك طلاق فلاموگفت دیگر دادم یقع آخر لانه جواب لذلك وبناء علیه[2] اھ قلت یعنی اذا ذکروا فی الملامة طلاق المرأة کی یکون معادا فی الجواب والا لم یقع بدون نیة کما سمعت من الخانیة وانما لم یذکره فشین لان العادة ذکر مالیم علیه فی الملامة کمالایخفی۔	اس کے باپ کے حق کا بھی پاس نہ کیا اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے خاوند کو ملامت کررہی تھی تو خاوند نے کہا یہ دوسری یا یہ تیسری ہے، تو یہ بھی واقع ہوجائیگی اور ملامت کرتے ہوئے اگر لفظ طلاق کو ذکر نہ کیا ہو اور خاوند واقع نہ ہوگی اھ۔اور جامع الفصولین میں فشین کی رمز سے بیان کیا، فشین کا اشارہ فوائد شیخ الاسلام بُرہان الدین کی طرف ہے، خاوند نے بیوی کو کہا تجھے ایک طلاق، لوگوں نے اس کو ملامت کی، اس نے کہا اور میں نے دوسری دی، دوسری واقع ہوجائے گی، کیونکہ یہ جواب کے طور اور پہلی طلاق پر مبنی ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) یعنی یہ تب ہے جب لوگوں نے ملامت میں عورت کی طلاق ذکر کی ہو تاکہ جواب میں اس کا اعادہ ہو ورنہ نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ آپ نے خانیہ سے سُنا ہے، اس بات کو فشین نے اس لئے ذکر نہ کیا کہ عادۃً جس چیز ملامت کی جاتی وُہ ملامت میں مذکور ہوتی ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)
فان قلت! لیس فی الهندیه عن الذخیرة سئل نجم الدین عمن قالت له امرأته مرا برگ باتو باشیدن نیست مرا طلاق دہ فقال الزوج چوں توروئے طلاق دادہ شد وقال لم انو الطلاق هل یصدق قال نعم ووافقه فی هذا الجواب بعض الائمة[3] اھ وفیها عن المحیط سئل	**اگر تو اعتراض کرے** کہ کیا ہندیہ میں ذخیرہ سے یہ نہیں ہے کہ نجم الدین سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کو اس کی بیوی نے کہا کہ میرا تیرے ساتھ گزارہ نہیں ہے مجھے طلاق دے، تو اس کے خاوند نے کہا تیرے منہ جیسی کو طلاق دی ہوئی ہے۔اور پھر کہتا ہے میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، تو کیا اس شخص کی تصدیق کی جائے گی، تو نجم الدین نے فرمایا ہاں۔اور بعض ائمہ نے اس بات میں نجم الدین کی موافقت

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الطلاق الصریح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۵۲

[2] جامع الفصولین الفصل الثانی والعشرون فی مسائل الخلع الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۰

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۷

نجم الاسلام الفقیه ابونصر عن سکران قال لامرأته أتریدین ان اطلقك قالت نعم فقال بالفارسیة اگرتو زن منی یك طلاق دوطلاق سه طلاق قومی اخرجی من عندی وهو یزعم انه لم یرد به الطلاق فالقول قوله [1] اهـ ومثله فی الخانیة معللاً بانه لم یضف الطلاق الیها [2] اهـ فلم یحکموا بالوقوع مع وجود الاضافة فی کلامها امافی فرع الامام نجم الدین فظاهر۔ واما فی فرع الفقیه ابی نصر والخانیة فلان قولها نعم کان جوابالقوله اتریدین ان اطلقك فکانها قالت اریدان تطلقنی، **قلت** وبالله التوفیق المخاطب اذا اتی فی کلامه بکلام اجنبی عن الجواب یخرج عن کونه جوابًا ویصیر کلامًا مبتداء ففی المسئلتین انما کان جواب قولها ان یقول طلاق داده شد اویك طلاق ودو طلاق وسه طلاق ولواقتصر علی هذا	کی ہے اھ اور اسی میں محیط سے مروی ہے کہ شیخ الاسلام فیقہ ابونصر سے ایک نشے والے کے بارے میں سوال ہوا جس نے بیوی کو کہا کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں؟ بیوی نے کہا ہاں چاہتی ہوں۔ تو اس خاوند نے بالفاظ فارسی یوں کہا اگر تو میری بیوی ہے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، میرے پاس سے اُٹھ اور نکل جا۔ اب خاوند کا خیال ہے کہ میں نے اس بات سے طلاق مراد نہیں لی، تو خاوند کی بات مقبول ہوگی اھ کہا اس لئے کہ خاوند نے طلاق کو بیوی کی طرف منسوب نہیں کیا اھ تو ان مذکورہ واقعات میں ان حضرات نے طلاق واقع ہونے کا حکم نہیں کیا حالانکہ تمام میں بیوی کے کلام میں اضافت موجود ہے۔ نجم الدین کے مسئلہ میں تو ظاہر ہے لیکن فقیہ ابونصر اور خانیہ کے مسئلہ میں تو ظاہر ہے لیکن فقیہ ابو نصر اور خانیہ کے مسئلوں میں اس لئے کہ بیوی نے جب ہاں کہا تو یہ خاوند کی بات "کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں" کا جواب ہے تو گویا بیوی نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تو مجھے طلاق دے، (لہٰذا ان مسائل میں بیوی کے کلام میں اضافت مذکور ہوئی اس کے باوجود کہ خاوند کے جواب میں اضافت معتبر ہے ان حضرات نے طلاق واقع ہونے کا حکم نہ دیا) **قلت وبالله التوفیق** (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے) کہ مخاطب شخص اپنے کلام میں جواب سے

[1] الفتاوی الهندیة الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۳

[2] الفتاوی القاضیخان باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۹

الحکم بالوقوع من دون الحاجۃ الی نیۃ کماکان فی الفروع المتقدمۃ التی تلونا لکنہ لما زاد قولہ چوں تو روئے اوقولہ اگرتو زن منی،لم یبق جوابا وصار کلامًامبتدأفلم تسر اضافۃ السوال الیہ وقد نص علی ھذاالاصل العلماء کما لایخفی علی من خدم کلماتھم من ذٰلک عن الذخیرۃ قال لہ تغد معی قال واللہ لاتغدّی فذھب الٰی بیتہ وتغدّی مع اھلہ لایحنث لان قولہ خرج جوابالسوال المخاطب وامکن جعلہ جوابالانہ لم یزد علی حرف الجواب بخلاف مالوقال واللہ لاتغدی معك لانہ زاد علی حرف الجواب ومع الزیادۃ علیہ لایمکن ان یجعل جوابا[1] اھملخصًا۔	اجنبی کوئی بات کرے تو وُہ جواب نہیں رہتا بلکہ نیا کلام متصور ہوتا ہے،تو مذکورہ دونوں مسئلوں میں جواب صرف اتنا تھا طلاق دی گئی یا ایک طلاق،دو طلاق،تین طلاق،اگر خاوند جواب میں اتنی بات ہی کہتا تو طلاق کے واقع ہونے کا حکم ہوتا اور نیت کی ضرورت نہ ہوتی،جیسا کہ پہلے گزرے مسائل میں اس کو ہم نے بیان کیا ہے۔لیکن جب ان دونوں مسئلوں میں خاوند نے،پہلے میں "جب توجائے"اور دوسرے میں "اگر تُو میری عورت ہو"جواب سے زائد کردئے تو یہ بیوی کو جواب نہ ہوا بلکہ نیا کلام بن گیا جس سے سوال والی اضافت ختم ہوگئی۔اس قاعدہ کی علماء نے تصریح کی ہے۔یہ بات اس شخص پر مخفی نہیں جو علماء کے کلام کا خادم ہے۔اسی قاعدہ پر ذخیرہ سے منقول ہے،ایک شخص نے دوسرے کو کہا آؤ میرے ساتھ ناشتہ کرو تو دوسرے نے جواب میں کہا خدا کی قسم میں ناشتہ نہیں کروں گا،یہ کہہ کر وُہ اسی شخص کے گھر جا کر اس کے گھر والوں کے ساتھ ناشتہ کرتا ہے،تو قسم سوال کو جواب بنانا بھی ممکن ہے کیونکہ اس نے جواب پر کوئی حرف زیادہ نہیں کیا اس کے برخلاف اگر ہو مستقل زائد کلام کرتے ہوئے یہ کہتا خدا کی قسم میں تجھ سے ناشتہ نہ کروں گا،تو پھر صرف جواب ہونا ممکن نہیں(لیکن یہاں صرف ناشتہ نہ کروں گا،کہا جو کہ صرف جواب کے طور پھر درست ہوسکتا ہے)اھ ملخصًا(ت)
فان قلت ماالجواب عن فرع الھندیۃ عن الخلاصۃ لوقالت طلقنی فضربھا وقال لھا اینك طلاق لایقع ولو قال اینك طلاق یقع[2] اھفقد کانت	اس پر **اگر تیرا اعتراض ہو** کہ ہندیہ میں خلاصہ سے منقول مسئلہ کے بارے میں کیا جواب ہوگا جس میں عورت نے کہا مجھے طلاق دے تو خاوند نے اس کو مارا اور کہا یہ طلاق ہے،تو طلاق نہ ہوگی،اور اگر

[1] ردالمحتار بحوالہ ذخرہ کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۸۵

[2] الفتاوی الھندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

الاضافة موجودة فی السوال وھو لم یزد فی الجواب شیئا حتی یجعل کلاما مبتدأ۔	یُوں کہا یہ تجھے طلاق ہے، طلاق ہو جائے گی اھ، تو اس مسئلہ میں عورت کے سوال میں اضافت موجود ہے اور خاوند نے جواب میں کوئی زائد حرف ذکر نہیں کی، جس کو نیا مستقل کلام تصور کیا جائے۔ (ت)
قلت لما اخذیضربھا بعد قولھاطلقنی اورث ذٰلك احتمالا فی کونه جوابا وقال اینك طلاق می خواہی بل الظاہر من الضرب ھو الرد دون الجواب فان الجواب الجواب بمعنی قولھم یحتمل السؤل وقبول المامول وھذا معنی قولھم یحتمل جوابا وسبًّا او جوابا وردًّا او جوابا محضًا۔فاذا وقع الاحتمال لم یتیقن بکونه جوابا حتی یحکم بسرایة اضافة السوال الیه فمعنی قوله لایقع ای مالم ینو وقوله یقع ای وان لم ینو لوجود الاضافة ح فی نفس الکلام۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) جب خاوند نے طلاق کے مطالبہ پر بیوی کو مارنا شروع کیا تو اس وجہ سے یہ احتمال پیدا ہوگیا کہ یہ جواب ہے یا جواب میں رد کی کاروائی ہے۔ تو بیوی کے سوال پر مارنا ناراضگی کے طور پر مار کر کہا تو یہ طلاق چاہتی ہے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ مارنا ردّ ہے جواب نہیں ہے کیونکہ جواب کا معنی مسئول کا جواب دینا، اور سائل کی امید کو پورا کرنا، دونوں میں استعمال ہوتا ہے، فقہاء کے قول کہ "یہاں جواب اور گالی، یا جواب اور رَد یا محض جواب کا احتمال ہے" کا یہی مطلب ہے (یعنی جواب کے طور پر گالی یارَد یا محض جواب (سائل کی امید کو پورا کرنا ہے) تو جب خاوند کی طرف سے کارروائی میں احتمال پیدا ہوگیا تو اب محض جواب ہونے کا یقین نہ رہا تاکہ سوال میں مذکور اضافت، جواب میں پائی جائے، تو مسئلہ میں "اینک طلاق" کے ساتھ خلاصہ میں "لایقع" (طلاق واقع نہ ہوگی) کا معنٰی یہ ہے یعنی جب تک نیتِ طلاق نہیں ہے اور "اینک طلاق" کے ساتھ "یقع" (طلاق ہوجائے گی) کا معنٰی یہ یعنی اگرچہ نیت نہ بھی ہو کیونکہ لفظوں میں اب اضافت موجود ہے۔ (ت)
الثالث ان لایشتمل کلامه علی الاضافة ولایکون خرج مخرج الجواب لکن یکون اللفظ خصّه العرف بتطلیق امرأة فحیث یطلق یفھم منه ایقاع الطلاق علی المرأة کقولھم الطلاق یلزمنی و	لفظی اضافت کی تیسری صورت یہ ہے کہ خاوند کے کلام میں اضافت کی تیسری مذکور نہ ہو، اور نہ ہی اس کا کلام جواب کے طور پر ہو، لیکن عرف میں اس لفظ کو بیوی کو طلاق دینے کے لئے مختص کردیا گیا ہو کہ جب دیناہی سمجھا جائے۔ مثلاً کوئی کہے "طلاق مجھ پر لازم ہوگی"

الحرام یلزمنی وعلی الطلاق وعلی الحرام فانه کما قال فی ردالمحتار صار فاشیا فی العرف فی استعماله فی الطلاق لایعرفون من صیغ الطلاق غیرہ ولایحلف به الا الرجل فههنا وان لم تذکر الاضافة لفظا لکنها ثابتة عرفا ولامعهود عرفا کالموجود لفظا فمن ھٰهنا وجدت الاضافة فی اللفظ وحکم بالوقوع من دون نیة فهذه صورتحقق الاضافة فی اللفظ۔اما اذ خلاعنها بوجوهها الثلثة فح لابد من وجودها فی النیة فان نوی وقع والالا وھذا ماقال فی الهندیة عن المحیط لایقع فی جنس الاضافة اذا لم ینولعدم الاضافة الیها[1] اھھذا فیما بینه وبین ربه تعالٰی۔ اما قضاء فتنقسم ھذا الصورة الٰی قسمین الاوّل ان توجد ھٰهنا قرینة یستأنس بها علی تحقق النیة ویکون ھوالاظهر فی المقام فح یحکم بالوقوع مالم یقل انی لم اردھافان قاله فلا یصدق	یا"حرام مجھ پر لازم ہوگا" یا"مجھ پر طلاق ہے" یا"مجھ پر حرام ہے" جیسا کہ ردالمحتار میں بیان ہے کہ یہ الفاظ عرف میں طلاق دینے کے لئے استعمال میں مشہور ہوچکے ہیں حتی کہ عرف والے طلاق کے لئے دوسرے الفاظ سے واقف نہیں، اور ان الفاظ کو صرف مرد ہی طلاق کی قسم کے لئے استعمال کرتے ہیں اور یہاں پر اگر اگرچہ لفظوں میں اضافت مذکور نہیں، لیکن عرفاً اضافت ثابت ہے،اور عرفاً جو چیز معلوم ہو وہ ایسے ہی معتبر ہے جیسے لفظوں میں مذکور چیز ہوتی ہے تو یہاں اضافت پائی گئی تو وقوع طلاق کا حکم نیت کے بغیر کردیا جائے گا،یہ لفظوں میں اضافت پائے جانے کی صورتیں ہیں، لیکن جب کوئی کلام ان تین صورتوں کی اضافت سے خالی ہو تو پھر اضافت کا نیت میں پایا جانا ضروری ہے۔اگر نیت کرے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ہندیہ نے محیط سے نقل میں جو یہ کہا کہ اضافت نہ پائی جائے گی اھ کا مطلب یہی ہے۔یہ نیت کا معاملہ خاوند اور اس کے رب تعالٰی کے درمیان ہے۔یعنی دیانۃً یہ حکم ہے۔(ت) لیکن نیّت میں اضافت کا قضاءً حکم دو۲ قسم پر ہے:اوّل یہ ہے کہ ایسی صورت کہ جہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جس سے محسوس کیا جائے کہ خاوند نے اضافت کی نیت کی ہے،اور یہ مقام کے لحاظ سے واضح ہوسکے،تو ایسے مقام پر طلاق کے وقوع کا حکم کیا جائے گا جب تک خاوند یہ نہ کہہ دے کہ

[1] فتاویہ ہندیہ فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

الابالیمین فان حلف صدق لکونہ امینا فی الاخبار عما فی نفسہ وقداتی بمایحتملہ کلامہ وھذاماقال فی الھندیۃ عن خلاصۃ الفتاوٰی رجل قال لامرأتہ اگر تو زن منی سہ طلاق مع حذف الیاء لایقع اذاقال لم انو الطلاق لانہ لما حذف لم یکن مضیفا الیھا[1] اھ فان الاضافۃ وان عدمت بوجوھا الثلثۃ لکن التعلیق علٰی قولہ "اگر تو زن منی" یفید تبادر ارادۃ طلاق المرأۃ فیتوقف انتفاء الوقوع علی نفیہ النیۃ ولایتوقف الوقوع علی اقرارہ بھا،وعلم منھا الفرعان المأران عن الامام نجم الدین وعن شیخ الاسلام ابی نصرفانھا وان خرجا عن تحقق الاضافۃ لخروج الکلام عن الاجابۃ لکن الذی جری بینھما مع قولہ فی الشرط "چوں تو روئے" واگر تو زن منی یفید ماذکرنا فلذا توقف عدم الوقوع علٰی ادعائہ عدم	میں نے بیوی کاارادہ نہیں کیااور اگراس نے ایسا کہہ دیا تواس سے قسم لی جائے گی اور قسم کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی، اگراس نے قسم دے دی تو پھر اس کی تصدیق کردی جائے گی اور طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اپنی نیت کے متعلق خبر دینے میں سے امین تصوّر کیا جائے گا جبکہ اس نے کلام بھی ایسی کی ہے جس میں گنجائش ہے، یہی وُہ صورت ہے جس کو ہندیہ میں خلاصۃ الفتاوٰی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو میری بیوی ہے تین طلاق، نسبت کی یاء کو طلاق سے حذف کرکے کہا تو اس وقت طلاق نہ ہوگی جب وہ یہ کہے کہ میں نے بیوی کی طلاق کی نیت نہیں کی ہے، کیونکہ جب اضافت حذف ہے تو طلاق کی اضافت عورت کی طرف نہ ہوئی اھ، کیونکہ اگرچہ اضافت تینوں لفظی طریقوں سے نہ پائی گئی لیکن خاوند نے "اگر تُو میری بیوی ہے" سے تعلیق کی ہے جس سے فہم میں یہی آتا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق کہی ہے، اس لئے طلاق کا عدمِ وقوع خاوند کی وضاحت پر موقوف ہوگا کہ میں نے نیّت نہیں کی، لیکن اس مسئلہ میں طلاق کا وقوع خاوند کے اقرار نیت پر موقوف ہوجائے گی نہ ہوگا (بلکہ نفی نہ ہونے پر خود بخود طلاق واقع ہوجائے گی) تواس بحث سے امام نجم الدین اور شیخ الاسلام ابونصر کے مذکورہ دونوں مسئلے واضح معلوم ہوگئے، کیونکہ یہ دونوں مسئلے اگرچہ اضافت سے خالی ہیں اس لئے کہ

[1] فتاوٰی ہندیہ فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

النیة ومنه فرع البزازیه والخانیة قال لها لاتخرجی الاباذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکرہ حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1] اھ وذٰلك کما افادالشامی ان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقها لابطلاق غیرها فقوله انی حلفت بالطلاق ینصرف الیها مالم یرد غیرها لانه یحتمله کلامه[2] اھ ومنه فرع القنیة عن الامام برهان الدین محمود صاحب المحیط، رجل دعته جماعته الی شرب الخمر فقال انی حلفت بالطلاق انی لااشرب وکان کاذبا فیه ثم شرب طلقت وقال صاحب التحفة لایطلق[3] اھ فقول البزازیة لایقع دیانة ان لم ینوقضاءً ایضا ان قال لم انو بدلیل قول قوله فالقول له، وقول البرهان طلقت ای قضاءً مالم یقل انی لم اردها کما قال الشامی انه یمکن حمله علی ما اذا لم یقل انی اردت الحلف بطلاق غیرها فلایخاف فی البزازیة[4] اھ وقول صاحب التحفة لایطلق

یہ دونوں جواب میں نہیں ہیں، لیکن خاوند بیوی میں جو گفتگو ہے اس میں خاوند نے شرط کے الفاظ کہے "تیری منہ جیسی کو" اور دوسرے میں "اگر تو میری بیوی ہے" یہ گفتگو ہمارے بیان کے مطابق فائدہ دے رہی ہے، اس لئے ان میں طلاق نہ ہونا خاوند کی طرف سے نیت نہ ہونے کے بیان پر موقوف ہوگا، اور اسی قبیل سے بزازیہ اور خانیہ کے بیان کردہ دونوں مسئلے ہیں کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ "میری اجازت کے بغیر مت جانا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے" بیوی باہر نکل گئی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ خاوند نے قسم میں بیوی کی طلاق کوذکر نہ کیا جس کی وجہ سے کسی اور عورت کی طلاق کا احتمال ہوسکتا ہے تو اس لئے خاوند کی بات قابل قبول ہوگی اھ اس کو علامہ شامی نے یوں بیان کیا ہے کہ عادت یہ ہے کہ جس کی بیوی ہو وہ اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھاتا ہے نہ کہ غیر کی طلاق کے لئے، اس لئے خاوند کا کہنا کہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، بیوی کی طرف ہی منسوب ہوگی تاوقتیکہ غیر بیوی کو مراد لینا بیان نہ کرے، کیونکہ بیوی کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے غیر کا بھی احتمال ہے اھ اسی ضابطہ کے تحت

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیة الفتاوی الهندیة کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲۷۰/۴

[2] ردالمحتار باب الصریح کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۳۰/۲

[3] القنیة کتاب الایمان المطبعة المشهرة النهانندیة ص۱۱۵، ردالمحتار بحواله القنیة کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۲۹/۲

[4] ردالمحتار بحواله القنیة کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۳۰/۲

دیانة ظاہر لان الاخبار انما کان کاذبًا اما قولی انما یصدقه بالیمین فلما صرحوا به من انه حیث یکون القول له فانما یصدق بالیمین کماصرح به فی التبیین وغیرہ[1]۔	قنیہ میں ذکر کردہ امام برہان الدین محمود صاحب محیط کا بیان کردہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص کو چندلوگوں نے شراب پینے کی دعوت دی تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے اس لئے میں شراب نہیں پیوں گا تحفہ نے کہا کہ دیانۃً طلاق نہ ہوگی اھ۔ان مذکورہ تینوں حضرات کے مسائل میں بزازیہ کا یہ کہنا کہ "نہ واقع ہوگی"اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نیّت نہ کی ہو تو دیانۃً نہ ہوگی،اور اس نے اپنے بیان میں کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی کا ارادہ نہیں کیا۔علامہ شامی نے فرمایا کہ اس بات کو اس صورت پر محمول کیاجائے گا کہ جب تک خاوند یہ نہ کہہ دے کہ میں نے کسی دوسری عورت کی طلاق کی قسم کھائی ہے،لہٰذا یہ صورت خاوند کی قسم والی خبر جُھوٹی ہے،باقی میرا یہ کہنا کہ خاوند کی تصدیق اس کے حلف پر کی جائے گی کیونکہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے جہاں وُہ کہتے ہیں کہ خاوند کی تصدیق کی جائے گی وہاں وہ قسم لے کر تصدیق مراد لیتے ہیں جس کی تصریح کی ہے جہاں وُہ کہتے ہیں کہ خاوند کی تصدیق کی جائے گی وہاں وہ قسم لے کر تصدیق مراد لیتے ہیں جس کی تصریح تبیین وغیرہا میں موجود ہے۔(ت)
الثانی ان لاتکون هنا قرینة ذٰلك وح یتوقف الوقوع علی اخبار بالنیة فان اقرّوقع والا لا اذلا سبیل الی الحکم بالوقوع بالشك وهذا ماقال فی الهندیة عن الخلاصة سکران هربت منه امرأته فتبعها ولم یظفر بها فقال بالفارسیة بسه طلاق ان قال	دوسری قسم یہ ہے کہ وہاں یہ قرینہ پایا جائے،تو وہاں طلاق کا واقع ہونا خاوند کے اس بیان پر موقوف ہوگا کہ میں نے بیوی کی نیت کی ہے لہٰذا وہاں نیت میں بیوی مراد لینے کا اقرار ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں،کیونکہ محض شک کی بنا پر طلاق کے حکم کا کوئی مطلب نہیں ہے۔اس قسم کی صورت وُہ ہے جس کو ہندیہ نے خلاصہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ کسی نشے والے بیوی بھاگ گئی تو اس نے تعاقب کیا

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۳۰

عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لا یقع اھ[1] وفی مجموعۃ انقروی عن البزازیۃ فرت ولم یظفر بھا فقال سہ طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والالا[2] اھ وقال فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ[3] اھ فقد الوقوع علی اقرارہ انہ عنی امرأتہ۔	اور وُہ کامیاب نہ ہوا تو اس نے کہا فارسی میں "سہ طلاق" (تین طلاق کے ساتھ) تو اس صورت میں اگر وہ نشے والا کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی مراد لے کر کہا ہے تو طلاق ہوگی اور اگر کچھ بھی بیان نہ کیا تو طلاق نہ ہوگی اور اگر کچھ بھی بیان نہ کیا تو طلاق نہ وگی اھ اور یوں ہی مجموعہ انقرویہ میں بزازیہ سے منقول ہے کہ بیوی بھاگی اور وُہ کامیاب نہ ہوا تو کہہ دیا" تین طلاق"۔اس پر خاوند نشے والا یہ کہے کہ میں نے بیوی کے ارادے سے کہا ہے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں اھ۔اور بحر میں ہے کہ ایک شخص نے "طالق" کہا،پُوچھا تو نے کس کو کہا ہے؟ تو اس نے کہا اپنی بیوی کو،تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی،یہاں پر انہوں نے طلاق کے وقوع کو اقرار سے معلّق کیا ہے کہ وُہ یہ کہے کہ میں نے بیوی مراد لی ہے۔ (ت)
فان قلت ماالفرق بین ھذہ الفروع وبین قولہ حلفت بالطلاق فان الرجل کما لایحلف عادۃ الا بطلاق امرأتھا کذٰلك لایقول سہ طلاق او طالق الا لھا فکان ینبغی الوقوع مالم یقل لم اعنھا۔قلت الفرق بین فان ارادۃ الحلف بالطلاق متحققۃ بصریح قولہ حلفت.فیحمل علی الظاہر المعتاد مالم یصرف	**فان قلت** (اگر اعتراض ہو کہ) ان مذکورہ مسائل جن میں وقوعِ طلاق کے لئے تصریح ضروری ہے اور اس مسئلہ میں کہ جب کوئی شخص یہ کہے کہ "میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے" میں کیافرق ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھاتا کسی دوسری عورت کے طلاق کی نہیں،یونہی کوئی بھی "تین طلاق" یا "طالق" بھی اپنی بیوی کے لئے ہی استعمال کرتا ہے مناسب تھا کہ وقوع ہی مراد ہو جب تک وُہ یہ نہ کہے میں نے اپنی بیوی مراد نہیں لی (پھر کیا وجہ کہ حلف والی صورت میں طلاق ہونا ظاہر ہے اور دوسری یعنی سہ طلاق یا صرف طالق والی صورت میں طلاق نہ ہونا ظاہر ہے)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] فتاوٰی انقروی مایقع الطلاق ومالا یقع بہ دارالاشاعت العربیہ قندھار ۱/۷۴

[3] بحرالرائق باب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۳

اماھٰھنا فارادۃ الایقاع غیر متحققۃ ولعل فی نفسہ سہ طلاق دادنش بایر ادسہ طلاق راسزا وارست واما ھو جالس فی بیتہ فابتدأیتلفظ بلفظ طالق فکیف یجوز الحکم بأنہ ارادبہ ایقاع الطلاق علی امرأتہ ولیس فی حال ولاقال دلیل علیہ فوجب التوقیف علی اجارہ عمافی نفسہ' ھذاکلہ مافاض اجارہ عمافی نفسہ' ھذاکلہ مافاض علی قلب العبدالذلیل من بحار فیوض الرب الجلیل فقد التأمت الفروع جمیعا وارتفع الاضطراب ونزل کل فرع منزلہ من الصواب والحمدللہ رب العالمین۔	**قلت**(میں کہتا ہوں کہ)فرق واضح ہے کہ کیونکہ پہلی صورت "میں نے قسم کھائی ہے طلاق کی" میں تصریح ہے، میں نے قسم کھائی، تواس کو عام فہم معنٰی پر محمول کیا جائے گا جب تک کوئی مخالف وضاحت نہ پائی جائے،اور یہاں یعنی تین طلاق یا "طالق" کیا صورت ہیں طالق کو واقع کرنے کا ارادہ متحقق نہیں کیونکہ ہوسکتاہ کہ اس کو تین طلاق دینے سے اس کی مراد یہ ہو کہ تین طلاق کے قابل ہے، لیکن ایک شخص گھر بیٹھے صرف لفظ "طالق" سے بات کی ابتداء کرتا ہے اور طلاق کو واقع کرلے کا کوئی حال یا کوئی بات قرینہ نہ ہو جو دلیل بن سکے تو بلاوجہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کاارادہ کیا ہے اس لئے ایسی صورت میں اپنے دل کی بات واضح کرنے پر حکم موقوف رہے گا۔ یہ تمام بحث بندہ ناچیز کے دل پر رب جلیل کے فیوضات کے سمندر سے وارد ہوئی ہے، تواس سے تمام صورتیں آپس میں موافق ہوگئیں اور اضطراب ختم ہوگیا،اور ہر مسئلہ اپنے صحیح مقام پر منطبق ہوگیا الحمدللہ رب العالمین۔(ت)
نعم بقی ھھنا فرع فی الھندیۃ عن الخلاصۃ لاقالت گراں بخریدی بعیب بازدہ فقال بعیب بازدادمت ونوی یقع بہ الطلاق ولو قال بہ عیب بازدادم بغیر التاء لایقع وان نوی [1] اھ فان الفصل الاخیر منہ من القسم الاخیر الذی ذکرنا فکان ینبغی علی ما اصلنا لایقع دیانۃ مالم ینوولاقضاء	**ہاں** یہاں ہندیہ کا خلاصہ سے منقول ایک مسئلہ رہ گیا ہے کہ اگر بیوی نے خاوند کی وجہ سے واپس کردے، توجواب میں خاوند نے کہا عیب کی بناء پر میں نے تجھے واپس کیا، طلاق کی نیت س کہا تو خاوند کے اس قول سے طلاق ہوجائے گی،اور اگر خاوند نے جواب میں صرف یہ کہا میں نے عیب کی بناپر واپس کیا، بیوی کو خطاب کے بغیر کہا، تو طلاق کی نیت ہو کہ تو بھی طلاق نہ ہوگی اھ یقینا اس مسئلہ میں جواب

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

مالم یخبر عن نیة الطلاق لان لایقع وان نوی فانه یفید انه بدون التاء لیس من الفاظ الطلاق اصلا کقوله لاحاجة لی فیك ولارغبة اولااشتیك وامثال ذٰلك وھو کما تری مشکل فلع المعنی ان اللفظ من الکنایات وھو مع التاء ایضا محتاج الی النیة کما لایخفی فاذاعدم التاء احتاج نیتین نیة الطلاق ونیة الاضافة ولاشك ان احدھمالاتکفی، فقوله قال بعیب بازدامت ونوی، لیس معناہ الیھا لاجل کون اللفظ من الکنایات فھی المرادة ایضا من قرینة اعنی قوله فی الفصل الاخیروان نوی ای لوقال بغیر التاء لایقع وان نوی باللفظ الطلاق لخلوہ عن الاضافة فیحتاج بعد الی شیئ اٰخروھی نیة الاضافة فافھم وتأمل لعل اللہ یحدث بعد ذٰلك امرا۔ ھذاوبما تقرر تحرر ان لااعتراض علی الفاضل	کی دُوسری صورت ہمارے پہلے ذکر کردہ آخری مسئلہ کی صورت سے متعلق ہے تو ہمارے بیان کردہ ضابطہ کے تحت جب تک نیت نہ کریگا دیانۃً طلاق نہ ہوگی اور قضاءً بھی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک طلاق کی نیت سے مطلع نہ کرے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خطاب کے بغیر نیّت کے باوجود، طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس سے تو لازم آئے گا کہ خطاب کے بغیر "عیب کی بناپر واپس کیا" یہ الفاظ طلاق میں سے ہی نہ ہوا جیسے "تیری مجھے حاجت نہیں" اور رغبت نہیں یا تجھ سے شوق نہیں رکھتا وغیرہ الفاظ طلاق کے لئے نہیں ہیں، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ بات مشکل ہے۔ تو اس کا حل یوں ممکن ہے کہ "تجھے عیب کی بناء پر واپس کیا" بیوی کے جواب میں خطاب کرکے کہا ہو تو یہ ایسا کنایہ ہے جس مین ایک نیت کی ضرورت ہے، اوراگر بغیر خطاب کہا تو دو نیتوں کی ضرورت ہے، ایک نیتِ طلاق دوسری نیتِ اضافت، اور یہ بات واضح ہے کہ ایسی صورت میں ایک نیت کافی نہیں، تو خاوند کا یہ کہنا "میں نے تجھے عیب کی بناپر واپس کیا" اور نیت کی تو وُہ طلاق کی نیت ہوگی جس کی ضرورت تھی کیونکہ یہ لفظ، طلاق سے کنایہ ہے تو نیت سے مراد، طلاق کی نیت ہے نیز اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ مسئلہ کی دوسری صورت یعنی بغیر خطاب کہا ہو تو وہاں یہ کہا گیا ہے طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو، کیونکہ خطاب کے بغیر یہ صورت اضافت سے خالی ہے، لہٰذا اس کے بعد ایک دوسری شیئ کی احتیاجی ہوگی اور وہ اضافت کی نیت ہے (یعنی نیّت اضافت کا محتاج ہوگا) پس

الشارح ولاعلی العلامة البحررحمة اللهعليه فانهما اتیابعین مافی الوجیز والخانیة فانهما ایضانصاعلی عدم الوقوع وعللا بترك الاضافة' فکما وجب حمل کلامهما علی ماتقدم کذالك یحمل علیه کلام هذین الفاضلین،بیدان الامامین اتیابعده بما اوضح المراد من قولهما ان القول قوله والفاضلین اقتصرا علی ذٰلك فبقی کلامهما علی الایهام ،ولیس فی کلامهما ان الاضافة الصریحة اللفظیة شرط للوقوع حتی یتوجه علیه بقیة کلام الفاضل المحشی رحمه الله تعالٰی نعم علل الفاضلان الشارحان الحلبی و الطحاوی بان الاضافة شرط حق فی نفسه کماقررنا و لکن لایصح ح الجزم بعدم الوجد ان فان الشرط مطلق الاضافة نصًا اوعرفًا اوجوابًا والمفقود جزماهی الاضافة اللفظیة المنصوصة ولیست بشرط فالاخذان کان فعلی المحشیین دون الفاضلین العلامتین۔ اللّٰھم الافی ترك الایضاح کما علمت،ھکذا ینبغی تحقیق المقام واللهولی الفضل والانعام۔

سمجھو اور غور کرو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی سبیل پیدا فرمادے،اسے مضبوط رکھو۔اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ فاضل علامہ بحر رحمہااللہ تعالٰی پر کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ اُنہوں نے وہی کچھ کہا جو وجیز اور خانیہ میں بیان کیا گیا ہے، کیونکہ ان (وجیز وخانیہ) دونوں نے مذکورہ میں یہ طلاق نہ واقع ہونے کی تصریح کی اور اس کی وجہ ترک اضافت کو قرار دیا، تو جس طرح وجیز اور خانیہ کی عبارت کو مذکورہ معنٰی پر محمول کرنا ضروری ہوا یونہی ان دونوں فاضل حضرات شارح وبحر کلام کو اسی معنٰی پر محمول کرنا ضروری ہے، صرف اتنا ہوا کہ دونوں اماموں وجیز وخانیہ نے اس کے بعد اپنی مراد کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ خاوند کی بات معتبر ہوگی، جبکہ دونوں فاضل حضرات نے عدمِ وقوع طلاق کے ذکر پر اکتفاء کیا جس کی بناء پر ان کی کلام میں احتمال کی گنجائش رہ گئی حالانکہ ان دونوں حضرات کے کسی کلام میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اضافت کا لفظوں میں صریح طور پر مذکور ہونا وقوعِ طلاق کے لئے ضروری ہے تاکہ بقیہ کلامِ فاضل محشی سے اس پر اعتراض ہوسکے ہاں، فاضل حلبی اور فاضل طحاوی دونوں حضرات نے شرح میں یہ وجہ بیان کی ہے کہ اضافت شرط ہے جو یہاں موجود نہیں ہے تو ان دونوں حضرات کا یہ کہنا بجا ہے کہ اضافت شرط ہے، جیسا کہ نے ذکر کیا ہے، لیکن ان کا یہ کہنا کہ یقینا یہاں اضافت نہیں پائی گئی، یہ درست نہیں کیونکہ اضافت کا پایا جانا شرط ہے خواہ بطور نص ہو، یا عرف یا جواب کے طور پر ہو، اضافت کے صرف صراحتًا لفظی طور پر مفقود ہونے پر شرط کے مفقود ہونے کا قول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ صرف لفظی طور پر مذکور ہونا شرط نہیں ہے۔ غرضیکہ اگر مواخذہ ہو بھی تو دونوں محشیٰ حضرات پر ہوگا

	نہ کہ فاضلین شارح و بحر پر۔ ہاں ان پر وضاحت نہ کرنے کا اعتراض ہوگا، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا، اس مقام کی تحقیق یُوں مناسب ہوگی جبکہ اللہ تعالٰی ہی فضل وانعام کا مالک ہے (ت) [یہاں سے غیر مربوط عبارت کو خارج کردیا گیا ہے]

مسئلہ ۱۲۲: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

شمس العلماء رئیس الفضلائے خان خاناں جناب احمد رضاخاں صاحب دام لطفہ، السلام علیکم! اگر بے اضافت طلاق دے جائے تو کیا حکم ہوگا واقع ہوگی یا نہ؟ قاضی خاں مجتہد المسائل سے ہے اور شامی ناقلوں سے ہے ان کے مابین اختلاف ہو تو کس پر حکم دیا جائے؟

الجواب:

طلاق بے اضافت میں جبکہ ایقاع مفاد ہو اُس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، اگر بحلف کہہ دے گا کہ زوجہ کو طلاق مقصود نہ تھی مان لیں گے، یہی مفادِ قاضی خاں ہے اور یہی شامی نے تحقیق کیا، ان میں تخالف نہیں، خانیہ میں **فالقول قوله صراحة** (خاوند کی بات معتبر ہوگی۔ت) اسی پر دال ہے **وتمام تحقیقه فی رسالتنا فی الباب** (اس کی مکمل تحقیق اس مسئلہ سے متعلق ہمارے ایک رسالہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: (سوال منقول نہیں)

(۱) اجمالی جواب بذریعہ تار برقی

اگر طلاق کی نیّت تھی تین طلاقیں ہوگئیں۔

(۲) تفصیلی جواب بذریعہ ڈاک

جبکہ زید کے کلام میں عورت کی طرف طلاق کی نسبت اصلًا نہ تھی کہ تجھ کو یا فلاں عورت یا اپنی زوجہ یا دخترِ فلان کو طلاق ایک، دو تین، نہ دینے ہی کا کوئی ذکر زبان پر آیا کہ طلاق ایک دو تین دی یا ہُوئی جس کے باعث بحسب ظاہر زوجہ ہی کو طلاق دینا مفہوم ہوتا، نہ عورت ہی کے کلام میں ایسے الفاظ تھے جن کے جواب میں زید کے یہ لفظ بظاہر اس پر ایقاع سمجھے جاتے، مثلًا وہ کہتی میں طلاق چاہتی ہوں مجھے طلاق دے، بلکہ عورت کی طرف سے سکوت محض تھا، تو جس طرح خود یہ الفاظ محض ناوصف ومحتمل ہیں ممکن کہ یہ مراد ہو کہ طلاق ایک دو تین میں نے تجھے دیں، ممکن کہ یہ مقصود ہو کہ طلاق ایک دو تین کتنی چاہتی ہے جس کے باعث عنداللہ یہاں مدار نیّت شوہر پر ہوا، اگر ان الفاظ کے کہنے میں طلاق کی نیت تھی تین طلاقیں ہوگئیں ورنہ

کچھ نہیں، اسی طرح بوجہ عدم ظہور مراد عند الناس بھی بیان شوہر کی طرف رجوع ضرور، اگر وہ اقرار کرے کہ یہ لفظ میں نے بقصد طلاق کہے تھے تین طلاقوں کا حکم دیا جائے گا اور بے حلالہ اس سے نکاح نہ کرسکے گا۔ اس صورت میں عورت کو عدّت گزرنے پر اختیار ہوگا جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے وُہ بدستور شوہر کی زوجیت میں سمجھی جائے گی فان الیقین لایزول بالشک (کیونکہ یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا۔ت) اگر واقع میں اس نے نیّت کی اور اس نے ظاہر نہ کی تو اس کا وبال اور اپنے اور عورت دونوں کے زنا کا عذاب شوہر پر ہوگا عورت پر الزام نہیں کہ دلوں کا مالک اللہ ہے جلا وعلا۔ لَاتَزِرُوَازِرَۃٌوِّزْرَاُخْرٰی[1] (کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ت) عورت اپنے آپ کو مطلقہ نہیں سمجھ سکتی اگر دوسرے سے نکاح کرے گی حرامکار ٹھہرے گی فانھا مکلفۃ بالظاہر واللہ تعالٰی یتولی السرائر (کیونکہ وہ عورت ظاہر حکم کی مکلّف ہے رازوں کا اللہ تعالٰی ہی حاکم ہے۔ت) ہندیہ میں محیط سے ہے:

لایقع فی جنس الاضافۃ اذالم ینولعدم الاضافۃ الیھا۔[2]	اضافت والے معاملہ میں طلاق نہ ہوگی جب تک اضافت کی نیّت نہ کی ہو کیونکہ بیوی کی طرف اضافت نہ ہوئی۔(ت)

اسی میں خلاصہ سے ہے:

سکران ھربت منہ امرأتہ فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیۃ بسہ طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع۔[3]	نشے والے کی بیوی بھاگی تو اس نے تعاقب کیا، ناکامی پر کہا، تین طلاق پر۔ اگر خاوند نے کہا کہ میری مراد میری بیوی ہے۔ تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر کچھ نہ بتایا تو نہ ہوگی۔(ت)

انقرویہ میں بزازیہ سے ہے:

فرت ولم یظفر بھا فقال سہ طلاق	بیوی بھاگی تو خاوند نے ناکامی پر کہا: تین طلاق،

[1] القرآن ۱۶۴/۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۸۲/۱

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۸۲/۱

ان قال اردت امرأتی یقع والالا۔[1]	اگر خاوند نے کہا کہ میری مراد میری بیوی تھی تو طلاق ورنہ نہیں۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لوقال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته[2]۔	اگر خاوند نے کہا"طالق"۔اس سے پوچھا گیا کہ تیری کیا مراد ہے جواب دیا کہ میری بیوی مراد ہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔(ت)

عالمگیریہ میں خلاصہ سے ہے:

قالت طلقنی فضربها وقال لها اینك طلاق لایقع ولو قال اینکت طلاق یقع۔[3]	بیوی نے کہا: "مجھے طلاق دے"، تو خاوند نے اس کو پیٹ دیا اور کہا "یہ طلاق ہے" تو طلاق نہ ہوگی، اور اگر کہا "یہ طلاق تجھے طلاق ہے" تو طلاق ہوجائیگی۔(ت)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ دوسرے عالم کا جواب تو محض باطل وناصواب تھا بحالِ نیت تین طلاقیں ہوں گی جن میں رجعت محال، اور بحالِ عدمِ نیّت ایک بھی نہ ہوگی تو رجعت کا خیال محض خیال محال، اور پہلے عالم کا جواب بھی غلط تھا کہ یہاں تین طلاقیں صرف بصورتِ نیّت ہیں، نہ مطلقًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۴: از سیرام پور ضلع ہوگلی مرسلہ شیخ بدو دربان چٹکل ومحمد سراج الحق امامِ مسجد جامع ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

محمد ظفر کا اپنی والدہ سے جھگڑا ہورہا تھا اس کی والدہ نے کہا کہ اگر اپنی بی بی کو نہ چھوڑوگے تو تم سُور کھاؤ، اسی طرح تین مرتبہ بولی، مظفر نے کہا طلاق دیتے ہیں، پھر اس نے بلاقصد غصّہ کے ساتھ اپنی والدہ کے سامنے کہا طلاق طلاق طلاق، بغیر مخاطب کرنے کسی کو اب شرعًا صورتِ مسئولہ میں ظفر کی بی بی پر طلاق پڑے گی یا نہیں؟

الجواب:

تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی انقرویہ الفصل مایقع بہ الطلاق ومالایقع بہ دارالاشاعت قندھار افغانستان ۱/۴۷

[2] بحرالرائق باب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۳

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

مسئلہ ۱۲۵: از مؤناٹ بھنجن دفتر مدرسہ دارالعلوم ضلع اعظم گڑھ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ نقل اسٹامپ قیمتی عہ۔
جمن ابن منا، میں ان کو لکھ کردیتا ہوں کہ آپ کی لڑکی کی اُلفت کا خرچ بھرپورا کروں گا اور بغیر علیم اللہ ستار باز کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا اگر آپ کی حکم عدولی کروں تو آپ اور سب پنچ جو چاہیں کریں سب منظور ہے کیونکہ ہمارا کوئی ماں اور باپ نہیں ہے آپ لوگ ہمارے ماں اور باپ ہیں تاریخ ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء، اور اگر سب خلاف ہو تو اس شرط پر طلاق۔ نشانی انگوٹھا جمن مقر، اسمائے شاہدان (۲) علیم اللہ ستار باز۔ ہماری لڑکی الفت جو ہے اگر ہم قضا کرجائیں تو ہمارے گھر سامان اور جتنا مال ہو اور جتنا ہم پر قرض ہو سب الفت کا قرض بھی وہ سب دے اور مال وغیرہ وہ لے اور دوسرے کا تعلق نہیں، باقی گواہ اوپر گزرے، دستخط عبدالرحمٰن قول اجمیری بقلم خود، محمد ابراہیم ابن محمد اسمٰعیل۔ یہ فتوی بمبئی سے آیا ہے مگر سوال نہایت مہمل یعنی اقرار نامہ کا ہے، ای روپیہ کا اسٹامپ پر اقرار نامہ تحریر ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ جمن کا نکاح اس اقرار نامہ کے چار روز بعد ہوا، بعد نکاح جمن مذکور الفت کو لے کر اپنے سسر کے ساتھ رہتا تھا مگر قریب دوبرس کے ہوئے علیم اللہ اپنے سسرال اور بیوی کو بھی چھوڑ کر بمبئی میں آوارگی اختیار کیا ہے اور بیوی کو نہ روٹی کپڑا دیتا ہے نہ کسی قسم کی خبر گیری کرتا ہے، نوٹس بھی مسماۃ الفت و علیم اللہ ستار باز کے طرف سے دیگئی مگر کچھ جواب نہیں دیتا لہٰذا اب مسمّاۃ الفت مطلّقہ ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

صورۃ مذکورہ میں طلاق کسی طرح نہیں ہوسکتی، قطع نظر اُس نقص کے جو الفاظ اقرار نامہ میں ہے جس میں عورت کی طرف اضافت طلاق نہیں اور اس میں جمن کو اس انکار کی گنجائش ملتی کہ زوجہ کو طلاق مراد نہ تھی، جب یہ اقرار نامہ نکاح س پہلے لکھا گیا اور اس میں شرط نکاح کا ذکر نہیں تو اگر صاف یُوں لکھا ہوتا کہ میں ایسا کروں تو الفت پر تین طلاقیں، اور ویسا کرتا جب بھی ہرگز طلاق نہ ہوتی اذلاملک حینئذ والا اضافۃ الیہ والیہ الٰی سببہ فلغی (کیونکہ ابھی تک ملکیت نہیں اور نہ ہی ملکیّت کی طرف نسبت اور نہ ملکیت کے کسی سبب کی طرف نسبت ہوئی، تو کلام لغو ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: موضع مانیاوالہ ضلع بجنور از کفایت علی صاحب وحمایت علی صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ
حضورِ والا! بعد سلام عرض ہے کہ غلام کی بیوی اطاعت نہیں کرتی، سمجھا اثر نہیں کرتا، والدین بھی ناخوش ہیں والدین کی خوشی ہے کہ طلاق دے دو تو حضور اس کو کس طریقہ سے طلاق دی جائے خاکسار اور والدین میں ایک کوڑی مہر دینے کی طاقت نہیں مہر دوسو پانچ ۲۰۵ اشرفیاں میں نے قبول کرلیا تھا، عورت معاف نہیں

کرتی مگر مہر کی ایک کوڑی کا گورنمنٹی کاغذ اسٹامپ نہیں ہے کچہری سے بھی عورت کا ولی ایک کوڑی نہیں لے سکتا، یہاں کے مولوی سے دریافت کیا تو یہ کہا کہ شرعًا اسے ساڑھے بارہ روپے دینے چاہئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر آپ طلاق دینا چاہیں تو عورت جب حیض سے فارغ ہو اس کے بعد قبل جماع اس سے ایک بار کہئے کہ میں نے تجھے طلاق دی، پھر اسے چھوڑے رہئے اور اس سے بالکل الگ رہئے یہاں تک کہ طلاق کے بعد تین حیض شروع ہر کر ختم ہو جائیں اس وقت وہ نکاح سے نکل جائے گی، اور مہر وہ معاف نہ کرے تو بہر حال دوسو پانچ اشرفیاں دینا لازم ہوں گی، وہ کوئی جاہل شخص تھا جس نے ساڑھے بارہ روپے بتائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷: از بچناتھ باڑہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بچناتھ باڑہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت کے نان نفقہ سے بے خبر تھا کہ عورت کے وارثوں میں سے کسی نے آن کر اس سے کہا کہ اگر نان نفقہ نہیں دے سکتا تو طلاق دے دے۔ چنانچہ اسی وقت اس آدمی کے رُوبرو طلاق دے دی تو یہ طلاق ہوئی یا نہیں کیونکہ عورت وہاں نہ تھی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

طلاق ہو گئی، طلاق کے لئے عورت کا وہاں حاضر ہونا کچھ شرط نہیں **فان ازالۃ لاعقد کما لایخفی** (کیونکہ یہ ازلہ نکاح ہے نکاح نہیں ہے (تاکہ حاضری ضروری ہوتی) جیساکہ مخفی نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۸: از پیلی بھیت مرسلہ شیخ فیض محمد صاحب ۶ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

زید اپنے مکان میں تنہا مقیم تھا اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دی لیکن زوجہ نے نہ سُنی نہ دوسرے آدمی نے، اس وجہ سے کہ اور آدمی دوسرے مکان میں تھے، پس طلاق ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سُننا ضرور نہیں بلکہ جبکہ شوہر اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچے کے قابل تھے (اگرچہ کسی غل شور یا ثقل سماعت کے سبب نہ پہنچی عند اللہ طلاق ہو گئی، عورت کو خبر ہو تو وہ بھی اپنے آپ کو مطلقہ جانے، ہاں اگر صرف دل میں طلاق

دے لی تو بالاجماع نہ ہوگی، یا زبان سے لفظ تو کہے مگر ایسے کہ زبان کو صرف جنبش ہوئی آواز اپنے کان تک آنے کے بھی قابل نہ تھی تومذہب اصح میں یُوں بھی نہ ہوگی۔

فی الدر المختار ادنی الجھر اسماع غیرہ ادنی المخافتۃ اسماع نفسہ ویجری ذٰلک فی کل مایتعلق بالنطق کتسمیۃ علی ذبیحۃ ووجوب سجدۃ تلاوۃ وعتاق وطلاق واستثناء فلوطلق او استثنٰی ولم یسمع نفسہ لم یصح فی الاصح[1] اھ بالاختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کم از کم جہر یہ ہے کہ دوسرا سُنے اور کم از کم خفاء یہ ہے کہ خود سُن سکے۔ یہ ضابطہ ہر ایسے مقام کے لئے ہے جس کا تعلق نطق سے ہو، جیسے ذبیحہ پر بسم اللہ، سجدہ تلاوت پر سجدہ کا وجوب، غلام کو آزاد کرنا، طلاق دینا، اور کلام میں کوئی استثناء کرنا، لہٰذا اگر طلاق دی یا استثناء کیا اور خود نہ سنا تواصح مذہب پر طلاق اور استثناء صحیح ہوگا اھ اختصارًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹: از بدایوں فرشولی ٹولہ شیخ وہاب الدین احمد صاحب ۲۷ رجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ اپنی زوجہ سے یہ الفاظ کہے کہ تو عمرو یا بکر سے نکاح کرلے اور زید اپنے والد کو مخاطب کرکے بموجودگی والدین ہندہ یہ کہا میری بیوی کا نکاح ولید سے کرادو۔ اس واقعہ سے دو تین مہینہ کے بعد زید نے ہندہ کے مکان پر آن کر ہندہ اور اس کے والدین کی عدم موجودگی میں ایک غیر مخاطب کرکے کہا میں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتاہوں اگر اس وقت میرے ساتھ نہ بھیجیں۔ وہ شخص ان الفاظ کو سُن کر چلنے لگا تو زید نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ کیا اور ہندہ اس کے ساتھ نہ بھیجی گئی، ہندہ حاملہ تھی، اور اسی زید نے اسی روز ہندہ کے گھر کو چھوڑنے کے بعد یہ کہا کہ میں نے یہ الفاظ دھمکانے کو کہے تھے تاکہ میری بیوی میرے ساتھ کردیں اور میں اپنے الفاظ اب واپس لیتا ہوں، واپس لیتا ہوں واپس لیتا ہُوں۔ یہ واقعہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ ہجری نبوی کا ہے۔ زید عرصہ زائد از سال سے بعارضہ مراق علیل ہے آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے اظہار کیا کہ زید نے ان اخیر الفاظ میں کہ میں طلاق دیتاہُوں طلاق دیتاہُوں طلاق دیتاہوں اگر اس وقت میرے ساتھ نہ بھیجیں کوئی لفظ عورت کی طرف اضافت کا نہ کہا تھا، نہ نام نہ نسب، نہ وصف نہ لقب، نہ اشارہ مثلًا فلاں عورت یا فلان کی بیٹی یا اپنی زوجہ کو یا اس کو وغیرہ وغیرہ کوئی لفظ اس قسم

[1] درمختار فصل ویجھر الامام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۰۔۷۹

کانہ تھا، نہ یہ کلام کسی سوال کے جواب میں تھا جس سے اضافت پیدا ہو، بلکہ ابتداءً یہی الفاظ اُس نے مکرر کہے اس صورت میں زید سے قسم لی جائے اگر وُہ حلف کرے کہ ان الفاظ سے اپنی زوجہ مراد نہ تھی تو حکمِ طلاق نہ دیا جائے۔

وذٰلك لان زيد اينكر ارادة الطلاق بها والاضافة كما فی السؤال فيكون القول قوله بيمينه وان كان الظاہر ارادة المرأة بذٰلك لانه نوی محتمل كلامه فيصدق۔	یہ اس لئے کہ زید طلاق کے ارادے سے انکاری ہے اور اضافت سے بھی انکاری ہے جیسا کہ سوال میں ہے تو قسم لے کر اس کی بات مان لی جائے گی اگرچہ ظاہری طور اس سے بیوی مراد ہوسکتی ہے لیکن کلامِ خاوند میں احتمال پایا جاتا ہے جس کی نیت پر خاوند پر خاوند کی تصدیق کی جائے گی۔ (ت)

خانیہ وبزازیہ وغیرہا میں ہے:

قال لها لاتخرجی من الدار الاباذنی فانی حلفت یا لطلاق،فخرجت لايقع لعدم ذكره حلفه بطلاقها ويحتمل الحلف بطلاق غيرها فالقول له۔[1] اھ۔	خاوند نے بیوی کو کہا گھر سے میری اجازت کے بغیر باہر مت نکلو کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو بیوی نکل گئی، اس صورت میں طلاق نہ ہوگی، کیونکہ قسم میں بیوی کی طلاق کا ذکر نہیں ہے، جبکہ قسم میں کسی اور عورت کی طلاق کا احتمال بھی ہے لہٰذا خاوند کی بات معتبر ہوگی اھ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

سئل شیخ الاسلام الفقیة ابونصر عن سكران قال لامرأته اتريدين ان اطلقك فقالت نعم،فقال اگر تو زن منی يك طلاق دو طلاق سه طلاق قومی واخرجی من عندی وهو يزعم انه لم يرد به الطلاق فالقول قوله۔[2]	شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے سوال کیا گیا کہ ایک نشہ والے نے اپنی بیوی کو کہا "کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دوں؟" تو بیوی نے کہا ہاں، تو خاوند نے کہا "اگر تو میری بیوی ہے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اٹھ جا، نکل میرے پاس سے"۔ اور پھر کہتا ہے کہ میں نے طلاق مراد نہیں لی، تو اس کی بات، معتبر ہوگی۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۷۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ کتاب الایمان ۱/ ۳۸۳

یونہی اس کے پہلے لفظ کہ "تو عمرو یا بکر سے نکاح کرلے یا اس کا نکاح ولید سے کرادو" محتاج نیت ہیں، اگر بہ نیتِ طلاق کہے ایک طلاق بائن ہوئی، اور نیتِ طلاق نہ تھی تو کچھ نہیں اور اس بارے میں کہ ان الفاظ سے اس نے طلاق کی نیت نہ کی تھی، اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اگر قسم کھالے گا حکمِ طلاق نہ ہوگا، پھر واقع میں نیت کی تھی اور جھوٹی قسم کھالی تو وبال اُس پر ہے۔ ردالمحتار میں ہے

فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان لوقال اذھبی فتزوجی وقال لم انو الطلاق لایقع شیئ لان معناہ ان امکنك وفی الذخیرۃ اذھبی وتزوجی لایقع الابالنیۃ وان نوی فھی واحدۃ بائنۃ وان نوی الثلاث فثلاث[1]	قاضی خان کی شرح وجامع صغیر میں ہے: خاوند نے بیوی وکہا" جاؤ نکاح کرو" اور پھر کہتا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، تو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اس کی بات کا مطلب یہ ہے کہ اگر تجھے ممکن ہو تو نکاح کرو۔ اور ذخیرہ میں ہے: اگر خاوند نے کہا" جاؤ نکاح کرو" تو نیت ایک بائنہ طلاق ہوگی، اور اگر تین کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوگی۔ (ت)

غرض یہاں مدار اس حلف پر ہے اگر ان سب الفاظ کی نسبت قسم کھالے سے انکار کرے تو ایک طلاق بائن پڑے گی کہ برضائے زوجہ عدّت میں خواہ عدّت کے بعد اس سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی حاجت بے حلالہ اس سے نکاح نہ کرسکے گا، یہ سب اس صورت میں ہے کہ زید کا مراد اس حد کو نہ پہنچا ہو کہ وہ فاسد العقل مختل الحواس ہوگیا ہو کبھی غافلوں کی سی بات کرے، کبھی خاصے پاگلوں کی سی، اور اگر یہ حالت ہے (اور اللہ خوب جانتا ہے) تو اصلاً طلاق نہ ہوگی اگرچہ اس نے وُہ سب الفاظ بہ نیت طلاق کہے ہوں۔ درمختار میں ہے:

لایقع طلاق المجنون والصبی والمعتوہ[2] الخ ملخصاً۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	مجنون، بچّہ اور ذہنی مریض کی طلاق واقع نہ ہوگی الخ ملخصًا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۷۴

[2] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

مسئلہ ۱۳۰: ازمارہرہ شریف ضلع ایٹہ محلّہ کمبوہ مرسلہ چودھری عبدالرحمٰن صاحب ۱۸شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، ایک عورت اپنے خاوند سے بہت تنگ ہو، اس کا خاوند اُسے ستاتا ہو تو وُہ لاچار ہو کر جواب طلب کرے تو وُہ جواب بھی ضد سے نہ دے اور حقوق بھی ادا نہ کرے تو پھر وُہ غصّہ میں جواب یعنی طلاق کا ارادہ کرے اور تنہائی میں جواب دے عورت کے سامنے، تو طلاق مانی جائے گی یا نہیں، دوسرے یہ کہ وُہ عورت مجبور ہو کر کسی مرد سے عقد کرلے اور اس پانچ ماہ تک میاں بی بی کا واسطہ رہے اور ایک اس مرد سے لڑکا پیدا ہوگیا، پھر اُس پہلے خاوند نے دعوی کیا کہ میں نے طلاق چار کے سامنے تو نہیں دی غرض یہ کہ وہ واپسی لینا چاہتا ہے تو وُہ عورت شرعًا پہلے خاوند پر جائز رہی یا نہیں؟

الجواب:

بیانِ سوال سے ظاہر یہ ہے کہ شوہر اوّل دینے کا مقر ہے مگر عذر صرف یہ کرتا ہے کہ طلاق خفیہ دی چار اشخاص کے سامنے نہ دی، لہٰذا اپنی جہالت سے طلاق نہ ہونا سمجھتا ہے، اگر ایسا ہے تو اس کا دعوی باطل ہے، طلاق بالکل تنہائی میں دے جب بھی ہوجاتی ہے، اگر عورت نے عدت گزرنے کے بعد دوسرے سے نکاح صحیح ہوگا اور پہلے شوہر کو اس پر کچھ دعوی نہیں پہنچتا، ہاں اگر شوہر سرے سے طلاق دینے سے منکر ہو اور عورت کا نکاح ثانی کرنا اور پانچ ماہ دوسرے کے پاس رہنا اور اس لڑکا پیدا ہونا، ان باتوں کی شوہر اوّل کو خبر نہ ہو کہ کسی دوسرے شہر میں ہُوئی ہوں، بعد اطلاع اس نے دعوی کیا تو ضرور اس کا دعوی قابل سماعت ہے اور عورت کا بیان کہ اس نے طلاق دے دی تھی بے گواہانِ شرعی ہرگز مسموع نہیں، عورت شوہر اول کو دلادی جائے گی، پھر اگر واقع میں اس نے طلاق دے دی تھی اور جُھوٹ انکار کیا تو عورت پر فرض ہے کہ جس طرح جانے اسے سے دور بھاگے یا مہر وغیرہ دے کر طلاق لے اور اگر کچھ نہ کرسکے وبال اس پر ہے، اور عورت جب تک راضی نہ ہو مجبور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: از پیلی بھیت محلّہ پکسریا مسئولہ عبدالرحمٰن گھڑی ساز ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے تنہا ایک گوشہ بیٹھ کر جس کو کسی نے نہیں سُنا اپنے دل کے اندر اپنی بیوی کو طلاق دی اس کے عرصہ پانچ ماہ کا گزرا اب وہ شخص رجوع کرنا چاہتا ہے اس کو کس طرح کرسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر فقط دل میں طلاق دی تھی یُوں کہ زبان سے کچھ کہا ہی نہ تھا یا کہا مگر فقط زبان کو حرکت تھی اتنی آواز نہ تھی کہ اپنے کان تک آنے کے قابل ہو جب تو طلاق ہوئی ہی نہیں، اور اگر ایسی آواز سے کہا کہ اپنے کان تک

آنے کے قابل تھی اگرچہ مینہ یا ہوا یا کسی غل شور کے سبب اپنے کان تک نہ پہنچی تو طلاق ہو گئی اگر رجعی تھی تو عدّت کے اندر رجعت کر سکتا ہے اور بائن تھی تو برضائے زوجہ اس سے نکاح کر سکتا ہے، اور مغلظ تھی تو بے حلال نکاح نہیں ہو سکتا، یہ ان الفاظ پر موقوف ہے جس اس نے کہا اور جتنی باز کہا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۲: ازامریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ تاج الدین خاں صاحب ۱۵ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسمّی زید نے غصّہ میں آکر پانی منکوحہ مسمّاۃ ہندہ کو ایک شخص مسلمان و ایک عورت قوم ہنود کے رُوبرو طلاق دی۔ اور یہ بھی ہے شخص مسلمان کے رُوبرو دو مرتبہ لفظ طلاق صاف طور سے کہا کہ وُہ سننے میں نہیں آیا، وُہ عورت اہل ہنود جو وہاں موجود تھی بیان کرتی ہے کہ میں نے سنا یہ لفظ طلاق نہیں کہا تھا، زید ایک شخص بالکل جاہلِ اور اُمّی ہے، اس وقت زید و ہندہ دونوں راضی ہیں نکاح کس طرح ہو؟

الجواب:

اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ہر ایک کے دل کی جانتا ہے، اللہ سے ڈرے، اگر واقع میں اس نے تیسری بار بھی طلاق دی تھی تو عورت نکاح سے نکل گئی، اب بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا، اور اگر وُہ منکر ہے اور سوا اُس کافرہ عورت کے اور کوئی تیسری طلاق کا بیان نہیں کرتا تو کافرہ کی بات اصلاً معتبر نہیں، جب تک عدّت میں ہے وہ عورت کو رجعت کر سکتا ہے یعنی اتنا کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھر لیا وہ بدستور اس کے زوجہ رہے گی اگر پہلے کبھی ایک طلاق نہ دے چکا ہو ورنہ ایک وُہ اور دو یہ مل کر تین ہو گئیں عورت نکاح سے نکل گئی حلالہ کی ضرورت ہو گی، یوں ہی اگر پہلے طلاق نہ دی تھی یہ دو دی ہیں تو آئندہ جب کبھی ایک طلاق دے گا عورت بے حلالہ کے نکاح میں نہ آسکے گی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳: از رامپور مسئولہ محمد سعید

زید نے بحالتِ غضب اپنی زوجہ ہندہ کو یہ کہا کہ تجھ کو میں نے طلاق دیا، اب اس صورت میں طلاق ہو گی یا نہیں؟

الجواب:

ایک طلاق رجعی ہُوئی، غضب مانع طلاق نہیں بلکہ غالبًا طلاق بحالتِ غضب ہی ہوتی ہے **والدھش شیئ اٰخر بیینہ فی الخیریۃ وردالمحتار وتحقیقہ فی فتاوٰنا** (مدہوش اور چیز ہے، اس کو خیریہ اور ردالمحتار

میں بیان کیا ہے، اور اس کی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴: کیافرماتے ہین علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غصّہ میں اپنی زوجہ مدخولہ سے دوبارہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، آیا یہ کون سی طلاق واقع ہوئی اور اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں دو طلاقیں رجعی واقع ہُوئیں، حکم ان کا یہ ہے کہ مابین عدّت کے رجعت کا اختیار ہے اور بعد انقضائے عدت اگر عورت چاہے اس سے نکاح جدید کر سکتا ہے اور ایامِ عدّت حرہ موطوہ میں تین حیض کامل ہیں اور اگر بوجہ صغر یا کبر کے حیض نہ آتا ہو تو تین مہینہ، اور لونڈی میں اگر حائضہ ہو تو دو حیض ورنہ ڈیڑھ مہینہ، اور طریق رجعت یہ ہے کہ مطلّقہ سے ایام عدت میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے پھیر لیا یا رد کیا یا روک لیا یا امثال اس کے کہے یا مابین عدت کس کرے یا بوسہ یا جماع کرے۔ بہتر طریق اول ہے،

فی تنویر الابصار وھی فی حرۃ تحیض بعد الدخول ثلث حیض کوامل، وفی من لم تحض بصغر اوکبر ثلثۃ اشھر، وفی امۃ تحیض حیضتان، وفی امۃ لم تحض نصف الحرۃ[1]، ملخصًا، وفیہ ھی استدامۃ الملك القائم فی العدۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے وہ عدت وطی شدہ حیض والی کے لئے تین حیض کامل، اور جس کو نابالغی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو ان کے لئے تین ماہ، اور لونڈی حیض والی کے لئے دو حیض اور غیر حیض والی کے لئے ایسی آزاد عورت کی عدت کا نصف یعنی ڈیڑھ ماہ۔ اور اسی میں ہے: رجعت (رجوع کرنا) یہ عدت کے درمیان موجود ملکیت کو باقی قائم رکھنا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵: ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

زید نے غصہ میں اپنی عورت کو طلاق دی اس وقت ایک آدمی اور موجود تھا بعدہ جو شخص آیا اور پوچھا تو کہا میں نے اپنی عورت کو طلاق دے دی، ڈیڑہ ماہ تک علیحدہ رہے، اس درمیان میں جس آدمی نے پوچھا تم کیسے علیحدہ ہو تو بار ہا یہی کہا کہ طلاق دے دی، تو طلاق ہُوئی یا نہیں؟ اگر ہو گئی تو نکاح کس طور پر ہونا چاہئے؟

الجواب:

اگر اس وقت ایک بار طلاق دی تھی اور باقی بار اوروں کے پُوچھنے پر کہا اور وُہ قسم کھا کر کہہ دے کہ

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العدّۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵۔۲۵۶

میں نے ان دفعوں میں طلاق دینے کا ارادہ نہ کیا تھا بلکہ اس کے پُوچھنے پر خبر دی تھی تو صرف ایک طلاق ہُوئی اگر رجعی تھی رجعت کرسکتا ہے جب تک عدت نہ گزرے ورنہ دوبارہ اس سے نکاح کرلے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۶: از شہر مسئولہ علی محمد برادر ہندہ جس کا بیان ہے ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا شوہر تھا وہ اور میں اور میرے ماں بھائی ایک ہی مکان رہتے تھے اور روٹی کپڑے پر لڑائی ہوتی تھی تو وہ مجھ کو مارتا اور برا بھلا کہتا تھا تو میں ماں نے یہ کہا کہ اب تیرا کیا کام ہے تونے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اب یہاں مت آ۔

الجواب:

اگر یہ بیان سچ ہے تو ایک طلاق ضرور ہوگئی لیکن عورت ابھی نکاح سے نہ نکلی، ہاں اگر ہاں پہلے لفظ سے بھی کہ "تم میرے کام کی نہ رہیں" اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو دو طلاقیں ہوگئیں اور عورت نکاح سے نکل گئی، رہا یہ کہ اس نے اس لفظ سے بھی نیت کی تھی یا نہیں، یہ اس کے بیان پر ہے، اس سے قسم لی جائے، نہ ہوں گی ایک ہی رجعی ہوگی کہ عدت کے اندر وُہ اپنے نکاح میں پھیرلے عورت بدستور اس کی زوجہ رہے گی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۷: از ستار گنج ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید سے نکاح کیا مگر صحبت نہ ہوئی، صبح کو بوجہ اغوائے چند اشخاص ہندہ نے مہر معاف کیا اور زید نے طلاق دے دی، اس صورت میں اُسی روز شام کو نکاح ہندہ عمرو کے ساتھ جائز ہے یا نہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں اگر زوج وزوجہ تنہائی کے مکان میں یکجا ہولئے ہوں اور اُن میں کوئی مانع حقیقی ایسا نہ ہو جس کی وجہ سے وطی اصلًا نہ ہوسکے اس کے بعد زید نے طلاق دی تو بیشک ہندہ پر عدت واجب ہے اگرچہ مباشرت نہ ہوئی

فان الخلوۃ الصحیحۃ فی النکاح الصحیح مثل الوطی فی ایجاب العدّۃ	عدت کو واجب کرنے میں صحیح نکاح کے بعد خلوتِ صحیحہ وطی کے حکم میں ہے اور یہاں خلوت کی صحت سے

وصحة الخلوة ھٰھنا العدم المانع الحقیقی وان جد مانع شرعی کالصوم۔	مراد جماع سے مانع کا موجود نہ ہونا ہے اگرچہ شرعی مانع مثلاً روزہ پایا جائے تو خلوتِ صحیحہ ہو جائیگی (ت)

شرح نقایہ میں ہے:

العدۃ للطلاق بعدالدخول او الخلوۃ الصحیحۃ فانہ طلقھا قبل الدخول اوبعد الخلوۃ الفاسدۃ والفساد لعجزہ عن الوطی حقیقۃ لم تجب العدۃ، ولو لامر شرعی کصوم الفرض تجب کما فی قاضیخان وذکر فی المحیط انہ لاعدۃ بخلوۃ الرتقا[1] اھ ملخصًا۔	طلاق بعد دخول یا خلوت صحیحہ ہو تو عدّت ہے کیونکہ اگر دخول سے قبل یا خلوت فاسدہ کے بعد طلاق ہو تو عدّت واجب نہ ہوگی، خلوت کا فساد یہ کہ جماع سے کوئی حقیقی مانع موجود ہو، اگر شرعی مانع مثلاً فرضی روزہ ہو تو وہ مانع موجود ہو، اگر شرعی مانع مثلاً فرضی روزہ ہو وتو وہ مانع نہیں ہے اور اس پر عدت لازم ہوگی جیسا کہ قاضی خاں میں ہے اور محیط میں ذکر کیا کہ شرمگاہ میں ہڈی والی عورت سے خلوت پر عدت واجب نہ ہوگی، اھ، ملخصًا (ت)

پس اگر عدت کے دوران کے بعد طلاق تین حیض کامل کا گزرنا ہے دوسرے سے نکاح کرے گی ہرگز صحیح نہ ہوگا اور حرام محض رہے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذا المعتدہ کذافی السراج الوھاج سواء کانت العدّۃ عن طلاق اووفات او دخول فی نکاح فاسد او شبھۃ نکاح کذافی البدائع[2]۔	کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی منکوحہ یا دوسرے کی عدت والی سے نکاح کرے۔ السراج الوہاج میں ایسے ہی ہے، عدتِ طلاق ہو یا عدتِ وفات ہو، یا نکاح فاسد میں دخول یا شبہہ نکاح میں دخول کی وجہ سے ہو (سب میں دوسرے کا نکاح حرام ہے) بدائع میں یونہی ہے۔ (ت)

ہاں اگر خلوت بھی نہ ہوئی اور ویسے ہی طلاق دے دی تو ہندہ پر عدت نہیں، اسے اختیار ہے کہ اسی وقت جس سے چاہے نکاح کرلے۔ درمختار میں ہے:

سبب وجوبھا (یعنی العدۃ) عقد النکاح	وجوبِ عدت کا سبب وہ نکاح ہے جس میں بیوی

---

[1] جامع الرموز فصل فی العدۃ المکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح القسم السادس المحرمات التی یتعلق بھا حق الغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۰

المتأکد بالتسلیم وما جری مجراہ من موت او خلوت الخ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	سپرد کردی گئی ہو یا وُہ جو اس کے قائم مقام ہو مثلًا موت یا خلوت ہو، الخ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۸: از کیمپ میرٹھ لال کورتی بازار کوٹھی خان بہادر صاحب مرسلہ شیخ میر محمد صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید اور عمرو (برادر منکوحہ زید) کی ایک روز کسی بات پر باہم سخت حجت ہوئی اور عمرو نے زید اپنے بہنوئی س کہا کہ مہربانی کرکے اس طرف کاارادہ نہ کیجئے جس کا مقصد یہ تھا کہ میرے (عمروکے) مکان پر نہ آئے گا۔ اس کے جواب میں زید نے غصّہ کی حالت میں کہامیں اس کو طلاق دے چکا، یا یہ کہامیں تواس کوطلاق دے چکا، اسی طرح تین چار مرتبہ یہی الفاظ کہے، اس سے قبل اپنی زوجہ سے لفظِ طلاق کبھی نہ کہے تھے، کیااس صورت میں زید کی منکوحہ پر طلاق ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:

عمرو کی مراد اس طرف سے کچھ بھی سہی جبکہ زید اپنی زوجہ کی نسبت سمجھا اور اُسے تین بار کہامیں اس کو یامیں تواس کو طلاق دے چکا، تین طلاقیں ہو گئیں، زید گنہگار ہوااور عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

قال اللہ تعالٰی فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کے لئے دوبارہ حلال نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وُہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ (ت)

اور غصّہ کاعذر بیکار ہے طلاق اکثر غصّہ ہی میں ہوتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹: از پالی مارواڑ متصل دروازہ جھالر باڑ مسئولہ بنی بخش صاحب ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی رمضانی ولد گانداف نے اپنی عورت جنابنت محمد بخش قوم نداف ساکنہ پالی کو ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کوحسب ذیل تین طلاقیں دیں اور نکال دیا' پانچ روز بعد مولوی سیّد احمد علی صاحب کے پاس جاکر اپنا حال کہا، انہوں نے جواب دیا میں شام کو فریقین کے بیان سنوں گا، بعد عشاء آئے اور فریقین اور گواہوں کے بیان لے کر طلاق کازبانی فیصلہ دے کر

[1] درمختار باب العدّۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲/۲۳۰

بیان میں چلے گئے وہ بیانات درج ذیل ہیں:

بیان گواہ اوّل مسمّی رحمان علی شاہ درویش: اس طلاق سے میں واقف ہوں اس نے اپنی عورت کو طلاق دی اور یہ لڑکی اپنے باپ کے مکان چوترے پر بیٹھی تھی تب میں نے اُس سے کہا کہ آبیٹی! میں تجھ کو تیرے مکان پر لے چلوں تب وُہ میرے ساتھ ہولی اُس وقت رمضانی نے ایک پتّھر پھینکا اور کہا کہ شاہ صاحب اس کو کہاں لے جاتے ہو میں اس لڑکی کو باپ کے گھر جانے کو کہہ دیا اور میں نے اپنی جگہ جابیٹھا تب رمضانی مذکور سے کہا گیا کہ بیاُن سچ ہے یا نہیں، کہاہاں سچ ہے۔

بیان گواہ ثانی مسمّٰی بنی بخش ولد حسن جی نداف: میں ایمان سے بیان کرتا ہوں کہ یہ (رمضانی) واہی تباہی بکتا تھا، میں نے کہا کہ اگر اس کو رکھنا منظور نہ ہو تو اس کو چھوڑدے یعنی طلاق دے دے، تب اس نے کہا کہ میں اس کو کل طلاق دے چکا ہوں، اور باقی رہا مہر چار روپیہ تو اس کے باپ سے میں مانگتا ہوں باقی پانے برتن بیچ کردے دُونگا۔ رمضانی صاحب سے کہا گیا یہ سچ بیان کرتا ہے؟ اس نے کہاہاں۔ پھر ایک قرآن مجید منگوا کر اس سے کا گیا اگر تُونے طلاق نہیں دی ہے تو قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھالے، جواب دیا: میں قسم نہیں کھاتا اس عورت کو قرآن دے دو اگر قسم کھالے گی سچّی ہو گی، شاید وہ بھی طلاق چاہتی ہو اور چھٹکارے کے واسطے قسم کھالے تو پھر کوئی علاج نہ ہوگا، اس نے پھر یہی جواب دیا اگر یہ قسم کھالے تو یہ سچّی ہے، تب لڑکی سے کہا گیا تجھ کو اگر اس نے طلاق دے دی ہو تو قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھالے اس نے دونوں ہاتھ قسم کیلئے قرآن شریف لینے کو بڑھائے لیکن اس خیال سے کہ شاید حیض سے ہو قرآن اس کے ہاتھ میں نہ دیا اور کہا تُو خدا کی قسم کھا کر بیان کر کہ کس طرح طلاق دی ہے تب اس نے قسمیہ بیان کیا کہ ہمارے بار بار لڑائی رہتی ہے اس رات کو بھی ہوئی اور اس نے کہا کہ میں تجھ کو صبح ٹھیک کروں گا، جب صبح میں اُٹھی تو اس نے کہا کہ آٹا ہے یا نہیں؟ تو میں نے کہا کہ آٹا تھوڑا ہے زیادہ نہیں، تب اس نے کہا بندولے کے واسطے کہا تھا تونے کیوں نہیں پیسا؟ اب میں نے کہا کہ اب پیسنے لانی ہوں، تب اس نے کہا اب کوئی ضرورت نہیں تو روٹی بیکر، تب اس کے کہنے سے روٹی بیکرنے لگ گئی، تو اس نے کہ تجھ طلاق ہے تو چلی جا، تب اٹھ کر اپنے باپ کے گھر چلی آئی تو تھوڑی دیر بعد چچا مجھ کو بلوا کر لے گئے تو ہم دونوں کو سمجھا کر بٹھا آئے تب میں نے روٹی پکائی تو اس نے مجھے کہا کہ تو کیوں آئی تجھ کو طلاق ہے تُو چلی جا، تو پھر میں وہاں سے چلی آئی، باقی شاہ صاحب گواہ اول اور پتھر وغیرہ کا قصہ بیان کیا، تب مسمّی رمضانی سے دریافت کیا کیا یہ عورت سچ کہتی ہے؟ اس نے کہاہاں سچ

ہے فقط، لہٰذا عرض یہ ہے کہ ان بیانوں پر طلاق ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

گواہوں کے بیان ناقص ہیں اور ان میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر نہیں اور عورت کا قسم کھانا محض نامعتبر ہے کہ وُہ مدعیہ ہے مدعی کا حلف نہیں سُنا جاتا اس سے گواہ مانگے جاتے ہیں گواہ نہ دے سکے تو مدعا علیہ پر حلف رکھا جاتا ہے۔ رمضانی نے جو گواہوں کے بیان کی تصدیق کی اس سے صرف طلاق ثابت ہوگی تین طلاقوں کا ثبوت نہیں کہ اس کا ذکر بیان شاہدان میں خود نہ تھا، ہاں اگر ثابت ہو کہ عورت کا بیان مذکور سُن کر رمضانی نے اس کی تصدیق کی تو بیشک تین طلاقیں ثابت ہوگئیں تصدیق بیان عورت کا اگر رمضانی کو اقرار ہے تو بہتر ورنہ اس تصدیق پر دو۲ گواہ لینے ہوں گے جو "گواہی دیتا ہوں" کہہ کر پوری صحیح شرعی شہادت ادا کریں، اگر شہادت سے یہ تصدیق نہ ثابت ہو تو تین طلاقوں کا حکم نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر اُن میں کسی گواہ کا بیان رمضانی کا تصدیق کرنا اس کے اقرار یا دو۲ شاہدین عادلین کے اظہار سے ثابت ہو تو ایک طلاق ہوئی، اگر رجعت نہ کی اور عدّت گزر گئی تو عورت نکاح سے نکل گئی، اور عدّت کے اندر رجعت کرلی تھی تو عورت بدستور اس کی زوجہ مانی جائے گی، اور اگر کسی گواہ کی بھی تصدیق ثابت نہ ہو تو ایک طلاق کا بھی حکم نہ ہوا لیکن عورت اگر جانتی ہے کہ اس نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں تو اس پر فرض ہوگا کہ جس طرح جانے اس سے بھاگے باعلانیہ طلاق حاصل کرے اگرچہ اپنے مہر کے بدلے اور مال دے کر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: از مقام دیپا سرائے پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد بر مکان حاجی امیر حسین صاحب ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی طلاق کی نیت دل میں تو کی لیکن زبان سے کوئی طلاق کا لفظ نہیں نکالا اور دو برس تک اس نے اس سے مجامعت بھی نہیں کی لیکن ہر طرح کا خلاملا اور خورد نوش اور کہلا انتظامات خانہ داری کا برتاؤ برابر اس کے ساتھ رکھا، آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور بی بی کا وہی نکاح سابق قائم رہا یا پھر اس کی تجدید کی جاوے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح سابق باقی ہے اس وجہ سے تجدید کی کوئی حاجت نہیں، نری نیت سے طلاق نہیں ہوسکتی اگرچہ دن میں سو بار نیت کرے، جب تک زبان سے لفظ نہ کہے گا طلاق نہ ہوگی بلکہ زبان کی خالی حرکت بھی کافی نہیں، جب تک اتنی آواز نہ ہو کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو اپنے کان تک پہنچے، زبان کو جنبش ہوئی اور آواز اتنی بھی نہ نکلی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی جب بھی صحیح مذہب میں طلاق نہ ہوگی۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ادنی المخافتة اسماع نفسه ویجری ذلك فی کل مایتعلق بنطق کتسمیة علی ذبیحة وعتاق وطلاق وغیرھا فلوطلق ولم یسمع نفسه لم یصح فی الاصح [1]۔	مخفی آواز ادنٰی یہ ہے کہ خود کو سُنائے، اور یہ حکم ان تمام میں جاری ہوگا جن کا تعلق نطق سے ہو، مثلاً ذبیحہ پر بسم اللہ، آزاد کرنا، طلاق دیناوغیرہا، تو اگر طلاق کہی اور خود نہ سُن سکا، تو صحیح قول میں طلاق نہ ہوگی (ت)

ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگر چہ کسی مانع مثلاً غُل شور چکّی، مینہ، بہرے پن وغیرہا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہوجائے گی،

ادنی الحد خروج صوت یصل الی اذنه ولوحکما کما لوکان ھناك مانع من صمم اوجبلة اصوات اونحو ذٰلک۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ادنٰی حد ہے کہ آواز اتنی ہو کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگر چہ حکماً ایسا ہو مثلاً آواز پہنچ جاتی اگر وہاں بہرہ پن شوروغل وغیرہ نہ ہوتا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱: ازرامہ تحصیل گوجرخاں ڈاکخانہ جاتلی ضلع راولپنڈی مرسلہ تاج محمد صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، ایک لڑکے نے اپنے باپ سے بولا کہ تم میری زوجہ کو طلاق دے دو، اس نے طلاق دے دی ہے، یہ طلاق واقع ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

نابالغ نہ خود دے سکتا ہے نہ دوسرے کو وکیل کرسکتا ہے، نہ باپ بذریعہ ولایت اُس کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے **فانه ضرر والولایة للنظر** (کیونکہ یہ توضرر ہے جبکہ ولایت شفقت کے لئے ہوتی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۲: ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ عورت چار ماہ کا حمل رکھتی ہے اور شوہر طلاق دے تو طلاق جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز وحلال ہے اگر چہ حمل میں بلکہ آج ہی بلکہ ابھی ابھی اس سے جماع کرچکا ہو،

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل ویجهر الامام مطبع مجتبائی دہلی ۷۹/۱

فی الدرالمختار حل طلاقھن ای الاٰیسۃ والصغیرۃ والحامل عقب وطی لان الکراھۃ فیمن تحیض لتوھم الحبل وھو مفقود ھھنا[1]۔	درمختار میں ہے، بوڑھی عورت، نابالغہ اور حاملہ عورت کو جماع کے بعد بھی طلاق دینا حلال ہے کیونکہ مکروہ حیض والی عورت کو طُہر میں جماع کے بعد طلاق دینا اس لئے تھا کہ وہاں حمل ٹھہرنے کا احتمال ہوتا ہے جبکہ یہ احتمال یہاں نہیں ہے۔(ت)

مگر ایک طلاق رجعی دے، اگر دو تین دے گا گنہگار ہوگا،

فی الدر البدعی ثلث متفرقۃ اوثنتان بمرّۃ او مرتین الخ[2]۔	درمختار میں ہے: بدعی طلاق یہ ہے کہ تین طلاقیں خواہ متفرق ہوں یا دو طلاقیں ایک مرتبہ یا متفرق دی جائیں الخ (ت)

یُوں ہی طلاق بائن ایک ہی دے جب بھی ظاہر الروایۃ میں گناہ ہے،

فی ردالمحتار الواحدۃ البائنۃ بدعیۃ فی ظاہر الروایۃ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے: ایک بائنہ طلاق، بدعی طلاق ہے، ظاہر روایت کے مطابق۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۳: ازبریواڈاک خانہ امریا ضلع پیلی بھیت مسئولہ جناب محمد بخش صاحب وذوالفقار خاں صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، ایک شخص نے حالتِ غصّہ میں بہ سبب ملامت برادران زوجہ اپنے کے اپنی بیوی کو طلاق دی اور زمانہ طلاق میں عورت کو ۵۵ماہ کو حمل تھا بعد طلاق اور پورا ہونے مدت حمل کے عورت کے لڑکا پیدا ہوا اور تین چار روز زندہ رہ کر مرگیا یہ طلاق جائز ہے یاناجائز، اور ایسی صورت میں جو حکم مسئلہ ہو اطلاع دی جائے اس عورت کا دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عورت کو حمل ہونا مانع وقوعِ طلاق نہیں، اگر طلاق بائن تھی تو مطلقاً اور اگر رجعی تھی اور بچّہ پیدا ہونے تک نہ زبانی رجعت کی نہ زوجہ کو ہاتھ لگایا تو بعد ولادت عورت نکاح سے نکل گئی اب اسے اختیار ہے جس سے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل ویجھر الامام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل ویجھر الامام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۶

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۸

چاہے نکاح کرے، اور اگر طلاق رجعی تھی اور قبل ولادت قول یا فعل کے ذریعہ سے شوہر نے رجعت کرلی تو عورت بدستور اس کے نکاح میں ہے دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۴: از موضع بلسری ڈاکخانہ صفدر گنج ضلع بارہ بنکی مرسلہ مہدی حسن صاحب ۴رجب ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص درمیان فساد باہمی کے بحالتِ غیظ وغضب اپنی بی بی سے تین باریُوں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دیا میں نے تجھے طلاق دیا، اور بروقت دینے کے یہ بھی اپنے دل میں ارادہ کرلیا کہ میں ٹھیک ٹھیک اور صحیح عقل سے کہتا ہوں باوجود درمیان جھگڑے باہمی کے عصّہ میں یہ سب باتیں وقوع میں آئی ہوں تو اس حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو پھر چند ساعت کے بعد عصّہ فرو ہوگیا اور میاں اپنے ان افعال قبیحہ پر منفعل ہو کر بی بی کو رجعت کرنا چاہے اور بی بی بھی رجعت پر آمادہ ہو تو کس صورت سے بی بی، میاں پر حلال ہے فقط۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مذکورہ میں تین طلاقیں ہوگئیں، عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی یعنی اس کی عدت گزرے پھر عورت دوسرے شخص سے نکاح کرے اور اس سے ہمبستری بھی ہو، پھر وہ اسے طلاق دے یا مرجائے اور عدت گزر جائے اس کے بعد اس شخص کو عورت سے نکاح جائز ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ [1]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتحلّین الزوجك الاول حتی یذوق الاٰخر عسیلتك وتذوقی عسیلته [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تیسری طلاق دی تو اس کے لئے مطلّقہ دوبارہ حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اے عورت تو حلال نہ ہوگی پہلے شوہر کے لئے جب تک تو دوسرے خاوند کا مزہ اور وہ تیرا مزہ نہ لے لے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵: از شاہجہان پور محلّہ باڑوزئی مسئولہ حفیظ اللہ صاحب ۱۲ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ درباب طلاق فتوٰی مولانا عبدالحٔہ صاحب لکھنوکا کہ مجموعۃ الفتاوٰی جلد دوم صہ ۵۳ میں واقعہ اور پیش خدمت نقل اُس کی اخیر تحریر میں موجود ہے کیا عندالضرورت ہم

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۰

[2] صحیح البخاری باب لم تحرّم ما احلّ اللہ لك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۹۲

لوگ اس پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینواتوجروا

نقل فتوٰی مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی قدس سرہ الولی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو حالتِ غضب میں کہاکہ میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا، پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق واقع ہونگی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی میں مثلاً واقع نہ ہوں تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کے رخصت دی جائے گی یا نہیں؟

ھوالمصوّب الجواب: اس صورت میں حنفیہّ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی اور بغیر تحلیل کے نکاح نہ درست ہوگا مگر بوقتِ ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا، نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود وعدّت ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہّ عند الضرورت قول امام مالک پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں، چنانچہ ردالمحتار میں مفصلاً مذکور ہے لیکن اولٰی یہ ہے کہ وُہ شخص کسی عالم شافعی سے استفتاء کرکے اس پر عمل کرے، **واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ**[1]۔

الجواب:

یہ فتوٰی گمراہ گری ہے، اس پر عمل حرام قطعی ہے، ان کے مجموعہ فتاوٰی میں این وآں وزید وعمر کے فتوی بھی بھرے ہیں یہاں تک کہ غیر مقلدوں کے بھی، یہ فتوی بھی کسی غیر مقلد کا ہوگا اور وُہ بھی نرے جاہل اجہل کا، جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک جلسہ میں تین طلاقیں ہوجانے پر جمہور صحابہ وتابعین وائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع ہے، ہر گز امام شافعی یا کوئی امام اس کے خلاف کے قائل نہیں، اور اگر وُہ یہ جانتا ہے پھر امام شافعی و مخالف مانتا ہے تو سخت کذّات مکّارہ اور عوام کو دھوکے دینے والا۔ امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح صحیح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

قال الشافعی ومالك ابوحنیفة واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث[2]۔	امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور پہلے اور پچھلے جمہور علماء علماء نے فرمایا تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ (ت)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی لکھنوی کتاب الطلاق مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۴۸۔ ۳۴۷

[2] شرح صحیح مسلم للنووی باب طلاق الثلاث قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۸

یعنی امام شافعی وامام مالک وامام ابوحنیفہ وامام محمد وجمہور علمائے سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ صورت مذکورہ میں تین طلاقیں ہوگئیں معہذا اسے ضرورت ماننا صراحتاً مذہب کا ڈھانا ہے، کون نہیں کہہ سکتا کہ عورت کا علیحدہ ہونا مجھ پر دشوار ہے، کون نہیں کہہ سکتا کہ احتمال مفاسد ہے، احتمال کو ضرورت جاننا عجب جہالت ہے نہ کہ فقط نفس پر شاق ہونے کو تمام تکلیفاتِ شرعیہ کا ہدم کرے گا وہ سب نفس پر شاق ہونا ضرورت ٹھہرا **والضرورات تبیح المحظور ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ** (ضروریات، ممنوعات کو مباح کرتی ہیں **ولاحو ولاقوۃ الاباللہ**۔ت) مسئلہ مفقود وامتداد طہر پر اس کا قیاس کرنا صریح وسواس ہے پھر رفع سراسر بطالت وجہالت کر خمیر ہے کسی طرح یقین نہیں کہ مولوی لکھنوی صاحب کی ہو اگرچہ غلطی کاتب سے ان کا نام لکھا گیا ہو اور اگر واقعی اُن کی ہے تو اتباع حق کا ہے، نہ غیر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۶: ازرامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

شمس العلماء رئیس الفضلائے خانخاں جناب احمد رضاخاں صاحب دام لطفہ، السّلامُ علیکم! اگر غضب کثرت سے ہو کہ ایسا غصہ ہو کہ کامل عقل نہ ہو اس حالت میں اگر طلاق صریح وغیرہ دیوے تو واقع ہوگی یا نہ؟

الجواب:

غضب اگر واقعی اس درجہ شدّت ہو کہ حدّ جنون تک پہنچادے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ کہ غضب اس شدت پر تھا، یا تو گواہان عادل سے ثابت ہو یا وہ اس کا دعوی کرے اور اس کی یہ عادت معہود معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعوی معتبر نہیں، یوں تو ہر شخص اس کا ادعا کرے اور غصّہ کی طلاق واقع ہی نہ ہو حالانکہ غالبًا طلاق نہیں ہوتی مگر بحالتِ غضب، ردالمحتار میں خیریہ سے ہے:

الدھش من اقسام فلایقع واذاکان یعتادہ بان عرج ھذا الدھش مرّۃ یصدق بلابرھان اھ[1] وتمام تحقیقہ فی فتاوٰنا۔	مدہوشی، جنون کی قسم ہے۔لہٰذا طلاق نہ ہوگی۔جب عادت بن چکی ہو اور ایک مرتبہ مدہوشی معلوم ہو چکی ہو تو خاوند کی بات بلادلیل مان لی جائے گی اھ اس کی تحقیق ہمارے فتاوٰی سے معلوم کی جائے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

مسئلہ ۱۴۷: از شہر پوربندر مقام کھاری مسجد مرسلہ مولوی محمد اسمٰعیل خاں صاحب ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت زینب سے حالتِ غصّہ میں کہازینب طلاق طلاق طلاق یعنی بے شمار طلاق جس کااندازہ معلوم نہین، اور زید کہتا ہے کہ مجھ کو حالتِ غصّہ میں خبر نہیں کہ میں نے کتنے دفع طلاق دیا ہے بحضور الشاہدین، اور زینب کے خویش واقارب کہتے ہیں کہ زید نے تین طلاقیں شرعًا دی ہیں اور اب زید اپنی عورت زینب سے رجعت کرنا چاہتا ہے اور عورت کے وارث انکار کرتے ہیں، اور یہ آدمی نمازی ہے اور غریب ہے، یہاں علماء نے فتوی دیا ہے کہ رجوع صحیح ہے مگر لوگ نہیں مانتے، اب حق آپ کی جانب ہے جیساکہ حکمِ شریعت ہو، اگر آپ جواب نہ دوگے تو غریب کا حق ماراجائے گااور دوسرا کوئی ہندوستان میں آپ جیساعالم نہیں، آپ کافتوی اطراف میں جاری ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ زید ان الفاظ سے طلاق دینے کااقرار کرتا ہے، گنتی میں سہو بتاتا ہے، اگر ثابت ہو کہ یہ لفظ تین بار کہے تین طلاقیں ہوگئیں رجعت ناممکن ہے بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا۔

قال اللہ تعالٰی فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تیسری طلاق کے بعد عورت حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ **واللہ تعالٰی اعلم (ت)**

مسئلہ ۱۴۸: از کلکتہ دھرم تلہ اسٹریٹ نمبر ۶۲ مرسلہ عزیز الرحمٰن صاحب پیش امام مسجد ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کئی آدمیوں نے مل کرایک شخص سے کہاکہ تواپنی اہلیہ کو طلاق دے دے۔ پس اس کی زبان سے بلانیّتِ طلاق کے نکل پڑا "ہاں ہاں" تو اس صورت میں اس کی اہلیہ پر طلاق ہوگا یا نہیں؟ جواب کُتب دینیہ سے ارشاد ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ اُن اشخاص نے اس سے طلاقِ زن کی درخواست کی اور اس کے جواب میں اس نے "ہاں ہاں" کہا طلاق اصلًا نہ ہوئی اگرچہ نیت طلاق ہی کہتا کہ لفظ "ہاں" جب امر کے جواب میں واقع ہو تو اس کا حاصل وعدہ ہوتا ہے یعنی ہاں طلاق دے دُوں گا اور اس سے طلاق نہیں ہوسکتی اگرچہ نیت کرے کہ طلاق کے لئے نیت

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

بے لفظ کافی نہیں، ہاں اگر وہ یوں کہتے کہ تُو نے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی، تو یہ اخبار یا بتقدیر لفظ کیا استخبار ہوتا اس کے جواب میں اگر وہ ہاں کہتا ضرور وقوع کا حکم دیا جاتا کہ اب وہ تصدیق واقرار ہے اس صورت کی تصریح کی ضرورت یہ بھی تھی کہ بعض اطرافِ ہند کے بلاد میں فاعل فعل متعدی کے ساتھ بھی لفظ (نے) نہیں کہتے مثلاً تو کہا یا آپ فرمائے، بولتے ہیں اگر ان لوگوں کا یہی محاورہ معلومہ معروفہ ہے اور "دے دی" بیائے معروفہ کہا تھا اور زید نے یہی معنٰی سمجھ کر "ہاں" کہا تو حکماً طلاق واقع مانی جائے گی، اگرچہ عنداللہ طلاق نہ ہوئی جبکہ واقع میں نہ دی تھی اور جھوٹ اقرار کر دیا۔ تاج العروس میں ہے:

فی التھذیب قد یکون نعم تصدیقا ویکون عدۃ و حاصل مافی المغنی وشروحہ انہ یکون حرف تصدیق بعد الخبر ووعدہ بعد افعل ولا تفعل[1] الخ۔	تہذیب میں ہے کہ نعم (ہاں) کا لفظ تصدیق ہوتا اور وعدہ ہوتا ہے، اور مغنی اور اس کی شروح میں مذکور کا ماحصل یہ ہے کہ نعم خبر کے بعد تصدیق اور کر (امر) اور نہ کر (نہی) بعد وعدہ ہوتا ہے الخ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

سئل نجم الدّین عن رجل قال لامرأتہ اذھبی الٰی بیت امّلك فقالت طلاق دہ تا بردم فقال تو برومن طلاق دادم فرستم قال لاتطلق لانہ وعد کذا فی الخلاصۃ[2]۔	نجم الدین رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "تو اپنی والدہ کے ہاں جا" بیوی نے جواب میں کہا "طلاق دے تاکہ میں جاؤں" خاوند نے کہا "تو جا میں نے طلاق دی ہے بھیج دی ہے" تو نجم الدین رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ وعدہ ہوگا۔ خلاصہ میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن البزازیۃ والقنیۃ لواراد الخبر عن الماضی کذبا لایقع دیانۃ وان اشھد قبل ذلك لایقع قضاء ایض[3] اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	بحر میں بزازیہ اور قنیہ سے منقول ہے کہ مذکورہ صورت میں اگر خاوند نے ماضی کے بارے میں جُھوٹی خبر دیتے ہوئے کہا ہو تو طلاق نہ ہوگی، اور اگر پہلے سے گواہ بنالئے ہوں تو قضاءً بھی طلاق نہ ہوگی اھ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

[1] تاج العروس فصل النون من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۴

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۸

مسئلہ ۱۴۹: از کلکتہ امرتلہ لائن نمبر ۲۶ مسئولہ رحمت اللہ آدم غنی ۲۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح ثابت رہایا طلاق ہوا، ہماری بی بی سے اور ہماری والدہ سے جھگڑاہوا، اس رنجش سے ہماری والدہ دوسرے مکان پر چلی گئی ایک ہفتہ بعد جمعرات کو سب لوگ گئے، بی بی سے دریافت کیا کہ ہماری والدہ رنج ہو کر چلی گئی تم اُن کر راضی کرکے لاؤ، بی بی نے انکار کیا، میں نے بہت سمجھایا مگر وُہ راضی نہ ہوئی، میں نے کہاجب تک میری والدہ کو راضی نہیں کروگی ہم بھی تمہارے شریک رنج ملال کے نہیں ہوں گے، اس پر بی بی نے جواب دیا ہم تم کو اور تمہاری ماں کو نہیں چاہتے ہیں تم چلے جاؤ، میں مکاان آئے لگا، بی بی نے کہا ایسے کیوں جاتے ہو صفائی کرکے چلے جاؤ ہم نے جواب دیا کہ کس کو صفائی کے لئے بلاؤں اپنے دل میں ارادہ کیا کہ روزانہ جھگڑے سے اس کو طلاق دینا ہی بہتر ہے، چلے آئے، بستی والوں نے پوچھا کہ کسی کے نزدیک اس کو طلاق دیا، ہم نے جواب دیا کہ اپنے دل سے طلاق اس کو دے دیا جس کو آٹھ نو مہینے کازمانہ گزرتا ہے اس تاریخ سے آج تک ہم سے اس سے ملاقات نہیں ہے بعد پانچ چھ ماہ کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھاکہ تم اپنی بی بی سے کیونکہ نہیں ملتے، جواب دیا کہ ہم نے اس کو طلاق دے دیا بجواب اس کے تم نے کس کے نزدیک طلاق دیا، ہم نے اس کو کسی کے سامنے طلاق نہیں دیا اپنے دل سے اس کو ترک کردیا بجواب اس کے ان نے کہاکہ گھر بیٹھے طلاق طلاق طلاق نہیں ہوتا ہے کسی کے سامنے طلاق دینا چاہئے، اس پر اس نے کہاکہ ایسے طلاق نہیں ہوتا ہے، نہ ہوا، اس پر ہم نے کہا ایک طلاق دوطلاق تین طلاق یہ کہہ کر کہااب ہوا یا نہیں؟ ان نے کہا ہوگیا۔

الجواب:

دل میں طلاق دینے سے نہیں ہوتی جب تک زبان سے نہ کہے،

بل بصوت یسمع نفسہ لولامنع کماھوالصحیح لا معتمد فی کل ماھو قول کمافی الدرر وغیرہ۔	بلکہ ایسی آواز سے جس کو مانع نہ ہونے پر خود سُن سکے، جیسا کہ یہی صحیح اور قابل اعتماد قول ہے ہر قولی معاملہ میں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے(ت)

پہلے شخص کے جواب میں اگریُوں کہتا کہ اپنے دل میں طلاق دے دی تواس سے بھی طالق نہ ہوتی لانہ اقرار بالباطل (کیونکہ یہ باطل کااقرار ہے۔ت) مگراس نے کہاکہ اپنے دل سے اس کو طلاق دے دی یہ ایک طلاق رجعی ہوئی، عبارتِ سوال سے ظاہر یہ ہے کہ اس گفتگو کے پانچ چھ مہینہ بعد دوسرے شخص سے گفتگو ہوئی، اور اگرایسا ہے اور اس پانچ چھ مہینے میں گفتگوئے شخص اول کے بعد سے اب تک عورت کی تین حیض شروع ہو کر ختم ہوچکے تو یہ تین طلاقیں نہ ہوئیں **لفوات المحل**

بالبینونۃ (بائنہ طلاق کی وجہ سے اب طلاق کا محل نہ رہی۔ت) عورت اسی پہلی طلاق پر نکاح سے نکل گئی اب بلا حلالہ اس سے نکاح جدید کرسکتا ہے اور اگر اس پانچ چھ مہینے میں عورت کو تین حیض آکر ختم نہ ہوئے تو اب تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۰: طلاق کتنے مرتبہ دینے سے عورت نکاح سے باہر ہوسکتی ہے؟

الجواب:

تین مرتبہ ہوجائے تو عورت ایسی نکاح سے باہر ہوتی ہے کہ بے حلالہ پھر اس سے نکاح نہیں کرسکتا اور تین مرتبہ سے کم کے لئے کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ ان سے نکاح جاتا ہے مگر بے حلالہ نکاح پھر کرسکتا ہے، اور ابھی عورت سے خلوت کی نوبت نہ پہنچی ہو تو کسی لفظ سے ایک ہی طلاق دینے سے عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۱تا۱۵۲: از اندور چھاؤنی ریزیڈنسی گورنمنٹ پریس سنٹرل انڈیا مسئولہ عبدالکریم پسر سکندر خاں پہلوان ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو واقعی طلاق نہیں دی تھی کسی مقدمہ میں بر سر اجلاس فریق ثانی کے سوال کے تردید میں جس نے کہ اس کی زوجہ کا بوجہ نوع بنوع تکالیف کے اس کے یہاں سے فرار ہونا ظاہر کیا تھا یہ جواب دیا کہ اس کی زوجہ فرار نہیں ہوئی بلکہ میں نے اس کو طلاق دے دی تھی لیکن بعد میں تحقیقات سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور الصدر نے محض اپنی آبروریزی کے خیال سے نیز اپنی بات کو بالا رکھنے کی وجہ سے طلاق کا اظہار کچہری کے رُوبرو کیا تھا، آیا ایسی صورت میں جیسا کہ اس نے کچہری کے رُبرو ظاہر کیا طلاق ہونا جائز ہے کیا؟

(۲) شخص مذکور الصدر ہی نے ایک دعوی بازیابی زوجہ اپنی زوجہ کے خلاف کچہری مجاز میں دائر کیا، کچہری نے بعد انفصال مقدمہ ایک نوٹس میعادی آٹھ یوم بایں مضمون بنام مدعی جاری کیا کہ میعاد مقررہ کے اندر مدعی اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے جائے ورنہ بعد انقضائے میعاد مذکور سمجھا جائے گا کہ مدعی مذکور کی جانب سے طلاق ثلاثہ ہوگئی، چنانچہ نوٹس مجریہ بعد بعد اطلاع یابی مدعی بلا کسی اطلاع کے کہ مدعی اپنی زوجہ کو اتنے روز میں لے جائے گا موصول کچہری مجاز ہوگا، بعد اختتام میعادِ مذکور وکیل مدعا علیہا نے ازروئے قانون مروجہ ہدایت کی کہ مدعا علیہا اب اپنا عقد ثانی کرسکتی ہے، اس صورت میں اگر خلاف مدعا علیہا کسی قسم کا دعوی مدعی کی طرف سے ہوگا تو اس کا ذمّہ دار میں ہوں، لہٰذا عرض ہے کہ اس صورت میں بھی کہ جو یہاں کی گئی تحریر فرمائیں ازروئے شرع شریف طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:

پہلی صورت میں ایک طلاق ہوجانے کا حکم دیا جائے گا اگرچہ عنداللہ نہ ہو، جبکہ جُھوٹ کہا ہو کما فی الخیریۃ فیمن اقر باً لطلاق کاذباً (جیساکہ خیریہ میں طلاق کا جھوٹا اقرار کرنے والے کی بحث میں ہے۔ت)

صورت دوم میں ہر گز طلاق نہ ہوئی، نوٹس میں دوسرے کا یہ لکھ دینا اور شوہر کا جواب نہ دینا محض مہمل ہے، ہر گز اس سے عورت کو دُوسری جگہ نکاح کا اختیار نہیں ہوسکتا، حدیث میں ہے: الطلاق لمن اخذ بالساق[1] (طلاق کا حق صرف خاوند کو ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۳: از شہر رجمٹ اکاکور ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین صاحب سہارنپوری ۲۰ ربیع الاآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو کو عشق ہوگیا تھا اور ہر وقت خیالِ معشوق رہتا تھا اور فکر دل رہتا تھا اور خلش بہت تھی عمرو نے گھبراہٹ میں طلاق دے دی، اس کلمہ کو دن میں بار بار جنون کی حالت میں بیان کرتا تھا۔

الجواب:

فقط گھبراہٹ یا دماغ پر گرمی کا نام جنون نہیں، اگر واقعی مجنون نہ تھا تو طلاق ہو گئی، اگر تین بار کہی تو تین بار، وُہ الفاظ جو اس نے بار بار کہے سائل نے بیان نہ کئے کہ اُن کا مفصل حکم دیا جاتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ میں لڑائی ہوئی، زید نے حالتِ غیظ وغضب میں ہندہ کو طلاق نامہ لکھ دیا اور اپنے مکان سے نکال دیا، اُسے مدت گزری یہاں تک کہ عدت گزر گئی، اب زید کہتا ہے کہ مجھے طلاق منظور نہ تھی میں نے شدتِ غضب میں وہ طلاق نامہ لکھا تھا اور زبان سے کوئی لفظ طلاق نہ کہا تھا، پس اس صورت میں زید کا یہ عذر قابلِ سماعت ہے یا نہیں؟ ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی تو اب زید اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور ہندہ کا مہر زید پر واجب الادا ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

غصّہ مانع وقوعِ طلاق نہیں بلکہ اکثر وہی طلاق پر حامل ہوتا ہے، تو اسے مانع قرار دینا گویا حکمِ طلاق کا راسًا ابطال ہے، ہاں اگر شدّتِ غیظ وجوشِ غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہوجائے، خبر نہ رہے کیا کہتا ہوں زبان سے کیا نکلتا ہے، تو بیشک ایسی حالت کی طلاق ہر گز واقع نہ ہوگی، پس صورت مستفسرہ میں اگر زید اس حالت تک نہ پہنچا تھا تو صرف غصّہ ہونا اسے مفید نہیں اور

[1] سنن ابن ماجہ باب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۲

طلاق جس طرح قول سے واقع ہوتی ہے یونہین تحریر سے، پس وہ طلاق واقع ہو گئی اور بہ سبب مرور عدت کے اب رجوع بھی نہیں کرسکتا، ہاں اگر تین طلاقیں نہ تھیں تو نکاح جدید بے حلالہ کے کرسکتا ہے ورنہ حلالہ کی ضرورت ہے **کما ھوالحکم المعروف** (جیساکہ حکم مشہور ہے۔ت) اور مہر ہندہ اس صورت میں بیشک زید پر واجب الادا ہے، اور اگر وہ دعوٰی کرے کہ اس تحریر کے وقت میرا غصہ ایسی ہی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ میری عقل بالکل زائل ہو گئی تھی اور مجھے نہ معلوم تھا کہ میں کیا کہتا ہوں کیا میرے منہ سے نکلتا ہے، تو اطمینانِ ہندہ کے لئے اس کا ثبوت گواہانِ عادل سے دے کہ اگرچہ عنداللہ وہ اپنے بیان میں سچا ہو اور اسے عورت کے پاس جانا دیانتًا روا ہو مگر عورت کو بے ثبوت بقائے نکاح اس کے پاس رہنا ہرگز حلال نہیں ہوسکتا، تو ضرور ہوا کہ زید اپنے دعوٰی پر گواہ دے یا اگر معلوم و معروف ہے کہ اسے پہلے بھی کبھی اس کی ایسی حالت ہو گئی تھی تو گواہوں کی کچھ حاجت نہیں مجرد قسم کھا کر بیان کرے ورنہ مقبول نہیں (جواب ناقص ملا)

مسئلہ ۱۵۵: از رامپور محلّہ پھول واڑہ مرسلہ محمد علی صاحب مورخہ ۷ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ طلاق کے کہ زید کی بیوی جب اپنے میکہ گئی تو علیل ہو گئی اور حاملہ بھی ہے جب کچھ فرصت ہوئی تو سسرال میں آئی شام کے ۷ بجے ماہِ رمضان میں ایک دورہ گرمی یا کسی دوسری بیماری کے سبب سے لاحق ہوا اور اس وقت کی حالت خطرناک تھی زید اپنے مکان پر موجود نہ تھا کچھ عرصہ کے بعد جب زید مکان پر آیا اور اپنی کو ایسی حالت میں دیکھا فورًا واپس گیا تاکہ حکیم صاحب کو لائے جب حکیم صاحب کے یہاں وُہ جارہا تھا تو اس نے اپنی سسرال میں بھی اس واقعہ کی خبر کردی جس پر زید کے خسر اور ساس آگئے حکیم صاحب نے اپنی تشخیص سے یہ ثابت کیا کہ کسی چوٹ کی وجہ سے یہ دورہ پڑا ہے اس پر زید کے سالے نے یہ خیال کرکے کہ زید نے اس کی ہمشیرہ کو مارا ہے سخت وسُست کہنا شروع کیا جس پر زید بھی وہی کہنے کے لئے تیار ہو گیا، نوبت بایںجار سید کہ ہاتا پائی شروع ہو گئی، زید کی والدہ نے زید کے پھوپھازاد بھائی کو آواز دی اور وُہ زید کی زوجہ سے بھی یہ رشتہ رکھتے ہیں وہ فورًا آگئے اور زید کو پکڑ کرلے گئے۔ اس وقت زید کی حالت ایک دیوانے کُتّے کی تھی اس کو کسی بات کا ہوش نہ تھا، اسی رات میں اس نے یہ کہا جس عورت کی وجہ سے یہ بے عزّتی مجھ کو اٹھانا پڑی میں نے اس کو تین طلاق پر چھوڑا لیکن یہ کلمہ ایک مرتبہ اس کے منہ سے نکلا زید کے خسر اپنی بیٹی کو اسی وقت لے گئے جس کو اب تک دو ۲ ماہ اور کچھ دن گزرے اس پر کیا حکم ہے اور زید نے اپنی بیوی بلانے کے لئے کہا ہے۔

الجواب:

تین طلاقیں ہو گئیں، بے حلالہ نکاح نہیں ہو سکتا مگر جبکہ گواہانِ عادل شرعی سے ثابت ہو کہ واقعی وہ اس وقت حالتِ جنون میں تھا یا یہ معلوم و مشہور ہو کہ اسے جب غصّہ آتا ہے عقل سے باہر ہو جاتا ہے اور حرکاتِ مجنونانہ اس سے صادر ہوتی ہے اس حالت میں اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے گا کہ اس وقت میرا یہی حال تھا اور میں عقل سے بالکل خالی تھا تو قبل کرلیں گے اور بحکمِ طلاق نہ دیں گے، اگر جُھوٹا حلف کریگا وبال اس پر ہے **والمسئلة فی الخیریة وردالمحتار وغیرھا** (یہ مسئلہ خیریہ اور رد المحتار وغیرہما میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۶: ۲۸ ربیع الثانی شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کسی کے جبر و ظلم سے محض ناچار و مجبور ہو کر اپنی عورت کو طلاق دے دی اور طلاق نامہ لکھ دیا اس صورت میں طلاق پڑے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

طلاق بخوشی دی جائے خواہ بجبر' واقع ہو جائے گی۔ نکاح شیشہ ہے اور طلاق سنگ، شیشہ پر پتّھر خوشی سے پھینکے یا جبر سے یا خود ہاتھ سے چھوٹ پڑے شیشہ ہر طرح ٹوٹ جائے گا۔ مگر یہ زبان سے الفاظِ طلاق کہنے میں ہے، اگر کسی کے جبر و اکراہ سے عورت کو خطرہ میں طلاق لکھی یا طلاق نامہ لکھ دیا اور زبان سے الفاظِ طلاق نہ کہے تو طلاق نہ پڑے گی۔ تنویر الابصار میں ہے:

ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولومکرھا او مخطئا[1] **وفی ردالمحتار عن البحران المراد الاکراہ علی تلفظ بالطلاق فلوا کرہ علی ان کتب طلاق امرأتہ فتکتب لاتطلق لان الکتابہ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولاحاجۃھنا**[2]۔	ہر عاقل بالغ خاوند کی طلاق نافذ ہو جائیگی اگرچہ مجبور کیا گیا یا خطاء سے طلاق کا کہہ دیا ہو، اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ جبر سے مراد لفظ طلاق کہنے پر جبر کیا گیا ہو، اور اگر اس کو اپنی بیوی کو طلاق لکھنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے مجبور ہو کر لکھ دی تو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ کتابت کو تلفّظ کے قائم مقام محض حاجت کی بناء پر کیا گیا ہے اور یہاں خاوند کو حاجت نہیں ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۱

مگر یہ سب اس صورت میں جبکہ اکراہ شرعی ہو کہ اُس سے ضرر رسانی کااندیشہ ہوا اور وُہ ایذاء پر قادر ہو صرف اس قدر کہ اُس نے اپنے سخت اصرار سے مجبور کردیا اور اس کے لحاظ پاس سے اسے لکھتے بنی، اکراہ کے لئے کافی نہیں یُوں لکھے گا تو طلاق ہو جائے گی کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۷: از ڈاک خانہ راموچکما کول ضلع چٹاگانگ مدرسہ عزیزیہ مرسلہ مفیض الرحمٰن ۱۰ جمادی الاآخر ۱۳۳۶ھ

کسی نے ایک شخص کو جبراً نشہ پلایا وُہ حالتِ بیہوشی میں اگر عورت کو طلاق دے تو کیا طلاق واقع ہو گئی؟

الجواب:

لوگ کسی کے اصرار کو بھی جبر کہتے ہیں، یہ جبر نہیں، اگر ایسے جبر سے نشہ کی چیز پی اور اس نشہ میں طلاق دی بلاشبہہ بالاتفاق ہو گئی، ہاں اگر جبر واکراہِ شرعی ہو۔ مثلاً قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے جس کے نفاذ پر یہ اسے قادر جانتا ہو، یا یُوں کہ کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ چیر کر حلق میں شراب ڈال دی تو یہ صورت ضرور جبر کی ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ اس نشہ میں اگر طلاق دے نہ پڑے گی۔ درمختار میں ہے:

اختلف التصحیح فیمن سکر مکرھا او مضطرا[1]۔	جس شخص نے مجبور ہو کر یا اضطراری حالت میں نشہ آور چیز کو استعمال کیا اور اسی نشہ میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ایسے شخص کی طلاق میں تصحیح مختلف ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

صحح فی التحفۃ وغیرھا عدم الوقوع وفی النھر عن تصحیح القدوری انہ التحقیق[2]۔ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تحفہ وغیرہ میں طلاق واقع نہ ہونے کو صحیح قرار دیا گیا ہے، اور نہر میں قدوری کی تصحیح بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہی تحقیق ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۴

مسئلہ ۱۵۸: ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک اگر طلاق جبراً دلوائی جائے تو اگر خوفِ جان سے مجبوراً اگر کوئی عورت اپنی کو طلاق دیوے تو طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں اور اگر لفظِ نفی آہستہ سے اپنی دبی زبان سے کہہ لیوے کہ وہ نہ سمجھے اور نہ سُنے تو بھی واقع ہوجاوے گی یا نہیں مثلاً یہ کہے میں نے اپنی عورت کو طلاق (نہیں) دی یا لفظ استثنا (اِن شاء اللہ) آہستہ سے کہہ لیوے تو کیا حکم ہے، یا اور کوئی حیلہ ہوسکتا ہے یا نہیں جس سے طلاق واقع نہ ہو۔

الجواب:

طلاق اگر دبی زبان سے دے کیسے ہی جبر واکراہ سے دی ہوجائے گی، اور استثناء یا الحاق نفی اگر ایسی آواز سے تھا کہ خود اپنے کان تک پہنچنے کے قابل بھی نہ تھی تو عنداللہ بھی معتبر نہیں طلاق ہوگئی، اور اگر اپنے کان تک آواز آئی اس مکرہ نے نہ سنی نہ اور حاضرین نے تو قضاءً طلاق جائے گی عنداللہ نہ ہوگی۔ حیلہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے اکراہ پر کہے طلاق طلاق طلاق، اور نیّت یہ کرے کہ مہمل مطالبہ کررہے ہو، لیکن مکرہ اگر ہوشیار ہے اور بے تصریح اضافت نہ مانے تو کوئی حیلہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۹: از حافظ شمس الدّین شاہ آباد ضلع ہردوئی گنگیانمی ۲۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پندرہ سال سے دیوانہ ہوگیا ہے اواس کی عورت ہے اس کو اپنی عورت سے کوئی غرض واسطہ نہیں ہے، اس کا حق پورا نہیں کرسکتا کھانا کپڑا وغیرہ کچھ نہیں دے سکتا ہے، عرصہ آٹھ دس ماہ کا ہوا اس سے طلاق کے واسطے کہا گیا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے، تب اس نے دو[۲] مرد اور ایک عورت کے سامنے طلاق دے دی، تین بار اپنی زبان سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی، عورت کون ہے جس کے رُوبرو طلاق دی دیوانہ کی ماں ہے، مرد وہ کون ہیں جن کے رُوبرو طلاق دی ایک دیوانہ کا بھائی ہے دوسرا بھانجا ہے یہ شخص ایسا دیوانہ نہیں ہے جو بالکل ہوش وحواس نہ رکھتا ہو، کھاتا پیتا ہے مکان میں رہتا ہے اس کی کوئی جائداد ایسی نہیں جو اپنا گزر کرسکے، اس کی عورت دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی ہے آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ برائے مہربانی جواب سے جلد مطلع فرمائے

الجواب:

مجنون کی طلاق باطل ہے وُہ لاکھ دفعہ طلاق دے ہرگز نہ ہوگی، نہ عورت کو دوسرے سے نکاح جائز ہوگا نہ اس کی طرف سے اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے لان الولایۃ للنظر لاللضرر (کیونکہ

ولایت شفقت کے لئے ہوتی ہے ضرر کے لئے نہیں۔ت) کھانا پینا مکان میں رہنا منافی جنوں نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور زوجہ عبدالرحمٰن صاحب ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ محبوبن کا نکاح مستری عبدالرحمٰن سے عرصہ نوسال کا ہوا جب ہوا تھا بعد نکاح ایک سال تک با قاعدہ رہا پھر اس کے یہاں سے چلاگیا چونکہ مکان مسماۃ محبوبن کا تھا اس واسطے وُہ اکیلی مکان میں رہی محلّہ والے اس کو سمجھا کر لائے غرضکہ اسی طرح کبھی وُہ چلاجاتا اور کبھی آجاتا یونہی عرصہ نوسال کا ہوا بعد نوسال کے وہ لوگ جو نکاح کے گواہ تھے ان کے سامنے کہہ گیا تین بار کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی اور کہا نہ تُو میری بی بی نہ میں تیرا شوہر اب اس صورت میں نکاح جائز رہا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سچ اور جُھوٹ کا حال اللہ جانتا ہے، یہ حلال وحرام وقبر وحشر کا معاملہ ہے، بناوٹ سے حلال حرام نہ ہو جائے گا، نہ اللہ تعالٰی کے یہاں بناوٹ کام دے گی جو لوگوں کی چھپی جانتا ہے، اگر واقع میں عورت جانتی ہے کہ وُہ تین بار اس سے یہ الفاظ کہہ گیا تو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر شوہر واپس آئے اور طلاق سے منکر ہو اور گواہوں میں دو۲ گواہ حامل قبول نہ نکلیں تو طلاق ثابت نہ ہوگی شوہر کے حلف کے بعد عورت اُسے جبرًا واپس دلائی جائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۱تا۱۶۳: از فتح پور ضلع شیحاواٹی درگاہ مسئولہ پیرجی محمد حنیف صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کتنی بار طلاق دینے سے عورت خاوند پر حرام ہو سکتی ہے؟

(۲) جس شخص اپنی زوجہ کو دس۱۰ بار طلاق دے اور اس کے ثبوت میں تین بار خاص اپنے ہاتھ سے تحریر لکھ لکھ کر لوگوں پر ظاہر کرے تو کیا وُہ عورت بغیر حلالہ اس کے لئے بغیر نکاح حلال ہو سکتی ہے؟

(۳) اسی مطلقہ سے اُنہیں شرطوں پر بغیر حلالہ کئے رہی، طلاق دینے والا خاوند صحبت کرتا رہے اور اس کو بدستور اپنے عملدرآمد میں لاتا رہے اس کا کیا حکم ہے؟ اُس کی اولاد کیسی ہے اور اس کی جائداد کی مستحق ہوگی یا نہیں اور ایسا شخص قابلِ خلافت وسجادگی و خرقہ درویشی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جب طلاقیں تین تک پہنچ جائیں پھر وُہ عورت اس کے لئے بے حلالہ کسی طرح حلال نہیں ہو سکتی،

قال اللہ تعالٰی فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: اگر تیسری طلاق دی تو مطلقہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وُہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) جس نے دس طلاقیں دیں، تین سے طلاق مغلظ ہو گئی اور باقی سات ے شریعت سے اس کا استہزا تھیں، بلا نکاح تو مطلقہ بائن بھی حلال نہیں ہو سکتی ہے اور یہ تو نکاح سے حرام محض رہے گی جب تک حلالہ نہ ہو طلاق دے یا مر جائے اور بہر حال اس کی عدت گزر جائے اس کے بعد اس سے پہلے سے نکاح ہو سکتا ہے ورنہ ہر گز ورنہ ہر گز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) وُہ صحبت زنا ہو گی اور اسے اگر مسئلہ معلوم ہے تو یہ زانی اور شرعًا سزائے زنا کا مستحق اور اولاد ولد الزناء اور ترکہ پدری سے محروم، اور ایسا شخص قابلِ خلافت و سجادہ نشینی نہیں،

وقد قال فی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار انہ زنا اذاعلم بالحرمۃ[2]۔	ردالمحتار وغیرہ کتب میں فرمایا: جب حرام ہونا معلوم ہے تو یہ زنا ہے۔ (ت)

اور اس میں برابر ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ ہوں یا متفرق۔ در مختار میں ہے:

لاحد بشبھۃ الفعل ان ظن حلہ کوطء معتدۃ الثلاث ولوجملۃ[3]۔ (ملخصًا)	جب حلال ہونے کا گمان کیا تو یہ شبہہ فعل ہوگا جس پر حد نہیں، جیسا کہ اپنی مطلقہ ثلاثہ کی عدت میں جماع کیا اگرچہ اکھٹی تین طلاقیں ہوں (ملخصًا) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای ولوکان تطلیقۃ الثلاث بلفظ واحد فلا یسقط عنہ الحد الا ان ادعی ظن الحل	یعنی ایک لفظ سے تینوں طلاقیں دے دی ہوں تو عدت میں وطی کرنے پر حد ساقط نہ ہوگی مگر اس نے اس صورت میں حلال ہونا گمان ہو تو پھر

[1] القرآن ۲/۲۳۰

[2] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۱۲، ۶۱۰، ۶۱۵

[3] درمختار باب العطاء الذی لایوجب الحد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۸

وکذالو وقع الثلاث متفرقۃبالطریق الاولٰی اذلم یخالف فیہ احد لان القراٰن ناطق بانتفاء المحل بعد الثلاثۃ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس پر حد نہ ہوگی،اوریوں ہی اگراس نے تین متفرق دی ہوں توبطریق اولٰی حد ساقط ہوگی کیونکہ اس میں کوئی مخالف نہیں تین طلاقوں کے بعد بیوی کا محلِ وطیئ نہ رہنا قرآن کی نص ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۴تا۱۶۶: جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ اور نابالغہ کا نکاح بذریعہ اُن کے ولی کے ہوسکتا ہے یانہیں؟

(۲) زیدنے اپنی لڑکی نابالغہ عمر تقریبًا دس ۱۰سال کا نکاح ایک لڑکے چوبیس ۲۴سالہ کے ساتھ کردیااپنی ولایت سے درست ہے یانہیں؟

(۳) اگراس لڑکی نے کچھ اشارہ وقت لینے اقرارکے کردیا ہو تو بھی نکاح درست ہے۔اب عمرو نے ان تینوں صورتوں میں ایسی کسی صورت کو حاصل کرکے اپنی بی بی کو طلاق دے دی اس کے باپ کے کہنے سے،اور لڑکی بھی اپنی نادانی سے طلاق پر رضا مند تھی طلاق ہوگئی،لفظ طلاق یوں کہاطلاق دی طلاق دی طلاق دی،تین دفعہ کہنے سے طلاق ہوگئی،اب بعد طلاق اس کا نکاح پھر پڑھاجاوے توکس شرط کے بعد نکاح جائز ہوجائے گا؟**بینوا توجروا** (بیان کرکے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

نابالغ نابالغہ کا نکاح بذریعہ ولی ہوسکتا ہے۔

(۲) باپ نے اپنی نودس برس کی لڑکی کا نکاح چوبیس سالہ لڑکے کے ساتھ کردیا درست ہے،

وقد تزوج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امّ المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا وھی بنت ست سنین و بنی بہا وھی بنت تسع سنین[2]۔	بیشک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نکاح فرمایا تو وہ چھ سال کی تھیں آپ نے رخصتی حاصل کی تو وہ نوسال کی تھیں۔(ت)

(۳) ولی جائز کے ہوتے نابالغہ کے اشارہ کی کوئی حاجت نہیں اور بغیر ولی کے نابالغہ کا اشارہ یاخود زبان سے صراحت ایجاب وقبول کرناکافی نہیں،شوہر عاقل بالغ نے اگراپنی زوجہ نابالغہ کو طلاق دی

[1] ردالمحتار باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۲

[2] سنن ابن ماجہ باب نکاح الصغار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۶

قال اللہ تعالٰی فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا؛ نابالغہ اور جن کو حیض بند ہوگیا ہے ان کی عدت تین ماہ ہے۔(ت)

اس کے بعد اس کا نکاح ہو سکتا ہے،

فی الدر المختار العدۃ فی حق من لم تحض لصغر بان لم تبلغ تسعًا اوکبربان بلغت سن الایاس ثلثۃ اشھران وطئت فی الکل ولو احکما کالخلوۃ ولو فاسدہ مطلقا[2]۔	درمختار میں ہے: جن عورتوں کو نابالغی یابڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، نابالغی سے مراد جو نوسال کو نہ پہنچی اور بڑھاپے سے مراد جن کا رِحم ناقابل ہوگیا، توان سب مدخولہ عورتوں کے لئے ہے اگرچہ حکمًا مدخولہ ہوں جیساکہ خلوت مطلقًا خواہ فاسدہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

المطلقۃ قبل الدخول لایلحقھا طلاق اخر اذالم تکن معتدۃ بخلاف ھٰذہ[3]۔	قبل از دخول مطلقہ کو دوسری طلاق ملحق نہ ہوگی بشرطیکہ عدت والی نہ ہو بخلاف عدت والی کے۔(ت)

اور اگر ابھی خلوت نوبت نہ آئی تو ایک طلاق ہوئی اور عورت پر عدّت نہیں اسی وقت جس سے چاہے نکاح ممکن ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۷: از پنڈی ضلع منڈلہ مرسلہ ولی محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

محمد بخش نے اپنی عورت کو اس ترکیب سے ایک خطبہ یوں طلاق دیا کہ طلاق طلاق طلاق، اور مہر بھی جو کچھ تھا ادا کردیا، اور طلاق دئے ہوئے عرصہ ایک سال کا ہوا، اور اب پھر دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں مطابق دوسرے پارہ کے، جیساکہ چودھویں رکوع میں اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے، مگر ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا

---

[1] القرآن ۶۵/۴

[2] درمختار باب العدّۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

[3] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۱

صورتِ بالا میں مطابق قرآن وحدیث کے جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

اگراس نے اتنے ہی لفظ کہے کہ طلاق طلاق طلاق، نہ یہ کہاکہ دی، نہ یہ کہاکہ تجھ کو یااس عورت کو، نہ یہ الفاظ کسی ایسی بات کے جواب میں تھے جس سے عورت کو طلاق دینا مفہوم ہو، تو طلاق اصلًا نہ ہوئی، وہ بدستور اس کی عورت ہے دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں، اور اگراس کے ساتھ یااس بات میں جس کے جواب میں یہ الفاظ تھے وُہ لفظ موجود تھے جن سے یہ مفہوم ہو کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دی یا وہ اقرار کرے کہ میں نے یہ الفاظ عورت کو طلاق دینے کی نیّت سے کہے تھے تو تین طلاقیں ہوگئیں بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۸: از ڈھاکہ مرسلہ عبدالکریم میاں ۱۳ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی برادری میں کوئی بات لے کر آپس میں متنازع ہورہے تھے اس گفتگو میں وہ شخص کہنے لگا بھائی! میں ایک پریشانی اٹھاتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں اپنی زوجہ کی سبب سے ہمیشہ پریشان ہوں کیونکہ وہ عورت میری باتوں میں دخل دیا کرتی ہے لہٰذا میں شرمندہ ہوں اُس وقت اُن کی زوجہ گھر میں تھی میاں نے جو اپنی زوجہ کی شکایت کیا زوجہ نے ازاول تاآخر سب سُنا زوجہ نے جواب دیا اگر میرے سبب تمہارے تکلیف اور ناگوار ہو تو مجھے نکال دوگے اور کیا کروگے، زوج زوجہ کا کلام سُنتے ہی خفا ہوگیا اور کہا جا ایک طلاق دوطلاق تین طلاق دادم، آیا اس صورت مذکورہ میں وہ عورت تین طلاق سے مغلظہ ہوئی یا نہیں مگر طالق نہ مخاطب زوجہ کو ہوا نہ اُن کا نام لیا اور سوال میں جو لفظ "جا" مقولہ طالق ہے یہ معنی امر کی مقصود نہیں ہے بلکہ وُہ اپنے کلام میں اکثر یہ لفظ بولا کرتے ہیں معنی امر کے نہیں ہوتے ہیں باوجود ان وجوہات کے کیا حکم؟

الجواب:

اگر "جا" سرے سے کلمہ خطاب نہ ہوتا یا حسب قول سائل یہ اُس کا تکیہ کلام ہے اس سے خطاب کا ارادہ نہیں کرتا اور کلام مُطلّق کہ جواب زوجہ میں ہے اُس کے جواب میں بھی نہ ہوتا ابتداءً ہوا اتنا ہی کہتا کہ "تین طالق دادم" جب بھی بلاشبہہ حکم مغلظہ دیا جاتا کہ طلاق دینے سے ظاہر زوجہ ہی کا ارادہ ہے ہاں ازانجا کہ کلام زوجہ میں سوال طلاق نہ تھا نہ کلام زوج الفاظ ایک طلاق دوطلاق الخ عورت کی طرف اضافت ہے اور "جا" احتمال مذکور سائل کے علاوہ خود کنایات سے ہے صریح الفاظ سے نہیں کہ تقدم طلاق ہو کر خود مذاکرہ ثابت ہوجائے ان وجوہ سے عدم نیت کا احتمال باقی ہے اگر زوج بحلف شرعی کہہ دے کہ اُس نے

نہ لفظ-"جا"بہ نیت طلاق کہا نہ "طلاق دادم" سے زوجہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تواس کا قول مان لیں گے اور اصلاً طلاق نہ ہونے کا حکم دیں گے اگر جُھوٹا حلف کرے گا اپنے زنا اور زوجہ کے زنا کا سخت شدید وبال اس کی گردن پر ہے، اور اگر ان میں سے کسی بات پر حلف نہ کرے یا صرف امر دوم پر حلف کرے تو تین طلاقیں ہو گئیں، بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ اور اگر امر دوم پر حلف کرلے کہ اس طلاق دادم سے عورت کو طلاق کی نیّت نہ تھی لیکن یہ حلف نہ کرے گا کہ لفظ "جا" بہ نیت نہ کہا تو عورت اُسے حاکم کے یہاں پیش کرے اگر حاکم کے سامنے حلف کرلے گا کہ "جا" بھی طلاق کی نیت سے نہ کہا تو حکمِ طلاق نہ ہوگا، اور اگر وہاں بھی اس پر حلف سے باز رہا تو تین طلاق ہوجانے کا حکم دیں گے۔

وذلك لان المطلوب فی اللفظ الثانی لعدم الحکم بالطلاق وجود الحلف بانه لم ینو به الطلاق فاذا لم یوجد حکم به قال فی الخانیة والبزازیة قال لها لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلف بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکره حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1] اھ وفی ردالمحتار یفهم منه انه لو لم یقل ذلک (ای لم یحلف انه لم یرد به طلاقها بل طلاق غیرها) تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقها لابطلاق غیرها فقوله انی حلفت بطلاق ینصرف الیها مالم یرد غیرها لانه یحتمل کلامه[2] اھوتمام تحقیقه	یہ اس لئے کہ دوسرے لفظ میں طلاق نہ ہونے کا حکم، اس قسم پر کہ اس نے اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا، مطلوب ہے، توجب قسم نہ پائی گئی تو طلاق کا حکم دیا جائے گا، خانیہ اور بزازیہ میں فرمایا خاوند نے بیوی کو کہا کہ میری اجازت کے بغیر باہر مت نکلو کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے تو بیوی باہر نکل گئی، اس پر طلاق نہ ہوگی کیونکہ بیوی کی طلاق کا قسم میں ذکر نہیں ہے اور اس میں کسی غیر عورت کی طلاق کا احتمال بھی ہے، اس لئے خاوند کی بات معتبر ہوگی اھ، اور ردالمحتار میں یوں ہے کہ اس سے معلوم ہورہا ہے اگر خاوند یہ بات نہ کہے، یعنی اپنی بیوی کی طلاق کا ارادہ نہ کرنے اور غیر کا ارادہ کرنے کی قسم نہ کھائے، تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی، کیونکہ عادت یہ ہے اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی، کیونکہ عادت یہ ہے کہ بیوی والا اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھاتا ہے کسی دوسری عورت کی قسم نہیں کھاتا تو خاوند کی قسم

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الهندیة کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲۷۰/۴

[2] ردالمحتار باب الصریح من کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۳۰/۲

فیما علقناء علیه،والمطلوب فی الفظ الاول لحکم الطلاق به نکوله عن الحلف بانی لم ینوبه الطلاق والنکول لایکون الاعند القاضی فاذا نکل عندہ حکم بالطلاق به فحصلت الاضافه فی کلامه فحمل اللفظ الثانی من دون حاجة الی اقرارہ بالنیة لکنونه صریحا۔قال فی الدرالمختار من الکنایات والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبی[1] قال ط ثم ش فان نکل ای عندالقاضی لان النکول عند غیرہ لایعتبر[2]،واللہ تعالٰی اعلم۔	طلاق کے متعلق اسکی اپنی بیوی کے لئے ہی ہوگی جب تک دوسری عورت کے ارادے کو ظاہر نہ کرے، کیونکہ دوسری کا بھی احتمال ہے اھ،اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔اور پہلے لفظ یعنی "جا"میں طلاق کا حکم لگانے کے لئے،اس کا قسم سے انکار مطلوب ہے کہ میں نے بیوی کی طلاق نہیں مراد لی، جبکہ قسم سے انکار صرف قاضی کے ہاں معتبر ہوتا ہے،توجب قاضی کے سامنے قسم سے انکار کردے گاتو قاضی طلاق کا حکم کردے گا،تویوں انکار کی وجہ سے اسکے کلام میں اضافت حاصل ہوجائیگی،تو دوسرے لفظ کو طلاق پر محمول کرنے کے لئے اسکے اقرار بالنیۃ کی حاجت نہیں کیونکہ وہ اس میں صریح ہے۔درمختار کے باب کنایات میں ہے کہ نیت ہونے سے متعلق خاوند کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور گھر میں ہی اس سے قسم لیناکافی ہے،اگر وہ قسم سے انکار کرے تو بیوی کو قاضی کے ہاں پیش کرنے کا حق ہوگا اگر وہ قاضی کے ہاں پیش کرنے کا حق ہوگا اگر وہ قاضی کے ہاں بھی حلف سے انکار کردے تو قاضی دونوں میں تفریق کردے گا،مجتبٰی اھ، طحاوی پھر شامی نے فرمایا کہ قسم سے انکار قاضی کے ہاں انکار مراد ہے کیونکہ غیر قاضی کے ہاں قسم سے انکار معتبر نہیں ہوتا،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۹: از سرائے چھبیلہ ضلع بلند شہر مرسلہ راحت اللہ صاحب امام مسجد جامع ۱۹رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے ہندہ کو طلاق دی، دس بارہ روز بعد نکاح کرکے اُسے پھر رکھ لیا برادری نے

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۵

زید کو دبایا تو کہا میں نے طلاق رجعی دی تھی وُہ بھی ایامِ حیض میں، جو گواہ وقتِ طلاق موجود تھے وہ حلفی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے تین طلاقیں دیں اور زید بھی حلفی بیان کرتا ہے کہ ہاں طلاق دی مگر یہ نہیں کہتا کہ تین دیں یا ایک، مجھے یاد نہیں، قولِ زید ہے کہ عورت سے جو تکرار رہتی تھی اس لئے دھمکانے کو کاغذ تحریر کردیا تھا اب عورت ومرد نے کاغذ دونوں چاک کرڈالے، زید کہتا ہے کہ حشر کا بوجھ میں اپنے ذمّہ لیتا ہوں گواہ غلط بیان کرتے ہیں۔ برادری نے اس زید کو خارج کردیا ہے اور صہ عہ ۲۵ جرمانہ کردئے تو اب برادری میں اُسے ملالیں یا عورت کو الگ کراکر ملادیں اور جرمانہ برادری کا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

طلاق جب دی جائے واقع ہوجائے گی خواہ دھمکی مقصود ہو یا کچھ اور، صریح لفظ محتاج نیت نہیں ہوتے اُن سے نیّت کرے یا نہ کرے طلاق ہوجاتی ہے، اگر وُہ تین طلاقیں دینے یا لکھنے کا مقر ہے اور عذر یہ بیان کرتا کہ دھمکی مقصود تھی طلاق کی نیت نہ تھی تو بلاشک تین طلاقیں ہوگئیں اور بغیر حلالہ اُسے رکھنا زنائے محض ہے، جب تک اُس عورت کو نکال نہ دے اور علانیہ توبہ نہ کرے برادری میں ہر گز نہ ملایا جائے، یُونہی اگر وُہ مقر نہ ہو مگر دو۲ گواہ ثقہ متقی عادل شرعی اپنے سامنے تین طلاقیں دینے کی شہادت دیتے ہوں جب بھی تین طلاقیں ہوگئیں، اور حکم یہی ہے جو اُوپر گزرا، اگر نہ وُہ تین طلاقوں کا اقرار کرتا ہو نہ گواہوں میں دو۲ شخص ثقہ قبول شرع ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(مسودہ ناقص ملا) [تاہم خلاصلہ کلام متروکہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں زید کے اقرار پر فیصلہ ہوگا۔ مترجم]

مسئلہ ۱۷۰: از لکھن ضلع بریلی مرسلہ قاضی اشفاق حسین صاحب ۲۲صفر ۱۳۱۶ھ

مع فتوائے شخصے غیر مقلد کہ تین طلاقیں ایک جلسہ میں ایک ہی طلاق حضرت ارشاد فرمائیں کہ یہ فتوٰی صحیح ہے یا نہیں اور اس پر عمل جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں فقط حضرت پر اطمینان ہے جو حکم ہو اس پر عمل کریں۔ والسلام

الجواب:

مکرمی کرم فرمائے قاضی محمد اشفاق صاحب اکرمکم اللہ تعالٰی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ فتوٰی جس کی نسبت فقیر کا مسلک آپ دریافت فرماتے ہیں نظر سے گزرا یہ محض غلط حکم ہے اس پر عمل حرام ہے، یہ نہ صرف ہمارے ائمہ بلکہ چاروں مذہب کے خلاف ہے، اس کی تفصیل علمائے کرام اپنی تصانیف میں اعلٰی درجہ پر فرما چکے انہیں باتوں کو جن کے جواب ہزار ہزار بار دے دئے گئے پھر پیش کردینا حضرات وہابیہ کا قدیمی داب ہے، لطف یہ ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت صریح لکھا کہ انہوں نے فتوٰی دیا اور پھر یہ کہ حکمِ خدا ورسول کے خلاف

تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خدا و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا خلاف نہ کرنا چاہا، حکمِ خدا اور رسول خود بھی جانتے تھے کہ وُہ یہی ہے، کیا فتوٰی اپنے گھر سے جو جی میں آئے کہہ دینے کا نام ہے یا خدا و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا حکم بتانا، ان کے اگلوں نے اسی معاملہ میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر صریح تبرا لکھے ہیں محمد ابن اسحٰق عــہ کی نقل کی اور دعوی یہ کہ ہم کسی کے مقلّد نہیں، اگر مقلّد نہیں ہو تو امام بخاری کی بات ماننی کس آیت وحدیث نے فرض کی، امام بخاری سے پہلے جو ائمہ کرام امام مالک وامام ہشام الدین بن عروہ کہ تبع تابعین تھے اور امام بخاری سے علمِ حدیث وعلمِ فقہ ہر بات میں بدرجہا افضل واعلٰی تھے، اور ان کے سوا اور ائمہ نے جو قسمیں کھا کھا کر فرمایا کہ ابن اسحاق دجال کذّاب ہے، وہ کیوں نہ مانے۔ اس سے مقصود یہ کہ یہ حضرات جہاں جس کی بات مطلب کی دیکھتے ہیں اُس کا کلام وحی قرآن وحدیث ٹھہرالیتے ہیں ورنہ پھینک دیتے ہیں کہ ہم کسی کے مقلّد نہیں، والسّلام!

مسئلہ ۱۷۱ تا ۱۷۳: از بلرام پور ضلع گونڈہ محلّہ پور نیا تالاب متصل یتیم خانہ مرسلہ نذر محمد آتشباز ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں ایک مجمع میں دیں۔ ہندہ عرصہ پانچ ماہ تک اپنے باپ کے گھر رہی، پانچ مہینے کے بعد پھر زید کے گھر چلی گئی اور عرصہ دراز تک زید کے گھر رہی، ہندہ کو جب تین طلاق کا مسئلہ معلوم ہوا تو زید سے منہ موڑنا چاہا تب زید قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے ایک طلاق دی تھی اور ایک مہینہ کے بعد رجعت کرلی تھی، ہندہ رجعت کی منکر ہے اور تین طلاق پر گواہ رکھتی ہے، ایسے وقت میں ہندہ کے گواہ معتبر ہوں یا زید کی قسم معتبر ہوگی۔

(۲) اگر عورت نے شہادت پیش کرکے کچہری انگریزی سے ڈگری اپنی طلاق کی حاصل کرلے تو یہ عورت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا اب تک پہلے ہی شوہر کی منکوحہ رہے گی۔

(۳) تین طلاق یا طلاق کچہری انگریزی کی صورت میں اگر کچھ لوگ شوہر کی طرفداری کرکے عورت کو لوٹانا چاہیں تو کیا حکم ہے، ان لوگوں کے ساتھ میل جول جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایسی صورت میں ہندہ کے گواہ معتبر ہیں جبکہ قابلِ قبول شرع ہوں اور زید کی قسم پر کچھ لحاظ نہ ہوگا ہاں اگر گواہ ناقابلِ قبول ہوں تو زید کی قسم معتبر ہوگی پھر اگر ہندہ اپنے ذاتی یقینی علم سے جانتی ہے کہ زید نے اسے تین طلاقیں دی ہیں تو اسے جائز نہ ہوگا کہ زید کے ساتھ رہے ناچار اپنا مہر یا مال دے کر جس طرح ممکن ہو طلاق بائن لے اور یہ بھی ناممکن ہو تو زید سے دُور بھاگے اور یہ بھی ناممکن ہو تو وہاں زید

عــہ: اصل میں بیاض ہے ۱۲۔

پر ہے جب تک کہ ہندہ راضی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۴تا۱۸۰: از جھریا ضلع مان بھوم محلّہ گوالہ ٹولی مسئولہ محمد یوسف صاحب ۲۹جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کا ہندہ کو تین بار طلاق دینا ایک طلاق کا حکم رکھتا ہے یا تینوں طلاق واقع ہوگئیں اور حلالہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

(۲) باوجود ممانعت زید کا نہ ماننا اور صریح لفظوں میں تین بار یہ کہنا کہ میں نے طلاق دیا، ایسی صورت میں نیت پر طلاق کا مدار رہے گا یا نہیں؟ اور زید کا یہ قول کہ لوٹانے کی نیت تھی معتبر ہوگا۔

(۳) بہ نیت حلالہ خالد و ہندہ کو سمجھا کر راضی کرنا اور بدون اجازت ولی ہر دو کا برضا ایجاب وقبول کرلینا یہ نکاح جائز ہوا یا ناجائز؟

(۴) اگر خالد کا نکاح درست ہے تو بغیر خالد کے طلاق دئے یا بغیر صحبت کئے وعدت گزارے شوہر اوّل سے ہندہ کا نکاح کرادینا اور میاں بیوی کی طرح دونوں کا اکٹھا رہنا کیسا ہے اور نکاح کرانے والے حضرات اور جو لوگ اس نکاح سے راضی ہیں اور جو ایسے آدمی سے میل جول رکھتے ہیں ان کے لئے وعید اور حکم شرعی ہے؟

(۵) بالفاظِ مرقومہ بالا حلالہ کی ترغیب دلانے والے کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟

(۶) خلافِ واقع جھوٹی باتیں کہہ کر حق کو ناحق بنانے اور رسمِ قدیم نہ ٹوٹنے اور اپنی مونچھ کز تار رکھنے کے لئے اور حلال وحرام کی پرواہ نہ کرنے والے کے واسطے حکمِ شرعی کیا ہے؟

(۷) لڑکی ولڑکا حدِ بلوغت کو کتنے برس کے بعد ہوتے ہیں، اور جب بالغ دونوں ہیں تو اپنے نکاح کے مختار ہیں کہ نہیں کہ اس میں بھی ولی کی ضرورت ہے کہ نہیں؟

الجواب:

(۱) بلاشُبہہ باجماعِ ائمہ اربع تین طلاقیں ہوگئیں اور بے حلالہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی قال اللہ تعالٰی:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر تیسری طلاق دے دی تو بیوی اس کے بعد حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۰

(۲)اس صورت میں لوٹانے کی نیت حکمِ الٰہی کو بدلنا ہے اور یہ الفاظ صریح ہیں صریح میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی، جس نے یہ فتوی دیا ہے کہ رجعت کی نیت تھی تو ایک رجعی ہوئی وہ گمراہ ہے۔

(۳)اگر خاوند ہندہ کا کفو تھا یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم نہ تھا کہ ہندہ کا اُس سے نکاح اس کمی کے سب اولیائے ہندہ کے لئے ننگ وعار ہو اور انہوں نے دو۲ گواہوں کے سامنے جو سُنتے اور سمجھتے تھے ایجاب وقبول کرلیا تو صحیح ہوگیا اجازتِ ولی کی کوئی حاجت نہ تھی،

اذلاولایۃ مجبرۃ علی البالغین لمانصوا علیہ فی الکتب قاطبۃ۔	کیونکہ بالغ حضرات پر کسی کو جبری ولایت نہیں ہے جیسا کہ تمام کتب میں نصوص ہیں(ت)

(۴)بحالت صحت نکاح خالد ظاہر ہے کہ بے طلاق وہ کسی سے نکاح نہیں کرسکتی۔

قال تعالٰی وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شادی شدہ(منکوحہ) عورت دوسروں کے لئے حرام ہیں(ت)

اور اگر خالد بے صحبت کئے طلاق دے بھی دے جب بھی ہرگز شوہر اوّل کے لئے حلال نہیں ہوسکتی،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ لاتحلین لزوجك الاول حتی یذوق الاخر عسیلتك تذوق عسیلتہ[2]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا اے عورت تو حلال نہیں پہلے شوہر کیلئے جب تک دوسرا خاوند تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھ لے(یعنی جماع نہ کرلو)۔(ت)

جولوگوں نے دانستہ یہ نکاح کرادیا سب زنا کے دلال ہوئے اور زید ہندہ زانی زانی۔ اور اُن سب کے لئے عذابِ شدید نارِ جہنم کی وعید ہے، یُوں ہی وُہ جو اس سے نکاح پر راضی ہوئے، نکاح نہیں زنا پر راضی ہوئے۔

والرضا بالحرام وقد یکون کفرا والعیاذ باللہ تعالٰی۔	حرام فعل پر رضا حرام ہے اور کبھی یہ رضا کفر ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔(ت)

ان سب سے مسلمانوں کو میل جول منع ہے، قال تعالٰی:

وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ	خبردار شیطان تجھے بُھلادیتا ہے یاد ہونے پر

---

[1] القرآن ۴/۲۴

[2] صحیح بخاری باب لم تحرم ما احل اللہ لك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۹۲

بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ [1]	ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔(ت)

اُن سے میل جول کرنے والے اگراُس نکاح پر راضی یااُسے ہلکا جانتے ہیں تواُن کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

(۵) اگراس نے زن وشو میں اصلاح اوراُن کی مشکل کشائی کی نیّت سے ترغیب دلائی تواس پر الزام نہیں بلکہ باعثِ اجر ثواب ہے۔

(۶) جُھوٹی باتیں کہہ کر حق کو ناحق یا ناحق کو حق بنانا یہودیوں کی خصلت ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَکۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: حق کو باطل سے خلط ملط نہ کرو اور دیدہ و دانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔(ت)

رسمِ باطل کی پیروی کے لئے حلال وحرام کی پروانہ کرناکافروں کی عادت ہے۔قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا [3] (کفار نے کہابلکہ ہم اپنے آباء واجداد کی پیروی کریں گے۔ت)

(۷) لڑکے اور لڑکی کو جب آثارِ بلوغ ظاہر ہوں مثلاًلڑکے کو احتلام ہو اور لڑکی کو حیض آئے اس وقت سے وُہ بالغ ہیں اور اگر آثار بلوغ ظاہر نہ ہوں تو پندرہ برس کی عمر پُوری ہونے سے بالغ سمجھے جائیں گے کما فی الدرالمختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ درمختار اور عام کتب میں ہے۔ت) بالغ کواپنے نکاح میں ولی کی اصلاً ضرورت نہیں یُونہی بالغہ کو جبکہ نکاح کفو سے ہو یا غیر کفوٴ سے ہو تواس کا کوئی ولی نہ ہو، ورنہ جب تک ولی قبل نکاح اس غیر کفوٴ کو غیر کفوٴ جان کر صریح اجازت نہ دے گا بالغہ کا نکاح صحیح نہ ہوگا،

فی الدرالمختار ویفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ اصلا لفساد لزمان [4] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: زمانہ کے فساد کی بناء پر غیر کفوٴ میں نکاح اصلاً جائز نہ ہونے پر فتوٰی دیا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور ایک بات یہ بھی قابلِ بیان رہی کہ وُہ جس نے استہزا کہا تھا چھوٹی کتاب میں جائز لکھا وُہ بھی سخت گنہگار ہوا توبہ فرض ہے مسئلہ شرعیہ استہزا کا محل نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/۶۸

[2] القرآن الکریم ۲/۴۲

[3] القرآن الکریم ۲/۱۷۰

[4] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

مسئلہ ۱۸۱: ازڈھاکہ پٹی ضلع نوگانوں ملک آسام مرسلہ عبدالسبحان صاحب ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تمیزالدّین اپنی منکوحہ سراج النساء کی حقیقی بہن پر عاشق ہو کر ایک رات مولوی اسرائیل علی صاحب و محمد اسرافیل بیوپاری اور تمیزالدّین بیوپاری ار عبدالغفار خیاط کو اپنے گھر میں بلالے جاکر کہاکہ آپ لوگ میری سالی کے ساتھ میرا عقد پڑھادیجئے، تب یہ لوگ پُوچھے کہ تم اپنی بی بی کی موجودگی میں اس کی حقیقی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتے ہو اس وقت تمیز نے کہا تین روز قبل میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا کسی نے ان میں سے تمیزالدین کو پُوچھا تم نے کس طرح پر طلاق دیا وہ جواب دیا کہ میں اپنی منکوحہ کو اس طرح پر طلاق دیا کہ تم کو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن دیا اس وقت اس کا بیوی پسِ پردہ حاضر تھی شاہد مذکورین نے اس سے سوال کیا تجھ کو طلاق مِلا وہ صاف جواب دی کہ مجھ کو طلاق ملا اس کے بعد مولوی صاحب مذکور وغیرہم عقد پڑھا کر چلے آئے اور تمیزالدین کی ساس نے صبح کو اپنی لڑکی جس پر تمیزالدین نے عاشق ہو کر عقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تمیزالدین کے گھر سے اپنے گھر میں لے گئی کئی روز بعد تمیزالدین جو اپنی بیوی کو علیحدہ رکھا تھا اُس سے ہمبستر ہونا شروع کیا تب لوگوں نے پُوچھا تم اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر حاضرانِ محفل میں اقرار بھی کرچکے اب حرامی کیوں کرتے ہو تب تمیزالدین نے جواب دیا موافق شرع کے میں اپنی منکوحہ کو طلاق نہیں دیا بلکہ ایک کاغذ میں لکھ کر الماری پر رکھا تھا اس کو میری بیوی مکان صاف کرنے کے وقت پائی اور وُہ عوام الناس میں شور مچائی فی الحقیقت میں نے زبان سے طلاق نہیں دیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگا یا کہ نہیں اگر واقع ہو تو کس روز طلاق واقع ہوگا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں تمیزالدین اللہ ورسول کے سخت گنہگار اور زانی حرامکاری ہے وہ صاف صاف تین طلاق کا اقرار کرچکا اب اس سے پھرنے کا اُسے کوئی اختیار نہیں، پہلی عورت اس پر ہمیشہ کو حرام ہوگئی جب تک حلالہ نہ ہو اُن مردوعورت پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں اور اگر نہ مانیں تو مسلمان اُن کو چھوڑدیں کہ وُہ زانی اور زانیہ ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لووطئ معتدتہ من الثلاث علما بحرمتہا فانہ زنًا یحد بہ [1]۔	اگر تین طلاق کے بعد بیوی سے عدت میں جماع کیا تو زنا ہوگا اور اس کو اس پر حد لگائی جائے گی بشرطیکہ خاوند کو اس کے حرام ہونے کا علم ہو۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب العدّۃ الطاعۃ المصریہ مصر ۲/۶۱۲

اور دوسری سے جو نکاح کیاوُہ بھی حرام و باطل ہے کہ بہن کی عدت میں بھی دوسری بہن سے نکاح حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

حرم الجمع بین المحارم نکاحًا وعدّۃً[1]۔	محرم عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے نکاح میں اور عدت میں۔ (ت)

وُہ لوگ کہ صرف طلاق سُن کر عدت میں نکاح پڑھا آئے سب گنہگار ہوئے سب پر توبہ فرض ہے۔

مسئلہ ۱۸۲تا۱۸۳: از لکھنؤ محلّہ چار باغ بانسمنڈی مرسلہ شاہ نعیم اللہ فخری چشتی نظامی قادری سہروردی ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

کتاب ارشادالطالبین فقیہ سیّد علی ترمذی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے جو بعینہٖ نقل کی جاتی ہے کہ:

بداں اے فرزند چہار مذہب حق اند ودانستن آں فرض سب واختلاف درمیاں ایشاں اختلاف برحمت ست نہ اختلاف بعداوت کہ الاختلاف راحت گفتہ اند وحنفی مذہب رانشاید کہ گوید مرابشافعی چہ کارست زیراکہ درہنگام ضرورت رانشاید کہ گوید مرابشافعی چی کارست زیراکہ درہنگام ضرورت ازمذہبے بمذہبے انتقال کردہ شود چنانکہ بحج رفتن پیادہ بمذہب امام ابوحنیفہ روانیست، پس عالمان حاجی ماشی رابمذہب مالک می سیراند کہ درمذہب او رواست وچوں بعرفات حاضر شد باز بمذہب ابوحنیفہ میگردد ایضا چوں کسے مطلقہ ثلثہ راحیلہ بکند باید کہ اورا از احکام وارکان ایمان بپرسید تا بے تحلیل نکاح جدید کند واگر ہماں رانیز میداند باید کہ اورامذہب امام احمد آرد کہ درمذہب او حق تعالیٰ رابذات وصفات شناختن فرض ست اگر آنرانمیداند نکاح جدید کند واگرآنرانیز میداند ایں ہنگام تحلیل باید کرد۔ عبارت ارشادالطالبین ختم۔	ارے بیٹے! چاروں مذہب حق ہیں، یہ عقیدہ فرض ہے۔ان کااختلاف رحمت ہے، یہ اختلاف مخالفت پر مبنی نہیں ہے کیونکہ آسانی کے لئے اختلاف کرتے ہیں، کسی حنفی کو نہ چاہئے کہ وُہ کہے شافعی سے مجھے کیاکام، کیونکہ ضرورت کے وقت ایک مذہب چھوڑ کردوسرے مذہب کی پیروی جائز ہے جس طرح کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں پیدل حج جائز نہیں ہے، لہٰذا علماء حاجی کو امام مالک رحمۃاللہ علیہ کے مذہب پر پیدل حج کا کہیں کیونکہ ان کے مذہب میں پیدل حج جائز ہے،اور جب عرفات میں پہنچ جائے تو پھر حنفی مذہب اپنالے،اور یونہی اگر کوئی شخص تین طلاق دی ہوئی بیوی کے لئے حیلہ کرنا چاہے تو چاہئے کہ اس طلاق دینے والے سے ایمان کے ارکان واحکام پوچھے جائیں اگر وہ بتادے تو پھر اس سے نماز کے احکام وارکان پوچھے جائیں اگر نہ بتاسکے تو وُہ بغیر حلالہً اپنی مطلقہ سے نکاح کرلے اگر وُہ بھی بتادے تو اس کو امام احمد کے مذہب پر پابند کریں کیونکہ ان کے مذہب

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

	پر اللہ تعالٰی کی ذات وصفات کا جاننا ضروری، اور فرض ہے، اگر ذات وصفاتِ باری تعالٰی نہ بتاسکے تو وُہ بیوی سے بغیر حلالہ دوبارہ نکاح کرلے، اور اگر وذاتِ باری تعالٰی کو جانتا ہو تو پھر اس کو حلالہ کرنا ہوگا۔ ارشاد الطالبین کی کی عبارت ختم ہوئی۔ (ت)

یہ کتاب (ارشاد الطالبین) مولوی حافظ محمد جان صاحب فرنگی محلّی معلمِ مدرسہ مولوی عین القضاۃ صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی اُنہوں نے کہا کہ جو کچھ کہ لکھا ہے وُہ درست ہے عند الضرورۃ شرعی ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں انتقال کرنا جائز ہے، ایک جلسہ میں اگر تین طلاق دی جائے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک طلاق ہو جاتی ہے مگر اور ائمہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوتی، لہٰذا عند الضرورۃ دوسرے مذہب میں انتقال کرنے سے طلاق نہیں ہوگی، اسی طریق پر اگر کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ۹۰ برس کے بعد اس کا دوسرا عقد ہو سکتا ہے مگر اور ائمہ کے نزدیک چار برس کے بعد اُس کو عدت بٹھلادیا جائے اور بعد گزرنے میعاد وعدت کے اس کا دوسرا عقد کیا جاسکتا ہے پس عند الضرورۃ شرعی جو عورت کہ پابند مذہب امام ابو حنیفہ ہے دوسرے ائمہ کے مذہب میں انتقال کرکے اس طریق پر نکاح جدید کر سکتی ہے، پر انتقال کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کو اس مذہب میں فرض کرلے، اور ضرورت شرعی اسے کہتے ہیں کہ مثلاً کا عقد نہ ہونے پر خوف ہے کہ وُہ ارتکابِ زنا کرے اور اس طرح سے مبتلائے گناہ ہو جائے، یا اس طرح کی کوئی اور خرابی پیش آئے، لہٰذا ایسی صورت میں مطلع صاف مذہب امام احمد میں لاکر عقدِ جدید کر سکتا ہے۔

(۱) مولوی صاحب نے جو فرمایا کہ وُہ عورت جو کہ پابند مذہب امام ابو حنیفہ ہے اس کو دوسرے مذہب میں انتقال کرنا جائز ہے، مولوی حافظ محمد جان اور مولوی فقیہ سیّد علی کا قول کس مذہب کے اصول سے ہے اور اصل مقصد کیا ہے۔

(۲) جو عورت کہ پابند نہ ہو کسی مذہب خاص کی رُو سے کیا کرنا چاہئے حالانکہ وُہ اپنے آپ کو گروہِ اسلام سے سمجھتی ہے اور دعوی مذہب حنفیّہ، باوجود اس دعوی کے سماع بالمزاامیر مذہب شافعیہ سے گروہِ خاصان میں سے انتخاب کرکے اپنے اُوپر روا رکھا ہم بریں بالائے طاق وُہ گانا بجانا جس میں اشتعال نفسانی ہو او ہوس شیطانی پُر ہیں اور ہر مذہب میں وہ سراسر حرام پایا گیا اس کا بھی وہ ارتکاب کرتی ہو اور جہالتِ زمانہ سے رسوم گراں وکافراں برتتی ہے کیسے پابندی مذہب حنفیّہ ایسے پر نامزد ہو سکتی ہے، دعوی پابندی مذہب خصوصیت کا باطل، لہٰذا ایسی عورت کا مذہب امامِ احمد میں فرض کرلینا جائز ہے یا فی الواقع اتباع ضروری، چونکہ یہاں خدمت میں جناب مولٰنا عبد الکافی صاحب مدظلہ العالی کے

پیش کیا گیا مولٰنا موصوف نے فرمایا: حضور میں مولٰنا احمد رضاخاں صاحب کے بھیجا جائے لہٰذا مستدعی کہ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

الجواب:

یہ مہملات ہیں اور شریعت پر جرات اور ایک مسلمان کو خواہی نخواہی کفر میں دھکیلنا اور یہ چاہنا کہ جس طرح بنے اسے کافر کرلیں، ائمہ دین تو یہ تصریح فرماتے ہیں کہ جاہلوں سے اگر کوئی مسئلہ ذات و صفات عقائدِ اسلامیہ کے متعلق پوچھو تو جواب پہلے بتادو نہ کہ اس سے دقیق مسائلِ ذات وصفات پوچھے جائیں کہ کسی طرح اسے کافر بنالیا جائے، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ ائمہ دین فرماتے ہیں جو کسی مسلمان کی نسبت یہ چاہے کہ اس سے کفر صادر ہو وہ کفر کرے یا نہ کرے یہ ابھی کافر ہوگیا کہ مسلمان کا کافر ہونا چاہا اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ جس مصیبت کے واسطے یہ بلائے عظیم اوڑھنی چاہی وہ دو وجہ سے بدستور رہی ایک تو یہ محض کذب اور جھوٹ اور شریعت پر افتراء ہے کہ تین طلاق کی مطلقہ اگر کفر کرے تو حلالہ کی حاجت نہیں اگر کفر کرے گی تو دوہری حُرمت ہوگئی ایک تو تین طلاق کی تھی وُہ خاص اسی کے لئے تھی اور دوسری مرتد ہونے کی ہوئی کہ اب وُہ جہان بھر میں کسی مسلمان کسی کافر کسی مرتد کسی آدمی کسی جانور کے نکاح کے قابل نہ رہی، مرتدہ کا نکاح جہان بھر میں کسی سے نہیں ہوسکتا، نہ مرتد کا جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا کما فی العٰلمگیریۃ وغیرہا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔ ت) اور اگر اسے کافرہ کرکے پھر مسلمان کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اب حلالہ کی حاجت نہ رہی تو یہ بھی محض ہوس رجیم ہے حلالہ ضرور کرنا ہوگا اور بغیر حلالہ قطعًا حرام، ایک تو یہ بھاری مصیبت ہوئی دوسرے سے اس کا نکاح حلال نہ رہا، اگر اب مسلمان ہوا اور یہ سمجھے کہ اب مجھے حلالہ کی حاجت نہ ہوگی تو یہ وہی ہوس ملعون حلالہ اُن کی دُم سے بندھا ہوا ہے ہر گز پیچھا نہ چھوڑے گا، تو کھایا اور کال بھی نہ کٹا، اور کھایا بھی کیسا کہ آپ بھی مرتد عورت بھی مرتد، انّا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ت) سیّد علی ترمذی کی کوئی کتاب ارشاد الطالبین ہمیں نہیں معلوم، اور ہو بھی تو حکم، علی ترمذی کا نہیں محمد مدنی کا ہے صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اس کی تفاصیل میں کلام کثیر ہے مگر اس کے بعد زیادہ تطویل کی حاجت نہیں۔ درخانہ اگر کس است یک حرف بس است (اگر خانہ عقل میں کچھ سُوجھ ہو تو اشارۃً ایک حرف بھی کافی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۴: از موضع گیلانی ڈاکخانہ بر گھ ریلوے اسٹیشن لکھی سرائے مرسلہ ضمیر الحسن صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۵ھ

تمامی علمائے ہند کی خدمت میں گزارش ہے کہ برابر بزرگان سے سنتے چلے آتے تھے کہ تین طلاق ایک جلسے میں دی جائے یا جلساتِ متفرقہ میں، طلاق مغلظہ پڑے گی، لیکن بالفعل لوگوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر جلسے میں تین طلاق دی جائے رجعی پڑے گی، جو لوگ بیچارے مسکین عمر کی تائید کرتے ہیں گمراہ کرتے ہیں۔

الجواب: عـــہ

المجیب مصیب فی الواقع مذہبِ منصور ومشربِ جمہور وقول ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہی ہے کہ صورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوں گی، ائمہ کرام وعلمائے اعلام شکراللہ تعالیٰ مساعیہم بحث تمام فرماچکے، اب باتباعِ ابن قیم ظاہری المذہب فاسد المشرب سواد اعظم امّت وحق واضح کی مخالفت نہ کرے گا **الّا من سفه نفسه** (مگر وہ جس نے اپنے آپ کو بیوقوف بنایا ہو۔ت) اور امیر المومنین غیظ المنافقین امام العادلین حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان اجل وارفع میں کلماتِ گستاخی بکنے اور ان کے موید کو گمراہ کہنے والا کھلا رافضی ہے **خذلهم الله تعالٰی**، **وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ**[1] (اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل کرے، اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے وہ کس طرف پلٹے ہیں۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: از رامپور متصل مرادآباد محلّہ ملاظریف مرسلہ مولوی ریاست حسین خان صاحب ۴ رمضان ۱۳۱۵ھ

بخدمت شریف جناب مولوی صاحب دامت فیوضہم بعد سلام مسنون التماس محزون اینکہ برائے جواب مسئلہ اشد ضرور تست اگر بزدد	بخدمت شریف جناب مولوی صاحب دامت فیوضہم بعد سلام، مسنون پریشان حال کا التماس یہ ہے کہ ایک مسئلہ کا اشد ضروری

عـــہ: باآوجواب مولوی ابوالنصر گیلانوی بود این دوحرف در تصویبش نوشتہ شد ۱۲ (م)	یہ جواب بعینہٖ وہی جواب ہے جو ابونصر گیلانوی نے دیا ہے یہ دوحرف اس کی درستگی سے متعلق لکھے گئے ہیں ۱۲ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

تحریر فرمودہ عنایت فرمایند از عنایت واحسن بعید بخواہد شد ومرد مان بسیار دعا سازند فیصلہ دریں باب درمیان فریقین بتحریر آنجناب قرار یافتہ است وعبارت خلاصۃ التفاسیر منقولہ از تفسیر احمدی	ہے، اگر جلدی تحریر فرماویں تو مہربانی ہوگی، یہ آپ کی مہربانی اور احسان سے بعید نہ ہوگا، اور لوگ بہت دعائیں دیں گے، اس بارے میں فریقین میں فیصلہ آپ کی تحریر طے ہوا ہے، اور تفسیر احمدی سے منقول خلاصۃ التفاسیر کی عبارت یہ ہے:

(چونکہ عدد طلاق کے جاہلیت میں مقرر نہ تھے جس قدر چاہتے طلاق دیتے یہاں تک کہ ایک عورت ام المومنین عائشہ کے پاس آئی اور اپنے شوہر کے بار بار رجوع کرنے کی شکایت کی یعنی طلاق دی جب عدت پوری ہونے آئی رجوع کیا پھر طلاق دی یونہی اسے معلّق چھوڑ دیا تھا حضرت صدیقہ نے حضور میں عرض کیا حق سبحانہ، وتعالٰی نے نازل فرمایا اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الخ)

بباعث اردو قابل تسلیم فریقین دریک مسئلہ ہم قرار نیافتہ۔ اگر عبارت شیر احمدی مرقوم بودے قابل فیصلہ شدے اکنوں امید دادم کہ آنحضور بتحریر عبارت کتب سرفراز نمودہ فیصلہ فرمایند، **والسّلام**	اردو کی وجہ سے فریقین ایک مسئلہ پر متفق نہ ہوسکے اگر تفسیر احمدی کی اصل عبارت ہوتی تو فیصلہ کے قابل ہوتی، اب آپ سے امید کہ جناب کتب کی عبارت تحریر فرماکر سرفراز فرمائیں گے، والسلام (ت)
زید زوجہ خود را یک طلاق رجعی دادہ درعدت رجوع کردہ بااودو سال زندگانی کرد باز یک طلاق رجعی دادہ عدت رجوع کردہ سہ سال اور ابخانہ خود داشت بعدہ باز دیک طلاق رجعی داد اکنوں زید زوجہ مذکورہ را بلا تحلیل تئس مستعار درنکاح خود تواں آورد یانہ؟ **بینوا توجروا**	زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی، اور عدت میں رجوع کرلیا، اور دو سال گزارنے کے بعد پھر ایک طلاق رجعی دی اور عدت میں رجوع کرلیا، تین سال گھر رکھنے کے بعد پھر ایک طلاق دی اب زید مذکورہ بیوی کو نئے شخص سے نکاح اور حلالہ کے بغیر نکاح میں دوبارہ لاسکتا ہے یانہیں؟ بیان کرو اور اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

حرام ست بالنص والاجماع تا بنکاح شوہرے دیگر درآید و شہد اوراذوق نماید واو طلاقش	دوسرے شخص سے نکاح اور پھر جماع کے بعد طلاق ہو یا دوسرا شخص فوت ہوجائے اور اس

دہد میرد وعدتش فراغ پذیرد قال تعالٰی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ[1] الٰی قوله عزوجل فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰی تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡهِمَاۤ اَنۡ یَّتَرَاجَعَاۤ[2] الاٰیة. قال رسول اللّٰه صلی تعالٰی علیه وسلم لاتحلین لزوجك الاول حتی یذوق الاٰخر عسیلتك وتذوقی عسیلته[3]۔ و فی العالم عن عروة کان الناس فی الابتداء یطلقون من غیر حصرولاعدد وکان الرجل یطلق امرأته فاذا قاربت انقضاء عدتها راجعها ثم طلقها کذلك ثم راجعها یقصد مضارتها فنزلت هذه الاٰیة اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ یعنی الطلاق الذی یملك الرجعة عقیبه مرتان فاذا طلق ثلثا فلاتحل	کی عدت پوری ہوجانے کے بغیر دوبارہ زید کا مذکورہ بیوی سے نکاح حرام ہے یہ حرمت نصِ قرآن اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا دو۲ طلاقیں دی ہیں تو بیوی کو بھلائی کرتے ہوئے روک لے یا احسان کرتے ہوئے چھوڑدے۔ تا۔ اگر تیسری طلاق دی تو مطلقہ بیوی اس کے بعد حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے، پس اگر اس نے طلاق دے دی تو دونوں پر رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے الآیۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اے عورت تو پہلے خاوند کیلئے حلال نہ ہوگی حتی کہ تو دوسرے خاوند کا اور وہ تیرا مزہ نہ چکھ لے یعنی جماع نہ کرلے"۔ اور معالم التنزیل میں عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ابتداء میں لوگ بے حساب اور لاتعداد طلاقیں دیا کرتے تھے، اور مرد بیوی کو طلاق دیتا تو جب عدّت پورا ہونے کے قریب ہوتی تو پھر طلاق دیتا اور یونہی بار بار کرتا اور مقصد بیوی کو پریشان کرنا ہوتا تھا، تو اس واقعہ پر قرآن پاک کی آیہ کریمہ الطلاق مرتٰن الآیۃ نازل ہوئی، یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند رجوع کرسکتا ہے، دو طلاقیں ہیں، تو جب تیسری طلاق دے دے تو اب دوسرے سے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

[3] صحیح بخاری باب لم تحرم مااحل اللّٰه لك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۲

لہ الابعد نکاح زوج غیرہ[1] اھ والمسئلۃ اوضح من ان توضح۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلم جل مجدہ اتم واحکم۔	نکاح کے بغیر اس کے لئے حلال نہیں ہے اھ، اور مسئلہ وضاحت کا محتاج نہیں۔(ت) واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۸۷: از ضلع خاندیس پچھم بھاگ تعلقہ تلودھا ڈاکخانہ لگر مندھا بسوستان کاٹھی مقام عکلکوا مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب ۱۲جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) حلالے کے بارے میں ایک شخص نے نکاح کیا اور پہلی بی بی کا حق کُل نہیں ادا کیا، وہاں پر قاضی نہیں ہے، اپنے مکان کے لوگ آپ ہی قاضی آپ ہی وکیل آپ گواہ، جس شخص نے پہلے نکاح کیا اس نے خوشی سے طلاق دیا اور اس عورت نے خوشی سے طلاق لیا، بعد دس ۱۰ روز اسی عورت اور وہی دھنی ایک جگہ رہنے لگے، اور اس شخص طلاق دے کر تین مہینے رکھا، پھر تین مہینے بعد حلالہ کیا، حلالہ کرنے والا جو شخص تھا اس کی بی بی نے رضا نہیں دی، رضا لینے کے واسطے اپنی بی بی مارا، تو بی بی نے زبردستی سے رضا دی، اس کا حلالہ درست ہو کہ نہیں؟

(۲) ایک دوسرا آدمی ایک عورت کا لے کر بھاگ گیا، اس کی دو لڑکیا تھیں، دو ۲ برس بغیر نکاح کے اس عورت کو رکھا، بعد دو برس کے لڑکے ہوشیار ہو گئی، اس عورت کو چھوڑ کر بیٹی کو رکھنے لگا اس شخص کے حرام سے ایک لڑکی ایک لڑکا پیدا ہوئے، سو یہاں کے پنچوں نے جماعت سے باہر کر دیا سو اس لڑکی سے بھی نکاح نہیں ہوا ہے، بعد بارہ ۱۲ مہینے کے جماعت کے آدھے لوگ اس کو ہمراہ لے گئے اور وہی لوگ کہتے تھے اس کا منہ دیکھنا روا نہیں ہے، اب وہی لوگ اس کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں، اس کے بارے میں مسئلہ کیا کہتا ہے، اور یہاں اسلام کی ٹھٹھول کرتے ہیں اور کسی کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم اسلام کی مشکری کریں گے تو ہمارے کیا حال ہوں گے، اس پر حضرت رسولِ خدا (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی شریعت کا کیا بیان ہے؟

الجواب:

(۱) شریعت کا حکم یہ ہے جس شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دی ہوں ایک دفعہ میں خواہ برسوں میں کہ ایک کبھی دی اور رجعت کرلی پھر دوسری دی اور رجعت کرلی اب تیسری دی دونوں صورتوں

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تفسیر آیۃ الطلاق مرتان مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۷

میں عورت اس پر بغیر حلالہ حرام ہے۔ حلالہ کے یہ معنٰی ہیں کہ اس طلاق کے بعد عورت اگر حیض والی ہے تو اسے تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں، اور اگر حیض والی نہیں مثلاً نو برس سے کم عمر کی لڑکی ہے یا پچپن برس سے زائد عمر کی عورت ہے اور اس طلاق کے بعد تین مہینے کامل گزر جائیں یا اگر حاملہ ہے تو بچّہ پیدا ہو لے، اس وقت اس طلاق کی عدّت سے نکلے گی، اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح بروجہ صحیح کرے یعنی وہ شوہر ثانی اس کا کفو ہو کہ مذہب، نسب، چال چلن، پیشہ کسی میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس عورت کا نکاح عورت کے اولیاء کے لئے باعثِ بدنامی ہو، یا اگر ایسا کم ہے تو یہ عورت کا ولی نکاح ہونے سے پہلے اس کو یہ جان کر کہ یہ کفو نہیں اس کے ساتھ نکاح کی بالتصریح اجازت دے دے، یا یہ ہو کہ عورت بالغہ کا کوئی ولی ہی نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے، اور ولی نے اسے غیر کفو جانکر نکاح سے پہلے صریح اجازت نہ دی تو نکاح ہی نہو گا، یونہی لڑکی اگر نابالغہ ہے ہے اور اس کے نہ باپ ہے نہ دادا بھائی چچا وغیرہ ولی ہیں، لوگوں نے کسی غیر کفو سے اس کا نکاح کردیا جب بھی نکاح نہ ہوگا، غرض جب شوہر ثانی سے نکاح صحیح طور پر واقع ہو اور وُہ اس سے ہمبستری بھی کرلے اور اس کے بعد وُہ طلاق دے اور اس طلاق کی عدت اسی طرح گزرے کہ تین حیض ہوں اور حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے، اور حمل رَہ جائے تو بچّہ پیدا ہونے کے بعد اس کے بعد پہلا شوہر اس سے نکاح کرسکتا ہے، ان میں سے ایک بات بھی کم ہوگی تو وہ نکاح نہ ہوگا زنا ہوگا، ہاں نکاح کے لئے چاہے وہ شوہر ثانی سے ہو یا پہلے سے قاضی یا وکیل یا برادری کے لوگوں کی ضرورت ہے کہ مرد نکاح ثانی کرے تو پہلے بیوی سے اجازت لے، یہ سب باتیں بے اصل ہیں، فقط اس طریقہ کی ضرورت ہے جو ہم نے لکھا اس طرح پر اگر اصلًا نہ ہوا مثلاً دوسرے شوہر نے جب طلاق دی تو اس کے دس ۱۰ ہی دن بعد بے عدّت گزرے پہلے شوہر نے اس سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح نہ ہوا نرا حرام ہوا اُس صورت میں ضرور ہوگا کہ عورت کو اس سے جُدا کردیا جائے اور نہ مانے تو اسے برادری سے خارج کردیا جائے۔

(۲) اسی طرح وہ شخص جس نے عورت کو رکھا اب اُس کی بیٹی کو رکھتا ہے وہ اس پر ضرور حرام ہے اگر نکاح نہ کرے جب تو زنا ہے ہی، اور نکاح کرے جب بھی حرام ہے کہ وہ اس کی بیٹی ہو چکی، برادری والوں کو چاہیئے کہ اگر وُہ مرد و عورت جُدا نہ ہوں تو اس کو برادری سے خارج کردیں، اُن سے سلام کلام نہ کریں، اُن کے پاس نہ بیٹھے اُنہیں اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں، اور وہ لوگ جو پہلے اُن سے

جُدا ہوگئے تھے اور اب مل گئے اور اُن کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں بیجا کرتے ہیں اُنہیں چاہئے اس سے باز رہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	شیطان تجھے بُھلادیتا ہے، تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حلالہ مع شرط کے یعنی اس قصد سے کہ بعد چند روز کے طلاق دے دے تاکہ زوج سابق کے واسطے بعد عدّت گزرنے کے حلال ہوجائے جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

شرائط اور چیز ہے اور قصد اور چیز۔شرط تو یہ کہ عقد نکاح میں یہ شرط لگالے یہ ناجائز وگناہ ہے اور حدیث میں ایسے حلالہ کرنے والے پر لعنت آئی ہے، اور قصد یہ کہ دل میں اس کا ارادہ ہو مگر شرط نہ کی جائے تو یہ جائز ہے بلکہ اس پر اجر کی امید ہے۔ درمختار میں ہے:

(کرہ)التزوج للثانی(تحریما)لحدیث لعن اللہ المحلل والمحلل لہ(بشرط التحلیل)کتزوجتك علی ان احللک(امااذا اضمرا ذٰلك لا)یکرہ (وکان) الرجل(ماجورا)لقصد الاصلاح اھ [2] مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حلالہ کی شرط پر نکاح کہ میں اس شرط پر تجھ سے نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق دے کر حلال کردوں گا دوسرے شخص کا نکاح مکروہِ تحریمہ ہے لیکن دونوں نے اگر دل میں حلالہ کی نیت کی تو مکروہ نہیں، اس صورت میں دوسرا شخص اصلاح کی غرض سے نکاح کرنے پر اجر کر مستحق ہوگا اھ مختصراً۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۹: ازکانپور بیگم گنج طلاق محل مرسلہ احمد علی خاں وکیل ۱۲ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک وقت حالتِ غصّہ میں مجبور ہوکر ہندہ زوجہ کو تین بار طلاق دی، نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مغلظ ہوگئی اور نزدیک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رہی، تو ایسی حالت میں جو پیروامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے رجوع کرسکتا ہے یانہیں؟ حالاتِ مقدمی یہ ہیں کہ زید کو ہندہ کے ساتھ محبت قلبی ہے اس نے قصداً چھوڑا

[1] القرآن الکریم ۶/۶۸

[2] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۱

دینے کی نیّت سے طلاق نہیں دی اور نہ ہندہ اپنے عدول حکم پر سمجھ سکتی ہے کہ مجھ پر طلاق ہو گی کیونکہ بجائے خود نادم تھی، مگر ہندہ کی بہن جو دشمن ہندہ کی ہے چند الفاظ دلانے والے جو طلاق دینے پر مبنی تھے ایسے کہ جس سے زید کو مجبورًا غیظ آگیا اور دفعۃً تین بار طلاق دے کر ہندہ کے مکان سے اُٹھ آیا، اب زید وہندہ و سخت صدمہ ہے اور دو۲ لڑکے یعنی ایک پسر بعمر۹ سال ایک دختر بعمر۵ سال جو ہندہ کے پاس ہیں اور ہندہ محتاج ہے پرورش بدقت کر سکتی ہے اور نیز بلا تعلیم رہنے کا خیال قوی ہے اور زید کو ایسا رنج ہے کہ نوبت بجان ہے. بر نظر حالات رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک بار تین طلاق دینے سے نہ صرف نزد حنفیّہ بلکہ اجماعِ مذاہبِ اربع تین طلاقیں مغلظہ ہو جاتی ہیں، امام شافعی، امام مالک، امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم ائمہ متبوعین سے کوئی امام اس باب میں اصلًا ہوا اور عورت اس کے نکاح سے ایسی خارج ہوئی کہ اب بے حلالہ ہرگز اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، اگر یُونہی رجوع کرلی بلاحلالہ نکاح جدید باہم کرلیا تو دونوں مبتلائے حرامکاری ہوں گے اور عمر بھر حرام کاری کریں گے۔ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ﴿۲﴾ [1]	جو اللہ تعالٰی سے ڈرتا ہے اللہ تعالٰی اس کیلئے راستہ بنادیتا ہے۔ (ت)

اس نے تقوٰی نہ کیا بلکہ خلافِ خدا اور سول تین طلاقیں لگاتار دینے کا مرتکب ہوا اللہ عزوجل نے اس کے لئے مخرج نہ رکھا اب حلالہ کے سخت تازیانے سے اسے ہرگز مفر نہیں یہاں تک کہ ائمۂ دین نے فرمایا کہ اگر قاضی شرح حاکمِ اسلام ایسے مسئلہ میں ایک طلاق پڑنے کا حکم دے تو وُہ حکم باطل ومردود ہے۔ وہابیہ غیر مقلدین اب اس مسئلہ میں خلاف اٹھا رہے ہیں وہ گمراہ دین ہیں، ان کی تقلید حلال نہیں، فتح القدیر میں ہے:

ذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلث، وفی سُنن ابی داؤد عن مجاهد قال كنت عند عباس رضی الله تعالٰی	جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے مسلمانوں کے ائمہ کرام کا مسلک ہے بیک لفظ تین طلاقیں تین ہوں گی۔ امام مجاہد سے سُنن ابو داؤد میں مروی ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

عنهما فجاء رجل فقال انه طلق امرأته ثلثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ايطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس فان الله عزّوجل قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا عصيت ربك وبانت منك امرأتك، ثم ذكر ادلته برواية لامؤطا عن ابن عباس وابی ہريرة معا ومثله عن ابن عمر قال وروى ايضا عن عبد الله بن عمرو بنن العاص واسند عبدالزاق عن علقمة عن ابن مسعود ووكيع عن امير المؤمنين علی وامير المومنين عثمان بن عفان وقد قدمه عن امير المومنين عمرو اورده برواية ابن ابی شيبة والدار قطنی عن ابن عمر عن البنی صلی الله تعالٰی عليه وسلم وذكره فی اٰخر	پاس موجود تھا تو ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، مجاہد کہتے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کچھ دیر خاموش رہے تو میں نے خیال کیا کہ شاید ان عباس سائل کو بیوی واپس کردیں گے، تو کچھ دیر بعد آپ نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ بیوی کو طلاق دیتے ہوئے حماقت سے کام لیتے ہیں اور پھر اے ابن عباس اے ابن عباس کہتے ہیں، تو یاد رکھو اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالٰی سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے لئے کوئی سبیل پیدا فرمادیتا ہے، جبکہ تو نے اللہ تعالٰی کی نافرمانی کی ہے تیری بیوی تجھ سے لاتعلق ہوچکی ہے۔ اسکے بعد فتح القدیر نے اس پر دلائل ذکر کئے۔ مؤطا کے حوالہ سے ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت ذکر کیں جیسا کہ ابوداؤد نے ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اکھٹی روایت کی، اس طرح کی روایت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ذکر کی، اور کہا کہ عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی مروی ہے، اور انہوں نے کہا کہ عبدالرزاق نے علقمہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور وکیع عن امیر المومنین عمر فاروق عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سند ذکر کی، اور قبل ازیں فتح القدیر نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت ذکر کی اور انہوں نے ابن ابی شیبہ اور دار قطنی کی روایت بھی ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذریعہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے بیان کی۔ اور اسی کو انہوں نے کلام کے

الکلام بروایة عبدالرزاق فی مصنفه عن عبادة بن الصامت عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ورضی اللّٰه تعالٰی عنهم اجمعین الی ان قال، فاذا ثبتنا النقل عن اکثرهم صریحا بایقاع الثلث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا لم یحکم حاکم بان الثلث بفم واحد واحدة لم ینفذ حکمه لانه لایسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف[1] (ملخصًا) واللّٰه تعالٰی اعلم۔	آخر میں یُوں ذکر کیا کہ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں عبادہ بن الصامت کے واسطہ سے حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام سے روایت کیا، یہاں تک کہا کہ ہم نے اکثر حضرات سے تین طلاقوں کا نافذ ہونا صراحتًا ثابت کیا اور ان حضرات کوئی بھی مخالف ظاہر نہ ہوا، تو اس حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہوسکتا، اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی حاکم نے بیک زبان تین طلاقوں کے ایک طلاق کا حکم دیا تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اور یہ حق کے خلاف ہوگا اس کو اختلاف نہ کہا جائے گا (ملخصًا) واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۰: از پیلی بھیت محلّہ محمد واصل مرسلہ خلیق احمد صاحب ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مہلک مریض نے اپنیہ زوجہ کی نافرمانی کے سبب جو اس کی زوجہ نے اپنی ماں کے اشتعال کی وجہ سے اپنے زوج کو تکلیف دی اور ہر قسم کی خبر گیری شوہر سے حسب ذیل تحریر کے ذریعہ سے طلاق لکھ بھیجی، مسمّاۃ فلاں بنت فلاں کو واضح ہو کہ تم نے اپنی ماں کو اشتعال کے باعث جو کچھ میرے ساتھ برتاؤ کیا اور اسباب متفرق معہ بکس محمولہ پارچہ وغیرہ میرا رکھ لیا بہت اچھا کیا یہ ایک عمدہ طریقہ حصولِ مالیّت کا ہے اس طور سے بہت کچھ جمع ہوسکتا ہے اس وجہ سے تم میرے لائق نہیں ہو، لہٰذا میں تم کو طلاق دیتا ہوں، مسمّاۃ فلاں بنت فلاں جو میرے نکاح میں تھی آج کی تاریخ میں نے طلاق دی، مسمّاۃ فلاں بنت فلاں جو میرے نکاح میں تھی آج کی تاریخ میں نے اس کو طلاق دی، مسماۃ فلاں بنت فلاں جو میرے نکاح میں تھی آج کی تاریخ میں نے اس کو طلاق دی۔ عورت کے بھائی کے نام کارڈ کا پتہ اس طور سے لکھا تھا جو ناخواندہ ہے بمقام فلاں محلّہ

[1] فتح القدیر باب طلاق السنة نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۳۰

فلاں پاس فلاں پہنچ کر مسمّاۃ فلاں بنت فلاں کو ملے۔اب چونکہ شوہر کئی ماہ بعد صحت یاب ہوالوگ طرفین پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طور طلاق نہیں ہوئی اگر تحریر پوسٹ کارڈ کسی دوسرے کے نام جاتی جواس کام کے واسطے مقرر کیا جاتا اس کو لکھا جاتا کہ تم میری طرف سے بطور وکیل دے دو تب طلاق ہو جاتی، دوسرے یہ کہ وہ عورت حاملہ تھی کسی صورت میں بھی طلاق نہیں ہوئی، لہٰذا آنجناب فیض مآب کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اس بارہ میں جو حکم شرع شریف ہو بدلائل اس سے سائل کو جلد مطلع فرمایئے۔

الجواب:

شخص مذکور تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے گنہگار ہوااور عورت پر تین طلاقیں پڑ گئیں وُہ نکاح سے نکل گئی، اب بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا، عورت کا حاملہ ہونا یا کسی کو طلاق دینے کا وکیل نہ کرنا کچھ منافی طلاق نہیں، یہ محض جاہلانہ خیال ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۱: از بھموری ڈاک خانہ بھیکم پور ضلع علی گڑھ مرسلہ عبدالرزاق صاحب ۲۳جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید نے بذریعہ خطوط اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پہلا خط جو کہ اپنے خسر کو لکھا یہ ہے کہ میں اپنے اظہار خیالات کی اجازت چاہتا ہوں، مگر آپ کی رائے کا منتظر ہوں، امید کہ مجھ کو اظہار خیالات کی جازت دی جائے گی مگر خسر نے جواب نہیں دیا، اس پر دوسرے خط میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے اپنے اظہارِ خیالات کی اجازت چاہی تھی مگر قبلہ نے سکوت اختیار فرمایااب میں جرات کرتا ہوں کہ میری شادی آپ کی لڑکی سے محض والد صاحب کی خواہش تھی مجھ کو منظور نہ تھی ورنہ مجھ کو آپ کی صاحبزادی سے کسی قسم کا تعلق رہااور نہ آئندہ رکھنا چاہتا ہوں آج کی تاریخ سے آپ کی لڑکی کو طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں آپ جانیں والد صاحب جانیں۔اب اُس خط سے جس میں طلاق ہے اول میں انکار تھااظہار جرات والے خط میں اقرار تھا اس کے تین سال بعد زید کا خسر زید کے پاس گیااور کہا میری لڑکی کے ساتھ تمہارا کیاارادہ ہے، اس نے کہا میرا کچھ تعلق نہیں ہے۔اس نے کہاکہ میرے ساتھ سرائے تک چلو تاکہ تمہارے بیان کا سرائے میں کوئی گواہ بھی ہو جائے، چنانچہ وُہ سرائے میں آیااور دو۲ آدمیوں کے سامنے جن کا نام مرزا محمد صدیق بیگ ساکن خورجہ ضلع بلند شہر اور دوسرے کا نام حافظ فخرالدین ساکن آنوامحلّہ پٹھان، چنانچہ دونوں گواہوں کے بیانات ایک عالم محمد عبدالرشید سہسوانی ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول فرخ آباد کے سامنے بیان ہوئے۔انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے یعنی زید نے کہ پہلے خطوط میں بھی اپنی بی بی کو طلاق دے چکا ہوں، اوراب بھی طلاق مکررسہ کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ دونوں خطوں کی نقل اور تینوں کاغذات کی نقل دوکاغذ بیانات گواہ اور ایک کاغذ مولوی عبدالرشید

صاحب موصوف کے ہمرشتہ سوال یہ ہے کہ اس صورتِ بالا میں زید کی بی بی کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی ہے تو عدّت خطوط کے وقت سے شروع ہوگی یا گواہی دینے گواہان مذکور سے؟

نقل خط اوّل

قبلہ وکعبہ مدظلہ، تسلیم بصد تعظیم، عرصہ سے خیریت دریافت نہیں ہوئی تردد ہے، امید کہ مطلع فرمایا جاؤں، نیاز مند کسی قدر اپنے اظہار خیالات کی اجازت چاہتا ہے جو میری دانست میں ضروری ہیں لیکن بلااستخراج رائے جرأت نہیں کرسکتا، مجھے امید ہے کہ آپ میری اس قسم کی گزارش کو ضرور منظور فرمائیں گے جس کی شاہدات میری نظروں میں نہایت خوش آیند و دلفریب ہیں، زیادہ نیاز۔ احقر ازلی سیّد عابد علی۔

خط دوم بعد کا

قبلہ نعمت وکعبہ کرامت مدظلہ العالی تسلیم بعد تکریم، نیاز مند قبل اس کے اظہار خیالات اپنے کی اجازت چاہی، قبلہ نے سکوت اختیار فرمایا، نیاز مند خاموش ہورہا، اب جرأت کرتا ہوں عرض کرنے کی، جس کو جناب منظور فرمائیں گے۔ میری شادی جناب کی دختر کے ساتھ ہوئی محض والد صاحب کی خواہش تھی مجھ کو منظور نہ تھی، نہ مجھ کو آپ کی صاحبزادی سے کسی قسم کا تعلق رہا اور نہ آئندہ رکھنا چاہتا ہوں، بموجب شرع کے آپ کی لڑکی کو آج کی تاریخ سے طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں، آپ جانیں والد صاحب جانیں۔

بیان مرزا صدیق بیگ گواہ جن کے سامنے عابد علی نے پانی زوجہ کو طلاق دینے اقرار کیا۔

عابد علی نے ہمارے سامنے عبدالرزاق سے سرائے بلہور میں یُوں کہا کہ میں نے تمہاری لڑکی کو ایک عرصلہ گزرا کہ بذریعہ تحریر کے طلاق دے چکاہوں تم اسی میری تحریر پر عملدرآمد کرو اور مکرر سہ کرر کہتا ہوں کہ میں نے طلاق دی طلاق دی طلاق دی اور یہ لوگ مسافر مسلمان ہیں ان کے سامنے کہتا ہوں یہ لوگ شرعی گواہ ہوچکے ہیں، یہ اشارہ اُن کا ہم مسافروں کی طرف تھا۔ بقلم مرزا صدیق بیگ ساکن خورجہ ضلع بلند شہر

مہر

بیان حافظ فخرالدین ولد حافظ قیام الدین صاحب ساکن قصبہ آنولہ محلّہ پٹھاناں

عابد علی نے ہمارے سامنے عبدالرزاق صاحب سے سرائے بلہور میں یُوں کہا

کہ میں نے تمہاری لڑکی کو ایک عرصلہ گزرا بذریعہ اپنی تحریر کارڈ رجسٹری کے طلاق شرعی دے چکا ہوں تم اسی میری تحریر پر عملدرآمد کرو

اور اب مررسہ کرر کہتا ہوں کہ میں نے طلاق دی طلاق دی طلاق دی، اور یہ لوگ مسافر مسلمان ہیں ان سے کہتا ہوں یہ لوگ شرعی گواہ ہوچکے ہیں، یہ اشارہ ہم مسافران کی طرف تھا۔

العبد حافظ فخر الدین ولد حافظ قیام الدین ساکن آنولہ محلّہ پٹھاناں بقلم خود مہر

آج تاریخ دو جولائی ۱۹۱۷ء مطابق ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ سیّد عبدالرزاق صاحب سکنہ بھموری میرے یہاں تشریف لائے اور تین صاحب اور اُن کے ہمراہ تھے، سید عبدالرزاق صاحب نے میر عابد اپنے داماد کا اُن کی لڑکی کو بذریعہ رجسٹرڈ تحریر موجودہ کے طلاق دینا اُن تینوں ہمراہیوں میں سے دو ۲ صاحبوں کو میر عابد علی مذکور کے طلاق مذکور کے اقرار زبانی کا گواہ بیان کیا۔ گواہان مذکور الصدر نے میرے زبانی طلاق بدستخط اپنے اپنے بیان تحریر کئے رجسٹر تحریر موجود کا خود میر عابد علی کی تحریر ہونا اور نیز زبانی طلاق مکرر سہ کر دینا بخوبی ثابت ہے، بیانات مذکور ہمرشتہ تحریر ہذا ہے۔ الراقم خادم الاطباوالعلماء ابو محمد عبدالرشید ظہور الاسلام سہسوانی ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول فرخ آباد۔ مہر ودستخط سے آج تاریخ ۲ جولائی ۱۹۱۷ء کو روانہ کیا گیا۔ فہرست اوراق { تحریر راقم ایک، بیان مرزا صدیق بیگ ایک، بیان حافظ فخر الدین صاحب ایک } کُل تین اوراق۔

الجواب:

کوئی تحریر بے شہادت یا اقرار کاتب مسلّم نہیں ہوسکتی اگرچہ خط اسی کا معلوم ہوتا ہو، علماء فرماتے ہیں:

الخط یشبه الخط والخاتم یشبه الخاتم کما فی الهندیة[1] وغیرہا۔	خط دوسرے خط اور مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ ہندیہ وغیرہا میں ہے (ت)

یہاں عابد علی اس خط سے منکر ہے تو شہادت درکار، اُن دو گواہوں نے جو گواہی دی ناقص وناتمام ہے وہ اپنے بیانوں میں، عابد وعبدالرزاق کہتے ہیں ملک میں اس نام کے ہزاروں ہوں گے۔ شرطِ شہادت یہ ہے کہ اگر وُہ حاضر ہوں تو ان کی طرف اشارہ کرکے گواہی دے کہ اس عابد علی نے اس عبدالرزاق کی بیٹی زوجہ کی نسبت یہ کہا اور اگر حاضر نہ ہوں تو اُن کا نسب پاک دادا تک بیان کرے کہ

[1] فتاوٰی ہندیہ باب کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

عابد علی بن فلاں بن فلاں نے اپنی زوجہ فلاں بنت فلاں کی نسبت یہ کہا اور صحیح یہ ہے کہ دادا کا ذکر بھی ضرور ہے کمافی العٰلمگیریۃ (جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔ت) یعنی جبکہ فقط باپ کی طرف نسبت سے تمیز کامل نہ ہو جاتی ہو،

فان المقصود التعریف لاتکثیر الحروف کمافی جامع الفصولین والدر المختار۔	کیونکہ معرفت مقصود ہے حروف کی کثرت مقصود نہیں ہے، جیسا کہ جامع الفصولین اور درمختار میں ہے۔(ت)

اگر دو[۲] گواہ ثقہ عادل اگرچہ یہی دو[۲] ہوں اس طرح شہادت ادا کریں تو ضرور تین طلاقیں ثابت ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲: ازامریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ مظفر علی خاں ۳ محرم ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی منکوحہ محمودہ کے حق میں مضمون طلاق مندرجہ ذیل بہ شہادت دو شخصوں کے تحریر کر دیا طلاق بائنہ ہوئی یا رجعی مضمونِ طلاق میں نے محمودہ منکوحہ کو طلاق دے دی اور چھوڑ دیا اور مجھ کو اب اس سے کوئی واسطہ نہیں رہا اور زبان سے تین بار طلاق ادا نہیں کیا صرف کاغذ پر تحریر کر دی۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں زید سخت گنہگار ہوا، عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، اس پر تین طلاقیں ہوگئیں، اب بے حلالہ اس سے نکاح بھی نہیں کر سکتا، زبان سے کچھ کہنا ضرور نہیں تحریر کافی ہے جبکہ بلاوجہ واکراہ شرعی ہو جیسا کہ یہاں ہوا، اشباہ میں ہے: **الکتاب کالخطاب**[1] (تحریر، خطاب کی طرح ہے۔ت) لفظ اوّل ودوم دونوں صریح طلاق ہیں اور تیسرا لفظ اگرچہ کنایہ تھا مگر تقدمِ طلاق نے اسے بھی طلاق کے لئے معین کر دیا، ردالمحتار میں ہے:

دلالۃ الحال المراد بہا الحالۃ الظاہرۃ المفیدۃ للمقصود،	دلالت حال سے مراد، وُہ حالت جو ظاہر طور پر مقصود کو مفید ہو۔اس کی ایک صورت، پہلے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱۹۶/۲۔۵۹۷

ومنھا تقدم ذکر الطلاق بحر عن المحیط[1]۔	طلاق کا ذکر ہوناہے، محیط سے منقول بحر میں۔(ت)

اسی میں ہے:

فی النھر دلالۃ الحال تعم دلالۃ المقال فتفسر المذاکرۃ بسؤال الطلاق او تقدیم الایقاع کما فی اعتدی ثلاثا[2]۔	نہر میں ہے کہ دلالتِ حال، دلالتِ قول کو شامل ہے، لہٰذا اس کی تفسیر یُوں درست ہے کہ طلاق کے مطالبہ کے طور مذاکرہ، یا پہلے طلاق واقع کرنا، مثلاً عدّت پوری کر تین کی۔(ت) اسی طرح اور مواقع میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۳: از شاہ گڈھ ڈاکخانہ شب نگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب ۱۲رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بیوہ مسمّاۃ ہندہ سے بدیں شرط انکار کیا کہ وُہ اپنے ناجائز متعلق سے قطع تعلق کرلے، اس نے منظور کیا اور نکاح ہوگیا، ہندہ مذکور نے گو اس ناجائز متعلق سے قطع تعلق کرلیا لیکن زید نے اس سے گفتگو کرتے دیکھ لیا اور غصّہ میں زید نے ایک لکھے پڑھے شخص سے کہا کہ تم مضمون لکھ دو جس سے میں ہندہ سے دست بردار ہوجاؤں اور وہ تحریر بذریعہ رجسٹری مسمّاۃ کے پاس بھیج دوں۔ یہ وہ الفاظ بعینہٖ تھے جو ادا کئے گئے تھے، لکھے پڑھے شخص نے ایک تحریر لکھی جس میں ہندہ کو تحریر کیا کہ تم نے شرط پوری نہیں کی لہٰذا تم میری نہیں رہیں تم کو طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں، اب مسمّاۃ ہندہ کہتی ہے کہ گو میں نے شخص متعلق سے تمہاری مرضی کے خلاف گفتگو کی ہے لیکن اب کوئی واسطہ نہیں ہے نہ اب گفتگو کروں۔ چونکہ زید کو طلاق رجعی یا بائن کا کچھ علم نہیں تھا لیکن زید کے ذہن میں قطعاً قطع تعلق نکاح نہ تھا زید نے مضمونِ طلاق سُن لیا تھا اب مسمّاۃ پشیمانی کے ساتھ طالبِ معافی ہے اور زید بھی چاہتا ہے کہ مسمّاۃ ہندہ مذکور میرے نکاح میں رہے۔ واضح رائے عالی ہو کہ مسمّاۃ ہندہ کو شخص متعلق سے گفتگو کرتے دیکھ کر اس کے دوسرے تیسرے دن تحریر رجسٹری طلاق کی بھیجی تھی اور جس روز تحریری طلاق بھیجی اسی روز ہندہ اور زید میں گفتگو ہوکر خواہشمند بقائے نکاح

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

ہوئے ہیں کہ نکاح رہا یا نہیں؟

الجواب

اس نے اس کی درخواست سے لکھا اور اس نے لکھنے کے بعد سُن بھی لیا اور عورت کو بھیج دیا عورت پر تین طلاقیں ہو گئیں، اب بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ ذہن میں ہونے نہ ہونے وغیرہ کے عذر بیکار ہیں۔ قال اللہ تعالٰی:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر تیسری طلاق دے دے تو اس کے بعد عورت حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وُہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۴: از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد مرسلہ عطاء اللہ خاں سوداگر جفت ۱۵صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ سے عرصہ سے ناراض ہے اس کو زوجہ کی جانب بدگمانی ہے وُہ عرصہ سے اس سے تقریر و تحریری ذرائع سے واقعات کو دریافت کررہا ہے اب اس نے ایک خط اپنی زوجہ کے نام پردیس تقریری و تحریری ذرائع سے واقعات کو دریافت کررہا ہے اب اس نے ایک خط اپنی زوجہ کے نام پردیس سے تحریر کیا ہے جس کی عبارت طول طویل ہے اس میں سے بقدر ضرورت عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے، یہ ثابت ہے کہ یہ خط زید کا ہے کیونکہ وُہ اپنے والد کو لکھتا ہے کہ میرے لڑکے کو اور میرے سامان کو زوجہ سے لے لو اور زید اپنے سالے کو بھی لکھتا ہے کہ تم میرے والد کو میرا سامان دے دو اور اپنی ہمشیرہ کے جہیز کا سامان پائی ہمشیرہ کو دے دو اور میرے لڑکے کو بھی والد کو دے دو، اسی خط اور بہت سی بیہودہ باتیں اپنی زوجہ کے متعلق تحریر کی ہیں اور کوئی اجنبی شخص ان کو نہیں لکھ سکتا اور زید کی بہت سے تحریریں انہیں قرائن کو ظاہر کرتی ہیں، زید کے خط کی عبارت یہ ہے: "تونے جس قدر جھوٹ سے کام لیا تیرے دل کو معلوم ہے مگر تونے اب بھی پوشیدہ حال رکھا ہے اب میں اپنے دل سے طلاق دیتا ہوں طلاق دیتاہُوں طلاق دیتاہوں اگر کوئی بات پوشیدہ رکھی، میں اس وجہ سے وہاں سے چُپ ہو کر چلا آیاہُوں کہ تُوڈر کے مارے نہیں بتاتی۔" دریافت طلب امر یہ ہوا کہ زید نے جو یہ کلمات اپنے خط میں لکھے ہیں کیا اس کی زوجہ مطلّقہ ہو گئی یا نہیں اگرچہ اس کی زوجہ نے کوئی راز پوشیدہ ہی رکھا ہو یا نہ رکھا ہو۔

الجواب:

ثبوت خط کے لئے اُس کا اقرار ہو یا گواہانِ عادل کی شہادت، اگر وُہ انکار کرے اور گواہ نہ ہوں

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۰

تو مجرد خط ملنے یااُن قرائن سے ثبوت نہیں ہو سکتا، علماء نے فرمایا ہے: **لایعمل بالخط** (خط پر عمل نہ کیا جائے گا۔ت) اور فرمایا ہے:

الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم[1]۔	خط دوسرے خط اور مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوتی ہے۔ (ت)

پھر وُہ لفظ کہ اس نے لکھے ہیں محتمل ہیں کہ پوشیدہ رکھی بیائے معروف یا بیائے مجہول، اگر عورت کو وثوق ہے کہ یہ خط اسی کا ہے تو جب تک وُہ انکار نہ کرے اس پر کاربندی کر سکتی ہے، اگر یائے معروف ہے تو تین طلاقیں سمجھ سکتی ہے اگر کوئی بات پوشیدہ رکھی تھی، اور یائے مجہول ہے تو اب تین طلاقیں سمجھ سکتی ہے اگر کوئی بات اس خط کے بعد پوشیدہ کرے لیکن اگر وُہ اس خط سے منکر ہو تو عورت کو بے شہادت عادلہ بالائی وثوق کام نہ دے گا۔

مسئلہ ۱۹۵: از محمود آباد ضلع سیتاپور مرسلہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سُنی حنفی محمود آبادی ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

حضرات علمائے دین ومفیتان شرع متین اس مسئلہ میں کیا حکم فرماتے ہیں کہ زید نے ایک دن غصّہ میں اپنی منکوحہ عورت کے واسطے فارغ خطی تحریر کیا اور لکھا کہ میں نے طلاقیں دیں مگر زبان سے کچھ نہیں کہا اور نہ عورت نہ کسی اور اس کو بابت کچھ معلوم ہوا محض لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا مگر عورت نے کسی طرح معلوم کرلیا لہٰذا ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر فارغ خطی باضابطہ لکھی تھی کہ میں فلاں بن فلاں ساکن فلاں مَیں نے اپنی زوجہ فلاں کو تین طلاقیں دیں جیسا کہ لفظ فارغ خطی سے بھی ظاہر ہے۔ فارغ خطی باضابطہ کاغذ ہی کو کہتے ہیں تو بلاشبہ تین طلاقیں ہو گئیں، عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی عورت کو یا کسی کو خبر نہ ہونا شرطِ طلاق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از شہر محلّہ کوہاڑاپیر مسئولہ قمرالدین صاحب ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عقد نکاح کیا ہندہ کے ساتھ، مگر بعدہ، حسب شرائط ذیل بوجوہ خانگی ومصالح خاندانی تجویز طلاق قرار پائی اور طلاقنامہ لکھا گیا مگر حسب اندراج دستاویز مذکور کلمات شرعیہ کہ طلاق دی طلاق دی طلاق دی اور جلسہ عالم میں طلقت کہا وقوع میں نہیں آئی بلکہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

سرپرستِ منکوحہ نے حکمتِ عملی سے زبرستی دستاویز حاصل کرلیااور اس نے اس کو روک لیانیز مخفی نہ رہے کہ بعد ہنوز رخصتی کے رسم عمل میں نہیں آئی ہے، آیا بعد ملاحظہ بالاو لحاظ شرائط تحت طلاق جائز ہے یاواقعی عمل میں بموجب شرع شریف نہیں آئی۔

شرائط جو عمل میں نہیں آئیں

(۱) کھنڈوہ طلائی وزنی ۴۰ تولہ بوقتِ عقد منجانب ناکح چڑھائے گئے تھے واپس ہوں گی اور نیز مبلغ معہ / روپیہ لڑکی والا بابت خرچ ناکح کو ادا کرے گا۔

(۲) کل پارچہ پوشیدہ لڑکی والا ناکح کو واپس کرے گا جو کہ بوقتِ عقد چڑھایا تھا۔

(۳) شرائط نمبر ا و ۲ کی تکمیل منجانب لڑکی والے کے ہونے کے بعد ناکح بروئے دستاویز مذکورہ طلاق دے گا جلسہ عام میں اس کااعلان کرے گا۔

(۴) شرط نمبر ۳ کی تکمیل کے ساتھ معافی مہر منجانب منکوحہ لازم تھی۔

الجواب:

ایسے معاہدوں میں معرف یہ ہے کہ دستاویز کالکھنا معاہدے کی تمہید ہوتا ہے نہ کہ تنفیذ۔ تنفیذ اُنہیں شرائط پر مشروط ہوتی ہے جو معاہدے قرار پائے، تو یہاں اگرچہ لفظًا تعلیق ہو عرفاً تعلیق ہوتی ہے **والمشروط عرفاً کالمشروط لفظاً** (عرف میں مشروط چیز، لفظوں میں مذکور مشروط کی طرح ہے۔ت) ولہذا اگر شوہر عورت سے کہے کہ تو مہر معاف کردے تو یوں تجھے طلاق دے دُوں گا، عورت نے کہا میں نے اپنا مہر معاف کیا، شوہر نے طلاق نہ دی، مہر معاف نہ ہوا کہ اگرچہ اس نے بلاشرط الفاظ معافی کہے، لفظوں، میں کوئی شرط نہ تھی مگر معنیً شرط موجود تھی اور وُہ نہ پائی گئی لہذا معافی نہ ہوئی، اسی طرح یہاں طلاق معنیً اُن شرائط سے مشروط ہے اور وُہ نہ پائی گئی لہذا طلاق نہ ہوئی، عالمگیریہ میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجھا کابین تُرابخشیدم چنگ ازمن بدار ان لم یطلقھا لمیبرأعن المھر کذافی الظھیریۃ[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بیوی نے خاوند کو کہا میں تجھے مہر بخشتی ہوں تو مجھے پر سے قبضہ ختم کردے یعنی طلاق دے دے، اگر خاوند نے طلاق نہ دی تو مہر معاف نہ ہوگا ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل الخلع بالفارسیہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۵۸

مسئلہ ۱۹۷: از شہر کہنہ ۱۲صفر ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ کو جس کو عرصہ قریب تین سال کے ہوا طلاق دے دی، طلاق ہوجانے کا اقرار بکر نے زبانی عورت مطلّقہ اور نیز عورت مذکورہ کے بھائیوں کی زبانی سُنا ہے، اب بکر مذکور اپنا نکاح اس عورت سے کیا چاہتا ہے، لہٰذا شرع کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ عورت اور اس کے بھائی تین طلاقیں اُتنی مدّت سے ہونا بیان کرتے ہیں اور اب زید سال بھر غائب ہے اس صورت میں بکر کو چاہئے کہ اپنے دل کی طرف غور کرے، اگر عورت اور اس کے بھائیوں کا بیان دل پر جمتا ہو کہ یہ لوگ اس میں سچّے ہیں اور کوئی فریب نہیں کرتے تو بکر کو اختیار ہے کہ اس عورت سے نکاح کرلے جبکہ وہ اس طلاق کے بعد عدّت بھی گزر جانا بیان کرتی ہو یعنی طلاق کے وقت اگر حاملہ ہونا کہے جب تو ظاہر ہے کہ تین سال کے قریب زمانہ گزرا ضرور وضعِ حمل ہوکر عدّت، گزر گئی، اور اگر حمل نہ تھا تو عورت یہ بیان کرے کہ طلاق کے بعد اسے حیض تین بار شروع ہوکر ختم ہوچکا ہے، اور اگر بکر کے دل پر اُن کا سچ نہ جمے فریب معلوم ہوتا ہو تو ہرگز نکاح نہ کرے،

فی الهندیة عن الذخیرة لوان امراة قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلثا وانقضت عدتی فان کانت عدلة وسعه ان یتزوجها وان کانت فاسقة تحری وعمل بما وقع تحریه علیه[1]۔	ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے، اگر ایک عورت نے کسی مرد کو کہا کہ میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں اور عدّت بھی گزرچکی ہے، تو اگر عورت عادلہ ہے تو اس شخص کو اس پر اس عورت سے نکاح کرناجائز ہے، اور اگر وُہ عورت فاسقہ ہے تو پھر وُہ شخص غور فکر کرے اور غور وفکر کے نتیجہ پر عمل کرے۔ (ت)

اس کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ آج کل عادل شخص کا ملنا دشوار ہے ورنہ اگر عورت عادلہ ہو تو اس کا صرف اتنا بیان ہی کہ مجھے طلاق ہوگئی اور عدّت گزر گئی جواز کے لئے کافی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۸: قاضی عبدالغنی صاحب از ڈیڈوانہ مارواڑ محلّہ قاضیحان

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور بسبب دلی رنجش کے بہ رُوبرو دو تین شخص کے حرفِ طلاق مکرر سہ کرر زبان پر لایا، ہندہ کے پاس ایک طفلِ شیر خوار تھا اس وجہ سے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی العمل بخبرالواحد فی المعاملات نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۱۳

اُس نے اس کی پرورش کی درخواست کی جس کا زید نے اقرار کیا کہ ۴/ماہوار دودھ خرچ کے دیا کرے گا، چند عرصہ کے بعد ہندہ طالب مہروز ہوئی، اب زید نے دیکھا کہ روپیہ ہاتھ سے جاتا ہے انکاری ہوگیا کہ میں نے طلاق نہیں دی اس غرض سے کہ ہندہ نہ تو کسی دوسرے سے نکاح کرسکے گی اور نہ گھر سے خرچ ہوگا۔ اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ طلاق جائز ہے یا نہ جائز، طلاق کن کن امور سے ہوتی ہے کیا ہندہ مستحق پرورش خرچ مہر ہے؟

الجواب:

طلاق کے مسئلے ایسے گول لکھنے کے نہیں ہوتے، حرف طلاق مکرر سہ کرر زبان پر لایا اس سے کیا معلوم ہُوا کہ اس نے کیا الفاظ کہے حرف طلاق لاکھ بار زبان پر لانے سے بھی طلاق نہیں ہوتی اور ایک ہی بار کہنے سے ہو جاتی ہے، اس کے پُورے الفاظ لکھے جائیں جن پر اصلاً کم وبیش تغیر نہ ہو اور یہ بھی کہ اس کے گواہ کون کون لوگ ہیں کہ اُس نے یہ لفظ کہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹: از ٹانڈہ ضلع فیض آباد مسئولہ حکیم سیّد حاضر علی ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

رہبر شریعت وطریقت جناب مولانا احمد رضاخاں صاحب، السلام علیکم! ایک شخص سلیمان نے کئی آدمیوں کے سامنے طلاق دے کر طلاق پر انگھوٹھے کا نشان ثبت کردیا۔ اس طلاق نامہ کے وصول پر مسمّاۃ صغرٰی بی بی بالغ کے باپ نے اس کا عقد چھ ماہ ہوا ایک متمول خوبصورت شخص سے کردیا اب سلیمان چند مفسدوں کے بہکانے سے کہتا ہے میں نے طلاق نہیں دیا ہے، مفسدوں کا منشا ہے کہ شوہر ثانی سے ناجائز طور پر کثیر رقم وصول ہو۔ نقل طلاق نامہ یہ ہے: "۱۲/ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۸ہجری بروز شنبہ منکہ سلیمان بن عبدالرزاق حافظ، رُوبرو پنچوں کے لکھوادیا ہوں کہ میری طبیعت خراب رہتی ہے میرے سر پر گرمی چڑھتی ہے تو تین تین چار چار روز ہوش نہیں رہتا اس وقت طبیعت بہت ٹھیک ہے اس لئے میں چار گواہی دے کرکے میری منکوحہ مسمّاۃ صغرٰی بنت حیدر اس کو تین طلاق دے کر اپنے نکاح سے دور کردیا اگر مجھ کو کوئی دیوانہ گردانے تو واقعی دیوانہ ہوں لیکن اس وقت دیوانہ نہیں ہُوں اور مسمّاۃ مذکور کی جانب سے ولی محمد ابن امام الدین مختار ہو کر مہر وعدّت معاف کردیا جب میں طلاق دیا ہوں"۔

ٹکٹ ا۔ (نشان انگوٹھا سلیمان ولد عبدالرزاق حافظ)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر سلیمان کو اس تحریر کا اقرار ہے یا گواہان عادل سے ثابت ہے تو بیشک صغرٰی پر تین طلاقیں ہوگئیں اس کا نکاح اگر عدّت گزرنے کے بعد دوسرے شخص سے کیا گیا تو وہ نکاح صحیح ہے

اور اگر عدّت کے اندر کردیا کہ سوال میں انقضائے عدّت کا کوئی ذکر نہیں اور طلاق نامہ میں عدت کا معاف کرنا جاہلانہ لکھا ہے تو یہ دوسرا نکاح بھی باطل ہوا مگر سلیمان کو اب بھی صغرٰی پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا نہ وہ صغرٰی سے نکاح کرسکتا ہے کہ اس نکاح ثانی کے باطل ہونے کے سبب حلالہ صحیح نہ ہوا۔ درمختار میں ہے:

لاینکح مطلقة بالثلاث حتی یطأها غیره بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف[1]۔(ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	تین طلاقوں سے مطلقہ عورت سے دوبارہ اس وقت تک نکاح نہیں ہوسکتا جب تک دوسرا خاوند صحیح اور نافذ نکاح کے ساتھ اس عورت سے جماع نہ کرلے، صحیح اور نافذ نکاح کی قید سے نکاح فاسد اور نکاح موقوف خارج ہوگیا (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۰: از انبالہ چھاؤنی صدر بازار محلّہ پلیداران مرسلہ ننّے خاں نبیت ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے بخوشی چار آدمیوں کے سامنے اپنی عورت کو طلاق دی اب وہ کہتا ہے کہ میں نے نہیں دی۔ یہ طلاق ہوئی نہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر واقع میں تین طلاقیں دی ہیں عنداللہ عورت اُس پر حرام ہوگئی بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ قال اللہ تعالٰی:

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ[2]۔	مطلقہ ثلاثہ عورت خاوند کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔ (ت)

اور اس کا انکار اللہ عزّوجل کے یہاں کچھ نفع نہ دے گا ان گواہوں پر فرض ہے کہ گواہی دیں اگر اُن میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ عادل شرعی ہوں طلاق ثابت ہوجائے گی اور اس کا انکار دُنیا میں بھی نہ سُنا جائے گا اور اگر ان میں ایسے گواہ نہ ہوں اور عورت کے سامنے طلاق نہ دی ہو تو عورت اس سے حلف لے اگر وہ حلف دے کہ میں نے طلاق نہ دی تو عورت اپنے آپ کو اس کی زوجہ سمجھے اگر اُس نے حلف اُٹھا جھوٹا کیا تو وبال اس پر ہے اور اگر خود زوجہ کے سامنے اُسے تین طلاقیں

---

[1] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۰

[2] القرآن ۲/ ۲۳۰

دیں اور منکر ہوگیا اور گواہ عادل نہیں ملت تو عورت جس طرح جانے اس سے رہائی لے اگرچہ اپنا مہر چھوڑ کر، یا اور مال دے کر، اور اگر وُہ یُوں بھی نہ چھوڑے تو جس طرح بَن پڑے اس کے پاس سے بھاگے اور اُسے اپنے اُوپر قابو نہ دے۔ اور اگر یہ بھی نہ ممکن ہو تو کبھی اپنی خواہش سے اس کے ساتھ زن وشو کا برتاؤ نہ کرے نہ اس کے مجبور کرنے پر اس سے راضی ہو پھر وبال اس پر ہے، لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] (اللہ تعالٰی وسعت کے مطابق ہی کسی جان کو تکلیف دیتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۱: از گنج مراد آباد ضلع اوناؤ مرسلہ شیخ حرمت علی صاحب ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ قریب دوسال کہ ہوتا ہے کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے بارے میں بکر اور عمر کو خط لکھے ہیں کہ میں ہندہ کو طلاق دی اُس کو اب اختیار حاصل ہے، ل اب زید آیا اور وُہ حلفیہ بیان کرتا ہے میں نے بکر اور عمر کو خط نہیں لکھے اور وُہ خط ہندہ کے پاس بکر نے رکھ دئے تھے اب گم ہوگئے اور اسی دریافت میں زید نے بکر سے کہا تم نے خود خواہش ظاہر کی تھی کہ ہندہ کو طلاق دو تب میں نے طلاق نہیں دی ہندہ بھی اقرار کرتی ہے کہ زید سے بکر نے خواہش ظاہر کی تھی فقط، بینوا توجروا باحسن الثواب۔

الجواب:

ایسے خطوط سے ثبوت طلاق دو امر پر موقوف یا تو شوہر اقرار کرے واقعی میں نے یہ خط لکھا تھا یا دو۲ مرد خواہ ایک مرد دو۲ ثقہ شرعیہ دیں کہ ہمارے سامنے شوہر نے خط مذکور لکھا، اشباہ وغیرہا ہے:

ان کتب علی وجه الرسالة مصدار معنویا وثبت ذلك باقرارہ او بالبیّنة فکالخطاب[2]۔	اگر خاوند نے تحریری طلاق کو طلاق نامہ کے انداز سے معنون کرکے ارسال کیا اور اس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہوجائے کہ طلاق دی ہے تو زبانی طلاق کی طرح نافذ ہوگی۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ اگر شہادت معتمدہ سے بروجہ کافی تحریر خط ثابت ہو تو الفاظ مذکورہ سوال ایک سے تین تک جتنے خطوں میں لکھنے کا ثبوت تابقائے عدت ہو اسی قدر طلاقیں وقتِ تحریر سے پڑنے کا

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۸۔۵۹۷، ردالمحتار کتاب القاضی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۳

حکم دیا جائے گا مثلاً شہادت مقبولہ سے صرف ایک خط ایک ثبوت ہُوا تو جس وقت اُس نے یہ خط لکھا اُس وقت س ایک طلاق مانیں گے اور اگر ایک خط عمرو کے نام اور دوسرا عدّت کے اندر اُنہیں الفاظ یا اُن کے مثل سے بکر یا عمرو ہی کے نام لکھنا ثابت ہو تو دو اور اگر اسی طرح کے تین یا زائد ایک ہی شخص خواہ متعدد اشخاص کے نام لکھے ثابت ہوں تو تین کہ الفاظ مذکورہ کہ صریح ہیں ان میں ہر شخص کو لکھنا ہر بار کا لکھنا جدا طلاق سمجھا جائیگا۔

لما نصوا علیه من ان التاسیس خیر من التاکید وان الصریح یلحق غیرہ۔	کیونکہ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ کلام سے نیا فائدہ اخذ کرنا پہلے ذکر شدہ فائدہ سے بہتر ہے اور یہ کہ صریح طلاق پہلی طلاق ولاحق ہوسکتی ہے۔ (ت)

ہاں اگر بعض خطوط میں الفاظ مذکور اور باقی میں اس طرح کا مضمون مسطور ہو کہ میں فلاں کو ایسا لکھ چکا ہُوں یا میں نے پہلے ہی لکھ دیا ہے،

وامثال ذلك مما یتعین الاخبار عن ذاك السابق لا یصلح للانشاء۔	اس کی مثل وُہ الفاظ جو پہلے خبر کے لئے متعین ہوں چکے تو وُہ الفاظ دوبارہ استعمال پر انشاء کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ (ت)

تو ان باقی خطوط کی تحریر اُسی طلاق سابق کا ذکر قرار پائے گی جُدا طلاق نہ ٹھہرے گی،

فی الهندیة عن الظهیریة لو طلقها ثم قال لها طلاق دادمت یقع اخری ولوقال طلاق داده است لایقع اخری،[1]	ہندیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے اگر خاوند نے طلاق دینے کے بعد کہا تجھے میں نے طلاق دی، تو یہ دوسری طلاق شمار ہوگی، اور اگر کہا طلاق دی گئی ہے، تو یہ دوسری نہ ہوگی۔ (ت)

اور اگر شہادت کافیہ نہ ہو تو ازانجا کہ زید منکر ہے اصلاً ثبوت طلاق نہیں اگرچہ خطوط موجود اور اس کے خط سے بالکل مشابہ ہوتے کہ خط ملنا کوئی حجت شرعیہ نہیں،

لما صرحوا به فی عامة الکتب ان الخط یشبه الخط فلایعتبر[2]۔	کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ عام کتب میں ہے، لہٰذا خط کا اعتبار نہ ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الطلاق بالصریح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵۶

[2] فتاوٰی ہندیہ باب کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۸۱، الہندیہ باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۳۹

بکر و عمر کا بیان کہ ہمیں خط لکھے اگرچہ وُہ دونوں ثقہ عادل بھی ہوں اگرچہ بکر پر اُس اظہارِ خواہش کے سبب اس امر میں کوئی اپنی غرض و تہمت بھی نہ ہو اصلا قابلِ التفات نہیں کہ کوئی کسی کو اسکے سامنے خط نہیں لکھا کرتا ڈاک میں آئے یا قاصد لایا بہر حال اُن کا یہ اظہار اسی مشابہت خط یا بیان ایلچی پر مبنی ہوگا اور یہ کوئی شہادت شرعیہ نہیں **کما لایخفی علی ادنی خادم للفقه وقد بیناه فی رسالتنا الازکی الاھلال** (جیسا کہ یہ بات علم کے ادنٰی خادم پر مخفی نہیں ہے اور اس کو ہم نے اپنے رسالہ ازکی الاھلال میں بیان کیا ہے۔ت) یہ جو کچھ گزرا در بارہ حکم قضا ہے یعنی جب تک اُن دو وجوہ شہادت و اقرار میں کسی وجہ سے ثبوت نہ ہو حکمِ طلاق نہ دیا جائے گا، عورت کو حرام ہے کہ باوصف انکار شوہر ایسی مہمل خبر پر، اپنے آپ کو مطلّقہ سمجھ کر کوئی کاروائی آزادی کرے، مردوں کا حرام ہے کہ اسے مطلّقہ ٹھہرا کر قصدِ تزوّج کریں، مگر فی الواقع اگر زید اس انکر میں جھوٹا ہے تو اس کا حساب لینے والا خدا ہے عورت اس وبال سے پاک وجد ہے خدا سے ڈرے اور حق ظاہر کرے **واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعله جل مجده اتم۔**

مسئلہ ۲۰۲: مرسلہ حکیم حسین خاں از بریلی محلّہ فراشی ٹولہ ۲۰رجب ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حامی شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عرصہ ساڑھے تین سال سے رنڈی کے ساتھ نکاح کرلیا اور ہندہ قدیمہ زوجہ کو اذیّت و تکلیف دیتا رہا حتی کہ ایک روز سال گزشتہ ۱۴ مئی ۱۹۱۶ء کو بمواجہہ دو شخص عاقل و بالغ مسلم عمر و بکر جو کہ اس کے قرابت دار ہیں زید نے ہندہ سے کہا کہ مجھے[1] دو[2] عورت کی استطاعت نہیں، میں[2] اپنے پسند سے رنڈی لے آیا اور تو[3] میرے مطلب کی نہیں، میں[4] تجھ کو رکھنا نہیں چاہتا ہوں، تجھ[5] کو میں نے طلاق دی، تو[6] میرے پاس سے چلی جا، تجھ[7] کو اختیار اپنا ہے جو چاہ سو کر، مجھ[8] کو اپنا اختیار ہے کہ میں نے رنڈی سے نکاح کرلیا اب زید طلاق سے انکار کرتا ہے اور نہ بلاتا ہے اور نہ آتا ہے اور نہ روٹی کپڑا دیتا ہے اور وُہ دونوں شخص مقر ہیں اور زید کہتا ہے کہ میں ہندہ کو خوب دق کرونگا، اور ہندہ صبر و تحمل سے عاجز ہو کر نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے پس بحکم شرع شریف طلاق ہوئی یا نہیں، اور الفاظ مذکورہ سے کتنے طلاق واقع ہوئے اور ہندہ بعد عدّت نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں، شمارِ عدّت کب سے ہوگا اور دین مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جاہلوں سے فتوٰی لینا حرام ہے، مخالفانِ دین کو طرف رجوع کرنا سخت اشد حرام ہے، اس طلاق کو رجعی سمجھنا سخت جہالت ہ، اور عدّت اس وقت سے شروع نہ جاننا اگر یہ طلاق بحالت حیض ہو بلکہ جب یہ حیض ختم ہو اس کے بعد کا طُہر ختم ہو جدید حیض شروع ہو اس وقت سے عدّت کا آغاز لینا دوسری جہالت ہے

بلکہ حکم شرعی یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں اگر بیانِ مذکور صحیح ہے عورت پر دو۲ طلاقیں بائن پڑ گئی، عورت سے نکل گئی، شوہر کو رجعت کا کچھ اختیار نہ رہا،

فان اللفظ الخامس طلاق صریح ولاسادس لکنہ یحتمل الردان توقف علی النیۃ حتی فی المذاکرۃ فالسابع لایحتملہ وقد صارت الحالۃ بالطلاق حالۃ المذاکرۃ فوقع بلانیۃ لان البائن یلحق الصریح ولکونہ بائنا عاد الاول ایضا مثلہ لاستحالۃ الرجعۃ بعد البینونۃ فطلقت تطلیقتین بائنتین۔	کیونکہ پانچواں لفظ صریح طلاق ہے اور چھٹا لفظ جواب کا احتمال رکھتا ہے اس لئے اس میں نیّت کی ضرورت ہے حتی کہ مذاکرہ طلاق میں نیت پر موقوف ہے، اور ساتواں لفظ رَد کا احتمال نہیں رکھتا پہلے طلاق کہنے کی بنا پر مذاکرہ طلاق ہوجانے کی وجہ سے یہ طلاق بھی بغیر نیّت واقع ہوگئی، کیونکہ یہ بائنہ طلاق ہے، اور بائنہ، رجعی طلاق کو لاحق ہوجاتی ہے اور بائنہ پہلی کو بھی جیسی بنادیتی ہے اس لئے کہ بائنہ کے بعد رجوع ناممکن ہوجاتا ہے، لہٰذا مذکورہ سوال میں دو۲ بائنہ طلاقیں ہوگئی ہیں۔ (ت)

عدّت اسی وقت سے لی جائیگی جب سے یہ طلاق دی اگرچہ حالتِ حیض میں دی ہو تمام احکامِ عدّت مثلاً عورت پر گھر سے باہر جانے کی حرمت وغیرہ اسی وقت ثابت ہوجائیں گی نہ یہ کہ حیض جدید کے بعد آغاز ہوں، ہاں صرف یہ حیض شمار میں نہ آئے گا بلکہ اس کے بعد تین حیض کامل درکار ہوں گے، جس وقت سے یہ طلاق پڑی عورت کا مہر واجب الادا ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۳: از کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ محمد ابراہیم خاں وکیل سرشتہ ۲۳ رجب ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو جس کی عمر ۱۵ سال کی ہے ہندہ کے باپ عمرو کے مواجہہ میں طلاق بائن مغلظ دے دیا اس طلاق کے اندازاً ایک سال بعد زید نے کسی طرح پر ہندہ کو بہکا کر یہ کہلادیا کہ مجھے طلاق نہیں ہوئی ہے اور زید بھی طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، اس صورت میں پدر ہندہ عمرو کو بروئے شریعت کیسا اختیار حاصل ہے، کیا عمرو قاضی کے سامنے دعوٰی پیش کرکے استقرارِ طلاق کی ڈگری لے سکتا ہے اور اپنی لڑکی ہندہ نابالغہ کو زید کے قبضہ سے نکال سکتا ہے؟

الجواب:

اللہ عزوجل ہر غیب کو جانتا ہے فی الواقع اگر زید نے ہندہ کو طلاق مغلظ دی تھی اور اب زید وہندہ دونوں منکر ہوگئے ہیں تو اُن کا انکار کچھ مسموع نہیں، اور ان پر فرض ہے کہ فوراً فوراً جُدا ہوجائیں ورنہ زنا ہے اور دونوں کو عذابِ جہنّم وغضبِ جبّار کا استحقاق ہے، اگر وُہ جُدا نہ ہوں تو ہندہ کے باپ پر فرض ہے کہ قاضی کے

یہاں دعوی طلاق کرکے فوراً جدائی کرالے اگر وہ نہ کرے تو جو مسلمان اس پر اطلاع رکھتا ہے اس پر فرض ہے کہ دعوی کرکے اُن میں جدائی کرادے اس میں ہر مسلمان کو دعوی اختیار ہے بلکہ اگر کوئی شخص دعوی نہ کرے تو جن جن کے سامنے زید نے طلاق دی تھی اُن پر فرض ہے کہ قاضی کے یہاں حاضر ہو کر گواہی دیں اور اگر اُن میں دو ۲ گواہ قابل قبول شرع ہوں تو قاضی پر فرض ہے کہ بغیر کسی مدعی کے ان کے شہادت سُن لے اور اُن مرد وعورت کر جبراً جُدا کردے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

تسمع الشھادۃ بدون الدعوی فی الحد الخالص وفی الطلاق والایلاء والظھار [1]۔	خالص حد، طلاق، ایلاء اور ظہار میں بغیر دعوی بھی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تقدم الدعوی فی حقوق العباد شرط قبولا بخلاف حقوق اللہ تعالٰی لوجوج اقامتھا علی کل واحد فکل احد خصم فکان الدعوی موجودہ [2]۔(ملخصًا)	حقوق العباد میں شہادت قبول کرنے کے لئے پہلے دعوی پایا جانا شرط ہے، بخلاف حقوق اللہ کے کہ ہر ایک پر واجب ہے کہ ان کو قائم کرے اس لئے حقوق اللہ معاملہ میں ہر ایک فریق ہوسکتا ہے، گویا کہ دعوی موجود قرار پائے گا۔(ت)

ہاں واقع میں زید نے طلاق نہ دی اور ہندہ کا باپ جُھوٹا دعوی طلاق کرکے جُدا کرانا چاہتا ہے تو ہو سخت عذات کا مستحق ہوگا۔ والعیاذباللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از بلرامپور ڈاک خانہ خاص ضلع گونڈہ محلّہ پھاٹک جانب اوتر سرائے بختہ مرسلہ نور محمد آتشباز ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خواندہ آدمی ہے عرصہ پندرہ سولہ سال کا گزرتا ہے کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو بوجہ وجوہ طلاق واحد تنبہًا دی اور بعد گزرنے گزرنے پندرہ یوم کے دونوں میاں بیوی نے رجعت کرلی اور آج تک زید کی زوجیت میں رہی اتفاقاً بعد سولہ برس کے دونوں میں نااتفاقی بوجہ ورغلانے ایک شخص کے جو زید کی تجارت میں شریک تھا ہوگئی اور زدی کے مکان سے فرار ہوگئی بعد چندس روز کے واپس آئی اور

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الشھادات والدعادی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۵۸

[2] درمختار باب الاختلاف فی الشھادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۹۸/۲

سابقہ طلاق واحد کو تین طلاقوں کی مقر ہوئی، چونکہ زید برادری والا آدمی ہے، پنچایت میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور گواہوں نے بیان کیا، مجھے یاد نہیں ہے کہ زید نے طلاق واحد دی تھی یا طلاق ثلاثہ، اس وقت پنچایت میں زید سے قسم لی گئی، زید نے طلاقِ واحد کی قسم کھالی، ہندہ پھر زید کی زوجیت میں چند روز رہی، بعد ازاں ہندہ پھر فرار ہو کر اور دو گواہ بے نمازی دائمی وار شراب خوار و زانی ایک برادری و دیگرے قوم دیگر کچہری دیوانی میں پیش کرکے مقدمہ دائر کرکے ڈگری حاصل کرلی اور اس شخص کے مکان پر رہتی ہے جو کہ زید کا شریک تھا اور اسی کے ورغلانے کا گمان غالب تھا، پس صورتِ مسئولہ میں ہندہ کے گواہ مذکورہ کچہری کا قول معتبر ہوگا یا کہ گواہ اول پنچایتی برادرانِ زید کا قسم معتبر ہوگا اور اہلِ برادری کو زید کے شریک جہاں ہندہ رہتی ہے اور اسی کے ورغلانے کا تمام اہلِ برادری کو اور زید کو گمان غالب ہے تنبیہًا خاندان ترک کردینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہندہ زوجہ زید ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو پنچایت کا فیصلہ حق تھا اس کے بعد ہندہ کا چند روز اس پر کاربند رہ کر اغوائے شیطان سے پھر فساد اٹھانا اور دو ۲ فاسق گواہ پیش کرکے کچہری سے ڈگری لینا اسے شرعًا کچھ مفید نہیں، ہندہ بدستور زوجہ زید ہے، اور شریک زید پر اگر ہندہ کے اغوا کا ثبوت ہو تو اہلِ برادری ضرور اسے برادری سے خارج کریں اُس سے میل جول چھوڑ دیں اس کے پاس نہ بیٹھیں۔ اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ [1]۔	اگر تجھے شیطان بُھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأة علی زوجها [2] رواه ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی هریرة والطبرانی فی الصغیر ونحوه فی الاوسط عن ابن عمرو	ہمارے گروہ سے نہیں جو کسی کی عورت کو اس سے بگاڑدے (اس کو ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے صغیر اور اس کی مثل اوسط میں ابن عمر رضی اللہ

[1] القرآن ۶/۶۸

[2] سنن ابوداؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶، المستدرك للحاکم باب لیس منّا من خبب امرأة علی زوجها الخ دار الفکر بیروت ۲/۱۹۶

فی الاوسط کابی یعلی بسند صحیح عنابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تعالٰی عنہ سے، اور اوسط میں ابویعلٰی کی طرح صحیح سند سے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۵: از پکھریر ضلع مظفر پور محلّہ نورالعین شاہ شریف آباد رائے پور مظفر پور مرسلہ شریف الرحمٰن صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

ہندہ کہتی ہے کہ مجھے میرا شوہر شیخ اسمٰعیل نے یکدم پانچ طلاق دی ہے اور ایک ماں اور ایک بھاوج اور ایک غیر عورت بالغ اور ایک لڑکا بارہ چودہ سالہ گواہ رکھتی ہے اس کی مائی کہتی ہے کہ ہاں پانچ طلاق دی ہے اور بھاوج کہتی ہے کہ پانچ طلاقی دی ہے، غیر عورت موجودہ کہتی ہے کہ دو ۲ دی ہے، لڑکا کہتا ہے کہ تین ۳ دی ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہاں مسمّاۃ مورن بھی تھی مسمّاۃ مورن کہتی ہے کہ طلاق نہیں دی ہے، اور پڑوس موجودہ لوگ سب بیک زبان کہتے ہیں کہ طلاق نہیں دی ہے، اور اسمٰعیل شوہرِ ہندہ کہتا ہے کہ میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے ہندہ کو طلاق نہیں دی ہے اور نہ دُوں گا، ہندہ اور ہندہ کی ماں اور بھاوج باہمی سازش سے مجھ پر تہمت جھوٹی کی ہے چونکہ میں بیمار تھا ہندہ کو اپنی خدمت کے لئے تنبیہ و مجبور کرتا تھا اس لئے مجھ سے ناراض ہو کر جھُوٹی تہمت مجھ پر کی ہے۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں طلاق ثابت نہیں کہ اگر وُہ لڑکا بالغ ہو یا وُہ خواہ بھاوج خواہ وُہ دوسری عورت کہ دو ۲ طلاق کہتی ہے ثقہ عادل شرعی نہ ہوں جب تو ظاہر یہاں تک کہ اگر یہ لڑکا بالغ اور یہ اور ماں اور بھاوج سب ثقہ عادل ہوں فقط وُہ غیر عورت ثقہ نہ ہو جب بھی طلاق اصلاً ثابت نہ ہوگی پہلی صورت میں اس لئے کہ صرف عورتیں ہیں اور تنہا عورتوں کی گواہ مقبول نہیں اور دوسری صورت میں اس لئے کہ عدالت نہیں اور تیسری صورت میں اس لئے کہ ماں گواہی بیٹی کے حق میں نہیں۔ درمختار میں ہے:

لاتقبل شھادۃ الفرع لاصلہ وبالعکس [1]۔ (ملخصًا)	فرع (اولاد) کی شہادت اصلا (والدین اور اوپر) کے حق میں اور اس کا عکس ہو تو بھی مقبول نہیں (ملحضًا)۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

فی الولوالجیۃ تجوز شھادۃ الابن علی	ولوالجیہ میں ہے کہ باپ نے اگر اپنی بیوی کو طلاق

[1] درمختار کتاب الشہادت باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

ابیه بطلاق امرأته اذالم تکن لامه أولضرتها لانها شهادة علی ابیه وان کان لامه اولضرتهالاتجوز لانها شهادةلامه[1]۔	دی تو بیٹے کی اپنے باپ کے خلاف شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ جس کو طلاق دی گئ ہو وہ اس بیٹے کی ماں یاماں کی سہیلی نہ ہو،یہ شہادت باپ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مقبول ہوگی اور اگر بیٹے کی ماں یااس کی سہیلی ہوتو پھر بیٹے کی یہ شہادت مقبول نہیں کیونکہ اگرچہ باپ کے خلاف ہے لیکن ماں کے حق میں ہے۔(ت)

اور بالفرض اگر یہ لڑکا بالغ اور بھاوج اور وُہ دوسری عورت سب ثقہ عادل ہوں بھی تو دو۲طلاقیں ثابت ہو سکتیں کہ اسی قدر تینوں شاہدوں کا اتفاق ہے لیکن یہ مذہب صاحبین کا ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اب بھی شہادت مقبول نہیں کہ دو۲اور تین۳میں اختلاف ہےاور اختلاف شہود موجب رَدِّ شہادت۔ہدایہ میں ہے:

یعتبر اتفاق الشاهدین فی اللفظ والمعنی عندابی حنیفة فاذاشهد احدهمابالف والاٰخربالفین لم تقبل الشهادة عنده وعندهما تقبل علی الالف اذاکان المدعی یدعی الفین وعلی هذاالطلقة والطلقتان والطلقةوالثلث[2]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دونوں گواہوں کا لفظ اور معنٰی میں اتفاق معتبر ہے لہذا اگرایک گواہ نے ایک ہزار کہا اور دوسرے نے دوہزار کہا تو یہ شہادت امام صاحب کے نزدیک مقبول نہ ہوگی،اور صاحبین رحمہا اللہ تعالٰی کے نزدیک مذکورہ صورت میں ایک ہزار پر دونوں گواہوں کی شہادت قبول کرلی جائے گی بشرطیکہ مدعی نے دوہزار کا دعوی کیا ہو،یُوں ہی ایک طلاق اور دوطلاق کا یاایک اور تین طلاقوں میں (گواہوں کا اختلاف ہوتو امام صاحب کے نزدیک اس اختلاف میں کوئی طلاق ثابت نہ ہوگی)۔(ت)توثابت ہواکہ صورت مستفسرہ میں اصلًا طلاق ثابت نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۶: از گلاوٹھی ضلع بلند شہر مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی کریم بخش صاحب مدرس ۹ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا بیان ہے کہ میرے شوہر نے مجھ کو

[1] بحرالرائق باب من تقبل شهادة ومن لاتقبل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۰/۷

[2] ہدایہ باب الاختلاف فی الشهادة مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۵/۳

طلاق دے دی ہے قطعی جس کو عرصہ ۷ مہینے کا ہوا اور اپنے بیان کی تائید میں پنے دو ۲ بھائی حقیقی اور دو شخص غیر کو پیش کرتی ہے، چنانچہ وُہ چاروں قطعی طلاق دینا مسمّاۃ کو بیان کرتے ہیں اور شوہر سے جو دریافت کیا گیا تو وہ انکار کرتا ہے اس صورت میں عورت مطلقہ سمجھی جائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ان چاروں میں اگر عورت کے دونوں بھائی یا دونوں غیر یا ایک بھائی ایک غیر فرض کوئی سے دو ۲ شخص ثقہ عادل شرعی قابل قبول شہادت ہوں تو عورت ضرور مطلقہ سمجھی جائے گی شوہر کا انکار گواہان ثقہ کے حضور اصلاً مسموع نہ ہوگا، بھائی کی گواہی بہن کے حق میں شرعاً قبول ہے۔ درمختار میں ہے:

نصابها لنکاحٍ وطلاقٍ رجلان اورجل وامرأتان[1] اھ ملخصًا ملتقطا۔	نکاح وطلاق میں شہادت کا نصاب دو ۲ مرد یا ایک مرد اور دو ۲ عورتیں ہے ___ اھ ملخصًا ملتقطا (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

تجوز شهادة الاخ لاخته کذافی محیط السرخسی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بھائی کی شہادت بہن کے حق میں مقبول ہے، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۷: از ریاست رامپور مسئولہ امراؤ دلہا مفتی غلام حیدر صاحب محلّہ زاخ دوارہ مورخہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کے دروازہ پر جاکر بآوازِ بلند اپنی زوجہ کے متعلق کہا کہ میں نے فلانے کی بیٹی فلانی کو طلاق دی، اب شوہر کہتا ہے کہ میں نے یہ لفظ ایک دفعہ محض خوف دلانے کے لئے غصّہ کی حالت میں کہا تھا اور گھر میں زوجہ کے دو ۲ بھائی اور والدہ اور نانی اور دروازہ پر ایک ملازم کا بیان ہے کہ ہم نے طلاق دی دی دی کا لفظ تین دفعہ سنا اور دروازہ کے باہر دو شخصوں نے بھی اسی آواز کو سُنا کہتے ہیں کہ ہم نے دی کا لفظ ایک دفعہ سُنا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں تین طلاق ہوئیں یا ایک طلاق رجعی۔ **بینوا توجروا۔**

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] الفتاوی الهندیة الفصل الثالث فیمن لاتقبل شهادته للتهمة الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۷۰

الجواب:

عورت کے دونوں بھائی اور ملازم ان تینوں شخصوں میں اگر دو۲ ثقہ عادل قابل قبول شرع ہیں تو تین طلاقیں ہو گئیں عورت بے حلالہ نکاح میں نہیں آسکتی بشر طیکہ بھائیوں نے اسے آنکھ سے دیکھا ہو اور اس کے قول مذکور کو کان سے سُنا اور اگر وُہ گھر ہی میں رہے اور یہ باہر ہی رہا تو محض شناخت آواز پر شہادت نہیں ایک طلاق سے زائد ثابت نہ ہوگی پھر اگر واقع میں تین بار "دی" کا لفظ کہا تو اس پر فرض ہے کہ اسے چھوڑدے اور بے حلالہ ہاتھ نہ لگائے اگر خلاف کرے گا مبتلائے زنا ہوگا اور مستحق عذاب شدید، واللّٰہ علٰی کل شیئ شھید، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: تحصیل کچھانیتی تال مرسلہ عبدالغنی صاحب ۷ا رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو۲ منکوحہ ہیں ہندہ، زینت۔ ہندہ نے چاہا کہ زینب زوجہ ثانیہ کو طلاق ہوجائے زید کو اہلِ دِہ نے بہت ڈرایا دھمکایا مگر زید نے ہر گز نہ مانا زینب کو طلاق نہ دی ان مغویانِ دہ نے پٹواری دِہ سے کہ از قوم ہنود تھا ساز کرکے طرح طرح کے نقصان مالی وجانی منجان کچہری کے اندیشہ پیدا کردیا اور کہا تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم اپنی عورت زینب کو طلاز دے دو اور یہ کلمات اُس پٹواری سے پُورا مخوف ہو کر کہا کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی تین مرتبہ اس کلمہ کا اعادہ کیا اور کرایا مگر یہ لفظ طلاق سے ثابت نہ ہُوا کہ کون سی بی بی کو زید سے مرد ہنود پٹواری نے طلاق دلوائی، بعد تھوڑی دیر کے جبکہ جلسہ منتشر ہوگیا پٹواری نے زید سے دریافت کیا کہ تم نے اپنی کون سی بی بی کو طلاق دی زید نے کسی کا کچھ نام بھی نہیں لیا اور کسی عورت کی طرف اشارہ بھی نہ کیا اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور زید شوہر اور زینب زوجہ کو باہم کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

جبکہ زید نے تین بار جُدا جُدا یہ لفظ اپنی زبان سے کہے کہ "میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی" اگر چہ ڈرانے دھمکانے جبر واکراہ سے اگرچہ وہ کہلوانے والا ہندو یا کوئی تھا اس پر تین عدد طلاق ضرور لازم آئی اگر اس کی مراد زینب تھی تو زینب پر تین طلاق ہوگئیں اور اگر ہندہ مراد تھی تو ہندہ کو تین طلاقیں ہوگئیں اور اگر دھمکانے سے وہ الفاظ زبان سے ادا کردئے اور نیت نہ زینب کی تھی نہ ہندہ کی، تو اب اس کے اختیار میں ہے جس کی طرف چاہے ڈال دے اگر زینب کو کہے گا اس پر تین طلاقیں ہوجائیں گی اور ہندہ کو تو اس پر تنویر میں ہے:

لوقال امرأتی طالق ولہ امرأتان اوثلاث تطلق واحدۃ منھن ولہ	اگر خاوند نے کہا میری بیوی کو طلاق ہے جبکہ سا کی بیویاں دو تھیں یا تین تو ان میں سے ایک کو طلاق

خیار التعیین[1]۔	ہوگی ان میں سے طلاق کے لئے ایک معین کرنے کا اختیار خاوند کو حاصل ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لافرق فی ذلك بین المعلق والمنجز وکذا لافرق بین حلفه مرة اواکثرفله صرف الاکثرالی واحدة ففی البزازیة عن فوائد شیخ الاسلام قال حلال الله علیه حرام ان فعل کذاوفعله وحلف بطلاق امرأته ان فعل کذاوفعله وله امرأتان فاراد ان یصرف هذین الطلاقین فی واحدة منها اشارفی الزیادات الی انه یملك ذلک[2]۔	مذکورہ صورت میں طلاق معلّق ہو یا غیر معلّق ہو اور یونہی یا متعدد بار کہنے میں کوئی فرق نہیں،ایک سے زائد طلاقوں کو ایک ہی بیوی کے لئے مراد لینے کا بھی خاوند کواختیار ہے،تو بزازیہ میں شیخ الاسلام کے فوائد سے منقول ہے کہ اگر خاوند نے کہاکہ اللہ تعالٰی کی حلال کی ہوئی چیز مجھ پر حرام ہے اگر میں فلاں کام کروں،اور پھر اس نے وہ کام کرلیااور اس کے بعد پھر اس نے کہا اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق،پھراس نے وُہ کام کرلیا،تو ان دونوں قسموں کے بعد خاوند کو دو۲ بیویوں کی صورت میں اختیار ہے ان دونوں طلاقوں کوایک بیوی کے لئے قرار دے،زیادات میں خاوند کو اس اختیار کامالک قرار دینے کااشارہ دیاہے۔(ت)

اور جبکہ وُہ خالی الذہن تھا کسی لفظ سے کسی عورت کی نیت نہ تھی لیکن یہ الفاظ خالی نہیں جاتے اور شرع اسے تعیین کااختیار دیتی ہے توظاہر اس پر لازم نہیں کہ تینوں طلاقیں ایک ہی عورت پر ڈالے بلکہ ایک پر ایک اور ایک پر دو۲ ڈال سکتاہے اور دونوں پر یہ طلاق رجعی ہونی چاہئے جبکہ اسے سے پہلے دو۲ والی کوایک اور ایک والی کو دو۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو،پھر اگر دونوں کو اپنے نکاح میں رکھنا چاہے تو عدّت کے اندر رجعت کرلے دونوں بدستور اس کی زوجہ رہیں گی،ہاں آئندہ کبھی اگر دو۲ والی ایک یا ایک والی کو دو۲ طلاقیں دے گاتو تین ہوجائیں گی اور پھر بے حلالہ اس سے نکاح نہ کرسکوں گا۔

اقول: والدلیل علی جواز التفریق مامر عن البزازیة عن	**اقول:**(میں کہتا ہوں)مذکورہ صورتوں میں طلاقوں کو بیویوں پر متفرق کرسکتاہے اور اس کے جواز کے

[1] درمختار باب طلاق غیرالمدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۳

[2] ردالمحتار باب طلاق غیر مدخول بہا داراحیاء التراث العربی ۲/۴۵۹

شیخ الاسلام عن اشارۃ محمد انہ یملك الصرف الی واحدۃ ان اراد فقط افادانہ یملك التفریق ان شاء والثلاث والاربع والاثنان فی ذلك سواء ولیس قولہ طلقت طلقت طلقت أوامرأتہ طالق امرأتہ طالق امرأتہ طالق کقولہ طلقت امرأتی ثلاثا،او امرأتی طالق ثلاثا فان ھنا قد افھم المغلظۃ فلایملك التخفیف بالتفریق مع ان المروی عن الامام فیہ ایضا خیار التفریق غیر انہ تقع علی کل منھن واحدۃ بائنۃ لئلایلغی وصف الاصل فی ردالمحتار رأیت بخط شیخ مشائخنا السائحانی عن المنیۃلوکان الرجل ثلاث نساء فقال امرأتی ثلاث تطلیقات یقع ثلاث لکل واحدۃ وعندابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لکل واحدۃ منھن طلاق بائن وھو الاصح [1] اھ**اقول**: ای الا اذا بین وعین احدٰھن فعلیھا الثلاث	دلیل بزازیہ کی گزشتہ عبارت شیخ الاسلام سے منقول کہ امام محمد نے اس میں اشارہ فرمایا کہ خاوند کو ایک ہی بیوی پر دونوں طلاقوں کو صرف کرنیکا اختیار ہے اگر چاہے تو واضح ہُوا کہ انہوں نے افادہ کیا کہ خاوند اگر چاہے تو ان طلاقوں کو اپنی متعدد بیویوں پر متفرق کرسکتا ہے اس میں بیویوں کی تعداد دو [۲] یا تین چار ہونے میں کوئی فرق نہیں،اور خاوند کا "میں نے طلاق دی" میں نے طلاق دی" یایوں " میری بیوی طلاق والی ہے" تین بار کہنا،اس کا حکم وُہ نہیں جو "میں نے بیوی کو تین طلاقیں دیں" یا" میری بیوی تین طلاق والی ہے" کا حکم ہے کیونکہ آخری دونوں الفاظ میں طلاق مغلظ مفہوم ہوتا ہے،تواب اس مغلظہ کو متعدد بیویوں پر تقسیم کرکے مخففہ نہیں بناسکتا(لہٰذا یہ تین ایک ہی بیوی کے لئے قرار پائیں گی)حالانکہ امام سے اس مسئلہ میں بھی مروی ہے کہ انہوں نے یہاں بھی تفریق کا اختیار خاوند کو دیا ہے صرف اس میں یہ بات فرمائی کہ ہر ایک بیوی کو ایک طلاق بائنہ ہوگی تاکہ اصل طلاق کا وصف لغونہ جائے۔ردالمحتار میں ہے کہ میں کہ میں نے شیخ المشائخ سائحانی کے خط میں دیکھا انہوں نے منیۃ الفقہاء سے نقل کیا کہ اگرایک شخص کی تین بیویاں ہوں اور وُہ کہے "میری بیوی کو تین طلاقیں ہیں" تو اس کی تینوں بیویوں میں سے ہر ایک کو تین تین طلاقیں واقع ہونگی،اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہر ایک

[1] ردالمحتار باب طلاق غیرالمدخول بھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۹

فلامخالفة فیه لمسألة خیار التعیین خلافا لما فهم العلامة الشامی اما ههنا فکل کلمة علی واحدة وکل تحتمل کل امرأته ولاترجیح فالیه البیان فان شاء جمع الکل علی کل رجعیة اذلا اصل ههنا موصوفا بالبینونة وبه انحل مافی ردالمحتار، وبالله التوفیق، والله تعالٰی اعلم۔	بیوی کو ایک ایک بائنہ طلاق ہوگی، اور یہی زیادہ صحیح ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) مگر یہ اس صُورت میں ہے جب خاوند نے بیویوں میں کسی کو معیّن نہ کیا ہو اور اگر اس نے تینوں بیویوں سے ایک کو واضح طور معیّن کرلیا تو پھر ایک کو ہی تین طلاقیں ہوں گی، لہٰذا یہ صورت، تعین کے اختیار والے مسئلہ کے مخالف نہیں، یہ ابت علّامہ شامی کے فہم کے خلاف ہے، لیکن یہاں زیر بحث مسئلہ میں تو ہر طلاق علیحدہ ذکر کی گئی ہے جو کہ ہر بیوی کے لئے ہو سکتی ہے اور کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے لہٰذا خاوند کو ہی بیان کا حق ہوگا، وُہ چاہے تو سب کو طلاقیں ایک کے لئے بیان کرے اگر چاہے تو ان طلاقوں کو متعدد بیویوں پر متفرق کردے، اگر اس نے متفرق کردیں تو پھر ہر ایک کو طلاق رجعی ہوگی کیونکہ یہاں طلاق کو بائنہ سے موصوف نہیں کیا گیا، اواس تقریر سے ردالمحتار میں ذکر کردہ اشکال حل ہوگیا، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی حاصل ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۹: ۲۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو۲ زوجہ ہیں چھمی اور بشیرن، اور اس نے دو۲ بار یا تین بار کہا میری عورت پر طلاق، اور کسی کا نام نہ لیا تواُن میں کس پر اور کتنی طلاقیں پڑیں گی، **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں یاتو وُہ دونوں عورتیں مدخولہ ہوں گی یا دونوں غیر مدخولہ یا ایک مدخولہ ایک غیر مدخولہ، اور ہر صورت میں یا تو ایک کی تخصیص کرے گا کہ میں نے اسی کو طلاقیں دی تھیں یا دونوں کو دینا بتائے گا تو یہ چھ صورتیں ہوئیں اور بہر تقدیر مذکور دو بار کہا یا تین بار تو مجموع بارہ۱۲ ہیں جن میں یہ جگہ مدخولہ کے اس لحاظ سے کہ اسے پہلے ایک طلاق دے چکا ہے یا دو۲ یا نہیں چالیس۴۰ عـــہ بلکہ

عـــہ: دونوں مدخولہ ہونے میں چھ۶ صورتیں ہیں کہ دونوں ۱سادہ ہوں یعنی اس سے پہلے کسی کو کوئی طلاق نہ دی تھی (باقی اگلے صفحہ پر)

اٹھاون عـــہ ہو جائیں گی،

ان سب کا حکم چار اصل کلی سے نکل سکتا ہے:

اوّل زن غیر مدخولہ تفریق طلاق کی صلاحیت نہیں رکھتی یعنی غیر مدخولہ کو یُوں کہے کہ اس پر دو[۲] طلاقیں یا اس پر تین طلاق، جب تو اس پر دو[۲] یا تین طلاقیں ہوں گی اور اگر دو یا تین یوں کہا کہ تجھ پر طلاق تجھ پر طلاق تجھ پر طلاق، تو ایک ہی طلاق ہو کر نکاح سے نکل جائے گی باقی لغو جائیں گی۔

دوم مدخولہ جمعاً و تفریقاً ہر طرح تین طلاق رک کی صالحہ ہے زیادہ کی نہیں کہ تین[۳] سے آگے طلاق ہی نہیں، تو جس مدخولہ کو کبھی ایک طلاق دے چکا تھا اب اُسے دو[۲] سے زائد نہیں دے سکتا اور جسے وُہ دو[۲] دے چکا اس پر ایک سے زیادہ نہیں ڈال سکتا، اگر زیادہ دے گا باقی لغو ہو جائیں گی۔

سوم کلام جب تک مؤثر بن سکے گا لغو نہ ٹھہرائیں گے، اور ایسا دعوی جس میں کوئی حصّہ کلام کا لغو جاتا ہو تسلیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یا دونوں کو ایک ایک دے چکا تھا یا دو[۳] دو یا ایک[۴] سادہ دوسری کو ایک یا ایک[۵] سادہ دوسری کو دو یا ایک[۶] کو ایک دوسری کو دو[۷]، اور ایک مدخولہ دوسری غیر مدخولہ میں تین[۳] صُورتیں ہیں کہ وہ امدخولہ سادہ ہو یا ایک[۲] پا چکی ہو یا دو[۳]، تو یہ نو ہوئیں اور دسویں[۱۰] وُہ کہ دونوں غیر مدخولہ، ان دسوں پر محتمل ہے کہ ایک کی تخصیص کرے یا دونوں کو دینی کہے بیس[۲۰] ہوئیں' ان بیسوں[۲۰] پر احتمال ہے کہ لفظ دو[۲] بار کہا یا تین[۳] بار، چالیس[۴۰] ہوئیں الخ

عـــہ: اس لئے کہ ان دس[۱۰] صورتوں میں چھ[۶] صورتیں اختلاف حال زوجہ کی ہیں یعنی چوتھی سے جس میں ایک سادہ اور دوسری کو ایک ہوچکی ہے نویں ایک مدخولہ اور دوسری غیر مدخولہ ہے اور چار[۴] صورتیں دسوں[۱۰] سے متعلق ہونے والی ہیں، دو۲ کی تخصیص دو کی تقسیم، تین کی تخصیص تین کی تقسیم، ان صورتوں سے ان چار شکلوں میں جن میں حال زوجتین متفق ہے کوئی اختلاف نہ پڑے گا جس کی چاہو تخصیص مان لو یا تین قسم کی تقسیم جس پر طلاق چار ہو دو اور دوسری پر ایک واقع مان لو حکم ایک ہی رہے گا جس کی چاہو تخصیص مان لو یا تین قسم کی تقسیم جس پر طلاق چاہو دو اور دوسری پر ایک واقع مان لو حکم ایک ہی رہے گا، لہٰذا یہ چاروں[۴] چار[۴] سے مل کر سولہ[۱۶] ہی ہُوئیں، اور اسی طرح ان چھ[۶] صور اختلاف حالین میں تقسیم دو سے کوئی فرق نہ آئے گا ہر ایک پر ایک پڑے گی اور بیشک وُہ دونوں ایک حال کی ہوں ایک پڑنے کی ضرور صالحہ ہیں ورنہ اس کے نکاح ہی میں نہ ہوتیں، یہ چھ[۶] طلاق چھ[۶] ہی رہیں، سولہ[۱۶] اور چھ[۶] بائیس[۲۲]، مگر بحالتِ تخصیص دو[۲] یا سہ[۳]، یہ چھ[۶] مختلف الحکم ہوں گی کہ تخصیص[۲] یا[۳] اس عورت سے کی یا اس سے تقسیم، تین[۳] میں دو[۲] اس پر مانیں اور ایک اس پر، بالعکس تو یہ چھ[۶] یہاں آکر بارہ[۱۲] ہوئیں اور تین[۳] صور تخصیص دو[۲] و سہ[۳] و تقسیم سہ[۳] سے ضرب کھا کر چھتیس[۳۶] بائیس[۲۲] اٹھاون[۵۸]، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

نہ کریں گے۔

چہارم جس کے پاس دو ۲ زوجہ ہوں اور وُہ بلا تعیین اپنی عورت کو طلاق دے تو اسے اختیار ہے کہ وہ طلاق اُن میں سے جس کی طرف چاہے پھیرے تعیین مطلقہ میں اس کا بیان معتبر ہوگا جب تک اس کے قبول میں کلام کا لغو ہونا نہ لازم آتا ہو۔

یہ چاروں اصول جابجا کُتبِ فقہ میں مصرح ہیں، پس اگر چھمّی بشیرن دونوں **مدخولہ** ہیں تو اب ان میں سے جس کی تخصیص کرے گا دو یا تین جتنی طلاقیں دی ہیں سب اسی پر پڑیں گی دوسری پر کچھ نہیں بشر طیکہ وہ اتنی طلاقوں کی صلاحیت رکھتی ہو مثلاً دو بار لفظ مذکور کہا تو اب جس کی تخصیص کرتا ہے اُسے دو ۲ طلاقیں کبھی نہ دی ہوں یا تین بار کہا تو اصلًا نہ دیں ہو ورنہ جس قدر اس کی صلاحیت ہے اُتنی اس پر باقی دوسری پر پڑیں گی جبکہ اس میں کل باقی کی صلاحیت ہو ورنہ ایک طلاق بنا چاری لغو ٹھہرے گی مثلاً دو بار کہا اور چھمّی کی تخصیص کی اور اسے پہلے دو ۲ بار دے چُکا تو اس بار پر ایک ہی پڑ کر وہ تین طلاقوں سے مطلقہ ہو جائے گی، اور اگر تین اور اس سے پہلے ایک دے چکا تھا تو اب اس پر دو ۲ ہی پڑ کر تین ہو جائیں گی اور دونوں صورتوں میں باقی ایک بشیرن پر پڑے گی، اور اگر چھمّی کو دو دے چکا تھا تو اب تین بار کہا تو اس پر ایک پڑ کر تین ہو گئیں اور باقی دو ۲ بشیرن پر پڑیں گی جبکہ بشیرن پر پڑیں گی جبکہ بشیرن کو پہلے دو ۲ نہ دے چکا ہو ورنہ ان دو ۲ باقیماندہ سے ایک ہی بشیرن پر پڑ کر اس کی بھی تین ہو جائیں گی اور ایک مجبورًا لغو ہو جائے گی اس کے لئے کوئی محل نہیں، اور اگر دونوں کو دینا بتاتا ہے تو ہر ایک پر ایک ایک تو ضرور پڑے گی، رہی تیسری، اگر اس کی صلاحیت کسی میں نہیں تو لغو جائے گی اور خاص ایک میں ہے تو اُسی پر ضرور پڑے گی اور دونوں میں ہیں تو وُہ جسے بتائے گا اس پر ہو گی مثلاً چھمی بشیرن دونوں پہلے دو ۲ دو ۲ طلاقیں پاچکی تھیں تو اب ہر ایک پر ایک ایک پڑ کر تین تین ہو گئیں تیسری بیکار، اور اگر مثلاً چھمّی کو دو ۲ ہو چکی تھی اور بشیرن کو ایک، تو یہ تین جو دونوں کو دیں ان میں کی دو ۲ خاص بشیرن پر پڑیں گی اور چھمّی پر ایک، اگر چہ وہ اس کا عکس بتاتا ہو کہ میں نے چھمّی پر دو ۲ ڈالیں اور بشیرن پر ایک۔ اور اگر دونوں ایک ایک طلاق ہو چکی تھی یا ایک بھی نہ ہوئی تھی یا ایک کو ایک، دوسری کو اصلًا نہ ہوئی تھی تو دونوں ان تینوں میں سے دو ۲ کی قابل ہیں جس پر دو ۲ بتائے گا اس پر ان کی دو ۲ پڑیں گی، اور جس پر ایک اس پر ایک۔ اور اگر دونوں **غیر مدخولہ** ہیں تو ایک کی تخصیص اصلًا قبول نہ ہوگی کہ باقی کو لغویت لازم آتی ہے بنلکہ ہر طرح دونوں پر ایک ایک پڑے گی، اور اگر تین بار کہا تھا تو تیسری عبث جائے گی۔ اور اگر **مدخولہ وغیر مدخولہ** ہیں اور تخصیص غیر مدخولہ کی کرتا ہے تو مقبول نہ ہو گی بنلکہ دو ۲ کی صورت میں دونوں پر ایک ایک پڑے گی اور تین کی صورت میں غیر مدخولہ کی کرتا ہے تو مقبول نہ ہو گی بلکہ دو ۲ کی صورت میں دونوں پر ایک ایک پڑے گی اور تین کی صورت میں غیر مدخولہ پر ایک اور باقی دو مدخولہ پر اگر اسے پہلے دو ۲ نہ دے چکا ہو ورنہ اس پر بھی ایک ہی، اور تیسری بیکار۔ اور اگر تخصیص مدخولہ کی کرتا ہے تو مقبول

ہوگی جبکہ دو۲ کی صورت میں اسے پہلے دو۲ اور تین۳ کی صورت میں پہلے ایک یادو۲ نہ دے چکا ہو ورنہ ایک یا دو ۲ مدخولہ پر پڑ کر باقی ایک غیر مدخولہ پر پڑ جائیں گی، اور اگر دونوں کو دینا بتاتا ہے تو غیر مدخولہ پر ایک ہی پڑے گی اگرچہ اس ر تین میں سے دو۲ بتاتا ہو باقی مدخولہ پر بشیرن تین کی صورت میں اُسے پہلے دو۲ نہ دی ہوں ورنہ اس پر بھی ایک پڑیگی اور ایک عبث۔ غرض تقسیم طلاق و تخصیص غیر مدخولہ کے احکام یکساں ہوں گے۔ خانیہ میں ہے:

لوکان له امرأتان لم یدخل بهما فقال امرأتی طالق امرأتی طالق بانتاوان قال اردت واحدة منهما لایصدق وکذالو قال امرأتی طالق وامرأتی طالق وکذا العتق ولوکان دخل بهما فقال امرأتی طالق امرأتی طالق کان له ان یوقع الطاقین علی احدٰهما[1]۔	ایک شخص کی دو۲ بیویاں ہیں دونوں سے دخول ابھی نہیں کیا تو اس کی تصدیق نہ کی جائیگی، اور یُونہی اگراس نے کہا میری بیوی کو طلاق اور میری بیوی کو طلاق یعنی عطف کے ساتھ دونوں جُملے کہے تو بھی یہی حکم ہے۔ یونہی اپنے دو ۲ غلاموں کے بارے میں عتق کے لئے ایسے کہا تو دونوں آزاد ہوجائیں گے، اور اگر دونوں بیویوں کو دخول کرچکا ہو توان کو "میری بیوی کو طلاق، میری بیوی کو طلاق" کہا تو خاوند کو اس صورت میں یہ اختیار ہوگا وُہ دونوں طلاقوں کو ایک بیوی کے لئے قرار دے۔ (ت)

جو ہمارے اس بیان کو سمجھ لے وُہ اس مسئلہ کے تمام باقی صدہا صور کے بھی احکام نکال سکتا ہے مثلاً دو۲ زوجہ کی حالت میں یہ لفظ چار۴ یا پانچ۵ یا چھ۶ بار کہا تین کی حالت میں دو۲ سے نو تک یا چار۴ کی صورت میں دو۲ سے بارہ۱۲ تک کہ اس سے زائد جو کچھ ہے وُہ مطلّقاً فضول ہوگا **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت)۔ رہا ایک ہی بار کہنا اس کا حکم سب صور میں یہی ہے کہ جس پر چاہے ڈال سکتا ہے کہ کم سے کم ایک کی صلاحیت تو ہر زوجہ میں ضرور ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: از بھیکم پور کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ حرہ کو یہ ہدایت کی فلاں رشتہ دار میرا تیرا دشمن ہے لہٰذا تو اس سے مراسم اتحاد ترک کر، زوجہ نے نہ مانا، زید نے بموجودگی چند اشخاص زوجہ کو طلاق دی اور عدت منقضی ہوچکی ہے، اب زید رجوع کیا چاہتا ہے اور کہتا ہے میں نے ایک یا دو۲ بار اس موقع پر جہاں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰۷

طلاق واقع ہوئی تھی طلاق دی تھی تین مرتبہ نہیں کہا تھا،اشخاص موجود دین موقعوزوجہ مطلقہ بیانِ زد کی تصدیق کرتے ہیں مگر عمرو ہندہ وصفیہ کا بیان ہے کہ جب ہم سے ملا تھااور ہم نے اس سے کیفیت واقعہ طلاق کو اپنے مکان پر دریافت کیا تو زید نے ہمارے سامنے تین مرتبہ یہ کلمہ کہا کہ (میں طلاقی دیتا ہوں) زید بیان عمرو وغیرہ کے تصدیق نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے عمرو وغیرہ میرے مخالف ہیں اور براہ مخالفت جو مجھ سے رکھتے ہیں یہ کہتے ہیں تاکہ میری عورت مغلظہ ہوجائے اور میں عورت سے رجوع نہ ہونے پاؤں ورنہ ظاہ رہے کہ موقع طلاق پر علیحدہ تین مرتبہ کہنے کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ عمرو وغیرہ نے مجھ سے کیفیت دریافت کی میں نے صورت واقعہ ظاہر کی،اس صورت ہیں زید بتجدید نکاح پانی زوجہ سے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں اور تحلیل کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر موقع وقوع طلاق سے علیحدہ ہوکر دوسرے مقامپر عمرو وغیرہ کے سامنے تین مرتبہ جملہ مذکور کہنا تسلیم کیا جائے تو وُہ جملہ متصور ہوگا یا واقع کرن والا طلاق مغلظہ کا،مترصد کہ بحوالہ کتاب وحدیث سے ہدایت فرمائی جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ واقعہ اگریُونہی ہے تو طلاق مغلظہ ہر گز ثابت نہیں،زید حرہ سے بے حاجت تحلیلِ نکاح کرسکتا ہے،عمرو وہندہ وصفیہ میں اگرایک ہی شخص ثقہ عادل شرعی نہیں اگرچہ باقی دو بروجہ کمال عدالۃ شرعیہ رکھتے ہوں جب تو ظاہر ہے کہ نصاب شہادت کامل نہیں اور آج کل عدالۃ شرعیہ مردوں میں کم ہے نہ کہ زنان ناقصات العقل والدّین کہ اُن میں ثقہ شرعیہ ہندوستان میں شاید گنتی کی ہوں **کما بیّنّاہ فی کتاب الشھادۃ من فتاوٰنا** (جیساکہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی کی کتاب الشادت میں بیان کیا ہے۔ت)اسی طرح اگراُن میں کوئی شخص زید سے عدالت ظاہرہ دنیویہ اس حدپر رکھتا ہے جس کے باعث باوصف عدالت اس کے حق میں متہم ہوجب بھی حسبِ فتوٰی ائمہ متاخرین اس کی گواہی زید کے ضرر پر مقبول نہیں۔درمختار میں ہے:

تقبل من عدوبسبب الدین لانھا من التدین بخلاف الدنیویۃ فانہ لایامن من التقول علیہ[1]۔	دینی دشمن کی شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ شہادت دینداری ہے،بخلاف دنیوی دشمن کے کہ وُہ جُھوٹ بولنے سے پرہیز نہیں کرتا۔(ت)

اسی طرح اگر زید نے مکانِ عمرو پر وُہ جملہ اس وقت کہا ہو کہ حرہ کی عدّت گزر چکی ہو،

[1] درمختار کتاب الشھادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

فان انقضاء العدۃ یجعلھا اجنبیۃ خارجۃ عن محلیۃ الطلاق۔	کیونکہ عدّت کا گزرنا جانا بیوی اجنبی بنادیتا ہے اور اسکو طلاقِ کے محل سے خارج کردیتا ہے(ت)

اور اگر ان سب سے قطع نظر کیجئے بلکہ مان ہی لیجئے کہ زید نے جملہ مذکورہ ضرور کہا اور ایّامِ عدّت کے اندر ہی کہا اور اس قدر شک نہیں کہ یہ جملہ زمان حال بتاتا ہے، نہ زمان ماضی، تو حکایت طلاق سابق نہ ہوگا بلکہ جبکہ لفظ اسی قدر ہیں کہ "میں طلاق دیتا ہوں" اور اس میں کچھ نام وذکر نہیں کہ کسے دیتا ہوں نہ بیان کوئی قرینہ دالّہ ارادہ تطلیق حرہ کا قصد کیا تھا۔ خلاصہ وہندیہ میں ہے:

سکران ھربت منه امرأته فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیة بسه طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والالا۔[1]	نشے والے کی بیوی بھاگی تو اس نے بیوی کا پیچھا کیا اور ناکام رہا تو اس نے کہا: تین طلاق سے، اگر اس پر خاوند نے کہا میں نے بیوی مراد لی ہے تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی اور اگر کچھ بھی وضاحت نہ کی تو طلاق نہ ہوگی(ت)

بزازیہ وانقرویہ میں ہے:

فرت ولم یظفر بھا فقال سه طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والالا[2]۔	عورت بھاگی تو شوہر پکڑنے میں کامیا نہ ہوا، تو کہا تین طلاق، اگر وضاحت کی اور کہا بیوی کو دی ہے تو طلاق ہوجائے گی ورنہ نہیں۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لو قال طالق فقیل من عنیت فقال امرأتی طلاقت امرأتره اھ[3] فقد علق الوقوع علی اقراره انه عنی امرأته۔	اگر کہا طلاق والی، تو پُوچھا گیا کس کو طلاق کہا ہے، تو خاوند نے کہا اپنی بیوی کو، تو اس کی بیوی طلاق ہوجائے گی۔ تو انہوں نے وقوعِ طلاق کو خاوند کے اس اقرار پر معلق رکھا کہ اس سے اس نے اپنی بیوی مراد لی ہے۔(ت)

اور اگر بالفرض وجود قرینہ بھی تسلیم کرلیں تاہم جب کلام میں عورت کی طرف اصلاً اضافت نہیں تو زید کا

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] فتاوٰی انقرویہ الفصل مایقع بہ الطلاق ومالایقع بہ دارالاشاعت قندھار افغانستان ۱/۷۴

[3] بحرالرائق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۳

قول کہ میں نے طلاق حرہ کی نیّت نہ کی قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور طلاق مغلّظ کا حکم نہ ہوگا۔ محیط وخانیہ وہندیہ میں ہے:

سئل شیخ الاسلام الفقیه ابونصر عن سکران قال لامرأته اتریدون ان اطلقك قالت نعم فقال اگرزن منی یک طلاق دوطلاق سه طلاق قومی اخرجی من عندی وهو یزعم انه لم یرد به الطلاق فالقول قوله۔[1]	شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے سوال کیا گیا کہ ایک نشے والے نے اپنی بیوی سے کہا کیا تُو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دوں، تو بیوی نے کہا ہاں۔ اس پر خاوند نے کہا تُو میری بیوی ہے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، اُٹھ میرے پاس سے دُور ہو جا۔ اس کے بعد خاوند نے کہا کہ میں نے بیوی کو طلاق کی نیّت سے نہیں کہا، تو اس کی بات مان لی جائیگی (ت)

نیز عالمگیری میں ہے:

فی الفتاوی رجل قال لامرأته اگر زن منی سه طلاق مع حذف الیاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانه لما حذف فلم یکن مضیفا الیها[2]۔	فتاوٰی میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا اگر تُو میری بیوی ہے تین طلاق، اضافت کی یاء کو حذف کرکے کہا، تو اگر وضاحت کرتے ہوئے خاوند نے کہ میں نے بیوی کی طلاق کی نیت سے نہیں کہا، تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یائے اضافت کو حذف کرنے پر بیوی کی طرف نسبت نہ ہوئی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوقال ان خرجت یقع الطلاق اولا تخرجی الاباذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکه الاضافة الیها[3]۔	اگر خاوند نے کہا! گو تو نکلے گی تو طلاق واقع ہوگی یا یوں کہا میری اجازت کے بغیر باہر نہ جانا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھار کھی ہے، بیوی نکل گئی، تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے قسم میں بیوی کی طلاق کو ذکر نہیں کیا۔ (ت)

بزازیہ وخانیہ میں ہے:

لایقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها	مذکورہ صورت میں طلاق اس لئے نہ ہوگی کہ اس نے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ لافاسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ لافاسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[3] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول قولہ[1]۔	قسم میں بیوی کی طلاق کا ذکر نہیں کیا تو احتمال ہوسکتا ہے کہ غیر عورت کی طلاق کی قسم ہو، لہٰذا خاوند کی وضاحت قابلِ قبول ہوگی۔ (ت)

بالجملہ صورتِ مستفسرہ میں اگر عمرو وہندہ وصفیہ کا بیان صحیح بھی مانا جائے تاہم کسی طرح تین طلاقیں ہونا ثابت نہیں البتّہ اگر واقع میں زید نے ایّامِ عدّت کے اندر انشائے طلاق حرہ کی نیّت سے دوبار بھی جملہ مذکورہ کہا یا اگر پہلے دوطلاقیں دی تھیں توایک ہی بار بہ نیتِ ایقاع طلاق کہا ہو تو عنداللہ حرہ پر طلاق مغلظ ہوگئی اگر زید غلط انکار کرے گا مفتی کا فتوٰی نفع نہ دے گا اللہ سے ڈرے اور جو امر واقع ہو اس پر عمل کرے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱: از صدر بریلی ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوج کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، اور بیوی کہتی ہے کہ دی، اور دونوں قسم کھاتے ہیں، اور زوجہ ایک کاغذ پیش کرتی ہے کہ جس میں طلاق لکھی ہوئی ہے آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مرد کی قسم معتبر ہے، عورت کی قسم فضول جب گواہ نہیں مرد کو اقرار نہیں اس کاغذ کو وُہ اپنا لکھا مانتا نہیں، توطلاق ہرگز ثابت نہ ہوگی، ہاں اگر واقع میں طلاق دے دی ہے اور جھوٹ انکار کرتا ہے تو اس کا وبال اور سخت عذاب اس پر ہے، عورت خوب جانتی ہے کہ اس نے طلاق دے دی تھی، تو اگر وہ طلاق رجعی تھی تو کچھ حرج نہیں اور اگر بائن تھی تو عورت کو اس سے کہنا چاہئے کہ تُونے طلاق نہیں دی سہی از سرِ نو نکاح میں کیا حرج ہے، اور مرد کو چاہئے کہ تجدید نکاح کرلے، اور اگر عورت جانتی ہے کہ وہ تین طلاقیں دے چکا ہے تو جس طرح ممکن ہو اس سے بھاگے نجات حاصل کرے اپنا مہر وغیرہ چھوڑنے کے بدلے اس سے طلاق مل سکے تو یُوں لے، نہ ہو تو عذاب اس پر رہے گا جب تک یہ خود اس کے پاس جانے کی رغبت نہ کرے گی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۲: از شہر بریلی ذخیرہ مرسلہ کرامت حسین

ماقولکم ایھاالعلماء رحمکم اللہ تعالٰی (اے علماء کرام، اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے،

---
[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲۷۰/۴

آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) زید کہتا ہے کہ میں نے دو۲ طلاق اپنی زوجہ کو دی ہیں، اور زوجہ کہتی ہے کہ مجھے علم طلاق دینے کا نہیں ہے، اور گواہ کہتے ہیں کہ زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں۔ آیا قول زید کا معتبر ہوگا یا گواہوں کا؟ مع تصحیح نقل بیان فرمایئے فقط۔

الجواب:

اگر دو۲ مرد یا ایک مرد دو۲ عورتیں نمازپرہیزگار ثقہ عادل قابل قبول شرع گواہی شرعی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی، زید کا انکار نہ سُنا جائے گا، اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی، اگر اس نے قسم کھانے سے انکار ردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گے، اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو۲ ہی طلاقیں دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی، پر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا عورت الزام نہیں، گواہ شرعی نہ ہوں تو قسم لینے کے لئے عورت کا گھر میں اس سے قسم لے لینا کافی ہوگا۔

والمسائل کلها منصوص علیها فی کتب المذهب کالدرالمختار وغیرها۔ واﷲ سبحٰنه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	یہ تمام مسائل مذہب کی تمام کتب میں واضح مذکور ہیں، جیسا کہ درمختار وغیرہا میں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: محمد ارشاد علی صاحب معلّم درجہ اوّل عربی مدرسہ عالیہ ریاست رام پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے لوگوں کے رُوبرو صرف یہ کہا کہ فلاں و طلاق۔ زوجہ وغیرہ کس کا نام نہیں لیا پھر کہا "عزیزالرحمٰن کے باپ کی بیٹی فلاں کو طلاق" بلا ذکر نام زوجہ کے اور اس کے اور اس شخص کے، علاوہ مطلق کی بی بی کے اور بھی کئی بیٹیاں ہیں، بعد کو جب ایک شخص نے کہا یہ فلاں فلاں کیا کہتا ہے، تب کہا "آمنہ خاتون کو طلاق"، اور اس کی بیوی کا نام آمنہ خاتون ہے، غرض پہلے جو طلاق مطلق اور مبہم تھی اس کو اقرارِ ثالث میں بالکل متعین کرکے بیان کیا ہے تو اس صورت میں اسکی بی بی پر کتنی طلاقیں واقع ہوگئیں؟ جواب مدلّل کتبِ فقہ سے مرحمت ہو۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں **وقد فسر المبهم فنصّه بعض السوال** (اس نے مبہم کی تفسیر اپنے سوال کے ایک حصّہ میں کردی ہے۔ت) **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۴: از شاہ جہان پور محمد خلیل مرسلہ مولوی ریاست علی خاں صاحب شاہ جہان پوری ۱۳ذی القعدہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر کسی دوسرے شہر میں ہے اور اس نے طلاق تحریر کرکے اور رجسٹری بھی حسبِ قانون انگریزی اس پر کراکے بذریعہ ڈاک کے پاس اولیائے ہندہ کے ارسال کی، تواب سوال یہ ہے کہ تحریری طلاق حالانکہ اس کاغذ پر شہادر بھی گواہوں کی لکھی، یہ شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اور بحالتِ عدمِ اعتبار ہندہ کو نکاح ثانی اپنا دوسرے شخص سے کرنا یا ولی ہندہ کو ہندہ کا نکاح کسی شخص ثانی سے کرادینا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ایسی مرسوم معہودہ تحریر مطلقاً معتبر وموجب وقوعِ طلاق ہے جبکہ بلااکراہ ہو **نص علٰی ذلك فی الاشباہ والبحر والدر والخانیۃ والھندیۃ وسائر والھندیۃ وسائر الاسفار الغر** (اشباہ، بحر، دُر، خانیہ، ہندیہ اور باقی مشہور کتب میں اس کو واضح طور پر بیان کردیا ہے۔ت) تو واقع میں اگر یہ تحریر شوہر بندہ نے برضائے خود لکھی دیانۃً ضرور طلاق واقع ہوگئی۔ رہا یہ کہ زن واولیائے زن اس پر کہاںتک کاربند ہوسکتے ہیں، اسکی تین صورتیں ہیں:

اگر شوہر اس تحریر کا اقرار کرتا ہے تو ثبوتِ طلاق ظاہر، اور اگر منکر ہے تو ہر گز معتبر نہیں جب تک حجّت شرعیہ قائم نہ ہو۔

فان الخط یشبہ الخط فلایعتبر والقاضی انّما یقضی بالحجۃ لابمجرد الخط وقد حققناہ فی کتاب الصوم من فتاوٰنا واکثر نافیہ من النقول عن الائمۃ الفحول۔	خط، خط کے مشابہ ہوتاہ لہٰذا معتبر نہ ہوگا، اور قاضی دلیل کی بناء پر فیصلہ کرتا ہے صرف خط کی بناء پر فیصلہ نہیں کرے گا، اس کی تحقیق ہم اپنے فتاوٰی کی **کتاب الصوم** میں کرچکے ہیں اور وہاں ہم نے جلیل القدر ائمہ کرام کے اقوال خوب نقل کئے ہیں (ت)

اور اگر اقرار انکار کچھ معلوم نہیں مثلاً ہنوز اس شہر سے واپس نہ آیا اس صورت میں اکبر رائے وغلبہ ظن ان کے لئے حجت کاربندی ہے، اگر اس خط کی صحت میں شبہہ ہو تو ہندہ کو ہر گز حلال نہیں کہ اپنے آپ کو مطلقہ عمل کرسکتے ہیں، شرعاً کافی لرخصّۃ العمل ومغنی حاجت الاثبات ہیں فرق زمین وآسمان کا ہے، ولہٰذا اگر شوہر انکار واعتراض سے پیش آئے ان کی اکبر رائے کام نہ دے گی اور پھر ثبوت بہ حجت شرعیہ کی حاجت پڑے گی، خانیہ میں ہے:

لوان امرأة غاب عنهازوجها فاخبرها مسلم ثقه ان زوجها طلاقها ثلثا اومات عنها اوكان غيرثقة فاتاهابكتاب من زوجها بالطلاق وهى لاتدرى ان الكتاب كتاب زوجها ام لا'ان اكبر رأيها انه حق لا باس بان تعتدوتتزوج[1]۔	اگر کسی عورت کاخاوند غائب ہوچکا ہے تو ایک ثقہ مسلمان نے آکر کہا کہ اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، یا کہا اس کا خاوند فوت ہوگیا ہے، یا کوئی غیر ثقہ مسلمان آکر اس عورت کے خاوند کا طلاق نامہ دکھادے، عورت کو معلوم نہیں کہ یہ اس کے خاوند کا خط ہے یا نہیں، لیکن عورت کا غالب گمان یہ ہے کہ حق ودرست ہے تو عورت کو عدّت گزار کر نکاح کرلینا میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

ذكر فى كتاب قضية انكتب الخليفة الى قضاته'اذاكان الكتاب فى الحكم بشهادة شاهدين شهد عنده بمنزلة كتاب القاضى الى القاضى لايقبل الابالشرائط التى ذكرناها واما كتابه انه ولى فلانا اوعزل فلانا فيقبل عنه بدون تلك الشرائط ويعمل به المكتوب اليه اذوقع قلبه انه حق ويمضى عليه وهو نظير كتاب ساء الرعايابشيئ من لامعاملات فانه يقبل بدون تلك الشرائط ويعمل به المكتوب اليه وقع فى قلبه انه حق كذاهنا[2] اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	انہوں نے کتاب الاقضیہ میں ذکر کیا کہ ااگر خلیفہ نے قاضیوں کے جام کوئی حکم نامہ بذریعہ خط جاری کیا ہو اور دو ۲ گواہوں کی موجودگی میں خلیفہ نے فیصلہ اور حکم دیا، تو خلیفہ کا یہ حکم نامہ کتاب القاضی الی القاضی کی طرح ہوگا لہٰذا خلیفہ کاوُہ خط ان شرائط کے بغیر قابل قبول نہ ہوگا جن کو ہم نے کتاب القاضی میں ذکر کیا ہے، لیکن اگر خلیفہ کاوُہ خط کسی کی تقرری یا معزولی کے بارے میں ہو تو ان مذکورہ شرائط کے بغیر بھی قبول کرلیا جائے گا اور مکتوب الیہ اس پر عمل کرے گا بشرطیکہ مکتوب الیہ اس پر عمل کرے گا کو دلی اطمینان ہو کہ یہ درست ہے لہٰذا وہ عمل پیرا ہوگا،اور یہ خط، عام رعایا کی آپس کے معاملات میں خط وکتابت کی طرح ہوگا کہ مکتوب الیہ کو دلی اطمینان پر عمل جائز ہے، یہ بھی ایسے ہی ہوگا اھ۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الخطر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۷۹۱/۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب القضاء الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳۹۶/۳

مسئلہ ۲۱۵: از بڑودہ ملک گجرات موتی باغ بریا مرسلہ سیّد غلام سرور صاحب ۲۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

شرع محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالم اس مسئلہ میں کیاارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص نے اجمیر شریف سے جاکر اپنی عورت کو بڑودہ میں بذریعہ خط ایک طلاق بنام جماعت لکھ کر روانہ کیا میری عورت کو کہہ دینا میں نے ایک طلاق اپنی عورت کو دی، جماعت نے عورت کو خط سُنادیا، دو۲ مہینے کے بعد بڑودہ میں آیا، عورت نکاح میں رہی یا نکل گئی؟ سوال کے جواب عطا فرمائیے ثواب آپ کو خداوند تعالٰی عطافرمائے گا۔

الجواب:

اگر واقع میں اس شخص نے یہ خط آپ کو لکھا یادوسرے کو عبارۃ مذکورہ بتاکر لکھوایا کہ میری عورت کی نسبت یہ الفاظ لکھ دے توجس وقت اس کے قلم یازبان سے یہ لفظ نکلے اسی وقت سے عورت ایک طلاق پڑ گئی اور اسی وقت سے عدّت کا شمار ہوگا اگرچہ یہ خط بڑودہ نہ پہنچتا یا وہ خود ہی لکھ کر نہ بھیجتا یا مکتوب الیہم عورت کو نہ سُناتے کہ جو الفاظ طلاق لکھے یا بتائے جب ان میں کوئی شرط نہیں کہ یہ خط جب پہنچے یا سنایا جائے اس وقت طلاق ہو توان کا لکھنا یا بتانا ہی طلاق کا موجب ہوگیا بھیجنے پہنچنے سنانے پر توقف نہ رہامگر ازانجا کہ طلاق رجعی ہے عورت نکاح سے نہ نکلے گی جب تک عدّت نہ گزر جائے۔ ایامِ عدت میں بے تجدید نکاح عورت سے رجعت کرسکتا ہے مثلاً زبان سے کہہ دے میں نے اسے اپنے نکاح میں پھر لیا، بدستور اس کی زوجیت میں باقی رہے گی جس میں عورت کی رضامندی بھی ضرور نہیں، اور اگر عدّت گزر گئی تو برضائے عورت اس سے ازسرنو نکاح کرسکتا ہے کچھ حلالہ کی حاجت نہیں جبکہ اس سے پہلے دو۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ اور اگر واقع میں یہ اس شخص کا کام نہیں بلکہ کسی اور نے بطورِ خود اس کے نام سے لکھ بھیجا ہے تو طلاق نہ واقع ہوئی کہ دوسرے کے نزدیک طلاق اسی وقت ثابت ہوگی جبکہ اسے اس خط کا اقرار ہو یاانکار کرے تو گواہان عادل شرعی گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے یہ کاروائی کی، بغیر اس کے صرف اتنی بات کہ خط اس کے ہاتھ کا لکھا معلوم ہوتا ہے بکار آمد نہیں، ہاں اگر واقع میں یہ کاروائی اسکی تھی اور منکر ہوگیا اور گواہ نہیں تو اس کا وبال اسی پر ہے، عورت پر گناہ نہیں۔ [1]مبسوط امام محمد و [2]خلاصہ و [3]بزازیہ و [4]اشباہ و [5]شافی و [6]کفایہ و [7]ردالمحتار میں ہے:

ان کتب علی وجہ الرسالۃ مصدرا معنونا وثبت ذٰلك باقرارہ او بالبینۃ	اگر طلاق نامہ تحریر کیا ہو تو باقاعدہ سرنامہ کے ساتھ بھیجنے کے انداز میں لکھا گیا ہو اور لکھنے والے کے اقرار سے یا گواہوں سے اس کا ثبوت ہو تو وُہ زبانی

فکالخطاب [1]۔	طلاق کی طرح نافذ العمل ہوگا۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیری میں ہے:

ان ارسل الطلاق فکما کتب یقع وتلزمھا العدۃ من وقت الکتابۃ وان علق بمجیئ الکتاب فمالم یجیئ الیھالا [2] اھ ملخصًا۔	اگر تحریری طلاق بھیجی ہو تو جو کچھ اس میں لکھا ہے اتنی طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور تحریر کے وقت سے عدّت شمار ہو جائے گی اور اگر طلاق کو خط ملنے پر معلّق کیا ہو تو آنے سے پہلے طلاق نہ ہوگی اھ ملخصًا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ اخبر امرأتی بطالقھا اوقل لھا انھا طالق طلقت للحال کما لوقال اکتب الٰی امرأتی انھا طالق [3] اھ ملخصًا۔	ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ میری بیوی کو طلاق کی اطلاع دے دو، یا کہا کہ میری بیوی کو کہو کہ وہ طلاق والی ہے، تو اسی وقت سے طلاق ہوگی، جیسے کسی نے کہا تُو میری بیوی کو لکھ کر وُہ طلاق والی ہے، تو اسی وقت طلاق ہو جائے گی اھ ملخصًا(ت)

ہدایہ میں ہے:

لان الکتاب یشبہ الکتاب فلایثبت [4]۔	تحریر، تحریر کے مشابہ ہوتی ہے لہٰذا معتبر نہ ہوگی۔(ت)

اس مسئلہ کی باقی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۶: از ملک چھتیس گڈھ شہر رائپور محلّہ بیجناتھ باڑہ مکان منشی رحیم بخش عرضی نویس مرسلہ منشی محمد اسحٰق صاحب ۱۰ رجب ۱۳۱۲ھ

بخدمت سراپا برکت جناب فیض مآب علوم سبحانی ومعدن یزدانی جامع فروع واصول مولٰنا صاحب

---

[1] ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۸، فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الطلاق بالکتابۃ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۸

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق الفصل الاول فی صریح الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۰

[4] ہدایہ کتاب القاضی الی لقاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۹

سلّمہ اللہ تعالٰی بعد از آداب کے بندہ محمد اسحٰق عرض رساں ہے کہ حضور پُر نور کا فتوٰی پہنچا کمال درجہ کی خوشی حاصل ہوئی، اللہ تعالٰی آپ کو اجرِ عظیم بفحوائے **خیر الناس من ینفع الناس** (لوگوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ت) عطا فرمائے گا، التماس خدمتِ بابرکت میں یہ ہے کہ طالعور خاں اقرار کرتا ہے ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ اقرار کرچکا ہے فقط اس کا مقولہ یہ ہے کہ بیشک یہ خط تو میں نے تحریر کیا ہے اب اس کے موافق مجھے شرع سے کیا حکم ہوتا ہے اور جب یہ خط آیا تو سرمست خاں صاحب نے طالعور خاں کی زوجہ عمدہ اور اس کے والد نجم خاں کو حرف بحرف پڑھ کر سُنا بھی دیا، اس صورت میں یہ معلوم کرنا منظور ہ کہ ازروئے شرع عمدہ کے حق میں کیا حکم ہے، طالعور خاں اس پر اپنے ساتھ نکاح کرلینے کا جبر کرسکتا ہے یا نہیں اور عمدہ کو بوجہ اس کے کہ عدت گزرچکی جس سے چاہے نکاح کرلینے کا اختیار ہے یا نہیں اور حکم وقوع طلاق میں کیا صرف پہلے خط کو دخل ہے یا اوروں کو بھی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ طالعور خاں اسی خط کے لکھنے کا مقرہ اور سرمست خاں نے حسبِ درخواست طالعور خاں یہ خط اُن دونوں کو حرف بحرف سُنا بھی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو مستفسرہ میں عمدہ کے حق میں حکم شرع یہ ہے کہ اس پر دو ۲ طاقیں بائن ہوگئیں ایک تو اسی وت جبکہ طالعور خاں نے یہ لفظ لکھے تھے کہ آپ کو اجازت دیتا ہون کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کردو کہ دوسرے سے نکاحِ زن اجازت دیتا ہوں کہ اُس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کردو کہ دوسرے سے نکاحِ زن کی اجازت دینی بیشک کنایاتِ طلاق سے ہے اور اس خط کی عبارت اوّل تا آخر نیت ازالہ نکاح میں ظاہر **کما لایخفی علی کل ماہر وقد بیناہ فی ماسبق** (جیسا کہ کسی ماہر پر مخفی نہیں ہے اور ہم نے اس کو پہلے بیان کردیا ہے۔ت) اور ان کنایوں سے طلاق بائن ہی پڑتی ہے۔

کنزالدقائق میں ہے:

فی غیرھا بائنۃ وھی بائن، حرام، ابتغی الازواج[1] **اھ ملخصًا۔**	مذکورہ الفاظ ثلثہ کے غیر میں طلاق بائنہ ہوگی اور طلاق بائنہ کے الفاظ یہ ہیں: بائن، حرام، تُو شوہر تلاش کر اھ ملخصاً (ت)

تو بغور تحریر خط طلاق ہوگئ اور اسی وقت سے عدت کا شمار لیا جائے۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

ان ارسل الطلاق فکما کتب وتلزمھا	اگر طلاق لکھ کر بھیجی تو جو لکھا وہ طلاق واقع ہوگی،

[1] کنزالدقائق باب لکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶

العدۃ من وقت الکتابۃ الخ[1] (ملخصًا)	اور بیوی کو لکھائی کے وقت سے عدت لازم ہوگی الخ (ملخصًا)۔ (ت)

اور دوسری اس وقت جبکہ یہ خط بحرف عمدہ اور اس کے والد کو سرمست خاں نے سُنایا کہ طالعور خاں کا لکھنا سرمست خان سُنادیں تاکہ اس پر طلاق شرعًا واجب ہوجائے طلاق معلّق تھی تو جب شرط ایامِ عدّت میں پائی گئی یہ طلاق بھی واقع ہوئی اور ازانجاکہ پہلی طلاق بائن تھی یہ دوسری بھی خواہی نخواہی بائن ہوگئی۔ ردالمحتار میں ہے:

اذ الحق الصریح البائن کان بائنا لان البینونۃ السابقہ علیہ تمنع الرجعۃ کمافی الخلاصۃ[2]۔	اگر بائنہ طلاق کے بعد رجعی طلاق دی تو وہ رجعی بھی بائنہ ہوجائے گی، کیونکہ پہلی بائنہ کے بعد رجوع ممنوع ہوجاتا ہے جیساکہ خلاصہ میں ہے (ت)

بالجملہ عمدہ پر واجب کہ اپنے آپ کو طالعور خاں کے نکاح سے باہر سمجھے طالعور خاں کو اس پر ہرگز جبر نہیں پہنچتا، عمدہ کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے کہ طلاق بائن سے عورت خود مختار ہوجاتی ہے۔ درمختار میں ہے:

لانھا لاتملك نفسھا الا البائن[3]۔	بیوی بائنہ طلاق کے بعد اپنے آپ کی مالک ہوجاتی ہے۔ (ت)

اور جبکہ پہلے ہی خط بائن طلاق پڑی اور عدّت گزرچکی تو بعد کے خطوط کو وقوعِ طلاق میں کچھ دخل نہیں۔ عالمگیری میں ہے:

شرطہ قیام القید فی المرأۃ نکاح او عدۃ کذافی المحیط السرخسی[4] اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وقوعِ طلاق کے لئے شرط ہے کہ بیوی ابھی تک نکاح یا عدّت میں مقید ہو۔ جیساکہ محیط سرخسی میں ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۷: بریلی محلّہ نیم کی چڑھائی مرسلہ چودھری اشتیاق احمد ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کو بذریعہ تحریر کے یہ اطلاع دی کہ میں نے

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الطلاق بالکتابۃ نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۸

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۹

[3] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق باب الاول نورانی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۸

اپنی زوجہ کو علیحدہ کردیا جس پر خالد نے یہ تحریر کردیا کہ مہربانی کرکے مطلع کیجئے کہ آپ نے اپنی زوجہ ثانیہ کو طلاق دے دی زید نے خالد کی تحریر کے نیچے تحریر کردیا جی ہاں اور بعد اس کے اپنے دستخط کردئے زید کی زوجہ ثانیہ کو اس تحریر سے طلاق واقعہ ہو گئی اور زید کو رجوع کا موقعہ نہ رہا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر زید مقر ہو یا گواہانِ شرعی سے ثابت ہو کہ یہ دونوں تحریریں اُس کی ہیں تو عورت نکاح سے نکل گئی رجوع نہیں کرسکتا، ہاں بے حلالہ دوبارہ برضائے زوجہ کرسکتا ہے اگر اس سے پہلے کبھی اسے دو ۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۸: از ہانسی ضلع حصار ڈاک خانہ خاص مسئولہ محمد ظہیر الدّین و محمد نظیر الدین عطاران ۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین وار بابِ با تمکین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مسمّاۃ ہندہ کو کھانے پینے کی تکلیف دیتا تھا پس مسمّاۃ ہندہ کے والد نے بوجہ اپنی لڑکی کی تکلیف دفع کرنے کے پنچایت کو جمع کرکے فیصلہ چاہا حالانکہ زید پنچایت کے جمع کرنے پر راضی نہ تھا، پنچایت نے یہ فیصلہ کیا کہ مسمّی زید اپنی بیوی مسمّاۃ ہندہ کو مبلغ معہ ۸/ دیا کرے جس کا ایک کاغذ بھی لکھا گیا بایں مضمون کہ "اگر زید مذکور اپنی بیوی مسماۃ ہندہ مذکورہ کو رقم مجوزہ نہ دے گا تو ہندہ کو طلاق واقع ہو جاوے گی" جو بغرض دھمکی پنچایت نے لکھوایا تھا نہ کہ طلاق کی نیّت سے زید نے نہ کاغذ لکھنے کو کہا اپنی زبان سے اور نہ اپنے قلم سے کاغذ مذکور لکھا بلکہ ایک دوسرے شخص نے کاغذ لکھا بوجودیکہ خود شخص زید خواندہ شخص ہے اور کاغذ پر دستخط زید نے برادری کے خوف سے کئے ہیں راضی نہ تھا بعد فیصلہ پنچایت مسماۃ ہندہ کو اس کا والد اپنے مکان پر لے گیا اور ہندہ مذکورہ بعد دو ۲ ماہ کے زید کے مکان میں آئی تو زید برابر اس کو نان نفقہ دیتا رہا مذکورہ بالا صورت میں جبکہ زید نے وُہ رقم مجوزہ پنچایت نہیں دی ہندہ کو طلاق ہوگئی یا بمصداق **الاعمال بالنیات** (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ت) نہیں ہوئی کیونکہ نہ اس کی طلاق دینے کی نیت تھی اور نہ پنچایت طلاق دلانا چاہتی تھی بلکہ محض دھمکی تھی **بینوا توجروا مع عبارۃ الکتب وبحوالہ الفصل والباب** (عبارت کتب اور فصل اور باب کے حوالہ کے ساتھ بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ت) **فقط۔**

الجواب:

صریح الفاظ میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی، اور خود لکھنا اور دوسرے کے لکھے ہوئے کو سُن کر اس پر دستخط کرنا یکساں ہے اور خوفِ برادری کہ حدِ اکراہ تک نہ ہو کوئی عذر نہیں، اگر تحریر میں یہ تھا کہ

آج سے اس قدر ماہوار یعنی ماہ بماہ دیا کرے، اور مہینہ گزرگیا کہ اس نے نہ دیا تو ایک طلاق رجعی ہوگی عدّت کے اندر اُسے رجوع کا اختیار ہے اگر پہلے کبھی دو۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو ورنہ تین طلاقیں ہوگئیں اور بے حلالہ نکاح نہ ہوسکے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۹: از موضع بھرتول ضلع بریلی مسئولہ نظام علی صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی بدلو کا نکاح مسماۃ کامنی سے عرصہ تین برس کا ہُوا تھا کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، عرصہ ڈھائی سال کا ہوا کہ بدلو ملازم ہوکر ڈیرہ اسمٰعیل خاں چلا گیا، خبرگیری نان نفقہ کی چھوڑدی، جب اُس کی بیوی کے ورثا نے یعنی والدہ اور خالو نے خط بنابر خبرگیری نان نفقہ کے روانہ کئے تو اُس نے اُس کے جواب میں خط روانہ کیا کہ میں نے مسمّٰی کو طلاق دی اور اُسے زوجیت سے چھوڑ دیا، چنانچہ مزید احتیاط والدہ خالو مسماۃ کامنی نے تھانے میں رپٹ لکھالی اور خط دکھلادیا اور ایک تار معرفت تھانہ دار روانہ کیا، تار کا جواب بذریعہ خط بیرنگ کے دیا کہ میں نے مسماۃ کو طلاق دے دی، پھر تیسرا خط آیا اس میں بھی یہی لفظ تحریر ہیں کہ ہم نے مسماۃ کامنی کو طلاق دے دی، اب یہ طلاق شرعی ہُوئی یا نہیں؟ تیسرے خط میں ہی لفظ تحریر ہیں کہ میری طرف سے تین دفعہ طلاق ہے اب ہمارے پاس خط نہ بھیجنا اب تار پھر دیا تب بھی جواب طلاق کا دیا۔

الجواب:

اگر کامنی کو واقعی صحیح اطمینان ہے کہ یہ خطوط بدلو ہی کے لکھے ہوئے ہیں تو وُہ اپنے آپ کو تین طلاقوں سے مطلّقہ سمجھے اور بعد عدّت نکاح کرسکتی ہے لیکن اگر وُہ آیا اور اُن خطوط کے لکھنے سے منکر ہوا تو بغیر شہادت گواہانِ عادل طلاق ثابت نہ ہوگی اور نکاح ثانی رَد کردیا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۰: از رنگپور مسئولہ محمد یونس ۱۱ رمضان شریف ۱۳۳۹ھ

(۱) اگر زوجین میں طلاق کی بابت اختلاف ہو خاوند منکر اور بی بی طلاق کا ثبوت دینا چاہتی ہو تو ثبوت کا کیا طریقہ؟

(۲) جانبین میں شاہدین موجود ہوں مطلّقہ کے شاہد کی گواہی دیں اور خاوند کے اس بات پر کہ مطلّقہ نے بعد طلاق اُن سے کہا ہے کہ خاوند نے طلاق دینا چاہا تھا مگر نہ دی تو اب کون سی بات قابلِ سماعت ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بحالتِ اختلاف طلاق کا ثبوت گواہوں سے ہوگا اور دو۲ گواہ عادل شرعی شہادت بروجہ شرعی ادا

کریں کہ اس شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی طلاق ثابت ہوجائے گی، پھر اگر شوہر نفی کے گواہ دے گا یا اس بات کے کہ مطلّقہ بعد طلاق اس سے بولی کچھ اصلاً مسموع نہ ہوگا، ہاں اگر عورت گواہ بروجہ شرعی نہ دے سکے تو شوہر پر حلف رکھا جائے گا اگر حلف سے کہہ دے گا کہ اُس نے طلاق نہ دی طلاق ثابت نہ ہوگی اور اگر حاکم شرعی کے سامنے حلف سے انکار کرے گا تو طلاق ثابت مانی جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۲: از کوٹہ راجپوتانہ محلّہ روز پورہ فراش پاٹن مرسلہ عبدالشکور خاں صاحب ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی بعد عرصہ دراز ہندہ نے زید پر اس مضمون سے نالش زرِ مہر دائر کی کہ زید نے یہ کہہ کر کہ مجھ کو میری والدہ یہ وصیّت کرکے مری ہے کہ اگر تُو اپنی زوجہ کو پانی زوجیت میں رکھے گا تو میں قیامت میں دامنگیر ہوں گی گھر سے نکال دیا زید نے زر مہر اپنے ذمّہ واجب سمجھ کر دعوی زرمہر سے اقبال کیا اور ہندہ کو اپنی زوجہ قبول کرکے سپردگی خواہش کی کچہری نے زر مہر کی ڈگری دے دی ہندہ نے ایک سال دس ۱۰ ماہ بعد نالش زر مہر کو طلاق کی بنا پر ظاہر کرکے یعنی وصیّت والفاظ مذکورہ بالا کی بنا پر نالش نان ونفقہ ایّام عدّت دائر کی، زید اس بیانِ ہندہ سے قطعی انکاری ہے بلکہ کچہری میں نالش سپردگی زوجہ دائر کی ہے تو کیا ایسی صورت میں ایسے الفاظ سے طلاق ہوسکتی ہے اور کیا نالش زرمہر کی بنا پر تصوّر ہوسکتی ہے اور کیا زید اپنی زوجہ کو اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے اور کیا ہندہ ایسی حالت میں نان ونفقہ ایامِ عدّت پاسکتی ہے؟

الجواب:

محض بیانِ ہندہ سے کہ زید نے اپنی ماں کی یہ وصیّت بیان کرکے اسے نکال دیا طلاق ثابت نہیں ہوسکتی جبکہ زید اُس بیانِ ہندہ کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اگر اتنے الفاظ خود بیانِ زید سے ثابت ہوں جب بھی مثبت طلاق نہ تھے، ماں کی وصیّت بیان کرنا طلاق نہیں، عورت کو گھر سے نکال دینا طلاق نہیں جب تک زبان سے بہ نیتِ طلاق نہ کہے کہ "نکل جا"، اور نیتِ طلاق کا حل اس کے اقرار سے ثابت ہوگا وُہ کہے میں نے بہ نیت طلاق نہ کہا اور قسم کھالے معتبر ہوگی۔

وذٰلك لان اخرجی یحتمل ردافیتوقف علی النیة لکل حال ویکفی تحلیفها فی منزلة[1] کما فی الدر المختار۔	یہ اسلئے کہ "نکل جا" میں جواب کا احتمال ہے لہٰذا ہر صورت میں اس سے طلاق مراد لینا نیت پر موقوف ہوگا، اور نیت کے لئے خاوند سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے جیساکہ درمختار میں ہے (ت)

بالجملہ صورتِ مسئولہ میں طلاق ثابت نہیں زید اُسے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے، ہندہ کی نالش

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

باطل ہے، اور جب طلاق نہیں عدت کہاکہ اس کا نفقہ ہو، نفقہ زوجیت کا ہوگا اگر شوہر کے یہاں رہے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳: از شہر کہنہ بریلی محلّہ شاہدانہ صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مسئولہ نصر اللہ صاحب ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غصّہ میں اپنی زوجہ کو مارنے گیا اور کہاکہ اگر تُولڑنے اور منہ زوری کرنے سے نہ مانے گی تو میں تجھ کو طلاق دے دُوں گا، وہ نہ مانی، شوہر نے کہاکہ "تجھ کو طلاق دی میں نے، جا تجھ کو طلاق دی میں نے"۔ اس کا نتیجہ یہ ہے جا فقط، اب زید رجوع کرنا چاہتا ہے، بموجب شرع کے کیا حکم ہے؟

الجواب:

تین طلاقیں ہوگئیں بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی،

لان (جا) وان کان یحتمل رداو غایته تقدم الطلاق ان الحال صال حال المذاکرة لکن مایحتمل الردینوی فیه مطلقا غیران ایقاعه الطلاق یرد ارادة فیه مطلقا غیران ایقاعه الطلاق یردارادة الردوکذا قوله (اس کا نتیجہ یہ ہے) فان الناتج من نشوزها تطلیقها لارده فکان خلاف الظاہر فلایصدق فیه قضاء، والقرینة کالقاضی[1] کما فی الفتح والبحر قال فی الدرالمختار ذهبی وتزوجی تقع واحدة بلانیة[2] قال الشامی لان تزوجی قرینة فان نوی الثلاث فثلاث بزازیة[3] ثم نازعه بان تزوجی	اس لئے کہ "جا" کا لفظ اگرچہ جواب بننے کا احتمال رکھتا ہے اور اگر پہلے طلاق دی ہو تو اس کی غایت بننے کا بھی احتمال رکھتا ہے، چونکہ حال مذاکرہ طلاق ہے لیکن جواب کے احتمال والے لفظ میں طلاق کے لئے نیت ضروری ہے، مگر یہاں خاوند کا طلاق کو واقع کرنا جواب کے احتمال کو رَد کردیتا ہے اور یُوں ہی خاوند کا کہنا "اس کا نتیجہ یہ ہے" بھی جواب کے احتمال کو ختم کرتا ہے کیونکہ بیوی کی نافرمانی کا نتیجہ طلاق کو قرار دیا گیا جواب کو نہیں، لہٰذا جواب کا احتمال خلافِ ظاہر ہے اس لئے قضاءً بھی اس کی تصدیق نہ ہوگی، اور قرینہ قاضی کی

[1] بحر الرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۵۷/۳

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۲۲۶/۱

[3] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۷۴/۲

ایضا کنایة فکیف یکون قرینة وان القرینة لابدلها من التقدم وھو ھٰھنا متاخر[1] اھ محصله، ولاورد لشئی منهما فیما نحن فیه لتقدم الصریح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طرح فیصل ہوتا ہے جیسا کہ فتح اور بحر میں ہے، در مختار میں کہا کہ خاوند نے کہا "تو چلی جا اور نکاح کرلے" تو اس کی بیوی کو ایک طلاق بغیر نیت بھی ہوجائے گی۔ علّامہ شامی نے فرمایا: یہ اس لئے کہ "نکاح کرلے" کا لفظ قرینہ ہے اور مذکورہ صورت میں تین کی نیّت کی تو تین طلاقیں ہوں گی، بزازیہ اھ۔ پھر علّامہ شامی نے اس پر سوال اٹھایا کہ "نکاح کرلے" خود کنایہ ہے تو یہ کیسے قرینہ ہوگا، نیز قرینہ پہلے ہوتا ہے جبکہ "نکاح کرلے" "تو چلی جا" کے بعد ہے، اھ، محصلہ، جبکہ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں یہ دونوں اعتراض نہیں ہیں کیونکہ یہاں صریح طلاق پہلے ہے اور "جا" کا لفظ بعد میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۴: از بڑودہ محلّہ فتح پورہ پانی گرہ مکان رحمٰن مہاوت مرسلہ زینب بی بی بنت پیر خاں ۷ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

علمائے شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطابق میرے سوال کے جواب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، میرے شوہر نے رُوبرو چار گواہ کے عرصہ دو ۲ برس کا ہوا طلاق بائن دیا نکاح باطل ہوگیا یا نہیں؟ اس اس کا اجر اللہ جل شانہ، دے گا۔

الجواب:

طلاق بائن دیتے ہی عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے مرد کو اس پر کچھ اختیار نہیں رہتا۔ عالمگیری میں ہے:

اما حکمه فوقوع الفرقة بانقضاء العدة فی الرجعی وبدونه فی البائن کذافی فتح القدیر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طلاق کا حکم یہ ہے کہ رجعی طلاق میں عدّت گزرتے ہی بیوی اور خاوند میں جُدائی ہوگی اور بائنہ طلاق میں طلاق کے بعد ہی فُرقت ہوجائے گی عدّت گزرنے کا انتظار نہیں ہوگا کذافی فتح القدیر واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت /

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق الباب الاوّل نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۴۸

مسئلہ ۲۲۵: از بمبئی محلّہ کماٹی پورہ دوسری گلی مرسلہ محمد عثمان صاحب حنفی سُنّی قادری ۱۴جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو ایک شخص کے سامنے کہا "میں تجھے طلاق دیتا ہوں" بعینہٖ یہی زید کی زوجہ اور خواشدامن کا کہنا ہے، بعدہ، ایک طلاق نامہ تحریر کیا گیا جس میں یہ عبارت درج تھی کہ اپنی بی بی زہرہ کو تلاخ کہہ دیا اور زید کا والد حلفًا کہتا ہے کہ میرے لڑکے نے "طلاق دیتا ہوں" کہا تھا اور اس کے والد کی نسبت دو۲ آدمیوں نے کہا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں کہتا اور زید کے والد نے یہ بھی کہا کہ یہ شخص یعنی زید جو لڑکا ہے میر ازہرہ بی بی کے والد کا نام نہ لیا جو بھولتی تھا بلکہ زہرہ لعل محمد کو طلاق دیتاہُوں۔اور طلاق نامہ پانچ آدمیوں کے رُوبرو تحریر کیا گیا اُن میں ایک آدمی یہ کہتا تھا کہ زید سے جب کہا گیا کہ طلاق دے تو زید نے کہا "ہُوں دیتاہُوں" اس صورت میں طلاق بائنہ ہوئی یا رجعی یاں نہیں؟

الجواب:

سائل نے کچھ نہ لکھا کہ زید اب طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے یا منکر ہے، اگر اقرار کرتا ہے تو جیسی طلاق کو وُہ مقر ہے ویسی ہو گئی رجعی یا بائن یا مغلظہ، اور اگر منکر ہے تو ان بیانوں سے جو سوال میں لکھے گئے اگر واقع میں ایسے ہی ہیں اصلًا کوئی طلاق ثابت نہیں، اُس کا یہ لفظ کہ "میں تجھ کو طلاق دیتاہوں" اس کا گواہ صرف ایک مرد ایک عورت اور وُہ بھی اس کی عورت کی ماں، اور طلاق نامہ کے یہ لفظ سوال میں ہیں کہ "اپنی بی بی زہرہ کو تلاخ کو دیا" اس سے طلاق نہیں ہوتی، اس کا تو اتنا حاصل ہے کہ اسے طلاق دینے کے لئے کسی کو سپرد اور کیا اور اس باپ کا جو بیان ہے وُہ بھی مثبت طلاق نہیں کہ پہلے مرد کے ساتھ مل کر نصاب کامل ہو جائے، جب عورت کی طرف اشارہ نہیں بلکہ نام لیا اور لعل محمد کی بیٹی کہا اور وہ لعل محمد کی بیٹی نہیں تو اس کو طلاق نہیں۔ پچھلے بیان میں اس کی طرف اضافت نہ سوال میں ہے نہ جواب میں، اور طلاق نامہ لکھتے وقت کا یہ بیان ہے تو معنی ارادہ پر حمل واضح ہے، غایت یہ کہ اگر وُہ پہلا اور یہ پچھلا شخص ثقہ عادل ہوں تو زید سے حلف لیا جائے، اگر حلفًا کہہ دے کہ میرا ارادہ طلاق کا نہ تھا تو ہر گز طلاق ثابت نہیں، ہاں اگر نقل طلاق نامہ میں دوسرا لفظ "کو" قلمِ سائل سے زائد نکل گیا ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ "زہرہ کو تلاخ دیا" اور اس طلاق نامہ کے لکھنے کا وہ مقر ہو یا دو۲ گواہ عادل شرعی باقاعدہ شہادت دیں تو ایک طلاق رجعی ثابت ہو گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶: از شہر بریلی محلّہ باغ احمد علی خاں ۳۰ ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو غصّہ کی حالت میں طلاق کے لفظ بولا

یعنی کہا حرامزادی تجھ کو میں نے طلاق دیا تو میرے گھر سے نکل جامیں تجھ کو نہیں رکھوں گا۔ تواب زید کہتا ہے ہندہ کو میں نے بیشک طلاق دیا لیکن دوطلاق دی یا تین طلاق دیا اس وقت میری یاد نہیں ہے مگر اس جگہ میں اُس وقت دو عورت تھی ایک زید کی میادوسری بہن یہ دونوں عورتیں کہتی ہیں زید نے اپنی بی بی کو ایک طلاق دیا اور حرامزادی میرے گھر سے نکل جامیں تجھ کو نہیں رکھوں گا اور ہندہ زید کی بیوی بھی یہی کہتی ہے۔ شرع شریف میں کیا حکم ہے طلاق واقع ہوا یا نہیں تو رجعی یا بائن یا طلاق مغلظہ؟ بینوا توجروا زیادہ والسلام فقط۔

الجواب:

جب طلاق میں شک ہو کہ دو۲ تھی یا تین، تو دو سمجھی جائیں گی جب تک گواہان شرعی سے زیادہ کا ثبوت نہ ہو،

فی الاشباہ والدرالمختار والعقود الدریۃ وغیرھا لوشك اطلق واحدۃ او اکثر بنی علی الاقل[1]۔	اشباہ، درمختار، عقود دریہ وغیرہا میں ہے کہ ایک طلاق یا زیادہ میں شک ہو تو کم عدد والی یقینی ہوگی۔ (ت)

زید نے اس لفظ سے کہ "تُو میرے گھر سے نکل جا" اگر طلاق کی نیت کی تھی تو دو۲ طلاقیں بائن پڑیں فان البائن یلحق الصریح والرجعی یصیر بائنا بلحوق البائن (بائن طلاق، رجعی طلاق کو لاحق ہوسکتی ہے تو بائنہ کے لاحق پر رجعی بھی بائنہ ہوجاتی ہے۔ ت) ورنہ ایک طلاق رجعی پڑی،

لان اخرجی ممایحتمل ردا فلایقع بہ بلانیۃ وان کانت الحال حال المذاکرۃ لتقدم التطلیق یقع کما نصوا علیہ۔	کیونکہ "نکل جا" یہ لفظ رَد کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا نیت کے بغیر اس سے طلاق نہ ہوگی، اور اگر مذاکرہ طلاق کا حال جیسے پہلے طلاق دے دی ہو تو "نکل جا" سے طلاق واقع ہوگی، جیسا کہ فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے۔ (ت)

ہاں اگر یہ سارا جملہ کہ "میں نے تجھ کو طلاق دی، میرے گھر سے نکل جا" دوبارہ کہا اُن میں ایک بار بھی "میرے گھر سے نکل جا" سے نیّت طلاق کی کی تو تین طلاقیں ہوگئیں۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

---

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

مسئلہ ۲۲۷: محمد حسن از مدرسہ منظر اسلام بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ذیک میں کہ زید اپنی بی بی سے بولنا اور بوسہ لینا اور جماع کرنا اور مباشرت کرنا حرام سمجھتا ہے، آیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ تمام عمر تُو مجھ پر حرام ہے طلاق واقع ہُوئی یا نہیں؟

الجواب:

نِرے سمجھنے سے کُچھ نہیں ہوتا جب تک زبان سے نہ کہے اور اس کہنے سے کہ تُو مجھ پر حرام ہے طلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے کل گئی بعد عدّت اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے، اور اگر اُس شوہر سے نکاح چاہے تو عدّت میں بھی ہوسکتا ہے اور بعد بھی۔

فی ردالمحتار تحت قوله خلية، برية حرام بائن الخ قوله حرام سيأتی وقوع حرام بائن به بلانية فی زماننا للتعارف سواء قال علیّ اولا[1] الخ وتمام تحقیقة فیما علقناه علیه۔ والله تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ماتن کے "تُو اکیلی ہے، توبری ہے، تو حرام ہے طلاق بائن" کے تحت لکھا ہے کہ ماتن کا قول "حرام ہے" عنقریب بیان آئے گا کہ اس ہمارے زمانے میں بغیر نیّت بھی بائنہ طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق کے لئے یہ لفظ عرف بن چکا ہے حرام کے ساتھ عَلَیَّ (مجھ پر) کہے یا نہ کہے الخ، اسکی مکمل تحقیق اس پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۸تا۲۲۹: از ڈاک خانہ سنواہ قادریہ ضلع چاٹگام جونیر مدرسہ مرسلہ مولوی جمال الدین صاحب ۷ رمضان ۱۳۳۸ھ

(۱) اگر کسے زنے خود را دو یا یک طلاق بائن دہد بعد ازاں تجدید عقد نماید پس ثانیًا مالک سہ طلاق گردد یا نہ؟ (۲) درآن واحد سہ طالق معادادن وایقاعش نمودن از کدامی آیت وحدیث ثابت نگردد حضرت	(۱) اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایک یا دو بائنہ طلاقیں دی ہوں اور دوبارہ نکاح کرلیا ہو تو کیا وُہ دوبارہ تین طلاقوں کا مالک قرار پائے گا یا نہیں (۲) ایک لفظ سے تین طلاقیں یا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا کسی آیت یا حدیث سے ثابت

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۴

عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایں حکم از کجا آوردند واجماع بروئے چرانمودند واگر خلافش کند وحکم یک طلاق دہد مواخذہ خواہد شد یانہ چرا؟	نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہاں سے یہ حکم لائے اور اس پر اجماع کیوں ہُوا، اگر کوئی ان مذکورہ تین کو ایک طلاق قرار دے تو مواخذہ ہوگا یا نہیں تو کیوں؟

الجواب:

(۱) مالک سہ طلاق نہ شود ہرچہ باقی ماندہ است ہموں بدست اوست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ **(۲)** خلافش نہ کند مگر مخالف سواداعظم وحکمِ عمر حکمِ خداست قال اللہ تعالٰی مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ [1]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخفاء الراشدین وعضوا علیہا بالنواجذ [2]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر [3] اما آنکہ از کجا آورد اازانجا آوردہ کہ حق سبحٰنہ ہم در حق عمر فرمودہ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْؕ [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم	**(۱)** تین طلاقوں کا مالک نہ ہوگا بلکہ باقیماندہ طلاق کا مالک رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ **(۲)** حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فیصلہ اور اس پر اجماع کی مخالفت صرف سواد اعظم کی مخالف ہی کرے گا، کیونکہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فیصلہ اور اس پر اجماع کی مخالفت صرف سواد اعظم کا مخالف ہی کرے گا، کیونکہ عمر فاروق کا حکم اللہ تعالٰی کی ترجمانی ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا: "جو کچھ سنّت اور خلفائے راشدین کی سنّت کو لازم پکڑو اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو۔" اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی پیروی کرو۔" لیکن یہ کہ عمر فاروق حکم کہاں سے لائے، تو وہاں سے لائے جہاں اللہ تعالٰی نے عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق فرمایا ہے حکم کو معلوم کرلیں گے وُہ لوگ جو استنباط کریں تم سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۹/۷

[2] سُنن ابن ماجہ باب اتباعِ سنت الخفاء الراشدین المھدیین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیروت ۳۸۲/۵

[4] القرآن ۴/۸۳

مسئلہ ۲۳۰: از قصبہ کوردرکوٹ ضلع اٹاوہ مسئولہ محی الدین احمد صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور وُہ اس کے گھر سے باہر ایک ہفتہ رہی، اندر ایک ہفتہ کے پھر اس نے اُس کو اپنے گھر میں رکھ لیا او وہ اس کے گھر میں مثل زوجہ موجود ہے، اس کے واسطے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر عورت کو طلاق دے کر ہفتہ کے بعد پھر رکھ لیا، اگر تین طلاقیں دی تھی فاسق وزانی ہوا، یونہی اگر طلاق بائن دی تھی اور دوبارہ نکاح نہ کیا حرامکاری ہوا، اور اگر طلاق بائن تھی اور نکاح کرکے رکھا یا طلاق رجعی تھی اور بلا نکاح واپس کرلیا تو گناہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: ۸ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّاۃ کے باپ اور بھائی اور ماں اور دیگر ورثا بہ نیّت اس امر کے طلاق مشہور کرتے ہیں کہ جو کُچھ جائداد شوہر کی ہے اس کو چھین کر اور شوہر سے زوجیت کو چھڑا کر بجائے دیگر اس کا عقد کریں اور زر شوہر سے نفع اُٹھاویں، بموجب شرع کے ایسے شخصوں کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر واقع میں اس نے طلاق نہ دی یہ لوگ دانستہ جُھوٹ باندھ کر طلاق مشہور کرتے ہیں تاکہ عورت کو اس کے شوہر سے چُھڑا لیں تو سخت عذاب ولعنتِ الٰہی کے مستحق ہیں **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) **قال اللہ تعالٰی:**

فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ[1]۔	اور سیکھتے ہیں ان دونوں سے وُہ جس سے مرد اور اسکی بیوی میں جدائی کر سکیں۔ (ت)

رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأۃ علٰی زوجھا او عبدًا علی سیّدہ۔ رواہ[2]	وُہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کی بیوی کو اس کے خلاف بنائے، یا کسی غلام کو اپنے آقا کے خلاف

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[2] المستدرك للحاکم باب لیس منّا من خبب امرأۃ علی زوجھا الخ دار افکر بیروت ۲/ ۱۹۶، سنن ابو داؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

ابوداؤد والنسائی والحاکم بسند صحیح وابن حبان فی صحیحہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو عند احمد بسند صحیح والحاکم وقال صحیح واقرہ والبزار وابن حبان عن بریدۃ وعن الطبرانی فی الاوسط والصغیر عن ابن عمر وعند ابی یعلی والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	کرے۔اس کو ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے بسند صحیح اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ امام احمد کے ہاں صحیح سند اور امام حاکم نے کہا صحیح ہے اور اس کو انہوں نے ثابت قرار دیا، اور بزار اور ابن حبان نے بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے اوسط اور صغیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابویعلی کے ہاں اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔(ت)

مسئلہ ۲۳۲: از بیجناتھ باڑہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بیجناتھ باڑہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ضلع رائے پور میں ایک موروثی قاضی نے اپنی بی بی کو شرعی طور پر طلاق دی اور طلاق دینے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا حتی کہ اوس کے کپڑے وغیرہ بھی دے دئے اور اپنے یہاں سے اُس کی ماں کے گھر پہنچادیا بعض بعض باشندگان رائے پور نے بغرض تحقیق اس بات کے کہ طلاق دی یا نہیں جلسہ کیا قاضی نے اس جلسہ میں بھی مکرر سہ کرر ان الفاظ سے بیان کی کہ میں اُنہوں نے بھی اپنے طور پر بہت کچھ سمجھایا، تقریبًا چار برس کے بعد عورت کے وارثوں نے مہر کا دعوی کیاجب نوبت وارنٹ کی پہنچی تو قاضی اور دوسرے لوگوں نے جن کی یہ منشا تھی کہ کسی طرح سے بس اس میں میل ہوجائے کسی دوسری عورت کے ذریعہ اس عورت مطلّقہ کو ملادیا کچہری کا جھگڑا تو عورت کے آنے پر طے ہُوا اب عدالت شرعی کیا حکم فرماتی ہے آیا طلاق ہُوئی یا نہیں درصورت طلاق ہونے کے یہ کس صورت میں اپنے نکاح میں لاسکتا ہے اور یہ شخص امامت اور قضاءت کرسکتا ہے یا نہیں، اور دُوسرا شخص اس کے حکم سے نیابت کرسکتا ہے یا نہیں، اور جن اشخاص نے عورت کو راضی کرنے اور بلانے میں مدد کی اُن کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جبکہ قاضی نے اپنی عورت کو طلاق دی طلاق ہوگئی، اس میں تو اصلاً شُبہہ نہیں، پھر اگر طلاق

بائن دی تھی یا عدّت گزر کر بائن ہو گئی تو بے نکاح جدید اُسی عورت سے مل جانا حرام قطعی تھا،اور اگر تین طلاقیں دے چکا جب تو بے حلالہ نکاح جدید بھی ناممکن تھااور یہ خیال کہ غصّہ میں مطلقاً طلاق نہیں ہوتی محض جاہلانہ خیال ہے،طلاق اکثر غصّہ ہی میں ہوتی ہے رضامندی میں کون چھوڑتا ہے،پس دو ۲ صورت سابقہ میں اگر قاضی نے بے نکاح جدید اور صورت اخیرہ میں بے حلالہ و نکاح اُس عورت سے میل کرلیاتو وُہ اواس کے ساتھی جتنے لوگ اس ملانے میں شریک ومددگار تھے سب مرتکب حرام وفاسق ہُوئے،فاسق امام بنانے کے لائق نہیں یہاں تک کہ جو اُسے امامت پر باقی رکھے گا گنہگار ہوگا **کما نص علیه فی ردالمحتار عن الغنیة عن الحجة** (جیسا کہ ردالمحتار میں غنیہ کے حوالے سے حجّہ سے صراحتًا نقل کیا۔ت)یُونہی وُہ عہدہ قضائے شرعی کا بھی مستحق نہیں (کرم خردہ ہونے کی وجہ سے عبارت ختم ہو گئی ہے ۱۲)

فی الدرالمختار الفاسق لایقلد وجوبا ویأثم مقلدہ بہ یفتی اھ[1] ملخصًا۔	دُرمختار میں ہے ضروری ہے کہ فاسق کو قاضی کاعہدہ نہ سونپا جائے اس کو قاضی کرنیوالا گنہگار ہوتا ہے،اسی پر فتوی ہے اھ ملخصًا(ت)

اور وُہ خود ان عہدوں پر نہ رکھا جائے،دوسرے کو نائب کیا کرے گااور یہ قضائے عرف یعنی نکاح خوانی جسے عہدہ قضا بولتے ہیں یہ بھی فاسق کو تفویض نہ کرنا چاہئے کہ نکاح خاص امر دین ہے اور عمر بھر صدہا احکامِ دینیہ اُس پر متفرع ہوتے رہتے ہیں اور فاسق کا امورِ دینیہ میں کچھ اعتبار نہیں،نہ اس پر کسی بات میں اطمینان،ولہٰذا قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا[2] الاٰیة۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تواس کی خُوب چھان بین کرلے الآیۃ(ت)

مسئلہ ۲۳۳: از بھدرک ضلع بالسیر ملک اوڑیسہ مسئولہ ضمیر خاں نگھا ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ضمیر خاں نامی ایک شخص نے اپنی حقیقی سالی سے زنا کا مرتکب ہُوا،اُسکے شوہر نے ضمیر پر کچہری میں مقدمہ دائر کیا بعد مقدمہ اس کی سالی کو اُسکے شوہر نے باقاعدہ طلاق دے دی لیکن جس وقت مقدمہ چل رہا تھا ضمیر کی زوجہ کے ضمیر کو سخت سُست کہنے سے غصّہ میں اپنی زوجہ کو تین طلاق دے چکا تھاجب مقدمہ سے ضمیر نے خلاص پایااُس نے اپنی سالی سے

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۱

[2] القرآن الکریم ۴۹/۶

وعدہ کیا تھا، اگر میں مقدمہ سے خلاص ہُوا تو تجھے اپنے مکان میں رکھوں گا لہذا اپنی سالی کی زبان بندی سے مقدمہ سے مخلص پایا اور اپنی سالی کو اپنے مکاں میں لے آیا اُوپر کے بیان کے مطابق ضمیر کو کاروائی کرنے سے بستی والوں نے جبر کیا اور ایک جلسہ کرکے کہا تو چاہے چھوٹی کو نکال دے یا بڑی کو طلاق دے اور چھوٹی سے نکاح کرلے، اُس وقت ضمیر نے اپنی منکوحہ کو طلاق ثلٰثہ دیا اور اپنی سالی سے نکاح کرلیا، ایسی حالت میں کیا حکمِ شرع شریف ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس کی پہلی زوجہ کو تین طلاقیں ہو گئیں، اسکی عدّت گزرنے کے بعد نکاح کیا ہے نیز سالی کو اس کے شوہر نے جو طلاق دی اس کی عدّت بھی گزرنے کے بعد تو یہ نکاح صحیح ہو گیا اور اگر دونوں عدّتوں میں سے کوئی عدت باقی تھی تو حرام فاسد ہُوا اس پر فرض ہے کہ اُس دوسری کو بھی چھوڑ دے جب دونوں بہنوں کی عدتیں گزر جائیں اس دوسری سے نکاح کرسکتا ہے۔

مسئلہ ۲۳۴: از دلیل گنج ڈاک خانہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر یار خان صاحب وحافظ سیّد میر صاحب ۱۴ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جو غیر جگہ کی رہنے والی تھی اُس کی ماں ایک عرصہ سے یہاں آباد تھی جب اُس کی ماں بیمار ہُوئی تو اُس کے دیکھنے کی غرض وُہ عورت یعنی اُس کی لڑکی دلیل گنج آئی اُس کی ماں اس عرصہ میں مر گئی اسکی دو ۲ بہنیں بھی دلیل گنج میں موجود ہیں جن کی شادی بھی یہیں ہوئے بعد انتقال اُس کی ماں کے اس کے بہنوئی کے بھائی نے اپنے گھر میں رکھ لیا کچھ عرصہ تک وُہ اپنے بہنوئی کے بھائی کے یہاں رہی پھر اُس کے خاوند کو بُلوایا اور چودہ ۱۴ روپے دے کر اُس کے خاوند سے طلاق دلوائی اب وُہ بدستور اُس شخص کے یہاں موجود ہے یہ فیصلہ جن پنچوں نے کیا ہے آیا صحیح ہے اور ان شخصوں کی بابت کیا حکم ہے جنہوں نے یہ پنچایت کی اور اس کی نسبت جس کے گھر میں غیر نکاحی عورت موجود ہے اب اس کا نکاح بعد عدّت کرنے کا ارادہ ہے آیا وُہ نکاح صحیح ہوگا یا غلط؟

الجواب:

طلاق ہو گئی بعد عدّت نکاح صحیح ہوگا اور یہ جس نے بلا نکاح اُسے اپنے یہاں رکھا ہے اگر کسی امرِ ناجائز کا اُس کے ساتھ مرتکب ہوا ہے اگرچہ اسی قدر کہ تنہا مکان میں ایک منٹ کے لئے ساتھ ہونا تو فاسق ہے مستحقِ عذاب ہ اور چودہ ۱۴ روپے اگرچہ بطور مالکانہ نہ دئے گئے جیسا بعض رذیل جاہلوں میں رواج ہے تو یہ لینا دینا دونوں حرام اور وُہ فیصلہ کرنے والے سب مبتلائے آثام، اور اگر مرد وزن میں اتفاق

کی کوئی صورت نہ تھی اور عورت نے روپے دے کر طلاق لی یا اس کی طرف سے کسی اور نے دئے تو یہ صورت خلع میں آجائے اور جس کی طرف سے زیادتی ہے اس پر الزام رہے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: از موضع آواں ڈاکخانہ بیگووال ریاست کپور تھلہ ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید اپنی منکوحہ سے نو یا دس ۱۰ سال سے جُدا ہوگیا البتہ خط ارسال کرتا رہا اس کی منکوحہ روزِ نکاح سے اپنے والدین کے گھر میں رہی اب ایک سال سے زید کی منکوحہ نے خود زا اپنا دوسرے خاوند بکر سے نکاح کرلیا اس کے نطفہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن اس کے پہلے خاوند مسمّی زید کی خبر اور خط آتے رہتے ہیں اب عرض یہ ہے کہ نکاح جائز ہے اور اولاد اس عورت سے بکر نے جو حاصل کی طریقہ جائز ہے اور وہ اولاد شرعاً حلال ہے؟ اور بکر امام مسجد بھی ہے اور اس نے یہ ناجائز کام کیا تو جو شخص اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے کیا وُہ درست ہیں؟ اور اگر درست نہیں تو انہیں کیا تعزیر ہونی چاہئے؟

الجواب:

بکر نے جو اس عورت سے نکاح کیا اگر اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ دوسرے کی منکوحہ ہے تو یہ نکاح اس کے حق میں گناہ نہ ہُوا اور اس نکاح سے اگرچہ ۶ مہینے یا زیادہ کے بعد بچّہ پیدا ہُوا تو اسے ولد الزنا نہ کہیں گے اور وُہ اسی بکر کا ہے،

علی مارجع الیه الامام وعلیه الفتوی تجنیس، خانیه، سراجیة، هندیة وغیرہا۔	امام صاحب نے جس طرف رجوع فرمایا اس کی بناء پر اور اسی پر فتوٰی ہے۔ تجنیس، خانیہ، سراجیہ، ہندیہ وغیرہ۔ (ت)

پھر اگر اسے اب تک نہیں معلوم تو اس پر الزام نہیں، نہ اس وجہ سے اس کی امامت میں کوئی حرج، اور اگر بعد کو معلوم ہوگیا اور عورت کو نہیں چھوڑتا تو زانی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی تو پھیرنی واجب اور اگر وقت نکاح ہی سے اسے معلوم تھا کہ یہ دوسرے کی منکوحہ ہے اور دانستہ نکاح کیا تو نکاح نہ ہوا زنائے محض ہُوا **به یفتی، ذخیرة، بزازیة، فتح، بحر** (اسی پر فتوٰی ہے ذخیرہ، بزازیہ، فتح، بحر۔ ت) اور اس صورت میں لڑکا زید کا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاهر الحجر [1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	بچّہ شوہر کا اور زانی کو پتھر، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث بن عفان دار الفکر بیروت ۱/۵۹، کنز العمال حدیث تراث الاسلامی حلب بیروت ۵/۲۹۳

مسئلہ ۲۳۶: از رائے پور ممالک متوسط محلّہ بیجناتھ بارہ مرسلہ منشی محمد اسحٰق صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو عورت مطلقہ بطلاق بائن غیر مغلظہ ہے تو اس کا نکاح بعد عدّت اس کے زوج سے تو ہوسکتا ہے لیکن جس صورت میں کہ وُہ اپنے زوج سے راضی نہ ہو بعد عدت بائن کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے عند الشرع یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

شوہر سے تو اسی وقت نکاح ہوسکتا ہے کچھ عدّت گزرنے کی حاجت نہیں، ہاں دوسرے شخص سے بعد عدّت گزرنے کے کرسکتی ہے، جس عورت پر طلاق بائن ہو وُہ فوراً اطلاق پڑتے ہیں خود مختار ہوجاتی ہے بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے، شوہر اوّل سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں ہوسکتی،

فی الھندیۃ عن الھدایۃ اذاکان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجھا فی العدّۃ وبعد انقضائھا [1] الخ وفیھا عن الفتح حکمہ وقوع الفرقۃ بانقضاء العدّۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن [2] اھ وفی الدرالمختار لانھا لاتملک نفسھا الا بالبائن [3] اھ وفی العقود الدریۃ وقع علیہ طلقۃ بائنۃ ملکت بھا نفسھا وحیث انقضت عدتھا صارت اجنبیۃ [4] اھ ملخصًا والمسائل کلھا واضحۃ شھیرۃ معلومۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہدایہ سے منقول ہے کہ جب طلاق بائنہ ہو اور تین سے کم ہوں تو خاوند کو عدت کے اندر اور ختم ہونے پر دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگا الخ اور ہندیہ میں فتح سے منقول ہے کہ طلاق کا حکم یہ ہے کہ رجعی ہو تو عدّت ختم ہوجانے پر اور بائنہ ہو تو عدّت ختم ہُوئے بغیر بھی جُدائی ہوجائے گی اھ، درمختار میں ہے کہ بائنہ طلاق سے بیوی نکاح کے لئے خود مختار ہوجاتی ہے اھ، عقود دریہ میں ہے کہ بائنہ طلاق واقع ہوجانے پر اپنے آپ کی مالک ہوجاتی ہے اور عدّت ختم ہوجانے پر وہ خاوند کیلئے اجنبی بن جاتی ہے، ملخصًا، یہ تمام مسائل مشہور اور واضح طور پر معلوم ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ومایتصل بہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۷۳۔۴۷۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۴۸

[3] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح فتاوی الحامدیۃ کتاب الطلاق تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۳۵

مسئلہ ۲۳۷: از موضع لال پور ڈاکخانہ موہن پور بنگال مرسلہ منیر الدین احمد لاپوری کمرلوی ۸ شوال ۱۳۳۳ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ شرک پر عین اعتقاد رکھے اور بتخانے میں سجدہ وغیرہ کرنے سے اپنی بی بی کے نکاح سے خارج ہوگیا وُہ اگر توبہ کرکے مسلمان ہوجائے بی بی مذکورہ سے نکاح کرے تو حلالہ کرے یابغیر حلالہ کے نکاح درست ہے؟

الجواب:

جو تین طلاق دے چکا ہو وُہ یا جورو یا دونوں اگر قہار کی لعنت اپنے سر لینے کو مرتد، مشرک، بت پرست کُچھ بھی ہوجائیں وہ تین طلاقیں رہیں گی مسلمان ہوجانے کے بعد پھر حلالہ کی ضرورت ہوگی بے حلالہ ہرگز ہرگز درست نہ ہوگا۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے طلاق زید سے دو ۲ مہینے بعد بکر سے نکاح کرلیا ۱۸ سال تک اس کے یہاں رہی اس مدّت میں چار بیٹے ہوئے زید قید ہوگیا تھا بعد قید بھی ہندہ کا دعوٰی دار نہ ہُوا اب اس قدر مدّتِ کثیر کے بعد ہندہ بے رضائے بکر خانہ بکر سے نکل کر خالد کے ہیں چلی گئی اس صورت میں ہندہ منکوحہ بکر ہے اور اس پر بکر کا دعوٰی اپنے پاس رکھنے کا پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صُورت مسئولہ میں اگر طلاق کے بعد ہندہ کو تین حیض عـــہ کامل گزر چکے تھے اس کے بعد نکاح ہُوا یعنی حیض بعد طلاق شروع ہُوئے ہوں اور قبل نکاح ثانی ختم ہوچکے ہوں یا وقتِ طلاق زید ہندہ حاملہ تھی اور بعد طلاق وضعِ حمل ہوگیا اگرچہ اُس دن ہُوا ہو اُس کے بعد اس نے بکر سے نکاح کیا تو ان دونوں صورتوں میں تو بیشک نکاح بکر صحیح تھا اور بکر اسے لینے کا دعوٰی کرسکتا ہے عورت جبراً اُسے دلائی جائے گی،

قال اللہ تعالٰی اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مردوں کو عورتوں پر غلبہ حاصل ہے۔ (ت)

اور اگر ان دو مہینے میں تین حیض کامل بعد طلاق گزرے تھے نہ وضع حمل ہُوا کہ بکر سے نکاح کرلیا تو وُہ

عـــہ: امام اعظم کے نزدیک تین حیض کم سے کم ساٹھ دن اور صاحبین کے نزدیک اڑتالیس دن میں ہوسکتے ہیں ۱۲۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۴

نکاح ہر گز صحیح نہ ہوا،

قال تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[1] وقال تعالٰی وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مطلّقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض مکمل ہونے تک پابند رکھیں۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا عدّت مکمل ہونے تک مطلقہ عورتیں نئے نکاح کا عزم نہ کریں۔ (ت)

اس صورت میں عورت پر بکر کے پاس جانے کا جبر ہونا درکنار ان دونوں پر فرض ہے کہ باہم جُدا ہوجائیں اور ترک تعلق کریں، اور بکر نہ مانے تو عورت بطورِ خود جُدا ہوسکتی ہے ورنہ حاکم بالجبر جُدائی کرادے،

فی الدر المختار یثبت لکل واحد منها فسخه ولو بغیر محضر صاحبه دخل بها اولا فی الاصح خروجا عن المعصیة فلا ینافی وجوبه بل یجب علی القاضی التفریق بینهما[3]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	دُرمختار میں ہے: دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی یا غیر موجودگی میں فسخ کا اختیار ہے دخول کرچکا ہو یا نہ کیا ہو، اصح قول یہی ہے تاکہ گناہ سے اجتناب ہوسکے، لہٰذا یہ بات وجوبِ فسخ کے منافی نہیں بلکہ اس کے باوجود قاضی پر واجب ہے کہ دونوں میں تفریق کرے۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از کانپور محلّہ فیل خانہ بازار کہنہ مکان مولوی سیّد محمد اشرف صاحب وکیل مرسلہ مولوی سید محمد آصف صاحب ۱۴ رمضان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فتاوٰی شمس الدین وفتاوٰی تمرتاشی میں ہے کہ اگر کسی عورت سے نکاح کیا لیکن نیّت میں ہے کہ بعد اتنے دنوں کے طلاق دُوں تو یہ نکاح درست ہے پس جو شخص دوچار روز یا دوچار مہینے میں طلاق دے دیا کرے اور اس قسم نکاح پر مداومت کرے اور لوگوں کو بھی اس جانب مائل کرے تاکہ وُہ لوگ زنا سے محفوظ رہیں تو آیا ایسے شخص کو ثواب ملے گا یا نہیں، اور مداومت کی صورت میں متعہ تو نہ ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

متعہ تو ہر گز نہ ہوگا جب تک نفسِ عقد میں مدّت معیّنہ خواہ غیر معیّنہ کی حد نہ مقرر کی جائیگی،

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۵

[3] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

فی الدرالمختار بطل نکاح متعة مؤقت وان جھلت المدة اوطالت فی الاصح ولیس منه مالو نکحھا علی ان یطلقھا بعد شھر اونوی مکثه معھا مدة معینة[1]۔	درمختار میں ہے: متعہ اور مقررہ مدت تک کا نکاح باطل ہے اگر ہو مدّتِ مقررہ مجہول ہو یا دراز ہو اصح قول میں، اور اگر ایک ماہ بعد طلاق دینے کی شرط پر نکاح کیا یا صرف نیت میں معیّنہ مدّت تک پاس رکھنا مقصود ہو تو یہ دونوں صُورتیں از قبیل باطل نہ ہوں گے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

التوقیت انمایکون باللفظ[2]۔	مدّتِ مقررہ تک نکاح کے لئے زبانی مدّت کا تعیّن ضروری ہے(جو کہ باطل ہے)۔(ت)

مگر ایسے کی طرف لوگوں کو ترغیب نہ کی جائے اور خود بھی اس سے احتراز چاہئے جب تک کوئی حاجت صحیحہ شرعیہ ہر بار طلاق زوجہ کی طرف داعی نہ ہو کہ بے حاجتِ شرعیہ عورت کو طلاق دینا ثواب درکنار شرعًا ممنوع،

علی ماصححه فی الفتح وحققه فی ردالمحتار وفیه وعنه عن مشائخ المذھب ان الاصل فیه الحظر لمافیه من کفران نعمة النکاح والاباحة للحاجة الی الخلاص[3]۔	شرعی ضرورت کے بغیر طلاق دینا ممنوع ہے جس کی تصحیح فتح میں ہے اور اس کی تحقیق ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں فتح سے منقول کہ مشائخ سے مروی ہے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے کیونکہ اس میں نکاح جیسی نعمت کی ناشکری ہے، اور طلاق کا مباح ہونا خلاصی کے لئے حاجت کی وجہ سے ہے۔(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تزوجوا ولاتطلقوا[4] فان اللّٰه لا یحب الذواقین ولا الذواقات[5] وفی لفظ لاتطلقو النّساء	نکاح کرو اور جب تک عورت کی طرف سے کوئی شک نہ پیدا ہو (یعنی بے حاجت صحیحہ) طلاق نہ دو

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۰

[2] بحرالرائق فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۰۸

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۱۶

[4] تاریخ بغداد ترجمہ نمبر دارالکتاب العربی بیروت ۱۲/۱۹۱

[5] مجمع الزوائد باب فیمن یکثر الطلاق دارالکتاب العربی بیروت ۴/۳۳۵

الّامن ریبة فان اللہ تعالٰی لا یحب الذاوقین ولا الذواقات[1]۔رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کہ اللہ بہت چکھنے والے مردوں اور بہت چکھنے والی عورتوں کو دوست نہیں رکھتا یعنی جو چکھ چکھ کر چھوڑدینے کے لئے نکاح کرتے ہیں(اس کو طبرانی نے کبیر میں ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

غور کیجئے توآیہ کریمہ مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ[2]میں بھی اسی سے ممانعت کی طرف اشارہ ہے یعنی نکاح کرو عورتوں کو قید میں رکھنے،نہ مستی نکالنے،پانی گرانے۔بعض صحابہ کرام مثل سیّدنا امام حسن مجتبٰی ومغیرہ بن شعبہ وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم سے جو کثرتِ نکاح وطلاق منقول ہے اسی حالت حاجت شرعیہ پر محمول ہے،

فی ردالمحتار اذا وجدت الحاجة المذکورة ابیح وعلیہا یحمل ماوقع منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن اصحابہ وغیرہم من الائمة صونالہم عن العبث والایذاء بلاسبب[3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ جب حاجت مذکورہ پائی جائے تو طلاق مباح ہے،اور اسی معنٰی پر محمول ہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور دیگر ائمہ کرام سے متعدد نکاح کے واقعات ہُوئے،تاکہ ان حضرات کی طرف عبث اور ایذاء رسانی کی نسبت نہ ہونے پائے۔(ت)

محفوظ زنا کاعذر بے معنی ہے ایک وقت میں چار تک شرعی اجازت ہے اور اس سے زائد کبھی جمع نہیں ہوسکتیں،اور عقل ونقل وتجربہ شاہد ہیں کہ نفسِ امّارہ کی باگ جتنی کھینچئے دبتا ہے اور جس قدر ڈھیل دیجئے زیادہ پاؤں پھیلاتا ہے۔

والنفس کالطفل ان تمہلہ شبّ علی حب الرّضاع وان تفطمہ ینفطم

(نفس بچّے کی طرح ہے اگر آپ اسے موقعہ دیں گے تو وہ ماں کا دودھ پینے میں دلیر رہے گا،
اور آپ دُودھ چھڑادیں تو وُہ چھوڑدے گا۔ت)

---

[1] المعجم الاوسط حدیث نمبر المکتبة المعارف الریاض ۸/ ۴۱۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۶

جب ہمیشہ خواہشِ نو کی عادت ڈالی گئی اور پُرظاہر کہ چند روز رکھ کر چھوڑنے کے لئے دولتا تازہ عورت کاملنا خصوصًا ہندوستان میں سخت مشکل ہے تو جب اس میں کمی ہوگی نفس بدخو جسے صبر کاخوگر کیا ہی نہ تھاوُہ رنگ لائے گا کہ ایک پر قناعت کرنے والے اس کی ہوا سے آگاہ نہیں۔ والعیاذباللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۰ تا ۲۴۱: مرسلہ محمد عبدالرحمٰن جاشانی شافعی از بنارس محلّہ مدنپورہ مدرسہ امدادالعلوم مسجد کلاں ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں ازرُوئے مذہب شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے:

(۱) ایک شخص شافعی المذہب زوجین باہم رہتے تھے شوہر کو جذام کا عارضہ ہوگیا جس کے خوف کی وجہ سے اُس کی زوجہ اپنے ماں کے یہاں چلی گئی، شوہر اس کو بُلاتا رہا مگر اس کے لاحقہ عارضہ کے خوف سے اس کی زوجہ نہ آئی یہاں تک کہ شوہر اُس کا اُسی عارضہ میں فوت ہُوا، اس صورت میں مہرو ورثہ ونان نفقہ زوج کے ترکہ سے زوجہ کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ ازرُوئے شرع الطیف بحوالہ کتبِ معتبرہ تحریر فرمایا جاوے۔

(۲) بعض اشخاص زوجہ مذکورہ بالا کو زوج مرحوم کے ترکہ سے ورثہ ونان نفقہ دینے میں انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زوجہ کو کُچھ پہنچتا ہی نہیں ورثہ زوجہ قرآن مجید سے ثابت یا نہیں اور منکر اُس کا دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں فقط، **بینوا توجروا**

الجواب:

زوجہ متوفی کو صورت مستفسرہ میں باتفاق ائمہ حنیفہ وشافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی مہرو ترکہ قطعًا ملے گا، ائمہ حنیفہ کے نزدیک توجَبَّ وعِنّت یعنی آلت بریدگی یا نامردی کے سوا کوئی مرض شوہر مطلقًا سببِ فسخِ نکاح نہیں، درمختار میں ہے:

لا یتخیر احد الزوجین بعیب الاخرولو فاحشا کجنون وجذام وبرص [1] الخ۔	خاوند بیوی میں کسی کو دوسرے کے عیب جسمانی مثلًا جنون، جذام اور برص کے امراض کی وجہ سے فسخ کا اختیار نہیں ہے الخ (ت)

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

اور ائمہ شافعیہ کے یہاں اگرچہ جنون و جذام مستحکم وبرص مستحکم سے خیارِ فسخ حاصل ہوتا ہے مگراس کے یہ معنی نہیں کہ ان امراض کے سبب آپ ہی نکاح زائل یا عورت کو بطورِ خود فسخِ نکاح کااختیار حاصل ہوجائے بلکہ یہ معنی کہ فی الفور بلاتاخیر قاضی شرع کے حضور مطالبہ فسخ پیش کرنے کااختیار ملتا ہے، جب وُہ حکمِ فسخ دے اس وقت نکاح فسخ ہوتا ہے، بغیر اس کے وُہ بدستور زوج وزوجہ ہیں۔ امام علامہ یوسف اردبیلی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کہ اجلّہ شافعیہ سے ہیں کتاب الانوار میں فرماتے ہیں:

لایثبت بالبرص والجذام قبل الاستحکام خیار العیب علی الفور ولاینفردان بالفسخ بل لابدمن الرفع الی القاضی[1] اھ ملتقطا۔	برص اور جذام کے مستحکم ہونے سے قبل فوری طور پر خیارِ عیب ثابت نہیں ہوتا، اور خاوند بیوی خود فسخ نہیں کرسکتے بلکہ قاضی کے ہاں مرافعت ضروری ہے اھ ملتقطا (ت)

یہاں جبکہ نہ حاکمِ شرع کی طرف مرافعہ ہُوا، نہ اس نے فسخِ نکاح کا حکم دیا بلکہ عورت بطورِ خود اپنی ماں کے یہاں چلی گئی تو باتفاقِ ائمہ نکاح قائم رہاپس بنص قطعی قرآن عظیم وہ اس کے ترکہ میں مستحق فریضۃ اللہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ؕ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تم نے ترکہ چھوڑا اور تمہاری اولاد نہ ہو تو بیویوں کو ترکہ کا چوتھائی حصّہ، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصّہ ملے گا، یہ تقسیمِ وراثت تمہاری وصیت اور قرضہ ادا کرنے کے بعد ہے۔ (ت)

وراثتِ زوجہ بلاشبہہ ضروریات دین سے ہے جس پر تمام فرقِ اسلام کااجماع اور ہر خاص وعام کو اس کی اطلاع، تو مطلقًا اس کاانکار یعنی یہ کہنا کہ زوجیت شرع میں ذریعہ وراثت ہی نہیں صریح کلمہ کفر ہے، ہاں اگر براہِ ناواقفی عروضِ جذام کو خود مزیلِ نکاح سمجھ کر اس عورت کے استحقاقِ وراثت سے انکار کیا تو جہل وسفاہت باتفاق اور شرع مطہر پر بے باکانہ جرات ہے کُفر نہیں، بالجملہ صورتِ مسئولہ میں عورت یقینا مستحق ترکہ ہے، یونہی باتفاق مہر مسمّٰی تمام وکمال واجب الادا ہے، حنفیّہ کے طور پر تو ظاہر ہے، شافعیہ کے نزدیک یُوں کہ شوہر قبل انفساخ نکاح مرگیا، انوار میں ہے:

[1] الانوار لاعمال الابرار الطرف العاشر فی العیوب مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/ ۷۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

لومات المعیب قبل الفسخ تقرر المھر ولافسخ[1]۔	عیب والا خاوند اگر فسخ سے قبل فوت ہوجائے تو مہر لازم ہوگا، فسخ نہ ہوگا۔(ت)

بلکہ یہاں تو بالفرض اگر نکاح فسخ بھی کردیا جاتا جب بھی مہر مثل ساقط نہ ہوتا۔ عبارتِ سوال سے ظاہر کہ شوہر کو اس مرض کا حدوث بعد زفاف ہوا تو بحالتِ فسخ بھی پورا مہر لازم الادا۔ انوار میں ہے:

اذافسخ فان کان قبل الدخول سقط المھر ولامتعۃ، فسخ ھواوھی وان کان بعدہ فان کان بعیب مقارن او حادث قبل الدخول وجب مھر المثل وان کان بحادث بعدہ وجب المسمی[2]۔	مرد یا عورت نے نکاح فسخ کیا تو اگر یہ فسخ دخول سے قبل ہُوا تو مہر ساقط ہوجائے گا، اور جوڑا ساقط نہ ہوگا، اور اگر فسخِ نکاح دخول کے بعد ہُوا تو اگر دخول کے ساتھ یا دخول سے قبل، عیب پیدا ہُوا تو مہر مثل واجب ہوگا، اور دخول کے بعد عیب پیدا ہوا تو پھر مقررہ مہر واجب ہوگا۔(ت)

رہا نان ونفقہ وُہ بعد موتِ شوہر زمانہ عدّت یا اس کے بعد کا باتفاقِ مذہب صحیح حنفی وشافعی اصلاً واجب نہیں، اس کے دینے سے ورثہ انکار کرتے ہوں تو بیشک بجا ہے۔ درمختار میں ہے:

لاتجب النفقۃ بانواعھا لمعتدۃ موت مطلقا ولو حاملا[3]۔	کسی قسم کا نفقہ موت کی عدّت والی کے لئے مطلقاً واجب نہ ہوگا اگرچہ حاملہ ہو۔(ت)

انوارِ شافعی میں ہے:

المعتدۃ عن النکاح الفاسد لانفقۃ لھا حاملاکانت او حائلا وکذاالمعتدۃ عن الوفاۃ[4]۔	نکاح فاسد کی عدّت والی کے لئے کوئی نفقہ نہیں، حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اور یہی حکم موت کی عدت والی کا ہے۔(ت)

حاشیۃ الکمثری علی الانوار میں ہے:

المعتدۃ عن الوفاۃ لاتستحق النفقۃ والمؤنۃ	موت کی عدت والی نفقہ اور خرچہ کی مستحق نہیں ہے،

[1] الانوار الاعمال الابرار الطرف العاشر فی العیوب مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/۷۳

[2] الانوار الاعمال الابرار الطرف العاشر فی العیوب مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/۷۳

[3] درمختار باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۳

[4] الانوار لاعمال الابرار کتاب النفقات الطرف الثالث فی موانع النفقۃ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/۲۲۸

لصحۃ الخبر بذلک[1]۔	کیونکہ اس معاملہ میں صحیح حدیث ہے۔(ت)

اسی طرح اگر ان دنوں کا نفقہ مانگتی ہے جن میں وُہ بے اجازتِ شوہر اپنی ماں کے یہاں چلی گئی اور شوہر بلاتا رہا، نہ آئی، تو ان ایّام کا نفقہ بھی بالاتفاق نہ پائے گی کہ اس چلے جانے سے وُہ ناشزہ ونافرمان ہے اور ناشزہ کے لئے جب تک ناشزہ رہے بالاجماع نفقہ نہیں۔ قرۃ العین علامہ زین شافعی میں ہے:

تسقط بنشوزولو ساعۃ کامتناع من تمتع لالعذر وخروج من مسکن بلااذن[2]۔	بیوی کی نافرمانی اگرچہ ایک دفعہ ہو جیسا کہ بلاعذر جماع سے انکار، یا بغیر اجازت گھر سے نکلنا نفقہ کو ساقط کردیتا ہے۔(ت)

انوار میں ہے:

لانفقۃ للناشزۃ وان قدر علی ردھا الی الطاعۃ قھراولوھربت منہ او خرجت بلااذنہ من بیتہ فناشزۃ[3] اھ ملخصًا۔	نافرمان بیوی کے لئے نفقہ کا استحقاق نہیں اگرچہ جبرًا خاوند اسے اطاعت پر مجبور کرسکتا ہو، اور اگر بیوی بھاگ جائے یا گھر سے بلااجازت نکل جائے تو وُہ نافرمان قرار پائے گی اھ ملخصًا(ت)

ہاں اس سے پہلے ایّام تسلیم نفس وعدمِ نشوز میں اگر کسی دن کا نفقہ نہ ملا تھا تو ہمارے ائمہ کے نزدیک تو اس کا بھی دعوٰی نہیں کرسکتی کہ نفقہ اگر مفروضہ بحکم حاکم ہو موتِ احدالزّوجین سے ساقط ہوجاتا ہے مگر جبکہ نفقہ مفروضہ شوہر سے نہ ملا اور بحکم قاضی شرع عورت نے قرض لے لے کر خرچ کیا ہو کہ اس صورت میں ذمہ شوہر پر دین قرار پاکر موت سے ساقط نہیں ہوتا، تنویر حنفی میں ہے:

بموت احدھما وطلاقھا یسقط المفروض الااذا استدانت بامر القاضی[4]۔	بیوی اور خاوند میں سے کسی ایک کے فوت ہوجانے یا طلاق ہوجانے سابقہ مقررہ نفقہ ساقط ہوجائے گا لیکن اگر قاضی کے حکم پر بیوی قرض لے کر خرچ کرتی رہی تو وُہ قرض ساقط نہ ہوگا۔(ت)

البتہ ائمہ شافعیہ کے نزدیک جب ایام مذکورہ کا نفقہ نہ ملا شوہر پر مطلقًا دین ہے کہ کسی کی موت سے

---

[1] الکمثری علی الانوار الطرف الثالث فی موانع النفقۃ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/۲۲۸

[2] قرۃ العین فی شرح فتح المعین فصل فی النفقۃ عامر الاسلام پور پریس اتروانگاری کیرص ۲۲۰تا ۲۲۲

[3] الانوار لاعمال الابرار الطرف الثالث فی موانع النفقہ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/۲۲۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

ساقط نہ ہوگا اتنے دعوی کے نزدیک کرسکتی ہے۔ ہدایہ حنفیّہ میں ہے:

قال الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی تصیر دینا قبل القضاء ولاتسقط بالموت لانہ عوض عندہ فصار کسائر الدیون[1]۔	امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: قاضی کے حکم کے بغیر بھی بیوی کا لیا ہُوا قرض برائے نفقہ، موت کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک نفقہ معاوضہ ہے لہٰذا دوسرے واجب الادا امور کی طرح ہوگا۔ (ت)

انوارِ شافعیہ میں ہے:

لولم یکسھا مدۃ صارۃ علیہ دینا[2]۔	اگر کچھ مدّت بیوی کو لباس نہ دیا تو وُہ خاوند کے ذمّہ قرض ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوماتت فی اثنائہ بلاقبض فدین فی ذمتہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر بیوی اسی اثناء میں فوت ہوجائے تب بھی خاوند کے ذمّہ واجب الادا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۲: از گکھڑ مرسلہ شیخ احمد بخش　　　۵ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ساتھ بکر کے تیرہ ۱۳ ہوئے جب بطور زوجہ اور شوہر بہ تعین مہر صہ عہ ہزار روپے اور دس ۱۰ دینار سُرخ کے اس کے مکان میں رہی آٹھ برس تک برابر رہی ہندہ کے جانے سے مکان میں بکر کے دو ۲ برس کے بعد بکر کو بیماری جذام کی شروع ہوئی جب چھ ۶ برس تک ہندہ سے اور بکر سے صحبت مثل زن وشوہر کے نہیں ہوئی اسکے بعد آٹھ برس کے ہندہ کو بکر نے اپنے گھر سے نکال دیا ہندہ اپنی گزرِاوقات جس طرح ممکن ہُوا کرتی رہی مکان سے نکال دینے سے چھ ۶ ماہ بعد ہندہ پر بکر نے دعوی فراری فوجداری میں دائر کیا اس میں ہندہ نے زوجیت سے انکار کیا اور بکر نے بجائے صہ عہ ہزار روپے سَو روپے کے مہر کا اقرار کیا کچہری فوجداری نے زوجہ ہونا قائم رکھا بعد اُس کے سال بھر بعد دلاپانے زوجہ کا دعوی دیوانی میں دائر کیا اس وقت حسبِ تصفیہ باہمی یہ طے ہُوا کہ ہندہ جہاں چاہے رہے اس عرصہ پانچ برس نان نفقہ نہیں دیتا ہے اور عرصہ تیرہ برس سے بوجہ بیماری صحبت نہیں ہوئی اور بکر نے واقعی

[1] الہدایۃ باب النفقۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۴۲۰

[2] الانوار لاعمال الابرار کتاب النفقات الطرف الثانی فی کیفیۃ الانفاق مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/ ۲۲۵

[3] الانوار لاعمال الابرار کتاب النفقات الطرف الثانی فی کیفیۃ الانفاق مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/ ۲۲۵

مہر سے انکار کیا اور نان نفقہ نہیں دیتا ہے اور قابل صحبت نہیں ہے تو ایسی صورت میں کیا چارہ ہندہ کے واسطے ہونا چاہئے ہندہ خُلا یا طلاق پاسکتی ہے یا کیا ہندہ نان نفقہ اور کرایہ مکان پاسکتی ہے یانہیں کیونکہ بکر اپنی زوجہ کے ساتھ معہ اپنی دختر کے ایک کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں اور ہندہ علیحدہ ایک مکان میں بکر کے مکان سے بفاصلہ ایک جریب کرایہ پر رہتی ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بکر پر نان ونفقہ و مسکنِ ہندہ کا انتظام لازم ہے جبکہ ہندہ اپنے آپ کو اس کی قید میں رکھے، آوارہ گرد کانان نفقہ نہیں ہوتا، اگر ہندہ اپنی جانب سے کوئی بات سقط نان ونفقہ نہ کرے اور بکر پھر بھی نفقہ نہ دے تو حاکم بکر کو مجبور کرے کہ نفقہ دے ورنہ طلاق دے، یا بکر راضی ہو تو ہندہ اس سے مہر وغیرہ مال پر خُلع کرلے بغیر اس کے جب تک بکر زندہ ہے اگرچہ بیمار ہے ناقابلِ صحبت ہوگیا ہندہ خود مختار نہیں ہوسکتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۳: از سنگ پور مرسلہ ابراہیم صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص بعارضہ جذام مبتلا ہو کر بستی سے نکل گیا مگر اپنی زوجہ کو باوجود علیحدگی بھی طلاق نہس دیتا، عورت مذکور از حد خواہشِ نکاح رکھتی ہے، دیگر ایک شخص مسمّٰی رستم نے اسی عورت مندرجہ بالا سے زنا کیا جس کا مقر ہے زیادہ ثبوت کا حاجت نہیں، بردرانِ اسلام نے اس جُرم پر اس کا حقّہ پانی سلام وکلام ترک کردیا ہے اب وُہ نادم اور توبہ کار ہے لہٰذا اس کو ملانا چاہتے تو آیا وُہ اس طریقہ سے شامل برادرن اسلام ہوسکتا ہے؟ **فقط والسّلام۔**

الجواب:

اگر وُہ شخص عورت سے صحبت کرسکتا ہے اور اس کے ادائے حق پر قادر ہے تو اس پر واجب نہیں کہ عورت کو طلاق دے اور عورت اس سے جدائی نہیں کرسکتی، اور اگر اُس کا حق ادا کرنے پر قادر نہیں تو اس پر واجب ہے کہ عورت کو طلاق دے دے، اگر نہ دے گا گنہگار ہوگا، اس صورت میں کہ صورت اس پر واجب ہو اور نہ دی، اگر جبراً اس سے طلاق لے لی جائے تو ہوجائے گی۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأۃ علی زوجھا[1] **۔رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ہریرۃ**	ہمارے گروہ سے نہیں جس کسی کی عورت کو اس سے بگاڑدے (اس کو ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ

[1] سُنن ابوداؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶، المستدرك للحاکم باب لیس منّا من جب امرأۃ علی زوجھا الخ دارالفکر بیروت ۲/۱۹۶

والطبرانی فی الصغیر ونحوہ فی الاوسط عن ابن عمر وفی الاوسط کابی یعلی بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ابُوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور طبرانی نے صغیر میں اور ایسے ہی اوسط میں عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور اوسط میں ابویعلی کی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۴: از بلرام پور ضلع گونڈہ متصل یتیم خانہ مرسلہ نذر محمد صاحب ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے پیر سالگی میں ہندہ نوجوان سے نکاح کیا بعد چند روز کے ہندہ اور زید میں طرح طرح کی مخالفتیں واقع ہُوئیں اور بوجہ بد کرداری زید کے ہندہ نے زید سے طلاق مانگا اس شرط پر کہ میں مہر معاف کردوں اور تم طلاق دے دو زید نے نہ مانا مجبور ہو کر ہندہ نے اپنا معاملہ حاکم تحصیل کی کچہری میں پیش کیا حاکم تحصیل نے ہندہ کو طلاق کی ڈگری دے دی اب ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، اگر عورت جوان طاقتور ہے اور شوہر بڈھا فرتوت ہے عورت شوہر کے پاس نہیں رہنا چاہتی ہے شوہر چھوڑنا نہیں چاہتا تو شرعًا کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟

الجواب:

لاالٰہ الاّ اللہ بے شوہر کے طلاق دئے طلاق تحصیلدار کے دئے نہیں ہو سکتی قال اللہ تعالٰی بِیَدِہٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نکاح کی گرہ صرف خاوند کے ہاتھ میں ہے۔ت) دوسری جگہ نکاح کرے گی تو حرام قطعی وزنا ہوگا قال اللہ تعالٰی وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حرام ہیں منکوحہ عورتیں۔ت) ہاں شوہر پر فرض ہے کہ اسے اچھی طرح رکھے اس کے حقوق ادا کرے، اگر وُہ اس پر قادر نہیں تو اُس پر فرض ہے کہ اسے طلاق دے دے،

قال اللہ تعالٰی فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْفَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دوطلاقوں کے بعد بیوی کو حُسنِ سلوک سے پاس رکھو یا اُن کو بھلائی کے ساتھ فارغ کردو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۵: از بلرامپور محلّہ پورنیا تالاب ضلع گونڈہ مرسلہ تیغ بہادر خاں ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہندہ نے اپنے شوہر زید پر بحالتِ نزاع

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[3] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

کچہری دیوانی میں دعوی طلاق دائر کیا۔ شہادت وغیرہ پیش کرکے عورت نے اپنی طلاق کی ڈگری حاصل کرلی اب یہ عورت ازرُوئے شرع شریف دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یانہیں، اور اگر بعد طلاق حاصل کردو شوہر اوّل اس سے بعد چار پانچ ماہ کے رجعت کرے تو جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر واقع میں زید نے طلاق دی تھی اور ہندہ نے سچّا دعوی رکے ڈگری لی تو اگر طلاق بائن تھی تو بعد عدّت مطلقاً اور اگر رجعی تھی تو اس شرط پر کہ زید نے عدّت میں رجعت نہ کی ہو نکاح کرسکتی ہ، اور اگر زید نے واقع میں طلاق نہ دی تھی ہندہ نے جُھوٹے گواہ پیش کرکے ڈگری لے لی یا طلاق وجعی دی تھی اور ختم عدّت سے پہلے زید نے رجعت کرلی تو ہندہ کو دُوسری جگہ نکاح حرام قطعی ہے اگر کرے گی زنا ہوگا **قال اللہ تعالٰی وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ت) حیض والی عورت کی عدّت تین حیض ہیں جو طلاق کے بعد شروع ہو کر ختم ہوں،

وَالۡمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ[2]۔	طلاق دی ہوئی عورت اپنے آپ کو تین حیض تک پابند کریں(ت)

اگر اس چار پانچ مہینے یں تین حیض شروع ہو کر ختم نہ ہوئے ہوں تو شوہر رجعت کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۶: از بریلی محلّہ بہاری پور مرسلہ غلام مرتضٰی صاحب ۱۶شعبان ۱۳۲۶ھ

ہندہ صالحہ ہے اور اس کا شوہر فاسق فاجر موذی معلن سود خوارہ اور شرابی وعیاش ہے، ہندہ کو مارپیٹ کرتا تھا بلکہ چاقو چھری سے آمادہ رہتا تھا اور ایک بار چاقُو مارا کہ جس سے گھائی دہنے ہاتھ کی کٹ گئی، دوسری مرتبہ ایک چاقو مارا جس بائی ہاتھ کی کلائی میں زخم پہنچا جس کے ہر نشان اب تک موجود ہیں، اکثر عورت کو شراب پینے پر بحالت نشہ مجبور کرتا تھا، چنانچہ ایک بار اس کے جبر پر ہندہ نے شراب سے نفرت ظاہر کی تو اس کے وہی گلاس مارا جس سے اس کو چوٹ لگ گئی اور آنکھوں میں شراچ پڑی جس سے آنکھیں دکھ آئیں اور عرصہ تک تکلیف رہی اور شخص مذکور تعلق ناجائز کئی عورتیں سے رکھتا تھا ان میں سے ایک عورت سے نکاح کرلیا تھا چند روز بعد اُسے مارپیٹ کر نکال دیا شوہر کی ان حرکاتِ ناشائستہ سے ہندہ نہایت پریشان رہتی تھی ار ان بدچلن عورتوں کو اکثر گھر میں رکھتا تھا آخر کار

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

مجبورًا ہندہ کے والدین نے عرصہ سات ۴ سال کا ہُوا بٹھالیا اس مدّت میں شوہر ہندہ نے نان ونفقہ کی کُچھ خبر نہ لی اور بد چلنی اس کی اب تک برابر اسی روش پر ہے عرصہ ڈھائی سال کے قریب ہُوا کہ ایک عورت اور کرلی ہے اسی دوران میں شوہر نے نالش دلاپانے زوجہ کے دائر کی کہ وُہ بوجہ ثبوت بد چلنی کے خارج ہو گئی پر شوہر نے اپیل بھی کی وُہ بھی خارج ہو گئی ہندہ کی یہ خواہش ہر گز نہیں ہے کہ میں اس موذی کے گھر جاؤں کیونکہ علاوہ دیگر تکالیف کے اب اندیشہ ٔجان بھی غالب ہے اس لئے کہ نالش مذکور خارج ہو جانے سے مخالفت باہمی بہت کچھ بڑھ گئی ہے پس اس صُورت میں علمائے دین سے استفسار ہے کہ شوہر سے طلاق یادست بر داری ہو سکتی ہے یا نہیں، اور شرعًا فسخ نکاح بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

صُورتِ مستفسرہ میں عورت پر ہر گز جبر نہ ہوگا کہ شوہر کے یہاں جائے کہ اس میں دینی دُنیوی وجانی وجسمانی اُس کا ہر طرح کا ضرر ہے، جان جانے کا اندیشہ باقی وموجود اور ضرر شرعًا واجب الدفع ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ [1] عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولاضرار فی السلام [2]۔	اسلام میں نہ ضرر ہے نہ کسی کو ضرر دینا۔

پس اگر کچھ لوگ صالحین واہلِ دین میسر ہو سکتے جن کی حمایت میں عورت کا رہنا شرعًا بھی جائز ہو اور وہ اس کی نگہداشت کافی طور پر کر سکیں اور شوہر کو اس کے دین جسم وجاں پر تعدّی نہ کرنے دیں جب تو عورت وہاں اپنے آپ کو سپردِ شوہر کرتی کہ اس میں دونوں کے حق مراعات رہتے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر لوقالت انه بضربنی ویوذینی فمرو ان یسکننی بین قوم صالحین فان علم القاضی ذٰلك زجره ومنعه عن التعدی فی حقها والایسأل عن صنیعه فان صدقوها منعه عن التعدی فی حقها ولا یترکها ثمه	بحر میں ہے اگر بیوی نے قاضی کو درخواست دی کہ خاوند مجھے مارتا اور اذیّت دیتا ہے تو اس حکم دیجئے کہ مجھے نیک لوگوں میں سکونت دے، اگر قاضی خود اس معاملہ سے آگاہ ہو تو خاوند کو ڈانٹے اور مارنے اور زیادتی سے منع کرے، ورنہ پڑوسیوں سے خاوند کے رویے کے متعلق معلوم کرے اگر وہ بیوی کی تصدیق کریں تو قاضی خاوند کو زیادتی سے منع

[1] القرآن الکریم ۶/۶۵

[2] معجم اوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۶/۹۱

وان لم یکن فی جوارھا من یوثق بہ او کانوا یمیلون الی الزوج امرہ باسکانھا بین قوم صالحین[1]۔	کرے ورنہ اسی مسکن میں رہنے دے،اوا گر اس کے پڑوس میں کوئی ثقہ آدمی نہ ہو یاپڑوسی خاوند کی طرفداری کریں تو خاوند کو پابند کرے کہ وہ بیوی کو نیک لوگوں میں رہائش دے۔(ت)

مگر غیر لوگوں سے اس زمانے میں نہ ایسی اُمید نہ ایسے لوگ ملیں گے پر نان نفقہ لازم کای جائے لانھا لیست بناشزۃ لان امتناعھا بحق (کیونکہ وُہ نافرمان نہیں کیونک اپنے حق کے لئے وُہ خاوند کو جماع سے روکتی ہے۔ت) پھر اگر اُس کے ساتھ خولت میں اندیشہ ہوتواس سے منع کریں اور یہی صورت معتبر ہے،اور اگر اب اندیشہ صحیحہ ہواور بندوبست کافی کی اُمید نہ ہو اور فی الواقع شرابی کا بندوبست ناممکن ساہے تو حاکم شوہر پر جبر کرے کہ عورت کو طلاق دے۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

فَاَمۡسِکُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡسَرِّحُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ[2]	ان کو پاس روکے رکھو بھلائی کے ساتھ، یا ان کو فارغ کردو بھلائی کے ساتھ۔(ت)

عورتوں کو تواچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑدو،جب اچھی طرح رکھنا نہیں تو اچھی طرح چھوڑنا اس پر واجب ہُوااور ترک واجب گناہ ہے اس گناہ پر حاکم سزادے سکتا ہے،

کمافی البحر والدروغیرھما ان کل مرتکب معصیۃ لاحد فیھا فیھا التعزیر[3]۔	جیسا کہ بحر میں ہے کہ وُہ گناہ جس پر حد نہ ہو اس پر تعزیر ہوتی ہے۔(ت)

بغیر اس کے بطور خود فسخ نکاح کی صورت ہمارے یہاں مذہب میں نہیں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷: از موضع گھورنی ڈاک خانہ کرشن گڑھ ضلع ندیا ۳جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

فسخ نکاح بہر وجہیکہ بود بلا تفرقہ قاضی شرع وبشرط بنودن قاضی شرع بلاحکم حاکم وقت میتواند شد یانہ،ودریں بلادِما	نکاح کا فسخ جیسے بھی ہو، قاضی کو تفریق کے بغیر اور قاضیِ شرع نہ ہونے کی وجہ سے وقت کے حاکم کے بغیر ہوسکے گا یا نہیں،اور ہمارے ملک

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱

[3] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

کہ قاضی شرع عدیم الوجود ست حکم حاکم غیر مسلم مناسب تفرقہ قاضی میواند شد یانہ بتقدیر جواز نیابت اذن اولا بدیست یانہ؟	میں شرعی قاضی موجود نہیں تو کیا غیر مسلم حکمران قاضی کے قائم مقام ہو کر نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں اور اگر یہ فسخ کر سکتے ہیں تو کیا نیابت کیلئے ان کو اجازت حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟(ت)

الجواب:

فسخ نکاح بردوگونہ است یکے آنکہ حقاللشرع باشد مقارن ہمچو نکاح زنے برخواہرش یا اصول وفروع ممسوسہ یا آنکہ حرمت رضاعت داشتہ باشد الی غیرذٰلك خواہ طاری چوں آنکہ رضاع یا مصاہرت بعد نکاح حرمت آرد یا شوہر مرتد شود والعیاذباللّٰہ تعالٰی درہمچوصور ہیچ حاجت قضانیست برہریک زن وشوہر واجب ست فسخ کردنش اعظاما للشریعۃ واعداما للمعصیۃ نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار، دوم آنکہ برائے حق زن باشد چوں خیار بلوغ وعنین وغیرہما اینجا قضائے قاضی شرط ست تنہا زن یاولی او باد مستبد تنواں شد اگر ولی بے تفریق قاضی جُدا کردہ بزنے دیگر دہد حرام باشد زیراکہ حق زوج باد متعلق ست وشرع حکم بتفریق نہ فرمودہ است واصل ایں منصب شرع مطہر راست کہ کارکارِدین ست پس ایں تفریق نہ رسد مگر قاضی راکہ نائب	نکاح کا فسخ دو۲ قسم ہے،ایک شرع کی پاسداری کے لئے،اور یہ شرعی حق کو ابتداء سے عارض ہو،جیسے بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح،یا بیوی کے اصول(ماں،دادی)وغیرہ یا فروع(بیوی کی پہلی بیٹی)کو شہوت سے چُھوا ہو،یا بیوی رضاعت کی وجہ سے حرام ہو وغیرہ ذالک،یا شرعی حق نکاح کے بعد لاحق ہُوا،مثلاً رضاعت یا مصاہرت کی حرمت نکاح کے بعد عارض ہوئی ہو یا والعیاذ باللہ تعالٰی،خاوند مرتد ہو گیا ہو تو ان تمام صورتوں میں فسخ نکاح کے لئے قاضی کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مرد و عورت دونوں پر لازم ہے کہ وُہ فسخ قرار دے کر جدائی اختیار کریں تاکہ شریعت کی تعظیم اور گناہ سے اجتناب کیا جاسکے،اس پر درمختار وغیرہ معتبر کتب میں تصریح کی گئی ہے،فسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ بیوی کے حق کی وجہ سے فسخ کیا جائے مثلاً بیوی کو بالغ ہونے پر فسخ کا اختیار حاصل ہو یا خاوند نامرد ہو وغیرہ،تو اس قسم میں فسخ کے لئے قاضی شرط ہے،بیوی یا اس کے ولی کو مستقل اختیار نہیں کہ وُہ قاضی کے بغیر جُدائی کا فیصلہ کریں،اگر اس صورت میں ولی نے قاضی کے بغیرہ عورت کا دوسرے سے نکاح کردیا تو یہ نکاح حرام ہوگا کیونکہ ابھی پہلے

شرع مطہر است چنانکہ امامت در نماز حق حکام ست فاما شرط اسلام ست، واللہ تعالٰی اعلم۔	خاوند کا حق اس عورت پر باقی ہے، اور شرعًا یہ تفریق نہ ہوگی کیونکہ یہ دینی معاملہ ہے جس میں شرع کو ہی حق ہے، لہٰذا یہ کاروائی قاضی کے بغیر نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ وہی شرع کا نائب ہے، جیسا کہ نماز میں حقِ امامت حاکم کو ہی حاصل ہے، ہاں مسلمان ہونا شرط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۸: سائل مذکور رالصد (سائل وہی پہلے مذکور ہے۔ ت)

زنے راکہ شوہرش دیوانہ شدہ از سہ چہار سال بہسپتال مقید گردیدہ است میرسد کہ بلا تفرقہ قاضی شرعی یا بلا حکم حاکم فسخِ نکاح خود کند یانہ و بلا انقضائے عدّت فسخ بادیگرے نکاح خود میتواند کردیانہ یا ولی اورا میرسد کہ بطلب اویا بلاطلب او تفریق را وبلا تفرقہ قاضی مجح بجہت مجنون شدن شوہر نکاح اوبدیگرے کردہ بدہد یانہ وبوقتِ ضرورت مثلًا خوفِ زناواحتیاج نفقہ وغیرہ عمل بمذہب دیگر یابقول غیر مفتی بہ از اقوال کے از ائمہ حنفیّہ روا باشد یا نہ وبشرطِ جواز قول کسے دربارہ جواز فسخ نکاح آں مجنون الزوج رابلا تفرقہ قاضی ہست یانہ، ودرصورت عدم فسخ نکاح حکم ناکح ومنکوحہ ومنکح چیست۔	جس عورت کاخاوند دیوانہ ہونے کی وجہ سے تین چار سال ہسپتال میں پابند ہے ایسی عورت کو یہ اختیار ہے کہ وُہ قاضی کی تفریق کے بغیر یا حکمِ حاکم کے بغیر نکاح فسخ کرلے یانہیں ؟اور فسخ کی عدت پوری کئے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یانہیں ؟ یا کیا اس کے ولی کو یہ اختیار ہے عورت کے مطالبہ پر یابغیر مطالبہ خود ہی قاضی تفریق کے بغیر صرف خاوند کے مجنون ہونے کی بناپر دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح کردے یانہ ؟ اور کیا بوقت ضرورت مثلًا زنا یا نفقہ کی محتاجی کے خطرہ پر غیر مفتٰی بہ قول کے مطابق حنفی مذہب کے علاوہ دوسرے کسی مذہب پر عمل جائز ہوگا یانہیں ؟ اگر جائز ہے تو دوسرے کسی امام کے مذہب پر خاوند کے مجنون ہونے پر قاضی کے بغیر فسخ نکاح کااختیار ہے یانہیں؟ قاضی کے فسخ کے بغیر عدمِ جواز کی صورت میں نکاح کرانے والے اور نکاح کرنے والے مرد اور عورت کاکیا حکم ہے؟

الجواب:

شوہر اگر مجنون گردد نزد ماہیچ گاہ فسخِ نکاح نتواں شد واگر قاضی شرع مقلد حنفی حکم بفسخ کند نیز باطل ست اذلیس للمقدان	خاوند اگر مجنون ہوجائے تو کسی طرح بھی ہمارے مذہب حنفی میں نکاح کا فسخ جائز نہیں ہے۔ اگر قاضی حنفی مذہب کا مقلد ہو تو اگر وُہ فسخ کرے گا تو اس کا

یخالف مذہبہ در تصحیح القدوری علامہ قاسم باز ودر مختار ست الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1] (ومجتہد خود از صدہا سال مفقود است،آرے اگر قاضی شرعی شافعی المذہب باشد یا حنفی مگر سلطان کہ اورا بر قضاداشتہ است اذن دادہ باشد مثلاً ہنگام ضرورت بقول مرجوح فی المذہب یا بمذہب دیگر قضاکنی آں گاہ قضائے او صحیح ونافذ باشد وپیداست کہ ایں تفریق اگر باشد بخاطر جاا گرے تفریق قاضی شرع ولی بزنے دیگر دہد یازن خودش بدگرے نکاح کند زنہار جائز نیست ناکح ومنکوحہ ہردو بزہ کار ومنکح نیز اگر بریں حال مطلع باشد بوقتِ ضرورت اگر صادقہ باشد عمل بقول مرجوح یا مذہب امام دیگر درآں خاص مسئلہ مبتلابرائے نفس خودش عمل میتواں کرد فاما مفتی رانمی رسد کہ باوفتوی دہد یا قاضی مقلد مقید بالقضا بالمذہب باوحکم تواں کرد واگر کند باطل شد کما قد مناوکل ذلك مصرح به فی الکتب المعتمدة و آنکہ برائے نفس خودش باو عمل کند واجب ست کہ جملہ شرائط آں قول مرعی دارد مثلاً قول امام محمد در تفریق زن مجنون شرط تفریق قاضی کہ بے رو براں قول مرجوح ہم عمل بناشد بلکہ بہوائے نفس والعیاذ	فسخ باطل ہوگا کیونکہ مقلد اپنے مذہب کی مخالفت نہیں کرسکتا، قدوری کی تصحیح میں علامہ قاسم نے اور پھر درمختار میں فرمایا کہ فتوٰی اور فیصلہ قولِ مرجوح پر جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے،اور مستقل مجتہد صدیوں سے مفقود ہے،ہاں اگر شافعی یا حنفی قاضی کو سلطان نے عہدہ پر مقرر کرتے ہوئے یہ اجازت دی ہو کہ وُہ ضرورت کی بنا پر اپنے مذہب کے مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر فیصلہ کرسکتا ہے تو اس قاضی کا فیصلہ صحیح ہوگا اور نافذ بھی ہوگا۔اور یہ واضح ہے کہ اگر یہ تفریق ہوگی تو عورت کی خاطر ہوگی، شریعت کے حق کے لئے نہ ہوگی جبکہ ہم اُوپر بیان کرچکے ہیں کہ ایسی صورت میں اگر ولی نے یا خود عورت نے قاضی کی تفریق کے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کیا تو ہر گز جائز نہ ہوگا، نکاح کے دونوں فریق اور نکاح کرکے دینے والے زناکاری میں مبتلا ہوں گے بشرطیکہ نکاح پڑھانے والے کو صورتِ حال کا علم ہو،ضرورت اگر صحیح اور واقعی ہوتو پھر مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر مبتلا شخص کو چاہئے کہ وُہ خود عمل کرے لیکن مفتی ہرگز فتوٰی نہیں دے سکتا،اور وُہ قاضی بھی جو اپنے مذہب کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند ہو،وہ بھی ایسا فیصلہ نہیں کرسکتا اگر فیصلہ کرے گا تو وُہ بھی باطل ہوگا جیسا کہ ہم پہلے بیان کرآئے ہیں اور قابل اعتماد کُتب میں اس کی تصریح موجود ہے،اور اگر مبتلا شخص خود دوسرے

[1] درمختار مقدمہ کتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مذہب یا مرجوح قول پر عمل کرے تو ضروری ہے کہ وہ ان تمام شرائط کی رعایت کرے، مثلاً امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مجنون کی بیوی کے متعلق تفریق کے جواز کو قاضی سے مشروط کیا ہے اس کے بغیر مرجوح قول پر بھی تفریق جائز نہ ہوگی بلکہ یہ نفسانی خواہش کی پیروی ہوگی۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۹: از اعظم گڈھ ڈاکخانہ مبارکپور محلّہ پرانی بستی متصل مکان ناظر جی مرسلہ حبیب اللہ ولد بابو ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نابالغی میں نکاح ہُوا اور وُہ بی بی میکے سے اب تک رخصت ہو کر سسرال نہیں گئی عرصہ تین برس کا ہوا کہ شوہر بیمار ہوگیا ہے اور برابر علاج بھی ہو رہا ہے مگر کوئی دوا فائدہ نہیں کرتی اور نہ کوئی حکیم مرض کا پتا بتائے کہ کون سا مرض ہے اب شوہر کی یہ حالت ہے کہ کوئی عضو کام کرنے کے لائق نہیں ہے ہر عضو سے معذور ہے، نہ چل سکتا ہے نہ کھڑا ہو سکتا ہے اور پاخانہ پیشاب سے بالکل معذور ہے اور زبان بھی درست نہیں ہے کہ زبان سے کوئی بات صاف نکلے کہ جو کوئی سمجھ سکے بلکہ پاخانہ پھرتا ہے تو دوسرا آبدست لے دیتا ہے یہی حالت آج تین برس سے ہے اور وُہ باولے کی شکل ہوگیا ہے اپنے کپڑے کا کچھ خیال نہیں کرتا ننگا مادر زاد بھی ہو جاتا ہے اپنا خرچ بھی نہیں چلا سکتا اور نہ عورت کا چلا سکتا اور نہ شوہر کے والدین نے اس عورت کے نان نفقہ کا ابھی تک خیال کیا، لڑکی کے والدین عاجز ہو کر کے آپ کے پاس یہ سوال حبیب اللہ ولد بابو نے روانہ کیا ہے، ان سب حالتوں میں لڑکی کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یہ سب حالت اور واقعہ سچّا تحریر ہے۔

الجواب:

ان وجوہ سے نکاح فسخ نہیں ہو سکتا، درمختار میں ہے:

لایتخیر احد الزوجین بعیب الاخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن [1]۔	خاوند بیوی سے کسی کو دوسرے میں عیب کی بناپر فسخ کا اختیار نہیں ہے اگر وہ عیب واضح ہو مثلاً جنون، جذام، برص یا عورت کی شرمگاہ میں تنگی یا اس میں ہڈی یا غدود پیدا ہوگئی ہو۔ (ت)

اس میں ہے:

[1] دُرمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۴

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا ای عن النفقۃ ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خاوند اگر نفقہ دینے سے عاجز ہو تو بھی تفریق جائز نہیں، اگر حنفی قاضی نے ایسا فیصلہ دیا تو نافذ نہ ہوگا۔(ت)

مسئلہ ۲۵۰تا۲۵۴: ازم بمبئی پوسٹ ۹ پیرولین مرسلہ مولوی محمد حسین صاحب مینیجر طلسمی پریس ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی ۷ سال ہوئے اور اس تمام زمانہ کا خرچہ والدین پر رہا زید کوئی کام کرنا نہیں چاہتا اپنے چھوٹے بھائی کی معمولی آمدنی پر اپنا بار ڈالے ہوئے ہے اسی وجہ سے زید کے والد بھی ناخوش ہیں کہ باوجود ان کے بہت سمجھانے کے بھی کچھ کام نہیں چاہتا، ہندہ کے والد کے انتقال کے بعد زید کو اس کی خوشدامن نے بُلا کر سمجھایا مگر وُہ نہ مانا اور اپنے مکان جاکر یہ خط بھیج دیا بعدہ ہندہ کی والدہ نے انتقال کے بعد ہندہ کے ایک رشتہ دار بھائی نے خط کتابت کی اس لئے کہ حقیقی کوئی بھائی بھی نہیں ہے لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ مندرجہ ذیل عبارات پر فسخ نکاح یا تفویض طلاق کا حکم ہوسکتا ہے یا نہیں اور بفتوائے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی بحالت عدم وصولی نان نفقہ کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

(۱) خط خوشدامن کے نام، ماسوا اس کے میں تمہارا کوئی مزاحم نہیں اور نہ میں تمہارے کسی کام میں دخل دے سکتاہُوں مجھے تمہاری خیریت اور خبر کی ضرورت نہیں ہے صرف اپنی لونڈیا کی وجہ سے خط بھیجتا ہوں تمہارے ہر کام کا تم کو اختیار ہے ہم کوئی نہیں ہیں کیوں دخل دیں گے جو تمہارے لوگوں کے مزاج میں آوے وہ کرو، بعد انتقال والدین عمرو رشتہ کے بھائی نے خط بھیجا کہ اب تو خبر گیری کرو اب نہایت نازک وقت ہے، اس کا جواب ذیل ہے۔

(۲) ذرا قرآن اور حدیث کو سامنے رکھئے اور پھر تصفیہ کیجئے گا کہ مرد پر کون سی عورت کا حق ہے اور کس وجوہات سے عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے بہت معاملات اور عادات ایسے کہ اگر مرد ان عادات کو عورت کی گوارہ کرے تو جہنمی ہوجائے وہ میری نیک بخت بیوی میں سب موجود ہیں، بعدہ یہ لکھنے پر کہ خبر گیری کرو اور خبر گیری اپنے ذمّہ واجب نہیں سمجھتے تو صاف صاف علیحدگی کے الفاظ لکھ دو اگر کوئی صورت بھی منظور کرتے ہو تو میں یہ رعایت کروں گا کہ بحالت یکجائی اب تک کے حقوق ہندہ سے معاف کرادوں گا اور بحالت علیحدگی مہر بھی، تاکہ عنداللہ بھی آپ ماخوذ نہ ہیں۔

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

(۳)جواب: آپ کاتواب یہ خیال ہے جناب قبلہ خواشدامن صاحبہ نے بعد انتقال خسر صاحب مجھ کو یہاں سے بُلایااور مُجھ سے بجائے اسکے کہ وُہ رکھنے پر مجبور کرتیں یہ کہاکہ تم طلاق دیدو توبہتر ہے میں خاموش ہورہا اگر میں طرح نہ دے دیتا توجب ہی معاملہ طے تھامگر مجھے خالوتوں سے واقفیت ہوگئی اور میں نے پھر وہاں رہ کر انتظار کیاکہ شاید مزاج عالی درست ہوجائے مگر ماشاء اللہ اُس مزاج مبارک نے وہ عروج حاصل کیاکہ ہمیشہ سے چہار چند سوار نگرد کھلایااور خیر مجھے شکایت نہیں ہے میں ایسے نافرمان متکبر لوگوں کی صحبت میں کبھی رہنا پسند نہیں کرتا اس واسطے کہ میں خود بدطینت ہُوں اس وجہ سے بہتر ہے کہ وُہ بھی آزادانہ زندگی بسر کریں میری بھی یہی رائے ہے لیکن یہ لکھ دیجئے کہ زہرہ کا کیا حشر ہوگا یہ فیصلہ آپ کے سر ہے جو آپ کردیں اگر زہرہ کو بھی دے دیں توآپ کو مرضی، میں تیار ہوں، اگرآپ نہ دیں تو بھی راضی ہوں، بہرحال جو تصفیہ آپ کریں اس خط کے جواب پر آپ جو چاہیں گے میں لکھ دُوں گا(بعدہ، دوسرا خط آیا)

(۴) برائے کرم جواب سے خط ہذا کے مطلع فرمایئے تاکہ جو رائے ہو اس پر عمل درآمد کیا جائے، اس پر عمرو کے یہ کہنے پر کہ زہرہ ابھی صغیر سِن ہے اور تم لوگوں کی صورت سے ناآشنا ایسی حالت میں اس کو علیحدہ کرنا گویا زندہ درگور کرنا ہے، لہٰذا یہ معاملہ آئندہ پر رکھو اور اپنی علیحدگی کی تحریر دوچار دستخط کرکے بھیج دو تمہارے اطمینان کو یہ لکھے دیتے ہیں کو ہندہ کے تمام حقوق بشرطیکہ تم اپنی تحریر ایسی بھیجدو معاف ہیں (اس کو جواب یہ آیا)

(۵) میں یہ نہیں چاہتا کہ فی الحال، زہرہ آپ لوگوں سے علیحدگی کی جائے کیونکہ ابھی وُہ صغیرہ ہے جب تک وہ ہوشیار نہ ہوجائے تب تک میں اس کو وہاں رکھنا پسند رکھتا ہوں جس وقت وہ مجھ تک نہ آجائیگی جب تک یہ امر دشوار ہے، فقط۔

الجواب:

پہلا خط خوشدامن کے نام ہےاُس میں نہ زوجہ سے خطاب نہ اس کا ذکر۔ اگر خود زوجہ سے کہتا تم کو اختیار ہے اور تفویضِ طلاق چاہتا تواختیار بھی اُسی مجلس پر موقوف رہتا نہ کہ اب تک مستمر۔ درمختار میں ہے:

قال لها اختاری اوامرك بيدك ينوی تفويض الطلاق فلها ان تطلق فی مجلس علمها به مالم تقم او تعمل مايقطعه۔[1]	خاوند نے بیوی کو کہا تجھے اختیارہ، یاترا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔اور یہ الفاظ بیوی کو طلاق کا اختیار دینے کی نیت سے کہے تو بیوی کو اسی مجلس میں جس میں اس کو اس اختیار کے ملنے کی اطلاع ملی اپنے کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا بشرطیکہ وہ سُن کر وہاں سے

[1] درمختار تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

اٹھ نہ گئی ہو یا ایسا عمل نہ کیا ہو جس سے اس کا اختیار باطل ہوتا ہو۔(ت)

اور "اگر ہم کوئی نہیں" کی جگہ خود زوجہ سے کہتا "نہ تُو میری زوجہ میں نہ میں تیرا شوہر" جب بھی طلاق صاحبین کے نزدیک مطلقًا نہ ہوتی،

وفی جواہر الاخلاطی والخلاصۃ وخزانۃ المفتین ھوالمختار وان نوی[1]۔	جواہر اخلاطی، خلاصہ، خزانۃ المفتین میں ہے کہ اگرچہ نیت کی ہو یہی مختار قول ہے(ت)

اور امام کے نزدیک کی نیت پر موقوف رہتی،

قدمه فی الخانیة واقتصر علیه فی البدائع والکنز والملتقی وکان ھوالاوجه۔	خانیہ میں اس کو پہلے ذکر کیا۔ بدائع اور کنز اور ملتقٰی میں اسی پر اکتفاء کیا، لہٰذا یہی راجح ہے(ت)

درمختار میں ہے:

لست لك بزوج ولست لی بامرأۃ طلاق ان نواہ خلافا لھما[2]۔(ملخصًا)	خاوند نے اگر بیوی کو کہا "میں تیرا خاوند نہیں تُو میری بیوی نہیں" طلاق کی نیت سے کہا تو ہوگی۔ اس میں صاحبین کا قول مخالف ہے(ملخصًا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قید بالنیة لانه لایقع بدونھا اتفاقا لکونه من الکنایات واشار الی انه لایقوم مقامھا دلالۃ الحال لان ذٰلك فیما یصلح جوابا فقط وھو الفاظ لیس ھذا منھا[3]۔	نیّت سے مقید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر نیت طلاق نہ ہوگی بالاتفاق، کیونکہ یہ کنایات میں سے ہے۔ اس میں یہ اشارہ دیا کہ دلالتِ حال نیت کے قائم مقام نہیں بن سکتا کیونکہ دلالتِ حال وہاں معتبر ہوتا ہے جہاں وہ فقط جواب بن سکے اور وُہ خاص الفاظ ہیں یہ ان میں سے نہیں ہے۔(ت)

خط دوم میں یہ پوچھا ہے کہ کن وجوہ سے عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے اسے انشائے طلاق سے کُچھ علاقہ نہیں اگرچہ اس کے دل میں یہی کہ ہندہ میں بعض وجوہ ایسی ہوئیں جن کے سبب وہ نکاح سے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۹۷

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

باہر ہوگئی کہ طلاق لفظ سے ہوئی ہے دل کا تصور کچھ نہیں، اسی خط میں اس میں اس نے کہا ہے کہ میری بی بی الخ
خط سوم میں فیصلہ دوسرے کے سر رکھا ہے اور یہ کہ جو آپ چاہیں گے میں لکھ دوں گا، یہ ایک وعدہ ہے اور وہ ایک رائے ہے کہ بہتر ہے کہ وُہ بھی آزادانہ زندگی بسر کریں یہ کہ اُسے آزاد کیا۔
خط چہارم میں طلب مشورہ ہے۔
خط پنجم میں جب تک زہرہ نہ مل جائے طلاق دینے سے انکار ہے۔
غرض ان خطوط میں کوئی حرف صورتِ طلاق کا نہیں چارہئ کار معززین کے دباؤ خواہ نالش سے مجبور کرتا ہے کہ نان نفقہ دے یا طلاق، بغیر اس کے کوئی صورتِ خالص نہیں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی نفقہ نہ دے نے پر تفریق نہیں کراتے بلکہ عاجز محتاج ہونے پر جو ادائے نفقہ پر قادر نہ ہو اور اگر ہو بھی تو حنفی کو اپنے امام کا اتباع واجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵: از رامپور محلّہ گھیر یُوسف الدین خاں دیوار جنوبی انگوری باغ متصل مسجد پاکھر مطب نمبر ۳۴ مسئولہ سید مختار احمد یتیمی ڈاکٹر ۷ اجمادی الاولٰی

ایک مرد مسلمان کا پاک عورت مسلمان کے ساتھ عقدِ شرعی ہُوا، لیکن اب منکوحہ سے شوہر مذکور کوئی تعلق ظاہری و باطنی نہیں رکھتا اور ہر طرح منکوحہ سے بے پرواہے ابتدائے نکاح سے ہنوز کوئی بات تخلیہ شوہریت کا بھی نہیں ہُوا معلوم ہوا کہ شوہر دائرہ مردانیت سے بالکل بعید ہے یعنی نامرد ہے لہٰذا اس قسم سے یا ایسے نامرد سے منکوحہ نکاح جائز ہے یا ناجائز، اس عورت کو کیا عمل کرنے کی ضرورت ہے، اور موافق حدیث شریف کیا حکم ہے؟

الجواب:

نکاح صحیح ہوگیا، عورت بے موت یا طلاق جُدا نہیں ہو سکتی اگرچہ مرد نامرد ہو۔ ہاں چارہ کار حاکمِ شرعی کے یہاں دعوی ہے وہ اس ثبوت لینے کے بعد کہ مرد اس پر قادر نہ ہوا، مرد کو ایک سال کی کامل مہلت دے کہ اپنا علاج کرے، اس سال میں عورت مرد سے جُدا نہ رہے اگر سال گزر جائے، اور اب بھی قادر نہ ہو عورت پھر دعوی کرے اور حاکم پھر ثبوت لینے کے بعد عورت پُوچھے کہ تُو اپنے اس شوہر کے پاس رہنا چاہتی ہے یا اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے، اگر عورت فورًا بلاتاخیر کہہ دے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا، تو حاکم اُن میں تفریق وجُدائی کردے، یہ تفریق طلاق ہوئی، اور اب بعد عدّت عورت دوسرے سے نکاح کرسکے گی ورنہ نہیں، یہ حکم عورت کی جانب ہے، رہا مرد، اُسے حکمِ شریعت ہے کہ جب وُہ عورت کا حق ادا نہیں کرسکتا تو اُس پر فرض ہے کہ عورت کو طلاق دے دے نہ دے گا تو گنہگار و مستحقِ عذاب

ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: مرسلہ مولوی رحیم بخش صاحب مدرس ساکن شیر کوٹ تاجر الموڑہ ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

یہاں کوہِ الموڑہ پر ایک شخص امان اللہ نے اپنی دختر کا نکاح سیّد فضل حسین شاہ باشندہ ٹھاکردوارہ سے دیا، رخصت ہوگئی، سال بھر تک عورت اپنے شوہر کے پاس رہی اور ہم بستری ہوئی، پھر باپ کے یہاں آئی، امان اللہ وسیّد فضل حسین میں کوئی رنجش پیدا ہُوئی، فضل حسین اپنی منکوحہ کو ٹھاکردوارہ لے جانا چاہا، امان اللہ نے لے جانے نہ دیا بلکہ قسم قسم کے تنازع ہوگئے یہاں تک کہ نوبت نالش کی آئی۔امان اللہ نے جُھوٹا طلاق کا دعوٰی کیا کہ بوجہ ظہورِ دروغ حاکم نے خارج کردیا۔

ثانیًا مقدمہ اجازت فعل مختاری قائم کیا وُہ بھی خارج ہُوا، بعد ازاں سیّد فضل حسین اپنے مکان پر تھا، یہاں کے تھانہ دار سے کچھ مخاصمت تھی تھانہ دار نے عنادًا سیّد مذکور کو بریلی کے پاگل خانے میں بھیج دیا، اس اثناء میاں امان اللہ موقع پاکر بربناءِ پاگل ہونے کے مقدمہ دائر کرکے حاکم سے اجازت نکاح ثانی کی چاہی، حاکم ہندو نے وجہ پاگل ہونے کی قائم کرکے نکاح ثانی کی اجازت دے دی، امان اللہ نے اجازت سے دس ۱۰ دن بعد نکاح ثانی کردیا جسے اب کئی سال گزرے، جب سیّد فضل حسین رہائی یاب ہُوا تو آکر داد خواہ ہُوا اور مقدمہ دائر کردیا۔لہٰذا علمائے دین ومفتیانِ شرع متین سے اس صورت میں استفسار مطلوب ہے کہ نکاح ثانی دختر امان اللہ کا بنائے مجنونیت پر جائز ہُوا یا نہیں، اگر ناجائز ہو تو بوجہ مرورِ مدّت چند سال فضل حسین کا دعوٰی ساقط ہُوا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ کا یہ نکاح ثانی کہ اس نے زندگیِ شوہر میں بے وقوع طلاق دوسرے شخص سے کرلیا بالاتفاق محض ناجائز مردود ہے اور حاکم کی اجازت باطل ومطرود۔ہمارے امام مذہب سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جن کے ہم پیرو ہیں اور اُن کے اعظم اصحاب حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مذہب پر تو اس بیہودہ نکاح کے عدمِ جواز اور عورت کا اب تک بدستور زوجیّت شوہر اوّل میں ہونا آفتابِ نیمروز سے زیادہ روشن کہ ہمارے امام کے مذہب میں جنون شوہر کے باعث عورت کو ہرگز کسی وقت تفریق کرانے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اور یہی مذہب اعظم ارکان مذہب امام ابویوسف کا ہے اور اسی کو بوجوہِ کثیرہ ترجیح حاصل، اسی کو تمام متونِ مذہب مثل کنز ووافی ووقایہ ونقایہ ومختار واصلاح وتنویر وملتقی وغیرہا میں اختیار فرمایا، اسی دلیل کو عامہ شروح معتمدہ مثل ہدایہ وکافی وتبیین واختیار وفتح القدیر وغیرہ میں مرجح کیا، اسی پر اکثر فتاوٰی کا اطباق ہُوا، اسی کو امام اجل قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں

مقدم رکھا اور وُہ اسی قول کو مقدم رکھتے ہیں جو راجح و معتمد ہو، اسی کو علامہ ابراہیم حلبی نے ملتقی الابحر میں تقدیم دی اور وُہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو مؤید ہو، اسی کو خانیہ پھر خزانۃ المفتین میں ہمارا مذہب کہا امام علامہ فخر الدین زیلعی نے شرح کنزالدقائق پھر امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام نے شرح ہدایہ میں اس عظیم و جلیل تحقیق کے ساتھ ہمارے اس مذہب کی تائید و توصیف اور قول خلاف کی تضعیف و تزییف فرمائی کہ اصلاً گنجائش کلام باقی نہ رکھی **من شاء فلیشرف بمطالعتھما** (جو چاہے ان کے مطالعہ مشرف ہو۔ت) اور اکثر کتبِ مذہب میں تو اس پر ایسا جزمِ قطعی فرمایا کہ قولِ خلاف کا نام تک نہ لیا، میں یہاں صرف چند کتابوں کی عبارتیں نقل کرتا ہُوں، ۱وقایہ و ۲نقایہ ۳اصلاح تینوں کتابوں میں ہے:

لایتخیر احدھما بعیب الاٰخر[1]۔	دونوں میں سے کسی کے عیب کی وجہ سے دوسرے کو فسخ کا اختیار نہیں ہے۔(ت)

۴کنز میں ہے:

لم یتخیر احدھما بعیب[2]۔	ایک کے عیب کی وجہ سے دُوسرا فسخ کو اختیار نہیں کرسکتا۔(ت)

۵ملتقی الابحر اور اس کی ۶شرح مجمع الانہر میں ہے:

لاخیار لھا ان وجدت (المرأۃ) بہ (ای بالزوج) جنونا[3] **الخ**۔	بیوی کو اختیار نہ ہوگا اگر وُہ خاوند میں جنون پائے الخ (ت)

اختیار ۷شرح مختار میں ہے:

الحاصل اذا کان باحد الزوجین عیب فلاخیار للاٰخر الافی الجب والعنۃ والخصی[4]۔	اگر زوجین میں سے کسی میں عیب ہو تو دوسرے کے اختیار نہ ہوگا مگر جب شوہر مقطوع الذکر یا نامرد یا خصی ہو تو عورت کا اختیار ہوگا۔(ت)

۸خزانۃ المفتین و ۹فتاوی امام قاضی میں ہے:

---

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الھدایۃ کتاب الطلاق نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۷۱۔۷۰

[2] کنز الدقائق باب العنین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۳۷

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب العنین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۶۳

[4] الاختیار لتعلیل المختار فصل فی العیوب التی یثبت بہ الخیار الخ دار فراس للنشر والتوزیع ۳/۱۱۵

حق الفسخ بسبب العیب عندنا لایثبت فی النکاح فلاترد المرأۃ بعیب ما وان وجدت المرأۃ زوجھا جنونا اوجذاما اوبرصا لیس لھا حق الفرقۃ.[1] ملخصًا۔	ہمارے نزدیک عیب کی وجہ سے نکاح کے فسخ کا حق نہ ہوگا، لہٰذا بیوی کسی عیب کی وجہ سے رَد نہیں کیا جاسکے گا، اور عورت اگر خاوند میں جنون، جذام یا برص کا مرض پائے تو اس کو جدائی کا حق نہ ہوگا، ملخصًا۔ (ت)

تنویرالابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے:

لایتخیر احدالزوجین بعیب الاٰخرولو فاحشا کجنون[2] الخ۔	خاوند اور بیوی سے کسی کے عیب اگرچہ فحش ہو، پر دوسرے کو اختیارِ فسخ نہیں مثلًا جنون الخ (ت)

فقیر کی اس اجمالی تقریر سے واضح ہوگیا کہ ہمارا یہ مذہب کتنی وجوہِ کثیر سے ترجیح رکھتا ہے:

اوّلًا خود یہی کہ وُہ مذہبِ امام ہے اور مذہبِ امام، امام مذاہب جس سے عدول ہرگز جائز نہیں۔

الّالضرورۃ ضعف دلیلہ اوتعامل بخلافہ کما نصوا علیہ وقد اوضحناہ فی فتاوٰنا۔	مگر ضعفِ دلیل یا تعامل کے خلاف ہونے پر، جیسا کہ فقہا نے اس پر تصریح کی ہے جس کی وضاحت ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ (ت)

ثانیًا یہی امام ابویوسف اعظم ارکان مذہب کا قول ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بعد ارشاد امام اعظم قول امام ابویوسف مرجح ومقدم ہے۔ درمختار میں ہے:

یأخذالقاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقولِ محمد[3] الخ	قاضی بھی مفتی کی طرح مطلقًا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کو اپنائے گا، پھر امام ابویوسف پھر امام محمد کے قول کو الخ۔ (ت)

ثالثًا اس پر اجماع متون جن کی جلالتِ شان کو کوئی کتاب نہیں پہنچ سکتی کما نصوا علیہ قاطبۃ وحققناہ فی کتاب النکاح من فتاوٰنا (جیسا کہ تمام فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے اور ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب النکاح میں کی ہے۔ ت)

[1] قاضی خاں فصل الخیارات التی تتعلق بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۷

[2] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

رابعًا تظافر شروحکہ بتصریح علماء فتاوٰی پر مقدم ہیں و سیأتی عن الغمز (غمز سے عنقریب منقول ہوگا۔ت)

خامسًا اس پر جزم واعتماد کرنے والوں کی کثرت۔امداد الفتاح وردالمحتار وعقودالدریہ میں ہے: **القاعدة ان العمل بما علیه الاکثر**[1] (قاعدہ یہ ہے کہ اکثریت کے قول پر عمل ہوگا۔ت)

سادسًا اس کر مرجح ومختار رکھنے والوں کی جلالت وعظمت جن میں مثل برہان الدین صاحب ہدایہ وامام قاضی خاں وامام محقق علی الاطلاق وغیرہم اجلئ ائمہ اعلامہ ہیں، علماء فرماتے ہیں امام قاضی خان کی ترجیح اوروں کی ترجیح پر مقدم ہےاور فرماتے ہیں اُس سے عدول نہ کیا جائے کہ وہ فقیہ النفس ہیں **کما فی ردالمحتار وغیرہ** (جیساکہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت)

سابعًا قوّتِ دلیل کہ بعدملاحظہ تبیین الحقائق وفتح القدیر آفتاب کی طرح واضح ہوجاتی ہے۔

اقول: فثبت بحمد الله نقول الحاوی القدسی بقول محمد هذا به ناخذ کما نقله عنه فی الهندیة انما هو کقوله ایضا لروایة شاذة عن ابی یوسف مخالفة للمذهب المعتمد المجمع علیه بین المتون والشروح والفتاوی وهی عدم کراهیة النفل یوم الجمعة عند الاستواء لان النار لاتسعر فیه ان علیه الفتوی کما نقله فی الاشباه عن الحلیة عن الحاوی **قلت** والمراد هو هذا اعنی حاوی القدسی فقد رأیت التصریح به فی الحلیة قال العلامة السید الحموی فی غمز العیون مجرد دعوی الحاوی ان الفتوی علیه لایقتضی انه المصحح	**اقول:** (میں کہتا ہوں) الحمد للہ یہ ثابت ہوگیا کہ حاوی قدسی کا یہاں کہنا کہ امام محمد کے قول کو ہم لیں گے، جیساکہ ہندیہ میں ان سے منقول ہے، تو یہ ایسے ہے جیسے انہوں نے امام ابویوسف سے ایک شاذ روایت جو کہ معتمد مذہب اور تمام متون وشروح وفتاوٰی کے خلاف ہے کہ جمعہ کے روز استواء شمس کے وقت نفل پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ اس دن آگ شعلہ زن نہیں ہوتی، کے متعلق علیہ الفتوی (اس پر فتوی ہے) کہہ دیا، جیساکہ اس کو اشباہ میں حلیہ سے انہوں نے حاوی سے نقل کیا ہے **قلت** (میں کہتاہوں) وہاں حاوی سے یہی حاوی قدسی مراد ہے کیونکہ میں نے اس کی تصریح حلیہ میں دیکھی ہے، علامہ سید حموی نے غمز العیون میں فرمایا کہ حاوی کا صرف یہ دعوی کرنا کہ "اس پر فتوی ہے" سے لازم نہیں آتا کہ یہ تصحیح شدہ

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحادیة مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحة حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۶

المعتمد فی المذہب کیف واصحاب المتون قاطبة والشروح ماشون علی قولهما(یعنی الطرفین رضی الله عنهما) ومشی اصحاب المتون تصحیح التزامی علی ان مافی المتون والشروح مقدم علی مافی الفتاوی[1]اھـ	ہو اور مذہب معتمد علیہ ہو یہ کیونکر ہوسکتا جبکہ تمام اصحاب متون وشروح، طرفین کے قول پر قائم ہیں، اور اصحابِ متون کی طرف سے یہ التزامی تصریح موجود ہے کہ متون وشروح کا بیان فتوٰی کے بیان پر مقدم ہے اھ (ت)

خیر یہاں تک ہمارے اصلا مذہب پر بنائے سخن تھی مگر مجھے یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ نکاح مذکور کو روایت خلاف سے بھی اصلاً تعلق نہیں بلکہ وُہ باتفاق ہمارے تمام ائمہ کے محض ناجائز واقع ہُوا۔ میں اگرچہ اسے متعدد دلائل سے ثابت کرسکتا ہوں مگر یہاں صرف چند واضح امور پر اقتصاد کافی، روایت خلاف کا ہرگز یہ حکم نہیں کہ جنونِ شوہر میں مطلقاً حاکم فوراً اجازتِ نکاح ثانی دے بلکہ جب جنون پیدا ہو تو لازم کہ روز مرافعہ سے مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دے اگر اس میں اچھا ہوگیا تو اب ہرگز تفریق جائز نہیں، اور نہ اچھا ہُوا تو عورت جب تک پھر دعوٰی نہ کرے حاکم ہرگز حکم نہ دے وُہ بدستور زوج زوجہ رہیں گے ہاں اگر اب عورت پھر دوبارہ خواستگاری تفریق کو آئے تو قاضی اسے اختیار دے کہ چاہے تو اپنے نفس کو اختیار کر یا شوہر کو، اگر اس نے شوہر کو اختیار کیا یا بغیر کُچھ کہے چلی گئی یا کھڑی ہوگئی یا قاضی سپاہیوں نے اسے اُٹھادیا قاضی فوراً اٹھ کر کھڑا ہوا تو اب اسے اصلاً اختیار نہ رہا ہمیشہ کے لئے اس کی زوجہ ہے کہ کبھی دعوٰی تفریق نہیں کرسکتی، اور اگر اسی جلسہ میں اس نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو اب قاضی تفریق کردے، یہ تفریق طلاقِ بائن گنی جائے گی، اس کے بعد عورت ایّامِ عدّت پورے کرکے جس سے چاہے نکاح کرلے، اور ضرور ہے کہ عورت درخواست قاضی مصر یا مدینہ کے حضور پیش کرے وُہ سال بھر کی مدّت دے، اس کے سواد ُنیا میں کسی کی تاجیل کی معتبر نہیں۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ۔اھ[2]	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند کو جنون نیا عارض ہوا تو اس کو نامردی کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی، پھر سال کے بعد بیوی کو فسخ کا اختیار دیا جائیگا بشرطیکہ تندرست ہوا ہو اھ (ت)

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر القول احکام الجمعة ادارۃ القرآن کراچی ۳/ ۲۳۸
[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۶

اسی میں ہے:

جاءت المرأۃ الی القاضی بعد مضی الاجل والزوج لم یصل الیھا خیرھا القاضی فی الفرقۃ کذا فی شرح الجامع الصغیرلقاضی خان فان اختارت زوجھا اوقامت عن مجلسھا اواقامھا اعوان القاضی اوقام القاضی قبل ان تختار بطل خیارھا کذافی المحیط، و ھکذا روی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ وعلیہ الفتوی کذافی التاتارخانیہ ناقلا عن الواقعات، ان اختارات الفرقۃ امر القاضی ان یطلقھا بائنۃ.فان ابی فرق بینھما ھکذا ذکر محمد فی الاصل کذافی التبیین [1] اھملخصا۔	مذکورہ صورت میں عورت سال کے بعد آکر کہے میرا خاوند تندرست نہیں ہُوا، خاوند اس دوران جماع نہ کرسکا ہو تو قاضی بیوی کو اس وقت اختیار دے گا، شرح جامع صغیرہ قاضی خاں میں ایسے ہی ذکر کیا ہے تو قاضی کے اس اختیار پر عورت نے اپنے خاوند کو ترجیح دی یا اس مجلس اختیار سے اُٹھ گئی، یا قاضی کے اہلکاروں نے اسے وہاں سے اٹھادیا یا قاضی عورت کے فیصلہ بتانے سے قبل چلاگیا، تو عورت کا اختیار ختم ہوجائے گا، محیط میں ایسے ہی بیان ہے، اور یونہی امام محمد امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ تاتارخانیہ میں واقعات سے یونہی منقول ہے، اور اگر مذکور صورتوں کو خلاف عورت نے خاوند سے فرقت کو ترجیح دی تو قاضی خاوند کو بائنہ طلاق دینے کا حکم صادر کرے گا، اگر خاوند نے طلاق سے انکار کردیا تو پھر قاضی خود دونوں میں تفریق کردے گا، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل (مبسوط) میں یُوں ذکر فرمایا، جیساکہ تبیین میں ہے اھ ملخصًا(ت)

اُسی میں ہے:

لایکون ھذاالتاجیل الاعند قاضی مصر اومدینۃ فان اجلتہ المرأۃ اواجلہ غیر القاضی لایعتبر ذٰلک کذافی فتاوٰی قاضی خاں۔ [2]	یہ مہلت کا حکم قاضیِ شہر کی موجودگی میں دیا جائیگا، اگر خود عورت نے خاوند کو یہ مہلت دی یا کسی غیر قاضی نے دی ہوتو یہ معتبر نہ ہوگی، جیساکہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے(ت)

اُسی میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۳

لاتصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشھادۃ کذافی الھدایۃ من الاسلام والحریۃ و التکلیف[1] الخ۔	قاضی کی دی ہُوئی مہلت بھی تب معتبر ہوگی جب اس قاضی میں تقرری کے تمام شرائط موجود ہوں، وہ شہادت والے شرائط ہیں یعنی اسلام، آزاد ہونا اور مکلّف ہونا الخ (ت)

ظاہر ہے صورت مظہرہ سوال میں شوہر کا جنون نَو پیدا تھا کہ بغرضِ ثبوت ہنوز چار ہی مہینے گزرے تھے تو جوز نکاح ثانی وتحصیل فرقت کا یہ طریقہ ہرگز نہ تھا کہ حاکم اسے نکاح ثانی کی اجازت دے دیتا بلکہ اُس پر فرض تھا کہ ثبوتِ کامل کے کر سال بھی کی مہلت دیتا اُس کے بعد کاروائی مذکور کرتا۔ یہاں نہ سال ۱کی مہلت دی گئی، نہ بعد ۲مہلت عورت نے دوبارہ دعوی کیا، نہ بعد ۳تخییر عورت نے اُسی جلسہ میں اپنے نفس کر اختیار کرنا ظاہر کیا، طرفہ ۴یہ کہ حاکم سرے سے مسلمان بھی نہیں، ایسی کاروائی اصلاً قابلِ اعتبار نہیں ہوسکتی، نہ اس کے سبب وُہ زوجیّت شوہر اوّل سے باہر آسکتی ہے، نکاح وطلاق ہم مسلمانوں کے دینی ومذہبی معاملات ہیں جن میں ہماری شریعت تمام احکام کی مراعات بغیر چارہ نہیں، اگر کوئی زنِ شوہر دار کو بے وقوع طلاق وافتراق اجازت نکاح دے دے تو کیا اُسے جائز ہوجائے گا کہ وُہ جس سے چاہے نکاح کرلے، حاشا ہرگز روانہ ہوگا نہ وہ عصمت شوہر سے باہر آئے گی۔ یہاں بعینہٖ یہی صورت واقع ہُوئی، طرہ یہ کہ عورت عدت بھی نہ بیٹھی اجازت سے دس ۱۰ہی دن بعد نکاح ثانی کرلیا، اس کے حرام ہونے میں کیا شبہہ ہے، ہم ابھی عالمگیری سے نقل کر آئے کہ یہ تفریق بائن ہوتی ہے، اور طلاق میں تین حیض کی عدّت فرض۔

قال اللہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: عدّت والی عورتیں اپنے آپ تین حیض کامل ہونے تک پابند رکھیں (ت)

بالجملہ یہ دوسرا نکاح بالیقین ناجائز، اور ہمارے سب ائمہ کے نزدیک یہ وہی چیز قانون حال میں ازدواج مکرر کہتے ہیں، اور کوئی سفیہ سافیہ گمان نہیں کرسکتا کہ مرورِ مدّت سے زوجیّت زوجل ہوگئی اور ہوگئی اب شوہر کس بناپر دعوی کرسکتا ہے **ولاحول ولاقوّۃ الّاباللہ العلی العظیم**، پس عورت پر واجب حتمی ہے کہ اس حرام سے باز آئے اور اپنے شوہر کے سوا دوسرے سے کنارہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول فی تفسیر معنی الادب الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

مسئلہ ۲۵۷: ۲۲ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر پیدائشی عنین یعنی نامرد نکلا چنانچہ ڈاکٹر نے اس کا ملاحظہ کیا اور سند نامرد ہونے کی دے دی دریں صورت نکاح اس کا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے آیا زوجہ شوہر سے محتاج طلاق ہے یا نہیں اور ایسی حالت میں مستحق کسی جزء مہر کی ہوتی ہے یا نہیں اور ڈاکٹری سند ثبوت نامردی کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زوج کا عنین ہونا مانع صحت نکاح نہیں، زوجہ عنین مثل دیگر زنان بے طلاق شوہر سے جُدائی کا اختیار نہیں رکھتی، خلوتِ صحیحہ اگر ہولی تو مہر تمام وکمال پائے گی،

فی التنویر الخلوۃ بلامانع کا لوطء ولومجبوبا او عنینا اوخصیا فی ثبوت النسب وتاکد المہر[1] اھ ملتقطا۔	تنویر میں ہے: خلوت میں مانع نہ ہو تو وہ وطی کے حکم میں ہوگی اگرچہ خاوند کا ذکر کٹا ہوا ہو، یا نامرد یا خصی ہو، تو یہ خلوت نسب کے ثبوت اور مہر کو لازم کرنے میں وطی کی طرح ہوگی، اھ، ملتقطا (ت)

سندِ ڈاکٹری محض ناکافی ونامعتبر ہے،

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا[2] الاٰیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی وضاحت کو لو الآیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۸: از شہر بریلی محلّہ کوہاڑاپیر مسئولہ نصیر اللہ صاحب ۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے شوہر کی ناقابلیت بیان کرتی ہے کہ چھ۶ برس کا عرصہ شادی کو ہوا اب تک شوہر میں کوئی مردی نہیں۔ مرد کی ایسی حالت اس کے ورثاء کو بھی معلوم ہے مرد خود علاج کراتا رہتا ہے لیکن کوئی علاج مفید نہ ہُوا اب عورت چاہتی ہے میرا عقد دوسرا شخص کے ساتھ ہوجائے مرد کو اس کے خیال سے تعرض نہیں تو ایسے مرد کے ساتھ نکاح جائز ہوا یا نہیں، اور اپنا ارادہ کس طرح پُورا کرے، آیا طلاق دے یا کوئی ضرورت نہیں؟

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۸

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

الجواب:

نکاح مذکور جائز و صحیح ہے، عورت کو ہر گز روا نہیں کہ بے طلاق یا فُرقتِ شرعیہ کے دُوسرے سے نکاح کرلے، اگر کرے محض حرام ہوگا۔ مرد جب ہمبستری میں عورت کا حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ عورت کو طلاق دے دے۔

قال اللہ تعالٰی فَاَمۡسِکُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡسَرِّحُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دو ۲ طلاقوں کے بعد بیوی پاس رکھ لو یا بھلائی کے ساتھ آزاد کردو۔ (ت)

بعد طلاق عورت عدّت بیٹھے اگر مرد خلوت کرچکا ہوا گرچہ اس پر قادر نہ ہُوا ہو۔ اُس کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے، اور اگر اب تک خلوت نہ ہُوئی تو بعد طلاق فوراً جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

فی الهندیة من باب العنین علیها العدة بالاجماع ان کان الزوج قد خلابها وان لم یخل بها فلاعدة علیها [2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں "نامرد کے احکام" کے باب میں ہے کہ عورت پر بالاجماع عدّت ہوگی جب خاوند نے خلوت کرلی ہو، اور اگر خلوت نہ پائی ہو تو پھر عورت پر عدّت نہیں ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۹: از محکمہ پیمائش ضلع گورکھپور مرسلہ منشی فرید احمد اہلکار پیشی کرنیل ۹ ربیع الاوّل ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مریم دس ۱۰ برس کی تھی اور زید پندرہ ۱۵ برس کا کہ ان کے والدین نے برضا و رغبت خود ان کا نکاح کردیا جب مریم بالغہ ہوئی تو اسے ظاہر ہوا کہ شوہر نامرد ہے اس صورت میں وُہ نکاح ہوا یا نہیں، اور مریم بے طلاقِ زید کے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں، اور شوہر طلاق نہ دے تو صورتِ خلاص کیا ہے، دعوی مہر پہنچتا ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نکاح قطعاً صحیح ہے لصدرر ها عن اهله فی محله (کیونکہ یہ نکاح اپنے محل میں اپنے اہل سے صادر ہوا ہے۔ ت) اور جب تک زید کی طرف سے طلاق نہ ہو اس کی زوجہ ہے، اور دوسرے سے نکاح ہر گز جائز نہیں، قال اللہ تعالٰی وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

عورتوں سے منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ت) عقودالدریہ میں ہے:

سئل فی بکر صغیرۃ زوّجھا ابوھا من رجل ودخل بھا ثم بلغت رشیدۃ وادعت بہ عنۃ وطلبت التفریق فما الحکم، الجواب لایفرق بینھما بمجرد دعواھا انہ عنین[1] الخ	ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ نابالغہ بیٹی کا نکاح ایک شخص سے کیا اور خاوند نے جماع کرلیا اس کے بعدہ وہ بیٹی بالغ ہوئی تو اس نے عقل وفہم کے باوجود خاوند کے نامرد ہونے کا دعوی کیا جس میں اس نے تفریق (فسخِ نکاح) کا مطالبہ کیا تو ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے، توجواب دیا کہ لڑکی کے محض اس دعوی پر کہ خاوند نامرد ہے تفریق نہ ہوگی الخ (ت)

البتہ جب زید نے غیر قادر اور اس کے ادائے حق سے قاصر ہے تو اس پر بنص قطعی قرآن طلاق دیناواجب، اگر یونہی رکھ چھوڑے گا گنہگار ہوگا۔

قال تعالٰی فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دو طلاقوں کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ پاس روک لو یا نیکی کے ساتھ آزاد کردو۔(ت)

پس اگر وہ طلاق نہ دے تو صورتِ خلاص یہ ہے کہ مریم وزید کسی عالم دین فقیہ متین کو پنچ کریں،

فی الفتاوٰی الخیریۃ للعلامۃ خیرالدین الرملی، سئل فی العنین اذاجعل بینہ وبین زوجۃ محکمین فاجلوہ سنۃ ومضت، ھل لھم ان یفرقوا بینھما اذاطلبت ام لااجاب نعم یصح التحکیم فی مسئلۃ العنین لانہ لیس بحدو لقود ولایۃ علی العاقلۃ ولھم ان یفرقو بطلب الزوجۃ، واللہ اعلم[3] اھ قلت وھذا نص یقدم علی استظھار	فتاوٰی خیریہ میں ہے مصنف خیرالدین رملی سے سوال کیا گیا نامرد ہونے کے دعوی پر خاوند اور بیوی کے معاملہ میں ثالث بنایا جائے اور وُہ ثالثی والے حضرات خاوند کو ایک سال کی مہلت دیں اور مہلت ختم ہوجائے تو کیا ثالث حضرات اس پر تفریق کا فیصلہ کرسکتے ہیں یا نہیں، تواُنہوں نے جواب دیا کہ ہاں کرسکتے ہیں کیونکہ یہ نامرد ہے، حد یا قصاص یا عاقلہ پر دیت کا معاملہ نہیں ہے اس لئے ثالث حضرات کو بیوی کے

---

[1] عقودالدریہ باب العنین حاجی الغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/۳۲

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

[3] فتاوٰی خیریہ باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۶

مطالبہ پر یہ تفریق جائز ہے، واللہ اعلم اھالعلامۃ امین الدین ابن عابدین اما بالتامل مع ان ما استظھر بہ لایفیدہ کما اوضحنا فیما علقناہ علیہ فتبصر۔	قلت (میں کہتا ہوں) یہ فقہی نص ہے جو علامہ ابن عابدین کی رائے پر مقدم ہے لیکن بغور معلوم ہورہا ہے کہ ان کی رائے ان کو خود مفید نہیں ہے جیسا کہ ہم نے وہاں حاشیہ میں واضح کیا ہے، تو غور چاہئے۔(ت)

ہندہ اگراس کے حضور دعوی کرے حکم زید سے جواب لے اگر اپنی نامردی اور مریم پر قدرت نہ پانے کا مقر ہو اسے آج سے سال بھر کامل کی مہلت دے اور منکر ہو تو عورت ثقہ نمازی پرہیزگار مریم کو دیکھے جب وُہ شہادت دے کہ واقعی مریم ہنوز بکر ہے تو زید کو سال بھر کی مہلت دی جائے اگر وُہ دن ختم ماہ قمری ہو تو سال کے بارہ [۱۲] مہینے تیرہ [۱۳] ہلالوں سے لئے جائیں ورنہ تین سوساٹھ [۳۶۰] دن شمار کرلیں اور اس مدّت میں جتنے دنوں مریم باختیارِ خود زید کے مسکن میں نہ رہے یا اُسے خواہ زید کو ایسا مرض ہو جس میں مجامعت نہ ہوسکے وُہ دن شمار میں نہ آئیں گے اور اگر زید ہی اُسے نہ رکھے یا اُس کے پاس نہ آئے تو کچھ مجرا نہ پائے گا یُوں ہی ایامِ حیض بھی مجرا نہ ہونگے، جب اس طرح سال گزر جائے اور زید مریم پر قدرت نہ پائے مریم پھر حکم کے پاس تفریق وازالہ نکاح کا دعوی کر حکم پھر زید سے وجاب لے اگر معترف ہو یا بحالت انکار پھر کسی عورت معتمدہ نمازی متقیہ کی شہادت معاینہ سے ثابت ہو کہ اب بھی مریم بدستور بکر ہے تو حکم مریم سے پوچھے تو زید کو اختیار کرتی ہے یا اپنے نفس کو اگر کہے زید کو یا بغیر کچھ کہے چلی جائے یا کھڑی ہوجائے یا اٹھادی جائے یا حکم اٹھ کھڑا ہو تو اب اس کا دعوی باطل اور نکاح لازم ہوگیا اور اگر اسی جلسہ میں کہہ دے میں اپنے نفس کو اختیار کیا تو حکم زید کو حکم دے کہ اُسے طلاق دے کہ بحکم شرع تجھ پر طلاق دینی واجب ہے اگر دیدے فبہا ورنہ حکم کہہ دے میں تم دونوں میں تفریق کردی فوراً مریم اس کے نکاح سے نکل جائے گی جس سے چاہے نکاح کرلے، پس اگر زید و مریم میں خلوت ہوچکی تو مریم پر عدّت اور زید کے ذمّہ پُورا مہر ورنہ عدّت نہیں اور آدھا مہر،

فی تنویر الابصار والدر المختار وردالمحتار لووجدتہ عنینا اجل سنۃ قمریۃ بالاھلۃ علی المذھب ولو اجل فی اثناء الشھر فبالایام اجماعا (کل شھر ثلثون یوما) ورمضان وایّام	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر بیوی اپنے خاوند کو نامرد پائے تو خاوند کو ایک سال کی قمری مہینوں کے حساب سے مہلت دی جائے گی، جیسا کہ مذہب میں ہے، اور اگر مہینہ کے درمیان مہلت دی گئی تو پھر بالاجماع دنوں کی گنتی بحساب ہر ماہ تیس دن مہلت شمار ہوگی، اور ماہِ رمضان اور

حیضھا منھا وکذاحجہ وغیبتہ لامدۃ حجھا وغیبتھاومرضہ ومرضا ویوجل من وقت الخصومۃ فان وطئ مرۃ فبھا والابانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقھا بطلبھا یتعلق بالجمیع(ای جمیع الافعال وھی فرق واجل وبانت)ولوادعی وانکرتہ فقالت امرأۃ ثقۃ والثنتان احوط ھی بکر خیرت فی مجلسھا(ای یخیرھا القاضی)وان اختارتہ بطل حقھا کما لو وجد منھا دلیل اعراض بان قامت من مجلسھا واقامھا اعوان القاضی او قام القاضی قبل ان تختار شیئا بہ یفتی لامکانہ مع القیام [1] اھ ملتقطا۔	عورت کے حیض کے دن مہلت میں شمار ہوں گے،اور یُونہی خاوند کے حج اور غیر حاضری کے ایّام مہلت میں شمار نہ ہوں گے،اور مہلت کا شمار دعوی پیش ہونے کے وقت سے ہوگا،اس دوران مہلت اگر خاوندی نے بیوی سے ایک مرتبہ جماع کرلیا تو بہتر ہے ورنہ قاضی کی تفریق سے بیوی بائنہ ہوجائے گی اگرچہ خاوند طلاق دینے سے انکار کردے یہ کاروائی بیوی کے مطالبہ پر ہوگی، عورت کے مطالبہ کا تعلق، تفریق، مہلت اور اس کے بائنہ ہونے تمام امور سے ہے،اگر مہلت کے دوران خاوند وطئ کرنے کا مدعی ہو اور بیوی انکار کرتی ہو تو پھر ثقہ ایک عورت یا دو۲ عورتوں نے کہہ دیا کہ بیوی تاحال باکرہ ہے تو بیوی کو اسی مجلس میں اختیار ہوگا،اور یہ اختیار قاضی دے گا،اگر بیوی نے اس موقعہ پر خاوند کو اپنایا تو بیوی کا اختیار ختم ہوجائیگا جس طرح مجلسِ اختیار میں بیوی خاوند سے جدائی کو ناپسند کرتے ہوئے اٹھ جائے یا قاضی کے عملہ نے بیوی کو اٹھادیا، یا قاضی خود اٹھ کر چلاگیا اور بیوی نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہ کیا تھا تو ان تمام صورتوں میں بیوی کا اختیار باطل ہوجائے گا،اسی پر فتوی ہے کیونکہ بیوی کے اُٹھ جانے میں یہ امکان موجود ہے اھ ملتقطا(ت)

عالمگیری میں ہے:

ان اختارت الفرقۃ امر القاضی ان یطلقھا بائنۃ فان ابی فرق بینھما ھکذا ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الاصل کذافی التبیین	اگر بیوی نے فرقت کو پسند کیا تو قاضی خاوند کو بائنہ طلاق دینے کا حکم دے گا،اگر خاوند انکار کردے تو قاضی خود تفریق کردے۔امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل(مبسوط) میں یونہی فرمایا ہے، جیسا

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴،ردالمحتار باب العنین داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۵

والفرقة تطليقه بائنة كذافی الكافی ولها المهر كاملا وعليها العدة بالاجماع ان كان الزوج قدخلابها وان لم يدخل بها فلاعدة عليها ولها نصف المهر ان كان مسمّی والمتعة ان لم يكن مسمی كذا فی البدائع اھ[1]۔	کہ تبیین میں مذکور ہے،اور قاضی کی تفریق بائنہ طلاق قرار پائے گی جیسا کہ کافی میں مذکور ہے۔ بیوی کے لئے کامل مہر ہوگا اور اس پر بالاجماع عدت لازم ہوگی بشرطیکہ خاوند نے خلوت پالی ہو،اور اگر اس نے خلوت بیوی سے نہ کی ہو تو عدت نہ ہوگی اور مہر بھی نصف ہوگا،اور اگر مہر مقررہ نہ تھا تو اس صورت میں صرف (متعہ) جوڑا دیا جائے گا، جیسا کہ بدائع میں مذکور ہے اھ (ت)

اصل حکم یہ ہے پھر زید براہِ شرارت واضرار زوجہ کسی کو پنچ کرنے پر راضی نہ ہو تو چارہ کار یہ ہے کہ اس شہر میں جو عالمِ دین وہاں کے سب اہلِ علم فقہ وعلوم دینیہ میں زائد ہو مریم اُس کے یہاں بطورِ خود دعوٰی مذکور کرے عالم موصوف زید کو بلا کرکاروائی بروجہ مذکور کرے۔

فان اعلم البلد لايحتاج فی زماننا فی امثال هذاالی التحكيم كما نص عليه المولی الفاضل سيدی عبدالغنی النابلسی فی الحديقة الندية عن الامام العتابی وعن السيد السمهودی ثم عن المناوی رحمهم الله تعالٰی عليهم اجمعين۔	کیونکہ علاقہ کا بڑا عالم ہمارے زمانہ میں کسی پنچایت کا پابند نہیں یعنی ثالثی کا محتاج نہیں، جیسا کہ فاضل محترم مولانا عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اس پر تصریح فرماتے ہوئے امام عتابی اور سیّد سمہودی اور پھر علّامہ مناوی رحمہم اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے۔(ت)

پھر اگر زید کو آنے میں بھی انکار ہو تو عالم ممدوح خود اس کے پاس تکلیف کرے،

فی الهندية يذهب بنفسه اويبعث من يحضره ورسول الله صلی الله تعالٰی عليهم فعل كلاالنوعين[2] اھ ملخصًا۔	ہندیہ میں ہے خود جائے یا کسی کو بھیج کر طلب کرے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دونوں طریقے اپنائے ہیں اھ ملخصًا (ت)

اور غالبًا ہنوز حکم مسئلہ سے ناواقفی کے باعث اسے عالم موصوف سے ملنے اور گفتگو کرنے میں باک نہ ہوگا بس صرف اتنا اس سے دریافت کرلے کہ مریم تیری نامردی کی شاکی ہے آیا واقعی ایسا ہی نہیں اگر اقرار

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۵

کرے سال بھر کی مہلت دے اور بحالتِ انکار زنانِ ثقات کو دکھا کر بقائے بکارت کا ثبوت لے کر زید کو مہلت ایک سال کی اطلاع کو دے جب بعد مرورمدّت عورت پھر جُدائی چاہے عالم دوبارہ زید کے پاس جائے، بن پڑے توکاروائی مذکور کرے مگر جب زید کو خواہی نخواہی ایذاوضررِ مریم ہی منظور ہے تو بعد سماع مہلت عجب نہیں کہ دوبارہ عالم سے نہ ملے کہ آخر جبر شرعی کی طرف تو کوئی راہ ہی نہیں، اگر ایسی صورت واقع ہو تو مریم اس بار دوم کی کاروائی میں اپنے آپ کو اعانت عالم سے غنی سمجھے اور صرف اُس قدر امداد پر جو اوّل بار بحکم عالم نامردیِ زید ثابت ہو کر مہلت یکساں دی گئی تھی قناعت کرے اب کہ زید عالم سے نہ ملے اور کاروائی آئندہ نہ ہونے دے ہندہ خود کہہ دے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا اور زید کے نکاح سے باہر آئی مذہبِ صاحبین پراس قدر بھی کافی ہوجائے گا اور مریم اس کے ظلم سے نجات پائے گی،

فی ردالمحتار تحت قوله والابانت بالتفریق من القاضی وقیل یکفی اختیارها نفسها ولایحتاج الی القضاء کخیار العتق قیل وهو الاصح کذا فی غایة البیان وجعل فی المجمع الاوّل قول الامام والثانی قولهما نهر .وفی البدائع عن شرح مختصر الطحاوی ان الثانی ظاهر الروایة ثم قال وزکر فی بعض المواضع ان ماذکر فی ظاہر الروایة قولهما [1] انتهی۔	ردالمحتار میں ماتن کے قول (ورنہ قاضی کی تفریق سے بائنہ ہوجائے گا) کے تحت بیان کیا کہ بعض نے کہا قاضی کی تفریق کے بجائے بیوی خود اپنے کو علیحدہ قرار دے تو کافی ہے اور قاضی کی ضرورت نہیں، جیسا کہ عتق میں خیار کی صورت میں عورت کو خودکاروائی کا اختیار ہے، بعض نے اس قول کو اصح قرار دیا، جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے۔اور مجمع میں پہلے قول (قاضی کی تفریق) کو امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول اور دوسرے کو صاحبین کا قول قرار دیا ہے، نہر۔اور بدائع میں مختصر الطحاوی کی شرح سے منقول ہے کہ دُوسرا قول ظاہر روایۃ ہے،اور پھر کہا کہ بعض مواقع میں ظاہر روایۃ صاحبین کا قول ہے،اھ۔(ت)
اقول: وقد نص علمائنا ان تقلید الغیر یجوز فی	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ہمارے علماء نے نص فرمائی ہے کہ اپنے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] ردالمحتار باب العنین داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۹۵/۲

مواقع الضرورۃ قال اللہ تعالٰی مَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ[1] فماظنك بالعمل بقول صاحبی الامام المثبت فی ظاہر الروایۃ المذیل بترجیح مافقد صرحوا انه لیس فی المذہب قول لاحد غیر الامام الھمام رضی اللہ تعالٰی عنه، واماماینسب الی الصاحبین او الی احدھما فما ھو الاروایۃ عنه مال الیھا بعض الاصحاب، فنسبت الیه کما اقسم علیه الاصحاب بایمان غلاظ شداد کما ذکرہ فی ردالمحتار و غیرہا من الاسفار واللہ یحب التیسر ولایرضی بالظلم ولاضرر ولاضرار فی الاسلام[2] والیه المشتکی من احوال الزمان، واللہ تعالٰی اعلم۔	کے علاوہ کی تقلید بوقتِ ضرورت جائز ہے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں فرمائی۔" توامام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے دونوں شاگردوں (صاحبین) کے قول پر عمل کے بارے میں تجھے کیاتردّد ہوسکتا جبکہ وُہ قول ظاہر الروایۃ کے ضمن میں ایک طرح کی ترجیح بھی دامن میں لئے ہوئے ہے، فقہاء میں ایک طرح کی ترجیح بھی دامن میں لئے ہوئے ہے، فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مذہب میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے ماسواکوئی قول نہیں اور جوصاحبین یا ان میں کسی ایک کی طرف منسوب ہے تو وُہ بھی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہی قول ہے جوان سے مروی ہوتا ہے اور بعض شاگرد اس قول کو اپنا لیتے ہیں جیساکہ اس کو آپ کے شاگردوں نے شدید قسموں کے ذریعے ذکر فرمایا ہے کہ جیساکہ اس کو ردالمحتار وغیرہ کتب میں بیان کیاہے، اور اللہ تعالٰی آسانی پیدا کرنے کو پسند فرماتا ہے اور ظلم اور ضرر کو اسلام میں پسند نہیں فرماتا، اور اس کے دربار میں ہی زمانہ کے احوال کی شکایت ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۰: ۱۱جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نامرد ہے اُس نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اب وہ مقدمہ جُھوٹا بنا کر کچہری چڑھتا ہے کہ ہم نے طلاق نہیں دی ہے کچہری سے حکم ہواڈاکٹر معاینہ کرے اس کاملاحظہ بھی ہُوا وہ نامرد ہے دوچار شخصوں نے اس کو چڑھا کر نالش کر دی ہے، اس مسئلہ میں کیاحکم ہے؟

الجواب:

جب طلاق دے دی اور عدّت گزر گئی طلاق بائن تھی تو عورت نکاح سے نکل گئی اور وُہ جُھوٹی

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/۷۸

[2] المعجم الکبیر حدیث مکتبہ المعارف الریاض ۶/۹۱

نالش کرنے سے سخت گنہگار ہُوا، اور اگر طلاق رجعی تھی اور عدّت کے اندر رجعت کرلی تو عورت اُس کے نکاح میں ہے اور نالش میں وُہ گنہگار نہ ہُوا اگرچہ طلاق نہ دی کہنا نہ چاہئے تھا، **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۱: ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع بلارعایت کسی کے مسائل مفصلہ ذیل میں، ایک عورت جوان تیس ۳۰ سالہ کہ جس کا خاوند مدّت دراز سے مجنون ہے اور اس کا علاج بھی ہر قسم سے کرایا گیا مگر کچھ افاقہ نہ ہُوا، م اور اس شخص کا جنون حد کو پہنچ گیا کہ جس کو فقہ والے جنون مطبق کہتے ہیں، اور نیز اس مجنون کے پاس کچھ مال واسباب بھی نہیں ہے جس سے اس عورت کے نان ونفقہ کا انتظام ہوسکے، ایسے مجنون کی زوجہ کو ائمہ ثلٰثہ سے کسی امام کے نزدیک خیارِ تفریق ہے یا نہیں اور مسئلہ میں خیار تفریق کس امام کے قول پر فتوی ہے۔ اگر ضرورت کے وقت مسئلہ شرعی میں دوسرے امام کے قول پر فتوی دیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے، چنانچہ فقہ کی کتابوں میں مثلاً شرح وقایہ وہدایہ وشامی وغیرہ میں اکثر مسائل کے اندر صاحبین کے قول کی ترجیح، امام کے قول پر ثابت کرتے ہیں، اور کتب فتاوٰی مثلاً عالمگیریہ وقاضی خاں وغیرہ میں صاحبین کے قول پر فتوی دیتے ہیں، آیا یہ بات جائز ہے یا نہیں۔ جن مسائل میں قاضی وحاکم حکم وغیرہ نہیں ہے چنانچہ آج کل عملداری نصارٰی کی ہے تو اس صورت میں مفتی کا فتوی قائم مقام ہوسکتا ہے یا نہیں، جواب مسئلہ صاف صاف معہ حوالہ کتب کے مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

ہمارے مذہب میں جنون کی وجہ سے ہر گز تفریق نہیں ہوسکتی۔ درمختار میں ہے:

لایتخیر احدالزوجین بعیب الاٰخر ولو فاحشا کجنون[1] الخ	خاوند بیوی میں سے کسی کو دوسرے میں عیب کی بناء پر اگرچہ وہ عیب جنون کی طرح واضح ہو، فسخ کا اختیار نہیں الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وقد تکفل فی الفتح بردما استدل بہ الائمۃ الثلٰثۃ و محمد بما لامزید علیہ[2]۔	فتح میں ائمہ ثلٰثہ اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کے مؤقف کا خوب رَد کیا جس سے زائد کی گنجائش نہیں ہے (ت)

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

[2] ردالمحتار باب العنین داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۹۷

ہمارے علماء سے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جانبِ خیار گئے اور حاوی قدسی میں حسبِ عادت برخلاف عامہ متون وشروح وفتاوٰی اس کی نسبت "بہ ناخذ" (ہمارا اخذ مختار ہے۔ت) بھی لکھ دیا جیساکہ اُس سے عالمگیریہ میں منقول ہُوا۔ فقیر کے فتاوٰی میں بتفصیل تام واضح کردیا گیا ہے کہ ماخوذ و مختار، معتمد و واجب التعویل مذہبِ مہذّب سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے :

وان قول الحاوی لخلافه،به ناخذ،قدخالف فیه المذہب وجمہورائمة المذہب والدلیل ایضافان الدلیل مع الامام فلایلتفت الی خلافه۔	حاوی کا امام صاحب کے قول کے خلاف پر بہ ناخذ (ہماری یہی مختار ہے) کہنا، یہ مذہب اور جمہور ائمہ مذہب کے خلاف ہے جبکہ دلیل بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی ہی قوی ہے اس لئے اس اس کے خلاف کی طرف التفات کی ضرورت نہیں۔(ت)

بانیہمہ اگر جنون حادث ہے پیش از نکاح شوہر مجنون نہ تھا بعد کو پیدا ہُوا اور حالتِ ضرورت بلامکر وفریب وپیروی نفس سچی سچی واقعی متحقق ہے تو قول امام محمد پر عمل ممکن۔

فقد اجاز والتحقق الضرورة الصحیحة تقلید الغیر بشرائط فہذا اولی بالجواز اذلیس بحمد اللہ فی المذہب قول خارج عن اقوال الامام کما نص علیه العلماء الکرام وذکرہ اصحاب امامنا رضی اللہ تعالٰی عنه وعنہم بغلاظ الایمان وشد ادالاقسام لاسیما وقد ذیل لما ھو اکدالفاظ الافتاء۔	فقہاء کرام نے صحیح ضرورت کی بناء پر دیگر ائمہ کی تقلید کو جائز قرار دیا ہے تو یہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کی بطریقِ اُولٰی اتباع جائز ہوگی کیونکہ بحمدہٖ تعالٰی مذہب کا کوئی قول امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول سے خارج نہیں ہے جیساکہ اس پر علماء کرام نے نص کی ہے اورا اس چیز کو ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے شاگردوں نے غلیظ حلفوں اور شدید قسموں کے ذریعہ بیان کیا ہے خصوصًا جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے ذیل میں فتوٰی کے پُر تاکید الفاظ کو ذکر کیا گیا ہو۔(ت)

مگر قول امام محمد یہ نہیں کہ شوہر کو جنون ہوجائے تو عورت بطورِ خود اس سے فرقت کرکے دوسرے سے نکاح کرلے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں،

لان فیه خلافاً عظیماً شدیداً قویاً بل اجل واقوی فلایترجح ہذاالجانب الا بالقضاء کمافی العنة بل	کیونکہ اس میں عظیم، قوی اور شدید بلکہ بہت بڑا قوی خلاف ہے، اس لئے اس پہلو کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر ترجیح نہیں ہوسکتی، جیساکہ مسئلہ

اولی کمالایخفی۔	عنین (نامرد) بلکہ اس سے بھی اولٰی تر، جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

بلکہ حکم یہ ہے کہ عورت حاکم شرعی کے حضور دعوی کرے وہ ثبوتِ جنون لے کر روزِ نالش ایک سال کامل کی مہلت دے، اگر اس مدّت میں شوہر اچھا ہوگیا فبہا، اور اگر اچھا نہ ہوا اور عورت نے بعد انقضائے سال پھر دعوی نہ کیا تو وُہ بدستور اس کی زوجہ ہے، اور اگر پھر رجوع لائی اور حاکم کو ثابت ہوا کہ شوہر ہنوز مجنون ہے تو اب وُہ عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے اپنے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو، اور اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کیا یا بغیر کچھ کہے چلی گئی یا کھڑی ہوگئی یا کسی نے اسے اٹھادیا یا حاکم خود اٹھ کھڑا ہوا تو اب عورت کو اصلاً اختیار نہ رہا وہ بدستور ہمیشہ اس مجنون کی زوجہ رہے گی، اور اگر مجلس بدلنے سے پہلے عورت نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو اب حاکم تفریق کردے گا اس روز سے عورت طلاق کی عدّت بیٹھے بعدہ، جس سے چاہے نکاح کرے، یہ اس صورت میں ہے کو جنون ثابت ہُوا اس کا مطبق ہونا ثابت نہ ہُوا، اور اگر حاکم کو ثابت ہوجائے کہ واقعی مدتہائے دراز گزر گئیں کہ یہ شخص مجنون ہے اور آرام نہیں ہوتا جنون اس کا مطبق یعنی ملازم وممتد ہے تو اب سال کی مہلت نہ دے گا بلکہ فی الفور عورت کا اختیار دے گا کہ چاہے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو (عـــہ بیان ہُوئے) ہندیہ میں ہے:

اذاکان بالزوج جنون او برص او جذام فلاخیار لها کذا فی الکافی قال محمد رحمة الله تعالٰی علیه ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذالم یبرأ وان کان مطبقا فهو کالجب وبه ناخذ کذافی الحاوی القدسی[1]۔	جب خاوند میں جنون، برص یا جذام جیسی امراض کا عیب ہوتو بھی بیوی کو فسخ کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ کافی میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند کو نکاح کے بعد جنون لاحق ہُوا تو نامرد کی طرح اس کو بھی قاضی ایک سال کی مہلت دے گا، پھر سال کے بعد تندرست نہ ہونے پر عورت کو نکاح کے فسخ کا اختیار دیا جائے گا، اور اگر جنون شروع سے چلا آرہا ہو تو اس کا حکم ذکر کٹے کی طرح ہوگا، اور اسی پر ہمارا عمل ہے جیسا کہ حاوی قدسی میں بیان کیا ہے۔ (ت)

عـــہ: یہاں اصل میں بیاض ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۶

بہر حال یہ تفریق بے حکم شرع نہیں، جہاں قاضیِ شرع نہ ہو وہاں جو عالمِ دین سچا تمام اہلِ شہر میں فقہ کا اعلم ہو ایسے امور میں حاکمِ شرعی ہے:

کما نص علیه فی الحدیقة الندیة عن فتاوی الامام العتابی رحمة الله تعالٰی علیه۔	جیسا کہ اس پر فتاوٰی امام عتابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے حدیقۃ الندیہ میں نص کی گئی ہے(ت)

مگر یہ لحاظ لازم ہے کہ ایسا فیصلہ اس کے لئے کسی قانونی دقّت کا موجب نہ ہو ورنہ عالم اس سے ضرور احتراز کرے اور یہ لوگ رامپور وغیرہ ریاست اسلامیہ میں چارہ جوئی کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۲: از بہیڑی ۳ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کانکاح اس کے باپ نے زید کے ساتھ کیااب کئی سال گزرے رخصت بھی ہوگئی مگر زید نامرد نکلا ہندہ اس کے پاس بدقت تمام کچھ دنوں تک رہی، ہرچند زید سے کہا جاتا ہے طلاق بھی نہیں دیتا اس وقت میں ہندہ کے واسطے چارہ کار کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ زید نے ہندہ پر قدرت نہ پائی اور اس کے ادائے حق واجب میں قاصر رہا تو اس پر شرعاً فرض ہے کہ ہندہ کو طلاق دے دے، اگر نہ دے گا گنہگار رہے گا۔

قال الله تعالٰی فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک طلاق یا دو۲ طلاقوں کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ پاس روک لو یا نیکی کے ساتھ اس کو آزادی دے دی۔(ت)

اگر زید خداناترسی کرکے طلاق نہیں دیتا تو اس کی تدبیر شرع مطہر میں یہ ہے کہ ہندہ حاکمِ شرع کے حضور دعوی کرے، حاکم زید سے جواب لے، اگر وُہ ہندہ پر اپنے قادر نہ ہونے کا اقرار کرلے فبہا ورنہ حاکم کسی عورت مسلمان نیک پارسا ثقہ معتمدہ ہوشیار کو دکھا کر شہادت لے کہ ہندہ دوشیزہ ہے، بعدہ، زید کو ایک سال کامل کی مہلت دے، اس سال میں زید ہندہ پر قاسر ہوجائے تو بہتر ورنہ عورت پھر دعوی کرے اور تفریق چاہے، اب پھر اگر زید خواہ شہادتِ یک عورت مسلمہ ثقہ سے ہندہ کی دوشیزگی ثابت ہو تو حاکم عورت سے دریافت کرے کہ اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے یا شوہر کو، اگر عورت شوہر کو اختیار کرے، یا اپنے نفس کے اختیار میں تاخیر کرے کہ مجلس بدل جائے تو اب اس کا دعوی بالکل ساقط ہوجائے گا، لہٰذا اسی جلسہ میں

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

فوراً اپنے نفس کو اختیار کرلے اس وقت حاکم زید کو حکم دے وُہ اگر مان لے بہتر ورنہ حاکم خود اُن میں تفریق کا حکم کردے، یہ تفریق طلاق بائن ہوجائے گی، بعد مرورِ عدّت ہندہ کو اختیار ملے گا جس سے چاہے نکاح کرلے،

فی الدر المختار لووجدته عنینا اجل سنة قمریة فان وطئ مرة فبہا والابانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقہا بطلبہا[1] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے اگر بیوی خاوند کو نامرد پائے تو قمری مہینوں کے حساب سے سال بھر کی خاوند کو مہلت دی جائے گی، اگر اس دوران میں ایک مرتبہ وطی کرلے تو بہتر، ورنہ عورت کے مطالبہ پر قاضی کی تفریق سے بیوی کو بائنہ طلاق ہوگی، اگر خاوند طلاق دینے سے انکار کرے اھ ملخصًا۔(ت)

یہ ساری کارروائی قاضی شرع کے حضور جسے حاکمِ اسلام نے فصلِ مقدمات پر مقرر کیا ہو، فی الدر لاعبرة بتاجیل غیر قاضی البلدة[2] (درمختار میں ہے کہ شہر کے قاضی کے علاوہ کسی اور کی مہلت کا اعتبار نہیں ہے۔ت) اگر اُن کے شہر میں کوئی ایسا قاضی نہ ہو تو زید وہندہ کسی ذی علم کو پنچ مقرر کریں اس کے یہاں یہ کاروائیاں ہوں،

فی الخیریة یصح التحکیم فی مسئلة العنین لانہ لیس بحدولاقود ولادیة علی العاقلة ولہم ان یفرقوابطلب الزوجة[3]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے نامرد کے مسئلہ میں ثالثی فیصلہ جائز ہے کیونکہ یہ حد، قصاص یا عاقلہ پر دیت کا مسئلہ نہیں ہے، تو ثالث حضرات کو بیوی کے مطالبہ پر تفریق کرنا جائز ہے۔(ت)

اگر زید کسی کو پنچ بنانے پر راضی نہ ہو تو ہندہ رامپور وغیرہ بلاد اسلامیہ میں جاکر قاضی شرع کے یہاں دعوٰی کرے جس کی قضاء کو والئ اسلام نے اس کے خاص اس شہر والوں سے مخصوص نہ کردیا ہو،

فان القضاء یقبل التخصیص بالزمان والمکان کمافی الاشباہ وغیرہا۔	کیونکہ قضاء زمانہ اور مکان کے لئے مخصوص ہوسکتی ہے جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

وہ احکام مذکورہ پر عملدرآمد کرے۔

فی بحر الرائق وردالمحتار وغیرہما من	بحر الرائق، ردالمحتار وغیرہما کتب میں ہے کہ

---

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

[2] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

[3] فتاوٰی خیریہ باب التحکم دارالمعرفة بیروت ۲/۱۶

الاسفار ولایشترط ان یکون المتداعیان عن بلد القاضی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	دعوی کرنے والوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ قاضی کے شہر کے ہوں الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۳: از بریلی محلّہ باغ احمد علی خاں متصل بانس منڈی مسئولہ اسحٰق احمد صاحب ۲۵ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نصیبن کا نکاح زید کے ساتھ ہُوا، زید نامرد ہے اور نصیبن خانہ زوج میں بخوشی اپنی موجود تھی مگر والدین نصیبن مذکور چاہتے ہیں کہ مسمّاۃ مذکور اس سے علیحدہ کرلی جائے، زید سے طلاق لینا واجب ہے یانہیں، نصیبن کے نکاح کو عرصہ ڈھائی برس کا ہوا شروع نکاح میں صرف تین مرتبہ ہمبستری کا اتفاق ہُوا ازاں بعد نامرد ہوگیا اب نصیبن مذکور ناخوش ہے بنائے ناخوشی یہ ہے کہ زید کے باپ نے ایک مکان وقتِ نکاح اس کے نام کردیا تھا اب جبرًا واپس لے لیا اور رجسٹری کرالی۔

الجواب:

طلاق لیناواجب نہیں، نہ اب بربنائے نامردی دعوی ہوسکتا ہے کہ ایک بار چھوڑ تین بار ہمبستری کرچکا ہے، ہاں اگر زید جانتا ہے کہ وُہ اس کے ادائے حق سے قاصر ہے توعنداللہ اُس پر لازم ہے کہ اُسے طلاق دے دے جبکہ وُہ اپنا حق جماع چھوڑنے پر راضی نہ ہو،

قال تعالٰی فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک طلاق یا دو طلاق کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ روک رکھو یا اسے نیکی کے ساتھ آزاد کردو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۴: از بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ امانت علی صاحب ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دو ۲ جگہ اپنے نکاح کا پیام بھیجا لڑکی والوں کو تحقیقات سے معلوم ہُوا کہ یہ شخص نامرد ہے تیسری جگہ دھوکہ دے کر ایک لڑکی سے عقد کرلیا اور نامرد ثابت ہوا، پس ایسی حالت میں نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب:

ہاں نکاح ہوگیا، عورت دعوی کرے گی کہ توبعد ثبوتِ نامردی مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دی جائیگی،

---

[1] بحرالرائق کتاب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۵۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

اگراس مدت میں اس عورت پر قادر ہوگیا فبہا، ورنہ پھر عورت کے دعوی کرے اور اب بھی نامردی ثابت ہوجانے پر حاکم عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے شوہر کے پاس رہنا مانے یا جُدائی، اگر وُہ فوراً کہے گی کہ جُدائی چاہتی ہُوں تو دونوں میں تفریق کردے گا، اُس وقت عورت بعد عدّت دوسری جگہ نکاح کرسکے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۵: از پرتاب گڑھ محلّہ سیّد امین مسئولہ عبدالرب صاحب ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جس عورت کا مرد پانچ سال سے زیادہ تک نامعلوم و بے نشان ہے تو ایسی صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ دوسرا شوہر کرلیوے۔ امام مالک شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی بیچ ایک قول کے فرماتے ہیں کہ "جب گزر جائیں چار برس تو تفریق کرادے درمیان میں ان دونوں کے قاضی، بعد اس کے نکاح کریں زوج ثانی سے۔" اور غرض مستفسر کی یہ ہے کہ بر تقدیر جائز ہونے اس مسئلہ کے فسخ نکاح کی کیوں کر قاضی سے کرادی جائے، اس زمانہ پُر آشوب میں بباعث حکام غیر مذہب کے احکام قاضی کے بالکل مسدود ہوگئے ہیں پس ایسے وقت میں طریقہ اُس کے فسخ کرنے نکاح کے کیونکر عمل میں لائی جائے گی۔ دوسرے[۲] یہ کہ بعد فسخ کرادینے نکاح قاضی کے، آیا اس کے لئے کوئی عدت طلاق یا وفات کی کرنا چاہئے یا کہ بدون عدت کے نکاح ثانی کرلے۔ تیسرے[۳] یہ کہ اگر کوئی شخص ضرورت کے وقت بعض مسئلوں میں امام شافعی وامام مالک کے قول پر عمل کرے تو اس صورت میں اس شخص کو ہمیشہ کے لئے کل مسئلوں میں اس امام کی تقلید لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ چوتھے[۴] یہ کہ حنفیّہ بھی اس فتوے کے موافق فتوٰی دے سکتے ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہمارے مذہب میں وُہ نکاح نہیں کرسکتی جب تک شوہر کی عمر سے ستر ۷۰ سال گزر کر اس کی موت کا حکم نہ دیا جائے اس وقت وہ بعد عدّتِ وفات نکاح کرسکے گی یہی مذہب امام احمد کا ہے اور اسی طرف امام شافعی نے رجوع فرمائی، امام مالک کہ چار سال مقرر فرماتے ہیں وہ اس کے گم ہونے کی دن سے نہیں بلکہ قاضی کے یہاں مرافعہ کے دن دے سے خود امام مالک نے کتاب مدونہ میں تصریح فرمائی کہ مرافعہ سے پہلے اگرچہ بیس ۲۰ برس گزر چکے ہوں اُن کا اعتبار نہیں، ادعائے ضرورت کاعلاج تو اُن کے یہاں بھی نہ نکلا، آج تک تو جتنا زمانہ گزرا بیکار ہے اب قاضیِ شرع اگر ہو بھی اور اسکے یہاں مرافعہ کیا جائے اور وُہ شوہر کا مفقود الخبر ہونا تصدیق کرے اُس کے بعد چار برس کی مہلت دے اور پھر اب تک مفقود رہنا تحقیق کرے اُس کے بعد تفریق کرے اور عورت عدّت بیٹھے یہ ممتد زمانہ بے شوہر اور بے نان نفقہ کے کیسے گزرے گا، مذہب بھی چھوڑا اور کال بھی نہ کٹا، لہٰذا وُہ کرے جو امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی نے فرمایا:

ھی امرأۃ ابتلیت فلتصبر	یہ ایک عورت ہے جسے اللہ تعالٰی نے بلا میں مبتلا

حتی یأیتھا موت اوطلاق [1]۔	فرمایا ہے اس پر لازم ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ شوہر کی موت یا طلاق ظاہر ہو۔

ضرورت صادقہ کے وقت جو کسی مسئلہ میں ائمہ ثلٰثہ سے کسی امام کی تقلید کی جاتی ہے صرف اس مسئلہ میں اس کے مذہب کی رعایت امورِ واجبہ میں ضرور ہوگی، دیگر مسائل میں اپنے امام ہی کی تقلید کی جائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے خاوند نے اپنی زوجہ کے قتل کی نیت سے چاقو مارے اور اپنی دانست میں اس کا کام تمام کردیا تھا مگر قضائے الٰہی سے وُہ زندہ بچ گئی، شوہر بعد میں سزائے جُرم میں دس برس کے لئے دریائے شور بھیجا گیا، شوہر نے لفظ طلاق کا کچھ نہیں کہا تھا اب زوجہ محتاج ہے اور کسب پر قادر نہیں، دُوسرے شخص سے وُہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ وقتِ مقدمہ جب انگریز نے شوہر کو دریائے شور بھیجا تھا اور شوہر نے یہ بیان کیا تھا میں نے تو اُس کو بالکل مار ڈالا تھا، وارثانِ زوجہ نے حاکم سے یہ کہا کہ اس شخص سے زوجہ کو طلاق بھی دلوادو، تو حاکم نے یہ کہا کہ تم اپنے علماء سے دریافت کرو، باقی مجرم نے تو اپنی زوجہ کو اپنے ذہن میں قتل ہی کر ڈالا تھا، طلاق کے استفسار وطلب کی حاجت کیا ہے، اور واقعی شوہر نے زوجہ کو اس طور مارا تھا کہ اس کا بچ جانا تعجبات سے ہے یعنی زوجہ کی آنتیں وغیرہ سب نکل کر باہر آگئی تھیں فی الجملہ صورتِ مستفسرہ میں ہندہ زوج کے نکاح میں ہے یا نہیں اور دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں اور جس عورت کا شوہر دائم الحبس ہوگیا وُہ نکاح دوسرے سے کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

بے افتراق بموت یا طلاق دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی، ہمارے نزدیک، غیبت خواہ عسرت کے سبب ادائے نفقہ سے شوہر کا عجز یا تحصیل نفقہ سے عورت کی محرومی باعثِ تفریق نہیں بلکہ شافعیہ وغیرہم کے نزدیک بھی جواز تفریق کے یہ معنی کہ عورت قاضی شرع کے حضور دعوٰی پیش کرے اور قاضی گواہ شرعی لے کر تفریق کردے نہ یہ کہ عورت بطور خود جس سے چاہے نکاح کرلے، یہ ہرگز ائمہ اربعہ میں

[1] مصنّفِ عبدالرزاق باب التی تعلم مھلك زوجھا المکتبۃ الاسلامی بیروت ۷/ ۹۱۔۹۰ حدیث نمبر ۱۲۳۳۴، ۱۲۳۳۲، ۱۲۳۳۰

سے کسی کامذہب نہیں،اسی طرح شوہر کا بقصد قتل زوجہ پر حربہ کرنا اور اپنے گمان میں اس کا کام تمام کردینا کسی کے نزدیک موجب افتراق نہیں، کوئی جاہل سا جاہل بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی زوجہ منکوحہ جس کی عمر تخمیناً صہ صہ سال کی تھی فوت ہوگئی وُہ بوجہ ناقابل ہونے زوجیت کے مباشرت شوہری سے مجبور ہے اندامِ نہانی قابلِ ادخال نہ تھا قدرۃً اس میں قابلیت مباشرت نہ تھی زن وشوہر میں کبھی مجامعت نہ ہُوئی نہ کوئی اولاد پیدا ہوئی بس اس زوجہ کے شوہر پر کیا کیا حقوق عائد ہوسکتے ہیں اور شوہر متروکہ منقولہ وغیر منقولہ زوجہ میں حقوق شرعی رکھتا ہے یادونوں ایک دوسرے کی مالیت میں کچھ حق نہیں رکھتے یافلاں اس قدر کہتا ہے اور فلاں اس قدر یافلاں بالکل حق نہیں رکھتا اور فلاں رکھتا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں زن وشوہر کے باہمی حقوق ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے زنِ قابلِ جماع کے ساتھ صرف فرق اتنا ہے کہ اگر فرج داخل میں بقدرِ حشفہ ادخال ناممکن تھا اور ایسی حالت میں شوہر طلاق دیتا تو نصف مہر لازم آتا اگرچہ خلوت کرچکا ہوتا کہ وُہ خلوت بوجہ مانع، خلوت صحیح نہ تھی اور عدّت جب بھی لازم آتی اور عورت کا نفقہ بھی شوہر پر لازم آتا اب کہ عورت کا انتقال ہوگیا اس کا کل مہر ذمہ شوہر واجب الادا ہوگیا اور عورت کا نصف ترکہ شوہر کو وراثۃً پہنچے گا کہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح شرعاً صحیح بلکہ لازم ہوتا ہے کہ شوہر دعوی فسخ نہیں کرسکتا، درمختار میں ہے:

لایتخیر احدالزوجین بعیب الاٰخرولو فاحشا کجنون وجذام ورتق وقرن۔[1]	فحش عیب ہوتو بھی خاوند بیوی میں سے کسی کو دوسرے میں عیب کی بناء پر فسخِ نکاح کا اختیار نہیں، مثلاً جنون، جذام، بیوی کی شرمگاہ میں تنگی یا ہڈی ہو۔(ت)

اُسی میں ہے:

الخلوۃ بلامانع کرتق وقرن وعقل کالوطء فی تاکد المھر وتجب العدۃ فی الکل ولو فاسدۃ	خلوت جس میں مانع جماع نہ پایا جائے مثلاً عورت کی شرمگاہ میں تنگی یا ہڈی وغیرہ ہو تو ایسی خلوت وطی کے حکم میں ہوگی جس سے مہر لازم ہوجائے گا

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

الموت ایضاً کالوطی فی حق العدۃ والمھر [1] اھ ملتقطاً۔	عدّت واجب ہوگی اگرچہ نکاح فاسد ہو، اور موت بھی وطی کی طرح ہے اس سے بھی مہر اور عدّت لازم ہوگی اھ ملتقطا (ت)

اُسی میں ہے:

النفقۃ تجب للزوجۃ بنکاح صحیح ولو رتقاء اوقرناء اوکبیرۃ لاتوطأ [2] (ملخصًا)	بیوی کے لئے نفقہ واجب ہے نکاح صحیح ہو خواہ بیوی کی شرمگاہ میں ہڈی یا غدود کی وجہ سے تنگی ہو، یا بڑھاپے کی وجہ سے جماع کے قابل نہ ہو (ملخصًا) (ت)

اسی میں ہے:

یستحق الارث بنکاح صحیح لافاسد ولاباطل [3] (ملخصًا)۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صحیح نکاح میں وراثت کا استحقاق ہوتا ہے فاسد یا باطل میں نہیں (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷۔۲۶۶

[3] درمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۲

بابُ الکنایۃ
(طلاق کنایہ کا بیان)

رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق ۱۳۱۱ھ
(طلاق بائن کے الفاظ کی تعداد اور ان کی تفصیل کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۶۸: از بڑودہ ضلع گجرات کلاں ٹھکانہ پائیگاہ قاسم حالہ مرسلہ غلام حسین حالہ ۱۱ جمادی الاخری ۱۱۳۱ھ

کیافرماتے ہیں عالم شریعت محمدی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا، چند روز بعد اُس کے خاوند نے طلاق بائن دی جائز یانہیں؟ عورت فاحشہ ہے خاوند نے طلاق بائن دیا جائز ہے یانہیں؟ طلاق بائن کسے کہتے ہیں؟ طلاق بائن کا کیا طریقہ ہے؟ طلاق بائن کس طور سے دیتے ہیں؟ جس وقت چاہے خاوند اپنی عورت کو طلاق بائن دے سکتا ہے یانہیں؟ مع مہر ونام کتاب عبارت عربی ترجمہ اردو، خلاصہ تحریر فرمایئے، اس کا اجر آپ کو خداوند کریم عطا کرے گا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بائن وُہ طلاق جس کے سبب عورت فورًا نکاح سے نکل جائے، اگر بعد نکاح ابھی وطی وجماع کی نوبت نہ پہنچی اگرچہ خلوت ہوچکی ہو تو طلاق دی جائے بائن ہی ہوگی۔

فی التنویر والدر ورد المحتار الخلوۃ لاتکون کالوطی فی حق الرجعۃ لارجعۃ له بعد الطلاق الصریح بعد الخلوۃ بحر ای لوقوع الطلاق بائنا[1] اھ بالالتقاط۔	تنویر، در، ردالمحتار میں ہے کہ بیوی سے رجوع کے معاملہ میں خلوت، وطی کی طرح نہیں، یعنی خلوت کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق دی ہو تو اس صریح طلاق کے بعد بیوی سے رجوع نہیں ہوسکتا ہے، بحر ___ کیونکہ صریح طلاق قبل از جماع بائنہ ہوتی ہے اھ ملتقطا (ت)

یونہی جب طلاقیں تین تک پہنچ جائیں خواہ ایک بار میں خواہ دس برس میں، تو وُہ بھی بائن ہوجاتی ہیں بلکہ وُہ بائن کی قسم اکبر ہیں کہ پھر بے حلالہ اس سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ بائن کی تیسری صورت وہ طلاق کہ مال کے بدلے دی جائے مثلاً شوہر نے کہا میں بعوض ہزار روپیہ تجھے طلاق دی یا تیرے مہر کے بدلے طلاق دی، اور عورت نے قبول کرلیا، یا عورت نے کہا میں نے اپنے مہر یا فلاں قرض سے تجھے بری کیا اس شرط پر کہ تُو مجھے طلاق دے دے، مرد نے دے دی، یا مرد نے کہا جتنے حق عورتوں کے شوہروں پر ہوتے ہیں اُن سب سے مجھے بری کر، اس نے کہا بری کیا، اس نے فوراً کہا میں نے طلاق دی، کہ اس میں اگرچہ صراحۃً ذکرِ عوض نہ تھا مگر صورتِ حال دلیل معاوضہ ہے،

فی التنویر الواقع بالطلاق علی مال طلاق بائن[2] اھ وفی ردالمحتار ارادبالمال مایشمل الابراء منه حتی لو قالت ابرأتك عمالی علیك علی طلاقی ففعل برئ و بانت، بحر عن البزازیة وفی الفتح اٰخر الباب قال ابرئینی من کل حق یکون للنساء علی الرجال ففعلت فقال فی فورہ طلقتك وھی مدخول بھا یقع بائنا لانه بعوض[3]۔	تنویر میں ہے کہ مال کے عوض طلاق، بائنہ طلاق ہوگی اھ، اور ردالمحتار میں ہے کہ مال سے مراد عام ہے نقد ہو یا خاوند کے ذمہ اگر بیوی کا مال ہو مثلاً مہر وغیرہ تو طلاق کے عوض بیوی کا خاوند کو اپنے حق سے بَری کرنا حتی کہ اگر بیوی نے کہہ دیا کہ طلاق کے عوض میں تجھے اپنے حق سے بری کرتی ہوں، اور اس نے طلاق دے دی تو یہ طلاق بائنہ ہوگی، بحر نے اس کو بزازیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اور فتح میں اس باب کے آخر میں ہے خاوند نے کہا تو مجھے ہر ایسے حق سے بَری کردے جو عورتوں کا مردوں کے ذمّہ ہوتا ہے، اور بیوی نے ایسے کردیا تو خاوند نے فوری طور پر کہہ دیا میں نے تجھے طلاق دی، اگر بیوی مدخولہ ہو تو یہ طلاق بائنہ

[1] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۴۲

[2] درمختار باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۵

[3] ردالمحتار باب الخلع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۰

ہو گی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے۔(ت)

چوتھی جو طلاق کسی قسم کی دی گئی اور بغیر رجعت ہُوئے عدّت گزر گئی وہ طلاق بھی بائن ہو گی۔ان چاروں صورتوں میں کسی لفظ کی تخصیص نہیں سب الفاظ ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔

پانچواں یہ کہ عورت سے جماع ہولے اس کے بعد طلاق دے اور گنتی بھی تین تک نہ پہنچے،نہ مال کے بدلے طلاق ہو نہ عدّت گزرے، بااِیں ہمہ طلاق دیتے ہی بائن ہو جائے اس کے لئے الفاظ مقرر ہیں کہ ان لفظوں سے کہا تو بائن ہو گی اور ان سے کہا تو رجعی کہ عدّت کے اندر رجعت کا اختیار دیا جائیگا مثلاً اگر زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا تو عورت نکاح سے نکلنے نہ پائے گی بدستور زوجہ رہے گی اور حکمِ طلاق زائل نہ ہوگا۔

بائن کے بعض الفاظ یہ ہیں:

۱جا، ۲نکل، ۳چل، ۴روانہ ہو، ۵اٹھ، ۶کھڑی ہو، ۷پردہ کر، ۸دوپٹہ اوڑھ، ۹نقاب ڈال، ۱۰ہٹ، ۱۱سرک، ۱۲جگہ چھوڑ، ۱۳گھر خالی کر، ۱۴دور ہو، ۱۵چل دور، ۱۶اے خالی، ۱۷اے بَریبفتح با، ۱۸اے جدا، ۱۹تو مجھ سے جدا ہے، ۲۰میں نے تجھ بے قید کیا، ۲۱میں نے تجھ سے مفارقت کی، ۲۲تو جدا ہے،

فی الدرفنحواخرجی واذھبی وقومی تقنعی،تخمری، استتری،انتقلی انطلقی،اغربی، اعزبی،من الغربۃ اومن العزوبۃ یحتمل ردا، ونحو خلیۃ،بریۃ،حرام بائن،ومراد فھا کبتۃ بتلۃ یصلح سبا، انت حرۃ،سرحتک،فارقتك لایحتمل السب والرد، ففی حالۃ الرضی تتوقف الاقسام علی نیۃ[1] (ملتقطا)۔	دُر میں ہے، نکل جا، چلی جا، کھڑی ہو جا،پردہ کر،دوپٹہ اوڑھ، ہٹ جا، جگہ چھوڑ،دُور ہو،خالی ہو۔اغربی یا اعزبی غربت یا عزوبت سے ہے،یہ الفاظ جواب کا بھی احتمال رکھتے ہیں، اوراکیلی،اے بَری یا حرام یا بائنہ،یہ الفاظ اور ان کے ہم معنٰی جیسے،تو مجھ سے جدا ہے،میں نے تجھے آزادی دی،ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں،اور،تو مجھ سے آزاد ہے، میں نے تجھے بے قید کیا،میں نے تجھ سے مفارقت کی،یہ الفاظ ڈانٹ اور جواب کا احتمال نہیں رکھتے،یہ تمام اقسام رضا کی حالت میں کہے ہوں تو نیت پر موقوف ہوں گے۔(ت)

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

۲۳رستہ ناپ، ۲۴اپنی راہ لے کنّایتان عن الذھابیہ دونوں کنایہ ہیں، جانے، سے۔(ت) ۲۵کالامنہ کر، ۲۶چال دکھا، ۲۷چلتی بن، ۲۸چلتی نظرآ، ۲۹دفع ہو، ۳۰دال فے عین ہو، ۳۱رفوچکر ہو، ۳۲پنجرا خالی کر، ۳۳ہٹ کے سڑ، ۳۴اپنی صورت گما، ۳۵بستر اٹھا، ۳۶اپنا سُوجھتا دیکھ، ۳۷اپنی گٹھڑی باندھ، ۳۸اپنی نجاست الگ پھیلا، ۳۹تشریف لے جائیے، ۴۰تشریف کا ٹوکرا لے جائیے، ۴۱جہاں سینگ سمائے جا، ۴۲اپنا مانگ کھا، ۴۳بہت ہوچکی اب مہربانی فرمائیے، **کلھا کنایۃ عن البعد والذھابیہ** سب دُور ہونے، اور جانے سے، کنایہ ہیں۔(ت) ۴۴اے بے علاقہ ہو **کقولہ بتۃ بتلۃ** "بے علاقہ ہو" کہا توبتۃ اور بتلۃ کی طرح ہے۔(ت) ۴۵منہ چھپاؤ، **کقولہ تقنعی تخمری استتری** پردہ کر، اوڑھنی لے، نقاب ڈال، کی طرح ہیں۔(ت) ۴۶جہنم میں جا، ۴۷چولھے میں جا، ۴۸بھاڑ میں جاپڑ،

فی فروع الدر اذھبی الی جھنم یقع ان نوی خلاصۃ[1]۔	دُر کے فروعی مسائل میں ہے: جہنم میں جا، کہا، اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی، خلاصہ۔ت

۴۹میرے پاس سے چل، ۵۰اپنی مراد پر فتح مند ہو، ۵۱میں نے نکاح فسخ کیا، ۵۲تومجھ پر مثل مردار یا ۵۳سوئر یا ۵۴شراب کے ہے

فیھا ایضًا وکذا اذھبی عنی وافلحی وفسخت النکاح وانت علی کالمیتۃ اوکلحم الخنزیر اوحرام کالماء[2]۔	اسی میں ہے اوریُوں ہی اگر کہا میرے پاس سے چلی جا، اپنی مراد پر کامیاب ہو، میں نے نکاح فسخ کیا، تو مجھ پر مردار کی طرح ہے، تُو مجھ پر خنزیر کی طرح یا شراب کی طرح ہے۔ت

نہ مثل بھنگ یا افیون یا مال فلاں یا زوجہ فلاں کے،

فی ردالمحتار تحت قول الدر انت علی کالمیتۃ والمراد التشبیہ بما ھو محرم العین کالخمر والخنزیر والمیتۃ فالحکم فیہ کالحکم فی انت علی حرام بخلاف مالوقال انت علی کمتاع فلاں فلایقع وان نوی افادہ فی الذخیرۃ[3]۔	ردالمحتار میں درمختار کے قول "تو مجھ پر مردار کی طرح ہے" سے مراد وہ چیز ہے جو قطعی حرام ہے جیسے شراب، خنزیر اور مردار۔ ان کا حکم وہی ہے جو "تو مجھ پر حرام ہے" کا ہے، اس کے بخلاف اگر اس نے کہا "تو مجھ پر فلاں کے مال کی طرح ہے" اس میں نیت کی ہو تب بھی طلاق نہ ہوگی، ذخیرہ میں یہ افادہ کیا۔(ت)

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

[3] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۷۴

۵۵تو مثل میری ماں یا ۵۶بہن یا ۵۷بیٹی کے ہے اور یُوں کہا کہ تُو ماں بہن بیٹی ہے تو گناہ کے سوا کچھ نہیں،

فی الدروان نوی بأنت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی، خانیه برا او ظهارا او طلاقا، صحت نیته ووقع مانواه لانه کنایة والا ینوشیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی اے البر یعنی الکرامة ویکره قوله انت امی ویا بنتی ویا اختی ونحوه[1]۔	دُر میں ہے اگر بیوی کو کہا "تُو مجھ پر میری ماں کی طرح" لفظ مثل یا کاف کو تشبیہ کے لیے ذکر کیا، اور یوں ہی اگر لفظ عَلَیَّ (مجھ پر) کو حذف کردیا ہو اور خدمت یا ظہار یا طلاق جو بھی نیت کرے گا وہی حکم ہوگا، ہر ایک کی نیت صحیح ہوگی کیونکہ یہ لفظ کنایہ ہے، اور کچھ بھی نیت نہ تھی یا تشبیہ کے لفظ کو حذف کردیا ہو تو یہ لغو کلام ہوگا، اور صرف ادنٰی معنی یعنی خدمت وکرامت مراد ہوگا، اور "تُو میری ماں ہے اور اے میری بیٹی اے میری بہن" جیسے الفاظ مکروہ ہیں۔ (ت)

۵۹تیری گلوخلاصی ہُوئی، ۶۰تو خالص ہوئی فی ردالمحتار انت خالصة[2] (ردالمحتار میں ہے: تُو خالص ہوئی۔ ت) ۶۱حلالِ خدا، یا ۶۲حلالِ مسلمانان ۶۳ یا ہر حلال مجھ پر حرام، ۶۴تو میرے ساتھ حرام میں ہے،

الکل فی الشامی کما یأتی صریحا وخالف فیها المتاخرون ائمتنا المتقدمین فقالوا لاحاجة الی النیة لانه المتعارف **قلت** وفی بلادنا قد انعدم التعارف فآل الامر الی ماکان علیه قال الشامی ان المتاخرین خالفوا العرف الحادث فیتوقف الاٰن وقوع البائن به علی وجود العرف۔	یہ تمام فتاوٰی شامی میں ہے جیسا کہ آئندہ صراحتًا آئے گا، ان میں متاخرین فقہاء نے ہمارے متقدمین ائمہ کی مخالفت کی ہے اور کہا ان الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ طلاق میں عُرف بن چکے ہیں، **قلت** (میں کہتا ہوں) ہمارے علاقہ میں یہ عُرف نہیں ہے تو یہ الفاظ اپنے اصل پر لوٹ آئیں گے، علامہ شامی نے فرمایا: متاخرین نے جدید عُرف کی بنا پر خلاف کیا تو اس کے ساتھ وقوع بائن وجود عرف پر موقوف ہوگا۔ (ت)

۶۵میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا اگر کسی عوض کا ذکر نہ کرے،

فی ردالمحتار عن الخانیة ولو قال بعت نفسك منك فقالت اشتریت یقع	ردالمحتار میں خانیہ سے منقول ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ "میں نے تجھے تیرے پاس فروخت کیا" تو

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۲

طلاق بائن لان بیع نفسھا تملیك النفس من المرأة وملك النفس لایحصل الا بالبائن فیکون بائنا[1] اھ۔	بیوی نے کہا میں نے خریدا، تو بائنہ طلاق ہوجائیگی، کیونکہ بیوی کو اس کے پاس فروخت کرنا بیوی کو اپنے نفس کا مالک بنانا ہے نفس کی ملکیت بیوی کو بغیر بائنہ طلاق کے حاصل نہیں ہوسکتی، لہٰذا بائنہ طلاق ہوگی اھ۔ (ت)

اقول: (میں کہتاہُوں) یہاں عورت کے اس کہنے کی بھی حاجت نہیں کہ میں نے خریدا،

لانہ تملیك نفسھا منھا وھی لاتملك نفسھا الابالبائن بخلاف ماسیجئی من قولہ بعت منك طلاقك فانہ تملیك الطلاق منھا فکان تفویضا فاشترط قبولھا۔	کیونکہ یہ بیوی کو اپنے نفس کا مالک قرار دینا ہے تو بیوی اپنے نفس کی مالک بائنہ طلاق کے بغیر نہیں بن سکتی، اسکے بخلاف جو آئندہ عنقریب آئے گا کہ خاوند اگریُوں کہے "میں نے تجھے تیری طلاق فروخت کی" تو اسے یہ طلاق کا مالک بنانا ہُوا لہٰذا یہ خاوند کا بیوی کو طلاق تفویض کرنا ہے جس میں بیوی کا قبول کرنا شرط ہے۔ (ت)

۶۶میں تجھ سے باز آیا، ۶۷میں تجھ سے در گزرا فی ردالمحتار عدّیت عنھا[2] (ردالمحتار میں ہے: میں تجھ سے در گزرا۔ ت) ۶۸تُو میرے کام کی نہیں، ۶۹میرے مطلب کی نہیں، ۷۰مصرف کی نہیں کما حققناہ علی ھامش ردالمحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس تحقیق کی ہے۔ ت) ۷۱مجھے تجھ پر کوئی راہ نہیں، ۷۲کچھ قابو نہیں، ۷۳ملک نہیں، ۷۴میں نے تیری راہ خالی کردی، ۷۵تومیری ملک سے نکل گئی، ۷۶میں نے تجھ سے خلع کیا، ۷۷اپنے میکے بیٹھ، ۷۸تیری باگ ڈھیلی کی، ۷۹تیری رسّی چھوڑدی، ۸۰تیری لگام اتارلی، ۸۱اپنے رفیقوں سے جامل،

فی الھندیۃ وألحق ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی بخلیۃ وبریّۃ وبتّۃ وبائن وحرام اربعۃ اخری ذکرھا السرخسی فی المبسوط وقاضی خان فی شرح الجامع الصغیر واخرون وھی لاسبیل لی علیک، لاملك لی علیک، خلیت سبیلک، فارقتک، ولاروایۃ فی خرجت من ملکی قالوا اھ	ہندیہ میں ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ نے خلیۃ، بریۃ، بتۃ، بائن اور حرام کے الفاظ کے ساتھ دیگر چار الفاظ کو ملحق کیا ہے ان دیگر چاروں کو امام سرخسی نے مبسوط میں اور قاضیخاں نے شرح جامع صغیر میں اور دوسرے حضرات نے ذکر کیا ہے وہ لاسبیل لی علیک (مجھے تجھ پر چارہ نہیں)، لاملك لی علیک (تجھ پر میری ملکیت نہیں)، خلیت سبیلک (میں نے تیرا راستہ آزاد کیا)، فارقتک (میں نے تجھ سے مفارقت کی)،

[1] ردالمحتار باب الخلع قولہ کبعت نفسک مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۵۹

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۲

بمنزلة خليت سبيلک، وفی الینابیع الحق ابو یوسف رحمه الله تعالٰی بالخمسة ستّة اخری وھی الابعة المتقدمة وزادخالعتك والحقی باھلك ھكذا فی غایة السرجی[1]،اھ، **قلت** وھو فی حدیث المستعیذة وفیھا ایضا، وفی قوله حبلك علی غاربك لایقع الطلاق الّا بالنّیّة کذافی فتاوٰی قاضی خان وانتقلی وانطلقی کالحقی وفی البزازیة وفی الحق برفقتك یقع اذا نوی کذافی البحر الرائق[2]۔	اور خرجت من ملکی (تُو میری ملکیت سے نکل گئ) میں کوئی روایت نہیں ہے، اور ر فقہاء نے فرمایا یہ بمنزلہ "**خلیت سبیلک**" کے ہے، اور ینابیع میں ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے پانچ الفاظ کے ساتھ مزید چھ الفاظ ملحق فرمائے ہیں، اور وُہ چار پہلے ذکر شدہ اور دو[۲] مزید، وہ **خالعتک** (میں نے تجھ سے خلع کیا) **الحقی باھلک** (اپنے خاندان میں چلی جا) غایۃ السروجی میں یُونہی مذکور ہے اھ، **قلت** (میں کہتا ہوں) یہ بات پناہ طلب کرنے والی میں ہے۔ اور اسی غایۃ السروجی میں یہ بھی ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا "تیری ڈوری تیرے کندھے پر ہے" "توبیّت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے تُو منتقل ہو، تو جا، الحقی کی طرح ہے_ اور بزازیہ میں ہے اگر یُوں کہا "اپنے دوستوں سے مل جا" نیت کی تو طلاق ہوجائے گی، بحرالرائق میں یونہی ہے۔ (ت)

۸۲ مجھے تجھ پر کچھ اختیار نہیں ھو کقولہ لاسبیل لی علیک (جیسا کہ اس کا قول "مجھے تجھ پر چارہ نہیں۔ت) ۸۳ خاوند تلاش کر،

فی الھندیة ویأتبغی الازواج تقع واحدة بائنة ان نواھا عــہ واثنتین وثلث ان نواھا ھکذا فی شرح الوقایة[3]۔	اور ہندیہ میں ہے اگر یُوں کہا "تو خاوند تلاش کر" ایک بائنہ طلاق ہوگی اگر نیّت کی ہو، یادو[۲] اور تین ہونگی اگر ان کی نیت کی ہو، شرح وقایہ میں ایسے ہی ہے۔ (ت)
عــہ: قابلت عبارة عن اصل الھندیة فوجدتھا ھکذا او ثنتان وثلث حامد رضا غفرله۔	میں نے ہندیہ کے اصل قلمی نسخہ سے مقابلہ کیا تو میں نے وہاں یُوں عبارت پائی اور دو اور تین ۱۲ حامد رضا غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵
[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵
[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

۸۴ مجھے تیری حاجت نہیں، ۲ مجھے تجھ سے سروکار نہیں، ۳ تجھ سے مجھے کام نہیں، ۴ غرض نہیں، ۵ مطلب نہیں، ۶ تو مجھے درکار نہیں، ۷ تجھ سے مجھے رغبت نہیں، ۸ میں تجھے نہیں چاہتا، یہ محض مہمل ہیں اگرچہ نیت کرے،

فی الهندیة ولو قال لاحاجة لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق کذافی السراج الوهاج واذاقال لااریدك اولااحبك اولااشتهیك اولارغبة لی فیك فانه لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی کذافی بحر الرائق۔[1]	ہندیہ میں ہے اگر کہا "مجھے تجھ میں حاجت نہیں ہے، طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ سراج وہاج میں مذکور ہے، اور جب یُوں کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" یا "میں تجھے پسند نہیں کرتا" یا "میں تجھ میں خواہش نہیں رکھتا" یا "مجھے تجھ میں دلچسپی نہیں" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو، یہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، بحر الرائق نے ایسے ہی بیان کیا۔ (ت)

۸۵ میں تجھ سے جُدا ہُوں یا ہوا (فقط میں جُدا ہُوں یا ہوا کافی نہیں اگرچہ بنیت طلاق کہے)

فی الهندیة ولو قال انا منك بائن ونوی الطلاق یقع ولو قال انا بائن ولم یقل منك لایقع وان نوی کذافی محیط السرخسی[2]۔	ہندیہ میں ہے اگر یوں کہا، میں تجھ سے بائن ہوں اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی، اور اگر صرف میں بائن ہوں اور "تجھ سے" نہ کہا تو نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، محیط سرخسی میں ایسے ہی مذکور ہے۔ (ت)

۸۶ میں نے تجھے جُدا کردیا، میں نے تجھ سے جُدائی کی، ۸۷ تو خود مختار ہے، ۸۸ تو آزاد ہے،

فی الهندیة ولوقال فی حال مذاکرة الطلاق باینتك او ابنتك اوکابنت منك اوانت سائبة اوانت حرة یقع الطلاق وان قال لم انو الطلاق لایصدق قضاء[3]۔	ہندیہ میں ہے اگر حالت مذاکرہ طلاق میں، میں تجھ سے جُدا ہوں، میں نے تجھ کوجدا کیا، میں تجھ سے جُدا ہوا، تو سائبہ ہے یا تو آزاد ہے، تو طلاق ہوجائے گی اور اگر وُہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیّت نہیں کی تو قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

۸۹مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں، ۹۰مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا،

فی الهندیة ولوقال لها لانکاح بینی وبینك اوقال لم یبق بینی وبینك نکاح یقع الطلاق اذانوی کذافی فتاوٰی قاضی خاں[1]۔	ہندیہ میں ہے اگر کہا، تجھ میں مجھ میں نکاح نہیں، یا کہا، مجھ میں اور تجھ میں نکاح باقی نہیں ہے، تو نیتِ طلاق سے طلاق ہوگی، جیسا کہ فتاوٰی قاضیخاں میں ہے۔(ت)

۹۱میں نے تجھے تیرے گھر والوں یا ۹۲باپ یا ۹۳ماں یا ۹۴خاوندوں کو دیا یا ۹۵خود تجھ کو دے ڈالا (اور تیرے بھائی یا ماموں یا چچا یا کسی اجنبی کو کہا تو کچھ نہیں)

فی الهندیة روی الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی انه اذا قال وهبتك لاخیك اولخالك اولعمك اولفلان الاجنبی لم یکن طلاق کذافی السراج الوهاج ولوقال لها وهبت نفسك منك فهو من جملة الکنایات ان نوی به الطلاق یقع والافلا[2]۔	ہندیہ میں ہے: امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا کہ اگر یُوں کہا، میں نے تجھے تیرے بھائی، خالو، چچے یا فلاں اجنبی کو ہبہ کیا طلاق نہ ہوگی جیسا کہ سراج وہاج میں ہے۔ اور اگر یُوں کہا، میں نے تیرا نفس تجھے ہبہ کیا تو کنایہ کے الفاظ میں سے ہے اگر نیّت کی تو طلاق ہوجائے گی، ورنہ نہیں۔(ت)

۹۶مجھ میں تجھ میں کچھ معاملہ نہ رہا یا تجھ میں مجھ میں کچھ شئی نہیں اگرچہ نیت کرے،

فی الهندیة ولوقال لم یبق بینی وبینك شئی ونوی به الطلاق لایقع وفی الفتاوی لم یبق بینی وبینك عمل ونوی یقع کذافی العتابیة[3]۔	ہندیہ میں ہے اگر کہا، تیرے اور میرے درمیان کوئی شئی باقی نہیں، اور اس سے نیت طلاق کی ہو تو طلاق نہ ہوگی، اور فتاوٰی میں مذکور ہے اگر یُوں کہا، تیرے اور میرے درمیان کوئی معاملہ باقی نہیں رہا، نیت کی ہو تو طلاق ہوگی، جیسا کہ عتابیہ میں مذکور ہے۔(ت)

۹۷میں تیرے نکاح سے بری ہُوں، ۹۸بیزار ہوں،

فیها عن الخانیة ولوقال انا بریئ من	ہندیہ میں ہے خانیہ سے منقول ہے، اگر کہا میں تیرے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

نکاحك یقع الطلاق اذا نوی [1]۔	نکاح سے بری ہُوں، طلاق کی نیت سے طلاق ہو جائے گی۔(ت)

۹۹ مجھ سے دُور ہو جا،

فیہا عنہا ولو قال ابعدی عنی ونوی الطلاق یقع [2]۔	ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے، اگر کہا تُو مجھ سے دُور ہو جا، طلاق کی نیّت سے طلاق ہو جائے گی (ت)

۱۰۰ مجھے صورت نہ دکھا،

وھذا بمعنی ابعدی عنی، وفیہ ینوی کما مرانفا بخلاف استتری منی فانہ بزیادۃ منی خرج عن کونہ کما فی الخانیۃ ایضًا قال الشامی یکون قولہ منی قرینۃ لفظیۃ علٰی ارادۃ الطلاق بمنزلۃ المذاکرۃ تأمل [3] اھ، ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ، اقول وذلك بخلاف ان یقول لاترنی وجھك فانہ یکون عبارۃ عن البغض والتنفر فلایزول الاحتمال اھ فافھم [4]۔	اور یہ "مجھ سے دُور ہو جا" کے معنٰی میں ہے، اور اس میں نیت کرے گا، جیسا کہ ابھی گزرا، اس کے بر خلاف "مجھ سے پردہ کر" منّی (مجھ سے) کا لفظ زائد ہونے کی وجہ سے کنایہ سے خارج ہے، جیسا کہ خانیہ میں بھی ہے، نیز علّامہ شامی نے فرمایا کہ یہاں منّی (مجھ سے) کا لفظ قرینہ لفظیہ ہے کہ اس نے طلاق مراد لی ہے یہ بمنزلہ مذاکرہ طلاق ہے، غور چاہئے اھ مجھے اس کے حاشیے پر لکھنا یاد ہے جس کی عبارت یہ ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ اس کے بر خلاف ہے یہ کہنا، تو اپنا چہرہ مجھے نہ دکھا، کیونکہ یہ لفظ بغض اور نفرت کے اظہار کے لئے ہے لہٰذا دوسرا احتمال ختم نہ ہوگا، اھ، غور کرو۔(ت)

۱۰۱ کنارے ہو، ۱۰۲ تُونے مجھ سے نجات پائی،

فی الہندیۃ ومن الکنایات تنحی عنی ونجوت منّی کذا فی فتح القدیر [5]۔	ہندیہ میں ہے: الفاظ کنایہ میں سے، کنارے ہو، مجھ سے تو نے نجات پائی، ایسے ہی فتح القدیر میں ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶
[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶
[3] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳
[4] جدالممتار باب الکنایات حاشیۃ ، المجمع الاسلامی مبارکپور ۲/ ۵۱۵
[5] فتاوی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

ومثلھا (اور اسی کی مثال ہے۔ت) ۱۰۳ الگ ہو، ۱۰۴ میں نے تیرا پاؤں کھول دیا

لعدم التعارف فی بلادنا ومافی الخلاصة پای کشادہ کردم ترا تفسیر قولہ طلقتك عرفا حتی یکون رجعیا وتقع بدون النیة [1] اھ فمبنی کما تری علی العرف فی الھندیة عن الذخیرۃ عن الامام ظھیر الدین یفتی فیما سواھا باشتراط النیة ویکون الواقع بائنا[2]۔	ہمارے علاقہ کا عرف نہ ہونے کی بناپر، اور جو خلاصہ میں ہے کہ "میں نے تیرے پاؤں کھول دئے، عرف میں "میں نے تجھے طلاق دی" کے ہم معنٰی ہے، لہٰذا اس سے طلاق رجعی ہوگی، اور بغیر نیت طلاق ہوجائے گی اھ تو یہ عرف پر مبنی ہے جیسا کہ تودیکھ رہاہے، ہندیہ میں ذخیرہ سے امام ظہیر الدین سے منقول ہے کہ مذکورہ الفاظ کے علاوہ میں نیت شرط ہونے پر فتوٰی دیا جائے گا اور اس سے بائنہ طلاق ہوگی۔(ت)

۱۰۵ میں نے تجھے آزاد کیا، ۱۰۶ آزاد ہوجا،

فیھا ولوقال اعتقتك طلقت بالنیة کذا فی معراج الدرایة وکونی حرۃ اواعتقی مثل انت حرۃ کذافی بحرالرائق[3]۔	ہندیہ میں ہے: اور اگر خاوند کہے "میں نے تجھے آزاد کیا" تو نیّت سے طلاق ہوگی، جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے، اور "تُو آزاد ہوجا" یا "تُو آزاد ہے" انت حرۃ کی طرح ہے، جیسا کہ بحرالرائق میں ہے۔(ت)

۱۰۷ تیری بند کٹی، ۱۰۸ تُو بے قید ہے،

فیھا ولوقال انت السراح فھو کما قال لھا انت خلیة کذافی فتاوٰی قاضی خان[4]۔	ہندیہ میں ہے: اگر کہا "تُو بے قید ہے" یہ ایسے ہی ہے جیسے یُوں کہے "تُوجدا ہے" جیسا کہ فتاوٰی قاضی خان میں ہے۔ (ت)

۱۰۹ میں تجھ سے بری ہُوں،

فیھا فی مجموع النوازل امرأۃ قالت لزوجھا انا بریئة منك فقال الزوج	ہندیہ میں ہے کہ مجموع النوازل میں ہے، بیوی نے کہا "میں تجھ سے بَری ہوں" تو خاوند نے جواب میں

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۹۹/۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۹/۱

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۶/۱

[4] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۶/۱

انابریٔ منك ایضاً فقالت ماذا تقول فقال مانویت الطلاق لایقع الطلاق لعدم النیة کذافی المحیط[1] ۔	کہا "میں بھی تجھ سے بری ہوں" پھر بیوی نے کہا خیال کرو کیا کہہ رہے ہو، تو خاوند نے کہا میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہا، تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ نیت نہیں ہے، جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

"۱۱ اپنا نکاح کر، "۱۱ جس سے چاہے نکاح کر،

فیھا ولو قال تزوجی ونوی الطلاق اوالثلث صح وان لم ینوشیئًا لم یقع کذافی العتابیة[2] ۔	ہندیہ میں ہے اگر کہا "تُو نکاح کرلے" اور طلاق کی نیت کی ہو تو ایک طلاق، اور تین کی نیت کی تو تین ہوں گی۔ اور کوئی نیت نہیں کی تو کوئی طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ عتابیہ میں ہے (ت)

"۱۲ میں تجھ سے بیزار ہُوا،

فیھا عن الخلاصة ولوقال لھا ازتو بیزار شدم لایقع بدون النیة[3] **قلت** وظاھران لیس کقوله انامنك طالق فافھم عــه وثبت۔	ہندیہ میں خلاصہ سے ہے، اگر کہا "میں تجھ سے بیزار ہوں" تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔ **قلت** (میں کہتاہوں) ظاہر یہ ہے مذکور لفظ خاوند کے قول "میں تجھ سے طلاق والاہوں" کی طرح نہیں ہے، غور کرواور ثابت رہو۔(ت)

"۱۳ میرے لئے تجھ پر نکاح نہیں،

فی الخانیة وفی قولك لانکاح لی علیك لایقع الطلاق الابالنیة[4] ۔(ملخصًا)	خانیہ میں ہے: خاوند کے اس قول سے کہ "میرے لئے تجھ پر نکاح نہیں ہے" نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔(ت)

"۱۴ میں نے تیرا نکاح فسخ کیا،

فیھا ولوقال لھافسخت نکاحك یقع الطلاق	خانیہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "میں نے تیرا نکاح

عــه: اشارة الی ان مافی الدرسھو ۱۲منه	یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو درمختار میں ہے وہ سہو ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیه نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۶

[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۶

اذا نوی[1]۔	فسخ کیا، نیّت سے طلاق ہو جائے گی۔(ت)

۵"تجھ پر چاروں راہیں کھول دیں(اور اگر یُوں کہا کہ "تجھ پر چاروں کھلی ہیں"تو کچھ نہیں جب تک یہ بھی نہ کہے، ۶"جو راستہ چاہے اختیار کر

فھاولوقال لھا"اربع طرق علیك مفتوحة ونوی الطلاق لایقع الطلاق الاان یقول اربع طرق علیك مفتوحة فخذی فی ای طریق شئت فحینئذ یقع الطلاق اذا نوی ولاقال(چہار راہ برتو کشادم)لایقع الطلاق مالم ینو[2]وفی الھندیة اذاقال لھا چھارراہ برتو کشادہ است لایقع الطلاق وان نوی مالم یقل خذی ایما شئت عند اکثر المشائخ وانه منقول عن محمد رحمه اللہ تعالٰی واذاقال لھا چھارراہ برتو کشادم یقع الطلاق اذا نوی وان لم یقل خذی ایما شئت[3]۔	خانیہ میں ہے: اگر خاوند نے کہا"چاروں راہ تجھ پر کھلے ہیں"اور طلاق کی نیّت کی تو طلاق نہ ہوگی جب تک ساتھ یہ نہ کہے جس راستے کو تُو چاہے اختیار کرلے، اگر طلاق کی نیّت سے یہ کہہ دیا تو طلاق ہو جائے گی، اور اگر کہا تجھ پر چاروں راہیں کھول دیں، تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اور ہندیہ میں بھی ہے کہ اگر خاوند نے صرف یہ کہا" تجھ پر چار راہیں کھلی ہیں تونیت کے باوجود نہ ہوگی جب تک ساتھ یہ نہ کہے"توجس کو چاہے"اختیار کرلے۔" اکثر مشائخ کے ہاں یہ ہے۔اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یہی منقول ہے۔اور اگر کہا" تجھ پر چاروں راہیں کھولتا ہوں"تو نیّت کی تو طلاق ہو جائیگی، اگرچہ اس نے"جس کو تُو چاہے اختیار کرے"نہ کہا ہو۔(ت)

۷"میں تجھ سے دست بردار ہُوا

فی الخانیة(چنگ باز داشتم)از تو قال الفقیة ابو جعفر واحدة بائنة وغیرہ یقع رجعیة والاول اصح[4]۔	خانیہ میں ہے: اگر خاوند نے کہا"میں تجھ سے دستبردار ہوا"توابو جعفر فقیہ نے کہاایک طلاق بائنہ ہوگی، اور دوسروں نے کہا کہ ایک طلاق رجعی ہوگی، پہلا قول اصح ہے (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۶
[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۷
[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۱
[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۷

۱۸"میں نے تجھے تیرے گھر والوں یا۱۹" باپ یا۲۰" ماں کو واپس دیا،

فی الطحطاوی عن الدر المنتقی رددتك الیھم ولا یشترط قبولھم[1]۔	طحطاوی میں درمنتقٰی سے منقول ہے، خاوند نے کہا "میں نے تجھے تیرے گھر والوں کو واپس کر دیا" تو گھر والوں کا قبول کرنا شرط نہیں ہے (ت)

۲۱"تو میری عصمت سے نکل گئی،

فی العقود صرح فی الوجیز لبرھان الائمة انه لوقال فسخت النکاح بینی وبینك ولم یبق بینی وبینك لایقع الابالنیة، ولایخفی ان قوله انت خارجة عن عصمتی مثله فی المعنی من الفتاوٰی المزبورة **قلت** فان الخروج عن العصمة یکون بطلاق وفسخ کطریق حرمة مصاھرة ولومن قبله، فلم یتعین للطلاق وکذاالخروج عن الملك کمامر۔[2]	عقود دریہ میں ہے کہ علامہ برہان الائمہ نے وجیز میں تصریح کی ہے اگر خاوند نے کہا "میرے اور تیرے درمیاں نکاح فسخ ہوگیا ہے اور ہمارے درمیان نکاح باقی نہ رہا" تو نیّت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اور یہ مخفی نہیں کہ خاوند کا کہنا کہ "تو میری عصمت سے خارج ہے" معنٰی میں اسی کی مثل ہے جو فتاوٰی مذکورہ سے مروی ہے **قلت** (میں کہتا ہوں) عصمت سے خارج ہونا طلاق اور فسخ کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً حرمتِ مصاہرۃ کی بناپر جو کہ خاوند کی طرف سے بھی طاری ہوسکتی ہے لہذا فسخ کے لئے طلاق متعین نہیں ہے، اور اسی طرح ملکیت سے خارج ہونا بھی ہے جیسا کہ گزرا۔ (ت)

۲۲"میں نے تیری ملک سے شرعی طور پر اپنا نام اتار دیا،

فی الخیریة سئل فی رجل قال فی حال الغضب وسؤال الطلاق لزوجته نزلت عنھا نزولاشرعیا ھل تبین بذلك ام لا (اجاب) لم ارمن تعرض لھذا فی کلامھم لکن رأیت فروعامتعددة فی الکنایات تقتضی انه	خیریہ میں ہے: ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو غصہ میں اور طلاق کے مطالبہ پر کہا "میں نے اس سے شرعی نام اتار دیا" تو کیا اس شخص کی بیوی بائنہ ہوجائے گی یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا میں نے فقہاء کے کلام میں اس مسئلہ کے بیان کو نہیں پایا، لیکن میں نے کنایہ کے بہت سے مسائل

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الکنایات دار المعرفة بیروت ۱۳۸/۲

[2] عقود الدریه فی تنقیح الحامدیة کتاب الطلاق حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۴۳/۱

یقع بمثله الطلاق البائن اذاوجدت النية اودلالة الحال فتعين الافتاء بالوقوع فی الحادثة واذاعلمت ان هذایصلح جوابا لارداوشتیمة وتأملت فی فروع ذکرهاصاحب البحر والتتارخانیة وغیرها قطعت بما ذکرنا[1]۔	دیکھے ہیں جن کی روشنی میں اس صورتِ مذکورہ میں طلاق بائنہ ہوگی جب نیّت پائی جائے یا حال کی دلالت پائی جائے، لہٰذا اس مذکورہ حادثہ میں طلاق کا فتوٰی متعین ہوگا، جب معلوم ہوگیا کہ مسئلہ مذکور میں خاوند کا قول جواب ہی ہوسکتا ہے اور میں نے بحر اور تاتارخانیہ وغیرہما میں مذکور فروعات میں غور کیا، تو مجھے یقین ہوگیا کہ طلاق کے وقوع کا حکم ایسے ہی ہے جیسے ہم نے ذکر کیا ہے۔(ت)

۲۳"تو میرے لائق نہیں قیامت یا ۲۴عمر بھر،

فی الخلاصة ولوقال لامرأته. تومرانه شائی تاقیامت اوہمه عمر. لایقع الطلاق بدون النية۔[2]	خلاصہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "تُو میرے لائق نہیں ہے قیامت تک یا عمر بھر، تونیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔(ت)

۲۵"تو مجھ سے ایسی دُور ہے جیسے مکہ معظّمہ مدینہ طیبہ سے یا دلّی لکھنؤ سے،

فی الخلاصة ولوقال لها توازچناں دُوری کہ مکہ ازمدینہ لایقع الطلاق بدون النية[3]۔	خلاصہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "تُو مجھ سے ایسی دور ہے جیسے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ "تو بغیر نیّت طلاق نہ ہوگی۔(ت)

ان سب صورتوں میں اگر طلاق کی نیت ہو طلاق بائن پڑ جائے گی، تو ۱مطلقہ بائنہ ہے (بے حرف عطف) یا تو ۲مطلقہ پس بائنہ ہے تجھ پر ۳سب سے فحش تر طلاق، ۴شیطانی طلاق، ۵بدعت کی طلاق، ۶بدتر طلاق، ۷پہاڑ کی مثل، ۸ہزار کے مثل، ۹کوٹھری بھر کے ۱۰سخت یا ۱۱لمبی یا ۱۲چوڑی طلاق، ۱۳سب سے بُری، ۱۴سب سے کڑّی، ۱۵سب سے گندی، ۱۶سب سے ناپاک، ۱۷سب سے کڑی، ۱۸سب سے بڑی، ۱۹سب سے چوڑی، ۲۰سب سے لمبی، ۲۱سب سے موٹی طلاق، ۲۲کلاں تر طلاق،

[1] الفتاوٰی الخیریہ کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۰/۱

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثانی فی الکنایات مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۰۰/۲

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۹۹/۲

فی الدر ویقع بقوله انت طالق بائن اوافحش الطلاق اوطلاق الشیطان والبدعة او اشر الطلاق اوکالجبل اوکالف اوملئ البیت او تطلیقة شدیدة او طویلة او عریضة اواسوأه او اشده او اخبثه او اکبره اواعرضه او اطوله او اغلظه او اعظمه واحدة بائنة ان لم ینو ثلاثا.فیه ایضا ولو بالفاء(ای فی قوله انت طالق فبائن)فبائنة ذخیرة[1]۔(ملخصًا)	دُر میں ہے: خاوند نے بیوی کو کہا تجھے بائن طلاق، فحش تر طلاق، شیطانی طلاق، بدتر طلاق، بدعت طلاق، یا پہاڑ برابر، یا ہزار برابر، کوٹھری بھر طلاق، شدید طلاق، طویل، عریض، سب سے بری، سب سے شدید، سب بڑی، سب سے عریض سب سے طویل، سب سے غلیظ، سب سے عظیم طلاق۔تو ان تمام صورتوں میں ایک بائنہ طلاق ہوگی جبکہ یہاں بھی تین کی نیت نہ کی ہو۔اور اگر بائن کو ف کے ساتھ ذکر کرے مثلاً تو طلاق والی "فبائنه" کہا تو بائنہ ہوگی۔ذخیرہ۔(ت)

۲۳ تجھ پر ایسی طلاق جس سے تُو اپنے اختیار میں ہوجائے،

فی الدر کما یقع البائن لوقالت انت طالق طلقة تملکی بها نفسك لانها لاتملك نفسها الا بالبائن[2]۔	دُر میں ہے: اگر کہا" تجھ پر ایسی طلاق جس سے تُو اپنے اختیار میں ہوجائے" تو بائنہ طلاق واقع ہوگی کیونکہ بیوی بائنہ طلاق کے بغیر اپنی مالک نہیں ہوسکتی(ت)

۲۴ تجھ پر بائن طلاق،

فی ردالمحتار تحت قوله لانه لاتملك نفسها صرح به فی البدائع وقال اذاوصف الطلاق بصفة تدل علی البینونة کان بائنًااھ وهذه الصفة بمعنی قوله انت طالق طلقة بائنة[3] الخ۔	ردالمحتار میں ماتن کے قول کہ "اپنے نفس کی مالک نہ ہوگی" کے تحت ہے اس کی تصریح بدائع میں کی ہے، اور کہا کہ جب طلاق ایسے وصف سے موصوف ہو جو بائنہ ہونے پر دلالت کرے تو وُہ طلاق بائنہ ہوگی اھ، اور یہ صفت "تو بائنہ طلاق والی ہے" کے معنی میں ہوگی الخ(ت)

---

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۵۰

۲۵تجھ پر وہ طلاق جس میں مجھے رجعت کااختیار نہیں،اس میں بالاتفاق ہمارے ائمہ کے مذہب میں طلاق بائن ہوگی۔اور اگر یہ کہا" تجھ پر طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجعت کااختیار نہیں،جوہرہ میں فرمایاکہ اس میں رجعی ہوگی،اور بائن ہونے کو ضعیف بتایامگر تبیین الحقائق اور غایۃ البیان اور فتح القدیر میں فرمایاکہ اوّل تو ہمیں رجعی ہونا مسلّم نہیں اور ہو بھی تواس کی وجہ یہ ہے یہ ایک بحث ہے جس سے اصلاً مذہب ہمارے ائمہ کااس صورت میں وقوع بائن ہوناثابت نہیں ہوتا اگرچہ بحرالرائق میں اسی بحث کی بناء پر جزم فرمایاکہ یہاں وقوع بائن ہمارامذہب ہے،

فی البحر عن الجوھرۃ ان قال انت طالق علی انہ لارجعۃ لی علیک یلغوویملك الرجعۃ وقیل تقع واحدۃ بائنۃ وان نوی الثلث فثلاث اھ وظاھر مافی الھدایۃ ان المذھب الثانی فانہ قال واذا وصف الطلاق بضرب من الشدۃ والزیادۃ کان بائنا[1] اھ	بحر میں جوہرہ سے منقول ہے:اگر خاوند نے کہا تجھے طلاق اس شرط پر جس میں مجھے رجعت کا اختیار نہیں،تویہ رجعی ہوگی،اور بعض نے کہا ایک بائنہ واقع ہوگی،اور اگر تین کی نیت کی تو تین ہوں گی۔اور ہدایہ کے بیان سے ظاہر یہ ہے کہ دوسرا قول مختارِمذہب ہے کیونکہ اس نے کہاکہ اگر طلاق کو کسی شدّت اور زیادتی کے ساتھ موصوف کیاجائے تووُہ بائنہ ہوگی اھ(ت)

اس کے سوا تیسری صورت ایک اور ہے وُہ یہ کہ تجھے طلاق ہے اور مجھے رجعت کااختیار نہیں،اس میں بلاشبہ رجعی ہوگی کمافی الشامی ویاتی (جیساکہ شامی میں ہے اور آگے آئے گا۔ت)یُونہی اگر کہا تجھ پر طلاق ہے اس شرط پر کہ اس کے بعد رجعت نہیں بلکہ یُوں کہا تجھ پر وُہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہیں بلکہ یُوں کہاکہ تجھ پر وُہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہ ہوگی،توان سب صورتوں میں بلاخلاف رجعی ہوناچاہئے،

والسر فیہ ان الصور ھھنا ثلث العطف والشرط و الوصف کقولہ انت طالق ولارجعۃ لی علیک اوانت طالق علی ان لارجعۃ لی علیك اوانت طالق طلقۃ	اس میں رازیہ ہے کہ یہاں تین صورتیں ہیں،ایک عطف،دوسری شرط،تیسری وصف،پہلی،جیسے کہے" تجھے طلاق اور مجھے رجوع کاحق تجھ پر نہیں۔"دوسری،جیسے کہے" تجھے طلاق اس شرط پر کہ مجھے

[1] بحرالرائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹۱/۳

لارجعة لی فیھا علیک،الاول کلام مستقل لایغیر ماقبله فلایتغیرعن حکمه الشرعی والثانی مغیر ویختلف النظرفیه فمن نظر الی انه تغیر لحکم الشرع،الغاه و اوقع الرجعی لان شرط الرجعی احق واوثق ومن شرط مالیس فی کتاب اللہ فشرطه باطل وان شرط مائة شرط[1] کماارشد الیه الحدیث الصحیح ومن ارجعه الی معنی الوصف اوقع به البائن فلم یجعله تغیرا بل تعبیرا کانه یقول ان مرادی طلاق لارجعة لی فیه وانت تعلم ان الاول اظھر لکن ربما یؤید ھذاالان الاعمال اولی من الاھمال واماالثالث فلاشبھة فیه عندنا لما مرانه اذا وصف الطلاق بضرب من الشدة والزیادة کان بائنا،اماما ذکرت انه ینبغی وقوع الرجعی بلاخلاف فیما اذاقال انت طالق طلقة لااراجعك بعدھا فالوجه فیه ان الطلاق الرجعی لایستلزم الرجعة فلاینافی عدمھا انما ینافی عدم اختیارھا،فحل محل ابعاد وبھذا القدر لایسلب منه خیار الرجعة فمن جھته احتمال ھذاالمعنی لم یکن نصافی ارادة	رجوع کا حق نہیں"۔ تیسری، جیسے کہے" تجھے وہ طلاق جس میں مجھے تجھ پر رجوع کا حق نہیں"پہلی صورت میں عطف کی وجہ سے مستقل کلام ہے ماقبل کو تبدیل نہیں کرے گااور ماقبل اپنے شرعی حکم سے متغیر نہ ہوگا،اور دوسری صورت میں شرط کی وجہ سے ماقبل متغیر کرے گا،اور اس میں وجہ مختلف ہے،جس نے یہ وجہ بنائی کہ ماقبل کے لئے مغیّر ہےاور شرعی حکم متغیر کررہاہے،تواس شرط کو لغو قرار دیااور ماقبل کو رجعی قرار دیا، کیونکہ اس کو رجعی کی شرط بنانا زیادہ وزنی ہے اور یہ کہاکہ اللہ کے حکم کے خلاف شرط باطل ہے،اگرچہ ایسی سَوشرطیں بھی ہوں تو وُہ باطل ہوں گی جیساکہ حدیثِ صحیح میں ارشاد ہے۔اور تیسری صورت وصف تو جس نے یہاں وصف قرار دیاانہوں نے کہااس وصف کی وجہ سے طلاق بائنہ ہوگی، لہٰذاان کے نزدیک یہ وصف پہلے بیان کی تبدیلی نہیں بلکہ یہ اس کی تعبیر ہے گویااس نے کہا"طلاق سے میری مراد ایسی طلاق جس میں مجھے رجوع کا حق نہ ہو"۔آپ جانتے ہیں کہ پہلی صورت واضح ہے،اور دوسری صورت میں شرط کو مؤثر ماننے کو ترجیح ہوگی کیونکہ کسی کلام کو عمل میں لانا اسے مہمل قرار دینے سے بہتر ہے،اور تیسری صورت میں کوئی شُبہہ نہیں ہے کیونکہ جب طلاق کو کسی شدید اور زیادتی والے وصف سے موصوف کیا جائے تو وُہ طلاق بائنہ ہوجاتی ہے، لیکن خاوند کے اس قول میں " تجھے طلاق وُہ کہ میں تجھ سے رجوع نہ کروں گا"کے متعلق جو میں نے ذکر کیاہے کہ اس میں بالاتفاق رجعی

[1] صحیح البخاری باب اذاالشرط فی شروطالاتحمل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

البینونة فلم یکن بائنا بالشک،فاذا کان ھذا فی الوصف ففی الشرط اولی ھذاماظھر لی فلیراجع ولیحرر،واللہ تعالٰی اعلم۔	طلاق ہونی چاہئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق رجعی کو رجوع لازم نہیں ہے بلکہ خاوند کی مرضی پر ہے،ہاں خاوند کا کہنا"میں رجوع نہ کروں گا"رجوع کے عمل کے خلاف ہے تو اس کا یہ کہنا رجوع سے بعید ہے منافی نہیں،لہٰذا صرف اس وجہ سے خاوند کو عملاً رجوع سے نہیں روکا جاسکتا،تو اس احتمال کی بناپر مذکورہ الفاظ"بائنہ طلاق کے لئے نص نہ بن سکیں گے"تو اس شک کی وجہ سے طلاق بائنہ نہ ہوگی۔جب وصف میں یہ گنجائش ہے تو شرط میں بطریق اولی گنجائش ہوگی،یہ وُہ ہے جو مجھ پر عیاں ہُوا،تاہم تحقیق کی طرف رجوع اور وضاحت کو اختیار کرنا چاہئے

۲۷مجھ سے پردہ کر،

کماتقدم عن الشامی وھو قولہ استتری منی۔	جیساکہ شامی کا بیان گزرااور وہ،تو مجھ سے پردہ کر۔(ت)

۲۸اے حرام، ۲۹تو حرام ہے، ۳۰تو مجھ پر حرام ہے، ۳۱میں نے تجھے حرام کیا، ۳۲میں نے تجھے اپنے اوپر حرام کیا، ۳۳میں تجھ پر حرام ہوں، ۳۴میں نے اپنے آپ کو تجھ پر حرام کیا،یہاں فقط حرام ہوں یا میں نے اپنے آپ کو حرام کیا کافی نہیں جب تک تجھ پر نہ کہے۔

فی ردالمحتار قولہ حرام سیاتی وقوع البائن بہ بلانیة فی زماننا للتعارف لافرق فی ذلك بین محرمة وحرمتك سواء قال علی اولا،اوحلال المسلمین علی حرام وکل حل علی حرام وانت معی فی الحرام وفی قولہ حرمت نفسی لابدان یقول علیک[1] اھ قلت وھو کذٰلك بھذہ الالفاظ متعارف عندنا بخلاف مامر من قولہ حلال اللہ او المسلمین اوکل حلال فبھذہ الثلثة لایقع الطلاق	ردالمحتار میں ہے:خاوند کا کہنا"تو حرام ہے"عنقریب آئے گا کہ اس سے ہمارے زمانہ میں طلاق کے لیے عرف بن جانے کی وجہ سے بغیر نیت طلاق ہوجائے گی۔اس میں محرّمۃ یا حرمتک(حرام شدہ یا تجھے حرام کرتا ہوں)میں کوئی فرق نہیں،اور پھر"مجھ پر"کالفظ کہے یا نہ کہے تو بھی کوئی فرق نہ ہوگا،اور خاوند کا کہنا،مسلمانوں کا حلال مجھ پر حرام،اور ہر حلال مجھ پر حرام،تُو میرے ساتھ حرام میں ہے،ان میں کوئی فرق نہیں،تاہم حرمت نفسی(میں نے اپنے نفس حرام کیا)کے

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۴۹/۲

الابالنیة لعدم العرف فی زماننا۔	ساتھ علیک (تجھ پر) کہنا ضروری ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) اس لفظ میں ہمارے زمانے میں بھی یہی حکم ہے کہ بغیر نیت طلاق ہوجائے گی، لیکن "اللہ کا حلال یا مسلمانوں کا حلال اور ہر حلال مجھ پر حرام ہے" اس کے برخلاف ہے، ان تین الفاظ سے بغیر نیت طلاق نہ ہوگی کیونکہ ہمارے زمانے میں یہ طلاق کے لئے معروف نہیں ہیں۔(ت)

(۳۵) ہزار طلاق کے برابر ایک طلاق،

شامی عن البحر وفی واحدۃ کالف واحدۃ اتفاقا وان نوی الثلث[1]۔	شامی نے بحر سے نقل کیا "ہزار طلاق کے برابر ایک طلاق" میں اتفاق ہے کہ ایک ہی ہوگی اگرچہ وُہ تین کی نیت کرے۔(ت)

ان سب صورتوں میں بے حاجت نیت طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا۔

رجعی کے بعض الفاظ یہ ہیں:

۱میں نے تجھے طلاق دی، ۲اے مطلّقہ بتشدید لام، ۳اے طلاق گرفتہ، ۴اے طلاق دی گئی، ۵اے طلاقن، ۶اے طلاق شدہ، ۷اے طلاق یافتہ، ۸اے طلاق کردہ،

فی الدر وانت طالق ومطلّقة بالتشدید[2]۔	دُر میں ہے "تو طلاق والی ہے یا طلاق دی ہُوئی" بالتشدید۔ (ت)

۹اے طلاق دادہ،

فی الخزانة ولو قال لها ای طلاق دادہ یقع واحدۃ[3]۔	خزانہ میں ہے کہ اگر کہا "اے طلاق دی ہوئی" تو ایک طلاق واقع ہوگی(ت)

مگر اس عورت نے اگر اپنے پہلے شوہر سے طلاق پائی تھی بایں معنی اس نے یہ آٹھ الفاظ کہے تو طلاق نہ ہوگی،

فی الخانیة رجل قال لامرأته یا مطلقة وکان لها زوج قبله وقد کان طلقها ذلک	خانیہ میں ہے: اگر خاوند نے بیوی کو کہا "اے طلاق دی ہُوئی" جبکہ اس بیوی کو پہلے کسی خاوند نے طلاق

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۴

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۸

[3] خزانۃ المفتین فصل فی صریح الطلاق قلمی نسخہ ۱/ ۱۱۰

الزوج ان لم ینوبکلامه الاخبار طلقت، وان قال عنیت به الاخبار دین فیما بینه وبین اللہ تعالٰی وهل یدین فی القضاء اختلفت الروایات فیه والصحیح انه یدین[1]۔	دی تھی، تو اگر خاوند نے پہلے واقعہ کی حکایت کی نیت نہ کی تو طلاق ہوجائے گی، اور اگر اس نے کہا کہ میں نے پہلے واقعہ کی حکایت اور خبر دی ہے تو دیانۃً یعنی اللہ تعالٰی کے ہاں اس بات کو تسلیم کیا جائے گا، لیکن کیا قضاءً بھی اس کی بات تسلیم کی جائے گی یا نہیں، اس میں روایات کا اختلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ تصدیق کیجائے اور طلاق نہ ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا۔(ت)

۱۰"میں نے تجھے چھوڑ دیا،

فی الهندیة ترا بهشتم فهذا تفسیر قوله طلقتك عرفا حتی یکون رجعیا[2]۔	ہندیہ میں ہے، اگر کہا "میں نے تجھے چھوڑ دیا" تو عرف میں یہ "میں نے تجھے طلاق دی" کے معنی میں ہے حتی کہ اس سے رجعی طلاق ہوگی(ت)

۱۱"میں نے تجھے فارغخطی یا ۱۲"فارکھتی دی،

فانه بلسان کثیر من اهل الحرف الدنیة کالحائکین وغیرهم صریح فی الطلاق بل کثیر منهم لایعرف للطلاق لفظا غیر هذا ومعلوم ان کلام کل حالف یحمل علی عرف عـــہ خاصة ولایجب شیوع ذلك العرف فی الناس عامة کما صرح به المحقق حیث اطلق۔	تو یہ لفظ کسبی لوگوں کی زبان میں صریح کے معنٰی میں ہے بلکہ بہت سے لوگ اس کے علاوہ کوئی لفظ طلاق کے لئے سمجھتے ہی نہیں، اور یہ بات مسلّمہ ہے حلف والے کی کلام کو اس کے خاص عرف پر محمول کیا جائے گا، اور اس عرف کا تمام لوگوں میں معروف ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اس پر محقق ابن ہمام نے تصریح کی ہے(ت)

۱۳"تجھے تیرے شوہر نے طلاق دی، اس کا بھی وہی حکم ہے،

عـــہ: هکذا فی الاصل بقلم الناسخ والصواب عندی علی عرفه۔ حامد رضا غفرله۔	اصل میں ناقل کے قلم سے اسی طرح ہے جبکہ میرے نزدیک علی عرفہ درست ہے۔ حامد رضا غفرلہ(ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۰۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ ۱/۳۸۹

فی الهندیة سئل بعضهم عن سکران قال لامرأته ۔ ای سرخ لبک بماہ ماند رویت کہ بانوی من طلاق دادہ شویت قال ینظر ان کانت المرأة ثیبا وکان قبل ھٰذا لها زوج طلقها ثم تزوجها ھذا فانه لایقع الطلاق بھٰذا اللفظ ان لم تکن له نیة الطلاق وان لم یکن له قبل ھذا زوج یقع الطلاق نوی اولم ینو کذافی التتارخانیة[1]۔	ہندیہ میں ہے کہ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ جب کوئی شخص نشے میں اپنی بیوی کو یُوں کہے: "اے سرخ رخسار چاند جیسے چہرے والی میری بانو! تجھے طلاق دی گئ" تو انہوں نے جواب دیا کہ دیکھا جائے گا کہ اگر بیوی پہلے کسی خاوند سے مطلّقہ اور مدخولہ ہے اور بعد میں اس سے نکاح کیا، تو پھر اس لفظ سے طلاق نہ ہوگی بشرطیکہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو، اور اگر وُہ بیوی کسی سے مطلّقہ نہ ہُوئی تھی تو نیت کی یا نہ کی ہر طرح طلاق ہوجائے گی، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔(ت)

[15] تجھ پر طلاق،

فانه من اصرح صریح فی زماننا وعرفنا فلایرد مافی البحر و ذٰلك مثل قول الدر علیّ الطلاق، یقع بلانیة للعرف قال الشامی ولاینافی ذٰلك مایاتی من انه لوقال طلاقك علی لم یقع، لان ذاك عند عدم غلبة العرف[2]۔ الخ۔	تو یہ صریح طلاق سے بھی زیادہ واضح طلاق ہے ہمارے زمانہ اور عرف میں، لہٰذا بحر کا بیان یہاں اعتراض کے طور پر وارد نہ ہوگا اور جیسا کہ دُر کا قول کہ "مجھ پر طلاق ہے" کہا تو بغیر نیّت بھی طلاق ہوجائے گی کیونکہ یہ عرف میں طلاق ہے، تو اس پر علامہ شامی نے فرمایا: دُر کی یہ بات آئندہ آنے والی اس بات کے منافی نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "مجھ پر طلاق" کہنے پر طلاق نہ ہوگی، یہ اس لئے کہ یہ وہاں ہے جہاں یہ لفظ طلاق کے لئے عُرفِ غالب نہ ہو الخ(ت)

[16] طلاق ہو جا،

فی الدر ویدخل طلاق باش بلافرق بین	در میں ہے کہ اگر کہا "طلاق ہو" یہ بھی صریح طلاق

[1] فتاوی ہندیہ فصل فیمن یقع طلاقه الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵۴

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۳۲

عالم وجاہل[1]۔	کے حکم میں داخل ہے خواہ عالم کہے یاجاہل کہے کوئی فرق نہیں۔(ت)

۱۷"تو طلاق ہے"، ۱۸"تو طلاق ہو گئی"،

فی الدر وفی انت الطلاق او طلاق، یقع واحدۃ رجعیۃ ان لم ینو شیئا اونوی واحدۃ او ثنتین فان نوی ثلاثا فثلث[2]۔	در میں ہے: اگر کہا "تو طلاق ہے" تو ایک رجعی طلاق ہو گی خواہ کوئی نیت نہ ہو یا ایک یا دو کی نیت کی ہو، اور اگر تین طلاق کی نیت سے یہ لفظ کہا تو تین طلاقیں ہوں گی۔(ت)

۱۹"طلاق لے"،

فی ردالمحتار خذی طلاقك فقالت اخذت فقد صحح الوقوع بہ بلااشتراط نیۃ کما فی الفتح وکذا یشترط قولھا اخذت کما فی البحر[3]۔	ردالمحتار میں ہے: اگر کہا "اپنی طلاق لے" جواب میں بیوی نے کہا "میں نے لی" تو نیت کے بغیر بھی طلاق ہو گی، صحیح یہی ہے، جیسا کہ فتح میں ہے، اور اس میں عورت کا جواب میں "میں نے لی" کہنا بھی شرط نہیں ہے، جیساکہ بحر میں ہے(ت)

وُہ باہر جاتی تھی کہ کہا ۲۰"طلاق لئے جا"،

فی الخانیۃ واذاجرت الخصومۃ بینھا وبین زوجھا فقامت لتخرج فقال(الزوج سہ طلاق باخویشتن طلاق ببر)فقال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی ان نوی الایقاع یقع فان لم تکن لہ نیۃ فکذٰلك لانہ ایقاع ظاھرا[4]۔	خانیہ میں ہے: اگر خاوند بیوی میں جھگڑا ہُوا اور بیوی اٹھ کر باہر جانے لگی تو خاوند نے کہا "اپنے ہمراہ تین طلاقیں لے جا" اس پر شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند نے طلاق واقع کرنے کی نیّت سے کہا تو طلاق ہو جائے گی اور نیت نہ ہو تو بھی طلاق ہو جائیگی کیونکہ اس کلام کاظاہر طلاق ہے۔(ت)

---

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۳۰

[4] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۲

۲۱ اپنی طلاق اٹھااور روانہ ہو،

فی الھندیة عن الخلاصة ولو قال لهاسه طلاق خود بردار ورفتی یقع بدون النیة[1]۔	ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے: اگر کہا "تواپنی طلاق اٹھااور جا" توبغیر نیت بھی طلاق ہو جائے گی۔(ت)

۲۲ میں نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی،

فی الخزانة عن الخلاصة ولو قال سه طلاق بکرانه چادر تو بر بستم برو تطلق[2]۔	خزانہ میں خلاصہ سے منقول ہے: اگر کہا "میں نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی جا" توطلاق ہوگی(ت)

۲۳ جاتجھ پر طلاق (اور اگر صرف جابنیّتِ طلاق کہتا تو بائن تھی)

فی الخیریة سئل فی رجل قال لزوجته روحی طالق ھل تطلق طلاقا رجعیا ام بائنا واذاقلتم تطلق رجعیا فما الفرق بینه وبین ماذا اقتصر علی قوله روحی ناویا به طلاقا حیث افتیتم بانه بائن اجاب بانه فی قوله روحی طالق معناه روحی بصفة الطلاق فوقع بالصریح بخلاف روحی فان وقوعه بلفظ الکنایة[3]۔	خیریہ میں ہے: ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا "جا تجھ پر طلاق رجعی ہوگی یا بائنہ ہوگی۔ اگر آپ کہیں کہ یہ رجعی ہے تو پھر صرف "جا" کہنے میں اور اس میں کیا فرق ہوگا جبکہ طلاق کی نیّت سے صرف "جا" کہا تو آپ کا فتوٰی ہے کہ یہ طلاق بائنہ ہے۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا "جا تجھ پر طلاق" کا مطلب یہ ہے کہ تو طلاق کی صفت سے موصوف ہو کر جا، تو یہ صریح طلاق ہے اس لئے رجعی ہوگی، اس کے برخلاف اگر صرف "جا" کہا تو صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے اس لئے یہ بائنہ ہوگی۔(ت)

۲۴ تجھے طلاق یاطلاق تجھ کو،

فی الھندیة خزانة المفتین ولو قال	ہندیہ میں خزانۃ المفتین سے منقول ہے "تجھے طلاق

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] خزانہ المفتین فصل فی صریح الطلاق قلمی نسخہ ۱/۱۰۸

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق بولاق مصر ۱/۵۱

لھا ترا طلاق او طلاق ترا فھی طلاق ولافرق بین التقدیم والتاخیر[1]۔	یا طلاق تجھے" تو اس تقدیم وتاخیر میں کوئی فرق نہیں ہر طرح یہ طلاق ہوجائے گی (ت)

یُوں ہی وہ الفاظ جو کجّی زبان والے کہتے ہیں، مثلا ۲۶ تلاق، ۲۷ تلاک، ۲۸ تلاغ، ۲۹ تلاکھ، ۳۰ تلاخ، ۳۱ تلّاکھ، ۳۲ تلّاخ ھٰذان بتشدید اللام (یہ دونوں الفاظ لام مشدّد کے ساتھ بھی ہیں۔ت) بلکہ توتلے کی زبان سے ۳۳ تلات

وعلٰی ھٰذاالقیاس، وکلہ ظاھر، فی الطحطاوی ذکرفی البحران الفاظ المصحفۃ خمسۃ وھی تلاق وتلاغ وطلاك وطلاغ، تلاك زادفی النھر تلاع وتلال و ینبغی ان یقال ان الفاء اماطاء اوتاء واللام اماقاف اوعین اوغین اوکاف اولام و اثنان فی خمسۃ بعشرۃ الصریح منھا الطاء مع القاف وماعداذٰلك مصحف[2] اھ **اقول:** وذکر فی الخلاصۃ رجل قال لامرأتہ ترا تلاق ھٰھنا خمسۃ الفاظ (وعد منھا) طلاغ وتلاك عن الامام ابی بکر محمد بن الفضل انہ یقع وان تعمد وقصدان لایقع عـــہ قضاء ویصدق دیانۃ[3]۔	اسی پر قیاس ہے اور سب ظاہر ہے۔ طحطاوی میں ہے کہ بحر میں ہے کہ تبدیل شدہ الفاظ پانچ ہیں: تلاق، تلاغ، طلاک، طلاغ، تلاک،۔ اور نہر میں تلاع اور تلال کو بھی شامل کیا ہے۔ تو یہاں یہ بیان مناسب ہوگا، ان الفاظ میں پہلا حرف (فاءِ کلمہ) ت یا ط ہے اور آخری حرف (لام کلمہ) ق، ع، غ، ک، یا ل ہے تو یوں پہلے حرف کے دو۲ احتمال کو آخری حرف کے پانچ احتمالات میں ضرب سے کل دس۱۰ صورتیں (الفاظ) ہُوئیں ان میں سے ط اور ق کے ساتھ لفظ طلاق میں صریح ہے، اور اس کے علاوہ باقی تمام تبدیل شدہ ہیں اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) خلاصہ میں یُوں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے بیوی کو کہا تجھے تلاق ہے، یہاں پانچ الفاظ ہیں، ان میں انہوں نے طلاغ اور تلاک کو شمار کیا ہے، اور کہا کہ امام ابوبکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ ان

عـــہ: ھٰھنا سقط والعبارۃ فی الخلاصۃ ھکذا ولایصدق قضاء حامد رضا غفرلہ۔	یہاں کچھ عبارت رہ گئی ہے خلاصہ میں عبارت اس طرح ہے قضاءً تصدیق نہ کی جائے ۱۲ حامد رضا غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

[2] طحطاوی علی الدر المختار باب الصریح دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق جنس آخر فی الفاظ الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۸۳

الفاظ سے طلاق واقع ہوگی، اور اگر وُہ قاضی کے ہاں کہے میں نے ان الفاظ سے یہ قصد کیا ہے کہ طلاق واقع نہ تو قاضی اس کی تصدیق نہ کرے گا، لیکن دیانۃً تصدیق کی جائے گی۔(ت)

کسی نے کہا تیری عورت پر طلاق ہے کہا ۳۳ہاں یا ۳۴کیوں نہیں،

فی الدر ولو قیل له طلقت امرأتك فقال نعم اوبلٰی بالهجاء طلقت بحر[1]۔	در میں ہے: اگر کسی نے خاوند سے پُوچھا "تُونے بیوی کو طلاق دی ہے" تواس نے جواب میں کہا "ہاں" یا "کیوں نہیں" کے ہجے کرتے ہُوئے، توطلاق ہوجائے گی، بحر۔(ت)

مگرجب ایسی سخت آواز ایسے لہجہ سے کہا جس سے انکا وعدمِ اقرار سمجھا جائے، یہ فائدہ اکثر جگہ قابلِ لحاظ ہے فی الخانیة والخزانة وغیرہما (خانیہ اور خزانہ وغیرہما میں ہے۔ت) یا کہا تیری عورت پر طلاق نہیں، کہا کیوں نہیں (اور اگر کہے نہ یاہاں توطلاق نہ ہوگی)

اما الاول فانه صریح فی الانکار اما الاٰخر ففیه احتمالان اثبات النفی واثبات المنفی ای الطلاق فلایقع بالشک، اقول ولایردمافی الفتح من عدم الفرق بین نعم وبلٰی لان مبناه علی العرف کما قال صاحب الفتح والذی ینبغی عدم الفرق فان اهل العرف لایفرقون بل یفهمون منهما ایجاب المنفی اھ[2] امافی عرفنا فمعناه کما قلت فی ردالمحتار عن البحر ان موجب نعم تصدیق	ان میں پہلا لفظ (نہ) صریح انکار ہے، اور دوسرا (ہاں) تو اس میں کئی احتمالات ہیں، نفی کا اثبات یا منفی یعنی طلاق کا اثبات، تو ایسی صورت میں شک ہو تو طلاق نہ ہوگی۔ اقول (میں کہتا ہوں) فتح میں یہاں "ہاں" اور "کیوں نہیں" میں عدم فرق کو ذکر کرنا قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ ان کے اس بیان کا مبنٰی عرف پر ہے جیسا کہ صاحبِ فتح نے خود بیان کیا ہے کہ مناسب یہی ہے کہ ان دونوں میں فرق نہ ہو کیونکہ عرف والے ان میں فرق نہیں کرتے بلکہ وُہ دونوں میں منفی کا اثبات سمجھتے ہیں اھ، لیکن ہمارے عُرف میں ان دونوں میں فرق ہے، جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ نعم (ہاں) کا

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

[2] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۵۳

ماقبلها من کلام منفی او مثبت استفهامًا کان اوخبرا، وموجب بلی ایجاب مابعد النفی استفهامًا کان اوخبرا، الاان المعتبر فی احکام الشرع العرف حتی یقام کل واحد منهما مقام الاٰخر [1] اھ	استعمال پہلی کلام کی تصدیق کے لئے ہوتا ہے خواہ وُہ مثبت ہو منفی استفہامی ہو یا خبر ہو، اور بلٰی (کیوں نہیں) کا استعمال پہلی کلام میں نفی کا اثبات کرنے لئے ہوتا ہے خواہ وہ نفی استفہام میں ہو یا خبر میں، مگر احکامِ شرع میں بہر حال عرف کا اعتبار ہے، حتی کہ عرف میں ایک دوسرے کی جگہ استعمال مراد لیا جاتا ہے اھ (ت)

۳۷ تجھے طلاق ہے اور مجھے اختیار رجعت نہیں،

فی الشامی عن الخیریة عن الصیرفیة انت طالق ولا رجعة لی علیك فرجعیة [2]۔	فتاوی شامی میں خیریہ سے اور انہوں نے صیرفیہ سے نقل کیا کہ اگر خاوند نے کہا "تجھے طلاق اور مجھے رجوع کا حق نہیں ہے" تو ایک رجعی طلاق ہو گی (ت)

۳۸ تجھ پر طلاق ہے نہ پھیرے تجھے کوئی قاضی نہ حاکم نہ عالم،

فی الخیریة سئل فی رجل قال لزوجته انت طالق لا یردك قاضی ولا وال ولا عالم هل یکون بائنا ام رجعیا اجاب هو رجعی ولا یملك اخراجه عن موضوعه الشرعی بذٰلك [3]۔	خیریہ میں ہے: سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "تجھے طلاق ہے تجھے کوئی قاضی، کوئی حاکم یا عالم واپس نہ کرسکے، تو کیا اس صورت میں طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رجعی ہوگی، اور اس کے کہنے سے شرعی ضابطہ ختم نہ ہوگا۔ (ت)

تو ۳۹ مذہب یہود یا نصارٰی یا چاروں مذہب یا سب ۴۰ مذاہب مسلمین پر مطلقہ،

فی الخیریة قال فی منح الغفار اقول وقد کثر فی زماننا قول الرجل انت طالق علی الاربعة مذاهب یرید بذٰلك ان الطلاق یقع علیها	خیریہ میں ہے: منح الغفار میں کہا "میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں خاوند کا قول تجھے چاروں مذہب طلاق" تو اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مذاہب پر متفقہ طلاق ہے، تو ایسی صورت میں یقینا طلاق

---

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفة بیروت ۱/ ۴۶

باتفاقهم وینبغی الجزم بوقوعه قضاء ودیانة کمالا یخفی اھ **اقول**: ولاشبهة فی کونه رجعیا لابائنا لما قدمنا[1]،سئل عن رجل قال لزوجته انت طالق علی مذہب الیهود والنصاری،وعن رجل قال لزوجته انت طالق علی سائر مذاهب المسلمین اجاب فیهما بانه طلاق رجعی[2]۔	ہوجائے گی قضاءً بھی اور دیانۃً بھی،جیسا کہ واضح ہے اھ،**اقول**:(میں کہتاہوں)یہ طلاق بلاشبہہ رجعی ہوگی بائنہ نہ ہوگی،جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے،نیز ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا تجھے یہودی اور نصرانی مذہب پر طلاق،دوسرے نے کہا تجھے مسلمانوں کے تمام مذاہب پر طلاق،توانہوں نے جواب دیا کہ یہ طلاق رجعی ہوگی۔(ت)

"۲ جا تجھے طلاق ہے، "۳ سوئروں یا یہودیوں کو حلال اور مجھ پر حرام ہو،

فی الخیریة سئل فی رجل قال لزوجته روحی طالق تحلی للیهودی وتحرّمی علیّ وعمن قال روحی طالق تحلی للخنازیر وتحرمی علی،اجاب بانه رجعی لان قوله روحی طالق صریح فیه،وقوله تحلی للیهود او للخنازیر لغولانه خلاف المشروع وهو لایملکه، وقوله وتحرمی ای حرمة تحصل بانقضاء العدة اذهو ثابت شرعا بصریح الطلاق بعد الدخول[3]۔	خیریہ میں ہے ان سے سوال ہُوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا"جا طلاق ہے تُو یہودیوں کے لئے حلال اور مجھ پر حرام"اور یوں ایک دوسرے نے بیوی کو کہا"جا طلاق ہے تُوخنزیروں کے لئے حلال اور مجھ پر حرام ہے"توانہوں نے جواب دیا کہ یہ طلاق رجعی ہوگی،کیونکہ"جا طلاق ہے"صریح طلاق ہے،اور اس کا یہ کہناتو یہودیوں یاخنزیروں کے لئے حلال ہے،لغوبات ہے اور خلافِ شرع ہے جس کا اسے اختیار نہیں،اور اس کا یہ کہنا کہ"تُو مجھ پر حرام ہے"سے مراد وہ حرمت ہے جو عدّت گزرنے کے بعد ہوتی ہے جیسا کہ شریعت میں مدخولہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد حرمت ہوتی ہے(ت)

مگر یہ اس وقت جبکہ اس لفظ سے کہ"مجھ پر حرام ہو"طلاق کی نیت نہ کی ورنہ دو بائن پڑیں گی،

فی الشامی نعم لو قصد بقوله وتحرّمی	فتاوٰی شامی میں ہے ہاں اگراس نے"تُومجھ پر

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۷

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۰

علیٰ ایقاع الطلاق وقع به اخری بائنة [1] اھ **اقول:** ولایردان تحریما اوتحریم نفسه علیها طلاق بلانیة کما تقدم لان ھذا مضارع ظاہرہ الاستقبال کقوله طلاق کنم اوتکونین مطلّقة فافھم۔	حرام ہے" سے نئی طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا ہو تو یہ دوسری طلاق بائنہ ہوگی اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں یہ اعتراض ہوگا کہ پہلے گزرا ہے کہ بیوی کو اپنے لئے یا اپنے آپ کو بیوی پر حرام کرنا، بغیر نیت بھی طلاق ہوگی جبکہ یہاں یہ کہنا کہ "نئی طلاق کی نیت سے مجھ پر حرام ہے" کہا تو نیت سے طلاق، تو دونوں بیان آپس میں مختلف ہیں، تو جواب یہ کہ یہاں "**تحرمی**" (تو مجھ پر حرام ہوگی) ظاہر طور پر یہ استقبال ہے، جیسا کہ میں طلاق دُوں گا یا تو طلاق والی ہوگی، کا حکم ہے، غور کرو۔ (ت)

۴۴ تو مطلقہ اور بائنہ یا ۴۵ مطلقہ پھر بائنہ ہے،

فی الدرولو عطف فقال وبائن اوثم بائن ولم ینو شیئا فرجعیة [2]۔	در میں ہے: اگر عطف کیا تو یُوں کہا انت طالق وبائن، یا یوں کہا انت طالق ثم بائن، اور لفظ بائن سے کوئی نئی طلاق مراد نہ لی تو ایک ہی رجعی طلاق ہوگی (ت)

مگر جبکہ ہر لفظ سے جُدا طلاق کی نیت کی ہو تو دو ۲ بائنہ ہیں،

فی ردالمحتار ومفھوم التقیید بعدم النیة انه لو نوی تکریر الایقاع مع الحروف الثلثة اونوی بالبائن الثلاث انه یقع مانوی [3]۔	ردالمحتار میں ہے: نیت نہ ہونے کا مطلب یہ ہُوا کہ اگر اس نے نئی طلاق کی نیت سے تینوں حروف کہے ہوں اور تین طلاقوں کی نیت سے یہ تکرار کیا یا بائن سے تین کی نیت کی ہو، جو بھی نیت کی ہوگی وہ واقع ہوگی۔ (ت)

۴۶ عورت کے بیٹے کو دیکھ کر کہ اے طلاقن کے جنے، ۴۷ اے مادر طلاقہ عـــہ،

عـــہ: ھکذا فی الاصل ولعله نسخه الناسخ وعندی صوابه ای مادرت شش طلاقه کما یجئی عن الھندیة فقیر حامد رضاقادری	اصل (قلمی نسخہ) میں ایسے ہی ہے اور ممکن ہے یہ ناقل کی غلطی ہو، میرے خیال میں درست یوں ہے اے مادرت شش طلاقہ، جیسا کہ ہندیہ سے آئیگا ۱۲ فقیر حامد رضا قادری

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۱

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۰

فی الهندیة عن الظهیریة رجل من عادته ان یقول اذا رأی صبیا ای مادرت شش طلاقه فسکر من الخمر فاتاه ابنه فظنه صبیا اجنبیًا فقال روا ے مادرت شش طلاقه ولم یعلم انه ابنه طلقت امرأته ثلثا اھ۔[1]	ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے کہ ایک شخص کی عادت ہے کہ وُہ جب کسی بچّے کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے "اے تیری ماں چھ طلاق والی" تو اس کو شراب کا نشہ تھا اس حالت میں اس کا اپنا بیٹا آیا تو اس نے نشے میں سمجھا کہ کوئی اجنبی بچّہ ہے تو اس نے اس کو بھی" جااے تیری ماں چھ طلاق والی" کہہ دیا تو اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی اھ (ت)

اقول: (اس میں بھی وہی تفصیل چاہئے جو لفظ مطلقہ وغیرہ میں گزری **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) ۴۸ تجھ پر پوری یا ۴۹ آدھی یا ۵۰ تہائی وغیرہ ۵۱ تجھ پر طلاق کا ہزارواں حصہ،

فی الدر وجزء الطلقة ولو من الف جزء تطلیقة لعدم التجزی[2]۔	در میں ہے: طلاق کی جزء خواہ ہزارویں جُزء، ایک ہی طلاق ہو گی، کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہو سکتے۔ (ت)

۵۲ تجھ پر کم درجہ کی طلاق،

فی الخانیة ولو قال اقل الطلاق یقع واحدة۔[3]	خانیہ میں ہے اگر کہا کم از کم طلاق تو ایک ہی ہو گی۔ (ت)

۵۳ تیرے پر نصف، ۵۴ تیرے چوتھائی پر طلاق، ۵۵ تیرے ہزارویں ٹکڑے پر طلاق، ۵۶ تیری روح پر طلاق، ۵۷ تیری جان پر طلاق، ۵۸ تیری ناک پر طلاق (اور اگر انف یا بینی پر کہے یا عربی فارسی میں **انفك طالق، بر بینی تو طلاق** (تیری ناک پر طلاق۔ ت) کہے تو کچھ نہیں، بر عکس اس کے عربی میں **عنقك طالق یا فرجك طالق** (تیری گردن کو طلاق یا تیری شرمگاہ کو طلاق۔ت) کہے، طلاق ہو جائے گی، اور اُردو میں تیری عنق یا گردن یا فرج پر طلاق کہے تو کچھ نہیں جبکہ لفظ فرج یا اس کا اور مرادف بولے جس سے عرف ہند میں کل عورت مراد نہ لیتے ہوں اگرچہ خاص اردو ہی کا لفظ ہو، وجہ یہ ہے کہ یہاں خاص وُہ لفظ ہونا چاہئے جس سے اُس زبان میں انسان کی ذات کو تعبیر ہوں، عربی میں **عنق وفرج** ایسے ہی ہیں اور ہماری زبان میں عنق و گردن وخاص لفظ وبینی وغیرہ ایسے نہیں، اور ہمارے یہاں کا یہ عام محاورہ ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۵

[2] درمختار باب السابع مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۹

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۰۸

کہ فلاں شخص شہر بھر کی ناک ہے، خاندان کی ناک ہے، عورت موم کی ناک ہے، توظاہر اس میں طلاق ہو جانا چاہئے۔ اسی طرح فرج کاوُہ نام جس سے کل عورت مراد لیتے ہوں۔

فی الدر واذااضاف الطلاق الیھا اوالٰی مایعبربہ عنھا کالرقبۃ والعنق والروح والبدن والجسد (الاطراف داخلۃ فی الجسد دون البدن) والفرج والوجہ والراس وکذاالاست بخلاف البضع والدم علی المختار خلاصۃ او اضافہ الٰی جزء شائع منھا کنصفھا وثلثھا الٰی عشرھا (وکذالواضافہ الٰی جزء من الف جزء منھا کما فی الخانیۃ) وقع لعدم تجزیہ[1] اھ مزیدا من ردالمحتار وفیہ ایضا کمالایقع لواضافہ الی الانف[2]۔	درمختار میں ہے کہ جب طلاق کو بیوی کی طرف یااس کے ایسے حصے کی طرف منسوب کرے جس سے بیوی کی شخصیت مراد لی جاتی ہو، مثلاً گردن، رقبہ، روح، بدن، جسم (ہاتھ اور پاؤں جسد کا حصّہ ہیں بدن کا حصہ نہیں ہیں) شرمگاہ، چہرہ، سَر اور اسی طرح سرین، تو بیوی کو طلاق ہو گی، مگر بضع، دُبر اور خُون کی طرف نسبت کی طلاق نہ ہو گی۔ خلاصہ میں اس کو مختار قرار دیا ہے، اور یُونہی اگر طلاق کو بیوی کے غیر معیّن حصّہ مثلاً نصف، ثلث تا دسویں حصّہ کی طرف منسوب کیا اور اگر معیّن حصہ خواہ کتنا مثلاً ہزارواں حصّہ تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہیں جیسا کہ خانیہ میں اضافہ ہے اھ ردالمحتار میں اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح ناک کی طرف طلاق کی نسبت، مثلا تیری ناک کو طلاق، توطلاق نہ ہو گی۔ (ت)

کسی سے اپنی عورت کی نسبت کہااُسے اس کی طلاق کی خبر دے یا[۶۱] مژدہ دے یا[۶۲] اس کی طلاق کی خبر اس کے پاس لے جایا[۶۳] اسے خبر دے یا[۶۴] اس لکھ بھیج یا اس سے کہہ کہ وہ مطلقہ ہے یا[۶۶] اس کے لئے اس کی طلاق کی سند یا[۶۷] یاداشت لکھ دے ابھی طلاق ہو گئی اگرچہ یہ اس سے نہ کہے نہ لکھے، اوریُوں کہاکہ اس سے کہہ کہ تُو مطلقہ ہے توجب جاکر کہے گااس وقت پڑے گی ورنہ نہیں،

فی الخانیۃ رجل قال لغیرہ اخبرامرأتی بطلاقھا او احمل الیھاطلاقھا اواخبرھا انھاطالق	خانیہ میں ہے، اگر دُوسرے شخص کو کہا، میری بیوی کواس کی طلاق کی خبر دے، یا، اس کی طلاق اس کی طرف لے جا، اسکو خبر دے دو یا کہہ دو کہ وُہ طلاق والی ہے،

---

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۹/۱، ردالمحتار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۴۳۶/۲

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۹/۱

اوقل لھا انھا طالق طلقت للحال ولایتوقف علی وصول الخبر الیھا ولاعلی قول المامور ذٰلک، ولوقال قل لھا انت طالق لایقع الطلاق مالم یقل لھا المامور ذٰلک، ولو قال اکتب لھا طلاقھا ینبغی ان یقع الطلاق للحال کما لوقال احمل الیھا طلاقھا، وکما لو قال اکتب الی امرأتی انھا طالق[1]، وخالف العقود فی مسئلۃ قل لھاھی کذافجعلہ توکیلا فراجع^{عـــہ}۔	توان صورتوں میں اسی وقت طلاق ہوجائے گی اور بیوی کو خبر پہنچنے یااس شخص کے بیوی کو کہہ دینے پر موقوف نہ ہوگی، اور اگریُوں کہا کہ تُو اس کو کہہ دے کہ تُو طلاق والی ہے تو اس صورت میں اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک وُہ شخص بیوی کو یہ بات کہہ نہ دے، اور اگر دوسرے کو کہا کہ تُو میری بیوی کو طلاق لکھ دے، تو اسی وقت طلاق ہوگی جس طرح کہ کہا "اس کو طلاق پہنچادے" یا جس طرح کہا "تو میری بیوی کی طرف لکھ دے کہ اس کو طلاق ہے۔" اور عقوددریہ نے "بیوی کو کہہ دے کہ اس کو طلاق ہے" کے مسئلہ میں مخالف قول کیاہے اور کہاکہ یہ خاوند کی طرف سے یہ دوسرے شخص کو وکیل بنانا ہے، تو عقوددریہ کی طرف تحقیق کے لئے رجوع کرنا چاہئے۔ (ت)

عـــہ: عبارۃ العقود ھکذا سئل فی رجل قال لآخر قل لامرأتی تکون طالقۃ بالثلث ولم یقل لھا الاٰخر شیئا فھل لاتطلق مالم یقل لھا الجواب نعم لانہ توکیل کما صرح بہ فی البزازیۃ فی نوع الفاظہ[2] اھ وکنت کتبت علی ھامشہ مانصہ، **اقول**: المضارع	عقود کی عبارت یُوں ہے: اس شخص کے متعلق سوال ہُوا جس نے دُوسرے کو کہا "تُو میری بیوی سے کہہ دے کہ تُو تین طلاق والی ہے" اور جبکہ دوسرے شخص نے یہ بات اس کی بیوی کو نہ کہی ہو تو کیا طلاق نہ ہوگی جب تک وُہ شخص بیوی کو یہ بات نہ کہہ دے، اس سوال کے جواب میں فرمایا ہاں (نہ ہوگی) کیونکہ وکالت ہے جیسا کہ بزازیہ میں اس کی تصریح "طلاق کے الفاظ کے اقسام" میں ہے اھ۔ میں نے اس کے حاشیہ پر لکھا، جو یہ ہے، **اقول**: (میں کہتا ہوں) مضارع (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۰

[2] العقود الدریۃ کتاب الطلاق حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۴۱

۶۸میں تجھے طلاق دیتاہُوں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

انما یعمل اذا غلب للحال ح.ھو کقولہ قل لھا ھی طالق وصرح فی الخانیہ انھا تطلق بذٰلك فی الحال بخلاف قولہ قل لھا انت طالق فلاتطلق مالم یقل،راجع و حرر وان کانت المسئلۃ(اعنی مسئلۃ العقود)قل لامرأتی تکوی طالقۃ(بزیادۃ الیاء وحذف النون کما ھو لغۃ شائعۃ لاسیمافی العوام حتی تکون الصیغۃ للخطاب)فالجواب صحیح بلاریب وموافق لما فی الخانیۃ فلتراجع البزازیۃ اھثم من المولی سبحٰنہ وتعالٰی بالبزازیۃ فاتضح ان الامر کما فھمت وان (تکون)تصحیف من(تکونی)فان عبارۃ البزازیۃ ھکذا قال لھا قولی اناطالق فقالت وقع وان لم یقل لا،بخلاف مالو قال لاٰخر قل لامرأتی

کا صیغہ طلاق میں تب عمل کرے گاجب اس سے غالب طور پر حال مراد ہو،توایسی صورت میں اس کا حکم ایسا ہوگا جیسے خاوند دوسرے کو کہے کہ بیوی کو کہہ دواس کو طلاق ہے،اور خانیہ میں تصریح ہے کہ اس سے اسی وقت طلاق ہوگی،بخلاف جب کہے "بیوی کو تُو کہہ دے کہ تجھے طلاق ہے"توطلاق نہ ہوگی جب تک وہ نہ کہہ دے اس کی طرف رجوع کرکے دیکھو،اور اگر یہ عقود کا مسئلہ،یوں ہو کہ،دوسرے کو خاوند کہے،کہ،تُو میری بیوی سے کہہ دے "تو طلاق والی ہوجا" (تکون میں نون کا حذف اور یاء کا اضافہ کرکے کہے جیسا کہ یہ عام طور پر خصوصًا عوام میں مشہور ہے،تو یہ بصیغہ امر خطاب ہوگا)تو عقود کا یہ جواب بلاشک وشبہہ درست ہوگا،اور خانیہ کے بیان کے موافق ہوگا،تو بزازیہ کی عبارت پر غور کرواھ،پھر اللہ تعالٰی نے احسان فرماکر بزازیہ کا مسئلہ واضح کردیا کہ معاملہ وہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور سمجھا کہ "تکونی" کی تبدیلی میں "تکون" ہوگیا،کیونکہ بزازیہ کی عبارت یُوں ہے خاوند نے یہ کہہ دیا تو طلاق ہوجائے گی ورنہ اگر خاوند نے نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی،اس کے برخلاف جب خاوند نے دُوسرے شخص کو کہا کہ تُو میری بیوی سے (باقی برصفحہ آئندہ)

فی الهندیة وفی المحیط لوقال بالعربیة اطلق لایکون طلاقا الااذا غلب استعماله للحال فیکون طلاقا[1]، وفیها عن الخلاصة قالت طلاق بدست مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق میکنم طلاق میکنم وکرر ثلثا طلاقت ثلثا بخلاف قوله کنم لانه استقبال فلم یکن تحقیقا بالتشکیک۔[2]	ہندیہ میں ہے: اور محیط میں ہے اگر عربی میں مضارع (اطلق) کہا تو طلاق نہ ہوگی، مگر جب یہ لفظ غالب طور پر حال کے لئے استعمال ہوتا ہو تو طلاق ہوجائے گی، اور ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ بیوی نے خاوند کو کہا "طلاق تیرے اختیار میں ہے مجھے طلاق کردے" تو خاوند نے اگر جواب میں یہ کہا "میں طلاق کررہا ہُوں طلاق کررہا ہوں" تین مرتبہ تکرار کیا تو تین طلاقیں ہوں گی، اس کے برخلاف اگر یُوں کہے "میں کروں گا" تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ استقبال ہے لہٰذا شک ہوگا اور طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

۲۹ میں تجھے طلاق چھوڑتا ہوں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) انها طالق حیث تطلق قال الرجل امر لا، اصله ماذکر فی الاصل قال لآخر اخبرها بطلاقها او بشرها او احمل الیها طلاقها یقع اخبر امر لا، ولو قال لأخر قل لها انت طالق لاتطلق مالم یقل لانه توکیل[3] اھ فهو کما تری مطابق لما فی الخانیة ومختص بصورة الخطاب۔ واللّٰه تعالٰی اعلم بالصواب منه۔	کہہ دے کہ "وہ طلاق والی ہے" تو طلاق ہوجائے گی وہ شخص بیوی سے کہے یا نہ کہے، اس کا اصل مبسوط میں مذکور ہے کہ خاوند نے دوسرے کو کہا کہ تُو میری بیوی کو طلاق کہہ دے یا اس کو خوشخبری طلاق کی دے یا تو اس کی طلاق اس کو لیجادے، ان صورتوں میں خبر دے یا نہ دے ہر طرح طلاق ہوگی اور خاوند نے دوسرے کو یُوں کہا کہ تُو میری کو کہہ کہ تجھے طلاق ہے، تو جب تک وُہ شخص بیوی کو کہہ نہ دے گا طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہ اس شخص کو وکیل بنانا ہوا اھ، تو جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں یہ خانیہ کے مطابق ہے اور خطاب کے صیغہ سے مختص صورت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۴

[3] فتاوٰی ہندیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۷۵-۱۷۴

فی ردالمحتار عن البحر من الصریح المضارع اذاغلب فی الحال[1]اھ **قلت** فکیف اذا تمحض له وچھوڑنا من الصریح بلساننا۔	ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ مضارع کا صیغہ جب حال کے لئے غالب الاستعمال ہوتو یہ طلاق صریح میں شمار ہوگا، **قلت** (میں کہتا ہوں) اور اگر خالص حال کے لئے ہوتو پھر طریق اولٰی صریح ہوگا جبکہ "چھوڑنا" کالفظ ہماری زبان میں طلاق میں صریح ہے(ت)

ہاں اگر عزم وارادہ کی نیت پر کہے گا بایں معنٰی کہ تجھے طلاق دیا چاہتا ہوں تو عنداللہ طلاق نہ ہوگی،

فی الخیریة یدین علی کل حال أی ولو غلط فی الحال[2]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے: مضارع میں خاوند کی بات پر دیانۃً تصدیق بہرحال ہوگی اگرچہ وہ مضارع، حال کے معنٰی میں غالب ہو۔(ت)

"تجھ پر دو۲ مہینے سے طلاق ہے اور واقع میں نہ دی تھی ابھی پڑ گئی بشرطیکہ نکاح کو دو۲ مہینے سے کم نہ ہوئے ہوں ورنہ کچھ نہیں، اور اگر جُھوٹی خبر کی نیت تھی تو عنداللہ کچھ نہیں یہ ہر صیغہ میں جاری ہے،

کمافی الخیریة وغیرها وفیه ایضاقال لها انت مطلقة من شهرین ویقول نویت الاخبار فی الماضی کاذباهل یقع علیه الطلاق ام لاواذا قلتم یقع هل له ان یردها ام لا، اجاب یقع قضاء لادیانة وعلی حکم القضاء له مراجعتها فی العدة بغیرعقد وبعدها بعقدجدید حیث لم یصدر منه سوٰی ماذکر،[3] وفی الدروکذاانت طالق امس وقد نکحها الیوم ولونکحها قبل امس وقع الاٰن لان الانشاء فی الماضی انشاء فی الحال[4]۔(ملخصًا)	خیریہ وغیرہ میں جیسے ہے کہ اگر کہا "تُو دو۲ ماہ سے مطلقہ ہے، اور اس کے بعد کہا کہ میں نے یہ ماضی کی خبر کاذب کے طور پر کہا ہے، توکیا اس پر طلاق ہوگی یا نہیں اور اگر آپ فرمائیں کہ طلاق ہوگی تو اس کو رجوع کا حق ہوگا یا نہیں، اس کا جواب دیا کہ قضاءً طلاق ہوگی دیانۃً نہ ہوگی، اور قاضی کے فیصلہ پر اس کو عدت میں بغیر نکاح اور عدّت کے بعد جدید نکاح سے رجوع کا حق ہوگا، جبکہ مذکورہ کارروائی کے علاوہ خاوند نے کچھ اور نہ کہا ہو، اور دُر میں ہے کہ یُونہی اگر خاوند نے کہا "تو گزشتہ روز سے طلاق والی ہے" تو اگر نکاح آج کیا ہو تو یہ بات لغو ہوگی اور گزشتہ روز سے قبل نکاح کیا ہو تو ابھی سے طلاق ہوجائیگی کیونکہ ماضی کا انشاء حال کا انشاء متصور ہوگا(ت)

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۵۰

[4] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۰

۱؎ تجھ پر دو برس تک طلاق ہے، اس میں دو برس بعد پڑے گی،

فی الخیریۃ قال لھا انت طالق الی سنتین ولانیۃ لہ فما الحکم. اجاب یقع علیھا بعد السنتین طلقۃ واحدۃ رجعیۃ صرح بہ صاحب البحر والبزازیۃ والولو الجیۃ وغیرھم من کتب الحنفیۃ۔[1]	خیریہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "تجھے دو ۲سال پر طلاق" اور کوئی خاص نیّت نہ کی ہو تو کیا حکم ہے، تو جواب دیا کہ دو ۲سال بعد رجعی طلاق ہوگی اس کی تصریح بحر، بزازیہ اور ولوالجیہ وغیرہ کتبِ حنفیّہ میں موجود ہے۔(ت)

۲؎ تجھ پر یہاں سے عرب تک طلاق، اور اگر یُوں کہا کہ اتنی لمبی یا بڑی طلاق تو بائن ہوگی،

فی الدر وبقولہ من ھنا الی الشام واحدۃ رجعیۃ مالم یصفھا بطول او کبر فبائنۃ۔[2]	در میں ہے: خاوند نے کہا "تجھے یہاں سے ملک شام تک طلاق ہے تو ایک رجعی طلاق ہوگی بشرطیکہ اس نے طلاق کو کسی طوالت یا بڑائی سے موصوف نہ کیا ہو، اور اگر ایسی صفت سے موصوف کیا تو بائنہ ہوگی(ت)

۳؎ تو فلاں عورت سے زیادہ مطلّقہ ہے، طلاق ہوجائے گی اگرچہ فلاں عورت مطلقہ نہ بھی ہو،

بخلاف مالو قال بالعربیۃ انت اطلق من فلانۃ فلاتطلق الا بالنیۃ بشرط ان تکون فلانۃ مطلقۃ فقد عد فی الدر قولہ انت اطلق من امرأۃ فلان وھی مطلقۃ[3]. من الکنایات التی یقع بھا الرجعی. قال الشامی علیہ الرحمۃ فی الفتح بان افعل التفضیل لیس صریحا فافھم[4] اھ بخلاف مانحن فیہ فانہ مطلقۃ صریحۃ ولایعتریہ الاحتمال بزیادۃ فما فیہ الااثبات الطلاق	بخلاف اس کے جب بزبان یُوں کہا "انت اطلق من فلانۃ" تو نیّت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، نیت سے بھی تب ہوگی جب وُہ فلاں عورت مطلقہ ہو، خاوند کے اس قول کہ "تجھے فلاں کی عورت سے بڑی طلاق بشرطیکہ وُہ فلاں کی عورت مطلقہ ہو تو در میں اس کو ان کنایات میں شمار کیا ہے جن سے ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ علامہ شامی نے اس پر فرمایا کہ فتح میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ صیغہ تفضیل طلاق میں صریح نہیں ہے، غور کرو اھ، اس کے برخلاف وُہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۱

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۹

[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

[4] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۶

والزیادۃ وقد حققناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار۔	صورت جو ہم نے ذکر کی ہے کیونکہ وُہ صریح مطلقہ ہے اس میں زیادتی وغیرہ کا احتمال رکاوٹ نہ ہوگا یہ طلاق اور زیادتی کا اثبات ہےاور اس کو ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں محقق کیا ہے۔(ت)

ان سب صورتوں میں بے حاجت نیت طلاق رجعی پڑتی ہے، [1] اے مطلقہ بسکون طاء، فی الدر انت مطلقۃ بالتخفیف (در میں ہے خاوند نے مُطْلِقَہ یعنی ط پر جزم کے ساتھ، بیوی کو کہا "تُو مُطْلِقَہ ہے"۔ت) [2] میں نے تیری طلاق چھوڑدی، [3] میں نے تیری طلاق روانہ کردی، [4] میں نے تیری طلاق کا راستہ چھوڑدیا،

فی ردالمحتار قولہ خلیت سبیل طلاقك وکذا خلیت طلاقك او ترکت طلاقك ان نوی وقع والا فلا خانیۃ۔[1]	ردالمحتار میں ہے: خاوند نے کہا "میں نے تیری طلاق کا راستہ چھوڑدیا، میں نے تیری طلاق روانہ کردی، میں نے تیری طلاق چھوڑدی" تو اگر نیّت کی تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، خانیہ۔(ت)

[5] تجھ پر ط،ل،ا،ق۔ [6] تجھ پر طا، لام الف، قاف۔

فی ردالمحتار قولہ او ط ل ا ق ظاہر ماھنا مثلہ فی الفتح والبحران یاتی بمسمّی احرف الھجاء والظاھر عدم الفرق بینھا وبین اسمائھا ففی الذخیرۃ قال لامرأتہ الف نون تاء طاء الف لام قاف انہ ان نوی الطلاق تطلق المرأۃ[2]۔(ملخصًا)	ردالمحتار میں ہے: یا خاوند کا قول ط،ل،ا،ق تو یہ طلاق میں ظاہر ہے، اسی کی مثل فتح اور بحر میں ہے کہ حروف ہجاء اور اس کے مسمّٰی کو ذکر کرے تو ظاہر میں کوئی فرق نہیں، ہم نے حروف کے اسماء کو بیان کردیا ہے تو ذخیرہ میں ہے کہ اگر بیوی کو کہا الف، نون، تاء، طاء، الف، لام، قاف، اور طلاق کی نیت کیا تو طلاق ہوگی (ملخصًا)۔(ت)

[7] میں نے تیری طلاق تجھے ہبہ کی، [8] قرض دی، [9] تیرے پاس گرو کی، [10] امانت رکھی، [11] میں نے تیری طلاق چاہی، [12] تیرے لئے طلاق ہے، اللہ نے تیری طلاق چاہی، [13] اللہ تعالٰی نے تیری طلاق مقدر کی،

فی ردالمحتار وغیر ذٰلك مثل الطلاق	ردالمحتار میں ماتن کے قول وغیرہ ذٰلک کے تحت

[1] ردالمحتار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۶۶

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

عليك وهبتك طلاقك،بعتك طلاقك اذا قالت اشتريت من غير بدل،خذى طلاقك اقرضتك طلاقك شاء الله طلاقك او قضاء او شئت ففى الكل يقع بالنية رجعى كما فى الفتح.زاد فى البحر الطلاق لك الخ [1] وفيه اما ما فى البحر ايضا من ان منه اودعتك طلاقك ورهنتك طلاقك فسيذكر الشارح تصحيح عدم الوقوع به [2] **اقول**:اى ان لم ينولان المقصود به الرد على البحر فى جعله صريحا۔	بیان کیا،مثلاً میں نے تجھے تیری طلاق ہبہ کی،میں نے تیری طلاق تجھ کو فروخت کی جب جواب میں عورت یہ کہے کہ میں نے بدلہ کے بغیر خریدی،میں نے تیری طلاق تجھے قرض دی،اللہ نے تیری طلاق چاہی،یا اللہ نے تیری طلاق مقدر فرمائی،کیا تُو چاہتی ہے،ان مذکورہ صورتوں میں نیت کی تو ایک طلاق رجعی ہوگی جیساکہ فتح میں ہے،بحر میں اس پر زائد ہے تیرے لئے طلاق ہے الخ اور اسی ردالمحتار میں ہے لیکن جو بحر نے افادہ فرمایا وُہ بھی کہ،میں نے تیرے پاس تیری طلاق امانت رکھی ہے یا رہن رکھی ہے،اس پر شارح طلاق نے واقع ہونے کی تصحیح ذکر کررہے ہیں،**اقول**:(میں کہتاہوں)یعنی اگر نیت نہ کی ہوتو یہ مسئلہ ہے کیونکہ اس سے مقصد بحر پر رَد کرنا ہے کیونکہ وُہ اس کو صریح قرار دیتے ہیں۔(ت)

۱۵میں نے تیری طلاق تیرے ہاتھ بیچی،عورت نے کہا میں نے خریدی،اور کسی عوض مالی کا ذکر نہ ہوا اور نہ بائن ہوگی)

فى ردّالمحتار عن البحر ولو قال بعت منك تطليقة فقالت اشتريت يقع رجعيا مجانا لانه صريح [3] اھ وفى الدر وحكم الواقع بالطلاق الصريح على مال طلاق بائن [4]۔	ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے:اگر خاوند نے کہا میں تجھے ایک طلاق فروخت کرتا ہوں،تو بیوی نے جواب میں کہا میں نے خریدا،تو بلامعاوضہ ایک طلاق رجعی ہوگی،کیونکہ یہ صریح ہے اھ اور دُر میں ہے کہ مال کے بدلے صریح طلاق واقع ہوتو وُہ بائنہ کے حکم میں ہوگی(ت)

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۷

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[3] ردالمحتار باب الخلع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵۹

[4] درمختار باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۵

(۱٦) میں نے تجھے اس عورت پر طلاق دی کہ تُو اتنے دنوں کے لئے فلاں مطالبہ مجھ سے ہٹادے۔

فان العوض غیر مال ففی ردالمحتار بعد ذکر الطلاق علی مال بخلاف طلقنی علی ان اؤخر مالی علیک، فان التاخیر لیس بمال وصح التاخیر لوله غایة معلومة والا فلا، والطلاق رجعی مطلقا بحر عن البزازیة[1]، کمامر۔	کیونکہ یہ عوض مال نہیں تو ردالمحتار میں طلاق بعوض مال کے بعد ذکر کیا، بخلاف اس کے کہ جب بیوی کہے میرا جو مال تیرے ذمّہ ہے اسے میں تجھ پر مؤخر کرتی ہوں اس کے عوض تُو مجھے طلاق دے۔ خاوند نے اس پر طلاق دے دی تو وُہ رجعی ہوگی کیونکہ یہ عوض یعنی تاخیر مال نہیں ہے۔ اگر مال کی کوئی مدّت مقرر تھی یہ تاخیر درست ہوگی ورنہ نہیں، بزازیہ سے بحر نے گزشتہ کی طرح نقل کیا۔ (ت)

۱٧ میں نے طلاق تیرے دامن میں رکھ دی عـــہ۱

فی الخزانة عن الخلاصة ولو قال ہزار طلاق در دامنت کردم ان نوی او کان فی حال مذاکرۃ الطلاق یقع والافلا[2]۔	خزانہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ خاوند نے کہا "میں نے تیرے دامن میں ہزار طلاق رکھ دی ہے" اگر نیت کی تو طلاق ہوگی، یونہی اگر یہ بات طلاق کے مذاکرہ کے بعد کہی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ (ت)

۱۸ عدت بیٹھ فی ردالمحتار عـــہ۲، ۱۹ تجھ پر ایک،

عـــہ۱: اقول: شاید مسئلہ دامن ومسئلہ سابقہ چادر میں فرق بوجہ اضافت وعدمِ اضافت طلاق ہے کہ وہاں یہ کہا تھا تیری طلاق تیرے آنچل باندھی، لہٰذا بے نیّت پڑ گئی، یہاں صرف طلاق کہا، تیری طلاق نہ کہا لہٰذا نیّت پر رہی، ولیحرر، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم ۱۲ منہ

عـــہ۲: ھٰھنا فی الاصل بیاض ولعل العبارۃ المطلوبة منھا ھی مانقل ھھنا فی الذیل قوله اعتدی امر بالاعتداد الذی ھو من العدۃ او من العد، ای اعتدی نعمی علیك بدائع اھ الفقیر حامد رضا قادری غفرله۔	یہاں قلمی نسخہ میں بیاض ہے ہوسکتا ہے اس سے مطلوب وُہ عبارت ہو جس کی ذیل میں نقل کیا جاتا ہے کہ اعتدی، اعتداد سے امر ہے جو عدت سے ہے یا عد سے ہے یعنی میرے نکاح کو اپنے اُوپر خدا کو نعمت شمار کر، بدائع اھ ۱۲ الفقیر حامد رضا قادری غفرلہ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵٦۰

[2] خزانة المفتین فصل فی صریح الطلاق قلمی نسخہ ۱/۱۰۸

فی المتون انت واحدۃ ویعرف ماترجمنا من یعرف الدلیل۔	متون میں ہے: تو ایک ہے، تو ہمارے قائم کردہ عنوان سے دلیل جاننے والے کو معلوم ہے۔ (ت)

۱۰ تجھ پر دو، اس میں دو ۲ طلاقیں رجعی بحالتِ نیّت پڑیں گی،

فانہ مثلہ بعین الوجہ لان الوقوع بطلاق مضمر فکان رجعیا ویحتمل غیرہ فتوقف علی النیّۃ وعد فی البحر من ھذا القسم لست لی بامرأۃ وما انالك بزوج[1]، حیث یقع رجعی ان نوی **قلت** والوقوع بہ مذھب الامام وعندھما لاوان نوی کما فی الخانیۃ و قد قدم قول الامام لکن فی الخلاصۃ وخزانۃ المفتین وجواھر الاخلاطی والھندیۃ فی قولہ توزن من نیی لایقع وان نوی ھوالمختار[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ بھی پہلی ہی وجہ کی طرح معلوم ہے کہ یہاں لفظ طلاق پوشیدہ ہے جس سے یہ طلاق رجعی ہوگی، اور غیر طلاق کا احتمال ہونے کی وجہ سے نیت پر موقوف ہوگی، اور بحر میں اسی قسم سے شمار کیا ہے جب یہ کہے کہ "تُو میری بیوی نہیں اور میں تیرا خاوند نہیں" نیت کی تو ایک رجعی طلاق ہوگی، **قلت** (میں کہتا ہوں) اس کلام سے طلاق کا وقوع امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک نیّت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، اور بحر میں امام کے قول کو پہلے ذکر کیا ہے، لیکن خلاصہ، خزانۃ المفتین، جواھر الاخلاطی اور ہندیہ میں مذکور ہے کہ خاوند نے کہا "تو میری بیوی نہیں ہے" تو نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہی مختار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

ان سب میں نیت کی حاجت ہے اگر نیت نہیں تو کچھ نہیں اور ہے تو طلاق رجعی عـــہ۔ ۱ بے وجہ بے سبب طلاق

عـــہ: اصل میں اتنی عبارت اور زائد ہے یہ دوسوبیس ۲۲۰ الفاظِ طلاق ہیں جن میں سے ایک سو تیس ۱۳۰ سے بائن پڑتی ہے، نوے ۹۰ سے رجعی۔ دونوں میں ننانوے ۹۹ سے بے نیّت باقی سے منوی، اور ہنوز ہر قسم میں زیادت کو اور الفاظ باقی اقوال بعد تکمیل الفاظ اضافہ فرمائے گئے لہٰذا منوی ایک سوپینتالیس ۱۴۵، غیر منوی ایک سوآٹھ ۱۰۸، یہ کل دوسوترپن الفاظ ہیں ۲۵۳، ایک سوساٹھ ۱۶۰ سے بائن اور ترانوے ۹۳ رجعی ۱۲ حامد رضا غفرلہ

---

[1] بحر الرائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۳۰۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۶

دینا فی نفسہٖ ناپسندیدہ بلکہ شرعًا مذموم ہے، ۲خصوصًا بائن کے بے ضرورت محض بدعت وممنوع ہے۔ عورت کا معاذاللہ فاحشہ ہونا اگرچہ سب سے بڑھ کر اجازتِ طلاق کی وجہ، مگر بائن کی بھی کاربرآری ممکن کہ طلاق رجعی بطور مسنون دے اور رجعت نہ کرے خود ہی بائن ہوجائے گی، وقت طلاق میں بھی یہ خصوصیت ہے کہ زن مدخولہ کو ۳حیض یا ۴نفاس میں طلاق نہ دے مگر خلع وغیرہ جو طلاق مال کے عوض ہو وہ اس حال میں بھی جائز ہے، ۵عورت کی عمر اگر نو۹ برس سے کم ہے، ۶یا پچپن تک پہنچ چکی ہو، ۷یاجوان تو ہوئی مگر حیض کبھی نہ آیا، ۸یا حاملہ ہے تو ایسی عورت کو ایک مہینے میں دو طلاق نہ دے، اور ۹جو عورت ان چار کے علاوہ ہے اسے ایسی پاکی نہ دے کہ اس میں یا ۱۰اس سے پہلے کے حیض میں یہ اسے طلاق دے چکا، یا ۱۱ان میں، یا ۱۲دھوکے سے دُوسرا شخص اس سے جماع کرچکا ہے، طلاق میں یہ بارہ ۱۲صورتیں منع ہیں، پھر ان سب ممانعتوں کے یہ معنٰی کہ مرد اُن کے خلاف سے گنہگار ہوگا ورنہ طلاق تو بہر حال پڑجاتی ہے جب تک عورت پر قیدِ نکاح یا عدّت اور مرد کے ہاتھ میں کوئی طلاق باقی ہے،

فی فتح القدیر اول کتاب الطلاق الاصح حظرہ الالحاجۃ غیران الحاجۃ لاتقتصر علی الکبر والریبۃ[1] اھملخصًا۔ فی ردالمحتار ان الضعیف ھو عدم اباحتہ الا کبر او ریبۃ والذی صححہ فی الفتح عدم التقیید بذٰلك کماھو مقتضی اطلاقھم الحاجۃ وبما قررناہ ظھران لامخالفۃ بین ماادعاہ انہ المذھب وما صححہ فی الفتح[2] اھ وفیہ عن البحر عن الفتح الواحدۃ البائنۃ بدعیۃ فی ظاھر الروایۃ[3] الخ	فتح القدیر میں کتاب الطلاق کے شروع میں ہے، اصح یہ ہے کہ طلاق ممنوع ہے مگر حاجت ہوتو ممنوع نہیں ہے، مگر حاجت صرف بڑھاپے اور شکوک میں منحصر نہیں ہے اھ ملخصًا۔ ردالمحتار میں ہے کہ طلاق کا صرف بڑھاپے یا شکوک کی بناء پر مباح ہونا ضعیف ہے اور جس کو فتح میں صحیح قرار دیا ہے اُس میں اِس کی قید نہیں بیان کی، جیسا کہ فقہاءِ کرام نے مطلق حاجت کو بیان کیا ہے، اور ہماری تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ جس کے متعلق مذہب ہونے کا دعوی کیا اور جس کی تصحیح فتح میں کی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اھ اور اسی میں بحر اور اس نے فتح سے نقل کیا کہ ایک بائنہ طلاق، ظاہر روایت میں بدعی طلاق

[1] فتح القدیر کتاب الطلاق نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۶

[3] کتاب الطلاق ۲/ ۴۱۸

فی الدر طلقة رجعیة فقط فی طهر لاوطی فیه احسن، وطلقة لغیر موطؤة ولو فی حیض، ولموطوئة تفریق الثلث فی ثلاثة اطهار لاوطی فیها ولافی حیض قبلها ولاطلاق فیه فیمن تحیض وفی ثلاثة اشهر فی حق غیرها حسن وسنی، وحل طلاق الاٰیسة والصغیرة و الحامل عقب وطی لان الکراهة فیمن تحیض لتوهم الحبل، والبدعی ماخالفهما والخلع فی الحیض لایکره والنفاس کالحیض [1] اھ ملخصاً، قال الشامی قوله لاوطء فیه لم یقل، منه، لیدخل فی کلامه مالووطئت بشبهة، فان طلاقها فیه حینئذ بدعی نص علیه الاسبیجابی، وبهٰذا عرف ان کلام المصنف اولی من قول غیره لم یجامعها فیه لکن لابدان	ہے الخ، اور دُر میں ہے کہ ایک رجعی طلاق ایسے طُہر میں جس میں وطی نہ کی ہو فقط وہی احسن طلاق ہے اور غیر موطوءہ بیوی کو اگرچہ حیض کے دوران ایک طلاق اور وطی شدہ کو تین طُہروں میں تین طلاقیں متفرق کرنا جن میں وطی نہ ہوئی اور نہ ایسے طُہر سے پہلے حیض میں وطی ہو اور نہ طلاق ہو حیض والی کے لئے، اور تین مہینوں میں تین طلاقیں متفرق کرنا جن میں وطی نہ ہوئی ہو اور نہ ایسے طہر سے پہلے حیض میں وطی ہو اور نہ طلاق ہو، حیض والی کے لئے، اور تین مہینوں میں تین طلاقیں متفرق کرنا جس کو حیض نہ آتا ہو، تو ایسی طلاقیں حسن اور سنی ہوں گی۔ اور بوڑھی، نابالغہ اور حاملہ کو وطی کے بعد طلاق دینا حلال ہے کیونکہ وطی کے بعد طلاق دینا اسلئے مکروہ ہے کہ حمل ٹھہرنے کا احتمال ہوتا ہے جو کہ جوان حیض والی میں ہوسکتا ہے، اور بدعی طلاق وُہ ہے جو ان مذکورہ دو۲ قسموں (احسن اور حسن) کے خلاف ہو، اور حیض میں خلع مکروہ نہیں اور نفاس بھی حیض کا حکم رکھتا ہے اھ ملخصا۔ علامہ شامی نے فرمایا: ماتن کا قول "وُہ طہر جس میں وطی نہ ہو" کہا، یہ نہ کہا کہ اس خاوند سے وطی نہ ہوئی ہو، یہ اس لئے تاکہ کلام شبہہ سے وطی کو بھی شامل ہوسکے، کیونکہ ایسی صورت میں بھی طلاق بدعی ہوگی جیسا کہ اس پر اسیجابی نے نص کی ہے۔ اور اس سے معلوم ہُوا

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۵تا۲۱۷

یقول ولافی حیض قبله ولاطلاق فیهما ولم یظهر حملها ولم تکن آیسة ولاصغیرة کما فی البدائع لانه لو طلقها فی طهر وطئها فی حیض قبله کان بدعیا، وکذا لوکان قد طلقها فیه وفی هذاالطهر، لان الجمع بین تطلیقتین فی طهر واحد مکروه عندنا[1]، قوله فی حق غیرها ای فی حق من بلغت بالسن ولم تر دما اوکانت حاملا او صغیرة لم تبلغ تسع سنین علی المختار او اٰیسة بلغت خمس وخمسین سنة علی الراجح، اما ممتدّة الطهر فمن ذوات الاقراء لانها شابة رأت الدم فلایطلقها للسنة الاواحدة مالم تدخل فی حدّ الایاس[2]، قال فی الذخیرة عن المنتقی لاباس بان	کہ مصنف کی کلام دُوسروں کی نسبت اولٰی ہے کیونکہ دُوسروں نےیُوں کہا ہے کہ خاوند نے اس طُہر میں وطی نہ کی ہو، لیکن مصنف کی کلام میں یہ کہنا بھی ضروری تھا کہ اس طُہر سے قبل حیض میں بھی وطی نہ ہو اور نہ طلاق ہو، اور حمل ظاہر نہ ہو اور بوڑھی اور نابالغہ نہ ہو، جیسا کہ بدائع میں ہے کیونکہ اگر ایسے طُہر میں طلاق دی جس سے قبل حیض میں وطی کی ہو تو وہ طلاق بدعی ہوگی اگرچہ طُہر میں وطی نہ ہو، اور یُوں ہی اگر اس حیض میں طلاق کے بعد طُہر میں طلاق دی ہو کیونکہ ایسی صورت میں ایک طہر میں دو۲ طلاقیں شمار ہوں گی جو کہ ہمارے ہاں مکروہ ہے۔ اور ماتن کا قول کہ "اس کے غیر میں" یعنی وُہ عورت حیض کی بجائے عمر کے حساب سے بالغ قرار پائے اور اس نے کسی حیض کا خُون نہ دیکھا اور نہ پایا، یا عورت حاملہ ہو، یا ایسی نابالغہ جو نو۹ سال سے کم عمر والی ہو مختار قول کے مطابق، یا آئسہ (وہ عورت جو پچپن ۵۵سال کو پہنچ چکی ہو) راجح قول کے مطابق، یا حیض والی عورتوں میں وُہ عورت جس کا طُہر دراز مدّت تک ختم نہ ہو، کیونکہ نوجوان عورت جس کو خونِ حیض آچکا ہے تو اس کو سنت طلاق صرف ایک ہی ہوگی جب تک وُہ حدایاس تک نہ پہنچی ہو۔ ذخیرہ میں منتقی سے منقول ہے: اگر بیوی سے کوئی ناپسندیدہ

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۱۹

یخلعها فی الحیض اذا ارای منها مایکره اھ وکذا الطلاق علی مال لایکره فی الحیض کما صرح به فی البحر عن المعراج والمراد بالخلع ماذاکان خلعا بمال [1]. قوله والنفاس کالحیض قال فی البحر ولما کان المنع من الطلاق فی الحیض لتطویل العدة علیها کان النفاس مثله جوهرة [2]اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔	امر محسوس کرے تو حیض کے دوران بھی خلع کرنے میں کوئی حرج نہیں اھ یُوں ہی مال کے عوض طلاق حیض میں دی جائے تو مکروہ نہیں جیساکہ بحر میں معراج سے نقل کرتے ہوئے تصریح کی ہے اور خلع سے مراد وُہ ہے جو مال کے عوض ہو۔ ماتن کا قول کہ "نفاس، حیض کی طرح ہے"۔ بحر میں فرمایا کہ حیض میں طلاق عورت کی عدت کو طوالت سے بچانے کی وجہ سے ممنوع ہے تو نفاس میں یہی بات ہے اس لئے یہ بھی حیض کی طرح ہے، اھ، (ردالمحتار کی تمام عبارت، ملتقطا) واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

فہرست الفاظِ طلاق

ان سب صورتوں میں اگر طلاق کی نیت ہو طلاق بائن پڑ جائے گی

نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ	نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ
۱	جا	۵۱۵	۱۱	سرک	۵۱۵
۲	نکل	۵۱۵	۱۲	جگہ چھوڑ	۵۱۵
۳	چل	۵۱۵	۱۳	گھر خالی کر	۵۱۵
۴	روانہ ہو	۵۱۵	۱۴	دُور ہو	۵۱۵
۵	اُٹھ	۵۱۵	۱۵	چل دُور	۵۱۵
۶	کھڑی ہو	۵۱۵	۱۶	اے خالی	۵۱۵
۷	پردہ کر	۵۱۵	۱۷	اے بَری	۵۱۵
۸	دوپٹہ اوڑھ	۵۱۵	۱۸	اے جُدا	۵۱۵
۹	نقاب ڈال	۵۱۵	۱۹	توجُدا ہے	۵۱۵
۱۰	ہٹ	۵۱۵	۲۰	تو مجھ سے جُدا ہے	۵۱۵

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۱۸

نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ	نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ
۲۱	میں نے تجھے بے قید کیا	۵۱۵	۴۰	تشریف کاٹو کرالے جایئے	۵۱۵
۲۲	میں نے تجھ سے مفارقت کی	۵۱۵	۴۱	جہاں سینگ سمائے جا	۵۱۵
۲۳	رستہ ناپ	۵۱۶	۴۲	اپنا مانگ کھا	۵۱۵
۲۴	اپنی راہ لے	۵۱۶	۴۳	بہت ہوچکی اب مہربانی فرمایئے	۵۱۵
۲۵	کالا منہ کر	۵۱۶	۴۴	اے بے علاقہ	۵۱۵
۲۶	چال دکھا	۵۱۶	۴۵	منہ چھپا	۵۱۵
۲۷	چلتی بن	۵۱۶	۴۶	جہنم میں جا	۵۱۵
۲۸	چلتی نظر آ	۵۱۶	۴۷	چولھے میں جا	۵۱۵
۲۹	دفع ہو	۵۱۶	۴۸	بھاڑ میں جا	۵۱۵
۳۰	دال فے عین ہو	۵۱۶	۴۹	میرے پاس سے چل	۵۱۵
۳۱	رفوچکّر ہو	۵۱۶	۵۰	اپنی مراد پر فتحمند ہو	۵۱۵
۳۲	پنجرا خالی کر	۵۱۶	۵۱	میں نے نکاح فسخ کیا	۵۱۵
۳۳	ہٹ کے سڑ	۵۱۶	۵۲	تُو مجھ پر مثل مردار [عہ۱]	۵۱۵
۳۴	اپنی صورت گما	۵۱۶	۵۳	یا مثل سُوئر	۵۱۵
۳۵	بستر اٹھا	۵۱۶	۵۴	یا مثل شراب کے ہے	۵۱۵
۳۶	اپنا سُوجھتا دیکھ	۵۱۶	۵۵	تو مثل میری ماں [عہ۲]	۵۱۷
۳۷	اپنی گٹھڑی باندھ	۵۱۶	۵۶	یا بہن	۵۱۵
۳۸	اپنی نجاست الگ پھیلا	۵۱۶	۵۷	یا بیٹی کے ہے	۵۱۵
۳۹	تشریف لے جایئے	۵۱۶	۵۸	تو خلاص ہے	۵۱۵

عہ۱: نہ مثل بھنگ یا افیون یا مال فلاں یا زوجہ فلاں کے۔

عہ۲: یُوں کہا تُو ماں بیٹی ہے، تو گناہ کے سوا کچھ نہیں۔

نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ	نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ
۵۹	تیری گلوخلاصی ہوئی	۵۱۷	۷۹	تیری رسی چھوڑدی	۵۱۸
۶۰	توخالص ہوئی	۵۱۷	۸۰	تیری لگام اتارلی	۵۱۸
۶۱	حلال خدا	۵۱۷	۸۱	اپنے رفیقوں سے جاہل	۵۱۸
۶۲	یاحلال مسلماناں	۵۱۷	۸۲	مجھے تجھ پر کچھ اختیار نہیں	۵۱۹
۶۳	یاہر حلال مجھ پر حرام	۵۱۷	۸۳	خاوند تلاش کر	۵۱۹
۶۴	تومیرے ساتھ حرام میں ہے	۵۱۷	۸۴	میں تجھ سے جداہوں یاہوا عـــہ۲	۵۲۰
۶۵	میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا عـــہ۱	۵۱۷	۸۵	میں نے تجھے جداکیا	۵۲۰
۶۶	میں تجھ سے باز آیا	۵۱۸	۸۶	میں نے تجھ سے جدائی کی	۵۲۰
۶۷	میں تجھ سے در گزرا	۵۱۸	۸۷	توخود مختار ہے	۵۲۰
۶۸	تُومیرے کام کی نہیں	۵۱۸	۸۸	توآزاد ہے	۵۲۰
۶۹	میرے مطلب کی نہیں	۵۱۸	۸۹	مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں	۵۲۱
۷۰	میرے مصرف کی نہیں	۵۱۸	۹۰	مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا	۵۲۱
۷۱	مجھے تجھ پر کوئی راہ نہیں	۵۱۸	۹۱	میں نے تجھے تیرے گھروالوں عـــہ۳	۵۲۱
۷۲	کچھ قابو نہیں	۵۱۸	۹۲	یاباپ	۵۲۱
۷۳	ملک نہیں	۵۱۸	۹۳	یاماں	۵۲۱
۷۴	میں نے تیری راہ خالی کردی	۵۱۸	۹۴	یاخاوندوں کودیا	۵۲۱
۷۵	تومیری ملک سے نکل گئی	۵۱۸	۹۵	یاخود تجھ کودے ڈالا	۵۲۱
۷۶	میں نے تجھ سے خلع کیا	۵۱۸	۹۶	مجھ میں تجھ میں کچھ معاملہ نہ رہا عـــہ۴	۵۲۱
۷۷	اپنے میکے بیٹھ	۵۱۸	۹۷	میں تیرے نکاح سے بری ہوں	۵۲۱
۷۸	تیری باگ ڈھیلی کی	۵۱۸	۹۸	بیزار ہوں	۵۲۱

عـــہ۱: اگرچہ کسی عوض کاذکر نہ کرے اور عورت کے اس کہنے کی بھی حاجت نہیں کہ میں نے خریدا۔

عـــہ۲: فقط میں جداہوں یاہواکافی نہیں اگرچہ بہ نیت طلاق کہے۔

عـــہ۳: کیامیں نے تجھے تیرے بھائی یاماموں یاچچایاکسی اجنبی کودے دیاتوکچھ نہیں۔

عـــہ۴: مجھ میں تجھ میں کچھ نہیں رہاسے کچھ نہیں اگرچہ نیّت کرے۔

مسئلہ ۲۶۹: از کانپور فراش خانہ عقت آبکاری سڑک جدید متصل کوڑہ گھر مکان حافظ زبیر حسن مرسلہ مولوی سیّد سعید الحسن صاحب ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر زید کو بذریعہ خط یہ لکھا کہ تم مجھ کو فارغ خطی دے دو اور اس زوجہ ہندہ کے لکھنے پر شوہر زید نے یہ لکھ دیا کہ میری طرف سے تین مرتبہ فارغ خطی ہے مجھ کو تم سے کچھ مطلب نہیں جو تمہارا جی چاہے وہ کرو، تو اب اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہ؟ اور مسمّاۃ ہندہ کو اب کیا کرنا چاہئے؟ شوہر زید کے پاس جانا درست ہے یا نہ؟ اگر جائے تو کیا ہے؟ **بینوا فی الکتاب توجروا یوم الحساب۔**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں تین طلاقیں ہوگئیں، زید کے پاس اسے جانا حرام محض ہے، بے حلالہ کے زید سے نکاح نہیں ہوسکتا،

فان ھذا اللفظ من الرجل لامرأتہ لایستعمل الافی معنی الطلاق ولایرادو لایفھم منہ الاھذا، فکان من الصریح الذی لایحتاج الی النیۃ لانہ حیث یقع جوابا لسؤالھا کما ھٰھنا فانہ لایحتمل الرد کما لایخفی۔	خاوند کی طرف سے بیوی کے لئے اس لفظ کا استعمال صرف طلاق کے معنٰی میں ہوتا ہے اور اس سے مراد اور فہم یہی ہوتا ہے، لہٰذا یہ لفظ صریح ہے جس میں نیّت کی محتاجی نہیں ہے کیونکہ جیسے یہاں بیوی کے سوال کے جواب میں مذکور ہو تو اس سے رَد کا احتمال نہیں ہوتا، جیسا کہ مخفی نہیں ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فمالایستعمل فیھا الافی الطلاق فھوصریح یقع بلانیۃ وما استعمل فیما استعمال الطلاق وغیرہ فحکمہ حکم کنایات العربیۃ فی جمیع الاحکام، بحر[1]۔	جو لفظ صرف طلاق میں استعمال ہو وہ صریح ہوتا ہے جس میں نیت کی حاجت نہیں، اور جو لفظ طلاق اور غیر طلاق میں استعمال ہو تو اس حکم تمام احکام میں عربی کنایہ جیسا ہوتا ہے، بحر۔ (ت)

اسی طرح عالمگیریہ میں بدائع سے ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار باب الصریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۹

مسئلہ ۲۷۰: (مسوّدہ میں سوال نہیں ملا)

الجواب:

اگر یہ بات اس نے صحیح کہی کہ میں تو پہلے خط میں فارغ خطی بھیج چکاہُوں تو اگر اس خط میں یہ تھا کہ میں نے تجھے فارغ خطی دی تو خط لکھتے ہی ایک طلاق ہو گئی تھی اور اگر خط میں یہ تھا کہ جب یہ خط تجھے پہنچے تو تجھے فارغ خطی ہے، اور وہ خط اسے پہنچا تو اس وقت اسے طلاق ہو گئی تھی بہرحال اس طلاق کے بعد اگر تین حیض عورت کو ہو چکے تھے، اس کے بعد یہ خط لکھا جس کی نقل سوال میں ہے جب تو یہ خط بیکار ہے کہ پہلے طلاق ہو چکی اور عدت گزرلی اور اگر اس نے رجعت نہ کی تو عورت اجنبیہ ہو گئی اس کی طلاق کا محل نہ رہی اس صورت میں عورت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، اور اگر اس خط کے لکھنے یا پہنچنے کے بعد عورت کو ابھی تین حیض نہ ہوئے یا خط پہنچنے پر طلاق لکھی تھی اور وُہ نہ پہنچا یا اس نے سرے سے خط لکھا ہی نہ تھا یوں ہی غلط لکھ دیا تو ان سب صورتوں میں اس پر تین طلاقیں ہو گئیں، بعد انقضائے عدت سوائے شوہر جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے شوہر سے بے حلالہ نہیں ہو سکتا، حلبی پھر شامی علی الدرالمختار میں ہے:

انت علیّ المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ لکونہ بائنا[1]، ملخصا۔	تو مجھ پر حرام ہے، کہنے پر مفتٰی بہ قول میں نیت پر موقوف نہیں، حالانکہ یہ طلاق بائنہ ہے ملخصًا (ت)

نیز ردالمحتار میں ہے:

افتی المتأخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن للعرف بلانیۃ۔[2]	متاخرین نے کہا "تو مجھ پر حرام ہے" کہنے میں طلاق بائنہ ہو گی، عرف کی وجہ سے نیت کے بغیر واقع ہو گی (ت)

فارغ خطی عرف میں طلاق صریح ہے کہ عورت کی طرف اس کی اضافت سے طلاق ہی مراد ومفاد ہوتی ہے، ردالمحتار میں ہے:

الصریح ماغلب فی العرف استعمالہ فی الطلاق بحیث لایستعمل عرفا الافیہ من ایّ لغۃ کانت وھذافی عرف زماننا کذٰلک فوجب اعتبارہ صریحا[3]۔	صریح وُہ لفظ ہے جس کا عرف میں غالب استعمال طلاق کے لئے ہو۔ اور کسی بھی عرف میں وہ بغیر نیت صرف طلاق کے لئے استعمال ہو اور یہ لفظ ہمارے زمانہ کے عرف میں ایسا ہی ہے لہٰذا اس کے صریح ہونے کا اعتبار ضروری ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۹

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۲

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۲

اور صحیح یہ ہے کہ طلاق لے طلاق صریح ہے، محیط پھر ہندیہ میں ہے:

لوقال لها داد طلاق يقع من غير نية وهو الاشبه لان قوله داد فى العادة، وقوله خذسواء ولو قال لها خذى طلاقك يقع من غير نية كذاههنا كذافى المحيط[1]، ملخصًا۔	اگر خاوند نے کہا "طلاق دے" تو بغیر نیت طلاق ہو جائے گی، اور یہی اشبہ بالحق ہے، کیونکہ "داد" کہنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نے "خذ" (لے پکڑ) کہا تو عادت میں "داد" (فارسی) اور خذ (عربی) دونوں مساوی ہیں، اور اگر خاوند کہے "لے طلاق پکڑ" تو بغیر نیت طلاق ہو جاتی ہے، تو یہاں بھی ایسے ہی ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے۔ ملخصًا (ت)

اور دوبارہ لفظ کے طلاق جدید ہوگا نہ تاکید، اشباہ میں ہے:

التاسيس خير من التاكيد فاذا دار اللفظ بينهما تعين الحمل على التاسيس ولذا قال اصحابنا رحمهم الله تعالٰى لو قال لزوجته انت طالق طالق طالق طلقت ثلثا[2]، والله تعالٰى اعلم۔	تاسیس یعنی نیا فائدہ، تاکید سے بہتر ہے، لہٰذا جب کوئی لفظ تاسیس اور تاکید دونوں کا احتمال رکھے تو اس کو تاسیس پر محمول کرنا متعین ہوگا، اس لئے ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر خاوند نے لفظ طلاق کو تین مرتبہ دہرایا تو تین طلاقیں ہوں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۲: ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

اگر خط مذکور میں "لے" کا لفظ مکرر نہ ہوتا، یُوں ہوتا کہ فارغ خطی لے تو بقیہ کی وجہ سے تین طلاقیں ہوتیں یا کیا حکم تھا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خط لکھنے اور پہنچنے کے احکام وہی ہیں جو گزرے اور اگر اس میں خط پہنچنے پر طلاق لکھی تھی اور وُہ نہ پہنچا تو دو۲ طلاقیں بائن ہوئیں، تو اگر اس نے اس لفظ کہ "تو میرے کام کی نہیں" طلاق کی نیت کی تو ایک اس سے

وانما احتاج الى النية مع ان الحال حال المذاكرة كما ذكره مسندا	حالت مذاکرہ طلاق (جیسا کہ بیوی کے باپ کے خط کا حوالہ ہے) ہونے کے باوجود نیت کا محتاج ہوگا

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] الاشباہ والنظائر التاسیس خیر من التاکید ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۱

الٰی کتاب ابیھا لانہ یحتمل السب کما حققناہ فی جدالممتار والحالۃ حالۃ الغضب فلاتجعلہ المذاکرۃ غنیا من النیۃ کما حققناہ فیہ مستفیدین اور دوسری فارغ خطی لے، سے لانہ رجعی صریح فیلحق البائن اماقولہ حرام ہوچکی فھو وان صار صریحا بالعرف لایلحق البائن علی مافی الحلبی ثم الشامی، حیث قالا ولایردانت علی حرام، علی المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ مع انہ لایلحق البائن ولایلحقہ البائن لکونہ بائنا لما ان عدم توقفہ علی النیۃ امر عارض لہ لابحسب اصل وضعہ[1] اھ۔	کیونکہ یہ لفظ ڈانٹ کا بھی احتمال رکھتا ہے جیسا کہ ہم جدالممتار میں تحقیق کرچکے ہیں جبکہ یہاں حالت بھی غصّہ کی ہے، اس لئے مذاکرہ طلاق یہاں نیت سے مستغنی نہیں کرسکتا، جیسا کہ ہم نے فتح القدیر سے ان کو استفادہ کرکے تحقیق کی ہے، اور دوسری (طلاق یہ کہنے سے کہ "فارغ خطی لے" کیونکہ یہ صریح رجعی طلاق ہے تو بائن کو لاحق ہوگی، لیکن خاوند کا کہنا "حرام ہوچکی ہے" یہ لفظ اگرچہ عرف کی بناء پر صریح طلاق بن چکا ہے لیکن بائن کو لاحق نہ ہوگی حلبی اور پھر شامی کے بیان پر کہ "ضابطہ پر تو مجھ پر حرام ہے" سے اعتراض نہ ہوگا جیسا کہ مفتٰی بہ قول پر یہ نیت پر موقوف نہیں ہے (یعنی صریح طلاق ہے) حالانکہ نہ بائنہ اس کو لاحق ہوسکتی اور نہ ہی یہ بائنہ کو لاحق ہوسکتی ہے، کیونکہ ایسی بائنہ ہے جو نیّت پر موقوف نہیں ہے، اور اس کا نیت پر موقوف نہ ہونا (یعنی صریح ہونا) عارضہ کی بناء پر ہے اپنے اصل کے اعتبار سے نہیں اھ (ت)

اقول: والوجہ فیہ انہ یمکن جعلہ اخبارا فلاضرورۃ جعلہ انشاء (**میں کہتا ہوں،** اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کو قبل ازیں طلاق سے حکایت اور خبر قرار دیا جاسکتا ہے اس لئے اس کو انشاء قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ت) اور اگر اس لفظ سے کہ "تو میرے کام کی نہیں" اس نے نیت طلاق کی تو ایک حرام سے ہوچکی اور دوسری فارغ خطی سے، بہر حال باقی الفاظ سے کچھ نہ پڑے گی،

لان کل مابعدہ کنایات بوائن فلاتلحق البائن واللفظ الثانی وان کان الواقع بہ رجعیا قدصار بلحوقہ البائن بائنا فلاتلحقہ	کیونکہ اس کے بعد تمام الفاظ بائنہ طلاق والے ہیں لہٰذا وہ بائنہ کو لاحق نہ ہوں گے، اور دوسرا لفظ، اگرچہ اس سے رجعی طلاق ہوئی مگر اس کو بائنہ لاحق ہونے پر وُہ بائنہ ہوگئی اس لئے اس کو

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۹

كناية بائن لامكان جعله اخبار ابل لحوقه بالثانی لحوقه بالاول وقد كان بائنا فيمتنع كله كما بيناه فی جدالممتار.	کنایہ والی بائنہ لاحق نہ ہوسکے گی، بلکہ اس کو خبر بنایا جانا ممکن ہے اس لئے اس کو طلاق نہ قرار دینے کی وجہ سے بھی لحوق نہ ہوگا بلکہ اس کو ثانی کو لحوق ہی اول کو لحوق قرار دیا جائے گا جبکہ یہ بائنہ ہے لہٰذااس کے بعد والی تمام بائنہ ممنوع ہوں گی جیسا کہ ہم نے جدالممتار میں بیان کیا ہے۔(ت)

اور اگر وہ خط اس نے لکھا ہی نہ تھا تو تین طلاقیں ہونا چاہئے۔

لان اقراره بتقديم فار غخطی اقرار بالطلاق، فيكون طلاقا قضاء والباقيان باللفظين المذكورين هذاماظهرلی والعلم بالحق عند ربی۔ والله‌تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اس کا "فارغ خطی" کے بارے میں پہلے ہونے کااقرار، طلاق کا اقرار ہے تو یہ قضاءً طلاق ہوگی اور باقی دو۲ طلاقیں مذکورہ دو۲ لفظوں سے ہوجائیں گی، مجھے یہ معلوم ہوا جبکہ حقیقت کاعلم میرے رب کے پاس ہے۔ واللہ‌تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲: ازمرزاپور کلکتہ مرسلہ عبدالغفور خاں ۴ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ میں اور میری بی بی میں تکرار ہوئی اس کو مار پیٹ کیا جس گھر میں وُہ تھی اس گھر میں سے ہم باہر نکل آئے اپنے کارخانے میں بیٹھے ہوئے لڑکے نے جو دوسری بیوی سے ہے ہم سے کہا کہ اس کو چھوڑدو ہم جو پیدا کریں گے تم کو دیں گے، توہم نے کہا کہ تم کہتے ہو تو ہم اس کو مانگتا نہیں دو۲ مرتبہ کہا ہم اس کو مانگتا نہیں مانگتا نہیں، بیٹے نے کہا تم اس کو فارغ خطی دے دو، ہم نے کہا تم کو اختیار ہے، لڑکا ہمارا فارغ خطی لکھ کر لایا لکھوالایا ہم نے اس کو پڑھوایا نہیں، دستخط اس پر کردئے، فارغ خطی زبان بنگلہ میں ہے بجنسہٖ بلف ہذامرسل ہے، اس صورت میں طلاق ہوا یا نہیں؟ اب عورت چاہتی ہے کہ بے حلالہ کے نکاح ہوجائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے، حلالہ کی اصلاً ضرورت نہیں، اس سوال کے ساتھ زبان وخط بنگلہ میں دو۲ کاغذ آئے، ایک ازجانبِ زوجہ جس میں شوہر سے مہر وطلاق پانے کا ذکر ہے، دوسرا ازجانبِ شوہر جس کا ترجمہ چند معتبر مسلمان بنگالی طلبہ علم نے یہ کیا (میں عبدالغفور خاں ساکن کلکتہ مرزاپور، طلاق یہ ہے کہ شاہدالنساء کو ساڑھے تین روپے دین مہر مطابق شریعت دین محمدی کے نکاح کیا، اس وقت راضی سے مہر ادا کرکے طلاق بائنہ دی۔ راقم عبدالغفور خاں) عبدالغفور کا دو۲ خواہ دس۱۰ بار کہنا ہم اس کو مانگتا نہیں

مانگتا نہیں، یہ تو محض بے اثر تھا کہ اس کے معنی نفی خواہش وطلب وارادہ ہے اور ان کی نفی سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیتِ طلاق کہے،

فی الھندیۃ اذاقال لااریدک، اولااحبک، اولا اشتھیک، اولارغبۃ لی فیک، فانہ لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کذافی البحر الرائق۔[1]	ہندیہ میں ہے: جب خاوند نے کہا، میں تجھے نہیں چاہتا، یا، میں تجھے پسند نہیں کرتا، میں تیری خواہش نہیں کرتا، یا، مجھے رغبت نہیں، ان الفاظ سے طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت ہو، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول میں ہے، بحر الرائق میں یونہی ہے۔(ت)

اور فارغ خطی کی اصل وضع اس کاغذ کے لئے ہے جو مدیون کو بابت بے باقی وبرات ذمہ لکھ کر دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اب اس پر کچھ مطالبہ نہ رہا، یہ لفظ جب عورت کی طرف نسبت کیا جائے تو اس سے مراد عورت کو لکھ دینا ہوتا ہے کہ وہ اس کے مطالبہ وحقوق نکاح سے بری ہوئی جس کا حاصل طلاق نامہ بائن تحریری تھی

علاانہ ھو الحقیقۃ العرفیۃ کما علمت فھو ظاھر بنفسہ وان لم یکن ھناك مظھرلہ۔	اس کے علاوہ یہ حقیقت عرفیہ ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ خود ظاہر ہے اگرچہ کوئی دوسری چیز اس کو ظاہر نہ کرے۔(ت)

پسر عبدالغفور خاں نے جبکہ اس سے فارغ خطی دینے کی درخواست کی اور اس نے کہا تم کو اختیار ہے تو یہ طلاق بائن تحریری کا اسے اختیار دینا ہُوا، مرد جسے اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دے اس میں حکم یہ ہے کہ وہ اختیار اسی جلسہ تک باقی رہتا ہے اگر وہ شخص بلاضرورت خواہ کسی ایسی ضرورت کیلئے جو اس کار طلاق سے متعلق نہ تھی اُٹھ جائے یا وہیں بیٹھا کسی اور کام بلکہ بے علاقہ کلام میں مشغول ہو جائے تو وُہ اختیار زائل ہو جاتا ہے،

فی الھندیۃ عن الخلاصۃ عن الصغرٰی لوقال لاجنبی امرامرأتی بیدک، یقتصر علی المجلس ولایملك الرجوع[2] اھوفیھا	اگر کسی اجنبی کو کہا، کہ، میری بیوی کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے، تو اختیار اسی مجلس کے لئے ہوگا، اور رجوع کا اختیار نہ ہوگا اھ اور اسی میں خانیہ

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[2] فتاوٰیہ ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید ۱/۳۹۳

عن الخانیة لو قال لغیرہ طلق امرأتی فقد جعلت ذٰلك الیك فھو تفویض یقتصر الی المجلس[1] الخ وفی الدر المختار فی قولہ لاجنبی طلق امرأتی یصح رجوعہ عنہ ولم یقید بالمجلس لانہ توکیل الّا اذا علقہ بالمشیئة فیصیر تملیکا والفرق بینھما فی خمسة احکام ففی التملیك لایرجع ولایعزل ویتقید بمجلس[2] الخ ملخصًا.وفی ردالمحتار عن الفتح المبدل للمجلس مایکون قطعا للکلام الاوّل وافاضة فی غیرہ[3] الخ وفیہ الاصح انہ لابدان یکون مع القیام دلیل الاعراض اھ[4] وفیہ الکلام الاجنبی دلیل الاعراض اھ[5]۔	سے منقول ہے: اگر خاوند نے دوسرے کو طلاق کااختیار دیتے ہوئے کہا"تو میری بیوی کو طلاق دے"، تو یہ اختیار اسی مجلس کے لئے ہوگا الخ درمختار میں ہے اگر خاوند نے دوسرے کو کہا"تو میری بیوی کو طلاق دے"اگر اجنبی نے اس اختیار سے طلاق دے دی تو رجعی ہوگی، انہوں نے اس اختیار کو صرف مجلس کے لئے نہیں کہااور کہا یہ توکیل ہےاور اگر تیری مرضی ہوتو میری بیوی کو طلاق کہا تو پھر تملیک ہوگی، اور وکیل بنانا اور مالک بنانا ان دونوں باتوں میں پانچ فرق ہیں، مالک بنانے پر اختیار کو واپس نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسے معزول کرسکتا ہے اور یہ اختیار مجلس کے لئے ہی ہوگا الخ ملخصًا۔ ردالمحتار میں ہے کہ مجلس کی تبدیلی ایسی چیز سے ہوگی جو پہلی بات کو منقطع کردے اور دوسرے کام میں مصروف کردے الخ۔ اور اسی میں ہے مجلس سے کھڑا ہوجانا اس میں اعراض کے لئے دلیل بھی ہونی ضروری ہے اھ، اسی میں ہے پہلے بات سے ہٹ کر کوئی اجنبی بات کرنا اعراض کی دلیل ہے اھ(ت)

الفاظِ سوال یہ ہیں کہ فارغ خطی لکھ کر لایا لکھوایا جس سے ظاہر ہے کہ پسر نے اسی جگہ فارغ خطی نہ لکھی بلکہ وہاں سے اٹھ کر جانے کے بعد تحریر ہوئی، اب اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ کاغذ مذکور پسر نے اپنے ہاتھ سے لکھااور اس سے پہلے کسی غیر کام میں مصروف نہ ہوا یہ اٹھ کر جانا بضرورت قلم یادوات یاکاغذ لینے کے تھا یہ اشیاوہاں موجود نہ تھیں جب تو یہ تحریر اسی اختیار کی بناء پر واقع ہوئی اور پسر کے لکھتے ہی شاہد النساء پر ایک طلاق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۹۳

[2] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۷

[3] ردالمحتار باب تفویض الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

[4] ردالمحتار باب تفویض الطلاق داراحیاء التراث العربی ۲/ ۴۷۷

[5] ردالمحتار باب تفویض الطلاق داراحیاء التراث العربی ۲/ ۴۷۷

بائن پڑ گئی، عبدالغفور خاں کااس تحریر کوپڑھنا سُننا کچھ ضرور نہ تھا،

فانه انما عمل بموجب التفويض والمفوض مملك والمملك يعمل بمشية نفسه من دون توقف على رضا المملك بالكسر حتى لو رجع بعد ماملك لم يملك الرجوع كما تقدّم۔	کیونکہ اس نے تفویض کے مطابق عمل کیا ہے،اور جس کو تفویض کیا گیا ہو وہ مالک بنادیا جاتا ہے اور جس کو مالک بنایا گیا ہو وہ اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے اور مالک بنانے والے کی مرضی پر موقوف نہیں رہتا، حتی کہ جب کسی کومالک بنادیا تو اب مالک بنانیوالا واپس لینے کا مالک نہیں رہتا، جیسا کہ پہلے گزرا۔(ت)

اور اگر یہ اٹھ کر جانا بے ضرورت یا ضرورت تحریر سے جدا کسی اور غرض کے لئے تھا یا وُہ تحریر اس نے کسی اور سے لکھوائی تو ان صورتوں میں اُس اختیار کی بناء پر نہ ہُوا بلکہ ایک فضول واجنبی کا لکھنا تھا،

فان المفوض اليه بفصل اجنبي يصير اجنبيا، وهو انما فوض اليه التطليق دون التوكيل كما ان الوكيل بالطلاق لايملك ان يوكل غيره اويجيز مافعل غيره كمانص عليه في الانقروی من الخانية۔	جس کو کوئی اختیار سونپا جائے تو اجنبی شخص سے دخل کی وجہ سے وہ بھی اجنبی ہو جاتا ہے کیونکہ مالک نے اس کو طلاق دینے کااختیار سونپا ہے نہ کہ دوسرے کو وکیل بنانے کا اختیار سونپا، جس طرح وکیل بالطلاق دوسرے کو وکیل بنانے کا مجاز نہیں اور نہ ہی وہ دوسرے کے عمل کے اس میں جائز کرسکتا ہے جیساکہ انقروی نے خانیہ سے نقل میں اس کی تصریح کی ہے۔(ت)

اور فضولی شخص جسے شوہر کی طرف سے امر یا اذن تحریر نہیں یا نہ رہا وُہ اگر عورت کی طلاق لکھ لائے تواس کا نفاذ اجازتِ شوہر پر موقوف رہتا ہے اگر وہ اس کے مضمون پر مطلع ہو کر اس تحریر کو نافذ کردے مثلاً صراحۃً کہہ دے کہ میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا نفاذ دیا کوئی فعل ایسا کرے جو نافذ کرنے پر دلیل ہو مثلاً اس پر اپنے دستخط کردے یا اپنی طرف سے عورت کے پاس روانہ کرے یا بھیجنے کو کہے تو وہ تحریر نافذ ہو جاتی اور گویا خود شوہر کی تحریر قرار پاتی ہے ورنہ نہیں،

فی البزازية قبيل مسائل المجازاة كتب غيرالزوج كتاب الطلاق وقرأه على الزوج فاخذه وختم عليه اوقال لرجل ابعث هذاالكتاب اليها فهذا بمنزلة كتابته	بزازیہ میں اجازت کے مسائل سے تھوڑا پہلے ہے کہ زوج کے غیر نے طلاق نامہ لکھااور پھر اس کو خاوند پر پڑھاتو خاوند نے لے کر اس پر مہر لگائی یا دوسرے کسی شخص کو کہا یہ طلاق نامہ میری بیوی کو جاکردے دو، تو یہ کارروائی ایسے ہی ہو گی جیسے خاوند نے خود

بنفسه[1]اھ. ومثله فی الخلاصة قلت ولعل هذاهو محمل مافی الهندیة عن المحیط عن المنتقی وفی ردّالمحتار عن التاترخانیة ان کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لایقع الطلاق به اذالم یقرانه کتابه [2]اھ فان الاقرار کما یکون صریحا فکذالك دلالة۔	طلاق نامہ لکھا ہو اھ، اور خلاصہ میں بھی ایسا ہے قلتّ (میں کہتا ہوں) ہندیہ میں محیط سے اور انہوں نے منتقٰی سے اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے جو ذکر کیا کہ جو طلاق نامہ خاوند نے خود نہ لکھا نہ لکھوایا تو اس سے طلاق نہ ہوگی تاوقتیکہ خاوند اس تحریر کی تصدیق نہ کردے کہ یہ میری کارروائی ہے، تو بزازیہ کی مذکورہ عبارت کا محمل بھی یہی ہے کیونکہ جس طرح اقرار صراحتًا ہوتا ہے یونہی دلالۃً بھی ہوسکتا ہے(ت)

اور پُرظاہر کہ تنفیذ کے لئے صرف مضمون پر مطلع ہونا درکار ہے اور وُہ اس میں منحصر نہیں کہ حرف بحرف اسے پڑھوا کر سنے بلکہ آپ پڑھ لے یا دیکھ لے یا دوسرا پڑھ دے یا اس کا خلاصہ مضمون بتادے ہر طرح حاصل ہے۔

فقول البزازیة قرأه علی الزوج غیر قید بل تصویر لاطلاع الزوج علی مافیه فانه لامعنی لتنفیذ ما لایدری۔	تو بزازیہ کا قول کہ "خاوند پر پڑھے اور سنائے" قید نہیں ہے بلکہ خاوند کو طلاق نامہ کی تحریر پر اطلاع کی ایک صورت ہے کیونکہ خاوند کے علم کے بغیر اس کی طرف سے کارروائی بے معنٰی ہے(ت)

اشباہ میں ہے:

قال فی فتح القدیر وصورته ان یکتب الیها یخطبها فاذا بلغها الکتاب احضرت الشهودوقرأته علیهم وقالت زوجت نفسی منه، او تقول ان فلانا کتب الی یخطبنی فاشهدوا انی قدزوجت نفسی منه، امالولم تقل	فتح القدیر میں فرمایا: اس کی صورت یہ ہے کہ مرد عورت کو خط لکھے اور اس نکاح کے پیغام کو کوئی لے جاکر عورت کو پیش کرے، عورت گواہوں کو حاضر کرکے انہیں خط سنائے اور پھر یُوں کہے کہ میں نے فلاں سے اپنا نکاح کیا، یایُوں کہے کہ فلاں نے مجھے منگنی کا پیغام لکھا ہے تو تم گواہ بن جاؤ کہ میں نے اپنا نکاح اس سے کردیا ہے۔ لیکن اگر عورت نکاح کا پیغام

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش ہندیہ نوع آخر التوکیل والکنایۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۸۵/۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۸۵/۴

بحضرتهم سوی زوجت نفسی من فلان لاینعقد لان سماع الشطرین شرط باسماعهم الکتاب اوالتعبیرعنه منهاقد سمعوا الشطرین بخلاف مااذا انتفیا[1]۔	سنائے بغیر مجلس میں موجود گواہوں کو صرف یہ کہے کہ میں نے اپنا نکاح فلاں سے کر دیا ہے تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ گواہوں کا ایجاب اور قبول دونوں باتوں کو ایک مجلس میں سننا ضروری ہے، تو عورت کا گواہوں کو منگنی کا خط سنانا یا منگنی کو فلاں کی طرف سے ذکر کرنا اور پھر اپنی طرف سے قبولیت کو ذکر کرنے سے نکاح کے دونوں رکن گواہوں نے ایک مجلس میں سُن لئے، اس کے برخلاف اگر یہ چیز منتفی ہو تو نکاح نہ ہوگا۔(ت)

اور بلاشبہ قاعدہ عامہ یہی ہے کہ جو شخص کوئی کاغذ لائے اور دوسرے سے اس پر دستخط یا مہر کرائے تو اگر وُہ حرف بحرف پڑھ کر نہ سنائے گا تو حاصل مضمون ضرور بتائے گا یا وہ نہ بتائے تو یہ مہر کرنے والا پوچھ لے گا کہ اس میں کیا لکھا ہے پس اگر ایسا ہی ہوا اور عبدالغفور خاں نے اس کے مضمون پر مطلع ہو کر مہر کی تو اب وقت مہر سے شاہد النساء پر طلاق پڑ گئی اور شاید اس کے خلاف ہی واقع ہوا اور بے اطلاع مضمون مہر کر دی تو البتّہ طلاق نہ ہوئی، بالجملہ اگر یہ پچھلی صورت واقع ہے جب تو شاہدالنساء بدستور نکاح نکاح عبدالغفور خاں میں ہے اور اگر وہ پہلی دو ۲ صورتیں واقع ہوئیں تو ایک صورت پر تحریر پسر اور دوسری صورت پر مہر کرنے کے وقت طلاق پڑی بہر حال ایک طلاق سے زائد نہ ہوئی اگر اس سے پہلے کبھی دو ۲ طلاقیں نہ دے چکا تھا تو بے تکلّف اس سے نکاح کر سکتا ہے حلالہ کی کچھ حاجت نہیں، **هذا کله ماظهر للعبد الضعیف والعلم بالحق عندالخبیر اللطیف** (یہ تمام وہ ہے جو اس عبد ضعیف (مصنف) پر ظاہر ہوا، جبکہ حقیقت کا علم علیم خبیر کے پاس ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳: از مانگرول بندر کاٹھیاواڑ تائی باڑی مرسلہ فتح محمد بن نور محمد جمعدار ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

حضرت قبلہ گاہ مولٰنا صاحب سلمہم اللہ تعالٰی از جانب مانگرول بندر فدوی خاکسار فتح محمد ابن نور محمد جمعدار کے از حد آداب و تسلیمات کے واضح ہو کہ میں نے میری عورت کو پڑوسی کے ساتھ تکرار کرنے میں منع کرنے سے نہ ماننے کے سبب غصّہ میں طلاق فارقتی لکھ کے اس کی والدہ کے اس کو فارقتی بھیج دی، پھر بہت پچھتایا، ایک اور بچّہ بھی صغیر برس روز کا ساتھ ہے اس کے بعد دونوں کو تڑپ بے حد ہے

[1] الاشباہ والنظائر احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۶-۱۹۷

وُہ رات روز رو رہے ہیں اور فارقتی لکھ کر دی ہے اور منہ سے کچھ بھی نہیں کہا ہے، آخر اس کے رونے پر اور میرا بچّہ چھوٹا سا تھ ہونے پر پھر گھر میں لانے کا خیال کیا ہے ہمارے یہاں کے عالموں میں مولوی احمد سے دریافت کیا تو فرماتے ہیں کہ سوا حلالہ کے درست نہیں ہو سکتی اور مولوی محمود انتقال کر گئے اب آپ اس میں جو حکم فرمایئے سو کیا جائے گا۔

سُوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے اپنی زوجہ کو بباعث کسی منازعت کے حالتِ غصّہ میں اس کے والدین کے گھر جانے کے بعد ایک ورقہ میں مبہم بلاعدد لفظ طلاق کے یوں لکھا کہ طلاق دے کر فارقتی دیتا ہوں، جواب بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دو ۲ طلاقیں ہو گئیں، حلالہ کی کوئی حاجت نہیں، اگر اس طلاق کے بعد عدّت گزر گئی ہے یعنی تین حیض شروع ہو کر ختم ہو گئے جب تو عورت کی رضامندی سے اس کے ساتھ نکاح کرلے اور اگر عدت باقی تو دو صورتیں ہیں اگر فارقتی دینا وہاں کے محاورہ میں طلاق کے الفاظ صریحہ سے سمجھا جاتا ہے جیسا کہ یہاں کی بعض اقوام میں ہے کہ عورت کی نسبت اس کے کہنے سے طلاق ہی مفہوم ہوتی ہے جب تو دو ۲ طلاقیں رجعی ہوئیں کہ عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے مثلاً زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی بشرطیکہ اس سے پہلے کبھی ایک طلاق نہ دے چکا ہو ورنہ بیشک اب تین ہو گئیں اور اب بے حلالہ جائز نہیں، اور اگر یہ لفظ وہاں صریح نہیں سمجھا جاتا تو دو طلاقیں بائن ہوئیں، عورت نکاح سے نکل گئی مگر اس کی رضا کے ساتھ دوبارہ اس سے نکاح کر سکتا ہے خواہ عدّت گزری ہو یا نہیں اسی شرط پر کہ اس سے پہلے کوئی طلاق نہ دی ہو یہ سب اس صورت میں کہ فارغ خطی سے اس نے وہ کاغذ مراد نہ رکھا ہو اور اگر یہ مقصود ہے کہ طلاق دے کر یہ اس کی سند بھیجتا ہوں تو اس صورت میں ایک ہی طلاق رجعی ہوگی کہ عدّت کے اندر رجعت کر سکتا ہے جب کہ پہلے کبھی دو ۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۴: از دفتر مدرسہ رحمانیہ پیلی بھیت مرسلہ مولوی فضل حق صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور اس کے سسرالیوں میں رنجش کے ساتھ گفتگو ہو رہی تھی اس درمیان میں ہندہ جو زوجہ زید تھی اس کے چھوڑ دینے کی بات چھڑ گئی اور زید سے کہا گیا کہ اس روز روز کے جھگڑے سے چھوڑ دو، زید نے کہا تم کل چُھڑاتی ہو میں ابھی چھوڑتا ہُوں۔ اس اخیر جملہ کی تین بار یا اس سے زیادہ تکرار کی ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں اور کس قسم کی طلاق پڑی؟ بحوالہ کتب سے

عبارت جواب کا جلد اُمیدوار ہوں۔

الجواب:

تین طلاقیں مغلظہ ہو گئیں، محیط وذخیرہ وخلاصہ وہندیہ کی تصریحات کے علاوہ ذی علم پر یہ مسئلہ بدیہیات سے ہے تو وہ اس پر حوالہ وعبارت طلب نہ کرے گا، اور جاہل کا حوالہ وہ بھی مع عبارت طلب کرنا سوءِ ادب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: از پیلی بھیت محلّہ عبداللطیف خاں مسئولہ پیارے ۱۹ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خُسر اور داماد میں لڑائی ہونے پر داماد کہے کہ اگر تم کل چھوڑواتے ہو تو میں آج ہی چھوڑتا ہوں، اس لفظ کے کہنا پر طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

طلاق رجعی ہو گئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶: از شہر کانپور اے بی روڈ، دکان جناب حافظ پیر بخش صاحب سوداگر مسئولہ ولی محمد صاحب ۱۷جمادی الاخری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ کو رخصت کرانے کے لئے جب اپنے سسرال گیاتواس کی خوشدامن نے کہا کہ ہم لڑکی کو رخصت نہیں کریں گے بلکہ ہم قصہ ختم کرنا چاہتے ہیں، اس پر زید نے اپنی خوشدامن سے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ میرا آنا آپ لوگوں کو بہت ناگوارا ہوا، پھر خوشدامن نے کچھ ایسے الفاظ کہے جس سے اس کا منشاء یہ تھا کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق دے دے، اس پر زید نہایت برہم ہوا، اور کہا کہ اگر میں پسند نہیں ہُوں تو دوسرے سے نکاح کردو، اس کے جواب میں خوشدامن نے کہاہاں تو پسند نہیں ہے، آیاایسی صورت میں زید کی زوجہ کو طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر بہ نیّتِ طلاق تھاایک طلاق بائن گئی، اور اگر بقسم کہے کہ میری نیّت طلاق کی نہ تھی قبول کرینگے اور وقوعِ طلاق کا حکم نہ دیں گے۔ عالمگیریہ میں عنایہ سے ہے:

لوقال تزوجی ونوی الطلاق اوالثلاث صح وان لم ینوشیئالم یقع۔[1]	اگر خاوند بیوی کو کہے کہ تو نکاح کرلے، طلاق کی نیت یا تین طلاقوں کی نیت کی ہونیت کے مطابق ایک یا تین طلاقیں صحیح ہوں گی اور اگر کچھ نیت نہ کی تو واقع نہ ہو گی (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶

ردالمحتار میں شرح جامع صغیر امام قاضی خاں سے ہے:

لوقال اذهبی فتزوجی وقال لم انو الطلاق لایقع شیئ لان معناه ان امکنک [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کچھ نیت نہ کی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس کے کہنے کا مقصد یہ ہوگا کہ تجھے ممکن ہو تو نکاح کر (جبکہ طلاق کے بغیر ممکن نہیں، تو طلاق نہ ہوگی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۷: از موضع نان ٹوڈاکخانہ اکبرآباد ضلع علی گڑھ مسئولہ محمد تحسین علی صاحب یکم رجب المرجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بدچلنی اور بدکاری کے الزام لگائے اور اس سے کہا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا تُو میرے کام کی نہیں مگر زید کہتا ہے کہ میں نے ہرگز طلاق نہیں دی، تو کیا اس صورت میں ادائے لفظِ طلاق زید کی بیوی زید کے نکاح سے خارج ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو دو ۲ طلاقیں بائن ہوگئیں، عورت نکاح سے خارج ہوگئی، اگر پہلے کبھی اسے کوئی طلاق نہ دی تھی تو عورت کی مرضی سے اس سے دوبارہ جدید مہر کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور پھر کبھی ایک طلاق دے گا تو تین ہوجائیں گی اور بے حلالہ نکاح نہ کرسکے گا، اور اگر اس وقت عورت اس سے دوبارہ نکاح پر راضی نہیں تو یہ اس پر جبر نہیں کرسکتا، اور اگر پہلے کبھی ایک طلاق اسے دے چکا تھا تو ابھی تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا،

وذلك لان اللفظ الاول صریح والثانی کنایة یحتمل السب وقدصار الحال باللفظ الاوّل حال المذاکرة فوقع به بائن فجعل الاوّل ایضًا بائنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اسلئے کہ پہلا لفظ طلاق میں صریح ہے، اور دوسرا کنایہ ہے جو کہ ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتا ہے جبکہ پہلے لفظ کی وجہ سے مذاکرہ طلاق کی حالت ہوگئی تو اس قرینہ کی وجہ سے کنایہ کا لفظ بھی طلاق بائنہ قرار پائے گا جس کی وجہ سے صریح طلاق بھی بائنہ کے حکم میں ہوجائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۸: از پیلی بھیت محلّہ پکریا مسئولہ بشیر احمد صاحب ۱۵رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی زید جس کی علمی لیاقت علم عربی میں قریب دستاربندی ہے اب بیوی کو چند بار یہ الفاظ بحالت صحت نفس کہے کہ میں تم کو خوشی سے اجازت دیتاہوں کہ جہاں تمہارا

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۷۴

دل چاہے چلی جاؤ خواہ تم دوسرا خاوند کرلو خواہ بلاخاوند رہو، مگر بی بی چند بار یہ الفاظ سُن کر بھی خاموش تھی تو کچھ دن کے بعد یہ کہا کہ مجھ کو افسوس ہے کہ کیسی بے حیا عورت ہے کہ میں خوشی سے اجازت چلے جانے کی دیتاہوں اور میرا پیچھا نہیں چھوڑتی جب بی بی پر یہ ملامت ڈالی تو بی بی نے جانے کی تیاری کی تو زید نے کاغذات دیہہ زمینداری بی بی جس کا زید کارکن تھا حوالہ کردئے تواب اس مسئلہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور بیوی اب زید سے راضی نہیں ہے اور زید سے قطع تعلق کرتی ہے۔

الجواب:

یہ الفاظ کنایہ ہیں نیّت پر حکم ہے، اگر زید نے بہ نیّت طلاق کہے ایک طلاق ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی، اس سے بلاحلالہ اس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے جبکہ اس سے پہلے اس عورت کو دو ۲ طاقیں نہ دے چکاہو، اور اگر وُہ قسم کھا کر انکار کردے کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیتِ طلاق نہ کہے تھے تو طلاق نہ مانی جائے گی، اگر زید جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر رہے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۹: از آرہ مسئولہ مولوی عبدالغفور صاحب ۱۳ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی بی بی منکوحہ زینب سے کہا بصورت نااتفاقی کہ ہم تمہارے ہاتھ کا کھانا نہیں کھائیں گے، تب اس پر بی بی مذکور نے کہا کہ جب کھانا نہیں کھاؤگے تو ہم کو صفائی دے دو تب زید نے کہا کہ صفائی دے دیا بی بی نے کہا صفائی دے دیا تو پھر کہا کہ صفائی دے دیا پھر بی بی نے کہ صفائی دے دیا تو پھر کہا صفائی دے دیا تو بی بی نے کہا کہ تب ہم کہیں چلے جائیں تو زید نے کہا کہ کہیں چلی جاؤ اس صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوا کہ نہیں اگر طلاق واقع نہیں ہوا تو کیا دلیل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں، **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں طلاقِ مغلّظ تو کسی طرح نہ ہوئی **فان البائن لایلحق البائن**[1] **کما فی المتون** (کیونکہ بائنہ طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی، جیساکہ متون میں ہے۔ت) ہاں اگر ان چار لفظوں میں جو زید نے کہے اگر کسی ایک لفظ یا دو تین یا چاروں سے عورت کو طلاق دینے کی نیت زید نے کی تو ایک طلاق بائن ہوگئی عورت نکاح سے نکل گئی عورت کی رضا سے اس سے نکاح دوبارہ کرسکتا ہے اور اگر اصلاً کسی لفظ سے نیتِ طلاق نہ کی تو وُہ بدستور اس کی زوجہ ہے طلاق نہ ہوئی، درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

اذھبی یحتمل رداونحوخلیة بریة یصلح سبا (الی قوله) فی الغضب توقف الاولان ان نوی وقع والالا۔[1]	اس لئے کہ یہ جواب بھی بن سکتا ہے اور تُو جدا ہے، تو بری ہے، یہ الفاظ ڈانٹ کا احتمال رکھتے ہیں اس کے قول کہ "غصہ میں پہلے دونوں الفاظ موقوف رہیں گے، اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں" تک۔(ت)

مبسوط امام سرخسی میں ہے:

وعن ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی انه الحق بھذه الالفاظ خلیت سبیلک، فارقتک، لاسبیل الیک، لاملك لی علیك لانها تحتمل السب۔ ای لاملك لی علیك لانك ادون من ان تملکی وفارقتك اتقاء لشرك وخلیت سبیلك لھوانك علیّ[2] (ملخصًا)	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ "میں نے تیرا رستہ کھول دیا" "میں تجھ سے جدا ہو" اور "میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں" کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ یہ الفاظ ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں یعنی "میری تجھ پر ملکیت نہیں" کا یہ معنٰی بھی ہوسکتا ہے کہ تو اس قابل نہیں کہ میں تیرا مالک بنوں، اور میں تجھ سے جدا ہوا یعنی تیرے شر سے جدا ہوں، میں نے تیرا راستہ کھولا کیونکہ میرے ہاں تو حقیر ہے(ملخصًا) (ت)

فتح القدیر میں ہے:

یدین فی الغضب لان ھذه الالفاظ تذکر للابعاد وحالة الغضب یبعد الانسان عن الزوجة۔[3]	غصہ میں ان الفاظ کے متعلق خاوند کی تصدیق کی جائیگی کیونکہ یہ الفاظ دور کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جبکہ غصّہ کی حالت میں انسان بیوی سے دور رہتا ہے۔(ت)

یہ بات کہ ان میں اصلاً کسی لفظ سے طلاق کی نیّت نہ کی تھی اگر زید قسم کھا کر کہہ دے قبول کرلیں گے اور حکمِ طلاق نہ دیں گے اگر زید جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر ہوگا یہ قسم گھر میں عورت بھی کرسکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

ویکفی تحلیفها له فی	عورت کا مرد سے گھر قسم لینا

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵۔۲۲۴

[2] مبسوط امام سرخسی باب ماتقع به الفرقة الخ دار المعرفة بیروت ۶/۸۱

[3] فتح القدیر فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۴۰۲

منزلہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۰: ازمارہرہ مطہرہ مسئولہ حافظ عبدالکریم صاحب ۲۵ محرم ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس امر کے ایک شخص نے اپنی خواشدامن وخسر ونیز رُوبرو چند عورات دیگر کے یہ کہاکہ میں تمہاری دختر سے لادعوی ہوتا ہوں تم اس کو بُلالو ورنہ میں اس کو بے عزّت کرکے نکال دوں گا۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں اگر اس نے ان لفظوں سے کہ "میں تمہاری دختر سے لادعوی ہوتا ہوں" طلاق دینے کا قصد کیا تھا اور بہ نیت طلاق یہ کلام کہا تھا تو طلاق واقع ہوگئی ورنہ نہیں۔ فتاوٰی امام خیر الدین رملی میں ہے:

سئل فی رجل ضرب زوجتہ فلامہ اھلھا فقالت انت مجارۃ انی مااقربك غیرنا وطلاقا ھل تطلق بھذا القول ام لا (اجاب) لاتطلق، ففی الخانیۃ فی قولہ لاملك لی علیک، لاسبیل لی علیك خلیت سبیلک، الحقی باھلک، لوقال ذٰلك فی حال مذاکرۃ الطلاق اوفی الغضب وقال لم انوبہ الطلاق یصدق قضاء فی قول ابی حنیفۃ وقال ابویوسف لایصدق ومعنی انت مجارۃ انت منتقذۃ معاذۃ مما تکرھینہ وھو قریب من معنی ھذہ الالفاظ[2] واللہ اعلم انتھی **اقول:**	ان میں سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو پیٹا تو خاوند کو بیوی کے گھر والوں نے ملامت کی، اس پر خاوند نے بیوی کو کہاکہ "تو محفوظ ہوگئی میں تیرے قریب نہ ہُوں گا" طلاق کی نیت نہ کی ہو تو کیا اس بات سے طلاق ہوجائے گی یا نہیں، جواب میں انہوں نے فرمایا طلاق نہ ہوگی۔ تو خانیہ میں ہے: خاوند کا بیوی کو کہنا، تجھ پر میری ملکیت نہیں، تجھ پر مجھے کوئی چارہ نہیں، تیرا راستہ میں نے کھول دیا" یا کہا" تو اپنے گھر والوں کے ہاں جا"۔ اگر یہ الفاظ مذاکرہ طلاق یا غصہ میں کہے اور بیان کیا کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک قضاءً خاوند کی بات مان لی جائے گی، اور امام ابویوسف کے نزدیک قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی" تو مجارہ" کا معنٰی تو بچی ہوئی پناہ میں ہے اس چیز سے جس کو تو ناپسند کرتی ہے، اور یہ لفظ اوپر مذکورہ الفاظ کے قریب ہے واللہ تعالٰی اعلم انتہی **اقول:**

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/۵۱

وانت تعلم ان مسئلتنا هذه اقرب الی المنصوص من مسئلة الخیریة کما لایخفی۔	(میں کہتا ہوں کہ) ہمارا زیر بحث مسئلہ خیریہ میں بیان کردہ مسئلہ کے زیادہ قریب ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔(ت)

پس اگر وُہ قسم کھا کر کہہ دے کہ ان لفظوں سے میں نے طلاق دینے کی نیت نہ کی تھی قبول کرلیں گے اور وقوعِ طلاق کا حکم نہ دیں گے،

فی الدر المختار القول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبی[1]۔	درمختار میں ہے: نیت ہونے نہ ہونے میں خاوند کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور اس سے گھر میں ہی حلف لے لینا کافی ہے اور اگر وہ حلف دینے سے انکار کرے تو بیوی معاملہ کو حاکم کے ہاں پیش کرسکتی ہے تو اگر وہاں بھی حلف سے انکار پر مصر رہے تو پھر حاکم خاوند بیوی میں تفریق کردے، مجتبٰی۔(ت)

ہاں اگر واقع میں اس نے نیت طلاق کی تھی اور اب جُھوٹی قسم کھالی تو عنداللہ طلاق ہوگئی مگر اس کا وبال شوہر پر ہے، عورت پر الزام نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۱: از بریلی صدر مسئولہ شیخ عبدالخالق ۱۷ محرم شریف ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عبدالخالق نے اپنی عورت کو طلاق نامہ لکھا اور اس دستاویز میں ان الفاظ سے طلاق لکھی "میں لادعوی ہُوں یہ عورت جہاں چاہے شادی کرلے" ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر عبدالخالق پھر اسے نکاح میں لانا چاہے تو ضرورتِ حلالہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب کہ طلاق لکھنے کی نیت سے یہ الفاظ لکھے ہوں عورت پر ایک طلاق ہوگئی وہ نکاح سے نکل گئی، اب اس سے نکاح کرے تو صرف نکاح جدید برضائے زوجہ کافی ہے حلالہ کی کُچھ حاجت نہیں اگر اس سے پہلے کبھی اسے دو۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۲: مرسلہ حکیم احمد حسین صاحب محلّہ طویلہ ۷ شوال ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ میاں بی بی میں باہم جھگڑا رہتا تھا اکثر اسے

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

تکلیف دیتا اور مارتا ایکدن اس سے زیور مانگا اس نے انکار کیا کہا تجھے چاقو سے مارڈالوں گا ہندہ بخوفِ جان والدین کے یہاں چلی آئی شوہر نے چوری کا الزام بھی لگایا اور تھانہ میں رپٹ کا ارادہ کیا لوگوں نے سمجھایا اس وقت یہ گفتگو ہُوئی جو لکھی جاتی ہے، ناصح کیا فضیحت کراؤگے۔ زید: وُہ میری بیوی ہی نہیں رہی فضیحت کیسی۔ ناصح: دیکھو لغو باتیں نہ کرو۔ زید: جب وہ میری بلا اجازت چلی گئی میرے نکاح سے باہر ہے اور وُہ میرے کام کی نہ رہی مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں۔ ناصح: دیکھو کنایہ اشارہ سے بھی طلاق ہوجاتی ہے ذرا سوچ سمجھ کر کہو تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔ زید: مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں نہ وُہ میری بیوی ہے۔ آیا اس گفتگو سے وُہ عورت مطلّقہ ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زید کا پچھلا قول کہ "نہ وُہ میری بیوی ہے" مذہبِ مختار پر اصلاً الفاظ طلاق سے نہیں یہاں تک کہ بہ نیتِ طلاق بھی کہے تاہم واقع نہ ہوگی۔ عالمگیری میں ہے:

لوقال تُوزنِ من نئی لایقع وان نوی هو المختار کذافی جواهر الاخلاطی[1]۔	اگر کہا تُو میری بیوی نہ ہے، تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہی قول مختار ہے، جیسا کہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ (ت)

اسی طرح "مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں" یہ بھی لفظِ طلاق نہیں کہ غرض بمعنی شوق مستعمل ہے **کما فی القاموس** (جیسا کہ قاموس میں ہے۔ت) یا قصد وخواہش **کما فی المنتخب** (جیسا کہ منتخب میں ہے۔ت) یا حاجت **کما فی شروح النصاب** (جیسا کہ شروح النصاب میں ہے۔ت) اور ان اشیاء کی نفی سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیت طلاق اطلاق کرے۔ عالمگیری میں ہے:

لو قال لاحاجة لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق کذافی السراج الوهاج اذا قال لااریدك اولااحبك اولااشتهیك اولارغبة لی فیك فانه لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفة رحمه اللهتعالٰی کذافی البحر الرائق[2]۔	اگر کہا "مجھے تیرے بارے کوئی حاجت نہیں" اور طلاق کی نیت کی ہو تو بھی طلاق نہ ہوگی، سراج وہاج میں ایسے ہی ہے۔ اور کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" "میں تجھے پسند نہیں کرتا" "تیرے بارے مجھے رغبت نہیں" اگر نیت ہو تب بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک طلاق نہ ہوگی، بحر الرائق میں یُوں ہی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

اسی میں ہے:

رجل قال لامرأته مرا بکار نیستی ونوی به الطلاق لایقع کذا فی الظهیریة۔[1]	کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "تُومیرے لئے کام کی نہیں" تو نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

ہاں "وہ میری بیوی ہی نہ رہی" کنایات طلاق سے ہے۔عالمگیری میں ہے:

لوقال صرت غیر امرأتی فی رضاأو سخط تطلق اذا نوی کذا فی الخلاصة[2]۔	اگر خاوند نے رضایا ناراضگی میں کہا "تومیری بیوی نہ رہی" اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہو جائے گی، جیسا کہ خلاصہ میں ہے(ت)

اسی طرح یہ لفظ بھی کہ "وہ میرے نکاح سے باہر ہے" صریح نہیں کنایہ ہے،

لان الخروج من النکاح یکون بالطلاق وبکل فرقة جاءت من قبله کتقبیله بنتها اومن قبلها کتقبیلها ابنه وغیر ذٰلک،فلم یتعین لافادة الطلاق وصار کقوله لم یبق اولیس بینی وبینك نکاح بل هما عبارتان عن معنی واحد،وهذایتوقف علی النیة فکذاذاک۔	کیونکہ نکاح سے خروج، طلاق کے ساتھ اور دیگر وجوہ سے بھی ہو سکتا ہے۔مثلاً خاوند بیوی کی بیٹی کا (شہوت کے ساتھ) بوسہ لے یا بیوی خاوند کے بیٹے کا اسی طرح بوسہ لے یا اس کے علاوہ بھی کئی طرح سے فرقت کے اسباب ہو سکتے ہیں، لہٰذا یہ لفظ طلاق کے لئے خاص نہ رہا، جب وُہ کہے "نکاح باقی نہ رہا" یا "تیرے میرے درمیان نکاح نہیں ہے" بلکہ یہ دونوں ہم معنی ہیں تو نیت پر موقوف ہوں گے، یہ بھی ایسا ہے(ت)

عالمگیری میں ہے:

لوقال لها لانکاح بینی وبینك اوقال لم یبق بینی وبینك نکاح یقع الطلاق اذا نوی[3]۔	اگر کہا "تیرے میرے درمیان نکاح باقی نہیں رہا" اگر نیت ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔(ت)

یوں ہی "وہ میرے کام کی نہ رہی" بھی کنایات سے ہے **کما حققناہ فی ماعلقناہ علی ردالمحتار**

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

(جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق ردالمحتار کے حاشیہ میں کردی ہے۔ت) مگر سوقِ کلام سے ظاہر یہ ہے کہ زید نے یہ الفاظ بطور اخبار کہے، نہ نیتِ انشائے طلاق۔ تیسرا لفظ دوسرے پر معطوف ہے اور دوسرا پہلے کی شرح وبیان علّت، اور اس اخبار کا مبنٰی وُہ غلط گمان جو عوامِ زمانہ میں شائع ہے کہ عورت بے اجازتِ شوہر گھر سے چلی جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے اور جو اخبار واقرار طلاق بربنائے غلط فہمی مسئلہ ہو دیانۃً اصلاً مؤثر نہیں،

فی الخیریۃ عن الاشباہ عن جامع الفصولین والقنیۃ ،اذااقر بالطلاق بناء علی ماافتی بہ المفتی ثم تبین عدم الوقوع فانہ لایقع[1]۔	خیریہ میں اشباہ سے اور وہاں سے جامع الفصولین اور قنیہ سے منقول ہے کہ اگر مفتی کے فتوی کی بناپر طلاق ہونے کا اقرار کیا تو پھر معلوم ہوا کہ طلاق نہ ہوئی، تواس اقرار کو طلاق نہ قرار دیا جائے گا۔(ت)

خیر بہر حال مدارِ کار نیت پر ہے، اگر زید نے ان تینوں لفظوں میں کُل یا بعض کسی سے طلاق دینے کا قصد کیا تھاتوایک طلاق بائن واقع ہوئی کہ عورت راضی ہوتواب یا عدت کے بعد جب چاہے بے حلالہ اس سے نکاح کر سکتی ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لایلحق البائن البائن بان قال لھا انت بائن ثم قال لھا انت بائن لایقع الاطلقۃ واحدۃ بائنۃ[2]۔	اگر کہا، تجھے ایک بائنہ طلاق،اس کے بعد دوبارہ کہا تجھے بائنہ طلاق، تو ایک ہی بائنہ طلاق ہوگی کیونکہ پہلے بائنہ کے بعد دوسری بائنہ اس کو لاحق نہیں ہوسکتی۔(ت)

اور اگر ان تین میں کسی لفظ سے طلاق دینے کی نیت نہ کی اگرچہ اخیر کے دونوں لفظ بہ نیت طلاق کہے ہوں تو اصلاً طلاق نہ ہوئی وُہ بدستور اس کی زوجہ ہے اور نیتِ طلاق نہ ہونے میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اگر وُہ بقسم کہہ دے کہ میں نے ان تینوں لفظوں میں کسی سے نیت انشائے طلاق نہ کی تھی قطعًا مان لیں گے اور انہیں زوج وزوجہ جانیں گے، اگر وہ اس قسم میں جھوٹا ہے تو وبال اس پر ہے عورت پر الزام نہیں۔ درمختار میں ہے: **القول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ**[3] (نیت نہ ہونے میں خاوند کی بات معتبر ہوگی۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۷

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۷

[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

مسئلہ ۲۸۳: از متھرا محلّہ کیشور پورہ مرسلہ حکیم توحید الحق صاحب ۲۲ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید عاقل وبالغ بفہمائش دیگر مرداں وزبردستی والدین بایجاب ہندہ رضادادہ او را بنکاح خود در آرد وخلوتِ صحیحہ بوقوع نیاید کہ ہندہ پیش مادر خود باشد وہنوز رخصت نشدہ باشد وباز پیش دوسہ مرداں صادق وعادل بناراضی بگوید کہ من بایجاب ہندہ برضا ورغبت خود اقرار ندادہ ام محض بفہمائش وزبردستی مرداں اقرار بلسان نمودم ایں نکاح من مسلّم نشدہ باز از سرِ نوخواہد شد واندراں حالت ناراضی از خویش واقارب رنجیدہ بجائے سفر نماید واز ہندہ خبرے نگیرد ونہ از قرائن واطوار او توقع بازآمدن ماند ودر انجا قاضی وشاہدان عندالایجاب اقرار بالجزم دہد کہ من ناکتخدا ام ہنوز نکاحم از کسے نگردیدہ ونہ از خویش واقارب ماکسے زندہ نہ مارا از کسے در وطن سروکارے است ونہ خواہد شد حالا ہندہ در نکاح زید ماندہ یانہ ودریں صورت چگونہ از زید آزاد گردد، فقط۔	علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں، کہ زید عاقل بالغ نے دوسرے لوگوں کی تلقین اور والدین کے جبر پر ہندہ سے ایجاب وقبول کیا اور اس سے نکاح کرلیا، اور ابھی رخصتی نہ ہوئی اور خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی کیونکہ ہندہ ابھی والدہ کے پاس ہے، اس کے بعد زید نے دو تین سچے اور عادل حضرات کے سامنے نکاح پر عدمِ رضامندی ظاہر کی اور کہا کہ میں نے ہندہ سے اپنی رضامندی اور رغبت کے ساتھ ایجاب نہیں کیا بلکہ محض دوسروں کی زبردستی کی بنا پر اور ان کی تلقین کی وجہ سے صرف زبانی رضامندی ظاہر کی تھی اس لئے یہ نکاح مجھے منظور نہیں، یہ نکاح دوبارہ ہونا چاہئے، اندریں حالات خویش واقارب کی ناراضگی ہوئی جس پر وُہ کہیں سفر پر نکل گیا اور ہندہ کی خبر تک نہ لی، اور اس کے قرائن واطوار بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وُہ واپس نہیں آئے گا، وہاں اس نے تمام گواہوں اور قاضی وغیرہ کو بالجزم یہ تاثر دیا کہ وہ ابھی کنوارہ غیر شادی شدہ ہے اور کسی سے اس کا نکاح نہیں ہوا، اور یہ بھی تاثر دیا کہ میرے خویش واقارب میں کوئی بھی زندہ نہیں رہا اور میرا اب وطن سے کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ ہی ہوگا۔ تو مذکورہ حالات میں ہندہ ابھی زید کے نکاح میں ہے یا نہیں؟ اور اس صورت میں زید سے ہندہ کا چھٹکارا کیسے ہو؟ فقط۔

الجواب:

درصورتِ مستفسرہ بقطع نظر از انکہ تحقق اکراہ شرعی معلوم نیست جبر واکراہ در بارہ نکاح مخلِ صحت ونفاذ ولزوم نباشد فی الھندیۃ	صورتِ مسئولہ میں قطع نظر اس بات کے کہ یہ جبر واکراہ شرعی تھا یا نہیں، نکاح میں جبر واکراہ اس کے نفاذ اور لزوم کے لئے مانع نہیں ہوتا۔ ہندیہ میں ہے

تصرفات المکرہ کلھا قولامنعقدۃ عندنا وما لا یحتمل الفسخ منه کالطلاق والعتاق والنکاح فھو لازم کذافی الکافی[1] اھ ملخصاً قول او من ناکتخدا ام وہنوز باکسے نکاح نہ کردہ چیزے نیست زیراکہ جحود نکاح خبر دروغ ست واثرے ندارد فی الھندیۃ ان قال لم اتزوجك ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالاجماع کذافی البدائع ولوقال مالی امرأۃ لایقع وان نوی[2] ہمچناں قول او مرا در وطن باکسے سروکارے نیست ونخواہد بود کہ سروکار نبودن بمعنی نفی غرض وتعلق قلب ست کہ عبارت از رغبت وحاجت باشد گویا گفت باکسے غرضے ندارم یا حاجتم نیست یا پروائے کسے ندارم وایںہا خود از الفاظ طلاق نیست فی الھندیۃ لوقال لاحاجۃ لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق اذاقال لااریدك ولااحبك ولااشتھیك اولارغبۃ لی فیک، فانه لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمه اللہ تعالٰی[3] باز علماء

کہ مجبور کئے ہوئے شخص کے قولی تصرفات ہمارے نزدیک منعقد ہوجاتے ہیں اور وُہ امور جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں مثلاً طلاق، عتاق اور نکاح یہ لازم ہو جاتے ہیں جیسا کہ کافی میں ہے، ملخصاً۔ لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ میں ابھی کنوارا ہوں اور ابھی تک کسی سے نکاح نہیں کیا کوئی چیز نہیں کیونکہ نکاح کا انکار جُھوٹی خبر ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر کہے "میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا" تو طلاق کی نیت ہو تو بھی طلاق بالاجماع نہ ہوگی، جیسا کہ بدائع میں ہے، اور یُوں نہیں اگر کہے "میری کوئی بیوی نہیں" طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ زید کا یہ کہنا کہ "وطن میں میرا کسی سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہوگا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا قلبی تعلق یا غرض کسی سے نہیں ہے، جس کا معنٰی رغبت اور حاجت ہے، گویا اس نے یُوں کہا مجھے کسی سے غرض یا حاجت نہیں ہے یا مجھے کسی کی پروانہیں ہے جبکہ یہ مذکور الفاظ طلاق میں سے نہیں ہیں، ہندیہ میں ہے اگر خاوند نے کہا مجھے تجھ میں حاجت نہیں یا میں تجھے پسند نہیں کرتا، میں تیری خواہش نہیں رکھتا، مجھے تجھ سے رغبت نہیں، تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک۔ نیز علماء کرام نے فرمایا ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الاول فی تفسیر شرعاً الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

فرمودہ اند اگر گفت زنانے بغداد ہمہ طلاقہ اند وزنِ او نیزاز بغداد ست مطلّقہ نشود مگرآں کہ بالتعبیر نیت او کردہ باشد فی ردالمحتار ذکر فی الذخیرة اولا الخلاف فی نساء اھل بغداد طالق،فعندابی یوسف وروایة عن محمد لاتطلق الاان ینویھا لان ھذاامرعام [1]،وفیہ ایضا عن الاشباہ عن الخانیة الفتوی علی قول ابی یُوسف [2] (ایں جا لفظ وطن گفتہ است کہ از بلدہ وقریہ عام ترست باز تخصیص زناں ہم نہ کرد مطلق لفظ کسے گفت کہ زناں ومرداں وپسراں ودختراں ہمہ راشامل است باجملہ درصورت مسئولہ نکاح صحیح ولازم ست وطلاق ثابت نیست چارہ کارجزیں چیست کہ رجوع بحکومت کردہ آید تاطلاق رسد یا حقوق زنا شوئی مودی شود۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کہ کوئی شخص کہے بغداد کی تمام عورتوں کو طلاق ہے اور اس کی بیوی بھی بغداد میں ہوتو اس کی بیوی کو اس وقت طلاق نہ ہوگی جب تک اس لفظ سے بیوی کی طلاق کی نیت نہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے تمام بغداد والوں کی عورتوں کو طلاق تو ذخیرہ میں اوّلًا اسکے متعلق اختلاف ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک طلاق نہ ہوگی،اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ایک روایت بھی یہی ہے تاوقتیکہ بیوی کی نیت سے نہ کہے،کیونکہ یہ عام بات ہے اور اس میں اشباہ اور وہاں خانیہ سے منقول ہے کہ فتوٰی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے،زید نے وطن کہا ہے جو کئی شہروں اور قریوں پر مشتمل ہے،اور پھر اس نے خاص عورتوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف "وطن سے سروکار نہیں" کہا،تو وطن سب مردوں، عورتوں، بچّوں اور بچیوں کو شامل ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسئولہ صورت میں زید کا ہندہ سے نکاح صحیح ثابت ہے اور طلاق ثابت نہیں ہے، چھٹکارے کا چارہ کار یہی ہے کہ کسی شرعی حاکم کے ہاں رجوع کرے تاکہ وہ طلاق حاصل کرائے یا حقوق زوجیت بحال کرائے ۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۴: از پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں متصل مکان مینہ شاہ مرسلہ نظام الدین شاہ ۲۹رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت مدخولہ سے تین بار کہا "میں نے تجھے آزاد کیا" اس صورت میں نکاح قائم رہا یا نہیں؟اور اب اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

---

[1] ردالمحتار باب الطلاق غیر المدخول بہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۱

[2] ردالمحتار باب الطلاق غیر المدخول بہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۱

الجواب

یہ لفظ کہ "مرد نے عورت سے کہا" اگر ان سے طلاق کے معنی مراد نہ تھے جب تو طلاق اصلًا نہ ہوئی اور اگر بہ نیتِ طلاق کہے تو ایک طلاق پڑ گئی عورت نکاح سے نکل گئی مگر حلالہ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں، نہ اسے کچھ انتظار کی حاجت، دونوں آپس میں راضی ہوں تو اسی وقت پھر نئے سرے سے نکاح کرلیں، ہاں اگر شوہر نے خود ہی ان میں کوئی لفظ تین طلاقوں کی نیت سے کہا تو بیشک طلاق مغلظہ ہو گئی کہ اب بے حلالہ کے اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔

فی الهندیة لوقال اعتقتك طلقت بالنیة کذافی معراج الدرایة اھ[1] وفی الدر، کنایته مالم یوضع له ای الطلاق واحتمله وغیره ویقع البائن ان نواها اوالثنتین وثلث ان نواه، ولایلحق البائن اذاامکن جعله اخبارا عن الاول کانت بائن بائن او ابنتك بتطلیقة فلایقع لانه اخبار فلاضرورة فی جعله انشاء بخلاف ابنتك باخری اوقال نویت البینونه الکبری لتعذرحمله علی الاخبار فیجعل انشاء[2] اھ ملتقطا۔	ہندیہ میں ہے اگر خاوند نے کہا "میں نے تجھے آزاد کیا" تو نیتِ طلاق سے طلاق ہو جائے گی، جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے اھ اور دُر میں ہے وُہ لفظ کنایہ ہوتا ہے جو طلاق کے لئے وضع نہ ہو اور وُہ طلاق اور غیر طلاق دونوں قسم کا احتمال رکھتا ہو تو ایسے لفظ سے بائنہ طلاق ہو گی اور ایسے لفظ سے بائنہ طلاق ہو گی ایک یا دو کی نیت سے ایک، اور تین کی نیت سے تین ہوں گی اور ایسا لفظ پہلے بائنہ طلاق کو لاحق نہ ہوگا مگر جب وُہ پہلی طلاق کی حکایت کا احتمال رکھتا ہو تو اس کو خبر وحکایت ہی قرار دیا جائے گا، مثلًا یُوں کہے "تُو بائن بائن ہے" یا کہے "میں نے ایک طلاق بائنہ دی ہے" تو دوسری بائنہ واقع نہ ہو گی، کیونکہ اس کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں، اس کے برخلاف جب یُوں کہے "میں نے تجھے دوسری بائنہ طلاق دی" یا کہے "میں نے بڑی بائنہ کی نیت کی ہے" تو اس صورت میں اس کو خبر قرار دینا درست نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس کو انشاء ہی ماننا پڑے گا اھ ملتقطا (ت)

مسئلہ ۲۸۵: از بدایوں مرسلہ اعلیحضرت سیّد ابوالحسن احمد نوری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

ایک عورت سے ایک مرد اجنبی نے جبریہ زنا کیا شوہر نے سُنا تو اعتبارِ جبر نہ کرکے یہ کلمات کہے کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

"میرے کام کی نہ رہی، میں نے چھوڑدی، اگر آئے گی تو ناک کاٹ لُوں گا، جہاں چاہے چلی جائے، جو چاہے سو کرے"۔ اور اس کو عرصہ سال بھر سے زیادہ گزر گیا، آیا طلاق پڑی یا نہیں؟ وہ عورت دُوسرا نکاح کرے یا نہ کرے؟ خاوند نے باوجود فہمائش بھی رجوع نہ کیا، بدستور مقر اسی بات کا ہے جو کہی تھی الفاظِ طلاق صریح نہ تھے یہی تھے جو کہے، فقط۔

الجواب:

عورت کو چھوڑ دینا عرفاً طلاق میں صریح ہے، خلاصہ وہندیہ میں ہے:

لوقال الرجل لامرأته تراچنگ باز داشتم او بہشتم اویلہ کردم تراواپائے کشادہ کردم ترا فھذا کله تفسیر قوله طلقتك عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیة[1]۔	اگر کوئی شخص بیوی کو کہے "میں نے تیرا چنگل باز رکھا، تجھے چھوڑا ہے، تجھے جُدا کردیا ہے یا تیرے پاؤں کھول دئے ہیں، تو یہ تمام الفاظ عرفاً" تجھے طلاق دی "کے ہم معنٰی ہیں، اس لئے ان سے رجعی طلاق ہوگی اور بغیر نیت طلاق ہوگی۔ (ت)

"اور جہاں چاہے چلی جائے" کنایاتِ طلاق سے ہے کہ کلام میں تقدم طلاق صریح کے باعث وہ بھی تنقیحِ نیت کا محتاج نہ رہا،

فی التنویر کنایته مالم یوضع له واحتمله وغیرہ فلاتطلق بها الابنیة اودلالة الحال[2]۔ فی ردالمحتار المراد بها الحالة الظاہرة المفیدة المقصودة ومنها تقدم ذکر الطلاق، بحرعن المحیط[3]۔	تنویر الابصار میں ہے کہ جو لفظ طلاق کے لئے وضع نہ ہو اور طلاق وغیر طلاق کا احتمال رکھتا ہو تو ایسے لفظ سے بغیر دلالت ونیت طلاق نہ ہوگی، اس پر ردالمحتار میں ہے: دلالت سے مراد یہ ہے کہ کوئی ظاہر ایسی حالت ہو جو مقصود کے لئے مفید ہوسکے اسی قبیل سے ہے کہ ان الفاظ سے قبل طلاق کا ذکر ہوچکا ہو، بحر میں محیط سے منقول ہے۔ (ت)

اور جبکہ یہ بائنہ اس طلاق صریح رجعی سے ملی وُہ بھی بائنہ ہوگئی،

فان البائن یلحق الرجعی وبلحوقه یبطل	بائنہ طلاق جب رجعی کو لاحق ہوجائے تو اب خاوند کو

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

[3] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

خیار الرجعۃ فیصیران بائنین، کماصر حوا بہ۔	رجوع کا اختیار ختم ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں بائنہ بن جاتی ہیں، جیسا کہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے (ت)

پس صورت مذکورہ میں عورت نکاح سے نکل گئی اس پر دو۲ طلاقیں بائن پڑ گئیں، اگر اس مدت میں عدت گزر گئی ہو تو اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۶: ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

اپنی عورت کو دو مرتبہ اس نے چھٹی دی اس کے بعد جو آدمی اس کے محلّے کے ہیں وُہ کہتے ہیں کہ طلاق ہو گئی اور اس کا آدمی کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی اور عورت کہتی ہے کہ مجھ کو طلاق نہیں دی صرف آدمیوں کے سامنے اس آدمی نے یہ کہا کہ چھٹی دی اور دوسرے یہ کہ جب عورت اپنے مکان کو چلی گئی تو اس کے مکان کو آگ لگ گئی تو لوگوں نے کہا کہ آگ اس شخص نے دی جس کی تو عورت ہے اب اس کا نام لے کر آدمی کو اور عورت کو دونوں کو چوکی پر لئے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے یہ کہو کہ اس شخص کی ماں بہن ہیں اور اس شخص نے بوجہ خوف کے یہ بات کہہ دی کہ یہ عورت میری بہن ہے تو ان دونوں کو اُن آدمیوں نے چھوڑا اب وہ عورت مرد دونوں باہم راضی ہیں تو اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص آپ کے پاس سے فتوٰی لے جاوے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے تو اس کا کیا نتیجہ ہے؟ **بینوا توجروا عنداللہ۔**

الجواب:

عورت کی نسبت یہ لفظ کہا کہ "یہ میری بہن ہے" نکاح میں کچھ خلل نہیں ڈالتا۔ سائل نے اظہار کیا کہ اس شخص نے حالتِ غضب میں اپنی زوجہ کی نسبت دو بار یہ لفظ کہے کہ "میں نے اسے چھٹی دی" اس کہنے سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑ گئی وُہ نکاح سے نکل گئی جب مرد و عورت دونوں راضی ہیں نئے سرے سے پھر نکاح کرلیں،

فی تنویر الابصار اخرجی واذہبی یحتمل ردا وحرام، بائن، یصلح سبا وسرحتك لایحتمل السب والرد ففی حالۃ الرضا تتوقف الاقسام علی نیۃ وفی الغضب الاولان وفی مذاکرۃ الطلاق الاول فقط[1] اھ مختصرا۔	تنویر الابصار میں ہے: خاوند کا بیوی کو کہنا "تو نکل جا، تُو چلی جا" یہ جواب کا احتمال بھی رکھتے ہیں، اور اس کا یُوں کہنا "حرام ہے، بائن ہے" یہ ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں۔ اور یہ کہنا "میں نے تجھے آزاد کر دیا" یہ ڈانٹ اور جواب دونوں کا احتمال نہیں رکھتے، تو رضا کی حالت میں یہ تمام الفاظ نیت پر موقوف ہوں گے، اور غصّہ کی حالت میں پہلے دونوں موقوف اور مذاکرہ طلاق میں صرف پہلا لفظ نیت پر موقوف ہوگا اھ مختصراً (ت)

[1] در مختار شرح تنویر الابصار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

جو شخص شریعت مطہرہ کے فتوی پر عمل نہ کرے گنہگار مستحق سزا وعذاب ہے والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۷: از نجیب آباد ضلع بجنور مرسلہ شیخ عبدالرزاق ۱۵شعبان ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحالتِ غصّہ اپنی زوجہ سے بہ نیتِ طلاق ایک وقت میں تین بار کہا کہ "میں نے تجھے آزاد کیا" اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوگی مغلظ یا بائنہ یا رجعی؟ **فقط۔**

الجواب:

صورتِ مسئولہ میں عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوئی یعنی عورت نکاح سے نکل گئی، زوج کو اس پر کوئی اختیار جبر نہ رہا وہ عدّت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے مگر حلالہ کی اصلاً حاجت نہیں جب کہ اس بار سے پہلے کبھی دو ۲ طلاقیں اس عورت کو نہ دے چکا ہو، زن ومرد اگر راضی ہوں تو شوہر عدت میں اور بعد عدت اس سے نکاح جدید کرسکتا ہے، یہاں تین طلاق کا حکم دینا یُوں غلط ہے کہ تمام متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح ہے کہ کنایہ بائنہ طلاق بائن کے بعد طلاق جدید نہیں ٹھہرتا بلکہ اسی طلاق اول سے اخبار ہوتا ہے **الاان ینص بمالایحتملہ** (مگر ایسے الفاظ سے واضح کہے جو دوسرے معنی کا احتمال نہ رکھتا ہو۔ت) درمختار میں ہے:

لایلحق البائن البائن اذاامکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن بائن اوابنتك بتطلیقة فلایقع لانہ اخبار فلاضرورة فی جعلہ انشاء بخلاف ابنتك باخری[1]۔	بائنہ طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوسکتی جب دوسری بائنہ پہلی سے حکایت وخبر ہو مثلاً "تو بائن بائن ہے" یا "میں نے تجھے طلاق سے بائنہ کیا" تو دوسری بائنہ واقع نہ ہوگی، کیونکہ پہلی سے حکایت وخبر ہے، لہٰذا اس کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف جب یُوں کہے "میں نے تجھے دوسری بائنہ طلاق دی۔ (ت)

اور ایک ہی پڑنے کی یہ وجہ ٹھہرانا کہ الفاظِ طلاق متفرقاً کہے جب اول پڑی اب عورت محلِ طلاق نہ رہی لہٰذا دوسری نہ پڑی، یہ یُوں جہل محض ہے یہ حکم خاص زنِ غیر مدخولہ کے ساتھ ہے، زنِ مدخولہ جب تک عدت نہ گزرے تین طلاق مجموع ومفرق سب کی محل ہے **کمانصواعلیہ قاطبة فی جمیع کتب المذہب** (جیسا کہ اس پر مذہب کی تمام کتب میں نص ہے۔ت) اور یہاں مدخولہ ہے **کما افصح عنہ السائل فی سوال آخر** (جیسا کہ سائل

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

نے خود اس کو دوسرے سوال میں واضح کیا ہے۔ت) بلکہ ایک پڑنے کی صحیح وجہ یہ ہے جو فقیر نے بیان کی **وباللہ التوفیق**، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۸۸: ماقولکم رحمکم اللہ (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کا کیا فرمان ہے۔ت) اس صورت میں کہ زید کی زوجہ کو کسی نے دوسرے ایک شخص کے ساتھ ایک مکان میں بند کیا جب زید کو خبر ہوئی تو اس نے چار پانچ آدمیوں کے رُوبرو اپنے خسر سے مخاطب ہو کر کہا کہ چونکہ تم لوگوں نے میری زوجہ کو غیر شخص کے ساتھ ایک مکان میں بند کیا لہٰذا اب وُہ مجھ پر حرام، پس کیا حکم ہے، آیا وہ زوجہ طلاق ہوگئی یا ہنوز حسبِ سابق اس کی زوجہ ہے، برتقدیر تعلق زوجیت کے قائل کے ذمّہ کچھ کفارہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر چند یہ لفظ بوجہ عرف ملحق بالصریح ہے کہ بے حاجت نیت طلاق بائن واقع ہو،

فی ردالمحتار قوله حرام سیأتی وقوع البائن به بلانیة فی زماننا للتعارف لافرق فی ذٰلك بین محرمة وحرمتك سواء قال علیّ اولا[1] اھ ملخصا وتمامه فیه۔	ردالمحتار میں ہے کہ خاوند کا کہنا "تُو حرام ہے" عنقریب بیان ہوگا کہ اس لفظ سے ہمارے زمانے میں بغیر نیت بائنہ طلاق واقع ہوگی کیونکہ اس کے طلاق ہونے پر عرف بن چکا ہے۔ تو مجھ پر حرام ہے، اور میں نے تجھے حرام کیا، دونوں برابر ہیں، یہاں "مجھ پر" کا لفظ کہے نہ کہے کوئی فرق نہیں ہے اھ ملخصًا، مکمل عبارت کتاب میں ہے۔(ت)

مگر کلامِ زید "چونکہ تم نے ایسا کیا لہٰذا حرام ہے" اس کے یہ معنی بھی محتمل کہ صرف اس بند کرنے کو موجب حرمت بتاتا ہے جیسے بہت جہّال کے خیال میں ہوتا ہے کہ عورت بے اجازتِ شوہر باہر جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے اس تقدیر پر یہ کلام انشائے طلاق نہ ہوگا بلکہ ایک مبنائے باطل پر اقرارِ اطلاق، اور وُہ محض لغو ہے،

فی الخانیة رجل طلق امرأته وهو صاحب برسام فلما صح قال قد طلقت امرأتی ثم قال انی کنت اظن ان الطلاق فی تلك الحالة کان واقعا قال مشائخنا رحمهم الله تعالٰی	خانیہ میں ہے کہ ایک شخص نے خیال کیا کہ مرض برسام میں خود بخود طلاق ہو جاتی ہے، اس بناء پر اس نے کہا "میری بیوی مطلقہ ہو گئی" پھر تندرست ہونے کے بعد طلاق کا اقرار کرتے ہوئے کہتا ہے میں نے گمان کیا کہ برسام میں خود بخود طلاق ہو جاتی ہے،

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۴

حین ما اقر بالطلاق ان ردہ الی حالۃ البرسام وقال قد طلقت امرأتی فی حالۃ البرسام فالطلاق غیرواقع [1] الخ۔	تو اس صورت میں ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اگر طلاق کااقرار کرتے ہوئے مرض کو وجہ بتائے اور کہے کہ "میں نے مرض برسام میں طلاق دی ہے" تو طلاق واقع نہ ہوگی الخ۔ (ت)

پس اگر یہی معنی مراد تھے تو نہ طلاق ہوئی نہ کوئی کفارہ لازم، اور اگر بہ نیت طلاق الفاظ مذکورہ کہے تو ایک طلاق بائن ہوئی عورت نکاح سے نکل گئی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۹: از بحری آباد ڈاکخانہ سادات ضلع غازی پور ۷ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ مسئلہ محمد ابوالخیر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ مرتکب زنا سمجھ کر ناراض ہو کر اس کے باپ کے گھر پہنچا دیا اور یہ کلام کیا کہ ہم تجھ کو نہ رکھیں گے تو ہمارے قابل نہ رہی اور بعد دو ایک مہینہ کے نہیں معلوم کہاں چلا گیا اس کو عرصہ سات ۷ برس کا ہُوا کہ ہنوز مفقود الخبر ہے اس کے بعد اس کے باپ نے زوجہ کے شوہر کے بڑے بھائی کو جو مالک و بزرگ خانداری ہے بلا کر یہ کہا کہ یہ عورت عزّت و آبرو تمہاری ہے لے جاؤ ہمارے یہاں اس کا گزر نہیں ہوگا اس کے شوہر کے بڑے بھائی نے انکار کیا اور یہ کہا اول تو شوہر اس کا مکان پر نہیں ہے دوسرے یہ عورت ہمارے کام کے لائق نہیں ہے ہم نہ لے جائیں گے تم کو اختیار ہے کہ جہاں چاہو کردو، اس جواب پر اس کا باپ دوسرے نکاح کے سامان میں تھا کہ اس اثناء میں وُہ عورت بطور خود ایک شخص کے ساتھ بلا نکاح چلی گئی اور اسی مرد کے ساتھ اس زمانہ سے بلا نکاح رہی اب اس عورت نے اس شخص کے ساتھ جس کے ساتھ بطور خود چلی گئی تھی نکاح کرلیا تو آیا یہ نکاح ثانی اس کا شرعاً جائز ہوا یا نہیں اور زوج اوّل کا غصے سے یہ کہنا کہ ہم تجھ کو نہ رکھیں گے تو ہماری قابل نہیں رہی اور بعد اس کے اس کو چھوڑ دینا اور دی ہوئی چیز واپس لینا حکم میں طلاق کے ہے یا نہیں؟ اور بقرائن مذکور اس کہنے سے کہ ہم تجھ کو نہ رکھیں گے طلاق واقع ہوئی یا نہیں حالانکہ قرائن حالیہ و دلالت حال اس امر پر موجود ہے کہ زید نے کلام بالا جو کنایہ طلاق ہے بارادہ طلاق کہا تھا مختصر وقایہ میں ہے:

وکنایۃ مایحتمله وغیرہ فنحواخرجی واذھبی وقومی یحتمل ردا، ونحو خلیۃ وبریۃ، بتہ، حرام، بائن، یصلح سبا ونحو اعتدی واستبرئ	اور کنایہ وُہ ہے کہ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہو مثلاً نکل جا، چلی جا، اُٹھ جا۔ یہ الفاظ کسی بات کا جواب ہو سکتے ہیں اور جُدا، بری ہے، علیحدہ ہے، حرام ہے، بائن ہے، ڈانٹ کا احتمال

[1] قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۳

رحمك انت واحدة انت حرة اختاری امرك بیدك سرحتك فارقتك، لایحتمل الردوالسب[1]۔	رکھتے ہیں، اور مثلاً عدّت پوری کر، رحم کو صاف کر، تُو اکیلی ہے، تُوآزاد ہے، تجھے اپنا اختیار ہے، تیرا معاملہ تیرے اختیار میں ہے، میں نے تجھے چھوڑدیا، میں نے تجھ سے فرقت کرلی، یہ صرف طلاق کا احتمال رکھتے ہیں۔(ت)

شرح وقایہ میں ہے:

وفی حالة الغضب یتوقف الاولان ای مایصلح ردا و مایصلح سبا علی النیة ان نوی الطلاق یقع به الطلاق وان لم ینو لایقع واما القسم الاخیر وهو ما یصلح ردالاسبا یقع به الطلاق وان لم ینو[2] اھ۔	اور غصّہ کی حالت میں پہلے دونوں الفاظ یعنی جوجواب بن سکتے اور وُہ جو ڈانٹ بن سکتے ہیں، نیت پر موقوف ہوں گے، اگر طلاق کی نیت نہ ہوتوطلاق واقع نہ ہوگی، لیکن تیسری قسم جو ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتے وہ غصہ کی حالت میں بغیر نیّت بھی طلاق قرار پائیں گے، اھ (ت)

اور ظاہر ہے کہ ہم نے تجھ کو چھوڑدیا ہم تجھے نہ رکھیں گے متحد المفاد وداخل قسم اخیر ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہم تجھ کو نہ رکھیں گے متمحض للاستقبال والابعاد ہے اور ایسا لفظ اگر صریح بھی ہو اصلاً موثر نہیں مثلاً اگر ہزار بار کہے میں تجھے طلاق دے دُوں گا طلاق نہ ہوگی۔

وهذا ظاهر جدا، وفی جواهر الاخلاطی فقال الزوج طلاق میکنم انها ثلاث لان می کنم یتمحض للحل وهو تحقیق بخلاف قوله کنم لانه یتمحض للاستقبال، وبالعربیة قوله اطلق لایکون طلاقا لانه دائر بین الحال والاستقبال	یہ بالکل ظاہر ہے: اور جواہر اخلاطی میں ہے خاوند نے کہا "میں طلاق کرتا ہوں، طلاق کرتا ہوں تو تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ اس کا قول "کرتا ہوں" صرف حال کیلئے مختص ہے اور یہ طلاق کو واقع کرتا ہے اس کے برخلاف اس کا یہ کہنا "طلاق کروں گا" یہ خالص استقبال کے لئے ہے اور عربی میں اطلق (طلاق دوں گا) سے طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہ

[1] مختصر الوقایہ کتاب الطلاق نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ٦١

[2] شرح الوقایہ باب ایقاع الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ٨٨/٢

فلم یکن تحقیقا مع الشک[1] الخ۔	حال اور استقبال دونوں میں مشترک ہے، لہٰذا شک کی بناء پر طلاق واقع نہ ہوگی الخ (ت)

اور "تو ہمارے قابل نہ رہی" اگرچہ کنایہ ہوسکتا ہے مگر وُہ سب کو بھی محتمل ہے کہ اس کی نالائقی وناکارگی کا اظہار ہے جس طرح برادرِ شوہر نے بھی اس مضمون کے لفظ کہے، اور جب کہ حالتِ غضب تھی جیسا کہ تقریر سوال سے ظاہر، تو الفاظ صالحہ سب محتاج نیت رہیں گے بے ظہور نیت بوجہ شک حکم طلاق نہیں دے سکتے **کما یظھر من عبارۃ النقایۃ التی نقل السائل و الجواھر التی نقلنا** (جیسا کہ نقایہ کی عبارت جس کو سائل نے نقل کیا ہے۔ سے ظاہر ہو رہا ہے اور جواہر اخلاطی کی عبارت جس کو ہم نے نقل کیا ہے، سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ت) اور اسے نکال دینا، کپڑے وغیرہ چھین لینا دلیل غضب ہے، نہ دلیل طلاق تو بے ظہور طلاق یا وضوح موت حقیقیہ یا بالحکم بمرور مدّت معینہ للمفقود بمذہب مفتی بہ مؤید بالحدیث روزِ ولادت سے ستر ۷۰ سال ہے، عورت کو نکاح ثانی ہر گز نہ تھا نہ ہے وُہ اب بھی معصیت و مخالفتِ شرع مطہر میں مبتلا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے بحالتِ غضب یہ لفظ کہے: "۱مجھے تجھ سے کچھ کام نہیں۔ ۲جس سے چاہ مباشرت کر۔ ۳جسے چاہے اپنا خاوند بنا۔ ۴مجھ سے تجھ سے کچھ تعلق نہ رہا" اس صورت میں طلاق واقع اور ہندہ اس کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئول بہا میں لفظِ اوّل یعنی "مجھے تجھ سے کچھ کام نہیں" الفاظ طلاق ہی سے نہیں حتی کہ اگر اس سے نیت کرے گا تاہم واقع نہ ہوگی،

فی فتاوی الامام قاضی[عہ] خاں لو قال	فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے: اگر خاوند نے کہا

عــہ: قال فی الھندیۃ لو قال لھا مرا با تو کارے نیست و ترا با من نے اعطینی ماکان لی عندك واذھبی حیث شئت لایقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ[2] مفتی اعظم الامہ مصطفٰی رضا مد ظلہ۔	ہندیہ میں کہا، اگر یوں کہے، میرا تجھ سے کام نہیں اور تیرا مجھ سے نہیں میرا جو کچھ تیرے پاس ہے مجھے دے دے، جہاں چاہے چلی جا، تو بغیر نیت طلاق نہ ہوگی۔ خلاصہ میں یونہی ہے ۱۲ مفتی اعظم الامۃ مصطفٰی رضا مد ظلہ (ت)

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی طلاق الصریح قلمی نسخہ ص ۷۰۔۶۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۵

لاحاجة لی فیك ونوی الطلاق لایقع وکذا لوقال مرابکارنیستی وکذا لوقال مااریدك[1] اھ	"مجھے تجھ میں کوئی حاجت نہیں" اور طلاق کی نیت کی ہو تب بھی طلاق نہ ہوگی، یُونہی اگر کہا "تو میرے کام کی نہیں" اور یونہی اگر کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت طلاق ہو اھ (ت)

باقی الفاظ ثلٰثہ میں چند صورتیں ہیں:

(۱) اگر اس نے کسی لفظ سے نیتِ طلاق نہ کی تو ایک طلاق بائن واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا کہ لفظ ثالث محتمل رَدوسبّ نہیں، اور ایسے الفاظ حالتِ غضب میں حاجتِ نیّت نہیں رکھتے۔

فی الهدایة فی حالة الغضب یصدق فی جمیع ذٰلك لاحتمال الرد والسب الّا فیما یصلح للطلاق ولایصلح للرد والشتم[2] انتهی۔	ہدایہ میں ہے کہ غصّہ کی حالت میں ان تمام الفاظ میں خاوند کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ الفاظ ڈانٹ اور جواب کا بھی احتمال رکھتے ہیں، مگر وُہ الفاظ جو صرف طلاق کا احتمال رکھتے ہیں اور ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتے وہاں تصدیق نہ کی جائیگی اھ۔ (ت)

(۲) اور جو صرف پہلے سے نیتِ طلاق کی تو بشرطیکہ لفظ ثانی سے معنی حقیقی یعنی میں تو طلاق دے چکا اب تزوج کا تجھے اختیار ہے مراد نہ لئے ہوں تو دو۲ بائنہ واقع ہوں گی، لفظِ اوّل سے بحکمِ نیت اور ثانی سے بدیں سبب کہ بوجہ تقدم ومقارنت نیت حالت حالتِ مذاکرہ ہوگئی اور اس حالت میں الفاظ غیر صالحہ رد پابندنیت نہیں رہتے،

فی الهدایة لما نوی بالاولی الطلاق صار الحال حال مذاکرة الطلاق فتعین الباقیان للطلاق بهذه الدلالة، بخلاف ما اذا قال نویت بالثلاثة الطلاق دون الاولیین حیث لایقع الا واحدة لان الحال	ہدایہ میں ہے: جب پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی ہو تو مذاکرہ طلاق ہو جانے کی وجہ سے باقی دو۲ الفاظ بھی طلاق کے لئے متعین ہو جائیں گے اس کے برخلاف جب یہ کہے کہ میں نے تیسرے لفظ سے طلاق مراد لی ہے تو پھر پہلے دونوں لفظ طلاق نہ ہونگے صرف آخری ایک طلاق ہوگی کیونکہ پہلے دونوں کے

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۶

[2] الھدایہ فصل فی الطلاق قبل الدخول المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۳۵۴

عند الاولیین لم تکن حال مذاکرۃ الطلاق (وفیھا) قال نویت بالاولٰی طلاقا وبالثانی حیضا دین فی القضاء لانه نوی حقیقة کلامه[1] ملخصا انتھی، وفی الکافی شرح الوافی فی حالة مذاکرۃ الطلاق یقع الطلاق فی سائر الاقسام قضاء لافیما یصلح جوابا وردا فانه لایجعل طلاقا عزاہ له فی العٰلمگیریة۔[2]	وقت مذاکرہ طلاق نہ تھا، اور اسی میں اگر مذکورہ صورت میں یہ کہے کہ میں نے پہلے لفظ سے طلاق اور دوسرے سے حیض مراد لیا ہے تو خاوند کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس نے لفظ کے حقیقی معنی کی نیت کی ہے اھ ملخصًا (ت) اور کافی شرح وافی میں ہے کہ مذاکرہ طلاق میں ان تمام الفاظ سے قضاءً طلاق واقع ہوگی جو طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور جو صرف ڈانٹ یا جواب بننے کا احتمال رکھتے ہیں ان میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ ان کو طلاق قرار نہ دیا جائے گا، اس عبارت کو عالمگیری میں کافی کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ت)

رہا تیسرا لفظ، ہرچند وہ بھی محتاج نیت نہ تھا مگر اس سبب سے کہ دوسری طلاق سابق سے اخبار قرار دینا ممکن، اور ایسی صورت میں بائن سے بائن لاحق نہیں ہوتی اس سے طلاق واقع نہ ہوئی،

فی الدرالمختار لایلحق البائن اذاامکن جعله اخبارا عن الاول کانت بائن بائن او ابنتك بتطلیقة لانه اخبار فلاضرورۃ فی جعله انشاء[3]۔	درمختار میں ہے: بائن کے بعد دوسری بائن نہ ہوگی جبکہ دوسری بائن پہلی سے حکایت بن سکے، مثلاً "تو بائن بائن ہے" یا "میں نے تجھے طلاق کے ساتھ بائنہ کردیا" یہ اخبار ہے اول سے کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ت)

(۳) اسی طرح اگر پہلی یا دوسری دونوں (۴) یا تینوں سے نیّتِ طلاق کی تو دو ہی بائنہ واقع ہوں گی،

لمامر من ان البائن لایلحق البائن ماامکن حمله علی الاخبار۔	جیساکہ گزرا کہ بائن بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی جب وُہ پہلی سے حکایت بن سکے (ت)

باقی سب صورت میں خواہ (۵) صرف دوسرا (۶) یا صرف تیسرا (۷) یا پہلا اور تیسرا دونوں (۸) یا

---

[1] الھدایہ فصل فی الطلاق قبل الدخول المکتبة العربیة کراچی ۲/ ۳۵۵

[2] الکافی شرح الوافی

[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۵

دوسرااور تیسرامقرون بہ نیت ہوں تو ایک ہی بائنہ واقع ہوگی،

کما یظھر مماالقینا علیك من الادلة وان لاطلاق بالثالثة کلماتقدمھا طلاق۔	جیسے ہم نے آپ کو دلائل بیان کردئے اس سے ظاہر ہے، اور یہ کہ تیسرے لفظ سے طلاق نہ ہوگی جب اس سے قبل طلاق بائنہ ہوچکی ہو۔(ت)

پس اس میں شبہہ نہیں کہ ہندہ نکاح زید سے خارج ہوگئی اور تاوقتیکہ زید اس سے نکاح جدید نہ کرے وُہ اس کی زوجہ نہیں ہوسکتی،

فی تنویر الابصار وینکح مبانته بمادون الثلث فی العدة وبعدھا بالاجماع[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے کہ تین سے کم بائنہ میں دوبارہ نکاح کی ضرورت ہوتی ہے خواہ عدّت میں ہو یا عدّت کے بعد ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی نسبت کہا "مجھے اس سے کُچھ کام نہیں میں اسکو نہیں رکھوں گا اگر اسے گھر میں رکھوں تو اسی کا دُودھ پیوں" پھر اس اندیشہ سے کہ شاید اس سے طلاق نہ ہوگئی ہو اس سے پھر نکاح کرلیا، اس صورت میں عورت پر طلاق ہوئی یا نہیں اور یہ نکاح کافی ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس عورت پر طلاق واقع نہ ہوئی اور پہلا ہی نکاح اس کا بحالِ خود قائم ہے دوسرے نکاح کی کچھ حاجت نہ تھی یہ عبث واقع ہوا۔

فی العالمگیریة رجل قال لامرأته مرابکارنیستی ونوی به الطلاق لایقع[2] انتھی۔	عالمگیری میں ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو کہا "تومیرے کام کی نہیں" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت بھی کی ہو اھ (ت)

اما قولہ "میں اس کو نہیں رکھوں گا"

فھذا وان احتمل الجماع لان رکھنا بلغتنا یکنی به عن الجماع الا انه عدة فلایفید شیئا، واما قوله (اس کو گھر میں رکھوں	تو یہ اگرچہ جماع کا احتمال بھی رکھتا ہے کیونکہ "رکھنا" ہماری لغت میں جماع سے کنایہ ہوتا ہے مگر یہ وعدہ ہے لہٰذا اس سے کچھ بھی مراد نہ ہوگا، اور اس کا

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الرجعة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۰

تو اسی کا دودھ پیوں) فھذہ لیس من باب الایلاء فی شئی لان گھر میں رکھنا انما ھو الایلاء ای ھو التمکین من ان تسکن فی بیتہ ولایکنی بہ عن الوطی و لا یکون یمینا ایضاحتی لواٰواھا ومکنھا بعد من التمکن لاتلزمہ کفارۃ یمین لان شرب لبن العرس غایتہ ان یکون حراما وقولہ ان فعلت کذافانا زان او سارق او شارب خمر اواٰکل ربٰو فلیس بحالف[1] ھکذافی الھندیۃ عن الکافی فلایلزمہ بذٰلك شیئ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	قول "اس کو گھر میں رکھوں تو اسی کا دودھ پیوں" تو یہ ایلاء یعنی قسم کے معنٰی میں نہیں ہے کیونکہ گھر میں رکھنا، گھر میں رہنے کی اجازت دینا ہے، اس سے وطی مراد نہیں ہوسکتی، اور قسم بھی نہیں ہوسکتی حتی کہ اس کو گھر میں رکھا بھی تو قسم کا کفارہ نہ پڑے گا کیونکہ بیوی کا دودھ پینا زیادہ سے زیادہ حرام ہے، اور یُوں ہی اگر کہا اگر میں یہ کام کروں تو میں زانی یا چور یا شرابی یا سُود خور قرار پاؤں، قسم نہ ہوگی۔ ہندیہ میں کافی سے یہی منقول ہے، لہٰذا اس سے کوئی کفارہ لازم نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین بیچ اس باب کے کہ زید نے حالت ناراضگی یا راضگی میں ہندہ سے جو اس کی زوجہ ہے یہ کلمے کہے کہ "میرے مکان سے نکل جا اور میں اب تجھ کو اپنے یہاں نہ رکھوں گا، تو اب اور کوئی شوہر کرلے، یا کسی سے آشنائی کر، مجھ کو تجھ سے کچھ واسطہ نہیں، اور اگر تُو میرے کہنے سے نہ نکلے گی تو پھر میں تیری ناک کاٹ لُوں گا کہ پھر تو خاوند کرنے سے بھی بیکار ہوجائے گی" وہ ہندہ بخوف ناک اور بسبب یہ کلمے کہنے زید کے، وہاں سے نکل کر ایک مکان میں کہ جو اس کے اقرباؤں کا تھا چلی آئی، چرچا اس کا محلّہ میں پھیلا، جب زید سے آکر اہلِ محلّہ نے کہا ہندہ کے باپ نے جواب پایا زید سے کہ "میری اب طبیعت اس سے بہت ناراض ہے میں اس کو اب اپنے پاس نہ رکھوں گا" اور جس نے کہا یہی جواب پایا کہ "مجھ کو اُس سے کچھ سروکار نہیں اس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے وہاں جائے" اور ایک صاحب نے کہا کہ تمہاری بے حُرمتی ہوگی تو زید نے کہا "کیا بے حُرمتی ہوگی کیا مرد عورت کو چھوڑ نہیں دیتے ہیں کچھ بے حُرمتی اور بے عزّتی نہیں ہے" بس یہ کلمے زید کے مثل طلاق ہوئے بیچ حق ہندہ کے یا نہیں؟ جو حکم شرعی ہو ارقام فرمائیں فقط **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ کلمات جو زید نے کہے کنایاتِ طلاق میں سے ہیں ان الفاظ سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے یعنی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الایمان الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۵

زید مذکور کو اختیار ہے کہ اس سے رجعت کرلے یا بعد انقضائے عدت نکاح کرلے۔ درمختار میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ:

اذھبی وتزوّجی یقع واحدۃ بلا نیّۃ[1]۔	یعنی اگر شوہر نے زوجہ کو کہا کہ چلی جا اور دوسرا شوہر کرلے تو اس سے ایک طلاق پڑجائے گی خود شوہر کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو۔

کتبہ محمد احسن الصدیقی الحنفی

محمد احسن صدیقی ۱۲۷۶

الجواب:

اقول: وباللہ استعین (میں کہتا ہوں اور اللہ سے مدد مانگتا ہوں۔ت) جواب میں الفاظ مندرجہ سوال سے تعرض نہیں اور جس بات کا حکم درمختار سے نقل کیا یعنی اگر شوہر نے زوجہ کو کہا "چلی جا اور دوسرا شوہر کرلے" سوال میں بہیئت کذائی نہیں، اگر "**اخرجی اور اذھبی**" میں فرق نہ کیا جائے تاہم بسبب لفظ ثالث یعنی اس کلام کے کہ "میں اب تجھ کو اپنے یہاں نہ رکھوں گا" صورت مسئلہ کی بدل جائے گی، پس دلیل جناب مجیب کی قطع نظر اس سے کہ رجعی ہونا صورت محکوم علیہا کا اس سے ظاہر نہیں سوال سے علاقہ نہیں رکھتی کہ حکم ہیئت اجتماعیہ کا حالت انفراد کے حکم سے مغایر ہوسکتا ہے **فلایتم التقریب اصلا** (تو دعوی اور دلیل مطابق نہ ہوئے۔ت) علاوہ بریں بعد تسلیم اس امر کے کہ یہ کلمات کنایات طلاق سے ہیں طلاق مذکورہ کو رجعی قرار دینا بس عجیب ہے اس لئے کہ سوا چند الفاظ کے کہ کُتبِ فقہ میں مذکورہ ہیں باقی کنایات سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور لفظ **ابتغی الازواج** (خاوند تلاش کر۔ت) کو وقایۃ الروایۃ میں کنایات میں ذکر کرکے کہا **واحدۃ بائنۃ**[2] (ایک بائنہ طلاق ہوگی۔ت)

پس جواب صحیح یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں تین لفظِ کنایات طلاق سے مذکور ہیں:

۱اول، تو میرے مکان سے نکل جا کہ حاصلِ معنی "**اخرجی**" کا ہے بشرطِ نیت اس سے طلاق بائن ہوجاتی ہے **کما مر** (جیسا کہ گزرچکا ہے۔ت)

۲دوم، تو اب کوئی شوہر کرلے یا کسی سے آشنائی کر، اس تردید کے جُزءِ اوّل کا بھی یہی حکم ہے، **وقد مر ایضًا** (اور یہ بھی گزرچکا۔ت)

۳سوم، مجھ کو تجھ سے کچھ واسطہ نہیں، یہ لفظ بھی کنایاتِ طلاق سے ہے کہ بشرطِ نیت اس سے

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

[2] شرح الوقایہ باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۷

طلاق بائن ہوتی ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

ولوقال لم یبق بینی وبینك عمل یقع الطلاق اذانوی[1]۔	اگریوں کہا کہ "تیرے اور میرے درمیان کوئی عمل نہ رہا" جب طلاق کی نیت سے ہو طلاق واقع ہوگی۔ (ت)

پس اگر جملہ یا بعض الفاظِ مذکورہ بہ نیت طلاق کے کہے طلاق بائن واقع ہوئی، بے تجدید نکاح کے مباشرت عورت سے حرام ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

البائن یلحق الصریح لاالبائن الااذا[2]۔	بائن طلاق، صریح کو لاحق ہوسکتی ہے بائن کو نہیں مگر جب۔ (ت)

(جواب ناقص ملا)

مسئلہ ۲۹۳: از شہر کہنہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے اپنی زوجہ سے جس کا نام ہندہ اور جو کئی سال سے اس کے نکاح میں تھی بغرض اپنی شادی دوسری جگہ کرنے کے اس کو طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کیں اور بجبر اس پر تہمت زنا کی لگا کر ایک پرچہ تحریر کیا اور پرچہ اپنے قلمدان میں رکھا اس روز ہندہ کو سختی ایسی دی کہ زید کے وارثان نے ہندہ کے وارثوں کو خبر دی کہ تم اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ اس پر ہندہ کی ماں ہندہ کو اپنے گھر لے آئی اور پرچہ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے وہ بھی ہندہ اپنے ساتھ لائی اس پر ہندہ کے وارثوں نے ایک مجمع عام میں زید کو ایسے کلمات کی تحریر سے نصیحۃً فہمائش کی، بجواب اس کے زید نے کہا کہ میں نے چھوڑا، مجھے کچھ تعلق نہیں، جو اسباب ہندہ کا ہے ابھی مجھ سے لے لو۔ ہندہ کے وارثوں نے دو شخصوں کو زید کے پاس ہندہ کا اسباب لینے کو بھیجا، زید نے کُل اسباب دے دیا، اُن لوگوں نے ہندہ کے حوالہ کر دیا، ہندہ نے کہا کہ میرا زیور باقی ہے وہ بھی لاؤ۔ وہ ہی شخص زیور لینے زید کے پاس گئے، زید نے زیور کا وعدہ کیا کہ بیس ۲۰ روز میں دوں گا۔ چنانچہ زید نے بیسویں روز رُوبرو چار آدمیوں کے کل زیور دے دیا اور پھر کہا کہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ اس صورت میں زید نے دو مرتبہ یہ کلمہ کہا کہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ منشا زید کا ان کلمات سے ظاہر ہے۔ عرصہ چار سال ہوا جب سے اس وقت تک کچھ تعلق نہیں رکھا۔ اس صورت میں شرعًا ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ پر طلاق پڑ جانے اور نکاح زید سے باہر ہو جانے کا حکم دیا جائے گا، ہاں

---

[1] فتاوی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۶

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

اگر لفظ جو زید نے کہے اسی قدر ہیں اور اس حالت میں وُہ حلف شرعی کے ساتھ بیان کرے کہ میں نے یہ الفاظ ہندہ کی نسبت نہ کہے تھے اسے چھوڑنا مراد نہ تھا تو وقوعِ طلاق کا حکم نہ دیں گے پھر اگر وُہ اپنے اس حلف میں جُھوٹا ہو تو اس کا وبال اور عذابِ الٰہی کا استحقاق زید ہی پر رہے گا ہندہ پر الزام نہ آئے گا،

فی الھندیۃ عن الخلاصۃ عن الفتاوی رجل قال لامرأتہ اگر توزن منی سہ طلاق مع حذف الیاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیھا[1] اھ وفی البزازیۃ والخانیۃ فی قولہ لا تخرجی من الدار الاباذنی فانی حلفت بالطلاق انہ یحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول قولہ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں خلاصہ سے اور وہاں فتاوٰی سے منقول ہے اگر کسی نے بیوی کو کہا "اگر تُو عورت ہے تو مجھ سے تین طلاق" عورت کے ساتھ یاءِ نسبت کو ذکر نہ کیا، تو پھر کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، تو طلاق نہ ہوگی اس نے جب یاء کو حذف کر دیا تو اب طلاق بیوی کی طرف منسوب نہ ہوئی اھ۔ بزازیہ اور خانیہ میں ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا گھر سے میری اجازت کے بغیر مت نکل، کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو اس میں خاوند کی وضاحت معتبر ہوگی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی اور کی طلاق مراد لے کر قسم کھائی ہو اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۴: از قصبہ ولی تحصیل آنولہ ضلع بریلی مرسلہ مسمّاۃ محمودی بنت شیخ علیم اللہ ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسمّی ولایت خاں شوہر (مجھ مسمّاۃ محمودی) نے عرصہ دراز سے مجھ کو چھوڑ دیا ہے، نہ مجھ کو نان نفقہ دیتا ہے، میں بوجہ نہ ملنے نان ونفقہ کے بہت تکلیف میں ہوں، لہٰذا میں بھی اس شخص سے بوجہ تارک الصّلوٰۃ ونیز نہ دینے نان ونفقہ کے ناخوش ہوں، چنانچہ ایک پرچہ نوٹس ناخوشی شوہر مذکور کا میرے پاس آیا وہ ہمرشتہ سوال ہٰذا ہے، امید کہ برائے خدائے علمائے دین بموجب شرع شریف حکم آزادگی کا ارقام فرمائیں تاکہ میں نکاح اپنا کسی شخص صالح سے کرلوں اور عمر میری بسر ہو، عبارت نوٹس یہ ہے کہ پرچہ نوٹس آپ کا دربارہ نالشی متذکرہ نان ونفقہ دختر آپ کی کا یعنی محمودی کا آیا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک آپ کی لڑکی میرے گھر رہی تب تک آپ میرے خسر رہے جس روز سے کہ اس کو میں نے آزاد

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۵

کرکے معہ جملہ اسباب جہیز وغیرہ اس کے ہمراہ کردیا گیا اور آپ کے گھر بھیج دیا گیا مجھ سے اور اس سے کچھ تعلق شرعاً نہیں رہا، نہ اس کا کوئی سامان میرے ذمہ باقی رہا بلکہ اس روز بہت پنچان قصبہ سرولی کے موجود تھے وہ بھی اس امر کے گواہ ہیں، اگر مجھ سے اور مسماۃ مذکور سے کچھ تعلق ہوتا تو میں ضرور اس کے نان ونفقہ کی فکر کرتا، آپ کیوں برابر تحریر کرتے ہیں، اب آپ کے نوٹس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ پھر پنچان جمع کرکے میرے مکان پر لانے والے ہیں اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھ سے اور آپ سے رنج حد کو پہنچے گا، لہٰذا اب آپ پنچان کے جمع کرنے کا ارادہ نہ کریں، اس واسطے نوٹس دیا گیا مطلع رہو۔ از مقام دھنورہ مرسلہ ولایت خاں ۲۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء۔

الجواب:

عبارت نوٹس سے (کہ جب تک میرے گھر رہی آپ میرے خُسر رہے جس روز سے اس کو میں نے آزاد کرکے آپ کے گھر بھیج دیا) صاف اقرار طلاق ظاہر ہے،

اعتاق المرأۃ وان کانت من الکنایات فلایتحمل ردّاولاسبا کمالایخفی، وفی الدر المختار انت حرۃ لا یحتمل السب والرد [1]. قال الشامی واعتقتك مثل انت حرۃ کما فی الفتح [2] والحالۃ کماتری حالۃ الغضب فلایفھم فی الحکم الاالطلاق والمرأۃ کالقاضی کمافی الفتح وغیرہ۔	بیوی کو "آزاد ہے" کہنا، اگرچہ الفاظ کنایہ میں سے ہے تاہم یہ ڈانٹ اور جواب کا احتمال نہیں رکھتا اور صرف طلاق مراد ہوگی جیسا کہ مخفی نہیں ہے، درمختار میں ہے: بیوی کو کہنا "تو آزاد ہے" ڈانٹ اور جواب کا احتمال نہیں رکھتا، اور اس پر علّامہ شامی نے فرمایا "میں نے تجھے آزاد کیا" ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے "تُو آزاد ہے" جیسا کہ فتح میں ہے، اور حالت بھی غصہ کی ہو تو پھر طلاق ہی حکم سمجھا جاسکتا ہے، اس میں عورت قاضی کی مانند ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے۔ (ت)

پس اگر گواہانِ شرعی سے ثابت ہو کہ یہ نوٹس اسی کا لکھا ہوا ہے یا وُہ مقر ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اور وقت تحریر نوٹس سے عدّت لی جائے گی اگرچہ ہندہ بھی تسلیم کرتی ہو کہ جس وقت اس نے گھر سے نکالا تھا طلاق دے دی تھی جس کا اقرار اس نوٹس میں ہے، ہاں اگر ہندہ گھر سے نکالتے وقت

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۵

طلاق دینے کی مقر ہے اور اس وقت سے تحریر نوٹس کے وقت تک اتنا زمانہ گزر گیا جس میں عدّت منقضی ہو تو عدّت تو محمودی کو روز تحریر نوٹس ہی سے کرنی پڑے گی مگر اس عدّت کا نفقہ شوہر سے نہ پائے گی

مواخذة علیھا باقرارھا وان امرہ الشرع بالعدّة قطعاللتزویر۔	یہ بیوی کے اپنے اقرار پر مواخذہ ہے اگرچہ شرع نے اس کو عدّت کا حکم دیا ہے کیونکہ جھوٹ ہو سکتا ہے۔(ت)

اگر محمودی اس وقت طلاق دئے جانے کی مقر نہیں تو اس عدّت کے ایام کا نفقہ بھی شوہر سے پائے گی،

لان نفقة عدة الطلاق علی الزوج بالنص وبه ظھر ضعف مافی الخیریة۔ فی الخیریة سئل فی رجل فرض علیه القاضی نفقة وکسوة لزوجته و مضت مدّة فادعی طلاقھا منذ زمان اجاب ان کذبته فی الاسناد ولم تقم بینة کان علیھا العدّة من وقت الدعوی ولھا فیھا النفقة والسکنی وان صدقته فلانفقة لھاو لا سکنی[1] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ طلاق کی عدت میں نفقہ خاوند پر نص کی وجہ سے ثابت ہوا ہے، اس سے خیریہ کے بیان کا ضعف واضح ہوگیا ہے(ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے سوال کیا گیا کہ ایک شخص پر اس کی بیوی کا نفقہ اور لباس قاضی نے لازم کیا، اور کُچھ مدت گزرنے پر خاوند نے یہ دعوی کیا کہ میں نے بیوی کو مدت سے طلاق دے رکھی ہے، تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اگر عورت خاوند کے اس دعوی کو دلیل سے جُھوٹ ثابت کردے اور گواہ پیش نہ کرسکے تو بیوی پر دعوی کے وقت سے عدّت لازم ہو جائے گی، اور عدّت میں اس کو نفقہ اور رہائش ملے گی، اور اگر بیوی خاوند کے دعوے کو سچ قرار دے تو پھر عدّت میں نفقہ اور رہائش نہ ملے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ باب النفقة دار المعرفة بیروت ۱/۷۵

مسئلہ ۲۹۵:

ماقولکم رحمکم اللہ فی ھذہ المسئلۃ نکاح زید باہندہ حسب آئین شرع محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منعقد گشت بعد چند روز ہندہ راخلل جن واقع گردید از دُعا ودوا ہیچ فاقہ نہ شد سالے بہمیں حال مبتلا ماند والدینِ ہندہ ہندہ رابر مکان خود آوردند ووالدینِ زید زید رانصیحت کردند کہ انقطاع واحترازاز صحبت ہندہ باید کرد مباداایں بلابرتوہم مستولی نشود زید نوعے خیال ایں سخن نکرد وخفیہ از والدین خود آمد وشد جاری داشت وقتیکہ والدین زید ازیں آمد وشد مطلع شدند زید راتنگ گرفتند وممانعت قطعی نمودند زید نصیحت وامتناع والدین کا رگرشد واز ہندہ انقطاعِ کلی کرد وہمدریں اثنا بفضلِ الٰہی ہندہ را صحت کلی حاصل گشت مگرزید از وانقطاع دارد وتا حال بہ ہندہ رجوع نکرد ید وارادہ رجوع ہم ندارد وتاسہ سال کامل نزدوالدین خود قیام نمودوتاحال موجود ست جملہ مصارف ہندہ متعلق والدین ہندہ ماند ووالدین ہندہ مفلوک الحال ومزدور پیشہ ہستند وزید از قرض نانے ہم باہندہ گاہے مسلوک نگشت ونمی شود بارہا گفتگوئے ایں بجانبین درمیان آمد الّازید ووالدینش صاف جواب دادوگفت کہ (ماراازہندہ مطلق سروکار نیست از جانب ماایں جواب صاف راطلاق فہمید) پس اندریں صورت نکاح ہندہ بادیگر کس کردن جائز خواہد شد یانہ، علمائے	علمائے کرام، آپ رحمکم اللہ تعالٰی کا اس مسئلہ میں کیاارشاد ہے کہ زید کاہندہ کے ساتھ شرع محمدی کے مطابق نکاح ہوا، اس کے چند روز بعد ہندہ کو آسیب ہوگیا، علاج ودعا کے باوجود ہندہ کو کوئی افاقہ نہ ہوا، ایک سال اسی حال میں مبتلا رہی، تو ہندہ کے والدین ہندہ کو اپنے گھرلے گئے، اور زید کے والدین زید کو ہندہ سے انقطاع اور احتراز کی تاکید کرتے رہے تاکہ زید اس بیماری سے متاثر نہ ہو، توزید نے اپنے والدین کی اس نصیحت کی پروانہ کرتے ہوئے خفیہ طور پر ہندہ کے پاس آناجانا جاری رکھا، جب زید کے والدین کو اس پر اطلاع ہوئی تو انہوں نے زید کو سختی سے اس میل جول سے منع کردیا اور زید نے والدین کی ممانعت پر عمل کرتے ہوئے ہندہ سے کلی طور انقطاع کرلیااسی دوران اللہ کا فضل ہوااور ہندہ بالکل تندرست ہوگئ، مگر زید نے اپنا کلی انقطاع قائم رکھااور اب تک اس نے ہندہ کی طرف رجوع نہ کیااور نہ ہی رجوع کاارادہ رکھتا ہے اور دوتین سال سے والدین کے پاس ہی ہندہ تمام مصارف پورے کررہی ہے اور تمام بوجھ ہندہ کے والدین پر ہے جب کہ ہندہ کے والدین خود مفلوک الحال اور مزدور پیشہ ہیں اور زید نے کبھی ہندہ کے لئے روٹی کی ٹکیہ تک خرچہ نہ بھیجا، متعدد بار فریقین میں معاملہ بنانے کی کوشش ہوئی مگر زید اور اس کے والدین نے صاف جواب دے دیا اور کہا ہمارا ہندہ سے کوئی سروکار نہیں اور ہماری طرف سے یہ صاف

ذوی الکرام ومفتیان ذوی الاحترام استفتاء راازمواہیر ودستخط بجواب صاف شرعیہ مزیّن فرمایند بینواتوجروا مکرر اینکہ گفتگو ے اووالدینش کہ آں برجواب صاف دادن مبنی ست جواز طلاق دادن را یانہ فقط،	جواب ہے اور اس کو طلاق سمجھا جائے، تو کیا اندریں حالات، ہندہ کا کسی دوسرے شخص سے نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ علمائے کرام اور مفتیان ذوی الاحترام سے درخواست ہے کہ استفتاء کا جواب اپنے دستخطوں اور مہروں سے مزیّن فرماکر ماجور ہوں، نیز مکرر ہے کہ زید اور اس کے والدین کا یہ کہنا کہ "ہمارے صاف جواب کو طلاق سمجھا جائے" کو طلاق دینا متصوّر کیا جائے یا نہیں، فقط، (ت)

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ درصورت مستفسرہ طلاق براں زن واقع نشد زیراکہ سروکار نبودن جز اظہار بے غرضی وبے پروائی افادۂ معنی دیگر نمی کند واگر شوہر مرزنش را گوید مراباتو غرضے نیست یا پروائے تو نداریم یا تو مرابکار نیستی یا تو مراچیزے نباشی یا میان من وتو چیزے نماندہ است ہرگز طلاق واقع نشود اگرچہ باینہا ارادہ ونیّت طلاق کردہ شد وپُرظاہر کہ سروکار نبودن بیش ازیں الفاظ نیست بلکہ علماء روشن گفتہ اند کہ اگر زن را گفت تو مرابیگانہ ایں ہم لغو ومہمل باشد پس لفظ مذکور فی السؤال اولٰی باہمال فی العٰلمگیریۃ لوقال لاحاجۃ لی الیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق (وفیہا) اذا قال لااریدك اولااحبك اولااشتھیك اولارغبۃ لی فیك فانہ لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمھم	اے اللہ! حق کی رہنمائی فرما۔ (ت) مسئولہ صورت میں عورت کو طلاق نہ ہوئی، کیونکہ سروکار نہ ہونا، بے غرضی، بے پروائی کے علاوہ کوئی معنٰی نہیں رکھتا، بلکہ اگر شوہر خاص بیوی کو کہے "مجھے تجھ سے غرض نہیں، میں تیری پروا نہیں رکھتا، تو میرے کام کی نہیں، تو میرے لئے کوئی چیز نہیں، یا تیرے اور میرے درمیان کوئی چیز باقی نہیں رہی" تب بھی ہرگز طلاق نہ ہوگی، اگرچہ یہ الفاظ طلاق کی نیت سے بھی کہہ دے اور طلاق کی نیت کرے، تو "سروکار نہیں" ان مذکورہ الفاظ سے زیادہ سخت نہیں، بلکہ مشہور علماء کا ارشاد ہے کہ اگر خاوند، بیوی کو یہ کہے "تُو میرے لئے بیگانی ہے" تو یہ مہمل اور لغو کلام ہوگی، تو سوال میں مذکور الفاظ بطریق اولٰی مہمل ہیں، عالمگیری میں ہے کہ خاوند بیوی کو کہے "مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں" اور طلاق کی نیت کرے تو بھی طلاق نہ ہوگی۔ اور اسی میں ہے اگر یُوں کہے کہ "میں تجھے نہیں چاہتا، میں تجھے پسند نہیں کرتا، میں تجھ سے خواہش نہیں رکھتا" یا کہے "مجھے تجھ میں کوئی رغبت

اللہ تعالٰی[1] (وفیہا)لوقال لم یبق بینی وبینك شیئ ونوی بہ الطلاق لایقع[2] وفی الخلاصۃ قال تومرا بیگانہ او قال لا حاجۃ لی فیك لایقع وان نوٰی[3]، وفی الھندیۃ ایضا سئل ابوبکر عن سکران قال لامرأتہ بیزارم بیزارم بیزارم تومرا چیزے نباشی الٰی قولہ ارجو انھا لاتطلق وھی امرأتہ[4]، وچوں ظاہر شد کہ ایں لفظ از الفاظ طلاق نیست نہ صریح نہ کنایہ، پس قولِ اُوکہ از جانب ماایں جواب صاف راطلاق فہمند نیز لغو باشد زیرآکہ اُوپیش از اظہار طلاق نیست پس گویا حاصل کلامش آن ست کہ چنیں گفتہ کہ بایں گفتن نیت طلاق کردم وخود اگرنیت مے کرد کارگر نمی باشد کما اوضحنا پس اظہار مہمل جز مہمل نباشد **قلت ولایمکن جعلہ طلاقا مبتدأ لانہ**	نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مطابق ہے۔اور اسی میں ہے کہ اگر یوں کہا" میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز باقی نہیں" تو نیت طلاق کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔اور خلاصہ میں ہے اگر خاوند نے کہا تو میرے لئے بیگانی ہے یا کہے مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں، تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔عالمگیری میں ہے کہ علّامہ ابوبکر سے نشہ والے کے بارے میں سوال کیا گیا اس نے اپنی بیوی کو کہا "میں بیزار ہوں میں بیزار ہوں میں بیزار ہوں' تو میرے لئے کچھ نہیں" تو انہوں نے جواب میں بیان فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ طلاق نہ ہوگی اور بیوی بحال رہے گی۔تو واضح ہوگیا کہ سوال میں مذکور لفظ، صریح یا کنایہ طلاق کالفظ نہیں ہے تو ان کا کہنا کہ "ہمارا صاف جواب طلاق سمجھا جائے" بھی لغو اور مہمل ہے، کیونکہ اس سے قبل زید کی طرف سے طلاق کا کوئی اظہار نہیں، تو اس کی کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ گویا اس نے کہا"میں نے اس بات سے طلاق کی نیت کی ہے" اور نیت بھی کرے تب بھی طلاق کے لئے کارگر نہیں ہے جیسا کہ واضح ہوچکا ہے، پس یہ مہمل

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۹۸

[4] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۳

ارشاد الی غیر معتبر شرعا وما لم یعتبر شرعا فلیس فی وسع احدان یجعله معتبرا قال فی الدرالمحتار لا یقع طلاق النائم ولوقال اجزته اواوقعته لایقع لانه اعاد الضمیرالٰی غیر معتبرجوہرة [1] اھ وقد صرح بالجزئیة فی الخانیة حیث قال،قال لها احسبی انك طالق لایقع وان نوی [2] اھ ملخصا پس درصورت مذکورہ زنہار روانیست کہ ہندہ بامردے دگرنکاح کند ھذا ما عندی والعلم بالحق عندربی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	برائے مہمل ہے۔**قلت**(میں کہتا ہوں۔ت)اس گفتگو کو ابتداء طلاق قرار دینا درست نہیں، کیونکہ شرعی طور پر غیر معتبر لفظ سے اشارہ ہے،اور جو شرعًا غیر معتبر ہواس کو کوئی بھی معتبر نہیں بناسکتا،دُرمختار میں فرمایا کہ سوئے ہوئے کی طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ وُہ بیدار ہو کر کہے کہ میں نے اسے جائز قرار دیا ہے یا اس کو واقع کرتا ہُوں،تو پھر بھی نہ ہوگی کیونکہ وُہ جس کلام کو واقع کرنا چاہتا ہے وہ نیند کی کلام ہے جو غیر معتبر ہے،جوہرہ،اھ۔اور خانیہ میں اس خاص جزئیہ کی تصریح کی ہے کہ اگر خاوند بیوی کو کہے،تو یہ خیال کرلے کہ تُوطلاق والی ہے تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت سے بھی کہے اھ ملخصًا، لہٰذا مسئولہ صورت میں ہندہ کو ہرگز جائز نہیں کہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔یہ میری تحقیق ہے حقیقی علم اللہ تعالٰی رب العزت کو ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۹۶: ۵ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچہری میں اپنی بی بی کی نسبت بیان کیا کہ میرا اس سے نکاح نہیں ہوااور اس کی اولاد میرے نطفہ سے نہیں ہے اور حاکم نے بموجب بیان کے مقدمہ کو فیصل کرکے اس کی بی بی اور اس کی اولاد قرار نہ دی حالانکہ نکاح اس کا درحقیقت اسی عورت سے ہوچکا تھا اب شرعًا نکاح اس کا جائز رہایانہ رہااور اولاد اس کی فوت ہونے کے بعد اس کا ترکہ پائے گی یانہ پائے گی اور بعد حنث اس شخص پر کفارہ یمین عائد ہوگا یانہیں؟**بینوا توجروا۔**

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸
[2] قاضی خان کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۰

الجواب:

سائل مظہر کہ شخص مذکور نے انگریزی کچہری میں کسی مصلحت سے ایسا اظہار حلفی دیا پس صورت مستفسرہ میں وُہ شخص جھوٹے حلف کا گنہگار ہوا، توبہ استغفار کرے، باقی نہ نکاح گیانہ کفارہ آیا، نہ اولاد اس کے لئے ترکہ سے محروم ہوئی،

امابقاء النکاح فلان جحودہ لایزیلہ والمقام ھٰھنا متعین للاخبار لانہ فی اظہار لاسیمامع الحلف بل اللفظ بنفسہ لایحتمل الانشاء کما لایخفی بخلاف قول القائل لست لی بامرأۃفلم یکن طلاقا اجماعا۔	نکاح کا باقی رہنا اس لئے کہ اس کا انکار نکاح کو موثر نہیں کرتا جبکہ یہ مقام بھی خبر دینے کے لئے متعین ہے کیونکہ یہ اظہار ہے اور وُہ بھی حلف کے ساتھ ہے بلکہ خود لفظ بھی انشاء کا احتمال نہیں رکھتا، جیسا کہ مخفی نہیں،اس کے برخلاف اگر کوئی کہے کہ "تُو میری بیوی نہیں ہے تو یہ بالاجماع طلاق نہیں (باوجودیکہ یہ انشاء ہے)۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

ان قال لم اتزوجك ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالاجماع کذافی البدائع۔[1]	اگرخاوند کہے "میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا" تو بالاجماع طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ بدائع میں ہے(ت)

اُسی میں ہے:

اتفقوا جمیعا انہ لوقال واللہ ماانت لی بامرأۃ ولست واللہ بامرأۃفانہ لایقع شیئ وان نوی کذافی السراج الوھاج[2]،ملخصًا۔	اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر خاوند کہے "خدا کی قسم تُو میری بیوی نہیں" یایوں کہے "خُدا کی قسم میری بیوی نہیں" توطلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، جیساکہ سراج الوہاج میں ہے ملخصًا۔(ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے:

واما عدم الکفارۃ فلان المعھود فی محاکمھم غیر القسم وان کان فلاکفارۃ	اور لیکن کفارہ اس لئے نہیں کہ کچہری میں حلف کو قسم نہیں قرار دیا جاتا ہے،اور اگر قسم ہو بھی تو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

فی غموس واماعدم انتفاء نسب الولد حتی یحرموا من ترکۃ فلعدم تحقق اللعان ومجرد النفی لاینفی وان تصادق علیہ الزوجان۔	یہ یمین غموس ہے جس پر کفارہ لازم نہیں ہوتا، (ماضی کے معاملہ میں جھوٹی قسم کو یمین غموس کہتے ہیں) باقی بچے کے نسب کاانتفاء اس لئے نہیں ہوگا کہ لعان کے بغیر نکاح کی نسبت منتفی نہیں ہوسکتی، اور لعان کے بغیر نفی پر خاوند بیوی دونوں متفق ہوجائیں تب بھی اولاد کی نسب منتفی نہیں ہوسکتی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

من قذف زوجتہ ونفی نسب الولد منہ اومن غیرہ وطالبتہ بموجب القذف وھوالحد، لاعن فان لاعنت بعدہ والاجست تلاعن او تصدقہ فان صدقہ لا ینتفی النسب لانہ حق الولد فلایصدقان فی ابطالہ[1] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی یا بچے کے نسب سے انکار کردیا، یا بیوی کے پہلے خاوند سے بچے کے نسب کواس کے والد سے منتفی کیا اور بیوی نے قاضی کے ہاں اس پر حدِ قذف کا دعوی کیا تو خاوند نے لعان کیا تو اس کے بعد اگر عورت نے لعان کیا تو بہتر ورنہ بیوی کو قید کیا جائے گا حتی کہ وُہ لعان کے لئے تیار ہوجائے یا خاوند کی تصدیق کرے، اور خاوند کی تصدیق کردی تو نسب منتفی نہ ہوگا کیونکہ یہ بچے کا حق ہے، لہذا بچے کے حق کو باطل کرنے میں ان دونوں کی بات تسلیم نہ کی جائیگی اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۷: ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے اپنی منکوحہ سے دو۲ بار کہا کہ "تو میرے نکاح سے باہر ہے، بجائے میری ماں بہن کے ہے" آیا اس کی منکوحہ پر طلاق پڑی یا نہیں؟ اور یہ ظہار ہے یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو رجعت ہوسکتی ہے یانہیں؟ اور بعد رجعت کفارہ ظہار زوج کوادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے عندالتفتیش بیان کیا کہ اس نے ایک جگہ جانے کے لئے اپنی زوجہ کو کہا تھااس نے

---

[1] درمختار باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۲۔۲۵۱

انکار کیا اس نے اصرار کیا آخر کہا "اگر نہ جائے گی تو میرے نکاح سے باہر ہو جائے گی" اس نے پھر بھی نہ مانا تو کہا "تو میرے نکاح سے باہر ہو گئی، تُو بجائے میری ماں بہن کے ہے" اس صورت میں عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جانے کا حکم ہے،

لان اللفظ من الکنایات کقولہ لم یبق بینی وبینك نکاح[1] کما فی الھندیۃ وظاھر انہ لایصلح ردّا ولاسبّا والحالۃ حالۃ الغضب۔	کیونکہ یہ لفظ کنایات میں سے ہے، جیسا کہ "تیرے اور میرے درمیان نکاح نہیں" جیسا کہ ہندیہ میں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتا اور حالت بھی غصّہ والی ہے۔ (ت)

اور اب ظہار کا کوئی محل نہیں،

فان الظھار یعتمد الزوجیۃ کما فی الدر المختار وانہ بعد البینونۃ صادق فی بیان الحرمۃ کما فی رد المحتار ۔	کیونکہ ظہار نکاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، اور خاوند طلاق بائن کے بعد اپنے بیانِ حُرمت میں سچا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا گیا ہے۔ (ت)

تو کفارے کی حاجت نہیں اور صرف رجعت کی صورت نہیں بلکہ نکاح پھر کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۸: از رچھا تھانہ بہیڑی ضلع بریلی　۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے بیٹوں سے ناخوش ہوا اور ان کو علیحدہ کر دیا، لوگ برادری کے جمع ہُوئے کہ ان کو ایک جگہ جمع کر دیں، باپ یعنی زید کو سمجھانا شروع کیا، اسی اثناء میں زید نے اپنی بی بی کی نسبت کہا کہ مجھ کو اس سے کوئی تعلق نہیں خواہ یہ اپنے لڑکوں میں رہے یا کسی جگہ چلی جائے میں لادعوی ہوں مجھ کو اس سے کچھ مطلب نہیں، وُہ برادری کے لوگ جو جمع تھے ان میں سے ایک شخص عمرو نے کہا کہ اے زید! خاموش ہو اپنی زبان کو روک، یہ کیا کہتا ہے، ایسے لفظ نہیں بولتے ہیں زید نے پھر دوبارہ سہ بارہ اسیطرح سے کہا کہ میں پھر کہتا ہوں کہ مجھ کو کوئی دعوی نہیں جہاں چاہے چلی جائے مجھ کو کچھ تعلق نہیں، غرض جُوں جُوں عمرو اس کو سمجھاتا تھا اُتنا ہی زید ان الفاظ کو بار بار کہتا تھا چار چھ مرتبہ اُن سب کے رُوبرو یہ الفاظ زید نے اپنی زبان سے نکالے، اب زید چاہتا ہے کہ میں بی بی کو اپنے پاس رکھوں، برادری کے بعض لوگ بھی کہتے ہیں کہ زید نے اس وقت غصے میں کہہ دیا تھا کچھ حرج نہیں اور چاہتے ہیں کہ میاں بی بی کا میل جول کرادے، تو فرمائیے کہ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور میاں بی بی کو خلط ملط

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

جائز ہے یانہیں؟ یا جو بات عنداللہ ہو بیان فرمائیے۔ بینوا بالصدق والصواب وتوجروا عنداللہ یوم الحساب۔

الجواب:

"مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں" کے سوا باقی الفاظ کنایات طلاق سے ہیں ان کے کہنے میں اگر زید نے عورت کو طلاق دینے اور اپنے نکاح سے باہر کردینے کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن ہو گئی،

ولایتعدد بالتکرار لان الکنایة البائنة لاتلحق طلاقا بائنا کما فی البحر والدر وغیرہا۔	اور یہ تکرار کی وجہ سے متعدد طلاقیں نہیں ہوسکتیں، کیونکہ کنایہ والی بائنہ طلاق پہلی بائنہ کو لاحق نہیں ہوسکتی، جیسا کہ بحر اور دُر وغیرہما میں ہے (ت)

اس صورت میں تو عورت کو رضامندی کے ساتھ اس سے نکاح کرلے اور اگر یہ الفاظ عورت کو طلاق دینے کی نیت سے نہ کہے تھے تو طلاق ہی نہ ہوئی عورت بدستور اس کے نکاح میں ہے یہ بات کہ ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تھی یا نہ کی تھی خود زید کے بیان سے معلوم ہوگی عورت اس سے قسم لے کر پوچھے اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی تو طلاق کا حکم نہ ہوگا،

فی الدر المختار ویکفی تحلیفها له فی منزله۔[1]	درمختار میں ہے کہ عورت کا گھر میں خاوند سے قسم لے لینا کافی ہے (ت)

اگر زید جُھوٹی قسم کھائے گا تو اس کا وبال زید ہی پر ہے، عورت الزام سے بری ہے اور اگر زید قسم کھانے سے انکار کردے یا صاف اقرار کردے کہ میں نے وہ الفاظ بنیت طلاق کہے تھے تو بغیر نکاح جدید کے اُن میں میل جول نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۹: از سرولی پرگنہ آنولہ ضلع بریلی محلہ رنگریزاں مرسلہ مسیتن زوجہ وزیر بیگ ۱۱جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ مسماۃ مسیتن کو مرزا وزیر بیگ شوہر میرے نے عرصہ دراز سے ہر طرح کی تکلیف دے کر اپنے مکان سے نکال دیا ہے اور میں اپنے باپ کے گھر رہتی ہوں، یہاں تک کہ میں نان شبینہ کو محتاج ہُوں، چنانچہ چند بار میں نے شوہر مذکور سے بابت نان ونفقہ بذریعہ تحریر طلب کیا سو اس کے جواب میں یہ نوٹس بھیجا جو ہمرشتہ سوال ہذا ہے یقین ہے کہ ملاحظہ سے گزرا ہوگا لہٰذا امید ہوں کہ برائے عنداللہ بموجب حکم شرع شریف کے اجازت ہو کہ میں اپنا نکاح کسی مرد صالح

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

کے ساتھ کرلوں جس سے قوت بسری میری متصور ہو فقط

نقلِ نوٹس: نوٹس بنام مسمّاۃ مسیتن دخیر خیراتی واضح ہو تم نے چند بار واسطے خرچ کے مجھ کو لکھا کہ مجھ کو خرچ کی سخت ضرورت ہے خوب بات ہے اگر تم بلااجازت میرے اپنی ماں کے گھر نہ چلی جاتیں تو میں تم کو خرچ کچھ نہ کچھ دیا کرتا اگرچہ میں پہلے ہی تم سے ازحد ناخوش ہوں مگر اب تو میرا بالکل ہی تم سے کُچھ تعلق نہیں رہا، مجھ سے تم کسی قسم کی اُمید مت رکھنا بلکہ تم کو اپنی ذات کا اختیار ہو چکا، میں تم سے دست بردار ہُوں، زیادہ اور لکھوں فقط، راقم وزیر بیگ از پیاس ۹ جولائی ۱۹۰۴ء

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ایک طلاق بائن پڑنے کا حکم دیا جائے گا عورت اپنے آپ کو نکاح سے باہر سمجھے اور روز طلاق کے بعد تین حیض کامل شروع ہو کر ختم ہو جانے کے بعد اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے،

لان نفی التعلق من بین کنایات التطلیق وکذا دست برداری ولا یحتملان ردا و لاسبّا والحالۃ حالۃ الغضب فیحکم بالوقوع بل اللفظ الباقی ایضا کنایۃ عن التطلیق دون التفویض کما یعلم من یعرف اسالیب التحاور واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ کنایات میں تعلق کی نفی کو طلاق دینا قرار دیا گیا ہے اور یُونہی "دستبردار ہونا" کا حکم ہے، یہ دونوں لفظ جواب اور ڈانٹ کا احتمال نہیں رکھتے اور حالت بھی غصہ والی ہے، اس لئے طلاق واقع ہونے کا حکم ہوگا اور اسی طرح باقی الفاظ بھی کنایہ والے ہیں جن سے طلاق ہی مراد ہوتی ہے اور ان سے بیوی کو اختیار دینا نہیں ہوتا جیسا کہ محاورات کے مفہومات کو سمجھنے والا ماہر شخص جانتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اور اس کا مرد یعنی خاوند اس کا میاں بی بی میں جھگڑا اور فساد ہوا اور غصہ تھا اس غصہ کی حالت میں عورت نے کہا مجھ کو طلاق دے دو، اس کے میاں نے غصّہ کی حالت میں تین بار کہا تو ہماری بہن ہو چکی تو ہماری بہن ہو چکی تو ہماری بہن ہو چکی۔ اس صورت میں طلاق ہُوئی یا نہیں جب غصہ اُترا تو خیال کیا یہ ہم نے کیا کہا فقط۔ یہ واقعہ ہُوا ہے ایک نومبر ۱۹۰۶ء کو، آج پانچواں دن ہے۔

الجواب:

تین طلاق کی اس صورت میں اصلاً گنجائش نہیں،

لانہ کان بائنا والبائن لایلحق البائن	کیونکہ اگر بائنہ ہو تو وہ پہلی بائنہ کو لاحق نہیں ہو سکتی،

وظاھر انہ لیس ظھار العدم التشبیہ وظاھر کلامھم ان لاطلاق فیہ تامّل۔	اور ظاہر یہ ہے کہ ظہار نہیں کیونکہ ظہار میں تشبیہ ہوتی ہے جو یہاں نہیں ہے لہٰذا فقہاءِ کرام کا ظاہر قول یہی ہے کہ اس صورت میں طلاق نہ ہوگی، غور کی ضرورت ہے۔(ت)

احتیاط یہ کہ آپس میں نکاح نئے سرے سے کرلیں، دو۲ مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۱: از شاہجہانپور محلّہ باروزی اول ۸ شوال ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ اپنی ساس کی بدمزاجی اور سخت کلامی سے اپنے والدین کے مکان پر چلی آئی زید اس کے شوہر نے جو پردیس میں ملازم ہے ایک خط بقلم خود بذریعہ ڈاک ہندہ کے باپ کے نام لکھا، علاوہ کلماتِ سخت کے یہ بھی لکھا کہ اب آپ عمر بھر لڑکی کو بٹھائے رکھئے اور اب وہ کبھی نہیں بلائی جاوے گی اور اب آپ دیکھئے گا کہ مجھ کو لوگ کیسے لڑکی دیتے ہیں اور اب آپ لڑکی کو اپنے پاس رکھئے اور آپ کی لڑکی میں کیا صفت ہے، اب آپ لڑکی کو بٹھائے رکھئے جب تک جی چاہے، اور میرا اس کا کچھ تعلق نہیں اور اب آپ کی لڑکی کو کوئی نہیں بُلائے گا اور میں والد صاحب کو لکھ دُوں گا کہ آپ سے کچھ تعلق نہ رکھا جاوے اور لڑکی کو بلایا جاوے اور میری آپ کی خط وکتابت بھی یہیں سے قطع ہوتی ہے اب آپ جواب اس کا نہ دیجئے گا میں نہیں چاہتا، پس یہ کلمات جو زید نے لکھے وُہ طلاق تک پہنچے یا نہیں؟

الجواب:

ایسے خط سے طلاق نہیں ہوسکتی جب تک زید اس کے لکھنے کا اقرار نہ کرے، پھر بعد اقرار بھی حکمِ طلاق نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس لفظ کے بہ نیتِ طلاق کہنے کا اقرار نہ کرے کہ میرا اس کا کوئی تعلق نہیں، ہاں اگر وہ کہے کہ یہ خط میں نے اور یہ الفاظ بہ نیت طلاق لکھے تھے تو ضرور ایک طلاق بائن کا حکم دیا جائیگا اور اگر واقع میں اس نے یہ لفظ بہ نیت طلاق لکھے تھے اور اب اس کا انکار کرجائیگا تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۲: از شاہجہان پور محلّہ دلدداک متصل مسجد کوٹھی بابو سمیع اللہ خاں مرسلہ سید امجد علی صاحب ہیڈ کانسٹیبل پنشنر ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو ایک نوکری پیشہ ہے اور اس کی ایک لڑکی محمودہ اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ رہتی تھی عرصہ تین چار سال ہُوا کہ اس کی ماں سوتیلی نے اپنے حقیقی بھائی کی صلاح سے جو محمود کا سوتیلا ماموں ہے بلارضا مندیِ عمرو محمودہ جس کی عمر ۱۴سال تھی کی شادی خالد جو بدچلن لامذہب آدمی ہے سے کردی، دس بارہ یوم میں محمودہ کو جب علم ہوا کہ یہاں پر کوئی کام مطابق شرع نہیں، تب خالد کو فہمائش پابندی نماز کی کی جس پر

محمودہ کو سخت وسُست کہا گیا اور ہر طرح کی تکلیف خورد ونوش اور صوم وصلاۃ کی دی گئی اور آخر کار خالد نے محمودہ کو باپ کے گھر پہنچادیا، کچھ عرصہ بعد والدہ ونانی خالد کی آئیں اور خدا اور رسول کو درمیان میں ڈال کر اور اقرار اس بات کا کرکے کہ اب لڑکی کو تکلیف نہ ہوگی اور اس کو ناخوش نہ رکھا جائے گا محمودہ کو رخصت کرالے گئیں، دس پندرہ یوم تک محمودہ وہاں رہی، مگر قسم اور اقرار کی پابندی نہ دیکھ کر وہ میکہ چلی آئی غرضیکہ اس عرصہ چار سال میں چار پانچ مرتبہ ایسا ہی اتفاق ہوا، اخیر مرتبہ خالد کے باپ نے حلف لیا اور ذمہ دار ہُوا اور لڑکی کو رخصت کرالے گیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد خالد نے محمودہ سے بات چیت کرنا گھر میں آنا چھوڑدیا اور بالآخر زیور وکپڑا اتار کر یہ کہہ کر کہ اب عمر بھر کو جاؤ ہم سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں اس کو میکے میں پہنچادیا اور ایک جماعت کثیر کے جلسہ میں جس میں چند اصحاب نمازی اور پابندِ صوم وصلوٰۃ موجود تھے کہا کہ ہم نے اب در بہ ہی پھونک دیا اور مجھ سے و محمودہ سے کوئی تعلق نہیں رہا اور جب سے اب تک کوئی خبر گیری نہ لی۔

الجواب:

لوگ بہت گول سوال کرتے ہیں کچھ نہ بتایا کہ نکاح کے وقت محمودہ بالغہ تھی یا نابالغہ، چودہ سال کی عمر میں دونوں باتیں محتمل ہیں، اگر عارضہ ماہواری آتا ہو بالغہ ہے ورنہ نابالغہ، یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر بالغہ تھی تو اس کا اذن لیا گیا یا نہیں، اور نابالغہ تھی تو باپ نے اس نکاح کو سُن کر کیا کہا اور یہ رخصت کس کی اجازت سے ہوئی۔ جب تک ان باتوں کی تفصیل نہ بتائی جائے حکم متعین نہیں ہوسکتا، اور ہر شق کا حکم بتانا خلاف مصلحت شرعیہ ہے، تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ نکاح کو صحیح مان کر طلاق کی نسبت استفسار ہے کہ ان لفظوں سے ہوئی یا نہیں، اگر وُہ واقعی لامذہب ہے بایں معنی کہ زندیق ودہریہ ہے کوئی دین نہیں رکھتا یا بایں معنی کہ وہابی غیر مقلد ہے جب تو نکاح ہی نہ ہُوا طلاق کیسی، اور اگر بایں معنی کہا کہ دین کے احکام پر قائم نہیں، ہر قسم کے لوگوں سے میل جول ہے، تو اگر نکاح صحیح فرض کرلیا جائے جس کی حقیقت بغیر امور مذکورہ کے واضح نہ ہوگی تو طلاق کی نسبت اتنا جواب ہے کہ یہ الفاظ کنایہ ہیں، طلاق اس کی نیت پر موقوف ہے، اگر بہ نیت طلاق کہے ایک طلاق بائن ہوگئی، عورت نکاح سے نکل گئی ورنہ نہیں، اور نیت ہونے نہ ہونے میں مرد کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، **کمافی الدرالمختار وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۳: از رانچی اوپر بازار مرسلہ جناب عبدالرب ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

شوہر نے اپنی بی بی سے کہا کہ مجھ سے اور تجھ سے کوئی سروکار واسطہ نہیں میں نے تجھ کو چھوڑ دیا

بعد کہنے ان الفاظ کے تفرقہ و قطع تعلق بعد زمانہ ڈیڑھ سال کے دوسرے مرد نے اس عورت سے نکاح کرنا چاہا بعض نے کہا کہ اسے شوہر نے طلاق نہیں دیا ہے، شوہر سے پوچھا کہ تم نے طلاق دی ہے یا نہیں، اس نے بیان کیا کہ ڈیڑھ دو سال سے میں نے اس کو چھوڑدیا ہے اور کوئی واسطہ وسروکار نہیں ہے اور وُہ داخل طلاق ہے اور طلاق ہی جانئے، سوال یہ ہے کہ واسطہ وسروکار نہیں اور میں نے اسی کو چھوڑدیا ہے، طلاق بالکنایہ محتاج نیت ودلالت حال کی ہے، عرصہ ڈیڑھ دوبرس سے باہمی تفرقہ و قطع تعلق رکھنا موافق قولِ ثانی امام محمد کے جو مختار سغدی ہے دلیل اوپر نیت طلاق کے ہے تیسرا جملہ داخل طلاق یاطلاق ہی جانیے صریح ہے، پس وقوعِ طلاق مسند زمان ماض اندر مدّت ڈیڑھ دوسال کے ثابت ہے یا نہیں اور انقضائے عدت زمانہ وقوع طلاق سے عرصہ ڈیڑھ دوسال کے اندر موافق روایات فقہیہ متعلق ہے یا نہیں، اور یہ دوسرا نکاح بعد ڈیڑھ دوسال کے صحیح ہوا یا نہیں، زید بسند کتب معتبرہ فقہیہ ہدایہ وبحر وفتح وغیرہ ثابت کرتا ہے کہ جب وقوعِ طلاق باسناد سند زمان ماض متعلق ہے اور طلاق سبب عدت تو عدت اندر ڈیڑھ دوسال کے گزر گئی نکاح دوسرا صحیح ہے بکر کہتا ہے کہ نہیں بلکہ وقتِ اقرار سے عدت محسوب ہوگی یہ دوسرا نکاح باطل ہے بلکہ تمتع فیما بین داخلِ زنا، پس قول بکر کا صحیح ہے یا زید کا؟

الجواب

"مجھ کو تجھ سے کوئی سروکار نہیں" یہ تو الفاظ طلاق سے ہی نہیں،

كقوله لاحاجة لى فيك لااشتهيک[1] كمانص عليه فى العلمگيرية وغيرہا۔	جیسا کہ خاوند کہے "مجھے تجھ میں حاجت نہیں، تجھ میں میری خواہش نہیں ہے، جیسا کہ عالمگیری وغیرہ میں اس پر نص موجود ہے (ت)

"مجھ سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں" یہ ضرور کنایاتِ طلاق سے ہے كقوله لم يبق بينى وبينك شيئ[2] (جیسا کہ یُوں کہے میرے اور تیرے درمیان کچھ نہیں ہے۔ت) اور "میں نے تجھ کو چھوڑدیا" یہ لفظ صریح ہے كما بيناه فيما علقناه على ردالمحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس کو بیان کردیا ہے۔ت) اب اگر اُس نے ان لفظوں سے کہ "مجھ سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں" طلاق کی نیّت کی تھی تو دو طلاقیں بائن ہوگئیں،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶

فان الصریح یلحق البائن والرجعی اذاجامعہ البائن جعلہ بائنالامتناع الرجعۃ۔	کیونکہ صریح بائن کولاحق ہوتی ہے اور صریح اور بائن جمع ہوجائیں تو بائنہ صریح کو بائنہ بنادیتی ہے کیونکہ رجوع نہیں ہوسکتا۔(ت)

اور اگراس سے طلاق کی نیت نہ کی ہوتوایک طلاق رجعی ہوئی اگرچہ دوسرے لفظ سے بھی نیت نہ کی ہو،

لان الصریح لایحتاج الی النیۃ ولتاخرہ عن الکنایۃ لم یکن قرینۃ علٰی نیۃ الطلاق بھا۔	کیونکہ صریح طلاق نیت کی محتاج نہیں ہوتی،چونکہ صریح طلاق یہاں کنایہ کے بعد ہے لہٰذا کنایہ کے وقت نیتِ طلاق کا قرینہ موجود نہ تھا۔(ت)

عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

لوقال لھا بینی فانت طالق فھی واحدۃ اذالم ینو بقولہ بینی طلاقا[1]۔	اگر خاوند کہے"توجُدا ہو تجھے طلاق"تو یہ ایک طلاق ہے،اگر اس نے"تُوجدا ہو"سے طلاق کی نیت نہ کی ہو۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قال لامرأتہ فی حال الغضب روحی طالق یقع واحدۃ رجعیۃ وان نوی الاکثراوالابانۃ اولم ینوشیئا لانہ صریح،اذالکنایۃ ماتحتمل الطلاق ولایکون الطلاق مذکورایضا کما صرح بہ قاضی خاں فی الکنایات، وھنا الصریح مذکور[2]۔	خاوند نے بیوی کو غصہ میں کہا"میری روح طلاق والی ہے"توایک طلاق رجعی ہوگی اگرچہ وُہ زیادہ طلاقوں کی یابائنہ کی نیت کرے یا کوئی نیت نہ کرے ہرطرح ایک رجعی ہوگی،کیونکہ یہ صریح ہے اور کنایہ وُہ ہوتی ہے جس میں طلاق کا احتمال ہواور طلاق کاذکر بھی نہ ہو جیساکہ اس کو قاضی خاں نے کنایات کے باب میں ذکر کیا ہے جبکہ یہاں صریح طلاق مذکور ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

انہ مذکوربعدہ والقرینۃ لابدان تتقدم کمایعلم ممامر	یہ بعد میں مذکور ہے جبکہ قرینہ کے لئے ضروری ہے کہ وُہ پہلے ہو،جیساکہ پہلے اعتدی(توعدّت

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۷

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۴و۵۵

فی اعتدّی ثلثاً[1]۔	پوری کر) تین مرتبہ کہنے کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایقع بالاول شیئ لانه لم ینوبه ودلالة الحال وجدت بعده[2] **اقول:** وفیما ذکر فی الخیریة نوع مخالفة لما مر عن المحیط والظاهر مافی المحیط و عبارة الخانیة الکنایة ماتحتمل الطلاق ولایکون الطلاق مذکورا نصا[3] فانما معناه لایکون نصافی الطلاق کیف وقد قال فیها لوقال انت طالق فاعتدی وقال عنیت به العدة صحت نیته وان عنی به تطلیقة اخری اولم ینو شیئا فهی تطلیقة اخری وکذلك واعتدی اوقال اعتدی بغیر حرف العطف[4] فقد اوقع بالکنایة اخری عند النیة مع وجود الصریح وانما لم یحتج الی النیة لتقدم الصریح فکان من المذاکرة بخلاف مانحن فیه فانه کقوله بینی فانت طالق واللہ تعالٰی اعلم۔	کنایہ پہلے ہو تو اس سے کوئی طلاق نہ ہوگی جبکہ نیتِ طلاق نہ ہو، کیونکہ ایسی صورت میں نیت اور دلالت دونوں نہ پائے گئے،اور دلالت اگرچہ ہے مگر بعد میں ہے جو کہ قرینہ نہیں بن سکتی **اقول:** (میں کہتا ہوں) خیریہ میں جومذکور ہے وُہ محیط سے منقول کے کچھ خلاف ہے جبکہ ظاہر وہی ہے جو محیط میں ہے،خانیہ کی عبارت یوں ہے کہ کنایہ وُہ جو طلاق کا احتمال رکھے اور صراحۃً طلاق مذکور نہ ہواھ، جبکہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ طلاق میں نص نہ ہو،یہ کیونکر نہ ہو جبکہ انہوں نے خانیہ میں فرمایا کہ اگر خاوند بیوی کو کہے "تو طلاق والی ہے پس تُو عدت پوری کر" اور پھر کہے کہ میں نے فاعتدی (پس تُو عدت پوری کر) سے عدت مراد لی ہے،تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور اگر کہے کہ میں نے اس سے دوسری طلاق مراد لی ہے یا کہے کہ میں نے کوئی نیت نہیں کی،تو یہ دوسری طلاق شمار ہوگی،اور یُوں ہی اگر "و" عطف کے ساتھ یا بغیر عطف واعتدی اور اعتدی کہے تو بھی یہی حکم ہے،تو یہاں اس بیان میں انہوں نے "اعتدی" کے کنایہ سے نیت کے ساتھ دوسری طلاق' باوجودیکہ اس سے پہلے صریح طلاق مذکور ہے،واقع ہونا تسلیم کیا ہے،تو بلاشک کنایہ میں نیت کی ضرورت نہ ہوگی جہاں صریح طلاق پہلے مذکور ہو تاکہ وُہ مذاکرہ طلاق بن سکے،اس کے برخلاف جو ہم بیان کررہے ہیں اس میں کنایہ پہلے اور صریح بعد میں ہے

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۴
[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۴
[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۶
[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۶

لہٰذا وہ "توجدا ہو تجھے طلاق ہے" کی طرح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

وقتِ اقرار سے عدت معتبر ہونا کہ برخلاف ائمہ اربعہ وجمہور صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین فتوائے متاخرین ہے صرف محل تہمت میں ہے اور وُہ بھی وہاں کہ طلاق صرف اقرار سے ثابت ہوا گر پہلے سے معلوم ہے تو بلاشبہہ بالاجماع وقت طلاق ہی سے عدت ہے، یوں ہی اگر پہلے سے طلاق کا ثبوت نہیں مگر جس وقت سے طلاق دینا بیان کرتا ہے جب سے زوجہ کو جُدا کردیا ہے تو اس صورت سے بھی فتوائے متاخرین متعلق نہیں، اور یہاں یہ دونوں باتیں موجود ہیں طلاق قبل اقرار ثابت ہے اور اس وقت سے وُہ اسے جُدا بھی کرچکا تو یہاں وقت اقرار سے عدت لینا صراحۃً باطل وخلاف اجماع ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر ظاھر کلام محمد فی المبسوط وعبارۃ الکنز اعتبارھا من وقت الطلاق الاان المتاخرین اختار وا وجوبھا من وقت الاقرار حتی لایحل له التزوج باختھا واربع سواھا زجراله حیث کتم طلاقھا، وھو المختار کما فی الصغری اھ و وفق السغدی بحمل کلام محمد علی ماذاکان متفرقین من الوقت الذی اسند الطلاق الیه، اما اذاکان مجتمعین فالکذب فی کلامھما ظاھر لایصدقان فی الاسناد، قال فی البحروھذا ھو التوفیق ان شاء اللہ تعالٰی وفی الفتح ان فتوی المتاخرین مخالفة للائمة الاربعة وجمھور الصحابه والتابعین وحیث کانت مخالفتھم للتھمة فینبغی ان یتحری به محالھا و الناس الذین ھم مظانھا، ولھذا فصل السغدی بما مراھ ملخصاو	بحر میں فرمایا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مبسوط میں ظاہر کلام اور کنز کی عبارت میں ہے کہ عدت کا اعتبار طلاق کے وقت سے ہے مگر متاخرین نے اس میں اقرار کے وقت سے عدت کا وجوب مانا ہے، اس لئے اس کو بیوی کی بہن اور اس کے ماسوازائد چار عورتوں سے نکاح حلال نہ ہوگا جب تک اقرار کے بعد مکمل عدت پوری نہ ہوجائے، متاخرین کا یہ حکم طلاق کو چھپانے کی سزا کے طور پر ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ صغرٰی میں ہے اھ، اور سغدی نے امام محمد اور متاخرین کے کلاموں میں موافقت پیدا کرتے ہوئے یُوں کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کا محمل یہ ہے کہ جب خاوند اور بیوی بیان کردہ وقتِ طلاق سے علیحدگی اختیار کرچکے ہوں اور اگر وہ دونوں اس وقت سے اب اقرار تک اکٹھے رہ رہے ہوں تو پھر طلاق کے لئے بیان کردہ وقت میں دونوں کا جھوٹ ظاہر ہے اس لئے وقت کے بیان میں تصدیق نہ کی جائے گی (اور اقرار کے وقت سے ہی

اقرہ فی البحر والنہر۔[1]	عدت شمار ہوگی) اور بحر میں فرمایا یہ موافقت درست ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔اور فتح میں ہے کہ متاخرین کا فتوٰی ائمہ اربعہ، جمہور صحابہ کرام اور تابعین کے قول کے مخالف ہے، تو یہ مخالفت تہمت کے مقام میں ہے، تو بہتر ہے کہ اس کی وجہ معلوم کرنے کے لئے سوچ بچار سے کام لیا جائے، اور لوگوں میں ایسے واقعات موجود ہیں اسی لئے سغدی نے اس کی تفصیل بیان کی ہے جو گزرچکی اھ ملخصًا، اور اس کو بحر اور نہر میں ثابت رکھا ہے۔(ت)

ڈیڑھ دوسال میں اگرچہ ذوات الحیض کی مدت کا انقضاء لازم نہیں **فقد تکون ممتدۃ الطہر** (کیونکہ کبھی لمبے طہر والی ہوتی ہے۔ت) مگر شک نہیں کہ اتنی مدت انقضائے عدت کے لئے کافی ضرور ہے کہ امام کے نزدیک کم از کم دو ۲ مہینے اور صاحبین کے ہاں انتالیس ۳۹ دن میں تین حیض گزر سکتے ہیں اور عورت کا نکاح پر اقدام انقضائے عدت کا اقرار تو صحت نکاح میں کوئی شبہہ نہیں جب تک کہ عورت کا اس اقرار میں کذب شرعًا نہ ثابت ہویُوں کہ طلاق سے مثلاً ڈیڑھ برس بعد نکاح کیا اور اس نکاح کو چھ ۶ مہینے اور طلاق کو دو برس گزرنے سے پہلے بچّہ پیدا ہوا کہ اس صورت میں صاف ظاہر ہوا کہ عدت نہ گزری تھی، بدائع، و بحر و درمختار وغیرہا میں ہے:

اقدامہا علی التزوج دلیل انقضاء عدتہا[2]۔	بیوی کا نکاح کے لئے اقدام اس کی عدت ختم ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے(ت)

بالجملہ قول بکر غلط محض ہے اور حاصل قول زید کا اس وجہ پر کہ ہم نے تقریر کی ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۳۰۴: سائل مذکور الصدر بتاریخ مذکور

اسی مسئلہ کے متعلق بکر بزورِ طبع زید کو ترغیبِ عزت واحترام دنیاوی دلا کر کہتا ہے کہ تم اس مسئلہ میں اقرار شبہہ کا اقرار کرو تو ہم بمقابلہ عوام تمہاری عزّت دونی کرادیویں گے اگر کوئی اعتراض کرے گا تو صدہا غلطیاں و شبہات خلفائے راشدین وائمہ مجتہدین پیش کرکے لوگوں کو سرنگوں کردیویں گے وبصورتِ عدم اقرار شبہہ بدعتی کا حکم لگادیں گے، غور فرمایا جائے کہ بمقابلہ عوام کے خواص کی غلطیاں دکھلانا ایک جزئی مسئلہ میں توہینِ خواص متصور ہے یا نہیں؟ اور ایک مسلمان کو بدعتی کہنا کیسا ہے؟

---

[1] ردالمحتار باب العدّۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۱۰

[2] بحرالرائق باب العدّۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۴۷

الجواب:

بکر نے جو حکم لگایا تھا کہ یہ نکاح نہ ہوا اور تمتع زنا ہوگا یہ شریعت مطہرہ پر اس کا افتراء تھا، اسی پر اپنی خطا کا اقرار لازم ہے، اگر اصرار کرے تو وہی بدعتی ہے کہ احکامِ شریعت کو نہیں مانتا اور اپنے گھڑے حکم پر جما ہے اس وقت تک اگر اس کا افتراء نادانستہ تھا اور اب جان کر مُصر ہوگا تو قصداً **مفتری علی اللہ** ہوگا۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ[1]۔	جھوٹا افتراء وہ لوگ بناتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ (ت)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾[2]۔	بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء بازی کرتے ہیں وُہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (ت)

اس کا یہ طمع کی رشوت دینا کہ ہم تمہاری عزت بڑھادیں گے ناپاک و مردود ہے، عزت سب اللہ کے ہاتھ ہے،

اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾[3]۔	کیا وُہ ان کے ہاں عزت چاہتے ہیں تو عزت ساری کی ساری بیشک اللہ تعالٰی کے لئے ہے (ت)

دانستہ حق کو باطل کہنا اور حق سے رجوع کرکے اس میں اپنا شبہہ بتانا موجب عزت نہیں دارین میں سخت ذلت کا باعث ہے، خلفائے راشدین وائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کبھی رجوع عن الحق نہ فرمائی ان کا اس طرح ذکر بلاشبہہ توہین ہے بکر بے ادب مختل الدین ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۵: ازمارہرہ ضلع ایٹہ عقب تھانہ مرسلہ عصمت اللہ خاں قادری ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

مسمّاۃ مجیدن جس کی عمر قریب ۹ سال کے تھی اس کا نکاح اس کی پھپی کے لڑکے رحیم خاں سے ہوا، کبھی میل جول عورت مرد کا جیسا ہونا چاہئے نہ ہوا، اس وقت مجیدن کی عمر قریب ۱۳ سال کے ہے اس کے شوہر نے گاؤں میں مشہور کیا کہ وُہ مرد نہیں ہے نہ عورت کے قابل، چند آدمی اپنے رشتہ دار اور غیر لوگوں

---

[1] القرآن ۱۰۵/۱۶

[2] القرآن ۶۹/۱۰

[3] القرآن ۱۳۹/۴

اور اپنی ساس سے یہ کہا کہ میں کسی قابل نہیں ہوں میں جواب دے دُوں گا میرے چھوٹے بھائی سے اس کا عقد کردو یہ بیوی نہیں ہے بلکہ ماموں زاد بہن ہے۔اس پر اس کی ساس بہت ناخوش ہوئی،اب اس سے جواب کے لئے کہا جاتا ہے وُہ انکار کرتا ہے، کبھی کہتا ہے میں اب مرد ہوگیا، کبھی لوگوں سے کہا میں اس عورت کی ناک کاٹ لوں گا۔یہ عورت اس کے گھر جانا نہیں چاہتی نہ اس کی ماں اس کو بھیجنا چاہتی ہے بلکہ دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے۔آیا وہ عورت اب بلاطلاق لئے دوسری جگہ اس کا نکاح کرسکتی ہے؟

الجواب:

اس کا کہنا کہ میں کسی قابل نہیں اور یہ کہ میں جواب دے دوں گا،اور یہ کہ میری بی بی نہیں،اور یہ کہ ماموں زاد بہن ہے،ان میں سے کوئی لفظ کلمہ طلاق نہیں البتہ اس کا یہ لفظ کہ "فلاں سے اس کا عقد کردو" کنایہ طلاق ہوسکتا ہے،

علی معنی زوجوھا فلانا لانی طلقتھا کما قال ش فیمن زوج امرأته من غیرہ موجھا لمن قال ان نوی طلقت لعل وجهه ان قوله زوجتك امرأتی فلانة یحتمل ان یکون علی تقدیر ان صح تزویجھا منك اوتقدیر لانھا طالق منی فاذا نوی الطلاق تعین الثانی فتطلق اھ[1]۔	"اس کا نکاح فلاں سے کردو کیونکہ میں نے اس کو طلاق دے دی ہے" کے مطابق ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے ماتن کے قول "جس نے اپنی بیوی کا نکاح دوسرے سے کردیا" کے متعلق جس نے کہا اگر طلاق نیت کی ہو طلاق ہوجائیگی اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہا خاوند کا کہنا کہ "میں نے اپنی فلاں بیوی کا تجھ سے نکاح کیا" اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ تجھ سے نکاح کیا اگر تجھ سے نکاح کرنا جائز ہو۔اور دوسرا احتمال یہ ہے تجھ سے نکاح کیونکہ میں نے اس کو طلاق دے رکھی ہے،توجب طلاق کی نیت سے کہے تو صرف دوسرا احتمال مراد ہوگا،اس لئے طلاق ہوجائے گی اھ (ت)

رحیم خاں سے قسم لی جائے کہ تُونے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں،اگر قسم کھالے گا کہ میں نے اس لفظ سے طلاقِ مجیدن کی نیت نہ کی تھی طلاق ثابت نہ ہوگی دوسری جگہ نکاح حرام محض ہوگا،اور اگر قسم کھانے سے انکار کردے گا تو طلاق ثابت ہوجائے گی اور عورت اسی وقت سے جب سے

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۴

یہ الفاظ اس نے اپنی ساس سے کہے تھے نکاح سے باہر سمجھی جائے گی پھر اگر خلوت اصلًانہ ہوئی جب تو عورت وقتِ طلاق ہی سے نکاح ثانی کی محل ہو گئی اور اگر خلوت ہوئی اگرچہ جماع نہ کرسکا تو اگر جب سے اب تک عدت یعنی بعد طلاق تین حیض شروع ہو کر ختم ہوگئے تو اب ورنہ جب ختم ہوں دوسرے سے نکاح ہوسکتا ہے اور اگر رحیم خاں نہ ملے کہ اس پر قسم رکھی جاتی تو طلاق ثابت نہیں نکاح حرام ہوگا قال اللہ تعالٰی وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور شادی شدہ عورتیں حرام ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶: از چھپرا محلّہ نئی بازار تربنہ مرسلہ حاجی عبدالرزاق صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

زید نے بارہا اپنی بی بی کو غصہ کی حالت میں کہا تم ہمارے سامنے و نظر سے دور ہو جاؤ جب وُہ سامنے سے دُور نہیں ہوتی اس وقت وُہ جوتا لے کر دوڑتا ہے تب وُہ سامنے سے علیحدہ ہو جاتی ہے آیا طلاق عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس نے بہ نیتِ طلاق یہ الفاظ نہ کہے تو طلاق نہ ہوئی، اور اگر ایک بار بھی بہ نیت طلاق کہے تو طلاق ہو گئی عورت نکاح سے نکل گئی مرد سے قسم لی جائے اگر حلف سے کہہ دے کہ میں نے یہ لفظ کبھی بہ نیت طلاق نہ کہے تو حکم طلاق نہ دیں گے، اگر جھوٹی قسم کھائے گا و بال اس پر ہے، یہ قسم حاکم کے سامنے ہو نا ضروری نہیں عورت گھر میں قسم لے سکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

یکفی تحلیفھا له فی منزله [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عورت کا خاوند سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۰۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تقریبًا ۱۱ سال کا ہوا میری شادی کو ہوئے، میرے شوہر نے مجھ کو تین چار بار اپنے مکان سے نکال دیا، برادر جمع ہوئے اور مجھ کو میرے شوہر کے یہاں پہنچادیا، اور پھر چند عرصہ کے بعد میرے شوہر نے مجھ کو اپنے مکان سے باہر نکال دیا اور کہہ دیا کہ "تُو نکل جا، آج سے مجھ سے اور تجھ سے کسی قسم کا کچھ تعلق نہیں"۔ اب عرصہ چھ ۶ سال سے اپنے والدین کے مکان پر ہوں، برادران نے دو ۲ شخص مقرر کئے وُہ بتاریخ ۲ شوال ۱۳۳۶ھ یومِ جمعہ کو میرے شوہر کے مکان پر گئے اور انہوں نے یہ لفظ میرے شوہر سے کہے کہ تمہاری بی بی بہت تکلیف میں ہے اور وہ تمہارے

---

[1] القرآن ۲۵/۴

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۲۲۴/۱

پاس آنا چاہتی ہے، اس پر میرے شوہر نے یہ جواب دیا کہ "وہ میری بی بی تو اسی تاریخ سے نہیں رہی جب سے وُہ گئی ہے اور اسی تاریخ سے چھوڑ چکا ہوں صرف اس کو پریشان کرنے کے واسطے چھوڑ رکھا ہے"۔اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنے شوہر کی زوجیت میں رہی یا نہیں؟

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں عورت پر ایک طلاق بائن ہو گئی اور وُہ اس کی زوجیت سے نکل گئی، اگر اس روز سے آج تک جسے سائلہ چھ ۶ سال کا عرصہ بتاتی ہے اسے تین حیض شروع ہو کر ختم ہوگئے ہوں جیسا کہ ظاہر یہی ہے اس صورت میں اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے، اور اگر شاید ابھی تین حیض نہ ہوئے ہوں تو جب ہو جائیں اس وقت اسے دوسرے سے نکاح جائز ہوگا اس لئے کہ وہ چھ ۶ برس سے طلاق دینے کا مقر ہے اور وُہ دونوں اسی وقت سے جدا ہیں تو عدت جبھی سے لی جائے گی۔

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر وظاهر كلام محمد فی المبسوط وعبارة الكنز اعتبارها من وقت الطلاق، الاان المتاخرين اختاروا وجوبها من وقت الاقرار حتی لايحل له التزوج باختها واربع سواها زجراله حيث كتم طلاقها وهو المختار كما فی الصغری اھ ووفق السغدی بحمل كلام محمد علی مااذاكان متفرقين من الوقت الذی اسند الطلاق اليه، امااذاكانا مجتمعين فالكذب فی كلامهما ظاهر فلايصدقان فی الاسناد قال فی البحر وهذاهوالتوفيق ان شاء الله تعالٰی وفی الفتح ان فتوی المتاخرين مخالفة للائمة الاربعة و	بحر میں فرمایا کہ مبسوط میں امام محمد کا ظاہر کلام اور کنز کی عبارت میں ہے کہ عدت کا اعتبار طلاق کے وقت سے ہے مگر متاخرین نے اس میں اقرار کے وقت سے عدت کا وجوب مانا ہے اس لئے ایسے شخص کو بیوی کی بہن اور اس کی بیوی کے ماسوا چار عوتوں سے نکاح حلال نہ ہوگا جب تک اقرار کے بعد مکمل عدّت پوری نہ ہوجائے، متاخرین کا یہ حکم طلاق کو چھپانے کی سزا کے طور پر ہے، اور یہی مختار ہے جیسا کہ صغرٰی میں ہے اھ، اور سغدی نے امام محمد اور متاخرین کے کلاموں میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کا محمل یہ ہے کہ جب خاوند وبیوی بیان کردہ وقتِ طلاق سے علیحدگی اختیار کرچکے ہوں، اور اگر وُہ دونوں اس وقت سے وقتِ اقرار تک اکٹھے رہ رہے ہوں، تو دونوں کا جھوٹ ظاہر ہے لہٰذا وقت کے بیان میں دونوں کی تصدیق نہ کی جائے گی (اور اقرار کے وقت سے ہی عدت شمار ہوگی)

جمہور الصحابۃ والتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم وحیث کانت مخالفتہم للتہمۃ فینبغی ان یتحری بہ محالھا والناس الذین ھم مظانھا ولھذا فصل السغدی بما مر اھ واقرہ فی البحر والنہر [1] اھ **اقول:** وانما اسند الامر الی اقرارہ لان قولہ "نکل جا" یحتمل الرد کما نصوا علیہ وقولہ "تعلق نہیں" یحتمل السب کما حققناہ فی جدالممتار والحال حال الغضب فلایحکم بالطلاق الااذا اقر بالنیّۃ و "چھوڑنا" من الصریح بلساننا فان کان قولہ "اسی تاریخ سے" الخ راجعا الی ذینك اللفظین، کان اقرار بالنیۃ. فالعدۃ مذذاك بالاجماع وان فرض علی خلاف الظاھر صرفہ عن الکلام المعروف الی کلام باطن مجھول اوجعل اقرار کاذبا کاف انشاء مسند افالعدۃ مذذاك بحکم التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بحر میں فرمایا دونوں کلاموں میں یہ توفیق اِن شاء اللہ درست ہے، اور فتح میں ہے کہ متاخرین کا فتوٰی ائمہ اربعہ، جمہور صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مخالف ہے اور متاخرین کا یہ فتوٰی مقام تہمت کے لئے ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ موقع محل کے متعلق سوچ بچار سے کام لیا جائے، اور لوگوں میں ایسے واقعات پائے جاتے ہیں، اسی لئے سغدی نے اس کی تفصیل واضح کرتے ہوئے مذکورہ موافقت بیان کی ہے اھ، اور اس کو بحر اور نہر میں ثابت رکھا ہے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور خاوند کے اقرار سے حکم متعلق اس لئے ہوگا کہ خاوند کا کہنا "نکل جا" جواب بننے کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے، اور خاوند کا کہنا "تعلق نہیں" ڈانٹ کا احتمال رکھتا ہے جیساکہ ہم نے جدالممتار حاشیہ ردالمحتار میں تحقیق کی ہے جبکہ حالت بھی غضب والی ہے تو اس وقت تک طلاق کا حکم نہ ہوگا جب تک طلاق کی نیت کا اقرار نہ کرے، اور لفظ "چھوڑنا" ہماری زبان میں صریح طلاق ہے، اس لئے خاوند کا کہنا "اسی تاریخ سے الخ" اگر پہلے دونوں لفظوں کی طرف راجح ہو تو یہ نیت طلاق کا اقرار قرار پائے گا لہٰذا عدت کا شمار بالاجماع اسی تاریخ سے ہوگا، اور اگر اس کی بات کو معروف معنٰی کے بجائے مجہول اور مخفی معنٰی کی طرف پھیرا جائے یا اقرار کو جھوٹ قرار دیا جائے، اگرچہ یہ خلافِ ظاہر ہے تاہم یہ انشاء ہوگا اور اس وقت کا اعتبار ہوگا لہٰذا عدت یہاں سے شمار ہوگی جیساکہ موافقت کی صورت میں ذکر ہوا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۰

مسئلہ ۳۰۸: از ریاست رامپور محلّہ شاہ آباد دروازہ مسئولہ سید نادر علی صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی منکوحہ کو بوجہ زبان درازی مارا، اس پر اور زیادہ بدکلامی اور گفتگو ناشائستہ کرنی چاہی، زید نے اور سختی کی، اور یہ لفظ مجبور ہو کر منکوحہ سے کہا کہ چلی جا۔ اس واقعہ کے وقت زید کے رشتہ کے بہنوئی موجود تھے، لفظ "چلی جا" سُن کر زید سے کہا کہ اب تمہارا نکاح کب رہا، اس پر زید کو اور زیاد غیظ بڑھا جو انتہا درجہ پر شمار کیا جائے اور کوئی نشیب وفراز کا خیال نہ کیا اسی حالتِ غیظ، میں اپنے بہنوئی کی طرف مخاطب ہو کر چونکہ وہ اس کے پاس کھڑا تھا لفظ طلاق چند بار جس کی تعداد پورے طور یاد نہیں کہا اور یہ بھی کہا کہ "آزاد کیا"، ان لفظوں کی ادائیگی زید نے متوجہ کرکے یا مخاطب ہو کر اپنی منکوحہ سے نہ کہے بلکہ اس وقت زید کا فاصلہ اپنی منکوحہ سے آٹھ سات قدم کا تھا اور منکوحہ زید کے روبرو نہ تھی اور اس کا ایجاب وقبول نہ ہوا۔ ایسی صورت میں نکاح جائز رہا یا باطل ہوا؟ اور زید کی منکوحہ ۵ ماہ کی حاملہ بھی ہے، لہٰذا یہ مسئلہ علمائے دین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے کہ آپ صاحبان اپنی مُہر ودستخط سے مزیّن فرمائیں۔

الجواب:

زید نے لفظ "طلاق طلاق" چند بار کہا اگر اس سے اپنی زوجہ کو طلاق دینی مقصود تھی تو تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی،

لانہ ان ثلث فذاك وان ثنی فثالثھما قولہ قولہ "آزاد کیا" لانہ لایحتمل رداولاسباوقدصارت الحال حال المذاکرۃ لانہ قالہ لمدخولہ "طلاق طلاق" کما ذکرہ السائل والاضافۃ فی السابق اضافۃ فی اللاحق کقولہ طلقتك طلقتک۔	کیونکہ اگر تین مرتبہ کہا تو تین، ورنہ اگر دو مرتبہ طلاق کہا تو پھر تیسری طلاق اس کے "آزاد کیا" کہنے پر ہوگئی، کیونکہ یہ لفظ ڈانٹ اور جواب بننے کا احتمال نہیں رکھتا، جبکہ پہلے "طلاق" کہنے پر مذاکرہ طلاق بھی بن چکا ہے کیونکہ مدخولہ عورت (وطی شدہ) کو طلاق طلاق کہا ہے جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے، اور پہلے طلاق میں بیوی کی نسبت آخری لفظ میں بھی معتبر ہوگی، جیسا کہ "میں نے تجھے طلاق دی" میں ہوتا ہے۔ (ت)

مگر یہ اس کے اقرار پر موقوف ہے کہ اس لفظ "طلاق طلاق" سے زوجہ کو طلاق دینی مراد تھی اگر اقرار نہ کرے گا اُن الفاظ سے حکمِ طلاق نہ ہوگا اگر واقع میں اس نے نیتِ طلاق کی تھی اور مُکر جائے گا تو وبال اس پر رہے گا

مستحق عذابِ نار ہوگا، عورت کے پاس جانا اس کے لئے زنا ہوگا عورت پر الزام نہ ہوگا۔ خلاصہ پھر ہندیہ میں ہے:

سکران هربت منه امرأته فتبعها ولم یظفر بها فقال بالفارسیة بسه طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع[1]۔	ایک نشے والے کی بیوی اس سے بھاگ گئی تو یہ اس کے پیچھے بھاگا اور کامیاب نہ ہوا تو (بالفاظ فارسی) کہا "تین طلاق" بعد میں اگر وُہ کہتا ہے کہ میں نے بیوی کو کہا تھا، تو طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر کچھ نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

وجیز کردری پھر انقرویہ میں ہے:

فرت ولم یظفر بها فقال سہ طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والالا[2]۔	بیوی بھاگی تو کامیاب نہ ہونے پر اس نے کہا "تین طلاق" اگر بعد میں کہے "میں نے بیوی کو کہا ہے" تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ (ت)

پھر اگر وہ اقرار مذکور کرلے جب تو کوئی بحث ہی نہ رہی کہ تین طلاقیں ہوگئیں اور اگر اقرار نہ کرے تو یہ الفاظ خارج ہو کر دو[2] لفظ رہے "چلی جا" اور "آزاد کیا" پہلا لفظ مطلقاً محتاج نیت نہیں ہے۔ درمختار میں: اذھبی یحتمل ردا[3] (کیونکہ جواب بن سکتا ہے۔ت) اگر قسم کھا کر کہے کہ بہ نیت تفریق زن نہ کہا تھا، تو اس لفظ سے طلاق نہ مانیں گے یہ قسم مکان ہی پر کافی ہے حاکم کے سامنے ہونا ضرور نہیں، اگر جُھوٹی قسم کھائے گا تو اس کا بھی پھر زنا کا وبال اس پر ہے، درمختار میں ہے:

یکفی تحلیفها له فی منزله[4]۔	خاوند سے گھر میں ہی قسم لے لینا کافی ہے (ت)

دوسرا لفظ "آزاد کیا" اگرچہ نہ محتملِ رَد ہے نہ محتملِ سبّ، اور حالتِ غضب ہے تو طلاق مطلقاً ہونی چاہئے تھی، درمختار میں ہے:

انت حرة لایحتمل السب والرد[5]۔	"تُو آزاد ہے" کہنا ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الطلاق دارالاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۴۷

[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

[4] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

[5] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

مگر لفظ آزاد کیا میں عورت کی طرف اضافت نہیں تو اگر بحلف کہہ دے گا کہ عورت کی نسبت نہ کہا تھا' تو طلاق کا اصلاً حکم نہ ہوگا اگر جُھوٹا حلف کرے گا تو اس کا پھر زنا کا وبال اور عذابِ شدید کا استحقاق اُس پر ہے۔ خانیہ وبزازیہ میں ہے:

لاتخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1]	"تُو میری اجازت کے بغیر مت نکل کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے" کہا، تو عورت نکل گئی، طلاق نہ ہوگی کیونکہ بیوی کی طلاق کی قسم نہ کہا، اور احتمال ہے کہ کسی دوسری عورت کی طلاق مراد لی ہے لہذا شوہر کی وضاحت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (ت)

بالجملہ اگر "طلاق طلاق" سے نیت طلاق کی اقرار کرے تو تین طلاقیں ہو گئیں ورنہ ایک بائن کا حکم ہے، عورت نکاح سے نکل گئی، عدت میں خواہ بعد عدت اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے مگر یہ کہ بحلف کہے کہ لفظ "آزاد کیا" اس زوجہ کی نسبت نہ کہا تھا تو اب اس سے حلف لیں گے کہ "چلی جا" سے اس عورت کو طلاقِ بائن کا ارادہ کیا تھا یا نہیں، اگر اس پر بھی حلف کرلے گا تو اصلاً حکمِ طلاق نہ ہوگا، اور اگر اس پر حلف سے انکار کرے تو قاضی کے حضور پیش کیا جائے اگر حاکم کے سامنے بھی انکار کرے تو ایک طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا، عورت نکاح سے نکل گئی، غصّہ یا حمل یا عورت کا دُور ہونا کچھ منافیِ طلاق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۹: از شاہجہان پور محلّہ مہند گڑھی مرسلہ حافظ نذیر حسن صاحب ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو عرصہ سات برس سے چھوڑ رکھا اور اس کا اصلاً خبر گیراں نہیں ہوتا ہے، نہ روٹی دیتا ہے نہ کپڑا دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے کہ اس کا دوسری جگہ نکاح کردیا جائے اور اس کا کوئی علاقہ بندوں سے دستگیر نہیں ہے کہ اس کا نان نفقہ کسی طرح پر چل سکے سخت مجبور ہے، اب جو حکم صاحبانِ شرع متین کا ہو اس پر عمل کیا جائے، بیان کرو اجر پاؤ، اور اس مدت کے درمیان میں مسماۃ نے اس بات کی بہت کوشش کی کہ اب میرا شوہر مجھ کو رخصت کرلیجاوے اور بطور اپنی زوجہ کے مجھ کو سمجھے، اس کے واسطے مسمّاۃ نے چند خط بھی روانہ کئے اور آدمیوں کو بھی بھیجا لیکن شوہر نے کچھ توجہ نہیں کی، پھر اس کے بعد خود بھی گئی، پھر بھی اس نے نہیں رکھا واپس کردیا، تب مجبور ہو کر عدالت سے نان نفقہ کا دعوی کیا وہاں اس نے روٹی کپڑا

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۵

دینے کا اقرار کیا اس پر بھی وُہ مقدمہ خارج کیا گیا، پھر اس کے بعد مسمّاۃ نے کچھ عرصہ تک انتظار کیا، پھر مسمّاۃ نے وہاں خبر بھیجی اس پر اس نے ایک ایسا کارڈ روانہ کیا کہ جس کو دیکھ کر عقل گم ہو گئی، چونکہ ظاہر میں وہ شخص اقرار کرتا ہے اور باطن میں وُہ ایسا ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وُہ مسماۃ کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اور وہ شخص ضلع شاہجہان پور مقام موضع سندھول کا رہنے والا ہے اور مسمّاۃ باشندہ شاہجہان پور ہے محلّہ مہمند گھڑی، اور جو کارڈ اس نے روانہ کیا وُہ کارڈ بھی اس میں رکھا ہے، آپ اپنے دستخط اور جو علمائے سنت ہوں ان کے دستخط کرواکے روانہ کیجئے، نہایت عاجز اور مسکین ہُوں فقر فاقہ کرتی ہُوں، آپ صاحبان علمائے دین کے دستخط ہو کر فتوٰی آجائے گا تو اور جگہ نکاح کرلوں گی اور آپ کو دُعادُوں گی اور آپ کو اللہ تعالٰی اس کا اجرِ عظیم دے گا، واسطے اللہ کے میرے اوپر رحم کیجئے۔

الجواب:

کارڈ دیکھا گیا اس میں صرف یہ لفظ ہے آپ کہتے ہیں اپنی عورت کو لے جاؤ اور اس نے مجھ پر مقدمہ چلایا اور وکیلوں کے پاس گئی اور پھری گئی اور ہر کس و ناکس سے ملی اس لئے وُہ بالکل میرے کام کی نہ رہی، اتنے لفظ پر جب تک طلاق کی نیت سے کہنا ثابت نہ ہو طلاق کا حکم نہیں ہو سکتا، نہ ہرگز عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اگر کرے گی محض حرام ہوگا، اس سے پوچھا جائے اگر وُہ اقرار کرے کہ ہاں میں نے یہ لفظ بہ نیت طلاق کہا تھا تو جبھی سے طلاق ہو گئی جب سے اب تک اگر عورت کو تین حیض آکر ختم ہوگئے یا جب ختم ہو جائیں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور اگر وُہ نیتِ طلاق کا اقرار نہ کرے اس پر حلف رکھا جائے اگر حلف سے کہہ دے کہ میں نے ان لفظوں سے نیتِ طلاق نہ کی تھی تو ہر گز حکم طلاق نہ ہوگا۔ در مختار میں ہے **یکفی تحلیفھا له فی منزله**[1] (خاوند سے گھر میں ہی قسم لے لینا کافی ہے۔ت) اور اگر حلف سے انکار کرے تو شرعی نالش کی جائے کہ اس نے یہ الفاظ کہے ہیں اور ان سے طلاق کا احتمال ہے اگر وُہ حاکم کے سامنے بھی اس حلف سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہو جائے گی اور عورت بعد عدت دوسری جگہ نکاح کر سکے گی اور اگر وہاں حلف کرلیا تو طلاق ثابت نہ ہو گی، اگر جُھوٹی حلف یہاں یا وہاں کیا تو وبال اس پر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۰: ازبریلی شہر کہنہ محلّہ قرولی مرسلہ عظیم اللہ خاں صاحب ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مَے نوشی و قمار بازی کرتا ہے، اس نے

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

حالت مے نوشی وہار کی سوزش قمار بازی میں بیوی اپنی سے روپیہ طلب کیا، روپیہ دینے میں بیوی نے تسہل کیا یہ سمجھ کر کہ حالتِ غیر ہے اس وجہ سے تشدد ہے نیز یہ بھی خیال کیا کہ بچّوں کو تکلیف نہ ہو، یہ سستی کرنا اور انکار روپیہ سے کرنا اس کو اس قدر ناگوار ہوا کہ یہ تحریر لکھ کر دے دی جو حضور کے پیش نظر ہے:

نقل تحریر: مسمّاۃ عائشہ بیگم کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ چاہے کسی کے ساتھ عقد کرے یا بیٹھی رہے مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ عنایت اللہ ولد محمد مصطفیٰ ساکن بریلی شہر کہنہ محلّہ قرولی مورخہ ۷ جولائی ۱۹۱۹ء۔

الجواب:

اگر یہ تحریر اس نے بہ نیت طلاق لکھی یعنی "میں نے اسے طلاق دے کر آزاد خود مختار کردیا چاہے تو دوسرے سے نکاح کرلے" جب تو ایک طلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے نکل گئی عورت کو اختیار ہے کہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے اور اگر نیتِ طلاق سے نہ لکھی تو طلاق نہ ہوئی یہ بات کہ طلاق کی نیت نہ تھی زید کے حلف پر ہے اگر وُہ قسم کھا کر کہہ دے گا کہ میں نے اس سے اسے اپنے نکاح سے خارج کرنے کی نیت نہ کی تھی مان لیں گے اور حکمِ طلاق نہ دیں گے، اگر زید جُھوٹا حلف کرے گا وبال اس پر ہے۔ درمختار میں ہے:

والقول له بيمينه في عدم النية ويكفي تحليفها له في منزله[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اس کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کرلی جائے گی، اور بیوی کا گھر میں خاوند سے قسم لینا کافی ہوگا۔ (ت) واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۱: از شہر بریلی کیمپ صدر مسئولہ حبیب احمد صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص کی شادی ہوئے عرصہ ۹ سال کا ہُوا، شادی کرکے وُہ شخص صرف پندرہ روز اپنی زوجہ کے پاس رہا بعد میں وہ سفر کو چلا گیا اور ۹ سال سے آوارہ پھرتا ہے، جب اس کے قیام کی خبر دہلی میں معلوم ہوئی اس کی زوجہ اس کے پاس گئی اس نے کہا "تُو یہاں سے چلی جا ورنہ تیری ناک کاٹ لوں گا، جو تیرا دل چاہے وہ تُو کر، میرے پاس مت آ۔" عورت نوجوان ہے شوہر متذکرہ بالا پر کیا نکاح جائز رہا؟

الجواب:

اگر اس کی نیت ان لفظوں سے طلاق کی نیت ہونا ثابت ہوجائے حکمِ طالق دے دیں گے ورنہ

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

نہیں، اس سے پوچھا جائے کہ تُونے یہ لفظ بہ نیتِ طلاق کہے تھے یا نہیں، اگر قسم کھالے کہ میں نے بہ نیت طلاق نہ کہے تھے، تو طلاق نہ مانی جائے گی، اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہوجائے گی جب تک یہ انکار حاکمِ شرع کے حضور نہ ہو طلاق ثابت نہ ہوگی ہاں اگر اقرار کردے کہ بہ نیت طلاق کہے تھے تو طلاق ہوگئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۲: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد مسئولہ اویس خاں عرف شریف اللہ خاں ۱۲ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص ملازم فوج ہو کر پردیس جانے کے وقت اپنے والدین سے یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ میری یہ عورت میرے مطلب کی نہیں ہے میری واپسی سے قبل نہایت ایذا کے ساتھ اس کو نکال دینا، میں واپس آکر دوسری شادی کرلوں گا۔ چنانچہ اس شخص کی عورت کو مطابق استدعا کے اس کے والدین نے اندر دو۲ ماہ نکال دیا اور اس عورت نے اندر ایک ماہ دوسرے شخص کے ساتھ اپنا نکاح کرلیا، عورت مذکورہ دوسرے شوہر کے یہاں سے بھی بلا طلاق کے بوجہ حمل ہونے کے نکال دی گئی اب اس عورت کو اپنے پہلے شوہر کے مکان سے نکلے ہوئے تقریبًا ایک سال گزر گیا اور اس کا شوہر بھی ملازمت فوج سے واپس آیا اور پانچ چھ ماہ ہوئے وقت واپسی کے آج تک عورت مذکور کا خبر گیراں نہیں ہوا اور قبل جانے پردیس کے ایک دن اس کے شوہر نے طلاق نامہ لکھنے کا بندوبست کیا تھا اور کچھ لوگوں کو جمع کیا تھا مگر اس کو کسی خیال نے تکمیل طلاق نامہ سے روک دیا تھا، عورت مذکور کو اس کے ماں باپ بھی اپنے پاس رکھنے کے روادار نہیں ہیں اور اس کی گود میں ایک لڑکا ساتھ سال کا پہلے شوہر کا موجود ہے کیا عورت مذکور اپنا نکاح کسی اور شخص سے کرسکتی ہے؟

الجواب:

یہ لفظ کہ "یہ عورت میرے مطلب کی نہیں" کنایات سے ہے اور محتمل سبّ ہے اور حالت حالت غضب ہے تو حکم طلاق نیت پر موقوف ہے کہ پہلا شوہر اگر یہ اقرار کرے کہ بہ نیت طلاق یہ لفظ کہے تھے تو طلاق ثابت ہوجائے گی اور بعد وضع حمل عدت گزر گئی دوسرے سے نکاح کا اسے اختیار ہوگا، اگر وہ نیتِ طلاق کا انکار کرے تو اس سے حلف لیا جائے، اگر حلف کرے گا کہ اس کی نیت طلاق کی نہ تھی تو طلاق نہ ہوگی اور عورت کو دوسری جگہ نکاح حرام ہوگا، اور وہ جو دوسرے سے نکاح کیا تھا وہ تو بہر حال حرام تھا کہ بلا ثبوت طلاق تھا اور اگر ثبوت بھی ہوجاتا تو عدّت کے اندر تھا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۳: از اجمیر شریف محلّہ چاہ ارٹ مسئولہ سید محمد عظیم صاحب ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عورت کا بیان ہے کہ میرے خاوند سے عرصہ دو برس سے کوئی تعلق نا اتفاقیوں کے باعث نہیں تھا چنانچہ اب اس نے زبانی اور تحریر سے یہ لکھ دیا ہے کہ "تو ہفتہ کے اندر میرے

پاس نہ آئے تو جہاں پر چاہے جا، تجھے اختیار ہے تیرے دل کا اور مجھے اختیار ہے اپنے دل کا۔" لہٰذا عورت نے ان الفاظ کو طلاق سمجھ کر اپنے کو بائن کرلیا لہٰذا فرمایئے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور عورت بعد عدّت دوسرے سے عقد کرسکتی ہے یا نہیں ؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس صورت میں طلاق ہونا نیت شوہر پر موقوف ہے عورت کو کوئی اختیار نہیں کہ بطورِ خود اپنے آپ کو مطلقہ سمجھے، شوہر اگر قسم سے کہہ دے گا کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی تو ہر گز طلاق نہ مانی جائے گی اور وُہ بدستور اس کی زوجہ ہوگی، ہاں اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو حاکم شرعی کے حضور نالش کی جائے اگر شوہر اس کے سامنے بھی حلف سے انکار کرے گا تو طلاق ثابت ہوجائے گی، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۴: از شہر بریلی ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غصہ کی حالت میں اور دوران طلب طلاق میں زید نے اپنی ساس اور خسر سے کہا اگر میں پسند نہیں ہوں تو دوسرے سے نکاح کردو یا شادی کردو، سا نے جواب میں کہا ہاں تو پسند نہیں ہے اس سے نکاح ٹوٹ گیا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حالت حالت مذاکرہ وغضب ہے اور لفظ نہ محتمل رد نہ محتمل سبّ ہے لہٰذا طلاق ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی **ھذا ما عندی** (یہ جواب میرے ہاں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۵: از جیت پور کاٹھیاواڑ جامع مسجد مدرسہ معرفت جناب مولوی سیّد غلام حیدر صاحب مسئولہ مولوی جمیل الرحمٰن صاحب رضوی بریلی ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ،

کیا حکم ہے شریعت مطہرہ کا اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ پر سخت غصہ ہو کر بحالت غصہ یہ کہا کہ "تو اپنے گھر کو جا میرے کام کی نہیں، میں نے تجھ کو طلاق دی"۔ ہندہ کو آٹھ ماہ کا حمل ہے زید حلف اٹھاتا ہے کہ "میں نے فقط تنبیہ کے لئے یہ الفاظ کہے تھے ہر گز ایسے الفاظ طلاق کی غرض سے نہ کہے تھے اور میں اس وقت غصہ میں آپے سے باہر تھا"، اب زید وہندہ کیا کرنا چاہئے؟ اگر حلالہ لازم آتا ہو، تو کوئی صورت شریعتِ مطہرہ نے ایسی بھی بتائی ہے کہ حلالہ نہ کرنا پڑے اور زید وہندہ کے تعلقات قائم رہیں یا قائم ہوجائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر واقعہ اسی قدر ہے عورت نے یا کسی اور نے عورت کے لئے طلاق نہ مانگی تھی جس کے جواب میں یہ لفظ اس نے کہے نہ اس نے ان الفاظ کو مکرر کہا بلکہ صرف ایک ہی بار کہا تو اس صورت میں ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوئی

لان اللفظ الاوّل یحتمل الرد فینوی علی کل حال والثانی یحتمل السب فینوی فی الغضب وقد حلف ویکفی حلفه فی منزله[1] کما فی الدرالمختار واللفظ الثالث وان کان صریحا لایکون قرینة فی الاولین لان شرط النیة ان تتقدم کمافی ردالمحتار۔	کیونکہ پہلا لفظ جواب کا بھی احتمال رکھتا لہٰذا بہر صورت نیتِ طلاق ضروری ہے،اور دوسرا لفظ ڈانٹ کا بھی احتمال رکھتا ہے اس لئے صرف غصہ کی حالت میں طلاق کی نیّت کرنی ہوگی جبکہ وُہ قسم دے چکا ہے اور گھر میں قسم دے دینا کافی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔اور تیسرا لفظ اگرچہ طلاق میں صریح ہے لیکن یہ پہلے دونوں لفظوں کے لئے قرینہ کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ قرینہ کے لئے پہلے ہونا شرط ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔(ت)

پس اگر اس سے پہلے کبھی دو۲ طلاقیں نہ دی تھیں نہ ایک طلاق بائن دی تھی جس کی عدّت باقی ہو تو جب تک وضعِ حمل نہ ہو رجعت کرسکتا ہے،مثلاً زبان سے اتنا کہہ دے کہ "میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا" تو وہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی،اور اگر وضعِ حمل تک رجعت نہ کرے گا تو اس کے بعد برضائے زن اس سے دوبارہ نکاح کرنے کی حاجت ہوگی،حلالہ کی حاجت دونوں صورتوں میں نہیں،حلالہ تین طلاقوں پر لازم ہوتا ہے،اور جب لازم ہوتا ہے اس کے ساقط کرنے کی کوئی صورت نہیں وکل ماذکر فی القنیة من الحیل وغیرہا باطل لااصل له (قنیہ میں جو حیلے ذکر کئے گئے وُہ باطل ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: مرسلہ مستقیم خاں زمیندار ۱۴صفر ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ علی محمد خاں کی بیٹی کا نکاح بھوراخاں کے ساتھ ہُوا ابھی رخصت نہ ہوئی تھی کہ باہم نزاع ہوگیا۔برکت اللہ خاں،مستقیم خاں،نظیرالدین خاں صلح کے لئے گئے۔سب کے سامنے بھوراخاں نے کہا "یہ میری زوجہ نہیں ہے میں نے اس کو پہلے چھوڑدیا ہے" اور چند مرتبہ کہا "میں نے چھوڑدی چھوڑدی مجھ کو کچھ سروکار نہیں،میری بی بی نہیں ہے" اس صورت میں طلاق ہوئی یا

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

نہیں؟بینوا توجروا۔

الجواب:

اس صورت میں عورت نکاح سے نکل گئی،اس پر ایک طلاق بائن ہو گئی،آدھا مہر شوہر پر واجب الادا ہوا،عورت کو عدت کی ضرورت نہیں جس وقت چاہے نکاح کرلے،اگر اس شوہر سابق ہی سے راضی ہو تو اس سے بھی نکاح ہوسکتا ہے حلالے کی حاجت نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷: مسئولہ مولانا حشمت علی صاحب سنی حنفی قادری رضوی لکھنوی متعلّم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۱۹رجب شریف یوم جمعہ ۱۳۳۸ھ بریلی شریف

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی ساس سے کہا"میں تمہاری لڑکی کو چھوڑتا ہوں میرے کام کی نہیں"اب سوال یہ ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟بینوا توجروا۔

الجواب:

دوطلاقیں بائن ہو گئیں،عورت نکاح سے نکل گئی،عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر رخصت نہ ہوئی تھی تو عدّت کی بھی حاجت نہیں،اور اگر زید ہی سے نکاح چاہے تو اس سے بھی کرسکتی ہے عدّت میں خواہ عدّت کے بعد،جبکہ اس سے پہلے کوئی طلاق اسے نہ دے چکا ہو کہ ایسا تھا تو تین ہو گئیں بے حلالہ نہیں ہوسکے گا،

وذٰلك لان اللفظ الاول صریح فوقع به طلاق وان لم ینو وصار الحال به حال المذاکرة واللفظ الثانی لا یحتمل الرد بل السب فاستغنی عن النیة لاجل المذاکرة،والواقع به بائن لانه من الکنایات غیر الثلاث المعلومة اعتدی واخیها فلحوقه جعل الرجعی الاوّل ایضاً بائناً لامتناع الرجعة بالثانی فبانت بثنتین۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ پہلا لفظ صریح ہے اس لئے یہ طلاق ہوئی اگرچہ نیت نہ بھی ہو،اس سے مذاکرہ طلاق کا حال ہوگیا،اور دوسرا لفظ صرف ڈانٹ کا احتمال رکھتا اور جواب نہیں بن سکتا،لہذا یہاں نیت کی ضرورت نہیں کیونکہ مذاکرہ طلاق ہوچکا ہے،اس سے بائنہ طلاق ہوئی کیونکہ یہ کنایات میں سے ہے لیکن اعتدی اور اس جیسے الفاظ کنایہ تین میں سے نہیں ہے،لہذا اس دوسرے لفظ سے پہلی صریح طلاق بھی بائنہ ہو گئی کیونکہ دوسری بائنہ ہے جس کی وجہ سے پہلی میں رجوع ممکن نہ رہا،لہذا بیوی کو دو۲ بائنہ طلاقیں ہوئیں،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۸:　　　　۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

زید نے اپنی بی بی سے کہا کہ "جامیں نے تجھے چھوڑ دیا" اور چند مرتبہ اور چند آدمیوں کے سامنے یہی کہا کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا" مگر "طلاق" کا لفظ نہیں کہا تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

اگر تین بار کہا تین طلاقیں ہوگئیں، اب بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا اور تین بار سے کم کہا اور عدّت گزر گئی تو دوسرا نکاح آپس میں کرسکتے ہیں، اور عدّت نہ گزری تو مرد کا اتنا کہنا کافی ہے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۹:　　　از شہر بریلی محلّہ ذخیرہ مسئولہ سید شرافت علی صاحب　　　　۷ رجب مرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی اپنے میکہ میں ہے، زید کے گھر سے ایک آدمی اس کو لینے گیا، اس کے والدین نے نہیں بھیجا، دوسرے دن زید خود گیا پھر بھی نہیں بھیجا اور نہ کوئی وجہ خاص بتلائی، زید کو ناگوار ہوا اس نے کہا کہ "اگر آپ نہیں بھیجتے تو آپ کی لڑکی کو جواب دے دُوں گا اور آپ اس وقت دو چار آدمیوں کو بلوالیجئے تاکہ میں اس وقت اُن کی موجودگی میں جواب دے دُوں اور قطع تعلق کرلوں۔" زید کے خسر اوساس نے جواب دیا کہ "نہ ہم آدمیوں کو جمع کریں گے اور نہ جواب لینا منظور ہے" زید یہ کہہ کر کہ "میں اس وقت سے جواب دیتا ہوں اور اپنا کوئی تعلق نہیں رکھتا اور کل بذریعہ رجسٹری ڈاکخانہ سے دوبارہ آپ کو اطلاع دُوں گا"۔ دوسرے دن اس نے یہ لکھ کر کہ "میں قطع تعلق کرتا ہوں اور طلاق دیتا ہوں" رجسٹری کردی، زید کے خُسر نے واپس کردی، زید پردیس چلا گیا وہاں سے دو۲ ماہ کے بعد آیا اس وقت زید کے ایک عزیز نے جو کہ اس کی بی بی کا قریبی رشتہ دار تھا، زید سے مل کر یہ چاہا کہ بیوی سے صلح ہوجائے، زید نے اس کو یہ جواب دیا کہ "میں طلاق دے چکا ہوں اب صلح کیسی" وُہ خاموش ہوگیا، چنانچہ ایک اور آدمی سے بھی زید نے یہ کہا کہ "میں اپنی بی بی کو طلاق دے چُکا ہوں" اب زید معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کی بی بی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:

طلاق ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی، اگر اس سے پہلے کوئی طلاق نہ دے چکا تھا تو برضائے زن اس سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی حاجت نہیں، اور اگر پہلے ایک طلاق بھی دے چکا تھا تو اب بے حلالہ نہیں کرسکتا کہ تین ہوگئیں ایک پہلے اور ایک اس وقت اس کا کہنا کہ "میں اس وقت سے جواب دیتا ہوں اور اپنا کوئی تعلق نہیں رکھتا" ــــــــــــــــ پھر لکھنا کہ "میں قطع تعلق کرتا ہوں" یہ مجموع ایک ہی ہوگی **فان البائن لایلحق البائن والنیۃ قد ظہرت**

(بائنہ طلاق پہلی بائنہ کے بعد نہیں آسکتی اس میں نیت کی ضرورت تھی جو کہ پائی گئی۔ت) اور ایک اس کا لکھنا کہ "طلاق دیتا ہوں" اور رجسٹری واپس دینے سے طلاق واپس نہ ہوگی کہ بلاشرط تھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: ازملک متوسط شہر رائپور محلّہ بیجناتھ بارہ مرسلہ منشی محمد اسحٰق مولود خواں عرائض نویس ۱۹ جمادی الاخرہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّی طالع ورخاں نے بحالت غیظ وغضب ایک خط اپنے خسر حقیقی کے نام لکھا جس کاخلاصہ یہ ہے جناب ماموں نجم خاں صاحب دام ظلہ بعد السلام علیکم واضح ہو میں نے آپ سے بارہا کہا کہ عمدہ کو یہاں سے مت لے جاؤ، مگرآپ لے ہی گئے بغیر رضامندی، آپ نے اپنی ہی ضد کی، میں بھی اس کے اطوار سے نہایت درجہ ناخوش تھا، اس چار مہینہ کے عرصہ میں کبھی میری خدمت نہ کی، اطوار ناشائستہ جو اسمیں ہیں اُن کا دفع غیر ممکن ہے، اس سے بڑھ کر خراب عادات عمدہ میں ہیں، لہٰذا بخوشی تمام آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کردو، کیونکہ جس حالت میں میرا دل اس سے خوش نہیں اور اس کا بھی مجھ سے نہیں ایسی حالت میں ایک دوسرے کی جان کے ضرور خواہاں رہیں گے ایسا نہ ہونا سبب۔ برضاورغبت آپکو اجازت دیا، اس کا خرابانہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دیا تاکہ خدائے پاک مجھ کو اپنے فضل سے مرتکب گناہ نہ کرے، اس خط کو بطور طلاقنامہ کے تصور فرمائیں اگر آپ اس کا نکاح کرادیں گے تو مجھ کو کسی نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا صرف ڈیڑھ سو روپیہ نکاح میں صرف ہوا اس کا توالبتہ افسوس ہے کہ حج کا روپیہ خرچ ہوگیا مگر کیا علاج ہے کچھ چارہ نہیں، مرضی مولٰی ازہمہ اولٰی۔ آپ اپنے دل میں بھی اس امر کا رنج نہ کریں تحریر مختصر کو کثیر تصور فرمائیں، عمدہ سے اور مجھ سے اب کچھ سروکار نہ رہا جو رشتہ پہلے تھا وہی اب قائم رہے گا، سرمست خاں اس خط کو حرف بحرف پڑھ کر ماموں صاحب اور عمدہ کو بھی سُنادیں تاکہ اس پر شرعًا طلاق واجب ہوجائے، کیونکہ وہ میری بلااجازت گئی تو نکاح کے باہر ہونا اظہر من الشّمس ہے، فقط بندہ طالع ورخاں ازمقام ساکولی۔

جس وقت یہ خط پہنچا سرمست خاں نے عمدہ اور اس کے والد نجم خاں کو سنادیا، بعد ایک ہفتہ کے طالع ورخاں اپنے خسر کے یہاں آئے اور کہنے لگے کہ میری زوجہ عمدہ کو میرے ساتھ روانہ کردو، نجم خاں نے روبروچند آدمیوں کے بھیجنے کا اقرار کیا پھر بعد دو ۲ گھنٹہ کے طالع ورخاں لینے آئے تو معلوم ہوا کہ نجم خاں دیہات پر چلاگیا، بعد چند ماہ کے نجم خاں نے طالعور خاں سے صراحۃً کہہ دیا کہ ہم لڑکی کو کیسے روانہ کریں تم نے تو طلاقنامہ لکھ کر روانہ کردیا، پھر بائیس ۲۲ ماہ کے بعد طالعور خان نے اپنے خسر کے نام یہ خط لکھا:

جناب ماموں صاحب! بعد سلام علیک واضح ہو میں نے یہاں پر کئی علماء سے دریافت کیا سب

یہی کہتے ہیں کہ طلاق ہو چکی اس لئے عرض پرداز ہوں کہ آپ اپنی لڑکی کا نکاح کرادیجئے مجھ سے کوئی واسطہ نہ رہاآپ رنجیدہ نہ ہوں امر مجبوری ہے ورنہ کوئی صورت لانے کی کیا ہوتا **فقط**

پھر نوماہ کے بعد خسر کو خط لکھا کہ فرنگی محل کے علماء سے خط بھیج کر فتوٰی طلب کیا تھا، جواب آیا کہ طلاق ہو چکی مہر کے نسبت اُنہوں نے فتوٰی دیا کہ نصف مہر دینا چاہئے، مگر میں اور جوابوں کا منتظر ہوں، پس عرض یہ ہے کہ صورتِ مرقومہ بالا میں عمدہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کن لفظوں سے؟ اور کس قسم کی؟ اور کتنی طلاق متحقق ہوئیں؟ غرض عمدہ طالعور خاں کے نکاح میں رہی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ اس خط میں آٹھ لفظ تھے:

(۱) بخوشی تمام اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کردو۔

(۲) برضاورغبت آپ کو اجازت دیا۔

(۳) اس کا خرابانہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دیا۔

(۴) اس خط کو بطور طلاق نامہ تصوّر فرمائیں۔

(۵) اگر آپ اس کا نکاح کرادیں گے تو مجھ کو کسی نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا۔

(٦) عمدہ سے اور مجھ سے کوئی سروکار نہ رہا۔

(۷) اس خط کو ماموں صاحب اور عمدہ کو سُنادیں کہ اس پر شرعًا طلاق واجب ہوجائے۔

(۸) وُہ میری بلااجازت گئی تو نکاح کے باہر ہونا اظہر من الشّمس ہے۔

ان میں **لفظ چہارم** صالح ایقاع طلاق نہیں کہ بطور طلاق نامہ تصوّر فرمائیں، کے صاف یہ معنٰی کہ حقیقت میں طلاق نامہ نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجھا مرا طلاق دہ **فقال الزوج** دادہ انگار او کردہ انگار **لایقع وان نوی کانہ قال لھا بالعربیۃ احسبی انك طالق وان قال ذٰلك لایقع وان نوی**[1] **اھ ملخصًا۔**	بیوی نے خاوند کو کہا" مجھے طلاق دے" خاوند نے جواب میں کہا" تُودی ہوئی یا کی ہوئی خیال کرلے" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو، کیونکہ عربی میں اس کا معنٰی یُوں ہے" تو گمان کرلے کہ تو طلاق والی ہے" اور اگر یوں بالفاظِ عربی کہا تو طلاق نہ ہوگی چاہے طلاق کی نیت کی ہو اھ ملخصًا (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۰

اُسی میں ہے:

لوقیل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدھا مطلقة اواحسبھا مطلقة لاتطلق امرأته[1] اھ تمام تحقیق ذٰلك فی فتاوٰنا المفصلة۔	ایک شخص نے دوسرے سے کہا "کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے" اور دوسرا جواب میں کہے "تُو اس کو طلاق دی ہوئی شمار کرلے تو مطلقہ سمجھ لے" تو بیوی کو طلاق نہ ہوگی اھ، اس کی مکمل تحقیق ہمارے مفصل فتووں میں ہے۔(ت)

لفظ پنجم ظاہرًا ترک نزاع کا وعدہ ہے،

"آگے بمعنی آئندہ" اوھو تعلیق علی الانکاح ان ارید بقوله "آگے" بعد الانکاح، او اخبار عن النیة فی بعض الالفاظ السابقة ان ارید به من بعد ما کتبت ھذا۔	آگے بمعنی آئندہ یا یہ نکاح کردینے پر معلّق ہے اگر اس نے "آگے" کے لفظ سے نکاح کردینے کے بعد کی نیت کی ہو، یا پہلے مذکور الفاظ میں سے کسی لفظ میں نیت کی خبر دینا ہے جبکہ اس نے وہ لفظ لکھنے کے بعد مراد لی ہو۔اسے محفوظ کرلو۔(ت)

لفظ ششم بھی الفاظِ طلاق سے نہیں، سر بمعنی خیال وخواہش اور کار بمعنی حاجت ہے، سروکار نہیں یعنی غرض، مطلب حاجت کام نہیں، اور ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیتِ طلاق کہے۔ خانیہ وبزازیہ وغیرہما میں ہے:

لوقال لاحاجة لی فیك ونوی الطلاق لایقع وکذا لو قال مرا بکار نیستی وکذا لو قال ماارید ک[2]۔	اگر خاوند نے کہا "مجھے تجھ میں کوئی حاجت نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ یوں ہی اگر اس نے کہا "تو میرے کام کی نہیں" یوں ہی اگر اس نے کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" تو طلاق نہ ہوگی۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

اذاقال لاحاجة لی فیك اولاارید ك او لااحبك اولا اشتھیك اولارغبة	اگر خاوند نے یہ الفاظ کہے "مجھے تجھ میں حاجت نہیں، میں تجھے نہیں چاہتا، میں تجھے پسند نہیں کرتا،

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۶

لی فیك فانه لایقع وان نوی [1]۔	مجھے تیری خواہش نہیں، تجھ میں میرے لئے رغبت نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔(ت)

لفظ ہشتم بھی محض لغو وغلط ہے کہ ایک باطل خیال جہاں پر نکاح سے باہر ہونا بتاتا ہے بے اجازتِ شوہر عورت چلی جائے تو نکاح سے باہر نہیں ہوتی اور جو اقرار غلط بناپر ہو معتبر نہیں۔ خانیہ میں ہے:

صبی قال ان شربت فکل امرأة تزوجها فھی طالق فشرب وھو صبی فتزوج وھو بالغ وظن صھرہ ان الطلاق واقع فقال ھذا البالغ(آرے حرام است برمن) لا تحرم امرأته ھوالصحیح لانه ما اقربالحرمة ابتداء وانما اقربالسبب الذی تصادقا علیه وذٰلك السبب باطل [2] اھ ملخصًا۔	ایک بچے نے کہا "اگر میں یہ پی لوں تو جس عورت سے بھی نکاح کروں تو اس کو طلاق" پھر اس نے دوران بچپن وُہ چیز پی لی، پھر بالغ ہونے کے بعد اس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے سسرال نے خیال کیا کہ اس کے مذکور قول کے مطابق کی وجہ سے طلاق ہو گئی تو اس لڑکے نے کہا "ہاں یہ مجھ پر حرام ہے" تو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق اس کی بیوی اس پر حرام نہ ہوگی، کیونکہ یہاں ابتداءً بیوی کو حرام نہیں کہا بلکہ اس نے اس سبب کے وجود کا اقرار کیا جس پر یہ دونوں سچے اور جس سبب پر اس نے یہ اقرار کیا وُہ باطل ہے اھ ملخصًا(ت)

بقیہ چار الفاظ میں **تین لفظ پیشین** کا حاصل اجازتِ نکاح دینا ہے اور وہ بیشک کنایات سے ہے،

فانه ینبئ عن رفع قید النکاح واخراجھا عن عصمة لنفسه کقوله تزوجی [3] کما فی الخانیة وابتغی الازواج [4] کما فی الکنز ووھبتك للازواج [5] کما فی	کیونکہ یہ الفاظ نکاح کی قید کو ختم کرنے کی خبر دیتے ہیں اور اپنی عصمت سے نکالنے کی خبر دیتے ہیں جیسے کہ خاوند یوں کہے "تو نکاح کر" جیسا کہ خانیہ میں ہے "تو خاوند تلاش کر" جیسا کہ کنز میں ہے

---

[1] بحرالرائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۳۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۶

[4] کنز الدقائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶

[5] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

الھندیۃ۔	"میں نے تجھ کو خاوندوں کے سپرد کیا" جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔(ت)

مگران تین اوران کے ساتھ کتنی ہی کنایات بائن ہوں سب سے ہوگی توایک ہی طلاق بائن ہوگی اگرچہ سب سے نیت کی ہو فان البائن لایلحق البائن(کیونکہ بائن طلاق کے بعد دوسری بائنہ لاحق نہیں ہوسکتی۔(ت)

لفظ ہفتم طلاق صریح ہے مگراس شرط پر معلق کہ سرمست خاں، نجم خاں اور عمدہ کو حرف بحرف خط پڑھ کر سنادے،

فان لفظہ تاکہ تضید ھٰھنا ترتب الطلاق علی الاسماع ای ربط حصول ذاك بحصول ھذاوھذاھو معنی التعلیق وفی الدر المختار یکفی معنی الشرط[1]۔	اس لئے کہ "تاکہ" کالفظ یہاں سنانے پر طلاق کو مرتب کرنے کے لئے ہے یعنی اس چیز کے حاصل ہوجانے پر اس چیز کا حصول بتانے کے لئے ہے اور یہی تعلیق کا معنی ہوتا ہے۔اور درمختار میں ہے کہ تعلیق کا معنٰی ہی شرط کے لئے کافی ہوتاہے(ت)

توان آٹھ لفظوں کا حاصل صرف دو[۲] لفظ رہے،ایک کنایہ جس سے بلحاظِ نیت طلاق بائن پڑیگی دوسرا صریح معلّق جس سے بعد تحقق شرط طلاق رجعی ہوگی، صریح کا حکم تو دیانۃً وقضاءً دونوں میں ایک ہی ہے کہ اگر سرمست خاں نے خط مذکور دونوں کو حرف بحرف سُنادیا تو طلاق ہوگئی اور اگراُن میں ایک کو سُنانے میں بھی کچھ کمی رہی جسے حرف بحرف سُنانا نہ کہیں تو نہ ہوئی مگر حکم کنایہ یہاں مختلف ہے دیانۃً حاجت نیت ہے۔ردالمحتار میں ہے:

لایقع دیانۃ بدون النیۃ ولو وجدت دلالۃ الحال فوقوعہ بواحد من النیۃ اودلالۃ الحال انما ھو فی القضاء فقط کماھو صریح البحر وغیرہ[2]۔	کنایہ کی صورت میں نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی اور اگر دلالتِ حال بھی پائی جائے تو طلاق کا وقوع نیت یادلالتِ حال میں سے ایک کے ساتھ ہوگا یہ صرف قضاءً طلاق ہوتی ہے بحر وغیرہ کی صراحت یہی ہے۔(ت)

اور قضاء بوجہ قرائن سباق وسیاق وقوع طلاق کا حکم علی الاطلاق،

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

فان اللفظ وان کان مما یصلح ردا کما فی الغرر والبحر والخانیة لکن قد حفته قرائن ترد معنی الرد کقوله لهذا وقوله ایسانہ ہوناسبب وقوله اس کاخرابانہ ہوناسبب وقوله تاکہ خدائے پاک الخ فان هذه التعلیلات والتفریعات لاتلائم قصد الرد کما لایخفی ودلالة القال کدلالة الحال۔	غرر، بحر اور خانیہ میں جیسا کہ مذکور ہے کہ لفظ اگرچہ جواب بن سکتا ہو مگر وہاں قرائن کا ہجوم اس کے جواب ہونے کو مردود قرار دیتا ہے، جیسا کہ یہاں ایسانہ ہونا سبب، اس کاخرابانہ ہونا سبب، تاکہ خدائے پاک الخ"کے الفاظ ہیں، کیونکہ یہ الفاظ تعلیل اور تفریع ہونے کی بناپر، جواب کے ارادہ سے مناسب نہیں ہیں، جیساکہ مخفی نہیں ہے، اور دلالت قال، دلالتِ حال کی طرح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں نہرالفائق سے ہے، دلالة الحال تعم دلالة المقال[1] (دلالتِ حال، دلالتِ قال کو بھی شامل ہے۔ت)
مگر خط کی بناپر وقوعِ طلاق کا حکم اسی حالت میں ہوسکتا ہے جب کہ شوہر مقر یا گواہان عادل شرعی دو[2] مرد یا ایک مرد دو[2] عورت سے ثابت ہو کہ یہ خط اس کا ہے ورنہ صرف مشابہتِ خط پر حکم نہیں۔ اشباہ میں ہے:

ان کتب علی وجه الرسالة مصدرا معنونا وثبت ذٰلک باقرارہ او بالبینة فکالخطاب[2]۔	اگر خط کا عنوان شروع کرکے لکھا اور پھر اس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہوجائے تو یہ لکھنا زبانی خطاب کی طرح ہے۔(ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں حکم قضا یہ ہے کہ اگر اس خط کا طالعور خاں کا ہونا نہ اس کے اقرار سے ثابت نہ گواہانِ عادل سے، جب تو اصلاً حکمِ طلاق نہیں، اور اگر اقرار یا شہادت سے ثبوت ہے تو عمدہ پر طلاق بائن پڑ گئی، اگر سرمست خاں نے عمدہ ونجم خاں دونوں کو حرف بحرف سنادیا جب تو دو طلاقیں بائن ہوئیں،

فان الصریح یلحق البائن والرجعی اذالحقه صار مثله لعدم امکان اثبات الرجعة کما فی البزازیة	اس لئے کہ صریح طلاق، بائنہ کو لاحق ہوسکتی ہے، اور جب بائنہ کے بعد اس کو رجعی لاحق ہو تو وہ رجعی طلاق بھی بائنہ کی طرح ہوجاتی ہے

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابة ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۸۔۲۹۷

وغیرہا۔	کیونکہ ایسی صورت میں رجوع کا امکان نہیں رہتا، جیسا کہ بزازیہ وغیرہ میں ہے(ت)

ورنہ ایک ضرور ہوئی بہر حال، عمدہ نکاح سے نکل گئی، یہی تفصیل جو حکم قضائی ہے عمدہ کو اسی پر عمل واجب ہے **فان المرأۃ کالقاضی** [1] **کما فی الفتح** وغیرہ (کیونکہ بیوی اس میں قاضی کی طرح ہے، جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے۔ت) اور حکمِ دیانت یہ ہے کہ اگر یہ خط طالع ورخاں کا ہے اور اس نے الفاظ کنایہ میں کُل یا بعض سے نیت ازالہ نکاح کی تو طلاق بائن ہوئی پھر اسکے ساتھ وُہ خط سنانے کی شرط بھی پوری پائی گئی تو دو [2] طلاقیں بائن ہوئی بہر حال عمدہ نکاح سے باہر ہوئی اور اگر نیت کی تو سنانے کی شرط پائے جانے کی حالت میں ایک طلاق رجعی پڑی جس میں اسے اختیار رجعت تاایّامِ عدّت تھا، اور اگر اس شرط میں بھی کمی رہی تو اصلاً طلاق نہ پڑی، یونہی اگر یہ خط اس کا نہیں جب بھی طلاق نہ ہوئی اگرچہ گواہ گواہی دیں یا خود اس نے غلط اقرار کردیا ہو،

فان الاقرار الکاذب لااثر دیانۃ ھذاجملۃ القول و التفصیل فی فتوٰنا المذکورۃ۔	اس لئے کہ جھوٹے اقرار کاکوئی اثر دیانۃً نہیں ہے، یہ تمام خلاصہ کلام ہے اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں مذکور ہے۔ (ت)

اور جب کہ عمدہ وطالعور خاں میں خلوتِ صحیحہ ہولی جیسا کہ بیان سوال سے ظاہر ہے کہ وُہ چار مہینے شوہر کے یہاں رہی تو بعد طلاق کُل مہر واجب الادا ہے، نصف ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] بحرالرائق کتاب الطلاق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۷، ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۸

باب تفویض الطلاق

(تفویض طلاق کا بیان)

مسئلہ ۳۲۱: از ملک بنگالہ ضلع سلہٹ پوسٹ آفس کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ مولوی عبدالغنی صاحب ۶ رجب ۱۳۱۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ فی الدارین (اللہ تعالٰی دونوں جہانوں میں آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا ارشاد مبارک ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا خاتون مسمّٰی زینب کو طلاق دے کر ہندہ کو خطبہ کیا تب ہندہ کہے کہ اگر اس شرط پر راضی ہو تو تیرے نکاح میں آسکتی ہوں ورنہ نہیں شرط یہ ہے، بغیر اذن ہمارے اس خاتون مطلقہ کو یا کسی اور غیر کو نکاح میں نہ لائیں، اگر لائیں تو اختیار تین طلاق کی میرے ہاتھ میں رہے، زید نے شرط کو قبول کیا اور ہندہ کو نکاح میں لاکر پانچ چھ مہینے رہا پھر زید نے زینب کو بہ نکاح گھر میں لایا ہندہ خفا ہو کر زینب کے ساتھ تھوڑی دیر جنگ و خصومت کے بعد اس کے کہا کہ اب میں مطابق اقرار نامہ نہیں رہ سکتی ہوں کہہ کر گھر سے نکل گئی اس قولِ ہندہ کے ساتھ گواہ بھی شرط ہے یا نہیں، اور اس طرح کے اختیار کرنا صحیح ہوگا یا نہیں، اور بعد آٹھ نو مہینے کے ولیِ ہندہ نے جاکر زید سے طلاق مانگا زید نے کہا کہ جو میں نے ستر ۷۰ روپے مہر بانو کو دیا تھا واپس دے دو تب طلاق دُوں گا بحسب کہنے زید کے ستر ۷۰ روپے جو کہ بابت مہر کے تھے واپس دے کر طلاق دلایا، صحیح ہے یا لغو، بعد اس طلاق کے ہندہ پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ اگر عدت کے اندر ہندہ بکر کے ساتھ نکاح بیٹھے تو وُہ نکاح شرعًا حرام ہے یا حلال؟

بینوا توجروا۔

الجواب:

قطع نظر اس سے کہ زید وہندہ میں جو یہ گفتگو قبل از نکاح ہوئی، اس میں تعلیق صحیح شرعی واضافۃ الی الملک کہاں تک متحقق تھی کہ اگر اس وقت الفاظ ناکافیہ تھے تو خاص عقد نکاح میں بھی اس شرط کا ذکر آیا یا نہیں، آیا تو کن الفاظ سے؟ اور ایجاب میں تھا یا قبول میں؟ ان تفاصیل پر نظر کے بعد یہ واضح ہوگا کہ ہندہ کو اس قرار داد کی بناء پر بر تقدیر نکاح زینب بے اذنِ ہندہ اپنے نفس کو تین طلاق دے لینے کا اختیار حاصل بھی ہوا یا نہیں، صورت یہی فرض کرلیجئے کہ شرعًا اختیار حاصل ہوگیا تھا پھر بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ بعد تحقق شرط جس مجلس میں ہندہ کو نکاح زینب کی اطلاع ہوا اس مجلس میں بے کسی کلام اجنبی کے اپنے نفس کو طلاق دے لے، یہ کہہ کر چلا جانا کہ اب میں مطابق اختیار نامہ رہ نہیں سکتی ہُوں طلاق نہیں، اور جب اپنے نفس کو بے طلاق دئے چلی گئی مجلس بدل گئی اور اختیار جاتا رہا بلکہ اگر یہ کہنا طلاق ہی فرض کیا جائے تاہم اس سے پہلے زینب سے جنگ وجدل کلام فضولی واجنبی کیا ان سے بھی مجلس بدل گئی اور اختیار نہ رہا، درمختار میں ہے:

مایوقعه باذنه وانواعه ثلثة تفویض وتوکیل ورسالة، والفاظ التفویض ثلثة تخییر وامر بیدو مشیئة، قال لها اختاری اوامرك بیدك ینوی تفویض الطلاق او طلقی نفسك، فلها ان تطلق فی مجلس علمها به مشافهة اواخبارا، وان طال یوما او اکثر مالم یوقته ویمضی الوقت قبل علمها مالم تقم لتبدل مجلسها حقیقة اوحکما بان تعمل مایقطعه ممایدل علی الاعراض۔[1]	خاوند کی اجازت سے دوسرا کوئی شخص طلاق واقع کرے تو اس کے لئے تین طریقے ہیں: ¹تفویض، ²توکیل، اور ³خط یا قاصد۔ بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کیلئے تین الفاظ ہیں، بیوی کو طلاق کا اختیار، یا معاملہ طلاق سپرد کرنا، یا اس کی مرضی پر رضا مندی ظاہر کرنا، لہٰذا بیوی کو کہا "اختیار کرلے" یا "تیرا معاملہ تیرے سپرد" تو تفویض طلاق ہوگی۔ یا اس کو کہا "تو اپنے آپ کو طلاق دے" تو ان صورتوں میں بیوی کو جس مجلس میں اس تفویض کا علم ہوا اس مجلس علم میں وُہ بالمشافہ یا بطور اطلاع اپنے اختیار کو استعمال کرسکتی ہے، اگر خاوند نے یہ اختیار کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہ کیا ہو تو یہ مجلس ایک پورا دن یا اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے اور اختیار کو کسی وقت سے مخصوص کیا ہو اور وُہ وقت بیوی کے علم سے قبل ختم ہوگیا تب

[1] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

	بھی بیوی کو مجلسِ علم میں اختیار باقی ہوگا بشرطیکہ اس مجلس علم میں کوئی تبدیلی اُٹھنے یا اُٹھنے کے مترادف کوئی کام یا بات کرنے سے نہ آئی ہو کیونکہ ایسی بات یا کام حقیقۃً یا حکمًا مجلس کی تبدیلی قرار پائے گا، مثلاً کسی ایسے کام میں وہاں ہی مصروف ہوجائے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس نے اختیار کو چھوڑ دیا اور ختم کردیا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ودخل فی العمل الکلام الاجنبی۔[1]	ایسے کام میں اجنبی اور اختیار سے لاتعلق کلام بھی اعراض سمجھا جائے گا۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں وہ اختیار ہرگز صحیح نہ ہوا نہ اس وقت تک ہندہ پر کوئی طلاق پڑی، ہاں جب ولیِ ہندہ نے طلاق مانگی اور زید نے مہر واپس لے کر طلاق دی، یہ طلاق بیشک صحیح ہوئی اور اسی طلاق کے وقت سے ہندہ پر عدت لازم آئی، اگر ختمِ عدّت سے پہلے بکر وغیرہ زید کے سوا کسی سے نکاح کرے گی باطل محض وحرام قطعی ہوگا،

قال اللہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ[2] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض ختم ہونے تک عدت میں پابند رکھیں واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۲: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاکخانہ کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ مولوی عبدالغنی صاحب ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی الدارین (اللہ تعالٰی دونوں جہانوں میں آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے۔ت) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی اگلی خاتون مسمّاۃ زینب کو طلاق دے کر ہندہ کو اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر بلااذن ہندہ اپنے اگلے خاتون مطلقہ کو یا اور دوسری کسی کو اپنے نکاح میں لائے تو ہندہ کو تین طلاق کا اختیار ہے خواہ کہ طلاق کو اختیار کرکے اپنے نفس کو چھڑائے یا مرضی شوہر پر رہے۔ اب زید بلااذنِ ہندہ اپنی اگلی خاتون مطلقہ کو بہ نکاح گھر میں لایا اس صورت میں ہندہ کو اختیار ایقاع طلاق کے واسطے مجلس شرط ہے یا نہیں، ہندہ دعوٰی کرتی ہے کہ بمجرد آتے ہی زینب کے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تھا زید اور دو عورت حاضر مجلس ہندہ تھے کہتے ہیں ہندہ نے کوئی بات

[1] ردالمحتار باب تفویض الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۷۶

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

نہ کہی بلکہ گھر سے باہر گئی اور زینب سے جنگ وخصومت کی، اس اختلاف میں عندالشرع گواہ معتبر ہے یا قولِ ہندہ معتبر؟ مع الدلیل بیان فرمائیں، اگر ہندہ اس دعوٰی مذکورکے بناپر بعد تین مہینے کے بکر کے پاس نکاح بیٹھے تو یہ نکاح صحیح ہُوا یا نہیں؟ اور باوجود اس دعوی مذکورہ کے ہندہ نے زید سے خلع کیا تو یہ خلع عندالشرع معتبر ہے یا نہیں؟ معترض کہتا ہے اگر وُہ دعوی ہندہ صحیح ہوتا تو کیوں خلع کیا، ہندہ کہتی ہے بسبب خوفِ حاکم خلع کیا تھا، نہ عدمِ اختیار نفس کے اختلافِ زوجین کی صورت میں قولِ زوجہ عالمگیری میں ثابت ہے جیسا کہ:

واذاجعل امرھا بیدھا وطلقت نفسھا وقال الزوج انما طلقت نفسك بعد اشتغالك بكلام او بعمل، وقالت بل طلقت نفسی فی ذٰلك المجلس من غیران اشتغل بكلام اٰخروبشیئ اٰخر فالقول قولھا وقع الطلاق کذافی فصول الاستروشنی[1]۔انتھی۔	اگر خاوند نے بیوی کو اس کی طلاق کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا، اور بیوی نے اس پر اپنے آپ کو طلاق دے دی اور خاوند نے کہا چونکہ تو دوسرے کام میں مشغول ہو گئی تھی یا دوسری بات میں مشغول ہو چکی تھی، اور اس کے بعد تو نے طلاق دی ہے اور بیوی نے خاوند کے اس الزام کا انکار کرتے ہوئے کہا "نہیں بلکہ میں نے اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے اور میں کسی دوسرے کام میں مشغول یا اجنبی بات میں مشغول نہیں ہوئی" تو بیوی کی بات معتبر ہوگی، اور بیوی کی دی ہوئی طلاق واقع ہوجائیگی، استروشنی کے فصول میں یُوں ہی مذکور ہے۔انتھی (ت)

اس صورت مسطور میں عندالشرع کس کی دلیل معتبر ہے؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں قولِ زوج قسم کے ساتھ معتبر ہے، ہندہ جب تک گواہان عادل شرعی دو۲ مرد یا ایک مرد دو۲ عورتوں کی شہادت سے ثابت نہ کرے کہ میں نے اسی مجلس میں اپنے نفس کو طلاق دے لی تھی اس کی بات ہر گز نہ سُنی جائے گی نہ اسے بکر سے نکاح کی اجازت ہوگی خلع جو کیا صحیح ہے، خلع کی عدت گزرنے پر جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، اس صورت واقعہ اور صورت مسئلہ فتاوٰی عالمگیری میں فرق عظیم ہے وہاں شوہر کو بھی تسلیم تھا کہ عورت نے اپنے نفس کو طلاق دی مگر یہ کہتا تھا کہ اس کا یہ طلاق دینا باطل واقع ہوا کہ بعد تبدلِ مجلس تھا، یہ صراحۃً خلافِ ظاہر ہے کہ جب عورت نے بعد تخییر طلاق کا قصد کیا تو ظاہر یہی ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۹۱

کہ ایسے ہی وقت طلاق دی جس سے اُس کا یہ قصد پورا ہو یعنی مجلس بدلنے سے پہلے تو اس صورت میں شوہر خلافِ ظاہر دعوی کرتا تھا، لہٰذا قول عورت کا معتبر ہوا، اور یہاں شوہر سرے سے ایقاعِ طلاق ہی کا اقرار نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ ہندہ بے طلاق دئے چلی گئی، اور ہندہ دعوی طلاق کرتی ہے تو وُہ زوال نکاح کی مدعیہ اور شوہر منکر ہے، لہٰذا قولِ شوہر معتبر ہے، اور اختیارِ طلاق دئے جانے سے خواہی نخواہی یہی ظاہر نہیں کہ عورت طلاق ہی اختیار کرے گی، جامع الفصولین میں ہے:

ت(ای الزیادات)قال امرك بیدك فطلقت نفسها فقال انّما طلقت نفسك بعد الاشتغال بکلام او عمل وقالت بل طلقت نفسی فی ذٰلك المجلس بلا تبدل فالقول قولها لانه وجد سببه باقرارہ محم (ای مختصر الحاکم)قال خیرتك امس فلم تختاری وقالت قد اخترت فالقول قوله شخ(ای شمس الائمة السرخسی)قال لِقِنّه جعلت امرك بیدك فی العتق امس فلم تعتق نفسك قال القن فعلته لا یصدق اذ المولٰی لم یقر بعتقه لان جعل الامر بیدہ لایوجب العتق مالم یعتق القن نفسه والقن یدعی ذٰلك والمولی ینکرہ ولا قول للقن فی الحال لانه یخبر بما	ت (یعنی زیادات) میں ہے، خاوند نے بیوی کو کہا کہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" تو اس پر بیوی نے اپنے آپ کو طلاق دے دی، اس کے بعد خاوند نے اسے کہا کہ تُو نے اختیار کے بعد مجلس میں کسی تبدیلی کے بغیر اپنے کو طلاق دی ہے تو اس صورت میں بیوی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ بیوی کی تصدیق کا سبب خاوند کا اپنا اقرار ہے کہ (بیوی نے طلاق دی ہے) وُہ پایا گیا ہے محم (یعنی مختصر الحاکم)، خاوند نے بیوی کو کہا "میں نے تجھے کَل اختیار دیا تھا تو نے اپنا اختیار استعمال نہ کیا" تو جواب میں بیوی نے کہا "میں نے اختیار کو استعمال کرلیا ہے" تو خاوند کی بات معتبر ہوگی شخ (یعنی شمس الائمہ سرخسی)، مالک نے اپنے غلام کو کہا کہ "میں نے تجھے کَل آزاد ہونے کا اختیار دیا تو تُو نے اپنے آپ کو آزاد نہ کیا" تو غلام نے کہا "میں نے کرلیا ہے" تو غلام کی بات معتبر نہ ہوگی کیونکہ مالک نے اس کی آزادی کا اقرار نہ کیا، کیونکہ محض آزادی کا اختیار دینا عتق کو لازم نہیں کرتا جب تک مالک کے اختیار پر غلام اپنے آپ کو آزاد نہ کرلے، جبکہ غلام اسکا مدعی ہے اور مالک

لایملك انشاءہ لخروج الامر من یدہ بتبدل مجلسه وکذا لو قال اعتقتك علی مال امس فلم تقبل فقال القن قبلت فالقول للمولی وکذا ھذا کله فی الطلاق وفی امرك بیدك[1] اھملخصًا۔	انکار کرتا ہے اور اس گفتگو میں غلام کا کہنا کہ میں نے اپنے آپ کو آزاد کرلیا ہے یہ اس چیز کی خبر دے رہا ہے جس کی انشاء کا ابھی تک وہ مالک نہیں بنا تو فی الحال غلام کا کوئی قول نہیں ہے، کیونکہ اب مجلس بدلنے کی وجہ سے اختیار اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، اور یُوں ہی اگر کہا کہ "میں نے کَل تجھے مال کے عوض آزادی کا اختیار دیا تھا جسے تُونے قبول نہ کیا"، تو غلام نے کہا "میں نے قبول کرلیا تھا" تو مالک کی بات معتبر ہوگی۔ اور یہی تمام صورتیں طلاق اور بیوی کے ہاتھ میں اختیار دینے کے متعلق ہیں اھ ملخصًا (ت)

بحر الرائق میں ہے:

الفرق بینھما ان فی المسئلة الاولی اتفقا علی صدور الایقاع منھا بعد التفویض، والزوج یدعی ابطال ایقاعھا فلایقبل منه[2]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	مذکورہ صوتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں خاوند و بیوی دونوں اختیار کے بعد مجلس میں اختیار کو استعمال کرنے پر متفق ہیں مگر خاوند، بیوی کے حق کو باطل کرنے کا مدعی ہے اس لئے اس کی بات مقبول نہ ہوگی الخ۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے قبلِ نکاح یہ قرار دیا کہ اگر میں دوسرا نکاح کسی اور عورت سے کروں تو تجھ کو اختیار ہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے، اس شخص نے دوسرا نکاح کرلیا، عورت اپنے آپ کو فورًا حسبِ اختیار طلاق دے لے اور شوہر اس پر رضامند نہ ہو تو طلاق ہوگی یا نہیں؟ اور قبلِ نکاح یہ شرط جائز تصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اگر لفظ جو اس شخص نے اس عورت سے قبل نکاح کہے اسی قدر اور یُوں ہی ہیں جس طرح سوال میں

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والعشرون فی الامر بالید ومتعلقه اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/۳۰۳۔۳۰۲

[2] بحر الرائق فصل فی الامر بالید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۳۲۶

مذکور ہوئے تواس صورت میں عورت کو بر تقدیر نکاح ثانی کوئی اختیار طلاق دے لینے کا حاصل نہ ہوا اس کا اپنے نفس کو طلاق دینا کافی نہیں جب تک شوہر اس طلاق کو نافذ نہ کرے،

فان الملك اوالاضافة اليه لابد منه ولم یوجد، او طلاق الفضولی یتوقف عندنا علی اجازة الزوج۔	کیونکہ طلاق دیتے وقت ملکیت یا اس کی طرف نسبت کا موجود ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں یہ موجود نہیں، یا یہ کہ یہ فضولی کی طلاق ہے جبکہ فضولی کی طلاق خاوند کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے (ت)

پیش از نکاح جو ان الفاظ سے شرط کی جائے لغو و مہمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۴: از بنگالہ ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اس شرط پر زینب سے نکاح کیا کہ اگر تم کو چھ ۶ مہینے تک بے خوراک وبے خبری چھوڑوں گا تو اختیار ایقاع تین طلاق کی ملک تیرے ہاتھ دے دیا، اب زید نے بعد ایک سال کے اپنی منکوحہ کو خوش وراضی کرکے فی ماہ خوراک مقرر کرکے واسطے کسی کام کے سفر میں گیا اور تین گواہ بھی موجود ہیں، اب بعد چند روز کے منکوحہ زید دعوی کرتی ہے کہ میری طلاق واقع ہوگئی، آیا یہ دعوی زینب صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر الفاظ شرط کہ زید نے کہے یہی ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے تو اس میں چار ۴ صورتیں ہیں:

اوّل یہ لفظ زید نے پیش از نکاح کہے اگرچہ اسی وقت معًا نکاح کرلیا۔

دوم خاص ایجاب وقبول میں شرط کی اور ابتدائے ایجاب اس شرط کے ساتھ جانبِ زید سے تھی یعنی زید نے کہا میں تجھے اپنے نکاح میں لایا اس شرط پر کہ اگر تجھ کو چھ ۶ مہینے تک الخ، زینب نے کہا میں نے قبول کیا۔

سوم شرط خود عقد میں تھی اور ابتدائے ایجاب زینب کی طرف سے مثلاً زینب یا اس کے وکیل نے کہا میں نے اپنے نفس یا اپنی مؤکلہ زینب بنت فلاں بن فلاں کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ اگر تو تیرے چھ ۶ مہینے تک الخ، زید نے کہا میں نے قبول کیا، یا زینب خواہ وکیل نے کہا میں نے اپنے نفس یا مؤکلہ مذکورہ کو تیرے نکاح میں دیا، زید نے کہا میں نے قبول کی اس شرط پر کہ اگر میں تجھ کو چھ ۶ مہینے تک الخ۔

چہارم یہ شرط بعد تحقق ایجاب وقبول کی، پہلی دو ۲ صورتوں میں سرے سے یہ تفویض طلاق یعنی زینب کو بشرطِ مذکور طلاق کا اختیار دینا ہی صحیح نہ ہوا، اگر بالفرض زید چھ برس بے نفقہ وبے خبر گیری چھوڑے اور

زینب سو بار اپنے نفس کو طلاق دے طلاق نہ پڑے گی،

لان التفویض تعتمد الملك اوالاضافة الیه ولم یوجد۔	کیونکہ تفویض کا دار ومدار ملکیت یا اس کی طرف نسبت پر ہے جو کہ یہاں موجود نہیں ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں وغیرہ میں ہے:

البدأة اذاکانت من الزوج کان التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المرأة قبلت والجواب یتضمن اعادة مافی السؤال صار کانه قال قبلت علی ان یکون الامر بیدک،فیصیر مفوضا بعد النکاح [1] اھ مختصرًا۔	بیوی نے خاوند سے طلاق کا اختیار طلب کیا تو اب خاوند نے تفویض کی ابتداء کی تو یہ تفویض نکاح کے بعد متصور ہوگی کیونکہ اگر بیوی کے جواب میں صرف "قبلت" (میں نے قبول کیا) کہا، تو یہ تفویض نکاح کے بعد اس لئے ہوگی کہ سوال کا جواب میں اعادہ معتبر ہوتا ہے گویا کہ یُوں کہا میں نے قبول کیا کہ معاملہ تیرے ہاتھ میں ہو اھ مختصرًا(ت)

اور پچھلی دو ۲ صورتوں میں تفویض صحیح ہوگئی،اب اگر زید نے بعد نکاح چھ ۶ مہینے تک بے نفقہ وخبر گیری نہ چھوڑا تو بھی زینب پر طلاق ہونے کے کوئی معنی نہیں لعدم تحقق الشرط (شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ت) اور اگر شرط مذکور پائی گئی تو جس وقت چھ ۶ مہینے گزرے زینب کو اپنی طلاق دے لینے کا اختیار تو ضرور حاصل ہوا مگر یہ اختیار اسی جلسہ تک رہے گا اگر مجلس بدلی یا کوئی فعل یا قول زینب سے ایسا صادر ہو جو اپنے آپ کو طلاق دینے سے اجنبی ہو تو وُہ اختیار فورًا جاتا رہا اب چاہے سو بار اپنے نفس کو طلاق دے نہ ہوگی،مثلاً جس وقت چھ ۶ مہینے گزرے زینب ایک جگہ بیٹھی تھی وہاں سے کھڑی ہوگئی یا کھڑی تھی چلنے لگی یا کھانا مانگا یا کنگھی کی یا کسی سے کوئی اجنبی بات اس معاملے کے علاوہ کہی اس کے بعد اپنے آپ کو طلاق دی ہرگز نہ پڑے گی اور اگر اسی جلسہ میں بغیر کسی ایسے قول وفعل اپنے آپ کو طلاق دے سب سے پہلے یہی بات کی تو بیشک طلاق ہوگئی۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واماان یکون مؤقتافان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرك بیدك فقدم فلان فامرها بیدها اذاعلمت فی مجلسها الذی	وہ تفویض جو کسی شرط سے معلق ہو تو اس کی دو ۲ صورتیں ہیں،وقت مقرر ہوگا یا مقرر نہ ہوگا۔اگر شرط کے ساتھ وقت مقرر نہ ہو جیسے یُوں کہے "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے جب فلاں شخص آجائے تو

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی النکاح علی الشرط نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۲

قدم فیہ[1] الخ	اس صورت میں بیوی کو فلاں کے آنے کی اطلاع والی مجلس میں اپنا اختیار حاصل ہوجائے گا الخ (ت)

اُسی میں ہے:

اذاقامت عن مجلسھا قبل ان تختار نفسھا وکذا اذا اشتغلت بعمل اٰخر یعلم انہ کان قاطعا لما قبلہ کما اذادعت بطعام لتأکلہ او نامت او نشطت او اغتسلت او اختضبت او جامعھا زوجھا او خاطبت رجلا بالبیع والشراء فھذا کلہ یبطل خیارھا کذافی السراج الوھاج۔[2]	اگر بیوی مجلس میں اپنے کو طلاق دینے سے قبل اُٹھ کھڑی ہوئی یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہوگئی جس سے معلوم ہوجائے کہ یہ اختیار کے لئے قاطع ہے مثلاً بیوی اس مجلس میں اختیار استعمال کرنے سے قبل کھانے کے لئے کھانا طلب کرلے یا کنگھی کرنا شروع کردے یا غسل شروع کردے یا خضاب مہندی لگانا شروع کردے یا خاوند سے ہمبستری شروع کردے یا کسی دوسرے شخص سے خرید وفروخت کی بات شروع کردے، تو یہ تمام افعال اس کے اختیار کو باطل کردیں گے۔ سراج الوہاج میں ایسے ہی مذکور ہے (ت)

درمختار میں ہے:

والفلك لھا کالبیت وسیرد ابتھا کسیرھا حتی لایتبدل المجلس بجری الفلك ویتبدل بسیر الدابۃ[3] الخ۔	کشتی، گھر کی طرح ہے، اور سواری کا چلنا عورت کے اپنے چلنے کی طرح ہے حتی کہ مجلسِ اختیار تبدیل نہ ہوگی جب کشتی چلتی رہی ہو مگر سواری کے چلنے پر مجلس تبدیل ہوجائے گی الخ (ت)

بالجملہ صورت مستفسرہ میں زینب پر طلاق ہونے کے لئے تین امور ضرور:

ایک یہ کہ وہ تفویض جانب زوج سے صحیح واقع ہوئی یعنی بعد نکاح یہ اختیار دیا ہو یا وقت نکاح اس طور پر کہ ابتدائے ایجاب عورت کی طرف سے ہو۔

دوسرے یہ کہ بعد نکاح چھ۶ مہینے بے نفقہ وخبر گیری گزرے ہوں۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۹۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث فی تفویض الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۷

[3] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۷

تیسرے یہ کہ اُن کے گزرتے ہی اسی مجلس میں بے کسی اجنبی بات کے زینب نے اپنے آپ کو طلاق دے لی ہو۔ ان تین امور سے اگرایک بھی کم ہے دعوی طلاق محض غلط و باطل ہے اب اگر زید ان تینوں باتوں کے وجود کا مقر ہو تو آپ ہی طلاق ثابت ہو جائے گی، اور اگر ان میں بعض کا منکر ہو تو امر اوّل ودوم میں زینب پر گواہ دینے ضرور ہیں، شہادتِ شرعیہ سے ثابت کرے کہ شوہر نے اسے تفویض طلاق بروجہ مقبول شرعی کی اور چھ مہینے بے نفقہ وخبر گیری گزر گئے اگر گواہانِ عادل سے اسے ثابت نہ کرسکے گی تو زید کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور طلاق ثابت نہ ہوگی، اور امر سوم میں اگر زید کو سرے سے بعد حصول شرط زوجہ کی جانب سے ایقاعِ طلاق صادر ہونے ہی کا انکار ہے جب بھی گواہ ذمّہ زینب ہیں اور اگر ایقاع بھی زید کو تسلیم ہے تو گواہ دینا زید پر لازم ہے یعنی صحتِ تفویض وانقضائے ششماہی وایقاع طلاق زید کو تسلیم یا گواہوں سے ثابت ہے اور تنقیح صرف اس بات کی باقی ہے کہ اس مدت گزرنے پر زینب نے اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دے لی یا بعد زینب کہتی ہے اسی وقت میں نے دے لی تھی اور زید منکر ہے، تو اس کا بار ثبوت زید پر ہے، یہ گواہوں سے ثابت کرے کہ جس وقت چھ مہینے گزرے ہیں زینب بے طلاق دئے ہوئے کسی اور کام میں مشغول ہوگئی اگر ثابت کردے گا طلاق نہ ہوگی ورنہ زینب کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور طلاق ثابت کردیں گے۔ درمختار میں ہے:

قالت طلقت نفسی فی المجلس بلاتبدل وانکر فالقول لها. جعل امرها بیدها ان ضربها بغیر جنایة فضربها ثم اختلفا فالقول له لانه منکر وتقبل بینتها علی الشرط المنفی[1]. کما سیجئ۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	بیوی نے کہا میں نے مجلس تبدیل کئے بغیر اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے، اور خاوند اس کا انکار کرتا ہے تو بیوی کی بات معتبر ہوگی، مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دیا اگر وہ اس کے بغیر قصور مارے، پھر خاوند نے بیوی کو پیٹ دیا تو اب بغیر قصور پیٹنے کی شرط پائے جانے، میں خاوند بیوی کا اختلاف ہوا تو خاوند کا قول معتبر ہوگا کہ وہ منکر ہے، اگر عورت شرط کے نہ پائے جانے کے موقف پر خاوند کے خلاف شہادت پیش کرے تو قبول کی جائے گی جیسا کہ عنقریب ذکر آئیگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۵: از ملک بنگالہ ضلع سلہٹ مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب ۲۱ شعبان ۱۳۲۰ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ عبدالکریم میاں مسماۃ ٹکھنگ بی بی را	علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ عبدالکریم نے مسماۃ ٹکھنگ بی بی سے

[1] درمختار باب الامر بالید مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۹

در عقد نکاح خود آورد واز بطن مذکورہ دخترے تولد شد بعد ازاں عبدالکریم از کسے وجہ ناراضی بانو موصوفہ راطلاق بائن داد، بی بی مذکور از مکان عبدالکریم بمکان دیگر رفت بعد ازاں عبدالکریم مسماۃ مائتون بی بی را نکاح کرد و نامہ بطور کابین. بریں مضمون نوشتہ داد کہ بغیر تو ہیچ زن راخواہ ٹکھنبنگ بی بی باشد یازن دیگر در نکاح من نیارم اگر آرم وآں زن دیگر در باب چوکھٹ پائے دارو پس ترا اختیار طلاق ثلثہ است بہر وقتے کہ باید خود را از نکاح من خارج کردہ با شوہر دیگر نکاح توانی کرد، اگر درآں وقت دعوے زوجیت بکنم خلافِ شریعت و قانون انگریزی خواہد شد نوشتہ بدست مائتون بی بی داد چند کس راز مجلس مسلمین گواہ کرد، پس از چند روز عبدالکریم قولِ خود راخلاف نمودہ بانو اول ٹکھنبنگ بی بی را بمکان خود آورد بعد ازاں میان ہر دو زن جنگ وجدال شد ٹکھنبنگ از شجاعت و دلیری خود مائتون بی بی را از مکان عبدالکریم بیروں کرد پس مائتون بی بی جبراً روزے بمکان والد عبدالکریم ماندہ. بروز دیگر سخنہائے کہ ضرہ خود دیروز شدہ بود بیان کردہ گفت کہ من بمطابق اقرار نامہ سہ طلاق خود را اختیار می روم و بمکان والدین رفت بعد ازاں عبدالکریم قول خود در اخلاف اقرار نامہ کردہ دعوی زوجیت کرد پس مائتون بی بی بعد چہار ماہ بخوف جنگ وجدال شوہرے خود را ہفتاد

نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کے بعد عبدالکریم نے بانو موصوفہ کو بائن طلاق دے دی اور وہ عبدالکریم کے مکان سے دوسرے مکان میں چلی گئی، پھر عبدالکریم نے مسماۃ مائتون بی بی سے نکاح کیا اور نکاح نامہ میں یہ تحریر کرکے مائتون بی بی کو دے دیا کہ "وہ تیرے بغیر ٹکھنبنگ بی بی یا کسی دوسرے عورت سے نکاح کروں تو وہ جب دروازے کی چوکھٹ پر قدم رکھے تو تجھے تین طلاقوں کا اختیار دیتا ہوں کہ تو جس وقت چاہے میرے نکاح سے خارج ہوجائے اور دوسرے جس شخص سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، اگر اس وقت میں تجھ پر زوجیت کا دعوی کروں تو یہ دعوی شریعت اور انگریزی قانون کے خلاف متصور ہوگا" اس تحریر پر چند حاضر مسلمانوں کو گواہ بنایا، اسکے بعد چند روز میں ہی عبدالکریم نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پہلی بیوی ٹکھنبنگ بی بی کو اپنے مکان پر لے آیا جس کے بعد دونوں بیویوں میں جھگڑا شروع ہوگیا اور ٹکھنبنگ بی بی نے اپنی جرات اور دلیری سے مائتون بی بی کو عبدالکریم کے مکان سے نکال دیا تو مائتون بی بی ایک روز زبردستی عبدالکریم کے والد کے گھر ٹھہری اور وہاں عبدالکریم کے والد کو اپنی سوکن کے ساتھ ہونے والی گزشتہ روز کی کہانی سنائی اور کہا کہ میں نے نکاح نامہ تحریر شدہ عبدالکریم کے اقرار کے مطابق اپنے آپ کو طلاق دیتی ہوں اور اپنے اختیار کو استعمال کرتی ہوں، وُہ یہ کہہ کر اپنے والدین کے

روپیہ دادہ خلع کرد عبدالکریم مائتون بی بی را سہ طلاق داد پس مائتون بی بی بعد یک روز بامرد دیگر نکاح خود کرد پس ایں نکاح جائز شد یا نہ، بابراہین شرعیہ ودلائل قویہ باید نوشت، مخفی نماند کہ از سہ سال دربارہ ایں مسئلہ اختلاف ست، **بینوا توجروا۔**	گھر چلی گئی، اس کے بعد عبدالکریم نے اپنے اقرار نامہ کے برخلاف مائتون بی بی پر اپنی زوجیت کا دعوی کردیا، تو مائتون بی بی نے جنگ وجدال سے بچتے ہوئے عبدالکریم کو اس کے دعوی کے عوض سٹّر روپے خلع کے طور پر چار ماہ بعد ادا کردئے، تو عبدالکریم نے اس وقت مائتون بی بی کو تین طلاقیں دیں، تو اس کے ایک روز بعد مائتون بی بی نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، تو کیا اس کا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ براہین شرعیہ اور دلائل قویہ سے جواب لکھا جائے۔ یادرہے کہ اس مسئلہ میں تین سال سے اختلاف چلا آرہا ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر عبدالکریم آں نامہ پیش از نکاح نوشت وآنجا الفاظ ہمیں قدر بود کہ سائل ذکر نمود بزنے گرفتن مائتون شرطا بالتصریح مذکور نبود مثلاً اگر ترا نکاح کنم وباز برتو زنے دیگر بزنے گیرم واو بخانہ ام آید پس ترا اختیار سہ طلاق ست الخ پس دریں صورت آں نامہ لغو وباطل ست وبزنے گرفتن منکوحہ اولٰی خواہ غیر او مائتون راہیچ اختیار طلاق دادن خودش روا ندارد او، ہمچناں زن عبدالکریم است تاآنکہ خلع کرد وعبدالکریم سہ طلاق داد ازیں وقت مطلقہ شد وعدّت بروواجب آمد پیش از مرور عدت نکاحی کہ بامرد دیگر کرد ناجائز وباطل وزنا وحرام بود واز بازماندن فرض ست **قال اللہ تعالٰی** **وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ**[1] **ورد المحتار ست لو قال لها**	اگر عبدالکریم نے وُہ تحریر نکاح سے پہلے لکھی ہو اور اس میں وہی الفاظ ہوں جو سائل نے تحریر کئے ہیں جس میں مائتوں بی بی سے نکاح کو بطور شرط صراحۃً ذکر نہیں کیا گیا، مثلاً یہ صورت ہو کہ اگر تجھ سے نکاح کروں اور پھر تجھ پر دوسری عورت کو بیوی بناؤں اور وہ میرے گھر آئے تو تجھے تین طلاقوں کا اختیار ہے الخ__ تو ایسی صورت میں یہ تحریر لغو اور باطل ہے، اور پہلی بیوی یا کسی دوسری کو نکاح کرکے گھر لائے تو مائتون بی بی کو اختیار نہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو تین طلاق دے وُہ بدستور عبدالکریم کی بیوی ہوگی اور خلع کے بعد اس کو عبدالکریم کے تین طلاق دینے پر وہ مطلقہ قرار پائی اور اس وقت سے اس کی عدت شمار ہوئی، اور عدت پوری ہونے سے قبل دوسرے شخص سے اس کا نکاح حرام،

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

تزوجتك علی ان امرك بیدك فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح فی الملك او مضافا الیه ولم یوجد واحد منهما بخلاف مامر فان الامر صار بیدها مقارنا لصیرورتها منکوحة[1] اھ نھر،	ناجائز اور باطل بلکہ زنا ہے اس لئے مائتون کو اس دوسرے شخص سے علیحدہ ہو کر باز رہنا ضروری اور فرض ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور مطلقہ عورتیں تین حیض مکمل ہونے تک اپنے آپ کو پابند رکھیں۔ ردالمحتار میں ہے: اگر ایک شخص نے کسی عورت سے کہا کہ میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو عورت نے اس شرط پر نکاح کو قبول کرلیا تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط مذکور لغو ہوجائیگی، کیونکہ طلاق کا اختیار نکاح میں یا نکاح کی طرف نسبت کرنے میں صحیح ہوسکتا ہے جبکہ یہ دونوں امر یہاں نہیں ہیں، اس کے برخلاف جو گزرا کیونکہ وہاں طلاق کا اختیار نکاح سے مقارن ہوجاتا ہے عورت کے منکوحہ ہوجانے کی وجہ سے اھ نہر۔ اور اگر عبدالکریم نے وُہ تحریر نامہ مائتون بی بی سے نکاح کرنے کے بعد لکھا ہے تو پھر تین طلاقوں کی تفویض جس طرح اختیار نامہ میں موجود ہے صحیح ہے اور عبدالکریم کے تحریر نامہ "جس وقت چاہے" لکھنے کی وجہ سے یہ تفویض اس مجلس سے مقید نہ رہی۔ درمختار کی فصل فی المشئیۃ میں ہے کہ یہ مشیّت یعنی اختیار طلاق مجلس موجود میں رہتا ہے اور اسی سے مقیّد ہوتا ہے اسکے
واگر تحریر نامہ پس از نکاح مائتون ست تفویض طلاق ثلثہ عــہ آنچناں کہ دراں نامہ گفتہ است صحیح شدو بوجہ قول عبدالکریم بہر وقتیکہ باید الخ متقید بمجلس نماند فی الدرالمختار من فصل المشیئة تقید بالمجلس لانه تملیك الااذا زاد متی شئت ونحوہ مما یفید عموم الوقت فتطلق مطلقا[2] پس بریں تقدیر زاں باز کہ طلاق خویش اختیار کرداز نکاح بیروں شد اگر چہ ایں معنی روز دوم رونمود وذٰلک لان قولہ بہر وقتیکہ باید الخ توضیح للتفویض المذکور فی قولہ پس ترااختیار ثلاثه است کما ھو الظاھر لمتبادر المفھوم المتعارف من امثال التحاور، وان فرض کونه کلامابحیاله فھو تفویض	

عــہ: یہاں کرمِ خوردہ ہے ۱۲

[1] ردالمحتار باب الرجعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۰

[2] درمختار باب الامر بالید مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۹

بنفسہ ولیس فیہ التنصیص علی تفویض طلاق واحد حتی ینافیہ اختیار الثلاث عند الامام انما ھو کلام مطلق لیشتمل کل بینونۃ بواحد اتت اوباکثر فصح علی ھذا ایضا وان لم تبن الابواحدۃ،وعلی الاول بثلث،قال فی ردالمحتار لایقع شیئ فیما اذاامرھا بالواحدۃ فطلقت ثلثا بکلمۃ واحدۃ عند الامام امالوقالت واحدۃ وواحدۃ وواحدۃ وقعت واحدۃ اتفاقا لانہ لم یتعرض للعدد لفظا واللفظ صالح للعموم والخصوص وتمامہ فی البحر[1]۔

اگرایں سخن ہمچناں راست باشد کہ سائل وانمود یعنی درکلام عبدالکریم لفظ(ہر وقتیکہ باید) نیز زائد بود پس دریں حالت اگر پس آں طلاق مائنون راسہ حیض کامل آمدہ ختم شدہ بود بعد آں نکاح باشخصے دیگر کرد جائز باشد ورنہ حرام،ووقوع ایں معنی بعد چارماہ از طلاق اولیں دلیل قطعی

بعد نہیں رہتا کیونکہ یہ تملیک ہے،لیکن اگر "جب چاہے"کا لفظ زائد کیا ہو یا اس کی مثل اور کوئی عموم وقت کے لئے لفظ زائد کیا ہو تو پھر مجلس کی قید کے بغیر مطلقًا طلاق ہوگی،پس اس صورت میں مائنون بی بی کا اپنے آپ کو طلاق دینا درست ہوا اور وہ عبدالکریم کے نکاح سے خارج ہوگئی ہے،اگرچہ عبدالکریم اس کارروائی کے دوسرے روز اس کے خلاف اقدام کرکے رَد بھی کردے،تاہم نکاح ختم ہوگیا ہے،یہ اس لئے کہ اس نے "جس وقت چاہے"کالفظ ذکر کیااور یہ تین طلاقوں کی تفویض کی وضاحت ہے،جیسا کہ عرف میں اس محاورہ کے استعمال سے متبادر طور پر مفہومًا سمجھا جاتا ہے،اور اگر بعینہٖ اس کو کلام فرض کیا جائے تو یہ بنفسہٖ تفویض ہوگی اور تفویض میں چونکہ ایک طلاق کا ذکر نہیں ہے اس لئے یہاں تین طلاقوں کو اختیار کرنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں منافی نہ ہوگا،(ہاں اگر بیوی تین طلاقوں کو بیک لفظ کی بجائے "ایک اور ایک اورایک" تین مرتبہ کہتی ہے تو پھر بالاتفاق ایک ہوتی)لیکن یہاں تو مطلق کلام ہے جس میں ایک یازیادہ بائنہ طلاقیں ہوں سب کو شامل ہے،تواس بناء پر بھی تین طلاقیں اپنانا درست ہے اگرچہ علیحدہ علیحدہ کہنے میں ایک ہی سے بائنہ اور بیک لفظ میں تین طلاقوں سے ہی بائنہ ہوجاتی ہے،ردالمحتار میں ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو ایک طلاق کا

[1] ردالمحتار باب فی المشیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۸۸

انقضائے عدّت نیست زن بحال خود عالمہ است می تواند کہ گاہے درسہ سال نیز سہ حیض تمام نشود ایں ست حکم صورت مسؤلہ، اما فقیر می ترسم کہ ایں مسئلہ ہماں ست کہ در ۱۳۱۷ھ سہ بار از ہمیں سلہٹ نزد فقیر آمدہ بود وسائل ایں بار نیز گفت کہ ایں فساد از سہ سال آنجا بر پاست، بار اوّل ۶/رجب ۱۳۱۷ھ بیانے کہ آمد ظاہرش آنست کہ ایں اقرار زید یعنی عبدالکریم پیش از نکاح ہندہ اعنی مائتون بود وآنجا نیز تصریح اضافت بملک یا سبب ملک نیست وقطع نظر ازاں ۶/رجب و۱۹شوال و۲۲ذی قعدہ ۱۳۱۷ھ در سوالات ہر سہ بار ہیچ ذکر ایں زیادت تازہ کہ ہر وقتیکہ باید نبود بلکہ در سوال اول لفظ ہندہ ہمیں قدر نوشتہ بود کہ اب میں مطابق اقرار نامہ نہیں رہ سکتی ہوں، ایں گفت واز خانہ بروں رفت جواب دادم کہ ایں الفاظِ طلاق نبود بالفرض اگر طلاق باشد پیش آنہا باز ضرہ خود جنگ وجدل سخنے فضول واجنبی بود مجلس متبدل شد واختیار طلاق از دست رفت طلاق ازاں روز شد کہ خلع کرد ازیں روز امر در عدت واجب ست ورنہ نکاح حرام، بریں واجب جواب در سوال شوال نیز ہمیں از تقیید بمجلس سوال کرد جواب رفت، در سوال ذیقعدہ فزود کہ ہندہ دعوی میکند کہ بمجرد آمدن

اختیار دیا اور بیوی نے تین کو بیک لفظ اپنایا تو امام صاحب کے نزدیک کوئی طلاق نہ ہوگی اور ایک ایک کرکے تین طلاقوں کو اپنے لئے اختیار کیا تو پہلی ایک بالاتفاق واقع ہوگی کیونکہ لفظوں میں خاوند نے عدد کو ذکر نہیں کیا اس میں عموم اور خصوص دونوں کا احتمال ہے اس کی پوری بحث بحر میں ہے___ تو اگر بات ایسے ہی ہے جیسے سائل نے ظاہر کی ہے یعنی عبدالکریم نے اختیار سونپتے ہوئے "جب چاہے" بھی زائد کیا ہے، پس اندریں صورت مائتون بی بی کے طلاق کو اپنانے کے بعد تین حیض کامل گزر چکے ہوں اور اس کے بعد اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا ہے تو یہ نکاح جائز ہے ورنہ عدت مکمل ہوئے بغیر نکاح کیا تو یہ حرام ہے اور محض چار ماہ طلاق کے بعد گزرنا یہ عدت کے پورا ہونے کی قطعی دلیل نہیں ہے، اس کے متعلق عورت کو علم ہوتا ہے کیونکہ کبھی تین سال میں بھی تین حیض مکمل نہیں ہوتے، یہ صورت مسئولہ کا حکم ہے۔ مجھ فقیر کو خطرہ ہے کہ یہ وہی مسئلہ ہو جو میرے پاس ۱۳۱۷ھ میں تین بار سلہٹ سے آیا تھا، اور سائل نے بھی ذکر کیا ہے کہ یہاں یہ فساد تین سال سے چلا آرہا ہے۔ پہلی بار ۶/رجب ۱۳۱۷ھ کو یہ سوال آیا تو اس میں یہ بیان تھا کہ زید یعنی عبدالکریم کا یہ اقرار نامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا ہے اور اس میں مائتون سے نکاح کی ملکیت یا سبب کا ذکر بھی نہ تھا، اس سے قطع نظر ۶/رجب ۱۹ شوال اور ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۷ تین مرتبہ سولات کیئے گئے جن میں اس تازہ

ضرہ بخانہ ہماں وقت نفس خودم رااختیار کردہ بودم وشوہر منکر اصل ایں معنی ست میگوید کہ ہندہ ہیچ نگفت وبدر رفت دریں صورت قول کراست جواب نوشتم زید راست،بعد سہ سال چہارم بار ایں سوال آمد ودر ولفظے زائد است کہ تقیید مجلس از بیخ برانداخت بایں معنی باخبر باید بود اگرایں سوال متعلق بہمہ واقعہ است پس تبدیل کنندگاں از خدا ترسند اگر بہ تعبیر واقعہ حکمے از مفتی بدست آرند عالم الغیب والشادۃ راچہ جواب دہند"

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِیۡنَ یُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ"[1]۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

زائد لفظ "جب چاہے" کا اضافہ نہ تھا بلکہ پہلی مرتبہ سوال میں،ہندہ کے عنوان سے لکھا گیا کہ "اب میں اقرار نامہ کے مطابق نہیں رہ سکتی ہوں،یہ کہا اور زید کے گھر سے چلی گئی،تو میں نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ طلاق نہیں بن سکتے اور اگر بالفرض ہندہ کے یہ الفاظ طلاق ہوں بھی تو اس کا پہلے اپنی سوکن کے ساتھ جھگڑا کرنا،لاتعلق اور اجنبی بات ہونے کی وجہ سے اختیار والی مجلس تبدیل ہوگئی جس سے ہندہ کے ہاتھ طلاق کا اختیار جاتا رہا،لہٰذا ہندہ یعنی مائتون بی بی کو اس روز طلاق ہوئی جس روز اس نے خاوند سے خلع کیا،اور اسی دن سے عدّت واجب ہوئی اور اس کا مکمل ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا نکاح حرام ہے،اس جواب کے بعد شوال والے سوال میں بھی خاوند کی طرف سے دئے گئے اختیار والی مجلس کی قید سے سوال کیا گیا اس کو جواب دیا گیا،اور ذیقعدہ والے سوال میں یہ بات زائد تھی کہ ہندہ دعوی کرتی ہے کہ خاوند نے صرف سوکن کی گھر آمد پر مجھے طلاق کا اختیار دیا تھا جس کو میں نے اس موقع پر استعمال کرلیا تھا،اور خاوند اس بات سے انکار کرتا ہے اور وُہ کہتا ہے کہ ہندہ نے اس موقع پر کچھ نہیں کہا اور گھر سے چلی گئی،اس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا خاوند یا بیوی کس کی بات معتبر ہے؟میں نے جواب میں لکھا زید یعنی خاوند کی بات معتبر ہے۔مذکور تین بار سوال کے بعد چوتھی مرتبہ تین سال کے بعد اب یہ سوال آیا ہے اور اس میں ایک مزید اضافہ کیا گیا ("اور جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے دے") لکھا گیا ہے اور مجلس کی قید والی صورت کو سرے سے ہی ختم کردیا گیا لہٰذا اس معاملہ کی تحقیق ہونی چاہئے اگر یہ آخری سوال بھی ان پہلے تین سوالوں کا واقعہ ہے تو پھر سوال میں تبدیلی کرنے والوں کو خدا سے ڈرنا چاہئے،اگرچہ سوال کی تبدیلی کے ذریعہ مفتی سے مطلب کا حکم حاصل کرلیں گے لیکن عالم الغیب والشادت اللہ تعالٰی کے ہاں کیا جواب دیں گے۔جس نے اس کو سننے کے بعد تبدیل کیا تو گناہ بدلنے والوں پر ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/۱۸۱

مسئلہ ۳۲۶: از خیر آباد میانسرائے مدرسہ عربیہ ضلع سیتاپور اودھ مرسلہ سیّد فخر الحسن صاحب رضوی ۷ ۲جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ
مسمّی زاہد علی ولد عابد علی کا عقد نکاح مسماۃ کریمابنت عبداللہ کے ساتھ باقرار امر بالید منعقد ہوا، حسب ذیل نکاح نامہ تحریر ہوا:

نقل نکاح نامہ

الحمدللّٰه الذی فاصلا بین الحلال والحرام وواصلا بسلك النظام وحرم السفاح عصمة للعالم وحفظا لنسل بنی اٰدم والصلٰوة والسلام علٰی خیر خلقه محمد سید الانام وعلٰی اٰله البررة الکرام واصحابه العظام۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جو حرام وحلال میں فرق فرمانے والا ہے اور نظام کی ڈوری جوڑنے والا ہے اور جس نے نظامِ عالم کی حفاظت کے لئے اور نسل بنی آدم کو محفوظ رکھنے کے لئے زنا کو حرام فرمایا ہے، صلٰوۃ وسلام اللہ تعالٰی کی بہترین مخلوق جہان کے آقا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر، اس آل جو پاک اور بزرگ ہے، اور صحابہ پر جو عظیم مرتبہ والے ہیں۔(ت)

امّا بعد میں سید زاہد علی ولد سیّد عابد علی ساکن بلدہ خیر آباد نے برضا و رغبت خود مسمّاۃ کریما دختر سیّد عبداللہ کو بعض مہر معجّل چار مثقال نقرہ جس کے ایک سو چھپن بروئے وزن روپیہ چہرہ دار رائج الوقت ہوتے ہیں اپنے عقد نکاح میں لایا، اور مسمّاۃ کریما موصوفہ کو برضا مندی خود بلااکراہ واجبار احدے مضمون امرھا بیدھا (پر مختار کردیا یعنی مسمّاۃ کریما مدوحہ جب چاہیں اپنی ذات کو میرے عقد نکاح سے خارج کرکے آزاد کرلیں مجھ کو کبھی کسی طرح اپنے نکاح میں رہنے کا دعوٰی نہ ہوسکے گا کیونکہ یہ مضمون امرھا بیدھا اس وقت قطعًا ویقینا وُہ میرے عقد سے خارج ہوجائیں گی لہٰذا یہ تحریر لکھ دی کہ وقتِ ضرورت کام آئے فقط، چونکہ قبل انعقاد نکاح کے مسمّی زاہد علی کی بداطواری وخراب چلنی کی شکایت خارجًا مسموع ہوئی تھی جس کی بالاتفاق اکثر اہل برادری نے تکذیب کرکے نکاح کردینے پر سیّد عبداللہ کو مجبور کیا اور بالآخر سیّد عبداللہ نے بطریق مندرجہ بالا نکاح کردیا تھا اور بالآخر ہموں آش درکاسہ سامنے آیا بمقتضائے ؎

خوئے بددر طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ ازدست

(بُری عادت جو طبیعت میں رچ بس جائے وہ وقت موت تک زائل نہیں ہوتی۔ت)

مسمّی زاہد علی نے بعد چند روز کے وہی بد چلنی اختیار کی اور انجام کار کچہری سے سزایاب ہوگیا۔ مسمّاۃ کریما اگرچہ

بوجہ شرم وغیرت خلقی کے کوفت وسوخت درونی کا کسی پر اظہار نہیں کرتی مگر تحلیل ہوتی جاتی ہے، چونکہ کریما ہنوز نوعمر وجوان ہے سیّد عبداللہ ونیز دیگر اعزّا کا خیال ہے کہ بشرطِ رضامندی مسمّاۃ کریما اس سے طلاقِ مسنونہ دلا کر دوسری جگہ مناسب پر اس کا نکاح کردیا جائے، پس اس ضرورت سے ہدایت خواہ ہوں کہ ایسے الفاظ اُردو کا کوئی فقرہ یا چند فقرات بتائے جائیں جس کو مسماۃ کریما اپنی زبان سے رُوبرو چند لوگوں کے ادا کرکے طلاق مسنونہ حاصل کرکے جس میں کوئی قباحت وسُقمِ شرعی باقی نہ رہے، اس طلاق مسنونہ حاصل کرنے کے متعلق جو طریقہ عمدہ ہو اور جو جو الفاظِ اُردو مناسب ہوں اس سے مفصلاً وتصریحًا ہدایت فرمائی جائے۔

الجواب:

اس تحریر میں امرھا بیدھا مختار کردیا نکاح سے خارج ہونا آزاد ہونا جتنے الفاظ ہیں سب کنایہ ہیں اور حالت حالتِ رضا ہے نہ غضب ہے نہ مذاکرہ طلاق، اور حالتِ رضا میں جملہ الفاظ نیتِ زوج پر موقوف رہتے ہیں، کریمًا اپنے آپ کو ایک طلاق دے کہ میں نے بحکم اس اختیار عام کے جو میرے شوہر نے مجھے دیا اپنے آپ کو شوہر کی طرف سے ایک طلاق دی اس پر زاہد علی سے دریافت کیا جائے کہ تُونے جو وُہ الفاظ لکھے اُن میں طلاق کا اختیار دینے کی تیری نیت تھی یا نہیں، اگر وُہ اقرار کرے فبھا، اور اگر انکار کرے تو اس پر حلف رکھا جائے، اگر حلف کرلے کہ میری نیت یہ نہ تھی تو طلاق نہ ہوگی۔ اگر جھوٹا حلف کرے گا وبال اس پر ہے، اور اگر حلف سے انکار کردے گا تو طلاق ہوجائے گی، اور دونوں صورتوں میں بائن ہوگی۔ عورت نکاح سے نکل جائے گی اگر اب تک خلوت نہ ہوئی تھی تو ابھی ورنہ بعد عدّت جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۷: از رامپور کوٹھی چڑیاخانہ مرسلہ حسین احمد صاحب دفعدار ۲۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّاۃ ہندہ بنتِ زید کا عقد بکر کے ساتھ اس شرائط سے ہُوا چنانچہ ایک اقرار نامہ بکر نے اسی وقت بعد عقد مذکور کے لکھ دیا کہ ۲ تولہ کی بالی طلائی اور ۴ ماشہ کی نتھنی اندر میعاد چھ ماہ کے بنوادُوں گا ورنہ طلاق ہے، ہندہ میعاد مذکور پر اپنے باپ زید کے گھر چلی آئی، اقرار نامہ پر عمر خالد وغیرہ رشتہ دارانِ بکر کی گواہی اور بکر کے **(العبد)** انگوٹھے کے نشان موجود ہیں، پس اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

اقرار نامہ کی نقل بھی ملاحظہ ہوئی اس میں بھی یہی لفظ ہے کہ "ورنہ طلاق ہے" یہ بیان نہیں کہ کس کو طلاق ہے، لہٰذا صُورتِ مستفسرہ میں باعتبارِ ظاہر جبکہ اس نے چھ ۶ مہینے کے اندر یہ چیزیں بنوا کر نہ دیں ایک

طلاق رجعی سمجھی جائے گی کہ عدّت کے اندر شوہر کو رجعت کا اختیار ہوگا لیکن اگر زید قسم کھا کر کہہ دے کہ اس نے "طلاق ہے" سے ہندہ کو طلاق دینا مراد نہ لیا تھا اس کی بات مان لی جائے اور اصلاً حکمِ طلاق نہ ہوگا، اگر جُھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر رہے گا،

قال لها لاتخرجی من الدار الّا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1] (ردالمحتار عن البزازیة) واللّٰه تعالٰی اعلم۔	خاوند نے اگر بیوی کو کہا کہ میری اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکل کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو اگر بیوی باہر نکل جائے تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے بیوی کی طلاق کی قسم کا ذکر نہیں کیا جبکہ دوسری کسی عورت کی طلاق کی قسم ہو سکتی ہے، لہٰذا یہاں خاوند کی بات معتبر ہوگی، جیسا کہ ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۸: ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی ساس ہندہ کے یہاں رہتا تھا ہندہ نے اس سے مکان خالی کرنے کو کہا اس نے انکار کیا اس نے اس کا اسباب پھینک دینا چاہا اُس نے کہا اگر میرا اسباب پھینکو گی تو میں تمہاری لڑکی کو طلاق دے دوں گا، اس پر دو ۲ مرد اور ایک عورت تو یہ گواہی دیتے ہیں کہ زید نے ہمارے سامنے طلاق دے دی، اور دو ۲ مرد کہتے ہیں اس نے صرف یہ کہا کہ مال پھینکا تو طلاق دے دُونگا نہ اس نے پھینکا نہ اس نے طلاق دی، زید بھی طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، اس صورت میں طلاق ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ان دو ۲ مردوں اور ایک عورت جو مدعی طلاق تھے ایک مرد کی نسبت معلوم ہوا کہ بے قید آدمی ہے یہاں تک کہ نماز کا بھی پابند نہیں، اور ایک مرد پہلے کہتا تھا اب وُہ منکر ہے کہ میرے سامنے طلاق نہ دی میں سُنی سُنائی کہتا تھا اور اس عورت کی عدالت معلوم نہیں، اور ہو بھی تو ایک عورت کی

---

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۹

گواہی سے ثبوت نہیں ہوتا اور زید نے ہمارے سامنے حلف شرعی کے ساتھ کہا کہ میں نے ہرگز طلاق نہ دی میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ مال پھینکو گی تو طلاق دے دوں گا، پس اس صورت میں طلاق ثابت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ:

اس جلد کا آخری عنوان "**باب تفویض الطلاق**" ہے، تیرھویں جلد کا آغاز "**باب تعلیق الطلاق**" سے ہوگا،

مآخذومراجع

نام کتاب		مصنف	سن وفات ہجری
ا			
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	اَلام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملاعلی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطاالدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

۶۱۔	تنبیه الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴۔۹۱۱
۶۳۔	تهذیب التهذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیه الشریعة المرفوعه عن اخبار الشنیعة الموضوعة	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تهذیب الاٰثار	ابوجعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التهذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقباس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصّلوٰة	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الهدایة	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیه الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترهیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقه	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعة	۷۴۷
۸۲۔	تذکرة الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تهذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۸۶۔ التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۸۷۔ تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری	۹۶۶
۸۸۔ تذکرۃ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	۱۰۰۸
۸۹۔ التبیان فی بیان مافی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۹۰۔ تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابوسعید المعروف ملا جیون	۱۱۳۰
۹۱۔ التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۹۲۔ تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	۱۲۳۹
۹۳۔ تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	۱۲۵۲
۹۴۔ التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۳۲۳
۹۵۔ تذکرۃ الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	۹۸۶
۹۶۔ تجنیس الملتقط		
۹۷۔ تحفۃ المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
۹۸۔ تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	۹۱۰
ث		
۹۹۔ الثمانون فی الحدیث	ابوبکر محمد بن الحسین الآجری	۳۶۰
۱۰۰۔ ثبت ابو محمد بن امیر المکی المصری		
ج		
۱۰۱۔ جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسی الترمذی	۲۷۹
۱۰۲۔ جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۱۰۳۔ الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۱۰۴۔ الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۰۵۔ الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۱۰۶۔ جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیة	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیة	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرة النیّرة	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری) محمد بن جریر الطبری		۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفه	ابوعلی حسن بن عرفه بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نورالدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسه	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

۱۲۶۔	حاشیة علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیة ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیة علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیة علی الدرر لملاخسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

۱۳۰۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی علی العنایۃ	سعداللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیۃ الاولیاء فی الحدیث	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیۃ المحلّی شرح منیۃ المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجہ التھانی	ابومحمد قاسم بن فیرہ الشاطبیّ المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیٰوۃ الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود الفروینی	۶۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیۃ التلویح ملاخسرو	محمد بن فراموز ملاخسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۸۶۶
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیۃ مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیۃ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر علامہ الحفنی		
۱۴۹۔	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانۃ الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸

د

۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدر النثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۱۶۵۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابو مروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبّی)	۲۳۹

۱۷۲۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔	ردعلی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔	رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔	رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔	رمزالحقائق شرح کنزالدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔	رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔	رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔	رسالہ اتحاف الغرفہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔	رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔	رسالہ ابتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔	رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔	رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔	رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔	رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔	الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابوجعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔	رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔	رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔	رسالہ غایۃ المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔	زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔	زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔	زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہر الربیٰ علی المجتبی	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخبار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲

س

۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن لدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن لدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۳۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحہ لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحہ لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰۔	شرح الاربعین للنوی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹۔	شرح الغریبین		
۲۳۰۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴۔	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶۔	شرح مؤطا امام مالك	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰۔	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۰ـ	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۲۴۱ـ	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲ـ	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳ـ	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴ـ	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵ـ	الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶ـ	شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستر اباذی	۶۸۶
۲۴۷ـ	شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستر اباذی	۶۸۶
۲۴۸ـ	شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۳۹
۲۴۹ـ	شفاء السقام فی زیارة خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰ـ	شرح عقائد النسفی	سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱ـ	شرح المقاصد سعدالدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲ـ	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳ـ	شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴ـ	شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵ـ	شرح حاشیة الکنز ملامسکین	معین الدین الہروی ملامسکین	۹۵۴
۲۵۶ـ	شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷ـ	شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸ـ	شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹ـ	شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۰ـ	شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۱ـ	شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۲ـ	شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۳ـ	شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴ـ	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵ـ	شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۸۵۔ عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۲۸۶۔ عقود الدریّۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷۔ عدّۃ کمال الدین	محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸۔ عمل الیوم واللیلۃ	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹۔ عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰۔ عقد الفرید	ابوعبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱۔ عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲۔ عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۹۳۔ عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴۔ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحی اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵۔ غایۃ البیان شیخ قوام الدین	امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶۔ غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷۔ غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸۔ غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹۔ غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰۔ غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱۔ غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲۔ فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳۔ فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۳۰۴۔ فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵۔ فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶۔ فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷۔ فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔ فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔ فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔ فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔ فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔ فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔ فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔ فتاوٰی ولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔ فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۳۱۶۔ فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔ فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔ فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔ الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔ فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔ الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔ فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔ فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔ فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقّب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔ فضائل القرآن لابن ضریس	ابوعبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔ فوائد الخلعی	ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔ فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔ فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔ فتح المغیث	امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔ فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوٰی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوٰی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوٰی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابو عبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوٰی قاعدیہ	ابو عبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوٰی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوٰی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملك المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابوطالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحہ لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

۳۷۷۔ کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸۔ کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹۔ الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمحشری	۵۳۸
۳۸۰۔ کتاب الحجہ	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱۔ کتاب المشیخۃ	امام محمد ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۲۔ کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳۔ کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴۔ کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۵۔ کتاب الضعفاء الکبیر	ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶۔ کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷۔ کتاب الرواۃ عن مالك ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸۔ کتاب الحجہ علی تارك الحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹۔ کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰۔ کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القھروانی	ابوالحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱۔ کشف الظنون	مصطفٰی بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲۔ کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳۔ کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴۔ کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵۔ کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶۔ کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷۔ لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸۔ لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقع الانوار القدسیہ سید المنتخب من الفتوحات المکیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
	م		
۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفی شرح الفقہ النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۴۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری) ناصرالدین محمد بن یوسف الحسینی		۵۵۶
۴۴۸۔	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۴۴۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفه	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲۔	منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵۔	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸۔	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱۔	منیۃ المصلی	سدیدالدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲۔	موطاامام مالك	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳۔	مواردالظمأن	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویہ	۴۱۰
۴۶۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰۔	مسند الامام اعظم	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱۔	مؤطاالامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲ـ	المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳ـ	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴ـ	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵ـ	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶ـ	الملل والنحل	ابو الفتح محمد بن عبد الکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷ـ	موضوعات ابن جوزی	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸ـ	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹ـ	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبد العظیم بن عبد القوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰ـ	مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابوالبرکات عبداللّٰہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱ـ	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲ـ	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳ـ	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴ـ	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵ـ	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶ـ	المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷ـ	ماثبت بالسنة	شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸ـ	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹ـ	مسوی مصفی شرح موطا امام مالک	شاہ ولی اللّٰہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰ـ	مکتوبات شاہ ولی اللّٰہ	شاہ ولی اللّٰہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱ـ	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲ـ	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳ـ	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴ـ	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵ـ	مجموعہ فتاوٰی	ابوالحسنات محمد عبدالحی	۱۲۴۳
۴۹۶ـ	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۲۴۳

۵۱۸۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
ھ			
۵۱۹۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
ی			
۵۲۰۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۵۲۱۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

ضمیمہ
مآخذومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر البیضاوی ھدیۃ العارفین	۶۸۵/۶۹۲/۶۹۱ ۴۶۳/۱
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴۔	ارشادالساری الیٰ مناسك الملاعلی القاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیہ	ابوالفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبداللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابوالمعالی عبدالملک ابن عبداللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسٰی الحازمی الشافعی	۵۸۴

ت

۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترھیب	ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرۃ الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابواسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفہیم المسائل		
۳۰۔	تنبیہ الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲

ث

۳۱۔	ثقفیات	ابوعبداللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴

ج

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبی)	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبّی)	ابو عبداللہ محمد ابن احمد القرطبّی	۶۷۱
۳۴۔	جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	۸۳۲
۳۵۔	جدالممتار علی ردالمحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

ح

۳۶۔	الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	۶۴۴
۳۷۔	حاشیہ درغرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی	۱۰۶۲
۳۸۔	حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبدالقادر الفاکہی	۹۸۲
۳۹۔	حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضاخاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
۴۰۔	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	امام احمد رضاخاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

خ

۴۱۔	خلاصۃ خلاصۃ الوفاء	نورالدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

د

۴۲۔	دلائل النبوۃ	ابوبکر بن احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۳۔	درثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۴۴۔	درمنظم فی مولد النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالقاسم محمد بن عثمان الوٗلوی الدمشقی	۸۶۷
۴۵۔	کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۶۔	الدرۃ المغیبۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۷۔	الدرۃ الثمنیہ فی اخبار المدنیۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	۶۴۳
۴۸۔	الدررالسنیۃ فی الردعلی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	۱۳۰۴

ذ

۴۹۔	ذکر الموت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱

ر

۵۰۔	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

س

۵۱۔	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲۔	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳۔	سنن الہدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴۔	سنن فی الحدیث	حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

۵۵۔	شرح رسالہ فضالیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶۔	شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷۔	الشامل فی فروع الحنفیہ	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸۔	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹۔	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰۔	شرح صحیح بخاری	ناصرالدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱۔	شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲۔	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

۶۳۔	الصحاح الماثورہ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴۔	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱

ف

۷۱۔	الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

۸۲۔	قرۃ عیون الاخبار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ک

۸۳۔	کشف الغطاء مالزم لموتٰی علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابوالحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السریٰ التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالروٴف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللھو والسماع	ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

۹۷۔	لباب المناسك	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

م

۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العھود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۱۰۱۔	مسندالکبیرفی الحدیث	ابومحمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیرالانام	احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایۃ فی شرح ہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵۔	المسندالصحیح فی الحدیث	ابوعوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسندالشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناہل الصفافی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکرالسیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابدمنہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰۃ المصابیح	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	متشق یادر منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملاجلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعدالدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر تی ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصرالدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۴۔ نافع فی الفروع امام ناصرالدین محمد بن یوسف السمرقندی ۴۰۲

و

ھ

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۳

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوی رِضویّه

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَايَا النَّبَوِيَّة فِي الْفَتَاوٰى الرِّضْوِيَّةِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد سیز دہم ۱۳

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب ______ فتاوٰی رضویہ جلد سیز دہم

تصنیف ______ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ______ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

پیش لفظ ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج وتصحیح ______ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام وسرپرستی ______ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ______ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ______ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ______ ۶۸۸

اشاعت ______ ذیقعد ۱۴۱۸ھ/مارچ ۱۹۹۸ء

مطبع ______

ناشر ______ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ______

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدُللہ اعلیٰ حضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائنِ علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز مں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرِ عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہُوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک ادارہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی متعدد تصنیف شائع کر چکا ہے، مگر اس ادارے کا عظیم ترین کار نامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی ترجمہ و تخریج کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کاآغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہُوا تھااور بفضلہٖ تعالیٰ جل مجدہ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب تک تقریباً آٹھ سال کے مختصر عرصہ میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصّوم ، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان اور کتاب الحدود و التعزیر پر مشتمل تیرہ ۱۳ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جن کی تفصیل سنین، مشمولات اور مجموعی صفحات کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
پہلی جلد	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ــــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
دوسری جلد	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ــــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
تیسری جلد	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ــــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
چوتھی جلد	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ــــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
پانچویں جلد	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ــــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
چھٹی جلد	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ــــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
ساتویں جلد	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ــــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
آٹھویں جلد	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ــــــ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
نویں جلد	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ــــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
دسویں جلد	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ــــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
گیارھویں جلد	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ــــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
بارھویں جلد	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ــــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
تیرھویں جلد	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸

تیرھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ جلد پنجم کے باب تعلیق الطلاق سے جلد پنجم کے آخر تک ۲۹۳ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ **بتوفیق اللہ تعالٰی و بفضلہ** راقم پُر تقصیر عفی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس جلد کے مسائل و رسائل کی مکمل و مفصل فہرست نیز مسائل ضمنیہ کی فہرست راقم نے افادہ قارئین کے لئے تیار کر دی ہے۔ متعدد ضمنی مسائل و فوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل چودہ ۱۴ عنوانات زیر بحث لائے گئے ہیں:

(۱) باب تعلیق الطلاق | (۲) باب الایلاء

(۳) باب الخلع | (۴) باب الظہار

(۵) باب العدّۃ | (۶) باب الحداد (سوگ)

(۷)زوجۃ مفقود الخبر　　(۸) باب النّسب

(۹) باب الحضانۃ (پیدائش)　　(۱۰)باب النفقۃ

(۱۱)کتاب الایمان　　(۱۲)باب النذر

(۱۳)باب الکفارۃ　　(۱۴)کتاب الحدود و التعزیر

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور نادر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو ۲رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱)اُکد التحقیق بباب التعلیق (۱۳۲۲ھ)

مسئلہ تعلیق میں ایک دیوبندی مفتی کا رَدِ بلیغ

(۲)الجوھر الثمین فی علل نازلۃ الیمین (۱۳۳۰ھ)

ایک نوع کی قسم کے بارے میں اجتہادی جُزئیہ اور اُس پر تفصیلی بحث

بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاکخانہ بیگم گنج سے ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ کو ارسال کردہ جناب مولنا عبد المجید شنوپوری کا استفتاء جو فتاوٰی رضویہ جلد پنجم قدیم کے صفحہ ۵۹۰ پر مذکور تھا، چونکہ وہی رسالہ آکد التحقیق بباب التعلیق کے معرضِ تحریر میں آنے کا موجب بنا لہٰذا ترتیبِ سابق میں تبدیلی کرکے جلد ہذا میں اس استفتاء و جوابِ استفتاء کو رسالہ مذکورہ سے پہلے کردیا گیا تاکہ دونوں آپس میں مربوط ہوجائیں۔ ایک اور ترمیم یہ کی گئی ہے کہ کتاب المفقود جو کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں جلد سادس میں مندرج تھی اور ابوابِ فقہیہ کی ترتیب کے اعتبار سے اس کو وہاں پر ہی ہونا چاہئے تھا مگر اس کے تحت جو چند فتوے مذکور ہیں اتفاق سے وُہ سب ہی زوجہ مفقود الخبر سے متعلق ہیں لہٰذا مفتی کی سہولت کے پیش نظر مناسب سمجھا گیا کہ کتاب المفقود کو وہاں سے نکال کر باب زوجہ مفقود الخبر کے عنوان سے جلد ہذا میں شامل کردیا جائے، علاوہ ازیں اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کا ایک مفصل فتوی جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ تھا (جس میں متعدد وجوہ سے مولوی اشرف علی تھانوی کے جہالت پر مبنی ایک فتوے کا رد بلیغ کیا گیا اور بیسیوں جید علما کرام نے اس کی تصدیق و تائید فرماتے ہُوئے اس پر مُہریں ثبت فرمائی ہیں) جلد ہذا میں شامل کرلیا گیا ہے جس کو آپ صفحہ ۱۱۷ پر ملاحظہ فرماسکتے ہیں نیز جلد ہذا کا مسئلہ نمبر ۲۴۹ دراصل فتاوٰی افریقہ کا مسئلہ نمبر ۶۰ ہے جس کو باب النذر کی مناسبت سے اس جلد میں شامل کیا گیا ہے۔

O

ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ　　حافظ محمد عبد الستار سعیدی

مارچ ۱۹۹۸ء　　ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

مفصل فہرست

لفظ کی تناول عرفی سے اجنبی خارج و بیگانہ وزائد بات اگرچہ عرفا مقصود حالف ہو منظور نہ ہوگی مگر اغراض مخصص ضرور ہوسکتی ہیں۔	۱۴۴	زید نے عمرو سے کہا آؤ میرے ساتھ کھانا کھالو، عمرو نے کہا میں کھاؤں تو میری عورت مطلقہ ہو، کل زید کے ساتھ کھانا کھایا طلاق نہ ہوگی۔	۱۴۹
دلالت لفظ کہ عموم پر تھی بنظر غرض خاص پر مقصور ہوجائے گی یہ مدلول لفظ سے خروج نہیں بلکہ بعض مدلولات پر قصر ہے۔	۱۴۴	عورت کو جماع کے لئے بلایا اس نے انکار کیا، شوہر نے کہا اگر میرے پاس اس کوٹھڑی میں نہ آئے تو تجھ پر طلاق، عورت آئی مگر اس وقت شوہر کی شہوت ساکن ہوچکی تھی تو طلاق ہوگئی۔	۱۴۹
کسی شے کا بھاؤ چکاتے وقت مشتری نے قسم کھائی کہ دس میں نہیں خریدے گا، پھر گیارہ میں خریدا تو حانث ہوجائے گا۔	۱۴۵	کلمہ اِن تراخی کے لئے ہے جب تک قرینہ فور نہ پایا جائے۔	۱۴۹
بائع نے قسم کھائی کہ دس میں نہیں فروخت کریگا پھر گیارہ میں فروخت کیا تو حانث نہیں ہوگا۔	۱۴۵	حاکم سے حلف کیا کہ اگر شہر میں کوئی بدمعاش آئے اور میں خبر نہ دوں تو میری عورت کو طلاق ہے، بدمعاش آیا اور اس نے حاکم کو خبر نہ دی اس وقت کہا جب وہ حاکم معزول ہوگیا تھا طلاق ہوگئی۔	۱۴۹
بیع بالعشرۃ دو نوع پر ہے ایک بیع بعشرۃ مفردۃ اور دوسری بیع بعشرۃ مقرونہ۔	۱۴۵	دائن نے مدیون سے حلف لیا کہ تیرے بے اذن باہر نہ جاؤں گا، یہ حلف بقاء دین تک رہے گا، بعد ادا یا ابراء اذن کی حاجت نہیں۔	۱۵۰
عام کی تخصیص وتقیید عرف سے جائز ہے۔	۱۴۶	قسم کھائی کہ عورت بے میرے اذن کے باہر نہ جائیگی یہ قیام زوجیت تک محدود ہے۔	۱۵۱
غرض متکلم اپنی کلام سے کبھی تو کلام کا حقیقی یا مجازی معنی ہوتی ہے اور کبھی لفظ سے خارج کوئی شیئ۔	۱۴۷	قسم کھائی کہ دس کو نہ بیچوں گا اور گیارہ کو بیچا تو حانث نہ ہوا۔	۱۵۱
تخصیص عوارض الفاظ میں سے ہے۔	۱۴۷	یمین کی بناء عرف پر ہے۔	۱۵۱
یمین فور کا استنباط امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔	۱۴۸	عدم بے سلف کلی متحقق نہیں ہوتا۔	۱۵۱
الفقہاء کلھم عیال لابی حنیفۃ۔	۱۴۸	نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے۔	۱۵۲
یمین فور سے متعلقہ مسائل۔	۱۴۸	عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی صادق نہیں رہتا۔	۱۵۲
عورت باہر جانے کو ہوئی شوہر نے کہا باہر جائے تو تجھ پر طلاق، عورت بیٹھ گئی اور دوسرے وقت باہر گئی طلاق نہ ہوگی۔	۱۴۸	ایک شخص نے اپنی بیوی کو بعد نماز مغرب کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو تجھے دو طلاق، بعدہ بیوی نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تو صبح صادق طلوع ہوتے ہی اس پر دو طلاقیں پڑ گئیں۔	۱۵۲

چاروں مذاہب کے چاروں اماموں کا اجماع ہے کہ تین طلاقیں ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک لفظ میں واقع ہو جاتی ہیں۔	۲۰۶	ہر عاقد وحالف کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جائے گا۔	۲۱۴
وہابی گمراہ بے دین مسئلہ طلاق ثلثہ میں خلاف کرتے اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہیں۔	۲۰۷	شوہر سے چند غلط شرائط کا اقرار نامہ لکھوانے کا حکم۔	۲۱۴
شوہر نے ایک وقت کی نماز بے عذر شرعی نہ پڑھنے پر تین طلاقیں معلق کیں۔بے عذر ایک وقت کی نماز بھی چھوڑ دے گی تین طلاقیں ہو جائیں گی۔	۲۰۷	جو شرط شریعت کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔	۲۱۵
جو حیلہ ارتکاب کبیرہ بالعمد پر مشتمل ہو اس کا بتانا بھی حرام ہے۔	۲۰۷	اللہ تعالٰی کا حکم حق اور اللہ تعالٰی کی شرط مؤکد ہے۔	۲۱۵
مفتی کو یصدق دیانۃ نہیں کہنا چاہئے بلکہ ادب یہ ہے کہ لایصدق قضاء کہے۔	۲۰۷	بیوی اب باپ ہی کے یہاں رہے گی اور موجودہ وآئندہ اولاد کی وہ مالک ہوگی،اور باپ کے گھر بیٹھے نفقہ پائے گی۔یہ سب شرطیں خلاف شرع ومردود ہیں۔	۲۱۵
شوہر نے کہا اگر تو فلاں مکاں میں گئی میری عورت نہ رہے گی،اگر نیت طلاق ہے طلاق معلق ہوگی۔	۲۰۸	مرد کا یہ لکھنا کہ اگر میں شرط کے خلاف کروں تو میری یہ تحریر تین طلاق سمجھی جائے گی،باطل ہے۔	۲۱۶
نیت طلاق کے بارے میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا۔	۲۰۹	بحق حضانت لڑکا سات سال اور لڑکی نو سال کی عمر تک ماں کے پاس رہیں گے پھر باپ لے گا۔	۲۱۶
اگر تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو طلاق مغلظہ ہوگی۔اس شرط پر نکاح کی مختلف صوتوں کے احکام کی تفصیل۔	۲۰۹	شوہر اگر اپنے پاس بلانا چاہے تو عورت کو باپ کے گھر رہنے کا کوئی اختیار نہیں۔	۲۱۶
جواب مضمون سوال کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے۔	۲۱۱	عورت شوہر کے پاس آنے سے انکار کرے تو نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔	۲۱۶
عرف میں طلاق مغلظہ تین طلاقوں کو ہی کہتے ہیں۔	۲۱۲	مہر اگر نہ معجّل ہو نہ مؤجل تو جب تک موت یا طلاق نہ ہو عورت کو اس کے مطالبہ کا اختیار نہیں۔	۲۱۷
مرد نے بیوی سے کہا تجھ پر تینوں شرطوں سے طلاق،تو کیا حکم شرعی ہے۔	۲۱۳	بے علم کو علماء سے صرف حکم شریعت دریافت کرنا چاہئے نہ یہ کہ صفحہ وسطر جانچے۔	۲۱۷
شرط مجہول پر طلاق معلق کرنے سے طلاق اصلا واقع نہ ہوگی۔	۲۱۳	تعلیق طلاق بہ عدم ادائے حقوق زوجہ کے ایک اقرار نامہ کا شرعی حکم۔	۲۱۷

وقوع طلاق سے پہلے رجوع عن الطلاق لغو ہے۔	۲۳۳	شرابی جنت میں نہیں جائے گا۔	۲۳۷
طلاق رجعی کا تعلیق کے سبب بائن ہو جانا باطل قطعی ہے۔	۲۳۳	فسخ نکاح اور آزادی کا لفظ کنایات طلاق سے ہے۔	۲۳۸
اقرار نامہ لکھنا کہ تمھارے سوا کسی دوسری عورت سے شادی کروں تو ایک دو تین طلاق ہے۔دوسری عورت سے شادی اپنی بیوی سے اجازت لے کر کی شادی کرتے ہوئے دوسری عورت پر ایک طلاق بائن پڑ گئی۔	۲۳۳	دوسرے نکاح کی اجازت سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی اور نیت کے بارے میں شوہر کا قول قسم سے معتبر ہوگا۔	۲۴۰
مالک نے اپنے غلاموں کے بارے میں کہا ھذا حر او ھذا و ھذا تو تیسرا آزاد ہو گیا جبکہ پہلے دونوں میں سے ایک آزاد ہے اس کے تعین کا اختیار مالک کو ہے۔	۲۳۵	مرد نے عورت سے کہا اگر میں تجھے جھالود سے باہر لے جاؤں تو تجھے طلاق پھر جھالود نامی گاؤں سے اس کو کہیں اور لے کر جائے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔	۲۴۱
کلمہ "او" تخییر اور "و" شرکت کے لئے ہے۔	۲۳۵	تین طلاقیں واقع ہو جائیں از روئے قرآن بے حلالہ شوہر اول کے نکاح میں نہیں آسکتی۔	۲۴۱
اردو زبان میں کسی شیئ کا ثبوت پہنچانا اور کوئی شیئ ثبوت کو پہنچانا، ان دونوں میں فرق ہے۔	۲۳۵	شوہر طلاق مغلظہ دے کر منکر ہو گیا عورت کو طلاق کا یقین ہے تو جیسے ہوسکے اس سے دور بھاگے اور اگر اس پر قادر نہیں تو وبال شوہر پر ہے۔	۲۴۲
طلاق کو دو شرطوں پر معلق کیا تو جب تک دونوں شرطیں نہ پائی جائیں طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۳۵	مہر ادا کئے بغیر اور تمھاری اجازت بصیغہ رجسٹری حاصل کئے بغیر اگر دوسری عورت سے شادی کردوں تو اس کو طلاق، مہر ادا کردیا، اجازت بھی حاصل کی لیکن اس کی رجسٹری نہیں کرائی اور دوسرا نکاح کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۳
عورت کو ناچ گانے کی اجازت دینا حرام قطعی ہے اور ایسا کرنے والا شوہر دیوث ہے۔	۲۳۷	"طلاق سمجھی جائے" سے طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۳
دیوث اگر توبہ نہ کرے تو اس پر جنت حرام اور اللہ تعالٰی کی اس پر لعنت ہوتی ہے۔	۲۳۷	"عدم خبر گیری کو طلاق سمجھنا" خبر گیری نہ کی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۵
حدیث کی رو سے تین اشخاص جنت میں نہیں جاپیں گے، ماں باپ کو ناحق اذیت دینے والا اور دیوث اور مردوں جیسی وضع بنانے والی عورت۔	۲۳۷	باطل پر کچھ اثر مرتب نہیں ہوسکتا۔	۲۴۵
		شوہر نے بعد نکاح اقرار نامہ لکھا، اگر مہر النساء کی رضا اور غبت کے بغیر دوسری شادی کروں تو دوسری کو طلاق، تو عدم رضا کا ثبوت اقرار زوجہ سے ہوگا بے اس کے طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۷

وفات کی عدت غیر حاملہ عورت کے لئے مطلقًا چار ماہ دس دن ہے چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔	۲۹۳	شوہر نے طلاق دی، عورت کو عمرو سے حمل قرار پاگیا۔ عمرو نے تین مہینہ دس یوم کے بعد نکاح کرلیا، اب معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہے اس صورت میں وضع حمل اگر طلاق کے بعد دوسال کے اندر اندر ہو تو بچہ ثابت النسب ہے ورنہ نہیں۔ اور پہلی صورت میں عدت وضع حمل ہے اور دوسری صورت میں نکاح صحیح ہوا۔	۲۹۵
طلاق کی عدت غیر مدخولہ پر اصلا نہیں اگرچہ کبیرہ ہو۔	۲۹۳	حاملہ بیوہ سے نکاح ہوا تو انتظار کیا جائے دو برس کے اندر بچہ ہوا تو عدت وضع حمل ہے اور نکاح مذکور فاسد، اور دو برس کے بعد بچہ پیدا ہو تو نکاح مذکور صحیح۔	۲۹۶
بیوی سے خلوت واقع ہوچکی یا نکاح فاسد میں وطی کرلی تو عدت لازم ہے۔	۲۹۳	معتدہ کے نکاح میں جو لوگ واقف حال شریک ہوں سخت گنہگار ہیں۔	۲۹۶
مطلقہ حائضہ کے لئے عدت تین حیض ہے اور غیر حائضہ یعنی صغیرہ اور آئسہ کے لئے تین ماہ ہے۔	۲۹۳	بیوہ حاملہ سے نکاح باطل محض ہے وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح لازم ہے۔	۲۹۶
نکاح فاسدہ میں محض خلوت سے عدت لازم نہیں ہوتی جب تک وطی نہ کرلی ہو۔	۲۹۳	عدت موت چار مہینہ دس دن ہیں۔	۲۹۷
عورت کے لئے حد صغر ۹ سال ہے اس سے کم عمر میں جوانی ہرگز نہیں ہوتی۔	۲۹۴	دوران عدت بیوہ سے نکاح بلکہ نکاح کی گفتگو بھی حرام ہے۔	۲۹۷
عورت کے لئے آثار بلوغ کیا ہیں۔	۲۹۴	بہت سے احکام الٰہی تعبدی ہیں اور جو معقول المعنی ہیں ان کی حکمتیں بھی من وتو کی سمجھ میں نہیں آتیں۔	۲۹۷
آثار بلوغ پائے تو بالغہ ورنہ پندرہ سال کامل کی عمر پر جوانی کا حکم کردیں گے۔	۲۹۴	احکام الٰہیہ میں چون وچرا اور بیہودہ سوالوں کا دروازہ کھولنا علوم وبرکات کا دروازہ بند کرنا ہے۔	۲۹۷
"چھوڑنے" کا لفظ صریح طلاق ہے۔ اس کے کہنے کے فورا بعد سے عدت شمار ہوگی۔	۲۹۴	عدت وفات کی حکمت تعرف براءت رحم ہی نہیں بلکہ فوت شدہ شوہر کا سوگ بھی ہے۔	۲۹۸
عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کا دوسرے مرد کے ساتھ رہنا یا اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔	۲۹۴	عدت وفات میں خلوت ہونے نہ ہونے کا کچھ دخل نہیں۔	۲۹۸
مطلقہ اور بیوہ کی عدتوں کی تفصیل۔	۲۹۴	سوائے شوہر کے عورت کو کسی کے لئے تین دن سے زائد سوگ جائز نہیں۔	۲۹۸
قابل جماع لڑکی پر خلوت صحیحہ کے بعد عدت ہے۔	۲۹۵		

جس نے حمل کے لئے اقرار کیا کہ میرے زنا سے ہے وہ مستحق سزا ہے۔	۳۱۶	کسی کو پیسے دے کر اس کی بیوی کو طلاق دلوانا تاکہ خود اس سے شادی کرے یہ رشوت ہے۔	۳۱۹
قیام حدود کے لئے اسلامی حکومت اور امام درکار ہے۔	۳۱۶	عدت کے اندر نکاح قطعی حرام ہے۔	۳۱۹
شوہر کے مرنے کے بعد دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا اور عورت عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کرچکی ہو تو لڑکا صحیح النسب ہوگا اور اقرار کرچکی ہو تو مجہول النسب ہوگا۔	۳۱۶	شوہر کی زندگی میں حمل شرعاً شوہر ہی کا سمجھا جائے گا۔	۳۱۹
معتدہ غیر سے لاعلمی میں نکاح کرکے صحبت کی تو صحبت حرام ہے لیکن گناہ نہ ہوگا۔	۳۱۷	وفات شوہر کے بعد حاملہ عورت کا جب تک حمل وضع نہ ہو وہ عدت ہی میں ہے۔	۳۱۹
متوفی عنہا زوجہا عدت میں بضرورت صرف دن میں باہر جاسکتی ہے۔	۳۱۷	مدخولہ کو طلاق دی عدت واجب ہے اور عدت کے اندر نکاح حرام ہے۔	۳۲۰
عدت کے اندر نکاح حرام ہے اس کے لئے طلاق کی ضرورت نہیں متارکہ کافی ہے، صحبت ہوچکی تو عدتیں ایک ساتھ چلیں گی ورنہ ایک ہی۔	۳۱۷	حیض والی عورت طلاق کے ایک مہینہ بعد نکاح کرے تو نکاح عدت کے اندر ہوا اور ایسی عورت کو ناکح سے وراثت کا حق پہنچے گا، اور مہر مثل اور مسمّٰی سے جو کم ہو وہ پائے گی۔	۳۲۰
عدت کے اندر دوسرا نکاح حرام اور قربت زنا ہے اگر ناکح کو علم تھا تو وہ فاسق ہوا اور اس کو امام بنانا گناہ ہے اور دانستہ نکاح میں شریک ہونے والے سخت گنہگار ہوئے۔	۳۱۸	نکاح فاسد و باطل میں توارث جاری نہیں ہوتا بلکہ استحقاق ارث نکاح صحیح سے ہوتا ہے۔	۳۲۱
عدت وفات کے اندر دوسرا نکاح ہوا عورت وہاں سے چلی آئی اگر قربت نہ ہوئی ہو تو چار مہینہ دس یوم کے بعد دوسرا نکاح ہوسکتا ہے اور صحبت ہوچکی ہو تو ایک اور عدت واجب اور دونوں ساتھ ہی ساتھ چلیں گی جو بعد میں ختم ہو اس کے بعد نکاح جائز ہوگا۔	۳۱۸	عورت انقضائے عدت کی دعویدار ہے تو اس کا قول بقسم معتبر ہوگا۔	۳۲۱
جب تک عدت نہ گزرے نکاح تو نکاح، نکاح کا پیغام دینا حرام قطعی ہے۔	۳۱۹	ناکح کو علم تھا کہ عورت مدخولہ ہے اور طلاق کو چار روز ہوئے ہیں ایسی صورت میں نکاح زنا خالص ہے۔ عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد کوئی بھی اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔	۳۲۲

گزشتہ نفقہ اور اخراجات دواوعلاج یا تجہیز و تکفین کا مطالبہ شوہر سے نہیں کیا جاسکتا۔	۴۳۶	حوالہ نقل دین ہے۔	۴۳۹
جہیز اور مہر عورت کاترکہ ہے۔	۴۳۷	جہاں دین معدوم ہو وہاں حوالہ متحقق نہیں ہوسکتا۔	۴۴۰
عورت شوہر اور والدین چھوڑ کر فوت ہوئی اس کاترکہ چھ سہام ہو کر تین سہم شوہر دو سہم پدراور ایک مادر کو ملے گا۔	۴۳۷	جہالت مال کی صورت میں حوالہ صحیح نہیں ہوتا۔	۴۴۰
عورت کو رخصت کراکر اپنے پاس رکھنا شوہر کا شرعی حق ہے۔ نفقہ اسی کے بدلہ میں ہے، اپنے اس حق کو شوہر بھی ساقط نہیں کرسکتا۔	۴۳۷	عورت اگر بلااکراہ شرعی مہر معاف کردے تو شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوجاتاہے۔	۴۴۱
باپ کا اپنی بیٹی کو بلاوجہ شرعی شوہر کے گھر جانے سے روکنا ظلم ہے۔	۴۳۷	ابراء مہر بلا اقرار زن یا بینہ عادلہ قاضی کے پاس ثابت نہیں ہوسکتا۔	۴۴۲
عورت کا نفقہ جزاء احتباس ہے لہٰذا جب احتباس نہ ہوگا تو نفقہ بھی لازم نہ ہوگا۔	۴۳۷	خلوت میں عورت نے مہر معاف کیا پھر انکاری ہو کر خدا ناترسی کرتے ہوئے قاضی کے پاس شوہر پر دعوی کردیا تو قاضی ذمہ شوہر پر مہر کو ثابت قرار دے گا۔ معاملہ باطنی قاضی حقیقی عالم الغیب والشہادۃ کے سپرد ہے۔	۴۴۲
اللہ تعالٰی کی شرط احق ہے۔	۴۳۷	قاضی ظاہر پر فیصلہ کرے گا۔	۴۴۲
کتاب اللہ کے خلاف شرط معتبر نہیں اگرچہ سو بار شرط کرے۔	۴۳۷	زنائے زناں موجوب بطلان نکاح نہیں۔	۴۴۲
نان نفقہ کی ذمہ داری عورت کے باپ نے لی تو اس کے شوہر کے ذمہ سے نفقہ ساقط نہ ہوگا۔	۴۳۸	نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔	۴۴۲
اسقاط دین پیش از وجوب معنی ندارد۔	۴۳۹	اگر عورت شوہر کے باپ یا بیٹے سے بدکاری کرے تو نکاح باطل نہیں ہوتا اگرچہ وہ شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے اور متارکہ فی الفور فرض ہوجاتاہے۔	۴۴۲
نفقہ زوجہ شوہر پر روزانہ شیأفشیأ واجب ہوتا ہے۔	۴۳۹	حرمت مصاہرہ سے نکاح مرتفع نہیں ہوتا حتی کہ متارکہ اور انقضاء عدت سے قبل اس عورت کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ناجائز ہوگا۔	۴۴۲
اسقاط شیئ قبل از وجوب جائز نہیں۔	۴۳۹	حرمت مصاہرہ کے بعد شوہر اگر عورت سے وطی کرے تو اس کو زنا قرار دیا جائے گا یا نہیں۔	۴۴۳
کفالہ بشرط براءت اصیل حوالہ ہے۔	۴۳۹		

بعد طلاق زندگی بھر کے نفقہ کا اقرار نامہ وعدہ ہے جس کو پورا کرنا چاہئے لیکن یہ واجب نہیں۔	۴۷۵	غیر محارم کے یہاں عورت شوہر کی اجازت سے بھی نہیں کی جاسکتی۔ شوہر اگر اجازت دے گا تو گنہگار ہوگا۔	۴۷۸
جس عورت نے مرتدہ ہونے کا ارادہ کیا وہ اسی وقت مرتدہ ہوگئی۔	۴۷۶	عورت شوہر کے مکان میں ہے تو نفقہ پائے وہ جماع کرے یا نہ کرے۔	۴۷۹
شوہر کی زندگی میں بلاطلاق عورت کے دوسرے شخص سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔	۴۷۶	زید آوارہ بد چلن ہے، علاوہ ازیں بیوی کے نان ونفقہ کا کفیل بھی نہیں ہوسکتا تو بیوی کو اپنے نفس کے روکنے کا اختیار ہے یا نہیں۔	۴۸۰
قاضی حنفی اپنے مسلک کے خلاف حکم نہیں کرسکتا اگر کرے تو نافذ نہ ہوگا۔	۴۷۶	شوہر نان ونفقہ سے عاجز ہو تو کیا قاضی کو زوجین میں تفریق کا حق ہے۔	۴۸۰
مہر کسی خدمت کا معاوضہ نہیں وہ نکاح میں بضع کا عوض ہے۔	۴۷۷	شوہر نفقہ نہ ادا کرے تو قاضی اس کو مجبور کریگا یا نفقہ دے یا طلاق دے۔	۴۸۰
عورت کے فاتر العقل ہونے سے مہر ساقط نہ ہوگا اور جب تک وہ شوہر کے گھر آنے سے انکار نہ کرے نفقہ دلایا جائے گا۔	۴۷۷	طلاق شوہر کی زبان پر ہے جب وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دے دی، طلاق ہوگئی نہ دی تھی تو اب ہوگئی۔	۴۸۱
نفقہ میں مرد وزن دونوں کے حال کا لحاظ رکھا جائے گا۔	۴۷۷	رہنے کو مکان دینا مالک کردینا نہیں جب تک ولایت تملیک ثابت نہ ہو اور اس کے ساتھ اپنے اسباب وغیرہا سے خالی کرکے قبضہ دلادینا ضرور ہے۔	۴۸۱
مادر زن کا شوہر سے نصف آمدنی مانگنا ظلم ہے جبکہ یہ مقدار نفقہ زن سے زائد ہو۔	۴۷۷	وعدہ کی بناء پر دعوی نہیں ہوسکتا۔	۴۸۱
گزرے ہوئے نفقہ کا ادا کرنا کسی پر ضروری نہیں۔	۴۷۸	وفاء وعدہ پر جبر نہیں۔	۴۸۱
نفقہ مقرر ہوگیا، لڑکی میکہ آئی، شوہر نے اپنے گھر بلایا نہیں۔ اور یہ اس انتظار میں رہی کہ بلائے تو جاؤں، تو ان ایام میکہ کا نفقہ بھی شوہر کے ذمہ ہے۔	۴۷۸	عورت کا نفقہ مقررہ کب ساقط ہوجاتا ہے۔	۴۸۱
عورت آٹھویں دن دِن بھر کے لئے اپنے والدین کی ملاقات کے لئے بے اذن شوہر بھی جاسکتی ہے۔ اور محارم کے یہاں سال بھر کے بعد، اور باجازت مزید ایام بھی، ناشزہ قرار نہ دی جائے گی۔	۴۷۸	عورت شوہر کی نافرمانی کرے تو سخت گنہگار ہے۔	۴۸۳

خاوند نے قسم کھائی کہ میری بیوی گھر سے باہر نہ نکلے گی تو یہ قسم بقاء زوجیت کے ساتھ مقید نہ ہوگی کیونکہ اس میں اجازت کا ذکر نہیں۔	۵۳۰	کسی شخص کے لئے آسمان پر چڑھنا یا پتھر کو سونے سے بدلنا عقلا ممکن ہے لیکن عادۃ محال ہے۔	۵۳۴
کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہامیں جس عورت سے تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں اس کو طلاق ہوگی۔اس کے بعد بیوی کو طلاق بائنہ یا مغلظہ دے دی پھر کسی عورت سے اس مطلقہ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو طلاق ہوجائے گی۔	۵۳۱	پانچواں شبہہ۔	۵۳۵
قسم کھائی کہ اگر فلاں سے اس کی اجازت یا اس کی آمد کے بغیر بات کروں تو یہ ہوجائے،پھر وہ فلاں فوت ہوگیا تو قسم ختم ہوجائے گی۔	۵۳۱	تطفل علی الشامی۔	۵۳۵
جب قسم کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو تو طرفین کے نزدیک اس شرط کا متصور ہونا ضروری ہے۔	۵۳۱	قسم گواہوں کا خلیفہ بنتی ہے تو جب اصل ہوجائے تو خلیفہ کی ضرورت نہیں رہتی۔	۵۳۹
مرنے کے بعد جو حیات ملتی ہے وہ دنیوی حیات کا غیر ہے۔	۵۳۲	اگر مدعی کے گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔	۵۳۹
حیات کاایک ایسا عارضہ ہے جس کو بعینہا واپس لانا ممکن نہیں۔	۵۳۲	کوئی شخص قسم کھائے کہ میں اس کوزے کے پانی کو ضرور پیوں گا،پھر وہ پانی گرادیا گیا تو وہ حانث ہوجائے گا۔	۵۴۱
روح اور حیات ایک دوسرے کے مغایر ہیں۔	۵۳۲	حاکم شہر نے کسی کو قسم دی کہ تو شہر میں داخل ہونے والے ہر فسادی کی اطلاع مجھے دے گا۔پھر وہ حاکم معزول ہوگیا تو اس کی دی ہوئی قسم بھی ختم ہوجائے گی۔	۵۴۱
قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے۔	۵۳۲	ردالمحتار کی ایک عبارت کی توضیح وتشریح۔	۵۴۳
اجازت صرف عاقل سے متصور ہوتی ہے۔	۵۳۲	قرضخواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھ سے منہ نہ چھپائے گا اس کا کیا مطلب ہے۔	۵۴۵
تین حضرات نے ایک شخص کو قسم دی کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر بخارا سے باہر نہ جائے گا،پھر ان میں سے ایک مجنون ہوگیا اور باقی دو کی اجازت سے وہ باہر گیا تو حانث ہوجائے گا لیکن اگر ان میں سے ایک فوت ہوجائے اور باقی دو کی اجازت سے وہ باہر چلا جائے تو حانث نہ ہوگا۔	۵۳۳	مقصود کا منتفی ہونا اور اس کا قصد نہ کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔	۵۴۷
		مقصود کا باقی نہ رہنا اور اسے مقصود نہ بنانا دو مختلف چیزیں ہیں اور ان میں بڑا فرق ہے۔	۵۴۸

طلاق مغلظہ کو کسی شرط پر معلق کیا تو مغلظہ سے بچنے کا حیلہ۔	۵۵۸	حلالہ میں صرف نکاح پر اکتفانہ کرنے اور مجامعت کو شرعا لازم قرار دینے کی حکمت۔	۵۶۲
جواب ثانی۔	۵۵۸	تیسری مثال۔	۵۶۳
جواب ثالث۔	۵۵۸	بسا اوقات عورتیں فرقت کے بعد بھی اپنے سابق خاوند کی دوسری شادی سے غمگین ہوتی ہیں۔	۵۶۳
جواب رابع۔	۵۵۹	شوہر نے قسم کھاتے ہوئے بیوی کو کہا کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہیں جائے گی، تو قسم حالت نکاح سے مقید ہوگی۔	۵۶۳
شک یقین کو زائل نہیں کرسکتا۔	۵۵۹	چوتھی مثال۔	۵۶۳
بیوی نے خاوند سے کہا کہ تو نے مجھ پر کوئی دوسری بیوی بنار کھی ہے تو خاوند نے جواب میں کہا کہ جو بھی عورت میری بیوی ہے اس کو طلاق ہے، تو اس بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔	۵۵۹	امام نجم الدین عمر نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جن وانس کے مفتی ہیں۔	۵۶۴
الفاظ قسم میں عموم واطلاق ہو تو عموم ہی یقینی ہے نیت تخصیص قضاء معتبر نہ ہوگی۔	۵۶۰	کسی شخص نے اپنی بیوی کو اجنبی شخص سے بے تکلف گفتگو کرتے دیکھ کر کہا اب اگر تو نے کسی بیگانے شخص سے بات کی تو تجھے طلاق ہے۔ یہ قسم عام ہوگی اور ہر غیر محرم کو شامل ہوگی چاہے وہ اس گھر کے ملازم یا خاوند و بیوی کے رشتہ دار ہوں۔	۵۶۴
دلالت حال عموم میں تخصیص نہیں کرسکتی۔	۵۶۰	آٹھواں شبہہ۔	۵۶۴
اسی بات کی چند مثالیں کہ محض احتمال کی صورت میں دلالت حال معتبر نہیں۔	۵۶۱	قسم میں کسی خاص وصف غیر مذکور کی نیت معتبر نہیں۔	۵۶۵
پہلی مثال۔	۵۶۱	ایک شخص کھڑا ہو تو کوئی شخص اس کے بارے میں یہ قسم کھائے کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گا، پھر کہے کہ میری نیت یہ تھی کہ بوقت قیام اس سے بات نہ کروں گا، تو یہ نیت معتبر نہ ہوگی۔	۵۶۵
دوسری مثال۔	۵۶۱	صفت قیام ترک کلام کی داعی نہیں۔	۵۶۵
ایک شخص کا قصہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر شخص کو پائے تو قتل کردے؟	۵۶۲	حاضر میں وصف لغو ہے۔	۵۶۵
بیک وقت تین طلاقیں دینا کیوں گناہ قرار دیا گیا۔	۵۶۲	اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ عورت نہیں کرے گا اور نیت کرے ہاشمی، عربی یا ترکی یا کوئی خاص نسب والی کی تو یہ نیت دیانۃ معتبر ہوگی قضاء نہیں۔	۵۶۵

قسم کھائی کہ فلاں کے گھر نہ رہوں گااور کہتا ہے کہ میری مراد یہ تھی کہ فلاں کے گھر کرایہ پر نہیں رہوں گا، تونیت صحیح نہیں۔لہٰذا اس کے گھر بلا کرایہ بھی رہائش پذیر ہوا توقسم ٹوٹ جائے گی۔	۵۶۶	خاوند نے تھیلی میں کچھ رقم رکھی اور بیوی کو کہا کہ اگر تو نے صبح تک اس میں سے کچھ باقی رکھا تو تجھے طلاق ہے۔اب اگر بیوی نے اس میں سے کچھ بھی خرچ نہ کیا یا کچھ خرچ کیا اور کچھ باقی رکھا توطلاق ہو جائے گی۔	۵۶۸
اگر قسم کھائی کہ فلاں کے اس گھر میں نہیں رہوں گا جو اس نے خریدا ہے اور کہتا ہے کہ میری مراد یہ تھی کہ جو اس نے اپنی ذات کے لئے خریدا ہے تو یہ نیت مان لی جائے گی۔	۵۶۶	جو ابقاء بشر کی صفت ہے وہ عدم فعل ہے نہ کہ فعل۔	۵۶۸
نواں شبہہ۔	۵۶۶	زید نے کوئی چیز بیع فاسد کے ساتھ عمرو پر فروخت کی جس پر قاضی کو غصہ آیا اور کہا اگر میں یہ بیع فاسد باقی رکھوں تو یہ ہوجائے سورج غروب ہوگیااور قاضی نے بیع فسخ نہ کی توحانث ہوگا۔	۵۶۸
ابقاء جو کہ حی وقیوم کا فعل ہے محققین کے نزدیک وجودی ہے۔	۵۶۷	اسی شبہہ کا ازالہ کہ کبھی انسانی ابقاء فعل سے بھی حاصل ہوجاتا ہے جیسے زید کو گھر میں لاکر زنجیر سے باندھنا، تو یہ زید کو گھر میں باقی رکھنا ہے حالانکہ باندھنا فعل ہے۔	۵۶۸
امام الحرمین، امام رازی اور قاضی ابوبکر باقلانی کے مذہب پر بقاء عین وجود ہے نہ کہ وجود پر کوئی امر زائد، لہٰذا ابقاء بمعنی ایجاد ہوگا۔	۵۶۷	کسی کو باندھنا خود ابقاء نہیں بلکہ مستلزم ابقاء ہے۔	۵۶۸
ائمہ کشف وشہود کے مذہب پر بقاء جواہر سمیت ہر چیز کے امثال کے تجدد کا نام ہے لہٰذااس مذہب پر ابقاء ہر لمحہ امثال کے ایجاد کا نام ہے۔	۵۶۷	دسواں شبہہ۔	۵۶۹
خالق وباری کی طرح صفت قیوم کا اطلاق بھی غیر اللہ پر جائز نہیں بلکہ اس پر علماء نے تکفیر کی ہے۔	۵۶۷	نکلنے کا حکم نہ دینا اور نہ نکلنے کا حکم دینا یہ دونوں چیزیں آپس میں منافی نہیں۔	۵۷۰
ایسی چیز کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف کرنا جو اس کے شایان شان نہ ہو یا جہالت، نقص اور عجز کی نسبت اس کی طرف کرنا یا صفات مختصہ باللہ کااطلاق غیر اللہ پر کرنا کفر ہے۔	۵۶۷	وجودی چیز عدمی چیز کی قسم نہیں بن سکتی۔	۵۷۰
جو ابقاء بشر کی طرف سے ہو وہ ترک ازالہ کا نام ہے (نہ کہ ایجاد کا)۔	۵۶۸	کوئی شیئ مقارنات کے ساتھ متنوع ومنقسم نہیں ہوتی۔	۵۷۰
		ضروری نوٹ۔	۵۷۱

ایک شخص نے کسی سے غصہ میں آکر کہا کہ تیرے مکان کا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے۔ یا کہا کہ تیرے مٹکے کا پانی مجھ پر حرام ہے، تو شرعا یہ قسم ہے اگر اس کے گھر کھائے پیئے گا اس کے مٹکے کا پانی پیئے گا تو قسم کا کفارہ دینا آئے گا۔	۵۷۹	حرمین شریفین کے مصارف کے لئے یا وہاں کے علماء وفقراء کے لئے نذر مانی تو انسب یہی ہے کہ وہیں خرچ کرے، دوسری جگہ بھی اسی مصرف میں خرچ کر سکتا ہے۔	۵۸۳
کوئی شخص کہے اگر میں تم سے بولوں یا تمھارے مکان جاؤں یا یہ چیزیں کھاؤں تو میرے حق میں حرام ہے، تو استحسانا یہ صورت حلف کی ہے۔	۵۷۹	نذر شرعی کی ادا واجب ہے۔	۵۸۳
یمین تحریم حلال ہی ہے۔	۵۷۹	تعیین مکان نذر میں نامعتبر ہے۔	۵۸۳
باب النذر	۵۸۱	مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کو بھوت خانہ کالی گھر کی مثل کہنا گستاخی وتوہین وکلمہ کفر ہے۔	۵۸۳
"اللہ کو نذر کریں گے" کہنے سے نذر شرعی نہ ہوئی، یونہی نتھی کو دیں گے صرف وعدہ ہے یہ ہبہ بھی نہ ہوگا۔	۵۸۱	نذر پوری کرنے سے جو شخص روکے وہ مناع للخیر ہے۔	۵۸۳
جو وعدہ کیا اس سے پھر نا ہر گز نہیں چاہئے، قرآن شریف میں اس پر سخت وعید فرمائی گئی ہے۔	۵۸۱	اگر بدرگاہ خداوند کریم سوال کیا جائے کہ مجھ کو فرزند عطا ہو یا بیماری دفع ہو یا قرض ادا ہو تو اس قدر خیرات فی سبیل اللہ بارواح رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام یا حضرت پیر دستگیر یا ولی اللہ کردوں گا۔ تو بلا شبہہ یہ نذر جائز ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہے۔	۵۸۳
ایک چیز کو نذر کرنے کو کہا اور ہبہ کرنے کو بھی، طریقہ یہ ہے کہ کسی فقیر کو وہ چیزیں دے دے پھر اس سے خرید کر جس کو ہبہ کرنے کے لئے کہا ہے اس کو دے دے۔	۵۸۱	چہل تن چالیس شہداء ہیں۔	۵۸۴
اللہ کے نام نذر کرنے سے قربانی ضروری نہیں۔ اس کے لئے قربانی کا نام لینا ضروری ہے۔	۵۸۱	نذر ماننے کے بعد ناذر فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ سے نذر ادا کی جائے گی۔	۵۸۴
اپنے کاروبار میں غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین حصہ مثلا سولھواں حصہ برائے ایصال ثواب مقرر کیا تو اس رقم کو ہر دینی کام میں صرف کر سکتے ہیں۔	۵۸۲	چہل تنوں کی منت کی شرعی صورت اور فاضل لہو ولعب کارد بلیغ۔	۵۸۴
مسجد ویران کی آبادی نہایت اہم کام ہے اور اس میں صرف کرنا مقدم ہے۔	۵۸۲	میلاد مبارک اور گیارھویں احباب کو کھانا کھلانے، مساجد میں شرینی لے جانے یا نمازیوں کو کھلانے کی نذر فقہی نہیں لہذا امیر غریب سب کھا سکتے ہیں۔	۵۸۴

خاص معین جانور کی نذر شرعی مانی تو اس کا بدلنا جائز نہیں۔	۵۸۵	جب تک زبان سے الفاظ نذر نہ کہے صرف نیت سے کچھ لازم نہیں آتا۔	۵۹۱
مزار پختہ بنوانے کی نذر شرعی نہیں، نہ اس کا پورا کرنا شرعاً واجب ہے۔	۵۸۶	نذر غیر شرعی و نذر شرعی کی تنقیح تام۔	۵۹۱
بزرگوں کی منت حقیقۃً اللہ عزوجل کے لئے ہوتی ہے اس لئے اس میں حرج نہیں۔	۵۸۶	مسلمان پر بدگمانی جائز نہیں۔	۵۹۱
پانچ روپیہ کا غلہ دینے کی منت مانی تو فقیر کو اتنے کا کپڑا دے سکتا ہے سلائی کا پیسہ نذر میں محسوب نہ ہوگا۔	۵۸۶	پہلے مہینے کی تنخواہ کی منت مانی تو عرفاً پورے ایک مہینہ کی تنخواہ مراد ہوگی۔	۵۹۱
نذر پورا کرنے کا ثبوت آیات قرآنی سے۔	۵۸۷	ہر عاقد، حالف، ناذر اور واقف کے کلام کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا جو متعارف ہے۔	۵۹۱
نذر والے کی نیت اگر یہ ہو کہ منت ماننے سے مقدر بدل جائے گا اور تقدیر کا نوشتہ پلٹ جائے گا تو یہ اعتقاد فاسد ہے اور ایسی نذر سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔	۵۸۷	نذر کے روپے اپنے اصول، فروع، زوج، زوجہ اور سید کو نہیں دے سکتے۔	۵۹۴
سر کی منت مانی تو اس کی قیمت کا گوشت بھی دے سکتے ہیں۔	۵۸۹	ایک ماہ کی تنخواہ دینے کی منت مانی اور روپے غریب عزیز کو دے دئے تو ع دُونا ثواب ہوگا۔	۵۹۴
منت مانی کہ میرا یہ کام ہوجائے تو جانور نذر کروں گا، اگر الفاظ ایسے ہوں جن سے وجوب شرعی ثابت ہو تو جانور متعین ہوگیا۔	۵۸۹	ایک شخص نے کہا کہ مجھے جو نفع ہوگا اس میں سے سولھواں حصہ واسطے اللہ کے نکالوں گا اب اس کو لاگت سے زائد ایک روپیہ نفع ہوا لیکن متفرق خرچ یعنی تنخواہ ملازمین وغیرہ میں دو آنے صرف ہوگئے باقی چودہ آئے رہے، اب وہ روپے کا سولھواں حصہ نکالے یا چودہ آنے کا۔	۵۹۴
منذور بعینہا ہلاک ہوجائے تو نذر ساقط ہے۔	۵۸۹	صرف دل میں ارادہ کرلینے سے منت نہیں ہوتی اس کے لئے زبان سے کہنا ہوگا۔	۵۹۴
طاق بھرنے کی منت سے اگر طاق بھرنا ہی مقصود ہو تو یہ نیت لغو ہے۔	۵۹۰	اپنی تجارت میں سولھواں حصہ اللہ تبارک وتعالٰی کے لئے نذر کیا اس کے مصارف کیا ہوں گے۔	۵۹۵
میلاد شریف کی منت ماننا کیسا ہے۔	۵۹۰	بے الفاظ نذر زبان سے کہا کہ اپنے منافع تجارت سے سولھواں نیک کاموں میں اللہ تعالٰی کے لئے صرف کیا کروں گا، اس سے محض میلاد، گیارھویں شریف، افطاری رمضان اور اپنے والدین وسادات وعلماء کی خدمت سب کچھ کرسکتا ہے۔	۵۹۵
مجلس میلاد شریف کہ طریقہ رائجہ حرمین شریفین پر ہو اعلٰی مستحبات سے ہے۔	۵۹۰		

طاعت پر اجارہ باطل ہے۔	۵۹۵	منت شرعی کا گوشت نہ تو خود کھاسکتا ہے نہ اپنی اصل اور فرع کو کھلاسکتا ہے اور نہ ہی کسی ہاشمی یا غنی کو کھلاسکتا ہے۔	۵۹۷
متاخرین نے امامت، اذان اور تعلیم قرآن پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔	۵۹۵	جو مصرف زکوٰۃ ہے وہی مصرف نذر ہے۔	۵۹۷
الفاظ نذر کے بغیر آمدنی کا کچھ حصہ منافعہ تجارت کا اللہ تعالٰی کا مقرر کیا اور نیت خاص مساکین کو خدا کے نام پر دینے کی تھی تو اس رقم سے میلاد شریف، گیارھویں شریف اور افطاری رمضان وغیرہ کراسکتا ہے مگر اب صرف محتاجوں کو کھلائے، سادات وعلماء اور والدین کو بھی بحالت حاجتمندی دے سکتا ہے کیونکہ یہ صدقہ واجبہ نہیں۔	۵۹۵	غیر خدا کے لئے نذر فقہی کی ممانعت ہے۔	۵۹۸
اہل وعیال اور اولاد کو جو کچھ کھلادیا جاتا ہے احادیث میں اس پر صدقہ کا اطلاق آیا ہے۔	۵۹۶	اولیائے کرام کے لئے ان کی حیات ظاہری خواہ باطنی میں جو نذریں کہی جاتی ہیں یہ نذر فقہی نہیں۔	۵۹۸
اگر خاص الفاظ نذر زبان سے ادا کئے تواب والدین، سادات اور اغنیاء کو نہیں دے سکتا، دیگر محتاجوں کو دے سکتا ہے اگرچہ اس کی پھوپھی، خالہ، چچا، ماموں اور بہن بھائی ہوں۔	۵۹۶	شاہ رفیع الدین صاحب برادر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی عبارت سے تائید۔	۵۹۹
اگر مجلس گیارھویں شریف یا میلاد شریف منعقد کرکے مال نذر فقیر کی ملک کردیا تو درست ہے۔	۵۹۶	علامہ سید عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ کی عبارت سے استدلال۔	۵۹۹
ذکر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی ولی کو ایصال ثواب کے لئے اجتماع نذر وصدقہ کے منافی نہیں۔	۵۹۶	اولیاء گزشتہ کے لئے منت مجازًا ان کے خادمانِ قبور پر تصدق سے عبارت ہے۔	۵۹۹
مال زکوٰۃ اور خاص نذر کا حکم ایک ہی ہے۔	۵۹۶	فقیر کو زکوٰۃ دے اور قرض کا نام لے تو صحیح ہوجائے گی۔	۵۹۹
مال زکوٰۃ اور مال نذر محتاج طالبعلموں کو بھی دے سکتے ہیں خواہ کپڑے بنادے خواہ اناج یا کھانا انھیں دے کر مالک کردے، ہاں گھر میں بٹھا کر کھلانے سے زکوٰۃ ونذر ادا نہ ہوگی۔	۵۹۶	اعتبار معنی کا ہے نہ کہ لفظ کا۔	۵۹۹
مؤذن کی تنخواہ میں نذر یا زکوٰۃ محسوب نہیں ہوسکتی ہاں اگر بلا تنخواہ اذان دیتا ہے اور محتاج ہے تو دے سکتے ہیں۔	۵۹۶	امام اجل ابوالحسن نور الملۃ والدین علی بن یوسف بن جریر شطنوفی بے نظیر امام ہیں۔	۵۹۹

فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۵۲	امام محمد نے جامع صغیر وغیرہ کتب جو بروایت امام ابو حنیفہ حضرت امام اعظم سے روایت کیں، ان امام ابو یوسف کو کنیت سے کیوں یاد نہیں کیا۔	۶۵۵
عالم کے ساتھ سوءِ ادبی سے آدمی مستحق تعزیر ہے۔	۶۵۳	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تمام صفات کریمہ بایں معنی خصائص حضور ہیں کہ کوئی صفت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مماثل وشریک نہیں۔	۶۵۵
یہ کہنا کہ خدا شریک کو بھی بخش دے گا یا یہ کہنا "آیات و احادیث "کچھ نہیں" صریح کفر ہے۔	۶۵۴	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض صفات کریمہ کا اپنے مستفیضوں اور خادموں اور غلاموں پر پر توڈال دیا جیسے علیم، حلیم اور بشیر ونذیر وغیرہ، ان صفات کی تجلی جس میں متحقق ہو اس پر ان صفات کے اطلاق میں حرج نہیں۔	۶۵۶
حکم کفر کا اطلاق تارک صلوٰۃ پر حدیث شریف میں ہے یہ مسئلہ فقہیہ نہیں کلامی ہے۔	۶۵۴	گمراہ وبددین فتنہ پرور کو شیطان کہہ سکتے ہیں۔	۶۵۶
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام سادہ اور پیر کا آداب والقاب کے ساتھ سُوء ادبی ہے، اور پیر کی عظمت حضور سے زیادہ ہو تو کفر ہے۔	۶۵۵	مومن صالح کو شیطان کہنا شیطان کاکام ہے۔	۶۵۶
عرب میں کنیت تعظیم ہے۔	۶۵۵	مآخذ ومراجع۔	۶۵۷
امام ابو یوسف امام محمد کے استاذ اور امام اعظم کے شاگرد ہیں، رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	۶۵۵		

فہرست ضمنی مسائل

اپنے سامنے نکاح نہ ہونے کو نکاح نہ ہونا سمجھ لینا سخت سفاہت ہے۔	۳۰۰	عت کے اندر نکاح قطعی حرام ہے۔	۳۱۹
بے انقضائے عدت کے دوسرے سے نکاح حرام و ناجائز اور بعض علماء کے نزدیک اس عقد پر کوئی حکم نکاح اصلا مرتب نہیں ہوتا۔	۳۰۰	دیدہ دانستہ عدت کے اندر عورت کا نکاح کیا جائے تو وہ محض باطل ہے، اس کو نکاح ہی نہیں کہہ سکتے۔	۳۲۴
معتدہ غیر سے دانستہ نکاح کرنا باطل محض ہے۔	۳۰۰	عدت کے اندر نکاح مطلقًا ناجائز ہے۔	۳۵۸
جس عورت کو زنا کا حمل ہو غیر زانی کو بھی باوجود حمل اس سے نکاح جائز ہے مگر تاوضع حمل جماع جائز نہیں۔	۳۰۰	جب تک کسی عورت کا شوہر زندہ ہو اور طلاق بھی نہ دی ہو اس عورت کا دوسرا نکاح حرام حرام حرام زنا زنا زنا ہے۔	۴۷۴
بہن کی موجودگی میں بہنوئی سے نکاح سخت حرام ہے۔	۳۰۰	شوہر کی زندگی میں بلاطلاق عورت کے دوسرے شخص سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔	۴۷۶
نکاح فاسد میں متارکہ ضروری جو میاں بیوی دونوں میں سے کوئی بھی کر سکتا ہے۔	۳۰۱	عورت کا زانیہ ہونا ثابت ہو جائے تب بھی نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔	۶۱۸
عدت میں جانتے ہوئے نکاح کیا تو نکاح باطل اور جماع زنا ہے اور لاعلمی میں کیا تو نکاح فاسد ہے۔	۳۰۲	جمع بین الاختین کرنے والا حرامکار ہے اس کا مقاطعہ کرنا چاہئے۔	
منکوحہ نے اپنے شوہر سے ناراض ہو کر غیر سے نکاح کر لیا کچھ عرصہ بعد دوبارہ شوہر اول سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اب شوہر اول سے عقد قدیم قائم ہے عقد جدید کی ضرورت نہیں۔	۳۰۳	**محرمات**	
منکوحہ عورت کو خالی وحلال سمجھ کر نکاح میں لایا تو اس پر فرض قطعی ہے کہ عورت کو ترک کرے۔ اگر مجامعت کر چکا ہے تو عورت ترک سے تین حیض عدت کرے، اس کے بعد شوہر اول کے لئے بے تجدید نکاح رہ سکتی ہے	۳۰۳	جب کوئی شخص کسی عورت سے زنا کر چکا تو اس عورت کی بیٹی اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔	۳۶۲
رافضی کا نکاح سنیہ سے نہیں ہوتا اس لئے نہ طلاق کی ضرورت ہے نہ عدت کی۔	۳۱۴	مرد پر اس کی مزنیہ ار ممسوسہ بہ شہوت کے اصول وفروع حرام ہیں۔	۳۶۲
بے طلاق کسی کی عورت گھر میں رکھ لی اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے اس کے بعد شوہر مر گیا تو جب تک نکاح جدید نہ کرلیں میاں بیوی نہ ہوں گے۔	۳۱۶	جس عورت کے فرج کے داخل کو مرد نے شہوت کے ساتھ دیکھا اس کے اصول وفروع اسی مرد پر حرام ہو گئے۔	۳۶۲

رضاعی ماموں سے عورت کا نکاح، نکاح خبیث ہے جو ہرگز قائم نہ رکھا جائے گا، مرد وزن پر فرض عظیم ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں، مرد نہ مانے تو عورت خود جدا ہوجائے۔	۳۷۵	شوہر اگر اقرار کرے کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی سے افعال مثل بوس وکنار وغیرہ کئے، عورت اس پر حرام ہوگئی۔	۶۲۳
رضاعی ماموں بھانجی نے نکاح کرلیا اور جدا نہیں ہوتے تو حاکم بالجبر انھیں جدا کردے۔	۳۷۵	**کفاءت**	
ساس سے زنا کیا اس سے بچی پیدا ہوئی، اس لڑکی سے شادی حرام اور اس نکاح حرام سے جو بچہ پیدا ہو اولد الحرام ہے۔	۳۷۷	غیر کفو سے عورت کب نکاح کرسکتی ہے۔	۳۱۶
علاتی بہن کی نواسی سے نکاح حرام قطعی، ناکح، نکاح خواں، وکیل اور گواہ سخت تر گناہ کبیرہ میں گرفتار ہیں۔	۳۷۸	**ولایت**	
زید نے علاتی بہن کی نواسی سے نکاح کیا، چھ برس بعد تفریق ہوئی تو عورت پر عدت ضرور لازم ہے۔	۳۷۸	چچا کا کیا ہوا نابالغ کا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۳۰۷
اگر عورت شوہر کے باپ یا بیٹے سے بدکاری کرے تو نکاح باطل نہیں ہوتا اگرچہ وہ شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے اور متارکہ فی الفور فرض ہوجاتا ہے۔	۴۴۲	ولی نے نکاح فضولی کو رد کردیا پھر اجازت دے تو جائز نہ ہوگا۔	۳۰۷
حرمت مصاہرہ سے نکاح مرتفع نہیں ہوتا حتی کہ متارکہ اور انقضائے عدت سے قبل اس عورت کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ناجائز ہوگا۔	۴۴۲	نابالغ کی طرف سے اس کا ولی طلاق نہیں دے سکتا۔	۳۰۷
حرمت مصاہرہ کے بعد شوہر اگر عورت سے وطی کرے تو اس کو زنا قرار دیا جائے گا یا نہیں۔	۴۴۳	باپ دادا نہ ہوں تو جوان بھائی حقیقی ولی نکاح ہے، اس کے ہوتے ہوئے ماں کو اختیار نہیں۔	۳۲۴
قرآن عظیم نے شوہر دار عورتوں کو حرام قطعی فرمایا ہے۔	۴۹۳	معتدہ وفات نابالغہ کے نکاح کا اختیار بعد از اں عدت اس کے باپ کو ہے نہ کہ سسر کو۔	۳۳۳
عورت اگر شوہر کے باپ یا بیٹے سے زنا کرائے تو حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی اور نکاح فاسد ہوجائے گا۔	۶۱۸		

فاتر العقل عورت کا نفقہ ساقط نہیں دو شادیاں کیں جن میں سے ایک فاتر العقل ہے، عدل و مساوات ضروری ہے۔	۴۸۴	طلاق کو وعظ کہنے پر معلق کیا تو یہ سبیل ممکن ہے کہ عورت کو ایک طلاق دے وہ عدت سے نکل چکے تو وہ وعظ کہے پھر عورت سے دوبارہ نکاح کرلے۔	۲۰۱
عتاق		جو حیلہ ارتکاب کبیرہ بالعمد پر مشتمل ہو اس کا بتانا بھی حرام ہے۔	۲۰۷
مالک نے اپنے غلاموں کے بارے میں کہا ھذا حر اوھذا وھذا تو تیسرا آزاد ہوگیا جبکہ پہلے دونوں میں سے ایک آزاد ہے اس کے تعین کا اختیار مالک کو ہے۔	۲۳۵	جن مسائل کا تصفیہ حنفی مسلک پر نہ ہوسکے ان کی کاربرآری کی شرعی صورت	۴۸۹
حِیَل		ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر زید سے بات کروں تو میری بیوی کو تین طلاقیں، اب چاہتا ہے کہ اس سے بات کرے اور بیوی کو طلاق مغلظہ نہ ہو تو بیوی کو ایک طلاق بائنہ دے عدت گزر جانے کے بعد بات کرسکتا ہے اور بعد ازاں بلاحلالہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔	۵۲۵
طلاق کی قسم کھائی تو اب نکاح قائم رہنے کی صورت یہ ہے کہ شرط واقع نہ ہو یا اگر ایک یا دو طلاقیں رجعی کی قسم کھائی ہے تو بعد وقوع شرط رجوع کرے۔	۱۰۲	ایک شخص نے قسم کھاتے ہوئے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر میں دنیا کی ہر بدی اور قباحت کو تیری طرف منسوب کرکے تیرے بھائی سے شکایت نہ کروں تو تجھے طلاق ہے، ایسا شخص قسم سے بری ہونے کے لئے کیا کرے۔	۵۵۴
یمین مضاف میں طلاق واقع نہ ہونے کی ایک سبیل	۱۱۴	طلاق مغلظہ کو کسی شرط پر معلق کیا تو مغلظہ سے بچنے کا حیلہ۔	۵۵۸
خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو نے نماز نہ پڑھی تو تجھے دو طلاقیں، بعدہ کہتا ہے کہ میں نے اس سے عموم کا ارادہ کیا ہے یعنی تمام عمر کبھی کہیں کوئی نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، تو یہ حیلہ جھوٹ اور خالص فاسد بہانہ ہے۔	۱۶۷	ایک چیز کو نذر کرنے کو کہا اور ہبہ کرنے کو بھی، طریقہ یہ ہے کسی فقیر کو وہ چیز دے دے پھر اس سے خرید کر جس کو ہبہ کرنے کے لئے کہا ہے اس کو دے دے۔	۵۸۱
طلاق مغلظہ کی قسم کھائی تو طلاق سے بچنے کا ایک حیلہ۔	۲۰۰		

کفارہ میں دیا جانے والا کپڑا ایسا ہونا چاہئے جو تین ماہ سے زیادہ چل سکے اور تمام بدن ڈھک لے۔	۴۹۹	جو وعدہ کیا اس سے پھرنا ہر گز نہیں چاہئے، قرآن شریف میں اس پر سخت وعید فرمائی گئی ہے۔	۵۸۱
قصداً جُھوٹی قسم کھانا گناہ ہے۔	۴۹۹	اپنے کاروبار میں غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے متعین حصہ مثلاً سولھواں حصہ برائے ایصالِ ثواب مقرر کیا تو اس رقم کو ہر دینی کام میں صرف کرسکتے ہیں۔	۵۸۲
انجمن والوں نے باہم حلف اٹھایا جو نماز نہ پڑھے اس پر اتنا جرمانہ، جو جرمانہ نہ دے اس کو انجمن سے نکال دیا جائے گا، یہ تعزیر شرعی نہیں، نہ اس میں حرج ہے۔	۵۰۶	چہل تنوں کی منت کی شرعی صورت اور فاضل لہو و لعب کا رد بلیغ۔	۵۸۴
بلا وجہ شرعی قسم توڑنا حرام ہے، ہاں خلاف میں خیر ہو تو قسم توڑ کر کفارہ دے۔	۵۰۷	میلاد مبارک اور گیارھویں، احباب کو کھانا کھلانے، مساجد میں شیرینی لے جانے یا نمازیوں کو کھلانے کی نذر فقہی نہیں لہذا امیر فقیر سب کھا سکتے ہیں۔	۵۸۴
دھوکا دے کر حج کا جُھوٹا ارادہ ظاہر کیا اور اس ذریعہ سے لوگوں سے روپیہ لیا تو سخت مجرم ہے۔	۵۰۹	سر کی منت مانی تو اس کی قیمت کا گوشت بھی دے سکتے ہیں۔	۵۸۹
کسی مسلمان پر بد گمانی جائز نہیں۔	۵۰۹	میلاد شریف کی منت ماننا کیسا ہے۔	۵۹۰
فتنہ قتل سے بُرا ہے۔	۵۱۷	مجلس میلاد شریف کہ طریقہ رائجہ حرمین شریفین پر ہو اعلیٰ مستحبات سے ہے۔	۵۹۰
جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہِ کبیرہ ہے۔	۵۷۴	مسلمان پر بد گمانی جائز نہیں۔	۵۹۱
سچی بات ہو تو قسم بھی کھا سکتے ہیں اور قرآن بھی اُٹھا سکتے ہیں۔	۵۷۴	منت شرعی کا گوشت نہ تو خود کھا سکتا ہے نہ اپنی اصل اور فرع کو کھلا سکتا ہے اور نہ ہی کسی ہاشمی یا غنی کو کھلا سکتا ہے۔	۵۹۷
چند شخصوں نے مسجد کے اندر کہا کہ جو شخص بیٹی پر روپیہ لے یا قرضدار کے یہاں کھانا کھائے تو کلمہ شریف اور قرآن شریف سے پھرے، اس کا کاغذ بھی لکھا گیا، بعد ازیں کاغذ پھاڑ ڈالا اور وہی کام کرنے لگے، ان کا کیا حکم ہے۔	۵۷۷	ظالم کے پاس بیٹھنے سے قرآن مجید نے منع فرمایا۔	۶۱۵
بیٹی پر روپیہ لینا اور قرضدار کے یہاں کھانا اگر قرض کے دباؤ سے ہے تو ناجائز ہے۔	۵۷۸	سزا وہی ہے جو مطابق شرع ہے اس کے خلاف کی خواستگاری ناجائز ہے۔	۶۱۸

چہل تن چالیس شہدا ہیں۔	۵۸۴	اصلاً ہر مسلمان مومن ہے، بعض اطراف کے عرف میں بنکروں کو مومن کہنا ان کی سلیم الطبعی کی وجہ سے ہوگا اور اس لفظ کو بطور طعن استعمال کرنا دوہرا گناہ ہے۔	۶۴۵
اہل وعیال اور اولاد کو جو کچھ کھلایا جاتا ہے احادیث میں اس پر صدقہ کا اطلاق آیا ہے۔	۵۹۶	مثل اور مانند میں بہت فرق ہے۔	۶۵۰
آبرو اتارنا زنا کے لئے خاص نہیں مار پیٹ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔	۶۱۴	سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ایمانی کا یمان جبرائیل، یُوں کیوں نہیں فرمایا: ایمانی مثل ایمان جبرائیل۔	۶۵۰
گناہ تین قسم کے ہیں: ہلکے جو حد کی حد تک نہ ہوں۔ حد سے بڑھے ہوئے، کہ حد بھی اس کا کفارہ نہ ہوسکے۔ اور متوسط، کہ حد سے پاک ہو جائیں۔	۶۲۵	امام محمد نے جامع صغیر وغیرہ کتب جو بروایت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم سے روایت کیں ان امام ابو یوسف کو کنیت سے کیوں یاد نہیں کیا۔	۶۵۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب تعلیق الطلاق

(تعلیقِ طلاق کا بیان)

مسئلہ ۱: از ضلع مظفر پور ڈاک خانہ رائے پور سب ڈویژن سیتامڈھی مقام گوری دروازہ سرفراز علیخاں مرسلہ ایوب علی خاں صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

زوج زید نے عقب میں زوجہ ہندہ کے بمقابلہ بکر کے سوگند کھائی کہ ہم اپنے برادر خالد سے کارِ زمینداری نہ کرائیں گے اگر کرائیں تو اس کی زوجہ کو طلاق ہے، بعد چند روز کے زید نے برادر موصوف سے کام مذکور کرایا اس صورت میں زوجہ ہندہ مطلقہ ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ہوگی تو کون سی دلیل مطلقہ ہونے کی ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ نے اپنے کلام مجید فرقانِ حمید میں کسی جگہ ذکر اس قسم کی سوگند کا نہیں کیا، اگر بمجرد سوگند ہندہ مطلقہ ہوئی تو کون سی صورت نکاح قائم رہنے کی ہے، اور اس سوگند میں کفارہ ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زوجہ پر ایک طلاق پڑ گئی، اس کی دلیل اجماعِ ائمہ دین کہ جب طلاق کسی شرط پر مشروط کی جائے تو اس شرط کے واقع ہوجانے سے واقع ہوجائے گی،

فی الھدایۃ اذا اضافہ الٰی شرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لامرأتہ ان دخلت الدار فانت طالق	ہدایہ میں ہے کہ اگر طلاق کو شرط کی طرف منسوب کیا ہو تو وُہ شرط کے پائے جانے کے بعد واقع ہوگی، مثلاً یوں کہے "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے"

وھٰذا بالاتفاق۔[1]	یہ ضابطہ متفق علیہ ہے۔(ت)

بلکہ وہ آیہ کریمہ الطلاق مرتٰن وغیرہ سے ثابت ہے،

فان الاٰیات ذکرت الطلاق بالاطلاق فشمل المنجز المعلق۔	کیونکہ آیات میں مطلق طلاق کا ذکر ہے جو مشروط اور غیر مشروط دونوں طلاق کو شامل ہے۔(ت)

اسے سوگند یمین کہنا ایک اصطلاح علمی ہے جس کا پتا آیہ کریمہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَۚ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ[2] (اے نبی صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! اللہ تعالٰی نے آپ کے لئے جو حلال فرمایا اسے آپ کیونکہ حرام فرماتے ہیں تا اللہ تعالٰی کے ارشاد: بیشک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے قسموں کو حلال فرمانا فرض فرمایا ہے۔ت) سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں بھی تحریم حلال ہے اور آیت میں تحریم حلال ہی کو یمین فرمایا:

علٰی کما بینہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح قبیل باب الیمین فی الدخول والسکنی اقول وللعبد الضعیف ھھنا کلام ذکرتہ علی ھامشہ۔	جیسا کہ محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں دخول وسکنی کے باب سے تھوڑا پہلے بیان فرمایا، اقول (میں کہتاہوں) یہاں اس عبد ضعیف کو اعتراض ہے جس کو میں نے اس کے حاشیے پر ذکر کیاہے۔(ت)

بلکہ تعلیق طلاق پر حلف کا اطلاق حدیث میں بھی وارد ہے، ابن عساکر حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماحلف بالطلاق مومن ولااستحلف بہ الامنافق۔[3]	مومن طلاق کی قسم نہیں کھاتا اور طلاق کی قسم نہیں لیتا مگر منافق۔(ت)

مگر اس سوگند میں کفارہ نہیں اللہ عزّوجل کی قسم میں ہے نہ بمجرد سوگند طلاق واقع ہوگی بلکہ بعد وقوعِ شرط واقع ہوگی۔ نکاح قائم رہنے کی صورت یہ ہے کہ شرط واقع نہ ہو یا اگر ایک یا دو۲ طلاق رجعی کی سوگند ہے تو بعد وقوع شرط رجعت کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الھدایہ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۳۶۵/۲

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ کتاب الیمین من قسم الاقوال موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶۸۹/۱۶

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ کتاب الیمین من قسم الاقوال موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶۸۹/۱۶

مسئلہ ۲تا۴: از ملک آسام ضلع جورہاٹ ڈاک خانہ کٹنگا بمقام سرائے مرسلہ سید صفاء الدین ۹/ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

سوال اوّل: زید نے اپنی پہلی زوجہ ہندہ کے نکاح کے قبل وعدہ کیا تھا کہ اگر بلااجازت اس زوجہ مسمّٰی بہ ہندہ کے نکاح ثانی کروں تو زوجہ ثانی کو تین طلاق، اس صورت میں کیا حکم ہے۔؟

سوال دوم: زید نے وقتِ نکاح اپنی زوجہ ہندہ سے یہ شرط کی کہ اگر بلااجازت تیرے نکاح ثانی کروں تو تجھ کو تین طلاق۔

سوال سوم: زید نے قبل نکاح کے یہ شرط کی کہ میں اگر بلااجازت اس منکوحہ کے نکاح ثانی کروں تو میرا نکاح باطل، اس صورت میں کس بی بی کو طلاق ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جواب سوال اول: اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (حق وصواب کے لئے رہنمائی فرما۔ت) صورتِ مستفسرہ میں تعلیق صحیح ہوگئی،

لوجود الاضافۃ الی سبب الملك وھو النکاح ولایضر کونہ قبل نکاح الاولی اذلیس المعلق طلاقھا حتی یحتاج الی ملکھا اوالاضافۃ الیہ اوالی سببہ بل طلاق الاخری وقد اضافہ الی نکاحھا۔	ملکیت کے سبب (نکاح) کی طرف اضافت پائے جانے کی وجہ سے اور پہلی بیوی کے نکاح سے قبل اضافت کا ہونا مضر نہیں کیونکہ اس نکاح والی کی طلاق کو معلق نہیں کیاگیا تاکہ اس کے لئے نکاح یا نکاح کی طرف اضافت یا ملکیت یعنی نکاح کے سبب کی طرف اضافت ضروری ہو بلکہ یہ دوسری عورت کی طلاق کی تعلیق ہے جس کو اس کے نکاح کی طرف مضاف کیا گیاہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

شرطہ الملك حقیقۃ کقنہ اوحکما کمنکوحتہ او معتدتہ اوالاضافۃ الی الملك کان ملکت عبدا و ملکتك اونکحتك اھ[1] ملخصًا۔	ثبوت تعلیق کی شرط حقیقی ملکیت جیسا کہ لونڈی، یا حکمی ملکیت جیسا کہ منکوحہ بیوی یا عدت میں مصروف بیوی یا ملکیت کی طرف اضافت ہو، مثلًا یُوں کہے اگر میں عبد کا مالک بن جاؤں یا تیرا مالک بن جاؤں یا تجھ سے نکاح کروں اھ ملخصًا (ت)

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

ردالمحتار میں ہے:

الاضافة الیه بان یکون معلقا بالملك كما مثل وکقوله ان صرت زوجة لی او بسبب الملك کالنكاح ای التزوج وکالشراء اھ[1]۔	ملکیت کی طرف اضافت جیسے ملکیت کے ساتھ معلق کرنا جیسا کہ مثال بیان ہوئی اور یہ کہ اگر تو میری بیوی ہو جائے یا ملکیت کے سبب کی طرف اضافت ہو یعنی نکاح کی طرف نسبت ہو، مثلاً یوں کہے "جب میں نکاح کروں، یا خریدوں" اھ (ت)

مگر قبل نکاح ہندہ اس کے لئے کچھ اثر نہیں کہ شرط وُہ نکاح ہے جو نکاح ہندہ سے ثانی ہو پس اگر پیش از نکاح ہندہ کسی عورت سے بے اجازت ہندہ نکاح کرے گا اسے طلاق نہ ہوگی نہ بعد موت ہندہ اس کا اثر باقی رہے گا کہ شرط اذن ہندہ ہے اور میت صالح اذن نہیں تو بعد موت ہندہ جس سے نکاح کرے گا اس پر بھی طلاق نہ ہوگی اب وہ تعلیق ہی نہ رہی،

فان امکان البر شرط بقاء الیمین ایضا عند الطرفین کما ھو شرط انعقادھا عندھما رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	کیونکہ قسم کے پورا ہونے کا امکان قسم کے باقی رہنے کیلئے بھی امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اسطرح شرط ہے جس طرح کہ ان کے ہاں یہ امکان قسم کے تحقق کے لئے شرط ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

اذا حلف لایعطیه حتی یاذن فلان فمات فلان ثم اعطاہ لم یحنث اھ[2] مثله فی ردالمحتار عن البحر۔	جب کسی نے یہ قسم اُٹھائی کہ میں فلاں کو یہ چیز نہ دوں گا جب تک دوسرا فلاں اجازت نہ دے، اور دوسرے فلاں کے فوت ہوجانے کے بعد دے تو قسم نہ ٹوٹے گی اھ اسی کی مثل ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے (ت)

ہاں بقاء میں نکاح ہندہ کچھ شرط نہیں یہاں تک کہ اگر ہندہ اس کے نکاح سے خارج ہو جائے اگرچہ طلاق مغلظہ سے، تاہم جب تک وُہ زندہ ہے اگر بے اس کے اذن کے نکاح ثانی کرے گا زوجہ ثانیہ پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی،

فان المرأة لاحکم لها علی بعل	عورت کا کوئی حکم خاوند پر لازم نہیں، خاوند کے لئے

[1] ردالمحتار باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۹۵

[2] فتح القدیر

فحال الزوجیۃ وعدمھا سواء بخلاف الرجل فانھا تحتاج شرعا الٰی اذنہ فی خروجھا وغیرہ من امور کثیرۃ مادامت الوصلۃ باقیۃ فاذن الرجل فی مثل قولہ لاتخرج الاباذنی ینصرف الٰی ذٰلک المعھود والثابت بالشرح اماھی فلم تحتج الی اذنھا الا بالتعلیق ولم یفصل فیہ فلینتظم اذنھا مادامت حیۃ وان زال النکاح۔	زوجیت اور عدمِ زوجیت دونوں حال برابر ہیں، اس کے برخلاف بیوی کے لئے خاوند کا حکم الزم ہے کیونکہ بیوی باہر نکلنے اور دیگر امور میں خاوند کی اجازت کی شرعًا محتاج ہے جب تک زوجیت باقی ہے تو خاوند کا بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہ نکل اسی عرف اور شرعی ضابطہ کی طرف سے پابندی ہے، لیکن خاوند تعلیق کے ماسوا بیوی کی کسی اجازت کا محتاج نہیں ہے اور یہاں خاوند نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی، لہٰذا بیوی سے نکاح ختم ہوجانے کے بعد بھی خاوند بیوی کی زندگی بھر میں اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کرے گا تو دوسری کو طلاق ہوجائیگی۔(ت)

ردالمحتار باب الیمین فی الضرب والقتل میں ہے:

لو قال لامرأتہ کل امرأۃ اتزوجھا بغیر اذنک فطالق فطلق امرأتہ طلاقا بائنا او ثلثا ثم تزوج بغیر اذنھا، طلقت لانہ لم یتقید یمینہ ببقاء النکاح لانھا انما تتقید والمنع بعقد النکاح اھ فتح ای بخلاف الزوج فانہ یستفید ولایۃ الاذن بالعقد وکذارب الدین کما فی الذخیرۃ[1]۔	اگر خاوند نے بیوی کو کہا میں جس عورت سے بھی تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی، اب خاوند نے بیوی کو طلاق بائنہ یا تین طلاقیں دے دیں اس کے بعد اس نے کسی عورت سے پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ اس نے قسم میں اجازت کو بیوی کے نکاح سے مقید نہ کیا تھا، اور یہ اجازت نکاح کے ساتھ مقید تب ہوتی جب عورت اپنے نکاح کی وجہ سے اذن یا منع کی ولایت حاصل کرتی اھ، فتح میں ہے، یعنی اس کے برخلاف خاوند کو نکاح کی وجہ سے ولایت اذن خود بخود حاصل ہو جاتی ہے، اور ایسے قرض دینے والے کو خود بخود قرض لینے والے پر ولایت حاصل ہو جاتی (کہ جب چاہے مطالبہ کرے) جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

پس حاصل حکم یہ کہ اگر بعد نکاح ہندہ بحالت حیات ہندہ طلاق ہندہ بے اذن ہندہ کسی

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الضرب والقتل داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۳۶

عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کرتے ہی فورًا وہ زوجہ ثانی تین طلاقوں سے مطلقہ ہوجائے گی مگر اس کا اثر ایک بار ہو کر ختم ہوجائے گا یعنی اس کے بعد اگر پھر اور نکاح بے اذن ہندہ کرے گا اگرچہ بعد حلالہ اسی زوجہ ثانیہ سے، تو اب طلاق نہ ہوگی کہ تعلیق میں تعمیم نہ تھی کہ جتنے نکاح بے اذن کرے سب میں طلاق پڑے، لہٰذا صرف ایک بار پر انتہا ہو کر آئندہ کچھ اثر نہ ڈالے گی،

فی التنویر ینحل الیمین اذاوجد الشرط مرۃ الافی کلما[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر میں ہے کہ قسم ایک دفعہ شرط کے پائے جانے سے ختم ہوجاتی ہے الایۃ کہ اس نے قسم میں "کلما" (جب بھی) کا لفظ استعمال کیا ہو تو قسم ختم نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال دوم: اگر یہ شرط ایجاب وقبول سے پہلے کی اگرچہ اس کے متصل بلافصل ہی ایجاب وقبول واقع ہوئے جب تو محض باطل وبے اثر ہے **لعدم الملك والاضافۃ جمیعا** (ملکیت اور اس کی طرف اضافت بھی نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) پس اگر سو نکاح بے اجازت ہندہ کرے گا ہندہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر بعد ایجاب وقبول کی اگرچہ فورًا بلاتاخیر تو یقینًا صحیح ہوگئی **لوقوعہ فی الملک** (ملکیت میں وقوع کی وجہ سے۔ت) اب جب تک ہندہ اس کے نکاح یا عدت طلاق غیر مغلظ میں بے اجازت ہندہ نکاح ثانی کرے گا ہندہ پر تین طلاقیں ہوجائیں گی۔

فی الدرالمختار الصریح یلحق الصریح والبائن بشرط العدۃ، الصریح مالایحتاج الی نیۃ، بائناکان الواقع بہ اورجعیا فتح فمنہ الطلاق الثلاث فیلحقھما[2] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے: صریح طلاق، صریح اور بائنہ کو لاحق ہوسکتی ہے بشرطیکہ وہ پہلی بائن کی عدت میں واقع ہو۔ صریح وہ ہوتی ہے جس میں نیت کی ضرورت نہ ہو خواہ اس سے رجعی طلاق پڑے یا بائنہ پڑے، فتح، تو اسی قبیل سے مغلظہ طلاق ہے تو یہ رجعی اور بائنہ دونوں کو لاحق ہوسکتی ہے، اھ، ملخصًا (ت)

ہاں اگر اس نکاح ثانی سے پہلے ہندہ کو طلاقیں ایک یا دو دیں اور عدت گزر گئی اور اسی حالت میں کہ وہ اس کے نکاح سے باہر ہے بے اس کی اجازت کے نکاح ثانی کیا تو ہندہ پر طلاق نہ ہوگی کہ اس حالت میں وہ طلاق کی محل ہی نہیں اور اس نکاح ثانی سے وہ تعلیق ختم ہوجائے گی یہاں تک کہ اب اگر ہندہ سے پھر نکاح کرے اور اس کے بعد کتنے ہی نکاح بے اجازت ہندہ کرے تو ہندہ پر طلاق نہ ہوگی، یونہی

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

اگر ہندہ کو قبل از نکاح ثانی تین طلاقیں دے دیں تو اب کسی صورت میں نکاح ثانی بے اجازت ہندہ سے ہندہ پر طلاق نہ پڑے گی اگرچہ یہ نکاح اس وقت کرے جبکہ ہندہ بعد حلالہ اس کے نکاح میں آچکی ہو لانتہاء التعلیق بتنجیز الثلاث (تین غیر معلق طلاقوں کے باعث تعلیق ختم ہونے کی وجہ سے۔ت) ہدایہ میں ہے:

زوال الملك بعد الیمین لایبطلها لبقاء محله فبقی الیمین ثم ان وجد الشرط فی ملکه انحلت الیمین ووقع الطلاق وان وجد فی غیر الملك انحلت الیمین لوجود الشرط ولم یقع شیئ لانعدام المحلیة اھ[1] ملخصا۔	تعلیق اور یمین کے بعد ملکیت کا ختم ہونا یمین کو باطل نہیں کرتا کیونکہ یمین کا محل ابھی باقی ہے، پھر اگر شرط ملکیت کے دوران پائی جائے تو یمین و قسم ختم ہوجاتی ہے اور طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اگر ملکیت کے بغیر شرط پائی جائے تو شرط کی وجہ سے قسم ختم ہوجائیگی جبکہ طلاق نہ ہوگی کیونکہ طلاق کا محل یعنی نکاح ختم ہوچکا ہے اھ ملخصا (ت)

فتح میں ہے:

لوطلقها فانقضت عدتها بعد التعلیق بدخول الدار ثم تزوجها فدخلت طلقت ولابد من تقیید عدم البطلان بما زال الملك بمادون الثلاث اما اذا طلقها ثلثا فتزوجت بغیرہ ثم عادت فدخلت لاتطلق علی ماسیأتی اھ[2] مختصرا قلت والاٰتی هو قول الهدایة ان قال لها ان دخلت الدار فانت طالق ثلثا ثم قال لها انت طالق ثلثا فتزوجت غیرہ ودخل بها ثم رجعت الی الاوّل فدخلت الدار لم یقع شیئ۔[3]	اگر خاوند نے دخول سے طلاق کے معلق کرنے کے بعد بیوی کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی، اور اس کے بعد دوبارہ سے نکاح کیا اور اب وُہ گھر میں داخل ہوئی تو اب شرط پائے جانے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، اور زوالِ ملکیت سے قسم ویمین کے عدمِ بطلان کو تین سے کم طلاقوں سے مقید کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اگر تین طلاقیں دیں اور حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کیا تو اب گھر میں داخل ہوئی تو طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ عنقریب آئے گا اھ مختصراً، میں کہتا ہوں عنقریب آنے والی عبارت ہدایہ کی ہے جو یہ ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق،

[1] الہدایۃ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۳۶۶/۲

[2] فتح القدیر باب الایمان فی الطلاق نوریہ رضویہ سکھر ۴۵۰/۳

[3] الہدایۃ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیہ کراچی ۳۶۹/۲

اس کے بعد خاوند نے بیوی کو بغیر تعلیق تین طلاقیں دے دیں اور کہا تجھے تین طلاق۔اس کے بعد مطلقہ نے حلالہ شرعیہ کے بعد دوبارہ پہلے سے نکاح کیااور اب گھر میں داخل ہوئی تو کوئی طلاق نہ ہوگی۔(ت)

اور اگر زید نے یہ شرط نفسِ ایجاب وقبول میں کی تو اس کی دو[۲] صورتیں ہیں: [۱]اگر پہلے زید نے کہاکہ میں تجھے اپنے نکاح میں لایااس شرط کہ اگر تیری بے اجازت کے نکاح ثانی کروں تو تجھ پر تین طلاق، ہندہ نے کہامیں نے قبول کیا، تواس کاحکم مثل صورت اولی ہے یعنی شرط محض باطل وبے اثر ہے کہ جب تک ہندہ نے قبول نہ کیا تھاوُہ اس کی زوجہ نہ ہوئی تھی تواس کی تعلیق پر بے حصول ملک یااضافہ بہ ملک اسے کچھ اختیار نہ تھا۔[۲]اور اگر پہلے ہندہ نے کہاکہ میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا،زید نے کہامیں نے قبول کیااس شرط پر کہ اگر بے تیری اجازت الٰی اٰخرہ تو شرط صحیح ہو گئی،اور وقوعِ طلاق کے وہی احکام ہوں گے جو اوپر گزرے کہ جب کلام اول جانب ہندہ سے تھاتو یہ تعلیق بعد تحقق ایجاب وقبول وثبوتِ زوجیت متحقق ہوئی اور اس وقت اسے اختیار کامل تھا،خانیہ وبزازیہ وعمادیہ وبحر ونہر وغیرہامیں ہے:

واللفظ للامام الاجل فقیه النفس رجل تزوج امرأة علی انها طالق او علی ان امرها فی الطلاق بیدها ذکر محمد رحمه ﷲتعالٰی فی الجامع انه یجوز النکاح والطلاق باطل ولایکون الامر بیدها.قال الفقیه ابو اللیث رحمه ﷲتعالٰی هذااذا ابدأ الزوج فقال تزوجتك علی انك طالق وان ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منك علی انی طالق فقال قبلت جاز النکاح ویقع الطلاق لان البدایة اذاکانت من الزوج کان الطلاق والتفویض قبل النکاح فلایصح	الفاظ امام فقیہ النفس کے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کو کہامیں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ "توطلاق والی ہے،یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے"۔اس کے متعلق امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع میں ذکر فرمایاکہ یہ نکاح صحیح ہے اور طلاق کی شرط باطل ہے اور بیوی کو طلاق کا اختیار بھی نہ ہوگا۔اس پر فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اگر خاوند نے ابتداء کرتے ہوئے کہا"میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق ہے"تو پھر مذکور حکم یعنی نکاح صحیح اور طلاق باطل ہے،اوراگر عورت ابتداء کرتے ہوئے کہے میں نے اپنے آپ کو تجھ سے نکاح دیااس شرط پر کہ مجھے طلاق ہو تو خاوند نے جواب میں کہامیں نے قبول کیا،تو نکاح صحیح ہو کر طلاق ہوجائے گی کیونکہ خاوند کی طرف سے ابتداء کرنے میں طلاق اور تفویض،نکاح سے قبل

اما اذا کانت البدایة من قبل المرأة یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المرأة قبلت والجواب یتضمن اعادة مافی السؤال صار کانه قال قبلت علی انك طالق او علی ان یکون الامر بیدك فیصیر مفوضا بعد النکاح [1] اھ باختصار **اقول:** انت تعلم ان کلام المرأة لاعبرة بها فی قبول الزوج لاجل ان السؤال معاد فی الجواب فاذا وقع فیه تحقیقا کان اولی بالصحة کما یرشدك الیه قوله رحمه اللہ تعالٰی قال قبلت علی انك طالق الخ' وبما افاد فی الخانیة ظهر الفرق بین البدایتین کما اوضحناه فیما علقناه علی ردالمحتار وان کان خفی علی العلامة الشامی رحمه اللہ تعالٰی۔	ہوئی تو طلاق کی شرط صحیح نہ ہوئی، لیکن عورت کی طرف سے ابتداء ہوئی تو پھر طلاق کی تفویض نکاح کے بعد ہوئی کیونکہ جب زوج نے عورت کی کلام کے بعد جواب میں "میں نے قبول کیا" کہا، تو چونکہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے تو گویا خاوند نے یوں کہا کہ "میں نے نکاح قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہو یا طلاق کا معاملہ تیرے اختیار میں ہو" تو یوں نکاح پہلے ہوگیا اور تفویض طلاق بعد ہوئی اھ، اختصارًا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) آپ کو معلوم ہے کہ طلاق کے معاملہ میں عورت کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن یہ طلاق خاوند کے نکاح کو قبول کرنے پر خاوند کی طرف سے مقدر ہوئی کیونکہ خاوند کے جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہے، تو جب سوال معتبر ہے تو صحت نکاح پر طلاق مرتب ہوئی لہٰذا طلاق صحیح ہوگی، جیسا کہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی کا قول کہ خاوند کا "قبول ہے" کہہ کر کہنا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے الخ، تیری رہنمائی کررہا ہے، اور خانیہ کا یہ بیان دونوں ابتداؤں میں فرق کو واضح کررہا ہے جیسا کہ ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیے میں واضح کیا ہے، اگرچہ یہ فرق علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی پر مخفی رہا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوقال لها تزوجتك علی ان امرك بیدك فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح	اگر مرد کسی عورت کو کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، تو عورت نے قبول کرلیا، اس صورت میں نکاح صحیح اور شرط لغو ہوگی کیونکہ طلاق کا

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی النکاح علی الشرط نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۲

فی الملك او مضافا الیہ ولم یوجد واحد منھما بخلاف ما امر فان الامر صار بیدھا مقارنا لصیرورتھا منکوحۃ اھ نھر. والحاصل ان الشرط صحیح اذا ابتدأت المرأۃ لا اذا ابتدأ الرجل ولکن الفرق خفی [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اختیار دینا نکاح میں یا نکاح کی طرف منسوب کرنے میں درست ہوسکتا ہے جب کہ یہاں دونوں باتوں میں کوئی بھی موجود نہیں ہے، اس کے برخلاف جب عورت ابتداء کرے تو پھر اختیارِ طلاق عورت کو بیوی بننے سمیت ہوا، اھ، نہر۔ حاصل یہ ہے کہ اگر عورت ابتداء کرے تو شرط صحیح ہوگی اور اگر مرد ابتداء کرے تو شرط صحیح نہ ہوگی، لیکن فرق مخفی رہا، الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جواب سوال سوم: دوسری کو مگر انہیں شرائط سے جو جواب اول میں گزریں کہ پہلا وہ نکاح جو بعد نکاح ہندہ بحیات ہندہ اگرچہ بعد افتراق ہندہ بے اجازت ہندہ کسی عورت سے کرے گا اس عورت کو طلاق ہوگی، اصل یہ ہے کہ یہ لفظ کہ "تو میرا نکاح باطل" مجمل و محتمل تھا کہ اس میں بیان نہ کیا کہ کون نکاح باطل، اگر بعد نکاح ہندہ یہ الفاظ کہتا یا قبل نکاح یوں کہا ہوتا کہ اگر ہندہ سے نکاح کروں اور اس کے بعد کسی عورت سے بے اس کی اجازت کے نکاح ثانی کروں تو میرا نکاح باطل، تو اسے اختیار تھا کہ زوجہ اولٰی یا ثانیہ جس کی طرف چاہے پھیر دے کہ دونوں اس تعلیق تطلیق کی صالح تھیں،

الاولی لتحقق الملك وفی الاخری کا لاخری فیھما لحصول الاضافۃ۔	پہلی کو اس لئے کہ وہ ملکیت نکاح میں ہے اور دوسری کے لئے اسکے لئے کہ یہ پہلی کے بعد دوسری ہے اور اضافت نکاح موجود ہے (ت)

فتح القدیر پھر ہندیہ میں ہے:

لو قال لامرأۃ ان تزوجت علیك ما عشت فالطلاق علی واجب ثم تزوج علیھا تقع تطلیقۃ علی واحدۃ منھما یصرفھا الی ایتھما شاء [2] اھ ملخصًا۔	اگر کسی عورت کو کہا "جب تک تو زندہ ہے تجھ پر نکاح کروں تو مجھ پر طلاق واجب ہے" اس کے بعد خاوند نے اس پر دوسرا نکاح کرلیا تو یہ طلاق ان بیویوں میں سے ایک پر پڑ جائے گی، دونوں میں سے جس کی طرف چاہے طلاق کو پھیر دے اھ ملخصًا (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الرجعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ فصل الثالث فی تعلیق الطلاق الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۲۶، فتاوٰی قاضیخاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۳۷

یہاں کہ قبل نکاح ہندہ یہ لفظ کہا اور اس میں نکاح ہندہ کی طرف وہ اضافت بھی نہیں جو یہاں کام دے یعنی صریح الفاظِ شرط کہ زنِ معینہ میں اسی کی حاجت ہے معنی شرط کافی نہیں،

کما فی الفتح وغیرہ قال فی الدر یکفی معنی الشرط الّا فی المعینۃ باسم او نسب او اشارۃ الخ[1]۔	جس طرح فتح وغیرہ میں ہے، در میں کہا کہ شرط کا معنی کافی ہے ماسوائے نام یا نسب یا اشارہ کے ساتھ معین کردہ عورت کے۔(ت)

غرضیکہ صرف نکاح ثانیہ کی طرف اضافت اور صحت تعلیق کئے سے وجود ملک یا اضافت بملک لازم تو ہندہ اس تعلیق کی اصلاً محل نہیں، لاجرم زوجہ ثانیہ متعین ہوگئی، بالجملہ ہندہ اس تعلیق میں اجنبیہ محض ہے بخلاف ثانیہ، تو اجنبیہ کی طرف پھیرنے کی کوئی راہ نہیں،

لما فیہ من اہمال الکلام ھو محترز عنہ مھما امکن اعمالہ۔	کیونکہ اس میں کلام کو مہمل بنانا لازم آتا ہے جبکہ اس سے حتی الامکان بچنا ہوتا ہے(ت)

یہ تو ایسا ہوا جیسے اپنی عورت اور ایک اجنبیہ کو ملا کر کہا میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی خواہی نخواہی اس کی عورت ہی پر طلاق پڑے گی اجنبیہ کی طرف پھیرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا کہ اسے طلاق دینا اس کے قابو میں نہ تھا،

فی الھندیۃ لوضم الٰی امرأتہ امرأۃ اجنبیۃ وقال احدٰکما طالق او قال ھذہ طالق او ھذہ لاتطلق امرأتہ الا بالنیۃ لان الاجنبیۃ محل لذٰلک خبراو ان لم تکن محلا لہ انشاء وھذہ الصیغۃ بحقیقتھا اخبار ولو قال فی ھذہ الصورۃ طلقت احدٰکما طلقت امرأتہ من غیر نیۃ ذکرہ فی طلاق الاصل[2] اھ	ہندیہ میں ہے: اگر خاوند نے اپنی بیوی کے ساتھ اجنبی عورت کو ملا کر کہا تم دونوں میں سے ایک کو طلاق، یا یوں کہا اس کو یا اس کو طلاق ہے، تو اس کی بیوی کو بغیر نیت کئے طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اجنبی عورت اگرچہ انشاءِ طلاق کے محل نہیں لیکن طلاق کی خبر وحکایت کا محل ہے جبکہ خاوند کا کلام حقیقۃً خبر ہے، ہاں اگر یوں کہے میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی، تو بیوی کو نیت کے بغیر طلاق ہوجائے گی، اس کو مبسوط کے طلاق میں ذکر

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الطلاق الصریح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۶۳

وانت تعلم ان التعلیق انشاء التعلیق وان الاولی لیست محلالہ لترك الاضافۃ فوجب الصرف الی المحل لابقاء العمل وھذا کلہ واضح جدا. واللہ تعالٰی اعلم۔	کیا ہے اھ، آپ کو معلوم ہے کہ معلق کرنا، تعلیق کاانشاء ہے، جبکہ اجنبیہ اسکا محل نہیں کیونکہ وہ نہ نکاح میں ہےاور نہ اس سے نکاح کی طرف نسبت ہے اس لئے محل کی طرف پھیرنا ضروری ہے تاکہ کلام بامقصد بن سکے،اور یہ تمام خوب واضح ہے،واللہ تعالٰی اعلم (ت)

کیا ہے اھ، آپ کو معلوم ہے کہ معلق کرنا، تعلیق کاانشاء ہے، جبکہ اجنبیہ اسکا محل نہیں کیونکہ وہ نہ نکاح میں ہےاور نہ اس سے نکاح کی طرف نسبت ہے اس لئے محل کی طرف پھیرنا ضروری ہے تاکہ کلام بامقصد بن سکے،اور یہ تمام خوب واضح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے بعوض ہزار روپیہ کے نکاح کیااور قبل نکاح درمیان نکاح کے یہ شرط کی کہ نصف مہر یعنی پانسو روپیہ اگر عند الطلب زوجہ ادانہ کروں تو ہندہ پر تین طلاقیں ہیں، پس نکاح کے بعد ہندہ مذکور نے روپیہ طلب کیازید نے روپیہ مذکورہ اس وقت ادانہ کیااور شرط مذکورہ ایجاب میں ہوا تھااور ایجاب جانب عورت سے اور قبول جانب مرد سے، اب اس صورت میں ہندہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ پر تین طلاقیں ہوگئیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

تزوج علی انہا طالق ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ یجوز النکاح والطلاق باطل قال الفقیہ ابوالیث رحمہ اللہ تعالٰی ھذا اذاابدأ الزوج فقال تزوجتك علی انك طالق وان ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منك علی انی طالق فقال زوجت نفسی منك علی انی طالق فقال قبلت جازالنکاح ویقع الطلاق الخ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	مرد نے کہا میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا تو نکاح صحیح اور طلاق باطل ہوگی، فقیہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جب ہے کہ یہ بات خاوند پہلے کہے، اگر عورت نے ابتداء کرتے ہوئے یوں کہا "میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ مجھے طلاق ہو، تو خاوند کے قبول کرنے پر نکاح صحیح ہو کر طلاق ہوجائے گی الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶: از مدراس محلّہ جمکنڈی مسیت مکہ مرسلہ مولوی عبدالرزاق صاحب ۷ محرم ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص حنفی نے یمین مضاف کی ہواس طرح پر

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی النکاح علی الشرط نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۲

کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو طلاق ہے وطلاق ہے وطلاق ہے، آیا اس کو تقلید مذہب شافعی کی جائز ہے تاکہ وطی اس عورت کی بلاتر دد ہو جائے کیونکہ عندالشافعی یمین مضاف میں طلاق نہیں واقع ہوتی،

کمافی الدرالمختار فی المجتبی عن محمد فی المضافة لایقع وبه افتی ائمة خوارزم انتهی وهو قول الشافعی[1]	جیسا کہ درمختار میں ہے کہ مجتبی میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جس عورت کے نکاح سے کوئی شرط منسوب کی جائے تو طلاق نہ ہوگی، اسی پر ائمہ خورازم کا فتوی ہے اھ، یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یا نہیں۔ (ت)

الجواب:

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ یمین مضاف منعقد ہے اور ایسی صورت میں نکاح کرتے ہی فوراً طلاق بائن ہو جائے گی، وُہ روایت ضعیفہ کہ مجتبٰی میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جس کا پانا بیان کیا قطع نظر اس سے کہ زاہدی چنداں موثوق فی النقل نہیں وہ خود بھی اس کے ضعف کا معترف ایسی روایات شاذہ ساقطہ پر فتوی دینا جائز نہیں، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ نہ مفتی کو اس روایت پر افتا کی مجال، نہ کسی کو اس پر عمل حلال۔ درمختار میں عبارت منقولہ سائل کے بعد ہے:

هذا یعلم ولایفتی به[2] (اس کو معلوم کرلیا جائے لیکن اس پر فتوی نہ دیا جائے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البزازیة وعن الصدر اقول لایحل لاحد ان یفعل ذٰلك وقال الحلوانی یعلم ولایفتی به لئلایتطرق الجهال الی هدم المذهب اھ بحر[3]۔	بزازیہ میں ہے اور صدر سے مروی ہے میں کہتا ہوں کہ کسی کو یہ کام حلال نہیں، اور حلوانی نے فرمایا معلوم کرلیا جائے لیکن اس پر فتوی نہ دیا جائے تاکہ جاہل لوگ مذہب کے خلاف نہ مصروف ہو جائیں اھ بحر۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فلیس للمفتی الافتاء بالروایة الضعیفة وکونها افتی بها کثیر من ائمة خوارزم	مفتی کو ضعیف روایت اختیار نہیں کرنی چاہئے، اور ائمہ خوارزم کا اس پر فتوی اس کے ضعف کو

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۲۳۱/۱

[2] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۲۳۱/۱

[3] ردالمحتار باب التعلیق الطباعة المصریة بمصر ۴۹۶/۲

لاینفی ضعفها ولذا تقدم عن الصدر انه لایحل لاحدان یفعل ذٰلك وكذا ماتقدم عن الحلوانی من انه یعلم ولایفتی به فلو تثبت هذه الروایة عن محمد وكانت صحیحة لبنوا الحكم علیها ولم یحتاجوا الی بنائه علی مذهب الشافعی فهذا یدل علی انها روایة شاذة كما یشیر الیه كلام المجتبٰی المار [1]۔	ختم نہیں کرسکتا، اسی لئے صدر سے منقول گزرا کہ کسی کو یہ کام حلال نہیں، اور یوں ہی علامہ حلوانی سے منقول گزرا کہ اس کو جان لیا جائے مگر فتوٰی نہ دیا جائے، تو اگر یہ بات امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے صحیح ثابت ہو تو پھر چاہئے تھا کہ اس قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی کو مبنیٰ حکم بناتے اور امام شافعی کے قول کے محتاج نہ ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت شاذ ہے جیسا کہ اس پر گزشتہ مجتبی کا کلام اشارہ کررہا ہے۔ (ت)

پھر اگر مخلص چاہے تو کچھ تقلید امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاجت نہیں، خود اپنے مذہب میں مخلص موجود ہے مثلاً صورتِ مستفسرہ میں اس عورت سے نکاح کرلے، نکاح کرتے ہی طلاق پڑجائے گی، اور ازانجا کہ عورت غیر مدخولہ ہے اور اس نے تین طلاقیں بتفریق ذکر کی ہیں کہ طلاق ہے وطلاق ہے وطلاق ہے لہٰذا ایک ہی واقع ہوگی،

فی الدر المختار وان فرق بوصف او خبر او جمل بعطف اوغیره بانت بالاولی لاالی عدّة ولذا لم تقع الثانیة بخلاف الموطوة حیث یقع الكل۔ [2]	درمختار میں ہے: اگر طلاق کو متفرق وصف یا خبر یا حکم کے ساتھ متفرق کرے خواہ عطف کے ذریعہ یا بغیر عطف تو عورت پہلی طلاق سے ہی بائنہ ہوجائے گی اور عدت نہ ہوگی، اسی وجہ سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر وطی شدہ بیوی کو ایسے کہا تو سب طلاقیں واقع ہوں گی۔ (ت)

پس اسی وقت پھر اس سے نکاح کرلے اب طلاق نہ پڑے گی کہ یمین ایک بار سے کھل گئی،

فی التنویر الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وكل وكلما ومتٰی ومتٰی ما	تنویر میں ہے: عربی شرط کے الفاظ یہ ہیں: ان، اذا، اذاما، کل، کلما، متٰی، متٰی ما،

[1] ردالمحتار باب التعلیق الطباعة المصریة بمصر ۲/ ۴۹۷

[2] درمختار باب طلاق غیر المدخول بها مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۳

تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرّۃ الافی کلما فانه ینحل بعد الثلاث۔[1]	ان تمام الفاظ کی شرط جب پائی جائے تو قسم ختم ہوجائے گی ماسوائے لفظ "کلما" کیونکہ اس میں شرط تین طلاقوں کے بعد ختم ہوگی۔(ت)

مگر اتنا ہوگا کہ عورت پر صرف دو طلاقوں کا مالک رہے گا کہ ایک تو نکاح پیش میں پڑچکی اب اگر کبھی دو طلاقیں دے گا مغلظہ ہوجائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ذی علم کے سامنے تذکرہ کہے کہ میں نے یوں حلف کرلیا ہے کہ مجھے نکاح فضولی کی حاجت ہے یا کیا اچھا ہوتا کہ کوئی شخص بے میری توکیل کے بطور خود میرا نکاح اس سے کردے تا ذی علم مذکور خود یا کسی اور اسے کہہ کر عورت کا نکاح اس سے کردے جب اس شخص کو نکاح کی خبر پہنچے یہ زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ کوئی فعل ایسا کرے جس سے اس نکاح موقوف کی اجازت ہوجائے، مثلاً عورت کو مہر بھیج دے یا لوگوں کی مبارکباد قبول کرے کہ اس صورت میں نکاح ہوجائے گا اور طلاق اصلاً واقع نہ ہوگی،

فی درالمحتار عن البحر عن البزازیۃ ینبغی ان یجیئ الی عالم ویقول له ماحلف واحتیاجه الی نکاح الفضولی فیزوجه العالم امرأۃ ویجیزبالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی فزوجه واحد منهم، اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا[2] اھ	ردالمحتار میں بحر سے منقول اور وہاں بزازیہ سے منقول ہے کہ مناسب ہے کہ کسی عالم کے پاس آکر جو اس نے قسم اٹھائی ہے اس کو بیان کرے اور کسی ایسے فضولی شخص (جو اس کی بیوی کو پہچانتا ہو) کی ضرورت کو بیان کرے تو وہ عالم اس کا کسی عورت سے نکاح کردے اور یہ اس عالم کی کارروائی کو کسی اپنے عمل سے جائز کردے تو حانث نہ ہوگا اور یونہی کسی ایسی جماعت کے سامنے اپنے لئے فضولی کے نکاح کی ضرورت کو پیش کرے تو اس جماعت میں کوئی شخص خود اس کا نکاح کردے البتہ خاص کسی شخص کو فضولی بننے کے لئے نہ کہے کیونکہ کسی کو کہنا کہ تو فضولی بن میرا نکاح کردے، تو یہ فضولی نہ ہوگا، بلکہ یہ تو اس کو وکیل بنانا ہوا، اھ (ت)

مسئلہ ۷: از سیتاپور ۶ رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ زن وشو میں باہم نزاع لفظی واقع ہوا اس پر شوہر نے کہا تو میری چیز کھائے تو طلاق ہے، شوہر کی مراد اس سے نقصان نکاح کی ہرگز ہرگز نہیں ہے غصہ میں

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۹۷

ایک مہمل لفظ زبان سے نکل گیا، اب زوجہ شوہر کی دی ہوئی کوئی چیز نہ لیتی ہے، نہ کھاتی ہے، نہ پہنتی ہے، نہ قریب آتی ہے، اور کہتی ہے کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ اگر میں کھاؤں تو مجھ پر شرعی نقصان پڑجائے گا، شوہر اس امر سے قطعی انکار کرتا ہے اس کا بیان ہے کہ غصہ میں میرے منہ سے نکل گیا ہے ہرگز میری یہ مراد نہ تھی، بقسم شرعی کہتا ہے، یومِ عقد سے گاہے اس نے ایسا لفظ بدمنہ سے نہیں نکالا ہے **بینوا توجروا**۔

الجواب:

اگر الفاظ اسی قدر تھے جو مذکور ہوئے جن میں کچھ ذکر نہیں کہ کون طلاق ہے کس پر طلاق ہے، اور ایسی حالت میں شوہر کا بقسم بیان کہ ان الفاظ سے میں نے طلاق زوجہ کی نیت نہ کی تو صورت مذکورہ میں بموجب روایات کثیرہ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی ہندیہ وفتاوٰی ذخیرہ ومحیط امام برہان الدین وقنیہ وبحر الرائق ودر مختار وغیرہا ان الفاظ سے نکاح پر کوئی اثر نہ اب ہے نہ آئندہ کسی چیز کے کھانے سے پیدا ہو، اور بنظر دقیق احتیاط یہ ہے کہ اگر الفاظ یہی تھے کہ میری چیز کھائے الخ جب تو جو چیز کھانے سے پہلے زوجہ کو شوہر ہبہ کردے کہ اب میری چیز کھانا صادق نہیں، اور اگر لفظ وہ ہیں جو کرامت نامہ میں ارشاد ہوئے کہ اب اگر میری لائی ہوئی کھائے الخ تو علاج یہ ہے کہ خود چیز نہ لائی جائے نوکر یا عزیز یا غیر اوروں سے منگوا کر دی جائے، یہ احتیاط صرف کھانے میں ہے اس کے سوا پہننا، بولنا، قریب آنا جانا وغیرہا کسی فعل سے کوئی اثر ضرر نہیں اور ایک بار سہواً خواہ قصداً ایسا واقع ہوجائے کہ خلافِ شرط کھانا عمل میں آئے تو الفاظ مذکورہ سے بنظرِ احتیاط بھی صرف ایک طلاق رجعی کا حکم ہوگا کہ عدت کے اندر فقط زبان سے اتنا کہہ دینا کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا کفایت کرے گا، اس کے بعد وہ شرط باطل ہوجائے گی جو چاہے اور جتنی بار چاہے شوہر کی چیز اسی کی لائی ہوئی کھائے ہرگز طلاق نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

نوٹ

اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کا یہ وہ مفصل فتوی ہے جس کا ذکر پیش لفظ میں گزر چکا ہے، یہ فتوی فتاوی رضویہ قدیم میں شامل نہ تھا، اس مسئلہ کی اہمیت اور اس باب سے متعلقہ ہونے کے پیش نظر اس مقام پر جلد ہذا میں شامل کرلیا گیا ہے۔

مسئلہ ۸: از انبٹھہ ضلع سہارن پور مرسلہ فضل کریم انصاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی فضل کریم نے اپنی زوجہ مسماۃ حسینہ بی کو بلایا، اس کی والدہ نے بھیجنے سے انکار کیا، فضل کریم اس کے پاس گیا اور سمجھایا، جب دیکھا کہ وہ راضی نہیں ہوتی تو اس سے کہا کہ "اگر آج آپ عصر تک اپنے گھر نہ آئیں تو میں آپ کو اپنے نکاح سے علیحدہ کردوں گا" اور اثنائے راستہ میں بہنگام واپسی مکان خسر خود صدیق احمد یا تایا زوجہ خود کے مل جانے پر اس سے بھی فضل کریم نے کہا کہ "ان کو سمجھا کر بھجوادو میں کہہ آیا ہوں کہ عصر تک اپنے گھر نہ آئیں تو میں اپنے نکاح سے علیحدہ کردوں گا" اس پر اہالیِ زوجہ نے اس کو روک رکھا اور لفظ یہ بتائے کہ فضل کریم یہ لفظ کہہ گیا تھا کہ "اگر آپ عصر تک اپنے مکان میں نہ آئیں تو میری طرف سے جواب ہے" اور یہ الفاظ فضل کریم نے بحالتِ غیظ وغضب کہے تھے نیز یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ فضل کریم نے باہر از مکان خسر خود تایا زوجہ خود سے کہا تھا کہ "معافی نامہ مہر میرے پاس لکھا رکھا ہے اور میں کہہ آیا ہوں کہ "اگر عصر تک آپ اپنے گھر نہ آئیں تو میری طرف سے جواب ہے" فضل کریم ان الفاظ سے منکر ہے نیز بحلف شرعی کہتا ہے کہ بالفرض لفظ یوں ہوں یا کچھ ہوں جو کچھ ہوں میں نے کہا تھا اس سے زوجہ مذکور کو طلاق دینے کی نیت میری نہ تھی" اس پر بعض صاحبان [عـــہ] نے بے تحکیم فضل کریم

[عـــہ]: یعنی جناب مولوی اشر فعلی صاحب تھانوی مصنف حفظ الایمان جن کی نسبت حسام الحرمین شریف میں علماء کرام حرمین شریفین کا حکم مشہور ومعروف ہے ۱۲

(بوجہ مراسم تایا مسماۃ حسینہ بی تایا مذکور کے بلالانے پر) بطور خود حکم ہونے کا دعوی کیا اور یہ فیصلہ لکھ دیا کہ زوجہ فضل کریم مسماۃ حسینہ بی پر ایک طلاق بائن ہو گئی اور اس صورت میں کہ فضل کریم نے لفظ "جواب ہے" کہا تھا نیت فضل کریم کی حاجت نہیں، اور زوجہ حسینہ بی اپنے معاملہ میں قاضی ہے،

اور یہ بھی لکھا کہ فضل کریم شہادت پیش کرنے سے قاصر رہا حالانکہ منجانب حسینہ بی اس کے رشتہ دار گواہ جو ثقہ اور عادل ہیں پیش ہوئے، اگرچہ فیصلہ مذکور میں شہادت پیش شدہ غیر محدود صورت کے ساتھ ہے لیکن ایک اقربا حسینہ بی سے معلوم ہوا کہ تایا مذکور و چچی و تائی زوجہ مذکور نے اور ان کی ایک ماما غیر پردہ نشین نے بیان مسماۃ حسینہ بی کی تائید کی ہے۔

قابلِ استفتاء یہ امور ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا اور صورتِ مذکورہ میں طلاق کا حکم دینا شرعاً حق ہے یا باطل، اور عورت کو اس موقعہ پر کیا سمجھنے کا حکم ہے وُہ خود قاضی ہو سکتی ہے یا نہیں، اور جن لوگوں نے ایسا فیصلہ دیا ان کی نسبت کیا حکم ہے اور ان ہر دو اقوال میں فضل کریم شوہر کا قول معتبر ہے یا زوجہ حسینہ بی اور اس کے اقربا مذکورہ کا، اور ان ہر دو الفاظ سے شرعاً کسی قسم کی طلاق مذکورہ بالا صورت میں عائد ہوگی یا نہیں، مدلل مرقوم فرمائیں، بینوا توجروا۔ احقر فضل کریم انصاری ساکن انبٹھہ ضلع سہارنپور

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مستفسرہ میں ہر گز حکمِ طلاق نہیں، یہاں شرعاً فضل کریم کا قول معتبر ہے کہ حسینہ طلاق کی مدعیہ ہے اور فضل کریم اس سے منکر اور قاعدہ شرع ہے کہ **القول للمنکر والبینۃ علی المدعی** (منکر کی بات معتبر ہے اور گواہی مدعی کے ذمہ ہے۔ت) اگر اس نے یہی لفظ کہے تھے کہ "نکاح سے علیحدہ کر دوں گا" جب تو ظاہر ہے کہ یہ نرا وعدہ ہے اور وعدے سے طلاق نہیں ہوتی۔ جواہر اخلاطی میں ہے:

طلاق میکنم طلاق بخلاف قولہ کنم لانہ یتمحض الاستقبال [1]۔	طلاق میکنم، حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم، کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے۔ (ت)

اور اگر بالفرض اس نے وہی لفظ کہے ہوں جو اہالی زن بیان کرتے ہیں تو جبکہ وہ عدم نیت طلاق پر حلف کرتا ہے حکم طلاق محض باطل وخطا ہے، اولاً لفظ جواب اگرچہ اردو میں بمعنے ترک تعلق بھی آتا ہے جس کے سبب طلاق سے کنایہ ہو سکتا ہے

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی طلاق الصریح قلمی نسخہ ص ۶۹

نوکر کو جواب دے دیا یعنی برخاست کردیا مگر وہ اردوئے معلّٰی بلکہ فارسی میں بھی بمعنی رد وانکار وعدمِ قبول شائع وذائع ہے گدارا جواب داد (فقیر کو جواب دیا۔ت) یعنی اس کا سوال رد کیا، دینے سے انکار کردیا، زید سے فلاں کام کو کہا اس نے جواب دیا یعنی نہ مانا، قبول نہ کیا، عمرو سے کوئی درخواست کی اس نے کہا میری طرف سے جواب ہے یعنی مجھے منظور نہیں۔ مخلص کاشی راست ؎

دریں زمانہ گدارنگ می تواند بست اگرز خواجہ ممسک جواب میگیرد

(اس زمانہ میں گدا گراپنے ڈنگ کا بختہ ہے اگرچہ بخل والا جواب بھی دے دے۔ت)

فصیح الملک ؎

نامہ بر کہتا ہے اب لاتا ہوں دلبر کا جواب سُن چکا میں چار دن پہلے مقدر کا جواب

اس قسم کے محاورات نظم ونثر میں بکثرت ہیں۔

تو کلمہ یقیناً صالح رد ہے، اور جو کلمہ صالح رد ہو مطلقاً ہر حال میں محتاج نیت ہے اگرچہ حالت غضب ہو اگرچہ حالتِ مذاکرہ طلاق ہو۔ درمختار میں ہے:

الحالات ثلثة رضی وغضب ومذاکرة والکنایات ثلث مایحتمل الرد اومایصلح للسب اولا ولافی الرضی تتوقف الثلثة علی نیة للاحتمال وفی الغضب الاولان وفی مذاکرة الطلاق الاول فقط[1]۔	حالات تین ہیں: رضا، غصہ اور مذاکرہ طلاق، اور کنائے تین ہیں: رد کا احتمال نہ رکھتا ہو، تو رضا کی صورت میں تینوں احتمال ہوسکتے ہیں جس کی نیت کریگا وہی ہوگا، اور غصہ کی صورت میں پہلے دونوں اور مذاکرہ کی صورت میں صرف پہلا احتمال یعنی رد ہوسکتا ہے۔(ت)

اور جب وُہ حلف کے ساتھ نیت کا انکار کرتا ہے تو یقیناً اس کا قول مانا جائے گا۔ نہ قاضی حکمِ طلاق دے سکتا ہے نہ عورت اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ سکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله[2]۔	قسم کے ساتھ خاوند کی بات معتبر ہوگی اور بیوی کا گھر میں اس سے قسم لے لینا کافی ہے۔(ت)

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

ردالمحتار میں ہے:

قولہ للاحتمال لما ذکرنا من ان کل واحدٍ من الالفاظ یحتمل الطلاق وغیرہ والحال لاتدل علی احدھما فیسأل عن نیتہ ویصدق فی ذلك قضاء بدائع[1]۔	ماتن کے قول للاحتمال کی وجہ جو ہم نے ذکر کی کہ مذکور الفاظ میں سے ہر ایک طلاق وغیر طلاق کا احتمال رکھتا ہے جبکہ حال کی دلالت کسی ایک پر نہیں لہٰذا اس کی نیت پوچھی جائے گی اور قضاء اس کے بیان کی تصدیق کی جائے گی، بدائع۔(ت)

ثانیًا بالفرض لفظ "جواب" معنی رد وانکار کا صالح نہ ہوتا بلکہ جانے دیجئے یوں فرض کیجئے کہ وہ سرے سے کنایہ ہی نہ ہوتا بلکہ خاص صریح ہوتا جب بھی صورت مستفسرہ میں بعد اس کے کہ فضل کریم نے حلفًا انکار نیت کیا، حکمِ طلاق زنہار ممکن نہ تھا کہ یہاں عورت کی طرف اضافت نہیں، صرف اتنا کہا ہے کہ "میری طرف سے جواب ہے" یہ کچھ نہ کہا کہ کس کو جواب ہے، اور ترک اضافت ہمیشہ مانع حکم طلاق ہے جبکہ شوہر بحلف انکار نیت کرے۔ فتاوٰی خانیہ میں پھر فتاوٰی خلاصہ پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

واللفظ للاولی رجل قال لامرأتہ فی الغضب اگر توزن من سہ طلاق وحذف الیاء لاتطلق لانہ ماأضاف الطلاق الیھا[2]۔	یعنی اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے حالتِ غضب میں کہا "تو میری عورت ہے تو تین طلاق"۔ اور یوں نہ کہا کہ "تو میری عورت ہے تو تجھے تین طلاق" طلاق نہ ہوگی کہ جب اس نے "تجھے" کا لفظ نہ کہا تو طلاق کو عورت کی طرف اضافت نہ کیا۔

نیز فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجھا طلقنی ثلاثا فقال الزوج اینك ہزار طلاق لاتطلق امرأتہ لانہ کلام محتمل۔[3]	یعنی عورت نے شوہر سے کہا "مجھے تین طلاق دے دے" اس نے کہا "فی الحال ہزار طلاق" طلاق نہ ہوگی کہ اس میں اپنی عورت کو طلاق دینا صاف نہیں۔

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

قالت طلقنی فضربھا وقال اینك طلاق	یعنی عورت نے کہا "مجھے طلاق دے دے" اس پر

[1] ردالمحتار باب الکنایات احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۵

لایقع ولوقال اینك طلاق یقع۔[1]	مرد نے اسے مارا اور کہا "فی الحال طلاق" طلاق نہ ہوگی اور اگر کہا "فی الحال تجھے طلاق" طلاق ہوجائیگی۔

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

رجل قال "نان خردیم ونبیذ خوریم زنان ما بسہ" ثم قال له رجل بعد ماسکت "بسہ طلاق" فقال الرجل "بسه طلاق" لاتطلق امرأته لانه لما فرغ عن الکلام وسکت ساعة کان هذا ابتداء کلام لیس فیه اضافة الی شیئ۔[2]	ایک شخص نے کہا "ہم نے روٹی کھائی اور نبیذ پی ہماری عورتوں کو تین" پھر جب چپ رہا دوسرے نے اس سے کہا "تین طلاقیں" تو جواب میں اس نے کہا "تین طلاقیں" طلاق نہ ہوگی کہ جب وہ پہلی بات کہہ کر کچھ دیر چپ رہاتو اب یہ ابتدائی کلام ہوا اور اس میں کسی طرف اضافت نہیں۔

محیط پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

سئل شیخ الاسلام الفقیه ابونصر عن سکران قال لامرأته اتریدون ان اطلقك قالت نعم فقال بالفارسیة اگر تو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی واخرجی من عندی وهو یزعم انه لم یرد به الطلاق فالقول قوله۔[3]	یعنی امام شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی عوت سے نشہ میں کہا "کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں" اس نے کہا "ہاں" مرد نے کہا "اگر تو میری جورو ہے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، اٹھ میرے پاس سے دور ہو" اور اس کا بیان ہے کہ اس نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی، تواس کا قول معتبر ہے۔

امام اجل قاضی خان نے فرمایا: لانه لم یضف الطلاق الیها[4] اس کا قول اس لئے معتبر ہوا کہ اس نے ان لفظوں میں طلاق کو عورت کی طرف نسبت نہ کیا تھا یعنی یوں نہ کہا تھا کہ اگر تو میری عورت ہے تو تجھے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق۔ فتاوٰی ذخیرہ پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

سئل نجم الدین عمن قالت له امرأته مرا	امام نجم الدین رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال ہوا ایک شخص

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۷۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۳

[4] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۹

برگ باتوباشیدن نیست مراطلاق دہ فقال الزوج چوں تو روی طلاق دادہ شد وقال لم انو الطلاق ھل یصدق قال نعم۔[1]	سے اس کی عورت نے کہا "تیرے ساتھ میرے رہنے کا فائدہ نہیں مجھے طلاق دے دے" شوہر نے کہا" تجھ جیسی کو طلاق دے دی گئ "اور کہا میری نیت طلاق کی نہ تھی، کیااس کا قول مانا جائیگا۔فرمایاہاں۔

فتاوٰی امام قاضی خاں پھر فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

قال لھا لاتخرجی الاباذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکر حلفه بطلاقھا ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول له[2]۔	یعنی عورت سے کہا" بے میری اجازت کے باہر نہ جانا کہ میں طلاق کاحلف کرچکا ہوں"۔ عورت بے اجازت چلی گئ،طلاق نہ ہوگی کہ اس نے یہ نہ کہا کہ تیری طلاق کاحلف کرچکا ہوں ممکن ہے کہ اور کسی کی طلاق کا حلف کیا ہوتو جب وہ اس عورت کو طلاق دینے کی نیت سے منکر ہے تواس کا قول معتبر ہے۔

درمختار ہے:

لم یقع لترکه اضافة الیھا۔[3]	اس صورت میں طلاق اس لئے نہ ہوئی کہ عورت کی طرف طلاق کی اضافت نہ کی۔

کتب معتمدہ میں اس مسئلہ میں سندیں بہت بکثرت ہیں اور تمام تحقیق ہمارے رسالہ الکاس الدھاق باضافة الطلاق (۱۳۱۳ھ) میں ہے توآفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ جس شخص نے خود حکم بن کر یہاں حکم طلاق دیااور حسینہ کے نکاح سے نکلنے کافیصلہ کیاوہ اس کا محض جہل وظلم وزعم باطل تھا۔وہ حکم جہالت اور وہ فیصلہ بطالت اور وہ حکم بن بیٹھناافتراء وضلالت۔

اولاً اس نے اپنی جہالت سے لفظ "جواب ہے" کو محتمل دشنام ٹھہراکر اس بناء پر کہ یہ الفاظ فضل کریم نے بحالتِ غیظ وغضب میں کہے تھے قضاء وقوعِ طلاق کاحکم دیااور نہ جاناکہ وہ محتمل رد ہے اور جو لفظ محتمل رد ہو اس سے کسی حالت میں بے نیت طلاق نہیں ہوسکتی نہ دیانۃً نہ قضاءً۔ہدایہ میں ہے:

فی حالة الغضب یصدق فی جمیع	غصہ کی حالت میں مذکورہ تمام صورتوں میں قائل کی تصدیق

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۱۵

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیة کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۷۰

[3] درمختار کتاب الطلاق باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۸

ذلك لاحتمال الرد[1]۔	کی جائے گی کیونکہ رد کا احتمال ہے۔(ت)

کافی میں ہے:

فی مذاکرۃ الطلاق یقع الطلاق فی سائر الاقسام قضاء الا فیما یصلح جوابا وردا فانہ لایجعل طلاقا[2]۔	قضاءً مذاکرہ طلاق میں تمام صورتوں میں طلاق واقع ہو جائیگی لیکن جن صورتوں میں جواب اور رد ہونے کا احتمال ہو ان صورتوں میں طلاق نہ ہوگی۔(ت)

ثانیًا اسے نہ سوجھا کہ لفظ اضافت سے خالی ہے تو بحال انکار نیت حکم طلاق ناممکن ہے اگرچہ خود لفظ "طلاق" ہوتا جیسا کہ مسائل مذکورہ میں گزرا، نہ کہ لفظ "جواب" کہ کنایہ ہے اور وہ بھی محتمل رد وانکار۔ محیط میں ہے:

لایقع فی جنس الاضافۃ اذالم ینولعدم الاضافۃ الیہا[3]۔	یعنی جنس اضافت میں جب طلاق کو عورت کی طرف اضافت نہ کرے طلاق نہ ہوگی جب تک شوہر نیت نہ کرے۔

ثالثًا اس نے عورت کو خود اپنے معاملے میں قاضی بتایا اس کا اگر یہ مطلب کہ عورت خود حاکم ہے اور اس کا حکم مثل قاضی شرع نافذ وناطق ہے جب تو صریح جہالت ہے، ہاں جہاں کہ مرد خود حکم بن بیٹھتے ہوں وہاں کی عورتیں اگر خود قاضی بن بیٹھیں تو کیا عجب۔ اور اگر یہ مراد کہ الفاظ طلاق میں عورت کو وہی سمجھنا چاہئے جو عام لوگوں اور قاضی کو کہ دل کا حال اللہ جانتا ہے، یہ سب ظاہر پر عمل کرنے والے ہیں تو ہم درمختار وردالمحتار وفتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی ذخیرہ وفتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی محیط وبحرالرائق وکافی شرح وافی وہدایہ کے نصوص جلیلہ سنا چکے کہ اس صورت میں جبکہ شوہر بحلف منکر نیت ہے قاضی بھی طلاق نہیں ٹھہرا سکتا تو عورت کیا چیز ہے۔

رابعًا اس کی جہالت کا صاف واضح نمونہ وہ ہے کہ فضل کریم شہادت پیش کرنے میں قاصر رہا وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ یہاں فضل کریم مدعا علیہ ہے اور حسینہ مدعیہ ہے مدعا علیہ کو شہادت کی کیا حاجت جس کے

---

[1] الہدایۃ فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۵۴

[2] کافی

[3] محیط

پیش کرنے سے اسے قاصر کیا جائے۔

خامسًا حکم بننے میں اگر اس نے یہ زعم کیا کہ فضل کریم نے اسے حکم کیا اور وُہ واقع میں ایسا نہ تھا تو اس نے ایک مسلمان پر افتراء کیا اور شرع مطہر میں مفتری کی سزا اسلام کے یہاں اسی ۸۰ کوڑے ہیں ___ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ [1] (اور بیشک آخرت کا عذاب اور سخت تر) اور اگر یہ ٹھہرایا کہ گو فضل کریم نے مجھے حکم نہ کیا مگر شریعت نے بے رضاو تحکیم خود حکم بن بیٹھنا اور فیصلہ کر دینا جائز کیا ہے اور ایسا فیصلہ شرعًا صحیح و نافذ ہوتا ہے تو اس نے شریعت مطہرہ پر افترا کیا، اور شریعت مطہرہ پر افترا اللہ عزوجل پر افترا ہے اور اللہ عزوجل پر افترا بے ایمان ہی کرتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ [2] جھوٹے افتراء وہی باندھتے ہیں جو مسلمان نہیں۔

سادسًا وہ جانتا تھا کہ شرع مطہر سے اس صورت میں حکم طلاق نہیں ہو سکتا اور پھر دانستہ خلافِ حکم شرع حکم کیا جب تو ان آیات کریمہ سے اپنا حکم معلوم کرے کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ [3]	جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ ظالم ہیں، جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں، جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ کافر ہیں،

جب حکم شرع پر حکم نہ کرنے والوں کے لئے یہ احکام ہیں تو جو دانستہ حکم شرع کے خلاف کریں اور اسے حکم شرع بتائیں ان پر کس درجہ سخت تر ہوں گے اور اگر نہ جانتا تھا اور بے علم فتوٰی دیا تو اپنا حکم اس حدیث سے لے:

افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا [4] رواہ الائمۃ احمد و البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجۃ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بے علم فتوٰی دیا تو آپ بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا (اسے امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/۲۶

[2] القرآن الکریم ۱۶/۱۰۵

[3] القرآن الکریم ۵/۴۴تا۴۷

[4] صحیح مسلم کتاب العلم باب رفع العلم وقبضہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۰

اور اس حدیث سے معلوم کرے:

من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض[1]۔ رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی رضی الله تعالٰی عنه۔	جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔(اسے ابن عساکر نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

بلکہ نظر بواقع صورتِ حاضرہ میں دونوں شقیں موجود ہیں، یہ حکم بن بیٹھنے والا خلافِ شرع حکم دینے والا جاہل بھی ہے، اس کا جہل خود اس کے اس حکم ہی سے ہم نے بوجوہ ظاہر کردیا، اور دیدہ ودانستہ خلاف ما انزل اللہ حکم کرنے والا بھی ہے کہ ابھی چند روز ہوئے بمقدمہ حاجی بنیاد علی بجنوری اس نے یہی جہالت کی تھی اور اس پر دارالافتاء سے تنبیہ کی گئی حکم صحیح بتایا گیا پھر سائل کے مقرر سوال بغرض دفع اوہام جہال پر دوبارہ مفصل فتوی مرسل ہوا تو حکم اگر جب نہ جانتا تھا اب معلوم تھا اور پھر قصداً اس کا خلاف کیا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

سابعًا اس نے یہ ما انزل اللہ کا خلاف اپنی کسی خانگی بات میں نہ کیا بلکہ ایک مسلمان کی زوجہ کو ناحق ناروا اسکے نکاح سے خارج ٹھہرایا اور شوہر سے برگشتہ بنایا، اور یہ شیاطین کا کام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ[2] الٰی قوله تعالٰی فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ[3]۔	شیاطین کافر ہیں لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں (الٰی قولہ تعالٰی) جس سے مرد اور اس کی عورت میں جدائی ڈالتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من خبب امرأته علی زوجها[4]۔ رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن	جو کسی مرد سے اس کی زوجہ کو برگشتہ کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں (اس کو ابوداؤد اور حاکم

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۰ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[4] سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب من خبب امرأته علی زوجها آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

ابی ھریرۃ والطبرانی فی الصغیر والاوسط بنحوہ عن ابن عمر و ابویعلی بسند صحیح والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	نے ابوہریرہ سے طبرانی نے صغیر اور اوسط میں اسی طرح ابن عمرو سے ابویعلی نے بسندِ صحیح اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

اس حکم بننے والے کا جہل وظلم بہت وجوہ سے بیان ہو سکتا ہے، اور یہ سات ؎ بعدد سبع سمٰوات کیا کم ہیں واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا القادری
عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری
من دست آمان
آل رسول
عبد المصطفٰی احمد رضا خان

ھذا ھوالحق
محمد مصطفٰی رضا خان القادری عفی عنہ

صح الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب
کتبہ محمد المدعو بحامد رضا القادری البریلوی
سقاہ ربہ من منھل کرمہ الروی۔

ذلک کذلک
الفقیر محمد رضا خان القادری عفی عنہ

لقد اجاد فیما افاد واطاب فی ما اجاب واللہ تعالٰی
اعلم بالصواب۔ امجد علی اعظمی رضوی

الجواب صحیح
عبید النبی نواب مرزا رضوی عفی عنہ

صح الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب
فقیر محمد حشمت علی عفی عنہ

تصدقات علمائے بدایوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حامدًا و مصلیا و مسلما

اگر زوج نے فقط یہی لفظ کہے تھے کہ "اگر عصر تک نہ آئیں تو نکاح سے میں تم کو علیحدہ کردوں گا" تو یہ تو فقط وعدہ ہے طلاق سے تعلق ہی کیا۔ اور اگر یہ لفظ کہے تھے کہ "میری طرف سے جواب ہے" تو یہ کنایہ طلاق میں داخل ہو سکتا ہے مگر جب شوہر بحلف کہتا ہے کہ میری نیت نہ تھی تو اسی کا قول معتبر ہے جیسا کہ مجیب لبیب نے کتاب ردالمحتار وغیرہ سے ثابت کیا ہے، بہر حال صرف انہیں کلمات کی بناء پر باوجود حلف شوہر کے عدم نیت طلاق پر حکم طلاق بائن دے دینا ازروئے کتب فقہ حنفی صریح غلطی ہے کما فصلہ المجیب المصیب، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ حررہ عبدالرسول محب احمد القادری عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح وصواب
محمد عبدالمقتدر القادری عفی عنہ مدرسہ قادریہ بدایوں

ھذا ھو التحقیق و بالاتباع حقیق

الجواب صواب والمجیب شاب

صح الجواب واللہ اعلم بالصواب
عبدالنبی محمد ابراہیم القادری عفی عنہ

تصدیقات علمائے شاہجہانپور

ما اجاب الفاضل المجیب فھو صحیح بالتحقیق
العبد الفقیر محمد ریاست علی عفی عنہ

ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح
محمد سلیمان عفی عنہ

موافق روایات مذکورہ بالا طلاق واقع نہیں ہوئی۔
کتبہ عبدہ المسکین غلام محی الدین عفی عنہ

الجواب صحیح
العبد محمد فراست اللہ عفی عنہ

تصدقات علمائے دہلی

صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہونے کا فتوی باوجود انکار اور حلف فضل کریم کے بیشک غلط ہے، صحیح یہی ہے جو مجیب صاحب نے تحریر فرمائی، باقی رہی یہ بات کہ مفتی مخطی نے اگر عمداً یہ کارروائی کی والعیاذ باللہ، تو بلاریب مستحقِ عذاب الٰہی ہے اور اگر سہواً ان سے غلط سرزد ہوگیا ہے اور وہ صاحب عالم ہیں اہلِ افتاء ہیں تو اس صورت میں عفو کے مستحق ہیں۔

سیف الرحمٰن مدرس اوّل مدرسہ فتحپوری دہلی (مہر: محمد سیف الرحمٰن)

الجواب صحیح محمد بُردل مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی (مہر: محمد بُردل ۱۳۱۵)

الجواب صحیح محمد عمر عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی

الجواب صحیح محمد نسیم احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلی

للہ درّ المجیب اللبیب محمد کرامت اللہ عفا عنہ دہلوی

الجواب صحیح و المجیب مصیب حبیب المرسلین عفی عنہ سابق مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلی

الجواب صحیح محمد نسیم احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلی

اصاب من اجاب محمد میاں عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی

ذٰلك کذٰلك ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی عفا اللہ عنہ وعن والدیہ

تصدقات علمائے میرٹھ

جواب مذکور الصدر درست ہے اور جواب میں جو عبارات بطور نقل تحریر فرمائی ہیں وہ جواب کی صحت کو آفتاب کی طرح روشن کرتی ہیں، یہ عبارت کہ "اگر آپ عصر تک اپنے مکان پر نہ آئیں تو میری طرف سے جواب ہے" قابل غور ہے، واضح لفظ "جواب" اردو زبان میں لفظ مشترک ہے اور لفظ مشترک بدون بیان احناف کے نزدیک قابل عمل نہیں، اگر کسی آدمی نے وصیت کی کہ ثلث مال میرے موالی کو دینا اور وصیت کنندہ کا آزاد کرنے والا ہے اور وہ بھی ہے جس کو وصیت کنندہ نے آزاد کیاہے تو احناف کے نزدیک وصیت باطل ہے اور وجہ بطلان کی بیان کرتے ہیں کہ لفظ مولٰی مشترک ہے معلوم نہیں کہ حکم کا ذہن اس کے ادراک سے کیوں بے نصیب رہا، اور باوجود انکار وعدم اضافت، جواب طلاق بائنہ کا ہار فضل کریم کی گردن میں کیوں چسپاں کردیا، آفریں بادبریں ہمت مردانہ او، پس فیصلہ حکم کا جہالت پر مبنی ہے اور طریق احناف سے خارج ہے، میں فقہائے احناف کی عبارات نقل کرکے طول دینا نہیں چاہتا، جواب میں جو عبارات تحریر فرمائی ہیں وہ کافی ہیں بلکہ عندالانصاف کفایت سے زائد ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

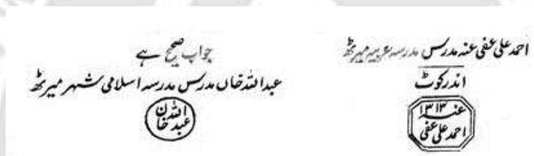

تصدیقات علمائے احمد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الرؤف الرحیم

اما بعد، بندہ نے اول سے آخر تک اس فتوی کو پڑھا، حضرت مولٰنا مولوی حامیٔ دین متین جناب احمد رضاخاں صاحب عم فیضہ الصوری والمعنوی نے اس میں دریائے تحقیق بہادیا ہے، اب جس میں مادہ ایمان ہے اس کے واسطے سوائے تسلیم کے اور س کے حکم کو سرپر چڑھانے کے چارہ نہیں، اور جو لوگ اس فتوی کے خلاف حکم کرتے ہیں ان کے حال کو خاکسار اپنے احباب کو سمجھاتا ہے ان پر وحی شیطان کی نازل ہوتی ہے اس کی خبر رب العالمین اپنے کلام مجید میں دیتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًاؕ۔ [1]	اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو۔(ت)

وقال اللہ تعالٰی:

وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَیْءٍؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝۱۸ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِؕ اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝۱۹ [2]	اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ کیا، سنتے ہو بیشک وہی جھوٹے ہیں، ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلادی، وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے۔(ت)
عزیزے شیطان لعین را دید کہ فارغ نشستہ ست واز تضلیل واغوا خاطر جمع ساختہ آں عزیز سر آنرا پرسید لعین گفت کہ علمائے سوء ایں وقت دریں کار بامن خود مدد عظیم کردند و مراازیں مہم فارغ ساختند والحق دریں زمان ہر سستی ومداہنتی کہ درامور شرعیہ واقع شدہ است وہر فتورے کہ در ترویج ملت ودین ظاہر گشتہ ست ہمہ از شومی علمائے سوء ست وفساد نیات ایشاں [3]۔	ایک عزیز نے شیطان کو فارغ بیٹھا اور گمراہ کرنے اور حق سے ہٹانے کے کام سے مطمئن پایا تو عزیز نے اس سے وجہ پوچھی تو شیطان لعین نے کہا اس وقت کے علمائے سوء اس کام میں میرے بڑے مددگار ہیں اور مجھے اس کام سے انہوں نے فارغ کردیا اور حقیقت یہی ہے کہ اس زمانے میں دین وشریعت کے امور میں جو سستی اور مداہنت اور ہر کرتاہی جو دین وملت کی ترویج میں ظاہر ہورہی ہے یہ تمام علمائے سوء کی نحوست اور بدنیتی کی وجہ سے ہے۔(ت)

یہ عبارت راقم نے مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز کی جلد اوّل کے ص ۹۳ مکتوب ۳۳ سے نقل کی ہے، اب جو لوگ شیطان کی وحی پر چلنا چاہتے ہیں وہ اپنے نفس کی شامت سے حزب الشیطان ہو جائیں ان کے جلانے اور سزا دینے کے واسطے اللہ تعالٰی نے جہنم تیار کر رکھی ہے اور جو شیطان سے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۲

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۹۔۱۸

[3] مکتوبات امام ربانی مکتوب سی وسوم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

کفر کرتے ہیں اور خدائے تعالٰی پر ایمان لاتے ہیں ان کی فہمائش کے لئے علمائے ربانیین نے حکم شریعت مدلل لکھ دیا ہے **فماذا بعد الحق الا الضلال** (پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ت) حضرت رب العزت تبارک وتعالٰی اس تحریر پر تنویر کو سبب ہدایت اپنے بندوں کا کرے اٰمین ثم اٰمین ھذا ما عندی، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

حررہ المفتقر الی ربہ القدیم عبدالرحیم بن پیربخش السنی الحنفی القادری النقشبندی الاحمد آبادی المدرس الاول فی المدرسۃ القادریۃ

۱۳۱۵ عبدالرحیم

صح الجواب

محمد خلیل الرحمن سنی حنفی قادری

الجواب صحیح

یا الٰہی کن کرم شیر محمد

نعم الجواب وحبذا التحقیق

عبدالکریم

تصدیقات علمائے جبلپور

ان ھذا لھو الحق والحق للاتباع احق

کتبہ ادون عباد اللہ ذی الجلال والاکرام الراصد الی لطفہ محمد عبدالسلام السنی الحنفی القادری الرضوی الجبلفوری غفرلہ

ما اجاب مولانا امام المحققین لھو الحق المبین

کتبہ الفقیر عبدالباقی محمد برہان الحق الرضوی الجبلفوری کان اللہ تعالٰی لہ

تصدیقات علمائے مراد آباد

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

بے شک فضل کریم کا قول معتبر ہے جس حالت میں کہ وہ حلف کررہا ہے کیونکہ وہ مدعا علیہ ہے، اور اس کے الفاظ طلاق نہیں ہیں کما صرحہ العلامۃ المجیب دامت برکاتھم اور اگر اہالی زن کے بیان کردہ الفاظ بھی ثابت ہوجائیں تو بھی حکم طلاق جہل محض ہے، حضرت مجدد مائۃ حاضرہ متع اللہ المسلمین ببرکات انفاسہ نے جو تحقیق فرمائی ہے بالکل حق وصواب ہے۔ جزاہ اللہ تعالٰی احسن الجزاء وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

الجواب صحیح وصواب، العبد المسکین محمد عباد الدین عفی عنہ محمد نعیم الدین عفی عنہ

واضح ہو کہ صورت مسئولہ میں جو فضل کریم نے اپنی زوجہ حسینہ بی کے حق میں کہا کہ آپ آج اپنے گھر میں نہ آئیں تو میں آپ کو اپنے نکاح سے علیحدہ کردوں گا انتہی۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایقاع طلاق کا وعدہ ہے اس میں طلاق کا وعدہ ہے اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ پھر اگر وہ مسماۃ اپنے گھر میں نہ آئیں جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اس میں محض ایقاعِ طلاق کا وعدہ ہے اور بعد نہ آنے اس کے فضل کریم سے ایقاعِ طلاق کے کوئی کلام (الفاظ) وقوع میں بھی نہ آئے بلکہ پیرایہ وعدہ ہی رہے لہٰذا طلاق شرعًا ثابت نہیں ہوئی اور نہ اس عوت نے اپنے زوج فضل کریم سے سوال کیا تھا نہ اس کے متعلقین نے کہ تو اس کو طلاق دے دے تاکہ یہ صورت مذاکرہ طلاق کی ہوتی، اور لفظ "جواب" کو "جو کلام دوسرے" فضل کریم میں واقع ہوا یعنی اگر آپ عصر تک مکان پر نہ آئیں تو میرا جواب ہے لیکن یہ کلام دوسرا بعد دیر کے اس نے کہا اور فضل کریم زوج مسماۃ مذکورہ کا ان الفاظ سے انکار ہے اور نیز حلف شرعی سے کہتا ہے یوں ہی ہو یا جو کچھ ہو میں نے اس سے زوجہ مذکور کو نیت طلاق کی نہیں کی تھی، بعض متعلقینِ مسماۃ مذکورہ نے بیچارے فضل کریم کے ذمہ زبردستی سے اس لفظ کو چپکا دیا اور کسی ملا نے نافہمی اپنی سے مفہوم طلاق بائن کا سمجھ کر حکم طلاق بائن کا دیا۔ اور برتقدیر فرض اگر اس نے یہ لفظ کہا ہے جب بھی طلاق بائن نہیں ہوئی، **اولًا** اس واسطے کہ یہ لفظ بعد دیر کے کہا پھر یہ کلام کلامِ جدید ہے اور اضافت اس میں

الی شیئ ناپدید ہے۔

قال قاضی خان فی فتاوٰہ رجل قال نان خوردیم ونبیذ خوردیم زنان مابسہ[۳] ثم قال لہ رجل بعد ماسکت بسہ طلاق فقال الرجل بسہ طلاق لاتطلق امرأتہ لانہ لما فرغ عن الکلام وسکت ساعۃ کان ھذا ابتداء کلام لیس فیہ اضافۃ الٰی شیئ۔[1]	قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا ایک شخص نے کہا ہم نے روٹی کھائی اور نبیذ پیا ہماری عورتوں کو تین، پھر کچھ دیر بعد اس کو ایک شخص نے کہا "تین طلاقیں" تو اس نے کہا "تین طلاقیں" تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوئی کیونکہ جب خاموش ہو کر کچھ دیر کے بعد کہا تو یہ نیا کلام ہے اور اس میں اضافت کسی کی طرف نہ پائی گئی۔(ت)

ثانیًا یہ کہ لفظ "جواب" موضوع واسطے طلاق کے نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہندی کلمہ ہے کہیں بمعنی ترک و رد کے آتا ہے، چنانچہ زید نے عمرو سے کچھ مانگا اس نے جواب دیا یعنی رد کیا کچھ نہ دیا خالی ہاتھ چلا گیا، دوسرا یہ کہ خالد نے مثلًا بکر سے سوال کیا نماز میں کتنے فرض اور کتنے واجب ہیں؟ اس کا جواب دے دیا یعنی اس کے سوال کو تسلیم کرکے اس کا جواب دیا یعنی رد نہ کیا بتلادیا اتنے فرض ہیں اتنے واجب ہیں۔ اور کبھی ایک شیئ کے مقابلہ میں دوسری شیئ تیار کی جائے اس کو ہندی میں جواب کہتے ہیں، مثلًا ایک شخص نے مکان بنایا اور اس میں چار در اور چار طاق محاذی ایک دوسرے کے بنائے اس کو اردو میں ایک دوسرے کا جواب کہتے ہیں۔ اور یہ بھی مفہوم لفظ جواب کا ہوسکتا ہے کہ اگر تم اپنے گھر نہ آئیں تو ہمارا بھی جواب ہے یعنی ہم بھی تمہارے گھر نہ آئیں گے۔ اور یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ تم ہم سے اگر قرینہ نیک سے اور حُسنِ معاشرت سے رہو گی تو ہم بھی اسی قاعدہ سے رہیں گے اگر تم ہم سے سرکشی رکھو گی ہم بھی سرکشی رکھیں گے۔ اور یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ پہلے اس سے اس مخاطبہ نے اپنے زوج فضل کریم سے کوئی چیز مانگی ہو تو اس کے دینے میں سکوت کیا اور وہ رنجیدہ ہو کر اپنے گھر چلی گئی، جب اس نے اس مسماۃ سے جاکر کہا کہ تم اپنے گھر چلو اس نے نہ مانا تو اس کے مقابلہ میں زوج نے کہا کہ ہمارا بھی جواب ہے، تو اس طرح سے یہ لفظ جواب اردو میں چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے تو پھر لفظ جواب سے خاص کر طلاق بائن کا مفہوم سمجھنا دلیل نافہمی کی ہے،

کما حققہ الفاضل المحقق الکامل جناب مولٰنا احمد رضاخان صاحب دام مجدھم بعد التی والتیا ماترک	جیسا کہ اس کی تحقیق فاضل محقق کامل جناب مولانا احمد رضاخاں صاحب دام مجدہ نے فرمائی بہر صورت انہوں نے اس معاملہ میں تحقیق میں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۵

المحقق المذکور من التحقیق فی ھذا الامر شیأ لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا۔ واللہ اعلم وعلمہ اکمل واتم۔	کوئی کمی نہ چھوڑی، ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی مزید سبیل پیدا فرمادے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اکمل واتم۔ (ت)

عبدالباری

قد ضل المجیب السابق فی فھمہ ضلالًا بعیدا وقد صار فی ردہ المحقق المذکور مولٰنا مصیبًا۔	پہلے مجیب اپنے فہم میں زیادہ بھٹک گئے اور ان کے جواب اور رد میں محقق مذکور نے درست فرمایا۔ (ت)

کتبہ المعتصم بحبل اللہ الاحد محمد ابوالفضل المدعو بفضل احمد

تصدیقات علمائے لاہور

الحق حق لاشك فیہ، محمد عبدالعزیز عفی عنہ مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور

ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح، محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور بقلمہ

ھذا ھو الحق، فقیر محمد شفیق بگوی حنفی نقشبندی خطیب مسجد شاہی لاہور

ھذا ھو الحق المبین، الراجی الی الہ العٰلمین، المسکین اللہ دین مدرس اول مدرس نعمانیہ لاہور

الجواب صحیح، محمد ذاکر بگوی عفی عنہ مدرس اول حمیدیہ

الحق لایتعداہ المومنون، عبیدہ اصغر علی المدارس العربیۃ

المجیب مصیب فیما اجاب فللہ درہ فیما اجتھد واصاب، کتبہ العبد الضعیف المسکین محمد اکرام الدین البخاری عفی عنہ الباری مشھور بواعظ الاسلام حال خطیب وامام فی مسجد نواب وزیر خان رحمہ اللہ الملك المنان لاہور۔

تصدیقات علمائے بمبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامدا ومصلیا ومسلما، جو کچھ اعلٰحضرت عظیم البرکت امام اہلسنت

مد ظلہم العالی نے صورتِ مسئولہ طلاق کے عدم وقوع کی نسبت ارشاد فرمایا ہے اور جابر حَکَم کے فیصلہ باطلہ کی نسبت فرمایا: تو آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ جس شخص نے خود حکم بن کر یہاں حکم طلاق دیا اور حسینہ کے نکاح سے نکلنے کا فیصلہ دیا وہ اس کا محض جہل وظلم وزعم باطل تھا وہ حکم جہالت اور وُہ فیصلہ بطالت، وہ حکم بن بیٹھنا افتراء وضلالت"۔ یہ سب صحیح ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے جاہل مضل سے دور رہیں اور اس کے ایسے باطل فیصلہ پر ہرگز ہرگز عمل نہ کریں۔

حررہ العبد الفقیر محمد عمر الدین السنی الحنفی القادری الھزاروی عفا اللہ تعالٰی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو کچھ کہ اعلٰحضرت امام المسلمین مراد المومنین مولٰنا وسیدنا احمد رضاخان صاحب مد ظلہم العالی نے عدم وقوع طلاق کے بارے میں تحریر فرمایا ہے وہ سب صحیح ہے اور اس حکم جاہل کا فیصلہ بالکل لغو وقبیح ہے۔

حررہ الاحقر محمد عبدالرزاق السنی الحنفی القادری المقتدری عفا اللہ تعالٰی عنہ

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا

امابعد خاکسار امیدوارِ رحمت پروردگار نے یہ جواب کاشف حجاب عجب العجاب من اولہ الی آخرہ بنظرِ غور دیکھا، الحمدللہ دربارہ عدمِ وقوع طلاق وضوح حق نے سرور دیا حق تعالٰی جل شانہ اعلٰحضرت عظیم البرکۃ واقفِ حقیقت مروج شریعت مجدد طریقت حکیم الامت علامہ زمان وفہامہ یگان مولٰنا وبالفضل اولٰنا مولوی احمد رضاخاں صاحب مد ظلہم العالی کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور جمیع اہلسنت وجماعت کو اس پر عمل کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین!

حررہ حافظ عبدالحلیم السنی الحنفی القادری امام مسجد جاملی محلہ بمبئی

ما اجاب المجیب اللبیب فھو فیہ مصیب۔ حررہ خادم الشرع القاضی

اسمٰعیل الجلمائی الشافعی عفا اللہ تعالٰی عنہ وعن والدیہ وعن استاذیہ وعن المومنین، آمین یارب العالمین!

تصدقات علمائے پیلی بھیت

مجدد مائۃ حاضرہ صاحب حجتِ قاہرہ اعلٰحضرت مولٰنا وسیدنا مولوی احمد رضاخان صاحب

امام اہلسنت کا جواب بتوفیق رب الارباب عین صواب ہے **فقط**۔

فقیر قادری وصی احمد حنفی خادم حدیث در مدرستہ الحدیث

حضرت امام المحققین ورأس المدققین مولٰنا و بالفضل اولٰنا المولوی محمد احمد رضا خان صاحب
دام شمس فیوضہ مشرقۃ و مازال قمر افاداتہ مضیئا کا جواب عین صواب ہے۔
العبد ابو سراج عبد الحق عفی عنہ تلمیذ مولٰنا و بالفضل اولٰنا المولوی
محمد وصی احمد محدث سورتی عم فیضہ العلی

الجواب ھو الصواب
محمد فضل حق عفی عنہ خادم مدرسہ رحمانیہ پیلی بھیت

مسئلہ ۹: از بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاک خانہ بیگم گنج مرسلہ مولوی عبد المجید صاحب شنوپوری   ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو بعد نماز مغرب کے کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے، بعدہ وہ بی بی عشاء کی نماز نہیں پڑھی، فجر سے لے کر نماز شروع کی، اور وہ شخص بعد فجر کے رجعت بھی کرلیا ہے، پھر چند برس کے بعد وہ شخص اور دو طلاق بلاشرط دیا اب اس شخص کا رجعت کرنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ دو طلاق سابق اور یہ دو طلاق مجموعہ چار طلاق ہوئی، اب سہ طلاق ہو کر محرمہ ابدی ہوئی یا نہ، اور سابق دو طلاق کو جب نماز پر شرط کیا اور نماز بھی نہ پڑھی یعنی عشاء کی، تو طلاق ہو گی یا نہ، **بینوا** **امع الدلیل** (دلیل کے ساتھ بیان کیجئے۔ت)۔ بعض عالم کہتے ہیں

اول جو طلاق نماز پر شرط کیا تھا نہیں واقع ہوگی کیونکہ قول زوج کا "اگر نماز نہ پڑھے گی" مستقبل کی طرف اشارہ ہے اور مستقبل تا حیات کے لئے ہوتا ہے، اور ثانی جو دو طلاق بلا شرط ابھی دیا ہے اس کے لئے رجعت جائز ہے اور دوسرے طرف کے علماء کہتے ہیں اب رجعت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سہ طلاق ہو کر مغلظ ہو گئی ہے اس وجہ سے کہ اول جو دو طلاق شرط نماز پر کیا تھا تا حیات پر موقوف نہیں کیونکہ زوج کی مقصود اور نیت یہ ہے کہ زوجہ کبھی نماز نہ چھوڑے، اور تاکید حکم شرع پر کرتا ہے اگر ایک وقت نماز چھوڑے گی تو امر صادق آویگی، اور رامپور کے بعض علماء کہتے ہیں اول دو طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ طلاق رجعی کی جب شرط پر معلق کرتا ہے تو بائن ہو جاتا ہے اور بائن کے لئے در مدت نکاح جدید چاہئے جب نکاح جدید در مدت نہ کیا اور مدت گزر گیا اب بعدہا طلاق صحیح نہیں ہے فقط اول دونوں طلاق واقع ہوں گی اور بعد کے طلاق کی ملک نہیں ہے۔

الجواب:

اللّٰھم لك الحمد اسألك ھدایة الحق والصواب (اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے، میں تجھ سے حق اور صواب کی رہنمائی طلب کرتا ہوں۔ت) فقیر نے ہر سہ فریق علمائے بنگالہ وبعض علمائے رامپور کے اقوال مذکور اور دلائل مزبور مطالعہ کئے جہاں تک اپنی نظر قاصر کا مبلغ بحکم خیر الامور اوسطھا (درمیانی چیز بہتر ہے۔ت) ان میں قول وسط عدل و وسط و صحیح وبے غلط ہے، فریق سوم کا زعم تو محض باطل وبے اصل ہے تعلیق ربطِ مضمونِ جملہ بمضمونِ آخر ہے نہ کہ خبطِ مضمون بربطِ آخر ان دخلت الدار فانت طالق (اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق۔ت) کہنے والے نے انت طالق کے مفاد شرعی کو دخولِ دار پر معلق کیا تو ہنگامِ دخول اسی مفاد کا نزول ہوگا نہ کہ مفاد سے عدول، اور قطعاً معلوم کہ اس کا مفاد نہیں، مگر طلاق رجعی یہاں تک کہ اگر انت طالق کہے تو طلاق بائن کی نیت کرے جب بھی رجعی ہوگی کہ وہ تغییر حکم شرع پر قدرت نہیں رکھتا، تنویر میں ہے:

صریحہ کطلقت وانت طالق ومطلقة یقع بھا واحدة رجعیة وان نوی خلافھا[1]۔	صریح طلاق یہ ہے "میں نے تجھے طلاق دی، تو طلاق والی ہے، تو مطلقہ ہے" جیسے الفاظ ہیں، ان الفاظ سے ایک رجعی طلاق ہوگی اگرچہ نیت اس کے خلاف بھی کرے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

انت طالق ومطلقة وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي ولايفتقر الى النية وكذا اذا نوى الابانة لانه قصدالتنجيز ماعلقه الشرع بانقضاء العدّة فيرد عليه[1] (ملخصًا)	تجھے طلاق، تو مطلقہ ہے، میں نے تجھے طلاق دی، ان الفاظ سے رجعی طلاق ہوگی اور کسی نیت کی ضرورت نہیں ہے، یونہی اگر ان الفاظ سے بائنہ طلاق کی نیت کرے تب بھی رجعی ہی ہوگی کیونکہ شریعت نے ان الفاظ سے طلاق بائنہ کو عدت ختم ہونے تک معلق رکھا ہے جبکہ طلاق دینے والے نے فی الحال نافذ ہونے کی نیت کی ہے اس لئے بائنہ نہ ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

ہمارے علماء کرام کے نزدیک وقتِ حلول شرطِ نزول جزایوں ہوتا ہے کہ گویا اس وقت تکلم بالجزا منجز واقع ہوا اور ظاہر ہے کہ انت طالق کا تکلم ہرگز مفید نہ ہوگا مگر طلاق رجعی کا۔ فتح القدیر میں ہے:

انه ينزل سبباً عندالشرط كانه عندالشرط اوقع تنجيزا[2]۔	کیونکہ طلاق کا سبب، شرط پائے جانے پر وارد ہوتا ہے گویا کہ شرط پائے جانے پر وہ طلاق بول کر نافذ کررہا ہے۔ (ت)

ظاہرًا ان بعض علماء کو ایک عبارتِ درمختار نے دھوکا دیا کہ اواخر باب طلاق بالصریح میں فرمایا:

لوقال انت طالق على ان لارجعة لى عليک، له الرجعة وقيل لا، جوهرة ورجح فى البحر الثانى، خطأ من افتى بالرجعى فى التعاليق وقول الموثقين تكون طالقا طلقة تملك بهانفسها[3]	اگر کہا "تجھے اس شرط پر طلاق ہے کہ مجھے رجوع کا اختیار نہیں، تو اس کو رجوع کا حق باقی ہوگا۔ بعض نے کہا اس کو رجوع کا حق نہیں ہے۔۔ جوہرہ۔ بحر میں دوسرے قول کو ترجیح دے کر کہا کہ جس نے معلق طلاق میں رجوع کا فتوٰی دیا اس نے خطا کی ہے، اور پختہ کار لوگ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں ایسی طلاق ہوگی جس میں اختیار بیوی کو ہوگا کہ وہ نکاح دوبارہ کرے یا نہ کرے یعنی بائنہ طلاق ہوگی۔ (ت)

اس عبارت میں جملہ "وخطأ من افتى الخ" کے یہ معنی سمجھ لیے کہ علامہ بحر صاحب بحر رحمہ اللہ تعالٰی نے مطلّقا تعلیقات میں طلاق رجعی ماننے کو خطا ٹھہرایا، حالانکہ یہ محض سوئے فہم یا قلّت تدبر سے ناشی ہے یہاں

---

[1] الهداية باب ايقاع الطلاق المكتبة العربية کراچی ۱/۳۳۹

[2] فتح القدير باب الايمان فى الطلاق مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۴۵

[3] درمختار باب الصريح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

خاص صورت یہ زیر بحث ہے کہ جزائے معلق میں وصف بینونت مذکور ہو، مثلاً:

ان دخلت الدار فانت طالق طلاقا لارجعه لی علیك فيه يا ان تفعل كذاتكن طالقا طلقة تملك بها نفسها۔	اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو وہ طلاق جس میں مجھے رجوع کا حق نہ ہو، یا یوں کہے اگر تو یہ کام کرے تو تجھے وہ طلاق ہے جس میں اختیار تیرے ہاتھ میں ہو۔(ت)

عبارتِ در میں وقول الموثقین بالجر زیر فی داخل (قول الموثقین جر کے ساتھ التعالیق پر داخل "فی" کے تحت ہے۔ ت) اور التعالیق کا عطف تفسیری ہے، بحر۔ ردالمحتار میں ہے:

قوله وخطاء ای نسبه الی الخطاء، وقوله وقول الموثقين بالجر قال ح عطف تفسير على التعاليق، **قلت** واصل المسئلة التی ذكرها صاحب البحر، وقد الف فيها رسالة ايضا، هی ان رجلا قال لزوجته متى ظهر لی امرأة غيرك فانت طالق واحدة تملكين بها نفسک، ثم ظهرله امرأة غيرها فاجاب فيها بانه بائن ورد من افتى رجعی[1] (ملخصًا)	اس کا قول کہ "خطاء" یعنی اس کو خطاء کی طرف منسوب کیا، اور اس کا قول "قول الموثقین، جر یعنی زیر کے ساتھ، تو اب اس کا تعالیق پر عطف تفسیری ہوگا۔ **قلت** اصل مسئلہ وہ ہے جس کو صاحب بحر نے ذکر کیا اور اس پر رسالہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا کہ اگر تیرے سوا کوئی میری بیوی معلوم ہوجائے تو تجھے ایک طلاق ہے جس میں تجھے اپنا اختیار ہوگا، اس کے بعد اس شخص کی دوسری بیوی معلوم ہوئی تو بحر والے نے جواب دیا کہ یہ طلاق بائن ہوگی، اور انہوں نے اس شخص کا رد بھی کیا جس نے اس کے رجعی ہونے کا فتوی دیا (ملخصًا)(ت)

خود علامہ بحر کی عبارت سنئے کہ در سے روشن تر ہے بحر میں فرماتے ہیں:

فی الجوهرة قال انت طالق على انه لارجعة لی عليك يلغو ويملك الرجعة وقيل تقع واحدة بائنة اھ وظاهر مافی الهداية ان المذهب الثانی فانه قال	جوہرہ میں ہے کہ اگر ایک شخص نے بیوی کو کہا تجھے طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجوعِ اختیار نہ ہوگا، تو ایسی میں رجوع نہ ہونے کی شرط لغو، اور اس طلاق پر خاوند کو رجوع کا اختیار باقی رہے گا، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک بائنہ طلاق ہوگی اھ

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۰

واذا وصف الطلاق بضرب من الشدۃ والزیادۃ کان بائنا وقال الشافعی یقع رجعیا اذاکان بعد الدخول، لانه وصفه بالبینونة خلاف المشروع فیلغو کما اذا قال انت طالق علی ان لارجعة لی علیك ولنا انه وصفه بما یحتمله ومسئلة الرجعة ممنوعة اھ،قال فی العنایة ای لانسلم انه لایقع بائنا بل تقع واحدۃ بائنة اھوھکذا فی فتح القدیر وغایة البیان والتبیین فقد علمت ان المذھب وقوع البائن،وقد تمسك به بعض من لاخبرۃ له ولادرایة بالمذھب علی ان قول الموثقین فی التعالیق تکون طالقا طلقة تملك بها نفسها لایوجب البینونة مستدلابانه لوقال انت طالق علی ان لارجعة کان رجعیا،وھو خطأ وقد اوسعت الکلام فیھا فی رسالة[1] اھملخصًا۔	جبکہ ہدایہ کی عبارت سے ظاہر یوں ہے کہ دوسرا قول راجح ہے، کیونکہ انہوں نے یوں فرمایا کہ جب طلاق کو ایسے وصف سے موصوف کیا جائے جو شدت اور زیادتی پر دلالت کرے تو وہ طلاق بائنہ ہوتی ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ یہ طلاق رجعی ہوگی بشرطیکہ بیوی سے دخول کرچکا ہو کیونکہ اس نے صریح ایک طلاق کو بائن کے وصف سے موصوف کیا ہے جو کہ خلافِ مشروع ہے لہٰذا یہ وصف لغو ہوگا، جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ تجھے طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجوع کا اختیار نہ ہوگا تو رجوع کا حق باقی رہے گا اور طلاق رجعی ہوگی،اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے اس قول کے مقابلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ خاوند نے طلاق مذکورہ کو ایسے وصف سے موصوف کیا جس کا اس میں احتمال بن سکتا ہے اور جس مسئلہ پر آپ نے قیاس کیا یعنی رجوع نہ کرنے کی شرط، تو ہمارے لئے وہ ایسے نہیں ہے بلکہ وہ طلاق بائنہ ہے اھ۔ عنایہ میں حنفی مسلک کی تائید میں فرمایا کہ مذکورہ صورت میں بائنہ طلاق نہ ہونا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ایک طلاق بائنہ ہوگی اھ عنایہ کے علاوہ فتح القدیر، غایۃ البیان اور تبیین میں ایسے ہی ہے،اور آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ حنفی مذہب میں طلاق بائنہ ہوگی، جن لوگوں کو مذہب کی خبر اور سمجھ نہیں انہوں نے یہاں استدلال کیا ہے کہ "قول الموثقین فی التعالیق" سے مراد یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی کو کہے کہ "تجھے ایک رجعی طلاق جس میں تجھے اپنا اختیار حاصل ہے" تو اس میں طلاق بائنہ نہ ہوگی، اس پر انہوں نے دلیل یہ دی کہ اگر کوئی بیوی کو کہے کہ تجھے ایک طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجوع کا اختیار نہ ہوگا، تو یہ بھی رجعی طلاق ہوگی، حالانکہ ان لوگوں کا یہ بیان واستدلال خطأ ہے، اور میں نے اس بات کو تفصیل سے رسالہ میں لکھا ہے اھ ملخصًا (ت)

[1] بحرالرائق فصل انت طالق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹۱/۳

نیز علّامہ بحر کے اس رسالہ میں جس کا حوالہ ردالمحتار اور خود بحر الرائق میں گزرا یہاں وقوع بائن کی علت زیادۃ لفظ تملک بھا نفسھا بیان فرمائی نہ یہ کہ نفس تعلیق موجب بینونت ہے رسالہ مذکورہ میں بعد بیان صورتِ واقعہ فرماتے ہیں:

وقع الطلاق ما ینبئی علی الزیادۃ وھو قولہ تملك بھا نفسھا فیکون بائنا وان کان صریحا، فی البدائع، البائن ان یکون بحروف الابانۃ او بحروف الطلاق لکن موصوفا بصفۃ تنبئی عن البینونۃ اھ ولاشك ان قولہ تملك بھا نفسھا یکون بالبائن لا بالرجعی، فی فتح القدیر لاتملك نفسھا الابالبائن[1] اھ مختصرًا	یہاں طلاق کا وقوع، زائد الفاظ یعنی "وہ اپنے نفس کی مالک ہوگی" کے ساتھ ہوگا، لہٰذا یہ طلاق بائن ہوگی، اگرچہ صریح طلاق مذکور ہے، بدائع میں ہے کہ کسی جدائی والے لفظ یا لفظِ طلاق کو جدائی والے کسی لفظ سے موصوف کردیا جائے، تو یہ بائن طلاق ہوگی اھ، اور اس میں شک نہیں کہ عورت کو اپنے نفس کا اختیار بائن طلاق سے حاصل ہوتا ہے رجعی سے نہیں ہوتا۔ فتح القدیر میں ہے کہ رجعی طلاق میں عورت کو اپنے نفس کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اور بدائع میں ہے کہ عورت اپنے نفس کی مالک صرف بائن طلاق سے بنتی ہے اھ مختصرًا (ت)

مطلقًا تعلیق سے بائن کا وقوع علاوہ ان دلائل واضحہ کے کہ صدر کلام میں معروض ہولئے صدہا فروع منصوصہ فی المذہب سے باطل ہے۔ اسی درمختار میں ہے:

علق الثلث بالوطء حنث بالتقاء الختانین ولم یجب العقر باللبث بعد الایلاج ولم یصربہ مراجعا فی الطلاق الرجعی الااذاخرج ثم اولج فیصیر مراجعا[2]۔	خاوند نے اگر طلاق مغلظہ کو وطی سے معلق کیا تو وطی کے ابتدائی مرحلہ میں دونوں شرمگاہوں کے ملنے پر ہی طلاق ہوجائے گی اور دخول کے بعد وقفہ پر بیوی کے لئے جوڑا (عقر) لازم نہ ہوگا اور نہ ہی اس کو طلاق رجعی میں رجوع قرار دیا جائے گا، ہاں اگر دخول کے بعد شرمگاہوں کے جدا ہونے کے بعد دوبارہ دخول کیا تو رجوع قرار پائے گا۔ (ت)

[1] الرسالۃ السابعۃ فی الطلاق المعلق علی الابراء ھل ھو رجعی او بائن مع الاشباہ والنظائر۔ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۶

[2] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۲ و ۲۳۳

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی الطلاق الرجعی ای فیما اذاکان المعلق علی الوطی طلاقا رجعیا[1]۔	ماتن کا قول کہ "رجعی طلاق میں" یہ وہ صورت ہے جس میں رجعی طلق کو وطی کے ساتھ معلق کیا ہو۔(ت)

اسی طرح بحرالرائق وہدایہ وفتح القدیر وعامہ کتبِ مذہب میں ہے۔خود رسالہ مذکورہ علامہ زین میں بعد بیان صورت واقعہ کہ زوج نے کہا تھا:

متی ابرأیتنی من مھرك فانت طالق الخ	تو مجھے مہر سے بری کردے تو تجھے طلاق ہے الخ(ت)

اور اثبات بینوت بوجہ زیادت صفت متقدمہ بیان فرمایا:

فان قلت لولم تجعلہ بائنا بسبب اشتراط الابراء من المھر فان الطلاق الموقع فی مقابلۃ الابراء یکون بائنا،وعللہ فی التجنیس بانہ یقع بعوض وھو لالہ اھ قلت فی مسئلتنا جعل الطلاق معلقا بالابراء شرطا لہ لاعوضا،فلذالم تجعلہ بائنا الاان یوجد نقل یدل علی ذٰلك اھ[2] ملتقطا۔	**اگر تو اعتراض کرے** کہ مہر سے بری کرنے کی شرط پر طلاق کو تم نے بائنہ کیوں نہ بنایا، کیونکہ ابراء کے مقابلہ میں طلاق بائنہ ہوتی ہے نہ کہ شرط سے، تجنیس میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس صورت میں یہ طلاق ایسے عوض کے مقابلہ میں ہے جو خاوند کے حق میں نہیں اھ میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں طلاق کو ابراء سے معلق کیا گیا ہے جس میں ابراء کو شرط بنایا ہے عوض نہیں بنایا،اسی لئے تو ہم نے اس کو بائن نہیں بنایا الا یہ کہ کوئی نقل اس پر مل جائے جو اس پر دلالت کرے اھ ملتقطا۔(ت)

نیز فتح القدیر میں زیر مسئلہ آتیہ قریبا انت طالق ان لم اطلقک (اگر تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے۔ت) ارشاد فرمایا:

الطلاق یتحقق منہ الیاس بموتھا واذا حکمنا بوقوعہ قبل موتھا	کہ طلاق سے مایوسی عورت کی موت سے ہی ہو سکتی اور جب ہم بیوی کی موت سے قبل وقوع طلاق کا حکم

[1] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۰۸

[2] الرسالۃ السابعۃ فی الطلاق المعلق الخ مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۳۹

لایرث منھا الزوج لانھا بانت قبل الموت فلم یبق بینھما زوجیۃ حال الموت وانما حکمنا بالبینونۃ وان کان المعلق صریحا لانتفاء العدۃ کغیر المدخول بھا لان الفرج ان الوقوع فی اٰخر جزء لایتجزأ فلم ینلہ الاالموت وبہ تبیین اھ[1]	دیں تو خاوند اس بیوی کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ موت سے طلاق بائنہ ہوتی ہے تو موت کے وقت زوجیت دونوں کی ختم ہو چکی ہوگی، اور بیشک ہم نے اس طلاق کو بائنہ قرار دیا ہے اگرچہ لفظوں میں یہ صریح طلاق ہے، کیونکہ اس پر عدت نہیں ہوتی جیسا کہ قبل دخول طلاق کی صورت میں ہوتا ہے اس لئے کہ فرض یہ کیا ہوا ہے کہ موت سے قبل ایک ادنٰی جز جس میں موت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا اس میں طلاق واقع ہوئی اس سے وہ بائنہ بن گئی اھ۔(ت)

بالجملہ امر واضح اور بشدت وضوح ایضاح سے مستغنی ہے۔ رہا **فریق اول** الفاظ کہ زبانِ زوج سے نکلے یعنی اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو ۲ طلاق ہے، اگر لغۃً ان کا مفاد دیکھا جائے تو واقعہ اسی قدر ہے جو اس فریق نے سمجھا اس لئے کہ یہاں معلق بہ عدم یعنی نماز نہ پڑھنا ہے اور عدم متحقق نہ ہوگا مگر عورت کے آخر جزء حیات میں اگر آج سے عمر بھر کبھی کوئی نماز نہ پڑھتی تو عدم مذکور صادق آتا اور عورت کی پچھلی سانس پر طلاق نازل ہوتی یہاں تک کہ اس نے صبح کی نماز پڑھی تو عدم معدوم اور اس کا نقیض موجود ہوا تو چاہئے تھا کہ یہ دو طلاقیں اصلًا نہ پڑتیں۔ ہدایہ فصل اضافۃ الطلاق الی الزمان میں ہے:

العدم لایتحقق الا بالیأس عن الحیاۃ وھو الشرط کما فی قولہ ان لم اٰت البصرۃ[2]۔	عدم طلاق کا تحقق صرف زندگی سے مایوس ہو جانے پر ہو سکتا ہے جبکہ طلاق نہ دینا شرط ہے، جیسا کہ کوئی یوں کہے "اگر میں بصرہ نہ آؤں" تو بصرہ میں نہ آنا زندگی بھر میں متوقع رہتا ہے صرف موت سے ہی یہ توقع ختم ہوتی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

ولو قال انت طالق ان لم اطلقك لم تطلق حتی یموت باتفاق الفقھاء لان الشرط ان لایطلقھا	اگر خاوند نے کہا "اگر تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے" کی صورت میں موت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اس لئے کہ طلاق

[1] فتح القدیر فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۷۳

[2] الھدایۃ فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۳۴۵

وذٰلك لایتحقق الابالیأس عن الحیاۃ لانه متی طلقها فی عمرہ لم یصدق انه لم یطلقها بل صدق نقیضه وھو انه طلقها والیأس یکون فی اٰخرجزء من اجزاء حیاته[1]۔	نہ دینے کی شرط ہے، اور یہ شرط تاحیات متحقق نہ ہوگی صرف زندگی سے مایوسی پر ہی متحقق ہوگی، کیونکہ زندگی میں جب طلاق دے گا تو طلاق نہ دینا صادق نہ آئے گا بلکہ اس کی نقیض صادق آئے گی، اور وہ یہ کہ اس نے طلاق دی ہے، اس لئے طلاق نہ دینا عمر کے آخری ادنٰی جزء میں معلوم ہوسکے گا اور وہی زندگی سے مایوسی کا وقت ہے۔ (ت)

مگر یہاں ایک نکتہ بدیعہ ہے جس سے غفلت اس فریق کے لئے باعث غلط ہوئی۔ الفاظ کا مفاد لغو ہمارے ائمہ کے نزدیک مبنائے یمین نہیں بلکہ معانی عرفیہ پر بنائے کار ہے۔ درمختار میں ہے:

الاصل ان الایمان مبنیة عند الشافعی رحمه الله تعالٰی علی الحقیقة اللغویة وعند مالك رحمه الله تعالٰی علی الاستعمال القراٰنی وعند احمد رحمه الله تعالٰی علی النیة وعندنا علی العرف مالم ینو ما یتحمله اللفظ۔[2]	امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں قسم میں حقیقی لغوی معنی کا لحاظ کیا جاتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں قسم میں قرآن پاک میں استعمال شدہ الفاظ ومعانی کا لحاظ کیا جاتا ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں نیت کا لحاظ ہوتا ہے اور ہمارے احناف کے ہاں قسم میں عرفی معانی کا اعتبار ہوتا ہے بشرطیکہ قسم والے نے کسی احتمالی معنی کی نیت نہ کی ہو۔ (ت)

اور اغراض ومقاصد جس قدر مفاد لفظ سے زائد ہوں یعنی عموم واطلاق بھی انہیں متناول نہ ہو ملحوظ نہیں ہوتے۔ الایمان مبینة علی الالفاظ لاعلی الاغراض[3] (قسموں میں الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے اغراض کا لحاظ نہیں ہوتا۔ ت) کہ تنویر وغیرہ عامہ کتب مذہب میں ارشاد ہے اس سے یہی مراد ہے کہ لفظ کی تناول عرفی سے اجنبی خارج وبیگانہ و زائد بات اگرچہ عرفاً مقصود حالف ہو منظور نہ ہوگی مگر اغراض مخصص ضرور ہوسکتی ہیں، دلالتِ لفظ کہ عموم پر تھی بنظر غرض خاص پر مقصود ہوجائے گی، یہ مدلول لفظ سے خروج نہیں بلکہ بعض مدلولات پر قصر ہے، یہ وہ تحقیق انیق ہے جس سے کلمات ائمہ مذہب میں توفیق ہے اور فروع متکاثرہ مذہب کی شہادت متواترہ سے اس کی توثیق ہے جس کا نفیس وروشن بیان علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے ردالمحتار میں افادہ فرمایا اور اس کے بیان میں ایک مستقل رسالہ رفع الانتقاض ودفع الاعتراض

---

[1] فتح القدیر فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۷۳۔۳۷۲

[2] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۶

علٰی قولھم الایمان مبینة علی الالفاظ لاعلی الاغراض تالیف کیا۔ تلخیص الجامع الکبیر للامام ابی عبداللہ صدرالدین محمد بن عباد میں ہے:

وبالعرف یخص ولایزاد حتی خص الرأس بمایکبس ولم یرد الملك فی تعلیق طلاق الاجنبیة بالدخول[1]۔	عرف سے تخصیص ہوسکے گی اور لفظ کے مفہوم پر زیادتی نہ ہوسکے گی چنانچہ سر بھونے جانے والی سری سے مختص ہوگا اور اجنبی عورت کی طلاق کو گھر میں داخل ہونے کی تعلیق میں ملکیت مراد نہیں ہوسکتی۔ (ت)

علامہ علاءُالدین ابوالحسن علی بن بلبان بن عبداللہ فارسی اس کی شرح تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص میں فرماتے ہیں:

رجلان تساوما ثوبا فحلف المشتری انه لایشتریه بعشرة فاشتراه باحد عشر حنث فی یمینه، ولوکان الحالف البائع لایبیعه بعشرة فباعه باحد عشر لم یحنث، وھذا لان البیع بالعشرة نوعان بیع بعشرة مفردة وبیع بعشرة مقرونة بالزیادة ففی المشتری مطلق لادلالة فیه علی تعیین احد النوعین فکان مرادہ العشرة المطلقة، اما البائع فمرادہ البیع بعشرة مفردة بدلالة الحال اذغرضه ان یزیدہ المشتری علی العشرة ولم یوجد شرط حنثه وھو	دو۲ حضرات نے کپڑے کا ایک سودا کرتے ہوئے، گفتگو میں خریدار نے قسم اٹھائی کہ میں اسے دس۱۰ میں نہ خریدوں گا، اس کے بعد اس نے گیارہ کا خرید لیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر فروخت کرنے والا قسم اٹھائے کہ میں اسے دس۱۰ میں فروخت نہ کروں گا، اسکے بعد اس نے گیارہ کا فروخت کردیا تو بائع کی قسم نہ ٹوٹے گی، یہ اسلئے کہ دس سے فروخت کرنے کے دو۲ معنے ہیں، ایک یہ کہ صرف دس سے فروخت کرنا اور دوسرا معنی یہ کہ اس دہائی کے ساتھ کوئی اکائی بھی ہو، تو مشتری کے حلف میں مطلق دس ہے جس میں دونوں قسموں میں سے کسی ایک کے معین کرنے پر کوئی قرینہ نہیں ہے، لہذا یہاں دس مطلق مراد ہوں گے یعنی صرف دس یا دس سے کچھ اکائی کے ساتھ زائد، دونوں معنی میں سے کوئی بھی ہو لیکن فروخت کرنے والے کی قسم میں صرف

[1] رفع الانتقاض الخ رسالہ مجموعہ رسائل ابن عابدین بحوالہ تلخیص الجامع الکبیر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹۳

البیع بعشرۃ مفردۃ فلایحنث،وھذا ھوالمتعارف بین الناس فیحمل الیمین علی ماتعارفوہ[1]، وقولہ فی المتن وبالعرف یخص ولایزاد جواب عن سوال مقدروھو ان یقال البائع بتسعۃ مفردۃ وجب ان یحنث لان المنع عن ازالۃ ملکہ بعشرۃ منع عن ازالتہ بتسعۃ عرفا،والجواب ان الحکم لایثبت بمجرد الغرض وانما یثبت باللفظ والذی تلفظ بہ البائع،ھو العشرۃ واسم العشرۃ لایحتمل التسعۃ لیتعین بغرضہ والزیادۃ علی اللفظ بالعرف لاتجوز بخلاف الشراء بتسعۃ لان العشرۃ فی جانب المشتری تحتمل عشرۃ مفردۃ وعشرۃ مقرونۃ فتعین احدٰھما بغرضہ اذالعام یجوز تخصیصہ و تقییدہ بالعرف اھ[2] ملتقطا۔	دس بغیر اکائی مراد ہیں جیسا کہ اس پر حال کی دلالت ہے کہ بائع کی غرض یہ کہ مشتری اسے زائد دے تو گیارہ میں فروخت کرنے پر شرط (یعنی صرف دس میں فروختگی) نہ پائی گئی لہٰذا قسم نہ ٹوٹی،لوگوں میں یہی متعارف ہے لہٰذا قسم کو لوگوں کے عرف پر محمول کیا جائیگا۔ اور متن میں یہ قول کہ "عرف سے تخصیص ہوتی ہے زیادتی نہیں ہوتی" یہ ایک سوال کا جواب ہے،سوال یہ مقدر ہے کہ بائع اگر مذکورہ صورت میں نو۹ سے فروخت کردے تو قسم کا ٹوٹنا ضروری ہوگا کیونکہ جبکہ دس سے اپنی ملکیت نہیں چھوڑتا تو نو سے بطریقہ اولٰی نہ چھوڑنا ہوگا جیسا کہ عرف میں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض غرض ہے جبکہ حکم محض غرض سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ اس لفظ کا بھی اعتبار ہوتا ہے جس سے تلفظ کیا ہے اور بائع نے جو لفظ بولا ہے وہ دس۱۰ ہے، جبکہ اس کا اسم، نو کا احتمال نہیں رکھتا جس کو غرض کے طور پر متعین کیا جاسکے۔ دس۱۰ کا نام،نو۹ پر مراد لینا یہ لفظی زیادتی ہے جو کہ عرف سے ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ عرف صرف تخصیص کرتا ہے زیادتی نہیں کرسکتا،اس کے برخلاف جب مشتری کپڑے کو دس کی بجائے نو سے خرید لے تو عرف یہاں کارآمد ہوگا کیونکہ مشتری کی قسم میں دس کی مذکورہ دونوں قسموں کا احتمال ہے صرف دس یا بمع اکائی مراد ہو، تو یہاں جب دس کا لفظ عام ہے تو عرف اس کی ایک قسم کی تخصیص یا تقیید کرسکتا ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

رفع الانتقاض میں ہے:

[1] رفع الانتقاض الخ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین بحوالہ شرح تلخیص الجامع الکبیر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۹۴۔ ۲۹۳

[2] رفع الانتقاض الخ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین بحوالہ شرح تلخیص الجامع الکبیر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۹۸۔ ۲۹۷

اعلم ان الغرض الذی یقصدہ المتکلم بکلامہ قد یکون معنی اللفظ الذی تکلم بہ حقیقۃ او مجاز او قد یکون امرا اٰخر خارجا عن اللفظ، فالاول کقولہ لا اشتریہ بعشرۃ فغرض المشتری منع نفسہ من التزام العشرۃ فی ثمن ذٰلک المبیع سواء کانت عشرۃ مفردۃ او مقرونۃ بزیادۃ والعرف ارادۃ ذٰلک ایضا، فھنا اجتمع الغرض والعرف فی لفظ الحالف فاذا اشتری باحد عشر حنث لانہ ارادالعشرۃ المطلقۃ و ھی موجودۃ فی الاحد عشر، والثانی کقولہ لاابیعہ بعشرۃ فباعہ بتسعۃ لایحنث لان اغراض البائع ان یبیعہ باکثر من عشرۃ، ولایرید بیعہ بتسعہ لکن التسعۃ لم تذکر فی کلامہ لان العشرۃ لم توضع للتسعۃ لالغۃ ولاعرفا، فغرضہ الذی ھو قصدہ من ھذا الکلام خارج عن اللفظ، والعبرۃ فی الایمان للالفاظ لالمجرد الاغراض لان الاغراض یصلح مخصصا لامزیدا، والتخصیص من عوارض الالفاظ فاذا کان اللفظ عاما والغرض الخصوص اعتبر ماقصدہ	جاننا چاہئے کہ متکلم جب کوئی کلام کرتا ہے تو اس کی غرض اس کلام کا حقیقی معنی ہوتا ہے اور کبھی مجازی معنی ہوتا ہے اور کبھی لفظ سے خارج کوئی اور معنی غرض بنتا ہے۔ اوّل کی مثال، جیسے مشتری کا کہنا کہ میں دس سے نہ خریدوں گا تو یہاں مشتری کی غرض یہ ہے کہ دس درہم دینے سے باز رہنا ہے یہ محض دس ہوں یا بمع اکائی ہوں مبیع کے عوض نہ دے گا، اور عرف بھی یہی ہے تو یہاں حلف میں غرض اور عرف دونوں حقیقی معنٰی میں مجتمع ہیں، لہٰذا یہاں اگر مشتری نے گیارہ میں خریدا تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اس نے مطلق دس ۱۰ مراد لئے تھے جبکہ یہ دس، گیارہ میں بھی موجود ہے۔ دوسرے کی مثال، جیسے بائع کہے کہ میں بھی دس درہم سے نہ فروخت کروں گا یہاں اگر اس نے نو میں فروخت کیا تو قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ اس کلام سے بائع کی غرض یہ ہے کہ دس ۱۰ سے زائد یعنی دس مع اکائی کے بدلے فروخت کرے گا، نو اسکی مراد میں نہیں ہے کیونکہ اس کی کلام میں یہ مذکور نہیں ہے کہ دس ۱۰ کا اسم لغت اور عرف میں نو ۹ کیلئے وضع نہیں ہے تو دس بول کر نو ۹ مراد لینا لفظ سے خارج کسی اور معنی کو مراد لینا ہے جبکہ حلف میں محض غرض کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ لفظ کا اعتبار ضروری ہے، کیونکہ غرض مخصص تو بن سکتی ہے لیکن زیادتی پیدا نہیں کرسکتی جبکہ تخصیص لفظ کی صفت ہے لہٰذا لفظ کا اعتبار ضروری ہے محض غرض کافی نہیں ہے توجب لفظ عام ہو اور غرض خاص ہو تو پھر

کالراس فی لاٰکل رأسا،فان لفظه عام والغرض منه خاص کما مر و اعتبار هذا الغرض لایبطل اللفظ لانه بعض ما وضع له اللفظ اھ[1] مختصرا	خاص مقصد کا اعتبار ہوتا ہے جیسے کوئی کہے میں سر نہ کھاؤں گا،تو اس میں لفظِ سر عام ہے جو ماکول اور غیر ماکول دونوں کو شامل ہے جبکہ غرض خاص یعنی ماکول ہے جیسے گزرا تو یہ خاص غرض لفظ کے مدلول کے خلاف نہیں ہے،کیونکہ یہ لفظ کے معنی کا ایک خاص حصہ ہے،اھ مختصراً۔(ت)

وتمامہ فیہ،یمین الفور جسے خاص فکر بلند ثریا پیوند امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے استنباط فرمایا اور دیگر ائمہ کرام قدست اسرار ہم نے **بحکم الفقهاء کلهم عیال لابی حنیفة** (تمام فقہاء ابوحنیفہ کی عیال ہیں،کے حکم سے۔ت)اس جناب کا اتباع کیا اس کے مسائل اسی اصل جلیل تخصیص بالغرض پر مبنی ہیں متون وشروح وفتاوائے مذہب میں صدہا فروع اس پر مبنی ہیں مثلاً:

(۱) عورت باہر جانے کو ہوئی،شوہر نے کہا باہر جائے تو تجھ پر طلاق،عورت بیٹھ گئی اور دوسرے وقت باہر گئی،طلاق نہ ہوگی۔

تنویر ودر میں ہے:

شرط للحنث فی قوله ان خرجت مثلا فانت طالق او ان ضربت عبدك فعبدی حر لمرید الخروج والضرب،فعله فورا لان قصده المنع عن ذلك الفعل عرفا،ومدار الایمان علیه وهذه تسمی یمین الفور تفرد ابو حنیفة رحمه اللہ تعالٰی باظهارها ولم یخالفه احد۔[2]	جب بیوی باہر نکلنے یا غلام کو مارنے کے لئے تیار ہو اس وقت خاوند اگر کہے کہ تو نے مارا یا باہر نکلی تو تجھے طلاق ہے،تو مارنے اور باہر نکلنے سے وہی مراد ہے جس کے لئے وہ تیار کھڑی ہے صرف اسی مارنے پر یا اسی نکلنے پر طلاق ہوگی کیونکہ خاوند کا اس عمل سے روکنا مقصود ہے یہی عرف ہے جبکہ حلف کا مدار یہی عرف ہے،اس کا نام یمین فور ہے جس کے اظہار اور بیان میں امام ابوحنیفہ متفرد ہیں اور کسی نے ان کی مخالفت نہ کی۔(ت)

فتح القدیر وغنیہ ذوی الاحکام وردالمحتار میں ہے:

تهیأت للخروج فحلف لاتخرج فاذا	بیوی باہر نکلنے کو تیار تھی کہ خاوند نے حلف اٹھایا

---

[1] رفع الانتقاض الخ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۰۰۔۳۰۰

[2] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۸

جلست ساعة ثم خرجت لایحنث، لان قصده منعها من الخروج الذی تهیأت له، فکانه قال ان خرجت الساعة، وهذا اذالم یکن له نیة فان نوی شیأ عمل به[1]۔	کہ اگر تو باہر نکلے تو تجھے طلاق ہے، تو بیوی بیٹھ گئی اور کچھ دیر بعد نکلی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ خاوند کا مقصد وہ نکلنا ہے جس کے لئے وہ تیار تھی اور اس نکلنے سے منع کرنا مقصود تھا، پس گویا خاوند نے یوں کہا کہ تو اب نکلے تو تجھے طلاق ہے، یہ حکم تب ہوگا جب خاوند نے کوئی نیت نہ کی ہو، اور اگر اس نے کوئی نیت کی ہو تو اس پر عمل ہوگا۔ (ت)

(۲) زید نے عمرو سے کہا "میرے ساتھ کھانا کھالو"۔ عمرو: "میں کھاؤں تو عورت مطلقہ ہو"۔ کل زید کے ساتھ کھانا کھایا طلاق نہ ہوگی۔ تنویر ودر:

وکذا فی حلفه ان تغدیت فکذا بعد قول الطالب تعال تغد معی شرط الحنث تغدیه معه ذٰلك الطعام المدعو الیه۔[2]	یوں ہی اگر کھانے پر دعوت دینے والے کے جواب میں کوئی کہے "اگر میں کھانا کھاؤں تو بیوی کو طلاق ہے" تو یہاں بھی طلاق ہونے کے لئے جس کھانے پر دعوت دی گئی اسی کو دعوت دینے والے کے ساتھ کھانا شرط ہے۔ (ت)

(۳) عورت کو جماع کے لئے بلایا اس نے انکار کیا، شوہر نے کہا "اگر میرے پاس اس کوٹھری میں نہ آئی تو تجھ پر طلاق" عورت آئی مگر اس وقت مرد کی شہوت ساکن ہوچکی تھی، تو طلاق ہوگئی، اشباہ ودر:

ان للتراخی الابقرینة الفور، ومنه طلب جماعها فابت فقال ان لم تدخلی معی البیت فانت طالق فدخلت بعد سکون شهوته حنث[3]۔	لفظ "ان" "تراخی کے لئے استعمال ہے مگر جہاں فور کا قرینہ پایا جائے تو تراخی مراد نہ ہوگی، اسی فور پر قرینہ کی مثال یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو جماع کیلئے طلب کیا تو بیوی کے انکار پر خاوند نے کہا تو میرے کمرے میں داخل نہ ہوئی تو طلاق ہے۔ تو فورًا داخل نہ ہوئی بلکہ خاوند کی شہوت وخواہش ختم ہونے کے بعد داخل ہوئی تو طلاق ہوجائے گی۔ (ت)

(۴) حاکم نے حلف کیا کہ اگر شہر میں بدمعاش آئے اور میں خبر نہ دوں تو عورت طلاق ہے، بدمعاش آیا اور اس نے حاکم کو خبر نہ دی اس وقت کہا وہ معزول ہوگیا تھا طلاق ہوگئی۔ تنویر:

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۸۴

[2] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۸

[3] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۹

حلفه وال لیعلمنه بکل داعر دخل البلد، تقید بقیام ولایته[1]۔	شہر کے حاکم نے ایک ملازم سے حلف لیا کہ شہر میں داخل ہونے والے ہر بدقماش کی مجھے اطلاع دے گا، تو یہ حلف اس حاکم کی ولایت کے قائم رہنے تک مقید ہے (ت)

در مختار میں ہے:

بیان لکون الیمین المطلقة تصیر مقیدة بدلالة الحال وینبغی تقیید یمینه بفور علمه[2]۔	اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہ یہ مطلق حلف کو حال کی دلالت کی وجہ سے مقید ہونے کی مثال ہے اس میں یہ بھی قید ہوگی کہ وہ ملازم معلوم ہونے پر فوراً اطلاع دے گا۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ثم ان الحالف لو علم الداعر ولم یعلمه لم یحنث الااذامات هو او المستحلف اوعزل[3]۔	اگر حلف اٹھانے والے کو بدمعاش کا علم ہوجائے اور وُہ حاکم کو مطلع نہ کرے تو قسم صرف حلف دینے یا حلف لینے والے کی موت یا حاکم کے معزول ہوجانے پر ٹوٹے گی (ت)

فتح القدیر میں ہے:

ولو حکم بانعقاد هذه للفور لم یکن بعید ا نظرا الی المقصود وهو المبادرة لزجره ودفع شره[4]۔	اگر اس حلف کو فوری ہونے کا حکم دیا جائے تو بعید نہ ہوگا کیونکہ حاکم کا مقصد بدقماش کو فوری سزا دینا اور اس کے شر کا دفاع کرنا ہے۔ (ت)

(۵) دائن نے مدیون سے حلف لیا کہ تیرے بے اذن باہر نہ جاؤں گا، یہ حلف بقائے دین تک رہے گا بعد ادا یا ابراء اذن کی حاجت نہیں، تنویر و در میں ہے:

لو حلف رب الدین غریمه او الکفیل بامر المکفول عنه ان لایخرج من البلد الاباذنه تقید بالخروج حال قیام الدین	قرض خواہ نے مقروض یا مقروض کے بنائے ہوئے ضامن سے حلف لیا کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا، تو یہ حلف قرض اور ضمانت کی

[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۳

[2] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۳

[3] تبیین الحقائق باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۳/۱۶۱

[4] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۶۸

بالکفالة[1]۔	بقاء تک مقید قرار پائے گا، قرض یا ضمانت ختم ہو جانے کے بعد حالف کو اجازت کی ضرورت نہ رہے گی (ت)

(۶) قسم کھائی عوت بے میرے اذن کے باہر نہ جائے گی، یہ قیام زوجیت تک محدود ہے۔ تنویر و در میں ہے:

لو حلف لاتخرج امرأته الّا باذنه تقید بحال قیام الزوجیة[2]۔	خاوند نے قسم اٹھائی کہ بیوی اجازت کے بغیر باہر نہ جائیگی، تو یہ حلف بھی زوجیت کے قیام تک محدود ہوگا۔ (ت)

(۷) وہی مسئلہ کہ دس کو نہ بیچوں گا اور گیارہ کو بیچا حانث نہ ہوا اگرچہ گیارہ میں دس موجود ہیں کہ مراد خاص قسم کے دس یعنی تنہا بلازیادت تھے۔ یہ سب تقییدیں اور عام کی تخصیص صرف بنظر اغراض متعارفہ ہوئی ہیں کہ یمین کی بناہی عرف پر ہے والہذا امام ہمام بن الہمام نے عبارت مذکورہ ہدایہ کی شرح میں (جہاں ارشاد ہوا تھا کہ عدم بے سلب کلی متحقق نہ ہوگا) فرمایا:

کما قوله فی ان لم اٰت البصرة اعطاء نظیر والمراد ان کل شرط بأن منفی حکمه کذٰلک، وهو ان لایقع الطلاق او العتاق اذاعلق به الابالموت لما ذکرنا، وزاد قیداحسنا فی المبتغی بالغین المعجمة قال اذاقال لامرأته ان لم تخبرینی بکذا فانت طالق ثلاثا فهو علی الابد اذالم یکن ثم مایدل علی الفورا نتهی، ومن ثمه قالو الو اراد ان یجامع امرأته فلم تطاوعه فقال ان لم تدخلی معی فانت طالق فدخلت بعد ماسکنت شهوته طلقت، لان مقصوده من الدخول کان قضاء الشهوة وقدفات[3]۔	اس کا قول، جیسا کہ، اگر میں بصرہ میں نہ آؤں تو، یہ نظیر ہے، جس سے مراد یہ ہے جو شرط بھی لفظ اِن کے ساتھ ذکر کی جائے تو اس کا حکم یونہی منفی رہے گا یعنی اس کے ساتھ طلاق یا عتاق کو معلق کیا گیا ہو تو شرط کے منفی ہونے پر موت سے پہلے قسم نہ ٹوٹے گی، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور پھر اس پر ایک اچھی قید بڑھائی کہ بتغی (غین کے ساتھ) میں کہا کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو اگر مجھے فلاں خبر نہ دے تو تجھے تین طلاقیں ہوں گی، تو اگر فور پر کوئی قرینہ نہ ہو تو یہ قسم ابدی ہو گی اھ، اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو جماع کے لئے طلب کیا تو بیوی نے اطاعت نہ کی تو کہا اگر تو میرے پاس کمرے میں نہ آئی تو تجھے طلاق، اگر بیوی فوراً نہ آئے بلکہ خاوند کی شہوت اور

---

[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۳

[2] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۳

[3] فتح القدیر فصل فی اضافة الطلاق الی الزمان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۷۳

خواہش ختم ہونے کے بعد آئی طلاق ہو جائے گی کیونکہ طلب مقصد اپنی شہوت کو پورا کرنا تھا جواَب ختم ہو گئی ہے (ت)
اور شک نہیں کہ ہمارے مسئلہ دائرہ میں بھی اس حلف سے شوہر کی یہ غرض نہیں کہ عورت اپنی مدۃ العمر میں کبھی کسی وقت کسی طرح دوسجدے کرلے اور بری ہو جائے بلکہ یقیناً بحکم دلالت حال اس سے پابندی نماز مقصود ہے تو جس طرح عوت کا باہر جانا مطلق تھا لفظ شوہر میں کوئی قید نہ تھی کہ اس وقت ہو یا کب ہو مگر بدلالۃ حال خاص اس وقت کا خروج معتبر ہوا جس طرح کلام عمرو میں کھانا مطلق تھا کہ آج ہو یا کل یہ کھانا ہو یا اور، مگر بحکم عرف خاص اس وقت یہ کھانا زید کے ساتھ کھانا ملحوظ رہا، جس طرح عورت کا کوٹھری میں شوہر کے پاس آنا عام تھا کہ اس شہوت موجودہ کی بقامیں ہو یا عمر میں کبھی کسی حالت میں ہو اور عدم متحقق نہ ہوگا مگر اخیر جزء حیات شوہر یا زن میں اور جبکہ کوٹھری میں شوہر کے پاس آئی اگرچہ زوال شہوت کے بعد تو عدم صادق نہ آیا اور بنظر مفاد لغوی لفظ لازم تھا کہ طلاق واقع نہ ہو لیکن بدلالت حال خاص وہ آنا مقصود رہا جو اس شہوت کی قضا کے لئے مطلوب تھا اور اسی کی انتفا پر شرط متحقق اور طلاق واقع مانی گئی، **وقس علی ھذا**، اسی طرح یہاں بھی اگرچہ عشرہ مفردہ مقرونہ کی مانند نماز پڑھنا بھی دو قسم ہے، ایک ملتزم کہ پابندی کے ساتھ ہو دوسرا اس کا غیر یا دو قسم ہے، ایک مبرئ ذمہ جس میں فرض نماز کا مطالبہ ذمے پر نہ رہے، دوسرا اس کے خلاف اور فعل بعینہٖ **ان لم تدخلی** (اگر تو میرے پاس نہ آئی۔ت) مذکور کی طرح حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہو جاتا ہے اور عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز پڑھی صادق نہ رہا مگر بحالت دلالتِ حال واجب ہے کہ قسم اول یعنی صلاۃ ملتزمہ مبرئہ مراد ہو اور اس کا انتفا ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلاعذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے تو لازم ہوا کہ جب عورت نے اس حلف کے بعد نماز عشاء نہ پڑھی صبح صادق طالع ہوتے ہی اس پر دو طلاقیں پڑ گئیں جیسے وہاں سکون شہوت ہوتے ہی عورت مطلقہ ہو گئی تھی بلکہ اگر شوہر نے یہ لفظ اس وقت کہے تھے کہ ہنوز وقتِ مغرب باقی تھا اور عورت ادا پر قادر تھی تو شفق ڈوبتے ہی دو ۲ طلاقیں ہو گئیں، ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر عورت سے کہا تو نماز ترک کرے تو تجھے طلاق، عورت نے ایک نماز قصداً قضا کی طلاق ہو جائے گی اگرچہ اس قضا کو ادا بھی کرلے، درمختار میں ہے:

قال ان ترکت الصلوۃ فطالق فصلتھا قضاً طلقت علی الاظھر، ظھیریۃ[1]۔	بیوی کو کہا اگر تو نے نماز ترک کی تو تجھے طلاق ہے، اب اگر عورت نے نماز قضا کی تو زیادہ واضح قول یہی ہے کہ طلاق ہو جائیگی، ظہیریہ۔(ت)

[1] درمختار باب الیمین فی البیع والشراء الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۰

یہ حکم اس لفظ میں ہے جہاں الصلوۃ معرف باللام ہے جس میں کلام ہوگا کہ عرفاً تارک الصلوۃ کسے کہتے ہیں اور ہمارا مسئلہ دائرہ تو بحکم تحقیق مذکوران ترکت صلٰوۃ (اگر تو نماز چھوڑے۔ت) بلالام کے مثل ہے یعنی اگر تو ایک نماز چھوڑے تو طلاق ہے، یہاں قضا کرنے سے وقوعِ طلاق میں کیا شک ہوسکتا ہے صاف بتادیا کہ اس کی مراد وہی صلاۃ خاصہ ملتزمہ تھی اس پر دلیل واضح اس کا وقتِ صبح رجعت کرنا ہے، اگر وہ معنی مراد ہوتے جو فریقِ اول نے زعم کئے تو پیش از وقوع رجعت کے کیا معنی تھے اور امثال مقام میں نیت شوہر اگرچہ دلالت حال کے خلاف بھی ہو وہی معتبر رہتی ہے۔امام محقق علی الاطلاق وغیرہ علماء کا ارشاد گزرا کہ:

ھذا اذالم یکن لہ نیۃ فان نوی شیأ عمل بہ[1]۔	یہ جب ہے کہ اس نے نیت نہ کی ہو اگر اس نے کوئی نیت کی ہو تو اس پر عمل ہوگا۔(ت)

تو جہاں دلالت حال ونیت دونوں متوافق ہیں نہ اس دلالت کو مانئے نہ شوہر کی سنئے اور اپنی طرف سے ایک معنی تراش کر اس پر عمل کیجئے کس قدر فقہ سے بعید بلکہ قابلیت التفات سے دور ہے، اور اوپر واضح ہوچکا کہ یہ دونوں طلاقیں رجعی تھیں، لاجرم عورت بعد رجعت بدستور ملک نکاح میں باقی اور آئندہ طلاق کی محل رہی، اب کہ شوہر نے چند سال بعد دو طلاقیں اور دیں ایک تو لغو ہوگئی کہ حد شرع سے متجاوز تھی اور ایک ان پہلی دو کے ساتھ مل کر تین طلاقیں مغلظہ ہوگئیں جن سے عورت حرام ابدی تو نہیں ہوسکتی ہاں بے حلالہ اب اس شخص کے نکاح میں آنے کے قابل نہ رہی، ھذا ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی (یہ وہ ہے جو مجھے معلوم ہوا، حق تو میرے رب کے ہاں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۸۴

رسالہ
آکد التحقیق بباب التعلیق ۱۳۲۲ھ
(باب تعلیق کے متعلق تحقیق انیق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۰: از بنگالہ موضع نواکھالی ڈاک خانہ بیگم گنج مرسلہ عبد المجید صاحب از رامپور ۶ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

بگرامی خدمت، فیضدرجت، مجمع الفضائل، منبع الفواضل، کاشف دقائق شرعیہ، واقف حقائق عقلیہ نقلیہ، محی السنّۃ النبویہ، مروج الاحادیث المصطفویہ، صاحب التحقیقات الرائقہ، زبدۃ السعادت الفائقہ، اعنی مولانا المولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب دام افضالہم۔ بعد ادائے تسلیمات فرواواں و کورنشات بیکراں معرض آں خدمت یہ ہے جناب حضور نے جو فتوائے طلاق معلق بالصلٰوۃ کی تحریر فرما کر ارسال فرمائے تھے بندہ گم گشتہ نے ملک کو بھیج دیا اور سب علمائے موافقین و مخالفین نے دیکھ کر بہت خرسندیں حاصل کیں بلکہ سب علماء متفق ہو کر بسبب فرمان فتوائے موصوف کے زوج احمد سے زوجہ مغلظہ کو علیحدہ کیا تھا اور اس پر بہت دن گزر گئے مگر مولوی وجیہ اللہ جو دیوبند سے عنقریب تحصیل کرکے گھر کو گئے اس نے زوج احمد کو کہا کہ تمہاری زوجہ مطلقہ مغلظہ نہیں ہوئی تم ہماری رائے پر چلو تو ہم فتوائے ہند کو مردود کردیں گے، چنانچہ احمد علی بھی بوجہ نفع اپنے کے اور بوجہ تعلیم اپنے قول سے منکر ہوگئے یعنی جو پہلے تعمیم

کے منکر اور تخصیص کے راجع، اب بعد چندیں مدت اپنی نیت ظاہر کرتے ہیں کہ نیت ہمارا علی الابد کے لئے ہے اور مولوی وجیہ اللہ نے اس وقت کے نیت کے مطابق ایک فتوٰی بھی لکھا وہی فتوٰی آپ کی خدمت عالی میں ارسال کرتا ہوں اور فتوٰی تحریر کرکے احمد علی کو مدعی بناکر کچہری میں مقدمہ دائر کئے ہیں بعدہ اس کے فتوٰی اور آنحضور کی تحریر مبارک دونوں کچہری میں پیش ہوا اور مولوی وجیہ اللہ کو اور اس طرف کے علماؤں کو حاکم نے طلب کیا اور دونوں فتوٰی کے مطلب حاکم کو سمجھادئے مگر مولوی وجیہ اللہ نے حضور کے فتوٰی پر اور مذہب کے قیل وقال ناشائستہ بیان کیا مگر حاکم کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں ہوا اور حاکم نے خود کہا کہ جناب مولٰینا شاہ احمد رضا خاں صاحب کو میں خوب جانتا ہوں اور ان کی حالت مجھے خوب معلوم ہے اور دیوبند کے علمائے لامذہب کو بھی معلوم ہے کہ میں ہند کی سیر کرنے والا ہوں، مولوی وجیہ اللہ نے کہا کہ صاحب، زجراو تنبیہا بغرض نصیحت طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی، اور دلالت حال ویمین الفور کا شرعًا کچھ اعتبار نہیں ہے، اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ طلاقیں مغلظ واقع ہوگئیں تاہم بوجہ رجعت کے اولین طلاق باطل بعد وجود جو طلاق بلاشرط دیا ہے اس کے لئے رجعت جائز ہے، اور دلیل بھی بیان کیا اس وجہ سے حاکم کے دل میں خدشہ پیدا ہوا حاکم نے اس طرف کے علماؤں کو فرمایا کہ آپ لوگ مولونا موصوف کے بیس ۲۰ دن کے اندر مولوی وجیہ اللہ کا ردجواب منگوایئے ورنہ یہ شبہ کس طرح دور ہوسکتا ہے، اور حاکم نے بیس ۲۰ روز مقدمہ کا حکم مؤخر کردئے، اکنوں دست بستہ ہوکر عرض کرتا ہوں کہ آپ از روئے مہربانی وشفقت گزاری کے پندرہ یا سولہ روز کے اندر جواب تحریر فرمادیجئے اور ہم لوگوں کو بحر غموم سے خلاص کرلیجئے ورنہ جمیع علماء کی بلکہ ملک ہند کی بھی بدنامی کی بات ہے، زیادہ کیا عرض کروں۔ عرض گزار خادم عبدالمجید عفااللہ عنہ

نقل فتوٰی مولوی وجیہ اللہ دیوبندی باشندہ بنگالہ

سوال: چہ مے فرمایند علمائے دین ورازدارانِ شرع متین کہ درحاضران مجلس بحضور علماء وغیرہم کہ احمد علی بزبان خود اقرار نمود کہ من دائمازوجہ ام برائے نمازخوانی تاکید وزجرمی کردہ بودم وبرائے نمازخوانی چند قواعد نماز تعلیم ہم کردم لیکن بعد روزے چند بوقت مغرب مرزوجہ ام را گفتم کہ تو نماز بخواں زن مذکورہ	**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ورازدارانِ شرع متین کہ حاضرین مجلس علماء وغیرہم کی موجودگی میں احمد علی نے اپنی زبان سے اقرار کیا کہ میں ہمیشہ اپنی بیوی کو تاکید اور تنبیہ کرتا رہا ہوں اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھاتا رہا ہوں لیکن چند روز بعد مغرب کے وقت میں نے بیوی سے کہا کہ نماز پڑھو تو بیوی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے فرصت نہیں ہے،

اباوانکار کرد وگفت کہ مرا فرصتے نیست ازیں وجہ گفتم کہ اگر تو نماز نگزاری بر تو دو طلاق معلق دادم کہ بزبان بنگالہ (دیلام) ودر لغت اردو (دیامیں) استعمال کنند بعدہ زن مذکورہ نمازِ عشا نخواند وقضاہم نہ گزارد ونمازِ فجر بخواند بعد فجر رجعت ہم کرد وبعد سالے بلاشرط دو طلاق آں زوجہ مذکورہ را ایضاہم داد و احمد علی بمحفل مذکور علماء وغیرہم نیت بوقت بیان تعمیم و تخصیص ہر دو منکر بود بلاقرینہ برائے تخصیص راجع اما بعد شش ماہ بجہت تعلیم مخالفین وبوجہ نفع خود بگوید کہ نیتم برائے دائم وعلی الابد ست اکنوں از روئے شرع شریف اقرار ش صحیح بود یاچہ وبگوید کہ زجرًا وتنبیہًا برائے تعود للصلٰوۃ طلاق واقع نمی شود بلکہ معنی آں وعدہ طلاق شود ووعدہ طلاق طلاق واقع نمی شود بگوید کہ قول زوج بخوان صیغہ امر بر دلالت حال راجع لیکن فور ثابت نمی شود بلکہ فور راہیچ اعتبار نیست بر تقدیر تسلیم کہ طلاقین اولین بوجہ رجعت باطل ست کما ھوالمعروف اکنوں بہر حال برائے زوج احمد علی رجعت صحیح است آیا حکمش فے الواقع ہمیں ست یا زوجہ احمد علی بہ سہ طلاق شدہ مغلظہ شد بینوا بالتفصیل، اندریں صورت کہ زوج احمد علی بزبان خود اقرار مے کند کہ روزے بعد ادائے نماز مغرب مرزوجہ خود را بسبب تارک الصلوۃ

اس پر میں نے اسے کہا "اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھ پر دو ۲ طلاقیں معلق طور پر دیتا ہوں" یہ بات بنگالی زبان میں (دیلام) جس کا اردو میں معنی (میں نے دیا) ہے، کہا، اس کے بعد بیوی نے عشاء کی نماز ادا نہ کی اور نہ قضا کی اور پھر فجر کی نماز پڑھی فجر کے بعد اس نے رجوع کرلیا، اور اس کے ایک سال بعد خاوند نے اس بیوی کو دو طلاقیں بغیر شرط پھر دے دیں، احمد علی مذکور نے علماء کی مجلس مذکورہ میں بیان دیتے ہوئے بیوی کو نہ نماز پڑھنے پر طلاق کو معلق کرنے میں تعیم، و تخصیص کی نیت کا انکار کیا بلکہ تخصیص کا قرینہ راجع معلوم تھا، لیکن اس کے چھ ماہ بعد ہمارے مخالفوں کے سمجھانے سے اور اپنے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نے تو دائمی وابدی کوئی نماز نہ پڑھنے کی نیت سے کہا تھا (یعنی کوئی خاص نماز نہیں بلکہ زندگی میں نماز نہ پڑھنے کی نیت سے طلاق دینے کی بات کی تھی) کیا اب اس کا یہ اقرار درست ہے یا کیا ہے، اب کوئی کہتا ہے کہ اس نے بیوی کو نماز کا عادی بنانے کے لئے یہ بات بطور تنبیہ اور ڈانٹ کی تھی اور یہ طلاق نہیں ہے بلکہ طلاق کا وعدہ تھا جبکہ طلاق کا وعدہ طلاق نہیں ہوتی، اور کوئی کہتا ہے کہ خاوند کا بیوی کو کہنا کہ "نماز پڑھ" صیغہ امر ہے جس کی حالت پر دلالت واضح ہے لیکن یہ یمینِ فور ثابت نہیں ہے بلکہ فور کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے

زجر وتوبیخ کردکشاں کشاں آنکہ باعتدال طبع واستقلال مزاج بطریق زجر وتنبیہ گفت کہ تو نماز بخواں اگر نماز نخوانی ترادو طلاق وآں زن نیت نماز وسورہ بخوبی ندانستی غرض آنکہ زن عشاء نخواند بوقت فجر وضو کردہ برائے گزاردن نماز فجر استاد شویش نیت وسورۃ تعلیم کردووے نماز خواند بعد دو سہ روز میانجی محلّہ راطلبیدہ رجعت نمودودر صورت کذائیہ زوجہ اش برائے وے حلال ماندیا چہ وبعد چند ماہ دو طلاق بلاشرط ایضًا برآں زوجہ مذکورہ اش دادہ است،آیا کہ اگر تسلیم کردہ شود کہ اول طلاقین واقع شد ند بر تقدیر ش بوجہ رجعت اول طلاقین بن باطل شد یاچہ،واکنوں رجعت کردہ از زوجہ مذکورہ استمتاع گرفتن رواست یانہ؟ بینوا۔

کہ پہلی دو طلاقیں رجعی تھیں تو اس کے رجوع کرلینے کے بعد وہ دونوں طلاقیں ختم،اور باطل ہوگئیں جیسا کہ مشہور ہے لہذا اب دوسری بار دو طلاقوں کے بعد اب احمد علی خاوند کا دوبارہ رجوع کرنا صحیح ہے۔کیا یہ باتیں درست ہیں یا پہلی دونوں طلاقوں کے بعد دو طلاقوں سے احمد علی کی بیوی کو تین طلاقیں یعنی مغلظہ طلاق ہوگئی ہے،تفصیل سے بیان کیجئے۔خلاصہ اس سوال کا یہ ہے کہ احمد علی خاوند نے خود اقرار کیا کہ ایک روز نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد اس نے اپنی بیوی کو نماز کی تارک ہونے پر ڈانٹ اور سختی سے سمجھایا اور پھر معتدل مزاجی اور مستقل مزاجی سے ڈانٹ کے طور پر کہا نماز اگر تو نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق ہیں،جبکہ وہ بیوی نماز کی نیت اور کوئی سورت اچھی طرح نہیں جانتی غرضیکہ بیوی نے عشاء کی نماز بھی نہ پڑھی فجر کی نماز کے لئے اس نے وضو کیا تاکہ نماز پڑھے،نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو خاوند نے اس کو نماز کی نیت اور سورۃ سکھائی اور اس نے نماز پڑھی،اس سے دو تین روز بعد محلّہ کے مولوی صاحب کو طلب کرکے احمد علی نے بیوی سے رجوع کیا،تو اس صورت میں رجوع کرنے پر احمد علی کے لئے اس کی بیوی حلال ہوئی یا نہیں،پھر اس کے چند ماہ بعد مزید دو طلاقیں بلاشرط اس کو دیں کیا یہ تسلیم کرلینے پر پہلی دو طلاقیں واقع ہوگئی تھیں تو ان سے رجوع کرلینے پر کیا وہ پہلی طلاقیں کالعدم اور باطل ہوجائیں گی یا نہیں،اور دوسری طلاقوں کے بعد اس کا بیوی سے رجوع کرنا اور ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں،بیان کیجئے۔

الجواب: البتہ زوجہ اش برائے وے حلال ماند چہ دریں صورت مطلق طلاق واقع نشد نہ حاجت تجدید نکاح نہ رجعت ھم واحتیاطا امرے دیگر قولہ

الجواب: یقینا احمد علی کی بیوی اس پر حلال رہی کیونکہ اس صورت میں مطلقًا کوئی طلاق نہ ہوئی اور نہ ہی تجدید نکاح اور نہ ہی رجعت کی کوئی ضرورت ہے،ہاں احتیاط کریں تو اور بات ہے،احمد علی کا

اگر نماز نخوانی ترادو طلاق اولاً گویم کہ ایں قول تعلیق طلاق نیست بلکہ وعدہ طلاق دادن ست زیراکہ میان تو طلاق وطالق وتراطلاق فرق ست دراول وصف زن ست ومحمول بروے ودر ثانی طلاق ایقاع زوج ست پس دریں قول فعل ایقاع زوج ضرور محذوف است در تنجیز معنی تراطلاق دادم ست ودر صورت تعلیق یعنی اگر ایں کار کنی تراطلاق معنی آں تراطلاق خواہم دادہست چہ در تعلیق شرط وجزاہر دو خودند وجزاہمیشہ مستقبل مے شود ولو معنی پس دریں مقام مطلب اگر نماز نخوانی ترادو طلاق خواہم دادہست وخواہم در فعل ایقاع مخذوف است وپیداست اگر نماز نخوانی ترادو طلاق خواہم داد وعدہ طلاق دادن ست نہ تعلیق طلاق واز وعدہ طلاق، طلاق واقع نشود وایں مطلب از خود نگرفتم بلکہ احمد علی خود میگوید کہ من بہ نیت طلاق دادن نگفتم بلکہ بطریق زجر وتہدید تنبیہًا بغرض تعود للصلاۃ گفتم وطلاق دادن در دلم مطلقا مخطور نشد وظاہر ست کہ وعدہ طلاق مفید ایں مدعاست وباغراض متکلم خوب چسپاں ومقتضائے قرینہ ہم ہمچنیں ست۔

ثانیًا گویم قولہ تو نماز بخواں اگر

کہنا "اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق "اس کے متعلق میں کہتا ہوں: اولاً یہ تعلیق طلاق نہیں بلکہ وعدہ طلاق ہے کیونکہ تو طلاق، تو طلاق والی، اور تجھ کو طلاق، ان تینوں میں فرق ہے۔ پہلی عورت کی صفت اور اسی پر محمول ہے۔ دوسری میں خاوند کا طلاق دینا ہے، لہٰذا اس میں خاوند کا طلاق دینا ضرور محذوف ہے جب شرط سے معلق نہ ہو یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ تجھ کو میں نے طلاق دی ہے، اور اگر شرط سے معلق ہو مثلاً یہ کہ اگر تو یہ کام کرے تو تجھے طلاق ہے تو اس کا معنی طلاق کا وعدہ ہے کہ تجھے طلاق دوں گا کیونکہ تعلیق میں شرط وجزا دونوں ہوتے ہیں اور جزاہمیشہ مستقبل میں ہوتی ہے خواہ معنًا ہو اس مقام میں مطلب یہ ہے کہ اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے میں دو طلاق دوں گا کیونکہ "دوں گا" یہاں فعل محذوف ہوگا، تو ظاہر ہوا کہ یوں کہا "اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق دوں گا" تو یہ طلاق دینے کا وعدہ ہوا نہ کہ تعلیق طلاق ہوا، جبکہ طلاق کے وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی، یہ مطلب میں نے خود نہیں نکالا، بلکہ احمد علی خود کہتا ہے کہ میں نے یہ بات طلاق دینے کے ارادے سے نہیں کہی بلکہ ڈانٹ اور زجر کے لیے کہی ہے تاکہ بیوی نماز کی عادی بن جائے اور طلاق دینے کا میرے دل میں خیال تک نہ تھا، تو ظاہر ہوا کہ یہ صرف طلاق دینے کا وعدہ تھا، یہی بات احمد علی کے قول سے حاصل ہوئی، اور متکلم کی غرض کے یہی مطابق ہے اور قرینہ بھی یہی بتاتا ہے۔

ثانیًا میں کہتا ہوں کہ احمد علی کا بیوی کو یہ

نماز نخوانی ترادو طلاق، تعلیق طلاق ست اگرچہ از مطلب متکلم فرسنگہا دور ست معنی آں ترادو طلاق ہست، باید دانست کہ در تعلیق طلاق معلق ہر سہ گونہ است وہر یک دوگانہ است جانب وجود جانب عدم مجموعہ شش قسمت ست فعل الزوجین وجودًا او عدمًا وفعل الغیر وجودًا او عدمًا کما لایخفی من شرح الوقایۃ دریں جا معلق بہ فعل عدمی زوجہ است یعنی نماز نخواند ومعنی التعلیق ربط حصول مضمون جملۃ ای جزا بحصول مضمون جملۃ اُخری ای الشرط فاذا وجد الشرط وجد المشروط وکذا اذا فات الشرط فات المشروط وھذا یعم الصورۃ الستۃ کلھا من غیر فرق پس ہرگاہ ایں قول تعلیق طلاق مسلم نشت حالانکہ ایں قول مطلق ست مقید بوقت دون وقت نیست وغرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ است دائما پس تخصیص نماز عشاء نہ فجر وغیرہ از کجا آمد وقرینہ یمین الفور ہم مفقود بل اعتبار نیست چہ قائل باعتدال مزاج واستقلال طبع بغیر غضب بطریق نصیحت مے گفت	کہنا کہ "تو نماز پڑھ۔ اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق"، اس کو تعلیق قرار دیا جائے، اگرچہ یہ احتمال متکلم کے مقصد سے کوسوں دور ہے، تاہم دو طلاق درست ہوں گی، لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ طلاق کو کسی شرط سے معلق کرنا تین طرح ہوتا ہے، پھر ہر ایک کی دو دو صورتیں ہوتی ہیں، شرط کا وجود، دوسری شرط کا عدم ہے تو مجموعی چھ صورتیں بنیں، وہ شرط خاوند کا فعل یا بیوی کا فعل وجودًا یا عدمًا، اسی طرح اگر وہ شرط کسی غیر کا فعل ہو تو وجودًا یا عدما ہوگا، جیسا کہ شرح وقایہ میں واضح ہے۔ یہاں زیر بحث صورت میں شرط بیوی کا فعل عدمًا ہے یعنی اس کا نماز نہ پڑھنا اور تعلیق کا معنی یہ ہے کہ ایک جملہ کے مضمون کو دوسرے جملے کے مضمون یعنی جزاء کے جملے کو شرط کے مضمونِ جملہ سے معلق کرنا ہے، تو جب شرط پائی جائے گی جزاء بھی پائی جائے گی، اور جب شرط نہ پائی جائے تو جزاء بھی نہ پائی جائے گی۔ یہ بات سب صورتوں کو شامل ہے جن میں کوئی فرق نہیں لہٰذا جب احمد علی کے قول کو تعلیق تسلیم کرلیں، حالانکہ یہ قول مطلق ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے، اور متکلم کی غرض صرف بیوی کو نماز کا عادی بنانا ہے، تو یہاں کسی نماز عشاء یا فجر کی کوئی تخصیص نہ ہوگی کہ اس کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہی یہ یمینِ فور بنتی ہے کیونکہ احمد علی نے معتدل مزاجی غصہ کے بغیر مستقل مزاجی سے یہ بات کہی ہے

یمین الفور از کجا برخاست تا ایں قول را مخصوص باقرب الاوقات للصلٰوۃ گرداند بلکہ ایں تعلیق طلاق ست پس مطلق طلاق ماند چہ قاعدہ اصول ست **المطلق یجری علی اطلاقہ والمقید یجری علی تقییدہ** ووجود صلاۃ مطلق صادق آید بسبب وجود صلاۃ ما یعنی یک صلاۃ بطریق فرد منتشر وعدم صلٰوۃ مطلق صادق آید بسبب عدم جمیع افراد صلاۃ در مدت العمر، وجود مطلق الصلٰوہ متحقق شود بسبب تحقق وجود فرد ما وینتفی بانتفائے فرد ما **ھذا ھو الفرق بین مطلق الشیئ والشیئ المطلق** وہمیں ست فرق میان موضوع مہملہ قد مائیہ وموضوع قضیہ طبعیہ ومطلق الشیئ یعنی مطلق الصلاۃ موضوع مہملہ قد ماست والشیئ المطلق یعنی الصلاۃ المطلقہ موضوع قضیہ طبعیہ است پس دریںجا معلق بعدم الصلاۃ المطلقۃ ست وآں بسبب عدم جمیع افراد نماز از زبان متکلم بالتعلیق تا قبیل موت متحقق شود وعدم صلاۃ مطلق منتفی زیرا کہ زوجہ احمد علی صرف دراں روز نماز نخواند ونماز فجر خواند متعود بالصلٰوہ گشت وہویداست کہ انتفائے عدم صلاۃ مطلق عدم عدم صلاۃ مطلق ست وعدم عدم صلاۃ مطلق وجود صلاۃ مطلق ست پس وجودِ صلاۃ مطلق متحقق وعدم صلاۃ مطلق معدوم وفائت حالانکہ آں شرط ومعلق بہ بود وفوت شد **فاذا فات الشرط**

اور نصیحت کے طور پر کہی ہے، تو یہ یمین فور کیسے ہوسکتی ہے تاکہ احمد علی کے اس قول کے قریب ترین وقت کی نماز سے مخصوص کیا جائے، اس لئے اس کو تعلیق طلاق ہی کہا جائے گا اور وہ بھی مطلق ہے اور قاعدہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے اور مقید کو قید سے پابند کیا جائے، لہٰذا کسی نماز سے بھی مطلق نماز کا وجود ہوسکتا ہے یعنی نماز کا فرد پایا جائے تو مطلق نماز کا تحقق ہوجائے گا، یونہی مطلق نماز کا عدم عمر بھر تمام نمازوں کے نہ پائے جانے پر متحقق ہوجائیگا، مطلق الصلٰوۃ کا وجود اور انتفاء ایک فرد کے وجود اور نفی سے ہوتا ہے یہی وہ فرق ہے جو منطقی حضرات، مہملہ قدمائیہ اور قضیہ طبعیہ کے موضوع کے بارے میں بیان کرتے ہیں یعنی مطلق الشیئ قضیہ مہملہ قدمائیہ کا موضوع اور الشیئ المطلق قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے، پس یہاں شرط میں نماز مطلقہ کا عدم ہے جس کی نفی اور عدم کے لئے متکلم کے تعلیق کے وقت سے لے کر موت سے تھوڑا قبل تک تمام نمازوں کے معدوم ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں نماز مطلقہ کا عدم نہیں پایا گیا کیونکہ احمد علی کی بیوی نے صرف ایک نماز نہیں پڑھی اس کے بعد اس نے فجر کی نماز اور باقی نمازیں پڑھیں اور نماز کی عادی ہوگئی، تو واضح ہوا کہ نماز مطلقہ کے عدم کا نہ ہونا نماز مطلقہ کے عدم کا عدم ہے، اور نماز مطلقہ کے عدم کا عدم نماز مطلق کا وجود ہے تو اس طرح نماز مطلق کا تحقق ہوا اور نماز مطلقہ کا عدم معدوم ہوا حالانکہ طلاق، عدم نماز مطلقہ سے معلق ہے جو منتفی ہے، اور جب شرط منتفی ہوجائے

فات المشروط وھو المدعا، پس طلاق واقع نشد آنکہ درسلک تحریر کشیدہ شد صرف گفتگو در نفس عبارت اقرار بود حالا اثبات مطلوب بادلہ فقیہہ میگویند در عالمگیریہ جلد دوم ص۵۹۹ آورد الاصل ان الیمین متی عقدت علی عدم الفعل فی محلین ینظر فیھما الی شرط البروعند فوات شرط البریتعین الحنث[1] (درما نحن شرط البرفائت نشد پس حنث متحقق نشود، وایضا ھناك مسطور ولو قال ان لم تعطین ھذاالثوب ودخلت الدار لم یقع الطلاق حتی یجتمع امران دخول الدارو عدم الاعطاو عدم الاعطاء انما یتحقق بموت احدھما او بھلاك الثوب[2] وہمچنیں عدم الصلاۃ المطلقۃ قبیل موت زن مذکورہ متحقق تواں شد قبل آں نے وایضا فیہ ص۶۵۱ رجل قال لامرأته ان لم تصل الیوم رکعتین فانت طالق فحاضت قبل ان تشرع فی الصلاۃ او بعد ماصلت رکعۃ،	تو مشروط بھی منتفی ہوگا، یہی مطلوب ہے، پس طلاق نہ ہوئی۔ یہ جو کچھ تحریر ہوا صرف احمد علی کے اقرار میں گفتگو تھی، اور اب ہم مطلوب کو فقہی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ عالمگیریہ کی جلد دوم صفحہ ۵۹۹ میں ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی فعل کے عدم پر جو دو محل میں ہو تو دونوں میں سے جس محل میں قسم پورا ہونے کی شرط پائی جائے اس کو پیش نظر رکھا جائے گا اور جب شرط فوت ہو تو پھر قسم کا ٹوٹنا متعین ہوگا، اس قاعدہ کی رو سے ہماری بحث میں قسم پورا ہونے والی موجود ہے وہ فوت نہیں اس لئے حنث یعنی قسم نہ ٹوٹے گی، نیز اسی میں ہے اگر خاوند نے بیوی کو کہا "اگر تو مجھے یہ کپڑا نہ دے اور تو گھر میں ویسے ہی داخل ہو جائے تو تجھے طلاق ہے" تو اس صورت میں اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک کپڑا نہ دینا اور گھر میں داخل ہونا نہ پایا جائے یعنی دونوں باتیں پائی جائیں تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، جبکہ کپڑا نہ دینے والی بات خاوند یا بیوی میں سے کسی ایک کے مرنے یا اس کپڑے کے ختم ہو جانے تک باقی رہے گی اور قسم نہ ٹوٹے گی، اسی طرح یہاں بھی نماز مطلقہ کا عدم، عورت کے مرنے سے تھوڑا پہلے تک باقی رہے گا اور قسم نہ ٹوٹے گی بلکہ عورت کے مرنے سے ایک گھڑی پہلے جب یہ نماز مطلقہ کے عدم کا احتمال ختم ہو جائے گا

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذاوغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذاوغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۹

حکی ان الشیخ الامام شمس الائمة الحلوانی انه کان یقول ان کان وقت الحلف الی وقت الحیض مقدار ما یمکنها ان تصلی رکعتین تنعقد الیمین عند الکل وتطلق [1] دریں عبارت قید الیوم ورکعتین موجود ست ولہذا حکمش مغایر حکم مانحن فیہ شد فافترقتا ولاتشکوا وایضا فیه ص ۶۴۱ رجل ضرب رجلا ضربا وجیعا فقال المضروب اگر من سزائے وے نکنم فامرأته کذا فمضی زمان ولم یجاز قالوا هذا لایقع علی المجازاة الشرعیة من القصاص اوالارش او التعزیر او نحوه و انما یقع علی الاساءة بای وجه یکون فان نوی الفور فهو علی الفور وان لم ینو یکون مطلقا کذا فی فتاوٰی قاضی خاں [2] ایں مطابق صورت مانحن فیہ ست، فرق لفظی آنکہ سزائے	تب قسم ٹوٹے گی۔ نیز اسی کے صفحہ ۶۵۱ پر ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "اگر تو آج نماز دو رکعتیں نہ پڑھے تو تجھے طلاق ہے" تو اس عورت کو نماز شروع کرنے سے قبل حیض آجائے یا ایک رکعت پڑھنے کے بعد حیض آجائے تو شیخ شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے کہ اگر خاوند کی قسم اور حیض آنے کے درمیان اتنا وقت تھا کہ وہ نماز دو رکعتیں پڑھ سکتی تھی تو بالاتفاق یہ قسم صحیح ہوگی اور عورت کو طلاق ہوجائے گی، چونکہ اس مسئلہ میں "آج کے دن" اور "دو رکعتوں" کی قید ہے اس لئے یہ مسئلہ اور زیر بحث مسئلہ مختلف ہوگئے جن کا حکم بھی مختلف ہوگا، لہٰذا اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ نیز اسی میں صفحہ ۶۴۱ پر ہے: ایک شخص نے دوسرے کو ضرب لگائی تو مضروب نے کہا اگر میں اس کو سزا نہ دوں تو بیوی کو فلاں طلاق، تو کچھ وقت گزر جانے کے باوجود اس نے سزا نہ دی (یعنی سزا سے مراد شرعی سزا قصاص یا تعزیر تاوان نہیں بلکہ کوئی تکلیف پہنچانا مراد ہے) تو اس قسم والے نے اگر یمین فور کی نیت کی تو فوراً اس ضرب کے وقت سزا مراد ہوگی اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو تو پھر مطلق سزا ہوگی یعنی کسی وقت بھی سزا دینا مراد ہوگی جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں مذکور ہے یہ مسئلہ ہمارے زیر بحث مسئلہ کے موافق ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التعلیق بکلمۃ ان واذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۳۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التعلیق بکلمۃ ان واذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۴۶

وے نکنم معلق بہ فعل عدمی زوج ست در ما نحن فیہ اگر نخوانی معلق بہ فعل عدمی زوجہ است حکم اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق ان نوی الفور فھو علی الفور وان لم ینو یکون مطلقاً لیکن احمد علی نیت فور نکردہ نہ قرینہ فور یافتہ شود پس یمین مطلق باقی ماند فی شرح الوقایۃ ص۱۴۸ انت کذا ان لم اطلقك یقع فی اٰخر عمرہ [1] زیراکہ طلاق ندادن در آخر عمر صادق آید ورنہ ہر وقت احتمال طلاق ہست ہمچنیں نماز خواندن در آخر عمر صادق آید ورنہ نماز خواندن ہر وقت در مدۃ العمر محتمل ست، وفی القھستانی ص۲۷۹ ویقع فی الاصح اٰخر العمر او قبیل موتہ او موتھا وفی النوادر لایقع بموتھا فی قولہ انت طالق وان لم اطلقک [2] ہمچنیں آں اگر زن قبیل موت نماز نہ خواند بروئے دو طلاق رجعی واقع شود ما نحن فیہ چناں نیست بلکہ

صرف لفظی فرق ہے کہ یہاں "سزانہ دوں" جو کہ خاوند کے فعل کا عدم ہے، کے ساتھ معلق کیا گیا ہے اور ہمارے زیر بحث مسئلہ میں "نماز نہ پڑھنے" کو جو کہ بیوی کے فعل کا عدم ہے، کو معلق کیا گیا ہے۔ لہٰذا دونوں مسئلوں کا حکم ایک ہے جیسے گزرا چنانچہ یہی حکم، بیوی کے نماز نہ پڑھنے پر ہوگا کہ اگر خاوند نے یمین فور کی نیت کی، فوری مراد ہوگی۔ اور اگر یمین فور کی نیت نہ کی ہو تو عام اور مطلق یعنی نماز کسی بھی وقت نہ پڑھنا مراد ہوگا، لیکن احمد نے فوری یمین مراد نہیں لی اور نہ ہی یمین فور کا یہاں کوئی قرینہ ہے، لہٰذا یہ قسم مطلق مراد ہوگی اور بعد میں بھی باقی رہے گی۔ شرح وقایہ کے صفحہ ۴۸ پر ہے: خاوند نے بیوی کو کہا "اگر میں تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے" تو یہ قسم عمر بھر کے لئے ہے، اگر عمر بھر طلاق نہ دی تو موت کے قریب آخری گھڑی میں طلاق ہوگی کیونکہ اس وقت معلوم ہوگا اس نے عمر بھر طلاق نہ دی ورنہ زندگی میں ہر وقت طلاق کا احتمال تھا، تو اسی طرح "نماز نہ پڑھنے کی شرط" کا وقوع عمر کے آخر میں ہوگا ورنہ زندگی میں ہر وقت نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے۔ قہستانی ص۲۷۹ میں ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ عمر کے آخری حصہ میں خاوند یا بیوی کی موت سے ایک گھڑی قبل شرط کا وقوع

[1] شرح الوقایہ بیان لغویۃ التطلیق قبل التزوج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۷

[2] جامع الرموز (قہستانی) کتاب الطلاق مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۵۱۳

آں زن ازاں تاریخ تاایں دم متعودہ گشت، فی قاضی خاں ص۳۴۱ **ولو قال اذا طلقتك فانت طالق واذا لم اطلقك فانت طالق فلم يطلق حتی ماتت طلقت ثنتين فی اٰخر جزء من اجزاء حياته** [1] ایں ہمہ ثبوت مدعا ست ایضافیہ ص۲۲۹ **رجل قال لامرأته ان لم اجامعك علی راس هذاالرمح فانت طالق فما داما حيين والرمح قائم لايحنث** [2] وقبیل موت احدہما یا بعد ضیاع رمح حانث شود ہکذا **مانحن فيه واللّٰه تعالٰی اعلم**، اگر تسلیم کردہ شود کہ طلاقین اولین واقع شدند تاہم بوجہ رجعت باطل چنانکہ بعد طلاق بائن اگر تجدید نکاح کند بعدہ ایضا طلاق دہد طلاقین اولین باطل شوند بعد تجدید نکاح اگر طلاق دہد آں در حساب کردہ آید نہ طلاق قبل تجدید نکاح ہمچنیں بعد رجعت اول طلاق باطل است کمافی

معلوم ہوگا،اور نوادر میں ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا" تجھے طلاق اگرچہ میں طلاق نہ دوں"تو بیوی کے مرنے پر طلاق نہ ہوگی،اسی طرح اس مسئلہ میں بیوی مرنے سے قبل نماز نہ پڑھے گی تو اس کو دو طلاقیں رجعی ہونگی جبکہ زیر بحث صورت میں بیوی نے نماز نہ چھوڑی بلکہ اس وقت سے لے کر آج تک وہ نماز کی عادی اور پابند ہے۔ قاضی خاں کے ص۳۴۱ میں ہے کہ اگر خاوند نے کہا"جب میں تجھے طلاق دوں تو تجھے طلاق اور جب تجھے نہ دوں تو تجھے طلاق"اس صورت میں عورت کے مرنے پر اس کو طلاق ہوگی اور اس کی عمر کی آخری گھڑی میں دو طلاقیں ہونگی یہ تمام بحث مدعٰی کے ثبوت کے لئے تائید ہے۔اسی میں ص۲۲۹ پر ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا کہ "اگر میں نے اس نیزے کے سر پر تجھ سے جماع نہ کروں تو تجھے طلاق ہے۔"اس صورت میں جب تک خاوند اور بیوی زندہ ہیں اور نیزہ بھی موجود ہے طلاق نہ ہوگی،ہاں کسی کے مرنے یا نیزے کے ختم ہوجانے پر طلاق ہوگی،تو زیرِ بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے،**واللہ تعالٰی اعلم**۔اگر تسلیم کرلیا جائے کہ احمد علی کی بیوی کو پہلی دو طلاقیں ہوگئی ہیں تو تب بھی ان سے رجوع کرلینے پر وہ کالعدم ہوگئیں جس طرح کہا بائنہ طلاق کے بعد اگر تجدید نکاح کرلیں اور اس کے بعد طلاق

---

[1] فتاوی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۲۰

[2] فتاوی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۲۸

الدر المختار لو طلقہا رجعیا فجعلہ بائنا او ثلثا [1] ورد المحتار قولہ قبل الرجعۃ لانہ بعدہا یبطل عمل الطلاق فیتعذر جعلہا بائنا او ثلثا ھکذا فی الطحطاوی [2] ازیں عبارت خوب واضح شد طلاقین اولیین بوجہ رجعت باطل ست اکنوں برائے طلاق بلاشرط رجعت صحیح است وھو المدعی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ المستخرج محمد وجیہ اللہ۔	دے دے تو بعد والی گنتی میں ہو گی اور پہلی گنتی میں نہ ہو گی کیونکہ پہلی تجدید نکاح سے کالعدم ہو گئی ہے۔ اسی طرح رجوع کر لینے کے بعد پہلی دی ہوئی طلاقیں کالعدم ہو جائیں گی، جیسا کہ در مختار میں ہے کہ اگر رجعی طلاق دی ہو تو اس کو بائنہ بنادے یا تین طلاق دے دے۔ اس پر ردالمحتار میں کہا کہ ماتن کا قول "رجعت سے پہلے" یہ اس لئے کہ اگر رجعت کے بعد ہو تو طلاق کا عمل باطل ہو جاتا ہے اس لئے اس کو بائن یا تین بنانا ممکن نہ رہے گا، طحطاوی میں یوں ہے: اس عبارت سے خوب واضح ہو گیا کہ احمد علی کی بیوی کی پہلی دونوں طلاقیں رجعت کی وجہ سے کالعدم ہو جائیں گی۔ اب اس کے بعد کسی شرط کے بغیر دی ہوئی طلاق پر رجوع کرنا صحیح ہو گا، یہی مطلوب ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ مسئلہ کا حل پیش کرنے والا محمد وجیہ اللہ۔

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب رب انّی اعوذبک من ھمزات الشیطن واعوذبک رب ان یحضرون در صورت مستفسرہ زن احمد علی از حبالہ نکاحش بدر رفت، ونہ آنچناں کہ بمجرد تجدید نکاح باز زن اوتواں شد بلکہ تحلیل لازم ست وبے توسط شوہر دیگر حرمت جازم قال اللہ تعالٰی فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ [3] حالانکہ	اے اللہ! حق اور درستگی کی رہنمائی فرما، اے رب! میں شیطان کے غرور سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور اے رب! شیطانوں کی موجودگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، مسئولہ صورت میں احمد علی کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو گئی اور اب تجدید نکاح سے بھی حلال نہ ہو گی بلکہ حلالہ ضروری ہے اور دوسرے شخص سے نکاح کئے بغیر قطعی حرام رہے گی، اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: اگر تیسری طلاق دے دے تو اس کے بعد بیوی حلال نہ ہو گی تاوقتیکہ وہ دوسرے

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

[2] ردالمحتار باب الکنایات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶

[3] القرآن الکریم ۲/۲۳۰

احمد علی بتعلیم کسے ادعائے ارادہ عموم میکند یعنی آنکہ اگر تو درہمہ عمر خودت ہیچگاہ پیراموں نماز نکردی ودر مدت حیات یک نماز ہم ادانہ کنی برتو دو طلاق باشد حیلہ ایست کاسدہ وبہانہ ایست بس فاسدہ کہ غیر طفلاں بخبر ہیچ عاقلے بجوئے نخرو مقصود وعظ زجرآں می شد کہ پابند نماز شود ہمیں معنی در مستفاہم عرف کہ مبنائے ایمان ست مفہوم شود نہ آنکہ در مدت العمر یک سجدہ پسند ست اگر ترا بینم کہ مردے واز دنیا رخت بردی ہیچ گاہ یک سجدہ الہ نکردی آنگاہ بدم واپسیں کہ خود از نکاح من بیروں مے روی برتو دو طلاق باشد ایں معنی کہ اضحوکہ بیش نیست زنہار نہ مراد قائلاں مے باشد ونہ مفہوم اہل عرف وزبان، وخود احمد علی صباح آں شب بکار روائی عملی خود مرا خودش کہ آشکارا بود آشکاراتر نمود کہ چوں زن نماز عشاء نگزارد بامداد آں رجعت نمود اگر قصد آں بودے کہ حالا بآموزگاری دستاں سازاں دامے نماید طلاق برکہ بود ورجعت از چہ فرمود ازیں ہمہ واضحات گزشتن وگزاشتن وبہر تحلیل فرج حرام نظر بر فریب وحیلہ گماشتن کار مسلمانی نیست وہم ازینجا حیلہ قصد وعدہ از ہم پاشد بل ہر حیلہ کہ فسو نسازے حالاتراشد عمل بامدادی

شخص سے نکاح نہ کرے، اب احمد علی نے کسی کے سکھانے پر جو حیلہ گھڑا اور کہا کہ عموم کا ارادہ کیا ہے یعنی تمام عمر کبھی کہیں کوئی نماز بیوی نہ پڑھے اور تمام عمر ایک نماز بھی نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، یہ حیلہ جھوٹ اور خالص فاسد بہانہ ہے جس کو بیخبر بچوں کے علاوہ کوئی عقلمند تسلیم نہیں کرے گا، جبکہ مقصد یہ ہے کہ بیوی کو نماز کا پابند بنانے کے لئے نصیحت اور ڈانٹ کے طور پر بات کی گئی ہے لوگوں کے عرف میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ بیوی کو نماز کا پابند بنانے کے لئے کوئی نماز ترک کرنے پر اس کو دو طلاقیں ہوں گی، نہ یہ کہ تیرا ایک سجدہ ہی پسند ہے اور جب تو مرنے لگی اور دنیا سے رخصت ہوتی دیکھوں کہ تونے کوئی ایک سجدہ نہ کیا اور دنیا سے واپس جاتے ہوئے جبکہ از خود نکاح ختم ہورہا ہو تو تجھے دو طلاقیں ہوں گی، یہ معنی تو مذاق کے سوا کچھ بھی نہیں اور نہ ہی ایسی بات کرنے والوں کا ہرگز یہ مقصود ہوتا ہے اور نہ ہی اہلِ زبان اور اہلِ عرف یہ معنٰی سمجھتے ہیں۔ احمد علی نے رات کی کارروائی جو کہ پہلے واضح تھی اس کو صبح مزید واضح کرتے ہوئے بیوی کے عشاء کی نماز رات کو نہ پڑھنے پر دو رجعی طلاقوں کے بعد صبح اس نے رجوع کیا، اگر اس کا مقصد وہی تھا جو حیلہ سازوں نے اس کو سکھایا تو عشاء کی نماز نہ پڑھنے سے طلاق نہ ہوئی تو رجوع کیسا اور کس سے رجوع کیا، اس تمام واضح چیز کو نظر انداز کرنا اور

احمد علی ہمہ را جان خراشد و قولہ ایں بیچارہ بے علم چہ داند فقیر سخن ازاں در رد معلم اومی راند وہمچناں ابطال طلاق بہ رجعت کہ ایں کلمہ ملعونہ از زبانش ہماں بتعلیم ضلال بر آمد ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم حکم مسئلہ در فتوائے جلیلہ سابقہ ہر چہ تمامتر روشن شدہ است اینجا تسکیناً للھواجس وتوھینا للوساوس والدسائس حرفے چند نافع و سود مند در رد فتوائے دیوبند بر نگاریم وامیدِ توفیق از حضرت عزت عزوعلا داریم، ایں طرفہ فتوی جامع الخطا والطغوی کہ اثر دیوبندیش از ہر سطر اش ہویدا وجان وجہاں دیوبندیاں بر حرف حرفش شیدا بملاحظہ آمد، نوبادہ دیوبندیاں در تحلیل حرام خدا بہ تسویل نفس پر دغا، چہ ستم اعجوبہا بکار برد کہ کہن مشقاں دیوبند را نیز رونق بازار برد تفصیلی مفضی تطویل، لہٰذا بر ماقل وکفی تعویل وحاشا روئے سخن بر ہمچو ناشناسانِ فن بلکہ مقصود نصح عوام مومناں ست، تا مبادا باغوائے کسے حرام خدارا حلال پندارد، وکلمات خطا وضلال حتی کہ تکذیب صریح کلام ذی الجلال را سہل انگارند والعیاذ باللہ العزیز الرحیم، ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ

فریب اور غلط حیلہ سے حرام شرمگاہ کو حلال کرنا مسلمانوں کا کام نہیں ہے، نیز یہاں یہ حیلہ کرنا کہ احمد علی نے وعدہ طلاق کا قصد کیا ہے، خود بخود ختم ہوگیا بلکہ وہ تمام حیلے جو کار سازوں نے اسے سکھائے ہیں ان سب کو خود احمد علی نے صبح رجوع کی کارروائی سے باطل قرار دیا اور اس مجیب بیچارے بے علم کو کیا معلوم ہے، یہ فقیر اس کے استاذ کے رد میں بیان کرتا ہے اور یونہی استاذ کے سکھائے ہوئے اس کلام میں کہ رجوع کرنے سے پہلی طلاقیں باطل ہوگئی ہیں جو کسی گمراہ کے بہکانے پر اس کی زبان نے استعمال کی ہیں کا رد کیا جائے گا۔ ان گمراہ کلمات پر "لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم" ہی پڑھی جاسکتی ہے، مسئولہ صورت کا جواب مذکور کلمات سے مکمل ہوگیا ہے تاہم شکوک کو ختم کرنے اور وسوسوں کو مٹانے کیلئے دیوبندی کے فتوی کے رد میں کچھ کلام کی جائے تو مفید اور سود مند ہوگی جس کے لئے میں اللہ تعالٰی سے توفیق کا خواستگار ہوں۔ یہ ردی فتوی جو گمراہی اور غلطیوں کا مجموعہ ہے اس کی ہر سطر سے دیوبندیت اور جہالت نمایاں ہورہی ہے اور اس کے ہر حرف سے دیوبندیوں کا سرمایہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، دیوبندیوں کا یہ نیا تماشہ جو اللہ کی حرام کردہ کو حلال بنانے کے لئے من گھڑت فریب سے پر ہے۔ ان عجوبوں پر ظلم یہ کہ دیوبند کی کہنہ مشق شخصیات بھی بازار کی رونق

العلی العظیم عزیزان ہلہ ہشیار وے شتاب زدگی نباید شہسوار خامہ برق بار را بجالش آمدن دہید بحولہ تعالٰی حالا خالی شود وبیان بہ عیاں رسد کہ بیچارہ ازاثر دیوبندی چساں تکذیب نص قطعی قرآن وخرق اجماع ائمہ مومناں علیہم الرضوان نمود، وبطمع آنکہ مگر فرجے حرام رابرائے دیگرے حلال نماید حیا در ملابرروئے خودش کشود وقد صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیما یرویہ عنہ ابوھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عند البیھقی فی شعب الایمان من اسوء الناس منزلۃ من اذھب اٰخرتہ بدنیا غیرہ [1]۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین ہماچیدہ چیدہ در تنبیہات عدیدہ مفیدہ بر چند خطایائے ایں فتوی نوچاویدہ آگاہی دہیم، تا عاقلاں پے برند وغافلاں خبر دار شوند وخاطیاں اگر توفیق یابند د گرہ ہمچناں کور کورانہ نروندو باللہ التوفیق ووصول التحقیق۔	ثابت ہوئے ضرورت سے زائد بات موجب تطویل ہوگی لہٰذا ہم پر قلیل اور کافی کو پیش کرنا مناسب ہے ان جیسے نا سمجھ لوگوں سے ہر گز روئے سخن نہیں ہے بلکہ اہل ایمان کو نصیحت مقصود ہے تاکہ کہیں کسی کے بہکانے پر اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال نہ سمجھ لیں، اور غلط وگمراہی کی باتیں حتی کہ اللہ تعالٰی کے صریح کلام کی تکذیب ہیں پر سہل انگاری سے کام نہ لیں العیاذ باللہ العزیز الرحیم، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ عزیزان نہایت ہوشیار بے صبری نہیں چاہئے، تیز رفتار شہسوار قلم کو حرکت میں آنے دو اللہ تعالٰی کے فضل سے میدان صاف اور بیان واضح ہوجائے گا کہ اس مجیب بیچارے نے دیوبندی اثر کی بنا پر قرآن پاک کی نص قطعی کی تکذیب اور مومنوں کے ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اجماع کی خلاف ورزی کس طرح کی ہے اور وہ بھی حرام شرمگاہ کو غیر کے لئے حلال کرنے کے لالچ میں جرات کرکے شرمساری اپنے ذمے لے لی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا سچا ارشاد روایت فرمایا جس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بڑا بدبخت وہ شخص ہے جو غیر کی دنیا کے لئے اپنی آخرت خراب کرے والعیاذ باللہ رب العٰلمین، اب ہم چند تنبیہات مفیدہ، اس عجیب فتوی کی چند غلطیوں پر آگاہی کے لئے ذکر کریں گے تاکہ بے پرعاقل اور غافل لو

[1] شعب الایمان باب فی اخلاص العمل للہ وترک الریاء حدیث دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/۳۵۸

خبردار ہوجائیں اور خطاکار اگر توفیق پائیں تو دوسروں کے نہ راستے کو نہ اپنائیں، توفیق اور حق تک رسائی اللہ تعالٰی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔(ت)	
اول: آنکہ خرق طلاق را تبدیل صورت سوال رفو خواست سوال کہ ایں جاآمدہ بود لفظش آں بود کہ "ایک شخص نے اپنی بی بی کو بعد نماز مغرب کے کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے"۔ و تعلیم سوال دیوبندی آنچناں ساخت کہ باعتدال طبع واستقلال مزاج بطریق زجر وتنبیہ گفت کہ نماز بخواں اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق بجائے تو دو طلاقہ، ترا دو طلاق نمود تا بزعم باطل خودش اورا از تعلیق برآوردہ وعدہ طلاق نماید وبد نداں طمع گرہ از کار احمد علی کشاید وپیداست کہ تبدیل صورت بعد اطلاع برحکم شرعی نمی باشد مگر از راہ مکروخدع باز سائل ماکہ دوبارہ ایں سوال فرستاد نقاب ازروئے دستاں ایں ہواپرستاں کشادہ کہ لفظ خاص احمد علی بزبان بنگالہ "دیلام" کہ صراحۃً بمعنی دادم ست نوشت وبساط اختراع وعد یکسر در نوشت۔	**اول**: یہ کہ، طلاق کے نشان کو سوال کی صورت میں تبدیلی کرکے، مٹانا چاہا، یہاں جو سوال آیا اسکے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو نمازِ مغرب کے بعد کہا "اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے" اور دیوبندی کی تعلیم سے سوال یوں بنادیا: ایک شخص نے اعتدال طبع اور مستقل مزاجی سے زجر اور تنبیہ کے طور بیوی کو کہا کہ تو نماز پڑھ، اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق، یوں اس نے "تو دو طلاق" کی بجائے "تجھے دو طلاق" بنادیا، تاکہ اپنے باطل زعم میں وہ تعلیق طلاق سے نکال کر وعدہ طلاق بناسکے اور لالچ کے دانتوں سے احمد علی کی کارروائی کی گرہ کو کھولے، اور واضح بات ہے کسی شرعی حکم کے معلوم ہونے پر سوال کی صورت کو تبدیل کرنا صرف مکروفریب ہی کہلاسکتا ہے پھر جس نے ہمارے پاس دوبارہ یہ سوال بھیجا ہے اس نے ان نفسانی خواہشات پرستوں کی داستان سے پردہ ہٹادیا ہے کہ احمد علی نے جو لفظ خاص اس موقعہ پر بنگالی زبان میں استعمال کیا ہے وہ "دیلام" ہے جو کہ صراحۃً "میں نے دی" کے معنی میں ہونا لکھا ہے اور وعدہ کی اختراعی صورت بالکل ختم کردی۔(ت)

دوم: فرقے کہ در تو طلاق وترا طالق از پیش خویش بر آورد محض ایجاد بندہ است بیچارہ در انشائے تعلیق و تعلیق انشافرق نمی داند مقصود ومفاہم عرف اول ست نہ ثانی، ومعنی استقبال خود لازم ہر جز است چنانکہ در قولش اگر چناں کنی تو طلاق معنی آنست کہ مطلقہ شوی ہم بایں انشانہ بانشائے جدید، کہ آں وقت وعدہ ابدالیش میدہد، ہمچناں در قولش اگر نچناں کنی ترا طلاق معنی ہمان ست کہ تراطلاق شود بہمیں انشاء نہ بانشائے موعود، وطلاق آنچناں کہ صدورًا وصف مرد ست کہ از و بمصدر مبنی للفاعل اے مطلقیت بالکسر تعبیر کند ہمچناں وقوعًا صفت زن کہ از و بمصدر مبنی للمفعول اعنی مطلقیت بالفتح نشان دہد پس مقدر خواہد شد بود نہ کہ خواہم داد اگر مجرد ملاحظہ آنکہ ایں صفت زن بے فعل شوے صورت نہ بندد مشعر فعل جدید موعود ومفید معنی وعدہ شود پس ایں خود در قول او، اگر چناں شود تو طلاق نیز نقد وقت ست زیرا کہ از طلاق بمعنی رفع کہ فعل زوج ست اورا نیز ناگزیر ست بلکہ ہیچ لفظے ازیں معنی بے نیاز نبود پس اگر ایں ملاحظہ بموجب معنی وعدہ شدے ہمانا ہیچ تعلیق صورت نہ بستے مثلًا در تو طلاق نیز تواں گفت کہ معنی آنست کہ تو مطلقہ خواہی شد ومطلقہ نیست مگر آنکہ بروئے ایقاع طلاق نمودہ شود پس معنی آں شد کہ بر تو ایقاع طلاق کردہ خواہد شد وپیدا است کہ ایں وعدہ طلاق نیست بالجملہ ایں وسوسہ وتفرقہ جہالتے بیش نیست۔

دوم: "تو طلاق، اور تجھے طلاق" کا فرق خود اپنی طرف سے من گھڑت بنایا، اس بیچارے کو تعلیق کی انشاء اور انشاء کی تعلیق کا فرق معلوم نہ ہو سکا، جبکہ عرف میں پہلا یعنی تعلیق کی انشاء مقصود ومتعارف ہے نہ کہ دوسرا، اور پھر ہر جزء کو استقبال خود لازم ہے مثلًا یہ کہنا کہ "تو اگر یوں کرے تو طلاق ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ "تو مطلقہ ہو جائے گی" اور انشاء بھی یہی ہوگا نہ کہ کوئی بعد میں جدید انشاء ہوگا، اور طلاق صادر ہونے کے اعتبار میں خاوند کی صفت ہوتی ہے جس کو طلاق دینے والا، سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یونہی وہ وقوع کے اعتبار سے بیوی کی صفت ہوتی ہے جس کو مطلقہ سے تعبیر کرتے ہیں (یعنی خاوند کے لئے طلاق مصدر مبنی للفاعل اور بیوی کے لئے وہی طلاق مصدر مبنی للمفعول بن جاتا ہے) تو یہاں "ہو جائے گی" کی تقدیر بنے گی نہ کہ "میں دوں گا" کی تقدیر بنے گی۔ اور اگر صرف یہ لحاظ ہو کہ یہ بیوی کی صفت خاوند کے فعل کے بغیر بن گئی تو بات نہ بنے گی اور اس سے خاوند کے جدید آئندہ فعل اور طلاق کا وعدہ نہ بن سکے گا، پس خاوند کا یہ کہنا کہ "اگر یہ ہو جائے تو طلاق" بھی بروقت انشاء ہے کیونکہ طلاق جس کا معنی ہٹانا اور کھولنا ہے بھی خاوند کے فعل کا نام ہے جو کہ ضروری ہے، بلکہ کوئی لفظِ طلاق بھی خاوند کے فعل سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، پس اگر اس لحاظ سے اس کو وعدہ والا معنی قرار دیا جائے تو پھر تعلیق کے لئے کوئی صورت نہیں بن سکے گی مثلًا کوئی یوں کہے "تو طلاق ہے" تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے تو مطلقہ ہو سکے گی اور ابھی

سوم: جناب مجتہد العصر باجتہاد خودش ایں فرق بدیع ابداع نمود و ندید یا دید از چشم حق پوشید کہ در کتب مذہب تصریحا جا بجا لفظ "ترا طلاق" تعلیق قرار دادہ اند نہ وعدہ، در فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ فرمود اگر مرا نخواہی ترا طلاق فقالت می خواہم لاتطلق ہذا تعلیق بالارادۃ وانہا امر باطن لایوقف علیہ فیتعلق بالاختیار [1] در فتاوٰی قاضی خاں و خزانۃ المفتین و غیرہما فرمودند اگر سہ ماہ رانیایم و دہ دینار نیارم ترا طلاق فجاء ولم یات بالدنانیر تطلق [2] در فتاوٰی ظہیریہ وخزانہ امام سمعانی فرمودہ قال لھا اگر تو حرام کنی ترا سہ طلاق فابانہا ثم جامعہا فی العدۃ یحنث وتطلق ثلثا [3] حالانکہ مجتہد دیوبند از چشم کشادہ نظر فرماید کہ آں بالاخو اینہائے وعدو تقدیر خواہم داد کجا شد۔

چہارم: احمد علی رادریں دستاں استاذ خود می گوید کہ ایں مطلب از خود نگر فتم بلکہ احمد علی میگوید حالانکہ معاملہ واژ گونہ است بے چارہ

مطلقہ نہ ہوئی۔ اور جس عورت کو کئی طلاق دے تو معنی یہ ہو جائے گا کہ طلاق دوں گا حالانکہ وہ طلاق واقع کر رہا ہے اور طلاق کا وعدہ نہیں کر رہا، غرضیکہ یہ فرق کا وسوسہ جہالت ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ **سوم:** یہ عجیب فرق کرنے پر مجتہد العصر نے یہ بھی نہ دیکھا یا دیکھا اور حق نظر نہ آیا کہ مذہب کی تمام کتب میں جابجا صراحۃً "تجھے طلاق ہے" کو تعلیق قرار دیا گیا ہے نہ کہ وعدہ طلاق قرار دیا گیا۔ فتاوٰی خلاصہ اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ "اگر تو مجھے نہیں چاہتی تو تجھے طلاق ہے" بیوی نے جواب میں کہا "میں چاہتی ہوں" تو طلاق نہ ہو گی کیونکہ یہ بیوی کے ارادہ سے معلق ہے اور ارادہ باطنی چیز ہے اس پر واقفیت نہیں ہو سکتی لہٰذا بیوی کے اختیار پر فیصلہ ہوگا، اور فتاوٰی قاضی خان اور خزانۃ المفتین وغیرہما میں فرمایا ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا "اگر میں تین ماہ کو نہ آؤں اور دس دینار نہ لاؤں تو تجھے طلاق"۔ تو تین ماہ کے بعد آیا اور دس دینار نہ لایا تو طلاق ہو جائے گی۔ فتاوٰی ظہیریہ اور خزانہ امام سمعانی میں فرمایا اگر بیوی کو کہا اگر تو حرام کرے تو تجھے تین طلاق۔ اس کے بعد اس نے بیوی کو طلاق بائنہ دے کر اس سے عدت میں جماع کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور تین طلاقیں ہو جائیں گی دیوبندی مجتہد آنکھ کھول کر دیکھے کہ مذکورہ بالا عبارات میں وعدہ اور "طلاق دوں گا" کہاں ہے۔ **چہارم:** احمد علی کی اس داستان کا استاذ خود کہتا ہے کہ "یہ مطلب میں نے خود نہیں بنایا بلکہ احمد علی کہتا ہے" حالانکہ یہ گہرا معاملہ ہے اگر بے چارہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۷

[2] خزانۃ المفتین فصل فی التعلیق قلمی نسخہ ۱/۱۱۳

[3] خزانۃ المفتین فصل فی التعلیق قلمی نسخہ ۱/۱۱۲

احمد علی اگر ازیں کید عظیم آگہی داشتے صبحگاہ چار تخم رجعت کاشتے۔

پنجم: باز کہ باعتراف حق گزائید سخنے لغو وبے سود چادیدن گرفت کہ معلق برسہ گونہ است وقسم راقسمت دانستہ میگوید مجموعہ شش قسمت است حالانکہ ایں تقسیم را در مسئلہ دائرہ دخلے نیست اینجا وفرق حکم میان قسمے وقسمے نیست خودش می سراید **هذا يعم الصورة الستة كلها من غير فرق** ہوشمند راپر سیدن ست کہ چوں اینجا ہر قسم را حکم یکے ست ذکر ایں تقسیم ازش چہ رود در میان آمد جز ینکہ بینندہ داند کہ جناب اجتہاد مآب راگاہے بر شرح وقایہ ہم نظر افتادہ است **ولو مع عدم الفهم**۔

ششم: شان الٰہی نظارہ کردنی ست کہ خوددر ضمن باطل نادانستہ لب بحق می کشاید وبازاز خطب بہ جذب می گراید، مرادش آں بود کہ ایں تعلیق رادائم نماز چسپاں نماید تا بوقوع صلٰوۃ ولو مرۃ زن را تحفظ از طلاق بدست آید از ہمیں رو منطق الطیر خود را خرچ نمود ومطلب را کشاں کشاں برآں منزل آورد کہ اگر از زن احمد علی یک نماز ہم پیش از مرگ واقع شد اوراطلاق نیست حالانکہ ایں جاخود می گوید حیث لایشعر راہ حق می پوید، کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ ست دائما سبحان اللہ ایں شتر گربگی بیں غرض متکلم آں بود کہ زوجہ دائما معتاد نماز شود یاآں شد کہ زن در مدۃ العمر یک سجدہ بجاآرد گو در سائر عمر خودش ہیچ روئے بقبلہ میار ببیں تفاوت رہ از کجاست

احمد علی اس عظیم مکر کو سمجھتا تو صبح کو رجوع کیوں کرتا۔

پنجم: پھر حق کے اعتراف سے گریز کرتے ہوئے لغو اور بے سود معاملہ میں الجھ گیا کہ "معلق تین قسم پر ہے" اور قسم کو تقسیم سمجھ کر کہتا ہے" مجموعہ چھ قسم ہے" حالانکہ زیر بحث مسئلہ میں اس تقسیم کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہاں اقسام میں کوئی فرق نہیں ہے اور خود کہتا ہے کہ یہ حکم تمام چھ اقسام کو شامل ہے، اس عقلمند سے کوئی پوچھے کہ جب سب کا حکم ایک ہے تو پھر اس تقسیم کو کس وجہ سے درمیان میں لایا گیا سوائے اس کے کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوجائے کہ جناب مجتہد صاحب کی نظر شرح وقایہ پر بھی پڑی ہے اگرچہ سمجھ نہیں آئی۔

ششم: خدا کی شان دیکھئے کہ باطل کے ضمن میں غیر شعوری طور پر حق زبان سے نکل گیا اور پھر دوبارہ گڑھے میں گر گیا، اس کا مقصد تو یہ تھا کہ اس تعلیق کا تعلق دائمی ترک نماز سے بنائے تاکہ ایک نماز بھی پڑھ لینے پر بیوی کو طلاق سے تحفظ مل سکے، اسی بناء پر اپنی منطق کو استعمال کرتے ہوئے مطلب کو کھینچ تان کر اس منزل پر لے آیا کہ اگر احمد علی کی بیوی مرنے سے قبل ایک نماز بھی پڑھ لے تو طلاق نہ ہوگی حالانکہ یہاں راہ حق کو غیر شعوری طور پر پاتے ہوئے کہتا ہے کہ متکلم کی غرض بھی یہی کہ اس کی بیوی دائمی طور پر نماز کی عادی ہوجائے، سبحان اللہ! اس شتر کی چال دیکھئے کہ یا متکلم کی غرض بیوی کو دائمی نماز کا پابند بنانا ہے یا یہ غرض ہے کہ پوری عمر ایک سجدہ بجالائے اگرچہ باقی عمر بھر قبلہ رو نہ ہو

تا بکجا۔

ہفتم: خود معترف شدہ کہ غرض متکلم دائما خوگر بودن زن بہ نماز ست، می گوید پس تخصیص نماز عشاوفجر وغیرہ از کجا امد، اجتہاد تا بامانیز ہمیں می گویم کہ غرض تعود دائم ست تخصیص ہیچ نماز نیست، ہر نمازیکہ عمداً بلاعذر شرعی ترک دہد طلاق شود عشا باشد یا فجر چوں وقت عشا گزشت وزن نماز گزاشت وادا نکرد طلاقہ شدہ۔

ہشتم: باعتراف آنکہ غرض متکلم تعود دائم ست ایں چانہ زنی کہ قرینہ یمین ہم مفقود مگر از باب اجتہاد دیوبند خواہد بود یاہما نا معنی معتاد صلٰوۃ شدن زوجہ دائماآں باشد کہ درہمہ عمرجز یکبار ہیچ نماز ادانہ کند ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

نہم: تخصیص یمین الفور بصورت غضب وبے اعتدالی طبع نیز از اجتہادات دیوبندیہ است کہ در کتب مذہب ازاں نشانے نیست در فتوائے جلیلہ سابقہ چند امثلہ اش از کتب معتمدہ مذکورہ است چشم مالیدہ آنجا بیند کہ غبار ایں تخصیص از دلش بنشیند درمثال چہارم فرمودہ اند حاکم حلف کرد اگر در شہر بد معاشے آید وتراجزانہ دہم زن طلاقہ باشد ایں نیز از باب یمین الفور ست اینجا کدام غضب واشتعال طبع بود مگر جناب اجتہاد مآب از وجوہ تسمیہ الفوریک وجہ

یہ تفاوت دیکھئے کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

ہفتم: جب خود معترف ہے کہ متکلم کی غرض بیوی کو نماز کا دائمی پابند بنانا ہے، تو عشاء یا فجر کی نماز وغیرہ کی تخصیص کہاں سے آئی، تمہارااور ہمارااجتہاد بھی یہی کہتاہے کہ غرض نماز کا دائمی عادی بنانا ہے جس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں ہے جو نماز بھی شرعی عذر کے بغیر ترک کرے گی طلاق ہوجائے گیوہ نماز عشا ہو یا فجر جب عشاء کی نماز کا وقت ختم ہوجائے اور بیوی نے نماز وقت میں ادانہ کی تواس کو طلاق ہوگئی۔

ہشتم: اس اعتراف کے باوجود کہ متکلم کی غرض دائمی نماز کا عادی بنانا ہے، یہ کہنا کہ "قرینہ یمین خود بھی مفقود ہے" کیسے درست ہوسکتا ہے__ لیکن دیوبند کے اجتہاد میں یہ ہوسکتا ہے کیونکہ بیوی کو ہمیشہ نماز کا عادی بنانے کا مطلب جن کے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ تمام عمر میں ایک نماز کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھے (ان کے ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے) لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

نہم: یمین الفور کی تخصیص غصہ اور بے اعتدالی طبع سے کرنا بھی دیوبند کا اجتہاد ہے، جبکہ مذہب کی کسی کتاب میں اس تخصیص کا کوئی نشان نہیں ہے، گزشتہ چند معتمد علیہ کتب کے فتاوٰی جلیلہ کی کچھ مثالیں گزری ہیں ان کو آنکھیں صاف کرکے دیکھیں تاکہ ان کے دل سے تخصیص کی غبار نکل سکے، چوتھی مثال میں فرمایا گیا ہے کہ اگر حاکم نے قسم اٹھائی کہ "اگر کوئی بدمعاش شہر میں داخل ہوا تجھے سزانہ دوں تو بیوی کو طلاق ہے" یہ بھی یمین فور ہے حالانکہ یہاں غصہ اور اشتعالِ طبع

راملاحظہ فرمودہ گمان بردہ باشند کہ مشبہ ومشبہ بہ یکے ست ومناسبت تسمیہ لازم حقیقت شیئ ست وایں خود از اثر تعلیم دیوبندی دور نیست۔

دہم: ازیں جاتا قول وھکذا ما نحن فیہ واللہ تعالٰی اعلم کہ دو ثلث تحریر اومی شود اگر فتوائے جلیلہ سابقہ را بچشم عقل وفہم ودیدن توانستے ازینہمہ یاوہ سرائیہا معاف داشتے ایں معنی کہ ظاہر مفاد لغوی لفظ تعلیق طلاق برعدم دائم نماز ست در فتوائے جلیلہ بالفاظ جزیلہ قلیلہ ادا شدہ بود باز تخصیص بالفرض بور جے سمت ایضاح تافت کہ آفتاب حق بے حجاب سحاب تافت وخود اینکس نادانستہ ایمان آورد کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ است دائما پس حق روشن شد وپردہ از جہالت دیوبندیہ برافتادودریں دو ثلث تحریر بے تحریر ہرچہ جاوید ہمہ لغو وضائع رفت کہ حاجت التفات نماند کما لا یخفی علی کل عاقل فضلا عن فاضل ایں الفاظ مختصرہ فتوائے جلیلہ سابقہ راکہ فعل حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے اور عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز پڑھی صادق نہ رہا باتقریر طویل پریشانی اینکس باید سنجید عــہ وباز تحقیق حق ناصح را، کہ مگر بحکم دلالت حال واجب ست کہ خاص قسم اول یعنی صلٰوۃ ملتزمہ مبریئہ مراد ہو اور اس کا انتفاء

موجود نہیں ہے مگر اس مجتہد صاحب نے یمین فور کی وجہ تسمیہ کے وجوہ میں سے ایک وجہ کو دیکھ کر گمان کرلیا کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ ایک ہی چیز ہیں اور وجہ تسمیہ کی مناسبت شیئ کی حقیقت کو لازم ہوتی ہے، یہ بھی تو دیوبند تعلیم کے اثر کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔

دہم: یہاں سے لے کر اس کے اس قول "ہمارے زیر بحث مسئلہ میں ایسے ہی ہے واللہ اعلم" تک جو کہ اس کی تحریر کا دو تہائی حصہ ہے کے متعلق اگر پہلے مذکور فتوی جلیلہ کو عقل وفہم کی آنکھ سے دیکھ لے اس کی یہ تمام یاوہ گوئی ختم ہوجائے اور تعلیق طلاق کا لغوی معنی جس کا مفاد ظاہرًا دلالت کررہا ہے کہ "اگر تو نماز نہ پڑھے گی" کا مطلب دوام نماز کا عدم ہے یعنی کوئی ایک نماز نہ پڑھے، مذکورہ فتوی جلیلہ کے الفاظ نے بھرپور انداز میں اس کو بیان کردیا ہے پھر نماز فرض کی تخصیص واضح انداز میں بادل سے بے حجاب سورج کی طرح روشن ہوگئی ہے، اور خود اس شخص نے نادانستہ طور پر اعتراف کرلیا کہ "متکلم کا مقصد بیوی کو دائمی نماز کا پابند بنانا ہے" پس حق واضح ہوگیا اور دیوبندی کی جہالت سے پردہ اٹھ گیا، اور اس کی دو ثلث تحریر بے تحقیق یہاں لغو اور ضائع ہوگئی اور اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں جیسا کہ کسی بھی عقلمند پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی رہے، گزشتہ فتاوٰی جلیلہ کے مختصر الفاظ کو "کہ فعل حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے اور عموم سلب بوجہ

عــہ: یہاں مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلاعذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے تو لازم ہوا کہ جب عوت نے اس حلف کے بعد عشاء نہ پڑھی صبح صادق طالع ہوتے ہی اس پر دو طلاقیں پڑ گئیں باعتراف اینکس کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ است دائما باید دید تو وبخدائے توہیچ پردہ برچہرہ حق ماندہ است حاشا ثم حاشا بشرط آنکہ تعلیم دیوبندی عقل ترا دیوبندی یعنی بندی دیو نکردہ باشد۔

یازدہم: مسکین بیچارہ کہ در مدرسہ دیوبند گاہے الفاظ میر زاہد بر ملاجلال را ترجمہ شنیدہ باشد بشامت بخت منطقہ منطق بر رخت فقاہت دیوبندی بست ومطلبے راکہ در فتوائے جلیلہ سابقہ باحسن طریقہ اصول ایضاح یافتہ بود باخس طرق معقول نا معقول خودش اثبات خواست وباآنکہ محققین ایں تدقیق ذائع عمدۃ المدققین سید زاہد مرحوم را بوجوہ کثیرہ رد فرمودہ اند بیچارہ دست نظر قاصر از انہا کوتاہ داشتہ بر تقلید جامد سید زاہد بسند نمودونداشت کہ موضوع قضیہ طبعیہ معروض کلیت است وکلیت از معقولات ثانیہ پس قضیہ ذہنیہ باشد نہ خارجیہ وزنہار ایں مرتبہ از وجود خارجی بوئے نشود نہ بوجود فردے واحد نہ بوجود جمیع افراد فی الخارج بلکہ وجود فردے فی الخارج مستلزم وجود انتزاعی ایں مرتبہ ہم نتواں شد

ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز نہ پڑھی، صادق نہ رہا" کو اپنی طویل پراگندہ تقریر کے مقابلہ میں اس شخص کو دیکھنا چاہئے، اور پھر اس کے بعد واضح حق کو "کہ مگر بحکم دلالتِ حال واجب ہے کہ خاص قسم اول یعنی صلٰوۃ ملتزمہ مبر ئیہ مراد ہو اور اس کا انتفاء ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلاعذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے اس حلف کے بعد عشاء نہ پڑھی، صبح صادق طالع ہوتے اس پر دو طلاقیں پڑ گئیں" کو یہ شخص اپنے اس اعتراف کے ساتھ "کہ متکلم کی غرض بھی بیوی کو دائمی طور پر نماز کی عادی بنانا ہے" ملا کر دیکھے تو بخدا بتائے کہ حق کے چہرہ پر کوئی پردہ باقی رہتا ہے؟ ہر گز ہر گز نہیں رہتا، بشرطیکہ دیوبندی تعلیم نے اس کی عقل کو دیوبندی یعنی شیطان کا غلام نہ بنایا ہو۔

یازدہم: بیچارے مسکین نے کبھی دیوبند کے مدرسہ میں ملا جلال پر میر زاہد کے الفاظ کا ترجمہ سن لیا ہوگا جس پر بدقسمتی سے منطق کی بات شروع کردی اور دیوبندی فقاہت بنادی اور مذکورہ فتاوٰی جلیلہ کا مطلب جو وضاحت کے اصول پر بہت اچھی طرح واضح ہوچکا تھا اس کو اپنی نامعقول منطق سے ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے اگرچہ محققین نے عمدۃ المدققین علامہ سید میر زاہد مرحوم کی بعض مشہور تدقیقات کا کثیر وجوہ سے رَد کیا یہ بیچارہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے محققین کی بیان کردہ وجوہ سے محروم رہ کر سید زاہد کی تقلید جامد پر ہی انحصار کرسکا۔ اسے معلوم نہیں کہ قضیہ طبعیہ کا موضوع کلیت کا معروض ہوتا ہے اور کلیت معقولات ثانیہ سے ہے جس کو وجود صرف ذہنی ہوتا ہے، لہذا یہ طبعیہ صرف قضیہ ذہنیہ ہوتا ہے

فان المنتزع تابع للانتزاع فمالم ینتزع لم یوجد ولو وجد مایصح الانتزاع منه آیا نہ بنی کہ ایں مرتبہ بے لحاظ ماہیت مع الاطلاق ای فی العنوان دون المعنون صورت نہ بندد پس بے لحاظ لاحظ بمجرد وجود فرد فی الخارج چسپاں وجود ذہنی پذیرد۔

خارجہ نہیں ہوتا، اور یہ ہرگز وجود خارجی کا مرتبہ نہیں پاسکتا، یہ اپنے ایک فرد یا جمیع افراد کے خارجی وجود سے بھی خارج میں متحقق نہیں ہوسکتا بلکہ کسی فرد کے خارج میں پائے جانے سے اس مرتبہ کا وجود انتزاعی بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ انتزاع کی ہوئی چیز، انتزاع کے تابع ہوتی ہے تو جب تک انتزاع نہ کیا جائے اس کا وجود نہیں ہوتا اگرچہ وہ چیز موجود تھی جس سے انتزاع کیا جاسکتا ہو، کیا غور نہیں کرتے کہ یہ مرتبہ ماہیت کے ساتھ اطلاق کو ملحوظ رکھے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا یعنی اطلاق کا لحاظ صرف عنوان میں ہو معنون میں نہ ہو، تو کسی فرد کے محض خارج میں لحاظ کرنے والے کے لحاظ کے بغیر پائے جانے سے ذہنی وجود کس طرح پیدا ہوسکے گا۔

دوازدہم: مراد از وجود طبیعت موضوع طبعیہ وجود خارجی است یا وجود ذہنی اول را خود اوشایاں نیست ودوم در گرد وجود فرو نبود کہ بانتفائے افراد منتفی شود۔

دوازدہم: قضیہ کے موضوع کے لئے طبیعت کے وجود سے مراد خارجی وجود یا ذہنی وجود ہے وجود خارجی تو خود طبیعت کے شایاں نہیں، اور ذہنی وجود مراد ہو تو وہ حاصل نہیں (کیونکہ یہ افراد سے متعلق نہیں) کہ وہ افراد کے انتفاء سے منتفی ہوجائے۔

سیز دہم: الشیئ المطلق کہ ملحوظ بلحاظ عموم وکلیت واطلاق است احکام افراد بادساری نشود پس چرا بوجود فرد موجود یا بانتفائے افراد منتفی شود۔

سیز دہم: الشیئ المطلق کے مرتبہ میں عموم، کلیت اور اطلاق ملحوظ ہوتا ہے، اس میں افراد کے احکام سرایت نہیں کرتے تو اس مرتبہ کے متعلق یہ کہنا کہ ایک فرد کے وجود سے موجود یا ایک فرد کے انتفاء سے منتفی ہوجانا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔

چہاردہم: اگر بفرض باطل طبعیہ راخارجیہ گویم پس وجود طبیعت بوجود ہریک از افراد متعاقبہ ہماں نحو وجود ست کہ بوجود فرد اول عارض شود یا غیر آں ولو بالاعتبار اول باطل ست کہ تحصیل حاصل ست وعلی الثانی چوں بوجود ہر فرد نحوے از وجود عارض شود بانتفائے آں فرد ہمانحو وجود منتفی شود پس

چہاردہم: اگر بفرض باطل، ہم مان لیں کہ قضیہ طبعیہ کا وجود خارجی ہے تو طبیعہ کا وجود اس کے افراد متعاقبہ میں سے ہر فرد کے وجود سے ہوگا جو کہ اس کے فرد اول کا وجود ہے یا اس کا کوئی غیر وجود ہوگا اگرچہ یہ غیریت اعتباری ہی ہو، اول باطل ہے کیونکہ یہ

انتفا بانتفائے ہر فرد رو نماید و تفرقہ ایں حکم میان مطلق الشیئ والشیئ المطلق ضائع برآید۔

پانزدہم: ایرادات قاہرہ بریں تفرقہ باہرہ در کلماتِ زائرہ ملک العلماء بحر العلوم قدس سرّہ مطالعہ کن غرض بالقدر مایتعلق بالمقام این ست کہ احمد علی زنِ خود را گفت اگر نماز نخوانی ترادو طلاق پس بالبداہۃ مقصود او نمازے ست کہ خواندن و گزاردن وادا نمودن در خارج برروئے کار آوردن را شایاں بود نہ نمازے کہ وجودش محض ذہنی واعتباری باشد وقابلیت ایقاع وادا اصلاندارد پس محال ست انچہ گفتہ کہ مراد دریجا الصلٰوۃ مطلقۃ یعنی موضوع قضیہ طبعیہ است وبہ بطلانش بطلان ہمہ انچہ برو متفرع کردہ واضح فان فساد المبنی فساد البناء۔

شانزدہم: ہنگام تحقق شرط بر عدم حنث نہ خفائے داشت کہ محتاج بہ نقل بودے فاما مجتہد دیوبند کمال سلیقہ خود را در جلوہ دادن خواست وعبارت عالمگیری الاصل ان الیمین متی عقدت علی عدم الفعل فی محلین ینظر فیما الٰی شرط البر کہ ازیں محل بیعلاقہ بود بہ سند نمود مسکین اگر آں واضحہ را در محل لائق او نتوانستی دید کاش ہم ازینجا بر فقرہ

تحصیل حاصل ہے، اور دوسری شق پر جب ہر فرد کے وجود سے طبیعت کو ایک قسم کا وجود عارض ہوا تو اس فرد کے انتفاء سے طبیعت کو حاصل شدہ وجود منتفی ہوگا، تو لازم آئے گا کہ ہر فرد کے انتفاء سے طبیعت کا انتفاء ہوجائے تو اس حکم میں مطلق الشیئ اور الشیئ المطلق کا فرق فضول ہوگا۔

پانزدہم: اس فرق پر مضبوط اعتراضات کا مطالعہ ملک العلماء بحر العلوم کے کلام میں کرو۔ زیر بحث مقام سے متعلق غرض یہ ہے کہ احمد علی نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، پس بالبداہت معلوم ہے کہ اس کا مقصد وہ نماز ہے جو خارج میں پڑھی اور ادا کی جاسکے، نہ وہ نماز جس کا وجود محض ذہنی اور اعتباری ہو اور خارج میں پڑھنے اور ادا کرنے کے قابل نہ ہو، تو یہ کہنا کہ یہاں صلٰوۃ مطلقہ مراد ہے جو قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے، محال ہوگا، اس کے بطلان کے بعد وہ تمام باتیں باطل ہوگئیں جو اس پر متفرع کی گئی ہیں، یہ واضح بات ہے کیونکہ مبنی کے فساد سے بناء کا فساد ہوتا ہے۔

شانزدہم: عدم فعل کی شرط کے پائے جانے پر حنث کا پایا جانا واضح بات ہے جس پر کسی نقل کی ضرورت نہ تھی، لیکن دیوبندی مجتہد بڑے سلیقہ سے اپنا جلوہ دکھانا چاہتا ہے اور اس کا یہاں عالمگیری کی عبارت "کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر قسم کا تعلق ایسے عدم فعل سے ہو جس کا تعلق دو محل سے ہو تو دونوں میں قسم پورا ہونے کی شرط کو دیکھا جائے گا" کو بطور سند پیش کرنا بے علاقہ

وعند فوات شرط البر یتعین الحنث کہ بہ تکلف متکلف بطور مفہوم مخالف بامقصود او موافق می تواں شد قناعت کردے تعلیق یمین بہ دو محل رادریں محل چہ مقام و محل۔	بات ہے اس غریب کو اس واضح بات پر کوئی مناسب دلیل نظر نہ آئی تھی تو یہاں اس فقرہ پر کہ "اور قسم پورا ہونے کی شرط کے فوت ہوجانے پر حنث لازم اور متعین ہوگا" اکتفاء کرلیتا کیونکہ یہ بطورِ مفہوم مخالف اس کے مقصد کے موافق تھی، تو اس مفہوم مخالف کا تکلف کرلیتا، جبکہ قسم کو دو محلوں سے معلق کرنے کا یہاں کیا مقام تھا۔
ہفدہم: آنکہ از عالمگیریہ مسئلہ ان لم تعطینی ھذا الثوب [1] باز مسئلہ ان لم اطأك مع ھذہ المقنعۃ [2] آوردو مسکین درمیان ایں دو مسئلہ مسئلہ کہ ہمیں عالمگیری از محیط از فتاوائے امام فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ آوردواز بے بصری نہ دید یا دید واز بے بصیرتی نہ فہمید یا فہمید واز راہ مغالطہ عوام قطع وبرید گزید، ببیں کہ درہمیں سطور عالمگیری چہ میں فرماید فی فتاوٰی ابی اللیث رحمہ اللہ تعالٰی اذا اراد الرجل ان یجامع امرأتہ فقال لھا ان لم تدخلی معی فی البیت فانت طالق فدخلت بعد ماسکنت شھوتہ وقع الطلاق علیھا وان دخلت قبل ذٰلك لاتطلق کذا فی المحیط [3] اینجاچرانہ گوید کہ محلوف علیہ عدم دخول مطلق ست ودخول	**ہفدہم**: یہ کہ عالمگیریہ کا مسئلہ، کہ بیوی کو کہا اگر تو مجھے یہ کپڑا نہ دے تو طلاق۔ اور پھر دوسرا مسئلہ، اگر میں تجھ سے وطی نہ کروں اس اوڑھنی کے ساتھ، کو اس کفایت دینے والے مسئلہ کے ساتھ ذکر کیا اور اس غریب نے ان مذکورہ دونوں مسئلوں کے درمیان، عالمگیری کا محیط سے اور اس کا امام فقیہ ابواللیث سمرقندی سے منقولہ مسئلہ کو ذکر کیا اور بے بصری میں دیکھا نہیں یا دیکھا ہے تو بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے سمجھا نہیں یا سمجھا ہے تو عوام کے مغالطہ دینے کے لئے قطع وبرید کردی، دیکھئے عالمگیری کی انہی سطروں میں کیا بیان کیا ہے کہ فتاوٰی ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی میں ہے کہ خاوند نے بیوی سے مجامعت کا ارادہ کرتے ہوئے بیوی کو کہا کہ اگر تو میرے ساتھ اندر کمرے میں داخل نہ ہوئی تو تجھے طلاق ہے، اس کے بعد عورت اس وقت داخل ہوئی جب خاوند کی شہوت ختم ہوگئی تو بیوی کو طلاق ہوگی، اور اگر

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۳۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۳۰

مطلق موضوع قضیہ طبعیہ ست واو منتفی نشود مگر بانتفائے جمیع افراد دخول وایں نبود مگر بعدم دخول اصلاتا حصول موت احد ہما پس دخول گاہے متحقق شود اگرچہ بعد دہ سال عدم دخول مطلق منتفی گردد وشرط حنث صورت نہ بندد۔

ہیجدہم: بازاز عالمگیریہ مسئلہ ان لم تصل الیوم رکعتین فانت طالق فحاضت قبل ان تشرع فی الصّلٰوۃ او بعد ما صلت رکعۃ [1] آورد کہ اگر وقت یمین تا آغازِ حیض زمانے بود کہ دو رکعت را گنجائش دارد مطلقہ شود وایں مسئلہ را بظاہر منافی مسئلہ دائرہ انگاشتہ سنگ تطبیق و توفیق بر سر اجتہاد برمی دارد کہ دریں عبارت قید الیوم ورکعتین موجودست لہٰذا حکمش مغائر ما نحن فیہ شد فافترقا ولا تشکوا ونمی داند کہ دریں جہت اصلاً نہ در مسائل افتراق نہ در حکم تغیر صلوۃ رکعتین فی الیوم نیز طبیعت کلیہ دارد وانتفائے شیئ بانتفائے جمیع افراد شود چوں روز گزشت وہیچ فرد از افراد صلٰوۃ دو رکعت دراں متحقق نہ شد شرط بر منتفی گشت وحنث رو نمود وتوہم آنکہ شوہر الیوم گفت وبجا آوری دو رکعت در مدۃ العمر

شہوت ختم ہونے سے قبل داخل ہوئی تو طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ محیط میں ہے، یہاں اس عبارت پر اس نے اپنی مذکور تقریر نہ کی کہ عدمِ دخول پر قسم کھائی ہے اور عدمِ دخول مطلق ہے اور دخولِ مطلق قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے جو تمام افراد کے منتفی ہوئے بغیر منتفی نہیں ہوگا مگر اس وقت جب کبھی دخول نہ پایا جائے اور یہ بات خاوند بیوی دونوں میں سے ایک کے مرنے پر معلوم ہوسکے گی تو جب دخول متحقق ہو خواہ دس سال بعد ہو اس وقت تک دخولِ مطلق کا عدم منتفی رہے گا، اور قسم کے ٹوٹنے کے پائے جانے کی صورت نہ بنے گی۔

ہیجدہم: پھر عالمگیری کا مسئلہ ذکر کیا کہ خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو آج دو رکعتیں نماز نہ پڑھے تو تجھے طلاق، اس کے بعد بیوی کو نماز شروع کرنے سے قبل حیض آگیا، یا ایک رکعت پڑھنے کے بعد حیض آگیا، تو بتایا کہ اگر قسم اور نماز شروع کرنے کے درمیان اتنا وقت تھا کہ دو رکعتیں نماز پڑھ سکے، تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی، اس نے اس مسئلہ کو ظاہری طور پر زیر بحث کے منافی بتایا اور تطبیق و توفیق کا پتّھر اجتہاد کے سر پر اٹھا کر کہا اس مسئلہ کی عبارت میں "آج" اور "دو رکعتوں" کی قید ذکر کی گئی ہے لہٰذا اس مسئلے کا حکم ہمارے زیر بحث کے حکم سے مغایر ہے۔ لہٰذا دونوں مسئلے جدا ہیں اور تمہارا اعتراض نہ ہو، اس کو معلوم نہ ہوا کہ اس وجہ کی بنا پر مسائل میں اختلاف اور نہ ہی حکم متغیر ہوا "آج دو رکعتیں نماز" کی بھی طبیعت کلیہ ہے اور کسی چیز کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التعلیق بکلمۃ ان واذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۳۶

بہیچ روزے از روز ہائے عمر اینجا بسند کند وہمینست کہ ہیچ غیر دیوبندی را عارض نتواں شد اگرچہ در غایت جہل و عنادت باشد حاجت رفعش مگر بقیاس عقول علیہ دیوبندیہ افتاد باز رکعتیں را موجب تفرقہ دانستن طرہ براں۔

انتفاء اس کے تمام افراد کے انتفاء سے ہو جاتا ہے تو جب دن بھر میں کوئی فرد نماز کا نہ پایا گیا اور اس دن میں دو ۲ رکعتوں کا وجود نہ پایا گیا تو دو رکعت نماز نہ پڑھنے کی شرط پائے جانے کی وجہ سے قسم ٹوٹ گئی تو طلاق ہو گئی ہے، اور اس کا یہ وہم کرنا کہ خاوند نے "آج" کا لفظ کہا ورنہ "دو رکعتیں پڑھنے" کا عمر بھر میں سے کوئی دن بھی ہوسکتا تھا تو یہ وہم دیوبندی کے علاوہ کسی کو خواہ کتنا ہی جاہل اور غبی ہو کسی کو لاحق اور عارض نہیں ہوسکتا، لہٰذا صرف دیوبندی عقول عالیہ کو ہی اس وہم کو دفع کرنے کی حاجت محسوس ہوئی پھر اس پر طرہ یہ کہ اس نے دو ۲ رکعتوں کو بھی وجہ فرق بتایا۔

نوزدہم: باز بکمال ذیہوشی مسئلہ "اگر سزائے وے نکنم **فامر أته کذا**[1]، آورد اگر نیت فور کند بر فور باشد ورنہ مطلق وخود ش گفت کہ ایں صورت مطابق ما نحن فیہ است واعتراف کرد کہ ہمچنیں حکم اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق **ان نوی الفور فھو علی الفور** تا اینجا نادانستہ بحق رجوع آورد باز زخم نامندمل راچارہ کار بہماں مکابرہ وانکار جست لیکن احمد علی نیت فور نکردہ نہ قرینہ فور یافتہ شد **سبحان اللہ** قرینہ فور از کلام خودت پرس کہ خواہر زادہ خالہ تو بالاچہ گفتہ است کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ است دائما ونیت احمد علی ہم بامداد کار بامداد احمد علی دریاب کہ چون زن نماز عشاء نگزارد وصباح رجعت نمود اگر نیت فور نبودے رجعت از کدام راہ رونمودے، **الحمد للہ** کہ حق واضح ست فاما مکابرہ راچہ علاج۔

نوزدہم: پھر اپنی کمال عقلمندی دکھاتے ہوئے، یہ مسئلہ کہ اگر اس کو سزا نہ دوں تو بیوی کو طلاق، ذکر کرکے کہا کہ نیت فور کی کرے تو فور ہوگا ورنہ مطلق ہوگا، اور خود کہا کہ یہ مسئلہ ہمارے زیر بحث مسئلہ کے مطابق ہے اور اعتراف کیا کہ یوں ہی عورت کو کہنا اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، اس کا حکم بھی وہی ہوگا کہ اگر فور کی نیت کی تو فور ہوگا، یہ کہہ کر اس نے حق کی طرف رجوع نادانستہ طور پر کرلیا اور پھر اس مندمل نہ ہونے والے زخم کا علاج اس مکابرہ اور انکار سے کرتے ہوئے کہا، لیکن احمد علی نے فور کی نیت نہیں کی اور نہ ہی فور کا قرینہ پایا گیا، **سبحان اللہ**! فور کا قرینہ خود اپنے کلام سے پوچھ کہ تیری خالہ کے بھانجے نے (تونے) اوپر کیا کہا ہے" کہ متکلم کی غرض بیوی کو ہمیشہ نماز کا عادی بنانا ہے" اور پھر احمد علی کی نیت معلوم کرنے کے لئے احمد علی سے پوچھ کہ اس کی بیوی کے رات کو عشاء کی نماز نہ پڑھنے پر طلاقوں سے صبح رجوع کرلیا، اگر فور کی نیت نہ ہوتی تو

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۶

بستم: باز از شرح وقایہ قہستانی وقاضیخاں مسئلہ انت کذا ان لم اطلقك[1] ومسئلہ ان لم اجامعك علی راس ھذا الرمح[2] می آرد کہ تاکہ آخر عمر وتا بقائے نیزہ مہلت دادہ اند وہماں مقدمہ مسلمہ راکہ خود در فتوائے جلیلہ سابقہ بوضح وجوہ واحسن بیان باستناد عبارات ہدایہ وفتح القدیر رنگ ایضاح یافتہ بود بار بار ایضاح واضح می جوید وبتحصیل حاصل می پوید واز نکتہ بدیعہ رفیعہ کہ بحوالہائے تلخیص الجامع الکبیر وشرح التلخیص للعلامۃ الفاسی وانتقاض الاعتراض وتنویر الابصار ودر مختار وفتح القدیر وشرنبلالیہ وردالمحتار واشباہ والنظائر وتبیین الحقائق وغیرہا افادہ شدہ بود چشم می پوشد وبباطل می کوشد یارب مگر ایں راچہ گفتہ آید مادیدہ رادیدہ کشودہ سہل ست آنکہ صد بار دیدہ دیدہ پوشیدہ ودیدہ ونادیدہ ساختہ اوراچارہ کدام،

بارے مگر در شرح وقایہ بلکہ خود وقایہ ایں مسئلہ ندیدی کہ شرط للحنث فی ان خرجت وان ضربت(فانت طالق) لمریدۃ خروج او ضرب عبد فعلھما فور[3]، اودر قہستانی، فیہ اشارۃ الی ما تفرد بہ ابوحنیفۃ رحمہ اللہ فی استنباطہ

رجوع کرنے کا کیا جواز تھا، الحمد للہ حق تو واضح ہے مگر مکابرہ کا کیا علاج ہے۔

بستم: پھر قاضی خاں، قہستانی اور شرح وقایہ سے نقل کرتے ہوئے مسئلہ "تجھے طلاق ہے اگر تجھے طلاق نہ دوں" اور مسئلہ "اگر اس نیزے کے سرپر تجھ سے جماع نہ کروں تو طلاق ہے" کو ذکر کرکے کہا کہ ان مسئلوں میں فقہاء نے آخر عمر اور نیزے کی بقاء تک مہلت دی ہے اور تمام وہ مقدمات مسلمہ جن کو فقہائے کرام نے اپنے فتاوٰی جلیلہ میں بہت اچھے انداز سے واضح کرکے ہدایہ، فتح القدیر کی عبارات سے مستند کیا ہے ان کو بار بار یہ ذکر کرتا ہے اور واضح کو بے مقصد واضح اور تحصیل حاصل کرتا چلاجاتا ہے اور بلند پایہ نکتہ جس کو تلخیص الجامع الکبیر، شرح تلخیص علامہ فاسی، انتقاض الاعتراض، تنویر الابصار، درمختار، فتح القدیر، شرنبلالیہ، ردالمحتار، اشباہ ونظائر اور تبیین الحقائق وغیرہا کے حوالوں سے مستفاد کیا گیا ہے، کو مسلسل نظر انداز کررہا ہے اور باطل کے درپے ہے، یاربّ! کیا کہا جائے، نہ دیکھی چیز کو دکھانا آسان ہے اور صد بار دیکھی چیز سے بند آنکھ اور دیدہ کو نادیدہ بنانے والے کے لئے کیا چارہ کیا جائے۔ کیا آپ نے شرح وقایہ بلکہ خود وقایہ میں یہ مسئلہ کبھی نہیں دیکھا کہ جب بیوی باہر

[1] شرح الوقایہ بیان لغویۃ التعلیق قبل التزوج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۲۸

[3] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایۃ فصل حلف الفعل نور محمد کتب خانہ تجارت کراچی ص ۸۶

جانے کو یا غلام کو مارنے کے لئے تیار ہو تو اس وقت اس کو کہنا کہ تو باہر نکلی یا تو نے مارا تو تجھے طلاق ہے، تو یہ دونوں یمین فور ہیں۔ امام قہستانی نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اشارہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قسموں کے اقسام مکمل فرمانے میں اپنے استنباط میں تفرد فرمایا ہے کیونکہ آپ سے قبل اسلاف نے یمین کو صرف لفظًا و معنًی مؤبدہ اور موقتہ پر تقسیم فرمایا تھا مثلاً میں یہ نہ کروں گا، اور میں آج یہ نہ کروں گا۔ پھر امام صاحب نے لفظا و معنًا مؤبدہ اور مؤقتہ پر ایک قسم زائد بیان کی جس کو یمین فور یا یمین حال کہا جاتا ہے یہ قسم لفظًا مؤبد ہے اور معنًا موقت ہے جیسا کہ پہلے گزرا، قاضیخاں میں ہے کہ ایک نشے والے نے اپنی بیوی کو پیٹا تو وہ باہر نکل گئی تو اس نے کہا اگر تو واپس میرے پاس نہ آئی تو تجھے طلاق ہے، یہ واقعہ عصر کے وقت ہوا تو بیوی اس کے پاس عشاء کے وقت لوٹ آئی، اس پر فقہاء نے فرمایا قسم ٹوٹ گئی، کیونکہ یہ اس کی قسم یمین فور تھی اگر وہ کہے کہ میں نے فور کی نیت نہیں کی تھی تو قاضی اس کی تصدیق نہ کریگا، اور اس مسئلہ میں کہ بیوی باہر نکلنے لگی تو خاوند نے کہہ دیا کہ اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے، اس پر بیوی واپس بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر بعد نکلی تو قسم نہ ٹوٹے گی، یہ بیچارے کیا جانیں، ان کو قرآن وحدیث کی نجدی تعلیم	من اتمام اقسام الیمین فان سلفه قسموها الی المؤبدة لفظا ومعنی، والمؤقتة کذٰلک، مثل لاافعل کذاولاافعله الیوم ثم زاد الامام اتمامًا ماسمّی بیمین الفور او یمین الحال مما هی المؤبدة لفظا و الموقتة معنی کما مر [1] (ملخصًا) ودر قاضی خاں، سکران ضرب امرأته فخرجت من داره فقال ان لم تعودی الی فانت طالق وکان ذٰلك عند العصر فعادت الیه عند العشاء قالوا یحنث فی یمینه لان یمینه تقع علی الفور وان قال لم انو الفور لایصدق قضاء، وفی المرأة اذا قامت لتخرج فقال الزوج ان خرجت فانت طالق وجلست ثم خرجت بعدذٰلك بساعة لایحنث فی یمینه [2]، مگر ایں بیچار گاں چہ کنند کہ تعلیم نجدیت در قرآن و حدیث نیز بمصداق اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ [3] کار میکند ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[1] جامع الرموز فصل حلف الفعل مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۲۶۵

[2] قاضی خان باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

بست ویکم: تا اینجا جہالاتِ دیوبندیہ بود حالا ضلالات دیوبند یہ جوش رد بیباک بے ادراک کلمہ گفت کہ بدریا ہانتواں شست کہ "اگر تسلیم کردہ شود کہ طلاقین اولین واقع شدند تاہم بوجہ رجعت باطل الیٰ قولہ اکنواں برائے طلاق بلاشرط رجعت صحیح ست" انا للہ وانا الیہ راجعونo

ع آدمیاں گم شدند ملک گرفت اجتہاد

تعلیم دیوبندی دریں عـــہ۱ قرآن عظیم وحدیث کریم واجماعِ ائمہ حدیث وقدیم ہمہ رایکسر پس پشت انداخت وبزورِ زبان وزور بہتان بمصداق ارشاد حضور سید الاسیاد علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم القیام کہ یستحلون الخ شرمگاہ زناں را حلال خواہند گرفت فرج حرام راحلال ساخت قال اللہ تعالیٰ عزوجل اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ الیٰ قولہ تبارك وتعالیٰ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ[1] یعنی طلاق کہ بعد وے اختیار رجعت ست ہمیں تا دو بار ست کہ شوی رادر ماندن زن بخوبی یا آزاد کردن بہ نیکوئی عـــہ۲ اختیار ست پس اگر بعد اینہا طلاق دگر دہد

ہے، اور پھر بعض کتاب مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو، کے مصداق عمل کرتے ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بست ویکم: یہاں تک دیوبندی جہالتیں تھیں اب دیوبندی گمراہی نے جوش مارا اور بے سوچے سمجھے بے دریغ ایسا کلمہ کہہ دیا کہ تمام دریا بھی اس کو صاف نہ کر سکیں، اور کہا کہ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ پہلی دو طلاقیں واقع ہوگئی ہیں تب بھی احمد علی کے رجوع کرلینے پر وہ باطل ہوگئی ہیں، اور آخر میں کہا کہ اب غیر مشروط طلاق کے بعد اس کا رجوع صحیح ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آدمی ختم ہوگئے اب فرشتہ اجتہاد شروع کررہا ہے۔

دیوبندی تعلیم نے یہاں پر قرآن وحدیث اور ائمہ قدیم وجدید کا اجماع تمام کو یکسر نظر انداز کردیا ہے اور زبان وبہتان کے زور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد "عورتوں کی حرام شرمگاہوں کو حلال کریں گے" کے مصداق اس کا ارتکاب کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو طلاقیں ہوں تو پھر خوبصورتی سے رجوع کرکے روک لو یا نیکی کے طور پر آزاد کردو۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے قول "پس اگر تیسری طلاق دے دی ہو تو بیوی اس کے لئے حلال نہیں تا وقتیکہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے" تک۔ یعنی جس

عـــہ۱: یہاں مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

عـــہ۲: یہاں مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۹-۲۲۸

زن مرا در احلال نبود تا باشوئے دگر ہمخوابہ نشود، ائمہ تفسیر وحدیث سبب نزول کریمہ چناں آوردہ اند کہ پیش ازیں طلاق راعددے معدود حدے محدود نبود ہر قدر بار شائے خواستے طلاقہا دادے ورجعت ہا کردے وآنکہ اضرار زن خواستے طلاقش دادے تاکہ آنکہ چوں عدتش برسر گز شتن آمدن رجعت کردے باز طلاق دادے باز در قرب انقضائے عدت رجعت نمودے وہمچناں کردے تاآنگاہ کہ دلش خواستے بیچارہ زن بایں کار معلقہ باندے نہ رائے رفتن نہ روئے ماندن، زن ازیں معنی بحضور بارگاہِ رسالت فریاد آورد آنگاہ آیہ کریمہ نزول فرمود وبعد سہ طلاق اختیار رجعت نماند وکارزن بدست زن شد، امام بغوی در تفسیر معالم التنزیل فرمود قولہ تعالٰی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ روی عن عروۃ بن الزبیر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال کان الناس فی الابتداء یطلقون من غیر حصر ولاعدد وکان الرجل یطلق امرأتہ فاذا قاربت انقضاء عدتہا راجعہا ثم طلقہا کذٰلک ثم راجعہا یقصد مضارتہا فنزلت ہذہ الاٰیۃ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ یعنی الطلاق الذی یملک الرجعۃ عقیبہ مرتان فاذا طلق ثلثا فلاتحل لہ الابعد نکاح زوج اٰخر[1] امام رازی در تفسیر کبیر

طلاق کے بعد رجوع ہوسکتا ہے وہ دو بار طلاق ہے کہ جس میں خاوند کو اختیار ہے کہ بیوی کو روک رکھے یا نیکی کے ساتھ آزاد کرتے ہوئے طلاق دے دے، اس کے بعد اگر طلاق دے گا تو بیوی اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ ائمہ تفسیر وحدیث نے اس آیہ کریمہ کا شانِ نزول یوں بیان فرمایا کہ اسلام سے قبل طلاق کی کوئی تعداد یا حد مقرر نہ تھی بلکہ خاوند جتنی بار بھی طلاق دے کر رجوع کرنا چاہتا کرلیتا، اور جب بیوی کو تنگ کرنا مقصود ہوتا تو طلاق دے کر عدت ختم ہونے کے قریب وہ رجوع کرلیتا اور رجوع کے بعد پھر طلاق دیتا اور عدت کے خاتمہ کے قریب رجوع کرلیتا اور جتنی بار دل چاہتا کرتا بیوی بیچاری لٹک کر رہ جاتی اس کے لئے آزادی یا آبادی کا کوئی طریقہ نہ رہتا، اسی پریشانی میں ایک عورت دربارِ رسالت میں حاضر ہوئی اور فریاد کی، تو اس پر یہ آیہ کریم نازل ہوئی، اور تین طلاقوں کے بعد رجوع کا اختیار ختم ہوگیا اور بیوی خود مختار ہوگئی۔ امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں فرمایا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الخ" الآیۃ کا شانِ نزول یہ ہے جس کو حضرت عروہ بن زبیر رضی تعالٰی عنہ نے بیان فرمایا کہ لوگ ابتداء میں بے شمار اور لاتعداد طلاقیں دیتے تھے، اور کوئی بھی شخص بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کرلیتا اور پھر طلاق

---

[1] معالم التنزیل علی حاشیۃ تفسیر الخازن تفسیر آیۃ الطلاق مرتٰن الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۷

فرمود المسئلة الاولی کان الرجل فی الجاھلیة یطلق امرأته ثم یراجعھا قبل ان تنقضی عدتھا ولو طلقھا الف مرة کانت القدرة علی المراجعة ثابتة له فجاءت امرأة الی عائشة رضی الله تعالٰی عنھا فشکت ان زوجھا یطلقھا ویراجعھا یضارھا بذٰلك فذکرت عائشة رضی الله تعالٰی عنھا ذٰلك لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فنزل قوله تعالٰی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ[1]، در تفسیرات احمدیہ ست لما کان عدد الطلاق فی الجاھلیة غیر مقرر علی وتیرة واحدة حتی انه لو طلقھا عشرة یمکنه رجعتھا وکان یراجعھا وقت انقضاء العدة ثم یطلقھا ویراجعھا حتی ان جاءت امرأة الی عائشة رضی الله تعالٰی عنھا تشکو من مراجعة زوجھا ثم تطلیقھا ثم وثم ھکذا فعرضت الی	دے دیتا اور یوں بار بار کرتا رہتا جس کا مقصد بیوی کو تنگ کرنا تھا تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی، یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند رجوع کرسکتا ہے وہ دو بار ہے، اور جب تین طلاقیں پوری کردے تو اس کے لئے بیوی حلال نہ ہوگی مگر بیوی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو اس کے بعد حلال ہوسکے گی۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا: مسئلہ اولٰی، یہ کہ جاہلیت میں مرد بیوی کو طلاق دے کر پھر عدت کے خاتمہ کے قریب رجوع کرلیتا اور اس طرح ہزار طلاق بھی ہوتی تب بھی خاوند کو رجوع کا اختیار رہتا، تو ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں آئی اور اس نے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ وہ طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کرلیتا ہے اور تنگ کررہا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بیان کیا تو اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی الطلاق مرتان، الآیۃ۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے کہ چونکہ جاہلیت میں طلاق دے کر بھی پھر رجوع کرلیتا اور عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کرکے پھر طلاق دے دیتا، حتی کہ ایک عورت نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس آکر اپنے خاوند کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ بار بار طلاق دیتا اور رجوع کرلیتا ہے، تو حضرت

[1] تفسیر کبیر زیر آیۃ الطلاق مرتان الخ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ بمصر ۶/ ۱۰۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فنزل قولہ تعالٰی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ یعنی ان الطلاق الرجعی الذی یتعلق بہ الرجعۃ مرتان ای اثنتان لازائد تان فبعد ذٰلك امساکہا بمعروف او تسریحہا کذٰلك وھذا امر بصیغۃ الخبر کانہ قیل طلقوا الرجعی مرتین وھذا التوجیہ المذکور فی الحسینی والزاھدی والبیضاوی والتلویح وھو الموافق لمذھب الشافعی وابی حنیفۃ جمیعا[1]، ترمذی وابن مردودیہ وحاکم بافادہ تصحیح وبیہقی در سنن از ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت کنند قالت کان الناس والرجل یطلق امرأتہ ماشاء ان یطلقھا وھی امرأتہ اذا ارتجعھا وھی فی العدۃ وان طلقھا مائۃ مرۃ اواکثر حتی قال رجل لامرأتہ واللہ لااطلقك فتبینین منی ولاأویك ابدا قالت وکیف ذٰلك قال اطلقك فکلما ھمت عدتك ان تنقضی راجعتک، فذھبت المرأۃ حتی دخلت علی عائشۃ فاخبرتھا فسکتت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا حتی	عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے یہ بات حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے عرض کی، تو اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی، اللہ تعالٰی نے فرمایا: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الآیۃ، یعنی وہ طلاق جس کے بعد رجوع کرنا جائز ہے وہ دو بار طلاق ہے اس سے زائد نہیں، اس کے بعد بھلائی سے بیوی کو پاس رکھنا ہوگا یا نیکی کے ساتھ آزاد کرتے ہوئے آخری طلاق دینا ہوگی۔ اور تفسیر بیان کی جو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالٰی دونوں کے مذہب کے موافق ہے۔ ترمذی، ابن مردودیہ، حاکم بافادہ تصحیح اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ لوگ اپنی بیوی کو جتنی چاہتے طلاقیں دیتے اس کے باوجود وہ بیوی رہتی جبکہ وہ عدت کے دوران رجوع لیتا، اگرچہ سو مرتبہ یا اس سے بھی زائد طلاقیں دے چکا ہوتا حتی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے طلاق نہ دوں کہ تو جدا ہوجائے اور نہ ہی تجھے پاس رکھوں تو ہمیشہ ایسے ہی رہے گی، بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اس نے کہا میں تجھے طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے قبل جب عدت ختم ہونیوالی ہوگی تو رجوع کرلوں گا، تو اس عورت نے جاکر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے یہ شکایت کی، یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا خاموش ہوگئیں حتی کہ

[1] تفسیرات احمدیہ زیر آیت الطلاق مرتان الخ مکتبہ کریمی واقع بمبئی ص ۱۲۳

جاء النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فاخبرتہ فسکت النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم حتی نزل القراٰن اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ[1]۔

نیز ابن مردویہ وبیہقی از ام المومنین روایت آرند، قالت یکن للطلاق وقت یطلق امرأتہ ثم یراجعھا مالم تنقض العدۃ وکان بین رجل وبین اھلہ بعض مایکون بین الناس فقال واللّٰہ لاترکنک لاایما ولاذات زوج فجعل یطلقھا حتی اذا کادت العدۃ ان تنقضی راجعھا ففعل ذٰلک مرارا فانزل اللّٰہ فیہ

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ فوقت لھم الطلاق ثلثا یراجعھا فی الواحدۃ وفی الثنتین ولیس فی الثلاثۃ رجعۃ حتی تنکح زوجا غیرہ[2]۔ ابوداؤد ونسائی وبیھقی از عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما روایت دارند ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ فھو احق برجعتھا وان طلقھا ثلاثا فنسخ ذٰلک فقال اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات پر مطلع کیا جس پر آپ نے سکوت فرمایا حتی یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی الطلاق مرّتٰن الخ،

نیز ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی، آپ نے بیان کیا کہ بیوی کو طلاق دینے اور پھر رجوع کرنے کا کوئی ضابطہ نہ تھا، کوئی بھی بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کرلیتا اور خاوند بیوی میں کوئی خانگی جھگڑا جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے ہوتا تو خاوند کہتا خدا کی قسم میں تجھے نہ خاوند والی اور نہ غیر خاوند والی بنادوں گا، اس کے لئے وہ بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلیتا اور بار بار ایسے کرتا، اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الاٰیۃ، جس میں تین طلاقیں مقرر کردی گئی ہیں، جس میں سے ایک اور دو کے بعد رجوع کا حق دیا گیا ہے اور تیسری کے بعد رجوع نہیں ہوگا تاوقتیکہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ ابوداؤد، نسائی اور بیہقی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابتداء میں مرد کو طلاق دے دیتا تو اس کو منسوخ کرکے اللہ تعالٰی نے فرمایا اَلطَّلَاقُ

---

[1] جامع الترمذی ابواب الطلاق الثلاث امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۴۳، السنن الکبرٰی للبیہقی باب ماجاء فی امضاء الطلاق دار صادر بیروت ۷/۳۳۳

[2] تفسیر درمنثور بحوالہ ابن مردودیہ والبیہقی تحت آیۃ الطلاق مرتٰن مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم، ایران ۱/۲۷۷

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ[1] اجلہ ائمہ مالک وشافعی وعبد بن حمید وترمذی وابن جریر وابن ابی حاتم وبیہقی از عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما آرند قال کان الرجل اذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل ان تنقضی عدتها کان ذٰلك له وان طلقها الف مرة فعمد رجل الی امرأته فطلقها حتی اذا ما جاء وقت انقضاء عدتها ارتجعها ثم طلقها ثم قال والله لا اویك الی ولا تحلین لی ابدا فانزل الله تعالٰی
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ[2]
مسلمان دمے انصاف دہید تعلیم دیوبندی چساں مقصود شریعت وحکم آیت رابرھم میزند وظلم وستم جاہلیت راازسرنو تازہ می کند اگر طلاق پیشین برجعت باطل شود وبعد اوشوئے راازسراختیار سہ طلاق بدست ماند چنانکہ ایں کس زعم نمود پس لاجرم ہماں آتش جاہلیت بکاسہ اندرست وانسداد ظلمے کہ خدائے خواست معاذاللہ باطل وبے اثر، ہرکہ خواہد ھزار بار طلاق دہد وہربار رجعت کند طلاق ہائے دادہ نادادہ شود واختیارات نامتناہیہ بدست

مرتٰن فامساک بمعروف او تسریح باحسان،
امام مالک، امام شافعی، عبد بن حمید، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم بیہقی ان اجلہ ائمہ کرام نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ابتداء میں مرد کو اختیار تھا کہ وہ طلاق کی عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کرلے اگرچہ وہ ہزار طلاقیں بھی دے دے، تو ایک مرد نے بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کرلیا اور پھر طلاق دے دی پھر کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے نہ رکھوں گا نہ دوسرے کے لئے بھی حلال ہوسکے گی، تو اللہ تعالٰی نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ، اب مسلمانوں کو انصاف سے غور کرنا چاہئے کہ دیوبندی کس طرح شریعت کے مقصد اور آیہ کریمہ کے حکم کو پامال کرتے ہیں اور جاہلیت کے ظلم وستم کو دوبارہ تازہ کررہے ہیں، اگر پہلی طلاقیں رجوع کرنے سے باطل ہوجائیں اور خاوند کو نئے سرے سے دوبارہ تین طلاقوں کا اختیار مل جائے جیسا کہ یہ شخص کہہ رہا ہے تو لازمی طور پر جاہلیت کی آگ محفوظ رہے گی اور اللہ تعالٰی نے جس ظلم کو ختم کرنا چاہا ہے وہ سب باطل اور بے اثر ہو کر رہ جائے گا اور جاہلیت دوبارہ عود کر آئے گی، اور جو شخص بھی ہزار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہے تو رجوع سے پہلی طلاق کا ہونا نہ ہونا برابر

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب من جعل الثلاث واحدة وماورد فی خلاف ذلك دار صادر بیروت ۷/۷ ۳۳

[2] مؤطا امام مالك جامع الطلاق میر محمد کتب خانہ مرکز علم کراچی ص ۵۲۹

شوہر بود ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم اینست مخالفت تعلیم دیوبندی باقرآن عظیم۔

بست ودوم: خاص جزئیہ مسئلہ کہ طلاق بعد رجعت باطل نہ شد ومحسوب ماند در صحیحین بخاری ومسلم وعامہ کتب اسلام مصرح ست عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما زوجہ خود را بحالتِ حیض طلاق داد سید عالم صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم امر مراجعت فرمودہ باوصف رجعت آں طلاق را محسوب داشت، **فی صحیح البخاری عن انس بن سیرین قال سمعت ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال طلق ابن عمر امرأتہ وھی حائض فذکر عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ للنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فقال لیراجعھا قلت تحتسب قال فمہ**[1]، **وعن قتادۃ عن یونس بن جبیر عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال مرہ فلیراجعھا قلت تحتسب، قال أرأیتہ ان عجز واستحمق**[2]، **وعن سعید بن جبیر عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال حسبت علی بتطلیقۃ**[3] **وفی صحیح مسلم**

ہوجائے گا اور خاوند کو نہ ختم ہونے والا اختیار حاصل ہوجائے گا، لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔ دیوبندی کی یہ تعلیم قرآن کے مخالف ہے۔

بست ودوم: خاص یہ جزئیہ کہ رجوع کے بعد طلاق کالعدم نہیں ہوتی، تو بخاری ومسلم اور عام اسلامی کتب میں تصریح ہے کہ عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طلاق سے رجوع کا حکم دیا اور رجوع کے باوجود یہ حیض میں دی ہوئی طلاق شمار ہوئی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کو سنا انہوں نے فرمایا کہ عبداللّٰہ بن عمر (رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما) نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دی تو عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ نے یہ اطلاع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رجوع کرے، تو میں نے عرض کی کہ کیا وہ حیض میں دی ہوئی طلاق شمار ہوگی، تو عمر فاروق رضی اللّٰہ عنہ نے فرمایا اور کیا۔ حضرت قتادہ رضی اللّٰہ عنہ سے انہوں نے یونس بن جبیر سے انہوں نے ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عبداللّٰہ سے کہو کہ وہ رجوع کرے تو میں نے پوچھا کہ کیا پہلی طلاق شمار ہوگی، تو جواب

---

[1] صحیح البخاری کتاب الطلاق باب اذا طلقت الحائض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۰

[2] صحیح البخاری کتاب الطلاق باب اذا طلقت الحائض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۰

[3] صحیح البخاری کتاب الطلاق باب اذا طلقت الحائض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۰

عن عبیداللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نحوہ وقال فی اٰخرہ قال عبیداللہ قلت لنافع ماصنعت التطلیقۃ قال واحدۃ اعتدبہا[1]، وعن سالم بن عبداللہ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم عن ابیہ وفیہ کان عبداللہ طلقہا تطلیقۃ فحسبت من طلاقہا وراجعہا عبداللہ کما امرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]، وفی لفظ اخر قال قال ابن عمر فراجعتہاوحسبت لہا التطلیقۃ التی طلقتہا[3]،وعن ابن سیرین عن یونس بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم انہ امران یراجعہا قال قلت افحسبت علیہ،قال فمہ اوان عجز واستحمق[4]،وعن انس بن سیرین قال قلت فاعتددت بتلک التطلیقۃ التی طلقت وہی حائض، قال مالی لا اعتد بہا وان کنت عجزت[5] واستحمقت بلکہ عبدالحق اشبیلی در احکام، و بیہقی در سنن از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کردند ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ھی واحدۃ[6] اینست مخالفت تعلیم دیوبندی باحدیث کریم۔

میں فرمایا تو بتا اگر وہ رجوع کئے بغیر عاجز ہوجائے حماقت کرے یعنی رجوع نہ کرے تو کیا طلاق نہ ہوگی،اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ عبداللہ بن عمر سے راوی ہیں کہ میں نے اسے ایک طلاق شمار کیا۔اور صحیح مسلم میں عبیداللہ نافع سے،اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی کی مثل روایت کی اور اس کے آخر میں ہے کہ عبیداللہ نے کہا کہ میں نے نافع کو کہا کہ تو نے اس طلاق کو کیا خیال کیا، تو انہوں نے کہا میں نے اسے ایک شمار کیا۔اور سالم عبداللہ سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے،انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے اور اس روایت میں ہے کہ عبداللہ نے بیوی کو ایک طلاق دی تو میں نے اس کو طلاق شمار کیا اور اس نے رجوع کرلیا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے فرمایا۔اور دوسرے الفاظ میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ میں نے بیوی سے رجوع کرلیا اور میں نے جو طلاق دی اس کو میں نے ایک طلاق شمار کیا، اور ابن سیرین، یونس بن جبیر سے وہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ فرمایا کہ رجوع کرنے کا حکم فرمایا، میں نے پوچھا کہ یہ طلاق شمار ہوگی؟ تو فرمایا اور کیا۔رجوع سے عاجز ہوجائے یا حماقت کرتے ہوئے رجوع نہ کرے تو کیا طلاق نہ ہوگی،

[1] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۶
[2] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۶
[3] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۶
[4] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۷
[5] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۷
[6] السنن الکبرٰی باب ماجاء فی طلاق السنۃ وطلاق البدعۃ دار صادر بیروت / ۳۲۴

انس بن سیرین سے مروی ہے انہوں نے کہا کیا آپ نے وہ طلاق شمار کی جو حالتِ حیض میں آپ نے دی ہے تو انھوں نے مجھے فرمایا شمار نہ کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی، اگر میں عاجز ہو جاؤں یا حماقت کروں تو کیا نہ ہوگی، جبکہ عبدالحق اشبیلی نے احکام میں اور بیہقی نے سنن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے خود فرمایا یہ ایک طلاق ہے، یہ ہے دیوبندی تعلیم کی حدیث کی مخالفت۔

بست وسوم: قال اللہ تعالٰی

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ[1] در تفسیر جلالین ست فان طلقھا الزوج بعد الثنتین[2] در جمل فرمود ای سواء کان قد راجعھا ام لا[3] ایں حکم کہ اطلاق آیت مراد متناول ست ہیچکس از علمائے امت رادر وخلاف نیست کتب فقہ بلاخلاف مطلقًا ثلاث را مثبت حرمت غلیظہ گویند وز نہار در ہیچ کتابے بوئے ازیں وسوسہ نجسہ نیست کہ بعد رجعت طلاق اول در حساب نمی ماند وشوھر از سر سہ طلاق را مالک می شود عبارات ہزار در ہزار بر بطلان ایں ضلالت شاہد ست تنبیہ غافل و تعلیم جاہل را ہمیں مسئلہ دوارہ در کتب بسند ست کہ در کنزالدقائق و بحرالرائق فرمودند (کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلثۃ فی بطون

بست وسوم: اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر خاوند تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرلے۔ تفسیر جلالین میں ہے اگر خاوند دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دے۔ اور تفسیر جمل میں مزید ہے کہ رجوع کرچکا ہو یا نہ۔ مطلب یہ کہ تیسری طلاق کا یہ حکم مطلق ہے ہر صورت کو شامل ہے۔ اس میں علمائے امت میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ کتب فقہ میں بھی بلااختلاف تین طلاقوں کو مطلقًا حرمت غلیظہ کے لئے مثبت بیان کرتی ہیں، اور ہرگز کسی کتاب میں بھی اس پلید وسوسہ کی بوتک نہیں ہے کہ رجوع کے بعد پہلے دی ہوئی طلاق کالعدم ہو جاتی ہے اور خاوند نئے سرے سے پوری تین طلاقوں کا مالک ہو جاتا ہے، اور ہزارہا عبارات اس گمراہی کے بطلان پر شاہد ہیں۔ غافل کی تنبیہ اور جاہل کی تعلیم کے لئے اس مسئلہ کا تمام کتب میں دائر ہونا کافی سند ہے۔ کنزالدقائق اور بحرالرائق میں فرماتے ہیں کہ "خاوند نے کہا جب بھی

[1] القرآن ۲/ ۲۳۰

[2] تفسیر جلالین تحت الطلاق مرتان ملک سراج دین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۳۵

[3] تفسیر جمل (الفتوحات الالٰھیہ) تحت الطلاق مرتٰن مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۵

فالولد الثانی والثالث رجعة)لوقوع الطلاق بالاول و تثبت الرجعة بالثانی والثالث ویقع بکل طلقة اخری فتحرم حرمة غلیظة[1]۔ ۳در تبیین الحقائق فرمود لانها بولادة الاول وقع علیها الطلاق ثم اذا جاءت بولد اٰخر من بطن اخر علم انه من علوق حدث فتثبت به الرجعة وتقع طلقة اخری بولادته ثم اذا جاءت بالثالث تبین انه کان راجعها بوقوع الثانیة لما قلنا وتقع طلقة ثالثة بولادته فتحرم علیه حرمة غلیظة اھ مختصرًا[2] ۴در شرح مسکین فرمود(فالولد الثانی) یصیر به مراجعا فی الطلاق الاول(والثالث)یصیر فی الطلاق الثانی(رجعة)ویقع الطلاق الثالث بولادة الولد الثالث ولاسبیل الی الرجعة[3]۔ ۵در تنویر الابصار و ۶در مختار فرمودند فی کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلث بطون	تو بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے،اس کے بعد بیوی نے نئے نئے حمل پر تین بچے جنے،تو دوسرا بچہ اور تیسرا بچہ پہلی اور دوسری طلاق سے رجوع قرار پائے گا،اس لئے کہ پہلے بچہ سے جو طلاق ہوئی اس سے دوسرے بچے کی وجہ سے رجوع ہوا،اور یونہی دوسرے بچے سے جو طلاق ہوئی اس سے تیسرے بچے کی وجہ سے رجوع ثابت ہوا جبکہ تیسرے سے جو طلاق ہوئی وہ تیسری طلاق ہے جس حرمت غلیظہ ہو گئی، ۳تبیین الحقائق میں فرمایا: یہ اس لئے کہ جب پہلے بچے کی وجہ سے طلاق ہوئی پھر جب اس کے بعد نئے حمل سے دوسرا بچہ پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ نئے نطفہ سے پیدا ہوا ہے جس سے رجوع ثابت ہوا اور دوسری طلاق ہو گئی، پھر جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو اس بیان مذکور سے دوسری طلاق سے بھی رجوع ثابت ہوا اور تیسری طلاق ہو گئی اور بیوی حرمتِ غلیظہ کے طور پر حرام ہو گئی اھ اور ۴شرح ملا مسکین میں فرمایا کہ دوسرے بچے کی پیدائش سے پہلی طلاق سے اور تیسرے بچے کی پیدائش سے دوسری طلاق سے رجوع ہوا اور تیسری طلاق ہو گئی جس کے بعد رجوع کے لئے چارہ نہ رہا، ۵تنویر الابصار اور ۶در مختار میں ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا کہ تو جب بھی بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے تو اس نے تین حمل کے ساتھ تین بچے جنے تو تین طلاق

[1] بحر الرائق باب الرجعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/۵۵

[2] تبیین الحقائق باب الرجعة المکتبة الامیریه بولاق مصر ۲/۲۵۶

[3] شرح کنز لملا مسکین حاشیة فتح المعین باب الرجعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۶۹

تقع الثلاث والولد الثانی رجعة فی الطلاق الاول، وتطلق به ثانیا کالولد الثالث، فانه رجعة فی الثانی وتطلق به ثلثا عملا بکلما[1]۔ ۷ در غرر و ۸ درر فرمود لوقال (کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلثة ببطون یقع) طلقات (ثلاث و) الولد (الثانی والثالث رجعة [2] ۹ در ملتقی الابحر و ۱۰ مجمع الانہر فرمودند (کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلثة فی بطون فالثانی والثالث رجعة و تتم) الطلقات (الثلث بولادة الثالث) فتحتاج الی زوج اٰخر [3] ۱۱ در ۱۲ وقایہ و ۱۳ شرح اش فرمودند فی کلما ولدت فولدت ثلثة ببطون تقع الثلث والولد الثانی رجعة کالثالث[4] در ۱۴ غایۃ البیان و ذخیرۃ العقبٰی فرمودند اعلم انها تطلق ثلثا ویثبت نسب الاولاد من الزوج وعلیها العدة بثلث حیض بعد ولادة الولد الثالث[5] ۱۵ در اصلاح و ۱۶ ایضاح	ہو جائیں گی، یوں کہ دوسرا بچہ پہلی طلاق سے اور تیسرا بچہ دوسری طلاق سے رجوع قرار پائے گا اور تین طلاقیں کلما کہنے کی وجہ سے ہو جائیں گی۔ ۷ غرر اور ۸ درر میں فرمایا کہ جب بیوی کو کہا کہ تو جب بھی بچہ جنے تجھے طلاق ہے، تو اس نے ہر بار نئے حمل سے تین بچے جنے تو تین طلاقیں ہو جائیں گی، اور دوسرا اور تیسرا بچہ رجوع ثابت کردے گا، ۹ ملتقی الابحر اور ۱۰ مجمع الانہر میں فرمایا، بیوی کو کہا، جب بھی تو بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے تو اس نے مختلف حملوں میں تین بچے جنے تو دوسرا اور تیسرا بچہ رجعت ثابت کریں گے اور تین طلاقیں مکمل ہو جائیں گی، تیسرے بچے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کی ضرورت ہوگی۔ ۱۱ وقایہ اور ۱۲ اس کی شرح میں ہے: جب بھی بچہ جنے کہنے پر، تین مختلف حملوں میں تین بچے جننے پر بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی اور دوسرا بچہ پہلی طلاق سے جیسا کہ تیسرا دوسری طلاق سے رجوع ثابت ہوگا۔ ۱۴ غایۃ البیان اور ۱۳ ذخیرۃ العقبٰی میں فرمایا کہ یاد رکھو مذکورہ صورت میں تین طلاقیں ہو جائیں گی اور تینوں بچوں کے نسب اس خاوند سے ثابت ہوں گے اور بیوی پر تیسرے بچے کی ولادت کے بعد عدت تین حیض ہوگی۔

[1] درمختار باب الرجعة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۹
[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الرجعة مطبعه احمد کامل الکائنه دار سعادت بیروت ۱/۳۸۶
[3] ملتقی الابحر و مجمع الانہر باب الرجعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۳۷
[4] شرح الوقایه باب الرجعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۱۶
[5] ذخیرۃ العقبٰی باب الرجعة مطبع نولکشور کانپور ۲/۲۱۳

فرمودند کلما ولدت فولدت ثلثة ببطون یقع ثلث والولد الثانی رجعة کالثالث[1] امام اجل صدر شہید در شرح ۱۷جامع صغیر امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمود لما ولدت الولد الثالث صار مراجعا ایضا بالوطی بعد الطلاق ووقع اٰخر بالولادة ولارجعة بعد ذٰلك لانه تم الثلاث[2] در ۱۸خزانۃ المفتین بر مز ۱۹اختیار شرح مختار فرمود یقع ثلاث والولد الثانی رجعة کالثالث[3] اینست مخالفت تعلیم دیوبندی باائمہ امت ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔	اصلاح وایضاح میں فرمایا کہ جب بھی تو بچہ جنے تو تجھے طلاق، کہنے پر جب تین بچے یکے بعد دیگرے حمل سے پیدا ہوجائیں تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اور دوسرا بچہ رجوع ثابت ہوگا جیسا کہ تیسرا بچہ دوسری طلاق سے رجوع ثابت ہوگا۔امام اجل صدر شہید نے امام محمد کی ۱۷جامع صغیر کی شرح میں فرمایا کہ مذکورہ صورت میں جب تیسرا بچہ جنا تو دوسرے بچے کی طرح یہ بھی طلاق سے وطی کے بعد رجوع ثابت ہوگا،اور تیسرے بچے کی ولادت سے آخری طلاق ہوجائیگی جس کے بعد رجوع نہ ہوسکے گا کیونکہ تین طلاقیں مکمل ہوگئیں۔ ۱۸خزانۃ المفتین میں ۱۹اختیار شرح ۲۰مختار کی علامت سے بیان فرمایا کہ مذکورہ صورت میں تین طلاقیں ہوجائیں گی اور دوسرا بچہ پہلی طلاق سے جس طرح تیسرا دوسری طلاق سے رجعت ثابت ہوگا۔یہ ہے دیوبندی تعلیم،ائمہ امت کے مخالف۔ولاحول ولاقوۃالاباللہ العلی العظیم۔
بست وچہارم: ازغایت غباوت وغوایت اوست قول او چنانکہ بعد طلاق بائن اگر تجدید نکاح کند بعدہ ایضا طلاق دہد طلاقین اولین باطل شوند وبعد تجدید نکاح اگر طلاق دہد آں در حساب کردہ آید نہ طلاق قبل تجدید نکاح ہمچنیں بعد رجعت اول طلاق باطل است آفریں باوچہ خوش اصوات خارجہ از سوراخ فم اوست کہ دہن از آواز پر وذہن از معنی	**بست وچہارم:** اس کی انتہائی غباوت اور گمراہی اس کا یہ کہنا ہے کہ "جس طرح طلاق بائنہ کے بعد دوبارہ نکاح کرے تو اس کے بعد بھی طلاق دے دے تو پہلی دو طلاقیں کالعدم ہوجاتی ہیں اور دوبارہ نکاح کے بعد اگر طلاق دے تو وہ حساب میں آئے گی اور دوبارہ نکاح سے پہلے دی ہوئی شمار نہ ہوگی اسی طرح رجوع کے بعد پہلی طلاق کالعدم ہوجاتی ہے"

[1] اصلاح وایضاح

[2] حاشیہ علی الجامع الصغیر بحوالہ صدر الشہید باب الرجعۃ مکتبۃ الیوسفی لکھنؤ ص ۵۹

[3] خزانۃ المفتین فصل فی الرجعۃ قلمی نسخہ ۱/ ۱۳۶

تہی، وبیچارہ چہ کند کہ ہنوز ازیں نو عروساں منصہ دیوبندیت را بامطلب ومعنٰی جفت نکردہ اند، کدام دوطلاق پیشین ست کہ بطلان بائن بعد تجدید نکاح باطل می شود وچوں طلاق قبل تجدید نکاح نزد تو خود در حساب نیست بطلانش بر طلاق بائن بعد تجدید چہ موقوف باشد واگر از کسے شنیدہ است کہ بائن بہ بائن لاحق نشود ایں خود عام نیست باز عدم لحوق بطلان اول را چرا موجب شود باز مبنائش حمل بر اخبار ست در رجعی بعد رجعت اور اچہ کاراست باز اگر باشد بطلان یکے باشد نہ ہر دو وبقطع نظر از جملہ وجوہ امر جامع میان رجعت بعد رجعی وطلاق بائن بعد تجدید نکاح بعد بائن چیست مگر آنکہ بدعقلی وکج فہمی لائق نجدیت وتعلیم دیوبندی است۔

بست وپنجم: از استنادش بمسئلہ درمختار طلقها رجعيا فجعله بائنا او ثلاثا[1] مع عبارت ردالمحتار وطحطاوی لانه بعدها يبطل عمل الطلاق[2] چہ جائے شکوے کہ ہمچومدہو شاں وبیہوشاں در بطلان طلاق وبطلان عمل اگر فرق نکنند سزائے ایشاں فاما ہر مسلم عاقل را مسلم ومعقول ست کہ برجعت عمل طلاق مرتفع می شود نہ آنکہ طلاق کردہ ناکردہ گردد واز

اس پر آفرین کہ منہ کے سوراخ سے کیا اچھی آواز نکال رہا ہے، اس کا منہ آواز سے پر اور ذہن فہم سے خالی ہے، یہ بیچارہ کیا کرے کہ ابھی دیوبندیت کی نئی نویلی دلہن سے مطلب ومعنٰی میں جفتی نہیں ہے، کون سی دوطلاقیں پہلے ہیں جوطلاق بائنہ کے بعد دوبارہ نکاح سے کالعدم ہوجاتی ہیں۔ جب تیرے ہاں دوبارہ نکاح سے قبل والی طلاق کالعدم ہوجاتی ہے، تواس کا کالعدم ہونا دوبارہ نکاح سے طلاق بائنہ پر کیونکر موقوف ہوگا اور اگر کسی سے یہ سن لیا ہے کہ بائنہ کے بعد بائنہ لاحق نہیں ہوسکتی تو یہ عام قاعدہ نہیں ہے تو پھر پہلی طلاق کو بطلان کے لاحق ہونے کی وجہ کیسے ہوا، پھر اسکا مبنٰی اخبار ہونے پر ہے تو رجعی طلاق کے بعد رجوع سے کیا تعلق ہے، پھر اگر ہو بھی تو ایک کا بطلان ہونا چاہئے نہ کہ دو کا، اور ان تمام وجوہ سے قطع نظر، رجعی کے بعد اور بائنہ طلاق کے بعد دوبارہ رجوع کے بعد بائنہ میں کون سا جامع امر ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ نجدیت کی بدعقلی اور کج فہمی اور دیوبندی تعلیم ہے۔

بست وپنجم: درمختار کے مسئلہ، کہ رجعی طلاق دے کر اس کو بائنہ یا تین کرنا، اس کے ساتھ ردالمحتار اور طحطاوی کی عبارت کہ اس لئے کہ اس کے بعد طلاق کا عمل باطل ہوجاتا ہے، کہ دلیل بنانا، ان مدہوش اور بیہوش لوگوں کا جو بطلان طلاق اور بطلانِ عمل میں فرق کرنہ سکیں، کیا شکوہ کیا جائیے، یہ انہی کو لائق ہے، لیکن ہر عاقل مسلمان جانتا ہے کہ رجوع سے طلاق کا

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۸

صفحہ واقع ارتفاع پزیرد۔ مسئلہ را بہنایت ایضاح اتضاح دادہ ایم بیش ازیں اطالت درکار نیست۔ بالجملہ حکم ہمان ست کہ زن احمد علی سہ طلاقہ شد وبے تحلیل بہ تحلیل مجتہدانِ دیوبندی حلال نشود بلکہ ایناں کہ بدعت زائغہ بطلان طلاقہائے پیشین برجعت پسیں در شرح ودین نہا دند، الحق کہ بتحلیل حرام قطعی لب کشادند او بر حکم فقہی کفرے ست حتمی۔ زنِ احمد علی بتحلیل ایناں حلال نشد مگر ترسند کہ ہمازناں ایناں بحکم فقہ برایناں حرام شدند ہیچو کساں را باید کہ برائے حطامِ دنیا حلال نسازند **وباللّٰه التوفیق، واللّٰه تعالٰی اعلم۔**	عمل ختم ہو جاتا ہے نہ کہ طلاق ختم ہو جاتی ہے اور کالعدم ہو جاتی ہے۔ ہم نے مسئلہ کو مفصل طور پر واضح کر دیا ہے اس سے زائد طوالت کی ضرورت نہیں ہے۔ **بالجملہ** حاصل کلام یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ احمد علی کی بیوی کو تین طلاقیں ہو چکی ہیں، دیوبندی مجتہدین کے حلال کرنیکے باوجود بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی، بلکہ یہ کہ، بعد والی رجعت سے پہلی طلاقیں کالعدم ہو جاتی ہیں، یہ ان کی دین اور شریعت میں نئی بدعت ہے، حق یہ ہے کہ حرام قطعی کہ انہوں نے حلال کہہ دیا ہے جو کہ فقہی حکم کے مطابق قطعی کفر ہے، احمد علی کی بیوی ان کے حلال کرنے سے حلال نہ ہوگی مگر ان کو یہ فکر کرنی چاہئے کہ فقہی حکم کے مطابق ان کی بیویاں ان پر حرام ہو چکی ہیں، ان سب کو چاہئے کہ وہ خود تجدید اسلام اور اتجدید نکاح کریں، اور اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو دنیاوی ایندھن کی خاطر حلال نہ کریں، **وباللّٰه التوفیق، واللّٰه تعالٰی اعلم۔** (ت) **(رسالہ ختم ہوا)**

مسئلہ ۱۱: از جام جودھ ملک کاٹھیاواڑ جماعت اہلسنت وجماعت مرسلہ آدم احمد صاحب ۱۱ شعبان ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک چھوٹی سی بستی میں ایک عالم مدت دس ۱۰ پندرہ سال سے وعظ بیان کرتا تھا ہمیشہ چند لوگ اس عالم کی گلہ وغیبت کیا کرتے تھے اتفاقاً ایک روز ناٹک والے لوگوں کی فاسق کمپنی آئی اور چند مسلمان اس چھوٹی بستی کے اس تماشے میں داخل ہوئے اور اس اثناء میں ایک سید کے مکان پر وعظ کی محفل منعقد ہوئی چند لوگ ناٹک کے تماشا گر بھی اس محفل میں شریک تھے، واعظ صاحب کی نظر جب ان فاسقوں پر پڑی تو وعظ میں بہت لعن طعن کئے، فجر کو فاسقوں منافقوں نے غل مچایا، فساد ودنگا کرنے کی باتیں کیں، ایک شخص نے ان لوگوں کی طرف سے ان کو کہا کہ تم نے رات کو جو وعظ کیا سو چند آدمی آپ سے البتہ فساد کریں گے اور آپ کو فقط نماز روزہ کا وعظ کرنا چاہئے ورنہ ہمیشہ فساد ہوا کرے گا، کبھی دنگا اس کام سے نہ مٹے گا، پس واعظ کو غصہ آیا تو یہ لفظ عین غضب میں منہ سے نکالا کہ جو کوئی اس بستی میں وعظ کرے اس کی جورو پر طلاق ہے جو کوئی اس بستی میں

وعظ کرے سے خود کی نیت کی تھی لیکن تین یا دو کا لفظ منہ سے نہ نکلا اور تین کی نیت نہ تھی، اور وہ مسلمان لوگ سب مل کر واعظ کے پاس عاجزی سے کہتے ہیں کہ تم وعظ کرو، پس واعظ کہتا ہے کہ اگر میں وعظ کروں تو میری زوجہ مطلقہ ہوتی ہے میں ہر گز وعظ نہ کروں گا، پس ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں، اور کون سی طلاق بائن یا کیا، اور وعظ وہ کرے یا نہیں، اور جب وعظ کرے تو بائن واقع ہونے سے کیا کرے، اور اگر قسم کی طلاقیں واقع ہوتی ہیں تو ان کا بھی خلاصہ لکھنا، کل مسلمان اہلسنت وجماعت آپ کے جواب کے منتظر ہیں، ان الفاظ میں اگر نیت ثلاثہ کی کی ہو تو کیا ثلاثہ واقع ہوگی یا نہیں، والسلام۔

الجواب:

واعظ کو نہ چاہئے کہ طلاق کی قسم کھاتا کہ شرعًا ناپسندیدہ ہے یہاں تک کہ حدیث میں آیا:

ماحلف بالطلاق مومن وما استحلف بہ الا منافق[1]۔رواہ ابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مومن طلاق کی قسم نہیں کھاتا اور طلاق کی قسم نہیں لیتا مگر منافق۔اس کو ابن عساکر نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اب کہ کہہ چکا ضرور وہاں وعظ کہنے سے عورت پر ایک طلاق رجعی ہوگی کہ عدت کے اندر رجعت کر لینے سے بدستور وہ اس کی زوجہ رہے گی۔درمختار میں ہے:

جماعۃ یتحدثون فی مجلس فقال رجل منھم من تکلم بعد ھذا فامرأتہ طالق ثم تکلم الحالف طلقت امرأتہ لان کلمۃ من للتعمیم والحالف لایخرج نفسہ عن الیمین فیحنث[2]۔	ایک جماعت مجلس میں باتیں کر رہی تھی کہ ان میں سے ایک نے کہا اس کے بعد جو بھی بات کرے اس کی بیوی کو طلاق، پھر خود قسم کھانیوالے نے بات کرلی، تو اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی، کیونکہ "جو بھی" کا لفظ عام ہے تو حلف اٹھانے والے کو بھی شامل ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو خارج نہیں کیا اس لئے اس کی قسم ٹوٹ گئی۔(ت)

ہاں اگر اس قول میں تین طلاقوں کی نیت کی تھی تو تین پڑیں گی اور عورت بے حلالہ نکاح میں نہ آسکے گی۔درمختار میں ہے:

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ کتاب الیمین من قسم الاقوال موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/۶۸۹

[2] درمختار باب طلاق غیر المدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

فی انت الطلاق یقع واحدۃ رجعیۃ ان لم ینو شیأ اونوی واحدۃ اثنین لانہ صریح مصدر لایحتمل العددفان نوی ثلثافثلث لانہ فرد حکمی[1]۔ملخصًا۔	"توطلاق ہے" کے لفظ سے ایک طلاق رجعی ہوگی، ایک کی یادو طلاقوں کی، یا کوئی نیت نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ طلاق مصدر صریح ہے اس میں عدد کی گنجائش نہیں، اور اگر کہنے والے نے اس لفظ سے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین ہوں گی کیونکہ طلاق میں تین کل جنس ہونے کی وجہ سے حکمی فرد بن گیا، ملخصًا(ت)

رہا یہ کہ اب وہاں وعظ کرے یا نہیں، اگر وہ وعظ اللہ عزوجل کے لئے کرتا ہے اور طلب مال یا اپنی شہرت وریاست مقصود نہیں اور اس کا وعظ مطابق شرع ہے، اتنا علم دین کافی ووافی رکھتا ہے جس سے اسے وعظ کی اجازت ہو، جب تو ظاہر ہے کہ ایسے بندہ خداہادی راہِ ہدٰی کا وعظ کہنا ہی اس کے، ان مسلمانوں کے سب کے حق میں بہتر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرمنھا فلیات الذی ھو خیرولیکفر عن یمینہ[2]۔رواہ الائمۃ احمد ومسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو کسی بات پر قسم کھالے پھر دیکھے کہ اس قسم کا خلاف بہتر ہے تو وہی بہتر کام کرے اور قسم کا کفارہ دے لے(اس کو امام احمد، مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اگر ان باتوں سے کوئی بات کم ہے مثلًا علم دین کافی نہیں یا کسی غرض فاسد یا عقیدہ فاسدہ کے باعث وعظ خلافِ شرع کہے جب تو ظاہر کہ اس کا وعظ اس کے اور مسلمانوں سب کے حق میں برا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبوأمقعدہ من النار[3]۔رواہ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جس نے بغیر علم قرآن کا مطلب بیان کیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے۔ اس کو ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔(ت)

اور اگر مال یا شہرت مقصود ہے تو اگرچہ مسلمانوں کے لئے اس کا وعظ مفید ہو خود اس کے حق میں سخت

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۹

[2] مسند احمد بن حنبل دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۲۵۸

[3] جامع ترمذی باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۱۹

مضر ہے، علماء فرماتے ہیں ایسی اغراض کے لئے وعظ ضلالت اور یہود ونصاری کی سنت ہے۔ درمختار میں ہے:

التذکیر علی المنا برللوعظ والاتعاذسنة الانبیاء والمرسلین ولریاسة ومال وقبول عامة من ضلالة الیھودوالنصاری۔[1]	منبر پر وعظ ونصیحت کرنا انبیاء اور مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ اپنی بڑائی، مال یا اپنی مقبولیت کے لئے وعظ کہنا یہود ونصاری کی گمراہی جیسے ہے۔(ت)

صورتِ ثانیہ میں اسے وعظ کی اجازت ہی نہیں، نہ کہ ایسی حالت میں کہ اس کے سبب عورت پر طلاق ہو گی اور طلاق اللہ عزوجل کو بلاوجہ شرعی سخت ناپسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق[2]۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجة والحاکم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وفی لفظ للحاکم بسند صحیح عنہ موصولا ولابی داؤد عن محارب بن دثار مرسلاً مااحل اللہ شیأً ابغض الیہ من الطلاق[3]۔	اللہ تعالٰی کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ حلال طلاق ہے۔ اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور دوسرے الفاظ میں عبداللہ بن عمر ہی سے حاکم نے صحیح سند کے ساتھ موصولاً روایت کیا، ابوداؤد نے محارب بن دثار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرسلاً یوں روایت کی ہے: اللہ تعالٰی کی حلال کردہ چیزوں میں سے طلاق اللہ تعالٰی کے ہاں زیادہ ناپسند ہے۔(ت)

اور اگر صورت صورتِ اولٰی ہے جس میں وعظ کہنا اس کے حق میں بہتر ہے تو وعظ کہے اور عورت کو رجعت کرلے، اور اگر تین طلاق کی نیت کی تھی تو اگر چاہے تو یہ حیلہ ممکن ہے کہ عورت کو ایک طلاق دے جب عدت گزر جائے اور عورت نکاح سے نکل جائے اس وقت وعظ کہے پھر عورت سے نکاح کرلے اور وعظ کہتا رہے طلاق نہ پڑے گی،

لانہ لما ابانہا وانقضت العدة لم تبق محلا للطلاق فاذاحنث بعدہ	کیونکہ جب بیوی کو بائنہ کردیا اور عدت گزر گئی تو اب وہ طلاق کا محل نہ رہی، اب اس کے بعد قسم ٹوٹنے

[1] درمختار فصل فی البیع کتاب الحظر والاباحة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[2] سنن ابوداؤد باب فی کراھیة الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

[3] سنن ابوداؤد باب فی کراھیة الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

نزل الجزاء المعلق ولم یصادف محلا فمضی هملا وقد انتهی الیمین لعدم مایدل علی التکرار فاذا تزوجها بعد وعظ لم یحنث۔	کی وجہ سے معلق شدہ جزاء وارد ہوگی تو اس وقت محل نہ ہونے کی وجہ سے مہمل ہوجائے گی اور قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ اس میں تکرار والی کوئی بات نہیں، اور اب وعظ کرلے اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کرلے تو حنث نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقت والالا فحیلة من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل الیمین فینکحها[1]۔	مطلقاً شرط پائے جانے کے بعد قسم ٹوٹ جاتی ہے لیکن وہ شرط اگر ملکیت نکاح میں پائی جائے تو طلاق ہوجائیگی ورنہ نہیں، تو جس نے تین طلاقوں کو دخولِ دار کی شرط سے معلق کیا ہو اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ بیوی کو ایک طلاق دے دے جب اس کی عدت ختم ہوجائے تو عدت کے بعد عورت دخولِ دار کرلے اب قسم ٹوٹ کر ختم ہوجائے گی پھر وہ عورت سے نکاح کرلے۔ (ت)

مگر یہ صورت دقت سے خالی نہیں بعد انقضاءِ عدت عورت خود مختار ہوجائے گی اور اگر وہ اس سے نکاح نہ کرے تو اس پر جبر کا کوئی اختیار نہیں۔ یونہی یہ سب صورتیں اس تقدیر پر ہیں کہ اس سے پہلے کبھی اس عورت کو دو طلاقیں مجموع خواہ متفرق نہ دے چکا ہو ورنہ وعظ کہتے ہی یا قبل وعظ ایک طلاق دیتے ہی فوراً تین طلاقیں ہوجائیں گی اور اب سوا حلالہ کوئی علاج نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲: از ریاست رامپور محلّہ باجوری ٹولہ متصل زیارت حافظ جمال اللہ صاحب مرسلہ محمد ضمیر خاں صاحب ۵ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو سے اس کی بیوی نے طلاق طلب کی۔ عمرو نے یہ کہا کہ تو مہر بخش دے تو تین طلاق دوں گا۔ عورت نے یہ کہا اگر تم مجھے طلاق دو تو میں نے مہر بخش دیا۔ عورت نے تین مرتبہ یہ کہا کہ اگر میرا شوہر مجھے طلاق دے تو میں نے مہر بخش دیا۔ پھر عمرو نے دو مرتبہ یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ اس واقعہ کو قریب ایک ہفتہ کے ہوا اور یہ واقعہ درمیان شوہر اور بیوی کے غصہ کی حالت میں ہوا، آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

الجواب:

اگر عورت مدخولہ ہے دو طلاقیں ہو گئیں مگر جب تک عدت نہ گزرے رجعت کر سکتا ہے، مثلاً زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی اگر اس سے پہلے کبھی کوئی طلاق نہ دے چکا ہو۔ اور اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق بائن پڑی اور عورت نکاح سے نکل گئی، مگر اس کی رضا کے ساتھ عدت میں خواہ عدت کے بعد اس سے نکاح کر سکتا ہے رہا مہر وہ کسی حالت میں ساقط نہ ہوا بدستور باقی ہے۔ بزازیہ کتاب البیوع میں ہے:

تعلیق الهبة بکلمة ان باطل۔[1]	ہبہ کو کسی شرط سے معلق کرنا باطل ہے (ت)

اشباہ میں ہے:

تعلیق التملیکات بالشرط باطل کالبیع والشراء والهبة والابراء[2] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	بیع و شراء، ہبہ اور حق کی وصولی سے کسی کو بری کرنا جیسی چیزوں کی تملیک کسی شرط سے معلق کرنا باطل ہے (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳: از ریاست رامپور سر رشتہ پولیس مرسلہ سید جعفر حسین صاحب محرر سر رشتہ ۲۰ محرم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس شرط پر نکاح کیا نصف مہر یعنی پانسو ۵۰۰ روپے اگر بوقت طلب زوجہ ہندہ ادا نہ کروں تو ہندہ پر سہ طلاق ہیں اب بعد نکاح کے ہندہ نے زید سے نصف مہر طلب کیا زید نے اس وقت روپیہ مذکور ادا نہ کیا اس صورت میں ہندہ پر سہ طلاق ہوئیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر عقد نکاح میں ایجاب یعنی ابتدائے کلام بشرط مذکور جانب زید سے ہو مثلاً زید نے ہندہ سے کہا میں تجھے بعوض ہزار روپے مہر کے اپنے نکاح میں لایا اس شرط پر کہ اگر نصف مہر تیری طلب کے وقت ادا نہ کروں تو تجھ پر تین طلاق، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا، تو صورت مستفسرہ میں اگر زید نے ہنگامِ طلب نصف مہر ادا نہ کیا ہندہ پر اصلاً طلاق نہ ہوئی، اور اگر ابتدائے عقد جانب ہندہ سے تھی خواہ شرط کلام ہندہ میں مذکور ہو، مثلاً ہندہ نے کہا میں نے اپنے نفس کو اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا تو نصف مہر الخ، زید نے کہا میں نے

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علٰی حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۵

[2] اشباہ والنظائر القول فی الشرط والتعلیق ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۲۵، ۶۲۶

قبول کیا یا کلام زید میں ہو مثلاً ہندہ نے کہا میں نے اپنی جان تیری زوجیت میں دی، زید نے کہا میں نے قبول کی اس شرط پر کہ اگر نصف مہرالخ یا ابتدائے ایجاب تو جانب زید سے تھی مگر شرط ہندہ نے قبول میں ذکر کی اور زید نے منظور کرلی، مثلاً زید نے کہا میں نے تجھے اپنی زوجیت میں لیا، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ اگر تو نصف مہرالخ، زید نے کہا مجھے منظور ہے، توان صورتوں میں جب نصف مہر عندالطلب ادانہ کیا ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں والفرق نفیس حسن بیناہ فی فتاونا (اور یہ فرق نفیس خوب ہے، اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) یہ مسئلہ خانیہ وخلاصہ وبزازیہ وبحرالرائق وہندیہ وردالمحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴: از بنگالی ضلع پاپناڈاکخانہ سراج گنج موضع قاضی پور مرسلہ امید علی صاحب ۱۲صفر ۱۳۱۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھذہ المسئلۃ (اے علماء کرام! اللہ تعالٰی آپ پر رحمت فرمائے، آپ کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے۔ت) کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ سے کہا **کلمادخلت الدار فانت طالق** (جب بھی تو گھر میں داخل ہوگی تجھے طلاق ہے۔ت) بعد اس کے اس نے ایک طلاق دی بعد عدت عورت نے دوسرے سے نکاح کرلیا، بعدہ دوسرے نے بھی طلاق دے دی، بعد چند روز اول سے نکاح کرلیا پھر دخول دار پایا گیا اب طلاق پڑے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر تین بار دخول دار سے انحلال یمین یا تین طلاق تنجیزی خواہ تعلیقی خواہ مختلط سے زوال حل نہ ہولیا تھا تو یمین ضرور باقی ہے وقوع شرط سے طلاق واقع ہوگی **والتفصیل یستدعی التطویل** (اس کی تفصیل کے لئے تطویل کی ضرورت ہے۔ت) در مختار میں ہے:

اعلم ان التعلیق یبطل بزوال الحل لابزوال الملك فلو علق الثلث او مادونھا بدخول الدار ثم نجز الثلاث ثم نکحھا بعد التحلیل بطل التعلیق فلا یقع بدخولھا شیئ ولو کان نجز ما دونھا لم یبطل فیقع المعلق کلہ واوقع محمد بقیۃ الاول وھی	معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تعلیق حلف ختم ہونے پر باطل ہوگی محض ملکیت ختم ہونے پر تعلیق ختم نہ ہوگی، اگر خاوند نے تین طلاقوں یا ایک دو کو دخولِ دار سے معلق کیا ہو اور پھر اس کے بعد اس نے اس بیوی کو غیر مشروط طور پر تین طلاقیں دے دیں جس پر بیوی مذکورہ نے حلالہ شرعیہ کے بعد دوبارہ اس پہلے خاوند سے نکاح کیا تو اس دوسرے نکاح کے بعد بیوی کے گھر میں داخل ہونے پر کوئی طلاق نہ ہوگی اور تعلیق ختم ہے

مسألة الهدم [1] الخ۔	اور اگر مذکورہ صورت میں خاوند نے تعلیق کے بعد تین سے کم طلاقیں دی ہوں تو اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرلینے کے بعد بھی تعلیق ختم نہ ہوگی لہٰذا دوبارہ پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر دخول دار ہوا تو تمام معلق طلاقیں واقع ہوجائیں گی، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی پہلی دی ہوئی طلاق سے بقیہ طلاقوں کو واقع مانتے ہیں ان کا یہ قول، دوسرے خاوند سے نکاح کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر پہلی طلاقوں کے ساقط ہوجانے کے اختلافی مسئلہ پر ان کے مؤقف پر مبنی ہے الخ (ت)

اسی میں ہے:

تبطل الیمین ببطلان التعلیق اذا وجد الشرط مرة الافی کلما فانه ینحل بعد الثلاث لاقتضائها عموم الافعال کاقتضاء کل عموم الاسماء فلایقع ان نکحها بعد زوج اٰخر [2] الخ۔	تعلیق سے متعلق یمین، تعلیق کے باطل ہوجانے پر ختم ہوجائے گی جب ایک دفعہ شرط پائی گئی ہو، مگر لفظ "کلما" کے ساتھ کسی شرط سے تعلیق کی گئی ہو تو وہ یمین تین طلاقوں کے بعد ختم ہوگی، کیونکہ "کلما" افعال کے عموم کو چاہتا ہے جیسا کہ "کل" عموم اسماء پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا اس صورت میں تین طلاقوں کے بعد حلالہ کرنے پر پہلے خاوند سے نکاح کرے تو اب دخولِ دار سے طلاق نہ ہوگی الخ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فلایقع تفریع علی قوله فانه ینحل بعد الثلاث وانما لم یقع لان المحلوف علیه طلقات هذه الملك وهو متناهية کمامرامالو کان الزوج الاٰخر قبل الثلاث فانه یقع مابقی [3]۔	ماتن کا قول "فلایقع" اسکے اپنے قول" تین طلاقوں کے بعد یمین ختم ہوجائے گی" پر تفریع ہے، یہ اس لئے کہ حلف کا تعلق موجودہ ملکیت کی پوری طلاقوں سے ہوتا ہے اور وہ محدود ہیں اس لئے تین طلاقوں پر یمین ختم ہوجائے گی، جیسا کہ گزرا ہے، اور اگر تین طلاقوں سے کم پر دوسرے خاوند کے بعد پہلے سے نکاح کرے تو اب شرط پائے جانے پر باقی ماندہ طلاقیں واقع ہوں گی۔ (ت)

اسی میں قبیل باب التعلیق ہے:

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[3] ردالمحتار باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۰۰

اذا قال کلما دخلت الدار فانت طالق فدخلتها مرتین ووقع علیها الطلاق وانقضت عدتها ثم عادت الیه بعد زوج اٰخر فعندهما تطلق کلما دخلت الدار الی ان تبین بثلاث طلقات خلافا لمحمد کما ذکره الزیلعی الخ[1] وانظر ماعلقنا علی قوله السابق۔	اگر تعلیق میں "کلما" کے ساتھ شرط بیان کرتے ہوئے کہا جب بھی تو گھر میں داخل ہو تجھے طلاق ہے، تو اگر دو ۲ مرتبہ گھر میں دخول پایا گیا اور اس پر دو طلاقیں ہونے اور عدت گزرنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کیا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک تین مرتبہ داخلہ کے ساتھ تین طلاقیں ہوجائیں گی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اب صرف ایک مرتبہ گھر میں داخلہ کے ساتھ ایک ہی باقیماندہ طلاق ہوگی، جیسا کہ اس کو امام زیلعی نے ذکر فرمایا الخ۔ ردالمحتار کے پہلے قول پر ہمارا حاشیہ ملاحظہ کیا جائے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقت والالا[2]۔	مطلقًا شرط پائے جانے پر یمین ختم ہوجاتی ہے اگر وہ شرط ملکیت یعنی نکاح کے دوران پائی جائے تو طلاق ہوجائے گی ورنہ نہیں۔ (ت)

اس پر ردالمحتار میں ہے:

المحقق فی الفتح افاد فی باب التعلیق ان قولهم المعلق طلقات هذا الملك الثلاث مقید بمادام مالکا لها فاذا زال ملکه لبعضها صار المعلق ثلثا[3] اھ وانظر ماکتبت علی هامش الفتح من هذا القول واذا جمعت هذه کلها عرفت بعون الله تعالٰی تفاصیل صور المسئلة، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	فتح القدیر کے باب التعلیق میں محقق صاحب نے افادہ فرمایا کہ موجودہ ملکیت تین طلاقیں ہوتی ہیں، اس عبارت سے انہوں نے یہ قید بیان فرمائی کہ موجودہ ملکیت جب تک باقی ہے یمین و تعلیق باقی ہے اور اگر تین میں سے بعض طلاقوں کی ملکیت ختم ہوجائے تو تین تک تعلیق رہے گی اھ، فتح القدیر کے اس قول پر میرے حاشیہ کو دیکھو، تو جب یہ تمام عبارات ملاحظہ میں آئیں تو اس مسئلہ کی تمام صورتوں کی تفصیل بعون اللہ آپ کو معلوم ہوگئی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار فصل فی المشیئة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۰
[2] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۱
[3] ردالمحتار فصل فی المشیئة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۰

مسئلہ ۱۵: از ہردوار مسئولہ فضل حسین

ایک شخص نے بحالتِ غصہ اپنی عورت سے یہ کہا کہ اگر تو میرے گھر آئی تو تجھ کو طلاق ہے اور اگر میں تیرے ساتھ کوئی بات کروں (یعنی صحبت کروں) تو حرام کروں، ان الفاظ سے طلاق ثابت ہوتی ہے یا نہیں اور اس عورت کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب:

اس کہنے کے وقت اگر عورت شوہر کے گھر کے علاوہ اور جگہ تھی تو جب شوہر کے گھر آئے گی ایک طلاق رجعی پڑے گی اور اگر اس وقت شوہر ہی کے گھر میں تھی تو جب تک یہاں رہے گی طلاق نہ ہوگی جب کہیں اور جاکر وہاں سے شوہر کے یہاں آئے گی اس وقت طلاق پڑے گی، اور بہر حال طلاق رجعی ہوگی، عدت کے اندر اگر شوہر اتنا کہہ دے کہ میں نے اسے اپنے نکاح میں پھیر لیا تو وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی اور اس کا نکاح دوسرے سے نہ ہوسکے گا، ہاں اگر طلاق پڑے اور شوہر اسے اپنے نکاح میں واپس نہ لے یہاں تک کہ طلاق ہونے کے بعد سے تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں تو اس وقت عورت نکاح سے نکل جائے گی اور دوسرے سے نکاح جائز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶: از کلکتہ مرسلہ ابوالقمر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے قسمیہ اپنی منکوحہ عورت سے کہہ دیا کہ اگر بغیر عذر شرعی کے تم نے کبھی نماز نہ پڑھی تو تجھ کو میری طرف سے تین طلاقیں ہوں گی، کیا ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع ہوں گی چونکہ اس قسم کا سلسلہ دراز ہے جب تک زوج اور زوجہ زندہ ہیں مدام اندیشہ میں ہیں اور اس زمانہ کے لوگ سُست ہیں دین کے کاموں میں بے پرواہو گئے ہیں، ممکن ہے کہ کسی وقت عورت سے غفلت ہو جائے تو اس کو طلاق پڑ جائے گی۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ طلاق کے واقع ہونے سے قبل کوئی ایسا حیلہ کیا جائے کہ عورت پر طلاق نہ پڑے۔

الجواب:

چار اماموں چاروں مذہب کا اجماع ہے کہ تین طلاقیں ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک ہی لفظ میں واقع ہو جاتی ہیں۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما بانت امرأتك وعصیت ربك ان لم تتق اللہ فلم یجعل لک	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا تیری بیوی بائنہ طلاق والی ہو گئی ہے اور تو نے اللہ تعالٰی کی نافرمانی کی ہے اگر تو اللہ تعالٰی کے عذاب سے

مخرجا[1]۔	خوف نہ کرے گا تو پھر تیرے لئے اللہ تعالیٰ کوئی سبیل نہ فرمائے گا۔(ت)

وہابی گمراہ بددین اس میں خلاف کرتے اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہیں، زید نے جبکہ ایک وقت کی نماز نہ پڑھنے پر حکم طلاق مغلظ معلق کیا جیسا کہ تقریر سوال سے ظاہر تو عورت جب بے عذر شرعی ایک وقت کی نماز بھی چھوڑے گی فوراً اس پر تین طلاقیں ہو جائیں گی اور بے حلالہ اس کے نکاح میں نہ آسکے گی فان الجزاء ینزل عند نزول الشرط کما فی الھدایۃ وغیرہا (شرط پائے جانے پر جزاء پائی جاتی ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور اس کا حیلہ ارتکاب کبیرہ بالعمد پر مشتمل ہے اور اس کا بتانا بھی حرام ہے یہ اس معنی پر ہے جس پر سوال مبنی اور اگر مراد زید اور ہے تو اس کا اسی سے استفسار ہو،

فان للکلام محملین اُخرین لانذکرھا کیلایکون تعلیماً والمفتی منھی عنہ بل یسأل فھو اعلم بمرادہ۔	اس کلام کے دو محمل اور جن کو ہم ذکر نہیں کرتے تاکہ تعلیم نہ قرار پائے مفتی کو اس سے باز رہنے کا حکم ہے بلکہ وہ صرف سوال کرے کیونکہ مبتلا شخص اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے۔(ت)

اس وقت اس کا جواب دیا جائے، وجیز کردری و عقود الدریہ میں ہے ھ:

احب المفتی ان لایقول یصدق دیانۃ لانہ تعلیم بل ادبہ ان یقول لایصدق۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم۔	مفتی کے آداب میں سے ہے کہ وہ کسی بات پر دیانت کی تصدیق نہ کرے کیونکہ یہ مبتلاء کو تعلیم قرار پاتی ہے بلکہ ادب المفتی یہ ہے کہ وہ کہے کہ تصدیق نہیں ہوسکتی واللہ تعالیٰ اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷: از پیلی بھیت محلّہ منیر خاں مرسلہ مولانا عبدالاحد صاحب ۱۴رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے پدر سے کسی تذکرہ میں کہا تھا کہ اگر میری بیوی فلاں مکان میں جائے گی تو میری بیوی ہی نہ رہے گی پھر اس کے چند روز بعد دوسرے جلسے میں زید نے پدرِ ہندہ سے الفاظ مذکورہ دوبارہ پھر ادا کئے کہ ہندہ اگر فلاں مکان میں جائے گی تو میری بی بی ہی نہ رہیگی، بعد تھوڑے عرصہ کے ہندہ بلارضامندی اپنے شوہر کے اس مکان میں چلی گئی جس کی بابت زید دو مرتبہ دو جلسوں میں پدر ہندہ سے عدم رضامندی اپنی ظاہر کرچکا تھا اور اب عرصہ پانچ ماہ سے ہندہ اسی مکان میں مقیم ہے،

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۹

[2] عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ فوائد تتعلق بآداب المفتی حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۳

پس اس صورت میں نکاح زید سے قائم رہا یا نہیں؟ اور مبادا اگر نکاح ہندہ زید سے نہیں قائم رہا تو کون سی طلاق ہندہ پر پڑ سکتی ہے؟ اور کیا صورت رجعت کی از روئے شرع شریف ہوسکتی ہے؟

الجواب:

اگر زید نے وہ الفاظ دونوں بار خواہ ایک بار بہ نیت ایقاعِ طلاق کے کہے تھے یعنی یہ مطلب تھا کہ اگر وہ وہاں جائے تو اس پر طلاق ہے تو وہاں جانے سے عورت پر ایک طلاق بائن ہوگی نکاح سے نکل گئی رجعت نہیں کرسکتا، ہاں عورت کی رضا سے دوبارہ اس سے نکاح کرسکتا ہے عدت میں خواہ عدت کے بعد، بہرحال حلالہ کی حاجت نہیں اگرچہ لفظ مذکور تین بار کہا ہو اور اگر کسی بار اس سے نیت طلاق بمعنی مذکور نہ تھی تو عورت کا وہاں جانے سے کچھ نہ ہوا اور وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، رہا یہ کہ نیت تھی یا نہ تھی یہ بیان زید پر ہے اگر وُہ بحلف کہہ دے کہ میرا وہ مطلب ان لفظوں سے کسی بار میں بھی نہ تھا تو طلاق اصلًا نہ مانیں گے اگر زید جھوٹا حلف کرلے گا وبال اس پر رہے گا، درمختار میں ہے:

القول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها فی منزله۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	نیت نہ ہونے کے متعلق خاوند کی بات حلف کے ساتھ تسلیم کرلی جائے گی اور بیوی کا گھر میں ہی اس سے قسم لے لینا کافی ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از ملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں فضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے یوں کہہ کر نکاح کیا کہ میں تمہاری بلااجازت دوسرا نکاح نہیں کروں گا اگر کروں تو طلاق مغلظہ ہوگی، اب اس صورت میں شرط فوت ہوجائے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور ہو تو کَے طلاق ہوں گی؟ بینوا توجروا مع الدلیل۔

الجواب:

اگر زید نے یہ الفاظ عقد نکاح سے پہلے کہے تھے یا خود نفس عقد میں یہ شرط کی مگر ایجاب یعنی ابتدائے الفاظ عقد جانب زید سے تھی، مثلًا اس نے کہا میں نے تجھے اپنے نکاح میں لیا اس شرط پر کہ بے تیری اجازت کے نکاح ثانی نہ کروں گا اگر کروں تو طلاق مغلظہ ہو، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا جب تو بحال وقوع شرط زوجہ ثانیہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر بعد نکاح الفاظ مذکورہ کہے یا نفس عقد اس شرط پر ہوا اور زید کی جانب سے قبول تھا مثلًا ہندہ نے کہا میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا زید نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر الخ یا ہندہ نے کہا میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ تو بے میری اجازت کے نکاح ثانی نہ کرے اگر کرے تو طلاق مغلظہ ہو، زید نے کہا میں نے قبول کیا، تو درصورت وقوع شرط دونوں عورتوں میں سے ایک

مطلقہ ہوگی زید کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جس کی طرف چاہے طلاق کو پھیر دے خواہ ہندہ کی طرف خواہ منکوحہ ثانیہ کی جانب،

فی الهندیة عن الفتح، لوقال لامرأته ان تزوجت علیك ما عشت فالطلاق علی واجب ثم تزوج علیها یقع تطلیقة علی واحدة منهما، یصرفها الی ایتهما شاء [1] اھ ملخصا **قلت** ففی الفصل الثانی لما وقع التکلم بالشرط بعد ثبوت النکاح لانه یتم باللفظین فقد کانت هندة محلا للتطلیق لثبوت ملکه علیها، فقوله یکن طلاق مغلظ یحتملهما فیصرفه الی ایتهما احب، اما فی فصل الاول لما کان التکلم به قبل حصول النکاح حیث لاتمام له بمجرد الایجاب لم تکن هندة محلا له لعدم الملك والاضافة الی نکاح ہندة فتعینت الاخری اعمالا للکلام کما لو قال لامرأته واجنبیة طلقت احدٰ کما تطلق امرأته من غیر نیة	ہندیہ میں فتح سے منقول ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: "اگر تیری زندگی میں تجھ پر کسی دوسری عورت سے نکاح کروں تو مجھ پر طلاق واجب ہے" اس کے بعد اس نے اس بیوی پر دوسرا نکاح کرلیا تو پہلی اور دوسری دونوں بیویوں میں سے ایک کو طلاق ہوجائیگی خاوند اس طلاق کو جس پر چاہے نافذ کردے اھ (ملخصا)۔(**میں کہتا ہوں** کہ) دوسری صورت یعنی نکاح کے بعد یا بیوی کی طرف سے ایجاب میں یہ الفاظ کہے ہوں، تو چونکہ شرط والے الفاظ کا تکلم ثبوت نکاح کے بعد ہوا کیونکہ نکاح ایجاب وقبول کے دولفظوں سے تام ہوتا ہے لہٰذا مسئولہ صورت میں ہندہ طلاق کا محل بن گئی کیونکہ نکاح کے تام ہونے پر ملکیت نکاح مکمل ہوگئی ہے، چونکہ زید نے اس موقعہ پر طلاق مغلظہ واقع ہونے کی بات کی ہے لہٰذا دوسرا نکاح کرنے پر مغلظہ طلاق کا احتمال دونوں بیویوں میں سے ہر ایک کے لئے ہے لہٰذا زید اس طلاق کو دونوں میں سے جس پر چاہے نافذ کردے لیکن پہلی صورت یعنی جب نکاح تام ہونے سے قبل شرط کا تکلم ہوا کیونکہ صرف ایجاب سے نکاح تام نہیں ہوتا، اس لئے اس صورت میں ہندہ طلاق کا محل نہ بن سکے گی کیونکہ ابھی نکاح نہ ہوا اور نہ ہی نکاح کی طرف طلاق کو

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان، اذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۶

لتعینها الانشاء [1] کما فی الهندیة عن المحیط عن المبسوط، وفی الدر المختار من باب الرجعة، لوخافت ان لایطلقها تقول زوجتك نفسی علی ان امری بیدی، زیلعی وتمامه فی العمادیة اھ [2]، فی ردالمحتار حیث قال ولو قال لها تزوجتك علی ان امرك فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح فی الملك اومضافا الیه ولم یوجد واحد منهما بخلاف مامر فان الامر صار بیدها مقارنا لصیرورتها منکوحة اھ نهر، والحاصل ان الشرط صحیح اذا ابتدأت المرأة لا اذا ابتدأ الرجل ولکن الفرق خفی [3] اھ کلام الشامی باختصار ورأیتنی کتبت علیه مانصه اقول بل هو ظاهر والحمد لله فان الزوج اذا ابتدأ فقال	منسوب کیا گیا، لہٰذا یہ طلاق لازماً دوسری بیوی کو ہوگی اور وہی طلاق کے لئے متعین قرار پائیگی تاکہ زید کا کلام لغو نہ ہو، جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی اور اجنبی عورت کو خطاب کرکے کہے میں نے تم دونوں سے ایک کو طلاق دی ہے، تو اس کی بیوی کو ہی بغیر نیت طلاق ہوگی کیونکہ وہی انشاءِ طلاق کا محل ہونے کی وجہ سے متعین ہوگی، اس کو ہندیہ میں محیط کے حوالے سے مبسوط سے نقل کیا ہے۔ درمختار کے باب الرجعۃ میں ہے کہ اگر بیوی کو ڈر ہو کہ کہیں خاوند طلاق نہ دے دے تو نکاح کے وقت بیوی یوں کہے کہ میں تجھ سے اپنا نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ میری طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا اس کو امام زیلعی نے بیان کیا یہ بحث عمادیہ میں ہے اھ، ردالمحتار میں ہے کہ اگر خاوند نے ایجاب کرتے ہوئے یوں کہا میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے تو عورت نے قبول کیا، اس صورت میں نکاح جائز ہوگا اور شرط کا ذکر لغو ہوگا، کیونکہ تفویض طلاق کے لئے جواز تب پیدا ہوتا ہے جب نکاح موجود ہو یا طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کیا ہو، جبکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں سے کوئی بھی نہ پائی گئی۔ بخلاف پہلے مذکور مسئلہ کے کہ وہاں عورت کی طرف سے ایجاب میں شرط کو خاوند نے قبول کیا تو نکاح اور طلاق کی شرط دونوں اکٹھے پائے گئے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۶۳

[2] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۱

[3] ردالمحتار باب الرجعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۰

تزوجتك علی انك طالق فقالت قبلت کان التعلیق قبل حصول الملک، اذلا ملك الابعد تمام الرکنین، ولاتعلیق علی سبب الملک، فان المعینة یجب فیها حقیقة الشرط لامعناه کما تقدم فکان باطلا کما نقله عن النهر، اما اذا کانت هی المبتدأة انی زوجتك نفسی علی انی طالق فقال قبلت کان السؤال معادا فی الجواب، فکانه قال بعد ایجابها قبلت علی انك طالق، فوقع بعد تمام الرکنین، افاده فی الخانیة حیث قال لان البدأة اذا کانت من الزوج کان الطلاق فلا یصح اما اذا کانت البدأة من قبل المرأة یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المرأة قبلت والجواب یتضمن اعادة مافی السؤال صار کانه قال قبلت علی انك طالق او علی	اس لئے طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہوگا اھ نہر، حاصل یہ کہ شرط عورت کے پہل کرنے پر صحیح ہوگی، مرد کے پہل کرنے پر درست نہ ہوگی، لیکن یہ فرق مخفی رہا، اختصارًا، علامہ شامی کا کلام ختم ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے علامہ شامی کے اس کلام پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) فرق مخفی نہیں بلکہ ظاہر ہے **الحمد لله**، کیونکہ خاوند کے پہل کرنے اور یہ کہنے پر کہ میں تجھ سے نکاح اس شرط پر کرتا ہوں کہ تجھے طلاق ہے تو عورت نے قبول کرلیا تو یہ تعلیق ملکیت نکاح کے دونوں رکن (ایجاب وقبول) سے پہلے ہوئی ہے لہٰذا ملکیت حاصل نہ ہوئی اور ملکیت کے سبب پر بھی تعلیق نہیں کیونکہ معینہ عورت کے لئے حقیقۃً شرط کا پایا جانا ضروری ہے محض شرط کا معنی کافی نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا ہے، تو یہ تعلیق بالطلاق باطل ہوگی جس طرح انہوں نے اس کو نہر سے نقل کیا ہے لیکن، اگر عورت پہل کرکے ایجاب میں کہے میں نے تجھے اپنا نفس نکاح کرکے دیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہے تو خاوند نے قبول کرتے ہوئے کہا میں نے قبول کیا، چونکہ جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے اس لئے گویا خاوند نے یوں کہا "میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے" تو یہ تعلیق نکاح کے دونوں رکن (ایجاب وقبول) پائے جانے کے بعد پائی گئی اس کا خانیہ نے افادہ فرمایا جہاں انہوں نے فرمایا کہ جب ابتداء زوج کرے تو طلاق اور تفویض دونوں نکاح سے قبل پائی گئیں لہٰذا صحیح نہ ہوں گی لیکن جب عورت ابتداء کرے تو تفویض نکاح کے بعد پائی گئی کیونکہ جب خاوند نے جواب میں کہا "میں نے

ان یکون الامر بیدك فیصیر مفوضا بعد النکاح اھ **قلت** وبه تبین حکم ما اذا ابتدأت المرأة من دون شرط وقبل الزوج بشرط حیث یصح الطلاق و التفویض لان کلام المرأة لاعبرة بھا فی ھذا الباب، کانت الصحة فیما مرلوقوعه فی قبول الزوج تقدیرا لتضمن الجواب مافی السؤال، فاذا وقع فیه تحقیقا کان اولی بالصحة[1] اھ ما کتبت علیه وبه یظھر لك کل ماذکرنا ھٰھنا۔	قبول کیا" چونکہ جواب میں سوال کا اعادہ مراد ہوتا ہے تو گویا یوں کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے، یا تفویض کی صورت میں یوں کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے تو تفویض نکاح کے بعد ہوئی اھ، (**میں کہتاہوں**) اس سے صورت کا حکم معلوم ہوگیا جس میں بغیر شرط عورت ایجاب میں پہل کرے اور خاوند قبول کرتے ہوئے شرط ذکر کرے تو طلاق اور تفویض صحیح ہوگی، کیونکہ طلاق کے متعلق عورت کا کلام بے معنٰی ہے اس کی صحت کا دارومدار خاوند کے قبول کرنے پر ہے جو کہ قبول کرنے میں مقدر طور پر مذکور ہے کیونکہ خاوند کا جواب عورت کے ایجاب یعنی سوال کو متضمن ہے تو جب خاوند کے قبول کرنے میں صراحتًا شرط مذکور ہو تو بطریق اولٰی صحیح ہوگا اھ میں نے یہاں حاشیہ میں جو لکھا وہ ختم ہوا، اس سے یہاں پر تمام بحث کا آپ کو علم ہوگیا۔ (ت

پھر بہر صورت منکوحہ ثانیہ خواہ ہندہ صورت مذکورہ میں جس پر طلاق پڑے گی تین طلاقیں ہوں گی کہ عرف میں طلاق مغلظہ اسی کو کہتے ہیں۔

اقول وحیث کان البناء علیه فلایرد ان قال انت طالق اغلظ الطلاق واحدة بائنة ان لم ینو ثلثا[2] کما فی التنویر ثم اعلم ان الوقوع بالصفة عند ذکرھا کما اذا قال انت طالق البتة حتی لوقال بعدھا ان شاء الله متصلا لایقع ولو کان الوقوع باسم الفاعل لوقع کما فی ردالمحتار فلایتوھم	**اقول** (میں کہتا ہوں کہ) جب گفتگو عرف پر مبنی ہے تو اب تنویر کی اس عبارت سے اعتراض پیدا نہ ہوگا کہ "غلیظ تر طلاق والی ہے" یہ ایک طلاق بائنہ ہوگی بشرطیکہ تین کی نیت نہ کرے۔ پھر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ طلاق کا وقوع صفت کے ساتھ ہوگا جب صفت مذکور ہوگی، مثلاً جب خاوند کہے "تجھے طلاق ہے قطعی" حتی کہ اس کے ساتھ متصل ان شاء الله کہہ دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی (کیونکہ ان شاء الله کا تعلق طلاق قطعی کے ساتھ ہے صرف "قطعی" سے نہیں) اگر اس میں

[1] جدالممتار حاشیة ردالمحتار باب الرجعة حاشیہ نمبر ۱۰۸۷ المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا ۲/ ۵۶۵۔۶۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

ان الاخری ینزل علیھا الطلاق وھو غیر مدخول بھا والتعلیق کالتکلم عند وجود الشرط فکانہ قال لھا حینئذ انت طالق طلاقا مغلظا فطلقت بطالق ولغا الوصف فافھم ۔واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔	طلاق کا وقوع صرف لفظ "طالق" اسم فاعل سے ہوتا تو پھر ان شاء اللہ کا تعلق صرف لفظ "قطعی" یعنی البتۃ سے ہوتا، اور طالق کے ساتھ نہ ہونے کی بناء پر طلاق واقع ہو جاتی، جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا ہے تو اس قاعدہ کی بناپر یہ وہم نہیں کیا جاسکتا کہ دوسری نئی بیوی غیر مدخولہ ہونے کی وجہ سے اس پر مذکورہ شرط والی مغلظہ طلاق نہ پڑی تو وہ انت طالق (تو طلاق والی ہے) سے بائنہ ہوگئی، کیونکہ تعلیق میں شرط کے پائے جانے کے وقت طلاق والی کلام کا تکلم متحقق ہوتا ہے تو شرط پائے جانے پر گویا اس نے کہا تو طلاق والی ہے طلاق مغلظہ کے ساتھ، تو غیر مدخولہ کو طالق کہنے پر بائنہ طلاق ہوگئی اور اس کے بعد مغلظ کا وصف لغو قرار پایا، اس وہم کے مدفوع ہونے پر غور کرنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: از ریاست رامپور مرسلہ حبیب اللہ بیگ جماعت مولوی فاضل اور نٹیل کالج ۷ اصفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت سے کہتا ہے کہ تجھ پر تین شرطوں سے طلاق قول من حیث ہو قول کیا، کسی چیز کی طرف اشارہ وغیرہ نہیں کیا بس تین شرطوں سے کہہ دیا یہ طلاق کون طلاق، واقع ہوگئی اور کیوں؟ اور تین شرطوں سے کیا مراد ہے اور کیوں؟

الجواب:

ظاہر الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ طلاق بشرطِ مجہول دیتا ہے تو یہ کہنا ایسا ہوا کہ مطلقہ ہے، اگر تین شرطیں پائی جائیں اس صورت میں طلاق اصلاً واقع نہ ہوگی، درمختار میں ہے:

وشرط صحتہ ذکر المشروط فنحو "انت طالق ان" لغو بہ یفتی[1]۔	تعلیق کی صحت کے لئے مشروط کا ذکر ضروری ہے، تو یوں کہنا "تجھے طلاق ہے اگر" لغو قرار پائے گا، اسی پر فتوٰی ہے (ت)

اور ایک احتمال یہ بھی ممکن کہ اس نے اپنے جاہلانہ محاورہ سے تین عدد کو تین شرطیں کہا ہو جیسے تین بار ہاتھ دھونے کو بعض جہال کہتے ہیں تینوں شرطیں پوری کرلو۔ اگر یہ اس کا محاورہ ومقصود ہے تو تین طلاقیں ہوگئیں۔ ردالمحتار میں ہے:

---
[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

یحمل کلام کل عاقل وحالف علی عرفه[1]۔والله تعالٰی اعلم۔	عقد کرنے والے کے اور حلف دینے والے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰: از چھاؤنی برار علاقہ ریاست گوالیار متصل عقب گرلس اسکول بمعرفت منشی سید امجد علی صاحب مرسلہ عطا حسین صاحب نقشہ نویس ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے والد اور ہندہ نے زید سے اسٹامپ لکھوا کر کچہری میں رجسٹری کروالی ہے جن میں کے چند شرائط درج ہیں:

(۱) ہندہ تمام عمر اپنے باپ ہی کے مکان پر رہے گی۔

(۲) جو اس وقت اولاد موجود ہے اس کی مالک ہندہ ہوگی زید مالک نہیں ہوسکتا اور آئندہ جو اولاد ہوگی اس اولاد کی بھی مالک ہندہ ہوگی۔

(۳) ہندہ کی حیات میں تم دوسری شادی نہیں کرسکوگے۔

(۴) دس ۱۰ روپیہ ماہوار ہندہ کے خرچ کے لئے زید کو ہندہ کے والد کے مکان پر بھیجنا ہوں گے۔

(۵) میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر کسی وقت میں تین ماہ تک بہ استثنائے حوادثاتِ زمانہ جس کو میری زوجہ تسلیم کرلے خرچ نہ بھیجوں یا شرط مذکورہ بالا میں سے کسی شرط کا ایفاء نہ کروں تو میری یہ تحریر بجائے تین طلاق مغلظ وشرع کے سمجھی جائے، یہ سب شرائط لکھنے کے بعد زید چھ ۶ ماہ تک ہندہ سے ملنے نہیں گیا اور نہ چھ ماہ تک ہندہ کے لیے خرچ بھیجا، بعد چھ ماہ کے زید ہندہ کے مکان پر گیا، ہندہ کے والد نے زید کو ہندہ سے ملنے دیا اور ہندہ کو زید کے ہمراہ رخصت کردیا، زید ہندہ کو اپنے مکان پر لے آیا، اسی طرح سے آنا جانا بنا رہا، بعد چار ماہ کے ہندہ کا خط زید کے پاس آیا مجھ کو خرچ بھیجو، زید اس وقت بوجہ قرضداری کے خرچ نہیں بھیج سکا، ہندہ کے والد نے پھر ایک خط زید کو بھیجا تم نے اپنی تحریر کے موافق خرچ نہیں بھیجا تین ماہ کے بجائے چار ماہ گزر گئے اس لئے تم دونوں کو شریعت نے بالکل علیحدہ کیا طلاق ہوچکی اب کسی طرح میل جول نہیں ہوسکتا تم کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ تیرہ سو بیس ۱۳۲۰ روپے حق مہر یکمشت ادا کردو، اس وقت اولاد کا دعوی کرنا، زید ہندہ کے والد کے پاس گیا زید نے یہ کہا جبکہ میں نے چھ چھ ماہ تک خرچ نہیں بھیجا اور ہندہ کو آپ نے میرے ہمراہ رخصت کردیا، اتنے عرصہ تک خرچ نہ بھیجنے پر اس وقت طلاق کیوں نہیں ہوئی، ہندہ کے والد نے جواب دیا ہندہ نے تم کو خرچ بھیجنے کیلئے نہیں لکھا تھا اب ہندہ نے تم کو خرچ منگوانے کے لئے لکھا ہے اس وقت سے تین ماہ رکھے گئے ہیں، پھر زید نے

---

[1] ردالمحتار باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۹

یہ سوال کیاکہ اسٹامپ میں آپ نے یاہندہ نے یہ نہیں درج کروایا ہے کہ خرچ منگوانے پر تین ماہ رکھے جائیں، پھر زید نے ہندہ کا خط ہندہ کے والد کے روبرو پیش کیا، تین ماہ گزرنے میں پانچ یوم باقی ہیں ہندہ کے والد نے زید سے کہا تین ماہ کے تیس ۳۰ روپے دے دو تیس ۳۰ روپے دینے پر بھی تم ہندہ سے نہیں مل سکوگے اس وقت تک جبکہ تمہاری زوجہ کو خرچ نہ بھیجنے پر معذور سمجھے، اور علمائے دین سے دریافت کیا جائے اگر علمائے دین ملنے کی اجازت دے دیں اس وقت تم کو اطلاع دے دیں گے تم آکر اپنی زوجہ کو رخصت کرالے جانا، اور اگر علمائے دین نے ملنے کی اجازت نہ دی اور طلاق مقرر کردی تو تمہارے تیس ۳۰ روپے واپس کردئے جائیں گے، زید نے کہا اس وقت میرے پاس تیس ۳۰ روپے نہیں فی الحال دس روپے لئے لیجئے مکان پر پہنچ کر بیس ۲۰ روپے اور بھیج دوں گا انہوں نے دس روپے نہیں لئے، زید کو واپس لوٹا دیا، ہندہ کے والد نہ تو زید کو اولاد دیتے ہیں اور نہ ہندہ سے ملنے دیتے ہیں، زید میں اس قدر حیثیت نہیں ہے کہ تیرہ سو بیس ۱۳۲۰ روپیہ حق مہر یکمشت ادا کرسکے، اب ہندہ کے والد یہ کہتے ہیں کہ علماء سے اجازت لو اگر علمائے دین ہندہ سے ملنے کی اجازت دے دیں تو پھر مجھ کو کچھ عذر نہ ہوگا تمہارے ساتھ ہندہ کو رخصت کردوں گا، اب عرض یہ ہے کہ ان سب شرائط سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ ہندہ کے والد نے زید کو لکھا کہ جس عالم سے تم فتوٰی منگواؤ اگر وہ لکھیں کہ طلاق نہیں ہوئی تو ان کو یہ ضرور لکھ دینا کہ جس کتاب سے طلاق نہیں ہوئی ہے (ثابت ہے) اس کتاب کا نام اور صفحہ کا نمبر ضرور لکھیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ سب جاہلانہ خرافات ہیں، وہ اقرار نامہ باطل محض ہے اس میں جتنی شرطیں لگائیں سب باطل ومردود وخلاف شرع ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق[1]۔ رواہ البخاری ومسلم عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی شریعت میں نہیں، جو شرط شریعت کے خلاف ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو ۱۰۰ شرطیں ہوں، اللہ کا حکم حق ہے، اور اللہ کی شرط مؤکد۔ (اس کو بخاری اور مسلم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اب باپ ہی کے یہاں رہے گی اور موجودہ اولاد کی وہی مالک ہوگی اور آئندہ اولاد کی بھی وہی مالک ہوگی اور

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷

باپ کے گھر بیٹھے نفع پائے گی یہ سب شرطیں خلافِ شرع و مردود ہیں پانچویں شرط کو خلاف کرے تو یہی تحریر تین طلاق سمجھی جائے یہ بھی باطل ہے، غیر طلاق کو طلاق سمجھنا کیا معنی، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجھا مرا طلاق دہ.فقال الزوج دادہ انگار او کردہ انگار لایقع وان نوی کانہ قال لھا بالعربیۃ احسبی انك طالق وان قال ذلك لایقع وان نوی [1] اھ ملخصًا۔	ایک عورت نے اپنے خاوند کو کہا تو مجھے طلاق دے، تو خاوند نے کہا دی ہوئی یا کی ہوئی سمجھ، تو طلاق نہ ہوگی خواہ نیت بھی کی ہو۔ گویا خاوند نے عربی میں کہا تو خیال کرلے کہ تو طلاق والی ہے۔ تو ایسا کہنے پر طلاق نہیں اگرچہ نیتِ طلاق بھی ہو، اھ ملخصًا (ت)

اسی میں ہے:

لوقیل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدھا مطلقۃ او احسبھا مطلقۃ لاتطلق امرأتہ [2]۔	اگر کسی شخص کو یہ کہا جائے کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو وہ جواب میں کہے تو اس مطلقہ شمار کر یا کہے بیوی کو مطلقہ سمجھ لے، تو اس سے طلاق نہ ہوگی (ت)

بالجملہ نہ صورتِ مستفسرہ میں طلاق ہوئی نہ عورت مالک اولاد ہوسکتی ہے،

قال اللہ تعالٰی وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیوی کا نفقہ اولاد والے یعنی خاوند پر ہے۔ (ت)

ہاں بحق حضانت لڑکا سات برس کی عمر تک ماں کے پاس رہے گا اور لڑکی نو برس کی عمر تک، پھر باپ لے گا۔ شوہر اگر اپنے پاس بلانا چاہے تو عورت کو باپ کے گھر رہنے کا اختیار نہیں،

قال اللہ تعالٰی اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ [4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم اپنی بیویوں کو وہاں رکھو جہاں سکونت پذیر ہو۔ (ت)

اگر شوہر کے پاس آنے سے انکار کرے گی نفقہ پانے کی مستحق نہ ہوگی۔ عامہ کتب میں ہے: لانفقۃ للناشزۃ [5]

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۳

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۳

[4] القرآن الکریم ۶۵/ ۶

[5] بحر الرائق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۹، ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۷

(نافرمان بیوی کے لئے نفقہ نہیں۔ت) مہر اگر نہ معجّل تھا نہ مؤجل یعنی رخصت سے پہلے دینا قرار پایا تھا نہ کوئی میعاد معین مثلاً سال دو سال قرار پائی تھی، توجب تک موت یا طلاق نہ ہو عورت کو اس کے مطالبہ کا کچھ اختیار نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

مؤخر المهر حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق[1]۔	مؤخر کردہ مہر کا مطالبہ، طلاق یا موت کے بعد ہو سکتا ہے۔ (ت)

پدر ہندہ کا یہ شرط لگانا کہ کتاب کا صفحہ بتایا جائے انہیں شرائط کے قبیل سے ہے جو اس نے اقرار نامہ میں لکھوائیں اگر وہ ذی علم ہوتا اس پر یہ احکام مخفی نہ رہتے نہ ایسا مہمل اقرار نامہ لکھواتا نہ یہ ہوتا کہ چھ مہینے گزرنے پر طلاق نہ سمجھی، تین مہینے گزرنے پر طلاق ہے، اور جو بے علم ہے اس کا حوالہ وصفحہ طلب کرنا اپنے منصف سے بڑھنا ہے اور اسے صفحہ بتانا فضول، اسے یہ حکم ہے کہ علماء سے دریافت کرے نہ یہ کہ صفحہ سطر جانچے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: از جبلپور محلّہ بھان تلیا مرسلہ محمد نظیر داد خاں سوال نویس کچہری خفیفہ ۲۰ رجب ۱۳۱۸ھ

منکہ علاء الدین ولد شیخ رجب قوم مسلمان ساکن جبلپور محلّہ گلگلا تالاب کا ہوں، چونکہ بوجہ دو عورتوں کے بیاہا تھا عورت میری سے آپس میں تکرار ہوا کرتی تھی سو آج کے روز روبرو گواہان ذیل یہ تصفیہ ہوا کہ میں بلاعذر کھانا کپڑا دیا کروں گا اور رات کے وقت مکان میں بھی رہا کروں گا اور بالفرض اگر میں ایک ماہ تک بلاوجہ کھانا کپڑا نہ دوں اور مکان میں رات کے وقت نہ رہوں تو روبرو گواہان یہ تصفیہ ہوا کہ عورت مذکورہ ہمارے نکاح سے باہر مثل طلاق کے ہوجائے اور میری لگت فسخ ہوجائے اور جو ڈگری عدالت سے ہمارے نام کی ہے وہ بھی باطل ہوجائے اور بیاہتا عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مکان میں جو اس کے باپ کا ہے رہے میں بھی اسی جگہ رہوں گا اور کھانا کپڑا دوں گا اس میں کسی طرح کا عذر وحیلہ نہ کروں گا عذر کروں تو جھوٹ، اس واسطے یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ دئے کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

میری شادی علاء الدین کے ساتھ عرصہ سات سال کا ہوا ہوگئی تھی اب میرے والدین قضا کرگئے اور میرا کوئی سرپرست نہیں رہا، میرے خاوند نے عرصہ چھ ۶ سال کا ہوا کہ ایک دوسرا نکاح کرلیا اور اس کے ہمراہ رہا کرتا ہے میری کسی طرح سے کفالت نہیں کرتا ایک مرتبہ پنچایت میں اس نے میرے نان نفقہ کا اقرار کرکے ایک اقرار نامہ مورخہ ۱۷ جون ۱۸۹۹ء کو تحریر کردیا تھا اور اقرار کیا تھا کہ اگر اقرار پورا نہ کروں تو طلاق ہوجائے مگر اس نے اپنا عہد پورا نہیں کیا اور میری وہ کیفیت ہے جو سابق میں تھی اب میں گزراوقات کس طرح کروں اور میں نکاح سے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی المجلس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

باہر کیونکر ہو سکتی ہوں مجھے اس سے کچھ امید نہیں۔ مؤرخہ ۱۵اگست ۱۹۰۰ء عرضی مسمّاۃ بتول ولد بیچن خاں میاں نظیر داد خاں: باوجود ہونے پنچایت اور تحریر اقرار نامہ کے علاء الدین مسماۃ بتول کی پرورش بالکل نہیں کرتا اور مخفی رہتا ہے، کیا بموجب تحریر اسٹامپ طلاق ہو گئی، اگر ہو گئی ہو تو مطلع کرو اس کا عقد ثانی کر دیا جائے تاکہ بلا سے نجات ہو، اس شخص نے کبھی کفالت نہیں کی اور نہ امید پائی جاتی ہے۔ مورخہ ۱۶/اگست ۱۹۰۰ء

محمد خاں: بخدمت مولٰنا عبدالسلام صاحب زاد فیضہ،۔ چونکہ یہ مذہبی معاملہ ہے، میرے پاس یہ کاغذات آئے، میں نے شروع سے اخیر تک دیکھا واقعی علاء الدین اپنی بیاہتا عورت سے کسی قسم کا سروکار نہیں رکھتا اور نہ اس کی کفالت کرتا ہے، اس نے ایک دوسرا نکاح کرلیا ہے اس کی ہمراہی میں رہتا ہے، ایسی حالت میں اسکی زندگی پار ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، آپ تحریر فرمایئے کہ یہ نکاح سے باہر ہوئی یا نہیں، اور عقد ثانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔ ۱۶/اگست ۱۹۰۰ء محمد نظیر داد

خلاصہ جواب: صورت مستفسرہ میں ثبوت کتابت اقرار نامہ ہذا بلا اکراہ، از علاء الدین یا از جانب علاء الدین مع تحقیق خلاف اقرار نامہ یعنی ترک نان ونفقہ زوجہ وترک شب باشی با زوجہ تا بیک ماہ معلق علیہا الطلاق مستلزم ترتب الجزاء علی الشرط یعنی وقوع طلاق کا ہے بمجرد انقضائے مدۃ معینہ بلاشک اس کی زوجہ مذکورہ پر طلاق بائن واقع ہو گی اور وہ عورت اس کے نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ فتاوی الخیریہ لنفع البریہ میں ہے:

لاشك اذا وجدت الغيبة والترك المعلق عليهما الطلاق انه يقع لوجود الشرط الموجب للجزاء الخ[1]۔	اس میں شک نہیں کہ وہ غیر حاضری اور ترک معاملہ جس پر طلاق کو معلق کیا گیا ہو اگر پایا جائے تو طلاق ہو جائیگی کیونکہ جزاء لازم کرنے والی شرط پائی گئی الخ(ت) بعد انقضائے عدت طلاق وہ عورت عقد کر سکتی ہے۔

بجنسہٖ کاغذات ہذا خدمت میں عالی جناب مولانا احمد رضا صاحب بریلوی مرسلہ ہو کر گزارش کی جائے بعد ملاحظہ رائے مناسب سے اطلاع بخشیں۔ المرقوم ۴ ستمبر ۱۹۰۰ء

الجواب:

فی الواقع علاء الدین کا کلام مذکور جہاں تک مقتضاء نظر فقہی ہے تعلیق شرعی ہے کہ وقت وجود شرط موجب وقوع طلاق بائن وزوال نکاح جواز نکاح ثانی زن بعد انقضائے عدت ہے جیسا کہ فاضل مجیب سلمہ اللہ القریب المجیب نے بیان فرمایا،

[1] فتاوی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/۴۵

الظاہر ان لایجعل قولہ توروبرو گوہان یہ تصفیہ ہو فاصلا بین الشرط والجزاء لانہ من باب التاکید المفید والتائید المزید فلایکون اجنبیا.(قال فی الدر)فقال لھا انت طالق ان شاء اللہ تعالٰی متصلا الالتنفس او سعال اوجشاء او عطاس او ثقل لسان او امساك فم او فاصل مفید لتاکید او تکمیل اوحد او طالق او نداء ,کانت طالق یازانیۃ اوطالق ان شاء اللہ صح الاستثناء ,بخلاف الفاصل اللغو کانت طالق رجعیا ان شاء اللہ[1] الخ وفی الھندیۃ رجل قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا فاعلمی ان شاء اللہ صح الاستثناء ولو قال انت طالق ثلاثا اعلمی ان شاء اللہ او قال اذھبی ان شاء اللہ طلقت ثلثا وبطل الاستثناء کذافی فتاوٰی قاضی خاں[2] اھ وفیھا فی فصل الطلاق قبل الدخول لو قال انت طالق اشھدوا ثلثا فواحدۃ ولو قال فاشھدوا فثلث	ظاہر یہی ہے کہ خاوند کا کہنا "روبرو گواہان یہ تصفیہ ہو" شرط اور جزاء کے درمیان فاصل نہ بنے گا کیونکہ درمیان میں اس کا یہ کہنا مفید تاکید وتائید مزید ہے لہٰذا یہ کلام اجنبی نہ ہوگا، در میں فرمایا: خاوند نے بیوی کو کہا تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ تعالٰی، تو یہ متصل استثناء صحیح ہوگا یعنی طلاق نہ ہوگی اور اگر کھانسی سانس یا باسی ڈکار یا چھینک یا زبان کے ثقل یا منہ کی بندش یا کوئی اور فاصل جو مفید تاکید یا تکمیل ہو یا وہ فاصل حد یا طلاق یا ندا کیلئے مفید ہو تو بھی استثناء صحیح ہوگا، مثلاً کوئی کہے انت طالق اے زانیہ ان شاء اللہ یا کہے تجھے طلاق ان شاء اللہ، تو طلاق نہ ہوگی، اس کے برخلاف کلام اور استثناء میں وہ فاصل ہے جو لغو ہو مثلاً یوں کہے تجھے طلاق رجعی ان شاء اللہ، استثناء صحیح نہ ہوگا اور طلاق ہوجائے گی الخ۔ ہندیہ میں ہے ایک شخص نے بیوی کو کہا تجھے تین طلاق پس جان لے ان شاء اللہ تو استثناء صحیح ہوگا، اور اگر یوں کہا تجھے تین طلاق جان لے ان شاء اللہ، یا کہا جا چلی جا ان شاء اللہ تو بیوی کو تین طلاقیں واقع ہونگی اور یہ استثناء باطل قرار پائیگا، یوں ہی فتاوی قاضی خان میں ہے الخ۔ اور ہندیہ میں طلاق قبل دخول کی فصل میں ہے کہ اگر کہے تجھے طلاق ہے گواہ ہوجاؤ ان شاء اللہ، تو استثناء صحیح نہ ہوگا اور ایک طلاق ہوگی، اور اگر گواہ ہوجاؤ

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۳

[2] فتاوی ہندیہ الفصل الرابع فی الاستثناء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۶۰

کذافی العتابیة [1] اھ ومثله فی ھذاالباب المذکور من رد المحتار عن البحر من الظھیریة قال وحاصله ان انقطاع النفس وامساك الفم لایقطع لاتصال بین الطلاق وعدده وکذاالنداء لانه لتعیین المخاطبة وکذا عطف فاشھدبالفاء لانھا تعلق مابعدھا بما قبلھافصارالکل کلاماواحدا [2]۔	کی بجائے پس گواہ ہو جاؤ کہا، تو تین طلاقیں ہوں گی، عتابیہ میں یونہی ہے اھ، اسی باب میں ردالمحتار میں بحر سے انہوں نے ظہیریہ سے نقل کیا اور کہا حاصل یہ ہے سانس کا ٹوٹ جانا یا منہ بند ہو جانا طلاق اور اس کے عدد میں اتصال کو منقطع نہ کرے گا اور یوں مخاطبہ کو معین کرنے کے لئے ندا بھی فاصل نہ بنے گی، اور اسی طرح فاشھدوا، فاء کے ساتھ عطف بھی فاصل نہ ہوگا کیونکہ مابعد کا ماقبل سے تعلق ہوتا ہے تو پورا کلام واحد ہوگا (ت)

تحقیق شرط میں اتنے امر کالحاظ ضرور ہے کہ مہینہ بھر تک روٹی کپڑا نہ دینا اور شب کو مکان میں نہ رہنا بلاوجہ مقبول شرعی ہوا ہو کہ شرط میں "بلاوجہ" کالفظ مذکور ہے تو کسی وجہ قابل قبول شرع کے باعث اگر مہینہ بلکہ برس گزر گیا اور اسے نہ کھانا کپڑا دیا نہ مکان میں رہا تو طلاق نہ ہوگی، یونہی اگر دونوں شرط مذکور یعنی عدم انفاق وعدم شب باشی سے صرف ایک ثابت ہوئی مثلاً یہ تو ثابت ہوا کہ بلاوجہ مہینہ بھر تک روٹی کپڑا نہ دیا مگر مہینہ بھر تک رات کو مکان میں بلاوجہ نہ رہنے کا ثبوت نہ ہو سکا یا بالعکس توجب بھی طلاق ثابت نہ ہوگی کہ یہاں دونوں شرطوں کا ثبوت ثبوتِ طلاق کے لئے ضرور ہے۔

فی ردالمحتار، ان لم یکرر اداة الشرط فلابد من وجود الشیئین قدم الجزاء علیھا اواخرہ [3] بحر، ملخصًا۔	ردالمحتار میں ہے اگر حرفِ شرط مکرر نہ ہو تو دو چیزوں یعنی شرط وجزا کا پایا جانا ضروری ہے، جزاء کو شرط سے مقدم ذکر کیا ہو یا موخر ذکر کیا ہو، برابر ہے، بحر، ملخصًا۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس مقدمے میں بالاتفاق بار ثبوت عورت کے ذمے ہے کہ مہینہ بھر تک نان ونفقہ نہ ملنے کے باب میں اگرچہ عورت محتاج گواہان نہیں بلکہ صرف اس کا بیان حلفی کافی ہے،

وعند قیام الزوجیة وکونھا مستحقة	زوجیت پائی جائے اور بیوی خاوند سے خرچہ وصول

[1] فتاوی ہندیہ الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۳

[2] ردالمحتار باب طلاق غیر المدخول بھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۵۶

[3] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۰۸

لینفقه کما یشهد به کتابة الزوج لایکون الوجه المانع الاحادثا فیکون الظاهر مع المرأة المنکرة حدوثه فان ادعاه الزوج فلیثبته۔	کرنے کی مستحق ہو، جیسا کہ خاوند کی تحریر شاہد ہے تو پھر کسی نئے حادثہ کے بغیر نفقہ سے کوئی مانع نہیں اور ظاہر حال عورت کے حق میں جبکہ وہ ایسے حادثے کا انکار کرتی ہو پھر اگر خاوند اس حادثہ کا مدعی ہو تو خاوند پر حادثہ کو ثابت کرنا لازم ہوگا(ت)

مگر صرف اسی قدر تو شرط طلاق نہ تھا بلکہ مہینہ بھر تک بلاوجہ ترک شب باشی بھی، اور اس کا ثبوت گواہانِ شرعی سے دینا بلاشبہہ عورت پر لازم ہے فقط اس کا بیان اگرچہ حلفی ہو یہاں ہر گز معتبر نہیں

لانها ترید بهذا اثبات الطلاق وهوینکره والبینة علی النفی مسموعة فی الشروط، فی الدر المختار (ان اختلفا فی وجود الشرط) ای ثبوته لیعم العدمی (فالقول له مع الیمین) لانکاره الطلاق ومفاده انه لو علق طلاقها بعدم وصول نفقتها ایاما فادعی الوصول وانکرت ان القول له وبه جزم فی القنیة، لکن صحح فی الخلاصة والبزازیة ان القول لها واقره فی البحر والنهر وهو یقتضی تخصیص المتون، لکن قال المصنف وجزم شیخنا فی فتواه بما تفیده المتون والشروح لانها الموضوعة لنقل المذهب کما لا یخفی، (الا اذا برهنت) فان البینة	کیونکہ بیوی اس سے اثباتِ طلاق کا ارادہ رکھتی ہے اور خاوند طلاق سے انکار کررہا ہے جبکہ شرائط کے متعلق نفی پر بھی گواہی قابل سماعت ہے۔ درمختار میں ہے (اگر خاوند اور بیوی نے طلاق سے متعلق شرط کے پائے جانے میں اختلاف کیا) یعنی شرط کے ثبوت میں، تاکہ یہ عدمی شرط کو بھی شامل ہوسکے (تو خاوند کی بات کو اس سے قسم لے کر، تسلیم کرلیا جائے گا) کیونکہ وہ طلاق سے انکاری ہے۔ اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر خاوند نے طلاق کو چند دن نفقہ نہ پہنچانے سے معلق کیا تھا تو اب اختلاف میں خاوند کا مؤقف یہ ہے کہ اس نے نفقہ پابندی سے پہنچایا ہے اور بیوی اس کا انکار کرتی ہے تو اس میں خاوند کی بات معتبر ہوگی، قنیہ میں اسی پر جزم کیا ہے لیکن خلاصہ اور بزازیہ میں بیوی کی بات معتبر قرار دینے کو صحیح قرار دیا ہے، اسی کو بحر اور نہر میں ثابت رکھا ہے، اور وہ متون کی تخصیص کا متقاضی ہے لیکن مصنف نے فرمایا کہ ہمارے شیخ نے اپنے فتاوی میں اس پر جزم کا اظہار فرمایا جس کو متون اور شروح نے بیان کیا ہے کیونکہ مذہب کی ترجمانی کے لئے یہی موضوع ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے (الا یہ کہ بیوی گواہ پیش

تقبل علی الشرط وان کان نفیا[1] اھ فی ردالمحتار قولہ واقرہ فی البحر حیث قال فی فصل الامر بالید قیل القول لہ لانہ ینکرالوقوع لکن لایثبت وصول النفقۃ الیھا والاصح ان القول قولھا فی ھذاوفی کل موضع یدعی ایفاء حق وھی تنکراھ،ونقل الخیر الرملی ایضا تصحیحہ عن الفیض والفصول،قولہ وھو یقتضی تخصیص المتون ای تخصیصھا بکون القول لہ اذالم یتضمن دعوی ایصال مال حملا للمطلق علی المقید[2] اھ باختصار،البزازیۃ عدم قبول قولہ فی کل موضع یدعی ایفاء حق مالی وھی تنکر فھذا یقتضی تخصیص المتون فاغتنم ھذا[3]۔	کردے) کیونکہ شرط کے متعلق گواہی قبول ہوتی ہے اگرچہ یہ شرط منفی ہواھ،اس مقام پر ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول کہ اس (بیوی کی بات معتبر ہے) کو بحر میں ثابت رکھا،یہ بات انہوں نے فصل امر بالید میں یوں کہی ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ خاوند کی بات معتبر ہوگی کیونکہ وہ طلاق کے وقوع کا منکر ہے،مگر اس کے ساتھ وہ نفقہ بیوی تک پہنچانے کو ثابت نہیں کررہا،لہٰذا اصح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بیوی کی بات معتبر ہوگی اور اسی طرح ہر ایسے مقام میں جہاں خاوند حق کو پورا کرنے کا مدعی ہو اور بیوی منکر ہو تو بیوی کی بات معتبر ہوگی اھ،خیر الدین رملی نے بھی فیض اور فصول سے اس کی تصحیح کو نقل کیا ہے،اور ماتن کا قول کہ یہ (بیوی کی بات کا معتبر قرار دینا) متون کی تخصیص کا متقاضی ہے یعنی متون کے اس قول کا کہ خاوند کی بات معتبر ہوگی بایں صورت کہ خاوند کا دعوی مالی حق کو پہنچانے پر مشتمل نہ ہو یعنی متون کی مطلق عبارت کو مقید بنانے سے تخصیص ہوگی اھ مختصراً۔اور غمز العیون میں ہے کہ خلاصۃ الفتاوی اور بزازیہ میں ہے ہر ایسے مقام پر جہاں خاوند کے مالی حق کو پہنچانے کا دعوی ہو اور بیوی کا انکار ہو تو خاوند کی بات کے معتبر نہ ہونے کی تصحیح کی ہے،لہٰذا یہ بات متون کی تخصیص کا تقاضا کررہی ہے،اس بحث کو غنیمت سمجھو۔(ت)

وجوہ شرعیہ جو یہاں قابل قبول ہوں متعدد مگر ان کے بیان سے دست کشی کی جاتی ہے کہ تعلیم نہ ہو اگر کوئی وجہ باعث ترک تھی تو علاء الدین خود بیان کردے گا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲: از کلکتہ ٹرین اسٹریٹ ۹۲ مسجد سرمد خلیفہ مرسلہ عبدالرشید صاحب ۹ ذی الحجہ المبارک ۱۳۲۰ھ

مرجع خاص وعام ملاذ علمائے کرام لازالت عتبتہم کہف الانام سلام مسنون برسیم فدویان عقیدت کیش

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۰۲

[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الطلاق ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۵۶

بجاآوردہ، گزارش یہ ہے بنگالہ کے بعض دیار میں یہ دستور ہے کہ جب نوشہ شامل برات دُلہن کے مکان پر جاتا ہے تو دُلہن کے اولیاء واقرباء غیر مناسب شرائط سے کابین لکھوا کر نوشہ کو اوپر دستخط کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور در صورتِ عدم دستخط لڑکی دینے سے انکار کرتے ہیں، بیچارہ نوشہ بخوفِ ندامت وتضیع زیورات واسباب شادی جبرًا وقہرًا اس پر دستخط کردیتا ہے اور بعد دستخط کرنے کے باقاعدہ رجسٹری بھی کرادیتا ہے حالانکہ پیشتر اس مجلس نکاح کے ان بیہودہ شرائط کا تذکرہ تک نہیں ہوتا ہے، منجملہ ان غیر مناسب شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ تاحینِ حیات منکوحہ ہذا اور کسی عورت سے ہر گز شادی ونکاح نہ کروں گا، اگر کروں تو دوسری عورت مطلقہ بطلاق ثلاثہ بائنہ ہوگی خواہ منکوحہ ہذا بروقت نکاح بازنِ دیگر میرے نکاح میں موجود ہو یا نہ ہو۔ پس دریں صورت مسئولست کہ شرعًا ایسی بھی صورت ہے کہ ناکح مذکور کو اس منکوحہ کے حینِ حیات میں دوسری عورت سے نکاح کرنا جائز ہوجائے، بینوا بحوالۃ الکتاب توجروا عند الوھاب جواب بحوالہ کتب فقہیہ مع نقل عبارت مرحمت ہو۔

الجواب:

اگر کوئی فضولی بطور خود بے اس کی توکیل کے اس کا نکاح کسی عورت سے کردے اور وہ شخص اجازت فعلی سے اسے جائز ونافذ کردے زبان سے کچھ لفظ نہ کہے تو اس صورت میں منکوحہ ثانیہ پر طلاق اصلًا نہ ہوگی اگرچہ منکوحہ اولٰی ہنوز خود اس کے نکاح میں موجود ہو اور فضولی یوں آپ نہ کردے تو اس قسم کے الفاظ اس کے سامنے کہے کہ کاش کوئی فلاں عورت سے میرا نکاح کردیتا یا کیا اچھا ہوتا کہ کوئی دوست بطور خود میرا عقد اس سے کردیتا،

وذٰلك لان ھذاالفاظ الامانی دون الانابۃ حتی یکون توکیلا۔	یہ اس لئے کہ یہ الفاظ تمنائی ہیں یہ نیابت ثابت نہیں کرتے حتی کہ وکیل بنانا متصور ہوسکے۔(ت)

اور اجازت فعل یہ کہ مثلًا عورت کو مہر جو مقرر ہوا ہے بھیج دے یا زبان سے نہ کہے کاغذ پر لکھ دے کہ میں نے اس نکاح کو نافذ کیا اور اگر فضولی خواہ کسی نے اس عقد فضولی کی اس کو مبارکباد دی اور اسے سن کر سکوت کیا جب بھی عقد صحیح اور نافذ ہوگیا اور طلاق نہ پڑے گی، درمختار میں ہے:

زوجه فضولی فاجاز بالقول حنث وبالفعل ومنه الکتابۃ لایحنث بہ یفتی خانیۃ۔[1]	کسی کا نکاح فضولی شخص نے کردیا تو اس شخص نے زبانی جائز کہہ دیا تو قسم ٹوٹ جائیگی اور عملی کارروائی سے جس میں لکھنا بھی شامل ہے، جائز کرے تو قسم نہ ٹوٹے گی، خانیہ۔(ت)

[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذٰلك مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۴

ردالمحتار میں ہے:

فی حاوی الزاھدی لوھنأہ الناس بنکاح الفضولی فسکت فھذا اجازۃ[1]۔	زاہدی کی کتاب حاوی میں ہے کہ اگر کسی کو لوگوں نے فضولی نکاح پر مبارکباد دی، تو وہ خاموش رہا، تو یہ اجازت متصور ہوگی۔(ت)

اشباہ میں ہے:

حلف لایتزوج فالحیلۃ ان یزوجہ فضولی ویجیزہ بالفعل[2]۔	اگر کسی نے شادی نہ کرنے کی قسم کھارکھی ہو تواس کے لئے شادی کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص اس کا نکاح کردے اور یہ شخص کسی فعل کے ذریعہ سے اس نکاح کو جائز کردے۔(ت)

غمز میں ہے:

الاجازۃ بالفعل کبعث المھر وشیئ منہ والمراد الوصول الیھا ذکرہ الصدر الشھید رحمہ اللہ تعالٰی، وقیل سوق المھر یکفی مطلقا لان المجوزۃ الاجازۃ بالفعل وھو تحقق بالسوق[3]۔	عملًا (فعل کے ذریعے) نکاح جائز کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص مہر یا اپنی طرف سے کوئی چیز بھیج دے یعنی منکوحہ کو۔اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس تک پہنچادے۔یہ بات صدر شہید نے ذکر کی ہے۔بعض کا قول یہ ہے کہ بیوی کو دینے کی بجائے محض مہر روانہ کردینا ہی نکاح کی فعلی اجازت کو کافی ہے کیونکہ بالفعل اجازت کو جائز قرار دیا گیا ہے تو روانہ کردینا بھی فعل ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

ینبغی ان یجیئ الی عالم ویقول لہ ماحلف واحتیاجہ الی نکاح الفضولی فیزوجہ العالم امرأۃ یجیزبالفعل فلایحنث وکذااذاقال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی	مناسب یہ ہے کہ ایسا شخص کسی عالم کے پاس آکر اپنی قسم کے بارے میں بتائے اور فضولی شخص کے نکاح کردینے کی حاجت ظاہر کرے تو وہ عالم اس کا کسی عورت سے خود نکاح کردے، اور یہ اس نکاح کی اجازت اپنے کسی فعل سے دے تو

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیرذلك داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۳۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الخامس الحیل فی النکاح ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۹۵، ۹۶

[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائع مع الاشباہ الفن الخامس الحیل فی النکاح ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۹۵، ۹۶

فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقدلی عقد فضولی یکون توکیلا [1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قسم نہ ٹوٹے گی اور یہی حکم ہے اگر کسی جماعت کے سامنے وہ کہے کہ مجھے فضولی شخص کے نکاح کی ضرورت ہے تو اس جماعت کا کوئی فرد اس کا نکاح کردے، لیکن جب کسی کو اس نے یوں کہہ دیا کہ تو فضولی بن کر میرا نکاح کردے تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اس صورت میں وکیل بنارہا ہے لہذا وہ وکیل بنے گا فضولی نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳: از کلکتہ مولوی امداد علی لین مرسلہ مولوی محمد عبدالعزیز صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۴ھ

بذروہ عرض خدام برتر مقام دام اقبالکم، پس از سلام سنت خیر الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام، معروض اینکہ مسئلہ مالاینحل فی دیارنا پیشکش ملازمان می نہیام جواب شافیش عنایت فرمودہ رہین منت سازند جناب من بعضے اختلاف بدینگونہ می آورند کہ بر غیر مدخول بہا بعد از وقوع یک طلاق ثانی وثالث واقع نخواہد شد مگر ارادہ آنکس دریں جا وقوع طلاق علی الانفراد نیست بلکہ باہم واقع کردن ست وسیاق کلام بنگالہ اش ہم ہمچنیں است احقر دریں جا بعینہٖ ترجمہ بنگالہ نمود، زیادہ حدّ ادب۔ **ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی** اندریں شخص در کابین نامہ زوجہ خود نوشتہ داد کہ من بلااجازت تو واجازت ولی معتبر تو نکاح دیگر نخواہم کرد و اگر بکنم کل دین مہر تو ادا نمودہ از تو واز ولی تو اجازت گرفتہ خواہم کرد ورنہ بر منکوحہائے دیگر یک طلاق دو طلاق سہ طلاق واقع خواہد شد پس آں شخص یکے راہم از شرائط مذکور بعمل نیاوردہ زنے رابعقد نکاح خود آوردہ اینک زوجہ ثانیہ اش	خدام کی عرض کو پورا کرنے والے، برتر مقام والے، دام اقبالکم، حضور علیہ والصلوۃ والسلام کے مسنون سلام کے بعد معروض یہ ہے کہ ہمارے علاقہ کا ایک لاینحل مسئلہ جناب کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اس کا شافی جواب عنایت فرمادیں تو ممنون احسان ہوں گے، جناب من! بعض نے یہ اختلاف کیا ہے کہ طلاق غیر مدخولہ عورت پر ایک طلاق کے بعد دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی جبکہ یہاں خاوند کا منشاء تینوں طلاقوں کا علیحدہ علیحدہ دینا نہیں ہے بلکہ اکٹھی دینے کا ارادہ ہے اور بنگالی زبان کا سیاق بھی یہی ہے۔ احقر یہاں بنگالی زبان کا ترجمہ بعینہٖ پیش کرتا ہے، زیادہ ادب۔ اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح نامہ میں بیوی کو لکھ دیا کہ میں تیری اور تیرے معتبر ولی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح نہ کروں گا، اگر کروں تو تیرا مکمل مہر ادا شدہ ہوگا اور تجھ سے اور تیرے ولی سے اجازت کے ساتھ ہوگا ورنہ میری دوسری منکوحہ پر ایک طلاق،

---
[1] بحرالرائق باب التعلیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۷

مطلقہ بسہ طلاق خواہد شد یانہ؟بینوا توجروا۔	دوسری طلاق اور تیسری طلاق ہوگی،اس کے بعد اس شخص نے کوئی شرط پوری کئے بغیر دوسری عورت سے نکاح کرلیا،تو اس کی دوسری بیوی کو تین طلاق ہوں گی یانہیں؟ بینوا توجروا(ت)

الجواب:

اصل اینست کہ معلق ہنگام وجود شرط فرودمی آید گویا اینک بجز منجز تکلم کردہ است وزن نامدخولہ اگرچہ محل وقوع سہ طلاق بیکبار ہست ولہٰذا اگر اورا گوید برتو سہ طلاق یا اگر بایں خانہ درآئی سہ طلاق باشی در صورت اولٰی فوراً ودر اخری ہنگام دخولہ خانہ سہ طلاق واقع شود بلکہ اگر سہ طلاق جداگانہ تعلیق کرد اما معطوفہ بغیر حرف "ثم" وشرط را مؤخرآورد مثلاً گفت تو طلاقی وطلاقی وطلاقی اگر چناں کنی نیز بحصول شرط سہ طلاق افتد زیراکہ عطف بوا ویافا آنہارا موصول کردہ وتاخیر شرط اول سخن را بہ تعلیق تغییر دادہ است پس مجموع معلق شد وبوقوع شرط دفعۃً فرود آمد اما غیر مدخولہ وقوع بتفریق را صلاحیت ندارد ولہٰذا اگر گفت ترایک طلاق ودو طلاق وسہ طلاق یااگر اینکار کنی تو طلاقی و طلاقی و وطلاقی بتقدیم شرط یا تو طلاقی طلاقی طلاقی اگر چناں کنی بتاخیر شرط وترک عطف ہمیں بیک طلاق بائن شود وباقی لغو رود زیراکہ در صورت اولٰی چوں ترا یک طلاق گفت ایں طلاق افتد وزن از عصمت نکاح بیروں شد وعدت ہم نیست پس محلیت طلاق نماند ومعطوفات باقیہ ہنگام انعدام محلیت بر زماں آمد وبیکار رفت ودر ثانیہ چوں شرط مقدم ست گویا ہنگام وقوع شرط	قاعدہ یہ ہے کہ کسی شرط کے ساتھ معلق طلاق،اس شرط کے پائے جانے پر وقوع پذیر ہوتی ہے گویاکہ اس وقت اس نے طلاق کا تکلم غیر مشروط طور پر کیا ہے اور غیر مدخولہ عورت یکبار تین طلاقوں کے وقوع کا محل ہے لہٰذا اگر خاوند نے غیر مدخولہ بیوی کو کہا تجھے تین طلاق،یا کہا تو اگر اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق،توپہلی صورت میں فوراًاور دوسری صورت میں اس کے گھر میں داخل ہونے پر تین طلاقیں ہوجائیں گی،بلکہ اگر متفرق طور پر تین طلاقیں کسی شرط سے معلق کردے بشرطیکہ ان متفرق طلاقوں کو لفظ"واؤ" یا"فاء"کے ساتھ بطور عطف ذکر کرے نہ کہ لفظ"ثم"کے ساتھ،اور شرط کا ذکر اس کے بعد کرے،مثلاً یوں کہے تجھے طلاق وطلاق وطلاق اگر تو فلاں کام کرے،تواس صورت میں بھی شرط پائے جانے پر تین طلاقیں ہوں گی،کیونکہ واؤاور فاء کا عطف سب کو ملا دیتا ہے اور جب اس کے بعد شرط ذکر کی تو اس شرط نے پہلی پوری کلام کو معلق کردیا تو شرط کے پائے جانے پر اس سے معلق تینوں طلاقیں دفعۃً واقع ہوجائیں گی لیکن اس کے برخلاف اگر غیر مدخولہ کو تین طلاقیں غیر مشروط طور پر متفرق دے مثلاً یوں کہے تجھے ایک طلاق اور دوسری طلاق اور تیسری یا تینوں کو متفرق طور پر ذکر کرے مگر شرط کو ان سے پہلے ذکر کرے مثلاً یوں کہے اگر تونے فلاں کام کیا تو تجھے طلاق

چناں گفت کہ تو طلاق وطلاق وطلاق وبد لیلیٰ ہمیں عــہ یک وقوع یافت ودر ثالثہ مغیر کہ درآخر کلام یافتہ شد ہمیں طلاق ثالث را از تنجیز بہ تعلیق تغییر داد کہ ماسلف بجہت ترک عطف باد مربوط نبود، پس ہنگام تکلم بہ کلمہ اولیٰ یک طلاق فی الحال واقع شدو محل تنجیز دوم و تعلیق سوم نماند چوں ایں مسائل حالی شد حکم مسئلہ مسئولہ رنگ وضوح یافت کہ بر منکوحہ ثانیہ ہمیں یک طلاق واقع شود وبس۔ فی الھندیۃ ان علق الطلاق بالشرط ان کان الشرط مقدما فقال ان دخلت الدار فانت طالق وطالق و طالق وھی غیر مدخولۃ بانت بواحدۃ عند وجود الشرط فی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولغا الباقی، وان کان الشرط مؤخرا فقال انت طالق وطالق وطالق ان دخلت الدار ،أو ذکرہ بالفاء فدخلت الدار بانت بثلث اجماعا سواء کانت مدخولۃ اوغیر مدخولۃ، فان ذکرہ بغیر حرف العطف ان کان الشرط مقدما فقال	اور طلاق اور طلاق، یا مشروط تین طلاقیں ذکر کرے مگر طلاقوں کو بغیر عطف شرط سے پہلے ذکر کردیا ہو مثلاً یوں کہے تجھے طلاق طلاق طلاق اگر تو فلاں کام کرے، تو ان تینوں صورتوں میں متفرق شدہ طلاقوں میں سے ایک ہی طلاق ہوگی جو بائنہ ہوجائے گی اور باقی دو لغو ہوجائیں گی، کیونکہ ان میں سے پہلی صورت میں جب اس نے "تجھے ایک طلاق" کہا تو بیوی بغیر عدت نکاح سے خارج ہوجائے گی تو وہ اس کے بعد طلاق کا محل ہی نہ رہی تو باقی دو کے وقوع کے وقت بیوی طلاق کا محل نہ تھی لہٰذا وہ دونوں طلاقیں بیکار (لغو) ہوگئیں، اور دوسری صورت میں چونکہ شرط مقدم ہے اس لئے شرط کے وجود پر پہلی طلاق کے بعد باقی دو طلاقوں کا محل نہ رہی کیونکہ وہ پہلی طلاق کے ساتھ ہی بائنہ ہوگئی لہٰذا باقی دونوں لغو ہوگئیں، شرط کے پائے جانے پر، گویا یوں کہا تجھے طلاق وطلاق وطلاق، تو یہ پہلی صورت کی طرح ہوگئی، اور تیسری صورت میں اس لئے کہ تعلیق کا تعلق صرف آخری طلاق سے ہوا کیونکہ طلاقوں کے بعد اس نے شرط ذکر کی جس نے تیسری طلاق کے وقوع سے روک دیا، اور پہلی دونوں عطف نہ ہونے کی وجہ سے تیسری کے ساتھ مربوط نہ ہوسکیں، لہٰذا وہ دونوں ذکر کرتے ہی غیر مشروط واقع ہوگئیں تو جب پہلی واقع ہوئی تو وہ بائنہ ہوگئی تو اس کے بعد وہ دوسری غیر مشروط اور تیسری معلق اور مشروط کا محل نہ رہی لہٰذا دوسری اور تیسری لغو ہوگئیں، جب یہ مذکورہ مسائل معلوم ہوگئے

عــــہ: یہاں مسودہ میں بیاض ہے۔

ان دخلت الدار فانت طالق طالق طالق وھی غیر مدخولۃ فالاول معلق بالشرط والثانی یقع للحال والثالث لغو، وان اخر فالاول ینزل للحال ولغا الباقی کذافی السراج اھ [1] ملخصا، وفی الدرالمختار یقع بانت طالق واحدۃ وواحدۃ ان دخلت الدار ثنتان لودخلت لتعلقھما بالشرط دفعۃ وتقع واحدۃ ان قدم الشرط لان المعلق کالمنجز اھ [2] فی ردالمحتار قولہ لتعلقھما بالشرط دفعۃ لان الشرط مغیر للایقاع فاذا اتصل المغیر توقف صدر الکلام علیہ فیتعلق بہ کل من الطلقتین معا فیقعان عند وجود الشرط کذلک بخلاف مالوقدم الشرط فلا یتوقف لعدم المغیر، قولہ لان المعلق کالمنجز ای یصیر عند وجود شرطہ کالمنجز ولونجزہ حقیقۃ لم تقع الثانیۃ بخلاف مااذا اخر الشرط لوجود المغیر	تو مسئلہ مسئولہ واضح ہوگیا کہ دوسری منکوحہ کو بھی یہ ایک ہی طلاق ہوگی، اور بس۔ ہندیہ میں ہے اگر کسی نے طلاق کو مشروط کیا اور شرط کو پہلے ذکر کیا مثلاً یوں کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق جبکہ عورت غیر مدخولہ ہو تو شرط پائے جانے پر وہ پہلی طلاق سے بائنہ ہوجائے گی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مسلک پر اور باقی دو لغو ہوجائیں گی، اور اگر شرط مؤخر ذکر کی ہو مثلا یوں کہا تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق اگر تو گھر میں داخل ہوئی، یا فاء کے ساتھ عطف کیا، تو عورت جب گھر میں داخل ہوگئی تو تین طلاقوں سے بائن ہوجائے گی خواہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، یہ مسئلہ بالاجماع ہے، اور اگر طلاقوں کا ذکر عطف کے بغیر ہو تو اگر شرط مقدم ہو مثلاً یوں کہے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق طلاق طلاق، جب بیوی غیر مدخولہ ہو تو پہلی طلاق شرط سے معلق ہوگی دوسری فی الحال واقع ہوجائے گی جو بائنہ ہوگی اور تیسری لغو ہوجائے گی، اور اگر شرط کو مؤخر ذکر کیا تو پہلی طلاق فوراً واقع ہوگی اور باقی دونوں لغو ہوں گی، سراج میں ایسے ہی مذکور ہے اھ ملخصاً۔ درمختار میں ہے اگر کسی نے یوں کہا تجھے ایک طلاق اور ایک (عطف کے ساتھ) اگر تو گھر میں داخل ہو، تو دونوں طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ دونوں ایک شرط سے مشروط ہیں، لہٰذا

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۴

[2] درمختار باب طلاق غیر المدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۳

زیلعی،وفی العطف بثم ان اخرہ تنجزت واحدۃ ولغاما بعدھا وان قدم لغا الثالث وتنجز الثانی وتعلق الاول فیقع عند الشرط بعدالتزوج الثانی[1] اھ مختصرا، وفی البحرالرائق لوقال لامرأۃ یوم اتزوجك فانت طالق وطالق وطالق فتزوجھا وقعت واحدۃ وبطلت الثنتان ولو قال انت طالق وطالق و طالق یوم اتزوجك وقعت الثلاث کذافی الحاوی القدسی وکذا لوقال ان تزوجتك کما فی المحیط[2] اھ ۔ تمام تفاصیل ایں مسئلہ کہ بلحاظ آنکہ عطف بواؤ وفاء باشد یا بثم یا ہیچ وبہر تقدیر منجز باشد معلق بشرط مقدم یا مؤخر وبہر وجہ زن مدخولہ باشد یا غیر آں بہیجدہ صورت میر سد وبلحاظ تفصیلات اخر صور دیگر صورت بند داز بزازیہ وفتح القدیر وبحر الرائق وہندیہ تواں جست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شرط پائے جانے پر دونوں دفعۃً واقع ہو جائیں گی۔اور اگر شرط کو مقدم ذکر کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ یہاں مشروط، غیر مشروط کی طرح ہے اھ۔ ردالمحتار میں اس پر فرمایا کہ ماتن کا قول کہ "(پہلی صورت میں) دونوں معلق بشرط واحد ہیں" کیونکہ شرط کے ذکر نے دونوں کو غیر مشروط سے مشروط بنادیا اس لئے کہ اس تبدیلی والی شرط کی وجہ سے پہلا کلام اس پر موقوف ہوگیا لہٰذا دونوں طلاقوں کا معًا اس شرط سے تعلق ہوگیا لہٰذا شرط پائے جانے پر دونوں اس طرح معًا واقع ہو جائیں گی،اس کے برخلاف اگر شرط کو مقدم ذکر کیا ہو تو دونوں پر موقوف نہ ہوں گی بلکہ صرف پہلی معلق ہوگی اور دوسری غیر مشروط رہے گی جو فی الحال فورًا واقع ہوجائیں گی،اور اس کا قول"(دوسری صورت میں) کہ مشروط، غیر مشروط کی طرح ہوگی"یعنی معلق بالشرط وہ شرط کے پائے جانے پر غیر مشروط کی طرح ہوگی اور حقیقۃً غیر مشروط ہو تو پھر دوسری واقع نہ ہوگی کیونکہ وہ پہلی سے ہی بائنہ ہوجائے گی،اس کے برخلاف جب شرط کو مؤخر ذکر کرے کیونکہ وہاں دونوں طلاقیں بعد والی شرط سے مشروط ہوجانے کی وجہ سے معلق ہوجائیں گی،اور شرط کو مقدم کیا تو تیسری لغو اور دوسری فورًا واقع۔اور پہلی شرط سے معلق ہو کر شرط پائے جانے پر واقع ہوگی جب وہ دوسرے خاوند کے بعد دوبارہ اس سے نکاح کرے گا،اھ مختصرًا۔اور بحر الرائق میں ہے اگر کسی نے ایک عورت کو کہا جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق،اس کے بعد اس سے نکاح کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور باقی لغو و باطل ہوجائیں گی،اور

[1] ردالمحتار باب طلاق غیر المدخول بہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۷

[2] بحر الرائق فصل فی الطلاق غیر المدخول بہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۹۷

اگریوں کہا کہ تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق ہے جس دن میں تجھ سے نکاح کروں، تو شرط کو بعد میں ذکر کرنے کی وجہ سے تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، حاوی قدسی میں یوں ذکر ہے، اور یہی حکم ہے جب کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو طلاق اور طلاق اور طلاق، کہ شرط کو مؤخر اور مقدم کرنے پر فرق ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے اھ اس مسئلہ کی واؤ اور فاء یا ثم یا کسی اور عطف اور پھر ہر صورت میں بالشرط یا بغیر شرط اور پھر شرط کو مقدم یا مؤخر ذکر کرنے اور پھر ہر صورت میں بیوی کے مدخولہ اور غیر مدخولہ ہونے کے لحاظ سے کل اٹھارہ [18] صورتیں بنتی ہیں اور دیگر تفصیلات کے اعتبار سے مزید صورتیں بن سکتی ہیں، یہ بزازیہ، فتح القدیر، بحر الرائق، اور ہندیہ سے تلاش کی جاسکتی ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۴: غلام گیلانی صاحب پنجابی از ضلع پترہ ڈاکخانہ پٹن موضع چنبک نگر معرفت تارو چودھری اوائل صفر ۱۳۲۶ھ

زوج نے قبل عقد نکاح کے کابین نامہ میں عورت کو یہ شرط لکھ دی کہ میں اگر آپ سے ایک برس کی مدت تک جدار ہوں یا کسی صورت سے آپ کا خبر گیر نہ ہوں تو اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم کو شوہر سے چھوڑ کر طلاق دے سکتی ہو، انتہی۔ کابین میں بنگلہ زبان میں ایسی عبارت مہمل لکھی ہے جس کا ترجمہ بعینہا یہی ہوتا ہے، آیا یہ معنی ظاہری اس کا ترک کرکے عرفی موافق غرض زوجہ کے اس صورت سے لے سکتے ہیں (تم مجھ کو اپنی شوہری اور زوجیت سے نکال کر طلاق دے سکتی ہو) مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو طلاق دے سکتے ہو۔ اضافتِ طلاق زوجہ کی طرف نہیں ہے، بنگلہ زبان میں زوج نے قصداً ایسی عبارت لکھی ہے کہ جس کا ترجمہ ایسا کچھ بنتا ہے جیسا کہ انا منك طالق (میں تجھ سے طلاق والا ہوں۔ ت) اور اب زوجہ وقوع شرط کی مدعیہ ہے اور زوج منکر ہے، وہ کہتا ہے کہ میں مدت کے اندر چند بار آیا مگر مجھ کو زوجہ کے اقارب نے زوجہ کے پاس جانے، ملاقات، بات چیت کرنے سے روک دیا اور مکان میں داخل ہونے نہیں دیا، دونوں اپنے دعوے پر بینہ رکھتے ہیں، مگر زوج کسی مولوی کو حکم نہیں بناتا اور نہ کسی کے پاس آتا ہے، تین برس گزار دیا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ زوج بھی اپنے الفاظ سے عرفی معنی موافق مدعائے عورت لے کر انکار وقوع شروط کا کرتا ہے ورنہ زوجہ کے دفعہ میں اس کو اسی قدر بس ہے کہ کہہ دے کہ میری عبارت سے یہ نہیں نکلتا کہ عورت کو بعد وقوع شرط کے اختیار طلاق کا ہے۔ اب فقیر پر تقصیر عرض کرتا ہے کہ حضورِ والا ارشاد فرمائیں کہ اس عبارت سے کیا مطلب لیا جائے اور عورت کا بینہ معتبر ہوگا یا کیا؟ کتنی طلاق دے سکتی ہے یا نہیں

دے سکتی؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عورت کو کسی طرح اپنے نفس کو طلاق دینے کا اختیار نہیں، الفاظ شرط کابین نامہ اگر اسی قدر ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے اور اضافت الی النکاح کا اس میں کہیں ذکر نہیں کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں یا جب میں تجھے اپنی زوجیت میں لاؤں اس کے بعد اگر ایسا واقع ہو تو تجھے اختیار طلاق ہے جب تو شرط کابین نامہ محض فضول و باطل ہے کہ اس کی تحریر قبل نکاح ہوئی اور نکاح کی طرف اس میں اضافت نہیں تو نہ ملک پائی گئی نہ اضافتِ ملک، اور ایسی تعلیق محض باطل ہے در مختار میں ہے:

شرطه الملك كقوله لمنكوحته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه كان نكحت امرأة وان نكحتك فانت طالق فلغا قوله لاجنبية ان زرت زيدا فانت طالق فنكحها فزارت لم تطلق لعدم الملك والاضافة اليه[1] انتهى مختصرًا۔	اس کی شرط یہ ہے کہ ملکیت یا ملکیت کی طرف اضافت پائی جائے، ملکیت مثلاً منکوحہ بیوی کو کہے اگر تو گئی تو تجھے طلاق، ملکیت کی طرف اضافت مثلاً کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں کسی اجنبی عورت کو یوں کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق، تو محض اجنبی عورت کو اس کا یہ کہنا اگر تو نے زید کو دیکھا تو تجھے طلاق، لغو ہوگا، لہٰذا اگر اس کے بعد وہ اس عورت سے نکاح کرلے اور وہ عورت زید کی زیارت کو چلی جائے تو بھی طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہاں نہ ملکیت ہے اور نہ ہی ملکیت کی طرف طلاق کی اضافت ہے، اھ (ت)

اور اگر کابین نامہ میں اضافت الی النکاح ہے تو یہ تعلیق و تفویض صحیح ہوگئی اور اس کا مفاد مثل انا منک طالق کے نہیں کہ لفظ "ہم کو" لفظ "چھوڑ کر" سے متعلق ہے نہ کہ لفظ طلاق سے، اور اس طلاق کی اضافت کلامِ زوج میں عورت کی طرف نہ ہونا کچھ منافی صحتِ تفویض نہیں کہ تفویض میں زن و شوہر دونوں کی اضافت سے ایک کے کلام میں اضافت کافی ہے۔ در مختار میں ہے:

وذكر النفس اوالاختيار في كلام احدكلاميهما شرط صحة الوقوع بالاجماع، ويشترط ذكرها	نفس یا لفظ اختیار کا ذکر کرنا خاوند اور بیوی دونوں میں سے کسی ایک کے کلام میں وقوع طلاق کے لئے شرط ہے بالاجماع، اور اس کا متصل ہونا شرط

[1] در مختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

متصلا فان کان منفصلا فان فی المجلس صح والالافلوقال اختاری اختیارۃ اوطلقۃ وقع لوقالت اخترت فان ذکر الاختیار کذکر النفس وکذاذکر التطلیقۃ والشرط ذکر ذلك فی کلام احدھما فلم یختص بکلام الزوج کماظن [1] انتھی مختصرا۔	ہے اگر منفصل ذکر کیا جائے تو اگر اسی مجلس میں ہو تو صحیح ہے ورنہ نہیں، لہٰذا اگر خاوند نے بیوی کو کہا اختاری اختیارۃ یا اختاری طلقۃ، اگر بیوی نے جواب میں اخترت (میں نے اختیار کرلیا) کہا تو طلاق واقع ہوجائیگی کیونکہ "اختیارۃً" کا ذکر ایسا ہی ہے جیسے نفس کو ذکر کردیا جائے اور طلقۃ کا ذکر بھی ایسا ہی ہے اور نفس یا قائم مقام نفس کا خاوند بیوی میں سے کسی ایک کے کلام میں ذکر ہونا شرط ہے نہ کہ خاوند کا کلام اس کے لئے مخصوص ہے، جیسا کہ بعض کا گمان ہے اھ مختصراً (ت)

مگر تفویض طلاق کہ معلق بالشرط ہو، بعد وقوع شرط اسی مجلس پر محدود رہتی ہے جس میں عورت کو وقوعِ شرط کا علم ہوا مجلس بدلنے کے بعد اسے طلاق لینے کا اختیار نہیں رہتا۔ درمختار میں ہے:

التعلیق بالمشیئۃ اوالارادۃ اوالرضاء اوالھوی او المحبۃ یکون تملیکا فیه معنی التعلیق فتتقید بالمجلس [2]۔	طلاق کو عورت کی مشیت، ارادہ، رضا، خواہش یا محبت پر معلق کرنا بیوی کو تعلیق کے طور پر طلاق کا مالک بنانا ہے تو یہ تملیک مقید بمجلس تک محدود ہوگی (یعنی بیوی کو طلاق کا اختیار اسی مجلس تک محدود ہوگا۔ (ت)

یہاں کہ عورت مدعیہ شرط ہے اور اس نے اب تک اپنے کو طلاق نہ دی مجلس اول ختم ہوتے ہی اسے اختیارِ طلاق نہ رہا، بہرحال صورتِ مسئولہ میں عورت کا دعوی اصلاً قابلِ سماعت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵: ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو بریلی سے رام پور بھیج دیا کہ بوجہ رنج ہوجانے کے باہم زید وماموں زوجہ زید کے اور ایک رقعہ بھی لکھ دیا کہ میں اپنی بیوی کو بخوشی معہ زیور کے بوجہ رنجش کے رامپور کو رخصت کرتا ہوں اور آئندہ مجھ کو کوئی تعلق نہ ہوگا اور دو روپیہ ماہوار لڑکی کے دودھ پلائی کے مقرر کرتا ہوں، لوگوں نے زید سے دریافت کیا کہ کیا طلاق دیتے ہو، زید نے طلاق سے انکار کرکے یہ کہا جس وقت میری حالتِ غصہ درست ہوجائے تو پھر بلوالوں گا، بعد ایک ہفتہ کے جبکہ زوجہ زید رامپور

---

[1] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۷

[2] درمختار فصل فی المشیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۰

چلی گئی، زید نے ایک خط بنام مولوی لطف اللہ صاحب کے لکھا کہ باہم میرے اور میری زوجہ کے ماموں میں رنج ہوگیا ہے آپ صفائی کرادیں اور ان سے کہہ دیجئے کہ یکم تاریخ تک روانہ بریلی کردیں اور اگر نہ روانہ کریں گے تو یہ ایک طلاق دیتا ہوں ایسے درمیان میں جو زید نے واسطے آنے میعاد اپنی زوجہ کے مقرر کی تھی رامپور میں بحضور اپنی زوجہ کے رجوع کرلیا لیکن زوجہ زید رامپور سے بریلی کو اس میعاد مقررہ کے اندر نہیں آئی ایسی صورت طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کس قسم کی رجعی یا بائن، بعد ایک ماہ کے زید رامپور گیا، زوجہ کے ماموں نے یہ کہا کہ طلاق ہوگئی ہے میں رخصت ابھی نہ کروں گا، اس پر زید نے جواب دیا کہ آج ہی اس معاملہ کا فیصلہ نہ ہوگا تو تین طلاق پوری کروں گا، یہ کہہ کر چلا آیا، طلاق واقع ہوئی یا نہیں، ہوئی تو کس قسم کی واقع ہوئی رجعی یا بائن؟ بعض علماء کا بیان ہے کہ یہ طلاق بوجہ معلق ہونے کے بائن ہوگئی، یہ قول کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، زید کا کہنا کہ تینوں طلاق پوری کردوں گا محض وعدہ ہے اور وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی، اور زید کا میعاد وقوع طلاق یعنی یکم آنے سے پہلے جاکر رجوع کرنا محض بے اثر ہے **فان الرجوع لایتقدم** (کیونکہ رجوع، طلاق کے وقوع سے پہلے نہیں ہوسکتا۔ت) تو نہ رہا مگر زید کا وہ قول کہ یکم تک نہ روانہ کرینگے تو یہ ایک طلاق دیتا ہوں، یہ طلاق اس شرط پر معلق تھی یکم گزر گئی اور عورت کو روانہ نہ کیا، شرط متحقق ہوئی طلاق پڑ گئی، اور یہ طلاق یقیناً رجعی ہے، تعلیق کے سبب بائن ہوجانا باطل قطعی **کماقدمناتحقیقہ** (جیسا کہ اس کی تحقیق گزر گئی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶: از بنگالہ نواکھالی محلّہ رامپور فضل الرحمان صاحب ۶ شوال ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی کو اس شرط کے ساتھ کابین نامہ لکھ دیا کہ اگر تمہارے سوا کوئی دوسری بی بی کروں تو وہ ایک دو تین طلاق ہے، بعد اس کے زید نے اپنی منکوحہ سے اجازت لے کر دوسری کرلی مگر کابین اجازت وغیرہ کا ذکر مطلقاً نہیں آیا۔ صورت مذکورہ میں وہ اجازت عندالشرع معتبر ہوگی یا نہیں، اور شرعاً ایسی شرط کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کرلے تو کیا حکم؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں نکاح ہوتے ہی زوجہ ثانیہ پر معًا ایک طلاق بائن ہوگی وہ نکاح سے نکل گئی مگر حلالہ کی حاجت نہیں، اگر زید چاہے تو اس سے دوبارہ نکاح کرلے خواہ اور عورت سے نکاح کرے، اب زوجہ کو طلاق نہ ہوگی اگرچہ زوجہ اولٰی اجازت بھی نہ دے۔

اماوقوع الطلاق فلتحقق الشرط والاجازة لاتمنعه واماالواحدة والبینونة فلو قوعه قبل الدخول وتفریقه فی الایقاع حیث لم یقل تین بل ایك دوتین ام عدم الوقوع اذانکح اخری او ھذہ مرة اخری فلانحلال الیمین لعدم کلما ومایقوم مقامه۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	طلاق کا وقوع اس لئے ہے کہ شرط پائی گئی اور اجازت اس کے لئے مانع نہیں ہے، لیکن ایک اور بائنہ طلاق اس لئے کہ یہ طلاق قبل دخول اور تینوں کے جدا جدا واقع ہونے سے پہلی واقع ہوئی اس لئے کہ خاوند نے تین کا لفظ نہیں کہا بلکہ ایک، دو، تین کہا، اور دوسری عورت سے یا اسی بیوی سے دوبارہ نکاح سے مزید طلاق نہ ہوگی اس لئے کہ اس نے "کلما" یا اس کا ہم معنٰی لفظ نہیں کہا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷: از بمبئی پیرولین پوسٹ عمر کھاڑی مرسلہ منشی محمد صدیق قدسیہ جنتری ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے محکمہ قضاء میں حاضر ہو کر اقرار کیا کہ آج سے آئندہ میں اگر شرط پیوں یا فتنہ وفساد کروں اور وہ پانچ اشخاص (جن کے نام اقرار نامہ میں بطور نگرانی درج ہیں) میری بد چلنی کا ثبوت پہنچادیں تو میری زوجہ مسماۃ ہندہ میرے نکاح سے باہر ہے اور میری مطلقہ ہے پس بعد عہد واقرار مذکور کے پانچ یا سات نفر معتبر نے جو تحریر اقرار نامہ کے وقت موجود تھے زید کو بر سر راہ حالت نشہ میں پایا اور زید کے والد کو نیز مرقومہ بالا پانچ اشخاص معینہ میں سے ایک شخص کو اسی وقت حالتِ نشہ کی خبر دی مگر زید کے والد اور شخص مذکور نے بخوفِ یا بپاسِ خاطر زید توجہ نہ کی اور اس واقعہ کے چند روز بعد زید نے اپنے والد کے ساتھ حالتِ نشہ میں فساد کیا اور گرفتار ہو کر محکمہ میں اسی بناء یعنی شراب خوری فساد ریزی پر جرمانہ دیا بعد ازاں اہلِ جماعت جمع ہوئے جن میں مذکور الصدر پانچ اشخاص بھی بصورت منصف موجود تھے اور زید کو تقصیروار گردانا مگر مقدمہ مذکورہ بالا میں زید کی ظاہری بد چلنی جو وقوع میں آئی اس کو زبانی بیان کرنے میں بپاس عــہ رکھتے ہیں، پس ان تمام صورتوں میں زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوئی تو عدت کس روز سے شمار ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب:

قول زید کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس سے شراب خوری یا فتنہ وفساد کا صدور ہو اور دونوں میں سے جو کچھ ہو اس کے ساتھ ایک اور امر ضرور ہو وہ یہ پانچ اشخاص مذکورین اس کی بد چلنی کا ثبوت پہنچائیں، ان باتوں کے جمع ہونے پر اس کی عورت اس کے نکاح سے باہر اور اس کی مطلقہ ہے،

عــہ: یہاں مسوّدہ میں بیاض ہے۔

وذٰلك لانه عطف الثانی علی الاول باو ثم الثالث بالواؤ فکان الشرط وقوع احد الامرین الاولین مع الثالث۔	یہ اسلئے کہ دوسری بات کو پہلی پر لفظ او (یا) سے اور پھر تیسری کا دوسری پر "و" سے عطف کیا لہٰذا تیسری بات کا وقوع پہلی دونوں میں سے ایک کے وقوع سے مشروط ہوگا۔ (ت)

امام فخر الاسلام بزدوی قدس سرہ اصول میں فرماتے ہیں:

ولهذا قلنا فیمن قال هذا حراوهذاوهذا ان الثالث یعلق ویخیربین الاولین لان صدر الکلام تناول احدهما عملا بکلمة التخییر والواؤ تو جب الشرکة فیما سبق له الکلام فیصیر عطفا علی المعتق من الاولین کقوله احد کما حر وهذا[1]۔	اسی بناء پر ہم نے کہا کہ اگر مالک نے کہا "یہ آزاد یا یہ اور یہ ہے" تو تیسرا لازمی طور پر آزاد ہوجائیگا اور پہلے دونوں میں سے کسی ایک کو آزادی کیلئے متعین کرنے کا اختیار مالک کو ہوگا، کیونکہ اس کے کلام کا ابتدائی حصہ پہلے دونوں میں سے ایک کو شامل ہے لفظ "او" کے عمل کی وجہ سے اور بعد میں واؤ کا عطف پہلے دونوں میں مصداق کو شراکت کو چاہتا ہے لہٰذا پہلے دونوں میں سے جو آزاد ہوگا اس پر عطف ہوگا، یہ یوں ہوا جیسے کسی نے پہلے دونوں کو کہا ہو تم میں سے ایک اور یہ آزاد ہے (ت)

ہماری زبان میں کسی شیئ کا ثبوت پہنچانا، اور کوئی شیئ ثبوت کو پہنچانا، ان دونوں میں فرق ہے لفظ اول میں ثبوت [عہ۱] ہوتا ہے یعنی شہادت زبانی حجت تحریری اور اس کا پہنچانا، مہیا کرنا، ادا کرنا، پیش کرنا، اور لفظ ثبوت [عہ۲] اپنے معنی پر اور ثبوت کو پہنچانا ثابت و مدلل کرنا اس کے ثبوت کا حکم دینا، پہلے لفظ کا تعلق شاہد وساعی ثبوت سے ہے اور دوسرے کا حاکم و قاضی، ثبوت سے بھی غالب مراد ظاہر مفاد یہی ہے، اگر وہاں بھی عرف اسی طرح ہے، تو وہ اشخاص جبکہ بخوف وہراس یا بہ لحاظ و پاس اس کی بد چلنی زبان پر لانے سے بھی احتراز کرتے ہیں تو بد چلنی کا ثبوت پہنچانا ان سے واقع نہ ہوا اور وہ بھی جزاء شرط تھا تو شرط کا مل متحقق نہ ہوئی تو طلاق اصلًا نہ ہوئی،

لان ماعلق وجود شیئین لاینزل الابعد وجودهما جمیعا۔	کیونکہ جس چیز کو دو ۲ چیزوں کے وجود پر معلق کیا ہو تو وہ مشروط دونوں شرطوں کے اکٹھے پائے جانے پر متحقق ہوگا۔ (ت)

عہ۱: اصل میں یہاں بیاض ہے۔ عہ۲: اصل میں یہاں کرم خوردہ ہے۔

---

[1] اصول امام فخر الدین بزدوی باب حروف المعانی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۳

اور اگر وہاں کے عرف ومحاورہ میں یہ فرق نہیں کسی شئے کے ثابت قرار دینے کو بھی اس شئے کا ثبوت پہنچانا کہتے ہیں تو جبکہ پانچ اشخاص مذکورین نے اس کی بدچلنی کا ثبوت مانا اور اس بناپر اسے تقصیروار ٹھہرایا ہو اور واقع میں اس سے بعد معاہدہ شرابخوری یا فتنہ وفساد کا صدور بھی ہوا ہو تو ہندہ پر طلاق ہوگئی لاجتماع کل اجزئی الشرطین فینزل الجزاء (کیونکہ دونوں شرطوں کے اجزاء پائے جانے کی وجہ سے مکمل جزاء پائی جائے گی۔ت) اور عدت اسی وقت سے لی جائیگی جس وقت ان پانچ اشخاص نے اس کی بدچلنی کے ثبوت کا حکم دیا لان الوقوع بالمجموع وانما العدۃ من حین الوقوع (کیونکہ طلاق کا وقوع دونوں کے مجموعہ پر ہوا، اور عدت بلاشبہہ وقوع طلاق کے وقت سے شمار ہوگی۔ت) مجرد تقصیروار ٹھہرانا اگر بدچلنی ثابت مان کر نہ ہو وقوع طلاق کے لئے کافی نہ ہوگا،

لان الشرط ھذا الاذاك واثبات التقصیر مطلقا لا یستلزم اثبات الدعارت۔	کیونکہ یہ شرط ہے، وہ نہیں ہے کیونکہ تقصیر کا اثبات مطلق طور پر بدچلنی کے اثبات کو مستلزم نہیں ہے(ت)

یونہی اگر فی الواقع اس سے شراب خوری وفتنہ پردازی بعد معاہدہ صادر نہ ہوئی اور ثبوت غلط طور پر بہم پہنچایا گیا جس سے اشخاص مذکورین نے حکم ثبوت دیا تو عنداللہ اس صورت میں بھی ہندہ پر طلاق نہ ہوگی لعدم تحقق الجزاء الاول (پہلی جزاء کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ت) اگرچہ محکمہ قضاء میں ثبوت شرعی کے باعث قضاۃ حکم طلاق دیں اور جبکہ ثبوت شرعی گزر گیا اور اشخاص مذکورین نے حکم ثبوت دیا ہو اور محاورہ کا وہ فرق کہ اوپر مذکور ہو وہاں کے عرف میں نہ ہو تو عورت پر بھی لازم ہے کہ اپنے آپ کو مطلقہ جانے لان المرأۃ کالقاضی کما فی الفتح وردالمحتار وغیرہ[1] (کیونکہ اس معاملہ میں عورت یعنی بیوی قاضی کا حکم رکھتی ہے، جیسا کہ فتح اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: از بریلی مرسلہ مولوی بشیر الدین صاحب وکیل ۱۱ جمادی الاول ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اقرار نامہ مصدقہ رجسٹری میں معاہدہ حسبِ ذیل اپنی منکوحہ بی بی سے کیا وہ معاہدہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس معاہدہ کا نفاذ ہوسکتا ہے یا نہیں جو کہ مسماۃ مشتری جان طوائف دختر باد اللہ زوجہ منکوحہ مقر کی ہے مسماۃ مذکور مقر سے خواستگار اجازت مسماۃ مذکور نے کی ہے لہٰذا بصحت نفس وثبات عقل بخوشی خاطر اپنے بلاکسی جبر ودباؤ کے اچھی طرح سمجھ کو مسماۃ مشتری جان مذکور کو اجازت دیتا ہوں کہ پیشہ ناچنے وگانے کا جس طور سے سابق دستور کرتی چلی آئی ہے

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۸

بدستور جاری و قائم رکھے اور بغرض مدد کرنے ناچ وگانے کے خواہ بداؤس سکونت رکھے یا دیگر جگہ قیام کرے میں کسی وقت اور کسی حالت میں مانع اور مزاحم یا حارج نہیں ہوں گا اگر میرے فعل یا ترک فعل سے کسی وقت میں مسماۃ مذکور کا نقصان یا حرج واقع ہو تو ایسی حالت میں نکاح فسخ ہو جائے گا اور مسمّاۃ کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہو گی لہٰذا یہ اقرار نامہ بلانالش لکھ دیا کہ سند رہے، واضح ہے کہ معاہدہ کرنے والا شریف خاندان کنچنے وغیرہ سے نہیں ہے اور ان الفاظ کی تحریر سے نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں اور شوہر اسے اجازت ناچنے وگانے کی اور دیگر جگہ اسے کام کے واسطے اجازت دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسے اجازت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایسی اجازت حرام قطعی ہے اور اجازت دینے والا دیّوث ہے، اگر توبہ نہ کرے تو اس پر جنت حرام، اور اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث ورجلة النساء[1]۔ رواہ حاکم والبیهقی فی شعب الایمان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما بسند صحیح۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے اپنے ماں باپ کو ناحق ایذا دینے والا اور دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت (اس کو حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلثة لایدخلون الجنة ابدا الدیوث والرجلة من النساء ومدمن الخمر[2]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنهما بسند حسن۔	تین شخص کبھی جنت میں نہ جائیں گے دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت اور شرابی (اس کو طبرانی نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الایمان دار الفکر بیروت ۱/ ۷۲، شعب الایمان باب فی الغیرۃ والمذاء حدیث ۱۰۷۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۴۱۲

[2] شعب الایمان باب فی الغیرۃ والمذاء حدیث ۱۰۸۰۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۴۱۲، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی باب فیمن لایرضی باہلہ بالخبث دار الکتاب العربی ۴/ ۳۲۷

ثلثة قد حرم الله علیهم الجنة مدمن الخمر والعاق لوالدیه والدیوث الذی یقرفی اهله الخبث[1]۔رواه احمد والنساءی والبزار والحاکم وقال صحیح الاسناد۔	تین شخصوں پر اللہ تعالٰی نے جنت حرام فرمادی ہے شرابی اور ماں باپ کا موذی اور دیوث کہ اپنے اہل میں گندی بات برقرار رکھے (اس کو احمد، نسائی، بزار اور حاکم نے صحیح الاسناد کہہ کر روایت کیا۔ت)

رہی طلاق اس کا حکم یہ ہے کہ فسخ نکاح کنایات سے ہے اگر شوہر نے اس لفظ سے طلاق مراد لی ہے طلاق پڑجائے گی ورنہ نہیں، درمختار میں ہے:

اذهبی الٰی جهنم یقع ان نوی خلاصة وکذا اذهبی عنی وافلحی وفسخت النکاح[2]۔	"جہنم میں جا" طلاق کی نیت سے کہاتو طلاق ہوجائیگی، خلاصہ۔اور اگر یوں کہا "میرے پاس سے چلی جا، تو فلاح پالے، اور میں نے نکاح فسخ کیا" اور ان صورتوں میں طلاق کی نیت سے طلاق ہوجائیگی۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لوقال فسخت النکاح ونوی الطلاق یقع[3]۔	اگر کہا "میں نے نکاح فسخ کیا" اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی۔(ت)

یہی حال آزادی کا ہے پس صورت مسئولہ میں اگر شوہر اقرار کرے کہ یہ الفاظ اس نے بہ نیت طلاق لکھے تھے تو بحال وقوع عورت پر ایک طلاق بائن ہوجائے گی اور اگر وہ اقرار نہ کرے تواس سے قسم لی جائے گی قسم کھانے سے انکار کردے تواب بھی جبکہ شرط واقع ہوئی ہو، وقوعِ طلاق کا حکم ہوگااور اگر قسم کھالی کہ واللہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق نہ لکھے تھے تو حکم طلاق نہ ہوگا عورت بدستور اس کی منکوحہ رہے گی، پھر اگر وہ جھوٹ قسم کھالے گا تواس کا وبال اس پر ہے عورت پر الزام نہیں۔درمختار میں ہے:

نحواخرجی یحتمل رداونحوخلیة یصلح سبا ونحو انت حرة لایحتمل	"نکل جا" جیسے الفاظ رد وجواب سوال طلاق کا احتمال رکھتے ہیں، خلیہ۔جیسے الفاظ گالی ہونے کا

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابن عمر رضی اللہ عنه دار الفکر بیروت ۶۹/۲

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۲۲۶/۱

[3] فتاوی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۵/۱

السب والرد ففی حالة الرضااى غير الغضب والمذاكرة تتوقف الاقسام الثلثة تاثيرا على نية للاحتمال والقول له بيمينه فی عدم النية ويكفی تحليفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بينهما مجتبی [1] اھ ملتقطا. واللہ تعالٰی اعلم۔	احتمال رکھتے ہیں، اور "توآزاد ہے" جیسے الفاظ سب ودشنام اور جواب ہونے کا احتمال نہیں رکھتے، تو حالت رضامندی میں یعنی غصہ کی حالت میں نہ ہو اور مذاکرہ طلاق بھی نہ ہو تو یہ تینوں قسم کے کنایات کی تاثیر نیت پر موقوف ہوگی، کیونکہ نیت اور عدم نیت کا احتمال ہے، اور طلاق کی نیت نہ ہونے میں خاوند کی بات کو معتبر سمجھا جائے گا اور بیوی کا اس سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے، اور اگر خاوند گھر میں بیوی کو قسم دینے سے انکار کرے تو بیوی حاکم کے پاس اپنا معاملہ پیش کرے، وہاں بھی اگر خاوند انکار کرے تو بیوی حاکم کے پاس اپنا معاملہ پیش کرے، وہاں بھی اگر خاوند انکار کرے تو قاضی دونوں میں تفریق کردے اھ ملتقطا. واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹: از صدر بازار چھاؤنی نیچ محلّہ بڑی منڈی مرسلہ چودھری ننھے سوداگر چرم ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

بکر نے شادی زید کے ساتھ اپنی دختر کی کی جس کو عرصہ ۹ سال کا ہوا بکر اور زید دونوں فقیر ہیں بوقت شادی زید کی عمر ۱۶، ۱۵ سال کی تھی اور لڑکی کی قریبًا سولہ سال کی، شادی ہوتے ہی زید کے ہمراہ بھیج دی گئی تین ماہ بعد بکر کے یہاں آئی اور پھر چھ ماہ بعد زید کے ہمراہ بھیج دی گئی چھ ماہ بعد زید مع اپنی بی بی کے بکر کے یہاں آیا اور رہنے لگے چار ماہ بعد زید چلا گیا اور چوری کی علت میں گرفتار ہوگیا، بکر زید کو چھڑا کر لے آیا مگر آٹھ دس روز کے بعد پھر کسی کی چیز لے کر بھاگ گیا بکر پھر اس کو لے آیا کوئی ایک ماہ رہا پھر ایک بقال کا غلہ چرا کر بھاگ گیا ڈھائی ماہ بعد پھر زید آگیا اور اقرار نامہ منسلکہ تحریر کردیا، کوئی دو ماہ بعد زید اپنی عورت سے مار پیٹ کرکے جبرًا زیور لے کر بھاگ گیا کوئی تین ماہ بعد ذات کی پنچایت ہوئی اور پنچوں نے پنچنامہ منسلکہ تحریر کیا زید کوئی چھ ماہ بعد پھر بکر کے پاس آکر رہنے لگا اور دو ماہ بعد لوگوں کے برتن وغیرہ لے کر بھاگ گیا اس وقت اس کی عورت کا حمل تھا ایک سال کے بعد زید کا باپ زید کی عورت کو لینے آیا زید کی عورت نے جانے سے انکار کیا پھر زید کو بذریعہ خطوط وغیرہ بلایا گیا جسے عرصہ آٹھ ماہ کا منقضی ہوا ہے نہ زید آیا نہ خطوں کا جواب دیا، قریب ایک سال کے زید کی بی بی بچّے کا بار بکر پر ہے، زید کی عورت زید کے پاس رہنے سے نارضامند ہے، ایسی صورت میں زید کی عورت کا دوسرا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

نقل اقرارنامہ

میں کہ سبور شاہ ولد مدھاری شاہ فقیر ساکن موضع رسینٹ ماریہ علاقہ شاہ پور کا ہوں جو کہ

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

میری شادی ہمراہ مسماۃ مایلی بنت کنور دی شاہ فقیر ساکن چنادی نیپچ ہوئی ہے، بعد شادی کے میں بخانہ کنوردی شاہ خسر خود رہا اور موضع ریسینٹ ماریہ بھی بوجہ تنازع چلا گیا اب کہ میں بخانہ کنوردی شاہ خسر خود رہ کر زندگی خود بسر کرنا چاہتا ہوں، لہذا اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ میں تازندگی خود بخانہ کنوردی شاہ رہوں گا اور جو کچھ کما کر یا مانگ کر لاؤں گا وہ اپنے خسر وزوجہ وخوشدامن کو دوں گا اور زوجہ خود کو کسی طرح کی تکلیف نہ دوں گا نہ ماروں گا اور نہ کوئی فعل خراب کروں گا اور بر تقدیر کہیں باہر چلا جاؤں تو اس کی اطلاع کنوردی شاہ وزوجہ خود واہلِ محلّہ سے کردوں گا اگر میں چنادی بخانہ خسر نہ رہوں یا کوئی خراب فعل کروں اور بدون اجازت کے چنادی سے چلا جاؤں تو کنوردی شاہ خسر میرے کو اختیار ہے کہ دوسری جگہ زوجہ میری کا نکاح کردے میں کوئی طرح کا دعوی جھگڑا کچہری وپنچوں میں نہ کروں گا، بناء براں یہ چند کلمے بطور اقرار نامہ لکھ دئے کہ سند رہے، ۲۵ جمادی اولیٰ ۱۳۳۶ھ (۳۰ دسمبر)

العبـــد

نشانی انگوٹھا سپورف شاہ

گواہ شد گواہ شد گواہ شد گواہ شد

اللہ بخش ولد شیخ کلو چودھری قمرالدین ولد شیخ گیا نتھن ولد منا بور پاری رحیم بخش ولد سعدی مجاور

الجواب:

جب تک طلاق ثابت نہ ہو یا وہ مر نہ جائے عورت کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہوسکتا، وہ اقرار جو اس نے لکھا ثبوت طلاق کے لئے کافی نہیں، ہاں اگر وہ اقرار کرے کہ اس اقرار نامہ سے میری مراد عورت کو طلاق دینا تھی، یہ جو اس نے کہا کہ ایسا کروں تو خسر کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے اس کا نکاح کردے اس سے مراد یہ تھی کہ ایسا کروں تو اسے طلاق ہے تو اس صورت میں طلاق ثابت ہوجائیگی، اور جبکہ وہ یہ سب باتیں کرچکا تو اسی وقت سے عورت نکاح سے نکل گئی، اور اگر وہ اقرار نہ کرے تو اس سے قسم لی جائے، اگر قسم کھالے گا کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو وہ بدستور اس کی عورت ہے دوسری جگہ نکاح حرام قطعی ہے اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے گا تو طلاق ثابت ہوجائے گی، اور اگر عدت گزر گئی یا اب گزر جائے تو دوسری جگہ نکاح جائز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰: از جھالود ضلع پنچ محال گجرات احاطہ بمبئی مرسلہ شیخ عمرو لی ڈاہیا ۷ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

محمد آدم ساکن مورانے ابراہیم ساکن جھالود اس کی لڑکی کی شادی کا پیام کیا، ابراہیم نے کہا کہ مجھ کو چند شرطیں لکھ دو تو میں تم سے شادی کردوں، محمد آدم نے قبول کیا اور کہا کہ جو شرط کرو بخوشی منظور ہے،

بعد اس کے مسمّٰی آدم نے ایک اسٹامپ تحریر کردیا، تحریر ذیل مسماۃ فاطمہ بنت ابراہیم ساکن جھالود عمر ۱۶سال محمد آدم ساکن موراعمر ۱۶سال، میں تمہارے ساتھ برسم برادری شادی کرتا ہوں، بعد شادی ہونے کے ہم اور تم بطور مرد عورت کے رہیں گے، بعد میں اس کے متعلق اقرار نامہ برادری کی رسم کے مطابق زیور ۱۷۵ تولہ چاندی کے بعوض مہر دیتا ہوں اس زیور پر میرا کسی قسم کا حق نہیں، اور اقرار کرتا ہوں کہ اپنا وطن موراچھوڑ کر جھالود میں سکونت کروں گا باوجود اس کے اگر میری نیت میں فرق اور تم مارپیٹ کرکے جھالود سے دوسری جگہ یا کوئی گاؤں یا جھالود سے باہر لے جاؤں توبغیر طلاق کے طلاق طلاق طلاق واقع ہو، یہ اقرار نامہ صحیح میں نے لکھ دیا مجھے اور میرے وارثوں کو منظور ہے سوائے اس کے میں تم کو بارہ ۱۲ ماہ کے اندر راضی اور خوش رکھوں گا اور رہوں گا اگر خلاف اس کے کروں تو تحریر بالا کے مطابق سمجھنا، یہ لکھا ہوا صحیح ہے، اگر بارہ ماہ تک میں تم سے جدا رہوں یا دوسری جگہ چھوڑ کر چلاجاؤں تو طلاق سمجھنا یہ لکھا ہو ادرست ہے بعد تحریر دستاویز مذکور لڑکی کو سنایا گیا لڑکی نے قبول کیا، ستائیس ۲۷ روز بعد برسم برادری بشرائط مرقومہ بالاشادی کرکے لڑکی کو رخصت کیا۔ تین سال تک جھالود میں رہی بعد تین سال کے ایک روز بلارضامندی عورت کے جھالود سے جیبرن گاؤں میں سوار کرکے چلا، قریب پون میل گیا ہوگا کہ اس کے والد کو معلوم ہوا کہ لڑکی کو لے گیا اس وقت وہ خود اور برادری کے تین چار آدمی دوڑ کر گئے اور گاڑی روک لی، لڑکی سے دریافت کیا کہ تو کہاں جاتی ہے؟ کہا میں بخوشی نہیں جاتی بلکہ مجھے مارپیٹ کر جیبرن لئے جاتا ہے، لڑکی سے کہا کہ گاڑی سے اتر، فورًا اتر آئی، محمد آدم سے کہا کہ تونے اقرار نامہ لکھ دیا ہے اور کہاں لئے جاتا ہے، جواب دیا کہ میں اپنے گاؤں نہیں لے جاتا دوسری جگہ لے جاتا ہوں یعنی خود دکان کرنے جاتا ہوں، انہوں نے کہا کہ تم نے شرط توڑدی اس لئے عورت کو طلاق ہوگئی، پھر قاضی کے پاس گئے انہوں نے کہا کہ تونے شرطی دستاویز لکھ دیا ہے کہاہاں بیشک میں نے لکھ دیا ہے اور میں موری نہیں لے جاتا ہوں دوسرے گاؤں خود ہی جاتا ہوں۔

الجواب:

شرط میں اپنے گاؤں کی تخصیص نہ تھی اس کا عذر غلط ہے اس میں عام تھا کہ جھالود سے کسی دوسری جگہ لے جاؤں لیکن شرط میں مارپیٹ کرلے جانا ہے، اس کا ثبوت یا تو گواہان ثقہ سے ہو یا آدم اقرار کرے کہ ہاں مارپیٹ کرلے گیا فقط عورت کا کہنا کافی نہیں اگر گواہان یا اقرار سے مارپیٹ کرلے جانا ثابت ہو تو تین طلاقیں ہوگئیں بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتی۔

قال اللہ تعالٰی فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند تیسری طلاق دے دے تو عورت حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

اور اگر گواہ نہ ہوں یا وہ گواہ ثقہ شرعی نہ ہوں اور آدم مار پیٹ کرلے جانے کا اقرار بھی نہ کرے تو آدم سے حلف لیا جائے اگر حلف کرے گا کہ مار پیٹ کر نہیں لے گیا تو طلاق نہ ہوگی اور اس حلف کا حاکم کے سامنے ہونا ضرور نہیں مکان پر بھی لیا جاسکتا ہے، درمختار میں ہے:

یکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ [1]۔	بیوی کا خاوند سے اپنے گھر میں ہی قسم لے لینا کافی ہے۔(ت)

پھر اگر حلف کرلے اور عورت جانتی ہو کہ اس نے جھوٹا کیا، تو عورت پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو تین طلاقوں سے مطلقہ سمجھے اور بوجہ طلاق نہ ثابت ہونے کے بذریعہ حکومت جبر نہیں کرسکتی لہٰذا اپنا مہر چھوڑ کر یا اور مال دے کر اس سے اعلانیہ طلاق لے، اگر طلاق نہ دے تو جس طرح جانے اس کے پاس سے بھاگے اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو مجبور ہے اور وبال شوہر پر ہے، ردالمحتار میں ہے:

اذا سمعت اواخبرھا عدل لایحل لھا تمکینہ بل تفدی نفسھا بمال اوتھرب فان حلف ولابینۃ لھا فالاثم علیہ اذالم تقدر علی الفداء اوالھرب [2] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم	اگر خود عورت، مرد کی طرف سے تین طلاقیں سن لے، یا کسی عادل شخص نے اس کو یہ اطلاع دے دی تو پھر بیوی کو حلال (جائز) نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے پر جماع کا موقعہ دے بلکہ جیسے بن پڑے مال دے کر اعلانیہ طلاق لے یا بھاگ کر اپنے کو بچائے، اور اگر خاوند طلاق نہ دینے کی قسم کھالے اور طلاق پر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں اور بیوی مال کے بدلے یا بھاگ کر اپنے آپ کو نہ بچاسکے تو اب گناہ خاوند پر ہوگا (باختصار)۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: از جونپور مرسلہ مولوی عبدالاول صاحب ۲۸ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے اپنی زوجہ کے کابین نامہ میں منجملہ شرائط ایک شرط یہ لکھی کہ اگر بغیر رجسٹری شدہ اجازت نامہ تم سے حاصل کئے ہوئے اور بغیر تمہارا کل مہر ادا کئے ہوئے دوسرا نکاح کروں تو منکوحہ جدیدہ کو میری طرف سے تین طلاق ہوں گی، اب صورت حال یہ ہے کہ زوجہ نے مہر معاف کردیا اور اجازت نامہ نکاح بلا رجسٹری شدہ شوہر نے حاصل کرکے دوسرا نکاح کرلیا، اب شرعًا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ اجازت نامہ بلا رجسٹری شدہ ہے اور ایفائے مہر نہیں پایا بلکہ زوجہ نے معاف کردیا تو منکوحہ جدیدہ مطلقہ ہوگی

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۲

یا نہیں؟

الجواب:

فقیر شبِ ہلال ماہ مبارک سے بغرضِ علاج بعض اعزہ اس پہاڑ پر آیا ہوا ہے، وطن سے دور، کتب سے مہجور، بظاہر مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں طلاق نہ ہوگی کہ ایفا سے مقصود برأت ذمّہ ہے وہ حاصل اور رجسٹری کہ وقت انکار تحفظ کے لیے ہوتی ہے جب عورت نے اجازت دے دی اجازت نامہ لکھوادیا اصل مقصود حاصل ہوگیا جیسے عورت سے کہا اگر کل مجھے فلاں چیز لاکر نہ دے یا فلاں چیز لے کر نہ آئے تو تجھ پر طلاق، اس نے چیز کسی کے ہاتھ بھیج دی، طلاق نہ ہوئی جبکہ مقصود اس شئے کا پہنچنا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲: از محکمہ شرعیہ نل بازار بمبئی مسئولہ سید حسین صاحب نائب قاضی ۱۹رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے ایک اقرار نامہ اپنی زوجہ کو لکھ دیا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر منمقر اپنی توبہ کا پابند نہ ہوا اور خلافِ شرع کوئی فعل کرے تو اسی وقت میری زوجہ کو اختیار ہوگا کہ وہ بلااجازت میری اپنے ورثاء کے یہاں یا اپنے باپ بھائی کے یہاں فورًا چلی جائے یا اس کے ورثاء بلا میری دریافت کے اسے لے جائیں اور اس خلاف ورزی شرع شریف میں میری جانب سے میری زوجہ کو طلاق قطعی سمجھی جائے نیز میری زوجہ کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ بموجب ہوجانے طلاق طلاق شرعی کے بعد میعاد عدت اپنا نکاح ثانی خود کرلے یا اس کے ورثاء اس کا نکاح ثانی جہاں اس کی خوشی ہو کردیں مجھ کو اس میں کسی قسم کا عذر نہ ہوگا اگر وہ اپنے تحریر کردہ شرط کی خلاف شرط کی ورزی کرکے تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں طلاق نہ ہوئی،

کما بیناہ فی فتاوٰنا ونص فی الخانیۃ فان احسبی انك طالق لیس بطلاق [1]۔ وفی الھندیۃ عن الخلاصۃ	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے، اور خانیہ میں نص موجود ہے کہ خاوند کا بیوی کو کہنا کہ "تو طلاق سمجھ لے" یہ طلاق نہیں ہے، اور ہندیہ

[1] فتاوی قاضیخان کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۰

ف: خانیہ کے الفاظ اس طرح ہیں: لایقع الطلاق وان نوی کانہ قال لھا بالعربیۃ احسبی انك طالق وان قال ذٰلك لایقع وان نوی۔ نذیر احمد سعیدی)

امرأۃ قالت لزوجھا مرا طلاق دہ فقال دادہ انگار او کردہ انگار لایقع وان نوی [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	میں خلاصہ سے منقول ہے کہ کسی عورت نے اپنے خاوند کو کہاکہ "مجھے طلاق دے" تو خاوند نے جواب میں کہا" تواس کو طلاق دی ہوئی یا طلاق کی ہوئی سمجھ لے" تو طلاق نہ ہو گی اگر چہ اس سے طلاق کی نیت کی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳و۳۴: از سرائے بھنولی ڈاک خانہ شاہ گنج ضلع فیض آباد مرسلہ محمد فیض اللہ صاحب ۲۰جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں :

(۱) ایک اقرار نامہ مندرجہ ذیل مضمون کالکھا گیا جس کے کل شرائط ولی ہندہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں جو کہ مضمون اقرار نامہ سے صاف ظاہر ہے اور محمد شفیع کی طرف سے کوئی شرط مقرر نہیں کی گئی اور نہ اس کو قرار داد شرط کی اجازت دی گئی حالانکہ اقرار نامہ کے ایک لفظ سے بھی محمد شفیع کو اتفاق نہیں تھااور نہ اس کا کوئی معاون وولی تھا کہ کچھ عذر کرتا، ولی ہندہ ایک زبردست واہل مقدور شخص ہےاس نے بالجبر محمد شفیع سے دستخط کرالیا، پس یہ اقرار نامہ شرعًا معتبر ہے یاکہ غیر معتبر؟**بینوا توجروا۔**

(۲) قبل تحریر اقرار نامہ ولی ہندہ جو کہ بمقابلہ محمد شفیع ہر حالت میں بدرجہاز ورآور واہل مقدور تھابیکس وبے بس محمد شفیع سے بالجبر طلاق لینے پر آمادہ تھامگراس وقت محمد شفیع کچھ گریہ وزاری سے منت وسماجت کی کہ اس کااثراس پر کار گر ہوااور نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق سے تو باز رہے مگر اقرار نامہ مذکورہ ذیل پر دستخط کرالیا محمد شفیع نے اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر دستخط کردیا کچھ دن کے بعد محمد شفیع رنگون چلا گیا اور تھوڑے عرصے تک حسبِ وسعت مبلغ بیس بچیس روپیہ ہندہ کو روانہ کیامگر کچھ عرصہ تک بوجہ مجبوری خرچ روانہ نہ کرسکاالبتہ خطوط روانہ کرتا رہااور اسکے ذریعہ سے اپنی مجبوری ظاہر کرتا رہااور بعد کو بھی تین چار روپیہ روانہ کیااب محمد شفیع قریب ساڑھے تین سال کے بعد رنگون سے واپس آیااور وجہ عدم ادائیگی خرچ میں یہ عذر بیان کیاکہ میں سخت جل گیا تھااور کوئی امید زندگی نہ تھی، چنانچہ چھ ماہ میں ہسپتال میں پڑارہا (جلنے کا حال زبانی آئندگان آنصوبہ سے بھی سنا گیااور اب بھی اس کے جسم پر نشان دیکھا گیا یعنی موجود پایا گیا) اس حالت میں مبلغ پچاس روپیہ کاقرضدار ہوگیابعد صحت چند روز بیکار رہااور جب کامیاب ہواتوقرض ادا کیا بقیہ زادِ راہ میں صرف ہوا عدم روانگی خرچ سے ہندہ بوجہ اہل مقدور ہونے اپنے ولی کے محتاج نان ونفقہ نہ تھی

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۰

علاوہ اس کے قریب دو صد روپیہ کی مالیت کا زیور کہ ملکیت محمد شفیع تھی اس کے پاس موجود تھے غرضیکہ ہندہ اور اس کے ولی کو نسبت نان ونفقہ وعدم روانگی خرچ کوئی شکایت نہیں ہے اور سب اس سے رضامند ہیں پاس سوال یہ ہے کہ بحالت صحت اقرار نامہ ایسی صورت میں ہندہ زوجیت سے خارج ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

نقل اقرار نامہ

منکہ محمد شفیع ولد عبدالقادر متوفی ساکن موضع سرائے بھنولی پرگنہ کچرانہ تحصیل کالو ضلع فیض آباد ام، چونکہ باغوائے شیطان چند افعال ناجائز مجھ سے آج تک ہوتے رہے میں نے اپنی منکوحہ مسماۃ ہندہ بنت محمد یسین خاں کے نان نفقہ سے بالکل غافل تھا حتی کہ میں نے آج تک ادنٰی ضرورت بھی اس کی رفع نہ کی اور خلافِ حکم خدا رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس کے نان نفقہ سے بالکل بے خبر تھا، مگر اب میں اپنے افعال شنیعہ اور سراسر غفلت وبے فکری سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کے لئے اقرار کرتا ہوں کہ مطابق مرضی منکوحہ اور اس کے والدین کے ہر ایک فعل کی پابندی کرتا رہوں گا اور جو کچھ وہ لوگ کہیں گے اس پر عملدرآمد کروں گا اور اپنے گھر سے غیر ملک نہ جاؤں گا حسبِ اتفاق اگر غیر ملک جانے کے موقع نہ ہو اور میں چلا جاؤں تو اپنی منکوحہ کے نان ونفقہ کی خبر گیری کرتا رہوں گا اگر ایسی غفلت کروں یعنی اپنی منکوحہ کا نان نفقہ وخبر گیری نہ کروں تو وہ عدم خبر گیری میری بجائے طلاق ثلاثہ کے سمجھی جائے اور پھر مجھ کو کوئی عذر نہ ہوگا، لہٰذا یہ چند کلمات بطور اقرار نامہ کے لکھ دئے تاکہ سند رہے اور عندالضرورت کام آئے، فقط بقلم محمد فیض اللہ ۹ جولائی ۱۹۱۵ء العبد محمد شفیع بقلم خود۔

الجواب:

فرصت غنیمت سمجھ کر دستخط کردیا جبر واکراہ نہیں مگر وہ اقرار نامہ بذاتہ خود ہی باطل و مہمل ہے، اگر محمد شفیع بے کسی قریب کے آپ ہی لکھتا اور پھر بلاضرورت غیر ملک کو چلا جاتا اور قصداً بلاعذر خبر گیری زوجہ سے دستکش رہتا اور ایک پیسہ کبھی نہ بھیجتا جب بھی اس باطل اقرار نامہ کی رو سے اصلاً طلاق نہ ہوسکتی وہ اس میں طلاق نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ میری عدم خبر گیری کو بجائے طلاق ثلثہ سمجھا جائے، "یہ سمجھ کر" صریح باطل ہے عدم خبر گیری ایک طلاق بھی نہیں ہوسکتی نہ کہ تین طلاق کی جگہ اور باطل سمجھ کی اجازت دیں باطل، جیسے کوئی کہے اگر میں نہ آؤں تو دیوار کو طلاق سمجھ لینا کیا اس کے کہنے یا کسی کے سمجھ لینے سے دیوار طلاق بن جائے گی اور جب وہ اجازت وقول وفہم سب باطل ہے اور باطل پر کچھ اثر مرتّب نہیں ہوسکتا لہٰذا وہ اقرار نامہ مہمل ہے اور طلاق اصلاً نہ ہوئی، فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

لو قال الزوج دادہ انگار او قال کردہ انگار	اگر خاوند نے کہا "تو طلاق ہوئی سمجھ" یا کہا "تو

لایقع الطلاق وان نوی کانه قال لها بالعربیة احسبی انك طالق وان قال ذٰلك لایقع وان نوی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طلاق کی ہوئی سمجھ "تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو، کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی عربی میں کہے' ترجمہ: تو خیال کرلے کہ تو طلاق والی ہے" تو یہ بات کہنے سے طلاق نہ ہوگی، اگرچہ طلاق کی نیت بھی کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵: از رامپور محلّہ فرنگن محل بذریعہ ملاظریف مرسلہ مولوی ریاست حسین خاں صاحب ۲۲ شوال ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند اصحاب شرع وار باب ورع اندرینکہ شخصے بعد ایجاب وقبول نکاح خودرا اقرار نامہ ایں عبارت تحریر نمود کہ منکہ یونس علی پسر حسین علی مرحوم حال ساکن ناکندیہ علاقہ تھانہ منکنڈ وضلع ارکانم منمقر در حالت صحت ذات وثبات عقل بلااجبار واکراہ بخوشی مہر النساء دختر غلام علی مرحوم را بچند شرائط بنکاح خود آوردم: شرط اوّل اینکہ مسماۃ مذبورہ رادر باب تعلیم احکام شرعیہ مثل نماز وروزہ وغیرہ امور دینیہ کوشش کما حقه بکار آرم (الی ان قال) شرط ہشتم بغیر رضا ورغبت مسماۃ مذکورہ زنے دیگر بنکاح خود نیارم اگر آرم برثانیہ سہ طلاق واقع خواہد شد۔ شرط نہم اگر زشرطے ازیں شرائط مرقومہ بالاانحراف ورزم آنگہ اختیار مسماۃ موصوفہ رااست کہ بتوسل کاغذ ہذا نفس خود را از زوجیتم سہ طلاق کردہ بنکاح دیگر پرداز دیا بنکاح ماند انتہی نقل اقرار نامہ بعینہٖ۔	کیافرماتے ہیں اصحابِ شرع وتقوٰی اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے نکاح میں ایجاب وقبول کے بعد اقرار نامہ میں یہ تحریر کیا کہ منکہ یونس علی پسر حسین علی مرحوم ساکن ناکندیہ علاقہ تھانہ منکنڈ وضلع اراکانم، اپنی صحت اور بقائمی عقل بغیر جبر واکراہ اپنی خوشی سے اقرار کرتا کہ مسماۃ مہر النساء دختر غلام علی مرحوم کو چند شرائط کے ساتھ اپنے نکاح میں لاتا ہوں: پہلی شرط یہ کہ مسماہ مذکورہ کو شرعی تعلیم بابت نماز، روزہ وغیرہ امور دینیہ دینے میں پوری کوشش کروں گا، حتی کہ یہ کہاآٹھویں شرط یہ ہے کہ مسماۃ مذکورہ کی مرضی کے بغیر کسی دوسری عورت سے اپنا نکاح نہ کروں گا، اگر کروں تو دوسری بیوی کو تین طلاق ہوں گی، اور نویں شرط یہ کہ اگر مذکور شرائط میں سے کسی شرط سے انحراف کروں تو مسماۃ موصوفہ کو اختیار ہوگا کہ اس کاغذ اور تحریر کے بموجب اپنے آپ کو تین طلاق کے ساتھ میری زوجیت سے خارج کرکے دوسرے شخص سے نکاح کرلے یا میرے نکاح میں رہے، نقل بعینہٖ اقرار نامہ ختم ہوئی۔

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۰

اکنوں یونس علی مسماۃ مہر النساء راسہ طلاق دادہ بلا رضا ورغبت مہر النساء بزنِ دیگر نکاح نمود است دریں صورت مرقومہ بزوجہ ثانیہ یونس علی سہ طلاق واقع خواہد شد یا نہ، جناب فیضماب مولانا صاحب دام اقبالہم وفیضہم بعد سلام عرض اینکہ جواب سوال بزودی عنایت فرمودہ ممنون فرمایند چنانکہ نختین ہم مرہون منت وممتاز دارین فرمودہ بودند دریں باب نیز علماء مختلف اند بعضے طلاق ثانیہ قائلے ست وبعضے بعد مش مصر فیصلہ چیست و مفتی بہ ومختار کدام، نزدم کتب مختلفہ موجود نیست بناء علیہ مکلّف شدم عفو فرمایند، **والسلام**۔	اب اس کے بعد یونس علی نے مسماۃ مذکور کو تین طلاقیں دے کر مہر النساء کی رضا ورغبت کے بغیر دوسرا نکاح کرلیا، تو مسئولہ صورت میں یونس علی کی دوسری بیوی کو تین طلاقیں ہوئیں یانہیں، جناب فیض مآب مولانا صاحب! آپ کا فیض واقبال ہمیشہ قائم رہے، سلام کے بعد وعرض ہے کہ اس سوال کا جواب جلدی عنایت فرماکر ممنون فرمائیں تاکہ ہم ہمیشہ ممنون احسان رہیں، اس مسئلہ میں دوسرے علماء بھی اختلاف کررہے ہیں، بعض دوسری بیوی کی طلاق پر مصر ہیں اور بعض اس کی طلاق نہیں مانتے، آپ کا فیصلہ اور فتوی کیا ہے اور مختار قول کیا ہے میں اپنے مختلف کتب نہ ہونے کی بناء پر تکلیف دے رہا ہوں، تکلیف پر معافی چاہتا ہوں، **فقط، والسلام**۔

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب درصورت مستفسرہ قضیہ نظر فقہی تفصیل ست، اگر مہر النساء گوید کہ یونس علی ایں نکاح دوم بے رضا ورغبت من کردہ است، ویونس علی دریں معنی تصدیق بیانش کند زن پسیں ہم از وقت نکاح سہ طلاق شود ورنہ ہیچ طلاق وفراق نیست۔ **اقول: وباللہ التوفیق** تحقیق مقام آنست کہ طلاق زن ثانیہ معلق بوقوع نکاحش متلبس باعدمِ رضاورغبت مہر النساء ست، پس ہم وقت نکاح ایں عدم باید وتحقق شرط کہ	اے اللہ تجھ سے حق وصواب (درستگی) کی رہنمائی کا طلبگار ہوں، مسئولہ صورت میں شرعی فیصلہ فقہی نظر میں تفصیل طلب ہے، اگر مہر النساء کہے کہ یونس علی نے یہ دوسرا نکاح میری رضاورغبت کے بغیر کیا ہے اور یونس علی اس کی تصدیق کرتا ہے تو دوسری بیوی کو نکاح کے وقت سے ہی تین طلاقیں ہوگئیں، ورنہ کوئی طلاق اور جدائی نہ ہوگی، **اقول: وباللہ التوفیق** (اللہ کی توفیق سے میں کہتا ہوں کہ) اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ دوسری بیوی کی طلاق، مہر النساء کی رضاورغبت کے معدوم ہونے سے مشروط ہے، تو شرط کا پایا جانا جزاء کے

مستلزم تحقق جزا وزوال عصمت است تسلیم او مرہون ثبوت شرعی است کہ اقرار زوج باشد یا اظہار بینہ اما البینة فلانها کاسمها مبینة. اما اعتراف الزوج فلانه یملك الانشاء فلایزاحم فی الاخبار، تنہا بیان مہر النساء در حق زوجہ ثانیہ شنودن ندارد کہ بیان یک زن حجت شرعیہ نیست خاصۃً در حق ضرہ کہ محل تہمت ست واقدام یونس علی بریں عقد بے استئذان مہر النساء مثبت شرط نتواں شد کہ شرط عدم رضا بود نہ ترک استرضا، وشتان ماہما، ولہذا علماء گفتہ اند کہ در تعلیق بالرضا علم برضا در کار نیست، مثلاً شوہر حلف بطلان کردہ مرزنش را گوید کہ بے رضائے من بیروں نروی باز آہستہ گفت برو، زن نشنید یا شنید ونفہمید وبیروں رفت طالق نہ شود کہ بے رضا نرفتہ است، گو خود برضا مطلع مباش بخلاف اذن کہ او نباشد الابقول مسموع ومفہوم تاآنکہ دلائل واضحہ رضا نیز آں جابکار نیاید مثلا حلف کند بے اذنِ زن نیا شامم زن کاسہ بدست خود گرفتہ نوشاند وبرزبان ہیچ نگفت یا گفت وشوے نشنود یا مفہومش نشد حانث شود کہ اذن متحقق نگشت، پس عدم اذن در محل شرط بہ بینہ ثابت تواں کردلان الشهادة علی النفی مقبولة فی الشروط امااثبات عدم رضا ورغبت راہے نیست زیرا کہ او صفتے قلبی ست وعلمش از علوم غیبی، نہایت کار شہود چنگ بدلائل خارجہ زدن ست ودر ہیچو

پائے جانے کو مستلزم ہوگا جس سے نکاح ختم ہوجائے گا لیکن اس کو تسلیم کرنا شرعی ثبوت پر موقوف ہے اور ثبوت شرعی خاوند کا اقرار یا شہادت ہے، شہادت اس لئے ضروری کہ وہ معاملہ کو واضح کرتی ہے، اور زوج کا اقرار اس لئے کہ خاوند ہی طلاق کو نافذ کرنے کا مالک ہے، لہذا حال کی خبر وہ خود ہی دے سکتا ہے، تنہا مہر النساء کا بیان دوسری بیوی کے متعلق قابل سماعت نہیں ہے کیونکہ ایک عورت کا بیان شرعی حجت نہیں ہے خاص کر اپنی سوکن کے بارے میں کہ تہمت کا احتمال ہے اور یونس علی کا مہر النساء سے اجازت طلب کئے بغیر یہ دوسرا نکاح کرنا طلاق کی شرط کے پائے جانے کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ طلاق کی شرط مہر النساء کی عدم رضا ورغبت ہے نہ کہ اس سے اجازت طلب کرنا، جبکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے، اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ رضا کے ساتھ مشروط امر کے پائے جانے میں رضا کا علم ضروری نہیں بلکہ رضا کا پایا جانا ہی کافی ہے، مثلا ایک شخص نے طلاق کا حلف کہتے ہوئے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری رضا کے بغیر باہر مت جا۔ پھر آہستہ سے کہا جا، بیوی نے نہ سنا، یا سنا مگر سمجھا نہیں اور باہر چلی گئی تو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ وہ رضا پر باہر گئی اگرچہ وہ خود رضا پر مطلع نہ ہوئی، اس کے برخلاف اگر رضا کی جگہ وہ اذن کا لفظ کہتا تو طلاق ہوجاتی کیونکہ اذن کے لئے ایسا قول ضروری ہے جو سنا اور سمجھا جاسکے حتی کہ وہاں اذن کی واضح دلیل بھی پائی جائے تو کارآمد نہ ہوگی، مثلاً خاوند نے بحلف کہا کہ میں بیوی کی اجازت

مقام امارات ظاہرہ اگر باچند ہر چہ تمامتر واضحہ باشد بکار نیاید، علماء فرمودہ اند زن راگفت اگر فلاں مومن ست تو طلاقہ وفلاں رامی بینیم از صلحائے امصار واتقیائے روزگار ست اور ھزار گفتہ باشد من مومنم در حق تطلیق تصدیق نباشد وطلاق نیفتند تازوج بایں معنی اعتراف نکند زیرا کہ ایمان در دل ست وامارات ازینجا حجیت منعزل وشہادت فرداز قبول منفصل، باز ایں دلائل اگر بعد وقوع ایں نکاح ثانی یافتہ شد مثلاً مہر النساء را خبر رسید او روئے درہم کشید یا پیش از نکاح منع ایں معنی می کرد وبرذکر او غضب می آورد خود بکار نیست زیرا کہ شرط بوقوع نکاح متلبسا بعدم الرضاست، دل ہر وقت بریک حال نیست، **القلب یتقلب**، پس عدم رضائے سابق ولاحق دلیل عدم مقارن نتواں شد الا بہ استصحاب در سابق یا قیاس در لاحق وایںہمہ از ظاہر ست وظاہر واقع است نہ مثبت بلکہ آں سابق ولاحق نیز خود ظاہری بیش نبود **واللہ علیم بذات الصدور**، ایں ظاہر در ظاہر شد وضعف در ضعف راہ یافت واگر خود عین وقت ایں عقد دلائل غضب یافتہ شود علت منحصر دریں نیست اسباب غضب ہزار ست یمکن کہ یاد تطلیق خودش در غضب آوردہ باشد نہ عدم رضا بایں عقد، اطلاع برآنکہ وجہ غضب چیست باز نیاز بآں آرد کہ آں وقت سخناں مہر النساء اور دستاویز نمایند ایں باز رجوع بہ بیان زن شدہ وشہادت شہود از میاں برخاست

کے بغیر نہ پیوں گا، اگر بیوی اپنے ہاتھ سے پانی والا پیالہ دے اور وہ پی لے اور بیوی نے اس موقعہ پر اپنی زبان سے کچھ نہ کہا یا زبان سے پینے کو کہا مگر خاوند نے نہ سنا یا سنا مگر سمجھ نہ سکا، تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اذن نہ پایا گیا، پس عدم اذن کی شرط ہو تو یہ گواہی سے ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ شرائط میں منفی پر گواہی سے ثابت کرنا مشکل ہے کیونکہ وہ قلبی معاملہ ہے جس کا علم غیبی علوم میں سے ہے، جبکہ گواہی میں خارجی امور پر سہارا ہوتا ہے اور ایسے قلبی حال پر کتنی ہی واضح علامات کیوں نہ ہوں وہ کارآمد نہیں ہو سکتیں، علماء نے فرمایا کہ خاوند بیوی کو کہے اگر فلاں شخص مومن ہے تو تجھے طلاق ہے، جبکہ فلاں شخص کو شہر میں نیک اور زمانہ کا پرہیزگار دیکھا جارہا ہو اور وہ ہزار بار مومن ہونے کا دعوی کرے لیکن طلاق دینے کے معاملہ میں اس کی بات کی تصدیق نہ کی جائے گی اور طلاق نہ پڑے گی جب تک خاوند اس کے مومن ہونے کا اعتراف نہ کرے گا طلاق نہ ہوگی، کیونکہ ایمان دل میں ہے اس پر علامات یہاں حجت نہیں بن سکتیں اور کسی فرد کی شہادت پر علامات یہاں مقبول نہ ہوں گی، پھر اگر یہ علامات نکاح ثانی کے بعد سرزد ہوں، مثلاً مہر النساء کو دوسرے نکاح سے قبل مہر النساء نے اس سے منع کیا ہو اور دوسرے نکاح کے ذکر پر ناراض ہوئی ہو، یہ علامات بھی کارآمد نہیں ہو سکتیں کیونکہ شرط یہ ہے کہ دوسرا نکاح مہر النساء کے دل کی رضا مندی سے نہ ہو تو طلاق ہوگی، جبکہ دل کا حال

بلے غالب عادت زناں خاصہ دریں بلاد وزماں ہمانست کہ نکاح ثانی شوہر ان پسند نکنند اگرچہ خود آنہا طلاقہ شدہ باشند، امااین ظاہر بآنکہ ظاہر واز جمعیت قاصر ست ضعیف ترست، بارہا زناں مطلقہ بلکہ معلقہ بدعا، آرزو کنند کہ شوہر پنجہ زنے بلایا سلیطہ کج ادا گرفتار آید تا کیفر کردار خود چشد وعذابے کہ مارا کردہ است خمیازہ اش کشد ورضا بچیزے راعلم بآں چیز ہم در وقت حدوث اورضروری نیست مثلاً پدر زید را تمنا است کہ زید بمنصب وزارت رسد در غیبت پدر وزیرش کردند گفتہ نشود کہ ایں وزارت بے رضائے پدر ست پس وقوع ایں عقد بے اطلاع مہر النساء نیز محقق شرط نباشد، بالجملہ راہ باثبات ایں شرط نیست، جز باخبار مہر النساء مع تصدیق یونس علی، واصل کار ہماں اقرار یونس علی ست اگر یافتہ شد سہ طلاق بفور نکاح نقد وقت ثانیہ است کہ نامدخولہ محل سہ طلاق دفعی ست اگرچہ تفریق برنیابد کہ امتثال تعلیقات بزمان بقائے زوجیت زوجہ اولیٰ مقتصر نیست ورنہ خیر۔

بدلتا رہتا ہے، پس پہلے یا بعد کی عدم رضا نکاح کے وقت ناراضگی دل کی دلیل نہیں بن سکتی، ہاں سابق ناراضگی استصحابِ حال اور بعد والی قیاس بن سکتی ہے، لیکن یہ سب کچھ ظاہری چیزیں جبکہ ظاہر واقع تو ہو سکتا مگر وہ مثبت نہیں بن سکتا بلکہ وہ سابق اور لاحق خود بھی ظاہر سے بڑھ کر نہیں ہیں، دل کی کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یہ جو کچھ ظاہر ہو ظاہری معاملہ ہے اور ضعف ہے جو کہ ضعف کا راستہ پاتا ہے بلکہ عین نکاح ثانی کے وقت بھی مہر النساء کا غصہ پایا جائے تو یہ بھی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یہ دوسرے نکاح سے ناراض ہو رہی ہے کیونکہ غصہ کی وجود کئی ہو سکتی ہیں ممکن ہے اس وقت نکاح عدم رضا کی وجہ سے نہ ہو، یہ معلوم کرنا کہ غصہ کی وجہ کیا ہے آخر کار دلیل اس کی یہی ہو سکتی ہے کہ مہر النساء نے دوسرے نکاح کے وقت غصہ کی باتیں کی ہیں یہ پھر بیوی کے بیان پر موقوف ہوا، اور درمیان میں گواہوں کی گواہی ناپید رہی بلکہ تسلیم شدہ ہے کہ اس ملک میں موجودہ زمانے کی عورتوں کی عادت ہے کہ وہ خاوند کے دوسرے نکاح کو پسند نہیں کرتیں اگرچہ ان میں سے خود طلاق بھی حاصل کرچکی ہوں مگر یہ بات عادت بھی تو ظاہر معاملہ ہے اور نکاح کے وقت دل کی کیفیت پر دلالت قاصر اور ضعیف تر ہے، کیونکہ بارہا اور معلقہ عورتیں بدعائیں اور بری آرزوئیں کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ خاوند کا برا ہو اور کسی بری عورت کے پنجہ یا مصیبت میں گرفتار ہو تاکہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے اور اس نے جو مجھے تکلیف دی اس کا خمیازہ بھگتے، کسی چیز پر رضا کو یہ لازم نہیں کہ اس چیز کے حدوث اور وجود کا علم بھی ہو مثلاً زید کے والد کی تمنّا ہے کہ زید وزارت کے منصب تک پہنچے جبکہ والد کی عدم موجودگی میں زید کو وزیر بنادیا جائے تو یہ نہ کہا جائے گا کہ یہ وزارت والد کی رضا کے بغیر دی گئی ہے (غرضیکہ رضا وعدم رضا پائے جانے کے باوجود یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ عین واقعہ کے وقت رضا موجود تھی) پس یونس علی کے دوسرے نکاح کا مہر النساء کی اطلاع کے بغیر ہونا بھی شرط کا ثبوت نہیں بنتا، حاصل یہ کہ

حالابرخے از کلمات علماء برخوانیم وانچہ گفتہ ایم بپایہ اثبات رسانیم، وباللہ التوفیق۔	دوسرے نکاح کے وقت مہر النساء کی عدم رضا کا اثبات سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مہر النساء خود بتائے اور یونس علی اس کی تصدیق کرے بلکہ اصل دارومدار یونس علی کے اقرار پر ہے اگر اس کا یہ اقرار پایا جائے تو فوری طور پر دوسرے نکاح کو کرتے ہی دوسری غیر مدخولہ کو بیک وقت تین طلاقیں ہوجائیں گی، کیونکہ غیر مدخولہ بیوی بیک لفظ تین طلاقوں کا محل ہے اگرچہ متفرق طلاقوں میں تینوں کا محل نہیں، کیونکہ تعلیقات کا عمل پہلی بیوی کی زوجیت کی بقاء پر منحصر نہیں ہے اور اگر یونس علی کا اقرار نہ ہو تو خیر (یعنی طلاق نہ ہوگی) (ت)
امام محقق علی الاطلاق در فتح القدیر کتاب الایمان فی مسائل متفرقہ فرماید. لو قال لامرأته کل امرأة اتزوجها بغیر اذنك طالق فطلق امرأته طلاقا بائنا اوثلاثا ثم تزوج بغیر اذنها طلقت لانه لم تتقید یمینه ببقاء النکاح لانها انما تتقید به لوکانت المرأة تستفید ولایة الاذن والمنع بعقد النکاح[1]۔	اب ہم علماء کا کچھ کلام بیان کرکے اپنے مذکورہ موقف کو ثابت کریں گے وباللہ التوفیق۔ امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں کتاب الایمان کے مسائل متفرقہ میں فرمایا ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے جس عورت سے بھی تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اسے طلاق ہے، پھر اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی یا تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے اس دوران پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کیا تو دوسری کو طلاق ہوجائے گی کیونکہ اس نے حلف میں دوسری عورت سے نکاح کو پہلی بیوی کے نکاح کے باقی رہنے سے مقید نہیں کیا، اس سے مقید تب ہوتا جب پہلی بیوی اپنے نکاح کے وقت اذن یا منع کا اختیار حاصل کرتی۔ (ت)
علامہ محقق زین بن نجیم در بحر الرائق فرماید الاذن یطلع علیه بالقول بخلاف المحبة[2] ملخصًا، ہمدران ست حقیقة المحبة والبغض امر خفی لایوقف علیها من قبل احد لامن قبلها ولامن قبل غیرها لان القلب یتقلب لایستقر	علامہ محقق زین بن نجیم نے بحر الرائق میں فرمایا اذن پر صرف قول کے ذریعہ اطلاع ہوسکتی ہے بخلاف محبت کے، اسی میں یہ بھی فرمایا کہ محبت اور بغض کی حقیقت مخفی معاملہ ہے اس پر مرد یا عورت کسی کی طرف سے واقفیت نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ دلی کیفیت ہے جو بدلتی رہتی ہے کیونکہ دل بدلتے رہنے والی

[1] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۶۸

[2] بحر الرائق باب التعلیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۲۶

علی شیئ [1]۔	چیز ہے دل کو کسی ایک چیز پر قرار نہیں۔ (ت) (ا)
امام حافظ الدین محمد کردری در وجیز کتاب الایمان فصل تاسع فرماید ان اذن ولم تسمع لایعتبر عند الامام ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی، وفی الصغری، لاتخرجی الا برضائی اوبغیر رضائی فاذنھا ولم تسمع او سمعت ولم تفھم لایحنث بالخروج، بخلاف الاباذنی اوبغیر اذنی حیث یحنث لان الرضا یتحقق بلاعلمھا والاذن لایتحقق [2]۔	امام حافظ الدین محمد کردری نے وجیز کتاب الایمان کی نویں فصل میں فرمایا: اگر اذن دیا اور دوسرے نے نہ سنا تو یہ اذن معتبر نہ ہوگا، یہ امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کا مسلک ہے، صغرٰی میں ہے: خاوند نے بیوی کو کہا تو میری رضا کے بغیر باہر نہ جائیگی، تو اس کے بعد خاوند نے بیوی کو اجازت دی مگر بیوی نے نہ سنا، یا سنا ہے لیکن سمجھی نہیں تو بیوی نکل جانے سے حانث نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر اس نے بیوی کے نکلنے کو اذن پر موقوف کیا ہو تو مذکورہ صورت میں خلاف ورزی قرار پائے گی یعنی حانث ہوگی، کیونکہ رضا بیوی کے علم کے بغیر بھی ہوسکتی ہے جبکہ اذن اس کے علم کے بغیر متحقق نہیں ہوسکتا۔ (ت)
ہمدراں ست لایشرب الاباذنہ فناولہ القدح بیدہ ولم یقل بلسانہ شیأ فشرب یحنث لانہ دلیل الرضا، لاالاذن، لاتخرج امرأتہ الا بعلمہ فخرجت وھو یراھا لایحنث، وان اذن لھا بالخروج فخرجت بعدہ بلاعلمہ لایحنث [3]۔	اسی میں ہے: ایک نے دوسرے کو کہا "تو میرے اذن کے بغیر نہ پئے گا" اس کے بعد اس نے خود پانی کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا دوسرے نے پانی لیا تو خلاف ورزی ہوجائیگی اور وہ حانث ہوجائیگا (کیونکہ ہاتھ میں دینا رضا کی دلیل تو ہوسکتی ہے مگر اذن نہیں ہوسکتا) یونہی بیوی کو کہا "میرے علم کے بغیر باہر نہ جائے گی" پھر اس کے دیکھتے ہوئے اس کی عورت نکلی تو حانث نہ ہوگا، اور اگر اس کے بعد نکلنے کی اجازت زبانی دے دی تو اب علم کے بغیر بھی نکل جائے تو حانث نہ ہوگا۔ (ت)

[1] بحر الرائق باب التعلیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۲۷

[2] فتاوی بزازیۃ علی ھامش فتاوی ہندیۃ التاسع فی الیمین فی الاذن نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۲۹۴

[3] فتاوی بزازیۃ علی ھامش فتاوی ہندیۃ التاسع فی الیمین فی الاذن نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۲۹۶

امام اجل برہان الملۃ والدین در ہدایہ فرماید ان کان الشرط لایعلم الا من جهتها فالقول قولها فی حق نفسها مثل ان یقول ان حضت فانت طالق وفلانة فقالت قد حضت طلقت هی ولم تطلق فلانة ووقوع الطلاق استحسان، والقیاس ان لایقع لانه شرط فلا تصدق کما فی الدخول، وجه الاستحسان انها امینة فی حق نفسها اذلا یعلم ذلك الامن جهتها فیقبل قولها کما قبل فی حق العدة والغشیان ولکنها شاهدة فی حق ضرتها بل هی متهمة فلا یقبل قولها فی حقها[1]. در فتح القدیر ست شهادتها علی ذلك شهادة فرد واختبارها به لایسری فی حقها مع التکذیب[2] علامہ آفندی شامی در ردالمحتار فرماید قال فی البحر قید بمحبتها لانه لو علقه بمحبة غیرها فظاهر مافی المحیط انه لابد من تصدیق الزوج	امام اجل برہان الملّۃ والدّین نے ہدایہ میں فرمایا اگر شرط ایسی ہو کہ اس کا علم صرف عورت کے بیان واظہار پر موقوف ہو تو عورت کی بات معتبر ہوگی جس کا تعلق اس عورت کی ذات سے ہو، مثلاً کہا اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اور فلانی کو بھی، اب اس عورت نے کہ مجھے حیض آیا ہے، تو اس کو خود طلاق ہوجائیگی دوسری فلانی کو نہ ہوگی، اس کو طلاق ہونا بطور استحسان ہے جبکہ قیاس یہ ہے کہ طلاق نہ ہو، کیونکہ یہ شرط ہے جبکہ شرط کے وقوع میں صرف عورت کی بات معتبر نہیں ہوتی جیسا کہ دخول وغیرہ کی شرط میں، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اپنے معاملہ میں وہ امین متصور ہوگی کیونکہ معاملہ ایسا ہے جس کا علم اس کے بیان پر موقوف ہے اس لئے اس کی ذات کے بارے میں اس کی بات معتبر ہوگی، جیسا کہ عدت اور اس سے وطی کے متعلق اس کی بات معتبر ہوتی ہے لیکن اس کی یہ بات سوکن کے حق میں شہادت بنتی ہے بلکہ تہمت متصور ہوتی ہے اس لئے سوکن وغیرہ دوسری عورت کے بارے میں اس کی یہ بات معتبر نہیں ہوگی اور قبول نہ کی جائے گی۔ فتح القدیر میں ہے: عورت کی گواہی دوسری عورت کے بارے میں یہ ایک فرد کی گواہی بنتی ہے تو اس لئے اس کی یہ بات دوسری پر اثر انداز نہ ہوگی تہمت کی وجہ سے اس کو جھوٹ قرار دیا جاسکتا ہے۔ علامہ آفندی شامی نے ردالمحتار

[1] ہدایہ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۳۶۶/۲

[2] فتح القدیر باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۴۵۱/۳

فانه قال لوقال انت طالق ان لم تکن امك تھوی ذلك فقالت الام انا اھوی وکذبھا الزوج لاتطلق فان صدقھا طلقت لما عرف،وروی ابن رستم عن محمد انه لوقال ان کان فلان مؤمنا فانت طالق لا تطلق لان ھذالایعلمه الا ھو ،ولایصدق ھوعلی غیرہ و ان کان ھو من المسلمین یصلی ویحج،ولو قال الاٰخرلی الیك حاجة فاقضھا لی فقال امرأته طالق ان لم اقض حاجتک،فقال حاجتی ان تطلق زوجتك فله ان لایصدقه فیه ولاتطلق زوجته لانه محتمل للصدق والکذب فلایصدق علی غیرہ اھ،قال الخیر الرملی وقد علم من ھذہ الفروع انه ان علق بفعل الغیر	میں فرمایا کہ بحر میں کہا ہے کہ بیوی کی محبت سے اس کو مقید کیا کیونکہ اگر کسی غیر کی محبت سے طلاق کو مشروط کیا جائے،تو محیط کے بیان سے ظاہر یہی ہے کہ خاوند کی تصدیق کے بغیر محض بیوی کے کہنے پر طلاق نہ ہوگی کیونکہ وہاں یہ فرمایا ہے کہ اگر خاوند نے کہا،اگر تیری ماں یہ نہ چاہتی،اور خاوند نے ماں کی بات کو غلط قرار دیا تو طلاق نہ ہوگی ہاں اگر خاوند ماں کی تصدیق کر دے تو طلاق ہو جائے گی جیسے کہ معلوم ہے۔ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا کہ خاوند نے کہا اگر فلاں مومن ہے تو تجھے طلاق ہے،تو یہاں طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے جس کی اطلاع وہ فلاں شخص خود دے سکتا ہے لیکن اس کا بیان دوسرے کے خلاف قابلِ تصدیق نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ مسلمان نظر آئے نماز اور حج وغیرہ ادا کرتا ہو،اور اگر ایک نے دوسرے کو کہا مجھے تجھ سے ایک حاجت ہے تو میری حاجت پوری کردے،دوسرے نے کہا اگر میں تیری حاجت پوری نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق،تو پہلے نے کہا میری حاجت یہ ہے کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دے،تو دوسرے شخص کو حق ہے کہ وہ اس کی بات تسلیم کرنے سے انکار کردے تو بیوی کو طلاق نہ ہوگی کیونکہ پہلے کی بات جھوٹ اور سچ ہونے کا احتمال رکھتی ہے لہٰذا غیر کے خلاف یہ دلیل نہیں قرار نہیں دی جاسکتی اھ،خیر الدین رملی نے اس پر فرمایا کہ ان مسائل سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرے کے فعل پر طلاق کو مشروط کیا ہو تو اس

لایصدق ذٰلك الغیر علیه سواء،کان مما لایعلم الامنه ام لاولابدمن تصدیق الزوج فیهما او البینة فیما یثبت بها من الامر الذی یعلم [1] ایں عین جزئیہ مطلوبہ ماست،وللّٰہ الحمد،واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	غیر کی تصدیق ضروری نہیں ہے خواہ غیر کا یہ فعل دوسروں کو معلوم ہوسکے یا صرف وہی اظہار کرسکتا ہو دوسری کو معلوم نہ ہوسکتا ہو،دونوں صورتوں میں خاوند کی طرف سے تصدیق کرنا ضروری ہے یا پھر گواہی سے ثابت ہوجائے وہ فعل جس پر دوسروں کو اطلاع ہوسکتی ہو،یہی ہمارا مطلوبہ جزئیہ ہے وللّٰہ الحمد،واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۰۵

باب الایلاء
(ایلاء کا بیان)

مسئلہ ۳۶: ۱۳ شعبان معظم ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایلاء کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے اور اس سے طلاق مغلظہ پڑتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایلاء کے یہ معنی کہ مرد اپنی عورت سے جماع کی قسم کھالے یا تعلیق کرے یعنی یوں کہے کہ اس سے جماع کروں تو مجھ پر یہ جزالازم آئے، اور یہ قسم و تعلیق یا تو مطلق ہوں مثلاً واللہ میں تجھ سے جماع نہ کروں گا، یا تجھ سے جماع کروں تو مجھ پر روزہ لازم، یا موبد یعنی صراحۃً ہمیشہ کے لئے ہوں مثلاً خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی صحبت نہ کروں گا، یا تجھ سے کبھی صحبت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو، یا کسی خاص مدت کے لئے ہوں تو وہ مدت چار مہینے سے کم نہ ہو مثلاً مجھے قسم ہے چار مہینے تک تیرے پاس نہ جاؤں گا، یا پانچ مہینے تک تجھ سے وطی کروں تو مجھ پر سو رکعت نماز لازم، اور تعلیق کی صورت میں یہ بھی ضرور کہ وہ امر جس کا لازم آنا کہے اس میں مشقت ہو جیسے امثلہ مذکورہ، یا یہ کہ میرا غلام آزاد ہے، یا تجھ پر طلاق ہے، یا میرا مال خیرات ہے، یا مجھ پر قسم کا کفارہ ہو وغیر ذلک، اور وہ شرعاً تعلیق کہے سے بھی لازم آسکتا ہو جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ، اعتکاف، عمرہ، طلاق، کفارہ، وغیرہا، نہ مثل وضو و غسل وتلاوت قرآن و سجدہ تلاوت واتباعِ جنازہ وغیرہ کے یہ چیزیں نذر و تعلیق سے لازم نہیں ہو جاتیں، اور یہ قسم و تعلیق ایسے طور پر واقع ہو کہ بے کسی چیز کے لازم آئے اصلا مفر نہ رہے، ایسی صورت نہ نکل سکے کہ یہ اس

عورت سے جماع کرے اور کچھ لازم نہ آئے، جب یہ پانچوں باتیں جمع ہوں گی ایلاء ہوگا اور ایک بھی کم ہوئی تو نہیں، مثلاً نہ قسم کھائی نہ تعلیق، خالی عہد کرلیا کہ عمر بھر تیرے پاس نہ جاؤں گا یہ کچھ بھی نہیں کہ خالی عہد سے کچھ نہیں ہوتا، یا قسم تعلیق تو ذکر کی مگر مدت چار مہینے سے کم رکھی اگرچہ ایک ہی ساعت کم، یہ ایلاء نہ ہوا، جتنی مدت کی قید لگائی ہے اس کے اندر جماع کیا تو بصورت قسم خاص کفارہ اور بصورت تعلیق روزہ وغیرہ جو کچھ لازم آنا کہا تھا خواہ مثل قسم کفارہ لازم آئے گا کہ یہ حکم تو اس قسم و تعلیق کا ہے، مگر مدت بے جماع گزر گئی تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی جو خاص حکم ایلاء ہے، یونہی اگر تعلیق میں دو رکعت نماز لازم آنی کہے تو ایلاء نہیں کہ دو رکعت میں کچھ مشقت نہیں، اگر مدت کے اندر پاس گیا تو دو رکعتیں پڑھنی ہوں گی اور مدت خالی گزر گئی تو کچھ نہیں، اور اگر تعلیق میں تلاوت قرآن وغیرہ اشیائے غیر لازمہ ذکر کیں تو محض مہمل، نہ مدت گزرنے پر طلاق پڑی نہ مدت کے اندر صحبت کرنے سے کچھ لازم، اسی طرح اگر یوں کہا کہ واللہ میں اس میں تجھ سے وطی نہ کروں گا یا اس شہر میں تجھے کبھی ہاتھ لگاؤں تو مجھ پر سوج لازم، یہ بھی ایلاء نہیں کہ جب اس گھر یا شہر کی تخصیص ہے تو بغیر کچھ لازم آئے مفر موجود ہے جب چاہے اس گھر یا شہر سے باہر لے جاکر جماع کرسکتا ہے کچھ بھی لازم نہ آئے گا، بس بے جماع چار مہینے نہیں کتنی ہی مدت گزر جائے طلاق نہ ہوگی، ہاں وہ قسم یا تعلیق جھوٹی کی تو اس کا جرمانہ اسی طرح دینا ہوگا کہ قسم خاص کفارہ اور تعلیق میں اختیار ہے چاہے وہ چیز بجالائے جو لازم مانی تھی چاہے قسم کے مثل کفارہ دے لے علی ہذا القیاس جس جس صورت میں بغیر کچھ لازم آئے مفر ملتی ہو ایلا نہیں، ان سب قیود واحکام کی تصریح وتفصیل در مختار و ردالمحتار میں ہے **من شاء فلیرا جعهما** (جس کا جی چاہے ان کی طرف رجوع کرے۔ت) پھر جب ایلاء متحقق ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے کے اندر اس عورت سے جماع کیا تو بتفصیل معلوم قسم کا کفارہ یا وہی امر شاق جس کا لازم آنا کہا تھا لازم آئے گا اور چار مہینے گزر گئے کہ اس سے جماع نہ کیا یا جماع مثلاً بوجہ مرض یا حبس یا دوری مسافت کہ مدت کے اندر عورت تک نہیں پہنچ سکتا ناممکن تھا تو زبانی رجوع نہ کیا مثلاً یوں نہ کہہ لیا کہ میں نے اپنی عورت کی طرف رجوع کی یا اپنے اس کہنے سے پھر گیا یا میں نے ایلاء باطل کردیا تو اس صورت میں عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی جس سے وہ خود مختار ہو جائے گی،

فی الدر حکمه وقوع طلقة بائنة ان بر ولم یطأولزم الکفارة او الجزاء المعلق ان حنث بالقربان[1] فی رد المحتار	در میں ہے کہ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم پر قائم رہا اور وطی نہ کی تو طلاق بائنہ ہوجائے گی اور جماع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا یا اگر کسی چیز کو معلق کیا تھا تو جماع کرنے پر وہ جزاء لازم ہوگی۔ ردالمحتار میں

[1] درمختار باب الایلاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۲

قوله ولم یطأعطف تفسیر والمراد بالوطی حقیقته عند القدرۃ او مایقوم مقامه کالقول عند العجز فالمراد ولم یفئی ای لم یرجع الی ماحلف علیه[1] اھ وفی الدر عجز عجزاحقیقیا لاحکمیا کاحرام لکونه باختیارہ عن وطئها لمرض باحدهما او صغرها او جبه او عنته او بمسافة لایقدر علی قطعها فی مدۃ الایلاء او لحبسه لابحق ففیؤہ نحوقوله بلسانه فئت الیها او رجعتك او ابطلت الایلاء او رجعت عما قلت ونحوہ اھ ملخصا۔[2]	اس پر فرمایا کہ ماتن کا قول "ولم یطأ" (اور وطی نہ کی) عطف تفسیری ہے، اور وطی سے حقیقی جماع مراد ہے اگر قدرت ہو، اگر قدرت نہ ہو تو جماع کے قائم مقام مثلًا یہ کہنا کہ میں نے بیوی سے رجوع کرلیا، کہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی قسم پر قائم نہ رہے اور قسم کو پورا نہ کرے تو کفارہ لازم آئے گا اھ، اور در میں ہے "عاجز ہوجائے" سے مراد حقیقی عجز ہے حکمی عجز نہیں جیسا کہ احرام کی حالت میں ہونا عجز حکمی ہے کیونکہ یہ عجز اختیاری ہے، بیوی سے وطی کے عجز کا مطلب یہ ہے کہ خاوند یا بیوی کو مرض لاحق ہو، یا بیوی صغیرہ ہو، یا خاوند نامرد یا آلہ سے محروم ہے، یا اتنی دور مسافت ہے کہ قسم کی مدت میں اس کو طے کرنا، قدرت میں نہیں ہے، یا ناحق قید میں ہے، تو ان صورتوں میں بیوی سے رجوع زبانی کرے اور یوں کہے کہ میں نے بیوی سے رجوع کرلیا ہے یا میں نے ایلاء یعنی قسم کو باطل کردیا ہے، یا کہے میں نے قسم کھائی اس سے میں نے رجوع کرلیا ہے یا اس کی مثل الفاظ کہہ دے، اھ ملخصًا (ت)

مگر ایلاء طلاق مغلظہ نہیں کہ حلالہ کی ضرورت ہو، عدت میں خواہ بعد عدت جب چاہیں باہم نکاح کرسکتے ہیں، ہاں اس سے پہلے کبھی دو طلاقیں دے چکا تھا تو آپ ہی حلالہ درکار ہوگا کہ اب یہ تیسری مل کر تین طلاقیں ہوگئیں یہ جدا بات ہے یا اگر (مدت عـــہ) کی قید نہ تھی بلکہ مطلق یا صراحۃً موبد تھا اور چار مہینے بے رجوع گزر گئے کہ ایک طلاق بائن پڑی پھر اس سے نکاح کرلیا اور پھر چار مہینے خالی گزر گئے تو دوسری پڑے گی پھر نکاح کرلیا اور یونہی چار مہینے گزر گئے تو تین طلاقیں ہوجائیں گی اور اب بے حلالہ نکاح میں نہ لاسکے گا،

فی التنویر فی الحلف باللّٰه وجبت الکفارۃ	تنویر میں ہے: ایلاء میں، اگر اللہ کی قسم، کہ تو اس سے

عـــہ: اصل میں کرم خوردہ ہے۔

[1] ردالمحتار باب الایلاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۶

[2] درمختار باب الایلاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۳

وفی غیرہ وجب الجزاء وسقط الایلاء والابانت بواحدۃ وسقط الحلف لو مو قتا لالوکان موبدافلو نکحھا ثانیا وثالثا ومضت المدتان من وقت التزوج فان نکحھا بعد زوج اٰخرلم تطلق وان وطئھا کفر لبقاء الیمین [1]۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	رجوع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا،اور اگر کوئی شرط رکھی تھی تو وہ جزاء لازم آئے گی،اور ایلاء ساقط ہوجائیگا ورنہ قسم کو پورا کرنے پر بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہوجائیگی اور حلف مقررہ وقت کیلئے ہو تو ختم ہوجائے گا اور اگر حلف ابدی ہو تو ختم نہ ہوگا،لہٰذا دوبارہ اور سہ بارہ نکاح کرنے پر ایلاء کی مدت پورا ہونے اور رجوع نہ کرنے پر دوسری اور تیسری طلاق سے بائنہ ہوتی رہے گی اور قسم کی مدت کا اعتبار نکاح کے وقت ہوگا لہٰذا اگر بیوی حلالہ کے بعد واپس اس کے نکاح میں آئے تو طلاق نہ ہوگی تاہم وطی کرنے پر کفارہ ضرور لازم ہوگا کیونکہ قسم ابدی ہونے کی وجہ سے باقی ہے،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۷: ڈالور فرسٹ اسٹیج روڈ مکان ۱۰۱ مسئولہ ابو بکر ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے کتاب میں دیکھا ہے کوئی شخص حنفی مذہب کے موافق اپنی عورت سے کسی معاملہ میں ان بن ہوگئی اور چہار حیض تک کچھ تعلق نہ رہا تو ایک طلاق ہوگی،پھر اس پر ایک اور حیض گزرنے سے دوسری طلاق ہوگی پھر ایک اور حیض گزرنے سے تیسری طلاق ہوگی،یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ محض بے اصل ہے اس کا پتا نہ مذہب حنفی میں ہے نہ کسی مذہب میں،اصل حکم جو ہے کہ یہ شخص اپنی عورت سے قربت کی قسم کھائے،رب عزوجل نے اسے چار مہینے کی مہلت دی ہے،اگر چار مہینے کے اندر قربت کرلے گا تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی کفارہ دینا ہوگا،اور اگر چار مہینے کامل گزر جائینگے تو ایک طلاق بائن ہوجائے گی،عورت نکاح سے نکل جائے گی،پھر دوسرے یا تیسرے مہینے کوئی طلاق نہ ہوگی،

قال اللہ تعالٰی لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَۃِ اَشۡہُرٍ ۚ	اللہ تعالٰی نے فرمایا:وہ لوگ جو بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کی قسم کی مدت چار ماہ ہے

[1] درمختار باب الایلاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۳۔۲۴۲

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲۶﴾[1] وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۷﴾[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر اس دوران رجوع کرلیں تو اللہ تعالٰی بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے، اور اگر وہ (رجوع نہ کرکے) طلاق کا عزم کئے ہوں تو اللہ تعالٰی سننے والا جاننے والا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۷

بابُ الخُلع
(خلع کا بیان)

مسئلہ ۳۸: از ریاست رامپور محلّہ مردان خاں مرسلہ سید محمد نور صاحب ۶ شوال ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زوجین میں باہم نزاع وجھگڑارہتا تھااور کسی صورت سے مصالحت نہیں ہوتی تھی آخرالامر زوجین نے چند اہل محلّہ کو جمع کیا، خلاصہ یہ کہ زوجین نے اپنی علیحدگی ہونے کا تصفیہ چاہا، اہل محلّہ نے تصفیہ اس طرح پر کیا کہ جواشیائے موجودہ زوجہ کی تحت میں تھیں مثل پلنگ وصندوق وزیور وغیرہ زوجہ کو دلوادئے گئےاور زوجہ سے کل مہر بخشوادیا اور زوج نے طلاق دی اور لفظ طلاق کاایک مرتبہ یادو مرتبہ کہا، آیا یہ طلاق رجعی واقع ہوئی یا بائن؟ کتب معتمدہ حنفیّہ سے تفصیلاً وتشریحاً جواب مرحمت فرمایئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگراس تصفیہ یا باہمی مکالمات یا قرائن حالات سے واضح تھا کہ یہ طلاق اس معافی مہر کے عوض دی گئی تو طلاق بائن ہوئی،

فی فتح القدیر ثم ردالمحتار قال ابرئینی من کل حق یکون للنساء علی الرجال ففعلت فقال فی فورہ طلقتك وھی	فتح القدیر میں ہے اور پھر ردالمحتار میں کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا تو مجھے ان تمام حقوق سے بری کردے جو بھی بیوی کے لئے خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں، تو بیوی نے ایسا کردیا تو اس کے ساتھ متصل فوراً خاوند نے

مدخول بھا یقع بائنا لانہ بعوض[1] اھ وفی الذخیرۃ والخانیۃ وغیرھما وعنھما فی ردالمحتار تقع بائنۃ لانہ طلاق بعوض وھو الابراء دلالۃ[2] اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، بیوی اگر مدخولہ ہو تو یہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے اھ، اور ذخیرہ، خانیہ وغیرہما میں، اور ردالمحتار میں بھی ان دونوں سے منقول ہے کہ یہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے، اور حقوق سے بری کرنا وہ دلالۃً معاوضہ ہے، اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹: از چوبیس پرگنہ ڈاکخانہ حالی شہر مقام حاجی نگر چٹکل ڈیلی سردار مرسلہ امیر اللہ میاں ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید کی ہمشیرہ کی نابالغی کی حالت میں حسب رواج قوم بکر سے شادی ہوئی، اب وہ سن بلوغ کو پہنچی، اور وہ قرآن شریف وغیرہ بھی پڑھی ہے اور صوم وصلوٰۃ میں از بس پابند ہے، اور شرع شریف کے بھی برخلاف نہیں ہے، اور اس کا بیان یعنی بکر بالکل تبرہ اسلام ہے یعنی نہ وہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے بلکہ اس لڑکی یعنی زید کی بہن کو نماز پڑھنے وروزہ رکھنے پر نقل ومضحکہ کرتا ہے، اور وہ بکر تاڑی بھی پیتا ہے، اور لڑکی کے ورثہ اسے ان فعلوں سے بہت روکتے اور سمجھاتے ہیں لیکن وہ ایک نہیں مانتا، اور لڑکی اسی وجہ سے بہت دن سے میکے میں ہے، اور بکر کی چال چلن اب تک نہیں بدلی، اس لئے لڑکی وارث بھی بہت تنگ ہیں کہ لڑکی کو کیا کریں، کتنے دن تک بالغ لڑکی کو کنواری رکھیں، اور لڑکی بھی بکر سے بیزار ہو کر چاہتی ہے کہ میں اس سے خلع کرالوں، اور ورثہ کی بھی یہی رائے ہے۔ آیا لڑکی ایسی حالت میں خلع کراسکتی ہے یا نہیں؟ اور بکر کے ساتھ اب تک خلوتِ صحیحہ بھی ہوئی نہیں۔

الجواب:

خلع شرع میں اسے کہتے ہیں کہ شوہر برضائے خود مہر وغیرہ مال کے عوض عورت کو نکاح سے جدا کردے تنہا زوجہ کے لئے نہیں ہوسکتا، اور نابالغہ کا نکاح جو اس کے باپ نے کیا ہو عورت بالغہ ہو اس پر اعتراض کا بھی حق نہیں رکھتی، اور اگر باپ دادا کے سوا اور ولی نے کیا اور شوہر اس وقت عورت کا کفو تھا

---

[1] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر باب الخلع دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۰

[2] ردالمحتار بحوالہ الذخیرۃ والخانیہ باب الخلع دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۲

یعنی مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم نہ تھا اس سے نکاح اولیائے زن کے لئے باعثِ ننگ وعار ہو تو اس صورت میں اگرچہ عورت کو بعد بلوغ فسخ کرانے کا اختیار ملتا ہے مگر جبکہ بالغ ہوتے ہی فوراً اس سے اظہار ناراضی کرے کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں، چارہ کار یہ ہے کہ اس سے طلاق لی جائے یہ اس صورت میں کہ وہ اسلام پر قائم ہو، سائل نے نہ لکھا کہ وہ نماز روزہ پر عورت سے کیا مضحکہ کرتا ہے، اگر وہ مضحکہ نماز روزہ کی طرف راجع ہو تو وہ اسلام ہی سے نکل گیا اور عورت اس کے نکاح سے خارج ہو گئی، اور اگر واقعی اب تک خلوت نہیں ہوئی تو عدت کی بھی حاجت نہیں، ابھی جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بابُ الظّھار

(ظہار کا بیان)

مسئلہ ۴۰: از بہیڑی پنچم محرم الحرام ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت پر غصہ ہو کر زوجہ سے یہ لفظ کہے کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا میں تجھے بجائے ماں بہن کے سمجھتا ہوں اگر تجھ سے کلام کروں تو اپنی بہن سے کلام کروں۔ اس صورت میں عورت اس کے نکاح سے خارج ہو گئی یا نہیں؟ تو اس کی نسبت کیا حکم ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

پہلا لفظ کہ "میں تجھے طلاق دے دوں گا" محض نامعتبر ہے کہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا، یونہی پچھلا لفظ کہ "میں تجھ سے کلام کروں تو اپنی ماں بہن سے کلام کروں" کوئی چیز نہیں اگرچہ کلام کرنے سے ہمبستری ہی کرنا مراد لیا ہو،

فی الھندیۃ لو قال ان وطئتك وطئت امی فلا شئی علیه کذا فی غایۃ السروجی[1]۔	ہندیہ میں ہے کہ اگر خاوند نے کہا اگر میں تجھ سے وطی کروں تو اپنی ماں سے وطی کروں، تو خاوند پر کچھ لازم نہیں۔ غایۃ السروجی میں یونہی مذکور ہے (ت)

رہا بیچ کا لفظ، اس کی نسبت سائل مظہر کہ میری مراد اس کہنے سے یہ تھی کہ تجھے مثل اپنی ماں بہن کے اپنے اوپر

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظھار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۷

حرام سمجھتا ہوں طلاق دینا میری نیت میں نہ تھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو صورت ظہار کی ہے،

فی العالمگیریۃ لو قال لها انت علی مثل امی ان نوی التحریم اختلفت الروایات فیه والصحیح انه یکون ظهارا عند الکل کذا فی فتاوٰی قاضی خاں اھ[1] ملخصا، وفی ردالمحتار عن البحر منی وعندی ومعی کعلی[2] اھ اقول وانت تعلم ان سمجھتا ہوں، بلساننا یودی مؤدی عندی بلسان العرب۔	عالمگیری میں ہے: اگر خاوند نے کہا "تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے" اگر اس سے حرام کرنے کی نیت کی ہو تو اس میں روایات کا اختلاف ہے، اور صحیح روایت یہ ہے کہ یہ ظہار ہوگا سب کے نزدیک جیسا کہ فتاوٰی قاضی خان میں ہے اھ ملخصًا، اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ "اگر تو مجھ پر" کی بجائے "مجھ سے، میرے ہاں، میرے ساتھ" کے الفاظ کہے تو وہ بھی "مجھ پر" کے حکم میں ہوں گے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہماری زبان میں "سمجھتا ہوں" کا لفظ عربی زبان میں "عندی" کے قائم مقام ہے۔ (ت)

پس صورت مسئوہ کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نہ نکلی مگر اسے اس کے ساتھ صحبت کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا شہوت سے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا یا اسی طور پر اس کی شرمگاہ دیکھنا یہ سب باتیں حرام ہو گئیں اور ہمیشہ حرام رہیں گی جب تک کفارہ ادا نہ کرے،

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار یصیر به مظاهر افیحرم وطؤها علیه ودواعیه من القبلة والمس والنظر الی فرجها بشهوة اما المس بغیر شهوة فخارج بالاجماع نهر، وکذا یحرم علیها تمکینه ولایحرم النظر الی ظهرها او بطنها ولا الی الشعر	تنویر الابصار، در مختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والا قرار پائے گا، لہذا بیوی سے وطی اور وطی کے دواعی اس پر حرام ہو جائیں گے، وطی کے دواعی بوس و کنار اور شہوت سے بیوی کی شرمگاہ پر نظر ڈالنا وغیرہ ہیں لیکن بغیر شہوت چھونا اس حکم سے بالاجماع خارج ہے، نہر اور یونہی بیوی پر خاوند کو جماع کا موقعہ دینا حرام ہے، اور بیوی کی پشت، پیٹ، چھاتی اور بالوں

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۰۷

[2] ردالمحتار باب الظہار دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۵

والصدر بحرای ولو بشھوۃ بخلاف النظر الی الفرج بشھوۃ،عن محمد لوقدم من سفرله تقبیلھا للشفقۃ، حتی یکفر غایۃ لقوله فیحرم [1] اھملخصۃ۔	کو دیکھنا حرام نہیں ہے بحر یعنی اگرچہ شہوت سے ہو،اس کے برخلاف بیوی کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اگر سفر سے آئے اور بیوی کو شفقت سے بوسہ دے لے تو جائز ہے حتی یکفر(کفارہ دینے تک) یہ ماتن کے قول فیحرم (پس حرام ہے) کی غایت ہے(ت)

اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو مہینے کے روزے لگاتار رکھے،ان دنوں کے بیچ میں نہ کوئی روزہ چھوٹے نہ دن کو یارات کو کسی وقت عورت سے صحبت کرے ورنہ پھر سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے،اور جو ایسا بیمار یا اتنا بوڑھا ہے کہ روزوں کی طاقت نہیں رکھتا وہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ساٹھ مسکینوں کو گیہوں دے فی مسکین بریلی کی تول سے پونے دوسیر آٹھ آنے بھر زائد یا اس قدر کی قیمت ادا کرے،جب تک اس کفارہ سے فارغ نہ ہو ہرگز عورت کو ہاتھ نہ لگائے،

فی الدرالمختار،ھی تحریررقبۃ فان لم یجد ما یعتق،صام شھرین ولوثمانیۃ وخمسین یومًا بالھلال والافستین یوما متتابعین قبل المسیس، فان افطر بعذراو بغیرہ اووطئھا فی الشھرین مطلقا لیلا او نھارا عامدا اوناسیا استأنف الصوم، لا الا طعام فان عجز عن الصوم لمرض لایرجی برؤہ او کبر اطعم ستین مسکینا ولو حکما کالفطرۃ او قیمۃ ذٰلک، وان غداھم وعشاھم واشبعھم جازا کمالو اطعم واحداستین یوما لتجدد الحاجۃ [2] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے:کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے،اگر یہ نہ ہوسکے تو جماع سے قبل دوماہ کے روزے رکھے،اگرچہ چاند کے حساب سے یہ کل روزے اٹھاون ۵۸ بنیں،ورنہ دنوں کے حساب سے ساٹھ روزے مسلسل پورے کرے،پھر اگر درمیان میں کوئی روزہ چھوڑدیا عذر کی بناء پر خواہ بغیر عذر،یا ان دوماہ میں بیوی سے جماع کرلیا،دن یا رات میں،قصدًا یا بھول کر، جیسے بھی ہو تو پھر نئے حساب سے ساٹھ روزے رکھے،اگر طعام کی صورت میں کفارہ ادا کرے اور کھانا کھلانے کے دوران بیوی سے جماع کرلیا تو نئے سرے سے کھانا کھلانا لازم نہیں آئے گا،پھر اگر کسی ایسے مرض کی وجہ سے جس سے برات کی امید نہیں،روزہ نہ رکھ سکے،یا بڑھاپے کی وجہ سے روزے پر قدرت نہ ہو تو پھر

[1] ردالمحتار باب الظھار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۷۶۔۵۷۵
[2] درمختار باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۰۔۲۵۱

	ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اگرچہ کھلانا حکمی ہو یعنی غلہ بمقدار فطرانہ دے دے یا اس کی قیمت دے دے، اور اگر صبح وشام دو وقت کھانے سے مسکینوں کو سیر کر دیا تو یہ جائز ہو جائیگا، جس طرح ایک ہی مسکین کو ساٹھ روز صبح وشام سیر کرکے کھلادیا تو بھی جائز ہے کیونکہ ایک مسکین کو بھی روزانہ نئی حاجت ہوتی ہے اھ ملتقطا، **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۴۱: از متھرا محلّہ کیشور پورہ مرسلہ سید مدد علی صاحب رئیس ۱۹ شعبان ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید از ہندہ الفتے گیرد ودر خلوت اظہار محبت گرداند ہندہ بگوید کہ تو مرا چرا دوست پنداری کہ حمرا زوجہ خود بداری زید در جواب او مکرر وسہ کرر از ہندہ وپیش ہمچشماں خود بگوید کہ من در محبت تو حمرا زوجہ خود را بجائے مادر وہمشیرہ خود میدانم وترا دوست می انگارم وزید دیگر بار ہم عند الاستفسار در مجمع بیان کند کہ وقتے کہ ہندہ از من پرسیدہ بود من واقعی نسبت حمرا زوجہ خود اطلاق مادر وہمشیرہ کردہ ام دریں صورت حمرا در نکاح زید ماندہ است یانہ، وحکم شرع دریں مسئلہ چیست براہ نوازش مربیانہ فتوی بہ تدقیق وتحقیق ارشاد شود۔ **بینوا توجروا۔**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید ہندہ سے محبت کرتا ہے اور خلوت میں اس سے اظہار محبت کرتے ہوئے، ہندہ کے اس سوال کے جواب میں کہ، تو مجھ سے محبت کیوں کرتا ہے جبکہ حمرا تیری بیوی موجود ہے، دو بار بلکہ تین بار ہندہ اور دوسرے حاضرین کے سامنے زید نے کہا کہ میں تیری محبت میں اپنی بیوی حمرا کو اپنی ماں بہن کی جگہ سمجھتا ہوں اور تجھے پسند کرتا ہوں، اور پھر زید ایک بار مجلس میں پوچھنے پر بیان کرتا ہے کہ جب ہندہ نے مجھ سے پوچھا تھا تو واقعی میں نے حمرا کی بابت یہ بات کہی تھی کہ وہ میری ماں بہن ہے، تو کیا اس صورت میں حمرا زید کے نکاح میں باقی رہی یانہ؟ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ براہِ نوازش تحقیق وتدقیق کے ساتھ فتوی ارشاد فرمائیں **بینوا توجروا**

الجواب:

در صورت مستفسرہ زید باطلاق ہمچو کلمات فساق آثم وبزہ کارست، **قال تعالٰی مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۚ**[1] ہمخواہ بہا مادراں ایشاں	مسئولہ صورت میں زید اپنے ان کلمات کی وجہ سے فاسق، گنہگار اور جھوٹا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ (بیویاں) مائیں نہیں ہیں، مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے اور بیشک یہ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ پھر اگر زید نے ان کلمات سے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا

[1] القرآن الکریم ۲/۵۸

نیند، ہم مادراں شاں ہم آناں اند کہ ایناں رازائیدہ اند وبدرستی ہمچناں ست کہ ایشاں ہرزہ می لافند ودروغ مے بافند، باز اگر زید بایں کلمہ ارادہ طلاق حمرا داشت ودل براخراجش از قید نکاح گماشت حمرا بیک طلاق بائن مطلقہ شد اگرچہ نوبت تکلم بایں کلمہ بسہ رسید باشد طلاق مغلظ نشود لان البائن لایلحق کما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب، پس برضائے حمرا بے حاجت تحلیل حمراء رابسلک نکاح خود میتواں کشید، واگر بقصد ظہار گفت مظاہر گشت کہ حمرا ہمچناں در نکاح است اما جماع حمرا وبوسہ شہوت ودست بخواہش بہ تنش سودن ونگاہ رغبت بفرجش نمودن ہمہ ہا بروحرام شد وتن باینہا دادن برحمرا حرام، تاآنکہ زید کفارہ ظہار ادانماید، واو بندہ آزاد کردن ست کہ فائت جنسے از اجناس منفعت نیست ہیچو سمع وبصر وبیہوش وہر دودست یا ہر دو پایا یک دست وپاازیک جانب بریدہ وامثال اینہا در کفارہ بکار نیایند، واگر بندہ نیابد دوماہ پے در پے بے فصل روزے پیش از جماع آں زوجہ روزہ دارد اگر درمدت صیام باآں زن نزدیکے نمود اگرچہ شبانہ اگرچہ بسہو تاروزہاازسرگیرد واگر نہایت پیرانہ سالی یامرضے قوی بے امید بہی طاقت

اور دل میں بیوی حمرا کا نکاح سے خارج کردینے کا ارادہ کررکھا تھا تو حمرا کو ایک بائنہ طلاق ہوگئی، اگرچہ کلمات تین بار کہے ہوں ایک ہی طلاق ہوگی، تین طلاقوں سے مغلظہ نہ ہوگی، کیونکہ بائنہ کے بعد بائنہ طلاق نہیں ہوتی، جیسا کہ عام کتب میں اس کی تصریح ہے، لہٰذا زید دوبارہ حمرا سے بغیر حلالہ حمرا کی رضامندی سے نکاح کرسکتا ہے، اور اگر زید نے یہ کلمات ظہار کی نیت سے کہے ہوں تو ظہار ہوگا، لہٰذا اس صورت میں حمرا زید کے نکاح میں بدستور رہے گی لیکن حمرا سے جماع یا بوس وکنار، شہوت کے ساتھ چھونا، شہوت کے ساتھ اسکی شرمگاہ کو دیکھنا یہ تمام چیزیں زید پر حرام ہیں اور بیوی پر خاوند کو جماع کا موقعہ دینا حرام ہے تاوقتیکہ زید کفارہ ظہار ادانہ کردے، اور کفارہ ظہار یہ ہے کہ غلام ایسا آزاد کرے جو کسی عیب سے متصف نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی کوئی جسمانی منفعت ختم ہوگئی ہو مثلاً سمع، بصر، عقل وغیرہ منفعت ختم نہ ہو، لہٰذا نابینا، بہرا، مجنون، بے ہوش، دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا ایک ہی جانب کا ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا، اور اس قسم کے دیگر عیب والا غلام کفارہ کی ادائیگی میں کارآمد نہ ہوگا، اور اگر غلام نہ ملے تو پھر پے درپے مسلسل بغیر ناغہ دوماہ کے روزے اپنے بیوی کے ساتھ جماع سے قبل رکھے گا، اگر اس دوماہ کے روزوں میں بیوی سے دن یا رات کو بھول کر یا قصداً جماع کرلیا تو نئے سرے سے پھر دوماہ کے روزے مسلسل رکھنے پڑیں گے، اور اگر

اور اگر روز ہائے پیہم بروہ است شصت مسکین را طعامے ہمچو صدقہ فطر رساند یعنی بہر مسکین صاعے از جو یا نیم صاع گندم یا قیمت اینہا تملیک کند یا شصت مسکین را کہ خوراک معتاد انسان جوان خوردن توانند شام وپگاہ شکم سیر خوراند چوں ایں چنیں کند حمرا بر وحلال شود واگر مراوزید بایں کلمات مجرد حرمت حمرا بر خود بود بے قصد طلاق وظہار یعنی اوراد ر محبت تو بر خود چناں حرام میدانم تاہم ظاہر خواہد شد وہماں احکام کفارہ در کار، واگر ہیچ نیت نہ داشت ہمیں سخنے بود کہ بے قصد معنی برزبان راند آنگاہ ہیچ لازم نیاید حمرا بدستور در نکاح وجماع ودواعی جملگی مباح ہمچناں اگر کلام مذکور بایں قصد گفت کہ زن خود در بروکرامت بجائے مادر وخواہر خویش میدانم تاہم چیزے لازم نیست۔

نہایت بڑھاپے یا کسی قوی مرض جس کے ختم ہونے کی امید نہ ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت بحال ہونے کی امید بھی نہ ہو تو پھر ایسا شخص ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار کھانا دے یعنی ہر مسکین کو ایک صاع جو یا نصف صاع گندم یا ان کی قیمت کا مالک بنائے یا ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، جب یہ کام کرلے تو اس کی بیوی حمرا اس کے لئے حلال ہوجائے گی، اور اگر زید نے ان کلمات سے صرف حمرا کا حرام ہونا مراد لیا ہو، اور طلاق یا ظہار کی نیت نہ کی ہو یعنی یوں کہا تیری محبت میں اس کو میں اپنے اوپر حرام جانتا ہوں۔ تو بھی ظہار ہی ہوگا اور کفارہ لازم ہوگا، اور اگر اس نے ان کلمات سے طلاق، ظہار یا حرام ہونا کچھ مراد نہ لیا اور صرف زبان پر یہ کلمات بغیر نیت جاری ہوگئے تو پھر زید کے ذمہ کچھ نہ ہوگا، اور حمرا بدستور اس کی بیوی ہوگی اس سے جماع اور دواعی جماع سب مباح ہوں گے، اور اگر زید نے ان کلمات سے یہ نیت کی ہو کہ حمرا میرے لئے ماں اور بہن کی طرح کرامت والی ہے تو بھی کچھ لازم نہ آئے گا۔ (ت)

در تنویر الابصار ودرمختار و ردالمحتار فرمودہ اند ان نوی بانت علی مثل امی اوکامی وکذا لوحذف علی "خانیۃ" برا او ظھارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ (قال فی البحر واذا نوی بہ الطلاق کان بائنا، وقال خیر الرملی وکذا لو نوی الحرمۃ المجردۃ ینبغی ان یکون ظھارا،

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں فرمایا ہے اگر بیوی کو یوں کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے اویوں ہی اگر "علی" (مجھ پر) کا لفظ حذف کردے خانیہ۔ ان الفاظ سے اگر تعظیم زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے۔ (بحر میں فرمایا خاوند نے جب طلاق کی نیت کی تو طلاق بائنہ ہوگی۔ اور خیر الدین رملی نے فرمایا: یوں ہی اگر صرف حرام ہونے کی نیت کی تو ظہار ہوگا، اور جھگڑے

وینبغی ان لایصدق قضاء فی ارادة البر، اذاکان فی حال المشاجرة وذکر الطلاق اھ)والاینوشیأ لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة م[1] انتهت ملخصات، وفیهما یصیر به مظاهرا فیحرم وطؤها علیه ودواعیه (من القبلة والمس والنظر الٰی فرجها بشهوة اماالمس بغیر شهوة فخارج بالاجماع نهر)وکذا یحرم علیها تمکینه ولایحرم النظر(ای الٰی ظهرها وبطنها ولاالی الشعر والصدر بحر ای ولو بشهوة بخلاف النظر الی الفرج بشهوة)وعن محمد لوقدم من سفر له تقبیلها للشفقة(افادان التقبیل لایحرم الا اذا کان عن شهوة)حتی یکفر[2] انتهت تلخیصا، وفیهما الکفارة تحریر رقبة	ومذاکرہ طلاق میں اگر یہ بات کہی ہو اور خاوند کہے کہ میں نے اس سے ماں کی طرح عزت وکرامت والی مراد لی ہے، تو قاضی کو چاہئے کہ وہ اس کی تصدیق نہ کرے اھ)اور اگر یہ بات کرتے وقت کوئی نیت نہ تھی تو کلام لغو ہوگا، اور ادنی احتمال یعنی کرامت والا متعین ہوگا، عبارات کی تلخیص ختم ہوئی۔ در مختار ورد المحتار میں ہے: ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والاقرار پائے گا لہٰذا خاوند پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی یعنی بوس وکنار، شہوت سے شرمگاہ کو دیکھنا وغیرہ حرام ہوں گے، تاہم بغیر شہوت چھونا بالاجماع حرام ہونے سے خارج ہے، نہر۔ یونہی بیوی پر حرام ہے کہ وہ خاوند کو جماع کا موقعہ دے، اور ظہار میں خاوند کو بیوی کی پیٹھ، پیٹ، بال اور چھاتی کو دیکھنا حرام نہیں ہے بحر، یعنی دیکھنا اگرچہ شہوت سے ہو، اس کے برخلاف شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ اگر خاوند سفر سے واپس آئے اور ازراہِ شفقت بیوی کو بوسہ دے دے تو جائز ہے (اس سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینا صرف شہوت سے حرام ہے) یہ حرمت

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹، ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۷۶-۵۷۷

[2] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹، ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۵-۵۷۶

ولو صغیرا رضیعا او اصم ان صبیح به یسمع، والا لا، لافائت جنس المنفعة (ای البصر والسمع والنطق والبطش والسعی والعقل قهستانی، والمراد فوت منفعة بتمامها) کالاعمی ومجنون الذی لایعقل والمقطوع یداه اورجلاه اویدورجل من جانب فان لم یجد مایعتق صام شهرین متتابعین قبل المسیس فان وطئها ای المظاهر منها فیهما ای الشهرین لیلا او نهارا عامدا او ناسیا استأنف الصوم فان عجز لمرض لایرجی برؤه او کبر اطعم ای ملك ستین مسکینا کالفطرة قدر او مصرفا او قیمة ذلك وان اراد الاباحة غداهم وعشاهم جاز (ولوکان فیمن اطعمهم صبی فطیم لویجیزه لانه لایستوفی کاملا، المراد بالفطیم من لایستوفی فی الطعام المعتاد)[1] انتهت بالتلخیص۔	کفارہ کی ادائیگی تک ہوگی اھ تلخیصًا۔ درمختار وردالمحتار میں ہے کہ کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے اگرچہ غلام دودھ پینے والا بچہ یا ایسا جو بلند آواز کو سن سکے اور جو کوئی آواز نہ سن سکے تو وہ جائز نہیں اور بدنی منفعت (مثلًا دیکھنا، سننا، بولنا، پکڑنا، چلنا اور عقل سے کلیۃً محروم، جائز نہیں، قہستانی، اور بدنی منفعت فوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کلیۃً فوت ہو) جیسے نابینا، مجنون بے عقل، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں یا ایک پاؤں یا ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہو، اور اگر غلام نہ پائے تو دوماہ کے روزے پے درپے جماع سے قبل رکھے، اور اگر ظہار والے نے ان دوماہ کے دوران دن یا رات کو، بھول کر یا قصدًا جماع کرلیا تو پھر نئے سرے سے دوبارہ دوماہ کے روزے رکھے، پھر اگر وہ مظاہر کسی ختم نہ ہونے والی مرض یا نہایت بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا ملک کرے، اور یہ کھانا فطر کی مقدار ہے اور مصرف بھی صدقہ فطر والا ہوگا یا اتنی مقدار غلہ کی قیمت دے دے اور اگر کفارہ کی مقدار کو مسکینوں کی ملکیت کی بجائے دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلادے تو جائز ہے (اگر مسکینوں میں کوئی شیر خواری سے فارغ بچہ ہو تو اس کو شمار نہ کرے کیونکہ وہ پوری خوراک نہیں کھاسکتا، اور شیر خواری سے فارغ بچے سے مراد یہ ہے کہ وہ پوری عادی خوراک نہ کھاسکے) اھ، ملخصًا (ت)

[1] ردالمحتار، باب الکفارۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۹ و درمختار، باب الکفارۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۰

این ست تفصیل صورایں قول منکر زید باارادہ کہ داشت نیکو داناست وخدائے اودانا تر ازو،از خدائے ترسد وبہر ارادہ کہ ایں سخن گفتہ باشد حکمش ازیں تفصیل برآرد براں کار بند وایںہما حکم دیانت بود **فاما قضاء** درمسئلہ دائرہ صورت آخرہ راگنجائش نیست طرز کلام وسیاق وسباق وحال آں وقت ہمہ گواہ عدل ست کہ زید آن ہنگام از ارادہ بروکرامت حمرا بمراحل دور بود وضابطہ کلیہ شرع ست کہ از محتملات سخن ہرچہ خلاف ظاہر باشد زنہار قضاء پذیرا نیفتد خاصۃ کہ دراں تخفیفے باشد مرمدعی راودر نظر تحقیق سقوط ایں احتمال موجب سقوط احتمال چہارم نیز ست زیراکہ ہم از ضوابط شرع ست کہ تاتوانند کلام عاقل بالغ رامہمل نگزارند **لما فیه من الحاقه بالبهائم وقد عقد لذٰلك فی الاشباه والنظائر قاعدة مستقلة** آخر ندیدی کہ در مختار بحالت عدم نیت چوں کلام رالغو بمعنی غیر مثمر حکم کردند ہمچناں مہمل وبیمعنی نہ گزاشتند بلکہ برادنی محتملات یعنی معنی بروکرامت فرود آوردند حیث **قال والاینو شیأ لغاویتعین الادنی ای البر**[1] ایں جاچوں معنی برراباز نیست چنانکہ شنیدی لاجرم برادنی البواقی کہ ظہار وتحریم

یہ زید کے ناپسندیدہ قول کی تفصیل ہے اور وہ اپنی نیت کے متعلق بہتر جانتا ہے اور اللہ تعالٰی زیادہ بہتر جانتا ہے اس لئے نیت کے بیان میں وہ اللہ تعالٰی کا خوف کرے،اس نے جو بات کی ہے اور جس ارادہ سے کی،اس تفصیلی حکم کے مطابق اس پر عمل کرے،یہ تمام بحث دیانۃً حکم کی تفصیل ہے لیکن قضاء اس کی اس بات میں آخری احتمال یعنی ماں جیسی عزت وکرامت والی،مراد لینا جائز نہ ہوگا،اس کی گنجائش،انداز کلام اور اس کے سیاق سباق اور حال کی وجہ سے نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ تمام امور اس بات کی شہادت ہیں کہ یہاں وہ حمرا بیوی کو ماں جیسی عزت وکرامت دینے کے درپے نہیں ہے بلکہ یہ احتمال بعید تر ہے،اور شریعت کا ضابطہ کلیہ ہے کہ کلام میں وہ احتمال ساقط قرار پائیگا جو ظاہر کے خلاف ہوگا،خصوصًا جبکہ وہ احتمال قائل کے لئے تخفیف کا باعث بھی ہو،اور تحقیق نظر میں اس احتمال کا یہاں ساقط قرار پانا احتمال چہارم یعنی نیت نہ ہونے پر لغو ہونا،کو بھی ساقط کردے گا،کیونکہ یہ بھی شرعی ضابطہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عاقل بالغ کے کلام کو مہمل ہونے سے بچایا جائے،کیونکہ اس کی بات کو مہمل قرار دینا گویا اس کو حیوان قرار دینا ہے اشباہ ونظائر میں اس کے لئے مستقل قاعدہ بیان کیا گیا ہے،کیا آپ نے درمختار کو دیکھا نہیں کہ اس کلام میں کوئی بھی نیت نہ ہونے کو لغو بمعنٰی غیر ثمر آور قرار دیتے ہوئے یونہی مہمل اور بے معنی قرار نہ دیا بلکہ اس کو

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

ست تنزیل کردہ آید، وخود چہ گونہ گوارائے عقل سلیم باشد کہ زید بکرات ومرات درجواب ہندہ وبخطاب مرد ماں ایں کلام گوید وہیچ گاہ ارادہ ہیچ معنی بدل ندارد بلکہ ہمچناں بے قصد معنے در رنگ ہذیان برزبان آرد ہیچ احتمالے بعید تر ازیں احتمال می شناسی باز ہنگام استفسار سپید وآشکار اقرار مے کند کہ واقعی ہمخوابہ خود را برابر مادر خواہر نہادہ ام ونمی گوید کہ بفضولے سخنے بیمعنے بے نیت وقصدے بر دادہ ام، لاجرم قضاءً ازاں پنج صور ہمیں سہ صورت پیشین را مساغ ست پس اگر زید اعتراف بہ نیت یکے از انہا کند حکمش پیدا ست ورنہ انکارش قضاء نامسموع وحمل بر یکے ازانہا لازم فاما طلاق کہ اعلٰی وابعد ست وہیچ دلیلے براں نے از میاں رود، وظہار یا مجرد تحریم کہ حاصل ہر دو یکبست باقی ماند، واگر نیکو بنگری ملاحظہ حال عوام ہمیں معنی تحریم را متعین میکند اگر تفتیش ہمانا بینی کہ جزیں معنی ایں کلام رادر ذہن ایشاں کمتر محملے بودہ باشد۔

ادنی احتمال قرار دے کر عزت وکرامت کے معنی پر محمول کیا ______ اور یوں کہا اگر کوئی نیت نہ کی تو لغو ہو کر ادنی معنی متعین قرار پائیگا، یعنی عزت وکرامت مراد ہوگا،
جب یہاں عزت وکرامت والا معنی نہیں بن سکتا جیساکہ آپ سن چکے تو باقی پہلے تین احتمالات میں ادنی معنی مراد ہوگا، جو کہ ظہار یا تحریم ہے، زید چونکہ کئی مرتبہ ہندہ کے جواب میں اور لوگوں سے خطاب میں یہ بات کہہ چکا ہے تو عقل سلیم کیسے یہ گوارا کرلے کہ اس نے یہ بات بغیر نیت اور کوئی معنی مراد لئے بغیر بطور ہذیان زبان سے کہہ دی ہے، تو اس احتمال سے بعید اور کوئی احتمال نہیں ہوسکتا۔ پھر زید نے استفسار کرنے پر واضح طور پر اقرار کیا ہے کہ واقعی میں نے اپنی بیوی کو ماں اور بہن کے برابر قرار دیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ میں نے فضول اور بے معنی بات کی ہے، تو لازم طور پر قضاء پانچ مذکورہ صورتوں میں سے پہلی تین صورتوں کو ہی متعین کیا جائے، لہٰذا اگر زید ان تین میں سے کسی ایک کے ارادہ کرنے کا اعتراف کرے تو وہ حکم اس پر نافذ ہوجائے گا، ورنہ ان سب سے انکار قضاءً قابل قبول نہ ہوگا، بلکہ کسی ایک احتمال پر کرنا ضروری ہوگا، ان میں طلاق کا احتمال تو آخری بات ہے اور بعید ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے تو ظہار یا تحریم جن دونوں کا حاصل ایک ہی ہے باقی رہ جاتے ہیں، اور قاضی اگر بہتر سمجھے تو عوام کے حال کو ملاحظہ کرتے ہوئے تحریم والا معنی متعین قرار دے گا کیونکہ غور کرنے سے معلوم ہوجائے گا عوام اس لفظ سے تحریم سے کم معنی مراد نہیں لیتے اور کم از کم یہی مراد ہوتا ہے۔ (ت)

بالجملہ زید اگر اقرار نیت طلاق کند طلاق بود ورنہ بہر حال در چشم قاضی ظہار

حاصل کلام یہ ہے کہ، زید اگر طلاق کا اقرار کرلے تو طلاق ہے ورنہ بہر حال قاضی کی نگاہ میں

باشد ودیگر ہیچ وزن دریں کار بمشابہ قاضی است لاشتراکھما کسائر الخلق فی قصر النظر علی الظھار واللہ سبحنہ یتولی السرائر پس حمرا گر بگوشِ خود شنید یا مرد عادل وثقہ اوراخبر رسانید کہ شوہرش ایں چنیں چانہ زدہ است ناچار خویشتن رازن مظاہر داند وتن بجماع در ندہد و زید رابشہوت بوسہ چیدن ودر بر کشیدن ودست رسانیدن وشرمگاہ دیدن نگزارد نظر برفرج بے شہوت یاہر غیر فرج اگرچہ سینہ وشکم اگرچہ بشہوت باکے نیست کما مر عن ردالمحتار پس اگر زید کفارہ ندہد وحمرا راز قصد جماع ودواعی جماع معاف نہ دارد وحمراہر چوں کہ تواند خویشتن راازدست عــہ اویعنی بعوض مہر خواہ ببدل مال دیگر طلاق از دستاند اگر بیند کہ طلاق ہم نمی دہد بپائے کہ دارد از خانہ گریزد وبحاکم رجوع آرد تا اورا بالجبر بحبس وضرب بریکے از دوکار دارد فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط[1] کفارہ دہد یا طلاق وقد حرم علیہ ربہ ان یذرھا کالمعلقۃ، درردالمحتار فرمود المرأۃ کالقاضی اذا سمعتہ او اخبرھا عدل لایحل لھا تمکینہ والفتوی علی انہ لیس

ظہار ہے اور کوئی بھی خواہ بیوی ہو وہ قاضی کی موافقت کرے گا کیونکہ وہ سب عام لوگوں کی طرح ظہار ہی سمجھیں گے، اور اللہ تعالٰی ہی باطنی امور کا مالک ہے، پھر اگر حمرا نے اپنے کانوں سے سنا یا کسی عادل اور ثقہ آدمی نے اس کو اطلاع دی کہ اس کے خاوند نے یوں بات کی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ظہار کی ہوئی سمجھے اور اپنے آپ کو زید سے جماع اور شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ لگانے، بوس وکنار کرنے اور شرمگاہ کو بنظر شہوت دیکھنے سے محفوظ رکھے، لیکن بغیر شہوت شرمگاہ یا کسی عضو کو مثلاً چھاتی، پیٹ اگرچہ شہوت سے چھوئے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ردالمحتار کے حوالہ سے بیان گزرا ہے، پس اگر زید کفارہ نہ دے اور اس دوران حمرا سے جماع یا دواعی جماع کے متعلق باز نہ آئے تو پھر خود حمرا کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اس کے قبضہ سے کسی مال کے عوض خواہ مہر کے بدلے طلاق حاصل کرے اور اگر طلاق نہ دے تو پھر جس طرح ممکن ہو اس کے گھر سے جدا رہے اور حاکمِ وقت سے شکایت کرے تاکہ وہ جبراً اس کو باز رکھنے کے لئے قید کرے یا سزا دے اور دوکاموں میں سے ایک پر اس کو مجبور کرے کہ رکھنا ہو تو شریعت کے مطابق رکھے ورنہ اس کو آزاد کردے، یعنی کفارے یا

عــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲۹/۲

لها قتله ولاتقتل نفسها بل تفدی نفسها بمال او تهرب،وفی البزازیة عن الاوزجندی انها ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینة لها فالاثم علیه اھ قلت ای اذالم تقدر علی الفداء او الهرب ولاعلی منعه عنها فلاینافی ماقبله [1] اھ باختصار، دردرمختار ست للمرأة ان تطالبه بالوطی لتعلق حقها به، وعلیها ان تمنعه من الاستمتاع حتی یکفر، وعلی القاضی الزامه به بالتکفیر دفعا للضرر عنها بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق [2]. آری اگر زید خبر دہد کہ من کفارہا ادا کردم و پیشتر ازیں معروف بکذب و دروغ گوئی نبودہ باشد آنگاہ حمرارا می رسد کہ سخنش باور کردہ باا و بہم آید واز جماع وغیرہ ابانہ نماید اگر در واقع زید بہ نیت ظہار آں سخن گفتہ وہنوز کفارہ نہ دادہ بغلط اظہار نمودہ است تا گناہ بر گردن اوست حمرا از جرم یکسوست فی الدر المختار فان قال کفرت صدق مالم یعرف بالکذب [3]۔

طلاق پر مجبور کرے ان دو صورتوں کے بغیر کہ اس کو معلق چھوڑدے اللہ تعالٰی نے حرام قرار دیا ہے۔ردالمحتار میں ہے: جب عورت خود سن لے یا ثقہ عادل شخص اس کو مطلع کردے تو پھر عورت کو حلال نہیں کہ وہ خاوند کو جماع کا موقعہ دے اور اس معاملہ میں فتوٰی اس پر ہے کہ عورت کو مرد کا قتل کرنا یا خود کشی کرنا جائز نہیں، بلکہ عورت مال کے بدلے اپنے آپ کو آزاد کرائے یا اس کے گھر سے دور ہوجائے، اس معاملہ میں عورت خود فیصلہ کرنے میں قاضی کا حکم رکھتی ہے، اور بزازیہ میں اوزجندی سے منقول ہے کہ بیوی اپنے معاملہ کو قاضی کے ہاں پیش کرے، پھر عورت کے گواہ نہ ہونے کی صورت میں اگر خاوند قسم دے دے تو پھر گناہ خاوند پر ہے اھ، میں کہتا ہوں یہ جب ہے کہ عورت خود کو فدیہ دے کر یا بھاگ کر نہ بچاسکے اور نہ ہی اپنے آپ کو خاوند سے روک سکے، لہٰذا بزازیہ کا بیان پہلے کلام کے منافی نہ ہوگا اھ اختصارًا، درمختار میں ہے: عورت کو وطی کے مطالبہ کا حق ہے کیونکہ عورت کا حق وطی کے ساتھ متعلق ہے اور اس کے ساتھ عورت پر لازم ہے کہ وہ کفارہ کے بغیر خاوند کو جماع سے باز رکھے، اور قاضی پر لازم ہے کہ مرد کو کفارہ دے کر عورت کے حقوق کی ادائیگی پر مجبور کرے تاکہ عورت کا ضرر ختم ہوسکے، وہ یوں کہ قاضی اس کو قید کرکے یا سزادے کر طلاق یا کفارہ پر مجبور کرسکتا ہے، ہاں اگر زید قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے ظہار کا

[1] ردالمحتار باب الصریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳
[2] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۹
[3] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۹

	کفارہ دے دیا ہے جبکہ زید قبل ازیں دروغ گوئی اور جھوٹ بولنے میں معروف ومشہور نہیں ہے تو اس صورت میں حمرا کو جائز ہے کہ وہ زید کی بات کو تسلیم کرکے جماع وغیرہ کا موقعہ دے دے اور انکار نہ کرے اور اگر فی الواقع زید نے ظہار کی نیت سے وہ کلام کیا تھا اور ابھی تک کفارہ ادا نہ کیا ہو اور غلط بیانی کرتا ہو کہ میں نے کفارہ ادا کردیا ہے تو پھر گناہ زید پر ہوگا حمرا اس گناہ سے بری ہوگی۔ درمختار میں ہے: اگر خاوند کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی بشرطیکہ وہ اس سے قبل جھوٹ بولنے میں معروف نہ ہو۔ (ت)
فقیر گویم آں چناں کہ ایں بدترین تدبیرے است مرکسے راکہ در واقع ظہار کردہ وکفارہ ندادہ غلط اخبار ہمچناں نیکو بدترے ست مرکسے راکہ معروف بکذب نیست وسخن مذکور بے نیت طلاق وظہار و تحریم برزبانش آمد وبوجہ دلالت حالے چنانکہ ایں جاست، قضاء دعوی ارادہ بر مقبول نیفتاد کہ اگر کفارہ ندہد زن بجماع تن نہ دہد واگر راضی شود آثمہ گردد واگر ایں کس کفارہ دہد مالے بے سبب از دست مے رود یا مشقت روزہ دو ماہہ بر سرآید زیرا کہ دیانۃً بوجہ عدم موجب کفارہ بروے لازم نبودہ است پس باید کہ بسوئے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی از شناعت آں قول منکر توبہ آرد ایں توبہ کفارہ اش خواہد شد باز زن را گوید من کفارہ ادا کردم او کفارہ معلومہ ظہار پندارد ورضا بجماع دادن بر اورا روا گردد ایں ست تنقیح حکم بروجہ کافی **واللہ تعالٰی** اعلم۔	میں **فقیر** کہتا ہوں کہ یہ بہت بری تدبیر ہے کہ فی الواقع کوئی شخص ظہار کرکے کفارہ نہ دے کر غلط خبر دے اس سے زیادہ برا وہ شخص ہے جو معروف بکذب نہ ہو اور کہے کہ میں نے ظہار، طلاق اور تحریم کی نیت کے بغیر وہ کلام کی ہے دلالت حال کی بنا پر جس طرح کہ اس مسئولہ صورت میں ہے تو قاضی اس کے اس دعوی کو قبول نہ کرے گا اور اگر کفارہ نہ دیا ہو تو عورت کو لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے جماع سے دور رکھے، اور اگر وہ اس پر راضی ہوئی تو گنہگار ہوگی، اور اگر فی الواقع وہ شخص سچا ہے تو اس کفارہ میں مال دینا یا دو ماہ کے روزوں کی مشقت برداشت کرنا بے مقصد ہے کیونکہ دیانۃً اس پر کفارہ دینا واجب نہیں ہے، تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس لغو بات پر توبہ کرے اور بخشش طلب کرے یہ توبہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے تو اس کے بعد بیوی کو کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے اور بیوی اس کو کفارہ ظہار سمجھتے ہوئے جماع پر راضی ہوجائے تو جائز ہوگا، یہ اس مسئلہ کی تنقیح ہے جو کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی** اعلم (ت)

مسئلہ ۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دیندار ومشائخ باوقار اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بحالتِ غصہ میں ماں بہن کہہ دیا مگر نان نفقہ دیتا رہا عورت اس کے نکاح میں رہی یا بحکم شرع شریف جاتی رہی؟

الجواب

زوجہ کو ماں بہن کہنا (خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے، یا یوں کہے تو میری ماں بہن ہے، سخت گناہ وناجائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓىِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ[1]	جو روئیں ان کی مائیں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے اور وہ بیشک بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو، درمختار میں ہے:

الاینو شیأ او حذف الکاف لغا وتعین الادنیٰ ای البر یعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ[2]۔	اگر کوئی نیت نہ کی یا حرف تشبیہ (کاف) کو ذکر نہ کیا ہو تو یہ نیت لغو ہے اور احتمالات میں سے ادنی احتمال یعنی عزت وکرامت متعین ہوگا اور یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے یا میری بیٹی ہے یا میری بہن ہے یا اس کی مثل الفاظ، مکروہ ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ حذف الکاف بان قال انت امی ومن بعض الظن جعلہ من باب زید اسد در منتقی عن القھستانی قلت ویدل علیہ ماذکرہ عن الفتح من انہ لابد من التصریح بالاداۃ[3]۔	قولہ کاف تشبیہ کو حذف کرنا مثلاً یوں کہتا ہے تو میری ماں ہے نہ کہ جیسے بعض نے گمان کیا کہ "زید اسد" کی طرح حرف تشبیہ کو محذوف مانا جائے، اور تشبیہ ببلیغ ہے جیسا کہ درمنتقی میں قہستانی سے منقول ہے قلت میں کہتا ہوں کہ حرف تشبیہ کے بغیر ہونے پر دلیل وہ ہے جو ہم عنقریب فتح سے نقل کریں گے کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا ذکر ضروری ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

انت امی بلاتشبیہ فانہ باطل وان نوی[4]۔	حرف تشبیہ کے بغیر "تو میری ماں ہے" کہنا اگرچہ طلاق کی نیت سے کہا باطل ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/۲

[2] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

[3] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۵۷۷

[4] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۷۴

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن کے ہے تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہو گئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہو گیا اب جب تک کفارہ نہ دے لے عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بنظر شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا یا بنگاہِ شہوت اس کی شرمگاہ دیکھنا سب حرام ہو گیا، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اسکی طاقت نہ ہو تو لگاتار دو مہینہ کے روزے رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے **کما امر بہ المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی فی القراٰن العظیم** (جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا ہے۔ت) اور اگر ان میں سے کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو و مہمل ہو گا جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا۔ درمختار میں ہے:

ان نوی بانت علیّ مثل امی وکامی وکذا لوحذف "علیّ" خانیۃ، برا اوظھارا اوطلاقا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والالغا۔[1]	اگر (طلاق کی) نیت کرے گا تو بیوی بائنہ ہو جائیگی، جب یوں کہے تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا ماں کی طرح ہے، یا حرف علیّ (مجھ پر) کو حذف کرکے کہے، خانیہ۔ ان الفاظ سے کرامت زوجہ یا ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہو گی جو بھی نیت کرے وہی حکم ہو گا کیونکہ یہ کنایہ ہے اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو تو یہ بات لغو ہو گی۔ (ت)

ہندیہ میں خانیہ سے ہے:

ان نوی التحریم اختلف الروایات فیہ والصحیح انہ یکون ظھارا عند الکل[2]۔ واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اگر اس سے صرف تحریم کی نیت کی تو اس میں روایات مختلف ہیں، صحیح یہ ہے کہ سب کے نزدیک ظہار ہو گا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۳: از کلکتہ امام باغ لین نمبر ۱۴ مسجد مرسلہ حافظ عزیز الرحمان صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص طلاق کے معنی و مطالب سے آگاہ نہ ہو اور وہ بالعوض طلاق بائن کے اپنی زوجہ سے یوں کہے کہ تو ماں ہے میری، اور اس کو مطلقہ لوگوں میں مشہور کرے اور اپنے اوپر حرام سمجھے تو آیا اس شخص کی زوجہ مطلقہ ہو گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

[2] فتاوی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۷

الجواب:

عورت کو یوں کہنے سے کہ تواس شخص کی ماں بہن یا بیٹی ہے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیت طلاق کہے، ردالمحتار میں ہے:

انت امی بلاتشبیه فانه باطل وان نوی [1]۔	اگر تشبیہ کے بغیر "تو میری ماں ہے" کہا تو یہ باطل ہے اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے (ت)

لوگوں میں اسے مشہور کرنا اور اپنے اوپر حرام سمجھنا اگرانہیں لفظوں کی بناء پر تھا تو عنداللہ یہ بھی محض باطل کہ بربنائے غلط فہمی تھا، اسی طرح اگر اس کے بیان سے ظاہر تھا کہ یہ اقرار طلاق انہیں الفاظ کی بناء پر ہے تو عندالناس بھی طلاق نہ ہوئی، ہاں اگر بیان وقرائن سے یہ امر ظاہر نہ ہو تو مطلقہ مشہور کرنے سے عندالناس اس پر طلاق مانی جائے گی اپنے اقرار پر ماخوذ ہوگا۔ فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل طلق امرأته وهو صاحب برسام فلما صح قال قد طلقت امرأتی، ثم قال انی کنت اظن ان الطلاق فی تلك الحالة کان واقعا، قال مشائخنا رحمهم الله تعالٰی حین ما اقر بالطلاق ان رده الی حالة البرسام وقال قد طلقت امرأتی فی حالة البرسام فالطلاق غیر واقع وان لم یرد الی حالة البرسام فهو ماخوذ بذٰلك قضاء [2]۔	کسی نے مرض برسام کی حالت میں بیوی کو طلاق دی جب تندرست ہوا تو اس نے طلاق کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میرا گمان تھا کہ اس مرض کی وجہ سے طلاق ہو جاتی ہے، تو ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اقرار طلاق کے وقت اگر اس نے طلاق کو مرض برسام کی طرف منسوب کیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو برسام کی حالت میں طلاق دی ہے تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس وقت اس نے طلاق کو مرض برسام کی طرف منسوب نہ کیا، تو قضاءً طلاق ہو جائے گی۔ (ت)

اسی میں ہے:

صبی قال ان شربت فکل امرأة اتزوجها فهی طالق	ایک نابالغ بچے نے کہا اگر میں نوش کروں تو جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے

---

[1] ردالمحتار باب الظهار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۴

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۳

فشرب وھو صبی، فتزوج وھو بالغ وظن صھرہ ان الطلاق واقع، فقال ھذا البالغ آرے حرام است برمن قالواھذا اقرار منہ بالحرمۃ فتحرم امرأتہ وھو الصحیح لانہ ما اقربا لحرمۃ ابتداء وانما اقر بالسبب الذی تصادقا علیہ وذٰلک السبب باطل[1]، انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کے بعد اس نے نابالغی میں نوش کرلیا پھر اس نے بالغ ہونے پر نکاح کیااور اس کے سسرال نے گمان کیا کہ اس کہنے پر طلاق ہو گئی، اس پر اس لڑکے بالغ نے کہا ہاں بیوی مجھ پر حرام ہے، تو فقہاء نے فرمایا چونکہ لڑکے نے حرام ہونے کا اقرار کیا ہے لہٰذا اس کی بیوی اس پر ابتداءً حرام ہو گئی، اور بعض نے فرمایا کہ حرام نہ ہو گی، اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس نے ابتداء حرام ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ سسرال کی بات پر اس نے یہ کہا ہے، اور سسرال والوں کے کہنے کا سبب بچپن کی بات ہے جو کہ باطل ہے کیونکہ نابالغ کی طلاق نہیں ہوتی انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۴: از پیلی بھیت محلّہ اشرف خاں مرسلہ عزیز الرحمان خاں ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی ماں سے یہ بات کہی کہ تیری لڑکی تاحیات تیری، مثل اپنی بہن کے سمجھتا ہوں، تو اس میں کیا حکمِ شرع ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ان لفظوں سے اس کی مراد ظہار یا تحریم تھی یعنی تیری حیات تک اپنی زوجہ سے ظہار کرتا ہوں یا تیری حیات تک اسے حرام سمجھتا ہوں، جب تو ظہار ہو گیا یعنی نکاح بدستور باقی ہے، مگر حیاتِ خوشدامن تک بے کفارہ دئے عورت کے پاس جانا بلکہ شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا بھی حرام ہو گیا، کفارہ ایک غلام آزاد کرنا، ار اس کی قدرت نہ تو دو مہینے کے لگاتار روزے، اس کی طاقت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کے مثل اناج یا اس کی قیمت دینا یا دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا، جب تک ساس زندہ ہے بغیر کفارہ دئے عورت کو ہاتھ لگائے گا تو گنہگار ہوگا، توبہ کرے، اور پھر نزدیک نہ ہو جب تک کفارہ نہ ادا کرلے، ہاں بعد انتقال خوشدامن ظہار جاتا رہے گا، اور بے کفارہ عورت سے جماع حلال ہو جائے گا، پھر اگر ساس زندہ ہے اور یہ شخص کفارہ نہیں دیتا جس کے سبب عورت حلال ہو جائے تو منکوحہ اس پر دعوی کرسکتی ہے کہ یا تو کفارہ دے کر جماع کرے یا طلاق دے کہ عورت پر سے ضرر دفع ہو

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۳۵

فی تنویر الابصار فیحرم وطؤھا علیه ودواعیه حتی یکفر فان وطی قبله استغفر وکفر للظھار فقط ولایعود قبلھا[1] الخ وفیه الکفارۃ تحریر رقبة فان لم یجد صام شھرین متتا بعین قبل المسیس، فان عجز اطعم ستین مسکینا کالفطرۃ او قیمة ذٰلك وان غداھم و عشاھم جاز[2] اھ ملخصا، وفی الدر لو قیدہ بوقت سقط بمضیه[3] اھ فی ردالمحتار کفارۃ بحر[4] اھ وفی الدر للمرأۃ ان تطالبه بالوطی وعلی القاضی الزامه به بالتکفیر دفعا للضرر عنھا بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق[5] اھ ملخصًا۔	تنویر الابصار میں ہے: ظہار کرنے والے پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی حرام ہوجاتے ہیں تاوقتیکہ وہ کفارہ دے، اگر اس نے کفارہ سے قبل وطی کرلی تو توبہ کرکے صرف ظہار کا کفارہ دے اور پھر کفارہ سے قبل ایسا نہ کرے الخ، اور اسی میں ہے ظہار میں کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر وطی سے قبل دوماہ کے روزے مسلسل پورے کرے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے بلکہ عاجز ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے ہر مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار دے یا اسکی قیمت دے، اگر صبح وشام دو وقت کا کھانا پیٹ پھر کر کھلادے تو جائز ہے اھ ملخصًا، اور درمختار میں ہے اگر ظہار کو کسی مقررہ وقت کے ساتھ مقید کیا ہو تو اس وقت کے گزر جانے پر ظہار ختم ہوجائیگا اھ اس پر ردالمحتار میں ہے کہ اگر اس مقررہ وقت کے اندر جماع کرنا چاہے تو کفارہ دئے بغیر جائز نہیں بحر اھ اور درمختار میں ہے کہ ظہار میں بیوی کو جماع کے مطالبے کا حق ہے لہٰذا قاضی خاوند کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے تاکہ بیوی کے ضرر کا ازالہ ہوسکے یوں کہ قاضی اس کو قید کرے یا سزادے یہاں تک کہ خاوند کفارہ ادا کرے یا عورت کو طلاق دے اھ ملخصًا (ت)

ظاہر ان لفظوں سے یہی نیت تحریم و ظہار ہوتی ہے خصوصًا جبکہ ایک وقت تک اسے محدود کردیا کہ تیری حیات تک ایسا سمجھتا ہوں، اس کا حکم وہ تھا اور شاید اس نے یہ الفاظ بارادہ طلاق کہے تھے تو ظاہرًا ایک طلاق بائن ہوکر عورت نکاح سے نکل گئی کسی حد تک محدود کرکے طلاق دینا بھی طلاق دائم ہے اور وہ حد نامعتبر عـــہ

عـــہ: مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹
[2] درمختار باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۱-۲۵۰
[3] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹
[4] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۷۶
[5] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

واما"الحسبان"ففی مثل الکلام انما یرادبه التحقیق للتشبیه لانفیه عن نفس الامر کمن اراد الامتناع عن تناول شئی یقول احسبه علی کالخنزیر فانما یرید انه محرم علیه کمثله، بخلاف مااذا قیل له اطلقت امرأتك فقال عدها او احسبها مطلقة حیث لایقع وان نوی وکذااحسبی انك طالق [1] کمافی الخانیة فانه ظاہر فی نفی الطلاق فی نفس الامروالفرق بینهما لایخفی علی من عرف العرف فافهم واعلم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	"سمجھنااور خیال کرنا" اگر ایسے کلام میں ہوتواس سے تشبیہ کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور واقع سے اس کا انتفاء مراد نہیں ہوتا، جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو لینے سے انکار کرتے ہوئے کہے کہ اس کو میں اپنے لئے خنزیر سمجھتا ہوں تو اس سے اس چیز کا اس پر قطعًا حرام ہونا مراد ہوتا ہے جس طرح خنزیر حرام ہے، اس کے برخلاف طلاق کے معاملہ میں جب کوئی پوچھے کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، تو جواب میں یوں کہے "تو طلاق شمار کرلے، یا کہے تو اس کو مطلقہ خیال کرلے" تو یہاں طلاق نہ ہوگی اگرچہ وہ طلاق کی نیت سے کہے اور یوں ہی حکم ہے اگر بیوی کو کہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق والی سمجھ لے، جیسا کہ خانیہ میں مذکور ہے، کیونکہ یہاں یہ الفاظ ظاہری طور پر طلاق کے وقوع میں نفی پر دلالت کرتے ہیں اور دونوں مقاموں میں ان الفاظ کا فرق عرف کو جاننے والے پر مخفی نہیں ہے، سمجھو اور غور کرو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور اگر کچھ نیت نہ تھی یا اعزاز واکرام خواہ الفت ومحبت کی نیت تھی یعنی اپنی بہن کے برابر عزیز یا پیاری جانتا ہوں تو یہ الفاظ لغو و فضول ہیں عورت بدستور عورت اور کفارہ وغیرہ کچھ دینا نہیں مگر اگر اس وقت کی گفتگو وحالت شاہد ہو کہ یہ الفاظ اس نے بلانیت یا بہ نیت اعزاز ومحبت نہ کہے تھے تو حاکم اس دعوے کو نہ مانے گا تو عورت اسے قبول کرسکتی ہے،

فان المرأة کالقاضی کما فی الفتح وغیرہ [2]،وفی الدر المختار ان نوی بانت علی مثل امی اوکامی وکذالو حذف"علیّ" خانیة، برااوظهارااوطلاقاصحت	کیونکہ عورت اس معاملہ میں قاضی کا حکم رکھتی ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے، اور درمختار میں ہے اگر بیوی کو یوں کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے، اور یونہی اگر "علیّ" (مجھ پر) کا لفظ حذف کرکے کہا ہو، خانیہ۔ان الفاظ سے اگر

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۰

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۸

نیته ووقع مانواه لانه کنایة والاینو شیأ او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة[1] اھ وفی الھندیة عن الخانیة وان نوی التحریم اختلفت الروایات فیه والصحیح انه یکون ظھارا عند الکل[2] اھ وفی ردالمحتار عن العلامة خیر الدین الرملی وینبغی ان لایصدق قضاء فی ارادة البراذاکان فی حالة المشاجرة وذکر الطلاق[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	تعظیم زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی ہو تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے (لہٰذا اگر خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق بائنہ ہوگی) اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو یا حرف تشبیہ کو ترک کردیا ہو تو یہ کلام لغو ہوکر احتمالات میں سے ادنی احتمال یعنی عزت وکرامت متعین قرار پائے گا اھ، اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ اگر حرام کرنا مراد ہو تو اس میں روایات مختلف ہیں اور صحیح یہی ہے کہ سب کے ہاں ظہار ہوگا اھ، ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے منقول ہے: مناسب ہوگا کہ اس صورت میں کرامت وعزت والا احتمال مراد لینے کی قضاءً تصدیق نہ کی جائے جبکہ لڑائی جھگڑے اور طلاق کے مذاکرہ کے وقت یہ الفاظ کہے ہوں اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شوہر عادات زوجہ کو عادات محارم سے تشبیہ دے یا عورت اپنے اعضاء خواہ عادات کو محارم شوہر کے اعضاء وعادات سے تشبیہ دے تو ان صورتوں میں کفارہ لازم اور اس کی اداتک عورت حرام ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

تاوقتیکہ اپنی زوجہ یا اس کے ان اعضاء کو جن سے کل جسم تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً عربی میں راس، ورقبہ، وظہر، وفرج، یا اس کے ایک جزوشائع مثل نصف، وربع، وثلث کو کسی محرم ابدی سے تشبیہ نہ دے ظہار نہیں ہوتا پس تشبیہ عادات زوجہ بعادات محارم موجب حرمت وکفارہ نہیں،

فی الدرالمختار ھو تشبیه زوجته او مایعبربه عنھا من اعضائھا او تشبیه جزشائع منھا بمحرم	درمختار میں ہے کہ بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے اس کی ذات کو تعبیر کیا جاسکتا ہو یا غیر معین حصہ مثلاً نصف وغیرہ کو ابدی محرمات کے ساتھ

---

[1] درمختار باب اظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۷

[3] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۷۶

علیه تابید [1]۔	تشبیه دینے کو ظہار کہتے ہیں۔(ت)

اور عورت تو اگر اعضائے شوہر کو بھی اپنے محارم کے اعضاء سے تشبیہ دے تو شوہر اس پر حرام نہیں ہو جاتا

کمافی الدر المختار وظهارها عـــه منه لغو فلا حرمة [2] اھ۔	جیسا کہ درمختار میں ہے کہ عورت کا خاوند کو اپنے محرمات کے ساتھ تشبیہ دینا لغو کلام ہے اس سے حرمت نہ ہوگی (ت)

پس جبکہ اس کا قول خود اپنے حق میں مؤثر نہ ہوا تو حق شوہر میں کیا تاثیر کرے گا اور اپنے اعضاو عادات محارم شوہر سے تشبیہ دے گی تو کیونکہ اس پر حرام ہو جائے گی اور سبب کفارہ، ظہار ہے جب ظہار نہ پایا گیا تو کفارہ کہاں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۶: از گوڑھوا ضلع پلاموں مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب سوداگر چرم ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص اہل اسلام نے اپنے گھر میں میاں بی بی سے جھگڑا اور غصہ کی حالت میں یہاں تک بیتاب ہو گیا کہ اپنی بی بی کو ماں کہہ بیٹھا اور اس کا سینہ منہ میں رکھ لیا اور بی بی نے بھی غصہ کی حالت میں کہا کہ اگر تو مجھ کو ماں کہتا ہے تو میں بھی تجھ کو بیٹا کہتی ہوں، بعد اس جھگڑے کے جب ان دونوں کا غصہ رفع ہوا تو اپنے اس کلام اور اس فعل سے نہایت نادم و شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے مواخذہ میں ہم دونوں گنہگار ہوں، اور اسی وقت کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب علیحدہ کر لیا، اب وہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ اس بارے میں مطابق حکم خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علمائے دین کیا فتوٰی دیتے ہیں، آیا میاں بی بی ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی دریافت کیا گیا ہے کہ بی بی کا دودھ شوہر کے منہ میں نہیں آیا تو بی بی نکاح

عـــه: علی قوله محمد المصحح المفتی به قال فی العالمگیریة لاتکون المرأة مظاهرة من زوجها عند محمد رحمه الله تعالٰی والفتوی علیه وهو الصحیح کذا فی السراج الوهاج [3] مفتی اعظم	عـــه: یہ مسئلہ امام محمد کے تصحیح شدہ اور مفتی بہ قول پر ہے فتاوی ہندیہ میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک عورت اپنے شوہر سے مظاہر نہیں ہوتی، فتوی اسی پر ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ سراج وہاج میں ہے ۱۲ مفتی اعظم (ت)

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۸

[2] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

[3] فتاوی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۷

کے اندر ہے یا باہر؟ طلاق ہوا یا نہیں؟

الجواب:

صورت مذکورہ میں وہ اسے ماں اور اسے بیٹا کہنے سے دونوں گنہگار ہوئے،

قال اللہ تعالٰی وَ اِنَّھُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ بیشک لوگوں کا (بیوی کو ماں بہن کہنا) بری بات اور جھوٹ ہے (ت)

مگر نکاح میں کچھ فرق نہ آیا، اور پستان منہ میں لینا تو کوئی چیز نہیں، اگر دودھ پی بھی لیتا تو وہ پینا حرام ہوتا، مگر نکاح میں اس سے خلل نہ آتا کہ ڈھائی برس کی عمر کے بعد دودھ سے حرمت نہیں ہوتی اور دونوں کو جدا رہنے کی کوئی حاجت نہیں، وہ بدستور زوج وزوجہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۷: از درو ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

زید کی عورت نے بحالتِ غصہ زید سے کہا کہ تمہارے نزدیک میری، ایک بال زیرِ ناف کے برابر بھی قدر نہیں۔ اس پر زید نے ازراہِ تمسخر اس سے یہ کہا کہ میں تجھ کو اپنے باپ اور دادا سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ ایسی حالت میں زید پر ظہار کا حکم لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ لغو و مہمل الفاظ ہیں انہیں ظہار یا کفارے سے کوئی تعلق نہیں فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

التشبیہ بالرجل ای رجل کان لایکون ظھارا [2]۔	عورت کو کسی بھی مرد سے تشبیہ دینا ظہار نہیں ہوتا۔ (ت)

بدائع ونہر میں ہے:

من شرائط [عـــہ] الظھار کون المظاھر بہ	ظہار کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ظہار میں جس سے تشبیہ

عـــہ: لکن مافی العالمگیریہ فیہ تفصیل حیث قال لامرأتہ علی کظھر [3] الخ۔	عـــہ: لیکن عالمگیری میں اس کے متعلق تفصیل ہے جہاں انہوں نے بیان کیا کہ کوئی بیوی کو کہے تو مجھ پر پیٹھ کی طرح الخ (ت)

---

[1] القرآن ۲/۵۸

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الظھار نولکشور لکھنؤ

[3] فتاوی ہندیۃ الباب التاسع فی الظھار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۶

من جنس النساء [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	دی جائے وہ عورت کی جنس ہو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۸: از لکھنؤ امین الدولہ پارک مرسلہ محمد ابراہیم ایس اینڈ سنگر کمپنی ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے رات کے وقت اپنی زوجہ کو واسطہ صحبت کے بلایا تو بیوی کے انکار کرنے پر زید نے یہ قسم کھائی کہ اب میں تم سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے زنا کروں، بعدہ زید بہت شرمندہ ہوا اور توبہ واستغفار کیا،اس معاملہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بالفرض اگر زید نے اسی شب بعد استغفار صحبت بھی کی تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

اس نے برا کیا برا کیا، توبہ و استغفار کے سوا اور کچھ لازم اس پر نہیں، صحبت کی تو کچھ حرج نہ ہوا، نہ اس سے نکاح پر کچھ حرف آیا، **کمایظھر بمراجعۃ الفتح والدر وغیرہما** (جیساکہ فتح اور در وغیرہ کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۹: خاوند نے ماں بہن کہا، طلاق نہیں دی، یہ صورت مسئلہ ہے، لہٰذا عند الشرع کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مذکورہ میں طلاق ثابت نہیں، نہ یہ ظہار، صرف براکہا اور گناہگار ہوا، توبہ کرے وبس،

قال اللہ تعالٰی وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًاؕ ۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اور وہ بیشک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنیوالا اور بخشنے والا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۰: از شہر بریلی گڑھی مسئولہ عبدالکریم صاحب ۵ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان پر جبکہ اس کی بیوی اپنے میکہ گئی ہوئی تھی، اپنے بھائی وغیرہ کے روبرو کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو اس وقت سے ماں بہن کے برابر جانتا ہوں اس کو خبر کردو کہ وہ اپنا ٹھکانا دوسری جگہ کرلے، اور یہ بات اس وقت اس نے کہی تھی کہ جب اس کی دوسرے شخص سے لڑائی ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کو جھوٹی خبر دی تھی کہ تم کو تمہارے سسر نے پٹوایا ہے، یہ حالت سخت غصہ

[1] بدائع الصنائع فصل واما الذی یرجع الی المظاہر بہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۳۳

[2] القرآن ۲/۵۸

کی تھی، آیا اس کو اب نکاح کرنا چاہئے یا نکاح سابق جائز رہا؟

الجواب:

یہ لفظ کہ "اس کو خبر کردو کہ وہ اپنا ٹھکانا دوسری جگہ کرلے" اگر بہ نیت طلاق نہ کہے جب تو طلاق نہ ہوئی اور اس کا قسم کھا کر کہہ دینا مان لیا جائے گا کہ اس کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اگر بہ نیت طلاق کہے تو طلاق ہو گئی، نکاح جاتا رہا، نئے سرے سے اس کی مرضی سے اس سے نکاح کرسکتا ہے اگر پہلے دو طلاقیں نہ دے چکا ہو حلالہ کی حاجت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب العدّة

(عدّت کا بیان)

مسئلہ ۵۱: ۲۳رجب ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جس کی عمر اس وقت بارہ ۱۲ برس ہے کوئی علامت بلوغ کی پائی نہیں جاتی، اس حالت میں اس کو شوہر طلاق دے تو عدت بیٹھے گی یا نہیں؟ اور اس کی شادی کو عرصہ تین برس کا گزرا تھا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگراب تک شوہر سے خلوت نہ ہوئی تھی تو اصلاً عدت نہیں اسی وقت اس کا نکاح کیا جاسکتا ہے اور اگر شوہر اس کے پاس جاچکا تھا تو چار مہینے دس دن انتظار کرائیں، اگر اس مدت میں عورت کو حمل ظاہر ہو تو وضع حمل تک عدت بیٹھے، اور اگر حمل ظاہر نہ ہو تو عدت تین ہی مہینے گزشتہ گزر چکی آگے انتظار نہ کرایا جائے۔

فی ردالمحتار فی البحر عن الامام الفضلی انہا اذاکانت مراھقۃ لاتنقضی عدتہا بالاشھر، بل یوقف حالہا حتی یظھر ھل حبلت من ذلك الوطی ام لا، فان ظھر حبلہا اعتدت بالوضع والافبالاشھر قال فی	ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں امام فضلی سے منقول ہے کہ جب مطلقہ عورت مراہقہ ہو تو وہ اپنی عدت مہینوں کے حساب سے نہ گزارے بلکہ اس کی عدت کا حال اس بات پر موقوف رہے گا کیا اس کو حمل ٹھہرا ہے یا نہیں، اگر واضح ہوجائے کہ حمل ہوا ہے تو اس کی عدت وضع حمل قرار پائے گی ورنہ عدت تین ماہ

الفتح ویعتد بزمن التوقف من عدتها اھ قلت یعنی اذاظهر عدم حبلها یحکم بمضی العدة بثلاثة اشهر مضت ویکون زمن التوقف بعدها لغوا حتی لو تزوجت فیه صح عقدها وفی نفقات الفتح فی الخلاصة عدة الصغیرة ثلثة اشهر الااذاکانت مراهقة فینفق علیها مالم یظهر فراغ رحمها کذافی المحیط اھ، من غیر ذکر خلاف وهو حسن اھ کلام الفتح، لکن ینبغی الافتاء به احتیاطا قبل العقد بان لایعقد علیها الا بعدالتوقف لکن لم یذکروامدة التوقف التی یظهر بها الحمل، وذکر فی الحامدیة عن بیوع البزازیة انه یصدق فی دعوی الحبل فی روایة اذاکان من حین شرائها اربعة اشهر وعشرلااقل، وفی روایة بعد شهرین وخمسة ایام وعلیه عمل الناس اھ ومشی فی الحامدیة علی الاخیرة وفیه نظر لان المراد من مسألتنا التوقف بعد مضی ثلثة اشهر فالاولی الاخذ بالروایة الاولی فاذامضت	شمار ہوگی اور فتح میں ہے کہ توقف کا زمانہ بھی عدت میں شامل کیاجائے گااھ **قلت** (میں کہتاہوں) اگر حمل ظاہر نہ ہو تو گزشتہ تین ماہ کو عدت قرار دیا جائیگا اور ان تین ماہ کے بعد والا توقف بیکار ہوگا حتی کہ اگر اس نے تین ماہ کے بعد اور نکاح کرلیاتو وہ صحیح ہوگا اور فتح میں نفقات کی بحث میں خلاصہ سے منقول ہے کہ نابالغہ کی عدت تین ماہ ہے ہاں اگر وہ مراہقہ ہوتو پھر اس کو خاوند اس وقت تک نفقہ دیتا رہے گا جب تک رحم کا خالی ہونا واضح نہ ہوجائے، محیط میں یوں ہی مذکور ہے اھ۔اور اس میں اختلاف کو ذکر نہیں کیا،اور یہ بہتر کلام ہے، فتح کا کلام ختم ہوا، لیکن نکاح سے قبل اس پر فتوی مناسب ہے تاکہ توقف کے بغیر عدت کا فیصلہ نہ کردیا جائے، لیکن یہاں فقہاء نے توقف کی عدت کو ذکر نہیں کیا وہ کتنی مدت ہے جس سے حمل ظاہر ہوسکے، حامدیہ میں مذکور ہوا کہ بزازیہ کے مسائل بیوع میں ہے کہ اگر لونڈی خریدی ہو تو ایک روایت کے مطابق مالک کے دعوی حمل کی تصدیق تب کی جائے گی جب لونڈی کو خریدے ہوئے چار ماہ دس دن گزر چکے ہوں،اس سے کم مدت میں اس دعوی کی تصدیق نہ ہوگی،اور دوسری روایت میں ہے کہ دو ماہ پانچ دن کے بعد تصدیق ہوسکے گی جبکہ لوگوں کا عمل اسی پر ہے اھ۔اور حامدیہ نے دوسری روایت پر عمل کیاہے اور اس میں اعتراض ہے کہ ہماری بحث اس صورت میں ہے جب تین ماہ گزر جانے کے بعد توقف ہو لہٰذا پہلی

اربعة اشھروعشرولم یظھر الحبل علم ان العدة انقضت من حین مضی ثلثة اشھر[1] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	روایت پر عمل بہتر ہوگا، توجب چار ماہ دس دن گزر جائیں اور حمل ظاہر نہ ہوتو معلوم ہوگا کہ اس کی عدت گزرچکی ہے جب تین ماہ پورے ہوچکے تھے اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۲: از بنگالہ مسئولہ مولوی عبدالغفور صاحب ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ صغیرہ مطلقہ ہو یا متوفیہ الزوج مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ شرعًا اس کے لئے عدت ہے یانہیں اور حدِ صغر کہاں تک ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان کرکے اجر حاصل کرو)

الجواب:

وفات کی عدت عورت غیر حامل پر مطلقا چار مہینے دس دن ہے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اور طلاق کی عدت غیر مدخولہ پر اصلاً نہیں اگرچہ کبیرہ ہو اور مدخولہ پر یعنی جس سے خلوت واقع ہولی اگرچہ خلوت فاسد ہو یا نکاح فاسد میں حقیقةً وطی کرلی غیر حیض والی کے لئے تین مہینے ہیں خواہ صغیرہ ہو کہ ابھی حیض آیا ہی نہیں یا کبیرہ آئسہ کہ اب عمر حیض کی نہ رہی۔ درمختار میں ہے:

العدة فی حق من لم تحض لصغر بان لم تبلغ تسعا اوکبر بان بلغت سن الایاس ثلثة اشھر ان وطئت فی الکل ولو حکمًا کالخلوة ولو فاسدة والعدة للموت اربعة اوکتابیة تحت مسلم ولو عبدافلم یخرج عنھا الاالحامل[2] والخلوة فی النکاح الفاسد لاتوجب العدة[3] اھ ملتقطا۔	بچپن کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو کہ وہ ابھی نو سال سے کم عمر ہے یا بڑھاپے کی وجہ سے کہ وہ عمر رسیدہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے وہ حیض والی نہیں ہے توان کی عدت تین ماہ ہوگی جبکہ حقیقةً وطی یا حکمًا یعنی خلوت ہوچکی ہو، اگرچہ خلوتِ فاسدہ ہو، اور موت والی کی عدت مطلقًا چار ماہ دس دن ہے بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اگرچہ نابالغہ ہو یا کتابیہ مسلمان کے نکاح میں اگرچہ مسلمان غلام ہو موت کی عدت کا یہی حکم ہے اس حکم سے صرف حاملہ بیوی خارج ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے، اور فاسد نکاح میں خلوت سے عدت واجب نہیں ہوتی اھ ملتقطا(ت)

[1] ردالمحتار باب العدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۱

[2] درمختار باب العدة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۵-۲۵۶

[3] درمختار باب العدة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۵-۲۵۶

عورت کے لئے حد صغر ۹ سال کی عمر تک ہے اس سے کم عمر میں جوانی ہر گز نہیں ہوتی، اس کے بعد ۱۵ سال کی عمر تک احتمال ہے اگر آثارِ بلوغ حیض آنا یا احتلام ہونا یا حمل رہ جانا پایا جائے تو بالغہ ہے ورنہ جب ۱۵ سال کامل کی عمر ہو جائے گی جوانی کا حکم کردیں گے اگرچہ آثار کچھ ظاہر نہ ہوں **بہ قال وعلیہ الفتوی کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر** (یہی کہا اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ در وغیرہ مشہور کتب میں ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۳: از ٹھاکردوارہ ضلع مرادآباد بازار گنج مرسلہ نجیب اللہ صاحب عطار ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے اپنے گھر سے نکال دیا اور کہہ دیا کہ تجھ کو نہیں رکھتا، یہاں تک کہ اس عورت نے اپنے خاوند کے ڈرانے کی غرض سے خودکشی کا قصد کیا اور کچہری سے بجرم خودکشی تیس روپیہ جرمانہ عورت پر ہوئے، اس کے خاوند کو کچھ سروکار نہ ہوا بلکہ کچہری میں بیان کیا کہ میں نے عورت کو چھوڑ دیا مجھ سے کچھ غرض نہیں، اس روز سے وہ عورت دوسرے مرد کے پاس ہے، اس کے خاوند سے چند بار کہا گیا کہ عورت اپنی کو طلاق دے، وہ کہتا ہے میں طلاق کو نہیں جانتا میں نے عرصہ پانچ سال کا ہوا چھوڑ دیا۔ اب نکاح دوسرے آدمی کے ساتھ جس کے ساتھ وہ رہتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر واقعی کچہری میں اس نے وہ الفاظ کہے کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا" تو اسی وقت سے طلاق ہو گئی، اس وقت سے اگر تین حیض شروع ہو کر ختم ہو گئے تو دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور اگر ابھی ختم نہ ہوئے تو جب ختم ہو جائیں اس کے بعد کر سکتی ہے اور یوں جو عزیزوں کے یہاں رہتی ہے یہ حرام ہے، اور وہ جو اس نے کہا "پانچ برس سے چھوڑ چکا ہوں" اس کا اعتبار نہیں اگرچہ کچہری میں "چھوڑنے" کا لفظ پہلے کہا تھا تو جب سے عدت ہے اور اگر یہ لفظ پانچ برس سے چھوڑنے کا پہلے کہا تھا تو جب سے ہے غرض جو لفظ کہا ہو اس کے بعد تین حیض شروع ہو کر ختم ہونا درکار ہے بغیر اس کے دوسری جگہ نکاح حرام ہے، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۴: از میونڈی ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عدت بیوی کی کتنی ہے اور مطلقہ کی کتنی؟

الجواب:

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے مطلقہ ہو یا بیوہ، اور غیر حاملہ بیوہ کی عدت اگر خاوند کسی مہینے کی پہلی شب یا پہلی تاریخ میں مرا اگرچہ عصر کے وقت، چار مہینے دس دن ہیں یعنی چار ہلال اور ہو کر اس

پانچویں ہلال پر وقت وفات شوہر کے اعتبار سے دس دن کامل اور گزر جائیں اور پہلی تاریخ کے سوا اور کسی تاریخ میں مرا تو ایک سو تیس ۱۳۰ دن کامل لئے جائیں اور مطلقہ اگر حیض والی ہے تو بعد طلاق تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں اور اگر صغیرہ کہ ابھی حیض نہیں آتا یا کبیرہ کہ حیض آنے کی عمر گزر گئی تو عدت تین مہینے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: از شہر یکم ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نکاح نابالغی میں کردیا تھا چونکہ لڑکی اس لڑکے کے قابل نہ تھی لہٰذا اس نے ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں؟ لڑکی کے والدین نے اسے اپنے گھر رکھ لیا اس لڑکے نے چار بار برادروں کو جمع کرکے کہا میں طلاق دے دوں لیکن برادروں نے اسے باز رکھا، اب جبکہ اس نے دوسرا نکاح کرلیا تو برادروں نے طلاق دلوادی، تو ایسی صورت میں عدت معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اگر لڑکی قابل جماع تھی اگرچہ خاص اس مرد کے قابل نہ ہو اور خلوتِ صحیحہ ہو چکی تھی عدت لازم ہے ورنہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: مولٰنا حافظ حشمت علی صاحب لکھنوی طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی ۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دے دی بوجہ اس کی بدچلنی کے۔ ہندہ طلاق کے بعد عمرو کے پاس رہی اور ہندہ کو عمرو سے حمل رہ گیا، عمرو نے ہندہ کے ساتھ بعد گزرنے ایام عدت نکاح کرلیا اور بعد نکاح عمرو کو اس بات کا علم ہوا کہ ہندہ کو مجھ سے حمل ہے، آیا یہ نکاح جائز ہے اور یہ کہ بعد طلاق، نکاح کے واسطے عدت کا زمانہ کیا ہے؟

الجواب:

طلاق کی عدت حیض والی کے لئے تین حیض ہیں جو بعد طلاق شروع ہو کر ختم ہو جائیں، اور جسے حیض ابھی نہیں آیا یا حیض کی عمر سے گزر چکی اس کے لئے تین مہینہ اور حمل والی کے لئے وضع حمل۔ یہ احکام قرآن عظیم میں منصوص ہیں اور عمرو نے جو قبل عدت اس سے تعلق کیا اور حسب بیان سائل اس سے حمل رہ گیا تو وہ کون سے ایام عدت تھے جو اس نے گزارے، اس کی عدت تین حیض تھے، اور حاملہ کو حیض آتا نہیں، اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، اور ابھی وضع حمل ہوا نہیں، یہ نکاح فاسد ہوا، اس پر فرض ہے کہ عورت کو فوراً الگ کردے اور انتظار کیا جائے اگر یہ بچہ طلاق شوہر سے دو برس کے اندر پیدا ہو تو شوہر ہی کا ہے اور اب وہ عدت سے نکلی اس سے نکاح ہوسکتا ہے اور دو برس کے بعد پیدا ہو تو شوہر کا نہیں اب نکاح ہر حال جائز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: از موضع کیسر پور ضلع بریلی مسئولہ خدابخش انصاری ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ایک بیوہ عورت سے مقرر ہوا، جس وقت نکاح ہوا برادری کے لوگ جمع ہوئے اور ان کے روبرو عاقد نے دریافت کیا کہ اس عورت میں کوئی نقص یا جھگڑا تو نہیں ہے تو اس میں دو شخصوں نے کہا کہ کچھ نہیں بیوہ ہے آپ نکاح پڑھادیں، آخر کلام نکاح ہوگیا اب جس وقت شب کو خلوت ہوئی تو معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہے، آخر پولیس کو خبر ہوگئی تو داروغہ پولیس نے عورت سے دریافت کیا، اس نے جس کا حمل تھا اس کو نہ بتایا اور شخص کا نام لے دیا، پولیس نے اس کے سپرد کردیا، اور اہلِ برادری میں کئی شخص اس بیوہ کو جانتے تھے مگر پوشیدہ رکھا ظاہر نہ کیا، اب شرع شریف سے جس کے گھر وہ عورت ہے اس کو کیا حکم ہے اور عاقد وکیل وشاہدوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

سائل کا بیان ہے کہ شوہر کے انتقال کے ڈیڑھ برس ہوا اور حمل وہیں کا معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں جس شخص سے اس کا نکاح ہوا ہے اس پر لازم ہے کہ عورت کو اپنے سے جدا دوسرے مکان میں رکھے اور بچہ پیدا ہونے کا انتظار کرے، اگر شوہر کی وفات سے پورے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوجائے تو یہ نکاح باطل محض ہوا اور جو لوگ واقف حال شریک نکاح تھے سخت گنہ گار ہوئے، بعد بچہ پیدا ہونے کے پھر یہ شخص اس سے نکاح کرسکتا ہے، اور اگر وفاتِ شوہر کو دو برس کامل گزر جائیں اس کے بعد بچہ پیدا ہو تو یہ نکاح صحیح ہوگیا دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں، بچہ پیدا ہونے کے بعد اسے ہاتھ لگانا بھی جائز ہوجائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۸: از جلیسر ضلع ایٹہ بالائے قلعہ مسئولہ حکیم محمد احسن صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نے نکاح کیا جس کو ابتک چھ ماہ ہوئے، بعد تین ماہ کے اس کا خاوند مرگیا اور اس کو خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی اب تک اپنے ماں باپ کے یہاں ہے، مدت عدت وفات کی دو صورتیں ہیں، یا وہ بعد وفات کے حاملہ ہے یا حمل کا انتظار ہے، بہر حال اس کو حمل نہیں ہوا، نیز ایام معمولی آتے ہیں، مدت چار ماہ دس دن محض اس غرض سے تھی کہ اس عرصہ میں ظہور حمل ہوجائے گا، اس صورت میں وہ قبل از عدت وفات عقدِ ثانی کرلے یا بعد گزرنے چار ماہ دس دن کے نکاح کرے، عدت طلاق تین قروء ہیں، اگر اس کو خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی تو اس کو تین قروء کی ضرورت نہیں، بعد طلاق فورًا عقد کرسکتے ہیں، علٰی ہذا صورت مسئولہ کی شکل بھی یہی ہے، جبکہ وہ خاوند کے یہاں نہیں گئی اور خلوتِ صحیحہ نہیں نصیب ہوئی تو پھر عدتِ وفات کی کیا ضرورت ہے، بہر حال دونوں صورتیں ایک ہیں، لہٰذا جو حکم شرع

ہے وہ سر آنکھوں پر کوئی دلیل عقلی ضرور ہونی چاہئے تاکہ دونوں صورتوں میں تمیز ہوجائے کوئی مسئلہ شرعی ایسا نہیں جو کسی اصول پر مبنی نہ ہو عقل کا حکم تو یہی ہے کہ جو عورت ہمبستر نہ ہو اس پر عدت کی ضرورت نہیں پھر چار ماہ دس دن کے انتظار کی کیا ضرورت یَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ وَّعَشۡرًا[1] (وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ت) محض ظہور حمل کے لئے چار ماہ دس دن کا انتظار ہے، سو صورت ہذا میں نہ خلوت نہ حمل فتاوی عالمگیری اکثر جزئیات سے مملو ہے جو جزئی چاہو اس میں نکال سکتے ہیں شاید اس میں اس خاص جزئی کا ذکر ہو لیکن دلیل عقلی کی ازحد ضرورت ہے۔**بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

اس پر چار مہینے دس دن عدت فرض ہے اس سے پہلے نکاح بلکہ نکاح کی گفتگو بھی حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

وللموت اربعۃ اشھر و عشرا مطلقا وطئت اولا ولو صغیرۃ او کتابیۃ تحت مسلم ولو عبد افلم یخرج عنھا الا الحامل[2]۔	موت کی عدت مطلقًا چار ماہ دس دن ہے بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اگرچہ نابالغہ ہو یا کتابیہ مسلمان آزاد کے نکاح میں ہو یا مسلمان غلام کے نکاح میں، صرف حاملہ کا حکم اس سے علیحدہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے (ت)

احکام الٰہی میں چون وچرا نہیں کرتے، الاسلام گردن نہادن نہ کہ زبان بجرأت کشادن (اسلام، سر تسلیم خم کرنا ہے نہ کہ دلیری سے لب کشائی کرنا۔ت) بہت احکام الٰہیہ تعبدی ہوتے ہیں اور جو معقول المعنی ہیں ان کی حکمتیں بھی من وتو کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ صبح کو دو، مغرب کی تین، باقی کی چار چار رکعتیں کیوں ہیں، تعرف براءت رحم کے لئے ایک حیض کافی تھا تین اگر احتیاطًا رکھے گئے تو عدت وفات حیضوں سے بدل کر مہینے کیوں ہوئی اور ہوتی تو تین مہینے ہوتی جس طرح آئسہ وصغیرہ میں تین حیض کی جگہ تین مہینے قائم فرمائے ہیں ایک مہینہ دس دن اور زائد کیوں فرمائے گئے، غرض ایسے بیہودہ سوالوں کا دروازہ کھولنا علوم وبرکات کا دروازہ بند کرنا ہے، مسلمان کی شان یہ ہے:

سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا غُفۡرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۲۸۵﴾[3]۔	ہم نے سنا اور اطاعت کی، تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۴

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

صورت طلاق تعرف براءت رحم کے لیے ہے قبل خلوت براءت خود معلوم پھر عدت کیوں ہو اور عدتِ وفات میں صرف یہی مقصود نہیں بلکہ موت شوہر کا سوگ بھی۔ اور اس میں خلوت ہونے نہ ہونے کو کچھ دخل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخر ان تحد علی میت فوق ثلث لیال الاعلی زوج اربعۃ اشھر وعشرا [1]۔ رواہ البخاری ومسلم عن ام المومنین ام حبیبۃ و زینب بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ اور آخر پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ خاوند کی موت کے بغیر کسی میت پر تین دن سے زائد سوگ کرے، صرف خاوند کے موت کے لئے چار مہینے دس دن سوگ ہے۔ اس کو بخاری اور مسلم نے ام المومنین ام حبیبہ اور زینب بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۹: از قصبہ کریالی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پنجاب ڈاکخانہ سرائے اورنگ آباد مسئولہ غلام یسین صاحب ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر شیر خوارہ مسماۃ نور بانو کا نکاح ہمراہ مسمّٰی عمرو جس کی عمر پچیس سال ہے کردیا، بعد نکاح کے اس دختر شیر خوارہ کو اس کی والدہ ایک مکان میں جہاں عمرو جس کے ساتھ مسماۃ نور بانو شیر خوارہ کا نکاح ہوا تھا مع عمرو کے چھوڑ کر کہیں باہر چلی گئی اس کے بعد جب والدہ شیر خوارہ واپس آئی عمرو نے اس شیر خوارہ منکوحہ خود کو طلاق بائن دے دی، آیا خلوتِ صحیحہ ثابت ہوئی یا نہ؟ اور اس مطلقہ شیر خوارہ پر عدت لازم ہوئی یا نہ اور مستحقِ مہر ہوئی یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی، نہ عدت لازم آئی، نصف مہر دینا ہوگا، درمختار میں ہے: **لاعدۃ بخلوۃ الرتقاء** [2] (ناقابل جماع بیوی کی خلوت پر عدت نہیں ہے۔ت) جامع الرموز میں ہے:

لوطلقھا قبل الدخول او بعد الخلوۃ الفاسدۃ والفساد لعجزہ عن الوطی	اگر جماع سے پہلے یا خلوتِ فاسدہ کے بعد طلاق دی ہو اور فساد مثلاً یہ کہ خاوند وطی سے حقیقۃً عاجز ہو

[1] صحیح مسلم باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۸۶

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

حقیقة لم تجب العدة [1] اھ وانظر ما کتبنا علی رد المحتار۔	تو اس صورت میں عدت لازم نہ ہوگی اھ یہاں ردالمحتار پر میرا حاشیہ دیکھو۔(ت)

مسئلہ ۶۰: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مطلقہ عورت کی عدت تین ماہ ہو یازائد؟

الجواب:

مطلقہ اگر حاملہ ہو تو عدت وضع حمل ہے۔اور اگر نابالغہ ہو یا کبرسن کے سبب اب حیض نہیں آتا تو عدت تین ماہ ہے ورنہ تین حیض خواہ دو مہینے ہوں یامثلاً دو برس میں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱: از قصبہ میترانوالی ڈاکخانہ گلکسر ریلوے ضلع گوجرانوالہ مرسلہ میاں امیر احمد صاحب ۷ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عورت مطلقہ کو بلانکاح دو سال تک اپنے گھر میں رکھا بلکہ اس سے اولاد بھی ہوئی پھر وہ شخص فوت ہوگیا تو اس کے برادر حقیقی نے اس عورت کے ساتھ بغیر عدت گزرے نکاح کرلیا اس عورت پر عدت لازم ہے یانہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ زنا کی کوئی عدت نہیں اور بعض کہتے ہیں وہ مثل عورت خاوند کے دو سال تک رہے واسطے استبراء رحم کے عدت لازم ہے **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائیے)

الجواب:

اگر وہ دونوں ایک مکان میں مثل زن وشوہر رہتے اور باہم انبساط زوج وزوجہ رکھتے، مرد اسے بیبیوں کی طرح رکھتا، عورت اس کے پاس ازواج کی مانند رہتی تو وہ دونوں شرعاً زوج وزوجہ ہی سمجھے جائیں گے یہاں تک کہ جس نے ان کی یہ حالت دیکھی اسے قاضی شرع کے حضور زن وشوہر ہونے پر گواہی دینی حلال اگرچہ نکاح ہوتے نہ دیکھا ہو، ہدایہ میں ہے:

اذا رأی رجلا وامرأة یسکنان بیتا وینبسط کل واحد منھما الی الاٰخر انبساط الازواج وسعہ ان یشھد انھا زوجتہ [2]۔	جب کوئی شخص مرد وعورت کو ایک مکان میں رہتے ہوئے اور خاوند بیوی والی بے تکلفی کے طور پر دونوں کو رہتے ہوئے دیکھے تو ایسے شخص کو جائز ہے کہ وہ شہادت دے کہ یہ دونوں خاوند بیوی ہیں(ت)

[1] جامع الرموز فصل العدۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۵۷۸

[2] ہدایہ باب مایتحملہ الشاہد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

اپنے سامنے نکاح نہ ہونے کو نکاح نہ ہونا سمجھ لینا سخت سفاہت ہے، عدم علم، علم عدم نہیں۔ دنیا میں بے شمار زوج وزوجہ ہیں کیا ہم سب کے عقد میں حاضر تھے۔ پھر ہم کیونکر انہیں ناکح ومنکوحہ سمجھتے ہیں، شرع مطہر بد گمانی کو سخت حرام فرماتی ہے، اور جب وہ شرعاً زن وشوہر قرار دئے گئے تو بے انقضائے عدت نکاح بنصِ قطعی قرآن ناجائز وحرام۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا کہ اس عقد پر اصلاً کوئی حکم نکاح مترتب نہ ہوگا کہ معتدہ غیر سے دانستہ نکاح کرنا باطل محض ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن المجتبٰی اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا[1]۔	بحر میں مجتبٰی سے منقول ہے کہ غیر کی منکوحہ بیوی یا غیر مطلقہ عدت والی سے نکاح کے بعد دخول سے عدت لازم نہ ہوگی بشرطیکہ وہ جانتا ہو کہ یہ غیر کی منکوحہ یا معتدہ ہے کیونکہ اس نکاح کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لہٰذا یہ نکاح ہی اصلا منعقد نہ ہوا۔ (ت)

ہاں اگر صورتِ مذکورہ نہ ہو اور ان کا زانی وزانیہ ہونا متحقق ہو تو بیشک یہ نکاح صحیح ہوگیا کہ زنا کے پانی کی شرع میں کوئی حرمت نہیں نہ زانیہ پر زنا کی عدت، یہاں تک کہ جس عورت کو زنا کا حمل ہو غیر زانی کو بھی باوجود حمل اس سے نکاح جائز، البتہ ازانجا کہ حمل غیر ہے تا وضع حمل جماع ناجائز ہے، درمختار میں ہے:

صح نکاح حبلی من زنا وان حرم وطؤھا حتی تضع لئلایسقی ماءہ زرع غیرہ[2]۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح جائز ہے اگرچہ نکاح کے بعد وطی حرام ہے تاوقتیکہ بچے کی پیدائش ہو تاکہ غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرنے والا نہ بنے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۲: از شہر بریلی ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ ہوگئی، رانڈ اپنے بہنوئی کے پاس گئی اور بہن بھی موجود تھی بہنوئی نے اس کا بھی نکاح اپنے ساتھ کرلیا، اب کئی سال سے اس عورت کو نکال دیا، استعفار وغیرہ نہیں دیا، اب وہ عورت اور جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

بہن کی موجودگی میں بہنوئی سے نکاح حرام حرام سخت حرام ہوا، بہنوئی نے کہ اس کو نکالا اگر کوئی لفظ

[1] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۷

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

ایسے کہے تھے اس وقت خواہ اس کے بعد، جن سے اس کا عزم اس پر سمجھا جائے کہ اب اس عورت کو کبھی نہ رکھے گا اور ان الفاظ کے کہنے کے بعد اس عورت کو تین حیض شروع ہو کر ختم ہوگئے تو یہ اور جگہ نکاح کر سکتی ہے، اور اگر ایسے الفاظ ثابت نہ ہوں تو اب عورت کہہ دے میں نے اس نکاح کو رد کیا جو بہنوئی سے کرلیا تھا اس کے بعد حیض دیکھ کر دوسرے سے نکاح کرلے۔ درمختار میں ہے:

مبدؤھافی النکاح الفاسد بعد التفریق اواظھار العزم علی ترك وطئھا[1]۔	نکاح فاسد کی عدت کی ابتداء تفریق کے بعد یا خود خاوند کے متارکہ کے بعد ہے، متارکہ یہ کہ خاوند نے عورت سے وطی کے ترک پر اپنے عزم کا اظہار کردیا ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

ویثبت لکل واحد منھما فسخه ولو بغیر محضر من صاحبه دخل بھا اولافی الاصح[2]۔	خاوند اور بیوی دونوں کو فاسد نکاح میں فسخ کا اختیار ہے، دونوں کو یہ اختیار دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی ہے دخول کیا ہو یا نہ، اصح روایت یہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر ورجحنا فی باب المھر انھا (ای المتارکة) تکون من المرأة ایضا اھ والمقدسی تابع البحر[3] اھ۔ **اقول:** وحققنا فیما علقنا علیه ان الفساد ان کان مقارنا کما ھھنا کان لکل فسخه والمتارکة غیرہ وان کان طارئا تفرد به الزوج۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	بحر میں فرمایا ہے کہ ہم نے باب المہر میں عورت کی طرف سے متارکہ کو بھی جائز ہونے کی ترجیح ذکر کی ہے اھ اور مقدسی نے بحر کی اتباع کی ہے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) میں نے ردالمحتار کے حاشیہ میں یہ تحقیق کی ہے کہ اگر نکاح کا فساد ابتداءً نکاح سے مقارن ہو جیسے یہاں ہے تو پھر خاوند اور بیوی دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اور متارکہ کا حکم علیحدہ ہے، اور اگر نکاح کا فساد بعد میں طاری ہو تو پھر صرف خاوند کا اختیار ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۸

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[3] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۱۲

مسئلہ ۶۳: ۴ رجب مرجب ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی ایامِ عدت منقضی نہ ہوئے تھے صرف بیس پچیس دن بعد بکر نے اس سے نکاح کرلیا، چار برس بعد بکر نے بھی طلاق دی، اب شخص ثالث اس سے نکاح کیا چاہتا ہے، یہ نکاح طلاق کے چار مہینے دس دن بعد ہو یا فورًا ہوسکتا ہے کہ بکر نے قبل انقضائے عدت نکاح کرلیا تھا جو شرعًا نادرست تھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر بکر نے یہ جان بوجھ کر کہ ابھی عورت عدت میں ہے اس سے نکاح کرلیا تھا جب تو وہ نکاح نکاح ہی نہ ہوا زنا ہوا، تو اس کے لئے اصلًا عدت نہیں اگرچہ بکر نے صدہا بار عورت سے جماع کیا ہو کہ زنا کا پانی شرع میں کچھ عزت و وقعت نہیں رکھتا عورت کو اختیار ہے جب چاہے نکاح کرلے،

فی ردالمحتار عن البحر الرائق اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انہا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا ولھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لکونہ زنا کما فی القنیۃ وغیرہا۔[1]	ردالمحتار میں بحر الرائق سے منقول ہے کہ غیر کی منکوحہ بیوی یا غیر کی مطلقہ عدت والی سے نکاح کے بعد دخول سے عدت لازم نہ ہوگی بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ عورت غیر کی ہے کیونکہ اس نکاح کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لہٰذا یہ نکاح ہی اصلًا منعقد نہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ یہ معلوم ہونے پر کہ یہ غیر کی منکوحہ ہے اس کے باوجود نکاح اور دخول پر حدِ زنا لازم ہوگی کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر بکر نے انجانی میں نکاح کیا تو یہ دیکھیں گے کہ اس چار برس میں اس نے عورت سے کبھی جماع کیا ہے یا نہیں، اگر کبھی نہ کیا تو بھی عدت نہیں، بکر کے چھوڑتے ہی فورًا جس سے چاہے نکاح کرلے،

ففی البحر فی امثلۃ النکاح فسد ولم یبطل نکاح المعتدۃ[2] الخ وقیدہ الشامی بما اذالم یعلم بانہا معتدۃ لما مر عن البحر۔	بحر میں ایسے نکاح جو فاسد ہوں مگر باطل نہ ہوں کی مثالوں میں غیر کی معتدہ کا نکاح ذکر کیا ہے۔ اھ اور علامہ شامی نے اس کو غیر کی معتدہ کا علم نہ ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے جیسا کہ بحر کے حوالے سے گزرا،

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۷

[2] بحر الرائق

وفی الدر المختار فی احکام النکاح الفاسد، تجب العدۃ بعد الوطی لاالخلوۃ وقت التفریق او متارکۃ الزوج اھ ملخصًا۔[1]	اور درمختار کے احکامِ نکاح فاسد میں مذکور ہے کہ فاسد نکاح میں وطی کے بعد عدت لازم ہوگی، صرف خلوت سے لازم نہ ہوگی اور یہ عدت یا خود خاوند کی طرف سے متارکہ کے وقت سے شروع ہوگی اھ ملخصًا (ت)

اور جو ایک بار بھی جماع کرچکا ہے تو جس دن بکر نے چھوڑا اس دن سے عورت پر عدت واجب ہوئی جب تک اس کی عدت سے نہ نکلے دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی، اور عدت طلاق کی چار مہینے دس دن نہیں یہ عدت موت کی ہے، طلاق کی عدت تین حیض کامل ہیں یعنی بعد طلاق کے ایک نیا حیض آئے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، جب یہ تیسرا ختم ہوگا اس وقت عدت سے نکلے گی اور اسے جس سے چاہے نکاح کرنا روا ہوگا،

قال اللہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مطلقہ عورتیں تین حیض مکمل ہونے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ (ت)

مسئلہ ۶۴: از متھرا محلّہ مہوپورہ مرسلہ رمضان خاں ۱۳ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص کی زوجہ منکوحہ ایک عرصہ سے بوجہ کسی خاص رنجی کے بلاطلاق اپنے شوہر سے علیحدہ ہوکر اور خلافِ مرضی اس کے کہیں چلی گئی اور کسی غیر شخص سے اپنا عقد کرلیا بالفعل وہاں سے بھی نکل کر پھر شوہر اول سے عقد چاہتی ہے اور طلاق ہر دو شوہروں کی جانب سے ثابت نہیں، پس قابلِ استفسار یہ امر ہے کہ اب شوہر اول سے عقد قائم رہے گا یا عقدِ جدید کی ضرورت ہے یا اس کے سوا کوئی اور شرعی صورت ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عقد قدیم قائم ہے جدید کی کچھ حاجت نہیں، دوسرا شخص جس نے اس منکوحہ غیر سے نکاح کیا اگر آگاہ تھا کہ یہ منکوحہ غیر ہے جب تو عدت کی بھی ضرورت نہیں کہ یہ زنا تھا اور زنا کی عدت نہیں، درمختار میں ہے: لاعدۃ للزّنا[3] (زنا کی عدت نہیں ہوتی۔ت) اور اگر وہ واقف نہ تھا عورت کو خالی وحلال سمجھ کر نکاح

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

[3] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

میں لایا تواس پر فرض قطعی ہے کہ عورت کو ترک کردے وقت ترک سے عورت تین حیض کی عدت کرے اس کے بعد شوہر اول بے حاجت تجدید نکاح اس سے مترتب کرسکتا ہے، یہ اس تقدیر پر کہ شخص ثانی نے عورت سے صحبت یعنی مجامعت کرلی ہو، ورنہ حاجتِ عدت نہیں، درمختار میں ہے:

لاعدۃ لو تزوج امرأۃ الغیر ووطئھا عالما بذٰلك وفی نسخ المتن ودخل بھا ولابد منه وبه یفتی ولھذا یحد مع العلم بالحرمة لانه زنا والمزنی بھا لاتحرم علی زوجھا الخ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر کی منکوحہ سے نکاح کے بعد وطی کرنے سے عدت لازم نہ ہوگی بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ عورت غیر کی ہے اور متن کے نسخوں میں "دخل بھا" (اس نے دخول کیا ہو) کا لفظ ہے جبکہ یہ قید ضروری ہے۔ اور فتوی اسی پر دیا جائے گا۔ اس لئے علم کے باوجود اس حرام کاری پر حد لگائی جائے کیونکہ یہ زنا ہے اور زناوالی عورت اپنے خاوند پر اس وجہ سے حرام نہیں ہوتی الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۵: از موضع ٹانڈا پرگنہ بہیڑی معرفت پیارے میاں ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، ایک شخص اپنی قضا سے فوت ہوگیا اور اس کی بیوی کو حمل تھا، بعد اس کے مرجانے کے ایک مہینہ کے بعد وہ حمل ساقط ہوگیا تو اس عورت کو عدت کرنا چاہئے یا اس حمل کے گرجانے سے عدت جاتی رہی اور وہ حمل چار یا پانچ مہینہ کا تھا اہلِ شرع کیا فرماتے ہیں؟

الجواب:

سائل نے ظاہر کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بن گئے تھے تو اس کے گرجانے سے عدت تمام ہوگئی اب عدت کی حاجت نہیں،

فی ردالمحتار اذا اسقطت سقطا ان استبان بعض خلقه انقضت به العدۃ لانه ولد والافلا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے حاملہ کا حمل ساقط ہوجائے تو اگر بچے کے کچھ اعضاء کی تخلیق ظاہر ہوتی ہو تو پھر اس سے عدت ختم ہوگئی کیونکہ یہ مکمل بچہ شمار ہوتا ہے اور اگر ابھی اعضاء ظاہر نہ ہوئے ہوں تو عدت ختم نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۹

[2] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۴

مسئلہ ۶۶: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاک خانہ کمال گنج موضع پھولٹولی مرسلہ عبدالغنی صاحب　　　　۱۹ شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح صحیح کیا، قبل از دخول بعد خلوتِ صحیحہ طلاق دی، اب عدت ہندہ پر واجب ہے یانہیں؟ ایک جگہ عالمگیری سے مفہوم ہوتا ہے کہ واجب ہے،

رجل تزوج امرأۃ نکاحا جائز افطلقھا بعد الدخول او بعد الخلوۃ الصحیحۃ کان علیھا العدۃ کذافی فتاوٰی قاضی خان[1]۔	کسی نے ایک عورت سے صحیح نکاح کیا پھر دخول کے بعد طلاق دی یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی تو اس عورت پر عدت لازم ہوگی جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں ہے۔(ت)

اور دوسری جگہ عالمگیری سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگرچہ بعد خلوت صحیحہ کے ہو عدت واجب نہیں،

اربع من النساء لاعدۃ علیھن المطلقۃ قبل الدخول الخ[2]۔	چار عورتیں ہیں جن پر عدت نہیں ان میں سے ایک قبل از دخول طلاق والی ہے الخ(ت)

اور کلام مجید میں ایک جگہ یوں ہے:

اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا[3]۔	جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرکے قبل از دخول ان کو طلاق دے دو تو تمہارے حق میں ان عورتوں پر عدت نہیں۔(ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عدت واجب ہے اور عالمگیری کی دونوں عبارتوں میں تنافی نہ آیہ کریمہ عبارت اولٰی کی نافی، اصل یہی ہے کہ موجب عدۃ مس ودخول یعنی وطی ہے مگر نکاح صحیح میں مجرد خلوت اگرچہ صحیحہ ہو ایجاب عدت کے لئے قائم مقام وطی ہے، تنویر میں ہے:

الخلوۃ کالوطء فی العدۃ[4] (ملخصًا)۔	عدت کے معاملے میں خلوت کا حکم وطی والا ہے(ت)

---

[1] فتاوی ہندیہ باب العدۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۶

[2] فتاوی ہندیہ باب العدۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۶

[3] القرآن الکریم ۳۳/۴۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸-۱۹۹

ردالمحتار میں ہے:

وجوبھا من احکام الخلوۃ سواء کانت صحیحۃ ام لا ط ای اذا کانت فی نکاح صحیح اما الفاسد فتجب العدۃ بالوطء کما سیأتی۔[1]	عدت کا وجوب خلوت کے احکام میں سے ہے خلوت صحیحہ ہو یا فاسدہ ہو، طحاوی، یعنی صحیح نکاح میں یہ حکم ہے لیکن فاسد نکاح میں صرف وطی سے عدت لازم ہوتی ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔(ت)

مدارک شریف میں ہے: من

قبل ان تمسوھن والخلوۃ الصحیحۃ کالمس[2] اھ ورأیتنی کتبت علی ھامشھا الاولی ان یقول قدس سرہ والخلوۃ فی النکاح الصحیح کالمس فیقید النکاح بالصحیح ویطلق الخلوۃ لان الخلوۃ وان فسدت توجب العدۃ اذا صح النکاح، اما الفاسد فلا عدۃ فیہ الا بحقیقۃ الوطء کما فی الدر وغیرہ[3]، واللہ تعالٰی اعلم۔	قبل ازیں کہ تم ان کو مس کرو(یعنی جماع کرو)اور خلوتِ صحیحہ بھی جماع کی طرح ہے اھ اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ بہتر تھا کہ صاحب مدارک یوں کہتے اور خلوت نکاح صحیح میں جماع کی طرح ہے اس طرح نکاح کو صحیح کی قید سے مقید اور خلوت کو مطلق قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ جب نکاح صحیح ہو تو خلوت فاسدہ بھی عدت کو لازم کرتی ہے لیکن نکاح فاسد میں صرف حقیقی وطی سے ہی عدت لازم ہوتی ہے جیسا کہ در وغیرہ میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۶۷تا۷۳: از شہر کہنہ بریلی

حضور والا! مسمّی جمن کا بیان ہے کہ 'میری لڑکی نابالغ کا نکاح میرے حقیقی بھائی نے بلارضامندی میرے کردیا اور مجھ کو راضی کرکے رخصت کرادی، وہ لڑکی اپنے اس خاوند کے پس رہی اور نوبت مجامعت کی پہنچی، اس کے یہاں سے بعد کو رخصت ہو کر جس وقت کہ وہ اپنے باپ کے مکان پر آئی کہ اس کو عرصہ تین سال کا ہوا پھر کبھی نہ گئی حتی کہ نوبت نالش تک پہنچی، بالآخر اس نے اس کو فیصلہ پنچایت سے طلاق دی،

[1] ردالمحتار باب المھر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۴۱

[2] مدارک التنزیل تحت سورۃ الاحزاب دار الکتاب العربیہ ۳/ ۳۰۸

[3] حواشی مدارک اعلٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ

اب اس کا نکاح درمیان عدت طلاق کے ہوسکتا ہے یانہیں؟ [2] اور یہ نکاح اول جو نابالغی میں بلااسترضا باپ کے ہوا، جائز تھا یا نہیں؟فقط،اس قوم میں نابالغ لڑکیوں کا نکاح نابالغ لڑکوں کے ساتھ بولایت اکثر ہوتا ہے اور حالتِ بلوغ تک پہنچنے سے پہلے کسی مخالفت سے طلاق ہوجاتی ہے، [3] اس صورت میں عدت طلاق کی لازم آتی ہے یانہیں؟ [4] اور مہر کس قدر دلایا جاسکتا ہے؟ [5] بحالت خلوت صحیحہ اور مجامعت کے کیاحکم ہے؟ [6] اور بحالت طلاق اس کا کیاحکم ہے؟ [7] اگر بحالت لازم آنے عدت کے نکاح ہوجائے اور وہ اپنے خاوند سے علیحدہ رہ کر تین ماہ تمام کرے تو یہ نکاح صحیح رہے گا یا پھر نکاح کرنا چاہئے؟فقط

الجواب:

نکاح اول کہ بے اجازت پدر چچانے خود کردیا تھا اجازت پدر پر موقوف تھا، اگراس نکاح کے بعد اس نے کوئی لفظ نامنظوری اور رد کرنے کا کہا تھا تو باطل ہوگیا اور زن و شوہر میں کوئی علاقہ نہ رہا تھا، اس کے بعد جو رخصت ہوئی محض حرام ہوئی اور جو مجامعت ہوئی نری زنا ہوئی **فان الاجازۃ لاتلحق المفسوخ** (کیونکہ فسخ شدہ کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ت) طلاق کی کوئی حاجت نہیں نہ اس فراق کی عدت **اذلانکاح فلاطلاق فلاعدّۃ** (اس لئے کہ نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق اور عدت کاہے کی۔ت) جس وقت چاہے نکاح کرے اور اگر نکاح کے بعد قبل اظہار نامنظوری باپ نے کوئی لفظِ منظوری کہا یا بھائی کے اصرار سے لڑکی کو رخصت کردیا (کہ رخصت کردینا بھی صحتِ نکاح کو کافی ہے جبکہ نامنظوری نہ ظاہر کرچکا ہو) تو اب یہ نکاح صحیح ہوگیا اور یہ طلاق طلاق ہوئی اور اس کی عدت لازم ہے، عدت گزرنے سے پہلے جو نکاح کیا جائیگا باطل محض ہوگا، نابالغ لڑکا اہلِ طلاق نہیں، نہ اس کے دئے سے طلاق ہوسکتی ہے نہ اس کی طرف سے اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے، بلوغِ پسر سے پہلے جو بوجہ مخالفت طلاق دلوالیتے ہیں محض باطل ہے، نہ اس کی عدت ہے نہ اس کے بعد دوسرے سے نکاح کسی طرح حلال ہوسکتا ہے، ہاں عاقل بالغ جو طلاق دے اگر قبل خلوت صحیحہ دی نصف مہر لازم آئے گا اور بعد خلوت صحیحہ دی تو پھر پورا مہر، عدت کے اندر نکاح محض باطل ہے وہ نکاح ہی نہ ہوگا اگرچہ عدت تک اس دوسرے مرد سے جدا رہے، بعد ختم تحصیل زوجیت کے لئے دوبارہ نکاح فرض ہوگا ورنہ زنا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴:　مسئولہ مولوی عبدالرشید صاحب مدرس اول مدرسہ اکبریہ　۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی سے کہا کہ اگر تو میکے سے میرے گھر نہ آئی تو تجھ کو طلاق دے دوں گا، عورت دوبرس اپنے میکے میں رہی، پھر اس عورت نے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ثانی کرنے کا قصد کیا، شوہر نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق نہیں دی تو نکاح کیسا کرتی ہے اگر مجھ کو سو [100] روپے دے تو میں تجھے طلاق دے دوں، عورت نے سو [100] روپے

دے دئے شوہر نے طلاق دے دی، اب اس پر عدت پوری کرنا چاہئے یا نہیں ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور، اور اس کا دو برس خواہ دس برس شوہر سے جدا رہنا مسقط عدت نہیں ہو سکتا،

لاطلاق قولہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اللہ تعالٰی کا قول کہ "مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض مکمل ہونے تک روک رکھیں" مطلق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۵: ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے گھر بیمار ہے اور اس کی زوجہ اس حالتِ بیماری میں اس کے پاس ہے، زوجہ زید کی برضامندی اپنے شوہر کے اپنے گھر گئی اسی کو دوسرے روز پھر بلایا تو وہ عورت بلحاظ اس کے کہ میرا زیور وغیرہ نہ چھین لیں اور مجھ کو برانہ کہیں نہ گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ زید درحالت اصلی کہا کرتا تھا کہ میں سفر کو لے جاؤں گا اور اس کے یعنی زوجہ کے والدین اس وجہ سے باہر جانے کے مانع ہوتے تھے کہ اس عورت یعنی زوجہ زید کو حمل تھا بوجہ زید کی زوجہ کے تکلیف کی غرض سے، اب وہ زید بیمار بعد تین دن کے مرگیا اور زوجہ زید کی اپنے والدین کے یہاں ہے بس وہ عدت کہاں ختم کرے اور دیگر یہ کہ اپنے شوہر کے یہاں بغرض نقصان اپنے مال یا اپنی جان بچانے کی وجہ سے وہاں جانا ناپسند کرتی ہے کہ مجھ کو میرے زوجہ کے متعلقین مار نہ ڈالیں یا میرا اسباب چھین لیں، پس اس صورت میں کیا حکم ہے اور مہر زوجہ کا کس کے ذمہ باقی ہے، اور یہاں تک اس کے والدین کو اندیشہ ہے کہ ہم باہر چلے جائیں گے تو شاید آبرو بچے ورنہ ناممکن، اور زوجہ زید اب تک حالتِ حمل میں ہے یعنی حمل اس کو قریب چھ ماہ کا ہے، ان صورتوں میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زوجہ پر فرض ہے کہ اپنے شوہر کی خبر مرگ سنتے ہی فوراً اس کے گھر چلی جائے اور وضع حمل تک وہیں رہے اور غلط عذر درمیان میں نہ لائے، ایسا خیال بہت ناقابل قبول ہے کہ قتل کردی جائے گی، رہا مال اسے ساتھ نہ لے جائے، اپنے ساتھ اپنے اقارب سے کسی کو رکھے جس سے حفاظت متوقع ہو، ہاں اگر

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

کوئی صورت ممکن نہ ہو اور واقعی سچا اندیشہ جان کا ہے جس کا تدارک اس کے قابو میں نہیں تو نہ جانے کے لئے عذر صحیح ہے، اور اللہ تعالٰی صحیح وغلط سب کو خوب جانتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۶: از ملک موضع مہمانیہ سیری رامپور ضلع باریسال مرسلہ عبدالحمید صاحب ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

سوال اینکہ زینب نابالغہ راکہ سنش بہ نہ سال نہ رسیدہ است وتخمیناً مدت نکاحش بدوسال رسیدہ زوجش طلاق دادہ خواہر زینب رازوج زینب بعد یکروز یا دو روز نکاح کرد حالانکہ زوج زینب می گوید کہ زینب را قبل دخول طلاق دادہ پس اکنوں نکاح کردن زوج زینب خواہر زینب را پیش از گزشتن عدت طلاق زینب موجب شرع شریف درست باشد یاچہ؟ اگر نکاح مذکور زوج زینب را روا باشد پس عباراتِ درمختار وردالمحتار ودیگر کتب کہ عدت مطلقہ صغیرہ کہ سنش بہ نہ سال نہ رسیدہ است سہ ماہ است بلاقید دخول وبعد دخول آمدہ است مطالب آنہا چہ؟ **بینوا توجروا۔**	سوال یہ ہے کہ زینب نامی لڑکی جس کی عمر ابھی نو سال نہیں ہوئی اس کا نکاح اندازاً دو سال قبل ایک شخص سے ہوا تو اس کے خاوند نے اسے طلاق دے کر ایک دو دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرلیا جبکہ زینب کی عدت گزرنے سے قبل اس کی بہن سے نکاح بموجبِ شرع شریف درست ہوا یا نہیں، اگر نکاح مذکور درست ہوا ہے تو پھر درمختار وردالمحتار اور دیگر کتب کی یہ عبارت کہ نابالغہ لڑکی جس کی عمر نو سال سے کم ہو اس کی عدت تین ماہ ہے جس میں دخول کے بعد یا قبل کی کوئی قید مذکور نہیں ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ بیان کیجئے اور اجر حاصل کیجئے۔

الجواب:

اگر میان زن شوخلوت واقع شدہ بود اگرچہ خلوت فاسدہ باشد بعد ازاں شوہر بالغ آں دختر ہفت یا ہشت سالہ را طلاق داد عدت سہ ماہ واجب است ونکاح باخواہرش قبل انقضائے عدت ناجائز وحرام، اگر خلوت ہم نشدہ بود البتہ از عدت اثرے نیست واز بعد طلاقش خواہرش رابزنی تواں گرفت **قال اللہ تعالٰی فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا**[1] درکتب مذکورہ	اگر زینب اور اس کے خاوند میں خلوت صحیحہ یا فاسدہ ہوچکی ہو تو اس کے بعد طلاق دی ہوا گرچہ زینب کی عمر سات یا آٹھ سال ہو تو عدت واجب ہے اور اس کی عدت گزرنے سے قبل اس کی بہن سے نکاح ناجائز ہے۔ اور اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو پھر زینب پر کوئی عدت نہیں ہے اور اس کو طلاق دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا تمہارے حق میں دخول سے قبل مطلقہ

[1] القرآن الکریم ۳۳/۴۹

حکم عدت را مطلق نگزاشتہ اند بلکہ سابقًا ولاحقًا دو جا مقید بدخول یعنی ولو حکما کالخلوۃ ولو فاسدۃ[1] داشتہ اند، عبارت تنویر الابصار و در مختار بالتقاط واختصار این ست العدۃ سبب وجوبها النکاح والمتأکد بالتسلیم وما جری مجراہ من موت او خلوۃ، وھی فی حق حرۃ تحیض بعد الدخول حقیقۃ او حکما ثلث حیض، وفی حق من لم تحض لصغر بان لم تبلغ تسعا او کبر ثلثۃ اشھر ان وطئت فی الکل ولوحکما کالخلوۃ ولو فاسدۃ[2] (ملخصًا) در ردالمحتار ست قولہ فی الکل یعنی ان التقیید بالوطی شرط فی جمیع مامر من مسائل العدۃ بالحیض و العدۃ با لاشھر کما افادہ سابقا بقولہ راجع للجمیع[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیویوں پر عدت نہیں ہے جس کو تم شمار کرو۔ کتب مذکور میں نابالغہ کی عدت کو عام قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس سے قبل اور بعد دونوں جگہ عبارت دخول کی قید سے مقید ہے اگرچہ وہ دخول حکمی ہو جیسے خلوت خواہ فاسد ہی کیوں نہ ہو تنویر الابصار اور در مختار کی عبارت ملتقطًا اور اختصارًا یوں ہے عدت کے وجوب کا سبب نکاح جو رخصتی یا اس کے قائم مقام موت یا خلوت سے پختہ ہوتا ہے اور وہ عدت آزاد حیض والی عورت کے لئے اس سے دخول حقیقی یا حکمی کے بعد ہو تو تین حیض ہے، اور جو عورت حیض والی نہ ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے، یہ تمام بیان مدخولہ عورتوں کے لئے ہے اگرچہ دخول حکمی ہو، جیسے خلوت اگرچہ فاسدہ ہو (ملخصًا) اور ردالمحتار میں اس پر یوں ہے ماتن کا قول "فی الکل" یعنی وطی شرط ہے تمام مذکورہ مسائل عدت میں خواہ حیض والی کی عدت ہو یا مہینوں والوں کی، جیسا کہ ماتن اس کو پہلے بیان کرچکے ہیں اس قول کے ساتھ کہ "یہ سب کو شامل ہے" (یعنی عدت بالحیض وعدت بالاشہر دونوں کو شامل ہے)۔ (ت)

مسئلہ ۷۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دی اب

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۶

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۶-۲۵۵

[3] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۲

تاوقتیکہ عدت پوری کرے، نان نفقہ آیا زید کے ذمہ ہے یا وارث ہندہ کے؟ اور وہ مکان جس میں ہندہ اپنی عدت پوری کرے زید پر لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تمام عدت تک نان نفقہ زید کے ذمہ ہے اور زید ہی کے مکان میں عدت پوری کرے جبکہ قبل از طلاق وہی مکان اس کے رہنے کا تھا اگرچہ علاج کے لئے چند ماہ پیشتر اپنے باپ کے یہاں چلی آئی تھی **کما قال لی السائل بلسانہ** (جیسا کہ سائل نے خود اپنی زبان سے مجھے بیان کیا ہے۔ت) اور یہ طلاق کہ بطریق خلع واقع ہوئی تھی **کما بین ایضا** (جیسا کہ اس نے یہ بھی کہا۔ت) بائنہ تھی تو زید پر لازم ہے کہ عدت پوری ہونے تک اپنے ہی مکان میں اسے جگہ دے اور بوجہ زوال نکاح اس سے پردہ کرے، اور اگر زید ظلماً اپنے گھر میں نہ رہنے دے تو کوئی اور مکان بتائے جس میں وہ عدت پوری کرے اور اگر وہ مکان کرایہ کا ہو تو اختتامِ عدت تک کرایہ زید کے ذمہ ہے، اور جب زید اپنے مکان میں رہنے دے یا دوسرا مکان اس کے لئے بتائے تو ہندہ پر لازم ہے کہ فوراً اس مکان میں چلی جائے اور ختم عدت تک ہر گز اس سے باہر نہ آئے،

فی الخانیة المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنی کان الطلاق رجعیا او بائنا او ثلثا[1] الخ. وفی الدر المختار طلقت او مات وھی زائرة فی غیر مسکنھا عادت الیه فورا لوجوبه علیھا وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه(ھوما یضاف الیھما بالسکنی قبل الفرقة الخ شامی) ولایخرجان منه الا ان تخرج(وشمل اخراج الزوج ظلما الخ شامی فتخرج لاقرب موضع الیه وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج(وحکم ماانتقلت الیه حکم المسکن الاصلی فلاتخرج	خانیہ میں ہے کہ طلاق کی عدت والی نفقہ اور سکنٰی کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی یا بائنہ یا تین طلاقوں والی ہو الخ اور در مختار میں ہے عورت جب گھر سے باہر کسی کو ملنے گئی ہو اور اس دوران اس کو طلاق ہو جائے یا خاوند فوت ہو جائے تو فوراً گھر واپس آجائے کہ یہ اس پر واجب ہے، اور دونوں یعنی طلاق اور موت کی وجہ سے عدت والی عورتیں اس گھر میں عدت بسر کریں جس گھر میں عدت واجب ہوئی ہے (یہ وہ گھر ہے جو فرقت سے قبل ان کی رہائش کے لئے منسوب ہے الخ شامی) اور وہ اس گھر سے منتقل نہ ہوں الّا یہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے (اس میں خاوند کا ظلماً نکالنا بھی شامل ہے الخ شامی) موت کی عدت والی کو

[1] فتاوی قاضی خاں فصل فی نفقة العدة نولکشور لکھنؤ ۱/۲۰۰

منہ شامی [1] اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مجبورًا نکلنا پڑے تو قریب ترین مکان میں منتقل ہوجائے اور طلاق کی عدت والی خاوند جس مکان میں چاہے وہاں منتقل ہوجائے (اور جب دوسرے مکان میں منتقل ہو تو پھر وہی اصل مسکن کے حکم میں ہوگا لہٰذا عورت وہاں سے نہ نکلے الخ شامی) ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۸: ۲۷ رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی ایک جلسہ میں تین مرتبہ سامنے دو شخص نمازیوں کے، اور وہ عورت حاملہ بھی تھی، اب زید اپنے گھر سے اس کو نکال دے یا نہیں، یا اپنے گھر میں اس کو رکھے اور کھانے کو اس کو دے اور کب تک اس کو کھانے کو دے، اور زید نے تکرار زن وشوہر کے سبب سے طلاق دی تھی، اب دونوں رضامند ہیں، اب زید چاہتا ہے کہ پھر گھر میں رکھے، اب سائل کا سوال علمائے دین سے یہ ہے کہ از روئے قرآن وحدیث کیا حکم ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور امام ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک شرع شریف سے کیا حکم ہے؟

الجواب:

تین طلاقیں ہوگئیں، چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے، اب وہ بغیر حلالے اس سے نکاح نہیں کرسکتا، یہی حکم قرآن وحدیث کا ہے وہ عدت تک یعنی بچہ ہونے تک گھر میں رہے گی اور روٹی کپڑا زید کو دینا ہوگا مگر بالکل غیر واجنبی عورت کی طرح رہے اس سے پردہ کرے،

قال اللہ تعالٰی اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰى یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ج [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: عدت والی عورتوں کو وہاں رہائش دو جہاں تم خود رہائش رکھتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق، اور ان کو تنگی دے کر ضرر مت پہنچاؤ، پھر اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو خرچہ دوتاوقتیکہ وہ بچے کو جنم دیں۔ (ت)

صورت حمل میں یہی مذہب چاروں ائمہ کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار فصل فی الحداد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۲۱، درمختار فصل فی الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۰

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۶

مسئلہ ۷۹: از محلّہ مرداد مرسلہ حضرت مولانا سلیمان اشرف صاحب (سابق پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ۲۶ شوال ۱۳۱۸ھ

عالم اہلسنت فاضل بریلوی متع اللہ المسلمین بطول بقائکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زید نے اپنی بی بی کو طلاق بائن دی اور بعد ایک مہینہ کے مرگیا، اب اس کی بی بی کتنی مدت بعد عقد ثانی کرے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مطلقہ اگر حاملہ تھی تو عدت حمل ہے مطلقاً، اور اگر حمل نہ تھا تو طلاق مذکور اگر شوہر نے اپنی صحت میں دی یا برضائے زوجہ مرض الموت میں دی تو عدت تین حیض ہے، موت شوہر سے نہ بدلے گی، اور اگر طلاق بائن مرض الموت میں بے رضائے زن دی تو تین حیض، اور چار مہینے دس دن سے جو مدت درازتر ہے وہ عدت ہے یعنی چار ماہ ودہ روز بعد موت گزرنے سے پہلے طلاق کے بعد تین حیض کامل ختم ہوجائیں تو بعد مرگ چار ماہ دس یوم انتظار کرے، اور اگر مرگ شوہر پر چار مہینے دس دن ہوگئے اور ہنوز بعد طلاق تین حیض کامل نہ ہوئے تو تین ۳ حیض کامل ہونے تک منتظر رہے،

فی ردالمحتار ابانها فی مرضه بغیر رضاها بحیث صار فارا و مات فی عدتها فعدتها ابعد الاجلین، ولو ابانها برضاها بحیث لم یصر فارا، تعتد عدة الطلاق فقط، ولو طلقها بائنا فی صحته ثم مات لاتنتقل عدتها اتفاقا اھ[1] ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے خاوند نے اپنی مرض الموت میں بیوی کی مرضی کے بغیر طلاق دے دی عورت کے وارث بننے سے فرار اختیار کرتے ہوئے پھر وہ خاوند مطلقہ بیوی کی عدت میں فوت ہوجائے تو ایسی صورت میں عورت کی عدت، موت یا طلاق کی عدت میں سے جو بھی طویل ہو وہی قرار پائے گی۔ اور اگر مرض موت میں عورت کی رضامندی سے طلاق دی ہو کہ اس سے وہ عورت کے وارث ہونے سے فرار اختیار کرنے والا نہ ہوگا تو ایسی صورت میں عورت کی فقط طلاق والی عدت ہوگی، اور اگر خاوند نے اپنی صحت میں طلاق بائنہ دی ہو پھر بیوی کی عدت کے دوران خاوند فوت ہوجائے تو اس صورت میں بالاتفاق طلاق والی عدت ہوگی اور موت کی وجہ سے عدت تبدیل نہ ہوگی اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۵

مسئلہ ۸۰: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ والدین ہندہ سنی المذہب نے ہندہ سنی المذہب کانکاح زید شیعہ مذہب سے (جو پورا پورا عقائد مجتہدین حال لکھنؤ کا پیرو تھا جناب مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو سوائے سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تمام انبیائے سلف سے افضل جانتا اور قرآن مجید کو ناقص اور محرف مانتا) بوجہ کفو وبرادری کے کردیا، زید قبل از عقد مرض الموت مریض تھا بعد عقد اور اشتداد ہوا کہ روز وشب میں گاہ گاہ لمحہ بھر کو ہوش آتا اس باعث سے خلوت صحیحہ نہ ہوسکی صرف اتنا ہوا کہ ہندہ کی چچی ہندہ کو بوقت شام زید کے پاس لے گئی اس کے قریب جو چوکی بچھی تھی اس پر بٹھادیا، زید کو اس وقت اتنا ہوش آیا تھا کہ اس نے ہندہ کے منہ پر سے ہاتھ اٹھانے کا قصد کیا مگر ہاتھ لگاتے ہی کثرت ضعف وبیہوشی سے زید کا ہاتھ گر پڑا، یہ حال دیکھ کر اس کی چچی کہ کچھ دور علیحدہ کھڑی دیکھی رہی تھی آئی اور ہندہ کو اٹھالے گئی، اس کے بعد کبھی نوبت ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی نہ آئی کہ زید سات آٹھ روز میں مرگیا، والدین نے ہندہ کا نکاح بکر سنی المذہب کے ساتھ نیز کفو وبرادری تھا چار مہینے دس دن گزرنے سے پہلے کردیا، ۱۵ ذی الحجہ کو زید سے نکاح ہوا تھا ۲۱ ذی الحجہ کو زید مرگیا، ۱۷ ربیع الثانی کو ہندہ کا نکاح بکر سے ہوا، عدت میں ۱۴ روز کم تھے، اب ہندہ صاحب اولاد ہے، بعض لوگ اولاد ہندہ کی صحت نسب پر معترض ہیں کہ بکر نے یہ نکاح عدت کے اندر ہی کرلیا، اس صورت میں بعد نظر عمیق ان مراتب کا جواب عنایت ہو کہ زید وہندہ کا عقد صحیح ہوا تھا یا نہیں؟ ہندہ پر بوجہ عدمِ صحت نکاح یا عدمِ وقوع خلوت صحیحہ کے بعد مرگ زید عدت موت واجب تھی یا نہیں؟ عقد ثانی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوئی اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عقد ثانی بلاتامل صحیح اور اس سے جو اولاد ہوئی بلاوجہ صحیح النسب ہے، عدت موت چار مہینے دس دن ہونے کے لئے اگرچہ خلوت وغیرہ کسی بات کی حاجت نہیں غیر حاملہ عورت پر مرگ شوہر سے عدت لازم آتی ہے،

فی الدرالمختار العدۃ للموت اربعۃ اشھرو عشرا بشرط بقاء النکاح صحیحا الی الموت مطلقا وطئت اولا، ولوصغیرۃ فلم یخرج عنھا الاالحامل[1]۔	درمختار میں ہے کہ موت کی وجہ سے عدت مطلقًا چار ماہ دس دن ہوگی بشرطیکہ موت تک نکاح صحیح رہا ہو، بیوی سے وطی ہوئی یانہ، بیوی اگرچہ نابالغہ ہی کیوں نہ ہو، اس ضابطہ سے صرف حاملہ عورت کی عدت مختلف ہوگی۔(ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

مگر عدت تو منکوحہ پر ہوتی ہے ہندہ وزید میں باہم نکاح ہی اصلًا نہ تھا کہ جب زید مثل عام روافض زمانہ ان عقائد کفر کا معتقد تھا تو قطعًا کافر مرتد تھا، عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم (وعد بعض عقائد ھم المکفرۃ وقال) وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظھیریۃ۔[1]	رافضیوں کو کافر قرار دینا ضروری ہے ان کے عقائد کی بابت (یہاں روافض کے بعد عقائد کفریہ ذکر کرکے ہندیہ میں فرمایا کہ) یہ قوم ملت اسلامیہ سے خارج ہے، اور ان کے احکام مرتدین جیسے ہوں گے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

اور مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح کسی ملت ومذہب والے سے ہو ہی نہیں سکتا نہ مومنین سے نہ کفار سے نہ خود اسی کے ہم مذہبوں سے۔ ہندیہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذٰلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط۔[2]	مرتد کو جائز نہیں کہ وہ مرتدہ، مسلمان یا کافرہ اصلیہ سے نکاح کرے، اور یونہی مرتدہ کا نکاح کسی سے بھی جائز نہیں، جیسا کہ مبسوط میں ہے (ت)

تو ہندہ اگرچہ زید کی حیات ہی میں بلاطلاق اسی وقت اپنا عقد بکر سے کرلیتی جب بھی جائز وصحیح تھا۔ (جواب ناقص ملا)۔

مسئلہ ۸۱:　　از مارہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ محبوب علی صاحب　　۱۰/ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر زید کی حیات میں جس کی طلاق ثابت نہیں عمرو نامی سے بطور عاشقی کے دوسرے شہر میں جاکر عقد نکاح کیا، اس کے تھوڑے ہی دن بعد شوہر سابق مرگیا، بعد مرنے کے چار برس تک عورت عمرو کے قبضہ میں رہی بطور زوجہ۔ ایک روز باہم نااتفاقی اور لڑائی کے عمرو نے عورت کو طلاق بائن دی اور کئی روز تک کہا کہ میں نے طلاق دی اور ایک جلسہ میں دس پانچ دفعہ کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور پندرہ روز تک علیحدہ رہا۔ اب بباعث عشق باہمی کے عورت اور عمرو چاہتا ہے کہ پھر تجدید نکاح کی ہونی چاہئے، اور عذر کرتا ہے کہ جب بغیر طلاق شوہر سابق کے نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کیا چیز ہے اور عمرو مسجد میں مؤذن ہے اہل اسلام اس کو تجدید نکاح سے روک

[1] فتاوی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] فتاوی ہندیۃ باب فی المحرمات بالشرك نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مرنے شوہر سابق اور گزرنے عدت سے وہ نکاح ہی قائم ہوگیا کہ جس کی وجہ سے تیری زوجیت پانچ سال رہی ورنہ کیا آج تک تونے اس سے حرام کیا ہم تجھ کو مسجد سے نکال دیں گے جب تک حلالہ نہ ہو جائے، جب تک نکاح جدید نہ ہو جائے عورت تجھ پر حرام ہے، اور علاوہ اس کے عمرو غیر کفو بھی ہے، اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں آیا نکاح جدید کیا جائے یا بعد حلالہ کے عورت سے نکاح جائز ہوگا، اور اگر اس عورت سے عمرو خلافِ شرع کوئی فعل کرے تو مؤذن بنانا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ امر واقعی ہے کہ زید کی حیات میں بے طلاق عورت نے عمرو سے نکاح کرلیا پھر بعد موتِ زید وانقضائے عدت وفات عمرو کے ساتھ نکاح جدید نہ کیا بلکہ اسی نکاح باطل پر قائم رہی تو وہ ہرگز زن و شوہر نہ تھے بلکہ زانی وزانیہ تھے، طلاقیں کہ عمرو نے دیں محض لغو تھیں، حلالے کی کوئی حاجت نہیں، صرف نکاح از سرِ نو کرلینا کافی ہے جبکہ عمرو قوم یا مذہب یا پیشے وغیرہ میں عورت کے اولیاء سے ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لئے باعث ننگ وعار ہو یا ایسا کم ہے تو عورت کے ولی نے پیش از نکاح عمرو کو ایسا جان کر اس سے نکاح زنِ مذکور کی صریح اجازت دے دی یا عورت کوئی ولی رکھتی ہی نہ ہو، ان تینوں صورتوں میں نکاح ہو جائے گا ورنہ عمرو ایسا کم رتبہ ہے اور عورت ولی رکھتی ہے اور ولی پیش از نکاح اس کی کم رتبگی پر مطلع ہو کر اجازت نکاح نہ دے تو عورت کا عمرو سے نکاح کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ عمرو جب تک تائب ہو کر بحال جواز نکاح، نکاح نہ کرے یا عورت سے صاف جدا نہ ہو جائے ہرگز مؤذن نہ بنایا جائے وہ فاسق معلن ہے اور فاسق اس عہدہ دین کے لائق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲: از موضع کرگینا مرسلہ امام بخش علی بخش ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

مٹھو لوہار کی عورت بیوہ تھی ۱۴ مہینے سے، چند روز بعد کچھ عورتوں نے شناخت کیا کہ یہ حاملہ ہے، اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا اپنی تنہائی میں زبردستی عظیم اللہ قوم نداف نے میرے ساتھ یہ کام کیا میں حاملہ ہوئی، تو بعد کو لوگوں نے عورت کو بند کردیا حفاظت اس کی کی، بعد کو جب لڑکا پیدا ہوا تو نکالدیا وہ چلی گئی اور عظیم اللہ نے عوام میں مشہور کیا کہ لڑکا میرا ہے، بستی والوں نے اس کو بند کردیا، عورت کو نکال دیا، اب ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

ان کے لئے سخت سزا کا حکم ہے مگر یہاں کون سزا دے سکتا ہے یہی سزا کافی ہے کہ برادری سے خارج رکھے جائیں۔ رہا لڑکا، اگر مٹھو کے مرنے سے دو برس بعد پیدا ہوا یا چار مہینے دس دن بعد عورت نے

اقرار کرلیا تھا کہ وہ عدت سے فارغ ہو گئی توان دو صورتوں میں وہ لڑکا مجہول النسب ہے اور اگر عدت سے فارغ ہونے کا اقرار نہ کیا تھا اور مٹھو کے مرنے سے دو برس کے اندر لڑکا پیدا ہوا تو لڑکا مٹھو کا ہے وہ نداف جھوٹا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۳: از رانچی محلّہ اوپر بازار مرسلہ مولوی عبدالرب صاحب ۸ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ

اگر معتدہ غیر سے بصورت لاعلمی کوئی شخص نکاح کرے اور تمتع کرے اور بصورت علم اس سے کنارہ [عـــہ] کیا یہ تمتع داخل زنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ اسے معلوم نہ تھا اور جس وقت معلوم ہوا فوراً جدا کردیا تو اس کے حق میں کسی طرح زنا نہیں، زنا ہونا درکنار اس پر کوئی الزام بھی نہیں البتہ وہ وطی واقع میں ضرور وطی حرام تھی اور اثم مرفوع، **کمانصوا علیہ وذٰلك لان الجھل فی موضع الخفاء عذر مقبول** (جیسا کہ اس پر نص ہے اور یہ اس لئے کہ پوشیدہ مقام پر جہالت عذر مقبول ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۴: از شہر مرسلہ نواب نثار احمد صاحب مورخہ ۳۰ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوا ایک موضع میں رہتا تھا وہاں کوئی طبیب نہیں ہے، پس اس کی زوجہ ایام عدت ہی میں بوجہ علالت اپنی دختر نیز اپنے بچوں خورد سال کے واسطے علاج کے کسی دوسری جگہ جاسکتی ہے یا نہیں اور نبض کسی حکیم کو دکھا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

نبض بضرورت دکھا سکتی ہے اور دوسری جگہ اس طور پر جاسکتی ہے کہ رات کا اکثر حصہ شوہر ہی کے مکان میں گزارے، اور اگر اسی مکان میں ممکن ہو تو یہ بھی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور پنجاب مرسلہ منشی محمد علی ارم ۶ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایام عدت طلاق یا مرگ میں نکاح ہوجائے تو از خود فسخ ہے یا اعادہ طلاق کی ضرورت ہوگی عدت پہلی ہی رہی یا جدید، اور دانستہ ایسا نکاح پڑھانے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

عدت کے اندر نکاح حرام قطعی ہے مرد وزن دونوں پر اس کا ترک فرض ہے مرد کہے میں نے اس

عـــہ: کرم خوردہ تھا۔

نکاح کو ترک کیا خواہ اس سے کہہ دے، اور دونوں نہ مانیں تو حاکمِ شرع جبراً تفریق کردے بس یہ ترک یا تفریق ہی کافی ہے طلاق کی حاجت نہیں، اس دوسرے شخص نے اگر اس سے قربت نہ کی تو عدت وہی پہلی ہے ورنہ دوسری بھی لازم آئی دونوں ایک ساتھ ادا ہوتی جائیں گی اخیر میں جو باقی رہے گی پوری کرلی جائے گی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۶: از شہر محلّہ بھوڑ مسئولہ شیخ ننھے ۹رجب ۱۳۳۸ھ

ایک لڑکی جسے طلاق ہوئے ایک مہینہ نہیں ہوا تھا دوسری جگہ ایک حافظ سے نکاح ہوا وہ پیش امام ہے، یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور اس میں جو لوگ شریک ہوئے ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر وہ لڑکی اپنے شوہر کی مدخولہ تھی اور حاملہ نہ تھی کہ اس مہینہ کے اندر بعد طلاق بچہ پیدا ہوگیا ہو اس کے بعد نکاح ثانی ہوا ہو تو یہ دوسرا نکاح عدت کے اندر ہوا اور محض حرام حرام ہوا اور میں قربت خالص زنا، اگر جس کے ساتھ زنا ہوا اسے خبر تھی کہ یہ مطلقہ ہے اور ہنوز عدت نہ گزری جان کر نکاح کرلیا تو اشد فاسق و فاجر ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، اور اسے امام بنانا گناہ، یونہی اگر معلوم نہ تھا اور اب معلوم ہوا اور فوراً جدا نہ ہوگیا جب بھی اس پر یہی احکام ہیں اور جو لوگ دانستہ اس حرام نکاح میں شریک ہوئے اور کھایا پیا وہ بھی سخت گنہگار ہوئے اور وہ حرام کھانے والے ہوئے ان سب پر بھی توبہ فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۷: از چھٹن شاہ ۲۸رجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا اس کی عورت کو زید تین ہفتہ کے اندر لے گیا، زید رہنے والا دیس کا تھا اسلئے اس عورت سے نکاح کیا وہ عورت راضی نہیں تھی ایک ماہ کے اندر چلی آئی اب اس کا نکاح اور جگہ کیا جائے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہ نکاح حرام محض ہوا، پھر اگر زید نے اس سے صحبت نہ کی تو وفات شوہر سے چار مہینے دس دن کے بعد نکاح کرسکتی ہے، اور اگر زید صحبت کرچکا تو ان پر فرض ہے کہ جدا ہوجائیں اور عورت تین حیض کا انتظار کرے، اگر تین حیض اسی چار مہینے دس دن کے اندر گزر جائیں تو چار مہینے دس دن کے بعد نکاح کرلے، اور اگر ابھی تین حیض اس جدائی کے بعد نہ گزریں تو انتظار اسی جدائی کے بعد اور کرے کہ تین حیض پورے ہوجائیں اور اس وقت دوسرے سے نکاح کرے، درمختار میں ہے:

اذا وطئت المعتدۃ بشبھۃ وجبت عدۃ	اگر عدت والی مطلقہ عورت سے شبہہ کی وجہ سے وطی

اخری وتداخلتا وعلیھا ان تتم العدۃ الثانیۃ ان تمت الاولیٰ [1]۔	کرلی جائے تو اس عورت پر دوسری عدت ضروری ہے اور پہلی عدت کی بقیہ مدت دوسری میں شمار ہوجائے گی اور اگر پہلی عدت ختم ہوچکی ہو تو پھر دوسری عدت پوری کرے۔ (ت)

مسئلہ ۸۸: از موضع پستوڑ تحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ فدا حسین صاحب ۲۹ رمضان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ عبدالرحمٰن نے مبلغ دوسوروپے مجھ سے لے کر بخوشی استعفاء دے دیا اپنی بی بی کو، اب اس میں نکاح ابھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یابعد عدت عورت کے، تین سال سے بیوی اپنی ماں کے مکان پر تھی اس اثناء میں خاوند استعفاء دے گیا۔

الجواب:

جب تک عدت نہ گزرے نکاح کا پیام دینا حرام قطعی ہے، اور وہ روپیہ کہ دیا رشوت تھا، دینا لینا دونوں حرام تھا۔ عبدالرحمٰن پر لازم ہے کہ وہ روپیہ فدا حسین کو واپس دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۹: از قصبہ پکسر الورن ڈاکخانہ رسولپور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کہ اس کے شوہر نے عرصہ چار برس سے اس کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے اور طلاق نہیں دی، اور اس اثناء میں وہ زنا سے حاملہ ہوچکی ہے اب اس کا شوہر انتقال کرگیا ہے مگر عدت پوری نہیں ہوئی ایسی حالت میں جبکہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے عدت کے اندر نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عدت کے اندر نکاح حرام قطعی ہے، اور جب یہ حمل حیاتِ شوہر سے ہے شرعًا شوہر کا ہے اور جب تک وضع نہ ہو عدت ہی میں ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر [2]، وقال تعالٰی وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّؕ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ نکاح والے کی طرف ہی منسوب ہوگا اور زانی نسب سے محروم ہوگا، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: حمل والی عورتوں کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹، مسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۲/۴۰۹

[3] القرآن الکریم ۶۵/۴

مسئلہ ۹۰: ۷ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دی اور عمرو نے اس کے دوسرے دن یا اسی دن ہندہ سے نکاح کرلیا، یہ نکاح جائز ہے یانہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

بیان سائل سے ظاہر ہوا کہ شوہر اول اس عورت سے خلوت کرچکا تھا کئی سال کے بعد طلاق دی اور عورت کو حمل نہ تھا پس یہ نکاح کہ قبل گزرنے عدت کے دوسرے شخص سے ہوا اصلاً صحیح نہیں، ان دونوں پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہو جائیں۔

قال اللہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مطلقہ عورتیں تین حیض مکمل ہونے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مثلاً زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی، اس نے بعد منقضی ہونے ایک ماہ یا دوماہ کے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، یہ نکاح بدون انقضائے عدت کے شخص اجنبی سے ہوا شرعاً جائز ہے یانہیں؟اور ہندہ کو اس شخص سے دعوی مہر اور وراثت جائز ہے یانہیں؟**بینوا توجروا**۔ (بیان کرو اور اجر پاؤ۔)

الجواب:

سائل مظہر کہ ہندہ معتدات بالحیض سے ہے پس صورتِ مستفسرہ میں اگر وہ نکاح ایک مہینہ بعد ہوا تھا بیشک فاسد کہ اس قدر مدت میں مضی عدت معقول نہیں، ہندہ ترکہ کی مستحق نہیں، اور مہر مسمّٰی و مہر مثل سے جو کم ہوگا اس قدر پائے گی، اور اگر مہر مسمّٰی کچھ نہ تھا مجہول ہوگیا تو پورا مہر مثل لازم آئے گا،

فی الدرالمختار ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطی لابغیرہ ولم یزد علی المسمی لرضاھا بالحط، ولو کان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد، ولو لم یسم او جھل لزم	درمختار میں ہے اور نکاح فاسد میں صرف وطی کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوتا ہے وطی کے بغیر نہیں، پھر وہ مہر مثل مقررہ سے زائد نہ ہوگا کیونکہ عورت مقررہ کم مہر پر راضی تھی، اور اگر مہر مثل مقرر مہر سے کم ہو تو ایسی صورت میں مہر مثل ہی واجب ہوگا کیونکہ نکاح کے فساد کی وجہ سے مقررہ مہر فاسد ہو جاتا ہے، اور اگر مہر

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

بالغامابلغ [1] انتهی ملخصا وفیه ایضا یستحق الارث برحم ونکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولا باطل اجماعا [2] انتهی ملتقطا۔	مقرر نہ کیا گیا ہو یا مقدار معلوم نہ ہوسکے تو پھر مہر مثل جتنا بھی ہو وہی لازم ہوگا اھ ملخصا اور اسی میں ہے کہ وراثت کا استحقاق رشتہ اور صحیح نکاح کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا محض نکاح فاسد یا باطل کی بناء پر استحقاق وراثت بالاجماع نہ ہوگا اھ ملخصًا (ت)

اور جو بعد گزرنے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے ہوا اور ہندہ دعوی کرے کہ تین حیض کامل اس وقت تک گزر چکے اور عدت منقضی ہوگئی تھی تو قول ہندہ بقسم معتبر ہوگا، اگر ورثاء زوج ثانی اس کا خلاف گواہوں سے ثابت کردینگے تو حکم اس صورت کا بھی مثل صورت اولی کے ہے ورنہ جب ہندہ مضی عدت بحلف بیان کردے گی تو میراث ومہر دونوں پائے گی،

فی الدرالمختارقالت مضت عدتی والمدة تحتمله وکذبها الزوج قبل قولها مع حلفها والاتحتمله المدة لا،لان الامین انما یصدق فیما لایخالفه الظاهر،ثم لو بالشهور فالمقدار المذکور،ولو بالحیض فاقلها للحرة ستون یوما [3]،والله تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: بیوی نے کہا میری عدت ختم ہوچکی ہے اور خاوند اس کو جھوٹا قرار دیتا ہے تو اگر مدت اتنی ہو جو عدت گزرنے کی گنجائش رکھتی ہے تو حلف لے کر عورت کی تصدیق کردی جائے گی، اگر وہ مدت ایسی نہیں تو پھر عورت کی تصدیق نہ کی جائیگی، کیونکہ کسی امین کی تصدیق ایسی صورت میں کی جاتی ہے جب ظاہر شواہد اس کے مخالف نہ ہوں پھر اگر عدت مہینوں کے حساب سے ہو تو تین ماہ عدت کے ہیں اور عدت حیض کے حساب سے ہو تو کم از کم آزاد عورت کے لئے ساٹھ دن عدت ہے (جس پر عورت کی تصدیق کی جائے گی) والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲: از شہر کہنہ مسئولہ ننھے ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو طلاق دی بعد طلاق تین یا چار یوم اس کا نکاح اور جگہ ہوگیا اور ایک یاڈیڑھ سال تک وہاں رہی بعد کو خاوند نے اس کو نکال دیا اس عورت نے تیسری جگہ نکاح کیا، اب یہ دریافت کرنا ہے کہ اس عورت کا دوسرا نکاح جو بعد طلاق بعد چھ یا چار یوم ہوا آیا جائز تھا یا

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] درمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲

[3] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۸

ناجائز؟اور تیسرا نکاح بھی اسی طرح جائز ہوا یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل بیان کرتا ہے کہ عورت پہلے خاوند کے پاس رخصت ہو کر رہ چکی تھی اس کے بعد طلاق ہوئی اور طلاق کے بعد دوسرے نکاح سے پہلے عورت کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا طلاق کے تین چار ہی دن بعد عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اس شخص کو بھی یہ سب حال معلوم تھا کہ ابھی طلاق کو تین چار ہی دن ہوئے پس اس صورت میں عورت کا یہ دوسرا نکاح حسب اختیار بحرالرائق محض زنا ہوا یہاں اس کی لڑکی بھی پیدا ہوئی پھر اس دوسرے شخص نے نکال دیا اور عورت نے تین چار ہی دن کے بعد تیسرے شخص سے نکاح کرلیا، یہ تیسرا نکاح صحیح و جائز ہوا کہ اب پہلے نکاح کی عدت گزرچکی تھی اور دوسرا نکاح نکاح ہی نہ تھا نرا زنا تھا اور زنا کے پانی کی شرع میں کوئی حرمت، نہ اس کے لئے عدت۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو اپنی ماں کہا اور ایک سال تک اسی زوجہ سے اس طور پر مفارقت رکھی کہ زوجہ کو اس کے والدین کے گھر بھیج دیا جب ایک سال گزر گیا تب زید نے بالفاظ صریح اپنی زوجہ کو طلاق دے دی، زوجہ نے بعد گزرنے ایک ہفتہ کے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، پس یہ نکاح قبل انقضائے عدت جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زوجہ کو ماں کہنا گناہ مگر اس سے طلاق نہیں ہوتی،

کما نص علیہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ثم العلامۃ الشامی فی ردالمحتار وقد قال تعالٰی وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا[1] **وفی الحدیث أ اختك ھی فکرہ ذٰلك رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونھی عنہ**[2]**۔**	جیسا کہ اس کو محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں پھر علامہ شامی نے ردالمحتار میں ذکر کیا ہے اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ لوگ غلط اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور حدیث شریف میں بہن کہنے پر فرمایا: کیا یہ تیری بہن ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناپسند فرماتے ہوئے یہی فرمایا اور اس سے منع فرمایا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/۵۸

[2] سنن ابو داؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۰۱، سنن الکبرٰی باب مایکرہ من ذلك دار صادر بیروت ۷/۳۶۶

توجس روز سے طلاق دی اس دن سے مطلقہ ہوئی اور پیش از انقضائے عدت نکاح قطعًا ناجائز حرام ہوا ان پر جدا ہو جانا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۴: مرسلہ رفیع الدین صاحب مختار ۲۵ شوال ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاند بی بی کا نکاح بعمر گیارہ برس پیر خاں کے ساتھ ہوا، چاند بی بی بعد نکاح حسب دستور اپنے شوہر کے گھر آئی، ایک دو روز رہ کر ماں باپ کے گھر واپس گئی، بعد نکاح کے تین برس بعد بیوہ ہوگئی، مسماۃ مذکور کا نکاح ثانی عطاخاں کے ساتھ جس کی عمر چھ برس کی تھی بعد فاتحہ چالیسویں کے کردیا، انتظار گزرنے عدت کا نہ کیا گیا، وقت نکاح ثانی چاند بی بی تخمینًا ۱۴، ۱۳ برس کی ہوگی، اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ بلاانتظار گزرنے عدت کے یہ نکاح ثانی جائز ہوا یانہیں؟ اور بیوہ کے بھائی اور ماں زندہ ہیں تو کس کی اجازت درکار ہے؟

الجواب:

جو عورت آزاد کسی عقد صحیح سے کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور موتِ شوہر تک وہ نکاح اپنی صحت پر باقی رہے، کوئی فساد اس میں عارض نہ ہو اور موتِ شوہر کے وقت عورت کو کسی طرح کا حمل ہونا ثابت نہ ہو تو عورت پر ہر حال میں خواہ مسلمہ ہو یا کتابیہ بالغہ ہو یا صغیرہ شوہر بالغ تھا یا صبی خلوت ورخصت ہوئی یانہیں بہر صورت چار مہینے دس دن کا انتظار لازم ہوتا ہے، اس مدت کے گزرنے سے پہلے اس کا نکاح حرام وناجائز ہے،

فی الدرالمختار العدۃ (للموت اربعۃ اشھرو عشرا) بشرط بقاء النکاح صحیحا الی الموت (ملتقطا) وطئت اولا، ولو صغیرۃ او کتابیۃ تحت مسلم ولو عبدا فلم یخرج عنھا الا الحامل (ولو) کان (زوجھا) المیت (صغیرا) غیر مراھق [1] اھ ملتقطا۔	درمختار میں ہے موت کی وجہ سے عدت چار ماہ دس دن ہے بشرطیکہ موت تک نکاح صحیح رہا ہو مطلقًا، یعنی وطی کی گئی ہو یانہ کی گئی ہو، اگرچہ عورت نابالغہ ہو یا کوئی کتابیہ عورت مسلمان کے نکاح میں ہو اگرچہ وہ مسلمان غلام ہی ہو سب کا حکم یہی ہے، اگرچہ خاوند اس قدر چھوٹا ہو جو بلوغ کے قریب نہ ہو فوت ہوا ہو اھ ملتقطا۔ (ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

سائل مظہر کی چاند بی بی کا یہ دوسرا نکاح شوہر متوفی کے باپ نے اپنے بیٹے کی موت سے اکتالیسویں یا بیالیسویں دن اپنے دوسرے بیٹے صغیر السن کے ساتھ کردیا تو یہ نکاح از آنجا کہ دیدہ ودانستہ عدت کے اندر کیا گیا محض باطل ہوا جسے نکاح ہی نہیں کہہ سکتے **کما ذکرہ فی البحر وعنه فی ردالمحتار** (جیسا کہ بحر میں اور اس سے ردالمحتار میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) چار مہینے دس دن موت شوہر سے گزرنے کے بعد چاند بی بی اگر بالغہ ہو تو اسے خود ورنہ اس کے ولی کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کردے، چاند بی بی کے اگر باپ دادا نہیں تو اس کا جوان بھائی حقیقی ولی نکاح ہے اس کے ہوتے ہوئے ماں کو اختیار نہیں **والمسائل ظاھرۃ وفی الکتب دائرۃ** (یہ مسائل ظاہر ہیں اور کتب میں مذکور چلے آرہے ہیں۔) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۵: از احمد آباد متصل مسجد کانچ محلّہ جماپور مرسلہ مولٰنا عبدالرحیم صاحب ۳صفر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تاریخ ۱۰شعبان ۱۳۲۵ھ کو طلاق دی اور وہ عورت مدخولہ بہا تھی اور زوج ثانی نے اسی شعبان کی تاریخ ۲۹ کو نکاح کیا اور اس نے اپنی زوجہ کو اپنے مکان میں ۱۲، ۱۰ دن رکھ کر اس سے صحبت کی اس عرصہ میں اس کو حمل رہ گیا اب علماء نے اس کو فتوی دیا کہ نکاح عدت کے اندر ہوا ہے اس لئے فاسد ہوا، اب اس نے شوال کے تاریخ ۲۴ یا ۲۵ کو پھر دوبارہ عورت سے نکاح کیا، اب یہ نکاح شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ شق ثانی میں زوج شرعًا کیا کرے؟ **بینوا توجروا بیانا شافیا**۔

الجواب:

اگر عورت وقتِ طلاق حاملہ تھی اور ۲۹ شعبان کو جو زوج ثانی نے نکاح کیا اس سے پہلے وضع حمل ہوچکا تھا تو وہ نکاح صحیح ہوا اور عدت کے بعد ہی ہوا دوبارہ نکاح کی حاجت نہ تھی، اور اگر عورت کا وقتِ طلاق حاملہ ہونا ثابت نہ تھا تو یہ دونوں نکاح کہ شخص دوم نے کئے ناجائز و باطل ہیں کہ دونوں عدت کے اندر واقع ہوئے، پہلے کا عدت میں ہونا تو ظاہر کہ ۱۹ دن میں تین حیض نہیں گزر سکتے اور دوسرے کا یوں کہ جب زنِ مطلقہ عدت کے اندر حاملہ ہوجائے تو اب اس کی عدت اس حمل کے وضع تک ہوجاتی ہے، پس اس پر فرض ہے کہ عورت کو فورًا الگ کردے، یہ حمل جواب ظاہر ہوا ہے اس کے وضع کا انتظار کرے، بعد وضع اس سے نکاح کرسکتا ہے،

فی ردالمحتار عن النهر الفائق عن البدائع اعلم ان المعتدۃ لو حملت فی عدتها ذکر الکرخی ان	ردالمحتار میں نہر الفائق سے منقول ہے انہوں نے بدائع سے نقل کیا کہ واضح رہے کہ عدت والی دوران عدت اگر حاملہ ہوجائے تو امام کرخی کے قول کے

عدتها وضع الحمل ولم يفصل، والذی ذكره محمد ان هذا فی عدة الطلاق امافی عدة الوفاة فلاتتغير بالحمل وهو الصحيح [1] اهاقول: ووجهه ظاہر ان عدة الوفاة بالاشهر والطلاق بالحيض والحيض يرتفع بالحبل فافهم، والله تعالٰی اعلم۔	مطابق اس کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے، امام کرخی نے اس کی تفصیل نہ فرمائی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے خود جو ذکر فرمایا اس کے مطابق یہ حکم طلاق کی عدت کا ہے لیکن اگر وفات کی عدت ہو تو پھر حمل کی وجہ سے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہی رہے گی اور وفات والی عدت میں تبدیل نہ ہوگی، یہی صحیح مذہب ہے، اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کی وجہ ظاہر کہ وفات کی عدت مہینوں کے حساب سے ہوتی ہے اور طلاق کی عدت حیض کے حساب سے ہوتی ہے اور حیض حمل کی وجہ سے ختم ہوجاتا ہے، غور کرو۔ **واللہ تعالٰی اعلم (ت)**

[1] ردالمحتار باب العدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۴

باب الحداد

(سوگ کا بیان)

مسئلہ ۹۲: مسئولہ محمد عنایت اللہ ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

حضرت مولوی تسلیم عرض، وہ لڑکی کہ بیوہ ہوگئی ہے میں اسے شاہجہان پور لے جانا چاہتا ہوں اس میں کیا حکم ہے ؟ اور ایامِ عدتِ وفات میں عورت بضرورت بھی دوسرے مکان یا دوسری جگہ جاسکتی ہے یا نہیں؟ والسلام محمد عنایت اللہ

الجواب:

تا ختمِ عدت عورت پر اسی مکان میں رہنا واجب ہے، شاہجہان پور خواہ کسی جگہ لے جانا جائز نہیں، ہاں جس کے پاس کھانے پہننے کو نہیں اور ان چیزوں کی تحصیل میں باہر نکلنے کی ضرورت ہے کہ بغیر اس کے خورد ونوش کا سامان گھر میں بیٹھے نہیں کرسکتی تو وہ صبح وشام باہر نکلے اور شب اسی مکان میں بسر کرے دوسرے مکان میں چلے جانا ہرگز جائز نہیں، مگر یہ مکان اس کا نہ تھا مالکانِ مکان نے جبراً نکال دیا، یا کرایہ پر رہتی تھی اب کرایہ دینے کی طاقت نہیں یا مکان گرپڑا یا گرنے کو ہے یا اور کسی طرح اپنی جان یا مال کا اندیشہ ہے غرض اسی طرح کی ضرورتیں ہوں تو وہاں سے نکل کر جو مکان اس کے مکان سے قریب تر ہو اس میں چلی جائے ورنہ ہرگز نہیں درمختار میں ہے:

معتدۃ موت تخرج فی الحدیدین و تبیت اکثر اللیل فی منزلھا لان نفقتھا علیھا فتحتاج للخروج، حتی لوکان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلایحللھا الخروج فتح [1] اھ اقول فکذا اذا قدرت علی الکسب فی البیت من دون خروج فان المبیح ھی بالضرورۃ فبحیث لاضرورۃ فلا باحۃ وھذا واضح جدا۔	موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں ہی رہے کیونکہ اس نے اپنا خرچہ خود پورا کرنا ہے اس لئے وہ باہر نکلنے کی محتاج ہے حتی کہ اگر اپنی کفایت اور ضرورت کے لئے اس کے پاس نفقہ ہو تو یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر نکلنا حلال نہیں ہے، فتح اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یونہی اگر وہ گھر میں رہ کر کوئی محنت کرکے اپنا خرچہ بنا سکتی ہے تو نکلنا حلال نہ ہوگا کیونکہ اس کا باہر نکلنا ضرورت کی بناء پر جائز ہوا ہے اور جب ضرورت نہیں تو جواز بھی نہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولاتخرجان منه الاان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامه او تلف مالھا او لاتجد کراء البیت ونحو ذٰلك من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیه وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی گھر میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی اور وہاں سے باہر نہ نکلیں الایہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو، یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر تھا عورت میں کرایہ دینے کی طاقت نہ ہو یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں تو قریب ترین مکان میں منتقل ہو جائے، اور طلاق والی کو یہ حکم ہے کہ جہاں خاوند اسے سکونت دے وہاں رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۷: از بریلی محلّہ شاہ آباد متصل چاہ کنکر مسئولہ سید منصور علی صاحب ۱۵ شوال ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت جس کا خاوند مر گیا وہ ایام عدت میں اپنے کسی استحقاق وراثت کے استحکام کے واسطے باہر گھر سے جاسکتی ہے یا نہیں، اور اگر باہر جائے تو کس قدر عرصہ تک اور اس کے باہر جائے سے اس کے کسی حقوق میں فرق تو نہ آئے گا بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۰

[2] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۰

الجواب

سائل نے ظاہر کیا کہ عورت مسکینہ ہے پانچ روپے کی ایک معاش کہ اس کے شوہر نے اسے لکھ دی تھی صرف وہی پاس رکھتی ہے اور اہلکار کچہری کو کمیشن دے کر بلانے کی استطاعت اصلاً نہیں اور اگر نہ جائے تو وہ جائداد اس کے نام نہ ہوگی اور وہ جگہ جہاں جانا چاہتی ہے اس کے مکان عدت سے صرف چھ میل دور ہے دن ہی دن میں جانا اور مکان میں واپس آنا ہو جائے گا رات یہیں آکر بسر کرے گی اگر بات یوں ہے تو صورت مذکورہ میں اسے جانا اور دن کے دن واپس آکر رات مکان عدت ہی میں بسر کرنے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

معتدۃ موت تخرج فی الحدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلھا لان نفقتھا علیھا فتحتاج للخروج، حتی لوکان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ ولایحل لھا الخروج فتح، وجوزفی القنیۃ خروجھا لاصلاح لا بدلھا منہ کزراعۃ ولاوکیل لھا[1]۔	موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے نکلے اور رات کا اکثر حصہ واپس اپنے مکان ہی میں بسر کرے کیونکہ اس کا اپنا خرچہ خود اس کے ذمہ ہے اس لئے وہ محتاج ہے کہ باہر نکلے حتی کہ اگر اس کے پاس کفایت کے مطابق خرچہ موجود ہے تو پھر یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر جانا جائز نہیں ہے، فتح۔ اور قنیہ میں اسے اپنی ضروری اشیاء کی اصلاح کے لئے نکلنا جائز قرار دیا ہے، مثلاً زراعت کی نگرانی کرنی ہے اور اس کا کوئی وکیل نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر ولابدان یقید ذٰلک بان تبیت زوجھا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نہر میں کہا ہے یہ قید ضروری ہے کہ رات کو خاوند والے گھر میں واپس آئے اور وہاں رات گزارے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۸: از شہر روہیلی ٹولہ بریلی مسئولہ مسیت خاں ۱۹ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہوا اس کی زوجہ کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتی اور نہ کوئی شخص ورثاء و متعلقین متوفی سے اس کے نان ونفقہ کا متکفل ہو بلکہ اشخاص مذکور کی جانب سے چور شارب الخمر تارك الصلوٰۃ قمار باز ہیں ونیز دیگر امور خلافِ شریعت کے مرتکب رہتے ہیں نسبت مسماۃ مذکور کے انعدام عصمت واتلاف مال ودیگر قسم کے

[1] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۰

[2] ردالمحتار باب الحداد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۲۰

فساد کا اندیشہ کامل وقوی ہے ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کو مکان مسکونہ اپنا چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر ایام گزاری عدت جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

عدت موت کا نفقہ کسی پر نہیں ہوتا خود اپنے پاس سے کھائے پاس نہ ہو تو دن کو محنت ومزدوری کے لئے باہر جاسکتی ہے، چار مہینے دس دن وہیں گزار نا فرض ہے، اللہ عزوجل کے ادائے فرض میں حیلے نہ کئے جائیں **وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ** (اللہ تعالٰی مفسد اور مصلح کو جانتا ہے۔ت) اگر اندیشہ واقعی وصحیح ہے بذریعہ حکومت بندوبست کرے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: از پرانا شہر روہیلی ٹولہ بریلی مرسلہ احمد اللہ خاں صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ قوم حجام سے ہے اور ہمیشہ بوجہ حجامی باہر نکلتی ہے، ایسی صورت میں اس کو بایّامِ عدت دن میں اور شب میں باہر نکلنا جائز ہے یانہیں؟ اور قیام شب دوسرے مکان پر کرسکتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ عدت موت کی ہے، پس اگر عورت کے پاس اتنا مال ہے کہ چار ماہ دس دن گھر بیٹھ کر کھائے جب تو اسے نکلنا جائز نہیں ورنہ جتنے دنوں کھانے کا سامان رکھتی ہے اتنے دنوں اسے گھر بیٹھ کر کھانا لازم، اور پھر نکلنا جائز، رات اپنے گھر میں گزارے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰: از شہر بریلی ۳۰ رمضان ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہوا، ایک زوجہ حاملہ اور ایک لڑا اور دو لڑکیاں نابالغ چھوڑیں، وہ ایک غریب آدمی تھا جس کے رہنے کو مکان بھی نہ تھا کرایہ کا مکان تھا مکان والے کا دو مہینہ کا کرایہ چاہئے وہ کہتا ہے کہ کرایہ دو یا مکان خالی کرو، زوجہ زید کے پاس نہ کھانے پینے کو کچھ ہے اور نہ کرایہ مکان ادا کرنے کو، ایسی حالت میں زوجہ زید اندر میعاد عدت کے وہ مکان جس میں زید فوت ہوا چھوڑ کر اپنی ماں کے گھر جاسکتی ہے یانہیں؟

الجواب:

جہاں سے ممکن ہو کرایہ ادا کرے اور عدت کے دن وہیں گزارے،

امرت بہ السائلۃ وھی ام المتوفی عنھا زوجھا فرضیت فعلمت انھا قادرۃ انما ذٰلک احتیال	جس کا خاوند فوت ہوگیا تھا یہ بات میں نے اس کی ماں سے کہی وہی سائلہ تھی تو اس بات پر وہ راضی ہوگئ تو میں نے معلوم کرلیا کہ عورت کرایہ اور نفقہ پر

للانتقال وکم جربنا مثل ذٰلک۔	قادر ہے، اور یہ بیان منتقل ہونے کا ایک بہانہ تھا اس بات کا تجربہ بارہا ہم کرچکے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھی فی دار باجرۃ قادرۃ علی دفعھا فلیس لھا ان تخرج بل تدفع[1]۔	اگر موت کی عدت والی کسی کرایہ کے مکان میں ہو اور کرایہ دینے پر قادر ہو تو اس کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں بلکہ کرایہ ادا کرے (ت)

درمختار میں ہے:

تعتدان معتدۃ طلاق و موت فی بیت وجبت فیه ولاتخرجان منه الاان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامه او تلف مالھا اولا تجد کراء البیت و غیر ذٰلك من الضروریات فتخرج لاقرب موضع الیه[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	موت اور طلاق کی عدت والی عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں اسی مکان میں عدت بسر کریں جہاں عدت واجب ہوئی ہے الا یہ کہ ان کو جبرًا نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو، یا مکان کرایہ پر تھا عورت کرایہ دینے کی طاقت نہ رکھتی ہو، یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں جن سے مجبور ہو تو قریب ترین موضع میں منتقل ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۱: یہ چند مسائل محمد میر خان صاحب پیلی بھیت کو ارسال فرمائے گئے۔ بتاریخ ۴ شعبان المعظم

عدت میں عورت کو یہ چیزیں منع ہیں: ہر قسم کا گہنا یہاں تک کہ انگوٹھی چھلا بھی مہندی، سرمہ، عطر، ریشمی کپڑا، ہار پھول، بدن یا کپڑے میں کسی قسم کی خوشبو، سر میں کنگھی کرنا، اور مجبوری ہو تو موٹے دندانوں کی کنگھی کرے جس سے فقط بال سلجھالے پٹی نہ جھکالے۔ پھلیل، میٹھا تیل، کسم، کیسر کے رنگے کپڑے، یونہی ہر رنگ جس سے زینت ہوتی ہوا گرچہ پڑیہ گیرو کا، چوڑیاں اگرچہ کانچ کی، غرض ہر قسم کا سنگار ختم عدت تک منع ہے۔ چارپائی پر سونا، بچھونا سونے یا بیٹھنے میں بچھانا منع نہیں۔

مسئلہ ۱۰۲: از میونڈی ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ درمیان عدت کے عورت سے واسطے کرنے نکاح کے دریافت

---

[1] ردالمحتار باب الحداد داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۲۰/۲

[2] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۲۶۰/۱

کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

عدت میں نکاح کا پیام دینا بھی حرام ہے اور اگر پیام نہیں، مثلاً اس کے گھر والے دریافت کریں کہ نکاح ثانی کا ارادہ ہے یا کیا، تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۳: از شہر متصل جامع مسجد پیارے میاں معرفت عنایت خاں ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ باہر تھی اور خبر انتقال شوہر سن کر آئی اور ایک مکان میں قیام کیا جس میں بیٹھک ہے اور ایک دروازہ صدر ہے لہٰذا ایّام عدت میں بیٹھک سے مکان میں جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ عورت گوالیار میں تھی اور وہاں سے آئی، شوہر کا مکان گاؤں میں، یہ وہاں نہ گئی بلکہ شہر میں ایک غیر شخص کے یہاں ٹھہری، اس کے بیٹھک اور زنانخانہ کیا پوچھنا اس سے سفر کرکے آنا حرام تھا اور غیر شخص کے یہاں ٹھہرنا حرام تھا، بیٹھک ہو یا زنانخانہ اسے حکم ہے کہ شوہر کے مکان میں عدت پوری کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴: ۱۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مر گیا حالت نابالغی میں، عمر ۱۴ یا ۱۵ برس کی تھی، زوجہ اس کی ہندہ ۱۳ سال کی، کوئی علامت بلوغت کی نہ تھی، بعد مرنے زید کے تین روز کے بعد زید کا باپ زید کی زوجہ کو اپنے مکان کو لے گیا، موضع سوڑا میں، اور وہاں لے جا کر ہندہ سے اسٹامپ لکھایا معافی مہر کا، دو چار روز رہ کر پھر اسی مکان پر آگیا جہاں زید کا انتقال ہوا تھا وہ مکان زید کی نانی کا تھا، اب زید کا باپ ہندہ کے باپ کو ہندہ کو دیکھنے نہیں دیتا، کہتا ہے بعد عدت یا عدت کے اندر میں ہندہ کا نکاح اپنی رائے سے کردوں گا اور ہندہ بیمار ہے جاڑا بخار آتا ہے، ہندہ کے باپ کو صدمہ ہوتا ہے کہ میں اس کا علاج کروں لیکن زید کا باپ نہیں بھیجتا نہ دیکھنے دے، ہندہ کے کسی رشتہ دار کو نہیں دیکھنے دیتا، ہندہ کا باپ کہتا ہے کہ شریعتِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بدلنے مکان کے وہی قید باقی رہی ہندہ کے ذمہ یا بدل گئی کیونکہ زید کا باپ ہندہ کو اس مکان سے اور مکان میں لے گیا دو چار روز رکھا اب ہندہ کا باپ چاہتا ہے کہ شریعت اجازت دے تو میں ہندہ کو اپنے مکان پر لے آؤں اس وجہ سے کہ ہندہ کو زید کے سامنے تکلیف پہنچاتا تھا اب تو اور بھی زیادہ تکلیف پہنچی ہے ہندہ کو، لہٰذا سوال کا جواب عنایت فرمایا جائے، زید کی نانی کے مکان سے زید کے باپ

کا مکان چار کوس ہے۔

الجواب:

عدت کے اندر اسے دوسری جگہ لے جانا حرام تھا اور جب تک وہاں رکھا یہ بھی حرام ہوا مگر اس سے عدت جاتی نہ رہی موت سے چار مہینے دس دن تک شوہر ہی کے مکان پر رہنا پڑے گا اگر وہ نابالغہ ہے تو اس کے معاف کئے سے مہر معاف نہیں ہوسکتا اور عدت کے اندر تو کوئی اس کا نکاح نہیں کرسکتا جو کرے گا باطل محض ہوگا عدت کے بعد ہندہ کے باپ کو اس کے نکاح کا اختیار ہے پدر زید کو کچھ اختیار نہیں کہ اگر یہ کردے گا پدر ہندہ کی اجازت پر موقوف رہے گا وہ رد کردے فوراً رد ہوجائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۰۵: ۱۶ شوال ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور وہ غیر شہر میں جس مکان میں اس کا شوہر سکونت رکھتا تھا عدت میں ہے، لیکن بسبب نادانی اور غیر محرم کے وحشتناک ہو کر چاہتی ہے کہ والدین کے مکان میں جاکر رہوں، آیا اس کو شرع اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اوّلاً یہاں شرعاً واقع عذر سچی مجبوری دیکھی جاتی ہے **وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ** (اللہ تعالٰی مفسد اور مصلح کو جانتا ہے۔ت) خدا ہر ایک کا نہاں وعیاں سب جانتا ہے اگر ایام عدت تک وہاں رہنے میں کوئی خوف صحیح واندیشہ واقعی ہندہ کے مال یا جان ناموس پر نہیں، کوئی ضرر صحیح وہاں اتنے دن گزارنے میں نہیں یا ہے تو اس کا علاج اسے ممکن ہے مثلاً اسکے بعض اعزّہ محارم اس کے پاس رہ سکتے ہیں یا قابل اعتماد عورات کو ساتھ کے لئے رکھ سکتی ہے اگرچہ اجرت دے کر، تو اسے ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی، خوف میں شاید اور عجب نہیں کا لحاظ نہیں ہوتا خوف صحیح منشاء صحیح سے ناشی ہونا چاہئے نہ اس وحشت کا کچھ اعتبار جو کم عمری کا لازمہ ہے خصوصاً ایسے غم کی حالت میں جب تک وہ ایسی شدت پر نہ ہو جس سے نقصان صریح عقل وغیرہ پر پہنچنے کا خطرہ ہو۔

ثانیاً اور اگر واقعی حالت مجبوری ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس مکان سکونت سے قریب تر کون سے مکان ایسا ہے جس میں وہ اندیشہ وخطرہ نہ ہو، اگر اسی شہر میں کوئی دوسرا مکان قابل اطمینان اپنے کسی عزیز کا ہو تو وہاں چلی جائے، شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں بلکہ وہیں دو محلوں میں دو مکان قابلِ اطمینان ہوں ایک دور ایک پاس، تو دور والے میں جانے کی اجازت نہیں، اور اگر اس شہر میں نہ ہو مگر دوسرے شہر کہ بہ نسبت شہر والدین اور اس شہر سکونت سے قریب تر ہے میں کوئی مکان قابلِ اطمینان ہے تو وہیں جائے، ہاں اگر

سب صورتیں معدوم ہوں تو البتہ بحالت ضرر صریح و مجبوری محض اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

تعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولاتخرجان منہ الاان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا اولا تجد کراء البیت ونحو ذٰلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ وفی الطلاق الٰی حیث شاء الزوج[1]۔	موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی مکان میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی ہو، اور وہاں سے منتقل نہ ہوں الایہ کہ ان کو جبرًا نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر ہو اور عورت کرایہ نہ پائے، اور دیگر ایسی ضروریات کی وجہ سے مجبور ہو تو قریب ترین مکان میں منتقل ہو جائے، اور طلاق والی کو یہ حکم، ہے کہ جہاں خاوند انتظام کرے وہاں رہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

المعتدۃ اذاکانت فی منزل لیس معھا احد وھی لا تخاف من اللصوص ولامن الجیران ولکنھا تفزع من امر المبیت ان لم یکن الخوف شدیدالیس لھا ان تنتقل من ذٰلک الموضع، وان کان الخوف شدیدا کان لھا ان تنتقل کذافی فتاوی قاضی خاں[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عدت والی عورت جب کسی ایسے مکان میں ہو کہ وہاں اس کے ساتھ کوئی نہ رہتا ہو اور چوروں یا پڑوسیوں سے خائف نہ ہو لیکن وہ عورت رات کو ڈرتی ہو، اگر یہ ڈر شدید نہ ہو تو عورت کو وہاں سے منتقل ہونا جائز نہیں، اور اگر یہ ڈر شدید ہو تو عورت کو پھر منتقل ہونا جائز ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ایسے ہی مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۰

[2] فتاوی ہندیہ الباب الرابع عشر فی الحداد نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۳۵

باب زوجۃ المفقود
(مفقود الخبر کی زوجہ کا حکم)

مسئلہ ۱۰۶: زوجہ عہ مفقود کے لئے چار برس کی مہلت کہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، جمہور ائمہ کرام اس کے خلاف پر ہیں، ادھر قرآن عظیم صاف صاف ارشاد فرمارہا ہے: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[1] تم پر حرام ہیں وہ عورتیں جو دوسرے کے نکاح میں ہیں۔ اس عورت کا نکاح مفقود میں ہونا تو یقینا معلوم، اور چار برس کے بعد اس کی موت مشکوک و موہوم، کیا آدمی اتنی مدت میں خواہ مخواہ مرہی جاتا ہے یا اس کی مرگ پر ظن غلبہ کرتا ہے یہاں تک کہ خود علمائے مالکیہ رحمہم اللہ تعالٰی اقرار فرماتے ہیں کہ اس چار سال کی تقدیر پر سواء تقلید امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ ہرگز نظر فقہی اس کے مساعد،

کما نقل العلامۃ الزرقانی فی شرح المؤطا عن الکافی انہا مسئلۃ قلدنا فیہا	جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح المؤطا میں کافی سے نقل کیا کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں ہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

عـــہ: یہ مضمون مسئلہ از اجین تک، مولوی ضیاء المصطفٰی صاحب نے کسی رسالہ سے نقل کرکے دیا اور مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم نے شامل کیا ۱۲

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

عمر و لیست مسئلة النظر [1]۔	کی تقلید کی ہے اور یہ نظری مسئلہ نہیں ہے(ت)

اور تمام ائمہ کہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا، ولہذا خود ائمہ مالکیہ در بارہ مال اس تقدیر چار سال کے قائل نہ ہوئے، حالانکہ یہ نہایت مستبعد ہے کہ آدمی مہلت چار سال کے بعد حقِ زوجہ میں مردہ ٹھہر کر اس کا مال ورثاء پر تقسیم نہ ہو، فاضل ابراہیم شرح انوار اردبیلی میں لکھتے ہیں:

نقض حکمه لمخالفته القیاس الجلی اذلایجوز ان یکون حیًّا فی ماله ومیتا فی حق زوجه [2]۔	قاضی کا حکم کالعدم قرار دیا جائے گا کہ یہ ظاہر قیاس کے خلاف ہے کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے مفقود شخص کو مال کے حق میں زندہ اور بیوی کے حق میں مردہ قرار دیا جائے۔(ت)

تو نص قطعی و قضیہ یقینی کے خلاف ایک موہوم بات پر کہ حق مال میں بالاتفاق مقبول نہیں، کیونکر زنِ زید نکاح عمرو میں آسکتی ہے، ادھر احادیث حضور المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس مذہب کا کہیں پتا نہیں، بلکہ حدیث آئی ہے تو ہمارے ہی موافق آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها البیان [3]۔ رواه الدار قطنی فی سننه عن المغیرة بن شعبة رضی الله عنه۔	مفقود کی عورت اسی کی عورت ہے یہاں تک کہ اس کی موت کا حال ظاہر ہو۔(اس کو دار قطنی نے اپنی سنن میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

امیر المومنین مولی المسلمین حضرت سیدنا علی المرتضی و کنیف العلم سید الفقہاء سند الائمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما ہماری ہی طرف ہیں رواه عنهما عبدالرزاق [4] فی مصنفه (اس کو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں دونوں حضرات علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت) اور قوت بر قوت یہ کہ امیر المومنین امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ پہلے قائل چار سال کے تھے بلکہ وہی پہلے قائل چار سال کے ہوئے بعدہ قولِ حضرت مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی طرف رجوع فرمایا،

کماذکره فقیه الکوفة ابن ابی لیلی رحمه الله تعالٰی	جیسا کہ اس کو فقیہ الکوفہ ابن ابی لیلٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

[1] شرح الزرقانی علی مؤطاامام مالك عدة التی تفقد زوجها المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ۳/ ۲۰۰

[2] شرح الانوار فصل القسم الثانی عدة الوفاة مطبعة الجمالیه مصر ۲/ ۲۱۲

[3] سنن الدار قطنی باب المهر حدیث نشر السنة ملتان ۳/ ۳۱۲

[4] مصنف عبدالرزاق باب التی لاتعلم مهلك زوجها حدیث ۰ مجلس علمی بیروت ۷/ ۹۰ و۹۱

نقله المحقق فی الفتح[1]۔	نے ذکر فرمایا، یہ فتح القدیر میں محقق سے منقول ہے(ت)

تو وہ دلیل کہ مالکیہ کو اس قول پر حامل تھی یعنی تقلید فاروقی وہ بھی نہ رہی۔اسی طرح حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ ارشد تلامذہ امام مالک ہیں پہلے قولِ امام مالک کے قائل تھے پھر ہمارے ہی قول کے طرف رجوع لائے،اور وہی ان کے مذہب میں راجح قرار پایا،

کمافی میزان الشریعة الکبری،ورحمة الامة فی اختلاف الائمة،وھذا لفظھما اختلفوا فی زوجة المفقود فقال ابوحنیفة والشافعی فی الجدید الراجح و احمد فی احد روایتیه لاتحل للازواج حتی تمضی مدة لا یعیش فی مثلھا غالبًا[2]۔	جیسا کہ میزان الشریعۃ الکبری اور رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے، یہ الفاظ دونوں سے متفق ہیں کہ مفقود کی بیوی کے متعلق فقہاء نے اختلاف کیا ہے،امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے جدید راجح قول اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق اس کو دوسرا نکاح حلال نہیں حتی کہ گم شدہ اتنی عمر میں غالب طور پر زندہ نہ رہ سکے۔(ت)

بلکہ جمہور ائمہ شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی تو یہاں تک اس سے اختلاف رکھتے ہیں کہ اگر قاضی مہلت چار سالہ بعد تفریق کردے تو اس کی قضا توڑ دی جائے کہ اس دلیل صریح کے خلاف حکم کیا،امام نورالدین یوسف بن ابراہیم اردبیلی شافعی کتاب الانوار لعمل الابرار میں فرماتے ہیں:

لوحکم حاکم بانھا تتربص اربع سنین فتعتد عدة الوفاة ثم تنکح وتربصت وحکم ثانیا بالفرقة واعتدت ونکحت نقض حکمه الا اذابان انه کان میتا وقت الحکم۔[3]	اگر کسی حاکم نے یہ فیصلہ دیا کہ وہ چار سال انتظار کے بعد وفات کی عدت پوری کرے اور پھر کسی سے نکاح کرے، چنانچہ فیصلہ کے مطابق اگر عورت نے چار سال انتظار کیا اور اس حاکم نے فرقت کا نیا حکم دے دیا اور اس کے بعد عورت نے عدت گزار کر نکاح کرلیا تو قاضی کا یہ حکم کالعدم قرار پائے گا الایہ کہ واضح ہوجائے کہ قاضی کے مذکور فیصلے کے وقت گمشدہ شخص فوت ہوچکا تھا۔(ت)

اسی میں ہے:

[1] فتح القدیر کتاب المفقود مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۳۷۲

[2] المیزان الکبری کتاب العدد والاستبراء مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۳۶،رحمة الامة فی اختلاف الائمة کتاب العدد مطابع قطر الوطنیة الدوحة قطر ص ۳۱۲

[3] الانوار لاعمال الابرار فصل القسم الثانی عدة الوفاة مطبعة الجمالیه مصر ۲/ ۲۱۲

لوقضی قاض بصحۃ نکاح زوجۃ المفقود بعد اربع سنین ومدّۃ العدۃ نقض حکمہ [1] اھ ملخصًا۔	اگر کسی قاضی نے مفقود کی بیوی کے متعلق چار سال انتظار اور اس کے بعد عدت پوری کرکے نکاح کی صحت کا فیصلہ دیا تو اس کا حکم کالعدم ہوگا اھ ملخصًا (ت)

شرح انوار میں ہے:

لمخالفتہ القیاس الجلی فی جعل المفقود میتا فی النکاح دون المال وما جزم بہ المصنف ھو الذی علیہ الاکثرون کما یعلم من کلام الرافعی [2] ھنا الخ۔	یہ قیاس جلی کی مخالفت کی وجہ سے کہ مفقود کو نکاح کے حق میں مردہ اور مال کے حق میں زندہ قرار دیا جائے، اور مصنف نے جس پر جزم فرمایا وہ ہے جس پر اکثر ائمہ نے اعتماد فرمایا جیسا کہ یہاں امام رافعی کے کلام سے معلوم ہورہا ہے الخ (ت)

تو جو اس قول کے قائل تھے ان پر بھی اس کا ضعف ظاہر ہوا جب تو اس سے رجوع کرتے آئے اور قول ضعیف پر حکم و فتوی دینا جہل و مخالفتِ اجماع ہے۔

فی الدر المختار، حاصل ماذکرہ الشیخ قاسم القاضی الاان المفتی مخبر عن الحکم والقاضی ملزم بہ وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق الاجماع [3]۔	در مختار میں ہے: شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں جو ذکر فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ مفتی اور قاضی کا یہاں کوئی فرق نہیں ماسوائے اس کے کہ مفتی حکم کی خبر دیتا ہے اور قاضی اس کو نافذ کرتا ہے جبکہ مرجوح قول پر فتوی اور فیصلہ جہالت ہے اور اجماع کی مخالفت ہے۔ (ت)

پھر معاملہ بھی کون سا معاملہ فروج جس میں شریعتِ مطہرہ کو سخت احتیاط ملحوظ، یہاں تک کہ باآنکہ اصل اشیاء میں اباحت وحلت ہے، فروج میں اصل حرمت ٹھہری، تو ایسے امر میں ایسے قول کی طرف اپنا ایسا قوی و مدلل مذہب چھوڑ کر جانا کیسی کھلی بے احتیاطی ہے، رہا دعوی ضرورت، اس کا حال یوں کھلتا ہے کہ ہندوستان کی نوجوان عورتیں جو بیوہ ہوجاتی ہیں باآنکہ انہیں شرعًا نکاح ثانیہ کی اجازت ہے اپنی ایک جھوٹی رسم کی پیروی میں عمر بھر بیٹھی رہتی ہیں اس وقت نہ انہیں ضرورت سوجھتی ہے نہ یہی خیال آتا ہے کہ جوانی کیونکر کٹے گی نہ یہ کہ نان و نفقہ کہاں سے

---

[1] الانوار لاعمال الابرار کتاب ادب القضاء الطرف السابع فی الاشھادالخ مطبعۃ الجمالیہ مصر ۲/ ۴۱۳ و ۴۱۴

[2] شرح الانوار کتاب ادب القضاء الطرف السابع فی الاشھادالخ مطبعۃ الجمالیہ مصر ۲/ ۴۱۳

[3] درمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

ملے گا مگر خاوند مفقود ہو کر یہ سب دعوی ہجوم کرتے ہیں، اگر ضرورت کا دعوی سچا ہے تو وہاں صبر کیونکر ہوتا ہے اور جب وہاں کیاجاتا ہے، حالانکہ قطعًا بے شوہر، اور ازواج کے لئے حلال ہیں تو یہاں صبر کیوں نہیں کیا جاتا کہ یقینا شوہر دار تھیں اور موتِ شوہر ثابت نہیں ہوئی مگر ہے یہ کہ جہال کے نزدیک رسم کا اتباع حکم کے اتباع سے زیادہ اہم ہے، یہاں حیلے تلاش کئے جاتے ہیں کہ کسی مذہب میں کوئی راستہ نکلے اگرچہ اپنے مذہب میں نراحرام ہو، وہاں رسم نہیں چھوڑی جاتی اگرچہ چاروں مذہب میں کھلی حلت ہے، اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے، بات یہ ہے کہ نفس کی باگ جب نرم کرلیجئے دبالیتا ہے۔ اس وقت ضرورت، حاجت، معذوری، مجبوری، سوجھتی ہے اور باگ جب کڑی کرلیجئے دب جاتا ہے۔ اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جوش نرادعوی ہی دعوی تھا۔ حدیث میں حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استغنٰی باللّٰہ اغناہ اللّٰہ ومن استعف اعفّہ اللّٰہ[1]۔ رواہ الامام احمد والنسائی والضیاء عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	جو اللہ عزوجل کے بھروسا پر خلق سے بے پروائی کریگا اللہ تعالٰی اسے غنی کردے گا، اور جو سچے دل سے پارسا بننا چاہے گا اللہ تعالٰی اسے پارسا بنادے گا۔ (اسے امام احمد، نسائی اور ضیاء نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

جنہیں نکاح پر قدرت نہ ہو ان کا علاج صحیح حدیث میں روزے رکھنا ہوا ہے:

من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء[2]۔ رواہ احمد والستۃ عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، وسوق الحدیث وان کان فی الرجال، فالنساء شقائقھم[3]۔ بعضکم من بعض۔	جو نکاح پر قدرت نہ رکھے اس کو روزہ لازم ہے کیونکہ یہ اس کے لئے شہوت سے رکاوٹ ہے۔ اس کو امام احمد اور ائمہ ستّہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور حدیث کے یہ الفاظ اگرچہ مردوں کے بارے میں ہیں، تو عورتیں وہ مردوں کی طرح ہیں اور تم آپس میں ایک دوسرے کی طرح ہو۔ (ت)

بلکہ احتیاج نفقہ کے عذر کو غور کیجئے تو وہ بھی اسی عذر جوانی کے ساتھ ہے جس کا علاج حدیث میں ارشاد ہوگیا۔

---

[1] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب الالحاف فی المسئلۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۶۳

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۲۴

[3] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۶

سن رسیدہ عورتیں جن کے شوہر مرتے یا مفقود ہو جاتے ہیں انہیں تلاشِ نفقہ کے لئے فکر نکاح نہیں ہوتی وہ کیونکر بسر کرتی ہیں اور یہ حالت بیوگی تو ہند کی نوجوانیں بھی اسی حال میں شریک ہیں، وہاں خدا جانے شان رزاقی خاوند میں کیوں نہیں منحصر ہو جاتی ہے، لطف یہ ہے کہ یہاں تقلید امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا دامن پکڑا جاتا ہے، جاہل لوگ ان کا مذہب یہ سمجھتے ہیں کہ مرد کو گے چار برس گزرے اور عورت کو یونہی عدت بیٹھ کر نکاح حلال ہو گیا، حاشا یہ ان کا مذہب نہیں بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ عورت قاضیِ شرع کے حضور دعوی پیش کرے، قاضی بعد ثبوتِ مفقودی کہ اس کی خبر ملنے سے بالکل ناامید ہو گئی ہو اب چار برس کی مدت اپنے حکم سے مقرر کرے، اس مدت میں بھی پتانہ چلے تو پھر قاضی تفریق کردے، اس کے بعد عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے اور شوہروں کے لئے حلال ہو جائے، حضور قاضی میں رجوع لانے سے پہلے اگر بیس برس گزر گئے ہیں تو اسکا اصلاً اعتبار نہیں۔ علامہ زرقانی مالکی شرح مؤطائے امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

قول مالك لو اقامت عشرين سنة ثم رفعت يستأنف لها الاجل[1]۔	امام مالک کا قول ہے کہ اگر عورت بیس سال بھی گزار چکے اور بعد میں قاضی کے ہاں معاملہ پیش کرے تو بھی قاضی اس کے لئے نئی مہلت مقرر کرے گا۔ (ت)

اسی میں ہے:

قول مالك ايضا تستأنف الاربع من بعد اليأس وانها من يوم الرفع[2]۔	امام مالک کا یہ بھی قول ہے کہ ناامیدی کے بعد چار سال کی نئی مہلت مقرر کی جائے گی اور اس مہلت کی ابتداء قاضی کے ہاں معاملہ پیش ہونے کے بعد ہو گی (ت)

اب کہئے قولِ امام مالک ہی پر عمل کیجئے تو اول تو یہاں قاضی مالکی کہاں! اور قاضی حنفی اپنے خلافِ مذہب کیوں حکم دینے لگا! اور دے بھی تو اس کے نفاذ میں دقتیں ہیں، اور نافذ ہو بھی جائے تو ابھی ساڑھے چار برس پڑے ہیں یہ کیونکر کٹیں گے! ایسی بے صبری وادعائے بے رزقی کا علاج تو یوں بھی نہ بنا۔ غرض خلاصہ مقصد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرے، اللہ سے ڈرے۔ اور امر فروج کو سہل نہ جانے۔ نہ فقدانِ شوہر کو مرگِ شوہر کے پلے میں رکھے اور اتباعِ حکم کو اتباعِ رسم سے اہم تر سمجھے اور تصور کرے کہ ہند کی نوجوانیں بیوہ ہو کر کیونکر بسر کرتی ہیں بلکہ یہ بھی درکنار اس دار الفتن ہند پر محن میں بہت شریف زادیاں ایسی نکلیں گی جن کے

[1] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك عدة التی تفقد زوجها المكتبة التجارية الكبرٰی مصر ۳/۱۹۹

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك عدة التی تفقد زوجها المكتبة التجارية الكبرٰی مصر ۳/۱۹۹

خداناترس شوہروں نے انہیں جیتے جی معلقہ کر رکھا ہے نہ تعلق رکھیں نہ قطع کریں، وہ بیچاریاں نہ شوہر والیاں نہ بے شوہروں میں۔ پھر وہ کیا کرتی اور اپنی عفت، باپ دادا کی عزت، شرع کی اطاعت کیونکر نگاہ رکھتی ہیں۔ قطع خواہش کے لئے روزوں کی کثرت کرے۔ خیالات دل کو یادِ موت و قبر سے لگائے کہ موت کی یاد ہر خواہش و لذت کو بھلادیتی ہے۔ اگر ماں باپ بھائی کے ذریعہ سے گزر کی صورت نہیں، سینے پرونے وغیرہ کاموں سے وقت کاٹے کہ اللہ عزوجل کے یہاں صابروں میں لکھی جائے اور بہ حکم قرآن بے حساب ثواب پائے۔ اقارب، محارم اگر خبر گیری کر سکتے ہیں تو اللہ تعالٰی کا ثوابِ عظیم لیں، اپنی بیٹی بے ثبوتِ بیوگی نکاح غیر کی بلامیں نہ پڑنے دیں۔ عوامِ ہند ذرا ذرا سے فضول و بے جا دنیوی جھگڑوں پر دختروں خواہروں کو بٹھار کھتے اور ان کا کلی خرچ اپنے پاس سے کرتے ہیں۔ یہ دینی حکم ہے اور اپنی ناموس کے خاص حرام وحلال کا معاملہ، اس میں بھی ذرا غیرت و حمیّت کو کام میں لائیں اور سمجھ بوجھ کر انجان نہ بن جائیں، **وباللہ التوفیق وھو الھادی الٰی سواء الطریق**۔ مؤیدین: (۱) محدث سورتی صاحب علیہ الرحمۃ (۲) مولانا عبدالمقتدر صاحب بدایونی (۳) مولانا الشاہ احمد حسن صاحب کانپوری (۴) مولانا کرامت اللہ صاحب دہلوی (۵) مولانا الشاہ ہدایت رسول صاحب قادری۔

مسئلہ ۱۰۷: از اجین مرسلہ محمد یعقوب علی صاحب ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

چہ فرمایند علمائے اہل حق و مفتیانِ برحق دریں مسئلہ کہ برادر عبداللہ دائمی محبوس گردید عورت خود را طلاق نمی دہد و او بدون شوہر نمی تواند ماند صورت ایں مسئلہ چگونہ است، و شوہر محمودہ نیز از مدت دوازدہ سالہ مفقود الخبر و زوجہ او جوان طاقتے ضبط ندارد لہٰذا موافق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہ نزد او شان تفریق در چہار سال صحیح عمل نمودہ در حبالہ نکاح میر تقی دادہ شد بعد از چند روز نکاح شوئے سابق اورا مقام ہذا آمدہ بودہ، عورت مستحق اواز ہر دو کیست و مہرش بر کہ واجب می شود دریں مسئلہ چہ حکم شرع بیان فرمایند بعبارت کتب مشرح رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔	علمائے حق اور مفتیانِ برحق کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ عبداللہ کا بھائی قید دوامی ہوا ہے اپنی عورت کو طلاق نہیں دیتا، اور بیوی کا شوہر کے بغیر گزارہ نہیں، اس مسئلہ کا کیا حکم: نیز مسئلہ یہ ہے کہ محمودہ کا شوہر بارہ سال سے مفقود الخبر ہے، اس کی بیوی جوان ہے اپنے پر کنٹرول نہیں کر سکتی، لہٰذا امام مالک کے مذہب کے موافق جن کے ہاں چار سال کی مدت پر تفریق صحیح ہے پر عمل کرکے اس عورت کا نکاح میر تقی سے کردیا گیا اور اس نکاح کے چند روز بعد اس عورت کا سابق خاوند وہاں آگیا تو وہ عورت اب کس کی بیوی قرار پائے گی اور مہر کس پر واجب ہوگا، ان دونوں مسئلوں میں شرعی حکم کو کتب کی عبارات سے واضح فرمائیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (ت)

الجواب:

درصورتِ اولٰی برادر عبداﷲ فرمان آں چناں ست کہ زن راطلاق دہد قال اللہ تعالٰی: فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ[1] مرد چوں از داشتن بخوبی عاجز آمد گزاشتن بہ نیکی واجب گشت و در ادائے ایں واجب اگر طلاق بالفعل ندہد تفویض طلاق نیز کافی ست زیرا کہ مقصود آنست کہ زن از مضرت فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ[2] محفوظ ماند وایں بہ سپردن طلاق بدست زن نیز حاصل ست یعنی زن را بنویسد کہ طلاق تو بدست تو نہادم ہر گاہ کہ خواہی خود را طلاق دہی واز قید نکاح من بدر آئی، نفعش آنست کہ زن مصلحت خود دیدہ کار خواہد بوفاداری شوہر صبر پیش گرفتن خواہ بناچاری خواہش چارہ دگر جستن اماتا از شوئے افتراق نشود نکاح با دیگر حرام بود قال اللہ تعالٰی وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[3] ودرصورت ثانیہ زن بلاشبہہ بزوج پیشین دادہ شود، فی رد المحتار عن شرح المجمع لابن ملك تحت قول الدر، غاب من امرأته فتزوجت باٰخرو	پہلی صورت میں عبداللہ کے بھائی کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ بیوی کو بھلائی سے پاس رکھو یا نیکی کے ساتھ آزاد کردو، خاوند بخوبی پاس رکھنے سے عاجز ہے تو نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا اس پر واجب ہے، اس واجب کی ادائیگی میں اگر بالفعل طلاق نہیں دیتا تو بیوی کو طلاق کا اختیار سونپ دے تو بھی کافی ہے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ عورت کو معلق کرکے رکھنے کے ضرر سے بچایا جائے تو یہ مقصد عورت کو اختیار تفویض کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے یعنی بیوی کو لکھ دے کہ تیری طلاق تیرے ہاتھ دیتا ہوں تو جب چاہے طلاق اختیار کرلے اور میری قید سے آزاد ہو جا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ بیوی اپنی مصلحت کے مطابق فیصلہ کریگی خواہ خاوند کی وفاداری میں صبر کرے خواہ مجبوری خواہشات کی بنا پر کوئی دوسرا راستہ اپنالے، تاہم جب تک خاوند سے مفارقت نہ ہو جائے کسی اور سے نکاح حرام ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ نکاح والی عورتیں بلاشبہہ پہلے خاوند کی بیوی ہے اسی کو دی جائے۔ردالمحتار میں شرح المجمع ابن ملک سے درمختار کے قول، ایک شخص بیوی کو چھوڑ کر غائب ہو گیا

---

[1] القرآن الکریم ۲۲۹/۲

[2] القرآن ۱۲۹/۴

[3] القرآن الکریم ۲۴/۴

ولدت اولاد، ثم جاء الزوج الاول مانصه، المرأۃ ترد الی الاول اجماعا[1] ومہرے کہ در نکاح اول بستہ بودند خود بر ذمہ شوہر اول است و بریں دوم نیز مہر مثل لازم بشرطیکہ بااین زن بہم آمدہ وجماعش کردہ باشد امااگر کابینے در نکاح ثانی قرار دادہ اند کم از مہر مثل ست تاآنگاہ ہموں قدر دہند وبرو نیفز ایند ورنہ مہر مثل تمام و کمال لازم آید وزیادہ براں بہیچ صورت واجب نشود گو مہر قرار دادہ ایشاں زائد ازو باشد خلاصہ آنکہ ہرچہ از مہر مثل ومہر مسمّٰی کم ست ہموں لازم بود، اما وجوب المهر فيما استحل من فرجها واما ماذكرنا من التقدير فلظهور فساد النكاح وهذا هو حكم المهر فی النكاح الفاسد فی الدرالمختار يجب مهر المثل فی نكاح فاسد بالوطی فی القبل لابغيره كالخلوة لحرمة وطئها ولم يزد على المسمى لرضاها بالحط ولوكان دون المسمى لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد[2] بالالتقاط۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔

اس نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اور اس سے اولاد ہوگئی پھر پہلا خاوند واپس آگیا، کے تحت نقل کیا، جس کی عبارت یہ ہے کہ عورت پہلے خاوند کو بالاجماع واپس کی جائیگی، اور مہر پہلے خاوند نے جو مقرر کیا وہ پہلے خاوند کے ذمہ ہے اور دوسرے خاوند پر بھی مہر مثلا ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ دوسرے نے اس عورت سے جماع کرلیا ہو، لیکن اگر نکاح ثانی میں مہر مثل سے کم مقرر ہو تو وہی واجب الادا ہوگا اس پر زائد واجب نہ ہوگا ورنہ مقررہ نہ ہونے یا مہر مثل سے زائد مقرر ہونے کی صورت صرف مہر مثل اور مقررہ سے جو بھی کم ہوگا وہی واجب الادا ہوگا، مہر اس لئے دینا ہوگا کہ اس کے بدلے شرمگاہ کو حلال کیا اور بیان کردہ مقدار اس لئے کہ اس ثانی نکاح کا فساد واضح ہوگیا اور نکاح فاسد میں بھی مہر کا حکم اسی طرح ہے، درمختار میں ہے کہ وطی کرنے پر نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے شرمگاہ میں وطی کے بغیر مہر واجب نہیں ہوتا اگرچہ خلوت کرچکا ہو، اور مہر مثل اور اگر وہ مہر مقررہ سے کم ہو تو مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ مہر مقررہ کا فساد نکاح کے فساد پر ہوگیا (ملتقطا) والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از بنگال کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر عرصہ چار سال سے

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۱

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

مفقود الخبر ہے اس کی حیات و موت کی کچھ خبر نہیں ملی اور وہ گھر میں اپنی بی بی کو خورد ونوش بھی نہیں دے گیا ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑ گیا ہے جس سے اس کی بیوی کی گزراوقات ہو، اور اس بی بی کو کہیں سے قرض دام بھی نہیں ملتا ہے، اور وہ بی بی کوئی حرفہ یا پیشہ نہیں جانتی ہے جس سے گزراوقات ہو یا یہ کہ اس وقت مفقود کی بیوی ایسی ہے کہ انواع انواع کی تکلیف میں مبتلا ہے اور نیز خوف زنا بھی ہے، تو ایسی صورت میں اس کو نکاح ثانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو بلاعدت گزارے اور بلاحکم قاضی یا حاکم مسلم کسی مولوی یا کم علم سے کہہ دینے سے نکاح دوسرا کرسکتی ہے یا نہیں؟ یا عدت بھی گزارے گی؟ اور عدت کب سے گزارے گی؟ یا اس روز سے عدت محسوب ہوگی کہ جس روز سے شوہر مفقود ہوا ہے؟ یا جس روز سے قاضی نے حکم تفریق نکاح کا کیا ہے؟ اور جو شخص فتوی اس بات کا لکھے کہ بلاعدت گزارے یا بلا تفریق قاضی نکاح ثانی ہندہ خود کرے اور یہ کہے کہ جب بعد انقضائے ۴ سال موافق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مفقود اموات میں شمار ہوا اب اگر قاضی تفریق کرے گا اور مردہ کے واسطے عدت ہے نہ فسخ نکاح، اور جس حالت میں یہ چار سال گزر چکے اب اسے عدت کی ضرورت نہیں، اس بناء پر ہندہ کا نکاح بلا تفریق کرائے قاضی اور بلاعدت پوری کرنے وفات کے کسی دوسرے سے کرادے تو وہ فتوی دینے والا مرتکب حرام ہوا یا نہیں اور یہ نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں اور ایسے فتوی لکھنا اس کو درست ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح ثانی حرام ہوا، اور ایسا فتوی دینا حرام ہے، ایسے مفتی کو بند کرنا واجب ہے، چار برس گزرنے پر بطور خود نکاح کرلینا کسی امام کا مذہب نہیں، امام مالک نے کہ چار برس رکھے ہیں، یوں کہ عورت قاضیِ شرع کے حضور نالش کرے وہ بعد ثبوت اپنے یہاں سے آج سے چار برس کی مہلت دے اس سے پہلے اگر بیس برس گزرگئے ہیں اصلاً معتبر نہیں اور ہمارے مذہب میں عورت پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ شوہر کی عمر سے ستر برس گزر جائیں، اگر پچاس برس کی عمر میں مفقود ہوا ہے تو بیس برس انتظار کرے اور ساٹھ برس کی عمر میں دس برس، اس کے بعد اس کی موت کا حکم دیا جائے، اور عورت چار مہینے دس دن عدت کرے پھر دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے، یہی مذہب امام شافعی کا ہے اسی طرف انہوں نے رجوع فرمائی، اور یہی قول امام احمد کا ہے، اور دوسرا قول مثل امام مالک ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ اس سوال کی ہولناک باتیں کہ نہ وہ چھوڑ گیا نہ اس کے پاس کچھ ہے نہ کچھ حرفہ کرسکتی ہے نہ کہیں سے قرض مل سکتا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ تمام ذرائع رزق بند ہیں مگر یہ قرآن کے خلاف، رزق اللہ پر ہے نہ کہ شوہر پر عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا[1] نہ کہ علی الزوج وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ

[1] القرآن الکریم ۱۱/۶

مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ [1] اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی پہنچائے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔ صدہا نہیں ہزارہا وہ ہیں کہ ان کے شوہر زندہ بیٹھے ہیں اور انہیں معلق چھوڑ رکھا ہے، نہ روٹی کپڑا دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں، اب انہیں بھی اجازت دے دو کہ شوہر زندہ بیٹھا ہے اور طلاق ہوئی نہیں جس سے چاہیں نکاح کرلیں یعنی خوف زنا سے بچنے کے لئے واقعی زنا کرو۔ خوفِ زنا سے بچنے کا علاج حدیث میں کثرت روزہ فرمایا ہے:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء [2]۔	اور جو قدرت نہ رکھے اس پر روزہ لازم ہے کیونکہ اس کے لئے شہوت کو روکتا ہے (ت)

اور فرمایا:

ومن استعف اعفہ اللہ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو پارسائی چاہے گا اللہ اسے پارسا بنادے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹: مرسلہ مولوی نظر محمد صاحب پیش امام جامع مسجد منگانہ ضلع رہتک

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی گمشدہ ہے اور اس کے مرنے کی کوئی معتبر سند نہیں اور نہ کسی نے دیکھا صرف یہ ہوا کہ ہسپتال میں سکھ تھا یعنی زیر علاج تھا وہ اپنے کپڑے چھوڑ کر گم ہوگیا انگریزوں نے یہ مشہور کردیا کہ وہ مرگیا اور مرا کسی نے نہیں دیکھا اب اس کی بیوی سے دوسرا شخص نکاح کرسکتا ہے یا نہیں عرصہ آٹھ ماہ سے گم ہے، اور کتنے عرصہ کے بعد نکاح درست ہوگا، اور اب جو شخص اس عورت کا نکاح پڑھادے گا اور گواہ، ان کے اوپر کیا الزام آئے گا؟ اس کی پوری پوری بمعہ حوالہ کتب تصریح فرمادیں اور جو الزام آئے گا ان پر اس سے بری ہونے کا کیا راستہ ہوگا؟

الجواب:

اگر تحقیق ہوجائے کہ وہ ہسپتال میں یا کہیں اور مرگیا تو عدت کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور اگر موت ثابت نہ ہو تو جب اس شخص کی پیدائش سے ستر برس گزر جائیں یا زندہ ہوتا تو جس وقت ستر برس کا ہوجاتا اس وقت تک اگر اس کی موت وحیات کا پتا نہ چلے تو اس وقت اس کی موت کا حکم دیا جائے اور عدت کے بعد

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۳

[2] مسند امام احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۲۴

[3] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب الالحاف فی المسئلۃ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۱/ ۳۶۳

عورت نکاح کرسکے گی ورنہ حرام حرام حرام، اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [1] (اور خاوند والی حرام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۰: از للت پور مسئولہ محمد بخش، کریم بخش سوداگران ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح اس کی ماں اور سوتیلے باپ نے کردیا تھا بعدہ لڑکی کا شوہر فوج میں نوکر ہو کر چلاگیا آٹھ سال سے زائد عرصہ ہوا اور چھ سال سے اس نے نہ کوئی خط بھیجا نہ خرچہ متواتر بھیجے مگر اس کا پتا نہیں کہ مرگیا یا زندہ ہے اور اب لڑکی بالغ ہوگئی ہے اس کے ماں باپ خرچ برداشت نہیں کرسکتے خود لڑکی اور اس کے والدین دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں لہٰذا دوسرا نکاح جائز ہوگا یا نہیں اور اگر پہلا شوہر واپس آجائے تو کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جس سے نکاح کیا گیا اگر وہ اس لڑکی کا کفو شرعی تھا یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہ تھا کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے دختر کے لئے باعث ننگ وعار ہو جیسا کہ یہی ظاہر سوال ہے تو نکاح صحیح ہوگیا اور جبکہ لڑکی نے بفور بلوغ خیار بلوغ کا استعمال نہ کیا جیسا کہ یہی مفاد سوال ہے تو اب نکاح لازم ہوگیا، عورت پر فرض ہے کہ اتنی مدت انتظار کرے کہ شوہر اگر زندہ رہے تو ستر برس کامل کا ہوجائے اس وقت تک اگر اس کی موت وحیات کا پتا نہ چلے اس کی موت کا حکم کیا جائے گا پھر عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے اس کے بعد دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے ورنہ نہیں، پھر اگر اتنی مدت گزر گئی اور عورت نے بعد عدت نکاح کرلیا اسکے بعد شوہر اول واپس آیا تو اپنی عورت کو شوہر دوم سے لے گا اور دوم سے اگر اولاد ہوچکی ہے تو وہ اولاد دوم ہی کو دلائی جائے گی صرف عورت شوہر اول کو ملے گی، ردالمحتار میں ہے:

لوعاد حیابعد الحکم بموته قال ط رأیت المرحوم ابا السعود نقل عن زوجته له والاولاد للثانی [2] اھ مافی ش،لکن فی الهندیة عن التاتارخانیة انه ان عاد زوجها حیابعد مضی المدة فهو احق	اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد پہلا خاوند واپس آجائے تو طحاوی نے فرمایا: میں نے مرحوم ابوسعود کو نقل کرتے ہوئے پایا کہ وہ عورت پہلے خاوند کی بیوی ہوگی اور دوسرے سے اولاد ہو تو وہ دوسرے کی ہوگی، شامی کا بیان ختم ہوا، لیکن ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے کہ اگر قاضی کی طرف سے مقررہ مہلت ختم

[1] القرآن الکریم ۴/۲۴

[2] ردالمحتار کتاب المفقود داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳۲

بھا وان تزوجت فلا سبیل له علیها[1] اھ **اقول:** ووجه الاول ان تزوجھا کان بظن موته وقد بان حیا ولا عبرة بالظن البین خطؤ وھی محصنة زید فکیف تسلم لعمرو وجه الثانی ان الشرع حکم بموته بعد مضی المدة وحلھا للازواج فلاینقض قضاء الشرع کما لاینقض قضاء القاضی بلا اولی لکن قدصرح فی التاتارخانیة انه ان عادحیاولم تتزوج فھواحق بھا،فلو کان حکم الشرع بموته حتما مقضیا لکان الشرع فرق بینھما فکیف یکون احق بھا فلیحرر و لیراجع، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہونے کے بعد خاوند واپس آئے تو وہی بیوی کا حقدار ہے اور اگر بیوی نے اس صورت میں دوسرا نکاح کرلیا تو پھر پہلے خاوند کو استحقاق نہیں ہے اھ، **اقول** (میں کہتا ہوں) ردالمحتار کے قول کی وجہ یہ ہے کہ خود بیوی نے خاوند کے فوت ہوجانے کا گمان کرکے نکاح کیا تو اب پہلے خاوند کی واپسی پر معلوم ہوا کہ زندہ ہے تو اس صورت میں غلط گمان پر مبنی کارروائی ہے لہٰذا معتبر نہ ہوگی جبکہ وہ عورت خاوند (زید) کی منکوحہ ہے تو عمرو کے لئے کیسے بیوی بن سکتی ہے، اور دوسرے قول یعنی ہندیہ والے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قاضی کے فیصلہ موت کے بعد کارروائی ہے جو کہ شرعی حکم اور مقررہ مہلت ختم ہونے کے بعد دوسرے نکاح کے لئے حلال قرار دینے پر کارروائی ہے تو یہ شرعی فیصلہ کالعدم نہ ہوگا جیسا کہ قاضی کا فیصلہ کالعدم نہیں ہوتا بلکہ اس سے اولٰی تر محفوظ ہوگا حالانکہ تاتارخانیہ میں تصریح ہے کہ اگر قاضی کے حکم کے بعد ابھی دوسرا نکاح نہ ہو تو پہلا خاوند ہی حقدار ہوگا، اگر مہلت گزرے بغیر محض قاضی کے حکم موت کو ہی قطعی فیصلہ قرار دیا جاتا تو پھر پہلے خاوند سے تفریق شرعی ہوجاتی تو ایسی صورت میں پہلا خاوند کیسے حقدار قرار پاتا، اس کی تنقیح کرلی جائے اور کتب کی طرف مراجعت چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۱تا۱۱۲: از کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ مسئولہ ابویوسف محمد شریف ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دس پندرہ سال کی عمر میں ملازم ہو کر کہیں چلاگیا، بیس پچیس سال اس کی تلاش کرتے رہے، کچھ پتانہ چلا پچیس سال گزرنے کے بعد اس کی زوجہ نے نان نفقہ ضروریات سے تنگ آکر ایک حنفی عالم سے فتوٰی لے کر ایک حنفی شخص حافظ قرآن کے ساتھ نکاح کرلیا، آج بیس سال اس کو نکاح کئے ہوئے اور زید کو گم ہوئے پینتالیس سال ہوگئے ہیں، اب حافظ موصوف کے گھر اس عورت کے بطن سے تین چار لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں، اب ایک حنفی عالم نے فتوٰی دیا ہے کہ حافظ صاحب موصوف کا یہ نکاح بالکل ناجائز ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز درست نہیں اور ایک اور عالم حنفی المذہب ان کے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المفقود نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۰۰

پیچھے نماز درست بتاتے ہیں اور مطابق تحقیق شامی و دیگر فقہاء رحمہم اللہ امام مالک کی روایت پر عمل کرلینا بوقتِ ضرورت جائز سمجھ کر نکاح بھی جائز قرار دیتے ہیں، پس آپ اس امر کا فیصلہ فرمائیں:

(۱) کیا حافظ صاحب کا نکاح کسی صورت جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا حنفی کسی وقت کسی حالت میں بھی کسی دوسرے مذہب کی روایت پر عمل نہیں کرسکتا، اگر نہیں کرسکتا تو عبدالحہ لکھنوی نے عمدۃ الرعایہ میں جو لکھا ہے کہ اتفاقاً دوسرے مذہب کی روایت پر عمل کرسکتا ہے' اس کا کیا مطلب ہے، اور اگر کر سکتا ہے تو یہ نکاح کیوں ناجائز ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مذہب ائمہ حنفیہّ وجمہور ائمہ کرام میں زنِ مفقود پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر جائے کہ عادۃً موت مفقود مظنون ہوا اور اس کی تقدیر مفتی بہ مؤید بحدیث صحیح یہ ہے کہ روز ولادت مفقود سے ستّر سال گزر جائے، امام مالک رضی اللہ عنہ بھی در بارہ مال مفقود یہی حکم دیتے ہیں مگر در بارہ زن خلاف کرتے ہیں پھر بھی ہر گز یہ ان کا مذہب نہیں جو آج کل کے جہّال بلکہ بعض مدعیان علم نے سمجھ رکھا ہے کہ مفقود ہوئے چار برس گزرے اور عورت بطور خود نکاح کرلے بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ زنِ مفقود قاضی شرع کے حضور مرافعہ کرے قاضی بعد تحقیق روز مرافعہ سے چار برس کی مہلت اپنی طرف سے دے، عورت یہ دن گزارے، اس کے بعد پھر مستغیث ہو اور قاضی بعد تحقیق تفریق کرے، اسکے بعد عورت عدت بیٹھے پھر نکاح کرسکتی ہے، خود امام مالک نے اپنی کتاب مدوّنہ میں اس کی تصریح فرمائی اور صاف ارشاد فرمایا کہ مرافعہ سے پہلے اگرچہ بیس برس گزر گئے وہ اصلا شمار میں نہ آئیں گے، آج سے چار برس لئے جائیں گے، حنفی وقت تحقق ضرورت صحیحہ اس پر عمل کرسکتا ہے نہ یہ کہ اپنی ایک اختراعی بات پر کہ ہر گز امام مالک کا بھی مذہب نہیں، چلو اور مذہب امام مالک پر عمل کا نام لو، اس کی نظیر یہی ہے کہ مذہب حنفی میں زنِ عنین کے لئے حکم ہے کہ قاضی کے حضور مرافعہ کرے قاضی بعد تحقیق اپنی طرف سے ایک سال کامل کی مہلت دے، جب سال گزر جائے اور مطلب حاصل نہ ہو عورت پھر مرافعہ کرے، قاضی بعد تحقیق شوہر کو طلاق دینے کی ہدایت فرمائے، اگر وہ نہ مانے عورت سے پوچھے تو اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے یا شوہر کو؟ اگر وہ فوراً اپنے نفس کو اختیار کرے قاضی ان میں تفریق کردے، عورت عدت بیٹھے اور اب جس سے چاہے نکاح کرلے، تاجیل قاضی سے پہلے اگر بیس برس گزر گئے ہیں ان کا اصلا لحاظ نہ ہوگا آج سے ایک سال کامل لیا جائے گا۔ کیا اگر کسی عنین کی عورت بطور خود وقت نکاح سے سال بھر کے بعد اسے چھوڑ کر چل دے اور دوسرا نکاح کرلے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے مذہب حنفی پر عمل کیا، کیا اس کا یہ نکاح جائز واقع ہوا، حاشا (ایسا نہیں۔ت) **ونسأل اللہ العفو والعافیة** ان تمام مسائل کی تحقیق ہمارے فتاوٰی اور رسالہ **اللواء المعقود لبیان حکم امرأۃ المفقود** میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب النسب
(نسب کا بیان)

مسئلہ ۱۱۱۳: ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیوہ عورت کولاعلمی میں معتبر و نیکبخت جان کر اس کے ساتھ نکاح کیا اور بعد پانچ ماہ کے اس عورت کے بطن سے ایک لڑکی زندہ پورے دنوں کی سی یعنی اس بچی کے کسی عضو میں کسی طرح فرق نہیں ہے پیدا ہوئی اور جملہ عورات ومرد گمان کرتے ہیں کہ ایسا بچہ نکاح کرنے کے بعد پانچ ماہ کا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ حمل قیاسًا نکاح کرنے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے اور عورت کا یہ بیان ہے کہ یہ حمل میرے شوہر کا ہے اور زید یعنی خاوند کو کوئی آثار بعد نکاح ڈیڑھ ماہ تک نہیں معلوم ہوئے جب اس عورت نے بیان کیا تو معلوم ہوا، اس صورت میں زید اس عورت کو چھوڑدے یا رہنے دے، اور اگر اپنی بدنامی کا خیال کرکے چھوڑدے تو دین مہر اس عورت کا ذمہ زید واجب الادا ہے یا نہیں، اور نکاح عورت سے رہا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عورت جو دعوٰی کرتی ہے کہ یہ حمل اسی شوہر سے تھا اگر یوں کہتی ہے کہ اس کی پیدائش سے چھ مہینے پہلے نکاح ہوگیا تھا، یا چھ مہینے سے زائد بتائے اور اس کے ساتھ قسم بھی کھائے تو اس کا قول معتبر ہوگا اور یہ لڑکی اسی شوہر کی ٹھہرے گی اور نکاح میں اصلاً خلل نہ آئے گا شوہر اس کی پیدائش اور عورت کے ساتھ اپنے نکاح میں چھ مہینے اسے کم فاصلہ بتایا کرے اصلاً نہ سنا جائے گا اگر اپنے بیان پر گواہ بھی دے گا مسموع نہ ہونگے

بلکہ یوں قرار دیں گے حنفیۃً نکاح تو اس عورت کا ہو لیا تھا جس کا عورت دعوی کرتی ہے اور اس کے بعد علانیہ نکاح آپس میں پھر کیا جس کا بیان شوہر اور اس کے گواہ کرتے ہیں، درمختار میں ہے:

لو ولدت فاختلفا فی المدۃ فقالت المرأۃ نکحتنی منذ نصف حول وادعی الاقل فالقول لہا وقال تحلف والو لدا بنہ حملا لہا علی الاصلاح [1] اھ ملخصًا۔	اگر معتدہ کا بچہ پیدا ہو پھر خاوند بیوی میں مدت حمل میں اختلاف ہو عورت کہے چھ ماہ مکمل ہوگئے ہیں کہ تو نے مجھ سے نکاح کیا ہے، اور خاوند چھ ماہ سے کم مدت کا دعوی کرے تو اس صورت میں بیوی کی بات بلاقسم معتبر ہوگی، صاحبین کے نزدیک عورت سے قسم لی جائے اور بچہ اس شخص کا قرار پائیگا تاکہ عورت کا معاملہ اصلاح پر رہے اھ ملخصًا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لاتسمع بینتہ ولابینۃ ورثتہ علی تاریخ نکاحہا بمایطابق قولہ لانہا شہادۃ علی النفی معنیً فلاتقبل، والنسب یحتال لاثباتہ مہماامکن والا مکان ھٰھنا بسبق التزوج بہا سرًا بمہر یسیر وجہرا باکثر سمعۃ ویقع ذٰلک کثیرا [2]۔	خاوند اور اس کے ورثاء کی طرف سے بیوی کے نکاح کے متعلق تاریخ پر گواہی نہ لی جائے گی کہ خاوند سچا ہے کیونکہ معنیً یہ شہادت نفی پر ہے جو مقبول نہ ہوگی، اور نسب کے اثبات کے لئے بقدر امکان حیلہ کیا جانا چاہئے اور وہ یہاں موجود ہے ہوسکتا ہے کہ پہلے پوشیدہ طور پر قلیل مہر کے ساتھ نکاح کیا گیا ہو (جیسے بیوی کہتی ہے، اور بعد میں لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے اعلانیہ زیادہ مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا ہو (جیسے کہ ورثاء اور گواہ کہتے ہیں) اور بہت دفعہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ (ت)

اس صورت میں اگر زید عورت کو چھوڑ دے گا تمام وکمال مہر جتنا بندھا تھا لازم آئے گا اور اگر عورت مذکورہ بقسم بیان نہیں کرتی بلکہ اسی نکاح کے بعد جسے پیدائش دختر تک چھ مہینے نہ گزرے تھے حمل رہنا کہتی ہے یا پیش از نکاح مانتی ہے یا کچھ نہیں کہتی صرف یونہی دعوی کئے جاتی ہے کہ یہ دختر اسی شوہر سے ہے تو اس کا کہنا ہرگز مسموع نہ ہوگا اور یہ لڑکی اس شوہر سے ہرگز نہیں ٹھہر سکتی کہ بچہ چھ مہینے سے کم پیٹ میں نہیں رہ سکتا نہ شوہر اول کی ٹھہر سکتی ہے کہ حسب بیان سائل اس کی موت کو چار برس سے زیادہ گزر چکے تھے جب لڑکی پیدا ہوئی اور کوئی بچہ دو برس سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہتا، مگر لڑکی ولد الزنا بھی نہ کہی جائیگی

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۲

[2] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۲۷

صرف مجہول النسب کہیں گے یعنی باپ معلوم نہیں نہ یہ کہ زنا سے ہونا معلوم ہے کہ ممکن ہے کہ اس شوہر موجود سے پہلے بیوہ نے خفیہ کسی اور سے نکاح کیا ہو یہ حمل اس سے رہا ہو یا کسی شخص نے دھوکے اور شبہہ سے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کی ہو یہ لڑکی اس جماع کی ہو، ان دونوں صورتوں میں لڑکی ولد الزنا نہ ہوگی، اور جب اس حمل کا زنا سے ہونا ثابت نہ ہوا تو عورت کا نکاح اس شوہر موجود سے فاسد ہوگیا،

ولایکون باطلا کما یفیدہ کلام البدائع والبحر والھندیۃ وردالمحتار کما بیناہ علی ھامشہ من باب ثبوت النسب لاسیما ھٰھنا فان الزوج لم یکن عالما بحبلھا کما ذکر السائل فلایتاتی ھٰھنا کلام القنیۃ والمجتبٰی۔	اور باطل نہ ہوگا جیسا کہ بدائع، بحر، ہندیہ اور ردالمحتار کے کلام کا مفاد ہے اور جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ پر ثبوت نسب کے باب میں اس کو بیان کیا ہے خصوصًا یہاں کیونکہ خاوند بیوی کے حمل پر مطلع نہ ہوا جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے، لہٰذا یہاں قنیہ اور مجتبٰی کا کلام منطبق نہیں ہوتا۔ (ت)

اب شوہر پر لازم ہے کہ عورت کو فورًا چھوڑ دے اس صورت میں اگر زید نے عورت سے صحبت یعنی خاص فرج میں جماع کیا تھا تو مہر مثل ومہر مسمّٰی سے جو کم ہے وہ دینا آئے گا یعنی یہ دیکھیں گے کہ مہر بندھا کتنا تھا اور اس عورت کا مہر مثل کیا ہے ان دونوں میں جو کم ہے وہ دیا جائے گا، ردالمحتار میں ہے:

فی الزیلعی وغیرہ لوولدت المنکوحۃ لاقل من ستۃ اشھر مذتزوجھا لم یثبت النسب لان العلوق سابق علی النکاح ویفسد النکاح لاحتمال انہ من زوج اٰخر بنکاح صحیح اوبشبھۃ[1]۔	زیلعی وغیرہ میں ہے کہ اگر منکوحہ نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچے کو جنم دے تو خاوند سے نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ نطفہ کا استقرار نکاح سے قبل ہوا، اور نکاح اس احتمال کی بنا پر فاسد قرار پائیگا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نطفہ کسی دوسرے صحیح نکاح یا شبہہ نکاح سے ٹھہرا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطی فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ ولم یزد مھر المثل علی المسمی ولو	فاسد نکاح میں مہر مثل تب واجب ہوگا جبکہ خاوند نے شرمگاہ میں وطی کی ہو، وطی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مثلًا خلوت سے واجب نہ ہوگا، اور یہ مہر مثل

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۲

کان دون المسمی لزم مهر المثل [1] اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مقرر کردہ مہر سے کم ہو تو مہر مثل ہی لازم ہوگا اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۴: از چاٹگام ملک بنگالہ مرسلہ شیخ اصغر علی محلّہ قطب دیا ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ زنِ دوشیزہ راکہ ہنوز بحبالہ نکاح کسے نیامدہ است فرزندے آمدزن میگوید کہ بخواب دیدم کہ مردے بامن بہم شدو احتلام کردم وبار گرفتم ایں پسر ازان ست دریں صورت قولش مقبول شود یانہ وپسر راولدالزنادانند یاچہ؟ **بینوا توجروا**	آپ حضرات (رحمکم اللہ تعالٰی) کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ ایک نوجوان کنواری لڑکی نے بچے کو جنم دیا ہے اور وہ یہ کہتی ہے کہ میں نے خواب میں ایک مرد کو اپنے ساتھ دیکھا جس کی وجہ سے مجھے احتلام ہوا اور یہ بچہ اس حمل سے پیدا ہوا ہے، کیا اس صورت میں اس لڑکی کی بات تسلیم کی جائے گی یا نہیں اور اس بچے کو ولدالزنا کہا جائے گا یا نہیں۔ **بینوا توجروا** (ت)

الجواب:

ہمچو سخنے بے معنی ہیچ گونہ قابل پذیرائی نیست کہ بجماع خواب بار آورشدن محال عادی ست ہمچنانکہ پسر بے پدر بوجود آمدن فی میزان الامام العارف الشعرانی ان الولد لایتخلق الامن ماء الرجل والمرأۃ معاو تخلق الولد من ماء واحد من خصائص عیسٰی علیہ الصلوٰۃ و السلام [2] اگر امثال ایں دعاوی بگوش قبول آید در فتنہ عظیمہ برروئے مسلمانان کشاید زنان بے قید ہرچہ خواہند کنند وہنگام مواخذہ بہمچواکاذیب واضحہ چنگ زنند کما قال الامام الاجل سیدنا مالك بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فیما ھواظھرو	ایسی بے معنی بات کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتی کہ خواب میں جماع کی وجہ سے حمل کا ٹھہرنا اور ایسے ہی بغیر باپ بچہ پیدا ہونا محال عادی ہے، امام عارف شعرانی نے میزان میں فرمایا کہ بچہ مرد اور عورت کے مشترکہ نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور صرف ایک کے نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہی خصوصیت ہے، اگر ایسی بات تسلیم کرلی جائے تو مسلمانوں میں عظیم فتنہ پیدا ہوجائے اور عورتیں جو چاہیں کرتی رہیں گی اور مواخذہ کے وقت ایسے جھوٹ گھڑنا شروع کردیں گی، جیساکہ امام اجل سیدنا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا یعنی جن کا کسی انسان عورت سے نکاح کے بطلان کے متعلق

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] المیزان الکبرٰی باب حکم الزنا مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۹

اقرب من هذا اعنی نکاح الجنی انسیة انی اکره اذا وجدت امرأة حاملا قیل لها من زوجك قالت من الجن فیکثر الفساد فی الاسلام بذٰلک[1] رواه ابو عثمٰن بن سید بن العباس الرازی فی کتاب الالهام والوسوسة قال حدثنا مقاتل عن سعید بن داؤد الزبیدی فذکره وفیه قصة اورده سیّدی احمد الحموی فی الغمز[2] اما آنکه در ہیچو صورت زن رازانیہ وپسر رازنازادہ گویند یانہ روایت بدائع مفید اوّل ست فی الدر المختار لو تزوجت معتدة بائن فولدت لاقل من الاقل مذ تزوجت ولا کثر منهما مذبانت لم یلزم الاوّل ولاالثانی والنکاح صحیح[3] اھ ملتقطا. قال الشامی صحیح ای عندهما وعندابی یوسف فاسد لانه اذا لم یثبت من الثانی کان من الزنا. ونکاح الحامل من الزنا

زیادہ واضح اور ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ جب کسی عورت کو حاملہ پایاجائے تو اس سے پوچھا جائے کہ تجھ سے کس نے قربت کی ہے تو وہ کہے کہ میرا نکاح جن سے ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ حمل ہے مجھے یہ بات زیادہ ناپسند اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام میں عظیم فتنہ وفساد برپا ہوجائے گا، اس کو ابوعثمان بن سعید بن عباس نے کتاب الالہام والوسوسہ میں روایت کہا ہے انہوں نے یوں بیان کیا کہ مجھے مقاتل نے سعید بن داؤد زبیدی سے بیان کیا ہے اور اس میں ایک قصہ ہے جس کو سید احمد حموی نے غمز میں ذکر کیا ہے، بہر حال ایسی صورت میں اس عورت کو زانیہ اور بچے کو ولدالزنا کہا جائے یانہ، بدائع کی روایت پہلے احمال یعنی عورت کو زانیہ اور بچے کو ولدالزنا قرار دینے کے لئے مفید ہے، درمختار میں ہے کہ اگر بائنہ طلاق والی معتدہ دورانِ عدت نکاح کرے اور نکاح کے بعد چھ ماہ سے قبل بچے کو جنم دے یا طلاق بائنہ کے دو سال بعد بچہ جنے تو وہ نسب نہ پہلے خاوند اور نہ دوسرے خاوند کے لئے ثابت ہوگا جبکہ نکاح صحیح قرار پائے گا اھ ملتقطا، اس پر علامہ شامی نے کہا کہ یہ نکاح امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک صحیح ہوگا اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک فاسد ہوگا کیونکہ جب دوسرے خاوند کا

[1] المیزان الکبریٰ باب حکم الزنا مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۹
[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ ابوعثمان فی کتاب الالہام والوسوسة احکام الجن ادارة القرآن کراچی ۲/۸۳۔۵۸۴
[3] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۳

صحیح عند هما لاعنده کما فی البدائع[1] وروایت امام زیلعی وغیرہ مفید ثانی ست وہمین است اظہر من حیث الدلیل وہمدرین ست احتیاط جمیل درہچوامر جلیل چہ می رسد کہ زن پنہانی عقد زن و شوئی باکسے بستہ یا بوطی شبہہ مبتلا گشتہ باشد حالا بوجہ حیا تستر می پوشد بسخنے باطل می کوشد آری مجہول النسب خوانندش یعنی پسرے کہ پدرش معلوم نیست ففی ردالمحتار فی الزیلعی وغیرہ لوولدت المنکوحة لاقل من ستة اشھر مذتزوجها لم یثبت النسب لان العلوق سابق علی النکاح ویفسد النکاح لاحتمال انه من زوج اٰخر بنکاح صحیح او بشبھة[2] وپیش ازاں بعد نقل کلام بدائع فرمود تبعه فی البحر ولم یظهر لی وجهه لانه اذالم یثبت من واحد منهما علم انه من غیرهما ولایلزم ان یکون من الزنا لاحتمال کونه بشبھة، ولا یصح النکاح الااذاعلم انه من زنا ففی الزیلعی وغیرہ الٰی اٰخرہ فلیتأمل[3] اھ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	نسب بھی ثابت نہ ہواتو حمل زنا سے ہوگا جبکہ زنا سے حاملہ کا نکاح امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک صحیح ہوتا ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک فاسد ہوتا ہے بدائع میں یونہی مذکور ہے اھ، اور امام زیلعی وغیرہ کی روایت دوسرے احتمال یعنی زانیہ اور ولدالزنا نہ کہنے کو مفید ہے جبکہ دلیل کے اعتبار سے بھی یہی زیادہ واضح ہے نیز ایسے عظیم معاملہ میں احتیاط کی خوبی بھی اسی میں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس عورت نے خفیہ نکاح کیا یا شبہہ میں اس سے کسی نے وطی کرلی ہو اور اب حیاوشرم کی وجہ سے وہ پردہ پوشی کررہی ہو اور غلط بیانی سے کام لے رہی ہو اس لئے بچے مجہول (یعنی ایسا بچہ جس کا باپ معلوم نہ ہو) قرار دینا ہی مناسب ہے، ردالمحتار میں ہے کہ زیلعی وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی منکوحہ نے نکاح کے بعد چھ ماہ پورے ہونے سے قبل بچے کو جنم دیا تو اس خاوند سے بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ نطفہ نکاح سے قبل کا ہے اور یہ نکاح فاسد قرار پائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ حمل کسی دوسرے شخص سے نکاح صحیح یا شبہ سے وطی کے ساتھ ٹھہرا ہو، انہوں نے اس سے قبل بدائع کا کلام نقل کرکے فرمایا کہ بحر میں بدائع کی اتباع کی ہے جبکہ مجھے بدائع کے کلام کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی کیونکہ ایسی صورت میں جب بچے کا نسب نہ پہلے خاوند سے ثابت ہوا اور نہ ہی دوسرے

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۲

[2] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۳۔

[3] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۲

	سے، تو ظاہر ہے کہ دونوں کے علاوہ کسی غیر کا ہے اور وہ غیر ضروری نہیں کہ زنا ہو، ہوسکتا ہے کہ یہ حمل وطی بالشبہہ کی وجہ سے ہوا ہو، اور یہ نکاح صحیح نہ ہوگا مگر جب معلوم ہوجائے کہ یہ حمل زنا سے ہے، پھر زیلعی وغیرہ کا گزشتہ کلام آخر تک ہے، پس اس میں غور کرنا چاہیے اھ، **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۱۵: ۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ مجیدن ساکنہ بدایوں عرصہ ۲۲سال ہوا کہ اپنے گھر سے بھاگ کر خدامعلوم کہاں کہاں رہی بعد دو برس کے معلوم ہوا کہ نوکری آیا گیری کرلی چنانچہ وہاں کا حمل بھی رہا اور دعوی ایک انگریز پر اس حمل کا کیا پھر بریلی میں مسمّٰی اسد علی خاں سے ملاقات کرلی اور اس حمل کو اسد علی خاں کی یہاں وضع کیا، بعد وضع کے ایک ماہ اور رہی، اور پھر بچہ چھوڑ کر بھاگ گئی، اور نوکری آیا گیری کرلی، وہاں اسد علی خاں بھی پہنچے اور چند سال کے بعد وہیں انتقال کیا، وہ عورت بعد انتقال اسد علی خاں کے آوارہ پھرتی رہی اور کئی بچے پیدا ہو کر مرگئے، ان میں سے ایک لڑکا پندرہ برس کا اور ایک سال بھر کا موجود ہے، جس مدت میں کہ اس علی خاں سے ملاقات تھی پردہ میں ہرگز نہیں رہی اس کے نکاح کا کوئی گواہ کامل نہیں، ممّن میاں بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب اسد علی خاں کو بہت غیرت دلائی تو کہا کہ میں نے نکاح کرلیا ہے۔ چند امیاں بیان کرتے ہیں کہ میرے سامنے ہوا تھا اس کی عمر اس وقت تیس برس کی ہے اور بوقت نکاح کی دس برس کی تھی کیونکہ اس واقعہ کو بیس برس پورے ہوگئے تو ان کی شہادت بوقت نابالغی کی ہے اور جو لڑکا کہ پندرہ یا سولہ برس کا ہے اس کو اسد علی خاں کا بتاتے ہیں، پس اس صورت میں استفسار ہے کہ یہ عورت بدایوں والے خاوند کے نکاح میں رہی یا نہیں، اور ممّن میاں جو اسد علی خاں کے قول کو نقل کرتے ہیں یہ نقل کرنا قول کا شہادت عقد کا کام دے سکتا ہے یا نہیں، اور چندامیاں شخص واحد نابالغ کی شہادت معتبر ہے یا نہیں اور وہ لڑکا جو اسد علی خاں کا بتاتے ہیں ان کا ہے یا نہیں، ہاں زمانہ قرار نطفہ ان کی حیات کا زمانہ ہے اور درصورت ثبوت نکاح کے وہ لڑکا وارث ترکہ اسد علی خان کا ہے یا نہیں؟ **فقط بینوا بسند الکتاب توجروا فی یوم الحساب۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مجیدن بدستور اپنے شوہر بدایونی کے نکاح میں ہے کہ آوارگی وبدکارگی مزیل نکاح نہیں،

لحدیث ابی داؤد والنسائی	ابوداؤد اور نسائی کی حدیث میں ہے خاوند

قال ف۔ انی احبہا قال فامسکہا[1] وفی الدر المختار عن القنیۃ لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ[2]۔	نے کہا مجھے بیوی سے محبت ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تو اسے پاس رکھ لے، اور درمختار میں قنیہ سے منقول ہے فاجرہ بیوی کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں ہے۔ (ت)

اور شہادت مذکورہ ناکافیہ ہے کہ نکاح میں جب ایک گواہ معاینہ اور ایک اقرار بیان کرے تو یہ اختلاف شرعًا موجب ردِّ شہادت ہے،

فی الخانیۃ ثم الھندیۃ لوکان المشھور بہ، قولا لایتم الا بفعل، کالنکاح واختلف الشھود فی المکان والزمان اوفی الانشاء والاقرار لاتقبل شھادتھم[3] اھ وفی جامع الفصولین لو اختلف الشاھد بان شھد احدھما علی الانشاء، والاٰخر علی اقرار فی فعل کجنایۃ اوقول ملحق بالفعل کنکاح یمنع	خانیہ پھر ہندیہ میں ہے جس کے متعلق گواہی دی جارہی ہو وہ ایسا قول ہو جو فعل کے بغیر تام نہ ہو، مثلاً نکاح، تو وہاں گواہوں کا مکان یا زمان یا اس کے انشاء یا اقرار میں اختلاف ہو تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی اھ، اور جامع الفصولین میں ہے اگر دو۲ گواہوں کا کسی فعل کے متعلق اختلاف ہو کہ ایک نے انشاء اور دوسرے نے اقرار کی گواہی دی مثلاً جنایت یا اختلاف شہادت اس قول سے متعلق جو فعل پر تام ہو، مثلاً نکاح، تو ان کا یہ

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب النکاح آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۰، سنن النسائی تزویج الزانیۃ ۲/ ۷۱ وباب ماجاء فی الخلع ۲/ ۱۰۷ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۰ و ۲/ ۲۵۴

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل الشہادۃ التی تخالف الدعوٰی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۹، فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن فی الاختلاف بین الشاہدین نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

ف: سنن ابوداؤد کے الفاظ یوں ہیں: ان امرأتی لاتمنع ید لامس قال غربھا قال اخاف ان تتبعھا نفسی قال فاستمتع بھا، اور سنن النسائی ص ۱۰۷ پر بھی یہی الفاظ ہیں جبکہ ص ۷۱ پر الفاظ یوں ہیں: ان عندی امرأۃ ھی احب من الناس الیّ وھی لاتمنع ید لامس قال طلقھا قال لااصبر عنھا قال استمتع بھا۔ نذیر احمد سعیدی

قبول الشهادة [1] اھ ملخصا وفيه من الفصل من اختلاف الدعوى والشهادة لو شهداحدهما بنكاح والاخر باقرار به لايقبل كغصب [2]	اختلاف شہادت کے قبول کرنے کے لئے مانع ہوگا اھ، ملخصًا، اسی میں فصل ۱۱ اختلاف دعوٰے و شہادت سے ہے کہ ایک نے نکاح اور دوسرے نے اس کے اقرار پر شہادت دی تو یہ مقبول نہ ہوگی جیسا کہ غصب میں بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

پس جبکہ شوہر کافراش صحیحہ ثابت اور اسد علی خاں کے نکاح کا اصلاً ثبوت نہیں کہ بر تقدیر تزوج بحالت ناواقفی از نکاح غیر فراش فاسد حقیقی ٹھہر کر فراش صحیح حکمی پر بربنائے روایت مفتی بہا ماخوذ للامام الثانی مرجح رہی، **کما حققه فی الدر المختار و اوضحه فی ردالمحتار** (جیسا کہ درمختار میں اسکی تحقیق کی ہے اور ردالمحتار میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ت) تو بحکم حدیث صحیح متواتر **الولد للفراش وللعاهر الحجر** (بچے کا نسب نکاح والے کے لئے ہے اور زانی کے لئے محرومی ہے۔ت) وہ لڑکا شرعًا اسی بدایونی کا قرار پائے گا **مالم ینف لعانا** (جب تک لعان سے نسب کی نفی نہ کرے۔ت) اسد علی خان سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا کہ اس کا وارث ہوسکے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۱۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت بعد وفات اپنے شوہر کے کس قدر ایام تک نکاح کرنے سے ممنوع ہے اگر درمیان عدت کے عورت مذکور کے ساتھ کوئی شخص نکاح کرلے تو وہ نکاح صحیح ہے یا نہیں اور اولاد جو نکاح مذکور کے بعد پیدا ہوگی وہ صحیح النسب سمجھی جائیگی یا کیسے؟ **بینوا مع حوالۃ الکتاب۔**

الجواب:

اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک ورنہ چار مہینے دس دن تک نکاح نہیں کرسکتی **کما ھو منصوص فی القراٰن العزیز** (جیسا کہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں نص وارد ہوئی ہے۔ت):

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا [3]۔	اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ (ت)

[1] جامع الفصولین فصل فی الاختلاف بین الدعوٰی والشہادت الخ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/ ۱۶۴۔ ۱۶۳
[2] جامع الفصولین فصل فی الاختلاف بین الدعوٰی والشہادت الخ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/ ۱۶۵
[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۴

عدت کے اندر نکاح مطلقًا ناجائز ہے، ہاں اگر شوہر کو معلوم نہ تھا کہ دوسرے کی عدت میں ہے نادانستگی میں نکاح کرلیا تو اولاد صحیح النسب سمجھی جائے گی اور دانستہ اس حرام خالص کا مرتکب ہوا تو قنیہ و مجتبٰی و بحر الرائق وغیرہا کا مقتضٰی یہ ہے کہ اولاد ولد الزنا ہو، ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن المجتبٰی ان نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انہا اصلا ولھذا یجب الحدمع العلم بالحرمۃ لانہ زنا کمافی القنیۃ وغیرہ[1]۔	بحر میں مجتبٰی سے ہے اگر غیر شخص کی منکوحہ یا معتدہ کو جانتے ہوئے کسی نے اس سے نکاح کے بعد جماع کیا تو اس سے عورت پر عدت لازم نہ ہوگی کیونکہ کسی نے بھی اس کو جائز نہیں کہا اس لئے یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا اس لئے جان بوجھ کر ایسا کرنے والے پر زنا کی حد واجب ہوگی کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مگر تحقیق یہ ہے کہ اس صورت میں حتی الامکان اولاد شوہر اول کی ٹھہرے گی جبکہ اس کی موت سے دو برس کے اندر ہوئی ہو اور اگر دو برس کے بعد ہوئی تو شوہر ثانی کی قرار دیں گے جبکہ نکاح و وطی سے چھ مہینے بعد ہوئی ہو اور اگر اول کی موت کو دو سال کامل ہوچکے تھے، اور دوسرے کے نکاح و وطی کو ابھی چھ مہینے نہ ہوئے تو اسے مجہول النسب کہیں گے۔ فی البحر عن البدائع (بحر میں ہے بدائع سے منقول ہے۔ ت)

فان علم وقع الثانی فاسد فان جاءت بولد فان النسب یثبت من الاول ان امکن اثباتہ منہ بان جاءت بہ لاقل من سنتین منذطلقھا الاول او مات[2]۔	یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ عورت غیر کی عدت میں ہے اگر کسی نے اس سے نکاح کرلیا تو نکاح ثانی فاسد ہوگا، پھر اگر وہ عورت بچہ جنے تو بچے کا نسب پہلے خاوند سے قرار دیا جائے گا اگر اس سے ثابت کرنا ممکن ہو، مثلًا یوں کہ پہلے خاوند کی طلاق یا اس کی موت سے دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو نسب پہلے کا قرار دیا جائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

امااذالم یمکن بان جاءت بہ لاکثر من سنتین مذبانت ولستۃ اشھر	لیکن جب ایسا ممکن نہ ہو مثلًا بچے کی پیدائش طلاق بائنہ سے دو سال بعد اور دوسرے نکاح سے چھ ماہ

---

[1] ردالمحتار باب العدّۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۷

[2] بحر الرائق باب ثبوت النسب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۵۸

مذ تزوجت فھو للثانی کما فی البحر عن البدائع[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	پورے ہونے پر ہوئی تو اس صورت میں بچہ دوسرے کی طرف منسوب ہوگا جیسا کہ بحر میں بدائع سے منقول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۷: ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق بائن دی جو اس کے پاس بعد نکاح پندرہ روز رہی تھی مگر مرد نے خلوت اس کے ساتھ نہیں کی، دو اشخاص درمیانیوں نے کہ جو پورے اس حال سے واقف تھے اسی روز رشوت لے کر دوسرے شخص سے نکاح اس عورت کا کرادیا، بعد ایک سال کے اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس وقت خاوند کو معلوم ہوا کہ ایامِ عدت پورے ہونے سے پہلے نکاح ہوگیا تھا، اب وہ لوگ جنھوں نے اس شخص کا نکاح دھوکے سے کرادیا تھا کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں، عورت کا از روئے شرع شریف کے نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیا حکم کرانے والوں کے واسطے معہ زوجہ زوج کے اور اس لڑکے کے واسطے؟ آیا حرام ہے یا نہیں؟ فقط۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

خلوت کے معنی یہ ہیں کہ مرد وعورت دونوں تنہا ایک مکان میں تھوڑی دیر اکٹھے ہوئے ہوں جہاں مباشرت سے کوئی مانع نہ ہو اگرچہ مباشرت واقع نہ ہو۔ اگر خلوت بایں معنی ان مرد وزن میں نہ ہوئی تھی کہ مرد نے طلاق دے دی تو عورت پر اصلاً عدت لازم نہ ہوئی، اسی وقت اس سے نکاح کرلینا جائز تھا، اس تقدیر پر دوسرا نکاح کہ اس عورت نے کیا جائز ہوا، اور اولاد ولد الحلال ہے، ہاں اگر ایسی خلوت ہوگئی تھی اور پھر طلاق ہوئی اور عورت نے عدت نہ کی تو نکاح ثانی حرام قطعی ہوا اور جتنے لوگ اس سے واقف ہو نکاح ثانی میں شریک وساعی ہوئے سب حرام عظیم میں مبتلا ہوئے، شوہر دوم کو اگر اطلاع نہ تھی کہ یہ عورت مطلقہ ہے اور ہنوز عدت نہیں گزری ہے بلکہ بعد ولادتِ پسر اطلاع ہوئی جیسا کہ بیان سائل ہے جب تو یہ بچہ بلاشبہہ ولد الزنا نہیں، اور اگر وہ بھی آگاہ تھا اور دانستہ اس امر کا مرتکب ہوا تو بھی بچہ حرامی نہیں، فرق اتنا ہے کہ پہلی صورت میں شوہر ثانی کا بچہ قرار پائے گا اور دوسری صورت میں شوہر اول کا۔ درمختار میں ہے:

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۳

تزوجت معتدۃ بائن فولدت لاقل من سنتین مذبانت ولنصف حول مذتزوجت عن البدائع انھا للثانی معللا بان اقدامھا علی التزوج دلیل انقضاء عدتھا،حتی لو علمہ بالعدۃ فالنکاح فاسد وولدھا للاول [1] اھملتقطا،واللہ تعالٰی اعلم۔	بائنہ طلاق کی عدت والی نے نکاح کرلیا پھراس نے بائنہ طلاق کے وقت سے دو سال کے اندر اندر دوسرے نکاح سے چھ ماہ کے بعد بچے کو جنم دیا،تو بدائع سے منقول ہے کہ یہ بچہ دوسرے کا ہوگا،اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا عورت کا دوسرے نکاح کے لئے اقدام کرنا عدت ختم ہونے کی دلیل قرار دی جائیگی حتی کہ اگر مرد و عورت دونوں کو معلوم ہو کہ عدت ابھی باقی ہے،تو یہ نکاح فاسد ہوگا،اور بچہ پہلے خاوند کا قرار دیا جائے گا،ملتقطا،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۸:　　۲۷ جمادی الاٰخرہ ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ عورت خراب اور بدکار ہے،پس وہ عورت مذکورہ ایک مدت آوارہ طور پر پھرا کی،اب زید نے اس عورت کو اپنے مکان میں لاکر رکھ لیا،مکان میں داخل ہونے کے تین ماہ بعد دختر پیدا ہوئی،اس صورت میں اول تو یہ کہ زید کا نکاح نکاح رہا یا نہیں؟دوسرے یہ کہ وہ لڑکی زید کی قرار دی جائے گی یاحرام کی؟کیونکہ ایام آوارگی میں کبھی زید کے پاس نہیں آئی،اوراب زید نے جواس عورت کو پھر رکھا ہے نکاح کرے یانہیں؟اور زید عورت کے نکال دینے پراور پھر رکھ لینے پر از روئے شریف مستوجب کسی سزا ہے؟

الجواب:

صرف نکال دینے سے زید کے نکاح میں کچھ فرق نہ آیا،لڑکی زید ہی کی قرار پائے گی اگرچہ ایام آوارگی میں یہ عورت کبھی زید کے پاس نہ آتی اور مکان میں واپس آتے ہی اسی دن لڑکی پیدا ہوجاتی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:بچے کا نسب نکاح والے سے ہوگااور زانی کو محرومی ہے(ت)

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۳

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

زید کو دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں پھر رکھ لینے میں اس پر کوئی الزام نہیں، ہاں نکال دینا اگر بلاوجہ شرعی تھا تو گنہگار ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا دادا پٹھان تھا، دادی اور والدہ سیدانی۔ اس صورت میں زید سید ہے یا پٹھان؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرع مطہر میں نسب باپ سے لیا جاتا ہے جس کے باپ دادا پٹھان یا مغل یا شیخ ہوں وہ انہیں قوموں سے ہوگا اگرچہ اس کی ماں اور دادی سب سیدانیاں ہوں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے:

من ادعی الی غیر ابیه فعلیه لعنة الله والملئکة والناس اجمعین لایقبل الله منه یوم القیٰمة صرفا ولاعدلا [1] ۔ ھذا مختصر۔	جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے اس پر خود اللہ تعالٰی اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے، اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کا نہ فرض قبول کرے نہ نفل۔ مختصراً۔

بخاری و مسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وغیرہم نے یہ حدیث مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی ہے، ہاں اللہ تعالٰی نے یہ فضیلت خاص امام حسن وامام حسین اور ان کے حقیقی بھائی بہنوں کو عطا فرمائی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیٹے ٹھہرے پھر ان کی جو خاص اولاد ہے ان میں بھی وہی قاعدہ عام جاری ہوا کہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوں اس لئے سبطین کریمین کی اولاد سید ہیں نہ کہ بناتِ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد کہ وہ اپنے والدوں ہی کی طرف نسبت کی جائیں گی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۰: از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ نواب پورہ مرسلہ نیاز اللہ خاں ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

حضور لامع النور عالم ظاہر و باطن ومعقول ومنقول جناب فیض مآب مفتی محمد احمد رضاخاں صاحب دام فیوضہم، عالیجاہ! عرض یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا مدت تک پھر اسی کی زندگی میں اس کی بیٹی سے بھی حرام کیا، یہاں تک کہ دس برس تک اسے گھر میں ڈال کر پردہ میں رکھ کر حرام کرتا رہا، چار بچے پیدا ہوئے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا، وہ پرورش پاگئے، اور یہ عورت منکوحہ جس کی یہ اولاد حرامی موجود ہے

[1] المعجم الکبیر حدیث مروی از عمرو بن خارجہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/۳۴

دوسرے شخص کی منکوحہ تھی اس کے پاس سے بھاگ کر زانی کے پاس رہنے لگی، خاوند اس کو لینے آیا خلق بیان کرتی ہے کہ خاوند نے اس فعل کو دیکھ کر برادری کے سبب سے طلاق دے دی واللہ اعلم بالصواب والغیب عنداللہ اب وہ شخص زنا سے توبہ کرکے نکاح میں لانا چاہتا ہے، آیا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور درصورت ناجائز ہونے نکاح کے وہ عورت مع ان بچوں کے نکال دی جائے گی یا بچے اس سے وہ شخص پرورش کرنے کے لئے لے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر شوہر نے اسے طلاق بھی دی ہو تاہم زانی سے نکاح نہیں ہوسکتا جب یہ اس کی ماں سے زنا کرچکا، بیٹی ہمیشہ کو حرام ہوگئی،

فی الدر المختار حرم اصل مزنیة وممسوسة، والمنظور الی فرجها الداخل وفروعهن[1] اھ ملخصًا۔	درمختار میں مزنیہ اور جس عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا اور وہ جس کی شرمگاہ کے داخل حصہ کو شہوت سے دیکھا ہو ان عورتوں کے اصول وفروع حرام ہوجائیں گے اھ ملخصًا (ت)

اور جبکہ معلوم ہے کہ اس زانی نے اب تک اس سے نکاح نہ کیا تھا اب زنا سے توبہ کرکے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ بچے اس شخص کے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے بلکہ اگر شوہر نے طلاق نہ دی یا طلاق سے پہلے یا اس کے بعد چھ مہینے کے اندر تک یہ اولادیں پیدا ہوئیں تو سب شوہر ہی کی قرار پائیں گی اور زانی کے لئے پتھر۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الولد للفراش وللعاهر الحجر[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بچے کا نسب نکاح والے سے ہوگا اور زانی کو محرومی ہے (ت)

اور طلاق سے چھ مہینے یا زائد کے عـــہ رجعی تھی اور بچہ اس وقت ہوا کہ عورت نے ہنوز عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا تھا یا اقرار ایسے وقت کیا تھا کہ اتنی مدت میں عدت کا گزر جانا محتمل نہیں یعنی امام کے نزدیک طلاق کو دو مہینے اور صاحبین کے نزدیک انتالیس ۳۹ دن نہ گزرے تھے یا اقرار وقت تو گزرنا محتمل تھا مگر بعد کو اس کا

عـــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] صحیح البخاری باب الولد للفراش حرۃ کانت اوآمة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

کذب ظاہر ہوا کہ جو وقت اس نے انقضائے عدت کا بتایا تھا اس سے چھ ۶ مہینے کے اندر بچہ ہوا تو ان صورتوں میں پہلا بچہ جو بعد طلاق ہوا ہے علی الاطلاق شوہر ہی کا ٹھہرے گا طلاق سے بیس برس بعد پیدا ہوا کہ طہر کے لئے زیادت کی جانب کوئی حد مقرر نہیں، ممکن ہے کہ تین حیض تیس برس میں آئیں تو انقضائے عدت نہ فی نفسہٖ ثابت ہوا نہ عورت کے اقرار مقبول سے، لاجرم اس کا پیٹ میں رہنا ایامِ نکاح میں تھا یا زمانہ عدت میں ہر طرح نسب ثابت ہے کہ طلاق رجعی میں شوہر جب عدت کے اندر وطی کرے تو وہ حرام نہیں ہوتی بلکہ رجعت ہو جاتی ہے ولہٰذا عدت ہی میں حمل رہنا ثابت نہ ہوا بلکہ محتمل کہ طلاق سے پہلے کا ہو تو اس کی ولادت مثبت رجعت نہ ہوگی بلکہ مثبت انقضائے عدت ہوگی کہ وضعِ حمل کے بعد بقائے عدت کے کوئی معنی نہیں، اس صورت میں اور بچے جو اسی کی ولادت کے چھ مہینے یا زائد کے بعد پیدا ہوئے شوہر کے نہیں ٹھہر سکتے کہ ان کا پیٹ میں رہنا نہ ایامِ نکاح میں ہوا نہ زمانہ عدت میں، ہاں اگر دوسرا بچہ اس سے پہلے کی پیدائش سے چھ مہینے کے اندر ہو گیا تو یہ بھی شوہر کا قرار پائے گا کہ چھ ۶ مہینے سے کم میں دوسرے حمل کا بچہ نہیں ہو سکتا، لاجرم یہ اسی کے ساتھ تھا، اور اگر طلاق بائن تھی اگرچہ مغلظہ ہو اور عورت اپنے شوہر کی مدخولہ تھی اور اس نے ہنوز انقضائے عدت کے اقرار مقبولہ بمعنی مذکور کیا تھا کہ طلاق سے دو ۲ برس کے اندر بچہ ہوا تو بھی شوہر کا ٹھہرے گا کہ اس کا پیٹ میں رہنا ایام نکاح میں محتمل ہے، اور دو برس کے بعد ہوا تو اب حمل زمانہ نکاح کا تو یقیناً نہ تھا نہ ایامِ عدت کا ٹھہرا سکتے ہیں کہ بے نکاح جدید عدت بائن میں قربت حرام ہے، اس صورت میں ناچار شوہر کا نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ اپنا ایک بچہ ہولیا تھا یہ دوسرا اس سے چھ ۶ مہینے کے اندر ہو گیا تو بوجہ سابق اسے بھی شوہر کا ٹھہرا دیں گے، بالجملہ اتنی صورتیں ہیں جن میں یہ بچے کل یا بعض شوہر ہی کے ٹھہریں گے اور ثابت النسب ہوں گے اور انہیں ولد الزنا کہنا ناجائز ہوگا، اور اگر بالفرض ان صورتوں سے کوئی شکل نہ پائی جائے تو غایت یہ کہ شوہر کے نہ ٹھہریں ولدالزنا یا مجہول النسب ہوں، بہر حال زانی کے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے نہ اسے ان پر کوئی استحقاق و دعوی۔ تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی وان ولدت لاکثر من سنتین ولو لعشرین سنۃ فاکثر لاحتمال امتداد طھرھا وعلوقھا فی العدۃ مالم تقر بمضی العدۃ وکانت الولادۃ	رجعی طلاق کی عدت والی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو نسب اسی خاوند کا ہوگا اگرچہ یہ بچہ طلاق سے دو سال، بیس سال یا بیس سال سے بھی زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نطفہ عدت میں ٹھہرا ہو اور عدت کے دوران طہر طویل ہوئے ہوں تاوقتیکہ

رجعة لوفی الاکثر منهما اولتمامهما لعلوقهافی العدة (فیصیر ف بالوطء مراجعا نهر)لافی الاقل للشك (فان اقرت بانقضائها والمدة تحتملة بان تکون ستین یوما علی قول الامام وتسعة وثلثین علی قولهما ثم جاءت بولد لایثبت نسبه الا اذاجاءت به لاقل من ستة اشهر من وقت الاقرار فانه یثبت نسبه للتیقن بقیام الحمل وقت الاقرار فیظهر کذبها، وکذاهذافی المطلقة البائنة والمتوفی عنها اذا ادعت انقضائها ثم جاءت بولد لتمام ستّة اشهر لایثبت نسبه.ولاقل یثبت کما یثبت بلادعوة احتیاطا فی مبتوتة(یشمل البت بالواحدة والثلاث تزوجها فی العدة اولابحر)جاءت به لاقل منهما من

عورت نے عدت ختم ہونے سے پہلے اقرار نہ کیا ہو اور بچے کی ولادت کو خاوند کا رجوع قرار دیا جائے گا اگر مطلقہ رجعی دوسال یا دو سال کے بعد بچہ جنم دے کیونکہ ممکن ہے کہ استقرار حمل عدت میں ہوا ہو (لہٰذا خاوند وطی کے ساتھ رجوع کرنے والا قرار پائے گا، نہر)اور دوسال سے کم مدت میں پیدائش ہوتو شک کی بناپر خاوند کا رجوع ثابت نہ ہوگا(کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ حمل طلاق سے پہلے کا ہو) پھر اگر عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار کرلیا ہو اور وہ مدت بھی عدت کے ختم ہونے کا احتمال رکھتی ہو مثلاً امام اعظم کے قول پر ساٹھ دن اور صاحبین کے قول پر انتالیس۳۹ دن گزرچکے ہیں پھر اس اقرار کے بعد بچہ کو جنم دے تو اس صوت میں بچے کا نسب پہلے خاوند سے ثابت نہ ہوگا مگر جبکہ اقرار کے وقت سے چھ ماہ کے اندر بچہ جنم دے تو نسب اسی سے ہی ثابت ہوگا کیونکہ اب یقینا اقرار کے وقت وہ حاملہ تھی تو اس سے عورت کا اقرار جھوٹا ثابت ہوجائے گا اور یوں ہی اگر مطلقہ بائنہ یا جس کا خاوند فوت ہوجائے گا اور یوں ہی اگر مطلقہ بائنہ یا جس کا خاوند فوت ہوا ہو جب وہ عدت ختم ہوجانے کا دعوی کرے پھر دعوی کے چھ ماہ بعد بچہ کو جنم دے تو یہ نسب بھی پہلے خاوند کا نہ ہوگا اور اگر چھ ماہ سے کم مدت ہو تو احتیاطًا نسب پہلے خاوند کا ہوگا جیسا کہ بغیر دعوی بھی بائنہ طلاق والی میں نسب ثابت ہوتا ہے (خواہ ایک طلاق یا تین طلاق سے بائنہ ہوئی ہو اور اس نے عدت میں دوسرے سے نکاح کیا یا نہ کیا ہو، بحر) بشرطیکہ اس نے طلاق سے دوسال کے اندر

ف: قوسین کے درمیان والی عبارت ردالمحتار کی ہے جبکہ قوسین سے باہر والی عبارت تنویر اور درمختار کی ہے۔ نذیر احمد

وقت الطلاق لجوازه وجوده وقته ولم تقر بمضیها، کما مر، ولولتماامهما لایثبت النسب الابدعوته لانه التزمه وهی شبهة عقد ایضا والا اذا ولدت توأمین احدهما لاقل من سنتین والاخر لاکثر فیثبت لکن فی القهستانی الدعوة مشروطة فی الولادة لاکثر منهما وان لم تصدقه المرأة فی الاوجه فتح، ویثبت نسب ولد المقرة بمضیها لولاقل من اقل مدته من وقت الاقرار ولا قل من اکثرها من وقت البت للتیقن بکذبها (استشکله الزیلعی بمااذااقرت بعد سنة مثلا ثم ولدت لاقل من ستة اشهر من وقت الاقرار ولا قل من ستین من وقت الفراق فانه یحتمل بانقضائها ان تنقضی فی ذٰلك الوقت فلم یظهر کذبها بیقین الااذاقالت انقضت عدتی الساعة ثم ولدت لاقل المدةمن ذٰلک

بچہ کو جنم دیا ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ طلاق کے وقت اس کا حمل موجود ہواور اقرار بھی نہ پایا گیا ہو جیسا کہ گزر چکا ہے اور اگر طلاق سے دوسال پورے ہوجانے کے بعد بچہ جنا ہو تو پھر اس کے دعوی کے بغیر نسب ثابت نہ ہوگا، کیونکہ زوج نے نسب اپنے اوپر خود لازم کرلیا اور یہ مشابہ عقد بھی ہے مگر یہ کہ عورت نے اس حمل سے دو بچے جنے یوں کہ ایک کو دو سال پورے ہونے سے قبل اور دوسرے کو دوسال کے بعد جنم دیا ہو تو اس صورت میں دعوی کے بغیر نسب ثابت ہوجائے گا لیکن قہستانی میں ہے اوجہ روایت کے مطابق دو سال کے بعد کی ولادت کی صورت میں دعوی شرط ہے اگرچہ عورت زوج کی تصدیق نہ کرتی ہو، فتح۔ایسی عورت جس نے عدت گزر جانے کا اقرار کر رکھا ہو اور وہ اقرار کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ کو جنم دے یا طلاق بائن کے وقت سے دوسال کے اندر بچہ کو جنم دے تو اس بچے کا نسب ثابت ہوگا کیونکہ اس صورت میں عورت کا جھوٹا ہونا یقینی ہے، اس پر زیلعی نے یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ مثلاجب عورت سال بعد عدت ختم ہونے کا اقرار کرے پھر وقت اقرار سے چھ ماہ کے اندر اور وقت فراق سے دوسال کے اندر بچے کو جنم دے تو ایسی صورت میں عدت کے ختم ہونے کا احتمال موجود ہے کہ عدت اسی وقت میں ختم ہوئی ہو تو عورت کا جھوٹا ہونا بطور یقین ثابت نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ جب وہ یوں کہے کہ میری عدت اب ختم ہوئی ہے پھر اس وقت سے چھ ماہ کے اندر بچہ کو جنم دے تو جھوٹا ہونا ظاہر

الوقت اھ[1] استظھرہ فی البحر،وقال یجب حمل کلامھم علیه کما یفھم من غایة البیان وتبعه فی النھر والشرنبلالیة انتھت ملتقطا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوگااھ اس کو بحر میں ظاہر قرار دیا،اور کہا کہ فقہاء کے کلام کو اس معنی پر محمول کرنا ضروری ہے جیسا کہ غایۃ البیان سے سمجھا جارہا ہے،اور نہر اور شرنبلالی میں اس کی پیروی کی ہے انتہت ملتقطا،واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۲۱تا۱۲۴: از کوہ منصوری ڈاکخانہ کلہڑی کام اپرانڈیا گیٹ مرسلہ کلیم اللہ صاحب ۳۰جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

۱کتاب بہشتی زیور میں حصہ چہارم میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند مرجائے اور ایک دن کم دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو وہ مرحوم خاوند کا مانا جائے گا،یہ مسئلہ شرع محمدی یا طب یا ڈاکٹری سے تحقیق ہے،یہ جائز ہے یا ناجائز؟اور اگر جائز ہے تو کب سے ہے؟یا کہ پرانا مسئلہ ہے یا اولیائے کرام سے جائز ہے؟

۲دوسرے یہ کہ چار مہینے دس دن جو شرع سے قائم ہیں بعد عدت سے نکاح کرے تو بعد کو ایک سال یا ۹مہینے کے بچہ پیدا ہوا تو پہلے خاوند کا مانا جائے گا یا جس سے نکاح ہوا اس کا؟

۳تیسرے یہ کہ وہ بچہ کونسی حق ملکیت میں مستحق ہوگا پہلے باپ کی ملکیت میں یا دوسرے کی؟

۴چوتھے یہ کہ بعض امام سلام پھیر کر سرپر ہاتھ رکھتے ہیں تو کس مصلحت سے رکھتے ہیں؟

الجواب:

کتاب بہشتی زیور نہ دیکھا کیجئے،اس کا دیکھنا حرام ہے،اس میں بہت سے مسائل غلط اور بہت باتیں گمراہی کی ہیں اس کے مصنف کو تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق نام لے کر لکھا ہے **من شك فی کفرہ فقد کفر**[2] جو اس شخص مذکور کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

یہ مسئلہ یوں ٹھیک نہیں بلکہ اگر چار مہینے دس دن عدت کے گزار کر عورت نکاح کرلے اور نکاح سے چھ مہینے بعد بچہ پیدا ہو کہ موتِ شوہر سے دس مہینے دس ہی دن بعد ہوا ہرگز پہلے شوہر کا نہ ٹھہرے گا بلکہ اسی دوسرے کا ہے پہلے شوہر کے ترکہ سے اسے کچھ نہ ملے گا،یہ دوسرا شخص ہی اس کا باپ ہے اگر یہ مرے گا تو وہ بچہ اس کا وارث ہوگا بلکہ اگر عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ بھی کرے صرف اتنا ہو کہ چار ماہ دس دن بعد وہ اپنی عدت

---

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۲۔۲۶۱،ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۲۳تا۶۲۶

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

گزر جانے کااقرار کرچکی ہواس کے چھ مہینے بعد بچہ پیدا ہواجب بھی ہر گزاس شوہر مردہ کانہ ٹھہرے گا۔ درمختار میں ہے:

لواقرت بمضیھا بعد اربعۃ اشھروعشرا فولاد تہ لستۃ اشھرلم یثبت لاحتمال حدوثہ بعد الاقرار [1] (ملخصًا)	اگر عورت موتِ زوج کے وقت سے چار ماہ دس دن عدت گزرنے کا اقرار کرے پھر وقت اقرار سے پورے چھ ماہ میں بچہ کو جنم دے تو بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ احتمال ہے کہ حمل کا حدوث اقرار کے بعد ہوا ہو۔ (ت)

نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ایک دعا پڑھنا حدیث میں آیا ہے کارڈ میں دعا لکھنے کی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵: از پیلی بھیت مرسلہ عثمان صاحب معرفت مولوی عبدالحق صاحب ۲۲ شوال ۱۳۳۶ھ

ہندہ سے اس کے شوہر نے پونے تین سال سے قربت نہیں کی اور اس زمانہ میں پونے تین سال ہندہ اپنے باپ کے یہاں رہی اور اس صورت میں کہ میکے میں سوائے باپ کے اور کوئی اس کا رشتہ دار نہیں تھا اور ماں بھی اس کی نہیں تھی اور نہ کوئی عورت اور اس کے پاس تھی، اب پونے تین سال کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا، ہندہ حلف سے اور قسم سے کہتی ہے کہ بچہ میرے شوہر کا ہے جس طرح چاہے اطمینان کرلو، اس زمانہ پونے تین سال میں اپنے شوہر یا اس کے خاندان والوں کو یا اپنے ماں باپ کے رشتہ داروں کو مطلع نہیں کیا حالانکہ دونوں طرف بچہ ہونے کی کمال تمنا تھی کیونکہ اس کے شوہر کی دوسری بی بی سے بھی نیز اس سے اور کوئی اولاد نہ تھی، ہندہ کہتی ہے کہ مجھ کو دو ڈھائی مہینے سے آثارِ حمل کچھ ظاہر ہوئے میں نے بوجہ اپنی سوت کے کسی سے اظہار نہیں کیا کہ مبادا سوت درپے آزار ہو مگر میں نے اپنے شوہر کو نیز اپنی چچی کو بلایا وہ میرے پاس نہیں آئی بچہ باپ کے یہاں پیدا ہوا، چوتھے روز شوہر کو بذریعہ تحریر مطلع کیا، ہندہ نے یہ بھی اپنی چچی سے کہا میری بینائی میں فرق آگیا ہے اور میرا جسم اکثر پکتا ہے، یہ اس کی حالت تھی، یہ اس کی چچی کا بھی بیان ہے اور ایام بھی بند تھے مگر گاہے کچھ معلوم ہو کر بند ہو جاتا تھا، جب ہندہ اور اس کے باپ نے بذریعہ تحریر شوہر کو اطلاع دی مولود کی، تب شوہر نے حالتِ غم میں اس کا جواب تحریری بھیجا کہ عرصہ سے میرا اس سے تعلق نہیں لہٰذا وہ بچہ میرا نہیں ہے اور میرا اس سے تعلق نہیں ہے۔ اس کا جواب عباراتِ فقہاء واحادیث وتمثیلات سے فرمایا جائے، فقط۔

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۲

الجواب

صورت مستفسرہ میں وہ بچہ شرعًا بلاشبہہ اسی شوہر کا ہے اسے اس کا انکار جائز نہیں پونے تین در کنار تیس چالیس برس سے دونوں الگ ہوتے جب بھی بچہ اسی کا ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر [1]۔	بچہ نکاح والے کا ہے اور زانی کے لئے محرومی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

قد اکتفوا بقیام الفراش بلا دخول کتزوج المغربی بمشرقیۃ بینھما مسافۃ سنۃ فولدت لستۃ اشھر مذتزوجھا لتصور کرامۃ واستخداما، فتح [2]۔	فقہاء کرام نے ثبوت نسب میں نکاح موجود ہونے کو کافی قرار دیا اگرچہ جماع نہ پایا جائے، جیسے کوئی مغرب میں رہنے والا شخص مشرق میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے اور دونوں کے درمیان سال بھر کی مسافت ہو اور اس عورت کے ہاں وقتِ نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو نسب نکاح والے کا ہوگا کیونکہ کرامت اور استخدام کے طور پر یہ ممکن ہے اور متصور ہے، فتح۔(ت)

ہمارے ائمہ نے اکثر مدت حمل دو سال رکھی ہے کہ غالب یہی ہے اور فقہ میں غالب ہی کا اعتبار ہے نادر خصوصًا ایسا کہ صدہا سال کروڑوں ولادتوں میں اس کا خلاف نہ مسموع ہو لحاظ نہیں کیا جاتا، امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں ایک صاحب اپنی زوجہ کو وطن میں چھوڑ کر سفر کو گئے دو برس بعد واپس آئے تو عورت کو حاملہ پایا ایک مدت بعد بچہ ہوا قد نبتت ثنیتاہ یشبہ اباہ اس کے اگلے چاروں دانت پیٹ ہی سے نکل چکے تھے صورت میں اپنے باپ سے مشابہ تھا فلماراہ الرجل قال ولدی ورب الکعبۃ جب ان صاحب نے اس بچے کو دیکھا کہا خدا کی قسم میرا بچہ ذکرہ فی الفتح، وقال انما ھو بقیام الفراش ودعوی الرجل نسبہ [3] اھ (اس کو فتح میں ذکر کیا ہے، اور فرمایا یہ تب ہے کہ نکاح موجود ہو اور زوج نسب کا دعوٰی کرے اھ۔ت)

اقول: فی صدر الحدیث ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ھم برجمھا	**اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) حدیث کے شروع میں ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس عورت کو رجم

---

[1] صحیح البخاری باب الولد للفراش حرۃ کانت اوامۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

[2] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۲

[3] فتح القدیر باب فصل فی ثبوت النسب نوریہ رضویہ سکھر ۴/۱۸۱

فقال له معاذ رضی الله تعالٰی عنه ان کان لك علیها سبیل فلاسبیل لك علی مافی بطنها،فترکها حتی ولدت ولداقد نبتت الخ[1] فالفراش قد کان قائما حین هم برجمها وهو لایحتاج الی الدعوة فالصواب ان یشاء الله تعالٰی ان ذٰلك قد یقع بغایة الندرة والعبرة فی الفقه الغالب فافهم، ثم بعد سویعة رأیت ولله الحمد الامام السرخسی رحمه الله تعالٰی صرح فی مبسوطه بما سبق الیه خاطر الفقیر اذقال بعد ذکر الحدیث المذکور والاحکام تبتنی علی العادة الظاهرة وبقاء الولد فی بطن امه اکثر من سنتین فی غایة الندرة[2]۔	کرنے کا قصد فرمایا توان سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ آپ کو اس عورت پر قدرت ہے مگر اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس پر آپ کی قدرت نہیں، تو اس پر عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورت کو چھوڑ دیا حتی کہ اس عورت نے ایسے بچے کو جنم دیا جس کے دانت نکل چکے تھے الخ تو جب حضرت عمر فاروق نے اس عورت کے رجم کا ارادہ فرمایا تو اس وقت اس کا نکاح موجود تھا، تو ایسی صورت میں نسب کا دعوی کی ضرورت نہیں، تو درست یہی ہے۔ اگر اللہ تعالٰی نے چاہا کہ ایسا واقعہ انتہائی نادر ہوتا ہے۔ جبکہ فقہ میں کثیر الوقوع کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس پر غور کرو۔ پھر تھوڑی دیر بعد للہ الحمد میں نے امام سرخسی کا نقل کردہ کلام دیکھا کہ آپ نے اپنی مبسوط میں اسی بات کی تصریح فرمائی جو میرے دل پر وارد ہوئی تھی، جب انہوں نے مذکورہ حدیث اور کچھ ایسے واقعات جن کا ذکر آرہا ہے، کو بیان کرکے فرمایا ہمارے لئے احکام ظاہر عادت پر مبنی ہیں، جبکہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زائد عرصہ بچے کا رہنا انتہائی نادر واقعہ ہے۔ (ت)

دارقطنی و بیہقی اپنے اپنے سنن میں ولید بن مسلم سے راوی امام دارالہجرۃ عالم المدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

هذه جارتنا امرأة محمد بن عجلان امرأة صدق و زوجها رجل صدق حملت ثلثة ابطن فی اثنی عشرة سنة کل بطن فی اربع سنین[3]۔	یہ ہیں ہماری ہمسائی محمد بن عجلان کی بی بی، یہ سچی عورت اور وہ سچے مرد، ان کے تین حمل بارہ ۱۲ برس میں ہوئے، ہر حمل چار سال میں۔

[1] فتح القدیر باب ثبوت النسب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۱۸۱

[2] مبسوط سرخسی باب العدة وخروج المرأة من بیتها دار المعرفة بیروت ۶/۴۵

[3] فتح القدیر بحواله الدارقطنی والبیهقی باب ثبوت النسب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۸۱۔۱۸۰

امام شمس الائمہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں:

قیل ان الضحاك ولدته امه لاربع سنین، وولدته امه لاربع سنین، وولدته بعد ما نبتت ثنیتاه وهو یضحك فسمی ضحاکا وعبدالعزیز الماجشونی رضی الله تعالٰی عنه ولدته امه لاربع سنین وهذه عادة معروفة فی نساء ماجشون رضی الله تعالٰی عنهم انهن یلدن لاربع سنین[1]۔	یعنی منقول ہوا کہ امام مفسر محدث ضحاک چار برس ماں کے پیٹ میں رہے، پیدا ہوئے تو اگلے چاروں دانت نکل چکے تھے، ہنستے معلوم ہوتے تھے اس لئے ضحاک نام رکھا گیا (یعنی بہت ہنسنے والے)، اور امام محدث عبدالعزیز ماجشونی بھی چار برس حمل میں رہے، اور بنی ماجشون کی عورتوں کی یہ عادت مشہور ہے کہ بچہ ان کے پیٹ میں چار برس رہتا ہے۔

شوہر زن کا کہنا ہے کہ وہ بچہ میرا نہیں اور میرا اس سے تعلق نہیں، اس لفظ اخیر میں اگر لفظ اول کے خلاف اس کی ضمیر بچے کی طرف ہے جب تو ظاہر کہ اسے طلاق سے کوئی تعلق نہیں اور اگر مثل اول ضمیر عورت کی طرف ہے تو یہ لفظ کنایات طلاق سے ہے اور وہ محتمل سَبّ و ذم ہے یعنی میں ایسی عورت سے بیزار ہوں اور حالت حالت غضب ہے تو بے اقرار شوہر نیت طلاق کا ثبوت نہ ہوگا اس سے قسم لی جائے اگر بحلف کہہ دے کہ میں نے یہ لفظ نہ نیت ازالہ علاقہ نکاح نہ کہا تھا تو طلاق نہ ہوئی اگر جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر ہے، مبسوط امام شمس الائمہ میں ہے:

انت بائن حرام بتة خلیة بریة تحتمل معنی السب ای انت بائن من الدین بریة من الاسلام خلیة من الخیر حرام الصحبة والعشرة بتة عن الاخلاق الحسنة وعن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی انه الحق بهٰذه الالفاظ اربعة الفاظ اخر خلیت سبیلك فارقتك لاسبیل لی علیك لاملك	اگر خاوند بیوی کو کہے "تو بائن ہے، حرام ہے، دور ہے، خالی ہے، بری ہے" تو یہ الفاظ محتمل معنی سب وذم ہیں یعنی تو دین سے الگ ہے، تو اسلام سے بری ہے، خیر سے خالی ہے، صحبت وعشرت سے محروم ہے، اخلاق حسنہ سے دور ہے (لہٰذا یہ الفاظ مذکورہ معانی کی وجہ سے گالی بن سکتے ہیں اس لئے طلاق کی نیت کئے بغیر طلاق نہ ہوگی) امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انہوں نے ان پانچ الفاظ پر مزید چار الفاظ ذکر فرمائے (جن میں گالی کا احتمال ہونے

[1] مبسوط السرخسی باب العدة وخروج المرأة من بیتها دار المعرفة بیروت ۶/ ۴۵

لی علیك لانها تحتمل معنی السب ای لاملك لی علیك لانك ادون من ان تملکی، لاسبیل لی علیك لشرك وسوء خلقك، وفارقتك انقاء لشرك و خلیت سبیلك لهوانك علیّ[1]۔	کی وجہ سے بغیر نیت طلاق نہ ہوگی) وہ چار الفاظ یہ ہیں، میں نے تیرا راستہ کھول دیا، میں تجھ سے الگ ہوں، میرا تجھ پر چارہ نہیں، میری تجھ پر ملکیت نہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ گالی کا احتمال رکھتے ہیں یعنی میری تجھ پر ملکیت نہیں کیونکہ تو اس قابل نہیں، میرا تجھ پر چارہ نہیں تیرے شر اور بداخلاقی کی وجہ سے، میں تجھ سے الگ ہوں تیرے شر اور بداخلاقی سے بچتے ہوئے، میں نے تیرا راستہ کھول دیا ہے کہ تو میرے ہاں کمینی ہے۔ (ت)

اسی طرح تبیین امام زیلعی میں ہے۔ بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

روی عن ابی یوسف انه زاد علی هذه الالفاظ الخمسة خمسة اخری لاسبیل لی علیک، فارقتک، خلیت سبیلک، لاملك لی علیک، بنت منی، لان هذه الالفاظ تحتمل الشتم کما تحتمل الطلاق، فیقول الزوج لاسبیل لی علیك لشرک، وفارقتك فی المکان لکراهة اجتماعی معک، وخلیت سبیلك ومما انت علیه، ولاملك لی علیك لانك اقل من اتملک، وبنت منی لانك بائن من الدین اوالخ[2]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انہوں نے ان پہلے پانچ مذکورہ الفاظ پر مزید پانچ ذکر فرمائے جن میں چار وہی پہلے والے اور ایک "تو مجھ سے دور ہے"، کیونکہ یہ الفاظ جیسے طلاق کا احتمال رکھتے ہیں گالی ہونے کا احتمال بھی رکھتے ہیں، مثلاً خاوند کہتا ہے تیرے شر کی وجہ سے میرا تجھ پر چارہ نہیں، میں مکان میں تجھ سے جدا رہتا ہوں کیونکہ تیرے ساتھ اکٹھا رہنا ناپسند کرتا ہوں، تیرا راستہ تیرے حال پر کھولتا ہوں، تجھ پر میری ملکیت نہیں کیونکہ تو اس قابل نہیں، تو مجھ سے دور ہو کیونکہ تو دین سے دور ہے یا الخ (ت)

ہدایہ میں ہے:

عن ابی یوسف فی قوله لاملک	"تو مجھ سے دور ہے" کہ ماسوا باقی چار الفاظ کو

[1] مبسوط السرخسی باب ماتقع به الفرقة ممایشبه الطلاق دار المعرفة بیروت ۸۰/۶ و۸۱

[2] بدائع الصنائع فصل واما الکنایة فنوعان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۷/۳

لی علیك ولاسبیل لی علیك وخلیت سبیلك وفارقتک،انه یصدق فی حالة الغضب لما فیها من احتمال معنی السب[1]۔	ذکر کرکے کہا کہ ابویوسف سے مروی ہے کہ اگر خاوند کہے کہ یہ میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہے، تو غصہ کی حالت میں کہنے پر خاوند کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ ان الفاظ میں گالی ہونے کا احتمال ہے۔(ت)

عنایہ میں ہے:

فان قوله لاملك لی علیك یحتمل ان یکون معناہ لانك اقل من ان تنسبی الی ملکی او نسب الیك بالملك ولاسبیل لی علیك لسوء خلقك واجتماع انواع الشرفیک،وخلیت سبیلك لقذارتك و فارقتك فی المضجع لذفرك وعدم نظافتك والحقی باھلك لانك اوحش من ان تکونی خلیلتی۔[2]	خاوند کا کہنا کہ "تجھ پر میری ملکیت نہیں ہے" کا معنٰی ہوسکتا ہے کہ تو میری ملکیت کے قابل نہیں یا میں تیرا مالک بنوں تو اس قابل نہیں، "میرا تجھ پر چارہ نہیں" کا یہ معنی ہوسکتا ہے کہ یہ تیری بداخلاقی کی وجہ سے اور تیرے ہر قسم کے شر کی وجہ سے،اور تیرا راستہ کھول دیا تیری بری حالت کی وجہ سے، میں تجھ سے جدا ہوں لیٹنے میں تیری بدبو اور صفائی نہ ہونے کی وجہ سے، تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا کیونکہ تو میرے ہمراہ رہنے میں وحشت محسوس کرتی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الحق ابویوسف بالتی تحتمل السب الفاظ اُخری وھی لاملك علیک،لاسبیل لی علیک،خلیت سبیلک، فارقتك فھذہ اربعة الفاظ ذکرھا الوالوالجی وذکرھا العتابی خسمة،لاسبیل،لاملک،خلیت سبیلک، الحقی باھلک،حبلك علی	ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے جوان الفاظ کے ساتھ گالی ہونے کا احتمال رکھتے ہیں مزید چار مذکورہ الفاظ شامل کئے،انہی چاروں کو ولوالجی نے ذکر کیا اور عتابیہ میں یہ پانچ ذکر کئے، تجھ پر چارہ نہیں، تجھ پر ملکیت نہیں، تیرا راستہ کھول دیا، اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا، تیری رسی تیرے کندھے پر ہے، ایضاح اور شرح جامع صغیر میں شمس الائمہ نے پانچ یہی ذکر فرمائے، لیکن، تیری رسی تیرے کندھے پر ہے، کی

[1] الهدایة کتاب الطلاق فصل فی الطلاق قبل الدخول المکتبة العربیه کراچی ۲/ ۳۵۵

[2] العنایة شرح الهدایة علی ہامش فتح القدیر فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۲

غاربک،وفی الایضاح وشرح الجامع الصغیرلشمس الائمة ذکر خمسة ھی ھذہ الاانه ذکر مکان حبلك علی غاربك فارقتك،فتتم ستة الفاظ ووجه احتمالها السب ان لاملك لی یعنی انت اقل من ان تنسبی الی بالملک،ولاسبیل لی علیك لزیادۃ شرک،وخلیت سبیلک،وفارقتك والحقی باھلک،وحبلك علی غاربك ای انت مسیئة لایشتغل احد بتأدیبك اذلا طاقة لاحد بما رستک[1] اقول:والدلیل دلیل ان لاحصر بل کل لفظ یدل علی التبری عنها والتخلی و الانقطاع وترك الاشتغال بها فھو مما یحتمل المعنی المذکور کما لایخفی۔	بجائے انہوں نے "میں تجھ سے الگ ہوں" ذکر کیا،یوں کل چھ الفاظ ہوئے،ان کی وجہ یہی ہے کہ گالی ہونے کا احتمال رکھتے ہیں "تو میری ملک نہیں"یعنی تو اس قابل نہیں کہ میری ملکیت کے لئے منسوب ہو،"میرا تجھ پر چارہ نہیں"یعنی تیری بداخلاقی اور تیرے شر کی وجہ سے،"میں نے تیراراستہ کھول دیا"یعنی میں تجھ سے جدا ہوا،"تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا"،"تیری رسی تیرے کندھے"یعنی تو ایسی بد ہے کہ کوئی تجھے تربیت نہیں دے سکتا کیونکہ بار بار سمجھانے کی کسی میں طاقت نہیں ہے اھ،**اقول**:(میں کہتا ہوں)مذکور بیان اس بات کی دلیل ہے کہ ان الفاظ میں حصر نہیں بلکہ جو الفاظ بھی براءت، علیحدگی، انقطاع اور بیوی سے ترک تعلق پر دلالت کریں وہ تمام گالی بننے کا احتمال رکھتے ہیں،جیسا کہ مخفی نہیں(ت)

درمختار میں ہے:

القول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما،مجتبٰی[2]۔	مذکورہ الفاظ کہنے کے بعد خاوند بیان دے کہ طلاق کی نیت نہ کی تھی،تو اس کی تصدیق کردی جائے گی،اور اس معاملہ میں بیوی کا خاوند سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے اور اگر خاوند اپنے بیان سے متعلق گھر میں قسم نہ کھائے بلکہ انکار کردے تو بیوی معاملہ کو حاکم کے ہاں پیش کرے اگر حاکم کے مطالبے پر بھی قسم کھانے سے انکار کرے تو پھر حاکم میاں بیوی میں علیحدگی کا فیصلہ دے دے،مجتبٰی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان نکل ای عند القاضی لان	اگر قاضی کے ہاں قسم سے انکار کرے تو تفریق کرے،

[1] فتح القدیر فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۴۰۲

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

النکول عند غیرہ لایعتبر، ط، [1] اھ۔ **اقول:** ھو مستفاد من قولہ فان ابی رفعتہ فلم یجعل اباءہ عندھا شیأ۔	کیونکہ قاضی کے علاوہ کسی غیر کے ہاں انکار کرے تو وہ انکار تفریق کے لئے معتبر نہیں ہوگا، ط، اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ بات ماتن کے اس قول سے عیاں ہورہی ہے کہ "اگر گھر میں انکار کرے تو بیوی حاکم کے ہاں معاملہ کو پیش کرے" تو انہوں نے بیوی کے ہاں انکار کو غیر معتبر قرار دیا۔ (ت)

ہاں اگر وہ اقرار کرے کہ (اس) کی ضمیر عورت کی طرف تھی اور یہ لفظ قطع تعلق نکاح ہی کی نیت سے کہے تو بیشک ایک طلاق بائن ہوگئی عورت نکاح سے نکل گئی، اور اب بچہ اسی شوہر کو ایسا لازم ہوگیا کہ اس سے چھوٹ ہی نہیں سکتا کہ بینونت کے بعد احتمال لعان بھی نہ رہا جو حاکم اسلام کے حضور ہوسکتا اور جب اس کے بعد قاضی ان زن وشو میں تفریق کرکے بچے کی نسبت اس شوہر سے قطع کردیتا اس کا نہ ٹھہرتا مجہول النسب رہ جاتا، درمختار میں باب اللعان میں ہے: **شرطہ قیام الزوجیۃ**[2] (لعان کی شرط یہ ہے کہ نکاح موجود ہو۔ ت) اسی میں ہے:

ویسقط بعد وجوبہ بالطلاق البائن ثم لایعود بتزوجھا[3]۔	لعان واجب ہوجانے کے بعد بائنہ طلاق دے دینے پر ساقط ہوجائے گا، اور دوبارہ نکاح کرنے پر بھی لعان نہ ہوسکے گا۔ (ت)

اسی میں ہے:

وان قذف الزوج بولدحی نفی الحاکم نسبہ عن ابیہ والحقہ بامہ[4]۔	جب خاوند بیوی پر تہمت لگائے کسی زندہ بچے کے بارے میں، تو حاکم اس بچے کے نسب کو اس خاوند سے منقطع کردے اور بچے کو ماں سے ملحق کردے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای لابد ان یقول قطعت نسب ھٰذا	یعنی قاضی کے لئے اس موقعہ پر ضروری ہے کہ وہ یہ

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۵

[2] درمختار باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱

[3] درمختار باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۲

[4] درمختار باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۲

الولد عنه بعد ماقال فرقت بينكما وفی المبسوط هذا هوالصحيح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اعلان کرے کہ میں نے اس بچے کا نسب اس شخص سے منقطع کر دیا ہے، یہ اعلان وہ تفریق کرنے کے بعد کرے۔ اور مبسوط میں ہے کہ یہی صحیح ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۶: از ریاست جے پور نمک منڈی اجمیری دروازہ مرسلہ محمد عبدالعزیز بیگ ۲۱ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کے دختر رابعہ پیدا ہوتے ہی ہندہ کا انتقال ہوگیا چنانچہ مسماۃ رابعہ نے ابتدائے پیدائش خود سے ڈیڑھ سال کامل ایامِ رضاعت میں مسماۃ شافیہ وکافیہ کا دودھ پیا' اتفاق سے مسماۃ شافیہ وکافیہ کے حقیقی بھائی مسمّٰی بزید سے مسماۃ رابعہ کا عقد ہوکر اولاد بھی ہوگئی (حالانکہ مسمّٰی بزید ومسماۃ رابعہ زن وشوہر باہمی رضاعی ماموں وبھانجی ہوتے ہیں) تو ایسی صورت میں نکاح قائم رہ سکتا ہے یانہیں؟ اور بصورت قائم رہنے کے کفارہ عائد ہوگا یانہیں؟ اور اولاد کس کی کفالت میں رہے گی اور بارِ مہر زوج پر عائد ہوگا یانہیں؟

الجواب:

حاشا وہ خبیث نکاح ہرگز قائم نہ رکھا جائے گا، مرد وعورت پر فرض فرض عظیم فرض ہے کہ فوراً فوراً جدا ہوجائیں، مرد نہ مانے تو عورت خود جدا ہوجائے، دونوں نہ مانیں تو حاکم بالجبر جدا کردے گا۔ عورت کے لئے مرد پر پورا مہر مثل ہے اگرچہ جو مہر بندھا تھا اس سے کتنا ہی زائد ہو، اولاد میں لڑکا سات برس اور لڑکی نوبرس کی عمر تک ماں کے پاس رہے پھر باپ لے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الخانية لوتزوج محرمه لاحد عليه عند الامام عليه مهر مثلها بالغامابلغ[2]۔	خانیہ میں ہے اگر کسی نے اپنی محرم سے نکاح کیا تو اس پر حد نہیں (بلکہ سخت تعزیر ہے) اور مہر مثل جتنا بھی ہو اس پر لازم ہوگا، یہ امام اعظم کے نزدیک ہے۔ (ت)

اسی میں نہر سے ہے:

قال فی الدراية الصحيح انها شبهة عقد فيثبت النسب وهكذاذكر فی المنية[3] اھ	درایہ میں ہے کہ یہ شبہہ نکاح ہے لہٰذا نسب ثابت ہوجائے گا، منیہ میں بھی یونہی مذکور ہے اھ ملحضًا

[1] ردالمحتار باب اللعان داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۸۹/۲

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۵۱/۲

[3] ردالمحتار باب الوطی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵۴/۳

(ملخصًا)وذکرہ الخیرالرملی عن العینی ومجمع الفتاوٰی۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس کو خیر الدین رملی عینی اور مجمع الفتاوٰی سے نقل کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۷: از حافظ گنج ضلع بریلی مسئولہ حیدر بخش

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ ہو گئی اور اس کے حمل عرصہ تین ماہ سے رہ گیا،جب پنچوں نے دریافت کیا تو مسمّٰی حیدر بخش نے جو اسی گاؤں کا آدمی تھا یعنی اس عورت کا بھانجا ہے کہ میں اس عورت کو بعد وضع حمل نکاح میں لاؤں گا میں نے اس عورت کا عیب ثواب اپنے اوپر رکھ لیا،اس بات پر پنچوں نے اور کل بستی نے بوجہ ہونے حرام کے اس عورت واس شخص یعنی حیدر بخش دونوں کا حقہ پانی اس غرض سے بند کر دیا کہ آئندہ عورت وآدمی ایسا فعل ناجائز نہ کرے،اب جو حکمِ شریعت ہو وہ کیا جائے یا بروئے شریعت کھولا جائے۔

الجواب:

خاوند کی موت سے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہو وہ خاوند ہی کا ہے،سائل بیان کرتا ہے کہ خاوند کی موت کو دس مہینے ہوئے اور تین مہینے سے حمل بتاتا ہے اگر عورت چار مہینے دس دن کے بعد عدت ختم ہو جانے کا اقرار نہ کر چکی ہو اور یہ مرگِ شوہر سے دو برس کے اندر پیدا ہو تو شوہر ہی کا ہوگا اور عورت کو حرام کی طرف نسبت کرنا حرام ہوگا،اگر عورت چار مہینے دس دن کے بعد اپنی عدت ختم ہو جانا ظاہر کر چکی تھی اور اب تین مہینے سے حمل ظاہر ہوا تو عورت پر الزام ہے اس کا حقہ پانی بند کردیں،لیکن حیدر بخش پر اس کہنے سے کوئی الزام نہیں اس کا حقہ پانی کھول دیا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸: از موضع کریلی ضلع بریلی مسئولہ امام الدین صاحب ۱۲شعبان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ہندہ سے نکاح کئے ہوئے پانچ ماہ اور دس یوم ہوئے ہیں،ہندہ نے بچہ جنا،تو اس بچہ پر کیا حکم ہے آیا وہ زید کا قرار دیا جائے گا یا نہیں؟اہل برادری معترض ہیں تو اس حالت میں زید اور ہندہ پر اور بچہ پر کیا حکم ہے؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ عورت بیوہ تھی شوہر کے مرے تین برس ہوئے،اس کے بعد یہ بچہ ہوا تو یہ نہ اگلے شوہر کا ہے نہ زید کا،بلکہ مجہول النسب ہے،اور زید پر کچھ الزام نہیں،ہندہ کا حال خدا جانے،بے ثبوت اسے بھی زانیہ نہیں کہہ سکتے،ممکن کہ دھوکے سے وطی واقع ہوئی ہو جس سے یہ بچہ ہے۔بدائع وبحر ودرمختار وہندیہ میں ہے:

ان جاءت به لاکثر من سنتین منذطلقها الاول اومات ولاقل من ستة اشهر منذتزوجها الثانی لم یکن للاول ولاللثانی وھل یجوز نکاح الثانی فی قول ابی حنیفة ومحمد جائزاھ[1]۔وتأمل فی ھذا الجواز فی رد المحتار فراجعه۔واللہ تعالٰی اعلم۔	پہلے خاوند کی موت یا طلاق کے بعد دوسال سے زائد عرصہ پر عورت نے بچے کو جنم دیا ہو یا دوسرے نکاح سے چھ ماہ کے اندر جنم دیا ہو تو اس بچے کا نسب نہ پہلے سے ہوگا نہ دوسرے سے۔اور کیا اس صورت میں دوسرا نکاح صحیح پائے گا، تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز قرار پائے گا اھ، ردالمحتار میں اس جواز پر تأمل کیا ہے، اس کی طرف رجوع کرو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹تا۱۳۰: از گوپند گڑھ ضلع اجمیر شریف مسجد خورد مرسلہ فیض محمد صاحب امام مسجد ۱۸شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص ایک عورت کو فرار کرکے لے گیا، عورت کا خاوند زندہ ہے، وہ عورت مر گئی اور وہ شخص واپس چلا آیا، اس عورت کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، اب ان بچوں اور اس شخص کے واسطے کیا حکم ہے، اس کے ساتھ مصافحہ اور کھانا کھانا کیسا ہے؟

(۲) ایک شخص نے اپنی ساس سے زنا کیا اور حمل رہا، لڑکی ہوئی اور پھر شادی کی، اس شادی سے لڑکا ہوا، اس لڑکے پر کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) صورت مذکورہ میں وہ شخص زانی ہے، سزائے زناء کا سزاوار اور مستحق عذاب نار ہے، مسلمان اگر اس سے سلام کلام نہ کریں، اس کے ساتھ کھانا نہ کھائیں، اس سے مصافحہ نہ کریں تو وہ ضرور اس قابل ہے جب تک توبہ نہ کرے، شوہر اور عورت کے بچے اس کے شوہر ہی کے ہوتے ہیں۔ صحیح حدیث میں فرمایا:

الولد للفراش وللعاھر الحجر[2]۔	بچہ اس کا جس کا بچھونا یعنی خاوند کا اور زانی کے لئے پتھر۔

(۲) جس نے اپنی ساس سے زنا کیا اس نے اپنی ماں سے زنا کیا، اور شادی اگر کسی اور عورت سے کی اور اس سے لڑکا پیدا ہوا تو اس لڑکے میں کوئی خلل نہیں، اور اگر سائل کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامش عشر فی ثبوت النسب نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۳۸

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

ایک عورت سے زنا کیا پھر اس کی لڑکی سے نکاح کیا اس سے لڑکا ہوا تو وہ شخص اس وقت بھی زانی ہوا اور اس نکاح میں بھی حرام کار کہ یہ اس کی بیٹی کی جگہ ہے، اور اب یہ جو لڑکا پیدا ہوا ولد الحرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۱: از شہر بریلی مدرسہ اہلسنت و جماعت مسئولہ طالبعلم مدرسہ مذکور ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی علاتی اخت کی نواسی کے ساتھ چھ برس ہوئے نکاح کیا تھا اس سے ایک لڑکی ہوئی، اب زید کو اور محلّہ کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ زید کا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا زید سے تفریق کرادی، زید کا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں تو اس لڑکی کا مستحق کون ہے، مہر لازم ہوا یا نہیں؟ عدت ہوگی یا نہیں؟ اور اس نکاح کے وکیل و گواہ اور پڑھانے والوں کا کیا حکم؟ اور زید پر کیا حکم؟ باوجود اس کے کہ بے علم ہیں۔

الجواب:

نکاح مذکور حرام حرام قطعی حرام، اور زید اور نکاح خواں و وکیل و گواہ سب سخت تر گناہ کبیرہ میں گرفتار، اور جہل اس کے گناہ کبیرہ ہونے سے خارج نہ کرے گا بلکہ جہل خود دوسرا گناہ کبیرہ ہے، ولہٰذا حدیث میں ہے:

ذنب العالم واحد وذنب الجاھل ذنبان [1]۔	عالم کا گناہ ایک گناہ ہے اور جاہل کا گناہ دوہرا گناہ۔

عورت پر ضرور عدت لازم ہے اور زید پر پورا مہر مثل واجب ہے یعنی اس طرح کہ عورت کا مہر مثل کیا ہے وہ جو باندھا تھا اس کا لحاظ نہ ہوگا چاہے مہر مثل سے کم ہو یا زائد، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اذا تزوج بذات رحم محرم منه ودخل بھا لاحد علیه وعلیه مھر مثلھا بالغا ما بلغ [2]۔ (ملخصًا)	جب کسی نے ذی رحم محرم عورت سے نکاح کرکے جماع کرلیا تو اس پر حد نہیں (بلکہ تعزیر سخت ہے) اور مہر مثل جتنا بھی ہو اس پر لازم ہوگا (ملخصًا)۔ (ت)

لڑکی زید ہی کو دلائیں گے، ۹ برس کی عمر ہونے تک ماں کے پاس رہے گی اور اگر وہ کسی ایسے سے نکاح کرے جو اس لڑکی کا محرم مثل چچا کے نہ ہو، اس کے بعد باپ یعنی زید لے لے گا۔ درمختار کتاب الحدود میں ہے:

انھا من شبھة المحل وفیھا	یہ محل کا شبہہ ہے اور اس میں نسب

[1] کنز العمال بحوالہ فر، عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۵۳، کنز العمال بحوالہ فر، عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۷۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب ذکر مسائل المہر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۵

یثبت النسب[1]۔	ثابت ہو جاتا ہے۔(ت)

معراج الدرایہ پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے:

الصحیح انہا شبہۃ عقد لانہ روی عن محمد انہ قال سقوط الحد عنہ لشبہۃ حکمیۃ فیثبت النسب و ھکذا ذکر فی المنیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صحیح یہ ہے کہ یہ شبہہ نکاح ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس سے حد کا سقوط حکمی شبہہ کی بناء پر ہے، لہٰذا نسب ثابت ہوگا، منیہ میں یونہی ذکر کیا ہے۔

مسئلہ ۱۳۲: از اندور رانی پورہ مسئولہ واحد ملا ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام وفضلائے عظام اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوگیا ہے، ہندہ نے ساتویں ماہ عقد کیا بکر کے ساتھ، اور ہندہ کو پانچ چھ ماہ کا حمل تھا، بروقتِ نکاح ہندہ نے حمل کو ظاہر نہ کیا، بعد عقد ایک ماہ کے ہندہ اور بکر میں جھگڑا ہوا کہ حمل کس کا ہے، بکر کہتا ہے میرا حمل ہے اور ہندہ کہتی ہے تیرا نہیں ہے، تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ حمل کس کا قائم ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر موتِ شوہر اول سے دو سال کے بعد بچہ پیدا ہو تو شوہر دوم کا ہے اور نکاح صحیح ہے اور دو سال سے کم میں پیدا ہو تو لڑکا پہلے شوہر کا ہے اور اس دوسرے کا نکاح باطل، **کما یظہر مما لخصناہ علی ھامش ردالمحتار** (جیسا کہ یہ اس سے ظاہر ہے جو ردالمحتار پر حاشیہ میں ہم نے اس کی تلخیص کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳: از کریلی ضلع بریلی مسئولہ ۷ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدت حمل کی زائد سے زائد کے برس ہے؟ اور کم سے کم کتنے سال ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کم سے کم چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو سال کامل بے کم و بیش، مگر عورت جس کا شوہر زندہ ہوا گرچہ کتنے ہی برسوں سے اس سے کتنا ہی دور ہو، اس کی اولاد شوہر ہی کی اولاد قرار پائے گی، اس کے لئے دس بیس پچاس سال

---

[1] درمختار باب الوطء یوجب الحد والذی لایوجبہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۹

[2] ردالمحتار باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجب دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۵۴

کوئی مدت مقرر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	بچہ نکاح والے کا ہے اور زانی محروم ہے (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۴: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ سید عبدالجلیل صاحب ۲۱ شعبان ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا عقد ہندہ سے واقع ہوا، مگر بموجب رواج ہندوستان رسمِ رخصت عروس عمل میں نہ آئی اور زید وہندہ دونوں بالغ تھے اور ایک ہی مکان میں سکونت پذیر تھے اور اس مکان میں غیر مردوں کا بھی گزر تھا اہل کفو میں سے نامحرم لوگ آتے جاتے تھے، یکایک ہندہ کو حمل رہ گیا، اس نے اس کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ وضعِ حمل قریب آگیا، جب لڑکا پیدا ہوا تو لوگوں کو نہایت تعجب آیا، الغرض مولود تو اسی دم مرگیا اور ہندہ سے مستورات نے بطورِ خود دریافت کیا کہ یہ حمل کس کا ہے، ہندہ نے اپنے اعزّہ میں سے ایک شخص کا نام لیا اور اس قضیہ کو عرصہ قریب چار سال کے گزر گیا، پس شوہر اس کا بسبب اس فعل شنیع کے اس سے ناراض ہے، ہندہ کو اپنے عقد میں رکھنا نہیں چاہتا، بظاہر زن وشو میں مقاربت و مواصلت واقع نہ ہوئی، مگر پوشیدہ طور پر ممکن ہے کہ وہ حمل زید کا ہو، چونکہ رسم رخصت عمل میں نہ آئی تھی شاید بوجہ لحاظ وشرم غیر کا نام ظاہر کردیا ہو اور زید کا نام نہ لیا ہو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید سے ہندہ کو طلاق دلوائی جائے تو عدت ہندہ کی کَے ماہ کی ہوگی؟ اور درباب مہر کے بھی ارشاد ہو کہ بذمہ زید کس قدر واجب ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگرچہ دنیوی خیالات کو بہت وسعت ہے، اہلِ بدگمانی کے نزدیک ناراضی زید جدا خبر دے رہی ہے کہ اپنا ہوتا تو وہ خود جانتا، اور ہندہ کا دوسرے کی طرف نسبت کرنا جدا۔ پھر اسے یوں بنانا کہ بوجہ عدم رخصت شرم دنیاکے سبب شوہر کا نام نہ لیا بہت پوچ عذر ہے، آخر قبل رخصت جماع حلال ہونا اہلِ دنیاکے نزدیک زنا سے زیادہ شرم کی بات نہیں، یہ خیالات بدگمانیوں کو بہت تائید دیں گے، مگر حاشا شرع مطہر انہیں اصلاً مقبول نہیں فرماتی اور قطعاً حکم دیتی ہے کہ لڑکا شوہر ہی کا تھا، حضورپُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الولد للفراش وللعاھر الحجر**[2] (بچہ نکاح والے کا ہے اور زانی محروم ہے۔ت)

[1] صحیح بخاری باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

[2] صحیح بخاری باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹، مسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۲/۴۰۹

جب شریعت نے مرد مغربی وزن مشرقی کے مسئلہ میں باوجود بعد المشرقین باحتمال کرامت یا استخدام جن بچہ شوہر ہی کا ٹھہرایا تو زید وہندہ تو ایک ہی مکان میں رہتے تھے یہاں کیونکر ممکن کہ بے ثبوتِ قطعی شرعی فلاں کا **معاذ اللہ** زانی یا باوجود فراش صحیح بچہ کو ولدالحرام قرار دیں۔ رہا ہندہ کا فلاں کی نسبت کردینا، ممکن ہندہ کو اس سے کوئی عداوت ہو اور شاید وہ رنجش اسی بنا پر پیدا ہوئی ہو کہ ہندہ نے اس سے بدنگاہی پائی، مانع آئی، کارگر نہ ہوا، دشمن ہوگئی، اور بوجہ شدت غیظ اس خیال سے کہ اولیائے ہندہ یہ امر عظیم سن کر حتّی المقدور اس شخص کے درپے آزار ہوں گے، اس تہمت کی مرتکب ہوئی، اپنا بھی صریح ضرر سہی، اہل مکر وحیلہ سے اس قسم کی بات کا صدور کچھ عجب نہیں جس میں ان کے دشمن کو ایذا پہنچے اگرچہ خود بھی ____ عـــہ

اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾[1] (بیشک تمہارا چرتر بہت بڑا ہے۔ت) اور اب ناراضی زید کی بھی صریح توجیہ موجود کہ بغلط ودروغ اپنے ساتھ اس امر ناپاک کا وقوع بتانے پر ہندہ سے بیزار ہوا، بہر حال حکم یہی ہے کہ وہ بچہ زید ہی کا تھا، اور جب شرع نے یہ مان لیا تو ہندہ کا مدخولہ ہونا خود ہی ثابت ہولیا طلاق تین حیض کامل کی عدت لازم، وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍؕ[2] (طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض مکمل ہونے تک روک رکھیں۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

عـــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/۲۸

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

بابُ الحضانۃ
(پرورش کا بیان)

مسئلہ ۱۳۵: ۲۴ رجب ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید نے رحلت کی، دو پسر نابالغ زوجہ اولٰی سے جو زید کے روبرو فوت ہوچکی ہے اور تین دختر زوجہ ثانیہ سے جو حی و قائم ہے وارث چھوڑے، اب دربارہ ان بچوں نابالغان کے ولایت کی فکر درپیش ہے، نابالغان مذکورین کے اجداد میں دو شخص موجود ہیں ایک مسمّٰی عمرو دادا کا چچازاد بھائی، دوسرا بکر دادا کا ماموں زاد بھائی جس کو مسمّٰی زید مورث کی حقیقی ہمشیرہ جوان پانچوں نابالغان کی حقیقی پھوپھی ہے منسوب ہے، اور تین پھوپھی حقیقی بیاہی ہندہ و معصومہ و صدیقہ اور دختران مذکورین کی والدہ اور پسران مذکورین کی نانی و ماموں موجود ہیں پس اس صورت میں ان پانچوں نابالغان کی ولایت کا استحقاق کس کس شخص کو مرتبہ حاصل ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دونوں کا حقِ حضانت ان کی نانی کو ہے کہ سات [7] برس کی عمر تک اس کے پاس رہیں گے جوانی تک عمرو کے پاس کہ دادا کا چچازاد بھائی ہے رکھے جائیں گے۔ درمختار میں ہے:

الحاضنۃ اما او غیرھا احق بالغلام	پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور، وہ لڑکے کی

حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی [1]۔	حقدار ہوگی جب تک لڑکا عورت کی پرورش سے مستغنی نہیں ہوجاتا اور یہ مدت اندازاً سات سال ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

اذااستغنی الغلام فالعصبة اولی یقدم الاقرب فالاقرب [2]۔	جب بچہ مستغنی ہوجائے تو پھر درجہ بدرجہ عصبات اس کے حقدار ہیں، قریب ترین کو تقدم حاصل ہوگا۔(ت)

اور لڑکیوں کی شادی ہوجائے وہ شوہروں کے قابل ہوں تو شوہروں کے پاس رہیں گی ورنہ نو برس کی عمر تک ماں کے پاس، پھر اگر ان کے محارم میں کوئی مرد عاقل بالغ مثل حقیقی ماموں وغیرہ کے ہوگا تو اس کے سپرد کی جائیں گی ورنہ جوانی تک ماں ہی رکھے گی، درمختار میں ہے:

الام والجدة احق بالصغیرة حتی فی ظاهر الروایة وغیرهما احق بها حتی تشتهی وقدر بتسع وبه یفتی وعن محمد ان الحکم فی الام والجدة کذلك وبه یفتی لکثرة الفساد زیلعی وافاد انه لاتسقط الحضانة بتزوجها مادامت لاتصلح للرجال، [3] ملخصًا۔	لڑکی کی حقدار اس کی ماں یا دادی ہے جب تک وہ بالغ نہ ہوجائے، یہ ظاہر روایت ہے، اور ماں اور دادی کے غیر ہوں تو پھر وہ لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک حقدار ہوں گے، یہ مدت اندازاً نو سال ہے، اور اسی پر فتوی دیا جائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ماں اور دادی کے لئے بھی یہی حکم ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا فتنہ کی کثرت کی وجہ سے، زیلعی ــــ اور اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عورت کا حقِ حضانۃ (پرورش) نکاح کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا جب تک لڑکی مرد کے قابل نہیں ہوجاتی، ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان صلحت تسقط الخ [4]۔ **اقول**: واخترنا ظاهر الروایة حین لامحرم لها لانها هی المتعینة	جب بچی مرد کے قابل ہوجائے تو پرورش کرنے والی کا حق ساقط ہوجائے گا الخ (ت) **اقول**: (میں کہتا ہوں) ہم ظاہر روایت کو ہی ترجیح دیں گے، جب بچی کا کوئی محرم ولی نہ ہو اور یہ ظاہر

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵
[2] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۱
[3] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵
[4] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۱

ح للفتیا فان نشوھا فی حضن امھا خیر لھا والنظر من ترکھا ضائقۃ لاحاضن لھا وقد علمت ان لاحق لغیر محرم فی حضانتھا۔	روایت ہی فتوٰی کے لئے متعین ہے کیونکہ اس صورت میں بچی کا اپنی ماں کے پاس نشو ونما پانا بہتر ہے اور ماں کو چھوڑنے میں بچی پر کمزور شفقت ہوگی جبکہ اس کا کوئی پرورش کرنے والا محض نہ ہو حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ غیر محرم کو بچی کا حقِ حضانت نہیں ہے۔(ت)

اور ان پانچوں نابالغوں کے نکاح کی ولایت عمروہی کو ہے **لان العصبۃ لاغیر** (کیونکہ ان کے علاوہ کوئی عصبہ نہیں۔ت) اور ماں کی ولایت ان مذکورین میں سے کسی کو نہیں **لاختصاصھا بالاب ووصیہ والجد ووصیہ والحاکم الشرعی** (یہ ولایت باپ اور اس کے وصی یا دادا اور اس کے وصی اور شرعی حاکم کے ساتھ خاص ہے۔ت) ہاں اگر زید ان لوگوں خواہ ان کے غیر میں سے کسی کو اپنی جائداد کے حفظ ونگہداشت یا اولاد کے غور وپرداخت کے لئے کہہ گیا ہو تو ولایتِ مال اسے ہوگی **لکونہ وصیا علیھم** (کیونکہ وہ ان پر وصی مقرر ہوا۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۶:　　　۳۰ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عباد اللہ ایک زوجہ اور ایک پسر نابالغ اور ایک چچازاد بھائی فیض اللہ چھوڑ کر فوت ہوا، عورت نے ایک اجنبی شخص سے نکاح کرلیا جسے اس نابالغ سے کوئی علاقہ نہیں، اس بچے کی نہ نانی ہے نہ دادی ہے نہ کوئی بہن بلکہ سوتیلی خالہ اور سگی پھوپھی ہے، اس صورت میں یہ بچہ جس کی چار برس کی عمر ہے کس کے پاس رہے گا اور اس کے مال کی ولایت فیض اللہ کو ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ نابالغ کی ماں نے ایک اجنبی سے نکاح کرلیا، اب اسے نابالغ کے رکھنے کا اختیار نہ رہا ایک سات برس کی عمر تک سوتیلی خالہ کے پاس رہے گا، اگر وہ نہ مانے گی تو پھوپھی کے پاس رکھا جائے گا اور اگر وہ بھی انکار کرے گے تو جبرًا خالہ کے پاس رہے گا، یہ سب اس صورت میں ہے کہ خالہ اور پھوپھی دونوں میں کوئی مانع حضانت نہ ہو ورنہ اگر ایک میں مانع حضانت ہو تو دوسرے کے پاس رہے گا، سات برس کے عمر بعد جوان ہونے تک فیض اللہ کے پاس رہے گا،

فی الدر المختار الحضانۃ للام الا ان تکون فاجرۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر[1] الخ۔	درمختار میں ہے بچے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے مگر یہ کہ وہ فاجرہ ہو یا بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلے(ت)

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

اسی میں ہے:

ثم بعد الام بان ماتت اولم تقبل او تزوجت باجنبی ام الام ثم ام الاب ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم لاب ثم الخالات کذٰلك ثم العمات[1] الخ۔	ماں فوت ہوجائے یاماں قبول نہ کرے یا بچے کے اجنبی وسے نکاح کرلے تو ماں کے بعد نانی پھر دادی کو پھر حقیقی بہن کو پھر مادری بہن کو پھر پدری بہن کو پھر خالات کو اسی ترتیب سے پھر پھوپھیوں کو الخ۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

ظاہر کلامھم ان الام اذامتنعت وعرض علی من دونھا من الحاضنات فامتنعت اجبرت الام لامن دونھا[2]	فقہاء کرام کاظاہر کلام یہ ہے کہ جب ماں انکار کردے اور بچے کو دوسری پرورش کنندہ پر پیش کیا گیا ہو تو اس نے بھی انکار کردیا ہو تو ایسی صورت میں ماں کو پرورش پر مجبور کیا جائیگا،ماں کے سوا دوسری پرورش کنندہ کو مجبور نہیں جائے گا۔(ت)

خلاصہ وغیرہ میں ہے:

ان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانۃ فمن وسواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب[3]۔	اگر بچے کا باپ نہ ہو اور پرورش کی مدت ختم ہوچکی ہو تو پھر دوسرے عصبات ولی ہوں گے،ان کو ولایت درجہ بدرجہ قرابت کے لحاظ سے ہوگی یعنی سب سے قریب تر کو پہلے حق ہوگا۔(ت)

اور ولایتِ مال میں فیض اللہ کا اصلاً حق نہیں بلکہ اسے ملے گی جسے نابالغ کا باپ کہہ کر مرا ہو کہ میری اولاد کی نگہداشت تو کرنا یا میرے ترکہ کی غورپرداخت تیرے متعلق ہے یا اس بچہ کو میں تیری سپردگی میں دیتا ہوں،اسے وصی کہتے ہیں،اگر باپ کا کوئی وصی موجود نہ ہو تو باپ کے وصی نے جسے اپنا وصی کیا ہو وہ ولی مال ہوگا،وہ بھی نہ ہو تو دادا کا وصی،وہ بھی نہ ہو تو دادا کے وصی کا وصی۔درمختار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ[4] الخ.واللہ سبحٰنہ	بچے کا ولی باپ،پھر اس کا وصی،پر وصی کا وصی،پھر اس کا جد صحیح(یعنی جو عورت کے واسطہ کے بغیر جد ہو) پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴
[2] بحرالرائق باب الحضانۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/۱۶۶
[3] ردالمحتار بحوالہ خلاصہ وغیرہا باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۳
[4] درمختار کتاب المأذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۳

وتعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔	کاوصی الخ۔واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔(ت)

مسئلہ ۱۳۷: ۲۰ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے والدین اور ایک زوجہ اور ایک شیر خوار لڑکا چھوڑ کر انتقال کیا،لڑکے کی نانی پہلے فوت ہوچکی ہے،اس صوت میں اگرلڑکے کی ماں کسی اجنبی سے نکاح کرے تولڑکا کس کے پاس رہے گا؟**بینوا توجروا**

الجواب:

اگرماں کسی ایسے شخص سے نکاح کرلے جولڑکے کا محرم نسبی مثل چچاوغیرہ کے نہ ہوتولڑکاماں سے لے لیاجائے گااور جبکہ نانی نہیں ہے توسات ۷برس کی عمرتک دادی کے پاس رہے گاپھر دادارکھے گا۔

فی الدرثم بعد الام بان ماتت اولم تقبلا و اسقطت حقها او تزوجت باجنبی ام الام وان علت عند عدم اهلیة القربی،ثم ام الاب وان علت بالشرط المذکور[1] الخ وفیه والحاضنة اما او غیرها احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع،وبه یفتی[2]اھ وفی ردالمحتار عن شرح المجمع و اذا استغنی الغلام عن الخدمة اجبر الاب اوالوصی او الولی علی اخذه لانه اقدر علی تادیبه وتعلیمه اھ وفی الخلاصة وغیرها واذا استغنی الغلام فالعصبة اولی یقدم الاقرب فالاقرب[3]اھ ملخصًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ ماں فوت ہوجائے یا بچے کو قبول نہ کرے یا اپناحق حضانت ساقط کردے یابچے کے کسی اجنبی سے نکاح کرلے توپھر ماں کے بعد نانی کوپرورش کاحق ہے اگرچہ اوپرتک جب کوئی قریبی عورت پرورش کا حق نہ رکھتی ہو پھر دادی کو اوپر تک بشرطیکہ اس سے کوئی قریبی عورت نہ ہوالخ،اسی میں ہے پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور،توان کولڑکے کے متعلق یہ حق اس وقت تک ہے جب تک لڑکا عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہ ہوجائے،جس کی مدت کا اندازہ سات سال کی عمرہے،اور اسی پر فتوٰی دیاجائے گااھ،اس پر ردالمحتار میں شرح المجمع سے منقول ہے کہ جب لڑکا عورتوں کی خدمت سے مستغنی ہوجائے تو باپ یااس کے وصی یاولی کو مجبور کی جائے گاکہ وہ لڑکے حاصل کرے کیونکہ اس کے بعد یہ لوگ عورتوں کی بنسبت لڑکے کی تعلیم و

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴
[2] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۶۵/۲
[3] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۴۰/۲

تربیت زیادہ بہتر جانتے ہیں اھ خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ جب لڑکا مستغنی ہو جائے تو اس کے عصبہ مرد قرابت کے لحاظ سے درجہ بدرجہ اس کے حقدار ہوں گے اھ ملخصًا، **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۳۸: ۲۷ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حق حضانت اور پرورش اطفال صغیر سن کا بعد وفات ماں کے کس کو ہے؟ اور ماموں چچا میں کس کو ترجیح ہے؟ اور وہ حق کس عمر تک رہتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ اطفال لڑکیاں ہیں، ان کے باپ، بھائی، بھتیجا، بہنیں، نانی، ماموں، چچا حقیقی ہیں، ایک لڑکی نو برس کی ہے ایک گیارہ کی، پس صورتِ مستفسرہ میں نانی ماموں کو ان کے رکھنے کا کچھ اختیار نہیں، لڑکیاں اپنے چچا کے پاس رہیں گی کہ جب نو برس کی ہو جائے تو ماں بھی اسے نہیں رکھ سکتی چچا کو دلادی جائے گی، نانی وغیرہا تو دوسرا درجہ ہے۔ درمختار میں ہے:

الام والجدة لام اولاب احق بالصغيرة حتى تحيض وغيرهما احق بها حتى تشتهى وقدر بتسع وبه يفتى وعن محمد ان الحكم فى الام والجدة كذلك وبه يفتى[1] اھ ملخصًا **واللہ تعالٰی اعلم۔**	ماں نانی اور دادی لڑکی کی حقدار اس کو حیض آنے تک ہیں اور دوسری عورتیں لڑکی مشتہاۃ ہونے تک حقدار ہیں، اور مشتہاۃ کا اندازہ ۹ سال کی عمر لگایا گیا ہے، اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ماں نانی اور دادی کا بھی یہی حکم ہے اھ ملخصًا۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۳۹: از میران پور کٹرہ کمال زئی شاہجہان پور مرسلہ نادر خاں صاحب رئیس کٹرہ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صغیر و صغیرہ جن کی ماں انتقال کر گئی اور باپ نے دوسرا نکاح کرلیا نانا، ماموں، ممانی اور خالہ زاد اور پھوپھی زاد نانیاں اور نانیوں کی بیٹی بیٹیاں ہیں بچے نانا کے پاس ہیں باپ ان سے بالجبر لینا چاہتا ہے حالانکہ بوجہ نکاح ثانی اس کے پاس بچوں کی مضرت جان کا اندیشہ ہے، اس صورت میں حق پرورش اطفال کس کو ہے؟ پوری تفصیل درج ہو کہ حقِ حضانت ترتیب وار کس کو ہے اور پرورش کنندہ کے پاس کس عمر تک رہیں گے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حقِ حضانت ذی رحم محرم کے لئے ہے یعنی وہ نسبی رشتہ جس میں نکاح ہمیشہ کو حرام ہوتا ہے تو نانی کی

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۵

خالہ زاد یا پھوپھی زاد بہنوں یا ان کی اولاد یا ممانی کے لئے کوئی حقِ حضانت نہیں جیسے خود صغیر صغیرہ کی خالہ زاد ماموں زاد پھوپھی زاد چچازاد بہنیں کہ یہ محارم سے خارج ہیں۔ درمختار میں ہے:

لاحق لولد عم وعمّة وخالة لعدم المحرمية[1]۔	چچازاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد کو بچے کا حق پرورش نہیں ہے کیونکہ یہ محارم نہیں ہیں (ت)

پھر محارم میں پہلے مستحق عورتیں ہیں بشرطیکہ معاذاللہ مرتدہ یا بدکار یا بے اطمینان یا کسی ایسے شخص کے نکاح میں نہ ہوں جس اس بچہ کا محرم نہیں، بے اطمینانی کی یہ صورت کہ بچہ کو بے حفاظت چھوڑ کر باہر چلی جایا کرتی ہو، ایسی بے پروائی ماں بھی کرے تو بچے اس سے بھی لے لئے جائیں گے، درمختار میں ہے:

الحضانة للام الاان تکون مرتدة او فاجرة او غیر ما مونة بان تخرج کل وقت و تترك الولد ضائعا او متزوجة بغیر محرم الصغیر[2] الخ ملخصًا۔	پرورش کا حق ماں کو ہے مگر جب ہو مرتدہ یا فاجرہ یا غیر محتاط ہو کہ ہر وقت بچے کو چھوڑ کر باہر چلی جاتی ہو یا اس نے بچے کے غیر محرم اجنبی سے نکاح کرلیا ہو الخ ملخصًا (ت)

عورتوں سب سے مقدم ۱ماں ہے، پھر ۲سگی نانی، پھر اس کی ۳ماں، پھر ۴سگی دادی، پھر اس کی ۵ماں، پھر ۶اس کی بہن، پھر مادری ۷بہن (یعنی جو اس بچے سے ماں میں شریک اور باپ میں جدا ہو) پھر روایت متون میں ۸سوتیلی بہن، پھر ۹سگی بھانجی، پھر ۱۰مادری، (یعنی مادری بہن کی) بیٹی، پھر ۱۱سگی خالہ، پھر ۱۲مادری خالہ، پھر ۱۳سوتیلی خالہ، پھر ۱۴سگی بھانجی، پھر ۱۵سوتیلی بھانجی، پھر ۱۶سگی بھتیجی، پھر ۱۷سوتیلی، پھر ۱۸سگی پھوپھی، پھر ۱۹مادری، پھر ۲۰سوتیلی، پھر ۲۱ماں کی سگی خالہ، ۲۲پھر مادری، پھر ۲۳سوتیلی، پھر ۲۴باپ کی سگی خالہ، پھر ۲۵مادری، پھر ۲۶سوتیلی، پھر ۲۷ماں کی سگی پھوپھی، ۲۸پھر مادری، ۲۹پھر سوتیلی، ۳۰پھر باپ کی سگی پھوپھی، ۳۱پھر مادری، ۳۲پھر سوتیلی، یہ بتیس ۳۲عورتیں ہیں جب ان سے کوئی نہ ہو یا بوجوہ مذکورہ مستحق نہ رہے تو حقِ حضانت عصبات ذکور کی طرف منتقل ہوگا جن میں سب سے مقدم باپ ہے، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا، پھر سگا بھتیجا، پھر سوتیلا، پھر سگا چچا، پھر سوتیلا۔ ان میں سے کسی کے ہوتے نانا ماموں وغیرہما ذوی الارحام کو استحقاق نہیں تو خود باپ کے سامنے کب مستحق ہوسکتے ہیں، درمختار میں ہے:

ثم بعد الام ۱ام الام وان علت، ثم ۲ام الاب وان	ماں کے بعد ۱نانی اوپر تک، پھر ۲دادی اوپر تک، پھر

[1] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

[2] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

علت، ثم ٣ الاخت لاب وام، ثم ٤ لام، ثم ٥ لاب، ثم ٦ بنت الاخت لابوین، ثم ٧ لام، ثم ٨ لاب، ثم ٩ الخالات کذٰلك ای الابوین، ثم ١٠ لام، ثم ١١ لاب، ثم ١٢ بنت الاخت لاب، ثم ١٣ بنات الاخ (لاب وام، او ١٤ لام او ١٥ لاب علی الترتیب) ثم ١٦ العمات (لاب وام، ثم ١٧ لام ثم ١٨ لاب) ثم ١٩ خالۃ الام کذٰلک، ثم ٢٠ خالۃ الاب کذٰلک، ثم ٢١ عمات الامھات و ٢٢ الاباء بھذا الترتیب، ثم ٢٣ العصبات بترتیب الارث فیقدم الاب، ثم ٢٤ الجد، ثم ٢٥ الاخ الشقیق، ثم ٢٦ لاب، ثم ٢٧ بنوہ کذٰلک، ثم ٢٨ العم، ٢٩ ثم بنوہ، ثم اذالم تکن عصبۃ فلذوی ٣٠ الارحام اھ[1] ملخصا منقحا مزیدا من رد المحتار۔	۳ حقیقی بہن، پھر ماں کی طرف سے ۴ سگی بہن، پھر باپ کی طرف سے ۵ سگی بہن، پھر ۶ حقیقی بہن کی بیٹی، پھر ماں کی طرف سے ۷ بہن کی بیٹی، پھر باپ کی طرف سے ۸ سگی بہن کی بیٹی، پھر باپ کی طرف سے سگی بہن کی بیتی، پھر اس ترتیب پر ۹،۱۰،۱۱ خالات، پھر باپ کی طرف سے ۱۲ بہن کی بیٹی، پھر بھائی کی ۱۳،۱۴،۱۵ بیٹیاں اس ترتیب، پھر ۱۶،۱۷،۱۸ پھوپھیاں اس ترتیب پر، پھر ۱۹ ماں کی خالہ، پھر ۲۰ باپ کی خالہ اس ترتیب سے، پھر ماؤں کی ۲۱ پھوپھیاں، پھر آباء کی ۲۲ پھوپھیاں اسی ترتیب پر پھر عصبہ مرد حضرات وارث ہونے کی ترتیب پر یعنی پہلے ۲۳ باپ ۲۴ پھر دادا، پھر ۲۵ حقیقی بھائی، پھر باپ کی طرف سے ۲۶ سگا بھائی، پھر ۲۷ بھائی کے بیٹے اس ترتیب پر، پھر ۲۸ چچا، پھر ۲۹ اس کے بیٹے، اور پھر اگر عصبات نہ ہوں تو ۳۰ ذوالارحام حقدار ہوں گے اھ ملخصاً منقحاً اس پر ردالمحتار سے بڑھاتے ہوئے۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں ان بتیس ۳۲ عورتوں سے اگر کوئی عورت بھی قابل حضانت موجود ہے جس نے بوجہ موانع مذکورہ اپنے حقِ حضانت کو ساقط نہ کیا تو صغیر صغیرہ نانا سے لے کر اس عورت کے پاس رکھے جائیں گے لڑکا سات برس کی عمر اور لڑکی نو برس کے سن تک بعد ازاں باپ کو دے دئے جائیں گے اور اگر زنانِ مذکورہ سے کوئی عورت مستحق باقی نہیں تو آج ہی سے بچے باپ کے پاس رہیں گے، نانا کہ اکتالیسویں درجہ میں ہے ان کا استحقاق نہیں رکھتا اور نکاح ثانی کے سبب باپ کے پاس مضرتِ جان اطفال کا اندیشہ گمان فاسد ہے،

فان العلماء لایعدون التزوج من مسقطات حضانۃ العصبات کیف والرجال قوامون علی النساء بخلاف المرأۃ فانھن عوان بین یدیکم۔	علمائے عصبہ مردوں کے حقِ حضانت کو ان کے نکاح کرلینے کی وجہ سے ساقط نہیں کیا ان کا حق کیسے ساقط ہو جبکہ یہ مرد بیویوں پر غالب ہیں اسکے برخلاف عورت کا معاملہ ہے کیونکہ وہ خاوند کے کنٹرول میں ہے۔ (ت)

اور بالفرض اگر یہ امر باطل بثبوت کافی ثابت بھی ہو جائے تو غایت یہ کہ باپ سے لے کر اور نیچے کے عصبات بترتیب مذکور کو دیں گے جب تک ان سے کوئی باقی ہے نانا کو استحقاق نہیں، ماموں تو نانا سے بھی

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵۔ ۲۶۴

پانچویں درجہ میں ہے،

کما یظھر من الدرالمختار وردالمحتار، واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار سے ظاہر ہورہا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور لڑکااور ایک لڑکی نابالغ اور ایک بیٹی بالغہ منکوحہ اور ایک بھائی چھوڑ کر انتقال کیا زوجہ نے کہ ان بچوں کی ماں ہے ایک اجنبی آدمی سے نکاح کرلیا، لڑکا چار برس کا ہے اور لڑکی آٹھ کی، اس کی ماں اس کا نکاح ایک جگہ کیا چاہتی ہے، چچا وہاں راضی نہیں بلکہ اپنے بھتیجے سے نکاح کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں ان نابالغوں کے نکاح کا اختیار ماں کو یا چچا کو ہے، اور ان کو رکھنے کا اختیار کسے ہے، نابالغوں کی دادی کوئی نہیں، خالہ اور دو ۲ پھوپھیاں ہیں، اور پھوپھیاں انہیں اپنے پاس رکھنے پر راضی نہیں، اور نابالغوں کا کچھ مال نہیں، توان کا کھلانا بلانا کس کے ذمہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نابالغوں کے نکاح کا اختیار ان کے چچا کے سوا کسی کو نہیں، اسکے ہوتے ہوئے ماں کا نکاح میں کچھ دخل نہیں، اور جبکہ وہ ایک اجنبی شخص سے نکاح کرچکی تو اسے بچوں کے رکھنے کا بھی اختیار نہیں، بلکہ لڑکا سات برس کی عمر تک اور لڑکی جوانی تک اپنی بہن کے پاس رہیں، اور وہ نہ رکھے تو خالہ کے پاس، اور وہ بھی قبول نہ کرے تو پھوپھیوں کے پاس،

فی الدرالمختار الحضانۃ للام الا ان تکون فاجرۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر ثم بعد الام بان ماتت اولم تقبل اوتزوجت باجنبی ام الام، ثم ام الاب، ثم الاخت ثم الخالات ثم العمات اھ[1] ملخصاً۔	درمختار میں ہے: ماں اگر فاجرہ یا بچے کے غیر محرم سے نکاح والی نہ توو ہی پرورش کا حق رکھتی ہے، پھر ماں اگر فوت ہوجائے یا بچے کو قبول نہ کرے یا بچے کے اجنبی سے نکاح کرلے تو اس کے بعد نانی پھر دادی پھر بہن پھر، خالات، پھر پھوپھیوں کو حق حضانت ہے اھ ملخصًا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

الحاضنة لاتجبر اذا لم تتعین لها لان المحضون حِ لایضیع حقه لوجود من یحضنه غیرہا وتجبر اذا تعینت لعدم من یحضنه غیرھا[1] اھ ملتقطا وتمام تحقیقه فیه وھذاحاصل ما وفق به بین نقلین مختلفین۔	پرورش کرنے والی صرف ایک ہونے کی وجہ سے متعین نہ ہوتو اس کو پرورش پر مجبور نہ کیا جائے گا کیونکہ دوسری پرورش کرنے والی موجود ہونے کی وجہ سے بچے کی پرورش ضائع نہ ہوگی اور اگر وہ ایک ہی متعین ہو تو اس کو مجبور کی اجائے گا کیونکہ کوئی دوسرا نہیں ہے اھ ملتقطا اور اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار میں ہے یہ دو مختلف روایات میں تطبیق و توفیق کا ماحاصل ہے۔(ت)

اور جبکہ ان یتیم نابالغوں کا کچھ مال نہیں تو ان کا کھانا کپڑا ان کے ان قابلانِ وراثت پر ہے جن کے پاس اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے پہننے وغیرہ ضروری مصارف کے بعد پس انداز ہوتا ہو جس سے اپنے ان عزیزوں کی امداد کرسکیں یہاں ماں بہن چچا پھوپھی خالہ اگرچہ سب محارم ہیں مگر خالہ پھوپھی ان تین کے سامنے وارث نہیں لہٰذا ان میں اگر کوئی ویسا مرفہ الحال ہو تو خالہ پھوپھی پر نفقہ دینا واجب نہیں۔

فی الدر المختار ویجب ایضا لکل ذی محرم رحم محرم صغیر او انثی مطلقا ولو کانت الانثی بالغة صحیحة اوکان الذکر بالغا لکن عاجزا عن الکسب نحو زمانة کعمی وعته وفلج اولایحسن الکسب فقیرا،بحیث تحل له الصدقة ولوله منزل وخادم علی الصواب بدائع اھ [2] ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ ہر ذی محرم(خواہ نابالغ ہو یا عورت ہو)کا نفقہ واجب ہے،اگرچہ عورت بالغہ اور صحتمند ہو یا مرد بالغ ہو لیکن عاجز ہو محنت نہ کرسکتا ہو مثلاً اپاہج،نابینا،بے عقل یا فالج زدہ ہو،یا محنت کی مہارت نہ رکھنے والا محتاج ہو جس کو صدقہ حلال ہوا گرچہ اس کا مکان اور خادم ہو،درست قول کے مطابق یہی حکم ہے،بدائع،ملخصًا(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لوکان له عم وعمة وخالة فالنفقة علی العم فان کان العم معسرا فالنفقة علیهما[3]۔	اگر چچا،پھوپھی اور خالہ ہو تو نفقہ چچے پر لازم ہوگا،اور اگر چچا تنگدست ہو تو پھر پھوپھی اور خالہ دونوں پر لازم ہوگا۔(ت)

[1] ردالمحتار باب الحضانة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۶

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی النفقة ذوی الارحام نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۶۶

اب یہ دیکھنا رہا کہ ان تین وارثوں میں اس طرح کا مالدار کون ہے جس کا ہم نے بیان کیا، اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عورت اگر اپنا کچھ نہ رکھتی ہو تو وہ مرفہ الحال نہ گنی جائے گی اور اس سے نفقہ نہ لیا جائے گا اگرچہ اس کا شوہر ہزاروں کا آدمی ہو والا لزم ایجاب النفقۃ علی الاجنبی کمالایخفی (ورنہ اجنبی پر نفقہ واجب کرنا لازم آئے گا جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) پس اگر صورت مستفسرہ میں ان تینوں وارثوں سے صرف ایک ایسا مرفہ الحال ہی باقی ہے تو ان دونوں بچوں کا نفقہ صرف اس ایک پر واجب ہوگا خواہ ماں ہو یا بہن یا چچا، اور اگر صرف دو ماں اور بہن مالدار ہیں چچا نہیں تو جس قدر ان بچوں کے کھانے پہننے میں صرف ہونا سمجھا جائے اس کے پانچ حصے کریں دو ۲ حصے ماں سے لئے جائیں اور تین حصے بہن سے، مثلاً سوا روپے مہینے کا خرچ سمجھیں تو ۸/ ماں دے اور ۱۲/ بہن، اور اگر چچا مالدار ہیں بہن نہیں تو تین حصے کریں دو تہائی ماں سے لیں ایک تہائی چچا سے، اور اگر بہن، چچا مالدار ہیں ماں نہیں تو چار سہام کریں ایک چوتھائی چچا دے تین حصے بہن، اور اگر تینوں مالدار تو چھ سہام کریں دو حصے ماں دے، تین حصے بہن، ایک حصہ چچا،

وذٰلك لما عرفت ان النفقة بقدر الارث وقد قال فی الهندیة الاصل فی هذا ان کل من کان یحرز جمیع المیراث وهو معسر یجعل کالمیت واذا جعل کالمیت کانت النفقة علی الباقیین علی قدر مواریثهم وکل من کان یحرز بعض المیراث لایجعل کالمیت فکانت النفقة علی قدر مواریث من کان یرث معه[1] الخ ومثله فی الدر المختار وغیره وقد علمت انه لیس ههنا احد من الثلثة یحجب الباقیین ویحرز کل	یہ اس لئے کہ جس کو آپ نے جان لیا کہ نفقہ بقدر وراثت لازم ہوتا ہے، اور ہندیہ میں کہا ہے اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص تمام وراثت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہو جب وہ تنگدست ہو تو اس کو مردہ (کالعدم) قرار دیا جاتا ہے اور جب وہ کالعدم قرار پائے گا تو پھر نفقہ باقی ورثاء پر بقدر وراثت واجب ہوگا اور وہ وارث یہ تمام وراثت کو حاصل نہیں کرتا بلکہ وراثت کا کچھ حصہ پاتا ہے تو اس کو تنگدستی پر مردہ (کالعدم) نہیں قرار دیا جاتا لہٰذا اس کی موجودگی میں اس کے ساتھ جو لوگ وراثت میں حصہ دار ہوتے ہوں ان پر حصہ کے مطابق نفقہ لازم ہوگا الخ، اور اسی طرح درمختار وغیرہ میں مذکور ہے، اور آپ معلوم کرچکے ہیں کہ یہاں تینوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دوسرے ورثاء کو محروم

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی نفقۃ ذوی الارحام نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۶۶

المیراث فان کان احدھم معسرا لایجعل کالمیت و یعتبر فی التقسیم ثم یخرج من البین کما یفعل فی الخارج وحٍ یتضح لك ماذکرنا بتوفیق الله سبحٰنه وتعالٰی، والله تعالٰی اعلم۔	کرکے تمام وراثت کو حاصل کرسکے تو ان میں سے اگر کوئی تنگدست ہوجائے تو اس کو مردہ (کالعدم) نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اس کو تقسیم میں باقی اور شامل تصور کرکے درمیان سے الگ کردیا جائے گا، جیسا کہ وراثت کی تقسیم میں کسی کو الگ کردیا جاتا ہے، تو اب وہ بات واضح ہوگئی جو ہم نے ذکر کی ہے اللہ سبحٰنہ کی توفیق سے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور مادر اس کی، اور طفل شیر خوار اس نے چھوڑا اور شوہر بھی اس کا باقی رہا لیکن کوئی شخص ماں یا بہن یا پھوپھی وغیرہ شوہر ہندہ کا نہیں رہا ہے کہ پرورش اس طفل شیر خوارگی کی کرے، نانی اس طفل مذکور کی پرورش کرتی ہے اور باپ اس طفل کا نہیں چاہتا ہے کہ نانی کے پاس وہ لڑکا رہے، تو اس حالت میں وہ لڑکا باپ کو عندالشرع دلایا جائے گا یا نانی کے پاس رہے گا؟ اور اسباب وظروف وغیرہ کہ ہندہ متوفیہ کا جہیز ہندہ نے پایا تھا وہ بھی شوہر اس کے نے اپنے تصرف میں کرلیا تو وہ مال واسباب متصرفہ شوہر ہندہ ملک اس پسر صغیرہ کی ہوگا یا اس کے باپ کے قبضہ میں رہے گا اور مصارف نان ونفقہ ایامِ رضاعت کا کس کے ذمہ چاہئے، بینوا توجروا

الجواب:

صورت مسئولہ میں سات برس کی عمر تک پسر کی پرورش ان کی نانی کا حق ہے، باپ بلاوجہ شرعی اس کامزاحم نہیں ہوسکتا،

فی الدرالمختار الحضانة تثبت للام ثم ام الام والحاضنة اماو غیرھا احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی اھ[1] ملتقطا۔	درمختار میں ہے: پرورش کا حق ماں کو پھر نانی کو ہے، اور پرورش کرنے والی عورت لڑکے کی اس وقت تک حقدار ہے جب تک وہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہوجاتا جس کی مدت اندازاً سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اھ ملتقطا (ت)

[1] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

اور ہندہ نے جو کچھ اسباب اپنے جہیز میں پایا تھا سب اسی کی ملک تھا اور بعد اس کی مرگ کے فرائض اللہ پر تقسیم پائے گا،

فی العقود الدریۃ کل احد یعلم ان الجھاز ملك البنت لاحق لاحد فیھا[1]۔	عقود الدریہ میں ہے کہ ہر ایک جانتا ہے کہ جہیز لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے اس میں کسی اور کا حق نہیں ہوتا۔ (ت)

البتہ جس قدر مال حصہ نابالغ قرار پائے گا اس پر قبضہ اس کے باپ ہی کا ہوگا مگر نہ مالکانہ از راہِ ولایت کہ باپ کے ہوتے ہوئے دوسرا شخص بچہ کا ولی اور اس کے مال کا محافظ نہیں کما فی الدر المختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ درمختار اور عامہ کتب میں ہے۔ت) رہا یہ بچے کا نان ونفقہ اور اجرت رضاعت وغیرہ مصارف کثیرہ ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بچہ نے اپنی ماں کے ترکہ یا کسی اور وجہ سے اتنا مال پایا ہے جس کے سبب اسے شرعًا غنی کہا جائے اور زکوۃ دینا ناروا ہو تو یہ سب صرف خاص اسی کے مال سے ہوں گے باپ پر واجب نہیں کہ اپنے پاس سے صرف کرے، ہاں ان مصارف کی کارپردازی بحکم ولایت باپ کے ذمہ ہوگی، اور اگر بچہ کے پاس اتنا مال نہیں تو بیشک یہ صرف باپ کے ذمہ ہیں،

فی ردالمحتار عن الخیر الرملی ان الحضانۃ کالرضاع فلھا الاجرۃ من مال الصغیر ان کان لہ مال والا فمن مال ابیہ[2] اھ ملخصا، وفی الدرالمختار وتجب النفقۃ لطفلہ الفقیر فان نفقۃ الغنی فی مالہ الحاضر وتجب ایضا لکل ذی رحم محرم فقیرا بحیث تحل لہ الصدقۃ ولولہ منزل وخادم علی الصواب بدائع[3] اھ بالالتقاط، فی ردالمحتار قولہ ولولہ منزل وخادم وھو محتاج الیھما۔ وھذا عام فی الوالدین والمولودین وذوی الارحام کما صرح	ردالمحتار میں خیر الدین رملی سے منقول ہے کہ پرورش کا حکم رضاعت والا ہے لہٰذا پرورش کرنیوالی کو اجرت کا استحقاق ہے، اگر بچے کا اپنا مال ہو تو اس میں سے ورنہ بچے کے والد کے مال میں سے اجرت دی جائے گی اھ ملخصًا۔ اور درمختار میں ہے کہ بچے کا نفقہ اگر وہ فقیر ہو تو باپ پر ہے کیونکہ اگر وہ فقیر نہ ہو تو غنی ہونے کی وجہ سے نفقہ اس کے اپنے موجود مال سے کیا جائے گا، اور یونہی جو ذی محرم فقیر ہو اس کے لئے صدقہ حلال ہو تو اس کے لئے بھی نفقہ ضروری ہے اگرچہ اس کا مکان اور خادم بھی ہو یہ حکم درست قول کے مطابق ہے

1

[2] درمختار باب الحضانۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۷

[3] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳ و ۲۷۶

بدائع اھ ملتقطاً۔ فی الذخیرۃ[1] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	اس پر ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول کہ "اگرچہ اس کا مکان اور خادم ہو" یعنی جبکہ اس کو ان کی احتیاجی ہو۔ یہ حکم والدین، اولاد اور ذوالارحام سب کو شامل ہے جیسا کہ ذخیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے اھ، واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲: ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دی اور ایک پسر شیر خوار جو زید کو نطفے سے ہے واسطے پرورش کے ہندہ کے پاس چھوڑا اور اس کی پرورش کے واسطے ماہانہ مقرر کردیا اب وہ لڑکا بعمر تین برس کچھ ماہ کے ہوا ہندہ نے نکاح ایک شخص سے کرلیا اب وہ لڑکا زید کو مل سکتا ہے یا نہیں، اور اگر مل سکتا ہے تو کس عمر میں؟ اور ہندہ کو اپنے ماں باپ کے پاس چھوڑ کر شوہر کے یہاں چلی گئی وہ عورت ہندہ کی مادر حقیقی نہیں ہے تو زید کے مقابلہ میں ہندہ کے ماں باپ کو استحقاق پرورش پسر مذکور حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

سائل مظہر کہ ہندہ نے جس شخص سے نکاح کیا وہ لڑکے کا محرم نہیں بلکہ اجنبی شخص ہے اور ہندہ کی ماں اور نانی مر گئیں، باپ اور سوتیلی ماں، اور ہندہ کی سگی دادی خود کی سگی دادی زندہ ہیں، پس صورت مذکورہ میں ہندہ کے باپ یا سوتیلی ماں کو لڑکے کے رکھنے کا کوئی حق نہیں بلکہ سات برس کی عمر تک اپنی دادی کے پاس رہے گا بعدہ باپ لے لے گا ماں کی دادی بھی لڑکے کی دادی کے ہوتے نہیں رکھ سکتی۔

فی الدرالمختار ثم بعد الام بان ماتت اوتزوجت بالجنبی ام الام وان علت عند عدم اھلیۃ القربی، ثم ام الاب وان علت بالشرط المذکور واما ام اب الام فتؤخر عن ام لاب بل عن الخالۃ ایضاً بحر، والام احق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی[2] اھ ملتقطاً، و	درمختار میں ہے کہ ماں فوت ہوجائے یا بچے کے اجنبی غیر محرم سے نکاح کرلے تو ماں کے بعد نانی خواہ اوپر والی ہو جبکہ کوئی قریبی عورت پرورش کا حق نہ رکھتی، پھر دادی خواہ اوپر والی ہو مذکور لہ شرط کے ساتھ، لیکن ماں کی دادی تو وہ بچے کی دادی بلکہ اس کی خالہ سے بھی مؤخر ہے، بحر۔ ماں لڑکے کی حقدار ہے جب تک لڑکا عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہ ہوجائے جس کا اندازہ سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوی دیا جائیگا،

[1] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۲

[2] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

فی ردالمحتار عن الفتح یجبر الاب علی اخذ الولد بعد استغنائه عن الام [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اھ ملتقطا، اور ردالمحتار میں فتح سے منقول ہے کہ والد کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بچے کو ماں کی نگرانی سے مستغنی ہوجانے کے بعد اپنی تحویل میں لے لے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دے دی جس کو عرصہ پانچ سال کا ہوا اور اس کا ایک لڑکا تھا وہ بھی تقریبًا پانچ سال کا ہوا، اب ہندہ نے نکاح ثانی کرلیا ہے، اور اس لڑکے کی نانی سوتیلی ہے اور خالہ نابالغ ہے اور اس کی دادی اور پردادی اور دادا اور باپ موجود ہیں اس حالت میں لڑکا مذکور کس کے پاس رہنا چاہئے؟ بیان کیجئے۔ بینوا توجروا

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ عورت نے اجنبی شخص سے نکاح کیا جو اس لڑکے کا کوئی نہیں اور نانی سوتیلی ہے، اور سگی نانی کی ماں بھی نہیں اور دادی حقیقی ہے، پس اس صورت میں ماں کو اس لڑکے کے رکھنے کا کوئی حق نہ رہا، اور سوتیلی نانی کوئی چیز نہیں، لڑکا سات برس کی عمر تک دادی یعنی اپنے باپ کی ماں کے پاس رہے گا پھر باپ لے لے گا۔ درمختار میں ہے:

الحاضنة یسقط حقها بنکاح غیر محرم الصغیر۔ [2]	پرورش کرنے والی کا حق ساقط ہوجاتا ہے جب وہ بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ثم بعد الام ان ماتت اوتزوجت باجنبی ام الام وان علت ثم ام الاب [3] اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔	ماں فوت ہوجائے یا بچے کے اجنبی سے نکاح کرلے تو پھر نانی کو حق ہے خواہ اوپر والی ہو، پھر دادی کو حق ہے اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ نے انتقال کیا اور ایک لڑکا بعمر چھ سات ماہ

---

[1] ردالمحتار باب الحضانة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۰

[2] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۵

[3] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

کا شیر خوار چھوڑا، اور شوہر اور مسماۃ متوفیہ کی پھوپھی یعنی اس کے باپ کی حقیقی بہن اور مسماۃ بہن اور مسماۃ متوفیہ کا ماموں موجود ہیں، ان سب میں کس کو ولایتِ پرورش پہنچ سکتی ہے؟ اور بحالت انکار اول حقدار کے دویم درجہ میں کس کو پہنچے گی؟

الجواب:

جبکہ اس لڑکے کی نہ نانی ہے نہ کوئی جوان بہن ہے، نہ بھانجی نہ خالہ، نہ پھوپھی نہ ماں کی خالہ، نہ باپ کی خالہ، صرف ماں کی پھوپھی ہے اور وہ بیوہ ہے۔ جیساکہ سائلوں نے بیان کیا تو اس صورت میں لڑکا سات برس کی عمر تک ماں کی پھوپھی کے پاس رہے گا اس کے ہوتے ہوئے باپ کو بھی اختیار نہیں ماں کا ماموں تو بہت بعید ہے اور جبکہ لڑکے کے باپ کی پھوپھی بھی حسبِ بیان سائلان نہیں، غرض ماں کی پھوپھی کے سوا کوئی عورت جسے حقِ حضانت ہو موجود نہیں تو ماں کی پھوپھی کو اس سے انکار کا اختیار نہیں البتہ اس پرورش کی اجرت لینی چاہے تو باپ کو دینی ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے:

الحضانۃ تثبت للام، ثم ام الام، ثم ام الاب وان علت، ثم الاخت لاب وام، ثم لام، ثم لاب، ثم بنت الاخت لابوین، ثم لام، ثم الخالات، ثم العمات، ثم خالۃ الام، ثم خالۃ الاب، ثم عمات الامھات والاٰباء، بھذا الترتیب ثم العصبات بترتیب الارث۔[1]	پرورش کا حق ماں کو ہے پھر نانی پھر دادی کو اگرچہ اوپر والی ہوں، پھر حقیقی بہن کو پھر ماں کی طرف سے سگی بہن کو پھر باپ کی طرف سے سگی بہن کو پھر حقیقی بہن کی بیٹی کو پھر ماں کی طرف سے بہن کی بیٹی کو پھر خالات کو پھر پھوپھیوں کو پھر ماں کی خالہ پھر باپ کی خالہ کو پھر ماں اور باپ کی پھوپھیوں کو، اسی ترتیب سے پھر، عصبہ مردوں کو وراثت کی ترتیب پر۔ (ت)

انہیں میں ہے:

ولاتقدر الحاضنۃ علی ابطال حق الصغیر وان لم یوجد غیرھا اجبرت بلاخلاف وتستحق اجرۃ الحضانۃ وھی غیر اجرۃ ارضاعہ ونفقتہ بحر عن	پرورش کرنے والی حقِ صغیر کو باطل نہیں کرسکتی، اگر ماں کے علاوہ کوئی پرورش کرنے والی نہ ہو تو ماں کو بچے کی پرورش پر مجبور کیا جائے گا، اس میں اختلاف نہیں، وہ البتہ پرورش کی اجرت کی مستحق ہوگی جو کہ دودھ پلانے کی اجرت اور نفقہ ولد کے علاوہ

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

السراجیة[1] اھملخصین، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوگی بحر نے اسے سراجیہ سے نقل کیا ہے اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵: از ریاست رامپور محلّہ چاہ شور مرسلہ مناخاں ۲۲جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقت وفات اپنی ایک زوجہ منکوحہ اور ایک پسر نابالغ اور دولڑکیاں نابالغہ ہیں، وراثت مع الحصر چھوڑ کر وفات پائی، اور بعد وفات مذکور کے اس کی منکوحہ وارثہ نے بقضاءِ الٰہی وفات پائی، اب ایک لڑکا نابالغ اور دولڑکیاں نابالغہ بطن مسماۃ متوفیہ سے باقی رہی، مسماۃ متوفیہ مذکورہ کادادھیال اور نانھیال میں سے کوئی ذکور اور اناث میں سے نہیں ہے اور زید مرحوم مذکور کے دو چچازاد بھائی ہیں اور ایک عورت حسینی کہ متوفیہ مرحومہ کو بطور فرزندی پرورش کیا تھا دعویدار ہیں کہ ولایت ان ہرسہ نابالغ صغیرہ کی ہم کو پہنچی ہے پس ولایت صغیران مذکور برادرانِ زید متوفی جو چچازاد بھائی زید کے ہیں اور وہ عورت جس نے منکوحہ کو فرزندانہ پرورش کیا تھا ان دونوں میں کس کو حسبِ شرع شریف حقِ ولایتِ نابالغان حاصل ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ پسر کی عمر گیارہ سال ہے اور ایک دختر کی دس سال اور دوسرے کی تین سال، پس صورت مستفسرہ میں لڑکا جوان ہونے تک زید کے چچازاد بھائی کے پاس رہے گا اور لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کرنے کی ولایت بھی بھائیوں کو ہے مگر لڑکیاں ان میں سے کسی کو سپرد نہ کی جائیں گی قاضیِ شرع پر فرض ہے کہ ان کے رکھنے کے لئے کوئی عورت صالحہ متدینہ امینہ تجویز کرے کہ تابلوغ یاجب تک شادی نہ ہو لڑکیاں اس کی حفاظت میں رہیں اور ان تینوں نابالغوں نابالغوں کاجو مال ہے اگر ان کے باپ یادادا کاکوئی وصی موجود ہے یعنی جسے وہ اپنے مال یااولاد کی حفاظت ونگہداشت کی وصیت کرگئے ہوں یا وہ نہ ہو تو ایسے وصی کاجو وصی ہو اس کی حفاظت میں سپرد کیا جائے ورنہ اس کے لئے بھی قاضی شرع پر فرض ہے کہ امین صالح دیندار قادر نیک مسلمان تجویز کرے جو قرآن پر سچا ایمان رکھے یتیم کے مال کو آگ جانے اور اللہ ان سب حسب لینے والا ہے، رہی وہ عورت جس نے ان کی ماں کو پالا تھا اس کا اصلاً کوئی حق نہیں، ہاں لڑکیوں کی حفاظت کے لئے اگر قاضی شرع کی رائے میں وہ عورت ہی انسب ہو تو اسے دے دے مگر نکاح یا حفاظت مال میں اس کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ منہاج وخلاصہ وتاتارخانیہ وحاشیہ الخیر الرملی وردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

ان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانۃ فمن سواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب غیران الانثٰی لا تدفع الاالی محرم[1]۔	جب بچے کی پرورش کی مدت ختم ہوجائے اور باپ نہ ہو تو باپ کے بعد والے عصبہ مردوں میں سے جو قریب تر ہو اس کی تحویل میں دے دیا جائے گا لیکن اگر لڑکی ہو تو اسے غیر محرم کی تحویل میں نہ دیا جائے گا۔(ت)

تحفۃ الفقہاء، وبحر الرائق ورد المحتار میں ہے:

ان لم یکن للجاریۃ غیر ابن العم فالاختیار للقاضی ان راٰہ اصلح الیہ والاتوضع علی ید امینۃ اھ(قال الشامی)مافی التحفۃ علله فی شرحها البدائع بقولہ لان الولایۃ فی ھذہ الحالۃ الیہ فیراعی الاصلح اھ وھو ظاہر فی انہ لاحق لابن العم فی الجاریۃ مطلقا[2] الخ۔	اگر لڑکی کا چچازاد کے بغیر کوئی عصبہ نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ اگر وہ چچازاد کو نیک وصالح سمجھتا ہے تو لڑکی اس کی تحویل میں دے دے ورنہ کسی امین صالح عورت کے سپرد کرے اھ، علامہ شامی نے فرمایا کہ تحفہ میں جو بیان ہے اس کی وجہ اور علت کو اس کی شرح بدائع میں یوں بیان کیا ہے، چونکہ ایسی صورت میں قاضی کو ولایت حاصل ہوتی ہے لہذا وہ بہتری کی تدبیر کرے اھ، یہ بات ظاہر ہے کیونکہ چچازاد کو لڑکی پر حق مطلقاً نہیں ہے الخ۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ(بعد موتہ)ثم وصی وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم القاضی[3] اھ مزیدا من الدر المختار، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	بچے کا ولی اس کا باپ پھر باپ کے فوت ہونے پر باپ کا وصی اور پھر وصی کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، اور پھر قاضی ہے اھ، درمختار سے کچھ زیادتی شامل کرتے ہوئے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم(ت)

[1] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۲

[2] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

مسئلہ ۱۴۶: از پیلی بھیت پنجابی ٹولہ مرسلہ شیخ عبدالعزیز ۱۴/ شوال ۱۳۲۱ھ

(شجرہ حاجی کفایت اللہ متوفی)

(زوجہ اولٰی حیات نجم النساء)

یہاں امیج کی شکل میں نقشہ بنانا ہے جلد ۱۳ ص ۴۰۱

(زوجہ ثانی متوفیہ حمید النساء)

یہاں امیج کی شکل میں نقشہ بنانا ہے جلد ۱۳ ص ۴۰۱

حاجی کفایت اللہ نے انتقال کیا اور انہوں نے اپنی ایک مادر جو سن خزافت کو پہنچ گئی ہیں اور ہوش وحواس ان کے قائم نہیں ہیں اور دو بہنیں اور ایک زوجہ اور اسی زوجہ حیات سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں اور دوسری زوجہ متوفیہ سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں، فریق اول یعنی زوجہ اولی کی اولاد سب بالغ ہے اور فریق ثانی زوجہ ثانیہ کی اولاد بعض بالغ اور بعض نابالغ ہیں۔ فریق اول چونکہ بالغ اور غالب تھے اور فریق ثانی نابالغ اور مغلوب، لہٰذا فریق اول کو ہمیشہ فریق ثانی کے ساتھ بوجہ سوتیلے پن کے قدرتی مخالفت ہے، چنانچہ ان نابالغان کے سوتیلے بہن بھائی بہ اتفاق نجم النساء سوتیلی ماں کی والدہ نابالغان کے مخالف اور درپے تخریب وایذارسانی ودل آزاری رہی اور شرکت شادی وغمی اور ملنا جلنا تاحیات متوفیہ حمید النساء والدہ نابالغان قطعی ترک رہا مگر حین حیات حاجی کفایت اللہ ان کی عداوت کا کوئی اثر پورے طور پر ظاہر نہیں ہو پایا لیکن بعد وفات حاجی کفایت اللہ فریق اول کی عداوت فریق ثانی کے ساتھ بخوبی ظاہر ہو گئی چنانچہ اس کی وجوہات یہ ہیں:

(۱) یہ کہ بعد وفات حاجی کفایت اللہ ان میں سے نابالغوں کو جو سب سے چھوٹے اور ان کے اختیار میں تھے ایک خادمہ کے سپرد کرکے گڑھی مانکپور کو جو جائے سکونت سے ایک مسافت بعید پر واقع ہے باقی اعزاواقارب سے جدا کرکے روانہ کردیا چھ ماہ تک ان کو لاوارث حیثیت سے چھوڑ رکھا جس کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی خورد ونوش وغیرہ کی تکلیف اور اذیتیں پہنچیں۔

(۲) یہ کہ جملہ آمدنی ان کے حصص واقعہ میں سے اپنے صرف میں لاچکے ہیں اور ان کے مصارف کی کوئی خبر گیری نہیں کرتے۔
(۳) یہ کہ بہت سے اشیاءِ منقولہ زرِ نقد وزیورات واشیاء خانگی جو نابالغان سے تعلق رکھتے ہیں ان لوگوں نے مخفی کرلیں اور ظاہر نہیں کیں اور دیون مورث کے وصول کرکے تصرف ذاتی اپنے میں لائے۔
(۴) یہ کہ طریقہ زندگی سوتیلے بھائیوں ان نابالغان کا ناشائستہ اور غیر مہذّب بدچلنی کے ساتھ ہے۔

سوال

حاجی محمد کفایت اللہ متوفی نے انتقال کرکے اس شجرہ مذکورہ بالاکے مطابق ورثاء چھوڑے اب ان اولاد نابالغان زوجہ ثانی متوفیہ، فضل حق، ضیاء الحق، ریاض الحق واحمدی بیگم کا حق ولایت جان ومال از روئے شرع شریف ان اولیاء میں سے بمقابلہ وجوہات بالاکے کس کو پہنچتا ہے:

اخ لاب۔ اخ لاب۔ اخت لاب۔ اخت لاب۔ اخت لاب۔ اخت لاب۔ اخت لاب۔ اخت الاب وام۔ جدہ صحیحہ۔ عمہ۔ عمہ۔
عبدالحق۔ احسان الحق۔ عجائب النساء۔ لطیف النساء۔ حبیب النساء۔ جمیل النساء۔ کریم النساء۔ اللہ جلائی۔ نجم النساء۔ صاحب النساء۔

الجواب:

حق حضانت لڑکے میں سات اور دختر میں نوبرس کی عمر تک رہتا ہے اس کے بعد عصبہ کے پاس رہے گی جو عصوبت میں مقدم ہے یہاں بھی مقدم ہے بشرطیکہ فاسق بدچلن نہ ہو اس سے صغیر پر اندیشہ نہ ہو اور دختر کے لئے اس کا محرم ہونا بھی شرط۔ اور سات یا نوبرس کی عمر تک جو حقِ حضانت میں عورات ذوات فروض مثل مادر وخواہر پھر ذوات رحم مثل خالہ وعمہ عصبات پر مقدم ہیں ان میں شرط یہ ہے کہ صغیر کے نامحرم کے نکاح میں نہ ہوں ورنہ بچے ماں کو بھی سپرد نہ کئے جائیں گے جہاں شرائط حضانت کی جامعہ کوئی عورت نہ ہوگی، حضانت عصبات پھر ذوی الارحام ذکور کی طرف انتقال کرے گی اور دختر کے لئے وہی محرمیت ضرور ہوگی پھر اگر کوئی ذی رحم ان بچوں کے حق میں قابل اعتماد نہ ہو تو ذی علم دیندار خداترس مسلمانانِ شہر کہ کوئی بدعت کفریہ مثل نیچریت ورفض وغیرہما نہ رکھتے ہوں نہ مکذبان باری عزّوجل یا منکرانِ ختم نبوتِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مسلمان جانتے ہوں جمع ہو کر کسی ایسے ہی متدیّن لائق کو بچوں کی حفاظت کے لئے تجویز کریں اور لڑکیاں بالخصوص کسی ایسی ہی عورت عاقلہ امینہ قادرہ کو سپرد کی جائیں جو نامحرم کے نکاح میں نہ ہو نہ ایسوں کے یہاں رہتی ہو جن سے بچوں پر مضرت واذیت کا اندیشہ ہو اور یہ شرط عدمِ نیچریت ورفض وغیرہ بدعات کفریہ کہ ہم نے ان رائے وہندوں کے لئے ذکر کی مطلقًا

ہر عورت و مرد میں ضرور ہے جسے حضانت یا حفاظت جان یا مال دی جائے بچوں کے مال کو ولایت باپ کے بعد باپ کے وصی کو ہے یعنی جسے وہ کہہ کر مرا ہو کہ میری اولاد کی غور پرداخت کرنا یا کہا ہو میری جائداد کی نگہداشت کرنا، وصی نہ ہو تو وصی کا وصی، وہ بھی نہ ہو تو دادا، پھر دادا کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر وہی حکم ہے کہ ذی علم متدین مسلمان نہایت غائر نظر سے مشورہ کرکے کسی ایسے ہی مسلمان کو محافظ مقرر کریں جو یتیم کے مال کو آگ جانتا ہو، اور جس شہر میں کوئی عالم دین معتمد سنّی المذہب فقیہ متدین موجود ہو تو ان امور میں رائے اسی کی معتبر ہے، اور جہاں ایسے چند عالم ہوں وہاں جو ان سب میں زیادہ علم والا ہو اس پر نظر ہے، جب کوئی مستحقِ حضانت وولایت مال نہ ہو تو وہ عالم شہر اپنی رائے سے بلحاظ امور مذکورہ بچوں کی سپردگی جان ومال کے لئے رجال ونساء باوصافِ مذکورہ تجویز کرے، شریعت کی ایسی باتوں میں جہاں قاضی اسلام نہ ہو اس عالمِ شہر کی رائے رائے قاضی اسلام کی مثل ہے، اور مسلمانوں پر اس کا اتباع لازم ہے، گورنمنٹ نے معاملات مثل نکاح وطلاق وحضانت وولایت ووراثت ووصایت میں مسلمانوں کو آزادی دی ہے وہ ہرگز مجبور نہیں کرتی کہ تم ان امور کو اپنی شرع کے مطابق باہم فیصلہ نہ کرلو بلکہ وہ خود ان امور میں شریعت وفتوی کی طرف رجوع کرتی ہے، جہاں تک میرا خیال ہے یہ امور اسی قبیل سے ہیں، اور اگر فی الواقع ایسا نہیں بلکہ آزادی کسی حد تک محدود کی گئی ہے تو جہاں تک آزادی ہے اس پر کارروائی لازم ہے **واللہ الموفق**، درمختار میں ہے:

الحاضنۃاحق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدربسبع وبہ یفتی واحق بھا حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی[1]۔	لڑکے پر پرورش کرنے والی کا حق اس وقت تک ہے جب تک وہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہوجاتا جس کا اندازہ سات سال عمر ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا اور لڑکی پر اس کا حق لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک ہے جس کا اندازہ نو سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوی دیا جائیگا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی حاشیۃ البحر للرملی فی المنہاج والخلاصۃ و التا تارخانیۃ ان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانۃ فمن سواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب غیران الانثی لاتدفع الاالی محرم[2]۔	بحر پر رملی کے حاشیہ میں ہے کہ منہاج، خلاصہ اور تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ اگر بچے کا والد نہ ہو اور بچے کی مدت پرورش ختم ہوجائے تو قریب ترین مرد عصبہ کے سپرد کیا جائیگا، مگر بچی ہو تو وہ غیر محرم عصبہ کے سپرد نہ کی جائے گی۔ (ت)

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

[2] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۳

تنویر الابصار میں ہے:

الحضانة تثبت للام الاان تکون مرتدة او غیرما مونة او متزوجة بغیر محرم ثم ام الام ثم ام الاب ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم لاب ثم الخالات ثم العمات کذٰلک[1]۔	پرورش کا حق والدہ کو ہوگا بشرطیکہ وہ مرتدہ، غیر محتاط اور بچے کے غیر محرم کی منکوحہ نہ ہو، والدہ کے بعد نانی، پھر دادی، پھر حقیقی بہن، پھر ماں کی طرف سے سگی بہن، پھر والد کی طرف سے سگی بہن، پھر خالات اور پھر پھوپھیاں اسی ترتیب سے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ثم العصبات بترتیب الارث سوی فاسق و معتوہ ثم اذالم یکن عصبة فلذوی الارحام[2] (ملخصا)	پھر عصبہ مرد حضرات وراثت کی ترتیب پر ماسوائے فاسق اور پاگل کے، اگر عصبات نہ ہوں تو ذوی الارحام حقدار ہوں گے (ملخصًا)۔(ت)

برہان وعینی وبحر وردالمحتار میں ہے:

فی البدائع لوکانت الاخوة والاعمام غیر مأمومنین علی نفسها اومالها لاتسلم الیهم وینظر القاضی امرأة ثقة عدلة امینة فتسلمها الیها الٰی أن تبلغ[3]۔	بدائع میں مذکور ہے اگر بھائی اور چچے، لڑکی اور اس کے مال کی حفاظت میں غیر محتاط ہوں تو لڑکی ان کے سپرد نہ کیا جائے گی اور قاضی لڑکی کے بالغ ہونے تک کسی قابلِ اعتماد عادہ دیانتدار عورت کے سپرد کردے گا۔(ت)

درمختار میں ہے:

الحاضنة یسقط حقها بنکاح غیر محرمه ای الصغیر وکذا بسکنٰها عند المبغضین له[4]۔	پرورش کرنے والی بچے کے غیر محرم کی منکوحہ ہونے یا بچے کے مخالفین کے ہاں رہائش پذیر ہونے کی بناء پر پرورش صغیر کی حقدار نہ رہے گی۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] درمختار تنویر الابصار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

[2] درمختار تنویر الابصار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

[3] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۸

[4] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

ولیہ فی المال ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم القاضی[1]۔	بچے کے مال کے متعلق والی والد ہوگا پھر والد کا وصی پھر وصی کا وصی پھر حقیقی جد صحیح (جو کسی عورت کے واسطہ کے بغیر ہو) پھر دادے کا وصی پھر اس کے وصی کا وصی اور پھر قاضی ہوگا۔ (ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے:

فی العتابی اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایة فالامور کلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیهم فاذا عسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروافالمتبع اعلمهم[2]۔	عتابی میں مذکور ہے کہ جس وقت بااختیار حاکم شرعی نہ پایا جائے تو پھر معاملات علماء کے سپرد قرار پائیںگے تو امت پرلازم ہے کہ وہ علماء کی طرف اپنے معاملات میں رجوع کرے، پھر جب سب کا ایک عالم کی طرف رجوع کرنا مشکل ہو تو پھر ہر علاقہ والے اپنے اپنے علاقہ کے علماء کی طرف راجع ہوں، اور اگر علاقہ میں علماء کی کثرت ہو تو پھر سب سے بڑے عالم کی اتباع کریں۔ (ت)

جب یہ مسائل معلوم ہولئے اب صورت مستفسرہ کی طرف چلئے، فضل حق وضیاء الحق تو حدِ حضانت سے نکل چکے ہیں کہ ان کی عمریں سات سال سے زائد ہیں، انہیں چاہئے تھا کہ عصبات کے سپرد ہوں، عصبہ یہاں سوتیلے بھائی ہیں جنہیں سائل بد چلن بتاتا ہے اور نابالغوں کا بدخواہ ودشمن بھی، اور فی الواقع سوتیلوں میں خصوصًا جہاں جائداد کا قدم درمیان ہو بدخواہی نہ ہونا ہی تعجب ہے، تولازم ہے کہ ان دونوں بچوں کے لئے کوئی اور عصبہ دیندار معتمد بشرائط مذکورہ تلاش کیا جائے، سائل نے زبانی احمدی بیگم کو ریاض الحق سے بھی چھوٹی بتایا تو یہ دونوں ابھی حضانت طلب ہیں، اللہ جلائی کو سائل مختل الحواس بتاتا ہے اور کریم النساء، حقیقی بہن بچوں کے نامحرم کے نکاح میں ہے یونہی سوتیلی بہنیں بھی، اور ان کا نامعتمد ہوناعلاوہ، بچوں کی کوئی خالہ بیان میں نہ آئی، پھوپھیوں کی نسبت بھی مسموع ہوا کہ نامحرموں کے نکاح میں ہیں، اس تقدیر ان کی حضانت بھی بھائیوں کی طرف آتی ہے مگران میں وہی موانع ہیں تواس کے لئے بھی کوئی عصبہ اور وہ نہ ہو تو ذوم رحم تلاش کرنا چاہئے اور احمدی بیگم کے واسطے اس کا محرم بھی درکار، یہ حفاظتِ جان تھی، رہی سپردگی مال اس کے لئے لازم کہ باپ کا وصی یا

[1] درمختار کتاب المأذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة النوع الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

وصی وصی یادادایعنی پدرِ پدرکاوصی وصی کی تحقیق کریں، مثلاً حاجی کفایت اللہ نے اگر کریم النساء یا اپنی بہن نجم النساء یا صاحب النساء یا جس کسی شخص کوان بچوں یا اپنی جائداد کی نگہداشت کی وصیت کی ہو نابالغوں کے مال اسی کو سپرد کئے جائیں گے، یہ تین مقام تلاش وتحقیق کے ہیں، ان میں سے جس میں بعد تلاش بھی کوئی شخص ان شرائط کانہ ملے تو عالم شہر کی رائے لی جائے گی۔یہ مسئلہ پیلی بھیت کا ہے اور وہاں ان صفاتِ مذکورہ کا کوئی عالم نہیں سوا مولٰنا وصی احمد صاحب محدّث سورتی **دامت فیوضھم** کے، توان کی طرف رجوع لازم اوران پر واجب کے بعد غور تمام وتحیقاتِ تام جملہ مسائل مذکورہ ومصالح نابالغین و مالھم وماعلیھم پر نظرع غائر فرماکر جزم واحتیاط کامل سے کام لیں اور ذی رائے دیندار اہلسنت عمائد شہر کو رائے و شوری میں شریک کریں، **وباللہ العصمۃ والتوفیق** (اور اللہ تعالٰی کی امداد سے ہی عصمت اور توفیق ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۷: ایک عورت کا خاوند فوت ہوگیا، بعد انتقال دوماہ اس عورت کے لڑکا پیدا ہوا اور بعد چندے زمانہ عدت گزرنے پر عورت نے نکاح ثانی کرلیا، پرورش اس بچے کی اب تک کہ قریب تین سال کے ہوئے وہ عورت کرتی ہے اس بچہ کے دادا نے اس درمیان میں یہ چاہا تھا کہ اس بچہ کی پرورش میں کروں لیکن اس عورت نے نہیں دیا اور کہا کہ بعد ہوشیار ہوجانے کے لے لینا، اب صورتِ مسئولہ یہ ہے کہ اس بچہ کی پرورش اس کی والدہ کب تک کرنے کی مستحق ہے، اگر دادا بچہ کااس بچہ کو اپنے پاس رکھنے کو لے تواس کی ماں کو بطریقہ شرعی کچھ خوراک یا نفقہ معین کرنا یا معاوضہ میں دینا چاہئے یا نہیں، اوراس زیور میں اس لڑکے کا کچھ حق ہے یا نہیں جو اس کی ماں کے پاس ہے، اگر ہے تو کس قدر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عورت نے اگر پسر کے محرم مثلاً حقیقی چچا سے نکاح کیا ہے تو لڑکا سات برس کی عمر تک ماں ہی کے پاس رہے گا اور اس مدت تک عورت اسی کے پالنے پر ماہانہ پائے گی جس کا وجوب لڑکے کے مال میں ہوگا اور لڑکے کا مال نہ رہے تو اس کے دادا پر ہوگا۔

فی الدرالمختار تستحق الحاضنۃ اجرۃ الحضانۃ وھی غیر اجرۃ ارضاعہ ونفقتہ کما فی البحر عن السراجیۃ وفی کتب الشافعیۃ مؤنۃ الحضانۃ،	درمختار میں ہے کہ پرورش کرنے والی اجرت کی مستحق ہوگی جو بچے کو دودھ پلانے کی اجرت اور نفقہ ولد کے علاوہ ہوگی، جیسا کہ بحر نے سراجیہ سے نقل کیا ہے اور شافعی حضرات کی کتب میں ہے کہ پرورش کاخرچہ

فی مال المحضون لوله مال والافعلی من تلزمه نفقته قال شیخنا وقواعدنا تقتضیه فیفتی به [1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار عن الشامی عن البرجندی تجبر الام علی الحضانة اذالم یکن لھا زوج والنفقة علی الاب، وقال الفقیه ابوجعفر تجبر وینفق علیھا من مال الصغیرة وبه اخذ الفقیه ابواللیث [2] اھ مختصرا۔	پرورش پانے والے بچے کے مال سے ادا ہوگا اگر بچے کا اپنا مال ہو، اگر بچے کا اپنا مال نہ ہو تو پھر یہ اسی شخص پر ہوگا جس پر بچے کا نفقہ واجب، ہمارے شیخ نے فرمایا ہمارے قواعد بھی یہی تقاضا کرتے ہیں لہٰذا اس پر فتوٰی دیا جائے گا اھ مختصراً۔ ردالمحتار میں شامی نے برجندی سے نقل کیا ہے کہ جب خاوند نہ ہو تو ماں کو پرورش پر مجبور کیا جائے گا اور پرورش کا خرچہ بچے کے والد پر ہوگا، اور ابوجعفر فقیہ نے فرمایا کہ بچے کی پرورش کے لئے ماں کو مجبور کیا جائے گا اور خرچہ خود بچے کے مال سے ادا کیا جائے گا، اسی کو فقیہ ابواللیث سمرقندی نے لیا ہے اھ مختصراً (ت)

ہاں اگر لڑکے کی کوئی قریب رشتہ دار عورت لائق حضانت مثلاً خالہ یا پھوپھی بلااجرت حضانت پر راضی ہو تو اس صورت میں کہ لڑکا مال رکھتا ہے اور اس کا مال بچانے کو لڑکے کی ماں سے کہا جائے گا یا تو تو مفت اپنے پاس رکھ یا اس دوسرے کو دے دے کہ مفت پرورش کرے،

فی ردالمحتار ان کان المتبرع غیراجنبی، والصغیرله مال یقال للام اما ان تمسکیه مجانا او تدفعیه للعمة مثلا المتبرعة صونا لماله لوله مال [3] (ملخصًا)	ردالمحتار میں ہے: اگر مفت میں پرورش کرنے والی غیر اجنبی عورت (محرم) ہو اور بچے کا اپنا مال ہو تو ماں کو کہا جائے گا کہ تو بچے کی مفت میں پرورش کر یا پھر مفت پرورش کرنے والی محرمہ مثلاً پھوپھی کو سونپ دے، یہ اس لئے کہ بچے کا مال محفوظ رہے، (ملخصًا)۔ (ت)

اور جس سے عورت نے نکاح کیا لڑکے کا محرم نہیں تو عورت کا حقِ حضانت ساقط ہوگیا لڑکا اس سے فوراً لے لیا جائے اور نانی وہ نہ ہو تو دادی پھر بہن پھر خالہ پھر پھوپھی جوان میں قابل حضانت ہو کہ لڑکے کے اجنبی کے نکاح میں نہ ہو اسی کے سات سال کی عمر تک رکھا جائے اور عورتوں میں کوئی ایسی نہ تو دادا

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

[2] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۶

[3] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۸

لے لے، جو زیور اس کے باپ نے اس کی ماں کو ہبہ کردیا ہو اس میں لڑکے کا حق نہیں ورنہ بعد فرض اصحاب فرائض باقی لڑکے کا ہے مثلاً اس کے باپ کا سوا زوجہ و پدر و پسر کے کوئی وارث نہ ہو تو بعد دین و وصیت ۲۴ حصے ہو کر ۳ حصے زوجہ اور ۴ والد ۱۷ پسر کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: ۷ شعبان ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور ایک لڑکا ایک لڑکی نابالغ اور ایک بیٹی بالغہ منکوحہ بیوہ اور ایک بھائی چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ نے کہ اس بچے کی ماں ہے ایک اجنبی سے نکاح کرلیا جو ان بچوں کا رشتہ دار نہیں، لڑکا چار برس کا ہے اور لڑکی آٹھ برس کی، اس کی ماں ایک جگہ اس کا نکاح کیا چاہتی ہے، چچا وہاں راضی نہیں اپنے بھتیجے یعنی دوسرے بھائی کے پسر سے نکاح کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں ان نابالغوں کے اختیار ماں کو ہے یا چچا کو؟ اور ان کے رکھنے کا اختیار کسے ہے؟ نابالغوں کی نانی دادی کوئی نہیں، خالہ اور دو پھوپھیاں انہیں اپنے پاس رکھنے پر راضی نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ان نابالغوں کے نکاح کا اختیار چچا کے سوا کسی کو نہیں، اس کے ہوتے ہوئے ماں نکاح میں کچھ دخل نہیں رکھتی۔

فی تنویر الابصار لم تکن عصبۃ فالولایۃ للام [1]۔	تنویر الابصار میں ہے: اگر کوئی عصبہ ولی نہ ہو تو پھر ولایت ماں کو حاصل ہوگی۔ (ت)

اور جبکہ وہ اپنا نکاح ایک اجنبی شخص سے کرچکی تو اسے ان بچوں کے رکھنے کا بھی اختیار نہیں،

فی الدرالمختار الحضانۃ للام الا ان تکون فاجرۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر [2] اھ مختصرا۔	درمختار میں ہے: پرورش کا حق ماں کو ہے مگر جب وہ فاجرہ ہو یا بچے کے غیر محرم کی منکوحہ ہو تو پھر نہیں اھ مختصراً (ت)

بلکہ لڑکا برس اور لڑکی نو برس کی عمر تک اپنی بیوہ بہن کے پاس رہیں، اور وہ نہ رکھے تو خالہ کے پاس، وہ بھی قبول نہ کرے تو پھوپھیوں کے پاس،

فی الدرالمختار ثم بعد الام بان ماتت	درمختار میں ہے: ماں فوت ہوجائے یا بچے کو قبول

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

اولم تقبل اوتزوجت باجنبی ام الام، ثم ام الاب، ثم الاخت، ثم الخالات، ثم العمات [1] اھ مختصرا، وفی ردالمحتار الحاضنة لاتجبر اذالم تتعین لھا، لان المحضون ح لایضیع حقه لوجود من یحضنه غیرھا و تجبر اذا تعینت لعدم من یحضنه غیرھا [2] اھ ملتقطا وتمام تحقیقه فیه وھذا حاصل ماوفق به بین نقلین مختلفین، وفی الدرالمختار الحاضنة اما او غیرھا احق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی وبالصغیرة حتی تشتھی وقدر بتسع وبه یفتی [3] اھ بالالتقاط، واللہ تعالٰی اعلم۔	نہ کرے یا بچے کے غیر محرم کی منکوحہ ہو تو پھر ماں کے بعد نانی، پھر دادی، پھر بہن، پھر خالات، پھر پھوپھیاں ترتیب وار حقدار ہیں اھ مختصراً، اور ردالمحتار میں ہے کہ پرورش کرنے والی اگر واحد اکیلی نہ ہو تو اس کو مجبور نہ کیا جائے کیونکہ پرورش کرنے والی اگر واحد اکیلی نہ ہو تو اس کو مجبور نہ کیا جائے کیونکہ پرورش پانے والے بچے کا حق ضائع نہ ہوگا اس لئے کہ دوسری پرورش کرنے والی موجود ہے، ہاں اگر پرورش کرنے والی واحد اکیلی ہونے کی وجہ سے وہی متعین ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا، کیونکہ دوسری نہ ہونے کی وجہ سے بچے کا حق ضائع ہوگا اھ ملتقطا، اس بحث ک مکمل تحقیق اسی میں ہے، یہ دو مختلف نقول میں توفیق کا حاصل ہے، درمختار میں ہے کہ پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور وہ لڑکے کی حقدار ہیں جب تک لڑکا عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہو جاتا، جس کا اندازہ سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور پرورش کرنے والی لڑکی کی حقدار ہیں جب تک لڑکی مشتہاۃ نہ ہو جائے جس کا اندازہ نَو سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۹: ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۳۰۷ھ

زن وشوہر میں نااتفاقی ہے ان کی لڑکی کی عمر قریب چھ برس کے ہے شوہر نے جبر کرکے اس کو ماں کے پاس سے علیحدہ کرلیا ہے اور اس کو ماں کے پاس نہیں آنے دیتا ہے، پس اس صورت میں حکم شرع شریف استفسار ہے کہ لڑکی کس کے پاس رہے اور حق ماں کو لڑکی کے رکھنے کا کے برس کی عمر تک ہے اور باپ لڑکی کا بحالت موجود ہونے لڑکی کی ماں کے مستطیع ہے اور اس کی تعلیم اچھی طرح کرسکتی ہے "لڑکی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے

---

[1] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

[2] ردالمحتار باب الحضانة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۶

[3] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۵

یا نہیں؟اور باپ لڑکی کا غیر مستطیع ہے فقط بینوا توجروا

الجواب:

لڑکی نو برس کی عمر تک ماں کے پاس رہے گی بعدہ باپ کو دے دی جائے گی، اس سے پہلے جب تک ماں میں کوئی اور مسقط حضانت نہ ثابت ہو کسی کو بلاوجہ شرعی اس سے لینے کا اختیار نہیں،

فی الدرالمختار الامر والجدۃ احق بھا حتی تشتھی وبہ یفتی [1]۔	در مختار میں ہے کہ ماں اور دادی لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک حقدار ہیں، اور اسی پر فتوی دیا جائے گا۔(ت)

اسی میں ہے:

وقدر بتسع وبہ یفتی۔ [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	مشتہاۃ اندازاً نو سال کی عمر ہے، اور اسی پر فتوی دیا جائیگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۰: از رنگون سورتی بازار دکان ۲۶۸ مرسلہ شیخ عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمر کی دو لڑکیاں زبیدہ اور ہندہ تھیں، زبیدہ کا نکاح خالد سے ہوا اور ہندہ کا نکاح بکر کے لڑکے ولید سے۔ ولید سے ہندہ کو ایک لڑکا زید تولد ہوا، بعد کو ولید انتقال کر گیا، کچھ عرصہ بعد زبیدہ جو کہ خالد کے نکاح میں تھی گزر گئی، اس کے بھی چند اولاد ہیں، بعد ایک عرصہ کے عمرو نے سنت رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم سمجھ کر بیوہ ہندہ کا نکاح اپنی مرحولم لڑکی زبیدہ کے خاوند سے کر دیا، یہ بات ہندہ کے اگلے شوہر ولید کے باپ بکر کو ناگوار گزری اور ولید کے لڑکے زید کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اس لڑکے کو اس کی والدہ سے اور والدہ کے رشتہ داروں سے ملنے جلنے نہ پائے اس کا سخت بدوبست کیا اس طرف اب زید کی والدہ جو نکاح ثانی کر چکی ہے لڑکے فراق میں سخت بے چین ہے روز وشب لڑکے کو یاد کرتی ہے اس بچے سے کسی طرح بھی ملنا چاہتی ہے حتی کہ ہندہ کی صحت بھی بگڑھ چکی ہے اس سبب سے ہندہ کے والد عمرو بھی بے چین ہیں اور بہت ذریعے سے بکر سے عرض کر چکے ہیں حتی کہ ایک جلسے جماعت مسلمین میں بھی یہ طے پایا کہ بکر کو جماعت کی طرف سے عرض کیا جائے کہ زید کو اس کی والدہ ہندہ کے پاس وقتاً فوقتاً کچھ دیر ملاقات کے لئے بھیجا کرے، مگر پھر بھی نتیجہ کچھ حاصل نہ ہوا، اب سوال یہ ہے کہ فعل بکر کا جائز ہے یا نہیں؟ کس طرح کے حقوق اس وقت ایک دوسرے پر ہیں، کیا بکر پر فرض نہیں کہ زید کو اس کی والدہ کے پاس صرف ملاقات کے لئے بھیجا کرے، کیا ایسے

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۵

[2] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۵

افعال اور جبر سے نکاح ثانی جو کہ نہایت ضروری سنّت شریف ہے کہ کرنے میں رکاوٹیں پیدا نہ ہوں گی خصوصًا ایسی حالت میں جبکہ ہند میں اکثر یہ مذموم رسم جاری ہے کہ نکاح ثانی نہیں کرتے، کیا والدہ بیچاری جس کی محبت بچے کے ساتھ اظہر من الشّمس ہے خصوصًا بچہ جبکہ سات، آٹھ، نو سال ہی کا ہو اتنا بھی حق نہیں رکھتی کہ ایک آدھ مرتبہ بچے کی صورت دیکھ لے۔

الجواب:

اگر ماں دوسرا نکاح نہ بھی کرے تو لڑکا سات برس کی عمر کے بعد اس کے پاس نہ رکھا جائے گا دادا سے لے لے گا اور اگر سات برس سے کم عمر ہو اور ماں دوسرا نکاح نہ کرے یا کرے تو لڑکے کے محرم یعنی چچا سے، تو لڑکا سات سال کی عمر ہونے تک ماں کے پس رہے گا دادا انہیں لے سکتا، لیکن جب لڑکے کے نامحرم مثلًا خالو سے نکاح کرلے جیسے یہاں ہوا تو اس نکاح کرنے کو جو برا کہے گا سخت گنہگار ہوگا لیکن شوہر دوم نامحرم پسر ہونے کے سبب لڑکا ماں سے لے لیا جائے گا، یہ سب مسائل درمختار وغیرہ عامہ کتب میں مصرح ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچہ ماں سے بالکل تڑالیا جائے اس سے ملنے تک نہ دیں، یہ حرام اور سخت حرام ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ابوموسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعنہ اللہ من فرق بین الوالدۃ ولدھا[1]۔	اللہ کی لعنت ہے اس پر جو ماں اور اس کے بچے میں جدائی ڈالے۔

بکر پر لازم ہے کہ اس حرکت سے توبہ کرے اور بچے کو اس کی ماں سے ملنے دے اور بلاوجہ ایذائے مسلمان کا شدید وبال اپنے سر نہ لے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلمًا اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[2]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزّوجل کو ایذا دی۔ (اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] سنن ابن ماجہ باب النھی عن التفریق بین الصبی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۳

[2] المعجم الاوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۳۷۳

مسئلہ ۱۵۱: از حسن پور ضلع سارن مسئولہ شاہ حمیدہ احمد ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے باپ، بی بی اور دس سالہ لڑکی نابالغہ چھوڑ کرانتقال کیا، زید کی بی بی نے بعد ایامِ عدت زید کے ایک ایسے بھائی سے عقد ثانی کرلیا جو بعد وفات پدر زید کے اس کے ترکہ وہی وارث جائز ہے اور مکان بھی اس کا بالکل زید کے مکان سے متصل ہے اور زید کے ہر جزو جائداد میں حصہ دار بھی ہے اور لڑکی زید کی آج تک پرورش اور پرداخت میں اپنی ماں کے ہے، ایسی صورت میں حق پرورش وپرداخت وولایت نکاح کا لڑکی کی ماں کو حاصل ہے یا دادا کو باوجود لڑکی ہنوز پرورش وپرداخت میں اپنی ماں کی ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

لڑکی کے نکاح یا اس کے مال کی نگہداشت کا حق تو باپ کے بعد دادا کے سوا کسی کو نہ تھا، پاس رکھنے کا حق ماں کو تھا، جب لڑکی نوبرس کی ہوئی وہ بھی ختم ہوگیا اب دادا اسے لے لے گا، ماں یا چچا کسی کو تعرض کا اختیار نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۲: از ریاست جاورہ سڑک رتلام دروازہ مرسلہ چھوٹے خاں معرفت سید حسن انسپکٹر ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حامد لاولد کو زید صاحبِ اولاد نے اپنی ایک دختر بسبب محبت ویگانگت وہمدردی اسلامی لوجہ اللہ دے کر یہ اختیار دے دیا کہ اب یہ لڑکی تمہاری ہے ہمارا کسی قسم کا اس پر دعوی جھگڑا نہیں ہے اس کو بطور اولاد کے تم پرورش کرو اور جہاں چاہو اس کی شادی وغیرہ کردینا ہمیں کوئی تعلق نہیں، چنانچہ حامد نے دس گیارہ سال تک اس دختر کو بطور اولاد خود اپنے پاس رکھ کر اپنے صرفہ سے پرورش کیا اور اب جبکہ دختر ہوشیار ہوئی تو زید نے بباعث طمع یا جو کچھ ہو اپنی طرف اس کو لوٹانا چاہا اور حامد اس کے دینے سے انکاری ہے تو ایسی صورت میں عندالشرع دختر مذکورہ اس کے والدین کو دلائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر دلائی جاسکتی ہے تو کیا بلا ادائے صرفہ پرورش دختر؟

الجواب:

دختر کا ہبہ کردینا باطل ہے نہ وہ باپ کی ملک تھی نہ حامد کی ملک ہوگئی، اور اب کہ بالغہ ہوئی یا قریب بلوغ پہنچی جب تک شادی نہ ہو ضرور اس کو باپ کے پاس رہنا چاہئے یہاں تک کہ نوبرس کی عمر

کے بعد سگی ماں سے لڑکی لے لی جائے گی اور باپ کے پاس رہے گی نہ کہ اجنبی جس کے پاس رہنا کسی طرح جائز ہی نہیں، بیٹی کرکے پانے سے بیٹی نہیں ہوجاتی، اس نے جو خرچ کیا اپنی اولاد بنا کر کیا نہ کہ بطور قرض، لہٰذا واپسی کا بھی مستحق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

باب النفقة

(نفقہ کا بیان)

مسئلہ ۱۵۳: ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں اور عدت گزرچکی اب عورت کا نفقہ زید پر واجب ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

اگر فی الواقع عدت گزرچکی (یعنی حاملہ تھی تو وضع حمل ہوگیا ورنہ طلاق کے بعد تین حیض شروع ہو کر ختم ہولئے) تواب نفقہ واجب نہیں کہ مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو، فی **ردالمحتار النفقة تابعة للعدّة**[1] (ردالمحتار میں ہے: عورت کا نفقہ عدت کے تابع ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۴: از ٹونک محلّہ قافلہ مرسلہ مولوی سید ولی اللہ صاحب ۲۱ شوال ۱۳۰۹ھ

بعد عالی جناب فیض مآب حضرت مولٰنا و بالفضل اولانا قبلہ وکعبہ ام مولٰنا احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیضہ، پس از تسلیم نیاز معروض می دارد۔ نقل اقرار نامہ بذریعہ ہذاخدمت شریف میں ابلاغ ہے۔ بروئے اس کے

---

[1] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۹

مدعیہ مسماۃ رقیہ بیگم کو اختیار حاصل ہے کہ بصورت ہونے تکلیف کے اپنے والدین کے مکان پر جاکر ہمیشہ رہے یا نہیں، اور جواز اس کا شرع سے ہے یا نہیں؟

اوّل یہ تکلیف ہے نان نفقہ جو پہلے دیتا تھا نہیں دیتا باوجود مقدوری کے۔

دوسرے سخت وسست بولتا ہے۔

تیسرے بد عہدی کرتا ہے کہ حقِ زوجہ ادا نہیں کرتا ہے۔

چوتھے والدین کے مکان پر حسبِ اقرار جانے نہیں دیتا۔

پانچویں وعدہ تھا کہ مہر معجّل دوں گا، اور ڈگری بھی شریعت سے ہو گئی یکمشت دلانے کی، آج تک نہیں دیا، برخلاف اس کے (ماعہ ۸/) دئے ہیں باقی ہنوز بے وصول ہیں، اور یہ بھی مسمّاۃ کہتی ہے اگر مکان مسکونہ جو متصل والدین کے ہے اس میں تکلیف ہے دیگر محلّہ میں رہے تو نہیں رہنے دیتا، یہ درخواست بھی قابل لحاظ ہے یا نہیں؟ مہر شریعت ناظم شریعت

نقل اقرارنامہ

میں کہ سید احمد علی بن سید اکبر علی مرحوم ساکن کالی پلٹن ام جو کہ مسماۃ رقیہ بیگم زوجہ مظہر نے نسبت میرے دعویات تکلیفات قسم قسم وزرِ مہر وغیرہ دائر عدالت شرع شریف کئے ہیں بناء براں فی الحال اقرار کرتا ہوں و لکھے دیتا ہوں کہ آئندہ کسی قسم کی تکلیف مسماۃ مذکور کو نہ دوں گا اور حسنِ سلوک خود سے سب طرح رضا مند رکھا کروں گا اگر خلاف شرع کے کوئی بات نسبت مسماۃ مذکور کروں اور زوجہ میری مجھ سے ناراض ہو تو بدل اس بدعہدی کا اس صورت میں حسب تحریر معاہدہ ہذا کے مدعیہ اختیار رکھتی ہے کہ اپنے والدین کے مکان پر جا رہے میں مزاحمت نہیں کروں گا اور مسافرت کو نہیں جانے پائے گی، لہٰذا یہ چند کلمہ بطریق اقرار نامہ لکھ دئے کہ سند ہو فقط، المرقوم ۷ ذی قعدہ ۱۳۰۸ہجریہ

العبد

سید احمد علی

گواہ شد — منشی عبداللہ وکیل بقلم خود

گواہ شد — نصرت یار خاں (دستخط ہندی)

امید کہ براہ عنایت بزرگانہ اس کا جواب تحریر فرما کر تابعدار کو سرفراز فرمایا جائے۔ عریضہ ادب: محمد ولی اللہ عفاعنہ مولاہ برادر حقیقی مولوی سید ظہور اللہ صاحب از ریاست ٹونک

الجواب:

یہ اقرار نامہ کوئی چیز نہیں، نہ اس کے سبب رقیہ بیگم اپنے شوہر کا وہ حق جو شرع اس کے لئے ثابت کرے، بعد ثابت ہونے کے ساقط و باطل کرسکتی ہے، شرع مطہر نے شوہر کو حق حبس دیا ہے کہ عورت کو اپنے پاس رکھے، مگر یہاں بات یہ ہے کہ جب سید احمد علی نے ابھی رقیہ بیگم کا مہر معجّل ہی پورا ادانہ کیا ہنوز سید مذکور کو رقیہ بیگم کے حبس کرنے اور اپنے پاس رکھنے کا سرے سے اختیار ہی حاصل نہ ہوا کہ شوہر کو یہ اختیار بعد ادائے مہر معجّل حاصل ہوتا ہے بلکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں تو اس کے وصول سے پہلے برضائے زوجہ وطی واقع ہونا بھی عورت کو حبس پر مجبور نہیں کرتا،

ھذاھو مذہب الامام وعلیہ المتون فعلیہ التعویل کماحققناہ فی کتاب النکاح من فتاوٰنا بتوفیق اللہ تعالٰی۔	امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کا یہی مذہب اور اس پر متون وارد اسی پر اعتماد ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کے کتاب النکاح میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لہامنعہ من الوطی ودواعیہ،شرح مجمع،والسفر بہا ولو بعد وطی وخلوۃ رضیتھمالان کل وطأۃ معقود علیہافتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی[1]۔	بیوی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ خاوند کو جماع اور اس کے دواعی سے روک دے، شرح مجمع۔اور سفر پر ہمراہ لے جانے سے بھی روک سکتی ہے اگرچہ وطی اور خلوت برضاکے بعد چاہے تو بھی روک سکتی ہے، کیونکہ ہر بار کا جماع عقد کا بدل ہے بعض کو سونپنا کل بدل کا سونپ دینا نہیں بنتا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ والسفر الاولی التعبیر بالاخراج کما عبرفی الکنزلیعم الاخراج من بیتہا کماقالہ شارحوہ[2]ط۔	قولہ سفر پر لے جانا، یہ باہر لے جانے کی تعبیر سے بہتر ہے جیسا کہ کنز میں تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ باہر لے جانا تو گھر باہر ہمراہ کرنے کو بھی شامل ہے جیسا کہ کنز کے شارحین نے کہا ہے ط۔(ت)

توصورتِ مستفسرہ میں جب تک باقی مہر معجّل ادانہ ہوجائے رقیہ بیگم کو اختیار ہے کہ شوہر گھر نہ جائے اسے اپنے

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۸

پاس آنے نہ دے، نہ اپنے بدن کو ہاتھ لگانے دے، ہاں جب وہ مہر معجّل تمام و کمال ادا کرلے اس وقت رقیہ بیگم بے اذن شوہر اپنے گھر نہیں رہ سکتی، نہ اس اقرار نامہ کی بناپر شوہر سے مواخذہ کر سکتی ہے کہ بالفعل شوہر کو حق حبس حاصل نہ ہونا جس طرح ابھی رقیہ بیگم کو تاادائے مہر معجّل آزادی دے رہا ہے یونہی اقرار نامہ کو بھی باطل محض و بے اثر کر رہا ہے کہ اس کا حاصل اگر ہے تو یہی کہ شوہر درصورت بدعہدی اپنے حقِ حبس کو ساقط کرتا ہے وہ حق اسے ہنوز حاصل ہی نہیں تو ساقط کس چیز کو کرے گا، اسقاط کے لئے پہلے ثبوت درکار، جو شئ ہنوز ثابت نہیں ساقط کیا ہوگی، تو احمد علی کی یہ تحریر محض مہمل و بیکار ہوئی جس سے رقیہ بیگم کو کسی وقت استناد کا محل نہیں، امام علامہ زیلعی تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق میں فرماتے ہیں:

لہا ان ترجع ان وھبت قسمہا للاخری، لانہا اسقطت حقالم یجب بعدفلا یسقط، وھذالان الاسقاط انما یتحقق فی القائم [1] الخ۔	بیوی نے اگر اپنی باری کا حق دوسری بیوی کو دیا ہو تو وہ واپس اپنا حق لے سکتی ہے کیونکہ اس نے اپنے حق کو ساقط کیا جو ابھی تک خود اس کے لئے واجب وثابت نہ ہوا تھا لہٰذا وہ ساقط نہ ہوا، یہ اس لئے کہ اسقاط تب قرار پاتا ہے جب وہ خود ثابت ہو جائے (ت)

پھر اس تقریر کی بھی حاجت کہ نفس عبارت دستاویز کو خلل سے سالم مان لیا جائے ورنہ نظر فقہی تو (قطع نظر اس سے کہ مہر معجّل ہنوز ادا ہوا یا نہیں اور وطی برضائے رقیہ بیگم واقع ہوئی یا نہیں) خود اس نفس تحریر کو مہمل و مختل بتاتی ہے کہ اس نے اسقاط حبس کو معلق کیا اور یہ اسقاط سرے سے قابلیتِ تعلیق نہیں رکھتا،

لانہ مما لایحلف کما لایخفی وکل اسقاط لایحلف بہ فانہ لایصح تعلیقہ۔	کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس کا حلف (کسی شئے سے مشروط کرنا) نہیں دیا جاسکتا جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور ہر اس چیز کا اسقاط جو قابل حلف نہ ہو تو اس کی تعلیق (شرط سے مشروط کرنا) صحیح نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

مایجوز تعلیقہ بالشرط مختص بالاسقاطات المحضۃ التی یحلف بہا کطلاق وعتاق وبالالتزامات التی یحلف	جس چیز کو کسی شرط سے مشروط کیا جاسکتا ہے وہ صرف اسقاطات محضہ ہیں جن کا حلف دیا جاسکتا ہے جیسا کہ طلاق و عتاق ہے، اور وہ التزامات ہیں جن کا حلف

[1] تبیین الحقائق باب القسم المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ ببولاق مصر ۱۸۱/۲

بها کحج وصلوٰۃ والتولیات کقضاء وامارۃ عینی وزیلعی[1]۔	دیا جاسکتا جیسا کہ حج و نماز ہے اور وہ معاملات کی ذمہ داریاں ہیں، جیسا کہ قضاء اور امارت ہے، عینی اور زیلعی۔ (ت)

ردالمحتار میں خلاصہ سے ہے:

انما یحتمل التعلیق بالشرط مایجوز ان یحلف به[2]۔	کسی شرط کے ساتھ وہی چیزیں معلق ہونے کا احتمال رکھتی ہیں جن کا حلف دیا جاسکے۔ (ت)

اسی میں عینی سے ہے:

انه لیس مما یحلف به فلایصح تعلیقه بالشرط[3]۔ (تلخیصًا)	وہ چونکہ ایسی چیز ہے جس کا حلف نہیں دیا جاسکتا لہٰذا اس کی کسی شرط سے تعلیق جائز نہیں تلخیصًا (ت)

اسی میں ہے:

اعلم ان قوله لایصح تعلیقه لیس المراد به بطلان نفس التعلیق مع صحة المعلق بل المراد انه لایقبل التعلیق بمعنی انه یفسد به[4]۔	واضح کہ ماتن کے قول "لایصح تعلیقه" سے مراد یہ نہیں کہ معلق شدہ چیز کی صحت کے باوجود محض معلق کرنا (نفس تعلیق) باطل ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز تعلیق کو قبول نہیں کرتی لہٰذا وہ تعلیق کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے تعلیق سے فاسد ہوجاتی ہے (ت)

بہر حال حکم یہی ہے کہ دستاویز مذکور مہمل و باطل اور رقیہ بیگم کو تاادائے مہر معجّل اپنے ماں باپ کے گھر رہنے اور شوہر کو ہاتھ نہ لگانے دینے کا خود ہی اختیار حاصل اور بعد ایفائے تمام مہر معجّل رقیہ بیگم کا یہ اختیار یک لخت زائل، ہاں والدین کے یہاں آٹھویں دن بے اجازتِ شوہر بھی جاسکتی ہے کہ دن کے دن رہے اور رات کو چلی آئے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر الصحیح المفتی به انها تخرج	بحر میں ہے: صحیح مفتی بہ یہ ہے کہ بیوی ہر ہفتہ میں

[1] درمختار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

[3] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۶

[4] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۲

للوالدین فی کل جمعۃ باذنہ وبدونہ وللمحارم فی کل سنۃ مرۃ باذنہ وبدونہ[1]۔	(شرعی اصطلاح جمعہ میں) خاوند کی اجازت ہو یا نہ ہو والدین کی ملاقات کے لئے گھر سے باہر جاسکتی ہے اور اپنے باقی محارم کی ملاقات کے لئے سال میں ایک مرتبہ جاسکتی ہے خاوند کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ (ت)

اور دوسرے محلّہ میں رہنے کی درخواست سے اگر رقیہ بیگم کی یہ مراد ہے کہ شوہر سے جدا رہے اور شوہر اس کے پاس نہ آنے پائے تو اس کا جواب تو ہوچکا کہ قبل ادائے مہر معجّل اسے شوہر سے جدائی کا اختیار ہے اور بعد ادا ہر گز نہیں، اور اگر یہ مقصود ہے کہ یہاں شوہر اسے ایذائیں پہنچاتا تکلیفیں دیتا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ہوتا لہٰذا چاہتی ہے کہ شوہر اسے ایسی جگہ اپنے پاس رکھے جہاں اس کا دستِ تعدی کوتاہ رہے تو بیشک یہ درخواست اس کی ضرور قابل لحاظ ہے حاکم شرع اس معاملہ میں غور فرمائے گا اگر رقیہ بیگم کا یہ بیان صحیح جانے گا اور شوہر کو زجر و منع سے کام چلتا نہ دیکھے گا نہ وہاں ہمسایوں میں کوئی اس قابل پائے گا جو شوہر کو دبائے اور ایذائے زوجہ سے مانع آئے تو ضرور ایسی ہی کوئی امن کی جگہ تجویز کرکے احمد علی کو حکم دے گا کہ رقیہ بیگم کو وہاں رکھے، عالمگیری میں ہے:

ان اسکنھا فی منزل لیس معھا احد فشکت الی القاضی ان الزوج یضربھا ویؤذیھا و سألت القاضی ان یأمرہ ان یسکنھا بین قوم صالحین یعرفون احسانہ واساء تہ فان علم القاضی ان الامر کما قالت زجرہ عن ذٰلك و منعہ عن التعدی وان لم یعلم ینظر ان کان جیران ھذہ الدار قوما صالحین اقرھا ھناك ولکن یسأل الجیران عن صنعہ فان ذکر وامثل الذی ذکرت	اگر خاوند نے بیوی کو ایسے مکان میں رہائش دی جہاں عورت اکیلی ہے تو عورت نے قاضی سے شکایت کی کہ خاوند اسے پیٹتا اور اذیت دیتا ہے، اور قاضی سے درخواست کرتی ہے کہ وہ خاوند کو حکم دے کہ وہ ایسی جگہ اس کو رہائش دے جہاں ارد گرد نیک لوگ ہوں جو خاوند کی نیکی وبدی معلوم کرسکیں تو اگر قاضی کو معلوم ہو عورت کی شکایت درست ہے تو وہ خاوند کو ڈانٹ کر اس کو زیادتی سے منع کرے اگر قاضی کو معلوم نہ ہو تو وہ معلوم کرے کہ اگر ارد گرد والے نیک لوگ ہیں تو عورت کو وہاں رہنے پر پابند کرے لیکن ساتھ ہی قاضی پڑوسیوں سے خاوند کے سلوک کے متعلق معلومات حاصل کرے اگر پڑوسی، عورت کی شکایت کی تائید کریں

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۴

زجرہ عن ذٰلك ومنعه عن التعدی فی حقها وان ذکروا انه لایؤذیها فالقاضی یترکها ثمه وان لم یکن فی جوارہ من یوثق به اوکانوا یمیلون الی الزوج فالقاضی یامر الزوج ان یسکنها فی قوم صالحین ویسأل عن ذٰلك ویبنی الامر علی خبرهم کذافی المحیط[1]، والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	تو قاضی خاوند کو ڈانٹے اور زیادتی سے منع کرے، اور اگر پڑوسی لوگ کہیں کہ خاوند کوئی زیادتی اور اذیت نہیں دیتا تو قاضی عورت کو اسی مکان میں رہنے کا پابند کرے اور اگر عورت کے پڑوس میں کوئی قابلِ اعتماد شخص نہ ہو یا پڑوسی خاوند کے طرفدار ہوں تو پھر قاضی خاوند کو حکم دے گا کہ عورت کو نیک لوگوں کے پڑوس میں رہائش دے اور پھر قاضی اس معاملہ کے متعلق معلومات حاصل کرے اور پڑوسیوں کے بیان کو کارروائی کی بنیاد بنائے، محیط میں یوں ہی بیان کیا ہے، والله تعالٰی اعلم، اور الله جل مجدہ کا علم کامل اور محکم ہے (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از ڈاکخانہ سجولی ضلع بہرائچ مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۷رمضان ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایامِ عدت کا نفقہ اور سکونت کا مکان دینا بذمہ زید واجب تھا لیکن زید نے بعد طلاق ہندہ کو اپنے مکان سے نکال دیا اور نفقہ بھی نہیں دیا اس شکل میں ایام عدت کا نفقہ اور مکانِ سکونت کا معاوضہ ہندہ زید سے پاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

عدت طلاق کا نفقہ وسکنٰی اگرچہ بذمہ زید واجب تھا اور وہ عورت کو نکال دینے سے گنہگار ہوا مگر جبکہ عدت گزر گئی اور نفقہ مفروض ومقدور نہ ہوچکا تھا تو اس کا کوئی معاوضہ ہندہ کو نہ ملے گا۔

فی الهندیة المعتدۃ اذالم تخاصم نفقتها ولم یفرض القاضی شیأ حتی انقضت العدۃ فلانفقة لها کذافی المحیط[2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے کہ جب عدت والی عورت اپنے نفقہ کے متعلق خاوند کے خلاف دعوٰی نہ کرے اور نہ ہی قاضی نے ابھی اس کے لئے کوئی نفقہ مقرر کیا ہو حتی کہ عدت ختم ہوجائے تو اب عورت کے لئے نفقہ کا استحقاق نہیں ہے، محیط میں یونہی مذکور ہے۔ (ت) والله تعالٰی اعلم

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی السکنٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵۸

مسئلہ ۱۵۶: از پیلی بھیت ۲۱ شوال ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے دو نکاح کئے اور ایک زوجہ کے نان و نفقہ میں کم کمی کی اس زوجہ نے بوجہ تکلیف ضروریات بقدر ضرورت قرض لے کر خرچ کیا اس صورت میں ادائے قرضہ ذمہ زوج ہوگا یا زوجہ اور مستحق و طالب اپنے مہر کی بغیر طلاق ہر وقت ہے یا نہیں اور در صورت نہ ہونے طلاق خواہان مکان سکونت و نیز ہو سکتی ہے یا نہیں اور بر تقدیر ثبوت وطلب زوج کی آمدنی سے کس قدر لے سکتی ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زوجہ کو بلاوجہ تکلیف دینا ایک گناہ اور دوسری زوجہ سے کم رکھنا دوسرا گناہ شدید جس کی تحریم پر قرآن و حدیث ناطق مگر جب تک نفقہ باہمی تراضی اور قضائے قاضی سے مقرر نہ ہو جائے عورت جو کچھ بطور خود اپنے مصارف کے لئے قرض لے کر اُٹھائے گی وہ قرض عورت ہی پر ہوگا شوہر سے مجرا نہ پاسکے گی اگرچہ خورد و نوش وغیرہا مصارف ضروریہ ہی کے لئے بقدر ضرورت و بحال ضرورت ہی لے اگرچہ زوج محض ظلماً اسے نفقہ نہ دے۔ عالمگیری میں ہے:

استدانت علی الزوج قبل الفرض والتراضی فانفقت انھا لاترجع بذٰلك علی زوجھا بل تکون متطوعۃ بالانفاق سواء کان الزوج غائبا اوحاضرا [1]۔	عدت والی نے خاوند کے نام پر قرض لیا جبکہ ابھی تک قاضی نے کوئی مقرر نہ کیا ہو اور نہ ہی ابھی آپس میں رضامندی سے نفقہ ہوا جبکہ عورت اس قرض کو خرچ کر چکی ہو، تو اب عورت اس قرض کے متعلق خاوند سے مطالبہ نہیں کر سکتی بلکہ یہ کارروائی اس کی رضاکارانہ قرار دی جائے گی، خاوند موجود ہو یا غائب دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے۔ (ت)

ہاں اگر حکم قاضی یا باہمی تراضی سے قرار پاگیا تھا کہ مثلاً روپے روز یا بیس روپے ماہانہ خواہ اس قدر غلّہ ولباس سالانہ اس عورت کا نفقہ ہے کہ روزانہ یا ماہ بماہ یا سالانہ شوہر ادا کرے گا اور اس قرار داد کے بعد نہ دیا اور عورت نے قرض لیا خواہ اپنے ذاتی مال سے صرف کیا تو بیشک شوہر سے بقرار داد مجرا لے سکتی ہے

وان کان الدین علیھا نفسھا اذا لم تکن الاستدانۃ بامر القاضی۔	اگر عورت نے قرض لیا ہو تو وہ خود ذمہ دار جب وہ قرض قاضی کے فیصلہ کے بغیر لیا ہو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵۱

عالمگیری میں ہے:

ولو انفقت من مالها بعد الفرض او التراضی لها ان ترجع علی الزوج وکذا اذا استدانت علی الزوج سواء کانت استدانتها باذن القاضی او بغیر اذنه غیر انها ان کانت بغیر اذن القاضی کانت المطالبة علیها خاصة ولم یکن للغریم ان یطالب الزوج بمااستدانت وان کانت باذن القاضی لها ان تحیل الغریم علی الزوج فیطالبه بالدین هکذا فی البدائع[1]۔	اگر عورت نے اپنے مال میں سے صرف کیا جبکہ قاضی نے اس کا نفقہ مقرر کردیا ہو یا آپس میں عورت اور خاوند نے طے کرلیا ہو تو پھر عورت وہ صرف شدہ مال خاوند سے وصول کرسکتی ہے اور یونہی اپنے مال کی بجائے اگر اس نے خاوند کے نام پر قرض لیا ہو تو اگر قاضی کے حکم واجازت پر لیا ہو تو خاوند سے وصول کرے گی اور اگر قاضی کے حکم واجازت کے بغیر لیا ہو تو قرض کا مطالبہ صرف عورت سے ہوگا قرض خواہ کو عورت کی بجائے خاوند سے مطالبہ کا حق نہ ہوگا، اور جب قاضی کے حکم اور اجازت سے عورت نے قرض لیا تو عورت کو جائز ہوگا کہ وہ اس قرض کے مطالبہ کو خاوند کے ذمہ کردے تاکہ قرض خواہ اب خاوند سے مطالبہ کرے، بدائع میں یوں ہی بیان ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

النفقة لا تصیر دینا الابا لقضاء اوالرضاء ای اصطلاحهما علی قدر معین اصنافاو دراهم فقبل ذٰلك لایلزمه شیئ و بعده ترجع بما انفقت ولو من مال نفسها بلاامر قاض[2]۔	عورت کا لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ صرف اس وقت ہوگا جب عورت نے وہ قرض قاضی کے حکم پر یا خود خاوند کے ساتھ مصالحت میں طے کرلیا ہو کہ فلاں جنس یا نقدا اتنی مقدار ہوگی، اس سے قبل لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ نہ ہوگا، اور بعد میں عورت کا لیا ہوا قرض، خواہ اپنے مال سے ہی قاضی کے حکم کے بغیر اس نے صرف کیا ہو تو خاوند سے وصول کرسکتی ہے(ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

لاترجع بما استقرضت بل بالمفروض فقط[3]۔	عورت نے نفقہ کے لئے قرض لیا تو خاوند سے اس کا مطالبہ نہیں ہوگا بلکہ خاوند سے صرف اسی صورت میں مطالبہ کرسکے گی جب قاضی کی طرف سے یا آپس میں طے کرلیا ہو۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیه الفصل الاول فی نفقة الزوجة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵۱

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

[3] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۹

اور مہر میں جبکہ تعجیل و تاجیل کچھ بیان میں نہ آئی یہ نہ شرط کی جائے کہ کل اس قدر پیشگی لیا جائے گا نہ کوئی میعاد قرار پائے کہ فلاں وقت معلوم یا اتنی مدت کے بعد ادا ہوگا تو اس وقت عرف ورواج بلد پر چھوڑا جائے گا۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بُیِّنَا فذٰلك والا فالمتعارف[1]۔	مہر معجّل یا مؤجل اگر بیان کردیا ہوتو وہی ورنہ عرف کے مطابق ہوگا۔ (ت)

سائل زبانی مظہر کے یہاں صورت واقعہ یونہی تھی یعنی تعجیل و تاجیل کچھ مشروط نہ ہوئی اور واقعی ہمارے بلاد میں عامہ مہور ایسے ہی بندھتے ہیں تو بحکم عرف شائع و ذائع (کہ ہرگز نہ کسی قدر مہر پیشگی دینا معہود ہے، نہ اسکے لئے کوئی میعاد معلوم متعارف بلکہ عامہ بیوت میں موت یا طلاق تک مؤخر رہتا ہے) یہاں کی عورتیں جب تک مرگ یا طلاق سے افتراق نہ واقع ہو ہرگز مطالبہ مہر کا استحقاق نہیں رکھتیں، نہ قاضی کو اختیار کہ ایسی صورت میں پیش از فراق ادائے مہر پر جبر کرے، خانیہ میں ہے:

ان کان الاجل معلوما صح التاجیل وان لم یکن لایصح، ولایجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولا یحبسه[2]۔	اگر مہر کی مدت مقرر ہے تو مؤخر صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں اور قاضی باقی مہر کی ادائیگی کے لئے خاوند پر جبر نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس کو قید کرسکتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت اوالطلاق لامن وقت النکاح[3]۔	کیونکہ بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق خاوند کی موت یا طلاق کے بعد ہوگا، نکاح کرتے ہی مطالبے کا حق نہیں ہوگا۔ (ت)

اور جب تک کوئی امر مانع نفقہ مثلاً عورت کا شوہر کے گھر سے ناحق نکل جانا یا اس کے یہاں آنے سے ناحق انکار کرنا نہ پایا جائے بلاشبہہ وہ مستحق نفقہ و سکنٰی رہے گی، اسی طرح جب یہ موانع زائل ہوجائیں گے مثلاً عورت شوہر کے یہاں واپس آئے گی تو پھر بدستور مستحق نفقہ ہوجائے گی، درمختار میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجها ولو	اگر بیوی اپنے والد کے گھر ہو تو خاوند اس کو اپنے

[1] مختصر الوقایة فی مسائل الهدایة فصل اقل المهر عشرۃ دراہم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی ذکر مسائل المهر نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷۴

[3] ردالمحتار فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۴۳

ھی فی بیت ابیھا اذالم یطالبھا الزوج بالنقلۃ بہ یفتی وکذا اذا طالبھا ولم تمتنع او امتنعت للمھر، لاخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود[1] اھملخصًا۔	گھر منتقل کرنے کا مطالبہ نہ کرے تو تب بھی خاوند پر نفقہ زوجہ واجب ہوگا، اور یوں ہی جب وہ خاوند کے مطالبہ پر اس کے گھر منتقل ہونے سے انکار نہ کرتی ہو یا وہ اپنے مہر کے مطالبہ کی وجہ سے منتقل ہونے سے انکار کر رہی ہو تو بھی خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا جبکہ خاوند کے گھر سے باہر بلاوجہ رہ رہی ہو تو نفقہ واجب نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ خاوند کے گھر واپس نہ آنے تک نافرمان قرار پائے گی اھ ملخصًا (ت)

رہا مطالبہ اگر نفقہ قضا یا رضا سے مقرر ہولیا ہے تو جتنے دن بعد قرار داد بے نفقہ گزر گئے ان کا بھی مطالبہ کر سکتی ہے کما اسلفنا (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ت) اور آئندہ کے لئے بھی جو میعاد تکرار نفقہ کے لئے قرار پائی ہے اس کے شروع کے بعد اسی قدر کا مطالبہ کر سکتی ہے مثلاً نفقہ ماہ بماہ دینا ٹھہرا ہو تو ہر مہینے کے شروع پر اس مہینے اور سال بسال مقرر ہوا ہو تو ہر سال کے آغاز پر اس سال کا نفقہ مانگ سکتی ہے اس سے زیادہ مثلاً چاند دیکھے یا سال پلٹے آئندہ کے دو مہینے یا دو برس خواہ اس ماہ یا سال کا ہنوز آغاز نہ ہوا نفقہ نہیں مانگ سکتی، ردالمحتار میں ہے:

النفقۃ تفرض لمعنی الحاجۃ المتجددۃ فاذا فرضت کل شھر کذا صارت الحاجۃ متجددۃ بتجدد کل شھر فقبل تجددہ لایتجدد الفرض فلم تجب النفقۃ قبلہ انہ لو فرض کل سنۃ کذا صح الابراء عن سنۃ دخلت، لاعن اکثر ولاعن سنۃ لم تدخل[2] اھملخصًا۔	آئندہ کا نفقہ آئندہ نئی حاجت کی وجہ سے فرض ہوتا ہے تو جب ماہانہ خرچہ مقرر ہولے تو نئے ماہ پر گویا عورت کو حاجت بھی نئی ہوئی تو نئی حاجت سے قبل نیا نفقہ مقرر نہ ہوگا لہٰذا ادائیگی بھی پہلے واجب نہ ہوگی، اور اگر خرچہ سالانہ طے شدہ ہو تو صرف شروع ہونے والے سال کا نفقہ لازم ہوگا، سال شروع ہونے سے پہلے کا اور سال سے زیادہ کا بھی لازم نہ ہوگا اھ ملخصًا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

الفرض فی الشھر الاول تنجز وفیما	سال کے پہلے مہینہ میں دیا ہوا خرچہ مدت کے اختتام

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۳

بعدہ مضاف فتنجز بدخول الشھر وھکذا[1].	تک کی ادائیگی ہوتی ہے اس کے بعد اضافت ہوتی ہے اس لئے مہینہ شروع ہونے پر ہی ادائیگی ہوگی، یوں ہی جاری رہے گا۔(ت)

اور اگر ہنوز نفقہ کے لئے کوئی تقرر وتعین نہ قضاءً ہوا نہ رضاءً تو عورت نہ ایامِ ماضیہ کا مطالبہ کرسکتی ہے نہ آئندہ کا۔ ردالمحتار میں ہے:

لایلزمہ عما مضی قبل الفرض بالقضاء او الرضاء ولاعما یستقبل لانہ لم یجب بعد[2]۔	قاضی کی طرف سے مقرر کئے یا آپس میں مصالحت سے طے کئے بغیر سابقہ مدت کا خرچہ خاوند پر لازم نہ ہوگا اور یونہی پیشگی ادا کرنا بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ نفقہ ابھی خاوند کے ذمہ واجب نہیں ہوا۔(ت)

ہاں قبل از قرار داد عورت یہ اختیار رکھتی ہے کہ شوہر برضامندی نفقہ مقرر نہ کرے تو حاکمِ شرع کے حضور قرار داد کرنے کی نالش کرے جب بحکم قاضی کوئی ماہانہ سالانہ یا روزانہ یا فصلانہ مقرر ہوجائے تو اس کے بعد اسے بہ تفصیل مذکور مطالبہ و دعوی پہلے گا۔ تنویر الابصار میں ہے: یقدرھا ان طلبتہ[3] اھ ملخصًا (اگر عورت مطالبہ کرے تو قاضی نفقہ مقرر کردے اھ ملخصًا۔ت) اور نفقہ مرد وزن دونوں کی حیثیت دیکھ کر مقرر کیا جائے گا اسی قدر آمدنی زوج سے لے سکتی ہے، اگر دونوں غنی ہیں تو اغنیاء کے لائق، اور دونوں فقیر تو فقراء کے قابل، اور ایک غنی اور ایک فقیر تو متوسط یعنی نفقہ اغنیاء سے کم اور نفقہ فقراء سے زائد، مثلاً عورت کی حیثیت اطلس وزربفت و مشجر پہننے اور بریانی و مزعفر و گوشت مرغ کھانے کی ہے اور مرد کی مقدرت چھینٹ چارخانے دال ماش نان جو کھانے کے قابل یا بالعکس تو عورت کے لئے تنزیب و گلبدن و مشروع کا لباس اور گوشت گوسپند و نان گندم مقرر کریں گے، جتنا بالفعل دے سکتا ہے دے باقی اس کے ذمے دین رہے گا یہاں تک کہ اللہ عزّوجل استطاعت بخشے۔ درمختار میں ہے:

تجب علی زوجھا بقدرحا لھما بہ یفتی ویخاطب بقدروسعہ والباقی دین الی المیسرۃ[4] اھ ملخصًا۔	خاوند پر دونوں کی حیثیت کے لحاظ سے نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور خاوند اپنی وسعت کے مطابق ادائیگی کا مکلّف ہوگا اور باقی رہ جائے تو وہ اس کے ذمہ قرض ہوگا جس کو اپنی سہولت سے ادا کریگا اھ ملخصًا (ت)

[1] بحرالرائق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۸۸
[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۸
[3] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۸
[4] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۶

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر اتفقوا علی وجوب نفقۃ الموسرین اذاکانا موسرین وعلی نفقۃ المعسرین اذاکانا معسرین وانما الاختلاف فیما اذاکان احدھما موسرا او الاخر معسرا فعلی المفتی بہ تجب نفقۃ الوسط وھو فوق نفقۃ المعسرۃ ودون نفقۃ الموسرۃ[1] اھملخصًا۔	بحر میں ہے: سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں خوشحال ہیں تو ان کے حال کے مطابق خاوند پر نفقہ واجب ہوگا اور اگر دونوں تنگ دست ہیں تو ان کے حال کے مطابق خاوند پر واجب ہوگا، اور اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب دونوں میں سے ایک امیر اور دوسرا غریب ہے تو مفتی بہ قول یہ ہے کہ دونوں کے حال کی رعایت پر درمیانہ نفقہ واجب ہوگا، اور وہ یہ کہ خوشحالی سے کم اور تنگ دستی سے زائد ہو، اھ ملخصًا۔ (ت)

اسی میں بدائع سے ہے:

حتی لوکان الرجل مفرطا فی الیسار یاکل خبز الحواری ولحم الدجاج والمراۃ مفرطۃ فی الفقر تأکل فی بیت اھلھا خبز الشعیر یطعمھا خبز الحنطۃ ولحم الشاۃ[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم جل مجدہ اتم واحکم۔	اگر خاوند انتہائی خوشحال ہونے کی بناء پر صاف باریک آٹا، مرغ کا گوشت کھاتا ہے اور بیوی انتہائی تنگ دستی کی بناء پر اپنے گھر والوں کے ہاں جو کی روٹی کھاتی ہو تو خاوند اس کو گندم کی روٹی اور بکرے کا گوشت نفقہ کے طور پر کھانے کو دے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۷: از لکھن ضلع بریلی مرسلہ شیخ احمد حسین ۲۱رجب ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ جو ایک قلیل حقیت کی زمیندار تھی بلارضامندی واجازت زید اپنے شوہر کے بطور بدکاری عمرو کے ساتھ فرار ہو گئی اور مدت دراز تک عمرو کے ساتھ رہی، پھر واپس آئی، اب زید پر دعوی مہر اور دلا پانے نان نفقہ کا کرتی ہے اس صورت میں وہ مہر و نفقہ پائے گی یا نہیں؟ اور زید محض نادار ہے مگر زید کا باپ متمول ہے تو دعوی ہندہ کا پدرِ زید پر کچھ اثر ہوگا یا نہیں؟ اور ہندہ بحالت فراری زید کا حمل رکھتی تھی، بعد وضع حمل اس نابالغ کی پرورش کا زید ذمہ دار ہوگا

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۵

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۵

یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جتنی مدت عورت فرار رہی اس مدت کا نفقہ تو زید پر اصلاً نہیں، ہاں اب کہ واپس آئی آئندہ نفقہ کی مستحق ہے زید سے نفقہ طلب کرے، اگر دے **فبہا**، ورنہ قاضی کے یہاں نالش کرکے اپنا نفقہ مقرر کرالے اگر زید نادار ہے قاضی حکم دے گا کہ تو قرض لے کر صرف کر، اور جب زید کو استطاعت ہو اس سے مجرالے،

فی الدرالمختار لانفقة لخارجة من بیته بغیر حق وھی الناشزة حتی تعود ولو بعد سفره [1]۔	بیوی اگر خاوند کے گھر سے باہر بلاوجہ رہائش پذیر ہو تو وہ واپس خاوند کے پاس آنے تک نافرمان قرار پائے گی اگرچہ خاوند کے سفر پر جانے کے بعد ہی ایسا کرے لہٰذا اس کے لئے نفقہ لازم نہیں ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فتستحق النفقة فتکتب الیه لینفق علیها اوترفع امرها الی القاضی لیقرض لها علیه نفقة [2]۔	یعنی خاوند سفر میں ہو اور بیوی نفقہ کی مستحق ہو تو وہ خاوند کو خط لکھ کر مطالبہ کرے کہ میرا نفقہ ادا کیا جائے، یا بیوی قاضی کے ہاں درخواست کرے تاکہ قاضی خاوند کے نام قرض لے کر خرچ کرنے کا حکم دے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لایفرق بینهما بعجزه عنها وبعد الفرض یأمره القاضی بالاستدانة لتحیل علیه [3]۔	خاوند اگر نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہو تو دونوں میں تفریق نہ کی جائے گی اور نفقہ مقرر کردیا ہو تو قاضی خاوند کے نام قرض لے کر خرچ کرنے کا حکم دے گا۔(ت)

اور زید کے باپ پر دعوی کا اصلاً اثر نہیں ہوسکتا کہ جوان بیٹے غیر اپاہج کی زوجہ کا نفقہ باپ پر کہیں لازم نہیں، درمختار میں ہے:

فی الملتقی نفقة زوجة الابن علی ابیه ان کان	ملتقی میں مذکور ہے کہ اگر خاوند نابالغ فقیر یا اپاہج ہو تو اس کی

[1] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

[2] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۶

[3] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

صغیرا فقیرا اوزمنا[1]۔	بیوی کا نفقہ نابالغ کے والد کے ذمہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وقد علمت ان المذهب عدم وجوب النفقة لزوجة الابن ولو صغیرا فقیرا[2]۔	آپ کو معلوم ہوگیا ہے کہ نابالغ کی بیوی کا نفقہ والد کے ذمہ نہ ہونا ہی مذہب ہے اگرچہ وہ فقیر ہو۔(ت)

رہا مہر سائل مظہر کہ اس میں کوئی شرطِ تعجیل وتاجیل نہ تھی اور لکھن میں بھی یہی رواج ہے جو یہاں عامہ بلاد میں ہے کہ قبل از افتراق بموت یا طلاق ادا نہیں ہوتا تو ہندہ کا مطالبہ مہر بیجا ہے جب تک زید اسے طلاق نہ دے یا دونوں میں کوئی مر نہ جائے۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بینافذاك والافالمتعارف[3]۔	مہر معجّل یا مؤجل اگر بیان کردیا ہوتو وہی واجب ہے ورنہ عرف میں جو رواج ہو وہ واجب ہوگا۔(ت)

اور اس بچے نابالغ کی پرورش بیشک ذمہ زید لازم ہے، رہے گا سات برس کی عمر تک ماں کے پاس بشرطیکہ وہ اپنی بدکاری سے باز آئے اور آوارگی چھوڑ چکی ہو اور نفقہ پائے گا باپ سے بشرطیکہ اپنا کوئی مال نہ رکھتا ہو اس عمر تک اجرت یا حرفت سے اپنے کھانے پہننے کے قابل کماسکے اس کی خبر گیری باپ پر واجب ہے، درمختار میں ہے:

تجب النفقة لطفله الفقیر[4]۔	چھوٹے فقیر بچے کا نفقہ والد پر لازم ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای ان لم یبلغ حدالکسب فان بلغه کان للاب ان یوجره او یدفعه فی حرفة لیکتسب وینفق علیه من کسبه لوکان ذکرا[5] الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔	بشرطیکہ وہ نابالغ بچہ محنت کی عمر کو نہ پہنچا ہو، اور اگر وہ اس عمر کو پہنچ گیا ہو تو والد اس کو ملازمت دلائے یا کسی کارخانہ میں مزدوری پر لگائے تاکہ اس کی کمائی کو اس پر خرچ کرے بشرطیکہ لڑکا ہو الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۴

[3] المختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶۱

[4] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳

[5] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۰ و ۶۷۱

مسئلہ ۱۵۸: از بڑودہ گجرات کلاں محلّہ بھوتنی کا چھاپہ نظام پورہ مرسلہ امراؤ بائی بنت غلام حسین حالہ ۱۶رجب ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں (مسئلہ اولیٰ) ایک شخص نے اپنی حقیقی پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کیا، چند روز بعد ایک آدمی اور ایک عورت کے ہمراہ کسی کام ضروری کے لئے کہیں بھیجا، بعد واپس آنے کے دو برس تک نان ونفقہ موقوف کردیا، کچہری گائیکواڑی میں یہ مقدمہ پیش ہے، کچہری کہتی ہے نان ونفقہ کیوں نہیں دیتا، خاوند کہتا ہے بغیر حکم میرے یہ کیوں گئی، عورت نے گواہ شاہد قوی اپنے حقیقی چچا اور چچی اور کئی آدمی کنبہ کو پیش کیا ہے سب نے یہی کہا کہ ہمارے روبرو اس کے خاوند نے اپنی عورت کو جانے کے لئے حکم دیا اور حلف بھی اٹھایا، اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں عورت کو نان ونفقہ نہ دینا اس شخص کا محض ظلم ہے جس کے سبب وہ ظالم وگنہگار اور عورت کے حق میں گرفتار ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط [1]۔	بیویوں کا نفقہ اور لباس بھلائی کے ساتھ اس کے ذمّہ ہے جس کے لئے اولاد ہے۔ (ت)

اور اس کا یہ بیہودہ عذر کہ "عورت بے میرے حکم کے کیوں گئی" محض باطل و ناقابلِ سماعت ہے اگر وہ اس میں سچا بھی ہوتو عورت جب بے اجازت شوہر ناحق چلی جائے تو اس کا نان ونفقہ اسی مدت تک کالازم نہیں ہوتا جب تک وہ اس ناحق طور پر باہر رہے جب پھر شوہر کے گھر چلی آئے گی اسی وقت سے نان ونفقہ دینا شوہر پر فرض ہوجائے گا، درمختار میں ہے:

لانفقة لخارجة من بيته بغير حق حتى تعود ولو بعد سفره [2]۔	بلاوجہ خاوند کے گھر سے باہر رہنے والی کے لئے نفقہ نہیں تاوقتیکہ وہ واپس نہ آجائے اگرچہ خاوند کے سفر پر جانے کے بعد ہی باہر رہی ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو عادت الى بيت الزوج بعد ماسافر	یعنی اگر خاوند کے سفر پر جانے کے بعد بیوی خاوند کے گھر لوٹ آئے

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۳

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

خرجت عن کونها ناشزة بحر عن الخلاصة ای فتستحق النفقة[1]۔	تو اس کی نافرمانی ختم ہو جائے گی، یہ بحر میں خلاصہ سے منقول ہے، یعنی اس وقت بیوی نفقہ کی حقدار ہو گی۔(ت)

تو اس شخص نے کہ عورت کے واپس آنے کے بعد نان و نفقہ موقوف کر دیا نرا ظلم کیا، تو اس پر فرض ہے کہ اسی وقت سے جاری کردے۔ رہا گزشتہ مدت کا نفقہ، اسکی دو صورتیں ہیں، اگر پہلے آپس کی رضامندی یا قاضی کے حکم سے مقدار نفقہ مقرر ہو چکی تھی کہ مثلاً مہینے میں اتنے روپے یا اس قدر اناج اور کپڑا دیا جائے گا اور اب بلاوجہ شرعی بند کر دیا تو جب تک نہیں دیا ہے اس ساری مدت کا اسی قرارداد کے حساب سے عورت کو دلایا جائے گا، اور اگر عورت یونہی رہتی کھانا کھاتی کپڑا پہنتی تھی کچھ قرارداد باہمی یا بحکم قاضی نہ ہوا تھا کہ ماہوار یا سالانہ یا ششماہی پر اتنا دیا جائے گا تو جتنے دنوں اس نے نہ دیا ظالم و گنہگار ہوا مگر عورت اس گزری مدت کا دعوی نہیں کر سکتی اب سے دعوی کرکے بحکم قاضی آئندہ کے لئے مقرر کرالے، اس کے بعد اگر وہ نہ دے گا تو یہ جبراً بذریعہ نالش وصول کر سکتی ہے، درمختار میں ہے:

النفقة لاتصیر دینا الابا لقضاء اوالرضاء ای اصطلاحهما علی قدر معین اصنافا او دراهم فقبل ذٰلك لایلزمه شیئ و بعده ترجع بما انفقت ولو من مال نفسها بلا امر قاض[2]۔	عورت کا لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ صرف اس وقت ہو گا جب عورت نے وہ قرض قاضی کے حکم پر یا خود خاوند کے ساتھ مصالحت میں طے کر لیا ہو کہ فلاں جنس یا نقد اتنی مقدار ہو گی، اس سے قبل لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ نہ ہو گا، اور بعد میں عورت کا لیا ہوا قرض، خواہ اپنے مال سے ہی قاضی کے حکم کے بغیر اس نے صرف کیا ہو تو خاوند سے وصول کر سکتی ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لاتصیر دینا ای اذالم ینفق علیها بان غاب عنها اوکان حاضرا فامتنع فلایطالب بها بل تسقط بمضی	نفقہ قرض نہ بنے گا یعنی جب خاوند غائب رہا یا موجود رہا لیکن بیوی کو نفقہ نہ دیا ہو تو اس مدت کے نفقہ کا مطالبہ خاوند سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ مدت گزر جانے

[1] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۶

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰

المدۃ[1]۔	کی بناپر ساقط ہو جائے گا۔(ت)

اسی میں ہے:

الابالقضاء بان یفرضھا القاضی علیه اصنافا او دراھم اودنانیر نھر[2]۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔	مگر یہ کہ جو نفقہ قاضی نے خاوند پر مقرر کیا ہو جنس، دراہم یا دنانیر تو وہ خاوند کے ذمہ واجب الادا ہوگا، نہر واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۵۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاایک لڑکا بالغ جس کی عمر تیس برس کے قریب ہےاور کمائی پر خوب قدرت رکھتا ہےاور پیشہ حجامی وغیرہ طرق سے تحصیل رزق کر سکتا ہے زید پر اپنے کھانے پہننے وغیرہ مصارف کا بار ڈالتا ہےاور اسے اپنے مال میں تصرف سے مانع آتا ہے، آیا اس صورت میں زید پر روٹی کپڑا اس کا واجب اور زید اپنے مال میں تصرف سے ممنوع ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

جبکہ وہ لڑکا بالغ اور کسب پر ہر طرح قادر تو اس کا روٹی کپڑا یا کوئی صرفہ زید پر واجب نہیں زید کو اختیار ہے اسے کچھ نہ دے اور زید اس لڑکے کے منع کرنے سے اپنی جائداد میں تصرف سے ممنوع نہیں ہو سکتا،

فی الدرالمختار وکذاتجب لولدہ الکبیر العاجز عن الکسب کانثی مطلقا و زمن ومن یلحقه العار بالتکسب وطالب علم لایتفرغ لذلك کذافی الزیلعی والعینی[3]۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔	در مختار میں ہے کہ یوں ہی بڑے بالغ بیٹے کا نفقہ لازم ہوگا جو کسب و محنت سے عاجز ہو جیسا کہ بیٹی کے لئے مطلقًا اور اپاہج بیٹے کے لئے اور اولاد کے لئے جن کو محنت مزدوری کرنے میں عار ہو، اور اس طالبعلم کے لئے جو مزدوری فراغت نہ پائے، زیلعی اور عینی میں یوں مذکور ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک لڑکی اب سات برس کی ہے اور ایک لڑکا کہ ابھی پانچ چھ مہینے کا ہے پیدا ہوئے، اب زید نے اپنا اور

[1] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۵۸/۲

[2] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۵۸/۲

[3] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۲۷۳/۱

نکاح کرلیا اور ہندہ کو جبرًا نکال دیا کہ وہ مع دونوں بچوں کے اپنے باپ کے یہاں چلی آئی، اب زید نہ اسے بلاتا ہے نہ اس کے بچوں کے کھانے پہننے کی خبر گیری کرتا ہے، اس صورت میں ہندہ ودختر وپسر کا نان ونفقہ زید پر لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک ہندہ کا نان نفقہ زید پر لازم ہے اور بچوں کا اپنا کوئی ذاتی مال نہ ہو تو ان کی خبر گیری بھی زید پر واجب ہے اگر شوہر نہ دے عورت حاکم کے یہاں رجوع کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا نفقہ مقرر کراسکتی ہے،

فی الدر المختار النفقة تجب للزوجة علی زوجها ولو هی فی بیت ابیها اذالم یطالبها الزوج بالنقلة به یفتی وکذاان طالبها ولم تمنع ملخصًا[1]۔	در مختار میں ہے: بیوی اگرچہ اپنے والد کے گھر ہو اور خاوند وہاں سے اپنے گھر منتقل ہونے کا مطالبہ نہ کرتا ہو یا مطالبہ کرتا ہو اور بیوی انکاری نہیں ہے تو خاوند پر نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوی دیا جائیگا، ملخصًا۔ (ت)

اسی میں ہے:

تجب النفقة بانواعها لطفله الانثیٰ و الجمع الفقیر فان نفقة الغنی فی ماله ولو خاصمته الام فی نفقتهم فرضها القاضی وامره بدفعها للام مالم تثبت خیانتها فیدفع لها صباحا ومساء اویأمر من ینفق علیهم[2]۔ انتهتا ملخصین۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	بیٹی اور فقیر عاجز لڑکوں کے لئے نفقہ واجب ہے کیونکہ غنی اولاد کا نفقہ اس کے اپنے ذاتی مال سے ہے، اور اگر مذکورہ بچوں کے لئے ان کی ماں قاضی کی طرف سے مقرر کردہ نفقہ کو وصول کرنے میں اصرار کرے تو قاضی نفقہ مقرر کرکے خاوند کو ادائیگی کا حکم دیگا بشرطیکہ بچوں پر صرف کرنے میں ماں کی خیانت ثابت نہ ہو تو خاوند صبح وشام ماں کو ان کا خرچہ ادا کرے گا یا وہ کسی کو ان پر خرچ کرنے کے لئے کہے گا، دونوں عبارتیں ختم ہوئیں ملخص طور پر، واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے دیور کے ساتھ متہم ہوئی اس کے شوہر زید اور زید

---

[1] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۶

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳

کے باپ نے اسے اپنے یہاں سے نکال دیا، ہندہ اب دو برس سے اپنے باپ کے یہاں ہے نہ تو زید اسے بلاتا ہے اور نہ روٹی کپڑا پہنچاتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، اس میں ہندہ کا روٹی کپڑا ذمہ زید کے واجب ہے یا نہیں؟ اور زید اس صورت میں گناہ گار ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ ہندہ کا اپنے باپ کے یہاں رہنا اس بناء پر ہو کہ اسے زید اور زید کے باپ نے نکال دیا اور زید بلاتا بھی نہیں اور بلائے تو اسے جانے میں انکار بھی نہیں تو بیشک اس کا روٹی کپڑا زید کے ذمہ واجب ہے،

فی الدرالمختار النفقۃ تجب للزوجۃ ولو ھی فی بیت ابیھا اذالم یطالبھا الزوج بالنقلۃ بہ یفتی وکذا اذاطالبھا ولم تمنع [1] اھملخصًا۔	درمختار میں ہے: اگرچہ بیوی اپنے والد کے گھر ہو جب خاوند اپنے گھر منتقل ہونے کا مطالبہ نہ کرے تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوی ہے، اور یونہی اگر خاوند مطالبہ کرے لیکن بیوی انکار نہ کرے تو بھی واجب ہوگا، اھ، ملخصًا (ت)

اور اس تہمت کی وجہ سے اگرچہ وہ واقع میں صحیح ہی ہو نکاح زائل نہیں ہوتا،

ففی الحدیث ان رجلا قال للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان امرأتی لاترد ید لامس قال ففارقھا قال انی احبھا قال فامسکھا [2]۔ او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم. وفی الدرالمختار وغیرہ لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ [3] اھ فکان ذٰلک نصافی بقاء النکاح۔	حدیث شریف میں ہے: ایک شخص نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے عرض کی کہ میری بیوی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی، تو آپ نے فرمایا اس کو علیحدہ کردے۔ تو اس شخص نے عرض کی مجھے اس سے محبت ہے، تو آپ نے فرمایا: پھر اسے پاس رکھ یا جیسے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور درمختار وغیرہ میں ہے کہ خاوند پر فاجرہ بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے اھ، تو یہ عبارت نکاح کے باقی رہنے میں نص ہے (ت)

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب النکاح آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۰، سنن النسائی کتاب النکاح تزویج الزانیۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۷۱، سنن النسائی کتاب الطلاق باب ماجاء فی الخلع نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۰۷، ردالمحتار فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۲

[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۰

جاہلوں میں جو یہ مشہور ہے کہ عورت اگر معاذاللہ بدوصفی کرے تو نکاح جاتا رہتا ہے محض غلط بات ہے، اور جب نکاح باقی ہے تو اس صورت میں زید پر فرض ہے کہ یا تو اسے طلاق دے دے یا اس کے نان نفقہ کی خبر گیری کرے ورنہ یوں معلق رکھنے میں زید بیشک گنہگار ہے اور صریح حکم قرآن کا خلاف کرنے والا،

فَلَاتَمِیۡلُوۡا کُلَّ الۡمَیۡلِ فَتَذَرُوۡہَا کَالۡمُعَلَّقَۃِ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور کلی میلان نہ ہو کہ بیوی کو معلق کر چھوڑو، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۲: از شاہجہان پور مرسلہ مہربان علی صاحب ۱۹ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت بے اجازتِ شوہر زید کے اپنے بھائیوں کے گھر چلی گئی، جب زید اپنی نوکری سے آیا عورت کو نہ پایا، اس صورت میں نکاح و مہر باقی رہا یا نہیں؟ بعد ایک عرصہ کے زید حسبِ مصلحت اور پاس اپنی حرمت کے زید نے کچھ خرچ نان و نفقہ کا مسماۃ مذکورہ کا مقرر کردیا تھا کہ خواہ زوجہ میرے مکان میں رہے یا اپنے بھائی کے پاس رہے دیا جائے گا، اب بموجب شرع شریف کے وہ نان و نفقہ حسبِ وجوہ مندرجہ بالا ذمہ زید کے واجب الادا رہا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

نکاح و مہر بدستور قائم رہے، ہاں بے اجازتِ شوہر چلے جانے کے باعث نفقہ ساقط ہوگیا، سائل مظہر کہ زید بلاتا ہے اور وہ نہیں آتی تو اب تک وہ نان نفقہ کی اصلاً مستحق نہیں جب تک شوہر کے گھر میں نہ آئے، درمختار میں ہے:

لانفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود وتسقط بہ المفروضۃ[2] (ملخصًا)۔	بلاوجہ خاوند کے گھر سے باہر رہنے والی نافرمان ہے تاوقتیکہ واپس اس کے گھر نہ آئے اس کے لئے نفقہ نہیں ہے خواہ نفقہ قاضی کی طرف سے ہی کیوں نہ مقرر ہو۔ (ت)

گھر بیٹھے کا جو نفقہ زید نے مقرر کردیا اول تو وہ نفقہ واجب نہ تھا فان النفقۃ جزاء الاحتباس (کیونکہ نفقہ بیوی کے پابند ہونے کا صلہ ہے۔ت) بلکہ صرف ایک احسانی وعدہ تھا اور وعدہ پر جبر نہیں کمافی العالمگیریۃ وغیرہا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) معہذا جب اس نے بلایا اور وہ نہ آئی وہ بھی ساقط ہوگیا کما من الدرالمختار (جیسا کہ درمختار سے معلوم ہوا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۲۹

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی ۱/۲۶۷

مسئلہ ۱۶۳: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کرکے قبل رخصت نوکری پر چلاگیا، بارہا والدین ہندہ نے رخصت کو کہا، چار برس کے بعد رخصت کراکر اپنے گھر لے گیا، ہندہ بیمار تھی دو ایک دن کے بعد پھر والدین کے یہاں واپس آکر ایک ماہ بعد فوت ہوگئی، نفقہ اس چار سال کا اور جو خرچ دوا وعلاج و تجہیز و تکفین میں والدین نے کیا شوہر پر واجب ہے یانہیں؟ جہیز شوہر کو ملے گا یا ماں باپ کو؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نفقہ وخرچ دواوعلاج کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

لاتصیر دینا الا بالقضاء اوالرضاء وبموت احدھما وطلاقھا یسقط المفروض لانھا صلۃ الا اذا استدانت بامر القاضی[1]۔	نفقہ خاوند کے ذمہ قرض نہیں بنتا تاوقتیکہ قاضی کا مقرر کردہ یا باہمی رضامندی سے طے کردہ نہ ہو، اور خاوند بیوی دونوں میں سے ایک کی موت یا طلاق سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ یہ صلہ کے طور پر لازم ہوتا ہے، ہاں اگر قاضی کے حکم پر بیوی نے قرض لے رکھا ہو تو پھر خاوند کو اس کی ادائیگی لازم ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

علیہ ماتقطع بہ الصنان لاالدواء للمرض ولااجرۃ الطبیب ولاالفصاد ولاالحجام[2]۔	خاوند پر بدن کی حفاظت والی چیز لازم ہے۔ مرض کیلئے دوا، طبیب کی اجرت، فصد یا سنگی لگانے کی اجرت لازم نہیں ہے۔ (ت)

یونہی خرچ تجہیز و تکفین بھی مجرا نہ ملے گا جبکہ والدین خواہ کسی نے بے اذن شوہر بطور خود کیا،

فی اواخر وصایا ردالمحتار عن حاشیۃ الفصولین للرملی، الزوجۃ اذا صرفہ من مالہ غیر الزوج بلا اذنہ اواذن القاضی فھو متبرع کالاجنبی[3]۔	ردالمحتار میں وصایا کی بحث کے آخر میں فصولین پر رملی کے حاشیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی نے خاوند یا قاضی کی اجازت کے بغیر اس کی بیوی کو کفن دیا تو یہ خرچہ صرف کرنے والے کی طرف سے مفت ہوگا جیسا کہ کوئی اجنبی اپنی طرف سے مفت خرچ کردے (ت)

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۹

[3] ردالمحتار فصل فی شہادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۵۹

جہیز ملک و ترکہ ہندہ ہے۔ بر تقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر و تقدیم دین و وصیت چھ سہام ہو کر تین سہم شوہر، دو سہم پدر، ایک مادر کو ملے گا۔ اسی حساب سے مہر ہندہ اگر باقی ہو تقسیم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۴: ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کا نکاح عمرو سے کیا اور پیش از نکاح ایک اقرار نامہ زید نے عمرو سے لکھوایا کہ میں بے رضامندی زوجہ کے اسے کہیں نہیں لیجا سکتا ہوں اور خود میں وہیں یعنی زوجہ کے مکان پر رہوں گا اور در صورت وعدہ خلافی میں نان نفقہ دوں گا، بعدہ نکاح ہوا اور مہر ڈھائی سو روپے کا بندھا جس میں کوئی شرط پیشگی دینے یا کسی میعاد کے قرار نہ پائی، اب عمرو اپنے خسر کے یہاں شب کو رہنا چاہتا ہے تو اس کا خسر اور خود زوجہ اسے گوارہ نہیں کرتے، عمرو کا مکان اسی شہر میں ہے وہ چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے جائے، اس صورت میں اسے اس امر کا اختیار ہے یا نہیں؟ اور اگر زید نہ لے جانے دے اور ہندہ نہ جائے تو مستحق نان نفقہ کی ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک صورت مستفسرہ میں زید کو اختیار ہے کہ اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے جا کر رکھے، زوجہ اور اس کے باپ کا بلاوجہ شرعی روکنا محض ظلم ہے، اور زوجہ نہ جائے گی تو نان نفقہ کی مستحق نہ ہوگی،

لانها ناشزة لامتناعها بغير حق وانما النفقة جزاء الاحتباس فاذلا احتباس لانفقة کما صرحوا به قاطبة۔	کیونکہ وہ نافرمان ہے اس لئے کہ وہ بلاوجہ مانع بنی ہوئی ہے جبکہ نفقہ خاوند کے حق میں پابند ہونے کا عوض ہے تو جہاں پابندی نہیں وہاں نفقہ نہیں ہوگا جیسا کہ سب نے اس کی تصریح کی ہے (ت)

عمرو کا اقرار نامہ لکھ دینا کہ در صورت وعدہ خلافی نان نفقہ دوں گا کوئی چیز نہیں،

فان شرط الله احق، ومن اشترط شرطا لیس فی کتاب الله فلیس له، وان شرط مائة مرّة[1]، کما قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الحدیث الصحیح، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کے حکم کے موافق شرط مقبول ہے اور جس نے اللہ تعالٰی کے حکم کے خلاف کوئی شرط لگائی تو وہ ناحق ہے اگرچہ ہزار بار شرط لگائے، جیسا کہ صحیح حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] صحیح مسلم باب بیان ان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

مسئلہ ۱۶۵: ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ہرگاہ بازید، پدر ہندہ گفت دخترم راشادی بکن زید گفت من فی الحال شادی نتوانستم چراکہ طالب علم ہستم و حصول علم رامدتے معلوم نیست کہ بچند سال بدست آید و قدرت نان ونفقہ اندریں مدت ندارم و پدر ہندہ دریں حالتِ اضطراری اوبہ پیش چند مرد ماں ایں ہمہ شرائط مذکورہ برذمہ خود قبول کردہ وراضی شدہ دخترِ او بازید نکاح کنانیدہ برائے تحصیل علوم اجازت داد، پس بعد از چند سال قبل از تحصیل علوم ازونان ونفقہ طلب کردوبریں تقدیر نان ونفقہ وغیرہ دادن بروے واجب خواہد شد یانہ واز ہندہ اگر بامرد اجنبی ازیں مدت حرام کاری وغیرہ صادر گردد در نکاح زید ثابت ماند یانہ وبرہندہ شرعاً چہ حکم دادہ شود و شوہر ہندہ از بدفعلی اوبری گردد یانہ واگر ہندہ مہر خود عندالرضا ساقط گردد بعد ازاں عندالنزاع می گوید کہ مہرم رازوساقط نکردہ ام دعوے مہر اوبرزید شرعاً ثابت گردد یانہ۔ **بینوا توجروا۔**	علمائے کرام (رحمہم اللہ تعالٰی) آپ کی کیارائے ہے، کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے باپ نے زید کو کہاکہ میری بیٹی سے شادی کرلو، زید نے کہاکہ میں فی الحال شادی نہیں کرسکتا کیونکہ میں طالبعلم ہوں اور حصول علم میں نہ معلوم کتنی مدت صرف ہو، مجھے اس مدت میں بیوی کے نان ونفقہ پر قدرت نہ ہوگی، تو اس پر ہندہ کے والد نے چند لوگوں کی موجودگی میں زید کی اس مجبوری کے حالت کی تمام ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی اور رضامندی کے ساتھ زید سے اپنی لڑکی کانکاح کردیا اور زید کو تحصیل علم کے لئے اجازت دے دی، اور اس کے چند سال بعد زید کی طلب علمی کے دوران تحصیل علم سے پہلے، ہندہ کے والد نے زید سے نان ونفقہ کامطالبہ کردیا، توکیا اس صورت میں زید کو بیوی کانان ونفقہ دینا واجب ہوگا یانہیں، اور اس دوران اگر ہندہ کسی غیر مرد سے بدکاری کرے توکیاوہ زید کے نکاح میں باقی رہے گی یانہیں اور ہندہ پر کیاحکم شرعی ہوگااور زید اپنی بیوی کی اس بدفعلی سے بری قرار پائے گا یانہیں، اور اگر ہندہ رضامندی سے اپنا مہر معاف کردے اور بعد مخالفت ہوجانے پر کہے کہ میں نے اس کو مہر معاف نہیں کیا توکیا اب زید پر شرعاً مہر کا دعوٰی کرسکتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

درصورت مستفسرہ اگر از جانب زن تسلیم نفس واقع شد وخویشتن رااز شوہر بناواجبی باز نداشت نفقہ اوبرذمہ شوہر لازم شد وآں کہ پدر زن پیش از نکاح آں شرائط برذمہ خود قبول کرد اگر	مسئولہ صورت میں اگر بیوی نے اپنے آپ کو زید کے سپرد کردیا اور بلاوجہ رکاوٹ نہ کی ہوتو خاوند کے ذمہ اس کا نفقہ واجب ہوگا اور بیوی کے والد کا نکاح سے پہلے اس کی ذمہ داریوں کواپنے ذمہ لینا اگر

معنیش اینست کہ اوبنا دادن نفقہ راضی شد و پیمان داد کہ تامدت تحصیل علم زن از تو نان و نفقہ نخواہد ایں رضاو پیمان خود چیزے نیست اگرچہ حسبِ اجازت زن بالغہ شدہ باشد زیرا کہ اسقاط دین پیش از وجوب معنی ندارد خاصۃً نفقہ کہ روزانہ شیاً فشیاً واجب می شود فی الدرالمختار الابراء قبل الفرض باطل و بعدہ یصح مما مضی و من شھر مستقبل حتی لوشرط فی العقد ان النفقۃ تکون من غیر تقدیر والکسوۃ کسوۃ الشتاء والصیف لم یلزم فلھا بعد ذٰلك طلب التقدیر فیھما [1] الخ.وفی رد المحتار عن الفتح فھو اسقاط للشیئی قبل وجوبه فلا یجوز [2] واگر مراد آنست کہ از جانب شوہر ایں دین را کفیل شدہ برذمہ خود گرفت اگر مقصود برأت شوہر ست کما ھو ظاہر الکلام ایں حوالت باشد فان الکفالۃ بشرط برائۃ الاصیل حوالہ وحوالہ نقل دین ست

اس کا مطلب یہ تھا کہ اس دوران نفقہ نہ دینے پر راضی ہے اور عہد کرتا ہے کہ تحصیل علم کے دوران بیوی تجھ سے نان ونفقہ طلب نہ کرے گی تو والد کا یہ عہد و پیمان اور رضامندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی اگرچہ بالغ بیوی کی رضامندی سے یہ معاہدہ کیا ہو کیونکہ واجب ہونے سے پہلے دین کو ساقط کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے خصوصًا نفقہ کا معاملہ جو کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا واجب ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے کہ، مقرر ہونے سے قبل بری (ساقط) کرنا باطل ہے جبکہ مقرر ہوجانے کے بعد گزشتہ یا آئندہ ماہ کے نفقہ کو ساقط کرنا صحیح ہے، حتی کہ اگر نکاح میں یہ شرط رکھی کہ نفقہ کا تقرر نہ ہوگا اور لباس سردی اور گرمی میں ایک ہوگا تو اس شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا لہٰذا بیوی نکاح کے بعد نفقہ اور لباس کے تقرر کا مطالبہ کرسکے گی الخ۔ اور ردالمحتار میں فتح سے منقول ہے کیونکہ یہ وجوب سے قبل کسی چیز کو ساقط کرنا ہے لہٰذا جائز نہ ہوگا، اور اگر والد کے اس عہد ورضا کا مطلب یہ تھا کہ بیوی کے نان ونفقہ کا خاوند کی بجائے میں خود کفیل ہوں گا اور میں ذمہ دار ہوں گا تو اس سے مقصد خاوند کو ذمہ سے بری کرنا ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو یہ عقد حوالہ ہوگا کیونکہ اصل کو بری کرنے کی شرط سے کفالت تبدیل ہوکر حوالہ بن جاتی ہے جبکہ حوالہ کا معنی یہ ہے کہ

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۸

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۳

کمافی التنویر وھوالصحیح کمافی الھندیة عن النھر آنچناں کہ دین خود معدوم ست نقل راچہ معنی فی الدر المختار تصح فی الدین المعلوم [1]الخفی رد المحتار الشر ط کون الدین للمحتال علی المحیل [2]الخ وفیه لاتصح ھذہ الحوالة مع جھالة المال [3]الخ وفیه لاتصح ھذہ الحوالة لان کلامن الغازی والمستحق لم یثبت له دین فی ذمة الامام والناظر [4]الخ واگر براءت شوہر منظور نیست کفالت اگرچہ صحیح شد کما فی الھندیة من فصل النکاح ضمان المھر من صحة الضمان بالمھر، عند الخطبة قبل النکاح فراجعھا ان شئت وھوالموافق للمفتٰی به من قول الامام ابی یوسف رحمه الله تعالٰی ان الکفالة بالنفقة المستقبلة تصح وان لم تجب بعد کما اوضحه فی	کسی کو قرض سے بری کرکے اپنے ذمے لے لینا، جیسا کہ تنویرالابصار میں ہے، اس کو ہندیہ میں نہر سے نقل کرتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے، تو اس صورت میں ابھی قرض معدوم ہے تو اس کو نقل کرکے دوسرے کے ذمہ کیسے کیا جاسکتا ہے، درمختار میں ہے کہ، حوالہ، معلوم قرض میں صحیح ہوتا ہے الخ، ردالمحتار میں ہے کہ، حوالہ میں یہ شرط ہے کہ قرضخواہ کا اصیل پر قرض ثابت ہو الخ، اور اس میں یہ بھی کہے، کہ، مال مجہول ہونے پر حوالہ صحیح نہ ہوگا، الخ، اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ، غازی اور دیگر مستحق شخص کے وظیفہ کا حوالہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ وظیفہ حاکم اور نگران کے ذمہ ان کے لئے ثابت شدہ نہیں ہے الخ، اور اگر والد کے اس عہد و رضا سے خاوند کو نفقہ سے بری قرار دینا نہیں تھا تو یہ کفالت صحیح ہوگی (اور خاوند بری الذمّہ نہ ہوگا) کیونکہ ہندیہ میں ہے "مہر کی ضمانت پر نکاح کی فصل" میں ہے کہ، نکاح سے قبل مہر کی ضمانت صحیح ہے، اگر آپ چاہیں تو ہندیہ کی طرف رجوع کریں، اور یہ ہندیہ کا بیان امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے مفتی بہ قول کے موافق ہے کہ مستقبل کے نفقہ کی کفالت صحیح ہے اگرچہ یہ نفقہ ابھی واجب نہیں ہوا، جیسا کہ اس بات کو ردالمحتار میں واضح کیا ہے،

---

[1] درمختار کتاب الحوالة مطبع مجتبائی دہلی ۶۹/۲

[2] ردالمحتار کتاب الحوالة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۹۰/۴

[3] ردالمحتار کتاب الحوالة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۹۰/۴

[4] ردالمحتار کتاب الحوالة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۹۱/۴

ردالمحتار[1] اما کفالت موجب براءت ذمہ شوہر نباشد، پس بہر حال نفقہ بر شوہر بشرائطہا لازم ست،آرے اگر بتراضی یا قضائے قاضی نفقہ رافرضے و تقدیرے میان نیامد مثلاً ماہانہ ایں قدر زر یا ایں مقدار طعام و پارچہ آں گاہ ہر قدر مدت کے بے ادائے نفقہ گزشت نفقہ اوساقط گشت مطالبہ اش نتواں کرد آئندہ راطلب فرض وتقدیر کند تا دین شود وبر مطالبہ دست یابد فی الدرالمختار النفقۃ لاتصیر دینا الا بالقضاء اوالرضاء ای اصطلاحہما علی قدر معین اصنافا اودراہم فقبل ذلك لایلزمه شیئ،وبعدہ ترجع بما انفقت ولو من مال نفسها بلا امر قاض[2]،وفی ردالمحتار لایلزمه عما مضی قبل الفرض بالقضاء اوالرضاء ولا عما یستقبل لانه لم یجب بعد[3]،زن اگر شوئے خودرا از مہر ابرائے شرعی بلا اکراہ کرد مہراز ذمہ شوہر ساقط شد اگرچہ ایں معنی در خلوت محضہ

(لہٰذا والد کی کفالت خاوند (زید) کی نفقہ سے براءت کو واجب نہیں کرتی) پس ہر حال میں خاوند پر نفقہ اپنی شرائط کے مطابق واجب ہوگا۔ہاں اگر باہمی رضامندی یا قاضی کے فیصلہ سے ابھی نفقہ کی مقدار متعین نہیں ہوئی تھی،مثلاً ماہانہ اس قدر نقد یا خوراک کی یہ مقدار اور فلاں وقت پر لباس طے نہیں ہوا تھا اور کچھ مدت نفقہ دئے بغیر گزر گئی ہو تو گزشتہ مدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا بیوی کو اس کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا،اور آئندہ کے لئے مقدار متعین کرانے کا اس کو حق ہوگا تاکہ خاوند کے ذمہ قرض بن سکے اور مطالبہ پر اسے حاصل کرسکے درمختار میں ہے کہ، نفقہ خاوند کے ذمہ قرض نہیں بنتا تاوقتیکہ قاضی نے یا باہمی رضامندی سے طے نہ کرلیا گیا ہو،مثلاً یوں کہ اتنی مقدار جنس یا نقد مقرر کرلیا گیا ہو تو اس فیصلہ سے قبل کا نفقہ واجب الادانہ ہوگا اور اس کے بعد والے نفقہ میں جو بیوی نے قرض لے کر یا خود اپنے مال سے قاضی کے حکم کے بغیر جو خرچ کیا ہو تو وہ خاوند سے وصول کرسکتی ہے الخ، ردالمحتار میں ہے: قاضی یا باہمی رضامندی سے قبل کا گزشتہ نفقہ خاوند پر واجب الادانہ ہوگا (البتہ طے کرنے کے بعد کا واجب الادا ہوگا) اور آئندہ مستقبل کا نفقہ بھی واجب الادانہ ہوگا کیونکہ وہ ابھی واجب نہیں ہوا، بیوی نے اگر شرعی طور پر اپنی رضامندی سے بلا جبر واکراہ خاوند کو مہر سے بری کردیا ہو تو وہ مہر

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۶۳

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

[3] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۸

روئے داد فامانزد قاضی بے اقرار زن یا بینہ عادلہ رنگ ثبوت نیابد اگر خدا ناترسی کردہ بعد ابرابد عوے پرداز قاضی بر ذمہ شوہر ثابت سازد و معاملہ باطنی ایشاں بمحکمہ قاضی حقیقی عالم الغیب والشہادۃ جل جلالہ پردہ از روئے حقیقت اندازد فالقاضی انما یقضی بالظاھر واللہ سبحانہ یتولی السرائر آرے جائیکہ تعجیل و تاجیل مہر بہ بیان نیامدہ باشد چناں کہ غالب مہورِ ایں دیار ہمچناں مے باشد آنجا بنائے کار بر عرف دیار ست و عرف عام وشائع ایں بلاد بلکہ دیگر ممالک ھم ہمین ست کہ بہیچ صورت مہر نزد افتراق بموت یا طلاق حال مے شود پس پیش ازاں مطالبہ زن مسموع ندارد کما بیناہ فی فتاوٰنا مرارا، زنائے زناں موجب بطلان نکاح آناں نیست قال تعالٰی بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ[1] تاآنکہ اگر باپدر یا پسر شوہر ایں چنیں وقاحت روئے دہد ہم نکاح باطل نشود اگرچہ زن حرام ابدی گردد و متارکہ فی الفور فرض شود، فی الدرالمختار بحرمۃ المصاھرۃ	خاوند سے ساقط ہوجائے گا اگرچہ بیوی نے اپنی خلوت میں معاف کیا ہو، لیکن قاضی کے ہاں بیوی کے اقرار یا شہادت کے بغیر براءت ثابت نہ ہوگی، اگر بیوی خداترسی نہ کرتے ہوئے معاف کرنے کے بعد قاضی کے ہاں مہر کا دعوی کردے تو قاضی خاوند کے ذمہ مہر کی ادائیگی لازم کردے گا۔ تاہم دونوں کا یہ باطنی معاملہ، اللہ تعالٰی جو کہ حقیقی قاضی عالم الغیب والشہادۃ ہے کے دربار میں پیش ہوگا اور حقیقی فیصلہ پائے گا، قاضی تو ظاہر پر فیصلہ دیتا ہے باطنی امور تو اللہ تعالٰی کے سپرد ہیں، ہاں اگر مہر کے معجّل ہونے یا مؤجل کا فیصلہ نہ ہوا ہو جیسا کہ عام طور پر اس علاقے میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں معاملہ علاقہ کے عرف پر ہوگا، جبکہ اس علاقے بلکہ دیگر ممالک میں بھی یہی ہے کہ میاں یا بیوی کی موت یا طلاق کے وقت جو بھی مہر ہو وہ ادا کیا جاتا ہے اور اس سے قبل عورت کے مطالبہ کو قابل توجہ نہیں سمجھا جاتا، جیسا کہ ہم نے کئی مرتبہ اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے، بیوی کے زنا سے نکاح باطل نہیں ہوتا، اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیدہ عقدۃ النکاح (نکاح کی گرہ صرف خاوند کے ہاتھ میں ہے) یہی وجہ ہے کہ اگر بیوی اپنے خاوند کے باپ یا بیٹے سے بدفعلی کرے تو بھی نکاح باطل نہیں ہوتا اگرچہ بیوی ہمیشہ کے لئے خاوند پر حرام ہوجاتی ہے، اور فوری طور پر دونوں میں متارکہ فرض ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے کہ، حرمتِ مصاہرہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۷

لایرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج باٰخر الا بعد المتارکة وانقضاء العدة والوطی بھا لایکون زنا[1]۔ بہر حال زن بقدر جرم خودش مستحق حد یا تعزیر شود شوئے اگر در حفظ ومنعش از قدر واجب تقصیر نہ کرد وبریں کار راضی نشد ہیچ وبال برونیست لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	کے ساتھ نکاح باطل نہیں ہوتا حتی کہ دوسرے شخص سے اس بیوی کا نکاح حلال نہیں ہوگا تاوقتیکہ متارکہ کے بعد عدت نہ گزر جائے، اور متارکہ سے قبل اگر خاوند وطی کرلے تو زنا کا حکم نہ لگے گا، بہر حال بیوی اپنے جُرم کی خود ذمہ دار ہے اس پر حد لگے گی یا تعزیر ہوگی، خاوند نے اگر حفاظت ونگرانی میں کوتاہی نہ کی ہو اور وہ اس کے اس فعل سے راضی نہ ہو تو اس پر کوئی وبال نہیں ہوگا، اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک کا بوجھ دوسرے پر نہ ہوگا۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۶: ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید صاحبِ جائداد ہے اس نے عرصہ بیس سال سے اپنی زوجہ ہندہ کو بسبب ڈال لینے دوسرے عورت کے تکرار کے بلاقصور شرعی گھر سے نکال دیا وہ اپنے باپ خالد کے مکان پر چلی آئی اس کا باپ متکفل رہا اس وجہ سے اس کو نان ونفقہ حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوئی چونکہ اب خالد کا انتقال ہوگیا لہٰذا اس کو نان ونفقہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس مدت بیس سال میں زید ہندہ کو اتفاقِ یکجائی نہ ہوا یہ امر مانع نان ونفقہ تو نہ ہوگا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیس سال گزشتہ کا نفقہ تو ہر طرح ساقط ہی ہوگیا، آئندہ کے لئے جبکہ اس کا نکلنا اپنی خوشی سے نہ تھا بلکہ شوہر نے نکال دیا یہ دیکھا جائے گا کہ عورت کا اپنے باپ کے گھر رہنا شوہر ہی کے جبر سے ہے کہ وہ بلائے تو اسے جانے سے انکار نہ ہو تو وہ خود ہی نہیں بلاتا اس کا آنا نہیں چاہتا جب تو نفقہ کی مستحق ہے اور اگر یہی جانا نہیں چاہتی، وہ بلاتا ہے اور یہ نہیں جاتی تو استحقاق نہیں،

فی الدرالمختار تجب للزوجة ولو ھی فی بیت ابیھا اذا لم یطالبھا الزوج بالنقلة وبه یفتی،	درمختار میں ہے: بیوی اگر اپنے والد کے گھر ہو اور خاوند اپنے گھر منتقل ہونے کا مطالبہ نہ کرے تو بیوی کے لئے نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوی دیا جائیگا،

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

وکذااذاطالبہاولم تمتنع اومرضت وفی منزلہابقیت ولنفسہا ما منعت وعلیہ الفتوی [1] اھ ملتقطا،وفی الھندیۃ عن البدائع لہا النفقۃ بعد النقلۃ وقبلہا ایضا اذا طلبت النفقۃ فلم ینقلہا الزوج وھی لاتمنع من النقلۃ لوطالبہا الزوج وانکانت تمنع فلانفقۃ لہا کالصحیحۃ [2] **قلت** والشرط عدم منعہا لاوجود طلبہا کما حققنافیما علقناہ علی ردالمحتار وھو المصرح فی الفتح عن الخلاصۃ عن الجامع الکبیر والیہ اخر کلام البدائع ایضایشیر۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور یونہی اگر وہ منتقل ہونے کا مطالبہ کرے اور بیوی انکار نہ کرے یا بیوی اس وقت بیمار ہو اور اپنے گھر میں اور اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے سے مانع نہ ہو تو بیوی کا نفقہ واجب ہے،اسی پر فتوی ہے اھ ملتقطا۔ اور ہندیہ میں بدائع سے منقول ہے بیوی کیلئے نفقہ واجب ہوگا جب وہ خاوند کے ہاں منتقل ہو جائے، یا قبل منتقل ہونے کے جب عورت نفقہ کا مطالبہ کرے تو خاوند اسے منتقل نہ کرے حالانکہ بیوی منتقل ہونے سے انکاری،نہ اگر خاوند اسے منتقل کرنا چاہے،اور اگر وہ منتقل ہونے سے انکار کرے تو پھر اس کے لئے نفقہ نہیں جیسا کہ صحت مند ہونے کے باوجود منع کرنے پر نفقہ نہیں ہے، **قلت** (میں کہتا ہوں) شرط یہ ہے کہ عورت انکاری نہ ہو، خاوند کا مطالبہ کرنا شرط نہیں، جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور یہی فتح میں خلاصہ سے بحوالہ جامع کبیر منقول ہے،اور بدائع کا آخری کلام بھی یہی اشارہ دیتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۷: از منڈی ہلدوانی ضلع نینی تال سررشتہ ڈپٹی کمشنری مرسلہ منشی علی الدین احمد ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت ہندہ زید سے سخت دشمنی رکھتی ہے،ایک دفعہ زید کے غیبت میں اناج بیچا،زید نے بہت تھوڑا سامارا کنویں میں کود پڑی، غیر مردوں نے نکالا، باریک کپڑے جوان عمر، پانی میں بھیگ کر بے ستری ہوئی، کنویں سے نکل کر بولی بازار اور سراء میں بیٹھوں گی مگر زید کے گھر نہ جاؤں گی،اس پر وہ غیر آدمی اپنے گھر لے گئے جب زید نوکری سے آیا وہاں سے سوار ہو کر ہندہ کے ماں باپ کے یہاں بھیج دیا، وہاں سے پھر آئی اور یہ عادت رکھی کہ ذراسی تکرار پر دن دوپہر کو سر بازار پیادہ پا آدھ آدھ میل تک کسی کے مکان زید کو زک دینے اور بدنام کرنے کے لئے چلی جاتی ہے،زید کے لڑکے بالغ ہوگئے ہیں وہ ہر طرح اپنی ماں کے ساتھ ہیں اس سے مل کر زید کا مقابلہ کرتے ہیں کاٹنے اور داڑی پکڑنے تک نوبت پہنچ گئی ہے

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۶۶/۱

[2] فتاوی ہندیہ الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵۴۶/۱

اور کہتے ہیں تمہارے پاس مسالہ ہی کیا ہے جس پر مزاج دکھاتے ہو تم سے زائد تو اب ہمارے پاس ہے، ہندہ کو اپنے شوہر کے پاس آنے سے بھی عذر اور حیلہ اور انکار ہمیشہ رکھتی ہے، ایک قاعدہ یہ بھی مقرر کیا ہے کہ بغیر اطلاع زید کے کسی لڑکے کو ساتھ لے کر زید کے یہاں آجاتی ہے اور چار پانچ مہینے رہ کر کل نقد وجنس اپنے قبضے میں کرکے جب زید اپنی نوکری پر الہ آباد جاتا ہے ہندہ اور لڑکا اپنے ماں کے یہاں لکھنؤ چلے آتے ہیں اس مال کا پھر کبھی پتہ نہیں چلتا اس صورت میں لڑکوں کے حق حقوق اور ہندہ کے نان ونفقہ اور مہر کی نسبت از روئے شرع شریف کیا حکم فرماتے ہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

لڑکے جبکہ جوان اور خود مالدار ہیں تو ان کا کوئی حق ذمہ زید باقی نہیں خصوصًا ایسی حالت میں کہ وہ اس قدر موذی وعاق ہیں والعیاذ باللہ رب العٰلمین ایسے لڑکوں اور عورت کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب شدید وغضب عظیم کا استحقاق ہے، عورت جبکہ اس کے یہاں آنے سے ہمیشہ عذر وانکار رکھتی ہے اور جب کبھی آنا ہوتا ہے وہ اس لئے نہیں کہ شوہر کی قیدی بن کر رہے بلکہ خود مختارانہ بالجبر آنا اس غرض فاسد سے ہوتا ہے کہ اندوختہ لوٹ کرلے جائے جیساکہ تقریر سوال سے ظاہر تو ایسی صورت میں یہ عورت صریح ناشزہ ہے اس کا نان ونفقہ اصلًا زید کے ذمہ نہیں، درمختار میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس وكل محبوس لمنفعة غيره تلزمه نفقته[1]۔	نفقہ بیوی کے پابند ہونے کا معاوضہ ہے اور جو دوسرے کے حق میں محبوس ہو تو اس کا نفقہ پر لازم ہوتا ہے۔(ت)

البتہ مہران حرکات سے ساقط نہیں ہوتا اور اس کی کوئی میعاد ادا مقرر نہ ہوئی تھی تو حسبِ عرف بلاد بعد موت یا طلاق ادا کرنا واجب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۸: از ریاست رام پور بزریا ملا ظریف گھیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خاں ۲۵ محرم ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص شرارت سے نہ تو اپنی زوجہ کو اپنے پاس بلاتا ہے نہ طلاق دیتا ہے بلکہ کہتا ہے کہ تجھ کو معلقہ رکھوں گا، اب اس صورت میں وہ بیچاری حاکم عدالت سے فریاد کرکے طلاق لے سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

الجواب

قال اللہ سبحانہ وتعالٰی فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[1]۔ وقال تعالٰی فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ[2]۔ وقال تعالٰی وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[3]۔ وقال تعالٰی اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ[4]۔ وقال تعالٰی فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ[5]۔	(اللہ سبحانہ وتعالٰی نے فرمایا:) عورتوں کو یا تو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑ دو۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) یا بھلائی کے ساتھ رکھنا یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) عورتوں سے اچھے برتاؤ کے ساتھ زندگانی کرو۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) جہاں آپ رہو وہاں عورتوں کو رکھو اپنے مقدور کے قابل اور انہیں نقصان نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی لاؤ۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) پورے ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ عورتوں کو یوں چھوڑ کر جیسی ادھر میں لٹکتی۔

بالجملہ عورت کو نان ونفقہ بھی واجب اور رہنے کو مکان دینا بھی واجب اور گاہ گاہ اس سے جماع کرنا بھی واجب جس میں اسے پریشان نظری نہ پیدا ہو، اور اسے معلقہ کر دینا حرام، اور بے اس کے اذن ورضا کے چار مہینے تک ترک جماع بلاعذر صحیح شرعی ناجائز، اور بعد نکاح ایک بار جماع تو بالاجماع بالاتفاق حقِ زن ہے کہ اسے بھی ادا نہ کرسکے تو عورت کے دعوی پر قاضی مرد کو سال بھر کی مہلت دے گا اگر اس میں بھی جماع نہ ہو تو بطلبِ زن تفریق کر دے گا، مگر ایک بار کے بعد پھر جبری تفریق کا قاضی کو اختیار نہیں، نہ ہمارے نزدیک نفقہ نہ دینے پر تفریق ہوسکتی ہے، ہاں قاضی اعانت ضعفاء ومددِ مظلومین کے لئے مقرر ہوا ہے، تو اس پر لازم کہ جس طرح ممکن ہو دفع ظلم کرے، ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح اعلم ان ترك جماعها	فتح القدیر میں فرمایا: واضح ہو کہ بیوی سے جماع مطلقًا

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۱
[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۹
[3] القرآن الکریم ۴/۱۹
[4] القرآن الکریم ۶۵/۶
[5] القرآن الکریم ۴/۱۲۹

مطلقا لایحل له صرح اصحابنا بان جماعها احیانا واجب دیانة لکن لایدخل تحت القضاء والالزام الاالوطأة الاولی ولم یقدروافیه مدة،ویجب ان لایبلغ به مدة الایلاء الا برضاها وطیب نفسها به اھ ویسقط حقها بمرة فی القضاء ای لانه لولم یصبها مرة یؤجله القاضی سنة ثم یفسخ العقد امالو اصابها مرة واحدة لم یتعرض له لانه علم انه غیرعنین وقت العقد بل یأمره بالزیادة احیانا لو جوبها علیه الالعذرمرض او عنة عارضة او نحوذلك وسیأتی فی باب الظهار ان علی القاضی الزام المظاهر بالتکفیر دفعاللضرر عنها بجس او ضرب الی ان یکفر اویطلق اھ[1] مختصرا۔	ترک کر دینا حلال نہیں، ہمارے اصحاب نے تصریح فرمائی ہے کہ دیانۃً گاہے گاہے بیوی سے جماع کرنا واجب ہے لیکن اس پر قاضی کو کاروائی کا حق نہیں کہ وہ خاوند پر لازم قرار دے تاہم نکاح کے بعد پہلا جماع خاوند پر قاضی لازم کر سکتا ہے اور فقہاء کرام نے اس جماع کے لئے مدت کا تعین نہیں کیا کہ کتنہ مدت کے اندر واجب ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ یہ وقفہ ایلاء کی مدت (چار ماہ) تک نہ پہنچنے پائے الایہ کہ بیوی کی رضامندی اور خوش طبعی سے جتنا وقفہ ہو اھ ایک دفعہ جماع کرلینے سے قضاءً بیوی کا حق ساقط ہو جائے گا یعنی اگر دوران نکاح ایک مرتبہ بھی جماع نہ کیا ہو تو بیوی کے مطالبے پر قاضی خاوند کو ایک سال کی مہلت دے گا اور اس مدت میں جماع نہ کرنے پر قاضی نکاح کو فسخ کردے گا، اور ایک مرتبہ جماع کرلیا ہو تو پھر قاضی مداخلت نہ کرے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ خاوند نکاح کے وقت نامرد نہ تھا تاہم قاضی خاوند کو مزید جماع کا مشورہ دے گا کیونکہ خاوند پر حقوقِ زوجیت واجب ہے لیکن مریض ہو یا عارضی مردمی کمزوری یا کوئی اور وجہ ہو تو واجب نہیں اور ظہار کے باب میں بیان رہا ہے کہ قاضی پر ضروری ہے کہ وہ بیوی کی پریشانی دور کرنے کیلئے ظہار کرنے والے خاوند کو کفارہ ظہار دینے پر قید اور جسمانی سزا کے ساتھ مجبور کرے تاکہ وہ کفارہ دے یا طلاق دے، اھ، مختصرًا (ت)

بحر الرائق میں ہے:

قالو وللمرأة ان تطالبه بالوطأ وعلیها ان تمنعه الاستمتاع حتی یکفر ،وعلی القاضی ان یجبره علی التکفیر	فقہاءِ کرام نے فرمایا ہے کہ عورت کو حق کہ خاوند سے جماع کا مطالبہ کرے، اور ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ کفارہ دینے تک خاوند کو جماع سے روکے، اور قاضی کو

[1] ردالمحتار باب القسم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۹۸

دفعاً للضرر عنها بحبس فان ابی ضربه ولا یضرب فی الدین ولو قال قد کفرت صدق مالم یعرف بالکذب وفی التتارخانیة اذا ابی عن التکفیر عزره بالضرب والحبس الی ان یکفر او یطلق [1]۔	حق ہے کہ وہ بیوی کی پریشانی دور کرنے کیلئے خاوند کو قید کرکے کفارہ دینے پر مجبور کرے اور اگر خاوند انکار کرے تو اس کو جسمانی سزا دے جبکہ قرض کے معاملہ میں قاضی جسمانی سزا نہیں دے سکتا، اور اگر خاوند بتائے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو قاضی اس کی تصدیق کرے جب تک اس کا جھوٹ واضح نہ ہو، اور تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر کفارہ دینے سے انکار کرے تو قاضی خاوند کے کفارہ ادا کرنے یا طلاق دینے تک اسے جسمانی تعزیر اور قید کرسکتا ہے۔ (ت)

جب یہ اصول معلوم ہوگئے حکمِ مسئلہ واضح ہوگیا پاس نہ بلانا ترک جماع کو مستلزم اور نفقہ نہ دینے کو بھی محتمل، ترک جماع اگر رأساً ہے یعنی بعد نکاح اس کے پاس گیا ہی نہیں تو قاضیِ شرع اس پر جبر کرے گا کہ پاس جائے، اگر ظاہر ہوگا کہ اسے اس عورت سے مجامعت پر قدرت نہیں تو بعد دعوی عورت وہی مسائل عنین ومہلت یکسال وتفریق جبری بطلبِ زن جاری ہوں گے، اور اگر باوصفِ قدرت نہیں جاتا خواہ ابتداءً خواہ ترک مطلق کا ارادہ کرلیا ہے اور عورت کو اس سے ضرر ہے تو قاضی مجبور کرے گا کہ جماع کرے یا طلاق دے، اگر نہ مانے گا قید کرے گا اگر نہ مانے گا مارے گا یہاں تک دو باتوں سے ایک کرے،

وذٰلك رفعاً للمعصیة ودفعاً للضرر وقد نصوا کمافی البحر والدر وغیرهما ان کل مرتکب معصیة لاحد فیهاففیها التعزیر [2] وفی ردالمحتار قوله وعلی القاضی الزامه به. اعتراض بانه لافائدة للاجبار علی التکفیر الاالوطئ والوطئ لایقضی به علیه الامرة.قال الحموی وفرض المسئلة فیما اذالم یطأها	یہ تعزیر اس لئے ہے کہ خاوند گناہ ختم کرے اور بیوی کی پریشانی دور کرے، اور فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے کہ وہ جرم جس پر حد نہیں ہے تو اس میں تعزیر ہوگی جیسا کہ بحر اور در وغیرہما میں مذکور ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ درمختار کا یہ بیان کہ قاضی پر لازم ہے الخ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ خاوند کو کفارہ دینے پر مجبور کرنے کا مقصد صرف بیوی سے جماع ہے جبکہ جماع کے معاملے میں قاضی خاوند کو نکاح کے بعد ایک سے زائد مرتبہ پر مجبور نہیں کرسکتا تو حموی نے کہا اور جواب کے لئے

[1] بحرالرائق باب الظہار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۹۷۔۹۶

[2] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

قبل الظهار ابدا بعید، اوقد یقال فائدة الاجبار رفع المعصیة اھ ای ان الظھار معصیة حاملة له علی الامتناع من حقھا الواجب علیه دیانة فیأمرہ برفعھا لتحل له کما یأمر المولی من امرأته بقربانھا فی المدة اویفرق بینھما لدفع الضرر عنھا اھ[1] مختصرا۔	یہ فرض کرنا کہ ظہار سے قبل خاوند نے ایک مرتبہ بھی جماع نہ کیا ہو تو تب قاضی مجبور کرسکتا ہے، تو یہ بعید سی بات ہے، یا جواب میں یوں کہا جائے گا کہ خاوند کو مجبور کرنے کا مقصد خاوند کے جرم کا ازالہ ہے اھ، یعنی ظہار کرنا جرام ہے جو خاوند کو بیوی کے اس حق کی ادائیگی سے روکتا ہے جو دیانۃً ہر خاوند پر واجب ہے تو اس لئے قاضی اس کو جرم کے ازالہ کا حکم دے گا تاکہ بیوی حلال ہوسکے، جیسے مولیٰ اپنے غلام کو ظہار کی مدت میں بیوی سے جماع کرنے یا طلاق دینے کا حکم کرسکتا ہے تاکہ بیوی کی پریشانی دور ہوسکے۔ اھ مختصرًا (ت)

اور نفقہ نہ دینے پر اگر ادائے نفقہ پر قادر ہے تو قاضی بقدر مناسب عورت کے لئے نفقہ مقرر کرے گا اور شوہر کو اس کے ادا کا حکم دے گا اگر نہ مانے گا قید کرے گا اور اس مدت میں اس سے نہ پانے کے سبب جو کچھ عورت قرض لے کر خواہ اپنے مال سے اپنے نفقہ میں صرف کرے گی سب شوہر پر دین ہوگا اور اس سے دلایا جائیگا مگر یہاں تفریق کردینے یا طلاق پر جبر کرنے کی صورت نہیں،

اقول: اور وجہ فرق ظاہر ہے جماع ونفقہ دونوں کی طرف عورت محتاج اور ان کے نہ ملنے میں اس کا ضرر، اور دفعِ ضرر جس طرح ممکن ہو واجب، اور طرقِ دفع میں آسان تر کا لحاظ لازم کہ طرف ثانی کا بھی اضرار نہ ہو، جماع ایسی چیز ہے کہ غیر شوہر سے اس کا ملنا محال، تو طریق دفع اس میں منحصر کہ شوہر جماع کرے یا طلاق دے کہ وہ دوسرے سے نکاح کرسکے بخلاف نفقہ کہ یہ حاجت اپنے مال سے خواہ دوسرے سے قرض لے کر بھی مندفع ہوسکتی ہے، عورت کا ضرر یوں دفع ہوگیا کہ حاجت روا ہوئی اور جو اٹھا وہ بعد فرضِ قاضی شوہر پر قرض رہا تو یہاں طلاق پر مجبور کرنے میں شوہر کا ضرر زائد ہے جس کی طرف عورت سے دفعِ ضرر میں حاجت نہیں۔ تنویر میں ہے:

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا ولا بعدم ایفائه حقھا ولو موسرا[2]۔ اھ مختصرا۔	نفقہ سے عاجز ہوجانے پر اور امیر ہوتے ہوئے بھی بیوی کو پورا حق نہ دینے پر قاضی دونوں کی تفریق نہ کرے گا، اھ مختصرًا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] تنویر الابصار باب الظهار دار احیاء التراث العربی بیروت ۵۷۶/۲

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی ۲۶۹/۱

بل یفرض لها النفقة علیه ویأمرها بالاستدانة[1]۔	بلکہ قاضی خاوند کے ذمہ بوی کا نفقہ کردے گا اور بیوی کو خاوند کے نام قرض لے کر خرچ کرنے کا فیصلہ دے گا۔(ت)

درمختار میں ہے:

وبعده ترجع بما انفقت ولو من مال نفسها بلا امر قاض[2]۔	اس کے بعد بیوی خرچ کیلئے نفقہ کو خاوند سے وصول کرے گی جو بیوی نے خرچ کیا ہو خواہ اس نے اپنے ہی مال سے قاضی کے حکم کے بغیر خرچ کیا ہو۔(ت)

شامیہ میں بدائع سے ہے:

یحبس فی نفقة الاقارب کالزوجات[3]۔	قریبیوں کے نفقہ میں قید کیا جاسکتا ہے جیسا کہ بیویوں کے نفقہ میں قید کیا جاسکتا ہے۔(ت)

اور اگر شوہر فقیر ہے کہ نفقہ نہیں دے سکتا جب بھی حکم یہی ہے کہ تفریق نہیں اور محتاجی معلوم ہو تو قید بھی نہیں بلکہ قاضی نفقہ مقرر کرکے عورت کو قرضًا صرف کرنے کا حکم دے جو کچھ حسب قرار داد قاضی خرچ ہوتا رہے ذمہ شوہر دین ہوا کرے گا یہاں تک کہ زمانہ اس کو تونگری کی طرف پلٹالے، اس وقت سب وصول کرلیا جائے مگر اگر قاضی دیکھے کہ عورت کو اس امید پر قرض نہیں ملتا تو شوہر کو سمجھائے کہ طلاق دے دے، اگر نہ مانے تو قاضی جبکہ نائب مقرر کرنے کا اختیار ہو باختیار خود ورنہ بحکم والی مسلم مقدمہ کسی شافعی المذہب کے سپرد کردے کہ ان کے یہاں جب کہ شوہر کا نفقہ دینے سے عاجز ہو تفریق کرادیتے ہیں وہ فریقین کو بلا کر بعد سماع مقدمہ و ثبوت عجز تفریق کردے، یہ حکم جب قاضی حنفی کے حضور پیش ہو اسے نافذ کردے کہ شوہر جب حاضر ہو تو حاکم شافعی کا ایسا حکم ہمارے نزدیک لائق تنفیذ مانا جاتا ہے، یوں عورت اس بلا سے خلاصی پاسکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

جوزه الشافعی باعسار الزوج. ولو قضی به حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیا فقضی به نفذ[4]۔	خاوند کے تنگدست ہوجانے پر نفقہ کی وجہ سے تفریق کو امام شافعی نے جائز قرار دیا ہے، اور اگر حنفی قاضی یہ فیصلہ دے تو نافذ نہ ہوگا، ہاں حنفی قاضی اگر شافعی قاضی کو فیصلہ دینا سپرد کردے پھر شافعی قاضی فیصلہ دے تو اس کا فیصلہ دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوجائے گا۔(ت)

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۵۶/۲

[2] درمختار باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲۷۰/۱

[3] ردالمحتار بحوالہ البدائع باب النفقۃ ۶۸۷/۲ و فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۲۲/۴

[4] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۶۹/۱

ردالمحتار میں ہے:

قولہ نعم لوامر شافعیا ای بشرط ان یکون ماذونا له بالاستنابة خانیة قال فی غرر الاذکار ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا من مذهبه التفریق بینهما اذاکان الزوج حاضرا و ابی عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لایتیسر بالاستدانة اذالظاهر انها لاتجد من یقرضها وغنی الزوج مالا امرمتوهم فالتفریق ضروری اذاطلبته وان کان غائبا لایفرق لان عجزه غیرمعلوم حال غیبته وان قضی بالتفریق لاینفذ قضائه لانه لیس فی مجتهد فیه لان العجزلم یثبت [1] اھ وتمامه فیه، واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا کہنا کہ "ہاں اگر شافعی کو کہے" یعنی بشرطیکہ ہو حنفی قاضی دوسرے کو فیصلہ سپرد کرنے کا مجاز ہو، خانیہ غررالاذکار میں کہا ہے کہ واضح ہو کہ ہمارے مشائخ نے یہ پسند کیا ہے حنفی قاضی کسی ایسے شخص کو اپنا نائب قرار دے جس کا مذہب یہ ہو کہ خاوند اور بیوی میں نفقہ کی وجہ سے تفریق جائز ہے، توجب خاوند حاضر ہو اور طلاق دینے سے انکاری ہو تو وہ نائب بیوی کے مطالبہ پر تفریق کردے کیونکہ نفقہ کی دائمہ حاجت قرض لینے سے حل نہیں ہوتی جبکہ ظاہر یہی ہے کہ بیوی کسی قرض دینے والے کو نہیں پاتی اور خاوند کا بعد میں کسی وقت امیر ہونا موہوم معاملہ ہے لٰہذا بیوی کے مطالبہ پر تفریق ضروری ہے، اور اگر خاوند غائب ہو تو پھر تفریق نہ کرے کیونکہ غیر موجودگی کی وجہ سے خاوند کا نفقہ سے عاجز ہونا معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں اگر تفریق کی تو نافذ نہ ہوگی کیونکہ غائب ہونے کی صورت میں عجز ثابت نہ ہونے پر مسئلہ اجتہادی نہ رہے گا، مکمل بیان ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۹: از پنجاب مرسلہ مولوی فاضل صاحب　۲۰ صفر ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو ہمشیریں حالتِ جوانی میں بیوہ ہوگئیں اور انہوں نے عقدِ ثانی نہیں کیا اور دونوں کے پاس دو مکان پیدا کردہ شوہر کے ہیں لیکن ترکہ پدری کچھ بھی نہیں ہے کہ جس سے ان بیوگان کی گزر ہوسکے، اور زید بھی کم مقدرت ہے اور اہل وعیال رکھتا ہے مگر اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر ہمیشروں کی خبر گیری بھی کرتا ہے، پس اس صورت میں زید کا بہنوں کے ساتھ یہ برتاؤ از قسم سلوک ہے یا از قسم واجب، اور بہنوں کا نان ونفقہ بھائیوں پر واجب ہے یا تورع واحسان، اور اگر واجب ہے تو کس صورت میں؟ **بینوا توجروا۔**

[1] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۶

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بہنوں کا نان ونفقہ بھائی پر واجب ہے دو شرط سے:

اول: زید ان کی اعانت پر قادر ہو یعنی اپنی حاجت اصلیہ سے فاضل چھپن روپے کا مالک ہو یا ایسا مال نہیں رکھتا بلکہ پیشہ ور ہے تو اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے نفقہ سے پس انداز ہوتا ہو جس سے بہنوں کی اعانت کرسکے۔

دوم: بہنیں زیور وغیرہ کوئی مال ذاتی نہ رکھتی ہوں جو ان کی حاجت اصلیہ سے زائد چھپن روپے کا ہو، نہ کھانے کے لئے اناج پہننے کے لئے کپڑا یا دام موجود ہو کہ یہ جب تک رہے گا اس قدر نفقہ دوسرے پر واجب نہ ہوگا اگرچہ چھپن روپیہ سے کم کا ہو، نہ مکان اس قابل ہو کہ اس کا ایک حصہ بیچ کر باقی میں گزر کرسکیں، ایسا ہوگا تو بیچ کر خود اپنے نفقہ میں اٹھانا لازم ہوگا جب نہ رہے گا بھائی پر نفقہ آئے گا، نہ وہ عورتیں دستکاری مثل سلائی وغیرہ کے ایسا کررہی ہوں جو ان کے نفقہ کو کافی ہو، اگر ایسا ہے تو اپنا نفقہ خود انہیں پر ہے بھائی پر نہیں، ہاں اگر وہ دستکاری نہیں کرتیں، نہ اپنے کسی مال سے اپنی بسر کرسکتی ہیں تو بھائی پر نفقہ واجب ہوگا اور وہ یہ نہ کہہ سکے گا کہ تم سلائی وغیرہ کوئی کام مزدوری کا کرکے اپنا پیٹ پالو، یہ دو شرطیں متحقق ہوں تو نفقہ بھائی پر ہے تنہا اس پر جب کہ ان عورتوں کا وارث صرف وہی ہو ورنہ بقدر میراث جبکہ اس کے سوا ان کا اور کوئی وارث ذی مقدور مثل دوسرے بھائی یا بہن یا دختر کے ہو۔ درمختار میں ہے:

تجب(علی موسر یسار الفطرة)علی الارجح ورجح الزیلعی والکمال انفاق فاضل کسبه(النفقة لکل ذی رحم محرم صغیر او انثی)مطلقا(ولو بالغة صحیحة او)کان الذکر(بالغا عاجزا)عن الکسب(فقیرا)حال من المجموع بحیث تحل له الصدقة ولو له منزل و خادم علی الصواب بدائع(بقدر الارث)[1] اھ ملتقطا۔	(فطرانہ کے وجوب والی استعداد والے پر) زیادہ راجح قول کے مطابق نفقہ واجب ہے، جبکہ زیلعی اور کمال نے ضروری آمدن سے زائد کسب والے پر وجوب کو ترجیح دی ہے (نفقہ دینا ہر ذی رحم محرم نابالغ یا عورت کو) مطلقاً (اگرچہ عورت بالغہ صحت مند ہو) یا لڑکا (بالغ عاجز ہو) محنت سے (جبکہ یہ فقیر ہوں) لازم ہے تو فقیر ہونا تمام کا حال ہے یوں کہ اس کو صدقہ حلال ہو اگرچہ اس کا اپنا مکان اور خادم ہو، درست قول کے مطابق یہی حکم ہے، بدائع (یہ نفقہ ہر ایک کو بقدر وراثت دینا لازم ہے) اھ ملتقطا (ت)

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۶تا۲۷۷

ردالمحتار میں ہے:

قولہ مطلقا قید للانثی ای سواء کانت بالغۃ اوصحیحۃ قادرۃ علی الکسب لکن لوکانت مکتسبۃ بالفعل کالقابلۃ والمغسلۃ لانفقۃ لھا،قولہ بحیث تحل لہ الصدقۃ بان لایملك نصابانامیا اوغیرنام زائداعن حوائجہ الاصلیۃ والظاہر ان المراد ماکان من غیر جنس النفقۃ اذلوکان یملك دون نصاب من طعام او نقود تحل لہ الصدقۃ ولاتجب لہ النفقۃ فیما یظہر لانھا معللۃ بالکفایۃ ومادام عندہ مایکفیہ من ذٰلك لایلزم غیرہ کفایتہ،قولہ ولولہ منزلہ منزل وخادم ای وھو محتاج الیھماوفی الذخیرۃ لوکان یکفیہ بعض المنزل امر ببیع بعضہ وانفاقہ علی نفسہ وکذالو کانت لہ دابۃ نفیسۃ یومر بشراء الادنی وانفاق الفضل اھ ومثلہ فی شرح ادب القاضی اھ مختصرا[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول "مطلقًا" یہ لفظِ "انثٰی" کی قید ہے یعنی خواہ بالغہ ہو یا تندرست ہو محنت پر قادر ہو، لیکن اگر وہ عملاً محنت کر رہی ہو مثلاً دایہ یا غسل دینے والی ہو، تو اس کے لئے نفقہ واجب نہ ہوگا، اور ماتن کا قول "بحیث تحل لہ الصدقۃ" (اس کے لئے صدقہ حلال ہو) یعنی وہ نامی نصاب یا غیر نامی جو اصلی حاجت سے زائد، کا مالک نہ ہو، اس میں ظاہر یہ ہے کہ جس مال کا وہ مالک ہو وہ نفقہ کی جنس سے نہ ہو، کیونکہ اگر وہ نصاب سے کم غلہ یا نقد کا مالک ہو تو اگرچہ اس کے لئے صدقہ حلال ہے لیکن اس کے لئے نفقہ ظاہرًا واجب نہیں، کیونکہ نفقہ کے وجوب کی علت ضرورت کی کفایت ہے اور جب تک اس کے پاس نفقہ کی کفایت والامال موجود ہے تو دوسرے پر اس کا نفقہ نہ ہوگا۔ اور ماتن کا قول "لو لہ منزل وخادم" (اگرچہ اس کا مکان اور خادم ہو) یعنی جبکہ وہ ان کا حاجتمند ہو۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ اگر اس کی حاجت مکان کے کچھ حصے میں پوری ہوجاتی ہے تو اس کو مکان کے باقی حصہ کو فروخت کرکے اپنے نفقہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے گا، اور یونہی اگر اس کے پاس اعلٰی قسم کی سواری ہے تو اس کو فروخت کرکے ادنٰی قسم کی سواری خریدنے کے لئے کہا جائے گا تاکہ زائد رقم کو اپنے نفقہ میں خرچ کرے اھ اور شرح ادب القاضی میں اس کی مثل بیان ہے، اھ، مختصرًا۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۰ تا ۱۷۱: از بھونا فارکیٹ کراچی بندر مرسلہ پیر سید ابراہیم گیلانی قادری بغدادی ۱۵ رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

[1] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۱۔۶۸۲

(۱) جو شخص العمر باپ کو اصلی وطن میں مفلسی اور محتاجی کی حالت میں چھوڑدے اور اس کو رنج ومصیبت میں ایسے ڈال دے کہ وہ ضعیف العمر اس کے پیچھے دربدر شہر بہ شہر پھرے شریف خاندان ایسے شخص عاق الوالدین اور نافرمانی عقوق الوالدین میں داخل ہے یانہیں، اس کے پیچھے نماز جائز ہے:

(۲) جو شخص اپنی منکوحہ بی بی کو مع دوجوان بالغ لڑکیاں جو کہ اس کے نطفہ سے ہوں بلانان ونفقہ چھوڑرکھا ہو اور ان کی خبر نہ لیتا ہو اور لوگوں کی تحریر سے معلوم ہوا کہ نہایت سختی وکمال ذلت سے اوقاتِ بسر کررہے ہیں ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) اگر باپ ضعیف ومحتاج ہے اور یہ اس کی خدمت واعانت کرسکتا ہے اور نہ کرے اور اس سے باز رہے اور اس کے فقر وفاقے کی پروانہ رکھے تو بیشک عاق ہے اور مستحقِ جہنم، ایسا شخص قابلِ امامت نہیں، اس کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہوگی۔

(۲) ایسا شخص گنہگار اور حقوق العباد میں گرفتار اور مستحقِ عذاب نار ہے۔ حدیث میں فرمایا:

کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی شخص کو یہ گناہ کافی ہے کہ جس کا نفقہ اس کے ذمہ ہوا سے ادانہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۲: از کانپور محلّہ فیل خانہ بازار کہنہ مکان سید اشرف صاحب وکیل مرسلہ سید محمد آصف صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زوجہ کے نان ونفقہ وغیرہ اخراجات کا بار زوج کا والد یا کوئی عزیز اٹھاتا ہو اور وہ عورت کو والدین کے یہاں جانے کی اجازت دے تو خاوند زوجہ کو جانے سے روک سکتا ہے اور عورت بلااجازت خاوند کے جانے سے گنہگار ہوگی یا زوج کو روکنا جائز نہیں اور زوجہ جانے سے گنہگار نہ ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر مہر معجّل نہ تھا یا جس قدر معجّل تھا ادا ہوگیا تو چند مواضع حاجت شرعیہ جن کا استثناء فرمادیا گیا مثلاً والدین کے یہاں آٹھویں دن دیگر محارم کے یہاں سال پیچھے دن کے دن کو جانا اور شب شوہر ہی کے یہاں کرنا وغیر ذلک ان کے سوا کسی جگہ عورت کو بے اذن شوہر جانے کی اجازت نہیں، اگر جائے گی گنہگار ہوگی، شوہر

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الزکوٰۃ دار الفکر بیروت ۱/۴۱۵

روکنے کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ نفقہ کا بار دوسرا شخص اٹھاتا اور وہ دوسرا عورت کو جانے کی اجازت دیتا ہو اس کی اجازت مہمل ہوگی اور شوہر کی ممانعت واجب العمل۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بعد ادائے مہر معجّل عورت مطلقًا پابند شوہر ہے اس میں کوئی قید و تخصیص ادائے نفقہ و تکفل حوائج کی نہیں فرماتے۔ درمختار میں ہے:

لها الخروج من بيت زوجها للحاجة ولها زيارة اهلها بلا اذنه مالم تقبض المعجل فلا تخرج الالحق لها او عليها، اوزيارة ابويها كل جمعة مرة او المحارم كل سنة اولكونها قابلة او غاسلة لافيما عدا ذٰلک[1]۔ (ملخصًا)	بیوی کو حاجت کے وقت خاوند کے گھر سے نکلنا جائز ہے اور اپنے گھر والوں (والدین) کی زیارت کے لئے خاوند کی اجازت کے بغیر نکلنا جائز جب تک اس نے مہر معجّل وصول نہ کیا ہو، لہٰذا وہ اپنے حق کی وصولی یا اپنے ذمہ حق کی ادائیگی یا والدین کی زیارت ہفتہ میں ایک مرتبہ، اور ذی محرم کی زیارت سال میں ایک مرتبہ، دایہ گیری یا غسل دینے کے بغیر کسی اور وجہ کے لئے باہر نہ نکلے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فلاتخرج جواب شرط مقدر ای فان قبضته فلاتخرج[2] الخ۔	ماتن کا قول "فلاتخرج" (تو باہر نہ نکلے) یہ مقدر شرط کا جواب ہے، یعنی اگر اس نے مہر معجّل وصول کرلیا ہو تو نہ نکلے الخ (ت)

والد کا متکفل نفقہ پسر وزنِ پسر ہونا تو ہمارے بلاد میں معمول ہے اور دیگر بعض اعزّہ بھی تبرعًا تکفل کریں تو یہ ضرور نہیں کہ شوہر نفقہ دینے سے منکر ہو علمائے کرام تو اس صورت میں کہ شوہر نے ظلمًا انفاق سے دست کشی کی یہاں تک کہ عورت محتاج نالش ہوئی تاآنکہ شوہر کو نفقہ دینے پر مجبور کرنے کے لئے حبس کی درخواست دی اور حاکم نے شوہر کا تعنت دیکھ کر اسے قید کردیا اس صورت میں تصریح فرماتے ہیں کہ عورت شوہر ہی کے گھر رہے بلکہ عورت پر واقعی اندیشہ فساد ہو تو شوہر قید خانہ میں اپنے پاس رکھنے کی درخواست کرسکتا ہے اور محبس میں مکان تنہا ہو تو حاکم عورت کو حکم کرے گا کہ وہیں اس کے پاس رہے۔ ہندیہ میں ہے:

لوفرض الحاكم النفقة على الزوج فامتنع من دفعها وهو موسر وطلبت المرأة حبسه له ان يحبسه	اگر حاکم نے خاوند پر بیوی کا نفقہ مقرر کردیا ہو اور خاوند استطاعت کے باوجود نفقہ نہ دے اور بیوی خاوند کو قید کرنے کا مطالبہ کرے تو قاضی اس کو قید کرسکتا ہے،

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۹

كذافی البدائع، واذاحبسه لاتسقط عنه النفقة و تؤمر بالاستدانة حتی ترجع علی الزوج فان قال الزوج للقاضی احبسها معی فان لی موضعا فی الحبس خالیا فالقاضی لایحبسها معه ولکنها تصبر فی منزل الزوج ویحبس الزوج كذافی المحیط[1]۔	جیسا کہ بدائع میں ہے، اور جب قید کر دیا ہو تب بھی نفقہ اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، اور بیوی کو کہا جائے گا کہ وہ قرض لے کر خرچ کرے تاکہ بعد میں خاوند سے اس کو وصول کرسکے، اگر خاوند قید میں قاضی سے یہ مطالبہ کرے کہ بیوی کو قید میں میرے ساتھ رکھا جائے کیونکہ یہاں میرے پاس خالی جگہ ہے تو قاضی بیوی کو اس کے ساتھ قید میں نہ دے گا تاہم بیوی خاوند کے گھر میں صبر سے رہے گی اور خاوند قید ہوگا، جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

وفی البحر عن مآل الفتاوی ولو خیف علیها الفساد تحبس معه عند المتاخرین[2]۔	بحر میں مآل الفتاوی سے منقول ہے: اور اگر بیوی کو تنہائی میں فساد کا خطرہ ہو تو متاخرین فقہاء کے نزدیک بیوی کو خاوند کے پاس قید میں رکھا جائے گا۔ (ت)

توجب صریح نفقہ نہ دینے پر بھی عورت پابندِ شوہر رہی تو صورت سوال میں کیونکر خود مختار ہوسکتی ہے نفقہ نہ دینا رافع پابندی ہو تو نفقہ نہ دینا مسقط نفقہ ہوجائے اور عورت کو ہرگز دعوی نفقہ کا اختیار نہ رہے کہ نفقہ جزائے پابندی ہے جب پابندی نہیں نفقہ کس بات کا ہے۔ درمختار میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس وکل محبوس لمنفعة غیره یلزمه نفقته کمفت وقاض ووصی زیلعی[3] الخ۔ **اقول:** وایاك ان تتوهم ان النفقة اذاکانت جزاء الحبس فاذا عدمت عدم وذلك لان وجوبها متفرع عنه فوجوب الاحتباس علیها متقدم علی وجوب النفقة علیه لا ان الاحتباس	نفقہ بیوی کو پابند کرنے کا بدل ہے جو کسی غیر کے فائدہ کے لئے پابند ہو اس کا نفقہ پابند کرنے والے پر ہوتا ہے جیسا کہ مفتی اور وصی، زیلعی الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) تجھے یہ وہم نہ ہو کہ جب نفقہ پابندی کی جزا ہے تو نفقہ معدوم ہوجانے پر پابندی بھی معدوم ہوجائے گی، یہ وہم اس لئے درست نہیں کہ نفقہ پابندی پر متفرع ہوتا ہے تو بیوی پر پابندی پہلے لازم ہوگی اسکے بعد شوہر پر نفقہ لازم ہوگا نہ یہ کہ پابندی

[1] فتاوی ہندیہ الفصل الاول فی نفقة الزوجة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵۲
[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷
[3] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۶

متفرع علی الانفاق فان عدم عدم، وبالجملة ان کان اللازم فوجوب الانفاق لاوقوعه فبرفع الوقوع لایرتفع الملزوم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نفقہ پر متفرع ہے کہ نفقہ معدوم ہوجائے تو حبس بھی معدوم ہوجائے تاہم اگر نفقہ کو پابندی پر لازم قرار دیا جائے تو نفقہ کا وجوب لازم اس کی ادائیگی لازم نہ ہوگی کہ ادائیگی ختم ہوجانے پر پابندی ختم ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۳: ۳۰ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

اگر کوئی شخص اپنے نکاح کے بعد یہ ظاہر کرے کہ میری زوجہ کی مادر کے ساتھ قبل نکاح سے میری آشنائی یعنی سابقہ زناکاری تھی اس واسطے میرا نکاح باطل ہوا میری زوجہ کا اس سبب سے مجھ پر کچھ حق نہیں ہے اور یہ معاملہ پندرہ پچیس برس کے بعد ظاہر کرے کہ اولاد بھی زوجہ مذکور سے موجود تھی تو ایسے شخص کے واسطے علمائے دین کیا فرماتے ہیں علمائے دین کیا فرماتے ہیں یعنی زوجہ اس کی دین مہر و نان ونفقہ کی مستحق ہے یا نہیں جس کے علم میں اپنے شوہر کی یہ حرکت نہ تھی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

شوہر کے اس بیان سے نکاح کے فساد کا فورًا حکم ہوگیا،

فی الدرالمختار عن الخلاصة قیل له مافعلت بأم امرأتك فقال جامعتها تثبت الحرمة ولایصدق انه کذب ولوهازلا[1]۔	درمختار میں خلاصہ سے منقول ہے کہ خاوند سے پوچھا گیا کہ تو نے اپنی بیوی کی ماں (ساس) سے کیا کارروائی کی ہے تو جواب میں اس نے کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو اسکے بیان واقرار پر بیوی اس پر حرام ہوجائے گی، اس کے بعد اس کا یہ کہنا کہ میں نے مذاق میں جھوٹ بولا قابل قبول نہ ہوگا۔ (ت)

اس پر لازم ہوگیا کہ عورت کو فورًا جدا کردے اور عورت پر روز متارکہ سے عدت لازم ہے، جب تک عدت میں رہے گی اسکا نان ونفقہ شوہر پر لازم رہے گا، شوہر کا کہنا کہ اس کا کوئی حق مجھ پر نہیں محض جھوٹ ہے۔

فی ردالمحتار عن البحر الحاصل ان الفرقة امامن قبله اومن قبلها فلو من قبله فلها النفقة مطلقا سواء کان بمعصیة اولا، طلاقا او فسخا،	ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ خاوند بیوی میں فرقت خاوند کی کاروائی کی وجہ سے ہوگی یا بیوی کی کاروائی سے ہوگی اگر خاوند کی طرف سے ہو تو بیوی کو ہر حال میں نفقہ دینا ہوگا خاوند کی کاروائی گناہ ہو یا نہ ہو،

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

وان کانت من قبلھا فان کانت بمعصیة فلا نفقة لھا ولھا السکنی فی جمیع الصور[1]۔	طلاق ہو یا فسخ ہو، اور اگر بیوی کی طرف سے فرقت کی کاروائی ہوئی ہو فسخ واجب ہوا تو اگر اسکی کاروائی جرم تھی تو اس کو نفقہ نہیں، تاہم اس کو رہائش تمام صورتوں میں ملے گی۔(ت)

رہا مہر اگر تسلیم کرے کہ شوہر نے اس کی ماں سے پیش از نکاح زنا کیا تھا تو اس صورت میں جو مہر مثلاً اس عورت کا ہو اور جو مقرر ہوا ہو ان دونوں میں جو کم ہے وہ دینا آئے گا مثلاً مہر مثل ہزار روپے ہے اور دو ہزار بندھے تھے تو ہزار دینے آئیں گے اور مہر مثل دو ہزار ہے اور ہزار بندھے تھے تو بھی ہزار ہی ہوں گے،

فی التنویر یجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطئ لابغیرہ ولم یزد علی المسمی[2]۔	تنویر میں ہے: فاسد نکاح میں وطئ کے بغیر مہر مثل واجب نہ ہوگا اور یہ مہر مثل، مقررہ مہر سے زائد نہ ہوگا۔(ت)

اور اگر تکذیب کرے تو جو مہر بندھا تھا کامل پائے گی **وھی مسئلة ما اذا کذبتہ فی الاسناد** (یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب بیوی خاوند کو جھوٹا قرار دے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۴: ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کو خاوند نے نکال دیا وہ تین برس تک محنت کرکے تن پروری کرتی رہی بعدہ یہ تصفیہ ہوا کہ اگر تو میرے کہنے پر الگ ایک مکان میں رہے جس طرح کہ رہتی ہے (اس لئے کہ اس شخص کے دوسری بی بی ہے) تو میں تجھ کو دس روپیہ ماہوار دیتا رہوں گا، بموجب اس تصفیہ کے خاوند نے دو سال اور کچھ دن تک ماہوار دیا بارہ ماہ کچھ دن سے نہ دیا عورت نے نوٹس دیا خاوند نے لے کر رکھ لیا اور کچھ دن بعد عورت کے مکان پر آکر بہت فساد مچایا بعدہ تین طلاقیں دے دیں، اب علمائے دین سے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جو اوس کے ذمے واجب الادا یعنی طلاق سے پیشتر کا نفقہ اس سے لینے کی عورت پر مجاز ہے یا نہیں اور مہر بھی اس کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟

الجواب:

طلاق سے مہر تمام وکمال واجب الادا ہوگیا اور بیان سوال سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ قصور مرد کا ہے یہی اسے نفقہ دینا نہیں چاہتا تو اس صورت میں نفقہ واجب ہے، در مختار وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی وعلمائے کبار کا فتوی موافق اعتماد وترجیح محقق صاحب بحر الرائق ومحقق شرنبلالی وتصحیح صریح صاحب خزانۃ المفتین رحمہم اللہ تعالٰی

---

[1] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۹

[2] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

جمیعا یہی ہے کہ جو ماہوار باہم دونوں میں رضامندی سے قرار پایا تھاجب تک کانہ ملا سب لینے کا عورت کو اختیار ہے۔ درمختار میں ہے:

صحیح الشربنلالی فی شرحه للوهبانیة مابحثه فی البحر من عدم السقوط ولو بائناً قال هوالاصح ورد ماذکره ابن الشحنة فیتأمل عندالفتوی[1]۔	شرنبلالی نے وہبانیہ کی شرح میں بحر کی اس بحث کو، کہ اگرچہ بائنہ طلاق ہو تو بھی نفقہ ساقط نہ ہوگا، صحیح قرار دیا ہے، اور کہا کہ یہی اصح ہے اور ابن شحنہ نے جو ذکر کیا اس کا انہوں نے رد کیا ہے، تو فتوی دیتے وقت غور کرنا چاہئے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بان ینظر فی حال الرجل هل فعل ذلك تخلصاً من النفقة اولسوء اخلاقها مثلا فان کان الاول یلزم بها وان کان الثانی لایلزم هذا ماقاله المقدسی وینبغی التعویل علیه[2] ط۔	ایسی کارروائی میں قاضی کو غور کرنا چاہئے کہ کیا خاوند مثلاً یہ کاروائی نفقہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کی ہے یا واقعتاً بیوی بدفطرت ہے، اگر پہلی وجہ ہو تو قاضی بیوی کے لئے نفقہ کو لازم قرار دے اور اگر دوسری وجہ ہو تو پھر لازم نہ کرے، یہ مقدسی کا بیان ہے اور اسی پر اعتماد چاہئے۔ طحطاوی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

المفروضة لاتسقط بالطلاق علی الاصح[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مقررہ نفقہ طلاق کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا اصح قول پر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۵: از سرولی ضلع بریلی مرسلہ جناب عشاق احمد صاحب مورخہ ۵ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی عورت عرصہ دوسال سے اپنے ساس اور سسر سے ناراض ہو کر میکے چلی گئی خانگی جھگڑے پر، اور وہی عورت اپنے خاوند سے رضامند ہے لیکن خاوند اس کا پانے والدین کو چھوڑنا نہیں چاہتا اس وجہ سے وہ عورت اپنی سسرال میں نہیں آتی باوجودیکہ چند مرتبہ اس کے ساس اور سسر رخصت کے واسطے اس عورت کے مکان پر گئے لیکن نہیں آئی، اب لڑکے کے والدین

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۹

[3] خزانۃ المفتین فصل فی النفقۃ قلمی نسخہ ۱/۱۰۲

دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں اور اس کو طلاق دینا نہیں چاہتے اس صورت میں پہلی بیوی از روئے شرع اپنے مہر کا مطالبہ بذریعہ نالش کرسکتی، اور اگر طلاق دے دی جائے تو مستحق مہر کی ہوگی یا نہیں کیونکہ اس کے والدین طلاق کو کہتے ہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر طلاق دی جائے گی عورت مطالبہ مہر کرسکے گی ورنہ جو مہر نہ معجّل بندھا ہو نہ اس کی کوئی میعاد مقرر کی گئی ہو عورت قبل موت یا طلاق اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی، جبکہ وہ ناراض ہو کر اپنے میکے چلی گئی اور بلانے سے نہیں آئی تو اس کا نان و نفقہ بھی شوہر پر سے ساقط ہے جب تک وہ شوہر کے یہاں واپس نہ آئے اور شوہر پر یہ بھی لازم نہیں اسے طلاق دے، جب کہ یہ بلانا چاہتا ہے اور وہ بلاوجہ شرعی نہیں آتی تو الزام عورت پر ہے شوہر پر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۶: از ریاست جاورہ ڈونکر دروازہ مرسلہ ہدایت نور خاں صاحب برادر نواب جاورہ ۲۴ رمضان ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عورت اپنے زوج کی نافرمانی کرکے بلااجازت و بغیر حق مکان شوہر سے نکل کر علیحدہ بخانہ والدین کسی عزیز کے یہاں جر کر سکونت کرے جس کو اہل شرع ناشزہ کہتے ہیں، پس اس عورت کا نان ونفقہ کفیل پر دینا واجب ہوگا نہیں اور ایسی عورت میں کفیل کی کفالت وضمانت صحیح و معتبر رہی یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زنان نشوز کا نفقہ دینا نہ آئے گا یعنی جب تک وہ بے اجازت شوہر بروجہ ناحق جگہ رہے گی اتنی مدت کے نفقہ کا مطالبہ کفیل سے بھی نہیں کرسکتی کہ کفالت **ضم الذمة الی الذمة فی الدین** (ایک ذمہ دار کے ساتھ دوسری ذمہ دار کو قرضہ میں ملانا) یا **فی المطالبة وھو الاصح کما فی الھدایة** (مطالبہ میں ملانا، یہی اصح ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے) اور ناشزہ کا نفقہ خود اصیل یعنی زوج ہی پر لازم نہیں تو کفیل سے اس کا مطالبہ کیونکر ممکن۔ رہا یہ کہ اس صورت میں کفالت نفقہ صحیح رہی یا نہیں، اگر کفالت ابتداءً بروجہ صحت واقع ہولی ہے اور وہ کسی مدت معینہ تک کے لئے نہ تھی کہ اس کی انتہا سے منتہی ہوجائے تو عورت کا ناشزہ ہونا اسے رفع نہ کرے گا، اگر عورت نشوز سے باز آکر پھر تسلیم نفس شوہر کو کردے گی تو جتنے نفقہ کی مستحق ہوگی کفیل سے اس کا مطالبہ کرسکے گی مذہب مفتی بہ میں کفالت نفقہ اگر مطلقہ ہو، ابد کے لئے ہے۔ درمختار میں ہے:

ولو کفل لھا کل شھر کذا ابدا وقع علی الابد وکذا لولم یقل ابداعند	بیوی کے لئے ہر ماہ اتنا نفقہ دائمی ہوگا، کا کوئی شخص اگر ضامن بنے تو یہ دائمًا اتنے کا ضامن ہوگا اور امام

الثانی وبه یفتی بحر[1] وتحقیق المقام فی ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ابویوسف کے نزدیک اگر دائمًا نہ کہے تو بھی دائمی ہوگا، اسی پر فتوی دیا جائے گا، بحر۔ اس مقام کی مکمل تحقیق ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۷: از ساندھن ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ محبوب احمد صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے زبیدہ کے وارثوں کو نوٹس اوز بانی ذریعہ سے ولی بننے کو کہا اور زبیدہ کے وارثوں نے انکار کردیا، زید نے نوٹس کے ذریعہ اطلاع دی کہ اگر اب تم ولی نہ بنوگے اور بعد میں بننا چاہوگے تو تم سے زبیدہ کے خورد ونوش وغیرہ کا خرچ لے لیا جائے گا، اب اگر چند سال بعد زبیدہ کے وارث ولی بننا چاہیں تو کیا زبیدہ کے خورد ونوش وغیرہ کا خرچ لے سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ نوٹس کوئی عقد شرع نہیں اس کی بناء پر کوئی مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۸: از حافظ اسمٰعیل خاں عقب کوتوالی بریلی ۴رجب ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو زید نے طلاق مغلظہ دے دی اور اس کی زید سے ایک دختر صغیرہ ہے چند سال بعد ہندہ مدعی ہوئی کہ وہ اتنی مدت سے اپنے میکے میں رہتی ہے میں نے اب تک قرض دام لے کر اپنی اور اپنی دختر کی حاجت پوری کی لہذا روز طلاق سے چار مہینے دس دن بعد تک میرا نفقہ اور آج تک کا دختر کا پچاس پچاس روپے ماہوار کے حساب سے مجھ کو دلایا جائے حالانکہ نہ کوئی ماہوار وغیرہ تقرر نفقہ زید نے کیا نہ حاکم نے بلکہ ہندہ اس سے پہلے نفقہ کا دعوی فوجداری میں دائر کرچکی تھی جو خارج ہوا اس صورت میں ہندہ کا دعوی مسموع ہے یا نہیں اور کل گزشتہ مدت کا نفقہ ہندہ یا دختر ہندہ کا زید پر واجب الادا ہے یا نہیں اور عورت اور اولاد کے نفقہ میں اس بارے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مذکورہ میں ہندہ کا دعوی محض باطل و نامسموع ہے گزشتہ ماہ کا ایک حبہ نہ عورت کے نفقہ کا زید پر لازم ہے نہ دختر کا، زن اور اولاد کے نفقہ میں یہ فرق کہے کہ عورت اگرچہ مالدار ہو اس کا نفقہ شوہر پر لازم ہوتا ہے جبکہ وہ اس کے یہاں رہے اور بلاوجہ شرعی میکے میں رہے تو اصلاً نفقہ کی مستحق نہیں اور اولاد کا نفقہ ان کی محتاجی کی حالت میں لازم ہوتا ہے، اگر مال رکھتے ہیں ان کا نفقہ باپ پر نہیں ورنہ ہے

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۸

اگرچہ وہ اس کے یہاں نہ رہیں، پھر جو نفقہ نہ باہمی قرارداد سے مقرر ہوا ہو نہ حاکم کے حکم سے اسے اگر ایک مہینہ یا زیادہ کتنے ہی برس گزر جائیں اور اس مدت میں عورت اور اولاد قرض دام سے خواہ کسی طریقہ سے اپنی حاجت نکالتے رہیں یا عورت اپنے مال خواہ قرض یا گداگری سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالے تن ڈھکے تو اس مدت کے کسی حبہ کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہوسکتا، ہاں اگر بحکم حاکم یا تراضی باہمی قرار داد نفقہ ہولیا تھا کہ مثلاً اتنا ماہوار دینا ٹھہرا اور مدتیں گزریں شوہر نے نہ اس کا نفقہ دیا نہ اولاد کا، تو عورت اپنے نفقہ مقرر شدہ کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اولاد کا نفقہ اگرچہ برضائے باہمی یا بحکم حاکم مقرر ہوا ہو جب وقت گزر گیا ساقط ہوگیا کہ وہ بوجہ حاجت تھا اور مدت گزشتہ کی حاجت نکل چکی اگرچہ کسی طرح نکلی یہاں تک کہ اگر حاکم نے صغیر بچہ کے لئے ماہوار اس کے باپ پر مقرر کیا اور ماں کو حکم دیا کہ اس سے نہ ملے تو قرض لے کر بچہ پر خرچ کر تو اگر اس نے قرض لے کر خرچ کیا جب تو بوجہ حکم حاکم باپ سے واپس پائے گی اور اگر اپنے پاس سے خرچ کیا تو حبہ لینے کی مستحق نہ ہوگی کہ حاکم نے قرض لے کر خرچ کرنے کو کہا تھا وہ اس نے نہ کیا، درمختار میں ہے:

لانفقة لخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود[1]۔	خاوند کے گھر سے باہر رہنے والی کے لئے نفقہ نہیں ہے وہ واپس آنے تک نافرمان قرار پائے گی۔(ت)

اسی میں ہے:

النفقة لا تصير دينًا الا بالقضاء او الرضاء اى اصطلاحهما على قدر معين اضافًا اودراہم فقبل ذٰلك لايلزمه شئی[2]۔	نفقہ اس وقت تک خاوند کے ذمہ قرض نہ ہوگا جب تک قاضی نے یا باہمی رضامندی سے طے نہ کرلیا ہو، یعنی جب تک خاوند بیوی نے باہمی مصالحت سے نفقہ کی مقدار جنس یا نقد متعین نہ کردی ہو، تو اس سے قبل خاوند پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

قضى بنفقة غير الزوجة ومضت مدّة سقطت[3]۔	اگر قاضی نے بیوی کے علاوہ غیر کا نفقہ لازم کیا ہو اور بغیر ادائیگی جو مدت گزر گئی اس مدت کا نفقہ ساقط قرار پائے گا۔ (ت)

---

[1] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۷

ہدایہ میں ہے:

اذا القاضی للولد والوالدین وذوی الارحام بالنفقة فمضت مدہ سقطت الاان یاذن القاضی بالاستدانة علیہ [1]	جب قاضی اولاد، والدین یا ذوی الارحام کے لئے نفقہ کی ادائیگی کا فیصلہ دے تو گزری ہوئی مدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا الایہ کہ قاضی نے اس کے نام پر ان لوگوں کو قرض لے کر خرچ کرنے کا حکم دیا ہو تو ساقط نہ ہوگا۔(ت)

فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

وان انفقت(ای الام)علیہ من مالھا او من المسئلة من الناس لاترجع علی الاب [2]۔	اگر ماں نے بچے پر اپنا مال خرچ کیا ہو یا لوگوں سے مانگ کر خرچ کیا ہو تو اس خرچہ کو بچے کے والد سے وصول نہ کرسکے گی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

امرت بالاستدانة فلم تستدن بل انفقت من مالھا فلا رجوع لھا لانھا لم تفعل ماامرھا بہ القاضی [3]۔(ملخصًا)	اگر قاضی نے عورت کو قرض لے کر خرچ کرنے کا فیصلہ دیا ہو تو پھر عورت نے قرض کی بجائے اپنا مال خرچ کیا تو اس کی وصولی کا حق اسے نہ ہوگا، کیونکہ اس نے قاضی کے فیصلہ پر عمل نہ کیا۔(ملخصًا)۔(ت)

اور عدت طلاق چار مہینے دس دن سمجھنا محض جہالت ہے اس کی مدت تین حیض ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۹: از یاد سوگنج ضلع ہردوئی(اودھ)مرسلہ سید عنایت حسین گرداور قانون گو ۱۳ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

زید کی شادی تقریبًا تین سال ہوئے کہ ہوئی، اس وقت تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، عورت منکوحہ ناقص العقل یہاں تک کہ ایک آنہ کا حساب نہیں جانتی، تین سو روپے کا زیور گم کرچکی ہے، ناقص العقل ہونے کی وجہ سے اسے گم کردیا، اسے گفتگو کی تمیز نہیں ہے کہ جو اس کا ہے اس سے گفتگو کرسکے، وہ کھانا پکانا اور کپڑا سینا بھی نہیں جانتی ہے اور نماز روزے کو بھی نہیں سمجھتی ہے اور نہ اسے یاد ہوتا ہے، اب وہ شخص شادی دوسری ان وجوہات سے کرنا چاہتا ہے، مسئلہ اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں، اور اس کو کس صورت سے

[1] ہدایہ باب النفقۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۴۲۸-۴۲۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ التاسع عشر النفقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۶۵

[3] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۸۶

شوہر کو رکھنا پڑے گا جبکہ وہ خبط الحواس ہے، کیا اخراجات دونوں عورتوں کے برابر اٹھانا پڑیں گے یا نہیں، اور اگر وہ منکوحہ دوسری عورت صاحبِ جائداد ہووے تب کس حیثیت سے اس کو رکھنا چاہئے اور آیا شوہر کو دونوں عورتیں اپنے ہمراہ رکھنا پڑیں گی یا صرف ایک اور ایک بہ سبب خبط الحواس ہونے کے نہیں رکھنا پڑے گی۔

الجواب:

دوسری شادی کی اجازت ہے مگر عدل فرض ہوگا، دونوں کو برابر رکھنا ہوگا، یہ جائز نہ ہوگا کہ دوسری کے پاس رہے اور پہلی سے اس کی کم عقلی کے باعث جدا رہے، دوسری عورت اگر مالدار ہے اور پہلی محتاج ہے تو شوہر اگر مالدار ہے تو دوسری کے لئے مالداروں کا نفقہ واجب ہوگا اور پہلی کے لئے مالداروں اور محتاجوں کے نفقہ کا اوسط، اور اگر شوہر محتاج ہے تو پہلے کے لئے محتاجوں کا نفقہ واجب ہوگا اور دوسری کے لئے اوسط، یہ اوسط اب نہ دے سکا تو جتنا دے سکے دے گا باقی اس پر اس دوسری عورت کے لئے قرض رہے گا جب طاقت پائے ادا کرے۔ در مختار میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجها بقدر حالهما به یفتی ویخاطب بقدر وسعه والباقی دین الی المیسرة [1]۔ ملخصًا۔	خاوند پر بیوی کا نفقہ دونوں کے حال کے پیش نظر واجب ہوگا، اسی پر فتوی دیا جائے گا، لہٰذا خاوند سے وصولی اس کی توفیق کے مطابق ہوگی، اگر کچھ باقی رہ جائے تو وہ خاوند کے ذمہ قرض ہوگا جس کی وصولی اس کی بہتر پوزیشن پر کی جائے گی، ملخصًا۔ (ت)

دونوں عورتوں کے نفقہ میں فرق ہوگا اگر ایک ان میں مالدار اور دوسری محتاج ہے، باقی رات کو رہنے اور لینے دینے وغیرہ اختیاری باتوں میں دونوں کو برابر رکھنا ہوگا اگرچہ ایک کم عقل اور بے سلیقہ ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یسوی بین الجدیدة والقدیمة والبکر والثیب والصحیحة والمریضة والرتقاء والمجنونة التی لا یخاف منها والحائض والنفساء والحامل والحائل والصغیرة التی یمکن وطؤها کذا فی التبیین [2]۔ وهو تعالٰی اعلم۔	نئی، پرانی، باکرہ، ثیبہ، تندرست، بیمار، شرمگاہ کی تنگی والی، مجنونہ جس سے ضرر کا خوف نہ ہو، حیض ونفاس والی، حاملہ وغیرہ اور نابالغہ جس سے وطی کی جاسکتی ہو، تمام بیویوں کا حق برابر اس پر ہوگا، جیسا کہ تبیین الحقائق میں ہے۔ وهو تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

[2] فتاوی ہندیہ باب القسم نورانی کتب خانہ ۱/۳۴۰

مسئلہ ۱۸۰: از علی گڑھ مدرسۃ العلوم مولوی عبداللہ صاحب ناظمِ دینیات و نصرت شیر خاں محرر دینیات ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ
زید کو عرصہ تئیس سال سے پچھتّر روپے ماہوار بذریعہ ملازمت کے ملتا ہے اور بجز اس ماہواری تنخواہ کے اور کسی قسم کی زید کو آمدنی نہیں ہے اور زید کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ جو روپیہ ماہواری ملتا ہے وہ سب کا سب اپنی اہلیہ کو دے دیتا ہے، اور زید نے اپنی اہلیہ سے یہ کہہ رکھا ہے کہ جو مقدار شرعی طور سے تمہارے نان نفقہ میں یا میرے ذاتی اخراجات یا میری زوجہ اولیٰ کی اولاد پر اس میں سے خرچ ہو کر جو کچھ پس انداز ہو اس رقم کو تم اپنے مہر میں محسوب کرتی رہو تاکہ آٹھ دس برس میں تمہارے مہر سے مجھ کو سبکدوش حاصل ہو، اور اس معاملہ پر زید نے اپنے اور اپنی اہلیہ کے اقربا کو گواہ بھی کرلیا ہے اور زید کی زوجہ کو بھی اس معاہدہ اور معاملہ سے انکار نہیں ہے بلکہ اس وقت تک اقرار ہے لیکن نان نفقہ کی مقدار رقم میں زید اور اس کی زوجہ کا اختلاف ہے، زید تو یہ کہتا ہے کہ میرے پاس بجز اس ملازمت کی آمدنی کے اور کسی قسم کی آمدنی نہیں اور میں پانچ ہزار روپے کا قرضدار ہوں جو مہر کا ہے جس کے ادا کرنے کا میں نے ڈول ڈالا ہے، اس صورت میں نان نفقہ کی مقدار رقم ماہواری معسر یعنی تنگدست کی شرعًا ہونی چاہئے، اور زید کی زوجہ رائقہ یہ کہتی ہے کہ تمہارا مشاہرہ بڑا مشاہرہ ہے نان و نفقہ کی رقم ماہواری کی مقدار موسر یعنی مالدار کی حیثیت سے مقرر ہونی چاہئے، اب علمائے اسلام عالی مقام سے یہ سوال ہے کہ شرعًا زید کا کہنا مقبول ہے یا زید کی زوجہ رائقہ کا قول شرعًا مقبول ہے؟ اور معسر شخص کو کتنے روپے ماہوار آٹھ سال سابق سے دینے چاہئے؟ اور اس زمانہ میں جو گرانی ہے کے روپیہ نان و نفقہ کے لگائے جائیں؟ اور یہ بھی عرض کردینا ضرور ہے کہ باہر کے کام مثلًا غلہ یا دال یا پان وغیرہ منگانے کا زید اپنی وجاہت سے کسی نہ کسی سے کرادیتا ہے اور گھر کے کھانا پکانے کا کام جب سے نکاح ہوا زید کی زوجہ یا اس کی والدہ نے اپنے متعلق کر رکھا ہے جیسے کہ عمومًا شرفاء کے گھروں میں عرفًا مروّج معمول بہ ہو رہا ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں متعدد امور ملحوظ ہوتے ہیں:

(۱) مقدار دخل۔

(۲) گرانی وارزانی۔

(۳) حال مقام، مثلًا زیادہ سرد ممالک جاڑے کا سامان درکار ہوتا ہے معتدل میں کم، اور بلحاظ آب و ہوا غذا میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔

(۴) زمانہ موجودہ میں عادتِ بلد جہاں جیسی خوراک و پوشاک معتاد و معہود ہو مثلًا اب عرب خصوصًا مدینہ طیّبہ

میں عموماً خوش خوراکی وخوش پوشاکی معمول ہے حالانکہ یہی عرب ایک وقت کمال سادگی وتقلل سے موصوف تھا اعتبار عام عوائد کا ہوگا نہ خاص کسی بخیل یا مسرف کا بعض بلاد مثلاً شاہجہانپور میں عام طور پر تیل کھاتے ہیں، پلاؤ قورمہ پر اٹھے کے ہوتے ہیں، ہمارے بلاد میں یہ طبعاً مکروہ اور عرفاً معیوب، تو وہاں گھی کا مطالبہ نہ ہوگا یہاں ہوگا وقس علیہ، متعارف طور پر ان سب باتوں کے لحاظ کے بعد کہہ سکتے ہیں کہ اتنی آمدنی اتنے مصارف والا ایسے وقت ایسے مقام میں موسر مرفہ الحال یا معسر تنگدست یا متوسط۔ تنویر الابصار میں ہے:

یقدرھا بقدر الغلاء والرخص[1]۔	نفقہ مہنگائی اور ارزانی کی اعتبار سے ہوگا۔(ت)

نیز اسی میں اور بحوالہ اختیار درمختار میں ہے:

یختلف ذٰلك یسارا واعسارا وحالا وبلدا[2]۔	نفقہ خوشحالی، تنگدستی، علاقے اور صورت حال کے لحاظ سے مختلف ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو قال ووقتا لکان اولٰی[3]۔	اگر ماتن یہاں وقت کو بھی ذکر کرتے تو بہتر ہوتا(ت)

اسی میں ہے:

یراعی کل وقت او مکان بما یناسبه[4]۔	وقت اور جگہ کا اعتبار کرتے ہوئے نفقہ مناسب مقرر ہوگا۔(ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

ماذکرہ محمد علی عادتھم وذلك یختلف باختلاف الاماکن حرا وبردا و العادات فعلی القاضی اعتبار الکفالة بالمعروف فی کل وقت مکان[5]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے لوگوں کی عادت کے اعتبار کو ذکر کیا ہے، تو نفقہ جگہوں کے گرم سرد اور وہاں کی عادات کے اختلاف سے مختلف ہوگا، تو قاضی کو ہر مقام اور وقت کے لحاظ سے عرف میں کفایت کا اعتبار کرنا ہوگا۔(ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۸
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۸
[3] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۲
[4] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۱
[5] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۲

بحر میں ہے:

فی الظهیریة قدر محمد الکسوة بدرعین وخمارین وملحفة فی کل سنة.ارادبهما صیفیا وشتویا ولم یذکر السراویل فی الصیف اذلا بد منه فی الشتاء، وهذا فی عرفهم امافی عرفنا فتجب السراویل وثیاب اخر کالجبة والفراش التی تنام علیه واللحاف وما تدفع به اذی الحر والبرد.وفی الشتاء درع خز وجبة قز وخمار ابریسم اهوفی المجتبی ان ذٰلك یختلف باختلاف الاماکن والعادات فیجب علی القاضی اعتبار الکفایة بالمعروف وفی کل وقت ومکان[1]۔	ظہیریہ میں ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالٰی نے لباس میں سالانہ دوچادروں،ایک لحاظ اور دو اوڑھنیوں کی مقدار ذکر کی ہے، اس سے مراد گرما اور سرما دونوں موسموں کے لئے، انہوں نے موسم گرما میں شلوار کاذکر نہ فرمایا کیونکہ یہ سردی کے موسم میں ضروری ہے،یہ ان کے عرف میں ہے، لیکن ہمارے عرف میں شلوار اور دیگر کپڑے مثلاً، گدّا جس پر سوتے ہیں اور لحاف اور وہ کپڑا جس سے سردی اور گرمی کی شدت سے تحفظ کیا جاتا ہے اور سردیوں میں اونی چادر اور گرم جبہ اور ریشمی دوپٹہ اھ، مجتبٰی میں ہے کہ لباس علاقوں اور عادتوں کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ ہر علاقے اور وقت کااعتبار کرتے ہوئے وہاں کے عرف کے مطابق کفایت والے کافیصلہ کرے۔(ت)

اسی طرح فتح القدیر میں اقضیہ اور ہندیہ میں محیط سے ہے۔رہا شوہر کامدیون ہونا اقول(میں کہتا ہوں۔ت)ظاہرًا اس کے سبب نفقہ زن میں تنگی نہیں کرسکتے کہ یہ بھی مطالبہ عبد ہے بلکہ فتاوی امام اجل قاضی خاں پھر ہندیہ میں ہے:

المحبوس بالدین اذاکان یسرف فی اتخاذ الطعام یمنع القاضی عن الاسراف ویقدر له الکفاف المعروف وکذٰلك فی الثیاب یقتصد فیها ویأمره بالوسط ولایضیق علیه فی مأکوله ومشروبه وملبوسه[2]۔	قرض میں مقید شخص اگر خوراک کی تیاری میں اسراف سے کام لیتا ہوتو قاضی اس کو اسراف سے منع کرے اور بقدر کفایت عرف کے مطابق خرچ کا پابند کرے اور ایسے ہی لباس کے معاملے میں میانہ روی سے کام لے اور اس کا پابند کرے تاہم کھانے پینے اور لباس میں اس پر تنگی نہ کرے۔(ت)

[1] بحرالرائق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۷

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الحجر نولکشور لکھنؤ ۴/ ۹۱۸

جب مدیون پر خود اس کے نفقہ میں تنگی نہ کی گئی اوسط کا لحاظ رہا تو دوسرے کے نفقہ واجبہ میں بدرجہ اولی فلیراجع ولیحرر (اس کی طرف رجوع کیا جائے اور چھان بین کی جائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ اس کے ساتھ عورت کا خود اپنا حال بھی دیکھا جائے گا کہ غنیہ مفرطہ فی الغنا ہے یا فقیرہ یا متوسطۃ الحال۔ اگر زن و شو دونوں ایک طرح کے ہیں تو اسی طرح کا نفقہ لازم آئے گا اور مختلف ہیں تو دونوں کے حال کے اوسط مثلاً ایک کے اعتبار سے عورت کا نفقہ دس روپے ماہوار ہونا چاہئے اور دوسرے کے لحاظ سے چار روپے تو سات روپے ماہوار واجب کریں گے پھر اگر شوہر فی الحال اس کی ادا پر قادر ہے فبہا ورنہ جس قدر پر قادر ہے دے گا باقی وقت فراخی تک اس پر دین رہے گا۔

قال اللہ تعالٰی لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا۠ [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر خرچہ مقدر کیا گیا ہو وہ اللہ تعالٰی کے دئے سے خرچ کرے اللہ تعالٰی کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے جو اس نے اسے عطا کیا ہے عنقریب اللہ تعالٰی تنگی کے بعد آسانی فرمائے گا۔(ت)

درمختار میں ہے:

یستحق النفقة بقدر حالھما به یفتی ویخاطب بقدر وسعه والباقی دین الی المیسرہ [2]۔	دونوں کے حال کے مطابق وہ نفقہ برداشت کرے گا، اسی پر فتوی دیا جائے گا، اور جتنی توفیق ہو اسی کے مطابق ادائیگی کا حکم ہوگا اور باقی اس کے ذمہ ہوگا اس کو آسانی کے وقت ادا کرے گا۔(ت)

ردالمحتار و بحرالرائق میں ہے:

اتفقوا علی وجوب نفقة الموسرین اذا کانا موسرین وعلی نفقة المعسرین اذا کانا معسرین، وانما الاختلاف فیما اذا کان احدھما موسرا والاٰخر	فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں کشادہ حال ہوں تو اسکے مطابق اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو اس کے مطابق نفقہ واجب ہوگا اور اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب ایک فراخی والا ہو اور دوسرا

[1] القرآن ۶۵/۷

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

معسرا فعلی ظاہرا الروایۃ الاعتبار لحال الرجل فان کان موسرا وھی معسرۃ فعلیه نفقة الموسرین وفی عکسه نفقة المعسرین واما علی المفتی به فتجب نفقة المعسرین واما علی المفتی به فتجب نفقة الوسط فی المسألتین وھو فوق نفقة المعسرۃ ودون نفقه الموسرۃ[1]۔	تنگدست ہو تو ظاہر روایت کے مطابق اس صورت میں خاوند کی حالت کا اعتبار ہوگا اگر خاوند فراخ دست اور بیوی تنگدست ہو تو فراخی والا نفقہ اور اگر خاوند تنگدست ہو اور بیوی امیر ہو تو تنگی والا نفقہ واجب ہوگا جبکہ فتوی والا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں صرف خاوند کے حال کی بجائے دونوں کے حال کے اعتبار سے درمیانہ نفقہ واجب ہوگا،اور وہ تنگ حالی سے زائد اور فراخی سے کم ہوگا۔(ت)

اس کے سوا ایسار واعسار کی کوئی خاص تحدید یہاں علماء نے نہ فرمائی امر عرف پر دائر رکھاہے،بخلاف نفقہ اقارب کے وہاں یسار مقدر بہ نصاب ہے،

ورأیت فتاوی الخیریة انه ساق الی ھنا ماذکروہ ثمه،اذسئل فی الزوجین اذاکانا غنیین ھل تجب علیه نفقة الاغنیاء وماحدالغنی فی باب النفقة(اجاب) نعم تجب نفقة الاغنیاء قال فی البحر اختلفوا فی حدالیسارعلی اربعة اقوال احدھا انه مقدر بنصاب الزکوٰۃ قال فی الخلاصه وبه یفتی واختارہ الولو الجی معللا بان النفقة تجب علی الموسر ونھایة الیسار لاحدلھا وبدایته النصاب فیقدربه،والثانی انه نصاب حرمان الصدقة وھو النصاب الذی لیس بنام قال فی الھدایة وعلیه الفتوی وصححه فی الذخیرۃ اھ	اور میں نے فتاوی خیریہ میں دیکھا تو انہوں نے وہی روش اختیار کی جو فقہا نے اوپر ذکر کی ہے،جب ان سے سوال ہوا کہ جب دونوں غنی ہوں تو کیا غنی والا نفقہ واجب ہوگا اور نفقہ میں غنی کی حد کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا ہاں غنی والا نفقہ واجب ہوگا،بحر میں فرمایا کہ غنا کی حد میں فقہاء نے اختلاف کیا جو چار قول ہیں،ایک یہ غنا کی حد نصاب زکوٰۃ کا اندازہ ہے،خلاصہ میں کہا،اسی پر فتوی ہے،ولوالجی نے اسی کو پسند کیا اور وجہ یہ بیان کی کہ نفقہ سہولت پر مبنی ہے اور سہولت کی کوئی آخری حد نہیں ہے جبکہ اس کی ابتدائی حد نصاب ہے لہذا اسی کو معیاد قرار دیا جائے گا۔اور دوسرا قول یہ کہ غناء کی حد وہ ہے جس پر صدقہ لینا حرام ہوتا ہے یہ وہ نصاب ہے جو نامی نہ ہو یعنی تجارتی یا نقدی والا نصاب نہ ہو،ہدایہ میں فرمایا اسی پر فتوی ہے،اور ذخیرہ میں اسی کو صحیح

[1] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۵

والذی یظھر للفقیہ البارع فی الفقہ ان الاول اولٰی بالقبول لان مالیس بنام سریع النفاد اذا تواردت علیہ النفقات کما ھوظاھر واللہ تعالٰی اعلم [1] اھ مافی الخیریۃ. **اقول:** تعلیل الامام الولو الجی لایفید الاشتراط النصاب دون النمو الاان یضم الیہ ما افادالعلامۃ الرملی وفیہ تامل فتامل ثم **اقول:** فی سوقہ الی ھنا نظر فان المعتبر فی الاقارب القدرۃ حتی اوجب محمد علی من یکسب کل یوم درھما وتکفیہ اربع دوانق ان ینفق الدانقین علی محارمہ قال فی الفتح وھذا یجب ان یعول علیہ فی الفتوٰی [2] اھ فالموسر ثمہ من یمکنہ دفع حاجۃ غیرہ بدون لحوق ضرر بہ والمعسر بخلافہ ولذا لم تجب علیہ اصلا اما نفقۃ المرأۃ فتجب علی الزوج مطلقا وان لم یکن	قرار دیا ہے اھ اور فقہ میں مہارت رکھنے والے پر جو ظاہر ہو رہا ہے وہ یہ کہ پہلا قول قبولیت میں اولٰی ہے کیونکہ جو نصاب نامی نہ ہوئے بعد دیگرے اخراجات میں وہ جلدی ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**، خیریہ کی عبارت ختم ہوئی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) امام ولوالجی کی بیان کردہ علت صرف نصاب کی متقاضی ہے نامی ہونے کو متقاضی نہیں ہے ہاں اگر علامہ رملی کی بیان کردہ وجہ کہ نفقہ کے باب میں غناء کا اعتبار ہوتا ہے، کو شامل کیا جائے تو نامی کی وجہ بن سکتی ہے، کو شامل کیا جائے تو نامی کی وجہ بن سکتی ہے جبکہ وہ قابل غور بات ہے تو غور کرو، **ثم اقول:** (میں پھر کہتا ہوں) خیریہ کا جو یہاں تک بیان ہے اس میں اعتراض ہے کیونکہ اقرباء کے نفقہ میں صرف قدرت والی وسعت معتبر ہے حتی کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے روزانہ ایک درھم کمانے والے پر اقرباء کے نفقہ کے متعلق یہ واجب کیا ہے کہ اگر درھم کمانے والے کا گزار چار دانق پر ہوتا ہے تو وہ اپنے ذوالارحام پر دو دانق خرچ کرے۔ فتح میں فرمایا کہ یہی وہ قول ہے جس پر فتوی دینے میں اعتماد کیا جاسکتا ہے اھ، تو ذوی الارحام کے نفقہ میں جو دوسرے کی حاجت کو پورا کرسکے اور خود ضرر میں مبتلا نہ ہو وہ فراخ دست کہلائے گا، اور تنگدست وہ ہوگا جو ایسا نہ کرسکے اور اس وجہ سے اس پر بالکل واجب نہ ہوگا لیکن بیوی کا نفقہ تو خاوند پر ہر حال میں

[1] فتاوٰی خیریۃ باب النفقۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۷۵

[2] فتح القدیر فصل وعلی الرجل ان ینفق علی ابویہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۲۲۷

له شیئ وانما الموسر والمعسر ھھنا بمعنی الموسع و المقتر وذٰلك لایتقید بالنصاب ولایلزمه،بل یختلف بما قدمنا فجعلھم مالك النصاب قادرا لا یستلزم جعله موسعا،وان یلزم علیه لامرأته نفقة الاغنیاء،وھی ربما تفنی النصاب فی اقل من نصب سنة بل فی ربعھا۔	واجب ہوتا ہے اگرچہ خاوند کے پاس کچھ بھی نہ ہو،تو بیوی کے نفقہ کے معاملہ میں غنی اور تنگدست بمعنی صاحب وسعت اور تنگی ہے اور یہ معنی نصاب سے مقید نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کو نصاب لازم ہے بلکہ دونوں جدا ہوجاتے ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے،تو ان کا خاوند کو صاحب نصاب قرار دے کر نفقہ پر قادر ماننا اس چیز کو مستلزم نہیں کہ خاوند وسعت والا قرار پائے اور اس پر غنیوں والا نفقہ بیوی کے لئے واجب ہو جبکہ بیوی چھ ماہ میں نصاب کا خاتمہ کردیتی ہے بلکہ سال کے چوتھائی حصّہ میں خاتمہ کردیتی ہے۔(ت)

لاجرم ردالمحتار میں ہے:

صرحوا ببیان الیسار والاعسار فی نفقة الاقارب ولم ارمن عرفھما فی نفقة الزوجة ولعلھم وکلو ذٰلك الی العرف والنظر الی الحال من التوسع فی الانفاق و عدمه ویؤیدہ قول البدائع لوکان الرجل مفرطافی الیسار[1] الخ،وسیاتی تمامه۔	فقہاء نے اقرباء کے نفقہ میں خوشحالی اور تنگ حالی کو بیان کیا لیکن میں نے بیوی کے نفقہ میں کسی کو خوشحالی اور تنگ حالی کے معیار کو بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا،اور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ معیار عرف پر چھوڑدیا ہو کہ عرف میں خوشحالی کا نفقہ اور غیر خوش حالی کا کیا ہے،اور اس کی تائید بدائع کا یہ قول کہ "اگر کوئی شخص خوش حالی میں انتہائی زیادہ ہوالخ" کررہا ہے،بدائع کا مکمل قول آگے آرہا ہے۔(ت)

ولہٰذا نفقہ اقارب میں دوہی قسمیں رہیں کہ قادر اور عاجز میں حصر ہے اور یہاں تین قسمیں ہیں: غنی، فقیر، متوسط۔اور ان کے نفقات کے فرق میں عبارات مختلف آئیں،امام سراج الدین قاری الہدایہ نے فرمایا غنی کے لئے دونوں وقت گیہوں کی روٹی اور گوشت ہے، متوسط کے لئے روٹی اور روغن، فقیر کے لئے روٹی اور پنیر وسرکہ۔اقضیہ میں فرمایا: غنی کی نانخورش گوشت، متوسط کی دودھ، فقیر کی روغن یعنی زیتون،وقال تعالٰی وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰکِلِیۡنَ ۝۲۰ [2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور کھانے والوں کے لئے سالن ہے۔ت) اور

---

[1] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۵

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۲۰

ہمارے عرف سے قریب تر وہ ہے جو امام ملک العلماء نے فرمایا کہ اعلی درجہ مرغ کا گوشت اور سوجی کے پھلکے، اور اوسط گیہوں کی روٹی بکری کا گوشت اور ادنی جو کی روٹی۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل قاری الهداية اذا طلبت تقدير النفقة لها ولاولدها دراهم هل لها ذلک (اجاب) لایجب بل الواجب علیه طعام وادام علی الغنی خبز حنطة ولحم غدا وعشاء بقدر کفایتها، والمتوسط خبز و دهن وعلی الفقیر خبز وجبن وخل[1]۔	قاری الہدایہ سے سوال کیا گیا کہ جب بیوی اپنے لئے اور اولاد کے لئے روزانہ چند درہم کا نفقہ مقرر کرنے کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو یہ حق ہے، توانہوں نے جواب میں فرمایا کہ عورت کا یہ مطالبہ پورا کرنا ضروری نہیں بلکہ خاوند پر اگر غنی ہو تو روٹی اور سالن میں صبح و شام گندم کی روٹی اور گوشت بقدر کفایت اور درمیانے حال والا ہو تو اس پر دونوں وقت روٹی اور روغن، اور اگر فقیر ہو تو روٹی، پنیر اور سرکہ واجب ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

وفی الاقضیة یفرض الادام ایضا اعلاه اللحم وادناه الزیت واوسط اللبن[2]۔	فیصلوں کے بیان میں ہے کہ سالن بھی مقرر کیا جائے جس کا اعلی درجہ گوشت، ادنی درجہ زیتون اور درمیانہ درجہ دودھ ہیے۔ (ت)

ردالمحتار میں بدائع سے ہے:

لوکان الرجل مفرطا فی الیسار یاکل خبز الحواری ولحم الدجاج والمرأة مفرطة فی الفقر تأکل فی بیت اهلها خبز الشعیر یطعمها خبز الحنطة ولحم الشاة[3]۔	اگر خاوند اعلی درجے کا امیر ہے جو سوجی کے پھلکے اور مرغ کا گوشت کھاتا ہے اور عورت انتہائی فقیر ہو جو اپنے گھر میں جو کی روٹی کھاتی ہو، تو یہ خاوند اس کو گندم کی روٹی اور بکری کا گوشت دے۔ (ت)

عالمگیریہ میں کافی سے ہے:

ان کانت موسرة وهو معسر لها فوق مایفرض لوکانت معسرة فیقال	اگر خاوند فقیر ہو تو امیر بیوی کو وہ خوراک دے جو غریب بیوی کے لئے مقررہ سے زیادہ ہو، اس

[1] عقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة باب النفقة حاجی عبدالغفار تاجران ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۷۴

[2] فتح القدیر باب النفقة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۰۰

[3] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۵

له اطعمها خبز البر وباجة او باجتین، وان کان الزوج موسرا مفرط الیسار نحوان یاکل الحلواء واللحم الشوی والباجات وھی فقیرة کانت تاکل فی بیتها خبز الشعیر لایجب علیه ان یطعمها مایاکل بنفسه ولاماکانت تاکل فی بیتها، لکن یطعمها خبز البر وباجة او باجتین[1]۔	صورت میں خاوند کو پابند کیا جائے گا کہ وہ اس کو گندم کی روٹی باجہ یا دو باجے (بھیڑ بکری کے پائے) خوراک دے، اور اگر خاوند اعلٰی درجے کا امیر ہو مثلًا وہ حلوا، گوشت بھنا ہوا یا بھیڑ بکری کے پائے کھاتا ہے اور بیوی فقیر ہو جو اپنے گھر میں جو کی روٹی کھاتی تھی تو خاوند پر یہ واجب نہیں کہ اس کو وہی خوراک دے جو خود کھاتا ہے، اور نہ ہی وہ خوراک دے جو بیوی اپنے گھر میں کھاتی تھی بلکہ وہ اس کو گندم کی روٹی اور بھیڑ بکری کے پائے ایک یا دو خوراک میں دے۔ (ت)

ان اعصار وامصار میں بچھتّر روپے ماہوار کی آمدنی والا نہ امیر کہلائے گا نہ فقیر بلکہ ایک متوسط الحال ہے، اگر عورت بھی ایسی ہی ہے اور متوسط زناں کا نفقہ لیا گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت کبھی سادہ کبھی ترکاری کا، کبھی اور کھانا کہ قیمتًہ اس کے قریب ہو، اور پہننے کو ململ خاصا چھینٹ (یہاں مسودہ میں بیاض ہے) تو حق بحقدار رسید، نہ یہ اس میں کمی کر سکتا ہے نہ وہ اس سے زائد کے مطالبے یا صرف کا اختیار رکھتی ہے، اور اگر وہ غنا میں طبقہ اعلٰی سے ہے تو ضرور زائد کی مستحق ہے جو اوسط اعلٰی کے اوسط سے زائد نہ ہو، اور اگر طبقہ ادنی سے ہے تو ضرور کم کی مستحق و مستوجب ہے جو اوسط وادنی کے اوسط سے کم نہ ہو، ان اصول پر صحیح محاسبہ کیا جائے، اگر اس نے اپنے استحقاق سے زیادت قلیلہ کی ہے تو قابل لحاظ نہیں اور زیادت فاحشہ کی ہے مثلًا اس کے خرچ میں حساب شرعی سے دس ۱۰ روپے ماہوار ہونا چاہئے تھا اور اس نے پندرہ روپے ماہوار خرچ کیا تو جبکہ اول سے شوہر نے اسے مقدار شرعی پر خرچ کی اجازت دی تھی زیادت غصب ہوئی اور اس کا تاوان عورت پر آیا جو اس کے مہر میں محسوب ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علی الید ما اخذت حتی تؤدی[2]۔ ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔	ہاتھ نے جو لیا وہ اس پر بوجھ ہے جب تک وہ اسے ادا نہ کرے۔ یہ وہ بحث ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیة الفصل الاول فی نفقة الزوجة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۴۸

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۵۲

مسئلہ ۱۸۱: از جاورہ محلّہ مرسلہ سید ذوالفقار احمد صاحب ۱۲ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ جو جوان العمر نیک چلن ہے عرصہ آٹھ نوسال سے ہندہ کے شوہر زید نے ہندہ کو چھوڑ دیا ہے اس کا نان ونفقہ نہیں دیتا ہے، نہ کسی طرح کی خبر گیری اس کی کرتا ہے، بلکہ ہندہ کو ایذاوتکلیف پہنچانے کی غرض سے طلاق بھی نہیں دیتا ہے تاکہ ہندہ اس کے ظلم سے نجات پاکر کسی شخص سے نکاح کرکے اپنی گزراوقات کرے، ہندہ پردہ نشین ہے اس کو کوئی کھانا کپڑا دینے والا نہیں ہے، نہ اس کو کوئی قرض دیتا ہے، نہ اس کے پاس اثاثہ ہے جس کو فروخت کرکے بسر اوقات کرے، نہ ہندہ دستکار ہے، کہ جس کی اجرت سے ضروریات خورد ونوش کو پورا کرسکے، اگر ہندہ کا نکاح ثانی نہ ہوگاتو وہ یقینی طور پر ضرور زناکاری میں مبتلا ہوگی کیونکہ اس کا عالم شباب ہے اور بغیر نکاح ثانی کئے دوسرا ذریعہ معاش نہیں ہوسکتا، اور ہندہ ایسے مقام پر ہے جہاں قاضی نہیں ہے پس صورت مرقومہ میں ہندہ کے واسطے خاوند ظالم سے کوئی صورت رہائی کی نکلتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی صورت ہندہ کی خلاصی کی نہیں نکلتی ہے تو کیا شرع ہندہ کو زنا کراکر گزرِاوقات کرنے کی اجازت دیتی ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

شرع مطہر اللہ ورسول کا حکم ہے، اللہ ورسول سے زنا کی اجازت مانگنی کفر ہے، جب تک شوہر زندہ ہے اور طلاق نہیں دی دوسرا نکاح حرام حرام حرام، زنا زنا زنا ہے۔ وساوس اور اندیشے کا ہے کے ہیں زنا کے، موہوم زنا سے بچنے کے لئے موجود زنا کراؤ یہ کون سا دین ہے، چارہ کار نالش ہے کہ روٹی کپڑا دے یا طلاق، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو سوائے صبر کے کچھ علاج نہیں، اور جو اللہ کے لئے صبر کرتا ہے اللہ اس کی مشکل کھول دیتا ہے، رزق اللہ پر ہے شوہر رزاق نہیں، محنت مزدوری کرے اور غلبہ خواہش کے لئے روزے رکھے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء [1]۔	اور جو شادی کے خرچے کی استطاعت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے شہوت کاتوڑ ہے۔(ت)

اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ [2]	جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عباس دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۲۴، ۴۳۲

وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ[1]	اور اسے وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا، جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اسے کافی ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝ [2]	جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کردے گا۔

اللہ سچا اور اس کے وعدے سچے، اور شیطان جھوٹا اور اس کے ڈراوے جھوٹے، اللہ سے ڈرے اور اس پر بھروسہ کرے، یقیناً اللہ اس کے لئے آسانی کردے گا اور اس کے لئے راہ نکال دے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۲: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ محلّہ چھاوت واڑی مرسلہ قادر بخش چابک سوار ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا کوئی ایسی تحریر دستاویز کہ جس کو زید نے مسماۃ ہندہ کو دوسری شادی کے وقت بابت انتظام نان نفقہ لکھ دی ہو کیا بعد طلاق ہندہ کا اس تحریر سے کسی قسم کا کوئی حق رہتا ہے:

الجواب:

مہر و نفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں اور اگر زید نے لکھ دیا ہو کہ عمر بھر تیرا نان و نفقہ میرے ذمہ ہے تو یہ ایک وعدہ ہے اسے وفا کرنا چاہئے مگر اس کی بنا پر جبراً مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ اشباہ میں ہے: **لاجبر ف علی الوفاء بالوعد**[3] (وعدہ پورا کرنے پر جبر نہیں۔ ت) اس کے سوا اس تحریر کا حاصل اگر کچھ اور ہو تو بعد ملاحظہ تحریر معلوم ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/۲و۳

[2] القرآن الکریم ۶۵/۵

[3] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۱۰و۱۱۱

ف: وفائے وعدہ سے متعلق اشباہ سے جو عبارت مجھے ملی اس کے الفاظ یوں ہیں: وعدہ ان یأتیہ فلم یأتہ لایأثم ولا یلزم الوعد الا اذا کان معلقا ___ اسی معنٰی کی عبارت فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی اجازۃ المستاجر جلد ۴ ص ۴۲۷ پر ملاحظہ ہو۔ نذیر احمد سعیدی

مسئلہ ۱۸۳: از چتوڑ گڑھ محلّہ چھیپیاں مسئولہ جمیع مسلمانان گنگرار ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو شوہر عرصہ آٹھ سال سے ہندوستان چھوڑ کر غیر ملک میں چلاگیا زندہ ہے خیریت کا حال لکھتا رہتا ہے مگر اس کے لئے نہ تو یہاں اس کی جائداد ہے اور نہ اس نے آج تک خرچ کے لئے زوجہ کے پاس روپیہ پیسہ روانہ کیانہ اس عرصہ میں وہ کبھی آیا اور نہ آئندہ آنے کا قصد رکھتا ہے، زوجہ نے نان نفقہ کے انتظام کے لئے کئی مرتبہ اسے لکھا مجبور ہو کر طلاق چاہی مگر نہ تو نان نفقہ دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے، اب سنا جاتا ہے کہ عورت پریشان ہو کر نصرانیت اختیار کرنے والی ہے، ایسی صورت میں عورت مذکورہ سے معاملہ مندرجہ سوال میں کسی عالم با معتبر سے فسخ نکاح کی درخواست کراکے بعد انقضائے عدت فسخ نکاح نکاح جدید کسی دوسرے شخص سے کرادینا جائز ہے یا ناجائز، آیا اس کے لئے کوئی صورت ہے شرعی کہ اسے مرتدہ ہونے سے بچائے۔

الجواب:

جس نے مرتدہ ہونے کا قصد کیا وہ اس وقت مرتدہ ہو گئی، بچائی کاہے سے جائے، اور شوہر کی زندگی میں بلاطلاق دوسرے سے نکاح کی کوئی صورت نہیں **قال تعالٰی وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نکاح والی عورتیں (حرام ہیں)۔ت) یہاں نہ کوئی حنبلی مذہب کا قاضی ہے نہ کسی حنفی مقلد کو اس مذہب کے خلاف قضا کا اختیار ہے اور اگر کرے گا نافذ نہ ہوگی ایسی توسیعیں لازم مذہب کرتی ہیں، **والتفصیل فی البحر الرائق وردالمحتار وغیرھما من الاسفار** (اور اس کی تفصیل بحر الرائق اور ردالمحتار وغیرہما کتب میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۴: از اکورہا ڈاک خانہ گنگیری ضلع علی گڑھ مسئولہ امداد علی خاں صاحب مدرس اول ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میری زوجہ وقتِ نکاح بدمزاج معلوم ہوتی تھی بعد میں وہی بدمزاجی بڑھتے بڑھتے فتور عقل ثابت ہوئی، فاتر العقلی کی حالت میں اس سے تین بچے بھی مختلف اوقات میں پیدا ہوئے اور مرے، اس کے مرض کا علاج مدت مدید تک حکیموں، دائیوں، ڈاکٹروں، عاملوں کے ذریعہ کرایا گیا اور اپنی حیثیت سے زیادہ صرف کیا مگر کوئی صورت افاقہ کی نہ ہوئی اور مریضہ کے عملوں سے بہت کچھ نقصانات مالی ظہور میں آئے، اس کی حالت فاتر العقلی کے باعث ایسی ہو گئی ہے کہ وہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

احکام شرعیہ اور خاوند کے جائز حکموں کی تعمیل نہیں کر سکتی نہ وہ اپنی خواہشات کو محسوس کر سکتی ہے نہ پاکی و ناپاکی میں تمیز رکھتی ہے نہ امورات خانہ داری وعلائق زندگی کو سمجھ سکتی ہے غرض کہ مجھے اس سے تمام مصلحتیں فوت نظر آتی ہیں اس کے علاج سے ہر طرح مایوس ہو کر اعزاواقربا کے اصرار و اپنی آسائش و قیام نسلی کی امید پر میں نے بحالت مجبوری بعد بسیار کے دوسری شادی کرلی ہے اس سے بفضلہٖ ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے، اب میرے متعلقین میں میری ایک والدہ ضعیفہ اور زوجگان وایک بچہ و ایک میں خود یہ پانچ کس ہیں اور کچھ بارِ قرضہ بھی ہے جو بوجہ ضروریات شرعی ہوا ہے اب زوجہ سابقہ یعنی فاترالعقلی کی والدہ کو (میرے خیال میں تجاہل عارفانہ سے) شبہہ ہے کہ میری لڑکی کو ان لوگوں سے تکالیف پہنچتی ہیں، اور نہ وہ ان لوگوں میں آسائش رہ سکتی ہے، اس لئے ان کی خواہش ہے کہ اپنی بیٹی کو اپنے پاس رکھ کر میری نصف آمدنی کو بٹالیں اور اسی امید پر وہ عنقریب کچہری مجاز میں نالش کرنے والی ہیں میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ میری جانب سے کوئی تکلیف کبھی نہیں ہوئی نہ آئندہ ہوگی بلکہ آپ خود رہ کر میرے کاموں میں مدد کیجئے اور اپنی بیٹی کو حسبِ منشا آرام پہنچایئے اور بوجہ ناپاک رہنے اور ہوش وحواس درست نہ ہونے کے اپنی بیٹی کے ساتھ کھانے پینے اور اس کے برتنوں سے احتیاط رکھئے یا زردین مہر سے دست بردار ہو کر مجھ سے اپنی بیٹی زوجہ میرے کے واسطے چار روپیہ ماہوار علاوہ پارچہ پوشیدنی کے تاحینِ حیات لیتی رہئے، کیونکہ اس وقت پانچ آدمیوں کی پرورش، قرضہ کی ادائیگی، تربیت اولاد، اتفاقی ضروریات کا پورا کرنا میرے ذمہ ہے، اور اس کو اپنے مکان پر رکھئے وہ ان باتوں میں سے کسی کو منظور نہیں کرتیں، پس ایسی صورت میں میرے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے جس سے کہ میں خدا ورسول کے نزدیک مواخذہ دار نہ ہوں اس میں دوسرا سوال یہ ہے کہ ایسی عورت کا دین مہر و نان نفقہ کسی خدمت کے عوض مجھ پر واجب ہے۔

الجواب:

مہر کسی خدمت کا معاوضہ نہیں وہ نکاح میں بضع کا عوض ہے اور بہر حال واجب ہے اور جب فاتر العقل ہے تو اس کے مہر سے دستبرداری نہ وہ کر سکتی ہے نہ اس کی ماں نہ کوئی اور، یوں ہی جب تک وہ شوہر کے گھر ہے یا اس کے گھر آنے سے انکار نہ کرے، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے جو زن و شو دونوں کو حال کی رعایت سے بقدر متوسط دلایا جائے گا مادرِ زن کا نصف آمدنی مانگنا ظلم صریح ہے جب کہ یہ مقدار نفقہ زن سے زائد ہو، درمختار میں ہے:

النفقۃ تجب للزوجۃ علی زوجہا بقدر حالہما بہ یفتی ویخاطب	خاوند پر بیوی کا نفقہ ان دونوں کے حال کے مطابق ہے، اسی پر فتوی دیا جائے گا، اور خاوند کو اس کی

بقدر وسعه والباقی دین الی المیسرة[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	وسعت کے مطابق ادائیگی کا حکم ہوگا اور باقی ہو تو اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا جب وہ آسانی والا ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۵: از جامع مسجد بریلی مسئولہ نواب چھوٹے میاں صاحب ۷ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کا عقد بکر کے لڑکے کے ساتھ کیا عقد کے بعد ایک ماہ تک زید کی لڑکی اپنے شوہر کے مکان پر رہی اس وقت سے زمانہ تخمیناً نوماہ کا ہوا کہ لڑکی زید کے مکان پر موجود ہے، نان نفقہ کی شوہر یا شوہر کے باپ نے خبر نہیں لی، اب اس امر کا تقاضا ہے، کہ زید اپنی لڑکی کی رخصت کردے، زید کو رخصت کرنے سے کچھ انکار نہیں ہے، علمائے دین کی خدمت میں صرف یہ گزارش ہے کہ ان ایام کا نان نفقہ کس پر فرض ہے اور لڑکی رخصت ہونے کے بعد زید کے اور شرعی خاندان کے تعلق والوں کے کس کس کے یہاں جاسکتی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:

اس نو مہینے کا نان نفقہ کسی پر نہیں، جو دن گزرگئے گزرگئے، ہاں اگر نان ونفقہ کچھ مقرر و معین قرار پاچکا کہ اتنا ماہوار دیں گے، اور زید نے لڑکی کو بٹھانہ رکھا، نہ لڑکی نے شوہر کے یہاں جانے سے انکار کیا بلکہ باپ کے یہاں آئی تھی، پھر شوہر کے بلانے کی منتظر رہی اور اس نے اتنے مہینوں نہ بلایا تو اس صورت میں وہ مقرر شدہ نفقہ ان مہینوں کا دے گا، اور اگر یہ بلانا چاہتا تھا اور لڑکی نہ گئی تو ان مہینوں کا نفقہ کسی پر نہیں اگرچہ مقرر شدہ ہو، عورت آٹھویں دن اپنے ماں باپ کے یہاں صبح سے شام تک کے لئے بلا اجازت شوہر جاسکتی ہے اور اپنے محارم مثلاً حقیقی یا سوتیلے بہن، بھائی، بھتیجے، بھتیجی، بھانجے، بھانجی، چچا، ماموں، پھوپھی، خالہ، نانا، دادا کے یہاں ہر سال بھر بعد دن بھر کے لئے، رات کو بہر حال شوہر کے یہاں آنا ہوگا، یہ بلااجازت ہے، اور شوہر کی اجازت سے انہیں لوگوں کے یہاں مہینہ بھر اور زائد جتنے دنوں کی وہ اجازت دے رہ سکتی ہے، لیکن غیر محارم مثلاً چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹوں بیٹیوں یا جیٹھ دیور بہنوئی وغیرہم یا اجنبی کے یہاں شوہر کی اجازت سے بھی نہیں جاسکتی اگر شوہر اجازت دے گا تو وہ بھی گنہگار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۶: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ احمد یار خاں صاحب ۱۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے چند اولادیں ہوئیں ان میں سے ایک

---

[1] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

لڑکی بعمر چھ سال موجود ہے اس عورت کے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بہت سخت تکلیف ہوتی ہے اور قریب المرگ ہو جاتی ہے، لہذا اب یہ عورت اور اس کی ماں و بھائی وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم کو جان بچانا فرض ہے، اور یہ عورت اپنے خاوند سے جماع کرنا نہیں چاہتی اور کہتی ہے کہ مجھ کو اپنی جان کا اندیشہ ہے، اس حالت میں اس کے خاوند پر نان نفقہ دینا لازم ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت اور اس کی ماں و بھائی کہتے ہیں کہ تم اپنی دوسری شادی کرلو، اس کے خاوند میں اتنی قوت نہیں کہ دو عورتوں کا خرچ برداشت کرسکے کیونکہ یہ بیحد غریب آدمی ہے، لہذا شرع شریف کا جو حکم ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

عورت اگر مکانِ شوہر میں نہ رہے نفقہ نہ پائے گی، اور اگر یہاں رہے اور جماع پر راضی نہ ہو مگر شوہر چاہے تو جماع کرسکے پھر اگرچہ نہ کرے نفقہ پائے گی، مرد اگر دو کا خرچ برداشت نہ کرسکنے کے سبب اسے نکال دے گا اور عورت اس کے یہاں رہنا چاہے گی اور یہ اس سے زبردستی جماع پر قادر ہوگا تو نفقہ آئے گا۔ درمختار میں ہے:

لھا النفقة لو مرضت وفی منزلھا بقیت ولنفسھا مامنعت لانفقة لخارجة من بیته بغیر حق وھی الناشزة حتی تعود قید بالخروج لانھا لو مانعته من الوطئ لم تکن ناشزة [1] اھ۔	بیوی کے لئے نفقہ کا حق ہوگا وہ بیمار ہو، اور اپنے گھر میں ہو اور اپنے آپ کو سپرد کرنے سے مانع نہ ہو اور خاوند کے گھر سے بلاوجہ باہر رہنے والی کے لئے نفقہ نہیں وہ نافرمان ہوگی تا وقتیکہ واپس آئے، اور ماتن نے خاوند کے گھر سے باہر کی قید ذکر کی، اس لئے کہ اگر خاوند کے گھر میں رہتے ہوئے جماع سے رکاوٹ کرے تو نافرمان نہ ہوگی اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لو مانعته قیده فی السراج بمنزل الزوج و بقدرته علی وطئھا کرھا [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار نے جو کہا کہ جماع سے منع کرے، تو اس کو سراج الوہاج میں، خاوند کے گھر، اور خاوند کو جبراً اس سے جماع کی قدرت ہو، کے ساتھ مقید کیا ہے (کہ ایسی صورت ہو تو وہ نافرمان نہ کہلائے گی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

[2] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۷

مسئلہ ۱۸۷: ازکانپور طلاق محل مکان حکیم نور الدین مسئولہ عبید اللہ ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید آوارہ اور بدچلن ہونے کے علاوہ نان ونفقہ کا کفیل بھی نہیں ہوسکتا اور اس کا باپ یعنی خالد اگرچہ نان ونفقہ کا کفیل ہوسکتا ہے اگروہ چاہے، مگر وہ اور اس کی اہلیہ وغیرہ بھی ہندہ کو سخت تکالیف کھانے پینے پہننے کی دیتے ہیں اور سخت خدمت مثل ایک لونڈی کے لیتے ہیں توکیا ایسی صورت میں ہندہ کو اپنے نفس کے روکنے کا اختیار ہے کیونکہ ان کی معاشرت نہایت خراب ہے بلکہ جان کا خطرہ ہے، اور کیا قاضی کو حق ہے کہ وہ دونوں میں تفریق یعنی خلع کرادے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

نفقہ نہ دینے پر حاکم اسے مجبور کرے گا کہ نفقہ دے یا طلاق **لقولہ تعالٰی فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ**[1] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: بھلائی کے ساتھ پاس رکھو یا نیکی کرتے ہوئے چھوڑدو۔ت) لیکن قاضی بطور خود اس وجہ سے تفریق نہیں کرسکتا۔ درمختار میں ہے:

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا بانواعھا الثلثۃ (وھی ماکول وملبوس ومسکن ح اھ ش) ولا بعدم ایفائہ حقھا ولوموسرا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تینوں کے حقوق سے عجز پر خاوند اور بیوی میں تفریق نہ ہوگی، وہ حقوق، خوراک، لباس اور مسکن ہیں، بحر، اھ ش (شرح کی عبارت ختم) اور نہ ہی امیر ہونے کے باوجود بیوی کے یہ حقوق مکمل نہ کرنے پر تفریق ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۸: ازاودے پور میواڑ مدرسہ شرقیہ مرسلہ سید عبدالرحیم صاحب ۲۰ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قادر بخش کی عورت مسماۃ محرم ہے ۳۰ سال شادی کو ہوئے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے نام بردہ سے عقد ثانی کیا اور محرم کو اس مضمون کی تحریر لکھ دی کہ جو میرا گاؤں جاگیر کا ہے اس میں ۳۰۰ روپے سالانے ادا کرتا رہوں گا بلاعذر، اور حال میں نیا مکان جو بنایا ہے وہ تیرے رہنے کو دے دیا، اگر تیرے لڑکا ہوگا تو میری تمام جائداد کا مالک ہوگا اور اگر اس دوسری عورت سے ہوگا تو وہ اس تحریر کی پابندی کرے گا، کچھ عرصہ بعد دوسری کے لڑکا پیدا ہوا، مسماۃ محرم قادر بخش کی تابعداری کرتی رہی لیکن دوسری عورت کی اور اس کی باہمی تکرار اس بنا پر ہوتی رہی کہ جو تحریر قادر بخش نے زوجہ اولٰی کو لکھ دی ہے وہ واپس دے دے کیونکہ میرے لڑکا تولد ہوگیا ہے، محرم نے باوجود تکرار فساد

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۱۹

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹، ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۶

تحریر نہیں دی، قادر بخش نے زوجہ ثانیہ کے بہکانے سے پہلی کو نکال دیا، جبکہ محرم نے کچہری میں نان و نفقہ و پابندی تحریر کا دعوی کیا اس پر شوہر نے اپنا بیان قلمبند کرایا کہ محرم کو میں نے طلاق دے دی، لیکن اصلیت یہ ہے کہ اس نے اسے طلاق نہ دی نہ کوئی طلاق نامہ تحریر کیا نہ کوئی گواہ طلاق دینے کا ہے، صرف دوسری عورت کے ورغلانے پر اس نے ایسا کہہ دیا ہے اور مشہور کیا ہے، محرم نے شوہر کی کوئی خطا نہیں کی ہے، کیا قادر بخش کے ایسا کہہ دینے اور شہرت دے دینے سے محرم کو عندالشرع طلاق ہو گئی اگر ہو گئی تو محرم کو عند الشرع یہ حق حاصل ہے کہ وہ تحریر جو قادر بخش نے محرم کو دی ہے اس کی پابندی کرانے کی وہ کس حد تک مستحق ہے؟

الجواب:

طلاق شوہر کے زبان پر ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دے دی طلاق ہو گئی نہ دی تھی تو اب ہو گئی اور رہنے کو مکان دینا مالک کر دینا نہیں جب تک ولایت تملیک ثابت نہ ہو، اور اس کے ساتھ اپنے اسباب وغیرہا سے خالی کرکے قبضہ دلادینا ضرور ہے، تین سو روپے سالانہ دینا اگر علاوہ نان و نفقہ تھا تو محض ایک وعدہ تھا وعدہ کی بناء پر دعوی نہیں ہو سکتا۔ اشباہ وغیرہا میں ہے: **لاجبر علی الوفاء بالوعد**[1] (وعدہ پورا کرنے پر جبر نہیں۔ت) اور اگر یہ نفقہ مقرر کیا گیا تھا تو طلاق سے ساقط ہو گیا اس کا دعوی نہیں کر سکتی، مگر ماہ رواں کا جس میں اس نے کہا کہ میں نے اسے طلاق دے دی۔ تنویر میں ہے:

بموت احدهما وطلاقهما يسقط المفروض[2]۔	خاوند بیوی میں سے ایک کے فوت ہوجانے یا طلاق سے مقررہ نفقہ ساقط ہوجاتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الخير الرملی وقيد السقوط بالطلاق شيخنا الشيخ محمد بن سراج الدين الحانوتی بما اذا مضى شهر فازيد وهو قيد لابد منه تامل[3] اھ والله تعالٰی اعلم۔	خیرالدین رملی نے فرمایا کہ طلاق کی وجہ سے نفقہ ساقط ہونے کو، ہمارے شیخ محمد بن سراج الدین حانوتی نے ایک ماہ یا زائد گزر جانے سے مقید کیا ہے اور یہ قید ضروری ہے، غور کرو، اھ، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۰،۵۱۱

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰

[3] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۹

مسئلہ ۱۸۹تا۱۹۳: از مہاندی ہیڈورکس ڈویژن ضلع رائے پور سی پی مرسلہ سردار خاں کلرک ۲۶صفر ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ ہندہ اس سے سخت بدزبانی اور درشت کلامی سے پیش آتی ہے اور مندرجہ ذیل امور اس نے بغیر اپنے خاوند زید کی رضامندی کے کئے:

(۱) بغیر اجازت زید کے وہ اپنے مکان سے باہر کئی مرتبہ گئی اور اپنے عزیزوں رشتہ داروں کی شادی میں اس نے زید کی کئی چیزیں بغیر اجازت و رضامندی زید کے بطور جہیز دے دیں۔

(۲) بلااجازت و مرضی زید اس نے اپنے چھوٹے بھائی کی لڑکی کو اپنا متبنٰی کیا اور زیورات، آب وخورش اور ملبوسات سے اس کی کفالت کرتی رہی، یہ زیورات وغیرہ بھی اس نے بلااجازت زید کے اس لڑکی کیلئے زید کی آمدنی سے بنوائے۔

(۳) چونکہ زید کی ملازمت ایسی ہے کہ اسے گاہے گاہے حکام کے ساتھ دورہ پر نیز کارِ گورنمنٹ کی بجاآوری کے لئے دوسری جگہ جانا پڑا اس لئے اس نے ہندہ کو ساتھ چلنے کے لئے کہا مگر اس نے تعمیل احکامِ زید نہ کی یا اگر کی بھی تو کسی بہانہ سے چند روز کے بعد بلا اس کی اجازت رضامندی کے واپس آگئی اس لئے اپنے انتظامات کے خیال سے زید کو دوسری ملازمہ رکھنی پڑی اور مزید خرچ کا بار اٹھانا پڑا۔

(۴) زید نے ان امور کو ضبط اور تحمل سے اس وجہ سے برداشت کیا کہ وہ شریف ہے اور ہندہ بدزبان بدکلام، نیز ہندہ کے رشتہ دار اس کے معاون، مبادا زیادہ فساد برپا ہو، غرض جو کچھ فضول خرچیاں اور دیگر امور بلارضامندی زید کے ہوتے رہے انہیں دیکھ کر زید نے خاموشی اختیار کی مگر جب زید نے دیکھا ہندہ کسی طرح راہ راست پر نہیں آتی تو اس نے اسے بہت کچھ سمجھایا اور تاکید کی کہ ایسا نہ کرے مگر ہندہ نے بالعوض راستی اختیار کرنے کے زید کو دھمکایا اور اس نے نہایت فحش الفاظ میں برا کہا کہ اگر تم اپنے باپ کی اولاد ہو تو ہمیں طلاق دے دو اور ہرگز ہم سے بات نہ کرو، پس صورت مسئولہ میں تحقیق طلب یہ امور ہیں، بلااجازت زید کے جب ہندہ نے باہر قدم رکھا تو آیا وہ نان ونفقہ کی مستحق ہے یا نہیں؟ ہندہ نے بلااجازت زید کے ایک لڑکی کو اپنی فرزندی میں لیا و نیز خلاف مرضی زید کے اس کو زیورات ولباس وخورش کی کفیل ہوتی رہی و نیز دورہ ودیگر مقامات میں زید کے ہمراہ نہ رہ کر اس پر مزید خرچہ کا بار ڈالا پس ایسی حالت میں کیا وہ اپنے پورے مہر مستحق ہوسکتی ہے اگرچہ مہر اس کا واجب ہے تو ہندہ جو زید کے ساتھ نہ گئی اور نہ ہی جس کی وجہ سے زید کو مزید خرچہ کا بار پڑا اس کا دین دار کون ہوگا، اور لڑکی متبنٰی کو زید کی بلااجازت اپنی فرزندی میں لی اور خلاف مرضیِ زید کے اس کو زیورات اور لباس وخورش کی کفیل جو ہوتی رہی اس کا دیندار کون ہوگا، یہ امر ذہن نشین رہے کہ زید نے شرافت کو مدّنظر رکھ کر

آئندہ کے فساد کی مدافعت کے خیال سے جیسا کہ فقرہ نمبر ۵ میں مذکور ہے ہندہ کے معاملات میں دخل نہیں دیا۔

(۵) چونکہ ہندہ نے زید کو قسم دی کہ اسے طلاق دے دے پس ایسی حالت میں خلع کی صورت ہوسکتی ہے کیا۔

الجواب

ہندہ سخت گنہگار ہے مگر صرف اتنی بات کہ اس نے اپنے منہ سے طلاق مانگی خلع نہیں ہوسکتی، نوکر وغیرہ کامزید بار جو زید پر اپنے آرام کے لئے پڑا ہندہ سے اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا اگرچہ ہندہ کااس کے پاس نہ رہنا ہی اس کے باعث ہوا ہو، ہاں جتنے دنوں بے اجازتِ زید زید کے یہاں سے جاکر دوسری جگہ رہی اتنے دنوں نفقہ نہ پائیگی جو مالِ زید اس نے اس متبنی یا اپنے اعزا کی شادیوں یا متبنی کے خوردونوش میں بے اجازت زید صرف کیا اس کا تاوان ہندہ پر لازم ہے اور ناگواری کے ساتھ زید کا خاموش رہنا اجازت نہ سمجھا جائے گا "لاینسب الی ساکت قول" (خاموش کی طرف قول منسوب نہ کیا جائے۔ت) اس سب کا مجموعہ جتنی قیمت کا ہو زید اس کے مہر میں سے کم کرسکتا ہے لصحۃ جریان المقاصۃ بینھما (کیونکہ خاوند بیوی میں لین دین کا حساب صحیح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۴تا۱۹۵: از سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ مرسلہ امداد علی خاں ۱۵رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری زوجہ فاترالعقل ہونے کے باعث اپنی ضروریات زندگی و نفسانی خواہش کو محسوس نہیں کرسکتی یا ظاہر نہیں کرتی۔ نہ مری آبرو اور جان ومال کی حفاظت کرتی ہے بلکہ اشیاء کو خراب وبرباد کرتی ہے اور تربیت اولاد و پاکیزگی جسم وصوم وصلوٰۃ اموراتِ شرعیہ و معاملات خانہ داری سے بالکل غافل ہے ہدایت پر عمل نہیں کرتی، جب بیماری شروع تھی تو اس سے تین لڑکے پیدا ہوئے، بے حفاظتی کے باعث بقضائے الٰہی فوت ہوئے، وقت شادی سے جس کو عرصہ تقریبا دس سال کا گزرا ان نقصانات کو برداشت کرتے ہوئے حتی الامکان میں نے اور میری ضعیفہ ماں نے مریضہ کی دلجوئی، خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ کی مرض کا یقین ہونے پر حکیموں ڈاکٹروں دائیوں اور عاملوں سے علاج کرانے پر بھی کامیابی نہ ہوئی، مرض مستقل ہوگیا صحت سے مایوسی ہوگئی تقریبًا پانچ سال سے خاموشی طاری ہے اور وہ میری خدمت سے قاصر ہے، اب میری ماں کی رائے اور میری خواہش ہے کہ دوسری عورت سے عقد کیا جائے مگر مریضہ کی ماں نے اس امر سے مطلع ہوکر مجھ سے اور میری ماں سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور اسی بناپر تجاہل عارفانہ سے کام لے کر تمام برادری میں مشہور کرتی ہیں کہ میری بیٹی پاگل نہیں ہے بلکہ اس کے سسرالیوں کے ظلم سے اس کی بدمزاجی بڑھ گئی ہے، اور اپنے اس قول کی تائید کے لئے اپنی بیٹی کو بلارضامندی اپنے پاس تقریبًا چھ ماہ سے رکھ چھوڑا ہے اور چاہتی ہیں کہ میرے پاس ہی اس کے لئے پانچ روپیہ ماہوار اور خوردنوش کو مقرر کردو یا ساڑھے پانچ سو روپیہ ماہوار زر مہر معینہ ادا کرکے اس کو

طلاق دے دو، میں نے مریضہ کی ماں سے درخواست کی مہر سے لادعوی ہو کر مجھ سے تین روپیہ ماہوار کااقرار نامہ عمر بھر کے واسطے لکھالو یہ اس کے خورد و نوش کو کافی ہے مجھے اتنی ہی توفیق ہے اور کل زرِ مہر ادا کرنے کی استطاعت اس وقت مجھے نہیں ہے، وہ اس درخواست کو منظور نہیں کرتیں، اس صورت میں ازروئے شرع مجھے کیا عمل کرنا چاہئے؟

دوم یہ کہ مندرجہ صورت میں دوسرا عقد ہونے پر اگر عورت خاوند کی خدمت واطاعت کم کرے یا بالکل نہ کرے اور دوسری عورت اس سے زیادہ خدمت واطاعت کرے تو حقوق زوجگان میں مساوات رکھنی شوہر کے ذمہ لازم ہوگی یا کوئی تفریق رہ سکتی ہے اور کیا؟

الجواب:

جب تک وہ آپ کی اجازت کے بغیر اپنی ماں کے یہاں یا کسی دوسری جگہ رہے نفقہ کی مستحق نہیں، اور جب تک طلاق یا موت نہ ہو غیر میعادی مہر واجب الادا نہیں ہوتا۔ دوسری شادی اگر کی جائے اور زوجہ اولٰی بھی شوہر کے پاس رہے تو دینے لینے اور شب کو پاس رہنے میں مساوات ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از شہر بریلی محلّہ کانکر ٹولہ مسئولہ تلن ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا حالتِ نابالغی میں نکاح کر دیا تھا وہ اپنے شوہر کے گھر بالغ ہوئی اور اس کے اولادیں پیدا ہوئیں حتی کہ اب اس کے اولاد جوان موجود ہے مگر اسی عرصہ میں وہ آوارہ اور زانیہ ہو گئی اس سبب سے اس کے شوہر نے نکال کر اس کے حقیقی بھائی کے گھر پہنچا دیا، بھائی نے پھر اس کو شوہر کے یہاں پہنچا دیا، ایسا قصہ تین چار مرتبہ ہوا، اور ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہندہ کو اس کے شوہر کے چچا نے اپنی لڑکیوں کی شادی میں بلوایا، اور چودھری نے اسکے شوہر کے یہاں حلقہ شادی میں پہنچا دیا، مگر صبح کو پھر اس کے شوہر نے اس کو اس کے بھائی کے یہاں پہنچا دیا، اور ایک مرتبہ ہندہ مذکور کو بھائی نے نہیں رکھا تو وہ اپنے ماموں کے گھر آئی تو ماموں نے چند روز رکھ کے کہا کہ میں کنبہ والا ہوں مجھ میں اب طاقت رکھنے کی نہیں ہے اپنے چچا تایاؤں اور دوسرے عزیزوں کے یہاں رہو۔ برادر لوگ، بھائی اور ہندہ کے ماموں کا حقہ پانی بند کرتے ہیں، ازروئے شرع کے ان کا حقہ پانی بند ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور ہندہ کا رکھنا کس پر واجب ہوگا؟ چچا یا شوہر یا ماموں اور بھائی وغیرہ کس پر اس کا روٹی کپڑا مقرر ہوگا یا کوئی بھی رکھنے کا ذمہ دار نہ ہوگا؟ ہندہ کو نکال دیا جائے یا کیا کیا جائے؟ مکرر یہ کہ شوہر نے ہندہ کو ابھی طلاق نہیں دی ہے اور برابر اس کو روٹی کپڑا دیتا ہے، سال بھر سے ماقبل کے اپنے بھائی اور ماموں کے سر ہے شوہر کے بوجہ نہ دینے طلاق کے نان و نفقہ ہندہ کو دینا چاہئے یا نہیں؟ اور شوہر کو تحقیق ہو جانے زنا پر فوراً طلاق دینا چاہئے یا روٹی بند کرنا چاہئے؟

الجواب:

اگر زنا متحقق بھی ہو جائے جب بھی طلاق دینا واجب نہیں جب تک طلاق نہ دے، اور ہندہ اس کے یہاں سے خود نہ نکلے تو روٹی کپڑا شوہر کے ذمہ ہے اس پر واجب ہے کہ روٹی کپڑا دے یا طلاق دے گا تو ختمِ عدت تک کا روٹی کپڑا اور مہر اسے ادا کرنا ہوگا، بعد عدت ہندہ مہر وغیرہ اپنے مال سے کھائے گی اگر مال رکھتی ہو یا دوسرے شوہر کے پاس سے، اگر دوسرا نکاح کرے، اور مال نہ رکھتی ہو نہ کما سکتی ہو نہ دوسرا نکاح ہو تو اس کا روٹی کپڑا اس کے جوان بیٹے پر واجب ہے بھائی یا چچا یا ماموں وغیرہ پر کچھ نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۷: از کلکتہ دھرم تلالین مکان حاجی سلیمان یوسف مہ پارہ نمبر ۴۵ مرسلہ مولوی سید ابراہیم صاحب مدنی ۱۸ شوال ۱۳۱۹ھ

ماقولکم دام فضلکم معشر علماء الاسلام رحمکم الله تعالٰی فی الدارین فی رجل یشرب الخمر دائما ویهتك ویمزق الاوراق الکریمة التی فیها نقش المسجد الحرام والروضة المطهرة النبویة علیه الف الف صلٰوة وتحیة ویعلق بدلها علی الجدران تصاویر اٰلهة الکفار الفجار، وقدرمی اوراق المتبرکة فی القاذورات ویضرب الزوجة علی اداء الصلٰوة ویمنعها ویضربها اذا لاتشرب الخمر واذا قیل له تعال نذهب الی المسجد فیقول انا اذهب الی المسکرات لاشربها ومالی حاجة الیه ولاینفق علیها النفقة واذا اجبر علی الطلاق لایطلقها ویأبی الطلاق حتی عجزت ورفعت شکواها الی الحاکم فاقر عنده فی الشهر بعشرة مضروبة مسکوکة والان	علماء اسلام کی جماعت، اللہ تعالٰی تم پر دونوں جہان میں رحمت فرمائے اور تمہاری فضیلت کو دائم رکھے، آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو ہمیشہ شراب پیتا ہے اور مسجد حرام اور روضہ مطہر نبی پاک ان پر ہزار ہزار صلٰوۃ وسلام ہو، کے نقش والے مبارک اوراق کی ہتک کرتے ہوئے ان کو پھاڑتا ہے، اور دیوار پر ان کی جگہ کافروں کے بتوں کی تصاویر کو آویزاں کرتا ہے اور اس نے مبارک اور اق کو گندگی میں پھینکا ہے اور بیوی کو نماز سے روکتا اور مارتا ہے اور اسے شراب نہ پینے پر مارتا ہے، اور جب اسے مسجد میں جانے کے لئے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے میں تو شراب خانوں میں جاکر شراب نوشی کرونگا اور مجھے مسجد میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، اور بیوی کو نفقہ نہیں دیتا اور جب اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے تو وہ انکار کرتے ہوئے بیوی کو طلاق نہیں دیتا حتی کہ بیوی نفقہ سے عاجز ہو کر حاکم سے شکایت کرتی ہے تو وہ حاکم کے پاس بیوی کو ماہانہ دس روپے دینے کا اقرار کرتا ہے جبکہ اب تک

صارت ثلث مااعطاھا شیأ من ذٰلك فما حکمه فی الصور المرقومة ھل بقیت زوجته فی النکاح ام لا وھل یحکم بکفرہ ام لا فاذا بطل نکاحه بالامور المذکورۃ ھل یجوز لھا ان تنکح رجلا اٰخر للضرورۃ والظاھر انھا لاتجد من یقرضھا وھل استحسن الاحناف ان ینصب القاضی الحنفی نائبا شافعی المذھب یفرق بینھما اذاکان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لایتیسر بالاستدانة فالتفریق امر ضروری بینوا بالکتاب تؤجروا بیوم الحساب۔	تین سال ہوچکے ہیں اس نے بیوی کو کچھ نہیں دیا، تو ان تمام مذکورہ صورتوں میں اس شخص کے لئے کیا حکم ہے، کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں باقی ہے، اور کیا اس کے کافر ہوجانے کا حکم ہوگا یا نہیں، تو کیا مذکورامور کی وجہ سے جب اس کا نکاح باطل ہے تو بیوی دوسری شخص سے ضرورت کی بناپر نکاح کرسکتی ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ نفقہ کے لئے اس کو قرض دینے والا کوئی نہیں ملتا اور کیا احناف نے حنفی قاضی کے لئے کسی شافعی مذہب والے کو اپنا نائب بنانا پسند کیا ہے تاکہ وہ شافعی مذہب کے مطابق خاوند کی موجودگی میں اس سے طلاق کا مطالبہ کرے اور انکار پر وہ دونوں میں تفریق کا فیصلہ دے، کیونکہ بیوی کی دائمی نفقہ کی حاجت قرض سے پوری ہونا آسان نہیں ہے اس بناپر دونوں میں ضرورت کی وجہ سے تفریق کے بغیر چارہ نہیں ہے، کتاب کے حوالے سے بیان کرو اور قیامت کے روز اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

اللھم لك الحمد رب انی اعوذبك من ھمزات الشیٰطین واعوذبك رب ان یحضرون کل ماوصف فی السوال فما للرجل من سیئ الافعال واسوء الاقوال فکبائر متناھیة فی الاثم والو بال وکله کفر علی الاحتمال فان شرب الخمر کبیرۃ والادمان اکبر صحبه استحلال لھا اواستخفاف بحرمتھا فقد کفر وتمزیق الاوراق الکریمة المذکورات	یا اللہ! تیرے لئے ہی حمد ہے، اے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور اے رب! شیطانوں کی موجودگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ سوال میں شخص مذکور کے برے افعال اور بدترین اقوال جو ذکر کئے گئے ہیں وہ گناہ اور وبال میں انتہائی کبیرہ ہیں، اور تمام کفر کا احتمال رکھتے ہیں کیونکہ شراب پینا کبیرہ گناہ ہے اور اس پر دوام اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور اس پر دوام اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور اگر اس سے کے ساتھ ساتھ وہ حلال جان کر اور شراب کی حرمت میں تخفیف جان کر پیتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور مبارک اوراق کو پھاڑنا اور

والقاء وھافی موضع القاذورات ان کان مبنیا علی اصول الوھابیة النجدیة خذلھم اللہ تعالٰی من ان ذلك بدعة والبدعة تزال،فجھل وضلال واستحقاق لعذاب ونکال وان قصد اھانة تلك البقاع فکفر بواح وارتداد صراح وتعلیق تلك التصاویر النجسة علی الجدران ان کان علی مایتعاداہ المجان یزعمون فیه تزیین المکان غیر متعمدین الی الکفر من الکفران فکبیرة خبیثة تدعواالی النیران وتبعد الملٰئکة وتقرب الشیطان،وان وقع علی جھة استحسان صنیع الکفار وتعظیم اٰلھة اصحاب النارفکفر صریح جلی الاکفار وضرب المرأة علی اداء الصّلوٰة ومنعھا منه وضربھا علی ترك شرب الخمر وابائھا عنه کل ذٰلك تناہ فی التشطین والبغی والتفرعن وان کان مع ذٰلك ینکر فرضیة الصلوٰة اوحرمة الخمر او یستخف بالشرع والنھی والامر فکفر واعراضه عن المسجد خیر الاماکن ومکابرة الداعی الی اللہ بذلك القول الخبیث المنتن فھو به للکفراقرب منه للایمان و باللہ العیاذ من مجون المجان فان کان قاله علی نھج الملاعبة فیالھا	ان کو گندگی میں پھینکنا اگر بدنام زمان نجدی وہابیوں کی روش پر مبنی ہے کہ یہ بدعت ہیں اور بدعت کو ختم کرنا چاہئے تو یہ جہالت، گمراہی اور عذاب و سزا کا مستحق بننا ہے،اور اگر اس عمل سے اس کا مقصد اوراق پر تصویروں والے مقامات کی اہانت و تحقیر مقصود ہے تو یہ کھلا کفر ہے اور واضح طور پر ارتداد ہے۔اور بتوں کی ناپاک تصویروں کو دیواروں پر آویزاں کرنا اگر ویسے عادت کے طور پر کہ اس کو پاگل لوگ مکانات کی زینت سمجھتے ہیں اور کسی کو کفر کی طرف تجاوز نہ کیا ہو تو یہ خبیث ترین کبیرہ گناہ ہے جو جہنم میں لے جانے والا فرشتوں کو دور اور شیطانوں کو قریب کرنے والا ہے،اور اگر یہ کام کفار کی رسم کو پسند کرتے ہوئے اور دوزخیوں کے معبودوں کی تعظیم کے طور پر کیا ہو تو یہ صریح کفر جو اس کی تکفیر کا باعث ہے،واضح وارتداد فاضح بیوی کو نماز کی ادائیگی پر مارنا اور اس سے منع کرنا اور شراب نہ پینے پر اور شراب نوشی سے انکار پر اس کو مارنا تو یہ تمام انتہائی شیطینت،فرعونیت اور بغاوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت کا منکر ہے اور شریعت اور اس کے اومر اورنواہی کی تحقیر کرتا ہے تو یہ کھلا کفر ہے اور رسواکن ارتداد ہے۔اس کا بہترین مکان جو مسجد ہے سے اعراض کرنا اور اللہ تعالٰی کی دعوت سنانے والے کو مکابرہ کے طور پر خبیث اور بدبو والی بات کہنا(کہ میں شراب خانے جاؤں گا مجھے مسجد کی ضرورت نہیں ہے)تو اس سے وہ کفر سے قریب اور ایمان سے دور ہوگیا(پاگلوں کے پاگل پن سے اللہ تعالٰی کی پناہ)تو یہ بات

من کبیرۃ کثیرۃ الشناعۃ والافالکفر ظاہر فیہ لاشك یعتریہ بید ان الکفر امر شدید لایحکم بہ مع احتمال الاسلام ولو من بعید والمرأۃ لاتبین الا بتفریق مبین اوکفر متبین نعم یومر بالتوبۃ عن تلك القبائح ثم بعد ذٰلك بتجدید النکاح، فی جامع الفصولین اواخر الفصل قیل لہ یایک درہم بدہ تا بعمارت مسجد صرف کنم یابہ مسجد بیابنماز فقال من نہ بمسجد آیم ونہ درہم دہم مرابمسجد چہ کار وھو مصر علی ذٰلك لایکفر ولکن یعزر [1]، واما التفریق لعدم الانفاق والزوج حاضر وموسر قادر فلم یقل بہ حنفی ولاشافعی بل نص علی خلافہ الامام الشافعی فلا سبیل للمرام الاالاشتکاء الی الحکام لیجبروہ علی الانفاق وان لم یرضہ فعلی الطلاق لقولہ تعالٰی فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ [2]،	اگر کھیل میں رغبت کے طور پر کی ہے تو یہ کتنی بڑی جرأت کبیرہ ہے اور بہت زیادہ قابلِ نفرت ہے، ورنہ یہ کھلا کفر ہے جس میں کوئی شک نہیں، تاہم کفر شدید معاملہ ہے، تو جب تک اسلام کا پہلو نکل سکتا ہے کفر کا حکم نہ لگایا جائے، اگرچہ اسلام کا احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو، جبکہ بیوی صرف قاضی کی تفریق یا واضح کفر کی بناء پر ہی نکاح سے خارج ہوگی، ہاں ایسے شخص کو اس کی مذکورہ قباحتوں پر توبہ کرنے اور پھر بعد میں تجدید نکاح کا حکم کیا جائے، جامع الفصولین کی فصل نمبر ۳۸ کے آخر میں ہے کسی شخص کو کہا کہ مسجد کی عمارت کے لیے ایک درہم چندہ دے یا اس کو کہا گیا مسجد میں آکر نماز پڑھ، تو اس نے جواب میں یوں کہا کہ میں نہ مسجد میں آتا ہوں اور نہ درہم دیتا ہوں مجھے مسجد سے کیا کام، اور اس نے اصرار کیا ہو تو اسے کافر نہ کہا جائے گا لیکن تعزیر لگائی جائیگی۔ لیکن خرچ نہ دینے پر جب خاوند حاضر ہو اور امیر ہو نفقہ دینے پر قادر ہو تو اس صورت میں کسی حنفی نہ کسی شافعی نے تفریق کا قول کیا ہے بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کے خلاف تصریح کی ہے لہٰذا خاوند جب قادر ہو اور امیر ہو تو پھر مقصد برآری کی یہی صورت ہے کہ حکام سے بیوی شکایت کرے تاکہ وہ خاوند کو نفقہ دینے پر مجبور کریں اگر نفقہ دینے پر راضی نہ ہو تو پھر اس کو طلاق دینے پر مجبور کریں کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۳۱۶/۲

[2] القرآن الکریم ۲۳۱/۲

فی ردالمحتار عن غرر الاذکار ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا ممن مذھبه التفریق بینھما اذاکان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لایتیسر بالاستدانه اذ الظاھر انھا لاتجد من یقرضھا وغنی الزوج مآلا امرمتوھم فالتفریق ضروری اذا طلبته وان کان غائبا لایفرق لان عجزہ غیر معلوم حال غیبته وان قضی عجزہ غیر معلوم حال غیبته وان قضی بالتفریق لاینفذ قضاؤہ لانه لیس فی مجتھد فیه لان العجز لم یثبت [1] اھ فانظر الی قوله وغنی الزوج مآلا امرمتوھم وقوله فی الغائب لان عجزہ غیر معلوم یرشد انك ان الکلام انما ھو فی العاجز المعسر دون القادر المستکبر وانظر اٰخر الکلام یفیدك ان القضاء بالتفریق حیث لم یثبت عجزہ باطل سحیق وقد قال فی ردالمحتار ایضا قبله

بیویوں کو اچھی طرح رکھو یا ان سے بھلائی کے ساتھ جدائی کرلو۔ ردالمحتار میں غررالاذکار سے منقول ہے کہ ہمارے مشائخ نے یہ پسند کیا ہے کہ حنفی قاضی کسی شافعی یا اس شخص کو جس کا مذہب یہ ہو کہ نفقہ نہ دینے پر حاضر خاوند کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے اگر طلاق نہ دے تو قاضی تفریق کرے، اپنا نائب بنا کر اس سے تفریق کرادے کیونکہ نفقہ کی حاجت دائمی ہے جو کہ بیوی کے قرض اٹھانے پر پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ ظاہر میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو اس کو قرض دیتا رہے جبکہ خاوند کا بالآخر غنی ہو کر نفقہ ادا کرنا موہوم بات ہے تو بیوی کے مطالبہ پر اس صورت میں تفریق ضروری ہے، اور مذکورہ صورت میں اگر خاوند غائب ہو تو تفریق نہ کی جائے کیونکہ غائب ہونے کی صورت میں خاوند کا نفقہ سے عجز معلوم نہ ہوسکے گا اس صورت میں اگر تفریق کردی تو وہ نافذ نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں تفریق مجتہدین کے ہاں زیر بحث مسئلہ نہیں ہے کیونکہ خاوند کا عجز معلوم نہیں ہے، اھ۔ اس عبارت میں "بالآخر خاوند کا غنی ہونا موہوم ہے" اور غائب ہونے والے کے بارے میں "یہ کہ اس کا عجز معلوم نہیں" پر غور کریں تو یہ رہنمائی ملتی ہے کہ تفریق کی بات صرف خاوند کے تنگدست اور عاجز ہونے کی صورت میں ہے، نہ کہ قادر اور ہٹ دھرم خاوند کی صورت میں، اور پھر مذکورہ کلام کا آخری حصہ تو واضح طور پر بتارہا ہے کہ جب خاوند کا عجز ثابت نہ ہو تو وہاں تفریق کا فیصلہ

[1] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۵۶/۲

مانصه والحاصل ان عند الشافعی اذا اعسر الزوج بالنفقة فلها الفسخ وكذااذاغاب وتعذر تحصیلها منه علی مااختاره كثیرون منهم لكن الاصح المعتمد عندهم ان لافسخ مادام موسراوان انقطع خبره وتعذر استیفاء النفقة من ماله كما صرح به فی الاُم قال فی التحفة (یعنی سیدنا الامام الشافعی رضی الله تعالٰی عنه) قال (یعنی العلامة ابن حجر المكی الشافعی رحمه الله تعالٰی) بعد نقله ذلك فجزم شیخنا (یعنی العلامة شیخ الاسلام زكریا الانصاری) فی شرح منهجه۔ان القول بالفسخ فی منقطع خبر لامال له حاضر مخالف للمنقول كما علمت [1] الخ وفی كتاب الانوار للامام یوسف اردبیلی الشافعی رحمه الله تعالٰی لوامتنع مع القدرة اوغاب مع الیسار اوقدرت علی ماله فلاخیار [2]۔وفیه ولو جهل حال الغائب من الیسار او الاعسار او شك فی یساره فلا خیار لان	بالکل باطل ہے جبکہ ردالمحتار میں مذکور کلام سے قبل بھی فرمایا، عبارت یوں ہے، الحاصل امام شافعی کے ہاں جب خاوند تنگدست قرار پائے تو بیوی کو فسخ کے مطالبے کا حق ہوتا ہے اور یونہی اگر خاوند غائب ہو اور اس کے ملنے کی امید نہ ہو تو بھی نفقہ کی ناامیدی پر اکثر شوافع حضرات کے ہاں فسخ مختار ہے لیکن ان کے مذہب میں معتمد علیہ اور اصح یہ ہے کہ اس وقت تک فسخ کا اختیار نہیں جب تک اس کی تنگدستی ثابت نہ ہو جائے اگرچہ غائب ہو کہ اس کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کے مال سے بیوی کے لئے نفقہ کی کوئی صورت نہ بن پاتی ہو، جیسا کہ امام شافعی کی کتاب "الام" میں تصریح ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے تحفہ میں فرمایا، علامہ ابن حجر مکی شافعی نے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمارے شیخ یعنی شیخ الاسلام زکریا انصاری نے اپنی منہج کی شرح میں یہ جزم فرمایا ہے کہ ایسے غائب شخص جس کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کا مال بھی موجود نہ ہو، تو فسخ کا فیصلہ منقول کے خلاف ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا ہے۔ امام یوسف اردبیلی شافعی کی "کتاب الانوار" میں ہے کہ خاوند قادر ہونے کے باوجود نہ دے، یا امیر ہونے پر وہ غائب ہو، یا بیوی اس کے مال سے نفقہ حاصل کرنے پر قادر ہو تو پھر فسخ کا اختیار نہیں ہے، اور اس میں ہے کہ اگر غائب ہو اور اس کی تنگدستی یا تونگری معلوم نہ ہو یا اس کے حال میں شک ہو تو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ فسخ کا

[1] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۵۶/۲

[2] الانوار

السبب لم یتحقق ویفهم من هذاانه لوغاب معسر اومضت مدة فلاخیار لها لاحتمال الیسار [1]، وفی شرح الکمثری قال فی التحفة والمنهاج والاصح ان لافسخ بمنع موسراو متوسط حضر اوغاب لتمکنها منه ولو غائبا کماله بالحاکم والمعتمد مافی المتن ومن ثم صرح فی الام بانه لافسخ مادام موسراوان انقطع خبره وتعذر استیفاء النفقة من ماله والمذهب نقل کما قاله الاذرعی فجزم شیخنافی شرح منهجه بالفسخ فی منقطع خبر لامال له حاضرا مخالف للمنقول کما علمت ولافسخ بغیبته من جهل حاله یسارا او اعسارا بل لو شهدت بینة انه غاب معسرا فلافسخ مایشهد باعساره الان اھ کلام التحفة [2] ھ باختصار،وفی تعلیقاته للفاضل ابراھیم الشافعی جزم فی شرح منهجه بالفسخ فی منقطع خبر	سبب موجود نہیں ہے۔اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر خاوند تنگدست غائب ہو اور کچھ مدت گزر جائے تو بھی اختیار فسخ نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اب وہ امیر بن چکا ہو۔ کمثری کی شرح میں ہے کہ تحفہ اور منہاج میں فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ امیر خاوند غائب یا متوسط حال والاحاضر ہو یا غائب تو فسخ نہیں ہوگا کیونکہ بیوی کو نفقہ کا حصول ممکن ہے جیساکہ غائب ہونے کی صورت میں اس کا مال موجود ہوتو قاضی کے ذریعہ حاصل کرسکتی ہے،اور قابل اعتماد وہ ہے جو متن میں ہے،اسی لئے الام میں تصریح ہے کہ امیر خاوند غائب ہوا گرچہ اس کی کوئی خبر نہ ہواور اس کے مال سے نفقہ حاصل کرنا مشکل ہو،یہی مذہب منقول ہے،جیسا کہ اذرعی نے فرمایا کہ ہمارے شیخ نے اپنی منہج کی شرح میں فرمایا کہ ایسا غائب جس کی کوئی خبر نہ ہواور حاضر مال بھی نہ ہو تواس صورت میں فسخ کا قول منقول مذہب کے خلاف ہے جیساکہ تمہیں معلوم ہوا ہے،اور فسخ جب بھی نہیں کہ غائب شخص کے تنگدست یاامیر ہونے کا علم نہ ہو بلکہ گواہوں نے شہادت بھی دی ہو کہ غائب ہونے والا تنگدست ہے تب بھی فسخ نہیں کہ یہ شہادت موجودہ حال کی نہیں ہے،تحفہ کا کلام ختم ہوا،اھ، اختصارًا۔ الفاضل ابراہیم شافعی نے اپنی تعلیقات میں فرمایا کہ شیخ نے اپنی منہج کی شرح میں اس پر جزم کیا ہے کہ وہ غائب جس کی خبر

[1] الانوار
[2] الانوار

لامال له قال ابن حجر وهو خلاف المنقول فانه صرح فی الامر بانه فسخ مادام موسر اوان انقطع خبره وتعذر استیفاء النفقة من ماله [1] اه وفی قرة العین بمهمات الدین وشرحها فتح المعین کلاهما للعلامة زین الدین الشافعی تلمیذ الامام ابن حجر المکی رحمهما اللہ تعالٰی (فسخ نکاح من اعسر فلا فسخ) علی المعتمد (بامتناع غیره) موسرا او متوسطا من الانفاق حضر اوغاب (و) لافسخ (قبل ثبوت اعساره) باقراره او بینة تذکر اعساره الاٰن ولا تکفی بینة ذکرت انه غاب معسرا [2] اه ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔	معلوم نہ ہو اور اس کا مال نہ ہو تو فسخ ہوگا جبکہ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ منقول مذہب کے خلاف ہے کیونکہ امام شافعی نے الام میں تصریح کی ہے کہ غائب شخص جس کی خبر معلوم نہ ہو وہ جب تک امیر ہے اور اس کے مال سے نفقہ پورا کرنا مشکل ہو تو بھی فسخ نہ ہوگا۔ علامہ زین الدین شافعی تلمیذ امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالٰی کی دونوں کتب، قرۃ العین بمہمات الدین، اور اس کی شرح فتح المعین، میں ہے کہ تنگ دست کا نکاح فسخ ہوگا اور معتمد قول کے مطابق کسی ایسے شخص کا جو امیر ہو یا متوسط ہو اور وہ نفقہ نہ دے خواہ حاضر ہو یا غائب کا نکاح فسخ نہ ہوگا تنگدستی کا ثبوت اس کے اقرار سے ہوگا یا شہادت سے ہوگا جس میں یہ ذکر ہو کہ اب تنگدست ہے اس میں یہ ذکر کافی نہیں کہ غائب ہوتے وقت وہ تنگدست تھا اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۸: از ہوڑہ رام کشٹو پور محلّہ بانس تلا گھاٹ روڈ مرسلہ محمد حسن رضا خاں صاحب ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت پردہ نشین اپنے شوہر کی مطلقہ ہے، بعد عدت عقد ثانی کیا، بعد گزرنے ایک برس میکے آئی اور ذاتی یا زوجی تکلیف کی وجہ سے شوہر ثانی کے یہاں جانا پسند نہیں کرتی ہے اور اس سے خلع چاہتی ہے اور شوہر اولٰی کی موانست کو پسند کرتی ہے، شوہر ثانی باعث جہالت اور بہکانے دوسروں کے طلاق نہیں دیتا اور نہ کافی طور پر بی بی کا حق ادا کرسکتا ہے اور صورت اوقات بسری عورت کی ذاتی حیثیت کچھ بھی نہیں اور نہ میکے میں فراغت، پردہ بھی فرض ہے اور کھانا کپڑا بھی واجب، پھر ایسے موقعہ میں کیوں اقتداء مسائل حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ چاروں امام جب کہ برحق ہیں اور اگر اقتدا امام شافعی کی کی جائے تو حقیقت اس مسئلہ کی کیا ہے، ایسی حالت میں پیروی دوسرے

[1] تعلیقات

[2] فتح المعین شرح قرۃ العین عامر الاسلام پور پریس ترونگاری کبیر ص ۴۲۴ تا ۴۲۷

امام کی نہ کرنے سے خوف غلبہ شیطان کا ہے نہ معلوم کس گناہ کبیرہ میں مرتکب ہو اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضرورۃ اور مصلحۃً اقتداء لازم ہے۔

الجواب:

قرآن عظیم نے شوہر دار عورتوں کو حرام قطعی فرمایا سائل کے گول لفظ شرط مذہب شافعی کو پورا نہیں کرتے، عورتوں کو ہوائے نفس کا اتباع کرنا اور اسے کسی امام دین کے سر رکھنا دین نہیں نہ حنفی اس پر فتوے کا مجاز بلکہ اگر حنفی حاکم شرعی اس پر حکم دے گا قضا نافذ نہ ہوگی، درمختار میں ہے:

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا ولابعدم ایفائہ حقھا ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ[1]۔	حنفی مذہب میں نفقہ سے عاجز ہونے یا بیوی کا حق پورا نہ کرنے پر تفریق نہ ہوگی اگر کسی حنفی نے یہ تفریق کی تو نافذ نہ ہوگی۔(ت)

چارہ کار حکومت کی طرف رجوع ہے کہ وہ اسے دو باتوں میں سے ایک پر مجبور کرے یا ادائے نفقہ یا طلاق، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

کتاب الایمان

مسئلہ ۱۹۹: ۵ جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمO الحمد للہ رب العٰلمینO والعاقبۃ للمتقینO والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعینO

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ مقدمہ میں کہ زید نے قسم مغلظ کھائی ساتھ اس معاہدہ کے کہ اگر میں بکر سے کسی وقت میں ہمکلام ہوں توزوجہ میری کو طلاق ہے چنانچہ بعد اس عہد کے بکر نے وفات پائی اور زید قبر پر گیا اور احکام شرعیہ کوکام میں لانا یعنی سلام علیکم کہہ کر فاتحہ قبر پر زید نے پڑھی تواس صورت میں زوجہ زید پر طلاق عائد ہوئی یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

الحمد الکثیر للحی القدیر، والصلوٰۃ والسلام علی السمیع البصیر واٰلہ وصحبہ الی یوم المصیر۔	کثیر ترین حمدیں زندہ قدرت والے کے لئے ہیں، صلوٰۃ وسلام کامل سمع و بصر والے پر اور ان کی آل واصحاب پر تایوم القیامۃ۔(ت)

صورت مستفسرہ میں زنِ زید پر طلاق نہ ہوئی، جامع صغیر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں ہے:

محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم رجل قال	امام محمد نے امام ابویوسف سے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ ایک شخص نے دوسرے

لاٰخر ان ضربتك فعبدی حرفمات فضربه قال فهو علی الحیٰوة، وکذٰلك الکسوة والکلام والدخول انتھی۔[1]	کو کہا اگر میں تجھے ماروں تو میرا غلام آزاد ہے، دوسرے کے فوت ہونے کے بعد اس نے اسے مارا (تو قسم نہ ٹوٹے گی) یوں ہی لباس، کلام یا دخولِ دار کی قسم کھائی ہو تو وہ بھی فوت ہونے کے بعد کارروائی پر نہ ٹوٹے گی کہ ان قسموں کا تعلق زندہ سے ہوتا ہے اھ (ت)

وجہ اس کی یہ ہے کہ بنائے یمین عرف پر ہے اور عرف میں اس سے کلام بعد الموت مقصود و مفہوم نہیں ہوتا، نہ بعد موت کلام و سلام کو یہ کہتے ہیں کہ زائر میت سے باتیں کر رہا ہے اگرچہ وحقیقۃً وشرعًا کلام و سلام ہے جیسے قسم کھانے والا کہ گوشت نہ کھائے گا مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ حقیقۃً وشرعًا گوشت اس پر بھی صادق،

قال اللہ تعالٰی لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم دریا سے تازہ گوشت کھاؤ۔ (ت)

ولہٰذا اگر قسم کھائی کہ کلام نہ کرے گا اور قرآن پڑھا، تسبیح و تہلیل کی، حانث نہ ہوگا، حالانکہ حقیقۃً وشرعًا یہ بھی کلام ہے

قال اللہ تعالٰی اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ[3] وقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم[4]۔ رواہ البخاری۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اسی کی طرف طیب کلمات اٹھتے ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دو کلمے زبان پر خفیف، ترازوں میں بھاری، اللہ تعالٰی کے ہاں محبوب ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم، اس کو بخاری نے روایت کیا (ت)

یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں اگر قسم کھائی زید سے کلام نہ کروں گا اور زید نماز جماعت میں اس کے برابر کھڑا تھا سلام پھیرتے وقت اس کی طرف منہ کرکے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا حانث نہ ہوا اگرچہ اس سلام میں نیت حاضرین کا قطعًا حکم ہے اسی طرح اگر جس کی نسبت قسم کھائی تھی وہ امام ہوا اور نماز میں بھولا اس نے بتایا قرأت میں لقمہ دیا حانث نہ ہوگا حالانکہ یہ قطعًا اس سے خطاب ہے اور خاص بقصد خطاب صادر،

فی الهندیة لو حلف لایتکلم ولانیة	ہندیہ میں ہے کسی نے قسم کھائی کہ کلام نہ کروں گا، اور

[1] جامع الصغیر باب الیمین فی القتل والضرب مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۴۷

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۴

[3] القرآن الکریم ۳۵/ ۱۰

[4] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجھیمة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۹

له فصلی وقرأفیها اوسبح او هلل لم یحنث وقال الفقیه ابواللیث ان عقد یمینه بالفارسیة لایحنث بالقراءة والتسبیح خارج الصلوٰة ایضا للعرف فانه یسمی قارئا ومسبحا لامتکلما وعلیه الفتوی کذافی الکافی اھ[1] ملخصًا۔	خاص نیت نہ کی، تو نماز پڑھنے میں قرات کرنے، تسبیح و تہلیل کرنے پر قسم نہ ٹوٹے گی۔اور ابواللیث فقیہ نے فرمایا اگر کسی نے فارسی زبان میں قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا، تو خارج از نماز قرات کرنے اور تسبیح پڑھنے پر بھی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس عمل والے کو عرف میں قاری اور تسبیح پڑھنے والا کہا جاتا ہے کلام کرنے والا نہیں کہا جاتا، اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ کافی میں ہے اھ ملخصًا (ت)

اسی میں ہے:

اذاحلف لایکلم فلانا فاقتدی الحالف بالمحلوف علیه فسها المحلوف علیه فسبح له الحالف لم یحنث کذافی المحیط[2]۔	اگر قسم کھائی کہ وہ فلاں سے بات نہ کرے گا، تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے وہ بھول جائے تو قسم کھانے والے نے اسے سبحان اللہ کہہ کر لقمہ دیا تو حانث نہ ہوگا، یعنی قسم نہ ٹوٹے گی جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

کذا اذا سلم عن الصلوٰة وفلان عن جنبه کذافی العتابیة[3]۔	یونہی جب نماز سے سلام پھیرے اور وہ فلاں اس کے پہلو میں ہو، جیسے کہ عتابیہ میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لوکان المحلوف علیه اماما والحالف مقتدیا به ففتح علی الامام لایحنث[4] الخ۔	جس کے متعلق قسم کھائی اگر وہ امام ہو اور قسم کھانے والا مقتدی ہو تو امام کو لقمہ دینے پر وہ حانث نہ ہوگا، الخ (ت)

اسی طرح صدہا مسائل میں جن کا ماخذ وہی عرف پر احکامِ ایمان کی بنا ہے، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے قسمیہ کہا کہ یہ کام کر، اور اس نے

---

[1] الفتاوی الهندیة الباب السادس فی الیمین علی الکلام نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۹۷

[2] الفتاوی الهندیة الباب السادس فی الیمین علی الکلام نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۹۷

[3] الفتاوی الهندیة الباب السادس فی الیمین علی الکلام نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۹۷

[4] الفتاوی الهندیة الباب السادس فی الیمین علی الکلام نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۹۷

نہ کیا تو بہ سبب انکار اس کام کے عمرو پر قسم عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کسی کے قسم دلانے سے نہ اس پر قسم عائد ہو نہ اس کام کا کرنا واجب، حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتقسم**[1] قسم نہ دو۔ معلوم ہوا کہ دلانے سے ماننا واجب نہیں ہوتا، ہاں اگر حرج نہ ہو تو مان لینا مستحب ہے **کما نص علیہ الفقھاء الکرام** (جیسا کہ اس پر فقہاء کرام نے تصریح فرمائی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۱: قرآن مجید کی قسم کھانے سے قسم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اس کا کفارہ کیا ہے؟ اور اگر کسی گناہ کرنے پر قسم کھائی ہو تو اسے توڑے یا کیا کرے؟ اور جو شخص دوسرے کو دھوکا دینے کے لئے قسم کھائے اس کے پورے کرنے کا دل میں ارادہ نہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قرآن مجید کی قسم شرعاً قسم ہے،

فی الدرالمختار قال الکمال لایخفی ان الحلف بالقراٰن الاٰن متعارف فیکون یمینا انتھی[2]۔	درمختار میں ہے کہ کمال نے فرمایا کہ مخفی نہ رہے کہ آجکل قرآن پاک کی قسم متعارف ہو چکی ہے لہٰذا یہ قسم قرار پائیگی اھ(ت)

اسی میں ہے:

الایمان مبنیۃ علی العرف فما تعورف الحلف بہ فیمین ومالا فلا انتھی[3]۔	قسموں کی بناء عرف پر ہے، تو عرف میں جس چیز کی قسم متعارف ہو جائے وہ قسم قرار پائے گی، اور جو متعارف نہ ہو قسم نہ ہوگی اھ(ت)

اور قسم اگر امر مستقبل پر ہے جس کا کرنا اس کے قبضہ اقتدار میں ہے تو اس کے جھوٹا کرنے میں گناہ ہے اور کفارہ اس کا رافع، بشرطیکہ وہ کسی معصیت پر نہ ہو مثلاً شراب پئے گا یا نماز نہ پڑھے گا کہ اس کا تو جھوٹا کرنا پھر کفارہ دینا واجب ہے

فی الدرالمختار ومنعقدۃ وھی حلفہ علی مستقبل اٰت یمکنہ وفیہ الکفارۃ	درمختار میں ہے: یمین منعقدہ اور وہ ہوتی ہے کہ آئندہ ممکنہ چیز کے متعلق حلف دیا جائے، اس میں حانث

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عباس دارالفکر بیروت ۱/۲۱۹

[2] الدرالمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۱

[3] الدرالمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۱

ان حنث وھی ای الکفارۃ ترفع الاثم وان لم توجد منہ التوبۃ معہا ای مع الکفارۃ۔ سراجیہ [1] اھ ملخصًا، وفیہ ایضاً من حلف علی معصیۃ کعدم الکلام مع ابویہ اوقتل فلان وجب الحنث والتکفیر لانہ اھون الامرین [2]۔	ہونے پر کفارہ ہوتا ہے اور وہ کفارہ قسم کے گناہ کو ختم کردیتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ توبہ بھی نہ کرے، سراجیہ اھ ملخصًا۔ اس میں یہ بھی ہے اگر کسی نے گناہ پر قسم کھائی مثلاً کہا میں والدین سے بات نہ کروں گا یافلاں کو قتل کروں گا، تو اس پر لازم ہے کہ وہ حنث کرے (یعنی قسم توڑ دے) اور کفارہ دے دے کیونکہ یہ کفارہ اس گناہ کے مقابلہ میں کم تر ہے۔ (ت)

اور کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یادس مسکینوں کو متوسط کھانا یا کپڑا دینا جو تین مہینہ سے زیادہ چلے اور سب بدن ڈھک لے، اور جو کچھ نہ ہوسکے تو متواتر تین روزے رکھنا ہے،

فی الدرالمختار وکفارتہ تحریر رقبۃ اواطعام عشرۃ مساکین کمافی الظھار او کسوتھم بمایصلح للاوساط وینفع بہ فوق ثلثۃ اشھر ویستر عامۃ البدن فان عجز عنہا کلہا وقت الاداء صام ثلثۃ ایام ولاء [3] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ گردن آزاد کرے، یا دس مسکینوں کو کھانا دے جیسا کہ ظہار میں ہوتا ہے، یادس مسکینوں کو درمیانہ لباس دے جو عام بدن کو ڈھانپ لے اور کم از کم تین ماہ تک وہ لباس کام دے۔ اور اگر ان امور کی ادائیگی سے عاجز ہو تو مسلسل تین دن روزے رکھے اھ ملخصًا (ت)

اور اپنی بریت کو مغالطہ مسلمین کے لئے قصداً جھوٹی قسم کھانا کہ زبان سے قسم کھانا اور دل میں اس کے خلاف پر عزم رکھتا ہو ہرگز جائز نہیں، اور احترام نام پاک الٰہی سے بالکل خلاف ہے، حق سبحانہ وتعالٰی نے قرآن عظیم میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو قسموں کو اپنی سپر بناتے ہیں، کفارہ اس لئے مقرر ہوا ہے کہ اگر احیاناً حنث واقع ہو یہ اس کا مصلح ہوسکے نہ کہ یہ کفارہ پر تکیہ کرکے قصداً جھوٹی قسم کھائے اسے اپنی بریت کی ڈھال بنائے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۰۲: ۷ ۲ رمضان ۷ ۳۲ اھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے قسم کھائی کہ میں آج ظہر جماعت کے ساتھ ادا کروں گا

---

[1] الدرالمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۰

[2] الدرالمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۳

[3] الدرالمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳۔ ۲۹۲

اور مسجد کو گیا مگر امام دو رکعت پڑھ چکا تھا دو رکعت سے امام کے ساتھ اس صورت میں زید کی قسم پوری ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید کی قسم پوری نہ ہوئی کہ دو رکعت بلکہ تین رکعت پانے والا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہیں، درمختار میں ہے:

وکذا مدرك الثلث لایکون مصلیا بجماعة علی الاظهر وقال السرخسی للاکثر حکم الکل وضعفه فی البحر [1]۔	جماعت میں تین رکعتیں پانے والا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والانہ قرار پائے گا، اظہر قول کے مطابق اور امام سرخسی نے فرمایا: اکثر کا حکم کل والا ہوتا ہے، لیکن اس کو بحر میں ضعیف قرار دیا ہے۔ (ت)

ہاں ثواب جماعت کا قعدہ میں شامل ہونے پر بھی پائے گا وہ جدا بات ہے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو گھر سے بارادہ جماعت چلے اور جماعت ہو چکی اس نے ثواب پالیا **فقد وقع اجرہ علی اللہ** (ہاں اجر وثواب اللہ تعالٰی سے پائے گا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۳: مسئولہ شیخ عاشق علی خادم مسجد بی بی صاحبہ شہر بریلی ۴ جمادی الاول ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی نے غصہ میں قسم کھالی کہ میں بریلی ہی میں نہ رہوں گا، پھر غصہ دور ہو جانے کے بعد وہ پچھتایا، تو کوئی تدبیر ایسی ہے کہ بریلی میں رہے اور حانث نہ ہو یا سوا کفارہ ادا کرنے کے کوئی صورت نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بریلی سے ترک سکونت کرکے نکل جانے کے لئے جس سامان وتدبیر ضروری کی اسے حاجت واقعیہ تھی اگر اس کلمہ کے زبان سے نکلتے ہی اس نے شروع نہ کردی یا اس میں معمولی واقعی کوشش نہ کی یا سامان مہیا ہوجانے پر پھر نکلنے میں ڈھیل کی تو حانث ہوگیا اور کفارہ لازم، اب چاہے نکلے یا نہ نکلے کفارہ دینا ہوگا اور نکلنا کچھ ضرور نہ رہا، اور اگر اسی وقت سے سچے طور پر تدبیر میں مشغول ہے اور اس میں ایسی سستی نہ کی جسے عرف میں ایسے کام میں سستی گنیں تو جب تک سامان مہیا کرنے میں رہے گا حانث نہ ہوگا اگرچہ کچھ دن گزر جائیں، ہاں سامان درست ہوتے ہی نکل جانا ہوگا، ایسی کوئی صورت نہیں کہ باختیار خود بریلی میں رہے

[1] الدرالمختار باب ادراک الفریضۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۰

اور کفارہ دینا نہ پڑے، البتہ اگر یہ تہیّہ میں مشغول تھا کہ کسی نے قید کرلیا اور نکلنے نہ دیا تو جب تک یہ مجبوری رہے گی حانث نہ ہوگا اگرچہ عمر گزر جائے، یوں ہی اگر بریلی کے سوا کہیں اس کے رہنے کا ٹھکانا نہیں نہ اپنے ذاتی مال یا حرفت یا تجارت کے ذریعہ سے دوسری جگہ بسر ممکن ہے تو بھی مجبور سمجھا جائے گا جب تک حالت ایسی باقی رہے،

فی تنویر الابصار والدرالمختار دوام الرکوب و اللبس والسکنی کالانشاء فیحنث بمکثه ساعة[1] فی رد المحتار یعنی لو حلف لایرکب هذه الدابة وهو راکبها اولایلبس هذاالثوب وهولابسه اولا یسکن هذه الدار وهو ساکنها فمکث ساعة حنث فلو نزل او نزع الثوب او اخذفی النقلة من ساعته لایحنث[2]۔	تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ لباس اور سواری اور سکنٰی پر مداومت کرنا یعنی قسم کے بعد اس کو جاری رکھنا ابتداءً عمل کی طرح ہے، لہٰذا قسم کے بعد ایک گھڑی بھی باقی رکھنے پر قسم ٹوٹ جائے گی، ردالمحتار میں ہے: یعنی اگر قسم کھائی کہ میں اس جانور پر سواری نہ کروں گا جبکہ اس پر سوار تھا یا یہ کپڑا نہ پہنوں گا جبکہ وہ پہنے ہوئے تھا، یا اس گھر میں رہائش نہ کروں گا جبکہ اس میں رہائش پذیر تھا، تو قسم کے بعد ایک گھڑی بھی اس حال پر باقی رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر فورًا سواری سے اتر گیا یا کپڑا اتار دیا، یا مکان سے منتقل ہونا شروع ہوگیا تو حانث نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال فی الفتح ثم انما یحنث بتاخیر ساعة اذا امکنه النقل فیها والا بان کان لعذر خوف اللص او منع ذی سلطان او عدم موضع ینتقل الیه او اغلق علیه الباب فلم یستطع فتحه لایحنث ویلحق ذٰلك الوقت بالعدم للعذر اھ ولو قدر علی الخروج بهدم بعض الحائط ولم یهدم لم یحنث لان المعتبر القدرة علی الخروج	فتح میں فرمایا کہ پھر اگر کچھ دیر کردی جبکہ اس کو فورًا منتقل ہونا ممکن تھا تو حانث ہوجائے گا، ورنہ اگر فورًا ممکن نہ تھا کہ وہاں چوری کا ڈر تھا، یا اختیار والے حاکم کی طرف سے رکاوٹ تھی، یا منتقل ہونے کو دوسرا مکان نہ تھا، یا دوسرے مکان کو تالا پڑا ہوا تھا جس کو کھولنے پر قادر نہ ہوا تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ فورًا منتقل ہونے میں یہ وقت بھی شمار ہوگا، اور عذر کی وجہ سے اس وقفہ کو کالعدم قرار دیا جائے گا اھ، اور اگر وہاں

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۷

[2] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۶

من الوجه المعهودعند الناس کذافی الظهیریة بحر [1] اهملتقطاـ	سے دیوار توڑ کر فوراً نکلنے پر قدرت ہوتو بھی قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ نکلنے کے لئے معروف طریقے پر نکلنا معتبر ہے، جیساکہ ظہیریہ میں ہے، بحر، اھ ملتقطا(ت)

اسی میں زیر قول در مختار لو یمکنه الخروج او اشتغل بطلب دار اخری او دابة وان بقی ایاما لم یحنث (اگر نکلنا ممکن ہو یا وہ دوسرا مکان تلاش کرنے یا منتقل ہونے کے لئے سواری کی تلاش میں مصروف ہوگیا اور کئی روز اس تلاش میں گزر گئے تو بھی حانث نہ ہوگا۔ت) فرمایا:

هوالصحیح لان طلب المنزل من عمل النقلة فصار مدة الطلب مستثنی اذالم یفرط فی الطلب فتح [2] اهـ واللّٰه تعالٰی اعلمـ	یہی صحیح ہے، کیونکہ دوسرا مکان تلاش کرنا یہ منتقل ہونے کا عمل ہے لہٰذا تلاش کی مدت شمار نہ ہوگی بشرطیکہ تلاش کرنے میں کوتاہی نہ کرے، فتح، اھ۔ واللّٰہ سبحٰنه وتعالٰی اعلمـ (ت)

مسئلہ ۲۰۴: از سیتاپور تامسن گنج دولت کدہ حضرت سید صادق میاں صاحب مرسلہ سید ارتضا حسین صاحب ۲۳ جمادی الاول ۱۳۱۶ھ

زید نے قسم کھائی کہ میں مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ آدھی میں شریک ہوں گا، اور وہ وضو کررہا تھا، اب وہ تیسری رکعت میں شریک ہوا، آیا وہ حانث ہوگا یانہیں؟ اور آیا اس کو آدھی نماز ملی یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حانث ہوگا، ظاہر ہے کہ ایک رکعت تین کی تہائی ہے نہ کہ آدھی۔ قسم پوری اس وقت ہوتی کہ دو رکوع پاتا کہ دو تہائی اگرچہ نصف سے زائد ہے مگر زیادت مانع بر نہیں،

وبهذاالوجه کان البر متصورافانعقدت الیمین وان لم یکن للصلوٰة الثلاثة نصف معتبر فی الشرع نعم ان حلف لیدرکن نصفها لااقل ولا ازید فالظاهر	تو اس طرح قسم کو پورا کرنا متصور ہوسکتا ہے لہٰذا قسم قرار پائے گی اگرچہ شرعاً تین رکعت والی نماز کا نصف نہیں ہوتا، ہاں اگر قسم میں یوں کہا ہو میں اس نماز کا نصف پاؤں گا نہ اس سے کم نہ زیادہ، تو پھر ظاہر یہ ہے کہ بالکل

[1] ردالمحتار کتاب الایمان دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۷۸۔۷۷

[2] ردالمحتار کتاب الایمان دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۷۸

انه لایحنث اصلا لعدم تصور البر فیما یظهر وهو شرط الانعقاد کما قدصرحوابه فی مسئلة الکوز و غیره هذا ماظهر لی۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	حانث نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قسم کا پورا ہونا ممکن نہیں، یہی ظاہر ہورہا ہے کیونکہ قسم منعقد ہونے کے لئے، اس کا پورا ہونا متصور ہو، یہ شرط ہے، جیسا کہ فقہاء نے کوزے کے مسئلہ میں تصریح فرمائی ہے۔ یہ ہے جو مجھے ظاہر معلوم ہوا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۵: از بنگالہ زین العابدین سراج گنج۔

کسے شخص رابرامر شرعی سوگند خدا ورسول داداست کہ اگر چنیں کار خواہی کرد بر تو سوگند خدا ورسول است آنکس سوگند خدا ورسول در حسابے نیاوردہ ہر کارے از و منع کردہ بود از راہ سرکشی آں کار کرد شرعًا برآنکس چہ حکم صادر آید و تعزیرش در پیش آید۔ **بینوا توجروا۔**	اگر کوئی شخص دوسرے کو خدا اور رسول کی قسم دیتے ہوئے یوں کہے اگر تو نے یہ کام کیا تو تجھے اللّٰه ورسول کی قسم ہے، تو وہ دوسرا شخص اس قسم کی پروانہ کرتے ہوئے جس کام سے منع کیا تھا اس کو کرنے پر بضد رہے تو اس شخص پر شرعًا کیا حکم ہوگا اور اس پر کیا تعزیر ہوگی۔ **بینوا توجروا۔** (ت)

الجواب:

سوگند بدادن کسے بردیگرے لازم نمی شود بے آنکہ دیگر سوگند برخود گیرد پذیرد پس در قبول نکردنش برآں الزامے نیست **ففی الحدیث ان الصدیق رضی اللّٰه تعالٰی عنه عبررؤیا فاخبره النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم انه اصاب بعضا واخطأ بعضا تالیفا للصدیق رضی اللّٰه تعالٰی عنه ان نجهره واقسم علیه صلی اللّٰه تعالٰی وسلم فقال النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لاتقسم** [1]۔	دوسرے کو قسم دینے سے دوسرے کو اس وقت تک قسم لازم نہ ہوگی جب تک وہ خود قسم نہ اٹھائے لہٰذا مذکورہ صورت میں دوسرے شخص پر قسم لازم نہ ہوئی اس لئے اگر وہ قبول نہ کرے تو اس پر الزام نہ ہوگا، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللّٰه تعالٰی عنہ نے ایک خواب کی تعبیر بیان کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللّٰه تعالٰی عنہ کو بتایا کہ یہ تعبیر کچھ درست ہے اور کچھ غلط ہے، یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق رضی اللّٰه تعالٰی عنہ کی تالیفِ قلبی کے طور پر فرمائی کہ خطا کو ظاہر نہ فرمایا۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللّٰه تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسم دی کہ

[1] مسند احمد بن حنبل مرویات ابن عباس دار الفکر بیروت

ففیه دلیل واضح علی ماقلنا وقد نص علی المسألة العلماء۔واللہ تعالٰی اعلم۔	آپ بتائیں (کیاخطا اور کیا درست) توآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: قسم نہ دو، تواس حدیث میں واضح دلیل ہے ہمارے بیان پر، اور علمائے کرام نے بھی یونہی مسئلہ ذکر کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶: از کریلی ضلع بریلی مرسلہ مولوی انعام الحق صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چار شریکوں نے باغ کی فصل خرید کی اور حصے بخرے پر جھگڑا پیدا ہوا، ایک شخص نے منجملہ ان شریکوں کے قسم کھائی اگر اس باغ میں رہوں تو اپنی ماں اور بیٹی سے زنا کروں، اور اپنے مکان کو چلاگیا، آخرکار دو آدمی اس کو جبراً اسی باغ میں لائے اور رات کو بھی رکھا اور قسم کے خلاف عمل میں آیا لیکن جبراً عمل میں آیا ہے، اور صبح کو اپنا فیصلہ کرکے مکان کو چلاگیا اور شخصوں نے اس کو اپنی برادری سے خارج کیا ہے تو اب اس پر جو قسم خوردہ ہے کیا تعزیر ہونا چاہئے؟ یا نہیں ہونا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ ناپاک و بیہودہ قسم محض مہمل ہیے، لوگ بعد قسم اسے باغ میں لائے اور شب کو رکھا اس سے اس قسم کھانے والے پر کوئی تعزیر نہ آئی نہ وہ اس بناء پر برادری سے خارج کئے جانے کے قابل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۷تا۲۰۹: ۴ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گروہ نے آپس میں فرداً فرداً حلف اٹھایا ہے نماز کی پابندی پر اور ان قواعد کی پابندی پر جو ہمرشتہ تحریر ہذا پیش ہیں، اب وہ گروہ والے یہ چاہتے ہیں کہ ان قواعد میں جو قاعدہ جرمانے کا ہے وہ منسوخ ہوجائے اور حلف دروغی کے بھی مرتکب نہ ہوں اور قواعد نماز کی ترمیم بھی ہوسکے تو وہ صورت کون سی ہوسکتی ہے جس سے حلف دروغی عائد نہ ہو اور جرمانہ نماز بند ہوجائے اور قواعد نماز ترمیم ہوجائے

سوال ۲: نماز کی قضا یا اس کی قضا ادا کرنے پر بطور تنبیہ اگر کوئی جرمانہ مقرر کردیا جائے تو وہ خلافِ شرع تو نہیں ہے؟

سوال ۳: اگر جرمانہ نماز خلاف شرع شریف ہو اور اس پر حلف سہواً اٹھالیا گیا تو وہ حلف جائز طور سے ہوا یا ناجائز، اور اس کے توڑنے سے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

قواعد متعلق پابندی نماز

(ا) اگر کوئی ممبر کسی وقت کی نماز کی قضا بھی ادا نہ کرے گا اس کو یکم نومبر ۱۹۰۴ ایسے فی وقت کے

عوض ایک پائی بطور جرمانہ کے انجمن کے اس عہدہ دار یا ممبر کے پاس داخل کرنا ہوگا جس کے سپرد انجمن اس خدمت کو کرے گی۔

(۲) ہر ممبر اور عہدہ دار پر لازم ہوگا کہ ایسی نماز کی اطلاع کہ جس کی قضاء بھی اس سے ادانہ ہوئی ہو بلادریافت کے ہفتہ وار انجمن کو کردے۔

(۳) آمدنی جرمانہ کا رجسٹر جدا ہوگا۔

(۴) یہ آمدنی کسی کارِ خیر میں صرف ہوگی۔

(۵) جرمانہ قضا نماز کی ادائیگی بحالتِ موجودگی بریلی ہفتہ وار ہوا کرے گی۔

(۶) اگر ممبر یا عہدہ دار ایسا جرمانہ قصداً وقت معینہ پر ادانہ کرے گا اور انجمن کی رائے میں اس کا یہ ارادہ مفسدانہ پایا جائے گا تو اس ممبر کا نام باجازت کورم جلسہ معمولی انجمن کیا جائے گا (تعداد ممبران کی ایک حد کا نام کورم ہے)

(۷) اگر کوئی قصداً حلف دروغی کا مرتکب ہوگا وہ انجمن سے خارج کیا جائے گا۔

(۸) کوئی مسلمان ممبر بلاحلف اٹھائے اس انجمن کا ممبر نہ بنایا جائے گا۔

عبارت حلف

(۱) میں حلف کرتا ہوں کہ پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی میں کوشش کروں گا۔

(۲) اور اگر سہواً یا اتفاقاً یا عمداً قضا ہوجائے گی تو اس کو دوسرے وقت ادا کروں گا۔

(۳) اگر قضا بھی ادانہ کرسکوں گا تو یکم نومبر ۱۹۰۴ء سے جو قواعد متعلق پابندی نماز انجمن ہذا سے تیار ہوئے ہیں ان کی پابندی بدل وجان کروں گا۔ واضح رہے کہ حلف اٹھانے سے قبل اور بعد بھی یہ بات سمجھادی گئی تھی کہ حلف بالا کی سطر اول اور دوم کا اثر تم لوگوں پر تمام عمر رہے گا اور سطر سوم وچہارم کا اثر فقط اسی زمانے تک رہے گا جب تک کہ تم اس انجمن کے ممبر ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جرمانہ کے ساتھ تعزیر کہ مجرم کا کچھ مال خطا کے عوض لے لیا جائے منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں **کما حققہ الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی والمسألۃ فی الدر المختار وغیرہ وقد بیناھا علی ھامش ردالمحتار** (جیسا کہ اس کی تحقیق امام طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمائی، اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں ہے ________ اور ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔ت) اور ناجائز بات پر عمل کرنا جس حلف سے لازم آتا ہو اس کو توڑنا واجب ہے **کما ارشد الیہ الحدیث**

وفصلہ فی الھندیۃ (جیسا کہ اس کے لئے حدیث میں ارشاد ہے اور اسکی تفصیل ہندیہ میں ہے۔ت) مگر صورت مذکورہ میں وہ جرمانہ انجمن والوں نے اپنے لئے لینا نہ قرار دیا بلکہ کسی کارِ خیر میں اس کا صرف کرنا بتایا ہے اور اس کے لینے میں انجمن کی طرف سے کوئی جبر واکراہ نہیں، صرف اتنا قاعدہ قرار دیا ہے کہ جو جرمانہ نہ دے انجمن سے خارج کیا جائے تو انجمن میں داخل رہنے کے لئے جو شخص یہ رقم ادا کرے گا بجبر و تعدی نہ ہوگا بلکہ اس کی اپنی رضا سے ہوگا کہ انجمن سے خارج ہونے میں اس کا کوئی ضرر نہ تھا اس نے باختیارِ خود یہ پسند کیا کہ یہ رقم اس سے لے کر کارِ خیر میں صرف ہو، لہٰذا یہ قانون جرمانہ ناجائزہ کی حد تک نہیں پہنچتا۔ رہا حلف وہ اگر عبارت حلف بے کم وکاست اسی قدر ہے اور اس سے قبل یا بعد زبانی کوئی لفظ ایسا نہ کہلوایا گیا کہ حلف کو ان چاروں سطروں سے شرعاً متعلق کردے تو حلف صرف دو سطر سابق سے متعلق ہو کہ بعد کی دو سطریں حرف عطف سے خالی ہیں،

والجملۃ المستقلۃ لاتتعلق بالسابقۃ الابعاطف فبقیت خارجۃ عن الحلف لماعلم ان فصل الاجنبی یبطل عمل الحلف حتی لو قال واللہ والرسول لافعلن کذا لم یکن یمینا لان قولہ والرسول لیس یمینا فکان فاصلا کما فی العٰلمگیریۃ وغیرہا فکان کقول القائل واللہ لاشربن لاقومن لم یدخل تحت الحلف الاالشرب دون القیام بخلاف قولہ ولاقومن، ھذا ماظھر لی وارجو ان یکون صوابا۔	اور یہ جملہ مستقلہ ہے اس کا پہلے عطف کے بغیر تعلق نہیں ہوسکتا، لہٰذا یہ قسم سے خارج ہے کیونکہ اجنبی جملہ کے فاصلہ سے قسم کا عمل ختم ہوجاتا ہے، حتی کہ اگر کوئی شخص یوں کہے اللہ اور رسول کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا، تو قسم نہ ہوگی کیونکہ اللہ کی قسم ہوتی ہے، تو درمیان میں رسول کا لفظ فاصل بن گیا، کیونکہ رسول کی قسم نہیں ہوتی، جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں بیان ہے، تو یہ یوں ہوا جیسے کوئی کہے خدا کی قسم میں ضرور نوش کروں گا ضرور کھڑا ہوں گا، تو یہ نوش کرنے کی قسم ہوگی کھڑے ہونے کی قسم نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر حرفِ عطف کے بعد، میں ضرور کھڑا ہوں گا، کہے، تو کھڑے ہونے کی بھی قسم ہوگی۔ یہ مجھے ظاہر ہوا اور مجھے امید ہے کہ یہ درست ہوگا۔ (ت)

اس تقدیر پر پابندی جرمانہ ودیگر قواعد انجمن زیر حلف داخل ہی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۰: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ بشیر محمد خان صاحب ۱۵ شوال ۱۳۲۹ھ

اگر چند بار کسی شخص نے حلف شرعی کسی امر کے واسطے کیا ہو اور پھر اس کے خلاف کرے اور اس امر کا فیصلہ کہ جس کے بابت اس نے حلفِ شرعی کئی مرتبہ کیا ہے تو وہ اس کا فیصلہ قابل مان لینے کے

ہو گا یا نہیں؟

الجواب:

اگر خلاف کرنے میں شرعاً خیر دیکھے تو خلاف کرے اور کفارہ دے ورنہ بلاوجہ شرعی قسم توڑنا حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ ؕ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اپنی قسموں کو پورا کرو۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیأت الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینه[2]۔ رواہ احمد ومسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جس نے کسی چیز کا حلف دیا اور اس کے خلاف سے بہتر محسوس کرے تو بہتر کو بجالائے اور قسم کا کفارہ دے۔ اس کو احمد، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

یہی حال فیصلہ کا ہے اگر حلف کیا تھا کہ یوں فیصلہ کرے گا پھر حکمِ شرع اس کے خلاف پایا تو اس پر فرض ہے کہ خلاف ہی کرے اور کفارہ دے، اور اگر حکمِ شرع وہی تھا جس پر حلف کیا پھر اس کا خلاف کیا تو قسم توڑنے کا بھی گناہ ہوا اور ظلم و ناحق فیصلہ کا گناہ سخت تر ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱: از سرونج مسئولہ عبدالرشید خاں صاحب ۱۹ جمادی الاوّل ۱۳۳۱ھ

ایک امیر نے اپنے ملازم کو خدمت کے صلہ میں زمین دی پھر کسی بات پر ملازم سے خفا ہو کر حالتِ غصہ میں قسم کھائی کہ میں تیری زمین ضبط کروں گا، اور یہ بھی حلف لیا کہ میں تیرے گھر کا کھانا بھی نہ کھاؤں گا۔ اب وہ امیر اگر حلف شکنی کرے تو کیا کفارہ لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:

قسم کا کفارہ لازم ہوگا کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو جوڑے دے یا دس مسکینوں کو فی مسکین ایک صاع جو یا نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دے، صاع سو روپیہ کے سیر سے ایک روپیہ بھر اوپر ساڑھے تین سیر ہے، اور جس سے یہ نہ ہوسکے وہ تین روزے رکھے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۲: از رائپور گول بازار ممالک متوسط مرسلہ مولوی محمد سلیم خاں کتب فروش ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دوسری والدہ کے روبرو

---

[1] القرآن الکریم ۸۹/۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۸/۲

ہوش وحواس میں قسم کھائی کہ مجھ کو خدا کا دیدار اور حضرت (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی شفاعت نصیب نہ ہو جو میں اپنے والد کی کمائی کا روپیہ یا جائداد موجودگی یا عدم موجودگی یا بعد وفات والد ماجد کے لوں جائداد میں یا ان کی کمائی میں، اب وہ شخص کسی طرح سے اپنے باپ کی جائداد یا کمائی کا روپیہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب امورِ مذکورہ بالا از روئے کتب حنفیّہ عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

وہ جو اس نے کہا شرعاً قسم نہیں بلکہ اپنے حق میں بددعا ہے، اس کے سبب مال پدر سے لے لینا ناجائز نہ ہوگیا، لے سکتا ہے، اور ایسے برے لفظ سے توبہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

علیه غضبه لایکون یمینا ایضا لانه دعاء علی نفسه ولا یستلزم وقوع المدعو بل ذٰلك متعلق باستجابة دعائه لانه غیر متعارف، فتح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے یوں کہا مجھ پر اللہ تعالٰی کا غضب ہو تو یہ بھی قسم نہ ہوگی، کیونکہ یہ اپنے لئے بددعا ہے اور اس کا وقوع لازم نہیں ہے اس لئے یہ وقوع اس کی دعا کے قبول ہونے پر موقوف ہے کیونکہ یہ غیر متعارف ہے، فتح۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے متعلقوں سے ناراض ہو کر قسم کھائی اگر میں حج کو نہ چلا جاؤں تو خدا کرے میں کافر ہو جاؤں، اس پر لوگوں نے سمجھایا کہ ایسی قسم مت کھا، مگر زید نے مکرر سہ کرر قسم کھا کر کہا اگر میں حج کو نہ چلا جاؤں کافر ہو جاؤں، لہٰذا بستی والوں نے مبلغ صمہ روپیہ چندہ کرکے دے دئے، چنانچہ زید وہ روپیہ لے کر اس بستی سے حج کے ارادہ سے ظاہراً روانہ ہوگیا مگر دس روز کے بعد پھر اپنی بستی میں واپس آگیا اور کہا میں بمبئی سے لوٹ آیا ہوں حج کو نہیں جاؤں گا، ایک روز زید مسجد میں نماز پڑھنے کو گیا وہاں بکر نے دعا مانگی: یااللہ پاک! تو ہر مسلمان کو حج نصیب کر۔ اس دعا کو سن کر زید نے بکر کو گالیاں دیں مجھ کو تو طعنہ دیتا ہے، درانحالیکہ زید اس وقت اندازاً مبلغ ڈھائی سو روپے کی چیزوں کا بذاتِ خود مالک ہے یعنی بیل بھینس اور ہل نیشکر کا مالک ہے تو ایسی حالت میں اس چندہ کا کیا حکم ہے جو کہ وہ ہضم کر چکا ہے اور اس کو شرع کون سے لفظ سے نامزد کرتی ہے اور مسلمان لوگ کیا برتاؤ کریں، اگر زید اس فعل مذکور سے احاطہ اسلام سے خارج ہوگیا تو دائرہ اسلام میں کس ترکیب سے داخل ہو سکتا ہے اور کس طرح گناہ سے بری ہو سکتا ہے اور کوئی مسلمان اس حالتِ موجودہ میں اس سے ارتباط و میل جول رکھے تو ایسے مسلمان کے واسطے کیا حکم ہے اور منکوحہ اس کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۷

اور اولاد اس کی کا کیا ہے کہ یہ سب زید کے ساتھ کیا سلوک کریں ورنہ اولاد اور منکوحہ اس کی کے ساتھ مسلمان کیا تعلق رکھیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید نے جو الفاظ کہے قسم نہ تھی اسکے بعد حج کو نہ جانے کے سبب احاطہ اسلام سے خارج نہ ہوا روپیہ کہ چندہ والوں نے دیا وہ ہبہ تھا کہ زید بعد قبضہ اس کا ٹکٹ لے کر گیا اگر واقعی زید کا اس وقت ارادہ حج کو جانے کا تھا اور بمبئی تک گیا اور کوئی عذر پیش آیا کہ نہ جاسکا مثلاً زید بہت ضعیف ہو اور محتاج معین ہو اور اسے کوئی ایسا نہ ملا کہ اس سفر میں اس کی اعانت کرے، بمجبوری پلٹ آیا تو اس پر کچھ الزام نہیں چندہ کا روپیہ بہتر یہ ہے کہ واپس کردے ورنہ شرعاً اس پر واپسی لازم نہیں، ہاں اگر وہ دھوکا دے کر جھوٹ ارادہ ظاہر کرتا اور اس ذریعہ سے لوگوں سے روپیہ لے کر چلتا ہو ضرور شخص مجرم تھا مگر صورتِ سوال سے اس کا ہرگز یہ ارادہ نہیں عــہ۱، نہ کسی پر بدگمانی جائز بلاوجہ قطعی اور بلا ثبوت شرعی دھوکا دینے اور جھوٹ ارادہ روپیہ ہضم کرلینے عــہ۲ کرلیں گے وہ سخت مجرم ہوں گے اس پر توبہ فرض ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

عــہ۱: مسودہ میں بیاض ہے۔ عــہ۲: مسودہ میں بیاض ہے۔

رسالہ

الجوهر الثمين فی علل نازلة اليمين ۱۳۳۰ھ

(قسم کی مصیبت سے متعلق قیمتی جوہر)

مسئلہ ۲۱۴: از شمس آباد ضلع اٹک مرسلہ جناب مولنا مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۱ محرم شریف ۱۳۳۰ھ

چہ می فرمایند علمائے اندریں مسئلہ کہ زید از پسر خود بوجہ امرے خلاف مرضی ناراض شدہ زن خود راگفت کہ اگر ایں پسر مرادر خانہ گزاشتی تو بر من سہ طلاق طلاق ہستی باز بعد از چند مدت بوجہ عذر خواہی پسر ش زید خود ازاں پسر راضی شدودر خانہ گذاشت وزن او چیزے ازلاونعم نگفت آیا آں زن برزید طلاق شد یانہ؟ **بينوا توجروا**۔	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کسی ناپسندیدہ معاملہ پر اپنے بیٹے سے ناراض ہوا تو زید نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو نے میرے اس بیٹے کو گھر میں چھوڑا تو مجھ پر تو تین طلاق ہے، پھر کچھ مدت کے بعد بیٹے کی معذرت خواہی پر زید اپنے اس بیٹے سے راضی ہوگیا اور گھر میں آنے دیا، بیٹے کے گھر آنے پر زید کی بیوی نے بیٹے کو کچھ نہ کہا، نہ ہاں اور نہ ہی نہ کہا، تو کیا اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ **بينوا توجروا**

الجواب:

بسم الله الرحمٰن الرحيم۔ اللهم هداية الحق والصواب۔ الحمد لله رب	بسم الله الرحمٰن الرحيم۔ یااللہ! تجھ سے ہی حق و صواب میں رہنمائی ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو

العٰلمین، وافضل الصلوٰۃ والسلام علی السید الامین، الذی قال لہ ربہ فسلٰم لك من اصحٰب الیمین، اجلہ اجلالاوعززہ تعزیزاوجعل تعلیقات مواعید فضلہ فی حق امتہ تنجیزا، صلی اللہ تعالٰی وسلم علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ المیامین، عدد کل بروفاجر وبروحنث وعھدویمین، اٰمین!	سب جہانوں کو پالنے والا ہے، بہترین صلوٰۃ وسلام اس آقا امین پر جس کے اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے حبیب! آپ کے لئے دائیں جانب والے اصحاب کی طرف سے سلام ہے، اور اس کو انتہائی بزرگیوں سے نوازا اور اس کو اعلٰی اعزاز عطافرمایا اور اس نے اپنے فضل کے مشروط وعدوں کو آپ کی امت کے حق میں غیر مشروط فرمایا، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور سلام آپ پر اور آل واصحاب پر جو دائیں جانب والے ہیں، ہر نیک وبد اور پورا کرنے والے اور توڑنے والے اور عہد وقسم کی تعداد کے برابر ہو، آمین!
فقیر غفرلہ المولی القدیر دریں مسئلہ نگاہ تنقیح راجولاں دادم وبقدر قدرت وفرصت دورفرستادم عدم طلاق راوجہے کہ ثلج صدر دہد نیافتم بخانہ گزاشتن ترک وتخلیہ است واوبدووجہ منتفی شود منع بالفعل یانہی بالقول واینجا بتصریح سوال ہر دو نافی منتفی پس تخلیہ کہ شرط حنث بود روئے نمود وسہ طلاق لازم شد در فتاوٰی امام اجل قاضی خاں کتاب الایمان مسائل الیمین علی الترك است رجل اٰجر دارہ سنۃ ثم قال للمستاجر واللہ لاا ترکك فی داری ثم قال لہ اخرج من داری یصیربارا[1]، درعقودالدریہ از	اس فقیر (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) نے اس مسئلہ میں چھان بین کے لئے نظر دوڑائی اور اپنی ہمت اور فرصت کے مطابق دور گہرائی تک پہنچا، تو طلاق نہ ہونے کی کوئی اطمینان بخش وجہ نہ پائی، گھر میں چھوڑنا، جس کا مطلب ترک کردینا اور علیحدہ ہونا ہے، اور یہ ترک وعلیحدہ ہونا دو طریقوں عملا منع کرنے یا زبانی بات کرنے کے ذریعے روکنے سے منتفی ہوسکتا ہے اور یہاں پر سوال سے واضح ہورہا ہے کہ بیوی نے بیٹے کو دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بھی منع نہیں کیا، توجب منع کرنا منتفی ہے تو تخلیہ وترک متحقق ہوگیا جو حنث کے لئے شرط قرار دی تھی، تو اس تخلیہ کے پائے جانے سے بیوی کو تین طلاقیں لازم ہوگئی ہیں،

[1] فتاوٰی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۶

فتاوی صغرٰی است باز درخانیہ فرمود رجل حلف ان لایدع فلانا یدخل ھذہ الدار فان کانت الدار للحالف فمنعه بالقول ولم یمنعه بالفعل حتی دخل حنث فی یمینه فیکون شرط برہ المنع بالقول والفعل بقدر مایطیق وان لم تکن الدارللحالف فمنعه بالقول دون الفعل حتی لودخل لایکون حانثا[1]باز فرمود رجل حلف بطلاق امرأته ان لایدع فلانا یمر علی ھذہ القنطرۃ فمنعه بالقول یکون بارالانه لایمنعه بالقول یکون بارالانه لایملك المنع بالفعل[2] باز فرمود رجل قال لابنه ان ترکتك تعمل مع فلان فامرأته کذا فان کان الابن بالغا لایقدر علی منعه بالفعل فمنعه بالقول یکون بارا وان کان الابن صغیراکان شرط برہ المنع بالقول والفعل جمیعا[3] ودربزازیہ چنانست قال لابنه الکبیر ان ترکتك تعمل مع فلان فھو علی المنع بالقول ولو صغیرا فعلی

امام اجل قاضی خاں کے فتاوی کے کتاب الایمان میں ترک پر قسم کے مسائل میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا گھر ایک سال کے لئے کرایہ پر دیا تو پھر اس نے کرایہ دار کو کہا خدا کی قسم میں تجھے اپنے گھر میں نہ چھوڑوں گا، یہ کہہ کر پھر اس نے کرایہ دار کو زبانی کہا تو میرے گھر سے نکل جا، تو اس کہنے پر وہ مالک قسم میں سچا ہوگیا اور اس نے اپنی قسم پوری کرلی۔اسی طرح عقودالدریہ میں فتاوی صغری سے منقول ہے اور پھر خانیہ میں فرمایا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ "میں فلاں کو اس گھر میں داخل نہ ہونے دوں گا" تو اگر یہ گھر قسم کھانیوالے کی ملکیت ہو تو اس نے اس کو زبانی منع کیا اور عملاً منع نہ کیا، پس وہ شخص اس گھر میں داخل ہوگیا تو قسم کھانے والے کی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ گھر کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کی قسم پوری ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ زبانی اور عملی دونوں طریقوں سے حسبِ طاقت منع کرتا اور اگر وہ گھر قسم کھانے والے کی ملکیت نہ ہو تو اس کو زبانی منع کیا اور عملا منع نہ کیا حتی کہ اگر وہ شخص اس مکان میں داخل ہو گیا تو حانث نہ ہوگا خانیہ میں پھر فرمایا کہ ایک شخص نے بیوی کی طلاق کی قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص کو اس پل سے نہ گزرنے دے گا، پھر اس نے زبانی اس کو گزرنے سے روکا، تو اس کی قسم پوری ہوگئی کیونکہ وہ اس کو عملاً منع کرنے پر قادر نہ تھا۔ پھر فرمایا ایک شخص نے اپنے بیٹے کو کہا اگر میں تجھے فلاں کے ساتھ کام کرنے کے لئے چھوڑوں

[1] فتاوی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲۹۶/۲
[2] فتاوی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲۹۶/۲
[3] فتاوی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲۹۶/۲

القول والفعل [1] بازدرخانیہ فرمود ولو قال ان ترکت فلانا یدخل بیتی فامرأته کذا فدخل فلان ولم یعلم به الحالف لایحنث وان علم ولم یمنعه حنث [2] درفتح القدیر آخر ایمان ست حلف لاا ترك فلانا یفعل کذا کلایمر اولایذھب اولایدخل یبر بقوله له لاتفعل لاتخرج لاتمر اطاعه اوعصاه [3] درعقود الدریہ است حلف بالطلاق علی اختہ البالغة لااخلیك تسکنین مع حماتك فی الدار فحیث لاتکن الدار للحالف فمنعھا بالقول دون الفعل لایحنث [4] کذا فی الخانیة و البزازیة ورسائل العلامة الشرنبلالیة دراں از قنیہ است حلف لیخرجن ساکن دارہ الیوم والساکن ظالم غالب یتکلف فی اخراجه فان لم یمکنه فالیمین علی التلفظ باللسان [5] درعالمگیریہ است	تو میری بیوی کو طلاق، تو اگر بیٹا بالغ ہو جس کو عملاً نہ روک سکتا ہوتو اس کو صرف زبانی منع کرنے پر قسم پوری ہوجائیگی، اور اگر بیٹا نابالغ ہوتو پھر قسم پورا ہونے کے لئے زبانی اور عملی دونوں طرح منع کرنا شرط ہوگا۔ اور بزازیہ میں یوں ہے کہ اگر بیٹا بالغ ہوتو پھر صرف زبانی منع کرنا قسم پورا ہونے کیلئے شرط ہے اور اگر بیٹا نابالغ ہوتو پھر زبانی اور عملی دونوں طریقوں سے منع کرنا شرط ہوگا۔ پھر خانیہ میں فرمایا کہ اگر کسی نے یوں کہا اگر میں فلاں کو اپنے گھر میں داخل ہوتا چھوڑوں تو میری بیوی کو طلاق، پس وہ شخص اس کی لاعلمی میں داخل ہوگیا تو حانث نہ ہوگا، اور اگر اس کے داخلے پر علم ہو اور منع نہ کیا تو حانث ہوگا۔ فتح القدیر میں قسموں کے بیان کے آخر میں ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کو اس کام پر نہ چھوڑوں گا، مثلاً گزرنے نہ دوں گا، جانے نہ دوں گا، داخل نہ ہونے دوں گا، تو صرف زبانی، نہ کر، نہ داخل ہو، نہ گزر کہہ دینا قسم کو پورا کرنے کیلئے کافی ہے وہ مانے یا نہ مانے عقود الدریہ میں ہے ایک شخص نے طلاق کی قسم کھاتے ہوئے اپنی بالغ بہن کو کہا میں تجھے گھر میں تیرے دیوروں کے ساتھ رہتا نہ چھوڑوں گا، توجب وہ گھر قسم کھانے والے کا نہ ہوتو پھر زبانی روکنا مراد ہوگا عملاً روکنا مراد نہیں ہوگا توزبانی روک دیا قسم پوری ہوجائیگی،

[1] فتاوی بزازیة علی حاشیة فتاوی ہندیہ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۵۰

[2] فتاوی قاضی خان مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۷

[3] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۷۴

[4] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الطلاق قندھار، افغانستان ۱/ ۳۸

[5] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الطلاق قندھار، افغانستان ۱/ ۵۰

اذقال ان ترکت فلانا یدخل ھذہ الدار فامرأتی طالق فان کان الحالف یملك ھذہ الدار فشرط برہ ان یمنعه عن الدخول بالقول الفعل ھکذا ذکرہ الصدر الشھید رحمه اللہ تعالٰی فی واقعاته، وفی النوازل شرط برہ ملك المنع ولم یعترض لملك الدار فقال ان کان الحالف یملك منعه عن الدخول فھو علی النھی والمنع جمیعا وان کان لایملك منعه فھو علی النھی دون المنع وکان شیخ الامام ظھیر الدین یعتبر ملك المنع وعلیه الفتوی[1]۔

اقول: اینجا تنبہ باید برامور **اولا** عبارات علما چنانکہ دیدی در مسئلہ عدم ترک فلاں مثلاً نگزارم کہ بخانہ آید بر رنگہائے مختلف آمدہ امام صدر شہید اعتبار ملک دار فرمود کہ اگر خانہ خانہ اوست منع بقول وفعل کند اگر تنہا بنہی زبانی عمل نماید حانث ہمیں است نص دوم امام قاضی خاں، آرے اگر خانہ ملک اونیست منع زبانی بس است، وامام فقیہ ابواللیث ملک منع رامعتبر داشت کہ اگر بزور باز داشتن تواند مجرد نہی کفایت نکند گوخانہ خانہ اش مباش ورنہ کافی است گوخانہ خود ازآں او باش امام ظہیر الدین ہمبریں فتوی داد ونص اول امام قاضی خاں و

یوں خانیہ، بزازیہ اور علامہ شرنبلالی کے رسائل میں ہے اور اس میں قنیہ کے حوالے سے ہے کہ ایک نے قسم کھائی کہ میں آج فلاں رہائشی کو ضرور نکال باہر کروں گا، تو وہ رہائشی ظالم اور غالب ہو جس کو نکالنا مشکل ہو تو پھر نکالنے سے مراد زبانی کہنا ہوگا، لہٰذا زبانی کہہ دینا کہ نکل جا، قسم کے پورا ہونے کے لئے کافی ہے، عالمگیریہ میں ہے کسی نے کہا اگر میں فلاں کو اس گھر میں داخل ہوتا چھوڑوں تو میری بیوی کو طلاق، تو اگر گھر اس کی ملکیت ہو تو پھر قسم پورا ہونے کے لئے زبانی اور عملی دونوں طرح منع کرنا ضروری ہے، اس کو صدر الشہید رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب واقعات میں یونہی ذکر فرمایا ہے، اور نوازل میں ہے قسم پورا کرنے کے لئے منع کی قدرت شرط ہے انہوں نے گھر کی ملکیت کا ذکر نہیں فرمایا اور یوں کہا اگر قسم کھانے والا اس کو دخول سے منع کر سکتا ہے تو پھر زبانی اور عملی دونوں طرح منع مراد ہوگا، اور اگر وہ دخول سے روکنے پر قادر نہ ہو تو پھر صرف زبانی منع مراد ہوگا، اور امام شیخ ظہیر الدین منع کی قدرت کا اعتبار کرتے ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں یہاں چند امور پر تنبیہ ضروری ہے **اول** جیسا کہ آپ نے دیکھا عدمِ ترک فلاں، یعنی فلاں کو نہ چھوڑوں گا کہ وہ گھر میں آئے، کے مسئلہ میں علماء کرام کی عبارات مختلف ہیں، امام صدر شہید گھر کے مالک ہونے کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر گھر اس کا اپنا ہے تو پھر زبانی اور عملی دونوں طرح سے روکے، اور اگر صرف زبانی روکا تو حانث ہو جائے گا، اور امام قاضی خاں کی دوسری نص بھی یہی ہے، ہاں اگر گھر اس کا اپنا نہ ہو تو پھر زبانی روکنا کافی ہے، اور امام فقیہ ابواللیث نے روکنے کی قدرت واختیار کو معتبر رکھا ہے کہ اس

[1] فتاوی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۳۶

امام حسام الدین در فتاوی صغری مسئلہ خود در دار مملوکہ حالف وضع فرمود وعلی الاطلاق بر نہی زبانی اقتصاد نمود وہمیں ست قضا ونص مذکور فتح القدیر، ودر بزازیہ جائے دار پسر فرق بصغیر وکبیر فرمود کہ صغیر را باز داشتن بقول وفعل جمیعا لازم است وکبیر را تنہا بقول واز نص چہارم خانیہ تقیید مستفادست کہ اگر بر کبیر قدرت منع بالفعل نہ باشد منع بالقول ست ودر نص سومش در حق اجنبی مطلقا منع قولی گرفت کہ منع فعلی نمی تواند

فقیر گویم بحقیقت اینجا ہیچ اختلاف نیست اصل سخن آن ست کہ درخانیہ بآں اشارہ رفت کہ قدر مایطیق پیداست کہ ہر کہ گفت فلاں را بخانہ نگزارم وقادر بود براخراج او گرچہ خانہ خانہ دیگرے باشد وآنکس باجارہ یا اعارہ وغیر ہما آنجامی ماند واگرچہ آنکس پسر بالغ یا اجنبی بود چوں طاقت خود را بکار بزد وتنہا ہر یکبار گفتن کہ میا، یا بیروں شو قناعت در زید قطعًا اورا بخانہ گزاشت وحانث شود ہر کہ نتواند گو خانہ خانہ اش باشد وآنکس پسر صغیر، مثلًا حالف مقعد یا زمن یا مفلوج ست وپسر سیزدہ چہاردہ سالہ شریر کہ سر بفرمان نہند لاجرم اینجا ہمیں نہی بقول کافی بود درخانہ خودش غالب اختیار کلی باشد واحکام فقیہ نظر بغالب دارد ازینجہت امام صدر شہید آں تفرقہ فرمود کہ تعبیر اصل بمظنہ نیست عــہ درز من متاخر

صورت میں اگر طاقت سے روک سکتا ہے تو پھر زبانی روکنا کافی نہیں ہے اگرچہ وہ گھر اپنا نہ بھی ہو ورنہ صرف زبانی روکنا کافی ہے اگرچہ گھر اپنا ہی ہو، امام ظہیر الدین نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ امام قاضی خان کی پہلی نص اور امام حسام الدین نے فتاوی صغری میں، اپنا یہ مسئلہ، قسم اٹھانے والے کے اپنے گھر کے متعلق بیان کیا اور وہاں انہوں نے مطلقًا زبانی روکنے پر اقتصار فرمایا اور یہی فتح القدیر کا فیصلہ اور نص ہے،

اور بزازیہ میں بیٹے کے معاملہ میں صغیر وکبیر کا فرق کیا ہے کہ اگر بیٹا صغیر ہو تو زبانی اور عملی دونوں طرح گھر سے روکنا ضروری ہے اور اگر کبیر ہو تو پھر صرف زبانی روکنا کافی قرار دیا ہے، اور خانیہ (قاضیخاں) کی چوتھی نص میں یہ تقیید عیاں فرمائی کہ اگر کبیر بیٹے پر عملًا روکنے کی قدرت نہ ہو تو تب زبانی روکنا کافی ہے، اور ان کی تیسری نص اجنبی شخص کے متعلق ہے کہ اس کو مطلقًا زبانی روکنا ہی کافی ہوگا کیونکہ عملی طور اجنبی کو روکنا ممکن نہیں ہے۔ میں فقیر کہتا ہوں کہ حقیقتًا یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت وہ ہے جس کی طرف خانیہ میں اشارہ گزرا کہ قدرت کے مطابق روکنا مراد ہے، ظاہر ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کو گھر میں نہ چھوڑوں گا تو اگر وہ اس کو نکالنے پر قادر ہو گھر اس کا اپنا ہو یا نہ ہو بلکہ کرایہ دار ہو یا عاریۃً ہو جو بھی صورت رہنے کی ہو تو جس کے متعلق یہ کہا وہ بیٹا بالغ ہو یا کوئی اجنبی ہو اس کو روکنے کی

عــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

اختیار تام جز بر اطفال صغار نماند لہٰذا تفریق صغیر و کبیر کردند کہ نیز از ہماں وادی است دیگراں نظر بفساد زمان گفتند کہ غالبا منع بتدافع وتدافع بتضارب انجامد وآتش فتنہ سر بالا کشود والفتنۃ اشد من القتل لہٰذا از سر اقتصار بر سخن کردند ومراد جملہ یکے وباللّٰہ التوفیق، بالجملہ بریں قدر اتفاق ست کہ نگزا شتن راکم از کم بزبان باز داشتن ناگزیر است ہر کہ ایں رازن آں پسر را برآوردن نتوانست آخر کم نہ ازاں کہ یکبار گفتی میاں یا بیروں رود محلش نہ بود مگر اول وہلہ چوں آں گاہ خموشی گزید گزاشتن حاصل شد وطلاق نازل باز منع بے سود ولاطائل واگرآں وقت یکبار منع کردی سوگند منتہی شدے کہ مصدر بکلمہ کلما نبود پس ازاں ترک اگرچہ مستمر ماندے زیاں نہ رساندے وکل ذٰلک واضح مما قدمنا من نصوص العلماء

اقول: والسرافیہ ان التخلیۃ عدمیۃ لانھا عدم النھی والتعرض وقد اثبتت فی الشرط فیکون منفیۃ ونفی النفی اثبات و

طاقت رکھتا ہے تو پھر زبانی روکنا کافی نہ ہوگا کہ ایک بار زبانی منع کردے اور کہے کہ یہاں نہ آیا باہر ہوجا بلکہ عملی اور زبانی ہر طرح روکنا ہوگا ورنہ اندر چھوڑا تو قطعًا حانث ہوجائے گا، اور جو روکنے پر قدرت نہیں رکھتا گو وہ گھر اس کا اپنا ہو اور بیٹا بھی صغیر ہو تو زبانی روکنا ہی کافی ہے، مثلًا قسم کھانے والا اپاہج ہو یا معذور ہو یا مفلوج ہو اور بیٹا تیرہ چودہ سال کا شریر ہو کہ فرمانبرداری نہیں کرتا، تو ایسی صورت میں مجبورًا زبانی روکنا ہی کافی قرار پائے گا، چونکہ اپنے ذاتی گھر میں کلی اختیار ہونا اغلب ہے اور فقہی احکام کا مدار بھی غالب امور پر ہوتا ہے اس لئے امام صدر شہید نے اپنے اور غیر گھر کا فرق ذکر کیا ہے ورنہ یہ قاعدہ کا بیان نہیں ہے، اور چونکہ آخر زمانہ میں باپ کو صرف صغیر بیٹے پر ہی مکمل اختیار ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے صغیر وکبیر بیٹے کا فرق بیان کرنا بھی اسی وجہ سے ہے، دوسرے فقہاء نے زمانہ کے فساد کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف زبانی روکنے کو ذکر کیا کیونکہ اغلب طور پر روکنے کے لئے عملی رکاوٹ ضروری ہوتی ہے اور عملی رکاوٹ مار پیٹ سے ہوتی ہے جبکہ اس سے فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور فتنہ، قتل سے بھی برا ہے، اس لیے تمام عبارات کا ماحاصل ایک ہی ہے، یہ توفیق بیان اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ تاہم خلاصہ یہ ہے کہ نہ چھوڑنے کے لئے کم از کم زبانی روکنا ضروری ہے، تو جب کسی نے زبانی روکنے کا عمل بھی نہ کیا تو گویا اس نے چھوڑا۔ تو زیر بحث مسئلہ میں بیوی اگر بیٹے کو عملًا باہر نہیں نکال سکتی تھی

الاثبات تکفی مرة کان قال ان لم تمنعی تطلقی ای ان منعت فلا فاذا انهت نحت والیمین قد انتهت۔	تو ایک بار زبانی یہ کہہ دینے سے تو عاجز نہ تھی کہ گھر میں مت آ، یا باہر جا، روکنے کا مقام ابتدائی مرحلہ میں ہوتا ہے جب ابتداء میں وہ خاموش رہی تو بیٹے کو گھر میں چھوڑنا متحقق ہوگیا اور طلاق کی وجہ پائی گئی اور طلاق ہوگئی، بعد میں منع کرنا اور روکنا بے سود ہے اگر وہ ابتداء میں ایک بار بھی زبان سے روک دیتی تو قسم ختم ہوجاتی کیونکہ قسم میں ہمیشگی کے لئے "کلما" کا لفظ نہ تھا ایک دفعہ روکنے کے بعد اگر نہ روکنا باقی رہتا تو کوئی حرج نہ تھا، یہ تمام گفتگو علماء کرام کے مذکورہ نصوص سے واضح ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں نکتہ یہ ہے کہ تخلیہ یعنی لا تعلّق عدمی چیز ہے کیونکہ یہ، نہ روکنے اور نہ چھیڑنے کا نام ہے تو شرط میں اس تخلیہ کا اثبات کیا گیا جس سے یہ منفی بن گیا اور جب اس منفی کا ترک ہوا تو نفی پر نفی ہو جانے سے اثبات ہوگیا (یعنی نہ روکنے کا عدم ہوجانے سے روکنا متحقق ہوگیا) تو قسم کے پورا ہونے کے لئے ایک دفعہ اثبات یعنی روکنا کافی ہے جس کا ماحصل یوں ہوا، گویا اس نے بیوی کو کہا اگر تو نے منع نہ کیا تو تجھے طلاق ہے یعنی اگر تو منع کردے تو طلاق نہ ہوگی تو جب وہ منع کردے تو طلاق سے بچ گئی اور قسم ختم ہوگئی۔ (ت)
ثانیًا اقول: من قدر علی المنع بالفعل فاکتفی به کفی اذ لایصح ان یقال انه ترك وخلی بل اتی بما هو نهایة المعنی و مقصد ہ الاعلی فلیس علیه ان یجمع معه القول جمعا فما یتوهم من ظاہر لفظ الواقعات والنوازل وثانی عبارات الخانیة واربعها والوجیز لیس مراد قطعا۔	**ثانیًا اقول:** (دوسری بات کہتا ہوں کہ) جو عملًا روکنے پر قادر ہو عملًا روکنے پر اکتفاء کردینا کافی ہے کیونکہ اس عملی رکاوٹ پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے گھر میں اسے چھوڑا اور اس سے لاتعلق رہا، بلکہ اس نے شرط کا مقصد پورا کردیا اب اس پر زبانی منع کرنا لازم نہ رہا، تو واقعات اور نوازل اور خانیہ کی دوسری اور چوتھی عبارت اور وجیز کی ظاہر عبارات سے جو وہم ہوتا ہے وہ قطعًا مراد نہیں ہے (ت)
ثالثًا اقول: عند الفقیه شرط بره المنع فلفظ الملك وقع زائدا فی عبارة النوازل اما الملك ای القدرة فشرط	**ثالثًا اقول:** (تیسری بار کہتا ہوں کہ) فقیہ ابواللیث کے نزدیک قسم پورا کرنے کی شرط صرف روکنا ہے، لہٰذا نوازل کی عبارت "ملك المنع" میں "ملک" کا لفظ زائد ہے، لیکن اگر ملک سے

انعقاد الیمین مطلقا وبقاء الموقتة خصوصا اذبه تصور البر ولیس الکلام فیه بل فیما اذااتی به بر الا ان یقال انه من وزان حصول الصورة ای المنع المملوك ای قدر ماقدر۔	مراد قدرت ہو تو یہ مطلقًا قسم بننے کے لئے ضروری ہے اور وقت سے مقید قسم کی بقاء کے لئے خصوصًا ضروری ہے کیونکہ اسی قدرت سے ہی قسم کو پورا کرنا متصور ہوتا ہے۔ لیکن ملک بمعنی قدرت میں یہاں بحث نہیں ہے بلکہ یہاں تو قسم کو پورا کرنیوالی چیز میں بحث ہے۔ ہاں اگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حصولِ مراد کا بیان ہے کہ جس قدر ممکن طور پر روکنے پر قدرت رکھتا ہو۔ (ت)
رابعًا اقول: المنع یعم الفعلی والقولی کما تقدم عن عدة نصوص وقد یخص بالفعلی بقرینة المقابلة بالقولی وھو المراد فی کلام النوازل من قوله یملك منعه الی قوله دون المنع والاول المراد فی قوله اوفی ملك المنع وکذاقول الھندیة اٰخر فتثبت ولاتزل۔	**رابعا اقول:** (چوتھی بار کہتا ہوں کہ) روکنا عملی اور قولی دونوں طریقوں کو شامل ہے جیسا کہ متعدد نصوص میں پہلے مذکور ہوا ہے اور جبکہ اس کو قولی کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہو تو اس قرینہ کی بناء پر صرف عملی روکنے کو خاص ہوگا اور نوازل کے کلام میں جہاں انہوں نے "یملك منعه" کہہ کر اس کے بعد "دون المنع" تک عبارت ذکر کی، تو جہاں انہوں نے "منع کا مالک ہو" کہا وہاں پہلا معنی یعنی دونوں کو شامل، مراد ہے اور جہاں انہوں نے "منع کا مالک نہ ہو" کہا وہاں دوسرا معنی یعنی صرف عملی منع مراد ہے، اسی طرح ہندیہ کا دوسرا قول ہے، تو ثابت قدم رہو اور تردد مت کرو۔ (ت)
ایں نصوص کہ آرایم عین جزئیہ مسئلہ دائرہ بود کہ بحث ہمیں از یمین بر گزاشتن است وآنکہ شرط بر وحنث در وچیست، وتفاوت بآنکہ من نگزارم، اگر تو بگزاری، چیزے نیست کہ تغییر جزئیہ کند، حالاہر کہ خواہد کہ صورت دائرہ رازاں حکم برآرد محتاج بینہ واضحہ باشد ورنہ حکم ہمان ست کہ از نصوص عیان ست تبیین مرام وتسکین اوہام را نظر کردم وچند شبہہ بخاطر رسید بخیال آنکہ مباد بذہن	جو نصوص میں نے پیش کی ہیں یہ زیر بحث مسئلہ کا بعینہٖ جزئیہ ہے کیونکہ ان میں "چھوڑنے" کے متعلق بحث ہے اور اس میں قسم کے پورا ہونے اور اس کے ٹوٹنے کے متعلق یہی بحث ہے اور "میں نہ چھوڑوں گا" اور "تو نے اگر چھوڑا" کے فرق سے جزئیہ تبدیل نہیں ہوتا اور اس کے باوجود اگر کوئی زیر بحث صورت کو ان نصوص سے الگ کرے تو اس کو واضح دلیل پیش کرنی ہوگی ورنہ اس کا حکم وہی ہے جو ان نصوص سے عیاں ہوا، مقصد کو واضح اور اوہام کو دور کرنے میں، میں نے غور سے کام لیا تو چند

کسے عــہ۱ آید جائے جواب بہتر بیند آنہمہ راپیش نہم وبتوفیقہ تعالٰی عــہ۲ اماوہم **شبہہ اولٰی** پسر را مرد بخانہ گزاشت نہ زن **اقول** ایں درایوا گنجائش داشت کہ فعل حقیقۃً از فاعل ست وبہ ساکت اگر منسوب شود بمعنی رضا ومجاز باشد اما گزاشتن کہ تخلیہ وترک تعرضات شک نیست کہ از زن حقیقۃً متحقق ست مرد عــہ۳ زن را منع نکرداوداشت ایں گزاشت پس درترک زن چہ جائے ظن۔

شبہہ ثانیہ: زن تابع است **ولا حکم للتبع مع الاصل اقول**: لامرد للحقائق درصدور ترک تعرض از زن جائے سخن نیست سائل خود گوید کہ زن چیزے از لاونعم نہ گفت وہمیں قدر شرط حنث بود بیش ازیں درکار نیست آیا نہ بینی کہ درمکان غیر شرط برنہی بالقول داشتہ اند گوبخانہ آرندہ محلوف علیہ خود صاحبِ خانہ باش یادیگر آوردیا خود آمد وصاحب خانہ ہم معترض نہ شد لاطلاق حکم الکل فی جمیع الکتب بلکہ تصریح فرمودہ اند کہ امر عدمی بحالت اکراہ نیز موجب حنث شود چہ جائے رضا ولو تبعا، امام قاضی خاں فرماید **الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل** فرق و

شبہات دل پر وارد ہوئے اس خیال سے کہ شاید کسی کے ذہن میں آئیں توان کو وہ جواب کے لئے بہتر خیال کرے، اس لئے میں ان سب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحث کرتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ لیکن پہلے شبہہ کا وہم، وہ یہ کہ مسئولہ صورت میں گھر میں بیٹے کو مرد نے چھوڑا، بیوی نے نہیں چھوڑا۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس شبہہ کی گنجائش یہاں اس بنیاد پر ہے کہ فعل حقیقۃً فاعل کا ہوتا ہے اور اس فعل پر خاموش رہنے والے کی طرف وہ فعل رضا کے طور مجازًا منسوب ہوسکتا ہے، لیکن یہاں "چھوڑنا" جو کہ تخلیہ اور تعرض نہ کرنا ہے، یہ بیشک بیوی سے حقیقتًا متحقق ہوچکا ہے، مرد نے اس پر بیوی کو منع نہ کیا اور اس نے اس چھوڑنے کو قائم رکھا، تو اس سے بیوی کے فعل کے نہ ہونے کا گمان کہاں ہوسکتا ہے۔ (ت)

دوسرا شبہہ: یہ کہ، بیوی مرد کے تابع ہے تو اصل کی موجودگی میں تابع پر حکم نہیں ہوتا، **اقول** (میں کہتا ہوں کہ) حقائق کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ بیٹے سے تعرض نہ کرنا، بیوی سے اس کے صادر ہونے میں شبہہ نہیں ہوسکتا کیونکہ سائل نے خود کہا ہے کہ بیوی نے اس موقعہ پر ہاں یا نہ، کچھ نہ کہا، توحانث ہونے کے لئے بس یہی کافی ہے اس سے زیادہ کوئی ضرورت نہیں، صرف زبانی روکنا ہی کافی قرار دیا گیا ہے، جس کے بارے میں قسم کھائی ہے اس کو گھر لانے والا خود صاحبِ مکان ہو یا کوئی غیر ہو یا وہ خود آجائے اور گھر والا، آنے پر اعتراض نہ کرے، ہر صورت میں حانث ہوتا ہے کیونکہ

عــہ۱: مسودہ میں بیاض ہے۔ عــہ۲: مسودہ میں بیاض ہے۔ عــہ۳: مسودہ میں بیاض ہے۔

<table>
<tr>
<td>

قال فی قولہ ان لم اخرج اذا منعه مانع حنث وفی قوله لااسکن اذا منعه مانع عن الخروج لایحنث و الفتوی علی قوله لان فی قوله لااسکن شرط الحنث السکنیٰ والفعل لایتحقق بدون الاختیار وفی قوله ان لم اخرج شرط الحنث عدم الخروج والعدم یتحقق بدون الاختیار[1]۔

</td>
<td>

تمام کتب میں ان جملہ صورتوں کا حکم مطلق رکھا گیا ہے بلکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عدمی امور میں جبر واکراہ کی صورت میں بھی حانث ہوجاتا ہے چہ جائیکہ رضامندی سے ہو اگرچہ تبعًا ہی ہو۔ امام قاضی خاں فرماتے ہیں کہ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل نے فرق کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی یوں قسم اٹھائے کہ "اگر میں نہ نکلوں تو" اس قسم میں اگر کسی نے اس کو نکلنے سے منع کیا تب بھی حانث ہوگا، اگر یوں قسم کھائی کہ "میں یہاں رہائش نہ رکھوں تو" اس قسم میں اگر کسی نے اس کو وہاں سے جانے اور نکلنے سے منع کیا تو قسم نہ ٹوٹے گی اور اس فرق والے قول پر فتوٰی ہے، کیونکہ میں یہاں رہائش نہ رکھوں گا، میں حانث ہونے کی شرط وہاں رہائش پذیر ہونا ہے اور یہ فعل ہے جبکہ کوئی فعل اختیار کے بغیر متحقق نہیں ہوتا، اور "اگر نہ نکلوں تو" کی صورت میں حانث ہونے کی شرط، نہ نکلنا ہے جو کہ عدمی چیز ہے اور عدمی چیز اختیار کے بغیر بھی متحقق ہوجاتی ہے۔ (ت)

</td>
</tr>
<tr>
<td>

شبہہ ثالثہ: ایں جاداعی یمین صفت عقوق وہذا در پسر بود و یمین بزوال صفات داعیہ زائل شود کما فی لایاکل ھذا البسر فصار رطبا او الرطب فصار تمرا[2] کمافی الھدایۃ وسائر الکتب، در عقود دریہ است ھذہ صفات داعیۃ الی الیمین فتتقید بہ[3]، در فتح القدیر فرمود الاصل ان المحلوف علیه اذا کان بصفة داعیۃ الی الیمین تقید به فی المعرف والمنکر فاذا زالت زال الیمین

</td>
<td>

تیسرا شبہہ: یہ کہ، یہاں قسم کا سبب نافرمانی ہے اور نافرمانی بیٹے کی صفت تھی لہٰذا قسم کا سبب نافرمانی ختم ہوجانے پر قسم بھی ختم ہوجائے گی جیسا کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں یہ بسر کھجور نہ کھاؤں گا تو اب وہ رُطب ہوگئی یا قسم کھائی کہ یہ رُطب نہ کھاؤں گا تو اب وہ تمر بن گئی۔ ایسی صورت میں قسم ختم ہوجاتی ہے جیسا کہ ہدایہ اور دیگر کتب میں ہے، عقود الدریہ میں ہے کہ کھجور کی یہ صفات قسم کا سبب تھی تو قسم بھی ان صفات سے مقید قرار پائے گی لہٰذا یہ صفات تبدیل ہوگئیں تو قسم بھی باقی نہ رہے گی، فتح القدیر میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی وہ چیز اگر صفت رکھتی ہے

</td>
</tr>
</table>

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی التزویج نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۶

[2] الھدایہ باب الیمین فی الاکل والشرب المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۴۶۷

[3] عقود الدریۃ کتاب الطلاق ومطالبہ حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۱/ ۴۹

عنه وما لاتصلح داعیة اعتبر فی المنکر دون المعرف[1]۔

اقول: محلش آنجاست کہ در حلف آن صفت داعیہ راذ کر کردہ باشد اگرچہ در معرف اگرچہ بالاشارہ باآنکہ وصف در حاضر لغواست ولہذا الوحلف لایکلم ھذا الصبی فکلمہ شابا حنث امداعی بود نش داعی اعتبارش میشود چنانکہ در ھذا البسر وھذا الرطب وھذا اللبن الی غیرذلك ورنہ وصف ملحوظ رامدار بقائے یمین نتواں کرد کہ بنائے ایمان بر الفاظ ست نہ براغراض، در فتح القدیر فرمود من صور تخصیص الحال ان یقول لااکلم ھذاالرجل وھو قائم ونوی فی حال قیامه فنیته لغو بخلاف مالو قال لا اکلم ھذا الرجل القائم فان نیته تعمل فیما بینه وبین الله تعالٰی[2] پیدا ست کہ در دیانت صفت داعیہ وغیر داعیہ یکساں ست نیت خصوص باید امابے ذکر در لفظ نیت مجردہ دیانۃً نیز بکار نیامد تابقضا چہ رسد، ہمدران ست ان خرجت فعبدی حرو نوی السفر مثلا یصدق دیانة فلا یحنث بالخروج الی غیرہ تخصیصا لنفس الخروج مالونوی الخروج

جو قسم کا سبب بن سکتی ہے تو وہ قسم اس صفت سے مقید ہوگی خواہ وہ چیز معرفہ کے طور پر مذکور ہو یا نکرہ مذکور ہو تو جب وہ صفت ختم ہوجائے تو قسم بھی ختم ہوجائے گی اور اگر اس چیز کی صفت قسم کا سبب بننے والی نہ ہو تو پھر اس کو نکرہ ذکر کرنے پر قسم میں اس کی صفت کا اعتبار ہوگا معرفہ میں اعتبار نہ ہوگا۔

اقول (میں کہتا ہوں) اس قاعدہ کا محل وہ ہے جہاں قسم کا سبب بننے والی صفت کو قسم میں ذکر کیا گیا ہوا گرچہ وہ معرفہ کے طور پر مذکور ہو خواہ معرفہ اشارہ سے بنایا گیا ہو کیونکہ اشارہ حاضر چیز کی طرف ہوتا ہے باوجودیکہ حاضرین میں صفت کا ذکر لغو قرار پاتا ہے، اسی لئے اگر قسم کھائی کہ میں اس بچے سے بات نہ کروں گا تو اگر اس سے جوانی میں بات کی تو تب بھی حانث ہوگا، تاہم وصف اگر قسم کا داعی ہوگا تو اس کے اعتبار کا بھی داعی ہوگا، جیساکہ یہ بسر اور یہ رطب وغیرہ میں اور یہ دودھ، وغیرہ میں یہ صفات قسم کا داعی ہونے کے ساتھ قسم میں بھی معتبر ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو پھر وصف داعی بھی ہو تو غیر معتبر ہونے کی صورت میں اس کی بقاء قسم کی بقاء کے لئے مدار نہیں بن سکتی کیونکہ قسمیں الفاظ پر مبنی ہوتی ہیں اغراض پر مبنی نہیں ہوتیں، فتح القدیر میں فرمایا حال کی تخصیص کرنے کی صورت یوں ہے کہ ایک شخص کھڑا ہو تو کوئی اس کے بارے میں قسم کھائے کہ

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب المکتبة العربیة کراچی ۳۹۶/۴
[2] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب نوریہ رضویہ سکھر ۴۱۰/۴

الٰی مکان خاص کبغداد حیث لایصح لان المکان غیر مذکور[1]۔

شبہہ رابعہ: دریمین زوال سبب زوال یمین ست گو در لفظ مذکور مباش ولہٰذا اگر دائن مدیون یا کفیل را یا کفیل بالنفس مکفول عنہ یا کفیل بالامر اصیل را سوگند دہد بے اذنِ من بیرون شہر نروی ودین ادا شد یا کفالت نماند یمین منتہی شود کہ باعث برونبود مگر دین وکفالت پس بزوالش زائل شود در ہندیہ از محیط ست حلف صاحب الدین مدیونہ ان لا یخرج من البلدۃ الاباذنہ فالیمین مقیدۃ بحال قیام الدین[2] درخانیہ فرماید الکفیل بالنفس اذا حلّف الاصیل ان لایخرج من البلدۃ الاباذنہ فقضی الاصیل دین الطالب ثم خرج الحالف بعد ذٰلک

میں اس سے بات نہ کروں گا اور قسم میں اس کے کھڑے ہونے کی نیت کرے تو یہ نیت لغو ہوگی بخلاف جب یوں کہے کہ میں اس کھڑے شخص سے بات نہ کروں گا تو اس صورت میں قسم میں کھڑے ہونے کی نیت کا اعتبار عنداللہ ہوسکتا ہے اس سے واضح ہوا کہ دیانۃً یعنی عنداللہ، میں وصف داعی اور غیر داعی دونوں یکساں ہیں اس لئے نیتِ تخصیص ضروری ہے لیکن وصف کو ذکر کئے بغیر محض نیت کرنا دیانت میں بھی کارآمد نہیں ہے تو قضاءً کیسے کارآمد ہوسکتی ہے، اسی میں ہے اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ اگر میں باہر جاؤں تو میرا غلام آزاد ہے، اور باہر جانے سے سفر کی نیت کی تو اس کی تصدیق دیانۃً کی جاسکتی ہے کیونکہ باہر نکلنے کو سفر کے ساتھ خاص کیا ہے تو یہ خروج مذکور کی تخصیص ہے لہٰذا کسی اور مقصد کے لئے باہر نکلے تو حانث نہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر اس سے وہ کسی خاص جگہ مثلاً بغداد کے لئے نکلنا مراد لے تو یہ نیت صحیح نہ ہوگی کیونکہ قسم میں جگہ کا ذکر نہیں اس لئے جگہ کی تخصیص بھی معتبر نہیں ہے۔ (ت)

چوتھا شبہہ: یہ کہ، قسم کے سبب کے ختم ہوجانے پر قسم بھی ختم ہوجاتی اگرچہ وہ سبب قسم میں مذکور نہ ہو، لہٰذا اگر قرض خواہ اپنے مقروض کو یا اس کے کفیل کو یا نفس کا کفیل اپنے مکفول عنہ کو یا کفیل بالامر اپنے اصیل یعنی اصل ذمہ دار کو قسم دے کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر مت جائے گا، تو اس قسم کا سبب قرضہ یا کفالت ختم ہوجائے تو یہ قسم بھی ختم ہوجائے گی۔ ہندیہ میں محیط سے منقول ہے کہ قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا تو یہ قسم قرض کی بقاء سے مقید ہوگی کہ جب تک قرض ہے قسم باقی رہے گی ورنہ قرض ختم ہوجانے پر یہ قسم بھی ختم ہوجائے گی۔ خانیہ میں ہے کفیل بالنفس یعنی کسی شخص کو حاضر کرنے کا ضامن، اپنے اصل ذمہ دار کو قسم دے کہ تو میری

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۰۹

[2] فتاوٰی ہندیہ

لایحنث[1] درتنویر فرمود حلف رب الدین غریمه او الکفیل بامر المکفول عنه ان لایخرج من البلد الا باذنه تقید بالخروج حال قیام الدین بالکفالة[2] وپیدا است کہ ایں جا سبب یمین ہمیں خشم وناراضی ست چوں برضا بدل شد سبب نماند ومسبّب رفت،

اقول: چناں نیست نہ ہیچ کس باو قائل ورنہ عامہ ایمان عامہ کہ بتنی بر خشم وناچاقی وغضب وناتفاقی باشد بفلاں سخن نکند، وروئیش نہ بیند بخانہ اش نہ رود وبخانہ اش راہ نہ دہد، اوراصد چوب زند چنیں کند، چناں کند، ورنہ زن طلاقہ شود وغیر ذٰلک ہزاراں ھزار سوگند ھمہ بمجرد زوال خشم برباد رفتے وبے حنث وکفارہ ولزوم ہیچ جزا باطل شدے واصلاً احتیاج احتیال براثر بر نماندے آیا ہیچکس بجہاں قائل ایں قول شنیدہ، ائمہ کرام در ایمان مذکور بصور تہائے گو ناگوں وتفریعات بوقلموں بہ نقیر وقطمیر سخن فرمودہ وبہر پہلوئے آنہا موج موج تحقیاتِ رفیعہ وفوج فوج تنقیحات بدیعہ نمودہ فاما ہیچگاہ ہیچ جابہ ہیچ کتاب نگفتہ اند کہ ایں ہمہ برودمات تابقائے خشم ست چوں رضا آمد سوگند سپری

اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا، تو جب اصیل نے قرض والے کا قرض ادا کردیا تو پھر وہ اس کی اجازت کے بغیر شہر سے باہر گیا تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ تنویر میں فرمایا کہ اگر قرض خواہ نے مقروض کو یا کسی معاملے کے ضامن نے اپنے مکفول کو قسم دی کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گا تو نکلنے کے متعلق یہ قسم قرض کی بقاء اور کفالت کی بقاء سے مقید ہوگی کہ قرض و کفالت ختم ہوجائے تو یہ قسم بھی ختم ہوجائے گی، تو مذکورہ بیان سے واضح ہوگیا کہ زیر بحث مسئلہ میں قسم کا سبب بیٹے پر باپ کی ناراضگی اور غصہ ہے تو جب یہ غصہ و ناراضگی رضا میں بدل گئی تو یہ سبب ختم ہوگیا تو مسبّب یعنی بیوی کے متعلق طلاق کی قسم بھی ختم ہوگئی،

اقول: (میں کہتا ہوں) ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کا قائل ہے ورنہ عام قسمیں جو غصہ اور ناراضگی، نااتفاقی پر مبنی ہوتی ہیں، مثلاً فلاں سے بات نہ کروں گا، فلاں کی شکل نہ دیکھوں گا، فلاں کے گھر نہ جاؤں گا، فلاں کو گھر کی راہ نہ دوں گا، فلاں کو ایک سو چھڑی ماروں گا، اگر ایسا کروں تو یہ ہوجائے یا وہ جائے، یا بیوی کو طلاق ہوجائے وغیرہ، تو لازم آئے گا کہ ہزار ہا قسمیں غصہ ختم ہوجانے پر برباد ہوجائیں اور بغیر کفارہ اور بغیر حانث ہوئے ختم ہوکر رہ جائیں، اور ان قسموں پر کوئی جزالاگو نہ ہو اور ان قسموں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے اصلاً کسی حیلہ کی ضرورت پیش نہ آئے، اور ایسی قسموں

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی الخروج نولکشور لکھنؤ ۳۱۵/۲

[2] الدرالمختار باب الیمین فی الضرب الخ مطبع مجتبائی دہلی ۳۱۳/۱

شد و جملہ احکام نظری تا آنکہ اگر کسے سوگند خورد کہ اگر بازید سخن کند زن سہ طلاقہ ست بازمی خواہد کہ باوسخن گوید چہ بایدش کرد کہ طلاق مغلظ واقع نشود اور افرمودہ اند کہ زن رایک طلاق بائن دہد وبگزارد تا از عدت برآید باز بازید سخن راند جزا فرود آید ومحل نیابد وبے اثر رود باز بازن نکاح کند وبازید ہمکلام ماند گرطلاق نیفتد کہ یمین بیکبار منحل شد۔ در سراجیہ باز ہندیہ فرمود اذا حلف بثلث تطلیقات ان لا یکلم فلانا فالسبیل ان یطلقہا واحدۃ بائنۃ ویدعھا حتی تنقضی عدتھا ثم یتکلم فلانا ثم یتزوجھا [1] اینہمہ تکلفات چراست چرانگفتند کہ چوں آں خشم رفت وباہم مصالحت شد سوگند خود باطل گشت، واین ست نبی اللہ سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام درایام بلازوجہ مقدسہ اش رحمہ بنت آفرائیم یا میشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بمزدوری ومحنت نان پیدا کردے وبرائے نبی اللہ آوردے روزے نان بسیارے آورد نبی اللہ گمان برد مبادا مال کسے بخیانت گرفت خشم کرد

کا کوئی اثر نہ رہے، کیاآپ نے دنیامیں کبھی کسی سے یہ بات سنی ہے، حالانکہ ائمہ کرام نے ان مذکورہ قسموں کی بابت گوناگوں بحثیں کی ہیں اور طرح طرح کی تفریعات بیان کی ہیں، اور ان کے متعلق ہر پہلو سے بلند تحقیقات اور عجیب تنقیحات کے دریا بہادئے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے کبھی کسی جگہ کسی کتاب میں یہ بات نہ فرمائی کہ یہ تمام قسمیں غصہ تک ہیں جب غصہ ختم ہوجائے اور رضامندی ہوجائے تو قسمیں خود بخود ختم ہوجاتی ہیں، اوران کے تمام غور وخوض پر مبنی احکام محض تکلّف بن کر رہ جائیں، مثلاً اگر کسی نے قسم کھائی کہ اگر زید سے بات کروں تو بیوی کو تین طلاقیں ہیں، پھر یہ قسم کھانے والا زید سے بات کرنا چاہتا ہے تو کیا کیا جائے کیونکہ بات کرنے پر بیوی کو تین طلاقیں پڑتی ہیں اور کیا صورت ہو کہ بات کرلے اور تین طلاقیں نہ پڑیں، تو ایسے شخص کو ان فقہاء کرام نے فرمایا کہ یہ شخص اپنی بیوی کو ایک طلاق بائنہ دے دے تو اس کی عدت پوری ہونے کے بعد زید سے بات کرے تو اب اس پر جزا یعنی طلاق وارد ہوگی لیکن اس وقت بیوی بائنہ ہوجانے کی وجہ سے طلاق کا محل نہ رہے گی، کیونکہ ایک دفعہ قسم ٹوٹ چکی ہے اور ختم ہوچکی ہے۔ سراجیہ پھر ہندیہ میں فرمایا کہ جب کسی نے تین طلاقوں کی قسم کھا کر کہا میں فلاں سے بات نہ کروں گا، تو اس کے لئے تین طلاقوں سے بچنے کی سبیل یہ ہے کہ بیوی کو پہلے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل السابع فی الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳۹۷

سوگند خورد صد چوب زند باو خشم رفت وباعلام الٰہی براتِ خاتون ظاہر گشت فاما یمین برجاماند تاآنکہ حضرت عزّت جل جلالہ راہ خلاص ازاں تعلیم فرمود کہ وَخُذۡ بِیَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِب بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ[1] دستہ بدست گیرد زن رازن وسوگند مشکن پیداشد کہ بزوال حامل وانتفائے سبب یمین باطل نشود، اخرج ابن المنذر عن سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالٰی عنه انه بلغه ان ایوب علیه الصلٰوۃ والسلام حلف لیضربن امرأته مائة فی ان جاءته فی زیادۃ علی ماکانت تأتی به من الخبز الذی کانت تعمل علیه وخشی ان تکون قارفت من الخیانة فلما رحمه اللہ وکشف عنه الضر علم براءۃ امرأته مما اتهمها به فقال اللہ عزوجل" وَخُذۡ بِیَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِب بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ فاخذ ضغثا من ثمام وهو مائة عود	ایک بائنہ طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تو پھر اس فلاں سے بات کرے اور اس کے بعد دوبارہ بیوی سے نکاح کرلے، تو ان فقہاء نے اس قسم کے تکلفات کیوں فرمائے اور یہ کیوں نہ فرمادیا کہ یہ غصہ اور ناراضگی کی قسم تھی تو غصہ وناراضگی ختم ہوگئی اور مصالحت ہوگئی تو قسم خود بخود ختم ہوگئی، دیکھئے حضرت سیدنا ایوب علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالٰی کے پیارے نبی ہیں کہ آزمائش وابتلاء کے دور میں آپ کی پاکیزہ بیوی جن کا نام رحمہ بنت آفرائیم، یا میشا بنت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام تھا، وہ آپ کے لئے محنت ومزدوری کرکے خوراک مہیّا فرماتی تھیں، ایک دن انہوں نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں زیادہ کھانا پیش کیا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو گمان ہوا کہ شاید وہ کسی کا مال خیانت کے ذریعہ حاصل کرلائی ہیں اس پر آپ کو غصہ آیا تو آپ نے قسم کھائی کہ اس کو ایک سو چھڑی ماروں گا، اس کے بعد اللہ تعالٰی کی طرف سے بیوی کی برات معلوم ہوئی تو آپ کا غصہ ختم ہوا مگر قسم باقی تھی اسی لیے اللہ تعالٰی نے آپ کو اس قسم سے خلاصی کی تعلیم دی کہ سو چھڑیوں کا مٹّھا ہاتھ میں لے کر ایک دفعہ ماردیں اور قسم نہ توڑیں، تو اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ قسم کا سبب اور داعی ختم ہوجانے کے باوجود قسم باقی رہتی ہے اور اس کے خاتمہ سے قسم ختم نہیں

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۴

فضرب بہ کما امرہ اللہ تعالیٰ اھ[1]۔	ہوتی (قرآن پاک میں اس واقعہ کو اشارۃً بیان فرمایا گیا) ابن منذر نے سعید بن میسّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ سعید بن میسّب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کو سو چھڑی مارنے کی قسم کھائی کہ بیوی محنت سے روٹی مہیا کرتی تھیں ایک روز اس نے زائد روٹی آپ کی خدمت میں پیش کی جس پر آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ زائد خوراک کسی کے مال میں خیانت کرکے لائی ہیں، تو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر خاص رحمت کے ذریعہ تکلیف کی شدت ختم ہوئی اور بیوی کے بارے میں جو آپ کو شبہ تھا اس کی براءت معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ایک مٹھا لے کر اپنے ہاتھ سے اس کو ماردیں اور قسم نہ توڑیں، تو آپ نے شاخوں کا ایک مُٹھا جو سو چھڑیوں کا مجموعہ تھا، لے کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیوی کو مارا اھ۔ (ت)
اقول: وھذا احسن ما سمعناہ فی الباب وعلیہ التعویل ولا اصغاء الی مازاد الناس من تھویل وقال وقیل من دون اصل اصیل واللہ الھادی الی سواء السبیل ودر مسائل مذکورہ وجہ نہ آنست بلکہ آنجا تقیید ونفس بیان ست زیرا کہ بااذن مقید کردہ اند پس مخصوص باشد بزمانہ ولایت آنہا مر اذن ومنع راوآں نیست مگر زمان قیام دین و کفالت ولہٰذا اگر کہ سلطان اسیرے راحلف دہند کہ بے اذن ملک ایشاں بروں نرود متقید ماند بزمان بقائے سلطنتش تاآنکہ اگر اورا معزول کنند باز نشانند واسیر بے اذن او بیروں رود حانث نشود	**اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) یہ واقعہ اس بحث میں بہترین دلیل ہے جو ہم پر واضح ہوئی اور اسی پر اعتماد ہونا چاہئے اور اس پر لوگوں کی زائد باتوں اور بے اصل قیل وقال پر توجہ نہ دی جائے، اور اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستے کی رہنمائی فرماتا ہے اور اس شبہ میں ذکر کردہ مسائل کی وجہ وہ نہیں جو شبہ کرنے والوں نے ظاہر کی، بلکہ وہاں قسم کی تقیید اور اس کا بیان ہے کیونکہ انہوں نے وہاں اذن (اجازت) کے ساتھ مقید کرکے اس قسم کو اذن ومنع کی ولایت کی مدت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور ولایت کی یہ مدت صرف قرض وکفالت کے زمانہ تک ہے، اسی لئے اگر کوئی سلطان کسی قیدی کو قسم دے کہ تو میری اجازت کے بغیر میرے ملک سے باہر نہ جائے گا تو یہ قسم اس سلطان کی حکومت کی بقا

[1] درمنثور بحوالہ ابن منذر تحت آیہ مذکورہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۳۱۷

که یمین بزوال ملک منتهی شد و باز بہ عودش نکنند ہمچناں اگر شوہر زن یا مولیٰ غلام یا شہ یکے از رعایا را حلف دہد یا خود سوگند خورد کہ بے اذن من بیروں نروی متقید ماند بزمان بقائے زوجیت وملک ملک تاآنکہ اگر زن را جدا کرد باز بزنے آورد یا غلام را فروخت باز خرید یا معزول باز منصوب شد ودریں ملک وملک حادث زن وغلام ورعیت بے اذن بیرون روند حنث روئے ننماید کہ ولایت اذن ہمیں تابقائے نکاح وملک وملک بود ودر حدوث تازہ یمین تازہ نکرد ولہذا اگر بے تقیید بودند کررست ولہذا اگر زن را گوید اگر بے اذن توزنے رابزنے می گیرم مطلقہ باشد یمین مطلقہ غیر مقیدہ باشد تاآنکہ اگر زن را نکاح بروں کرد بازنے بے اذن اولیٰ بنکاح آورد مطلقہ شود زیرا کہ زن بزنے مالک اذن ومنع نمی شود پس دلیل تقیید منتفی شد واذن ومنع نمی شود پس دلیل تقیید منتفی شد واذن بر اذن لغوی محمول گشت نہ اذن شرعی واذن لغوی مقتصر بر بقائے زوجیت نیست آرے آں روز کہ آں زن میرد یمین منتہی شود کہ حالا او را صلاحیت اذن نماند، در درمختار بعد عبارت مذکورہ فرمودلو قال لہا ان خرجت من ہذہ الدار الا باذنی فانت طالق ثلثا فطلقہا بائنا فخرجت

کے ساتھ ہوتی ہے حتی کہ اگر اس سلطان کو معزول کردیں تو اب اگر قیدی اس کی اجازت کے بغیر ملک سے باہر چلا جائے تو قیدی کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ وہ قسم سلطان کے معزول ہونے پر ختم ہوگئی، اور دوبارہ سلطان کے بحال ہونے سے قسم بحال نہ ہوگی، اسی طرح اگر خاوند کو یا آقا اپنے غلام کو یا بادشاہ اپنی رعیت میں سے کسی کو قسم دے یا وہ خود قسم کھائے کہ میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے، تو یہ قسم بھی بقاءِ زوجیت، بقاءِ ملک، بقاءِ مُلک کے ساتھ مقید ہوگی، حتی کہ اگر بیوی کو نکاح سے خارج کردیا اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کیا یا مالک نے غلام کو فروخت کردیا اور دوبارہ خریدا یا معزول شدہ کو دوبارہ بحال کردیا تو اس دوسری نئی زوجیت، ملک، مُلک میں، بیوی، غلام، رعیّت بغیر اجازت کے باہر چلے جائیں تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ ان لوگوں کو اذن واجازت کی ولایت اس وقت کی موجودہ ولایت تک تھی اور بعد میں دوبارہ نئی ولایت حاصل ہونے پر دوبارہ قسم بحال نہ ہوگی، لہٰذا اگر بیوی کو باہر جانے سے روکنے کے لئے بیوی کو قسم دی یا خود قسم کھائی جس میں اجازت کی قید کا ذکر نہیں ہے، اس لئے اگر بیوی کو کہا کہ میں تیری اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی تو یہ قسم مطلق اور بغیر قید ہوگی، حتی کہ اگر پہلی بیوی کو نکاح سے خارج بھی کردے تب بھی اس کی اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کرنے پر دوسری کو طلاق ہوجائیگی کیونکہ بیوی دوسری عورت سے نکاح کو روکنے اور اجازت دینے کی مالک نہیں بن سکتی، اس لئے اس صورت میں اجازت کا ذکر ہونے کے باوجود وہ قید نہ ہوگی

بغیر اذنہ لایحنث لان یمینہ تقیدت بحال تمام ولایۃ المنع عن الخروج وولایۃ المنع تزول بالطلاق البائن وھو کالسلطان اذاحلف رجلا ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ فعزل السلطان ثم خرج الحالف لایحنث (ومعہ عـــہ مسئلۃ الکفیل المذکورۃ ثم قال) ولوان الحالف تزوج المرأۃ بعد ما ابانھا فخرجت بغیر اذنہ لاتطلق لان الیمین بطلت بالابانۃ فلاتعود بعد ذٰلک، وذکر فی اسیر اھل الحرب اذا حلفوا لاسیر ان لایخرج الاباذن ملکھم فعزل الملك ثم عاد ملك فخرج الاسیر بغیراذنہ لا یحنث وکذا لو قال الرجل لعبدہ ان خرجت بغیر اذنی فانت حر فباعہ ثم اشتراہ فخرج بغیر اذنہ لایعتق	اور یہ بیوی کی اجازت لغوی معنی میں ہوگی شرعی معنی میں اجازت مراد نہ ہوگی، اور لغوی اجازت بقائے نکاح پر موقوف نہ ہوگی اور نکاح ختم ہونے کے بعد بھی پہلی بیوی کی اجازت ضروری ہوگی، ہاں جس روز وہ فوت ہوجائے گی تو قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ اب اجازت دینے کی صلاحیت نہ رہی تواب قسم پوری ہونے کا احتمال ختم ہوجانے پر اجازت سے مشروط قسم بھی ختم ہوجائیگی۔ درمختار میں مذکورہ عبارت کے بعد فرمایا کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ اگر تو میری اجازت کے بغیر باہر نکلی تو تجھے تین طلاق ہوں گی، اس کے بعد خاوند نے اس کو طلاق بائنہ دے دی اور وہ خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نکل گئی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ بائنہ طلاق کی وجہ سے اب خاوند کو اجازت کا اختیار ختم ہوگیا جبکہ یہ قسم بیوی کو باہر نکلنے سے منع کرنے کی ولایت اور اختیار سے مقید تھی اور یہ اختیار نکاح کے باقی رہنے تک تھا جو نکاح ختم ہوجانے پر ختم ہوگیا______ جیسا کہ کسی حکمران نے کسی کو قسم دی کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا، اب اگر وہ شخص حکمران کے معزول ہوجانے پر شہر سے باہر اس کی اجازت

عـــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

در تبیین الحقائق و فتح القدیر ست وھذا لفظ الفتح یتقید بحال قیام الدین والکفالة لان الاذن انما یصح ممن له ولایة المنع وکذا الاتخرج امرأته الا باذنه بقیام الزوجیة بخلاف ما لو حلف لا تخرج امرأته من الدارفانه لایتقید به، اذلم یذکر الاذن فلا موجب لتقییدہ بزمان الولایة فی الاذن وکذا الحال فی حلفه علی العبد مطلقا ومقیدا وعلی ھذالوقال لامرأته کل امرأة اتزوجھا بغیر اذنك طالق فطلق امرأته طلاقا بائنا او ثلثا ثم تزوج بغیر اذنھا طلقت لانه لم تتقید ببقاء النکاح لانھا انما تقیدبه لوکانت المرأة تستفید ولایة الاذن والمنع بعقد النکاح[1]، در ہدایہ وفتح فرمایند لوقال ان کلمت فلانا الاان یقدم فلان او یاذن فلان ومات فلان سقط الیمین لان الممنوع منه کلام ینتھی المنع منه بالاذن والقدوم	کے بغیر نکل جائے تو قسم نہ ٹوٹے گی (اس کے ساتھ انہوں نے کفالت مذکورہ کا مسئلہ بھی بیان کیا اور پھر فرمایا) اگر مذکورہ قسم اٹھانے والے خاوند نے مذکورہ بائنہ بیوی سے دوبارہ نکاح کیا تو اب اگر بیوی اس کی اجازت کے بغیر باہر جائے تو اب طلاق نہ ہوگی کیونکہ وہ حلف بیوی بائنہ ہوجانے پر باطل ہوگیا اور دوبارہ نکاح سے وہ حلف بحال نہ ہوگا، درمختار نے اہلِ حرب کے قیدی کے متعلق ذکر کیا کہ اس کو قید کرتے ہوئے انہوں نے یہ قسم دی کہ تو حاکم کی اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گا تو اس حاکم کے معزول ہونے کے بعد دوبارہ بحال ہونے پر وہ قیدی اس حاکم کی اجازت کے بغیر باہر نکلا تو حانث نہ ہوگا یعنی قسم نہ ٹوٹے گی، اور یونہی اگر مالک نے اپنے غلام کو کہا کہ اگر تو میری اجازت کے بغیر باہر نکلے تو تو آزاد ہے، اب مالک نے اس غلام کو فروخت کردیا اور پھر دوبارہ خریدا تو تو اب غلام مالک کی اجازت کے بغیر باہر نکلا تو آزاد نہ ہوگا۔ تبیین الحقائق اور فتح القدیر میں ہے، یہ عبارت فتح القدیر کی ہے کہ قسم قرض اور کفالت کی بقاء سے مقید ہوگی کیونکہ اجازت تب متصور ہوسکتی جبکہ اس کو روکنے کی ولایت حاصل ہو اور یہ ولایت قرض اور کفالت تک ہوتی ہے اور یونہی خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو میری اجازت کے بغیر نہ نکلے گی تو یہ قسم اس زوجیت کے وجود سے مقید ہوگی، اس کے برخلاف اگر خاوند یوں کہے کہ میری بیوی گھر سے باہر نہ نکلے گی،

[1] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقه نوریه رضویه سکھر ۴/ ۴۶۸

ولم یبق الاذن والقدوم بعد الموت متصور الوجود وبقاء تصوّرۃ شرط بقاء الموقتة عند ابی حنیفة ومحمد وھذہ الیمین موقتة بوقت الاذن والقدوم اذبھما یتمکن من البر اذیتمکن من الکلام بلاحنث فیسقط بسقوط تصور البر اھ[1] ملخصًا مخلوطا قال فی الفتح فان قیل لانسلم عدم تصور البر بموته لانه سبحٰنه وتعالٰی قادر علی اعادۃ فلان فیمکن ان یقدم ویاذن فالجواب ان الحیاۃ المعادۃ غیر الحیاۃ المحلوف علی اذنه فیھا وقدومه وھی الحیاۃ القائمة حالة الحلف لان تلك عرض تلاشی لایمکن اعادتھا بعینھا وان اعیدت الروح فان الحیاۃ غیرالروح لانه امر لازم للروح فیماله روح[2] اھ۔

تو اس قسم میں اجازت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے یہ قسم زوجیت کی بقاء سے مقیّد نہ ہوگی کیونکہ زوجیت کی ضرورت اجازت کی ولایت کے لئے تھی، اور یوں ہی غلام کے بارے میں اجازت سے مقید قسم اور غیر مقید قسم کا حال ہے، اسی قاعدہ کی بناء پر، اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں جس عورت سے تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اس عورت کو طلاق ہوگی، اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو بائنہ یا مغلظہ طلاق دے دی پھر کسی عورت سے پہلی مطلقہ بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس عورت کو طلاق ہوجائے گی اور یہ قسم بقائے زوجیت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ بیوی کو نکاح سے روکنے یا اجازت دینے کی ولایت نہیں ہوتی (لہٰذا قسم میں مذکور اجازت کے لئے ولایتِ اجازت ضروری نہ تھی۔ لہٰذا نکاح ختم ہونے سے اجازت کی شرط ختم ہوگی) ہدایہ اور فتح القدیر میں فرماتے ہیں، اگر کسی نے کہا اگر فلاں سے اس کی اجازت یا اس کی آمد کے بغیر بات کروں تو یہ ہوجائے، اس کے بعد وہ فلاں فوت ہوجائے تو قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ اس سے کلام کی ممانعت کا اختتام اس کی اجازت یا آمد پر موقوف تھا جبکہ اس کی موت سے اجازت اور آمد کا تصور ختم ہوگیا، کیونکہ جب قسم کسی چیز سے مشروط ہو تو اس شرط کا متصور ہونا اس قسم کی بقاء کے لئے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک ضروری ہے چونکہ یہ قسم اس فلاں کی اجازت یا آمد سے مشروط ہے تو اس شرط کے وجود سے قسم پوری ہوسکے گی تو جب شرط کے وجود کے بغیر کلام کرنے پر حانث ہونے کا احتمال ختم ہوگیا تو قسم پورا ہونے کا احتمال بھی ختم ہوگیا لہٰذا یہ قسم باطل ہوجائے گی اھ ملخصًا، فتح القدیر میں مزید فرمایا کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس فلاں کی موت سے شرط کے وجود کا احتمال ختم ہوجانا ناقابلِ تسلیم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی قادر ہے کہ اس کو دوبارہ زندہ کردے اور وہ زندہ

[1] فتح القدیر کتاب الایمان باب الیمین فی الکلام نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۲۲ـ۴۲۴

[2] فتح القدیر کتاب الایمان باب الیمین فی الکلام نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۲۴

ورأیتنی کتبت علیه مانصه اقول فیه ان الحیاة عرض لاتبقی زمانین فالحیاة التی بعد الحلف غیر التی کانت عند الحلف والجواب ان مبنی الایمان علی العرف واهل العرف یعدونها واحدة مستمرة والمعادة غیرها۔	ہو کر اجازت دے یا آجائے، تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے کی حیات اس حیات کا غیر ہے جس حیات سے اجازت یا آمد کی قسم کھائی تھی اور قسم والی یہ حیات وہ ہے جو قسم کے وقت تھی، کیونکہ حیات ایک ایسا عارضہ ہے جس کو بعینہٖ واپس لانا ممکن نہیں اگرچہ روح واپس ہو جائے کہ روح اور حیات آپس میں ایک دوسرے کے مغایر ہیں کیونکہ حیات، روح والی چیز کی روح کا لازم ہے نہ کہ وہ روح ہے اھ (ت) اور مجھے یاد ہے کہ میں نے اس پر یہ حاشیہ لکھا جس کی عبارت یوں ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کلام میں بحث ہے کہ حیات جب عرض ہے تو وہ دو زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتی تو اس سے لازم آئیگا کہ حلف کے بعد والی حیات بھی حلف کے وقت والی حیات کا غیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے تو عرف والے لوگ مختلف اوقات کی حیات کو ایک ہی جاریہ حیات قرار دیتے ہیں لیکن موت کے بعد والی حیات کو پہلی حیات کے مغایر قرار دیتے ہیں۔
اقول: لکن لقائل ان یقول لانظر فی الحلف الی تلك الحیاة خصوصها بل الی تسلیم زمانه فی هذاالامر الاباذنه مثلا والشخص لایتبدل بتبدل الحیاة بدلیل الحشر والعقد فی تلك الحیوٰة غیر العقد علی تلك الحیاة والاذن وان لم یکن الامن حی فلا یستلزم ذٰلك عقد الحلف علی تلك الحیاة بعینها الا تری ان الاذن لایمکن ایضا الامن عاقل ولو جُنّ فلان لایسقط	**اقول** (میں کہتا ہوں) لیکن یہاں اعتراض ہو سکتا ہے کہ قسم میں خاص اس زندگی کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا بلکہ یہاں یہ بات پیشِ نظر ہوتی ہے کہ قسم کھانے والے کو زمانہ اگر یہ موقعہ دے کہ مثلاً وہ فلاں سے بات کرسکے تو وہ اسکی اجازت کے بغیر نہ کرے گا، جبکہ حیات کی تبدیلی سے شخص تبدیل نہیں ہوتا کیونکہ مرنے کے بعد حشر میں وہی شخص ہوتا ہوگا تو اس زندگی میں قسم کھانے کا یہ مطلب نہیں کہ اسی زندگی پر حلف کا دارمدار ہے، اجازت کا تعلق اگرچہ زندہ سے ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حلف کا تعلق خاص اسی زندگی سے ہو، دیکھئے اجازت صرف عقل والے سے ہی متصور ہوسکتی ہے

الیمین لاحتمال ان یعود عقله والمسألة منصوص علیها واکبر ظنی انها فی الخانیة بل هو فیها اذقال فی فصل فی الخروج ثلثة حلفوا رجلا ان لایخرج من بخارا الاباذنهم فجن احدهم وخرج الحالف باذن الأخرین حنث وان مات احدهم فخرج لایحنث لان الیمین تقیدت باذنهم وقد فات اذنهم بموت احدهم فلایبقی الیمین وفی الوجه الاول لم یقع الیأس عن اذنهم[1] اھ **ثمّ اقول**: یختلج ببالی ان لو قیل ان الموقتة اذاکانت علی امر یمکن عادة فشرط بقاءها تصور البر عادة لامجرد احتمال عقلی لحصل الجواب عن هذا ویؤمی الیه قول الخانیة لم یقع الیأس فانه یفید ان لو وقع الیأس سقط الیمین ولاشك ان	لیکن فلاں عاقل اگر عقل کھو بیٹھے اور اس پر جنون طاری ہوجائے تو اس کے باوجود قسم ساقط نہیں ہوتی کیونکہ عقل کے بحال ہونے کا احتمال ابھی باقی ہے، یہ عقل والا مسئلہ کتب میں مذکور ہے جبکہ میرا غالب گمان ہے کہ یہ مسئلہ خانیہ میں ہے بلکہ یقینا اس میں ہے، جہاں انہوں نے فصل فی الخروج میں یہ ذکر کیا ہے کہ تین حضرات نے ایک شخص کو یہ قسم دی کہ وہ ان تینوں کی اجازت کے بغیر بخارا سے باہر نہ جائے گا اس کے بعد ان تینوں میں سے ایک مجنون ہوگیا اور باقی دو کی اجازت سے باہر چلا گیا قسم ٹوٹ جائے گی لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک فوت ہوجائے تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ قسم تینوں کی مشترکہ اجازت سے مشروط تھی تو ایک کے فوت ہوجانے سے وہ شرط ختم ہوجائے گی اور قسم باقی نہ رہے گی، اور پہلی جنون والی صورت میں عقل بحال ہونے کے امکان کی وجہ سے مشترکہ اجازت سے مایوسی نہیں پائی جاتی اھ۔ **ثم اقول**: (میں پھر کہتا ہوں کہ) اس اشکال کا جواب جو کہ میرے دل پر وارد ہوا ہے یوں ممکن ہے کہ قسم جب ایسی شرط سے مشروط ہو جس کا وقوع عادتاً ممکن تو اس کی بقاء کے لئے اس شرط کے عادتاً پائے جانے کا امکان ضروری ہے تاکہ قسم کا پورا ہونا متصور ہوسکے ورنہ محض عقلی احتمال کافی نہیں ہوگا، جبکہ خانیہ کا قول کہ "ابھی مایوسی نہیں ہوئی" اس جواب کی صحت کی طرف اشارہ کررہا ہے کیونکہ ان کا یہ قول

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی الخروج نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۱۶

المستحیل عادۃ مایوس عنه و قد قال فی الفتح فی مسئلة من حلف لیصعد السماء اولیقلبنّ هذا الحجر ذهباً ان العجز ثابت عادۃ فلابرّفی زواله[1]اھ وهذاهو معنی الیاس وقد استشهد لها فی الهدایة بما اذا مات الحالف فانه یحنث مع احتمال اعادة الحیاة[2]، قال فی الفتح فیثبت معه احتمال ان یفعل المحلوف علیه ولکن لم یعتبر ذٰلك الاحتمال بخلاف العادة فحکم بالحنث اجماعاً[3]الخ فتبین انه لیس الوجه مغائرة الحیاة المعادة للحیاة المعقود علیها الحلف، والالم یتم الاستشهاد لکون العجز اذن عقلا کما قرره المحقق الاعادة بخلاف صعود السماء وقلب الحجر ذهبافاذن لیس النظر الاالی الیاس العادی و	بتارہا ہے کہ اگر مایوسی ہوجائے تو قسم ساقط ہوجائیگی جبکہ مایوسی اسی چیز سے ہوتی جب وہ عادتًا محال ہو، اور فتح میں آسمان پر چھڑھنے اور اس پتھر کو سونے میں بدلنے کے متعلق قسم کے بیان میں فرمایا کہ اگرچہ آسمان پر چڑھنا اور پتّھر کا سونے میں بدل جانا عقلًا ممکن ہے لیکن عادتًا اس سے عجز ثابت ہے لہٰذا قسم ٹوٹ جائیگی کیونکہ ایسا کرنا عادتًا ممکن نہیں ہے اھ، مایوسی کا یہی معنٰی ہے۔اس پر ہدایہ میں یوں تائید ذکر کی ہے کہ اس صورت میں قسم کھانے والے کے فوت ہوجانے پر قسم باطل نہ ہوگی کیونکہ دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے، فتح القدیر میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے یوں فرمایا کہ اس امکان سے حلف والے کام کو کرنے کا احتمال ثابت ہو رہا ہے مگر اس کے باوجود یہ احتمال معتبر نہیں کیونکہ یہ خلافِ عادت ہے اس لئے فوت ہوجانے پر بالاجماع قسم کے ٹوٹ جانے کا حکم ہوگا الخ تو اس بیان سے واضح ہوگیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں قسم کے بحال نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ دوبارہ زندگی پہلی زندگی کے مغایر ہے ورنہ ہدایہ اور فتح القدیر کا استشہاد تام نہ ہوگا کیونکہ ان کا استشہاد عادی عجز پر تھا جبکہ دونوں زندگیوں کے مغایر ہوجانے پر عجز عقلی ہوجاتا ہے حالانکہ محقق صاحب فتح القدیر نے دوبارہ زندگی

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۶-۴۱۵

[2] ہدایہ باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ عربیہ کراچی ۲/ ۴۷۳

[3] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ نوریہ رضویہ ۴/ ۴۱۶

هو المقصود. **اقول:** ویظهر لی توجیهه ان من حلف علی محال عادی فقد عقد علی امکانه العقلی فلم یکن شرط الانعقاد الاهذا امامن عقد الموقتة علی ممکن عادة ثم استحال فلا یبعد ان تبقی الیمین لان هذا الامکان غیرالمعقود علیه فلیتامل ولیحرر، والله تعالٰی اعلم اھما کتبت علیه۔

کے احتمال کو ثابت رکھا ہے، اس کے برخلاف آسمان پر چڑھنے اور پتھر کے سونے میں تبدیل ہونے میں عقلی عجز نہیں ہے بلکہ یہاں صرف عادی مایوسی ہے جو قسم کے ٹوٹ جانے میں مقصود ہے،

اقول (میں کہتا ہوں) اس کی توجیہ مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس نے کسی عادی محال چیز جو کہ عقلی طور پر ممکن ہو، پر قسم کھائی تو اس کی قسم کے لئے یہی عقلی امکان شرط ہوگا، لیکن جس نے کسی عادۃً ممکن چیز پر قسم کھائی اور وہ چیز قسم کے بعد عادۃً محال ہوجائے تو اس صورت میں قسم باقی نہ رہے گی کیونکہ اب صرف عقلی امکان باقی ہے جبکہ قسم اس امکان پر مبنی نہ تھی بلکہ وہ عادی امکان پر مبنی تھی جو باقی نہ رہا، غور کرنا اور معاملہ کو صاف کرنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم، میرا حاشیہ ختم ہوا۔ (ت)

شبہہ خامسہ: یمین بدلالت حال متقید شود اگرچہ در قال مقید نبود وازیں باب ست تقید بغرض تاآنکہ غرض را باآنکہ بنائے ایمان برونیست تخصیص دانستہ وتصریح فرمودہ اند کہ غرض در یمین نفزاید فاما عـــہ خصوص راشاید در ردالمحتار ست فی تلخیص الجامع الکبیر وبالعرف یخص ولایزاد حتی خص الراس بما یکبس ولم یرد الملك فی تعلیق طلاق الاجنبیة بالدخول اھ ومعناہ ان اللفظ اذاکان عاما یجوز تخصیصه بالعرف کمالو حلف لایاکل رأسا فانه فی العرف اسم لمایکبس فی التنور ویباع

پانچواں شبہہ: کہ قسم حال کی دلالت سے مقید بن جاتی ہے، اگرچہ لفظوں میں وہ مطلق ہو اور اس کے ساتھ قید کا ذکر نہ ہو، اسی باب سے کلام کا غرض سے مقید ہونا ہے، اگرچہ قسموں کی بنیاد اغراض پر نہیں ہے تاہم اغراض میں تخصیص پیدا کردیتی ہیں، چنانچہ فقہاءِ کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ غرض قسم میں زیادتی پیدا نہیں کرتی لیکن تخصیص پیدا کرسکتی ہے، ردالمحتار میں ہے کہ جامع کبیر کی تخصیص میں مذکور ہے کہ عرف سے تخصیص ہوسکتی ہے لیکن زیادتی نہیں ہوسکتی حتی کہ کسی نے سری کے متعلق قسم کھائی تو اس سے وہ سری مراد ہوگی جس کو عرف میں آگ سے بھون کر کھایا جائے، اور اجنبی عورت کے متعلق کہا "اگر وہ گھر میں داخل ہوئی تو اسے طلاق ہے" تو اس عورت کی ملکیتِ نکاح مراد نہیں ہوسکتی اھ،

عـــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

فی الاسواق وھو راس الغنم دون رأس العصفور ونحوہ فالغرض العرفی یخصص عمومه فاذا اطلق ینصرف الی المتعارف بخلاف الزیادۃ الخارجة عن اللفظ کما لو قال لاجنبیة ان دخلت الدار فانت طالق فانه یلغو ولاتصح ارادۃ الملك ای ان دخلت وانت فی نکاحی وان کان ھو المتعارف لان ذٰلك غیر مذکور ودلالة العرف لاتاثیر لها فی جعل غیر الملفوظ ملفوظا[1]،

ہمدران ست الغرض یصلح مخصصا لامزید[2] واگر تقییدات کہ بدلالت حال باغراض حالفین کردہ اند فروع آنہا رابرخوانیم دفتر باید، بردوسہ مثال منصوص فی المذہب اختیار کنیم:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لفظ عام ہو تو عرف کے ذریعہ اس کی تخصیص کی جاسکتی ہے جیسا کہ جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ سری نہ کھاؤں گا، تو قسم میں اگرچہ سری عام اور مطلق مذکور ہے لیکن عرف میں وہی سری مراد ہوتی ہے جس کو بھونا جاسکے اور بازار میں فروخت کیا جائے اس لئے عرف میں سری سے مراد چڑیا وغیرہ کی سری مراد نہ ہوگی، تو یہاں عرف نے سری میں تخصیص کردی تو جب مطلق سری ذکر کی جائے گی تو عرفاً خاص ہی مراد ہوگی اس کے برخلاف ایسی زیادتی جو لفظوں سے مذکور نہ ہو عرف کی وجہ سے وہ زیادتی پیدا نہیں ہوسکتی جیسے کوئی شخص اجنبی عورت کو کہے کہ "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے" تو یہاں اگر وہ یہ مراد لے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت میری منکوحہ ہو تو طلاق ہے، تو منکوحہ ہونا قسم کے الفاظ سے زائد چیز ہے، جس کو مراد نہیں لیا جاسکتا، اگرچہ عرف میں طلاق کے لئے منکوحہ ہونا ضروری ہے مگر عرف کلام میں غیر مذکور لفظ کو زائد نہیں کرسکتا اس لئے اجنبی عورت کے لئے یہ قسم لغو قرار پائے گی، اسی ردالمحتار میں ہے کہ عرف مخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن زیادتی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ حال کی دلالت سے قسموں کا اغراض سے مقید ہونا، اگر میں اس کی جزئیات کو ذکر کروں تو اس کے لئے دفتر چاہئے، تاہم مذہب میں منصوص دو تین مثالیں ذکر کررہا ہوں:

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۲

[2] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۳

(۱) والیئ زید را سوگند داد کہ ہر مفسدے کہ بشہر بود مرا آگاہانی متقید باشد بزمان قیام ولایتش حالانکہ اینجا لفظے مثل اذن وغیرہ مفید تقیید اصلاً نیست مگر حال دال ست کہ عرفش تدارک اوست و ایں نباشد مگر بولایت لاجرم بادمقید شد در ہدایہ ست اذااستحلف الوالی رجلا لیعلمنه بکل داعر دخل البلد فهذا علی حال ولایته خاصة لان المقصود منه دفع شرہ او شر غیرہ بزجرہ فلایفید فائدته بعد زوال سلطنته[1]، درفتح القدیراست هذا التخصیص فی الزمان یثبت بدلالة الحال وهو العلم بان المقصود من هذاالاستحلاف زجرہ بما یدفع شرہ او شر غیرہ بزجرہ وهذا لایتحقق الافی حال ولایته لانها حال قدرته علی ذٰلک[2]۔ **(۲)** ہر مدیون خود کہ از دین منکر بود و دائن گواہان نداشت سوگند خورد ترابدر قاضی کشم وحلف گیرم مدیون اعتراف کرد یا دائن	**(۱)** والیئ شہر نے زید کو قسم دی کہ شہر میں جو بھی شر پسند ہو مجھے اس کی اطلاع دے گا، تو اطلاع دینے کی یہ قسم اس والی کی ولایت کی مدت کے ساتھ مقید ہوگی حالانکہ لفظوں میں اس قید پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ مثلاً اجازت وغیرہ موجود نہیں مگر عام حال کی یہاں دلالت موجود ہے کہ قسم دینے کا عرف میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ حاکم اس اطلاع پر شر کا تدارک کرے اور یہ تدارک صرف ولایت سے ہو سکتا ہے تو لازماً یہ قسم ولایت کے زمانہ سے مقید ہوگی۔ ہدایہ میں ہے کہ جب والی نے ایک شخص کو قسم دی کہ تو مجھے شہر میں کسی فسادی کے داخل ہونے پر اطلاع دے گا۔ تو یہ قسم اس والی کی ولایت کے زمانہ سے مختص ہوگی کیونکہ والی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس اطلاع پر شریر کو سزا دے کر شر کا خاتمہ کرے، لہٰذا ولایت کے خاتمہ کے بعد اس قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے، فتح القدیر میں ہے کہ قسم کا زمانہ ولایت سے مختص ہونا دلالتِ حال کی وجہ سے ہے اور وہ یہ کہ اس قسم دینے کا مقصد شریر کو سزا دے کر اس کے یا غیر کے شر کو ختم کرنا ہے جبکہ یہ مقصد اس والی کی ولایت سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ ولایت کی وجہ سے وہ اس مقصد پر قادر ہوتا ہے (ت) **(۲)** مقروض جب قرض سے انکار کرے اور قرض خواہ کے پاس گواہ نہ ہوں تو قرض خواہ قسم اٹھائے کہ میں تجھے قاضی کے دربار میں پیش کروں گا

[1] ہدایہ کتاب الایمان مسائل متفرقہ مکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۴۸۶

[2] فتح القدیر کتاب الایمان نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۶۸

راگواہان بدست آمد ندیمین ساقط شود کہ بدلالت حال متقید بحال انکار وعدم وجدان شہود بود۔ دردرمختار ست حلف ان یجرہ الی باب القاضی ویحلفہ فاعترف الخصم اوظھر شھود سقط الیمین لتقییدہ من جھۃ المعنی بحال انکارہ[1] اھ قال الشامی لکن ھذاالتعلیل لایظھر بالنسبۃ الی قولہ او ظھر شھود فانہ بظھور الشھود لم یزل الانکار بل العلۃ فیہ انہ بعد ظھور الشھود لایمکن التحلیف تأمل[2] اھ **اقول:** لہ ان لایستشھدھم ویطلب حلفہ فکیف لایمکن کما یوھمہ قول العلامۃ لایمکن التحلیف فالاولی ان یقال لتقییدہ بانکارہ وعدم وجدان الشھود اذلاحلف علی مقر ولامع بینۃ شھدت، فی الدر	اور وہاں تجھ سے قسم لوں گا تو اس کی قسم کے بعد مدیون ومقروض شخص نے قرضے کا اعتراف کرلیا یا قرض خواہ کو گواہ مل گئے، تو قرض خواہ کی قسم ساقط ہوجائے گی، کیونکہ حال کی دلالت سے وہ قسم انکار وگواہوں کے نہ ہونے کی حالت میں مخصوص قرار پائے گی۔ درمختار میں ہے کہ قرض خواہ نے قسم کھائی کہ میں تجھے قاضی کے دربار میں پیش کرکے تجھ سے قسم دلاؤں گا تو اس دھمکی پر مقروض نے قرض کا اقرار کرلیا یا اس کو گواہ مل گئے، تو قسم ساقط ہوجائیگی کیونکہ قسم کھانے والے کی یہ قسم مقروض کے انکار کے ساتھ مقید قرار پائے گی اھ، اس پر علامہ شامی نے فرمایا کہ اس وجہ اور علت کا تعلق صرف مقروض کے انکار سے ہے، گواہوں کے دستیاب ہونے کی بات سے نہ ہوگا کیونکہ گواہوں کے دستیابی کے باوجود انکار باقی رہ سکتا ہے، تو گواہوں کی دستیابی پر قسم کے ساقط ہونے کی علت یہ ہوگی کہ گواہوں کی موجودگی میں قاضی کے ہاں قسم دلانا ممکن نہ رہے گا، اس میں غور چاہئے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) علامہ شامی کا فرمانا کہ گواہوں کی موجودگی میں قسم دلانا ممکن ہے کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ مدعی کو اختیار ہے کہ وہ گواہ پیش کرنے کی بجائے مقروض منکر کو قسم دلائے، لہٰذا قسم کو ناممکن کہنا درست

[1] درمختار باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۰۴

[2] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۰۶

عن البحر الیمین کالخلف عن البینة فاذا جاء الاصل انتهی حکم الخلف اھ[1] ولایرضی الطالب بحلف المنکر مادام یقدر علی الشهود مخافة ان یحلف فیذهب ماله فیتقید بهما عرفا.**اقول:** ولیس هذا السقوط لعدم تصور البر بقاء فان قلت الیس فی الدر قال المدعی لی بینة حاضرة فی المصر وطلب یمین خصمه لایحلف خلافا لهما ولو حاضرة فی مجلس الحکم لم یحلف اتفاقا ابن ملك اھ[2]، **قلت** الیس ان الاحضار والاخبار کلیهما بیده فان الشهود لا یحضرون مالم یحضروا ولایعلم القاضی ان له بینة فی المصر مالم یخبر فالامکان حاصل لاشك اما اولا فلان الیمین مطلقة فلا یضرها انتفاء	نہیں بلکہ یوں کہنا بہتر تھا کہ وہ قسم انکار اور گواہوں کے دستیاب نہ ہونے سے مقید قرار پائے گی، کیونکہ اقرار کرلینے پر اور گواہوں کی شہادت پر قسم کی ضرورت نہیں رہتی۔ درمختار میں بحر سے منقول ہے کہ قسم، گواہی کا خلیفہ بنتی ہے توجب اصل حاصل ہوجائے تو خلیفہ کی ضرورت نہیں رہتی اھ، اور نہ ہی حق والا گواہوں کی موجودگی میں قسم دلانے پر راضی ہوتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مقروض جھوٹی قسم اٹھادے تو اس کا قرض ضائع ہوجائے، لہٰذا عرفاً یہ قسم دونوں حالوں (انکار اور گواہ نہ ہونے) سے مقید قرار پائے گی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) گواہوں کی موجودگی میں قسم کا یہ سقوط اس لئے نہیں کہ بالآخر قسم کا پورا ہونا متصور نہیں ہوسکتا کہ قسم کا پورا ہونا ناممکن ہوجانے پر ختم ہوجائے۔ اس پر اگر تو یہ اعتراض کرے کہ کیا درمختار میں یہ موجود نہیں کہ جب قاضی کے ہاں مدعی یہ کہے کہ میرے گواہ ہیں لیکن وہ شہر میں موجود ہیں اور مدعی اس صورت میں اپنے مخالف سے قسم کا مطالبہ کرے، تو امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک قاضی مخالف کو قسم نہ دلائے گا۔ صاحبین کا مسلک اس کے خلاف ہے، اور اگر مدعی کے گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق قسم نہ لی جائیگی، ابن ملک اھ (تو قسم دلانے کا احتمال ختم ہوجانے سے قسم ساقط ہوجائیگی) **قلت** (میں کہتا ہوں) کیا گواہوں کو حاضر کرنا اور قاضی کو گواہوں کی موجودگی

[1] درمختار کتاب الدعوی مطبع مجتبائی دہلی ۱۱۸/۲
[2] درمختار کتاب الدعوی مطبع مجتبائی دہلی ۱۱۹/۲

تصور البر فیما بعد وامّا ثانیا فلانه متصور اما فی الشهود فلما ذکرنا واما فی الاقرار فلان من اقر عند الطالب لایجب ان یقر عند القاضی فلعله اذا اجر الیه انکر فیحلفه فالتصور حاصل قطعا فلاسقوط الا للتقیید العرفی اھ[1] ما کتبت علیه۔ ثمّ رأیت الامام ابا بکر محمد بن ابی المفاخر بن عبدالرشید الکرمانی ذکره فی جواهر الفتاوٰی کتاب الایمان، الباب الثانی فتاوی الامام جمال الدین البزدوی، فرأیته افاد فوائد منها، التعلیل بدلالة الحال ملحقاله بمسألة تحلیف الوالی لیعلمنه بکل داعر ومنها ان التقیید بالانکار فی صورة الاقرار ومنها ان فی سقوط الیمین بظهور الشهود خلافا وان	کی خبر دینا مدعی کے اختیار میں نہیں ہے؟ ضرور اس کے اختیار میں ہے کیونکہ جب تک وہ گواہوں کو حاضر نہ کرے وہ پیش نہ ہوں گے اور یوں ہی جب تک وہ قاضی کو گواہوں کی موجودگی کی خبر نہ دے قاضی کو معلوم نہ ہوسکے گا کہ اسکے پاس گواہ ہیں، تو بہر صورت گواہوں کی موجودگی کے باوجود مدعی علیہ سے قسم لینے کا امکان قاضی کے ہاں باقی ہے، اولًا تو اسلئے کہ مذکورہ قسم مطلق ہے تو تاحال قسم پورا ہونا متصوّر نہ ہو تو اس کے لئے کچھ مضر نہیں ہے، اور ثانیًا اس لئے کہ قسم کا پورا ہونا ابھی ممکن ہے گواہوں کی موجودگی کی صورت میں تو ہم نے وجہ ذکر کردی، اور مدعی علیہ کے اقرار کی صورت میں اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ مدعی علیہ، مدعی کے پاس تو اقرار کرتا ہو تو پھر ضروری نہیں کہ وہ قاضی کی مجلس میں بھی اقرار کرے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مدعی علیہ کو جب قاضی کے ہاں پیش کیا جائے تو وہ انکار کردے تو اس صورت میں قاضی کا اس سے قسم لینا متصور ہے تو معلوم ہوا کہ بہر صورت ابھی قسم کا تصوّر باقی ہے لہٰذا یہاں قسم کا سقوط صرف عرفی قید کی وجہ سے ہوگا نہ کہ حلف کا امکان ختم ہوجانے سے قسم کا سقوط ہوگا اس پر میرا حاشیہ ختم ہوا۔ اس کے بعد میں نے امام ابوبکر محمد بن المفاخر بن عبدالرشید کرمانی کو جواہر الفتاوی کی کتاب الایمان کے دوسرے باب۔ امام جمال الدین بزدوی کے فتاوی میں ذکر کرتے ہوئے پایا جس میں ان کو بہت سے

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

الفتوی علی السقوط و ھذا نصہ رحمہ اللّٰه تعالٰی رجل ادعی علی اٰخر کذا منا حنطة فانکر المدعی علیه فحلفه المدعی بطلاق امرأته ان یجرہ الی باب القاضی ویحلفه علی ذٰلك ثم ان المدعی علیه اقربما ادعی استغنی عن الیمین ویکون بارا فی یمینه لان الحلف علی ان یحلفه مادام منکر افاذا اقرفات الانکار ولیس ھذا کما لو قال لاشربن الماء الذی فی ھذا الکوز فاریق الماء انه یحنث لان الیمین ھناك علی الشراب ولم یشربه وھٰھنا الیمین علی الانکار فلم تبق الیمین وصار کانه حلف مع السلطان ان یعلمنه بکل داعر دخل المدینة ثم عزل السلطان سقط یمینه لانه حلف علی ان یعلمه مادام

فائدے ذکر کرتے ہوئے دیکھا، جن میں ایک فائدہ یہ کہ، والیٔ شہر کا کسی کو قسم دینا کہ وہ اسے ہر فسادی کی اطلاع دے گا، والے مسئلہ میں، قسم کا والی کی ولایت باقی رہنے کی علت، دلالت حال کو بنایا۔ دوسرا فائدہ، مدعی کی قسم کا انکار سے مقید ہونا صرف مدعی علیہ کے اقرار کی صورت میں ہے گواہوں کی صورت میں نہیں (جیسا کہ اوپر بحث گزری)۔ تیسرا فائدہ گواہوں کی صورت میں قسم کا ساقط ہونا مختلف فیہ ہے جبکہ فتوی یہ ہے کہ ساقط ہوجائے گی۔ امام جمال الدین کی عبارت یوں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر دعوی کیا کہ اس کے ذمے ہماری اتنی گندم ہے تو مدعا علیہ نے انکار کردیا تو اس پر مدعی نے اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھائی کہ میں اس کو قاضی کے دربار میں پیش کرکے اس کو قسم دلاؤں گا، تو اس دھمکی کے بعد مدعا علیہ نے اس کے دعوی کا اقرار کرلیا تو اب قاضی کے پاس لے جاکر قسم دلانے کی ضرورت نہ ہوگی اور قسم کھانے والا مدعی اپنی قسم سے بری ہو جائے گا کیونکہ اس کی قسم دلانے کی قسم اس مدعا علیہ کے انکار پر تھی، تو جب اس نے اقرار کرلیا تو انکار ختم ہوگیا۔ اور یہ معاملہ ایسا نہیں کہ کوئی قسم کھائے کہ میں اس کوزے کے پانی کو ضرور نوش کروں گا، تو قسم کے بعد کوزے کا پانی گرادیا گیا ہو، تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ یہ قسم کوزے کے پانی کو پینے سے متعلق تھی تو وہ اسے پی نہ سکا لیکن یہاں قسم انکار پر مبنی تھی جو ختم ہوگیا، تو قسم بھی ختم ہو گئی، جیسا کہ حاکمِ شہر کسی کو قسم دے کہ تو مجھے شہر میں داخل ہونے والے

هوالوالی فی البلد فکذٰلك هنا بدلیل انه لو حمله الی القاضی لایحلفه فاذالا فائدۃ فی حمله الی القاضی هکذا عــه ذکر، وهذا الجواب یوافق قول القاضی ابی الهیثم ویخالف قول القاضی الامام الصاعدی فانه ذکر فی فتاواه هذاالمسألة الاانه وضع المسألة هکذاذکر مکان اعتراف المدعی علیه انه ظهر له شهود وقال القاضی الامام ابو الهیثم سقط یمینه وقال الصاعدی لایسقط بل یقع طلاقه فاذاجواب شیخنا جمال الدین وافق جواب القاضی ابی الهیثم وهو الصحیح وعلیه الفتوی [1] اھ۔ **(۳)** مدیون را سوگند داد فلاں روز حق من دہی و دستم بگیری وبے دستوری من بیروں	ہر فسادی کی اطلاع دے گا، اس کے بعد وہ حاکم معزول ہوجائے تو اس کی دی ہوئی قسم بھی ختم ہوجائیگی، کیونکہ یہاں بھی قسم کا مطلب یہ تھا کہ میری ولایت جب تک ہے اس وقت تک اطلاع دینی ہوگی، تو یہاں بھی یہی صورت ہے کیونکہ مدعی اگر مدعٰی علیہ کو اب قاضی کے ہاں پیش کرے تو قاضی اس سے قسم نہ لے گا اس لئے اب قاضی کے ہاں لے جانے کا فائدہ نہ رہا، اس کو امام جمال الدین بزدوی نے یونہی ذکر فرمایا ہے، یہ امام جمال الدین بزدوی کا جواب قاضی ابوہیثم کے قول کے موافق ہے اور قاضی امام صاعدی کے قول کے مخالف ہے، کیونکہ امام صاعدی نے اس مسئلہ کو اپنے فتاوی میں ذکر کیا اور مدعٰی علیہ کے اعتراف کی بجائے انہوں نے گواہوں کے موجود ہونے، کو ذکر کیا، جبکہ قاضی امام ابوہیثم نے کہا کہ قسم ساقط ہوجائے گی اور امام صاعدی نے کہا کہ قسم ساقط نہ ہوگی بلکہ گواہوں کے موجود پانے پر مدعی کے قسم کے مطابق اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی، تو جب ہمارے شیخ جمال الدین بزدوی کا جواب قاضی ابوہیثم کے جواب کے موافق ہے تو یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے، اھ۔ (ت) **(۳)** کسی نے اپنے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھے فلاں روز میرا قرض دے گا اور میرا ہاتھ پکڑے گا

عــه: قوله هکذا ذکر ای الامام جمال الدین البزدوی ومن هٰهنا الی اٰخر مانقلنا کلام الامام الکرمانی جامع تلك الفتاوی منه۔	اس کا قول یونہی ذکر کیا ہے یعنی امام جمال الدین بزدوی نے ذکر کیا ہے اور یہاں سے آخر تک جو عبارت ہم نے نقل کی ہے وہ امام کرمانی کا کلام ہے جو اس فتاوی کے جامع ہیں ۱۲منہ (ت)

[1] جواہر الفتاوی کتاب الایمان

نہ روی باز مدیوں ہمیں روز دینش داد ودستش نگرفت وبے دستوری اوبیروں رفت حانث نشود کہ ایں یمیں عرفا مقیدست بحال دیں در ردالمحتار ست فی البزازیة حلفه لیوفین حقه یوم کذاولیأخذن بیده ولاینصرف بلا اذنه فاوفاه الیوم ولم یأخذ بیده وانصرف بلااذنه لایحنث لان المقصودوهو الایفاء اھ. قلت تقدم ان الایمان مبینة علی الالفاظ لاعلی الاغراض وهذا المقصود غیر ملفوظ لکن قدمنا ان العرف یصلح مخصصا وهنا کذٰلك فان العرف یخصص ذٰلك بحال قیام الدین قبل الایفاء ویوضحه ایضا مایأتی قریبا عن التبیین[1] اھ مافی الشامی۔**اقول:** والذی یظهر للعبد الضعیف ان هنا ثلث ایمان فالاخیرة متقیدة بنفس	اور میری رضا کے بغیر باہر نہ جائے گا، پھر مقروض نے اسی دن قرض ادا کردیا اور اس کا ہاتھ پکڑے بغیر باہر چلا گیا تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ یہ قسم عرف میں قرض ذمہ ہونے کی وجہ سے تھی، تو قرض ختم ہونے پر قسم ساقط ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے کہ بزازیہ میں ہے کہ قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھے فلاں دن میرا حق دے گا اور میرا ہاتھ پکڑے گا اور میری مرضی کے بغیر باہر نہ جائیگا، تو مقروض نے اس کو قرض اسی روز دے دیا اور ہاتھ پکڑے اور اس کی مرضی کے بغیر باہر واپس چلا گیا تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس قسم کا مقصد قرض وصول کرنا تھا اھ۔ قلّت میں کہتا ہوں کہ یہ گزرچکا ہے کہ قسموں کی بنیاد الفاظ ہوتے ہیں۔ اغراض بنیاد نہیں ہوتے، اور مذکور قسم کا مقصد الفاظ میں مذکور نہیں ہے، لیکن جیسا کہ پہلے ہم نے ذکر کردیا ہے کہ عرف تخصیص پیدا کردیتا ہے تو یہ بھی ایسے ہی ہے کیونکہ یہاں بھی عرف نے اس قسم کو قرض کی موجودگی کے ساتھ مختص کردیا ہے کہ اس کی ادائیگی سے قبل تک ہوگی، اس کی وضاحت عنقریب تبیین الحقائق سے بیان کی جائے گی، علامہ شامی کا ردالمحتار میں بیان ختم ہوا۔ **اقول** (میں کہتا ہوں کہ) مجھ ضعیف بندے پر جو ظاہر ہورہا ہے وہ یہ کہ یہاں ردالمحتار کے بیان کردہ مسئلہ میں تین قسمیں ہیں جن میں سے

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۰۶

لفظ الاذن کما تقدم والاولی کانت موقتة والممتنع الایفاء فی ذٰلك الوقت لحصوله قبله فسقطت لعدم تصور البر ثم رأیتهم به عللوه، وللّٰه الحمد، اما الثانیة فمجازہ عن الایفاء ای لیعینه لوفاء دینه اذمن المعلوم قطعاً ان لیس المراد خصوص اخذ العضو وھی مطلقة وقد بر فیها اذا وفی وان فرضت لوقته بالتوقیت المذکور فقد سقطت ایضا وھذا معنی قول الوجیز لان المقصود ھو الایفاء فلیس ھنا مدخل اصلا للتخصیص بدلالة الحال واللّٰه تعالٰی اعلم بحقیقة الحال ولیس فیما اتی به بعد عن التبیین الاان الیمین تتقید بمقصود الحالف ولهذا تتقید بالصفة الحاملة علی الیمین وان کانت فی الحاضر علی ما بینا من قبل اھ[1]	آخری یعنی "میری اجازت کے بغیر واپس نہ جائے گا" یہ قسم لفظ اجازت سے مقید ہے جیسا کہ گزرا ہے، اور ان میں سے پہلے قسم یعنی "تو میرا حق فلاں روز ادا کرے گا" یہ وقت سے مقید ہے یعنی موقت ہے، جبکہ مقررہ اس دن میں حق کی ادائیگی نہیں ہو سکی کیونکہ ادائیگی مقررہ دن سے پہلے ہو چکی ہے اس لئے قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ مقررہ دن میں پورا کرنا ممکن نہ رہا، پھر اس بیان کے بعد میں نے دیکھا تو فقہاء نے قسم کے خاتمہ کی یہی علت بیان فرمائی وللّٰه الحمد، لیکن دوسری قسم یعنی "تو میرا ہاتھ پکڑلے" یہ حق پورا کرنے، سے مجاز ہے، یعنی تاکہ یہ بات حق کی ادائیگی میں مددگار بنے، کیونکہ خاص عضو یعنی ہاتھ پکڑنا مقصود نہیں ہے، لہٰذا یہ قسم مطلق قرار پائی، اور یہ حق کی ادائیگی ہو جانے پر پوری ہو چکی ہے، اور اگر اس دوسری قسم کو مطلق کی بجائے وقت یعنی مقررہ دن سے مقید اور موقت قرار دیا جائے تو تب بھی یہ ساقط قرار پائیگی، جبکہ وجیز کے اس کہنے کا کہ یہاں مقصود صرف حق کو پورا کرنا ہے، اور یہاں حال کی دلالت سے تخصیص کا کوئی دخل نہیں ہے، کا یہی مطلب ہے جبکہ اللّٰه تعالٰی ہی حقیقت حال کا بہتر عالم ہے، اور بعد میں تبیین الحقائق کے حوالہ سے جو ذکر کیا وہ صرف یہی ہے کہ یہ قسم حالف کے مقصد سے مقید ہو گی لہٰذا قسم کی وجہ بننے والی صفت سے یہ مقید قرار پائے گی اگرچہ وہ صفت حاضر چیز میں پائی جائے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۰۷

ولا کلام فیہ انما الکلام فی حصول التخصیص ھنا ثم کلام التبیین فی صفة ملفوظة کلا یکلم عبد فلان وتریدون ھٰھنا اثبات غیر الملفوظ فلا یوضحہ مافی التبیین وغایة ما یقال ان المعنی لیوفین یوم کذا ان لم یوف قبلہ فھذا التقیید بدلالة الحال وھو المقصود الغیر الملفوظ فیکون الاولی مبرورة ساقطة واللہ تعالٰی اعلم۔ وچوں دریں مثال در دلالت حال مجال مقال وسیع آمد مثالے دگر جالیش بنشانیم دائن حلف گرفت کہ روئے از من نپوشی ومعنی ایں پیمان آں ست کہ ھرگاہ ترا طلبم وتو بر طلب من مطلع شوی ظاہر گردی ورنہ فرد روپوشی مدیون در غیر آں طلب دائن بے اطلاع بر طلب دائن موجب حنث نیست گواز ترس دائن باش چنانکہ بخوف او رخ پوشاں بباز از رفتن زیرا کہ ایں روئے پوشیدن بخیال ست نہ از و سوگند بریں بود نہ براں ایں یمین بدلالت حال مقید ست بزمان بقائے دین تا آنکہ اگر دو دائن بودند

(تبیین الحقائق کے آخر کلام تک) جبکہ یہاں یہ بحث نہیں کہ مقصد سے مقید ہوگی یا نہیں، بلکہ یہاں تو دلالتِ حال سے تخصیص میں بحث ہے اور پھر تبیین الحقائق کی بات کا تعلق لفظوں میں مذکور صفت سے ہے، مثلاً میں فلاں کے غلام سے بات نہ کروں گا جبکہ آپ تو یہاں غیر ملفوظ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا تبیین الحقائق کا کلام اس بحث کی وضاحت نہیں بن سکتا، انتہائی بات جو کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ قسم میں "فلاں دن حق پورا کرے گا" کا معنٰی یہ ہوگا کہ اگر اس دن سے قبل حق پورا نہ کرے تو اس دن ادا کرے گا، تو قبل ازیں پورا نہ کرنے سے قسم مقیّد ہوگی اور یہ مقصد لفظوں میں غیر مذکور ہے جو صرف دلالت حال سے قید کے طور پر معلوم ہورہا ہے، تو پہلی قسم پوری ہوکر ختم ہوگئی، واللہ تعالٰی اعلم۔

چونکہ مذکورہ مثال میں دلالتِ حال کے متعلق بحث کی وسیع گنجائش پیدا ہوگئی، اس لئے ایک اور مثال یہاں پیش کرتا ہوں کہ، ایک قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھ سے منہ نہ چھپائے گا، تو اس عہد وپیمان کا معنٰی یہ ہے کہ جب میں تجھے طلب کروں اور تو میری طلب پر مطلع ہوجائے تو فوراً سامنے آنا ہوگا، اس لئے اگر وہ اس کی طلب کے بغیر یا طلب پر اطلاع نہ پانے پر روپوشی کرے تو قسم کی خلاف ورزی نہ ہوگی اگرچہ یہ روپوشی اس قرض خواہ کے ڈر سے ہی ہو مثلاً قرض خواہ کے سامنے آجانے پر مقروض منہ پھیر کر رک جائے، کیونکہ یہ روپوشی دوسرے خیال

ودین یکے اداشد یمین در حق او منتہی گشت ، در وجیز کردری فصل ۱۸فی قضاء الدین فرمود حلف الدائن المدیون کہ از من رو نپوشی ولم یوقت فکل وقت طلبه وعلم به ولم یظهر له حنث وان دخل السوق متواریاًلایحنث وان طلبه ولم یعلم به ولم یظهر الوجه لایحنث ولوکان حین حلف بهذا الوجه رب الدین اثنین فقضی لاحدهما انتهی الیمین فی حقه[1]، درمسئلہ دائرہ نیز حال دال ست کہ غرض یمین ہجراں پسر و تباعد از ذریت ومساکنت او وسزا دادنش بدوری از خانہ وخوان خود ست پس متقید باشد بزمان بقائے ایں مقاصد چوں پدر خودش ترک مہاجر گفت واوسرا انتقام در گزشت یمین منتہی گشت چنانکہ درفروع مذکورہ چوں بعزل سلطان واقرار مدیون وظہور گواہان وادائے دیون آں اغراض نماند سوگند نماند۔	سے ہے نہ کہ اس کی طلب سے روپوشی ہے، لہٰذا کسی اور وجہ سے روپوشی پر قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ قسم کا تعلق کسی اور وجہ سے نہیں ہے، تو یہ قسم دلالتِ حال کی وجہ سے قرض باقی رہنے کے حال سے مقید ہوگی، حتی کہ اگر قرض خواہ دو شخص ہوں دونوں نے یہ قسم دی ہو تو دونوں میں سے جس کا قرض ادا کردے گا اس کے حق میں قسم ختم ہوجائے گی۔ وجیز کردری کی فصل ۱۸ قرض کی ادائیگی میں فرماتے ہیں کہ قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھ سے روپوشی نہ کرے گا اور قسم میں کسی وقت کا ذکر نہ کیا تو اس قسم کا معنٰی یہ ہوگا کہ جب بھی وہ اس مقروض کو طلب کرے اور مقروض کو اس طلب کا علم ہوجائے تو اس وقت روپوشی نہ کرے، لہٰذا اگر قرض خواہ کی طلب پر مقروض اطلاع پانے کے باوجود حاضر نہ ہو سامنا نہ کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر بغیر طلب یا طلب پر اطلاع نہ پائی ہو اور بازار میں ویسے ہی قرض خواہ کے ڈر سے روپوشی کرکے نکلے تو قسم نہ ٹوٹے گی، اگر اس صورت میں دو قرض خواہ ہوں جنہوں نے اس کو یہ قسم دی ہو تو ایک کا قرض ادا کردیا تو اس کے حق میں قسم ختم ہوجائیگی۔ زیر بحث مسئولہ مسئلہ میں بھی اس قسم کا مقصد بیٹے سے بائیکاٹ، اس کا گھر اور رہائش سے دور رکھنا اور اپنے گھر اور دستر خوان سے باز رکھنے کی سزا ہے لہٰذا یہ قسم بھی دلالت حال کی وجہ سے ان مقاصد سے مقید ہوگی اور جب باپ نے خود یہ تمام باتیں کردیں اور سزا ترک کردی تو قسم ختم ہوجائے گی جیسا کہ مذکورہ بالا مسائل میں، حاکم کی معزولی، مقروض کے اقرار، گواہوں کی حاضری اور قرض کی ادائیگی جیسے قسم کے اغراض ہوجانے سے قسم ختم ہوجاتی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیہ الثامن عشر فی قضاء الدین نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۰

اقول اولاً فرق ست میان انتفائے مقصود وانعدام قصد در فروع مستشہدہ افعال محلوف علیہا خود از ثمرات مخصوصہ تہی شدہ است چوں والی معزول شد اطلاع او بر آمدن مفسد در شہر چہ سود دہد و مقصود از بردن منکر پیش قاضی وحلف از و خواستن آں بود کہ قاضی او را بر حلف مجبور کند وبر مقر حلف نتواں نہاد پس تحلیف صورت نہ بندد و طلب حلف مسموع نشود و چوں بر دعوی مدعی گواہان عادل شرعی باشند نیز از منکر حلف نگیرند و ہمچو گواہان داشتن و باز کار بر زبان صاحب انکار گزاشتن حق خود را در خطر افگندست کہ خلاف مقصود ست پس بہر وجہ ثمرہ مطلوبہ مفقود ست و بعد ادائے دین باروئے مدیون چہ کار ماندہ است کہ پوشیدن ونمودن ثمرہ دہد و مقصود زن حصول انس بمصالحت شوہر ومنع وحشت بوحدت ست وایں بعد زوال زوجیت میسر نیست زن مرد اجنبی را نگوید کہ بامن باش وجدا مشو بخلاف صورت دائرہ کہ بخانہ نگزاشتن ہمچناں مثمر دوری وہجران وسزائے ناشکری وکفران ست مگر حالف حالا زیں قصد برگشتہ است پس ایں نیست کہ آنکار ثمرہ نیارد بلکہ خود او خواہش آں ثمرہ ندارد، بالجملہ از نماندن مقصود تا قصد نماندن مقصود فرق عظیم ست ایں دوم زنہار مبطل یمیں نتواں شد ورنہ

اقول: (میں کہتا ہوں) **اولاً** جواب یہ ہے کہ مقصود کا منتفی ہونا، اور اس کا قصد نہ کرنا یہ دو مختلف چیزیں ہیں جبکہ شبہہ میں مذکور مسائل بیان جن کاموں کے متعلق قسم ہے وہ کام اپنے مخصوص مقاصد سے خالی ہوتے ہیں کہ جب والیئ شہر معزول ہوجائے تو شہر میں مفسد شخص کے داخل ہونے کی اطلاع اس کو دینے میں کیا فائدہ ہوگا۔ اور منکر کو تو قاضی پر پیش کرکے اس سے قسم لی جاسکتی ہے تاکہ قاضی اس کو قسم پر مجبور کرے لیکن جب قرض کا اقرار کرلیا تواب اس سے قسم نہیں لی جاسکتی اور اس سے قسم کا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ اور جب مدعی کے دعوی پر شرعی عادل گواہ موجود ہوں تو منکر سے قسم نہیں لی جاتی اور اسی طرح گواہوں کی موجودگی میں اپنے حق کو منکر کی زبانی حلف کے سپرد کرنا اپنے حق کو خطرہ میں ڈالنا بھی مقصود کے خلاف ہے تو یہ تمام صورتیں قسم کے مقصد کے خلاف ہیں، اور قرض ادا کردینے کے بعد مقروض کے چہرہ کو دیکھنے سے کیا کام ہے اب روپوشی کرنا نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے، اور بیوی نکاح کی موجودگی میں تو علیحدہ رہنے میں تنہائی کی وحشت کو ختم کرنے اور اپنے خاوند سے صلح کرکے مانوس ہونے کی کوشش کرے گی جبکہ نکاح ختم ہوجانے پر اس کا یہ مقصد بھی ختم ہوجاتا ہے کیونکہ اب اجنبی ہوجانے پر اس کو اپنے پاس رہنے کی بات نہ کرے گی اور نہ جدائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے گی، جبکہ زیر بحث مسئولہ معاملہ میں گھر میں نہ چھوڑنے کی قسم کا مقصد بیٹے کی ناشکری اور کفرانِ نعمت پر اس کو بائیکاٹ اور

ہماں مفاسد لازم آید کہ در جواب شبہہ چہارم یاد کردیم حلفہائے مبتنی بر خشم و غضب بعد فروشدن خشم خود بخود برباد رود و ہیچ جزایا کفارہ لازم نشود کہ بعد زوال غضب آں ثمرات راخواہش نمی ماند بلکہ بسااوقات نادم می شود و دلیل قاطع بربطلان آں احادیث کثیرہ عدیدہ صحیحہ سدیدہ بسر حداستفاضہ کشیدہ ست کہ فرمودہ اند صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرا منھا فات الذی ھو خیر وکفر عن یمینك**[1] چوں سوگندے خوری باز بینی کہ غیر او ازاں بہتر ست پس آں بہتر را بجا آرو سوگندت را کفارہ گزار، **رواہ البخاری ومسلم عن سمرۃ بن جندب واحمد ومسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ والنسائی وابن ماجۃ عن عوف ابن مالك عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنھم وعبدالرزاق عن بن سیرین مرسلا وابوبکر بن شیبۃ و البیھقی عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ**، وفرمودند

گھر سے دور رکھنے کی سزادینا ہے لیکن قسم والے نے اب اپنے مقصد کو چھوڑدیا تو اس سے قسم والا معاملہ بے سود اور بیکار نہ ہوگا کیونکہ یہاں مقصد فوت نہیں ہوا بلکہ خود اس مقصد کو ترک کررہاہے، الحاصل، مقصود کا باقی نہ رہنا اور اس کو مقصود نہ بنانا دو مختلف چیزیں ہیں اور دونوں میں بڑا فرق ہے جبکہ دوسرا یعنی مقصد کو مقصود نہ بنانا اور اس سے روگردانی کرنا قسم کو قطعًا باطل اور کالعدم نہیں کرسکتا، ورنہ اس سے وہ تمام مفاسد لازم آئیں گے جو شبہہ چہارم کے جواب میں ہم نے ذکر کئے ہیں کہ غصہ اور ناراضگی پر مبنی تمام قسمیں، غصہ ختم ہوجانے پر خودبخود ختم ہوجائینگی اور ان پر کوئی جزاء یا کفارہ لازم نہ آئیگا کیونکہ غصہ اور ناراضگی کے دوران قسم کے جو مقاصد تھے وہ غصہ ختم ہوجانے پر باقی نہ رہے بلکہ بسااوقات غصہ کی حالت میں قسموں پر ندامت ہوتی ہے تو لازم آئے گا کہ غصہ ہونے پر کوئی کفارہ یا جزامرتب نہ ہو حالانکہ اس کے بطلان پر کثیر تعداد میں صحیح احادیث وارد ہیں جو غصہ ختم ہونے کے بعد بھی ان قسموں پر حنث لازم آنے میں درجہ شہرت تک پہنچتی ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب تو قسم کھائے تو دیکھ کہ اس قسم کا غیر یعنی خلاف بہتر ہو تو بہتر کو بجالا اور قسم کا کفارہ دے۔ اس کو بخاری ومسلم نے سمرہ بن جندب اور احمد اور مسلم ترمذی نے ابوہریرہ اور نسائی اور ابن ماجہ نے عوف بن مالک کے والد سے روایت کیا ہے اور عبدالرزاق نے ابن سیرین سے مرسلًا اور ابوبکر بن شیبہ اور بیہقی نے موقوفًا امیر المومنین

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور قدیمی کتب خانہ کراچی ۹۸۰/۲

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا کفرت عن یمینی واُتیت الذی ھو خیر[1] بخدا اگر خدا خواہد ہر سوگند کہ خورم باز غیر او بہتر از وبینم ہماں بہتر را پیش نہم وسوگندرا کفارہ دہم رواہ احمد وعبدالرزاق والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ عن ابی موسٰی الاشعری والطبرانی فی الکبیروالحاکم والبیھقی عن ابی الدرداء والحاکم عن ام المومنین الصدیقۃ والطبرانی عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنھم وعبدالرزاق عن ام المومنین عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنھما من قولہ وعبدالرزاق وابن ابی شیبۃ وابناء حمید وجریرو المنذروابوالشیخ والبیھقی عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بمعناہ وفی الباب غیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم ۔وفرمودند صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واللہ لان یلجّ احدکم بیمینہ فی اھلہ اٰثم لہ عنداللہ من ان یعطی کفارتہ التی افترض اللہ علیہ[2] یعنی اگرکسے در بارہ اہل خود برایذاواضرار ایشاں

حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالٰی عنہم) سے روایت کیا ہے۔اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: بخدا! اگر اللہ تعالٰی چاہے تو جو قسم بھی میں کھاؤں پھر اس کے بعد اس کے غیر کو بہتر پاؤں تو بہتر کو اختیار کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا۔ اس کو احمد، عبدالرزاق، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوموسٰی اشعری سے اور طبرانی نے کبیر میں، حاکم اور بیہقی نے ابودرداء سے، اور حاکم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے، اور طبرانی نے عمران بن حصین سے (رضی اللہ تعالٰی عنہم) روایت کیا ہے۔ اور عبدالرزاق نے حضرت ام المومنین سے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول، اور عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن حمید، ابن جریر ابن منذر، ابوشیخ، اور بیہقی نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بالمعنی روایت کیا ہے جبکہ اس باب میں دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایات ہیں،اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنے اہل کے متعلق اس کو اذیت اور ضرر پہنچانے کیلئے قسم کھائے پس بخدا اس کو ضرر دینا اور قسم کو پورا کرنا عنداللہ زیادہ گناہ ہے اس سے کہ وہ اس قسم کے بدلے کفارہ دے جو اللہ تعالٰی نے اس پر مقرر فرمایا ہے، اس کو بخاری اور مسلم (شیخین) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۸۰

[2] صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۸۰

سوگند خورد پس بخدا کہ باضرار او برابر ارادہ باضرار شاں گناہگار تر باشد نزد خدا ازینکہ سوگند و کفارہ اش کہ خدائے مقرر فرمودہ ست ادا کند رواہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ پیداست کہ ہمیں فعل اختیاری ست و فعل اختیاری را از قصد غایتے چارہ نے وچوں غیر اور اخیر یا بدرائے بر گردد واں قصد نماند پس یمین ببطلان قصد باطل شدے کفارہ چرا۔

ثانیا بانتفائے مقصود نیز مطلقا بطلان ست اگر یمین مطلقہ آرد کہ فلان رازند یا کشد یا پیش حاکم برد یا چناں خوراند یا پوشاند یا خلعت پوشاند یا خبرے خوش یا بدر ساند الٰی غیر ذٰلک مما یختص بالحیاۃ عرفا ونکرد تا آنکہ فلاں مرد یقینا حانث شود و کفارہ دہد اگر یمین بطلان و عتاق بود فرود آید بآنکہ آں جملہ مقاصد بمر گش مرد و درہم خورد وکل **ذٰلك واضح جلی وعلیه فروع جمة فی کتب المذھب** ، ودر خانیہ و کبری و محیط و تجنیس و خلاصہ و بزازیہ و ہندیہ و غیرہاست رجل شاجر مع اخیہ واختہ، فقال لھما بالفارسیۃ اگر من شمارا بکون خراندر نکنم **تکلموافی ذٰلك والصحیح انه یراد بهذاالقهر والغلبة فلا یحنث حتی یموتا اویموت**

سے روایت کیا ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ قسم اختیاری فعل ہے اور کوئی اختیاری فعل ارادہ اور قصد کے بغیر ممکن نہیں تو اس کے باوجود جب اس کے خلاف کو بہتر جانے تو اس بہتر کو کرے اور اپنی رائے اور ارادہ کو تبدیل کردے اور اس کا قصد نہ کرے، تو اگر قسم والے فعل کا قصد ختم ہوجانے سے قسم ختم ہوجاتی ہے تو پھر ان احادیث میں کفارہ کا ذکر کس چیز پر ہے۔

ثانیا جواب یہ ہے، مقصود کے انتفاء سے بھی علی الاطلاق اور علی العموم قسم کا باطل ہونا غلط ہے، مثلاً کوئی شخص غیر مقید طور پر قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو ماروں گا، یا فلاں کی کھینچا تانی کروں گا، یا حاکم کے سامنے کروں گا یا فلاں چیز کھلاؤنگا یا پہناؤں گا، یا جوڑا پہناؤں گا، یا فلاں کو خوشخبری دوں گا، وغیر ذالک، تو یہ قسمیں عرفاً پوری زندگی بھر کے لئے ہوں گی اگر یہ کام نہ کئے حتی کہ وہ فلاں فوت ہوجائے تو یقینا حانث ہوگا، اور کفارہ دینا ہوگا، اور یہ قسمیں طلاق یا عتاق سے متعلق تھیں۔ تو طلاق یا عتاق واقع ہوجائے گی کیونکہ فلاں کے فوت ہوجانے سے قسم کے تمام مقاصد ختم ہوجاتے ہیں یہ تمام امور واضح ہیں اور مذہب کی کتب میں ان پر کثیر مسائل متفرع کئے گئے ہیں۔ خانیہ، کبرٰی، محیط، تجنیس، خلاصہ، بزازیہ اور ہندیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے بھائی اور بہن سے جھگڑے میں ان کو کہا اگر میں تم دونوں کو گدھے کی دبر میں داخل نہ کردوں تو فلاں چیز لازم آئے، تو اس قسم کی صورت میں

الحالف[1] ھذالفظ الخانیة فی الایمان،ولفظھا فی الطلاق قال بعضھم لایحنث مادامو افی الاحیاء وقال بعضھم یحنث للحال لانه عاجزعن ذٰلك ظاھراالا ان ینوی بذٰلك القھر والتضییق علیھما فلایحنث مادامو افی الاحیاء فان مات الحالف اواحد الاخوین قبل ان یفعل ذٰلك حنث وعلیه الاعتماد[2] اھ وقال فی الکبری وغیرہا وعلیه الفتوی وچوں دلالت حال را باایں شبهه کارے نمانداز تنقیح مسئله اش آئندہ سخن را نیم ان شاء اللہ تعالٰی۔	فقہائے کرام نے بحث کی ہے اور صحیح یہ قرار دیا کہ یہ غصہ اور ناراضگی کی قسم ہے اور عمر بھر کے لئے قسم ہوگی اور اگر عمر بھر ان دونوں سے یہ کارروائی نہ کرے تو ان دونوں یا قسم کھانے والے کے فوت ہوجانے پر قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم آئے گا اھ یہ مذکور الفاظ خانیہ کی قسموں میں مذکور ہیں،اور خانیہ نے طلاق کی بحث میں یوں فرمایا کہ بعض نے کہا ہے کہ جب تک اس قسم سے متعلق حضرات زندہ ہیں قسم نہ ٹوٹے گی،اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایسا کرنے سے عاجز ہے،ہاں اگر ان الفاظ سے اس نے غلبہ اور تنگی پیدا کرنے کی نیت کی ہو تو ان کی زندگی میں نہ ٹوٹے گی بلکہ مقصد کو پورا کرنے سے پہلے تینوں میں سے کسی کے فوت ہونے پر ٹوٹے گی،اور اسی پر اعتماد ہے اھ اور کبرٰی وغیرہ میں فرمایا کہ اسی پر فتوی ہے۔اور جب دلالتِ حال کا اس شبہہ میں دخل نہیں تو اس مسئلہ کی تنقیح کو ہم آئندہ پر چھوڑتے ہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)
شبہہ سادسہ: مبنائے یمین براستحقاق پسر مرانتقام راست پس بدلالت حال متقید شود بزمان بقائے آں استحقاق چنانکہ از علمائے متاخرین علامہ سائحانی دریک مسئلہ استظہار کردہ ست در رد المحتارست(تنبیہ)رأیت بخط شیخ مشائخنا السائحانی عند قول الشارح لوحلف ان یجرّہ الخ	**چھٹا شبہہ:** اس قسم کی بنیاد بیٹے کا باپ کی ناراضگی کی وجہ سے قابل سزا ہونا ہے تو حال کی دلالت کا تقاضا ہے کہ یہ قسم بیٹے کے قابلِ سزا ہونے تک کے زمانہ سے مقید ہوگی جیسا کہ متاخرین علماء میں سے علامہ سائحانی نے ایک مسئلہ میں اس کا اظہار کیا ہے،اور ردالمحتار میں ہے تنبیہ میں نے اپنے شیخ سائحانی کا قول دیکھا کہ انہوں نے شارح کے اس قول پر کہ "کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں کو

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی الیمین علی الشتم والقذف نولکشور لکھنؤ ۳۲۵/۲

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الطلاق باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲۳۱/۳۲/۲

هذا يفيدان من حلف ان يشتكى فلانا ثم تصالحا وزال قصد الاضرار واختشى عليه من الشكاية يسقط اليمين لانه مقيد فى المعنى بدوام حالة استحقاق الانتقام كما ظهر لى اه فتأمله[1]۔

اقول ایں علامہ متاخر نیز ایں حکم در ہیچ کتاب سلف تا خلف اصلا نیافت محض رائے اوست کہ فرمود کما ظہرلی چنانکہ مرا ظاہر شدہ ست وعلامہ شامی نیز برو اعتماد نکرد کہ مے فرماید فتأملہ ایں راتاسل کن وایں خود سخنے تازہ نیست صدر کلامش بزوال قصد تمسک کرد وحالش در جواب شبہہ پنجم وچہارم شنیدی واستنباط از فروع در مسائل دلالت حال خواست وفرق انعدام قصد وانتفائے مقصود بما لامزید علیہ دیدی وآخر سخنش بہ حالت استحقاق انتقام حوالت نمود وایں ہماں صفت داعیہ است کہ حالش بجواب شبہہ سوم شنیدی باز قصہ سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام زوال قصد واستحقاق انتقام ہر دو را جواب شافی ووافی ست چنانکہ دررد شبہہ چہارم دیدی بالجملہ از جواب شبہہ ثالثہ تا ایں جاہرچہ گفتہ ایم

قاضی کی عدالت میں پیش کروں گا الخ" تو انہوں نے اس پر فرمایا کہ شارح کے اس قول سے یہ فائدہ ہورہا ہے کہ جو شخص قسم کھائے کہ میں فلاں کی شکایت کروں گا، پھر قسم کے بعد صلح ہوجائے اور فلاں کو ضرر دینے کا ارادہ ختم ہوجائے اور شکایت کرنے سے گھبرائے تو قسم ساقط ہوجائیگی کیونکہ یہ قسم معنوی طور پر انتقام کے ارادہ کی بقاء سے مقید ہے، یہ وہ ہے جو مجھے معلوم ہوسکا ہے، اھ، تو غور کرو۔

اقول: (اس کے جواب میں میں کہتا ہوں) کہ متاخرین میں سے اس علامہ مذکور نے یہ مسئلہ کسی کتاب سلف یا خلف میں نہ پایا بلکہ انہوں نے یہ بات اپنی رائے سے کہی ہے اسی لئے انہوں نے فرمایا: "جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے" اور پھر علامہ شامی نے بھی اس پر اعتماد نہیں کیا اسی لئے انہوں نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ غور کرو، نیز انہوں نے اس کلام سے ابتداء نہیں کی بلکہ اس سے قبل انہوں نے قسم کی وجہ کو ترک کرنے کے قصد کو دلیل بنایا ہے جبکہ اس کا حال پانچویں اور چوتھے شبہہ کے جواب میں آپ نے سن لیا ہے۔ اور دلالتِ حال والے مسائل کی تفریعات سے استنباط کرنا چاہا، حالانکہ آپ نے قصد نہ کرنے او مقصد کے خود فوت ہوجانے، کا فرق خوب سمجھ لیا ہے، آخر میں وہ انتقام کے استحقاق کے حوالہ سے بات کررہے ہیں اور یہ تمام امور قسم کے لئے داعی واسباب بن رہے ہیں، جبکہ ان کا حال تیسرے

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰۶/۳

ہمیں بریں سخن متوجہ است،اگر نبودے کہ ایں سخن بخط عالمے برہامش کتابے نوشتہ یافتند حاجت بہ افراز او نبود وبقطعے نظر از جملہ کلام سابق جوابے تازہ گویم کہ تقیید باستحقاق انتقام رامساغی نگزارد۔	شبہہ کے جواب میں آپ معلوم کرچکے ہیں،اور پھر یہ کہ حضرت سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں وجہ قسم کو ترک کرنے کا قصد اور انتقام کے استحقاق کے خاتمہ،دونوں چیزوں کاکافی اور شافی جواب موجود ہے جیسا کہ آپ نے چوتھے شبہہ کے رد میں دیکھ لیا ہے،غرضیکہ تیسرے شبہہ کے جواب سے لے کر یہاں تک جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ تمام اس بات سے ہی متعلق ہے،اگر کسی کتاب کے حاشیہ پر کسی عالم کی یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو اس کو واضح کرنے کی ضرورت نہ تھی،تاہم سابقہ تمام گفتگو سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم اس بات کا کہ اس قسم کا استحقاقِ انتقام سے تعلق نہیں ہے اور یہ اس سے مقید نہیں ہے،نئے انداز سے اثبات کرتے ہیں۔(ت)
فاقول: وبالله التوفیق اوّلاً زید کہ سوگند مے خورد کہ شکایت عمرو پیش حاکم بَرو باز مصالحت میکنند آیا عمرو بواقع جرمے وستمے بحق زید کردہ بود یا زید حسبِ عادت بسیارے از مردماں مردم آزار خودش ظالم بود وخود شکایتش می خواست.بر تقدیر دوم استحقاق انتقام از سر نبود وتقیید یمین بزمان انتقامش چہ معنی،وبر تقدیر اول انچہ بمصالحت زائل میشود قصد انتقام نہ استحقاق او کہ بصلح جرم وستم کردہ ناکردہ نشود پس یمین چرا منتہی گردد اگر برجوع مجرم استحقاق انتقام برطرف شدے بایستے کہ عفو وتجاوز از تائب نہ عفو بودے نہ تجاوز بلکہ از ظلم اوراباز داشتن وھو باطل قطعاًولہٰذا نزد اہلسنت قبول توبہ واجب اصلی نیست تاآنکہ نزد ائمہ ماترید یہ باآنکہ تعذیب مطیع را محال عقلی دانند درشرح مقاصد فرماید **اماقبول التوبۃ فلایجب عندنا اذلاوجوب علی الله تعالٰی**[1] باز دلیل معتزلہ	**فاقول:** (پس میں الله تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں)اولاً یہ کہ زید نے جو قسم کھائی کہ میں عمرو کو حاکم کے ہاں پیش کروں گا،اور پھر قسم کے بعد عمرو سے صلح کرلیتا ہے تو اب دیکھنا ہے کہ عمرو واقعی مجرم تھا اور اس نے زید کے حق میں ظلم کیا تھا یا زید بلاوجہ اپنی مردم آزاری کی عادت پوری کرنا چاہتا تھا تو دوسری صورت میں قسم کی وجہ استحقاق انتقام ہرگز نہ ہوئی کیونکہ عمرو کا کوئی جرم ہی نہیں ہے تو اس صورت میں قسم کو استحقاقِ انتقام سے مقید کرنے کا کوئی مطلب نہیں،اور پہلی تقدیر پر کہ عمرو نے واقعی زید کے حق میں ظلم کیا تھا،تو پھر صلح کرلینے پر عمرو سے انتقام لینے کا قصد ختم ہوا نہ کہ اس سے انتقام کا استحقاق ختم ہوا کیونکہ زید کی صلح سے عمرو کا جرم تو ختم نہ ہوا اور کردہ گناہ ناکردہ نہ بن سکا،توجب جرم باقی ہے تو استحقاقِ انتقام ابھی باقی ہے

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع عشر فی التوبۃ دار المعارف النعمانیۃ،پاکستان ۲/ ۲۴۲

آوردہ فرمود اکثر المقدمات مزخرف بل ربما یدعی القطع بان من اساء الی غیرہ وانتھك حرماتہ ثم جاء معتذر الایجب فی حکم العقل قبول اعتذارہ بل الخیرۃ الی ذٰلك الغیران شاء صفح وان شاء جازاہ[1]۔علی قاری در شرح فقہ اکبر گوید قبول التوبۃ وھو اسقاط عقوبۃ الذنب عن التائب غیر واجب علی اللہ تعالٰی بل کان ذٰلك منہ فضلا خلافا للمعتزلۃ[2]۔پس بمصالحت سقوط یمین راوجہے نیست۔

تو قسم ختم نہ ہوگی،اگر مجرم کے رجوع کرلینے سے استحقاق انتقام ختم ہوجاتا ہو تو پھر مجرم کی توبہ اور رجوع پر معافی دینا اور درگزر کرنا کیا معنی رکھتا ہے بلکہ اس کی ضرورت ہی نہ رہے،بلکہ اب مجرم کو باز رکھنا بھی بے معنی ہوجائے کیونکہ جرم تو خود بخود ختم ہوگیا حالانکہ یہ بات قطعًا باطل ہے،اسی بناپر اہلسنت ماتریدیہ کے ہاں بھی یہی بات ہے حالانکہ وہ مطیع شخص کو سزادینا محال عقلی جانتے ہیں۔شرح مقاصد میں فرماتے ہیں کہ توبہ کو قبول کرنا ہمارے نزدیک واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی پر کوئی وجوب عائد نہیں ہوسکتا،اس کے بعد معتزلہ حضرات جو کہ اللہ تعالٰی پر توبہ کو قبول کرنا واجب جانتے ہیں کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی دلیل کے مقدمات سب شعبدہ ہیں بلکہ ان کا دعوٰی بھی ایسا ہی ہے،کیونکہ یہ قطعی بات ہے کہ جو شخص کسی غیر سے برائی کرے اور اس کے جرمات میں دخل اندازی کرے پھر وہ برائی کرنے والا معذرت خواہی کرے تواس حق والے غیر پر بحکم عقل واجب نہیں کہ وہ اس مجرم کی معذرت کو قبول کرے بلکہ اس غیر کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ معاف ودرگزر کردے یا اس کو سزادے،ملاعلی قاری نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا کہ توبہ کو قبول کرنا بایں معنی کہ توبہ کرنے والے سے اس کے گناہ کی سزا کو ساقط کردینا،یہ اللہ تعالٰی پر عقلاً واجب نہیں ہے بلکہ توبہ کو قبول کرنا محض اللہ تعالٰی کا فضل ہے،اس میں معتزلہ مخالف ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ صلح سے قسم کے ساتھ ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔(ت)

ثانیًا علماء مسئلہ شکایت رایک جزئیہ نوشتہ اندزن راگفت اگر ہربدی وشناعت کہ در دنیا است از تو پیش برادرت نگویم بر توطلاق اینجا تصریح فرمودہ اند کہ تاانواع بدی ہائے کہ

ثانیًا کہتا ہوں کہ علماءِ کرام نے شکایت کے متعلق ایک مسئلہ ذکر فرمایا کہ،ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا"اگر دنیا کی ہربدی کو تیری طرف منسوب کرکے تیرے بھائی سے شکایت نہ کروں تو تجھ پر طلاق ہے"

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع عشر فی التوبۃ دارالمعارف النعمانیہ پاکستان ۲/ ۲۴۲

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر التوبۃ بشرائطہا مصطفی البابی مصر ص۱۵۵

در کمینگاں ودزداں و مکّاراں وخونریزاں می باشد از زن برادرش نگوید از سوگند برنیاید او اقل انہا سہ نوع بدی ست وہر گز نگفتند کہ چوں قصد انتقام یا استحقاق آوردہ و باہم آشتی کنند یمین منتہی شود باآنکہ تصریح نمودہ اند کہ بابرار ایں سوگند بزہ کار شود وازیں گناہ توبہ رافرمود اند کہ بعد شکایت بہ برادر گوید ایں ہمہ ازجہت سوگند پیش میگفتم ورنہ زن ازینہا مبراست اگرپیش از شکایت اورا خبر دہد کہ حفظ سوگند را چیز ہائے بے اصل بتوخواہم گفت سودند ہد کہ بعد ازیں سخن بربدی کہ گوید بہ بدی نسبت کردہ زن نبود،

درخانیہ وخلاصہ وبزازیہ وغیرہاست رجل قال لامرأته ان لم اقل عنك مع اخيك بكل قبيح فی الدنيا فانت طالق، قالوا ان قال مع اخيها عنها بما هو من اخلاق اللئام واللصوص والخادعين والقاتلين يصير بارافی يمينه ويأثم بذٰلك ويمينه هذه تقع علی الكثير من ذٰلك واقله ثلثة انواع من القبح، وقال الفقيه ابو الليث رحمه الله تعالٰی ينبغی للحالف ان يقول عند الاخ بعد ماقال من القبائح انما قلت ذٰلك

یہاں علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ اس قسم کے بعد خاوند کمینے لوگوں، چوروں، مکاروں اور خونریزی کرنے والوں میں پائی جانے والی بدیوں کو بیوی سے منسوب کرکے اس کے بھائی سے جب تک شکایت نہ کرے وہ قسم سے بری نہ ہوگا اور کم از کم ان بدیوں میں سے تین ضروری ہوں گی، یہاں علماءِ کرام نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ خاوند اپنی بیوی سے انتقام کا قصد کئے ہوئے تھا یا وہ بیوی کو انتقام کا مستحق قرار دئے ہوئے تھا تو اب اگر آپس میں صلح کرلیں تو قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ قصد انتقام یا استحقاق انتقام ختم ہوگیا ہے، بلکہ انہوں نے اس شکایت کو گناہ قرار دینے کے باوجود فرمایا کہ وہ اپنی قسم کو پورا کرنے کیلئے یہ گناہ کرے اور پھر شکایت کے بعد اس گناہ سے توبہ کرلے، اور بھائی سے شکایت کرنے کے بعد اس کو کہہ دے کہ میں نے یہ باتیں قسم کو پورا کرنے کے لئے کی ہیں ورنہ بیوی ان بدیوں سے بری ہے، اور شکایت کرنے سے قبل بھائی کو یہ عذر نہ بتائے، اگر اس نے شکایت سے قبل بھائی کو اطلاع دے دی کہ میں قسم کو پورا کرنے کے لئے تجھ سے بیوی کے متعلق بے اصل باتیں کروں گا، تو قسم سے بری نہ ہوگا، کیونکہ شکایت سے قبل یہ بات بتادینے میں بیوی سے متعلق بدی کی شکایت نہ رہے گی، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا کہ "اگر میں تیرے بھائی کو یہ شکایت نہ کروں کہ تیری بہن میں دنیا کی تمام قبیح باتیں ہیں تو تجھے طلاق ہے" تو فقہاء کرام نے اس پر فرمایا کہ "اگر اس شخص نے بیوی کے متعلق اس کے

لاجل الیمین وھی برئیۃ عن ذٰلك فیکون ھذا الکلام توبۃ منه عما قال فیھا ویکون بارا[1]، در نوازل وتاتار خانیہ و ہندیہ ست ولو قال له قبل ذٰلك لایجوز لانه لایکون بعد ذٰلك قول قبیح[2] نظر کنید ایں جایک پہلو گناہ بود ود گر سوطلاق وایں مبغوض ست وآں مغضوب وآشتی محبوب وشرعًا مطلوب اگر کارہاوکشودے بمارایتمو بھموں بودے واجب بودے کہ زن وشوئے بہم آمیزند واز سرجنگ وپر خاش برخیزند تاازمبغوض ومغضوب ہر دو پرہیز ندامانگفتند وایں راہ آسان نرفتند پس روشن وعیاں شد کہ آشتی رافع یمین نتواں شد وخود علامہ راایں جااطمینان نفس نبود کہ می گوید واختشی علیہ من الشکایۃ اگر یمین بدلالت حال متقید ببقائے سزاواری سزاشدے بعد صلح آں سزاواری نماندے زوال یمین واجب بودے گواز شکایت ترس آزارے مباش مگر علامہ خواست کہ سقوط یمین راعذرے پدید آرد وپیداست کہ سوگند پروائے سود وزیاں کسے ندارد اگر زید سوگند خورد کہ زداعمرو راخواہد گشت بے گناہے عمرو شفیع سقوط حلف نگردد بلکہ برزید فرض بود کہ سوگند شکند وکفارہ اداکند وباللہ التوفیق۔

بھائی کو کمینے، چوروں، مکاروں اور قاتلوں میں پائی جانے والی بدیاں بتائیں تو وہ قسم سے بری ہوجائیگا اور ایسا کرنے پر وہ گنہگار ہوگا،اس کی قسم کثیر بدیوں کے متعلق ہے جن میں سے کم از کم تین بدیاں بھائی کو بتانا ضروری ہوگا،اور فقیہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں فرمایاکہ قسم کھانے والے شخص کو چاہئے کہ وہ بھائی کو بدیوں کی شکایت کرنے کے بعد کہے کہ میں نے آپ سے باتیں قسم کو پورا کرنے کے لئے کی ہیں ورنہ تمہاری بہن (بیوی) ان بدیوں سے بری ہے،تو شکایت کے بعد یہ حقیقت بیان کرنا اس کی طرف سے توبہ قرار پائیگی،اور قسم اور گناہ سے بری ہوجائے گا،نوازل،تاتارخانیہ اور ہندیہ میں مذکور ہے کہ اگر شکایت سے قبل بھائی کو حقیقت سے آگاہ کردیا تو قسم سے بری نہ ہوگا کیونکہ حقیقت سے آگاہ کرنے کے بعد بیوی سے منسوب بدیوں کی شکایت نہ بنے گی،آپ غور کریں کہ یہاں ایک پہلو گناہ کا ہے اور دوسری تکلیف دہ چیز طلاق ہے،طلاق مبغوض چیز ہے اور گناہ مغضوب چیز ہے جبکہ صلح وآشتی محبوب اور شرعًا مطلوب چیز ہے،اگر معاملہ وہی ہوتا جو آپ سمجھ رہے ہیں تو یہاں پر خاوند اور بیوی کی آپس میں صلح کرنا اور لڑائی اور ناراضگی کو ختم کرنا واجب ہوتا جس کی بناء پر مبغوض اور مغضوب دونوں سے پرہیز ہوسکتا تھا،لیکن فقہاء نے ان سے بچنے کے لئے یہ آسان راستہ نہ بتایا،تو واضح طور پر

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۲۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۴۵

معلوم ہوا کہ صلح قسم کو ختم نہیں کرسکتی اور خود علامہ سائحانی رحمہ اللہ اس بات میں مطمئن نظر نہیں آتے اسی لئے انہوں نے صلح اور زوال قصدِ ضرر کے ساتھ، شکایت کرنے سے خطرہ، کی بات کی ہے، کیونکہ اگر قسم دلالتِ حال کی وجہ سے استحقاق سزا کی بقاء کے ساتھ مقید ہوتی اور صلح کے بعد وہ استحقاق انتقام ختم ہو جاتا ہو تو پھر قسم کا ساقط ہو جانا لازم ہوتا اگرچہ شکایت کرنے سے خطرہ نہ بھی ہوتا مگر علامہ مذکور نے شکایت سے خطرہ کو قسم کے سقوط کے لئے بنانا چاہا، حالانکہ ظاہر ہے کہ قسم میں کسی کے نفع و نقصان کی پروا نہیں ہوتی، مثلاً زید نے قسم کھائی کہ وہ عمرو کو مارے گا، تو عمرو بے گناہ ثابت ہو جائے تو اس کی قسم ساقط نہ ہو گی بلکہ زید کو اپنی قسم کی وجہ سے لازم ہوگا کہ وہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ دے، وباللہ التوفیق۔(ت)

شبہہ سابعہ: بخانہ گزاشتن دو گونہ است موافقہ کہ برضائے پدر باشد و مخالفہ کہ بے رضائے او وشک نیست کہ حال برارادہ قسم دوم دال ست یعنی خلاف مرضی من بخانہ نگزاری وایں جا واقع قسم اول ست پس شرط حنث متحقق نشد۔

ساتواں شبہہ: کہ بیٹے کو گھر میں چھوڑنا دو طرح ہو سکتا ہے، ایک موافقت کے طور پر کہ باپ کی مرضی سے ہو، اور دوسرا مخالفت کے طور پر کہ والد کی مرضی کے بغیر، جبکہ قسم کے ارادے کا موجب دوسرا احتمال ہے یعنی والد کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ اس کو میری مرضی کے بغیر گھر میں نہ چھوڑنا، اور یہاں واقعہ کا تعلق پہلی صورت سے ہے کہ باپ کی رضامندی سے بیوی نے بیٹے کو گھر میں چھوڑا ہے لہٰذا قسم کے ٹوٹنے کی شرط نہ پائی گئی۔(ت)

اقول اولاً : زید برفتن بخانہ عمرو راضی نباشد زن را باز دارد او سرنہند گوید ان دخلت الدار فانت طالق ثلثا آیا ہیچ شنیدہ کہ حنث دریں یمین موقوف برعدم رضائے زید ماند تا آنکہ اگر زید گاہے خودش راضی شدہ زن را دستوری دہد باز بدخول طلاق نیفتند حاشا بلکہ تاحیات زن وشوایں تعلیق ہیچ گاہ زوال پذیر نیست تا بحصول شرط نزول جزاء نشود تا آنکہ اگر زید زن را یک طلاق دہد و بگزارد

اقول (جواب میں کہتا ہوں کہ) **اولاً** زید اگر اپنی بیوی کو عمرو کے گھر سے روکنے کی کوشش کرے اور بیوی باز نہ آئے تو زید قسم کھائے کہ اگر تو عمرو کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں، تو کیا آپ نے کبھی یہ سنا ہے کہ یہ قسم زید کی ناراضگی میں عمرو کے گھر داخل ہونے سے ٹوٹے گی، حتی کہ اگر زید خود راضی ہو جائے اور بیوی سے معاملہ بحال کرلے تو کیا اس کے بعد بیوی وہاں داخل ہو تو طلاق نہ ہو گی، ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ قسم خاوند اور بیوی کی زندگی بھر کے لئے ہے اور قسم میں مذکور طلاق کی

کہ عدت بگزارد، باززن دراں خانہ پائے نہد جزاء فرود آید و محل ندیدہ رائگاں رود کہ زید بلا تحلیل اوراباز نے تواں گرفت پس ازاں زن بر قدر خواہد برضائے زید یابے رضائے اوبآں خانہ رود طلاق نشود کہ یمین بیکبار منحل شد کما تقدم عن السراجیۃ والھندیۃ۔

شرط ختم نہ ہوگی جب تک شرط پائے جانے پر جزالازم نہ ہوجائے جس کا حیلہ یہ ہے کہ خاوند بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے اور عدت پوری ہوجائے تو اس کے بعد بیوی عمرو کے گھر داخل ہو تو اس وقت جزاء یعنی طلاق پڑے گی لیکن اس وقت بیوی طلاق کا محل نہ ہونے کی وجہ سے وہ طلاق لغو ہوجائے گی، اور اب زید یعنی خاوند کو اختیار ہوگا کہ وہ بغیر حلالہ بیوی سے دوبارہ نکاح کرلے تو اس دوبارہ نکاح کے بعد بیوی چاہے تو عمرو کے گھر داخل ہوسکے گی زید کی رضا سے یا بغیر رضا کے داخل ہواب طلاق نہ ہوگی کیونکہ ایک دفعہ شرط پائے جانے پر قسم ختم ہوچکی ہے جیسا کہ سراجیہ اور ہندیہ کے حوالہ سے گزرچکا ہے۔(ت)

ثانیًا اگر سوگند ہاکہ برامور نامرضیہ حالف باشد متقید بعدم رضا شود ان خرجت فانت طالق بعینہٖ نہد ان خرجت الا باذنی او برضائی فانت طالق بود ایں خلاف اجماع وتصریحات جملہ کتب ست۔

ثانیًا یہ کہ لازم آئے گا کہ ناپسندیدہ امور پر قسم کھائی جائے تو وہ قسمیں ناپسندیدگی سے مقید ہوجائیں کہ رضامندی پائی جائے تو قسم ختم ہوجائے مثلًا خاوند ناراضگی میں بیوی کو کہے کہ اگر تو باہر جائے تو تجھے طلاق ہے، یا اسی طرح یوں کہے اگر تو میری اجازت یا میری رضا کے بغیر باہر جائے تو تجھے طلاق ہے، تو لازم آئے گا کہ ان دونوں میں فرق نہ ہو حالانکہ یہ اجماع اور تمام کتب کی تصریحات کے خلاف ہے(ت)

ثالثًا حل آں ست کہ دلالت حال برآں ست کہ ایں کار خلاف مرضی حالف ست نہ برآں کہ منع تا خلاف مرضی ماندن ست در ہمچو مقام خشم تا بحد توسط باشد انسان را تصور عواقب باز ندارد خودش داند کہ گنجائش رضا و زوال غضب باقی ست آنگاہ امثال تعلیق شدید را مقید باذن میکند کہ بے دستوری من چناں نکنی وچوں خشم بمنتہی رسید رضا در وقتے آئندہ راخیال ہم پیراموں خاطرش نمی گردد وحکم

ثالثًا اس صورت میں دلالتِ حال یہ ہے کہ یہ کام مثلًا گھر میں چھوڑنا، قسم کھانے والے کی مرضی کے خلاف ہے اور یہ دلالت اس پر نہیں کہ اس کام سے منع یعنی گھر میں نہ چھوڑنا، اس کا عدم رضا تک ہے۔ جہاں پر غصہ اور ناراضگی حدِ اعتدال میں ہو وہاں یہ غصہ انسان کو انجام سے بے خبر نہیں کرتا اور وہ جانتا ہے کہ غصہ اور ناراضگی ختم ہونے کی اور راضی ہوجانے کی گنجائش باقی ہے تو ایسے موقعہ پر شدید امور سے مشروط قسم کو اجازت سے مقید کیا جاتا ہے کہ میری

موبد می کند پس تخصیص وتقیید مرابودن در کنار غالبًا جز تعمیم وتابید تصورے ہم بذہن نمی باشد ولہذامتقید باذن وغیرہ نمیکند پس معنی سخن آں نباشد کہ بخانہ گزاشتن تاخلاف مرضی من ست نکنی بلکہ مفہوم آن ست کہ بخانہ گزاشتن خلاف مرضی من ست زنہار نکنی و بریں تقدیر گوآیندہ مطابق مرضیش شود حکم مرتفع نشود کہ خلاف مرضی آن وقت بود نہ مرضی موہوم آیندہ وہرگاہ کند قطعًا خلاف مرضی وقت دیگر را خلاف مفہوم مباش پس شرط حنث متحقق ست۔

مرضی کے خلاف یہ کام نہ ہو اور جب غصہ انتہائی ہو جائے تو رضا کے حال کو دل میں نہیں لاتا اور قسم میں حکم کو ابدی کر دیتا ہے، پس اس موقعہ پر تخصیص وتقیید کو مراد بنانا تو درکنار وہ غالب طور پر تعمیم اور ابدی حکم کے سوا کسی چیز کا تصور تک نہیں کرتا اس لئے وہ یہاں اجازت وغیرہ سے قسم کو مقید نہیں کرتا۔ پس یہاں قسم کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ میری مرضی کے خلاف تک اس کو گھر میں چھوڑنے کا عمل نہ کرنا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس کو گھر میں چھوڑنا میری مرضی کے خلاف ہے لہٰذا یہ عمل نہ کرنا، تو اس تقدیر پر بعد میں رضامندی سے بھی چھوڑے گی تو قسم کا حکم ختم نہ ہوگا کیونکہ قسم کے وقت مرضی نہ ہونے کا اعتبار ہے نہ کہ آئندہ موہوم مرضی کا اعتبار ہے بلکہ جب بھی یہ عمل ہوگا تو وہ اس قسم کی خلاف مرضی ہی میں ہوگا دوسرے وقت کی مرضی جو قسم کے مفہوم کے خلاف ہے میں نہ ہوگا، تو اس صورت میں قسم کا ٹوٹنا متحقق ہو جائے گا۔ (ت)

رابعًا اگر ازیں تدقیق گزریم غایت آنکہ ہر دو معنی متحمل باشد ودر تقیید بدلالت حال شک نیست اماآنجا کہ در تقیید بدلالت حال شک نیست امر محتمل صالح تقیید نتواں شد کہ اطلاق لفظ یقینی ست والیقین لایزول بالشک ولہذا اگر زن شوئے را گفت توبر من زنے گرفتہ شوئے گفت ھر زن کہ مراہست مطلقہ است ایں زن نیز طلاق شود اگرچہ بظاہر مقصود مرد ارضائے ایں زن مے نماید کہ اگر زنے جز تو گرفتہ ام او را طلاق ست فاما متحمل کہ مقصود سزائے زن بود کہ چرا در حلال بر من خوردہ گرفتی ودلالت محتملہ بسندہ نیست آرے اگرنیت غیرش کردہ ست دیانۃً صحیح باشد در ہدایہ ارشاد می رود **واذا قالت المرأۃ لزوجہا تزوجت علیّ**

رابعًا اگر تدقیق مذکورہ سے قطع نظر بھی کرلیں تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں اطلاق اور تقیید دونوں کے احتمال ہیں اور دلالتِ حال سے مقید ہونے کے احتمال کی بنا پر قسم دلالتِ حال سے مقید نہ ہوگی کیونکہ قسم کے الفاظ میں اطلاق اور عموم ہے جو کہ یقینی ہے تو یہ یقین محض احتمال اور شک سے ختم نہیں ہو سکتا کیونکہ شک یقین کو زائل نہیں کر سکتا، اسی لئے مثلًا اگر بیوی خاوند کو کہے کہ تو نے مجھ پر کوئی عورت دوسری بیوی بنا رکھی ہے تو خاوند جواب میں یوں کہے کہ جو بھی عورت میری بیوی ہو اس کو طلاق ہے تو اس بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی۔ تو یہاں بظاہر خاوند کی قسم کا مقصد

فقال کل امرأۃ لی طالق ثلثا طلقت ھذہ التی حلفتہ فی القضاء ووجہ الظاھر عموم الکلام وقد یکون غرضہ ایحاشھا حین اعترضت علیہ فیما احلہ الشرع ومع التردد لایصلح مقیدا وان نوی غیرھا یصدق دیانۃ لاقضاء لانہ تخصیص العام [1] اھ باختصار. ایں قدر بسندہ بود فاما توضیح مرام وزیارت وافادت رامثالے چندازیں پہلو نیز بر خوانیم کہ دلالتِ حال بحال احتمال معتبر نہ داشتہ اند (۱) ہمیں مثال ہدایہ (۲) آنکہ گزشت کہ اگر بر خروج زن یا بندہ مطلقاً شوگند خرد بے تقیید باذن متقید بزمان بقائے ملک نباشد، **اقول:** زیرا کہ یمکن کہ نزد بندہ یا زن اورا رازے بود کہ بہ بروں شدن بروں افتد وحفاظی وکوچہ گردی زن اہل غیرت رابعد بینونت نیز موجب عار شود مرد ماں گویند ایں زن فلان ست اگرچہ اطلاق بلحاظ ماکان ست بلکہ نخواہد کہ ہمخوابہ خود بعد فراق نیز بکنار دیگرے رود پس از جدائی ہم اورا نگاہ دارند وتکفل نفقہ اش کنند باز تصدیق ایں معنی در حدیث یافتم عبدالرزاق در مصنفہ گوید انبأنا معمر عن الزھری قال سائل رجل صلی اللہ

اپنی اس بیوی کو راضی کرنا ہے کہ تیرے علاوہ کوئی اور بیوی ہو تو اس کو طلاق ہے، لیکن الفاظ کے پیشِ نظر یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس بیوی کو اعتراض کرنے پر سزا دینا چاہتا ہو کہ اس نے میرے لئے حلال معاملہ میں کیوں مداخلت کی ہے تو ظاہر حال کی دلالت کا احتمال سند نہ بن سکے گا کیونکہ الفاظ میں عموم اور اطلاق ہے جو کہ یقینی ہے، ہاں اس احتمال کی بناء پر موجودہ بیوی کے علاوہ کسی دوسری بیوی کی نیت کا اظہار کرے تو دیانۃً اگرچہ معتبر ہوگی لیکن قضاءً معتبر نہ ہوگی، ہدایہ میں فرمایا ہے کہ جب بیوی خاوند کو کہے تو نے مجھ پر دوسری بیوی کر رکھی ہے تو خاوند اس کو جواب میں یوں کہے کہ جو بھی میری بیوی ہے اس کو تین طلاقیں۔ تو اس قسم دلانے والی بیوی کو بھی طلاق ہو جائیگی، قضاءً یہی حکم ہوگا کیونکہ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قسم کے الفاظ کا عموم ہے جبکہ ایسے موقعہ پر خاوند کی غرض بھی یہ ہو سکتی ہے کہ وہ بیوی کو اس کے اعتراض پر سزا دینا چاہتا ہے کہ اس نے شرعاً حلال کام پر اعتراض کیوں کیا ہے تو کلام کے عموم اور سزا دینے کی غرض کے احتمال کے باوجود کسی اور بیوی کی نیت کے احتمال کی وجہ سے یہ قسم دلالتِ حال سے مقید نہ بن سکے گی، ہاں اگر دوسری بیوی کی نیت کرے تو اگرچہ وہ دیانۃً معتبر قرار دی جائیگی لیکن قضاءً معتبر نہ ہوگی کیونکہ یہ عموم میں تخصیص ہے جبکہ دلالتِ حال تخصیص نہیں کر سکتی اھ اختصاراً۔ اس مقصد کے لئے یہ مثال کافی ہے تاہم

[1] الھدایہ کتاب الایمان باب الیمین فی البیع والشراء الخ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۴۸۱

تعالٰی علیه وسلم فقال الرجل یجد مع امرأته رجلا فیقتله فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الاتسمعون الٰی مایقول سیدکم قالوا الاتلمه یارسول الله فانه رجل غیور والله ماتزوج امرأة قط الا بکر اولا طلق امرأة قط فاستطاع احد منا ان یتزوجها فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یابی الله الا بالبینة [1] اھ. **قلت** والسائل هو سیدنا سعد بن عبادة رضی الله تعالٰی عنه ولہٰذا سه طلاق دفعةً که گناه بود وبتفریق از مبغوض شرعی بے حاجت شرع اکثار بروتازیانه تحلیل مقرر فرموده اند وبرمجرد نکاح کفایت نموده تاباہم شہد ہمہ گر بچشند حکمتش ہمان ست که غیرت منداں از تثلیث طلاق باز مانند تابہ تیس مستعار طوق عار نشود والعیاذ بالله تعالٰی بخلاف آنکه بے اذن من

وضاحت اور فائدہ کو زائد بنانے کے لئے اس پر مزید چند مثالیں پیش کرتا ہوں کہ محض احتمال کی صورت میں دلالتِ حال معتبر نہیں ہوتا، ہدایہ کی مثال کے بعد دوسری مثال یہ ہے کہ، جو پہلے گزرا کہ بیوی یا غلام باہر جانے کو تیار ہو تو اس موقعہ پر بیوی کو طلاق یا غلام کو آزادی کی علی الاطلاق قسم کھانا جو اجازت سے مشروط نہ ہو تو یہ قسم عام اور مطلق ہوگی اور ملک یا نکاح کی موجودگی سے مشروط نہ ہوگی، کیونکہ یہاں پر اگرچہ دلالتِ حال کی وجہ سے اس قسم کے مقید ہونے کا احتمال ہے لیکن یہ احتمال معتبر نہ ہوگا کیونکہ الفاظ میں عموم ہے، **اقول** اس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ قسم کھانے والے کا مقصد ہمیشہ کے لئے بیوی یا غلام کو باہر جانے سے روکنا ہو، کیونکہ ان کے پاس اس کا ایک ایسا راز ہے جو ان کے باہر جانے سے افشاء ہوجائے گا اور خفت اٹھانا پڑے گی یا بیوی کو ہمیشہ کے لئے باہر نکلنے سے روکنا مقصود ہو اگرچہ وہ نکاح سے باہر اور جدا بھی ہوجائے کیونکہ غیرت مند لوگ اپنی مطلقہ کی عورت کی کوچہ گردی پر بھی غیرت اور عار محسوس کرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ یہ فلاں کی بیوی ہے اگرچہ اس کی بیوی سابقہ زمانے کے لحاظ سے کہتے ہوں بلکہ غیرت مند اپنی مباشرت شدہ عورت کو فراق اور طلاق کے بعد بھی دوسرے کی مباشرت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے، اس لئے طلاق مغلظہ کے بعد بھی وہ اس کو اپنی نگرانی میں رکھتے ہوئے اس کے تمام اخراجا

[1] مصنف عبدالرزاق حدیث حبیب الرحمٰن الاعظمی بیروت ۹/۴۳۴

بیرون نرود کہ ولایت اذن بانتہائے ملک منتہی شود (۳) آنکہ گزشت کہ بے اذن زن زنے نکنم مقید ببقائے زوجیت نباشد

اقول: ازاں رو کہ مقصود غم نرسانیدن ست بزن وبارہا باشد کہ بعد فراق نیز زناں بتزوج شوہر بزنے دیگر غمگین شوند ایام خود یادمے آید وبجائے خود نشستن دیگرے رنج می رساند بخلاف آنکہ بے اذن زن بیروں نرود ایں متقید شود چنانکہ وجہش بالا بنشتیم (۴) زن را بامردے بیگانہ چانہ زن دید سوگند خورد کہ اگر باز مردِ بیگانہ چانہ زنی رسن زنی از گلو فگنی وبخانہ نوچہ نوکر ست کہ باذن مرد آمد رفت دارد وزن اورا کارہائے خانگی می فرماید نیز پسر آں عم وعمہ وخالہ زن یا برادر ان مرد برضائے مرد مے آیند یا خود درہمیں خانہ مے مانند و بازن ہمسخن می شوند مرد بایں ہمہ راضی ست باایں ہمہ اینہا بدلالت حال مستثنیٰ نشوند وزن بعد سوگند اگر باآں نوکر یاایں قریباں سخن گوید طلاقہ شود در جواہر الفتاوٰی باب چہارم فتاوٰی امام مفتی الجن والانس نجم الدین عمر نسفی قدس سرہ الصفی ست رجل رای امرأتہ تتکلم اجنبیا فقالا گر پیش تو بامرد بیگانہ سخن گوئی فانت طالق فکلمت تلمیذ زوجها لیس من محارمها اوکلمت رجلا فی

کی کفالت کرتے ہیں پھر اس مضمون کی تصدیق میں نے حدیث میں پائی ہے، مصنف عبدالرزاق میں فرماتے ہیں ہمیں معمر نے زہری سے خبر دی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا اور عرض کی ایک شخص ایک بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے تو قتل کردے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تم اپنے آقا کی بات کو نہیں سنتے کہ وہ کیافرمارہا ہے تو اس پر دیگر اصحاب نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس شخص کو ملامت نہ فرمائیں کیونکہ یہ غیور شخص ہے خدا کی قسم یہ صرف باکرہ عورت سے نکاح کرتا ہے اور اس کی طلاق دی ہوئی عورت کو دوسرا کوئی بھی ہم میں سے نکاح نہیں کرسکتا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی قتل کی اجازت نہیں دیتا ماسوائے (قاضی کے ہاں اس کے خلاف) گواہ پیش کرنے کے، اھ، **قلت** (میں کہتا ہوں) وہ سائل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے، اور اسی غیرت کی وجہ سے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ شرعًا مبغوض چیز کو شرعی حاجت سے زائد استعمال کرنے پر حلالہ کی شرط کو سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے حلالہ میں دوسرے شخص سے صرف نکاح کو کافی نہ قرار دیا گیا بلکہ جب تک ایک دوسرے کے مزے کو نہ چکھ لیں حلالہ مکمل نہیں ہوسکتا، یہ اس لئے تاکہ غیرتمند لوگ تین طلاقیں دینے سے باز رہیں اور خواہ مخواہ دوسرے شخص کے مجامعت کو اپنے گلے میں

ھذہ الدار بینھما معرفۃ ولکن لامحرمیۃ بینھما او کلمھا^{عــہ} رجل من ذوی الارحام ولیس من محارمھا فانہ یقع الطلاق[1] **اقول:** زیراکہ محتمل ست کہ مرد باعتماد زن پیش ازیں روادار اینھا بود چوں دید کہ بااجنبی محض ہم سخن می شود در سنش تنگ تر کشید وبانام محرم سخن گفتن مطلقاً منع کرد پس اطلاق لفظ راتقییدے متقین متعین نشد، وباللہ التوفیق۔	نہ ڈالیں، والعیاذ باللہ، اس کے برخلاف اگر قسم کو اجازت سے مشروط کیا ہوتو پھر اجازت کی ولایت ختم ہوجانے یعنی نکاح ختم ہوجانے پر قسم ساقط ہوجائیگی (**۳**) وہ جو گزرا کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ تیری اجازت کے بغیر دوسری عورت کو بیوی نہ بناؤں گا، تو یہ قسم موجودہ بیوی سے نکاح کی حالت سے مختص نہ ہوگی (بلکہ اس بیوی سے نکاح ختم ہونے کے بعد بھی اس کی اجازت ضروری ہوگی) **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس قسم کا مقصد بیوی کو پریشانی سے بچانا ہے ___ کیونکہ بیوی کی پریشانی صرف نکاح کی حالت سے مختص نہیں کیونکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ فرقت کے وقت بھی عورتیں سابقہ خاوند کی دوسری شادی سے غمگین ہوتی ہیں، اپنا وقت یاد کرکے اپنے بجائے دوسری کو رہتی دیکھ کر رنج پاتی ہیں، ___

(غرضیکہ چونکہ بیوی کی پریشانی دوسری عورت کی وجہ سے صرف حالتِ نکاح سے مختص نہیں بلکہ جدائی کے بعد بھی اس چیز پر وہ پریشان ہوتی ہے لہٰذا اس پریشانی سے بچانا حالتِ نکاح کے بعد بھی ہوسکتا ہے لہٰذا یہ قسم بیوی سے فراق کے بعد قائم رہے گی) اس کے برخلاف اگر خاوند قسم کھائے کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گی تو یہ قسم حالتِ نکاح سے مقید ہوگی جیسا کہ اس کی وجہ پہلے ہم بیان کرچکے ہیں۔ (**۴**) بیوی کو غیر شخص سے بے تکلف باتیں کرتے ہوئے پائے تو اس وقت قسم کھائے کہ اس کے بعد اگر تو نے بیگانے مرد سے بات کی نکاح کی رسی تیرے گلے سے نکل جائے گی یعنی تجھے طلاق ہوگی، جبکہ گھر میں نوکر چاکر ہیں جو خاوند کی اجازت سے گھر میں آتے جاتے ہیں جن کو بیوی گھر کے کاموں کے متعلق ہدایات دیتی ہے

عــہ: **اقول:** والاولی کلمت رجلا لان الحنث بکلامھا لابکلام غیرھا اذالم تجب منہ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے، عورت نے اس مرد سے بات کی۔ کیونکہ عورت کے بات کرنے سے قسم ٹوٹے گی کسی دوسرے کے کلام کرنے سے نہ ٹوٹے گی، بشرطیکہ عورت غیر کو جواب نہ دے ۱۲منہ (ت)

[1] جواہر الفتاوٰی کتاب الایمان

یوں ہی بیوی کے چچا یا پھوپھی زاد یا خالہ زاد یا خاوند کے بھائی خاوند کی اجازت سے گھر آتے ہیں یا اسی گھر میں رہتے ہیں اور بیوی اپنے خاوند کی رضامندی سے ان تمام حضرات سے بات کرتی رہتی ہے، اس دلالتِ حال کے باوجود یہ لوگ اس قسم سے مستثنٰی نہیں ہوں گے بلکہ بیوی قسم کے بعد گھر کے نوکر یا ان مذکورہ قریبیوں سے بات کرے گی تو اس کو طلاق ہو جائے گی۔ جواہر الفتاوٰی کے باب چہارم میں امام مفتی جن وانس نجم الدین عمر نسفی قدس سرہ کے فتوے ذکر کئے گئے ہیں، جن میں یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی پالیا تو اس نے قسم کھائی کہ اگر اس کے بعد تو نے بیگانے شخص سے بات کی تو تجھے طلاق، تو اس کے بعد بیوی نے خاوند کے غیر محرم شاگرد سے بات کی یا اس گھر میں آنے جانے والے واقف کار غیر محرم سے بات کی یا بیوی کے غیر محرم رشتہ دار شخص نے بیوی سے بات کرلی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ اس لئے کہ قبل ازیں خاوند، بیوی پر اعتماد کرتے ہوئے ان مذکور لوگوں کے بارے میں رواداری سے کام لیتا رہا، تو جب اس نے بیوی کو خالص اجنبی شخص سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا تو اس نے بیوی کی رسی کو تنگ کرتے ہوئے مطلقاً ہر غیر محرم سے بات کرنا ممنوع قرار دیا تو اس احتمال کے ہوتے ہوئے یہ قسم دلالتِ حال کی وجہ سے مقید نہ ہوگی بلکہ یہ قسم اپنے الفاظ کے عموم پر باقی رہے گی اور ہر غیر محرم کو شامل ہوگی، اور توفیق صرف اللہ تعالٰی سے حاصل ہے۔ (ت)

شبہہ ثامنہ: ازیں ہم در گزشتیم آخر کم نہ ازاں کہ موافقہ و مخالفہ دو نوع تخلیہ ست وارادہ یک نوع تخصیص عام ست کما حققہ فی الفتح ونیت تخصیص عام دیانۃً مقبول ست کما مرانفا عن الھدایۃ گو قضاءً پذیر مباش وزن نیز بر و اعتبار نتواں کرد لان المرأۃ کالقاضی کمافی التبیین والفتح والشامی پس اگر نیت ایں خصوص کردہ باشد باید کہ عنداللہ حانث نشود در فتوی النفات بایں قید می بایست لان المفتی بالدیانۃ یفتی کما فی التنویر وغیرہ۔	**آٹھواں شبہہ:** یہ کہ تمام مذکورہ احتمالات کو نظر انداز کردیں تب بھی کم از کم یہ گنجائش ضرور ہے کہ خاوند کی قسم میں موافق اور مخالف لاتعلّقی کی دو قسمیں ہیں اور دونوں میں سے ایک احتمال کا ارادہ کرنا بھی ایک قسم کی تخصیص ہے جس سے عام کو خاص کیا جاسکتا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں اس کی تحقیق موجود ہے، اور عام میں تخصیص کی نیت کرنا دیانۃً مقبول ہے، جیسا کہ ابھی ہدایہ کے حوالہ سے گزرا ہے، اگرچہ یہ تخصیص کی نیت قضاءً قابلِ قبول نہیں اور بیوی بھی ایسے معاملات میں قاضی کا حکم رکھتی ہے اس لئے بیوی بھی اس کو معتبر قرار نہیں دے سکتی جیسا کہ تبیین، فتح اور شامی میں ہے، پس اگر خاوند نے اپنی قسم میں اس تخصیص کی نیت کرلی ہو تو عنداللہ قسم نہ ٹوٹے گی،

اقول: خیر ست دیانۃ نیز ایں نیت کارندہد موافقہ و مخالفہ دو نوع تخلیہ نیست بلکہ دو وصف است ونیت وصفی خاص غیر مذکور معتبر نشود چنانکہ نسبت مردے استادہ سوگند خورد کہ بایں مرد سخن نگویم وآزرد کند کہ باایں مرد استادہ ایں نیت لغو باشد اگر گوید باایں مرد استادہ سخن نزند ونیت تخصیص بوقت قیامش کند دیانۃً معتبر ست نہ قضاءً کہ وصف در حاضر لغوست وصفت قیام داعی ترک کلام نیست، ہمچناں اگر سوگند خورد کہ زن نکند و مراد زن ہاشمیہ یا ترکیہ یا عربیہ یا نسب دار دیانۃً معتبر ست کہ ایں یک نوع زن ست واگر زن مکیہ یا ہندیہ یا عربیہ بالمسکن نیت کرد معتبر نیست کہ ایں صفت زن ست وصفت بے ذکر بمسکن عام خیمہ آں ست در فتح القدیر فرمود حلف لایسکن دارفلان وقال عنیت باجر لایصح حتی لوسکنها بغیر اجر حنث بخلاف مالوحلف لایسکن دارا اشتراها فلان وعنی اشتراها لنفسه فانه یصدق لانه احد نوعی الشراء لانه متنوع الی ما یوجب الملك للمشتری وما یوجبه لغیره فتصح نیة احد

جبکہ فتوٰی دیتے وقت اس قید و تخصیص کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے، جیساکہ تنویر وغیرہ میں ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ وہ دیانت پر فتوٰی دے۔ (ت)

اقول (جواب میں کہتا ہوں کہ) کوئی بات نہیں، کیونکہ دیانۃً بھی یہ نیت کارآمد نہیں ہے، قسم میں موافق اور مخالف یہ دونوں لاتعلّقی کی قسمیں نہیں ہیں بلکہ یہ لاتعلق کے دو وصف ہیں جبکہ دو وصفوں میں سے کسی غیر مذکور وصف کی نیت معتبر نہیں ہوتی جیساکہ ایک شخص کھڑا ہو اس کے متعلق کوئی دوسرا یہ قسم کھائے کہ میں اس شخص سے بات نہ کروں گا، اور اب بعد میں کھڑے ہونے کے وصف کی بابت قسم کو بتائے تو یہ نیت لغو بیکار ہوگی، ہاں اگر قسم کھڑے ہونے کا ذکر کرتا اور قسم اس نیت پر کھاتا تو دیانۃً معتبر ہوسکتی تھی اگرچہ قضاءً یہ نیت معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ قسم حاضر شخص کے متعلق ہے جبکہ حاضر میں وصف کا ذکر کارآمد نہیں اور پھر کھڑا ہونا ایسا وصف بھی نہیں ہے جو قسم کا داعی بن سکے اور بات نہ کرنے کی وجہ بن سکے، یوں ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں بیوی نہ بناؤں گا، تو اس سے اگر وہ ہاشمی یا ترکی یا عربی یا کوئی خاص نسب والی عورت مراد لے تو یہ نیت دیانۃً معتبر ہوگی کیونکہ یہ عورت کی اقسام میں سے ایک قسم کی تخصیص ہے، اور اگر رہائش کے لحاظ سے کسی عربی یا ہندی یا مکی عورت کے بارے میں یہ نیت کرے تو معتبر نہ ہوگی کیونکہ یہ ایک خاص جگہ والی عورت کے متعلق ہے جو اس کی صفت ہے اور کوئی صفت ذکر کئے بغیر معتبر نہیں ہوسکتی، چونکہ قسم صرف عورت کے ذکر پر مشتمل ہے اس میں

النوعین بخلاف السکنی لانہا لاتتنوع لانہا لیست الا الکینونۃ فی الدار علی وجہ القرار وانما تختلف بالصفۃ ولایصح تخصیص الصفۃ لانہا لم تذکر بخلاف الجنس، وکذا لو حلف لایتزوج امرأۃ ونوی کوفیۃ او بصریۃ لایصح لانہ تخصیص الصفۃ ولو نوی حبشیۃ او عربیۃ صحت فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی لانہ تخصیص فی الجنس کأن الاختلاف بالنسبۃ الی الاباء اختلاف بالجنس وبالنسبۃ الی البلاد اختلاف بالصفۃ اھ[1] مختصرا۔ **شبہہ تاسعہ**: ترک گاہے بمعنی ابقا آید قال اللہ تعالٰی وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۷۸﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ	مسکنت (رہائش) کا ذکر نہیں ہے لہٰذا اس ذکر کے بغیر یہ قسم خیمہ والی عورت کو بھی عام ہے۔ فتح القدیر میں ہے، قسم کھائی کہ فلاں کے گھر سکونت نہ کروں گا، اور کہا کہ میری مراد فلاں کے گھر کرایہ پر نہ رہوں گا، تو یہ نیت صحیح نہیں ہے حتی کہ اگر اس کے گھر میں کرایہ کے بغیر بھی رہائش پذیر ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی، اس کے برخلاف اگر یوں قسم کھائے کہ "میں فلاں کے اس گھر میں سکونت نہ کروں گا جو اس نے اپنی ذات کے لئے خریدا ہو، تو اس نیت کو مان لیا جائیگا کیونکہ خریدنے کی یہ ایک قسم ہے خریدنے کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو اپنے لئے خریدا اور ایک وہ جو اس نے کسی دوسرے کے لئے خریدا ہو، تو قسم میں ان دو قسموں میں سے ایک قسم کی نیت درست ہے اس کے برخلاف رہائش (سکنٰی) کے اقسام نہیں ہیں، کیونکہ سکنٰی (رہائش) کا معنی یہ ہے کہ گھر میں بطور استقرار ہونا جبکہ اس رہائش کی صفات مختلف ہوسکتی ہیں اور صفات کی تخصیص صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں مذکور نہیں ہیں، بخلاف رہائش کے کہ اس کے تحت اقسام ہوتے ہیں (غرضیکہ اقسام کی تخصیص بغیر ذکر ہوسکتی ہے لیکن صفات کی تخصیص ذکر کے بغیر نہیں ہوسکتی) اسی لئے اگر کسی نے قسم کھائی کہ کسی عورت سے نکاح نہ کروں گا یعنی بیوی نہ بناؤں گا، تو اس قسم میں عورت کوفی یا بصرہ والی مراد لے تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ یہ صفت کی تخصیص ہے اور اگر اس قسم میں عورت سے مراد حبشی یا عربی عورت مراد لے تو صحیح ہے اور عنداللہ بھی یہ نیت صحیح ہوگی کیونکہ یہ جنس میں اقسام کی تخصیص ہے یہ اس لئے کہ جداعلی کے اختلاف کے لحاظ سے نیت کرنا جنس کا اختلاف ہے اور شہروں کے اختلاف کی نیت یہ صفات کا اختلاف ہے اھ مختصراً (ت) **نواں شبہہ** کہ چھوڑنا، کبھی باقی رکھنے کے معنی میں آتا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۷۸﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۰۹

فِی الْعٰلَمِیْنَ﴿۷۹﴾ [1] ای ابقیناله ثناء جمیلا [2] کما فی مجمع البحار وغیرہ وابقاء وجودی ست کہ بقاء وجودی ست۔ **اقول:** ابقاکہ حی قیوم عزجلالہ میکند عند المحققین وجودی باشد امابناء علی مذہب امام اھلسنت القاضی ابی بکر الباقلانی والامامین امام الحرمین والرازی ان البقاء عین الوجود لاامر زائد علیه فالابقاء ھو الایجاد واما بناء علٰی مذہب ائمة الکشف والشهود من تجدد الامثال فی کل شئی حتی الجواهر فیکون الابقاء ایجاد الامثال کل حین ولهذا چنانکه اطلاق باری وخالق بر غیر او سبحٰنه نیست اطلاق قیوم نیز نتواں شد بلکہ علماء برو تکفیر کردہ اند در مجمع الانہر فرمود اذا وصف الله بما لایلیق به او نسبه الی الجهل اوالعجز او النقص او اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق نحو القدوس والقیوم والرحمٰن وغیرہا یکفر [3] (ملخصًا)	فِی الْعٰلَمِیْنَ﴿۷۹﴾۔ بعد والوں میں ہم نے ان کی اچھی ثناء باقی رکھی، جیساکہ مجمع البحار وغیرہ میں ہے، چھوڑنا، باقی رکھنے کے معنی میں وجودی چیز ہے کیونکہ بقاء وجودی ہے۔ (ت) **اقول:** (میں جواب میں کہتا ہوں) ابقا (باقی رکھنا) حیّ و قیوم (جل جلالہ) کا فعل ہو تو محققین کے نزدیک وجودی ہے، اس لئے کہ امام اہلسنت قاضی ابوبکر باقلانی اور امام الحرمین اور امام رازی کے مذہب پر بقاء عینِ وجود کا نام ہے اور وجود سے زائد کسی صفت کا نام نہیں ہے، لہٰذا باقی رکھنا، یہ ایجاد ہوگا جو کہ وجودی ہے، لیکن ائمہ کشف وشہود کے مذہب پر، بقاء، ہر چیز کی امثال کے تجدد کا نام ہے، لہٰذا ابقاء اس معنی میں ہر چیز حتی کہ جواہر کی امثال کو ہر لمحہ ایجاد، کرنے کا نام ہے، اس لئے جس طرح باری اور خالق جیسی صفات کا اللہ تعالٰی کے بغیر کسی اور کے لئے اطلاق جائز نہیں اسی طرح قیوم کا اطلاق بھی غیر کے لیے جائز نہیں، بلکہ اس کا غیر اللہ پر اطلاق علمائے کرام کے ہاں کفر ہے، مجمع الانہر میں فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالٰی کی شایانِ شان نہ ہو یا جہالت، عجز اور نقص کی نسبت اس کی طرف کرنا، یا وہ صفات جو اللہ تعالٰی کے لئے خاص ہیں ان کا مخلوق پر اطلاق کرنا جیسے قدوس، قیوم، رحمٰن وغیرہا صفات ہیں، تو یہ کفر ہے، لہٰذا یہاں بڑی

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۷۸و۷۹

[2] مجمع البحار تحت لفظ ترك نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۴۰

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ الکفر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۰

اینجا احتیاط عظیم باید کہ بعض مردم بایں مبتلاشدہ اند والعیاذ باللہ تعالٰی بالجملہ اینست بقائے الٰہی عزّجلالہ فاما انچہ از بشرست جز ترک ازالہ نیست ولہٰذا اگر زرے در کیسہ نہاد وزن راگفت اگر چیزے از وتا صبح باقی مانی طلاق باشی، زن ہیچ خرچ نکرد یا برخے بصرف آورد وبرخے باقی داشت طلاقہ شود وآں نیست مگر بہ ابقاواز زن نیاید مگر عدم انفاق پس ابقاء نبود مگر ہمیں عدم واگر فعلے بودے وزن خود دراں زر کارے نکردہ است تا آنکہ در کیس نہادن ہم بدست شوہر بود حنث نشدے، ہمچناں اگر زید بدست عمرو چیزے ببیع فاسد فروخت قاضی مطلع شدہ برفروخت وگفت اگر امروز ایں بیع شمارا باقی مانم فلذا آفتاب فرورفت وقاضی حکم فسخ نہ کرد حانث شود پس ابقاء نبود مگر عدم فسخ واگر فعلے بودے قاضی خود متعلق آں بیع کارے نکردہ است حانث نبودے، پس ظاہر شد کہ ابقائے بشری جز ترک ازالہ نیست اگر گوئی ابقاء بفعل ہم تواں شد مثلًا زید رابخانہ آورد وبزنجیر بست ایں بستن کہ فعل ست ابقاء شد۔

اقول: این فعل خود ابقاء نیست بلکہ

احتیاط کی ضرورت ہے، بعض لوگ اس بے احتیاطی میں مبتلا ہیں **والعیاذ باللہ تعالٰی**، خلاصہ یہ کہ، اللہ تعالٰی کے باقی کرنے کا یہ حکم ہے، لیکن کسی انسان کا باقی رکھنا اور چھوڑنا، ازالہ کے ترک کا نام ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں، اسی لئے اگر خاوند نے جیب یا تھیلی میں رقم رکھی ہو اور بیوی کو کہا "اگر تونے صبح تک اس میں سے کچھ باقی رکھا تو تجھے طلاق ہوگی" اب اگر اس نے اس میں سے کچھ خرچ نہ کیا یا کچھ کیا اور کچھ نہ کیا تو اس باقی رکھنے پر طلاق ہوجائے گی، تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ بیوی کا رقم کو باقی رکھنا صرف اور صرف یہ ہے کہ اس نے رقم کو خرچ نہ کیا، تو معلوم ہوا کہ باقی رکھنا (خرچ نہ کرنا) عدم ہے، اگر ابقاء کوئی فعل ہوتا، اور بیوی نے اس رقم میں تصرف نہ کیا بلکہ صرف خاوند نے وہ رقم تھیلی میں رکھی ہو، تو پھر اس صورت میں قسم نہ ٹوٹتی۔ یوں ہی زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی چیز فاسد بیع کے طور فروخت کی تو یہ معلوم ہونے پر قاضی کے غصہ آیا حکم جاری فرمایا کہ اگر آج تمہاری اس فاسد بیع کو باقی رکھوں تو یہ ہوگا، اب سورج غروب ہونے تک قاضی نے اس بیع کو فسخ نہ کیا تو حانث ہوجائے گا، تو یہاں بھی باقی رکھنا، صرف فسخ نہ کرنے کا نام ہے، اگر ابقاء (باقی رکھنا) کوئی فعل ہوتا تو حانث نہ ہوتا کیونکہ قاضی نے اس بیع کے متعلق کوئی فعل اور عمل تو نہیں کیا، تو معلوم ہوا انسان کا باقی رکھنا صرف کسی ازالہ کو ترک کرنے کا نام ہے۔ اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ کبھی ابقاء (باقی رکھنا) فعل سے بھی حاصل ہوتا ہے، مثلًا زید کو گھر میں لاکر زنجیر سے باندھ دیا، تو یہ باندھنا، زید کو گھر میں باقی رکھنا ہے، جبکہ باندھنا فعل ہے۔ (ت)

اقول: (میں جواب میں کہتا ہوں کہ) باندھنے کا فعل

مستلزم اوست کہ منع زوال ترک ازالہ است مع شے زائد اگر گوئی در انتفائے ترک برمنع بالقول اکتفاء کردہ اند کما تقدم پس اگر زید را بست وبزبان میگوید بیروں شو باید کہ ترک متحقق نشود کہ نافیش موجودست وابقا یقینا حاصل پس غیر ترک باشد۔

خود بخود ابقاء نہیں بنتا بلکہ ابقاء کو مستلزم ہوتا ہے کیونکہ اس فعل سے ازالہ کا ترک منتفی ہوتا ہے تو باندھنے میں ترک ازالہ کے ساتھ ایک زائد چیز یعنی رکاوٹ، پائی گئی، جس میں ترک ازالہ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ، ترک ازالہ کا خاتمہ، قولاً منع کرنے سے کافی ہوسکتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا ہے، تو اب زید کو گھر میں باندھ کر پھر اس کو کہا جائے تو گھر سے باہر ہوجا، تو چاہئے کہ اس صورت میں ازالہ کا ترک متحقق نہ ہو، کیونکہ زبانی ترک کے باوجود، باندھنا اس ترک کی نفی ہے تو یقینا ابقاء یعنی گھر میں باقی رکھنا، حاصل ہوگیا، تو یوں یہ ترک، عدم کی بجائے ایک فعل کے وجود سے حاصل ہوا، لہٰذا انسانی ابقاء، وجودی ہوگیا۔ (ت)

اقول: بالادانستی کہ اصل منع بقدر قدرت ست وبمجرد نہی ہنگام تعسرش بسندہ کنند پس آنکہ اخراج توآنست وبر بروں شو اکتفا کرد تارک باشد چہ جائے آنکہ ترک خروج بفعل کرد از و مجرد بروں شود کہ صراحۃً ہزل واستہزاء است بلکہ گوئیا لفظ بے معنی است چہ کار آید پس ابقاء بحصول ترک حاصل ست وبستن امر زائد۔

اقول: (میں جواب میں کہتا ہوں) اوپر گزر چکا ہے، روکنا حسبِ قدرت مراد ہے، صرف قولاً اور زبانی روکنا وہاں مراد ہوتا ہے، جہاں عملاً روکنا ممکن نہ ہو، لیکن جب عملاً روکا جاسکتا ہو تو وہاں محض زبانی روکنا اور یہ کہنا کہ باہر ہوجا، یہ روکنے کا ترک ہے اس پر مزید یہ کہ باندھنے کے فعل سے اس کو نکلنے سے روکنا اور پھر کہنا کہ باہر ہوجا، تو یہ صراحۃً مذاق ہے، بلکہ اس موقعہ پر یہ کہنا بے معنی اور بیکار ہے، لہٰذا اس صورت میں ابقاء (باقی رکھنا) ترک سے حاصل ہوا اور باندھنے کا فعل اس سے زائد چیز ہے (تو ثابت ہوا کہ بشری ابقاء محض ترک کا نام ہے کسی وجودی چیز کا نام نہیں)۔ (ت)

شبہہ عاشرہ: سلمنا کہ ترک راعدم امر بخروج بس ست فاما امر بعدم خروج نیز از وجوہ اوست پس ترک دو نوع شد وزیادت معنی در نوع خود قضیہ نوعیت ست پس حلف اگر بواقع ارادہ نوع اقوی کردہ باشد

دسواں شبہہ: یہ کہ ہمیں تسلیم ہے کہ، ترک یعنی چھوڑنے کے لئے نکل جانے کا حکم نہ دینا کافی ہے لیکن نہ نکلنے کے حکم سے بھی ترک پایا جاتا ہے پس ترک کی دو قسمیں ہوگئیں، ایک نکلنے کا حکم نہ دینا، اور دوسری قسم، نہ نکلنے کا حکم دینا، اور ایک

باید کہ دیانۃً معتبر شود گو پیش زن وسائر ناس مقبول مباش۔

اقول: عدم امر بخروج وامر بعدم خروج متقابل نیست کہ اول در ثانی موجود ست و قسم قسم نتواں شد آرے سکوت مطلق و تکلم با جنبی و تکلم بنافی ہر سہ از وجوہ تحقق اوست فاما انواعش نتواں شد کہ تکلم وجودی ست نوعے از عدم چساں باشد پس مصداقش نیست مگر ہماں عدم امر بخروج و در سکوت محض چیزے با اونیست ودر تکلمات مقارن بکلام ست و شے بمقارنات متنوع نشود و قاطع شغب آنست کہ در جملہ مسائل ترک کہ بالا گزشت علماء ازیں احتمال کہ مراد از و تکلم بمنافی مراد باشد اصلا خبر ندادہ اند پس روشن شد کہ او را مساغ نیست **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق الحمد للہ** سخن بمنتہی رسید ودریں مسئلہ نازلہ ابانت علل وسد خلل ورد زلل بذروہ اقصے در ضمن او مسائل او کثیرہ وفوائد عزیزہ بوضوح پیوست پس بلحاظ تاریخ الجوھر الثمین فی علل نازلۃ الیمین نامش کردن مناسب ست، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

قسم میں معنی کی زیادتی (حکم دینا) خود قسم کو پیدا کرتا ہے یعنی قسم ہونے کے منافی نہیں ہے لہٰذا قسم کھانے والا اگر اقوی یعنی زیادتی والی قسم کی نیت کرے کہ اس معنی کا ترک ہو تو طلاق ہوگی، تو دیانۃً یہ نیت قبول ہونی چاہئے، اگرچہ بیوی اور دوسرے لوگوں کے ہاں وہ مقبول نہ ہو۔ (ت)

اقول: (میں جواب میں کہتا ہوں کہ) نکلنے کا حکم نہ دینا اور نہ نکلنے کا حکم دینا، یہ دونوں چیزیں آپس میں منافی نہیں ہیں کیونکہ پہلا معنی دوسرے معنی میں بھی موجود ہے (حالانکہ اقسام کا آپس میں ایک دوسرے کے مبائن ہونا ضروری ہے) لہٰذا یہ دو قسمیں علیحدہ علیحدہ نہ ہوئیں۔ ہاں مطلق خاموشی، اجنبی گفتگو، اور منافی گفتگو، ان تینوں صورتوں میں ترک متحقق ہو جاتا ہے مگر یہ ترک کی قسمیں نہیں ہیں کیونکہ ترک عدم کا نام ہے اور گفتگو یعنی تکلم وجودی چیز ہے تو وجودی چیز عدمی چیز کی قسم کیسے بن سکتی ہے، تو معلوم ہوا کہ ترک کا مصداق صرف نکلنے کا حکم نہ دینا ہے، اور وہ سکوت جس کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ہو اور مقام کلام میں وہ کلام سے مقارن قرار پاتا ہے اور کوئی چیز اپنے مقارن کے ساتھ قسم نہیں بنتی۔ اس قیل وقال کا خاتمہ یوں ہو جاتا ہے کہ ترک سے متعلق جتنے مسائل گزرے ہیں ان میں علماء کرام نے منافی گفتگو، کے احتمال کو ذکر نہیں کیا، اور انہوں نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ "نہ نکلنے کا حکم" تو واضح ہو گیا کہ اس احتمال کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے۔ تحقیق یوں مناسب ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے، **الحمد للہ** یہ بحث اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے قسم کے پڑنے میں یہ ایسی بحث ہے جس میں علتوں کی وضاحت، خلل کا سدِّ باب اور غلطیوں کا ازالہ اعلٰی پیمانے پر ہوا ہے اور اس بحث کے ضمن میں کثیر مسائل اور نادر فوائد بھی پائے گئے ہیں، پس تاریخی لحاظ سے اس کا نام **الجوہر الثمین فی علل نازلۃ الیمین**

نوٹ: خادم آستانہ علیہ دار الافتا فقیر عبید النبی نواب مرزا قادری رضوی غفرلہ ربہ القوی عرضہ دارد کہ اعلحضرت شیخنا مجدد الملۃ دام ظلہ العالی پیش ازیں بتاریخ یازدہم محرم شریف ایں سوال را جوابے مختصر نوشتہ ارسال فرمودہ بودند کہ در کتاب الطلاق مرسوم گشت وبوجہ عروض تپ تفصیل را حوالت بر آئندہ فرمودند کہ بتوفیقہ تعالٰی ایں فتوی کتاب الایمان ست از مولٰینا وبالفضل اولٰنا جناب مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب شمس آبادی دام بالایادی بتاریخ ہفدہم ماہ مبارک محرم محترم نامہ دگر بزبان عربی آمد ودر طے او فتوی دیوبندیاں تفصیل را لب بہ استدعا کشادند اینجا بعونہٖ تعالٰی فتوائے معضلہ پیش ورود ایں نامہ تکمیل یافتہ بود فتوائے دیوبند اگر چیزے بہ دلیل علیل گرایندے جوابش خود اینجا دیدے فاما بتقلید کورانہ جناب گنگوہی صاحب نہ عبارتے نگاشت نہ بدلیلے چنگ زد ہمیں مجتہدانہ بانگ بے آہنگ زد کہ اصلاً توجہ را نشاید آرے لطف جواب سفارشی مے شود کہ اوراذکر کنیم تا بینند کہ مفتیان دیوبندی چساں در بند دیو جہالت اند کہ سوال ہم نفہمند وجواب مجتہدانہ دہند۔

رکھنا مناسب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نوٹ: آستانہ عالیہ دارالافتاء کا خادم، نبی پاک کا ادنی غلام فقیر نواب مرزا قادری برکاتی رضوی، اللہ تعالٰی اس کا رب قوی اسکی مغفرت فرمائے، عرض کرتا ہے کہ ہمارے شیخ مجدد ملت اعلٰحضرت دام ظلہ العالی نے قبل ازیں گیارہ محرم شریف کو اس سوال کا مختصرا جواب لکھا اور ارسال کردیا جو کہ کتاب الطلاق میں شامل ہے اور بخار کے عارضہ کی بناء پر اس کا مفصل جواب آئندہ پر چھوڑدیا جبکہ استفتاء کا تعلق کتاب الایمان سے ہے جس کو مولانا بالفضل اولٰنا جناب مولوی غلام گیلانی صاحب شمس آبادی (زمانہ بھر زندہ رہیں) نے ارسال فرمایا، مولانا مذکور نے یہی سوال عربی زبان میں دوبارہ سترہ محرم الحرام کو بصورت خط بھیجا اور اس کے اندر دیوبندیوں کا تفصیل سے خالی فتوی بھی موجود تھا، اللہ تعالٰی کی توفیق اور مدد سے یہ تفصیلی مضبوط، کتاب الایمان سے متعلق فتوی، مولانا مذکور کے دوسرے خط سے قبل پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا، دیوبند کے فتوے میں اگر کوئی کمزور دلیل ہوتی تو بھی اس مفصل فتوے میں اس کا جواب نظر آجاتا، لیکن دیوبند کا فتوی تو محض گنگوہی صاحب کی اندھی تقلید ہے اس میں نہ کوئی حوالہ ہے نہ کسی دلیل کا سہارا ہے بلکہ وہی بے ڈھنگی مجتہدانہ بولی ہے جو ہرگز قابلِ التفات نہ تھی۔ ہاں تحقیقی جواب کی خوبی سفارش کرتی ہے کہ اس کو ذکر کردیں تاکہ دیکھنے والے معلوم کرسکیں کہ دیوبندی حضرات کس طرح دیو جہالت کی قید میں ہیں کہ وہ سوال کو سمجھے بغیر ہی اپنا اجتہادی جواب دے رہے ہیں۔ (ت)

(نامہ نامی جناب مولٰنا اینست)	(مولانا مذکور کا خط یہ ہے)
الی الجناب المستغنی عن الالقاب بل الالقاب مطروحہ دون سدۃ الباب مجدد الملۃ والاسلام والدین ناصر المسلمین باعلاء اعلام الدین مزعج اصول الکفرۃ والمبتدعۃ والفسقۃ والمضلین بسط اللہ تعالٰی ظلال فیوضھم علٰی رؤس المسترشدین الی یوم الدین۔ امابعد، فقد ورد الجواب المستطاب مع المطلوبات من الرسالۃ والکتاب وانکشف الستروالحجاب جزاکم اللہ تعالٰی خیر الجزاء بتعداد المخلوقات ما ھو فی جوالسماء وعلی الارض من الدواب لکن کتب من مدرسۃ دیوبند علی خلاف ذٰلك فح لابد من الجواب المفصل المزیل للارتیاب لیفتت ترائب المخطی ویدسہ فی التراب ویرتفع الخلاف من البین باجلاب الزین والتحاب وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ والاٰل والاصحاب الی یوم التناد لذوی الخیاب ویوم الریان والشباب لذوی الحجۃ واصحاب الاقتراب۔ العبد المذنب للاواہ الخامل الجانی القاضی غلام گیلانی الشمس اٰبادی حفظہ اللہ تعالٰی عن ایادی الاعادی۔	القاب سے مستغنی بلکہ القاب جن کی چوکھٹ کے سامنے پھینکے پڑے ہیں، مجدد الملت والاسلام والدین، دین کے جھنڈے بلند، اور کفار، بدعتی حضرات، فساق اور گمراہ لوگوں کے اصول و قواعد کو مٹانے میں مسلمانوں کے مددگار کی خدمت میں، اللہ تعالٰی قیامت تک ان کے فیوض کے سائے کو رہنمائی حاصل کرنے والوں کے سروں پر پھیلائے رکھے۔ امابعد، آپ کا جواب مستطاب مطلوبہ قرآن واحادیث و کتب کے حوالوں پر مشتمل موصول ہوا، حجاب اوپردے اٹھ گئے، اللہ تعالٰی آسمان اور زمین کی مخلوقات کی تعداد کے برابر آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے لیکن مدرسہ دیوبند سے اس کا خلاف لکھا گیا، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا رد مفصّل طور پر کیا جائے جو شکوک کو ختم کردے تاکہ خطاکار کے دل کے خیالات پراگندہ ہوجائیں اور اس کو مٹی میں دفن کردے اور اس خلاف کو یہاں سے مقبول اور پسندیدہ امور کے سبب ختم کردے۔ رسوالوگوں کی ذلّت، اور محبوب اور اصحاب حجت لوگوں کی رونق وشباب کے دن (قیامت) تک حضور الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں ہوں۔ منجانب گنہگار، پناہ کا خواستگار، پسماندہ اور جنایت کا مرتکب بندہ غلام گیلانی شمس آبادی، اللہ تعالٰی اسے دشمنوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھے۔

سوال فتوائے عین سوال مذکور ست و سوال پارسی را بزبان ہندی جواب عجاب چناں:	دیوبندی کے فتوٰی میں بعینہٖ اس فتوے والا سوال مذکور ہے اور اس فارسی سوال کا عجیب جواب انہوں نے اردو (ہندی) میں دیا ہے، جو یہ ہے:

الجواب: زید جبکہ اپنے پسر سے راضی ہوگیا اور خود اس کو گھر رکھا تو اس کی عورت پر اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی البتہ اگر زید اسکو نکالتا اور اس کی زوجہ اس کو رکھتی تو مطلقہ ہوتی فقط واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب پر اعلٰی حضرت کا تبصرہ

در سوال بود اگر بخانہ گزاشتی و در جواب میگوید "اس کو رکھتی" مساکین یفہم کہ اینجا در گزاشتن وداشتن تمیز ندارند آنہا را گزاشتن بہ کہ داشتن باز حاصل ایں شبہہ ہماں شبہہ اولٰی ست کہ مرد خود گزاشت نہ زن وایں دون ترین شبہہ پیش پا افتادہ نیز ایجاد دماغ دیوبند نیست بلکہ بیچارہ مفتی مخطی از سائل آموخت کہ در عبارت سوال زید راضی شدہ در خانہ گزاشت ایمائے باوجود بلے چوں دید کہ گزاشتن و منع نہ کردن بالیقین از زن نیز مستحق ست. براہ گریزی گزاشتن رابداشتن بدل کرد تاایواد جادادن رابجائے ترک و تخلیہ نشاند وحرام خدارا حلال کردہ داد دیوبندیت از دیوبندیاں ستاند ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی خیر	سوال میں تھا کہ "اگر تو گھر میں چھوڑے"۔ جواب میں دیوبندی لکھتا ہے "اس کو رکھتی"۔ اس مسکین بے فہم مفتی کو یہاں چھوڑنے اور رکھنے کا فرق معلوم نہ ہوسکا، ایسے مفتیوں کو چھوڑنا بہتر یا رکھنا بہتر؟ پھر یہ شبہہ وہی ہے جس کو ہم نے شبہہ اولٰی کے طور پر ذکر کیا ہے کہ خاوند نے خود بیٹے کو گھر چھوڑا، بیوی نے نہیں چھوڑا، اور کمزور ترین اور حقیر سا یہ شبہہ دیوبندی دماغ کی ایجاد نہیں، بلکہ اس بیچارے نے یہ شبہہ سائل سے سیکھا جس نے اپنے سوال میں "زید نے راضی ہو کر بیٹے کو گھر میں چھوڑا" لکھ کر اشارہ دیا ہے، پھر جب اس مفتی نے دیکھا کہ چھوڑنا اور منع نہ کرنا بیوی سے یقینا سرزد ہوا ہے، تو پھر گزیر کرتے ہوئے اس نے "چھوڑنے" کو "رکھنے" میں بدل دیا تاکہ آنے کے موقعہ دینے کو ترک اور تخلیہ کی جگہ منطبق کرسکے،

خلقه محمد واٰله واصحابه اجمعین واٰخر دعوٰنا ان الحمدلله رب العٰلمین۔	یوں اس نے اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال بنادیا ہے، دیوبندیوں کی دیوبندیت بن گئی، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمد وآلہ واصحابه اجمعین۔ وآخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العالمین۔(ت) (رسالہ ختم)

مسئلہ ۲۱۵: از محلّہ بہاری پور بریلی ۲۹/رجب ۱۳۳۸ھ مرسلہ ریاض الدین احمد

کسی سچی بات کے لئے قرآن پاک کی قسم کھانا یا اس کا اٹھالینا گناہ ہے یا نہیں؟ آپ کو تکلیف دینے کی اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ اگر تو سچا ہے تو قرآن شریف کو اٹھالے۔اس کا اس نے جواب دیا کہ میں سچائی پر ہوں لیکن میں قرآن شریف نہیں اٹھاسکتا ہوں کیونکہ قرآن شریف اٹھانا ہر حالت میں گناہ ہے،دوسرا فریق کہتا ہے کہ سچا قرآن شریف اٹھانا گناہ نہیں ہے البتہ جھوٹا قرآن شریف اٹھانا گناہ ہے، مہربانی فرماکر مطلع فرمائیے کہ دونوں باتوں میں کون سی بات سچی ہے؟

الجواب:

جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ کبیرہ ہے اور سچی بات پر قرآن عظیم کی قسم کھانے میں حرج نہیں اور ضرورت ہو تو اٹھا بھی سکتا ہے مگر یہ قسم کو بہت سخت کرتا ہے، بلاضرورتِ خاصہ نہ چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۶: از برٹس گائنا برار اتیرس وینچ ایسٹ بنک مسئولہ عبدالغفور ۲۴صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر لوگوں نے کلام اللہ کو ہاتھ میں لے کر حلف کیا اپنے پیش امام کی تابعداری کا، وہ حلف یمین ہوا یا کہ نہیں؟ اور یا کہ شرف ہوا اللہ تعالٰی کے ساتھ؟ یا گناہ ہوا؟ اور یا کہ ایسا حلف قسم کلام کا ہوا؟ اور قسم کلام اللہ کا کھانا درست ہے یا کہ نہیں؟ اور جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے اور لوگوں نے حلف کیا ساتھ کلام اللہ کے، تو وہ غیر اللہ کا قسم کہا جائے گا یا کیا کہا جائیگا؟ **فقط۔**

الجواب:

کلام اللہ، اللہ عزوجل کی صفت قدیمہ ہے۔ صفاتِ الٰہیہ عین ذات ہیں نہ کہ غیر ذات۔ کلام اللہ کی قسم ضرور حلف شرعی ہے،

لانه من صفاته وقد تعورف الحلف به فکان کالحلف بعزته وعظمته وجلاله	کیونکہ یہ اللہ تعالٰی کی ایسی صفات میں سے ہے جس کے ساتھ قسم کھانا متعارف ہے لہٰذا قرآن کے ساتھ حلف ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کی عزت،

لاکالحلف برحمته وجوده وکرمه لعدم التعارف وھذاھو منات الحلف الشرعی کما فی الدرالمختار وغیرہ۔	عظمت اور جلال کی قسم ہے۔اور اللہ تعالٰی کی رحمت،جوداور کرم کی قسم کی طرح نہیں جن سے قسم متعارف نہیں ہے،اور یہی متعارف ہونا نہ ہونا ہی شرعی قسم کا معیار ہے،جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

ہاں مصحف شریف ہاتھ میں لے کر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہنی اگر لفظاً حلف و قسم کے ساتھ نہ ہو حلف شرعی نہ ہوگا مثلاً کہے کہ میں قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ ایسا کروں گا اور پھر نہ کیا تو کفارہ نہ آئے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷: از شمس آباد کیمل پور مسئولہ غلام گیلانی سہ شنبہ ۱۸شعبان ۱۳۳۴ھ

زید حلف خورد کہ من بخانہ برادر خود ہرگز نان نخواہم خورد ورنہ کذاوکذا باشد بعدہ در تقریب شادی مردماں آں زید را برخوردن نان مجبور کردند او گفت کہ من بگفتہ شما ایں نان را در تصور خوردم (یعنی حقیقۃً نمی خورم لیکن در تصور خود میخورم و چہ نخوردہ ام اما خوردہ گیر بایدم ایں واقعہ پیش علمائے دیار رفت مگر حکم بحنث داد واستناد او بایں عبارت حاشیہ اصول شاشی در بحث مقتضی بایں الفاظ ست عبارت اصول شاشی **ولاتخصیص عن الفرد المطلق لان التخصیص یعتمد العموم ولاعموم للمقتضی**[1] وعبارت فصول ایں ست فان قیل فلیراد الطعام الموصوف بصفۃ کذا **قلنا ھذا اثبات وصف زائد علی المطلق وھو زیادۃ علی قدر الحاجۃ فلایثبت**	زید نے قسم کھائی کہ میں اپنے بھائی کے گھر ہرگز کھانا نہ کھاؤں گا اگر کھاؤں تو فلاں چیز لازم آئے،اس کے بعد شادی کی تقریب میں لوگوں نے اس کو کھانے پر مجبور کیا تو اس نے کہا میں تمہارے کہنے پر کھانے کا تصور کرلیتا ہوں،یعنی حقیقتاً نہ کھاؤں گا صرف اپنے تصور میں کھاؤں گا کیونکہ میں نے کھایا نہیں لیکن کھانے والا سمجھا جاؤں گا۔یہ واقعہ علاقہ کے علماء کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اس بات پر قسم کے ٹوٹنے کا حکم دیا،اور اسکی دلیل اصول شاشی کے حاشیہ کی اس عبارت کو بنایا ہے جو اصول شاشی میں مقتضی کی بحث میں ہے۔اصول شاشی کی عبارت یہ ہے کہ فرد مطلق میں تخصیص جاری نہیں ہوتی کیونکہ تخصیص کی بنیاد عموم پر ہے جبکہ مقتضٰی میں عموم نہیں ہوتا۔اس پر حاشیہ فصول کی عبارت یہ ہے:اگر اعتراض کیا جائے کہ کھانے،کے

[1] اصول الشاشی وفصول الحواشی قبیل فصل فی الامر المطبع المحمدی پشاور ص ۲۰۰

بطریق الاقتضاء کصفة التعمیم وفیه ایضاکلام قوله لعل المراد(الی ان قال)قیل انه لیس من باب العموم بل لحصول المحلوف علیه فانه لو تصور الاکل الخ[1] راباایں حکم حنث در سوال تعلق ست یانہ،اگر حضور پر نور مطلب ایں عبارت مع شواہد و توابع ونظائر در عبارت فارسی مفصل ارقام فرمایند ہر آئینہ رفع حجاب و فتح باب خواہد شد،فقط۔	قول کے بعد مطلق طعام کی بجائے خاص وصف والاطعام بطور مقتضی مراد لیاجائے تو کیسا ہے،قلنا(ہم جواب دیں گے کہ)ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مطلق پر ایک زائد وصف کا اضافہ ہے جو قدرِ حاجت سے زائد ہے اور مقتضی قدرِ حاجت سے زائد ثابت نہیں ہوسکتا جیساکہ مقتضی میں تعمیم کی صفت ثابت نہیں ہوسکتی،جبکہ اس جواب میں بھی کلام ہے،کیونکہ لعل المراد سے آگے،قیل کے تحت،کہ،یہ عموم کے باب سے نہیں بلکہ جس چیز کے متعلق قسم کھائی ہے(محلوف علیہ)اس کا حصول ہے،کیونکہ اگر وہ کھانے کے لئے متصور ہوالخ،تو کیااس عبارت کا سوال مذکور کے حانث ہونے سے تعلق ہے یا نہیں،اگر حضور پر نور اس عبارت کا مطلب بمع شواہد،موافق اور نظائر فارسی میں مفصل طور پر بیان فرمادیں تو ہر طرح حجاب ختم ہوجائے گا اور اس بحث کی وضاحت ہوجائے گی،فقط۔(ت)

الجواب الملفوظ:

روزے پیش امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم یکے گفت کہ فلاں در خواب بامادر آنکس زنا کردہ است۔امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرمود اورادر آفتاب قائم کردہ سایہ اش رادرہ زن،از مدعیان علم ہیچو سخن خیلے بعید است پیداست کہ ایں نزول جزارا از حصول شرط ناگزیرست وشرط اکل بود نہ تصور او وبمجرد تصور تحقق اکل بداہۃً مخالف عقل است ہیچ صبی عاقل گمان نتواں برد کہ ہرکہ تصور	ایک دن حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص نے خواب میں دوسرے شخص کی ماں سے زنا کیا ہے،تو حضرت امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے فرمایاکہ اس شخص کو دھوپ میں کھڑا کرکے اس کے سایہ پر کوڑے مارو غرضیکہ ایسی باتیں علم کے مدعی لوگوں سے بعید ہیں،کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جزاکے پائے جانے کے لئے شرط کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے،جبکہ سوال میں کھانے کی شرط کو ذکر کیاگیا ہے تو کھانا

[1] اصول الشاشی وفصول الحواشی قبیل فصل فی الامر المطبع المحمدی پشاور ص ۲۰۰

خوردن کرد حقیقۃً خورد واگر چناں بودے فقر و فاقہ از جہاں برخاستے وحکمت الٰہیہ کہ باختلاف لزوم در رزق ست کہ وَلَوْبَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ[1] معاذ اللہ از ھم پاشیدے وآنکہ از حاشیہ اصول شاشی منقول شد معنیش آنست کہ در(أکلت) اقتضائے طعام از جہت تحصیل محلوف علیہ ست زیرا کہ اکل فعل متعدی ست وفعل متعدی بے مفعول بہ صورت نہ بند وانیجا مفعول بہ طعام ست تا آنکہ اگر اکل بے طعام صورت بستے حنث بے اوحاصل شدے واذ لیس فلیس اینجا بر معنی باطل حمل کردن در چہ مرتبہ از جنون ست نسأل اللہ العفو و العافیة ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شرط ہوگا نہ کہ تصور شرط ہوگا، کھانے کے محض تصور کرلینے سے کھانا متحقق نہیں ہوتا، یہ بات ہر عقلمند بچہ بھی جانتا ہے اور ایسا ہونا بداہۃً عقل کے خلاف ہے کہ کوئی کھانے کا تصور کرے تو حقیقی کھانا ہوجائے گا۔ اگر ایسا ہی ہو تو پھر دنیا سے فقر وفاقہ ختم ہوجائے، اور رزق میں تفاوت کی یہ حکمت معاذاللہ ختم ہوجائے جس کو اللہ تعالٰی نے یوں بیان فرمایا، اگر اللہ تعالٰی سب کے لئے رزق کو کشادہ کردے تو لوگ زمین میں بغاوت کردیں لیکن وہ بقدر مشیت رزق اتارتا ہے۔ اور اصول شاشی کے حاشیہ سے جو نقل کیا گیا اس کا معنی یہ ہے اکلت (میں کھاؤں) کا فعل طعام کا مقتضی ہے تاکہ اس قسم والے کی قسم سے متعلق چیز معلوم ہوسکے کیونکہ اکل (کھانا) متعدی فعل اور کوئی متعدی فعل، مفعول بہ کے بغیر نہیں پایا جاسکتا جبکہ یہاں کھانے کا مفعول بہ طعام ہے حتی کہ اگر کھانا بغیر طعام متصور ہوسکے تو پھر کھانے کے بغیر قسم ٹوٹ جائے، توجب کھانا بغیر طعام متصور نہیں ہوسکتا تو طعام کے بغیر قسم بھی نہ ٹوٹے گی۔ یہاں پر شخص مذکور نے جو معنی مراد لیا ہے۔ وہ غلط اور باطل ہے اور اس کو مراد لینا جنون سے کم نہیں ہے، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۸: ازمدراسمٰعیل صاحب از مقام پکاسن ملک میواڑ محلّہ مومناں ۱۶صفر ۱۳۳۶ھ

چند شخص نے مسجد کے اندر کہا کہ جو شخص بٹی پر روپیہ لے یا قرضدار کے یہاں کھانا کھائے تو کلمہ شریف اور قرآن سے پھرے تو اس کا کاغذ بھی لکھا مگر وہ کاغذ بھی پھاڑ ڈالا اور وہی کام کرنے لگ گئے ان کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۷

الجواب:

بیٹی پر روپیہ لینا ناجائز ہے اور قرضدار کے یہاں کھانا کھانا اگر قرض کے دباؤ سے ہے تو وہ بھی ناجائز ہے، اور جنہوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ جو ایسا کرے وہ کلمہ شریف اور قرآن شریف سے پھرے، پھر اس اقرار سے پھر گئے اور وہ کاغذ پھاڑ ڈالا ان میں سے جس کے خیال میں یہ ہو کہ واقعی ایسا کرنے سے قرآن مجید اور کلمہ طیبہ سے پھر جائے گا اور یہ سمجھ کر ایسا کیا وہ کافر ہوگیا اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی نئے سرے سے اسلام لائے، اسکے بعد عورت اگر راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے ورنہ مسلمان اسے قطعًا چھوڑ دیں اس سے سلام وکلام اس کی موت وحیات میں شرکت سب حرام، اور جو جانتا تھا کہ ایسا کرنے سے قرآن مجید یا کلمہ طیبہ سے پھرنا نہ ہوگا وہ گنہگار ہوا اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے **کقولہ ھو بریئ من اللہ ورسولہ ان فعل کذا** (جیسا کہ وہ یوں کہے اگر ایسا کروں تو اللہ تعالٰی اور رسول اللہ سے بری ہو جاؤں۔ت **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۹تا۲۲۱: از مولوی ضیاء الاسلام صاحب پیش امام جامع مسجد آگرہ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

فرازندہ رایت شریعت ومروّج احکام فطوت دام عظمۃ بعد سلام سنت الاسلام کے واضح رائے عالی ہو کہ براہ کرم جواب بہت جلد روانہ فرمایئے گا از حد ضرورت ہے:

(۱) ایک جماعت نے متفق ہو کر اور قرآن شریف ہاتھوں پر رکھ کر قسم کھائی کہ ہم سب آدمی اپنی مستورات کو قبریں وتعزیہ وشادی وغیرہ کے خلاف شرع رسوم میں نہ جانے دیں گے اور اگر کوئی اس کے خلاف کرے گا اس کے ساتھ کھانے پینے کا تعلق اور حصہ وغیرہ کالین دین نہ کریں گے، اور نہ اس کے جنازہ میں شریک ہوں گے، یہ قسم قرآن شریف ہاتھوں میں لے کر کھائی، بعد دو روز کے ایک شادی ہوئی تو کچھ لوگوں نے متفق ہو کر اپنی عورتوں کو خود بھیج دیا اور کچھ لوگوں نے قسم کی پابندی کی، اب جن لوگوں نے اس عہد کو توڑ دیا وہ لوگ از روئے شرع کس جرم کے مستحق ہیں۔

(۲) یہ جو قسم کھا کر وعدہ خلافی کر گئے ہیں وہ کسی معاملہ میں حکم (پنچ از روئے شرع ہو سکتے ہیں یا نہیں، اور گواہی ان کی درست ہے یا نہیں؟

(۳) جو لوگ اپنی قسم پر قائم ہیں ان کی یہ حقارت کرتے ہیں اور طعنہ زن ہوتے ہیں اس کے وہ مواخذہ دار ہوں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) وہ شادی جس میں ان لوگوں نے اپنی عورتوں کو بعد قسم کے بھیجا اگر رسوم خلاف شرع پر مشتمل تھی تو

ان پر دوہرا گناہ ہوا، ایک ایسی جگہ اپنی عورتوں کو بھیجنے کا دوسرا قسم توڑنے کا۔

وَاحْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ [1]، وقال اللہ تعالٰی قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا [2]	اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: اپنی جانوں اور اہل کو آگ سے بچاؤ(ت)

ان پر فرض ہے کہ توبہ کریں اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں اور گواہی سنی جائے۔

(۲) اگر وہ لوگ توبہ نہ کریں تو ایسوں کو نہ حکم بنایا جائے نہ ان کی گواہی سنی جائے۔

(۳) ضرور مواخذہ دار ہیں اور شدید بلکہ معاملہ شرعی ودینی ہے اس میں عہدِ الٰہی کو قائم رکھنے والوں کو برا جاننا اور قائم رہنے پر طعنہ کرنا معاذاللہ اسلام میں فرق آنے کا باعث ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۲: ایک شخص نے کسی سے غصہ میں آکر کہا کہ تیرے مکان کا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے، یا کہا کہ تیرے مٹکے کا پانی حرام ہے تو شرع شریف میں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

یہ قسم ہے اگر اس کے گھر کھائے پئے گا یا دوسری صورت میں اس کے مٹکے کا پانی پئے گا قسم کا کفارہ دینا آئے گا پھر اگر اس سے ترک علاقہ خیر ہو تو چاہئے کہ قسم توڑے اور کفارہ ادا کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۳: از ڈاکخانہ راموچکما کول ضلع چٹاگانگ ۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

کوئی شخص کہے کہ اگر تم سے بولوں یا تمہارے مکان جاؤں یا یہ چیز کھاؤں تو میرے حق میں حرام ہے یا صرف یہ کہنا حرام ہے، کیا یہ کہنے سے حرام ہو جائے گا، اگر حرام ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کی کیا صورت ہے؟

الجواب:

ہاں استحساناً یہ صورت حلف کی ہے اور یمین تحریم حلال ہی ہے اس کہنے کے بعد اگر اس سے بولا یا

---

[1] القرآن الکریم ۵/۸۹

[2] القرآن الکریم ۶۶/۶

گھر گیا، یا وہ چیز کھائی تو قسم ٹوٹ جائے گی، کفارہ دینا ہوگا،

ھذاھو الاستحسان کما فی ش عن النھر والفتح عن المنتقی ومافی الخلاصۃ فالبحر فالدر قیاس والتقدیم للاستحسان، واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ استحسان ہے جیسا کہ فتاوٰی شامی میں نہر اور فتح کے واسطہ سے منتقٰی سے منقول ہے اور جو خلاصہ میں پھر بحر اور پھر درمختار میں ہے وہ قیاس ہے جبکہ استحسان کو تقدم حاصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

بابُ النّذر

(نذر کا بیان)

مسئلہ ۲۲۴: سید پرورش علی صاحب از متولی ٹولہ سہسوان ضلع بدایوں ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی گائے جنی توانہوں نے کہا کہ یہ بچھیا پال کر ننھی کو دینگے، اب وہ سال بھر کی ہوئی، بہت خوب ومرغوب، دیکھ کر بے ساختہ کہا کہ اللہ کی نذر کریں گے، ننھی کو دینا یاد نہ رہا، نذر ہوئی یا نہیں؟ خریدار پہلے سات روپے قیمت تجویز کرتے ہیں کہ یہ گائے دس بارہ سیر دودھ کی ہوگی، اس کا بدل قربانی کیجیو، اگر نذر ہو گئی تو بدل جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا کتنا ہوگا؟

الجواب:

حضرت مولٰنا سید صاحب دامت افضالکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ۔ اس لفظ سے کہ "اللہ کی نذر کریں گے" نذر نہ ہوئی محض وعدہ ہوا، اور وہ کہنا کہ "پال کر ننھی کو دیں گے" اس سے بھی ہبہ نہ ہوا یہ بھی ایک ارادہ کا اظہار تھا، مگر اللہ عزوجل سے جو وعدہ کیا اس سے پھرنا بھی ہرگز نہ چاہئے، قرآن عظیم میں اس پر سخت وعید فرمائی ہے، افضل یہ ہے کہ کسی فقیر کو ہبہ کرکے دوایک روپے میں اس سے خرید کر ننھی کو دے دیجائے کہ دونوں وعدے پورے ہوجائیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ لفظ نذر جس طرح مذکور ہوا قربانی کے لئے خاص نہیں، ہاں اگر یہ نذر کرے کہ اللہ عزّوجل کے نام پر قربانی کردے گا تو قربانی ہی واجب ہے بدل ناممکن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۲۵: مسئولہ عبدالکریم ہاشم لاکہ کوٹھی مقام بدامپور ڈاک خانہ رانگ دیٹہ ضلع مان پور روز پنجشنبہ تاریخ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

افضل الفضلا عالم یگانہ روزگار جناب مولٰنا صاحب مدظلہ العالی، بعد ادائے آداب وتسلیمات بصد تعظیم وتکریم وہدیہ سلام مسنون الاسلام معروض خدمت سراپا برکت ہے کہ فدوی نے اپنے کارخانہ لاکہ کوٹھی میں یوم ابتداکاروبار سے مسلم ارادہ کرلیا تھا کہ کارخانہ مذکور میں جو کچھ نفع ہوگا اسکے سولہ حصہ میں ایک حصہ خاص جناب سیدنا و مولٰنا پیردستگیر غوث الثقلین جناب محی الدین عبدالقادر جیلانی صاحب رحمۃاللہ علی مرقدہ وقدس اللہ سرہ کا بطور تبرک نیاز کیا تھا اور ہے اور یوم ابتداکاروبار سے بھی کہ جمع خرچ میں بھی ایک کنہ وہ جدابنام نامی اسم گرامی محب صمدان جناب سید محی الدین عبدالقادر صاحب جیلانی قدس اللہ سرہ کے نام پاک سے موسوم کیا گیا ہے اور اب زمانہ اس کا چند سال کا ہوتا ہے کہ روپیہ نفع کا بھی جمع ہوگیا ہے تصدیعہ وہ خدمت کہ وہ روپیہ کن کن مصارف دینی میں خرچ ہوسکتا ہے یوم ابتداکاروبار سے آج تک کوئی خاص ارادہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ تھا کہ وہ نفع روپیہ فلاں کارِ خیر میں خرچ کیا جائے گا، اب خلاصہ دریافت مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کی مسجد بے مرمت اور ویران پڑی ہے او ر مسلمان یہاں کے بہت غریب ہیں جس سے مرمت کا ہونا بہت دشوار ہے تو ایسی حالت میں جو روپیہ نفع کا ہے اس کو مصارف مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے کہ نہیں، ایسی حالت میں علمائے دین کا کیا اتفاق ہے اور علاوہ اس کے کن کن مصارف میں وہ خرچ کیا جاسکتا ہے بواپسی ڈاک جواب سے سرفراز فرمادیں، فقط۔

الجواب:

نیت کرنے والوں کو مولٰی تعالٰی جزائے خیر دے بہت محمود نیت ہے اور ہر دینی مصرف میں اسے صرف کرسکتے ہیں مسجد ویران کی آبادی نہایت اہم کام ہے اس میں صرف کرنا مقدم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۶: مرسلہ محمد ساجد علی شاذلی سلہٹی ضلع تیرپورہ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

ماقولکم دام فیضکم اس میں بشوق حصول مطلوب غائب حاضر ہوتے یا لاولد واسطے فرزند کے یا مریض واسطے شفا کے وحاجات دینی و دنیوی کے واسطے یا فتح مہمات کے واسطے اللہ تعالٰی میری مقصود حاصل کرے، پس واسطے اللہ تعالٰی اتنا روپیہ یا قندیل یا بتی سراج کی یا شطرنجی یا مصلی یا طعام یا قربانی نذر للہ فی سبیل اللہ ماننا معین کرکے واسطے مسجد مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے، اور علماء و فقرا اور مساکین کے واسطے اہل مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درست ہے یا نہیں، اگر مقصود حاصل ہوئے پس ایسی نذر کے اسباب ارسال کرنا امانت دار کی معرفت سے ضرور ہے یا نہیں، اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ارسال نہ کرکے غیر ملک مکہ مدینہ منورہ کے علماء فقرا کو دیوے کھلاوے درست یا نہیں، اور ناذر کے ذمہ سے ساقط

ہوگا یانہیں، اگر کوئی اس حیلہ بہانہ سے منع کرے اور راہ میں ڈاکے چوری ہوتا ہے ارسال نہ کرنا لازم ہے اور بعض امانتدار خیانت کرتا ہے، ایسے احتمال گمان سے روکنا مال نذر کا درست ہے یا نہیں، اگر کوئی شخص مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی تشبیہ بھوت خانہ کالی گھر کے مثل کہے اس کا کیا حکم ہے؟ بد تعظیم بے ادب کلام ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ نذر بلاشبہہ جائز ہے اور نذر کا پورا کرنا واجب، **قال اللہ تعالٰی** وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَھُمْ[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنی نذروں کو پورا کرو۔ت) اور جب نذر میں تخصیص مساجد طیبہ حرمین شریفین کی کی ہے تو وہیں بھیجنا انسب ہے اگر آسان ہو اور اگر یہیں کی مساجد میں صرف کردے جب بھی حرج نہیں کہ تعیین مکان نذر میں نامعتبر ہے دونوں شہر کریم کی نسبت وہ کلمہ کہنا ضرور گستاخی و توہین و کلمہ کفر ہے اور نذر پوری کرنے سے جو شخص رد کرے وہ **منّاعٍ للخیر** (بھلائی سے روکنے والا۔ت) ہے، اور ایسے ناذر کو جو خاطی کہے خود خاطی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۷: نور محمد ریاست بہاول پور اسٹیشن صادق آباد ڈاک خانہ اختر پور ضلع خان پور ۳ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

اگر بدرگاہ خداوند کریم سوال کیا جائے کہ مجھ کو فرزند عطا ہو یا بیماری دفع ہو یا قرض ادا ہو تو اس قدر خیرات فی سبیل اللہ بارواح رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا حضرت پیر دستگیر یا ولی اللہ کردوں گا یہ نذر جائز ہے یا نہیں؟ **فقط والسلام۔**

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے اور اس کا کرنا واجب، **قال اللہ تعالٰی** وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَھُمْ[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنی نذریں پوری کرو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۸: مرسلہ غلام محی الدین ملازم طبع کریمی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی نانی نے نیاز مانی کہ اگر میرے نواسی پیدا ہوگی تو میں چہل تنوں کی گائے ذبح کروں گی، چنانچہ ایک مدت کے بعد لڑکی پیدا ہوئی، اس کے پیدا ہونے کے بیس روز بعد نانی کا انتقال ہوگیا، اب لوگ لڑکی کے والدین سے کہتے ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/۲۹

[2] القرآن الکریم ۲۲/۲۹

کہ یہ نیاز دلواؤاور یہ نیاز ان شرائط سے دلواؤ کہ ایک گائے خریدو اس کے سہرا باندھو اور فقیروں کا گروہ خاص اس نیاز کے واسطے مخصوص ہے ان کو بلوا کر ان کے سر گروہ کو جوڑا پہناؤ، پھر گائے چہل تنوں کی ذبح کی جائے اس کو پکا کر مع روٹی کے فقیروں کو دے دیا جائے وہ جو کچھ اس میں سے تم کو واپس دے دیں لے کر اپنے صرف میں لاؤ، بعد اس کے کوئلے بہت سے دہکا کر زمین پر بچھائے جائیں ان انگاروں پر وہ فقیر لڑکی کو گود میں لے کر لوٹیں گے اور پاؤں سے گھوندیں گے آگ کا کچھ بھی اثر ان کے بدن پر نہ ہوگا، لہٰذا نوشتہ بالامعنوں سے شرعاً کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

چہل تن چالیس شہداء ہیں، اگر منت سے یہ مراد تھی کہ گائے مولٰی عزّوجل کے لئے ذبح کرکے اس کا ثواب ان شہیدوں کو پہنچایا جائے تو وہ نذر واجب ہو گئی عورت کے ترکہ سے ادا کی جائے تو بہتر ہے یعنی گائے مولٰی عزوجل کے نام پر ذبح کرکے اس کا گوشت مساکین مسلمین کو تقسیم کردیا جائے اور وہ لہو ولعب کہ سوال میں مذکور ہے باطل ومردود ہے، اگر منّت ماننے والے کے ذہن میں یہی صورت بازیچہ تھی جو ملنگوں کا معمول ہے وہ منت ہی سرے سے باطل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۹تا۲۳۰: از باگ ضلع امجھرہ ریاست گوالیار مکان منشی اوصاف علی صاحب سب انسپکٹر مرسلہ شیخ اشرف علی صاحب پنشنر ریاست کوڑ ۱۲جمادی الاولٰی ۱۳۲۶ھ

(۱) زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام اللہ کردے گا تو میں مولود شریف یا گیارھویں شریف وغیرہ کروں گا، تو کیا اس کھانے یا مٹھائی کو اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں؟

(۲) زید نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا کام ہو جائے گا تو میں اپنے احباب کو کھانا کھلاؤں گا، تو کیا اس طرح کی منت ماننا اور اس کا ادا کرنا زید پر واجب ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) مجلس میلاد وگیارھویں شریف میں عرف و معمول یہی ہے کہ اغنیاء وفقراء سب کو دیتے ہیں جو لوگ ان کی نذر مانتے ہیں اسی طریقہ رائجہ کا التزام کرتے ہیں نہ یہ کہ بالخصوص فقراء پر تصدّق، تو اس کا لینا سب کو جائز ہے، یہ نذور فقہیہ سے نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ کوئی نذر شرعی نہیں، وجوب نہ ہوگا، اور بجالانا بہتر، ہاں اگر احباب سے مراد خاص معین بعض فقراء ومساکین ہوں تو وجوب ہو جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی کہے یعنی منت مانے کہ جان کا بدلہ صدقہ مسجد میں لے جائینگے، اور اسی کو بعض یوں کہتے ہیں کہ جان بچ جائے یاکام بن جائے تو نذر اللہ مصلی کو کھلائیں گے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مساجد میں شیرینی لے جائیں گے یا نمازیوں کو کھلائیں گے، یہ کوئی نذر شرعی نہیں، جب تک خاص فقراء کے لئے نہ کہے اسے امیر فقیر جس کو دے سب لے سکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

اگر کسے نذر کرد کہ فلاں حاجتِ من برآید بارواح فلاں مشائخ برائے اللہ فلاں نر گاؤ یا گوسفند خواہم کشت یا بدہم چوں حاجت او برآمد اکنوں گوید کہ آں نرگاؤ کہ نذر کردم بدیگر گوسفنداں بدل کردہ خیرات کنم آیا منذورہ نرگاؤ بعوض دیگر گوسفند بدل کردن جائزست یاخود آں نرگاؤ راخیرات بکند۔	اگر کوئی یہ نذر مانے کہ میری فلاں حاجت پوری ہوجائے تو فلاں مشائخ کی روح کی برکت سے اللہ تعالٰی کے لئے فلاں بیل یافلاں بکرے کو ذبح کروں گا، اور جب حاجت پوری ہوجائے تو وہ کہے کہ فلاں بیل کے بدلے میں چند بکرے خیرات کردوں تو کیا بیل کے بدلے چند بکرے دینا جائز ہے یا وہی بیل جس کی نذر مانی تھی دینا ہوگا؟ (ت)

الجواب:

نذر کہ بر جانور معین واقع شد تبدیلش روانیست **قال تعالٰی** وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ[1] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	نذر میں جو جانور معین کیا جائے اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی نذریں پوری کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۳۳: از سکندر پور ضلع بلیا پائی گلی مسئولہ محمد حسین وعطا حسین ۲۲رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شہید صاحبِ مزار بزرگ کی قبر شریف خام ہے اور زید نے نیت کی کہ میری مراد پوری ہو تو مزار شریف پختہ اینٹ سے بنوادوں گا، اللہ تعالٰی نے ببرکت

---
[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۹

شہید صاحب مراد پوری کردی اور اینٹ نئی موجود نہیں بلکہ زید کے باغ کے اندر ایک دیوار ہے اس دیوار سے اینٹ لے کر مزار شریف بنواسکتا ہے یا نہیں ؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مزار پختہ بنانے کی منت شرعی منت نہیں، اس کو پورا کرنا شرعاً واجب نہیں، وہ دیوار جو اس کے باغ میں ہے اگر اس کی ملک ہے تو اس کی اینٹوں سے مزار بنواسکتا ہے جبکہ وہ کسی دیوار ناپاک جگہ استعمال میں نہ آئی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: از مانگل لکسرڑی ضلع گرگاواں ڈاکخانہ دھینار ریاست دوجانہ مرسلہ حافظ غلام کبریا صاحب پیش امام ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بزرگوں کی منت ماننا کیسا ہے؟ بعضے کہتے ہیں یہ تعظیم اللہ کے واسطے ہے غیر کو نہ چاہئے۔

الجواب:

بزرگوں کی منت حقیقۃً مولٰی عزّوجل ہی کے لئے منت ہوتی ہے اور بزرگوں کو ایصالِ ثواب کرکے ان سے تقرب بغرضِ توسل، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں،

کما افادہ العلامۃ عبدالغنی النابلسی قدس سرّہ القدسی فی الحدیقۃ الندیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے اسے حدیقہ ندیہ میں بیان فرمایا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۵: ۹ صفر ۱۳۱۲ھ

اگر کوئی شخص منت مانے کہ میرا فلاں کام ہوجائے گا تو میں پانچ روپے کا غلّہ محتاجوں کو تقسیم کروں گا، اب تقسیم کے وقت کسی غریب کو کپڑے کی حاجت ہے تو کپڑا بنادینا اور حاجت رفع کرنا ادائے نذر کے لئے کافی ہوگا یا نہیں ؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

پانچ روپے یا پانچ روپے کا غلّہ، کپڑا، کوئی چیز محتاج کو پہنچ جائے۔ کپڑا اگر سلوا کردیا تو جو سلائی میں جائے گا مجرانہ ہوگا۔

فی الدرالمختار نذران یتصدق بعشرۃ دراھم من الخبز فتصدق بغیرہ	درمختار میں ہے کہ اگر کوئی نذر مانے کہ میں دس درہم کی روٹی صدقہ کروں گا تو اگر اس نے روٹی کے بجائے

جاز ان ساوی العشرۃ کتصدقه بثمنه [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	دس درہم کے برابر کوئی اور چیز صدقہ کردی تو جائز ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ روٹی کے بجائے دس درہم دے دے تو جائز ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۳۶: ۲۷ شوال ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں عـــہ۱ کالڑکا بیمار ہوا اس کے والدین نے منت مانی کہ یااللہ! اگر میرے لڑکے کو آرام ہو جائے تو رکھیں عـــہ۲ رکھیں گے تیری نذر میں تین محتاج کھلائیں گے اور پچاس رکعت نماز پڑھیں گے۔یہ کلمہ مولوی نے دامتی مقرر کیا ہے اور اس منت کو حضرت نے بھی منع کیا ہے۔

الجواب:

اس مولوی نے غلط کہااللہ عزوجل نے پورا کرنے کاقرآن مجید میں حکم دیا ہے وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ [2]یعنی مسلمانوں پر لازم کہ اپنی نذریں پوری کریں، نذریں پوری کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ [3]نذر پوری کرتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کی وفا کا حکم دیا ہے۔بخاری شریف میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے من نذران یطیع اللہ فلیطعه ومن نذران یعصیه فلایعصه [4]یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی طاعت الٰہی مثل نماز وروزہ وصدقہ وغیرہ کی منت مانے وہ بجالائے اور جو کسی گناہ کی منت مانے وہ باز رہے۔ہاں یہ سمجھنا کہ نذر ماننے سے تقدیر الٰہی بدل جائے گی جو نعمت نصیب میں نہیں وہ مل جائے گی جو بلا مقدر میں ہے وہ ٹل جائے گی، یہ اعتقاد فاسد ہے، ایسی ہی نذر سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے حدیث شیخین:

(لاتنذروا،فان النذرلایغنی من القدر شیأ وانما یستخرج به من البخیل [5]۔	نذر نہ مانا کرو، کیونکہ نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ نذر کے سبب بخیل سے مال خرچ کرایا جاتا ہے۔)(ت)

عـــہ۱: مسودہ میں بیاض ہے۔ عـــہ۲: مسودہ میں بیاض ہے۔

[1] درمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۵

[2] القرآن الکریم ۲۲/۲۹

[3] القرآن الکریم ۷۶/۷

[4] صحیح البخاری کتاب الایمان باب النذر فی الطاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۱

[5] صحیح مسلم کتاب النذر باب النذر فی الطاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۴۴

کے نیچے مرقاۃ شریف میں ہے:

قال الخطابی معنی نهیه عن النذر انما هوالتاکید لامره وتحذیر التهاون به بعد ایجابه، ولوکان معناه الزجر عنه لکان فی ذٰلك اسقاط لزوم الوفاء به اذ صار معصیة، وانما وجه الحدیث لاتنذوا علی انکم تدرکون بالنذر شیألم یقدره الله تعالٰی لکم، او تصرفون شیأً جری القضاء به علیکم واذافعلتم ذٰلك فاخرجوه عنه بالوفاء فان الذی نذر توه لازم لکم[1]۔ قال الطیبی تحریره انه علل النهی بقوله: فان النذر لایغنی من القدر، ونبه علی ان المنهی عنه هو النذر الذی یعتقد انه یغنی من القدر بنفسه، اما اذا نذر واعتقد ان الله تعالٰی هوالذی یسهل الامور، وهو الضار والنافع والنذور کالوسائل، فیکون الوفاء طاعة، ولایکون منهیاعنه، کیف وقد مدح الله تعالٰی جل شانه الخیرة من عباده بقوله: "یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ" "اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا" قلت	خطابی نے فرمایا کہ نذر سے منع کا معنی یہ ہے کہ یہ نذر کے متعلق اہتمام کا اظہار ہے اور نذر کو اپنے ذمہ لازم کرنے کے بعد اس میں لاپرواہی پر ڈرانا مقصود ہے، اور اگر نذر سے یہ منع برائے سزا ہوتا اس سے لازم آئے گا کہ نذر کو پورا کرنے کا حکم ختم ہو جائے کیونکہ یوں نذر گناہ قرار پائے گی، لہٰذا بلاشبہہ حدیث کی وجہ یہ ہے کہ نذر اس اعتقاد سے نہ مانو کہ نذر کی وجہ سے تقدیر بدل جائے گی کہ جس چیز کو اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے مقدر نہیں فرمایا نذر کی وجہ سے تم اس کو حاصل کرلوگے اور تقدیر میں جو چیز تم پر وارد ہونے والی ہے تم اس کو نذر کے ذریعہ لوٹادو، اور جب نذر مانو تو اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے اسے پورا کرو، کیونکہ جو نذر مانی ہے وہ تم پر لازم ہوچکی ہے۔(ت) طیبّی نے فرمایا اس حدیث کی وضاحت یہ ہے کہ اس میں نہی کا تعلق اور اس کی علت، تقدیر سے نذر مستغنی نہیں کرتی، والاجملہ ہے۔ اور اس میں تنبیہ ہے کہ اس عقیدہ سے نذر ماننا کہ یہ تقدیر کو تبدیل کردے گی اور اس سے مستغنی کردے گی، یہ منع ہے، لیکن نذرمان کر یہ عقیدہ رکھنا اللہ تعالٰی ہی معاملات کو آسان فرماتا ہے اور وہی ذاتی طور پر نافع اور ضار ہے اور نذر محض ایک وسیلہ ہے۔ تو اس عقیدہ سے نذر اور اس کو پورا کرنا عبادت ہے، اور یہ صورت ممنوع نہیں ہے یہ کیسے ممنوع ہوسکتی ہے جبکہ اللہ تعالٰی جل شانہ نے اپنے

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب النذور الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵۹۹/۶

وکذا قولہ "انی نذرت للرحمٰن صوما" فالمنھی عنہ ھو الاعتقاد علی ان النذر یغنی عن القدر [1] الخ اھ مختصرًا، واللہ تعالٰی اعلم۔	نیک بندوں کی مدح میں خود فرمایا کہ وہ نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ اور فرمایا: جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں وقف کرتی ہوں۔ اور میں کہتا ہوں یونہی اللہ تعالٰی کا فرمان ہے، میں نے اللہ تعالٰی رحمٰن کے لئے روزہ کی نذر مانی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حدیث میں نہی کا تعلق اس نذر سے ہے جس میں یہ عقیدہ شامل ہو کہ یہ نذر تقدیر سے مستغنی کردے گی الخ اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۷ تا ۲۳۹: از دلیل گنج ضلع پیلی بھیت مرسلہ مولوی کریم بخش صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی شخص نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہوجائے تو میں گائے کے سر کی نیاز کروں گا، اگر وہ شخص بجائے سر کے اور جگہ کے گوشت کی نیاز کرے اور مساکین کو کھلائے تو اس سے واجب ادا ہوگا یا نہیں؟

(۲) کسی نے بکری یا مرغی موجودہ کی نسبت مخصوص کرکے کہا کہ میں اس بکری یا مرغی کی نیاز کروں گا، پھر کسی وجہ سے وہ مفقود ہوگئیں تو بجائے اس کے دوسری بکری مرغی یا گائے وغیرہ کی اسی قدر گوشت سے نیاز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(۳) کسی نے مسجد کا طاق بھرنا گلگلو یا مانڈوں سے مانا، اگر وہ مسجد کا طاق نہ بھرے اور گھر پر تقسیم کردے تو نذر پوری ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سر کی تعیین کچھ ضروری نہیں اس قدر قیمت کا گوشت بھی کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر یہ نیاز نہ کسی شرط پر معلق تھی مثلاً میرا یہ کام ہوجائے تو اس جانور کی نذر کروں گا، نہ کوئی ایجاب تھا مثلاً اللہ کے لئے مجھ پر یہ نیاز کرنی لازم ہے جب تو یہ نذر شرعی ہو نہیں سکتی، اور اگر لفظ ایسے تھے جن سے شرعًا وجوب ہوگیا تو جبکہ ایجاب خاص جانور معین سے متعلق تھا اس کے گمنے یا مرنے کے بعد دوسرا اس کی جگہ قائم کرنا کچھ ضرور نہیں، نہ اس نذر کا اس پر مطالبہ رہا، اگر دوسرا جانور کردے گا تو تبرع ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

المنذورۃ بعینھا لو ھلکت او ضاعت	نذر مانی ہوئی چیز بعینہٖ اگر ہلاک ہوجائے یا ضائع ہوجائے

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب النذور الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۵۹۹

سقط النذر [1] انتھی ملتقطا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	تو وہ نذر ختم ہو جائے گی، اھ ملتقطا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

(۳) مسجد کے طاق بھرنے کی منت سے اگر مقصود مساکین پر تصدق ہو تو نذر صحیح ہے اس طاق بھرنے کی تعیین لغو، جہاں چاہے مساکین کو دے دے نذر ادا ہو جائے گی اور اگر اس منت سے مقصود مسجد کا طاق ہی بھرنا ہے پھر غنی مسکین جو چاہے لے لے، جیسا کہ بعض جہال خصوصًا عورتوں کے تعامل سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ منت ہی کرنی لغو ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۰: از جائس ضلع رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم صاحب مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولود شریف کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مجلس میلاد شریف کہ طریقہ رائجہ حرمین شریفین پر ہو اعلٰی مستحبات سے ہے، خواہ نذر مان کر کریں یا بلا نذر، ہاں محلِ نظر یہ امر ہے کہ نذر ماننے سے واجب ہو جائے گی، جیسے نماز یا صدقہ۔ یا واجب نہ ہو گی بدستور مستحب رہے گی، جیسے تلاوتِ قرآن مجید کہ ایک قول منت ماننے سے بھی واجب نہیں ہوتی۔ **کمافی الخانیة وغیرھا** (جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔ت) اس کا جزئیہ اس وقت نظر میں نہیں،

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿۱﴾ [2] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	ہو سکتا ہے اللہ تعالٰی بعد میں کوئی صورت پیدا فرمادے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۱: از دھڑکی ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے یہ نیت کی کہ اگر میری نوکری ہو جائے گی تو پہلی تنخواہ زیارت پیران کلیر شریف کے نذر کروں گا، وہ شخص تیرہ تاریخ سے نوکر ہوا اور تنخواہ اس کی ایک مہینہ سترہ دن کے بعد ملی اب یہ ایک ماہ کی تنخواہ صرف کرے یا سترہ دن کی؟ اور اس تنخواہ کا صرف کس طرح پر کرے یعنی زیارت شریف کی سفیدی و تعمیر وغیرہ میں لگائے یا حضرت صابر پیا صاحب قدس سرہ کی روح پاک کو فاتحہ ثواب بخشے یا دونوں طرح صرف کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰۷

[2] القرآن الکریم ۶۵/۱

الجواب:

صرف نیت سے تو کچھ لازم نہیں ہوتا جب تک زبان سے الفاظ وایجاب نہ کہے، اور اگر زبان سے الفاظ مذکورہ کہے اور ان سے معنی صحیح مراد لئے یعنی پہلی تنخواہ اللہ عزوجل کے نام پر تصدق کروں گا اور اس کا ثواب حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ العزیز کے نذر کروں گا، یا پہلی تنخواہ اللہ عزوجل کے لئے فقراءِ آستانہ پاک حضرت مخدوم رضی اللہ تعالٰی عنہ دوں گا، یہ نذر صحیح شرعی ہے، اور استحساناً وجوب ہوگیا، پہلی تنخواہ اسے فقراء پر تصدق کرنی لازم ہوگئی۔ مگر یہ اختیار ہے کہ فقراءِ آستانہ پاک کو دے، اور جہاں کے فقیروں محتاجوں کو چاہے۔ اور اگر یہ معنی صحیح مراد نہ تھے بلکہ بعض سخت بے عقل جاہلوں کی طرح بے ارادہ تصدق وغیرہ قربات شرعیہ صرف یہی مقصود تھا کہ پہلی تنخواہ خود حضرت مخدوم کو دوں گا، تو یہ نذر باطل محض وگناہ عظیم ہوگی، مگر مسلمان پر ایسے معنی مراد لینے کی بدگمانی جائز نہیں جب تک وہ اپنی نیت سے صراحۃً اطلاع نہ دے۔ اسی طرح اگر نذر وزیارت کرنے سے اس کی یہ مراد تھی کہ اللہ کے واسطے عمارتِ زیارت شریف کی سپیدی کرادوں گا یا احاطہ مزار پر انوار میں روشنی کروں گا، جب بھی یہ نذر غیر لازم و نامعتبر ہے کہ ان افعال کی جنس سے کوئی واجب شرعی نہیں۔ رہا یہ کہ جس حالت میں نذر صحیح ہوجائے، پہلی تنخواہ سے کیا مراد ہوگی یہ ظاہر ہے کہ عرف میں مطلق تنخواہ خصوصًا پہلی تنخواہ ایک مہینہ کی اجرت کو کہتے ہیں اگرچہ اس کا ایک جزء بھی تنخواہ ہے اور عمر بھر کا واجب بھی تنخواہ ہے، تو پہلی تنخواہ کہنے سے اول تنخواہ ایک ماہ ہی عرفاً لازم آئے گی۔

فان کلام کل عاقد وحالف وناذر وواقف انما یحمل علی ماھو المتعارف[1] کما نصوا علیہ۔	کیونکہ کسی عقد والے، قسم والے، نذر والے اور وقف کرنے والے کے کلام کو متعارف معنی پر محمول کیا جائیگا جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الخانیۃ ان برءت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ فبرأ لایلزمہ شیئ الا ان یقول فللّٰہ علی ان اذبح شاۃ اھ وھی عبارۃ متن الدرر وعللھا فی شرحہ بقولہ لان	خانیہ میں مذکور ہے کہ جب کسی نے کہا کہ اگر میں اس مرض سے تندرست ہوجاؤں تو بکری ذبح کروں گا، تو تندرست ہونے پر اس پر ذبح کرنا لازم نہیں ہوگا مگر جب یوں کہے کہ اللہ تعالٰی کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں بکری ذبح کروں گا (تو پھر نذر ہوگی اور پورا کرنا

[1] ردالمحتار باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۹ و ۵۳۳

اللزوم لایکون الابالنذر والدال علیہ الثانی لاالاول اھ ویؤیدہ مافی البزازیۃ ولو قال ان سلم ولدی اصوم ماعشت فھذا وعد لکن فی البزازیۃ ایضاان عوفیت صمت کذالم یجب مالم یقل للّٰہ علی،وفی الاستحسان یجب ولو قال ان فعلت کذافانا احج ففعل یجب علیہ الحج [1] اھباختصار۔	لازم ہوگا) یہ درمختار کے متن کی عبارت ہے اوراس کی شرح میں اسکی علت یہ بیان کی ہے کہ اس لئے کہ پورا کرنا نذر کی وجہ سے لازم ہوتا ہے،اس پر دوسری عبارت دلالت کرتی ہے،پہلی عبارت اس پر دال نہیں ہے اھ،اوراس کی تائید بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میرا بیٹا سالم بچے تو میں تازندگی روزہ رکھوں گا،تو وعدہ ہوگا،لیکن اس کے ساتھ بزازیہ میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کہے "اگر مجھے صحت ہوئی تو اتنے روزے رکھوں گا" تو پورا کرنا واجب نہ ہوگا،جب تک اس میں "اللہ تعالی کے لئے مجھ پر روزہ لازم ہے" نہ کہے۔لیکن استحسان یہ ہے کہ اس پر روزہ لازم ہوجائے گا،اور اگر کوئی کہے "اگر میں ایسا کروں تو میں حج کروں گا" اس کے بعد اس نے وہ کام کیا تو حج لازم ہوگا اھ اختصاراً(ت)

درمختار میں ہے:

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ومایؤخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوھا الٰی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفھا لفقراء الانام [2]۔	معلوم ہونا چاہئے کہ اکثر عوام مردوں کے لئے جو نذر مان کر اولیاء کرام کی قبروں پر دراہم،شمع اور تیل وغیرہ اولیاء کے تقرب کے لئے دیتے ہیں تو ان چیزوں کو وصول کرنا بالاجماع باطل اور حرام ہے جب تک عوام ان چیزوں کو فقراء پر صرف کرنے کی نیت نہ کرلیں(ت)

امام ناصح حکیم علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ومن ھذاالقبیل زیارۃ القبوروالتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین والنذرلھم بتعلیق ذٰلک علی حصول	اور اسی قبیل سے ہے قبروں کی زیارت کرنا،اور شفایابی یا کسی مسافر کے واپس آنے سے مشروط اولیاء کے لئے نذریں ماننا(یہ سب جائز ہیں) کیونکہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۰

[2] درمختار قبیل باب الاعتکاف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۵

شفاء اوقدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة علی الخادمین لقبورهم کما قال الفقهاء فیمن دفع الزکاة لفقیر وسماها قرضا صح، لان العبرة بالمعنی لا باللفظ، وکذلك الصدقة علی الغنی هبة والهبة علی الفقیر صدقة[1] الی اٰخرما افادواجاد ذکره فی بحث القنیة ونقل جوازه ایضا عن الامام ابن حجر المکی، قلت وهو مفادقوله حرام مالم یقصد واصرفها لفقراء الانام۔	یہ نذریں وہاں مزارات کے خادموں کے لئے صدقہ مجازًا مراد ہوتی ہیں، جیسا کہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ کسی کو قرض کا نام لے کر دے تو صحیح ہوگا کیونکہ معنی کا اعتبار ہوتا ہے لفظوں کا اعتبار نہیں ہوتا، اور یونہی نفلی صدقہ کسی غنی کو ہبہ کے نام سے یا فقیر کو صدقہ ہبہ کے نام سے دینا (یا ہبہ کو صدقہ کے نام سے) دینا جائز ہے۔ علامہ نابلسی کے بیان کے آخر تک، جہاں انہوں نے قنیہ کی بحث کو ذکر کرکے یہ بہترین فائدہ بیان فرمایا، اور انہوں نے امام ابن حجر مکی سے بھی اس جواز کو نقل فرمایا، قلّت (میں کہتا ہوں کہ) درمختار کے قول کہ جب تک فقراء پر صرف کرنے کی نیت نہ کریں تو حرام ہے کا یہی مفاد ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان له الصرف الٰی غیرهم (ای غیرفقراء الباب الذی عینه فی النظر کما مر سابقا، ولابدان یکون المنذور ممایصح به النذر کالصدقة بالدراهم ونحوها اما لو نذر زیتا لایقادقندیل فوق ضریح الشیخ اوفی المنارة فباطل[2] اهمختصرا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	مخفی نہ رہے کہ اس کو دوسرے فقراء (یعنی نذر میں معین کردہ فقراء کے غیر) پر خرچ کرنے کا اختیار ہوگا جیسا کہ پہلے گزرا، اور ضروری ہے کہ منذور وہ چیز ہو جس سے نذر صحیح ہوجائے جیسا کہ دراہم وغیرہ کا صدقہ کرنا، ہاں اگر تیل کے چراغ قبر کے اوپر جلانے کی نذر مانی ہو یا وہاں مزار کے منارہ پر جلانے کی نذر ہو تو یہ باطل ہوگی، اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۲: از شہر کہنہ مرسلہ مولوی عبدالواحد متھراوی ۲۰ ذی القعدہ ۱۳۳۷ھ

زید نے عہد کیا تھا کہ میں ملازم ہو جاؤں تو ایک ماہ کی تنخواہ راہِ خدا میں صرف کروں گا، اب وہ ملازم

---

[1] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الخلق الثامن والاربعون الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۵۱

[2] ردالمحتار قبیل باب الاعتکاف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۲۸

ہوگیا، اگر زید اپنی اس ماہ کی تنخواہ کو اپنے کسی نہایت غریب بیکس و مفلس رشتہ دار کو اس نیت سے دے تو اس کے ذمہ سے وہ عہد ساقط ہو جائے گا یا نہیں، درصورت عدم ساقط ہونے کے وہ اور کس کام میں خرچ کرے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ضرور نذر ادا ہو جائیگی جبکہ وہ عزیز نہ اس کی اولاد میں ہو، نہ یہ اس کی نہ زوج و زوجہ، نہ سید وغیرہ جنہیں زکوۃ دینا جائز نہیں، بلکہ عزیز کو دینے میں دونا ثواب ہے، صدقہ اور صلہ رحم، **کما ثبت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۳: مرسلہ منشی عبدالصبور صاحب سوداگر ۶ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے وقت شروع کرنے روزگار کے، یہ خیال کرلیا کہ مجھ کو جو نفع ہوگا اس میں سولھواں حصہ واسطے اللہ کے نکالوں گا، اب اس کو لاگت سے زائد ایک روپیہ نفع ہوا لیکن متفرق خرچ یعنی تنخواہ ملازمان وغیرہ میں دو آنے اس نفع ایک روپے میں صرف ہوگئے باقی چودہ آنے رہے، اب وہ اصلی لاگت سے جو نفع ہوا ہے اس میں سے سولھواں حصہ نکالے یا بعد مجرا کرنے خرچ متفرق کے ماہوار میں سے نکالے۔

الجواب:

صرف خیال کرلینے سے وجوب تو نہیں ہوتا جب تک زبان سے نذر نہ کرے، ہاں جو نیت اللہ عزوجل کے لئے اس کا پورا کرنا ہی چاہیئے، جو خرچ کہ تجارت کے متعلق ہو اور حساب تجار میں اسی پر ڈالا جاتا ہے وہ مجرا دے کر جو بچے اسے نفع کہتے ہیں، پھر اس نفع میں جو کچھ اپنا خرچ خانگی وغیرہ دیگر مصارف علاوہ خرچ تجارت میں صرف ہو جائے وہ مجرا نہ دیا جائے گا کہ یوں تو جو نفع بچتا ہے وہ خرچ ہی ہونے کے لئے ہوتا ہے، پس وہ نوکر اگر تجارت کا نوکر ہے اور اس کی تنخواہ حسبِ دستور تجار خرچ تجارت میں محسوب کی جاتی ہے، اس کے بعد جو بچتا ہے وہ نفع سمجھا جاتا ہے، جب تو چودہ آنے کا سولھواں حصہ تصدق کرے اور اگر خرچ تجارت مجرا دے کر کامل روپیہ بچا تھا یہ تنخواہ اس کے متعلق نہیں تو پورے روپیہ کا سولھواں حصہ دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴ تا ۲۴۷: مرسلہ محمد عبدالصبور صاحب سوداگر ابن منشی محمد ظہور صاحب جوہری ۲۰ ربیع الآخر شریف

اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک شخص نے اپنی تجارت کے منافع میں خداوند کریم کا

سولھواں حصہ مقرر کیا ہے۔

(۱) اس سولھویں حصہ میں محفل میلاد شریف و نیاز گیارھویں شریف کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) اس سولھویں حصہ میں اپنے والدین و پھوپھی و خالہ و سید صاحب و مولوی صاحب کو دینا چاہئے یا نہیں؟

(۳) اس سولھویں حصے میں سامع رمضان المبارک کو دینا و نیز افطاری رمضان المبارک کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) دربارہ زکوٰۃ مذکورہ کے روپے کو طالب علموں کی خورد و نوش و لباس میں صرف کرنا چاہئے یا نہیں، اور زکوٰۃ کا روپیہ مؤذن کو دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اگر نہ یہ منت ہے نہ زکوٰۃ ہے بلکہ یونہی دل میں نیت کرلی یا بے الفاظِ نذر زبان سے کہہ لیا ہے کہ اپنے منافع تجارت سے سولھواں حصہ نیک کاموں میں اللہ تعالٰی کے لئے صرف کیا کروں گا، جب تو اس سے محفل میلاد شریف اور گیارھویں شریف اور افطاری رمضان شریف اور اپنے والدین و سادات و علماء کی خدمت سب کچھ کرسکتا ہے کہ یہ سب نیک کام اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہیں جب کہ نیت خالص اللہ عزوجل کے واسطے ہو، رمضان مبارک کا سامع اگر حاجتمند ہو اور اس سے اجرت نہ ٹھہری ہو اور نہ رواج کی رو سے اجرت مقرر ہو تو اسے بھی دے سکتا ہے کہ اب اسے بھی دینا نیک کام ہے، اور اگر اجرت کی شرط ہولی یا ازروئے رواج اس کی اجرت کا قرار دیا ہے تو اسے دینا کچھ نیک کام نہیں بلکہ گناہ ہے،

لانہ اجارۃ علی الطاعۃ والاجارۃ علیہا باطلۃ الاما استثناہ المتاخرون من امامۃ واذان وتعلیم قراٰن ولیس ھذامنھا والتحقیق فی ردالمحتار وشفاء العلیل۔	کیونکہ یہ عبادت پر اجرت ہے اور عبادت پر اجرت لینا دینا باطل ہے مگر امامت پر یا اذان اور تعلیم قرآن پر اجرت جس کو متاخرین نے اس سے مستثنٰی قرار دیا ہے وہ اور چیز ہے یہ اس قبیل سے نہیں ہے، اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار اور شفاء العلیل میں ہے۔ (ت)

اور اگر صورتِ مذکورہ میں ہر نیک کام کی نیت نہ تھی بلکہ بالخصوص مساکین کو خدا کے نام پر دینا تو وہ سب امور ابھی اس روپے سے جائز ہوں گے مگر یہ چاہئے کہ مجلس مبارک کا حصہ خاص محتاجین کو دے، گیارھویں شریف کی نیاز، رمضان المبارک کی افطاری، صرف مساکین کو بانٹے، سادات و علماء میں انہیں کی نذر کرے جو حاجتمند ہوں، ماں باپ کو بھی بحالتِ حاجتمند دے سکتا ہے،

لاھنا لیست صدقۃ واجبۃ وانما نوی التصدق علی المساکین فاذاکان	کیونکہ یہ صدقہ واجب نہیں ہے اور اس نے مساکین پر تصدق کی نیت کی ہے تو جب ماں باپ بھی مساکین سے ہوں تو بطور صلہ ان پر صدقہ

منهم جاز صلتهما بها وقد سمی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الاحادیث الصحیحة مااطعمت اهلك صدقة امااطعمت ولدك صدقة وما اطعمت عیالك صدقة[1]۔	کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صلہ رحمی کو صدقہ قرار دیتے ہوئے صحیح احادیث میں فرمایا کہ جو کچھ تونے اپنی بیوی کو کھلایا وہ صدقہ ہے اور جو تونے پانی اولاد کو کھلایا وہ صدقہ ہے اور جو تونے اپنی عیال کو کھلایا وہ صدقہ ہے۔(ت)

اور اگرخاص منت کے لفظ زبان سے ادا کرلئے ہیں مثلًا کہا "مجھ پر اللہ تعالٰی کے لئے واجب ہے کہ اپنے منافع کا سولھواں حصہ اللہ تعالٰی کے نام پر تصدق کروں" تو نہ والدین کو دے سکتا ہے نہ سادات کو اگرچہ محتاج ہوں، نہ کسی غنی کو اگرچہ عالم ہو، ہاں صرف محتاجوں کو دینا لازم ہے اگرچہ اس کی پھوپھی، خالہ، بہن، بھائی، چچا، ماموں ہوں، اگرچہ مجلس شریف یا گیارھویں شریف کرکے یا افطاری میں مالک کردے،

فانها طریق الاداء والاجتماع لذکر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم او ایصال الثواب الی ولی الله الکریم رضی الله تعالٰی عنه لاینافی النذر ولاینفی التصدق مال زکٰوة هو۔	کیونکہ یہ صرف ادائیگی کا ایک طریقہ ہے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ذکر پاک کے لئے اجتماع، یا کسی والی اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایصال ثواب کا ہونا نذر کے منافی نہیں ہے، اور یہ طریقے زکوٰۃ کے مال کو صدقہ کرنے کے منافی نہیں ہیں۔(ت)

جب بھی یہی حکم ہے جو خاص منت کا حکم تھا مال زکوٰۃ ونذر طالب علموں کو بھی دے سکتے ہیں خواہ کپڑے بنادے خواہ اناج یا کھانا انہیں دے کر مالک کردے، ہاں گھر بٹھا کر کھلانے سے زکوٰۃ ونذر ادانہ ہوگی لانه اباحة والتصدق تملیك کما نصوا علیه (کیونکہ یہ اباحت ہے جبکہ صدقہ کرنا بطور تملیک ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے۔ت) مؤذن کی تنخواہ ٹھہری ہے تو اس میں زکوٰۃ یا نذر کو محسوب نہیں کرسکتا لان واجبا لایدخل فی واجب اخر لیس من جنسه (کیونکہ واجب دوسرے خلافِ جنس واجب میں داخل نہیں ہوسکتا۔ت) ہاں بلا تنخواہ اذان دیتا ہو اور محتاج مصرف زکوٰۃ ہو تو دے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

[1] کنز العمال حدیث موسسة الرسالة بیروت ۶/۴۱۵، المعجم الاوسط حدیث مکتبة المعارف الریاض ۷/۴۵۵

مسئلہ ۲۴۸: از صدر ۸ شعبان ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منت مانی کہ اگر فلاں تکلیف میری رفع ہو جائے تو میں بکری وغیرہ ذبح کرکے مسکینوں کو تقسیم کروں گا، اگر زید کامیاب ہوا اور بکرا ذبح کیا تو آیا زید بھی اس گوشت میں سے کھاسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید خود کھاسکتا ہے نہ اپنے ماں باپ وغیرہما اصول خواہ بیٹا بیٹی وغیرہما فروع کسی ہاشمی یا غنی کو کھلاسکتا ہے بلکہ وہ خاص مساکین مصرف زکوٰۃ کا حق ہے،

فی ردالمحتار مصرف الزکوٰۃ ھوایضامصرف النذر [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف نذر کا مصرف بھی ہوتا ہے، اھ ملخصًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۹: (یہ مسئلہ دراصل فتاوٰی افریقہ کامسئلہ نمبر ۶۰ ہے، مناسبت کے پیشِ نظر اسے یہاں شامل کیاگیا ہے)

زید کہتا ہے غیر خدا جل وعلا کیلئے نذر چڑھانا حرام ہے چاہے نبی علیہ السلام ہوں چاہے اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ مجموعہ خطب حرمین شریفین تالیف مولوی عبدالحہ صاحب کے صفحہ ۴۷ پر ہے ع

صندل بھی تربتوں پہ چڑھانا حرام ہے

اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ پر ہے:ـ

نذر بھی غیر خدا کی ہے یقین شرک سنو غیر کی نذر کا کھانا بھی حرام اے اکرم

کیایہ اشعار اہلسنت کے خلاف ہیں یا نہیں؟اور حضور کے رسالہ برکات الامدادیہ میں ص ۱۳ پر ہے: خود امام الطائفہ میاں اسمٰعیل دہلوی کے بھاری پتھر کا کیاعلاج، وہ صراط مستقیم میں اپنے پیر جی کا حال لکھتے ہیں:

روح مقدس جناب غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ [2]۔	حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند (رحمہما اللہ تعالٰی) کی روحیں حضرت کے حال پر متوجہ ہوئیں۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

[2] صراط مستقیم باب چھارم دربیان سلوک راہ نبوت الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۶

شخصیکہ در طریقہ دریہ قصدِ بیعت میکند البتہ او رادر جناب حضرت غوث الاعظم اعتقادے عظیم بہم میرسد (الی قولہ) کہ خودراازز مرہ غلاماں آنجناب میشمارد اھ [1]ملخصًا۔	ایک شخص نے طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کیا یقینًا اس کو جناب حضرت غوث الثقلین میں بہت پختہ اعتقاد تھا(الیٰ قولہ) کہ خود کو آنجناب کے غلاموں میں شمار کیااھ ملخصا(ت)

اسی میں ہے:

اولیائے عظام مثل حضرت غوث الاعظم وحضرت خواجہ بزرگ الخ [2]۔	اولیائے عظام جیسے غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خواجہ بزرگ الخ (ت)

یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندرج مجموعہ زبدۃالنصائح میں لکھتے ہیں:

اگر شخصے بزے راخانہ پرور کند تا گوشت اوخوب شود اوراذبح کردہ وپختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست۔[3]	اگر کسی شخص نے کوئی بکرا گھر میں پالاتاکہ اس کا گوشت اچھا ہوجائے اور اس کو ذبح کرکے پکاکر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلائے اور لوگوں کو کھلائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

ایمان سے کہیو غوث الاعظم کے یہی معنی ہوئے کہ سب سے بڑے فریاد رس یا کچھ اور، خدا جل وعلا کو ایک جان کر کہنا غوث الثقلین کا یہی ترجمہ ہوا کہ جن وبشر کے فریاد رس یا کچھ اور، اور پھر یہ کیسا کھلا شرک تمہارا امام اور اس کا سارا خاندان بول رہا ہے، قول کے سچے ہو تو ان سب کو بھی ذرا جی کڑا کرکے مشرک بے ایمان کہ دو ورنہ شریعتِ وہابیہ کیا آپ کی خانگی ساخت ہے کہ فقط باہر والوں کے لئے خاص ہے گھر والے سب اس سے مستثنٰی ہیں۔

الجواب:

غیر خدا کیلئے نذرِ فقہی کی ممانعت ہے، اولیائے کرام کے لئے ان کی حیات ظاہری خواہ باطنی میں جو نذر کہی جاتی ہیں یہ نذر فقہی نہیں، عام محاورہ ہے کہ اکابر کے حضور جو ہدیہ کریں اسے نذر کہتے ہیں، بادشاہ نے دربار کیا اسے نذریں گزریں، شاہ رفیع الدین صاحب برادرِ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رسالہ نذور میں لکھتے ہیں:

---

[1] صراط مستقیم باب چہارم دربیان طریق سلوک راہ نبوت مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۴۷

[2] صراط مستقیم تکملہ دربیان سلوک ثانی راہ ولایت مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۲

[3] زبدۃ النصائح امام الطائفہ میاں اسمٰعیل

نذریکه اینجا مستعمل میشوعد نه بر معنی شرعی ست چه عرف آنست که آنچه پیچ بزرگاں می برند نذر ونیاز می گویند[1]	یہاں نذر کا لفظ شرعی نذر کے معنی میں استعمال نہیں کیونکہ عرف میں بزرگوں کو جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔(ت)

امام اجل سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

ومن هذاالقبیل زیارۃ القبور والتبرك بضرائح الاولیاء والصالحین والنذر لهم بتعلیق ذٰلك علٰی حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة علی الخادمین بقبورهم کما قال الفقهاء فیمن دفع الزکاۃ لفقیر وسماها قرضاصح لان العبرۃ بالمعنی لاباللفظ[2] یعنی اسی قبیل سے ہے زیارتِ قبور اور مزارات اولیاء وصلحاء سے برکت لینااور بیمار کی شفا یا مسافر کے آنے پر اولیائے کرام کیلئے منت ماننا کہ وہ ان کے خادمانِ قبور تصدق سے مجاز ہے جیسے فقہاء نے فرمایا ہے کہ فقیر کو زکوۃ دے اور قرض کا نام لے تو صحیح ہوجائے گی کہ اعتبار معنٰی کا ہے نہ کہ لفظ کا۔

ظاہر ہے کہ یہ نذر فقہی ہوتی تو احیاکے لئے بھی نہ ہوسکتی حالانکہ دونوں حالتوں میں یہ عرف و عمل قدیم سے اکابرین میں معمول و مقبول ہے۔امام اجل سیدی ابوالحسن نورالملۃ والدین علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز جن کو امام فن رجال شمس الدین ذہبی نے طبقات القراء اور امام جلیل جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں الامام الاوحد کہا یعنی بے نظیر امام،اپنی کتاب مستطاب بہجۃالاسرار شریف میں محدثانہ اسانید صحیحہ معتبرہ سے روایت فرماتے ہیں:

(۱)اخبرنا ابوالعفاف موسٰی بن عثمان البقاعی بالقاهرۃ ۶۶۳ھ قال اخبرنا ابی بدمشق ۶۱۴ھ قال اخبرنا الشیخان الشیخ ابوعمروعثمان الصریفینی والشیخ ابو محمد عبدالحق الحریمی ببغداد ۵۵۹ھ قالا کنا بین یدی الشیخ محی الدین عبد القادر رضی الله تعالٰی عنه بمدرسة یوم الاحد ثالث صفر ۵۵۵ھ۔ہم سے ابوالعفاف موسٰی بن بقاعی نے ۶۶۳ھ میں شہر قاہرہ میں حدیث بیان کی کہ ہمیں میرے والدِ ماجد عارف باللہ ابوالمعانی عثمان نے ۶۱۴ھ میں شہر دمشق میں خبر دی کہ ہمیں دو ولی کامل حضرت ابو عمرو عثمان صریفینی و حضرت ابو محمد عبدالحق حریمی نے ۵۵۹ھ میں بغداد مقدس میں خبر دی کہ ہم ۳ صفر روز یک شنبہ ۵۵۵ھ میں

[1] مجموعہ رسائل تسعہ رسالہ نذور شاہ رفیع الدین مطبع احمدی دہلی ص ۲۱

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الثامن والاربعون الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱۵۱/۲

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی کے دربار میں حاضر تھے حضور نے وضو کرکے کھڑاویں پہنیں اور دو رکعتیں پڑھیں، بعد سلام ایک عظیم نعرہ فرمایا اور ایک کھڑاؤں ہوا میں پھینکی، پھر دوسرا نعرہ مارا اور دوسری کھڑاؤں پھینکی وہ دونوں ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئیں، پھر تشریف رکھی، ہیبت کے سبب کسی کو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی، ۲۳ دن کے بعد عجم سے ایک قافلہ حاضر بارگاہ ہوا اور کہا ان **معنا للشیخ نذرا** ہمارے پاس حضور کی ایک نذر ہے **فاستأذناہ فقال خذوہ منھم**، ہم نے حضور سے اس نذر کے لینے میں اذن طلب کیا حضور نے فرمایا لے لو، انہوں نے ایک من ریشم اور خز کے تھان اور سونا اور حضور کی وہ کھڑادیں جو اس روز ہوا میں پھینکی تھیں پیش کیں، ہم نے ان سے کہا یہ کھڑاویں تمہارے پاس کہاں سے آئیں؟ کہا ۳ صفر روز یک شنبہ ہم سفر میں تھے کہ کچھ راہزن جن کے دو سردار تھے ہم پر آپڑے ہمارے مال لوٹے اور کچھ آدمی قتل کئے اور ایک نالے میں تقسیم کو اترے، نالے کے کنارے ہم تھے **فقلنا لوذکرنا الشیخ عبدالقادر فی ھذا الوقت ونذرنا لہ شیأ من اموالنا ان سلمنا**، ہم نے کہا بہتر ہو کہ اس وقت ہم حضور غوث اعظم کو یاد کریں اور جنات پانے پر حضور کے لئے کچھ مال نذر مانیں، ہم نے حضور کو یاد کیا ہی تھا کہ دو عظیم نعرے سنے جن سے جنگل گونج اٹھا اور ہم نے راہزنوں کو دیکھا کہ ان پر خوف چھاگیا ہم سمجھے ان پر کوئی اور ڈاکو آپڑے یہ آکر ہم سے بولے، آؤ اپنا مال لے لو اور دیکھو ہم پر کیا مصیبت پڑی، ہمیں اپنے دونوں سرداروں کے پاس لے گئے ہم نے دیکھا وہ مرے پڑے ہیں اور رہ ایک کے پا ایک کھڑاؤں پانی سے بھیگی رکھی ہے ڈاکوؤں نے ہمارے سب مال پھیر دئے اور کہا اس واقعہ کی کوئی عظیم الشان خبر ہے [1]۔

(۲) نیز فرماتے ہیں قدس سرہ، : **حدثنا ابو الفتوح نصر اللہ بن یوسف الازجی قال اخبرنا الشیخ ابو العباس احمد بن اسمعیل قال اخبرنا الشیخ ابو محمد عبداللہ بن حسین بن ابی الفضل قال کان شیخنا الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ یقبل النذور ویأکل منھا** [2] (ملخصًا) ہم سے حدیث بیان کی ابو الفتوح نصر اللہ بن یوسف ازجی نے، کہا ہمیں شیخ ابوالعباس احمد بن اسمعیل نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابو محمد عبداللہ بن حسین بن ابی الفضل نے خبر دی کہ ہمارے شیخ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نذریں قبول فرماتے اور ان میں سے بذات اقدس بھی تناول فرماتے، اگر یہ نذر فقہی ہوتی تو حضور کا کہ اجلہ سادات عظام سے ہیں اس سے

---

[1] بھجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ مصطفی البابی مصر ص ۶۷

[2] بھجۃ الاسرار ذکر شیئ من شرائف اخلاقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰۴۔۱۰۳

تناول فرمانا کیونکہ ممکن تھا۔

(۳) نیز فرماتے ہیں: حدثنا الشریف ابوعبداللہ بن الخضر الحسینی قال اخبرنا ابی قال کنت مع سیدی الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ ورأی فقیرامکسور القلب فقال لہ ماشأنك قال مررت الیوم بالشط وسألت ملاحًا ان یحملنی الی الجانب الاُخر فابی وانکسر قلبی لفقری فلم یتم کلام الفقیر حتی دخل رجل معہ صرۃ فیھا ثلاثون دینارا انذرا للشیخ فقال الشیخ لذٰلك الفقیر خذھذہ الصرۃ واذھب بھا الی الملاح واعطھالہ وقل لہ لاترد فقیرا ابدا وخلع الشیخ قمیصہ واعطاہ للفقیر فاشتری منہ بعشرین دینارا[1]

ہمیں شریف ابوعبداللہ محمد بن الخضر الحسینی نے حدیث بیان کی، کہا ہم سے والد فرمایا میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ تھا حضور نے ایک فقیر شکستہ دل دیکھا، فرمایا تیرا کیا حال ہے؟ عرض کی آج میں کنارہ دجلہ پر گیاملاح سے کہا مجھے اس پار لے جا، اس نے نہ مانا، محتاجی کے سبب میرا دل ٹوٹ گیا، فقیر کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک صاحب ایک تھیلی میں تیس اشرفیاں حضور کی نذر لائے حضور نے فقیر سے فرمایا یہ لو اور جاکر ملاح کو دو اور اس سے کہنا کبھی کسی فقیر کو نہ پھیرے، اور حضور نے اپنا قمیص مبارک اتار کر اس فقیر کو عطا فرمایا وہ اس سے بیس اشرفیوں کو خرید اگیا۔

(۴) نیز فرماتے ہیں: الشیخ بقابن بطوکان الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ یثنی علیہ کثیر و تجلہ المشائخ والعلماء وقصد بالزیارات والنذور من کل مصر[2]۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت شیخ بقابن بطو رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بہت تعریف فرمایا کرتے اور اولیاء وعلماء سب ان کی تعظیم کرتے، ہر شہر سے لوگ ان کی زیارت کو آتے اور ان کی نذر لاتے۔

(۵) نیز فرماتے ہیں: الشیخ منصور البطائحی رضی اللہ تعالٰی عنہ من اکابر مشائخ العراق اجمع المشائخ والعلماء علی تبجیلہ وقصد بالزیارات والنذور من کل جھۃ[3] حضرت منصور بطائحی رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] بھجۃ الاسرار ذکر شیئ من شرائف اخلاقہ رضی اللہ عنہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰۴

[2] بھجۃ الاسرار شیخ بقابن بطو مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

[3] بھجۃ الاسرار شیخ منصور البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۴۰

اکابر اولیائے عراق سے ہیں، اولیاء وعلماء نے ان کی تعظیم پر اجماع کیا، اور ہر طرف سے مسلمان ان کی زیارت کو آتے اور ان کی نذر لاتے۔

(۶) نیز فرماتے ہیں: **لم یکن لاحد من مشائخ العراق فی عصر الشیخ علی بن الھیتی فتوح اکثر من فتوحہ کان ینذر لہ من کل بلد**[1] حضرت علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں اولیائے عراق سے کسی کی فتوح ان کے مثل نہ تھی ہر شہر سے ان کی نذر آتی۔

(۷) نیز فرماتے ہیں: **الشیخ ابوسعید القیلوی احد اعیان المشائخ بالعراق حضر مجلسہ المشائخ والعلماء وقصد بالزیارات والنذور**[2] حضرت ابوسعید قیلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ اکابر اولیائے عراق سے ہیں مسلمان ان کی زیارت کو آتے اور ان کی نذر کی جاتی۔

(۸) نیز فرماتے ہیں: **اخبرنا ابوالحسن علی بن الحسن السامری قال اخبرنا ابی قال سمعت والدی رحمہ اللہ تعالٰی یقول کانت نفقۃ شیخنا الشیخ جاگیر رضی اللہ تعالٰی عنہ من الغیب وکان نافذ التصریف خارق الفعل متواتر الکشف ینذر لہ کثیرا وکنت عندہ یوما فمرت بہ بقرات مع راعیھا فاشار الٰی احدٰھن وقال ھذہ حامل بعجل احمر اغر صفتہ کذا وکذا ویولد وقت کذا یوم کذا وھو نذر لی وتذبحہ الفقراء یوم کذا ویاکلہ فلان وفلان ثم اشار الی اخری وقال ھذہ حامل بانثی ومن وصفھا کذا وکذا تولد وقت کذا وھی نذر لی یذبحھا فلان رجل من الفقراء یوم کذا ویاکلھا فلان وفلان ولکلب احمر فیھا نصیب قال فواللہ لقد جرت الحال علی ماوصف الشیخ**[3]۔ ہمیں خبر دی ابوالحسن بن حسن سامری نے کہ ہمیں ہمارے والد نے خبر دی، کہا میں نے اپنے والد سے سنا، فرماتے تھے ہمارے شیخ حضرت جاگیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خرچ غیب سے چلتا تھا اور ان کا تصرف نافذ تھا ان کے کام کرامات تھے علی الاتصال انہیں کشف ہوتا تھا مسلمان کثرت سے ان کی

[1] بھجۃ الاسرار شیخ علی بن ہیتی مصطفی البابی مصر ص ۱۵۳

[2] بھجۃ الاسرار شیخ ابوسعید القیلوی مصطفی البابی مصر ص ۱۶۱

[3] بھجۃ الاسرار شیخ جاگیر رضی اللہ عنہ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۹

نذر کرتے، ایک دن میں ان کے پاس حاضر تھا کچھ گائیں اپنے گوالے کے ساتھ گزریں، حضرت نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا اس گائے کے پیٹ میں سرخ بچھڑا ہے جس کے ماتھے پر سپیدی ہے۔ اور اس کا سب حلیہ بیان فرمایا، فلاں دن فلاں وقت پیدا ہوگا اور وہ ہماری نذر ہوگا فقراء اسے فلاں دن ذبح کرینگے اور فلاں فلاں اسے کھائیں گے۔ پھر دوسری گائے کی طرف اشارہ اشارہ کیا اور فرمایا: اس کے پیٹ میں پچھیا ہے۔ اور اس کا حلیہ بیان فرمایا فلاں وقت پیدا ہوگی اور وہ میری نذر ہوگی، فلاں فقیر اسے فلاں دن ذبح کرے گا اور فلاں فلاں اسے کھائیں گے اور ایک سرخ کتّے کا بھی اس کے گوشت میں حصہ ہے۔ ہمارے والد نے فرمایا خدا کی قسم جیسا شیخ نے ارشاد کیا تھا سب اسی طرح واقع ہوا۔

(۹) نیز فرماتے ہیں: **اخبرنا الفقیة الصالح محمد الحسن بن موسی الخالدی قال سمعت الشیخ الامام شهاب الدین السهروردی رضی الله تعالٰی عنه یقول مالاحظ عمی شیخنا الشیخ ضیاء الدین عبدالقاهر رضی الله تعالٰی عنه مریدا بعین الرعایة الانتج وبرع وکنت عنده مرة فاتاه سوادی بعجل وقال له یاسیدی هذا نذرناه لك وانصرف الرجل فجاء العجل حتی وقف بین یدی الشیخ فقال الشیخ لنا ان هذا العجل یقول لی انی لست العجل الذی نذر لك بل نذرت للشیخ علی بن الهیتی وانما نذر لك اخی فلم یلبث ان جاء السوادی وبیده عجل یشبه الاول فقال السودی یاسیدی انی نذرت لك هذا العجل ونذرت الشیخ علی بن الهیتی العجل الذی اتیتك به اولا وکانا اشتبها واخذ الاول وانصرف**[1]۔ ہمیں خبر دی فقیہ صالح ابو محمد حسن بن موسٰی خالدی نے کہ میں نے شیخ امام شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا کہ ہمارے شیخ حضرت عبدالقاہر ضیاء الدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ جب کسی مرید پر نظرِ عنایت فرماتے وہ پھولتا پھلتا اور بلند رتبہ کو پہنچتا، اور ایک دن میں حضور میں حاضر تھا کہ ایک دہقانی ایک بچھڑا لایا اور عرض کی یہ ہماری طرف سے حضرت کی نذر ہے، اور چلا گیا، بچھڑا آکر حضرت کے سامنے کھڑا ہوا حضرت نے فرمایا یہ بچھڑا مجھ سے کہتا ہے میں آپ کی نذر نہیں ہوں میں حضرت شیخ بن علی بن ہیتی کی نذر ہوں آپ کی نذر میرا بھائی ہے۔ کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ وہ دہقانی ایک اور بچھڑا لایا جو صورت میں اس کے مشابہ تھا اور عرض کی: اے میرے سردار! میں نے حضور کی نذر یہ بچھڑا مانا تھا اور وہ بچھڑا جو پہلے میں حاضر لایا وہ میں نے حضرت شیخ علی بن ہیتی کی نذر مانا ہے مجھے دھوکا ہوگیا تھا۔ یہ کہہ کر

---

[1] بهجة الاسرار شیخ عبدالقاہر السهروردی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۴و۲۳۵

پہلے بچھڑے کو لے لیااور واپس چلاگیا۔

(۱۰) نیز فرماتے ہیں: **اخبرنا ابوزید عبدالرحمٰن بن سالم احمد القرشی قال سمعت الشیخ العارف ابا الفتح بن ابی الغنائم بالاسکندریة**[1]، ہمیں ابوزید عبدالرحمٰن بن سالم بن احمد قرشی نے خبر دی کہ میں نے حضرت عارف باللہ ابوالفتح بن ابی الغنائم سے اسکندریہ میں سنا کہ اہل بطائح سے ایک شخص دبلا بیل کھینچتا ہوا ہمارے شیخ حضرت سید احمد رفاعی رضی تعالٰی عنہ کے حضور لایا اور عرض کی: اے میرے آقا! میرا اور میرے بال بچوں کا قوت اسی بیل کے ذریعہ سے ہے اب یہ ضعیف ہوگیا اس کے لئے قوت وبرکت کی دعا فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا: شیخ عثمان بن مرزوق (بطائحی رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے پاس جااور انہیں میرا اسلام کہہ اور ان سے میرے لئے دعا چاہ۔ وہ بیل کو لے کر یہاں حاضر ہوا، دیکھا کہ حضرت سیدی عثمان تشریف فرماہیں اور ان کے گرد شیر حلقہ باندھے ہیں، یہ پاس حاضر ہوتے ڈرا، فرمایا: آگے آ۔ قریب گیا، قبل اس کے کہ یہ حضرت رفاعی کا پیام پہنچائے سیدی عثمان نے خود فرمایا کہ میرے بھائی شیخ احمد پر سلام، اللہ میرا اور ان کا خاتمہ بالخیر فرمائے، پھر ایک شیر کو اشارہ فرمایا کہ اٹھ اس بیل کو پھاڑ۔ شیر اٹھا اور بیل کو مار کر اس میں سے کھایا، حضرت نے فرمایا: اب اٹھ آ۔ وہ اٹھ آیا، پھر دوسرے شیر سے فرمایا: اٹھ اس میں سے کھا۔ وہ اٹھا اور کھایا۔ پھر اسے بلایا۔ تیسرا شیر بھیجا، یونہی ایک ایک شیر بھیجتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے سارا بیل کھالیا، اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ بطیحہ کی طرف سے ایک بہت فربہ بیل آیا اور حضرت کے سامنے کھڑا ہوا، حضرت نے اس شخص سے فرمایا: اپنے بیل کے بدلے یہ بیل لے لو۔ اس نے اسے پکڑ تو لیا مگر دل میں کہتا تھا میرا بیل تو مارا گیا اور مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی اس بیل کو میرے پاس پہچان کر مجھے ستائے، ناگاہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضرت کے دست مبارک کو بوسہ دے کر عرض کی: **یاسیدی نذرت لك ثورا واتیت به الی البطیحة فاستلب منی ولاادری این ذهب**[2] اے میرے مولٰی! میں نے ایک بیل حضور کی نذر کا رکھا تھا اسے بطیحہ تک لایا وہاں سے میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا معلوم نہیں کہاں گیا، فرمایا: **قد وصل الینا ها هو تراه**[3] وہ ہمیں پہنچ گیا یہ دیکھو یہ تمہارے سامنے ہے۔ وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور حضرت کے پائے مبارک چوم کر کہا: اے میرے مولا! خدا کی قسم اللہ نے حضرت کو ہر چیز کی معرفت بخشی اور ہر چیز یہاں تک کہ جانوروں کو حضرت کی پہچان کرادی، حضرت نے فرمایا: **هذا ان**

---

[1] بهجة الاسرار شیخ ابوعمرو عثمان بن مرزوق البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

[2] بهجة الاسرار شیخ ابوعمرو عثمان بن مرزوق البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

[3] بهجة الاسرار شیخ ابوعمرو عثمان بن مرزوق البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

الحبیب لایخفی عن حبیبه شیأ ومن عرف اﷲ عزوجل عرفه کل شیئ۔ اے شخص! بیشک محبوب اپنے محبوبوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھتا جسے اللہ کی معرفت ملتی ہے اللہ اسے ہر چیز کا علم عطا کرتا ہے۔ پھر بیل والے سے فرمایا: تو اپنے دل میں میرا شاکی تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرا بیل تو مارا گیا اور خدا جانے یہ بیل کہاں کا ہے مبادا کوئی اسے میرے پاس پہچان کر مجھے ایذا دے۔ یہ سن کر بیل والا رونے لگا۔ فرمایا: کیا تو نے نہ جانا کہ میں تیرے دل کی جانتا ہوں جااللہ اس بیل کو تجھ پر مبارک کرے۔ وہ بیل کولے کر چند قدم چلا اب اسے یہ خطرہ گزرا کہ مبادا مجھے یا میرے بیل کو کوئی شیر آڑے آئے۔ فرمایا: شیر کا خوف ہے؟ عرض کی: ہاں۔ حضرت نے جو شیر سامنے حاضر تھے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے بیل کو بحفاظت پہنچادے۔ شیر اٹھا اور ساتھ ہولیا اس کے پاس سے شیر وغیرہ کو دور کرتا کبھی اس کے داہنے کبھی بائیں کبھی پیچھے چلتا یہاں تک کہ وہ امن کی جگہ پہنچ گیا اور اپنا قصہ حضرت احمد رفاعی سے عرض کیا، حضرت روئے اور فرمایا: ابن مرزوق کے بعد ان جیسا پیدا ہونا دشوار ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے اس بیل میں برکت رکھی کہ وہ شخص بڑا مالدار ہوگیا[1]۔

(۱۱) امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب طبقات کبرٰی احوال حضرت سیدی ابوالمواہب محمد شاذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

وکان رضی اﷲ تعالٰی عنه یقول رایت النبی صلی اﷲ تعالٰی علیه وسلم فقال اذاکان لك حاجة واردت قضاء ھافانذر لنفیسة الطاہرة ولوفلسافان حاجتك تقضی[2] یعنی حضرت ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمایا کرتے میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے فرمایا جب تمہیں کوئی حاجت ہو اور اس کا پورا ہونا چاہو تو سیدہ طاہرہ حضرت نفیسہ کے لئے کچھ نذر مان لیا کرو اگرچہ ایک ہی پیسہ ہو تمہاری حاجت پوری ہوگی۔

یہ ہیں اولیاء کی نذریں، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ نذر اولیاء کو **ما اھلّ به لغیر اﷲ** میں داخل کرنا باطل ہے، ایسا ہوتا تو ائمہ دین کیونکر اسے قبول فرماتے اور کھاتے کھلاتے بلکہ **ما اھلّ به لغیر اﷲ** وہ جانور ہے جو ذبح کے وقت تکبیر میں غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔ اب امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صاحب کے باپوں کے بھی اقوال لیجئے:

(۱) جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مولوی اسمٰعیل کے دادا اور دادا استاد اور پردادا پیر انفاس العارفین

---

[1] بهجة الاسرار شیخ ابوعمر وعثمان بن مرزوق البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۹۵

[2] طبقات کبرٰی امام عبدالوہاب الشعرانی

میں اپنے والد ماجد کے حال میں لکھتے ہیں:

حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم الہ دیا رفتہ بودند شب ہنگام بود دراں محل فرمودند مخدوم ضیافت ماامی کنند ومی گویند چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد وملال بریاراں غالب آمد آنگاہ زنے بیامد طبق برنج و شیرینی برسر وگفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ نشیندگان درگاہ مخدوم الہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم۔[1]	حضرت ایشاں قصبہ ڈاسنہ میں حضرت مخدوم الہ دیا کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، رات کا وقت تھا اس وقت فرمایا کہ حضرت مخدوم نے ہماری دعوت کی ہے اور فرمایا ہے کہ کھانا کھا کر جائیں۔آپ نے دعوت کا انتظار فرمایا یہاں تک کہ رات گزر جانے کی وجہ سے لوگوں کی آمد ورفت بھی ختم ہوگئی، احباب ملول ہوئے، اچانک ایک عورت میٹھے طعام کا تھال لئے نمودار ہوئی اس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ میرا خاوند جس وقت گھر واپس آئے گا میں اسی وقت طعام پکا کر مخدوم الہ دیا کی درگاہ میں قیام پذیر فقراء میں تقسیم کروں گی، میری خواہش تھی کہ خدا کرے اس وقت رات گئے درگاہ میں کوئی موجود ہو تاکہ طعام تناول کرے اور میری نذر پوری ہو۔(ت)

(۲) اسی میں ہے:

حضرت ایشاں میفرمودند کہ فرہاد بیگ را مشکلے پیش افتاد نذر کردم کہ بارِ خدایا کہ اگر ایں مشکل بسر آید ایں قدر مبلغ بحضرت ایشاں ہدیہ دہم آں مشکل مندفع شد آں نذر از خاطر او برفت بعد چندے اسپ او بیمار شد و نزدیک ہلال رسید برسبب ایں امر مشرف شدم بدست یکے از خادمان گفتہ فرستادم کہ ایں بیماری اسپ عدم وفائے نذر ست اگر اسپ خودرا میخواہی نذرے راکہ در فلاں محل التزام نمودہ بفرست وے نادم شد وآں نذر فرستاد ہماں ساعت اسپ او شفا یافت۔[2]	حضرت ایشاں نے فرمایا کہ فرہاد بیگ کو ایک مشکل درپیش ہے، اس نے نذر مانی ہے کہ اے باری تعالٰی اگر یہ مشکل سر ہوجائے تو میں مبلغ اتنے حضرت ایشاں کی خدمت میں ہدیہ دوں گا، وہ مشکل ختم ہوگئی اور اس کے ذہن سے وہ نذر نکل گئی، اس کے بعد اس کے چند گھوڑے بیمار ہوکر قریب المرگ ہوگئے، مجھے جب معلوم ہوا تو میں نے اس کو ایک خادم کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اگر گھوڑوں کی خیر چاہتے ہو تو فوراً نذر پوری کرو جو تم نے فلاں جگہ فلاں وقت مانی تھی نذر پوری نہ کرنے کی وجہ سے گھوڑے بیمار ہوئے ہیں، تو وہ بہت نادم ہوا، اور نذر خدمت میں ارسال کردی تو گھوڑے فوراً تندرست ہوگئے۔(ت)

[1] انفاس العارفین(مترجم اردو) حضرت مخدوم الہ دیہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور ص ۱۱۲
[2] انفاس العارفین(مترجم اردو) منکر سے بزور نذر وصول کی المعارف گنج بخش روڈ لاہور ص ۱۲۷ و ۱۲۸

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

حضرت امیر وذریۂ طاہرہ اور اتمام امت برمثال پیراں و مرشداں می پرستند وامور تکوینیہ را بایشاں وابستہ می دانند وفاتحہ ودرود صدقات ونذر بنام ایشاں رائج ومعمول گردیدہ چنانچہ باجمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است فاتحہ ودرود ونذر وعرس ومجلس۔[1]	حضرت امیر (علی کرم اللہ وجہہ) اور ان کی اولاد پاک کو تمام امت پیروں اور مرشدوں کی طرح سمجھتی ہے اور تکوینی امور فاتحہ، درود، صدقات اور نذر ونیاز ان کے نام سے رائج ہیں اور معمول بنا ہوا ہے، چنانچہ تمام اولیاء کرام سے یہی معاملہ ہے کہ ان کے نام پر نذر ونیاز، فاتحہ، درود، عرس اور مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔(ت)

فوائدِ عظیمہ جلیلہ

مسلمان دیکھیں دونوں شاہ صاحبوں کی ان تینوں عبارتوں سے کتنے جلیل وجمیل وہابیت کش فائدے حاصل ہوئے، وللہ الحمد:

(۱) اولیاء کا اپنے حاضرینِ مزارات پر مطلع ہونا **(۲)** ان سے کلام فرمانا کہ جب حضرت مخدوم الہ دیا قدس سرہ کے مزار شریف پر شاہ ولی اللہ صاحب کے والد عبدالرحیم صاحب حاضر ہوئے حضرت نے مزار شریف سے ان کی دعوت کی اور فرمایا کچھ کھا کر جانا **(۳)** اولیائے کرام کا بعد وفات پر غیبوں پر اطلاع پانا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ کو معلوم ہوا کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کے آنے پر ہماری نذر مانی ہے اور یہ آج اس کا شوہر آئیگا اور یہ کہ عورت اسی وقت ہماری نذر کے چاول اور شیرینی حاضر کرے گی **(۴)** اولیاء کی نذر **(۵)** مصیبت کے وقت اس کے دفع کو اولیاء کی نذر ماننی **(۶)** ان کی نذر مان کر پوری نہ کرنے سے بلا آنا اگرچہ وہ پورا نہ کرنا بھول جانے سے ہو **(۷)** اس نذر کے پورا کرتے ہی فوراً بلا کا دفع ہونا کہ فرہاد بیگ نے کسی مشکل کے وقت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد کی نذر مانی پھر یاد نہ رہی، گھوڑا مرنے کے قریب پہنچ گیا، شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ اس پر یہ مصیبت ہماری نذر پوری نہ کرنے سے ہے، اس سے فرما بھیجا کہ گھوڑا بچانا چاہتے ہو تو ہماری منت پوری کرو، اس نے وہ نذر پوری کی گھوڑا فوراً اچھا ہوگیا **(۸)** فاتحہ مروّجہ **(۹)** عرس اولیاء **(۱۰)** ان سب سے بڑھ کر یہ پانچ بھاری غضب کہ پیر پرستی **(۱۱)** مولیٰ علی وائمہ اطہار کی بندگی **(۱۲)** اس پرستاری و بندگی پر تمام امتِ مرحومہ کا اجماع **(۱۳)** فتح، شکست، تندرستی، دولتمندی، تنگدستی، اولاد ہونا نہ ہونا، مراد ملنا نہ ملنا، اور ان کے مثل احکام تکوینیہ کا مولیٰ علی و

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب ہفتم در امامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

ائمہ اطہار واولیائے کرام سے وابستہ ہونا (۱۴) اس وابستہ جاننے پر امت مرحومہ کا اجماع ہونا۔ وہ سات بڑے شاہ صاحب کے کلام میں تھے یہ بھاری پتھر چھوٹے شاہ صاحب کے کلام میں ہیں۔ اب اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان وایضاح الحق اور گنگوہی صاحب کی براہین قاطعہ وغیرہا خرافاتِ وہابیہ سے ان ۱۴ کو ملا کر دیکھئے دونوں شاہ صاحب معاذ اللہ کتنے بڑے کٹے پکے مشرک، مشرک گر ٹھہرتے ہیں مگر ان کا مشرک ہونا آسان نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ (۱۵) بھاری فائدہ حاصل ہوگا کہ اسمٰعیل دہلوی وگنگوہی وتھانوی اور سارے کے سارے وہابی سب مشرک کافر ہیں کہ اسمٰعیل دہلوی ان دو مشرکوں کا غلام، ان کا شاگرد، ان کا مرید، ان کا مداح، ان کو امام وولی چنیں وچناں جاننے والا۔ اور گنگوہی و تھانوی اور سارے کے سارے وہابی ان دو تقویت الایمانی دھرم پر مشرکوں اور اس تیسرے قرآنی دھرم پر بددین گمراہ کو ایسا ہی جاننے والے اور جو ایسوں کو ویسا جانے وہ خود مشرک کافر بے دین والحمد للہ رب العالمین ہے۔ کسی وہابی گنگوہی تھانوی دہلوی امرتسری بنگالی بھوپالی وغیر ہم کے پاس اس کا جواب یا آج ہی سے وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْیَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ [1] (انہیں روکو ان سے پوچھنا ہے تمہیں کیا ہوا اب ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ اب وہ گردن ڈالے ہیں۔ ت) کا ظہور بے حجاب كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ [2] (عذاب ایسا ہوتا ہے اور بیشک آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے کاش وہ جانتے۔ ت) یہاں سے ظاہر ہوگیا کہ اس مجموعہ خطب کے اشعار موافق اہلسنت نہیں، اور برکات الامداد کی وہ عبارت متعلق بہ استمداد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۲۴تا۲۶

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

باب الکفارۃ
(کفارے کا بیان)

مسئلہ ۲۵۰: ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

چہ می فرمایند حامیانِ دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید از شراب خوری توبہ کرد و مواجہہ چار کس کلام اللہ شریف رابرداشتہ قسم خورد کہ شراب رانوش نکنم وبارد گر شخصاں دریافت کرد زید از توبہ واز قسم اقرار کرد بعدہ از زید فعل شنیع سرزد شد یعنی شراب بخورد وچساں زید ازیں گناہ بری خواہد شد چہ کفارہ باید داد؟	دین کے حامی اور شرع کے مفتی کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید نے شراب نوشی سے توبہ کی اور چار حضرات کے سامنے اس نے قرآن پاک اٹھا کر قسم کھائی کہ میں شراب نوشی نہیں کروں گا۔ لوگوں نے اس سے استفسار کیاتواس نے اپنی توبہ اور قسم کا اقرار کیا، اس کے بعد زید سے یہ برا فعل سرزد ہوا یعنی اس نے دوبارہ شراب نوشی کی، اب سوال ہے کہ زید اس گناہ سے کس طرح بری ہوسکتا ہے اور اس کو کیا کفارہ دینا چاہئے؟ (ت)

الجواب:

درشرع مطہر کفارہ مرگناہے را باشد کہ در شناعت از حد نگزرد وہرچہ قبحش از حد گزشت تطہیر بکفارہ را نپذیرد وبے توبہ صادقہ حکم بمحویتش	شرع مطہر میں کفارہ اس گناہ کا ہوتا ہے کہ وہ برائی میں حد سے بڑھ کر نہ ہو، اور جو شخص اپنے گناہ میں حد سے تجاوز کر جائے تو وہ کفارہ سے پاک نہیں ہوسکتا

صورت نگیرد آں چنانکہ اگر کسے زنِ خود را بمادر و خواہر خویش تشبیہ دہد اورا کفارہ است کہ بعد ادایش قربت زن بر و مباح گردد فاما آنکہ مادر و خواہر خود را زنِ خود سازد ایں جرم راہیچ کفارہ نیست جز آنکہ بتوبہ صادقہ گراید اینجا اگر مصحف کریم برداشتہ سوگند بنام او یا بنام حضرت عزت جل وعلٰی نیز بر زبان آورد پس دو چیز باشد یکے نیز سوگند چوں بر و قائم نماند کفارہ اش یک غلام آزاد کردن یا دہ مسکین را دو وقت طعام خوراندن یا دہ مسکین را جامہ پوشاندن وہر کہ بر ہیچ ازینہا قادر نباشد سہ روزہ پے در پے دارد۔ دوم تاکیدش بہ برداشتن مصحف کریم، وایں امرے عظیم بود بعد او باز بر آں عمل ناپاک اقدام نمودن منجر بتوہین مصحف شریف واستخفاف بحق عظیم اوست وایں سخت ترکارے است واورا اصلا کفارہ نیست جز آنکہ زود بتوبہ صادقہ گردید وازاں فعل شنیع بعزم صحیح باز آید ورنہ منتظر باید بود عذابے الیم و نارِ جحیم **والعیاذ باللّٰه تعالٰی**، اگر توبہ نکند نیز آنکہ شراب نگزارد اورا باید باہر جام ناپاک شراب جامے از ریم وزرد آب نیز خوردہ باشد تا خوگر شود زیرا کہ شراب خور رانا گزیر است در جہنم از ریم فرج زناں زانیہ خوردن چوں آتش در زناں زانیہ در گیر د واز بدترین جاہائے آناناں	اور جب تک وہ صدق دل سے توبہ نہ کرے تو اس گناہ سے پاک نہیں ہوسکتا، جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں یا بہن سے تشبیہ دے تو اس کا کفارہ ہے اور کفارہ کے بعد بیوی اس کے لئے حلال ہوجاتی ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنی ماں یا بہن کو اپنی بیوی بنالے تو اس جرم کا کوئی کفارہ نہیں ہے بلکہ اس پر صدق دل سے توبہ لازم ہے اگر یہاں زید نے قرآن اٹھا کر قرآن کے نام سے قسم کھائی یا اللہ تعالٰی جل وعلا کے نام سے قسم کھائی اور زبان سے ادا بھی کی ہو تو اس پر دو چیزیں لازم ہیں، ایک یہ کہ وہ قسم پر قائم نہ رہا بلکہ قسم توڑدی ہے اس لئے اس پر کفارہ لازم ہے اور وہ ایک غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو لباس پہنانا ہے اور اگر کوئی ان مذکورہ امور پر قادر نہ ہو تو پھر تین روزے مسلسل رکھنے ہوں گے۔ دوسری چیز کہ اس نے قرآن مجید اٹھا کر قسم کھائی ہے اور بہت سخت معاملہ ہے کہ قرآن اٹھا کر اس نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پھر سے شراب نوشی کی ہے جس سے قرآن پاک کی توہین تک معاملہ پہنچا اور قرآن کے عظیم حق کی پامالی کی ہے تو اس سخت کارروائی پر کفارہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اس پر لازم ہے کہ فوراً توبہ کرے اور اس برے فعل کو آئندہ نہ کرنے کا پختہ قصد کرے ورنہ پھر اللہ تعالٰی کی طرف سے دردناک عذاب اور جہنم کی آگ کا انتظار کرے، **والعیاذ باللّٰه تعالٰی**۔ اور اگر زبان سے قسم ادا نہیں کی بلکہ اسی قرآن اٹھانے کو قسم قرار دیا تو اس قسم کا

واگر سوگند بر زباں نراندہ است سائل ہمیں مصحف برداشتن راسوگند خواندہ است حکمش ہمیں ست کہ کفارہ نیست وعذاب الیم راانتظار کرد ریم برآرد آدمی ہر قدر کہ شراب خوردہ باشد ہماں قدر ازاں ریم وزرد آب فروج زانیات بآں شراب خوراند زینہارازو مفرنیا بد چونکہ دراحادیث کثیرہ ارشاد فرمودہ اند، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	وہی حکم ہے کہ اس پر کفارہ نہیں بلکہ عذاب الیم کا انتظار کرے، توبہ نہ کرنے پر اور شراب نہ چھوڑنے پر اس کو چاہیے کہ اسی ناپاک جام کو گندی پیپ سے بھر کر پیئے تاکہ اس گندگی کا عادی ہوجائے، کیونکہ شراب نوشی کرنے والے کے لئے زانی عورتوں کی شرمگاہ سے نکلی ہوئی پیپ او غلیظ گندے پانی کو جہنم میں پینا لازمی سزا ہوگی کہ جہنم کی آگ سے زانیہ عورتیں جل کر ان کے بدن کی بدترین جگہ شرمگاہ سے جو پیپ نکلے گی شراب نوشی کرنے والا اپنی شراب کی عادت کے مطابق اس پیپ کو پیئے گا، اس سزا سے وہ بچ نہ سکے گا، جیسا کہ کثیر احادیث میں بیان ہوا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۱: از فرخ آباد مسئولہ شمس الدین احمد شنبہ ۱۸/ شوال ۱۳۳۴ھ

جھوٹی قسم خدا کی کھانا کیا کفارہ دینا چاہیے، اگر ایک ہی وقت میں کئی مرتبہ جھوٹی قسم خدا کی کھائے تو ایک کفارہ دے یا ہر ایک قسم کا علیحدہ علیحدہ؟ **فقط۔**

الجواب:

جھوٹی قسم گزشتہ بات پر دانستہ، اس کا کوئی کفارہ نہیں، اس کی سزا یہ ہے کہ جہنم کے کھولتے دریا میں غوطے دیا جائے گا، اور آئندہ کسی بات پر قسم کھائی اور وہ نہ ہوسکی تو اس کا کفارہ ہے ایک قسم کھائی تو ایک اور دس تو دس۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتابُ الحُدُودِوَالتّعزیر

(حدود اور تعزیر کا بیان)

مسئلہ ۲۵۲: ۱۸محرم ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا یہ بیان ہے کہ زید نے مجھ سے زنا بالجبر کیا، گواہ معاینہ کا کوئی نہیں، اور یہ بیان اس عورت کا ہے کہ جس مکان میں واقعہ مذکور گزرا ہے اس میں سوائے میرے اور زید کے اور کوئی موجود نہ تھا، زید کاانکار ہے کہ میں نے زنا نہیں کیاالبتہ تہدید کے لئے عورت مذکور کو سخت اور سست کہا تھا، اور وہ تہدید یہ تھی یعنی صبح کو جس وقت زید پانی بھرنے کو اپنے ٹھکانوں میں جانے لگا تو زید نے اس عورت کو خواب سے بیدار کیا کہ ہوشیار ہو جاایسانہ ہو کہ کوئی آوارہ آدمی کوئی چیز اٹھالے جائے، جب زید پانی بھر کر لوٹ آیا تو عورت مذکور کو سوتا پایا تواس نے ایک لات چار پائی اس عورت میں ماری کہ ابھی تک غافل سورہی ہے کوئی مال اٹھالے جاتا تو کیاہوتا، اور زید نے سخت اور سست بھی کہا، اس پر اس نے شور مچایااور زید کو متہم بالزنا بالجبر کیا، آیااس بارے میں بلحاظِ واقعاتِ صدر قولِ عورت قابلِ اعتبار ہے یانہیں؟اور دو شخص جن میں ایک مسلمان اور دوسرا ہندو یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یہ سنا کہ مکان میں سے آواز آتی ہے کہ یہ شخص میری آبرو اتارے لیتا ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس عورت کا قول ہر گز قابل اعتبار نہیں، بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اسے جھوٹ و بہتان سمجھے اور مسلمان کے ساتھ نیک گمان کرے، جو لوگ اس بارے میں زنِ مذکورہ کو سچا جانیں گے وہ بھی سخت گناہگار اور اس مرد کے حق میں گرفتار ہوں گے، شریعت کا حکم یہ ہے یا تو وہ چار گواہ مسلمان ثقہ پرہیزگار قابلِ شہادت زنا سے ثابت کرادے کہ وہ اس وقت خاص میں اس مکان معین میں اس مرد کا اس عورت کے ساتھ زنا کرنا اور اپنا بچشمِ خود اس کے بدن کو اس کے بدن میں سرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھنا بیان کریں جب تو عورت اس الزام سے بری ہوگی اور مرد پر زنا کی حد آئے گی، ورنہ عورت کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے، اور جو لوگ اس کا بیان سچا مان کر مرد پر یہ تہمت کریں گے وہ بھی اسی اسی کوڑے کھائیں گے۔ یہ سب حکم خود قرآن مجید میں مذکور۔ اس ملک میں کہ حد شرع جاری نہیں اتنا فرض ہے کہ مسلمان اس عورت کو جھوٹا کذّاب اور ناحق افتراء باندھنے والی سمجھیں، پس مسلمان اس سے توبہ کرائیں اور وہ مجمع میں اپنے آپ کو جھٹلائے، اگر نہ مانے تو اسے چھوڑ دیں کہ وہ سخت گناہ کی مرتکب ہوئی، اور ان دو گواہوں کی گواہی عورت کو کچھ بھی مفید نہیں کہ اول فقط ایک گواہ ہے، کافر کی گواہی کچھ مقبول نہیں دوسرے وہ اپنی آنکھوں کا دیکھا کچھ نہیں کہتے، تیسرے سننے میں بھی فقط اس عورت کی آواز بیان کرتے ہیں، یہ خود مدعیہ ہے، مدعی کا قول مسموع نہیں، چوتھے آبرو اتارنا کچھ خاص زنا کرنے ہی کو نہیں کہتے مارنے پیٹنے یا مار پیٹ کا قصد کرنے پر بھی ایسا کلمہ کہا جاتا ہے، غرض گواہی محض مہمل ہے اور عورت کا قول سراسر باطل، اور مرد الزام سے بالکل بری، اور عورت پر جھوٹی تہمت کا الزام قائم اور اس پر اس سخت گناہ سے توبہ فرض ہے۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۵۳: ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی بے دیکھے کسی مسلمان پر تہمت لگائے کہ اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کیا اور اس شخص پر نہ کوئی ثبوت ہے نہ گواہی تو ایسی تہمت لگا کر بدنام کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سخت حرام قطعی گناہ کبیرہ ہے، ایسی تہمت رکھنے والا اللہ تعالٰی کے بڑے عذاب کا مستحق ہوتا ہے، اللہ عزّوجل نے حکم فرمایا کہ ایسے شخصوں کو اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی نہ سنو اور وہ فاسق ہیں، یہاں کوڑے تو نہیں لگا سکتے لہٰذا اسی قدر کریں کہ جب تک وہ تہمت رکھنے والا مجمع میں توبہ نہ کرے اور

صاف صاف اس اپنی ناپاک گفتگو سے باز نہ آئے اس وقت تک مسلمان اس سے ملنا جلنا، اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا، اس کی شادی بیاہت میں شریک ہونا، اپنی شادی بیاہت میں اسے شریک کرنا یک قلم چھوڑیں کہ وہ اس تہمت کے اٹھانے سے ظالم ہے، اور ظالم کے پاس بیٹھنے کو قرآن مجید میں منع فرمایا، اور ایسی تہمت کا ثبوت کسی گواہی سے ہر گز نہیں ہو سکتا جب تک چار مرد نمازی پرہیز گار ثقہ متقی جو نہ کوئی گناہ کبیرہ کرتے ہوں نہ کسی گناہ صغیرہ پر اصرار رکھتے ہوں نہ کوئی بات خلافِ مروّت چھچھورے پن (جیسے سربازار کھانا کھانا یا شارع عام پر سب کے سامنے پیشاب کرنا) کی کرتے ہوں ایسے اعلیٰ درجہ کے متقی مہذب بالاتفاق ایک وقت ایک مکان میں اپنی آنکھ سے دیکھنا بیان کریں کہ ہم نے اس کا بدن اس کے بدن کے اندر خاص اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی، اگر ان امور سے ایک بات بھی کم ہوگی مثلاً گواہ چار سے کم ہوں یا چوتھا شخص اس اعلیٰ درجہ کا نہ ہو یا ہوں تو سب اعلیٰ درجہ کے اور چار پانچ نہیں بلکہ دس بیس مگر ان میں مرد تین ہی ہوں باقی عورتیں یا کچھ گواہ آج کا واقعہ بیان کریں کچھ کل کا، یا کچھ کہیں ہم نے اس مکان میں دیکھا کچھ کہیں دوسرے میں، یا یہ سب باتیں جمع ہوں اور تین گواہ صاف صاف یہ بھی گواہی دے چکے ہوں کہ ہم نے اس کا ذکر اس کی فرج داخل میں اسی طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی، مگر چوتھا اتنا کہے میں نے اس کا برہنہ ذکر اس کی برہنہ فرج کے منہ پر رکھا دیکھا مثلاً نصف حشفہ تک اندر کیا ہوا دیکھا، تو ان سب صورتوں میں یہ گواہیاں مردود اور وہ تہمت باطل اگرچہ اس قسم کی سو دو سو گواہیاں گزریں اصلاً ثبوت نہ ہوگا بلکہ تہمت کرنیوالے زنا کی گواہی دینے والے خود ہی سزا پائیں گے یہ سب احکام قرآن مجید و حدیث شریف و کتب فقہ میں صاف مذکور۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۴: از بڑودہ گجرات کلاں محلّہ بھوتنے کا جھاپہ نظام پورہ مرسلہ امراؤ بائی بنت غلام حسین حالہ ۱۶/رجب ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو ایک آدمی اور ایک عورت کے ہمراہ کسی کام ضروری کے لئے کہیں بھیجا، بعد واپس آنے کے نان و نفقہ موقوف کردیا کچہری گائی کواڑی میں مقدمہ ہے کچہری کہتی ہے کہ نان و نفقہ کیوں نہیں دیتا، خاوند کہتا ہے بغیر حکم میرے کیوں گئی، عورت نے گواہ شاہد قولی پیش کئے کہ اس نے عورت کو جانے کے لئے حکم دیا عورت کہتی ہے کہ مجھے میرے خاوند نے بہتان لگایا میری آبرو لی، جو شخص اپنی عورت کی آبرو لے شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟ فریبی دغا باز و جعلساز کے لئے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بہتان اٹھانا، ناجائز طور پر آبرو لینا، جعل دغا فریب یہ سب باتیں گناہ ہیں خواہ اپنی عورت کے ساتھ

ہوں خواہ کسی کے ساتھ، اور ان گناہوں کے لئے شرع نے کوئی حد مقرر نہ فرمائی توان میں سزائے تعزیر ہے جس کا اختیار حاکمِ شرع کو ہے، جو سزا مناسب دے، مگر مارے تو انتالیس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے، اور امام ابویوسف کے نزدیک پچھتّر، اور اسی پر فتوی ہے۔ اشباہ میں ہے:

ضابطة التعزیر کل معصیة لیس فیہا حد مقدر ففیہ التعزیر[1]۔	ضابطہ تعزیر یہ ہے کہ جس گناہ کے لئے کوئی حد مقرر نہ ہو اس پر تعزیر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

من اٰذی غیرہ بقول او فعل یعزر کذا فی التاتارخانیة[2]۔	جس نے کسی دوسرے کو اپنے عمل یا قول سے اذیت دی تو اس پر تعزیر ہے، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

التعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رأی القاضی[3]۔	تعزیر میں سزا مقرر نہیں ہے بلکہ وہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اکثرہ تسعة وثلثون سوطا لو بالضرب[4]۔	تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں، یہ سزا مارنے کی ہے۔ (ت)

پھر یہ حکم بہتان زنا کے سوا اور بہتانوں میں ہے اور اگر مرد اپنی عورت کو صاف زنا کی تہمت لگائے خواہ بالقصد تہمت لگانا ہی منظور ہو یا جس طرح بیباک عوام میں کچھ لفظ دشنام کے رائج ہیں کہ غصہ میں زبان سے نکالتے ہیں اور ان کے معنی میں صراحۃً زنا کا۔۔۔۔۔۔ (جواب ناقص ملا)

مسئلہ ۲۵۵ تا ۲۶۴: از نیپال گنج بازار ڈاک خانہ روپی ڈیہہ ضلع بہرائچ مسئولہ مولوی حبیب اللہ محبوب علی شاہ دوشنبہ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک محصن مرد اور محصنہ عورت بعلت زنا مشتہر ہو کر دونوں نے بجلسہ عام اقرارِ زنا کیا گو موقعہ کے

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الحدود والتعزیر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۵

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحدود والتعزیر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۴

[3] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۶

[4] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۶

عینی شاہد نہیں ملے مگر تحقیقات سے رموز زنااور زانیہ کے پیام وسلام قول وقرار کے ثبوت بھی ملے۔
(۲) اب یہ عقود فسخ ہوئے یا قائم رہے؟
(۳) اور عورت زانیہ کے شوہر کو اسے طلاق دینالازم ہے یا نہیں؟
(۴) اگر لفظ طلقتک نہیں کہا اور طلاقنامہ لکھ کر دے دیا جس کی نقل منسلکہ استفتاء ہذا ہے جس روز سے یہ تحریر دی ہے اس روز سے مواجہہ نہیں ہوا ایک روز قبل نمازِ جمعہ میں زانیہ کے شوہر نے طلاق بائنہ کا اقرار کیا لہٰذا یہ طلاق بائنہ ہوئی یا نہیں؟
(۵) اگر عورت مطلقہ نے خود طلاق مانگی تھی اور عدت بھی توڑدی ہے اس صورت میں اب زانیہ کے شوہر کو مہر ومصارفِ عدت ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟
(۶) اور ایسے زانی وزانیہ کی اگرچہ شرعی سزادینا یہاں پر اس وقت غیر ممکن ہے تو حاکمِ وقت مقامی سے حسبِ قانونِ حکومت سزائے زنا دلانے کا عذر دار ہونا لازم ہے یا نہیں؟
(۷) مرد محصن زانی کا بھی عقد فسخ ہوا یا نہیں؟
(۸) ایک گروہ کثیر نے مرد محصن زانی کے ساتھ میل جول وحقہ پانی ترک کردیا ہے لیکن چند اشخاص نے جن میں سے صرف دو شخص خواندہ عقائد وہابیہ دیوبندیہ اور ایک شخص خواندہ اہلسنت وجماعت جو کہ اشخاص عقائد وہابیہ مذکرہ کا صرف ہم مشرب ہے بقیہ اشخاص ناخواندہ ہیں انہوں نے زانی وزانیہ کو توبہ کراکے میل جول حقہ پانی دے کر ہم پیالہ وہم نوالہ ہوگئے ہیں بدیں باعث بڑے گروہ نے ان سب کا بھی میل جول حقہ پانی ترک کردیا ہے یہ ترک کرنا جائز ہے یا نہیں، اور یہی چند اشخاص اس زنا کے محرک معلوم ہوتے ہیں۔
(۹) شوہر زانیہ کا پیش امام جامع مسجد ومدرس مدرسہ اسلامیہ ہے اس واسطے تنبیہًا ان زانی اور زانیہ کی موافق رسم ورواج حال کی کیا سزا ہونی چاہئے؟
(۱۰) اور زانی وزانیہ کے شریک داران مذکرہ بھی کسی قسم کی سزا کے مستوجب ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا مع الکتاب۔**
نقل طلاق نامہ: منکوحہ جواد ولد حسین علی متوطن لکھنؤ ساکن نیپال گنج، جو کہ مسماۃ منیرا نومسلم میرے عقد ونکاح میں نوسال سے تھی اب مسماۃ مذکورہ کی بدچلنی ثابت ہونے سے اور زبانی خود سے تعلق بے جاکے اقرار سے میں طلاق اس کے طلب برضا ورغبت طلاق دیتا ہوں اور یہ چند کلمہ بطریق طلاق نامہ کے لکھ دئے کہ سندرہے اور وقت پر کام آئے۔ العبد محمد جواد بقلم خود۔ گواہ شد نور محمد بقلم خود۔ مورخہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۷ اگنے کنوار ۱۹۷۵ سمہ بمواجہہ فقیر بخش وبدلو ومنے اللہ وغیرہم کے یہ تحریر لکھی گئی۔

الجواب:

(۱و۲) ایسی بازاری باتوں سے زنا کا ثبوت نہیں ہوسکتا جب تک کافی شہادت شرعیہ یاکافی اقرار زانی یازانیہ نہ ہو، اور اگر زنا ثابت بھی ہوا تو اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا مگر ایسا زنا جس سے مصاہرت ثابت ہو جیسے شوہر کے باپ یا بیٹے سے کہ اس صورت میں البتہ نکاح فاسد ہوجاتا ہے۔

(۳) زانیہ کو طلاق دینا شوہر پر لازم نہیں۔ درمختار میں ہے:

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ[1]۔	فاجرہ عورت کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں ہے (ت)

(۴) طلاق جس طرح زبان سے ہوتی ہے اسی طرح قلم سے، جبکہ بلامجبوری شرعی لکھا ہو، اشباہ میں ہے **الکتاب کالخطاب**[2] (تحریر بھی خطاب کی طرح ہوتی ہے۔ت) طلاقنامہ سے طلاق رجعی ثابت ہوتی ہے، لیکن شوہر نے اگر طلاق بائن کا اقرار کیا تو بائن ہوگئی۔

(۵) مہر بہرحال دینا ہوگا اور عورت پر فرض ہے کہ عدت اسی مکان میں پوری کرے۔

قال اللہ تعالٰی لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم بیویوں کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الایہ کہ وہ کھلے بندوں فحش کاری کریں۔ (ت)

اس حالت میں تاختم عدت شوہر پر لازم ہوگا کہ اسے نفقہ دے۔

(۶) ہرگز نہیں، سزا وہی ہے جو مطابق شرع ہے اور اس کے خلاف کی خواستگاری ناجائز۔

قال اللہ تعالٰی وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝[4]۔ وقال اللہ تعالٰی وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ[5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اللہ تعالٰی کے نازل کئے ہوئے پر حکم نہ کریں تو وہ لوگ ظالم ہیں۔ (ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو حکم دیا گیا کہ اس سے انکار کریں۔ (ت)

(۷) زانی کے نکاح پر زنا سے کوئی اثر نہیں پڑسکتا مگر یہ کہ اس سے مصاہرت ثابت ہو جیسے اپنی

[1] درمختار کتاب النکاح ۱/۱۹۰ وکتاب الحظر والاباحۃ ۲/۲۵۴ مجتبائی دہلی
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۵۹۶ و ۵۹۷
[3] القرآن الکریم ۶۵/۱
[4] القرآن الکریم ۵/۴۵
[5] القرآن الکریم ۴/۶۰

زوجہ کی ماں یا بیٹی سے۔

(۸) اگران لوگوں نے زانی وزانیہ کی توبہ کے بعد ان سے میل جول کیا ہے توان پر اس سے کچھ الزام نہیں اور اس بناپر ان کاحقہ پانی بند کرنا ناجائز ہے، اور اگر بغیر توبہ کئے میل جول کرلیا تو بیجا کیا اس حالت میں بطور تنبیہ انکا حقہ پانی بند کرنے میں حرج نہیں، توبہ کے لئے اولیاء کا مواجہہ ضرور نہیں، ہاں بنظر حق العبد ان کی معافی کی ضرورت ہے مگر بغیر اس کے جتنی توبہ کی ہے وہ بھی نامعقول سمجھی جائے، یہ محض باطل ہے۔ دیوبندی عقیدے والے خود مرتد ہیں اور ان سے میل جول مطلق حرام۔ اس واقعہ پر اس کو بنا کرنااور یہ نہ ہوتا توان سے میل جول رکھنا جہل وضلالت ہے، یونہی وہ جو دیوبندیہ سے میل جول رکھتا ہوا گرچہ اپنے آپ کو سنی کہتا ہو سخت فاسق ہے اور مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم ظالم لوگوں کی طرف میلان نہ کرو ورنہ تمہیں آگ چھولے۔ (ت)

(۹) یہاں ترک تعلق کے سوا کوئی سزاجاری نہیں ہوسکتی اور زنائے زن سے شوہر پر کچھ الزام نہیں جبکہ وہ اس پر راضی نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی جان دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہ اٹھائے گی (ت)

(۱۰) اگر وہ زنامیں ساعی تھے یا بعد زنا بلاتوبہ انکے حامی ہوئے تو بھی مستحق سزائے شرع ہیں ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۵: ۲۸صفر ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں معنی کہ مثلاً زید کہ باخالد دوستی دارد و بازنِ او مرتکب فعل زنا شد و خالد ازیں امر کہ مکروہ ترونا پسندیدہ ترنزد او بود درروادار تفضیح در سوائے زید نشدہ وبدیں سبب کہ دوست او بود اورانزد قاضی برائے مواخذہ واجرائے حد شرع نہ برد بلکہ چشم پوشی کرد	علماء دین ومفتیانِ شرع متین کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید خالد کا دوست تھااور اس کی بیوی سے زید نے زنا کیا تو خالد اس بدترین فعل کے باوجود زید سے رواداری کرتے ہوئے اس کی ذلت ورسوائی کے درپے نہ ہوااور دوستی کی وجہ سے قاضی کے ہاں مواخذہ اور شرعی حد کے لئے اس کو پیش نہ کیا بلکہ چشم پوشی

[1] القرآن الکریم ۱۱/۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۶/۱۶۴و۳۵/۱۸

بکراہت تمام، و بہمیں اکتفا کرد کہ الٰان او راز دوستی خود خارج کرد و زن خود را طلاق داد یا درصورتیکہ ایں زن توبہ کرد اوراز زوجیت خود خارج نکرد پس این چشم پوشی خالد کہ نسبت زید واقع شد چہ گونہ است آیا داخل احسان و مروت است یانے؟ بینواتوجروا۔	سے کام لیا اور انتہائی ناراضگی کے باوجود صرف اتنا کیا کہ اب زید سے دوستی ختم کردی اور اپنی بیوی کو طلاق دے دی، یا بیوی کی توبہ پر اس کی زوجیت سے خارج نہ کیا، زید کے بارے میں خالد کی یہ چشم پوشی کیا حیثیت رکھتی ہے؟ کیا اسے احسان و مروت قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**۔ (ت)

الجواب

بہ نسبت زید احسان بودنش خود پیداست و اگر باوصف غیرت محمودہ شرعیہ محض بہ نیت پردہ پوشی مسلمانان صبر و ستر پیش گرفت خود را داخل **فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ**ؕ[1] ست۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**۔	زید پر احسان ہونے میں کیا شک ہے اور اگر شرعی طور پر پسندیدہ غیرت رکھتے ہوئے مسلمان کی پردہ پوشی کی نیت سے صبر کرتے ہوئے درگزر کیا تو اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں داخل ہے "جس نے معاف کیا اور اصلاح کی کوشش کی تو اس کا اجر اللہ تعالٰی کے کرم پر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۶۶: از سیتا کلاں پرگنہ نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ سید زائر حسین ٹھیکیدار ۲۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

السلامُ علیکم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت قبل شوہر کسی غیر مرد سے اپنے خاوند کے نزدیک مشکوک ہوئی اور مرد کہتا ہے کہ میں نے فعل حرام کیا اور عورت کہتی ہے کہ نہیں، لہٰذا دو شخص مسلمان ہیں، فاعل ازروئے حلف کہتا ہے کہ میں فعل شنیعہ کا مرتکب ہوا اور مفعول کہتا ہے کہ نہیں بلکہ اس کا ایسا ارادہ تھا چونکہ مطلب برآری نہیں ہوئی بدیں وجہ ناحق الزام لگاتا ہے، اب ایسی صورت میں جب فاعل مفعول دونوں محلف بکلام الٰہی ہیں تو کس کا اعتبار کیا جائے، میرے نزدیک دونوں شخص مکر کے پھرتے ہیں اور دونوں حلف اٹھاتے ہیں ایسی صورت میں فاعل سچا یا مفعول سچا یا کیا؟

الجواب:

وعلیکم السلام، وہ مرد عورت دونوں اپنے اپنے حق میں سچے مانے جائیں گے اور دوسرے کے

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۴۰

حق میں جھوٹے، عورت جو انکار کرتی ہے سچ کہتی ہے اسے جو فقط بربنائے قولِ مرد، زنا کی تہمت لگائے سخت گنہگار اور اسی کوڑوں کا سزاوار ہوگا۔ مرد جو اپنے زنا کا اقرار کرتا ہے اسے زانی مانا جائے گا، اسلامی سلطنت ہوتی تو سزا پاتا، اب اسی قدر ہوسکتا ہے کہ اسے برادری سے خارج کیا جائے، مسلمان اس سے میل جول چھوڑدیں جب تک علانیہ توبہ نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷: ذوالفقار گنج شہر بریلی مسئولہ بابو مورخہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین در بارہ زید مقدمہ زنا میں بروقت اطلاع یابی مقدمہ اہل برادری نے چند پنچوں اہل برادری کو برائے تفتیش مقدمہ خاص موقع متنازعہ پر بھیجا موقع پر پہنچ کر تمام سکنائے اہل محلّہ سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ در حقیقت یہ امر صحیح ہے، بدیں وجہ ہمارے یہاں سے خورد ونوش نشست وبرخاست بند ہے لہٰذا بیان ملزمان وشہادت باظہار حلفی گواہان مندرجہ ذیل بخدمت شرع شریف پیش ہے کیا حکم ہے؟ اور ہم لوگوں کو کیا عمل کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

(۱) بیان زید کے لڑکے کی زوجہ کا میرے بارہ میں سب لوگ غلط بیان کرتے ہیں میں نے کسی سے کچھ نہ کہا،

(۲) از طرف گواہان عزیز واقربا: واضح ہو کہ زید کے لڑکے کی زجہ باقرار زنا اس وجہ سے انحراف کرتی ہے کہ اہل برادری نے ملزمان کو تاکیداً منع کردیا تھا کہ ہر گز اس خسر سے کوئی تعلق نہ رکھنا باوجود منع کرنے کے ملزمہ بہمراہی اپنی خواشدامن وخسر کے عدم موجودگی اپنے شوہر کے چلی آئی، معلوم ہوتا ہے کہ بخوبی سکھلا پڑھادی گئی بدیں وجہ یہ انحراف ہے۔

(۳) شہادت باظہار حلفی حافظ عبدالرحمٰن صاحب: زید کی زوجہ کی زبانی معلوم ہوا کہ میرا شوہر زید لڑکے کی بیوی کی چھاتی پکڑتا تھا میں نے منع کیا چھاتی کیوں پکڑتا ہے تجھ کو شرم نہیں معلوم ہوتی؟ جواب دیا میرا مال ہے میں نے بافسوس کہا کہ میرا لڑکا اس بہو نے تو لیا مگر میرا شوہر بھی چھین لیا، یہ ایسی بہو تھی، جبکہ یہ واقعہ زید کے لڑکے کے سامنے بیان کیا تو اس نے خاموشی اختیار کی۔

(۴) باظہار حلفی منشی نبی بخش صاحب پابند صوم وصلوٰۃ: میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ زید کی زوجہ اپنے گھر میں زید سے بغصہ کہتی تھی کہ تم لڑکے کی زوجہ کی چھاتی کیوں پکڑتے ہو تم کو کیا حاصل ہے تم کو شرم نہیں آتی؟ زید نے جواب دیا ہمارا مال ہے ہم کو اختیار ہے۔ بعدہ زید کی زوجہ میرے مکان پر میری زوجہ کے پاس آئی تو اس وقت اس سے دریافت کیا کہ روزانہ تمہارے گھر کیا جھگڑا فساد رہتا ہے؟ جواب دیا کہ اس میرے لڑکے کی بیوی نے لڑکے کو تو لیا مگر میرے خاوند کو بھی چھین لیا ضرور ایک دن خونریزی ہوگی۔

(۵) بیان محمد بخش صاحب: بموجب منشی نبی بخش صاحب کہ فی الواقع صحیح ہے بلکہ ایک دن ایسا اتفاق

ہوا کہ زید نے اپنی نواسی کو جو کہ زید کے پاس بیٹھی تھی اٹھا دیا صرف موقع خالی ہونے کی وجہ سے لڑکی نے اپنی نانی سے شکایت کی کہ مجھ کو نانا نے اپنے پاس سے اٹھا دیا، بعدہ زید کے لڑکے کی بیوی کی چھاتی وغیرہ پکڑی، زید کی زوجہ نے کہا کہ اب ہم کو بخوبی معلوم ہوگیا کہ لڑکے کی بی بی تمہاری بی بی ہے تب سے تو یہ دونے مٹھائی وغیرہ خوب اڑائی جاتی ہے کیوں؟ بہوتو دونے مٹھائی وغیرہ اڑاتی ہے نا!

(۶) بیان شیخ جی صاحب تصدق حسین: میری زوجہ نے لعل محمد کے گھر میں کی چھت پر سے اپنے لڑکے کی زوجہ سے بچشم خود زنا کرتے دیکھا۔

(۷) بیان خیالی رام: میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ زید اپنے لڑکے کی زوجہ کو اپنی طرف بلاتا ہے اور زید کی زوجہ غصہ ہو کر کہتی ہے کہ میں تمہاری بی بی بنی ہوں وہ بھی تمہاری بی بی؟ زید جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ہمارا مال ہے ہم کو اختیار ہے۔

(۸) بیان حلفی گردھاری لال: میں نے بچشم دیکھا کہ زید اپنے لڑکے کی زوجہ کو زبردستی ہاتھ پکڑ کر اندر مکان کے لے گیا وہ ہر چند منع کرتی رہی کہ پچا کیا کرتے ہو، مگر ہرگز نہ مانا۔

(۹) بیان حلفی رحمت حسین پچا کریم بخش دختر کے دادا: بزبانی لڑکی ہم کو یہ معلوم ہوا کہ میری خوشدامن کی عدم موجودگی میں میرے خسر نے بوقت بارہ بجے دن کے جبکہ میں روٹی پکاتی تھی مجھ کو اپنے پاس بلا کر زبردستی کی اور گالی وغیرہ دی، قریب ایک گھنٹہ مجھ کو اپنے پاس کھڑا کیا اور میرے ہاتھ میں کاٹا، بعدہ مجھ سے بوس وکنار کیا، میں نے بحجاب صرف اتنا کہا مگر دیگر رشتہ داروں سے صاف صاف کماحقہ بیان کیا کہ میرے خسر نے مجھ سے زنا کیا۔ ہم کو کافی یقین ہوگیا کہ درحقیقت صحیح ہے بدیں وجہ ہم کو سخت رنج وملال ہوا رشتہ دار گواہ موجود ہیں۔

(۱۰) بیان حلفی مسماۃ غفورن: میرے گھر سب کے سامنے بیان کیا کہ میرے خسر نے مجھ کو دو گھنٹہ ڈانٹ ڈپٹ کی اور مجھ کو اپنے سامنے کھڑا کیا بعدہ میرے ساتھ زنا کیا۔

(۱۱) بیان حلفی گھسن بھوپا صاحب: جبکہ ہم نے دریافت کیا اور کہا کہ سچ کہو یہ کیا قصہ پھیلا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ واقعی میرے خسر نے میرے ساتھ زنا کیا۔

اب صورتِ مذکورہ بالا میں زنا ثابت ہوا یا نہیں؟ اور یہ عورت زید کے لڑکے پر حلال رہی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایسے بیہودہ بے معنی وبے اصل گواہوں سے زنا تو قیامت تک ثابت نہیں ہوسکتا جب تک

چار مرد عاقل بالغ مسلمان پرہیزگار دیندار جو کسی کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوں نہ کسی صغیرہ پر اصرار رکھتے ہوں نہ خفیف الحرکات ہوں حلف شرعی کے ساتھ شہادت دیں، انہوں نے ایک وقت معین میں زید کو ہندہ کے ساتھ زنا کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے یوں مشاہدہ کیا جیسے سرمہ دانی میں سلائی، اس وقت تک زنا شہادت سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ ان شرطوں میں ایک بات بھی کم ہوگی تو خود گواہی دینے والے شرعاً اسی ۸۰ اسی ۸۰ کوڑوں کے مستحق ہوں گے مثلاً تین مسلمان پرہیزگار دیندار نے ویسی گواہی دی کہ سرمہ دانی میں سلائی کی طرح ہم نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا اور چوتھے نے یہ گواہی دی کہ میں نے دونوں کو سراپا برہنہ ایک پلنگ پر بیٹھے ہوئے اور باہم لپٹے ہوئے دیکھا زنا ثابت نہ ہوگا اور پہلے تین کو اسی اسی کوڑوں کا حکم ہوگا یا چاروں مرد مسلمان عاقل بالغ پرہیزگار دیندار نے گواہی دی کہ ہم نے اپنی آنکھ سے سرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھا مگر دو نے کہا کل دیکھا، دو نے کہا آج، یا تین نے کہا صبح دیکھا اور ایک نے کہا تیسرے پہر۔ سب کی گواہیاں مردود، اور زنا ثابت نہیں۔ اور سب پر اسی اسی کوڑوں کا حکم ہوگا۔ ایسی سخت شہادت کا معاملہ وہ ان ناپاک و بیہودہ گواہوں سے ثابت ہوسکتا ہے جن میں خیالی رام و گردھاری لال تک موجود ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور عورتوں کی گواہیاں زنا کے بارے میں مطلق مردود ہیں اگرچہ تین مردوں کے ساتھ نو عورتیں گواہ ہوں، باقی دو ایک میں وہ سنی سنائی گواہی دو کوڑی کے مال میں بھی مقبول نہیں نہ کہ زنا میں، جتنے گواہان مذکور ہیں سب پر توبہ فرض ہے اور کوڑے تو اسلامی سلطنت میں ہوتے، غرض زنا تو بالائے طاق رہا، اب اتنی بات کہ زید کا اپنی بہو سے بارادہ فاسد مثلاً بوس وکنار کرنا جس سے وہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوجائے، ان گواہوں سے اصلاً اس کا بھی کہیں ثبوت نہیں سب سنی سنائی کہتے ہیں کوئی زوجہ زید کی زبانی کوئی اس کی بہو کی زبانی، صرف ایک نبی بخش کی گواہی اتنی ہے کہ اس نے اپنے کان سے زید کو جواب دینے میں سنا کہ میرا مال ہے اور ممکن ہے کہ محمد بخش نے بھی ایسا ہی کہا کہ اس کی گواہی کو مثل نبی بخش کہا ہے، یہ دو شخص پرہیزگار قابل قبول شرع ہوں بھی تو سائل نے بیان کیا کہ ان دونوں سے پردہ ہے انہوں نے سنا تو باہر سے سنا، اور ر باہر سے سنی ہوئی گواہی مردود ہے لان النغمۃ تشبہ النغمۃ[1] کما فی العٰلمگیریۃ وغیرہا (آواز، دوسری آواز کے مشابہ ہوسکتی ہے جیسا کہ عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ ت) اتنی بات بھی اصلاً ثابت نہیں اور وہ عورت اپنے شوہر پر حلال ہے ہاں اگر شوہر خود تصدیق کرے کہ اس کے باپ نے اس کی عورت کے ساتھ بدنیتی سے کچھ افعال مـثل بوس وکنار کئے تو البتہ عورت اس پر حرام مانی جائے گی کہ اس نے اس کو حرام ہونا تسلیم کیا اس پر لازم ہوگا کہ عورت کو فوراً چھوڑدے اور پھر کبھی اس سے نکاح نہ کرسکے گا، اور اگر شوہر تصدیق نہ کرے تو کچھ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۲

مسئلہ ۲۶۸: محمد اختر حسین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کافرہ عورت کے ساتھ اگر کوئی شخص زنا کرے مع اس کی رضاکے، اور خوف شر کا بھی نہ ہو، ایسی حالت میں کیا حکم ہے اور جو شخص اس امر کے جواز کا قائل ہو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

زنا حرام ہے اور کافرہ ذمیہ کے ساتھ زنا کے جواز کا قائل ہو تو کفر ہے ورنہ باطل و مردود بہر حال ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۹: شہر بریلی محلّہ ذخیرہ مسئولہ حبیب اللہ صاحب حجام ۵ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بی بی اپنے بہنوئی کے تنہا ہونے کی وجہ سے اپنی بہن کے فوت ہوجانے کے بعد اس کو روٹی وغیرہ تیار کرکے اس کو ہر طرح کا عیش آرام دیتی رہی، چند روز کے بعد بہنوئی کی دلی محبت پیدا ہو گئی۔ ایک روز زید نے اپنی بی بی کو بہنوئی سے ہم بستر دیکھ کر اپنے مکان پر آنے سے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا تب زید نے اپنے محلّہ والے اور برادری والوں کو جمع کرکے حلف اٹھوایا اور لعنتی طور پر سمجھایا، اس کے بہنوئی نے قسم کھائی کہ اگر میں نے آج تک اس کے ساتھ براکام کیا ہو تو اپنی ماں بہن اور لڑکی کے ساتھ براکام کیا ہو، چند روز کے بعد رات کے بارہ یا ایک بجے پر خود چشم دید خوب اچھی طور پر دیکھتا رہا مگر بسبب مجبوری کے اس سے کچھ نہ کہہ سکا، زید نے مجبور ہو کر دوبارہ محلّہ والوں کو اور برادری والوں کو جمع کرکے طلاق دے دی، اس کے دو تین روز کے بعد وہ اپنے بہنوئی کے یہاں چلی گئی، ابھی تک کسی کو دونوں کا نکاح ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے برادروں نے اس کے کنبہ والے اور عورت کو اور اس کے بہنوئی کو برادری سے علیحدہ کردیا، اگر اس کے کنبے والا یا اس کے برادری والا اس کے شریک ہوں تو شرع شریف ان کے بارے میں کیا کہتی ہے؟

الجواب:

عورت اور اس کے بہنوئی پر توبہ فرض ہے اور عدت کے اندر اس کا چلے جانا یہ دوسرا حرام تھا اس پر فرض ہے کہ عدت اپنے شوہر کے یہاں پوری کرے اگر نہ مانے تو برادری سے جو سزا اسے دی گئی ہے ضرور قائم رکھی جائے کہ اس ملک میں یہی باقی ہے نیز اس کا بہنوئی اگر توبہ نہ کرے تو اس پر بھی یہی حکم ہے بعض لوگ کہ اس سزا کو توڑیں وہ مصلحت شرعیہ کے مخالف ہوں گے اور ان کے فعل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک یہ سزا جو یہاں ہاتھ میں رہ گئی یہ بھی اٹھ جائے اور پنچایتی قوموں کے لوگ بھی اوروں کی طرح ہر گناہ میں آزاد ہو جائیں یہ خود جرم ہے اور مجرموں کی حمایت، لہٰذا اگر باز نہ آئیں تو یہ بھی برادری سے خارج

کرنے کے قابل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰: شہر شاہجہان پور تارمین گلی برمکان حضرت قاری صاحب مرحوم مولوی حکیم سید محمد آزادیزدانی حسرت شاہجہان پوری ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محرماتِ اندی یعنی ماں بہن وغیرہ سے جو جان بوجھ کر نکاح اور صحبت کرے تو اس پر حدِ شرعی نہیں آتی۔ یہ مسئلہ ہدایہ جلد نمبر ا ص ۴۹۶، کنزاردو ص ۱۷۵، ہدایہ مترجم فارسی جلد ۲ ص ۳۴ میں ہے، آیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

گناہ تین قسم ہیں:

[1]ایک ہلکے کہ حد کی حد تک نہ پہنچے، جیسے اجنبیہ سے بوس و کنار، ان پر حد مقرر نہیں ہوگی کہ ان کی مقدار سے زیادہ ہے، اور مولیٰ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کسی مجرم کو اس کی حدِ جرم سے زیادہ سزا دے۔ ایسے گناہوں پر تعزیر رکھی جاتی ہے۔

[2]دوسرے وہ اخبث درجہ کے گناہ کہ حد کی حد سے گزرے ہوئے ہیں جیسے صورۃ مذکورہ سوال۔ ان پر بھی حد نہیں رکھی جاتی کہ حد اس گناہ سے پاک کردینے کی ہوتی ہے اور ایسا خبیث گناہ اس حد سے پاک نہیں ہوتا۔

[3]تیسرے متوسط درجہ، ان پر حدود ہیں۔ اس کی نظیر پیشاب اور شراب، پیشاب شراب سے خبیث تر ہے کہ کبھی شریعت میں اس کی ایک بوند حلال یا طاہر نہ ٹھہر سکی، بایں وجہ شراب پینے پر حد ہے اور پیشاب پینے پر حد نہیں، یونہی اجنبیہ سے زنا پر حد ہے اور محارم سے نکاح پر نہیں کہ وہ خبیث کام ہے جسے حد سنبھال نہیں سکتی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ ضلع ایٹہ مسئولہ سید غلام شبر ۲۰ رمضان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بیوہ زنِ پارسا مکان سے تفریحاً شب ماہ میں بین المغرب والعشاء دروازہ کے سامنے مشرق و مغرب پچاس قدم کے فاصلہ سے اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ ٹہلتی تھی اور ہندہ کا چچازاد بھائی زید بھی ساتھ تھا ہندہ نے جبکہ آگے شارع عام کی طرف بڑھنے کا قصد کیا تو زید مانع ہوا اور کہا مردانہ مکان ہے یہ مقام شارع عام ہے بس آگے نہ جایئے اندر زنانے میں چلئے، یہ کہہ کر زید نے ہندہ کے پس پشت سے ہندہ کے بازو پکڑ کر دروازے کی طرف پھیر دیا، ہندہ نے زید کے کلام کی تردید کی اور چند قدم مردانے مکان کی طرف جاکر پھر از خود زنانے مکان میں چلی گئی، چند روز بعد جبکہ ہندہ سے کئی نامشروع حرکات سرزد ہوچکیں اور زید پھر مانع ہوا اسوقت ہندہ نے اس کا اظہار کیا کہ زید نے بھی فلاں روز میرے جسم کو بدنیتی سے

ہاتھ لگایا تھا یعنی مذکورہ بالا واقعہ کا اظہار کیا، زید نے جواب دیا کہ میری روک ٹوک یا جسم کو ہاتھ لگانا واللہ باللہ کسی بدنیتی سے نہ تھا اگر آپ کے نزدیک وہ بدنیتی تھی یا اب ہے تو میں ضرور مستحق ہوں آپ یا تو مجھے معاف فرمائیں یا از روئے کتاب و سنت سزادیں مجھے ہر گز عذر نہیں کہ میرا امر آپ کے متعلق کتاب وسنت کے خلاف نہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ اب ہندہ کو پورا گمانِ بد زید کی جانب ہے لہذا جواب عطا ہو کہ زید کا یہ فعل ونیت ظاہری اور ہندہ کی یہ حرکت وتردید کتاب وسنت میں کیسی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں ہندہ کا گناہگار و بیحیا ہونا ظاہر ہے، رہا زید بیان مذکور سے اس کا اصل مقصود ہندہ کو بری بات سے منع کرنا اور بیحیائی سے روکنا معلوم ہوتا ہے اس پر وہ مستحق اجر ہے نہ کہ سزاوارِ سزاو زجر۔ پھر اس کا پس پشت سے ہندہ کو بازو پکڑ کے شارع عام سے مکان کی طرف پھیر دینا اگر اس طرح ہو کہ اس کے ہاتھوں اور ہندہ کے جسم میں موٹا کپڑا حائل تھا کہ جسم ہندہ کی گرمی اس کے ہاتھوں کو پہنچنے سے مانع ہوا جب تو اس پر کچھ الزام نہیں اور اگر ایسا نہ تھا بلکہ ہندہ کے کسی حصہ جسم کو اس کا ہاتھ بلاحائل پہنچا یا حائل باریک تھا کہ گرمی محسوس ہونے سے مانع نہ ہوا تو بیشک زید پر الزام ہے اور اس پر توبہ فرض، اسے چاہئے تھا کہ زبانی ممانعت پر قناعت کرتا یا موٹا کپڑا حائل رکھ کر پھیرتا یا اگر وہ بغیر اس کے نہ مانتی پھر بھی وہ بدنیتی جس کا ہندہ اتہام رکھتی ہے ثابت نہیں، یہ بھی اس کے افعالِ شنیعہ سے ایک فعل ہے کہ مسلمان پر تہمت رکھتی ہے اس کے اقارب پر اس کا بندوبست لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۲: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ ضلع ایٹہ مسئولہ سید غلام شبر ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید زنِ شوہر دار سے کہ اس کی بھاوج ہے مزاح کرتا ہے اور فحش مزاح اور ہاتھا پائی کو بھی جائز رکھتا ہے بلاوسواس موقع بے موقع اس کے جسم کو ہاتھ لگانا مس کرنا رواجانتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا یہ فعل مزاحًا ہے کہ میں اس کے شوہر کے روبرو بھی ایسا ہی مذاق کرتا ہوں اور مذاق میں زید زنِ مذکور کی ٹانگیں پکڑ کر ایک پلنگ سے دوسرے پر اور دوسرے سے تیسرے پلنگ پر گھسیٹتا ہے اور اقربائے فریقین بھی اس کو دیکھ کر کچھ بھی تعرض نہیں کرتے تو کیا شرعًا یہ حرکت اور اقربا کا سکوت جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ حرکات حرام ہیں اور ایسا مزاح ابلیسی مزاح ہے اور اگر شوہر واقعی دیکھتا اور اس پر راضی ہوتا ہے یا بقدرِ قدرت منع نہیں کرتا تو دیوث ہے اور دیوث پر جنت حرام ہے، نیز اقارب فریقین جو منع نہیں کرتے

شریک گناہ و مستحق عذاب ہیں،

قال اللہ تعالٰی کَانُوْا لَا یَتَنَاہَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ ؕ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴿۷۹﴾ [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ ان بد کرداروں کو برائی سے منع نہ کرتے تھے البتہ جو وہ کرتے تھے بہت برا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۳: از موضع علی پور ضلع پڑا مسئولہ منصب علی صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نابالغ یا بالغ نے بکری یا گائے یا بھینس کے ساتھ مجامعت کی اس شخص کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟اور نیز اس جانور کا گوشت کھانا یا پالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نابالغ کو تنبیہ کریں بالغ پر تعزیر ہے جس کا اختیار حاکم کو ہے،وہ جانور ذبح کرکے فنا کردیا جائے گوشت کھال جلائیں،پالا نہ جائے۔درمختار میں ہے:

لایحد بوطی بھیمۃ بل یعزر و تذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھاحیۃ ومیتۃ مجتبی [2]۔	حیوان سے بدفعلی پر حد نہیں ہے بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے اور جانور کو ذبح کرکے جلادیا جائے کیونکہ اس جانور مردہ یا زندہ سے انتفاع حاصل کرنا مکروہ ہے،مجتبٰی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا اذاکانت ممالایؤکل فان کانت تؤکل جازاکلھا عندہ وقالالاتحرق ایضازیلعی ونھر [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ حکم اس جانور کے متعلق ہے جس کو کھایا نہیں جاتا،اور اگراس کو کھایا جاتا ہوتو کھانا جائز ہے،امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا اسکو جلا بھی دیا جائے زیلعی ونہر۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسئلہ ہذامیں کہ ایسے شخص سے ملنااور

---

[1] القرآن الکریم ۵/۷۹

[2] درمختار باب الوطئ الذی یوجب والذی لایوجبہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۰

[3] ردالمحتار باب الوطئ الذی یوجب والذی لایوجبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۵۵

راہ ورغبت کرنا کیسا ہے جو باوجود تنبیہ لوگوں کے اپنی بہن بھانجی زانیہ کو اپنے گھر سے نہیں نکالتا ہے اور نہ اس سے ملنا ترک کرتا ہے اور ایک بار حلف اٹھاچکا ہے کہ نہیں ملوں گا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب

اس شخص پر اتنا واجب ہے کہ اس عورت کو سمجھائے فہمائش کرے، اگر کسی سختی جائز پر قدرت رکھتا ہو اسے بجالائے، جو بندوبست اس کے ہاتھ ہو اس میں کوتاہی نہ کرے، اگر یہ شخص سب باتیں کرتا ہے اور وہ باز نہیں آتی تو اس کا وبال اسی پر ہے اس پر کچھ نہیں کہ اللہ تعالٰی ایک کے گناہ میں دوسرے کو نہیں پکڑتا۔

قال تعالٰی وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی جان دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہیں اٹھائے گی۔ (ت)

اور اگر یہ شخص اس کی اس حرکت پر ناراض ہے مگر فہمائش وغیرہ میں کمی کرتا ہے تو گنہگار ہوگا کہ نیک بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا جہاں تک اپنی قدرت میں ہو مسلمان پر ضرور ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من راٰی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ ذٰلك اضعف الایمان[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے اور اگر ہاتھ سے طاقت نہ ہو تو زبان سے اگر اس سے بھی طاقت نہ رکھے تو پھر دل سے براجانے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ (ت)

مسلمان اسے فہمائش کریں اور اگر یہ شخص ان حرکات پر راضی ہو تو **معاذ اللہ** دیوث ہے مسلمان اسے سمجھائیں، اگر باز نہ آئے تو اس سے میل جول چھوڑدیں،

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[3] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) نصیحت یاد آنے کے بعد پھر ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/۱۶۴و۳۵/۱۸

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱

[3] القرآن الکریم ۶/۶۸

مسئلہ ۲۷۵: از ڈیرہ غازی خاں بلاک ۱۲ مرسلہ مولوی احمد بخش صاحب ۲۱ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

حضرت ملک العلماء والفضلاء ثقتی ورجائی ادام اللہ تعالٰی ظلہ علٰی رؤس المستفیضین، نیاز بے انداز وشوق زیارت کے بعد جن کا کوئی حداندازہ نہیں۔ گزارش اس پہاڑی علاقہ میں بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ زانی ومزنیہ کو زنا کی حالت میں قتل کرڈالتے ہیں، اور بعض واقعات یہ ہیں کہ جب ان کے نزدیک عورت کا کسی بیگانہ کے ساتھ بیٹھتا ہوا یا آتا جاتا ہوا دیکھتے ہیں تو پہلے چند مرتبہ اسے منع کرتے ہیں اور اس کے باز نہ رہنے کے بعد اس عورت کو قتل کردیتے ہیں اور اگر کرسکتے ہیں تو اس شخص بیگانہ کو بھی نہیں چھوڑتے، بموجب شرع شریف ان دونوں صورتوں میں قاتل گنہگار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جناب مولٰنا المکرم ذی الفضل الاتم والمجد والکرم دامت مکارمہ، اس سلسلہ میں اضطراب کثیر ہے اور وہ جو فقیر کو کتب معتمدہ دلائل شرعیہ سے تحقیق ہوا یہ ہے کہ صورت ثانیہ میں ان مرد وزن کا قتل محض حرام ہے، فقط آنے جانے اٹھنے بیٹھنے کی سزا شریعت نے بھی قتل نہ رکھی، نہ اس قدر خلوت کو مستلزم، اور حق یہ کہ مجرد خلوت بلکہ دواعی پر بھی شرع مطہر نے قتل نہ رکھا، اور سیاست کا اختیار غیر سلطان کو نہیں بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں **کل ذٰلك معلوم من الشرع بلاخفاء** (یہ سب کچھ شرع سے بلاخفاء معلوم ہے۔ت) لاجرم یہ ناحق قتل مسلم ہوا اور وہ سخت کبیرہ شدیدہ ہے اور قاتل پر قصاص عائد۔ صورتِ اولٰی میں بھی حکم مطلق نہیں بلکہ واجب کہ پہلے زجر وضرب وقہر کریں، اگر جدا ہوجائیں تو اب عامہ کو اس کا قتل حرام ہے، ہاں شہاداتِ اربع گزریں یا مروجہ شرعی چار مجلسوں میں چار اقرار ہوں، تو ان میں جو محصن ہو سلطان اسے رجم فرمائے گا، نہایہ امام سغناقی پھر عالمگیریہ میں ہے:

سئل الهندوانی رحمه الله تعالٰی عن رجل وجد مع امرأته رجلا ایحل له قتله قال ان کان یعلم انه ینزجر عن الزناء بالصیاح والضرب بمادون السلاح لایحل وان علم انه لاینزجر الابالقتل	امام ہندوانی سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو بدفعلی کرتے ہوئے موقعہ پر پائے تو اس کو جائز ہوگا کہ اس غیر مرد کو موقعہ پر قتل کردے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا اگر خاوند کو یقین ہو کہ یہ زانی شور مچانے یا پٹائی کرنے سے باز آجائے تو قتل کرنا حلال نہ ہوگا اور اگر خاوند کو یقین ہو کہ ڈانٹ ڈپٹ سے باز نہ آئے گا بلکہ قتل

حل له القتل وان طاوعته المرأة حل له قتلها ایضا كذا في النهاية[1]۔	ضروری ہے تو قتل کرنا حلال ہوگا اور اگر بیوی کی مرضی اس میں شامل ہے تو اس کو بھی قتل کرنا حلال ہوگا جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر نہ مانیں تو اس صورت میں اگرچہ زانی کو مطلقاً اور عورت کو بھی اگر مکرمہ نہ ہو صرف عین حالتِ اشتغال میں نہ بعد اس سے فراغ کے قتل ازالہ منکر ہے اور اس کے لئے سلطان ہونا شرط نہیں۔

قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده[2] الحدیث۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے۔ الٰی آخر الحدیث۔ (ت)

پھر ہندیہ میں ہے:

قالوا لکل مسلم اقامة التعزیر حال مباشرة المعصیة بعد المباشرة فلیس ذٰلك لغیر الحاکم قال فی القنیة رأی غیره علی فاحشة موجبة للتعزیر فعزره بغیر اذن المحتسب فللمحتسب ان یعزر المعزر ان عزره بعد الفراغ منها[3]	فقہاء نے فرمایا: گناہ میں مصروف کو روکنے کے لئے ہر مسلمان کو تعزیر کا حق ہے، لیکن گناہ سے فراغت کے بعد کسی پر تعزیر لگانا صرف حاکم کا حق ہے۔ قنیہ میں فرمایا: کسی غیر کو ایسے گناہ میں مصروف پایا جس پر تعزیر واجب ہو سکتی ہے تو محتسب کی اجازت کے بغیر لگائی تو جائز ہے اور اس گناہ سے فراغت کے بعد تعزیر لگانے والے کو محتسب چاہے تو تعزیر لگا سکتا ہے۔ (ت)

مگر یہ امر فیما بینہ وبین اللہ ہے حاکم نہ مانے گا اور جب تک بینہ عادلہ سے ثبوت نہ دے اسے قتل کریگا یا اگر مقتول معروف و مشہور بخباثت وشرور وعادت زنا وفجور ہے قاتل سے اس کا خوں بہالے گا۔ درمختار میں ہے:

الاصل ان کل شخص رأی مسلما یزنی ان یحل له قتله وانما یمتنع خوفا من ان لایصدق انه زنی[4]۔	قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کو زنا میں مصروف پائے تو ہر شخص کو اسے قتل کرنا حلال ہے، اور اس خوف سے کہ قتل کے بعد قاضی کے ہاں اس کا زنا ثابت نہ کرسکے گا قتل سے باز رہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التعزیر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۶۷

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱

[3] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التعزیر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۶۷

[4] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۶

ردالمحتار میں ہے:

عزاہ بعضھم ایضا الی جامع الفتاوٰی وحدود البزازیۃ وحاصلہ انہ یحل دیانۃ لاقضاء فلایصدقہ القاضی الاببینۃ، ولاظاہر انہ یأتی ھنا التفصیل المذکور فی السرقۃ وھو مافی البزازیۃ وغیرہا ان لم یکن لصاحب الداربینۃ فان لم یکن المقتول معروفا بالشروالسرقۃ قتل صاحب الدار قصاصًا وان کان متھما بہ فکذٰلك قیاساوفی الاستحسان تجب الدیۃ فی مالہ لورثۃ المقتول لان دلالۃ الحال اورثت شبھۃ فی القصاص لافی المال[1]۔	اس بات کو بعض نے جامع الفتاوی اور بزازیہ کے باب الحدود کی طرف بھی منسوب کیا ہے، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ بات دیانۃً جائز ہے قضاءً نہیں، لہذا قاضی زنا کو بغیر گواہی کے تسلیم نہ کرے گا، اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں وہ تفصیل مراد ہوگی جو سرقہ کے باب میں بیان ہوئی ہے اور وہ بزازیہ وغیرہ میں یوں ہے (گھر والے نے چور کو موقعہ پر قتل کردیا) تو گھر والے کے پاس چوری پر گواہ نہ ہوں اور وہ مقتول جرائم اور چوری میں مشہور بھی نہ ہو تو قاضی قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کرے گا، اور مقتول چور اگر چوری میں مشہور ہے تو قیاس پھر بھی یہی حکم کرتا ہے جبکہ استحسان یہ ہے کہ اس صورت میں گھر والے قاتل کو قتل کی بجائے دیت لازم ہوگی جو مقتول کے ورثاء کو دینی ہوگی کیونکہ موقعہ نے قصاص کے متعلق شبہہ پیدا کیا جس کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے گا لیکن مالی سزا یعنی دیت میں شبہہ پیدا نہ کیا۔ (ت)

یہ ہے وہ جو فقیر کے نزدیک منقح ہوا۔

وھا انا اذکر لکم فی الدرالمختار وماعارضہ بہ فی ردالمحتار وماتکلمت علیہ فی جدالممتار لیتجلی الامر جلاء النھار وما توفیقی الاباللہ العزیز الغفار قال فی تنویر الابصار والدرالمختار (ویکون) التعزیر (بالقتل)	اور اب میں آپ کو درمختار اور اس پر ردالمحتار نے معارضہ پیش کیا اور پھر میں نے جدالممتار میں جو اس پر کلام پیش کیا ہے، پیش کرتا ہوں تاکہ روز روشن کی طرح معاملہ واضح ہو جائے جبکہ مجھے صرف اللہ تعالٰی سے توفیق حاصل ہوئی، تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا: (تعزیر کے طور پر قتل کی صورت یہ ہے) مثلاً

[1] ردالمحتار باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۰

کمن وجد رجلا مع امرأة لاتحل له، ولو اکرھھا فلھا قتله ودمه ھدر وکذاالغلام وھبانیة(ان کان یعلم انه لاینزجر بصیاح وضرب بما دون السلاح والا) بان علم انه ینزجر بما ذکر (لا)یکون بالقتل (وان کانت المرأة مطاوعة قتلھما) کذاعزاہ الزیلعی للھندوانی ثم قال(و)فی منیة المفتی(لوکان مع امرأته و ھو یزنی بھا او مع محرمه وھما مطاوعان قتلھما جمیعا)اھ واقرہ فی الدررقال فی البحرومفادہ الفرق بین الاجنبیة لایحل القتل الا بالشرط المذکور من عدم الانزجار المزبور وفی غیرھا یحل(مطلقا)اھ، وردہ فی النھر بما فی البزازیة وغیرہا من التسویة بین الاجنبیة وغیرھا ویدل علیه تنکیر الھندوانی للمرأۃ ،نعم

ایک شخص نے کسی مرد کو غیر محرم کے ساتھ پایا تو اگر عورت سے جبراً زنا کر رہا ہو تو اس عورت نے زانی کو موقعہ پر قتل کردیا یا لڑکے سے جبراً بدفعلی کرتے ہوئے لڑکے نے اس کو قتل کردیا ہو تو یہ قتل مباح ہوا اور اس کا خون معاف ہے، وہبانیہ۔ بشرطیکہ قتل کرنے والے کو یقین ہو کہ یہ شور مچانے یا ہتھیار سے کم کی ضرب سے باز نہ آئے گا، (ورنہ) اگر معلوم ہو کہ مذکورہ کوشش سے باز آجائیگا تو پھر (روانہیں) یعنی باز کرنے کے لئے قتل مباح نہیں ہے اور اگر (مرد کے ساتھ عورت بھی مرضی سے مبتلائے زنا ہو تو موقعہ دیکھنے والا دونوں تو قتل کردے) اس کو زیلعی نے ہندوانی کی طرف ایسے ہی منسوب کیا ہے، پھر کہا (اور) منیۃ المفتی میں ہے (اگر اس کی بیوی کے ساتھ کوئی زنا میں مصروف ہے یا اس کی محرمہ عورت کے ساتھ مصروف زنا ہے اور دونوں کی مرضی شامل ہے تو (دونوں کو قتل کردے) اھ، اور اس بات کو درر میں ثابت رکھا ہے، اور بحر میں فرمایا کہ اس بحث کا مفاد یہ ہے کہ اجنبی عورت اور اپنی بیوی یا محرمہ عورت میں فرق ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھ مصروف زنا پائے تو مذکورہ شرط کہ شور یا ہتھیار کے بغیر باز نہ کے بغیر قتل حلال نہ ہوگا، اور اجنبی عورت کے غیر یعنی بیوی یا محرمہ عورت کی صورت میں قتل حلال ہے (مطلّقا) اھ، اور اس کو نہر میں بزازیہ وغیرہ کے بیان پر کہ تمام عورتوں یعنی اجنبی اور غیر اجنبی کا معاملہ مساوی ہے، رد کیا ہے۔ اور اس پر ہندوانی کے بیان میں عورت کو نکرہ ذکر کرنا بھی دلالت کرتا ہے کہ کوئی عورت ہو،

ماقی المنیة مطلق فیحمل علی المقید لیتفق کلامهم، ولذا جزم فی الوهبانیة بالشرط المذکور مطلقا وهو الحق بلاشرط احصان لانه لیس من الحد بل من الامر بالمعروف وفی المجتبی الاصل ان کل شخص رأی مسلما یزنی انه یحل له قتله وانما یمتنع خوفا من ان لایصدق انه زنی[1] **وکتبت علیه فی جدالممتار قوله** وفی غیرها یحل **اقول:** المقصود ازالة المنکر ومهما حصل بغیر القتل تعین ذٰلك الغیر ولیست السیاسة لغیر الامام والقتل فی الزوجة والمحرم دون الاجنبیة لایکون الاانتصارالنفسه وازالة المنکرللّٰه عزوجل ولافرق فیه بین الاجنبیة وغیرها فالکل اماء اللّٰه تعالٰی علی السواء وفیه حدیث سعد بن عبادة رضی اللّٰه تعالٰی عنه ونهی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ایاه عن القتل فالحق عندی التسویة بین النساء والتقیید لعدم الانزجار بغیر القتل مطلقا	اگرچہ منیۃ المفتی میں اطلاق ہے، تواس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا تاکہ سب کا کلام متفق قرار پائے، اسی لئے وہبانیہ نے مذکورہ شرط کا مطلقًا جزم کیا ہے اور یہی حق ہے اس قتل میں کسی کا شادی شدہ ہونا شرط نہیں کیونکہ یہ موقعہ کا قتل حد نہیں بلکہ امر بالمعروف کی صورت ہے، اور مجتبٰی میں ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو زنا میں مصروف پائے تواس کو قتل کرنا حلال ہے لیکن بعد میں زنا ثابت نہ کرسکنے کے خوف سے قتل نہ کرے۔ میں نے تنویر اور در کی اس عبارت پر جدالممتار میں یہ لکھا ہے **قولہ** کہ غیر اجنبی عورت میں حلال ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) مقصود تو برائی کا ازالہ کرنا ہے تو جب تک قتل کے بغیر ازالہ ممکن ہو تو یہ غیر قتل کی صورت متعین قرار پائے گی، جبکہ سیاسۃً قتل کرنا امام وقت کے غیر کے لئے جائز نہیں ہے، اور بیوی اور محرمہ کے معاملہ میں قتل کرنا تو اپنے مفاد کے لئے ہے جبکہ برائی کا ازالہ اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہوتا ہے اس معاملہ میں اپنی اور اجنبی عورت برابر ہیں، تمام عورتیں اللہ تعالٰی کی باندیاں ہونے میں برابر ہیں، اس حکم میں مساوات کے بارے میں سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے کہ ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قتل سے منع فرمایا: تو میرے نزدیک اجنبی اور غیر اجنبی عورت کا معاملہ مساوی ہے لہٰذا قتل کے جواز کے لئے قتل کے بغیر باز نہ آنے والی شرط عام ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۶

كما مشى عليه الشارح المدقق متابعا للعلامة مدقق عمرو بن نجيم رحمهم الله تعالى۔ **قوله** ويدل عليه تنكير الهندواني للمرأة **اقول:** بل هو نص جوابه فانه انما سئل عمن وجد مع امرأته رجلا كما في الهندية عن النهاية فشمل الحكم المحارم بدلالة المساواة والاجنبية بدلالة الاولوية فالتنكير من الناقلين عنه ما معنى[1] اھ ما كتبت عليه۔

وقال في ردالمحتار **قوله** (مع امرأته) ظاهره ان المراد الخلوة بها وان لم ير منه فعلا قبيحا كما يدل عليه ما يأتي عن منية المفتي كما تعرفه فافهم (قوله فلها قتله) اى ان لم يمكنها التخلص منه بصياح اوضرب والالم تكن مكرهة فالشرط الأتي معتبر هنا ايضا كما هو ظاهر ثم رأيته في كراهة شرح الوهبانية ونصه لواستكره رجل امرأة لها قتله وكذا

جیسا کہ اس کو شارح نے علامہ مدقق عمرو بن نجیم کی پیروی میں سب میں جاری مانا ہے رحمہم اللہ تعالٰی۔

قولہ اس پر ہندوانی کا عورت کو نکرہ ذکر کرنا دلالت کرتا ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) بلکہ انہوں نے اپنے جواب میں اس کو نصًّا ذکر کیا ہے کیونکہ ان سے سوال یہ ہوا تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو مصروف زنا پائے، جیسا کہ ہندیہ میں نہایہ سے منقول ہے تو ان کے جواب کا حکم محرمہ عورت کو بیوی کی مساوات سے اور اجنبی عورت کو اولویت کی وجہ سے سب کو شامل ہوا تو ہندوانی کے جواب کو نقل کرنے والوں کی تنکیر کا کوئی معنی نہیں ہے۔ میرا حاشیہ ختم ہوا۔ (ت)

وقال في ردالمحتار (اور ردالمحتار میں فرمایا) **قولہ** "اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پایا" اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ خلوت میں ہوا اگرچہ بدفعلی میں مصروف نہ دیکھے، جیسا کہ آئندہ منیۃ المفتی کی عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے آپ کو معلوم ہوجائیگا تو غور کرو، قولہ فلھا قتلہ یعنی اگر عورت اس سے شور مچانے یا ہتھیار کے بغیر کسی ضرب سے چھٹکارا نہ پائے تو قتل کرے، ورنہ اگر چھٹکارا ممکن ہو تو پھر عورت مجبور نہ ہوگی (جبکہ قتل کا جواب صرف مجبور عورت کے لئے ہے) تو یہاں بھی آئندہ ذکر ہونیوالی شرط معتبر ہے، جیسا کہ ظاہر ہے پھر میں نے اسکو وہبانیہ کی شرح کی کراہت کے باب میں دیکھا، جس کی عبارت

[1] جد الممتار على ردالمحتار

الغلام فان قتله فدمه هدر اذا ² لم يستطع منعه الابالقتل اھ فافهم، **قوله**(ان كان يعلم)شرط للقتل الذى تضمنه قوله كمن وجد رجلا **قوله**(ومفاده الخ) توفيق بين العبارتين حيث اشترط فى الاولى العلم بانه لاينزجر بغير القتل ولم يشترط فى الثانية فوفق بحمل الاولى على الاجنبية والثانية على غيرها وهذا بناء على ان المراد بقوله فى الاول مع امرأة اى يزنى بها ³ ومايأتى الكلام عليه، **قوله**(مطلقا)زادالمصنف على عبارة المنية متابعة لشيخه صاحب البحر **قوله** بمافى البزازية وغيرها)اى كالخانية ففيها لورأى رجلا يزنى بامرأته او امرأة اخر وهو محصن فصاح به فلم يهرب ولم يمتنع عن الزنا حل له قتله ولا قصاص عليه اھ **قوله**(فيحمل على المقيد)اى	یہ ہے: اگر کسی شخص نے عورت کو زنا پر مجبور کیا تو عورت کے لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے، اور یوں ہی لڑکے کو بدفعلی پر مجبور کرنے پر لڑکے کا اس کو قتل کرنا جائز ہے اس صورت میں خون معاف ہوگا بشرطیکہ قتل کے بغیر روکنے کا کوئی چارہ نہ ہو اھ، تو غور کرو، قولہ (ان کان یعلم) یہ عبارت اس قتل کے لئے شرط کا بیان جو اس کے قول" جیسے کوئی کسی مرد کو پائے" کے ضمن میں مذکور ہے، **قولہ** (ومفادہ) یہ عبارت دونوں مذکور عبارتوں میں موافقت ہے جبکہ پہلی عبارت میں قتل کے بغیر باز نہ آنے کے یقین کی شرط ہے اور دوسری عبارت میں یہ شرط مذکور نہیں ہے تو انہوں نے پہلی عبارت کو اجنبی عورت کے واقعہ پر محمول کیا، تو یہ اس صورت میں ہے جب پہلی عبارت میں، عورت کے ساتھ ہونے کا مطلب زنا میں مصروف ہونا ہو، اور اس پر اعتراض آرہا ہے، **قولہ** (مطلّقا) یہ منیۃ المفتی کی عبارت پر مصنف نے اپنے شیخ صاحب بحر کی اتباع میں زائد ذکر کیا، قولہ (بما فی البزازیۃ وغیرہا) یعنی جیسے خانیہ میں کہ اس میں ہے کہ کوئی کسی کو اپنی بیوی یا دوسری عورت سے زنا میں مصروف پائے اور وہ زانی شادی شدہ ہو تو اس نے اس پر شور مچایا اس کے باوجود وہ زنا کو چھوڑ کر نہ بھاگا تو دیکھنے والے کو جائز ہے کہ اسے قتل کردے اور اس پر قصاص نہ ہوگا، **قولہ**(فیحمل علی

يحمل قول المنية قتلهما جميعا على ما اذا علم عدم الانزجار بصياح او ضرب قلت وقد ظهر لي في التوفيق وجه اخر وهو ان الشرط المذكور انما هو فيما اذ وجد رجلا مع امرأة لاتحل له قبل ان يزني بها فهذا لا يحل قتله اذا علم انه ينزجر بغير القتل سواء كانت اجنبية عن الواجد او زوجة له او محرما منه اما اذا وجده يزني بها فله [۴] قتله مطلقا ولذا قيد في المنية بقوله وهو يزني واطلق قوله قتلهما جميعا وعليه فقول الخانية الذي قدمناه انفا فصاح به غير قيد، و [۵] يدل عليه ايضا عبارة المجتبى الاتية. ثم رأيت في جنايات الحاوي الزاهدي [۶] ما يؤيده ايضًا حيث قال رجل رأى رجلا مع امرأته يزني بها او [۷] يقبلها او يضمها الى نفسه وهي مطاوعة فقتله او قتلهما لاضمان عليه ولا يحرم من ميراثها ان اثبته بالبينة او بالاقرار، ولو

المقید (یعنی منیہ کے قول دونوں کو قتل کرنے کو اس پر محمول کیاجائے کہ جب معلوم ہو کہ شور یا کسی ضرب سے وہ باز نہ آئیگا (تو دونوں کو قتل کردے) مجھے یہاں دونوں عبارتوں میں موافقت کی ایک اور وجہ ظاہر ہوئی ہے، وہ یہ کہ مذکورہ شرط وہاں ہوگی جہاں وہ عورت کے ساتھ کسی کو پائے تو زنا میں مصروف ہونے سے قبل قتل حلال نہ ہوگا، پھر جب اسے یقین ہو کہ شور یا کسی اور ضرب سے باز آجائیگا تو قتل حلال نہ ہوگا، خواہ وہ عورت اجنبیہ ہو یا دیکھنے والے کی بیوی یا محرمہ ہو، لیکن جب وہ اس کو زنا میں مصروف پائے تو مطلقًا قتل جائز ہے اس لئے منیہ میں زنا میں مصروف ہونے کی قید کو ذکر کیا، اور دونوں کی قتل والی صورت میں اس قید کو ذکر نہیں کیا، اس پر لازم آتا ہے کہ خانیہ کی سابق مذکورہ عبارت تو اس نے اس پر شور مچایا، یہ قید نہ ہوگی، جبکہ اس پر مجتبی کی آنے والی عبارت بھی دلالت کررہی ہے، پھر میں نے حاوی زاہدی کے جنایات کے باب میں دیکھا کہ اس کی عبارت بھی اس کی تائید کررہی ہے، جہاں انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے کسی کو اپنی بیوی سے زنا میں مصروف یا بوس وکنار یا معانقہ کی حالت میں دیکھا جبکہ بیوی کی مرضی بھی شامل تھی تو اس نے مرد یا دونوں کو قتل کردیا تو اس پر کوئی ضمان نہ ہوگا، اور بیوی کی میراث سے بھی محروم نہ ہوگا بشرطیکہ بعد میں وہ اس جرم کو گواہی یا اقرار سے ثابت کرسکے اور

رأی رجلا مع امرأته فی مفازة خالیة اوراٰہ مع محارمه هکذا ولم یر منه الزنا ودواعیه قال بعض المشائخ حل قتلهما وقال بعضهم لایحل حتی یری منه العمل ای الزنا ودواعیه ومثله فی خزانة الفتاوٰی اھ وفی سرقة البزازیة لورأی فی منزله رجلا مع اهله او جاره یفجر وخاف ان اخذه ان یقهره فهو فی سعة من قتله ولو کانت مطاوعة له قتلهما[8] فهذا صریح فی ان الفرق من حیث رؤیة الزنا وعدمها تأمل، **قوله** (مطلقا)ای بلافرق بین اجنبیة وغیرها **قوله** (وهو الحق)مفهومه ان مقابله باطل،ولم یظهر من کلامه مایقتضی بطلانه،بل مانقله بعده عن المجتبٰی[9] یفید صحته و[10] قد علمت مماقررناه مایتفق به کلامهم واما کون ذٰلك من الامر بالمعروف لامن الحد" فلا یقتضی اشتراط العلم بعدم الانز جار تأمل، **قوله** (بلاشرط احصان)ردعلی مافی الخانیة من قوله وهو محصن کما قدمناه،وجزم به الطرطوسی قال فی النهر	اگر اس نے اپنی بیوی یا اپنی محرمہ عورت کے ساتھ بیابان خالی جگہ میں کسی کو دیکھا لیکن زنا یا دواعی میں مصروف نہ پایا تو بعض مشائخ نے فرمایا اسکو دونوں کا قتل کرنا حلال ہے،اور بعض نے فرمایا جب تک بدفعلی میں مصروف نہ پائے قتل کرنا حلال نہیں ہے،اور اسی طرح خزانۃ الفتاوی میں بھی مذکور ہے اھ،اور بزازیہ کے سرقہ کے باب میں ہے کہ،اگر وہ اپنے گھر میں اپنی بیوی سے کسی شخص یا پڑوسی کو بدفعلی کرتے ہوئے دیکھ لے اور پکڑنے پر خطرہ محسوس کرے کہ زانی غالب رہے گا تو اس صورت میں اس کو قتل کرنے کا جواز ہے اور بیوی کو بھی جرم میں راضی و شریک پایا تو دونوں کو قتل کرنے کا جواز ہے،تو اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ فرق بدفعلی میں مصروف پانے اور نہ پانے کا ہے،غور کرو۔ **قولہ** (مطلقا) یعنی اجنبیہ اور غیر اجنبیہ کے فرق کے بغیر۔ **قولہ** (ھو الحق) یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا مقابل باطل ہے اس کے کلام سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ اس کا مقابل باطل ہے بلکہ اس کے بعد اس نے مجتبی کا جو کلام نقل کیا ہے اس سے اس کی صحت معلوم ہورہی ہے،ہماری تقریر سے ان کے کلام کا متفق ہونا آپ کو معلوم ہوگیا،لیکن محض امر بالمعروف ہونا اور حد نہ ہونا،بازنہ آنے کے علم کی شرط کو نہیں چاہتا،غور کرو۔ **قولہ**(بلاشرط احصان) یہ خانیہ کے قول کہ "وہ شادی شدہ ہو"کا رد ہے،جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔طرطوسی نے اسی پر جزم کیا ہے۔نہر میں فرمایا کہ اس کو

وردہ ابن وھبان بانه لیس من الحد بل من الامر بالمعروف والنھی عن المنکر و ھو حسن فان ھذا المنکر "حیث تعین القتل طریقا فی ازالته فلامعنی لاشتراط الاحصان فیه ولذااطلقه البزازی اھ **قلت** ویدل علیه ان الحد لایلیه الاالامام[1] اھ. وکتبت علیه فی جدالممتار ' **قوله** کما یدل علیه مایأتی عن منیة المفتی ای فانه لما اطلق فیھا الحکم بالقتل عن قید عدم الانزجار قید معیة المرأة بالزنا وھٰھنا الحکم مقید بعدم الانزجار فتکون المعیة مقید ابعدم الزنا کیلا یتعارضا۔

اقول: ولایخفی علیه مافی ھذہ الدلالة من البعد والنظر الی الخارج وابداء جمع بینه وبین کلام اخر لیس منه دلالة ھذاالکلام فی شیئ لاسیما وذلك الجمع غیر متبین ولامتعین لانتفاء التعارض بما افاد الشارح من حمل المطلق

ابن وہبان نے رد کردیا ہے کہ یہ حد نہیں بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، یہ اچھی بات ہے کیونکہ یہ ایسی برائی ہے کہ اس کے ازالہ کے لئے قتل ایک طریقہ ہے لہٰذااس قتل کے لئے شادی شدہ ہونے کی شرط بے معنی ہے اس لئے بزازی نے اس کو مطلق رکھااھ **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) اس پر دلالت یہ بھی ہے کہ حد کو صرف امام ہی نافذ کرسکتا ہے کسی دوسرے کو اس کی ولایت نہیں ہے۔ ردالمحتار کا کلام ختم ہوا۔ میں نے اس پر جدالممتار میں لکھا ہے قولہ کما یدل علیہ مایأتی عن منیۃ المفتی جس طرح کہ اس پر منیۃ المفتی کا آئندہ کلام دلالت کررہا ہے، کیونکہ جب انہوں نے قتل کے حکم کو باز نہ آنے کے علم کی شرط سے عام رکھا جبکہ عورت کے ساتھ ہونے کو زنا سے مقید کیااور یہاں حکم کو باز نہ آنے کے علم سے مقید کیا تو عورت کے ساتھ معیت عدم زنا سے مقید ہوگی تاکہ دونوں باتیں متعارض نہ ہوں،

اقول: (میں کہتا ہوں) اس دلالت کا بعید ہونا آپ پر مخفی نہیں ہے، اور اس سے خارج امور اور اس کلام اور دوسرے کلام کے درمیان جمع کی صورت واضح ہوجانے کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس کلام کی دلالت اس معاملہ میں بالکل نہیں ہے خصوصًا جبکہ یہ جمع و موافقت غیر واضح اور غیر معین ہوجائے اس سبب سے کہ شارح علیہ الرحمۃ نے اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے مطلق

[1] ردالمحتار باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۰۔۱۷۹

علی المقید ثم انما مبناہ علی ماسبق الی خاطرہ رحمہ اللہ من التوفیق الاتی لہ وسیأتیك الکلام علیہ ولیس الامر کماظن بل اصل المسئلۃ للامام الفقیہ الھند وانی سئل عن رجل وجد مع امرأتہ رجلا ایحل لہ قتلہ قال ان کان یعلم انہ ینزجر عن الزنا بالصیاح والضرب بما دون السلاح لایحل وان علم انہ لاینزجر الابالقتل حل لہ القتل وان طاوعتہ المرأۃ حل لہ قتلھا ایضا اھ۔ہندیۃ عن النھایۃ وعنہ اخذفی منیۃ المفتی فعبرعنہ بماتری وسنحقق انہ لایحل القتل فی الدواعی کاللمس والتقبیل والعناق فکیف بمجرد الخلوۃ ولااعلم لہ رحمہ اللہ تعالٰی سلفا فیہ وکیف یحل الاجتراء علی قتل مسلم باستظھار بعید تفرد بہ عالم فی ھذاالزمان من دون سلف ولا برھان بل علی خلاف اصول الشرع المزدان وقضیۃ نصوص ائمۃ الشان حتی نفس	کو مقید پر محمول کرنے کی وجہ کو بطور افادہ بیان کردیا ہے پھر ان کے خیال میں اس تطبیق کا مبنٰی وہ توفیق و تطبیق ہے جو انہوں نے آئندہ ذکر فرمائی ہے، حالانکہ اس پر اعتراض آرہا ہے، لہٰذا معاملہ وہ نہیں ہے جو انہوں نے خیال فرمایا، بلکہ اصل مسئلہ امام ہندوانی کا پیش کردہ ہے، جب ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو بدفعلی کرتے پایا کہ کیا اسے اس مرد کو قتل کرنا حلال ہے؟ توجواب میں انہوں نے فرمایا کہ اگر خاوند کو یقین ہو کہ زانی شور مچانے یا پٹائی کرنے پر زنا سے باز آجائے گا تو قتل کرنا حلال نہ ہوگا اور اگر یقین ہو کہ قتل کے بغیر باز نہ آئے گا تو قتل کرنا حلال ہوگا، اور اگر بیوی اس مرد کے ساتھ راضی ہو تو اس کو بھی قتل کرنا حلال ہے اھ، یہ ہندیہ میں نہایہ سے منقول ہے، اور نہایہ سے ہی منیۃ المفتی میں نقل کیا لیکن جس طرح انہوں نے تعبیر کی وہ آپ کے سامنے ہے، اور ہم عنقریب ثابت کریں گے کہ ایسی صورت میں محض زنا کی دواعی مثلاً چھونے، بوسہ لینے یا معانقہ کرنے کی وجہ سے قتل کرنا حلال نہیں ہے چہ جائیکہ محض خلوت نشینی کی وجہ سے قتل حلال ہو، اور مجھے ان سے پہلے اس بارے میں کسی کا قول معلوم نہیں ہوا، تو اس زمانے کے ایک عالم کے متفرد قول کی بناء پر کسی مسلمان کے قتل پر کیسے جرأت کی جاسکتی ہے جبکہ اس قول کی وجہ بھی بعید ہو اور پہلے بھی کسی نے یہ بات نہ کی ہو اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہو بلکہ اصول شرع اور عظیم الشان ائمہ کرام کی نصوص کے خلاف ہو حتی کہ خود

هذا الرفيع المكان كما ستعرف بعون المستعان،

[1] **قوله** اذالم يستطع منعه الابالقتل **اقول**: هذاايضاً نص فی امتناع القتل اذاامكن المنع بغيره خلافا لما اثرتم وقولكم والالم تكن مكرهة لااثر له لان غاية المطاوعة ان تكون مرتكبة لعين المنكر وهذاالقتل من ازالة المنكر ومرتكب منكر لاينهی عن نهيه غيره منه لانه مأموربشيئين الامتناع والمنع، فان فوت احدهما لايسقط عنه الاٰخر و ارتكاب احدمعصية لاتبيح له معصية اخری بل هذا القتل فی حق المرأة نهی وانتهاء معافكانت اولی باباحه وظهران التصوير بالاكراه صدروفاقا،

[2] **قوله** ويأتی الكلام عليه **اقول**: ويأتی الكلام عليه

[3] **قوله** فله قتله مطلقا اقول وانما القصدازالة المنكر فاذا حصل بالادنی تعين كما افاده الامام

ان کے اپنے موقف کے خلاف ہو، جیسا کہ آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا، **قوله اذالم يستطع منعه الابالقتل**، جب قتل کے بغیر منع کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ خود اس بات میں نص ہے کہ اگر کسی اور طریقہ سے روکنا ممکن ہو تو قتل ممنوع ہے، اور یہ کہنا کہ ورنہ مکرہہ (مجبور) نہ قرار پائی گئی، بے فائدہ ہوگا، کیونکہ نہ ہونے کا مطلب موافق رہنا اور موافقت اور رضامندی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس گناہ میں خود شریک ہوگی، جبکہ عورت کا مرد کو یہ قتل کرنا گناہ اور برائی کا مرتکب اور اس میں مبتلا ہو اس کے منع کرنے سے دوسرا اس برائی سے نہیں رکتا، کیونکہ برائی سے روکنے کے لئے دو چیزوں کا مامور بنا ہوتا ہے ایک یہ کہ خود برائی سے باز رہے اور دوسرا یہ کہ اس برائی سے دوسرے کو منع کرے، اور ان دونوں چیزوں میں سے ایک کے فوت ہو جانے پر دوسرے کا ساقط ہونا لازم نہیں ہے اور ایک گناہ کے ارتکاب سے دوسرے گناہ کا ارتکاب مباح نہیں بنتا، بلکہ یہاں عورت کا اس مرد کو قتل کرنا گناہ سے روکنا اور خود کو باز رکھنا دونوں چیزیں ہیں، تو یہ قتل بدرجہ اولیٰ مباح ہوگا، تو ظاہر ہوا کہ جبر واکراہ کی صورت کا بیان محض اتفاق ہے، قولہ یاتی الکلام علیہ اس پر اعتراض ذکر ہوگا، **اقول**: (میں کہتا ہوں) آپ کے اعتراض پر اعتراض ذکر ہوگا، **قوله فله قتله مطلقا** تو اس کو قتل کرنا

الفقیه ابوجعفر واعتمده المعتمدون وتقدم عن شرح الوهبانیة وسینقله المحشی عن ابن وهبان و سیمشی علیه بنفسه ۵ **قوله** ویدل علیه عبارة المجتبٰی الاتیة.ای شرحا حیث اطلق فی الزنا ان له القتل ولم یقید بشیئ اقول وفیه ماذکر الشارح ان المطلق یحمل علی المقید وکیف یرد اطلاق المجتبٰی علی تقیید المعتمدات وحمل المطلق علی المقید جادة واضحة بخلاف الغاء القید، ۶ **قوله** فی الحاوی الزاهدی مایؤیده ایضا **اقول**: بل یخالفه فانه جعل له القتل مطلقا فی الدواعی وانتم تخصصونه بالزنا، ۷ **قوله** او یقبلها الخ **اقول**: لم یشرع الله تعالٰی فی الدواعی القتل ولیست السیاسة لغیر الامام بل لیست الدواعی الاالصغائر	مطلقًا جائز ہوگا،**اقول**: (میں کہتا ہوں) مقصد تو برائی کا ازالہ ہے، تو جب یہ ازالہ قتل کے بغیر کسی ادنٰی طریقہ پر ممکن ہو تو وہ ادنٰی طریقہ اس کے لئے متعین قرار پائے گا جیسا کہ امام فقیہ ابو جعفر نے یہ فائدہ بیان فرمایا اور اسی پر اعتماد کرنے والوں نے اعتماد کیا ہے، اور شرح وہبانیہ سے منقول ہوچکا ہے اور محشّی بھی اس کو عنقریب ابن وہبان سے نقل کریں گے اور وہ خود اس کو اپنائیں گے، **قوله ویدل علیه عبارة المجتبٰی** یعنی مجتبٰی کی آئندہ عبارت بطور شرح آئیگی جہاں وہ زنا کے متعلق قتل کو مطلق بیان کریں گے اور قتل کو کسی شرط سے مقید نہ کریں گے **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں اعتراض ہے کہ شارح نے یوں بیان فرمایا کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، اور معتمد علیہ کتب کی بیان کردہ قید کے باوجود مجتبٰی کا اطلاق کیسے وارد ہوگیا حالانکہ واضح طریقہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے جبکہ قید کو لغو بنانا اس کے خلاف ہے، **قوله فی الحاوی الزاهدی مایؤیده ایضا** حاوی زاہدی کا بیان بھی اس کی تائید کرتا ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں) بلکہ وہ تو اس کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے دواعی زنا میں بھی قتل کو مطلق جائز رکھا ہے جبکہ تم اس کو زنا سے ہی مخصوص کرتے ہو، **قوله او یقبلها** الخ یا وہ عورت کا بوسہ لے رہا ہو **اقول**: (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی نے زنا کے دواعی میں قتل کو مشروع نہیں فرمایا، اور نہ ہی امام کے غیر کو سیاسی قتل روا رکھا ہے بلکہ دواعی تو صرف صغیرہ

ولیس القتل سیاسة للامام ایضا الافی جنایة عظمت وفحشت کمامر قبیل باب وطئ یوجب الحدان اللوطی والسارق والخناق اذا تکرر منھم ذٰلك حل قتلھم سیاسة اھ فلم یکتف فی تلك العظائم ایضا بمجرد صدورھا بل قید حل القتل بتکررھا وسیأتی ان الشارح اطلق اباحة القتل فی جمیع الکبائر فقیدہ المحشی بماکان منھا متعدی الضرر وھو الحق الواضح ان شاء اللہ تعالٰی ولم ینقل عن السلف قتل کل من اتی کبیرة فضلا عن الصغیرة ولواسیع القتل فی الصغائر وجعل ذٰلك الی العامة لاتسع الخرق وفشا القتل فی المسلمین والعیاذ باللہ تعالٰی فای یوم لاتری جھلا من الناس علی شیئ من الصغائر فقتل کل من تراہ وھذا لیس من حکم اللہ فی شیئ فلاشك ان مافی الحاوی مردود واللہ الموفق کیف وھو من الزاھدی المعتزلی المعروف بجمع کل غث وسمین الغیر الموثوق بنقلہ ایضا الغیر المعتمد علیہ فی روایة ولادرایة کما صرح بہ ارباب الدرایة۔[8] **قولہ** فھذا صریح	گناہوں میں سے ہے حالانکہ امام کو صرف کسی بڑی جنایت اور فحش گناہ میں سیاسۃً قتل کرنا جائز ہوتا ہے جیسا کہ ایسی وطی جس سے حد لازم ہوتی ہے، کے باب سے تھوڑا پہلے گزرا ہے کہ لوطی، چور اور پھندا ڈالنے والا، یہ لوگ جب بار بار کارروائیاں کریں تو ان کو سیاسۃً قتل کرنا حلال ہے اھ۔ تو ان عظیم کارروائیوں پر بھی محض ان کے صدور پر نہیں بلکہ ان کے تکرار پر قتل کو حلال کہا، اور عنقریب آئے گا کہ شارح نے تمام کبیرہ گناہوں کے متعلق سیاسۃً قتل کو مباح کہا تو خود محشّٰی نے اس کو ایسے گناہ سے مقید کیا جس کا ضرر متعدی ہو۔ اور یہی واضح حق ہے ان شاء اللہ تعالٰی، جبکہ اسلاف سے ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کے متعلق قتل منقول نہیں ہے چہ جائیکہ کسی صغیرہ گناہ پر قتل منقول ہو، اور اگر صغائر کے متعلق بھی قتل کو جائز قرار دے دیا جائے اور عوام کو یہ اختیار دیا جائے تو پھر امن تہ وبالا ہوجائے اور مسلمانوں میں قتلِ عام شروع ہوجائے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ بتایئے لوگوں کی جہالت سے صغائر سے کوئی دن خالی ہے تو کیا ہر ایک مرتکب صغیرہ قتل کیا جائے حالانکہ یہ کہیں بھی اللہ تعالٰی کا حکم نہیں ہے تو بیشک حاوی زاہدی کا بیان مردود ہے، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق حق عطا فرماتا ہے، یہ کیسے صحیح ہو جبکہ یہ زاہدی معتزلی جو کہ ثقہ اور غیر ثقہ ہر قسم کی روایات کو نقل کرنے میں بھی مشہور ہے اور روایت اور درایت کے لحاظ سے غیر معتمد علیہ باتوں کو نقل کردیتا ہے جیسا کہ ارباب درایت نے اس کی تصریح فرمائی ہے، **قولہ فھذا صریح**

اقول: ای صراحة فیه بل تقییده بالخوف المذکور بما یؤید التقیید السابق فان مثل التمرد لاینزجر بالزجر[9] **قوله** یفید صحة **اقول:** قدمنا مافیه[1] **قوله** قررناه **اقول:** قد علمت مافیه[2] **قوله** فلایقتضی اشتراط العلم **اقول:** بلی یقتضیه لان مراد الشارع ازالة المنکرات المظلمة لااهلاك النفوس المسلمة فاذا حصلت بدونه وجب قصرالید عنه.[3] **قوله** حیث تعین القتل طریقا اقول هذاایضا نص فی اشتراط القید المذکور وقد عادالمحشی رحمه الله تعالٰی بنفسه الی الصواب اذاقال علی قول الشرح وعلی هذا القیاس المکابر بالظلم وقطاع الطریق وصاحب المکس وجمیع الظلمة بادنی شیئ له قیمة وجمیع الکبائر والاعونة

اقول: (میں کہتا ہوں) اس میں کون سی صراحت ہے بلکہ اس میں تو قید کی صراحت ہے کہ کسی طرح خوف دلانے سے باز نہ آئے، جیسا کہ سابقہ قید کا بیان اس کی تائید کر رہا ہے کہ سرکش آدمی باز رکھنے کی کوشش سے باز نہیں آتا، **قوله** یفید صحة **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں اعتراض ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، **قوله** قد علمت مماقررناه ہماری بیان کردہ تقریر سے آپ کو معلوم ہوگیا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں جو کمزوری ہے وہ آپ کو معلوم ہوچکی ہے **قوله** فلایقتضی اشتراط العلم تو وہ علم کی شرط کا مقتضی نہ ہوا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) بلکہ یہ علم کی شرط کا تقاضا کرتی ہے، کیونکہ شارع کی مراد ظالمانہ کارروائیوں سے دفاع ہے نہ کہ مسلمانوں کی جانوں کو ہلاک کرنا، تو جب قتل کے بغیر دفاع ممکن ہو تو قتل سے باز رہنا ضروری ہے، **قوله** حیث تعین القتل طریقا جہاں ازالہ برائی کا طریقہ قتل متعین ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ بھی مذکور قید کی شرط ہونے میں نص ہے اور محشّی خود بخود درستی کی طرف لوٹ آئے ہیں، جب انہوں نے شرح کی اس عبارت (اسی قیاس پر ہے جو اعلانیہ چیز کو چھین لے، ڈاکو، ظالمانہ ٹیکس وصول کرنیوالا اور ہر ظالم جو کمتر قیمت والی چیز کو ظلم سے چھین لے اور جو ظالم مرتکب کبیرہ کے ہوں اور انکے اہلکار اور چغلخور ایسے تمام لوگوں کا قتل مباح ہے اور انکا قاتل ثواب کا مستحق

والسعاۃ یباح قتل الکل ویثاب قاتلھم اھ نصہ قولہ والا عونۃ والسعاۃ عطف تفسیر او عطف خاص علی عام فیشمل کل من کان من اھل الفساد کالساحر وقاطع الطریق واللص واللوطی والخناق ونحوھم ممن عم ضررہ ولاینزجر بغیر القتل اھ فقد اذعن بالتقیید وھو الحق السدید ولیس الزنا بافحش من ھاتیك الافا عیل فما صرح بہ الائمۃ فعلیہ الاعتماد والتعویل[1]۔ ھذا ما کتبت علیہ فانظرہ متأملا متدبرا والحمدﷲ اولاً واٰخرًا۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔	ہوگا، اھ۔) پر فرمایا کہ الاعونۃ، والسعاۃ، اہل کار اور عہدیدار، کا ذکر عطف تفسیری ہے یا عام پر خاص کا عطف ہے لہٰذا یہ قول تمام اہل فساد مثلاً جادوگر، ڈاکو، چور، لوطی اور گلاد باکر ہلاک کرنے والا وغیرہ سب کو شامل ہے جن کا ضرر معاشرہ میں عام ہو اور وہ قتل کے بغیر باز نہ آئیں اھ، تو اس بیان میں انہوں نے مذکور قید پر جزم کیا ہے اور یہی درست اور حق ہے جبکہ زنا ان مذکور امور سے زیادہ فاحش ضرر نہیں ہے، تو ائمہ کرام نے جو تصریح فرمائی ہے وہی قابلِ اعتماد و تسلیم ہے۔ یہ میرا حاشیہ ہے اس کو غور اور تدبر سے ملاحظہ کرو، اﷲ تعالٰی کے لئے ہی اول وآخر حمد ہے، واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۶: ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کسی عالم کی نسبت یا کسی دوسرے کی لفظ مردود کہے کہ وہ بیوقوف ہے کچھ نہیں جانتا اور الو ہے، تواس شخص کی نسبت شرع شریف کیا حکم دے گی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا مسلمان کو ناحق ایذا دینا ہے اور مسلمان کی ناحق ایذا شرعاً حرام۔ رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اﷲ[2]۔ رواہ الطبرانی فی	جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اﷲ

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	عزوجل کو ایذادی (اس کو طبرانی نے اوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

پھر علمائے دین متین کی شان تو نہایت ارفع واعلٰی ہے ان کی جناب میں گستاخی کرنے والے کو حدیث میں منافق فرمایا۔

ثلثة لایستخف بحقھم الامنافق ذوالشیبة فی الاسلام وذوالعلم وامام مقسط [1]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة وابو الشیخ فی التوبیخ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	یعنی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: تین شخص ہیں جن کا حق ہلکانہ جانے گا مگر منافق، ایک اسلام میں بڑھاپے والا دوسرا عالم تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔ (اس کو طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوامامہ سے اور ابوالشیخ نے توبیخ کے باب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرمایا ہے۔ ت)

ایسا شخص شرعًا لائق تعزیر ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۷۷: ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مومن کہنا تخصیص رکھتا ہے قومِ نورباف سے یا عام امتِ محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے؟ دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص براہِ طعنہ قوم مذکور کی نسبت مومن کہے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

الحمدللہ ہر مسلمان مومن ہے اور بعض بلاد ہند کے عرف میں اس قوم کو مومن کہنا شاید اس بناء پر ہو کہ یہ لوگ اکثر سلیم القلب حلیم الطبع ہوتے ہیں جن سے اور مسلمانوں کو آزار کم پہنچتا ہے، اور حدیث میں فرمایا کہ **المؤمنون من امن جارہ بوائقہ** [2] مومن وہ ہے جس کے ہمسائے اس کی ایذاؤں سے امان میں ہوں۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ عن ابی امامہ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۳۸/۸

[2] صحیح البخاری باب اثم من یأمن جارہ بوائقہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۸۹/۲

پھر یہ لفظ بطور طعن انہیں کہنا دوسری شناعت ہے ایک تو مسلمان کو اس کی نسبت یا پیشہ کے سبب حقیر جاننا دوسرے ایسے عظیم جلیل لفظ کو محل طعن میں استعمال کرنا، ایسے شخص کو چاہئے اللہ تعالٰی سے ڈرے اور اپنی زبان کی نگہداشت کرے۔

اللّٰھم اھدنی والمسلمین انك انت ارحم الراحمین۔ اٰمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اے اللہ! مجھے اور تمام مسلمانوں کو ہدایت عطا فرما بیشک تو رحم کرنے والوں سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۸: از وڑ نگر دایہ مہ سانہ گجرات گاڑیکے دروازہ متصل مکان بنجارہ چاند مار سول مسئولہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب احمد آبادی ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسلمان کے مال کا نقصان کرنا اور اس کی ہتک حرمت میں کوشش کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

اگر بلاوجہ شرعی ہے حرام قطعی ہے اور وجہ شرعی سے ہے تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۹: از شہر صدر بازار بریلی مسئولہ پیش امام جامع مسجد ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

ایک شخص نماز پڑھنے سے انکار وحیلہ بہت سے کرتا تھا ہر چند اس کو برادرانہ طور بہت کچھ سمجھایا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا اور لوگ اس کو پکڑنے کے واسطے گئے اس وقت وہ مسلمانوں کو لاٹھی لے کر مقابلہ کرنے کو آمادہ ہوا، لہٰذا دو مسلمانوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے، ایک شخص نے اس کو درے لگائے، لہٰذا وہ نماز پڑھتا ہے، پکڑنے کے وقت اس کے ہاتھ میں گھڑی بندی تھی وہ ٹوٹ گئی وہ مسلمانوں سے طلب کرتا ہے، اس کی گھڑی دی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

تفہیم چاہئے، تنبیہ چاہئے، مار پیٹ کا وقت نہیں، اور اس کی گھڑی کی قیمت دی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۰: از بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ اشفاق حسین طالب علم ۳ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو و بکر ایک مقام پر بیٹھے تھے، اتفاقاً ایک لڑکی اس راہ سے گزری، زید نے عمرو سے کہا یہ لڑکی تمہاری بہن ہے، عمرو نے زید کو جواب دیا کہ ہاں یہ لڑکی بہن ہے لیکن اے زید! یہ لڑکی تیری

بہن ہے، اس پر زید نے عمرو سے کہا کہ میری بہن نہیں ہے بلکہ تیری بہن ہے، عمرو نے زید سے کہا کہ جب ہم تم سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں تو ہم تم سب بھائی بہن ہیں بکر نے عمرو سے کہا کہ اس طرح تو کتے سور بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں تو کتے اور سور بھی تمہارے بھائی بہن ہوئے، عمرو نے کہا کہ نہیں ان جانوروں کو اہل اسلام کے لوگ برا سمجھتے ہیں، اس پر بکر بہت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ نہیں سور اور کتے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، اور مکرر سہ کرر یہی الفاظ کہے یہاں تک کہ آپس میں جھگڑا ہونے لگا اور معاملہ طول ہوگیا۔ عرض یہ ہے کہ ان تینوں شخصوں کے واسطے کیا حکم ہے؟ واجبًا عرض کیا ہے۔

الجواب:

عمرو نے جو اس کے بہن ہونے سے انکار کیا اس پر کچھ الزام نہیں بلکہ وہ اگر غیر مسلمان تھی تو بہت اچھا کہ انکار کردیا زید نے کہ اسے عمرو کی بہن کہا اس پر الزام نہیں اگر وہ لڑکی مسلمان تھی کہ مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں ہاں اگر وہ مسلمان نہ تھی تو برا کیا کہ اسے مسلمان کی بہن ٹھہرایا، اور فقط اولادِ آدم علیہ السلام ہونا کافی نہیں کہ کافروں کا نسب خود حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقطع ہے،

قال اللہ تعالٰی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [1]، وقال تعالٰی اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا بیشک تمام مومن بھائی بہن ہیں، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے پیارے نوح (علیہ السلام) یہ آپ کی اہل میں نہیں وہ تو اپنے عمل والا نہیں ہے۔ (ت)

رہا بکر، اس نے سخت شدید شنیع بری بات کہی، اس کے قول سے نبی اللہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک عیب لگتا ہے اس پر توبہ فرض ہے بلکہ کلمہ پڑھے تجدید اسلام کرے۔ ہاں اگر وہ لڑکی کافرہ تھی اور اس نے کتے سور سے مراد کافر لئے یعنی ان کی اولاد میں تو کافر بھی ہیں جو کتوں سوروں کے مثل ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں وہ ہمارے بھائی کیسے ہوسکتے ہیں، تو اس پر الزام نہ رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۱: از دھاموں ڈاکخانہ دھاموں ضلع سیالکوٹ پنجاب روز دوشنبہ ۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر زید اپنی حقیقی بھائی بکر کو کسی سازش سے ایک مجلس میں باآواز کلمہ طیبہ پڑھ کر کہے کہ تم میرے بھائی نہیں ہو، ایسی صورت میں زید پر بموجبِ شرع شریف کچھ کفارہ لازم ہے اگر ہے تو کیا و کس

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/۱۰

[2] القرآن الکریم ۱۱/۴۶

قدر؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگراس کے بھائی نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ خلاف اخوت کیا جو بھائی بھائی سے نہیں کرتا تو اس پر اس کہنے میں الزام نہیں کہ اس نفی سے نفیِ حقیقت مراد نہیں ہوتی بلکہ نفی ثمرہ، اور ایسا نہیں بلکہ بلاوجہ شرعی یوں کہا تو تین کبیروں کا مرتکب ہوا، کذبِ صریح و قطع رحم وایذائے مسلم، اس پر توبہ فرض ہے اور بھائی سے معافی مانگنی لازم۔**واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۲تا۲۸۴: معرفت مصطفٰی رضاخان صاحب بروز پنجشنبہ ۲۹صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

(۱) بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ مثلاً کسی نے کہا کہ فلاں کے گھر چوری ہوئی انہوں نے کہا کہ اچھا ہوا چوری ہوئی، پھر بعض دفعہ توجو ظاہر کلام ہے ظاہر مراد ہوتا ہے اور بعض دفعہ یہ مراد ہوتا ہے کہ چونکہ مثلاً مال رہنا مضر تھا یا اس کا انہیں غرور تھا لہٰذا اچھا ہوا چوری ہوگئی کہ غرور جاتا رہا یا مضر دور ہوگیا دونوں تقدیروں پر یہ ممنوع چیز کو اچھا کہنا کیسا ہے؟

(۲) ایک شخص سے کوئی خلاف کلمہ نکلا بعد کو اس نے صراحۃً انکار کیا اور اس کا قبح تسلیم کرلیا یا اس کو چھوڑ کر اس کے مخالف حق کلمہ کا اقرار کیا آیا یہ توبہ ہوگئی یا ضرور ہے کہ لفظ توبہ کہے۔

(۳) ہمارے اعزہ میں سے ایک عورت نے اپنے شوہر سے ناراض ہو کر کہا نہ معلوم تمہیں فلاں کے مکان سے (نام لے کر) کیا عشق ہے، شوہر نے کہا خدا جانے، اس پر عورت نے کہا کچھ بھی خدا جانے نہیں ہے، اور اس کے بعد ایک اور جملہ کہا جو شاید یہ تھا کہ سب تمہارے حیلہ حوالے بیکار یہ ان بے پروائیاں ہیں، یہ جملہ کیسا؟ اس کا کیا حکم ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ سرقہ اچھی بات ہے جس سے حرام قطعی کا استحقاق بلکہ استحسان ہو کر **معاذ اﷲ** نوبت بہ کفر پہنچے بلکہ اس مسروق منہ کے نقصان مال کا استحسان سمجھا جاتا ہے اور یہی مقصود ہوتا ہے کہ کبھی براہ حسد ہوتا ہے اور حسد حرام ہے، اس صورت میں تو مطلقاً گناہ ہے، کبھی براہِ عداوت ہوتا ہے کہ دشمن کا نقصان دشمن کو پسند آتا ہے اس کا حکم اس عداوت کا تابع رہے گا اگر عداوت مذمومہ ہے یہ بھی قبیح ومذموم ہے اور اگر عداوت محمودہ ہے جیسے اعداء اﷲ سے دشمنی تو اس میں حرج نہیں جیسے رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ[1] (اے ہمارے رب! ان کے مال برباد کردے اور ان کے دل سخت کردے۔ت) جب دعا سے اس کا نقصان چاہنا روا ہے تو بعد وقوع اس پر خوش ہونا

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/۸۸

کیا بیچا ہے، کبھی وہ صورت ہوتی ہے جو سوال میں مذکور ہے وہ اگر بہ نیت صحیحہ ہے تو غیر محظور کہ یہ اس کے نقصان پر خوش ہونا نہیں بلکہ نفع پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) لفظ توبہ نہ ضرور نہ کافی جو قول بیجا صادر ہوا تھا اس پر ندامت اور اس سے نفرت واظہار برات درکار ہے، السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ (پوشیدہ سے پوشیدہ اور علانیہ سے علانیہ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) قائلہ کا ہر گز یہ مقصود نہیں کہ باری عزوجل سے معاذاللہ نفی علم کرے نہ زنہار اسکے کلام سے سامع کا ذہن اسطرف جاسکتا ہے، بلکہ شوہر نے کہا تھا خدا جانے یعنی کوئی چیز مخفی ہے جو مجھے معلوم نہیں یا جسے میں بتانا نہیں چاہتا اس نے کہا کچھ بھی خدا جانے نہیں اسے اس ہولناک حکم سے کوئی تعلق نہیں نیز یہاں ایک اور دقیقہ ہے بفرض غلط نفی علم ہی مراد لیں تو معاذاللہ نفی مطلق کی ہر گز بو بھی نہیں بلکہ اس امر خاص سے یعنی اس کا کوئی سبب خفی اللہ نہیں جانتا اور علم الٰہی سے کسی شیئ کی نفی اس کے علم سے نفی ہے کہ واقع ہوتا تو ضرور علم میں ہوتا،

فکان من باب قوله وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّــُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ [1]۔	تو یہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے باب سے ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالٰی کے شریک بنائے فرمادیجئے ان کے نام بتایئے یا تم وہ خبر اس کو دیتے ہو جس کو اس نے روئے زمین پر نہ جانا۔ (ت)

ہاں ارسال لسان ہے جس سے احتیاط درکار، اور خود شوہر کے ساتھ بدزبانی بھی **تکفرن العشیر** [2] (عورتیں خاوند کی ناشکری کرتی ہیں۔ت) میں داخل کرنے کو بس ہے توبہ چاہئے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۸۵: قول انوارالحق تحصیل چونیاں ضلع لاہور بروز چہار شنبہ ۲ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ (مکتوب)

(**قول انوارالحق**) میں عریضہ لکھ کر دوبارہ یا سیدنا ومولٰنا ومرشدنا عرض کرتا ہوں کہ آپ ہم لوگوں میں مثل رسول ونبی کے ہیں آپ خاکساروں کی عرض سن کر جواب روانہ فرمائیں۔

الجواب:

تنبیہ: مولانا! یہ لفظ بہت سخت ہے لاالٰہ الا اللہ یہ فقیر ذلیل سیاہ کار نابکار

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۳۳

[2] صحیح البخاری کتاب الحیض ۱/ ۴۴ وکتاب الزکوٰۃ ۱/ ۱۹۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

کیا چیز ہے ہاں اکابر کے لئے یہ لفظ حدیث میں آیا ہے کہ **الشیخ فی قومه کالنبی فی امته**[1] شیخ اپنی قوم میں مانند نبی کے ہیں اپنی امت میں مگر مثل اور مانند میں بہت فرق ہے مثل **معاذاللہ** مساوات کا ایہام کرتا ہے اور مانند صرف ایک مشابہت چاہتا ہے، اس لئے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے **ایمانی کایمان جبریل** (میرا ایمان جبرائیل کے ایمان کی مانند ہے۔ت) فرمایا نہ کہ مثل ایمان جبریل (مثل ایمان جبریل۔ت) فقط

مسئلہ ۲۸۶: مسئولہ سید حمید الرحمٰن صاحب صابری فاروقی گولہ گھاٹ محلّہ کچہری ہاٹ آسام ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مقدس اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے مرشد زادہ کو حقارت وبے ادبی سے کچھ باتیں کہیں وہ مرشد زادہ قوم کا سید حسینی ہے اور ہندوستان کے مدرسہ عربی کا تعلیم یافتہ مولوی ہے اور اہل طریقہ میں قادریہ عالیہ ہے، حقیقت میں اس مرشد زادہ کا کچھ بھی خطا و قصور نہیں تھا جبراً اس شخص نے بہت لوگوں کے سامنے اس مرشد زادے کو بے ادبی اور حقارت سے باتیں کیں۔ اب از روئے شرع دین متین اس شخص کو کیا حکم دیتے ہیں اب ایمان و نکاح میں کچھ خلل اس کا ہوگا یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب:

بلاوجہ کسی مسلمان کو سخت وسست کہنا حرام ہے نہ کہ سید نہ کہ عالم نہ کہ اپنا مرشد زادہ۔ صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی و من اٰذانی فقد اٰذی اللہ۔[2]	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

دوسری حدیث میں ہے:

ثلثة لایستخفف بحقهم الامنافق بین النفاق، ذو الشیبة فی الاسلام	تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ کرے گا مگر کھلا منافق ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا دوسرا

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۲۶۳۲ و ۴۲۶۳۳ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۵/ ۶۶۴

[2] المعجم الاوسط حدیث مکتبة المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

وذوالعلم وامام مقسط۔[1]	عالم تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔

صورت واقعہ اگر یونہی ہے جیسے سوال میں مذکور ہوئی تو وہ شخص ضرور مرتکب کبیرہ ہوا، مگر اسلام و نکاح میں خلل نہیں کہہ سکتے جب تک کوئی خاص قول وفعل ان میں مخل صادر نہ ہوا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضاخاں صاحب ۴رجب ۱۳۳۹ھ

زید ایک شخص ہے جس کا نکاح بکر کی لڑکی ساتھ ہوا ہے، اب چند بچے پیدا ہونے کے بعد زید نے اپنی بیوی کی ہمشیرہ کے ساتھ یعنی حقیقی سالی کے ساتھ بھی عقد کرلیا ہے اور دونوں سے مراسم بیوی کی ادا کرتا ہے اور دونوں کی اولاد بھی ہے، اور زید قوم قصاب سے ہے، آیا ایسی حالت میں اس کو زانی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کے ہاتھ کا گوشت خرید نا چاہئے یا نہیں؟ اور اس کی موت میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ ضرور حرامکار ہے، اس سے گوشت خرید نا بلکہ سلام کلام کرنا ہی نہ چاہئے، موت اس کے عزیز وقریب کرلیں گے اوروں کو بلاضرورت شرکت کی حاجت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: مرسلہ محمد تقی مقام بکسر متصل اسٹیشن ریلوے بتوسط حاجی بخش صاحب ۲۹ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو اوقاتِ مختلفہ میں ابلیس مردود کافر متعدد بار کہا، زید معمر ہے بکر نوعمر، بکر یوم جمعہ کو خطبہ جمعہ پڑھ رہا تھا، اثناءِ خطبہ میں کسی آیہ کریمہ میں غلطی ہوئی زید نے چلا کر بتایا، بکر نے اپنی غلطی کی اصلاح کرلی مگر زید نے اسی ساعت میں چلا چلا کر چند بار اپنی قرات کرتا ہی رہا، پھر بعد فراغ نماز زید نے سب لوگوں کو ٹھہرایا اور کہنے لگا یہ مردود ابلیس ہمیشہ غلط پڑھتا ہے اور مجھے ذبح کردیا ہے، بکر نے سوائے سکوت کوئی جواب نہیں دیا، اور اگر زید موجود ہے تو بکر نماز پڑھانے کے لئے زید کو کہلائے مگر زید نہ پڑھائے، پھر بکر نے دو جمعہ پڑھا کر جواب دیا کہ وہ شخص جمعہ پڑھائے جس سے کوئی غلطی نہ ہو۔ مقتدیوں نے کہا تم ضرور پڑھاؤ تو مخالفت کا باعث معلوم ہوتا ہے اور ثابت بھی ہوگیا، بہر حال دوسرے امام مقرر کئے گئے چند دنوں بعد امام صاحب نے انتقال فرمایا اس کے بعد زید خود ہی نماز پڑھانے لگا، اس حالت میں زید کی امامت صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور ان دونوں میں شرعاً کافر وابلیس کون ہوگا؟

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳۸/۸، کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ فی التوبیخ حدیث ۴۳۸۱۲ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۲/۱۶

الجواب

مسلمانوں کو بلاوجہ شرعی مردود ابلیس کہنا سخت حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾[1]۔	وہ لوگ جو مومن مرد اور عورتوں کو بلاوجہ اذیت دیتے ہیں تو بیشک انہوں نے بہتان اور واضح گناہ کا ارتکاب کیا۔ (ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[2]۔	جس نے کسی مسلمانوں کو ناحق ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ کو ایذادی۔

اور مسلمانوں کو کافر کہنا تو ایسا سخت ہے کہ احادیث کثیرہ صحیحہ میں فرمایا فقد باء بہ احدھما[3] یہ بلا دونوں میں سے ایک پر ضرور پڑے گی جسے کافر کہا اگر وہ وقع میں کافر ہے تو خیر ورنہ یہ کہنا اسی کہنے والے پر پلٹ آئے گا، ولہٰذا امام اعمش وائمہ بلخ وغیرہم کثیر فقہائے کرام کا فتوی یہی ہے کہ جو مسلمان کو کافر کہے خود کافر ہوجاتا ہے والصحیح فیہ تفصیل اوردناھا فی فتاوٰنا (اور صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے جس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے) عین حالت خطبہ میں تصحیح بکر کے بعد بھی جو زید بار بار اپنی قرأت کرتا رہا یہ بھی حرام تھا،

قال اللہ تعالٰی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (ت)

زید اگر بلاوجہ شرعی ان الفاظ کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور بکر سے معافی چاہے ورنہ وہ فاسق معلن ہے اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/۵۸

[2] المعجم الاوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۳۷۳

[3] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تأویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۰۱

[4] القرآن الکریم ۷/۲۰۴

مسئلہ ۲۸۹تا۲۹۰: از پوسٹ کانت فقیر ہاٹ مدرسہ اسلامیہ کالاپل چاٹگام مرسلہ وحید اللہ صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

ماقولکم رحمکم اللّٰه تعالٰی فی هٰذه المسألة ان رجلا اخاالجهل قال لمعلم العلوم العربية اعنی المبادی والمقاصد ماانت الابشر مثلنا فقال له اذکان الامر کذٰلك فما اصنع فی المدرسة العالية مثلا فاجاب له یا راعی البقر والخنزیر ترعیهما فیها وایضا اعتقدان اللّٰه یغفر ویدخل الجنة من یشرك به لمن یشاء یغفر لمن یشاء فذکر العالم شیأ من اٰیة القراٰن والاحادیث الصحیحة فقال هذالیس بشیئ ففی الصورة المسئولة هل یجب التوبة وتجدید النکاح علیه ام لا۔ (۲)من قال واعتقد تارك الصلٰوة کافر فالقائل هل هوخارج عن مذهب ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی ام لا۔ بینوا توجروا۔	علمائے کرام (اللہ تعالٰی آپ پر رحم کرے) آپ کا کیا ارشاد ہے کہ اس مسئلہ میں کہ ایک جاہل شخص، عربی علوم کی مبادی ومقاصد، کے استاذ کو کہتا ہے کہ تو ہمارے جیسا بشر ہے، تو عربی کے معلم نے جواب میں کہا اگر یہی معاملہ ہے تو پھر میں مدرسہ عالیہ میں کیا کررہا ہوں تو جاہل نے اسے جواب میں کہا، اے گائے اور خنزیر کے چرواہے! تو وہاں ان کو چراتا ہے اور نیز اس کا عقیدہ ہے اللہ تعالٰی جس مشرک کو چاہے بخش دیتا ہے اور اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے، تو اس پر اس عالم نے اس کو کچھ قرآنی آیات اور صحیح احادیث سنائیں، تو جاہل نے کہا یہ کوئی چیز نہیں ہے، تو کیا مسئولہ صورت میں توبہ اور تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟ (۲) جو شخص یہ عقیدہ رکھے اور بیان کرے کہ نماز کا تارک کافر ہے، تو یہ کہنے والا، کیا وہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب سے خارج ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

اما ما خاطب به العالم فهو من جهله وسوء ادبه یستحق به التعزیر الشدید الائق بحاله الزاجر له ولامثاله ففی الحدیث عنه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لایستخف بحقهم الامنافق	اس نے عالم کو جن الفاظ سے خطاب کیا ہے وہ اس کی جہالت اور انتہائی بے ادبی ہے اس کی وجہ سے وہ اور ایسے دیگر لوگ اپنے جرم کے مناسب شدید تعزیر کے مستحق ہیں۔ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد ہے تین حضرات کی توہین کھلے منافق

بين النفاق ذوالشيبة فى الاسلام وذوالعلم وامام مقسط[1]۔ اماقوله ان الله يغفر لمن يشرك به لمن يشاء فمخالف للقراٰن العظيم قال الله عزوجل ان اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ[2] واما قوله لاٰيات القراٰن العظيم والاحاديث هذا ليس بشيئ فهذاليس بشيئ الاالكفر الجلى تجرى به عليه احكام المرتدين فعليه ان يسلم واذااسلم فليجدد نكاحه برضألمرأة وان لم ترضى فلها الخيار تعتد وتنكح من تشاء، والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔	کے بغیر دوسرا نہیں کرسکتا ایک عالم، دوسرا وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، اور تیسرا مسلمان عادل بادشاہ، تاہم اس کا یہ کہنا کہ، اللہ تعالٰی جس مشرک کو چاہے بخش دیتا ہے، تو یہ قرآن عظیم کے مخالف ہے، کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی شریک بنانے والے کو نہیں بخشتا، اس کے علاوہ جس کو چاہے بخشتا ہے۔ اور اس کا قرآن وحدیث کے متعلق یہ کہنا کہ، یہ کوئی چیز نہیں ہے، یہ تو خالص ایسا کفر ہے جس پر مرتدوں والے احکام جاری ہوتے ہیں، لہٰذا اس پر تجدید اسلام ضروری ہے اور مسلمان ہو کر عورت کی رضامندی سے دوبارہ اس سے نکاح کرے، اگر اس سے نکاح پر راضی نہ ہو تو بیوی کو اختیار ہے کہ وہ عدت پوری کرکے کسی اور سے اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔
(۲) الحكم بالكفر على تارك الصلٰوة وارد فى صحاح الاحاديث وعليه جمهور الصحابة والتابعين وليست المسألة فقهية بل كلامية وقد اختلف اهل السنة قديما فمن قال باحد القولين لايخرج به عن الحنفية۔ والله تعالٰى اعلم۔	(۲) نماز کے تارک پر احادیث صحیحہ میں کفر کا اطلاق آیا ہے، اور جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مسلک ہے جبکہ یہ مسئلہ فقہی نہیں بلکہ علم کلام سے متعلق ہے، اس میں اہلسنت کا قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے لہٰذا اگر کوئی دو قولوں میں سے ایک قول کو اختیار کرے تو وہ حنفیت سے خارج نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] کنز العمال بحوالہ الشیخ فی التوبیخ حدیث ۴۳۸۱۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۲، المعجم الکبیر حدیث المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۴۸ و ۱۱۶

مسئلہ ۲۹۱تا۲۹۲: از بنگلور بازار مرسلہ قاضی عبدالغفار صاحب مورخہ ۱۱جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک شخص درود شریف پورا پڑھتا ہے **اللھم صل وسلم علی محمد وسیدنا وھادینا ومرشدنا ومخدومنا** (نام اپنے پیر کا لیتا ہے) حضور صلی تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک پر نہ سیدنا وھادینا ہے اور اپنے پیر کے نام پر القاب تعظیمی لگاتا ہے، پس ایسادرود پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کوئی پیر اس کو روا رکھے تو کیسا ہے؟

(۲) بشیر ونذیر القاب مخصوصہ سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہیں یا اور کسی کو بھی کہہ سکتے ہیں؟ اگر کوئی شخص اپنے مریدوں سے کہلوائے اور اپنی نسبت روا رکھے تو اس پیر ومرشد کا شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) یہ بیجا ہے اور ایک نوع ظلم ہے اسے اس سے احتراز چاہئے، ادب تو یہ ہے کہ اکابر کے نام کے ساتھ ان کے اصاغر کا نام لیا جائے، اگروہ اپنے اکابر ہوں تو ان کے نام کے ساتھ ان کے نام میں زیادہ الفاظ تعظیمی ضروری نہیں، نہ کہ **معاذ اللہ** عکس۔ عرب میں کنیت تعظیم ہے۔ امام ابویوسف امام محمد کے استاد مگر امام اعظم کے شاگرد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم، امام محمد نے جامع صغیر وغیرہ جتنی کتابیں بروایت امام ابی یوسف حضرت امام اعظم سے روایت کیں ان میں امام ابویوسف کو کنیت سے یاد نہ کیا بلکہ نام سے **محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ** رضی **اللہ تعالٰی عنھم**، اس کا نکتہ علماء نے یہی لکھا ہے اس شخص پر اس سے احتراز لازم ہے اور پیر پر واجب ہے کہ اسے ہدایت کرے، اور اگر یہ مطلب ہو کہ پیر کی عظمت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زائد ہے تو یہ صریح کفر ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تمام صفاتِ کریمہ بایں معنی خصائصِ حضور ہیں کہ کوئی صفت میں حضور کا مماثل و شریک نہیں، امام ابومحمد بوصیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

منزہ عن شریك فی محاسنه ۔۔۔ فجوھر الحسن فیه غیر منقسم [1]

(آپ اپنے محاسن میں کسی شریک سے پاک ہیں، توآپ کے حسن کا مادہ منقسم نہیں ہے)

---

[1] قصیدہ بردہ الفصل الثالث تاج کمپنی لاہور ص ۱۰

مگر حضور نے اپنی بعض صفات کریمہ کا اپنے مستفیضوں، اپنے خادموں اور اپنے غلاموں پر بھی پرتو ڈال دیا جیسے علیم، حلیم، کریم کہ ان صفات کی تجلی جس میں متحقق ہو اس پر ان کے اطلاق میں حرج نہیں بشیر و نذیر بھی انہیں صفات میں ہیں،

قال تعالٰی مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ [1]، وقال تعالٰی وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ [2]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا ولاتنفروا۔[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے۔ اور فرمایا: ہر امت میں ڈر سنانے والا گزرا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بشارت دو نفرت پیدا نہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۳: از اجمیر شریف کارخانہ گرہیچ علاقہ نمبر ۳۰ لوہار خانہ مرسلہ جمال محمد ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

ہر کسی کو شیطان کہیں، یہ حلال یا حرام؟

الجواب:

گمراہ بددین کو شیطان کہا جاسکتا ہے اور اسے بھی جو لوگوں میں فتنہ پردازی کرے، ادھر کی ادھر لگا کر فساد ڈلوائے، جو کسی کو گناہ کی ترغیب دے کر لے جائے وہ اس کا شیطان ہے، اور مومن صالح کو شیطان کہنا شیطان کا کام ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

نوٹ

جلد سیز دہم ختم ہوئی، اس کا آخری عنوان کتاب الحدود والتعزیر ہے، جبکہ آنے والی جلد چہاردہم کا پہلا عنوان کتاب السیر ہوگا۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۶۵ و ۱۸/۵۶ و ۶/۴۸

[2] القرآن الکریم ۳۵/۲۴

[3] صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

مآخذومراجع

نام کتاب		مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	اٰلام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطاالدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابو علی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسی الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایۃ شرح الھدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بھجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	ببلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴۔۹۱۱
۶۳۔	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشرعیۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تہذیب الآثار	ابو جعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۸۶۔	التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۸۷۔	تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری	۹۶۶
۸۸۔	تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	۱۰۰۸
۸۹۔	التبیان فی بیان مافی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۹۰۔	تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰
۹۱۔	التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۹۲۔	تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	۱۲۳۹
۹۳۔	تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	۱۲۵۲
۹۴۔	التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۳۲۳
۹۵۔	تذکرۃ الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	۹۸۶
۹۶۔	تجنیس الملتقط		
۹۷۔	تحفۃ المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
۹۸۔	تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	۹۱۰

ث

۹۹۔	الثمانون فی الحدیث	ابوبکر محمد بن الحسین الآجری	۳۶۰
۱۰۰۔	ثبت ابو محمد بن امیر المکی المصری		

ج

۱۰۱۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسی الترمذی	۲۷۹
۱۰۲۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۱۰۳۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۱۰۴۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۰۵۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۱۰۶۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیۃ	ابی الحسن عبید اللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابو علی حسن بن عرفہ بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نور الدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الٰی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

<u>ح</u>

۱۲۶۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

۱۳۰۔	حاشیة علی المقدمة العشماویة	علّامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیة لسعدی آفندی علی العنایة	سعد اللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقة الندیة شرح طریقه محمدیة	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیة الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیة المحلّی شرح منیة المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجه التهانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبّی المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیٰوة الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود القروینی	۶۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیة التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیة التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۸۶۶
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجة اللہ البالغه	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیة مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیة الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیة کفایة الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیة الحفنی علی الجامع الصغیر علامه الحفنی		
۱۴۹۔	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانة الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲۔	خزانة الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانة المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔	خلاصة الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصة الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصة الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸
	د		
۱۶۰۔	الدرایة شرح الہدایة	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدر النثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
	ذ		
۱۶۵۔	ذخیرة العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرة الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبة	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
	ر		
۱۶۸۔	الرحمانیة		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمة الامة فی اختلاف الائمة	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابومروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبیّ)	۲۳۹

۱۷۲۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔	ردعلی الجھمیة	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔	رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء، ۱۲۴۶
۱۷۵۔	رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔	رمزالحقائق شرح کنزالدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔	رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔	رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔	رسالہ اتحاف الغرفہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔	رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔	رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔	رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔	رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔	رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔	رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔	الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔	رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔	رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔	رسالہ غایة المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔	زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔	زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔	زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہر الربیٰ علی المجتبیٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخبار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
	س		
۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن لدارقطنی	علی عمر الدار قطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن لدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۳۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحہ لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحہ لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰۔	شرح الاربعین للنوی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹۔	شرح الغریبین		
۲۳۰۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴۔	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶۔	شرح مؤطا امام مالك	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹۔	شرح الوقایۃ	صدرالشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰۔	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۰۔ شرح الهدایة	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۲۴۱۔ شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔ شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔ شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔ شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔ الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسیٰ قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔ شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۷۔ شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۸۔ شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۳۹
۲۴۹۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔ شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔ شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲۔ شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔ شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴۔ شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔ شرح حاشیۃ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶۔ شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔ شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸۔ شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹۔ شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۰۔ شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۱۔ شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۲۔ شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۳۔ شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴۔ شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔ شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۸۵۔	عیون المسائل	ابو اللیث نصر بن محمد السمر قندی	۳۷۸
۲۸۶۔	عقود الدریّۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷۔	عدّۃ کمال الدین	محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸۔	عمل الیوم واللیلۃ	ابو بکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹۔	عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰۔	عقد الفرید	ابو عبد اللہ محمد بن عبد القوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱۔	عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲۔	عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳۔	عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴۔	عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبد الحی اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵۔	غایۃ البیان شیخ قوام الدین	امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷۔	غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹۔	غنیۃ ذو الاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱۔	غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد با بن الہمام	۸۶۱
۳۰۴۔	فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶۔	فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔	فتاوٰی ولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۳۱۶۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔	فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔	فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقّب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔	فضائل القرآن لابن ضریس	ابوعبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔	فوائد الخلعی	ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔	فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔	فتح المغیث	امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔	فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوٰی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوٰی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوٰی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابو عبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوٰی قاعدیہ	ابو عبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوٰی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوٰی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملک المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابو طالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحلیم لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

۳۵۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵۔	الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالحاس محمد بن علی	
۳۶۰۔	کتاب السواك	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱۔	کتاب الهدیة لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عمادالدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۳۶۲۔	کتاب الطهور لابی عبید		
۳۶۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقه	ابومحمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵۔	کتاب الوسوسة	ابوبکر بن ابی داؤد	
۳۶۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷۔	کشف الرمز علامة المقدسی		
۳۶۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰۔	الکفایة	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً ۸۰۰
۳۷۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکّی	۹۷۳
۳۷۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳۔	الکنی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقع الانوار القدسیه سید المنتخب من الفتوحات المکیه	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفی شرح الفقه النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۴۷ـ	المنتقط (فی فتاوٰی ناصری) ناصرالدین محمد بن یوسف الحسینی		۵۵۶
۴۴۸ـ	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۴۴۹ـ	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰ـ	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱ـ	المنتقٰی فی فروع الحنیفه	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲ـ	منحة الخالق حاشیه بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳ـ	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴ـ	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵ـ	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶ـ	مجمع البحرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷ـ	المبتغیٰ	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸ـ	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹ـ	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰ـ	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبة السدوسی	۲۶۲
۴۶۱ـ	منیة المصلی	سدیدالدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲ـ	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳ـ	موارد الظمآن	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴ـ	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵ـ	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶ـ	میزان الشریعة الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷ـ	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸ـ	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسیٰ ابن مردویة	۴۱۰
۴۶۹ـ	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰ـ	مسند الامام اعظم	ابوحنیفه نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱ـ	مؤطا الامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲۔	المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳۔	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴۔	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵۔	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶۔	الملل والنحل	ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷۔	موضوعات ابن جوزی	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸۔	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹۔	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰۔	مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱۔	المواقف السطانیہ فی علم الکلام	عضدالدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲۔	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳۔	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴۔	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵۔	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶۔	المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷۔	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸۔	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹۔	مسوی مصفی شرح موطا امام مالک	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰۔	مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱۔	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲۔	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳۔	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴۔	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵۔	مجموعہ فتاوٰی	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۰۴
۴۹۶۔	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۳۰۴

۴۹۷۔	مظاہرِ حق مولوی	نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸۔	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹۔	مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰۔	مفتاح الصلوٰۃ		
۵۰۱۔	مجتبیٰ شرح قدوری		
۵۰۲۔	مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳۔	معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴۔	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) امام فخر الدین رازی		۶۰۶

ن

۵۰۵۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶۔	الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

ضمیمہ
مآخذومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۸۵/۶۹۶/۶۹۱
	(تفسیر البیضاوی)	ھدیۃ العارفین	۴۶۳/۱
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابوعمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴۔	ارشادالساری الیٰ مناسك الملاعلی القاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیہ	ابوالفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبداللّٰہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابوالمعالی عبدالملک ابن عبداللّٰہ الجوینی الشھیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسٰی الحازمی الشافعی	۵۸۴
ت			
۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترھیب	ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرۃ الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللّٰہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابواسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفھیم المسائل		
۳۰۔	تنبیہ الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
ث			
۳۱۔	ثقفیات	ابوعبداللّٰہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
ج			
۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	ابوعبداللّٰہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱

ر			
۵۰۔	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲
س			
۵۱۔	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲۔	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳۔	سنن الهدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴۔	سنن فی الحدیث	حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳
ش			
۵۵۔	شرح رساله فضالیه	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶۔	شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷۔	الشامل فی فروع الحنفیه	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸۔	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹۔	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰۔	شرح صحیح بخاری	ناصر الدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱۔	شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲۔	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
ص			
۶۳۔	الصحاح المأثورہ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴۔	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبد الغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱

ف

۷۱۔	الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

۸۲۔	قرۃ عیون الاخیار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

<u>ک</u>

۸۳۔	کشف الغطاء مالزم لموتیٰ علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابوالحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السریٰ التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیة الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللہو والسماع	ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

<u>ل</u>

۹۷۔	لباب المناسك	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

<u>م</u>

۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۱۰۱۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایۃ فی شرح ہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵۔	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسند الشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناہل الصفافی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابدمنہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	متشق یادر منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر تی ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۴۔ نافع فی الفروع امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی ۴۰۲

۱۲۵۔	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔	نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔	نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔	نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔	النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔	نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔	نفع المفتی والمسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔	نوادر الاصول	ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔	نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔	نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔	نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔	نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔	نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔	نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قورد المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸
	و		
۱۳۹۔	وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔	واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔	وفاء الوفا	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
	ھ		
۱۴۲۔	ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔	ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

١٤

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عرَبی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡہُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوِی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد چہار دہم (۱۴)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد چہار دہم
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
مقدمہ ________ حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری
تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۷۱۲
اشاعت ________ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ / ستمبر ۱۹۹۸ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

رموز

محقق: علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح: علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش: علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب ردالمحتار

ط: علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدرالمختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر: الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر: الدرر شرح الغرر، ملا خسرو علامہ محمد بن فراموز

بحر: البحر الرائق، علامہ زین الدین ابن نجیم

ھندیہ: فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف

نہر: النہر الفائق، سراج الدین عمر بن تمیم

فتح: فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ: غنیۃ المستملی، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ: حلیۃ المحلی، ابن امیر الحاج

O

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدُللہ ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی منصوبہ کی متعدد تصانیف شائع کر چکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی ترجمہ و تخریج کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تقریباً نو سال کے مختصر عرصہ میں یہ چودھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان اور کتاب الحدود و التعزیر پر مشتمل تیرہ ۱۳ جلدیں شائع ہو چکی ہے جن کی تفصیل سنین، مشمولات اور مجموعہ صفحات کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

صفحات	سنینِ اشاعت	تعدادِ رسائل	جواباتِ اسئلہ	عنوان	جلد
۸۳۸	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ـــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۱۱	۲۲	کتاب الطہارۃ	پہلی جلد
۷۱۰	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ـــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷	۳۳	کتاب الطہارۃ	دوسری جلد
۷۵۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ـــــ فروری ۱۹۹۲	۶	۵۹	کتاب الطہارۃ	تیسری جلد
۷۶۰	رجب المرجب ۱۴۱۳ ـــــ جنوری ۱۹۹۳	۵	۱۳۲	کتاب الطہارۃ	چوتھی جلد
۶۹۲	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ـــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶	۱۴۰	کتاب الصّلوٰۃ	پانچویں جلد
۷۳۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ـــــ اگست ۱۹۹۴	۴	۴۵۷	کتاب الصّلوٰۃ	چھٹی جلد
۷۲۰	رجب المرجب ۱۴۱۵ ـــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷	۲۶۹	کتاب الصّلوٰۃ	ساتویں جلد
۶۶۴	محرم الحرام ۱۴۱۶ ـــــ جون ۱۹۹۵	۶	۳۳۷	کتاب الصّلوٰۃ	آٹھویں جلد
۹۴۶	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ـــــ اپریل ۱۹۹۶	۱۳	۲۷۳	کتاب الجنائز	نویں جلد
۸۳۲	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ـــــ اگست ۱۹۹۶	۱۶	۳۱۶	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	دسویں جلد
۷۳۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ـــــ مئی ۱۹۹۷	۶	۴۵۹	کتاب النکاح	گیارھویں جلد
۶۸۸	رجب المرجب ۱۴۱۸ ـــــ نومبر ۱۹۹۷	۳	۳۲۸	کتاب نکاح، طلاق	بارھویں جلد
۶۸۸	ذیقعدہ ۱۴۱۸ مارچ ۱۹۹۸	۲	۲۹۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	تیرھویں جلد

چودھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے آغاز سے صفحہ ۱۶۹ تک ۳۳۹ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی وفارسی کی عبارات کا ترجمہ فاضل شہیر مصنف کتب کثیرہ حضرت مولانا مفتی محمد خاں قادری مہتمم جامعہ اسلامیہ لاہور نے کیا ہے، اس سے قبل چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور دسویں جلد بھی علامہ موصوف کے ترجمے کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں، پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب السیر کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کی گئی ہے، انتہائی دقیق اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل سات رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام (۱۳۰۶ھ)

اس بات کا ثبوت کہ ہندوستان دار الاسلام ہے۔

(۲) نابغ النور علی سوالات جبلفور (۱۳۳۹ھ)

ترک موالات سے متعلق چند اہم سوالات کا جواب۔

(۳) دوام العیش فی الائمۃ من قریش (۱۳۳۹ھ)

خلافت شرعیہ کے لئے شرط قرشیت کا مدلل ثبوت

(۴) ردالرفضۃ (۱۳۲۰ھ)

تبرائی رافضیوں کا رد بلیغ

(۵) المبین ختم النبیین (۱۳۲۶ھ)

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتم جمیع انبیاء ومرسلین ہونے کا روشن بیان

(۶) المحجۃ المؤتمنۃ فی اٰیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ)

تحریک خلافت اور غیر مسلموں سے ترک موالات پر بحث۔

(۷) انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ)

گاؤ کشی کے معاملہ میں مفصل تحقیقات اور ہندوؤں کے شبہات کا ازالہ۔

مذکورہ بالاسات رسائل میں سے دو رسالے **نابغ النور** اور **المبین** پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم میں موجود تھے جبکہ آخر الذکر رسالہ **انفس الفکر** فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم **کتاب الاضحیہ** میں شامل تھا۔ مگر اس کے مباحث جلیلہ **کتاب السیر** سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں لہٰذا اس کو جلد ہذا میں شامل کردیا گیا۔ باقی چاروں رسائل اس سے قبل فتاوٰی رضویہ میں شامل نہ تھے موضوع کی مناسبت کے پیش نظر ان کو اس جلد کی زینت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ رسالہ **انفس الفکر** کے متصل بعد جلد ہشتم قدیم میں مذکور ہندوستان میں گاؤ کشی کے بارے میں نو مسائل بھی اس جلد میں شامل کردئے گئے ہیں، اس طرح رسالہ **انفس الفکر** سمیت صفحہ ۴۴۳ تا ۴۵۹ تقریبا سولہ صفحات کو جلد ہشتم قدیم سے نکال کر جلد ہذا میں شامل کیا گیا۔ رسالہ **انفس الفکر** کے حوالے سے مصنف علیہ الرحمۃ کی خداداد فہمی بصیرت پر صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت مولانا امجد علی اعظمی کا تبصرہ اہم وضاحت کے عنوان سے رسالہ مذکورہ کے حاشیہ میں دے دیا گیا ہے۔

ہندوستان میں گاؤ کشی کے بارے میں مسلم لیگ ضلع بریلی کی طرف سے بھیجے گئے استفتاء کا جناب نواب مرزا صاحب کی طرف سے تحریر کردہ جواب بھی پیش نظر جلد کے صفحہ ۵۵۸ پر ذکر کردیا گیا ہے جس کی

مصنف علیہ الرحمۃ نے تصدیق فرمائی تھی۔

مندرجہ ذیل تین رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس جلد میں شامل نہیں کئے جاسکے باوجودیکہ ان کا تعلق کتاب السیر سے ہے:

o المجل المسددان سباب المصطفی مرتد

o البارقة اللمعا علی ساعد من نطق بالکفر طوعا

o المقال الباھر منکر الفقہ کافر

نوٹ: پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت مولانا الحاج پیر سید محمد معروف حسین عارف نوشاہی قادری بانی ورلڈ اسلامک مشن وسرپرست اعلی مرکزی جمعیت تبلیغ اسلام (یو۔کے) اس عظیم الشان منصوبے کے آغاز سے لے کر اب تک ہر اعتبار سے مسلسل اور بھرپور تعاون فرمارہے ہیں جس سے دین اسلام اور مسلک حق اہل سنت وجماعت سے ان کی محبت نیز اعلیحضرت عظیم المرتبت امام احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کا پتا چلتا ہے، موصوف کی مساعی جمیلہ للہیت اور اراکین ادارہ کی حوصلہ افزائی کے پیش نظر بجاطور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس ادارہ کو قبلہ پیر صاحب کی مکمل سرپرستی حاصل ہے جس پر تمام اراکین ادارہ صمیم قلب سے آپ کے شکر گزار ہیں۔

o

جمادی الاولٰی ۱۴۱۹ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ستمبر ۱۹۹۸ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مقدمه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا علم وفضل، تبحر، وسعت نظری، فکر ونظر کی گہرائی، پچاس ۵۰ سے زیادہ علوم میں مہارت، یہ وہ امور ہیں جو کسی بھی باخبر شخصیت سے مخفی نہیں ہیں، رضا فاؤنڈیشن لاہور کی طرف سے ترتیب جدید کے ساتھ فتاوٰی رضویہ کی تیرہ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، ان میں پرانی پانچ جلدیں پیش کی جاسکی ہیں، امید ہے کہ پچیس تیس جلدوں میں پورا فتاوٰی مکمل ہوسکے گا، اس کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی صاحب علم امام احمد رضا کے تبحر علمی کا انکار نہیں کرسکتا۔

امام احمد رضا بریلوی کے علم وقلم نے نہ صرف مسلمانوں کے ایمان اور عقائد کی حفاظت کی انھیں زندگی میں پیش آنے والے عبادات ومعاملات کے احکام سے آگاہ کیا بلکہ انھیں باوقار زندہ رہنے کا اسلامی طریقہ بھی سکھایا، وہ سیاسی لیڈر نہ تھے لیکن وقت آنے پر انھوں نے قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی جس کے نتیجے میں ملت اسلامیہ کا سفینہ ساحل مراد پر جالگا اور دنیا کے نقشے پر پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

پاکستان کے قابل صد فخر سپوت اور نامور مسلمان سائنس دان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ایٹمی دھماکوں سے چند دن قبل ۲۴ مئی ۱۹۹۸ھ کو درج ذیل بیان جاری کیا:

"آج سے سو سال قبل جب انگریز ہندوؤں کے ساتھ ساز باز کرکے ہند کی معیشت پر قابض

ہوئے تو مسلمانوں کے تشخص اور تعلیمی نظام کو زبردست دھچکا لگا، استعماری طاقتوں کے مذموم عزائم کی بدولت مذہبی قدریں زوال پذیر ہونے لگی تھیں۔

اس پر آشوب دور میں اللہ رب العزت نے برصغیر کے مسلمانوں کو امام احمد رضا جیسی باصلاحیت اور مدبرانہ قیادت سے نوازا جس کی تصانیف، تالیفات اور تبلیغی کاوشوں نے شکست خوردہ قوم میں ایک فکری انقلاب بپا کردیا۔

امام صاحب کی شخصیت جذبہ عشق رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے لبریز تھی، آپ کی ساری زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی ذات نبی کریم سے وفاشعاری کا نشان مجسم تھی۔"[1]

بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے اور تیسرے عشرے میں کئی ایسی تحریکیں چلیں جن میں واضح طور پر محسوس ہوتا تھا کہ مسلمان اپنا تشخص کھو کر ہندومت میں مدغم ہوجائیں گے، انگریز تاجر بن کر ہندوستان آیا اور اپنی سازشوں سے یہاں کا حکمران بن بیٹھا، ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی حکومت برطانیہ نے بے شمار ہندوستانیوں کو اس وعدے پر فوج میں بھرتی کرکے جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا کہ فتح کے بعد ہندوستان آزاد کردیا جائے، مسٹر گاندھی اور مولانا محمد علی جوہر نے فوجی بھرتی کی بھرپور حمایت کی، دو لاکھ کے قریب مسلمان اور ہندو فوج میں بھرتی ہوئے، عظیم اسلامی ملک ترکی کو شکست ہوئی فتح مکہ کے بعد انگریز اپنے وعدے سے منحرف ہوگیا، مسٹر گاندھی نے انھیں سزادینے کے لئے "مسئلہ خلافت" کھڑا کردیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ترکی کا سلطان اسلامی خلیفہ ہے، اس کی خلافت کو ختم کرنا اسلام پر حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ کتنی عجیب بات تھی کہ وہ گاندھی جو ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک انچ زمین دینے پر تیار نہ تھا وہ عالمی سطح پر مسلمانوں کی خلافت بحال کرنے کا نعرہ لگارہا تھا۔

پھر اس تحریک کو تحریک "ترک موالات" بنادیا گیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریز کا ہر قسم کا بائیکاٹ کریں، ان کی ملازمت چھوڑیں، ان کی دی ہوئی جاگیریں واپس کردیں، مسلمانوں کے کالجوں کو ملنے والی گرانٹ واپس کردیں، غرض یہ کہ ان سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں، افسوسناک صورت یہ تھی کہ گاندھی لیڈر تھا مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر دست بستہ اس کے پیچھے چل رہے تھے، ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتوے دئے جارہے تھے، مسجدوں کے

[1] ہینڈبل شائع کردہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ص ۳-۲

منبروں پر گاندھی ایسے مشرک کو بٹھا کر اس کی تقریریں کرائی جارہی تھیں مختصر یہ کہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے پوری طرح راہ ہموار کی جاچکی تھی۔

دوسری طرف لیڈروں کی نگاہ سے یہ حقیقت یکسر پوشیدہ تھی کہ انگریز کے اس ملک سے چلے جانے کے بعد اقتدار لازمی طور پر ہندوؤں کو ملے گا، جو ہندوستان میں غالب اکثریت میں تھے، مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچتا؟ انھیں یہی فرق پڑتا کہ پہلے انگریز حکمران تھے جو اہل کتاب ہونے کا دعوی کرتے تھے بعد میں ہندوؤں کی حکومت ہوتی جو مشرک تھے اور کسی آسمانی کتاب کو نہ مانتے تھے ہندوؤں نے حکومت نہ ہونے کے باوجود شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کے ذریعے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے ہر حربہ استعمال کر ڈالا تھا، جب انھیں حکومت مل جاتی تو وہ کیا کچھ نہ کرتے؟ اس دور میں اس حقیقت کا ادراک سب سے پہلے امام احمد رضا بریلوی نے کیا اور بستر علالت سے "**المحجة المؤتمنة**" کتاب لکھ کر ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں پر کاری ضرب لگائی اور قوم مسلم میں نئی روح پھونک دی یہ کتاب تحریک پاکستان کی خشت اول کی حیثیت رکھتی ہے، یہ کتاب فتاوی رضویہ کی چودھویں جلد میں شائع کر دی گئی ہے، ارباب حکومت، ماہرین تعلیم اور تاریخ پاکستان کے محققین کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں:

"امام رضا گاندھی کے بچھائے ہوئے اس دام ہمرنگ زمین کو خوب دیکھ رہے تھے انھوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب اقبال اور قائد اعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے، دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتداء ہیں اور یہ دونوں حضرات مقتدی، پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔"[1]

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا موقف یہ تھا کہ موالات دوستی کو کہتے ہیں، مسلمان کے دل میں کسی بھی کافر کی دوستی نہیں ہونی چاہئے خواہ انگریز ہو یا ہندو، تحریک ترک موالات کے حامی انگریز کی دوستی ہی نہیں اس کے ساتھ معاملات کرنے سے بھی منع کرتے تھے، دوسری طرف ہندو کی دوستی میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ اتحاد کی کوشش کررہے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کی مخالفت کی اور اختلاف کی

[1] کوثر نیازی: امام احمد رضا خاں بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت معارف نعمانیہ لاہور ص ۱۵۔ ۱۴

ایک وجہ یہ تھی کہ ان تحریکوں میں گاندھی ایسا مشرک لیڈر تھا اور مسلمان لیڈر اس کے مقتدی تھے، اس میل جول اور اتحاد کا اثر ہندوؤں پر تو کچھ نہ ہوتا البتہ مسلمان اپنے دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے، اس موقع پر امام احمد رضا بریلوی نے ڈنکے کی چوٹ پر اس اتحاد کی مخالفت کی، اور اتحاد کرنے والے علماء اور لیڈر کو فرقہ گاندھویہ کا لقب دے کر ان کی شدید مخالفت کی، چونکہ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء اہلسنت کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا اس لئے ان کے مخالفین ابوالکلام آزاد وغیرہ کی بڑی کوشش تھی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ تحریکوں میں شریک ہو جائیں۔

ایک شوشہ یہ چھوڑا گیا کہ ترکی کی حکومت چونکہ خلافت شرعیہ ہے اس لئے جو اس کی حمایت نہیں کرتا وہ کافر ہے، امام احمد رضا بریلوی سے اس سلسلے میں استفتاء کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جہاں تک خیر خواہی کا تعلق ہے وہ تو دل سے ہر مسلمان کے لئے فرض ہے، اس میں قریشی ہونا شرط نہیں البتہ خلافت شرعیہ کے لئے دیگر شرائط کے علاوہ ایک شرط قریشی ہونا ہے، اس مسئلے پر آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام ہے:

"**دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔**"

یہ رسالہ آپ کی وفات کے بعد چھپا، اس کی اشاعت سے انگریز کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا تو آپ کی ظاہری زندگی میں شائع کیا جاتا۔

انگریز نوازی کا الزام

یہ وہ حالات تھے جن کی بناء پر مخالفین نے امام احمد رضا پر انگریز نوازی کا الزام لگایا، جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

نوائے وقت کے مشہور کالم نویس میاں عبدالرشید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

"ان دنوں چونکہ سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اس لئے حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی۔ لیکن تاریخ نے ان ہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل پراپیگنڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آرہا ہے۔"[1]

[1] میاں عبدالرشید: پاکستان کا پس منظر اور پیش نظر (ادارہ تحقیقات پاکستان لاہور) ص ۱۲۰

مشہور کالم نگار کوثر نیازی لکھتے ہیں:

"ایک ایسا مرد مومن جسے انگریزی سامراج سے اتنی نفرت ہو کہ وہ اس کی کچہری میں جانے کو حرام سمجھتا ہو، جو مقدمہ قائم ہو جانے کے باوجود اس کی عدالت میں نہ گیا ہو، جو خط لکھتا ہو تو کارڈ اور لفافے کی الٹی طرف پتہ لکھتا ہو تاکہ انگریز بادشاہ اور ملک کا سرنیچا نظر آئے، جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے پہلے یہ وصیت کی ہو کہ اس دالان سے ڈاک میں آئے ہوئے وہ تمام خطوط جن پر ملکہ اور بادشاہ کی تصویر ہے اور روپے پیسے جن پر یہ تصویریں ہیں سب باہر پھینک دئے جائیں تاکہ فرشتہ ہائے رحمت کو آنے میں دشواری نہ ہو،

جس نے نعت گوئی میں بھی کسی کو نمونہ مانا اور اسے سلطان نعت گویاں قرار دیا تو حضرت مولانا کفایت علی کافی تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی دیا۔ اس سلسلے میں باقاعدہ جدوجہد کی اور ۱۸۵۸ء میں مراد آباد کے چوک میں انھیں برسر عام پھانسی دے دی (مقصد یہ کہ امام احمد رضا (علیہ الرحمۃ) انگریز نواز ہوتے تو انگریز کے اتنے بڑے دشمن کو اپنا آئیڈیل نہ بناتے ۱۲ قادری)

اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریز کا حامی تھا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے سورج ظلمت، پھول بدبو، چاند گرمی، سمندر خشکی، بہار جھٹر، صبا صرصر، پانی حدت، ہوا حبس اور حکمت جہالت کا دوسرا نام ہے ع

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی [1] "

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی حیات مبارکہ وہ شفاف آئینہ ہے جس پر انگریز نوازی کا کوئی داغ نہیں۔ انھوں نے ان کے صاحبزادوں اور تلامذہ وخلفاء نے کبھی انگریز سے تعلق نہ رکھا، ان میں سے کسی کو انگریز نے شمس العلماء وغیرہ کا خطاب نہ دیا۔ نہ ان میں سے کسی نے انگریز سے جائیداد حاصل کی، آج انڈیا آفس لائبریری کا ریکارڈ اوپن ہو چکا ہے جس کا تعلق پاک وہند کی تحریک آزادی سے ہے، کہیں سے تو انگریز دوستی کا ثبوت ملے۔

اس کے برعکس یہ حقیقت کوئی راز سربستہ نہیں رہی کہ تحریک ریشمی رومال کا راز کس نے طشت از بام

---

[1] کوثر نیازی: امام احمد رضا ہمہ جہت شخصیت ص ۱۶

کیا؟ اور کس کی اطلاع پر جنود ربانیہ کے زعماء مولوی محمود حسن وغیرہ کو گرفتار کرکے جزیرہ مالٹا میں قید کیا گیا؟ مولوی تاج محمود امروٹی کے صاحبزادے اور سندھ کے سیاسی لیڈر مولوی محمد شاہ امروٹی نے بستر مرگ پر پڑے ہوئے بیان دیا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے ان تمام منصوبوں کی اطلاع اپنے بھائی مظہر علی کو پہنچائی جو سی آئی ڈی کے افسر اعلی تھے، انھوں نے انگریز حکومت کو اطلاع پہنچادی [1] اور مولوی شبیر احمد عثمانی نے صاف اعتراف کیا کہ بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ تھانوی صاحب کو انگریز حکومت کی طرف سے چھ سو روپے ماہانہ ملا کرتے تھے۔ [2]

کیا یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا کے بھی انگریز حکومت کے ساتھ اس قسم کے تعلقات تھے یا انھوں نے حکومت وقت سے مفاد حاصل کیا؟ وہ تو انگریز دور حکومت میں مسلم امّہ کو جگاتے ہوئے فرمارہے ہیں؟

ع سونے والو! جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے

تشدّد کا الزام

امام احمد رضا بریلوی اخلاص اور للّٰہیت کا پیکر تھے، انھوں نے قرآن وحدیث اسلام کے ارشادات کی روشنی میں بغیر کسی رورعایت کے فتوے صادر کئے، روافض اور قادیانیوں کے خلاف آپ کے فتووں کو دیوبندی مکتب فکر کے لوگ بھی اپنی تائید اور حمایت کے ساتھ شائع کرتے ہیں اورانھیں تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ علمائے دیوبند کے خلاف ان کے فتووں کو قابل التفات نہ گردانا جائے؟

دراصل بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم ضروریات دین میں سے ہے اور آپ کی گستاخی اور توہین کفر ہے، اس پر بریلوی دیوبندی دونوں متفق ہیں۔

مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا گنگوہی۔۔۔۔۔ فرماتے ہیں کہ جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات علیہ السلام ہوں اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو، مگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہوجاتا ہے۔" [3]

اختلاف اس وقت پیدا ہوا جب امام احمد رضا بریلوی نے علماء دیوبند کی بعض عبارات پر گرفت کی

---

[1] انجم لاشاری ماہنامہ شوٹائم، کراچی (شمارہ اپریل ۱۹۸۸ء) ص ۱۳۱

[2] مکالمۃ الصدرین (مطبوعہ دیوبند) ص ۱۰۔۹

[3] حسین احمد مدنی، مولوی: الشہاب الثاقب ص ۵۷

اور انھیں حرمین شریفین کے علماء کے سامنے پیش کرکے ان سے دریافت کیا کہ یہ عبارات رسول گرامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہیں اور ان کا قائل کافر ہے یا نہیں؟ پینتیس ۳۵ علمائے حرمین شریفین نے فتوی دیا کہ یہ عبارات کفریہ ہیں اور ان کے قائل کافر ہیں، اب چاہئے تو یہ تھا کہ ان چند سطری عبارات کو حذف کردیا جاتا اور اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں توبہ کی جاتی۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا، اور وہ کتابیں ان عبارات سمیت آج تک چھپ رہی ہیں، متحدہ پاک وہند کے اڑھائی سو سے زائد علماء اور مشائخ نے اس فتوے کی تصدیق کی، دیکھئے الصوارم الہندیہ از مولانا حشمت علی خاں رضوی رحمہ اللہ تعالٰی،

یہ فتوی علمائے دیوبند سے ذاتی مخاصمت کی بنا پر نہیں بلکہ ناموس مصطفٰی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی حفاظت کی خاطر دیا تھا، مولوی مرتضی حسن دربھنگی ناظم تعلیمات شعبہ تبلیغ دارالعلوم دیوبند اس فتوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اگر (مولانا احمد) خاں صاحب کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انھوں نے انھیں سمجھا تو خاں صاحب پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی، اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہوجاتے۔"[1]

مولانا کوثر نیازی اس اختلاف اور اس کے پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اصل جھگڑا یہاں سے چلا کہ ان (علماء دیوبند) کے بعض اکابر کی خلاف احتیاط تحریروں کو امام رضا نے قابل اعتراض گردانا اور چونکہ معاملہ عظمت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تھا، توہین رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بنیاد پر انھیں فتووں کا نشانہ بنایا دیکھا جائے تو یہی فتوے امام بریلوی اور ان کے مکتب فکر کے جداگانہ تشخص کا مدار ہیں، جس تشدد کی دہائی دی جاتی ہے وہی ان کی ذات کی پہچان اور پوری حیات کا عرفان ہے"۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے یہ فتوے کسی ذاتی یا گروہی مخاصمت کی بناء پر نہیں بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت اور تقدس کے تحفظ کے لئے دئے جو ہر مسلمان کا فرض ہے، ان کے ایک مکتوب کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے جس کا ایک ایک لفظ ان کے درد دل کا آئینہ ہے، ڈیرہ غازی خاں کے مولانا غلام یسین رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

[1] مرتضی حسن دربھنگی، مولوی اشد العذاب ص ۱۴

[2] کوثر نیازی: امام احمد رضا ہمہ جہت شخصیت ص ۷

"مولانا! زمانہ غربت اسلام ہے "بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ فطوبٰی للغرباء" غربت کے لئے کسمپرسی لازم ہے، سنیوں میں عوام کی توجہ لہوولعب وہزل کی طرف اور بدمذہب رافضی ہوں یا وہابی یا قادیانی یا آریہ یا نصاری، سب اپنے اپنے مذہب کی نصرت وحمایت واشاعت میں کمربستہ ہیں۔ مال سے اعمال سے اقوال سے، سنیوں کو کون پوچھتا ہے؟ وقت ہی شیوع ضلالت کا ہے، ان کو اگر کوئی آدھی بات کہے جامہ سے باہر ہوں، ماں باپ کو گالی دے اس کے خون کے پیاسے ہوں، اس وقت تہذیب بالائے طاق رہتی ہے، ساری تہذیب اللہ عزوجل اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقابل برتی جاتی ہے کہ ان کو منہ بھر گالیاں دینے والے، لکھ لکھ کر چھاپنے والے جو چاہیں بکیں، ان بکنے والوں کا نام ذرا بے تعظیمی سے لیا اور نامہذب درشت گو کا خلعت عطا ہوا، یہ حالت ایمان ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایسوں کے نزدیک تو معاذ اللہ قرآن عظیم بھی نامہذب ہے "فلاتطع کل حلاف مهین هماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذٰلك زنیم، یایها النبی جاهد الکفار والمنفقین واغلظ علیهم، وقاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظة، ودوا لوتدهن فیدهنون، ولاتاخذکم بهما رأفة فی دین الله، تقربوا الی الله ببغض اهل المعاصی والقوهم بوجوه مقفهرة۔

بات یہ ہے کہ اللہ ورسول کی عزت قلوب میں بہت کم ہو گئی ہے، ماں باپ کو برا کہنے سے دل کو درد پہنچتا ہے، تہذیب بالائے طاق رہتی ہے، نہ اس وقت اخوت واتحاد کا سبق یاد ہے، اللہ ورسول پر جو گالیاں برستی ہیں ان سے دل پر میل بھی نہیں آتا، وہاں نیچری تہذیب آڑے آتی ہے، اللہ اسلام دے اور مسلمانوں کو توفیق خیر عطا فرمائے"۔

تفصیل کے لئے سعادت لوح وقلم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کی تصنیف لطیف "گناہ بیگناہی" اور مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری کی پاک وہند میں مقبول کتاب "دعوت فکر" کا مطالعہ فرمائیں۔

O

۱۸ جمادی الاولٰی ۱۴۱۹ھ

۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

فہرست مضامین

دارالحرب صرف ایک ہی شرط سے دارالاسلام بن جاتا ہے وہ یہ کہ وہاں اسلام کا حکم غالب ہوجائے۔	۱۰۶	بعض اجلہ مشاہیر معاصرین کی غلط فہمی پر مصنف علیہ الرحمۃ کی گرفت۔	۱۱۲
امام اعظم کے نزدیک دارالاسلام تین شرطوں کے پائے جانے سے دارالحرب بن جاتا ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک صرف ایک ہی شرط سے دارالحرب قرار پاجائے گا۔	۱۰۶	الاتصال بدارالحرب کا مطلب اور اس بات کا بیان کہ کیا یہ نفی حربیت کے لئے شرط ہے۔	۱۱۲
حکم جب کسی علت سے ثابت ہو تو جب تک علت باقی رہے حکم باقی رہتا ہے۔	۱۰۷	امام صاحب کے نزدیک کسی دارالاسلام کے دارالحرب بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ چاروں طرفوں سے دارالاسلام میں گھرا ہوا نہ ہو۔	۱۱۳
دارالاسلام میں جب تک کچھ بھی احکام اسلام باقی رہیں وہ دارالحرب نہ بنے گا اگرچہ وہاں اہل اسلام کا غلبہ ختم ہوجائے۔	۱۰۷	ان لوگوں پر تعجب ہے جو تحلیل ربٰو کے لئے ہندوستان کو دارالحرب ٹھہراتے ہیں اور قدرت واستطاعت کے باوجود ہجرت نہیں کرتے۔	۱۱۴
دارالحرب میں بعض اسلامی احکام نافذ ہوجائیں تو وہ دارالاسلام بن جاتا ہے۔	۱۰۸	سود کی حرمت نصوص قاطعہ سے ثابت ہے۔	۱۱۴
ظاہر یہ ہے کہ جہاں احکام شرک اور احکام اسلام دونوں نافذ ہوں وہ دارالحرب نہیں ہوگا۔	۱۰۹	سود کھانے والے قیامت کو آسیب زدہ کی طرح اٹھیں گے یعنی مجنونانہ گرتے پڑتے بدحواس۔	۱۱۴
مذکورہ بالا دعوی کے ثبوت پر دو چیزیں دلیل ہیں۔	۱۰۹	سود خوروں کے پیٹ بڑے ہوجائیں گی اور ان میں سانپ بچھو بھر جائیں گے۔	۱۱۴
پہلی چیز۔	۱۰۹	سود کھانے والوں کا اللہ تعالٰی اور اس کے رسول سے اعلان جنگ۔	۱۱۴
دوسری چیز۔	۱۱۰	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود خور پر لعنت فرمائی۔	۱۱۴
الاسلام یعلو ولایعلی (اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا)	۱۱۰	سود کے ستر درجے ہیں جن میں سے ادنٰی یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔	۱۱۴
خلاف مراد شرع اہل ذمہ کے ذلت سے نکل کر ترقی پانے کے اسباب۔	۱۱۱	ایک درہم سود کا دانستہ کھانا ایسا ہے جیسا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کرنا۔	۱۱۵
بعض لوگوں کا وہم ہے کہ ہندوستان سے دارالحرب کی نفی صرف امام اعظم کا مذہب ہے صاحبین کا نہیں۔	۱۱۲		

جو نام دنیا میں کسی کا ہو چاہے کسی نے رکھا ہو، لوح محفوظ میں علم کی حیثیت سے وہی نام مرقوم ہے اور جس نام میں تغیر واقع ہو اور زمانہ کی قید کے ساتھ دونوں نام مرقوم ہیں۔	۲۷۵	قادیانی کی جھوٹی پیش گوئیاں۔	۲۷۹
جس نے اپنا نام بدلا اور علم کی طرح مشہور نہ ہوا اللہ کے یہاں بھی وہ علم قرار نہیں دیا گیا۔	۲۷۵	صریح کافروں سے فروعات میں بحث نہ کی جائے۔	۲۸۰
اللہ تعالٰی کے لئے "میاں" کا لفظ ممنوع ہے۔	۲۷۵	حدیث متواتر کی دو قسمیں۔	۲۸۰
یہ کہنا کہ اللہ تعالٰی حضور کی رضا چاہتا ہے صحیح ہے اور یہ مضمون قرآن سے ثابت ہے۔ اس کو جہلا کا قول بتانا قابل توبہ جرم ہے۔	۲۷۵	مطلقًا حدیث کا استہزاء کفر ہے۔	۲۸۰
اللہ تعالٰی روز محشر اولین وآخرین کو جمع کرکے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمائے گا یہ سب میری رضا چاہتے ہیں اور اے محبوب! میں تمھاری رضا چاہتا ہوں۔	۲۷۶	شیعہ، غیر مقلد وغیرہ بدمذہبوں میں ضروریات دین کا منکر کافر ہے۔	۲۸۰
تحویل قبلہ اور روایت بخاری کا ذکر۔	۲۷۶	غیر مقلدین کے چند غلط عقائد ومسائل	۲۸۱
زنار باندھنے، ہیٹ، کوٹ، پتلون وغیرہ لباس نصارٰی پہننے کا حکم۔	۲۷۶	غیر مقلدین گمراہ اور بحکم فقہاء کافر ہیں۔	۲۸۲
جس نے کافروں کے کسی فعل کو اچھا سمجھا کافر ہوگیا۔	۲۷۷	اللہ تعالٰی کے لئے مکان ماننا کفر ہے۔	۲۸۲
حب فی اللہ اور بغض للہ مناط ایمان ہے۔	۲۷۷	اللہ تعالٰی کے لئے جہت تسلیم کرنا گمراہی اور بہت سے ائمہ کے نزدیک کفر ہے۔	۲۸۳
مولا علی کو خدا کہنے والا کافر ہے، اس سے میل جول۔ سلام کلام، اس کی عیادت، مرنے پر غسل وکفن، نماز جنازہ پڑھنا، جنازہ اٹھانا اور مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام ہے۔	۲۷۷	اللہ تعالٰی عرش پر ہے۔ آسمان میں ہے، اس سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے اللہ اوپر تم نیچے، ان الفاظ کو ائمہ نے کلمات کفر میں شمار کیا ہے۔	۲۸۴
حسام الحرمین کے احکام حق وصحیح ہیں۔	۲۷۹	"اللہ نے نیت کی" بولنے کا حکم۔	۲۸۴
قادیانی کے رد کا طریقہ۔	۲۷۹	امام نووی پر تطفل۔	۲۸۵
قادیانی کی تصانیف میں کلمات کفریہ برساتی کیڑوں کی طرح بکھرے ہیں۔	۲۷۹	اللہ تعالٰی کو کسی شیئ سے تشبیہ دینا یا مکان وجہت کے ساتھ اس کو متصف کرنے کا حکم۔	۲۸۵
قادیانی کے بعض کلمات کفریہ کا تذکرہ۔	۲۷۹	فقہ حنفی کو مطلقًا باطل وناحق جاننا سخت خبیث وملعون ہے۔	۲۸۵

فقہ حنفی احکام قرآن عظیم اور احکام صحاح احادیث پر مشتمل ہے۔	۲۸۵	انکار اجماع مطلقاً کفر ہے۔	۲۸۹
"قیاس ابو حنیفہؒ حق نیست" کہنے کا حکم اور اس مسئلہ میں مصنف کا ایک رسالہ	۲۸۵	اہل حدیث دائرہ اسلام سے خارج ہیں تقلید کا مطلقاً انکار کفر ہے۔	۲۹۰
ائمہ اربعہ رضوان علیہم اجمعین کی جلالت شان پر امت اجابت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔	۲۸۵	عوام الناس پر تقلید واجب ہے۔	۲۹۰
بدعتی جیسے وہابیہ اور رافضی امت اجابت سے نہیں ہیں اس لئے اجماع میں ان کا خلاف معتبر نہیں البتہ بدعتی اہل قبلہ سے ہیں۔	۲۸۵	گیارہ سو برس سے عام امت محمدیہ مقلد ہے۔	۲۹۱
امام اعظم کی عظمت کا انکار گمراہی ہے۔	۲۸۶	عام امت کو مشرک کہنا کفر فقہی ہے۔	۲۹۱
ائمہ مجتہدین کا مقام باقی اولیاء سے بلند۔	۲۸۶	اس مسئلہ پر فقہ کی ۱۶ کتابوں کا حوالہ۔	۲۹۱
حدیث مبارک "من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب"	۲۸۷	قیاس وفقہ کی حجیت بھی ضروریات دین سے ہے۔	۲۹۲
ولی کی عداوت باعث ایذائے الٰہی ہے۔	۲۸۷	رافضی تبرائی پر بحکم فقہاء کفر لازم ہے۔	۲۹۳
مومن عاصی معذب ہے ملعون نہیں۔	۲۸۷	خلافت صدیق وعمر رضوان علیہم اجمعین کے منکر پر حکم کفر ہے۔	۲۹۴
مومن بالآخر رحمت ونعمت وجنت ابدی پاتا ہے مومن عاصی کی نار نار تطہیر ہے نہ کہ نار ابعاد ولعنت وتذلیل۔	۲۸۷	بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور کافر کے پیچھے باطل ہے۔	۲۹۴
جس شخص پر قرآن عظیم میں لعنت آئی اس پر لزوم کفر ہے۔	۲۸۸	رافضیوں کی تکفیر کے اسباب میں استحقاق بالدین، توہین علم وعلماء، سب شیخین وغیرہ امور ہیں۔	۲۹۴
حدیث مبارک "اھل البدع کلاب اھل النار" کی تفسیر۔	۲۸۸	تنقیص شان رسالت سے متعلق کسی انگریزی کتاب کے ایک اقتباس سے متعلق سوال اور اس کا حکم۔	۲۹۶
اجماع امت کی حجیت ضروریات دین سے ہے غیر مقلد اس کے منکر ہیں۔	۲۸۸	مسئلہ بالا سے متعلق دیگر علماء کے جواب۔	۲۹۷
سجدہ صنم، قتل نبی، نبی کا استخفاف اور اجماع امت کی مخالفت کفر ہے۔	۲۸۹	توہین رسول پر مشتمل پرچہ امتحان مرتب کرنے والا، اس پر نظر ثانی کرکے برقرار رکھنے والا، جس کی نگرانی میں ایسا پرچہ تیار ہوا، جس طالب علم نے اس عبارت کا ترجمہ کیا سب دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے۔	۲۹۸

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں بے ادبانہ الفاظ بولنے والے، حضرت زینب وحضرت زید رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی شان میں بے ادبی کرنے والے کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم۔	۳۱۱	وقوع نسخ قطعی ہے۔ اس کا ثبوت ضروریات دین سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔	۳۱۶
جو ایسے کافروں کے ساتھ اسی عالم استہزاء و توہین میں بخوشی بیٹھے انھیں کے جیسا ہو گیا۔	۳۱۱	کلمہ کفر صادر ہو تو تجدید نکاح ضروری ہے۔	۳۱۶
سنت پڑھنے والے کو مشرک کہنے والے، نماز میں التحیات ودرود کو بے سند بتانے والے، نماز جنازہ کو قرآن سے ثابت نہ ماننے والے کے بارے میں ایک سوال۔	۳۱۲	نکاح کے لئے گواہ اور رشتہ دار مثلاً بیٹا بیٹی ہوں وہ بھی کافی ہے۔	۳۱۶
مطلقاً حدیث شریف کا منکر کافر ہے۔ اس مضمون کی آیات۔	۱۳۲	قتل کے بعد تین روز تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نعش مبارک کے بے گور وکفن پڑا رہنا رافضیوں کا افتراء ہے۔	۳۱۷
ان احکام مشہورہ متواترہ کا بیان جن کا صریح تذکرہ قرآن میں نہیں ہے۔	۳۱۳	یہ کہنا کہ شہادت کے بعد کتوں نے ٹانگ چبا ڈالی تھی دروغ بے فروغ ہے۔	۳۱۷
قرآن کا منزل من اللہ ہونا بھی حدیث ہی سے ثابت ہے۔	۳۱۳	آیات قرآنی کا انکار کفر ہے۔	۳۱۸
عبارت "حفظ الایمان" کی ایک غلط تاویل کارد۔	۳۱۴	نہ ماننے کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت سن کر اس کے خلاف عمل کرے۔ انکار نہ کرے تو یہ کفر نہیں۔	۳۱۸
اللہ تعالٰی پر لفظ سخی، داتا کا اطلاق شرعاً ممنوع ہے۔	۳۱۴	علی الاعلان گناہ کبیرہ کرنے والا فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۳۱۸
کلام صریح میں تاویل نامقبول ہے۔	۳۱۵	بتوں کا جلوس گھرلانے پر ان کا شکریہ ادا کرنا، قشقہ کھنچوانا، معبودان باطل کی جے بولنی، اور جنھوں نے ان کے جلوس کے ساتھ گشت کی قریب بہ کفر ہوئے۔	۳۱۸
کفر کرنے والا اعمال صالحہ کرنے کی وجہ سے کفر سے نہ بچے گا۔	۳۱۵	راضی بہ کفر ہونے کی ایک صورت اور اس کا شرعی حکم۔	۳۱۹

کیا آیہ کریمہ مثبت خاتمیت کاملہ ہے یا نہیں۔	۳۳۲	لفظ خاتم النبیین میں نفی استغراق کے لئے جو تاویل پیش کی جاتی اس پر رب العالمین سے معارضہ کہ یہ تاویل وہاں بھی چل سکتی ہے۔	۳۳۷
جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل انبیاء کا خاتم نہ مانے اس کے پیچھے نماز اور اس کی تعظیم و توقیر کا کیا حکم ہے۔	۳۳۲	قادیانیہ، قاسمیہ، نذیریہ ضروریات دین کے منکر ہیں۔	۳۳۸
دلائل خارجیہ۔	۳۳۲	منکرین ختم نبوت کے کفر میں شک کرنے والا خود کافر ہے۔	۳۳۸
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔	۳۳۳	آیت خاتم النبیین کے استغراق سے انکار مطلقاً کفر ہے۔	۳۳۹
حدیث لانبی بعدی متواتر ہے۔	۳۳۳	ختم نبوت کی تفسیر ختم زمانی قطعی اجماعی ہے، ضروریات دین اپنے ثبوت میں سے کسی خاص نص کے محتاج نہیں ہوتے۔	۳۳۹
خاتم البنیین بمعنی آخر النبیین پر اجماع ہے۔ اس کا ثبوت نصوص علماء سے ہے۔	۳۳۳	یہ کہنے والا کہ حرمت خمر قرآن سے ثابت نہیں کافر ہے۔	۳۳۹
آیت خاتم النبیین کے معنی مشہور میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کفر ہے۔	۳۳۴	ختم نبوت زمان کا ثبوت آیہ کریمہ خاتم النبیین پر موقوف نہیں۔	۳۴۰
مضمون بالاپر امام غزالی، امام نابلسی، علامہ شہاب الدین فضل اللہ کے نصوص۔	۳۳۴	ختم زمانی کو ماننے والا منکرین ختم نبوت کی تکفیر کے باوجود آیت میں الف لام عہد کی تفسیر و تخصیص کا قائل بحکم فقہاء کافر ہوگا، آیت میں نفی استغراق کا قائل منکرین ختم نبوت کا معین ومددگار ہے۔	۳۴۱
عہد مصنف میں لفظ خاتم النبیین میں تاویل کرنے والے کچھ کذابوں کی تاویلات کا ذکر۔	۳۳۶	قرآن عظیم میں صرف ۲۶ پیغمبروں کے نام مذکور ہیں۔	۳۴۲
اس تاویل کا رد کہ آیت میں خاتم النبیین سے مراد شریعت جدیدہ کا ختم ہے۔	۳۳۶	شمویل، یوشع اور حضرت خضر علیہم السلام کا ذکر قرآن میں مبہم طریقہ پر ہوا۔	۳۴۲
رسالہ "جزاء اللہ عدوہ باباٸہ ختم النبوۃ" میں اسی مضمون کا بیان ہے۔	۳۳۷	قرآن سے ایسی تیس آیتوں کا بیان جن میں رسولوں کا ذکر بطریق استغراق ہوا۔	۳۴۲

کافروں کے زبانی اتحاد پر پھولنا قرآن عظیم کو بھولنا ہے۔	۵۷۲	ایک حدیث مبارک جو اپنی عزت خدا کے ہاں دیکھنا چاہے اندازہ لگائے کہ اس کے دل میں اللہ تعالٰی کی قدر کیسی ہے۔	۵۷۵
ہندو مسلم اتحاد کے نتیجے میں گائے کی قربانی کو چھوڑ دینا طرفہ تالی ہے۔	۵۷۲	آدمی اگر اللہ ورسول کے معاملہ کو اپنے ذاتی معاملہ کے برابر رکھے تو اس کے عمل کے لئے کافی ہے۔	۵۷۵
مولوی عبدالباری صاحب کے والد مولانا عبدالوہاب اور دیگر علماء فرنگی کا فتوٰی ہے کہ بخاطر ہنود قربانی گاؤ بند کرنا معصیت ہے۔ ناجائز ہے، اس کا جاری رکھنا واجب ہے، یہ فتوٰی مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحہ صاحب میں ہے۔	۵۷۲	آیت وتفسیر سے قربانی کا ثبوت، اور اللہ تعالٰی کے احکام کی بے قدری کرنے والوں کی عذاب سے تخویف۔	۵۷۵
ہنود کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے گاؤ کشی بند کرانے کے بارے میں بنائی جانے والے کمیٹی میں شرکت حرام اور اس کے محرکین شیطان کے فریب میں ہیں دانستہ یا نادانستہ بدخواہی اسلام کررہے ہیں۔	۵۷۳	اسی مسئلہ سے متعلق مسلسل تین سوال وجواب۔	۵۷۶
گائے بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ کی قربانی میں مسلمان منجانب شریعت مختار ہیں مگر مخالفان اسلام کی خاطر شعائر اسلام بند کرنے کا کسی وقت مسلمانوں کو اختیار نہیں۔	۵۷۳	قربانی کے لئے خریدی ہوئی گائے کو ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے بیل یا بھینس سے بدل کر قربانی کرنا منع ہے۔	۵۷۷
ہندوستان میں گائے کی قربانی قائم رکھنا واجب ہے اور ہندو مسلم اتحاد کی ناپاک مصلحت کے لئے اس کا چھوڑنا حرام ہے۔	۵۷۳	اللہ تعالٰی کے واسطے نیت کرکے پھرنا معیوب ہے ہندوؤں سے اتحاد حرام اور اس کی وجہ سے قربانی گاؤ موقوف کرنا حرام، اور ایسا کرنیوالے کا حشر ہندوؤں کے ساتھ ہوگا۔	۵۷۷
شعار اسلام کو بند کرنے کی کوشش کرنے والا اسلام کا بدخواہ ہے ایسا شخص عالم نہیں ظالم ہے جو اسلام پر ظلم کررہا ہے۔	۵۷۳	محض خوشنودی اہل ہنود کے لئے قربانی بجائے تین دن کے ایک دن مقرر کرنا حرام ہے۔	۵۷۷
مسئلہ کا حکم اور اہل اسلام کے خلاف شرع افعال کی قدرے تشریح۔	۵۷۴	ہنود کی خوشنودی کے لئے اللہ ورسول کے حکم میں تنگی کرنا مسلمان کا کام نہیں۔	۵۷۷
گاؤ کشی بند کرنے سے مسلمان کو جو معاشی اور مذہبی زحمتیں ہوں ان کا ذکر اور حکم شرع۔	۵۷۴		

ہزاروں ائمہ احاطہ الٰہی کو احاطہ صفاتی مانتے ہیں۔	۶۲۰	حدیث الفقر فخری بے اصل ہے۔	۶۲۷
اللہ تعالٰی کی ذات ہر مکان میں موجود ماننے پر لازم آنے والے استحالوں کا بیان۔	۶۲۱	ابن حاتم طلیطلی کو اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یتیم اور حیدر کا خسر کہا۔	۶۲۸
جو شخص مسلمان ہو کر فقہ کا مطلقًا انکار کرے مرتد ہے۔	۶۲۲	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زہد کو مجبوری کہنے کا حکم۔	۶۲۸
اللہ تعالٰی کو کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں، لیکن اس نے بندوں سے تعلیمًا مشورہ کیا۔ یہ کلمہ کفر نہیں بلکہ یہ حدیثوں سے مضمون ثابت ہے۔	۶۲۳	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اونٹ بان کہنے کا حکم۔	۶۲۹
نماز سے انکار مطلقًا کفر نہیں البتہ سخت گناہ ہے فرضیت سے انکار کفر ہے۔	۶۲۳	ابو العلاء المعرّی کا ایک کفری شعر۔	۶۲۹
"میں کافر ہی سہی" یہ کلمہ محتمل تاویل ہے۔ اس کے بولنے والے پر تجدید اسلام اور نکاح کا حکم ہے۔	۶۲۴	حدیث مبارک اللّٰھم احیینی مسکینا کا صحیح مطلب۔	۶۳۱
بزرگان اسلام کے مناقب کو دنت کتھا (بے سند بات) کہنا گمراہی ہے۔	۶۲۵	آپ کی ذات مبارک پر یتیم اور اس قسم کے دیگر الفاظ کے اطلاق کے بارے میں فقہاء کے متضاد احکام میں نفیس تطبیق۔	۶۳۱
غیر مسلموں کے مذہبی جذبات اور ان کے معبودوں کو عزت دینا کفر ہے۔	۶۲۵	کلمات بے ادبی کا حکایۃً دہرانا بھی ممنوع وحرام ہے اور ہر مرتکبین کے درجہ بدرجہ احکام۔	۶۳۲
کافر کے کسی فعل کی تعریف کفر ہے۔	۶۲۵	سورۃ والضحٰی میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روئے روشن اور زلف مشکیں کی قسم یاد کی گئی ہے۔	۶۳۴
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر کہنا جائز نہیں۔	۶۲۶	مرتکب توہین رسالت کے احکام۔	۶۳۴
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بے چارہ کہنا حرام ہے۔	۶۲۶	"ہندو ہوتے تو بہتر کہ روزے تو نہ رکھنا پڑتے"	۶۳۵
امام مالک کا مسلک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر لفظ یتیم کا اطلاق جائز نہیں۔	۶۲۷	"تیس روزے پوری قید ہیں، بھوک پیاس لے کر آتے ہیں" "رمضان بڑے ظالم ہیں" کہنے کا حکم۔	۶۳۵

یہود ونصارٰی جو توارات وانجیل قائم کریں باطل پر ہیں۔	۷۰۰	جس نے یہ کہا کہ "حضور کے زمانہ سے قربانی میں ہمارا حصہ چلاآیا ہے" حضور پر افتراء کیا۔بے توبہ مرا تو جہنم کاسزاوار ہے۔	۷۰۸
تورات وانجیل کے قیام میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرایمان لانا داخل ہے۔	۷۰۰	"چاہے ہماری قربانی مقبول نہ ہو ہم باپ دادا کی رسم نہ چھوڑیں گے" یہ کہنے والے پر توبہ تجدید اسلام وتجدید نکاح فرض ہے۔	۷۰۸
فلاح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے متبعین میں منحصر ہے۔	۷۰۰	کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔	۷۰۸
ہدایت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لانے پر موقوف ہے۔	۷۰۳	اوجھڑی کھانا مکروہ ہے دفن کردی جائے۔	۷۰۸
اللہ کے رسولوں پر ایمان لانے میں تفریق ڈالنے والا کہ بعض پر ایمان لائے بعض کا کفر کرے، پکا کافر ہے۔	۷۰۳	دل گردہ وغیرہ قربانی کرانے والے کو اختیار ہے چاہے خود کھائے چاہے تقسیم کرادے۔	۷۰۸
یہود ونصارٰی پر مسلمان ہونا ضروری ہے۔	۷۰۴	بت پوجا کی ترویج میں کوشش کرنا کفر ہے۔	۷۰۹
اسلام کے سوا ہر دین کا پیرو آخرت میں خسارہ میں ہوگا۔	۷۰۴	"داڑھی منڈوانا حرام ہے اور یہ کہنا کہ منڈوانا میری طبیعت کا اختیار ہے"گناہ پر اصرار ہے مگر کفر نہیں۔	۷۰۹
یہود ونصارٰی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ان کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔	۷۰۵	میری طبیعت کا اختیار اور میری طبیعت کو اختیار میں فرق ہے۔	۷۰۹
آخرت کی ساری بہاریں مسلمانوں کے لئے ہیں۔کافر اس سے یکسر محروم ہے۔	۷۰۵	جو شخص یہ کہے کہ آج مماوس میں مندر جاتا ہوں سنکھ دھو کر رکھ لیا ہے،اسلامی پنچایت سے مجھے کیا غرض،وہ کافر ہوگیا۔	۷۱۰
قربانی والے اپنی قربانی کا جو حصہ جس کو چاہے دیں بالتخصیص کسی حصہ میں کسی کا حق شرعا وارد نہیں۔	۷۰۸	قربانی گاؤ سے متعلق ایک سوال وجواب۔	۷۱۰

فہرست ضمنی مسائل

تفسیر واصول تفسیر		نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کے بعد نسخ قرآن جائز نہیں۔	۲۶۱
بت پرستی۔ وہابیہ اور دیوبندیہ "من حاداللہ ورسولہ" میں داخل ہیں۔	۱۳۵	آیت "تقلبك فی الساجدین" کی تفسیر۔	۲۷۳
جو "یوادون من حاداللہ ورسولہ" ہیں وہ "یؤمنون باللہ و الیوم الاخر" نہیں۔	۱۳۵	آیت خاتم النبیین کے معنی مشہور میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کفر ہے۔	۳۳۴
کلام الٰہی میں اپنی طرف سے کسی قید کا اضافہ بحکم قرآن افتراء علی اللہ ہے۔	۱۴۶	اس تاویل کا رد کہ آیت میں "خاتم النبیین" سے مراد شریعت بعیدہ کا ختم ہے۔	۳۳۶
آیہ مبارکہ "لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء" کی تفسیر۔	۱۶۳	قرآن شریف میں صرف ۲۶ پیغمبروں کے نام مذکور ہیں۔	۳۴۱
آیت کریمہ میں "اولی الامر" سے مراد کون ہیں۔	۱۸۵	شمویل اور یوشع اور حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر قرآن میں مبہم طریقہ پر ہوا۔	۳۴۲
آیت کریمہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" کی تفسیر۔	۲۵۹	قرآن سے ایسی تیس آیتوں کا بیان جن میں رسولوں کا ذکر بطریق استغراق ہوا۔	۳۴۲
آیت کریمہ "لایاتیه الباطل من بین یدیه ولامن خلفه تنزیل من حکیم حمید" کی تفسیر۔	۲۶۰		

سلطان محمد تغلق شاہ اور سلطان فیروز شاہ کے خلافت سے بندگی وغلامی رہی۔	۱۷۷	ترکی سلاطین اہلسنت تھے اس لئے انھوں نے خود خلافت شرعیہ کا دعوٰی نہیں کیا۔	۲۲۵
مصر میں خلافت کی بنیاد سلطان بیبرس نے رکھی۔	۱۷۸	سلطان اورنگزیب محی الملۃ والدین محمد عالمگیر کافر کش اور دین پرور بادشاہ تھے۔	۲۳۳
سلاطین اسلام نے خلافت کی سات میں سے چھ شرائط پائے جانے کے باوجود صرف ایک شرط یعنی قرشیت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو خلیفہ نہ مانا اور قرشی خلافت کامحتاج و دست نگر جانا۔	۱۷۸	اکبر بادشاہ اتحاد مشرکین کا دلدادہ تھا۔	۲۳۳
سلطان مستنصر باللہ نے سلطان بیبرس کو جب پروانہ سلطنت جاری کیا تو اظہار انقیاد کے لئے اس کے پاؤں میں سونے کی بیڑیاں ڈال دیں جن کو پہن کر سلطان نے اپنے دارالسلطنت قاھرہ کا گشت کیا۔	۱۷۸	قتل کے بعد تین روز تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نعش مبارک کا بے گوروکفن پڑار ہنار افضیوں کاافتراء ہے۔	۳۱۷
مستنصر باللہ کی بیعت سب سے پہلے امام اجل امام عزالدین بن عبدالسلام نے کی پھر سلطان بیبرس پھر قاضی پھر امراء وغیرہم نے۔	۱۷۹	یہ کہنا کہ شہادت کے بعد کتوں نے ٹانگ چبالی تھی، دروغ بے فروغ ہے۔	۳۱۷
ابوالعباس حاکم بامر اللہ کے بیٹے تیسرے خلیفہ مصری مستکفی باللہ کی خلافت کا امضاء اور اس کی صحت کا ثبوت امام اجل تقی الدین بن دقیق العید کے فتوے سے ہوا۔	۱۷۹	اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی کو افغان مسلمانوں نے قتل کیا۔	۳۹۲
ابوالعباس احمد حاکم بامر اللہ کی صحت خلافت پر امام قاضی القضاۃ عزالدین بن جماعہ نے شہادت دی۔	۱۷۹	جزیرۃ العرب میں کفار کی سکونت پچھلے سلاطین ترک زمانہ سے ہے۔	۴۱۸
خلیفہ مستکفی باللہ کا سن وصال۔	۱۸۰	تھانوی صاحب کو سنی سمجھنے کی غلطی پر مولوی حاکم علی صاحب کی توبہ۔	۴۲۵
امام ابوالفضل حافظ ابن حجر نے حدیث "الائمۃ من قریش" پر ایک رسالہ لکھا جس میں اس کی روایت قریب چالیس صحابہ کرام سے جمع کیں۔	۱۹۰	ندوہ کو گورنمنٹ سے امداد ملتی تھی۔	۴۳۰
تمہید امام ابوالشکور سالمی کو سلطان الاولیاء محبوب الٰہی خواجہ نظام الحق والدین نے درس میں پڑھایا۔	۱۹۳	بنوخزاعہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مدت تک معاہدہ تھا۔	۴۳۶
حضرت سالم حضرت ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام نہیں بلکہ ان کی بی بی شبیہ کے آزاد کردہ غلام ہیں ابوحذیفہ نے انھیں متبنٰی کیا تھا اور اپنی بھتیجی فاطمہ سے ان کی شادی کردی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔	۲۱۲	قحط مکہ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پانچ سو اشرفیاں صفوان اور ابوسفیان کو دیں کہ فقراء مکہ میں تقسیم کریں۔	۴۶۴

کسی بھی حق کے لئے غیر اسلامی کچہری سے چارہ جوئی یا جوابدہی بحکم من لم یحکم بماانزل اللہ نہیں ہے اور جائز ہے۔	۳۶۵	توبہ کے بعد گناہ باقی نہیں رہتا۔ توبہ کے بعد بلاوجہ الزام رکھنا حرام وگناہ ہے۔	۳۸۳
ناحق چارہ جوئی جوابدہی حرام وگناہ ہے۔	۳۶۵	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی کافر سے موالات نہیں برتی۔	۳۸۸
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ لفظ "یا" نہیں ملانا چاہئے بلکہ یارسول اللہ کہنا اور لکھنا چاہئے۔	۳۶۹	مشرک سے اتحاد وموالات حرام ہے۔	۴۰۵
نام پاک دیوار پر کندہ کرنے سے افضل آئینہ میں لکھ کر لٹکانا ہے۔	۳۶۹	مشرک کو ضرورت دینی میں ہادی وپیشوا بنانا قرآن کی تکذیب ہے۔	۴۰۵
جس مال کے حرام ہونے کا غالب گمان ہو اس کو کار خیر میں صرف کرنا حرام اور شبہہ کے مال سے احتراز افضل ہے۔	۳۷۰	مسلمانانِ ہند پر عدم استطاعت کی وجہ سے جہاد فرض نہیں۔	۴۱۶
تفسیر بالرائے حرام ہے۔	۳۷۳	قانون جن امور کو روکتا ہے ان کے نہ کرنے میں ہم کو عذر ہے۔	۴۱۷
امام رازی اور امام غزالی رحمہما اللہ تعالٰی کو اپنے مقابلہ میں الفاظ سخیفہ سے یاد کرنا تکبر ہے۔	۳۷۳	خلافت کی حمایت کے نام پر خلاف شرع امور کی اجازت نہیں۔	۴۱۷
اپنی منکوحہ پر غیرت نہ کرنے والا دیوث اور جورو سے ماں باپ کو گالیاں سن کر خاموش رہنے والا عاق، یہ دونوں کام فسق کے ہیں۔	۳۷۴	خرید وفروخت اجارہ واستیجار، ہبہ واستیہاب بشروطہا غیر ذمی کافر سے بھی جائز ہیں۔	۴۲۱
ایصال ثواب جائز، اس کے لئے دن متعین کرنا جائز، لیکن اس کو واجب جاننا یا حضور کی سنت سمجھنا باطل ہے۔	۳۷۷	دشمن کے وطن میں امان لے کر تجارت کے لئے جانا جائز ہے۔	۴۲۱
اپنی لڑکی کی حرام کمائی کھانے والا دیوث سخت فاسق ہے مسلمان اس سے میل جول ترک کردیں۔	۳۷۷	مسلمانوں کو اپنے سکول وکالج کے لئے غیر مسلم حکومت سے مدد لینا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۴۲۴
بلاوجہ بدگمانی حرام ہے۔	۳۸۰	جن مدارس کو گورنمنٹ کی امداد امور خلاف شرع سے مقید یا ان کی طرف منجر ہوں وہ ناجائز ہے۔	۴۳۰
		موالات ہر کافر سے حرام ہے۔	۴۳۲
		موالات صوریہ ضرورۃً خصوصاً بصورت اکراہ جائز ہے۔	۴۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کتاب السّیر

مسئلہ ۱: از بریلی پرانا شہر محلّہ سیلانی مسئولہ مستقیم نداف یکم ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین بیٹے ہیں، ایک مرضِ مرگی میں مبتلا ہے، دوسرا بیٹا جوان گھر سنبھالو، اگر وہ نہ ہوں تو زید اور اس کی اہلیہ دوسروں کے محتاج ہوجائیں کیونکہ ضعیفی کا عالم ہے، بڑا بیٹا بعزمِ ہجرت کابل وداع ہوتا ہے کل کی تاریخ میں، اور اس کی بیوی سال بھر کی بیاہی پورے دن امید کے ہیں، اور اس کو بھی چھوڑے جاتا ہے۔ جو حکم قرآن و حدیث شریف کا ہو اس میں ہرگز انکار نہیں۔

الجواب:

اس صورت میں کابل کی ہجرت اسے جائز نہیں، حدیث میں ہے:

کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ اسے ضائع کردے جس کی روزی اس کے ذمہ تھی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸، مسند احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۶۰، المعجم الکبیر حدیث ۱۳۴۱۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۳۸۲

مسئلہ ۲: از لاہور محلّہ سادھواں مرسلہ میاں تاج الدین خیاط ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہجرت کے احکاموں اور شرائط کا استعمال کس صورت میں ہونا چاہئے؟

الجواب:

دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت فرض ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۟" [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے، تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی۔(ت)

ہاں اگر حقیقۃً مجبور ہو تو معذور ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۟ۙ فَاُولٰٓىٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۟" [2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر وہ جو دبالئے گئے مرد اور عورتیں اور بچے جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے اور نہ راستہ جانیں، تو قریب ہے اللہ ایسوں کو معاف فرمائے اور اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔(ت)

اور دارالاسلام سے ہجرت کا حکم نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاھجرۃ بعد الفتح [3]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں۔(ت)

ہاں اگر کسی جگہ کسی عذر خاص کے سبب کوئی شخص اقامت فرائض سے مجبور ہو تو اسے اس جگہ کا بدلنا واجب اس مکان میں معذوری ہو تو مکان بدلے، محلّہ میں معذوری ہو تو دوسرے محلّہ میں چلا جائے، بستی میں معذوری ہو تو دوسرے بستی میں جائے۔ مدارک التنزیل میں ہے:

والاٰیۃ تدل علی ان من لم یتمکن	یہ آیت مبارکہ اس پر دال ہے کہ جب کوئی شخص کسی شہر

[1] القرآن الکریم ۴/ ۹۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۹۸،۹۹

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۰۵۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۱۰۹

من اقامة دینه فی بلد کما یجب وعلم انه یتمکن من اقامته فی غیره حقت علیه المهاجرة وفی الحدیث "من فر بدینه من ارض وان کان شبرا من الارض استوجبت له الجنة" وکان رفیق ابیه ابراهیم ونبیه محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم[1]۔	میں اقامتِ دین پر اس طرح قادر و متمکن نہیں جیسا کہ لازم ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ دوسرے شہر میں اقامت پر قادر ہوجائے گا تو اس پر وہاں ہجرت کرنا لازم ہوجائیگا، اور حدیث میں ہے کہ جو شخص دین کی خاطر ایک جگہ سے دوسرے جگہ بھاگا خواہ وہ ایک بالشت ہی کیوں نہ ہو اس کے لئے جنت لازم ہوجاتی ہے اور وہ اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنگت پائے گا۔ (ت)

ہندوستان دارالحرب نہیں دارالاسلام ہے، کما حققناہ فی فتوٰنا اعلام الاعلام (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتوٰی اعلام الاعلام میں کی ہے۔ ت) واللہ اعلم۔

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیت ۹۷/۴ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۴۶

رسالہ

اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام ۱۳۶۵ھ

(علم کے پہاڑوں کا اعلان کہ بیشک ہندوستان دارالاسلام ہے)

مسئلہ ۳تا۵: از بدایوں محلّہ براہم پورہ مرسلہ مرزا علی بیگ صاحب ۱۲۹۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) ہندوستان دارالحرب ہے یادارالاسلام؟

(۲) اس زمانہ کے یہود ونصارٰی کتابی ہیں یا نہیں؟

(۳) روافض وغیرہم مبتدعین کہ کفارہ داخل مرتدین ہیں یا نہیں؟ جواب مفصل بدلائل عقلیہ ونقلیہ مدلل درکار ہے؟ **بینوا توجروا۔**

جوابِ سوالِ اول

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بلکہ علمائے ثلٰثہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے ہر گز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلام کے احکام وشعائر مطلقًا جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعًا موجود نہیں اہل اسلام جمعہ وعیدین واذان واقامت ونماز باجماعت وغیرہا شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق، عدۃ، رجعت، مہر، خلع، نفقات، حضانت، نسب، ہبہ،

وقف، وصیت، شفعہ وغیرہا، بہت معاملات مسلمین ہماری شریعت غرابیضاء کی بناپر فیصل ہوتے ہیں کہ ان امور میں حضرات علماء سے فتوٰی لینااور اسی پر عمل وحکم کرنا حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگرچہ ہنود و مجوس ونصارٰی ہوں اور **بحمد اللہ** یہ بھی شوکت و جبروت شریعت علیہ عالیہ اسلامیہ اعلی اللہ تعالٰی حکمہا السامیہ ہے کہ مخالفین کو بھی اپنی تسلیم اتباع پر مجبور فرماتی ہے **والحمدللہ رب العالمین**، فتاوٰی عالمگیریہ میں سراج وہاج سے نقل کیا:

اعلم ان دارالحرب تصیردار الاسلام بشرط واحد وھو اظھار حکم الاسلام فیھا[1]۔	جان لو کہ بیشک دارالحرب ایک ہی شرط سے دارالاسلام بن جاتا ہے وہ یہ ہے کہ وہاں اسلام کا حکم غالب ہو جائے (ت)

پھر سراج وہاج سے صاحب المذھب سیدنا و مولٰنا محمد بن الحسن قدس سرہ الاحسن کی زیادات سے کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے نقل کیا:

انما تصیر دار الاسلام دارالحرب عندابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی بشروط ثلاثۃ.احدھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتھار وان لایحکم فیھا بحکم الاسلام .ثم قال و صورۃ المسئلۃ ثلاثۃ اوجہ اما ان یغلب اھل الحرب علی دار من دورنا او ارتد اھل مصر غلبوا واجروااحکام الکفر او نقض اھل الذمۃ العھد و تغلبوا علی دارھم ففی کل من ھذہ الصور لاتصیر دار حرب الابثلاثۃ شروط.وقال ابویوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی بشرط واحد وھو اظھار احکام الکفر وھو القیاس الخ[2]	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک دارالاسلام تین شرائط سے دارالحرب ہوتا ہے جن میں ایک یہ کہ وہاں کفار کے احکام اعلانیہ جاری کئے جائیں اور وہاں اسلام کا کوئی حکم نافذ نہ کیاجائے، پھر فرمایا اور مسئلہ کی صورت تین طرح ہے اہلِ حرب ہمارے علاقہ پر غلبہ پالیں یا ہمارے کسی علاقہ کے شہری مرتد ہو کر وہاں غلبہ پالیں اور کفر کے احکام جاری کردیں یا وہاں ذمی لوگ عہد کو توڑ کر غلبہ حاصل کرلیں، تو ان تمام صورتوں میں وہ علاقہ تین شرطوں سے دارالحرب بن جائے گا وہ یہ کہ احکام کفر اعلانیہ غالب کردئے جائیں۔یہی قیاس ہے الخ (ت)

درر غرر ملاخسرو میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب الخامس فی استیلاء الکفار نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب الخامس فی استیلاء الکفار نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۲

دار الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا کاقامۃ الجمعۃ والاعیاد وان بقی فیھا کافر اصلی ولم یتصل بدار الاسلام بان کان بینھا وبین دار الاسلام مصر اٰخر لاھل الحرب[1] الخ ھذا لفظ العلامۃ خسرو واثرہ شیخی زادہ فی مجمع الانھر، وتبعہ المولی الغزی فی التنویر، واقرہ المدقق العلائی فی الدر، ثم الطحطاوی والشامی اقتدیا فی الحاشیتین۔	دارالحرب، اسلامی احکام جاری کرنے مثلاً جمعہ اور عیدین وہاں ادا کرنے پر دارالاسلام بن جاتا ہے اگرچہ وہاں کوئی اصلی کافر بھی موجود ہو اور اس کا دارالاسلام سے اتصال بھی نہ ہو یوں کہ اس کے اور دارالاسلام کے درمیان کوئی دوسرا حربی شہر فاصل ہو الخ، یہ علامہ خسرو کے الفاظ ہیں، اور مجمع الانہر میں شیخی زادہ نے اس کی پیروی کی ہے، اور مولٰی غزی نے تنویر میں اس کی اتباع کی، اور مدقق علائی نے در میں اس کو ثابت رکھا، پھر طحطاوی اور شامی نے اپنے اپنے حاشیہ میں اسکی اقتدا کی۔ (ت)

جامع الفصولین سے نقل کیا گیا:

لہ ان ھذہ البلدۃ صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا فما بقی شیئ من احکام دار الاسلام فیھا تبقی دار الاسلام علی ما عرف ان الحکم اذا ثبت بعلۃ فما بقی شیئ من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ، ھکذا ذکر شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح سیر الاصل انتھی،[2] وعن الفصول العمادیۃ ان دار الاسلام لا یصیر دار الحرب اذا بقی شیئ من احکام الاسلام وان زال غلبۃ اھل الاسلام وعن منثور الامام ناصر الدین دار الاسلام انما	امام صاحب کے ہاں دارالحرب کا علاقہ اسلامی احکام وہاں جاری کرنے سے دارالاسلام بن جاتا ہے تو جب تک وہاں اسلامی احکام باقی رہیں گے وہ علاقہ دارالاسلام رہے گا، یہ اس لئے کہ حکم جب کسی علت پر مبنی ہو تو جب تک علت میں سے کچھ پایا جائے تو اس کی بقاء سے حکم بھی باقی رہتا ہے جیسا کہ معروف ہے۔ ابوبکر شیخ الاسلام نے اصل (مبسوط) کے سیر کے باب کی شرح میں یونہی ذکر فرمایا ہے، اھ، فصول عمادیہ سے منقول ہے کہ دارالاسلام جب تک وہاں احکام اسلام باقی رہیں گے تو وہ دارالحرب نہ بنے گا اگرچہ وہاں اہلِ اسلام کا غلبہ ختم ہو جائے، امام ناصر الدین کی منثور سے منقول ہے کہ دارالاسلام صرف اسلامی

[1] درر غرر کتاب الجہاد باب المستامن مطبع احمد کامل مصر ۱/ ۲۹۵

[2] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ص ۱۲

صارت دارالاسلام باجراء الاحکام فمابقیت علقة من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام [1] وعن البرھان شرح مواھب الرحمٰن لایصیر دارالحرب مادام فیه شیئ منها بخلاف دارالاسلام لانارجحنا اعلام الاسلام واحکام اعلام کلمة الاسلام [2] وعن الدر المنتقٰی لصاحب الدرالمختار دارالحرب تصیر دارالاسلام باجراء بعض احکام الاسلام [3]۔	احکام جاری کرنے سے بنتا ہے تو جب تک وہاں اسلام کے متعلقات باقی ہیں تو وہاں اسلام کے پہلو کو ترجیح ہوگی۔اور برہان شرح مواہب الرحمٰن سے منقول ہے کوئی علاقہ اس وقت تک دارالحرب نہ بنے گا جب تک وہاں کچھ اسلامی احکام باقی ہیں، کیونکہ اسلامی نشانات کو اور کلمہ اسلام کے نشانات کے احکام کو ہم ترجیح دیں گے، دارالاسلام کا حکم اسکے خلاف ہے۔ صاحب درمختار کی المنتقٰی سے منقول ہے کہ دارالحرب میں بعض اسلامی احکام کے نفاذ سے دارالاسلام بن جاتا ہے۔(ت)

شرح نقایہ میں ہے:

لاخلاف ان دارالحرب تصیردارالاسلام باجراء بعض احکام الاسلام فیها [4]۔	بلااختلاف دارالحرب وہاں بعض اسلامی احکام کے نفاذ سے وہ دارالاسلام بن جاتا ہے(ت)

اور اسی میں ہے:

وقال شیخ الاسلام والامام الاسبیجابی ای الدار محکومة بدارالاسلام ببقاء حکم واحد فیها کمافی العمادی وغیرہ [5]۔	شیخ الاسلام اور امام اسبیجابی نے فرمایا: کسی بھی علاقہ میں کوئی ایک اسلامی حکم بھی باقی ہو تو اس علاقہ کو دارالاسلام کہا جائے گا، جیسا کہ عمادی وغیرہ میں ہے۔(ت)

پھر اپنے بلاد اور وہاں کے فتن و فساد کی نسبت فرماتے ہیں:

فالاحتیاط یجعل ھذہ البلاد دارالاسلام والمسلمین وان کانت للملاعین والید فی الظاھر	احتیاط یہی ہے کہ یہ علاقہ دارالاسلام والمسلمین قرار دیا جائے، اگرچہ وہاں ظاہری طور پر شیطانوں کا

[1] الفصول العمادیة
[2] البرھان شرح مواہب الرحمان
[3] الدر المنتقی علی ہامش مجمع الانہر کتاب السیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۳۴
[4] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۶
[5] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۷

لهؤلاء الشيطين ربنا لاتجعلنا فتنة للقوم الظلمين ونجنا برحمتك من القوم الكٰفرين كما في المستصفى وغيره[1]۔	قبضہ ہے، اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافروں سے نجات عطا فرما، جیسا کہ مستصفٰی وغیرہ میں ہے۔(ت)

درر غرر و تنویر الابصار و درمختار و مجمع الانہر وغیرہا میں کہ شرطِ اول کو صرف بلفظ اجرائے احکام الشرک سے تعبیر کیا وہاں بھی یہی مقصود کہ اس ملک میں کلیۃً احکام کفر ہی جاری ہوں نہ یہ کہ مجرد جریان بعض کفر کافی ہے اگرچہ ان کے ساتھ بعض احکام اسلام بھی اجراء پائیں۔

فی الحاشية الطحطاوية على الدر المختار قوله باجراء احكام اهل الشرك اى على الاشتهار وان لايحكم فيها بحكم اهل الاسلام، ہندية وظاهره انه لو اجريت احكام المسلمين واحكام اهل الشرك لا تكون دارحرب انتهى[2]۔	درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں ہے **قولہ باجراء احکام اھل الشرک** (اس کا قول کہ اہل شرک کے احکام کے اجراء سے دارالحرب بن جاتا ہے) سے مراد یہ ہے کہ وہاں اعلانیہ احکامِ شرک نافذ کئے جائیں اور اہل اسلام کا کوئی حکم بھی نافذ نہ ہو، ہندیہ میں یوں ہے کہ اس سے ظاہر ہے کہ اگر وہاں احکامِ شرک اور احکامِ اسلام دونوں نافذ ہوں تو دارالحرب نہ ہوگا اھ۔(ت)

اور اسی طرح حاشیہ شامیہ میں نقل کرکے مقرر رکھا،

اقول: وبالله التوفيق والدليل على ذٰلك امران الاول قول محمد وهو الطراز المذهب انها تصيردارحرب عند الامام بشرائط ثلث احدها اجراء احكام الكفار على سبيل الاشتهار وان لايحكم فيها بحكم الاسلام فانظر كيف زادالجملة الاخيرة ولم يقتصر على الاولى فلو لم يفسر كلامهم بماذكرنا لكان كلام الامام	**اقول:** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے) اس پر دلیل دو[2] چیزیں ہیں:[1] اول یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی جو مذہب کے ترجمان ہیں ان کا یہ قول کہ وہ علاقہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک تین شرطوں سے دارالحرب بنتا ہے ان میں سے ایک یہ کہ وہاں کفار کے احکام اعلانیہ جاری کئے جائیں اور کوئی اسلامی حکم نافذ نہ ہو، تو غور کرو کہ انہوں نے آخری جملہ کیسے زائد فرمایا اور صرف پہلے جملہ پر اکتفاء نہ فرمایا، اگر فقہاء کا کلام ہمارے ذکر کردہ بیان سے واضح نہ بھی کیا جائے تو صرف

[1] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۷

[2] حاشية الطحطاوى على الدر المختار كتاب الجهاد فصل فى استيمان الكافر دار المعرفة بيروت ۲/ ۴۶۰

قاضیا علیھم وناھیك بہ قاضیا عدلا،فالثانی ان ھٰؤلاء العلماء ھم الذین قالوا فی دارالحرب انھا تصیر دارالاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا فاما ان تقولوا ھٰھنا ایضا انھا تصیردار الاسلام باجراء بعض احکام الاسلام ولومع جریان بعض احکام الکفر فعلی ھذا ترفع المباینۃ بین الدارین اذکل دارتجری فیھا الحکمان مع استجماع بقیۃ شرائط الحربیۃ تکون دارحرب واسلام جمیعا لصدق الحدین معًا وکذا لو اردت الخلوص والتمحض فی کل الموضعین یعنی ان دارالحرب مایجری فیھا احکام الشرك خالصۃ ودارالاسلام مایحکم فیھا باحکام الاسلام محضۃ فعلی ھذا تکون دارالتی وصفناھالك واسطۃ بین الدارین ولم یقل بہ احد،واماان ترید التمحض فی المقام الثانی دون الاول فھذا یخالف ماقصدہ الشارع من اعلاء الاسلام وبنی العلماء کثیرا من الاحکام علی ان الاسلام یعلوولایعلی،علی انہ یلزم ان تکون دورالاسلام	امام صاحب کا کلام ہی فیصلہ کن ہے تجھے یہی فیصلہ کن کلام کافی ہے۔ [2]دوسری چیز یہ کہ یہی وہ علماء کرام ہیں جنہوں نے دارالحرب کے متعلق فرمایا کہ وہ دارالاسلام بن جاتا جب اس میں اسلامی احکام جاری کئے جائیں،تو اگر یہاں بھی وہ بعض اسلامی احکام مراد لیں(جس طرح کہ دارالحرب کے لئے کفار کے بعض احکام تم نے مراد لئے)توجب بعض اسلامی احکام کے ساتھ کچھ احکام کفار ہوں گے تو اس سے دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان فرق ختم ہوجائے گا،کیونکہ ان دونوں میں سے ہرایک میں دونوں قسم کے حکم پائے جائیں گے اگرچہ کفار کے احکام زائد ہوں تو لازم آئے گا کہ ہر ایک دار الحرب اور دارالاسلام بھی ہو کیونکہ دونوں پر ہرایک کی تعریف صادق آئے گی،اگر تم یہاں یہ مراد لو کہ ہر دار میں اس کے تمام احکام وہاں نافذ ہوں اور ایک دوسرے کے احکام سے خالی ہوں یعنی دارالحرب وہ ہے جس میں تمام احکام خالص کفر کے ہوں اور دارالاسلام وہ ہے جس میں خالص اسلامی احکام ہوں،تو اس سے لازم آئے گا کہ جس دار کی بحث ہورہی ہے وہ دونوں داروں میں واسطہ کہلائے گا یعنی وہ نہ دارالاسلام ہو نہ دارالحرب ہو،حالانکہ ایسے دار کا کوئی بھی قائل نہیں،اگر تم یہ مراد لو کہ ثانی یعنی دارالاسلام میں تو خالص اسلامی ہوں اور دوسرے یعنی دارالحرب میں خالص ہونا ضروری نہیں تو اس سے شارع کا مقصد اعلاء کلمہ اسلام اور اس کی ترجیح فوت ہوجائیگی جو شارع کے مقصد کے خلاف ہے جبکہ علماء نے بہت سے احکام "الاسلام یعلوولایعلٰی"(اسلام

باسرها دور حرب على مذهب الصاحبين اذااجرى فيها شيئ من احكام الكفر او حكم فيها بعض مالم ينزل الله سبحٰنه وتعالٰى وهو معلوم مشاهد فى هذه الامصار بل من قبلها بكثير حيث فشاالتهاون فى الشرع الشريف وتقاعد الحكام عن اجراء احكامه وترقى اهل الذمة على خلاف مراد الشريعة عن ذل ذليل الى عزجليل اعطوامناصب رفيعة ومراتب شامخة منيعة حتى استعلوا على المسلمين ورحم الله للقائل كمانقل المولى الشامى، حبابنانوب الزمان كثيرة وامرّ منهارفعة السفهاء فمتى يفيق الدهر من سكراته وأرى اليهود بذلة الفقهاء[1] وكذلك ارتضى بعض الظلمة من حكام الجور بعض البدعات التى خرقها ائمة الكفر فاجروها فى بلادهم كتحليف الشهود و الزام المصادرات والمكوس ووضع الوظائف الباطلة على الاموال والنفوس الى غير ذٰلك من الاحكام الباطلة ويسلم هذاالامر الفظيع من اشنع الشنائع الهائلة فوجب القول بان المراد	غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا) کے قاعدہ پر مبنی قرار دئے ہیں، علاوہ ازیں یہ بھی لازم آئے گا کہ تمام دارالاسلام صاحبین کے مذہب پر دارالحرب قرار پائیں جبکہ ان میں کچھ احکامِ کفر پائے جاتے ہوں یااللہ تعالٰی کے نازل کردہ حکم کے خلاف وہاں حکم نافذ پائے جاتے ہوں جیسا کہ آج کے دور میں مشاہدہ ہے بلکہ قبل ازیں بھی ایسا رہاہے جب سے شریعت کے بارے میں سستی ظاہر ہوئی اور مسلمان حکام نے شرعی احکام کے نفاذ سے رو گردانی کررکھی ہے، اور ذمی حضرات کو ترقی ملی ہے کہ خلافِ شرع ذلیل کی ذلت سے نکل کر بڑی عزت پارہے ہیں جن کو مسلمان حکمرانوں نے بلند منصب اور محفوظ مراتب عطا کررکھے ہیں یہاں تک کہ وہ مسلمانوں پر تعلی کرنے لگے ہیں، اللہ تعالٰی ایک قائل پر رحم فرمائے جس کا کلام مولانا شامی نے نقل کیا ہے۔ (شعر کا ترجمہ) "دوستو! زمانہ کے مصائب کثیر ہیں، ان میں سے سخت ترین بیوقوف لوگوں کا اقتدار ہے، توکب زمانے کا نشہ ختم ہوگا جبکہ ملک یہودی بن کر فقہاء کی ذلت گاہ بن چکا ہے"۔ اور جیسا کہ بعض ظالم حکمرانوں نے کافر لیڈروں کی جاری کردہ کئی بدعات کو پسند کرتے ہوئے اپنے ملکوں میں جاری کردیا مثلاً گواہوں سے حلف لینا، اور ٹیکس، چونگیاں اور لوگوں کے اموال اور نفوس پر باطل قسم کے محصولات لاگو کردئے، یہ پریشان کن برے معاملات مسلمان ملکوں میں ماننے پڑیں گے لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے مقام یعنی دارالحرب میں خالص مکمل احکام کفر ہوں اور دوسرے یعنی دارالاسلام میں ایسا نہ ہو جبکہ یہی مدعٰی ہے، تواس سے

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۷۵

فی المقام الاول ھو الخلوص والتمحض دون الثانی وھو المقصود، وبھذا تبین ان الدار التی تجری فیھا الحکمان شیئ من ھذا وشیئ من ھذا کدارنا ھٰذہ لا تکون دارحرب علی مذھب الصاحبین ایضا لعدم تمحض احکام الشرك فمن الظن ماعرض لبعض المعاصرین من بناء نفی الحربیة علی الھند علی مذھب الامام فقط فتوھم انہ لایستقیم علی مذھب الصاحبین واخطر الی تطویل الکلام بماکان فی غنی عنہ واشد سخافة واعظم شناعة مااعترٰی بعض اجلة المشاھیر من الذین ادرکنا عصرھم اذحاولو انفی الحربیة عن بلادنا بناء علی عدم تحقق الشرط الثانی اعنی الاتصال بدار الحرب ایضًا فقالوا معنی الاتصال ان تکون محاطة بدار الحرب من کل جھة ولاتکون فی جانب بلدة اسلامیة وھو غیر واقع فی بلاد الھند اذجانبھا الغربی متصل بملك الافاغنة کفشاور وکابل وغیرھما من بلاد دار الاسلام۔

اقول: یالیتہ تفکر فی معنی الثغور اونظر الی فضائل المرابطین فتأمل فی معنی الرباط اوعلم ان مکة والشام والطائف وارض حنین وبنی المصطلق وغیرھا کانت دارحرب علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع اتصالھا بدار الاسلام قطعًا اوفھم

واضح ہوگیا کہ وہ دار جس میں دونوں قسم کے احکام کچھ کفر کے اور کچھ اسلام کے پائے جائیں جیسا کہ ہمارا یہ ملک ہے، صاحبین کے مذہب پر بھی دارالحرب نہ ہوگا کیونکہ یہاں خالص محض احکام کفر نہیں ہیں تو ہمارے بعض معاصرین کا یہ گمان کہ ہندوستان سے دارالحرب کی نفی کی بنیاد صرف امام صاحب کا مذہب ہے، اس کا وہم ہے کہ صاحبین کے مذہب پر درست نہیں ہے اس نے طویل کلام کیا جبکہ اس کی ضرورت نہیں تھی، کمزور ترین اور سب سے خطرناک موقف وہ ہے جو ہمارے زمانہ کے مشہور اجلہ حضرات کو لاحق ہوا ہے کہ انہوں نے ہمارے اس ملک سے دارالحرب کی نفی کی بنیاد شرط ثانی یعنی کسی دارالحرب سے اتصال کے نہ پائے جانے کو قرار دیا ہے اور انھوں نے اتصال کا معنی لیا ہے کہ چاروں طرف سے دارالحرب میں گھرا ہوا ہو اور کسی طرف سے دارالاسلام سے نہ ملا ہوا ہو چونکہ اتصال کا معنٰی ہندوستان میں نہیں پایا جاتا لہٰذا یہ دارالحرب نہ ہوگا کیونکہ ہندوستان غربی جانب سے افغانوں کے ملک پشاور اور کابل وغیرہ دارالاسلام سے ملا ہوا ہے،

اقول: (میں کہتا ہوں کہ) کاش وہ سرحدوں کے معنٰی پر غور کرلیتے، یا اسلامی سرحدوں کی نگرانی کی فضیلت کو دیکھتے ہوئے رباط کے معنی پر غور کرلیتے یا یہ معلوم کرلیتے کہ مکہ، شام، طائف، حنین، اور بنی مصطلق کے علاقے وغیرہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک زمانہ میں دارالحرب تھے حالانکہ ان سب کا دارالاسلام سے اتصال تھا، یا یہی سمجھ لیتے

ان الامام کلما فتح بلدة من بلاد الکفار واجری فیها احکام الاسلام صارت دارالاسلام والتی تلیها من البلاد تحت حکم الکفار دارحرب کما کانت اوتفطن ان لوصح ماقاله لاستحال ان یکون شیئ من دیار الکفر دارحرب الاان یفصل بینها وبین الحدود الاسلامیة البحار والمفاوز ولم یقل به احد،وذلك لانه کلما حکمت علی بلدة بانها دارحرب سألنا عما یحیطها من البلاد فان کان فیها من بلاد الاسلام کانت الاولی ایضا دارالاسلام لعدم الاتصال بالمعنی المذکور والاانقلنا الکلام الی مایلاصقها حتی ینتهی الی بلدة من بلاد الاسلام فتصیر کلها دارالاسلام لتلازق بعضها ببعض اولاتکون فی تلك الجهة بلدة اسلامیة الی منقطع الارض،وبالجملة ففساد هذا القول اظهر من ان یخفی وانما منشؤه القیاس الفاسد وذلك ان الشرط عندالامام فی صیرورة بلدة من دار الاسلام دارالحرب ان لاتکون محاطة بدار الاسلام من الجهات الاربع وذلك لان غلبة الکفار اذن علی شرف الزوال فلاتخرج به

کہ مسلمان امام جب کفار کے کسی علاقہ کو فتح کرکے وہاں اسلامی احکام جاری کردیتا تو وہ علاقہ دارالاسلام بن جاتا ہے جبکہ اس سے متصل باقی علاقے جو کفار کے قبضہ میں بدستور ابھی تک موجود ہیں وہ پہلے کی طرح دارالحرب ہیں، یا ان کو سمجھ آتی کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اگر صحیح ہو تو پھر دنیا بھر میں کوئی بھی دارکفر اس وقت تک دارالحرب نہ کہلائے جب تک ان میں اور دارالاسلام میں سمندروں اور بیابانوں کا فاصلہ نہ ہو، حالانکہ کوئی بھی دارالحرب کے اس معنٰی کا قائل نہیں ہے، یہ اس لئے کہ جب آپ کسی ملک کو دارالحرب کہیں گے تو ہم استفسار کریں گے کہ اس کے ارگرد کن ملکوں کا احاطہ ہے اگر کوئی بھی ان میں سے دارالاسلام ہو تو پہلا ملک (دارالحرب) بھی دارالاسلام قرار پائے کیونکہ وہ اتصال جو دارالحرب کا معیار ہے وہ نہ پایا گیا، ورنہ اگر اردگرد اسلامی ملک نہ ہو تو پھر ہم اس سے ملنے والے دوسرے ملک کی بابت معلوم کریں گے حتی کہ ملتے ملاتے کوئی دارالاسلام پایا گیا تو یہ درمیان والے تمام ملک دارالاسلام ہوجائیں گے کیونکہ ان ملکوں کا آپس میں ایک دوسرے سے اتصال ہوگیا ہے، یا پھر یہ تسلیم کیا جائے کہ اس جہت میں کرہ ارض میں کوئی بھی دارالاسلام نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ دارالحرب کے اس میعاد والے قول کا فساد واضح ہے جس میں کچھ بھی خفاء نہیں ہے، اس کی بنیاد یہ فاسد قیاس ہے کہ امام صاحب کے نزدیک کسی دارالاسلام کے دارالحرب بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ چاروں اطراف سے وہ ملک دارالاسلام میں گھرا ہوا نہ ہو کیونکہ اگر وہ

البلدة عن دار الاسلام فزعم ان شرط الحربیة ان تکون محاطة بدار الحرب من جمیع الجوانب وما افسدہ من قیاس کما لایخفٰی عما افاد الناس۔	گھرا ہوا ہو تو اس دار الحرب میں کفار کا غلبہ معرض سقوط میں رہے گا تو یوں وہ دار الاسلام سے خارج نہ رہے گا، لہٰذا انہوں نے خیال کرلیا کہ کسی ملک کے حربی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ چاروں طرف سے حربی ملکوں میں گھرا ہوا ہو، یہ قیاس نہایت ہی فاسد ہے جو عوام الناس کے لئے بھی مخفی نہیں۔ (ت)

الحاصل ہندوستان کے دار الاسلام ہونے میں شک نہیں عجب ان سے جو تحلیل ربٰو کے لئے (جس کی حرمت نصوص قاطعہ قرآنیہ سے ثابت اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اس پر وارد) اس ملک کو دار الحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت واستطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں گویا یہ بلاد اسی دن کے لئے دار الحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سود کے لطف اڑائیے اور بآرام تمام وطن مالوف میں بسر فرمایئے **استغفر اللہ**، اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَ تَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ؕ[1] (میں اللہ تعالٰی سے مغفرت چاہتا ہوں، تو کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ت) **اللہ سبحٰنہ وتعالٰی** فرماتا ہے سود کھانیوالے قیامت کو آسیب زدہ کی طرح اٹھیں گے [2] یعنی مجنونانہ گرتے پڑتے بدحواس۔ اور حضور پرنور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے کچھ لوگ ملاحظہ فرمائے کہ پیٹ ان کے پھول کر مکانوں کے برابر ہوگئے ہیں اور مثل شیشہ کے ہیں کہ اندر کی چیز نظر آتی ہے سانپ بچھو ان میں بھرے ہیں، میں نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے عرض کیا: سود کھانے والے [3]۔ جب تحریم ربٰو کی آیت نازل ہوئی بعض مسلمانوں نے کہا: جو سود ہمارا نزولِ آیت سے پہلے کا رہ گیا ہے وہ لے لیں آئندہ باز رہیں گے۔ حکم آیا اگر نہیں مانتے تو اعلان کردو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔[4] سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود خور پر لعنت کی۔[5]

مولٰی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سود خور پر لعنت فرماتے سنا[6]، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: سود کے ستر ٹکڑے ہیں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے[7]۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

[5] صحیح مسلم باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[6] مسند احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۱/ ۱۵۸

[7] سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۵ و مشکوٰۃ المصابیح، باب الربا، مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۴۶

دیکھو اول ان کے اقوال خبیثہ یاد فرما کر آخر ان کے شرک سے اپنی نزاہت و تبری بیان فرمائی تو معلوم ہوا کہ قائلین بنوت مشرکین ہیں مگر ظاہر الروایۃ میں ان پر علی الاطلاق حکم کتابیت دیا اور ان کے ذبائح ونساء کو حلال ٹھہرایا، درمختار میں ہے:

صح نکاح کتابیۃ وان کرہ تنزیھا مؤمنۃ بنبی مرسل مقرۃ بکتاب منزل وان اعتقدوا المسیح الٰھا وکذا حل ذبیحتھم علی المذھب بحر انتھی[1]۔	کتابیہ عورت سے نکاح صحیح ہے اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ وہ عورت کسی مرسل نبی پر ایمان رکھتی ہو اور کسی منزل من اللہ کتاب کا اقرار کرتی ہو اگرچہ عمومی طور پر وہ نصاری عیسٰی علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہوں یونہی ان کا ذبیحہ بھی مذہب میں حلال ہے، بحر، اھ۔ (ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے:

وحاصلہ ان المذھب الاطلاق لما ذکرہ شمس الائمۃ فی المبسوط من ان ذبیحۃ النصرانی حلال مطلقاً، سواء قال بثالث ثلثۃ اولا، لاطلاق الکتاب ھنا وھو الدلیل ورجحہ فی فتح القدیر الخ[2]۔	حاصل یہ ہے کہ مذہب میں اطلاق ہے کیونکہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں یہ ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے وہ عیسٰی علیہ السلام کے متعلق ثالث ثلثہ کا قول کریں یا نہ کریں کیونکہ کتاب اللہ کا یہاں اطلاق ہے اور یہی دلیل ہے، اس کو فتح القدیر میں ترجیح دی ہے الخ (ت)

مستصفٰی میں عبارت مذکورہ کے بعد مبسوط سے ہے:

لکن بالنظر الی الدلائل ینبغی ان یجوز الاکل و التزوج انتھی[3]۔	لیکن دلائل کو دیکھتے ہوئے یہی مناسب قول ہے کہ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے انتہی۔ (ت)

فتاوٰی حامدیہ میں ہے:

مقتضی الدلائل الجواز کما ذکرہ التمر تاشی فی فتاواہ الخ[4]۔	دلائل کا مقتضٰی یہی ہے کہ جائز ہے جیسا کہ اسے تمرتاشی نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے الخ (ت)

---

[1] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

[2] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[3] فتح القدیر بحوالہ المستصفٰی کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۲

اور ایک حدیث میں آیا: سود کا ایک درم دانستہ کھانا ایسا ہے جیسا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کرنا[1]۔ **اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

جواب سوال دوم

نصارٰی باعتبار حقیقت لغویہ انجاکہ قیام مبدء مستلزم صدق مشتق ہے بلاشبہہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث وبنوت ہیں اسی طرح وہ یہود جو الوہیت وابنیت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل تھے، مگر کلام اس میں ہے کہ حق تبارک وتعالٰی نے کتب آسمانی کا اجلال فرما کر یہود ونصارٰی کے احکام کو احکامِ مشرکین سے جدا کیا اور ان کا نام اہل کتاب رکھا اور ان کے نساء وذبائح کو حلال ومباح ٹھہرایا آیا نصارٰی زمانہ بھی کہ الوہیتِ عبداللہ مسیح بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی علی الاعلان تصریح اور وہ یہود جو مثل بعض طوائف ماضیہ الوہیت بندہ خدا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہوں انہیں میں داخل اور اس تفرقہ کے مستحق ہیں یا ان پر شرعًا یہی احکام مشرکین جاری ہوں گے اور ان کی نساء سے تزوّج اور ذبائح کا تناول ناروا ہوگا۔ کلماتِ علماءِ کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اس بارے میں مختلف، بہت مشائخ نے قولِ اخیر کی طرف میل فرمایا، بعض علماء نے تصریح کی کہ اسی پر فتوی ہے، مستصفی میں ہے:

قالوا هذا یعنی الحل اذا لم یعتقدوا المسیح الٰها اما اذا اعتقدوه فلا وفی مبسوط شیخ الاسلام ویجب ان لایأکلوا ذبائح اهل الکتاب اذا اعتقدوا ان المسیح اله وان عزیر اله ولا یتزوّجوا نساء هم وقیل علیه الفتوی[2]۔	علماء نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ تب حلال ہوگا کہ وہ عیسٰی علیہ السلام کو الٰہ نہ مانتے ہوں، لیکن اگر وہ ان کو الٰہ مانتے ہوں تو پھر حلال نہ ہوگا، اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اس صورت میں نہ کھائیں جب وہ مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہوں اور اندریں صورت ان کی عورتوں سے نکاح بھی نہ کریں، اسی پر فتوی کہا گیا ہے۔(ت)

ان علماء کا استدلال آیہ کریمہ "**وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ا بْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ**" یہود نے کہا عزیر ابن اللہ اور نصارٰی نے کہا مسیح ابن اللہ۔ت) سے ہے کہ اس کے آخر میں ارشاد پایا **سبحٰنه وتعالٰی** "**سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾**"[3] (وہ پاک ذات ہے اور جو انہوں نے اس کا شریک بنایا اللہ تعالٰی اس سے بلند وبالا ہے۔ت)

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح مجتبائی دہلی ص ۲۴۶ ومسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۵ والترغیب والترہیب، مصر ۳/ ۷

[2] فتح القدیر بحوالہ المستصفی کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳۱

ردالمحتار میں ہے:

فی المعراج ان اشتراط ماذکر فی النصارٰی مخالف لعامۃ الروایات[1]۔	معراج میں ہے کہ نصارٰی کے مذکورہ شرائط عام روایات کے مخالف ہیں۔(ت)

امام محقق علی الاطلاق مولٰنا کمال الملۃ والدین محمد بن الھمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں اس مذہب کی ترجیح اور دلیل مذکور مذہب اول کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

مطلق لفظ المشرك اذاذکر فی لسان الشارع لا ینصرف الی اھل الکتاب وان صح لغۃ فی طائفۃ بل طوائف واطلق لفظ الفعل اعنی یشرکون علی فعلھم کما ان من رأی بعلمہ من المسلمین فلم یعمل الالاجل زید یصح فی حقہ انہ مشرك لغۃ ولایتبادر عند اطلاق الشارع لفظ المشرك ارادتہ لما عھد من ارادتہ بہ من عبد مع اللہ غیرہ ممن لایدعی اتباع نبی وکتاب ولذلك عطفھم علیہ فی قولہ تعالٰی لم یکن الذین کفروا من اھل الکتٰب والمشرکین منفکین ونص علی حلھم بقولہ تعالٰی والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ای العفائف منھم[2] الٰی اٰخر ما اطال واطاب کما ھو دابہ رحمہ اللہ تعالٰی۔	لفظ مشرک جب مطلق ذکر کیا جائے تو شرعی اصطلاح میں اہل کتاب کو شامل نہ ہوگا اگرچہ لغت کے لحاظ سے اہل کتاب کے کسی گروہ یا کئی گروہوں پر اس کا اطلاق صحیح ہے، اہل کتاب کے فعل پر صیغہ "یشرکون" کا اطلاق ایسے ہے جیسے کسی مسلمان ریاکار کے اس عمل پر جس کو مثلاً زید کی خوشنودی کے لئے کررہا ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ لغت کے لحاظ سے مشرک ہے، شرعی اصطلاح میں مطلقاً لفظ مشرک کا استعمال صرف اس شخص کے لئے متبادر ہوتا ہے، جو کسی نبی اور کتاب کی اتباع کے دعوی کے بغیر اللہ تعالٰی کی عبادت میں غیر کو شریک کرے اسی لئے اہل کتاب پر مشرکین کا عطف اللہ تعالٰی کے اس قول "لم یکن الذین کفروا من اھل الکتٰب والمشرکین منفکین" میں کیا گیا ہے اور اللہ تعالٰی کے اس قول "والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب" میں کتابیہ عورتوں کے حلال ہونے پر صراحتًا نص فرمائی گئی ہے یعنی اہل کتاب کی عفیف عورتیں حلال ہیں، ابن ہمام کے طویل اور طیب قول کے آخر تک، جیسا کہ ان کی عادت ہے، اللہ تعالٰی ان پر رحمت فرمائے۔(ت)

بالجملہ محققین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہود و نصارٰی مطلقاً اہل کتاب ہیں اور ان پر احکام مشرکین جاری نہیں

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸
[2] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

اقول: وکیف لاوقد علم اللہ سبحٰنہ وتعالٰی انھم یقولون بثالث ثلٰثۃ حتی نہاھم عن ذٰلك وقال "اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ"[1] وان ھم یقولون ان المسیح الٰہ حتی قال "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ"[2] بل بالوھیۃ امہ ایضاحتی یسألہ علیہ الصلٰوۃ والسلام یوم القیٰمۃ یعیسٰی "يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ"[3] وانھم مصرحون بالبنوۃ حتی نقل عنھم "وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ"[4] ومع ذٰلك فرق بینھم وبین المشرکین فقال "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ"[5]، وقال "طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪"[6] وقال "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ"[7] فارشد بالعطف الی التغایر فالمولٰی سبحٰنہ وتعالٰی	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ کیسے مراد نہ ہو جبکہ اللہ تعالٰی علیم ہے کہ نصارٰی ثالث ثلٰثہ کہتے ہیں حتی کہ ان کو اس سے منع بھی فرمایا اور فرمایا اس سے باز آؤ تمہارے لئے بہتر ہے اور وہ علیم ہے کہ نصارٰی کہتے ہیں مسیح الٰہ ہے، حتی کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ" بلکہ وہ ان کی والدہ کو بھی الٰہ کہتے ہیں، حتی کہ قیامت کے روز اللہ تعالٰی عیسٰی علیہ السلام سے سوال فرمائے گا "يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ" اور وہ علیم ہے کہ یہ لوگ عیسٰی علیہ السلام کے بیٹا ہونے کی تصریح کرتے ہیں حتی کہ ان سے نقل فرمایا "وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ" اس کے باوجود اللہ تعالٰی نے اہلِ کتاب اور مشرکین میں فرق بیان فرمایا، اور ارشاد فرمایا: تمہارے لئے حلال ہیں پارساعورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی، اور فرمایا جن کو کتاب دی گئی (اہلِ کتاب) ان کا طعام تمہارے لئے حلال ہے جس کو یوں فرمایا "طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪" اور فرمایا "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ" واضح دلیل آنے تک کافر لوگوں میں سے اہل کتاب اور مشرک

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۷۱
[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۷و۷۲
[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۶
[4] القرآن الکریم ۹/ ۳۰
[5] القرآن الکریم ۵/۵
[6] القرآن الکریم ۵/۵
[7] القرآن الکریم ۹۸/ ۱

اعلم بمذاھبھم واعلم بما یشرع من الاحکام فلہ الحکم ولہ الحجۃ السامیۃ لاالٰہ الاھو "سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ۝۱۸"[1] حتی ترقتی بعض المشائخ فجوز نکاح الصائبات ایضًا ان کن یدن بکتاب منزل ویؤمن بنبی مرسل وان عبدن الکواکب وصرح انھا لاتخرجھم عن الکتابیۃ وھو الذی یعطیہ ظاہر کلام الامام المحقق برھان الملۃ والدین المرغینانی فی الھدایۃ حیث رتب عدم حل النکاح علی امرین عبادۃ الکواکب وعدم الکتاب وتبعہ العلامۃ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی فی التنویر فقال لاعبادۃ کوکب لاکتاب لھا[2] فاشار بمفھوم المخالف الی انھا ان کان لھا کتاب حل نکاحھا مع عبادتھا الکواکب۔ **فان قلت** الیس قد تکلم فیہ المولٰی زین بن نجیم فی البحر فقال الصحیح انھم ان کانوا یعبدونھا یعنی الکواکب	جدانہ ہوں گے، تو اس آیۃ کریمہ میں دونوں میں عطف کے ذریعہ تغایر کی رہنمائی فرمائی، تو اللہ سبحانہ وتعالٰی ان کے مذاہب کو بہتر جانتا ہے اور احکام کی مشروعیت کو بہتر جانتا ہے، تو حکم اسی کا ہے اور بلند وبالا حجت اسی کی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس کو انہوں نے شریک بنایا اللہ تعالٰی اس سے بلند وبالا ہے اور بعض مشائخ نے اسی پر ترقی کرتے ہوئے صابی عورتوں سے نکاح کو بھی جائز قرار دیا بشرطیکہ وہ کسی دین کی آسمانی کتاب اور کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں اگرچہ وہ ستاروں کی پجاری ہوں اور انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ ستاروں کی پوجا ان کو کتابیہ ہونے سے خارج نہیں کرتی، یہ وہ نظریہ ہے جو امام محقق برہان الملت والدین مرغینانی کی کتاب ہدایہ کے ظاہر کلام سے ملتا ہے، جہاں انہوں نے نکاح کے عدمِ جواز کو دو چیزوں پر مرتب کیا ایک ستاروں کی پوجا اور دوسری کتاب کا نہ ہونا، اور اس کی علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی نے تنویر میں اتباع کرتے ہوئے فرمایا کہ ستاروں کی پوجا نہ کرتی ہو اور اس کی کتاب بھی نہ ہو۔ تو اس عبارت کے مفہوم مخالف سے یہ اشارہ دیا کہ اگر اس کی کتاب ہو تو نکاح جائز ہے اگرچہ وہ ستاروں کی پوجا کرتی ہو۔ **اگر تیرا اعتراض ہو** کہ اس مسئلہ میں مولانا زین نجیم نے کیا گفتگو کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

حقیقة فلیسوا اهل الکتاب وان کانوایعظمونها کتعظیم المسلمین للکعبة فهم اهل الکتاب کذافی المجتبٰی[1] انتهی فیستفاد منه ان الصحیح مباینة الکتابیة لعبادة غیرالله سبحانه وتعالٰی فلایجتمعان ابداوح یتجه ماما ل الیه کثیر من المشائخ فی حق اولئك الیهود والنصارٰی انهم مشرکون حقاحتی قیل ان علیه الفتوی قلت وبالله التوفیق ھٰھنا فرق دقیق هوان قضیةالعقل هی المباینة القطعیة بین الکتابیة وعبادة غیرالله سبحانه وتعالٰی فانها هی الشرك حقا والکتابی غیر مشرك عند الشرع فکل من رأیناه یعبد غیرالحق جل وعلا حکمنا علیه انه مشرك قطعا وان کان یقر بکتب وانبیاء علیهم الصلٰوۃوالسلام ولکنا خالفناه هذه القضیة فی الیهود والنصارٰی بحکم النص فانا وجدنا القراٰن العظیم یحکی عنهم مایحکی من العقائد الخبیثة ثم یحکم علیهم بان هم اهل الکتاب ویمیزهم عن المشرکین فوجب التسلیم لورودالنص بخلاف الصابئة اذ

کہ اگر یہ لوگ حقیقۃً ستاروں کی عبادت کرتے ہوں تو یہ اہل کتاب نہ ہوں گے اور اگر وہ صرف ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں جیسا کہ مسلمان کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں تو پھر یہ اہل کتاب ہیں، مجتبٰی میں یونہی ہے اھ، تواس بیان کا مفادیہ ہے کہ کتابیہ اور غیراللہ کی عبادت والی، ایک دوسرے سے الگ ہیں دونوں کا اجتماع نہیں ہوسکتا تو اب اس سے بہت سے مشائخ کا ان یہود ونصارٰی کے متعلق یہ نظریہ قابل توجہ قرار پایا کہ یہ لوگ حقیقی مشرک ہیں حتی کہ بعض نے اسی پر فتوٰی کا قول کیا ہے۔**قلت** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی کی توفیق سے، کہ یہاں ایک باریک فرق ہے وہ یہ کہ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ کتابیہ اور غیراللہ کی عبادت کرنے والی عورت ایک دوسرے سے قطعًا جدا ہیں، کیونکہ غیراللہ کی عبادت قطعًا شرک ہے جبکہ شرعًا کتابیہ غیر مشرک ہے لہذا جس کو بھی غیراللہ کی عبادت کرنے والا پائیں گے اس کو قطعًا مشرک کہیں گے اگرچہ وہ کتب اور انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کا اقرار کرے لیکن ہم نے اس عقلی کلیہ کاخلاف یہود ونصارٰی میں نص کے حکم پر مانا ہے کہ ہم نے قرآن کو ان کے عقائد خبیثہ کی حکایت کرنے کے باوجود یہ حکم کرتے ہوئے پایا کہ یہ اہل کتاب ہیں، اور یہ کہ قرآن ان میں اور مشرکین میں امتیاز بھی کرتا ہے لہذا نص کے وارد ہونے پر اسکو تسلیم کرنا واجب ہے۔ بخلاف صابیہ عورت کے کہ اس کے

[1] بحرالرائق کتاب النکاح فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۴

لم یرد فیھم مثل ذٰلك فلم یجز قیاسھم علٰی ھٰؤلاء ولاالخروج عن قضیة العقل فی بابھم ،والحاصل ان کتابیة القائلین بالبنوة والوھیة الغیر من الیھود والنصارٰی واردة فیما احسب علی خلاف القیاس فیقصر علی المورد،وبھذا تبین ان ماقاله ذٰلك البعض من المشایخ ان عبادة الکواکب لاتخرج الصابئة عن الکتابیة قول مھجور وان کلام الھدایة والتنویر غیرمحمول علی ظاھرہ وان الحق مع العلامة صاحب البحر فی تصحیحه اشراکھم ان کانوا یعبدون الکواکب وانه لاتنا فی بین تصیحیحة ھذا وقوله سابقًا فی اولئك الیھود والنصارٰی ان المذھب الاطلاق وان قالوا بثالث ثلثة وبه ظھران انتصار العلامة عمر بن نجیم فی النھر والمولٰی محمد بن عابدین فی ردالمحتار لذلك البعض من المشایخ بان مامرمن حل النصرانیة وان اعتقدت المسیح الٰھا یؤید قول بعض المشایخ[1] انتھی مبنی علی الذھول عن ھذاالفرق فاغتنم تحریر ھذاالمقام فقد زلت فیه اقدام و الحمدللہ ولی الانعام۔	متعلق ایسی کوئی نص نہیں ہے اس لئے صابی لوگوں کو ان یہود ونصارٰی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کے بارے میں عقلی کلیہ کو ترک کیا جائے گا،خلاصہ یہ کہ یہود ونصارٰی کتابی لوگ جو بنوت کے قائل ہونے کے باوجود غیراللہ کی الوہیت کے قائل ہیں کو اہل کتاب ماننا میرے خیال میں خلافِ قیاس ہے لہٰذا یہ حکم اپنے مورد میں ہی محفوظ رہے گا جس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا،اس سے ان بعض مشائخ کا یہ نظریہ کہ ستاروں کی پوجا صابیہ عورت کو کتابیہ سے جدا نہیں کرتی،واضح طور پر متروک قرار پاتا ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ ہدایہ اور تنویر کا کلام ظاہری معنٰی پر محمول نہیں ہے،اور صاحب بحر کا کلام حق ہے کہ صابی لوگ اگر ستاروں کی پوجا کرتے ہیں تو وہ مشرک ہیں جس کی انہوں نے تصحیح کی ہے،اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ بحر کی اس تصحیح اور اسکے پہلے قول کہ یہود ونصارٰی کا اہل کتاب ہونا علی الاطلاق مذہب ہے اگرچہ وہ ثالث ثلٰثہ کے قائل ہیں میں منافات نہیں ہے اور اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علامہ عمر ابن نجیم کا نہر میں اور علامہ محمد بن عابدین کا ردالمحتار میں مذکور بیان کہ نصرانی عورت اگرچہ مسیح علیہ السلام کو الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھے تب بھی اس سے نکاح حلال ہے کو ان بعض مشائخ کی تائید ماننا الخ اس فرق سے ذہول پر مبنی ہے،اس تحریر کو غنیمت سمجھو،کیونکہ اس میں بہت سے قدم پھسلے ہیں،نعمتوں کے مالک اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۰

مگر تاہم جبکہ علماء کا اختلاف ہے اور اس قول پر فتوی بھی منقول ہو چکا تو احتیاط اسی میں ہے کہ نصاری کی نساء وذبائح سے احتراز کرے، اور آج کل بعض یہود بھی ایسے پائے جاتے ہوں جو عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابنیت مانیں تو ان کے زن وذبیحہ سے بھی بچنا لازم جانیں کہ ایسی جگہ اختلاف ائمہ میں پڑنا محتاط آدمی کا کام نہیں، اگر فی الواقع یہ یہود ونصاری عنداللہ کتابی ہوئے تاہم ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کے تناول میں ہمارے لئے کوئی نفع نہیں، نہ شرعًا ہم پر لازم کیا گیا، نہ بحمد اللہ ہمیں اس کی ضرورت بلکہ برتقدیر کتابیت بھی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بے ضرورت احتراز چاہئے،

فی الفتح القدیر یجوز تزوج الکتابیات والاولٰی ان لایفعل ولایأکل ذبیحتھم الاللضرورۃ الخ[1]	فتح القدیر میں ہے کتابیات سے نکاح جائز ہے، اور اولٰی یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کا ذبیحہ بغیر ضرورت کھایا جائے الخ (ت)

اور اگر انہیں علماء کا مذہب حق ہوا اور یہ لوگ بوجہ اعتقادوں کے عنداللہ مشرک ٹھہرے تو پھر زنائے محض ہوگا اور ذبیحہ حرام مطلق والعیاذ باللہ تعالٰی، تو عاقل کا کام نہیں کہ ایسا فعل اختیار کرے جس کی ایک جانب نامحمود ہو اور دوسری جانب حرام قطعی، فقیر غفراللہ تعالٰی لہ ایسا ہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ بتوفیق الٰہی مجمع الانہر میں اسی مضمون کی تصریح دیکھی،

حیث قال فعلی ھذا یلزم علی الحکام فی دیارنا ان یمنعوھم من الذبح لان النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحھم اللہ تعالٰی وعدم الضرورۃ متحقق والاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی عند عدم الضرورۃ[2] انتھی، واللہ تعالٰی سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔	جہاں انہوں نے فرمایا کہ اس بناء پر ہمارے ملک کے حکام پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو نصارٰی کے ذبیحہ سے منع کریں کیونکہ ہمارے زمانہ کے نصارٰی عیسٰی علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کی تصریح کرتے ہیں، جبکہ ضرورت بھی متحقق نہیں ہے تو احتیاط واجب ہے کیونکہ ان کے ذبیحہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو حرمت والی جانب اپنانا بہتر ہے جبکہ ضرورت نہیں ہے اھ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

جواب سوال سوم

فی الواقع جو بدعتی ضروریاتِ دین میں سے کسی شیئ کا منکر ہو باجماعِ مسلمین یقینا قطعًا کافر ہے اگرچہ کروڑ بار کلمہ پڑھے، پیشانی اس کی سجدے میں ایک ورق ہو جائے، بدن اس کا روزوں میں ایک خاکہ رہ جائے، عمر میں ہزار حج کرے، لاکھ پہاڑ سونے کے راہِ خدا پر دے، واللہ ہر گز ہر گز کچھ مقبول نہیں تک حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ان تمام ضروری باتوں میں جو وہ اپنے رب کے پاس سے لائے تصدیق نہ کرے، ضروریات اسلام اگر مثلًا ہزار ہیں تو ان میں سے ایک کا بھی انکار ایسا ہے جیسا نوسو ننانوے ۹۹۹ کا، آج کل جس طرح بعض بددینوں نے یہ روش نکالی ہے کہ بات بات پر کفر وشرک کا اطلاق کرتے ہیں اور مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کہتے ہوئے مطلق نہیں ڈرتے حالانکہ مصطفٰی علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء ارشاد فرماتے ہیں: **فقد باء به احدهما**[1] (ان دونوں میں سے ایک نے یہ حکم اپنے اوپر لاگو کیا۔ت) یونہی بعض مداہنوں پر یہ بلاٹوٹی ہے کہ ایک دشمن خدا اسے صریح کلمات توہین آقائے عالمیان حضور پر نور سید المرسلین الکرام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا اور ضروریاتِ دین کا انکار سنتے جائیں اور اسے سچا پکا مسلمان بلکہ ان میں کسی کو افضل العلماء کسی کو امام الاولیاء مانتے جائیں یہ نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے کہ اگر انکارِ ضروریات بھی کفر نہیں، تو عزیزو! بت پرستی میں کیا زہر گھل گیا ہے، وہ بھی آخر اسی لئے کفر ٹھہری کہ اول ضروریاتِ دین یعنی توحیدِ الٰہی جل وعلا کے خلاف ہے، کہتے ہیں وہ کلمہ گو ہے نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے ایسے ایسے مجاہدے کرتا ہے ہم کیونکر اسے کافر کہیں ان لوگوں کے سامنے اگر کوئی کلمہ پڑھے افعالِ اسلام ادا کرے باایںہمہ دو۲ خدا مانے شاید جب بھی کافر نہ کہیں گے مگر اس قدر نہیں جانتے کہ اعمال تو تابع ایمان ہیں پہلے ایمان تو ثابت کرلو تو اعمال سے احتجاج کرو۔ ابلیس کے برابر تو یہ مجاہدے کاہے کو ہوئے پھر اس کے کیا کام آئے جو ان کے کام آئیں گے، آخر حضور اقدس اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قوم کی کثرت اعمال اس درجہ بیان فرمائی کہ:

تحقرون صلٰوتکم مع صلٰوتهم وصیامکم مع صیامهم[2] او کما قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	ان کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھوگے، جیسا کہ یہ حضور علیہ والسلام نے فرمایا ہے (ت)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[2] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب من رایا بقرأۃ القرآن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۶

پھر ان کے دین کا بیان فرمایا کہ:

یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیة[1]۔	دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔(ت)

رہی کلمہ گوئی تو مجرد زبان سے کہنا ایمان کے لئے کافی نہیں، منافقین تو خوب زور و شور سے کلمہ پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے لئے "فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ"[2] (جہنم کی نچلی تہہ میں۔ت) کا فرمان ہے **والعیاذ باللہ**۔

الحاصل ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور وہ بعد انکار ضروریات کہاں، مثلاً:

(۱) جو رافضی اس قرآن مجید کو جو بفضلِ الٰہی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہمارے دلوں میں محفوظ ہے، **عیاذًا باللہ** بیاضِ عثمانی بتائے اس کے ایک حرف یا ایک نقطہ کی نسبت صحابہ اہلسنت یا کسی شخص کے گھٹانے یا بڑھانے کا دعوٰی کرے۔

(۲) یا احتمالاً کہے شاید ایسا ہوا ہو۔

(۳) یا کہے مولٰی علی یا باقی ائمہ یا کوئی غیر نبی انبیاء سابقین علیہم الصلوۃ والسلام سے افضل ہیں۔

(۴) یا مسئلہ خبیثہ ملعونہ بدل کا قائل ہو یعنی کہے باری تعالٰی کبھی ایک حکم سے پشیمان ہو کر اسے بدل دیتا ہے۔

(۵) یا کہے ایک وقت تک مصلحت پر اطلاع نہ تھی جب اسے اطلاع ہوئی حکم بدل دیا" تعالی اللہ عمایقول الظّٰلمون علوا کبیرا"۔

(۶) یا دامن عفت مامن طیب اعطر اطہر کنیز ان بارگاہ طہارت پناہ حضرت ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ علٰی زوجہا الکریم وابیہا وعلیہا وبارک وسلم کے بارے میں اس افک مبغوض مغضوب ملعون کے ساتھ اپنی ناپاک زبان آلودہ کرے۔

(۷) یا کہے احکامِ شریعت حضرات ائمہ طاہرین کو سپرد تھے جو چاہتے راہ نکالتے جو چاہتے بدل ڈالتے۔

(۸) یا کہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی وسلم کے بعد ائمہ طاہرین پر وحیِ شریعت آتی رہی۔

(۹) یا کہے ائمہ سے کوئی شخص حضور پرنور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہم پلہ تھا۔

(۱۰) یا کہے حضرات کریمین امامین شہیدین رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور پرنور علیہ الصلاۃ والسلام سے افضل ہیں کہ ان کی سی ماں حضور کی والدہ کب تھیں اور ان کے سے باپ حضور کے والد کہاں تھے اور ان کے سے

---

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب من رایا القرآن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۵

نانا حضور کے نانا کب تھے۔

(۱۱) یا کہے حضرت جناب شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے نوح کی کشتی بچائی، ابراہیم پر آگ بجھائی، یوسف کو بادشاہی دی، سلیمان کو عالم پناہی دی علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین۔

(۱۲) یا کہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی وقت کسی جگہ حکمِ الٰہی کی تبلیغ میں **معاذاللہ** تقیہ فرمایا **الٰی غیر ذٰلك من الاقوال الخبیثۃ**۔

(۱) یا جو نجدی وہابی حضور پر نور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے کوئی مثل آسمان میں یا زمین، طبقات بالا میں یا زیریں میں موجود مانے یا کہے کبھی ہوگا یا شاید ہو یا ہے تو نہیں مگر ہو جائے تو کچھ حرج بھی نہیں۔

(۲) یا حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا انکار کرے۔

(۳) یا کہے آج تک جو صحابہ تابعین **خاتم النبیین** کے معنے **آخر النبیین** سمجھتے رہے خطا پر تھے نہ پچھلا نبی ہونا حضور کے لئے کوئی کمال بلکہ اس کے معنے یہ ہیں جو میں سمجھا۔

(۴) یا کہے میں ذمہ کرتا ہوں اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبوت پائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۵) یا دو ایک برے نام ذکر کرکے کہے نماز میں جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانا فلاں فلاں کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر ہے **لعنۃ اللہ علی مقالتہ الخبیثۃ**۔

(۶) یا بوجہ تبلیغ رسالت حضور پر نور محبوب رب العٰلمین ملک الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس چپراسی سے تشبیہ دے جو فرمان شاہی رعایا کے پاس لایا۔

(۷) یا حضور اقدس مالک و معطی جنت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ اور حضرت و مولانا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ و حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اسمائے کریمہ طیبہ لکھ کر کہے (خاک بدہانِ گستاخاں) یہ سب جہنم کی راہیں ہیں۔

(۸) یا حضور فریاد رس بیکساں حاجت روائے دوجہاں صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے استعانت کو برا کہہ کر یوں ملعون مثال دے کہ جو غلام ایک بادشاہ کا ہو رہا اسے دوسرے بادشاہ سے بھی کام نہیں رہتا پھر کیسے۔۔۔۔۔۔کا کیا ذکر ہے اور یہاں دو ناپاک قوموں کے نام لکھے۔

(۹) یا ان کے مزار پر انوار کو فائدہ زیارت میں کسی پادری کافر کی گور سے برابر ٹھہرائے، اشد مقت اللہ علی قومہ۔

(۱۰) یا اس کی خباثت قلبی توہین شان رفیع المکان واجب الاعظام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام پر

باعث ہو کہ حضور کو اپنا بڑا بھائی بتائے،

(۱۱) یا کہے (انکے بد گو) مر کر مٹی میں مل گئے۔

(۱۲) یا ان کی تعریف ایسی ہی کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس سے بھی کم الٰی غیر ذٰلک من الخرافات الملعونۃ۔

(۱) یا کوئی نیچری نئی روشنی کا مدعی کہے باندی غلام بنانا ظلم صریح اور بہائم کا ساکام ہے جس شریعت میں کبھی یہ فعل جائز رہا ہو وہ شریعت منجانب اللہ نہیں۔

(۲) یا معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے انکار کرے، نیل کے شق ہونے کو جوار بھاٹا بتائے، عصا کے اژدہا بن کر حرکت کرنے کو سیماب وغیرہ کا شعبدہ ٹھہرائے۔

(۳) یا مسلمانوں کی جنت کو معاذاللہ رنڈیوں کا چکلہ کہے۔

(۴) یا نارِ جہنم کو الم نفسانی سے تاویل کرے،

(۵) یا وجود ملائکہ علیہم السلام کا منکر ہو،

(۶) یا کہے آسمان ہر بلندی کا نام ہے وہ جسم جسے مسلمان آسمان کہتے ہیں محض باطل ہے،

(۷) یا کہے شیطان (کہ اس کا معلم شفیق ہے) کوئی چیز نہیں فقط قوت بدی کا نام ہے اور قرآن عظیم میں جو قصے آدم وحوا وغیرہما کے موجود ہیں جن سے شیطان کا وجود جسمانی سمجھا جاتا ہے تمثیلی کہانیاں ہیں۔

(۸) یا کہے ہم بانی اسلام کو برا کہے بغیر نہیں رہ سکتے،

(۹) یا نصوص قرآنیہ کو عقل کا تابع بتائے کہ جو بات قرآن عظیم کی قانون نیچری کے مطابق ہو گی مانی جائے ورنہ کفر جلی کے روئے زشت پر پردہ ڈھکنے کو ناپاک تاویلیں کی جائیں گی،

(۱۰) یا کہے نماز میں استقبال قبلہ ضرور نہیں جدھر منہ کرو اسی طرف خدا ہے۔

(۱۱) یا کہے آجکل کے یہود ونصارٰی کافر نہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانہ نہ پایا نہ حضور کے معجزات دیکھے۔

(۱۲) یا ہاتھ سے کھانا کھانے وغیرہ سنن کے ذکر پر کہے تہذیب نصارٰی نے ایجاد کی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض افعال نامہذب تھے۔ اور یہ دونوں کلمے بعض اشقیاء سے فقیر نے خود سنے، الٰی غیر ذٰلک من الاباطیل الشیطانیۃ۔

(۱) یا کوئی جھوٹا صوفی کہے جب بندہ عارف باللہ ہو جاتا ہے تکالیف شرعیہ اس سے ساقط ہو جاتی ہیں یہ باتیں تو خدا تک پہنچنے کی راہ ہیں جو مقصود تک واصل ہو گیا اسے راستہ سے کیا کام۔

(۲) یا کہے یہ رکوع وسجدہ تو مجوبوں کی نماز ہے محبوبوں کو اس نماز کی کیا ضرورت، ہماری نماز ترک وجود ہے۔
(۳) یا یہ نماز روزہ تو عالموں نے انتظام کے لئے بنالیا ہے،
(۴) یا جتنے عالم ہیں سب پنڈت ہیں عالم وہی ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کی مثل معجزے دکھائے، یہ بات حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حاصل ہوئی وہ بھی ایک مدت کے بعد مولٰی علی کے سکھانے سے کما سمعتہ من بعض المتھورین علی اللہ (جیسا کہ میں نے خود ایسے لوگوں سے سنا ہے جو اللہ تعالٰی پر جرات کرتے ہیں۔ت)
(۵) یا خدا تک پہنچنے کے لئے اسلام شرط نہیں، بیعت بک جانے کا نام ہے اگر کافر ہمارے ہاتھ پر بک جائے ہم اسے بھی خدا تک پہنچادیں گو وہ اپنے دین خبیث پر رہے۔
(۶) یا رنڈیوں کا ناچ علانیہ دیکھے جب اس پر اعتراض ہو تو کہے یہ تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔ کما بلغنی عن بعضھم واعترف بہ بعض خلص مریدیہ (جیسا کہ ان کے بعض سے مجھے اطلاع ملی اور اس کے مخلص مرید نے اس کا اعتراف کیا۔ت)
(۷) یا شبانہ روز طبلہ سارنگی میں مشغول رہے جب تحریم مزامیر کی احادیث سنائیں تو کہے یہ مذمتیں تو ان کثیف بے مزہ باجوں کے لئے وارد ہوئیں جو اس وقت عرب میں رائج تھے یہ لطیف نفیس لذیذ باجے جواب ایجاد ہوئے اس زمانے میں ہوتے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام سوا ان کے سننے کے ہر گز کوئی کام نہ کرتے۔
(۸) یا کہے:ع

محمد خدا ہے خدا ہے محمد	کہ جنے خدا ہے سراہا گیا ہے
خدا باطن وظاہر ہے محمد	یہ دونوں ہیں ایک ان کو دومت سمجھنا

(۹) یا کہے:ع

مسیحا سے تری آنکھوں کی سب بیمار اچھے ہیں	اشاروں میں جلادیتے ہیں مردہ یارسول اللہ

(۱۰) یا کہے:ع

علی مشکلکشا شیر خدا تھا اور حیدر تھا	دوبالا مرتبہ تھا راکبِ دوشِ پیمبر تھا
برب کعبہ کب خیبر شکن فرزندِ آزر تھا	بتوں کے توڑنے میں اس سے ابراہیم ہمسر تھا

اگر ہوتا نہ زیر پا کتف شاہ رسولاں کا
(۱۱) یا کہے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ اللہ تعالٰی کے محبوب تھے اور انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں

کوئی خدا کا محبوب نہ تھا۔

(۱۲) یا اس کے جلسہ میں لاالٰہ الا اللہ فلاں رسول اللہ اسی مغرور کا نام لے کر کہا جائے اور وہ اس پر راضی ہو جائے۔

یہ سب فرقے بالقطع والیقین کافر مطلق ہیں، ھداھم اللہ تعالٰی الی الصراط المستقیم والالعنھم لعنۃ تبید صغارھم وکبارھم وتزیل عن الاسلام والمسلمین عارھم وعوارھم اٰمین (اللہ تعالٰی ان کو سیدھی راہ کی ہدایت دے ورنہ ان پر لعنت فرمائے ایسی لعنت جو ان کے بڑوں چھوٹوں کو ملیامیٹ کر دے اور اسلام اور مسلمانوں سے ان کی عار اور اندھاپن ختم ہو جائے، آمین! ۔ت) اور جو شخص ابتداء میں صحیح الاسلام تھا بعدہ ان خرافات کی طرف رجوع کی اس کے مرتد ہونے میں شبہہ نہیں، اس قدر پر تو اجماع قطعی قائم ہے، اب رہی تحقیق اس بات کی کہ ان میں جو شخص قدیم سے ایسے ہی عقائد پر ہو اور بچپن سے یہی کفریات سیکھے جیسے وہ مبتدعین جن کے باپ دادا سے یہی مذاہب مکفرہ چلے آتے ہیں ان کی نسبت کیا حکم ہونا چاہئے کہ کفار چند قسم ہیں کچھ ایسے کہ باوجود کفر شرع مطہر نے ان کی عورتوں سے نکاح اور ذبائح کا تناول جائز فرمایا وہ کتابی ہیں اور بعض وہ جن کے نساء وذبائح حرام، مگر ان سے جزیہ لینا، مناسب ہو تو صلح کرنا غلبہ پائیں تو رفیق بنانا جائز ہے اور انہیں خواہی نخواہی اسلام پر جبر نہ کریں گے، وہ مشرکین ہیں، اور بعض ایسے جن کے ساتھ یہ سب باتیں ناجائز، وہ مرتدین ہیں، آیا ان ہمیشہ کے بعد عتی کفار مدعیان اسلام پر کس قسم کے حکم جاری ہوں، مطالعہ کتب فقہ سے اس بارہ میں چار قول مستفاد ہوتے ہیں جن کی تفصیل فقیر نے رسالہ مقالۃ المفسرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ میں بمالامزید علیہ کی، ان میں مذہب صحیح ومعتمد علیہ یہی ہے کہ یہ مبتدعین بحکمِ شرع مطلقًا مرتدین ہیں خواہ یہ بدعت ان کے باپ دادا سے چلی آتی ہو یا خود انہوں نے ابتداء سے اختیار کی ہو خواہ بعد ایک زمانہ کے ہو کسی طرح فرق نہیں، بس اتنا چاہئے کہ باوجود دعوی اسلام واقرار شہادتین بعض ضروریات دین سے انکار رکھتا ہو اس پر احکامِ مرتدین جاری کئے جائیں گے۔ عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح وبانتقال روح الالٰہ الی الائمۃ وبقولھم فی خروج امام باطن وبتعطیلھم الامر والنھی الی ان یخرج الامام الباطن وبقولھم ان جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دون علی بن ابی طالب	رافضیوں کی ان باتوں پر کہ "مردے دوبارہ دنیا میں آئیں گے، روح دوسرے جسموں میں آئیں گے، اللہ تعالٰی کی روح ائمہ اہلبیت میں منتقل ہوئی ہے، امام باطن خروج کریں گے، امام باطن کے خروج تک امر ونہی احکام معطل رہیں گے، جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت علی کے مقابلہ میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر وحی لانے میں غلطی ہوئی ہے" ان کی تکفیر ضروری ہے، یہ لوگ ملتِ اسلامیہ سے خارج

رضی اللہ تعالٰی عنہ وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذافی الظھیریۃ[1]۔	ہیں، اور ان کے احکام مرتدین جیسے ہوں گے، ظہیریہ میں ایسے ہی ہے۔

خود علامہ شامی علیہ الرحمۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ میں مؤلفِ فتاوٰی علامہ حامد آفندی عمادی سے نقل کرتے ہیں انہوں نے شیخ الاسلام عبداللہ آفندی کے مجموعہ میں علامۃ الورٰی نوح آفندی علیہ الرحمۃ کا فتوٰی دیکھا جس میں ان سے تکفیر روافض کے بارے میں سوال ہوا تھا علامہ ان کے کلمات کفریہ لکھ کر فرماتے ہیں:

ثبت التواتر قطعًا عند الخواص والعوام المسلمین ان ھذہ القبائح مجتمعۃ فی ھٰؤلاء الضالین المضلین فمن اتصف بواحد من ھذہ الامور فھو کافر (الٰی ان قال) ولایجوز ترکھم علیہ باعطاء الجزیۃ ولاباماں مؤید نص علیہ قاضی خاں فی فتاواہ ویجوز استرقاق نساء ھم لان استرقاق المرتدۃ بعد مالحقت بدار الحرب جائز الخ[2] ملتقطا۔	خواص وعوام مسلمانوں میں یہ بات تواتر سے چلی آرہی ہے کہ مذکور قباحتیں ان گمراہ لوگوں میں جمع ہیں جبکہ ان قباحتوں میں سے کسی ایک سے متصف ہونے والا کافر ہے، (آگے یہاں تک فرمایا) کہ جزیہ کے بدلے یا امان دے کر ان لوگوں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی، اس پر قاضیخاں نے اپنے فتاوٰی میں تصریح کی ہے اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانا جائز ہوگا کیونکہ مرتدہ عورت جب دارالحرب چلی جائے تو اس کے بعد اس کو لونڈی بنانا جائز ہے الخ اھ ملتقطا (ت)

فتاوٰی علامہ قاضی خاں میں شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل علیہ الرحمۃ سے دربارہ مبیض ومبیضہ کے اول زن و شوہر تھے پھر دونوں مسمان ہوئے عورت نے اور مسلمان سے نکاح کرلیا منقول:

ان کانا یظھران الکفرا واحدھما کانا بمنزلۃ المرتدین لم یصح نکاحھما ویصح نکاح المرأۃ مع الثانی[3] انتھی باختصار۔	مرد وعورت دونوں یا ان میں سے ایک جب کفر کا اظہار کرے تو ان کا حکم مرتدوں والا ہوگا، ان کا نکاح ختم ہوجائیگا اور وہ عورت دوسرے کے لئے حلال ہوگی، اھ، مختصرا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ باب الردۃ والتعزیر قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۵-۱۰۴

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح باب فی المحرمات نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۷

امام علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں امام اہلسنت قاضی ابوبکر باقلانی سے نقل فرماتے ہیں:

انھم علی رای من کفرھم بالتاویل لاتحل مناکحتھم ولااکل ذبائحھم ولاالصلوٰۃ علی میتھم ویختلف فی موارثتھم علی الخلاف فی میراث المرتد[1]۔	جن لوگوں نے ان کی تکفیر کی ہے ان کی رائے میں ان سے نکاح کرنا، ان کا ذبیحہ کھانا، ان کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے اور ان کی وراثت میں وہی اختلاف ہوگا جو مرتد کی وراثت میں ہے۔(ت)

ان عبارات سے ظاہر ہولیا کہ ان مبتدعین منکرین ضروریاتِ دین پر حکم مرتدین جاری ہونا ہی منقول ومقبول بلکہ مذاہب اربعہ کا مفتٰی بہ ہے۔ بالجملہ ان اعداء اللہ پر حکمِ ارتداد ہی جاری کیا جائے گا، نہ ان سے سلطنت اسلام میں معاہدہ دائمہ جائز نہ ہمیشہ کو امان دینا جائز، نہ جزیہ لینا جائز نہ کسی وقت کسی حالت میں ان سے ربط رکھنا جائز، نہ پاس بیٹھنا جائز نہ بٹھانا جائز، نہ ان کے کسی کام میں شریک ہونا جائز نہ اپنے کام میں شریک کرنا جائز، نہ مناکحت کرنا جائز نہ ذبیحہ کھانا جائز۔

قاتلھم اللہ انّٰی یؤفکون قال اللہ تعالٰی "وَ مَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ؕ"[2]۔ ھدٰنا اللہ تعالٰی الی الصراط المستقیم ودین ھذا النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم وثبتنا بالقول الثابت فی الدنیا والاٰخرۃ انہ ولی ذٰلک واھل التقوٰی واھل المغفرۃ لاالٰہ الاھو "سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۸﴾" واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی ان کو ہلاک کرے یہ کدھر جارہے ہیں، اللہ تعالٰی نے فرمایا جو تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے ہے۔(ت) اللہ تعالٰی ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت کرے اور اس آخری نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے دین پر چلائے، اور دنیا وآخرت میں ایمان کامل پر چلائے اور دنیا وآخرت میں ایمان کامل پر ثابت قدم رکھے۔ اللہ تعالٰی اس کا مالک ہے اے تقوٰی والو اور مغفرت والو! اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک وبلند ہے کسی شریک سے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

عبدہ المذنب احمد رضا

کتبــہ

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] الشفاء للقاضی عیاض فصل فی تحقیق القول فی کفار المتأولین شرکۃ صحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۶۴

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

مسئلہ ۶: از بستی غفران باغ آہو در بہہ نئی آجری

بخدمت حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کیافرماتے ہیں علمائے دین موجودہ اسلامی حالت کا خیال کرتے ہوئے اور عام علماء کی تقریر متعلق ہجرت کرنے نہ کرنے کے سنتے ہوئے طبیعت پر تذبذب پیدا ہورہا ہے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہئے ہجرت کروں یا نہیں؟ اس کے متعلق حضور کا ذاتی خیال کیا ہے؟

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہجرت دو قسم ہے: عامہ و خاصہ۔ عامہ یہ کہ تمام اہل وطن ترک وطن کرکے چلے جائیں۔ اور خاصہ یہ کہ خاص اشخاص، پہلے ہجرت دارالحرب سے ہر مسلمان پر فرض ہے، جس کا بیان آیہ کریمہ "**اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ**"[1] الآیۃ (وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے الآیۃ۔ت) میں ہے، اس سے صرف عورتیں اور بچے اور عاجز مرد جو نکل نہیں سکتے مستثنٰی ہیں، جس کا ذکر اس کے متصل دوسری آیہ کریمہ "**اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ**"[2] الآیۃ میں ہے، باقی سب پر فرض ہے جو باوصفِ قدرت دارالحرب میں سکونت رکھے اور ہجرت نہ کرے مستحقِ عذاب ہے، رہا دارالاسلام اس سے ہجرتِ عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی وبے حرمتی، قبور مسلمین کی بربادی، عورتوں بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی اور ہجرت خاصہ میں تین صورتیں ہیں، اگر کوئی شخص کسی وجہ خاص سے کسی مقام خاص میں اپنے فرائض دینیہ بجانہ لاسکے اور دوسری جگہ ممکن ہو تو اگر یہ خاص اسی مکان میں ہے اس پر فرض ہے کہ یہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلا جائے، اور اگر اس محلّہ میں معذور ہو تو دوسرے محلّہ میں اٹھ جائے اور اس شہر میں مجبور ہو تو دوسرے شہر میں وعلٰی ہذا القیاس۔ **کما بینہ فی مدارك التنزیل واستشھد بحدیث** (جیسا کہ مدارک التنزیل میں اس کی تفصیل ہے اور اس پر حدیث مبارکہ سے استشہاد کیا ہے۔ت) دوسرے وہ کہ یہاں اپنے فرائض مذہبی بجالانے سے عاجز نہیں اور اس کے ضعیف ماں یا باپ یا بیوی یا بچے جن کا نفقہ اس پر فرض ہے وہ نہ جاسکیں گے یا نہ جائیں گے اور اس کے چلے جانے سے بے وسیلہ رہ جائیں گے تو اس کو دارالاسلام سے ہجرت کرنا حرام ہے، حدیث میں ہے:

کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من	کسی آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ

[1] القرآن الکریم ۴/ ۹۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۹۸

یقوت[1]۔	اسے ضائع کردے جس کا نفقہ اس کے ذمے تھا(ت)

یا وہ عالم جس سے بڑھ کر اس شہر میں عالم نہ ہو اسے بھی حرام ہے **وقد نص فی البزازیۃ والدرالمختار انہ لایجوزلہ السفر الطویل منہا فضلا عن المہاجرۃ**[2] (بزازیہ اور درمختار میں تصریح ہے کہ ایسے آدمی کے لئے طویل سفر جائز نہیں چہ جائیکہ وہ وہاں سے ہجرت کرجائے۔ت) تیسرے وہ کہ نہ فرائض سے عاجز ہے نہ اس کی یہاں حاجت، اسے اختیار ہے رہے یا چلا جائے جو اس کی مصلحت سے ہو، یہ تفصیل دارالاسلام میں ہے، **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) اب آپ اپنی حالت کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ کو ہجرت جائز یا واجب یا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۷تا۹: از بمبئی نمبر ۲ سنگل روڈ معرفت وائز برادر مسئولہ نذیر احمد خجندی ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) سلطنت اسلامیہ عثمانیہ تباہ بر باد کی جارہی ہے، اس کے حصے بخرے کرلئے گئے، ایسی حالت میں ہم اہل سنت وجماعت کو اس سلطنت اسلامی سے ہمدردی اور اس کے دشمنوں سے نفرت کرنی چاہئے یا نہیں؟

(۲) اماکن مقدسہ بے حرمت کئے گئے، خصوصًا حرم شریف میں خون بہایا گیا، غلاف کعبۃ اللہ میں آگ لگی، ان بے حرمتی کرنے والوں اور ان افراد سے جو اس بے حرمتی کے باعث ہوئے ہم کو نفرت اور عداوت رکھنی چاہئے یا نہیں؟

(۳) خصوصًا جس قوم نے سلطنت اسلامیہ کو بر باد اور اماکن مقدسہ کو بے حرمت کرنے کی کوشش کی ہو وہ دشمن اسلام اور مخالف اللہ تعالٰی ورسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمجھی جائے گی یا نہیں، اور بفحوائے آیہ کریمہ

"**لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ**"[3] **الخ** (تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی الخ۔ت) ہم اہل سنت وجماعت کو ان دشمنان اسلام سے دوستانہ تعلقات ترک کرنے چاہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**۔

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸، مسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۰، ۱۹۵، ۱۹۴
المعجم الکبیر حدیث ۱۳۴۱۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۳۸۲

[2] درمختار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۹

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

الجواب

ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی مسلمان پر فرض ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصح لکل مسلم[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دین اسلام ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے۔ (ت)

مگر ہر تکلیف بقدر استطاعت اور ہر فرض بقدرِ قدرت ہے نامقدور بات پر مسلمان کو ابھارنا جو نہ ہوسکے اور ضرر دے اور اسے فرض ٹھہرانا شریعت پر افترا اور مسلمانوں کی بدخواہی ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" [2]۔ وقال تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہوسکے۔ (ت)

پھر خیر خواہی اسلام حدودِ اسلام میں رہ کر ہے، مشرکین سے اتحاد وموالات اور ان کو راضی کرنے کو شعار اسلام کی بندش مشرک لیڈر کو اپنے دین کا ہادی ورہبر بنانا، مشرک لکچرار کو مسلمانوں کا واعظ ٹھہرانا، اسے مسجد میں لے جاکر جماعت مسلمین سے اونچا کھڑا کرکے لکچر دلوانا، اپنے ماتھوں پر مشرکوں سے قشقے لگوانا، مشرکوں کے مجمع میں مشرک لیڈروں کی جے پکارنا، مشرک لیڈروں کی ٹکٹکی اپنے کندھوں پر اٹھاکر مرگھٹ میں لے جانا، مساجد کو مشرک کا ماتم گاہ ٹھہرانا، اس کے ماتم کے لئے مساجد میں سر برہنہ ہونا، اس کے لئے نماز دعائے مغفرت کا اشتہار دینا، قرآن مجید اور رامائن کو ایک ڈولے میں رکھ کر دونوں کی پوجا کراتے ہوئے مندر میں لے جانا، مشرکوں نے قربانی گاؤپر مسلمانوں کو بے دریغ ذبح کیا آگ سے پھونکا ان میں جو بعض گرفتار ہوئے اور ان پر ثبوت کامل پہنچ گیا، ان کے لئے رحم کی درخواست کرنا، ان کی رہائی کی ریزولیوشن پاس کرنا، صاف لکھ دینا کہ ہم نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی، صاف لکھ دینا کہ آج اگر تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کرلیا، صاف لکھ دینا کہ ہماری جماعت ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہے جو کفر واسلام کا امتیاز اٹھادے گا، صاف لکھ دینا کہ ہم ایسا مذہب بنانا چاہتے ہیں جو سنگم وپریاگ (بتوں کی پرستشگاہوں) کو مقدس مقام ٹھہرائے گا۔ یہ امور خیر خواہی اسلام نہیں کند چھری سے اسلام کو ذبح کرنا ہے، یہ سب افعال واقوال ضلال بعید وکفر شدید ہیں اور ان کے فاعل وقائل وقابل اعدائے دین حمید و

[1] صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الدین والنصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[3] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

دشمنانِ رب مجید ہیں،

"اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا" [1]، "بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا" [2] "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾" [3]۔	جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا، اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (ت)

نفرت دینیہ، مکروہ تنزیہی واساءت، مکروہ تحریمی، وحرام صغیرہ وکبیرہ ومراتب بدعت وضلال وانواع کفروارتداد سب سے حسبِ مرتبہ ہے جس کے درجات مستحب سے فرض اعظم بلکہ ضروریات دین تک ہوں گے لیکن جواخبث مراتب سے نفرت نہ کرے ادون سے ادعائے نفرت میں جھوٹا ہے، مکروہ تنزیہی سے اساءت بری ہے، اساءت سے مکروہِ تحریمی بدتر ہے، اس سے کبائر اپنے اپنے مرتبہ پر بدتر ہیں اور ان سے بدعت وضلال بدتر ہیں اور ان کے بھی مدارج مختلف ہیں اور ان سب سے کفر بدتر ہے اور اس میں بھی مراتب ہیں کفر اصلی سے ارتداد بدتر اور اس میں بھی ترتیب ہے، کفر اصلی کی ایک سخت قسم نصرانیت ہے اور اس سے بدتر مجوسیت، اس سے بدتر بت پرستی، اس سے بدتر وہابیت، ان سب سے بدتر اور خبیث تر دیوبندیت، افعال کیسے ہی شنیع ہوں کسی کفر کی شناعت کو نہیں پہنچ سکتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بدتر از بدتر سے بدتر، کافروں بت پرستوں سے اتحاد و داد منایا جاتا ہے، کیسا وداد، کہاں کا اتحاد، بلکہ غلامی وانقیاد، اور ان سے بھی بدتر کفار وہابیہ کو اپنی مجلسوں کی صدائیں دی جاتی ہیں اور ان تمام بدتر از بدتر سے بدتر دیوبندیت کے سر مشیخیت ہند کی پگڑی باندھنے کی فکر کی جاتی ہے، جب مشرکین ومرتدین سے یہ کچھ اتحاد ہے تو کسی فعل ومعصیت سے نفرت کا ادعاء محض سفید جھوٹ ہے اگر تمہاری نفرت اللہ کے لئے ہوتی تو افعال سے ایک درجہ ہی بت پرستوں سے لاکھ درجہ ہوتی اگر بت پرستوں سے لاکھ درجہ ہوتی دیوبندیوں سے کروڑ درجہ ہوتی تو نفرت کے دعوے محض مکروفریب ہیں،

"یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾" [4]	فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۵۱

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۸

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[4] القرآن الکریم ۲/ ۹

آیہ کریمہ:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ" [1]۔	تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔ (ت)

کی تلاوت اس جدید پارٹی کے لئے رب تالی القراٰن والقراٰن یلعنه[2] (بہت سے قرآن پڑھنے والوں پر قرآن لعنت کرتا ہے۔ت) کی پوری مصداق ہے، کیا بت پرست ووہابیہ و دیوبندیہ "مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ" میں داخل نہیں، ضرور ہیں، کیا یہ پارٹی ان سے وداد واتحاد کرکے "یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ" میں داخل نہ ہوئے ضرور ہوئے، اور یہی آیہ کریمہ فرمارہی ہے کہ جو "یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ" ہیں وہ "یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ" نہیں، لاجرم:

"شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ" [3] "یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ" [4]۔	خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے، اپنے گھر ویران کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں، تو عبرت لو اے نگاہ والو۔ (ت)
نسأل اللہ العافیة ونعوذ باللہ من حال اھل النار و لاحول ولاقوۃ الا باللہ الواحد القھار وصلی اللہ وسلم وبارك علی السید الکریم المختار واٰله الاطھار وصحبه الاخیار وامته الی یوم القرار، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کی دعا کرتے ہیں اور اہل نار کے اس حال سے اللہ تعالٰی کے دامن سے وابستہ ہوتے ہیں، اللہ واحد قہار کی قدرت کے بغیر نیکی کی طاقت اور برائی سے باز آنے کی قدرت نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالٰی کی رحمتیں، برکات ہمارے آقا پر ہوں اور آپ کی آل اطہار، صحابہ خیار اور امتِ نبی پر قیامت تک ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰ تا ۱۳: از کانپور فیل خانہ کہنہ مسئولہ مولوی سید محمد آصف صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

یاحبیب محبوب اللہ روحی فداک، قبلہ کونین وکعبہ دارین محی الملّۃ والدّین دامت فیوضہم۔ بعد تسلیمات

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] المدخل لابن الحاج الجزء الاول ص ۸۵ الجزء الثانی ص ۳۰۴ دار الکتاب العربی بیروت

[3] القرآن الکریم ۶/ ۱۳۰ و ۷/ ۳۷

[4] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

فدویانہ تمنائے حصولِ سعادت آستاں بوسی التماس ایں کہ بفضلہٖ تعالیٰ فدوی بخیریت ہے، حضوری مزاج اقدس مدام بدعائے سحری مطلوب۔

(۱) ذمی کفار کو ان کے مندر عبادت گاہ میں عبادت کرنے و نیز مراسم کفر کے کرنے کی سلطان اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ درصورت اجازت دینے کے شبہہ ہوتا ہے کہ احکامِ کفر پر رضا کفر ہے جیسا کہ اتمامِ حجت تامہ میں ۴۳ سوال کے آخر میں ہے (تقسیم ملک کہ اتنا آپ کا اتنا ہندوؤں کا، ان دونوں صورتوں میں احکامِ کفر تمام یا بڑے حصہ میں آپ کی رضا سے جاری ہوں گے کہ آپ ہی اس اشتراک یا تقسیم پر راضی ہوئے، احکامِ کفر پر رضا کفر یا کم از کم بددینی ہے یا نہیں)

(۲) کیا یہ حدیث صحیح ہے: **اخرجوا الیہود والنصارٰی من جزیرۃ العرب۔**

یہود ونصاری کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ (ت)

اور کس زمانہ تک اس حدیث شریف پر عمل ہوتا رہا، اور کس بادشاہ کے وقت سے عدن وغیرہ میں نصارٰی کا قیام ہوا، حدیث شریف سے کیا مقصود ہے؟

(۳) کیا وہابیہ دیوبندیہ **خذلھم اللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی انہیں رسوا فرمائے۔ ت) بیت المقدس و مساجد کو مقاماتِ مقدسہ نہیں سمجھتے اگرچہ ترکوں کو مسلمان و نیز اور اماکن مقدسہ کو مقاماتِ مقدسہ نہ سمجھیں لیکن شاید مساجد کی وجہ سے و نیز اس حدیث شریف کی وجہ سے چاہتے ہوں کہ عراق عرب غیر مسلم کی ہستیوں سے پاک ہوجائے اور نصارٰی پریشان ہو کر اسے چھوڑ دیں۔

(۴) کیا ابن عبدالوہاب نجدی نے سنگِ اسود کو بھی نقصان پہنچایا تھا اور جگہ سے ہٹا دیا تھا؟ **والسلام مع التکریم۔**

الجواب:

حبیبی ومحبی ومحبوبی احبکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

(۱) سلطانِ اسلام ہرگز کفار کو مراسم کفر کی اجازت نہیں دے سکتا، کیا اجازت کفر دے کر خود کافر ہوگا بلکہ **نترکھم ومایدینون** (انہیں ہم ان کے دین پر چھوڑ دیں گے۔ ت) یعنی جہاں جس بات کا ازالہ کا حکم نہیں وہاں تعرض نہ کرے گا نہ یہ کہ ان سے کہے گا کہ ہاں ایسا کرو۔ رسالہ علامہ شرنبلالی پھر ردالمحتار میں ہے:

لیس المراد انہ جائز، نامرھم بہ	جائز سے یہ مراد نہیں کہ ہم اس کا امر

بل بمعنی نترکھم ومایدینون فھو من جملة المعاصی التی یقرون علیھا کشرب الخمر ونحوہ، ولا نقول ان ذٰلك جائزلھم فلایحل للسلطان ولا للقاضی ان یقول لھم افعلوا ذٰلك ولاان یعینھم علیه[1]۔	کرتے ہیں بلکہ معنٰی یہ ہے کہ ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑتے ہیں پس یہ ان کے ان معاصی سے ہے جن پر وہ قائم رہتے ہیں مثلاً شراب پینا وغیرہ، اور یہ نہیں کہتے کہ انکو جائز ہیں تو بادشاہ اور قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ انہیں کہے تم یہ کام کرو اور نہ یہ کہ وہ ان کی مدد کریں۔(ت) بخلاف یہاں کے کہ ضرور جو کچھ ہوگا فریقین کی تراضی وقرار داد سے ہوگا۔

(۲) یہ حدیث ان لفظوں سے صحیح نہیں مگر اس مضمون میں کہ جزیرہ عرب میں کوئی نامسلم نہ رہے، متعدد صحیح حدیثیں وارد ہیں، مقصود حدیث وحکم شرعی یہ ہے کہ جزیرہ عرب میں کسی غیر مسلم کا توطن وطول اقامت جائز نہیں، تجارت وغیرہ امورِ مرخصہ کے لئے آئیں اور چلے جائیں، ظاہراً سال بھر تک قیام کی اجازت کسی کو نہ دی جائیگی۔ تیسیر المقاصد علامہ شرنبلالی پھر درمختار میں ہے:

یمنعون من استیطان مکة والمدینة لانھما من ارض العرب قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لایجتمع فی ارض العرب دینان ولودخل لتجارة جاز ولایطیل[2]۔	مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ کو انہیں وطن بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ یہ دونوں شہر ارضِ عرب ہیں، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زمینِ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوسکتے، اگر تجارت کے لئے داخل ہو تو جائز ہے لیکن طویل مدت نہ رہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لانھما من ارض العرب افادان الحکم غیر مقصود علی مکة والمدینة بل جزیرة العرب کلھا کذٰلك کما عبربه فی الفتح وغیرہ فیمنع من ان یطیل فیھا المکث حتی یتخذ فیھا مسکنا لان حالھم فی المقام فی ارض العرب مع التزام	قولہ "کیونکہ وہ ارض عرب میں سے ہیں" بتارہا ہے کہ یہ حکم محض مکہ اور مدینہ تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام جزیرہ عرب کا یہی حکم ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں بیان ہوا ہے لہٰذا ایسی طویل مدت تک وہاں ٹھہرنے سے منع کیا جائے گا کہ وہاں وہ رہائش وغیرہ بنائے کیونکہ زمین عرب میں ان کا التزام جزیہ کے ساتھ

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۷۲

[2] درمختار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

الجزیة کحالھم فی غیرھا بلاجزیة، وھنا بلك لا یمنعون من التجارة بل من اطالة المقام فکذلك فی ارض العرب، شرح السیر وظاھرہ ان حد الطول سنة تأمل[1]۔	ٹھہرنا ایسا ہی ہے جیسے وہ دیگر مقام پر بلاجزیہ ٹھہریں تو وہاں انہیں تجارت سے منع نہیں کیا جائے گا، ہاں طویل قیام سے روکا جائے گا، اسی طرح زمین عرب کا معاملہ ہے، شرح السیر۔ ظاہر یہی ہے کہ طوالت مدت کی حد ایک سال تک ہے، تأمل۔ (ت)

اس حکم احکم کی تکمیل خلافت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوئی بعد کے خلفا میں مستمر رہی قرامطہ ملاعنہ پھر عبیدی خبثاء پھر وہابیہ نجدیہ، ان کفار کا چند روزہ جبری تسلط نہ کسی خلیفہ یا سلطان کی اجازت سے تھا نہ کسی بین الاقوامی قانون مخترع کی قرار داد سے عدن میں نصارٰی کا قیام اور جدّہ میں ان کی سفارت کا مسکن سلطنت ترک کے اواخر سے ہے۔

(۳) وہابیہ مساجد کو مقدس سمجھا کریں مگر ساتھ ہی ترکوں کو بھی غیر مسلم ہستی مانتے ہیں جس طرح تمام اہلسنت کو جانتے ہیں، توان کے جیسے نصارٰی ویسے ہی ترک، بلکہ دل میں ترکوں کو بدتر سمجھتے ہیں کہ مشرک و مرتد جانتے ہیں۔

(۴) قرامطہ خبثا سنگ اسود کو لے گئے تھے، بیس برس کے بعد ان کے یہاں سے ملا، نجدیہ کا اسے جگہ سے ہٹانا منقول نہیں، ہاں سیف الجبار میں ان کے زدوضرب سے اس میں شق آجانا لکھا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴: از چکل ضلع بلڈانہ برار مسئولہ محمد شیر نوار خاں صاحب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وہادیان مبین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ ان دنوں جب کہ دول یورپ نصارٰی نے سلطنت حضرت سلطان روم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے بیشتر حصہ مملکت و دار الخلافہ پر تسلط اور جزیرۃ العرب واماکن مقدسہ پر بھی براہِ راست و بالواسطہ تسلط واقتدار جمالیا ہے کیاان حالات میں مسلمانانِ ہند کے لئے ضروری ہے یانہیں کہ ایسا کوئی طرزِ عمل متفق طور پر اختیار کریں جو غاصبان سلطنت اسلام واماکن مقدسہ کو عاجز کرنے والااور نقصان پہنچانے والااور جس کا اثر سلطنت اسلام واماکنِ مقدسہ کی حفاظت کے لئے مدافعانہ پہلو لئے ہوئے ہو، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس سوال کاجواب بھی بارہا چھپ چکا، بلاشبہہ سلطنت اسلام کی حمایت اور اماکن مقدسہ کا تحفظ مسلمانوں پر فرض ہے مگر ہر فرض بقدرِ قدرت ہے اور ہر حکم حسبِ استطاعت، ہندوؤں کی غلامی حرام ہے

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۷۵

اور ان سے اتحاد وو داد مخالفتِ قرآن ہے، جو شخص جو طریقہ برتنا چاہے اسے تین باتیں سوچ لینا ضرور ہے:

اول وہ طریقہ شرعًا جائز ہو، نہ محرمات وکفریات جیسے آجکل لوگوں نے اختیار کئے ہیں۔

دوم وہ طریقہ ممکن بھی ہو، اپنے آپ کو اس کے کرنے پر قدرت ہو کہ غیر مقدوریات کا اٹھانا شرعًا بھی ممانعت ہے عقلًا بھی حماقت۔

سوم وہ طریقہ مفید بھی ہو، وقت اٹھائے پریشانی اٹھائے بلاکے لئے سینہ سپر ہو، اور کرے وہ بات جو محض غیر مفید وبے اثر ہو، یہ بھی شرعًا عقلًا کسی طرح مقبول نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵: از بنارس محلّہ ابنیا کی منڈی مسئولہ محمد عمر صاحب رضوی ۲۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیاارشاد فرماتے ہیں علمائے دین حنفی اس مسئلہ میں کہ ہندوستان کے کافر ذمی ہیں یا حربی، کافر ذمی اور حربی کی صحیح تعریف کیا ہے، ہندوستان کے کفار سے لین دین بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہندوستان کے کافر ذمی نہیں، ذمی وہ کافر ہے کہ سلطنتِ اسلام میں مطیع الاسلام ہو کر رہے اور جزیہ دینا قبول کرے، بیع وشراء لین دین کہ جائز ہو ہر کافر اصلی سے جائز ہے اگرچہ ذمی نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے:

اذا اراد المسلم ان یدخل دارالحرب بامان للتجارۃ لم یمنع ذٰلك منه وکذٰلك اذا اراد حمل الامتعة الیھم فی البحر فی السفینة[1] ملخصًا۔	جب کوئی مسلمان تجارت کے لئے امان کے ذریعے دارالحرب میں داخل ہونا چاہے تو اسے روکا نہیں جائیگا اسی طرح اس صورت میں ہے جب وہ سمندر میں کشتی کے ذریعے ان کی طرف سامان لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو، ملخصًا۔ (ت)

بلکہ کافر اصلی غیر ذمی وغیر مستامن سے اپنے نفع کے وہ عقود بھی جائز ہیں جو مسلم وذمی مستامن سے ناجائز ہیں، جن میں غدر نہ ہو کہ غدر وبدعہدی مطلقًا سب سے حرام، ہے، مسلم ہو یا کافر ذمی ہو یا حربی مستامن ہو یا غیر مستامن اصلی ہو یا مرتد۔ ہدایہ وفتح القدیر وغیرہما میں ہے:

لان مالھم غیر معصوم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا مالم یکن غدرا[2]۔	کیونکہ ان کا مال معصوم نہیں، اسے مسلمان جس طریق سے بھی حاصل کرلے وہ مال مباح ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ دھوکا نہ ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب السادس فی المستامن نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[2] فتح القدیر باب استیلاء الکفار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۵۴، درمختار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۱

کفار ہند کے ذمی و مستامن نہ ہونے کے سبب ان سے بیع و شراء ناجائز سمجھنا سخت جہالت ہے، یہ سبب تو اور موجبِ وسعت ہے نہ کہ وجہ ممانعت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ
نابغ النور علی سوالات جبلفور ۱۳۳۹ھ
(جبلپور کے سوالات پر ظاہر ہونے والا نور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۶ تا ۲۲: از جبل پور کمانیہ بازار دکان سیٹھ عبد الغفور صاحب آئل مرچنٹ مرسلہ عبد الجبار صاحب ناظم جماعت خدام اہل سنت ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

(۱) ایک سچا پکا سنی پابندِ مذہب وملت، تارک دنیا دینی عالم باعمل جو حکومتِ ترکی کو ایک عظیم الشان سلطنت اسلامیہ سمجھے اور اپنی متعدد تقریروں میں اس عظیم سلطنتِ اسلامیہ بلکہ ہر مصیبت زدہ مسلمان کی مدد واعانت وحمایت اور اماکن مقدسہ کی صیانت وحفاظت ہر مسلمان پر بقدر وسعت واستطاعت ہر جائز وممکن ومفید طریقہ کے ساتھ ضروری ولازم وفرض فرمائے اور لوگوں کے بار بار نہایت اصرار کے ساتھ اس امر کے استفسار پر کہ "آپ ترکوں کی خلافت کو خلافتِ راشدہ کاملہ اور سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین سمجھتے ہیں کہ نہیں" اس کے جواب میں فرمائے "سلطنت ترکی خلدھا اللہ تعالٰی وایدھا وحرسھا واخذل اعدائھا" (اللہ تعالٰی اس سلطنت کو ہمیشگی بخشے، اس کی مدد فرمائے، اس کی حفاظت فرمائے اور اس کے دشمنوں کو ذلیل فرمائے۔ت) کے متعلق

صرف اتنا عرض کرسکتا ہوں کہ میں بحمدہٖ تعالٰی سنی ہوں اور ہمیشہ ہر حال میں تحقیقات سلف اور مسلماتِ اہلسنت وتصریحاتِ محققین کا متبع اور امتِ مرحومہ کے اجماع واطباقِ متوارث کا پابند رہا ہوں اور یہی میرا مذہب وعروہ وثقٰی ہے، مسئلہ خلافتِ عظمٰی کے متعلق جو ایک ثابت ومحقق وقطعی طے شدہ مذہبی قدیم مسئلہ ہے، میں احتیاط کے خلاف اتباعِ سلف پر، ایک جدید اختراع خلف کو ترجیح دینے سے قاصر ہوں اور آج کل کے بے جا اور ناجائز ومزاحم دین وملت ومخالف کتاب وسنت شورشوں اور ایسی شورشی خلافت کمیٹیوں سے علیحدہ رہے، جن خلافت کمیٹیوں کا مقصد خاص ہندو، مسلم اتحاد ہے اور کفار ومشرکین کے ساتھ دلی محبت اور موالات قائم کرنا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا مطیع ومنقاد وغلام بنانا، محرمات شرعیہ کو حلال اور حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانا، خلافت کا نام کرکے، کام تمام منافی مقاصد خلافت وخلاف اسلام وموجب بربادی اسلام وتباہی اہل اسلام کرنا، نہایت مبالغہ کے ساتھ قولاً وفعلاً وتحریراً کفار ومشرکین کی تعظیم وتوقیر خود کرنا اور مسلمانوں سے کرانا، بجائے دعائے نصرت اسلام ومسلمین، مشرکوں کی طرح کافر ومشرک کی جے پکارنا کسی کافر ومرتد ووہابی کے مرنے یا جیل جانے پر اظہارِ غم اور ماتم کے لئے بازار بند کرانا ہڑتالیں کرنا، مسلمانوں کو دکانیں بند کرنے پر مجبور کرنا، جو ان کا کہنا نہ مانے اسے تکلیف دینے اور اس کی عزت وناموس کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دینا' اور بائیکاٹ کردینا، ترکی ٹوپیاں سروں سے اتار کر جلا دینا، شعار مشرک گاندھی ٹوپی پہننے پر زور دینا وغیرہا من الشنائع، ایسی خلافت بلکہ ضلالت وہلاکت کمیٹیوں کے ان کے کفروں اور ضلالتوں کو اہلِ اسلام پر اپنے بیانات میں ظاہر کرے اور لوگوں کو راہِ راست کی طرف بلائے ایسے عالم دین پر نفس خلافت کے انکار کا بہتان وافترا باندھ کر اسے دائرہ اہل سنت سے خارج کرنا اور قطعاً قرآن کا منکر ٹھہرا کر اس کے کفر وارتداد پر فتوٰی شائع کرنا کیسا ہے اور اس کے مستفتی ومفتی ومصدقین اور اس فتوٰی کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرکے ایسے عالم باعمل کی شان میں ناشائستہ کلمات استعمال کرنے والوں کی نسبت شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) کیا صرف **موالات من الیہود والنصارٰی** حرام ہے یا ہر کافر ومشرک ومبتدع ووہابی وبے دین سے۔

(۳) کیا صرف ترک **موالات من الیہود والنصارٰی** کو فرض بتانے والے اور دوسرے کفار ومشرکین ومرتدین ہنود ووہابیہ سے موالات کرنے والے، اسے فرض جاننے والے کیا محرف ومکذب قرآن عظیم نہیں، اگر ہیں تو ان کی نسبت شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۴) جو عالم باعمل کافر ومشرک نصارٰی یہودی، ہندو مجوسی بلکہ ہر گمراہ بے دین وبدمذہب مرتد، وہابی اور ہر دشمنِ دین اور ہر مخالف اسلام سے ترک موالات فرض اور اس کے ساتھ موالات حرام بتائے اور آج کل کے شورش پسندوں کا من گھڑت ترک موالات جو صرف نصارٰی سے کیا جارہا ہے وہ بھی ادھورا، اور کافروں، مشرکوں، مرتدوں، ہندوؤں، وہابیوں سے موالات فرض بتایا جاتا ہے، ایسے انوکھے اندھے ایجاد مشرک، ترک موالات کو

منافقِ اسلام ومخالف کتاب وسنت فرمائے، ایسے عالم باعمل کو گورنمنٹ کا تنخواہ یافتہ کہنا، اور ترک موالات من الیہود والنصارٰی کی تصدیق کرنا، اور ایسے مستفتی و مفتی ومصدقین اور اسے مان کر ایک عالم کی شان میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرنے والے سب کے لئے شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۵) جماعتِ اہلسنت میں تفرقہ ڈالنا، کافروں، مشرکوں کے اغواء سے مسلمانوں میں پھوٹ پیدا کرنا، مسجد الٰہی عید گاہ سے مسلمانوں کو علیحدہ کرکے کافروں کی مدد سے خیمے قائم کرکے نمازِ عید ادا کرنا، مسلمانوں کو دھوکا دینے اور شیطانی چال اور مکر وفریب سے عید گاہ اہلسنت سے پھیر کر کافروں کی زمین گول بازار میں بھیجنے کے لئے کافروں کو راستوں پر مقرر کرنا اور مشرکوں کے کہنے سے عید گاہ چھوڑ کر جماعت اہل سنت سے منہ موڑ کر مسجد الٰہی کو ویران کرنے کے لئے کافروں کے زیر سایہ حفاظت و حمایت نماز ادا کرنا کیسا ہے اور ایسا کرنے والوں پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۶) مشرکوں بت پرستوں کو خوش اور راضی کرنے کے لئے گائے کی قربانی چھڑانے کی کوشش کرنا اور مسلمانوں کو گائے کی قربانی چھوڑنے پر زور دینا، انہیں مجبور کرنا کیسا ہے اور ایسا کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

(۷) جو گائے کی قربانی کرنا چاہتا ہے اس کا ان مشرک پرستوں کے بہکانے سے ان کے دام شیطنت میں پھنس کر گائے کی قربانی چھوڑنا کیسا ہے اور چھوڑنے والے کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**، بہت ہی کرم ہوگا، ہر سوال کے جواب کے ساتھ دلیل ہوا گرچہ مختصر۔

الجواب:

بسم الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علٰی من لانبی بعدہ واٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ۔

(۱) صورت مستفسرہ میں عالم موصوف سراسر حق پر ہے اور اس کے مخالفین گمراہ وضال،

قال اللہ تعالٰی "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ"[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ (ت)

[1]بلاشبہہ حمایت سلطنت اسلامیہ وحفاظت اماکن مقدسہ میں، وسعت واستطاعت کی شرط قرآن عظیم سے ہے، [2]اور اس کے طرق میں جائز وممکن ومفید کی تحدید شرع قویم وعقل سلیم سے۔ **قال اللہ تعالٰی:**

"لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط"[2]۔	اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

وقال اللہ تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "۔[1]	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اللہ تعالٰی سے ڈر وجہاں تک ہوسکے۔(ت)

شرع الٰہی عزّوجل منزّہ ہے اس سے کہ ناجائز وحرام یا ناممکن وغیر مقدور یا نامفید عبث کا حکم دے۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا(ت)
وقال تعالٰی: "وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور وہ منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات سے۔(ت)
وقال تعالٰی "لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا "[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی طاقت بھر۔(ت)
وقال تعالٰی "وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ "[5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔(ت)

۳ درباره خلافت جس عقیدہ اہل سنت کا عالم نے اشعار کیا خود خلافت کمیٹی کے مفتی اعظم مولوی ریاست علی خاں صاحب شاہجہان پوری اور اس کے لیڈر معظم وناظم انجمن علماء، صدر شعبہ تبلیغ عبدالماجد بدایونی نے ایک مطبوعہ فتوٰی میں (کہ شخصین مذکورین جس کے مفتی ومستفتی ہیں) اس کا صاف اقرار واظہار کیا جو عبارات ائمہ وعلماء اس فتوٰی نے سنداً پیش کیں، وضوح حق کو ان میں سے یہ دوہی بہت ہیں مقاصد وشرح مقاصد سے (کہ عقائد اہلسنت کی معتمد کتابیں ہیں) سند دکھائی کہ "لناقوله عليه السلام الائمة من قريش[6]، واجمعو عليه فصار دليلا قاطعا يفيد اليقين باشتراط القرشية" یعنی ہم اہلسنت کی دلیل حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد جلیل ہے کہ تمام خلفاء قریش سے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس پر اجماع کیا تو دلیل قطعی ہوگئی جس سے یقین حاصل ہوا کہ خلافت کے لئے قرشی ہونا بیشک شرط ہے۔علامہ سید محمد ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی ردالمحتار علی الدر المختار سے سند پیش کی کہ فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۷/ ۲۸

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۹۰

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۶۲

[5] القرآن الکریم ۴۴/ ۳۸

[6] شرح المقاصد المبحث الثانی التکلیف والحریۃ والذکورۃ دار المعارف النعمانیۃ لاہور ۲/ ۲۷۷

وقدیکون بالتغلب مع المبایعة وھو الواقع فی سلاطین الزمان نصرھم الرحمٰن[1]۔	یعنی تغلب کی امامت کبھی بیعت کے ساتھ بھی ہوتی ہے کہ ہے تو متغلب مگر لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، ہمارے زمانے کے سلاطین کا یہی واقعہ ہے، رحمٰن عزوجل ان کی مدد فرمائے (ہم کہتے ہیں آمین)

علامہ سید موصوف جن کی کتاب ممدوح آج تمام عالم میں مذہب حنفی کے اعلیٰ درجہ معتمد سے ہے۔ سلطان عبدالمجید مرحوم کے والد سلطان محمود خاں مرحوم کے زمانے میں انہیں کے قلمرو ملک شام میں انہیں کی طرف سے شہر دمشق وتمام دیار شامیہ کے مفتی اجل تھے (رحمۃ تعالٰی علیہ) مفتی ومستفتی مذکورین کی ان شہادتوں کے بعد زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں،

قال اللہ تعالٰی "شَہِدُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے (ت)

خلافت کمیٹی کو اس بارے میں اگر پوچھنا ہو انہیں اپنے مفتی اعظم ولیڈر معظم سے پوچھے کمیٹی کہے: "لِمَ شَہِدۡتُّمۡ عَلَیۡنَا" (تم نے ہم پر کیوں گواہی دی۔ت) وہ کہیں: "اَنۡطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ[3]"[4] (وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی۔ت)

۴مشرکوں سے اتحاد وداد قطعی حرام اور ان سے اخلاص دلی یقیناً کفر ہے۔

قال تعالٰی "تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یَتَوَلَّوۡنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ فِی الۡعَذَابِ ہُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ لَوۡ کَانُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مَا اتَّخَذُوۡہُمۡ اَوۡلِیَآءَ وَ لٰکِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۱﴾"[5]	تم ان میں بہت کو دیکھوگے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، بیشک کیا ہی بری ہے وہ چیز جو خود انہوں نے اپنے لئے آگے بھیجی کہ ان پر اللہ کا غضب ہوا اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہوگا اور اگر انہیں اللہ اور نبی اور قرآن پر ایمان ہوتا توکافروں سے اتحاد، وداد، محبت، موالات نہ مناتے مگر ہے یہ کہ ان میں بہت سے فرمان الٰہی سے نکلے ہوئے ہیں (ت)

[1] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۱۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۳۰و۷/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۱

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۱

[5] القرآن الکریم ۵/ ۸۱۔۸۰

یہ اور بیس ۲۰ سے زائد اور آیات کریمہ ہیں جن میں مطلقًا کفار سے اتحاد و وداد کو حرام و کفر فرمایا ہے، مسلمان کی شان نہیں کہ واحد قہار کے ارشادات سنے اور ان میں مشرکین یا خاص ہندوؤں کے استثناء کی پچر گھڑلے،

قال اللہ تعالٰی "آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹ "[1]۔ وقال تعالٰی "اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸ "[2] وقال تعالٰی "يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ" (الٰی قولہ عزّوجل) "لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۴۱ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیااللہ نے اسکی تمہیں اجازت دی (کہ مثلًا میرے کلام میں مگر ہندو کا پیوند لگالو) یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا بے جانے بوجھے اللہ پر کسی بات کا چھٹار کھتے ہو (کہ مثلًا اس نے ہندوؤں کو جدا کرلیا ہے) اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کے ارشادات کو ان کے ٹھکانے سے ہٹاتے ہیں__(کہ مثلًا اگرچہ اللہ نے یہاں ہر جگہ عام لفظ فرمائے جو سب کفار کو شامل ہیں مگران سے ہندو مراد نہ رکھے ان سے اتحاد و وداد کو حرام وکفر نہ فرمایا) ایسوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب

۵مشرکوں کا غلام و منقاد بننا ان کا پس رو بننا، جو کہیں وہی کرنا خصوصًا جسے امر دینی سمجھا ہو اس میں ان کی اطاعت کرنا یہ سب حرام حرام ہے سخت مخالفتِ ذوالجلال والاکرام ہے، گمراہی وکفر اس کا انجام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ "[4] وقال تعالٰی "فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ "[5] وقال تعالٰی "وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝۲۴ "[6] وقال تعالٰی "وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ "[7]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شیطان کے پس رو نہ بنو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔اللہ نے فرمایا: جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کر۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان میں سے کسی مجرم یا کافر کی اطاعت نہ کرو۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ جو زمین میں ہیں ان میں اکثر وہ ہیں کہ اگر تو نے ان کی اطاعت کی تو وہ تجھے اللہ کے راہ سے گمراہ کردیں گے۔

---
[1] القرآن الکریم ۱۰/۵۹
[2] القرآن الکریم ۱۰/۶۸
[3] القرآن الکریم ۵/۴۱
[4] القرآن الکریم ۲/۲۰۸
[5] القرآن الکریم ۶۸/۸
[6] القرآن الکریم ۷۶/۲۴
[7] القرآن الکریم ۶/۱۱۶

وقال تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ "[1]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل (اسلام سے) پھیر دینگے تو پورے ٹوٹے میں پلٹو گے۔

۶حلال کو حرام، ۷حرام کو حلال ٹھہرانا ائمہ حنفیّہ کے مذہب راجح میں مطلقًا کفر ہے، جبکہ ان کی حلت وحرمت قطعی ہو جیسے جائز کسب وتجارت واجارت کی حلت مشرکین وودادو انقیاد واتحاد کی حرمت، ان حلالوں کو وہ لوگ حرام بلکہ کفر اور ان حراموں کو حلال بلکہ فرض کر رہے ہیں اور اگر وہ حرام قطعی حرام لعینہ ہے، جیسے مذکورات جب تو اسے حلال ٹھہرانا باجماعِ ائمہ حنفیّہ کفر ہے، اللہ عزوجل کفار کا بیان فرماتا ہے:

"لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ "[2]۔	جسے اللہ ورسول نے حرام فرمایا کافر اسے حرام نہیں ٹھہراتے۔

متن عقائد میں مسئلہ مصرحہ ہے، نیز فتاوٰی خلاصہ وغیرہا میں ہے:

من اعتقد الحرام حلالا او على القلب يكفر هذا اذاكان حرامابعينه و الحرمة قامت بدليل مقطوع به اما اذاكانت باخبار الاحاد لايكفر[3] (ملخصا)۔	جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام مان لیا تو وہ کافر ہو جائے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حرام لذاتہ ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اگر ثبوت خبر واحد سے ہو تو کافر نہیں ہوگا۔ (ملخصًا) (ت)

بزازیہ وشرح وہبانیہ ودرمختار میں ہے:

يكفر اذا تصدق بالحرام القطعي[4]۔	حرام قطعی کے تصدق سے کافر ہو جائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصله ان شرط الكفر على القول الاول شيئان قطعية الدليل وكونه حرامالعينه، وعلى الثاني يشترط الشرط الاول فقط، وعلمت ترجيحه، ومافي البزازية مبني عليه[5]۔	حاصل یہ ہے کہ قول اول پر کفر کے لئے دو شرائط ہوں گی اول دلیل کا قطعی ہونا، ثانی اس کا حرام لذاتہ ہونا، اور دوسرے قول پر پہلی شرط ہے اور آپ اس کی ترجیح سے آگاہ ہیں، اور بزازیہ کا مدار اسی پر ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثانی فی الفاظ الکفر الخ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۳

[4] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴

[5] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷

حالات دائرہ میں دونوں شرطیں موجود ہیں تو یہ باجماعِ ائمہ حنفیّہ کفر ہیں۔[۸] کفار ومشرکین کی ایسی تعظیمیں کفر ہیں،[۹] ان کی جے پکارنا، [۱۰] ان کے مرنے یا جیل جانے پر ہڑتال اور اس پر وہ اصرار، اور جو مسلمان نہ مانے اس پر وہ ظلم وہ اضطراب، کمال تعظیم کفار اور باعث دخول نار وغضبِ جبار، وحسب تصریحاتِ ائمہ موجب کفر واکفار، فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویرالابصار ودر مختار میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا یکفرلان تبجیل الکافر کفر۔[1]	اگر کسی نے ذمی کو احتراماً سلام کہہ دیا تو یہ کفر ہے کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہوتی ہے۔(ت)

فتاوٰی امام ظہیرالدین ومختصر علامہ زین مصری وشرح تنویر مدقق علائی میں ہے:

لوقال لمجوسی یااستاذ تبجیلا کفر۔[2]	اگر کسی نے مجوسی کو تعظیماً "یااستاد" کہا تو اس سے وہ کافر ہوجائے گا۔(ت)

رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۠" ۔[3]	عزّت تو خاص اللہ ورسول ومسلمین ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقرصاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام[4] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن بسر وابن عساکر وابن عدی عن ام المؤمنین الصدیقة وابو نعیم فی الحلیة والحسن بن سفیان فی مسندہ عن معاذ بن جبل والسجزی فی الابانة عن ابن عمر وکابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین والبیھقی	جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی بیشک اس نے دین اسلام کے ڈھادینے پر مدد دی (اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن بسر، ابن عساکر اور ابن عدی نے ام المومنین سیدہ صدیقہ سے، ابونعیم نے حلیہ میں اور حسن بن سفیان نے مسند میں حضرت معاذ بن جبل سے، سجزی نے ابانۃ میں حضرت ابن عمر سے اور ابن عدی کی طرح ____ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[4] شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۷/ ۶۱

فی شعب الایمان عن ابراہیم بن میسرۃ مرسلا۔	اجمعین سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابراہیم بن میسرہ سے اسے مرسلًا روایت کیا ہے۔ (ت)

بدمذہب کی توقیر پر یہ حکم ہے مشرک کی تعظیم پر کیا ہوگا، ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یصافح المشرکون اویکنوا ویرحب بھم [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کسی مشرک سے ہاتھ ملائیں یا اسے کنیت سے ذکر کریں یا اس کے آتے وقت مرحبا کہیں۔

یہ باتیں کچھ ایسی تعظیم بھی نہیں ادنٰی درجہ تکریم میں ہیں کہ نام لے کر نہ پکارا فلاں کا باپ کہا یا آتے وقت جگہ دینے کو آیئے کہہ دیا، حدیث نے اس سے بھی منع فرمایا نہ کہ معاذ اللہ اس کی جے پکارنی اور وہ افعال شیطانی، اور یہ عذر یا رد کہ یہ اقوال عوام کے ہیں کسی ذمہ دار کے نہیں، محض کاذب و پادر ہوا ہے، تمہیں نے عوام کالہوام کو اس اتحاد مشرکین حرام ولعین پر ابھارا اور ان حرکات ملعونہ سے نہ روکا بلکہ اپنے مقاصد مفاسد کا مؤید سمجھا تمہارے دلوں میں ایمان یا ایمان کی قدر ہوتی تو اس اتحاد حرام و کفر کے لئے جیسی زمین سروں پر اٹھالی ہے، رات دن، مشرق مغرب ٹاپتے پھرتے ہو، ہزاروں دھواں دھار ریز ولیشن پاس کرتے ہو اس کے مخالف بلکہ اس میں ساتھ نہ دینے والوں پر فتوٰی کفر لگاتے ہو، صدہا اخبارات کے کالم ان کی بدگوئی سے گندے کرتے ہو، اس سے سوحصے زائد ان کفروں، ضلالوں کی آگ بجھانے میں دکھاتے کہ یہ تمہاری ہی لگائی تھی اور اپنی داڑھی بچانے کے لئے اس کا بجھانا تم پر فرض عین تھا، مگر سب دیکھ رہے ہیں کہ ہرگز ہرگز ان شیطنتوں کی روک تھام میں اس بولاہٹ والی جان توڑ کوشش کا دسواں، بیسواں، سوواں حصہ بھی نہ دکھایا پھر جھوٹے بہانے بنانے سے کیا حاصل، معہذا خود ذمہ داروں نے جو کچھ کیا وہ جاہلوں کی حرکات مذکورہ سے کہیں بدتر و خبیث تر ہے، اور کیوں نہ ہو کہ شملہ بمقدار علم، ابوالکلام آزاد صاحب نے کمپ ناگپور میں جمعہ پڑھایا اور خطبہ میں مدح خلفائے راشدین وحضرات حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی جگہ گاندھی کی حمد کی اسے مقدس ذات ستودہ صفات کہا، میاں عبدالماجد بدایونی نے ہزاروں کے مجمع میں گاندھی کو مذکر مبعوث من اللہ کہا کہ اللہ نے ان کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے، کہاں یہ کلمات ملعونہ اور کہاں بے تمیز احمق جاہلوں کا جے پکارنا،

"فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾" [2] "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾" [3] "كَلَّا بَلْ"	تم کہاں اوندھے جاتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں، کوئی

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۱۴۴۶ اسحاق بن ابراہیم دارالکتاب العربی بیروت ۹/ ۲۳۶

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۴۴

"كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ "[1]	نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھادیا ہے ان کی کمائیوں نے۔(ت)

ترکی ٹوپیاں جلانا صرف تضییع مال ہوتا کہ حرام ہے اور گاندھی ٹوپی پہننا مشرک کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا ہوتا کہ اس سے سخت تر، اشد حرام ہے، مگر وہ لوگ ترکی ٹوپیوں کو شعارِ اسلام جان کر پہنتے تھے اب انہیں جلادیا اور ان کے بدلے گاندھی ٹوپی لینا مشعر ہوا کہ انہوں نے نشانِ اسلام سے عدول اور کافر کا چیلا بننا قبول کیا: "بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ "[2] (ظالموں کو کیا ہی برا بدلہ ملا۔ت) بالجملہ ایسے اقوال وافعال کفر وضلال پر عالم موصوف کا انکار عین حق وصواب وسبب ثواب ورضائے رب الارباب تھا اور جو ان کے شرعی احکام اہل اسلام پر ظاہر فرمانا اور ان کو "ذیاب فی ثیاب" کے شر سے بچا کر راہِ حق کی طرف بلانا، سنی عالم کا جلیل فرض مذہبی وکار منصبی وبجاآوری حکمِ خدا ونبی تھا اور ہے، جل وعلٰی وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اس کی طرف نفس خلافت کا انکار نسبت کرنا بہتان ہی نہیں چیزے دیگر است۔ اس کی تہہ میں اور اشد خباثت ہے، مسلمان تو مسلمان نفس خلافت کا منکر جملہ مدعیان کلمہ گو میں کون ہے جس سے سائل سوال کرتا اور مجیب جواب دیتا اہل سنت حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو خلیفہ جانتے ہیں، غیر مقلد ودیوبندی بھی اس میں نزاع نہیں کرتے، روافض حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خلیفہ جانتے ہیں، مرزائی اپنے مرزا تک اترتے ہیں، بلکہ خلافت سے مراد مسئلہ دائرہ ہے، اسی سے سوال اسی کا تذکرہ ہے تو اسے یوں مطلق لفظ نفس خلافت سے تعبیر تلبیس ابلیس ہے اور دل میں جو مراد ہے اس کا حال خود خلافت کمیٹی کے مفتی اعظم اور مستفتی اس کے لیڈر معظم کے فتوے سے ظاہر ہوگیا کہ عالم موصوف نے وہی فرمایا جو متواتر حدیثوں میں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جس پر اجماع صحابہ امجاد ہے جو جمیع اہلسنت وجماعت کا اعتقاد ہے، اہلسنت سے خروج، قرآن کا انکار، کفر، ارتداد ان کے یہ چار احکام ملعونہ کاش اسی عالم دین پر محدود رہتے تو اس فتوی کے مفتی اور اس کے مصدقین بحکم ظواہر احادیث صحیحہ ونصوص کتب معتمدہ فقہیہ ایک ہی بلائے کفر سہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرئ قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدہما فان کان کما قال والا رجعت علیہ[3]	جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان دونوں میں سے ایک پر یہ بلا ضرور پڑے، جسے کہا اگر وہ کافر تھا خیر ورنہ یہ

[1] القرآن الکریم ۸۳/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۵۰

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم او کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷، صحیح بخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱

رواہ مسلم والترمذی ونحوہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تکفیر اسی قائل پر پلٹ آئے گی یہ کافر ہوجائے گا۔ (اسے مسلم، ترمذی اور اسی کی مثل بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

عزر الشاتم بیاکافر وھل یکفران اعتقد المسلم کافرا نعم والالابہ یفتی[1]۔	کسی مسلمان کو "اے کافر" کہنے والے شخص پر تعزیر نافذ کی جائے گی، کیا اگر کوئی شخص مسلمان کو کافر سمجھتا ہے تو کافر ہوگا؟ ہاں وہ کافر ہے، اور اگر کافر نہیں سمجھتا تو پھر کافر نہیں۔ اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

شرح وہانیہ، ذخیرہ، نہر الفائق وردالمحتار میں ہے:

لانہ لما اعتقدالمسلم کافرافقد اعتقد دین الاسلام کفرا۔[2]	کیونکہ جب مسلمان کو کافرمانا تو اس نے دین اسلام کو کفر جانا۔ (ت)

اس کی تفصیل جلیل وتحقیق جمیل ہماری کتابوں الکوکبۃ الشھابیۃ اور النھی الاکید وغیرہما میں ہے مگر یہاں تو خود خلافت کمیٹی کے لیڈروں مفتیوں کے فتوے نے روشن کردیا کہ یہ تکفیر صرف اس سنی عالم کی نہیں بلکہ تمام ائمہ اہل سنت اور جملہ صحابہ کرام اور خود ارشاد اقدس حضور سید الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے، اب کون مسلمان ہے کہ اس تکفیری فتوے اور اس کی ناپاک تصدیق کو کلماتِ کفر نہ کہے گا۔ فقہاء کرام ائمہ وصحابہ درکنار خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام پاک پر کفر کا حکم لگانے والوں کو کافر نہ کہیں گے تو اور کسے کافر کہیں گے، اب ان سے پوچھئے کہ یہ کتنے کروڑ کفر اخبث واشد ہوئے خصوصًا وہ کفر اخیر سب سے خبیث تر سب سے لعین، "وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾"[3] (اور ظالموں کی یہی جزا ہے۔ ت) سنی عالم کو اس کی پروانہ کرنی چاہئے، ہر قوم کی ایک اصطلاح ہوتی ہے، ان لوگوں کی اصطلاح جدید میں ملت ملتِ گاندھی ہے اور سنت سنتِ گاندھی، اس کی روش سے جدا چلنے والوں کو اہل سنت وجماعت سے خارج اور اس کی ملتِ مخترعہ کے مخالفوں کو کافر مرتد کہتے ہیں، جس طرح فرعون ملعون نے معاذ اللہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کی تھی کہ "فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾"[4] (تم نے کیا اپنا وہ کام جو تم نے کیا اور تم ناشکر

---

[1] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

[2] ردالمحتار باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۳

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۷

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۹

تھے۔ت)اور مشرکین مکہ ملاعنہ نے خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر معاذ اللہ ابتداع کی تہمت رکھی تھی "مَاسَمِعْنَابِهٰذَافِی الْمِلَّةِالْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝" [1] (یہ تو ہم نے سب سے پچھلے دین نصرانیت میں بھی نہ سنی یہ تو نری نئی گھڑت ہے۔ت) بلکہ یہ حضرات تو فرعون و مشرکین سے بھی بڑھ کر کوئی نرالی انوکھی اصطلاح رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے دشمنوں خدا کے محبوبوں کو کہا یہ خود اپنوں کو بلکہ اپنی ہی زبانوں سے اپنی ہی جانوں کو کہتے ہیں، آخر نہ دیکھا کہ مولوی ریاست علی خاں صاحب شاہجہان پوری و عبدالماجد صاحب بدایونی نے فتوٰی شاہجہان پور میں کس شدومد سے نفس خلافت کی جڑ کاٹ دی اور فتوٰی جبلپور نے ان دونوں لیڈروں مفتیوں عالموں پر کافر مرتد کی چھانٹ دی بلکہ خود مولوی ریاست علی خاں و عبدالماجد نے اسی فتوٰی شاہجہانپور کے آخر میں اپنے ہی اوپر فاسق ومفسد کی بانٹ دی، پھر فتوی جبلفور میں علمائے دین کو کہنے کی کیا شکایت آخر نہ دیکھا کہ حق بہ حق دار رسید رجعت علیہ ان کا کفرانہیں پر پلٹا "وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝" [2] (اور کافروں کی خرابی ہے ایک سخت عذاب سے۔ت) مستفتی اگر واقع میں اس گروہ سے نہ ہوتا ایک بات صاف دل سے معلوم کرنا چاہتا اور جب یہ ناپاک کفر دیکھتا اسے ردی میں پھینک دیتا تو اس پر الزام نہ آتا مگر وہ تو اول سے اسی خباثت پر اعتقاد لاتے اور اغوائے عوام کو اس کی تائید ہی کے لئے فتوے گھڑواتے ولہذا اسی گروہ ناحق پژدہ کے پاس لے جاتے اور پھر اسے مانتے اس سے احتجاج کرکے اس کی نجاست پھیلاتے ہیں تو وہ اور اس کے ماننے والے سب کفر کے ماننے والے ہیں ان کا وبال ان پر سے کم نہ ہوگا لاینقص من اوزارھم شیئ [3] (ان کے بوجھ میں کمی نہ ہوگی۔ت) اگرچہ ان کے مفتی ومصدقین پر اپنے وبال کے علاوہ ان سب کا بھی پڑے گا،

علیہ وزرھا و وزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ [4]۔ "وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫" [5]۔	اس کا بوجھ اس پر ہوگا اور جو قیامت تک اس پر عمل پیرا ہوگا اس کا بوجھ بھی اس پر آئے گا۔(ت) اور بیشک ضرور وہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ (ت)

بربنائے مذکور عالم دین کی شان میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے والوں کو یہی بس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسوں کو کھلا منافق بتایا، ارشاد فرماتے ہیں:

ثلاثۃ لایستخف بحقھم الامنافق بین	تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر کھلا منافق،

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۷

[2] القرآن الکریم ۱۴/۲

[3] صحیح مسلم کتاب العلم باب من سن سنۃ حسنۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱

[4] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۷

[5] القرآن الکریم ۲۹/ ۱۳

النفاق، ذوالشیبة فی الاسلام، وذوالعلم وامام مقسط[1]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسنه الترمذی لمتن غیرہ ورواہ ابو الشیخ فی کتاب التوبیخ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه وعندہ زیادة لفظ بین النفاق۔	ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور عالم دین اور بادشاہ اسلام عادل (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جسے ترمذی نے دوسرے متن کے ساتھ حسن کہا، ابوالشیخ نے کتاب التوبیخ میں اسے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اس میں "بین النفاق" کا اضافہ ہے۔ت)

مجمع الانہر میں ہے:

من قال لعالم عویلم علی وجه الاستخفاف کفر[2]	جو کسی عالم دین کو تحقیر کے طور پر "مولویا" کہے کافر ہو جائے۔

والعیاذ باللہ تعالٰی، یہ سوال اول کا جواب مجمل ہے اور یہیں سے تین سوال آئندہ کے جواب واضح ہوگئے وباللہ التوفیق۔

(۲) موالات ہر کافر سے مطلقًا حرام ہے، اوپر واضح ہو چکا کہ رب عزوجل نے عام کفار کی نسبت یہ احکام فرمائے تو بزورِ زبان ان میں سے کسی کافر کا استثنا مانا اللہ عزوجل پر افترائے بعید اور قرآن کریم کی تحریف شدید ہے بلکہ عالم الغیب عزجلالہ نے یہ حکم یہود ونصارٰی سے خاص ماننے والوں کے منہ میں اپنے قہر عظیم کا پتھر دے دیا، ایک آیت میں صراحۃً کتابیوں کے ساتھ باقی کفار کو جدا ذکر فرمایا کہ کتابی سب کو تعمیم حکم مفسر منور ہو جائے جاہلان ضلیل کی تاویل ذلیل راہ نہ پائے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾"[3]۔	اے ایمان والو! وہ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل ٹھہراتے ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی (یہود ونصارٰی) اور باقی سب کافران میں کسی سے اتحاد وداد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۱۸۷ المکتبة الفیصلیة ۸/ ۲۳۸، کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۴۳۸۱۱ موسسة الرسالة بیروت ۱۶/ ۳۲

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل ان الفاظ الکفر انواع الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۷

اب تو کسی مفتری کے اس بکنے کی گنجائش نہ رہی کہ یہ حکم صرف یہود ونصارٰی کے لئے ہے، نیز آیہ کریمہ میں کھلا اشارہ فرماتا ہے کہ کسی قسم کے کافروں سے اتحاد منانے والا ایمان نہیں رکھتا اور اوپر آیت میں صریح تصریح گزر چکی کہ انہیں اللہ ورسول قرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں سے اتحاد نہ کرتے، نیز صاف فرمایا:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ"[1]۔	نہ پاؤگے انہیں جو اللہ وقیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ ان سے دوستی کریں جنہوں نے اللہ ورسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہوں۔

سبحان اللہ مگر مشرکین یا وہابیہ نے اللہ ورسول کی مخالفت نہ کی، صرف یہود ونصارٰی نے کی ہے، قرآن کریم جا بجا شاہد ہے کہ مطلقًا موالات حرام ہونے کی علت کفر ومخالفت وعداوتِ اللہ ورسول ہے جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، یہ معنی انہیں آیات سے کہ یہاں تلاوت ہوئیں، روشن اور نہایت صریح تر الفاظ سے اس کا علت ہونا اس آیہ کریمہ میں بیان فرمادیا کہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾"[2]	اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں سے بھی محبت نہ کرو اگر وہ ایمان پر کفر کو اختیار کریں اور تم میں جو ان سے محبت کرے گا وہی پکا ظالم ہے۔

اللہ اکبر یہ ہے وہ اسلام جس پر ان کے بڑے لیڈر ابوالکلام آزاد کا مسئلہ خلافت وجزیرہ عرب میں یہ اہتمام کہ وہ بعض اقسام کفار سے محبت کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ عالمگیر محبت اس کی دعوت حق کا اصل الاصول ہے انا للہ وانا الیہ راجعون، کیا اللہ عزوجل نے نہ فرمایا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾"[3]	بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہ پائیں گے دنیا میں تھوڑا سا برت لیں پھر ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

کیا نہ فرمایا:

"قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	اے محبوب تم فرمادو کہ بیشک وہ جو اللہ پر افترا

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲
[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۳
[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶ و ۱۱۷

لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ "[1]	کرتے ہیں فلاح نہ پائیں گے دنیا کچھ برت لیں پھر انہیں ہماری طرف پلٹنا ہے پھر ہم ان کو وہ سخت عذاب چکھائیں گے بدلہ ان کے کفر کا۔

کیا نہ فرمایا:

" وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَیُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی ﴿۶۱﴾ "[2]۔	تمہاری خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب میں بھون ڈالے گا اور بیشک نامراد رہا مفتری۔

کیا نہ فرمایا:

" اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ "[3]۔	بیشک ایسے افترا وہی باندھتے ہیں جو کافر ہیں۔

یہ ہے کہ قرآن عظیم کا فتوی جس نے کفر کا حکم جمادیا،

" وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ "[4] " وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ "[5]	اور باطل والوں کا وہاں خسارہ ہے اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔ (ت)

حاش للہ کسی قسم کفار سے محبت کرنے کا اسلام نے حکم نہ دیا، باپ بیٹے کافر ہوں تو ان سے بھی محبت کو صریح حرام فرمادیا اور دلی محبت واخلاص و اتحاد کرنے کو تو جابجا صاف صاف ارشاد واعلام فرمادیا کہ وہ انہیں کافروں میں سے ہیں، انہیں اللہ وقیامت پر ایمان نہیں، انہیں اللہ ورسول وقرآن پر ایمان نہیں، بالجملہ وہ کسی طرح مسلمان نہیں، ہاں کافروں میں فرق ہوگا تو یہ کہ جس کا کفر اشد اس سے معاملات کا حرام وکفر ہونا اشد وزائد کہ علتِ حرمت کفر ہے علت جتنی زیادہ حکم سخت تر۔ یہ ان کذابوں، مفتریوں پر اور الٹا پڑے گا کہ کفر میں یہود ونصارٰی سے مجوس بدتر ہیں، ہنود سے وہابیہ وسائر مرتدین عنود بدتر ہیں ولہٰذا ان کے احکام اسی ترتیب پر سخت تر ہیں،

کما لایخفی علی من له اعلام باحکام الفقهین " وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ "[6] "[7] وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾	جیسا کہ یہ ہر اس شخص پر واضح ہے جو احکامِ فقہاء سے آگاہ ہے لیکن ظالم آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۷۰

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[4] القرآن الکریم ۴۰/ ۷۸

[5] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۴

[6] القرآن الکریم ۶/ ۳۳

[7] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

(۳) ضرور وہ لوگ مکذب ومحرف قرآن ہیں اور خود بحکم قرآن کافرونا مسلمان، جس کا بیان بقدر وافی ہوچکا، تکذیب قرآن عظیم ان کی نئی نہیں ان کے اعظم لیڈران ابوالکلام آزاد نے "الہلال" میں سیدنا عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے نبی صاحبِ شریعت کا صاف انکار کیا اور منہ بھر کر قرآن عظیم کو جھٹلا دیا "الہلال" ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء میں کہا:

"مسیح ناصری کا تذکرہ بیکار ہے، وہ شریعت موسوی کا ایک مصلح تھا جو خود کوئی صاحبِ شریعت نہ تھا، اس کی مثال مجدد کی سی تھی، وہ کوئی شریعت نہ لایا، اس کے پاس کوئی قانون نہ تھا، اس نے خود تصریح کردی کہ میں تو توریت کو مٹانے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔[1] (یوحنا ۱۳: ۵)

مسلمانو! **اول** تو روح اللہ کلمۃ اللہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہنا کہ اس کا تذکرہ بیکار ہے۔

دوم بار بار مؤکد فقروں سے جمانا کہ وہ نبی صاحبِ شریعت نہ تھے۔

سوم نصارٰی کی انجیل محرف سے سند لانا، اور وہ بھی محض بربنائے جہالت وضلالت۔ کیا صاحب شریعت انبیاء اللہ کے اگلے کلاموں کو مٹانے آتے ہیں، حاشا بلکہ پورا ہی فرمانے کو، نسخ کے یہی معنی ہیں کہ اگلے حکم کی مدت پوری ہوگئی خیر یہاں کہنا یہ ہے کہ ان فقروں میں آزاد صاحب نے پیٹ بھر کر قرآن عظیم کی تکذیب کی، قرآن کریم قطعًا ارشاد فرماتا ہے کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحبِ شریعت تھے، اولًا اس نے پہلے توراہ مقدس کا ذکر فرمایا:

"وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ"[2]	ان کے پاس توراۃ ہے اس میں اللہ کے حکم ہیں۔

اور فرمایا:

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾"[3]	جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہی کافر ہیں۔

پھر مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انجیل دینا بیان کرکے فرمایا:

"وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾"[4]	انجیل والے اللہ کے اتارے پر حکم کریں اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

---

[1] الہلال ابوالکلام آزاد ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[4] القرآن الکریم ۵/ ۴۷

ثانیًا اور صاف فرمادیا کہ دونوں کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن مجید اترنے کا ذکر کرکے فرمایا:

"لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً" [1]	اے توراۃ وانجیل وقرآن والو! ہم نے تم میں ہر ایک کے لئے ایک شریعت وراہ رکھی اور اللہ چاہتا تو تم سب کو گروہِ واحد کردیتا۔

ثالثًا کج فہم بلیدوں یا ہٹ دھرم عنیدوں کی اس سے بھی تسکین نہ ہو تو قرآن عظیم جھوٹوں کو راہ نہیں دیتا، اس نے نہایت روشن لفظوں میں بعض احکامِ توراۃِ مقدس کا احکامِ انجیل مبارک سے منسوخ ہونا بتادیا، اپنے نبی مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ذکر فرماتا ہے:

"وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ" [2]	میں تمہارے پاس آیا ہوں سچا بتاتا اپنے آگے اتری کتاب تورات کو اور اس سے کہ میں تمہارے واسطے بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر توراۃ نے حرام فرمائی تھیں۔

اب بھی کسی مسلمان کو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبِ شریعت ہونے میں شک ہوسکتا ہے یا منکر بجہنم اس میں شک کرنے والا مسلمان رہ سکتا ہے، انجیل میں کئی جگہ ان احکام کی تفصیل بھی ہے کہ پہلے تم سے یہ فرمایا گیا تھا اور اب میں یہ کہتا ہوں، آزاد صاحب خاص اپنا اطمینان چاہیں تو اپنی معتمدہ بائبل ہی کو دیکھ لیں آزاد صاحب تو ابوالکلام ہیں، مواقع سخن سے خوب آگاہ ہیں یہ تین آیات کریمہ تھیں "وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ، لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ، وَلِأُحِلَّ لَكُم" بلیغ الدہر نے جب ان کی تکذیب کی اور منہ پھاڑ کر کہہ دیا کہ مسیح صاحبِ شریعت نہ تھا تو اسے بھی تین فقروں سے مؤکد کیا: "اس کی مثال مجدد کی سی تھی، وہ کوئی شریعت نہ لایا، اس کے پاس کوئی قانون نہ تھا" تاکہ ہر آیت کے مقابلے کو ایک فقرہ تیار رہے، آیاتِ قرآن پر وار کرنے کو یہ ان کی ذوالفقار رہے۔ بالجملہ ایک تکذیب وہ تھی کہ اسلام نے کچھ کافروں سے محبت کا حکم دیا، دوسری تکذیب وہ کہ مسلمین وکافرین سب سے محبت اسلام کی اصل الاصول ہے، اور چار تکذیبیں ان چار فقروں سے، یہاں تک چھ تکذیبیں ہوئیں، ان چار پر کوئی گمان کرسکتا ہے کہ آزاد صاحب اب ترک موالات میں ہیں، نصارٰی سے بائیکاٹ اس زور سے کیا کہ ان کے نبی کو بھی بائیکاٹ کردیا، اگر مسلمان پر معترضانہ کہیں کہ یہ تو سب انبیاء اور خود حضور سید نا الانبیاء علیہم وعلیہ افضل الصلوٰۃ

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

والثناء کا بائیکاٹ ہوگیا کہ ایک نبی سے مقاطعہ تمام انبیاء سے مقاطعہ اور خود رب عزوجل سے مقاطعہ ہے، اب آپ کے ماننے کو اللہ کا کوئی نبی نہیں مل سکتا، پھر بھی وہ اس کی کیا پروا کرتے جب تک کمیٹی کے نبی بالقوۃ خواہ بالفعل گاندھی صاحب مذکر مبعوث من اللہ سلامت ہیں، یک در گیر محکم گیر، لیکن اسی الہلال کی جلد تین کی چار اور تکذیبیں اس بائیکاٹ کے بالکل خلاف ہیں، صفحہ ۳۳۸ پر مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کہا: "یہودیوں نے ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھاتاکہ وہ صلیب عـــہ پر لٹائے جائیں اور جو لکھا ہے پورا ہو[1]" یہ قرآن عظیم کی ساتویں تکذیب کی، وہ فرماتا ہے: "**وَمَاصَلَبُوْهُ**"[2] انہوں نے مسیح کو سولی نہ دی۔ نیز اسی صفحہ پر کہا: "مسیح نے اپنی عظیم قربانی کی۔"[3]

اور صفحہ ۳۳۹ پر دو لفظ اور لکھے: "مظلومانہ قربانی" اور "خون شہادت"۔[4]

یہ تینوں لفظ بھی قرآن عظیم کی تکذیب بتاتے ہیں، وہ فرماتا ہے: "**وَمَاقَتَلُوْهُ**"[5] انہوں نے مسیح کو قتل نہ کیا۔ یہاں تک پوری دس تکذیبیں ہوئی "**تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ**ؕ"[6]۔ یہ پچھلی چار عین مذہب نصارٰی ہیں، کیا قرآن عظیم کو جھٹلانے کے لئے نصارٰی سے بائیکاٹ کے بدلے میل ہو جانا ہے یعنی ملۃ واحدۃ، ہر شخص کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل کا ادنی جلوہ، پہلو میں دل اور دل میں اسلام کا کچھ بھی حصہ ہو علانیہ دیکھ رہا ہے کہ آزاد صاحب کے ان اقوال میں تین کفر ہیں:

(۱) کلام اللہ کی تکذیب،

(۲) رسول اللہ کی توہین،

(۳) شریعۃ اللہ کا انکار۔

اور پھر وہ قوم کے لیڈر ہیں، دین کے رفارمر ہیں، سب لیڈروں کے سر ہیں،

فسبحان مقلب القلوب والابصار۔" كَذٰلِكَ	اے اللہ تعالٰی تو پاک ہے تو دلوں اور آنکھوں کو پھیرنے

عـــہ: صلیب پر لٹانا بھی عجیب شاید صلیب زمین پر بچھی ہوئی مسہری سمجھی ۱۲

[1] الہلال ابوالکلام آزاد ۳/ ۳۳۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۷

[3] الہلال آزاد ۳/ ۳۳۸

[4] الہلال ۳/ ۳۳۹

[5] القرآن الکریم ۲/۱۹۶

[6] القرآن الکریم ۲/۱۹۶

یَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلۡبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ "[1]	والا ہے۔ اللہ یوں ہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔ (ت)

اذا کان الغراب دلیل قوم

سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب قوم کا رہنما کوّا ہو گا تو ان کو ہلاکت ہی دکھائے گا۔ ت)

کیا نہیں ڈرتے کہ ؎

ہر کہ آزاد از اسلام بود

در سقر بندیِ آلام بود

(جو اسلام سے آزاد ہو گا وہ مصیبتوں کی جہنم میں جکڑا جائیگا۔ ت)

آج کل کفر وارتداد و زندقہ والحاد کا گرم بازار ہے ہر چہار طرف سے اللہ ورسول وقرآن پر گالیوں تکذیبوں کی بوچھاڑ ہے، کفر بکنے والوں سے گلہ نہیں، عجب عام مدعیان اسلام سے کہ ان کے نزدیک اللہ ورسول وقرآن سے زیادہ ہلکی عزت کسی کی نہیں، ان کے ماں باپ کو گالی دینا تو بڑی بات کوئی انہیں تُو تو کہہ دیکھے اور اللہ ورسول وقرآن پر گالیاں سنتے ہیں، چھپے شائع ہوتے دیکھتے ہیں اور تیوری پر بل نہیں آتا بلکہ گالیاں دینے والوں سے میل جول یارانے دوستانے بدستور رہتے ہیں، ان کے اعزاز واکرام القاب آداب ویسے ہی منظور رہتے ہیں، صاف دلکشادہ جبین گویا کسی نے کچھ کہا ہی نہیں، نہیں نہیں بلکہ الٹی ان کی حمایت، انہیں برا کہنے والے سے بغض وعداوت، ان کا حکم الٰہی ظاہر کرنے والا بے تہذیب بدلگام ہے، تنگ کن دائرہ اسلام ہے، عبد الماجد سے بدتر کافر آج کل شائد ہی کوئی ہو جس نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجہول النسب بچہ کہا اور قرآن کو اپنے دعوی توحید میں کاذب وناتمام ٹھہرایا اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی تعظیم کی آیتیں تصنیف کرلیں اور رنگ وروغن بڑھانے کو اپنے اہل بیت وازواج کی تعظیمیں بھی اضافہ کردیں وغیرہ وغیرہ ملعونات کثیرہ، جب ان باتوں پر اس کی تکفیر ہوئی، چار طرف سے کواگہار دوڑ پڑی ناپاک اخباروں میں دفتر کے دفتر اس کی برأت میں سیاہ ہونے لگے، ایک کافر ہوا تھا اس کے پیچھے ہزاروں کے اسلام تباہ ہونے لگے، مگر جواب ایک حرف کا نہیں بلکہ ڈھٹائی بے شرمی بے حیائی سے مکرنا، صاف دن میں ٹھیک دوپہر کو آفتاب کا انکار کرنا، وہ بیچارہ تو کوئی چیز نہ تھا **لافی العیر ولافی النفیر** (نہ اونٹوں میں نہ چڑیوں میں یعنی کسی گنتی میں نہ تھا۔ ت) جب اس کی حمایت میں وہ کچھ جوش تو مسٹر ابو الکلام تو لیڈر کبیر، ان کا کفر ضرور ٹھیٹ اسلام بنے گا ان کے مقابل اللہ ورسول و

[1] القرآن الکریم ۴۰/۳۵

قرآن کی کون سنے گا، کھلے گمراہان لیام کو جانے دو، بدایوں، شاہجہان پور، لکھنؤ وغیرہ میں بڑے بڑے سنیت کا دھرم بھرنے والے بستے ہیں، دیکھئے تکذیب کلام اللہ وتوہین رسول اللہ وانکار شریعۃ اللہ دیکھ کران میں کتنے اور کستے ہیں، مسٹر آزاد سے توبہ وقبول اسلام شائع کراتے ہیں اور نہ مانیں تو ان سے بائیکاٹ مقاطعہ مناتے ہیں، حاشا نہ وہ توبہ واسلام شائع کریں نہ یہ ہرگز ان کی موالات، تعظیم سے پھریں، تکذیب کی تو قرآن کی کی ان کی تو نہ کی، گالی دی تو رسول اللہ کو انہیں تو نہ دی۔ اے تصور جویان خود گم، ابھی حب للہ و بغض للہ کے مزے سے واقف ہی نہیں تم۔

"قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ" [1]۔	کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا۔ (ت)

اور جن بندگانِ خدا کو ان کا حصہ ملا ہے ان پر چرچتے ہو ان کے سایہ سے کہ ان کا سایہ نہیں سایہ مصطفٰی ہے، مستنفرہ ہو کر بچتے ہو، یہاں سے ان کے بائیکاٹ اور ترک موالات کی حقیقت کھلتی ہے، مسلمان کا ایمان شاہد ہے کہ ترک بھائیوں کا سارا ملک چھین لیں یا کعبہ معظّمہ کو معاذ اللہ ایک ایک اینٹ کردیں، ہرگز اللہ ورسول وقرآن کی تکذیب وتوہین کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اگر ان کا وہ جوش وہ نان کوآپریشن (NON CO-OPERATION) کا خروش اللہ کے لئے ہوتا تو وہاں ایک حصہ تھا ان سے ہزار حصے ہوتا، مگر یہاں ہزاروں حصہ بھی درکنار، وہی محبت وہی پیار، وہی تعظیم وہی تکریم، وہی وداد وہی اتحاد، وہی لیڈری وہی سروری، تو للہ انصاف کیا آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوا کہ ہرگز انہیں دین سے غرض نہیں، نہ دین کے لئے ان کی کوششیں ہوئیں بلکہ سب جوش وخروش بہر نا ؤنوش سوراج بس باقی ہوس، انا للہ وانا الیہ رجعون۔ مسلمان کہلانے والو! للہ اپنا ایمان سنبھالو، واحد قہار کے قہر سے ڈرو، حب للہ و بغض للہ کے سامان درست کرو، نیچری دیکھ کیسا ہی معظم یا پیارا ہو دور کرو، دور بھاگو، خدا کے دشمن کو دشمن مانو، اس سے تعلق کو آگ جانو، ورنہ عنقریب دیکھ لوگے کہ تمہارے قلوب مسخ ہوگئے، تمہارے ایمان نسخ ہوگئے،

"فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۴۴" [2] مَنْ	تو جلد وہ وقت آتا ہے کہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے یاد کرو اور میں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں، بیشک

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۴۴

یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ "[1]	اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کی کوئی ہدایت کرنے والا نہیں، اور جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی بہکانے والا نہیں۔ (ت)

میں جانتا ہوں کہ حق کڑوا لگے گا مگر کوئی مسلمان تو ایسا نکلے گا کہ رب کے حضور گردن جھکا کر سچے دل سے دیکھے، حق و باطل کو میزانِ ایمان میں پرکھے، اور اگر سب پر وہی عناد و مکابرہ کا داغ، تو **وماعلینا الا البلاغ. اللھم الیك المشتکی وانت المستعان، وعلیك البلاغ والیك المصیر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** (ہماری ذمہ داری بات پہنچانا تھا اے اللہ! تیری بارگاہ میں درخواست ہے اور تو ہی مدد فرمانے والا ہے، تیرا کام ہی بات کا موثر فرمانا ہے، اور لوٹنا تیری طرف ہے برائی سے پھرنے اور نیکی کو بجالانے کی قوت اللہ بلند و عظیم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ت)

(۴) عالم موصوف بیشک حق پر ہے اور ان لوگوں کی من گھڑت ترک موالات کہ نصارٰی سے مجرد معاملات جائزہ بھی حرام بلکہ کفر، اور ہنود سے وداد واتحاد، دلی محبت واخلاص جائز بلکہ فرض قطعی اللہ ورسول پر افترا ہے، اس کا کچھ بیان ہو چکا اور زیادہ تفصیل کے لئے فقیر کا رسالہ **المحجۃ المؤتمنۃ** ہے "وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝" [2] (اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔ ت) عالم موصوف پر تنخواہ داری گورنمنٹ کا افتراء کیا جائے شکایت ہے جب ان کے بڑے بڑے لیڈر وہ کچھ جتنے بہتان اللہ ورسول وقرآن عظیم پر باندھ رہے ہیں ابھی قرآن کریم کی آیات سے روشن ہو چکا کہ یہ لوگ آپ ہی ترک موالات کے منکر اور تکذیب قرآن عظیم پر مصر ہیں، پھر وہ اپنا عیب عالم پر نہ لگائیں تو کیا کھا کر جئیں، باقی رہا کفر وارتداد کا فتوی اور اس کے مفتی ومصدقین ومستفتی اور اس کے ماننے والوں اور اس کے سبب عالمِ دین کی توہین کرنے والوں پر شرعی احکام، سب بعینہا وہی ہیں کہ جواب سوال اول میں گزرے اور یہ کہ عالم موصوف پر ان لوگوں کے حکم کفر وارتداد وہی اپنا عیب دوسرے کو لگانا اور فرعون ملعون کی سنت مذکورہ ہے كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ "[3] (ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات، ان کے اُن کے دل ایک سے ہیں۔ت)

(۵) جماعت اہل سنت میں (کہ محاورہ قرآن وحدیث میں وہی مومنین ہیں، **کما بینہ الامام**

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۳۶ و ۳۷

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۸

صدر الشریعۃ فی التوضیح والملا علی القاری فی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ (جیسا کہ اسے امام صدر الشریعہ نے توضیح میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰہ میں بیان کیا ہے۔ت) تفرقہ ڈالنا حرام ہے، رب عزوجل نے منافقین کی بنائی مسجد پر جو سخت غضب فرمایا، اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حکم دیا کہ "لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا" [1] کبھی اس میں کھڑے نہ ہونا، اور اس کے بنانے والوں کو فرمایا:

"اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ" [2]	اس نے اس کی بنیاد رکھی گراؤ گڑھے کے کنارے پر تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھے پڑا۔

اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھیج کر اس کو ڈھوادیا جلوادیا۔ پھر حکم دیا کہ اس جگہ کو گھورا بنایا جائے جس میں نجاستیں اور کوڑا ڈالا جائے۔ رب عزوجل نے اس کی چار علتیں ارشاد فرمائیں، تیسری علت یہی "تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" [3] (مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو۔ت) ہے کہ انہوں نے اس کے سبب جماعت میں تفرقہ ڈالنا چاہا تھا۔ معالم شریف میں ہے:

لانهم کانوا جمیعا یصلون فی مسجد قبا فبنوا مسجد الضرار لیصلی فیه بعضهم فیؤدی ذٰلك الی الاختلاف و افتراق الکلمة۔[4]	یعنی ساری جماعت مسجد قبا شریف میں ہوتی تھی، خبثاء نے وہ نقصان رسانی کی مسجد اس لئے بنائی کہ کچھ مسلمان اس میں پڑھیں، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ پھوٹ پڑے اور تفرقہ ہو جائے۔

بلکہ ان خبیثوں نے جو عذر تفریق ظاہر کیا تھا یہ تفریق جبلپور اس سے ہزاروں درجے بدتر ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

انا قد بنینا مسجدا لذی العلة والحاجة واللیلة المطیرة واللیلة الشاتیة [5]۔	ہم نے مسجد بنائی ہے بیمار اور کامی اور بارش کی رات اور جاڑے کی شب کے لئے۔

اور ان کا عذر تفریق یہ ہوا کہ عالم دین معاذاللہ کافر و بدمذہب و ناقابلِ امامت ہے، جھوٹے وہ بھی تھے اور جھوٹے یہ بھی، مگر ع

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۹

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۶

[4] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن آیۃ والذی اتخذوا مسجدًا ضرارًا کے تحت مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۴۷

[5] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن آیۃ والذی اتخذوا مسجدًا ضرارًا کے تحت مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۴۷

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(راستے کا تفاوت دیکھ کہاں تک ہے۔ت)

مسلمانوں کو مسجد الٰہی میں جانے سے منع کرنے اور اس کی ویرانی میں کوشاں ہونے کا حکم تو یہ ہے جو قرآن عظیم میں فرمایا:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ "[1]۔	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ایسوں کو نہیں پہنچتا تھا کہ ان میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

مگر یہاں ان کا عذر یہ ہوگا کہ ہمیں مسجد ویران کرنا اور اس میں نماز سے روکنا مقصود نہ تھا بلکہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی امام کے پیچھے مسلمانوں کی نماز خراب نہ ہو، یہ بھلائی چاہنے کا عذر بھی ان منافقوں مسجد ضرار بنانے والوں نے پیش کیا تھا اور خالی زبانی نہیں بلکہ قسم کے ساتھ مؤکد کرکے،

قال اللہ تعالٰی "وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ضرور ضرور اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو تفریق جماعت سے بھلائی ہی چاہی۔

اس پر جواب فرمایا: "وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ "[3] (اللہ گواہی دیتا ہے کہ بیشک یہ جھوٹے ہیں) جبکہ وہ وجہ جو یہ ظاہر کرتے ہیں قطعاً کذب و باطل ہے، محض معاندانہ اس کا جھوٹا حیلہ گھڑ کر مسلمانوں کو مسجد سے روکنا اور جماعت میں پھوٹ ڈالنا چاہا تو وہ نہ ہوا مگر مسجد الٰہی کو یاد الٰہی سے روکنا، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور انہیں مسجد سے روکنے میں کافروں سے مدد لینا اور انہیں اغوائے مسلمین کے لئے راستوں پر مقرر کرنا نظر بحقیقت تو ٹھیک مناسبت پر واقع ہوا، کافروں سے زیادہ اس کا اہل کون تھا، ایسے کام لینے والوں کے ایسے کام کو ایسے ہی کام کرنے والے مناسب تھے "اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ "[4] (گندیاں گندوں کے لئے اور گندے گندیوں کے لئے۔ت) مگر ان کے زعم پر یہ کافروں سے استمداد اسی قسم میں واقع ہوا جو ان کے ادعا میں دینی کام تھا اور دینی کام میں کافروں سے استعانت حرام،

قال اللہ عزوجل "لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مسلمان مسلمانوں کے سوا کافروں

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[4] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ "[1]	کو مددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہیں۔

تفسیر ارشاد العقل و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں اسی آیۃ کریمہ کی تفسیر میں ہے: نهوا عن الاستعانة بهم فى الامور الدينية[2]

اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا کہ کافروں سے کسی دینی کام میں مدد لیں، یونہی ایسی نماز قائم کرنے کے لئے جس کی بنا پر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور سنی عالم کی اقتداء سے روک کر غالبًا کسی "منهم" کے پیچھے پڑھوانے پر ہو، زمین کفار ہی مناسب تھی کہ قضیہ زمین بر سر زمین ورنہ فقہائے کرام نے تو کافر کی زمین میں نماز پڑھنے سے اتنا روکا ہے کہ مسلمان کی زمین میں بے اس کے اذن کے پڑھے اور کافر کی زمین سے بچے، اور اگر مسلمان کی زمین میں کھیتی ہے کہ اس میں نہیں پڑھ سکتا تو راستے میں پڑھے اور کافر کی زمین میں نہ پڑھے، اگرچہ راستے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر یہ کراہت کافر کی زمین میں پڑھنے کی کراہت سے ہلکی ہے۔ حاوی قدسی میں ہے:

ان اضطربين ارض مسلم و كافر يصلى فى ارض المسلم اذلم تكن مزروعة اولكافر يصلى فى الطريق[3]۔	اگر مسلمان اور کافر کی زمین کے درمیان اضطراب آگیا تو مسلمان کی زمین میں نماز ادا کی جائے گی بشرطیکہ وہ کاشت نہ ہو، اگر وہ کاشت ہے یا کافر ہی کی زمین ہے تو راستے میں نماز ادا کرلی جائے۔ (ت)

ہاں ظاہرًا یہاں اس کافر مالک زمین کا اذن ہوگا، اب ایمانی نگاہ سے یہ فرق دیکھنا چاہئے کہ کہاں تو کافر کی بے خبری میں اس کی زمین میں وہ نماز پڑھنی جس سے رضائے الٰہی مقصود ہو اور کہاں مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنے اور بندگانِ الٰہی کو مسجد الٰہی سے روکنے کے لئے کافر کی دلی خوشی کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑے پوری کرنے کو اس کی زمین میں نماز قائم کرنی کافر کی وہ کراہت بدتر تھی جو اس کی زمین میں نماز پڑھنے سے ہوتی یا کافر کی یہ خوشی بدرجہا بدتر ہے جو اس کی کراہت قلب پر غالب آگئی اور جس کے سبب خود اس نے اپنی زمین خوش خوش نماز کیلئے دی، اول کا مقصود رضائے الٰہی ہے اور کافر کو اس سے غیظ و نفرت، اور دوم کا مقصود مسلمانوں میں تفرقہ ہے کہ نامرضی خدا ہے اور کافر کو اس سے سرور فرحت، "فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝" [4] (اے اہل ابصار! عبرت حاصل کرو۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) آیت لایتخذ المومنون الکٰفرین کے تحت دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳، الفتوحات الالٰهیہ آیت لایتخذ المومنون الکٰفرین کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۷

[3] الحاوی القدسی

[4] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

بلاشبہہ ایسا کرنے والے مسجد ضرار والے منافقوں کے وارث اور مسلمانوں کے بدخواہ اور ایذائے مسلمین کیلئے مشرکین کے آلے اور ان کے مسخرے یعنی انکے ہاتھوں میں ضرر اسلام کے لئے مسخر ہیں **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

(۶و۷) گائے کی قربانی بیشک شعارِ اسلام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ہم نے اونٹ اور گائے کی قربانی کو تمہارے لئے دین الٰہی کی نشانیوں سے کیا۔

خود مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلّی کو اس کا اقرار ہے۔ رسالہ قربانی صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں: "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ" سے گائے کی قربانی ثابت ہوتی ہے[2]" خصوصًا اس معدنِ مشرکین ہندوستان میں کہ یہاں اسکے ابقاواجرا بلاشبہہ اعظم مہمات اسلام سے ہے، مکتوبات جناب شیخ مجدد صاحب میں ہے:

ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است[3]۔	ہندوستان میں گائے کا ذبح کرنا اسلام کے سب سے بڑے شعائر میں سے ہے۔ (ت)

یہاں اس کا باقی رکھنا یقینا واجب شرعی ہے جس کی تحقیق ہمارے رسالہ "انفس الفکر فی قربان البقر" میں ہے،

علمائے لکھنؤ نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ مولوی عبدالحٰی صاحب کے فتاوٰی میں ہے:

"گائے ذبح کرنا طریقہ قدیمہ ہے زمانِ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وجملہ سلف صالحین سے تمام بلاد وامصار میں، اور اس پر اجماع واتفاق ہے تمام اہل اسلام کا، ایسے امر شرعی ماثور قدیم سے اگر ہنود بنظرِ تعصب مذہبی منع کریں تو مسلمانوں کو اس سے باز رہنا نہیں درست ہے بلکہ ہرگاہ ہنود ایک امر شرعی قدیم کے ابطال میں کوشش کریں اہل اسلام پر واجب ہے کہ اس کے ابقاء واجرا میں سعی کریں، اور اگر ہنود کے کہنے سے اس فعل کو چھوڑیں گے تو گنہگار ہوں گے، ہنود منع کریں تو اسکے ابقا میں سعی واجب ولازم ہے[4] (ملخصًا)

محمد عبدالحیٔ ابوالحسنات

انہیں کے دوسرے فتوے میں ہے: "گائے ذبح کرنے کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے، ہنود بہ نظر اپنے مذہب کے روکے

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[2] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۲۱

[3] مکتوبات امام ربانی مکتوب ہشتادویکم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۶

[4] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۳

تو مسلمانوں کو باز آنا نہیں درست ہے اور ہندو کی ممانعت کو جو مبنی ہے ان کے اعتقاد باطل پر تسلیم کرلینا نہیں جائز ہے، جو اس کی عظمت کا خیال کرے اس کے اسلام میں فتور ہے، پس ہنود کی ممانعت تسلیم کرنا موجب ان کے اعتقاد باطل کی تقویت وترویج کا ہوگا اور یہ کسی طرح شرعاً جائز نہیں، مسلمانوں کو ضرور رہے کہ گاؤ کشی ترک نہ کریں[1]" (ملخصاً)

محمد عبدالحیٔ ابوالحسنات

مولوی عبدالباری صاحب کے والد ماجد مولانا عبدالوہاب صاحب کے فتوی میں ہے:

"ان بلاد میں مسلمانوں کو گاؤ کشی باقی رکھنے میں کوشش لازم ہے[2]"

محمد عبدالوہاب

انھیں کے دوسرے فتوی میں ہے: "قربانی گائے کی شعارِ اسلام ہے اس کا موقوف کرنا بسبب ممانعت ہنود موجب معصیت ہے بلکہ قائم رکھنے قربانی گائے میں مسلمانوں کو سعی لازم ہے[3]"

محمد عبدالوہاب

خود مولوی عبدالباری صاحب کے رسالہ قربانی میں ص ۲۰ میں ہے:

"رکاوٹ ڈالنے کی صورت میں گائے کی قربانی واجب ہو جاتی ہے"[4]

اسی کے صفحہ ۲۱ میں ہے: "جب سے ہندوؤں کو اس کا خیال ہوا کہ گائے کی قربانی روکی جائے اس وقت سے مسلمانوں کو بھی اپنا حق قائم رکھنے اور اپنے مذہبی حکم جاری رکھنے کا خیال پیدا ہو گیا، حکم شریعت بھی ایسا ہی ہے کہ جب قربانی روکی جائے تو لازم ہے کہ ہم اس کو کریں[5]"

صفحہ ۶ میں ہے: "میں جانتا ہوں روکنے سے اس کا انجام دینا ضروری ہو جاتا ہے[6]"

صفحہ ۳: "مذہبی شعار کو کسی دباؤ یا مروت سے نہیں چھوڑ سکتے۔"[7]

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحیٔ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۸۶۔۲۸۵

[2] فتاوی محمد عبدالوہاب بحوالہ مجموعہ فتاوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۳

[3] فتاوی محمد عبدالوہاب بحوالہ مجموعہ فتاوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۸۶

[4] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۲۰

[5] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۲۱

[6] قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۶

[7] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۳

صفحہ ۱۶: "ہندوؤں کے روکنے یا ان کی محض خوشامد سے ترک قربانی گاؤ کو ممنوع سمجھتا ہوں[1]"

صفحہ ۱۹: شعارِ دین میں سے جس کو روکا جائے اس کے برقرار رکھنے کی پابندی مسلمانوں پر عائد ہو جاتی ہے"۔[2]

بقیہ اقوال کی تشریح رسالہ الطاریٔ الداریٔ میں ہے، تو جو لوگ خوشنودی مشرکین کے لئے اس شعارِ اسلام کو مٹانے چاہتے اور مسلمانوں کو اس کے چھوڑنے پر زور دیتے ہیں، سخت فاسق، مفسد، آمر بالحرام، بدخواہ اسلام، مسلمانوں کے رہزن ہیں، مشرکین کے گرگے، شیطان کے بھائی، ابلیس کے کارندے، حق کے دشمن ہیں، منافقوں کے وارث ہیں، جن کو حق سبحانہ فرماتا ہے:

" اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَ يَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ ؕ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ هِىَ حَسۡبُهُمۡ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۶۸﴾ "[3]	منافق مرد عورت آپس میں ایک ہیں برائی (مثلاً شعارِ اسلام بند کرنے) کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی (شعارِ اسلام جاری رکھنے) سے روکتے ہیں، اور (نیک کام خصوصًا شعائر اسلام سے) ہاتھ کھینچتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے تو اس نے انہیں چھوڑ دیا، بیشک منافق ہی پکے فاسق ہیں، اللہ نے منافق مردوں عورتوں اور ان کافروں سے (جن کی طرف یہ منافق جھکتے اور ان کی خوشنودی چاہتے ہیں) جہنم کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے جس میں وہ سب ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان کے عذاب کو بہت ہے اور اللہ نے ان سب پر لعنت کی اور ان کے لئے دائم عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

ان کے دام میں پھنس کر گائے کی قربانی چھوڑنے والا اللہ عزوجل کا مخالف اور ابلیس لعین کا فرمانبردار ہے، تارک واجب ومرتکب حرام، مستحقِ نار وغضب جبار ہے۔

والعیاذ باللہ العزیز الغفار وصلی اللہ تعالٰی	اللہ عزیز وغفار کی پناہ، اور اس کے حبیب مختار

[1] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص۱۶

[2] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص۱۹

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۶ و ۶۷

علی الحبیب المختار واٰلہ الاطہار وصحبہ الابرار و اولیائہ الاخیار وامتہ اجمعین الی یوم القرار و بارك وسلم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	پر صلوٰۃ وسلام، آپ کی آلِ اطہار، اصحاب ابرار، اولیا اخیار اور امت پر بھی قیامت تک، اور برکت وسلامتی ہو۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳: از واناپور محلّہ شگونہ مسجد حنفیّہ مسئولہ محمد حنیف خاں ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

بگرامی خدمت فیض درجت امام اہل سنت اعلٰی حضرت عظیم البرکۃ مولانا مولوی مفتی شاہ احمد رضاخاں صاحب مد ظلہم الاقدس، السلام علیکم! گزارش خدمت ہے کہ یہاں شہر پٹنہ ایک جگہ پر مجمع ہوا، جسمیں علمائے بہار بھی شریک تھے۔ اور عام لوگ بھی مولوی ابوالکلام حامی ترک موالات نے تحریک کی کہ بہار واڑیسہ کے لیے ایک امیر اسلام ہونا چاہئے اس پر لوگوں نے حضرت اقدس شاہ بدرالدین صاحب پھلواروی کو تجویز کرکے امیرِ اسلام بنایا، اب اعلان ہے کہ لوگ شہر کے امیرِ اسلام کے ہاتھ پر بیعت کریں، لہٰذا حضور والا سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ امیرِ اسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور امیرِ اسلام کے لئے کیا کیا شرائط از روئے قرآن شریف وفقہ شریف ہونا چاہئے اور جو لوگ بیعت نہ کریں کیا وہ لوگ گنہگار ہیں جواب تفصیل سے مع دلائل کے عنایت ہو **بینوا توجروا**۔

الجواب: امیر شریعت دو قسم ہے: اختیاری وقہری۔ اختیاری وہ جو کسی پر اپنے احکام کی تنفیذ میں جبر کا اختیار نہیں رکھتا، احکامِ شریعت بتادینا اس کا کام ہے، ماننا نہ ماننا لوگوں کے اختیار، یہ امیر شریعت متدین فقہائے اہلِ سنت ہیں،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ"[1] اولوالامر ھم العلماء علی اصح الاقوال کما قال تعالٰی "وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اے اہلِ ایمان! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے جو صاحبِ امر ہیں ان کی۔ اصح قول کے مطابق اولوالامر سے مراد علماء ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور کاش وہ اسے لوٹائیں رسول کی طرف اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف، تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیں گے وہ جس کو استنباط کرتے ہیں ان میں سے (ت)

عدم سلطان کی حالت میں مسلمانوں پر اپنے امور دینیہ میں متدین معتمد علمائے اہلسنت کی طرف رجوع کرنا اور بھی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۳

لازم تر ہو جاتا ہے کہ بعض بعض خاص دینی کام جنہیں ولاۃ وقضاۃ اٹھائے ہوتے ہیں، ان میں تاحدِ ممکن انہیں کے حکم سے تکمیل کرنی ہوتی ہے، جیسے معاملہ عنّین وتنفیذ انکحہ وخیارات بلوغ وغیرہا سوائے حدود وتعزیر وقصاص جس کا اختیار غیر سلطان کو نہیں،

فاذاعسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثر وافالمتبع اعلمهم فان استووااقرع بینهم[1]۔کما فی الحدیقة الندیة عن الفتاوی العتابیة۔	جب ایک پر اتفاق دشوار ہو تو ہر علاقہ کے لوگ اپنے عالم کی اتباع کرلیں، اگر علماء کثیر ہوں تو سب سے بڑے عالم کا اتباع کیا جائے، اگر علم میں برابر ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کرلی جائے، جیسا کہ حدیقہ ندیہ میں فتاوی عتابیہ سے ہے۔(ت)

یہ امیر شرعی کسی کے انتخاب پر نہیں بلکہ خود بانتخاب الٰہی منتخب ہے، دیانت وفقاہت میں اس کا تفرد وتفوق خود ہی اسے متعین کرتا ہے، یہاں تک کہ لوگ اگر اس کے غیر کو منتخب کریں گے خطا کریں گے اور اسی کا اتباع لازم ہوگا کہ وہی اہل ہے اور طبائع خود ہی دینی امور میں اسکی طرف رجوع پر مجبور ہوتی ہیں کہ دوسری جگہ ویسا حل شافی نہیں پاتیں یہاں تک کہ اس کے اکابر اعدا، کہ بوجہ دینی یا حسد شیاطینی اس کے سخت دشمن ہوتے ہیں، اور زبردستی اس پر اپنی تعلّی چاہتے ہیں، مسائل مشکلہ کے حل کرنے میں اسکے محتاج رہتے ہیں، اپنے گمنام جاہلوں کے ذریعہ سے اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں یوں اپنے لاحل مسئلوں کی گرہ کھلواتے ہیں،

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۱"[2]	یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے عطا کرتا ہے جسے وہ چاہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔(ت)

اس امیر شریعت کے ہاتھ پر بیعت نہ کچھ ضرور نہ اس کے دستور، نہ اس کا ترک گناہ ومحذور، بلکہ اس کا معیار وہی ہے جو اوپر مذکور، اس کے فیصلے کو بہار واڑیسہ کے جملہ علماء پر نظر تفصیلی صحیح شرعی نے جو فیصلہ کیا ہو آپ ہی منظور،

"وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۵۴"[3] "اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝۵۳"[4]	اور اللہ سینوں کے رازوں کو جانتا ہے اور سنو تمام امور اللہ کی بارگاہ میں لوٹتے ہیں۔(ت)

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث من انواع العلوم الثلاثۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۱

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۴

[4] القرآن الکریم ۴۲/ ۵۳

دوسرا امیر قہری، اس کے ذمہ وہ کام ہیں جو بغیر تسلط وغلبہ وقہر کے انجام نہیں پاتے مثلاً قصاص وحدود وتعزیرات واخذ عشور واخذ خراج یہ ضرور نصب وانتخاب مسلمین پر ہے اور اسی کے ہاتھ پر بیعت کا دستور اور بلاوجہ شرعی اس سے انکار محظور، یہ اگر عام ممالک اسلامیہ پر مقرر کیا جائے تو خلیفہ وامیر المومنین ہے اور اس کے لئے سات شرطیں لازم کہ ایک بھی کم ہو تو خلیفہ نہیں متغلب ہے، ۱اسلام، ۲حریت، ۳ذکورت، ۴عقل، ۵بلوغ، ۶قدرت، ۷قرشیت۔

علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی تلمیذ امام ابن الہمام تعلیقات مسایرہ میں فرماتے ہیں:

اماعندنا فالشروط انواع، بعضها لازم لاتنعقد بدونه، وهی الاسلام، والذکورة، والحریة، والعقل، و اصل الشجاعة، وان یکون قرشیا[1]۔	لیکن ہمارے نزدیک شروط مختلف طرح کی ہیں بعض ان میں سے لازم ہیں جن کے بغیر امارت کی انعقاد نہیں ہو سکتا اور وہ مسلمان ہونا، مذکر ہونا، آزاد ہونا عقل والا ہونا، دلیر ہونا اور قرشی ہونا ہے (ت)

اور اگر کسی قطر یا شہر یا موضع خاص پر تو وہاں کا صوبہ یا والی ہے، اس کے لئے بھی عقل وبلوغ وقدرت یقیناً شرط اور قرشیت کی کچھ حاجت نہیں اور تعمیم احکام کے لئے اسلام وحریت وذکورت بھی ضرور ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ عدم سلطان کے وقت مسلمانوں پر ایسا والی مسلم تلاش کرنا واجب ہے کما فی المبسوط وجامع الفصولین ومعراج الدرایة وغیرہا (جیسا کہ مبسوط، جامع الفصولین اور معراج الدرایہ وغیرہ میں ہے۔ت) مگر ہر واجب بقدر قدرت ہوتا ہے اور ہر فرض بشرط استطاعت۔

قال اللہ تعالٰی "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" [2]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ (ت)

یہاں مسلمان ایسا والی مقرر کرنے پر ہرگز قادر نہیں اور اس پر واضح دلیل یہ ہے کہ سو برس سے آج تک ہندوستان میں ہزارہا مشائخ وعلماء وصلحاء وکبراء گزرے کبھی اس طرف متوجہ نہ ہوئے کیا وہ مسئلہ نہ جانتے تھے یا قصداً فاسق وتارک واجب رہے، حاشا ہرگز نہیں، بلکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ وجوب ہم پر نہیں۔ شرح مقاصد میں ہے:

فان قیل لو وجب نصب الامام لزم اطباق الامة فی اکثر الاعصار علی	اگر یہ اعتراض اٹھایا جائے کہ اگر امام کا مقرر کرنا واجب ہے تو لازم آئے گا کہ امت نے اکثر زمانوں

---

[1] تعلیقات مسایرۃ علامہ قاسم بن قطلو بغامع المسامرۃ شروط الامام المکتبۃ التجاریۃ مصر ص ۳۱۹ و ۳۲۰

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۸۶

ترك الواجب لانتفاء الامام المتصف بما يجب من الصفات سيما بعد انقضاء الدولة العباسية. قلنا انما يلزم الضلالة لوتركوه عن قدرة واختيار لاعجز و اضطرار[1]۔	میں واجب کا ترک کیا کیونکہ ایسا کوئی امام ہی نہیں ملا جو مذکورہ صفات کا حامل ہو خصوصًا حکومت عباسیہ کے گزرنے کے بعد، ہم جوابًا کہتے ہیں امت کا گنہگار ہونا تب لازم آئے گا اگر انہوں نے قدرت واختیار ہونے کے باوجود اسے ترک کیا ہو اور اگر عجز واضطرار کی وجہ سے ہو تو پھر گناہ نہ ہوگا۔ (ت)

(یہ جواب ناقص ہی دستیاب ہوا)

---

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع المبحث الاول فی نصب الامام دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۲۷۵

رسالہ
دوام العیش من الائمة من قریش ۱۳۳۹ھ
(زندگی کا دوام اس امر میں کہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سلطنت عثمانیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں فرضیتِ اعانت کے لئے بھی سلطان کا قرشی ہونا شرط ہے یا نہیں یا صرف خلافت شرعیہ کے لئے یا کسی کے لئے نہیں، مولوی فرنگی محلّی کے خطبہ صدارت میں اس کے متعلق چند سطور ہیں اور مسٹر ابوالکلام آزاد نے رسالہ مسئلہ خلافت وجزیرہ عرب میں صفحہ ۳۲ سے صفحہ ۷۰ تک حسبِ عادت اسے بہت پھیلا کر بیان کیا ہے، ان دونوں کا محصل یہ ہے کہ خلافت شرعیہ میں بھی قرشیت شرط نہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں مذہب اہلسنت کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

الحمدللہ الذی فرض اعانة سلاطین الاسلام علی المسلمین وفضل قریشا بخاتم النبیین وسید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارك وسلم الی یوم الدین وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ کل اٰن وحین۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدین النصیحۃ للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم[1]،رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن تمیم الداری والترمذی والنسائی عن ابی ھریرۃ واحمد عن ابن عباس والطبرانی فی الاوسط عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	بیشک دین یہ ہے کہ اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول سے سچا دل رکھے اور سلاطینِ اسلام اور جملہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرے(اسے احمد، مسلم،ابوداؤد اور نسائی نے تمیم داری سے اور ترمذی اور نسائی نے ابوہریرہ سے اور احمد نے ابن عباس سے اور طبرانی نے اوسط میں ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

سلطنت علیہ عثمانیہ ایدہا اللہ تعالٰی نہ صرف عثمانیہ ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنی،دل سے خیر خواہی مطلقًا فرض عین ہے،اور وقت حاجت دعا سے امداد واعانت بھی ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے اور ہر فرض بقدر قدرت ہر حکم بشرط استطاعت۔

قال تعالٰی "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"[2]،وقال تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔اور اللہ نے فرمایا: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہوسکے۔(ت)

مفلس پر اعانت مال نہیں،بے دست وپا پر اعانتِ اعمال نہیں،ولہذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد وقتال نہیں۔بادشاہ اسلام اگرچہ غیر قرشی ہو اگرچہ کوئی غلام حبشی ہو امور جائزہ میں اس کی اطاعت تمام رعیت اور وقت حاجت اس کی اعانت بقدر استطاعت سب اہلِ کفایت پر لازم ہے،البتہ اہلسنت کے مذہب میں خلافت شرعیہ کے لئے ضرور قرشیت شرط ہے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں ہیں،اسی پر صحابہ کا اجماع،تابعین کا اجماع،اہلسنت کا اجماع ہے،اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی کتب عقائد وکتب

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴،سنن ابوداؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۰،مسند احمد بن حنبل حدیث تمیم الداری دار الفکر بیروت ۴/ ۱۰۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[3] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

حدیث و کتب فقہ اس سے مالامال ہیں، بادشاہ غیر قرشی کو سلطان، امام، امیر، والی، ملک کہیں گے، مگر شرعًا خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفًا اسی کا مترادف ہے، ہر بادشاہ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے سوا اس کے جو ساتوں شروط خلافت اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قرشیت سب کا جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا فرمان فرمائے اعظم ہو۔

اجمالی کلام وواقعات عام وازالہ اوہام جہال خام

اقول: وباللہ التوفیق اسم خلافت میں یہ شرعی اصطلاح ہے جملہ صدیوں میں اسی پر اتفاقِ مسلمین رہا۔

(۱) زمانہ صحابہ سے برابر علمائے کرام خلفاء ملوک کو علیحدہ کرتے آئے حتی کہ خود سلاطین اسی کے پابند رہے اور آج تک ہیں، بڑے بڑے جبار بادشاہ گزرے کبھی غیر قریش نے ترک ہوں یا مغل یا پٹھان یا کوئی اور اپنے آپ کو خلیفہ نہ کہلوایا، نہ خلافت مصطفویہ شرعیہ کا دعوی کیا، جب تک خلافت عباسیہ قائم رہی خلیفہ ہی کی سرکار سے سلاطین کی تاجپوشی ہوتی، سلطان دستِ خلیفہ پر بیعت کرتا اور اس منصب شرعی کا مستحق اسی کو اگرچہ زور وطاقت وسطوت میں اس سے کہیں زائد ہوتا، جب کفار تاتار کے دستِ ظلم سے محرم ۶۵۶ھ میں جامہ خلافت تار تار ہوگیا علماء نے فرمایا ساڑھے تین برس تک خلافت منقطع رہی حالانکہ اس وقت بھی قاہر سلطنتیں موجود تھیں، مصر میں ملک ظاہر سلطان بیبرس کا دور دورہ تھا، امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں خاتم الخلفا مستعصم باللہ کی شہادت کے بعد ذکر فرماتے ہیں:

ثم دخلت سنة سبع وخمسين والدنیا بلا خلیفة[1]۔	پھر ۶۵۷ھ آیا اور دنیا بے خلیفہ تھی۔

پھر فرمایا:

ثم دخلت سنة ثمان وخمسين والوقت ایضا بلا خلیفة[2]۔	پھر ۶۵۸ھ آیا اور زمانہ اسی طرح بے خلیفہ تھا۔

پھر فرمایا:

وتسلطن بیبرس وازال المظالم وتلقب بالملك الظاهر ثم دخلت سنة	بیبرس سلطان ہوا اور اس نے ظلم دفع کئے اور اپنا لقب ملک ظاہر رکھا، پھر ۶۵۹ھ آیا اور وقت

[1] تاریخ الخلفاء احوال المستعصم باللہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳۰

[2] تاریخ الخلفاء احوال المستعصم باللہ مطبع مجتبائی دہلی ۳۳۱

تسع وخمسین والوقت ایضاً بلاخلیفة الٰی رجب فاقیمت بمصر الخلافة وبویع المستنصر وکان مدة انقطاع الخلافة ثلاث سنین ونصفا[1]۔(ملخصًا)	ماہ رجب تک یونہی بے خلیفہ تھا یہاں تک کہ مصر میں پھر خلافت قائم کی گئی مستنصر باللہ عباسی کے ہاتھ پر بیعت ہوئی خلافت ساڑھے تین برس تک معدوم رہی۔(ملخصًا)۔

یونہی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں فرمایا:

لما اخذ التاتار بغداد وقتل الخلیفة اقامت الدنیا بلاخلیفة ثلث سنین ونصف سنة وذٰلك من یوم الاربعاء رابع عشر صفر سنة ست وخمسین وھو یوم قتل الخلیفة المستعصم رحمه الله تعالٰی الٰی اثناء سنة تسع وخمسمائة۔[2]	یعنی جبکہ تاتاریوں نے بغداد مقدس لے لیا اور خلیفہ شہید ہوئے دنیا ساڑھے تین برس بے خلیفہ رہی اور یہ ۱۴ صفر روز چار شنبہ ۶۵۶ھ سے کہ روز شہادت خلیفہ مستعصم رحمہ اللہ تعالٰی تھا سے ۱۳ رجب ۶۵۹ھ تک کازمانہ ہے۔

(۲) یہ خلافت کہ مصر میں قائم ہوئی اور ڈھائی سو برس سے زائد رہی خود سلطان کی قائم کی ہوئی تھی، سلطان بظاہر اس کا دست نگر ہوتا اور خلاف پر قادر تھا نظر بقوت بے تفویض خلیفہ بھی نظم ونسق ورتق، فتق وامر وحکم میں سلطان مستقل تھا، خلیفہ امیر المومنین کہلانے اور بیعت لینے اور خطبہ وسکہ کو زینت اور سلاطین کو تاج وخلعت دینے کے لئے ہوتا بلکہ اس کی بنا خود خلافت بغداد میں پڑچکی تھی، مقتدر باللہ کو ۲۹۶ھ میں تیرہ برس کی عمر میں خلافت ملی، طفلی واشتغال بازی واختیارات زنان واستخدام یہود ونصارٰی نے ضعف پہنچایا ملک مغرب نکل گیا، مصر نکل گیا، قرامطہ ملعونوں کا زور ہوا، پھر ۳۲۴ھ میں واسطہ کا صوبہ محمد بن رائق خلیفہ راضی باللہ پر فائق ہوا خلیفہ نام کے لئے تھا پھر یہ بدعت شنیعہ مدتوں مستمر رہی مگر تمام علماء ومسلمین اور خود وہ جبار سے جبار سلاطین بھی خلافت انہیں قرشی خلفاء کی مانتے اور انہیں سے پروانہ وخلعت سلطنت لیتے۔ اگر غیر قرشی بھی خلیفہ ہوسکتا تو سلاطین خود خلفاء بنتے، کیا ضرورت تھی ان قرشیوں کو اپنا تغلب مٹانے کے لئے حیلہ شرعیہ کے واسطے خلیفہ بناتے اور اپنے زیر دستوں کے حضور سر بندگی جھکاتے اور ان کے ہاتھ سے تاج وخطاب پاتے، مگر نہیں وہ مسلمان تھے سنی تھے جانتے تھے کہ ہم قرشی نہیں ہماری خلافت نہیں ہوسکتی اور بے تولیت خلافت بطور خود سلطنت کرینگے تو داغ تغلب ہماری پیشانی سے نہ مٹے گا اسی لئے ان عباسی قرشیوں کی خلافت رکھی تھی۔

[1] تاریخ الخلفاء احوال المستعصم باللہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳۱

[2] حسن المحاضرة فی اخبار مصر والقاہرة

(۳) پھر ادھر ہی کے سلاطین نہیں اس دور دراز مملکت ہند کے متشرع سلاطین نے بھی انہیں خلفاء سے اپنے نام پروانہ سلطنت کیا حالانکہ یہ کسی طرح تسلط کی راہ سے ان کے ماتحت نہ تھے، تاریخ الخلفاء میں ہے:

وفی سنة اربع عشرة ارسل غیاث الدین اعظم شاہ بن اسکندر شاہ ملك الھند یطلب التقلید من الخلیفة وارسل الیہ مالا وللسلطان ھدیة[1]۔	سنہ آٹھ سوچودہ میں بادشاہ ہند اعظم شاہ غیاث الدین بن سکندر شاہ نے خلیفہ مستعین باللہ ابوالفضل سے اپنے لئے پروانہ تقررِ سلطنت مانگا اور خلیفہ کے لئے نذر اور سلطانِ مصر کو ہدیہ بھیجا۔

خود مسٹر کے اسی رسالہ خلافت ص۷۹ میں ہے: "جب تک بغداد کی خلافت رہی ہندوستان کے تمام حکمران اس کے فرماں بردار رہے جب ۶۶۰ھ عـــہ میں مصر کی عباسی خلافت کا سلسلہ شروع ہوا تو اگرچہ عباسیہ کے کارواں رفتہ کا محض ایک نمود غبار تھا تاہم سلاطین ہند اس کی حلقہ بگوشی وغلامی کو اپنے لئے فخر سمجھتے رہے اور مرکزی خلافت کی عظمت دینی نے مجبور کیا کہ اپنی حکومت کو شرعی طور پر منوادینے کے لئے مقامِ خلافت سے پروانہ نیابت حاصل کرتے رہیں"۔
پھر سلطان محمد بن تغلق شاہ وسلطان فیروز شاہ کی بندگی وغلامی جو اس خلافت سے رہی اور فیروز شاہ کے لئے دربار خلافت سے دوبار پروانہ تقرر سلطنت ونشان خلعت کا آنا لکھا اور یہ کہ سلطان نے اس کی کمال تعظیم کی اور یہ سمجھا کہ گویا یہ عزت آسمان سے اتری اور یہ سند بارگاہ رسالت سے ملی، پھر کہا (ص۸۰)
"غور کرو مقامِ خلافت کی عظمت کا ہمیشہ کیا حال رہا خلافت بغداد مٹنے کے بعد بھی خلافت کی صرف ایک اسمی نسبت بھی اس درجہ جبروت رکھتی تھی کہ ہندوستان جیسے بعید گوشہ میں ایک عظیم الشان فرمانروائے اقلیم مصر کے دربار خلافت سے اذن واجازت حاصل ہونے پر فخر کرتا ہے مٹنے پر بھی اس مقام کی عظمت تمام عالم اسلامی پر اس طرح چھائی رہتی ہے کہ وہاں کا فرمان آسمانی فرمان اور وہاں کا حکم بارگاہِ نبوت کا حکم سمجھا جاتا ہے"۔
خدا جانے مسٹر آزاد یہ کس جنگ یا کس نشے کی ترنگ میں لکھ گئے، ان کا اعتقاد تو یہ ہے ص۴۵ کہ:

عـــہ: یہ غلط ہے بلکہ ۹/رجب ۶۵۹ھ۔ ۱۲منہ غفرلہ

---

[1] تاریخ الخلفاء احوال المستعین باللہ ابوالفضل مطبع مجتبائی دہلی ص۳۵۷

"انتخاب خلیفہ کا موقع نہ رہا ہو تو خلیفہ تسلیم کرلینے کے لئے بجز اسلام اور حکومت کے جماؤ اور جگہ پکڑ لینے کے اور کوئی شرط نہیں۔"

سبحان اللہ! یہ سلاطین ہند و سلاطینِ مصر اور خود سلطان بیبرس جس نے اس خلافت کی بنیاد رکھی مسلمان ہی تھے اور ان کی حکومتیں جمی ہوئی تھیں تو آپ کی کافی ساختہ دونوں شرط خلافت موجود تھیں پھر انہوں نے خود اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہ جانا اور ان کی حکومت شرعی طور پر ماننے کے قابل کیوں نہ ہوئی حالانکہ آپ کے نزدیک شریعت کا حکم ہے کہ:

"اسی کو خلیفہ ماننا چاہئے خواہ تمام شرطیں اس میں پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔" (ص ۵۱)

"ہر مسلمان پر ازروئے شرع واجب ہے کہ اسی کو خلیفہ اسلام تسلیم کرے" (ص ۳۵)

خیر آپ کا تناقض آپ کو مبارک۔ سلاطین اسلام نے کیوں اپنی خلافت نہ مانی اور وہ کیا بات ان میں کم تھی جس کے لیے انھیں دوسرے کی خلافت جمانے اور اس کی اجازت کے صدقے اپنی حکومت کو شرعی منوانے کی ضرورت پڑی۔ ظاہر ہے کہ وہ نہ تھی مگر شرط قرشیت۔

(۴) مسٹر کو چھوڑیئے جنہوں نے دو ہی شرطیں رکھیں، ائمہ دین تو سات بتاتے ہیں دیکھئے شاید ان میں کوئی اور شرط مفقود ہونے کے سبب سلاطین نے اپنے آپ کو خلیفہ نہ سمجھا، اوپر گزرا کہ وہ ۱اسلام و ۲حریت و ۳ذکورت و ۴عقل و ۵بلوغ و ۶قدرت و ۷قرشیت ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ان سلاطین میں چھ موجود تھیں پہلی پانچ بداہۃً اور قدرت یوں کہ حکومت کا جماؤ بے اس کے نہیں تو صرف ایک ہی قرشیت نہ تھی لاجرم اسی کے نہ ہونے تمام سلاطین نے اپنے آپ کو خلیفہ نہ مانا اور قرشی خلافت کا محتاج دست نگر جانا۔

(۵) بلکہ بطور مسٹر امر واضح تر ہے ان نام کے خلفا میں اگر قرشیت موجود تھی قدرت مفقود تھی کہ وہ سلاطین کے ہاتھوں میں شطرنج کے بادشاہ تھے، جبار خونخوار متکبر متجبر سلاطین کے سر میں یوں بھی سودائے مساوات و بے نیازی نہ سمایا اور انہیں کو خلیفہ اور اپنے آپ کو ان کو محتاج ٹھہرایا حتی کہ جب سلطان بیبرس نے مستنصر کو خلیفہ کیا اور اس سے پروانہ سلطنت لیا خلیفہ نے اظہار انقیاد کے لئے اس کے پاؤں میں سونے کی بیڑیاں ڈالیں اور سلطان نے خدم حشم کے ساتھ یونہی قاہرہ اپنے دار السلطنت کا گشت کیا کہ گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں اور آگے آگے وزیر کے سر پر خلیفہ کا عطا کیا ہوا پروانہ سلطنت (حسن المحاضرہ) روشن ہوا کہ وہ شرط قرشیت کس درجہ اہم و ضروری تر جانتے تھے انہوں نے خیال کیا کہ قدرت مکتسبہ بھی ہوتی ہے بلکہ اسے اکتساب سے مفر نہیں کہ ملکوں پر تنہا کا تسلط عادۃً نہیں ہوتا مگر افواج و اطاعت جماعت سے جب اقتدار والوں نے انہیں سر پر رکھ لیا تو مقصود اقتدار حاصل ہوگیا جیسے خلیفہ میں خود عالم اصول و فروع ہونے کی شرط اتفاقی نہ رہی کہ دوسرے کے علم سے کام چل سکتا ہے لیکن قرشیت ایسی چیز نہیں کہ دوسرے سے مکتسب وہ لہٰذا اپنے اقتدار کا خیال نہ کیا اور

ان کی قرشیت کے آگے سر جھکادیا۔

(۶) نہ صرف سلاطین بلکہ بکثرت ائمہ وعلماء نے اسی کو خلافت جانا خلافت بغداد پر پچھلی تین صدیاں جیسی گزریں انہیں جانے دو تو یہی خلافت مصر لو جسے تم کاروانِ رفتہ کی محض ایک نمود غبار کہتے ہو۔

(ا) جب بیبرس نے مستنصر کی خلافت قائم کرنی چاہی سب میں پہلے امام اجل امام عزالدین بن عبدالسلام نے بیعت فرمائی پھر سلطان بیبرس پھر قاضی پھر امراء وغیرہم نے۔

(ب) پھر ابوالعباس حاکم بامر اللہ کے بیٹے تیسرے خلیفہ مصری مستکفی باللہ کی خلافت کا امضا اور اس کی صحت کا ثبوت امام اجل تقی الدین بن دقیق العید کے فتوے سے ہوا ان کے عہد نامہ خلافت میں تھا،

الحمدللہ الذی ادام الائمۃ من قریش وجعل الناس تبعالھم فی ھذاالامر فغیرھم بالخلافۃ العظمۃ لا یدعی ولایسمّٰی [1]۔	سب خوبیاں اللہ کو جس نے خلیفہ ہمیشہ قریش میں سے کئے اور تمام لوگوں کو خلافت میں ان کو تابع کیا تو غیر قرشی کو نہ خلیفہ کہا جائے گا نہ وہ اس نام سے پکارا جائے۔

اس پر قاضی القضاۃ شمس الدین حنفی کے دستخط ہوئے۔

(ج) پھر مستکفی کے بیٹے ابوالعباس احمد حاکم بامر اللہ کی صحت خلافت پر امام قاضی القضاۃ عزالدین بن جماعہ نے شہادت دی اور ان کی مثال بیعت علامہ احمد شہاب ابن فضل اللہ نے لکھی اس میں ان کو خلیفہ جامع شرائط خلافت لکھا اور لکھا کہ: **وصل الحق الی مستحقہ** [2] حق بحقدار رسید، **کل ذٰلک فی حسن المحاضرۃ** (یہ سب کا سب حسن المحاضرۃ میں موجود ہے۔ت)

(د) امام اجل ابوزکریا نووی اسی خلافت مصریہ کے دور سے متعلق شرح صحیح مسلم میں فرمارہے ہیں:

قد ظھر ما قالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن زمنہ الی الاٰن الخلافۃ فی قریش [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ظاہر ہوگیا کہ جب سے آج تک خلافت قریش ہی میں ہے۔

دیکھو اکابر ائمہ برابر انہیں خلفاء مانتے آئے۔

(ہ) امام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں یہ تمام خلافتیں بغدادی پھر مصری

---

[1] حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ

[2] حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ

[3] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

ذکر کیں اور خطبہ میں فرمایا:

ترجمت فیه الخلفاء امراء المؤمنین القائمین بأمر الامة من عهد ابی بکر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه والی عهدنا هذا[1]۔	میں نے اس کتاب میں ان کے احوال بیان کئے جو خلیفہ امیر المومنین کارامت پر قیام کرنے والے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وقت سے ہمارے زمانے تک ہوئے۔

(و) پھر فرمایا میں نے اس میں کسی عبیدی کا ذکر نہ کیا کہ کئی وجہ سے ان کی خلافت صحیح نہیں، ایک تو وہ قرشی نہ تھے، دوسرے وہ بدمذہب بے دین کم از کم رافضی تھے **ومثل هؤلاء لاتنعقد لهم بیعة ولاتصح لهم امامة**[2] ایسوں کے لئے نہ بیعت ہوسکے نہ ان کی خلافت صحیح۔ تیسرے یہ کہ ان کی بیعت اس وقت ہوئی کہ خلافت عباسی قائم تھی اور ایک وقت میں وہ خلیفہ نہیں ہوسکتے، چوتھے یہ کہ حدیث فرماچکی کہ خلافت جب بنی عباس کو ملے گی پھر ظہور امام مہدی تک دوسرے کو نہ پہنچے گی، ان وجوہ سے میں نے عبیدیوں کو ذکر نہ کیا **وانماذکرت الخلیفة المتفق علٰی صحة امامته**[3] میں نے وہی خلفاء ذکر کئے جن کی صحتِ خلافت پر اتفاق ہے دیکھو کیسے صریح نص ہیں کہ یہ کمزور خلافتیں بھی صحیح خلافت ہیں، آخر کس لئے، اس لیے کہ قرشی ہیں اور زبردست طاقتور سلاطین غیر قرشی۔

(ز) جب خلیفہ مستکفی باللہ نے شعبان ۷۴۰ھ یا ۷۴۱ھ میں وفات پائی اور اپنے بیٹے احمد حاکم بامر اللہ کو ولی عہد کیا سلطان ناصر الدین محمد بن قلادون ترکی نے کہ ۷۳۶ھ میں مستکفی باللہ سے رنجیدہ ہوگیا اور ۱۸ ذی الحجہ کو اسے مصر سے باہر شہر قوص میں مقیم کیا (اگرچہ ادارات پہلے سے بھی زائد کردئے اور خطبہ وسکہ خلیفہ ہی کا جاری رہا اس عہد کو نہ مانا اور جبراً خلیفہ مستکفی کے بھتیجے ابراہیم بن محمد حاکم بامر اللہ کے لیے بیعت لی (اگرچہ مرتے وقت خود اس پر نادم ہوا اور سرداروں کو وصیت کی کہ خلافت ولی عہد مستکفی احمد ہی کے لئے ہو جس پر ابن فضل اللہ نے وہ لکھا کہ حق بحقدار رسید) ابن قلادون کی اس حرکت پر امام جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ناصر بن قلادون پر اس کے سب سے زیادہ عزیز بیٹے امیر نوک کی موت کی مصیبت ڈالی، یہ اسے پہلی سزادی، پھر مستکفی کے بعد سلطنت سے متمتع نہ ہوا ایک سال اور کچھ روزوں کے بعد اللہ عزوجل نے اسے ہلاک کیا بلکہ بعض نے مستکفی کی وفات ۷۴۱ھ میں لکھی ہے تو یوں تین ہی مہینے بعد مرا،

---

[1] تاریخ الخلفاء خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ص ۶

[2] تاریخ الخلفاء خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ص ۷

[3] تاریخ الخلفاء خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ص ۸

سنة الله فیمن مس احدامن الخلفاء بسوء فان الله تعالٰی یقصمه عاجلا وما ید خرله فی الاٰخرة من العذاب اشد۔[1]	سنت الٰہیہ ہے کہ جو کوئی کسی خلیفہ سے برائی کرے اللہ تعالٰی اسے ہلاک فرمادیتا ہے اور وہ جو آخرت میں اسے کے لئے رکھتا ہے سخت تر عذاب ہے۔

پھر اولاد ابن قلادون میں اس کی شامت کی سرایت بیان فرمائی کہ ان میں جو بادشاہ ہوا تخت سے اتارا گیا اور قید یا جلاوطن یا قتل کیا گی، خود اس کا صلبی بیٹا کہ اس کے بعد تخت پر بیٹھا دو ۲ مہینے سے کم میں اتار دیا گیا اور مصر سے قوص ہی کو بھیجا گیا جہاں سلطان نے خلیفہ کو بھیجا تھا اور وہیں قتل کیا گیا، ناصر نے چالیس ۴۰ برس سے زیادہ سلطنت کی اور اس کی نسل سے بارہ ۱۲ بادشاہ ہوئے جن کی مجموعی مدت اتنی نہ ہوئی۔

(ح) نیز امام ممدوح کتاب موصوف میں فرماتے ہیں:

اعلم ان مصر من حین صارت دارالخلافة عظم امرها وکثرت شعائرالاسلام فیها وعلت فیها السنة وعفت عنها البدعة وصارت محل سکن العلماء ومحط الرجال الفضلاء وهذاسرمن اسرار الله تعالٰی اودعه فی الخلافة النبویة کمادل ان الایمان والعلم یکونان مع الخلافة اینماکانت ولایظن ان ذٰلك بسبب الملوك فقدکانت ملوك بنی ایوب اجل قدراو اعظم قدر امن ملوك جاء ت بعدهم بکثیر ولم تکن مصر فی زمنهم کبغدادوفی اقطار الارض الاٰن من الملوك من هواشد بأساوا کثر جندامن ملوك مصر کالعجم والعراق والروم والهندو المغرب ولیس الدین قائما بلادهم کقیامه بمصر ولا شعائر الاسلام	یعنی مصر جب سے دارالخلافہ ہوا اس کی شان بڑھ گئی، شعائرِ اسلام کی اس میں کثرت ہوئی، سنت غالب ہوئی بدعت مٹی، علماء کا جنگل فضلاء کا دنگل ہوگیا، اور یہ رازِ الٰہی ہے کہ اس نے خلافتِ نبوت میں رکھا ہے جس طرح حدیث میں آیا کہ خلافت جہاں ہوگی علم وایمان اس کے ساتھ ہوں گے، اور یہ کوئی نہ سمجھے کہ مصر میں یہ دین کی ترقی سلاطین کے سبب ہوئی کہ سلاطین بنی ایوب سلاطینِ مابعد سے بہت زیادہ جلیل القدر تھے اور ان کے زمانے میں مصر بغداد کو نہ پہنچتا تھا اور اب اطراف زمین میں وہ سلاطین ہیں کہ سلاطین مصر سے ان کی آنچ سخت اور لشکر زائد جیسے ایران، عراق، روم، مغرب، ہندوستان۔ مگر دین وہاں ایسا قائم نہیں جیسا مصر میں ہے، نہ شعائر اسلام ایسے ظاہر نہ سنت وحدیث وعلم کا ایسا شیوع، یہ سب خلافت ہی کی برکت ہے، دیکھو کیسا جبار و بالا قتدار

[1] حسن المحاضرة فی اخبار مصر والقاہرة

ظاھرۃ فی اقطارھم کظھورھا فی مصر ولانشرت السنۃ والحدیث والعلم فیھا کما فی مصر [1]۔	سلاطین کو جن میں ترک بھی ہیں الگ کردیا اور خلافت نبوت ایسی کمزور خلافت مصر میں مانی۔

آخر یہ فرقِ قرشیت نہیں تو کیا ہے۔

(۷) اگر کہیے وہ خلافت سے نامزد ہوچکے تھے لہٰذا بعد کے سلاطین نے اگرچہ جامع شروط تھے اپنے آپ کو خلیفہ نہ جانا کہ خلافت جب ایک کے لئے ہولے دوسرا نہیں ہوسکتا،

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) **اولاً** ہو تو سلاطین یا بعد میں ہو، بیبرس کی سلنطت تو پہلے منعقد ہولی تھی، پھر دوسرے کو خلیفہ بنانے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلانے اور یہ سلسلہ ماضیہ جلانے جمانے کے کیا معنی تھے، کاش سلطان اپنے آپ کو معزول کرلیتا اور مستنصر ہی کے ہاتھ میں باگ دیتا مگر نہیں وہ سلطنت پر قائم رہا، اور تمہارے زعم میں خود بیبرس کی خلافت صحیحہ اور ہر مسلمان پر شرعاً واجب التسلیم تھی، اب اس نے انتخاب کی طرف آکر اپنی صحیح شرعی خلافت تو باطل کردی اور ایک اسمی رسمی قائم کی، یہ کیسا جنون ہوا جسے تمام علمائے عصر نے بھی پسند کیا طرفہ تر یہ کہ یہ اپنی حکومت شرعی طور پر منوانے کے لئے کیا جس کا مسٹر کو بھی اعتراف ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کی خلافت کا ماننا آپ کے نزدیک شرعاً واجب تھا، اور اب نہ رہا کہ انتخاب نے شرائط عائد کیں وہ نہ اس میں ہیں نہ اس خلیفہ میں، تو اپنی خلافت کھوئی خلیفہ اسمی سے تولیت لی وہ گئی اور یہ نہ ہوئی دونوں دین سے گئے اسی لئے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنی تھیں۔ ع

بیکسیہائے تمنا کہ نہ دنیا و نہ دین

(بیکسی کی آرزو پر افسوس ہے کہ نہ دنیا ہاتھ آئی نہ دین حاصل ہوا۔ت)

غرض یہ ایجاد آزاد وہ مہمل و بیمعنی ہذیان ہے جو سلاطین و علماء کی خواب میں بھی نہ تھا وہ یقینا جانتے تھے کہ خلافت میں ہمارا کچھ حصہ نہیں اور داغِ تغلب ہم سے نہ مٹے گا جب تک کسی خلیفہ قرشی سے اذن نہ لیں لہٰذا یہ صورت خلافت قائم کی کہ مالایدرك كله لایترك كله (جسے نہ کلی طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے نہ ہی اسے چھوڑا جاسکتا ہے۔ت)

(۸) ثانیاً دنیا میں اسلامی سلطنتیں مختلف ممالک میں پھیلی ہوئی تھیں اور ہر ایک اپنے ملک کا حاکم مستقل اور آپ کی دونوں شرط خلافت کا جامع تھا اور تبدل ایام و موت، تقرر سلاطین سے کبھی یہاں کی سلطنت پہلے ہوتی کبھی وہاں کی، ان میں کسی متاخر نے یہ نہ جانا کہ خلافت اس دوسرے سلطان کا حق ہے مجھے اس سے

---

[1] حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ

اذن وپروانہ لینا چاہئے لیکن سمجھا تو اس قریشی خلافت کا محتاج سمجھا تو ہر گز اس کی بناء پر تقدم وتاخر نہ تھی کہ بلکہ وہی ایک اکیلی شرط قرشیت کہ نامقتدری خلیفہ کی حالت میں بھی اپنا رنگ جماتی اور بڑے بڑے اقتدار وجبروت والوں کا سر اپنے سامنے جھکاتی تھی۔ الحمدللہ کیسے روشن بیانوں سے ثابت ہوا کہ یہ سارے جلوے شرط قرشیت کے تھے تمام سلاطین کا خود یہی عقیدہ تھا کہ ہم بوجہ عدم قرشیت لائق خلافت نہیں، قرشی کے سوا دوسرا شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت وقرن کے علماء انہیں یہی بتاتے رہے۔ اور قطعًا یہی مذہب اہلسنت ہے اور اسی پر احادیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی متواتر شہادت ہے "**فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ**" (تو حق کے بعد کیا ہے صرف گمراہی ہے۔ت)

رہا مسئلہ اعانت، کیاآپ لوگوں کے زعم میں سلطانِ اسلام کی اعانت کچھ ضرور نہیں، صرف خلیفہ کی اعانت جائز ہے کہ مسلمانوں کو اعانت پر ابھارنے کے لئے ادعائے خلافت ضرور ہوا یا سلطان مسلمین کی اعانت صرف قادروں پر ہے اور خلیفہ کی اطاعت بلاقدرت بھی فرض ہے، یہ نصوص قطعیہ قرآن کے خلاف ہے، اور جب کوئی وجہ نہیں پھر کیا ضرورت تھی کہ سیدھی بات میں جھگڑا ڈالنے کے لئے جملہ علمائے کرام کی واضح تصریحات متظافرہ اور اجماعِ صحابہ واجماعِ امت واحادیثِ متواترہ کے خلاف یہ تحریک لفظ خلافت سے شروع کرکے عقیدہ اجماعیہ اہلسنت کا خلاف کیا جائے، خارجیوں معتزلیوں کا ساتھ دیا جائے، دوراز کار تاویلوں، تبدیلیوں، تحریفوں، خیانتوں، عنادوں، مکابروں سے حق چھپانے اور باطل پھیلانے کا ٹھیکا لیا جائے، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

اب ہم بتوفیقہ تعالٰی اس اجمال مفصل کی تفصیل مجمل کے لئے کلام کو ایک مقدمہ اور تین فصل پر منقسم کرتے ہیں:

مقدمہ: خلیفہ وسلطان کے فرق اور یہ کہ کسی عرف حادث سے مسئلہ خلافت مصطلحہ شرعیہ پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

فصل اول: احادیث متواترہ واجماع صحابہ وتابعین ومذہب اہلسنت **نصرھم اللہ تعالٰی** سے شرطِ قرشیت کے روشن ثبوت۔

فصل دوم: خطبہ صدارت میں مولوی فرنگی صاحب کی پندرہ سطری کارگزاری کی نازبرداری۔

فصل سوم: رسالہ خلافت میں مسٹر ابوالکلام آزاد کے ہذیانات وتلبیسات کی خدمتگزاری۔

وباللہ التوفیق لارب سواہ، والصلوٰۃ والسلام علٰی مصطفاہ واٰلہ وصحبہ والاہ۔

مقدمہ

خلیفہ و سلطان کے فرق اور یہ کہ سلطان کہہ دیا جانا ہی خلیفہ نہ ہونے کی کافی دلیل ہے اور یہ کہ لفظ خلیفہ میں اگر کوئی عرف حادث ہو تو اس سے خلافت مصطلحہ شرعیہ پر کیا اثر۔

(۱) خلیفہ حکمرانی وجہانبانی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب مطلق تمام امت پر ولایت عامہ والا ہے، شرح عقائد نسفی میں ہے:

(خلافتھم) ای نیابتھم عن الرسول فی اقامۃ الدین بحیث یجب علی کافۃ الامم الاتباع[1]۔	ان کی خلافت، یعنی دین کی اقامت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت کا مقام یہ ہے کہ تمام امت پر اس کی اتباع واجب ہے (ت)

خودسر کفار کا اسے نہ ماننا شرعًا اس کے استحقاق ولایت عامہ میں مخل نہیں جس طرح ان کا خود نبی کو نہ ماننا یونہی روئے زمین کے مسلمانوں میں جو اسے نہ مانے گا اس کی خلافت میں خلاف نہ آئے گا یہ خود ہی باغی قرار پائے گا اور اصطلاح میں سلطان وہ بادشاہ ہے جس کا تسلط قہری ملکوں پر ہو چھوٹے چھوٹے والیانِ ملک اس کے زیرِ حکم ہوں،

کما ذکرہ الامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی فی حسن المحاضرۃ عن ابن فضل اللہ فی المسالک عن علی بن سعید۔	جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے حسن المحاضرۃ میں ابن فضل اللہ سے انہوں نے مسالک میں علی بن سعید سے اسے ذکر کیا۔ (ت)

یہ دو قسم ہے:

(۱) مُولّٰی جسے خلیفہ نے والی کیا ہو اس کی ولایت حسبِ عطائے خلیفہ ہوگی جس قدر پر والی کرے۔

(۲) دوسرا متغلب کہ بزورِ شمشیر ملک دبا بیٹھا اس کی ولایت اپنی قلمرو پر ہوگی وبس۔

(۲) کہ اول پر متفرع ہے خلیفہ کی اطاعت غیر معصیت الٰہی میں تمام امت پر فرض ہے جس کا منشا خود اس کا منصب ہے کہنا نائبِ رسول رب ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور سلطان کی اطاعت صرف اپنی قلمرو پر، پھر اگر مولٰی ہے تو بواسطہ عطائے خلیفہ اس منصب ہی کی وجہ سے کہ اس کا امر امرِ خلیفہ ہے اور امرِ خلیفہ امر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور اگر متغلب ہے تو نہ اس کے منصب سے کہ وہ شرعی نہیں بلکہ

---

[1] شرح العقائد النسفیۃ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان ص ۱۰۸

دفعِ فتنہ اور اپنے تحفظ کے لئے خود مسٹر نے فتح الباری سے درباره سلطان متغلب نقل کیا (ص۵۱)۔

طاعته خیرمن الخروج علیه لما فی ذٰلك من حقن الدماء وتسکین الدهماء[1]۔	اس کے خلاف کے مقابلہ میں اس کی طاعت بہتر ہے کیونکہ اس میں جانوں کا تحفظ اور شورش سے سکون ہے (ت)

(۳) کہ دوم پر متفرع ہے خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا حقیقۃً فرض ہوگیا جس مباح سے منع کیا حقیقۃً حرام ہوگیا یہاں تک تنہائی وخلوت میں بھی اس کا خلاف جائز نہیں کہ خلیفہ نہ دیکھے اللہ دیکھتا ہے، ایک زمانے میں خلیفہ منصور نے امام الائمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فتوی دینے سے منع کردیا تھا، امام ہمام کی صاحبزادی نے گھر میں ایک مسئلہ پوچھا، امام نے فرمایا: میں جواب نہیں دے سکتا خلیفہ نے منع کیا ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ خلیفہ کا حکم مباح درکنار فرض کفایہ پر غالب ہے جبکہ دوسرے اس کے ادا کرنے والے موجود ہوں کہ اب اس کا ترک معصیت نہیں تو حکمِ خلیفہ نافذ ہوگا اگرچہ خلیفہ ظالم بلکہ خود اس کا وہ حکم ظلم ہو کہ امام کو فتوی سے روکنا نہ ہوگا مگر ظلماً، اور سلطان متغلب جس کی ولایت خلیفہ سے مستفاد نہ ہو اس کے امر و نہی سے مباحات فی نفسہا واجب وحرام نہ ہوجائیں گے تنہائی میں اس طور پر کہ اسے اطلاع پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو مباح اپنی اباحت پر رہے گا۔ علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ تعالٰی صاحب نسیم الریاض وعنایۃ القاضی وغیرہما کتب نافعہ کے زمانے میں سلطان نے حقہ پینے سے لوگوں کو منع کیا تھا یہ پردہ ڈال کر پیتے۔ امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی رسالہ الصلح بین الاخوان میں فرماتے ہیں: "نہ خود حقہ پیتا ہوں نہ میرے گھر بھر میں کوئی پیتا ہے مگر مباح کو حرام نہیں کہہ سکتا"۔[2] اور منع سلطانی کے جواب میں شرح ہدیہ ابن العماد میں فرماتے ہیں:

لیت شعری ای امر من امریه یتمسك به امره الناس بترکه اوامره باعطاء المکس علیه علی ان المراد من اولی الامر فی الاٰیة العلماء علی اصح الاقوال کما ذکره العینی فی اٰخر مسائل شتی من شرح الکنز وایضا	یعنی کاش میں جانوں کہ سلطان کا کون سا حکم لیا جائے یہ کہ لوگ حقہ نہ پئیں یا یہ کہ تمباکو پر ٹیکس دیں معہذا آیہ کریمہ میں اصح قول یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد علماء ہیں جس طرح شرح کنز امام عینی میں ہے نیز کیا ظالم سلاطین کا حکم حکم شرعی ہوجائے گا حالانکہ

[1] مسئلہ خلافت بحث بعض کتب مشہورہ عقائد وفقہ داتا پبلشر لاہور ص ۱۰۶

[2] رسالہ الصلح بین الاخوان لعبد الغنی نابلسی

هل منع السلاطین الظلمة یثبت حکما شرعیا وقد قالوا من قال لسلطان زماننا عادل کفر۔[1]	ائمہ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ جو ہمارے زمانے کے سلطان کو عادل کہے کافر ہو جائیگا انتہی۔

یہ ارشاد امام علم الہدٰی ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اپنے زمانے کے سلاطین میں ہے جنہیں ہزار برس سے زائد ہوئے نہ کہ اب۔ **نسأل الله العفو والعافیة۔**

(۴) کہ نیز دوم پر متفرع ہے ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس۔ خود مسٹر آزاد لکھتے ہیں (ص ۸۴): "اسلام نے مسلمانوں کی حکومت ایک ہی قرار دی تھی یعنی روئے زمین پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی فرمانروا و خلیفہ ہو۔"

(۵) کوئی سلطان اپنے انعقاد سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان اذن خلیفی کا محتاج ہے کہ بے اس کے اس کی حکومت شرعی و مرضی شرع نہیں ہو سکتی، خود آزاد کے ص ۹۷ سے گزرا کہ:

"خلافت کی عظمت دینی نے مجبور کیا کہ اپنی حکومت کو شرعی طور پر منوا دینے کے لئے خلافت سے پروانہ نیابت حاصل کرتے رہیں۔"

(۶) خلیفہ بلاوجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کئے معزول نہیں ہو سکتا، خود جبار و سرکش قوّاد ترک کہ متوکل بن معتصم بن ہارون رشید کو قتل کرکے خلفاء پر حاوی ہوگئے تھے جب ان میں کسی کو زندہ رکھ کر معزول کرنا چاہتے خود اسے مجبور کرتے کہ خلافت سے استعفٰی دے تاکہ عزل صحیح ہو جائے۔ بخلاف سلطان کہ خلیفہ کا صرف زبان سے کہہ دینا "میں نے تجھے معزول کیا" اس کے عزل کو بس ہے۔

(۷) سلطنت کے لئے قرشیت درکنار حریت بھی شرط نہیں، بہتیرے غلام بادشاہ ہوئے،

خود رسالہ آزاد صفحہ ۵۵ میں ہے: "غلاموں نے بادشاہت کی ہے اور تمام سادات و قریش نے ان کے آگے اطاعت کا سر جھکایا ہے"۔

اور خلافت کے لئے حریت باجماع اہل قبلہ شرط ہے **کمافی المواقف وشرحه وعامة الکتب** (جیسا کہ مواقف اور اس کی شرح اور عامہ کتب میں ہے۔ت) یہاں سے خلیفہ و سلطان کے فرق ظاہر ہوگئے، نیز

[1] شرح ہدیة ابن العماد

کھل گیا کہ سلطان خلیفہ سے بہت نیچا درجہ ہے، ولہذا کبھی خلیفہ کے نام کے ساتھ لفظ سلطان نہیں کہا جاتا کہ اس کی کسرِ شان ہے آج تک کسی نے سلطان ابوبکر صدیق، سلطان عمر فاروق، سلطان عثمان غنی، سلطان علی المرتضٰی بلکہ سلطان عمر بن عبدالعزیز بلکہ سلطان ہارون رشید نہ سنا ہوگا، کسی خلیفہ اموی یا عباسی کے نام کے ساتھ اسے نہ پایئے گا، تو کھل گیا کہ جس کے نام کے ساتھ سلطان لگاتے ہیں اسے خلیفہ نہیں مانتے کہ خلیفہ اس سے بلند و بالا ہے، یہی وہ خلافت مصطلحہ شرعیہ ہے جس کی بحث ہے، اسی کے لئے قرشیت وغیرہا سات شرطیں لازمی ہیں عرف حادث میں اگر کسی سلطان کو بھی خلیفہ کہیں یا مدح میں ذکر کر جائیں وہ نہ حکمِ شرع کا نافی ہے نہ اصطلاح شرع کا منافی۔ جس طرح اجماعِ اہلسنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، جو دوسرے کو معصوم مانے اہلسنت سے خارج ہے، پھر عرف حادث میں بچوں کو بھی معصوم کہتے ہیں یہ خارج از بحث ہے جیسے لڑکوں کے معلم تک کو خلیفہ کہتے ہیں، یہ مبحث واجب الحفظ ہے کہ دھوکا نہ ہو **وباللہ التوفیق**۔

فصل اوّل

احادیث متواترہ سرکار رسالت واجماع صحابہ وتابعین وائمہ امت ومذہب مہذب اہلسنت وجماعت سے شرط قرشیت کے روشن ثبوت احادیث شریفہ کو میں جدا لاؤں ان کی تخریج وشان تواتر بتاؤں ان سے اتمام تقریب ووجہ احتجاج دکھاؤں اس سے یہی بہتر کہ کتبِ عقائد وکتبِ حدیث وکتبِ فقہ سے اقوال جلیلہ ائمہ کرام علمائے اعلام بتادیں گے کہ حدیثیں متواتر ہیں ان کی حجتیں قاہرہ ہیں ہر طبقہ وقرن کے اجماع متظافر ہیں مخالف سنی نہیں خارجی معتزلی گمراہ خاسر ہیں **وباللہ التوفیق**۔

کتب عقائد

۱ امام ہمام مفتی الجن والانس عارف باللہ نجم الملۃ والدین عمر نسفی استادِ امام برہان الملۃ والدین صاحبِ ہدایہ رحمہما اللہ تعالٰی کا متن عقائد مشہور بہ عقائد نسفی جو سلسلہ نظامیہ ودیگر سلاسل تعلیمیہ میں عقائد اہلسنت کی درسی کتاب ہے جسے درس میں اسی لئے رکھا ہے کہ طلبہ عقائدِ اہلسنت سے آگاہ ہو جائیں، اس کتاب جلیل میں ہے: **ویکون من قریش ولایجوز من غیرھم**[1] یعنی خلیفہ قریش سے ہو غیر قریشی جائز نہیں۔

---

[1] شرح العقائد النسفیۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان ص ۱۱۱

۲شرح علامہ تفتازانی میں ہے:

لم یخالف فیہ الاالخوارج وبعض المعتزلۃ[1]۔	قرشیت کی شرط میں کسی نے خلاف نہ کیا مگر خارجیوں اور بعض معتزلیوں نے۔

۳اسی میں ہے:

یشترط ان یکون الامام قریشیا لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الائمۃ من قریش وھذا وان کان خبرا واحدا لکن لمارواہ ابوبکر محتجابہ علی الانصار ولم ینکرہ احد فصار مجمعاعلیہ[2]۔	یعنی شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہو بدلیل قول نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش اور یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انصار پر حجت میں اسے پیش کیا اور صحابہ کرام میں کسی نے اس پر انکار نہ کیا تو اس پر اجماع ہوگیا۔

۴کتاب قواعد العقائد امام حجۃ الاسلام غزالی میں ہے:

شرط الامامۃ نسبۃ قریش لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش[3]۔	خلافت کی شرط نسب قریشی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا خلفاء قریش سے ہیں۔

اس کی ۵شرح اتحاف میں ہے:

ان کثیرامن المعتزلہ نفی ھذاالاشتراط، ودلیل اھل السنۃ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش قال العراقی اخرجہ النسائی من حدیث انس والحاکم من حدیث علی وصححہ اھ قلت وکذا اخرجہ البخاری فی التاریخ وابویعلی والطیالسی و البزار عن انس واخرجہ احمد من حدیث ابی ھریرۃ وابی بکر الصدیق	یعنی بہت معتزلیوں نے شرطِ قرشیت کا انکار کیا اور اہلسنت کی دلیل، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفا قریش سے ہوں، امام زین الدین عراقی نے فرمایا یہ حدیث نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حاکم نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی اور کہا یہ حدیث صحیح ہے اھ میں کہتا ہوں یونہی اسے امام بخاری نے کتاب التاریخ

---

[1] شرح العقائد النسفیۃ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان ص ۱۱۲

[2] شرح العقائد النسفیۃ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان ص ۱۱۱ و ۱۱۲

[3] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث الرکن الرابع مکتبۃ المشھد الحسینی قاہرہ مصر ۱/ ۱۱۵

والطبرانی من حدیث علی وعندہ عن انس بلفظ ان الملك فی قریش واخرج یعقوب بن سفیان وابو یعلی والطبرانی من طریق سکین من عبدالعزیز حدثنا سیار بن سلامة ابو المنھال قال دخلت مع ابی علی ابی برزة الاسلمی فسمعته یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول الامراء من قریش الخ[1] (ملخصًا) ثم ذکر تخاریج حدیث لایزال ھذا الامر فی قریش وشواھدہ[2] وکله ماخوذ من الفتح۔	اور ابویعلی وابوداؤد طیالسی و بزار نے انس اور امام احمد نے ابوہریرہ وحضرت صدیق اکبر اور طبرانی نے مولٰی علی سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، نیز طبرانی کے یہاں بروایت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان لفظوں سے ہے کہ سلطنت قریش میں ہے اور یعقوب بن سفیان وابویعلٰی وطبرانی نے سکین بن عبدالعزیز سے روایت کی کہ ہم سے سیار بن سلامہ ابو المنہال نے حدیث بیان کی کہ میں اپنے والد کے ساتھ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس گیا انہیں یہ حدیث روایت کرتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی کو فرماتے سنا کہ خلفاء قریش سے ہیں الخ (ملخصًا) پھر انہوں نے حدیث، کہ یہ خلافت ہمیشہ قریش میں ہوگی، کی تخریجات اور شواہدات کو ذکر کیا اور یہ سب فتح الباری سے ماخوذ ہے۔(ت)

۶ مسایرہ امام محقق علی الاطلاق کمال الدین بن الہمام میں ہے:

شرط الامام نسب قریش خلافا لکثیر من المعتزلة[3]۔	خلیفہ کی شرط نسب قرشی ہے بہت معتزلیوں کا اس میں خلاف ہے۔(ت)

۷ مسامرہ علامہ ابن ابی شریف شافعی تلمیذ امام ابن الہمام میں ہے:

لنا قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش قدمنا تخریجه وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الناس تبع لقریش اخرجه الشیخان وفی البخاری من حدیث معٰویة رضی اللہ تعالٰی	ہم اہلسنت کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفا قریش سے ہیں، ہم نے اس حدیث کی تخریج اوپر بیان کی نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ سب آدمی قریش کے تابع ہیں، اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا، نیز بخاری میں

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد دار الفکر بیروت ۲/ ۲۳۱

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد دار الفکر بیروت ۲/ ۲۳۱

[3] مسایرۃ مع المسامرۃ شروط الامام مکتبہ تجاریۃ کبرٰی مصر ص ۲۳۹

عنہ ان ھذا الامر فی قریش[1]۔	امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بیشک خلافت قریش میں ہے۔

اور تخریج حدیث چھ ورق اوپر بیان کی،

رواہ النسائی من حدیث انس ورواہ بمعناہ الطبرانی فی الدعاء والبزار والبیھقی وافردہ شیخنا الامام الحافظ ابوالفضل بن حجر بجزء جمع فیہ طرقہ نحو من اربعین صحابیا[2]۔	یہ حدیث نسائی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی اور یہی مضمون طبرانی نے کتاب الدعاء اور بزار و بیہقی نے روایت کیا اور ہمارے شیخ امام حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی نے خاص اس حدیث میں ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں اس کی روایات قریب چالیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے جمع کیں۔

[۸]علامہ امام قاسم بن قطلوبغا حنفی تلمیذ ابن الہمام تعلیقات مسایرہ میں فرماتے ہیں:

اما عندنا فالشروط انواع بعضھا لازم لاتنعقد بدونہ، وھی الاسلام والذکورۃ والحریۃ والعقل و البلوغ واصل الشجاعۃ وان یکون قرشیا[3]۔	ہمارے نزدیک خلافت کی شرطیں کئی قسم ہیں بعض تو شروط لازم ہیں کہ ان کے بغیر خلافت صحیح ہی نہیں ہوسکتی وہ یہ ہیں اسلام اور مرد ہونا اور آزادی و عقل وبلوغ واصل شجاعت اور قرشی ہونا۔

[۹]پھر فرمایا:

اما نسب قریش فلقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش رواہ البزار وھذا وان کان خبرواحد فقد اتفقت الصحابۃ علی قبولہ الامام ابوالعباس الصابونی وغیرہ[4]۔	قریشی ہونا اس لئے شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خلفاء قریش سے ہوں۔اسے بزار نے روایت کیا،اور یہ اگرچہ خبر احاد ہو مگر صحابہ کرام نے اس کے قبول پر اجماع فرمایا، یہ [۱]امام ابو العباس صابونی وغیرہ نے افادہ فرمایا۔

[۱۰]طوالع الانوار علامہ بیضاوی میں ہے:

---

[1] مسامرۃ شرح مسایرہ شروط الامام مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ص ۳۲۰

[2] مسامرۃ شرح مسایرہ شروط الامام مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ص ۳۰۶

[3] تعلیقات مسایرۃ مع المسامرۃ شروط الامام مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ص ۳۱۹ و ۳۲۰

[4] تعلیقات مسایرۃ مع المسامرۃ شروط الامام مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ص ۳۲۰

التاسعة کونه قرشیاً خلافاً للخوارج وجمع من المعتزلة قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش واللام فی الجمع حیث لاعهد للعموم[1]۔	یعنی خلافت کی نویں شرط قریشی ہونا ہے اس میں خارجیوں اور ایک گروہ معتزلہ کو خلاف ہے کہ وہ خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں جانتے، ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہوں جہاں عہد نہ ہو جمع پر لام استغراق کے لئے ہوتا ہے یعنی تمام خلفاء قریش ہی سے ہوں۔

۱۲مواقف میں ہے:

یکون قرشیاً ومنعه الخوارج وبعض المعتزلة لنا قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش ثم ان الصحابة عملوا بمضمون هذاالحدیث واجمعوا علیه فصار قاطعاً[2]۔	یعنی خلیفہ قریشی ہو خارجی اور بعض معتزلی اس شرط کے منکر ہیں ہماری دلیل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلیفہ قریشی ہو، پھر صحابہ کرام اس حدیث کے مضمون پر عامل ہوئے اور ان کا اس پر اجماع ہوا تو وہ دلیل قطعی ہوگئی۔

۱۳شرح علامہ سید شریف میں ہے:

صار دلیلا قطعایفید الیقین باشتراط القرشیة[3]۔	یعنی دلیل قطعی ہوگئی جس سے قرشیت کا شرط ہونا یقینی ہوگیا۔

۱۴اسی میں ہے: اشترطه الاشاعرة[4] یعنی اہلسنت کے نزدیک خلیفہ کا قرشی ہونا شرط ہے۔ ۱۵مقاصد میں ہے:

یشترط فی الامام کونه قرشیاً لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش[5]۔	امام میں شرط ہے کہ قرشی ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خلفاء قریش سے ہوں۔

۱۶شرح مقاصد میں ہے:

---

[1] طوالع الانوار علامہ بیضاوی

[2] مواقف مع شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامة منشورات الشریف رضی قم ایران ۸/ ۳۵۰

[3] مواقف مع شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامة منشورات الشریف رضی قم ایران ۸/ ۳۵۰

[4] مواقف مع شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامة منشورات الشریف رضی قم ایران ۸/ ۳۵۰

[5] مقاصد علی ہامش شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامة المبحث الثانی دار المعارف النعمانیة لاہور ۲/ ۲۷۷

اتفقت الامة علی اشتراط کونه قرشیا خلافا للخوارج لنا السنة والاجماع اماالسنة فقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش واماالاجماع فھو انه لما قال الانصار یوم السقیفة منا امیر و منکم امیرمنعھم ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنه بعدم کونھم من قریش ولم ینکرہ علیه احد من الصحابة فکان اجماعا[1]۔	یعنی تمام امت کا اجماع ہے کہ خلیفہ کا قریشی ہونا شرط ہے اس میں مخالف خارجی ہیں اور اکثر معتزلی، ہماری دلیل حدیث اور اجماع امت ہے، حدیث تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہیں، اور اجماع یوں کہ جب انصار رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روز سقیفہ بنی ساعدہ مہاجرین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہا ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے، انہیں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی نے دعاوی خلافت سے یوں باز رکھا کہ تم قریشی نہیں (اور خلیفہ کا قریشی ہونا لازم ہے) اس پر کسی صحابی نے انکار نہ کیا تو اجماع ہوگیا۔

۱۷شرح فقہ اکبر میں ہے:

یشترط ان یکون الامام قرشیا لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش وھو حدیث مشھور ولیس المراد ادبه الامامة فی الصلٰوۃ اتفاقا فتعینت الامامة الکبری خلافا للخوارج وبعض المعتزلة[2]۔	یعنی شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ائمہ قریش سے ہیں۔ اور یہ حدیث مشہور ہے اور اس میں امامت نماز باجماع مراد نہیں تو ضرور خلافت مراد ہے اس میں مخالف خارجی ہیں یا بعض معتزلی۔

۱۸طریقہ محمدیہ میں ہے:

المسلمون لابدلھم من امام قرشی ولایشترط ان یکون ھاشمیا[3]۔	یعنی مسلمانوں کے لئے ضرور ہے کہ کوئی قریشی خلیفہ ہو اور ہاشمی ہونا شرط نہیں۔

۱۹حدیقہ ندیہ میں ہے:

یکون من قریش ولایجوز من غیرھم[4]۔	خلیفہ قریشی ہو غیر قریشی کی خلافت درست نہیں۔

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامة دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۲۷۷

[2] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر نصب الامام واجب مصطفی البابی مصر ص ۱۴۷

[3] طریقه محمدیة المسلمون لابدلھم من امام مکتبہ حنفیّہ کوئٹہ ۱/۱۷

[4] حدیقه ندیه شرح طریقه محمدیه المسلمون لابدلھم من امام مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۹۵

۲۰ تمہید امام ابوالشکور سالمی جسے سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین نے درس میں پڑھا اس میں ہے:

اجمعنا علی ان الامام من قریش ولایکون من غیرہ[1]۔	ہم اہلسنت کا اجماع ہے کہ خلیفہ قریش سے ہو ان کے غیر سے نہیں۔

کتب حدیث

صحیح مسلم و صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایزال ھذاالامر فی قریش مابقی من الناس اثنان[2]۔	خلافت ہمیشہ قریش کے لئے ہے جب تک دنیامیں دوآدمی بھی رہیں۔

۲۱ شرح صحیح مسلم للامام النووی و ۲۲ شرح صحیح بخاری للامام القسطلانی و ۲۳ مرقاۃ علی قاری میں ہے:

بین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ھذا الحکم مستمر الی اٰخر الدنیا مابقی من الناس اثنان[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظاہر فرمادیا کہ یہ حکم ختم دنیاتک ہے جب تک دوآدمی بھی رہیں۔

۲۴ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ۲۵ ابن المنیر سے اور ۲۶ عمدۃ القاری امام بدر محمود عینی حنفی میں ہے:

قریش ھم اصحاب الخلافۃ وھی مستمرۃ لھم الی اٰخر الدنیا مابقی من الناس اثنان[4]۔	قریش ہی خلافت والے ہیں وہ ختمِ دنیاتک انہیں کے لئے ہے جب تک دوآدمی بھی باقی رہیں۔

امام قرطبّی کی مفہم ۲۷ شرح صحیح مسلم میں پھر ۲۸ عمدۃ القاری و ۲۹ فتح الباری شروح صحیح بخاری میں ہے:

ھذا الحدیث خبر عن المشروعیۃ ای لاتنعقد الامامۃ الکبری الالقرشی مھما وجد	اس حدیث میں حکمِ شرعی کا بیان ہے یہ فرمایاہے کہ جب تک دنیامیں ایک قرشی بھی باقی رہے اوروں کی

[1] التمہید فی بیان التوحید الباب الحادی عشر فی الخلافۃ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۵۹

[2] صحیح بخاری کتاب الاحکام باب الامراء من قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۷، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[3] شرح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹، ارشاد الساری باب الامراء من قریش دارالکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۸

[4] عمدۃ القاری شرح البخاری باب الامراء من قریش ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ ۱۶/ ۷۵

منھم احد[1]۔	خلافت صحیح نہیں۔

۳۰امام نووی شرح صحیح مسلم پھر ۳۱امام قسطلانی شرح بخاری اور ۳۲علامہ طیبی و ۳۳علامہ سید شریف و ۳۴علی قاری شروح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ھذہ الاحادیث واشباھھا دلیل ظاھر ان الخلافۃ مختصۃ لقریش لایجوز عقدھا لاحد من غیرھم وعلی ھذا انعقد الاجماع فی زمن الصحابۃ وکذلک بعدھم ومن خالف فیہ من اھل البدع اواعرض بخلاف من غیرھم فھو محجوج باجماع الصحابۃ و التابعین فمن بعدھم بالاحادیث الصحیحۃ[2]۔	یہ حدیث اور ان کے مثل اور احادیث روشن دلیلیں ہیں کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے ان کے سوا کسی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں، اسی پر زمانہ صحابہ میں یوں ہی ان کے بعد اجماع منعقد ہوا تو جن بدمذہبوں نے اس میں خلاف کیا یا جس نے اور کسی کے خلاف کا اشارہ کیا اس کا قول صحابہ تابعین وعلمائے مابعد کے اجماع اور صحیح حدیثوں سے مردود ہے۔

۳۵علامہ ابن المنیر پھر حافظ ۳۶عسقلانی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

الصحابۃ اتفقوا علی افادۃ المفھوم للحصر خلافا لمن انکر ذلک والی ھذا ذھب جمھور اھل العلم ان شرط الامام ان یکون قرشیا وقالت الخوارج وطائفۃ من المعتزلۃ یجوز ان یکون الامام غیر قرشی وبالغ ضرار بن عمرو فقال تولیۃ غیر القرشی اولی وقال ابو بکر الطیب لم یعرج المسلمون علی ھذا القول بعد ثبوت حدیث الائمۃ من قریش وعمل المسلمون بہ قرنا بعد قرن وانعقد الاجماع علی اعتبار ذالک قبل ان یقع	یعنی صحابہ نے اتفاق فرمایا کہ حدیث الائمۃ من قریش خلافت کا قریش میں حصر فرماتی ہے بر خلاف اس کے جو اس کا منکر ہو، اور یہی مذہب جمہور اہل علم کا ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط اور خارجیوں اور ایک گروہ معتزلہ نے کہا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہوسکتا ہے اور ضرار بن عمرو تو یہاں تک بڑھ گیا کہ کہا غیر قریشی کا خلیفہ کرنا بہتر ہے۔ امام ابوبکر ابن الطیب نے فرمایا مسلمانوں نے اس قول کی طرف التفات نہ کیا بعد اس کے کہ حدیث "الائمۃ من قریش" ثابت ہوچکی اور ہر قرن میں مسلمان اس پر عامل رہے اور اس اختلاف

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۵

[2] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

الاختلاف[1]۔	اٹھنے سے پہلے اس کے ماننے پر اجماع عـــہ منعقد ہولیا۔

۳۸؎ امام احمد ناصر الدین اسکندرانی پھر امام شہاب الدین کنانی وجہ دلالت حدیث "لایزال ھذاالامر فی قریش" میں فرماتے ہیں:

المبتدأبالحقیقة ھٰھنا ھو الامر الواقع صفة لھذا وھذا لا یوصف الا بالجنس فمقتضاہ حصر جنس الامر فی قریش کانه قال لاامر الافی قریش والحدیث و انکان بلفظ الخبر فھو بمعنی الامر،بقیة طرق الحدیث تؤید ذٰلک[2]۔	یعنی حاصل حدیث یہ ہے کہ "ھذاالامر فی قریش" دائما یہ امر خلافت ہمیشہ قریش کے لیے ہے"ھذا" مبتدا ہے اور "امر" اس کی صفت، اور "ھذا" کی صفت میں ہمیشہ جنس ہی آتی ہے، تو مطلب یہ کہ جنس خلافت قریش ہی کے لئے ہے (ان کے غیر کے لئے اس کا کوئی فرد نہیں) گویا الفاظ یوں ارشاد ہوئے کہ خلافت نہیں مگر قریش میں، حدیث اگرچہ صورۃً خبر ہے معنًی امر ہے، حدیث کی باقی روایتیں اس معنٰی کی مؤید ہیں۔

۴۰؎ امام ابن حجر اور ان سے پہلے امام ابن بطال شرح بخاری للمہلب سے ناقل:

یجوز ان یکون ملك یغلب علی الناس بغیر ان یکون خلیفة،وانما انکر معٰویة رضی الله تعالٰی عنه خشیة ان یظن احدان الخلافة تجوز فی غیرقریش،فلما خطب بذٰلك دل علی ان ذٰلك الحکم عندھم کذلك اذلم ینقل عن احد منھم انکر علیه[3]۔	یعنی جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہا کہ عنقریب ایک بادشاہ قبیلہ قحطان سے ہوگا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر سخت انکار کیا اور خطبہ پڑھا اس میں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلافت قریش میں ہے، یہ انکار اس بنا پر نہ تھا کہ کوئی غیر قرشی بادشاہ بھی نہیں ہوسکتا، یہ تو جائز ہے کہ کوئی بادشاہ لوگوں پر تغلب کرے اور خلیفہ نہ ہو بلکہ انکار کی وجہ یہ تھی کہ کوئی یہ

عـــہ: **تنبیہ ضروری:** یہ کلام جلیل یاد رکھنے کا ہے کہ بعونہٖ تعالٰی اس سے اہل باطل کا منہ کالا ہوگا ۱۲ حشمت علی عفی عنہ۔

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۶

[2] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۶

[3] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۲

نہ سمجھ بیٹھے کہ غیر قرشی خلیفہ ہوسکتا ہے لہٰذا حضرت امیر معاویہ نے خطبہ پڑھا کہ کوئی غیر قرشی خلیفہ نہیں ہوسکتا اور اس پر کسی صحابی وتابعی نے انکار نہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان سب کا یہی مذہب ہے۔

۴۳ مہلب پھر ابن ۴۴ بطال پھر ۴۵ عینی و ۴۶ عسقلانی و ۴۷ قسطلانی سب شروح بخاری میں فرماتے ہیں:

ان القحطانی اذاقام ولیس من بیت النبوۃ ولا من قریش الذین جعل اللہ فیھم الخلافۃ فھو من اکبر تغیر الزمان وتبدیل الاحکام [1]۔	جب قحطانی قائم ہوگا اور وہ نہ خاندان نبوت سے ہے نہ قریش سے جن میں اللہ عزوجل نے خلافت رکھی ہے تو یہ ایک بڑا تغیر زمانہ اور احکامِ شریعت کی تبدیل ہوگا۔

۴۸ امام اجل قاضی عیاض پھر ۴۹ امام ابو زکریا نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

اشتراط کونہ قرشیا ھو مذھب العلماء کافۃ وقد احتج بہ ابوبکر وعمر علی الانصار یوم السقیفۃ فلم ینکرہ احد وقد عدھا العلماء فی مسائل الاجماع ولم ینقل عن احد من السلف فیھا قول ولافعل یخالف ماذکرنا وکذٰلك من بعدھم فی جمیع الاعصار ولااعتداد بقول النظام ومن وافقہ من الخوارج واھل البدع انہ یجوز کونہ من غیر قریش لما ھو علیہ من مخالفۃ اجماع المسلمین [2]۔	خلیفہ میں قرشی ہونے کی شرط جمیع علماء کا مذہب ہے اور بیشک اسی سے صدیق اکبر فاروق اعظم نے روز سقیفہ انصار پر حجت قائم فرمائی اور صحابہ میں کسی نے اس کا انکار نہ کیا اور بیشک علماء نے اسے مسائل اجماع میں گنا اور سلف صالح میں کوئی قول یا فعل اس کے خلاف منقول نہ ہوا، یونہی تمام زمانوں میں علماء سے مابعد سے اور وہ جو نظام معتزلی اور خارجیوں اور بدمذہبوں نے کہا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہوسکتا ہے کچھ گنتی شمار میں نہیں کہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

۵۰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

گفت آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیشہ می باشد امر خلافت در قریش یعنی مے باید کہ در ایشاں باشد وجائز نیست شرعا عقد خلافت مر غیر ایشاں را وبریں منعقد شد اجماع در زمن صحابہ وبایں حجت	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خلافت ہمیشہ قریش میں ہوگی یعنی انہی میں ہونا چاہئے اور شرعًا ان کے غیر میں خلافت کا انعقاد جائز نہیں صحابہ کے زمانہ میں اس پر اجماع ہوچکا ہے اور اسی حدیث کو

---

[1] فتح الباری کتاب الفتن باب تغیر الزمان حتی یعبد الاوثان مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۱۹۱

[2] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

کردند مہاجران بر انصار[1]۔	مہاجرین نے انصار پر بطورِ حجت پیش کیا۔ (ت)

^۵۱^امام جلال الدین کی تاریخ الخلفاء ؏ سے گزرا:

لم اورد احدا من الخلفاء العبیدیین لان امامتهم غیر صحیح لانهم غیر قریش[2]۔	میں نے اس کتاب میں خلفائے عبیدیہ سے کسی کا ذکر نہ کیا اس لئے کہ ان کی خلافت باطل ہے کہ وہ قرشی نہیں۔

کتب فقہ حنفی

^۵۲^فتاوٰی سراجیہ کتاب الاستحسان باب مسائل اعتقادیہ میں ہے:

یشترط ان یکون الخلیفة قرشیا ولایشترط ان یکون ھاشمیا[3]۔	خلیفہ میں شرط ہے کہ قرشی ہو اور ہاشمی ہونا شرط نہیں۔

^۵۳^اشباہ والنظائر فن ثالث بیان فرق پھر ^۵۴^ابوالسعود ازہری علی الکنز میں ہے:

یشترط فی الامام ان یکون قرشیا[4]۔	خلیفہ میں شرط ہے کہ قریشی ہو۔

^۵۵^غمز العیون میں ہے:

یشترط نسب قریش لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش[5]۔	قرشی ہونا شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خلفاء قریشی ہوں۔

^۵۶^درمختار میں ہے:

یشترط کونه مسلما حرا ذکرا عاقلا بالغا	خلیفہ ہونے کے لئے شرط ہے کہ مسلمان آزاد،

؏: اوردہ آخر کتب الحدیث تبعا ۱۲ منہ غفرلہ	اس کتب حدیث کے آخر میں تابع ہونے کی حیثیت سے ذکر کیا ہے (ت)

---

[1] اشعة اللمعات شرح المشکوٰة باب مناقب قریش فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۶۱۹

[2] تاریخ الخلفاء خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ص ۷

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاستحسان باب مسائل اعتقاد نولکشور لکھنؤ ص ۷۰

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵۳ و ۲۵۴

[5] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵۳ و ۲۵۴

قادرا قرشیا[1]۔	مرد، عاقل، بالغ، قادر، قرشی ہو۔

۵۷ طحطاوی علی الدر میں ہے:

اشترط کونہ قرشیا لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش وقد سلمت الانصار الخلافۃ لقریش بھذا الحدیث۔[2]	خلیفہ کا قرشی ہونا شرط ہے کہ رسول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خلفاء قرشی ہوں۔ اسی حدیث سے انصار نے قریش کی خلافت تسلیم کر دی۔

۵۸ ردالمحتار میں اسی کے مثل لکھ کر فرمایا:

وبہ یبطل قول الضراریۃ ان الامامۃ تصلح فی غیر قریش والکعبیۃ ان القرشی اولی بھا[3]۔	یعنی اسی حدیث واتفاق صحابہ کرام سے ضراریہ کا قول باطل ہوا جو کہتے ہیں کہ خلافت غیر قریش میں لائق ہے اور کعبیہ کا جو کہتے ہیں خلافت کے لئے قرشی ہونا صرف اولٰی ہے یعنی ان دونوں گمراہ فرقوں نے اہلسنت کا خلاف کیا، اول نے غیر قرشی کی خلافت کو اولٰی جانا دوم نے قرشی کی خلافت کو صرف اولٰی سمجھا لازم نہ جانا، اہلسنت کے نزدیک خلیفہ کا قرشی ہونا لازم ہے دوسرا خلیفہ شرعی نہیں ہوسکتا۔

تمہید امام ابوشکور سالمی میں امام الائمہ سراج الامہ ۵۹ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نص سے اس کی تصریح ہے کہ:

قال ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ یصح امامتہ اذاکان قرشیا براکان اوفاجرا[4]۔	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: خلافت صحیح ہے بشرطیکہ قرشی ہو نیک خواہ بد۔

ازالہ وہم میں عباراتِ کتب عقائد وحدیث

بالجملہ مسئلہ قطعًا یقینا اہلسنت کا اجماعی ہے ولہذا احادیث بخاری:

اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی[5]۔	سنو اور مانو اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام عامل کیا جائے۔

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الامامۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۹

[3] ردالمحتار باب الامامۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۶۸

[4] تمہید ابو شکور سالمی الباب الحادی عشر فی الخلافۃ والامامۃ دار العلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۵۹

[5] صحیح بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۷

اس کی شرح میں علما قاطبۃً ازالہ وہم کی طرف متوجہ ہوئے، ۶۰ شرح مقاصد میں ہے:

ذٰلك فی غیر الامام من الحکام [1] ۔	یہ حدیث خلیفہ کے سوااور حکام ماتحت کے بارے میں ہے۔

۶۱ مواقف میں ہے:

ذلك الحدیث فی من امرہ الامام علی سریۃ وغیرہا [2] ۔	یہ حدیث اس کے بارے میں ہے جسے کسی لشکر وغیرہ پر سردار کرے۔

۶۲ شرح مواقف میں ہے:

یجب حمله علی هذا دفعا للتعارض بینه وبین الاجماع، او نقول هو مبالغة علی سبیل الفرض ویدل علیه انه لایجوز کون الامام عبدا اجماعا [3] ۔	حدیث کو اس معنی پر حمل کرنا واجب ہے کہ اجماع کے مخالف نہ پڑے، یایوں کہیں کہ وہ بروجہ مبالغہ بطور فرض ارشاد ہوا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ امام کاغلام ہونا بالاجماع باطل ہے۔

۶۳ ابن الجوزی نے تحقیق پھر ۶۴ امام بدر محمود عینی نے عمدۃ القاری، پھر ۶۵ حافظ عسقلانی نے شرح بخاری کتاب الصلوٰۃ میں فرمایا:

هذا فی الامراء والعمال لاالائمة والخلفاء فان الخلافة فی قریش لامدخل فیها لغیرهم [4] ۔	یہ حدیث سرداروں اور عاملوں کے بارے میں ہے نہ کہ خلفا میں کہ خلافت تو قریش میں ہے دوسروں کو اس میں دخل ہی نہیں۔

یہیں ۶۶ فتح الباری میں ہے:

امر بطاعة العبد الحبشی والامامة العظمی انما تکون بالاستحقاق فی قریش فیکون غیرهم متغلبا [5] ۔	حبشی غلام کی اطاعت کا حکم فرمایا اور خلافت تو صرف قریش کا حق ہے تو غیر قریشی متغلب ہوگا یعنی زبردستی امیر بن بیٹھنے والا۔

---

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامة المبحث الثانی دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۷۷

[2] مواقف شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامة منشورات الشریف الرضی، قم، ایران ۸/ ۳۵۰

[3] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامة منشورات الشریف الرضی، قم، ایران ۸/ ۳۵۰

[4] عمدۃ القاری شرح البخاری باب امامة العبد والمولی قدیمی کتب خانہ کراچی ۵/ ۲۲۸

[5] فتح الباری شرح البخاری باب امامة العبد والمولی مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۳۹

۶۷ عمدۃ القاری و ۶۸ فتح الباری کتاب الاحکام میں اسی حدیث کے نیچے ہے:

ای جعل عاملا بان امر امارۃ عامۃ علی البلد مثلا او ولی فیھا ولایۃ خاصۃ کالامامۃ فی الصلٰوۃ اوجبایۃ الخراج او مباشرۃ الحرب فقد کان فی زمن الخلفاء الراشدین من تجمع لہ الامور الثلثۃ ومن یختص ببعضھا۔[1]	مراد یہ ہے کہ وہ عامل کیا جائے، یوں کہ خلیفہ غلام حبشی کو کسی شہر کا عام والی کردے یا کسی خاص منصب کی ولایت دے جیسے نماز کی امامت یا خراج کی تحصیل یا کسی لشکر کی سرداری، خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ تینوں باتیں بعض میں جمع ہوجاتی تھیں اور کسی میں بعض۔

۶۹ امام ابوسلیمٰن خطابی پھر ۷۰ امام عینی و ۷۱ امام عسقلانی ۷۲ علی قاری نے فرمایا:

قدیضرب المثل بمالایقع فی الوجود وھذا من ذاك واطلق العبد الحبشی مبالغۃ فی الامر بالطاعۃ وان کان لایتصور شرعا ان یلی ذٰلک[2] اھ بلفظ المرقاۃ قال الخطابی قدیضرب المثل بمالایکادیصح فی الوجود[3]۔	یعنی کبھی ضرب مثل میں وہ بات کہی جاتی ہے جو واقع نہ ہوگی، یہ حدیث اسی قبیل سے ہے، حبشی کاذکر حکمِ اطاعت میں مبالغہ کے لئے فرمایا اگرچہ حبشی غلام کاولی بننا شرعًا متصور نہیں، مرقاۃ کے الفاظ یہ ہیں خطابی نے کہا کبھی مثل میں وہ بات کہی جاتی ہے جوواقع نہ ہوگی۔(ت)

۷۳ اشعۃ اللمعات میں ہے:

ذکر عبد برائے مبالغہ است بروتیرہ قول آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہرکہ بناکند مسجدے اگرچہ مثل آشیانہ کنجشک ومرمسجد ہرگز مثل آشیانہ کنجشک نباشد لیکن مقصود مبالغہ است یامراد نائب خلیفہ است[4]۔	غلام کا ذکر بطور مبالغہ ہے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد کے طور پر، جو مسجد بنائے اگرچہ چڑیا کے گھونسلے کی مثل ہو، حلانکہ مسجد ہرگز چڑیا کے گھونسلے کی مثل نہیں ہوتی، لیکن مقصود مبالغہ ہے یا خلیفہ کا کوئی نائب مراد ہے(ت)

[1] فتح الباری باب السمع والطاعۃ مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۹
[2] فتح الباری باب السمع والطاعۃ مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۴۰
[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۷/ ۲۴۶
[4] اشعۃ اللمعات کتاب الامارۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۰۱

۷۴ عمدۃ القاری و ۷۵ کواکب الدراری و ۷۶ مجمع البحار میں ہے:

ھذافی الامراء والعمال دون الخلفاء لان الحبشی لایتولی الخلافۃ لان الائمۃ من قریش [1]۔	یہ حدیث سرداروں اور عاملوں میں ہے حبشی خلیفہ نہ ہوگا کہ خلفاء تو قریش سے ہیں

۷۷ مہلب پھر ۷۸ ابن بطال پھر ۷۹ ابن حجر نے فتح میں کہا:

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا لایوجب ان یکون المستعمل للعبد الامام قرشی لما تقدم ان الامامۃ لاتکون الافی قریش [2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ غلام کی اطاعت کرو اسی کو واجب کرتا ہے کہ غلام کو قریشی خلیفہ نے عامل بنایا ہو کہ خلافت تو نہیں مگر قریش میں۔

۸۰ فتح الباری و ۸۱ ارشاد الساری و ۸۲ مرقاۃ قاری میں ہے:

واللفظ لھا(وان استعمل علیکم عبد حبشی)ای وان استعملہ الامام الاعظم علی القوم لان العبد الحبشی ھوالامام الاعظم فان الائمۃ من قریش [3]۔	اگرچہ تم پر غلام حبشی عامل کیا جائے یعنی اگرچہ خلیفہ کسی غلام کو عامل بنائے نہ یہ کہ خود غلام حبشی خلیفہ ہو کہ خلفاء تو قریش سے ہیں۔

۸۳ مجمع البحار الانوار میں ہے:

شرط الامام الحریۃ والقرشیۃ ولیس فی الحدیث انہ یکون امامابل یفوض الیہ الامام امرامن الامور [4]۔	خلیفہ کے لئے شرط ہے کہ آزاد وقریشی ہو اور حدیث میں یہ نہیں کہ غلام خلیفہ ہو بلکہ یہ مراد کہ خلیفہ اسے کوئی کام سپرد کردے۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) بلکہ خود حدیث صحیح میں اس معنی کی تصریح صریح موجود جس کا بیان فصل سوم میں آئے گا ان شاء اللہ الغفور الودود۔

---

[1] عمدۃ القاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ ادارۃ المنیریۃ دمشق ۲۳/ ۲۲۴

[2] فتح الباری شرح البخاری باب السمع والطاعۃ مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۳۴۰

[3] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۷/ ۲۴۶

[4] مجمع بحار الانوار تحت لفظ جدع مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۱/ ۳۳۰

بالجملہ دربارہ خلافت ہر طبقے اور ہر مذہب کے علمائے اہلسنت ایسا ہی فرماتے آئے یہاں تک کہ اب دورِ آخر میں مولوی عبدالباری صاحب کے جد اعلیٰ حضرت ملک العلماء ۸۴ بحر العلوم عبدالعلی لکھنوی فرنگی محلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح فقہ اکبر سید ناامام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں خلافتِ صدیقی پر اجماع قطعی کے منعقد ہونے میں فرمایا:

باقی ماند کہ سعد بن عبادہ از بیعت متخلف ماند میگویم کہ سعد بن عبادہ امارات خود می خواست وایں مخالف نص ست چہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمودہ اند الائمۃ من قریش ائمہ از قریش اند پس مخالفت اودر اجماع قدح ندارد چہ مخالفت مر رائہائے صحابہ نبود بلکہ مخالفتِ اجماع واواعتبار ندارد[1]۔	باقی رہا یہ کہ سعد بن عبادہ نے بیعت نہ کی، تو ہم کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ اپنے لئے خلافت کے خواہشمند تھے ان کی یہ خواہش نص کے خلاف تھی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے لہٰذا ان کی مخالفت اجماع پر اثر انداز نہیں ہے کیونکہ یہ محض صحابہ کرام کی رائے کی مخالفت نہ تھی بلکہ اجماع کی مخالفت تھی جس کا اعتبار نہیں ہے۔(ت)

پھر ۸۵ خلافت فاروقی پر انعقاد اجماع میں فرمایا:

ہمہ صحابہ برآں عمل کردند و بیعت حضرت امیر المومنین عمر کردند و دریں ہم کسے مخالفت نکرد سوائے سعد بن عبادہ لیکن مخالفت او مخالفت نص بود چہ امارت خود میخواست چنانچہ دانستی[2]۔	تمام صحابہ نے اس حدیث پر عمل کیا اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی اس میں بھی سوائے سعد بن عبادہ کے کسی نے مخالفت نہ کی لیکن ان کی مخالفت نص کے خلاف تھی کیونکہ وہ اپنے لئے امارت کے خواہشمند تھے جیسا کہ آپ نے جان لیا۔(ت)

اب سب سے اخیر دور میں حضرت مولانا فضل عـــہ رسول صاحب مرحوم اپنی کتاب عقائد المعتقد المنتقد میں فرماتے ہیں:

یشترط نسب قریش خلافاً لکثیر من المعتزلۃ ولایشترط کونہ ہاشمیاً خلافاً للرافض[3]۔	خلیفہ کا قریشی النسب ہونا شرط ہے برخلاف بہت معتزلیوں کے، اور ہاشمی ہونا شرط نہیں برخلاف رافضیوں کے۔

عـــہ: بدایونی لیڈر عبدالماجد صاحب کے دادا کے دادا ۱۲ حشمت علی لکھنو عفی عنہ

---

[1] شرح الفقہ الاکبر لعبد العلی فرنگی محلّی

[2] شرح الفقہ الاکبر لعبد العلی فرنگی محلّی

[3] المعتقد المنتقد الباب الرابع فی الامامۃ مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۱۹۷

حضرت مولٰنا عــہ عبدالقادر صاحب بدایونی مرحوم اپنے رسالہ عقائد احسن الکلام میں فرماتے ہیں:

نعتقد انه یجب علی المسلمین نصب امام من قریش۔[1]	ہم پر اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں پر قریشی خلیفہ قائم کرنا فرض ہے۔

نوع دگر از کتب عقائد

علامہ ^۸۸^ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں:

فان قیل فعلی ماذکر من ان مدة الخلافة ثلثون سنة یکون الزمان بعد الخلفاء الراشدین خالیا عن الامام فتعصی الامة کلهم، قلنا المراد بالخلافة الکاملة ولو سلم فلعل الخلافة تنقضی دون الامامة بناء علی ان الامامة اعم لکن هذا الاصطلاح لم نجده من القوم واما بعد الخلفاء العباسیة فالامر مشکل (ملخصًا)[2]	یعنی اگر کہا جائے کہ جب خلافت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تیس ہی برس رہی تو خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بعد زمانہ امام سے خالی رہا اور معاذاللہ تمام امت گنہگار ٹھہری کہ نصب امام امت پر واجب تھا تو ہم جواب دیں گے کہ وہ جو تیس برس پر ختم ہوگئی خلافت راشدہ کاملہ تھی نہ کہ مطلق خلافت، اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو شاید خلافت ختم ہوگئی امامت بعد کو رہی اور واجب نصب امام ہی تھا تو امت گنہگار نہ ہوئی یہ اس پر مبنی ہوگا کہ امامت خلافت سے عام ہے مگر ہم نے قوم سے یہ اصطلاح نہ پائی، بہرحال جب سے خلفائے عباسیہ نہ رہے امر مشکل ہے کہ اس وقت سے نہ کوئی امام ہے نہ کوئی خلیفہ، تو اعتراض نہ اٹھا انتہی (ملخصًا)۔

اقول اولاً: صحیح جواب اول ہے اور اشکال کا جواب خود علامہ کے کلام سے آتا ہے اس وقت نظر اس پر نہ کہی تھی۔

ثانیًا امامت بیشک عام ہے جس کا بیان ہم کرینگے ان شاء اللہ۔ نیز ^۸۹^ علامہ موصوف شرح مقاصد میں اسی اعتراض کو ذکر کرکے بہت صحیح وواضح جواب سے دفع فرماتے ہیں:

فان قیل لو وجب نصب الامام لزم	اگر کہا جائے کہ نصب امام واجب ہوتا تو اکثر

عــہ: مذکور متلذر بدایونی (ہداہ اللہ تعالٰی) کے پردادا ۱۲ حشمت علی قادر رضوی لکھنوی غفرلہ

[1] احسن الکلام

[2] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ قندھار، افغانستان ص ۱۱۰ و ۱۱۱

اطباق الامۃ فی اکثر الاعصار علی ترك الواجب لانتفاء الامام المتصف بمایجب من الصفات سیما بعد انقضاء الدولۃ العباسیۃ قلنا انما یلزم الضلالۃ لوترکوہ عن قدرۃ واختیار لاعجز واضطرار[1]۔	زمانوں میں ترک واجب پر امت کا اتفاق لازم آتا ہے کہ امام کے لئے جو صفات لازم ہیں ایسا مدت سے نہیں خصوصًا جب سے دولتِ عباسیہ نہ رہی خلافت کا نام نشان تک نہ رہا اور ایسا ترک واجب گمراہی ہے اور گمراہی پر امت کا اتفاق محال، تو ہم جواب دیں گے کہ گمراہی توجب ہوتی کہ ان کے بعد امت نصب امام پر قادر ہوتی اور قصدًا ترک کرتی، عجز و مجبوری کی حالت میں کیا الزام ہو۔

یہی مضمون مولوی ۹۰ علی الخیالی میں ہے حدیث عجز واضطرار بیان کرکے کہا:

وبھذا الحدیث یندفع الاشکال بعد الخلفاء الراشدین والعباسیۃ ایضًا[2]۔	یعنی خلفائے عباسیہ کے بعد تمام عالم سے خلافت ضرور مفقود ہے مگر امت پر الزام نہیں آتا کہ عذر مجبوری موجود ہے۔

۹۱ شرح عقائد امام نسفی پھر ۹۲ تعلیقات المسایرۃ للعلامۃ قاسم الحنفی تلمیذ الامام ابن الہمام رحمہم اللہ تعالٰی میں ضرورت خلیفہ بتائی کہ دین و دنیا کے اِن ان کاموں کے انتظام کو اس کا ہونا ضرور ہے پھر فرمایا:

فان قیل فلیکتف بذی شوکۃ لہ الریاسۃ العامۃ اماما کان او غیر امام فان انتظام الامر یحصل بذٰلك کما فی عھد الاتراك قلنا نعم یحصل بعض النظام فی امر الدنیا ولکن یختل امر الدین وھو المقصود الاھم[3]۔	یعنی اگر کوئی کہے کہ انتظام ہی کی ضرورت ہے تو ایک عام ریاست والے پر کیوں نہ قناعت ہو جائے وہ خلیفہ ہو یانہ ہو کہ انتظام اس سے بھی حاصل ہو جائیگا جیسے سلطنت ترکی سے کہ خلافت نہیں اور انتظام کر رہی ہے پھر خلیفہ کی کیا ضرورت، تو ہم جواب دینگے ہاں ایسی سلطنتوں سے دنیاوی کاموں کا کچھ انتظام چل جائے گا مگر دینی کاموں میں خلل آئے گا وہ بے خلیفہ نہ بنیں گے اور دین ہی مقصود اعظم ہے۔

لہٰذا ترکی سلطنت یا اور بادشاہیاں کافی نہیں خلیفہ کی ضرورت ہے، کیاان سے بھی صاف نص کی

---

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامۃ المبحث الاول فی نصب الامام دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۷۵

[2] مولوی علی الخیالی مطبع ہندوپریس دہلی ص ۲۵۷

[3] شرح العقائد النسفیہ دارالاشاعت قندھار افغانستان ص ۱۱۰

حاجت ہے وللہ الحجۃ البالغۃ۔

تنبیہ: اسی نوع سے ہے وہ حدیث کہ صدر کلام میں امام خاتم الحفّاظ سے گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت جب بنی عباس کو پہنچے گی ظہور مہدی تک اور کو نہ ملے گی۔ ظاہر ہوا کہ ۱۳۳۱ھ سے آج تک اور آج سے ظہور حضرت امام مہدی تک کوئی غیر عباسی خلیفہ نہ ہوا ہے نہ ہوگا جو دوسرے کو خلیفہ مانے حدیث کی تکذیب کرتا ہے یہ حدیث اپنے طرق عدیدہ سے حسن ہے اسے طبرانی نے معجم کبیر میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا، اور دیلمی نے مسند الفردوس میں انہیں سے بسندِ دیگر اور دارقطنی نے افراد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرفوعًا اور خطیب نے بسندِ خلفاء حضرت حبر الامۃ سے موقوفًا اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے، حدیث طبرانی کے لفظ یہ ہیں:

لکنها فی ولد عمی صنو ابی حتی یسلموها الی الدجال۔[1]	ہاں خلافت میرے چچا میرے باپ کی جگہ عباس کی اولاد میں ہے یہاں تک کہ اسے سپرد دجال کرینگے۔

اور حدیث ابن مسعود میں ہے:

لاتذهب الایام واللیالی حتی یملك رجل من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی فیملؤها قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما[2]۔	شب وروز گزرنے کے بعد وہ خلافت کو میرے اہلبیت سے ایک مرد کے سپرد کریں گے جس کا نام میرا نام ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح ظلم وستم سے بھر گئی تھی یعنی حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

امام خاتم الحفاظ نے اس حدیث سے استناد اور اس پر اعتماد کیا کما تقدم (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) یہ ہیں تقریبًا پچاس حدیثیں اور کتب عقائد و تفسیر وحدیث وفقہ کی بانوے عبارتیں۔ سنی بانصاف کو اسی قدر کافی ووافی ہیں۔

وللہ الحمد والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۱۶ مروی از ام سلمہ رضی اللہ عنہا مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۳/ ۴۲۰

[2] المستدرك للحاکم کتاب الفتن والملاحم دار الفکر بیروت ۴/ ۴۴۲

فصل دوم

خطبہ صدارت مولوی فرنگی محلّی میں ۱۵سطری کارگزاری کی نازبرداری

(۱) مسلمانو! تم نے دیکھا خلافت کے لئے شرط قرشیت پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی متواتر حدیثیں، صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، امت کا اجماع، جملہ اہلسنت کا عقیدہ، ائمہ واکابر حنفیّہ کی کتب عقائد میں تصریحیں، کتب حدیث میں تصریحیں، کتب فقہ میں تصریحیں ایسے عظیم الشان جلیل البرہان اجماعی قطعی یقینی مسئلے کو فرنگی محلّی کا خطبہ صدارت میں صرف شافعیہ کی طرف نسبت کرنااور حنفیّہ میں فقط بعض کے کلام سے وہ بھی تصریح نہیں، فحوٰی سے سمجھے جانے کا ادعا کرنا کس درجہ خلاف دیانت واغوائے عوام ہے۔

(۲) تمہید میں تواس پر خود حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص صریح مذکور، شاید امام اعظم کانص بھی کسی مقلد حنفی کافحوائے کلام ہوگا۔

(۳) اس پر نقول قاہرہ اجماع کویوں گرانا کہ بعض بے اجماع نقل کیا، کیسی تلبیس ہے۔

(۴) یہ کہنا کہ ابتدااس کی قاضی عیاض سے معلوم ہوتی ہے مگر ثبوت اجماع مشکل ہے۔ثقات ائمہ کی تکذیب کا اشعار ہے، امام اجل ثقہ عدل قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی سے پہلے ائمہ نے اس پر اجماع نقل کیا، بعد کے علماء نے نقل کیاسب نے مقبول ومقرر رکھا کسی نے اس میں خلاف اہلسنت کا پتانہ دیا، معاذاللہ یہ سب جھوٹے ہیں اور فرنگی محلّی سچے۔

(۵) جب نقول ائمہ مردود ونامعتبر ٹھہریں توآپ ہی ہزاروں اجماعوں کا ثبوت مشکل بلکہ ناممکن ہو جائیگا کہ آخر قرآن وحدیث نے فرمایا نہیں کہ بعد عصر نبوت فلاں فلاں مسئلہ پر اجماع ہوگا ہم نے اہل اجماع کو دیکھا تک نہیں، نہ وہ سب مل کر اپنے اجماع کی دستاویزیں رجسٹری کراگئے اب نہ رہیں مگر نقولِ ائمہ وہ ان تازہ لیڈروں کو مقبول نہیں، پھر ثبوتِ اجماع کی صورت ہی کیا رہی۔

(۶) جب وہ نقلِ اجماع میں متہم تو نقل اقوال خاصہ میں کیوں معتمد ہوں گے، فقہ بھی گئی، یہ وہابیہ وغیر مقلدین کی تعظیم وتکریم وجلسوں میں ان کی صدارت وتقدیم کی شامت ہے کہ وہی غیر مقلد کا مسئلہ آگیا　ع

قیاس فاسد واجماع بے اثر آمد

(قیاس فاسد ہےاور اجماع بے اثر ہے۔ت)

(۷) امام اجل قاضی عیاض نے ابتداءً دعوی اجماع نہ کیا بلکہ یہ فرمایا کہ علمائے کرام نے اسے مسائلِ اجماع میں گنا تو ان سے ابتداءً بتانا تکذیب وگستاخی کی انتہا دکھانا ہے۔

(۸) صدر اسلام میں ڈیڑھ سو برس تک تصانیف نہ ہوئیں، پھر اگلی صدیوں کی ہزاروں کتابیں مفقود ہوگئیں، اب صدہا مسائلِ اجماعیہ میں سب سے پہلے جس امام کے کلام میں نقل اجماع نظر آئے اسی کے سر رکھ دیا جائے کہ ابتداء ان سے معلوم ہوتی ہے کتنا آسان طریقہ رد اجماع کا ہے۔

(۹) ائمہ کرام اس پر صحابہ وتابعین وسلف صالحین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے اب تک تمام اہلسنت کا اجماع بتاتے، اور اسی پر کتب عقائد میں اسے قطعیہ یقینیہ فرماتے ہیں اس کے مقابل اگر کسی صحابی سے کوئی اثر ملے تو اگر وہ انعقاد اجماع سے پہلے کی گفتگو ہے اس سے نقض اجماع جنون خالص ہے یوں ہی اگر تاریخ معلوم نہ ہو، اور اگر بعد کی ہے اور سند صحیح نہیں تو آپ ہی مردود اور صحیح وقابلِ تاویل ہے تو واجب التاویل ورنہ شاذ روایت اجماع کے مقابل قطعًا مضمحل نہ کہ الٹا اس سے اجماع باطل۔

(۱۰) قریش میں حصر خلافت کی احادیث بیشک متواتر ہیں بہت متکلمین کی نظر احادیث پر زیادہ وسیع نہ تھی کہ فن دوسرا ہے انہوں نے خبر آحاد سمجھا تو ساتھ ہی قبول صحابہ سے قطعی یقینی بتادیا مگر مسامرہ سے گزرا کہ حافظ الحدیث امام عسقلانی نے ایک حدیث "الائمۃ من قریش" کو چالیس کے قریب صحابہ کرام سے مروی دکھایا اور اس میں مستقل رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں[1] "لذۃ العیش فی طرق حدیث الائمۃ من قریش" بتایا یہ عدد صحابہ کرام میں یقینا تواتر کا ہے یہ ایک حدیث کا حال تھا اسی مدعا پر اور احادیث علاوہ۔

(۱۱) اس سے قطع نظر کیجئے تو اس قدر تو آج کل کی قاصر نگاہوں سے بھی نظر آرہا ہے کہ وہ بلاشبہہ مشہور اور بالفاظ عدیدہ وطرق کثیرہ بہت صحابہ کرام سے ماثور، اور برابر صدر اول سے امت مرحومہ میں احتجاج وعمل کیلئے مقبول ومنظور، پھر اس کے خاص الفاظ کے احاد سے ہونے کا ذکر جس کا جواب علمائے عقائد مواقف وشرح مقاصد وشرح مواقف وغیرہا میں دے چکے کیا انصاف ہے۔

(۱۲) ائمہ نے "الائمۃ من قریش" سے استدلال فرمایا اور جمع محلّٰی باللام کے افادہ استغراق سے اتمام تقریب فرمادیا اسے "الخلافۃ فی قریش" سے بدلنا اور "القضاء فی الانصار" سے نقض کرنا کیا مقتضائے دیانت ہے۔

(۱۳) حدیث صحیح "لایزال ھذا الامر فی قریش مابقی من الناس

---

[1] مقاصد الحسنہ تحت حدیث عالم قریش الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۸۲

اثنان[1] (خلافت قریش کے لئے جب تک دنیامیں دوآدمی بھی ہیں۔ت) سے استدلال ائمہ کاکیارد ہوا، کیاکسی حدیث میں یہ بھی آیاکہ:

لایزال القضاء فی الانصار وھذاالاذان فی الحبشۃ مابقی من الناس اثنان۔	ہمیشہ عہدہ قضا انصار میں اور عہدہ اذان حبشیوں میں رہے جب تک دنیامیں دوآدمی بھی رہیں۔

جب ائمہ فرماچکے کہ صحابہ کرام نے حدیث سے حصر سمجھااور اسی پر عمل فرمایاتو صحابہ کے مقابل اپنی چہ میگوئیاں نکالنا کیاشان دین ہے۔

(۱۵و۱۶) محققین اہلسنت عموماً اور امام ابوبکر باقلانی کی طرف خصوصاً اس نسبت کی جرأت کہ قرشیت کی شرط سے بالکل عدول کرتے ہیں کس قدر دروغ بیمزہ ہے اکابر ائمہ اعاظم علماء اجماع صحابہ اجماع تابعین اجماع امت نقل فرمارہے ہیں ناقلان خلاف، صرف خارجیوں معتزلیوں کاخلاف بتاتے ہیں، مخالفت میں ضرار وکعبی دو گمراہوں کے قول نقل کرتے ہیں معاذاللہ اگر تمام محققینِ اہل سنت درکنار صرف امام سنت باقلانی کاخلاف ہوتا تو خارجیوں معتزلیوں کو مخالف بتایا جاتا، دوگمراہوں کانام ان کے نام نامی سے زیادہ پیارااور قابلِ ذکر عظمت والا تھاکہ انہیں چھوڑ کران دوکانام گنایا جاتا۔ شرح عقائد نسفی کے الفاظ توآبِ زر سے لکھنے کے ہیں کہ "**لم یخالف الاالخوارج وبعض المعزلۃ**"[2] اس میں کسی نے خلاف نہ کیا سوا خارجیوں اور بعض معتزلیوں کے تمام نقول اجماع کایہی مطلب ہے مگراس میں محققین اہلسنت وامام باقلانی کی طرف اس نسبت باطلہ کی روشن تر تفضیح ہے **وللہ الحمد** اجلہ اکابر ائمہ اہلسنت ائمہ کلام واکابر حدیث واعاظم فقہ سب کے ارشادات پس پشت ڈالنااور ایک متاخر مورخ ابن خلدون کے قول بے سند پر (جس کے مذہب کی بھی کوئی ٹھیک نہیں نہ تاریخ نویسی کے سوا کسی علم دینی میں اس کا نام زبانوں پر آتا ہے) سرمنڈا بیٹھنا کیا شرط دین پرستی ہے اجلہ ائمہ جہابذہ ناقدین کو نہ معلوم ہوا کہ خود امام سنت باقلانی و محققین اہلسنت اس مسئلہ میں مخالف ہیں، برابر اجماع نقل فرماتے رہے مسئلہ پر جزم ویقین فرمایا کئے اہل خلاف کو خارجی معتزلی بدعتی کہتے رہے، مگرآٹھویں صدی کے اخیر میں اس مورخ کو حقیقت حال معلوم ہوئی کہ اس میں تو محققین اہلسنت و امام سنت مخالف ہیں۔

(۱۷) طرفہ یہ کہ ابن خلدون نے اتنا کہا تھا:

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاحکام قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۰۵۷، صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[2] شرح العقائد النسفیہ دارالاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ص ۱۱۲

اشتبہ ذٰلك علی کثیر من المحققین [1]۔	بہت سے محققوں کو اس میں شبہہ لگا۔

فرنگی محلّی تحریر "شبہہ لگنا اڑادیا" اور "کثیر" کا لفظ گھٹادیا، اسے یوں بنایا کہ محققین عدول کرتے ہیں یعنی ان کا عدول از راہِ اشتباہ نہیں بلکہ از راہ تحقیق ہے اور وہ جو اس شرط پر قائم رہے یعنی تمام اہلسنت وہ تحقیق سے عاری ہیں۔

(۱۸) ان دونوں سے بڑھ کر چالاکی یہ کہ فرنگی محلّی تحریر نے محققین کے ساتھ لفظ "اہلسنت" بڑھالیا یہ لفظ ابن خلدون کی عبارت میں نہیں، وہ خدا جانے کن کو محققین کہہ رہا ہے، ائمہ فرما چکے کہ اس میں مخالف خارجی ہیں یا معتزلی، توانہیں میں سے کسی فریق کو محققین کہا اور ظاہرًا معتزلہ کو کہا کہ دربارہ خلافت جو مضمون اس نے نقل کیا وہ ضرار بن عمرو معتزلی ہی کی مخالفت کا مؤید، نہیں نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زائد ہے **فاشتکی الی اللہ تعالٰی**۔

(۱۹) ابن خلدون کی حالت عجیب ہے ۱اس کے کلام سے کہیں اعتزال عـــہ کی بوآتی ہے، ۲کہیں نیچریانہ اسباب پرستی کی جھلک پائی جاتی ہے، ۳اولیائے کرام کا صاف دشمن ہے، ۴ان کو رافضیوں کا مقلد بتاتا ہے، ۵کہتا ہے ان کے دلوں میں رافضیوں کے اقوال رچ گئے اور ان کے مذاہب کو اپنا دین بنانے میں توغل کیا ۶یہاں تک کہ طریقت کا سلسلہ علی تک پہنچایا اور کہا انہوں نے حسن بصری کو خرقہ پہنایا اور ان سے ان کے پیر جنید تک پہنچا اس تخصیص علی اور ان کی اور باتوں سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ رافضیوں میں داخل ہیں، و ۷لہٰذا رافضیوں کی طرح ایک امام مہدی کے انتظار میں ہیں جن کے آنے کی کچھ صحت نہیں، ۸اسی طرح اقطاب و ابدال کا یک لخت منکر ہے ۹اس میں بھی اولیاء کے مقلد روافض ہونے کا مشعر ہے کہ جس طرح رافضیوں نے ہر زمانے میں ایک امام باطن اور اس کے نیچے نقبا مانے ہیں، یونہی ان سے سیکھ کر صوفیہ نے ہر دور میں ایک قطب اور اس کے ماتحت ابدال گھڑے ہیں، حلانکہ احادیث مرفوعہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علاوہ جن کے بیان میں امام جلال الدین سیوطی کا ایک رسالہ ہے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ و دیگر اجلہ اقطاب کرام

عـــہ: دور کیوں جایئے اپنے اخ معظم مولوی عبدالحٰہ صاحب کا فتاوٰی جلد اول طبع اول ص ۲۷ اور خود اپنا جمع کردہ فتاوٰی قیام ص ۳۰۶ ملاحظہ کیجئے۔ علامہ عبدالرحمان حضرمی معتزلی معروف بہ ابن خلدون ۱۲ عبید الرضا حشمت علی رضوی غفرلہ۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ہذا المنصب وشروط۔ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

قدست اسرارہم سب سے اقطاب وابدال کی حقیقت متواتر ہے یونہی کون ساصاحب سلسلہ ہے جس کا سلسلہ امیر المومنین علی تک نہیں پہنچتا تو وہ ان تمام حضرات اکابر کرام کو معاذاللہ دین میں مخترع اور رافضیوں کا متبع بلکہ سلک روافض میں منسلک ٹھہراتا ہے، "فتوحات اسلام کاراز، عربی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کاوحشی ہونا بتایا ہے، اور" یہ کہ امیر المومنین فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جہاد پر بھیجتے وقت انہیں وحشیت پر اور ابھار دیا کیونکہ وحشی ہی قوم کا ملک وسیع ہوتا ہے، "نیز کہتا ہے صحابہ وحشی ہونے کے سبب لکھنا ٹھیک نہ جانتے تھے، "اس لئے قرآن عظیم جابجا غلط لکھا ہے، اور "اولیاء کو جادوگروں کے حکم میں رکھنے کے لئے کہا جو کسی کو اپنی کرامت سے قتل کردے وہ صاحب کرامت قتل کیا جائے گا جیسے ساحر کو اپنے سحر سے قتل کرے۔ اجلہ اکابر محبوبان خدا کو نام بنام حتی کہ شیخ الاسلام ہروی کو لکھتا ہے کہ یہ حلولی تھے اور یہ کفر انہوں نے روافض اسمعیلیہ سے سیکھا الٰی غیر ذٰلك من هفواته الشنیعة (اس کے علاوہ اس کے بہت سے برے ہفوات ہیں۔ت) اور پھر تسّتر کے لئے یا خود اپنے حال سے ناواقفی کے باعث جابجا سنیت واعتقاد اولیاء کا اظہار بھی کرتا ہے جس نے محققین یا شیخ الاسلام امام ہروی کی طرف کفر میں تقلید روافض نسبت کردی وہ اگر محققین وامام باقلانی کی طرف بدعت میں تقلید خوارج نسبت کردے کیا بعید ہے، ہاں عجب ان مدعیان سنت سے کہ تمام اکابر ائمہ وعلمائے اہلسنت کے ارشادات عالیہ پر پانی پھیرنے کے لئے ایک ایسے مورّخ کا دامن تھامیں، کیاآیہ کریمہ "بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ "[1] (ظالموں کو کیا ہی برابدلہ ملا۔ت) یہاں وارد نہ ہوگی ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

غالبًا اس نسبت مخترعہ سے بھی اسے صوفیہ کرام پر چوٹ کرنی منظور ہے وہ بھی شرط قرشیت کو اجماعی مانتے ہیں خود اسی شخص نے اسی مقدمہ تاریخ فصل فاطمی میں ان اکابر کرام سے نقل کیا:

قالوا لما کان امر الخلافة لقریش حکما شرعیا بالاجماع الذی لایوهنه انکار من لم یزاول علمه[2] الخ۔	یعنی صوفیہ کرام نے فرمایا خلافت خاص قریش کیلئے ہونا حکم شرعی ہے ایسے اجماع سے ثابت جو ناواقف ناشناس کے انکار سے سست نہیں ہوسکتا الخ

لہٰذا محققین وامام سنت کا خلاف بتایا کہ ان کی تکذیب ہو۔

(۲۰) نہیں نہیں بلکہ اس کا راز اور ہے خود اسی مبحث سے روشن کہ وہ آپ مبتدع اور خوارج کا

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۵۰

[2] مقدمہ ابن خلدون فصل فی امر الفاطمی موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۳۲۴

تبع اور اجماعِ صحابہ کرام کا خارق، اور ضرار یہ و معتزلہ کا موافق ہے اس نے اولاً شرائط خلافت میں کہا:

امّا النسب القرشی فلاجماع الصحابة علی ذٰلک[1]۔	قرشیت کی شرط اس لئے ہے کہ صحابہ کرام نے اس پر اجماع فرمایا۔

پھر اس اجماع کی منشا و مستند حدیثیں ذکر کیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: الائمة من قریش[2] خلفاء قریشی ہوں۔ اور فرمایا:

لایزال ھذا الامر فی ھذا الحی من قریش[3]۔	خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی۔

اور کہا اس پر دلائل بکثرت ہیں پھر آہستہ آہستہ رد احادیث و اجماع کی طرف سرکا کہ:

لما ضعف امر قریش وتلاشت عصبیتھم فاشتبه ذٰلك علی کثیر من المحققین حتی ذھبوا الی نفی اشتراط القرشیة[4]۔	جب قریش میں ضعف آیا اور ان کی حمیت جاتی رہی تو بہت محققوں کو یہاں شبہہ لگا یہاں تک کہ نفی شرط قرشیت کی طرف گئے۔

یہاں دونوں پہلو دیکھئے، اشتباہ کہا جس سے مفہوم ہو کہ ان کو غلطی پر جانتا ہے اور انہیں محققین کہا جس سے مترشح ہو کہ ان کے زعم کو تحقیق مانتا ہے پھر ان کے دو شبہے ذکر کئے ایک اسی حدیث در بارہ غلام حبشی سے جس کے جواب کلام ائمہ سے گزرے اور اس پر زیادہ کلام ان شاء اللہ تعالٰی آگے آتا ہے اس نے جواب خطائی اختیار کیا کہ یہ مبالغۃً بطور فرض ہے، دوسرا شبہہ اس روایت سے کہ امیر المومنین فاروق سے مروی ہوا:

لوکان سالم مولی ابی حذیفة حیا لولیته[5]۔	اگر ابوحذیفہ کے غلام آزاد شدہ سالم زندہ ہوتے تو میں ضرور ان کو والی بناتا۔

یا فرمایا: لما دخلتنی فیه الظنة[6] ان پر مجھے کوئی بدگمانی نہ ہوتی۔ اس کا کھلا ہوا روشن جواب تھا کہ امیر المومنین نے فرمایا ہے "لولیته" میں انہیں والی کرتا، نہ کہ "استخلفته" میں انہیں خلیفہ کرتا، والی ایک صوبہ کا بھی ہوتا ہے ایک شہر کا بھی ہوتا ہے، جسے خلیفہ مقرر فرمائے تو اسے یہاں سے کیا علاقہ، اس روشن جواب کو چھوڑ کر اول تو یہ جواب دیا کہ مذھب الصحابی لیس بحجة[7] یعنی یہ اگر ہے تو عمر کا قول ہے اور عمر کا قول کچھ حجت نہیں۔ شان فاروقی میں یہ کلمہ جیسا ہے اہل ادب پر ظاہر ہے جن کی نسبت خاص حکم احکم حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے:

---

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامة فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[2] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامة فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[3] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامة فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[4] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامة فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[5] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامة فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[6] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامة فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[7] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامة فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

اِقْتَدَوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ ابی بکر وعمر[1]۔	ان دو کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

یہاں تک تو یہی تھا آگے دوسرے جواب کے تیور دیکھئے، کہتا ہے:

وایضاً مولی القوم منھم وعصبیة الولاء حاصلة لسالم فی قریش وھی الفائدة فی اشتراط النسب و صراحة النسب غیر محتاج الیہ اذ الفائدة فی النسب انما ھی العصبیة وھی حاصلة من الولاء[2]۔	یعنی دوسرا جواب یہ کہ کسی قوم کا آزاد شدہ غلام انہیں میں سے ہے اور اس رشتہ ولاء کے باعث قریش سالم کی حمیت کرتے اور یہی قومی حمیت شرط نسب کا فائدہ ہے صاف نسب کی حاجت نہیں کہ وہ تو اسی حمیت کی غرض سے ہے اور حمیت اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی بھی کرتے ہیں۔

للہ انصاف! دکھانا تو یہ ہے کہ شرط قرشیت نہیں مانتے ان کے شبہہ کا جواب دے رہا ہے اور جواب وہ دیا جس نے شرطِ قرشیت کو اکھاڑ پھینکا نسب کی کوئی حاجت نہیں قومی حمیت سے کام ہے جس طرح بھی ہو پھر بھی قرشیت کا کچھ ڈورا لگا رکھا کہ قریشی نہ ہو تو اس کا آزاد کردہ غلام تو ہو اگرچہ اس میں بھی کلام ہے سالم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابوحذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آزاد نہ فرمایا نہ وہ ان کے غلام تھے بلکہ ان کی بی بی شیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے غلام تھے انہیں آزاد کیا اور وہ انصار یہ ہیں نہ کہ قریشیہ۔ ہاں براہ موالات و دوستی مولٰی ابی حذیفہ کہلاتے ہیں، ابوحذیفہ نے ان کو متبنٰی کیا تھا اور اپنی بھتیجی فاطمہ سے ان کی شادی کردی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ فتح الباری میں ہے:

کان مولی لامرأة من الانصار فتبناہ ابوحذیفة لما تزوجھا فنسب الیہ[3]۔	یعنی سالم ایک انصار یہ بی بی کے غلام آزاد شدہ تھے جب ابوحذیفہ نے اس بی بی سے نکاح کیا ان کو متبنٰی بنایا، جب سے ابوحذیفہ کی طرف منسوب ہونے لگے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین

لہٰذا ارشاد الساری میں مولٰی ابی حذیفہ کی یوں شرح کی: (مولی) **امرأة ابی حذیفة**[4] (ابوحذیفہ کے مولٰی یعنی ان کی زوجہ کے مولٰی۔

[1] جامع ترمذی ابواب المناقب امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۰۷

[2] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف فی حکم ہذا المنصب وشروط موسسة الاعلٰی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[3] فتح الباری شرح البخاری مناقب سالم مصطفی البابی مصر ۸/ ۱۰۲ و ۱۰۳

[4] ارشاد الساری شرح البخاری مناقب سالم مولی ابی حذیفہ دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۱۳۶

غرض یہاں تک بھی دونوں پلے بچائے مگر نفی کا پلہ غالب کر دیا کہ یہ حقیقت ہے اور یہاں قرشیت کا لگاؤ رہنا مجاز، اب اندیشہ کیا کہ لوگ خارجی معتزلی سمجھیں گے کہ صحابہ کا اجماع چھوڑ کر ان گمراہوں کی تقلید کی، اس کے علاج کو یہ مخالفت امام سنت کے سر رکھ دی اور کہا:

ومن القائلین بنفی اشتراط القرشیة القاضی ابو بکر الباقلانی لما ادرك عصبیة قریش من التلاشی فاسقط شرط القرشیة وان کان موافقا لرأی الخوارج وبقی الجمهور علی القول باشتراطها ولو کان عاجزا عن القیام بامور المسلمین ورد علیهم سقوط شرط الکفایة لانه اذاذهبت الشوکة بذهاب العصبیة فقد ذهبت الکفایة واذا وقع الاخلال بشرط الکفایة واذاوقع الاخلال بشرط الکفایة تطرق ذٰلك ایضا الی العلم و الدین وسقط اعتبار شروط هذاالمنصب وهو خلاف الاجماع[1] (ملخصًا)	یعنی امام قاضی ابو بکر باقلانی نے قرشیت شرط نہ مانی کہ قریش کی حمیت فنا ہو گئی ولہٰذا اس کی شرط انہوں نے ساقط کر دی اگرچہ یہ خارجیوں کے مذہب کے موافق ہے اور جمہور اب بھی شرطِ قرشیت مانتے رہے اگرچہ خلیفہ مسلمانوں کا کام بنانے سے عاجز ہو اور ان پر یہ اعتراض ہے کہ لیاقت کار کی شرط جاتی رہی کہ جب حمیت جانے سے شوکت گئی کام کیا بنا سکے گا اور جب شرط کفایت چھوٹی یہی راہ شرط علم وشرط دین کی طرف چلے گی اور خلافت کی شرطیں ساقط الاعتبار ہو جائیں گی اور یہ خلافِ اجماع ہے (ملخصًا)

اس کلام کے پیچ دیکھئے کیا کیا کروٹیں بدلی ہیں، اول امام سنت پر وہ تہمت رکھی کہ قریش کی بے حمیتی دیکھ کر شرطِ قرشیت ساقط کر بیٹھے، یہ اپنا بچاؤ اور جانب نفی کی تائید تھی کہ ایک مجھی کو شرطِ قرشیت میں کلام نہیں، اہلسنت کے اتنے بڑے امام اسے استعفا دے چکے ہیں، پھر ساتھ ہی کہہ دیا کہ اس میں وہ خارجیوں کے مذہب پر چلے، یہ جانب اثبات کی رعایت سے کہی، پھر اسی پہلو کا لحاظ بڑھایا کہ جمہور اسی پر رہے، پھر پہلوئے نفی کو کروٹ لی کہ ان پر بے اعتباری شرائط کا الزام قائم ہوتا ہے، یہ جھوٹا الزام صراحۃً خود اس پر حق تھا کہ قرشیت شرط تھی اور اس نے ساقط کی تو یوں ہی علم ودین وکفایت بھی ساقط ہو سکیں گی اور راہ ہر شرط کی طرف چلے گی اور جاہل بے دین عاجز چمار کو خلیفہ کر دینا جائز ہو جائے گا اور یہ خلافِ اجماع ہے، اس کی پیش بندی کی کہ جمہور اہلسنت کے سر پر افترا جڑ دیا کہ وہ صرف قرشیت چاہتے ہیں اگرچہ کام سے بالکل عاجز ہو حالانکہ کتبِ عقائد وفقہ وحدیث شاہد ہیں کہ قرشیت وقدرت دونوں شرط ہیں اور ان کے ساتھ اسلام وحریت وذکورت وبلوغ بھی نہ یہ کہ صرف قریشی ہونا

---

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف فی حکم ہذاالمنصب وشروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴ و ۱۹۵

بس ہے، یہ چھچلیاں کھیل کر اخیر میں دل کی صاف کھول دی:

اذا بحثنا عن حکمۃ اشتراط القرشی ومقصد الشارع منہ لم یقتصر علی التبرك بوصلۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما ھو مشھور والمصلحۃ لم نجدھا الاا عتبار العصبیۃ و ذٰلك ان قریشا کان لھم العزۃ بالکثرۃ والعصبیۃ والشرف فاشترط نسبھم لیکون ابلغ فی انتظام الملۃ کما وقع فی ایام الفتوحات واستمر بعدھا فی الدولتین الی ان تلاشت عصبیۃ العرب، فاذا ثبت ان اشتراط القرشیۃ انما ھو للعصبیۃ والغلب والشارع لایخص الاحکام بجیل فطردنا العلۃ وھی العصبیۃ فاشترطنا فی القائم بامور المسلمین ان یکون من قوم اولی عصبیۃ قویۃ غالبۃ، ثم ان الوجود شاھد بذلك فانہ لایقوم بامر امۃ او جیل الامن غلب علیھم وقل ان یکون الامر الشرعی مخالفا للامر الوجودی[1] (ملخصًا)	یعنی ہم جو نظر کریں کہ شرط قرشیت کی حکمت اور اس سے شارع کا مقصود کیا ہے تو وہ علاقہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تبرک پر موقوف نہیں جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہو رہا ہے کہ قربِ نبوی کے سبب قریش کو یہ فضل ملا ہے اس میں آن اور قومی حمیت کے اعتبار کے سوا کوئی مصلحت نہیں، یہ اس لئے کہ قریش اپنی کثرت اور آن اور شرافت کے سبب غالب تھے لہٰذا ان کا نسب شرط کیا گیا کہ دین کا انتظام خوب ہو جیسا کہ زمانہ فتوحات میں ہوا اور اس کے بعد بنی امیہ و بنی عباس کی دولتوں میں رہا یہاں تک کہ عرب نرے بے حمیت ہوگئے اور جبکہ ثابت ہولیا کہ قرشیت کی شرط فقط ان کی حمیت و غلبہ کے سبب تھی اور شریعت احکام کو کسی قبیلہ کے ساتھ خاص نہیں کرتی تو ہم نے علت حمیت کو عام کردیا کہ خلیفہ میں ضرور ہے کہ کسی قوی و غالب حمیت والی قوم میں کا ہو پھر واقعات بھی اسی پر گواہ ہیں کہ قبیلے یا گروہ کا سردار وہی ہوتا ہے جو ان پر غالب ہو اور کم ہوگا کہ شریعت نیچر کے خلاف حکم دے (ملخصًا)

ظاہر کردیا کہ قرشیت شرط نہیں عصبیت شرط ہے قرشیت اس لئے شرط تھی کہ ان میں قومی حمیت جاہلیت تھی جب قریش بلکہ تمام اہل عرب بے حمیت ہوگئے تو اب ان کی خلافت کیسی بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، بالجملہ نہ فقط شرط قرشیت کی نفی کی بلکہ نفی قرشیت بلکہ نفی عربیت شرط کردی کہ اصل شرط خلافت قومی حمیت ٹھہرائی اور صاف کہہ دیا کہ نہ صرف قریش بلکہ تمام عرب بے حمیت ہوگئے تو خلافت کے لئے شرط ہوا کہ خلیفہ نہ قریشی ہو نہ عربی بلکہ یہ شرط ہے کہ کسی خونخوار قوم کا ہو، تو یہ تو ضرار معتزلی سے بھی بہت اونچا اڑا اس نے تو یہی کہا تھا

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف فی حکم ہذا المنصب و شروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۵ و ۱۹۶

کہ غیر قریشی اولٰی ہے اس نے یہ جمائی کہ قرشی بلکہ کسی عربی کی خلافت جائز ہی نہیں اور خود کہہ چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا کہ ہمیشہ خلافت قریش ہی کے لئے ہوگی جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں یہ ہے اس کا حدیث پر ایمان، اور یہ ہے اس کا اجماع صحابہ کرام پر ایقان۔ اور سرے سے یہ اشد سا اشد ظلم قابل تماشا کہ وہ عصبیت جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بشدت منع فرمایا جسے نہ قریش بلکہ تمام عرب کے دل سے دھویا اسی کو اصل مقصود شارح اور خاص شرطِ خلافت ٹھہراتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قاتل تحت رأیة عمیّة یغضب لعصبة او یدعو الی عصبة او ینصر عصبیة فقتل فقتلة جاہلیة[1]۔ وفی اخری فلیس من امتی[2]۔ رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو کسی اندھے جھنڈے کے نیچے لڑے کہ عصبیت (یعنی قومی حمیت شیوہ جاہلیت) کے لئے غضب کرے یا عصبیت کی طرف بلائے یا عصبیت کی مدد کرے اور مارا جائے تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی جاہلیت وزمانہ کفر وغفلت میں قتل کیا جائے اور دوسری روایت میں ہے وہ میری امت سے نہیں (اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة[3]۔ رواہ ابو داؤد عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہمارے گروہ سے نہیں جو عصبیت (قومی حمیت) کی طرف بلائے، ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر لڑے، ہم سے نہیں جو عصبیت پر مرے، (اسے ابوداؤد نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

تو شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مبغوض کو شارع کا مقصود بنانا کہ کیسا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترائے بیباک واجترائے ناپاک ہے والعیاذ باللہ تعالٰی عجب ایک مدعی سنیت ہے کہ صحابہ وائمہ وخود ارشاد حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب کو پیٹھ کر ایک گمراہ مخالف حدیث وخارقِ اجماع ومحدث فی الدین کا دامن تھامے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۲۱) تحریر فرنگی محلّی نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہ صراحۃً اجماع صحابہ لکھ کر پھر امام باقلانی کو اس کا مخالف اور خارجی مذہب کا موافق لکھتا ہے اس نے کہا تو کہا، ایک مدعی سنیت کو تو امام سنت پر ایسے شنیع الزام رکھتے شرم چاہئے تھی۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ المسلمین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۷

[2] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ المسلمین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۸

[3] سنن ابو داؤد کتاب الادب باب فی العصبیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۴۲

(۲۲) عـــہ عبارت نمبر ۳۶ آپ نے سنی معلوم ہے یہ امام ابوبکر ابن الطیب کون ہیں وہی امام اجل امام سنت قاضی ابوبکر باقلانی ہیں، شرح الشفاء لعلی قاری میں ہے:

(وھو مذھب القاض ابی بکر) ای ابن الطیب الباقلانی [1]۔	اور یہی قاضی ابوبکر یعنی ابن الطیب الباقلانی کا مذہب ہے۔ (ت)

نسیم الریاض میں ہے:

(وھو مذھب القاضی ابی بکر) الباقلانی [2]۔	اور قاضی ابوبکر الباقلانی کا یہی مذہب ہے (ت)

وفیات الاعیان میں ہے:

(القاضی ابوبکر محمد بن الطیب المعروف بالباقلانی المتکلم المشھور توفی سنۃ ثلث واربعمائۃ ببغداد [3]۔	القاضی ابوبکر محمد بن الطیب المعروف بہ باقلانی متکلم مشہور ہیں ۴۰۳ھ میں بغداد میں فوت ہوئے (ت)

دیکھا کہ ان امام نے کیا ارشاد فرمایا: پھر سن لو، اور کان کھول کر سنو، امام ابن المنیر مالکی پھر فتح الباری میں امام ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہی کلام علامہ سید مرتضٰی زبیدی حنفی نے اتحاف السادۃ جلد دوم ص ۲۳۲ میں یوں نقل فرمایا:

قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری قال ابن المنیر قال القاضی ابوبکر الباقلانی لم یعرج المسلمون علی ھذا القول بعد ثبوت الحدیث الائمۃ من قریش وعمل المسلمون بہ قرنا	یعنی امام ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ امام ابن المنیر نے فرمایا کہ امام قاضی ابوبکر باقلانی نے فرمایا کہ معتزلی کے اس قول کی طرف مسلمانوں نے التفات نہ کیا بعد اس کے کہ حدیث کا ارشاد ثابت ہولیا کہ خلفاء قریش ہی سے ہوں۔

عـــہ: یہاں تک کلام قاطع رگ اوہام تھا اب آگے وہ آتا ہے جسے دیکھ کر کذابوں مفتریوں کی آنکھیں پھٹ کر رہ جائیں ۱۲ عبید الرضا حشمت علی قادری غفرلہ۔

---

[1] شرح الشفاء لعلی لقاری علی ھامش نسیم الریاض فصل واما مایتعلق بالجوارح دار الفکر بیروت ۴/ ۱۳۷

[2] شرح الشفاء لعلی لقاری علی ھامش نسیم الریاض فصل واما مایتعلق بالجوارح دار الفکر بیروت ۴/ ۱۳۷

[3] وفیات الاعیان ترجمہ ۶۰۸ محمد بن الطیب الباقلانی دار الثقافت بیروت ۴/ ۲۶۹، ۲۷۰

بعد قرن وانعقد الاجماع علی اعتبار ذلك قبل ان یقع الاختلاف[1]۔	اور اسی پر مسلمانوں کا ہر طبقہ میں عمل رہا اور ان اختلاف کرنے والوں کے وجود سے پہلے اس پر اجماع ہولیا۔

الحمدللہ یہ ارشاد ہے امام ابوبکر باقلانی کا جس نے اس مورخ کا سفید جھوٹ اور سیاہ افتراء ثابت کیااور صحابہ وائمہ اہلسنت کو چھوڑ کر اس کا دامن تھامنے والوں کا منہ کالا کیا، وللہ الحمد۔

(۲۳) الحمدللہ یہاں سے فرنگی محلّی تحریر کی امام قاضی عیاض پر وہ طعنہ زنی بھی باطل ہو گئی کہ ذکر اجماع کی ابتدا ان سے ہوئی امام قاضی عیاض چھٹی صدی میں تھے اور امام اہلسنت قاضی ابوبکر باقلانی چوتھی صدی میں، وہ اجماع نقل فرمارہے ہیں وللہ الحمد۔

(۲۴) اس کے بعد تحریر فرنگی محلّی میں ہے: حنفیّہ کی کتب میں ایسی فضول بات نہیں جیسی شافعیہ کی کتب میں ہے کہ الائمۃ سے ہر قسم کا امام مراد ہے کہ امام شافعی کے امام فی المذہب ہونے کی تاکید ہو کیونکہ وہ قریشی تھے یہ شافعیہ نے کہیں نہ کہا کہ ہر قسم کا امام مراد ہے، نہ کوئی ادنٰی طالب علم کہہ سکتاہے کہ نماز کی امامت بھی قرشی سے خاص علماء سے دوسرا امام نہیں ہوسکتا وہ اس سے امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ایک فضیلت ثابت کرتے ہیں کہ دوسرا عالم غیر قریشی جب دین وعلم میں امام شافعی کے برابر ہو تو اس پر بوجہ قرشیت ان کو ترجیح ہے دیکھو فتح الباری کہ:

الاستدلال علی تقدیم الشافعی علی من ساواہ فی العلم والدین من غیر قریش لان الشافعی قرشی[2]۔	امام شافعی کے برابر علم اور دین والے غیر قرشی پر امام شافعی کے مقدم ہونے پر یہ استدلال ہے کیونکہ امام شافعی قرشی تھے (ت)

(۲۵) بالفرض ایسا ہوتا تو اس فضول بات کا یہاں ذکر اس سے بدتر فضول، جس سے مطلب ہو تو صرف اتنا کہ جاہل عوام سمجھیں کہ اصل مسئلہ خلافتِ قریش ہی بعض شافعیہ کی فضول ہے کتبِ حنفیّہ اس سے پاک ہیں۔

(۲۶) پھر کہا پھر بھی محققین شافعیہ اس کو شرط اختیاری کہنے پر مجبور ہوئے، یہ پھر بھی اسی قصہ تلبیس کی تائید ہے کہ نفس خلافت قریش کو شافعیہ کی فضول کہا کہ اسی کو اختیاری کہا ہے پھر اس میں شافعیہ کی تخصیص ایک تلبیس اور ان میں بھی محققین کی قید دوسرا کید، اور لفظ اختیاری سے جہال کو دھوکا دینا کید عظیم ہے، اختیاری کے معنے سمجھے جائینگے

[1] اتحاف السادۃ المتقین الاصل التاسع ان شرائط الامامۃ الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۳۲

[2] فتح الباری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۷

کہ اپنی خوشی پر ہے چاہے خلیفہ میں قرشیت کا اعتبار کریں یا نہیں، یہ شافعیہ خواہ ان کے محققین جس پر کہو افترائے کاذب ہے اور خود عقل وفہم سے بیگانہ و مجانب، شرط وہ جس کے فوت سے مشروط فوت ہو اور اختیاری وہ جس پر کچھ توقف نہ ہو، اصل بات جس کی صورت بگاڑ کریوں دھوکا دینا چاہا یہ ہے کہ ملک پر تسلط دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ اہل حل وعقد کسی جامع شرائط کو امام پسند کرکے اس کے ہاتھ پر بیعت کریں جیسے صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ، تسلط بلامنازعت ہوجانا اس کی شرط نہیں، نہ منازع سے قتال وجدال اس کے منافی، جیسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

دوم یہ کہ جس کی امامت اس طرح ہوچکی ہو وہ دوسرے کے لئے وصیت کرے جیسے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے۔ خلافتِ شرعیہ انہیں دو وجہ پر ہوتی ہے اور ہر ایک پسند واختیار سے ہے پہلی میں اختیار وانتخاب اہل حل وعقد ہے اور دوسری میں اختیار وار تضائے خلیفہ سابق۔ ان دونوں میں قرشیت وغیرہا شرائط یقینا ہیں، نہ اہل حل وعقد کو جائز کہ کسی غیر قرشی کو خلیفہ کریں نہ خلیفہ کو حلال کہ غیر قرشی کو ولی عہد کرے، توخلافت شرعیہ اختیاری ہے کہ اختیار وپسند سے ناشئی ہوتی ہے اور اس میں قرشیت وغیرہا شرائط ضرور یہ لازم وضروری ہیں نہ کہ اختیاری اگر ترک کی جائیں گی خلافت شرعیہ نہ ہوگی بلکہ دوم تغلب کے حکم میں رہے گی، وہ تسلط کی دوسری صورت ہے کہ کوئی شخص اپنی شوکت وسطوت سے ملک دبا بیٹھے بادشاہ بن جائے اگرچہ لوگ اس کے قہر وغلبہ کے سبب اس کے ہاتھ پر بیعت بھی کریں، یہ صورت بے اختیاری ومجبوری ہے اس میں مسلمان شرائط کا لحاظ کیا کرسکتے ہیں کہ نہ ان کے اختیار سے ہے نہ اسے معزول کرنا ان کے قابو میں، یہاں اقامت جمعہ واعیاد وتنزویج صغار وولایت مال وتولیت قضاء وغیر ذلک امور مفوضہ خلیفہ میں اس کے ہاتھ کے سب کام نافذ ہوں گے، امر جائز شرعی میں اس کی اطاعت کرنی ہوگی اگرچہ قرشی نہ ہو بلکہ آزاد بھی نہ ہو حبشی غلام ہو کہ اثارت فتنہ جائز نہیں، یہ نہ صرف شافعیہ بلکہ سب اہل مذاہب مانتے ہیں اور اسے انتفائے شرط قرشیت سے علاقہ نہیں، جبراً وجوب اطاعت اور، اور اس کا خلیفہ شرعی ہوجانا او ر، اطاعت ہوگی اور خلافت ہر گز نہ ہوگی، بلکہ متغلب ہوگا، ان کے بعض عوام پارٹی کے خود ساختہ امام نے یہی دھوکہ دیا ہے عبارتیں وہ نقل کرتا ہے جن میں متغلب کی اطاعت کا ذکر ہے اور ان میں اپنی طرف سے پچر لگالیتا ہے کہ اسی کو خلیفہ ماننا چاہئے، یہ محض باطل ہے اور اسی میں بحث ہے نہ کہ اطاعت میں، خود انہیں محققین شافعیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ متغلب ہوگا نہ کہ خلیفہ۔ فتح الباری سے گزرا کہ قریش کے سوا جو کوئی ہوگا متغلب ہوگا۔ اسی میں ہے:

ھذا کلہ انما ھو فیما یکون بطریق الاختیار واما لو تغلب عبد بطریق الشوکۃ	یعنی یہ سب اس حالت میں ہے کہ کسی کو بطور اختیار امامت دی جائے اور کوئی غلام اپنی شوکت سے

فان طاعته تجب اخماد اللفتنة مالم يأمر بمعصية[1]	زبردستی ملک دبا بیٹھے تو فتنہ بجھانے کے لئے اطاعت اس کی بھی واجب ہوگی جب تک گناہ کا حکم نہ دے۔

دیکھو امامت کو اختیاری کہا کہ اختیار و پسند سے ہو، نہ کہ شرط قرشیت کو اختیاری کہ چاہے رکھو یا نہ رکھو غیر قرشی کو متغلب ہی کہا۔ شرح مقاصد میں ہے:

وبالجملة مبنى ماذكر فى باب الامامة على الاختيار والاقتدار واماعند العجز والاضطرار واستيلاء الظلمة والاشرار فقد صارت الرياسة الدنيويه تغلبية وبنيت عليها الاحكام الدينية المنوطة بالامام ضرورة ولم يعبأ بعدم العلم والعدالة وسائر الشرائط و الضرورات تبيح المحظورات والى الله المشتكى فى النائبات[2]۔	یعنی وہ جو باب امامت میں مذکور ہوا اس کی بناء اختیار وقدرت پر ہے اور جب حالت مجبوری وناچاری ہو ظالم شریر لوگ تسلط پائیں تو اس وقت یہ دنیوی ریاست تغلب پر رہ جائے گی اور وہ دینی احکام کہ خلیفہ سے متعلق ہیں بمجبوری اس مبنی ریاست پر بنائے جائیں گے اور علم وعدالت وغیرہ شرائط نہ ہونے کا لحاظ نہ ہوگا، مجبوریاں ناجائز کو روا کرلیتی ہیں اور ان مصیبتوں میں اللہ ہی سے فریاد ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھو کہ وہ محققین کیا فرمارہے ہیں اور کیونکر اسے تغلب اور دنیوی ریاست بتارہے ہیں مگر دھوکا دینے والے فریب سے باز نہیں آتے۔

تنبیہ: یہاں کام جاہلوں سے پڑا ہے جنہیں علم کا ادعا ہے۔ کوئی جاہل اس عبارتِ شامی سے دھوکا نہ دے:

يصير اماما بالمبايعة وباستخلاف امام قبله وبالتغلب والقهر[3]۔	بیعت اور پہلے امام کے خلیفہ بنادینے اور غلبہ اور جبر سے امام بن جاتا ہے (ت)

آگے مسایرہ سے ہے:

لوتعذر وجود العلم والعدالة فيمن تصدى للامامة وكان فى صرفه	امامت پر تسلط جمانے والے میں اگر علم اور عدالت کا وجود متعذر ہو جائے اور اس کو امامت سے ہٹانا ناقابل برداشت

[1] فتح الباری باب السمع والطاعۃ للامام الخ مصطفی البابی مصر ۲۴۰/۱۶

[2] شرح المقاصد الفصل الرابع المبحث الثانی دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲۷۷۔۲۷۸/۲

[3] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۱۰/۳

عنها اثارۃ فتنة لاتطاق حکمنا بانعقاد امامته کی لاتکون کمن یبنی قصرا ویهدم مصرا[1]۔	فتنہ کھڑا کرنا قرار پائے تو ہم اس کی امامت کے انعقاد کا حکم دیں گے تاکہ وہ صورت نہ بنے جو شخص ایک مکان بنائے اور پورے شہر مسمار کرے (ت)

کہ دیکھو جو زبردستی بادشاہ بن جائے اور اس کے جدا کرنے میں ناقابل برداشت فتنہ ہو، اسے امام ماننا، اس کی امامت کو منعقد جاننا، اور یہی خلافت شرعیہ ہے، حاشا یہ محض دھوکا ہے صاف تصریح کہ یہ تغلب ہے جو خلافت شرعیہ کی صریح ضد ہے نیز بلافصل اس عبارت کے بعد ہے:

واذا تغلب آخر علی المتغلب وقعد مکانه العزل الاول وصار الثانی اماما۔[2]	اس متغلب پر دوسرا تغلب کرکے اس کی جگہ بیٹھ جائے تو پہلا معزول اور اب یہ دوسرا متغلب امام بن جائے گا۔

یہیں اس کے ایک سطر بعد ہے:

لکن الثالث فی الامام المتغلب[3]۔	لیکن تیسرا غلبہ پانے والے امام میں۔ (ت)

نیز باآنکہ خود سلطنت ترک میں تھے صاف لکھ دیا کہ:

قد یکون بالتغلب وھو الواقع فی سلاطین الزمان نصرھم الرحمٰن[4]۔	کبھی تغلب سے امام ہوجاتا ہے جیسے موجودہ دور کے سلاطین حضرات، اللہ تعالٰی ان کی مدد فرمائے (ت)

دیکھو باآنکہ سلاطین ترک کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی تھی، عدم بعض شرائط مثل قرشیت وغیرہا کے باعث تصریح فرمادی کہ باوصف بیعت ہیں متغلبہ، رحمٰن عزوجل انہیں نصرت دے۔ میں کہتا ہوں آمین اللھم آمین۔ بلکہ یہاں لفظ امامت کا اطلاق عرف فقہا میں وسیع تر ہے (دیکھو بدائع امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ بیان موادعت و صلح) لاجرم یہاں امامت محض بمعنی سلطنت ہے خواہ صحیحہ جائزہ عادلہ ہو یا ظالمہ غاصبہ باطلہ نہ کہ بمعنے خلافت شرعیہ، اگرچہ اپنے محل میں وہ بھی مراد ہوتی ہے جیسے حدیث الائمۃ من قریش میں، اس کی نظیر لفظ امیر ہے کہ ہرگز خلیفہ کے ساتھ خاص نہیں، والیِ شہر و سردار حجاج کو

---

[1] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۱۰

[2] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۱۰

[3] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۱۰

[4] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۱۰

بھی کہتے ہیں مگر "الائمۃ من قریش" میں قطعًا خلفاء ہی مراد۔

تنبیہ: امامتِ متغلب صحتِ خلافت بالائے طاق۔ حکم اتباع بھی نہیں لاتی جہاں تک اثارتِ فتنہ یا ضرر تاذی نہ ہو جس کا بیان مقدمہ میں گزرا، حیف ان پر جو مسلمان کہلا کر امر دینی میں مشرک کے پس رو بنتے اور اسے اپنا رہنما بتاتے ہیں۔

"وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۝۶۰" [1]۔	اور حکم یہ تھا کہ اصلًا نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکا دے۔ (ت)

کیا خوف نہیں کرتے کہ روز قیامت انہیں کے گروہ میں محشور ہوں جن کو قرآن عظیم نے فرمایا: **وقاتلوا ائمۃ الکفر** (کفر کے اماموں سے لڑو) اور فرمایا: "**وَجَعَلْنٰهُمْ اَىٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِۚ**" [2] (ہم نے انہیں ایسے امام کیا کہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں) **وقال اللہ تعالٰی** "**یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْۚ**" [3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے) یعنی جس کو انہوں نے امر دین میں رہنما بنایا اور اس کے پس رو ہوئے اگرچہ مشرک ہو کہ آگے تفصیل میں دونوں ہی قسموں کا بیان فرمایا ہے "**فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ**" [4] (جن کا نامہ اعمال دہنے ہاتھ میں دیا گیا) اور "**مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى**" [5] (یہاں راہ حق سے اندھے تھے) **نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۷) پھر تحریر فرنگی محلّی میں ہے: "اور حنفیّہ کی کتب سے تو استحبابی ہونا ارباب عقل پر پوشیدہ نہیں"۔ یہ حنفیّہ اور ان کی کتب پر سخت افترائے فظیع ہے، اس قدر عبارات کہ یہاں گزریں انہیں میں عقائد امام مفتی الجن والانس نجم الملۃ والدین عمر نسفی، اتحاف علامہ سید مرتضی زبیدی، مسایرہ محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین، تعالیق علامہ قاسم بن قطوبغا، شرح مواقف علامہ سید شریف، منح الروض علی قاری، طریقہ محمدیہ امام برکوی، حدیقہ ندیہ سیدی عارف باللہ عبدالغنی نابلسی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ قاری، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری امام عینی، شرح مشکوٰۃ سید جرجانی، اشعۃ اللمعات شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، فتاوٰی سراجیہ، علامہ سراج الدین، اشباہ والنظائر محقق زین بن نجیم، فتح اللہ المعین سید ازہری، غمز العیون علامہ سید حموی، درمختار مدقق علائی حصکفی، حاشیہ علامہ سید احمد طحطاوی، ردالمحتار علامہ سید ابن عابدین شامی۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۴۱

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۱

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۱

[5] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۲

تمہید امام ابو لشکور سالمی، مجمع البحار علامہ طاہر فتنی، شرح فقہ اکبر بحر العلوم وغیر ہم حنفیّہ کرام کی تیس عبارتوں سے زائد مذکور ہوئیں اور خود حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خاص نص شریف گزرا کیا اب بھی تحریر فرنگی کے کذب واغوائے عوام پر کچھ پردہ رہا۔

(۲۸) پھر کہا لفظ "ینبغی" عقائد نسفی کی دونوں احتمال رکھتی ہے، عقائد شریفہ کی عبارت یہ ہے:

ان یکون الامام ظاہر الامختفیا ولامنتظرا ویکون من قریش ولایجوز من غیرھم [1]۔	امام کاظاہر غیر مخفی اور غیر منتظر ہونا ضروری ہے اور قریش میں سے ہونا بھی ضروری ہے خلیفہ غیر قریشی سے جائز نہیں (ت)

قطع نظر اس سے کہ اگر لفظ "**ینبغی**" اصلا محتمل وجوب نہ ہوتا معنے استحباب میں مفسر ہوتا جب بھی یہاں حرج نہ تھا سائر ائمہ کی تصریحات قاہرہ اہلسنت کا عقیدہ اجماعیہ ظاہرہ قرینہ قاطعہ ہوتا کہ "یکون یکون" پر معطوف نہیں بلکہ "ینبغی" پر یہاں تو نفس عبارت میں امام صاف فرمارہے ہیں "لایجوز من غیر ھم" غیر قریش سے خلیفہ ہونا جائز ہی نہیں، پھر دونوں احتمال بتانا کس درجہ آفتاب کو جھٹلانا ہے، افسوس کہ اتنے فاصلہ سے لفظ "ینبغی" دکھائی دیا اور بلا فصل ملا ہوا "**لایجوز من غیرھم**" نظر نہ آیا۔

(۲۹) ایسا ہی ظلم ایک اور تحریر فرنگی محلّی نے عبارت شرح مواقف پر ڈھایا کہ اس میں لکھ دیا ہے: **للامۃ ان ینصبوا فاقدھا** [2] امت کو اختیار ہے کہ جس میں یہ شرطیں نہ ہوں اسے خلیفہ کردے، **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ انہوں نے ابتداءً تین مختلف فیہ شرطیں بیان کیں، اصول وفروع میں مجتہد ہونا، امورِ جنگ میں ذی رائے ہونا، شجاع ہونا ان کی نسبت فرمایا کہ جن میں یہ شرطیں نہ ہوں امت انہیں بھی خلیفہ کرسکتی ہے، اس کے بعد شرط قرشیت لکھی اور اسے فرمایا یہ شرط یقینی قطعی ہے اور یہ اہلسنت کا مذہب ہے اس میں مخالف خارجی معتزلی ہیں، ان اختلافی شرائط پر جو اوپر کہا تھا اسے یہاں لگالینا کس درجہ صریح تحریف کلام واغوائے عوام ہے، اس کی نظیر یہی ہے کہ عالم فرمائے نماز کی شرطیں نجاست حقیقیہ سے جسم وثوب ومکان کی طہارت ہے، یہ شرطیں بعض اوقات ساقط بھی ہوجاتی ہیں اور اس کی شرط قطعی یقینی نجاست حکمیہ سے طہارت ہے کہ وضو وغسل یا تیمّم سے حاصل ہوتی ہے اس پر کوئی فرنگی محلّی صاحب فتوٰی دیں کہ بعض اوقات بے وضو اور بحال جنابت بھی

---

[1] عقائد نسفی مع شرح عقائد نسفی دار الاشاعت قندھار، افغانستان ص۱۱۱

[2] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامۃ المقصد الثانی فی شروط الامامۃ منشورات الشریف رضی ۸/۳۵۰

نماز صحیح ہو جاتی ہے کہ عالم نے فرمایا ہے کہ یہ شرطیں بعض وقت ساقط بھی ہو جاتی ہیں، عالم نے کن شرطوں کو فرمایا تھا اور انہوں نے کس میں لگایا **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔**

مسلمانو! دیکھا دین وسنت ومذہب وملت پر کیا کیا ظلم جوتے جاتے ہیں اور پھر پیروانِ شریعت کو آنکھیں دکھاتے ہیں، مگر ہے یہ کہ مجبور ہیں باطل کی تائید باطل ہی سے ہوتی ہے ورنہ "**وَمَایُبۡدِیُٔ الۡبَاطِلُ وَمَایُعِیۡدُ**۝" [1] اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر کرآئے۔ت) محققین اہلسنت پر افترا، امام سنت علیہ الرحمۃ پر افترا، شافعیہ پر افترا، حنفیّہ پر افترا، واضحات سے عناد، تحریف سے استمداد، ائمہ کی تکذیب، اہلسنت کی تخریب، اجماع صحابہ سے بر کنار، اجماع امت سے بر سرپیکار، اور پھر یہ سب کس لئے محض بلاوجہ محض بیکار، جس کا بیان اوپر گزرا اور ابھی خود مخالف کے اقرار سے سنئے گا **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔**

(۳۰) یہ سب کچھ کہہ کر خاتمہ اس پر کیا کہ "باوجود بحث طلب ہونے کے میں نے کبھی اشتراطِ قرشیت سے انکار نہیں کیا" **سبحان اللہ** دروغ گوئی بر روئے من، اس پر اجماع ثابت نہیں، حدیث سے دلیل نہیں، محققین اہلسنت کو نامقبول، امام سنت کو یکسر اس سے عدول، محققین شافعیہ کے نزدیک اختیاری، کتب حنفیّہ سے محض استحبابی۔ اور کیا انکارِ شرطیت کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔

(۳۱) الحمدللہ کہ آپ کو شرطِ قرشیت سے انکار نہیں تو ضرور آپ کے نزدیک غیر قرشی خلیفہ نہیں ہو سکتا اور بداہۃً معلوم کہ ہمارے ترک بھائی قرشی نہیں تو آپ کے نزدیک سلطان ترکی ایدہ اللہ تعالٰی خلیفۃ المسلمین نہیں خلافت کمیٹی تو فنا کی گود میں لیٹی، مگر سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک تو شرط خلافت پر نہ اجماع نہ نص نہ مذہب حنفیّہ نہ مقبول اہلسنت، پھر زبردستی اسے مان کر خلافت ترک فنا کرکے آپ ترک کے خیر خواہ ہوئے یا پکے بدخواہ۔ ان قومی لیڈروں کے حواس کدھر گئے ہیں کہ اتنے بڑے منکر خلافت کو حامی خلافت سمجھ رہے ہیں، اے جناب! آپ کے بڑے مسٹر آزاد تو دہلی میں ۱۶ جنوری ۱۹۲۰ء کو خلافت ڈپوٹیشن کے جلسہ میں خیر مقدم میں صاف عـــہ۱ کہہ چکے ہیں کہ "اگرچہ نماز کا پابند ہو، روزے رکھتا ہو، لیکن اگر خلافت سے منکر ہو تو دائرہ اسلام سے خارج ہے، یہ وہ مسئلہ ہے کہ اس سے الگ ہو کر مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا"۔ دوسرے بدایونی عـــہ۲ خطبہ صدارت خلافت کانفرنس

عـــہ۱: اخبار مدینہ ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ ۲۵ جنوری ۱۹۲۰ء نمبر ۷ جلد ۹۔ عبیدالرضا حشمت علی

عـــہ۲: یعنی متلذر عبدالماجد کا خطبہ ۱۲ حشمت علی رضوی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۴/۴۹

منعقدہ ستمبر ۲۰ء میں ہے کہ "اگر عہ کوئی مسلمان مسئلہ خلافت کی امداد سے گریز اور اس میں دلچسپی لینے سے احتراز کرے تو مجھے اسے کافر کہنے میں کسی قسم کا پس پیش نہ ہوگا"۔ اب دیکھئے یہ آزاد والی تکفیر، یہ بدایونی جنگی تقریر آپ کو بھی اسلام سے آزاد و کفر کا پابند بناتی ہے یا آپ آزاد لاء کے مستثنیات عامہ میں ہیں، وہ قانون صرف کالے لوگوں کے لئے ہے۔

(۳۲) پھر کہا "بلکہ ہم نے تو کسی موقع پر بھی خصوصیت جزئیت رسول کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے" وجوبًا یا اولویۃً اول مذہب روافض سے بھی بڑھ کرے ہے وہ بھی صرف ہاشمیت شرط کرتے ہیں کہ خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خلافت سے انکار کریں، آپ نے جزئیت شرط کرکے مولا علی کی خلافت رد کردی اور برتقدیر دوم اسے مبحث سے کیا علاقہ ہوا کیا قرشیت بھی صرف مرتبہ اولویت میں ہے تو یہ کعبی معتزلی کا مذہب ہو اور اس کا رد ابھی آپ نے کہا تھا کہ میں کبھی اشتراط قرشیت سے انکار نہ کیا، یا قرشیت واجب ہے تو اپنی پارٹی سے اپنا حکم پوچھئے، وہ دیکھئے مسٹر آزاد بدایونی کفر کا فتوٰی لگا چکے، بہر حال اس بلکہ نے کیا فائدہ دیا۔

(۳۳) پھر کہا "یہاں خلافۃ فی القریش میں بحث نہیں یہاں خلیفہ مسلم پر بغاوت کا مسئلہ ہے" بے قرشیت خلیفہ کہا اور خلافۃ فی القریش کی بحث نہ آئی۔ کچھ بھی سمجھ کر فرمائی۔

(۳۴) بغاوت خلافت اگر خانگی اصطلاحیں ہیں تو ان سے کام نہیں، اور اگر معانی شرعیہ مراد ہیں تو کیا آپ اس ارشاد ائمہ کا مطلب بتاسکیں گے جو انہوں نے صدہا سال سے سلاطین کی نسبت لکھا، وہ جو فصول عمادی و درمنتقی شرح ملتقی و تہذیب قلانسی و جامع الفصولین وطحطاوی علی الدرالمختار وغیرہا میں ہے:

هذا كان فی زمانهم واما فی زماننا فالحكم للغلبة فلان الكل يطلبون الدنيا فلايدری العادل من الباغی[1]۔	یعنی یہ امتیاز کہ فلاں عادل ہے اور دوسرا باغی زمانہ سابق میں تھا ہمارے وقت میں غلبہ کا حکم ہے اس لئے کہ سب دنیا طلب ہیں تو عادل و باغی کا امتیاز نہیں۔

(۳۵) آغاز میں کہا "اہل سنت، مسلم متغلب فاقد الشروط کی اطاعت کو فرض اور امامت کو درست مانتے ہیں"۔ امامت سے اگر خلافت مراد ہو جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو قطعًا مردود جس کا روشن بیان گزرا اور اگر سلطنت مقصود ہو تو حق ہے مگر گزارش یہ ہے کہ جب مسئلہ یوں تھا اور بیشک تھا کہ متغلب کی بھی سلطنت صحیح اور اطاعت واجب، تو کیا ضرورت تھی کہ خواہی نخواہی مسئلہ خلافت چھیڑا جائے اجماعِ صحابہ وامت

عہ: دیکھو اخبار ہمدم ۱۲ ستمبر ۱۹۲۰ء

---

[1] الدرالمنتقی بحوالہ فصول العمادی علی ہامش مجمع الانہر باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۹۹

اکھیڑا جائے، مذہب اہلسنت وجماعت ادھیڑا جائے، سلطان اسلام بلکہ اعظم سلاطین موجودہ اسلام کی اعانت بقدر قدرت کیا واجب نہ تھی، ظاہراً اس شق مسلمین ورد اجماع صحابہ وائمہ دین ومخالفتِ مذہب اہلسنت وجماعت وموافقتِ خوارج وغیرہم اہل ضلالت میں تین فائدے سوچے:

اولا درپردہ حمایت ترکوں سے مخالفت جس پر باعث وہابیہ ودیوبندیہ سے یارانہ موافقت، وہابی ودیوبندی ترکوں کو ابوجہل کے برابر مشرک جانتے ہیں جیسا کہ تمام اہلسنت کو یوں ہی مانتے ہیں لہذا دل میں ان کے پکے دشمن ہیں اور دوست کا دشمن اپنا دشمن، اس لئے ان کی حمایت اس آواز سے اٹھائی جس میں مخالفت پیدا ہو۔

ثانیًا اپنے محسود دین اہلسنت سے بخار نکالنا، معلوم تھا کہ کرتو کچھ نہیں سکتے نہ خود نہ وہ، خالی چیخ پکار کا نام حمایت رکھنا ہے، اہل محفل ودین اول تو غوغائے بے ثمر کو خود ہی عبث جان کر صرف توجہ الی اللہ پر قانع رہیں گے اور اگر شاید شرکت چاہیں تو انہیں مذہب اہلسنت ہر شیئ سے زیادہ عزیز ہے مذہب ہی ان کے نزدیک چیز ہے لہذا ایسے لفظ کی چلاہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہلسنت ہو کہ وہ شریک ہوتے ہوں تو نہ ہوں، اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھئے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں یہ **تومعاذ اللہ** نصاری سے ملے ہوئے ہیں تاکہ عوام ان سے بھڑکیں اور دیوبندیت ووہابیت کے پنجے جمیں۔

ثالثًا ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے اصل مقصود بغلامی ہنود وسوراج کی چکھی ہے، بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کردی ہے بھاری بھر کم خلافت کا نام لو عوام بپھری چندہ خوب ملے اور گنگا وجمنا کی مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے۔

اے پس رو مشرکان بزمزم نرسی

کیں رہ کہ تو میروی بہ گنگ وجمن ست

(اے مشرکوں کے پیروکار! تو زمزم تک نہیں پہنچ سکتا جس راہ پر تو چل رہا ہے یہ گنگا وجمنا کو جاتا ہے۔ت)

نسأل اللہ العفو والعافیۃ

ترکی سلاطین اسلام پر رحمتیں ہوں وہ خود اہلسنت تھے اور ہیں مخالفت انہیں کیونکر گوارا ہوتی، انہوں نے خود خلافت شرعیہ کا دعوی نہ فرمایا اپنے آپکو سلطان ہی کہا سلطان ہی کہلوایا اس لحاظ مذہب کی برکت نے انہیں وہ پیارا خطاب دلایا کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین سے دلکشی میں کم نہ آیا یعنی خادم الحرمین الشریفین، کیا ان القاب سے کام نہ چلتا جب تک مذہب واجماع اہلسنت پاؤں کے نیچے نہ کچلتا

نعوذ باللہ ممالا یرضاہ والصلٰوۃ والسلام علی مصطفاہ واٰلہ وصحبہ الاکارم الھداہ۔

فصل سوم

رسالہ خلافت میں مسٹر ابوالکلام آزاد کی تلبیسات وہذیانات کی خدمتگاری

یہ ۳۵ رد قاہر خطبہ صدارت فرنگی محلّی کی ۱۵سطری تحریر پر قلم برداشتہ تھے، اب بعونہ تعالٰی چار حرف ان کے بڑے آزاد لیڈر صاحب کی تحریر پر بھی گزارش ہوں **وباللہ التوفیق**۔ اور سلسلہ شمار وہی رہے کہ **بعضھم من بعض** یہاں کلام چند مبحث پر ہے۔

مبحث اول: مسٹر کا قیاسی ڈھکوسلے سے دین کو رد کرنا

(۳۶) مسٹر آزاد نے بڑا زور اس پر دیا ہے کہ "اسلام تو قومی امتیاز کے اٹھانے کو آیا ہے پھر وہ خلافت کو قریش کے لئے کیسے خاص کر سکتا ہے" یہ اعتراض مسٹر آزاد کا طبع زاد نہیں خارجی خبیثوں سے سیکھا ہے،

"کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ مِّثْلَ قَوْلِہِمْ ؕ تَشَابَہَتْ قُلُوْبُہُمْ ؕ"[1]۔	یونہی ان کے اگلوں نے انہیں کی سی کہی تھی ان کے دل ایک سے ہیں۔

خارجیوں نے بھی یہی اعتراض کیا تھا جس کا اہلسنت نے رد کیا، مقاصد میں ہے:

یشترط کونہ قرشیا خالفت الخوارج لانہ لاعبرۃ بالنسب فی مصالح الملك والدین وردبان لشرف الانساب اثرافی جمیع الاٰراء وبذل الطاعۃ ولااشرف من قریش سیما وقد ظھر منھم خیرالانبیاء[2] (ملخصًا)	امام کا قریشی ہونا شرط ہے اور خارجیوں نے اس میں خلاف کیا اس دلیل سے کہ مصالح سلطنت ودین میں نسب کا کچھ اعتبار نہیں، اہلسنت نے اس کا رد کیا کہ ضرور شرفِ نسب کو اس میں اثر ہے کہ رعایا کی رائیں اس پر اتفاق کریں اور دل خوشی سے اس کے مطیع ہوں، اور قریش کے برابر کوئی شرف نہیں خصوصًا اس حالت میں کہ افضل الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں میں سے ظہور فرمایا۔ (ملخصًا)

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۸

[2] مقاصد مع شرح المقاصد الفصل الرابع المبحث الثانی دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/۲۷۷

شرح مقاصد میں ہے:

ولهذا شاع فی الاعصار ان یکون الملك فی قبیلة مخصوصة حتی یری الانتقال عنه من الخطوب العظیمة والاتفاقات العجیبة ولا الیق بذلك من قریش الذین هم اشرف الناس سیما وقد اقتصر علیهم ختم الرسالة وانتشرت منهم الشریعة الباقیة الی یوم القیٰمة[1]۔	اسی اعتبار نسب کے سبب تمام زمانوں میں شائع رہا کہ سلطنت ایک خاص قبیلے میں ہو یہاں تک کہ اس سے دوسرے قبیلے کی طرف انتقال سلطنت کو سخت کام اور عجیب اتفاق سمجھا جاتا ہے اور قریش سے زائد اس کا لائق کوئی نہیں کہ وہ تمام جہان سے زیادہ شریف ہیں خصوصا اب کہ انھیں پر رسالت ختم ہوئی اور انہیں سے وہ شریعت پھیلی کہ قیامت تک رہے گی۔

کتاب مبارک ارائۃ الادب لفاضل النسب مطالعہ ہو، کس قدر احادیث کثیرہ نے کہاں کہاں فضیلت نسب کا اعتبار فرمایا ہے، اور نکاح میں شرعا اعتبار کفاءت سے تو عالم بننے والے جہال بھی ناواقف نہ ہوں گے جس سے تمام کتب فقہ گونج رہی ہیں، اور اس میں خود احادیث وارد، آیات واحادیث اس سے منع فرماتی ہیں کہ کوئی علم و تقوی وفضائل دینیہ کو بھولے اور خالی نسب پر تفاخرا پھولے۔

(۳۷) مسٹر نے احادیث الائمة من قریش ولایزال هذاالامر فی قریش[2] (ائمہ قریش میں سے ہیں یہ خلافت قریش میں رہے گی۔ت) سے تو یوں جان بچائی کہ "یہ کوئی حکم نبوی نہیں کہ احکام میں فضیلتِ نسب کا اعتبار ٹھہرے بلکہ نری پیشگوئی ہے" جس کارد بعونہ تعالٰی ابھی آتا ہے مگر اس حدیث جلیل کا کیا علاج کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایا:

قدموا قریشا ولا تقدموها[3]۔	قریش کو مقدم رکھو اور ان پر تقدم نہ کرو۔

یہ حدیث چھ صحابہ کرام کی روایت سے ہے۔ بزار نے امیر المومنین مولٰی علی اور ابن عدی نے ابوہریرہ اور ابونعیم دیلمی نے انس بن مالک اور بیہقی نے جبیر بن مطعم اور طبرانی نے عبداللہ بن حنطب نیز عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کی نیز مرسل ابوبکر سلیمٰن بن ابی حثمہ ومرسل ابن شہاب زہری سے آئی یہ تو صریح امر ونہی ہے اسے تو مسٹر خبر نہیں بنا سکتے اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیسا صریح حکم

---

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع المبحث الثانی دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب الاحکام قدیمی کتب خانہ ۲/ ۱۰۵۷، صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۱۱۹

[3] کنز العمال حدیث ۳۳۷۸۹ و۳۳۷۹۰ و۳۳۷۹۱ بحوالہ بزار وابن عدی وطبرانی موسسة الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۲

فرمارہے ہیں کہ قریش کو مقدم کرنا قریش سے آگے قدم نہ دھرنا۔اب تو مسٹر ضرور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر طعن کریں گے کہ "اسلام کا داعی دنیا کو تو قومی و نسلی امتیازات کی غلامی سے نجات دلانا چاہتا مساوات عامہ کی طرف بلاتا ہو لیکن (**نعوذ باللہ**) خود اتنا خود غرض ہو کہ (تقدیم وترجیح) صرف اپنے ہی ملک، ملک نہیں اپنے ہی وطن، وطن نہیں خاص اپنے قبیلے، قبیلہ نہیں صرف اپنے ہی خاندان کے لئے مخصوص کر دے، ساری دنیا سے کہے تمہارے بتائے ہوئے حق جھوٹے ہیں سچا حق صرف عمل واہلیت کا ہے لیکن خود اپنے لئے یہ کر جائے کہ عمل نہ اہلیت صرف قوم صرف نسل صرف خاندان"۔اپنی طعن بھری عبارت سے صرف لفظ خلافت کو لفظ تقدیم وترجیح سے بدل لیجئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اپنے طعن کی یہ شدید بوچھاڑ ملاحظہ کیجئے بلکہ اس تبدیلی کی بھی حاجت نہیں خلافت خود اعلٰی تقدیمات سے ہے۔

(۳۸) تخصیص قریش کو تخصیص ملک پھر اس سے بھی تنگ تر تخصیص وطن ٹھہرانا کیسی جہالت ہے نہ قریش کسی ملک ووطن کا نام نہ ان کے لئے لزوماً کوئی خاص مقام ع

شاخ گل ہر جاکہ روید ہم گل ست

(پھول کی شاخ جہاں بھی اُگے گی وہ پھول بن کر ہی اگے گی۔ت)

(۳۹) قریش کو قبیلہ سے بھی تنگ تر صرف خاندان ٹھہرانا دوسری جہالت ہے کیا رافضیوں کے مذہب کی طرف گئے کہ خلافت بنی ہاشم سے خاص ہے۔

(۴۰) نہ عمل نہ اہلیت صرف خاندان کا اتہام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و صحابہ واہلسنت پر افترا ہے کس نے کہا ہے کہ خلافت کے لئے صرف قریشی ہونا درکار ہے اگرچہ نااہل محض ہو، قرشیت کے ساتھ اہلیت کی شرط بھی بالاجماع ہے، یہ گمان بدکہ کسی وقت تمام جہان میں سب سادات عظام، سب قریش کرام نالائق نااہل ہوجائیں وسوسہ ابلیس ہے ایسا کبھی نہ ہوگا کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سارے جگر پارے ناقابل نالائق رہ جائیں صرف ایرا غیرا اہلیت کا پھندا لٹکائیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو فرماچکے کہ دنیا میں جب تک دو آدمی بھی رہیں گے خلافت کا استحقاق صرف قریشی کو ہوگا تو قطعاً قیامت تک کوئی نہ کوئی قریشی اس کا اہل ضرور رہے گا ولہذا بعض فقہائے شافعیہ وغیرہم نے جب یہ صورت باطلہ فرض کی محققین نے تصریح فرمادی کہ یہ صرف فرض ہے واقع کبھی نہ ہوگی۔شرح بخاری للحافظ میں ہے:

قالوا انما فرض الفقهاء ذٰلك علی عادتهم فی ذكر ما يمكن ان يقع عقلا وان كان لايقع	یعنی علماء نے فرمایا ان فقہاء نے یہ صورت اپنی اس عادت پر فرض کی کہ ایسی بات بھی ذکر کرتے ہیں جو صرف امکان عقلی رکھتی عادۃً یا شرعاً کبھی

عادۃً او شرعاً[1]۔	واقع نہ ہو۔

خصوصًا حدیث کو پیشگوئی مان کر، تو اس کے خلاف کا ادعا جہل صریح بلکہ ضلال عـــہ قبیح ہے۔

عـــہ: قال الحافظ قلت والذی حمل قائل هذا القول علی انه فهم منه (ای من قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایزال هذا الامر فی قریش) الخبر المحض وخبر الصادق لایتخلف، واما من حمله علی الامر فلایحتاج الی هذا التاویل[2] اھ وکتبت علیه اقول بلٰی یحتاج الیه فانه لو صح شرعًا وعادۃً ان تکون القریش فی شیئ من الازمنة ساقطین عن اہلیة الخلافة کما زعمه بعض مبطلی زماننا وقد امر صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان لاتجعل الخلافة ابدا الا فی قریش فیکون ذلك فی ذلك الزمان امرا باستخلاف غیر الاهل وهو محال ثم لاادری ای تاویل فیه وای صرف عن الظاهر انما هو استنباط امر یفیده منطوق الحدیث فافهم ۱۲ منه۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: میں کہتا ہوں اس قول کے قائل کو جس چیز نے اس پر آمادہ کیا وہ یہ کہ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد "یہ خلافت ہمیشہ قریش میں ہوگی" کو خالص خبر سمجھا اور سچے نبی کی خبر خلاف واقع نہیں ہوتی لیکن جس نے اس حدیث کو امر (حکم) قرار دیا وہ اس تاویل کا محتاج نہیں ہے اھ، میں نے اس پر حاشیہ لکھا، اقول اس کی حاجت کیوں نہیں حاجت ہے کیونکہ اگر شرعًا اور عادۃً کسی وقت قریش کا خلافت کے لئے نااہل ہونا صحیح ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بعض باطل لوگ خیال کرتے ہیں حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے کہ "کبھی بھی خلافت غیر قریش کو نہ دی جائے" تو خلافت اس نااہلیت کے زمانہ میں نااہل کو خلیفہ بنانے کا حکم ہوگا جو کہ محال ہے، پھر معلوم نہیں یہ کیا تاویل اور کیا ظاہر سے پھرنا ہوا، حالانکہ یہ تو صرف منطوقِ حدیث سے ایک مفاد کا استنباط ہے، فافهم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۷

[2] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۷

(۴۱) مسٹر نے کہا" خیر یہ بات کتنی ہی عجیب ہوتی لیکن ہم باور کرلیتے اگر قرآن وسنت واقعی ٹھہرائی ہوتی ہمارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت کا معیار صرف یہ ہے کہ کتاب وسنت سے بطریق صحیح ثابت ہو نہ کہ عقلوں کاادراک۔استعجاب کی بنیاد ہمارا قیاسی استبعاد نہیں یہی ہے کہ کسی نص سے ایساثابت نہیں"۔

الحمدﷲ، یہاں تو کچھ اسلامی جامے میں ہیں گویاآزادی سے بالکل جداہیں، ہم نصوص متواترہ واجماع صحابہ واجماعِ امت سے ثابت کرچکے کہ خلافت قریش ہی سے خاص ہے اب تو وہ اپنااستعباد کہ -" بھلااسلام کہیں خصوصیت نسل مان سکتا ہے"جس کو خود کہہ رہے ہو یہ تمہارانرا عقلی قیاسی ڈھکوسلا ہے واپس لیجئے اور اجماعِ امت وارشادات حضرت رسالت **علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ** پر ایمان لایئے۔

مبحث دوم: ردِّاحادیث نبوی میں مسٹر کی بے سود کوشش

(۴۲) بزور زبان بڑ ازور اس پر دیا ہے ص۶۰ کہ "خلافت قریش کی نسبت جس قدر روایات ہیں سب پیشگوئی و خبر ہیں کہ قریشی خلیفہ ہوں گے نہ کہ حکم کہ قریشی ہی خلیفہ ہوں"۔شرح عقائد نسفی و قواعد العقائد امام حجۃ الاسلام واتحاف سید زبیدی ومسامرہ شرح مسایرہ وتعلیقات علامہ قاسم طوالع الانوار علامہ بیضاوی ومواقف علامہ قاضی عضد وشرح مواقف علامہ سید شریف ومقاصد وشرح مقاصد وشرح صحیح مسلم للامام النووی وارشاد الساری ومرقاۃ قاری وشرح صحیح مسلم للقرطبی وابن المنیر وعمدۃ القاری امام عینی وفتح الباری امام عسقلانی وشرح مشکوٰۃ علامہ طیّبی وشرح مشکوٰۃ علامہ سید شریف و امام اجل ابوبکر باقلانی واشعۃ اللمعات شیخ محقق وغمز العیون سید حموی وحاشیۃ الدر للسید الطحطاوی وللسید ابن عابدین وکواکب کرمانی ومجمع البحار وشرح فقہ اکبر بحر العلوم وغیرہا کی عبارات کثیرہ کہ ابھی گزریں اس مہملہ کے رد کو بس ہیں مسٹر آزاد اگرچہ اپنے نشے میں تمام ائمہ مجتہدین کرام سے اپنے آپ کو اعلیٰ جانتے ہیں انکے ارشادات کو ظنی اور اپنے توہمات کو وحی سے مکتسب قطعی مانتے ہیں اور سلطان کا نام محض دکھاوا ہے تمام امت سے اپنی امامت مطلقہ منوانے کا دعوی ہے دیکھو رسالہ خلافت کا اخیر مضمون "اتبعون اھدکم سبیل الرشاد" میرے پیرو ہو جاؤمیں تمہیں راہ حق کی ہدایت کروں گا،جس کا بیان بعونہ تعالیٰ مبحث اخیر آتا ہے مگر الحمدﷲ مسلمانوں میں اب بھی لاکھوں ہوں گے کہ ارشادات ائمہ کے مقابل ایسے نشے کی بالاخوانیوں امنگوں شطحیات کی بہکی ترنگوں کو بادِشتر سے زیادہ نہیں جانتے۔

(۴۳تا۵۰) اشد ظلم حدیث صحیحین "**لایزال ھذاالامر فی قریش**" پر ہے اس میں لفظ وہ لئے جو صحیح بخاری میں واقع ہوئے **مابقی منھم اثنان**[1] اور کہہ دیا ص ۶۳ "اس سے ہمارے بیان کی مزید

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاحکام ۱۰۵۷/۲،صحیح مسلم کتاب الامارۃ ۱۱۹/۲

تصدیق ہوگئی حدیث کا منطوق صریح پیشین گوئی کا ہے اگر اس کا یہ مطلب قرار دیا جائے کہ جب تک دو انسان بھی قریش میں ہیں خلافت انہیں کے قبضہ میں رہے گی تو یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے، ہزاروں قرشی موجود رہے اور خلافت قریش سے نکل گئی پس ضرور ہے کہ مابقے منھم اثنان کے منطوق پر مفہوم کو ترجیح دی جائے اور وہ یہی ہے کہ اگر قریش میں دو بھی خلافت کے اہل ہوں گے تو کبھی خلافت سے یہ خاندان محروم نہ ہوگا مگر جب دو بھی اہل نہ رہیں تو مشیت الٰہی قانون انتخاب اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرمادے گی اور قریش خلافت سے محروم ہوجائیں گے،

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا جب دو قریش بھی دنیا میں حکمرانی کے اہل نہ رہے خلافت نے معًا صفحہ الٹ دیا اور ایک قلم غیر عربی و غیر قرشی خلافت کا دور شروع ہوگیا"۔

اور کمال جسارت وبیباکی یہ کہ نام صحیح مسلم کا بھی لیا اور کہا ص ۶۰: "عمدہ طریق وہ ہیں جو بخاری نے اختیار کئے ہیں لیکن کسی طریق سے بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ثابت ہو کہ مقصود پیشینگوئی نہ تھا تشریع وامر تھا"۔

الحق شوخ چشمی ہو تو اتنی تو ہو۔

اولا مسلم نے یہ حدیث خود انہیں استاذ بخاری احمد بن عبداللہ یونس سے جس نے بخاری سے سنی یوں روایت کی:

لایزال ھذاالامر فی قریش مابقی من الناس اثنان۔	ہمیشہ خلافت قریش ہی میں رہے گی جب تک دنیا میں دو آدمی بھی باقی رہیں۔

اسی طرح اسمٰعیلی مستخرج میں روایت کی "مابقی فی الناس اثنان" جب تک آدمیوں میں دو بھی رہیں۔ یہ روایتیں روایت بخاری کی مفسر ہیں کہ "منھم" سے مراد "من الناس" ہے، لاجرم مرقاۃ علی قاری میں اس کی یہی تفسیر کردی (منھم) ای من الناس (اثنان)[1] جب تک ان میں سے یعنی آدمیوں میں سے دو بھی رہیں ولہذا امام اجل ابوزکریا نووی نے اولًا مسلم کی روایتیں ذکر کیں پھر فرمایا:

وفی روایۃ البخاری مابقی منھم اثنان ھذہ الاحادیث واشباھھا دلیل ظاہر ان الخلافۃ مختصہ بقریش لا یجوز عقدھا لاحد من غیرھم[2]۔	بخاری کی روایت میں ہے کہ جب تک ان میں سے دو آدمی باقی رہیں یہ اور ان کی مثل حدیثیں صریح دلیل ہیں کہ خلافت خاص قریش کے لئے ہے کوئی غیر قرشی خلیفہ نہیں کیا جاسکتا۔

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب مناقب قریش مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۰/ ۳۳۴

[2] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ پشاور ۱۱۹/۲

حدیث کا یہی مفاد امام قسطلانی نے خود شرح روایت بخاری میں لکھا، امام عینی وامام ابن حجر نے شروح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں امام قرطبیؒ کا قول نقل کیا اور مقرر رکھا کہ:

ای لا تنعقد الامامة الکبری الاالقرشی مهما وجد احدمنهم [1]۔	یعنی مراد حدیث یہ ہے کہ جب تک ایک قریشی بھی دنیا میں رہے دوسرے کے لئے امامتِ کبرٰی ہو ہی نہیں سکتی۔

دیکھواس روایت بخاری سے بھی ائمہ نے وہی مطلب سمجھا جو روایت مسلم میں تھا۔

ثانیًا اگر تفسیر نہ مانو تعارض جانو تو متعدد کی روایت کیوں نہ ارجح ہو اور نہ سہی معارض تو ہو گی تو تمہاری سند کہ "منہم" ہے ثابت نہ رہے گی۔

ثالثًا کسی پرچہ اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث وفقہ کا سمجھنا اور، وہ "**من**" کا ترجمہ "سے" اور "**الٰی**" کا ترجمہ "تک" سے نہیں آتا اگر ضمیر قریش کی طرف ہوتی تو "اثنان" کی جگہ "**احد**" فرمایا جاتا یعنی جب تک ایک قریشی بھی رہے جس طرح ابھی امام قرطبیؒ وامام عینی وامام عسقلانی کے لفظ سن چکے اس کی تاویل آپ حسبِ عادت کہ قرآن کریم میں اپنی طرف سے اضافے کرلیتے ہیں حدیث میں یہ پچر بڑھاتے کہ یعنی جب تک کہ ایک قریش خلافت کا اہل رہے دو کی اہلیت پر موقوف فرمانا کیا معنی، کیا خلیفہ ایک وقت میں دو بھی ہوسکتے ہیں؟ ہر گز نہیں، ہاں آدمیوں کی طرف ضمیر ہوتو ضرور دو کی ضرورت تھی کہ خلافت حکومت ہے اور حکومت کو کم سے کم دو درکار، ایک حاکم ایک محکوم، اب تو آپ نے جانا کہ "منہم" کی ضمیر قریش کی طرف پھیرنا کیسی سخت جہالت تھا۔

رابعًا جانے دو آخر اس قدر کے تو منکر نہیں ہوسکتے کہ صحیح مسلم میں لفظ حدیث "**مابقی من الناس اثنان**[2]" ہیں اب کہاں گئی وہ آپ کی بالاخوانی کہ کسی طریق سے بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں، اب دیکھیں اسے کیسے پیشگوئی بناتے ہو، حدیث کا ارشاد تو یہ ہے کہ "جب تک دنیا میں دو آدمی بھی ہوں خلافت قریش کے لئے ہے" اسے خبر بمعنی مزعوم مسٹر وہی ٹھہرائے گا جو اللہ ورسول کو جھٹلائے گا، اور اگر اپنی پچر لیجئے تو معنے یہ ہوں گے کہ جب تک دنیا میں دو آدمی بھی حکمرانی کے اہل رہیں گے خلافت قریش ہی کے قبضے میں رہے گی اب کیوں نہیں اور بھی زیادہ اچھل کر کہتے کہ یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے خلافت صدہا سال سے قریش کے قبضے سے نکل گئی اور ہر گز کوئی وقت ایسا نہ ہوا کہ دنیا میں دو بھی حکمرانی کے اہل نہ ہوں۔ کیا مسٹر اپنی تاریخ دانی تیز زبانی یہاں دکھا کر ثبوت دیں گے کہ اٹھارہ کم سات سو برس یا بلحاظ خلافت مصری گیارہ کم چار سو برس سے دنیا مس وہ شخص بھی قابل حکمرانی نہ رہے۔

---

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۲۳۵/۱۶

[2] صحیح مسلم کتاب الامارة باب الناس تبع لقریش قدیم کتب خانہ پشاور ۱۱۹/۲

خامسًا آپ کے نزدیک چار سو سولہ ۴۱۶ برس سے خلافت شرعیہ ترکوں میں ہے تو ضرور ہے کہ وہ سب حکمرانی کے اہل ہوں کہ نااہل خلیفہ نہیں ہوسکتا معہذا قریش سے نکالی تو ان کی نااہلی کے باعث، اور پھر دی جاتی نااہلوں کو، یہ کون سا قانون اصلح ہے، اور جب وہ اہل تھے اور ہیں تو واجب کہ چار سو سولہ ۴۱۶ برس سے روئے زمین پر کوئی دوسرا انسان قابلِ حکمرانی نہ ہو، ورنہ دنیا میں دو شخص اہلِ حکمرانی نکلتے اور خلافت قریش سے نہ جاتی، اب اس بدیہی البطلان بات کا ثبوت آپ کے ذمے ہے کہ سولہ اور چار سو برس سے تمام جہان میں سلطان ترکی کے سوا کوئی متنفس قابل حکمرانی پیدا نہ ہوا، کابل وبخارا وایران ومغرب وہندوستان وغیرہا تمام ملک خدا میں سب نرے نالائق گزرے پھر خدا جانے صدہا سال ان کی حکومتیں چلیں کیسے، سلطان کافر کش، دین پرور اورنگ زیب محی الملۃ والدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی "**انار اللہ تعالٰی برہانہ**" اگر آپ کے نزدیک اس جرم پر کہ متشرع تھے اور کفار پر غلظت رکھتے نااہل تھے تو اکبر تو نالائق نہ تھا جو آپ ہی کا ہم مشرب اور اتحادِ مشرکین کا دلدادہ تھا غرض پیشگوئی بتا کر تکذیب حدیث کے سوا مسٹر کو کچھ مفر نہیں۔

سادسًا[عـــہ] آپ فرماتے ہیں تاریخ شاہد ہے کہ دو قریش بھی حکمرانی کے اہل نہ رہے، کون سی تاریخ شاہد ہے کہ سات سو یا چار سو برس سے تمام روئے زمین پر کوئی دو قریشی دو ہاشمی دو سید ابن الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسلم حکمرانی کے لائق پیدا ہی نہ ہوئے، فضل الٰہی قومِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخاندان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآل محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صدہا سال سے اٹھالیا گیا اور این وآں کو بٹتا ہے اور بٹا کیا، کیا آپ کے نزدیک مدار لیاقتِ وقوع پر ہے، جس نے حکمرانی نہ پائی نااہل تھا؟ جس نے پائی اہل تھا؟ تو ضرور آپ پلید مرید خبیث عنید نجس یزید کو لائق بتائیں گے اور حضرت امام عرش مقام علی جدہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو **معاذ اللہ** نالائق ٹھہرائیں گے، اور جب یہ معیار نہیں بلکہ صفات ذاتیہ پر مدار ہے تو کیا آپ نے سات سو ۷۰۰ یا چار سو ۴۰۰ برس سے آج تک کے تمام قریشیوں کی جانچ کرلی ہے کہ نالائق تھے، چار سو برس چھوڑیئے کسی ایک برس کے سب قریشی جانے دیجئے صرف بنی ھاشم، سب بنی ہاشم بھی نہیں صرف سادات کرام کے فقط نام گنا دیجئے کہ جہان میں اس سال یہ یہ سید تھے، نام گنانا بھی نہ سہی فقط کسی سال کے تمام سادات کی مردم شماری بتادیجئے، جب اس قدر پر قادر نہیں تو سات سو ۷۰۰ یا چار سو ۴۰۰ برس کے تمام عالم کے تمام قریشیوں کی جانچ آپ نے ضرور کرلی اور معلوم کرلیا کہ سب

عـــہ: یہ بھی جانے دو وہی **منهم** والی روایت اور قریش کی طرف ضمیر، اور وہی پچر لو زبان کے آگے بارہ ہل چلتے ہیں ادعا آسان ہے ثبوت دیتے دام کھلتے ہیں "**هاتوا برهانكم ان كنتم صٰدقين**" اپنی برہان لاؤ اگر سچے ہو ۱۲ حشمت علی رضوی غفرلہ۔

نالائق تھے اور اب تک سب نالائق ہیں، افسوس آپ کا مبلغ علم یہی تاریخی کہانیاں تھا ان پر بھی ایسا جیتا افترا جوڑا تاریخیں ہزار بے تکی ہوں ایسا پورے نشے کا ہذیان بکتے انہیں بھی مار آئے گی۔

سابعًا فصل اول میں ائمہ کی تصریحیں گزریں کہ یہ حدیث خبر بمعنے امر ہے اسے آپ نہیں مانتے کہ پیروی ائمہ آپ کی شان انانیت کو زہر ہے نہ سہی خبر کیا پیشگوئی میں منحصر ہے جو محض خلافِ واقع ہو، اور اپنی طرف سے پچر لگانے کی ضرورت پڑے، کیوں نہ کہئے جس طرح امام قرطبیؒ اور امام عینی وامام عسقلانی سے گزرا کہ یہ خبر تشریعی ہے جو عین منصب شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور اصلاً محتاج تاویل نہیں یعنی خلافتِ شرعیہ ہمیشہ قریش میں رہیگی ان کے غیر کی حکومت کبھی خلافت شرعیہ نہ ہوگی، یہ خلافت کے لئے لزوم قرشیت سے خبر ہوئی نہ کہ بلا فصل استمرارِ خلافت سے جسے خلافِ واقعات کہئے، مثلاً گلاب کا کھلنا ہمیشہ موسم بہار میں ہے اس کے یہ معنی کہ پھول جب کھلے گا بہار ہی میں کھلے گا نہ یہ کہ گلاب سدا گلاب ہے اور بہار بارہ مہینے۔

ثامنًا اقول بلا فصل استمرار ہی لیجئے تو کیوں نہ ہو کہ **ھذا الامر** سے مراد استحقاقِ خلافت ہو اور وہ بلاشبہہ قریش میں مستمر اور انہیں میں منحصر ہے جس طرح امام عسقلانی سے گزرا کہ استحقاقِ خلافت قریش ہی کو ہے ان کا غیر نہ ہوگا مگر متغلب۔

(۵۱) مسٹر نے یونہیں دوسری حدیث "**الائمہ من قریش**" سے تشریع اڑانے اور نری خبر بنانے کے لئے کیا کیا ڈوبتے سوار پکڑے ہیں ص ۶۳: "صحیح بخاری کے ترجمہ باب سے صاف واضح ہے کہ امام بخاری کا بھی مذہب یہی ہے انہوں نے باب باندھا (**الامراء من قریش**) قریش میں امارت وامراء۔ اس مضمون کا باب نہ باندھا کہ امارت ہمیشہ قریش ہی میں ہونی چاہئے۔" **سبحان اللہ**! زہے مسٹری ولیڈری وایڈیٹری۔ امام بخاری کی عادت ہے کہ الفاظ حدیث سے ترجمہ باب کرتے ہیں نیز وہ الفاظ جو ان کی شرط پر نہ ہوں ترجمہ سے ان کا پتا دیتے ہیں حدیث انہیں لفظوں سے تھی انہیں سے باب باندھا، نیز یہ لفظ ان کی شرط پر تھے ترجمہ سے ان کا اشعار کیا، اس سے یہ سمجھ لینا کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے اور پھر اس پر یہ تحکم کہ "صاف واضح ہے" کس درجہ جہل فاضل ہے، فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

لفظ الترجمۃ لفظ حدیث اخرجہ یعقوب بن سفین وابو یعلی والطبرانی[1]۔	ترجمہ باب کی عبارت اس حدیث کے لفظ ہیں جو یعقوب بن سفین وابویعلی وطبرانی نے ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۰

پھر فرمایا:

لما لم یکن شیئ منہا علی شرط المصنف اقتصر علی الترجمۃ واورد الذی صح علی شرط۔[1]	یہ روایتیں شروط بخاری پر نہ تھیں لہذا ان الفاظ کو ترجمہ میں لانے پر اقتصار کیا اور ان کے مؤید وہ حدیثیں لائے جو ان کی شرط پر تھیں

(۵۲) ص ۶۱ "ایک اور حدیث ہے کہ ضرور ہے کہ بارہ خلیفہ ہوں سب قریش سے ہوں گے اس طرز بیان نے ظاہر کردیا کہ اس بارے میں جو کچھ کہا ہے اس سے صرف آیندہ کی اطلاع مقصود ہے حکم و تشریع نہیں۔" بارہ خلافتوں کی پیشگوئی اگر خبر ہے تو دنیا بھر کی حدیثیں سب خبر ہیں اس زبردستی ودیدہ دلیری کی کوئی حد ہے یعنی شارع سے جب کسی امر کے بارے میں کچھ پیشگوئی فرمائے تو اس میں جتنی حدیثیں ہیں سب حکم شرعی سے خالی ہوجاتی ہیں اور سب کو بزور زبان اگرچہ اپنی طرف سے پچریں لگا کر خبر پر ڈھال دینا واجب ہوجاتا ہے ارشاد اقدس:

قدموا قریشا ولاتقدموھا[2]۔	قریش کو مقدم رکھو اور ان پر تقدم نہ کرو۔

یہ بھی امر و نہی نہیں خبر ہوگا کیونکہ ان کی "صرف دانی" میں "قدموا" صیغہ مضارع ہے اور "لاتقدموا" صیغہ ماضی، بات وہی کہ یتشبث بکل حشیش۔

(۵۳تا۵۴) ص ۶۲ "ائمہ حدیث نے حدیث قحطانی وحدیث قریش میں تطبیق دیتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا کہ امارت قریش والی روایت تشریع نہیں محض خبر ہے"

اولاً یہ عیاری و چالاکی ملاحظہ ہو امارت قریش والی روایت میں کہا جس سے حدیث **الامراء من قریش** و حدیث **الائمۃ من قریش** و حدیث **لایزال ھذا الامر فی قریش** کی طرف ذہن جائے حالانکہ ائمہ حدیث نے ہرگز نہ کہا کہ ان سے تشریع ثابت نہیں نری خبر ہیں زیر نمبر ۴۲ کتب کثیرہ کے نام گنا چکا ہوں ان کی عبارتیں فصل اول میں دیکھئے اور اس کذب صریح سے توبہ کیجئے، ائمہ حدیث کی اگر مانتے ہو تو ان کی ان روشن تصریحوں سے کیوں منکر ہو۔

ثانیاً ائمہ نے حدیث قحطانی سے جس حدیث کی تطبیق دی وہ یہ ہے:

ان ھذا الامر فی قریش لایعادیھم احد الا اکبہ اللہ علی وجھہ ما اقاموا	بیشک یہ امر قریش میں ہے جو ان سے عداوت کرے گا اللہ اسے اوندھے منہ گرائے گا جب تک قریش

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۲۳۱/۱۶

[2] کنز العمال حدیث ۳۳۷۸۹، ۳۳۷۹۰، ۳۳۷۹۱ بحوالہ البزار وابن عدی وطبرانی موسسۃ الرسالہ بیروت ۲۲/۱۲

الدین[1]۔	دین قائم رکھیں۔

اسے اگر خبر بتایا کہ یہ اقامت دین سے مقید ہے تو احادیث مطلقہ کا خبر ہو جانا کیوں لازم آیا وہ تشریع ہیں اور اپنے اطلاق پر یعنی شرعًا خلافت صرف قریش کے لئے ہے اور یہ خبر ہے اور مقید ہے یعنی وہ اپنے حق سے بہرہ مند رہیں گے جب تک دین قائم رکھیں، جب اسے چھوڑیں گے خلافت جاتی رہے گی۔

ثالثًا عجب ہے کہ ایک حدیث خاص میں دو چار شراح نے جو لکھا وہ تو ان کا دامن پکڑ کر سب احادیث کو بزور زبان عام کرلیا جائے اور خود ان باقی احادیث میں جو ان کی عام جماعتوں نے لکھا اور مذہب اہل سنت واجماع صحابہ بتایا وہ انہیں کے کلام سے رد کردیا جائے، اور کیا "**یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ**"[2] کے سر پر سینگ ہوتے ہیں، قرآن عظیم نے اسے خصلتِ یہود بتایا کہ بات کو اس کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں۔

رابعًا جب جماعت ائمہ حدیث کی روشن و قاہر تصریحات حتی کہ اجماعِ صحابہ وعقیدہ اہل سنت مقبول نہ ہو تو ایک حدیث خاص میں ایک خاص وجہ سے ان کے دو چار کا کہنا کیوں حجت ہو، آپ تو مجتہدین سے بھی اونچے اڑتے ہیں، ان دو چار ٹھیٹ مقلدوں کا دامن نہ تھامئے، حدیث سے چلئے، حدیث میں "**ما اقاموا الدین**" بعد جملہ "**لایعادیھم احد الا اکبه الله**" ہے اسی سے کیوں نہ متعلق ہو اس سے توڑ کر دور کے جملہ "**ان ھذا الامر فی قریش**" سے کیوں جوڑ دیا جائے وہ اپنے اطلاق پر رہے اور یہ قید اسی جملہ میں ہو جس سے یہ متصل ہے تو معنی حدیث یہ ہیں کہ بیشک شرعی خلافت قریش میں منحصر ہے دوسرا شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا اور قریش جب تک دین قائم رکھیں گے ان کا مخالف ذلیل ورسوا ہوگا اب اپنے اجتہاد کی خبریں کہئے۔

(۵۷ تا ۶۰) حدیث جلیل "**الائمة من قریش**" پر ایک ہاتھ **من حیث السند** بھی صاف کیا، ص ۶۴ "یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں، فتح الباری میں ہے:

الائمة من القریش عــہ **رجاله رجال الصحیح ولکن فی سنده انقطاع**[3]۔	حدیث "**الائمة من قریش**" کے تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے (ت)

عــہ: نہ فتح الباری میں "**من القریش**" ہے نہ حدیث میں، پہلے بھی آپ نے اپنے کلام میں حدیث ان لفظوں سے لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کی تھی مگر امام ابن حجر پر تو اس افترا علی المصطفٰی کی تہمت نہ رکھئے ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۹۷

[2] القرآن الکریم ۵/۱۳

[3] فتح الباری شرح صحیح البخاری باب الامر من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/۲۳۱

اولاً فتح الباری میں یہ حدیث متعدد الفاظ وکثیر طرق سے حضرت ابوبرزہ اسلمی وحضرت امیر المومنین مولٰی علی وحضرت انس بن مالک وحضرت ابوہریرہ وحضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بروایت یعقوب بن سفین وابویعلی وطبرانی وابوداؤد طیالسی وبزار وتاریخ امام بخاری ونسائی وامام احمد وحاکم ذکر کی، یہ لفظ کہ اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع ہے صرف صدیق اکبر سے روایت احمد کی نسبت لکھے ہیں کہ مسند احمد میں صدیق سے اس کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف احدالعشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے صاحبزادہ امام ثقہ تابعی جلیل حضرت حمید بن عبدالرحمٰن ہیں ان کے صدیق اکبر سے سماع نہیں۔ فتح الباری کی عبارت ملخصًا یہ ہے احادیث ابوبرزہ ومولٰی علی وبعض طرق حدیث انس ذکر کرکے کہا:

واخرجه النسائی والبخاری ایضاً فی التاریخ وابو یعلی من طریق بکیر الجزری عن انس وله طرق متعددۃ عن انس، واخرج احمد هذااللفظ من حدیث ابی هریرۃ ومن حدیث ابی بکر الصدیق، و رجاله رجال الصحیح لکن فی سنده انقطاع، واخرجه الطبرانی والحاکم من حدیث علی بهذا اللفظ الاخیر[1]۔	یعنی نیز یہ حدیث امام نسائی اور امام بخاری نے تاریخ میں اور ابویعلی نے بروایت بکیر جزری حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی اور امام احمد نے یہی لفظ الائمۃ من قریش حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حدیث سے روایت کئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے اور اس کے رجال رجال صحیح ہیں مگر اس کی سند میں انقطاع ہے، اور یہ حدیث طبرانی وحاکم نے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی انہیں لفظوں سے کہ "الائمۃ من قریش"۔

مسٹر نے اول آخر سب اڑا کر مطلقًا اس حدیث ہی پر حکم لگادیا کہ فتح الباری میں اس کی سند منقطع بتائی یہ کیسی خیانت ہے۔

ثانیًا فصل اول میں گزرا کہ انہیں صاحب فتح الباری امام ابن حجر نے اسی حدیث "الائمۃ من قریش" کے جمع طرق میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اسے چالیس کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایت سے دکھایا حدیثِ متواتر کو کہنا کہ بطریق اتصال ثابت ہی نہیں کیسا ظلم شدید واغوائے جہال ہے اور پھر انہیں ابن حجر پر اس کے متن کے منقطع السند بتانے کی تہمت کیسی جرأت پروبال ہے۔

ثالثًا طرفہ یہ کہ خود ہی ص ۵۶ پر کہہ چکے تھے "احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۲۳۱/۱۶

سب صحیح ہیں"۔اب یہاں یہ کہ "بطریق اتصال ثابت ہی نہیں" چار ہی ورق بعد "نسی ما قدمت یدہ" (اپنے ہاتھوں پیش کیا ہوا بھول گیا۔ت)

رابعًا وہیں اس کے متصل تھا" یہ بھی حق ہے کہ حضرت ابوبکر نے مجمع صحابہ میں اس کو پیش کیا اور کسی نے انکار نہ کیا" اب حق کی سند میں بھی کلام ہونے لگا، اگر یہ کلام اس کے حق ہونے میں خلل انداز ہے تو حق کرنا ناحق بنانے کی کوشش کرنے والا کون ہوتا ہے اور اگر اس سے اس کے حق ہونے پر کچھ حرف نہیں آتا تو رد و اعتراض کے لئے کہنا "اس سے بھی شرعًا اختصاص قریش کے دعوی کی کوئی مدد نہیں مل سکتی اولًا یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں"، کیسا اغرائے جہال ہے۔یہ ہے کہ مسٹر حدیث دانی اور ارشاد نبوت پر ظلم رانی، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**

مسئلہ ۲۵ تا ۲۹: از شہر بنارس محلّہ پکی باغ مرسلہ محمد امان اللہ مدرس مدرسہ مظہر العلوم ۸ شعبان ۱۳۳۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماقولکم ایھا العلماء الکرام دام فضلکم (اے علماء کرام اللہ تمہیں بزرگی عطا فرمائے اس بارے میں تمہارا کیا قول ہے۔ت) ایک عورت بالغہ کافرہ دختر ہنود کا بیاہ اس کی قوم کے ایک مرد سے ہوا، پر قبل ملاقات ویکجا ہونے و بات چیت ہونے کے اس مرد سے، باپ عورت مذکورہ کا بعضی خرابیوں کے خیال سے اس مرد ہنود سے دختر کو اپنی چھڑالایا، اور اس مرد ہنود نے عورت مذکورہ کو چھوڑ کر دوسرا بیاہ اپنی قوم میں کرلیا، عورت مذکورہ بعد اس کے کئی سال ماں باپ کے یہاں رہ کر محنت مزدوری سے بسر اوقات کرتی تھی، اسی حالت میں اسے توفیق قبول اسلام کی ملی، ماں باپ سے پوشیدہ اسلام لاکر ایک مسلمان سے اس نے بہ گواہی دو مرد مسلمان بالغ عاقل کے نکاح کرلیا، نکاح کے ایک سال کے بعد اس نکح سے اس عورت کو ایک دختر پیدا ہوئی، جس کی عمر اس وقت پانچ سال سے متجاوز ہے اور وہ دختر اپنی ماں کے ساتھ اس مکان میں رہا کرتی ہے جس مکان کو نکح کے باپ نے اس دختر اور اس کی ماں کے رہنے کو دیا ہے بسبب اسلام لانے اور مسلمان سے نکاح کرنے کے اس عورت کے ماں باپ بہنیں کافرہ کو رنج و عناد ہوا، بہت کچھ فکر اس کے پھیرنے کی اسلام سے اور مرد سے چھڑانے کی کرکے سب طرح عاجز ہو کر اب کہ اس دختر کا کان بطریقہ رواج مسلماناں چھدوایا گیا اور اس کی دینی تعلیم دینے کا ارادہ ماں باپ نے اس کے ظاہر کیا، عناد ماں باپ بہنیں کافرہ کا اس عورت نومسلمہ سے بڑھ گیا، کمال عناد سے اس دختر کے ہندو بنانے کی فکر میں ہو کر یہ افتراء شروع کیا ہے کہ دختر مذکورہ کو محض جھوٹ وغلط مرد ہندو کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے مادر دختر کو گاہے اتفاق ملاقات ویکجا ہونے و بات چیت

کرنیکا بھی موقع نہیں ہوا اور بناء بر اس افترا کے اس دختر کے اس کے ماں باپ سے چھڑا کر اپنے یہاں لے جاکر ہندو بناکر ہنود سے شادی بیاہ اس کا کرنا چاہتے ہیں، بعضے ہنود جو تعصب مذہبی رکھتے ہیں اور بعضے وہ مسلمانان جن کو ماں باپ بہنیں کافرہ مذکورہ سے غرض دنیاوی ونفسانی کا تعلق ہے اور بعضے وہ مسلمانان جو مرد ناکح اور عورت نومسلمہ مذکورہ سے کچھ رنجش دنیاوی وحسد وعناد رکھتے ہیں، معین ومددگاران کفار کے ہورہے ہیں، اس وجہ سے شور پشتی ان سبھوں کی اس درجہ کو بڑھ گئی ہے کہ مرد ناکح وعورت نومسلمہ مذکورہ کو برسر کوچہ وبازار برملا گالیاں دے کر کہتے پھرتے ہیں کہ اس دختر کو ہر گز نہیں چھوڑیں گے اور مسلمہ نہیں ہونے دیں گے بلکہ جس طرح ہوگا اپنے یہاں لاکر اسے ہنود بناکر ہندو کے ساتھ شادی بیاہ کردیں گے اور طرح طرح کے افترا پردازی ومقدمہ بازی جھوٹ کی بندشیں ہورہی ہیں اور بے عزّتی وذلت مرد ناکح وعورت نومسلمہ مذکورہ کی دھمکی دی جاتی ہے جس میں وہ دونوں ڈر کر بخیال بچنے کے ذلت دنیا سے، اس دختر کو ماں باپ بہنیں کافرہ کے حوالہ کردیں، ایسے حال میں حکمِ خدا اور سول کیا ہے؟

(۱) آیا مرد ناکح وعورت مسلمہ مذکورہ اپنے نطفہ وبطن کی دختر کو دھمکی وڈر سے ان شور پشتوں کے اور دنیاوی ذلت کے خوف سے حوالہ کفار دیں کہ وہ اسے لیجا کر کافرہ بنائیں؟

(۲) یا اپنی ذلت دنیاوی کا خیال چھوڑ کر جان توڑ کر کوشش اس دختر کی حفاظت کی کریں جس میں وہ دختر قبضہ ہنود میں جاکر ہندو نہ بننے پائے؟

(۳) اور مسلمانان کو اس شہر کے ہر طرح کی حمایت ومدد ایسی کرنی جس میں مسلمان کی لڑکی ہنود کے قبضہ میں جاکر کافرہ نہ بننے پائے، شرعًا بحکم خدا اور سول لازم وضرور ہے یا نہیں؟

(۴) اور جو مسلمان اس کے خلاف حمایت کفار کی کرے وہ خدا اور سول کے نزدیک کیسا ہے اور اس کی نسبت شرعًا کیا حکم ہے؟

(۵) اور اگر مسلمانانِ شہر کی غفلت وناتوجہی ومدد نہ کرنے سے اور اس وجہ سے عورت نومسلمہ اور اس کے ناکح مرد کے مجبور وبے بس ہوجانے سے دختر مذکورہ قبضہ ہنود میں جاکر ہندو بنائی جائے تو اس کا الزام ومواخذہ خدا ورسول کے طرف سے مسلمانانِ شہر پر ہوگا یا نہیں؟

ہر شق سوال کا جواب اردو میں عام فہم، مفصل ومدلل بسندِ قرآن وحدیث وکتب دینیہ اور ایسے موقع پر سیرت صحابہ کرام وائمہ عظام کیا ہے بہ نقل اس کے درکار ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) حرام حرام حرام جب تک حالت اکراہ شرعی کی نہ ہو،

قال اللہ تعالٰی "اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَٮِٕنٌّ ۢ بِالۡاِيۡمَانِ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔(ت)

(۲) فرض فرض ہے کہ ہر جائز کوشش کو حد امکان تک پہنچادیں اور کسی طرح اس میں سستی یا کم ہمتی کو کام نہ دیں۔

قال اللہ تعالٰی "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔(ت)

(۳) فرض فرض ہے کہ ہر مسلمان بقدرِ قدرت اس مسلمان لڑکی کو اس سخت تر آفت سے بچائے اور کوئی کوشش جس حد تک جائز اور ممکن ہے اسے اٹھانہ رکھے۔

قال اللہ تعالٰی "تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔(ت)

یہ فرض کفایہ ہے جتنے مسلمانوں کی کوشش سے کام چل جائے کافی ہے سب پر فرض اتر جائے گا، ورنہ سب گنہگار اور سخت وبال میں گرفتار رہیں گے، **والعیاذ باللہ**۔

(۴) اس کے لئے نار ہے نار ہے نار، اس پر غضب ہے غضب ہے غضب جبار،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ "[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔(ت)

علماء نے دوسرے کے کفر پر راضی ہونے کو کفر لکھا ہے "**الرضا بالکفر کفر**" نہ کہ دوسرے کو کافر بنانے میں کوشش یہ بلاشبہہ بحکم فقہا کفر ہے بحکم فقہائے کرام ایسے شخص کی عورت اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور وہ ان تمام امور کا سزاوار ہوگا جو ایک مرتد کے ساتھ کئے جانے کا حکم کہ اس کے پاس بیٹھنا، بات چیت، میل جول، شادی بیاہت، بیمار پرسی، جنازہ پر جانا، اسے غسل دینا، کفن دینا، نماز جنازہ پڑھنا، جنازہ بہ تکریم اٹھانا، مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا سب یک قلم ناجائز وگناہ ہے۔

(۵) اس کا جواب جواب سوم میں آگیا، اگر ایک مالدار ذی وجاہت مسلمان کی کوشش سے کام چل جائے تو ایک ہی کافی ہے اور سب مسلمانوں کی مجموعی قوت سے جائز کوشش اثر پذیر ہوگی تو سب پر فرض ہے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/۱۰۶

[2] القرآن الکریم ۶۶/۶

[3] القرآن الکریم ۵/۲

[4] القرآن الکریم ۵/۲

مل کر ہر امکانی پسندیدہ جائز کوشش انتہا تک پہنچادیں، اگر پھر بھی کامیاب نہ ہوں تو معذور ہیں جس کے کسل و بے توجہی سے کام میں خلل پڑے گا وہ مستحقِ نار وغضب جبار ہے **والعیاذ باللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰: از پیلی بھیت محلہ منیر خاں مدرسۃ الحدیث مرسلہ مولانا سورتی ۴ ذی القعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شخص کے حق میں جس نے سید صحیح النسب بالخصوص اور تمام سادات گیلانیہ اولاد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو علی العلوم سواچار پیروں کے بر سر بازار علٰی رؤس الاشہاد یہودی، نصرانی خنزیر، کتا وغیرہ وغیرہ بری گالیاں کہے ہوں اور اوصاف ذمیمہ مذکورہ ان حضرات کے حق میں اعتقاداً استعمال کئے ہوں اور کرتا رہے از روئے شرع اس شخص اور اس کے مددگاروں کا خواہ مولوی کہلاتے ہوں یا سیٹھ وغیرہ کیا حکم ہے؟ **بینوا بحوالۃ الکتاب تؤجروا یوم الحساب**، اس سوال کا جواب مجھے کسی کتاب میں نہ ملا اس وجہ سے حضور کو تکلیف دیتا ہوں۔

الجواب:

ایسے شخص کو از سرِ نو تجدید اسلام چاہئے اور اگر عورت رکھتا ہو تو اس سے بعد توبہ و تجدید اسلام پھر نکاح کرے کہ علمائے کرام نے ایسے شخص پر حکم کفر فرمایا ہے، مجمع الانہر میں ہے:

والاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال للعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا بہ الاستخفاف کفر۔[1]	سادات اور علماء کی بے عزتی کرنا کفر ہے، جو شخص تحقیر کے ارادے سے عالم کو عویلم اور علوی کو علیوی کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (ت)

رہے اس کے معاونین خواہ مولوی کہلاتے ہوں یا سیٹھ اگر خود ان کلمات ملعونہ میں اس کے معاون ہیں یا ان کو جائز رکھتے ہیں یا ہلکا جانتے ہیں تو ان سب کا بھی یہی حکم ہے جو اس کا ہے، اور اگر ایسا نہیں جب بھی ایسے شخص کے ساتھ میل جول کے سبب عاصی و مخالف حکم شرع ہیں۔

قال اللہ عزوجل "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ"[2] **۔قال اللہ عزوجل "وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"**[3]**۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔ (ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی: واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۹۵

[2] القرآن الکریم ۶/۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/۱۱۳

مسئلہ ۳۱: از کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ سید اکبر شاہ طالب علم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص مرزائی کے نابالغ لڑکے کا بخیال "**مامن مولود الایولد علی الفطرۃ**" (ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ت) حنفی اگر امام کے پیچھے جنازہ کی نماز ادا کرے تو عندالشرع درست ہے یا نہیں؟ پڑھنے والا ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ حنفیوں پر دیکھنے ایسی میت سے نماز جنازہ واجب ہوگی یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر مرزائی کا بچہ سات برس یا زائد کی عمر کا تھا، اچھے کی تمیز رکھتا تھا اور اس حالت میں اس نے اپنے باپ کے خلاف پر دین اسلام اختیار کیا اور قادیانی کو کافر جانا اسی پر انتقال ہوا تو وہ ضرور مسلمان تھا، مسلمانوں پر اسے غسل وکفن دینا اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا مقابر مسلمین میں دفن کرنا فرض ہے۔اور ممکن ہو تو اس کے باپ وغیرہ کفار کو اسے ہاتھ نہ لگانے دیں جس طرح حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے یہودی کو اس کے بیٹے کے سرہانے سے اٹھادینے کا حکم فرمایا جبکہ وہ نزع میں اسلام لاکر انتقال کر گیا، اور اگر اسی عمر و تمیز میں اپنے باپ کی طرح کفر بکتا تھا تو یقیناً کافر تھا۔اب وہ سب کام مسلمان پر حرام ہیں، نہ غسل دیں نہ کفن دیں نہ دفن میں شریک ہوں، اور ان سب سے بدتر اس کے جنازہ پر نماز ہے کہ خود کفر کا پہلو رکھتی ہے اور اگر اس سے کفر یا اسلام کچھ ظاہر نہ ہوا یا ناسمجھ بچہ تھا کہ اس تمیز کے قابل ہی نہ تھا تو اب یہ دیکھا جائے گا اور اس کی ماں بھی اس کے باپ کی طرح قادیانی یا اور کسی کفری عقیدہ والی ہے تو بچہ بھی کافر سمجھا جائے گا، اور اس کے لئے وہ سب کام مسلمانوں پر حرام ہوں گے اور اگر ماں مسلمان ہے تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتی ہے اور قادیانی کو کافر جانتی ہے تو اس صورت میں وہ بچہ جس سے کفر خود ظاہر نہ ہوا اور نابالغی میں مرگیا اپنی ماں کا تابع قرار پاکر مسلمان سمجھا جائے گا اور وہ سب کام اہل اسلام پر واجب ہوں گے حدیث "مامن مولود "اس حالت میں نابالغ ہے کہ بچہ سمجھ وال ہو کر خود کفر نہ کرے نہ ناسمجھی کی حالت میں ماں باپ دونوں کافر ہوں ورنہ اگر خود کفر کیا تو اچھی فطرت سے بدلا اور اگر خود سمجھ وال ہو کر اسلام نہ لایا اگرچہ کفر بھی نہ کیا اور ماں باپ دونوں کافر ہیں تو "**ثم ابواہ یہودانہ**"[1] (پھر اس کے والدین اسے یہودی بنادیں۔ت) میں داخل ہے اور حکم کفر اسے شامل ہے۔تنویر میں ہے:

اذا ارتد صبی عاقل صح کاسلامہ	جب عقلمند بچہ مرتد ہوجائے تو اس کا ارتداد اس کے

[1] صحیح مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۳۶/۲

والعاقل الممیز[1]۔	اسلام کی طرح صحیح ہوگا اور عاقل سے مراد امتیاز نہ کرنے والا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

وھو ابن سبع فاکثر مجتبی وسراجیة[2]۔	وہ سات سال یا اس سے زائد عمر کا ہو۔ مجتبٰی سراجیہ۔(ت)

اسی میں ہے:

زوجان ارتدا فولدت ولدا یجبر علی الاسلام لتبعیته لابویه[3]۔(ملخصاً)	خاوند وبیوی دونوں مرتد ہوگئے، عورت نے بچہ جنا تو اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ دین میں وہ اپنے والدین کے تابع ہے۔(ملخصاً)(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فی الاسلام والردۃ وھما یجبران فکذا ھو[4]۔	یعنی اسلام اور مرتد ہونے میں اور ان دونوں کو بھی اسلام کے لئے مجبور کیا جائے گا پس اسی طرح اس بچے کو بھی۔(ت)

تنویر میں ہے:

الولد یتبع خیر الابوین دینا[5]۔	بچہ اپنے والدین میں سے اس کے تابع ہوگا جو دین کے اعتبار سے بہتر ہوگا۔(ت)

شامی میں بعد ذکر حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ فرمایا:

انھم قالوا انه جعل اتفاقھما ناقلاله عن الفطرۃ[6]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فقہاء نے فرمایا ماں باپ کے کفر پر اتفاق نے بچے کو فطرت سے ہٹادیا۔(ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۳۶۱/۱
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۳۶۱/۱
[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۳۶۱/۱
[4] ردالمحتار باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۰۶/۳
[5] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۰/۱
[6] ردالمحتار باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۹۴/۲

مسئلہ ۳۲: از ملک بنگال موضع رام پور ڈاکخانہ کجرہ ضلع پیرہ حال مقام خواجہ قطب بریلی محمد الہ طالبعلم ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کو انگریزی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض انگریزی خواں کہتے ہیں کہ مولوی لوگ کیا جانتے ہیں۔ کیا اس لفظ سے علم کی حقارت نہیں ہوتی؟ اگر ایسا کہے تو کافر ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسی انگریزی پڑھنا جس سے عقائد فاسد ہوں اور جس سے علمائے دین کی توہین دل میں آئے انگریزی ہو خواہ کچھ ہو ایسی چیز پڑھنا حرام ہے، اور یہ لفظ کہ "مولوی لوگ کیا جانتے ہیں" اس سے ضرور علماء کی تحقیر نکلتی ہے اور علمائے دین کی تحقیر کفر ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۝۶۵ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْؕ [1] ۔ اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وابو الشیخ وابن مردویۃ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وابن جریر عن زید بن اسلم وعن محمد بن کعب وغیرہما قال رجل فی غزوۃ تبوك فی مجلس یوما مارأینا مثل قرأتنا ھؤلاء ولا ارغب بطونا ولا اکذب السنۃ ولا اجبن عند اللقاء فقال رجل فی المجلس کذبت ولکنك منافق لاخبرن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فبلغ ذلك رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونزل القرآن قال عبداللہ فانا رأیتہ متعلقا ناقتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہیں گے ہم تو دلچسپی اور کھیل کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کیا اللہ تعالٰی اس کی نشانیوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو بہانے نہ بناؤ تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہوگئے، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ابن جریر نے حضرت زید بن اسلم اور محمد بن کعب وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حدیث کی تخریج کی کہ ایک شخص نے ایک دن ایک مجلس میں غزوہ تبوک کے موقعہ پر کہا کہ ہم نے اپنے ان قاریوں کی مانند اور نہ دیکھے نہ کھانے کے لالچی اور نہ زبان کے جھوٹے اور نہ دشمن کے مقابل میں بزدل۔ تو اس مجلس میں ایک شخص نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے تو منافق معلوم ہوتا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ضرور اس بات کی خبر دوں گا تو اس کی یہ بات حضور اکرم کو معلوم ہوئی اور قرآن نازل ہوا حضرت عبداللہ نے فرمایا تو میں نے اس شخص کو حضور اکرم کی اونٹنی کے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القرآن الکریم ۹/۶۵

وسلم والحجارۃ تنکبه وھو یقول یارسول اللہ انما کنا نخوض ونلعب والنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول اباللہ وایاته ورسوله کنتم تستھزء ون[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنگ کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھا پتھر اسے زخمی کررہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا یارسول اللہ! ہم تو دلچسپی اور کھیل کررہے تھے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو فرمارہے تھے کیا اللہ تعالٰی، اس کی آیات اور اس کے رسول سے تم ٹھٹھا کرتے ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳: از بریلی محلّہ چک شہر کہنہ مسئولہ صفدر علی خاں ومبارک علی خاں　ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید سنی المذہب نے بکر کو سنی باور کرکے اپنی لڑکی نابالغہ کا بکر کے نابالغ لڑکے کے ساتھ اس کو سنی باور کرکے ولایۃً نکاح کردیا مگر بوجہ نابالغ ہونے کے رخصتی نہیں ہوئی، اور آمدورفت بھی دونوں کی نہیں ہوئی نہ یکجائی ہوئی، سات سال کے بعد دونوں کو بلوغ ہوا، زید کو یہ اطلاع ملی کہ بکر بھی پکا سنی نہیں اور اس کا بیٹا قطعی رافضی ہے جس کا ثبوت یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اس کے معمولی عمل میں ظاہر ہوتا ہے نماز شیعہ کی پڑھتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا قذف کرتا ہے اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحابیت کا منکر ہے اور تبرا کہتا ہے اور ایسے مجالس میں شرکت کرتا ہے جس میں سنی شریک نہیں ہوتے ہیں۔ زید نے اسی خبر کو سن کر رخصتی سے انکار شروع کیا اس پر بکر نے رخصت کرانے کی ضرورت سے لڑکے کو اس بات پر آمادہ کیا کہ لڑکا اپنے کو سنی ظاہر کرے چنانچہ ازراہ تقیہ لڑکے نے اپنے کو سنی ظاہر کیا لیکن کوئی ثبوت لڑکے کے سنی ہونے کا زید کو نہیں ملا بلکہ حال میں ۱۱ محرم ۱۳۳۳ھ کو مقام مرزا گنج پر ایک شخص جماعت اہل سنت والجماعت کو مدح صحابہ پڑھنے سے بااعلان اسی لڑکے نے روکا اور اپنے ایک ملازم شیعہ مذہب سے پٹوایا اور اس کے باپ یعنی بکر نے حکام سے مدح صحابہ بااعلان کئے جانے کی شکایت کی اس وجہ سے حکام جمع ہوئے تو کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین متین کہ لڑکی جس کا نابالغیت میں نکاح کیا گیا وہ لڑکی کہ حالت موجودہ میں منظور نہیں ہے، اور زید کو بھی انکار ہے آیا نکاح باقی رہا یا فسخ ہوگیا۔ فقط

الجواب:

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا قذف کفر خالص ہے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

[1] تفسیر درمنثور بحوالہ ابن جریر وابن ابی حاتم وابی شیخ وابن مردویہ تحت آیہ انما کنا نخوض مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۲۵۴، جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیہ انما کنا نخوض ونلعب المطبعۃ المیمنۃ مصر ۱۰/ ۱۰۴و ۱۰۵

صحابیت کا انکار کفر خالص ہے، اسی طرح تبرائیاں زمانہ میں اور بھی کفر وارتداد کی قطعی وجوہ ہیں جن کی تفصیل ردالرفضۃ میں ہے اور ان کا کافر مرتد ہونا عامہ کتب معتمدہ خلاصہ وفتح القدیر وظهیریه وعالمگیری وردالمحتار و عقود الدریة و بحر الرائق و نهر الفائق وتبیین الحقائق وبدائع وبزازیه وبرجندی وانقرویه و واقعات المفتین و اشباہ ومجمع الانهر وطحطاوی علی الدر وغنیه ونظم الفرائد وبرہان شرح مواہب الرحمن وتیسیر المقاصد وشرح وہبانیه ومغنی المستفتی وتنویر الابصار ومنح الغفار واصول امام شمس الائمه وکشف البزدوی وشفاء شریف و روضه امام نووی واعلام ابن حجر وکتاب الانوار وشرح عقائد ومنح الروض وفواتح الرحموت وارشاد الساری وفتاوٰی علامه مفتی ابوسعود وعلامہ نوح آفندی وشیخ الاسلام عبداللہ آفندی واحمد مصری علی مراقی الفلاح وشلبی علی الزیلعی وغیرہما سے ثابت وروشن ہے، خزانة الفقه پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لوقذف عائشه رضی الله تعالٰی عنها بالزنی کفر بالله تعالٰی [1]۔	اگر کسی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت زنا لگائی تو اس نے اللہ تعالٰی کے ساتھ کفر کیا۔ (ت)

شرح ملتقی الابحر میں ہے:

یکفر بقوله لاادری ان النبی فی القبر مؤمن اوکافر وبقوله ماکان علینا نعمة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لان البعثة من اعظم النعم وبقذفه عائشة رضی الله تعالٰی عنها وانکاره صحبة ابی بکر رضی الله تعالٰی عنه [2]۔	اگر کسی نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ نبی قبر میں حالت ایمان میں ہے یا کفر میں، تو کافر ہوجائے گا، اسی طرح کافر ہوجائے گا اگر یہ کہتا ہے کہ ہم پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کوئی نعمت نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ یا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت لگاتا ہے یا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کا انکار کرتا ہے۔ (ت)

توپسر زید اگر مرتد نہ تھا اب مرتد ہوگیا، خزانة المفتین وظهیریه وعلمگیریه وحدیقه ندیه وغیرها میں منکران ضروریات دین رافضیوں کے بارہ میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیه الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۲

ھؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام و احکامھا احکام المرتدین[1]۔	یہ لوگ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں اور ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔(ت)

اس کے مرتد ہوتے ہی نکاح فورا فوراً فسخ و باطل ہوگیا، تنویر الابصار و شرح علائی میں ہے:

ارتداد احد الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء[2]۔ (ملخصاً)	زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہوجانے سے بلاتاخیر نکاح فسخ ہوجاتا ہے(ت)

عورت کو حرام قطعی ہے کہ اسے شوہر سمجھے زید پر حرام قطعی ہے کہ دختر کو رخصت کرے اگر قربت واقع ہوگی زنائے خالص ہوگا اگر اولاد ہوگئی ولد الزنا ہوگی، درمختار میں ہے:

فی شرح الوھبانیة للشرنبلالی مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا[3]۔	شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے کہ جو چیز بالاتفاق کفر ہو اس سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کی اولاد ولدالزنا قرار پاتی ہے۔(ت)

اگر بالفرض پسر بکر اب اپنے آپ کو سنی ظاہر کرے بلکہ حقیقۃً سچا پکا خالص مخلص وسنی ہوجائے تو نکاح کہ فسخ و باطل ہوگیا عود نہیں کرسکتا نہ عورت پر جبر ہوسکتا ہے کہ اس سے از سر نو نکاح کرے۔ جامع الفصولین میں ہے:

لوارتد ھو لاتجبر المرأة علی التزوج[4] واللہ تعالٰی اعلم	اگر خاوند مرتد ہوجائے تو عورت کو (دوبارہ) نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

[4] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

رسالہ

رَدُّالرِّفضة ۱۳۲۰ھ

(تبرائی رافضیوں کارَد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۳۴: از سیتاپور مرسلہ جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بی بی سیّدہ سُنی المذہب نے انتقال کیا اس کے بعض بنی عم رافضی تبرائی ہیں، وہ عصبہ بن کر ورثہ سے ترکہ چاہتے ہیں حالانکہ روافض کے یہاں عصوبت اصلاً نہیں، اس صورت میں وہ مستحق ارث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

الحمد للہ الذی ھدانا وکفانا، واوانا عن الرفض و الخروج، وکل بلاء نجانا، والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا ومولٰنا وملجانا وماوانا محمد واٰلہ وصحبہ الاولین ایمانا والاحسنین احسانا والامکنین ایقانا آمین!	سب حمدیں اس اللہ تعالٰی کے لئے جس نے ہمیں ہدایت دی اور رفض اور خروج سے کفایت اور پناہ دی اور ہر بلاء سے نجات دی، اور صلٰوۃ و سلام ہو ہمارے آقا، مولٰی، ہمارے ملجا اور ماوٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل و صحابہ پر جو ایمان لانے میں پہلے اور نیکی میں احسن اور ایمان و یقین میں پختہ ہیں، آمین!

صورتِ مستفسرہ میں یہ رافضی اس مرحومہ سیدہ سنّیہ کے ترکہ سے کچھ نہیں پاسکتے اصلاً کسی قسم کا استحقاق نہیں رکھتے اگرچہ بنی عم نہیں خاص حقیقی بھائی بلکہ اس سے بھی قریب رشتے کے کہلاتے اگرچہ وُہ عصوبت کے منکر نہ بھی ہوتے کہ اُن کی محرومی دینی اختلاف کے باعث ہے۔ سراجیہ میں ہے:

موانع الارث اربعة (الی قولہ) واختلاف الدینین۔[1]	وراثت کے موانع چار ہیں، دین کا اختلاف، تک بیان کیا۔ (ت)

تحقیق مقام و تفصیل مرام یہ ہے کہ رافضی تبرائی جو حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما خواہ اُن میں سے ایک کی شان پاک میں گستاخی کرے اگرچہ صرف اس قدر کہ انھیں امام و خلیفہ برحق نہ مانے۔ کتب معتمدہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامہ ائمہ ترجیح و فتوی کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے۔ درمختار مطبوعہ مطبع ہاشمی صفحہ ۶۴ میں ہے:

ان انکر بعض ما علم من الدین ضرورة کفر بها کقوله ان الله تعالٰی جسم کالاجسام وانکاره صحبة الصدیق۔[2]	اگر ضروریاتِ دین سے کسی چیز کا منکر ہو تو کافر ہے مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے مانند جسم ہے یا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہونا۔

طحطاوی حاشیہ در مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۴۴ میں ہے: وکذا خلافته[3] (اور ایسے ہی آپ کی خلافت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ فتاوٰی خلاصہ قلمی کتاب الصلوۃ فصل ۱۵ اور خزانۃ المفتین قلمی کتاب الصلوۃ فصل فی من یصح الاقتداء بہ و من لایصح میں ہے:

الرافضی ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع ولو انکر خلافة الصدیق رضی الله تعالٰی عنه فھو کافر۔[4]	رافضی اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل جانے تو بدعتی گمراہ ہے اور اگر خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبع مصر جلد اول ص ۲۴۸ اور حاشیہ تبیین العلامہ احمد شلبی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۵ میں ہے:

---

[1] سراجی فی المیراث فصل فی الموانع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴

[2] درمختار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۴

[4] خزانۃ المفتین کتاب الصلوۃ فصل من یصح الاقتداء بہ ومن لایصح قلمی ۱/ ۲۸

فی الرافض من فضل علیاعلی الثلا ثۃ فمبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق اوعمر رضی اللہ عنہما فھو کافر۔[1]	رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علی کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل کہے گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔

وجیز امام کردری مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۱۸ میں ہے:

من انکر خلافۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فھو کافر فی الصحیح ومن انکر خلافۃ عمر رضی اللہ تعالی عنہ فھو کافر فی الاصح۔[2]	خلافتِ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر کفر ہے، یہی صحیح ہے، اور خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ رتعالیٰ عنہ کا منکر بھی کافر ہے، یہی صحیح تر ہے،

تبیین الحقائق شرح کنزالد قائق مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۴ میں ہے:

قال المرغینانی تجوز الصلوۃ خلف صاحب ھوی و بد عۃ ولا تجوز خلف الرافضی والجھمی والقدری والمشبہ ومن یقول بخلق القراٰن، حاصلہ ان کان ھوی لا یکفر بہ صاحبہ تجوز مع الکراھۃ والا فلا۔[3]	امام مرغینانی نے فرمایا بد مذہب بد عتی کے پیچھے نماز ادا ہو جائیگی اور رافضی، جہمی، قدری، تشبیہی کے پیچھے ہو گی ہی نہیں، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اُس بد مذہبی کے باعث وُہ کافر نہ ہو تو نماز اُس کے پیچھے کراہت کے ساتھ ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

فتاوٰی عالمگیر یہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۸۴ میں اس عبارت کے بعد ہے:

ھکذا فی التبیین والخلاصۃ وھو الصحیح ھکذا فی البدائع۔	ایسا ہی تبیین الحقائق وخلاصہ میں ہے اور یہی صحیح ہے ایسا ہی بدائع میں ہے۔

اُسی کی جلد ۳ صفحہ ۲۶۴ اور بزازیہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۹ اور الاشباہ قلمی فن ثانی کتاب السیر اور اتحاف الابصار والبصائر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۷ اور فتاوی انقرویہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۵ اور واقعات المفتین مطبوعہ مصر ص ۱۳۱ سب میں فتاوٰی خلاصہ سے ہے:

الرافضی ان کان یسب الشیخین و یلعنھما والعیاذ باللہ تعالٰی فھو کافر وان کان	رافضی تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معاذ اللہ بُرا کہے کافر ہے، اور اگر مولا علی کرم اللہ

[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ والحدث فی الصلوۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ مصر ۱/ ۱۳۵

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوی ہندیہ نوع فیما یتصل بھا مما یجب اکفارہ من اہل البدع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۸

[3] تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ والحدث فی الصلوۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ مصر ۱/ ۱۳۴

یفضل علیا کرم اللہ تعالٰی وجھہ علیھما فھو مبتدع۔[1]	تعالٰی وجہہ کو صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی سے افضل بتائے تو کافر نہ ہوگا مگر گمراہ ہے۔

اُسی کے صفحہ مذکورہ اور برجندی شرح نقایہ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۴ ص ۲۱ میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ فھو کافر وعلی قول بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذٰلك من انکر خلافة عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فی اصح الاقوال۔[2]	امامت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کا منکر کافر ہے، اور بعض نے کہا بد مذہب ہے کافر نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ وُہ کافر ہے، اسی طرح خلافت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر بھی صحیح قول پر کافر ہے۔

وہیں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

ویجب اکفارھم باکفار عثمان وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی اللہ تعالٰی عنھم۔[3]	رافضیوں، ناصبیوں اور خارجیوں کا کافر کہنا واجب ہے اس سبب سے کہ وہ امیر المومنین عثمان و مولی علی و حضرت طلحہ و حضرت زبیر و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو کافر کہتے ہیں۔

بحر الرائق مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۱۳۱ میں ہے:

یکفر بانکارہ امامة ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہ علی الاصح کانکارہ خلافة عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ علی الاصح۔[4]	اصح یہ ہے کہ ابو بکر یا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی امامت و خلافت کا منکر کافر ہے۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مطبوعہ قسطنطنیہ جلد اول ص ۱۰۵ میں ہے:

الرافضی ان فضل علیا فھو مبتدع وان انکر خلافة الصدیق فھو کافر۔[5]	رافضی اگر صرف تفضیلیہ ہو تو بد مذہب ہے اور اگر خلافتِ صدیق کا منکر ہو تو کافر ہے۔

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیة نوع فیما یتصل بھا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۹

[2] برجندی شرح نقایہ کتاب الشھادة فصل یقبل الشھادة من اہل الھواء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۲۱،۲۰

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیة نوع فیما یتصل بھا مما یجب اکفارہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۸

[4] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۱

[5] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الصلٰوۃ فصل الجماعة سنة موکدة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۸

اُسی کے صفحہ ۱۳۶ میں ہے:

یکفر بانکارہ صاحبة ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنه وبانکارہ امامته علی الاصح وبانکارہ صحبة عمر رضی اللہ تعالٰی عنه علی الاصح۔[1]	جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کا منکر ہو کافر ہے۔یُونہی جو اُن کے امامِ برحق ہونے کا انکار کرنے مذہب اصح میں کافر ہے، یونہی عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کا انکار قول اصح پر کفر ہے۔

غنیہ شرح منیہ مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۵۱۴ میں ہے:

المراد بالمبتدع من یعتقد شیئا علی خلاف ما یعتقدہ اهل السنة والجماعة وانما یجوز الاقتداء به مع الکراهة اذالم یکن ما یعتقدہ یؤدی الی الکفر عند اهل السنة اما لوکان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز اصلا کالغلاۃ من الروافض الذین یدعون الالوهية لعلی رضی اللہ تعالٰی اوان النبوۃ کانت له فغلط جبریل و نحو ذٰلك مما هو کفر و کذا من یقذف الصدیقة او ینکر صحبة الصدیق اوخلافته اویسب الشیخین۔[2]	بدمذہب سے وُہ مراد ہے جو کسی بات کا اہلسنت وجماعت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اور اس کی اقتداء کراہت کے ساتھ اُس حال میں جائز ہے جب اُس کا عقیدہ اہلسنت کے نزدیک کفر تک نہ پہنچا تا ہو، اگر کفر تک پہنچائے تو اصلاً جائز نہیں، جیسے غالی رافضی کہ مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خدا کہتے ہیں، یا یہ کہ نبوت ان کے لئے تھی جبریل نے غلطی کی۔اور اسی قسم کی اور باتیں کہ کفر ہیں، اور یونہی جو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو معاذ اللہ اس تہمت ملعونہ کی طرف نسبت کرے یا صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت یا خلافت کا انکار کرے یا شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے۔

کفایہ شرح ہدایہ مطبع بمبئی جلد اول اور مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق مطبع احمدی ص ۳۲ میں ہے:

ان کان هواہ یکفر اهله کالجهمی و القدری الذی قال بخلق القراٰن والرافضی الغالی الذی ینکر خلافة ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنه لاتجوز الصلٰوۃ خلفه۔[3]	بدمذہبی اگر کافر کردے جیسے جہمی اور قدری کہ قرآن کو مخلوق کہے، اور رافضی غالی کہ خلافت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا انکار کرے اُس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد فصل ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۲

[2] غنیہ المستملی فصل الاولی بالامامة سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۵

[3] مستخلص الحقائق باب فی بیان احکام الامامة مطبع کانشی رام بررورکس لاہور ۱/ ۲۰۲، الکفایة مع فتح القدیر باب الامامة نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۵

شرح کنز للملا مسکین مطبع مصر جلد اول ص ۲۰۸ علی ہامش فتح المعین میں ہے:

فی الخلاصۃ یصح الاقتداء باھل الاھواء الاالجھمیۃ والجبریۃ والقدریۃ والرافضی الغالی ومن یقول بخلق القراٰن والمشبہ، وجملتاہ ان من کان من اھل قبلتنا ولم یغل فی ھواہ حتی لم یحکم بکونہ کافرا تجوز الصلوۃ خلفہ وتکرہ وارادبالرافضی الغالی الذی ینکر خلافۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]	خلاصہ میں ہے بد مذہبوں کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے سوائے جہمیہ و جبریہ وقدریہ و رافضی غالی قائل خلق قرآن ومشبہ کے اور حاصل یہ کہ اہل قبلہ سے جو اپنی بدمذہبی میں غالی نہ ہو یہاں تک کہ اُسے کافر نہ کہا جائے اُس کے پیچھے نماز بکراہت جائز ہے۔ اور رافضی غالی سے وہ مراد ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کا منکر ہو۔

طحطاوی علی مرقی الفلاح مطبع مصر ۱۹۸ میں ہے:

ان انکر خلافۃ الصدیق کفر و الحق فی الفتح عمر بالصدیق فی ھذا الحکم والحق فی البرھان عثمان بھما ایضاً ولا تجوز الصلوۃ خلف منکر المسح علی الخفین او صحبۃ الصدیق ومن یسب الشیخین اویقذف الصدیقۃ ولا خلف من انکر بعض ماعلم من الدین ضرورۃ لکفرہ ولایلتفت الی تاویلہ واجتھادہ[2]	یعنی خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی کا منکر کافر ہے اور فتح القدیر میں فرمایا کہ خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالٰی کا منکر بھی کفر ہے، اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں فرمایا خلافت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر بھی کافر ہے اور نماز اس کے پیچھے جائز نہیں جو مسحِ موزہ یا صحابیتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر ہو یا شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے یا صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت رکھے، اور نہ اس کے پیچھے جو ضروریات دین سے کسی شے کا منکر ہو کہ وہ کافر ہے اور اُس کی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا نہ اس جانب کہ اس نے رائے کی غلطی سے ایسا کہا۔

نظم الفرائد منظومہ علامہ ابن وہبان مطبوعہ مصر ہامش مجیبہ ص ۴۰ اور نسخہ قدیمہ قلمیہ مع الشرح فصل من کتاب السیر میں ہے:ؔ

ومن لعن الشیخین اوسب کافر ۔۔۔ ومن قال فی الایدی الجوارح اکفر

وصحح تکفیر منکر خلافت ال ۔۔۔ عتیق فی الفاروق ذٰلک الاظھر[3]

---

[1] شرح کنز للملا مسکین علی ہامش فتح المعین باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۰۸

[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح باب الامامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

[3] نظم الفرائد منظومہ علامہ ابن وہبان

جو شخص حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر تبرا بکے یا بُرا کہے کافر ہے، اور جو کہے ید اللہ سے ہاتھ مراد ہے وُہ اس سے بڑھ کر کافر ہے اور خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے انکار میں قول مصحح تکفیر ہے اور یہی در بارہ انکار خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالٰی اظہر ہے۔ تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للعلامہ الشرنبلالی قلمی کتاب السیر میں ہے:

الرافضی اذاسب ابا بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ولعنہما یکون کافر اوان فضل علیہما علیا لا یکفر و ھو مبتدع۔[1]	رافضی اگر شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے یا اُن پر تبرا بکے کافر ہو جائے، اور اگر مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو اُن سے افضل کہے کافر نہیں گمراہ بدمذہب ہے۔

اسی میں وہیں ہے۔

من انکر خلافۃ ابی بکر الصدیق فھو کافر فی الصحیح وکذا منکر خلافۃ ابی حفص عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ فی الاظھر۔[2]	خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر مذہب صحیح پر کافر ہے، اور ایسا ہی قولِ اظہر میں خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر بھی۔

فتوٰی علامہ نوح آفندی، پھر مجموعہ شیخ الاسلام عبید اللہ آفندی، پھر مغنی المستفتی عن سوال المفتی، پھر عقود الدریۃ مطبع مصر جلد اول ص ۹۲، ۹۳ میں ہے:

الروافض کفرۃ جمعوا بین اصناف الکفر منہا انھم یسبون الشیخین سود اللہ وجوھھم فی الدارین فمن اتصف بواحد من ھذہ الامور فھو کافر ملتقطا۔[3]	رافضی کافر ہیں طرح طرح کے کفروں کے مجمع میں ازانجملہ خلافت شیخین کا انکار کرتے ہیں ازانجملہ شیخین کو بُرا کہتے ہیں: اللہ تعالٰی دونوں جہان میں رافضیوں کا منہ کالا کرے، جو ان میں کسی بات سے متصف ہو کافر ہے۔ ملتقطا۔

اُنھیں میں ہے:

---

[1] تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للشرنبلالی

[2] تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للشرنبلالی

[3] عقود الدریۃ باب الردۃ والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۴، ۱۰۳

اماسب الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنهما فانه کسب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وقال اصدر الشهید من سب الشیخین اولعنهما یکفر۔[1]	شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہنا ایسا ہے جیسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنا، اور امام صدر شہید نے فرمایا: جو شیخین کو بُرا کہے یا تبرا بکے کافر ہے۔

عقود الدریہ میں بعد نقل فتوٰی مذکورہ ہے:

وقد اکثر مشائخ الاسلام من علماء الدولة العثمانیة لا زالت مؤید ة بالنصرة العلیة الافتاء فی شان الشیعة المذکورین وقد اشبع الکلام فی ذٰلك کثیر منهم و الّفوافیه الرسائل وممن افتی بنحوذٰلك فیهم المحقق المفسر ابوا السعودأفندی العمادی و نقل عبارته العلامة الکوا کبی الحلبی فی شرحه علی منظومته الفقهیة المسماة بالفرائد السنیة۔[2]	علمائے دولتِ عثمانیہ کہ ہمیشہ نصرت الٰہی سے موید رہے، اُن سے جو اکابر شیخ الاسلام ہوئے انھوں نے شیعہ کے باب میں کثرت سے فتوے دئے، بہت نے طویل بیان لکھے اور اس بارے میں رسالے تصنیف کئے، اور انھیں میں سے جنھوں نے روافض کے کفر و ارتداد کا فتوٰی دیا۔ محقق مفسر ابو سعود آفندی عمادی (سردار مفتیان دولت علیہ عثمانیہ) ہیں اور اُس کی عبارت علامہ کو اکبی حلبی نے اپنے منظومہ فقہیہ مسمّٰی بہ فرائد سنیہ کی شرح میں نقل کی۔

اشباہ قلمی فن ثانی باب الرواۃ اور اتحاف ص ۱۸۷ اور انقروی جلد اول ص ۲۵ اور واقعات المفتین ص ۱۳ سب میں مناقب کردری سے ہے:

یکفر اذا انکر خلاتهما او یبغضهمالمحبة النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لهما۔[3]	جو خلافت شیخین کا انکار کرے یا اُن سے بغض رکھے کافر ہے کہ وُہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔

بلکہ بہت اکابر نے تصریح فرمائی کہ رافضی تبرائی ایسے کافر ہیں جن کی توبہ بھی قبول نہیں، تنویر الابصار متن درمختار مطبع ہاشمی ص ۳۱۹ میں ہے:

[1] عقود الدریة باب الردة والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۴
[2] عقود الدریة باب الردة والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۵
[3] واقعات المفتین کتاب السیر دائرہ معارف اسلامیہ، بلوچستان ص ۱۳

کل مسلم ارتد فتو بته مقبولة الا الکافر بسب النبی او الشیخین او احدھما۔[1]	ہر مرتد کی توبہ قبول ہے مگر وہ جو کسی نبی یا حضرات الشیخین یا ان میں ایک کی شان میں گستاخی سے کافر ہو۔

اشباہ والنظائر قلمی فن ثانی کتاب السیر اور فتاوٰی خیریہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۹۴، ۹۵ اور اتحاف الابصار والبصائر مطبوعہ مصر ص ۱۸۶ میں ہے:

کافر تاب فتو بته مقبو لة فی الدنیا والاٰخرة الاجماعة الکافر بسب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وسائر الا نبیاء وبسب الشیخین او احدھما[2]	جو کافر توبہ کرے اس کی توبہ دُنیا وآخرت میں قبول ہے مگر کچھ کافر ایسے ہیں جن کی توبہ مقبول نہیں ایک وُہ جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواہ کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا، دوسرا وہ کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں یا ایک کو بُرا کہنے کے باعث کافر ہوا۔

در مختار میں ہے:

فی البحر عن الجو ھرة معزیا للشھید من سب الشیخین اوطعن فیھما کفر ولا تقبل توبته وبه اخذ الدبوسی وا بو اللیث وھو المختار للفتوی انتھی وجزم به الاشباہ واقرہ المصنف۔[3]	یعنی بحر الرائق میں بحوالہ جوہرہ نیرہ شرح مختصر قدوری امام صدر شہید سے منقول ہے جو شخص حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے یا اُن پر طعن کرے وہ کافر ہے اس کی توبہ قبول نہیں، اور اسی پر امام دبوسی اور امام فقیہ ابواللیث سمر قندی نے فتوٰی دیا، اور یہی قول فتوٰی کے لئے مختار ہے، اسی پر اشباہ میں جزم کیا، اور علامہ شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ غزی تمر تاشی نے اسے برقرار رکھا۔

اور پر ظاہر کہ کوئی کافر کسی مسلمان کا ترکہ نہیں پا سکتا۔ در مختار صفحہ ۲۸۳ میں:

موانعه الرق والقتل واختلاف الملتین اسلاما وکفرا ملتقطا۔[4]	یعنی میراث کے مانع ہیں غلام ہونا اور مورث کو قتل کرنا اور مورث ووارث میں اسلام و کفر کا اختلاف۔

تبیین الحقائق جلد ۶ ص ۲۴۰ عالمگیری جلد ۶ ص ۴۵۴ میں ہے:

[1] در مختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶-۵۷
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب السیر باب المرتدین دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۰۲
[3] در مختار شرح تنویر الابصار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۷
[4] در مختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب المرتد ۲/ ۳۴۵

اختلاف الدین ایضاً یمنع الارث والمرادبہ الاختلاف بین الاسلام والکفر۔[1]	مورث ووارث میں دینی اختلاف بھی مانع میراث ہے، اور اس سے مراد اسلام وکفر کا اختلاف ہے۔

بلکہ رافضی خواہ وہابی خواہ کوئی کلمہ گو جو باوصف ادعائے اسلام عقیدہ کفر رکھے وہ تو بتصریح ائمہ دین سب کافروں سے بدتر کافر یعنی مرتد کے حکم میں ہے۔ ہدایہ مطبع مصطفائی جلد اخیر صفحہ ۵۶۳ اور درمختار صفحہ ۶۶۸ اور عالمگیری جلد ۶ صفحہ ۱۴۲ میں ہے:

صاحب الھوی ان کان یکفر فھو بمنزلۃ المرتد۔[2]	بدمذہب اگر عقیدہ کفریہ رکھتا ہو تو مرتد کی جگہ ہے۔

غرر متن درر طبع مصر جلد ۲ ص ۴۴۶ میں ہے:

ذوھوی ان اکفر فکالمرتد۔[3]	بدمذہب اگر تکفیر کیا جائے تو مثل مرتد کے ہے۔

ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹ میں ہے:

ان حکم بکفرہ بما ارتکبہ من الھوی فکالمرتد۔[4]	اگر اسی بدمذہبی کے سبب اُس کے کفر کا حکم دیا جائے تو وُہ مرتد کی مثل ہے۔

نیز فتاوٰی ہندیہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۴ اور طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ مطبع مصر جلد اول صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸ اور برجندی شرح نقایہ جلد ۴ صفحہ ۲۰ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا (الی قولہ) وھولاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظھیریۃ۔[5]	یعنی رافضیوں کو اُن کے عقائد کفریہ کے باعث کافر کہنا واجب ہے، یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اُن کے احکام بعینہٖ مرتدین کے احکام ہیں، ایسا ہی فتاوٰی ظہیریہ میں ہے۔

اور مرتد اصلاً صالح وراثت نہیں، مسلمان تو مسلمان کسی کافر حتی کہ خود اپنے ہم مذہب مرتد کا

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبری الامیریہ مصر ۶/ ۲۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن فی وصیۃ الذمی والحربی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۰

[3] غرر الاحکام مع الدرر الحکام، کتاب الوصایا فصل وصایا الذمی احمد کامل الکائنۃ العلیہ مصر ۲/ ۴۴۶

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الوصایا بوصیۃ الذمی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۱۷

[5] فتاوٰی ہندیہ باب المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

ترکہ بھی ہر گزاسے نہیں پہنچ سکتا۔ عالمگیری جلد ۶ ص ۴۵۵ میں ہے:

المرتد لایرث من مسلم ولا من مرتد مثله کذا فی المحیط۔[1]	مرتد نہ کسی مسلمان اور نہ ہی اپنے جیسے مرتد کا وارث ہو گا، ایسے ہی محیط میں ہے۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

المرتد لایرث من احد لامن المسلم ولا من الذمی ولا من مرتد مثله۔[2]	مرتد کسی کا بھی وارث نہ بنے گا نہ مسلمان نہ ذمی اور نہ ہی اپنے جیسے مرتد کا۔ (ت)

یہ حکم فقہی مطلق تبرائی رافضیوں کا ہے اگرچہ تبرا وانکار خلافت شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے سوا ضروریات دین کا انکار نہ کرتے ہوں،

والاحوط فیه قول المتکلمین انهم ضلال من کلاب النار لا کفار وبه ناخذ۔	اس میں محتاط متکلمین کا قول ہے کہ وہ گمراہ اور جہنمی کُتے ہیں کافر نہیں، اور یہی ہمارا مسلک ہے (ت)

اور روافضِ زمانہ تو ہر گز صرف تبرائی نہیں بلکہ یہ تبرائی علی العموم منکر ان ضروریات دین اور باجماع مسلمین یقیناً قطعاً کفار مرتدین ہیں یہاں تک کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ جو انھیں کافر نہ جانے خود کافر ہے، بہت عقائد کفریہ کے علاوہ دو کفر صریح میں اُن کے عالم جاہل مرد عورت چھوٹے بڑے سب بالاتفاق گرفتار ہیں:

کفر اول: قرآن عظیم کو ناقص بتاتے ہیں، کوئی کہتا ہے اُس میں سے کچھ سُورتیں امیر المومنین عثمان غنی ذوالنورین یا دیگر صحابہ اہلسنت رضی اللہ تعالٰی عنہم نے گھٹادیں، کوئی کہتا ہے اُس میں سے کچھ لفظ بدل دئے، کوئی کہتا ہے یہ نقص و تبدیل اگرچہ یقیناً ثابت نہیں محتمل ضرور ہے اور جو شخص قرآن مجید مین زیادت یا نقص یا تبدیل کسی طرح کے تصرفِ بشری کا دخل مانے یا اُسے محتمل جانے بالاجماع کافر مرتد ہے کہ صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب کر رہا ہے۔ اللہ عزوجل سورہ حجر میں فرماتا ہے:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝" ۔[3]	بیشک ہم نے اتارا یہ قرآن اور بیشک بالیقین ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

بیضاوی شریف مطبع لکھنؤ صفحہ ۴۲۸ میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الفرائض الباب السادس فی میراث اہل الکفر الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۵

[2] خزانۃ المفتین کتاب الفرائض قلمی ۲/ ۲۵۰

[3] القرآن الکریم ۱۵/ ۹

لحفظون ای من التحریف والزیاۃ والنقص۔[1]	تبدیل و تحریف اور کمی بیشی سے حفاظت کرنے والے ہیں۔(ت)

جلالین شریف میں ہے:

لحفظون من التبدیل والتحریف والزیادۃ والنقص۔[2]	یعنی حق تعالٰی فرماتا ہے ہم خود اُس کے نگہبان ہیں اُس سے کہ کوئی اُسے بدل دے یا اُلٹ پلٹ کر دے یا کچھ بڑھادے یا گھٹا دے۔

جمل مطبع مصر جلد ۳ ص ۵۶۱ میں ہے:

بخلاف سائر الکتب المنزلۃ فقد دخل فیھا التحریف والتبدیل بخلاف القران فانه محفوظ عن ذلك لا یقدر احد من جمیع الخلق الانس و الجن ان یزید فیه او ینقص منه حرفا واحدا او کلمۃ واحدۃ۔[3]	یعنی بخلاف اور کُتب آسمانی کے کہ اُن میں تحریف و تبدیل نے دخل پایا۔اور قرآن اس سے محفوظ ہے، تمام مخلوق جن وانس کسی کی جان نہیں کہ اُس میں ایک لفظ یا ایک حرف بڑھادیں یا کم کردیں۔

اللہ تعالٰی سورۃ حٰم السجدہ میں فرماتا ہے:

"وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۙ﴿۴۱﴾ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾"[4]	بیشک یہ قرآن شریف معزز کتاب ہے باطل کو اس کی طرف اصلًا راہ نہیں، نہ سامنے سے نہ پیچھے سے یہ اتارا ہُوا ہے حکمت والے سراہے ہُوئے کا۔

تفسیر معالم التنزیل شریف مطبوعہ بمبئی جلد ۴ ص ۳۵ میں ہے:

قال قتادۃ والسدی الباطل ھو الشیطان لا یستطیع ان یغیر او یزید فیه او ینقص منه قال الزجاج معناہ انه محفوظ من	یعنی قتادہ و سُدی مفسرین نے کہا باطل کہ شیطان ہے قرآن میں کُچھ گھٹا بڑھا بدل نہیں سکتا۔زجاج نے کہا باطل کہ زیادت و نقصان ہیں قرآن ان سے محفوظ

[1] انوار التنزیل المعروف بالبیضاوی تحت آیۃ انا نحن نزلنا الذکر الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۰۰

[2] تفسیر جلالین تحت آیۃ انا نحن نزلنا الذکر الخ اصح المطابع دہلی ص ۲۱۱

[3] الفتوحات الالٰھیه تحت آیۃ انا نحن نزلنا الذکر الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۳۹

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۱و۴۲

ان ینقص منه فیأتیه الباطل من بین یدیه او یزاد فیه فیأتیه الباطل من خلفه وعلی هذا المعنی الباطل الزیادة والنقصان۔[1]	ہے، کچھ کم ہو جائے تو باطل سامنے سے آئے بڑھ جائے تو پس پشت سے۔اور یہ کتاب ہر طرح باطل سے محفوظ ہے۔

کشف الاسرار امام اجل شیخ عبدالعزیز بخاری شرح اصول امام ہمام فخر الاسلام بزدوی مطبوع قسطنطنیہ جلد ۳ ص ۸۸ و ۸۹ میں ہے:

کان نسخ التلاوة والحکم جمیعا جائزا فی حیاة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاما بعد وفاته فلا یجوز قال بعض الرافضة والملحدة ممن یتستربا ظهار الاسلام وهو قاصد الی افساده، هذا جائز بعد وفاته ایضاو زعموا ان فی القراٰن کانت اٰیت فی امامة علی وفی فضائل اهل البیت فکتمها الصحابة فلم تبق بانذراس زمانهم، والدلیل علی بطلان هذا القول قوله تعالٰی " اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹ "، کذا فی اصول الفقه لشمس الائمة ملتقطا۔[2]	قرآن عظیم سے کسی چیز کی تلاوت و حکم دونوں کا منسوخ ہونا زمانہ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں جائز تھا، بعد وفات اقدس ممکن نہیں، بعض وہ لوگ کہ رافضی اور نرے زندیق ہیں بظاہر مسمانی کا نام لے کر اپنا پردہ ڈھانکتے ہیں اور حقیقۃً انھیں اسلام کو تباہ کرنا مقصود ہے، وُہ کہتے ہیں کہ یہ بعد وفات والا بھی ممکن ہے، وُہ بکتے ہیں کہ قرآن میں کچھ آیتیں امامتِ مولا علی اور فضائل اہلبیت میں تھیں کہ صحابہ نے چھپا ڈالیں جب وُہ زمانہ مٹ گیا باقی نہ رہیں اور اس قول کے بطلان پر دلیل خود قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ بیشک ہم نے اتارا یہ قرآن اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ایسا ہی امام شمس الائمہ کی کتاب اصول الفقہ میں ہے۔

امام قاضی عیاض شفا شریف مطبع صدیقی ص ۳۴۶ میں بہت سے یقینی اجماعی کفر بیان کرکے فرماتے ہیں:

وکذلك ومن انکر القراٰن او حرفا منه اور غیر شیئا منه	یعنی اسی طرح وہ بھی قطعًا اجماعًا کافر ہے جو قرآن عظیم یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے یا اُس میں سے

[1] معالم التنزیل علی ھامش الخازن تحت آیۃ انہ لکتاب عزیز لا یأتیہ الخ (مصطفی البابی مصر ۶/ ۱۱۳

[2] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب تفصیل المنسوخ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۸۹۔۱۸۸

اوزادفیہ۔[1]	کچھ بدلے یا قرآن میں اس موجودہ میں کچھ زیادہ بتائے۔

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مطبع لکھنؤ ص ۶۱۷ میں ہے:

اعلم انی رأیت فی مجمع البیان تفسیر الشیعة انه ذهب بعض اصحابهم الی ان القراٰن العیاذ باللّٰه کان زائدا علی هذا المکتوب المقروء قد ذهب بتقصیر من الصحابة الجامعین العیاذ باللّٰه لم یختر صاحب ذٰلك التفسیر هذا القول فمن قال بهذا القول فهو کافر لانکاره الضروری۔[2]	یعنی میں نے طبرسی رافضی کی تفسیر مجمع البیان میں دیکھا کہ بعض رافضیوں کے مذہب میں قرآن عظیم معاذ اللہ اس قدر موجود سے زائد تھا جن صحابہ نے قرآن جمع کیا عیاذًا باللہ اُن کے قصور سے جاتا رہا اس مفسر نے یہ قول اختیار نہ کیا، جو اس کا قائل ہو کافر ہے کہ ضروریات دین کا منکر ہے۔

کفر دوم: ان کا ہر تنفس سیدنا امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم و دیگر ائمہ طاہرین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو حضرات عالیات انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتحیات سے افضل بتاتا ہے اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہے باجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔ شفاء شریف صفحہ ۳۶۵ میں انہی اجماعی کفروں کے بیان میں ہے:

وکذٰلك نقطع بتکفیر غلاة الرافضة فی قولهم ان الائمة افضل من الانبیاء۔[3]	اور اسی طرح ہم یقینی کافر جانتے ہیں اُن غالی رافضیوں کو جو ائمہ کو انبیاء سے افضل بتاتے ہیں۔

امام اجل نووی کتاب الروضہ پھر امام ابن حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام مطبع مصر صفحہ ۴۴ میں کلامِ شفا نقل فرماتے اور مقرر رکھتے ہیں، ملا علی قاری شرح شفا مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۲۶ میں فرماتے ہیں: ھذا کفر صریح[4] (یہ کُھلا کفر ہے۔) منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر مطبع حنفی ص ۱۴۶ میں ہے:

ما نقل عن بعض الکرامیة من جواز کون الولی افضل من النبی کفر و ضلالة والحاد	وہ جو بعض کرامیہ سے منقول ہوا کہ جائز ہے کہ ولی نبی سے مرتبے میں بڑھ جائے یہ کفر و ضلالت و بے دینی و

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من مقالات المطبعة الشرکة الصحافیه ۲/ ۲۷۴

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی مسئله کل مجتهد فی المسئلة الاجتهاد الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۳۸۸

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات ۲/ ۲۷۵

[4] شرح الشفاء ملا علی قاری فصل فی بیان ماھو من المقالات دار الفکر بیروت ۴/ ۵۱۹

وجہالۃ۔[1]	جہالت ہے۔

شرح مقاصد مطبوع قسطنطنیہ جلد ۲ص ۳۰۵ اور طریقہ محمدیہ علامہ برکوی قلمی آخر فصل اول باب ثانی میں ہے:

واللفظ لھا ان الاجماع منعقد علی ان الانبیاء افضل من الاولیاء۔[2]	بیشک مسلمانوں کا اجماع قائم ہے اس پر کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اولیائے عظام سے افضل ہیں۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبع مصر جلد اول ص ۲۱۵ میں ہے:

التفضیل علی نبی تفضیل علی کل نبی۔[3]	کسی غیر نبی کو ایک نبی سے افضل کہنا تمام انبیاء سے افضل بتانا ہے۔

شرح عقائد نسفی مطبع قدیم ص ۶۵ پھر طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ ص ۲۱۵ میں ہے:

واللفظ لھما(تفضیل الولی علی النبی)مرسلا کان اولا(کفر وضلال کیف وھو تحقیر النبی)بالنسبۃ الی الولی(وخرق الاجماع)حیث اجمع المسلمون علی فضیلۃ النبی علی الولی الخ باختصارہ[4]	ولی کو کسی نبی سے خواہ وہ نبی مرسل ہو یا غیر مرسل افضل بتانا کفر وضلال ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس میں ولی کے مقابل نبی کی تحقیر اور اجماع کا رَد ہے کہ ولی سے نبی کے افضل ہونے پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے الخ اختصارًا۔

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۷۸ میں ہے:

النبی افضل من الولی وھو امر مقطوع بہ والقائل بخلافہ کافر لانہ معلوم من الشرع بالضرورۃ۔[5]	نبی ولی سے افضل ہے اور یہ امر یقینی ہے اور اس کے خلاف کہنے والا کافر ہے کہ یہ ضروریات دین سے ہے۔

---

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر باب الولی لایبلغ درجۃ النبی مصطفی البابی مصر ص ۱۲۱

[2] طریقہ محمدیہ ان الولی لایبلغ درجۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/ ۸۴

[3] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ والاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۱۵

[4] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ والاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۱۶

[5] ارشاد الساری کتاب العلم باب مایستحب للعالم اذاسئل ای الناس اعلم دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۱۴

روافض کے مجتہدان حال نے اپنے فتووں میں ان صریح کفروں کا صاف اقرار کیا ہے۔

یہ فتوی رسالہ تکملہ رد روافض ورسالہ اظہار الحق مطبوعات مطبع صبح صادق سیتاپور ۱۲۹۳ھ و ۱۸۷۶ء میں مفصل مذکور ہیں جن میں اس مقام کے متعلق یہ الفاظ ہیں:

فتوٰی(۱): چہ می فرمایند مجتہدین دریں مسئلہ کہ مرتبہ ولی مصطفٰی علی مرتضٰی علیہ السلام از سائر انبیائے سابقین علیہم السلام سوائے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل ست یانہ؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب: افضل ست **واللہ یعلم۔ العالم ۱۲۸۳**

الراقم میر آغا عفی عنہ

فتوٰی(۲): چہ میفرمایند دریں مسئلہ کہ در کلام مجید جمع کردہ عثمان تحریف از تخریج آیات مدائح جناب امیر علیہ اسلام وغیرہ واقع شدہ یانہ؟

جواب: ایں امر بر سبیل جزم وقطع ثابت نیست لیکن متحمل ست۔ **واللہ یعلم**۔ (**ھو العالم ۱۲۸۳**)

الراقم میر آغا عفی عنہ

فتوٰی(۳): مسئلہ دوم مرتبہ اہلبیت نبوی صلوات اللہ علیہم اجمعین سیما حضرت علی مرتضٰی از سائر انبیاء افضل ست یانہ؟

جواب: البتہ مراتب ائمہ ہدی از سائر انبیاء بلکہ رسولان اولوالعزم سوائے حضرت خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہ زیادہ بود ورتبہ جناب امیر نیز۔ (سید علی محمد ۱۲۶۳)

فتوٰی(۱): کیا فرماتے ہیں مجتہدین دین اس مسئلہ میں کہ ولی مصطفٰی علی مرتضٰی علیہ السلام ماسوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باقی تمام انبیائے سابقین سے افضل ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب: افضل ہیں، اللہ جانتا ہے (ت)

ھو العالم ۱۲۸۳

الراقم میر آغا عفی عنہ

فتوٰی(۲): آپ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ عثمان کے جمع کردہ قرآن مجید میں امیر علیہ السلام کی مدح والی آیات میں تحریف کی گئی ہے یا نہیں؟

جواب: یہ چیز یقینی اور قطعی نہیں تاہم احتمال ہے، اللہ جانتا ہے۔ **ھو العالم ۱۲۸۳**

الراقم میر آغا عفی عنہ

فتوٰی(۳): دوسرا مسئلہ کہ نبی کے اہل بیت صلوات اللہ علیہم اجمعین خصوصًا علی مرتضٰی تمام انبیاء سے افضل ہیں یا نہیں؟

(سید علی محمد ۱۲۶۳)

جواب: البتہ ائمہ ہدی کا مرتبہ تمام انبیاء بلکہ رسولوں سے ماسوائے خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہ کے زیادہ تھا اور رتبہ جناب امیر کا بھی۔ (سید علی محمد ۱۲۶۳)

فتوٰی (۴): مسئلہ ہفتم در قرآن مجید جمع کردہ عثمان تحریف و نقصان واقع شدہ یانہ؟ **جواب**: تحریف جامع القرآن بلکہ محرق و محرف قرآن در نظم قرآن یعنی ترتیب آیات از کلام مفسرین فریقین و عنوان نظم قرآن مستغنی عن البیان وہمچنیں نقصان بعضی آیات واردہ در فضیلت اہلبیت علیہم السلام مدلول قرائن بسیار و آثارات بیشمار۔ (سید علی محمد ۱۲۶۳)	**فتوٰی (۴)**: ساتواں مسئلہ، عثمان کے جمع کردہ قرآن مجید میں تحریف اور کمی واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ **جواب**: قرآن کے جامع بلکہ جلانے والے اور تحریف کرنے والے کی تحریف نظم قرآن یعنی ترتیب آیات میں فریقین کے مفسرین کے کلام اور نظم قرآن کے عنوان سے واضح ہے، اور یونہی اہلبیت علیہم السلام کی فضیلت میں وارد بعض آیات میں کمی بہت سے قرائن اور بے شمار آثار سے ثابت ہے۔ (سید علی محمد ۱۲۶۳)

روافض علی العموم اپنے مجتہدوں کے پیروکار ہوتے ہیں، اگر بفرض غلط کوئی جاہل رافضی ان کُھلے کفروں سے خالی الذہن بھی ہو تو فتوائے مجتہدان کے قبول سے اُسے چارہ نہیں اور بفرض باطل یہ بھی مان لیجئے کہ کوئی رافضی ایسا نکلے جو اپنے مجتہدین کے فتوٰی بھی نہ مانے تو الاقل اتنا یقینا ہوگا کہ ان کفروں کی وجہ سے اپنے مجتہدوں کو کافر نہ کہے گا، بلکہ اُنھیں اپنے دین کا عالم و پیشواو مجتہد ہی جانے گا اور جو کسی کافر منکر ضروریات دین کو کافر نہ مانے خود کافر مرتد ہے۔ فاء شریف ص ۳۶۲ میں انھیں اجماعی کفر کے بیان میں ہے:

ولهذا نكفر من لم يكفر من دان بغير ملة المسلمين من الملل او وقف فيهم اوشك اوصحح مذهبهم وان اظهر مع ذلك الاسلام واعتقده واعتقد ابطال كل مذهب سواه فهو كافر باظهاره بما ظهر من خلاف ذلك۔[1]	ہم اسی واسطے کافر کہتے ہیں ہر اس شخص کو جو کافروں کو کافر نہ کہے یا ان کی تکفیر میں توقف کرے یا شک رکھے یا اُن کے مذہب کی تصحیح کرے اگرچہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان جتاتا اور اسلام کی حقانیت اور اس کے سوا ہر مذہب کے باطل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ اُس کے خلاف اُس اظہار سے کہ کافر کو کافر نہ کہا خود کافر ہے۔

اُسی کے صفحہ ۳۲۱ اور فتاوٰی بزازیہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ اور درر وغرر مطبع مصر جلد اول صفحہ ۳۰۰ اور فتاوٰی خیریہ جلد اول صفحہ ۹۵، ۹۴ اور درمختار صفحہ ۳۱۹ اور مجمع الانہر جلد اول صفحہ ۶۱۸ میں ہے:

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ص ۲۷۱

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔[1]	جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بالیقین خود کافر ہے۔

علمائے کرام نے خود روافض کے بارے میں بالخصوص اس حکم کی تصریح فرمائی، علامہ نوح آفندی و شیخ الاسلام عبداللہ آفندی وعلامہ حامد عمادی آفندی مفتی دمشق الشام وعلامہ سید ابن عابدین شامی عقود جلد اول ص ۹۲ میں اس سوال کے جواب میں کہ رافضیوں کے باب میں کیا حکم فرماتے ہیں:

ھٰؤلاء الکفرۃ جمعوا بین اصناف الکفر ومن توقف فی کفرھم فھو کافر مثلھم[2] اھمختصرا۔	یہ کافر طرح طرح کے کفروں کے مجمع ہیں جو ان کے کفر میں توقف کرے خود انہیں کی طرح کافر ہے اھ مختصراً۔

علامۃ الوجود مفتی ابوالسعود اپنے فتاوٰی پھر علامہ کو اکبی شرح فرائد سنیہ پھر علامہ محمد امین الدین شامی تنقیح الحامدیہ ص ۹۳ میں فرماتے ہیں:

اجمع علماء الاعصار علی ان من شك فی کفرھم کان کافرا[3]۔	تمام زمانوں کے علماء کا اجماع ہے کہ جو ان رافضیوں کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

تنبیہ جلیل: مسلمانو! اصل مدار ضروریات دین ہیں اور ضروریات اپنے ذاتی روشن بدیہی ثبوت کے سبب مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر بالخصوص ان پر کوئی نص قطعی اصلاً نہ ہو جب بھی ان کا وہی حکم رہے گا کہ منکر یقیناً کافر مثلاً عالم بجمیع اجزائہ حادث ہونے کی تصریح کسی نص قطعی میں نہ ملے گی۔ غایت یہ کہ آسمان وزمین کا حدوث ارشاد ہوا ہے مگر باجماع مسلمین کسی غیر خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے جس کی اسانید کثیرہ فقیر کے رسالہ "**مقامع الحدید علی خدا لمنطق الجدید** ۱۳۰۴ھ" میں مذکور تو وجہ وہی ہے کہ حدوث جمیع ماسوی اللہ ضروریات دین سے ہے کہ اسے کسی ثبوت خاص کی حاجت نہیں۔ اعلام امام ابن حجر ص ۱۷ میں ہے:

زاد النووی فی الروضۃ ان الصواب	علامہ نووی نے روضہ میں یہ زائد کہا کہ درست

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی حامدیہ باب الردۃ والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۲۔۱۰۳

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی حامدیہ باب الردۃ والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۵

تقییدہ بما اذا جحد مجمعًا علیہ یعلم من الاسلام ضرورۃ سواء کان فیہ نص ام لا[1]۔	یہ ہے اسے اس چیز سے مقید کیا جائے جس کا ضروریات اسلام سے ہونا بالاجماع معلوم ہو اس میں کوئی نص ہو یا نہ ہو۔ (ت)

یہی سبب ہے کہ ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی اور شک نہیں کہ قرآن جو بحمد اللہ تعالٰی شرقًا غربًا قرنًا فقرنًا تیرہ سو برس سے آج تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود محفوظ ہے باجماع مسلمین بلاکم وکاست وہی "تنزیل رب العالمین" ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہنچائی اور ان کے ہاتھوں میں ان کے ایمان انکے اعتقاد ان کے اعمال کے لئے چھوڑی، اسی کا ہر نقص وزیادت وتغییر وتحریف سے مصوٗن ومحفوظ، اور اس کا وعدہ حقہ صادقہ "انا لہ لحافظون" میں مراد وملحوظ ہونا ہی یقینا ضروریات دین سے ہے نہ یہ کہ قرآن جو تمام جہان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تیرہ سو ۱۳۰۰ برس سے آج تک ہے یہ تو نقص وتحریف سے محفوظ نہیں، ہاں ایک وہم تراشیدہ صورت ناکشیدہ دندان غول کی خواہر پوشیدہ غار سامرہ میں اصلی قرآن بغل کتمان میں دبائے بیٹھی ہے "انا لہ لحافظون" کا مطلب یہی ہے یعنی مسلمانوں سے عمل تو اسی محرف مبدل ناقص نامکمل پر کرائیں گے اور اس اصلی جعلی کو ع

برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر

(رکھنے کے لئے پتھر اور سونا برابر ہیں۔ت)

کی کھوہ میں چھپائیں گے، گویا "حافظون" کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کو مسلمانوں سے محفوظ رکھیں گے، انھیں اس کی پرچھائے نہ دکھائیں گے، بعض ناپاکوں نے اس سے بڑھ کر تاویل نکالی ہے کہ قرآن اگرچہ کتنا ہی بدل جائے مگر علم الٰہی ولوح محفوظ میں تو بدستور باقی ہے، حالانکہ علم الٰہی میں کوئی شے نہیں بدل سکتی، پھر قرآن کی کیا خوبی نکلی۔ توریت وانجیل درکنار، مہمل سے مہمل ردی سے ردی کوئی تحریر جس میں مصنف کا ایک لفظ ٹھکانے سے نہ رہا بلکہ دنیا سے سراسر معدوم ہوگئی ہو علم الٰہی ولوح محفوظ میں یقینا بدستور باقی ہے، ایسی ناپاک تاویلات ضروریات دین کے مقابل نہ مسموع ہوں، نہ ان سے کفر وارتداد اصلا مدفوع ہوں ان کی حالت وہی ہے جو نیچریہ نے آسمان کو بلندی جبرئیل وملائکہ کو قوت خیر، ابلیس وشیاطین کو قوت بدی، حشر ونشر وجنت ونار کو محض روحانی نہ جسدی بنالیا۔ قادیانی مرتد نے خاتم النبیین کو افضل المرسلین، ایک دوسرے شقی نے نبی بالذات سے بدل دیا، ایسی تاویلیں سن لی جائیں تو اسلام وایمان قطعًا درہم برہم ہوجائیں، بت پرست لا الٰہ الا اللہ

[1] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ استنبول ترکی ص ۳۵۳

کی تاویل کرلیں گے کہ یہ افضل واعلٰی میں حصر ہے یعنی خدا کے برابر دُوسرا خدا ہے وہ سب دوسروں سے بڑھ کر خدا ہے نہ یہ کہ دوسرا خدا ہی نہیں جیسے **لافتی الاعلی لاسیف الاذوالفقار** (علی کرم اللہ وجہہ کے بغیر کوئی بہادر جوان نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں۔ت) وغیرہ محاوراتِ عرب سے روشن ہے یہ نکتہ ہمیشہ یادرکھنے کا ہے کہ ایسے مرتدان لیام مدعیان اسلام کے مکروہ اوہام سے نجات وشفا ہے **وباللّٰہ التوفیق والحمد للّٰہ رب العٰلمین**۔

بالجملہ ان رافضیوں تبرائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اجماعی یہ ہے

کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں اُنکے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے ان کے ساتھ مناکت نہ صرف حرام بلکہ خالص زنا ہے، معاذاللہ مرد رافضی اور عورت مسلمان ہو تو یہ سخت قہر الٰہی ہے۔ اگر مرد سُنی اور عورت ان خبیثوں میں کی ہو جب بھی ہر گز نکاح نہ ہو گا محض زنا ہوگا، اولاد ولد الزنا ہوگی باپ کا ترکہ نہ پائے گی اگرچہ اولاد بھی سُنی ہی ہو کہ شرعًا ولد الزنا کا باپ کوئی نہیں، عورت نہ ترکہ کی مستحق ہوگی نہ مہر کی کہ زانیہ کے لئے مہر نہیں، رافضی اپنے کسی قریب حتی کہ باپ بیٹے ماں بیٹی کا بھی ترکہ نہیں پاسکتا۔ سُنی تو سنی کسی مسلمان بلکہ کسی کافر کے بھی یہاں تک کہ خود اپنے ہم مذہب رافضی کے ترکہ میں اس کا اصلا کچھ حصہ نہیں، ان کے مرد عورت عالم جاہل کسی سے میل جول، سلام کلام سب سخت کبیرہ اشد حرام، جو ان کے ان ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر پھر بھی انھیں مسلمان جانے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے باجماع تمام ائمہ دین خود کافر بے دین ہے، اور اُس کے لئے بھی یہی سب احکام ہیں جو اُن کے لئے مذکور ہُوئے، مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتوی کو بگوش ہوش سنیں۔ اور اس پر عمل کرکے سچے پکے مسلمان سنی بنیں۔ **وباللّٰہ التوفیق واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**۔

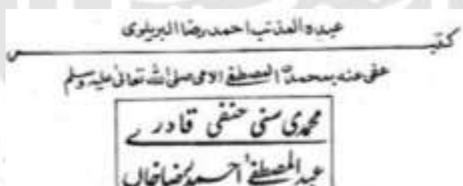

مسئلہ ۳۵: ازمانڈے سورتی مسجد ملک برہما مسئولہ مولوی احمد مختار صاحب صدیقی ۶ رجب ۱۳۳۳ھ

ایک شخص ہمیشہ علماء کو بُرا کہتا رہتا ہے چنانچہ ایک روز اس کے سامنے ذکر ہُوا کہ فلاں عالم نئے تشریف لانے والے ہیں تو وُہ فورًا کہتا ہے کہ ہاں آتے ہوں گے کوئی بھاڑ کھاؤ ایسے بد گو علماء کے لئے شریعت غرہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

ایسے شخص کی نسبت حدیث فرماتی ہے منافق ہے، فقہاء فرماتے ہیں کافر ہے۔ خطیب حضرت ابو ہریرہ اور ابو الشیخ ابن حبان کتاب التوبیخ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاثة لا یستخف بحقهم الامنافق بین النفاق ذو الشیبة فی الاسلام والامام المقسط ومعلم الخیر۔[1]	تین افراد کو منافق کے علاوہ کوئی حقیر نہیں سمجھے گا، وُہ بوڑھا جو حالتِ اسلام میں بوڑھا ہوا، عادل امیر اور خیر کی تعلیم دینے والا۔ (ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر و من قال لعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا به الاستخفاف کفر۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	سادات اور علماء کی تحقیر کفر ہے، جو عالم کو عویلم، علوی کو علیوی حقارت کی نیت سے کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۶: مسئولہ اکبر یار خاں صاحب ساکن شہر کہنہ محصل چندہ مدرسہ اہلسنت وجماعت ۹ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ سب عبادتیں محض اللہ رب العزت تبارک وتعالٰی ہی کے واسطے کرنا چاہئے اگرچہ اس کی ذات پاک بے نیاز ہے۔ کسی کی عبادت، ریاضت وغیرہ کی اس کو ضرورت نہیں ہے وہ اس سے پاک اور

---

[1] تاریخ بغداد ۸/ ۲۷ و ۱۴/ ۶۱ دار الکتاب العربی بیروت، کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ فی التوبیخ عن جابر حدیث ۴۳۸۱۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۲

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

منزہ اور مبرا ہے، مگر بندہ ناچیز کو اپنے مولا کی تعمیل حکم کرنا چاہئے، بکر کہتا ہے کہ زید کا دماغ خشک ہو گیا اس لئے کہتا ہے، یہ سب غلط ہے بلکہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وُہ سب اپنی ذات کے لئے کرتے ہیں اور کرنا چاہئے ایسی صورت میں زید وبکر کے قول کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

زید وبکر اپنی اپنی مراد پر دونوں سچے ہیں، بیشک نماز، روزہ، حج، زکوۃ سب اللہ عزوجل ہی کے لئے ہیں یعنی ان سے اسی کی عبادت وبجاآوری تعظیم مقصود ہے۔

"اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ"۔[1]	بیشک میری نماز اور قربانی اور جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں۔

اور بیشک تمام عبادات واعمال حسن اپنے ہی لئے ہیں یعنی اپنے فائدے کو ہیں "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ"[2] (جو نیک کام کرے وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ دونوں قول قرآن عظیم میں موجود ہیں، ہاں بکر کا یہ کہنا کہ زید کا دماغ خشک ہو گیا ہے، مفت ایذائے مسلم ہے اس سے معافی چاہے اور اس کا کہنا کہ یہ سب غلط ہے بہت سخت کلمہ ہے اسے تجدید اسلام چاہئے کہ اس نے ایسے واضح دینی، قرآنی قول کی تغلیط کی **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ایضًا زید اپنے آپ کو گنہگار، خطاوار جانتا ہے مگر بروقت گفتگو زید یہ کہتا ہے کہ میں مسلمان مومن سچا ہُوں، اور بکر بھی اپنے آپ کو گنہگار خیال کرتا ہے مگر بروقت بکر یہ کہتا ہے کہ میں ہرگز مسلمان نہیں ہوں، چنانچہ زید کو اپنی بابت سچا مومن کہنا اور بکر کو مسلمان ہونے سے انکار کرنا کیسا ہے، دونوں کی نسبت کیا حکم ہے؟

الجواب:

زید کے قول میں حرج نہیں، ہاں اسے حمد الٰہی بڑھا لینا چاہئے تھا، **الحمدللہ** میں مسلمان ہوں، بکر کا قول بہت قبیح ہے، ائمہ نے فرمایا ہے جو اپنے مسلمان ہونے سے انکار کرے وہ مسلمان نہیں اسے توبہ اور تجدید اسلام پھر تجدید نکاح چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۳۷: از شہر کہنہ مسئولہ سید نور صاحب محرر دارالافتاء ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید بے علم ہے مگر ہر عالم درویش پر ازرُوئے اہانت اعتراض کرتا ہے اور عیب جوئی میں ساعی رہتا ہے، پس اہانت علماء وغیرہ شرعًا کیسا فعل ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۳

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۶

(۲) کیا فیصلہ اور حکم شرعی سے متجاوز اور منکر ہونا کفر ہے یا گناہ کبیرہ؟ **فقط**

الجواب:

(۱) عیب جوئی ہر مسلمان کی حرام ہے نہ کہ علماء کی، **قال تعالٰی "لَاتَجَسَّسُوْا"** [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا عیب نہ ڈھونڈو(ت) اور علمائے دین کی اہانت کفر ہے **کمافی مجمع الانہر وغیرہ** (جیسا کہ مجمع الانہر وغیرہ میں ہے۔ت)

(۲) انکار بمعنی تکذیب کفر ہے اور تجاوز فسق و معصیت۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۹: از ضلع پترہ ڈاک خانہ پنچہ رامپور موضع سات بیلہ مسئولہ رجب علی ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ شنبہ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی مسئلہ (کہ چند مولویان معہود بمکان شخصے کہ از وکارے خلاف شرع سرزد شدہ بود یعنی بازنِ مغلظہ خود تامدت دو سہ ماہ باعیش ازواج اوقات بسر برد) بوجود علم بلا تعمیل وتنبیہ ختم خوانی کردہ طعام خوری نمودند، ازیں جہت شخصے معتبر عالم دوست حاجی الحرمین کہ از مریدان جناب شاہ عبداللطیف شہنودی است وجناب شاہ صاحب نیز برائے تنبیہ امور شرع اورا تاکید بسیار نمودہ واوبرائے تعمیل ارشاد جناب شاہ صاحب اکثر مقدمات شرع شریف و معاملات دنیوی فیصلہ میکند و فی الحال درکار شرع بسیار مستحکم مستقیم ایشاں راگفتہ کہ مولویان ایں زماں درریدہ سرگیں دہان افگنند و میان حرام و حلال تمیز نکنند پس دریں صورت شخص موصوف موافق شرع کافر شود یانہ یا بروے فقط حکم تجدید نکاح کردہ شود یانہ اگر شرعاً کافر نہ شود کسے اورا کافر گوید بروئش چہ حکم	اس معاملہ میں آپ کا کیا قول ہے اللہ تعالٰی تم پر رحمت نازل فرمائے (کہ چند مقامی علماء نے ایک شخص کے مکان پر جس نے شریعت کی خلاف ورزی کر رکھی ہے یعنی اس نے اپنی مغلظہ عورت دو تین ماہ سے رکھی ہوئی ہے اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کئے ہوئے ہے، ان لوگوں کو اس بات کا علم بھی تھا انھوں نے تنبیہ کے بغیر وہاں ختم پڑھا اور اس کا کھانا بھی کھایا اور ایک شخص معتبر عالم دوست، حرمین کا حاجی اور شاہ عبداللطیف شہنودی کا مرید ہے جناب شاہ صاحب نے بھی اسے امور شرع کے بارے میں خوب تاکید فرمائی اور وہ بحکم شاہ صاحب اکثر مقدمات شرعیہ اور معاملات دنیوی کے فیصلے بھی کرتا ہے اس وقت وہ امورِ شرعیہ میں مستحکم اور مستقیم ہے اس نے انکے حق میں یہ کلمات کہے ہیں کہ اس زمانہ کے مولویوں نے گندگی میں منہ ڈالا ہُوا ہے اور حلال و حرام میں وُہ کوئی تمیز نہیں کرتے وُہ شخص شرعی حکم کے مطابق کافر ہوگا یا نہ؟ یا اس پر فقط تجدید نکاح کا حکم جاری ہوگا یا نہیں، اگر وُہ

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

بینوا بسند الکتاب تؤجروا عند الله یوم الحساب، فقط۔	شرعًاکافر نہیں توجو اسے کافر کہے اس کا کیا حکم ہے؟کتاب وسنت کے حوالے سے بیان کیجئے اور یوم قیامت اللہ تعالٰی سے اجر پایئے، فقط (ت)

الجواب:

کسے کہ بازن سہ طلاقہ خود بے تحلیل طرح معاشرت انداخت ونزد شوئی باخت بجائے خود بزہ کار است وباچنیں گناہگاراں معاملہ پیشوایان دین مختلف بودہ است ہم بہ نرمی کار کردہ اند دہم بہ درشتی چنانکہ در احیاء العلوم رنگ تفصیل دادہ اند مولویان کہ بخانہ او ختم خواند وچیزے خوردند گناہے نکردند کسے کہ آناں رابدانسان والفاظ بدیاد کرد چیزے شنیع آورد باز حکم خاص بر آناں نہ نمود بلکہ عام مولویان ایں زمان گفت شناعتش از حد گزشت تکفیر او نشاید اما تجدید اسلام ونکاح سزد کہ باید وآنکہ تکفیر او کردہ است نیز کار ازحد بردہ است اورانیز توبہ باید۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس شخص نے اپنی عورت کو طلاقیں دے دیں اور اس کے بعد بغیر حلال ہونے کے اس کے ساتھ مباشرت کرنا زنا اور بدکرداری ہے، ایسے گنہگار لوگوں کے ساتھ علمائے دین کا معاملہ مختلف ہوتا ہے کبھی ان پر نرمی کرنا پڑتی ہے اور کبھی سختی، اس کی تفصیل احیاء العلوم میں دیکھئے، مولویوں نے جو اس کے گھر ختم پڑھا اور کوئی چیز کھائی تواس سے وہ گناہگار نہیں ہوئے جو شخص انہیں بدالفاظ سے یاد کرتا ہے وہ برا کرتا ہے پھر ان پر حکم خاص نہیں رکھا بلکہ عام مولویوں کی بات کرتا ہے تو اگرچہ یہ بات نہایت بری ہے لیکن اس پر تکفیر کا حکم جاری نہیں ہوسکتا، رہا تجدید اسلام اور نکاح کا معاملہ تو یہ مناسب ہے اور جس نے اس کی تکفیر کی ہے وہ بھی حد سے بڑھ گیا اس کو بھی توبہ کرنی چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۰: از شہر سورت محلّہ سید واڑہ مسئولہ سید صدرالدین زری والے صفر المظفر ۱۳۳۴ھ چہار شنبہ

عالی خدمت عالی جناب مولانا مولوی حضرت احمد رضاخاں صاحب **دام ظلکم** بعد ادائے آداب تسلیمات کے گزارش ہے کہ در شہر سورت خیریت آنجناب کی شب وروز درگاہ رب العزت سے نیک مطلوب ہوں، دیگر گزارش یہ کہ قبل ازاس کے ایک گزارش نامہ در طلب ردوہابیہ ارسال خدمت کیا تھا، ہنوز انتظار دست یاب نسخہ مذکور ہوں، اس اثناء میں ایک اور سوال بے ثبات فرقہ مذکور سے ایجاد ہوا وہ یہ کہ رسالتمآب کے والد ماجد حالتِ کفر میں تھے اور اسی حالت میں رحلت بھی فرمایا اس کے رد میں اہل تسنّن نے یہ جواب دیا کہ

وہ کسی حالت سے بھی کافر نہیں ہو سکتے تھے تو یہ کفر کا اطلاق نامعقول ہے یہ جواب دیا مگر قیاسی دیا مگر قیاسی و یاسندی نہیں ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے جو اس بات کا پورا پورا جواب کریں اس لئے آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس کا رد و ثبوت ہو جائے تو عین سرفرازی ہے تمام کیفیت کماحقہ اس خط سے اور آگے کے خط سے گوش زد کیا ہوں، **فقط۔**

الجواب:

مذہب صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبداللہ اور حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہما اہل توحید واسلام و نجات تھے، بلکہ حضور کے آباء و امہات حضرت عبداللہ و آمنہ سے حضرت آدم و حوا تک مذہب ارجح میں سب اہل اسلام و توحید ہیں۔

قال اللہ تعالٰی الَّذِیۡ یَرٰىكَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ۙ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیۡنَ ﴿۲۱۹﴾ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو (ت)

اس آیہ کریمہ کی تفسیر سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور ایک نمازی سے دوسرے نمازی کی طرف منتقل ہوتا آیا [2]۔ اور حدیث میں ہے کہ رب عزوجل نے نور اقدس کی نسبت فرمایا کہ اسے اصلاب طیبہ وارحام طاہرہ میں رکھوں گا [3] اور رب عزوجل کبھی کسی کافر کو طیب وطاہر نہ فرمائے گا، "**اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ**" [4] (بیشک مشرکین نجس ہیں۔ت) اس بارے میں ہمارا ایک خاص رسالہ ہے **شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام**۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص اس باب میں چھ رسالے لکھے۔ **فشکر اللہ سعیہ واجزل ثوابہ** (اللہ تعالٰی ان کی کاوش قبول فرمائے اور انہیں اجر عظیم سے نوازے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۱ تا ۱۴۳: مسئولہ معرفت مصطفٰی میاں سلمہ بروز چہار شنبہ ۲۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک سنی کے سامنے ذکر آیا کہ شیعہ و معتزلہ دار جنت میں رؤیت باری عزوجل کے منکر ہیں، ان صاحب نے کہا وہ سچ کہتے ہیں انہیں تو نہیں ہوگی، شاید مومنین کے لئے بھی ذکر میں تھا اگرچہ یہ ایک شبہہ سا یاد پڑتا ہے، یہ کہنا کیسا ہے؟

(۲) ارتضا حسین پیر میاں صاحب نے اپنا نام ابوالبرکات رکھا اور اس پر اب آزاد کا اور اضافہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۱۸۔۲۱۹

[2] معالم التنزیل مع الخازن آیہ تقلبك فی الساجدین کے تحت مصطفی البابی مصر ۵/ ۹۹

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ مصر ۱/ ۶۳

[4] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

کیا، جس کی ایک واہی تباہی روایت چھپوا کر تقسیم کی، اس کی بابت اک صاحب نے کہا کہ یہ نام انہوں نے کہاں سے رکھا، کچھ اللہ میاں کے یہاں تو آپ کا یہ نام لکھا ہوا ہے نہیں جس پر کہا گیا کہ لوح محفوظ میں تو سب لکھا ہوا ہے یہ بھی لکھا ہوا ہے، اس پر ان صاحب نے کہا کہ میں نے اس بنا پر کہا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ نام ماں باپ رکھتے ہیں وہ نام اللہ میاں کے یہاں لکھا جاتا ہے، ظاہراً اس قائل کا مطلب یہ تھا کہ نام کرکے وہی نام لکھا جاتا ہے جو ماں باپ کا رکھا ہے اور جو خود گھڑلے وہ بطور ایک امر واقع کے لکھا ہوتا ہے کہ فلاں اپنا یہ نام رکھے گا نام کرکے نہیں کہ فلاں کا یہ نام ہے، الغرض اس کا وہ مقولہ کیسا ہے اور اس کی کیا اصل ہے کہ نام وہی ہوتا ہے جو ماں باپ کا رکھا ہے یا خود رکھا ہوا۔

(۳) ایک سنی صاحب کے سامنے میں نے کہا کہ حضور سرور عالم صلی تعالٰی علیہ وسلم کے بہت خصائص ہیں، وہ احکام شرعیہ جو عام نہیں ان سے حضور نے بعض صحابہ کو مستثنٰی کیا تھا ان پر ان صاحب نے کہا کہ جبھی تو بعض جہلا کہنے لگے تھے کہ اللہ عزوجل رضاجوئے محمدی ہے، اس پر میں نے کہا کہ بعض جہلا کی کیا تخصیص ہے، اللہ عزوجل تو رضاجوئے محمدی ہے انھوں نے بھی اس کا صاف اقرار کیا اور کہا کہ ایسے خصائص دیکھ کر شاید بعض ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن بھی یہ کہنے لگی تھیں، مگر اصل بات یہ ہے کہ حضور اللہ عزوجل کے فرمودہ سے باہر قدم ہی نہیں رکھتے تھے وہی فرماتے تھے جو اللہ عزوجل کا حکم تھا تو اصل میں حضور متبع حکمِ الٰہی اور رضاجوئے الٰہی بھی ہوئے، ان کی اس وقت کی طرز تقریر وحالت سے ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا تھا کہ جہلا تو یہ سمجھ کر اللہ عزوجل کو رضاجوئے محمدی کہنے لگے تھے کہ حضور ایک حکم دیتے ہیں اور پھر اللہ عزوجل بھی ویسی ہی وحی نازل فرمادیتا ہے یعنی اللہ عزوجل حضور کا اتباع فرماتا ہے حالانکہ اصل میں حکم الٰہی وہی ہوتا ہے اور اسکے اتباع سے حضور حکم دیتے ہیں، غرض اس کا یہ مقولہ کہ جبھی تو بعض جہلا بھی الخ کا کیا حکم ہے اس کلی مقولہ کا کیا جو اس کے بعد کہا گیا۔

الجواب:

(۱) مولاعزوجل فرماتا ہے: انا عند ظن عبدی بی[1] (میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں۔ت) روافض ومعتزلہ کہ رؤیت الٰہی سے مایوس ہیں مایوس ہی رہیں گے، وہابیہ شفاعت سے منکر ہیں محروم ہی رہیں گے تو ان کا انکار ان کے اعتبار سے صحیح ہوا ظاہرا قائل کی یہی مراد ہے کہ ان کی نفی ان کے حق میں سچی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں جو اس کے قول کی تصدیق بمعنی نفی مطلق کرے وہ ضرور گمراہ وخارج از اہلسنت ہے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث واثلہ بن الاسقع دارالفکر بیروت ۴/ ۱۰۶

(۲) بلاشبہہ لوح محفوظ میں ہر صغیر وکبیر مستطر ہے جو اسم بحیثیت علم، دنیا میں کسی کے لئے ہے لوح محفوظ میں وہی بحیثیت علم مکتوب ہے خواہ ماں باپ کا رکھا ہے یا اپنا یا اور کا اور جس میں تغیر واقع ہوا مغیر اور مغیر الیہ دونوں اپنے اپنے زمانہ کی قید سے مکتوب ہیں، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بہت صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نام تبدیل فرمائے کہ اگلے نام متروک ہوگئے اور وہ انہیں دوسرے ناموں سے مشہور ہیں تو عنداللہ بھی اب یہی ان کے نام ہیں اور انہیں ناموں سے روزِ قیامت پکارے جائیں گے، اور جو شخص اپنا نام بدل کر کچھ رکھے اور بحیثیت علم معروف نہ ہو تو اللہ عزوجل کے یہاں بھی وہ نام علم ہو کر لکھا نہ گیا، ہاں یہ واقعہ ضرور مکتوب ہے ظاہراً یہی مراد قائل ہے، قائل نے یہ نہ کہا کہ اللہ تعالٰی کے یہاں یہ نہیں لکھا ہے بلکہ یہ کہا کہ اس کا نام یہ نہیں لکھا ہے تو کتابت نہیں بلکہ سببِ کتابت علمیت ہے، اور یہ صحیح ہے کہ جب کہ اس وضع کئے ہوئے نام نے حیثیت علمیت پیدا نہ کی، ہاں ایسی جگہ کلام بہت ہوشیاری سے چاہئے جس میں کوئی پہلوئے ناقص نہ نکلے، سوال میں اسم جلالت کے لفظ "میاں" مکتوب ہے یہ ممنوع ومعیوب ہے، زبان اردو میں "میاں" کے تین معنٰی ہیں جن میں دو اس پر محال ہیں اور شرع سے ورود نہیں لہٰذا اس کا اطلاق محمود نہیں۔

(۳) قائل کا کہنا کہ جب ہی تو بعض جہلا الخ بہت سخت قبیح وشنیع واقع ہوا اور جو معنی اس نے بعد کو قرار دیئے اس میں بھی وہ حقیقت کو نہ پہنچا بلاشبہہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تابع مرضی الٰہی ہیں اور بلاشبہہ کوئی بات اس کے خلاف حکم نہیں فرماتے اور بلاشبہہ اللہ عزوجل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رضا چاہتا ہے۔

"وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ۝" [1]، " قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِؕ " [2]۔	اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے۔ہم دیکھ رہے ہیں، بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی پس ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔(ت)

حکم الٰہی بیت المقدس کی طرف استقبال کا تھا حضور تابع فرمان تھے یہ حضور کی طرف سے رضاجوئی الٰہی تھی مگر قلب اقدس کعبہ کی طرف استقبال چاہتا تھا، مولٰی عزوجل نے مرضی مبارک کے لئے اپنا وہ حکم

[1] القرآن الکریم ۹۳/ ۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴

منسوخ فرمادیا اور حضور جو چاہتے تھے قیامت تک کے لئے وہی قبلہ مقرر فرمادیا، یہ اللہ عزوجل کی طرف سے رضاجوئی محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے ان میں سے جس کا انکار ہو قرآن عظیم کا انکار ہے۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں:

ماأری ربك الّا یسارع فی ھواك [1]۔ رواہ البخاری۔	میں حضور کے رب کو دیکھتی ہوں کہ حضور کی خواہش میں شتابی فرماتا ہے، اسے بخاری نے روایت کیا۔

یہ ہے وہ کلمہ کہ بعض ازواج مطہرات نے عرض کیا اور عرض کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا تو قائل کا کہنا کہ ایسے خصائص دیکھ کر شاید بعض ازواج مطہرات یہ کہنے لگی تھیں دراصل بات یہ ہے الخ یہ بتارہا ہے کہ ان بعض ازواج مطہرات نے خلافِ اصل بات کہی اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مقرر رکھی، حدیث روز محشر میں ہے رب عزوجل اولین وآخرین کو جمع کرکے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمائے گا:

کلھم یطلبون رضائی وانا اطلبك رضاك یا محمد [2]۔	یہ سب میری رضا چاہتے ہیں اور اے محبوب! میں تمہاری رضا چاہتا ہوں۔

ے خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

بالجملہ کلمہ بہت سخت وشنیع تھا اور بعد تاویل بھی شناعت سے بری نہ ہوا، توبہ لازم ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۴تا۴۵: از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودریپور راجپوتانہ مسئولہ عبدالکریم صاحب بروز شنبہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

(۱) جو شخص انگریزی ٹوپی وکوٹ پتلون محض ان کی موافقت کی وجہ سے پہنے تو وہ کافر ہے یا نہیں، غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار باب مرتد میں لکھا ہے کہ جو شخص بلاضرورت سردی وگرمی کے مجوسی کی ٹوپی پہنے وہ کافر ہے، اسی طرح جو شخص زنار باندھے وہ بھی کافر ہے، مگر بضرورت اب اگر انگریزی ٹوپی وکوٹ پتلون بلاضرورت پہننے والا کافر نہیں ہے تو زنار باندھنے والے کو غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار باب المرتد میں کافر کیوں کہا؟

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر الاحزاب باب قولہ ترجی من تشاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۰۶

[2] التفسیر الکبیر تحت آیۃ "فلنولینك قبلۃ ترضٰھا" المطبعۃ المصریۃ مصر ۴/ ۱۰۶

(۲) جو شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہے اور تعزیہ داری کو جائز کرے اور سجدہ تعظیمی کرائے اور محدثین صحاح ستہ پر الزام نکال ڈالنے صحیحہ کا لگائے اس شخص کی نسبت علماء کرام کیا فرماتے ہیں؟

الجواب:

(۱) بلاضرورت زنار باندھنا یا ہیٹ یعنی انگریزی ٹوپی رکھنا بلاشبہہ کفر ہے، حدیقہ ندیہ میں فرمایا: **لبس زی الافرنج علی الصحیح۔**[1] (ملخصًا) فرنگیوں کا ہیٹ پہننا صحیح قول کے مطابق کفر ہے (ت) رہے کوٹ پتلون وہ اگر موافقت نصارٰی اور ان کی وضع کے استحسان کے لئے ہے تو اسے بھی فقہاء کرام نے مطلقًا کفر فرمایا۔ غمزالعیون میں ہے:

اتفق مشائخنا من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر۔[2]	جس نے کافروں کے کسی فعل کو اچھا سمجھا باتفاقِ مشائخ کافر ہوگیا۔

اور اگر ایسا نہیں تو فسق ضرور ہے جبکہ بلاضرورت شرعیہ ہو، اور اسے اختیار نہیں کرتا مگر وہ جس کے دل میں کجی ہے جب حب فی اللہ اور **بغض للہ** کہ مناط ایمان ہیں قلب میں مستحکم ہوجاتے ہیں تو اولیاء اللہ کی ہر ادا اچھی معلوم ہوتی ہے اور اعداء اللہ کی ہر بات بری، **نسأل اللہ الھدایۃ** (ہم اللہ تعالٰی سے ہدایت مانگتے ہیں۔ت)

(۲) کسی بات کی طرف نظر کرنے کی حاجت نہیں بعد اس کے کہ مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہے یقینًا کافر مرتد ہے،

من شك فی عذابہ و کفرہ فقد کفر[3]۔	جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ کافر ہوگیا۔ (ت)

جو اس کے قول پر مطلع ہو کر اس کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے، مسلمانوں کو اس کے پاس بیٹھنا، اس سے میل جول سلام کلام سب قطعًا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثامن من الانواع الستین مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[4] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

وقال تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1] ۔وقال تعالٰی "وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ" [2]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔(ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے (ت)

ان آیاتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ، ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی، جو تم میں ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے، اگر وہ علانیہ تائب ہو اور از سرِ نو مسلمان ہو فبہا ورنہ اگر وہ بیمار پڑے اس کی عیادت حرام، اگر مرجائے اسے غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، اس کے جنازہ کی نماز سخت حرام، جنازہ کے ساتھ جانا حرام، مقابرِ مسلمین میں اسے دفن کرنا حرام، اسے ایصالِ ثواب حرام بلکہ کفر، کوئی تنگ گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیں اور بغیر کسی فاصلے کے اوپر سے اینٹ پتھر خاک بلاجو کچھ ہو پاٹ دیں،

"وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾" [3]۔نسأل اللہ الثبات علی الایمان والختم بالحسنی ولاحول قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور بے انصافوں کی سزا ہے۔ہم اللہ تعالٰی سے ایمان پر ثابت قدمی اور خاتمہ بالخیر کی دعا کرتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۶: مسئولہ حافظ محمد علاء الدین صاحب پیش امام جامع مسجد مقام بلرام پور ڈاکخانہ رانگہ ڈیہہ ضلع مان بھوم یکم صفر ۱۳۳۵ھ

ایک شخص اپنا شجرہ مجھ سے پڑھانے لگا اس میں پہلے مولانا وارث حسن کا نام تھا، اس کے بعد رشید احمد گنگوہی کا نام تھا، رشید احمد گنگوہی کا نام پڑھتے ہی میں نے اس شجرہ کو نہیں پڑھا کیونکہ "حسام الحرمین" نے ان کے حال سے اچھی طرح خبردار کردیا ہے، مہربانی فرما کر ایک فہرست مطبع اہلسنت وجماعت کی مخصوص اپنے تصنیفات کی مرحمت فرمائی جائے اور ذیل کے استفسار پر کرم فرما کر جواب سے مشرف فرمایئے، مولانا وارث حسن کا کیا مذہب ہے؟

الجواب:

جب آپ "حسام الحرمین" میں علمائے حرمین شریفین کے متفق علیہ فتوے دیکھ چکے تو اس کے بعد

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲۹

اس سوال کی ضرورت نہ رہی وارث حسن کے مذہب پر فقیر کو اطلاع نہیں، نہ کبھی ملاقات، مگر اس قدر ضرور ہے کہ وہ جس کا مرید ہے تو اسے ولی جانے گا، کم از کم صحیح العقیدہ صالح نہ سہی مسلمان تو جانے گا، اور حکمِ شرع وہ ہے جو "حسام الحرمین" میں مذکور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۷تا۴۸: مرسلہ عبدالواحد خاں صاحب مسلم بمبئی اسلام پورہ معرفت عبداللطیف ہیڈ ماسٹر میونسپل اردو اسکول ۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

(۱) قادیانیوں سے کس طرح کس پیرایہ میں بحث کیا جائے، یعنی ان کی تردید کے بھاری ذرائع کیا ہیں؟

(۲) یا حدیثوں کے انکار سے انسان کافر ہوسکتا ہے؟ اگر ہاں تو کن حدیثوں کے انکار سے؟

الجواب:

(۱) سب سے بھاری ذریعہ اس کے رد کا اول اول کلماتِ کفر پر گرفت ہے جو اس کی تصانیف میں برساتی حشرات کی طرح ابلے گھلے پھر رہے ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہینیں، عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں، ان کی ماں طیبہ طاہرہ پر لعن طعن، اور یہ کہنا کہ یہودیوں کے جو اعتراض عیسٰی اور ان کی ماں پر ہیں ان کا جواب نہیں اور یہ کہ نبوتِ عیسٰی پر کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ عدمِ نبوت پر دلیل قائم ہے یہ ماننا کہ قرآن نے ان کو انبیاء میں گنا ہے اور پھر صاف کہہ دینا کہ وہ نبی نہیں ہوسکتے، معجزات عیسٰی الصلوٰۃ والسلام سے صراحۃً انکار، اور یہ کہنا کہ وہ مسمریزم سے یہ کچھ کیا کرتے تھے، اور یہ کہ میں ان باتوں کو مکروہ نہ جانتا تو آج عیسٰی سے کم نہ ہوتا، تو وہ روشن معجزے جن کو قرآن مجید آیات بینات فرمارہا ہے یہ ان کو مسمریزم و مکروہ مانتا ہے، اپنے آپ کو اگلے انبیاء سے افضل بتانا اور یہ کہنا کہ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے، اور یہ کہنا کہ اگلے چار سو انبیاء کی پیشگوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے، اور یہ کہنا کہ عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار دادیاں نانیاں **معاذ اللہ** زانیہ تھیں اور یہ کہ اسی خون سے عیسٰی کی پیدائش ہے۔ اپنے آپ کو نبی کہنا، اپنی طرف وحی الٰہی کا ادعا کرنا، اپنی بنائی ہوئی کتاب کو کلامِ الٰہی کہنا، اور یہ کہ آیہ کریمہ "مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ"[1] (ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ت) سے میں مراد ہوں، اور یہ کہ مجھ پر اترا ہے **انا انزلناہ بالقادیان وبالحق نزل** (ہم نے اپنے قادیان میں اور حق کے ساتھ نازل کیا۔ت) اور دوسرا بھاری ذریعہ اس خبیث کی پیشگوئیوں کا جھوٹا پڑنا جن میں بہت چمکتے روشن حرفوں سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۶۱/ ۶

[1] ایک اس کے بیٹے کا جس کی نسبت کہا تھا کہ انبیاء کا چاند پیدا ہوگا اور بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت لیں گے، مگر شانِ الٰہی کہ چوں دم برداشتم مادہ برآمد (جب میں نے دم اٹھا کر دیکھا تو مادہ پایا۔ت) بیٹی پیدا ہوئی، اس کے اوپر کہا کہ وحی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی اب کی جو ہوگا وہ انبیاء کا چاند ہوگا۔ بیٹی، بیٹے ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں اب کے ہوا بیٹا مگر چند روز جی کر مرگیا، بادشاہ کیا کسی محتاج نے بھی اس کے کپڑوں سے برکت نہ لی۔

[2] دوسری بہت بڑی بھاری پیشگوئی آسمانی جورو کی اپنی چچازاد بہن احمدی کو لکھ کر بھیجا کہ اپنی بیٹی محمدی میرے نکاح میں دے دے، اس نے صاف انکار کردیا، اس پر پہلے طمع دلائی پھر دھمکیاں دیں پھر کہا کہ وحی آگئی کہ "**زوجنا کھا**" ہم نے تیرا نکاح اس سے کردیا، اور یہ کہ اس کا نکاح اگر تو دوسری جگہ کرے گی تو ڈھائی یا تین برس کے اندر اس کا شوہر مر جائے گا۔ مگر اس خدا کی بندی نے ایک نہیں سنی، سلطان محمد خاں سے نکاح کردیا، وہ آسمانی نکاح دھرا ہی رہا، نہ وہ شوہر مرا، کتنے بچے اس سے ہو چکے اور یہ چل دئے۔ غرض اس کے کفر و کذب حد شمار سے باہر ہیں کہاں تک گنے جائیں اور اس کے ہواخواہ ان باتوں کو ٹالتے ہیں، اور بحث کریں گے تو کاہے میں کہ عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال فرمایا مع جسم کے اٹھائے گئے یا صرف روح، مہدی و عیسٰی ایک ہیں یا متعدد۔ یہ ان کی عیاری ہوتی ہے، ان کفروں کے سامنے ان مباحث کا کیا ذکر، فرض کیجئے کہ عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ نہیں، فرض کیجئے کہ وہ مع جسم نہیں اٹھائے گئے، فرض کیجئے کہ مہدی و عیسٰی ایک ہیں، پھر اس سے وہ تیرے کفر کیونکر مٹ گئے۔ کلام تو اس میں ہے کہ تو کہتا ہے میں نبی ہوں ہم کہتے ہیں تو کافر، اس کا فیصلہ ہونا چاہئے، انبیاء کی توہینیں، انبیاء کی تکذیبیں، معجزات سے استہزاء، نبوت کا ادعاء، اور پھر دوسرے درجہ میں انبیاء کے چاند والا بیٹا، آسمانی جورو، یہ تیری تکفیر تکذیب کو کافی ہیں۔

(۲) حدیث متواتر کے انکار پر تکفیر کی جاتی ہے خواہ متواتر باللفظ ہو یا متواتر المعنٰی، اور حدیث ٹھہرا کر جو کوئی استخفاف کرے تو یہ مطلقًا کفر ہے اگرچہ حدیث احاد بلکہ ضعیف بلکہ فی الواقع اس سے بھی نازل ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۹: مرسلہ عبدالجبار خاں صاحب دھام پور ضلع بجنور ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا شیعوں کے سب فرقے اور غیر مقلدین سب کے سب کافر ہیں؟

الجواب:

ان میں ضروریاتِ دین سے کسی شے کا جو منکر ہے یقینا کافر ہے اور جو قطعیات کے منکر ہیں ان پر

بحکم فقہاء لزوم کفر ہے اور اگر کوئی غیر مقلد ایسا پایا جائے کہ صرف انہیں فرعی اعمال میں مخالف ہو اور تمام عقائد قطعیہ اہلسنت کا موافق، یا وہ شیعی تفضیلی ہے تو ایسوں پر حکم تکفیر ناممکن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰ تا ۵۱: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولانا مولوی عبدالمجید صاحب پانی پتی ۱۱ شعبان ۱۳۳۵ھ

ہمارے سنی حنفی علماء **کثرہم اللہ تعالٰی وابقاہم الٰی یوم الجزاء** اس میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) فرقہ غیر مقلدین [۱] اللہ تعالٰی کے لئے مکان کا قائل اور نیز [۲] اس کے لئے جہت کا قائل ہے جیسا کہ نواب صدیق حسن خاں کے رسالہ "**الاحتواء علٰی مسئلۃ الاستواء**" اور نیز ان کے دیگر رسائل سے ظاہر ہے، اور [۳] احناف کی فقہ کو باطل اور ناحق جانتا ہے، اور [۴] بدیں وجہ اس کی سخت توہین کرتا ہے چنانچہ ایک کلانوری غیر مقلد نے اپنے رسالہ "**الجرح علی اصول الفقه**" میں فقہ احناف کے حق میں لکھا ہے (بلکہ بدبودار سنڈاس ہے کہ جب اس کے پاس جاؤ تو بدبو ہی آتی ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اور مولوی ابوالقاسم بنارسی کے رسالہ "**الجرح علی الامام**" کی ایک عبارت سے فقہ احناف کا موجب دخول دوزخ ہونا ثابت ہے، اور [۵] نیز امام صاحب رضی اللہ تعالٰی کی توہین بیحد کرتا ہے، چنانچہ مولوی ابوالقاسم بنارسی نے اپنے رسالہ مذکورہ میں منجملہ حضرت امام صاحب کی شان میں بے انتہا بے ادبیاں کیں، آپ کی ولادت شریفہ کے سنہ کا مادہ لفظ "سگ" اور آپ کی وفات شریف کے سنہ کا مادہ لفظ "بوکم جہاں پاک" لکھا ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اور [۶] اجماع کا منکر ہے کہ نواب صدیق حسن خاں کے رسالہ "**عرف الجادی**" اور نیز ان کے دیگر رسائل سے ظاہر ہے اور یہ سب باتیں احناف کی فقہ کی مستند کتابوں مثل فتاوٰی قاضی خاں اور فتاوٰی عالمگیری اور نور الانوار وغیرہا کے بموجب کفر ہیں، پس فرقہ غیر مقلدین بوجوہ مذکورہ بحکم فقہ احناف کافر ہے یا نہیں، اور [۷] نیز فرقہ غیر مقلدین مفارق الجماعۃ ہے جیسا کہ ظاہر ہے پس بحکم حدیث شریف:

من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقه[1]۔	جو جماعت سے بالشت بھر دور ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پھندہ اتار دیا (ت)

کے خارج از اسلام ہوا یا نہیں؟ اور [۸] نیز فرقہ غیر مقلدین تقلید کو شرک اور مستلزم انتفاء ایمان اور مقلدین کو جن میں بے شمار علماء اور اولیاء بھی داخل ہیں، مشرک اور بے ایمان کہتا و جانتا ہے جیسا کہ مولوی سعید بنارسی کے رسالہ "**ہدایۃ المرتاب**" ص ۱۸ اور ان کے بیٹے ابوالقاسم بنارسی کے رسالہ "**العرجون القدیم**" ص ۲۰ اور نیز دیگر غیر مقلدین کے رسائل سے ظاہر ہے، پس بموجب حدیث:

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۸۵

لایرمی رجل رجلا بالفسوق ولایرمیه بالکفر الاارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذٰلک[1]۔	کسی آدمی کا دوسرے کو فاسق وکافر کہنا اسی پر لوٹ آتا ہے اگر دوسرے میں کفر وفسق نہ ہو۔(ت) کے یہ خود مشرک اور بے ایمان ہوئے یا نہیں۔

(۲) اور نیز اس میں کہ رافضی تبرائی کافر مرتد ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جواب سوال اوّل: بلاشبہہ طائفہ نائفہ غیر مقلدین گمراہ بددین اور بحکم فقہ کفار و مرتدین، جن پر بوجوہ کثیرہ لزوم کفر بین مبین، ہمارے رسالہ "الکوکبة الشهابیة علی کفریات ابی الوهابیة وسل السیوف الهندیة علی کفریات بابا النجدیة والنهی الاکید عن الصلٰوة وراء عدی التقلید" وغیرہا میں اس کا بیان شافی و وافی۔ یہاں انہیں بعض وجوہ سے کلام کریں جن کی طرف سائل فاضل نے اشارہ کیا، وباللہ التوفیق۔

(۱) اللہ عزوجل کے لئے مکان ماننا کفر ہے، بحر الرائق جلد پنجم ص ۱۲۹ میں ہے:

یکفر بقوله یجوز ان یفعل الله فعلا لاحکمة فیه وباثبات المکان لله تعالٰی[2]۔	اگر کوئی کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی سے ایسے فعل کا صدور ممکن ہے جس میں حکمت نہ ہو تو وہ کافر ہے یا وہ اللہ تعالٰی کے مکان کا اثبات تسلیم کرتا ہے(ت)

فتاوٰی قاضی خاں فخر المطابع جلد چہارم ص ۴۳۰:

یکون کفر الان الله تعالٰی منزه عن المکان[3]۔	کافر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالٰی مکان سے پاک ہے(ت)

فتاوٰی خلاصہ قلمی کتاب الفاظ الکفر فصل ۲، جنس ۲:

یکفر لانه اثبت المکان لله تعالٰی[4]۔	وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالٰی کیلئے مکان ثابت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۸۱

[2] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۰

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب السیر باب یکون کفرًا و ما لایکون کفرا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۸۴

[4] خلاصة الفتاوٰی فصل الثانی فی الفاظ الکفر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۴

فتاوٰی عالمگیری مطبع مصر جلد دوم ص ۱۲۹:

یکفر باثبات المکان للّٰہ تعالٰی [1]۔	اللہ تعالٰی کے لئے مکان ثابت کرنا کفر ہے (ت)

جامع الفصولین جلد دوم ص ۲۹۸، فتاوٰی ذخیرہ سے:

قال اللّٰہ فی السماء عالم لو ارادبہ المکان کفر [2]۔	کسی نے کہا اللہ تعالٰی آسمان میں عالم ہے اگر اس سے مراد مکان لیا ہے تو کفر ہے (ت)

(۲) مولٰی عزوجل کے لئے جہت ماننا بھی صریح ضلالت وبددینی ہے اور بہت ائمہ نے تکفیر فرمائی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحفہ اثناء عشریہ طبع کلکتہ ۲۵۵ بیان عقائد اہلسنت وجماعت میں ہے:

عقیدہ سیزدہم آنکہ حق تعالٰی رامکان نیست واورا جہتے از فوق متصور وہمیں ست مذہب اہل سنت وجماعت [3]۔	تیرھواں عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالٰی کیلئے مکان نہیں اور نہ اس کے لئے کوئی جہت نہ فوق اور نہ تحت، اور یہی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے (ت)

امام ابن حجر مکی کی اعلام بقواطع الاسلام طبع مصر ص ۱۵ بعد نقل کلام امام حجۃ الاسلام غزالی:

ھکذا کماتری ظاھر تکفیر القائلین بالجھۃ [4]۔	جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں جو لوگ جہت کے قائل ہیں ان کا کافر ہونا واضح ہے (ت)

اسی میں ان کلمات میں جو ہمارے ائمہ کے نزدیک بالاتفاق کفر ہیں ص ۳۲ پر ہے:

او قال اللّٰہ تعالٰی فی السماء عالم او علی العرش وعنی بہ المکان او لیس لہ نیۃ او قال ینظر الینا ویبصرنا من العرش، او قال ھو فی السماء او علی الارض، او قال لا یخلو منہ مکان او قال اللّٰہ تعالٰی فوق وانت تحتہ اھ (ونازعہ	یا کہتا ہے کہ وہ آسمان میں عالم ہے یا عرش پر، اور اس سے مراد مکان لیتا ہے یا اسکی کوئی نیت نہیں یا کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی ہم کو عرش سے دیکھتا ہے، یا کہتا ہے وہ آسمان میں ہے یا زمین پر، یا کہتا ہے اس سے کوئی مکان خالی نہیں، یا کہتا ہے اللہ تعالٰی اوپر ہے اور تو نیچے اھ ابن حجر نے

[1] فتاوٰی ہندیہ موجبات الکفر انواع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۹

[2] جامع الفصولین فصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۸

[3] تحفہ اثنا عشریہ باب پنجم در الٰہیات سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴۱

[4] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مقدمہ کتاب مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۵۱

ابن حجرفی قوله لیس له نیة فقال فی الکفر نظر فضلا عن کونه متفقا علیه لان النیة القصد، وقد ذکر النووی عفاالله تعالٰی عنه فی شرح المهذب انه یقال قصدالله کذا بمعنی اراد فمن قال لیس له نیة ای قصد فان ارادانه لیس قصد کقصد نا فواضح، وکذا ان اطلق اوارادانه لاارادة له اصلا فان اراد المعنی الذی تقوله المعتزلة فلاکفر ایضا، اوارادسلبها مطلقالابالمعنی الذی یقولونه فهو کفر[1] اھ اقول: رحم الله الشیخ لیس له نیة لیس من الفاظ الکفر بل هو عطف علی قوله عنی به المکان ای یکفران اراد المکان، اواطلق ولم ینوشیئا قال فی البحر الرائق ان قال الله فی السماء فان قصد حکایة ماجاء فی ظاهر الاخبار لایکفروان اراد المکان کفر وان لم یکن له نیة کفر عند الاکثر وهوالاصح وعلیه الفتوی[2] اھ۔

"لیس لہ نیۃ" کی صورت میں اختلاف کیا اور کہا کہ اس صورت میں کفر میں اختلاف ہے چہ جائیکہ کفر بالاتفاق ہو کیونکہ نیت قصد کا نام ہے۔امام نووی نے شرح المہذب میں کہا کہ جو کہا جاتا ہے قصد اللہ کذا یعنی اللہ تعالٰی نے ارادہ فرمایا کے معنٰی میں ہوتا ہے اور جس نے کہا "اللہ کے لئے نیت نہیں" یعنی قصد نہیں، اگراس کی مراد یہ ہے کہ اسی طرح اگر یہ کلمہ مطلقاً ذکر کیا یا یہ مراد لیا کہ اللہ تعالٰی کے لئے کوئی ارادہ نہیں، اب اگر وہ معنٰی مراد لیا جو معتزلہ کہتے ہیں تو وہ بھی کفر نہیں یا مراد یہ ہے کہ مطلقاً ارادہ کی نفی ہے نہ کہ وہ معنٰی جو معتزلہ کا قول، تو پھر کفر ہے اھ اقول اللہ تعالٰی شیخ پر رحم فرمائے "اس کی نیت نہیں" یہ الفاظ کفر میں سے نہیں بلکہ اس کا عطف "اس نے مکان مراد لیا" پر ہے یعنی وہ کافر ہو جائے گا جب اس نے مکان مراد لیا یا اس نے کلمہ بولا اور اس سے کوئی ارادہ نہ کیا، بحر الرائق میں ہے کہ اگر کسی نے کہا "اللہ آسمان میں ہے" اگر تو اس نے وہ مراد لیا جو ظاہراً اخبار میں ہے تو پھر کافر نہیں، اور اگر اس نے مکان مراد لیا تو کفر ہوگا اور اگر اس نے کوئی ارادہ نہ کیا تو اکثر کے نزدیک وہ کافر ہے اور یہی اصح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

نیز اسی کے فصل کفر متفق علیہ میں ہے ص ۳۹:

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ فصل اول مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۶۷

[2] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۰

اوشبهه تعالٰی بشیئ اووصفه بالمکان او الجهات[1]۔	یا اس نے اللہ تعالٰی کو کسی شیئ کے ساتھ مشابہت دی یا مکان یا جہت کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا۔(ت)

(۳) فقہ حنفی کو مطلقاً باطل و ناحق جاننا تو سخت خبیث وملعون ہے کہ وہ احکام قرآن عظیم واحکام صحاح احادیث پر مشتمل سب سے سہل تر احکام قیاس ہیں، اس کی نسبت فتاوٰی تاتارخانیہ پھر فتاوٰی عالمگیریہ جلد دوم صفحہ ۲۷۱ میں ہے:

رجل قال قیاس ابی حنیفة حق نیست یکفر[2]۔	جس نے یہ کہا کہ "قیاس ابوحنیفہ درست نہیں" اس نے کفر کیا(ت)

ہم نے خاص اس قول کی شرح بعونہ تعالٰی ایک نفیس رسالہ لکھا اور اس میں اسے مشرح ومفصل ومبرہن ومدلل کیا وللہ الحمد۔

(۴) یہیں سے توہین فقہ مبارک کا حکم ظاہر کہ صرف باطل کہنے سے وہ ملعون الفاظ بدرجہا بدتر، زید وعمرو مختلف ہوں کہ بکر اس وقت قائم ہے یا قاعد، دونوں میں ایک ضرور باطل ہے مگر ان میں کوئی موجب دخول دوزخ نہیں،

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[3] (اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت) منح الروض ص ۲۱۲: کفر باستخفاف الفقه[4] (فقہ کی کتاب کی تحقیر سے کافر ہوگا۔ت)

(۴) بعد وضوح صواب وکشف حجاب بحمد الوہاب امامت وولایت وجلالت شان ورفعت مکان حضرات عالیہ ائمہ اربعہ علیہم الرضوان پر امت اجابت کا اجماع منعقد ہولیا خبثائے مبتدعین مثل وہابیہ ورافضیہ وغیر مقلدین امت اجابت سے نہیں کافروں کی طرح امتِ دعوت سے ہیں، ولہٰذا اجماع میں ان کا اختلاف معتبر نہیں، اصول امام اجل فخر الاسلام بزدوی قدس سرہ مبحث اجماع باب الاہلیة میں ہے:

صاحب الهوی المشهور لیس من الامة علی الاطلاق[5]۔	دین میں جو گمراہی والا مشہور ہو وہ علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے۔(ت)

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ فصل اول مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۷۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۱

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[4] منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۷۴

[5] اصول بزدوی باب الاہلیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۴۳

توضیح طبع قسطنطنیہ جلد دوم ص ۵۰۶ میں ہے:

صاحب البدعۃ یدعو الناس الیہا لیس ھو من الامۃ علی الاطلاق [1]۔	اہلسنت کے مخالف عقیدے والا جو لوگوں کو اپنے عقیدے کی دعوت دے وہ علی الاطلاق امتی نہیں ہے (ت)

تلویح علامہ تفتازانی ص ۵۰۶ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد پنجم ۶۵۴ میں ہے:

لان المبتدع وان کان من اھل القبلۃ فھو من امۃ الدعوۃ دون المتابعۃ کالکفار [2]۔	کیونکہ اعتقاد میں بدعتی اگرچہ اہل قبلہ سے ہے لیکن امت اجابت میں نہیں بلکہ وہ مثل کفار امت دعوت میں سے ہے۔ (ت)

اور اجماع امت بلاشبہ حجت ہے تو حضرات ائمہ اربعہ خصوصًا امام الائمہ سراج الامۃ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے امامِ امت واجلہ اولیائے حضرت عزت سے ہونے کا اب انکار نہ کریگا مگر گمراہ بددین یا ملحد بے دین مرتد بالیقین اور بحکم فقہ اس پر لزومِ کفر ظاہر و مبین۔ مجمع الانہر طبع مصر جلد اول ص ۶۳۳ و منح الروض ۲۱۲ میں ہے:

من قال لعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا بہ الاستخفاف کفر [3]۔	جو شخص تحقیر کے ارادے سے عالم کو عویلم اور علوی کو علیوی کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (ت)

جب ایک عالم کو بنظر تحقیر مولویا کہنے کو کفر فرماتے ہیں تو عالم العلماء امام الائمہ کی نسبت ایسے ہفوات ملعونہ کس درجہ خبیث تر ہیں، اکابر اولیائے فرماتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مقام باقی اولیاء کرام کے مقام سے بالیقین بلند و بالا ہے۔ امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی جلد اول ص ۱۷۲:

سمعت سیدی علیا المرصفی رحمہ اللہ تعالٰی یقول اعتقادنا ان اکابر الصحابۃ والتابعین والائمۃ المجتہدین کان مقامھم اکبر من مقام باقی الاولیاء بیقین [4]۔	میں نے سیدی علی المرصفی رحمہ اللہ تعالٰی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ بیقین ہمارا اعتقاد ہے کہ اکابر صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کا مقام باقی اولیاء کرام سے بڑا تھا۔ (ت)

---

[1] توضیح علی التنقیح معہ التلویح باب الاہلیۃ المطبعۃ الخیریہ مصر ۲/ ۲۳۷

[2] توضیح علی التنقیح معہ التلویح باب الاہلیۃ المطبعۃ الخیریہ مصر ۲/ ۲۳۷

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵، منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۷۴

[4] میزان الشریعۃ الکبرٰی باب صفۃ الصلوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۷

تو بالیقین امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ و عنہم اعاظم سردارانِ اولیاء اللہ عزوجل سے ہیں، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

من عادٰی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب [1]۔ رواہ البخاری فی صحیحہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ عزوجل۔	جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھے میں نے اعلان فرمادیا اس سے لڑائی کا۔ (اسے بخاری نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ نے اللہ عزوجل سے روایت کیا۔ت)

ڈاکوؤں کی بابت فرمایا:

"اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ" الایۃ [2]	یہ جو اللہ ورسول سے لڑتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دئے جائیں، الی آخر الایۃ۔

سود کے بارے میں فرمایا:

"فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ" [3]۔	اگر سود نہ چھوڑو تو اعلان کرو اللہ ورسول سے لڑائی کا۔

لیکن یہاں فرمایا جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھے خود میں نے اس سے لڑائی کا اعلان فرمادیا، خود ابتداء فرمانا دلیل واضح ہے کہ عداوت باعثِ ایذائے رب عزوجل ہے۔ اور رب عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۵۷﴾" [4]۔	بیشک وہ جو اللہ ورسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے لعنت فرمائی دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ مسلمان اگرچہ عاصی اگرچہ معاذاللہ معذب ہو آخرت میں اپنے رب کا ملعون نہیں ورنہ بالآخر رحمت ونعمت وجنت ابدی نہ پاتا اس کی نار نارِ تطہیر ہے، نہ نارِ لعنت وابعاد تذلیل وتحقیر، تو جسے

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب التواضع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳۳

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

[4] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

اللہ عزوجل دنیا وآخرت میں ملعون کرے وہ نہ ہوگا مگر کافر۔اور یہ وہاں ہے کہ بعد وضوح حق براہ عناد ہو جس طرح اب وہابیہ ماردین اعدائے دین کا حال ہے "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝" [1] (اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) ان کے وصف کو ایک حدیث بس ہے کہ دار قطنی وابوحاتم خزاعی نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اهل البدع کلاب اهل النار [2]۔	گمراہ لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔

کتا اور وہ بھی بدترین خلائق دوزخیوں کا جن کے متعلق فرمایا، "اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝" [3] وہ تمام مخلوق الٰہی سے بدتر ہیں، کتے سے بدتر، سور سے بدتر، سور کے لئے اگر کوئی کتا فرض کیا جائے تو ایسے لوگ سور سے بدتروں کے کتے ہیں، "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝" [4]۔**(۶)** بلاشبہہ طائفہ غیر مقلدین اجماع امت کو اصلاحجت نہیں مانتے بلکہ محض مہمل و نامعتبر جانتے ہیں، صدیق حسن بھوپالی کا مصرع ہے:

قیاس فاسد واجماع بے اثر آمد

(قیاس فاسد ہے اور اجماع کوئی اثر نہیں رکھتا۔ت)

اور ائمہ کرام وعلمائے اعلام حجیت اجماع کو ضروریاتِ دین سے بتاتے اور مخالف اجماع قطعی کو کفر ٹھہراتے ہیں، مواقف عضدالدین وشرح مواقف علامہ سید شریف مطبوعہ استنبول جلد اول ص ۱۵۹:

کون الاجماع حجة قطعية معلوم بالضرورة من الدين [5]۔	اجماع کا قطعی حجت ہونا ضروریات دین سے ہے۔(ت)

مسلم الثبوت وفواتح الرحموت جلد دوم ص ۴۹۴:

الاجماع حجة قطعا ویفید العلم الجازم عند جمیع اهل القبلة، ولایعتد بشرذمة	اجماع قطعی حجت ہے اور یہ تمام اہل قبلہ کے ہاں یقینی علم کا فائدہ دیتا ہے اور خارجی اور رافضی احمقوں

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[2] کنز العمال حدیث ۱۱۲۵ موسسة الرسالة بیروت ۱/ ۲۲۳

[3] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[5] شرح المواقف باب المقصد السادس منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۲۵۵

من الحمقاء الخوارج والروافض لانهم حادثون بعد الاتفاق یتشککون فی ضروریات الدین[1]۔	کے گروہ کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ نئے فرقے ہیں جو ضروریات دین میں تشکیک پیدا کرتے (ت)

اصول امام اجل فخر الاسلام بزدوی باب حکم الاجماع:

فصار الاجماع کآیة من الکتاب اوحدیث متواتر فی وجوب العمل والعلم به فیکفر جاحده فی الاصل[2]۔	تواجماع کتاب اللہ یا حدیث متواتر کی طرح وجوب علم وعمل ثابت کرتا ہے لہٰذا قاعدہ کی رو سے اس کا منکر کافر قرار دیا جائے گا۔ (ت)

کشف الاسرار امام عبدالعزیز بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد چہارم ص۲۶۱:

یحکم بکفر من انکر اصل الاجماع بان قال لیس الاجماع بحجة[3]۔	جو اجماع کے اصول میں ہونے سے انکار کرے اور کہے کہ اجماع حجت نہیں ہے اس کی تکفیر کی جائے گی (ت)

مسایرہ امام محقق ابن الہمام مطبوعہ مصر خاتمہ ص۹:

وبالجملة فقد ضم الی التصدیق بالقلب فی تحقق الایمان امور الاخلال بالایمان اتفاقا کترك السجود للصنم وقتل نبی والاستخفاف به ومخالف مااجمع علیه وانکاره بعد العلم به[4] (ملتقطا)	حاصل یہ کہ ایمان کے لئے تصدیق بالقلب کے ساتھ کچھ امور ایسے ہیں جو بالاتفاق ایمان میں خلل انداز ہوتے ہیں جن کا ترک ضروری ہے، مثلاً بت کو سجدہ، نبی کا قتل اور اس کی توہین اور اجماع کی مخالفت اور اجماع کے علم پر اس کا انکار۔ (ملتقطا)

الفصول البدائع فی اصول الشرائع علامہ شمس فناوی مطبوعہ استنبول جلد دوم ص ۲۷۴:

یکفر جاحد حجیة الاجماع مطلقا وهوالمذهب عند مشائخنا[5]۔	اجماع کی حجیت کا مطلقاً انکار کرنے والا کافر قرار پائیگا ہمارے مشائخ کا یہی مذہب ہے (ت)

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی باب الاجماع حجة قطعًا منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۲۱۳
[2] اصول البزدوی باب حکم الاجماع قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۴۵
[3] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب حکم الاجماع الخ دار الفکر بیروت ۳/ ۲۶۱
[4] المسایرہ معہ المسامرہ الخاتمة فی بحث الایمان المکتبة التجاریة الکبری مصر ۷ ۳۳
[5] فصول البدائع فی اصول الشرائع

تلویح جلد دوم ص ۵۱۵:

الاجماع علی مراتب فالاولی بمنزلۃ الآیۃ والخبر المتواتر یکفر جاحدہ[1]۔	اجماع کے مراتب ہیں، پہلا مرتبہ بمنزلہ آیت کریمہ اور خبر متواتر ہے جس کا منکر کافر ہوگا(ت)

کشف الاسرار شرح المنار للامام النسفی مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۱۱۱:

یکفر جاحدہ کما یکفر جاحد ماثبت بالکتاب او المتواتر[2]۔	اجماع کا منکر کافر ہے جس طرح کتاب اللہ یا خبر متواتر سے ثابت شدہ کا منکر کافر ہے(ت)

مرآۃ الاصول علامہ مولٰی خسرو مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۷۱:

یکفر منکر حجیۃ الاجماع مطلقا ھو المختار عند مشائخنا[3]۔	مطلقًا اجماع کی حجیت کا منکر کافر ہے ہمارے مشائخ کے ہاں یہی مختار ہے(ت)

(۷) جماعت اسلام سے ان کی مفارقت اسی معنٰی پر ہے جو نزد فقہائے کرام ان کو خارج از اسلام کرتی ہے کما یظھر بما مروما یأتی بالتفاصیل المودعۃ فی رسائلنا المذکورۃ (جیسا کہ گزشتہ اور آنیوالے بیان اور ان تفاصیل سے ظاہر ہوجائیگا جو ہمارے رسائل میں شامل ہیں۔ت) تو بلاشبہہ بحکم فقہ یہ طائفہ حدیث مذکور کے حکم ظاہر میں داخل اور اسلام سے خارج۔

(۸) یونہی تقلید کو مطلقًا شرک ونافی ایمان کہنا، قرآن وحدیث واجماع امت سب کا انکار اور کفر ہے، کشف اصول بزدوی جلد ۳ص ۳۸۸میں ہے:

رجوع العامی الی قول المفتی وجب بالنص والاجماع[4] (ملخصًا)	عوام کا مفتی کے قول کی طرف رجوع کرنا نص اور اجماع کی بناء پر لازم ہے(ت)

فصول البدائع جلد دوم ص ۴۳۳:

للعامی تقلید المجتھد فی فروع الشریعۃ خلافا لمعتزلۃ بغداد، لنا ان علماء	عوام کے لئے فروع شریعت میں تقلید مجتہد لازم ہے، اس میں معتزلہ بغداد کا اختلاف ہے، ہماری دلیل

---

[1] تلویح علی التوضیح الامر الرابع فی حکم الاجماع المطبعۃ الخیریہ مصر ۲/ ۴۷

[2] کشف الاسرار شرح منار الانوار فی اصول الفقہ

[3] مرآۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول فی علم الاصول مولی خسرو

[4] کشف الاسرار عن اصول البزدوی قبیل باب حکم العلۃ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

الامصار لاینکرون علی العوام الاقتصار علی اقاویلھم فحصل الاجماع قبل حدوث المخالف[1]۔	یہ ہے کہ تمام علاقوں کے علماء نے عوام کو اپنے اقوال پر عمل سے نہیں روکا تو مخالف قول سے پہلے پہلے اس پر اجماع ہوچکا ہے(ت)

فواتح الرحموت جلد اول ص ۷:

المقلد یعلم وجوب العمل بقول المجتھد ضرورۃ من الدین او بالتقلید المحض[2] اھ **اقول**: الاول فیمن کان مخالطاللمسلمین والثانی فیمن لم یخالطھم بعد۔	مقلد مجتہد کے قول پر عمل کا وجوب ضروریاتِ دین یا تقلید محض کے طور پر جانتا ہے اھ **اقول**: پہلی صورت وہاں ہے جہاں مسلمانوں کے ساتھ اختلاط ہو دوسری صورت وہاں جہاں ابھی مسلمانوں کے ساتھ اختلاط نہ ہوا ہو۔(ت)

(۹) بلاشبہہ گیارہ سوبرس سے عامہ امتِ محمدیہ علٰی صاحبہا وعلیہا افضل الصلوۃ والتحیۃ مقلدین ہیں مقلدوں کو مشرک کہنا عامہ امت مرحومہ کی تکفیر ہے اور بلاریب بحکم ظواہر احادیث وفتوی ائمہ فقہ کفر ہے۔عالمگیری جلد دوم ص ۲۷۸،برجندی شرح نقایہ جلد چہارم ص ۶۸،حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد اول ص ۱۴۰ و ص ۱۵۶،جامع الفصولین جلد دوم ص ۳۱۱،بزازیہ جلد سوم ص ۳۳۱،ردالمحتار جلد سوم ص ۲۸۳،درمختار ص ۳۹۳،جامع الرموز مطبوعہ کلکتہ جلد چہارم ص ۶۵۱،مجمع الانہر مطبوعہ قسطنطنیہ جلد اول ص ۵۲۶،خزانۃ المفتین قلمی،کتاب السیر آخر فصل الفاظ الکفر،نیز ان کتب میں ذخیرۃ الفتاوٰی وفصول عمادی واحکام علی الدرر وقاضیخاں ونہر الفائق وشرح وہبانیہ وغیرہا سے:

المختار للفتوی فی جنس ھٰذہ المسائل ان القائل بمثل ھذہ المسائل ان القائل بمثل ھذہ المقالات ان اراد الشتم ولایعتقدہ کافرا لایکفر وان کان یعتقدہ کافرا فخاطبہ بھذا بناء علی اعتقادہ انہ کافر یکفر[3]۔	ایسے مسائل میں فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ اگر ایسے کلمات سے مراد سبّ وشتم ہو اور کفر کا اعتقاد نہ ہو تو کافر نہیں ہوگا اور اگر مقلد کو کافر سمجھتا ہے اور اسے اپنے اس اعتقاد کے مطابق مخاطب کرتا ہے تو اب کافر ہوجائے گا۔(ت)

[1] فصول البدائع فی اصول الشرائع

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی المقدمہ فی اصول الفقہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۱۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۸

(۱۰) نمبر ۶ میں ان کا منکر قیاس ہونا گزرا اور یہ اظہر من الشمس ہے، ولہذا فقہ کے منکر ہیں، علمائے کرام فرماتے ہیں قیاس وفقہ کی حجیت بھی ضروریات دین سے ہے تو اس کا انکار ضرور کفر ہونا لازم، کشف البزدوی جلد ۳ ص ۲۸۰:

قدثبت بالتواتران الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم عملوا بالقیاس وشاع وذاع ذلك فیما بینهم من غیر ردوانكار[1]۔	یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم قیاس پر عمل پیرا تھے اور عمل ان کے درمیان بغیر کسی ردوانکار جاری ومشہور تھا۔ (ت)

ایضاص ۲۸۱:

انهم كانوا مجمعین علی ذٰلك فیما لانص فیه وكفی باجماعهم حجة[2]۔	جس حکم کے بارے میں نص نہ ہوتی صحابہ کا اس پر اجماع ہوجاتا اور ان کا اجماع ہی کافی ہے (ت)

ایضاص ۲۸۱ امام حجۃ الاسلام غزالی سے:

قد ثبت بالقواطع من جمیع الصحابة الاجتهاد والقول بالرائ والسكوت عن القائلین به وثبت ذلك بالتواتر فی وقائع مشهورة ولم ینكرها احد من الامة فاورث ذٰلك علما ضروریا فكیف یترك المعلوم ضرورة[3]۔	دلائل قطعیہ کے ساتھ ثابت ہے کہ تمام صحابہ اجتہاد اور رائے پر عمل کرتے اور دیگر صحابہ خاموش رہتے اور یہ بات بڑے بڑے مشہور مواقع کے بارے میں تواتر کے ساتھ منقول ہے اور امت میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو اس سے علم ضروری کا ثبوت ہوجائیگا جو ضروری طور پر معلوم ہو اسے کیسے ترک کیا جاسکتا۔ (ت)

فواتح الرحموت ص ۷:

الفقة عبارة عن العلم بوجوب العمل وهو قطعی لاریب فیه ثابت بالاجماع القاطع بل ضروری فی الدین[4]۔	فقہ علم بوجوب عمل کا نام ہے اور یہ ایسی قطعی چیز ہے جس میں کوئی شک نہیں یہ اجماع قطعی سے ثابت بلکہ یہ ضروریات دین میں سے ہے۔ (ت)

[1] کشف الاسرار عن اصول بزدوی باب القیاس دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۸۰

[2] کشف الاسرار عن اصول بزدوی باب القیاس دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۸۱

[3] کشف الاسرار عن اصول بزدوی باب القیاس دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۸۱

[4] فتواتح الرحموت بذیل المستصفٰی باب المقدمہ فی اصول الفقہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۱۲

فواتح الرحموت میں ہے:

عن ابیه ملك العلماء عن المدقق صاحب المسلم القیاس علی تقدیر کونه فعلا من الفقه اما ان کان عبارة عن المساواة المعتبرة شرعا فحجیته ضروریة دینیة کما سیصرح فی السنة ان حجیتها ضروریة دینیه[1]۔	اپنے والد گرامی ملک العلماء سے انہوں نے مدقق صاحب المسلم سے نقل کیا کہ قیاس اس تقدیر پر کہ وہ فقہی فعل ہے تو یا وہ شرعًا مساوات معتبرہ سے عبارت ہوگا تو اس کا حجت ہونا ضرورت دینی ہے جیسا کہ سنت کے بارے میں عنقریب تصریح آرہی ہے کہ اس کا حجت ہونا ضروریات دین میں سے ہے(ت)

بالجملہ حکم فقہ بلکہ بحکم حدیث بھی طائفہ غیر مقلدین پر بوجوہِ کثیرہ حکمِ کفر ہے، جسے زیادہ تفصیل پر اطلاع منظور ہو ہمارے رسائل مذکورہ کی طرف رجوع کرے واللہ الھادی۔

جواب سوال دوم: بلاشبہہ رافضی تبرائی بحکم فقہائے کرام مطلقًا کافر مرتد ہے، اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل کو ہمارا رسالہ "ردالرفضة" بحمد اللہ کافی ووافی، یہاں دو چار سندوں پر اقتصار، درمختار مطبع ہاشمی ص۳۱۹:

کل مسلم ارتد فتوبته مقبولة الاالکافر بسب نبی اوالشیخین اواحدهما[2]۔	ہر وہ مسلمان جو مرتد ہوگیا اس کی توبہ قبول ہے مگر وہ کافر جس نے کسی نبی یا ابوبکر وعمر یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دی(ت)

درمختار میں ہے:

من سب الشیخین اوطعن فیهما کفر ولاتقبل توبته[3]۔	جس نے حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کو گالی دی یا ان پر طعن تو وہ کافر ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی(ت)

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبع مصر جلد اول ص۱۳۵:

فی الروافض من فضل علیا علی الثلثة	رافضیوں میں سے جس نے حضرت علی کو باقی تین

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی قانون ثالث منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۱۶

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶-۳۵۷

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۷

رضی اللہ تعالٰی عنهم فمبتدع وان انکر خلافة الصدیق او عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما فهو کافر[1]۔	صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم پر فضیلت دی وہ بدعتی ہے اور اگر کسی نے خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا انکار کیا تو وہ کافر ہے (ت)

فتاوٰی عالمگیری مطبوعہ مصر جلد اول ص ۸۴:

تجوز الصلٰوۃ خلف صاحب هوی وبدعة ولا تجوز خلف الرافضی وحاصله ان کان هوی لایکفر به صاحبه تجوز الصلٰوۃ خلفه مع الکراهة والا فلا هکذا فی التبیین والخلاصة وهو الصحیح هکذا فی البدائع[2]۔	صاحب ہوٰی و بدعت کی اقتداء میں نماز جائز مگر رافضی کے پیچھے جائز نہیں، حاصل یہ ہے کہ اگر وہ ایسی بدعت ہے جس سے صاحب بدعت کافر نہیں ہوتا تو اس کے پیچھے کراہت کے ساتھ نماز جائز ہوگی اور اگر وہ بدعت کفر ہے تو نماز جائز ہی نہ ہوگی، تبیین اور خلاصہ میں اسی طرح ہے اور یہی صحیح ہے، بدائع میں بھی اسی طرح ہے (ت)

فتاوٰی خلاصہ مطبوعہ لاہور جلد اول ص ۱۰۷:

فی الروافض ان فضل علیاً علی غیرہ فهو مبتدع وان انکر خلافة الصدیق فهو کافر[3]۔	رافضیوں میں سے اگر کوئی حضرت علی کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے اور اگر وہ خلافت صدیقی کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہوگا۔ (ت)

عقود الدریہ مطبوعہ جلد اول ص ۹۲ درباره روافض:

اعلم اسعدك تعالٰی ان هٰؤلاء الکفرة جمعوا بین اصناف الکفر ومن توقف فی کفرهم والحادهم فهو کافر مثلهم[4]۔	اے مخاطب (اللہ تعالٰی تجھے نیک بخت بنائے) یہ کافر ہیں کہ انہوں نے اپنے اندر کفر کی مختلف صورتیں جمع کر رکھی ہیں جس نے ان کے کفر والحاد میں توقف کیا وہ بھی انہی کی طرح کافر ہے۔ (ت)

ایضاً صفحہ نمبر ۹۲:

اما الکفر فمن وجوہ منها انهم یستخفون	کئی وجوہ سے کفر ہے ایک یہ کہ یہ لوگ دین کی تحقیر

[1] فتح القدیر باب الامامة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۴

[3] خلاصة الفتاوٰی فصل فی الامامة والاقتدار مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

[4] العقود الدریة فی تنقیح فتاوٰی حامدیة باب حکم الروافض او سب الشیخین حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۲۔۱۰۳

بالدین و منها انهم یهینون العلم و العلماء[1]۔	کرتے ہیں دوسرا یہ کہ یہ علم اور علماء کی توہین وتذلیل کا ارتکاب کرتے ہیں (ت)

ایضًا صفحہ ۹۳:

ومنها انهم یسبون الشیخین سود الله وجوههم فی الدارین[2]۔	ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حضرت ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) کو گالیاں دیتے ہیں اللہ تعالٰی دنیا وآخرت میں انہیں ذلیل فرمائے (ت)

ایضًا صفحہ ۹۳:

فمن اتصف بواحدة من هذه الامور فهو کافر[3]۔	ان مذکورہ چیزوں میں سے جس میں ایک پائی جائے وہ کافر ہوجاتا ہے۔ (ت)

ایضًا صفحہ ۹۳:

اماسب الشیخین رضی الله تعالٰی عنهما فانه کسب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وقال الصدر الشهید من سب الشیخین اولعنهما یکفر ولاتقبل توبته واسلامه[4]۔	شیخین کو گالیاں دینا ایسے ہی ہے جیسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دینا ہے۔ صدر الشہید نے فرمایا: جس نے حضرات شیخین کو گالی دی یا ان پر لعنت کی وہ کافر ہوجائے گا اور اس کی توبہ اور اسلام قبول نہیں کیا جائے گا (ت)

ایضًا صفحہ ۹۳:

اجمع علماء الاعصار علی ان من شك فی کفرهم کان کافرا اھ[5]۔	تمام ادوار کے علماء کا اتفاق ہے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہوجائے گا اھ (ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۱/ ۴۔۱۰۳

[2] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۱/ ۴۔۱۰۳

[3] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۱/ ۴۔۱۰۳

[4] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۱/ ۴۔۱۰۳

[5] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۱/ ۴۔۱۰۳

مسئلہ ۵۲: از جونپور ملاٹولہ مرسلہ مولوی عبداول صاحب ۶ رمضان مبارک ۱۳۳۵ھ

یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہو تو اور دلائل سے مبرہن ومزین فرماکر مہر ودستخط سے ممتاز فرمایا جائے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان ممتحن نے زیر نگرانی دو شخص مسلمان کے پرچہ زباندانی انگریزی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لئے مرتب کیا جس میں سب سے بڑے سوال میں نصف نمبر رکھے تھے، حضرت رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی اور توہین کے فقرات استعمال کئے تاکہ مسلمان طالب علم لامحالہ مجبور ہوکر اپنے قلم سے جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی معصوم ومقدس شان میں بدگوئی لکھیں جو برائے فتوٰی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

"ابن عبداللہ نے اس قبیلہ میں تربیت پائی تھی جو عرب کی اصلی زبان بولنے کے لحاظ سے شریف ترین تھا اور اس کی فصاحت کی سنجیدگی باموقع سکوت پر عمل کرنے سے تصحیح اور ترقی ہوتی رہی باوجود اس فصاحت کے **محمد** ایک ناخواندہ وحشی تھا بچپن میں اسے نوشت وخواند کی تعلیم نہیں دی گئی تھی عام جہالت نے اسے شرم اور ملامت سے مبرا کردیا تھا مگر اس کی زندگی ایک ہستی کے تنگ دائرہ میں محدود تھی اور وہ اس آئینہ سے (جس کے ذریعہ سے ہمارے دلوں پر عقلمندوں اور نامور بہادروں کے خیالات کا عکس پڑتا ہے) محروم رہا تاہم اس کی نظروں کے سامنے ان کتابوں کے اوراق کھلے ہوئے تھے جس میں قدرت اور انسان کا مشاہدہ کرتا کچھ تمدنی اور فلسفی توہمات جو اسے عرب کے مسافر پر محمول کئے جاتے ہیں پیدا ہوگئے تھے"۔

جس شخص نے پرچہ مرتب کیا اور جن لوگوں ن اس کی نظر ثانی کی وہ لوگ بوجہ استعمال الفاظ ناشائستہ جو بلاضرورت شان حضرت جناب رسالتمآب میں کئے گئے وہ بوجہ اس گستاخی کے دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے یا نہیں اور ان کی کیا سزا ہے اور ان کی بابت شرع شریف کا کیا حکم ہے فقط راقم مسلمانان جون پور

خلاصہ جوابات جون پور

الجواب:

شخص مذکور فی السوال شرعًا ملعون وکافر ومرتد ہے،

فی الاشباہ والنظائر کل کافر تاب فتوبتہ مقبولۃ فی الدنیا والاٰخرۃ الاجماعۃ الکافر یسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اویسب الشیخین	اشباہ ونظائر میں ہے کہ ہر کافر توبہ کرے تو اس کی توبہ دنیا وآخرت میں مقبول ہے، مگر کافروں کی وہ جماعت جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ

اواحدھما[1]۔	تعالٰی عنہما یاان میں سے ایک کو گالی دی ہو۔(ت)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی شان میں گستاخی کرنے والا مرتد ہے اور اگر وہ توبہ کرے تواس کی توبہ بھی قبول نہیں، شفاء ص ۳۹۳ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا برا کہنے والا کافر ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے[2]۔ منجملہ علماء کے امام مالک اروامام لیث بن سعد مصری اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل وامام ابویوسف وامام محمد وزفر وسفیان ثوری واہل کوفہ وامام اوزاعی اور علمائے اسلام کہ ومدینہ وبغداد ومصر ہیں اور اس میں سے کسی نے بھی شاتم الرسول کے مباح الدم ہونے میں خلاف نہیں کیا، واللہ اعلم

کتبہ الفقیر الی اللہ عزّوجل عبدالاوّل الحنفی الجونپوری ۱۳ شعبان ۱۳۳۵ھ (عبدالاول بن علی جونپوری ۱۳۰۲)

ساب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کافر ہے، بغیر تجدید ایمان کے اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، صحیح یہ ہے کہ تجدید ایمان کے بعد سزائے قتل نہ ہوگی جیسا کہ تنقیح حامدیہ میں ہے، ہاں اگر وہ مرتد توبہ نصوح کرے اور پھر اس سے ایمان لائے اور اپنا اسلام اور حال ٹھیک رکھے تواس کی توبہ قبول ہونے پر بھی صاف نہ چھوڑا جائے گا بلکہ تعزیر وحبس کا مستحق ہوگا۔ جیسا کہ تنقیح میں ہے:

ویکتفی بالتعزیر والحبس تأدیبا[3]۔	ادب کے پیش نظر صرف تعزیر اور قید کی سزا پر اکتفاء کیا جائیگا۔(ت)

رقمہ راجی رحمۃ رب العباد محمد حماد نجل الشیخ دین سے خارج ومرتد ہوجاتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز مجدد خلیفہ راشد کا یہی مذہب ہے کہ ساب رسول کو سزائے قتل دی جائے مگر جب کہ تجدید ایمان وحسن اسلام لائے۔

حررہ عبدالباطن بن مولانا الشیخ عبدالاول الجونفوری

الجواب:

" رَّبِّ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيۡنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوۡذُبِكَ رَبِّ اَنۡ يَّحۡضُرُوۡنِ ﴿۹۸﴾ "[4]	اے میرے رب تیری پناہ شیطان کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۸۹

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی القسم الرابع الباب الاول شرکۃ صحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۰۸

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ احکام المرتدین حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۷

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۷

"وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۱﴾ "[1] "اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا ﴿۵۷﴾ "[2] "اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ "[3]	اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔ بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ارے ظالموں پر خدا کی لعنت۔ (ت)

ان نام کے مسلمان کہلانے والوں میں جس شخص نے وہ ملعون پرچہ مرتب کیا وہ کافر مرتد ہے، جس جس نے اس پر نظر ثانی کرکے بر قرار رکھا وہ کافر مرتد، جس جس کی نگرانی میں تیار ہوا وہ کافر مرتد، طلبہ میں جو کلمہ گو تھے اور انہوں نے بخوشی اس ملعون عبارت کا ترجمہ کیا اپنے نبی کی توہین پر راضی ہوئے یا اسے ہلکا جانا یا اسے اپنے نمبر گھٹنے یا پاس نہ ہونے سے آسان سمجھا وہ سب بھی کافر مرتد، بالغ ہوں خواہ نابالغ، ان چاروں فریق میں ہر شخص سے مسلمانوں کو سلام کلام حرام، میل جول حرام نشست وبرخاست حرام، بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو جانا حرام، مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت حرام، اسے غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، اس پر نماز پڑھنا حرام اس کی جنازہ اٹھانا حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، مسلمانوں کی طرح اس کی قبر بنانا حرام، اسے مٹی دینا حرام، اس پر فاتحہ حرام، اسے کوئی ثواب پہنچانا حرام، بلکہ خود کفر قاطع اسلام، جب ان میں کوئی مر جائے اس کے اعزہ اقربا مسلمین اگر حکم شرع نہ مانیں تو اس کی لاش دفع عفونت کے لئے مردار کتے کی طرح بھنگی چماروں سے ٹھیلے میں اٹھوا کر کسی تنگ گڑھے میں ڈلوا کر اوپر سے آگ پتھر جو چاہیں پھینک پھینک کر پاٹ دیں کہ اسکی بدبو سے ایذا نہ ہو، یہ احکام ان سب کے لئے عام ہیں اور جو ان میں نکاح کئے ہوئے ہوں ان سب کی جورو ئیں ان کے نکاحوں سے نکل گئیں اب اگر قربت ہوگی حرام حرام حرام وزنائے خالص ہوگی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوگی ولد الزنا ہوگی، عورتوں کو شرعاً اختیار ہے کہ عدت گزر جانے پر جس سے چاہیں نکاح کرلیں ان میں سے جسے ہدایت ہو اور توبہ کرے اور اپنے کفر کا اقرار کرتا ہوا پھر مسلمان ہو اس وقت یہ احکام جو اس کی موت سے متعلق تھے منتہی ہوں گے، اور وہ ممانعت جو اس سے میل جول کی تھی جب بھی باقی رہے گی یہاں تک کہ اس کے حال سے صدق ندامت وخلوص توبہ وصحت اسلام ظاہر وروشن ہو مگر عورتیں اس سے بھی نکاح میں واپس نہیں

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۱
[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷
[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

آسکتیں انہیں اب بھی اختیار ہوگا کہ چاہیں دوسرے سے نکاح کرلیں یا کسی سے نہ کریں ان پر کوئی جبر نہیں پہنچتا ہاں ان کی مرضی ہو تو بعد اسلام ان سے بھی نکاح کرسکیں گی۔ شفاء شریف صفحہ ۳۲۱:

اجمع العلماء ان شاتم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المنتقص لہ کافر والوعید جار علیہ بعذاب اللہ تعالٰی لہ وحکمہ عند الامۃ القتل ومن شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [1]۔	یعنی اجماع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک وہ واجب القتل ہے اور جو اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہوگیا۔

نسیم الریاض جلد چہارم ص ۳۸۱ میں امام ابن حجر مکی سے ہے:

ماصرح بہ من کفر الساب والشاك فی کفرہ ھو ماعلیہ ائمتنا وغیرہم [2]۔	یعنی جو یہ ارشاد فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا کافر اور جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر، یہی مذہب ہمارے ائمہ وغیرہم کا ہے۔

وجیز امام کردری جلد ۳ ص ۳۲۱:

لو ارتد والعیاذ باللہ تعالٰی تحرم امرأتہ ویجدد النکاح بعد اسلامہ، والمولود بینہما قبل تجدید النکاح بالوطی بعد التکلم بکلمۃ الکفر ولد زنا ثم ان اتی بکلمۃ الشھادۃ علی العادۃ لایجدیہ مالم یرجع عما قالہ لان باتیانھما علی العادۃ لایرتفع الکفر الا اذاسب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اواحدا من الانبیاء علیہم الصلٰوۃ و	یعنی جو شخص معاذاللہ مرتد ہوجائے اس کی عورت حرام ہوجاتی ہے، پھر اسلام لائے تو اس سے جدید نکاح کیا جائے اس سے پہلے اس کلمہ کفر کے بعد کی صحبت سے جو بچہ ہوگا حرامی ہوگا اور یہ شخص اگر عادت کے طور پر کلمہ شہادت پڑھتا رہے گا کچھ فائدہ نہ دے گا جب تک اپنے اس کفر سے توبہ نہ کرے کہ عادت کے طور پر مرتد کے کلمہ پڑھنے سے اس کا کفر نہیں جاتا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے دنیا میں بعد توبہ بھی اسے قتل کی سزادی جائے گی یہاں تک کہ اگر نشہ کی

[1] کتاب الشفاء القسم الرابع فی وجوہ الاحکام فی من تنقص الباب الاول مکتبہ شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۰۸

[2] نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض القسم الرابع فی وجوہ الاحکام فی من تنقص الباب الاول دار الفکر بیروت ۴/ ۳۳۸

والسلام فلاتوبة له واذاشتمه علیه الصلٰوة والسلام سکران لایعفی واجمع العلماء ان شاتمه کافر ومن شك فی عذابه وکفره کفر[1] اھ ملتقطا کاکثر الاواتی للاختصار۔	بیہوشی میں کلمہ گستاخی بکاجب بھی معافی نہ دیں گے اور تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور کافر بھی ایسا کہ جو اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (ت)

فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق جلد چہارم ص ۴۰۷:

کل من ابغض رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بقلبه کان مرتد افالساب بطریق اولٰی (ملخصًا) وان سب سکران لایعفی عنه[2]۔	یعنی جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کینہ ہو وہ مرتد ہے تو گستاخی کرنے والا بدرجہ اولٰی کافر ہے اور اگر نشہ بلااکراہ پیا اور اس حالت میں کلمہ گستاخی بکاجب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔

بحرالرائق جلد پنجم ص ۱۳۵ میں بعینہٖ کلمہ مذکور ذکر کرکے ص ۱۳۶ پر فرمایا:

سب واحد من الانبیاء کذٰلك فلایفید الانکار مع البینة لانا نجعل انکار الردة توبة ان کانت مقبولة[3]۔	یعنی کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے یہی حکم ہے کہ اسے معافی نہ دیں گے اور بعد ثبوت اس کا انکار فائدہ نہ دے گا کہ مرتد کا ارتداد سے مکرنا تو دفع سزا کے لئے وہاں توبہ قرار پاتا ہے جہاں توبہ سنی جائے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواہ کسی نبی کی شان میں گستاخی اور کفروں کی طرح نہیں اس سے یہاں اصلًا معافی نہ دینگے۔

دررالحکام علامہ مولٰی خسرو جلد اول ص ۲۹۹:

اذاسبه صلی الله تعالٰی علیه وسلم او واحدا من الانبیاء صلوات الله تعالٰی علیهم اجمعین مسلم فلا توبة له اصلا واجمع	یعنی اگر کوئی شخص مسلمان کہلا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے اسے ہر گز معافی نہ دیں گے اور تمام علمائے امت

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی النوع الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۲۲۔۳۲۱

[2] فتح القدیر باب احکام المرتدین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۳۳۲

[3] بحرالرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۶

العلماء ان شاتمه کافر ومن شك فی عذابه وکفره کفر[1]۔	مرحومہ کا اجماع ہے اس پر کہ وہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

غنیہ ذوالاحکام ص ۳۰۱:

محل قبول توبة المرتد مالم تکن ردته بسب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فان کان به لاتقبل توبته سواء جاء تائبا من نفسه او شهد علیه بذلك بخلاف غیره من المکفرات[2]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی اور کفروں کی طرح نہیں ہر طرح کے مرتد کو بعد توبہ معافی دینے کا حکم ہے مگر اس کافر مرتد کے لئے اس کی اجازت نہیں۔

اشباہ والنظائر قلمی، باب الردۃ:

لاتصح ردة السکران الاالردة بسب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه لایعفی عنه کذافی البزازیة وحکم الردة بینونة امرأته مطلقا[3] (ای سواء رجع او لم یرجع اه غمز العیون[4])واذا مات علی ردته لم یدفن فی مقابر المسلمین ولااهل ملة وانمایلقی فی حفرة کالکلب، والمرتد اقبح کفرا من الکافر الاصلی، و اذا شهد واعلی مسلم بالردة وهو منکر لایتعرض له لالتکذیب	یعنی نشہ کی بیہوشی میں اگر کسی سے کفر کی کوئی بات نکل جائے اسے بوجہ بیہوشی کافر نہ کہیں گے نہ سزائے کفر دیں گے مگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی وہ کفر ہے کہ نشہ کی بیہوشی سے بھی صادر ہوا تو اسے معافی نہ دینگے کذافی البزازیہ اور معاذاللہ ارتداد کا حکم یہ ہے کہ اس کی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے اگر یہ بعد کو پھر اسلام لائے جب بھی عورت نکاح میں واپس نہ جائے گی اور جب وہ اسی ارتداد پر مرجائے والعیاذ باللہ تعالٰی تو اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنے کی اجازت نہیں نہ کسی ملت والے مثلاً یہودی یا نصرانی کے گورستان میں دفن کیا جائے

[1] الدررالحکام شرح غررالاحکام فصل فی الجزیہ احمد کامل الکائنہ فی دارالسعادت بیروت ۱/ ۳۰۰_۲۹۹

[2] غنیہ ذوی الاحکام فی دررالاحکام باب المرتد احمد کامل الکائنہ فی دارالسعادت بیروت ۱/ ۳۰۱

[3] الاشباہ والنظائر باب الردۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸۹تا۲۹۱

[4] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر مع الاشباہ باب المرتد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۰

الشهود العدول بل لان انكاره توبة ورجوع فتثبت الاحكام التى للمرتد لوتاب من حبط الاعمال وبينونة الزوجة وقوله لايتعرض له انما هو فى مرتد تقبل توبته فى الدنيا لاالردة بسب النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم [1] اھ الاولٰى تنكير النبى كما عبربه فيما سبق اھ [2] ملخصًا غمز العيون۔	وہ تو کتے کی طرح کسی گڑھے میں پھینک دیا جائے مرتد کا کفر اصلی کافر کے کفر سے بدتر ہے اور اگر کسی مسلمان پر گواہان عادل شہادت دیں کہ یہ فلاں قول یا فعل کے سبب مرتد ہوگیا اور وہ اس سے انکار کرتا ہو تو اس سے تعرض نہ کریں گے نہ اس لئے کہ گواہانِ عادل کو جھوٹا ٹھہرایا بلکہ اس لئے کہ اس کا مکر نا اس کفر سے توبہ ورجوع سمجھیں گے والہٰذا گواہان عادل کی گواہی اور اس کے انکار سے یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ وہ شخص مرتد ہوگیا تھا، اور اب توبہ کرلی تو مرتد تائب کے احکام اس پر جاری کرینگے کہ اس کے تمام اعمال حبط ہوگئے اور جورو نکاح سے باہر، اور یہ قول کہ اس سے تعرض نہ کیا جائے اس مرتد سے متعلق ہے جس کی توبہ دنیا میں قبول ہے، نہ وہ مرتد جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرے کہ یہ وہ کفر ہے جس کی سزا یہ ہے کہ دنیا میں بعد توبہ بھی معافی نہیں، یونہی کسی نبی کی شان میں گستاخی علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولٰی یہ تھا کہ لفظ نبی کو نکرہ ذکر کرتے جیسا کہ گزشتہ عبارت میں تعبیر کیا ہے اھ ملخصًا غمز العیون۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار جلد اول ص ۹۵:

من سب رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فانه مرتد وحكمه حكم المرتدين ويفعل به مايفعل بالمرتدين ولاتوبة له اصلا واجمع العلماء انه كافر ومن شك فى كفره كفر [3] اھ ملتقطا۔	جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان کریم میں گستاخی کرے وہ مرتد ہے اس کا وہی حکم ہے جو مرتدوں کا ہے اس سے وہی برتاؤ کیا جائے گا جو مرتدوں سے کرنے کا حکم ہے اور اسے دنیا میں کسی طرح معافی نہ دیں گے اور باجماع تمام علمائے امت وہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر جلد اول ص ۶۱۸:

اذا سبه صلى الله تعالٰى عليه وسلم اواحدا من الانبياء مسلم ولو سكران فلاتوبة	یعنی جو مسلمان کہلا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے اگرچہ نشہ

[1] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر مع الاشباہ باب المرتد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۱و۲۹۳

[2] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر مع الاشباہ باب المرتد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۳

[3] فتاوی خیریہ باب المرتدین دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۰۳

له تنجيه كالزنديق ومن شك فی عذابه وكفره فقد كفر[1]۔	کی حالت میں تو اس کی توبہ پر بھی دنیا میں اسے معافی نہ دیں گے جیسے دہریئے بے دین کی توبہ نہ سنی جائیگی، اور جو شخص اس گستاخی کرنے والے کے کفر میں شک لائے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

ذخیرۃ العقبٰی علامہ اخی یوسف ص ۲۴۰:

قد اجمعت الامة علی ان الاستخفاف بنبينا صلی الله تعالٰی عليه وسلم وبای نبی كان عليهم الصلٰوة و السلام كفر سواء فعله علی ذٰلك مستحلا امر فعله معتقد الحرمة وليس بين العلماء خلاف فی ذٰلك ومن شك فی كفره وعذابه كفر[2]۔	یعنی بیشک تمام امت مرحومہ کا اجماع ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواہ کسی نبی کی تنقیص شان کرنے والا کافر ہے، خواہ اسے حلال جان کر اس کا مرتکب ہوا ہو یا حرام جان کر، بہر حال جمیع علماء کے نزدیک کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

ایضًا صفحہ ۲۴۲:

لايغسل ولايصلی عليه ولايكفن اما اذا تاب وتبرأ عن الارتداد ودخل فی دين الاسلام ثم مات غسل وكفن وصلی عليه ودفن فی مقابر المسلمين[3]۔	یعنی وہ گستاخی کرنے والا جب مر جائے تو نہ اسے غسل دیں نہ کفن دیں نہ اس پر نماز پڑھیں، ہاں اگر توبہ کرے اور اپنے اس کفر سے برات کرے اور دین اسلام میں داخل ہو اس کے بعد مر جائے تو غسل، کفن، نماز، مقابر مسلمین میں دفن سب کچھ ہوگا۔

تنویر الابصار شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی:

كل مسلم ارتد فتوبته مقبولة الا الكافر بسب نبی الخ[4]۔	یعنی ہر مرتد کی توبہ قبول ہے مگر کسی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا ایسا کافر ہے کہ دنیا میں سزا سے بچانے کے لئے اس کی توبہ بھی قبول نہیں۔

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الجزیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۰

[2] ذخیرۃ العقبٰی فی شرح صدر الشریعۃ العظمی کتاب الجہاد باب الجزیہ مطبع نولکشور کانپور ۲/ ۳۱۹

[3] ذخیرۃ العقبٰی فی شرح صدر الشریعۃ العظمی کتاب الجہاد باب الجزیہ مطبع نولکشور کانپور ۳/ ۳۲۱

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

درمختار:

الکافر بسب نبی الانبیاء لاتقبل توبته مطلقا ومن شك فی عذابه وکفره کفر[1]۔	یعنی کسی نبی کی توہین کرنا ایسا کفر ہے جس پر کسی طرح معافی نہ دیں گے اور جو اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔

کتاب الخراج سیدنا امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ص ۱۹۷:

قال ابویوسف وایمارجل مسلم سب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم او کذبه او عابه تنقصه فقد کفر باللہ تعالٰی وبانت زوجته[2]۔	یعنی جو شخص کلمہ گو ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو برا کہے یا تکذیب کرے یا کوئی عیب لگائے یا شان گھٹائے وہ بلاشبہہ کافر ہوگیا اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی۔

بالجملہ اشخاص مذکورین کے کفر وارتداد میں اصلاً شک نہیں، درباره اسلام ورفع دیگر احکام ان کی توبہ اگر سچے دل سے ہو ضرور مقبول ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ سلطان اسلام انہیں بعد توبہ واسلام صرف تعزیر دے یا اب بھی سزائے موت دے وہ جو بزازیہ اور اس کے بعد کی بہت کتب معتمدہ میں ہے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں اس کے یہی معنی ہیں اور اس کی بحث یہاں بیکار ہے، کہاں سلطان اسلام اور کہاں سزائے موت کے احکام، صدہا خبیث، اخبث، ملعون، انجس ہیں کہ کلمہ گو بلکہ اعلٰی درجہ کے مسلمان مفتی واعظ مدرس شیخ بن کر اللہ ورسول کے جناب میں منہ بھر کر ملعونات بکتے، لکھتے، چھاپتے ہیں اور ان سے کوئی تو کہنے والا نہیں اور اگر انہیں تو کہئے تو نہ صرف ان کے بلکہ بڑے بڑے مہذب بننے والے مسلمانوں کے نزدیک یہ بے تہذیبی وتشدد ہو،

فانظر الی آثار مقت اللہ الغیور کیف انقلبت وانعکست الامور ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم، "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴿۲۲۷﴾"[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	تو دیکھو اللہ غیور کے عذاب کے آثار کی طرف دل کیسے بدل جاتے ہیں اور امور کیسے الٹ ہو جاتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] کتاب الخراج فصل فی الحکم فی المرتد عن الاسلام مطبع بولاق مصر ۹۸۔۱۹۷

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۷

مسئلہ ۵۳: از کوہ کسولی مرسلہ منشی نور محمد صاحب عرائض نویس کچہری ۱۹ رمضان شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اہل اسلام ایک مکان میں ختم شریف پڑھ رہے تھے ختم مذکور میں یہ بیت بھی پڑھی گئی:

عفو کن خطا یا حیات النبی
مری کر شفع یا حیات النبی

ایک شخص شریک مجمع مذکور منصب امامت رکھتا تھا، بضرورت ادائیگی نماز مغرب وہاں سے چلا گیا اور بعد نماز مغرب چند اہل اسلام کے سامنے یہ مسئلہ بیان کیا کہ امداد سوائے ذات باری تعالٰی کے کسی سے نہیں مانگنا چاہئے، جیسا کہ لوگ کہا کرتے ہیں:

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

ایسا کہنا شرعًا جائز نہیں، دوسرے وقت میں شعر مندرجہ بالا پر بحث چھڑی تو پیش امام موصوف نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ سے بھی کوئی استعانت نہیں مانگنا چاہئے کیونکہ وفات پاگئے ہیں اور مردہ ہیں۔ یہ سن کر ایک شخص نے امام موصوف کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کردی اور اپنے علیحدہ مکان میں مسجد قرار دے کر بشمولیت چند مردمان اہلِ اسلام جمعہ ودیگر نمازیں پڑھنی شروع کردیں، پیش امام مذکور نے اپنی بے ادبی وگستاخی معلوم کرکے معترض ودیگر مردمان کے سامنے توبہ کرلی اور معافی کا بھی خواستگار ہوا مگر معترض نے اسے معاف نہیں کیا اور بدستور اپنے اصرار پر قائم ہے، پیش امام مذکور نے یہ کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعالم حیات ہمارے سامنے بھی موجود ہوں تو اپنے اختیار سے بھی کوئی کام نہیں کرسکتے حالانکہ بظاہر وفات پاگئے ہیں، میرا اس پر ایما ہے اور لفظ "مردہ" جو میری زبان سے نکلا اس کے لئے توبہ کرتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں، اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ پیش امام مذکور کی امامت جائز ہے یا نہیں اور شخص معترض کی نماز مسجد سے علیحدہ اس کے اپنے گھر میں ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرکے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ سوال پہلے بھی آیا اور دارالافتاء سے جواب دیا گیا، جواب اب بھی وہی ہے اگرچہ سوال میں بہت الفاظ شیطانی کم ہیں، آخر یہ تو خود پیش امام نے اقرار کیا کہ اس نے شان اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بے ادبی وگستاخی کی، یہی کفر ہے اور اس کے معافی معترض سے چاہنا عجیب ہے، گستاخی کرے محمد رسول اللہ صلی اللہ

تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں یہ معاف کردے، گویا یہ کہے کہ اگرچہ تونے میرے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو برا کہا مگر میں اس کی پروانہیں کرتا، میں نے کہا بے کہا کردیا، معترض ایسا کہتا تو اسے خود اپنے ایمان کے لالے پڑتے۔ زید کا حق عمرو، عمرو کا حق زید معاف نہیں کرسکتا، وہ بے ادب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں گرفتار ہوا اسے زید وعمرو کیونکر معاف کردیں، درمختار میں ہے:

الکافر بسب نبی من الانبیاء لاتقبل توبته مطلقا ولوسب الله تعالٰی قبلت لانه حق الله تعالٰی والاول حق عبدلایزول بالتوبة ومن شك فی عذابه وکفره کفر[1]۔	جو کسی نبی کو گالی دینے کی وجہ سے کافر ہوا اس کی توبہ کسی حال میں قبول نہیں، اور اگر اللہ تعالٰی کو گالی دی تو توبہ مقبول ہے کیونکہ یہ اللہ تعالٰی کا حق ہے، اور پہلا بندے کا حق ہے جو توبہ سے زائل نہیں ہوتا اور جس نے بھی اس کے عذاب وکفر میں شک کیا وہ کافر ہوجائے گا۔

انکارِ استمداد واستعانت اور وہ بھی خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، اور وہ بھی اس ملعون خیال پر کہ مردہ ہیں، ان پر تو شخص مذکور اب بھی قائم ہے ایک لفظ "مردہ" کو اس کے معنی سے تبدیل کرتا ہے، یہ تمام عقائد وخیالات وہابیہ کے ہیں اور وہابیہ کی امامت ہرگز نہیں، اور ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے، فتح القدیر میں ہے:

روی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف رضی الله تعالٰی عنهم ان الصّلٰوة خلف اهل الاهواء لاتجوز[2] اھ وقد حققنا بمالامزید علیه فی النهی الاکید۔	امام محمد نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل کیا کہ اہل بدعت کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی، اس کی بے مثل تفصیل ہم نے اپنے رسالہ "النهی الاکید" میں کی ہے۔

جس مسلمان نے وہ کلمات سن کر اس کے پیچھے نماز سے احتراز کے لئے اپنے مکان کو مسجد کرکے اس میں جمعہ وجماعت شروع کردی اس کے لئے اللہ عزوجل کے یہاں اجر عظیم ہے ان شاء اللہ الکریم، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶
[2] فتح القدیر باب الامامة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

مسئلہ ۵۴: از موضع گلمان پور ڈاکخانہ رام کولا ضلع سارن مرسلہ محمد اسحٰق صاحب ۳۰ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک استفتاء جو حضور میں پیش ہے دیوبند گیا تھا فقط قرآن شریف کا حوالہ ہے وہ ہم لوگ دیہاتی نہیں سمجھ سکتے کہ جب آدمی مرتد ہوجائے تو اس کا کفارہ کیا ہے، لہٰذا التماس حضور میں ہے کہ جواب سے پورے طور سے خلاصہ مطلع فرمائیں کہ کفارہ کیا ہے کس قدر ہونا چاہئے؟

الجواب:

کفارہ ان گناہوں میں رکھا گیا ہے جن کا معاوضہ اس سے ہوجائے اور جو گناہ حد سے گزرے ہوئے ہیں ان کے لئے کفارہ نہیں ہوتا مثلاً صحیح مقیم بلاعذر شرعی ماہ مبارک کا ادا روزہ جس کی نیت رات سے کی ہو دوا یا غذا یا جماع سے قصداً بلااکراہ توڑدے تو اس کا کفارہ ہے اور سرے سے رکھے ہی نہیں کہ یہ جرم اعظم ہے اس کا کوئی کفارہ نہیں، مگر توبہ اور اس روزے کی قضا، یونہی اگر معاذاللہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے کوئی مسلمان براہ خطا مارا جائے مثلاً شکار پر فائر کرے اور اس کے لگ جائے تو اس کا کفارہ ہے لیکن اگر عیاذا باللہ قصداً قتل کرے کہ یہ جرم اعظم ہے اس کا کوئی کفارہ نہیں مگر توبہ وقصاص، **معاذ اللہ** مرتد ہونا سب سے بدتر جرم ہے اس کا کیا کفارہ ہوسکتا مگر توبہ واسلام، اور اگر توبہ نہ کرے اور اسلام نہ لائے تو دنیا میں سلطان اسلام کے یہاں اس کی سزا قتل ہے اور آخرت میں ابدالآباد کے لئے جہنم، **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

آپ نے علمائے کرام حرمین شریفین کا مبارک فتوٰی حسام الحرمین شاید نہ دیکھا اب دیکھئے اور ضرور دیکھئے مطبع اہل سنت وجماعت بریلی سے ملتا ہے اس میں علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ دیوبندی عقیدے والے خود کافر مرتد ہیں پھر ان کو عالم جاننا اور ان سے فتوٰی پوچھنا کیونکر حلال ہوسکتا ہے احتیاط فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: ازپل قاضی مرسلہ منشی محمد عنایت رسول صاحب ۹ شوال المکرم ۱۳۳۵ھ

ایسے گروہ کے باب میں جو بظاہر مسلمان ہوکے اپنے خاندان کو خاندان رسالت پر فضیلت دینے حسب ونسب میں ہر طرح اپنے آپ کو نجیب گردانے اور کہے کہ دیکھو رسول اللہ کس نسل سے ہیں، حضرت ہاجرہ کون تھیں، حضرت سارہ کی کنیز تھیں کہ نہیں، اور تائید میں قول نصرانی مؤرخ کا پیش کرے اور بعض کو اولاد فاطمہ سے لونڈی بچا کہے اور ساداتِ زمانہ کو قابل تعظیم وتکریم نہ جانے، بلکہ ان کی توہین وتہجین وتذلیل اور ان پر سب وشتم اور ایذارسانی کو جائز ومباح سمجھے اور عامل ایسے شنائع اعمال کا ہو، مسلمانوں کے ایسے گروہ کے ساتھ کھانا پینا، مناکحت وموالات، انکی مجالس ومحافل میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

ایسا شخص گمراہ، بددین، مسخرہ شیاطین ہے بلکہ اس پر حکم کفر کا لزوم ہے۔ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے میل جول، مناکحت در کنار انکے پاس بیٹھنا منع ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔(ت)

مجمع الانہر میں ہے:

الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال للعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا بہ الاستخفاف کفر[2]۔	یعنی سادات وعلماء کی توہین کفر ہے اور جو بنظر توہین کسی عالم کو مولویا یا سید کو میر وا کہے وہ کافر ہو جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶: مرسلہ جناب قاضی ارشاد احمد صاحب از بیسل پور ضلع پیلی بھیت ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ایک واعظ نے یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تم وحی کہاں سے اور کس طرح لاتے ہو؟ آپ نے جواب عرض کیا کہ ایک پردہ سے آواز سے آتی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کبھی تم نے پردہ اٹھا کر دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری یہ مجال نہیں کہ پردہ کو اٹھاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اب کی مرتبہ پردہ اٹھا کر دیکھنا۔ حضرت جبرئیل نے ایسا ہی کیا، کیا دیکھتے ہیں کہ پردہ کے اندر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور عمامہ سر پر باندھے ہیں اور سامنے شیشہ رکھا ہے اور فرمارہے ہیں کہ میرے بندے کو یہ ہدایت کرنا، یہ روایت کہاں تک صحیح ہے، اگر غلط ہے تو اس کا بیان کرنے والا کس حکم کے تحت میں داخل ہے؟

الجواب:

یہ روایت محض جھوٹ اور کذب وافتراء ہے اور اس کا بیان کرنے والا ابلیس کا مسخرہ اور اگر اس کے ظاہر مضمون کا معتقد ہے تو صریح کافر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۷تا۶۱: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ ملا محمد رمضان پیش امام مسند نیاپورہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

(۱) اول عبدالقادر جس نے یہ کلمات کہے ہیں وہ کافر ہے یا نہیں؟ اگر اس کے کفر میں شک کرے اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۶/۶۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الفاظ الکفر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

واسطے کیا حکم ہے؟

(۲) قاضی صاحب شہر یا دیگر مسلمان جو عبدالقادر کے معاون اور مددگار ہیں اور اس کو مسلمان سمجھتے ہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور دینی اور دنیوی مراسم میں تعلق رکھتے ہیں ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۳) عبدالقادر کے گروہ میں سے جن لوگوں کا ہمارے گروہ سے زن وشو کا تعلق ہے یعنی زوجہ اس گروہ کی ہے اور زوج اس گروہ کا ہے، اسی طرح زوج اس گروہ کا ہے اور زوجہ اس گروہ کی ہے اور وہ لوگ یعنی ہر دو فریق اپنے اپنے عقیدہ پر قائم ہیں تو ایسی صورت میں ان کا نکاح شرعًا قائم رہتا ہے یا نہیں؟

(۴) قاضی صاحب شہر سے یہ کہا گیا کہ تم عبدالقادر جس نے توہین کی ہے اس کو کیا سمجھتے ہو، قاضی شہر یہ کہتے ہیں کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرنے والے کو کافر سمجھتا ہوں مگر عبدالقادر کے پیچھے نماز ضرور پڑھوں گا، اس سے یہ مطلب کہ عبدالقادر سے اسلامی مراسم منقطع نہ کروں گا، حالانکہ قاضی صاحب کے روبرو عبدالقادر نے یہ الفاظ وعظ میں کہے اور ان کے سامنے چار مسلمانوں نے گواہی دی کہ ہمارے روبرو عبدالقادر نے یہ الفاظ وعظ میں کہے اور پھر حسب خواہش قاضی صاحب علماء کے فتوے بھی پیش کردیے، ایسی حالت میں قاضی شہر کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان سے نکاح پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) ایک شخص نے علی الاعلان توبہ کی اس پر کفر کا فتوی منگوانا اور اس مسلمان کو کافر کہنا ایسے شخص کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

(او۲) صورتِ مستفسرہ میں بلاشبہ اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کی اور بلاشبہہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرے کافر ہے، اور بلاشبہہ جو اس امر پر مطلع ہو کر اسے قابل امامت جانے اس کے پیچھے نماز پڑھے بلکہ وہ بھی جو اسے مسلمان جانے بلکہ وہ بھی جو اس کے کفر میں شک کرے سب کافر و مرتد ہیں۔ شفاء شریف امام قاضی عیاض و وجیز امام شمس الائمہ کردری وذخیرۃ العقبٰی و مجمع الانہر و درمختار وغیرہا میں ہے: **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**[1]۔ (جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے گا وہ کافر ہوجائے گا۔ ت)

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

(۳) جو مرد اس عقیدہ پر ہوں یا اس پر مطلع ہو کر اس عقیدہ والے کو کافر نہ جانتے ہوں ان سب کے نکاح ٹوٹ گئے، عورتیں ان سے اپنے مہر کافی الحال مطالبہ کر سکتی ہیں اور بعد عدت جس سے چاہیں اپنا نکاح کر سکتی ہیں اور عورتوں میں جو کوئی اس حقیقتِ حال سے آگاہ ہو اور جان بوجھ کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافرہ ہو گئی، مگر حسبِ روایت مفتی بہا اپنے شوہر مسلمان کے نکاح سے نہ نکلے گی نہ اسے اختیار ہوگا کہ دوسرے سے نکاح کرے، ہاں ان کے شوہروں کو جائز نہ ہوگا کہ انہیں ہاتھ لگائیں جب تک وہ تائب ہو کر پھر اسلام نہ لائیں۔

(۴) قاضی مذکور کے سامنے شہادتیں پیش ہونے کا کیا ذکر جبکہ سوال میں مذکور کہ سورہ **والضحٰی** شریف دکھا کر وہ الفاظ قاضی کے سامنے کہے اس صورت میں قاضی خود اس شخص کے ان احکام میں شریک ہے، اس کے پیچھے نماز محض باطل اور اس سے میل جول حرام اور اس سے نکاح پڑھوانا جائز نہیں۔

(۵) جو شخص توبہ کر چکا ہو اسپر کفر کا فتوٰی منگا نا سخت عذاب کا استحقاق ہے اور مسلمان کو بلاوجہ کافر کہنے پر حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا کہ وہ کہنا اس کہنے والے ہی پر پلٹ آئے گا یعنی جب کہ بروجہ اعتقاد ہو اور بروجہ سب ودشنام تواشد کبیرہ، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ اور زیادہ تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔

مسئلہ ۶۲: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ ملا محمد رمضان پیش امام مسجد نیا پورہ مورخہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ عبدالقادر نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کی ہے اور اس پر علماء کا فتوٰی کفر کا آچکا ہے اور وہ توبہ سے انکار کرتا ہے اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں، اور اس کے بھائی بھتیجے اس کو مسلمان سمجھتے ہیں اور اس کے معاون ہیں ان کا نکاح بھی عندالشرع ٹوٹ گیا یا نہیں، اور اگر ٹوٹ گیا ہے تو ان کی مطلقہ بیویوں کا نکاح دوسرے مسلمانوں سے جائز ہے یا نہیں اور وہ مطلقہ بیویاں مہر کی لین دار ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب بحوالہ کتبِ معتبرہ عطا فرمایا جائے، **عنداللہ** ماجور ہوں گے۔

الجواب:

جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرے یقیناً کافر ہے اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی اور جو اس کی توہین پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جانے وہ بھی کافر ہے ایسے جتنے لوگ ہوں خواہ توہین کرنے والوں کے عزیز قریب ہوں یا غیر ان سب کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں اور فی الحال وہ اپنے

مہر کا مطالبہ کر سکتی ہیں، ان عورتوں کو اختیار ہے کہ عدت کے بعد جس مسلمان سے چاہیں نکاح کرلیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۳: از ہوڈل ضلع گورگانوہ مرسلہ عبداللہ شاہ

معظم ومکرم قدوۃ الفضلاء فضلانا مولانا اولانا ________ جناب مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب

دام فیوضہ بعد سلام مسنون، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی بنام زید اور چند مسلمان امی اس کے ہمراہ ایک پادری مذہب عیسوی کے مکان پر نشست برخاست ایک وقت معین پر پادری صاحب کے مکان پر ہوا کرتی ہے، بروقت نشست پادری صاحب کے یہاں کے خورد ونوش میں شریک ہوتے ہیں یعنی پان و چائے وغیرہ خاص پادری صاحب کے مکان کا بنا ہوا کھاتے پیتے ہیں اور گفتگو وغیرہ میں یہاں تک نوبت ہوتی ہے کہ جناب سرور کائنات محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں لفظ بے ادبانہ وہ پادری کہتا ہے، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی شان میں افک وبہتان تک نوبت پہنچتی ہے اور حضرت زینب وزید کی شان میں لفظ گستاخانہ کرتا ہے، اب دوسرے مسلمان اس مولوی سے کہتے ہیں کہ پادری کے یہاں کا اکل وشرب اچھا نہیں، تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ کچھ حرج نہیں اور ہمارے ایمان میں کوئی فرق اور خلل نہیں آتا ہے، اگر فرق آتا ہو ہم کو قرآن وحدیث سے ثبوت دو، جناب مفتی صاحب یہ امر طلب ہے آیا اس مولوی کے ایمان میں خلل وفرق آیا یانہ، اور اس مولوی کے پیچھے اقتدا جائز ہے یانہ اور کوئی گناہ ہے یانہ اور گناہ کیسا ہے، صغیرہ یا کبیرہ؟ بینوا توجروا؟

الجواب:

اس نام کے مولوی کے ایمان میں اگر فرق نہ ہوتا تو وہ ایسے جلسوں میں شریک نہ ہوسکتا جن میں اللہ ورسول کے ساتھ استہزاو طعن کئے جاتے ہیں وہ ثبوت مانگتا ہے اسے اگر ایمان احکام کی خبر ہوتی تو جانتا کہ قرآن عظیم اس صورت میں اس کے مثل نصارٰی ہونے کا فتوٰی دے رہا ہے۔

قال اللہ تعالٰی " بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ ﴿۱۳۹﴾ وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَ یُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا	خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے، وہ جو کافروں کے دوست بناتے ہیں مسلمانوں کے سوا کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں، عزت تو ساری اللہ کے لئے اور بیشک وہ تم پر کتاب میں حکم اتار چکا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ اور

فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ﳲ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَاۙ ﴿۱۴۰﴾ "[1]	بات میں نہ پڑیں اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی انہیں کی مثل ہو بیشک اللہ کافروں اور منافقوں سب کا جہنم میں ایک ساتھ اکٹھا کرے گا۔

اس شخص کے پیچھے نماز ہر گز جائز نہیں اور وہ سخت اشد کبیرہ کا مرتکب ہے بلکہ اس کا ایمان ہی ٹھیک نہیں، جیسا کہ قرآن عظیم صاف ارشاد فرماچکا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: از نکر الہ پرگنہ اوسیت ضلع بدایوں مرسلہ محمد یسین خاں خطیب ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی بنگالی نے کہا کہ جو کوئی نماز سنت پڑھے وہ مشرک ہے، اور التحیات اور درود شریف نماز میں پڑھنے کی کہیں سند نہیں، اور اگر سند ہو تو قرآن شریف سے ثابت کرو اور نماز جنازہ کی بھی نہیں پڑھنی چاہئے اس کی بھی قرآن شریف سے سند نہیں اور حدیث کا کچھ اعتبار نہیں ازراہ عنایت جواب سے زودتر سرفراز فرمائیے۔

الجواب:

جو شخص حدیث کا منکر ہے وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا منکر ہے اور جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا منکر ہے وہ قرآن مجید کا منکر ہے اور جو قرآن مجید کا منکر ہے اللہ واحد قہار کا منکر ہے اور جو اللہ کا منکر ہے صریح مرتد کافر ہے اور جو مرتد کافر ہے اسے اسلامی مسائل میں دخل دینے کا کیا حق۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ "[2]	رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں بازرہو۔

اور فرماتا ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۶۵﴾ [3]	اے نبی! تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک تجھے ہر اخلاقی بات میں حاکم نہ بنائیں پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے کچھ تنگی نہ پائیں اور اچھی طرح دل سے مان لیں۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۸تا۱۴۰

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

نماز سنت و جنازہ اور التحیات و درود سب کا حکم کلام اللہ شریف میں صراحۃً موجود مگر:

"مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾"[1]۔	جسے اللہ نے نور نہ دیا اس کے لئے کہیں نور نہیں۔

پہلے یہ منکر بتائے کہ پانچ نمازوں کا ثبوت کلام اللہ شریف میں کہاں ہے، اور صبح کی دو رکعتیں، مغرب کی تین رکعتیں، باقی کی چار چار، ان کا ذکر کلام اللہ شریف میں کہاں ہے، اور نمازوں کی ترتیب کہ پہلے قیام اور اس میں قرات پھر رکوع پھر سجود پھر قعود قرآن مجید میں کہاں ہے، وقتوں کی ابتداء وانتہا کہ فجر کا وقت طلوع صبح سے شروع ہو کر طلوع شمس پر ختم ہوتا ہے، اور ظہر کا زوال شمس سے سایہ اصلی کے سوا ایک مثل یا دو مثل سایہ ہونے تک اس کا ذکر قرآن مجید میں کہاں ہے، وضو کی ناقض یہ یہ چیزیں ہیں اور غسل کی یہ یہ، اور نماز ان چیزوں سے فاسد ہوتی ہے ان کی تفصیل قرآن مجید میں کہاں ہے۔ جب وہ ان سوالوں سے عاجز ہوگا اور اپنے کفر و جہل کا اقرار کرکے تائب ہوگا اس وقت ہم اسے بتادیں گے جن چیزوں کا وہ منکر ہے وہ سب قرآن مجید سے ثابت ہے اور ساتھ یہ بتائے کہ اس نے اس قرآن موجود کو بے کم و بیش قرآن منزل من اللہ کیونکر مانا، کیا اللہ خود اسکے ہاتھ میں دے گیا، اور جب یہ نہیں تو دلیل دے اور سمجھ رکھے کہ اس دلیل سے جو کچھ ثابت ہوگا سب ماننا پڑے گا ورنہ قرآن بھی ہاتھ سے کھوئے گا، کھویا تو ہے ہی جھوٹے زبانی اقرار سے بھی ہاتھ دھوئے گا "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۶﴾"[2] (بیشک اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔ت) یہ مسائل جن کا ثبوت ہم نے قرآن عظیم سے دینا اس کے ذمہ لازم کیا ہے اس طرح لکھے جس طرح ہم مسلمانوں میں ہے، اسکے نزدیک اگر اور طور پر ہوں تو جس طرح اس کے اعتقاد میں ہیں نماز میں کیا کیا فرائض ہیں، ان کی ترتیب اور پڑھنے کی ترکیب کیا ہے، وضو و غسل کی ناقض کیا کیا ہیں، ہر وقت کی نماز میں کے رکعتیں ہیں، کس کس چیز سے فاسد ہوتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: شبہہ پیش کردہ بعض اہل علم ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۵ھ

بلاشبہہ اشرف علی تھانوی اپنی عبارت حفظ الایمان میں حق کا معاند ہے، مگر تکفیر میں یہ شبہہ ہے کہ وہ علوم غیبیہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انکار نہیں کرتا بلکہ اطلاق لفظ عالم الغیب کا تیسری شق جو مصحح ثبوت علوم کثیرہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اس نے دھوکا دینے کے لئے قصداً

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۶

چھپالی اور زید پر براہ فریب و مغالطہ ایک الزامی ایراد قائم کیا اس سے وہ حق کا معاند ضرور ہے مگر کافر نہ ہوا ہم اسے دیکھتے ہیں کہ وہ خشوع وخضوع سے نماز پڑھتا ہے وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرتا۔

الجواب:

اشرف علی تھانوی سے زیادہ اپنی مراد کون بتاسکتا ہے اس نے جو عرق ریزی وحرکت مذبوجی "بسط البنان" میں کی اس پر شدید قاہر الٰہی رد "وقعات السنان" وغیرہ میں ملاحظہ ہوں، مگر ایک ذی علم کے لئے کشف شبہہ کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ یہ سوال حاضر کیا جاتا ہے جس میں سراسر عبارت حفظ الایمان کا پورا چربہ ہے اس کا جواب دیتے بلکہ **ان شاء اللہ تعالٰی** ملاحظہ کرتے ہی کھل جائے گا اور شبہہ کا وسوسہ دھواں ہو کر اڑ جائے گا **وباللہ التوفیق**۔

سوال یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید نے حمدِ الٰہی میں کہا اے سخی داتا الہ العٰلمین اس پر حمید وولید دو شخصوں نے اعتراض کیا۔ حمید، یہ ناجائز ہے اسمائے الٰہی توقیفی ہیں اللہ عزوجل کو جواد کہا جائے گا سخی کہنا جائز نہیں، حواشی حاشیہ خیالی علی شرح العقائد النسفی میں اس کی تصریح ہے۔ ولید: اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ پر سخاوت کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سخاوت سے مراد بعض عطا ہے، یعنی کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی شخص کو کچھ نہ کچھ دے دینا اگرچہ ایک نوالہ یا ایک کوڑی یا کل عطا کہ کسی سائل کا کوئی سوال کبھی نہ پھیرا جائے ہمیشہ جو کچھ مانگے اسے دیا جائے اگر بعض مراد ہے تو اس میں اللہ تعالٰی کی کیا تخصیص ہے ایسی سخاوت تو زید عمرو ہر ذلیل ورذیل ہر بھنگی چمار کو بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص سے کسی نہ کسی چیز کا دینا واقع ہوتا ہے تو چاہئے کہ سب کو سخی داتا کہا جائے پھر اگر زید اس کا التزام کرے کہ ہاں میں سب کو سخی داتا کہوں گا تو پھر سخاوت کو منجملہ کمالاتِ الٰہیہ شمار کیوں کیا جاتا ہے، جس امر میں مومن بلکہ شریف شخص کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات الوہیت سے کب ہو سکتا ہے اور اگر التزام نہ کیا جائے تو خدا وغیر خدا میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے اور اگر تمام عطایا مراد ہیں اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے انتہی۔ ولید کے اس کلام پر حمید اکابر علمائے کرام نے کفر صریح ہونے کا حکم کیا، سعید کو اس میں یہ شبہات ہیں ہم دیکھتے ہیں، ولید خشوع خضوع سے نماز پڑھتا ہے وہ اللہ تعالٰی کی توہین کرتا، اس کا مقصود اطلاق لفظ سخی پر انکار ہے نہ کہ عطائے الٰہی کا ابطال تیسری شق جو مصحح ثبوت عطائے الٰہیہ ہے، اس نے دھوکا دینے کے لئے قصداً چھپالی اور زید پر براہ فریب مغالطہ ایک الزامی ایراد قائم کیا اس سے وہ حق کا معاند ضرور ہے مگر کافر نہ ہوا، اب علمائے کرام سے استفسار ہے کہ:

(۱) آیا کلام ولید میں اس تاویل کی گنجائش ہے؟

(۲) محض لفظ سخی کے اطلاق پر انکار وہ تھا جو حمید نے کیا یا یہ جو ولید نے کہا؟

(۳) منشائے اطلاق یعنی عطا کو دو شقوں میں منحصر کر دینا ایک وہ کہ خدا میں بھی نہیں دوسرے وہ کہ بھنگی چمار میں ہے اور اس بنا پر اسے کمالاتِ الٰہیہ سے نہ جاننا اور خدا اور اس کے غیر ہر بھنگی چمار میں فرق پوچھنا محض اطلاق لفظ سخی کا انکار ہوگا یا اللہ عزوجل کی صفت کمالیہ عطا کا صریح ابطال ہوگا؟

(۴) اس تقریر سے عطا کو کمالاتِ الٰہیہ سے نہ جاننا اور خدا اور بھنگی چمار میں فرق پوچھنا اور اللہ تعالٰی کی خصوصیت نہ جاننا ہر بھنگی چمار کے لئے بھی حاصل ماننا یہ توہین شان عزت ہے یا نہیں؟

(۵) اس کلام کے سننے سے کسی طرح کسی کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے کہ یہ ابطال عطائے الٰہی نہیں نہ اس کے کمال پر حملہ نہ اس قسم عطا میں جو اسے حاصل ہے، اس کی خصوصیت کا انکار نہ ہر بھنگی چمار کی اس میں شرکت کا اظہار بلکہ باوصف صحت معنی وحصول مبنی صرف بالخصوص لفظ سخی پر انکار ہے۔

(۶) جو معنی کسی طرح کلام سے مفہوم نہ ہوسکیں کیا ان کی طرف پھیرنا کفر کا نافی ہوسکتا ہے، شفائے امام قاضی عیاض وغیرہ کتب معتمدہ ائمہ میں تصریح ہے کہ **التاویل فی لفظ صراح لایقبل**[1] (صریح الفاظ میں تاویل مقبول نہیں ہوتی۔ت) ایسی تاویل مسموع ہو تو کوئی کلام کفر نہ ٹھہرسکے، "**اردت برسول اللّٰہ العقرب**" (میں نے رسول اللہ سے مراد بچھو لیا ہے۔ت) کی تاویل اس تاویل سے قریب تر ہے یا نہیں کہ بلاشبہہ عقرب بھی خدا ہی کا بھیجا ہوا ہے۔

(۷) صحیح بخاری شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ **ذٰلك اخبات النفاق**[2] (یہ نفاق کا خضوع ہے۔ت) اس خشوع وخضوع کا جواب کافی ہے یا یہ کہ کوئی کیسا ہی کفر کرے جب بعض اعمال صالحہ کرتا ہو کافر نہیں ہوسکتا۔ **بینوا توجروا**۔

مسئلہ ۶۶: از یازیدپور ضلع پٹنہ مرسلہ عبدالصمد صاحب ۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ امکان نسخ نہیں بلکہ وقوع نسخ کا ماننا فرض ہے یا واجب یا مستحب جس کو دوسرے لفظوں میں یوں صاف کرسکتے ہیں کہ وقوع نسخ پر دلیل قطعی یعنی آیت قرآنی یا حدیث متواتر ہے یا دلیل ظنی ہے اس کا منکر کافر ہوگا یا فاسق؟ **بینوا توجروا**

[1] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الرابع فی تصرف وجوہ الاحکام مطبع شرکت صحافیہ ۲/ ۲۰۹

[2] مجمع الزوائد باب الاعمال بالخواتیم دار الکتاب بیروت ۷/ ۲۱۴

الجواب:

وقوع نسخ بلاشبہہ قطعیات سے ثابت بلکہ باعتبار شرائع سابقہ ضروریات دین سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۶۷: از بجواڑہ مرسلہ حاجی عبداللطیف ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اور مرد میں سے کسی سے بے علمی کی وجہ سے ایسا کلمہ منہ سے نکل جائے کہ کفر میں شمار ہو تو طلاق ہوجاتی ہے یانہیں، اور اگر ایسا ہوجائے تو کیا کرنا چاہئے کیونکہ ظاہر نکاح دوسری بار پڑھانے سے شرم کرتا ہو تو بغیر گواہ کے ایسا نکاح پھر درست ہوسکتا ہے یانہیں کہ صرف مرد عورت دونوں ہی نکاح قائم کرلیں کہ کوئی صورت آسان ہو تو بتلائیں کیونکہ اکثر لوگ بے علمی کی وجہ سے کوئی کلام کہہ دیتے ہیں اور وہ کفر ہوتا ہے اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہوتا ہے۔

الجواب:

معاذاللہ جس سے کلمہ کفر صادر ہوا سے بعد توبہ تجدید نکاح کا حکم ضرور ہے نکاح بغیر دو گواہوں کے نہیں ہوسکتا، دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ آزاد اور مسلمان، عورت کے نکاح میں ان کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے وہ ایجاب وقبول کو ایک سلسلے میں سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہورہا ہے بغیر اس کے نکاح نہیں ہوسکتا، ہاں یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ غیر ہی لوگ ہوں، زن وشوہر کے جوان بیٹا، بیٹی، بہن، بھائی، نوکر چاکر ان میں سے اگر دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں کافی ہے، اور تجدید نکاح کوئی شرم کی بات نہیں، یہ وسوسہ شیطانی ہے، شرم کی بات یہ ہے کہ نکاح میں خلل پڑجائے اور بغیر تجدید کے زن وشوہر کا علاقہ باقی رکھیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۶۸: از انجمن اسلامیہ بھرت پور مرسلہ حافظ عبدالوہاب خاں ٹونکی ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

یہاں ایک مولوی صاحب نے اثنائے وعظ میں فرمایا کہ حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی لاش مبارک شہادت کے بعد کئی روز تک نہایت ناگفتہ بہ حالت میں رہی اور آپ کی ایک ٹانگ (**نعوذباللہ**) کتوں نے چباڈالی، مولوی صاحب اور ان کے مقلدین اس واقعہ کو تاریخی واقعہ بتاتے ہیں، یہاں کوئی ایسا عالم نہیں جو اس واقعہ کے متعلق صحت کرسکے، اسلئے عرض ہے کہ بواپسی اس واقعہ کے اصلی حالت سے اطلاع دیں، اگر صحیح ہے تو کسی معتبر کتاب سے پتہ چل سکتا ہے؟ اگر غلط ہے تو کس فرقہ کا عقیدہ ہے؟

الجواب:

امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب **الاصابہ فی تمییز الصحابہ** میں فرماتے ہیں:

قال الزبیر بن بکار بویع یوم الاثنین للیلة بقیت من ذی الحجة سنة ثلاث وعشرین وقتل یوم الجمعة لثمان عشرة خلت من ذی الحجة بعد العصر ودفن لیلة السبت بین المغرب والعشاء [1]۔	(حضرت زبیر بن بکار کا بیان ہے۔ت) یعنی امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بیعت یوم الاثنین ذی الحجہ کی آخری شب ۲۳ہجری کو کی گئی ۱۸ذی الحجہ ۳۵ھ روز جمعہ بعد عصر شہید ہوئے اور اسی شام کو مغرب کے بعد عشاء سے پہلے دفن ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ اثناعشریہ میں امیر المومنین ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہم پر رافضیوں کے دسویں طعن میں ان ملاعین سے نقل کیا کہ:

"بعداز قتل اوراسہ روز اوفتادہ گزاشتند وبدفن او نپر داختند [2]"۔	قتل کے بعد انہیں تین دن تک ایسے ہی پھینک دیا گیا اور دفن نہ ہونے دیا گیا۔ (ت)

وہ کتوں کا لفظ اس طعن میں بھی نہیں، پھر جواب میں بہت روایات ذکر کرکے فرمایا:

ازیں روایات مشہورہ متعددہ ثابت شد کہ تاسہ روز اوفتادہ ماندن لاش عثمان (رضی اللہ تعالٰی عنہ) محض افتراء ودروغ ست ودرجمیع تواریخ تکذیب آں موجودست زیراکہ باجماع مؤرخین شہادتِ عثمان (رضی اللہ تعالٰی عنہ) بعد از عصر روز جمعہ ہیژدہم ذی الحجہ واقعہ شدہ است ودفن اودر بقیع شب شنبہ وقوع یافت بلاشبہ انتہی [3]۔	ان تمام مشہور روایات سے ثابت ہورہا ہے کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی لاش کا تین دن تک پڑے رہنے کا واقعہ محض افتراء اور جھوٹ ہے اور تمام کتب تاریخ میں اس کی تکذیب موجود ہے کیونکہ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی شہادت ۱۸ ذوالحجہ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر ہوئی اور بلاشبہہ ہفتہ کی رات بقیع شریف میں تدفین ہوئی انتہی۔ (ت)
ورأیتنی کتبت فی بعض تعلیقاتی الحدیثیة وھذا ایضاً تجاوز نعم لاتقبل المناکیر المنکرات فی مقابلة المشھورات المقبولات	مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے بھی اپنے بعض حواشی میں یہی بات لکھی ہے اور یہ بھی تجاوز ہے ہاں مشہور ومقبول روایات کے مقابلے میں مناکیرو

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ باب عثمان رضی اللہ عنہ دار صادر بیروت ۲/ ۴۶۳

[2] تحفہ اثنا عشریہ مطاعن عثمان رضی اللہ عنہ طعن دہم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۲۶

[3] تحفہ اثنا عشریہ مطاعن عثمان رضی اللہ عنہ طعن دہم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۲۹

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	منکرات مقبول نہیں ہوتیں۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۶۹: از شہر مالیگاؤں محلّہ قلعہ قریب مسجد کلاں مرسلہ محمد صادق صاحب ۳ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی شخص آیاتِ قرآنی کو نہ مانے تو وہ شخص گناہگار ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کس درجہ کا؟ اور نماز اس کے پیچھے کیسی ہوتی ہے؟

الجواب:

آیت کو نہ ماننا یعنی انکار کرنا کفر ہے اس کے پیچھے نماز کیسی، مگر عوام نہ ماننا اسے بھی کہتے ہیں کہ گناہ خلاف آیت قرآنی واقع ہوا ور اسے آیت سنائی گئی اور وہ اپنے گناہ سے باز نہ آیا یہ باز نہ آنا اگر محض شامتِ نفس سے ہو، آیت پر ایمان رکھتا ہے، نہ اس سے انکار کرتا ہے نہ اس کا مقابلہ کرتا ہے تو گناہ ہے کفر نہیں، پھر اگر وہ گناہ خود کبیرہ ہو یا بوجہ عادت کبیرہ ہو جائے اور یہ شخص اعلان کے ساتھ اس کا مرتکب ہو تو فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی یعنی پڑھنی گناہ اور پڑھی ہو تو پھیرنی واجب، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۰: از چندوسی حسینی بازار مرسلہ غلام حسین صاحب ۳ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ العلی العظیم والصلوۃ علی النبی الکریم واٰلہ وصحبہ المکرمین اٰمین!

(کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چندوسی میں مسلمانوں نے ہنود، مشرکین سے اتفاق کرنے میں یہ آثار ظاہر کئے کہ سوائے نوبت نقارے نوازی اور ناچ رنگ نامشروع کے ایسا مبالغہ اور عروج ان کی رسوم جلادینے میں کہ بعض فریق تلک، قشقہ، سندے برہمنوں کے ہاتھ سے اپنی پیشانی پر کھنچوا کر خوش اور مسرور ہوا اور بعض فریق برہمنوں کے ساتھ جے رامچندر جی اور جے سیتا جی کی بول اٹھا اور بعض فریق نے ہمراہ ہنود تخت رواں نستہ عورتوں کے گشت کی اور وہ تخت رواں خلاف سالہائے گزشتہ پیوستہ کے بیخوف وخطر گلی کوچہ پھرا کر مسلمانوں کے جائے جلوس پر ہنود لائے، مسلمانوں نے سوائے تواضع پان، پھول اور ہار، الائچی وغیرہ ان کے آنے کا شکریہ بفخریہ ادا کرکے شیرینی کی تھالی پیش کی اس عمل سے کس فریق کی عورت نکاح سے باہر ہوئی اور کون مبتلائے کفر ہوا اور کون مرتکب گناہ کبیرہ ہوا اور ہر فریق کی توبہ کی صورت کیا ہے؟

الجواب:

وہ جنہوں نے برہمن سے قشقہ کھنچوایا وہ جنہوں نے ہنود کے ساتھ وہ جے بولی کافر ہوگئے، ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں اور وہ کہ گشت میں شریک ہوئے اگر کافر نہ ہوئے تو قریب بکفر ہیں،

حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سود مع قوم فھو منھم [1] وفی لفظ من کثر سواد قوم [2]۔	جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے۔

اور وہ جنہوں نے بت کے لانے پر شکریہ ادا کیا اور خوش ہوئے ان پر بھی بحکم فقہاء کفر لازم ہے غمز العیون میں ہے:

اتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر [3]۔	جس نے کافر کے عمل کو اچھا جانا وہ باتفاق مشائخ کافر ہو جاتا ہے(ت)

ان پر لازم ہے کہ توبہ کریں اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۷: از موضع بیری پور ڈاکخانہ قصبہ علی گڑھ ضلع بریلی مرسلہ خان محمد خاں　　۱۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید آداب واحکام وارکان شریعت کا محض منکر ہے یعنی اہل ہنود کی پرستش گاہوں پر پوجا کرتا ہے، سراسر جو کام شرک وکفر کے ہنود کرتے ہیں ان کو زید بھی کرتا ہے اور بجائے محفل میلاد شریف کے مثل ہنود کے کتھا کی یعنی برہمن کو بلاکر پوریاں وغیرہ پکواکر اور ہنود کو کھلا کر جن مسلمانوں سے رسم تھا ان کو کھلادیں اور ہنود کے ہوم رول میں چندہ دیا اور مسجد کے دینے سے انکار، صوم وصلوٰۃ کا منحرف بایں امور کہ زید میں موجود ہیں، عمر اپنی بیٹی زید کے بیٹے کو دینا چاہتا ہے ہر چند اس سے منع کیا گیا مگر قصداً رسم گیا حتی کہ تاریخ شادی کی ٹھہر گئی، عمر کی زوجہ نے جواب دیا اور سخت کلامی کی کہ زید اگر بھنگی ہے تو ہم بھی بھنگی ہیں، عمر سے کہا گیا کہ تم کو اگر زید سے ملنا ہے تو اس کو توبہ استغفار کرادیا جائے، مگر عمر نہ مانا اور شرک وکفر کی حالت میں دیدہ دانستہ قرابت کی، آیا ہم جمیع مسلمان زید وعمر کے ساتھ کیسا معاملہ رکھیں، جو حکم شرع شریف کا ہو، نافذ ہو ایسا شخص بموجب شرع شریف کے مستوجب سزا ہے یا نہیں، **بینوا توجروا**۔

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۱۶۷ عبداللہ بن عتاب الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۴۱

[2] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ بحوالہ مسند ابی یعلی المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۴/ ۳۴۶، کنز العمال حدیث ۲۴۷۳۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۵

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید کافر مرتد ہے، اس سے سلام، کلام مسلمانوں کو حرام اس کی شادی غمی میں شرکت حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔(ت)

بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔(ت)

عمر اس کے سب افعال پر آگاہ ہے اس نے توبہ بھی لینا نہ چاہی اور ایسی قرابت اس کے ساتھ کی مبتلائے گناہ عظیم و مستحقِ عذاب الیم ہوا۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ" [3]، وقال اللہ تعالٰی "وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ" [4]، وقال اللہ تعالٰی "وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔(ت)

زید و عمر اگر توبہ نہ کریں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ انہیں یک لخت چھوڑ دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۲ تا ۷۳: از بدایوں مرسلہ نتھو و نثار احمد سوداگران چرم ۱۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے باجود اس علم کے کہ مرزائی دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان کے کافر ملحد ہونے کا فتوٰی تمام علمائے اسلام دے چکے ہیں، پھر بھی اپنی لڑکی کا نکاح ایک مرزائی کے لڑکے کے ساتھ کر دیا اب زید کو گمراہ اور بدعقیدہ سمجھا جائے یا نہیں اور زید کے ساتھ کھانا پینا اور اسکی شادی غمی میں شریک ہونا اپنے یہاں اس کو شریک کرنا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸
[2] القرآن الکریم ۹/ ۸۴
[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰
[4] القرآن الکریم ۵/ ۵۱
[5] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

جائز ہے یا نہیں اور جو لوگ ایسا کریں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) مرزائیوں کے لڑکوں کو جو ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے اور اپنے ماں باپوں کے رنگ میں رنگے ہیں اور ہر امر میں انہیں کے ماتحت ہیں کیا سمجھنا چاہئے مرزائی یا غیر مرزائی؟

الجواب:

(۱) اگر وہ لڑکا اپنے باپ کے مذہب پر تھا اور اسے یہ معلوم تھا کہ اس کا یہ مذہب ہے اور دانستہ لڑکی اس کے نکاح میں دی تو یہ لڑکی کو زنا کے لئے پیش کرنا اور پرلے سرے کی دیوثی ہے، ایسا شخص فاسق ہے اور اس کے پاس بیٹھنا تک منع ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

ورنہ اس کے سخت بے احتیاط اور دین میں بے پرواہونے میں کوئی شبہہ نہیں، اور اگر ثابت ہو کہ وہ واقعی مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہے اس بناپر تقریب کی تو خود کافر مرتد ہے، علمائے کرام حرمین شریفین نے قادیانی کی نسبت بالاتفاق فرمایا کہ:

من شك فی عذابه و کفره فقد کفر[2]۔	جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر۔

اس صورت میں فرض قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت حیات کے سب علاقے اس سے قطع کردیں، بیمار پڑے پوچھنے کو جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے مسلمان کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اسکی قبر پر جانا حرام،

قال اللہ تعالٰی "وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا (ت)

(۲) وہ سب مرزائی ہیں مگر وہ کہ عقل و تمیز کی عمر کو پہنچا اور اچھے برے کو سمجھا اور مرزائیوں کو کافر جانا اور ٹھیک اسلام لایا وہ مسلمان ہے، یہ اس حالت میں ہے کہ ماں مرزائی ہو، اور اگر ماں مسلمان ہوا گرچہ اپنی

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] حسام الحرمین باب المعتمد والمستند مکتبہ نبویہ، لاہور ص ۱۳

[3] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

شامت نفس یا اپنے اولیاء کی حماقت یاضلالت سے مرزائی کے ساتھ نکاح کرکے زنا میں مبتلا ہے، اب جو بچے ہوں گے جب تک ناسمجھ رہیں گے اور سمجھ کی عمر پر آکر خود مرزائیت اختیار نہ کریں گے اس وقت تک وہ اپنی ماں کے اتباع سے مسلمان ہی سمجھے جائیں گے،

فان الولد یتبع خیر الابوین دینا فکیف من لیس لہ الا الام فان ولد الزنا لااب لہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بچہ والدین میں سے اس کے تابع ہوتا ہے جس کا دین بہتر ہو تو اس وقت کیا حال ہوگا جب اس کی صرف ماں ہی ہو کیونکہ ولد زنا کا باپ نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۴تا۸۱: از مقام رانچی محلّہ اوپر بازار مرسلہ عبدالرب صاحب ۳جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جو کہے: **(۱)** معجزاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غلط ہیں، معجزہ حضرت سیدنا عیسٰی (علیہ السلام) مردہ کو زندہ کرنا غلط ہے، مطلب اس کا احوالِ قوم کو زندہ کرنا ہے ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے شرعًا؟

(۲) کتاب فتاوٰی عالمگیری و قاضی خاں بے اعتبار ہیں، توہین علماء دین قول بکر سے متصور ہے یا نہیں؟ شرعًا کیا حکم ہے؟

(۳) قربانی کرنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالٰی گوشت و خون کا محتاج نہیں، نہ اس تک پہنچتا ہے، بلکہ تمہارا تقوٰی پہنچتا ہے، قربانی کے جانور کی قیمت مدرسہ میں دینا افضل ہے، غور فرمایا جائے کہ بکر نے ترک وجوب پر حملہ کیا یا نہیں شرعًا کیا حکم ہے؟

(۴) حضرت منصور کا دار پر کھنچا جانا امور سلطنت و متہم ہونے کی وجہ سے نہ تھا نہ اور کسی وجہ سے، شرعًا کیا حکم ہے؟

(۵) بکر عبادت گاہ کفار میں نہ بہ نیت تفریح طبع و دیکھنے کے جاتا ہے بلکہ شرکت عبادت گاہ کفار کو فرض و سنت و مستحب ٹھہراتا ہے، شرعًا کیا حکم ہے؟

(۶) بکر پردہ حنفیت میں کاربند وہابیت ہے، وہابیوں کی حمایت اور اہلسنت و تمامی مفسرین و فقہاء کی توہین کرتا ہے، میلاد و قیام کے متعلق الفاظ ناشائستہ و بدعت سیئہ کہتا ہے، بکر کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ اور بکر درحقیقت مقلد ہے یا غیر مقلد؟

(۷) بکر محض بپاس کلام واثبات مدعا اپنے بزور زبان عبارات فقہیہ کو تحریف کیا ہے، بکر دست انداز اقوال ائمہ مجتہدین پر ہے یا نہیں؟ شرعًا کیا حکم ہے؟

(۸) بکر جناب کنز الفقراء تاج الاولیاء سیدنا عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) پر طعن و تکذیب کراماتِ اولیاء کرتا ہے و نیز دیگر اشخاص بھی بمقابلہ بکر کے حضرت کی شان میں طعن کرتے ہیں اور بکر

خاموش رہتا ہے شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) جو شخص معجزاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غلط بتائے کافر مرتد ہے، مستحقِ لعنت ابد ہے۔ حضور سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ احیائے موتی کا غلط کہنے والا بھی یقینًا کافر مرتد ہے اور وہ تاویل کہ احوال قوم زندہ کرنا مراد ہے، اسے کفر وارتداد سے نہ بچائے گی کہ ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں۔ عقائد امام مفتی الثقلین مفتی الجن والانس عمر نسفی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

النصوص تحمل علٰی ظواھرھا والعدول عنھا الٰی معان یدعیھا اھل الباطن الحاد[1]۔	نصوص کو اپنے ظاہر ہی پر محمول کیا جائے گا اور اس سے ایسے معانی کی طرف عدول جن کا دعوٰی اہل باطن نے کیا سراسر الحاد ہے (ت)

شرح میں ہے:

الحاد ای میل وعدول عن الاسلام واتصال و التصاق بالکفر لکونہ تکذیبا للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیما علم مجیئہ بہ بالضرورۃ[2]۔	الحاد یعنی اسلام سے عدول اعراض ہے اور یہ کفر کے ساتھ اتصال ہے کیونکہ یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ان معاملات میں تکذیب ہے جن کا لانا آپ سے بالضرورۃ ثابت ہے (ت)

شفاء قاضی عیاض میں ہے:

التاویل فی الضروری لایسمع[3]۔	ضروریاتِ دین میں تاویل مسموع نہیں۔ (ت)

(۲) **سبحان اللہ!** جب وہ معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غلط کہتا ہے تو اس سے اس کی کیا شکایت کہ فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیری کو نہیں مانتا جو اللہ اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرچکا اس سے توہین علم وعلماء کا گلہ فضول ہے، **ماعلٰی مثلہ بعد الخطاء** (خطا کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ ت)

(۳) قربانی کا انکار ضلالت ہے، یہ ہندو تو سارے کے سارے گائے کی قربانی سے کتنا چڑتے ہیں، غایت یہ کہ یہ ایک بات میں ہندوؤں سے بڑھ گیا کہ مطلقًا قربانی کے وجوب کا منکر ہوا اور ایک بات میں ہندو اس سے

---

[1] عقائد نسفی مع الشرح مطبوعہ دار الاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ص ۱۱۹

[2] شرح عقائد نسفی مطبوعہ دار الاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ص ۱۱۹

[3] کتاب الشفاء للقاضی عیاض القسم الرابع فی تصرف وجوہ الاحکام الخ مکتبہ شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۱۰

بڑھ کر ہیں کہ وہ چڑتے ہیں یہ فقط منکر۔

(۴) ایک بے معنی بات ہے صرف اتنے لفظ محتاج توجیہ نہیں۔

(۵) شرکت عبادت گاہ کفار صریح کفر ہے کیونکہ ہدایت یارد کو جانا شرکت نہیں ہوسکتا، کتب دینیہ میں تصریح ہے کہ معابد کفار میں جانا مکروہ ہے کہ وہ ماوائے شیاطین ہیں **کمافی ردالمحتار وغیرہ** (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) نہ کہ شرکت کہ صریح کفر ہے اور کفر کو ہلکا جاننا بھی کفر ہے نہ کہ معاذاللہ مستحب بلکہ سنت بلکہ فرض ٹھہرانا،

اباللہ وایتہ ورسلہ کنتم تستھزؤن، لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم[1]۔	کیااللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے مسلمان ہو کر۔(ت)

(۶) عجب ہے کہ سائل اس سے وہ کلمات نقل کرکے پھر اس کا مقلد ہونا پوچھتا ہے وہ مقلد ضرور ہے مگر ابلیس کا،

قال اللہ تعالٰی "اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۹"[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلادی، وہ شیطان کے گروہ ہیں، سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے۔(ت)

(۷) معلوم نہیں سائل نے اس کا پہلا عقیدہ معجزہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غلط بتانا غلط لکھ دیا یا صحیح، اگر غلط لکھا تو کیوں، اور صحیح لکھا تو اس کے بعد ان باتوں کی کیا گنجائش رہی، ائمہ مجتہدین پر دست اندازی کرنیوالا گمراہ سہی کافر تو نہیں، تکذیب معجزات کرنے والا تو کافر ہے۔ گنہگا پرشاد یا مسیح چرن سے اس کی کیا شکایت کہ تو ہمارے ائمہ پر کیوں اعتراض کرتا ہے۔

(۸) کراماتِ اولیاء کا انکار گمراہی ہے،

قال اللہ تعالٰی "كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے، کہا اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا، بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے بیشک اللہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۵و۶۶

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۹

بِغَیۡرِ حِسَابٍ ۞ "[1] وقال اللہ تعالٰی "قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ ؕ "[2]۔	جسے چاہے بے گنتی دے(ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے۔(ت)

اور حضور ولی الاولیاء، غوث الاقطاب ملاذ الابدال والافراد رضی اللہ تعالٰی عنہ و عنہم کی شانِ اقدس میں زبان درازی نہ کرے گا مگر رافضی تبرائی۔

"وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ۞ "[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۲تا۸۴: از مراد آباد محلّہ قائم کی بیریاں مرسلہ محمد مختار ۱۰جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ .

(۱) ایک شخص کے دل میں زبان میں برے خیال نکلتے ہیں وہ نماز پڑھنے سے عاجز آگیا ہے چنانچہ لاحول، سورہ ناس، درود شریف، قرآن شریف پڑھتا ہے تو بھی اس کے دل میں برے خیالات آتے ہیں اور ایک بات زبان سے برابر دل سے برابر نکلا کرتی ہے مثلاً سراج الحق بیٹا کس کا، اپنے ماں باپ کا، اور فحش خیالات بیٹے بیٹیوں، ماں باپ کے بارے میں ہر وقت برے خیالات بہت۔

(۲) برے خیالات یہ بہت دھوکے انجانی بیوقوفی زبان سے، دل جان سے ہیں، **نعوذ باللہ** خدا کا شریک نکلا، پھر یہ نکلا خدا وحدہ لاشریک ہے، رسول برحق ہیں یہ خیال بہت جلد دھوکے سے نکلا، ایک ماہ میں تین بار، ایک دفعہ ایک یوم میں دوسرا آٹھ یوم میں تیسرا سولہ یوم میں نکلا پھر یہ خیالات نہیں نکلتے، پھر دل زبان سے یہ نکلا کہ خدا وحدہ لاشریک ہے جبکہ ہزارہا باتوں کے بعد جب کہ زبان نہیں رکتی تھی، وہ روکتا تھا مگر وہ نہیں رکتی تھی، دل میں دنیا کے خیالات بہت برے تھے وہ یہ ہیں خدا نے کسی کو بیٹا بیٹی مال اسباب دیا ہے سب یہیں رہے گا بس خدا کی بات اچھی ہے دل میں یہی بیٹوں بیٹیوں کے خیالات، وہ بخشا جائے گا یا نہیں؟ مسلمان رہا یا نہیں؟ گنہگار ہوا یا نہیں۔

(۳) وہ ہمیشہ لوگوں کو نیک تعظیم دیتا ہے، خدا نے جو بتایا ہے نماز روزہ اور بہت باتوں کی، وہ قرآن اور خدا رسول کی محبت کرتا ہے جو خدا اور رسول کو برا اور قرآن کو برا کہتا ہے اس کو جان سے مارنے کو تیار ہے،

[1] القرآن الکریم ۳/ ۳۷

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

وہ خدا اور سول کو جان سے زیادہ زیادہ سمجھتا ہے، خدا سے کئی مرتبہ دعامانگی مگر خدا کا حکم نہیں ہوا ان سے پہلے وہ عاجز آگیا ان باتوں سے، اور نماز میں بھی برے برے خیالات آتے ہیں، وہ اپنے اسلام کا پکا ہے، وہ خدا اور سول سے بہت خوش ہے، کئی آدمی نے خدا اور سول کو برا کہا اس نے ان کو مارا مگر جنھوں نے برا کہا وہ کافر تھا، یہ سب بیٹے بیٹیاں کس کی ہیں، کیا آدم علیہ السلام کی یا اپنے ماں باپوں کی؟

الجواب:

برے خیالات اگر آئیں اور انہیں جمایا نہ جائے، نہ بالقصد انہیں زبان سے ادا کیا جائے، تو اس سے اسلام میں کچھ فرق نہیں آتا اور جہاں تک مجبوری ہے گناہ بھی نہیں، اور وہ سراج الحق والا فقرہ بار بار کہنا گناہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، خلل دماغ کا ایک شعبہ ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی** برے وسوسے جب دل میں آئیں فوراً اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرے اور کہے:

امنا باللہ ورسولہ "هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ(۳)"[1]	میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا "وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے" (ت)

اور **لاحول** شریف پڑھے اور خشکی دماغ کا طبّی معالجہ بھی چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵تا۸۶: از دادھن پور گجرات قریب احمد آباد مرسلہ حکیم محمد میاں صاحب ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک مولوی صاحب بعد ختم ہونے وعظ کے فرمانے لگے کہ ہم نے جو وعظ آپ صاحبوں کو سنایا ہے وہ کلام اللہ اور حدیث سے سنایا ہے، نہیں معلوم کہ یہ جھوٹ ہے یا سچ، اس بات کا علم خدا کو ہے، یہ الفاظ مولوی صاحب نے کیوں فرمائے، ایسا کہنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(۲) مذکور مولوی صاحب ہر وعظ میں بہشتی زیور کے لئے خاص حکم دیتے ہیں، وہ کتاب مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی تصانیف سے ہے، بہت سے ذی علم لوگوں کو شک ہے اور بہشتی زیور پڑھنے کو منع کرتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے، اس کتاب میں کون سے مسائل غلط ہیں اور ان کون سے صحیح؟ ان کا خلاصہ اور آپ اس کتاب کے لئے کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۳

الجواب:

(۱) یہ کہہ کر کہ میں نے تمہیں یہ وعظ قرآن وحدیث سے سنایا ہے یہ کہنا کہ معلوم نہیں جھوٹ ہے یا سچ قرآن عظیم کے صدق میں شک کرنا ہے اور تاویل بعید کی یہاں کچھ حاجت نہیں، اول تو الفاظ اس کے مساعد نہیں پھر سوال دوم میں بیان مسائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واعظ ہر وعظ میں مسلمانوں کو بہشتی زیور منگانے کی ترغیب دیتا ہے ایسا ہے تو عقیدہ کا دیوبندی معلوم ہوتا ہے اور دیوبندیوں کے نزدیک قرآن مجید کے صدق میں ضرور شک ہے وہ اللہ عزوجل کو وجوبًا سچا نہیں جانتے بلکہ صاف تصریح کرتے ہیں کہ **معاذاللہ** وہ امکانًا جھوٹا ہے پھر وعظ کو قرآن وحدیث سے بتا کر اس کے صدق وکذب میں شک کرنا ضرور کلمہ کفر ہے، مسلمانوں کو ایسے شخص کا وعظ سننا اور اسے وعظ کی مسند پر بٹھانا حرام ہے۔

(۲) بہشتی زیور ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو صریح گالی دی اور جس کی نسبت تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق حسام الحرمین میں فرمایا ہے کہ:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [1]۔	جو اس کو باتوں پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جاننا در کنار اس کے کافر ہونے میں شک بھی کرے وہ بھی کافر۔

بہشتی زیور کا دیکھنا عوام مسلمان بھائیوں کو حرام ہے اس میں بہت سے مسائل گمراہی کے اور بہت سے مسائل غلط وباطل ہیں اور یہی کیا تھوڑا ہے کہ وہ ایسے کی تصنیف ہے جس کو مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کے علمائے کرام باتفاق فرمارہے ہیں کہ اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے۔ زیادہ اطمینان درکار ہو تو کتاب **حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین** مطبع اہل سنت وجماعت بریلی سے طلب کیجئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۷: از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی صاحب فاروقی ۲۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کفار کَے قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک کی تعریف کیا ہے اور صحبت کون سے کفار کی سب سے زیادہ مضر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللہ عزوجل ہر قسم کفر وکفار سے بچائے، کافر دو قسم ہے: اصلی ومرتد۔ اصلی وہ کہ شروع سے کافر اور کلمہ اسلام کا منکر ہے، یہ دو قسم ہے: مجاہر ومنافق، مجاہر وہ کہ علی الاعلان کلمہ کا منکر ہو اور منافق وہ کہ بظاہر کلمہ پڑھتا اور دل میں منکر ہو، یہ قسم حکم آخرت میں سب اقسام سے بدتر ہے۔

---

[1] حسام الحرمین باب المعتمد والمستند مکتبہ نبویہ، لاہور ص ۱۳

" اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ " [1] ۔	بیشک منافقین سب سے نیچے طبقہ دوزخ میں ہیں۔

کافر مجاہر چار قسم ہے:

اول دہریہ کہ خدا ہی کا منکر ہے۔

دوم مشرک کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کو بھی معبود یا واجب الوجود جانتا ہے، جیسے ہندو بت پرست کہ بتوں کو واجب الوجود تو نہیں مگر معبود مانتے ہیں اور آریہ کہ روح و مادہ کو معبود تو نہیں، مگر قدیم و غیر مخلوق جانتے ہیں دونوں مشرک ہیں اور آریوں کو موحد سمجھنا سخت باطل ہے۔

سوم مجوسی آتش پرست۔

چہارم کتابی یہود و نصارٰی کہ دہریہ نہ ہوں،

ان میں اول تین قسم کا ذبیحہ مردار اور ان کی عورتوں سے نکاح باطل ہے اور قسم چہارم کی عورت سے نکاح ہو جائے گا اگرچہ ممنوع و گناہ ہے۔

کافر مرتد وہ کہ کلمہ گو ہو کر کفر کرے اس کی بھی دو قسم ہیں: مجاہر و منافق۔

مرتد مجاہر وہ کہ پہلے مسلمان تھا پھر علانیہ اسلام سے پھر گیا کلمہ اسلام کا منکر ہو گیا چاہے دہریہ ہو جائے یا مشرک یا مجوسی یا کتابی کچھ بھی ہو۔

مرتد منافق وہ کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے پھر اللہ عزوجل یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا یا ضروریات دین میں سے کسی شیئ کا منکر ہے، جیسے آجکل کے وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی، جھوٹے صوفی کہ شریعت پر ہنستے ہیں، حکم دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہیں اس سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا، اس کا نکاح کسی مسلم کافر مرتد اس کے ہم مذہب یا مخالف مذہب، غرض انسان حیوان کسی سے نہیں ہو سکتا، جس سے ہو گا محض زنا ہو گا، مرتد مرد ہو خواہ عورت، مرتدوں میں سے سب سے بدتر مرتد منافق ہے، یہی وہ ہے کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے، خصوصًا وہابیہ خصوصًا دیوبندیہ کہ اپنے آپ کو خاص اہلسنت کہتے، حنفی بنتے، چشتی نقشبندی بنتے، نماز روزہ ہمارا سا کرتے، ہماری کتابیں پڑھتے پڑھاتے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۵

اور اللہ ورسول کو گالیاں دیتے ہیں، یہ سب سے بدتر زہر قاتل ہیں، ہوشیار خبردار ! مسلمانو! اپنا دین بچائے ہوئے رہو "**فَاللّٰهُ خَیْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۶۴﴾**"[1] (تو اللہ سب سے بہتر نگہبان اور وہ ہر مہربان سے بڑھ کر مہربان۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۶۴

رسالہ
المبین ختم النبیین ۱۳۲۶ھ
(حضور کے خاتم النبیین ہونے کے واضح دلائل)

مسئلہ ۸۸تا۹۴: از بہار شریف محلّہ قلعہ مدرسہ فیض رسول مرسلہ مولوی ابوطاہر نبی بخش صاحب ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــــ حامدا و مصلیا و مسلما

امابعد بست و پنجم ماہ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ شب سہ شنبہ کو مولوی سجاد حسین و مولوی مبارک حسین صاحب مدرسین مدرسہ اسلامیہ بہار کے وطلبا تعلیم دادہ وعظ میں فرماتے تھے کہ خاتم النبیین میں "النبیین" پر الف لام عہد خارجی کا ہے، جب دوسرے روز مسجد چوک میں مولوی ابراہیم صاحب نے (جو بالفعل مدرسہ فیض رسول میں پڑھتے ہیں) اثنائے وعظ میں آیہ کریمہ:

"مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ"[1]۔	محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ (ت)

تلاوت کرکے بیان کیا کہ النبیین میں جو لفظ النبیین مضاف الیہ واقع ہوا ہے اس لفظ پر الف لام

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

استغراق کا ہے بایں معنی کہ سوائے حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کوئی نبی نہ آپ کے زمانہ میں ہو اور نہ بعد آپ کے قیامت تک کوئی نبی ہو نبوت آپ پر ختم ہو گئی آپ کل نبیوں کے خاتم ہیں، بعد وعظ مولوی ابراہیم صاحب کے راحت حسین طالب علم مدرسہ اسلامیہ بہار کے مجاور درگاہ نے باعانت بعض معاون روپوش بڑے دعوے کے ساتھ مولوی ابراہیم صاحب کی تقریر مذکور کی تردید کی اور صاف لفظوں میں کہا کہ لفظ "النبیین" پر الف لام استغراق کا نہیں ہے بلکہ عہد خارجی کا ہے، چونکہ یہ مسئلہ عقائد ہے لہٰذا اس کے متعلق چند مسائل نمبروار لکھ کر اہل حق سے گزارش ہے کہ بنظرِ احقاق ہر مسئلہ کا جواب باصواب بحوالہ کتب تحریر فرمادیں تاکہ اہل اسلام گمراہی و بدعقیدگی سے بچیں:

(۱) راحت حسین مذکور کا کہنا کہ "النبیین" پر الف لام عہد خارجی کا ہے استغراق کا نہیں۔ یہ قول صحیح اور موافق مذہب منصور اہل سنت وجماعت کے ہے یا موافق فرقہ ضالہ زیدیہ کے؟

(۲) نفی استغراق سے آیہ کریمہ کا کیا مفہوم ہوگا؟

(۳) برتقدیر صحت نفی استغراق اس آیہ سے اہل سنت کا عقیدہ کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل انبیاء کے خاتم ہیں، ثابت ہوتا ہے کہ نہیں اور اہل سنت اس آیہ کو مثبت خاتمیت کاملہ سمجھتے ہیں یا نہیں؟

(۴) اگر آیت مثبت کلیت نہیں ہوگی تو پھر کس آیت سے کلیت ثابت ہوگی اور جب دوسری آیت مثبت کلیت نہیں تو اہل سنت کے اس عقیدے کا ثبوت دلیل قطعی سے ہرگز نہ ہوگا۔

(۵) جس کا عقیدہ ہو کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل انبیاء کے خاتم نہیں ہیں، اس کے پیچھے اہلسنت کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) اس باطل عقیدے کے لوگوں کی تعظیم و توقیر کرنی اور ان کو سلام کرنا جائز ہوگا یا ممنوع؟

(۷) کیا سنی حنفی کو جائز ہے کہ جو شخص حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کل انبیاء کا خاتم نہ سمجھے اس سے دینی علوم پڑھیں یا اپنی اولاد کو علم دین پڑھنے کے واسطے ان کے پاس بھیجیں، فقط المستفتی محمد عبداللہ۔

دلائل خارجیہ [عـــہ]

دلیل اول: توضیح ص ۱۰۰ میں ہے:

الاصل ای الراجح ھو العھد الخارجی	اصل یعنی راجح عہد خارجی ہی کا ہے اس لئے عہد خارجی

عـــہ: چونکہ خاتم النبیین میں الف لام عہد خارجی کے قائل ہیں لہٰذا خارجیہ لکھے گئے ہیں ۱۲

لانہ حقیقۃ التعیین وکمال التمییز [1] ۔	حقیقت تعیین اور کمال تمیز ہے۔

پس جب عہد خارجی سے معنی درست ہو تو استغراق وغیرہ معتبر نہ ہوگا۔

دلیل دوم: نور الانوار صفحہ ۸۱ میں ہے:

یسقط اعتبار الجمعیۃ اذا دخلت علی الجمع [2] ۔	جب لام تعریف جمع پر داخل ہو تو اعتبار جمعیت ساقط ہو جاتا ہے۔

پس نبیین کہ صیغہ جمع ہے، جب اس پر الف لام تعریف داخل ہوا تو نبیین سے معنی جمعیت ساقط ہوگیا اور جب معنی جمعیت ساقط ہوگیا تو الف لام استغراق کا ماننا صحیح نہیں ہو سکتا۔

دلیل سوم: یہ امر مسلم ہے کہ مضاف مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے جب فرد واحد اس کل کے طرف مضاف ہو جس میں وہ داخل ہے تو وہ کل من حیث ہو کل ہونے کے کل، باقی نہ رہے گا بلکہ کلیت اس کی ٹوٹ جائے گی، اور جب کلیت اس کی باقی نہ رہی تو بعضیت ثابت ہو گئی اور یہی معنی ہے عہد کا، اور اگر اس فرد مضاف کہ ہم اس کل کے شمول میں رکھیں تو تقدم الشئ علی نفسہ لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ وجود مضاف الیہ مقدم ہوتا ہے وجود مضاف پر، پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ النبیین میں الف لام عہد خارجی کا ماننا چاہئے۔

الجواب:

حضور پر نور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیہ وعلیہم اجمعین کا خاتم یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیاء و مرسلین بلا تاویل و بلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنی شک وشبہہ کو بھی راہ دے کافر مرتد ملعون ہے، آیہ کریمہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [3] (لیکن آپ اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں۔ت) وحدیث متواتر لا نبی بعدی [4] (میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ت) سے تمام امت مرحومہ نے سلفاً وخلفاً یہی معنی سمجھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلا تخصیص تمام انبیاء میں آخر نبی ہوئے حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔ فتاوٰی یتیمۃ الدہر واشباہ والنظائر وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

---

[1] التوضیح والتلویح قولہ ومنہا الجمع المعرف باللام نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۳۶

[2] نور الانوار بحث التعریف باللام والاضافۃ مکتبہ علمی دہلی ص ۸۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[4] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۱

اذالم یعرف الرجل ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات[1]۔	جو شخص یہ نہ جانے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انبیاء میں سب سے پچھلے نبی ہیں وہ مسلمان نہیں کہ حضور کا آخر الانبیاء ہونا ضروریات دین سے ہے(ت)

شفاء شریف امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ہے:

کذٰلک (یکفر) من ادعی نبوۃ احد مع نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوبعدہ (الی قولہ) فھٰؤلا کلھم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اخبرانہ خاتم النبیین ولانبی بعدہ واخبر عن اللہ تعالٰی انہ خاتم النبیین وانہ ارسل کافۃ للناس واجمعت الامۃ علی حمل ان ھذا الکلام علی ظاھرہ وان مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولاتخصیص فلا شك فی کفر ھٰؤلاء الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا[2]۔	یعنی جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں خواہ حضور کے بعد کسی کی نبوت کا ادعا کرے کافر ہے (اس قول تک) یہ سب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی کہ خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور اللہ تعالٰی کی جانب سے یہ خبر دی کہ حضور خاتم النبیین ہیں اور ان کی رسالت تمام لوگوں کو عام ہے اور امت نے اجماع کیا ہے کہ یہ آیات واحادیث اپنے ظاہر پر ہیں جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے وہی خدا اور رسول کی مراد ہے نہ ان میں کوئی تاویل ہے نہ کچھ تخصیص تو جو لوگ اس کا خلاف کریں وہ بحکم اجماع امت وبحکم قرآن وحدیث سب یقیناً کافر ہیں۔

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی کتاب الاقتصاد میں فرماتے ہیں:

ان الامۃ فھمت ھذااللفظ انہ افھم عدم نبی بعدہ ابداوعدم رسول بعدہ ابدا وانہ لیس فیہ تاویل ولاتخصیص وامن اولہ بتخصیص فکلامہ من انواع الھذیان لایمنع الحکم بتکفیرہ لانہ مکذب لھذا النص الذی اجمعت الامۃ علی انہ غیر مؤول	یعنی تمام امت مرحومہ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا ہے وہ بتاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا ہے کہ اس میں اصلاً کوئی تاویل یا تخصیص نہیں تو جو شخص لفظ خاتم النبیین میں النبیین کو اپنے عموم واستغراق پر نہ مانے بلکہ

[1] الاشباہ والنظائر باب الردۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۹۶، فتاوٰی ہندیہ باب احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۳

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تحقیق القول فی اکفار المتاؤلین شرکت صحافیہ فی البلد العثمانیہ ترکی ۲/۲۷۱، ۲۷۰

ولامخصوص[1]۔	اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے اس کی بات مجنون کی بک یا سرسامی کی بہک ہے اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی شرح الفرائد میں فرماتے ہیں:

تجویز نبی مع نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او بعدہ یستلزم تکذیب القراٰن اذ قد نص علی انہ خاتم النبیین واٰخر المرسلین وفی السنۃ انا العاقب لانبی بعدی واجمعت الامۃ علی ابقاء ھذاالکلام علی ظاہرہ وھذہ احدی المسائل المشہورۃ التی کفرنا بہا الفلاسفۃ لعنھم اللہ تعالٰی[2]۔	ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد کسی کو نبوت ملنی جائز ماننا تکذیب قرآن کو مستلزم ہے کہ قرآن عظیم تصریح فرماچکا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین وآخر المرسلین ہیں اور حدیث میں فرمایا: میں پچھلا نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور تمام امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے یعنی عموم واستغراق بلاتاویل وتخصیص اور یہ ان مشہور مسئلوں سے ہے جن کے سبب ہم اہل اسلام نے کافر کہا فلاسفہ کو، اللہ تعالٰی ان پر لعنت کرے۔

امام علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی کتاب المعتمد فی المعتقد میں فرماتے ہیں:

بحمدہ اللہ تعالٰی ایں مسئلہ درمیان اسلامیان روشن تراز اں ست کہ آں را بکشف وبیان حاجت افتد، خدائے تعالٰی خبر دار کہ بعد ازوے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی دیگر نباشد ومنکر ایں مسئلہ کسے تواند بود کہ اصلاً در نبوت او صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معتقد نباشد کہ اگر برسالت او معترف بودے وے را در ہرچہ ازاں خبر دار صادق دانستے وبہماں جہتا کہ از طریق تواتر رسالت او پیش مادرست شدہ ایں نیز درست شد کہ وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باز پسیں پیغمبران ست در	بحمد اللہ تعالٰی یہ مسئلہ اہل اسلام کے ہاں اتنا واضح اور آشکار ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اللہ تعالٰی نے خود اطلاع فرمادی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اگر کوئی شخص اس کا منکر ہے تو وہ تو اصلاً آپ کی نبوت کا معتقد نہیں کیونکہ اگر آپ کی رسالت کو تسلیم کرتا تو جو کچھ آپ نے بتایا ہے اس کو حق جانتا جس طرح آپ کی رسالت و نبوت تواتر سے ثابت ہے اسی طرح یہ بھی تواتر سے ثابت ہے کہ حضور تمام انبیاء کے آخر میں تشریف لائے ہیں اور اب

[1] الاقتصاد فی الاعتقاد امام غزالی المکتبۃ الادبیہ مصر ص ۱۱۴

[2] المعتقد المنتقد بحوالہ المطالب الوفیہ شرح الفرائد السنیہ تجویز نبی بعدہ کفر مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص ۱۱۵

زمان او وتا قیامت بعد از وے ہیچ نبی نباشد وہر کہ دریں بہ شک ست دراں نیز بہ شک ست ونہ آں کس کہ گوید کہ بعد اووے نبی دیگر بود یا ہست یا خواہد بود وآں کس نیز کہ گوید کہ امکان دار دکہ باشد کافر ست اینست شرط درستی ایمان بخاتم انبیاء محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]	تا قیامت آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جس کو اس بارے میں شک ہے اسے پہلی بات کے بارے میں شک ہوگا صرف وہی شخص کافر نہیں جو یہ کہے کہ آپ کے بعد نبی تھا یا ہے یا ہوگا بلکہ وہ بھی کافر ہے جو آپ کے بعد کسی نبی کی آمد کو ممکن تصور کرے، خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان درست ہونے کی شرط ہی یہ ہے (ت)

بالجملہ آیہ کریمہ "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ"[2] مثل حدیث متواتر لانبی بعدی[3] قطعًا عام اور اس میں مراد استغراق تام اور اس میں کسی قسم کی تاویل وتخصیص نہ ہونے پر اجماعِ امت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام، یہ ضروریات دین سے ہے اور ضروریاتِ دین میں کوئی تاویل یا اس کے عموم میں کچھ قیل وقال اصلا مسموع نہیں، جیسے آج کل دجال قادیانی بک رہاہے کہ "خاتم النبیین سے ختم نبوت شریعت جدیدہ مراد ہے اگر حضور کے بعد کوئی نبی اسی شریعت مطہرہ کا مروج وتابع ہو کر آئے کچھ حرج نہیں" اور وہ خبیث اس سے اپنی نبوت جمانا چاہتا ہے، یا ایک اور دجال نے کہا تھا کہ "تقدم عـــہ۱ تاخر زمانی میں کچھ فضیلت نہیں خاتم بمعنی آخر لیناخیال جہال ہے بلکہ خاتم النبیین بمعنی نبی بالذات ہے"۔ اور اسی مضمون ملعون کو دجال اول نے یوں عـــہ۲ ادا کیا کہ "خاتم النبیین بمعنی افضل النبیین ہے"، ایک اور مرتد نے لکھا "خاتم النبیین عـــہ۳ ہونا حضرت رسالت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بہ نسبت اس سلسلہ محدودہ کے ہے نہ بہ نسبت جمیع سلاسل عوالم کے، پس اور مخلوقات کا اور زمینوں میں نبی ہونا ہر گز منافی خاتم النبیین کے نہیں جموع محلے باللام امثال اس مقام پر مخصوص ہوتی ہیں" چند اور خبیثوں نے

عـــہ۱: تحذیر الناس نانوتی ۱۲

عـــہ۳: مناظرہ احمدیہ ۱۲

عـــہ۲: مواہب الرحمٰن قادیانی ۱۲

[1] المعتمد فی المعتقد

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ماذکر عن نبی اسرائیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۱

لکھا کہ "الف لام عـــہ۱ خاتم النبیین میں جائز ہے کہ عہد کے لئے ہو اور بر تقدیر تسلیم استغراق جائز ہے کہ استغراق عرفی کے لئے ہو اور بر تقدیر حقیقی جائز ہے کہ مخصوص البعض ہو اور بھی عام کے قطعی ہونے میں بڑا اختلاف ہے کہ اکثر علماء ظنی ہونے کے قائل ہیں "ان شیاطین سے بڑھ کر 'اور بعض ابلیسیوں نے لکھا کہ "اہل اسلام عـــہ۲ کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں اور بعض قائل ختم نبوت تشریعی کے ہیں نہ مطلق نبوت کے"

الی غیرذٰلك من الکفریات الملعونة والارتدادات المشحونة بنجاسات ابلیس وقاذورات التدلیس لعن اللہ قائلها وقاتل اللہ قابلیها۔	دیگر کفریات ملعونہ اور ارتدادات جو ابلیس کی نجاستوں اور جھوٹ کی پلیدوں کو متضمن ہے اللہ تعالٰی کی اس کے قائل پر لعنت ہو اور اسے قبول کرنیوالے کو اللہ تعالٰی برباد فرمائے۔(ت)

یہ سب تاویل رکیک ہیں یا عموم واستغراق "النبیین" میں تشویش و تشکیک سب کفر صریح وارتداد قبیح، اللہ ورسول نے مطلقاً نفی نبوت تازہ فرمائی، شریعت جدیدہ وغیرہا کی کوئی قید کہیں نہ لگائی اور صراحۃً خاتم بمعنی آخر بتایا، متواتر حدیثوں میں اس کا بیان آیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے اب تک تمام امت مرحومہ نے اسی معنی ظاہر ومتبادر وعموم استغراق حقیقی تام پر اجماع کیا اور اسی بناپر سلفاً وخلفاً ائمہ مذاہب نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت کو کافر کہا، کتبِ احادیث و تفسیر عقائد و فقہ ان کے بیانوں سے گونج رہی ہیں، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنی کتاب "جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ ۱۳۱۷ھ" میں اس مطلب ایمانی پر صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم وجوامع سے ایک سو بیس حدیثیں اور تکفیر منکر کہ ارشادات ائمہ وعلمائے قدیم وحدیث وکتب عقائد واصول فقہ وحدیث سے تیس نصوص ذکر کئے وللہ الحمد۔ تو یہاں عموم واستغراق کے انکار خواہ کسی تاویل و تبدیل کا اظہار نہیں کرسکتا مگر کھلا کافر، خدا کا دشمن قرآن کا منکر، مردود وملعون، خائب وخاسر، والعیاذ باللہ العزیز القادر، ایسی تشکیکیں تو وہ اشقیاء، رب العٰلمین میں بھی کرسکتے ہیں کہ جائز ہے لام عہد کے لئے ہو یا استغراق عرفی کے لئے یا عام مخصوص منہ البعض یا عالمین سے مراد عالمین زمانہ کقولہ تعالٰی "وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾"[1] (جیسے کہ باری تعالٰی کا فرمان ہے: اور میں نے تم کو جہاں والوں پر فضیلت دی۔ت) اور سب کچھ سہی پھر عام قطعی تو نہیں خدا کا پروردگار جمیع عالم ہونا یقینی

عـــہ۱: ناصر المومنین سہسوانی ۱۲

عـــہ۲: تحریر اسمی زندیق پشاوری ۱۲

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۷

کہاں مگر الحمد للہ مسلمان نہ ان ملعون ناپاک وساوس کو رب العالمین میں سنیں نہ ان خبیث گندے وساوس کو خاتم النبیین میں،

"اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ۝۱۸ "[1]، "اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۵۷ "[2]۔	ارے ظالموں پر خدا کی لعنت، بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے (ت)

یہ طائفہ خائفہ خارجیہ جن سے سوال ہے اگر معلوم ہو کہ حضور پر نور خاتم الانبیاء ومرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین کے خاتم ہونے کو صرف بعض انبیاء سے مخصوص کرتا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روز بعثت سے جب یا اب کبھی کسی زمانے میں کوئی نبوت، اگرچہ ایک ہی، اگرچہ غیر تشریعی، اگرچہ کسی اور طبقہ زمین، یا کنج آسمان میں اگرچہ کسی اور نوع انسانی میں واقع مانتا، یا باوصف اعتقاد عدم وقوع محض بطور احتمال شرعی وامکان وقوعی جائز جانتا یہ بھی سہی مگر جائز ومحتمل ماننے والوں کو مسلمان کہتا یا طوائف ملعونہ مذکورہ، خواہ ان کے کبراء یا نظراء کی تکفیر سے باز رہتا ہے، توان سب صورتوں میں یہ طائفہ خائفہ خود بھی قطعاً یقیناً اجماعاً ضرورۃً مثل طوائف مذکورہ قادیانیہ وقاسمیہ وامیریہ ونذیریہ وامثالہم لعنہم اللہ تعالٰی کافر ومرتد ملعون ابد ہے "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ "[3] (اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) کہ ضروریات دین کا جس طرح انکار کفر ہے یونہی ان میں شک وشبہہ اور احتمال خلاف، ماننا بھی کفر ہے یونہی ان کے منکر یا ان میں شاک کو مسلمان کہنا اسے کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔ بحر الکلام امام نسفی وغیرہ میں ہے:

من قال بعد نبینا یکفر لانه انکر النص وکذٰلك لو شك فیه[4]۔	جو شخص یہ کہے کہ ہمارے نبی کے بعد نبی آسکتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قطعی کا انکار کیا، اسی طرح وہ شخص جس نے اس کے بارے میں شک کیا۔(ت)

درمختار وبزازیہ ومجمع الانہر وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[4] بحر الکلام

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے (ت)

ان لعنتی اقوال، نجس ترازابوال، کے رد میں اواخر صدی گزشتہ میں بکثرت رسائل ومسائل علمائے عرب وعجم طبع ہوچکے اور وہ ناپاک فتنے غار مذلت میں گر کر قعرِ جہنم کو پہنچے والحمدللہ رب العالمین۔ اس طائفہ جدیدہ کو اگر طوائف طریدہ کی حمایت سوجھے گی تو اللہ واحد قہار کا لشکر جرار، اسے بھی اس کی سزائے کردار پہنچانے کو موجود ہے

قال تعالٰی " اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۹﴾ "[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہ فرمایا، پھر پچھلوں کو ان کے پیچھے پہنچائیں گے، مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں، اس دن کو جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ (ت)

اور اگر اس طائفہ جدیدہ کی نسبت وہ تجویز واحتمال نبوت یا عدم تکفیر منکران ختم نبوت، معلوم نہ بھی ہو، نہ اس کا خلاف ثابت ہو تو اس کا آیہ کریمہ میں افادہ استغراق سے انکار اور ارادہ بعض پر اصرار کیا اسے حکم کفر سے بچالے گا کہ وہ صراحۃً آیہ کریمہ اس تفسیر قطعی یقینی اجماعی ایمانی کا منکر ومبطل ہے جو خود حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی اور جس پر تمام امت مرحومہ نے اجماع کیا اور بنقل متواتر ضروریاتِ دین سے ہو کر ہم تک آئی، مثلاً کوئی شخص کہے کہ شراب کی حرمت قرآن عظیم سے ثابت نہیں ائمہ دین فرماتے ہیں وہ کافر ہوگیا اگرچہ اس کے کلام میں حرمت خمر کا انکار نہ تھا، نہ تحریم خمر کا ثبوت صرف قرآن عظیم پر موقوف کہ اس کی تحریم میں احادیث متواتر بھی موجود، اور کچھ نہ ہو تو خود اس کی حرمت ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین خصوص نصوص کے محتاج نہیں رہتے۔ امام اجل ابوزکریا نووی کتاب الروضہ پھر امام ابن حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں:

اذاجحد مجمعاً علیه یعلم من دین الاسلام ضرورۃ سواء کان فیه نص اولافان جحدہ یکون کفرااھ ملتقطا[3]۔	جب کسی نے ایسی بات کا انکار کیا جس کا ضروریات دین اسلام میں سے ہونا متفق علیہ معلوم ہے خواہ اس میں نص ہو یا نہ ہو تو اس کا انکار کفر ہے اھ ملتقطا (ت)

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی احکام الجزیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷

[2] القرآن الکریم ۷۷/ ۱۶تا۱۹

[3] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۵۲

بعینہٖ یہی حالت یہاں بھی ہے کہ اگرچہ بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہمیشہ کے لئے دروازہ نبوت بند ہوجانا اور اس وقت سے ہمیشہ تک، کبھی کسی وقت کسی جگہ کسی صنف میں کسی طرح کی نبوت نہ ہوسکنا کچھ اس آیہ کریمہ ہی پر موقوف نہیں بلکہ اس کے ثبوت میں قاہر وباہر، متوار ومتظافر، متکاثر ومتواتر حدیثیں موجود اور کچھ نہ ہو تو بحمد اللہ تعالٰی مسئلہ خود ضروریات دین سے ہے مگر آیت کے معنی متواتر، مجمع علیہ، قطعی ضروری کا انکار، اس پر کفر ثابت کرے گا اگرچہ اس کے کلام میں صراحۃً نفسِ مسئلہ کا انکار نہیں، منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

لوقال حرمۃ الخمر لاتثبت بالقراٰن کفر ای لانہ عارض نص القراٰن وانکر تفسیر اھل الفرقان [1]۔	اگر کسی نے کہا شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قرآنی کے ساتھ معارضہ کیا اور اہل فرقان کی تفسیر کا انکار کیا (ت)

فتاوٰی تتمہ میں ہے:

من انکر حرمۃ الخمر فی القراٰن کفر [2]۔	جس نے قرآن کے حوالے سے حرمت شراب کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا (ت)

اعلام امام مکی میں ہمارے علماء سے کلمات کفر بالاتفاق میں نقل کیا:

اوقال لم تثبت حرمۃ الخمر فی القراٰن [3]۔	یا اس نے کہا قرآن میں حرمت شراب کا ثبوت نہیں ہے۔ (ت)

پھر خود فرمایا:

کفرزاعم انہ لانص فی القراٰن علی تحریم الخمر ظاھر ،لانہ مستلزم لتکذیب القراٰن الناص فی غیرما اٰیۃ علی تحریم الخمر فان قلت غایۃ مافیہ انہ کذب وھو لایقتضی الکفر قلت ممنوع لانہ کذب	جس نے کہا تحریم شراب پر قرآن میں کوئی نص نہیں اس کا کافر ہونا نہایت ہی واضح ہے کیونکہ اس کا یہ قول قرآن کی تکذیب کررہاہے قرآن نے متعدد جگہ پر شراب کے حرام ہونے پر تصریح کی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ یہ صرف اتنا تقاضا کرتا ہے کہ یہ جھوٹ ہو کفر کا

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر ملا علی قاری فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۹۰

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ فتاوٰی تتمہ فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۹۰

[3] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص ۳۷۱

یستلزم انکار النص المجمع علیہ المعلوم من الدین بالضرورۃ[1]۔	تقاضا نہیں کرتا میں کہوں گا یہ بات درست نہیں کیونکہ اس کا یہ قول اس نص قرآنی کے انکار کو مستلزم ہے جس سے ایسا حکم ثابت ہورہا ہے جو متفق طور پر ضروریات دین میں سے ہے۔(ت)

تو اگرچہ یہ طائفہ آیہ کریمہ میں استغراق کے انکار سے ختم تام نبوت پر دلائل قطعیہ سے مسلمانوں کا ہاتھ خالی نہیں کرسکتا، مگر اپنا ہاتھ ایمان سے خالی کرگیا، ہاں اگر اراب طائفہ صراحۃً ایمان لائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں خواہ حضور کے بعد، کبھی کسی جگہ کسی طرح کی کوئی نبوت کسی کو نہیں مل سکتی، حضور کے خاتم النبیین وآخر الانبیاء والمرسلین ہونے میں اصلاً کوئی تخصیص تاویل تقیید تحویل نہیں اور ان تمام مطالب کو نصوص قطعیہ واجماع یقینی وضروریات دین سے ثابت یقینا مانیں ان تمام طوائف ملعونہ مذکورہ ان کے اکابر کو صاف صاف کافر مرتد کہیں، صرف بزعم خود اپنی نحوی ومنطقی جہالتوں، بطالتوں، کج فہمیوں کے باعث آیہ کریمہ میں لام عہد لیں اور استغراق نامستقیم سمجھیں تو اگرچہ بوجہ انکار تفسیر متواتر اجماعی قطعی اسلوب فقہی اس پر اب بھی لزوم کفر مانے مگر از انجاکہ اس نے اعتقاد صحیح کی تصریح اور کبرائے منکرین کی تکفیر صریح کردی اس کی تکفیر سے زبان روکنا ہی مسلک تحقیق واحتیاط ہوگا،

امام مکی بعد عبارت مذکورہ فرماتے ہیں:

ومن ثم یتجہ انہ لوقال الخمر حرام ولیس فی القراٰن نص علی تحریمہ لم یکفر لانہ الاٰن محض کذب وھو لا کفر بہ اھ[2]۔	اسی وجہ سے یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ اگر کوئی کہتا ہے شراب تو حرام ہے لیکن قرآن میں اس کی تحریم پر نص نہیں تو وہ کافر نہ ہوگا اس لیے کہ اب وہ محض جھوٹ بول رہا ہے اور اس سے وہ کافر نہ ہوگا۔اھ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اس تقدیر اخیر پر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ یہ ۱طائفہ خائفہ یارو معین، مرتدین وکافرین و۲بازیچہ کنندہ کلام رب العالمین، و۳مکذب تفسیر حضور سید المرسلین و۴مخالف اجماع جمیع مسلمین و۵سخت بدعقل وگمراہ وبددین ہے۔

اول تو ظاہر ہی ہے کہ نفی استغراق وتجویز عہد میں یہ ان کفار کا ہم زبان ہوا بلکہ ان خبیثوں نے تو بطور احتمال ہی کہا تھا "جائز ہے کہ عہد کے لئے ہو" اور اس نے بزعم خود عہد کے لئے ہونا واجب مانا اور استغراق کو باطل ومردود جانا۔

---

[1] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۷۲

[2] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۷۲

دوم اس لئے کہ قرآن عظیم میں حضرات انبیائے کرام علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کا ذکر پاک بہت وجوہ مختلفہ سے وارد:

(۱) فرداً فرداً خواہ بتصریح اسماء یہ صرف چھبیس۲۶ کے لئے ہے: ۱آدم، ۲ادریس، ۳نوح، ۴ہود، ۵صالح، ۶ابراہیم، ۷اسحٰق، ۸اسمٰعیل، ۹لوط، ۱۰یعقوب، ۱۱یوسف، ۱۲ایوب، ۱۳شعیب، ۱۴موسٰی، ۱۵ہارون، ۱۶الیاس، ۱۷الیسع، ۱۸ذوالکفل، ۱۹داؤد، ۲۰سلیمان، ۲۱عزیر، ۲۲یونس، ۲۳زکریا، ۲۴یحیٰی، ۲۵عیسٰی، ۲۶محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم یا بر سبیل ابہام مثل "قَالَ لَہُمْ نَبِیُّہُمْ"[1] **(اشمویل)** (ان کو ان کے نبی (شمویل) نے کہا) "وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىہُ"[2] **(یوشع) فوجدا عبدا من عبادنا خضر علیہم الصلوٰۃ والسلام** اور جس وقت انہوں نے نوجوان (یوشع) سے کہا "تو پایا حضرت موسٰی اور یوشع نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ حضرت خضر علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ت) **(۲)** یا بر سبیل عموم واستغراق اور یہی اوفر واکثر ہے، **مثل قولہ تعالٰی**:

"قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا" (الٰی قولہ تعالٰی) "وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّہِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ ۡ"[3]، وقال تعالٰی "وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ"[4]، وقال تعالٰی "تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَہُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ"[5]، وقال تعالٰی "کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ۟"[6]، وقال تعالٰی "لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ"	یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا (الٰی قولہ تعالٰی) اور جو عطا کئے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ہاں اصل نیکی یہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۸

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۶۰تا۶۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۶

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۷

[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

[6] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

"اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ"[1]، وقال تعالٰی "وَمَاۤ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ"[2]، وقال تعالٰی "فَاُولٰٓىِٕكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ"[3]، وقال تعالٰی "وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓىِٕكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْؕ"[4]، وقال تعالٰی "فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ"[5] وقال تعالٰی "لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ"[6] وقال تعالٰی "یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَا ذَاۤ اُجِبْتُمْؕ"[7] وقال تعالٰی "وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَۚ"[8] وقال تعالٰی "فَلَنَسْــٴَـلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْــٴَـلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَۙ"[9]، وقال تعالٰی	ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو کچھ ملا موسی اور عیسٰی اور انبیاء کو ان کے رب سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہ کیا انہیں عنقریب اللہ ان کے ثواب دے گا۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر ۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشی اور ڈر سناتے ۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول گئے اور بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے رسولوں سے۔اور اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵
[2] القرآن الکریم ۳/ ۸۴
[3] القرآن الکریم ۴/ ۶۹
[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۲
[5] القرآن الکریم ۶۴/ ۸
[6] القرآن الکریم ۵/۱۲
[7] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۹
[8] القرآن الکریم ۶/ ۴۸
[9] القرآن الکریم ۷/۶

عن المؤمنین، "لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ"[1]، وقال تعالٰی عن الکافرین "قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ"[2]، وقال تعالٰی "ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"[3]، وقال تعالٰی "وَاتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾"[4]، وقال تعالٰی "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ"[5]، وقال تعالٰی "اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾"[6]، وقال تعالٰی "وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ"[7] وقال تعالٰی "هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾"[8] وقال تعالٰی "وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۱﴾"[9]، وقال تعالٰی وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾[10]، وقال تعالٰی "وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ"[11]،	نے مومنین سے فرمایا: بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے۔اور اللہ نے کفار سے فرمایا: بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے تو ہیں کوئی ہمارے سفارشی جو ہماری شفاعت کریں۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی بنائی۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا غیب کی خبریں بتانے والوں میں سے۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں ہوتا۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بیشک ہمارا کلام گزر چکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور سلام ہے پیغمبروں پر۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور لائے جائیں گے انبیاء اور یہ نبی اور اس کے امت کے ان پر گواہ ہونگے۔

[1] القرآن الکریم ۷/ ۴۳
[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۳
[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۱۰۳
[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۰۶
[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۵۸
[6] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰
[7] القرآن الکریم ۳۳/ ۸
[8] القرآن الکریم ۳۶/ ۵۲
[9] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۷۱
[10] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۸۱
[11] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۹

وقال تعالٰی "اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا"[1]، وقال تعالٰی "وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ"[2]، وقال تعالٰی "اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ"[3]، وقال تعالٰی "لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ"[4]، وقال تعالٰی "کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ"[5]، وقال تعالٰی "وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ﴿۱۱﴾ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ﴿۱۲﴾"[6]۔ الی غیر ذلك من آیات کثیرۃ۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک ضرور ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے اور ایمان والوں کی۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائیں وہی ہیں کامل سچے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تیار ہوئی ہے ان کے لئے جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ لکھ چکا کہ ضرور غالب آؤں گا اور میرے رسول۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جب رسولوں کا وقت آئے کس دن کے لئے ٹھہرائے گئے تھے۔ اسی طرح دیگر کثیر آیات ہیں۔ (ت)

(۳) یا ملحوظ بوصف قبلیت یعنی انبیائے سابقین علٰی نبینا علیہم الصلٰوۃ والسلام **مثل قولہ تعالٰی:**

"وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی"[7]، وقال تعالٰی "وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّاۤ اِنَّہُمۡ لَیَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ"[8]، وقال تعالٰی "سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ"[9]، وقال تعالٰی و	اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے جنہیں ہم وحی کرتے اور سب شہر کے ساکن تھے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے کھانا کھاتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ کا دستور چلا آرہا ہے ان میں جو پہلے گزر چکے اور اللہ کا کام مقرر تقریر ہے وہ جو اللہ کے پیام پہنچاتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۵۱
[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۹
[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۱
[4] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۵
[5] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۱
[6] القرآن الکریم ۷۷/ ۱۱۔۱۲
[7] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۹
[8] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۰
[9] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۸۔۳۹

"لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ"[1]، وقال تعالٰی "مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ"[2]، وقال تعالٰی "کَذٰلِکَ یُوْحِیْۤ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ۙ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۳﴾"[3]، وقال تعالٰی "وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ"[4]۔ وغیر ذٰلک۔	بیشک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم سے نہ فرمایا جائیگا مگر وہی جو تم سے اگلے رسولوں کو فرمایا گیا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یونہی وحی فرماتا ہے تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف اللہ عزت وحکمت والا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ان سے پوچھو جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے۔ وغیر ذلک۔

(۴) یا بر سبیل معنی جنسی شامل فرد وجمع بے لحاظ خاص خصوص وشمول **مثل قولہ تعالٰی:**

"مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ رُسُلِہٖ"[5] وقولہ تعالٰی "اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْہُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾"[6]، وقولہ تعالٰی "وَ لَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ؕ"[7]، وقولہ تعالٰی "وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾"[8]، وقولہ تعالٰی ان الذین "اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ"[9] (الٰی قولہ تعالٰی) اُولٰٓئِکَ	جو کوئی شخص دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے اور انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور نہ تمھیں یہ حکم دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہرالو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کردیں (الی قولہ تعالٰی) یہی ہیں

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۵
[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۳
[3] القرآن الکریم ۴۲/ ۳
[4] القرآن الکریم ۴۳/ ۴۵
[5] القرآن الکریم ۲/ ۹۸
[6] القرآن الکریم ۳/ ۲۱
[7] القرآن الکریم ۳/ ۸۰
[8] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۶
[9] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۰

هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا [1] ۔ وغیرہا	ٹھیک ٹھیک کافر وغیرہا۔

(۵) یا خاص خاص جماعت خواہ اس کا خصوص کسی وصف یا اضافت یا اور وجوہ بیان سے نفس کلام میں مذکور اور اس سے مستفاد ہو،

مثل قولہ تعالٰی: "وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ" [2]، وقال تعالٰی فی بنی اسرائیل: "وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ" [3]، وقال تعالٰی فی التوراۃ: "یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا" [4]، وقال تعالٰی ماذکر نوحا ثم رسولاً اٰخر: "ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا" [5]، ثم قال: ثم ارسلنا موسٰی، وقال تعالٰی: "اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ" [6]، فالمراد من بین ھود و موسٰی علیہم الصلوٰۃ والسلام، وقال تعالٰی فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ" [7]، وقال تعالٰی بعد ذکر نوح وابراھیم: "ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ	اور بیشک ہم نے موسٰی کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا: اور بیشک ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے۔ اور اللہ تعالٰی نے توراۃ میں فرمایا: اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے فرمانبردار نبی۔ اور اللہ تعالٰی نے نوح علیہ السلام پھر ایک اور رسول کے ذکر کے بعد فرمایا پھر ہم نے اپنے رسول بھیجے ایک پیچھے دوسرا۔ پھر فرمایا: ہم نے موسٰی کو بھیجا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ان سے ہود اور موسٰی کے درمیان والے نبی علیہم الصلوۃ والسلام مراد ہیں اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد و ثمود پر آئی تھی۔ جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ اور اللہ تعالٰی نے نوح اور ابراہیم کے ذکر کے بعد فرمایا: پھر ہم نے ان کے پیچھے اسی راہ پر اپنے اور رسول

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۴۴

[5] القرآن الکریم ۲۳/ ۴۵

[6] القرآن الکریم ۴/ ۱۶۳

[7] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۳و۱۴

بِرُسُلِنَا"[1]	بھیجے۔(ت)

یا بوجہ عہد حضوری مثل قولہ تعالٰی:

"قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ"[2]۔	بولااے میری قوم بھیجے ہوؤں کی پیروی کرو(ت)

یا ذکری مثل قولہ تعالٰی:

فی قوم نوح وھو دو صالح ولوط وشعیب بعد ماذکرھم علیھم الصلٰوۃ والسلام، "تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآىٕهَاۚ-وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِۚ"[3]۔	نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم الصلٰوۃ والسلام کی قوم کاذکر کرنے کے بعد: یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم تمہیں سناتے ہیں اور بیشک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کرآئے(ت)

یا علمی مثل قولہ تعالٰی:

"وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِۘ-اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَۚ"[4]، وقال تعالٰی سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّۙ"[5]، وغیر ذٰلک۔	اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس فرستادے آئے۔اب ہم لکھ رکھیں گے ان کا کہا اور انبیاء کو ان کا ناحق شہید کرنا، وغیر ذلک(ت)

اب **اولا** اگر آیہ کریمہ "وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ"[6] (اورہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ت) میں لام عہد خارجی کے لئے ہو جیسا کہ یہ طائفہ خارجیہ گمان کرتا ہے اور وہ یہاں نہیں مگر ذکری، اور ذکر کو دیکھ کر کہ اتنے وجوہ مختلفہ پر ہے اور ان میں صرف ایک وجہ وہ ہے جو بداہۃً کلام کریمہ میں مراد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، یعنی وجہ سوم کہ جب انبیاء موصوف بوصف قبلیت ومفید بقید سبقت لے گئے یعنی وہ انبیاء جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پہلے ہیں تواب حضور کو ان کا خاتم ان کا آخر ان سے زمانے میں متأخر کہنا محض لغو وفضول کلام مہمل ومعطل ومغسول ہوگا جس حاصل حمل اولٰی بدیہی مثل زید زید سے زائد نہ ہوگا کہ جب ان کو حضور سے اگلا کہہ دیا حضور کا ان سے پچھلا ہونا آپ ہی معلوم ہوا۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۰۱

[4] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۳

[5] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۱

[6] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

اسے بالخصوص مقصود بالا فادہ رکھنا قرآن عظیم تو قرآن عظیم اصلاً کسی عاقل انسان کے کلام کے لائق نہیں، نہ کہ وہ بھی مقام مدح میں کہے

چشمانِ تو زیر ابر وانند

دندانِ تو جملہ در دہانند

(تمہاری آنکھیں زیر ابرو ہیں اور دانت منہ کے اندر ہیں)

سے بھی بدتر حالت میں ہے کہ شعر نے کسی افادہ کی عبث تکرار نہ کی اور بات جو کہی وہ بھی واقعی تعریف کی تھی، "اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝" [1] (اچھی صورت۔ت) سے بعض اوضاع کا بیان ہے اسے مقام مدح میں یوں مہمل جانا گیا ہے کہ ایک عام مشترک بات کا ذکر کیا ہے. بخلاف اس معنی کے کہ اس میں صراحۃً عبث موجود اور معنی مدح بھی مفقود، اور پھر عموم واشتراک بھی نقد وقت کہ ہر شے اپنے اگلے سے پچھلی ہوتی ہے غرض یہ وجہ تو یوں مندفع ہو جائے گی کہ اصلا محلِ افادہ وصالح ارادہ نہیں، اور اس طائفہ خارجیہ کے طور پر وجہ دوم کو بھی نا محتمل مان لیجئے پھر بھی اول وچہارم وپنجم سب محتمل رہیں گی اور پنجم میں خود وجوہ کثیر ہیں، کہیں "من بعد موسٰی"، کہیں "من بعد نوح"، کہیں انبیائے اسرائیل، کہیں "من بعد ھود وموسٰی"، کہیں صرف انبیائے عاد ثمود، کہیں انبیائے قوم نوح وعاد وثمود، کہیں "من بعد ابراھیم قوم لوط و مدین" وغیر ذلک، بہر حال ذکر وجوہ کثیرہ مختلفہ پر آیا ہے اور یہاں کوئی قرینہ وبینہ نہیں کہ ان میں ایک وجہ کی تعیین کرے تو معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون سے مذکور کی طرف اشارہ ہوا، پھر عہد کہاں رہا، سرے سے عہد کا مبنٰی ہی کہ تعین ہے منہدم ہو گیا کہ اختلاف وتنوع مطلقًا منافی تعین، نہ کہ اتنا کثیر، پھر عہدیت کیونکر ممکن۔

ثانیًا جب کہ اتنی وجوہ کثیرہ محتمل اور قرآن عظیم نے کوئی وجہ بیان نہ فرمائی، حدیث کا بیان صحیح تو وہی عموم واستغراق ہے کہ **لانبی بعدی** [2] (میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ت) **کما سیأتی**۔ اس تقدیر پر جب اشارہ ذکر استغراق کی طرف ٹھہرا عہد و استغراق کا حاصل ایک ہو گیا اور وہی احاطہ تامہ کہ معتقد اور وہی منقطع ہو کر متشابہات سے ہو گئی، اب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو **خاتم النبیین** کہنا محض اقرار لفظ بے فہم معنی رہ گیا جس کی مراد کچھ معلوم نہیں، کوئی کافر خود زمانہ اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن الکریم ۹۵/ ۴

[2] صحیح البخاری باب ماذکر عن بنی اسرائیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۱

علیہ وسلم میں کتنے ہی انبیاء مانے، حضور کے بعد ہر قرن وطبقہ و شہر وقریہ میں ہزار ہزار اشخاص کو نبی جانے خود اپنے آپ کو رسول اللہ کہے، اپنے استاذوں کو مرسلین اولوالعزم بتائے، آیہ کریمہ اس کا بال بیکا نہیں کرسکتی کہ آیت کے معنی ہی معلوم نہیں جس سے حجت قائم ہوسکے، کیا کوئی مسلمان ایسا خیال کرے گا، **حاشا وکلا**۔

ثالثاً میں تکثر وتزاحم معانی پر کیوں بنا کروں، سوائے استغراق کوئی معنی لے لیجئے سب پر یہی آش در کاسہ رہے گی کہ پچھلی جھوٹی کاذبہ ملعونہ نبوتوں کا در آیت بند نہ کرسکے گی، معنی اول یعنی افراد مخصوصہ معینہ مراد لئے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہیں معدود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاتم ٹھہرے جن کا نام یا ذکر معین علی وجہ الابہام قرآن مجید میں آگیا ہے جن کا شمار تیس چالیس نبی تک بھی نہ پہنچے گا، یونہی بر تقدیر معنی پنجم یعنی جماعات خاصہ خاص اپنی جماعت کے خاتم ٹھہریں گے، باقی جماعات صادقہ سابقہ کے لئے بھی خاتمیت ثابت نہ ہوگی، چہ جائے جماعات کاذبہ آئندہ اور معنی سوم میں صاف تخصیص انبیائے سابقین کے بھی ہوجائے گی کہ جو نبی پہلے گزر چکے ان کے خاتم ہیں تو پچھلوں کی کیا بندش ہوئی بلکہ پیچھے اور آئے تو وہ ان کے بھی خاتم ہوں گے، رہے معنی چہارم جنسی اس میں جمیع مراد لینا اس طائفہ کو منظور نہیں ورنہ وہی **ختم الشیئ لنفسہ** لازم آئے، لاجرم مطلقاً کسی ایک فرد کے اختتام سے بھی خاتمیت صادق مانے گا کہ صدق علی الجنس کے لئے ایک فرد پر صدق کا ہے تو یہ سب معانی سے اخس وارذل ہوا اور حاصل وہی ٹھہرا کہ آیت بہر نہج فقط ایک دو یا چند یا کل گزشتہ پیغمبروں کی نسبت صرف اتنا تاریخی واقعہ بتاتی ہے کہ ان کا زمانہ ان کے زمانے سے پہلے تھا، اس سے زیادہ آئندہ نبوتوں کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتی، نہ ان سے اصلاً بحث کرتی ہے، طوائف ملعونہ مہدویہ و قادیانیہ وامیریہ ونذیریہ ونانوتویہ **وامثالھم لعنھم اللہ تعالٰی** کا یہی تو مقصود تھا، وہ اس طائفہ خارجیہ نے جی کھول کر اُمنا بہ کرلیا "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[1] (اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) اصل بات یہ ہے کہ معانی قطعیہ جو تمام مسلمین میں ضروریات دین سے ہوں جب ان پر نصوص قطعیہ پیش نہ کئے جائیں تو مسلمانوں کو احمق بنالینا اور معتقدات اسلام کو مخیلات عـــہ عوام ٹھہرا دینا ایسے خبثا کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور نصوص میں احادیث پر نہ عام لوگوں کی نظر نہ ان کے جمع طرق وادراک تواتر پر دسترس، وہاں ایک ہش میں کام نکل جاتا ہے کہ یہ باب عقائد ہے، اس

عـــہ: دیکھو تحذیر الناس۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

میں بخاری و مسلم عـــہ۱ کی بھی صحیح احادیثیں مردود ہیں، ہاں ایسی جگہ ان ہیے کے اندھوں کی کچھ کو ردبتی ہے تو قرآن عظیم سے بغرض تلبیس عوام، برائے عـــہ۲ نام اسلام کا ادعا ہو کر، قرآن پر صراحۃً انکار کا ٹوٹو خردرگل ہے، لہٰذا وہاں تحریف معنوی کے چال چلتے اور کلام اللہ کو الٹتے بدلتے ہیں کہ جب آیت سے مسلمانوں کو ہاتھ خالی کرلیں پھر گونہ وحی شیطانی کا رستہ کھل جائے گا "وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ "[1] (اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا ہے اگرچہ برا مانیں کافر۔ت)

سوم یعنی اس طائفہ کا مکذب تفسیر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہونا وہ ہر ادنی خادم حدیث پر روشن یہاں اجمالی دو حرف ذکر کریں، صحیح مسلم شریف و مسند امام احمد و سنن ابوداؤد و جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ وغیرہا میں ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انه سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیین لانبی بعدی[2]۔	بیشک میری امت دعوت میں یا میری امت کے زمانے میں تیس کذاب ہوں گے کہ ہر ایک اپنے آپ کو نبی کہے گا اور میں خاتم النبیین ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور ضیائے مقدسی صحیح مختارہ میں حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یکون فی امتی کذابون ودجالون سبعة وعشرون منهم اربعة نسوة وانی خاتم النبیین لانبی بعدی[3]۔	میری امت دعوت میں ستائیس دجال کذاب ہونگے ان میں چار عورتیں ہوں گی حالانکہ بیشک میں خاتم النبیین ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ترمذی و تفسیر ابن ابی حاتم و تفسیر ابن مردودیہ میں جابر رضی اللہ عنہ

عـــہ۱: دیکھو براہین قاطعہ گنگوہی۔ عـــہ۲: دیکھو تحذیر الناس

---

[1] القرآن الکریم ۶۱/ ۸

[2] جامع ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون امین کمپنی دہلی ۲/ ۴۵

[3] المعجم الکبیر للطبرانی ترجمہ حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۳۰۲۶ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۱۷۰

سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثلی ومثل الانبیاء کمثل رجل ابتنی دارا فاکملھا واحسنھا الاموضع لبنۃ فکان من دخلھا فنظر الیھا قال مااحسنھا الاموضع اللبنۃ فانا موضع اللبنۃ فختم بی الانبیاء [1]۔	میری اور نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک مکان پورا کامل اور خوبصورت بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی تو جو اس گھر میں جاکر دیکھتا کہتا یہ مکان کس قدر خوب ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ کہ وہ خالی ہے تو اس اینٹ کی جگہ میں ہوا مجھ سے انبیاء ختم کردئے گئے۔

صحیح مسلم ومسند احمد ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثلی ومثل النبیین من قبلی کمثل رجل بنی دارا فاتمھا الالبنۃ واحدۃ فجئت انا فاتممت تلك اللبنۃ [2]۔	میری اور سابقہ انبیاء کی مثل اس شخص کی مانند ہے جس نے سارا مکان پورا بنایا سوا ایک اینٹ کے، تو میں تشریف فرما ہوا اور وہ اینٹ میں نے پوری کی۔

مسند احمد وصحیح ترمذی میں بافادہ تصحیح ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثلی فی النبیین کمثل رجل بنی دارا فاحسنھا و اکملھا واجملھا وترك فیھا موضع لبنۃ لم یضعھا فجعل الناس یطوفون بالبنیان ویعجبون منہ و یقولون لو تم موضع ھذہ اللبنۃ فانافی النبیین موضع تلك اللبنۃ [3]۔	پیغمبروں میں میری مثال ایسی ہے کہ کسی نے ایک مکان خوبصورت وکامل وخوشنما بنایا اور ایک اینٹ کی جگہ چھوڑدی وہ نہ رکھی لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی و خوشنمائی سے تعجب کرتے اور تمنا کرتے کسی طرح اس اینٹ کی جگہ پوری ہوجاتی تو انبیاء میں اس اینٹ کی جگہ میں ہوں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کون النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۸، صحیح البخاری کتاب المناقب باب خاتم النبیین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰۱

[2] مسند امام احمد حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۹

[3] جامع ترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فضل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۱

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن النسائی و تفسیر ابن مردویہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہی مثل بیان کرکے ارشاد فرمایا:

فانااللبنة وانا خاتم النبیین[1]۔	تو میں وہ اینٹ ہوں اور خاتم النبیین ہوں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین وبارک وسلم۔

چہارم کا بیان اوپر گزرا، پنجم سے طائفہ کی گمراہی بھی واضح ہوچکی کہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رد کرنے والا اجماعی قطعی امت مرحومہ کا خلاف کرنے والا سوا گمراہ بددین ہونے کے کون ہوگا۔

"نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۱۱۵﴾ "[2]۔	ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔ (ت)

رہی بدعقلی وہ اس کے ان شبہات واہیات، خرافات، مزخرفات کی ایک ایک ادا سے ٹپک رہی ہے جو اس نے اثبات ادعائے باطل "عہد خارجی" کے لئے پیش کئے اہلِ علم کے سامنے ایسے مہملات کیا قابل التفات، مگر حفظ عوام وازالہ اوہام کے لئے چند حروف مجمل کا ذکر مناسب **واللہ الھادی وولی الایادی** (اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا اور طاقتوں کا مالک ہے۔ت) شبہہ اولٰی میں اس طائفہ نے عبارت توضیح کی طرف محض غلط نسبت کی حالانکہ توضیح میں اس عبارت کا نشان نہیں بلکہ وہ اسکے حاشیہ تلویح کی ہے،

اقول اوّلاً: اگر یہ مدعیان عقل اسی اپنی ہی نقل کی ہوئی عبارت کو سمجھتے اور قرآن عظیم میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وجوہ ذکر کو دیکھتے تو یقین کرتے کہ آیہ کریمہ "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ"[3] (اور لیکن آپ اللہ کے رسول اور انبیاء میں سے آخری ہیں۔ت) میں لام عہد خارجی کے لئے ہونا محال ہے کہ بوجہ تنوع وجوہ ذکر وعدم اولیت وترجیح جس کا بیان مشرحًا گزرا، کمال تمیز جداسرے سے کسی وجہ معین کا امتیاز ہی نہ رہا تو یہی عبارت شاہد ہے کہ یہاں "عہد خارجی" ناممکن، کاش مکر کے لئے بھی کچھ عقل ہوتی اصلی تو اس کی جگہ توضیح ہی کی گول عبارت **العھد ھوالاصل ثم الاستغراق ثم تعریف الطبیعة**[4] (عہد اصلی ہے پھر استغراق اور پھر جنس۔ت) کی نقل ہوتی کہ خود نفس عبارت تو ان کی جہالت و

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کون النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[4] توضیح علی التنقیح الفاظ العام الجمع معرف باللام المکتبۃ الرحیمیہ دیوبند سہارنپور بھارت ۱/ ۱۴۵

سفاہت پر شہادت نہ دیتی اگرچہ اس سے دو ہی سطر پہلے اسی توضیح میں متن تنقیح کی عبارت **ولابعض الافراد لعدم الاولیۃ**[1] (اور نہ بعض افراد کیونکہ اولیٰ نہیں۔ت) اس کی صفراشکنی کو بس ہوتی مگر یہ کیونکر کھلتا کہ طائفہ حائفہ کو دوست و دشمن میں تمیز نہیں صریح مضر کو نافع سمجھتا ہے لہٰذا نام تو لیا توضیح کا اور برائے بدقسمتی عبارت نقل کردی تلویح کی، جس میں صاف صریح ان عقلاء کی تسفیہ اور ان کے وہم کاسد کی تقبیح تھی، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

ثانیاً توضیح کا مطلب سمجھنا تو بڑی بات، خود اپنی ہی لکھا نہ سمجھا کہ جب عہد خارجی سے معنی درست ہو تو استغراق وغیرہ معتبر نہ ہوگا۔ ہم اوپر واضح کر آئے کہ عہد خارجی مزعوم طائفہ خارجیہ سے معنی درست نہیں ہوسکتے، آیہ کریمہ قطعاً آئندہ نبوتوں کا دروازہ بند فرماتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی معنی اس کے بیان فرمائے، تمام امت نے سلفاً وخلفاً اس کے یہی معنی سمجھے اور اس عہد خارجی پر آیت کو اس سے کچھ مس نہیں رہتا تو واجب ہے کہ استغراق مراد ہو، اسی تلویح میں اسی عبارت منقولہ طائفہ کے متصل ہے،

ثم الاستغراق الی ان قال فالاستغراق ھو المفھوم من الاطلاق حیث لاعھد فی الخارج خصوصا فی الجمع الی قولہ ھذا ماعلیہ المحققون[2]۔	پھر استغراق (تا) اطلاق سے استغراق مفہوم ہوتا ہے جہاں عہد خارجی نہ ہو خصوصا جمع میں (تا) محققین کی یہی رائے ہے (ت)

ثالثاً بہت اچھا اگر فرض کریں کہ لام عہد خارجی کے لئے ہے تو اس سے بھی قطعاً یقیناً استغراق ہی ثابت ہوگا کہ وجوہ خمسہ سے اول وسوم وپنجم کا بطلان تو دلائل قاہرہ سے اوپر ثابت ہولیا اور واضح ہوچکا کہ خود جن سے کلام الٰہی کا اولاً واصالۃً خطاب تھا یعنی حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انہوں نے ہرگز اس آیت سے صرف بعض افراد معینہ یا کسی جماعت خاصہ کو نہ سمجھا اب نہ رہیں، مگر وجہ دوم وچہارم یعنی وہ جو قرآن عظیم میں بروجہ اکثر وافر ذکر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بروجہ عموم واستغراق تام ہے اسی وجہ معہود کی طرف لام **النبیین** مشیر ہے تو اس عہد کا حاصل **بحمد اللہ تعالیٰ** وہی استغراق کامل جو مسلمانوں کا عقیدہ ایمانیہ ہے یا ذکر جنسی کی طرف اشارہ ہے اور ختم کا حاصل نفی معیت وبعدیت ہے، جیسے اولویت بمعنی نفی معیت وقبلیت تعریفات علامہ سید شریف قدس سرہ الشریف میں ہے:

---

[1] توضیح علی التنقیح الفاظ العام الجمع معرف باللام المکتبۃ الرحیمیہ دیوبند سہارنپور بھارت ۱/ ۱۴۷

[2] توضیح علی التنقیح الفاظ العام الجمع معرف باللام المکتبۃ الرحیمیہ دیوبند سہارنپور بھارت ۱/ ۱۵۰

الاول فرد لایکون غیرہ من جنسه سابق علیه ولا مقارناله[1]۔	اول فرد ہے کیونکہ اس کا کوئی ہم جنس اس سے پہلے نہیں اور نہ اس کے ساتھ متصل ہے(ت)

حدیث شریف میں ہے:

انت الاول فلیس قبلك شیئ وانت الاٰخر فلیس بعدك شیئ[2]،رواہ مسلم فی صحیحه والترمذی و احمد وابن ابی شیبة وغیرہم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و للبیہقی فی الاسماء والصفات عن ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه کان یدعو بھٰؤلاء الکلمات اللھم انت الاول فلاشیئ قبلك وانت الاٰخر فلاشیئ بعدک[3]۔	تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی شیئ نہیں،اور تو آخر میں ہے تیرے بعد کوئی شیئ نہیں،اسے مسلم نے اپنی صحیح میں،ترمذی،امام احمد اور ابن ابی شیبہ وغیرہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔امام بیہقی نے الاسماء و الصفات میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا فرمایا کرتے،اے اللہ! تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی شیئ نہیں اور تو آخر ہے تیرے بعد کوئی شیئ نہیں(ت)

توخاتم النبیین کا حاصل ہمارے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اور بعد جنس نبی کی نفی ہوئی اور جنس کی نفی عرفاًولغۃًوشرعاًافراد ہی سے ہوتی ہے ولہٰذا لائے نفی جنس صیغ عموم سے ہے جیسے لارجل فی الدار ولہٰذا لاالٰہ الااللہ ہر غیر خدا سے نفی الوہیت کرتا ہے،یوں بھی استغراق ہی ثابت ہوا،وللہ الحمد۔(نامکمل دستیاب ہوا)

---

[1] التعریفات باب الالف انتشارات ناصر خسرو ایران ص ۱۷

[2] صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب الدعاء عندالنوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۸،مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الدعاء حدیث ۹۳۶۲ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/ ۲۵۱

[3] الاسماء والصفات للبیہقی مع فرقان القرآن باب ذکر اسماء التی تتبع اثبات الباری الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۱۰

مسئلہ ۹۵: از ریاست نانپارہ بازار چوک بساط خانہ دکان حاجی الٰہی بخش بہرائچی مرسلہ حافظ عبدالرزاق امام مسجد ۳ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ضلع بارہ بنکی میں چندروز سے ایک گروہ پیدا ہوا ہے جس کا نام کبیر پنتھی ہے، یہ لوگ اللہ تعالٰی کو صاحب اور دعوت کو ہندوؤں کی طرح بھنڈارہ کہتے ہیں، نماز روزہ سے بالکل منکر ہیں اور روزہ داروں اور نمازیوں کو برا کہتے اور ان پر طعن تشنیع کرتے ہیں، گوشت کھانا بالکل حرام جانتے اور قربانی ہر جانور کی بہت سخت ظلم کہتے ہیں، موضع صورت گنج تحصیل فتح پور ضلع بارہ بنکی نواب گنج میں فقیرے تیلی کبیر پنتھی نے برادری کی دعوت کی اور اپنی حیثیت کے موافق کھانا پکوایا، گوشت کی جگہ کٹہل پکوایا گیا، برادری والوں نے کہا ہم گوشت کھائیں گے، تو اس نے کہا ہمارے گروجی گوشت نہیں کھاتے تھے، چاہے جان جاتی رہے گردن کٹ جائے، مگر ہم گوشت نہ دیں گے، لوگوں نے کہا کہ چاہے سیر آدھ سیر ہی گوشت ہو مگر ہم بلا گوشت کھانا نہ کھائیں گے۔ فقیرے نے کہا کہ ہم آپ لوگوں سے خدا کے واسطے ایک چیز مانگتے ہیں ہم کو للہ معاف کردو، برادری والوں نے کہا کہ اگر تم ہم سے گوشت للہ معاف کراتے ہو تو تمام کھانا ہم للہ معاف کئے دیتے ہیں اور آدھے آدمی اٹھ کر پانچو تیلی کے مکان پر چلے آئے اور آدھے اسی کے مکان پر رہ گئے، لیکن کھانا کسی نے نہیں کھایا پانچو تیلی گوشت کھاتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، اب دونوں قسم کے تیلیوں نے پانچو کا حقہ پانی بند کردیا ہے کہ اسی کی وجہ سے ہماری برادری میں پھوٹ پڑی، اس حالت میں عام مسلمانوں کو کبیر پنتھیوں سے میل جول، شادی بیاہ، برادری سے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور شرعًا یہ لوگ کیسے ہیں جن لوگوں نے پانچو کا حقہ پانی اسی وجہ سے بند کیا ہے؟ ان سے دوسروں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب:

نماز سے منکر کافر ہے، روزہ سے منکر کافر ہے، جو نماز پڑھنے کو برا کہے، نمازی پر نماز پڑھنے کی وجہ سے طعن و تشنیع کرے کافر ہے، روزہ رکھنے جو برا کہے روزہ دار پر روزہ کی وجہ سے طعن کرے وہ کافر ہے گوشت کھانے کو مطلقًا حرام کہنا کفر ہے قربانی کو ظلم کہنے والا کافر ہے، ان اعتقادوں والے مطلقًا کفار ہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان کہتے یا کلمہ پڑھتے ہوں تو مرتد ہیں کہ دنیا میں سب سے بدتر کافر ہیں، ان سے میل جول حرام، ان کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑیں تو ان کو پوچھنے جانا حرام، مرجائیں تو ان کے جنازے کی نماز حرام، پانچو تیلی پر کوئی الزام نہیں، جنہوں نے اس بناپر اس کا حقہ پانی بند کیا ظالم ہیں، ان پر لازم ہے کہ اپنے ظلم سے توبہ کریں، پانچو سے اپنا قصور معاف کرائیں، اگر یہ لوگ باز نہ آئیں تو مسلمان ان کو چھوڑ دیں کہ ظالموں کا ساتھ دینے والا بھی ظالم ہے، یہ سب مضامین قرآن عظیم کی آیتوں اور حدیثوں سے ثابت ہیں جو بارہا ہمارے

فتاوٰی میں مذکور ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۶: ازبیکانیر مارواڑ محلہ مہاوتان مرسلہ قاضی قمر الدین صاحب ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ رسول خداخدا کے بندے نہیں ہیں اور آپ بشر بھی نہیں ہیں، اس پر ان سے پوچھا گیاکہ پھر کیا ہیں؟ توجوابدیا کہ میں اس معاملہ میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اور یہ بھی ان سے پوچھا گیاکہ رات دن نماز میں قعدہ میں تم عبدہ ورسولہ پڑھتے ہو، یہ کیا ہے کیااس کاترجمہ ہوا ؟ توکہااس کاترجمہ بندہ اور رسول کا ہوالیکن میں کچھ نہیں کہتا، حضور پرنور ایسے شخص کی بابت کیا حکم ہے؟ اور کیا یہ شخص اسلام سے خارج ہوگیاان کلمات کے باعث یانہیں؟ کیا کفر عائد اس پر ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرواجر پایئے۔ت)

الجواب:

جو یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی اللہ کے بندے نہیں وہ قطعًا کافر ہے،

اشھد ان محمد عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم .قال اللہ تعالٰی "وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ"[1]، وقال تعالٰی "تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ۝"[2]،وقال تعالٰی "سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ"[3]، وقال تعالٰی "وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا"[4]، وقال تعالٰی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ"[5]،وقال تعالٰی "فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى۝"[6]	میں گواہی دیتا ہوں بلاشبہہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کی بندگی کرنے کھڑا ہوا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتاراقرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کوڈر سنانے والا ہو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (ان خاص) بندے پر اتارا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۱

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۳

[5] القرآن الکریم ۱۸/ ۱

[6] القرآن الکریم ۵۳/ ۱۰

اور جو یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت ظاہری بشری ہے حقیقت باطنی بشریت سے ارفع واعلٰی ہے یا یہ کہ حضور اوروں کی مثل بشر نہیں وہ سچ کہتا ہے اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے،

قال تعالٰی "سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۷: از خان پور سید واڑہ احمد آباد مرسلہ منشی ایچ ڈی۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ "ذوالنور الحق المبین" چھاپی ہے شیخ البواہر نے وہ سنیوں کے لئے کیسی ہے؟ مہربانی کرکے اس کا جلدی جواب دیجئے۔

الجواب:

وہ کتاب مذہب اہلسنت کے خلاف ہے بلکہ اس میں خود اسلام کی بھی مخالفت ہے، اس کا دیکھنا، پڑھنا، سننا حرام ہے،

الا لعالم یرید ان یرد علیه او یکشف ما فیه من کفر وضلال۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہاں جو عالم اس کا مطالعہ کرے اس کی تردید کے لئے یا اس میں جو کفر بیان ہو اس کے انکشاف کے لئے تو اس کے لئے پڑھنا دیکھنا حرام نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۸: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ عنایت حسین صاحب ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی برادری کے آدمیوں کے سامنے اشرف علی تھانوی کو کافر کہا اور یہ بھی کہا کہ جو شخص اس کو کافر نہ مانے وہ بھی کافر ہے، لہذا اس باعث سے اشرف علی کو کافر کہا کہ اس پر کفر کا فتوٰی دیا گیا ہے، اس شخص کو بوجہ کافر کہنے کے برادری سے علیحدہ کردیا جس آدمی نے اشرف علی کو کافر کہا اس کے بارے میں آپ کیافرماتے ہیں؟

الجواب:

تمام علمائے حرمین شریفین نے اشرف علی تھانوی پر بھی فتوٰی دیا ہے "حسام الحرمین شریف" بارہ برس سے چھپ کر شائع ہے، اس شخص نے سچ کہا اور اس پر اسے برادری سے خارج کرنا ظلم شدید ہوا ان

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۹۳

لوگوں پر توبہ فرض ہے اور جو شخص تھانوی کے اقوال کفر سے آگاہ ہو کر ایسا کرے وہ خود ایمان سے خارج اور اس کی عورت اس کے نکاح باہر ہو گئی۔ در مختار، مجمع الانہر، بزازیہ وشفاء شریف میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیا اس نے کفر کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۹: از کانپور محل فیل خانہ قدیم مرسلہ مولانا مولوی محمد آصف صاحب ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

بفضلہٖ تعالٰی کمترین بخیریت ہے، حضوری ملازمان سامی کی مدام بارگاہ احدیت سے مطلوب، دو عریضے ملفوف فدوی نے روانہ خدمت فیضدرجت کئے، ہنوز جواب سے محروم ہے۔ الٰہی مانعش بخیر باد۔

حضور کے فتاوی جلد اول ص ۱۹۱ میں خواتمی وہابی کے متعلق حاشیہ میں یہ عبارت ہے: "یہ شقی گروہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کا صاف منکر ہے خاتم النبیین کے یہ معنی لینا تحریف کرنا اور بمعنی آخر النبیین لینے کو خیال جہال بتانا کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چھ یا سات مثل وجود مانتا ہے"۔ اور کتاب حسام الحرمین میں بھی فرقہ امثالیہ کو مرتدین میں شمار کیا گیا ہے لیکن فتاوی بے نظیر در معنی مثل آنحضرت بشیر ونذیر جو کہ عرصہ ہوا مطبع اسدی میں حسب ایمائے محمد یعقوب صاحب منصرم مطبع نظامی طبع ہوا تھا اور بہت سے علمائے کرام کے فتوے اس میں درج کئے ہیں، حسب ذیل عبارت ہے: "ھوالعزیز قطع نظر اس کے کہ علمائے حدیث نے "ان اللہ خلق سبع ارضین" میں ہر طرح کلام کیا بعد ثبوت رفع وتسلیم صحت متن واسناد مفید اعتقاد نہیں، بلکہ جس حالت میں مضمون اس کا دلالت آیات واحادیث صحیحہ وعقیدہ اہل حق کے خلاف ہے تو قطعًا متروک الظاہر واجب التاویل ہے، پس جو شخص اس حدیث سے وجود تحقق ومثال سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر استدلال کرے سخت جاہل اور معتقد فضیلت مثل آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمعنی مشارکت فی الماہیت والصفات الکمالیہ مبتدع اور مخالف عقیدہ اہل سنت ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ اس عبارت کے حضور جناب والد ماجد صاحب قبلہ قدس سرہ کی نقل مہر طبع ہوئی ہے اور پھر حضور کی حسب ذیل عبارت بنقل مہر طبع کی گئی،

والقائل بتحقق المثل اوالامثال بالمعنی المذکور فی السوال مبتدع ضال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔	جو شخص سوال میں مذکور معنی کے مطابق مثل یا امثال کے تحقق کا قائل ہے وہ بدعتی اور گمراہ ہے، اور اللہ ہی حقیقت حال سے آگاہ ہے (ت)

کون فرقہ امثالیہ مرتد ہے اور کون مبتدع؟ آیا ان فرقوں کے عقائد میں اختلاف ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل احکام الجزیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مبتدع ضال ایک لفظ عام ہے، کافر کو بھی شامل، کہ بدعت دو قسم ہے:

(۱) مکفرہ (۲) غیر مکفرہ

وقال تعالٰی "وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ۝۹۲ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اگر جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوں۔ (ت)

امام ابن حجر مکی نے بظاہر اس سے بھی ہلکے لفظ حرام کو کفر کہنے کے منافی نہ مانا۔

اعلام بقواطع الاسلام میں فرمایا: عبارۃ الرافعی فی العزیز نقلا عن التتمۃ انہ اذا قال لمسلم یا کافر بلا تاویل اھ[2] وتبعہ النووی فی الروضۃ فان قلت قد خالف ذٰلك النووی نفسہ فی الاذکار فقال یحرم تحریما غلیظا قلت لامخالفۃ فان اطلاق التحریم فی لفظ لایقتضی انہ لایکون کفرا فی بعض حالاتہ علی ان الکفر محرم تحریما غلیظا فتکون عبارۃ الاذکار شاملۃ للکفر ایضا[3]۔	عزیز میں تتمہ سے منقول رافعی کی عبارت یہ ہے اگر کسی نے مسلمان کو بغیر کسی تاویل کے کافر کہا وہ کافر ہوجائے گا اھ اور نووی نے روضہ میں اسی کی اتباع کی ہے، اگر کوئی اعتراض کرے خود نووی نے اذکار میں اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سخت حرام ہے میں کہتا ہوں یہ مخالفت نہیں کیونکہ لفظ تحریم کا اطلاق اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ بعض حالات میں وہ کفر نہ ہو، علاوہ ازیں کفر سخت حرام ہے لہٰذا اذکار کی عبارت بھی کفر کو شامل ہوجائے گی۔ (ت)

اسی میں چند ورق کے بعد ہے:

الحرمۃ لاتنافی الکفر[4]، کمامر۔	حرام ہونا کفر کے منافی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۶/ ۹۲

[2] اعلام بقواطع الاسلام مقدمہ مکتبۃ الحقیقیہ ترکی ص ۳۴۰

[3] اعلام بقواطع الاسلام مقدمہ مکتبۃ الحقیقیہ ترکی ص ۴۱-۳۴۰

[4] اعلام بقواطع الاسلام مقدمہ مکتبۃ الحقیقیہ ترکی ص ۳۵۰

ماہیت وصفات کمالیہ میں مشارکت اس میں نص نہیں کہ جمیع صفات کمال میں شرکت ہو نہ یہ ان سب گمراہوں کا مذہب تھا ان میں بعض صرف تشبیہہ یعنی کنبیکم ختم نبوت لیتے اور تصریح کرتے کہ وہ انبیاء اپنے اپنے طبقے کے خاتم اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم الخواتم، صرف اتنے پر حکم کفر مشکل تھا، لہٰذا ایک ایسا لفظ لکھا گیا کہ دوسری صورت کو بھی شامل ہے، اعلام میں بعد عبارت سابقہ فرمایا:

التحریم الغلیظ قصدالشمول للحالۃ التی یکون فیھا کفر اوغیرھا[1]۔	غلیظ تحریم کے لفظ سے اس حالت کو شامل کرنا مقصود ہے جس میں کفر وغیرہ ہو۔ (ت)

حسام الحرمین میں خاص فرقہ مرتدین کا ذکر ہے، ولہٰذا خاتم الخواتم ماننے والوں میں صرف اس کا قول لیا جس نے اس میں کفر خالص بڑھادیا کہ:

لوفرض فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بل لو حدث بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی جدید لم یخل ذٰلک بخاتمیتہ وانما یتخیل العوام انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین بمعنٰی اٰخر النبیین مع انہ لافضل فیہ اصلا عند اھل الفھم[2]۔	اگر بالفرض آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا آپ کے زمانہ کے بعد کوئی نیا نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہ محض عوام کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین بمعنی آخر نبی ہیں حالانکہ اہل فہم کے ہاں اس میں ہرگز کوئی فضیلت نہیں۔ (ت)

اس طرح کا خاتم الخواتم ماننے والا مطلقاً کافر مرتد ہے، اس سے ۵۸ ورق پہلے جہاں المعتمد المستند میں خاص مرتدین کا ذکر تھا، عبارت یہ ہے:

خرج دجالون یدعون وجودستۃ نظراء للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شارکین لہ فی اشھر خصائصہ الکمالیۃ اعنی ختم النبوۃ فی طبقات الارض الست السفلی، فمنھم من یقول کل منھم خاتم ارضہ ونبینا	ان دجالوں کو خارج کیا ہے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے چھ نظیروں کا دعوٰی کرتے ہیں اور تشبیہہ میں آپ کے مشہور خصائص کمالیہ میں بھی ان کو شریک کرتے ہیں یعنی نچلی چھ زمینوں میں بھی ختم نبوت کا قول کرتے ــــ ان میں سے بعض کا یہ قول ہے کہ ہر زمین کا کوئی خاتم ہے اور ہمارے

---

[1] اعلام بقواطع الاعلام مقدمہ مکتبۃ الحقیقیہ ترکی ص ۳۴۱

[2] حسام الحرمین فصل نھم الوہابیہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۹، المستند المعتمد تعلیقات المنتقد المعتقد منھم الوہابیۃ الامثالیۃ الخ مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۲۴۲

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم ھذہ الارض، ومنھم من یقول انھم خواتم اراضیھم ونبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم الخواتم والاکفر الاوقح منھم یصرح بانھم مماثلون للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وشرکاء لہ فی جمیع صفاتہ الکمالیۃ ویردہ اخرون ابقاء علی انفسھم من المسلمین[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس زمین کے خاتم ہیں بعض کا قول یہ ہے کہ وہ اپنی اپنی زمینوں کے خواتم ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم الخواتم ہیں ان میں سے بدتر کفر والے وہ ہیں جنہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ تمام خاتم۔ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تمام صفات کمالیہ میں شریک اور ہم مثل ہیں اور جبکہ دوسروں نے اپنے آپ کو مسلمانوں میں شامل رکھنے کے لئے ان کارد کیا ہے۔(ت)

ان سب اقوال کے لحاظ سے وہاں عام مبتدع ضال سے تعبیر کیا کہ بدعت مکفرہ کو بھی شامل ہے،**والسلام مع الکرام۔**

مسئلہ ۱۰۰: از منڈی رام نگر ضلع نینی تال مرسلہ جناب بشیر احمد صاحب رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

ایک شخص نے ایک مرتبہ اپنی حالت بیماری میں اپنے اچھا ہونے کی غرض سے ایک روز کچھ ہنود کو اپنے مکان پر بلاکر ڈبرو بجوایا اور موافق رسم ہنود کے ہندوؤں کے دیوتا کی پوجا یعنی بکری اور مرغا ہندوؤں سے مروایا یعنی مردار کرایا اور ڈبرو پر ناچا،اس ناجائز حرام کام کرنے پر یہاں کے مسلمان لوگوں نے اس شخص کو برادری سے نکال باہر کردیا اور حقہ بند کردیا،کچھ دنوں بعد اس بت پرست شخص نے مسلمانوں سے کہا میری جان جارہی تھی اس وجہ سے میں نے یہ کام کرائے آئندہ مجھ سے ایسا قصور نہ ہوگا تب یہاں کے مسلمانوں نے اس کی معافی مانگنے اور آئندہ کو توبہ کرنے سے اس کا ایک سوروپیہ جرمانہ لے کر اور توبہ کرواکر حقہ کھول دیا بعد کچھ دنوں کے پھر اس شخص نے پوشیدہ طور رات کو ایک ہندو کے یہاں اپنی بیوی اور لڑکی کو بھیج کر ڈبرو بجوایا اور ان کی لڑکی ناچی یعنی لڑکی کے بدن پر ڈبرو بجانے سے دیوتا مسان آیا اور اسی نے یعنی دیوتا نے بکری اور مرغا مانگا تو ڈبرو بجانے والے نے مرغا اور بکرا کو مردار کرکے پوجا کری دوبارہ اس حرکت کی کسی کو خبر نہ ہوئی اب سہ بارہ اس شخص نے ایک ہندو کو اپنے مکان پر بلاکے ایک مرغا اس کو یعنی اس ہندو کو دیا اس نے موافق اپنے رسوم کے مرغے کو اپنے قبرستان میں لے جاکر رات کو مردار کرکے قبر میں دبادیا اور ایک قبرستان میں جاکر پتھروں کو پوجا اس کام کے کرنے پر یہاں مسلمانوں نے پھر اس کا حقہ بند کردیا اور کہا کہ تونے مکرر سہ کرر اسی کام کو

[1] المستند المعتمد تعلیقات المنتقد المعتقد مسئلۃ النبوۃ لیست کسبیۃ مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۱۱۵

کرااور کرتا ہے توکافر ہے،اس کے جواب میں بت پرست مسلمان کہتا ہے ضرورت شدید میں یہ کام جائز ہے یعنی مولوی لوگوں سے معلوم کرلیا ہے لہٰذا عرض کہ اس مسئلہ کو خلاصہ تحریر کیجئے کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے یہاں یہ کام جائز ہے یا انہوں نے یہ کام کرے اگر یہ کام جائز ہے، نہیں تواس کام کے کرنے والے کو مسئلہ سے کیا سزا ہونا چاہئے؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ کافر ہے،اور وہ مولویوں پر افترا کرتا ہے، کوئی مولوی ایسا نہیں کہہ سکتااور اگر کسی نام کے مولوی نے مرض سے شفاکے واسطے غیر خدا کی پوجا جائز کردی ہو تو وہ بھی کافر ہے اور یہ شخص جب کہ تین بار ایسا کرچکااب مسلمان اسے ہرگز نہ ملائیں اگرچہ توبہ ظاہر کرے کہ وہ جھوٹا ہے اور فریب دیتا ہے،اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا"[1] "لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾"[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھرایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے۔ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی ہیں بہکے ہوئے۔**واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۰۱:　از کٹک محلّہ بخشی بازار مرسلہ ولی محمد صاحب　۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین اس مسئلہ میں، مولوی اجابت اللہ بنگالی چاٹگامی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اللہ کے سوا اپنے پیر کو سجدہ کرنے کو جائز سمجھتا ہے اور دلائل میں کئی اوراق سیاہ فرمائے اور علمائے اہلحدیث کو نسبت دی ہے فرقہ اسمٰعیلیہ سے،اور ان کو گمراہ کہا ہے،اور علمائے دیوبند کواسی فرقہ سے شمار کیا ہے اور اپنے گمان میں اس سجدہ کو قرآن شریف سے مدلل کیاہے اور جس حدیث سے سجدہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے،اس کو بے اصل سمجھتااور کہتا ہے کہ احادیث احاد قرآن کو منسوخ نہیں کرسکتیں اور حدیث ابوداؤد کو جس میں سجدہ کی ممانعت ہے اس کو بھی اسی قسم سے سمجھتا ہے،اور سجدہ کی دو قسمیں ٹھہراتا ہے: تحیت اور تعبدی۔ تحیت کو جائز سمجھتا ہے اور تعبدی کو منع کرتا ہے، مولانا اسحاق صاحب کلکتہ مدرسہ عالیہ میں مدرس ہیں جو شروع میں مدرسہ کانپور میں بھی تعلیم دیتے تھے،انہوں نے سجدہ کی ممانعت کے بارے میں کچھ لکھا تھا،ان کو یہ شخص گمراہ اور گمراہ کنندہ کہتا ہے اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۹۰

دہلوی کے فتوے سے سجدہ کو جائز ثابت کرتا ہے اور درمختار کو بے اصل ثابت کرتا ہے کیونکہ چھٹے طبقہ کی کتاب ہے۔امام فخر الدین رازی کے حوالہ سے اس رسالہ کو لکھا ہے اور کہتا ہے کہ تفسیر کبیر کی پہلی جلد میں ہے سجدہ کرنا اللہ کے سوا دوسرے کو جائز ہے،اب سوال یہ ہے کہ ایسا شخص جو خدا کے سوا دوسرے کو سجدہ کرنا جائز سمجھے تو ایسا شخص کافر ہے یا مسلمان؟

الجواب:

غیر خدا کو سجدہ تحیت کا جائز کرنے والا ہر گز کافر نہیں اور اب جو اہل حدیث کہلاتے ہیں ضرور اسمٰعیلی و گمراہ ہیں اور دیوبندیہ ان سے گمراہ تر صریح مرتدین ہیں،علمائے حرمین شریفین نے ان کی نسبت تصریح فرمائی کہ:

من شك فی کفرہ فقد کفر[1]۔	جس نے اس کے کفر میں شک کیا اس نے کفر کیا۔(ت)

جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر انہیں کافر نہ جانے بلکہ ان کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر ہے۔دربارہ سجدہ حق و تحقیق یہ ہے کہ غیر خدا کو سجدہ عبادت کفر اور سجدہ تحیت حرام،کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے اور آج کوئی مجتہد نہیں کہ متفق علیہ ارشادات ائمہ کے خلاف دلیل سے مسئلہ نکالنا چاہے افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں **واللہ الھادی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ حشمت علی صاحب ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فرقہ دیوبندیہ کا مرتکب کفر ہونا تسلیم کرتا ہے،لیکن کہتا ہے کہ اپنی زبان سے ان کو کافر نہ کہوں گا،دریافت کرنے پر کہا کہ فی الواقع دیوبندیوں نے کفر بکا ہے،لیکن دیکھا جائے تو خود ہم پر کفر عائد ہوتا ہے کیونکہ کفر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کفر قولی　　**(۲)** کفر فعلی

کفر قولی یہ کہ کسی نے ایسی بات کہی جس میں ضروریات دین کا انکار ہو،جیسے دیوبندیوں نے توہین خدا اور رسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی بکی۔

اور کفر فعلی یہ کہ جو انکار ضروریات دین پر امارت ہو جیسے زنار باندھنا،بت کو سجدہ کرنا وغیرہ،اب دیکھئے اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

---

[1] حسام الحرمین منھا الوہابیہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۲۱

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۶۵"[1]	تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔(ت)

قسم کھا کر فرمایا جاتا ہے کہ ہر گز مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات کو موافق احادیث وآیات نہ طے کریں پھر کوئی رنجش یا کراہت بھی دل میں نہ رہے۔اب بتایئے ہم لوگ اپنے مقدمات کا بجائے آیات واحادیث کے انگریزی قوانین سے طے کراتے ہیں تو ہم تو دیوبندیوں سے بدتر ہیں گویا نص قرآنی ہماری تکفیر فرمارہی ہے جب ہمارا خود یہ حال ہے تو دوسروں کو کیونکر کافر کہیں، ہم تو خود ہی کفر میں مبتلا ہیں انتہی کلامہ، اب استفتاء یہ ہے کہ زید کا کیا حکم ہے؟اور آیہ کریمہ کی صحیح تفسیر کیا ہے؟

الجواب:

جو مدعی حق پر ہیں وہ تحکیم نہیں کرتے بلکہ اپنا حق کہ بے زور حکومت نہیں مل سکتا نکلوانا چاہتے ہیں اور مدعا علیہ کہ حق پر ہے وہ مجبور ہی ہے جو ابدہی نہ کرے تو یک طرفہ ڈگری ہو جائے ان دونوں فریق پر اگر آیہ کریمہ وارد ہو تو ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام دنیا میں آج سے نہیں صدہا سال سے مدعی مدعا علیہ وکیل گواہ سب کافر ہوں کہ عام سلطنتوں نے شرع مطہر سے جدا اپنے بہت سے قانون نکال لئے ہیں اور جو مدعی جھوٹا ہے وہ ناحق دوسروں کا مال مثلاً چھیننا چاہتا ہے جس پر اپنی چرب زبانی یا مقدمہ سازی یا جھوٹے گواہوں کے ذریعہ حکومت سے مدد لیتا ہے یونہی جھوٹا مدعا علیہ مثلاً دوسرے کا دیا ہوا مال دینا نہیں چاہتا اور وہی مدد ان ذرائع کاذبہ سے لیتا ہے یہ باتیں گناہ ہیں مگر گناہ کو کفر کہنا خارجیوں کا مذہب ہے،آیت اس کے بارے میں ہے جو حکم شریعت کو باطل جانے اور غیر شرعی حکم کو حق یا شرعی حکم جب اس کے خلاف ہو تو نہ نفس امارہ کی ناگواری بلکہ واقعی دل سے اس حکم کو برا جانے،یہ لوگ کافر ہیں،یہ نہ فقط مقدمات بلکہ عبادات میں بھی جاری ہے،رمضان خصوصاً گرمیوں کے روزے نماز خصوصاً جاڑوں میں صبح وعشا کی نفس امارہ پر شاق ہوتی ہے اس سے کافر نہیں ہوتا جبکہ دل سے احکام کو حق ونافع جانتا ہے، ہاں اگر دل سے نماز کو بیگار اور روزے کو مفت کا فاقہ جانے تو ضرور کافر ہے اگلی آیہ کریمہ اس معنی کو خوب واضح فرماتی ہے:

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

قال اللہ تعالٰی "وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر ہم انہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو قتل کردو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے نہ کرتے مگر ان میں تھوڑے۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہ نہ کرنا ان احکام کے نفس پر شاق ہونے ہی کے سبب ہے تو ثابت ہوا کہ حکم کا نفس پر شاق ہونا یہاں تک کہ اس کے سبب بجا آوری حکم سے باز رہنا کفر نہیں **معاذ اللہ** یہ ٹھہرے گا کہ صحابہ کرام بھی گنتی ہی کے مسلمان تھے کہ فرماتا ہے: "مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ" [2] (اسے نہ کرتے مگر ان میں تھوڑے۔ت) حالانکہ رب عزوجل جا بجا ان کے سچے پکے مومن ہونے کی شہادت دیتا ہے یہاں تک کہ فرماتا ہے:

"وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾" [3]۔	اے محبوب کے صحابیو! اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کردیا اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دی اور کفر و بے حکمی و نافرمانی تمہیں ناگوارا کردی، یہی لوگ راہ پر ہیں اللہ کا فضل اور اس کی نعمت اور اللہ جانتا ہے حکمت والا ہے۔

یہ دل کی محبت ہے کہ مدار ایمان و کمال ایمان ہے اور وہ نفس کی ناگواری جس پر زیادت ثواب کی بناء ہے۔ حدیث میں فرمایا:

افضل العبادات احمزها [4]۔	سب میں زیادہ ثواب اس عبادت کا ہے جو نفس پر زیادہ شاق ہو۔

بہر حال یہ شخص جو اپنے کفر کا مقر ہے قطعاً کافر ہے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

مسلم قال انا ملحد یکفر ولو قال ماعلمت انه کفر لایعذر منه [5]، واللہ تعالٰی	اگر کسی مسلمان نے کہا میں ملحد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا، اور کہا میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کہنا

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۶

[3] القرآن الکریم ۴۹/ ۷۔۸

[4] الاسرار المرفوعه فی الاخبار الموضوعه حدیث ۲۰۸ دار الکتاب العلمیه بیروت ص ۱۶۱، کشف الخفاء للعجلونی ۱/ ۱۷۵

[5] فتاوی ہندیہ باب موجبات الکفر انواع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۹

اعلم۔	اگر کسی مسلمان نے کہا میں ملحد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا، اور کہا میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کہنا کفر تھا اس کا عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از ڈاکخانہ انگس جوٹ مل گورہٹی ضلع ہگلی اسکول انگس مسئولہ محمد سلیم خاں ماسٹر اسکول ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے پیر کے لڑکے کو نبی زادہ لکھا کرتا ہے، اس کا اور جو لوگ اسے اچھا سمجھ کر خوش ہوتے ہیں ان کا شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر اس کا مرشد سید ہے بایں معنی اسے نبی زادہ لکھتا ہے تو بجا ہے، اور اگر وہ سید نہیں بلکہ مرشد کو نبی ٹھہرا کر اس کے لڑکے کو نبی زادہ لکھتا ہے تو وہ بھی کافر اور جتنے اس پر خوش ہوتے ہیں وہ بھی، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴: از پورولیا ضلع مان بھوم مسئولہ خلیفہ محمد جان ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۱۶ اپریل، ۱۳ اپریل ۱۹۲۱ء میں جن مسلمانوں نے ہڑتال کی ہے اور جلسے میں شریک ہوئے ہیں ان کی بیبیاں حرام ہوئیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس نے لوگوں کے مجبور کئے سے ہڑتال کی اس پر وہ الزام نہیں اگرچہ بلا مجبوری شرعی مجبور بن جانے کا الزام ہو، اور جس نے ایک طوفان بے تمیزی کی موافقت چاہی اس سے زائد کچھ نیت نہ تھی اس پر گناہ ہوا مگر وہ الزام اس پر نہیں اور جس نے کافروں کا سوگ منانے اور حکم مشرک کی تعظیم بجالانے کے لئے ہڑتال کی اس پر تجدید اسلام پھر تجدید نکاح کا حکم ہے،

لان تبجیل الکافر کفر [1]، کمافی الظھیریۃ والاشباہ و الدر وغیرہ من الاسفار الغر، وھو تعالٰی اعلم۔	کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہے، جیسا کہ ظہیریہ، اشباہ، در وغیرہ معروف کتب میں ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۵: از متوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ محلّہ اللہ داد پورہ مسئولہ حکیم صابر حسین صاحب ۷ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ جو شخص ہنود کے خوش کرنے کے واسطے اپنے مذہب اسلام کی

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

پروانہ کرے اور ان کے مذہب کے تائید کرے تو یہ شخص کس چیز کا مرتکب ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو شخص خوشنودی ہنود کے لئے دین اسلام کی پروانہ کرے اور مذہب ہنود کی تائید کرے اگر یہ بات واقعی یونہی ہے تو اس پر حکم کفر لازم ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۶: ازچک ۲۲۴ متصل لائل خانقاہ چشت دربار صابری مسئولہ مولوی نظام الدین صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے جواب میں کہ ایک نئی مسجد کے محراب کے دائیں طرف کاتب نے لکھا یااللہ اور دوسری طرف یامحمد نقش کردیا تو ایک غیر مقلد نے آکر کہا کہ یہ بت کیوں لکھا ہے اس کو مٹادو، معمار سے وہ مٹوادیا، اس کی اس حرکت سے مسلمان بہت رنجیدہ ہوئے اور پھر حضور کا نام مبارک لکھوادیا، اس پر وہ غیر مقلد کہنے لگا اگر گوروگوبند سنگھ کا نام لکھ دو یا کوئی بت کھڑا کردو تو بہتر ہے، کیا اس شخص نے حضور کی بے ادبی کی ہے یانہ؟ اور اس دریدہ دہنی سے یہ مسلمان رہ سکتا ہے یانہ؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

لاالٰہ الا اللہ لا الٰہ الا اللہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ محمد رسول اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ الالعنۃ اللہ علی الظٰلمین الالعنۃ اللہ علی الظٰلمین الالعنۃ اللہ علی الظٰلمین۔	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں، حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں، حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالٰی کی طرف سے ان پر صلوٰۃ وسلام، اللہ تعالٰی کی طرف سے ان پر صلوٰۃ وسلام، اللہ تعالٰی کی طرف سے ان پر صلوٰۃ وسلام، سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت، سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت، سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت۔ (ت)

شخص مذکور کافر کافر مرتد مرتد مرتد ہے **من شك فی کفرہ فقد کفر**[1] جو اس کے کافر ہونے میں شک

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب احکام الجزیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷

کرے خود کافر ہے، مسلمانوں کو اس سے میل جول حرام ہے، اس سے سلام وکلام حرام اس کے پاس بیٹھنا حرا، اسے اپنے پاس بیٹھنے دیان حرام، بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مر جائے تو اسے مسلمانوں کی طرح غسل وکفن دینا حرام، اس کے جنازہ پر نماز حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸" [1]، وقال تعالٰی "وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [2]، وقال تعالٰی "وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یادآئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ (ت)

مسلمان دیکھیں وہابیہ کو یہ دشمنی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، اور پھر سادہ لوح ان کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، ایک یہ بات یاد رہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک لے کر ندانہ چاہئے بلکہ اس کی جگہ یارسول اللہ ہو اور دیوار پر کندہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آئینہ مں لکھ کر نصب کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷: از دیوگڈھ میواڑہ مرسلہ قاضی عبدالعزیز صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گروہ نہ ہندو نہ مسلم دائم شارب الخمر، مشرک، سارق علانیہ، ملکوں میں سیاحی کرکے نہ معلوم کس طرح سے فریب کرکے یا سرقہ کرکے ہزاروں روپوں کا سونا چاندی وزیورات وغیرہ لے آتے ہیں اور گیتاو بھاگوت پر عمل کرنے والے اور ہولی و دیوالی وگنگو وغیرہ کی پرستش کرنے والے، جب نام لینا رام چندر بھگوت ہی کو پکارنا اور قسم بھی ان کی کھانا اسماء ولباس بھی اہل ہنود کا ساکلمہ جن کو یاد نہیں اسلام سے بالکل ناآشنا محض نکاح ونماز جنازہ کے پابند ہیں بعض اوقات سیاحی میں مردوں کو بھی آگ میں جلاتے ہیں اگر ان سے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸
[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳
[3] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

کہا جاتا ہے کہ طریقہ اسلام پر ہو جاؤاور شرک وشراب سے اجتناب کرو، تو کہتے ہیں کہ یہ ہم سے چھوٹ نہیں سکتے ہیں، ہمارے آباء واجداد سے یہ طریقہ جاری ہے اور کلمہ پڑھنے سے پورا نکار ہے نہ کماحقہ اقرار برسوں سے ان کی راہ ہدایت کی کوشش کی جارہی ہے لیکن یہ قوم اپنی حرکاتِ ناشائستہ سے باز نہیں آتی، ایسی حالت میں ان مشرکوں، شراب خوروں، وزدوں کی نماز جنازہ ونکاح وغیرہ جائز ہے یا کیونکر؟ اسی طرح جو تھوڑے عرصہ میں کہیں سے سونا لے آتے ہیں اس کے روپے کو مسجد کی تعمیر ومیلاد ومصرف کار خیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کو یہ مال کیسا ہے؟ تو نکاح پڑھانے والا اور اس مال کا لینے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بالتفصیل ارقام فرمائیں، رب العزت آقائے نامدار کو فی الدارین جزائے خیر عطافرمائے۔

الجواب:

یہ لوگ اگر باوصف ان حرکات کے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو مرتد ہیں ورنہ کافر مشرک، بہر حال سے شادی بیاہ حرام وزنا اور ان کے جنازہ کی نماز حرام قطعی، اوران سے کوئی برتاؤ مسلمانوں کا سا رکھنا حرام، رہا نکاح پڑھانا اگر پہلی صورت کے ہیں جب تو ان کا نکاح کسی سے ممکن ہی نہیں، نہ مسلمان سے نہ کافر سے، نہ اس کے ہم مذہب مرتد سے، نہ اس کے مرد کا نہ عورت کا۔ اور اگر دوسری صورت کے ہیں تو مسلمان عورت کا ان سے یا مسلمان مرد کا ایسی عورت سے نکاح باطل وحرام ہے ان صورتوں میں نکاح پڑھانے والا زنا کا دلال ہے اور اگر وہ مرتد نہیں اصلی کافر ہیں تو ان کے عورت ومرد کا نکاح اگرچہ کسی کافر یا کافرہ سے ہوسکے مگر مسلمان کو اس کا پڑھانا نہ چاہئے وہ سونا کو جلد لے آتے ہیں اگر معلوم یا گمان غالب ہو کہ چرا کر یا ٹھگ کرلاتے ہیں تو اس کا لینا بھی حرام اور اسے مسجد یا میلاد مبارک یا کسی کار خیر میں صرف کرنا بھی حرام، اگر اس کا گمان غالب نہیں شک ہے تو بچنا بہتر اور لیں اور لگائیں تو گناہ نہیں،

قال محمد به ناخذ مالم نعرف شیئا حراما لعینه[1]، ذخیرہ، ہندیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام محمد فرماتے ہیں ہم اس پر عمل پیرا ہیں، جب تک کسی شیئ کو ہم حرام لعینہ نہ جان لیں، ذخیرہ، ہندیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

مسئلہ ۱۰۸: از میرٹھ دفتر رسالہ خیال بازار بزازہ مرسلہ حافظ سید ناظر حسین چشتی صابری عابدی و سید عزیز احمد چشتی صابری عابدی و شرف الدین احمد صوفی وارثی قادری رزاقی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اشرف علی صاحب تھانوی کے ایک معتقد نے اپنے خواب و بیداری کا حال جو ذیل میں درج ہے لکھ کر تھانوی کے پاس بھیجا جس کا جواب انہوں نے رسالہ **الامداد** ماہ صفر ۱۳۳۶ھ میں حسب ذیل الفاظ میں دیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ جواب ان کا بموجب شرع شریف کہاں تک درست اور صحیح ہے؟ نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مسلک کے مطابق تھانوی صاحب کی نسبت حکم شرع شریف کا کیا صادر ہوا ہے؟

خلاصہ خواب: بجائے کلمہ طیبہ کے دوسرے جزکے یوں پڑھتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام نامی کی جگہ تھانوی کا نام لیتا ہوں ہر چند قصد کرتا ہوں لیکن یہی زبان سے نکلتا ہے بعد بیداری اس غلطی کی تلافی میں درود شریف پڑھنا چاہا تو اس میں بھی بے اختیار تھانوی کا نام زبان پر آجاتا ہے۔[1]

جوابِ خواب: اس واقعہ میں تسلی ہے کہ جس کی طرف رجوع کرتے ہو وہ متبع سنت ہے[2]۔

الجواب:

سیدی امام بوصیری قدس سرہ صاحب بردہ شریف امام القری میں فرماتے ہیں: **ما علیّ مثلہ بعد الخطاء**[3] (خطا کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ت) دیوبندیوں کے کفر کا پانی ان کے سر سے گزر گیا ہے جس کا حال کتاب مستطاب "حسام الحرمین شریف" سے ظاہر ہے یہ لوگ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شدید گالیاں دے چکے اور ان پر اب تک قائم ہیں، ان علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق نام بنام ان سب کی تکفیر کی اور صاف فرمایا:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[4]۔	جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے(ت)

جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان کے کافر ہونے میں شک بھی کرے وہ خود کافر، پھر ایسوں کی کسی بات کی شکایت کیا، ان کے بڑے قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں صاف لکھ دیا کہ "اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"[5]۔

---

[1] رسالہ الامداد مطبوعہ تھانہ بھون ص ۳۵

[2] رسالہ الامداد مطبوعہ تھانہ بھون ص ۳۵

[3] القصیدۃ الھمزیۃ فی المدح النبویۃ مع حاشیۃ الفتوحات الاحمدیۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۳۹

[4] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر باب احکام الجزیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

[5] تحذیر الناس کتب خانہ امدادیہ دیوبند ص ۲۴

یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خاتمیت سے صاف انکار ہے اور آیہ کریمہ "وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ"[1] (اور لیکن آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ت) کی صریح تکذیب ہے پھر یہ لوگ اگر صاف صاف ادعائے نبوت ورسالت کریں تو ان سے کیا بعید ہے، مسلمان ہوتا تو ایسی بات سن کر لرز جاتا اور اس کفر بکنے والے سے کہتا کہ خبیث منہ بند کر کفر نہ بک، نہ کہ اسے اور تسلی دی اور اس کی رجسٹری کردی،

"وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اب جانا چاہتے ہیں کہ ظالم کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۹تا۱۲۰: مسئولہ محمد خلیل الدین صاحب صدیقی بریلوی از کان پور امین گنج نمبر ۴۸

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک مقلد شخص ایک آزاد شخص کی کہ جس کی تعریفات ذیل میں لکھی جاتی ہیں نماز میں اقتدا نہیں کرتا کیا بوجہ ترک اقتدا ایسے آزاد شخص کی یہ شخص مقلد قابل ملامت ہے۔

(۱) شخص آزاد اپنے آپ کو صدرالعلماء اور شیخ الشیوخ مشہور کرتا ہے، فلسفہ قدیم وجدید سائنس و کمسٹری، سنسکرت وانگریزی کا ماہر واستاذ و پیر روشن ضمیر اور مناظر و داعی اسلام ہونے کا دعوی کرتا ہے اور شیخ الاسلام ہند ہونے کا متمنی وامیدوار ہے، لیکن فقہ حنفیّہ کی تحقیر عملاً کرتا ہے، اور آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی کے معانی و تفسیر اپنی رائے سے بیان کرتا ہے، امام غزالی اور امام رازی کو اپنے مقابلہ میں احمق وسفیہ کہتا ہے اور شبلی نیچری کی طرح صحابہ ومحدثین ومفسرین رضی اللہ تعالٰی عنہم کو جھوٹا سمجھتا ہے۔

(۲) اپنے لب بالا کے بال سکھوں کی طرح بڑھائے رکھتا ہے۔

(۳) موسم سرما میں بعد جماع کے غسل جنابت اور وضو کے بجائے تیمّم کرکے بارہا امامت کی۔

(۴) مسجد میں بیٹھ کر مسجد کے ظروف گلی میں اسپرٹ آمیز دوا پی، اسپرٹ کو حرام و ناپاک نہیں سمجھتا ہے۔

(۵) سود پر روپیہ دیتا ہے اور سود لینا جائز سمجھتا ہے۔

(٦) رمضان میں بلا عذر علالت و مسافرت روزوں کے بجائے فدیہ دے دینا کافی سمجھتا ہے، **یطیقونہ**

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

میں سلب ماخذ یاحذفِ لاکو نہیں مانتا۔

(۷) ایک محصنہ عورت سے ربط وضبط پیدا کرکے اس کے شوہر کو دھوکا دے کر طلاق دلوا کر اپنے تصرف میں لایا۔

(۸) اس کے دور کے رشتہ دار اس کی جوروؤں کے ساتھ اس کے پیچھے اور اس کے سامنے بے تکلف مخالطت رکھتے ہیں اور وہ منع نہیں کرتا، اس کی جورو اس کے ماں باپ کو مغلظات فحش گالیاں دیتی ہے اور وہ خاموش سنتا رہتا ہے۔

(۹) ایک مرتبہ نماز مغرب میں دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا، آگاہ کرنے پر کہا کہ بحالتِ مسافرت قصداً قصر کیا تھا۔

(۱۰) ایک مرتبہ نماز عشاء میں ایک رکعت میں آیۃ الکرسی پڑھی لیکن چند الفاظ چھوڑ گیا متنبہ کرنے پر کہا تین آیت کی مقدار پڑھنے کے بعد غلطی ہو جانے سے نماز کا اعادہ ضروری نہیں۔

(۱۱) ہزارہا مسلمانوں کے ایک جلسہ میں ایک آیت کی تفسیر میں رجال کے معنی میں عورتوں کو بھی شامل کرکے بیان کیا کہ حضرت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ کسی مرد کے باپ تھے اور نہ کسی عورت کے باپ تھے۔

(۱۲) اپنے پیر کو کہتا ہے کہ وہ بمنزلہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے ہے اور اپنے آپ کو بمنزلہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا پیر جب کسی کو مرید کرتا ہے، اس سے مراد ہے کہ میری بیعت لیتا ہے اور جو دوسرے مشائخ مرید کرتے ہیں وہ بھی میری بیعت میں داخل ہوتے ہیں اس طرح کنایۃً دعوی نبوت ورسالت بھی کرتا ہے۔

الجواب

(۱) فقہ حنفی کی تحقیر ضلالت ہے۔ تفسیر بالرائے حرام امام غزالی اور امام رازی کو اپنے مقابلہ میں ایسے الفاظ سخیفہ سے یاد کرنا سخت تکبر ہے اور متکبروں کا ٹھکانا جہنم ہے،

"اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ "[1]۔	کیا مغرور کا ٹھکانا جہنم میں نہیں (ت)

صحابہ کرام کو جھوٹا سمجھنے والا گمراہ بددین ہے۔ اور اگر سب صحابہ کو عموماً ایسا سمجھے تو کافر بالیقین ہے۔

(۲) لب بالا کے بال حد سے متجاوز رکھنا سنت کی مخالفت اور کافروں سے تشبّہ ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

(۳) پانی اگر ضرر نہ کرتا ہو تو صرف خوف سردی سے تیمّم کرنا حرام ہے اور نماز باطل اور اس کے پیچھے سب کی نماز باطل ایسا کرنے والا اشد فاسق۔

(۴) اسپرٹ حرام ہی نہیں بلکہ نجس بھی ہے، اپنے ہی منہ میں پینا، توحرام و نجس چیز کھانے پینے کا آج کل ہر شخص کو اختیار ہے، مگر مسجد کے برتن نجس کئے کہ مسلمانوں کے جامہ و بدن ناپاک اور وضو و نماز باطل ہوں، یہ صاف دلیل ہے کہ یہ شخص شریعت پر سخت جری وبیباک ہے۔

(۵) سود لینے کو حلال جاننا کفر صریح ہے اور حرام جان کر ایک درم سود کھانا اپنی ماں سے ۳۶ بار زنا کے برابر ہے،

من اکل درھم ربًا وھو یعلم فکانما زنی بامه ستا و ثلثین مرة[1]۔	جس نے عمدًا ایک درہم سود کھایا اس نے اپنی ماں سے چھتیس ۳۶ دفعہ زنا کیا۔ (ت)

(۶) بے عذر مرض و سفر روزے رمضان کے نہ رکھنا اور فدیہ کافی جاننا قرآن عظیم کی تحریف اور نئی شریعت کا ایجاد اور جہنم کبرٰی کا استحقاق ہے۔

"نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۟" [2]۔	ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ (ت)

(۷) سائل نے تصرف میں لانا مطلق لکھا اگر بلانکاح یا عدت کے اندر نکاح کے ساتھ ہے تو زنا ہے، ورنہ دھوکا دینے پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من غشنا فلیس منا[3]۔	جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ (ت)

(۸) اپنی منکوحہ پر غیرت نہ کرنے والا دیوث ہے اور ماں باپ کو فحش گالیاں جورو سے سن کر خاموش رہنے والا عاق ہے اور دیوث و عاق دونوں کو فرمایا کہ وہ جنت میں نہ جائیں گے۔

(۹) مغرب میں قصر کرنا نئی شریعت کا نکالنا اور اللہ تعالٰی پر افتراء ہے،

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں انکا بھلا

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من غشنا فلیس منا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰

"لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾ "[1]	نہ ہوگا۔(ت)

(۱۰) آیۃ الکرسی میں چند الفاظ کا بیچ میں سے چھوڑ جانا اگرچہ ایک مذہب پر مطلقاً مفسد نماز ہے جبکہ صرف آیۃ الکرسی ہی پڑھی ہو اور جب کوئی لفظ چھوٹ گیا آیت پوری نہ ہوئی، مذہب راجح میں بے فساد معنی فسادِ نماز نہیں، اور واجب بھی ادا ہوجائے گا جبکہ باقی تین آیت کی قدر ہو، مگر یہ مسئلہ کہ تین آیت کی قدر پڑھنے کے بعد کوئی غلطی مفسدِ نماز نہیں ہوتی محض باطل۔

(۱۱) یہ صراحۃً آیہ کریمہ "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ "[2] (اے نبی! اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں سے فرمادو۔ت) کی تکذیب ہے اور آیت کی تکذیب کفر۔

(۱۲) اس قول میں کمال تکبر ہے اور وہ آیہ کریمہ "لَقَدِ اسۡتَكۡبَرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ وَ عَتَوۡ عُتُوًّا كَبِیۡرًا ﴿۲۱﴾ "[3] (بیشک اپنے جی میں بہت ہی اونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے۔ت) میں داخل ہوتا ہے اور یہ کہ جو بیعت لیتا ہے میری ہی لئے لیتا ہے درپردہ رسالت ونبوت یا کم از کم غوثیت عظمٰی کا ادعا ہے، بالجملہ افعال واقوال مذکورہ فسق وضلال وکفر میں دائر ہیں ایسے شخص کے پیچھے نماز باطل محض ہے، جو مسلمان اس کی اقتداء سے بچتا ہے وہ بہت اچھا کرتا ہے اس پر ملامت حق پر ملامت ہے، جو اس کے پیچھے نماز پڑھے وہی مستحق ملامت، بلکہ سزاوار عذاب شدید ہے، **والعیاذ باللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۱: از شہر پونہ گھوڑ پوڑی بازار متصل مسجد مکان نمبر ۲۷ بھولی بخش بالور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہے، وہ پیشتر قوم چمار تھی، بعد میں مسلمان ہو کر ایک مرد مسلمان سے اس نے نکاح کرلیا، اس سے پہلے اسی قوم میں شادی ہوچکی تھی، کیونکہ اس کے ایک لڑکا ہے، اب وہ عورت اپنی قوم میں جانا چاہتی ہے اور اس کے خاندان کے لوگ اور اس کا بیٹا اس کو ورغلا رہے ہیں کہ تو اپنی قوم میں آجا تجھ کو اچھی طرح رکھیں گے، اور وہ عورت میرے یہاں کھانا پکانے پر ملازم ہے اور وہ عورت بھی جانا چاہتی ہے، تو اب ہم کو شرع شریف کیا حکم دیتی ہے کہ ہم کس طریقہ سے اس کو رکھیں اور اس کے اسلام میں تو کوئی ضعف نہیں ہے اور ہم کو اسے

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۱

کیسی امداد دینی چاہئے اور وہ میرے قبضہ میں بھی ہے اور اس کو ہم نے سمجھا سمجھا کر رکھا ہے ورنہ وہ اب تک اپنی قوم میں شریک ہو جاتی، فقط۔

الجواب:

جب وہ کافروں میں جاملنا اور کافر ہونا چاہتی ہے تو وہ کافر ہو گئی جبراً روک رکھنے سے مسلمان نہیں ہو سکتی، ہاں اگر یہ سمجھا جائے کہ اس روکنے سے وہ خواہش کفر اس کے دل سے نکل جائے گی اور پھر صدق دل سے مسلمان ہو جائے گی تو روکا جائے ورنہ دور کیا جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۲: از درو ڈاک خانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچھ آدمی حضور کے عقائد کو بہت اچھا اور بہتر جانتے ہیں اور دیوبندی مولویوں کے عقاید کو بہت برا جانتے ہیں اور بڑے پکے سنت جماعت ہیں لیکن بہ سبب بے علمی اور نادانی کے ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں، حضور کی تحریروں سے اتنا شوق نہیں جو حق اور ناحق معلوم کریں، آیا ان کے پیچھے بھی نماز پڑھی جائے یانہیں؟ اور اس مرض میں بہت مخلوق مبتلا ہے۔

الجواب:

جسے یہ معلوم ہو کہ دیوبندیوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کی ہے پھر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا کہ پیچھے نماز پڑھنا اس کی ظاہر دلیل ہے کہ ان کو مسلمان سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کو مسلمان سمجھنا کفر ہے اسی لئے علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق دیوبندیوں کو کافر مرتد لکھا اور صاف فرمایا کہ:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے (ت)

جو ان کے عقائد پر مطلع ہو کر انہیں مسلمان جاننا درکنار ان کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر اور جن کو اس کی خبر نہیں اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ یہ برے لوگ بد عقیدہ بد مذہب ہیں وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے سخت اشد گنہگار ہوتے ہیں اور ان کی وہ نمازیں سب باطل وبیکار، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: از بخشی بازار کٹک مرسلہ محمد عبدالرزاق ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا عقیدہ ہے اللہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب احکام الجزیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

علیہ وسلم کا علم برابر ہے اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مغیبات عطیہ تھے، خدا کے علم کے مقابلے میں حضرت کا علم کروڑہا سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ سے بھی کم ہے، اور شخص اول شخص دوم کو کافر ومشرک ووہابی جانتا ہے، خواہ عالم ہو یا جاہل ہم لوگوں نے یہ سنا ہے کہ مولوی احمد رضاخاں صاحب کے برابر کوئی عالم نہیں ہے، اور مجدد مائۃ حاضرہ آپ ہی ہیں، اور شخص اول ایصال ثواب کو جو عوام الناس دن مقرر کرتے ہیں واجبات میں سے جانتا ہے، اور جو ایصال ثواب کو بلاتعین کرتا ہے اس کو خاطی کہتا ہے اور اہلسنت سے خارج، اور ایصال ثواب کے واسطے دن مقرر کرنے کو سنت سمجھتا ہے اور کہتا ہے مجدد مائۃ حاضرہ کا بھی یہی عقیدہ ہے، اس میں حق کیا ہے؟ اور ان دونوں میں کون کافر ہے کون مسلمان؟

الجواب:

علم الٰہی سے مساوات کا دعوٰی بیشک باطل ومردود ہے مگر تکفیر اس پر بھی نہیں ہوسکتی جب کہ بعطائے الٰہی مانے، اور بلاشبہہ حق یہی ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین واولین آخرین کے مجموعہ علوم مل کر علم باری سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو ایک بوند کے کروڑویں حصہ کو کروڑوں سمندروں سے ہے، اور ایصال ثواب کے لئے تعین تاریخ بلاشبہہ جائز ہے اور سنت مسلمین، یعنی ان کا طریقہ مسلوکہ ہے مگر اسے واجب جاننا باطل محض ہے یونہی سرکار رسالت کی سنت سمجھنا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: از گڑھنگ لج ڈاکخانہ ضلع کولھاپور جامع مسجد مرسلہ آدم شاہ پیش امام ۴رمضان ۱۳۳۸ھ

ایک خاندانی شخص آئین دین وقوانین شریعت کو قصداً وعمداً نہیں مانتا اور اپنے ہی قول وفعل پر ہٹ دھرمی کرتا ہو یعنی قطعی جان بوجھ کر اپنی لڑکی کے حرام کی کمائی کھاتا ہو اور وضع حمل حرام ہونے تک اپنے گھر میں رکھ کر ہر قسم کا برتاؤ کرتا اور کسی کی نصیحت بھی نہ مانتا ہو ایسے موذی شخص کے بارے میں علمائے دین کس قسم کے برتاؤ کا حکم دیتے ہیں؟

الجواب:

ایسا شخص خبیث ومردود دیوث ہے بحکم حدیث اس پر جنت حرام ہے اور بحکم قرآن عظیم اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "وَاِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسلمان اسے یک لخت چھوڑ دیں اور اس سے سلام کلام، میل جول، سب ترک کر دیں جب تک صدق دل سے توبہ نہ کرلے، اس سے زیادہ یہاں کیا سزا ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۵: از سرائے چھبیلہ ضلع بلند شہر مرسلہ راحت اللہ صاحب امام مسجد جامع ۱۹ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید کہتا ہے کہ سود کے معنی اور ہیں اور بیاج کے معنی اور ہم بہت نہیں لیتے ہیں اور کھلم کھلا سود کھاتا ہے اور اوروں کو کہتا ہے کہ تم سود کے معنے نہیں جانتے، اور جائز کہتا ہے، اس کے اصرار پر شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

سود مطلقاً حرام ہے بہت ہو یا تھوڑا، **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حرام کیا سود۔ ت) زید کا اسے حلال کہنا اس کی حلت پر اصرار کرنا موجب کفر ہے، اس پر توبہ فرض ہے، از سرِ نو مسلمان ہو پھر اگر عورت راضی ہو تو اس سے نکاح جدید کرے، اور اگر نہ مانے تو مسلمان اسے قطعاً چھوڑ دیں اس کے پاس بیٹھنا اٹھنا حرام ہے،

قال تعالٰی "وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[2] **۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۶: از موضع پرتاب پور پرگنہ و ضلع بریلی مرسلہ محبوب عالم صاحب ۱۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مرید خاندان عالیہ مداریہ میں ہے اور نماز و روزہ کا پابند ہے اور بصدق دل کلمہ **لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھتا ہے، خدا کو حق اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو برحق اور عقیدہ اہل سنت وجماعت کا پابند ہے لہٰذا خدمت بابرکت میں مستدعی ہے کہ **عندالشرع** ایسا شخص مسلمان اور صاحب ایمان ہے یا نہیں؟

الجواب:

جب وہ اللہ ورسول کو برحق جانتا ہے اور تمام عقائد ایمانیہ کا سچے دل سے معتقد ہے اور کوئی قول یا فعل تکذیب یا توہین کا اس سے صادر نہیں ہوتا، جاہل مداریوں وغیرہم کی طرح شریعت کو لغو نہیں سمجھتا تو بیشک وہ مسلمان ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۱۲۷تا۱۲۹: مسئولہ آدم ابراہیم صاحب از کچھ انجار ضلع کچھ بھوج بھوم پیر

(۱) ایک شخص کہتا ہے کہ لاالٰہ الااللہ فرض ہے محمد رسول اللہ واجب ہے کیونکہ قرآنی آیت سے تو پورا کلمہ ایک جگہ ثابت نہیں، ہاں احادیث سے ضرور ثابت ہے، غلط ہے یا صحیح؟

(۲) ایک شخص کہتا ہے کہ ہم کو قرآن وحدیث سے ضرور نہیں، تم آپ ہی اس کے ورق لوٹا کرو، نماز تم ہی پڑھو، سر بیٹھے اور چوتڑ اوپر کون کرے، ایسے لوگوں کا کیا کہنا چاہئے اور بیعت ان سے کرنا کس طرح ہے؟ زعم یہ ہے کہ قرآن مولویوں نے بنایا ہے مولویوں کے قرآن کو نہ ماننا چاہئے۔

(۳) ایک شخص بروئے حلف یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں وہابی نہیں، اللہ کو ایک جانتا ہوں رسول اللہ کو نبی برحق اور اولیائے عظام کو برابر جانتا ہوں، کرامت کا قائل ہوں، حنفی مذہب کا پابند ہوں، جو لوگ پھر بھی اعتبار نہ کریں تو کیا کیا جائے، قرآن اور اللہ پر یقین نہ کرنے والوں کو کیا کہا جائے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) وہ شخص جھوٹ کہتا ہے، شریعت مطہرہ پر افترا کرتا ہے لاالٰہ الا اللہ، **محمد رسول اللہ** دونوں کا ماننا فرض سے اعظم فرض اور یکساں فرض ہے، دونوں قرآن مجید میں ہیں، یکجا نہ ہونے سے ایک کی فرضیت کیوں جاتی رہی، بلکہ ان کی فرضیت تو قرآن مجید ماننے سے بھی مقدم ہے، قرآن مجید کا ماننا ان کے ماننے پر موقوف ہے بلکہ ان میں بھی پہلا جملہ بغیر دوسرے جملہ کے بیکار ہے اور دوسرے جملہ کے ماننے میں پہلے کا ماننا خود آگیا صرف لاالٰہ الااللہ سے مسلمان نہیں ہوسکتا اور صرف محمد رسول اللہ سچے دل سے ماننا اسلام کے لئے کافی ہے، جو اسے مانے محال ہے کہ لاالٰہ الااللہ نہ مانے۔ درمختار میں ہے:

یلقن بذکر الشہادتین لان الاول لاتقبل بدون الثانیۃ[1]۔	(میت کو) دونوں شہادتوں کی تلقین کی جائے کیونکہ پہلی شہادت (توحید) دوسری شہادت (رسالت) کے بغیر مقبول ہی نہیں۔ (ت)

یہ کہنے والا اگر فرق فرض وواجب سے غافل ہے یونہی سنی سنائی اتنا جانتا ہے کہ فرض کا مرتبہ زیادہ ہے جب تو اسی قدر حکم ہے کہ کذاب ہے بیباک ہے شریعت پر مفتری ہے، مستحق عذاب نار ہے اس پر توبہ فرض ہے، اور اگر فرق جان کر کہتا ہے کہ **محمد رسول اللہ** (حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۹

اللہ کے رسول ہیں۔ت) کاماننا یقینی لازم نہیں صرف ظنی ہے، تو قطعاً کافر مرتد ہے۔

(۲) اس میں تین الفاظ ملعونہ اور تینوں کفر خالص ہے کافر مرتد کے ہاتھ پر بیعت کیا معنی! جو ان اقوال پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جانے یا اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ بزازیہ و مجمع الانہر و درمختار وغیرہا میں ہے:

من شك فی كفرہ وعذابہ فقد كفر [1]۔	جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے (ت)

(۳) اگر اس میں کوئی بات وہابیت کی نہ دیکھی، نہ کوئی قوی وجہ شبہہ کی ہے تو بلاشبہہ شبہہ نہ کیا جائے بدگمانی حرام ہے، اور اگر اس میں وہابیت پائی تو ثابت شدہ بات اس کی قسموں سے دفع نہ ہو جائے گی، وہابی اکثر ایسی قسمیں کھایا کرتے ہیں،

قال اللہ تعالٰی "یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا۔ اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر بعد میں کافر ہوگئے۔ (ت)

نہ ان کی قسموں کا اعتبار۔

قال اللہ تعالٰی تعالٰی "اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک ان کی قسمیں کچھ نہیں۔

اور اگر کسی وجہ سے شبہہ ہے تو صرف ان قسموں پر قناعت نہ کریں بلکہ اس سے دریافت کریں کہ تو اسمٰعیل دہلوی و نذیر حسین دہلوی و رشید احمد گنگوہی و قاسم نانوتوی و اشرف علی تھانوی اور ان کی کتابوں تقویۃ الایمان و معیار الحق و براہین قاطعہ و تحذیر الناس و حفظ الایمان و بہشتی زیور وغیرہا کو کیسا جانتا ہے، اگر صاف کہے کہ یہ لوگ بے دین گمراہ ہیں اور یہ کتابیں کفر وضلالت سے بھری ہوئی ہیں، تو ظاہر یہ ہے کہ وہابی نہیں ورنہ ضرور وہابی ہے، جھوٹوں کی قسم پر اعتبار نہ کرنا قرآن اور اللہ پر اعتبار نہ کرنا نہیں،

"اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ"	جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶
[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴
[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۲

اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۘ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ "[1]	رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں، اور انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ٹھہرالیا تو اللہ کی راہ سے روکا، بیشک وہ ہی برے کام کرتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان لوگوں کے بارے میں جو نہ تو علمائے کرام کے فتاوٰی پر عمل کریں اور نہ مانیں بلکہ علمائے کرام ورثۃ الانبیاء کو محض اس بغض پر کہ ان کے کاموں کو کیوں ناجائز بتلاتے ہیں، برا کہیں۔

الجواب:

یہ جو طلب کیا جاتا ہے وہ بھی تو فتوٰی ہی ہوگا جو فتوٰی نہیں مانتے ان پر اس کا کیااثر ہوگا، عالم دین سے بلاوجہ ظاہر بغض رکھنے پر خوف کفر ہے نہ کہ جب کہ وہ بغض ان کا فتوٰی شرعی ہو۔ منح الروض وغیرہ میں ہے:

من ابغض عالما بغیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر[2]۔	جس نے سبب ظاہری کے بغیر کسی عالم سے بغض رکھا اس پر کفر کاخوف ہے (ت)

عالم دین کی توہین کھلے منافق کاکام ہے اور فقہ میں ان پر حکم کفر۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لایستخف بحقھم الامنافق بین النفاق ذو العلم وذوالشیبۃ فی الاسلام وامام مقسط[3]۔	تین آدمیوں کی بے ادبی وتوہین کرنے والا اعلانیہ منافق ہے: صاحب علم، مسلمان بوڑھا اور عادل حاکم۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۲۔۱

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸، کنز العمال حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۳۲

الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال للعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا بہ الاستخفاف کفر[1]۔	سادات اور علمائے کی توہین کفر ہے، جس نے بے ادبی وگستاخی کی نیت سے کسی عالم کو عویلم (ادنی عالم) یا کسی علوی کو علیوی کہا اس نے کفر کیا (ت)

مگر وہاں کیا جائے شکایت جہاں قرآن وحدیث کی عمر بت پرستی پر نثار کی جاتی ہو۔

سبحٰن مقلب القلوب والابصار، "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	پاک ہے وہ ذات جو دل ونگاہ کو بدل دیتی ہے اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، بلا شبہہ تو ہی عطا کرنے والا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۱ تا ۱۳۳: مسئولہ میر فدا علی صاحب از شہر کہنہ انسپکٹر چونگی ۷ ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید عالم فرقہ وہابیہ کے شاگرد کے پیچھے روزانہ نماز پڑھتا ہے اور عالم مذکور کے کہنے کو مانتا ہے خواہ وہ کہنا اس کا کسی طور پر بظاہر نیک کام کے واسطے ہو اور خود بھی مشورہ کے لئے اس کے پاس جاتا ہے نیز عالم اہل سنت کی خدمت حاضر ہوتا ہے خواہ یہ حاضری کسی نیک کام کے لئے ہو اور اپنے آپ کو سنی بھی کہتا ہے، ایسی حالت میں بموجب شریعت اسے اہل سنت وجماعت کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) عمرو عالم فرقہ وہابیہ کے شاگرد کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو سنی کہتا ہے اور اعتراض ہونے پر یہ جواب دیتا ہے کہ یہ علماء کے جھگڑے ہیں یہ ان کو برا کہیں وہ ان کو برا کہیں ہماری نماز سب کے پیچھے ہو جائے گی، علماء کی باتیں علماء جانیں، ایسی صورت میں عمرو سنی کہا جاسکتا ہے۔

(۳) یا نہیں، اور ایسا جواب دینا اس کا ٹھیک ہے یا نہیں؟

بکر اپنے آپ کو سنی کہتا ہے اور فرقہ وہابیہ اور غیر مقلدوں کے معاملہ میں کہتا ہے کہ یہ سب قرآن وحدیث کے ماننے والے ہیں، جھگڑے کی باتیں نہیں نکالنا چاہئے، سب حق پر ہیں، ایسی

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸

کیفیت میں بکر کو سنی کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر وہابی کا شاگرد وہابی ہے اور یہ اسے وہابی جانتا ہے پھر اسے قابل امامت مانتا ہے خلاصہ یہ کہ کسی وہابی کو وہابی جان کر کافر نہیں جانتا وہ سنی کیا مسلمان بھی نہیں ہوسکتا۔

(۲) ایسی صورت میں عمرو سنی کیا مسلمان بھی نہیں کہ اس کے نزدیک اسلام وکفر یکساں ہیں اور کفر کارد جھگڑا ہے۔

(۳) ایسی صورت میں بکر کافر ومرتد محض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۴: از شہر عقب کوتوالی مسئولہ ولایت حسین وعبدالرحمٰن ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ میں ایمان سے کہتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ میں نہ تو پہلے قادیانی تھا اور نہ اب ہوں، قادیانی پر لعنت کرتا ہوں، میں اہل سنت وجماعت ہوں اگر کوئی شخص مجھ پر بعد توبہ کرنے کے الزام دے تو وہ مواخذہ دار ہوگا یا نہیں؟ یا اگر میرا میل کسی وقت ان لوگوں سے کوئی ثابت کرے تو میں سب لوگوں کا مواخذہ دار ہوں گا، قادیانی کو کافر جانتا ہوں۔ العبد ولایت حسین

گواہان: عبدالرحمٰن بقلم خود، مسیح اللہ بقلم خود، قادر حسین بقلم خود، امانت حسین بقلم خود، مولوی محمد رضاخاں بقلم خود، صادق حسین بقلم خود، محمد محسن بقلم خود، لیاقت حسین بقلم خود، فقیر محمد حشمت علی خان رضوی، فقیر ایوب علی رضوی بقلم خود، قناعت علی قادری رضوی بقلم خود۔

الجواب:

اللہ تعالٰی توبہ قبول فرماتا ہے اور بعد توبہ کے گناہ باقی نہیں رہتا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ[1]۔	گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ گویا گناہ کیا ہی نہیں۔

قادیانیوں کے ساتھ میل جول سے انہوں نے پہلے بھی ایک مجمع میں توبہ کی تھی اور آج پھر ایک مجمع میں توبہ کی تھی پھر ایک مجمع کے ساتھ آئے جن کے دستخط اوپر ہیں اور دوبارہ توبہ کی، توبہ کے بعد ان پر بلاوجہ جو کوئی الزام رکھے گا وہ سخت گنہگار ہوگا اور توبہ کے بعد اگر پھر یہ میل جول کریں گے تو ان پر گناہ عظیم کا بار ہوگا مگر بلاوجہ توبہ کے

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب ذکر التوبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

بعد الزام رکھنا سخت جرم ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۵: از نوشہرہ تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

ایک مرزائی قادیانی کا سوال ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا۔

مرزا صاحب مجدد وقت ہے۔ عالی جاہ! اس قوم نے لوگوں کو بہت خراب کیا ہے، ثبوت کے لئے کوئی رسالہ وغیرہ ارسال فرمائیں تاکہ گمراہی سے بچیں۔

الجواب:

مجدد کا کم از کم مسلمان ہونا تو ضرور ہے اور قادیانی کافر مرتد تھا ایسا کہ تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا کہ:

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر [1]۔	جو اس کے کافر اور عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر۔

لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہوئی ہے جو گاندھی مشرک کو رہبر، دین کا امام و پیشوا مانتے ہیں، نہ گاندھی امام ہوسکتا ہے نہ قادیانی مجدد، السوء والعقاب و قہر الدیان و حسام الحرمین مطبع اہلسنت بریلی سے منگائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۶: از شہر محلّہ شاہ آباد مسئولہ شیخ الطاف احمد صاحب رضوی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے مولانا صاحب مسجد جانی سے کہا کہ اگر رافضی تکبیر تمہاری جماعت میں آکر کہے تو تکبیر شمار کی جائے گی یا نہیں؟ کہا: رافضی کی تکبیر شمار نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں: میں نے کہا: اگر وہابی تکبیر کہے تو وہ تکبیر شمار ہوگی یا نہیں؟ کہا: تو کیا یہ مسلمان نہیں سمجھے جاتے ہیں کیا حرج ہے، میں نے کہا: یہ مسلمان نہیں سمجھے جاتے۔ جواب ملا: کیا خوب۔ علاوہ اس کے امام مسجد مذکورہ کی نشست بھی رہتی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی تو اچھا کیا یا برا؟ نماز نہ پڑھنے والا توبہ کرے اور معافی چاہے یا امام؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

الجواب:

صورت مذکورہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے والے نے بہت اچھا کیا؟ اس پر کچھ الزام نہیں، اس امام پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور سنی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۷: از شہر محلّہ کانکر ٹولہ مسئولہ سید فرحت علی صاحب ۱۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اہلسنت اس مسئلہ میں کہ زید مسلمانوں کے ایک گروہ کا سردار بننا چاہتا ہے، لیکن علمائے وہابیہ کو اچھا کہتا اور کہتا ہے کہ وہ علمائے دین ہیں، ان کے وعظ سنتا ہے، ان سے فتوے لیتا ہے، ان پر عمل کرتا ہے، نماز فجر کی اندھیرے سے پڑھتا ہے، اکثر نماز میں سنتیں ترک کرتا ہے، میلاد شریف میں قیام کے بعد آتا ہے یا پہلے سے کھڑا ہو جاتا ہے، اور کبھی آتا بھی نہیں، اور کہتا ہے کہ میلاد شریف اتنی دیر نہ پڑھنی چاہئے کہ نماز صبح کی قضا ہو جائے کیونکہ میلاد سے نماز مقدم ہے۔ زید سے مسلمانوں کو بدگمانی ہوئی تو زید نے کہا کہ میں اللہ کو جانوں، اس کے رسول کو پہچانوں صحابہ کو سمجھوں، آل پر فدا ہوں۔ تو مسلمانوں نے کہا کہ اچھا تم گیارھویں شریف کرو یا میلاد شریف کرو۔ کہا میرے پاس پیسہ نہیں تم کرو میں بھی سر پر رکھ کر کھالوں گا۔ ایسی صورت میں مسلمان زید کو اپنا سردار مانیں اور اس کی باتوں پر عمل کریں اور اس سے میل جول رکھیں یا نہیں؟ اور جو مسلمان سردار مانیں یا اس سے ملیں اس کی باتوں پر عمل کریں ان پر کیا حکم ہے؟ اور زید ہمارے اہلسنت کے گروہ میں کس حکم سے داخل ہوسکتا ہے پھر اس حکم پر بھی اسکو سردار مانا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو شخص دیوبندیوں کو مسلمان ہی جانے یا ان کے کفر میں شک کرے بفتوائے علمائے حرمین شریفین ایسا شخص خود کافر ہے کہ:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (ت)

پھر وہ سردار مسلمانان کیسے ہوسکتا ہے، گیارھویں شریف کی نیاز کھالینا دلیل اسلام نہیں بڑے بڑے کٹر وہابی جو اسے حرام وشرک کہتے ہیں کھانے کو آپ سب سے پہلے دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں، ایسا شخص جب تک وہابیہ اور خصوصًا ان دیوبندیوں کو جنہیں علمائے حرمین شریفین نے کافر لکھا نام بنام بالاعلان کافر نہ کہے اس کی توبہ صحیح نہیں ہوسکتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

مسئلہ ۱۴۸تا ۱۵۳: از شہر کہنہ محلّہ روہیلی ٹولہ مسئولہ محمد خلیل الدین احمد صاحب ۱۹محرم ۱۳۳۹ھ

جس طرح کہ ایران میں باب اور بہاؤ کو پیشرو بنا کر بابی و بہائی جدید فرقے بنائے گئے اور ہندوستان میں گرو نانک، کبیر، سید احمد جونپور، سید احمد رائے بریلوی، سید احمد کولی، آغا خاں اور مرزائی قادیانی کو پیشوا، مہدی، لیڈر، نبی اور خدا بنا کر جدید فرقے بنائے گئے۔ اسی طرح اس وقت محض برائے نام مسلمان لیڈروں اور مولویوں نے ایک ہندو لیڈر مسٹر گاندھی کو اپنا پیشوا بنا کر ایک جدید فرقہ بنایا ہے اور ان کی نسبت اب تک بذریعہ اخبارات، رسالہ جات، اشتہارات، مشاہدات اور مسموعات امور ذیل معلوم ہوتے ہیں:

(۱) ایک مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک سفر میں ایک کافر کو اپنا رہنما بنایا تھا اسی طرح ہم نے مسٹر گاندھی کو اپنا ہادی بنایا ہے، اور صاف لکھ دیا کہ ہمارا حال اس شعر کا مصداق ہے۔

عمرے کے بآیات واحادیث گزشت

رفتی و نثار بت پرستی کردے

(وہ عمر جو آیات واحادیث میں گزری ہے وہ ختم ہوگئی اور وہ بت پرستی کی نذر کردی)

(۲) کہتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عرب کے کافر قبائل سے موالات کی تھی ہم کفارِ ہند سے موالات کرتے ہیں۔

(۳) مسجد میں ہندوؤں سے منبر پر لکچر دلوائے گئے اور کہا گیا کہ مسجد نبوی میں وفودِ کفار قیام کرتے تھے اور اپنے طریقے پر عبادت بھی کرتے تھے، اور کفار کا داخلہ مخصوص بمسجد الحرام ایک خاص وقت کے واسطے منع تھا۔

(۴) بعض لیڈروں نے جن کو مولانا کا بھی خطاب دے دیا گیا ہے مندروں میں جاکر اپنے ماتھوں پر ہندوؤں سے ٹیکے لگوائے۔ کہتے ہیں کہ قشقہ شعار کفر اور منافی اسلام نہیں ہے۔

(۵) پارٹی مذکور کے اس مولانا نے ہمدم میں چھاپ دیا ہے کہ ہماری جماعت ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہے جو ہندو مسلم امتیاز اٹھادے گا اور سنگم وپریاگ کو مقدس مقام بنائے گا پارٹی مذکور نے اسے مقبول رکھا اور کسی نے چون وچرانہ کیا۔

(۶) پارٹی مذکور کے اس مولانا نے شائع کیا ہے کہ اگر آج تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کروگے۔

(۷) ایک ہندو کی ٹکٹی اپنے کاندھوں پر اٹھا کر اس کی جے پکارتے ہوئے سروپا برہنہ مرگھٹ تک لے گئے ایک بت اٹھایا گیا اس کے ساتھ سرپا برہنہ جے پکارتے سڑکوں پر گشت کیا گیا۔

(۸) اس کے ماتم کے لئے سروپا برہنہ مساجد میں جمع ہوئے اور اسکے لئے دعائے مغفرت اور نماز کے اشتہار دئے اور اس پر کاربند ہوئے، اسکے ماتم میں مسجدیں بے چراغ رکھی گئیں۔

(۹) ہولی کے سوانگ میں ہندوؤں نے بزرگان اسلام کی تحقیر وتوہین کی، مسلمانوں نے ہندو مسلم اتحاد کو مدنظر رکھ کر کچھ تعرض نہ کیا اور چشم پوشی کی۔

(۱۰) مسٹر گاندھی کے فرمان کے بموجب روزے رکھے گئے اس کے حکم پر نفل نمازیں پڑھی گئیں اور کاروبار بند کرکے معطل رہے۔

(۱۱) ایک ہندو لیڈر کے حکم سے ایک ڈولا سجایا گیا اور اس میں قرآن مجید، بائیبل اور رامائن رکھ کر ان کی پوجا کراتے مندر میں لے گئے۔

(۱۲) مسٹر گاندھی اور اس کے قوم کو خوش اور راضی کرنے کی غرض سے ایک جائز مشروع فعل قربانی گاؤ کو ممنوع اور ترک کرکے درپردہ ایک شعار اسلام سے مسلمانوں کو باز رکھا گیا اور ایک امر حلال کو حرام قرار دیا گیا، ایک بکری کی قربانی ایک خاندان (اگرچہ ساٹھ ستر آدمیوں کا ہو) کی طرف سے جائز سمجھی گئی اور حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا غیر ضروری بتایا گیا۔

(۱۳) خلافت کی مصنوعی حمایت کے حیلہ سے ہزارہا مسلمانوں کو ہجرت افغانستان اور جہاد کی ترغیب دے کر خانماں برباد ویران وپریشان بنایا گیا۔

(۱۴) کٹارپور کے ہندوؤں نے قربانی گاؤ کے پیچھے مسلمانوں پر شدید ظلم توڑے، انہیں بے دریغ ذبح کیا، انہیں آگ سے جلایا، اس پر ان میں سے بعض گرفتار ہوئے جن پر ثبوت کامل ہوگیا اس خیر خواہ اسلام پارٹی نے ان کی معافی کے ریزولیوشن پاس اور گورنمنٹ کو ان کی رہائی کے لئے تار دئے اور مظالم ہولا گڈھ سے چشم پوشی وبے اعتنائی کی گئی۔

(۱۵) خلافت کی مصنوعی حمایت کے حیلہ سے مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ اقطاع ہندوستان اور یورپ کی سیر وسیاحت اور تفریح وتفنن میں صرف کیا جاتا ہے۔

(۱۶) خلافت کے مصنوعی حمایت کے حیلہ سے عیسائیوں سے ترک موالات اور عدم تعاون، عمل کے غیر ممکن العمل منصوبوں اور تجاویز پر عملدرآمد کرایا جاتا ہے اور مشرکین ہند کے ساتھ مواخات وموالات قائم کرکے بعض شعار کفر اختیار اور بعض شعار اسلام ترک کرائے جارہے ہیں، باوجود ان سب امور کے

وہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور جو ان کی پیروی نہ کرے اس کو کافر کہتے ہیں، لہٰذا علمائے اہلسنت وجماعت اس فرقہ گاندھویہ اور اس کے پیشروان وپیروان کی نسبت جو عبداللہ کے بجائے عبدالگاندھی بن گئے ہیں اور دوسروں کو عبدالگاندھی بنارہے ہیں صاف صاف احکام شرعی دربارہ معاشرت ومناکحت مصاہرت ونماز ظاہر واضح فرماکر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔

الجواب:

(۱) قرآن وحدیث کی عمر کو معاذاللہ بت پرستی پر نثار کرنا قرآن وحدیث کی شدید توہین اور بت پرستی ملعونہ کی عظیم تعظیم ہے، یہ اگر کفر نہ ہو تو دنیا میں کوئی چیز کفر نہیں، کہاں زمین غیر معروف کا راستہ بتانے کے لئے کسی مشرک کو ساتھ لینا اور کہاں **معاذاللہ** اپنے دین کا اسے ہادی ورہبر بنانا، اس کی نظیر بھی ہو سکتی ہے کہ کسی کا شیخ وامام وہادی دین، یکّہ میں سوار ہو یکہ بان کافر ہو، اس امام کے بعض مرید بننے والے مشرک کو نماز میں اپنا امام کریں اور اسی شیخ مقتدا کے فعل سے سند لائیں کہ دیکھو یکہ بان کافران کے آگے بیٹھا تھا ہم نے اس کافر کو نماز میں اپنے آگے کرلیا تو کیا حرج ہوا، پھر یہ بھی اس وقت کا واقعہ ہے کہ ہنوز حکم جہاد نازل نہ ہوا، "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝" [1] (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔ت) پر عمل تھا۔ پھر بتدریج کفار پر تغلیظ بڑھتی گئی اور اخیر حکم ابدی ناطق وہ نازل ہوا کہ:

"يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝" [2]	اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر، اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ (ت)

پہلے واقعات سے سند لانا اگر جاہل سے ہو تو جہل شدید ہے اور ذی علم سے تو مکر خبیث وضلال بعید۔

(۲) یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افترائے محض ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی کافر سے موالات نہیں فرمائی اور کیونکر فرما سکتے حالانکہ ان کا رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ" [3]۔	تم میں جو ان سے موالات کرے وہ بیشک انہیں میں سے ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۶

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کے رب کا ابتدائی حکم یہ تھا:

"فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۴﴾ "[1]	اعلان کے ساتھ فرمادو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

اور انتہائی حکم یہ ہوا۔

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الۡکُفَّارَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ اغۡلُظۡ عَلَیۡهِمۡ "[2]	اے نبی! تمام کافروں اور منافقوں سے جہاد فرما اور ان پر سختی ودرشتی کر۔

معاذ اللہ موالات کا وقت کون ساتھا، سورہ نٓ شریف مکیہ ہے اس میں فرماتا ہے: "وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَیُدۡهِنُوۡنَ ﴿۹﴾ "[3] کافر اس تمنا میں ہیں کہ کہیں تم کچھ نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑیں۔ اس وقت میں مداہنت تو روا رکھی نہ گئی نہ کہ معاذ اللہ موالات۔ ائمہ دین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت مداہنت کرنے والے کی تکفیر فرمائی ہے چہ جائے مفتری موالات، شفاء شریف امام قاضی عیاض میں ہے:

الوجه الثانی ان یکون القائل غیر قاصد للسب ولکنه تکلم بکلمة الکفر من اضافة مالایجوز علیه مثل ان ینسب الیه اتیان کبیرة او مداهنة فی تبلیغ الرسالة او فی حکم بین الناس فحکم هذا الوجه حکم الاول[4]۔ (ملخصًا)	دوسری وجہ یہ ہے کہ کہنے والے کا مقصد سب نہ ہو لیکن اس نے ایسا کلمہ کفر بولا اور ایسی شیئ کی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کی جو آپ کی شان کے مناسب نہ تھی مثلًا کبیرہ کے ارتکاب یا احکام رسالت کے پہنچانے میں یا لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمانے میں مداہنت کی نسبت کی تو اس کا حکم بھی پہلے کے حکم کی طرح ہی ہے۔ (ت)

سخت محرومی وبیباکی ہے، یہ کہ آدمی کے کسی عیب پر نکتہ چینی ہو اور وہ اپنے اوپر سے دفع الزام کے لئے کسی نبی سے استشہاد کرے کہ ان سے بھی ایسا واقع ہوا اگرچہ ظاہرًا وہ فعل وقوع میں آیا ہو اور اس نے اپنی نابینائی سے فرق نہ دیکھا اور ملائکہ کو چمار پر قیاس کیا۔ شفاء شریف امام قاضی عیاض میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۹۴

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۹

[3] القرآن الکریم ۶۸/ ۹

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل قال القاضی تقدم الکلام مطبع شرکت صحافیه فی بلد العثمانیه ترکی ۲/ ۲۳۔ ۲۲۲

هذه كلها وان لم تتضمن سبا ولا قصد قائلها ازراء فما وقر النبوة ولا عظم الرسالة ولا عزر حرمة الاصطفاء صلى الله تعالٰى عليه وسلم حتى شبه من شبه فی معرة قصد الانتفاء منها بمن عظم الله خطره ونهى عن جهر القول له ورفع الصوت عنده فحق هذا ان درى عنه القتل السجن وقوة تعزيره[1]۔ (ملخصًا)	یہ تمام کلام اگرچہ سب و شتم کو متضمن نہیں اور نہ ہی قائل نے اس سے کسی عیب کا قصد کیا ہے بہر حال اس نے نہ تو منصب نبوت ورسالت کا خیال رکھا ہے نہ ہی حرمت کا اقرار کیا ہے حتی کہ روانی کلام میں شاعر نے اپنے ممدوح کو عیب سے پاک ہونے کا قصد کرتے ہوئے اس ذات سے تشبیہ دی جس کی قدر ومنزلت کو اللہ تعالٰی نے عظیم فرمایا، اور اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ رب العالمین نے ان کی بارگاہ میں بلند آواز سے بولنے کی ممانعت فرمائی، اس سوءِ ادبی کی سزا اگرچہ قتل نہیں ہے تاہم قید بامشقت کی سزا دینا ضروری ہے (ملخصًا) (ت)

سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر معاذاللہ انہونی جوڑنا اور اس نے اپنی ناپاکی کا جواز چاہیں، کتنی سخت خباثت اور کس قدر شدید موجب لعنت ہے، کیا کسی عالم دین کا وہ ناسعید بیٹا سخت ناخلف نہ قرار پائے گا جس کے بھنگ پینے پر اس کے باپ کے شاگرد اعتراض کریں اور وہ اپنے اوپر سے دفع اعتراض کے لئے محض جھوٹ بہتان اپنے باپ پر رکھ دے کہ کیا تمہارے استاد چرس نہ پیتے تھے، پھر کہاں باپ اور کہاں سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم!

(۳) یہ کہنا کہ مسجد الحرام شریف سے کفار کا منع ایک خاص وقت کے واسطے تھا اگر یہ مراد کہ اب نہ رہا تو اللہ عزوجل پر صریح افتراء ہے،

قال الله تعالٰى "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ"[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مشرک نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔ (ت)

یونہی یہ کہنا کہ وفود کفار مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اپنے طریقے پر عبادت کرتے تھے محض جھوٹ ہے، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسے جائز رکھنے کا اشعار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی

[1] الشفا بتعریف حقوق المصطفی فصل قال القاضی تقدم الکلام مطبع شرکت صحافیہ فی بلاد العثمانیہ ترکی ۲ / ۲۳۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

علیہ وسلم پر افترائے فجار، حاشا کہ اللہ کا رسول گوبار بار فرمائے کہ کسی مسجد، نہ کہ خاص مسجد مدینہ کریمہ میں نہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے بتوں یا مسیح کی عبادت کی جائے، جانتے ہو کہ اس سے ان کا مقصود کیا ہے، یہ کہ مسلمان تو اسی قدر پر ناراض ہوئے ہیں کہ مشرک کو مسجد میں مسلمانوں سے اونچا کھڑا کرکے ان کو واعظ بنایا وہ تو اس تہیّہ میں ہیں کہ ہندوؤں کو حق دیں کہ مسجد میں بت نصب کرکے ان کی ڈنڈوت کریں، گھنٹے بجائیں، سنکھ پھونکیں کیونکہ ان مفتریوں کے نزدیک خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد میں خود حضور کے سامنے کفار اپنے طریقہ کی عبادت کرتے تھے۔

"وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَیُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ"[1]۔	تمہیں خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کردے۔(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے مسجد کریمہ کے سوا کوئی نشست گاہ نہ تھی جو حاضر ہوتا یہیں حاضر ہوتا کسی کافر کی حاضری معاذاللہ بطور استیلا واستعلاء نہ تھی بلکہ ذلیل وخوار ہو کر یا اسلام لانے کے لئے یا تبلیغ اسلام سننے کے واسطے، کہاں یہ اور کہاں وہ جو بدخواہان اسلام نے کیا کہ مشرک کو بروجہ تعظیم مسجد میں لے گئے اسے مسلمانوں سے اونچا کھڑا کیا اسے مسلمانوں کو واعظ وہادی بنایا اس میں مسجد کی توہین ہوئی اور توہین مسجد حرام، مسلمانوں کی تذلیل ہوئی اور تذلیل مسلمین حرام، مشرک کی تعظیم ہوئی اور تعظیم مشرک حرام، بدخواہی مسلمین ہوئی بلکہ بدخواہی اسلام، پھر اسے اس پر قیاس کرنا کیسی سخت ضلالت وگمراہی ہے طرفہ یہ کہ زبانی کہتے جاتے ہیں کہ مشرک کا بطور استعلاء مسجد میں آنا ضرور حرام ہے، اور نہیں دیکھتے کہ یہ آنا بطور استعلاہی تھا،

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ۝۴۶"[2]۔	تو یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں (ت)

اسی نابینائی کی بناء پر یہ مسلمان کو دھوکا دینے والے یہاں، حنفیّہ وشافعیہ کا اختلافی مسئلہ کہ مسجد میں دخول کافر حرام ہے یا نہیں محض دھوکا دینے کو پیش کرتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس مسئلہ میں تحقیق کیا ہے۔

اولاً خود کتب معتمدہ حنفیّہ سے ممانعت پیدا ہے،

ثانیاً خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد سے ہویدا ہے۔

ثالثاً علماء وصلحاء کا ادب کیا رہا ہے اختلاف احوال زمانہ وعادات قوم ہمیشہ مائل تعظیم وتوہین میں

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

دخل رکھتا ہے۔

رابعًا غیر اسلامی سلطنت اور نا مسلموں کی کثرت میں اجازت کی اشاعت اور مساجد کو پامالی کفار کے لئے وقف کرنا کس قدر بہی خواہی اسلام ہے۔

خامسًا وہ نجس قوم کہ بنص قرآن اس پر حکم نجاست ہے اور وہ مسلمانوں کو ملیچھ کہے، بھنگی کے مثل سمجھے سودا بیچے تو دور سے ہاتھ میں رکھ دے، اس کے نجس بدن، ناپاک پانوؤں کے لئے تم اپنی مساجد کو وقف کرو یہ کس قدر مصلحتِ اسلام کے گہرے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، ان سب سے قطع نظر ان حرکاتِ شنیعہ کا اس سے کیا علاج ہو سکتا ہے ؎

او گماں بردہ کہ من کردم چو او
فرق را کہ بیند آں استیزہ جو

(اس نے گمان کیا کہ میں نے اس کی مثل کیا حالانکہ وہ لڑائی کی جستجو کرنے والا اس فرق کو کیسے محسوس کر سکتا ہے)

صحیح بخاری شریف میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے:

قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تعالٰی علیه وَسَلَّمَ [1]۔	فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد شریف میں کتے آتے جاتے تھے (ت)

زمانہ رسالت میں مسجد شریف میں کتے آتے جاتے تھے اب تم خود کتے اپنی مسجدوں اور مسجد الحرام شریف یا مسجد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں لے جاؤ اور جمعہ کے دن امام کے دہنے بائیں منبر پر دو کتے بٹھاؤ تمہارے استدلال کی نظیر تو یہیں تک ہو گئی، کہہ دینا کیا زمانہ اقدس میں کتے مسجد میں نہ آتے جاتے تھے، ہم لے گئے اور منبر پر انہیں بٹھایا تو کیا ہوا، اور وہ جو آنے جانے اور یوں لے جانے اور منبر پر بٹھانے کا فرق ہے اس سے آنکھ بند کر لینا جیسے یہاں بند کر لی، کون سی آنکھ، دل کی کہ "وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾" [2] (دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ت) بلکہ خدا تمہیں عقل وانصاف دے تو یہ بھی تمہارے فعل کی نظیر نہیں، تم خطیب کے آس پاس منبر پر کتے بٹھاؤ اس سے وہ کتے خطیب نہ ہو جائیں گے، اور تم نے مشرکین کو

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب اذا شرب الکلب فی الاناء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

خطیب مسلمین بنایا لہٰذا اگر قدرے اپنے فعل سے تقریب چاہو تو ان کتوں کو سدھاؤ کہ جب امام پہلا خطبہ پڑھ کر بیٹھے وہ نہایت بلند آواز سے بھونکنا اور رونا شروع کردیں کہ باہر تک کے سب لوگوں کو خبر ہوجائے کہ جلسہ ودعا کا وقت ہے، یونہی نماز کے وقت آٹھ آٹھ دس دس صفوں کے فاصلے سے چار چار کتے صف میں کھڑے کرو کہ تکبیر انتقال کے وقت چیخیں اور مکبّروں سے زیادہ تبلیغ کا کام دیں اور یہی حدیث بخاری حجت میں پیش کردینا کہ دیکھو زمانہ اقدس میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے بلکہ ان کے آنے سے کوئی فائدہ نہ تھا اور ہم کتے اس نفع دینی کے لئے لے گئے، تو بدرجہ اولٰی یہ جائز ہوا، وہاں تک تو قیاس تھا یہ دلالۃ النص ہوئی اور اس میں جو تمہارے استدلال کی خباثت ہے نہ دیکھنا، کیونکہ ٹھہر گئی ہے کہ

"وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾"[1]۔

(۴) قشقہ ضرور شعار کفر منافی اسلام ہے جیسے زنار بلکہ اس سے زائد کہ وہ جسم سے جدا ایک ڈورا ہے جو اکثر کپڑوں کے نیچے چھپا رہتا ہے اور یہ خاص بدن پر اور بدن میں بھی کہاں چہرے پر، اور چہرے میں کس جگہ، ماتھے پر، جو ہر وقت چمکے اور دور سے کھلے حرفوں میں منہ پر لکھا دکھائے کہ ھذا من الکافرین (یہ کفار میں سے ہے۔ت) خلاصہ وظہیریہ ومحیط ومنح الروض الازہر وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے:

واللفظ لھذا فی الخلاصة من تزنر بزنار الیھود و النصاری وان لم یدخل کنیستھم کفر، ومن شد علی وسطه حبلا وقال ھذا زنار کفر، وفی الظھیریة وحرم الزوج، وفی المحیط لان ھذا تصریح بما ھو کفر، وفی الظھیریة من وضع قلنسوة المجوس علی راسه فقیل له فقال ینبغی ان یکون القلب سویا کفر[2]۔(ملخصًا)	خلاصہ کی عبارت یہ ہے جس نے یہود ونصارٰی کا زنار پہنا اگرچہ وہ ان کے کنیسہ میں نہیں گیا وہ کافر ہے، جس نے اپنی کمر میں رسی باندھی اور کہا یہ زنار ہے اس نے کفر کیا۔ ظہیریہ میں ہے اس پر بیوی حرام ہوگئی۔ محیط میں ہے کیونکہ یہ صراحۃً کفر ہے۔ ظہیریہ میں ہے جس نے مجوس کی ٹوپی سر پر رکھی اسے بتایا گیا تو کہنے لگا بس دل صحیح ہونا چاہئے، وہ کافر ہے۔(ت)

(۵) مسلم وہندو میں امتیاز اسلام وکفر کا امتیاز ہے اور وہ موقوف نہیں ہوسکتا جب تک مسلم مسلم اور کافر کافر ہیں اور یہ اس کلام کی مراد نہیں ہوسکتی کہ سب ہندوؤں کو مسلمان کرلیں گے کہ اس کے لئے کسی نئے

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

مذہب کی کیا حاجت، تو ضرور یہ مراد ہے کہ ایک ایسا مذہب ایجاد کریں گے جو نہ ہندو کو ہندو رکھے نہ مسلمان کو مسلمان، اور وہ نہ ہوگا مگر کفر کہ اسلام کے سوا جو کچھ ہے سب کفر ہے، یونہی پریاگ وسنگم کی تقدیس یوں مراد نہیں ہوسکتی جیسے سلاطین اسلام شکر اللہ تعالٰی عنہم نے معابد کفار پر قبضہ فرماکر ان کو مساجد بنایا کہ اس کے لئے بھی نیا مذہب بنانا نہ ہوا، لاجرم یہ مراد ہے کہ وہ رہیں معابد کفار اور پھر مقدس مانے جائیں، اور یہ بھی کفر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(نوٹ: ٦ سے ١٦تک کے جواب دستیاب نہ ہوئے)

مسئلہ ۱۵۴تا۱۶۲: از لاہور مسجد بیگم شاہی مسئولہ صوفی احمد دین صاحب ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد یا علماء الملۃ وامناء الامۃ افیضوا علینا من علومکم دام فیوضکم۔	تمام تعریف اللہ کے لئے اور وہی کافی ہے، سلام اس کے منتخب بندوں پر ہو، اے علماءِ ملت اور امین امت! ہمیں اپنے علوم کا فیض عطا کیجئے اللہ تعالٰی تمہارے فیض کو جاری وساری رکھے (ت)

(۱) اس ظالم گروہ کا کیا حکم ہے جن کے امام اول نے سلطان وقت سے باغی ہوکر مکہ معظّمہ زاد اللہ تعالٰی شرفاً پر تغلب کیا، وہاں کے علماء کو تہ تیغ بے دریغ کیا، مزارات اولیاء پر پاخانہ بنائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ مبارک کو صنم اکبر سے تعبیر کیا، ائمہ مجتہدین اور فقہاء ومقلدین کو انہم ضلوا واضلوا (وہ گمراہ ہیں اور انہیں نے دوسروں کو گمراہ کیا۔ ت) کا مصداق بنایا، اپنی خواہشات کو حق وباطل کا معیار قرار دیا، مختلف عبارات وپیرایہ سے حضور پر نور عفو غفور شفیع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تنقیصِ شان کرتا تھا اور اسی بد عقیدہ پر اپنی ذریات واذناب کو لگا تھا، اپنے متبعین کے سوا سب کو مشرک جانتا تھا، درود شریف پڑھنے سے بہت ایذا پاتا تھا، حتی کہ ایک نابینا کو منارہ پر بعد اذان صلوٰۃ وسلام پر شہید کردیا اور بولا:

ان الربابۃ فی بیت الخاطئۃ یعنی الزانیۃ اقل اثما ممن ینادی بالصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] الخ۔	زانیہ کے گھر رباب بجانا اس سے کم گناہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے الخ (ت)

اس کے متبعین طرح طرح سے حضور علیہ السلام کی تحقیر وتوہین کرتے اور وہ سن کر خوش ہوتا یہاں تک

ان بعض اتباعہ کان یقول عصای ھذہ	اس کے بعض ماننے والے کہتے ہیں یہ میری لاٹھی

---
[1] الدرر السنیۃ فی رد الوہابیہ مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص ۴۱

خیرمن محمد(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)لانھا ینتفع بھا فی قتل الحیۃ ونحوھا ومحمد(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)قد مات ولم یبق فیہ نفع اصلًا وانما ھو طارش وقد مضی[1] الخ کتاب الدرر السنیۃ فی رد الوھابیہ ص۴۲،۴۱۔	محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے بہتر ہے کیونکہ یہ سانپ وغیرہ مارنے کا کام دیتی ہے،اور محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) فوت ہوگئے اب ان سے بالکل کوئی نفع نہیں اٹھایا جاسکتا وہ بہرے تھے جو گزر گئے الخ(ت)

بظاہر حنبلی بنتا تھا مگر دراصل حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل بے تعلق تھا،دعوی نبوت کا متمنی تھا مگر قبل از صریح اظہار طعمہ اجل ہو کر اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور آیۃ:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤْذُوۡنَ اللہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ"[2] الآیۃ	بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔الآیۃ(ت)

کا پورا پورا مصداق بنا۔

(۲) ان کے امام ثانی نے پہلے امام کی ہندی شرح المسمی بہ تقویۃ الایمان لکھی،اپنے فرقہ کا نام موحد رکھا،اور اپنے امام کے قدم بقدم ہو کر سب امت کو کافر و مشرک بنایا،حضور علیہ الصلوۃ والسلام و دیگر انبیاء علیہم السلام بلکہ خود خدائے تعالٰی جل وعلاشانہ کی توہین کی،دشنام دہی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا،انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو چوہڑے چمار اور عاجز و ناکارہ لوگوں سے تمثیل دی[3] (تقویۃ الایمان ص۲۹،۱۹،۱۰)اللہ تعالٰی کی ذات والا صفات میں عیب و آلائش کا آجانا جائز رکھا،وقوعِ کذب سے صرف بغرض ترفع و بخوفِ اطلاع بچنا مانا(یکروزی ص۱۴۴و۱۴۵)،نماز میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا خیال آنا اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر بتایا[4] (صراط مستقیم ص۹۵)دعوی نبوت کے لئے بنیادیں کھودیں پڑیاں جمائیں اور یوں تمہیدیں باندھیں بعض لوگوں کو احکام شرعیہ جزئیہ و کلیہ بلاواسطہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنے نور قلب سے

---

[1] الدرر السنیۃ فی رد الوہابیہ مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص۴۲

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[3] تقویۃ الایمان مطبع علیمی بیرون لوہاری گیٹ لاہور ص۱۰،۲۹،۱۹

[4] صراطِ مستقیم فارسی ہدایت ثانیہ در ذکر محلات عبادات مکتبہ سلفیہ لاہور ص۸۶

بھی پہنچتے ہیں وہ انبیاء اور ہم استاد بھی[1] ملخصًا (صراط مستقیم ص ۳۹) بالآخر جاہ طلبی وملک گیری کے نشہ میں سکھوں سے مڈھ بھیڑ اور عار فرار من الرجف کے بعد افغانوں کی موذی کش تلوار سے راہ فنا دیکھی علیہ ماعلیہ۔

(۳) جب ہندی وہابیہ کے امام واس کے پیر کی موت ان کی سب یا وہ گوئیوں او پیشینگوئیوں کی مبطل ہوئی تو اس کے اذناب وذریات سے ایک شخص قومی ترقی قومی اصلاح کا بہروپ بدل کر نکلا، جملہ کتب تفسیر وفقہ وحدیث سے انکار کیا، تمام ضروریات دین سے منہ موڑا اور بکا کہ، نہ حشر ہے نہ نشر، نہ دوزخ نہ بہشت، نہ فرشتہ ہے نہ جبریل نہ صراط، فرشتہ قوت کا نام ہے، دوزخ وبہشت وحشر، نشر روحانی ہیں، نہ جسمانی کرامات ومعجزات سب ہیچ ہیں، ہر کوئی کوشش کرنے سے نبی ہو سکتا ہے، خدا بھی نیچر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اس کے نزدیک غایت درجہ کی غمی کا نام دوزخ تھا۔ سووہ اپنی اسی مسلمہ دوزخ کے راستہ سے اسفل السافلین میں پہنچا اور وہ اس طرح ہوا کہ اس کے خازن وامین نے بہت سا روپیہ اندوختہ اس کا غبن کیا، معلوم ہونے پر نہایت غمگین ہوا، کھانا پینا ترک کیا، آخر اسی صدمہ سے ہلاک ہوا۔

(۴) اسی کے دُم چھلّوں میں سے مسیح قادیانی دجال پیدا ہوا، دعوی نبوت کیا، سورہ صف میں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت اسم احمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے ہے اس کو اپنے اوپر چسپاں کیا، اسی طرح درکاتِ جہنم طے کرتا ہوا درک اسفل میں پہنچ کر یوں کفری بول بولا۔

آنچہ دادست ہر نبی را جام　　داد آں جام را مرا بتمام

پر شد از نور من زمان وزمیں　　سر ہنوزت بہ آسماں از کیں

باخدا جنگہا کنی ہیہات　　ایں چہ جور وجفا کنی ہیہات

(ہر نبی کو جو جام عطا کیا گیا وہ تمام مجھے عطا کئے گئے، میرے نور سے زمین وزماں پر ہوگئے اور ابھی میرا آسمان پر ہے، توخدا کے ساتھ جنگ کررہا ہے افسوس! یہ تو کیا ظلم وزیادتی کررہا ہے۔ت) (نزول مسیح) لڑکا پیدا ہونے پر کہنے لگا **کان اللّٰہ نزل من السماء** (گویا اللہ آسمان سے اتر آیا۔ت) پھر کہا مجھے الہام ہوا ہے خدا کی طرف سے **انت منی بمنزلۃ اولادی انت منی وانا منک** (تو میری

[1] صراط مستقیم فارسی ہدایت رابعہ دربیان ثمرات حب ایمانی مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۳۶۔۳۵)

اولاد کی مانند ہے، تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ت) (واقع البلد ص ۶و۷) الغرض افتراء وتکذیب کلام الٰہی وتوہین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصًا حضرت عیسی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو گندی سڑی گالی دینے میں کوئی کسر نہ اٹھار کھی (ضمیمہ انجام آتھم) انجام کار اپنے مسلمہ عذاب اعنی مرض ہیضہ سے وعدہ الٰہی:

"فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَاۤ اِلٰۤى اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ۠ ۝۵۰" [1]۔	تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جائیں۔(ت)

کا مورد بنا اور اپنے منکر ومخالف علماء کے روبرو وہ فرعون بے عون جہنم رسید ہوا، مسلمان کے سامنے "وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۰" [2] (اور فرعون والوں کو ہم نے تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔ت) کا سماں بندھ گیا چاروں طرف سے مسلمانوں بلکہ ہندوؤں نے اس کی نعش خبیث پر نفرین کے نعرے بلند کئے ہر طرف سے بول وبراز کی بوچھاڑ ہوئی اور "اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝۱۶۱" [3] (ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی) کا نقشہ آنکھوں میں جم گیا، "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝۲" [4] (تو عبرت لو اے نگاہ والو۔ت)

(۵) امام ثانی کے اذناب سے ایک بھوپالی پیدا ہوا، ترویج وہابیت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا یا طرح طرح کے لالچ دے کر مفت کتابیں بانٹ کر خدائے تعالٰی کے لئے جہت ومکان وجسم وغیرہ مانا (رسالہ الاحتواء) فقہاء ومقلدین کو دشنام دینے میں اپنے بڑوں سے سبقت لے گیا اس کا قول بدتر از بول "یہ ہے سرچشمہ سارے جھوٹوں خبیثوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبیوں اور دغابازیوں کی علم فقہ ورائے ہے اور مہاجال ان سب خرابیوں کا فقہاء اور مقلدین کی بول چال ہے" (ترجمان وہابیہ ص ۳۶،۳۵) وانجام کار معزول ومسلوب الخطاء ہو کر عدم کی راہ لی اور "خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَؕ" [5] (دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا۔ت) کا مصداق بنا، صحابہ کرام کو عمومًا اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خصوصًا مخترع بدعت سیئہ ٹھہرایا (انتقاد الرجیم)

(۶) وہابیہ وغیر مقلدین کی ضلالت وبدعت جب پورے طور ظاہر ہوچکی اور ہر دیار وامصار سے ان کے رد میں کتابیں لکھی گئیں تو ذریاتِ امام ثانی نے ایک اور مکر کھیلا، اپنا حنفی ومقلد ہونا ظاہر کیا عقیدہ تقویۃ الایمان پر

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۵۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۱

[4] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

[5] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱

قائم رکھا اور ہر طرح سے ان کفریات کی حمایت کرتے رہے، اور عملیات میں حنفی ہونا ظاہر کیا، ٹھیک اسی طرح جس طرح ان کا امام اول حنبلی المذہب بنتا تھا، بظاہر غیر مقلدین کے رد میں کتابیں بھی لکھیں، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ ان مسائل میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے وقت سے اختلاف چلا آتا ہے، لہٰذا غیر مقلدوں وہابیوں پر طعن و تشنیع ناجائز (سبیل الرشاد وغیرہ)، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے شیطان کا علم زیادہ مانا (براہین قاطعہ) علم غیب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر صبی و مجنون سے تمثیل دی (رسالہ حفظ الایمان وعلم غیب وغیرہ) اور بکے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیوار کے پیچھے کا حال معلوم نہیں، معاذاللہ اپنے خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔ ان کے رد میں بھی بکثرت کتابیں شائع ہوئیں خصوصًا قامع بدعت حامی سنت صاحب حجت قاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ، حضرت مولانا احمد رضاخاں صاحب بریلوی مداللہ تعالٰی ظلہم العالی نے ان کی وہ سرکوبی کی کہ باید شاید۔

(۷) بھوپالی کے دم چھلوں میں سے ایک ہندو بچہ پیدا ہوا آپ اگرچہ ناخواندہ تھا مگر بعض خواندہ وہابیہ سے چند ایک کتابیں مثل ظفر المبین طعن امام ہمام (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اور قیاسات امام پر لکھیں چاروں اماموں کے مقلدین اور چاروں طریقوں کے متبعین کو **معاذ اللہ** مشرک و کافر بنایا (ظفر المبین ص۱۸۹ و ۲۳۰ و ۳۳۲ وغیرہ) انجام کار مرض ابلاؤس میں ایسا گرفتار ہوا کہ متواتر پانچ سات دن اس کے منہ سے پاخانہ نکلتا رہا، مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے مشرکوں (حنفیوں) کے قبرستان میں نہ دفن کیا جائے، بالآخر کتے کی موت مرا اور لاہوری دروازہ بدرو کے کنارہ دفن ہوا، بدرو کا گندہ پانی اس کی قبر میں سرایت کرتا رہا، حتی کہ اس کی قبر بھی نیست و نابود ہو کر بدرو میں مل گئی، "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۝"[1] (تو عبرت لو اے نگاہ والو۔ت)

(۸) اس بھوپالی کے دم چھلوں میں سے ایک اور شخص نکلا، چلنے پھرنے سے معذور، اور لکھنے پڑھنے سے عاری، اس نے اہل قرآن ہونے کا دعوی کیا، کل کتب فقہ، تفسیر و حدیث سے انکار کیا اور کہا یہ سب مخالفِ قرآن ہیں اور (معاذاللہ) منافقوں کی بنائی ہوئی ہیں، "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ"[2] (اور حکم مانو رسول کا۔ت) میں رسول سے مراد قرآن مجید ہے، اور "مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ"[3] (اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں۔ت) میں بھی رسول سے مراد قرآن مجید ہے، اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی مراد لئے جائیں تو یہ حکم مالِ غنیمت میں تھا نہ کہ عام حکم، نماز میں بھی نئی اختراع کی، المسمی بہ صلوٰۃ القرآن بآیات الفرقان، اور ایک تفسیر

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

چند ایک سیپارہ کی کسی سے لکھوائی جس کا نام "**تفسیر القرآن بآیات الرحمٰن**" رکھا اور کہتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محض ایلچی تھے ایلچی کو نام و پیام کیا تشریح و مطلب آرائی میں کوئی حق نہیں (**معاذاللہ منہا**) آخر ذلیل ورسوا ہو کر لاہور سے نکالا گیا، چند ایک ملاحدہ نیاچرہ اور اجہل ترین وہابیہ سے اس کے پیرو گئے، ملتان میں جاکر اپنی بدمذہبی کی اشاعت میں مصروف ہوا، انجام کار بدکاری کرتا ہوا پکڑا گیا خوب زد و کوب ہوئی اور اسی صدمہ سے ہلاک ہوا اور سجین میں پہنچا۔

(۹) بھوپالی کے متبعین سے ایک شخص ملا قصوری اور ایک حافظ شاعر پنجابی پیدا ہوئے، اول الذکر نے ابن تیمیہ مجسمیہ کے رسالہ "**علی العرش استوی**" کی اشاعت کی، صوفیائے کرام کے رد میں بڑے اہتمام سے کتاب "**حقیقۃ البیعۃ والالھام**" لکھی اور یوں کفری بولی بولے: بیعت مروجہ یعنی پیرومریدی سے دین اسلام میں اس قدر فتور اور فسادات پڑے ہیں کہ جن کا شمار امکان سے باہر ہے، **شرك فی الالوہیت وشرك فی الربوبیۃ وشرك فی الدعاء** جس قدر اقسام شرک کے ہیں سب اس سے پیدا ہوئے (ص ۲۸) سب افعال آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محمود نہیں اور آپ کے لیے عصمت مطلقہ ثابت نہیں۔ (ص ۴۴ و ۴۵) آخر الذکر نے تقویۃ الایمان کو پنجابی میں نظم کیا اور اس کا نام "**حصن الایمان وزینت الاسلام**" رکھا اور بھوپالی کے رسالہ "**طریقہ محمدیہ**" کو پنجابی نظم کا جامہ پہنایا اور اس کا نام "**انواع محمدی**" رکھا، پنجاب میں ہر کس وناکس جولاہا موچی دھنا وغیرہ جسے دو حرف پنجابی کے آتے تھے یہ کتابیں پڑھ کر اہل سنت وجماعت کو مخالف قرآن وحدیث بدعتی ومشرک کہنے لگے اور تلبیس کی کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماگئے ہیں:

اذا صح الحدیث فھو مذھبی واترکوا قولی بخبر المصطفی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)	حدیث صحیح میرا مذہب ہے اور میرے قول کو مصطفٰی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی حدیث کے مقابل چھوڑ دو۔ (ت)

پس دراصل ہم اہلحدیث ہی سچے اور پکے حنفی ہیں نہ کہ فقہاء ومقلدین، اس خلف ناہنجار بدتر از مار نے اپنے پدر بزرگوار کی کتاب فقہ کا رد کیا اور کہا کہ اس وقت علم کم تھا اب دریا علم کا اچھلا اور ہر طرف سے کتب احادیث کی اشاعت ہوئی الغرض بخوف طوالت وملالت اس قدر پر کفالت نہ ان قبائح کا استیعاب ممکن اور نہ ہی ان کے فرقوں کا حصر معلوم، آخر وہ بھی تو انہیں میں سے ہونگے جو دجال کے ساتھ جاملیں گے، اب آپ کے جناب سے استفتاء یہ ہے کہ آیا یہ فرق وہابیہ مثل دیگر فرق ضال روافض وخوارج وغیرہ کے ہیں یا نہیں اور نصوص سے:

"اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ۝" [1] "اُولٰٓئِكَ	وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں، وہ

[1] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ "[1] فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡكَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثۡ "[2]۔	چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے (ت)

اور احادیث مثل:

اھل البدع شر الخلق والخلیقة واھل البدع کلاب اھل النار[3]۔	اہل بدعت تمام مخلوق سے بدتر ہوتے ہیں واہل بدعت اہل دوزخ کے کتے ہیں (ت)

کے مصداق ہیں یا نہیں؟ ان کے پیچھے اقتداء ان کی کتب کا مطالعہ اور ان سے میل جول کا کیا حکم ہے جو ان سے محبت رکھے اور ان کو عالم اور پیروان سنت سے سمجھے اس کے واسطے کیا ارشاد ہے تکذیب نصوص، ایذائے جمیع امت، تکفیر و تفسیق اہل سنت و جماعت، دعوی ہمہ دانی وانانیت، مادہ خروج وبغاوت، تحقیر وتوہین شان نبوت ان سب فرق میں کم وبیش موجود۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

" رَّبِّ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيۡنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَاَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ اَنۡ يَّحۡضُرُوۡنِ ﴿۹۸﴾ "[4]۔	اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے، اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں (ت)

یہ سوال کیا محتاج جواب ہے خود ہی اپنا جواب باصواب ہے، سائل فاضل سلمہ نے جو اقوال ملعونہ ان خبثا سے نقل کئے ہیں ان سب کا ضلال مبین اور اکثر کا کفر اور ارتداد مہین ہونا خود ضروری فی الدین وبدیہی عندالمسلمین،

" وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[5] " اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۸﴾ "[6] " وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ	اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائینگے۔ (ت) ارے ظالموں پر خدا کی لعنت۔ اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۶

[3] الکنز العمال حدیث ۹۵۔ ۱۰۹۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۱۸

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۷

[5] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[6] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

"كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ" [1]، "يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ" [2]، "لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۞" [3]، "وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞" [4] "اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۞" [5]	اس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے اپنے ایمان کے بعد، اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام کے بعد کافر ہوگئے۔ اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔ بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (ت)

ان آیاتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ جو عام مسلمانوں پر ظلم کریں ان کے لئے بری بازگشت ہے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان پر اللہ کی لعنت ہے، نہ کہ وہ جو اولیاء پر ظلم کریں نہ کہ انبیاء پر نہ کہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل وعلوشان اقدس پر، ان پر کیسی اشد لعنت الٰہی ہوگی اور ان کا ٹھکانا دوزخ کا اخبث طبقہ، اور اگر تم ان سے پوچھو کہ یہ کیسے کفریات ملعونہ تم نے بکے تو حیلے گھڑیں گے بے سروپا جھوٹی تاویلیں کریں گے اور کچھ نہ بنے تو یوں کہیں گے کہ ہماری مراد توہین نہ تھی ہم نے تو یوں ہی ہنسی کھیل میں کہہ دیا تھا، واحد قہار جل وعلا فرماتا ہے: اے محبوب! ان سے فرمادو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے اپنے ایمان کے بعد۔ جب کوئی حیلہ نہ چلے گا تو کذاب خبیثوں کا پچھلا داؤ چلیں گے کہ خدا کی قسم ہم نے تو یہ باتیں نہ کہیں نہ ہماری کتابوں میں ہیں، ہم پر افترا ہے ناواقف کے سامنے یہی جل کھیلتے ہیں، اللہ واحد قہار جل وعلا فرماتا ہے: بیشک ضرور وہ کفر کا بول بولے اور اسلام کے بعد کافر ہوگئے یعنی ان کی قسموں کا اعتبار نہ کرو "اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ" [6] ان پیشوایان کفر کی قسمیں کچھ نہیں "اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞" [7] وہ اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر اللہ کی راہ سے روکتے ہیں لاجرم ان کے لئے ذلیل وخوار کرنے والا

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۶-۶۵
[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴
[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۸
[4] القرآن الکریم ۹/ ۶۱
[5] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷
[6] القرآن الکریم ۹/ ۱۲
[7] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۶

عذاب ہے۔ان کے کفر کے سبب اللہ تعالٰی نے ان پر لعنت کی تو بہت کم ایمان لاتے ہیں وہ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے، بیشک جو اللہ ورسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے دنیا وآخرت میں ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لئے تیار کر رکھا ذلت دینے والا عذاب۔طوائف مذکورین وہابیہ ونیچریہ وقادیانیہ وغیرہ مقلدین ودیوبندیہ وچکڑالویہ **خذلھم اللہ تعالٰی اجمعین** ان آیات کریمہ کے مصداق بالیقین اور قطعًا یقینا کفار مرتدین ہیں،ان میں ایک آدھ اگرچہ کافر فقہی تھا اور صدہا کفر اس پر لازم تھے جیسے نمبر ۲ والا دہلوی مگر اب اتباع واذناب میں اصلاً کوئی ایسا نہیں جو قطعًا یقینا اجماعا کافر کلامی نہ ہو ایسا کہ **من شك فی کفرہ فقد کفر**[1] جو ان کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔اور احادیث کہ سوال میں ذکر کیں بلاشبہہ ان کے اگلے پچھلے تابع متبوع سب ان کے مصداق ہیں،یقینا وہ سب بدعتی اور راستحقاق نار جہنمی اور جہنم کے کتے ہیں مگر انہیں خوارج وروافض کے مثل کہنا روافض وخوارج پر ظلم اور ان وہابیہ کی کسر شان خباثت ہے۔رافضیوں خارجیوں کی قصدی گستاخیاں صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر مقصور ہیں ان کی گستاخیوں کی اصل مطمع نظر حضرات انبیائے کرام اور خود حضور پر نور شافع یوم النشور ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

(راستے کا تفاوت دیکھ کہاں سے کہاں تک ہے۔ت)

ان تمام مقاصد اور ان سے بہت زائد کی تفصیل فقیر کے رسائل "**سل السیوف وکوکبۃ شھابیۃ وسبحان السبوح وفتاوی الحرمین وحسام الحرمین وتمھید ایمان وانباء المصطفٰی وخالص الاعتقاد وقصیدۃ الاستمداد** اور اس کی شرح کشف ضلال دیوبندیہ" وغیرہا کثیرہ تبیرہ،حافلہ کافلہ،شافعہ وافیہ، قالعہ قامعہ، میں ہے **وللہ الحمد**،ان کے پیچھے اقتداء باطل محض ہے **کما حققناہ فی النھی الاکید** (جیسا کہ ہم نے "**النھی الاکید**" میں اس پر تفصیلا گفتگو کی ہے۔ت)ان سب کی کتب کا مطالعہ حرام ہے مگر عالم کو بغرض رد۔ان سے میل جول قطعی حرام،ان سے سلام وکلام حرام،انہیں پاس بٹھانا حرام،ان کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑیں تو ان کی عیادت حرام،مرجائیں تو مسلمانوں کا سا انہیں غسل وکفن دینا حرام، ان کا جنازہ اٹھانا حرام،ان پر نماز پڑھنا حرام،انہیں مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام،ان کی قبر پر جانا حرام،انہیں ایصال ثواب کرنا حرام، مثل نماز جنازہ کفر۔**قال اللہ تعالٰی**:

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

"وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[1]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ان ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اور فرماتا ہے:

"وَ لَا تَرۡکَنُوۡۤا اِلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ ۙ "[2]۔	اور نہ میل کرو ظالموں کی طرف کہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[3]۔	ان سے دور بھاگو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

دوسری حدیث میں ہے:

لا تجالسوھم ولا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم و اذا مرضوا لاتعودوھم واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم ولاتصلوا معھم[4]	نہ ان کے پاس بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ، نہ ان کے ساتھ پیو، بیمار پڑیں توان کی عیادت نہ کرو، مرجائیں توان کے جنازہ پر نہ جاؤ، نہ ان پر نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ ؕ "[5]۔	ان میں کبھی کسی کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا۔

جوان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان سے محبت رکھے وہ انہیں کی طرح کافر ہے، قال تعالٰی:

"وَ مَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ؕ "[6]۔	تم میں سے جوان سے دوستی رکھے وہ بیشک انہیں میں سے ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[3] صحیح مسلم باب نھی عن الروایہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[4] کنزالعمال باب فضائل صحابہ حدیث ۳۲۴۶۸، ۳۲۵۴۲، ۳۲۵۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۲، ۵۲۹،۴۰

[5] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

[6] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

اور اس کا حشر انہیں کافروں کے ساتھ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احب قوما حشرہ اللہ فی زمرتھم [1]۔	جو کسی قوم سے محبت رکھے گا اللہ تعالٰی اسی قوم کے ساتھ اس کا حشر کرے گا۔

اور فرماتے ہیں: **من ھوی الکفرۃ فھو مع الکفرۃ** [2] جو کافروں سے محبت رکھے گا وہ انہیں کے ساتھ ہوگا اور جوان کو عالم دین یا پیر وسنت سمجھے قطعًا کافر و مرتد ہے۔ شفائے امام قاضی عیاض و ذخیرۃ العقبٰی بحر الرائق و مجمع الانہر و فتاوٰی بزازیہ و در مختار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے: **من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر** [3] (جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ جب ان کو مسلمان سمجھنا در کنار ان کے کفر میں شک کرنا موجب کفر ہے تو **معاذ اللہ** انہیں عالم دین یا پیر وسنت سمجھنا کس قدر اخبث کفر ہوگا "وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾" [4] (اور ظالموں کی یہی جزا ہے۔ ت) اللہ عزوجل سب خبثا کے شر سے پناہ دے اور مسلمان بھائیوں کی آنکھیں کھولے اور دوست دشمن پہچاننے کی تمیز دے، ارے کس کے دوست دشمن، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دوست و دشمن، افسوس افسوس ہزار افسوس کہ آدمی اپنے دوست دشمن کو پہچانے، اپنے دشمن کے سایہ سے بھاگے، اس کی صورت دیکھ کر آنکھوں میں خون اترے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دشمنوں، ان کے بدگویوں، انہیں گالیاں لکھ کر شائع کرنے والوں اور ان خبیثوں کے ہم مذہبوں ہم پیالوں سے میل جول رکھے، کیا قیامت نہ آئے گی، کیا حشر نہ ہوگا، کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو منہ دکھانا نہیں، کیا ان کے آگے شفاعت کے لئے ہاتھ پھیلانا نہیں! مسلمانو! اللہ سے ڈرو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حیا کرو۔ اللہ عزوجل توفیق دے۔ آمین! **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۳تا۱۶۹: از شہر محلّہ روہیلی ٹولہ مسئولہ حاجی محمد خلیل الدین احمد صاحب یکم صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مشرکین سے اتحاد و وداد حلال ہے یا نہیں؟

(۲) مشرک کو اپنی حاجت دینیہ میں اپنا لیڈر یعنی ہادی و امام ورہبر بنانا کیسا ہے؟

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۵۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۱۹

[2] مجمع الزوائد باب تحشر کل نفس علی ھواہا دار الکتاب بیروت ۱/ ۱۱۳

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲۹

(۳) مشرک کی نسبت یہ کہنا کہ وہ ہمارے شہر کی خاک کو پاک کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، کیا حکم رکھتا ہے؟

(۴) مشرک کے لے بڑا مرتبہ اور عزت ماننا مطابق اسلام ہے یا نہیں؟

(۵) اور اس کے استقبال کو شاندار بنانے کے لئے مسلمانوں کا جانا اور مشرک کی تعظیم،

(۶) اور اس کی جے بولنا،

(۷) اور اس کو مہاتما کہنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) مشرکین سے اتحاد درکنار وداد حرام قطعی ہے۔ **قال اللہ تعالٰی:**

"لَاتَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ" [1]۔	تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جنہیں اللہ اور قیامت پر ایمان ہے کہ اللہ ورسول کے مخالف سے دوستی کریں اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہوں یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان اللہ نے لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

اور فرماتا ہے جل وعلا:

"وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ" [2]۔	تم میں جو ان سے دوستی کرے گا وہ بیشک انہیں میں سے ہے۔

یہ ہیں قرآن عظیم کی شہادتیں کہ ان سے وداد واتحاد کفر ہے اور یہ کہ اس کے مرتکب نہ ہوں گے مگر کافر۔ مسلمانو! قرآن کریم سے بڑھ کر کس کا فتوٰی ہے، "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۟" [3] اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہے۔

(۲) مشرک کو حاجت دینیہ میں ہادی بنانا امام ٹھہرانا قرآن عظیم کی صریح تکذیب ہے، قرآن عظیم میں

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۴/ ۸۷

ہزارہا آیتیں گونج رہی ہیں کہ وہ گمراہ ہیں، ہدایت سے بالکل بیگانہ ہیں، یہاں تک کہ فرمایا:

" اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ؀ "[1]۔	وہ چوپایوں کی طرح نرے بے عقل ہی ہیں بلکہ ان سے بھی سخت تر گمراہ۔

توجو انہیں ہادی وامام بنائے گا قطعاً قرآن عظیم کو جھٹلائے گا اور قطعاً راہ ہلاک پائے گا۔

اذاکان الغراب دلیل قوم

سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب کسی قوم کا رہنما کوا ہو تو وہ ان کو ہلاکت کی راہ چلائے گا۔ت)

اور روز قیامت ایسا گروہ اس مشرک ہی کے نام سے پکارا جائے گا قال اللہ تعالٰی: " يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ ۚ "[2] جس دن ہر گروہ کو ہم اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے۔

(۳) لاالٰہ الا اللہ عجب ان سے کہ مدعی اسلام ہوں اور اسلام کے پورے مدعی بن بیٹھیں، کیا قرآن عظیم کے رد ہی پر کمر باندھی ہے، واحد قہار فرماتا ہے: " اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ "[3] مشرک تو نہیں مگر نرے گندے، بلکہ عین نجاست عجب کہ نجاست اور مطہر، ہاں جب ہندو دھرم ہی اختیار کیا تو عجب نہیں کہ گوبر اور پوتر، لا واللہ اس سے بھی ہزار درجہ بدتر گوبر کی نجاست میں ائمہ کو اختلاف ہے اور مشرک کی نجاست پر قرآن کریم کا نص صاف ہے اور آمد سے زمین ناپاک کرنے میں نجاست باطن نجاست ظاہر سے کروڑ درجہ بدتر ہے، نجاست ظاہر ایک دھار پانی سے پاک ہو جاتی ہے اور نجاست باطن کروڑ سمندروں سے نہیں دھل سکتی جب تک صدق دل سے ایمان نہ لائے، ع

ہرچہ شوئی پلید تر باشد

(جتنا دھوئے گا اتنا ہی زیادہ پلید ہوگا۔ت)

(۴) کیا قسم کھائی کہ قرآن عظیم کا کوئی جملہ سلامت نہ رکھیں، مشرک کے لئے ہرگز کوئی عزت نہیں اور بڑا درکنار ادنٰی سے ادنٰی، چھوٹے سے چھوٹا کوئی رتبہ نہیں، واحد قہار جل وعلا فرماتا ہے:

" وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰكِنَّ	عزت تو صرف اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۱

[3] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

"الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۠" [1]	کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

عزیز مقتدر جل وعلا فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓىِٕكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ۝" [2]	بیشک اللہ ورسول کے جتنے مخالف ہیں سب ہر ذلیل سے بدتر ذلیلوں میں ہیں۔

عزیز منتقم، عزجلالہ فرماتا ہے: "هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝" [3] وہ تمام مخلوق الٰہی سے بدتر ہیں۔ مخلوق میں کتا بھی ہے سور بھی ہے۔ قرآن عظیم شہادت دیتا ہے کہ مشرکین ان سے بھی بدتر ہیں، پھر رتبہ وعزت کے کیا معنی!

(۵) اس کی تعظیم سخت سے سخت کبیرہ اور قرآن عظیم کی مخالفت شدیدہ ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام [4]۔	جو کسی بدعتی بدمذہب کی تعظیم کرے اس نے اسلام کے ڈھادینے پر مدد دی۔

مبتدع کی تعظیم پر حکم یہ ہے مشرک کی تعظیم کس درجہ بیخ کنی اسلام ہوگی "وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۠" [5] (مگر منافقوں کو خبر نہیں۔ت) استقبال کو شاندار بنانے کے لئے جانا تو عین تعظیم ہے جو صریح مخالفت قرآن عظیم ہے، اس جلوس نامانوس میں ویسے بھی شرکت حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من سود مع قوم فهو منهم** [6] جو کسی قوم کے جتھے میں شامل ہوا وہ انہیں میں سے ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: **من کثر سواد قوم فهو منهم** [7] جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

[4] کنز العمال حدیث ۱۱۰۲ موسسة الرسالة بیروت ۱/ ۲۱۹، المعجم الاوسط حدیث ۶۷۶۸ مکتبة المعارف الریاض ۷/ ۳۹۶

[5] القرآن الکریم ۶۳/ ۲۰

[6] کنز العمال حدیث ۲۴۶۸۱ موسسة الرسالة بیروت ۹/ ۱۰

[7] نصب الرایہ لاحادیث الهدایہ بحوالہ مسند ابویعلی المکتبة الاسلامیة الریاض ۴/ ۳۴۶، کنز العمال حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسة الرسالة بیروت ۹/ ۲۲

تیسری حدیث میں ہے:

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله[1]۔	جو مشرک کے ساتھ آئے اور اس کے ساتھ رہے وہ بیشک اسی کے مثل ہے۔

(۶) مشرک کی جے نہ بولے گا مگر مشرک۔ حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامدح الفاسق غضب الرب واهتز لذٰلك العرش[2]۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔

جب فاسق کی مدح پر یہ حکم ہے تو مشرک کہاں، اس کی مدح کس درجہ باعث غضب شدید رب عزوجل ہوگی!

(۷) مہاتما کے معنی ہیں "روح اعظم" جو خاص لقب سیدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے، مشرک کو اس سے تعبیر کرنا صریح مخالفتِ خدا اور سول ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقولو اللمنافق یا سید فانه ان یکن سید کم فقد اسخطتم ربکم عزوجل[3]۔	منافق کو "اے سردار" نہ کہو بیشک اگر وہ تمہارا سردار ہے، تو تم نے اپنے رب عزوجل کا غضب لیا۔

اب ادھر تو منافق و مشرک کا فرق دیکھو اور ادھر سردار و روح اعظم کا موازنہ کرو، انہیں نسبتوں سے اس پر اللہ عزوجل کا غضب اشد ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین، اللہ تعالٰی مسلمانوں کی آنکھیں کھولے مسلمان کرے، مسلمان رکھے، مسلمان مارے، مسلمان اٹھائے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] سنن ابی داؤد آخر کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹

[2] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰، اتحاف السادۃ باب الآفۃ الثامنہ عشر المدح دار الفکر بیروت ۷/ ۵۷۱

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب یقول المملوك الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۴، مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت بریدۃ الاسلمی دار الفکر بیروت ۵/ ۳۴۶۔۳۴۷

مسئلہ ۱۷۰: از موضع خورد مئوڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مسئولہ سید صفدر علی صاحب ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ افواہا سنا جاتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہوئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں کہ ریاضت کرتے ایسے واصل بخدا ہوجاتے ہیں کہ نماز روزہ ترک کردیتے ہیں (جبکہ **اظہر من الشمس** ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ کوئی مقرب تر نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز روزہ بدرجہ اتم ادا فرماتے تھے) اور لوگ ان کی ولایت کے قائل ہوتے ہیں، چنانچہ تاریخ فرشتہ (اردو) جلد دوم میں لکھا ہے کہ "شیخ احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ حالت جذب میں نماز نہیں پڑھتے تھے"۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے تارک نماز روزہ کے نسبت قرآن مجید وحدیث شریف میں کیا حکم ہے؟ آیا تارک نماز و روزہ ولی اللہ کہے جانے کے لائق ہوسکتا ہے اور ہے یا نہیں اور کوئی درجہ شریعت، طریقت، معرفت میں ایسا ہے کہ جہاں پہنچ کر روزہ نماز کا تارک گنہگار نہ ہو؟

الجواب:

کوئی شخص ایسے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جس سے نماز و روزہ وغیرہ احکام شرعیہ ساقط ہوجائیں جب تک عقل باقی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ "[1]	مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کر۔

سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی: کچھ لوگ پیدا ہوئے کہ نماز وغیرہ عبادات چھوڑ دی ہے اور کہتے ہیں کہ شریعت تو راستہ ہے ہم پہنچ گئے ہمیں راہ کی حاجت نہیں فرمایا: "**صدقوا القد وصلوا ولکن الی این الی النار**" وہ سچ کہتے ہیں ضرور پہنچ گئے مگر کہاں تک، جہنم تک۔ پھر فرمایا: اگر مجھے صدہا برس کی عمر دی جائے تو فرض تو فرض جو نفل مقرر کرلئے ہیں ہرگز نہ چھوڑوں۔اس مسئلہ کا کامل بیان ہمارے رسالہ "**مقال عرفاء**" میں ہے، حالت جذب میں مثل جنون عقل سلامت نہیں رہتی، اس وقت وہ مکلّف نہیں، جو باوصف بقائے عقل واستطاعت قصداً نماز یا روزہ ترک کرے ہرگز ولی اللہ نہیں ولی الشیطان ہے قرآن وحدیث میں اسے مشرک وکافر تک فرمایا۔

قال اللہ تعالٰی "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ "[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہوجاؤ۔

---

[1] القرآن لاکریم ۱۵/ ۹۹

[2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۱

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر جھارا[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قصداً نماز چھوڑی وہ علانیہ کافر ہوگیا (ت)

مسئلہ ۱۷۱: از شہر محلّہ کوہاڑا پیر مسئولہ یوسف علی بیگ ۵صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل سنت و جماعت کو رافضیوں سے ملنا جلنا اور کھانا پینا اور رافضیوں سے سود سلف خرید نا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص سنی ہو کر ایسا کرتا ہے اس کی نسبت شرعًا کیا حکم ہے؟ آیا وہ شخص دائرہ اہل سنت و جماعت سے خارج ہے یا نہیں؟ اور شخص مذکورہ بالا سے تمام مسلمانوں کو اپنے دینی و دنیوی تعلقات منقطع کرنا چاہئیں یا نہیں؟

الجواب:

روافض زمانہ علی العموم مرتد ہیں کما بیناہ فی ردالرفضۃ (جیسا کہ ہم نے اسے ردالرفضہ میں بیان کیا ہے) ان سے کوئی معاملہ اہلِ اسلام کا سا کرنا حلال نہیں، ان سے میل جول نشست و برخاست سلام کلام سب حرام ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

"وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سیأتی قوم لھم نبز یقال لھم الرافضۃ یطعنون السلف ولایشھدون جمعۃ ولا جماعۃ فلاتجالسوھم ولا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تناکحوھم و اذا مرضوا فلا تعودوھم واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم ولاتصلوا معھم[3]۔	عنقریب کچھ لوگ آنے والے ہیں ان کا ایک بدلقب ہوگا انہیں رافضی کہا جائے گا سلف صالحین پر طعن کرینگے اور جمعہ و جماعات میں حاضر نہ ہوں گے، ان کے پاس نہ بیٹھنا، نہ ان کے ساتھ کھانا کھانا، نہ ان کے ساتھ پانی پینا، نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا، بیمار پڑیں تو انہیں پوچھنے نہ جانا، مر جائیں تو ان کے جنازے پر نہ جانا، ان پر نماز پڑھنا، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا۔

[1] مجمع الزوائد باب فی تارک الصلوٰۃ دارالکتاب بیروت ۱/ ۲۹۵

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] کنز العمال حدیث ۳۱۶۳۷، ۳۲۵۴۲، ۳۲۵۲۹، ۳۲۴۶۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۵-۵۴۲، ۵۴۰، ۵۲۹، ۳۲۴

جو سنی ہو کر ان کے ساتھ میل جول رکھے اگر خود رافضی نہیں تو کم از اشد فاسق ہے، مسلمانوں کو ان سے بھی میل جول ترک کرنے کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۲: از شہر بازار صندل خاں مسئولہ نیاز علی خاں ۶صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شرع سے فتوٰی ہوا ہے کہ مشرک کی تعظیم کے جلوس اور اس کے لکچر کے جلسے میں جس میں سے واعظ مسلمین بنایا گیا ہو شرکت حرام ہے اس پر ایک شخص نے کہا کہ یہ بالکل ٹھیک نہیں اور فضول گھڑنت اور زبردستی کا لٹھ چلانا ہے ایسے شخص سے بیاہ شادی کرنا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا شخص مسجد میں اذان کہے تو جائز ہے یا نہیں؟ سلام وکلام، میل جول رکھنا اور مسلمان کہنا جائز ہے یا نہیں؟ کھانا پینا اس کے یہاں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو مہر کردی جائے اور ناجائز ہو تو مہر کردی جائے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس شخص نے حکم شریعت کی توہین کی اور شریعت کی توہین کفر ہے، عورت اس کے نکاح سے نکل گئی اس پر فرض ہے کہ از سر نو مسلمان ہو کر توبہ کرے کلمہ اسلام پڑھے، اس کے بعد اگر عورت راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے، اور اگر توبہ نہ کرے تو اس سے میل جول حرام ہے اور بیاہ شادی محض زنا، اور اس کی اذان ناجائز، نہ اس سے سلام وکلام جائز، نہ اسے مسلمان کہنا جائز۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال آنہا کہ علم آموزند داستانہا است کہ می آموزند او قال باداست آنچہ مے گوید او قال تزویراست **او قال من علم** حیلہ رامنکرم ہذاکلمہ کفرکذافی **المحیط** [1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	ایک آدمی کہتا ہے جو علم انہوں نے سکھایا ہے وہ تمام کہانیاں ہیں یا کہتا ہے جو اسے بیان کیا ہے وہ تمام فریب ہے یا کہتا ہے میں علم حیلہ کا منکر ہوں، تو یہ کلمہ کفر ہے، جیساکہ محیط میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۷۳: از دہلی بازار چتلی قبر چھتا موم گران مسئولہ محمد سلیمان خاں سادیکار ۶شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) قادیانی غیر مقلد، اہل قرآن، رافضی وغیرہ وغیرہ علاوہ سنیوں کے جتنے فرقے ہیں ان کے ساتھ

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۰

کھانا پینا، سلام علیک کرنا، نوکری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رسول خدا کی حدیث ہے کہ جس میں سو میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات اسلام کی ہو تو اس کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔

(۲) ہندو انگریز وغیرہم کی ہم نوکری کرتے ہیں اور ملتے ہیں ان میں اور قادیانی و دیگر فرقوں میں کیا فرق ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) یہ فرقے اور اسی طرح دیوبندی و نیچری غرض جو بھی ضروریات دین سے کسی شے کا منکر ہو سب مرتد کافر ہیں، ان کے ساتھ کھانا پینا، سلام علیک کرنا، ان کی موت وحیات میں کسی طرح کا کوئی اسلامی برتاؤ کرنا سب حرام، نہ ان کی نوکری کرنے کی اجازت، نہ انہیں نوکر رکھنے کی اجازت کہ ان سے دور بھاگنے اور انہیں اپنے سے دور کرنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایا کم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔[1]	ان سے بچو، انہیں دور رکھو تاکہ وہ تمہیں نہ گمراہ کریں نہ فتنہ میں ڈال سکیں۔ (ت)

وہ حدیث جو سوال میں لکھی محض جھوٹ اور نری بناوٹ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افترا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور قرآن حکیم کا حکم یہ ہے کہ ہزار باتیں اسلام کی کرتا ہو اور ایک کلمہ کفر کہے وہ کافر ہو جائے گا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ"۔[2]	اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہ کہی اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کا لفظ کہا اور اسکے سبب مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے۔

دین وعقل دونوں کا مقتضٰی تو یہ ہے کہ ننانوے قطرے گلاب میں ایک بوند پیشاب کی ڈال دو سب پیشاب ہو جائے گا، مگر ان خبیثوں کا مذہب یہ ہے کہ ننانوے تولے پیشاب میں تولہ بھر ڈال دو سب گلاب ہو جائے گا، پاک ہے، حلال ہے چڑھا جاؤ۔

(۲) ہندو اور نصارٰی کافران اصلی ہیں اور یہ فرقے کافران مرتد اور شریعت مطہرہ میں مرتد کا حکم اصلی سے سخت تر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب باب نھی عن الروایۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

مسئلہ ۱۷۵: از بنارس محلّہ نواب گنج مسئولہ شیخ فریدن سوداگر ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقابلہ کفار میں جب کفار میں جب لشکر اسلام کو شکست ہو تو زید کفار کو ان کی فتح پر مبارکباد دے اور مسرت وخوشی کا اظہار کرے عندالشرع اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ بات واقعی ہے کہ وہ **معاذاللہ** کفر کی فتح اور اسلام کی شکست چاہتا تھا تو اس کے کفر میں شک نہیں،

قال اللہ تعالٰی "اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ" [1]۔	تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں۔ (ت)

ورنہ مرتکب اشد کبیرہ ہونے میں شک نہیں اور تجدید اسلام لازم، اس کے بعد تجدید نکاح کا حکم۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوفاسق شرب الخمر فجاء اقاربہ ونثروا الدراھم علیہ کفرواولولم ینثروالکن قالوامبارکباد کفروا ایضا [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔	اگر کسی فاسق نے شراب پی اس کے رشتہ دار آئے اور انہوں نے اس پر روپے وارے تو وہ کافر ہوجائیں گے اور اگر پیسے نہ وارے مگر مبارکباد دی تب بھی کافر ہوجائیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۶: از جی آئی پی ریلوے اسٹیشن بھساول مسئولہ عبدالباسط ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

ایک شخص مسلمان کہلاتا ہے مگر پابند روزہ حج زکوٰۃ نہیں، اسکے علاوہ فریمشن بھی ہے، اور انگریزوں کے ہمراہ فریمشن کے مکان میں ہفتہ عشرہ جاکر وہاں جو کچھ ہوتا ہے اس میں شامل رہتا ہے، ایسے شخص کو مسلمان اپنے گھر کھانے کی دعوت کریں یانہ کریں اور اس کی دعوت قبول کریں یانہیں؟ مسلمانوں کے قبرستان میں اسے مرنے کے بعد دفن کریں یانہیں؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

نہ اسکی دعوت کرنا جائز نہ اس کی دعوت کھانا جائز، نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں، نہ اس کے ساتھ کوئی معاملہ موت وحیات اسلام کریں کہ فریمشن اسلام سے مرتد ہوجاتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۲۰

[2] فتاوٰی ہندیہ باب المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۲

مسئلہ ۱۷۷تا۱۸۱: ازرائے پور گول بازار ممالک متوسط مسئولہ مرزا محمد اسمٰعیل صاحب بیگ ۲۴شعبان ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سرآمد علمائے متکلمین سرخیل کملائے دین جنید عصر شبلی دہر، حامی شریعت ماحی بدعت، مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ حضرت مولانا صاحب قبلہ **مدظلکم اللہ تعالٰی علی الفارقین المعتقدین**، پس از سلام سنت اسلام آنکہ عرصہ دراز سے کوئی عریضہ ارسال خدمت اقدس نہیں کیا مگر اکثر اوقات حضور کی صحتوری اور مزاج کی کیفیت کا جبل پور ودیگر مقامات کے کاٹھیاواری احباب سے جویاں رہا، موجودہ شورش نان کوآپریشن وہندو و مسلم اتحاد پر مقررین کی تقریریں سنیں اور حضور کے سکوت پر ہمیشہ یہی خیال کرتا رہا کہ دیوبندی اور دیگر فرق ضالہ کی شرکت کی وجہ سے حضور اس روش سے کنارہ کش ہیں اور **بحمداللہ** کہ میرا یہ خیال صحیح ہوا۔ چند رسالے جبل پور سے آئے اور تحقیقات قادریہ آیہ "**اِنَّمَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ**"[1] جو تحقیق حضور نے فرمائی وہ حاکم علی صاحب بی اے دلائل پور والے ماسٹر صاحب کو ترک موالات کے متعلق جو مفصل ومدلل فتوٰی ارسال فرمایا من وعن میری نظر سے گزرا میں ایک جاہل شخص ہوں لیکن اب تک **الحمدللہ** عقیدہ اہل سنت وجماعت پر قائم ہوں اور رہوں گا **ان شاء اللہ تعالٰی**، ان تمام رسائل اور اشتہارات کے دیکھنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ حضور کی تحقیق اور حضور کی وسعت نظر کا مخالفین کو بھی ضرور اعتراف ہوگا، گو بظاہر وہ حضور کا خلاف کرتے ہیں، لیکن اب تک ایک خلش میرے دل میں اور باقی رہی جس کی وجہ سے یہ عریضہ بصورت استفتا بغرض طلب ہدایت ارسال خدمت ہے:

(۱) ان تمام رسائل اور اشتہارات سے یہ تو ثابت ہوچکا کہ موالات ہر کافر ومشرک سے قطعًا حرام ہے خواہ وہ ہند، چین، جاپان، غرض کہ دنیا کہ کسی حصہ کا کیوں نہ ہو لیکن اعزاز واقتدار خلافت قائم رکھنے کے لئے مسلمانانِ ہند کو خصوصًا اور مسلمانانِ دنیا کو عمومًا کون سا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے جو حدود شرعیہ کے اندر ہو اور اس سے تجاوز نہ کرتا ہو۔

(۲) خلافت یا سلطنت اسلام کی بقا اور تحفظ کا کیا ذریعہ ہے؟

(۳) **الائمۃ من القریش**[2] (امام، قریش میں سے ہوں گے۔ت) کی حدیث پر حضور اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۹

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۲۹

(۴) اخبار واشتہار وچشم دید واقعات سے یہ ظاہر ہے کہ شریف مکہ نے حرمین شریفین **زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً** کی بے حرمتی کی یا کرائی، جزیرۃ العرب میں کفار ومشرکین کاداخلہ قبول کرلیا اس صورت میں شریف مکہ کے ساتھ کیا سلوک مسلمانوں کو کرنا چاہئے اور شریعت مطہرہ کاایسے شخص کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۵) مقامات مقدسہ کفار کے قبضہ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہیں ان کفار کے اخراج کے لئے کیا طریقہ عمل ہونا چاہئے؟

ان چند امور پر حضور کی اجمالی یا تفصیلی تحقیق مجھے مطلوب ہے اور دیگر علماء سے مجھے کوئی اتنا زیادہ سروکار نہیں جتنا حضور سے، میں نے جب سے ہوش سنبھالا حضور ہی کو اپنا راہبر راہ حق سمجھتا رہا، نہ صرف یہی بلکہ میرے والد بزرگوار جناب مرزا فطرت بیگ صاحب مرحوم انسپکٹر پولیس حضور ہی کی ہدایت پر ندوہ کی ممبری سے علیحدہ ہوئے جو اس خط سے واضح ہے جو مکتوبات علماء وکلام اہل صفا میں بنام حافظ یقین الدین صاحب مرحوم شائع کردیا گیا ہے، اس لئے مجھے فخر ہے کہ میں اس سے ہدایت یافتہ ہوں جو میرے والد مرحوم کے راہبر ہیں، انجمن رضائے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قیام سے بیحد خوشی حاصل ہوئی اس شہر میں اس کی اشاعت کروں گا **ان شاء اللہ تعالٰی**، لیکن ایک دیوبندی محمد یسین کی وجہ سے اس میں کچھ رکاوٹ ہوگی، یہ وہی شخص ہے جس کے مدرسہ کے مقابل یہاں کے اہل سنت نے ایک مدرسہ قائم کرکے حضور کے توسط سے مولوی سید مصباح القیوم صاحب زیدی الواسطی کو بلایا ہے، مولوی صاحب نہایت نیک آدمی ہیں اور ان کی تحقیق مندرجہ بالاامور میں محدود ہے، اس لئے عرض ہے کہ ان پانچ سوالات کے جوابات حضور کے پاس سے آنے پر ان شاء اللہ میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ انجمن مذکور کی ترویج یہاں بھی ہو، پس عرض ہے کہ جواب باصواب سے جلد تر سرفراز فرمائیں: بیّنوا توجروا فقط حد ادب!

الجواب:

مکرمی کرم فرما **اکرمکم اللہ تعالٰی، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ. الائمۃ من القریش**[1] (امام، قریش میں سے ہوں گے۔ت) حدیث صحیح متواتر ہے اور اس کے مضمون پر صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام تمام اہلسنت کا اجماع ہے کہ کتب عقائد وحدیث وفقہ اس مسئلہ کی روشن تصریحات سے مالامال ہیں، ہر سلطنت اسلام نہ سلطنت ہر جماعت اسلام نہ جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الدین النصح لکل مسلم**[2] (دین ہر مسلمان کے لئے

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت انس بن مالك رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۹

[2] صحیح البخاری باب الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

سراپا خیر خواہی ہے۔ت) ہر فرض بقدر قدرت ہے اور ہر حکم مشروط بہ استطاعت،

قال اللہ تعالٰی "لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا (ت)

جو شخص حفاظت اسلام و سلطنت اسلام و اماکن مقدسہ کی استطاعت رکھتا ہے اور کاہلی سے نہ کرے مرتکب کبیرہ ہے یا کفار کی خوشامد وخوشنودی کے لئے تو مستوجب لعنت ہے یادل سے ضرر اسلام پسند کرنے کے سبب تو کافر ہے اور جو استطاعت نہیں رکھتا معذور ہے، شریعت اس کام کا حکم فرماتی ہے جو شرعًا جائز اور عادۃً ممکن اور عقلاً مفید ہو، حرام یا ناممکن یا عبث، افعال حکم شرع نہیں ہو سکتے لہذا:

(۱) مسلمانانِ ہندو کو جہاد کا ہرگز حکم نہیں، **المحجۃ المؤتمنہ** میں اسے واضح کر دیا ہے حتی کہ خود مولوی عبدالباری کے رسالہ ہجرت ص ۲۷ میں ہے:

"میں کشت وخون کو خصوصًا مجتمع حملہ کی صورت جیسا کہ لشکر کرتا ہے غیر مفید سمجھتا ہوں کیونکہ اس کے اسباب مجتمع نہیں غیر قادرین پر فرض نہیں بدسگالی کی غرض سے کر سکتے ہیں اس کا ضرر ہوگا۔"

(۲) ہندوستان دارالاسلام ہے، اس میں فقیر کا رسالہ اعلام الاعلام مدتوں سے شائع ہے اور خود مولوی عبدالباری کے رسالہ ہجرت ص ۱۷ میں ہے:

"ہم لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے"۔

اور شک نہیں کہ دارالاسلام سے ہجرت عامہ کا حکم ہرگز شرع مطہر نہیں فرماتی، نہ عادۃً وہ ممکن نہ کچھ مفید کہ سب مسلمان اپنی جائدادیں یونہی نصارٰی کے لئے چھوڑ جائیں یا کوڑیوں کے مول ہندوؤں کو دی جائیں اور خود کروڑوں ننگے بھوکے اور ملک کے مسلمانوں پر ڈھٹی دیں ان کی عافیت بھی تنگ کریں یا بھوکے مر جائیں اور اپنی مساجد و مزارات اولیاء پامالیِ کفار ومشرکین کے لئے چھوڑ جائیں اور یہ سب کچھ اوڑ بھی لیا جائے تو اس سے سلطنت اسلام کو کیا فائدہ، اور اماکن مقدسہ کا کیا نفع اور ہجرت بعض کا بے سود ہونا بھی عقلاً تو معلوم تھا ہی، اب تجربۃً مشہور بھی ہولیا سوا ان غریب مسلمانوں کی بے سروسامانی وآوارگی وپریشانی وحسرت وپشیمانی کے اور بھی کوئی فائدہ مترتب ہوا۔

(۳) مالی امداد البتہ ایک چیز ہے اگرچہ مولوی عبدالباری اس کے بھی منکر ہیں۔ رسالہ ہجرت ص ۵

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

پر ہے: "ہم اس وقت اعانت بمال کو مسلمانان ہند پر فرض نہیں سمجھتے بوجہ عدم استطاعت"۔ یہ عذر کیسا بھی ہو مگر ذرائع وصول مہیا ہونا اور وصول پر وثوق کے ساتھ اطمینان ملنا بہت ضرور ہے نہ ایسا کہ لاکھوں کے چندے ہوئے اور باوصف کثرت تقاضا____ اب تک حساب بھی نہیں دیتے۔

(۴) معاملت حرام کا ترک ہمیشہ سے واجب تھا اور نہ کیا اب جائز کا ترک بھی فرض کر رہے ہیں، یہ شرع پر زیادت ہے پھر بھی جائز کا ترک ہر وقت جائز ہے جب کہ کسی محظور کی طرف منجر نہ ہو اس کا ناممکن یا نامفید ہونا المحجۃ المؤتمنہ ص۸۷ سے ۹۲ تک ملاحظہ ہو، باتیں وہ بتائی جاتی ہیں جن پر تمام ملک ہر گز کاربند نہ ہوگا، نہ صرف تمام مسلمان اور بفرض غلط سب مسلمان مان بھی لیں تو بجائے نفع مضر، پھر باطل و نامتوقع پر عام عمل اگر متخیل بھی ہو تو مدید وطویل مدتیں درکار، اور حاجت اس وقت فوری تاتریاق از عراق کی مثل ہے۔

(۵) فتنہ وفساد پھیلانے کی نامفیدی ظاہر، اب تک سواء بعرض ذلتوں کے کیا حاصل ہوا اور یہ کھلا پہلو اس کے شرعًا بھی ناجائز ہونے کا ہے، حدیث میں ہے:

"مسلمان کو روا نہیں کہ اپنے آپ کو ذلت پر پیش کرے"۔

خود مولوی عبدالباری کے رسالہ ہجرت ص۷ میں ہے:

"اس میں شک نہیں کہ اہلاک نفس بلاضرورت جائز نہیں، قانون جن امور کو روکتا ہے ان کو نہ کرنے میں ہم کو عذر ہے"۔

(۶) رہی خالی چیخ پکار، آفتاب سے زیادہ آشکار کہ محض بے سود وبیکار، ملک چیخنے پکارنے سے واپس نہیں ہوتا وہ بھی اتنا وسیع، وہ بھی ہلال کا، وہ بھی صلیب سے، ورنہ اگلے علماء ومشائخ نے ہندوستان ہی چلا چلا کر پھیر لیا ہوتا، یا مولوی عبدالباری کے بزرگوں نے چیخ پکار کر یہی ذرا سی لکھنؤ کی پڑیا، کیا ان کو درد اسلام نہ تھا، تھا مگر عقل بھی تھی کہ مہمل شور وغل سے کیا حاصل ہوگا، خود آزاد کے الہلال جلد ۱۲ ص ۱۶ میں ہے: "زبان سے نالہ وفریاد کرنے کی صورتیں اسی وقت تک کے لئے ہیں جب تک ان سے کشود کار ممکن ہو"۔

(۷) خیر یہاں تک تو تھا جو کچھ تھا، قیامت کا بند تو ہے کہ خلافت کی حمایت واماکن مقدسہ کا نام لے کر

مسلمان کہلانے والے مشرکوں میں فنا ہوگئے، مشرک کو پیشوا بنالیا آپ پس رو بنے، جو وہ کہے وہی مانیں، قرآن و حدیث کی تمام عمر اس پر نثار کردی، ترک موالات کا نام بدنام اور اللہ کے دشمن مشرکوں سے وداد محبت واتحاد بلکہ غلامی وانقیاد، ان کی خوشی کے لئے شعار اسلام کا انسداد، ان شناعات کے حلال کرنے کو آیات میں تحریف شریعت میں الحاد، نئی نئی شریعت کا دل سے ایجاد، جس کا بیان آپ کو المحجۃ الموتمنہ میں ملے گا، یہ تو صراحۃً اسلام کو کند چھری سے ذبح کرنا ہے اس کا نام حمایت اسلام رکھنا کس درجہ صریح مغالطہ واغوا ہے، ندوہ میں بدمذہبوں ہی کی شرکت کا رونا تھا بظاہر کلمہ گو تو تھے انہوں نے سرے سے کلمہ ہی کو اٹھا کر بالائے طاق رکھ دیا، نہیں نہیں، بلکہ پس پشت پھینک دیا، مشرکوں کو روح اعظم بنایا، موسٰی بنایا نبی بالقوہ بنایا، مذکر **مبعوث من اللہ** بنایا، اس کی مدح خطبہ جمعہ میں داخل کی، اس کی تعریف میں کلام الٰہی کا مصرعہ:

خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست

(تیری تعریف سے خاموش رہنا تیری تعریف کی انتہا ہے۔ت)

گایا اور کیا کیا کفر وکفریات وضلالات اختیار کئے جن کا نمونہ آپ کو **المحجۃ المؤتمنۃ** کے ص ۴۴ و ۴۵ پر ملے گا جزیرۃ العرب میں کفار کی سکونت پچھلے سلاطین کے زمانے سے ہے، عدن میں انگریزی فوج وغیرہ میں نصرانی سفارتوں کے قیام مدتوں سے ہیں، حرمین محترمین کی بے ادبی شریف سے ہونے کا مجھے علم نہیں، اخباروں اشتہاروں کو میں خود اپنے معاملہ میں روزانہ دیکھ رہا ہوں کہ میری نسبت محض جھوٹ محض بہتان شائع کرتے اور قصداً لعنتِ الٰہی اپنے اوپر لے رہے ہیں اور ان کی تائید میں کذابین کی عینی شہادتیں ہوتی ہیں حالانکہ اللہ ورسول جانتے ہیں اور وہ خود دل میں جان رہے ہیں کہ محض جھوٹ بکتے اور افترا بکتے ہیں "وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝" [1] (اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ت) اگر بے ادبی حقیقۃً ثابت ہو تو جس حیثیت کی جس کی نسبت ثبوت پائے وہ اس قدر کے حکم شرعی کا مستحق ہوگا کسے باشد۔ فقط ۲۴ شعبان ۱۳۳۹ھ

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

المحجة المؤتمنة فی اٰیة المُمتحنة ۱۳۳۹ھ

(سورۂ ممتحنہ کی آیت کریمہ کے بارے میں درمیانی راستہ)

مسئلہ ۱۸۲: از مرسلہ مولوی حاکم علی صاحب بی اے حنفی نقشبندی مجددی پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور ۱۴ صفر ۱۳۳۹ھ
اللہ تعالٰی نے ہمیں کافروں اور یہود و نصارٰی کے تولی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام زبردستی تولّی کے معنی "معاملت" اور ترک موالات کو "ترک معاملت" (نان کوآپریشن) قرار دیتے ہیں اور یہ صریح زبردستی ہے جو اللہ تعالٰی کے کلام پاک کے ساتھ کی جارہی ہے، مذکور نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لاکر اطلاق یہ کردیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہوسکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتوی دے دیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو، لہذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلادی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہوگیا۔ علامہ مذکور کا یہ فتوی غلط ہے یونیورسٹی

نقل خط مولوی صاحب: آقائے نامدار مؤید ملت طاہرہ مولینا و بالفضل اولینا جناب شاہ احمد رضاخاں صاحب دام ظلہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پشت ہذا (باقی بر صفحہ آئندہ)

کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جس کے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے۔ جو کہ معاملت کے معنی ہیں، مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہورہا ہے مولوی محمود حسن صاحب مولوی عبدالحہ صاحب تو دیوبندی خیالات کے ہیں زبردستی فتوے اپنے مدعا کے مطابق دیتے ہیں لہٰذا میں فتوے دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے میرے فتوے کی تصحیح، ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی نہیں مثلاً ملت طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں قاری صاحب بریلوی علاقہ روہیل کھنڈ اور مولوی اشرف علی تھانوی ممالک مغربی وشمالی

الجواب:

موالات ومجرد معاملت میں زمین وآسمان کا فرق ہے دنیوی معاملت میں جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوا مرتدین مثل وہابیہ دیوبندیہ وامثالہم کے کسی سے ممنوع نہیں۔ ذمی تو معاملات میں مثل مسلم ہے:

لهم مالنا وعليهم ما علينا۔	ان کے لئے ہے جو ہمارے لئے اور جو ان پر ہے ہم پر۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پر کا فتوٰی مطالعہ گرامی کے لئے ارسال کرکے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہوسکے یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں، انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس بروز اتوار بتاریخ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوتا ہے اس میں پیش کرنا ہے کہ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کاموں میں روڑہ اٹکانے کی ٹھان لی ہے للہ عالم حنفیہّ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ نیاز مند ودعا گوے حاکم علی بی اے موتی بازار لاہور ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء

جواب خط مولوی صاحب: مکرم کرم فرما جناب مولوی حاکم علی صاحب بی اے سلمہم بعد اہدائے ہدیہ مسنونہ ملتمس کل گیارہ بجے آپ کا فتوٰی آیا اس وقت سے شب کے بارہ بجے تک اہم ضروریات کے سبب ایک حرف لکھنے کی فرصت نہ ہوئی، آج صبح بعد وظائف یہ جواب املا فرمایا امید کہ مجموعہ فتاوٰی کی نقل کے بعد آج ہی کی ڈاک سے مرسل ہو، اور مولٰی تعالٰی قادر ہے کہ کل ہی آپ کو پہنچ جائے، ماموں کہ وقت پر موصول ہونے سے مطلع فرمائیں والسلام فقیر مصطفٰی رضا قادری نوری عفی عنہ ۱۵ صفر المظفر ۱۳۳۹ھ۔

(یعنی دنیاوی منافع میں ہماری طرح ان کو بھی حصہ دیا جائے گا اور دنیوی مواخذہ ان پر بھی وہی ہوگا جو ایک مسلمان پر کیا جائے گا) اور غیر ذمی سے بھی خرید وفروخت، اجارہ واستیجار، ہبہ واستیہاب بشروطہا جائز اور خریدنا مطلقاً ہر مال کا کہ مسلمان کے حق میں متقوم ہو اور بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں اعانت حرب یا اہانت اسلام نہ ہو اسے نوکر رکھنا جس میں کوئی کام خلاف شرع نہ ہو، اس کی جائز نوکری کرنا جس میں مسلم پر اس کا استعلاء نہ ہو، ایسے ہی امور میں اجرت پر اس سے کام لینا یا اس کا کام کرنا بمصلحت شرعی اسے ہدیہ دینا جس میں کسی رسم کفر کا اعزاز نہ ہو، اس کا ہدیہ قبول کرنا جس سے دین پر اعتراض نہ ہو حتی کہ کتابیہ سے نکاح کرنا بھی فی نفسہٖ حلال ہے، وہ صلح کی طرف جھکیں تو مصالحت کرنا مگر وہ صلح کہ حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال، یونہی ایک حد تک معاہدہ و مواعدت کرنا بھی، اور جو جائز عہد کرلیا اس کی وفا فرض ہے، اور غدر حرام **الی غیر ذلك من الاحکام**۔ درمختار میں ہے:

والمرتدۃ تحبس ابدا ولا تجالس ولا تؤاکل حتی تسلم ولا تقتل اھ [1] **قلت** وھو العلۃ فانھا تبقی ولا تفنی وقد شملت المرتد فی اعصارنا وامصارنا لامتناع القتل۔	مرتد عورت دائم الحبس کی جائے گی اور نہ اس کے پاس کوئی بیٹھے نہ اس کے ساتھ کوئی کھائے یہاں تک کہ وہ اسلام لائے اور قتل نہ کی جائے گی، میں کہتا ہوں یہی ان احکام کا سبب ہے کہ وہ باقی چھوڑ دی جاتی ہے اور فنا نہیں کی جاتی اور اب اس ملک میں یہ سب مرتد کو بھی شامل ہوگیا کہ قتل نہیں کیا جا سکتا۔

محیط میں ہے:

اذا خرج للتجارۃ الی ارض العدو بامان فان کان امرالایخاف علیه منه وکانوا قوما یوفون بالعهد یعرفون بذلك وله فی ذلك منفعة فلاباس [2]۔	جب دشمن کے شہر کو امان لے کر تجارت کے لئے جائے اگر معاملہ ایسا ہو کہ اس پر اس سے اندیشہ نہیں اور وہ کافر عہد پورا کرنے میں مشہور ہوں اور اسے وہاں جانے میں نفع ہو تو حرج نہیں۔

ہندیہ میں ہے:

اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب	جب مسلمان دار الحرب میں امان لے کر جانا چاہے

[1] الدرالمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط کتاب الکراہیۃ الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۵

بامان للتجارۃ لم یمنع ذٰلك منه و كذٰلك اذا اراد حمل الامتعۃ الیھم فی البحر فی السفینۃ[1]۔	تو اس سے منع نہ کیا جائے گا اور یونہی جب کچھ اسباب دریائی سفر میں ان کی طرف کشتی میں لے جائے۔

اسی میں ہے:

قال محمد لاباس بان یحمل المسلم الی اھل الحرب ماشاء الاالکراع والسلاح فان کان خمرا من ابریسم اوثیابا رقاقا من القز فلاباس بادخالھا الیھم ولا بأس بادخال الصفر والشبه الیھم لان ھذ الا یستعمل للسلاح[2] (ملخصا)	امام محمد نے فرمایا مسلمان جو مال تجارت چاہے حربیوں کی طرف لے جاسکتا ہے مگر گھوڑے اور ہتھیار، تو اگر ریشمی دوپٹے یا دیبا کے باریک کپڑے ہوں تو انھیں ان کی طرف لے جانے میں حرج نہیں اور پیتل اور جست ان کی طرف لے جانے میں مضائقہ نہیں کہ ان سے ہتھیار نہیں بنتے۔ (ملخصا)

اسی میں ہے:

لایمنع من ادخال البغال والحمیر والثور والبعیر[3]۔	خچر اور گدھے اور بیل اور اونٹ دارالحرب میں لے جانا مضائقہ نہیں رکھتا۔

فتاوٰی امام طاہر بخاری میں ہے:

مسلم اجر نفسه من مجوسی لاباس به[4]۔	مسلمان کسی مجوسی کے یہاں مزدوری کرے تو حرج نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

من ارسل اجیراله مجوسیا او خادما فاشتری لحما فقال اشتریته من یھودی اونصرانی اومسلم	جس نے اپنا نوکر یا غلام مجوسی بازار کو بھیجا اس نے گوشت خریدا اور کہا میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے خریدا ہے اسے اس کے کھانے کی

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس فی المستامن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس فی المستامن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس فی المستامن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[4] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارات الفصل العاشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۵۹

وسعه اکله[1]۔	گنجائش ہے (کہ معاملات میں کافر کا قول مقبول ہے)

درمختار میں ہے:

الکافر یجوز تقلیدہ القضاء لیحکم بین اھل الذمة ذکرہ الزیلعی فی التحکیم[2]۔	بادشاہ اسلام اگر کسی کافر کو قاضی بنائے کہ ذمی کافروں کے مقدمے فیصل کرے تو جائز ہے اسے زیلعی نے باب تحکیم میں ذکر کیا۔

محیط میں ہے:

قال محمد مایبعثه ملك العدو من الھدیة الی امیر جیش المسلمین اوالی الامام الاکبر وھو مع الجیش فانه لاباس بقبولھا ویصیر فیئا للمسلمین وکذلك اذا اھدی ملکھم الی قائد من قواد المسلمین له منعة ولوکان اھدی الی واحد من کبار المسلمین لیس له منعة یختص ھو بھا[3]۔	امام محمد نے فرمایا دشمنوں کا بادشاہ جو ہدیہ مسلمانوں کے سپہ سالار یا خلیفہ حاضر لشکر کو بھیجے اس کے قبول میں حرج نہیں تو وہ سب مسلمانوں کے لئے مشترک ہوجائے گا یونہی جب ان کا بادشاہ مسلمان کے کسی فوجی سردرا کو ہدیہ بھیجے جس کے پاس فوج ہو اگر کسی اسلامی سردار کو کو بھیجا جس کے پاس اس وقت فوج نہیں تو ہدیہ خاص اسی سردار کی ملک ہوگا۔

اسی میں ہے:

لوان عسکرا من المسلمین دخلوا دار الحرب فاھدی امیرھم الی ملك العدو ھدیة فلاباس به وکذٰلك لو ان امیر الثغور اھدی الی ملك العدو ھدیة و اھدی ملك العدو الیه ھدیة[4]۔	اگر مسلمانوں کا کوئی لشکر دارالحرب میں داخل ہو اور سردار لشکر کچھ ہدیہ دشمنوں کے بادشاہ کو بھیجے اس میں حرج نہیں اور یونہی اگر سرحدوں کا سردار دشمنوں کے بادشاہ کو کوئی ہدیہ بھیجے اور دشمنوں کا بادشاہ اسے ہدیہ بھیجے۔

[1] الھدایة کتاب الکراھیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۱

[2] الدرالمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

[3] فتاوٰی ہندیة بحوالہ المحیط الباب السادس الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۶

[4] فتاوٰی ہندیة بحوالہ المحیط الباب السادس الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۶

وقال اللہ تعالٰی "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ "[1] (وتمام تحقیقه فی فتاوٰنا) وقال اللہ تعالٰی "وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا"[2]۔ وقال اللہ تعالٰی "اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝"[3] وقال تعالٰی "وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــُٔوْلًا ۝"[4] وعنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الصلح جائز بین المسلم الا صلحا احل حراما او حرم حلالا[5]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتغدروا[6]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حلال ہیں تمھارے لئے پارسا عورتیں ایمان والیوں میں سے اور ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی جب تم ان کے مہر دو (اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے) اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف میل کرو۔ سب کافروں کو قتل کرو مگر وہ مشرک جن سے تمھارا معاہدہ ہولیا، پھر انھوں نے تمھارے حق میں کوئی تقصیر نہ کی اور تم پر کسی کو مدد نہ دی تو ان کا عہد ٹھہری ہوئی مدت تک پورا کرو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے عہد پورا کرو بیشک عہد پوچھا جائے گا، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے مسلمانوں میں صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہ کرے، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدعہدی نہ کرو۔

وہ الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں، ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا مگر یہ عدم جواز اس شرط یا لازم کے سبب سے ہوگا نہ بربنائے تحریم مطلق معاملت جس کے لیے شرع میں اصلا اصل نہیں اور خود ان مانعین کا طرز عمل ان کے کذب دعوی پر شاہد، ریل تار ڈاک سے تمتع کیا معاملت نہیں ہے، فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال

[1] القرآن الکریم ۵/۵

[2] القرآن الکریم ۸/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۹/ ۴

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۴

[5] سنن ابی داوٗد کتاب القضاء باب فی الصلح آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۰

[6] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲

لینا ہے اور ان کے استعمال میں دینا عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہو اور لینا حرام اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل تار ڈاک ہمارے ہی ملک میں ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے وہ بھی یہیں کا ہے۔ تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع۔ اس الٹی عقل کا کیا علاج، مگر اس قوم سے کیا شکایت جس نے نہ صرف شریعت بلکہ نفس اسلام کو پلٹ دیا مشرکین سے وداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامی وانقیاد فرض کیا، خوشنودی ہنود کے لئے شعار اسلام بند اور شعار کفر کا ماتھوں پر علم بلند، مشرکین کی جے پکارنا ان کی حمد کے نعرے مارنا، انھیں اپنی اس حاجت دینی میں میں جسے نہ صرف فرض بلکہ مدار ایمان ٹھہراتے ہیں یہاں تک کہ اس میں شریک نہ ہونے والوں پر حکم کفر لگاتے ہیں، اپنا امام وہادی بنانا مساجد میں مشرک کو لے جاکر مسلمانوں سے اونچا کرکے واعظ مسلمین ٹھہرانا، مشرک کی ٹکٹکی کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ میں لے جانا، مساجد کو اس کے ماتم گاہ بنانا، اس کے لئے دعا مغفرت ونماز جنازہ کے اشتہار لگانا وغیرہ وغیرہ ناگفتہ بہ افعال موجب کفر ومورث ضلال، یہاں تک کہ صاف لکھ دیا کہ اگر اپنے ہندو بھائیوں کو راضی کرلو تو اپنے خدا کو راضی کرلوگے، صاف لکھ دیا کہ ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھادے گا اور سنگم وپریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا صاف لکھ دیا کہ ہم نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی، یہ ہے موالات، یہ ہے حرام، یہ ہیں کفریات، یہ ہیں ضلال تام، **فسبحٰن مقلب القلوب والابصار ولاحول ولاقوۃ الا باللہ الواحد القہار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

جواب[عہ] امام اہلسنت عین حق ہے **کلام الامام امام الکلام** دیوبندیوں سے منع استصواب حق وصواب، تھانوی صاحب کا استثناء عجب العجائب یہ سرو سرغنہ دیوبند ہیں، افعی راکشتن وبچہ اش رانگاہ داشتن (سانپ کو مارنا اور اس کے بچے کی حفاظت کرنا۔ت) کاحال معلوم نہ کہ بچگان کشتن وافعی گزاشتن (بچوں کو مارنا اور سانپ کو چھوڑ دینا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔** فقیر مصطفٰی رضا قادری مہتمم دارالافتائے اہلسنت وجماعت بریلی۔ ۱۴ صفر ۱۳۳۹ھ

عہ: **بحمداللہ تعالٰی** مولوی صاحب کی دین پرستی کہ انھوں نے اس نصیحت کو قبول کیا اور فتوائے اصل جمعیت علمائے ہند ص ۴ و ۵ پر یہ مضمون چھاپ دیا، **الحمدوالمنۃ** کہ یکم نومبر ۱۹۲۰ء عالیجناب موید ملت طاہرہ اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضاخاں صاحب قادری بریلوی کا فتوٰی موصول ہوا اس سے مجھے ٹھیک پتا لگا کہ مولوی اشرفعلی صاحب تو سرو سرغنہ دیوبند ہیں یااللہ! میری توبہ، مجھ سے یہ غلطی میرے ایک دوست نے کرادی **استغفر اللہ تعالٰی ربی من کل ذنب** ۱۲۔

استثناء عجب العجاب یہ سروسر غنۂ دیوبند ہیں۔افعی را کشتن وبچہ اش رانگاہ داشتن (سانپ کع مارنا اور اس کے بچے کی حفاظت کرنا۔ت) کا حال معلوم نہ کہ بچگان کشتن وافعی گزاشتن (بچوں کو مارنا اور سانپ کو چھوڑ دینا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔فقیر مصطفٰی رضا قادری مہتمم دارالافتائے اہلسنت وجماعت بریلی۔۱۴صفر ۱۳۳۹ھ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۸۳: از لاہور بری بساط لکڑہارا اکبری منڈی مسئولہ چودھری عزیزالرحمٰن صاحب بی اے سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول لائلپور ۱۲ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

جناب حضرت قبلہ وکعبہ مجدد دوراں حضرت احمد رضاخاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی! **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**۔بعد حمد وصلوٰۃ واضح رائے عالی ہو کہ حضور کا فتوی جو مسٹر حاکم علی بی اے پروفیسر ریاضی اسلامیہ کالج لاہور کے خط کے جواب میں حضور نے ارسال فرمایا پڑھ کر خاکسار کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ خاکسار آں حضور کو جیسا کہ لاکھوں کروڑوں پنجاب وہندوستان کے سنت وجماعت مجدد وقت مانتے ہیں اس زمانے کا مجدد مانتا ہے اور جب سے ہوش سنبھالا اسی عقیدے پر بفضل خدا رہا جس پر آپ اور دیگر بزرگان قوم وعلمائے کرام ہیں یا ہوتے آئے ہیں لیکن اس فتوے کو دیکھ کر میرے دل میں بڑا اضطراب پیدا ہوا ہے اور میں نے یہ جرأت کی ہے کہ جناب سے مفصل طور پر دریافت کرلوں کہ ایسے زمانے میں جبکہ مسلمانوں پر ہر طرف سے حملے ہورہے ہیں اندرونی وبیرونی دشمن اسلام کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کفار کی مدد سے باغیوں (شریف مکہ) نے چھین لئے ہیں اور کفار جزیرۃ العرب (جدہ وعدن وغیرہ) میں اپنا قدم جمائے بیٹھے ہیں اور خلافت ریزہ ریزہ کی گئی ہے اور ایک بڑی سلطنت کا وزیر اعظم اپنی تقریر میں صاف کھلے لفظوں میں برملا کہتا ہے کہ یہ لڑائی جو عراق عرب میں مسلمانوں سے ہوئی مذہبی لڑائی تھی اور اب ہم نے بیت المقدس ان کی گندگی سے پاک

کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ، غرض کہ ایسے وقت جبکہ اعداء اللہ اسلام کی عزت اور شوکت کی بیخ کنی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، عراق، فلسطین اور شام جن کو صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے خون کی ندیاں بہا کر فتح کیا تھا، پھر کفار کی حریفانہ حوصلہ مندیوں کی جولانگاہ بن گئے ہیں خلیفۃ المسلمین دشمنوں کے نرغے میں پھنس کر بے دست وپا ہو چکے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے اپنے گھروں (تھریس سمرنا وغیرہ) اور زرخیز علاقوں سے زبردستی نکالے جارہے ہیں، اور مسجدوں پر زبردستی قبضہ کرلیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے علماء قرآنی احکام ڈرتے ڈرتے بتاتے ہیں، جہاد کا تو نام ہی منہ پر آنا بس قیامت ہے، کیا ایسے وقت میں اسلامی حمیت وغیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے جس سے انگریز افسر خوش ہوجائیں اور مسلمان تباہ ہوجائیں، مسٹر حاکم علی نے ایک پالیسی سے انگریز پرنسپل اور دوسرے انگریز افسروں اور غدار مسلمانوں کو خوش کرنے کے واسطے حضور سے ایک عجیب طرز میں فتوی پوچھا اور حضور نے اس کے مضمون کے مطابق صحیح صحیح فیصلہ جواب میں بھیج دیا، یہ بالکل درست ہے کہ موالات ومجرد معاملت میں زمین وآسمان کا فرق ہے لیکن دین کا نقصان کرکے دنیوی معاملت کہاں جائز ہے حضور نے بہت سی شرائط سے مشروط کرکے گول مول جواب عنایت فرمایا ہے لیکن اس وقت ضرورت ہے ایسے فتوے کی جو صاف صاف لفظوں میں حالات حاضرہ پر نظر کرکے بغیر کسی شرط کے لکھا جائے تاکہ ہر عالم وجاہل جو آپ کا پیرو ہے فوراً پڑھ کر جان لے کہ اس کے واسطے اب ایسا کرنا ضروری ہے، حالات حاضرہ حضور پر بخوبی روشن ہیں اور کچھ تھوڑے سے میں نے اوپر بیان کئے ہیں، کیا مسلمانوں کا بھرتی ہو کر فوج میں مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے اور غلام بنانے کے لئے جانا اور دوسرے کلرکوں کا ان کی امداد کے لئے عراق وشام وغیرہ میں ملازمت ہو کر جانا جائز ہے، اگر جانا جائز نہیں تو پھر آپ جیسے بزرگ کیوں چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ کیوں نہیں ایسے فتوے شائع کرتے اور اظہار حق میں دنیوی طاقت سے کیوں ڈرتے ہیں، موجودہ وقت کھینچ تان کر کفار سے تعلق رکھنے اور ان کی اعانت کرنے کا جواز ثابت کرنے کا نہیں ہے بلکہ سینہ سپر ہو کر بے خوف وخطر لوگوں کو صراط مستقیم بتانے کا ہے، حضور نے جو لکھا ہے کہ الحاق اور اخذ امداد جائز ہے، اگر کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط نہ ہو، عالیجاہ! گورنمنٹ جو امداد سکولوں اور کالجوں کو دیتی ہے وہ خاص اغراض کو مدنظر رکھ کر دی جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ حضور کو سب حال روشن ہوگا لیکن اگر اس بارے میں ناواقفیت ہو تو میں عرض کرتا ہوں کہ اول تو امداد میں اس قسم کی شرط ضرور ہوتی ہے کہ کالج کا پرنسپل اور ایک دو پروفیسر انگریز ہوں، دوسرے مقررہ کورس پڑھائے جائیں جن میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ خلاف اسلام باتیں ہوتی ہیں بلکہ بعض میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں تیسرے دینی تعلیم

لازمی نہیں کوئی پڑھے یا نہ پڑھے لیکن جہاں دینی تعلیم پڑھائی جائے خاص وقت سے زیادہ نہ دیا جائے کیونکہ یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے چار گھنٹے وقت ضرور خرچ ہوا گر چار گھنٹے سے کم ہوگا تو امداد نہیں ملے گی، پھر جو استاد دینیات پڑھائے گا اس کو امداد نہیں دی جائے گی پھر فلاں فلاں مضمون ضرور طالب علم کو لینے چاہئیں ورنہ امتحان میں شامل نہیں ہوسکتا، پھر ڈرل وغیرہ اور کھیلوں کی طرف جن میں ہر ایک طالب علم کو حصہ لینا ضروری ہوتا ہے آج کل جو ڈرل سکھائی جارہی ہے اس میں عجیب مخرب اخلاق باتیں کی جارہی ہیں امداد لینے اور الحاق یونیورسٹی سے رکھنے کے لئے ضروری ہے وہی ڈرل تمام اسکولوں میں کرائی جائے، کھیلوں میں آپ دیکھتے ہیں کہ عجب بے پردہ لباس پہنا جاتا ہے۔ فٹ بال اور ہاکی میں جو نیکر پہنے جاتے ہیں وہ ٹخنوں سے اوپر تک ننگا رکھتے ہیں، غرضیکہ کیا عرض کروں اسی الحاق وامداد کی خاطر معلّمین و متعلّمین کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ قرآن شریف ودینیات کا جو گھنٹہ رکھا ہوا ہے اس میں بھی انگریزی ہی کا سبق یاد کرادوں کیونکہ انسپکٹر نے انگریزی تو سننی ہے قرآن مجید تو نہیں سننا، جماعتوں میں جو ترقی دی جاتی ہے اس میں بھی اسی بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ انگریزی لڑکا جانتا ہے یا نہیں قرآن شریف خواہ ناظرہ بھی نہ پڑھ سکتا ہو نماز کا ایک حرف نہ جانتا ہو لیکن دسویں اور ایف اے اور بی اے پاس کرتا چلا جائے گا۔ یہ میں اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کا ذکر کررہا ہوں دوسرے سکولوں اور کالجوں سے ہمیں کوئی تعلق نہیں یہ سب کس واسطے ہورہا ہے، اسی واسطے کہ ہم یونیورسٹی سے الحاق رکھنا چاہتے ہیں اور سرکاری امداد لینا چاہتے ہیں، اگر یہ خیال نہ ہو تو بالکل حالت بدل جائے کہ طالب علم پکے مسلمان بن جائیں ان میں حمیت وغیرت مذہبی پیدا ہوجائے ان کے اخلاق درست ہوجائیں نیچریت اور دہریت کا اثر ان کے دلوں سے دور ہوجائے، انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوجائیں اور لباس اور فیشن وغیرہ ہر بات میں تقلید نصارٰی کررہے ہیں اس سے چھوٹ جائیں غرض کہ ہزاروں طرح کی برکات حاصل کریں، میرا کچھ لکھنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے، حضور پر سب حال روشن ہے میں حضور سے یہ فتوٰی مانگتا ہوں، برائے مہربانی جواب باصواب سے خاکسار کو مشکور وممنون فرماکر عنداللہ ماجور ہوں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ حالات حاضرہ پر نظر کرتے ہوئے گورنمنٹ سے ترک موالات (عدم تعاون) کرنا اسلامی حکم ہے یا نہیں اور گورنمنٹ سے اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کو امداد لینی اور یونیورسٹی سے الحاق کرنا اندریں حالات چاہئے یا نہیں؟ جواب باصواب سے عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔ **فقط والسلام**

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مکرم کرم فرما سلمہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، رب عزوجل فرماتا ہے:

"فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾" [1]	خوشخبری دو میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنتے پھر سب میں بہتر کی پیروی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالٰی نے ہدایت فرمائی اور یہی عقل والے ہیں

من وتو کی کیا حقیقت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ معاندین کے چند طریقے رہے ہیں:

اول سرے سے بات نہ سننا کہ:

"لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾" [2]۔	یہ قرآن سنو ہی نہیں اور اس میں بیہودہ غل کرو شاید تم غالب آؤ۔

دوم سن کر مکابرانہ تکذیب کا منہ کھول دینا کہ: "اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾" [3] تم تو نہیں مگر جھوٹے۔

سوم ہدایت کو معطل بالغرض بتانا کہ: "اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾" [4] اس میں تو ضرور کچھ مطلب ہے۔

چہارم حق کا باطل سے معارضہ کرنا:

"وَ یُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَ مَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾" [5]	کافر باطل کے ساتھ جھگڑتے ہیں کہ اس سے حق کو زائل کردیں اور انھوں نے میری آیتوں اور ڈراوؤں کو ہنسی بنالیا ہے۔

مسلمان پر فرض ہے کہ ان سب طُرق سے پرہیز کرے اور اس پر عامل ہو جو راستہ پہلی آیت بشارت میں اس کے رب نے بتایا ہر تعصب وطرفداری سے خالی الذہن ہو کر کان لگا کر بات سنے اگر انصافا حق پائے اتباع کرے بارگاہ عزت سے ہدایت ودانشمندی کا خطاب ملے ورنہ پھینک دینا تو ہر وقت اختیار میں ہے واللہ الھادی وولی الایادی۔

مدارس کے اقسام اور ان میں امداد لینے کے احکام:

(ا) ۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ کی بنارس کچی باغ سے یہ سوال آیا: "مدرسہ اسلامیہ عربیہ

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۶

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۵

[4] القرآن الکریم ۳۸/ ۶

[5] القرآن الکریم ۱۸/ ۵۶

جس میں پچیس سال سے گورنمنٹ سے امداد ماہوار ایک سو روپیہ مقرر ہے جس میں کتب فقہ واحادیث وقرآن کی تعلیم ہوتی ہے، ممبران خلافت کمیٹی نے تجویز کیا کہ امداد نہ لینا چاہئے، پس استفسار ہے کہ یہ امداد لینا جائز ہے یا نہیں؟ مدرسہ ہذا میں سوا تعلیم دینیات کے ایک حرف کسی غیر ملت وغیر زبان کی تعلیم نہیں ہوتی **فقط**"

اس کا جواب مطلق جواز ہوتا مگر پھر بھی احتیاطًا شکل شرط میں دیا گیا کہ "جبکہ وہ مدرسہ صرف دینیات کا ہے اور امداد کی بناء پر انگریزی وغیرہ اس میں داخل نہ کی گئی تو اس کے لینے میں شرعًا کوئی حرج نہیں تعلیم دینیات کو جو مدد پہنچتی تھی اس کا بند کرنا محض بے وجہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔"

۲۲ صفر ۱۳۳۹ھ کو کراچی سبز بازار سے یہ سوال آیا: "ایک ایسے صوبے میں جس کی قریبًا پچاس فیصدی آبادی اسلامی کاشتکاروں پر مشتمل ہے جس کے سالانہ محاصل کا ایک حصہ تعلیمی امداد کے ذیل وحصول کرکے حصہ رسدی مدارس مروجہ امدادیہ کو تقسیم کیا جاتا ہے اس سے استفادہ جائز ہے یا ناجائز؟ خصوصًا ایسے مدارس کے لئے جو کامل اسلامی اہتمام کے ماتحت جاری ہیں جن کی دینی تعلیم پر ارباب حکومت کسی نہج معترض نہیں ہوتے اور جن کی نصاب تعلیم کا سرکاری حصہ مروجہ تعلیم بھی خفیف سے خفیف شائبہ موانع شرعیہ سے جزًا وکلًا پاک ہے فقط۔"

اس کا جواب دیا گیا: "جو مدارس ہر طرح سے خالص اسلامی ہوں اور ان میں وہابیت، نیچریت وغیرہما کا دخل نہ ہو ان کا جاری رکھنا موجب اجر عظیم ہے، ایسے مدارس کے لئے گورنمنٹ اگر اپنے پاس سے امداد کرتی لینا جائز تھا نہ کہ جب وہ امداد بھی رعایا ہی کے مال سے ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**"

ندوہ کو بھی گورنمنٹ سے امداد ملتی تھی اور جہاں تک میرا خیال ہے اس پر ایسے قیود نہ تھے جو آپ نے ذکر کئے اور ضرور کچھ مدارس وہ بھی ہیں جن پر امداد امور خلاف شرع سے مقید یا ان کی طرف منجر ہو وہ بلاشبہہ ناجائز اگرچہ صرف اسی قدر کھیل میں بے ستری یا خلاف حیاء ومخرب اخلاق باتوں کی شرط ہو خصوصًا وہ صورت جو آپ نے بیان کی کہ نصاب میں وہ کتابیں مقرر ہوں جن میں خلاف اسلام باتیں ہیں حتی کہ **معاذاللہ** توہین رسالت اس میں حرمت درکنار کفر نقد وقت ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی** مولوی حاکم علی صاحب کی تحریر میں کوئی تفصیل نہ تھی لہذا یہ جواب دینا ضرور ہوا: "وہ الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا" یہ جواب دونوں صورتوں کو حاوی اور ناقابل تبدیل ہے حالات حاضرہ سے اس کی کسی شق میں تغیر نہ ہوا نہ یہاں کوئی جواب مطلق بلاشرط ہوسکتا ہے۔

لیڈر امداد چھڑاتے ہیں اور مخرب دین تعلیموں پر اب تک قائم ہیں:

(۲) انگریزوں کی تقلید و فیشن وغیرہ سے آزادی اور دہریت و نیچریت سے نجات بہت دل خوش کن کلمات ہیں خدا ایسا ہی کرے مگر یہ صرف ترک امداد والحاق سے حاصل نہیں ہوسکتے اس آگ کے بجھانے سے ملیں گے جو سید احمد خان نے لگائی اور اب تک بہت سے لیڈروں میں اس کی لپٹیں مشتعل ہیں انگریزی اور وہ بے سود وتضییع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا جو صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے این وآں ومہملات پر مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کامادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ومعہود ہے، جب تک یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم وتکمیل عقائد حقہ وعلوم صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں دہریت ونیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے، کیا لیڈر اس میں ساعی ہیں؟ ہر گز نہیں صرف امداد والحاق ترک کراتے ہیں جو ظاہری تعلق ہیں اور تعلیمات کے گہرے تعلقات نہ چھڑاتے ہیں نہ چھوٹیں گے کیا انھیں میں وہ لوگ جن سے پوچھا جاتا کہ صاحبزادوں کو قرآن نہ پڑھایا تو جواب دیتے کیا ان سے سوم کے چنے پڑھوانے ہیں، کیا اب ان کے خیالات بدل گئے، کیا اب انھوں نے انگریزی کے سوا اور رزاق سمجھ لیا، کیا اب یہ جواب نہ دیں گے کہ پرانے علوم سیکھ کر کیا کھائیں گے، کیا اب انھیں شبلی کے شعر بھول گئے ؎

سیارے ہیں اب نئی چمک کے		وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے
اب صورت ملک ودین نئی ہے		افلاک نئے زمیں نئی ہے
سب بھول گئے ہیں ما سبق کو		گردوں نے الٹ دیا ورق کو
قائم جو وہ انجمن نہیں ہے		اس نقد کا اب چلن نہیں ہے
القصہ یہ بات کی تھی تسلیم		یعنی کہ علوم نو کی تعلیم
تدبیر شفا جو ہے تو یہ ہے		اس دکھ کی دوا جو ہے تو یہ ہے
تقویم کہن سے ہاتھ اٹھائیں		تہذیب کے دائرے میں آئیں
سیکھیں وہ مطالب نو آئیں		یورپ میں جو ہو رہے ہیں تلقیں
وہ گنج گراں دانش فن		وہ فلسفہ جدید بیکن
کپلر کی وہ نکتہ آفرینی		نیوٹن کے مسائل یقینی

اور بفرض غلط ایسا ہو بھی تو اکثر لیڈر کہ انھیں تعلیمات فارغہ کے بل پر لیڈر بنے ہیں کس مصرف کے رہیں گے جب وہ مردود یہ خود مطرود، کیا اس وقت یہ شعر حالی ان کا ترجمان حال نہ ہوگا ؎

قلی یا نفر ہو تو کچھ کام آئے
مگر ان کو کس مد میں کوئی کھپائے [1]

لیڈر نصارٰی کی ادھوری غلامی چھوڑتے اور مشرکین کی پوری غلامی مناتے ہیں:

(۳) نصارٰی کی یہ غلامی کہ یہ پیر نیچر نے تھامی لیڈر جس کے اب زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی، اس کے نتائج تشبہ وضع و تحقیر شرع وشیوع دہریت وفروغ نیچریت مطابقے نہ تھے بلکہ التزامی اب اگر بعد خرابی بصر وآنکھیں کھلیں اور اسے چھوڑنا چاہتے ہیں مبارک ہو اور خدا سچ کرے اور راست لائے مگر للہ انصاف، وہ غلامی ادھوری تھی سید احمد خاں نے کسی پادری یا نصرانی کو امور دین میں صراحۃً اپنا امام و پیشوا نہ لکھا تھا آیات احادیث کی تمام عمر کو چرچ یا صلیب پر نثار کرنا نہ کہا تھا کسی پادری کو مساجد میں مسلمانوں کا واعظ وہادی نہ بنایا تھا نصرانیت کی رضا کو خدا کی رضا یا کسی پادری کو نبی بالقوہ نہ بنایا تھا اور اب مشرکین کی پوری غلامی ہو رہی ہے ان کے ساتھ یہ سب کچھ اور ان سے بہت زائد کیا جارہا ہے یہ کون سا دین ہے نصارٰی کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب، **فرمن المطر ووقف تحت المیزاب** ع

چلتے پر نالے کے نیچے ٹھہرے مینہ سے بھاگ کر

موالات ہر کافر سے حرام ہے:

(۴) موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریبی ہو، قال تعالٰی:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ" [2]	تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ دوستی کریں اللہ ورسول کے مخالفوں سے اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

موالات صوریہ کے احکام:

حتی کہ صوریہ کو بھی شرع مطہر نے حقیقیہ کے حکم میں رکھا۔ **قال تعالٰی:**

[1] مسدس حالی مطبوعہ نولکشور لاہور ص ۶۴

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ"[1]	اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو ان کی طرف محبت کی نگاہ ڈالتے ہو اور وہ اس حق سے کفر کررہے ہیں جو تمھارے پاس آیا۔

یہ موالات قطعاً حقیقیہ نہ تھی کہ نزول کریمہ دربارہ سیدنا خاطب بن ابی بلتعہ احد اصحاب البدر رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم ہے کما فی الصحیح[2] البخاری ومسلم (جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے۔ت) تفسیر علامہ ابوالسعود میں ہے:

فیه زجر شدید للمؤمنین عن اظهار صورة الموالاة لهم وان لم تکن موالاة فی الحقیقة[3]۔	اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو سخت جھڑک ہے اس بات سے کہ کافروں سے وہ بات کریں جو بظاہر محبت ہو اگرچہ حقیقت میں دوستی نہ ہو۔

مگر صوریہ ضروریہ خصوصا باکراہ، قال تعالٰی:

"اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ"[4]۔	مگر یہ کہ تمھیں ان سے واقعی پورا ڈر ہو۔

وقال تعالٰی:

"اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[5]۔	مگر وہ جو پورا مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔

مجرد معاملت کا حکم: اور معاملت مجردہ سوائے مرتدین ہر کافر سے جائز ہے جبکہ اس میں نہ کوئی اعانت کفر یا معصیت ہو نہ اضرار اسلام وشریعت ورنہ ایسی معاملت مسلم سے بھی حرام ہے چہ جائیکہ کافر، قال تعالٰی:

"وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪"[6]	گناہ وظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۱

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب لاتتخذوا عدوی وعدوکم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۲۶

[3] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) سورۃ ۱۵/ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸

[4] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

[5] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[6] القرآن الکریم ۵/ ۲

غیر قوموں کے ساتھ جواز معاملت کی مجمل تفصیل اس عـــہ فتوے میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں ہر معاملت کے ساتھ وہ قید لگا دی ہے جس کے بعد نقصان دین کا احتمال نہیں، ان احکام شرعیہ کو بھی حالات دائرہ نے کچھ نہ بدلا، نہ یہ شریعت بدلنے والی ہے۔

" لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾ " [1]	باطل نہیں آسکتا نہ اس کے آگے نہ اس کے پیچھے سے، اتارا ہوا ہے حکمت والے سراہے گئے کا۔

احکام الٰہیہ میں لیڈروں کی طرح طرح کھینچ تان بلکہ کایا پلٹ:

(۵) للہ انصاف، اس میں کون سی کھینچ تان ہے، جتنی بات کہی گئی صاف صریح احکام شرعیہ وجزئیات منصوصہ ہیں کھینچ تان کر احکام شرعیہ میں تغییر کا وقت خادم شرع کے لئے نہ اب ہے نہ کبھی تھا نہ کبھی ہو، ہاں خادمان گاندھی کے لئے نہ صرف کھینچ تان بلکہ کلام الٰہی واحکام الٰہی کو یکسر کایا پلٹ کرکے فرضیت موالات کفار نباہنے کا وقت ہے، مسجد میں کسی دبے ہوئے ذمی کے ذلت خواری کے ساتھ آنے کے جواز کا اختلافی مسئلہ نکالیں اور مشرک کو بروجہ استعلاء مسجد میں لے جانا اور مسلمانوں کا واعظ وہادی بنانا، مسند سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جمانا اس پر ڈھالیں دبے ہوئے ملتجی بے قابو مشرک سے کوئی بالائی خدمت یا زرہ خود بکتر عاریۃً لینے کے جواز کا مسئلہ دکھائیں اور اس سے خود سر خود غرض، زبردست، خونخوار مشرکوں کے دامن پکڑنا، ان کے سایہ میں پناہ لینا، ان صریح بدخواہوں کی رائے پر اپنے آپ کو سپرد کردینا منائیں کفار معاہدین یا بعض کے نزدیک قتال سے بالذات

عـــہ: خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاثار میں فرماتے ہیں: **اخبرنا ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم انہ قال فی التاجر یختلف الی ارض الحرب انہ لاباس بذٰلك مالم یحمل الیھم سلاحا، اوکراعا، وسلبا، قال محمد وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ** [2] یعنی ہمیں امام اعظم نے امام حماد بن ابی سلیمن انھوں نے امام ابراہیم نخعی سے خبر دی کہ تجارت کے لئے دارالحرب میں تاجر کی آمد ورفت جائز ہے جب تک ان کی طرف ہتھیار یا گھوڑے یا قیدی نہ لے جائیں، امام محمد نے فرمایا اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول امام اعظم کا ہے، نیز مؤطا شریعت کی عبارت آتی ہے کہ مشرک مقاتل کو ہدیہ بھیجنے میں حرج نہیں جب تک ہتھیار یا زرہ کا بھیجنا نہ ہو۔ اور یہی قول امام اعظم اور ہمارے عام فقہاء کا ہے [3] **انتہی ۱۲ منہ**

---

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲

[2] کتاب الآثار امام محمد باب حمل التجارۃ الی ارض الحرب حدیث ۱۵۱ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۶۷

[3] مؤطا امام محمد باب مایکرہ من لبس الحریر والدیباج آفتاب عالم پریس لاہور ص ۲۷۱

عاجزین کے ساتھ کچھ مالی سلوک کی رخصت والی آیت سنائیں اور اسے خونخوار مشرکین سخت اعدائے اسلام و مسلمین کے ساتھ اتحاد و وداد بلکہ غلامی وانقیاد کی نہ صرف رخصت بلکہ اعظم فرضیت کی دلیل بنائیں، ان سب کا بیان بعونہ تعالیٰ ابھی آتا ہے آپ انصاف کرلیں گے کس نے کھینچ تان کی، حاشانہ صرف کھینچ تان بلکہ کمال جسارت سے احکام الٰہیہ کا یا پلٹ کرکے قرآن وحدیث کی عمر بت پرستی پر قربان کی۔

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[1]	اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

تعلیم کے لئے امداد لینا اور لیڈروں کی دینی حالت کہ اسلام ان کو نہ جب مدنظر نہ تھا نہ اب ہے:

(۶) اور تعلیم دین کے لئے گورنمنٹ سے امداد قبول کرنا جو مخالف شرع سے مشروط نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفع بے غائلہ ہے جس کی تحریم پر شرع مطہر سے اصلا کوئی دلیل نہیں۔ دین پر قائم رہو مگر دین میں زیادت نہ کرو۔ کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سلاطین کفار کے ہدایا قبول نہ فرمائے، جو وجوہ شناعت آپ نے ان مدارس میں لکھیں کہ امور مخالف اسلام حتی کہ توہین حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم داخل نصاب ہے بیشک جو اس قسم کے اسکول یا کالج ہوں ان میں نہ فقط اخذ امداد بلکہ تعلیم وتعلم سب حرام قطعی بلکہ مستلزم کفر ہے، آپ فرماتے ہیں یہ میں اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کا ذکر کررہا ہوں پھر غیر اسلامیہ کا کیا پوچھنا، مگر افسوس اور سخت افسوس یہ کہ آج آپ کو جتنے لیڈر دکھائی دیں گے وہ ان کے بازو اور ان کے ہم زبان عام طور پر انہیں اسکولوں کالجوں کے کاسہ لیس ملیں گے، انھیں سے بڑی بڑی ڈگریاں ایم اے، بی اے کی پائے ہوئے ہوں گے، کیا اس وقت تک ان میں یہ خباثتیں نہ تھیں، ضرور تھیں مگر ان صاحبون کو مقبول اور منظور تھیں، اور اب بھی جو آنکھ کھلی تو صرف ایک گوشہ انگریزوں کی طرف کی اور وہ بھی شریعت پر زیادت کے ساتھ کہ ان سے مجرد معاملت بھی حرام قطعی بلکہ کفر اور مشرکوں کی طرف کی پہلے سے بھی زیادہ پٹ ہوگئی کہ ان سے وداد واتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی وانقیاد وفرض انھیں راضی کرلیا تو خدا کو راضی کرلیا تو ثابت ہوا کہ اسلام ان حضرات کو نہ جب مدنظر تھا اور نہ ایسی دین تعلیموں سے بھاگتے، نہ اب مدنظر ہے ورنہ مشرکوں کے اتحاد وانقیاد کے فتنے نہ جاگتے ع

نہ آغاز بہتر نہ انجام اچھا

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

موالات کی بحث

(۷) ترک معاملت کو ترک موالات بنا کر قرآن عظیم کی آیتیں کہ ترک موالات میں ہیں سوجھیں، مگر فتوائے مسٹر گاندھی سے ان سب میں استثنائے مشرکین کی پچر لگالی کہ آیتیں اگرچہ عام ہیں مگر ہندوؤں کے بارے میں نہیں، ہندو تو ہادیان اسلام ہیں، آیتیں صرف نصاری کے بارے میں ہیں اور نہ کل نصاری فقط انگریز، اور انگریز بھی کل تک ان کے مورد نہ تھے حالت حاضرہ سے ہوئے، ایسی ترمیم شریعت و تغییر احکام و تبدیل اسلام کا نام خیر خواہی اسلام رکھا ہے، ترک موالات قرآن عظیم نے ایک دو، دس بیس جگہ تاکید شدید پر اکتفاء نہ فرمائی بلکہ بکثرت جابجا کان کھول کھول کر تعلیم حق سنائی اور اس پر تنبیہ فرمادی کہ:

"قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾"[1]	ہم نے تمھارے لیے آیتیں صاف کھول دی ہیں اگر تمھیں عقل ہو۔

مگر توبہ، کہاں عقل اور کہاں کان، یہ سب تو وداد ہنود پر قربان، لاجرم ان سب سے ہندوؤں کا استثناء کرنے کے لیے بڑے بڑے آزاد لیڈروں نے قرآن عظیم میں تحریفیں کیں، آیات میں پیوند جوڑے، پیش خویش واحد قہار کو اصلاحیں دیں ان کی تفصیل گزارش ہو تو دفتر طویل نگارش ہو۔

آیۃ ممتحنہ کا روشن بیان

ایک آیہ کریمہ کے بیان پر اقتصار کروں کہ وہی ان سب چھوٹے بڑے لیڈروں کی نقل مجلس ہے یعنی کریمہ ممتحنہ "لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" الایۃ" اس میں اکثر اہل تاویل جن میں سلطان المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہیں فرماتے ہیں: اس سے مراد بنو خزاعہ ہیں جن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مدت تک معاہدہ تھا۔ رب عزوجل نے فرمایا ان کی مدت عہد تک ان سے بعض نیک سلوک کی تمھیں ممانعت نہیں۔ امام مجاہد تلمیذ اکبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم کہ ان کی تفسیر بھی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس ہی سمجھی جاتی ہے، فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جنھوں نے مکہ مکرمہ سے ابھی ہجرت نہ کی تھی، رب عزوجل فرماتا ہے ان کے ساتھ نیک سلوک منع نہیں۔ بعض مفسرین نے کہا: مراد کافروں کی عورتیں اور بچے ہیں جن میں لڑنے کی قابلیت ہی نہیں۔ قول اکثر کی حجت حدیث بخاری و مسلم واحمد وغیرہ ہے کہ سیدتنا اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس ان کی والدہ قتیلہ بحالت کفر آئی اور کچھ ہدایا لائی، انھوں نے نہ اس کے ہدیے قبول کیے نہ آنے دیا کہ تم

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

کافرہ ہو جب تک سرکار سے اذن نہ ملے تم میرے پاس نہیں آسکتیں۔ حضور میں عرض کی، اس پر آیہ کریمہ اتری کہ ان سے ممانعت نہیں، یہ واقعہ زمانہ صلح ومعاہدہ کا ہے خصوصًا یہ توماں کا معاملہ تھا ماں باپ کے لیے مطلقًا ارشاد ہے "وَصَاحِبۡهُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا ۫" [1] "دنیوی معاملوں میں ان کے ساتھ اچھی طرح رہ۔ ظاہر ہے کہ قول امام مجاہد پر تو آیہ کریمہ کو کفار سے تعلق ہی نہیں خاص مسلمانوں کے بارے میں ہے اور نہ اب وہ کسی طرح قابل نسخ، اور قول سوم یعنی ارادہ نساء وصبیان پر بھی اگر منسوخ نہ ہو ان دوستان ہنود کو نافع نہیں کہ یہ جن سے وداد واتحاد منا رہے ہیں وہ عورتیں اور بچے نہیں، قول اول پر بھی کہ آیت اہل عہد وذمہ کے لیے ہے، اور یہی قول اکثر جمہور ہے آیہ کریمہ میں نسخ ماننے کی کوئی حاجت نہیں، لاجرم اکثر اہل تاویل اسے محکم مانتے ہیں،

آیۃ ممتحنہ میں حنفیہ کا مسلک:

اور اسی پر ہمارے ائمہ حنفیّہ نے اعتماد فرمایا کہ آیہ "لَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ" در بارہ اہل ذمہ اور آیہ "یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ" حربیوں کے بارے میں ہے۔ اسی بناپر ہدایہ ودرر وغیرھما کتب معتمدہ میں فرمایا: کافر ذمی کے لیے وصیت جائز ہے اور حربی کے لیے باطل وحرام، آیہ "لَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ" نے ذمی کے ساتھ احسان جائز فرمایا اور آیہ "اِنَّمَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ" نے حربی کے ساتھ احسان حرام۔ عبارت ہدایہ یہ ہے:

یجوز ان یوصی المسلم للکافر والکافر للمسلم فالاول لقولہ "لَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" الایۃ، والثانی لانھم بعقد الذمۃ ساووا المسلمین فی المعاملات ولھذا جاز التبرع من الجانبین فی حالۃ الحیاۃ فکذا بعد الممات وفی الجامع الصغیر الوصیۃ لاھل الحرب باطلۃ لقولہ تعالٰی "اِنَّمَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" الایۃ۔ [2]	جائز ہے کہ مسلمان (ذمی) کافر کے لیے وصیت کرے اور کافر مسلمان کے لیے، اول تو اس دلیل سے کہ اللہ تعالٰی تمھیں ان سے منع کرتا جو تم سے دین میں لڑیں آخر آیت تک، اور دوم اس لیے کہ وہ ذمی ہونے کے سبب معاملات میں مسلمانوں کے برابر ہوگئے اسی لیے زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ مالی نیک سلوک کرسکتا ہے تو یوں ہی بعد موت بھی، اور جامع صغیر میں ہے حربیوں کے لیے وصیت باطل ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے جو تم سے دین میں لڑیں آخر آیت تک،

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۵

[2] الہدایہ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۳

کافر عـــہ سے خاص ذمی مراد ہے بدلیل قولہ انھم بعقد الذمۃ ولہٰذا امام اکمل نے عنایہ میں اس کی شرح یوں فرمائی:

وصیۃ المسلم للکافر الذمی وعکسھا جائزۃ[1]۔	مسلمان کا کافر ذمی کے لئے وصیت کرنا اور اس کا عکس جائز ہے۔

امام اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا:

اراد بالکافر الذمی لان الحربی لاتجوز لہ الوصیۃ علی مانبین۔[2]	عبارات ہدایہ میں کافر سے ذمی مراد ہے اس لئے کہ حربی کے لئے وصیت جائز نہیں جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

ایسا ہی جوہرہ نیرہ میں و مستصفی میں ہے کفایہ میں فرمایا:

ارادبہ الذمی بدلیل التعلیل وروایۃ الجامع الصغیر ان الوصیۃ لاھل الحرب باطلۃ[3]۔	صاحب ہدایہ نے کافر سے ذمی مراد لیا ایک تو ان کی دلیل اس پر گواہ ہے کہ فرمایا وہ ذمی ہونے کے سبب معاملات میں مسلمانوں کے برابر ہوگئے دوسرے جامع صغیر کی روایت کہ حربیوں کے لئے وصیت باطل ہے۔

اسی کو وافی وکنز وتنویر وغیرہا متون میں یوں تعبیر فرمایا:

یجوز ان یوصی المسلم للذمی وبالعکس[4]۔	جائز ہے کہ مسلمان ذمی کے لئے وصیت کرے اور اس کا عکس بھی ۱۲

تفسیر احمدی میں ہے:

والحاصل ان الایۃ الاولی ان کانت	حاصل یہ ہے کہ پہلی آیت جس میں نیک سلوک کی

عـــہ: یہاں سے بعض مفتیان اجہل کی جہالت شدیدہ ظاہر ہوئی جنھوں نے عبارت ہدایہ کو مشرکین ہند پر جمایا طرفہ یہ کہ اپنی ہی نقل کردہ عبارت نہ سوجھی لانھم بعقد الذمۃ سوجھی، کیوں نہیں قصد عوام کو دھوکے دینے کی ٹھہرائی ۱۲۔ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

---

[1] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۴۵۵

[2] الجوہرۃ النیرۃ (مفھوما) کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۴۹۱

[3] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۶۵۵

[4] کنز الدقائق کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۱۴

فی الذمی والثانیة فی الحربی کما ھو الظاھر وعلیه الاکثرون کان دالاعلی جواز الاحسان الی الذمی دون الحربی، ولهذ اتمسك صاحب الهدایة فی باب الوصیة ان الوصیة للذمی جائزة دون الحربی لانه نوع احسان و لهذا المعنی قال فی باب الزکوٰة ان الصدقة النافلة یجوز اعطاء ھاللذمی دون الحربی [1]۔	حاصل یہ ہے کہ پہلی آیت جس میں نیک سلوک کی رخصت ہے اگر دربارہ ذمی ہو اور دوسری جس میں مقاتلین سے ممانعت ہے دربارہ حربی جیساکہ یہی ظاہر ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ ہے تو آیتیں دلیل ہوں گی کہ ذمی کے ساتھ نیک سلوک جائز ہے۔اور حربی کے ساتھ حرام، ولہذا صاحب ہدایہ نے باب الوصیۃ میں انھیں آیتوں کی سند سے فرمایا کہ وہ ایک طرح کا احسان ہے اور اسی کے سبب باب الزکوۃ میں فرمایا کہ نفلی صدقہ ذمی کو دینا حلال اور حربی کو دینا حرام ۱۲

نہایہ امام سغناقی وغایۃ البیان امام اتقانی وبحر الرائق وغنیہ علامہ شرنبلالی میں ہے:

واللفظ للبحر صح دفع غیر الزکوٰۃ الی الذمی لقوله تعالٰی "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ" الاٰیة وقید بالذمی لان جمیع الصدقات فرضا کانت اوواجبة اوتطوعا لاتجوز للحربی اتفاقا کما فی غایة البیان لقوله تعالٰی یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ واطلقه فشمل المستامن وقد صرح به فی النهایة [2]۔	زکوۃ کے سوا اور صدقات ذمی کو دے سکتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے: تمھیں اللہ ان سے منع نہیں فرماتا جو دین میں تم سے نہ لڑیں، ذمی کی قید اس لئے لگائی کہ حربی کے لئے جملہ صدقات حرام ہیں، فرض ہوں یا واجب یا نفل۔ جیساکہ غایۃ البیان میں ہے۔اس لئے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے لڑیں، حربی کو مطلق رکھا تو مستامن کو بھی شامل ہوا جو سلطان اسلام سے پناہ لے کر دارالاسلام میں آیا اسے بھی کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں۔اور نہایہ میں اس کی صاف تصریح ہے۔

[1] التفسیرات الاحمدیة سورة الممتحنه المطبع الکریمی بمبئی ص ۷۰۰۔۶۹۹

[2] البحر الرائق باب المصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۲

تبیین الحقائق امام زیلعی پھر فتح اللہ المعین سید ازہری میں ہے:

لایجوز دفع الزکوٰۃ الی ذمی وقال زفر یجوز لقولہ تعالٰی "لَا یَنۡہٰىكُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ" صرف الصدقات کلھا الیھم بخلاف الحربی المستامن حیث لایجوز دفع الصدقۃ الیہ لقولہ تعالٰی "اِنَّمَا یَنۡہٰىكُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ" واجمعوا علی ان فقراء اھل الحرب خرجوا من عموم الفقراء [1] (ملخصاً)	ذمی کو زکوۃ دینا تو جائز نہیں۔اور امام زفر نے فرمایا تمام قسم کے صدقات دے سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تمہیں ان سے نہیں روکتا جو دین میں تم سے نہ لڑیں۔بخلاف حربی اگرچہ مستامن ہو کہ اسے کسی قسم کا صدقہ دینا حلال نہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تمھیں ان سے روکتا ہے جو تم سے دین میں لڑیں،اور ائمہ امت کا اجماع ہے کہ قرآن عظیم میں جو صدقات فقراء کے لئے بتائے حربی فقیر ان سے خارج ہیں۔

جوہرہ نیرہ میں ہے:

انما جازت الوصیۃ للذمی ولم تجز للحربی لقولہ تعالٰی "لَا یَنۡہٰىكُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِیَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡہُمۡ"۔ثم قال "اِنَّمَا یَنۡہٰىكُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ" [2]۔الایۃ	خاص ذمی کے لئے وصیت جائز اور حربی کے لئے حرام اس وجہ سے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تعالٰی تمھیں ان سے نیک سلوک کو منع نہیں فرماتا جو تم سے دین میں نہ لڑیں، اور تمھیں گھروں سے نہ نکالا پھر فرمایا اللہ تمھیں ان سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑیں۔

کافی میں ہے:

یجوز ان یدفع غیر الزکوٰۃ الی ذمی وقال ابو یوسف و الشافعی لایجوز کالزکوٰۃ ولنا قولہ تعالٰی لَا یَنۡہٰىكُمُ اللّٰہُ عَنِ	زکوۃ کے سوا اور صدقات ذمی کو دے سکتے ہیں اور امام ابو یوسف وامام شافعی نے فرمایا اور صدقات بھی ذمی کو نہیں دے سکتا جیسے زکوۃ ہماری دلیل

[1] تبیین الحقائق باب المصرف المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۳۰۰

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۹۱

"لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ "[1]	اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ اللہ تمھیں بھلائی میں ان سے منع نہیں فرماتا جو دین میں تم سے نہ لڑیں۔

فتح القدیر میں ہے:

الفقراء فی الکتاب عام خص منه الحربی بالاجماع مستندین الی قوله تعالٰی "اِنَّمَا يَنۡهٰٮكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ "[2]۔	قرآن عظیم میں فقراء کا لفظ عام ہے باجماع امت حربی اس سے خارج ہیں اجماع کی سند اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے لڑیں۔

عنایہ ومعراج الدرایہ ومحیط برہانی وجودی زادہ وشرنبلالی بدائع وسیر کبیر امام محمد کی عبارتیں عنقریب آتی ہیں، یہ ہے مسلک ائمہ حنفیّہ جسے حنفی بننے والے لیڈریوں مسخ ونسخ کی دیوار سے مارتے ہیں اور اس سے حربی مشرکوں کے ساتھ نرا احسان مالی نہیں بلکہ وداد اتحاد بگھارتے ہیں۔

آیت میں نسخ کے اقوال

"يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ "[3]	دیدہ دانستہ بات سمجھ کر اس کی جگہ سے پھیرتے ہیں۔

آیہ کریمہ میں ایک قول یہ ہے کہ مطلق کفار مراد ہیں جو مسلمانوں سے نہ لڑے ان کے نزدیک وہ ضرور آیات قتال وغلظت سے منسوخ ہے اجلہ ائمہ تابعین مثلاً امام عطا بن ابی رباح استاذ امام اعظم ابوحنیفہ جن کی نسبت امام اعظم فرماتے ہیں: "ما رأیت افضل من عطا" میں نے عطا سے افضل کسی کو نہ دیکھا۔ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مولٰی امیر المومنین عمر فاروق اعظم وقتادہ وتلمیذ خاص حضرت انس خادم خاص حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس کے منسوخ ہونے کی تصریح فرمائی، تفسیر کبیر میں ہے:

اختلفوا فی المراد من "الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ" فالاکثر علی انھم اھل العھد	اس میں اختلاف ہوا کہ "وہ جو تم سے دین میں نہ لڑیں" ان سے کون لوگ مراد ہیں، اکثر اہل تاویل اس پر ہیں

[1] کافی شرح وافی

[2] فتح القدیر باب من یجوز دفع الصدقہ الخ مکتبہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۷۵

الذین عاھدوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی ترك القتال والمظاھرة فی العداوۃ،وھم خزاعة کانواعاھدوا الرسول علی ان لایقاتلوه ولایخرجوه، فامرالرسول علیه الصلوٰۃ والسلام بالبر والوفاء الی مدة اجلھم،وھذ اقول ابن عباس ومقاتل ابن حیان ومقاتل ابن سلیمن ومحمد ابن سائب الکلبی،وقال مجاھد الذین اٰمنوا بمکة ولم یھاجروا وقیل ھم النساء والصبیان،وعن عبداللہ بن الزبیر انھا نزلت فی اسماء بنت ابی بکر قدمت امھا قتیلة علیھا وھی مشرکة بھدایا فلم تقبلھا ولم تاذن لھا بالدخول فامرھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان تدخلھا وتقبل منھا وتکرمھا وتحسن الیھا،وقیل الاٰیة فی المشرکین وقال قتادة نسختھا اٰیة القتال [1] ۔	کہ ان سے اہل عہد مراد ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ نہ حضور سے لڑیں گے نہ دشمن کی مدد کریں گے،اور وہ بنی خزاعہ ہیں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ نہ لڑیں گے نہ مسلمانوں کو مکہ معظّمہ سے نکالیں گے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان کے ساتھ نیک سلوک فرمائیں اور ان کا عہد مدت موعود تک پورا کریں،حضرت عبداللہ بن عباس ومقاتل بن حیان ومقاتل بن سلیمن ومحمد بن سائب کلبی کا یہی قول ہے اور امام مجاہد نے فرمایا:وہ مسلمانان مکہ مراد ہیں جنھوں نے ابھی ہجرت نہ کی تھی۔اور بعض نے کہا عورتیں اور بچے مراد ہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں اتری ان کی ماں قتیلہ بحالت کفر ان کے پاس کچھ ہدیے لے کرآئیں انھوں نے نہ ہدیے کو قبول کئے نہ انھیں آنے کی اجازت دی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا کہ اسے آنے دیں اوراس کے ہدیے قبول کریں اور اس کی خاطر اور اس کے ساتھ نیک سلوک کریں،اور بعض نے کہاآیت دربارہ مشرکین ہے،قتادہ نے کہاوہ آیت جہاد منسوخ ہوگئی۔

صحیح مسلم شریف میں اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

[1] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر)زیرآیۃ لاینھٰکم اللہ الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۹/ ۴۔۳۰۳

قدمت علی امی وھی مشرکة فی عھد قریش اذ عاھدھم فاستفیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قلت قدمت علی امی وھی راغبة افاصل امی قال نعم صلی امك [1]۔	میری ماں کہ مشرکہ تھی اس زمانہ میں کہ کافروں سے معاہدہ تھا میرے پاس آئی میں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فتوٰی پوچھا کہ میری ماں طمع لے کر میری پاس آئی ہیں کیا میں اپنی ماں سے کچھ نیک سلوک کروں؟ فرمایا: ہاں اپنی ماں سے نیک سلوک کر۔

جمل میں قرطبّی سے ہے:

ھی مخصوصة بالذین اٰمنوا ولم یھاجروا وقیل یعنی به النساء الصبیان لانھم من لایقاتل فاذن اللہ فی برھم حکاہ بعض المفسرین وقال اکثر اھل التاویل ھی محکمة واحتجوا بان اسماء بنت ابی بکر سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ھل تصل امھا حین قدمت علیھا مشرکة قال نعم، اخرجه البخاری ومسلم [2]۔	یہ آیت خاص ہے ان کے بارے میں جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی، اور بعض نے کہا اس سے عورتیں اور بچے مراد ہیں اس لئے کہ وہ لڑنے کے قابل نہیں، تو اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ مالی نیک سلوک کی اجازت دی، اسے بعض مفسرین نے نقل کیا۔ اور اکثر اہل تاویل نے کہا آیت محکم ہے، اور اس سے سند لائے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال کیا کیا اپنی ماں سے کچھ نیک سلوک کرے جب وہ ان کے پاس بحالت شرک آئی تھیں؟ فرمایا: ہاں، اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

تفسیر در منثور میں ہے:

اخرج حمید وابن المنذر عن مجاھد فی قوله "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ" الاٰیة قال ان تستغفروا وتبروھم وتقسطوا الیھم ھم	عبد بن حمید اور ابن المنذر نے امام مجاہد سے تفسیر کریمہ "لَا یَنْهٰىكُمُ الخ" میں روایت کیا، فرمایا معنی آیت یہ ہیں کہ اللہ تمہیں منع نہیں فرماتا کہ تم ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ان سے نیک سلوک وانصاف کا

[1] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۴

[2] الفتوحات الالھیه (الشھیر بالجمل) زیر آیہ لاینھکم اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۲۸

الذین اٰمنوا بمکة ولم یهاجروا اھ [1]۔	برتاؤ برتو اس سے مراد کون لوگ ہیں وہ جو مکہ میں ایمان لائے تھے اور ہجرت نہ کی۔

تفسیر جامع البیان میں بہ سند صحیح ہے:

حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وهب قال قال ابن زید وسألته عن قول الله عزوجل "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" الاٰیة فقال هذا قد نسخ نسخه القتال [2]۔	مجھ سے یونس نے حدیث بیان کی کہ مجھ کو ابن وهب نے خبر دی کہا جب میں نے امام ابن زید سے کریمہ "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" کے بارے میں پوچھا، فرمایا یہ منسوخ ہے حکم جہاد نے اسے نسخ فرمادیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے:

اخرج ابوداؤد فی تاریخه وابن المنذر عن قتادة "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" الایة نسختها "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ" [3]۔	ابوداؤد نے اپنی تاریخ اور ابن المنذر نے تفسیر میں قتادہ سے روایت کیا کریمہ "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" کو اس آیت نے منسوخ فرمایا کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

اسی میں ہے:

ابن ابی حاتم وابو الشیخ عن مقاتل فی قوله تعالٰی "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً" قال نسخت هذه الاٰیة کل اٰیة فیها رخصة [4]۔	ابن ابی حاتم وابو الشیخ نے اپنی تفسیروں میں مقاتل سے روایت کیا کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد نے کہ سب مشرکوں سے قتال کرو اس سے پہلے جتنی آیتوں میں کچھ رخصتیں تھیں سب منسوخ فرمادیں۔

تفسیر ارشاد العقل السلیم میں زیر کریمہ "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ" ہے:

قال عطاء نسخت عـــہ هذه الاٰیة کل	امام عطا رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کافروں کے

عـــہ: یہاں سے اس جاہل مفتی کی جہالت ظاہر ہوگئی جس نے آیہ کریمہ "لَا یَنْهٰىكُمُ" کو کہا کہ "وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ" سے اس کو کسی نے منسوخ نہیں بتایا۔ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ

---

[1] الدر المنثور (تفسیر) زیر آیہ لاینهٰکم اللہ عن الذین الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۶/ ۲۰۵

[2] جامع البیان لابن جریر الطبری زیر آیہ لاینهٰکم اللہ عن الذین الخ مطبعۃ میمنہ مصر ۲۸/ ۴۱

[3] الدرالمنثور زیر آیہ لاینهٰکم اللہ عن الذین الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۶/ ۲۰۵

[4] الدر المنثور زیر آیہ وقاتلوا المشرکین کافۃ الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۲۳۶

شیئ من العفو والصفح [1]۔	ساتھ معافی ودرگزر کی جتنی اجازتیں تھیں سب اس آیہ کریمہ نے منسوخ فرمادیں۔

تفسیر عنایہ القاضی میں زیر کریمہ "لَایَنْہٰکُمُ اللہُ" ہے:

ھذہ الاٰیۃ منسوخۃ بقولہ تعالٰی "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ" الاٰیۃ [2]۔	یہ آیت اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ تلوار کے گھاٹ اتارو۔

تفسیر خطیب شربینی میں پھر فتوحات الالٰہیہ میں ہے:

کان ھذا الحکم وھو جواز موالاۃ الکفار الذین لم یقاتلوا فی اول الاسلام عنه الموادعة وترك الامر بالقتال ثم نسخ بقولہ تعالٰی "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ" [3]۔	یہ حکم کہ "جو کفار مسلمانوں سے نہ لڑیں ان کے ساتھ کچھ نیک سلوک کیا جائے" ابتداء میں تھا کہ لڑائی موقوف تھی اور جہاد کا حکم نہ تھا، پھر یہ حکم اسی آیہ کریمہ سے منسوخ ہوگیا کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ گردن مارو۔

جلالین شریف میں ہے:

ھذا مقابل الامر بالجھاد [4]۔	یہ اجازت اس وقت تک تھی کہ جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا۔

اسی کے خطبہ میں ہے:

ھذا تکملة تفسیر القراٰن الکریم الذی الفه الامام جلال الدین المحلی علی نمطه من ذکر مایفھم به کلام اللہ تعالٰی والاعتماد علی ارجح الاقوال [5] (ملخصا)	یہ امام جلال الدین محلّی کی تفسیر کا تکملہ اسی انداز پر ہے کہ اتنی بات بیان کی جائے جس سے کلام اللہ سمجھ میں آجائے اور جو قول سب سے راجح ہے اس پر اعتماد کیا جائے۔ (ملخصا)

جمل میں ہے:

---

[1] ارشاد العقل السلیم آیۃ یاایھاالنبی جاھد الکفار دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۸۴

[2] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی آیۃ لاینھکم اللہ عن الذین دار صادر بیروت ۸/ ۱۸۸

[3] الفتوحات الالٰھیہ (الشھیر بالجمل) آیۃ لاینھکم اللہ عن الذین مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۲۸

[4] تفسیر جلالین آیۃ لاینھکم اللہ عن الذین مطبع مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۴۵۵

[5] تفسیر جلالین خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی نصف اول ص ۲

ای الاقتصار علی ارجح الاقوال [1]۔	یعنی صرف وہ قول بیان کریں گے جو سب سے راجح ہے۔

زرقانی علی المواہب میں ہے:

الجلال قد التزام الاقتصار علی الاصح [2]۔	امام جلال نے التزام فرمایا ہے کہ صرف وہ قول لکھیں گے جو سب سے زیادہ صحیح ہے۔

یہاں مسلمانوں کو جہاد کا حکم نہیں جو اس کی طرف بلاتے ہیں مسلمانوں کے بدخواہ ہیں:

تنبیہ ضروری: یہ آیہ کریمہ کہ یہاں علماء وائمہ نے بیان ناسخ کے لئے تلاوت کی کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور اس مضمون کی اور آیات نیز وہ عبارات ہدایہ وغیرہا قریب آنے والیاں کہ جہاد میں پہل واجب ہے ان کا تعلق سلاطین اسلام وعساکر اسلام اصحاب خزائن واسلحہ واستطاعت سے ہے نہ کہ ان کے غیر سے، قال اللہ تعالٰی:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا [3]۔	اللہ تعالٰی کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت بھر۔

وقال تعالٰی:

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىہَا" [4]۔	اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اتنے کی جس قدر کی استطاعت اسے دی ہے۔

وقال تعالٰی:

"لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ" [5]۔	اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

مجتبٰی وجامع الرموز وردالمحتار میں ہے:

یجب علی الامام ان یبعث	سلطان اعظم اسلام پر فرض ہے کہ ہر سال

[1] الفتوحات الالٰہیہ (الشہیر بالجمل) خطبہ کتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۷

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الثانی الفصل الاول دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۷۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[4] القرآن الکریم ۶۵/ ۷

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

سریة الی دارالحرب کل سنة مرة اومرتین وعلی الرعیة الا اذا اخذ الخراج فان لم یبعث کان کل الاثم علیه وھذا اذا غلب علی ظنه انه یکافیھم والا فلایباح قتالھم [1]۔	ایک یادو بار دارالحرب پر لشکر بھیجے اور رعیت پر اس کی مدد فرض ہے اگران سے خراج نہ لیا ہو تو سلطان اگر لشکر نہ بھیجے تو سارا گناہ اسی کے سر ہے، یہ سب اس صورت میں ہے کہ اسے غالب گمان ہو کہ طاقت میں کافروں سے کم نہ رہے گا ورنہ اسے ان سے لڑائی کی پہل ناجائز ہے۔

خصوصا ہندوستان میں جہاں اگر دس مسلمان ایک مشرک کو قتل کریں تو **معاذاللہ** دسوں کو پھانسی ہو ایسی جگہ مسلمانوں پر جہاد فرض بتانے والا شریعت پر مفتری اور مسلمانوں کا بدخواہ ہے، ہمارا مقصود اس قدر تھا کہ کریمہ ممتحنہ اگر جملہ مشرکین غیر محاربین کو عام ہے تو ضرور منسوخ ہے وہ **بحمدہ تعالٰی** بروجہ احسن ثابت ہوگیا۔

خود قرآن عظیم سے اس آیت کی منسوخی کا ثبوت اگر ہر غیر محارب بالفعل کو عام مانی جائے۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق (اور میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اگروہ اکابر تابعین اس کے نسخ کی تصریح اور یہ امام جلیل اس کی ترجیح و تصحیح نہ فرماتے تو قرآن عظیم خود شاہد تھا کہ آیہ "**لَا یَنۡہٰىکُمُ**" اگر جملہ مشرکین غیر محاربین بالفعل کو عام ہے تو قطعاً منسوخ ہے، ممتحنہ کا نزول سورہ براءت سے یقینا پہلے ہے تصریح ائمہ نہ ہوتی تو خود اس کی آیہ کریمہ بتارہی ہیں کہ نزول تک مکہ معظّمہ قبض کفار میں تھا اور سورہ توبہ شریف کے ارشادات جگمگا رہے ہیں کہ اس کا نزول بعد فتح بلد الحرام و تسلط تام دین اسلام ہے وللہ الحمد، سورہ براءت میں ارشاد فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ۝۷۳" [2]۔	اے نبی! کافروں اور منافقوں پر جہاد فرمائیے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بری پھرنے کی جگہ ہے۔

پھر اسی سورۃ میں ارشاد فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ	اے ایمان والو! اپنے پاس کے کافروں سے لڑو

[1] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۵

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۳

یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً "[1]	اور تم پر فرض ہے کہ وہ تم میں درشتی پائیں

یہ حکم بھی جمیع کفار کو عام ہے حکمت یہی ہے کہ پہلے پاس والوں کو زیر کیا جائے جب وہاں اسلام کا تسلط ہو جائے تو اب جو اس سے نزدیک ہیں وہ پاس والے ہوئے وہ زیر ہو جائیں تو اب جو ان سے قریب ہیں یونہی یہ سلسلہ شرقاً غرباً منتہائے زمین تک پہنچے اور بحمد اللہ ایسا ہی ہوا اور بعونہٖ تعالیٰ ایسا ہی بروجہ اتم وکمال زمانہ امام موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہونے والا ہے **سب کافروں سے قتال وغلظت کا حکم ہے اگرچہ محارب بالفعل نہ ہوں محارب بالفعل کی تخصیص منسوخ ہوگئی:**

" حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ "[2]۔	یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔

یہاں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ کفار پر درشتی کرو۔ مومنین کو حکم ہوا کافروں پر سختی کرو۔ اس میں نہ کوئی تقسیم ہے نہ تردید، نہ تخصیص نہ تقلید، اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نیک سلوک اور سختی ودرشتی باہم متنافی ہیں، پہلے نیک سلوک کی اجازت تھی اب درشتی وسختی کا حکم ہوا تو وہ اجازت ضرور منسوخ ہوگئی، اجماع امت ہے کہ جہاد کفار محاربین بالفعل سے مخصوص نہیں مدافعانہ وجارحانہ قطعاً دونوں طرح کا حکم ہے اجازت کا مدافعانہ میں حصر پہلے تھا پھر قطعاً منسوخ ہو گیا، مبسوط شمس الائمہ سرخسی وکفایہ وعنایہ وتبیین وبحر الرائق ورد المحتار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للبابرتی قوله تعالیٰ فان قاتلوكم فاقتلوهم منسوخ وبيانه ان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كان فی الابتداء مأمورا بالصفح والاعراض عن المشركين بقوله "فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾" ، "وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾" الاٰية ثم امر بالدعاء الى الدين بالموعظة والمجادلة	یہ ارشاد کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو ان کو قتل کرو منسوخ ہے، بیان اس کا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابتداء میں یہ حکم تھا کہ مشرکوں سے درگزر او رروگردانی فرمائیں ارشاد تھا اچھی طرح درگزر کرو اور مشرکوں سے منہ پھیرلو۔ پھر حضور کو حکم ہوا کہ سمجھانے اور خوبی کے ساتھ دلیل قائم فرمانے سے دین کی طرف بلاؤ کہ ارشاد تھا اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کے ساتھ بلاؤ۔ پھر

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۹

بالاحسن بقوله تعالٰی "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ" الاٰیة. ثم اذن بالقتال اذا کانت البدائة منهم بقوله تعالٰی "اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ" الاٰیة وبقوله "فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ" "ثم امر بالقتال ابتداء فی بعض الازمان بقوله تعالٰی "فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ" الاٰیة ثم امر بالبدائة بالقتال مطلقا فی الازمان کلها وفی الاماکن باسرها فقال تعالٰی "وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ" الاٰیة. "قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" الاٰیة[1]۔	اجازت فرمائی گئی کہ ان کی طرف سے قتال کی ابتدا ہو تو لڑو، ارشاد تھا کہ جن سے قتال کیا جائے انھیں پروانگی ہے، اور ارشاد تھا کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو۔ پھر بعض اوقات ابتدا قتال کا حکم ہوا ارشاد فرمایا جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو پھر مطلقًا ابتداء بالقتال کا حکم ہوا سب زمانوں اور سب مکانوں میں ارشاد ہوا ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے، اور فرمایا ان سے لڑو جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔

کنز میں ہے:

الجهاد فرض کفایة ابتداء[2]۔	جہاد کی پہل کرنا فرض کفایہ ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

مفید لافتراضه وان لم یبدؤنا للعمومات واما قوله تعالٰی فان قاتلوکم فاقتلوهم فمنسوخ[3]۔	یہ عبارت فائدہ دیتی ہے کہ جہاد فرض ہے اگرچہ کافر پہل نہ کریں کہ آیتیں عام ہیں اور وہ جو فرمایا تھا کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو وہ منسوخ ہے

ہدایہ میں ہے:

قتال الکفار واجب وان لم یبدؤا للعمومات[4]۔	کافروں سے لڑنا واجب ہے اگرچہ وہ پہل نہ کریں کہ احکام عام ہیں۔

[1] کفایة وعنایه مع فتح القدیر کتاب السیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۱۹۳
[2] کنز الدقائق کتاب السیر والجہاد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۳
[3] بحر الرائق کتاب السیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۷۱
[4] الهدایه کتاب السیر المکتبة العربیه کراچی ۲/ ۳۹۲

فتح القدیر میں ہے:

صریح قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فی الصحیحین وغیرهما امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لااله الا اللّٰه الحدیث یوجب ان نبدأهم بادنی تأمل [1] اھ اقول وکذا قوله تعالٰی قاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله للّٰه [2] الاٰیة ثم فی العنایة رأیت کما تقدم عـــہ۔	صحیحین وغیرہما میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا صاف ارشاد مجھے حکم ہوا کہ لوگوں سے قتال فرماؤں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں پوری حدیث ادنی غور سے واجب فرماتا ہے کہ ہم ان سے قتال کی پہل کریں، فتح القدیر کی عبارت تمام ہوئی اور میں کہتا ہوں یونہی رب العزت کا ارشاد کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوجائے، پھر میں نے عنایہ میں اسی دلیل کو دیکھا جیسا کہ گزرچکا۔

نیز اسی میں زیر حدیث رأی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم امرأة مقتوله فقال هاه ماکانت هذه تقاتل [3] (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک عورت دیکھی تو فرمایا ارے یہ تو لڑنے کے قابل نہ تھی) ہے:

الحدیث صحیح علی شرط الشیخین فقد علل صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم بالمقاتلة فثبت انه معلول بالحرابة فلزم قتل ماکان مظنة له بخلاف مالیس ایاه [4]۔	یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قتل کی علت قتال ہے تو ثابت ہوا کہ قتل وہی کیا جائے جو لڑنے کے قابل شخص ہے تو جسے لڑنے کے قابل سمجھا جائے شریعت میں اس کا قتل لازم ہوا، بخلاف اس کے جو اس کے لائق ہی نہ ہو۔

عـــہ: مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے: لاتخرج بنیتهم من ان تکون صالحة للمحاربة وان کانوا لایشتغلون بالمحاربة کالمشتغلین بالتجارة والحراثة منهم بخلاف النساء والصبیان [5] کافر اگرچہ بالفعل نہ لڑیں ان کے بدن کی بناوٹ تو لڑنے کے قابل ہے جیسے ان کے سوداگر اور کسان، بخلاف زنان واطفال ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] فتح القدیر کتاب السیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۹

[3]

[4] فتح القدیر باب کیفیۃ القتال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۳

[5] المبسوط للسرخسی باب آخر فی القیٰمۃ دار المعرفۃ بیروت الجزء العاشر ص ۱۳۷

ہر ادنی خادم فقہ جانتاہے کہ حربی مقابل ذمی ہے نہ کہ خاص محارب بالفعل۔ ہدایہ وغیرہا کی عبارات ابھی گزریں توآیت قطعاً تمام حربیوں کو شامل خواہ بالفعل مصدر قتال ہوئے ہوں یا نہیں البتہ معاہدین کا استثناء ضروریات دین سے ہے جس پر نصوص قاطعہ ناطق، اور وہ اذہان مسلمین میں ایسا مرتکز کہ اصلا محتاج ذکر نہیں، یونہی حکم جہاد و قتال کے اعتبار سے اصحاب قول سوم کو بھی یہاں گنجائش اجماع واتفاق ہے کہ معاہدین وذراری محل جہاد ہی نہیں تو کلمہ جاھدوا قاتلوا سے ان کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے:

وما الظن الا ان حرمة قتل النساء والصبیان اجماع [1]۔	گمان اس کے سوا کسی کی طرف نہیں جاتا کہ عورتوں اور بچوں کا قتل حرام ہونے پر اجماع ہے۔

غرض معاہد وذمی ونساء وصبیان کو نص قتال ابتداء ہی شامل نہ ہوا کہ تخصیص کی حاجت ہو، بحرالرائق میں ہے:

نفس النص ابتداء لم یتعلق به لانه مقید بمن بحیث یحارب کقوله تعالٰی "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً" الاٰیة فلم تدخل المرأة [2]۔	سرے سے خود نص اسے متعلق نہ ہوا کہ وہ خاص ایسے کے بارے میں ہے جو لڑنے کے قابل ہو جیسے ارشاد الٰہی: سب مشرکوں سے لڑو تو یہ عورت کو شامل نہیں ہے۔

باقی تحقیق عنقریب آتی ہے ان شاء اللہ تعالٰی، بالجملہ آیہ کریمہ میں دو قول ہیں:

ایک قول اکثر اہل تاویل کہ سب کفار غیر محاربین بالفعل مراد نہیں بلکہ خاص اہل عہد وپیمان یا اطفال وزنان یا غیر مہاجر مسلمان، اس تقدیر پر آیہ کریمہ مشرکین ہند کو جن سے اتحاد وداد منایا جارہا ہے کسی طرح شامل ہی نہیں ہوسکتی کہ وہ نہ اہل ذمہ ہیں نہ عورتیں، بچے نہ مسلمان۔

دوسرا قول بعض کہ سب مشرکین غیر محاربین بالفعل مراد تھے۔

لیڈروں کو پہلا جواب:

اس طور پر وہ اولا یقینا منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا ضلالت وگمراہی، کیا کوئی روا رکھے کہ شراب پیے اور کافروں کو بیٹیاں دے اور اپنی سگی بہن سے نکاح کرے　　ع

کہ بعہد قدیم نابودست

(کہ یہ بے حیائی تو زمانہ (قدیم) جہالت میں روا نہیں رکھی گئی۔ت)

[1] فتح القدیر باب کیفیۃ القتال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۲

[2] البحر الرائق کتاب السیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۷۰

لیڈر بننے والوں کا یہ ظلم عظیم ہے کہ ہندوؤں کو شامل کرنا لیا قول ثانی سے، اور اس کا غیر منسوخ عــہ۱ ہونا لیا قول اول سے جمع بین المنافیین کرکے بیچارے جاہلوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

لیڈروں کو دوسرا جواب:

ثانیًا: اگر بفرض باطل ان کی یہ شتر گربگی مان بھی لی جائے تو عام عــہ۲ مشرکین ہند کو "لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ" کا مصداق ماننا ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھ لینا ہے، کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑیں، کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے، کیا کٹارپور وآرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک وہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دلوں سے محو ہو گئے، بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے جلائے، اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لئے کلیجہ منہ کو آئے، "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۸" "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۸" "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۸" [1] سن لو اللہ کی لعنت ظالموں پر، اب کوئی درد رسیدہ مسلمان ان لیڈروں سے یہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ اے اسٹیجوں پر مسلمان بننے والو، ہمدردی اسلام کا تانا تننے والو! کچھ حیا کا نام باقی ہے تو ہندوؤں کی گنگا میں ڈوب مرو، اسلام و مسلمین ومساجد وقرآن پر یہ ظلم توڑنے والے کیا یہی تمہارے بھائی، تمہارے چہیتے تمہارے پیارے۔

عــہ۱: یہاں سے اس فتوائے جاہلانہ کا حال کھل گیا جس میں عبارت مذکورہ جمل "قال اکثر اھل التاویل ھی محکمة" [2] الخ اور عبارت روح البیان فی الفتح الرحمن نسختھا فاقتلوا المشرکین والاکثر علی انھا غیر منسوخة [3] سے استناد کرکے آیہ کریمہ کا قول اکثر میں غیر منسوخ ہونا بتا کر اسے ہندوؤں پر جمادیا اب یہ کون سمجھے کہ قول اکثر پر کسی طرح ہندو اس میں داخل نہیں اور قول دیگر پر بفرض غلط اگر داخل ہو سکتے ہیں تو یقینا منسوخ ہے حشمت علی عفی عنہ

عــہ۲: اس تقریر کو خوب محفوظ رکھنا چاہئے کہ اس سے ان مفتیان اجہل کی جہالت وبیباکی بلکہ عیاری وچالاکی خوب روشن ہوتی ہے جنھوں نے کہا کہ "ہندوستان کے عام ہندو اہل اسلام سے مقاتلہ فی الدین نہیں کرتے اور عامہ نصارٰی **مقاتلہ فی الدین** کے مرتکب ومعاون ہیں۔ طرفہ تر یہ کہ جانب نصارٰی میں معاون کا لفظ بڑھالیا کہ عامہ نصارٰی پر جما سکیں اور جانب ہنود میں اسے اڑادیا کہ عام ہنود اس میں نہ آسکیں۔ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[2] الفتوحات الالھیة الشھیر بالجمل آیة لاینھٰکم اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۲۸

[3] روح البیان آیة لاینھٰکم اللہ الخ المکتبة الاسلامیہ لصاحبھا الریاض، الجزء الثامن والعشرون ص۴۸۱

تمھارے سردار، تمھارے پیشوا، تمھارے مددگار، تمھارے غمگسار مشرکین ہند نہیں جن کے ہاتھ آج تم بکے جاتے ہو، جن کی غلامی کے گیت گاتے ہو، اُف اُف تُف تُف۔

" اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ "[1]۔	بیشک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

اور بے ایمان اور پکا بے ایمان ہوگا وہ جو واحد قہار کو یکسر پیٹھ دے کر کہے یہ ملعون مظالم تو بعض بعض شہر کے بعض کفار نے کئے، اس سے سب تو " قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ " نہیں ہوگئے، بدعقلو بدمنشو! کوئی قوم ساری کی ساری نہیں لڑتی۔

تمام مشرکین ہند محارب بالفعل ہیں اور محارب بالفعل کے معنی کی تحقیق:

کفار زمانہ رسالت جن کی نسبت حکم ہوا: " وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ "[2] انھیں جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور حکم ہوا: " وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً "[3] سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔ کیا ان کا ہر ہر فرد میدان جنگ میں آیا تھا، لڑائی دیکھی جاتی ہے اگر جو لڑے ان کی خاص کوئی ذاتی غرض ہے جس میں ساری قوم شریک نہیں تو وہ لڑائی خاص انھیں کی طرف منسوب ہوگی جو اس کے مرتکب ہوئے مثلاً کسی گاؤں کے دھرے مینڈھے پر بعض لوگوں سے جنگ ہو تو وہ انھیں کی ہے نہ تمام قوم کی، اور اگر لڑائی مذہبی ہے تو ان سب اہل مذہب کی ہے کہ باقی دامے درمے قلمے قدمے معین ہوں گے اور کچھ نہ ہو تو راضی ہوں گے اور اپنے مذہب کی فتح ہو تو خوش ہوں گے اور دوسرے کی ہو تو رنجیدہ ہوں گے۔ قال تعالیٰ:

" اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا "[4]	اگر تمھیں بھلائی پہنچے تو انھیں بری لگے اور تمھیں برائی پہنچے تو اس پر شاد ہوں۔

تو وہ سب محاربین بالفعل ہیں خواہ ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے، یہ قربانی گاؤ کا مسئلہ ایسا ہی ہے کون سا ہندو ہے جس کے دل میں اس کا نام سن کر آگ نہیں لگتی کون سی ہندو زبان ہے جو گئور کھشا کی مالا

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱ و ۴/ ۹۱

[3] القرآن الکریم ۹ / ۳۶

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۲۰

نہیں چلتی۔ کون سا شہر ہے جہاں اس کی سبھا یا اس کے ارکان یا اس میں چندہ دینے والے نہیں، کیا یہ مقدس بیگناہوں کے خون، یہ پاک مساجد کی شہادتیں، یہ قرآن عظیم کی اہانتیں انھیں ناپاک رکھشاؤں انھیں مجموعی سفاک سبھاؤں کے نتائج نہیں، نہ سہی ع

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

اب جس شہر جس قصبہ جس گاؤں میں چاہو آزما دیکھو، اپنی مذہبی قربانی کے لئے گائے پچھاڑو۔ اس وقت یہی تمھاری بائیں پسلی کے نکلے، یہی تمھارے سگے بھائی، یہی تمھارے منہ بولے بزرگ یہی تمھارے آقا یہی تمھارے پیشوا تمھاری ہڈی پسلی توڑنے کو تیار ہوتے ہیں یا نہیں۔ ان متفرقات کا جمع کرنا بھی جہنم میں ڈالئے وہ آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑادیں گے، اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین ہند دین میں ہم سے محارب ہیں پھر انھیں "لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ" میں داخل کرنا کیا نری بے حیائی ہے یا صریح بے ایمانی بھی، محاربہ مذہبی ہر قوم کا اس بات پر ہوتا ہے جسے وہ اپنے دین کی رو سے زشت و منکر جانے، اسی کے ازالہ کے لئے لڑائی ہوتی ہے، اور ازالہ منکر تین قسم ہے کہ موقع ہو تو ہاتھ سے ورنہ زبان سے ورنہ دل سے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من رأی منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ[1]۔	تم میں جو کوئی کچھ خلاف شرع بات دیکھے اس پر لازم ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے رد کرے، پھر اگر نہ ہوسکے تو زبان سے، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے۔

یہ تینوں صورتیں ازالہ و تغییر کی ہیں اور سب اہل محاربہ سے محاربہ ہی ہیں بالفعل ہتھیار اٹھانا شرط نہیں جس کا ثبوت اوپر گزرا، اور اگر یہی ٹھہرے کہ اگرچہ لڑائی سرتاج قوم اور تمام افراد کی رضا سے ہو مگر "قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ" میں صرف وہی داخل ہوں گے جنھوں نے میدان میں ہتھیار اٹھائے تو ذرا انگریزوں کے ساتھ اپنے بائیکاٹ کا مزاج پوچھ لیجئے، کیا ہر انگریز ترکوں کے ساتھ میدان جنگ میں گیا تھا ہرگز نہیں، لاکھوں یا شاید کروڑوں ہوں جنھوں نے اس میدان کی صورت تک نہ دیکھی خصوصا ہندوستان میں سول کے انگریز، تو یہ سب "لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ" ہوئے، اور تمھارا یہ ترک تعاون کا عام مسئلہ تمھارے ہی منہ سخت جھوٹا

[1] مسند احمد بن حنبل روایت ابوسعید الخدری دار الفکر بیروت ۳/ ۱۰، صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱

اور شریعت پر افتراء ٹھہرا کہ مقاطعہ کرو تو انھیں معدود سے کرو جو میدان میں ترکوں سے لڑے، غرض ؎

نے فروعت محکم آمد نے اصول

شرم بادت از خدا واز رسول

(نہ تیرے فروع قائم رہیں نہ اصول تو خدا اور رسول سے شرم کھا۔ت)

قرآن عظیم سے مزعومات لیڈران کا رد

تنبیہ جلیل: اقول: کریمہ "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً"[1] (اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو جیسا وہ تم سے ہر وقت لڑتے ہیں۔ت) کہ ابھی ہم نے تلاوت کی قطعاً اپنی ہر وجہ ہر پہلو پر لیڈران عنود پس روان ہنود پر رد شدید ہے،

ان کا مزعوم دو ۲ فقرے ہیں:

اول یہ کہ ہنود میں مقاتل فی الدین صرف وہی ہے جنھوں نے وہ مظالم کئے تو مقاتل نہیں مگر مقاتل بالفعل جس نے ہتھیار اٹھایا اور قتل کو آیا تاکہ عامہ ہنود کو "قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ" سے بچالیں

دوم یہ کہ جو مقاتل بالفعل نہیں اس سے اظہار عداوت فرض نہیں تاکہ بزور زبان ان سے وداد واتحاد کی راہ نکالیں۔

اب آیہ کریمہ میں چار ۴ احتمال ہیں:

اول: دونوں "**کافۃ**" مسلمانوں سے حال ہوں یعنی سب مسلمانوں مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔

دوم: دونوں "**کافۃ**" مشرکین سے حال ہوں یعنی سب مشرکین سے لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔

سوم: پہلا "**کافۃ**" مشرکین سے حال ہو اور دوسرا مومنین سے یعنی تم بھی سب مشرکین سے لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ یہ قول عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے منقول ہے۔

چہارم: اس کا عکس یعنی سب مسلمان مشرکوں سے لڑیں جس طرح وہ سب مشرک مسلمانوں سے لڑتے ہیں، کبیر میں اسی کو ترجیح دی اور لباب میں اسی پر اقتصار کیا، اور امام نسفی نے چاروں احتمالوں کا اشعار کیا، مفاتیح الغیب میں ہے:

فی قولہ تعالٰی کافۃ قولان، الاول	ارشاد الٰہی کافۃ میں دو قول ہیں، اول مراد یہ ہے

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۶

ان یکون المراد قاتلوھم باجمعکم مجتمعین علی قتالھم، کما انھم یقاتلونکم علی ھذہ الصفۃ. یرید تعاونوا وتناصروا علی ذٰلك ولاتتخاذلوا ولاتتقاطعوا وکونوا عباداللہ مجتمعین متوافقین فی مقاتلہ الاعداء، والثانی قال ابن عباس قاتلوھم بکلیتھم ولا تحابوا بعضھم بترك القتال کما انھم یستحلون قتال جیعکم، والقول الاول اقرب حتی یصح قیاس احد الجانبین علی الاخر [1]۔	کہ تم سب ان کے قتال پر اتفاق کرکے ان سے لڑو جس طرح وہ تم سے یونہی لڑتے ہیں، فرماتا ہے قتال مشرکین میں سب آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور ایک دوسرے کو بے یار نہ چھوڑو نہ باہم علاقہ قطع کرو اور سب اللہ کے بندے ہو جاؤ، دشمنوں کے قتال پر یک دل ویک رائے ہو کر دوسرا قول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا کہ سب مشرکوں سے لڑو اور ان میں کسی سے ترک قتال میں محابہ نہ کرو جس طرح وہ تم سب سے قتال روا رکھتے ہیں اور پہلا قول زیادہ قریب ہے تاکہ ایک فریق کادوسرے پر قیاس صحیح ہو۔

خازن میں ہے:

یعنی قاتلوا المشرکین باجمعکم مجتمعین علی قتالھم کما انھم یقاتلونکم علی ھذہ الصفۃ [2]۔	یعنی سب مل کر قتال مشرکین پر متفق الرائے ہو کر ان سے لڑو جس طرح وہ تم سے یونہی لڑتے ہیں۔

مدارک میں ہے:

کافۃ حال من الفاعل اوالمفعول [3]۔	کافۃ فاعل سے حال ہے یا مفعول سے۔

اس احتمال چہارم پر آیہ کریمہ کے دونوں جملے لیڈروں کے پہلے فقرے کارد ہیں ظاہر ہے کہ سب مشرک میدان میں نہ آئے سب نے ہتھیار نہ اُٹھائے بلکہ کچھ ساعی تھے کچھ معاون کچھ راضی، اور آیت میں فرمایا کہ وہ سب تم سے لڑتے ہیں تو معلوم ہوا کہ جمیع اقسام مقاتل فی الدین ہیں یونہی قطعاً تمام ہنود کہ منشا مظالم گئور کھشا ہے اور اس میں سب شریک، پھر مسلمانوں کو فرمایا تم سب لڑو اگر قتال قتال بالید سے خاص ہو تو جہاد مطلقاً فرض عین ہو جائے اور یہ بالاجماع باطل ہے نیز اس تقدیر پر یہ حکم صحابہ کرام سے آج تک کبھی بجانہ لایا گیا کون سے دن دنیا کے سب مسلمان ہتھیار لے کر میدان میں آئے تومعاذاللہ صحابہ کرام وجمیع امت کااجماع ضلالت ومعصیت پر

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیہ قاتلوا المشرکین الخ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۱۶/ ۵۴

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ قاتلوا المشرکین الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۹۰

[3] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیہ قاتلوا المشرکین الخ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵

ہو اور یہ اول سے بڑھ کر باطل وکفر بائل (سخت) ہے لاجرم قتال معاونت ورضا سب کو عام ہے اب بیشک اس کا حکم شامل جملہ حکم اسلام ہے، اسی طرح احتمال اول پر آیہ کریمہ کے دونوں جملے فقرہ اولٰی کے رد ہیں، پہلے کا ابھی بیان ہوا اور دوسرا یوں کہ جب مشرکین سب مسلمانوں سے مقاتل ہیں تو سب مسلمان مشرکوں کے مقاتل کہ مفاعلہ جانبین سے ہے اور وہ نہیں مگر اسی طرح پر کہ فاعل ومعاون وراضی سب مقاتل ہوں بعینہٖ اسی تقریر سے احتمال دوم وسوم بھی جیسا کہ فہیم پر مخفی نہیں۔ بالجملہ ہر پہلو پر آیہ کریمہ کا ہر جملہ ان کے فقرہ اولٰی کا رد ہے اور احتمال دوم وسوم پر کریمہ کا پہلا جملہ لیڈروں کے فقرہ دوم کا بھی رد ہے کہ عام فرمایا گیا سب مشرکوں سے قتال کرو، اور قتل وقتال سے بڑھ کر اور اظہار عداوت کیا ہے تو ثابت ہوا کہ مشرک مقاتل بالید ہو یا نہ ہر ایک سے اظہار عداوت فرض اور وداد واتحاد حرام،

"قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾"[1]	کہو حق آیا باطل کا دم ٹوٹا، بیشک باطل تو دم توڑنے ہی کو تھا
"بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾"[2]	بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں کہ وہ باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے جبھی وہ فنا ہو جاتا ہے اور تمھارے لئے خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو۔

اصح قول اکثر ہے کہ کریمہ ممتحنہ صرف معاہدین کے بارے میں ہے:

تنبیہ دوم: اقول یہاں سے روشن ہوا کہ آیہ ممتحنہ میں قول اکثر ہی راجح واصح ہے "لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ" وہی ہو سکتے ہیں جو اہل عہد وذمہ ہیں کہ ان کے عہد نے صراحۃً انھیں مقاتلین سے جدا کرلیا، "**والصریح یفوق الدلالۃ**" تصریح دلالت پر مرجح ہے۔ باقی تمام حربی کفار مقاتل فی الدین ہیں اگرچہ ہتھیار نہ اُٹھائے ہوئے ہوں۔ قول آخر کے اصح ہونے کی وجہ یہی ہوئی کہ لفظ عام ہے اور جب ثابت ہوا کہ وہ اہل عہد وذمہ ہی پر صادق ہے تو حربیوں کی تعمیم ناموجہ ہے یونہی نساء وصبیان سے تخصیص کی وجہ نہیں، اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا، ورنہ صرف صلہ مادر وپدر یا غایت درجہ صلہ رحم کی اجازت نکلے نہ جملہ نساء وصبیان کو تعمیم مقبول کہ اگرچہ وہ حکم قتال سے مستثنٰی ہیں مگر حکم غلظت سے مستثنٰی نہیں، اہل عہد وذمی کی عورتیں بچے ان کے حکم میں رہیں گے اور غیر معاہد حربیوں کے زنان واطفال ان کے حکم میں، **قال تعالٰی**

"مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ"[3] مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۹۵

یہاں کے کسی کافر فقیر کو بھیک دینا بھی جائز نہیں:

صحاح ستہ میں صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زنان وصبیان کفار کے بارے میں فرمایا: **ھم منھم**[1] وہ انھیں میں سے ہیں، ولہٰذا ہمارے ائمہ کرام نے حربی کو صدقہ نافلہ دینے کی ممانعت سے ان کی عورتوں بچوں کسی کو مستثنٰی نہ فرمایا حکم عام دیا، جامع الصغیر امام محمد وبدایہ ودرر وعنایہ وکفایہ وجوہرہ ومستصفٰی پر نہایہ وغایۃ البیان وفتح القدیر وبحر الرائق وکافی وتبیین وتفسیر احمدی وفتح اللہ المعین وغنیہ ذوی الاحکام کتب معتمدہ کی عبارتیں اوپر گزریں، معراج الدرایہ میں ہے:

صلتہ لایکون برا شرعا ولذالم یجز التطوع الیہ[2]۔	حربی سے نیک سلوک شرعا کوئی نیکی نہیں اس لئے اسے نفل خیرات دینا بھی حرام ہے۔

عنایہ امام اکمل میں ہے:

التصدق علیھم مرحمۃ لھم ومواساۃ وھی منافیۃ لمقتضی الاٰیۃ[3]۔	انھیں خیرات دینا ان پر ایک طرح کی مہربانی اور ان کی غمخواری ہے اور یہ حکم قرآن مجید کے خلاف ہے۔

امام برہان الدین صاحب ذخیرہ نے محیط پھر علامہ جوی زادہ پھر علامہ شرنبلالی نے غنیہ میں فرمایا:

لایجوز للمسلم بر الحربی[4]۔	حربی کے ساتھ نیک سلوک مسلمان کو حرام ہے۔

بحمداللہ تعالٰی ہمارے ائمہ کی نظر ایسی ہی غائر ودقیقہ رس ہے جب کبھی تنقیح تام کی جاتی ہے جو انھوں نے تحقیق فرمایا وہی گل کھلتا ہے **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق**۔

مستامن کے لئے مسئلہ ہبہ ووصیت کی تحقیق:

تنبیہ سوم: مستامن کے بارے میں عبارات مختلف آئیں کثیر

---

[1] صحیح مسلم باب جواز قتل النساء والصبیان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۴

[2] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸

[3] العنایہ شرح الہدایہ مع فتح القدیر باب من یجوز دفع الصدقہ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۷

[4] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر الحکام کتاب الوصایا مطبعۃ احمدی کامل الکائنۃ دار السعادت مصر ۲/ ۴۲۹

روایات مذکورہ میں مطلقاً حربی سے نیک سلوک کی ممانعت ہے جس میں مستامن بھی داخل، اور نہایہ و تبیین و بحر الرائق وابوالسعود کی عبارات میں اس سے ممانعت کی صاف تصریح گزری لیکن بعض روایات سے اس کے لئے رخصت ثابت، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لاباس بان یصل الرجل المسلم المشرك قریبا کان اوبعیدا محاربا کان اوذمیا و اراد بالحارب المستامن واما اذا کان غیر المستامن فلاینبغی للمسلم ان یصله بشیئ کذا فی المحیط[1]۔	کوئی حرج نہیں کہ مسلمان مشرک سے کوئی مالی سلوک کرے خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی، حربی ہو یا غیر مستامن ہو تو مسلمان کو سزاوار نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی نیک سلوک کرے، ایسا ہی محیط میں ہے۔

امام ملک العلماء نے بدائع میں مستامن کے لئے وصیت کا جواز مبسوط سے نقل کیا پھر فرمایا، امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عدم جواز مروی ہوا اور یہی روایت ہمارے ائمہ کے قول سے موافق تر ہے کہ وہ مستامن کے لئے صدقات حرام فرماتے ہیں، یونہی وصیت بھی، پھر فرمایا بعض نے کہا اس کے لئے جواز وعدم جواز صدقات میں ہمارے اصحاب سے دو۲ روایتیں ہیں تو وصیت بھی انھیں دونوں روایتوں پر ہوگی، عبارت یہ ہے شرائط وصیت باعتبار موصی لہ میں فرمایا:

ومنها ان لایکون حربیا غیر مستامن فان کان لا تصح الوصیة له من مسلم او ذمی وان کان مستامنا ذکر فی الاصل انه یجوز لانه فی عهدنا فاشبه الذمی، وروی عن ابی حنیفه رضی اللہ تعالٰی عنه انه لایجوز و هذه الروایة بقول اصحابنا رحمهم اللہ تعالٰی اشبه فانهم قالوا لایجوز صرف الکفارة والنذر وصدقة الفطر والاضحیة الی المستامن ویجوز صرفها	ایک شرط جواز وصیت کی یہ ہے کہ حربی غیر مستامن نہ ہو ایسا ہو تو اس کے لئے وصیت باطل ہے مسلمان کرے خواہ ذمی، اور اگر حربی مستامن ہو تو امام محمد نے مبسوط میں ذکر فرمایا کہ جائز ہے اس لئے کہ وہ بھی ہمارے معاہدہ میں ہے تو ذمی سا ہوا اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حربی مستامن کے لئے بھی وصیت جائز نہیں اور یہی روایت ہمارے ائمہ کے قول سے زیادہ موافق ہے اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حربی مستامن کو بھی نذر و کفارہ و صدقہ فطر و قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔ اور ذمی

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع عشر فی اہل الذمہ الخ مکتبہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۷

الی الذمی لانا ما نھینا عن براھل الذمۃ لقولہ تعالٰی "لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" وقیل ان فی التبرع علیہ فی حال الحیاۃ بالصدقۃ و الھبۃ روایتین عن اصحابنا فالوصیۃ لہ علی تلک الروایتین ایضًا (ملخصا)[1]	کو جائز ہے اس لئے کہ ذمیوں کے ساتھ احسان کی ہمیں ممانعت نہ فرمائی گئی، اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تمھیں ان سے منع نہیں فرماتا جو تم سے دین میں نہ لڑیں، اور کہا گیا کہ زندگی میں حربی مستامن کو کچھ ہبہ یا خیرات دینے میں ہمارے ائمہ سے دو روایتیں ہیں تو اس کے لئے وصیت بھی انہیں دو روایتوں پر رہے گی۔ (ملخصا)

اس پر تمام کلام و نقض وابرام ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ جدالممتار میں مذکور جس سے اطالت کی یہاں حاجت نہیں سیر کبیر سے حربی کے لئے اشعار جواز نقل کیا گیا مگر اس میں حربی فی دارہ کے لئے تصریح ہے محیط پھر قاضی زادہ نے اس کی عبارت یہ نقل کی:

لواوصی مسلم لحربی والحربی فی دارالحرب لاتجوز فان خرج الحربی الموصی لہ الی دارالاسلام بامان وارادا خذ وصیتہ لم یکن لہ من ذٰلك شیئ وان اجازت الورثۃ لان الوصیۃ وقعت بصفۃ البطلان فلا تعمل اجازۃ الورثۃ فیھا[2]۔	اگر مسلمان نے کسی حربی کے لئے وصیت کی اور حربی دارالحرب میں تھا جائز نہیں پھر اگر جس حربی کے لئے وصیت تھی امان لے کر دارالاسلام میں آئے اوراپنی وصیت لینا چاہے اسے اس میں سے کچھ نہ ملے گا اگرچہ وارث اجازت بھی دے دیں کہ وصیت سرے سے باطل واقع ہوئی تو وارثوں کی اجازت اس میں کیاکام دے گی،

اقول: ہاں فی دارہ کی قید اور سیاق کلام سے مستامن کے لئے جواز نکلتا ہے "**کما لا یخفی وبہ اندفع ایراد المحیط ثم نتائج الافکار علیھم**" (جیسا کہ مخفی نہیں اس سے محیط پھر نتائج الافکار کا ان پر اعتراض ختم ہوگیا۔ت) تو یہ اسی توفیق کی طرف مشیر جو علامہ مولی خسرو نے درر میں کی اور تنویر نے اسے متن میں لیا کہ مستامن کے لئے صحیح اور غیر مستامن کے لئے ناجائز، در میں اسے بحث درر ٹھہرایا حالانکہ منصوص ہے، وہی ہدایہ جس سے گزرا کہ حربی کے لئے وصیت باطل

[1] بدائع الصنائع کتاب الوصایا فصل واما شرائط الرکن الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۴۱

[2] نتائج الافکار قاضی زادہ (شرح ہدایہ تکملہ فتح القدیر باب فی صفۃ الوصیۃ الخ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۵۵

اسی میں ہے کہ مستامن کے لئے صحیح باب وصیۃ الذمی میں فرمایا:

اذا دخل الحربی دارنا بامان فاوصی له مسلم بوصیة جاز لانه مادام فی دار الاسلام فھو فی المعاملات بمنزلة الذمی[1] (ملخصا)	جب حربی امان لے کر دارالاسلام میں آئے اور اس وقت مسلمان اس کے لئے کچھ وصیت کرے تو جائز ہے اس لئے کہ وہ جب تک دارالاسلام میں ہے معاملات میں بمنزلہ ذمی ہے۔

اقول: اور یہی مفاد کریمتین ممتحنہ ہے کہ معاہد کے لئے رخصت اور غیر معاہد سے ممانعت اور مستامن بھی مثل ذمی معاہد ہے اگرچہ اس کا عہد موقت ہے کما تقدم عن البدائع والھدایۃ (جیسا کہ بدائع اور ہدایہ سے گزرا۔ت) اور وصیت عـــہ۱ و صدقہ میں فرق کی کچھ وجہ نہیں کہ دونوں بروصلہ ہیں خصوصا کریمہ "لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" کا نزول ہی در بارہ مستامن ہوا تو ایسی تخصیص کہ اصل سبب کی نفی کردے کیونکر روا ہو جس طرح شرح سیر کبیر کا اطلاق کہ ہر گونہ حربی کے لئے جواز کا موہم ہے کیونکر مقبول ہوسکتا ہے کہ کریمہ "اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" کا صاف منافی ہے اور عـــہ۲ یہ کہنا کہ اس میں موالات سے ممانعت ہے نہ کہ صلہ سے۔

اقول: یہ محض بے معنی ہے موالات ہر کافر سے حرام ہے اگرچہ ذمی ہو اگر صلہ ہر حربی کے لئے بھی جائز ہو تو فریقین میں فرق کیا رہا حالانکہ صریح نزول کریمتین اثبات فرق کے لئے ہے، تو قطعاً عـــہ۳ کریمہ ثانیہ میں صلہ ہی کو موالات فرمایا اور اسی سے منع کیا، لاجرم اس کی صحیح تاویل وہی ہے جو ابھی محیط وہندیہ سے گزری کہ حربی سے مستامن یعنی معاہد مراد ہے، لاجرم اسی ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

ذکر الامام رکن الاسلام علی السغدی اذا کان حربیا فی دار الحرب وکان الحال حال صلح ومسالمة فلا باس بان یصله[2]۔	امام رکن الاسلام علی سغدی نے فرمایا: جب حربی دارالحرب میں ہو اور وہ وقت صلح معاہدہ التوائے جنگ کا وقت ہو تو اس سے مالی سلوک میں حرج نہیں۔

عـــہ۱: تعریض بما فی ردالمحتار ۱۲ منہ غفرلہ

عـــہ۲: تعریض بما فی بعض التفاسیر ۱۲ منہ غفرلہ

عـــہ۳: تفاسیر معالم وخازن وکبیر وتفسیر ابن عباس کے نصوص ابھی آتے ہیں۔

---

[1] الھدایۃ باب وصیۃ الذمی مطبع یوسفی لکھنو ۴/ ۶۸۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع عشر فی اہل الذمہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۷

اس تحقیق سے بہت عبارات میں توفیق ہو گئی جن میں حربی کے لئے مطلقاً ممانعت ہے جیسے ارشاد جامع صغیر وکتب کثیر ان میں حربی غیر معاہد مراد ہے، لاجرم کافی پھر درر پھر نتائج الافکار نے کلام جامع صغیر یوں نقل کیا:

الوصیۃ للحربی وھو فی دار الحرب باطلۃ لانھا بر وصلۃ وقد نھینا عن بر من یقاتلنا لقولہ تعالٰی انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین [1]۔	حربی کہ دارالحرب میں ہو اس کے لئے وصیت باطل ہے اس لئے کہ وہ احسان ونیک سلوک ہے اور حربی کے ساتھ نیک سلوک سے ہمیں منع فرمایا گیا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے لڑے۔

جامع صغیر شریف کے متعدد نسخے حاضر، اس کی عبارت صرف اس قدر ہے:

الوصیۃ لاھل الحرب باطلۃ [2]۔	حربیوں کے لئے وصیت باطل ہے۔

اور یہی اس سے بدایہ متن ہدایہ میں منقول، نہ اس میں تعلیل ہے، نہ لفظ "ھو فی دارھم" ضرور، یہ بعض شروح جامع کی عبارت ہے جسے کافی نے حسب عادت علماء جامع کی طرف نسبت فرمایا تو شارح نے اطلاق جامع کو غیر مستامن پر حمل کیا اور جن میں مطلق جواز ہے جیسے عبارت شرح سیر کبیر جس کو محیط نے اسی عــہ عادت کی بناء پر سیر کبیر کی طرف نسبت کیا ان میں مستامن ومعاہد مقصود جس طرح خود محیط نے تصریح کی کہ: اراد بالمحارب

عــہ: فلا علیك ماوقع فی زکٰوۃ [3]ش من عزوہ لمحمد فی السیر الکبیر فقد ابان الصواب فی الوصایا ناقلا عن العلامۃ جوی زادہ ان مراد ھم مایدل علی الجواز ماذکر فی شرح السیر الکبیر [4] للامام السرخسی منہ غفرلہ۔	شامی کی کتاب الزکوٰۃ میں سیر کبیر کے حوالہ سے جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی کی طرف منسوب ہے وہ تجھے اشتباہ نہ دے اس لئے کہ شامی کے وصایا میں علامہ جوی زادہ سے درست وصحیح عبارت منقول ہے کہ جواز پر دلالت کرنے سے ان کی وہ دلیل مراد ہے جو امام سرخسی کی شرح سیر کبیر میں مذکور ہے۔ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الوصایا مطبعہ احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر ۲/ ۴۲۹، نتائج الافکار تکملہ فی القدیر باب صفۃ الوصیۃ مایجوز من ذٰلك مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۵۵

[2] الجامع الصغیر باب الوصیۃ بثلث المال مطبع یوسفی لکھنو ص ۱۷۰

[3] ردالمحتار مطبوعہ کوئٹہ ۲/ ۷۳

[4] ردالمحتار مطبوعہ کوئٹہ ۵/ ۴۶۳

المستامن [1] حربی سے مستامن مراد لیا، اسی طرح عبارت موطائے امام محمد:

لاباس بالھدیۃ الی المشرك المحارب مالم یھدالیہ سلاح اودرع وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقھائنا [2]۔	حربی مشرک کو ہدیہ دینے میں حرج نہیں جب تک ہتھیار یا زرہ کا بھیجنا نہ ہو اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا ہے۔

وصیت بھی ہدیہ ہی ہے کہ تملیک عین مجانا ہے، اور امام محمد جامع صغیر میں صاف فرما چکے کہ ان کے لئے وصیت باطل تو ہدیہ کیسے جائز ہوسکتا ہے مگر اسی فرق سے کہ معاہد کے لئے جائز اور غیر معاہد کے لئے ناجائز، جس طرح خود امام نے سیر کبیر میں اشعار فرمایا اور کتاب الاصل میں ارشاد امام نے تو بالکل کشف حجاب فرمادیا کہ فرمایا حربی کے لئے باطل، پھر فرمایا: مستامن کے لئے جائز، ردالمحتار میں ہے:

نص محمد فی الاصل علی عدم جواز الوصیۃ للحربی صریحا [3]۔	امام محمد نے اصل میں روشن تصریح فرمائی کہ حربی کے لئے وصیت جائز نہیں۔

بدائع امام ملک العلماء سے گزرا:

وان کان مستامناذکر فی الاصل انہ یجوز [4]۔	امام محمد نے اصل میں فرمایا کہ کافر اگر مستامن ہو تو اس کے لئے وصیت جائز ہے۔

خانیہ امام فقیہ النفس میں ہے:

اوصی مسلم لحربی مستامن بثلث مالہ ذکر فی الاصل انہ تجوز وقیل ھذا قول محمد وعن ابی حنیفۃ فی روایۃ لاتجوز وان لم یکن الحربی مستامنا لاتجوز فی قولھم [5]۔	کسی مسلمان نے حربی مستامن کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی، مبسوط میں فرمایا: یہ جائز ہے، بعض نے کہا: یہ قول امام محمد کا ہے، اور امام اعظم سے ایک روایت میں ہے کہ جائز نہیں اور اگر حربی مستامن نہ ہو تو بالاتفاق ناجائز ہے۔

[1] المحیط البرہانی
[2] مؤطا امام محمد باب مایکرہ من لبس الحریر والدیباج آفتاب عالم پریس لاہور ص ۳۷۱
[3] ردالمحتار کتاب الوصایا مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۵/ ۴۶۳
[4] بدائع الصنائع کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۴۱
[5] فتاوٰی قاضی خان فعل فیمن تجوز وصیۃ وفیمن لاتجوز وصیۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۳۷

رہا شرح سرخسی میں یہ استدلال کہ قحط مکہ معظّمہ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پانسو اشرفیاں ابوسفیان وصفوان بن امیہ کو عطا فرمائیں کہ فقرائے مکہ پر تقسیم کریں، **اقول:** واقعہ عین کے لئے عموم نہیں ہوتا۔ ممکن کہ وہ زمانہ صلح ومعاہدہ ہو معہذا ابوسفیان وصفوان رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں مؤلفۃ القلوب سے تھے، ممکن کہ اس مد سے عطا فرمائی ہوں پھر بھی وہ عبارات باقی رہیں جن میں مستامن کے لئے بھی عدم جواز کا صریح ارشاد ہے یونہی وہ کہ حربی غیر معاہد کے لئے بھی جواز ان کا مفاد ہے، ہندیہ میں محیط سے ہے:

لو ان عسکرا من المسلمین دخلوا دار الحرب فاھدی امیرھم الی ملك العدو ھدیۃ فلاباس بہ[1]۔	اگر مسلمانوں کا کوئی لشکر دار الحرب میں داخل ہو اور سپہ سالار دشمنوں کے بادشاہ کو کچھ ہدیہ بھیجے کچھ مضائقہ نہیں۔

ائمہ لیڈروں پر سخت اشد عذاب:

ظاہر ہے کہ فَے وہی مال ہے کہ کافر سے بے لڑے قہرا لیا جائے اور لڑ کر لیں تو غنیمت، اور ایام معاہدہ کے ہدایا قہر نہیں، شرح سیر کبیر میں ہے:

لووادع الامام قوما من اھل الحرب سنۃ علی مال دفعوہ الیہ جاز لو خیرا للمسلمین ثم ھذا المال لیس بفیئ ولاغنیمۃ حتی لا یخمس، ولکنہ کالخراج یوضع فی بیت المال لان الغنیمۃ اسم لمال یصاف بایجاف الخیل والرکاب والفیئ اسم لما یرجع من اموالھم الی ایدینا بطریق القھر وھذا یرجع الینا بطریق المراضاۃ[2]۔	اگر سلطان اسلام نے حربیوں کے کسی گروہ سے سال بھر کے لئے صلح کرلی اور اس پر کچھ مال ان سے لے لیا تو اگر یہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو جائز ہے پھر یہ مال نہ فَے ہے نہ غنیمت، یہاں تک کہ اس سے خمس نہ لیا جائے گا، ہاں وہ خراج کی طرح ہے خزانہ مسلمین میں داخل کیا جائے گا، اس لئے کہ غنیمت اس مال کا نام ہے جو گھوڑے اونٹ دوڑا کر یعنی لڑ کر ملے اور فے اس مال کا نام ہے جو ہمیں ان سے بطور غلبہ ہاتھ آئے اور یہ تو ہم کو بطور رضامندی حاصل ہوا۔

خیالات لیڈران کا قلع قمع اس توفیق انیق ہی سے ہوگیا، یہ دونوں قسمیں ان پر اشد ہیں ان کے دونوں مزعوم کا سخت تر رد ہیں، قسم اول نے حربی معاہد کے ساتھ بھی ذرا سا سلوک مالی حرام فرمایا ان کے فقیر گداگر کو بھیک

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الفصل الثالث مکتبہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۶

[2] شرح السیر الکبیر

دینے تک منع بتایا اور لیڈروں نے غیر معاہد مشرکوں سے وداد واتحاد منایا بلکہ ان کی غلامی وانقیاد کا کلنک لگایا۔
قسم دوم نے خود محارب ونامعاہد حربیوں کو ہدیہ دینا لینا جائز ٹھہرایا، لیڈروں کے مطلقاً ترک تعاون کی فرضیت کادر باجلایا۔ خیر انھیں اسی طرح ہر طرف کی ضرب وجرح ورد وطرح میں چھوڑیئے، جانب توفیق باگ موڑیئے،

سلوک مالی کی اقسام

فاقول: سلوک مالی تین طرح ہیں:

مرحمت، مکرمت، مکیدت

اول یہ کہ محض اسے نفع دینا خیر پہنچانا مقصود ہو یہ مستامن معاہد کے لئے بھی حرام ہے، امان ومعاہد وکفِ ضرر کے لئے ہے نہ کہ اعداء اللہ کو بالقصد ایصال خیر کے واسطے۔
دوم یہ کہ اپنی ذاتی مصلحت مثل مکافات احسان ولحاظ رحم کے لئے کچھ مالی سلوک، یہ معاہد سے جائز نامعاہد سے ممنوع۔
سوم یہ کہ مصلحت اسلام ومسلمین کے لئے محاربانہ چال ہو، یہ حربی محارب کے واسطے بھی جائز کہ حقیقت بروصلہ سے اسے علاقہ نہیں۔

موالات کی تقسیم اور اس کے احکام:

تحقیق مقام یہ ہے کہ موالات دو قسم ہیں:
اول حقیقیہ: جس کا ادنٰی [۱] رکون یعنی میلان قلب ہے، پھر [۲] وداد پھر [۳] اتحاد پھر اپنی خواہش سے بے خوف و [۴] طمع انقیاد پھر [۵] تبتل یہ بجمیع وجوہ ہر کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

میل طبعی کا حکم

قال اللہ تعالٰی:

"وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ" [1]۔	ظالموں کی طرف میل [عہ] نہ کرو کہ تمھیں آگ چھوئے۔

مگر میل طبعی جیسے ماں باپ اولاد یا زن حسینہ کی طرف کہ جس طرح بے اختیار ہو زیر حکم نہیں پھر بھی

عہ: جب مجرد میلان قلب کو حرام وموجب عذاب نار فرمایا تو وداد واتحاد وانقیاد وتبتل کس قدر سخت کبیرہ موجب عذاب اشد ہوں گے لیڈر وداد واتحاد وانقیاد سب خود قبول کررہے ہیں، **والعیاذ باللہ تعالٰی** ۱۲

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

اس تصور سے کہ یہ اللہ ورسول کے دشمن ہیں ان سے دوستی حرام ہے، بقدر قدرت اس کا دبانا یہاں تک کہ بن پڑے تو فنا کردینالازم ہے کہ شے مستمر میں بقاء کے لئے حکم ابتدا ہے کہ اعراض ہر آن متجدد ہیں آنا بے اختیار تھا اور جانا یعنی ازالہ قدرت میں ہے تو رکھنا اختیار موالات ہوا اور یہ حرام قطعی ہے ولہٰذا جس غیر اختیاری کے مبادی اس نے باختیار پیدا کئے اس میں معذور نہ ہوگا جیسے شراب کہ اس سے زوال عقل اس کا اختیاری نہیں مگر جبکہ اختیار سے پی تو زوال عقل اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے ہوا، قال تعالٰی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۳﴾ "[1]۔	اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا وہی پکا ظالم ہوگا۔

تفسیر کبیر و نیشاپوری و خازن وجمل وغیرہما میں ہے:

انه تعالٰی امر المومنین بالتبری عن المشرکین و بالغ فی ایجابه. قالوا کیف تمکن هذه المقاطعة التامة بین الرجل وبین ابیه وامه واخیه. فذکر الله تعالٰی ان الانقطاع من الاٰباء والاولاد والاخوان واجب بسبب الکفر[2]۔	جب اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو مشرکوں سے بیزاری کا حکم دیا اور بتاکید شدید واجب فرمایا تو بعض مسلمانوں نے کہا آدمی کا اس کے باپ اور ماں اور بھائی سے یہ پورا انقطاع کیونکر ممکن ہے، اس پر رب عزوجل نے فرمایا کہ باپ اور اولاد اور بھائیوں سے ان کے کفر کے سبب پورا انقطاع ہی لازم ہے۔

موالات صوریہ کے احکام:

دوم صوریہ: کہ دل اس کی طرف اصلا مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت ومیلان کا پتا دیتا ہو، یہ بحالت ضرورت و بمجبوری صرف بقدر ضرورت و مجبوری مطلقًا جائز ہے۔ قال تعالٰی:

" اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةًؕ "[3]۔	مگر یہ کہ تمھیں ان سے پورا واقعی خوف ہو۔

بقدر ضرورت یہ کہ مثلاً صرف عدم اظہار عداوت میں کام نکلتا ہو تو اسی قدر پر اکتفا کرے اور اظہار محبت کی

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[2] مفاتیح الغیب (تفسیر الکبیر) آیہ قل ان کان آباء کم الخ کے تحت المطبعة البهیة المصریة مصر ۱۶/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

ضرورت ہو تو حتی الامکان پہلودار بات کہے صریح کی اجازت نہیں اور بے اس کے نجات نہ ملے اور قلب ایمان پر مطمئن ہو تو اس کی بھی رخصت اور اب بھی ترک عزیمت، ابناء جریر و منذر وابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی:

نھی اللہ المومنین ان یلاطفوا الکفار و یتخذوھم ولیجۃ من دون المؤمنین الاان یکون الکفار علیھم ظاھرین اولیاء فیظھرون لھم اللطف ویخالفونھم فی الدین وذٰلك قولہ تعالٰی الا ان تتقوا منھم تقٰۃ [1]۔	اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ کافروں سے نرمی کریں اور مسلمانوں کے سوا ان میں سے کسی کو راز دار بنائیں مگر یہ کہ کافران پر غالب ووالیان ملک ہوں تو اس وقت ان سے نرمی کا اظہار کریں اور دین میں مخالفت رکھیں اور یہ ہے مولٰی تعالٰی کا ارشاد مگر یہ کہ تم کو ان سے واقعی پورا خوف ہو۔

مدارک میں ہے۔

ای الا ان یکون للکافر علیك سلطان فتخافہ علی نفسك ومالك فحینئذ یجوز لك اظھار الموالاۃ و ابطان المعاداۃ [2]۔	یعنی مگر یہ کہ کافر کی تجھ پر سلطنت ہو تو تجھے اس سے اپنے جان ومال کا خوف ہو اس وقت تجھے جائز ہے کہ اس سے دوستی ظاہر کرے اور دشمنی چھپائے۔

کبیر میں ہے:

وذٰلك بان لایظھر العداوۃ باللسان، بل یجوز ایضا ان یظھر الکلام الموھم للمحبۃ والموالاۃ، ولکن بشرط ان یضمر خلافہ وان یعرض فی کل مایقول [3]۔	یہ یوں ہے کہ زبان سے دشمنی ظاہر نہ کرے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ایسا کلام کہے جو محبت ودوستی کا وہم دلائے مگر شرط یہ ہے کہ دل میں اس کے خلاف ہو اور جو کچھ کہے پہلو دار بات کہے۔

صوریہ کی اعلٰی قسم ۶ مداہنت ہے اس کی رخصت صرف بحالت مجبوری واکراہ ہی ہے اور ادنٰی قسم ۷ مدارات یہ مصلحتا بھی جائز،

قال اللہ تعالٰی:

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) القول فی تاویل قولہ لایتخذ المومنون الکفرین الخ المطبعۃ المیمنہ مصر ۳/ ۱۴۰

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیہ ۳/ ۲۸ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۵۳

[3] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) آیہ ۳/ ۲۸ المطبعۃ البھیۃ مصر ۸/ ۱۴

"وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ " [1]۔	اگر کوئی مشرک تم سے پناہ چاہے تو اسے پناہ دو تاکہ کلام الٰہی سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچادو۔

ظاہر ہے کہ اس وقت غلظت وخشونت منافی مقصود ہوگی۔

مدارات کا بیان

مدارات صرف اس ترک غلظت کا نام ہے اظہار الفت ورغبت پھر کسی قسم اعلیٰ میں جائے گا اور اسی کا حکم پائے گا، مدارات ومداہنت کے بیچ میں موالات صوریہ کی دو قسمیں اور ہیں: بر واقساط اور معاشرت، یہ نو صورتیں موالات کی ہوئیں اور دس کی مکمل مجرد معاملت ہے، نہ کہ میلان پر مبنی نہ اس سے منبی، یہ سوائے مرتد ہونے کافر سے جائز ہے جب تک کسی محظور شرعی کی طرف منجر نہ ہو معاشرت کے نیچے افعال کثیرہ ہیں، سلام وکلام، مصافحہ، مجالست، مساکنت، مواکلت وتقریبوں میں شرکت، عیادت، تعزیت، اعانت، استعانت، مشورت وغیرہا ان سب کے صور وشقوق کی تفصیل اور ہر صورت پر بیان حکم ودلیل ایک مستقل رسالہ چاہے گا، یہاں بر وصلہ سے بحث ہے جس کی ہم نے تین قسمیں بیان کیں، قسم اول کہ بے اپنی کسی غرض صحیح کے بالقصد ایصال نفع وخیر منظور ہو یہ بے رغبت ومیلان قلب متصور نہیں، تو موالات حقیقیہ ہے اور مطلقاً قطعاً حرام قطعی، باقی دو قسمیں کہ اپنی غرض ذاتی یا مصلحت دینی مقصود ہو تو موالات صوریہ کی ایک ہلکی قسمیں ہیں اگرچہ مجرد ترک غلظت پر ان میں شے زائد ہے، ان دو میں فرق یہ ہے کہ قسم دوم بھی اگرچہ حقیقت موالات سے بر کراں ہے اور صورۃً بھی کوئی قوی دلیل نہیں مگر معنی کچھ اس کی نفی وضد بھی نہیں، اور سوم حقیقۃً معادات وقصد اضرار ہے، لہذا حربی محارب سے بھی جائز ہوئی کہ اب وہ ظاہری صورت خدعہ اور چال رہ گئی **والحرب خدعۃ** [2] (لڑائی فریب ہے۔ت) کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنا کیسا اشد حرام وکبیرہ ہے لیکن اگر مثلاً اس لئے ہو کہ وہ تعاقب کرتے چلے آئیں گے اور آگے اسلامی کمین ہے جب اس سے گزریں ان کے پیچھے سے کمین کا لشکر نکلے اور آگے سے یہ لوٹ پڑیں اور کافر گھر جائیں تو ایسا فرار بہت پسندیدہ ہے کہ یہ صورۃً فرار معنیً کرّار ہیں، قال تعالیٰ:

"وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ " [3]	جہاد کے دن جو کوئی کافروں کو پیٹھ دکھائے گا سوا اس کے جو لڑائی کے لئے کنارہ کرنے یا اپنے جتھے میں جگہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶

[2] صحیح البخاری باب الحرب خدعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۵

[3]

" بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶﴾ "[1]	لینے کو جائے وہ بیشک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بری پھرنے کی جگہ ہے۔

حربی غیر معاہد سے موالات کی حالی صورت بھی حرام ہے:

اور دوم ان سے جائز نہیں کہ حقیقت معادات سے خالی اور صورت موالات حالی یہ صرف معاہدین کے لئے ہے "**تنزیلا للناس منازلھم**" ہر شخص کو اس کے مرتبے پر رکھنے کے لئے۔اور غیر معاہد کے لئے یہ بھی موالات ممنوعہ ہی ہے اوپر گزرا کہ مولٰی عزوجل نے ان سے صوریہ کو بھی مثل حقیقیہ منع فرمایا اور اس کا نام بھی مودت ہی رکھا کہ "**تلقون الیھم بالمودۃ تسرون الیھم بالمودۃ**"[2] (تم انھیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے تم انھیں محبت کا خفیہ پیغام پہنچاتے ہو۔ت) یہ ہے حقیقت انیق متکفل توفیق و تطبیق **والحمدللہ علی حسن التوفیق**۔

آیات ممتحنہ میں بر و معاملات سے کیا مراد:

اس تحقیق سے روشن ہوا کہ کریمہ "لَا یَنْهٰىكُمُ" میں بر سے صرف اوسط مراد ہے کہ اعلٰی معاہد سے بھی حرام اور ادنٰی غیر معاہد سے بھی جائز،اور آیت فرق کے لئے اتری ہے نیز ظاہر ہوا کہ کریمہ "اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ" میں "**تولوھم**" سے یہی بر و صلہ مراد ہے تاکہ مقابلہ فرق ظاہر ہو لاجرم تفسیر معالم و تفسیر کبیر میں ہے:

ثم ذکر الذین ینھاھم عن صلتھم فقال "اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" الآیۃ[3]۔	پھر اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کا بیان فرمایا جن سے نیک سلوک کی ممانعت ہے کہ فرمایا اللہ تمھیں ان سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑیں۔

تنویر المقباس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

(اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ) عن صلۃ الذین (ان تولوھم) ان تصلوھم[4] (ملخصاً)	اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے کہ ان سے موالات یعنی نیک سلوک کرو۔

---

[1] القرآن الکریم ۸/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۶۰/ ۱

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) زیر آیۃ انما ینھکم اللہ عن الذین الخ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲۹/ ۳۰۴

[4] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس القرآن الکریم انما ینھکم اللہ عن الذین الخ مصطفی البابی مصر ص ۳۵۱

معنی اقساط کی تحقیق:

تنبیہ چہارم: معنی اقساط میں مفسرین تین وجہ پر مختلف ہوئے:

اول کشاف ومدارک وبیضاوی وابوالسعود وجلالین میں اسے بمعنی عدل ہی لیا اولین میں اور واضح کردیا کہ ولا تظلموھم امام ابوبکر ابن العربی نے اس پر ایراد کیا کہ عدل ومنع ظلم کا حکم معاہد سے خاص نہیں حربی محارب کو بھی قطعاً عام ہے اور وہ صرف رخصت نہیں بلکہ قطعاً واجب۔ **قال تعالٰی:**

"**وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ**"[1]	کسی قوم کی عداوت تمھیں عدل نہ کرنے پر باعث نہ ہو عدل کرو وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے

یہ تقریر ایراد ہے اور اسے قرطبی خطیب شربینی پھر جمل نے مقرر رکھا۔

دوم عدل سے صرف وفائے عہد مراد ہے اسے کبیر میں مقاتل سے نقل کیا اور یہی تنویر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

(ان تقسطوا علیھم) تعدلوا بینھم بوفاء العھد (ان اللہ یحب المقسطین) العادلین بوفاء العھد[2]۔	ان کے ساتھ اقساط کی اجازت فرماتا ہے یعنی جو معاہدہ ان کے ساتھ ہوا اسے پورا کرو یہ عدل ہے بیشک اللہ تعالٰی اقساط والوں کو دوست رکھتا ہے جو وفائے عہد سے عدل کرتے ہیں۔

اگر کہئے معاہد سے وفائے عہد بھی واجب ہے نہ صرف رخصت **اقول** وفا واجب ہے اتمام مدت واجب نہیں، مصلحت ہو تو نبذ جائز، **قال تعالٰی:** "**فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ**"[3] (ان کی طرف یکساں حالت پر نبذ کردو [عہ]۔ اب ایراد بھی نہ رہا اور بر وقسط دو جدا چیزیں ہوگئیں، اور "**اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۸﴾**" یہاں بھی بلا تکلف ہے۔

عہ: جن کفار سے ایک مدت تک معاہدہ ہو اور مصلحت اسلام اس کا ترک چاہے، فرض ہے کہ ان کو اطلاع کردی جائے ہوشیار ہوجاؤ اب ہم تم سے معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے اس کا نام نبذ ہے اس میں فرض ہے کہ اگر اس وقت وہ امن کی جگہ نہ ہوں تو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ اپنی امان کی جگہ پہنچ جائیں، اور اگر (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸

[2] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس زیر آیہ لاینھٰکم اللہ عن الذین الخ مصطفی البابی مصر ص ۳۵۱

[3] القرآن الکریم ۸/ ۵۸

اور اسے ماثور ہونے کا بھی شرف حاصل اگرچہ سند ضعیف ہے تو یہی اسلم واقوی ہے۔

سوم عدل سے مراد صرف عدل بالبر ہے، ابن جریر ومعالم وخازن میں ہے: **تعدلوا فیھم بالاحسان والبر**[1] (ان سے انصاف کا برتاؤ کرو بھلائی اور نیکی کے ساتھ۔ت) ابن العربی وقرطبی وشربینی ونیشاپوری وجمل نے اس کی یوں توجیہ کی اقساط قسط بمعنی حصہ سے یعنی اپنے مال سے کچھ دینا۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ممکن ہے کہ عدل سے **عدل فی البر** مراد ہونہ کہ **بالبر** اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی ماں عہد معاہدہ میں آتی ہے یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس سے صلہ کا مسئلہ پوچھتی ہیں اس پر یہ آیہ کریمہ اترتی ہے وہ اگر کچھ ہدیہ نہ لاتی یہ اپنی طرف سے صلہ کرتیں یا جتنا وہ لاتی اس سے زائد یہ دیتیں تو کل یا قدر زائد۔ان کی طرف سے احسان ہوتا یہ بر ہے، اتنا ہی دیتیں تو دینے میں عدل یعنی مساوات ہوتی، یہ اقساط ہے، آیہ کریمہ نے معاہد سے دونوں صورتوں کی اجازت فرمائی اب یہ آیت زیادت ومساوات دونوں کی اجازت اور ان میں تقدیم ذکر زیادت میں آیت تحیت کی نظیر ہوگی "وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ ۝۸۶"[2] جب تمھیں سلام کیا جائے تو اس سے زیادہ الفاظ جواب میں کہو یا اتنے ہی، **واللہ تعالٰی اعلم بمرادہ**، یہ ہے **بتوفیق اللہ تعالٰی**، تفسیر کریمہ ممتحنہ میں تمام کلام کہ ان اوراق کے غیر میں نہ ملے گا **والحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا والہ وذویہ امین والحمد للہ رب العالمین**۔ بالجملہ عطر ارشادات ائمہ ونتیجہ تنقیحات مہمہ یہ ہوا کہ کریمہ ممتحنہ میں اگر قتال سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) باطمینان معاہدہ وہ اپنے قلعے خراب کرچکے ہوں تو فرض ہے کہ اتنی مدت دی جائے جس میں وہ اپنے قلعے درست کرلیں یہاں سے یکساں حالت کے معنی کھل گئے یعنی یہ نہ ہو کہ اپنا سامان ٹھیک کرکے ان کی غفلت میں نبذ کردو اور انھیں درستی سامان کی مہلت نہ دو، یہ ہے اسلام کا انصاف **والحمد للہ ۱۲ منہ غفرلہ**۔

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) زیر آیہ لاینھکم اللہ عن الذین الخ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۲۸/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۶

قتال بالفعل مراد ہو تو یقیناً آیات کثیرہ سے منسوخ جس کے نسخ پر تصریحات جلیلہ مذکورہ کے علاوہ مبسوط وعنایہ وکفایہ وتبیین وبحر الرائق وردالمحتار کے نصوص کا اور اضافہ ہوا یہ جواب اول تھا اور اگر مطلق قتال مقصود کہ ہر حربی غیر معاہد میں موجود، تو ضرور آیت محکم اور مشرکین ہند کو اس میں داخل نہ کرنا شدید ظلم وستم یہ جواب دوم ہوا، اور یہی مذہب جمہور ومشرب منصور ومسلک ائمہ حنفیّہ صدور ہے مسلم حنفی بننے والی ہندو پرستی نے نہ حنفیت قائم رکھی نہ حنیفیت، نہ مذہب ہی برقرار رکھا نہ شریعت، "ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪" ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم، دو جواب تو ہوئے۔

لیڈروں کو تیسرا جواب

ثالثاً: وائے غربت اسلام وانصاف، کیا کوئی ان سے اتنا کہنے والا نہیں کہ ہندوؤں کے بالفعل محاربین سے بھی تمھیں عداوت کا اقرار رہا تھی کے دانت ہیں، کھانے کے اور دکھانے کے اور، کیا تمھیں نہیں ہو کہ جب وہ محاربین قاتلین ظالمین کافرین گرفتار ہوئے ان پر ثبوت اشد جرائم کے انبار ہوئے تمھاری چھاتی دھڑکی، تمھاری مامتا کی پھڑکی، گھبرائے، تلملائے، سٹپٹائے، جیسے اکلوتے کی پھانسی سن کر ماں کو درد آئے، فوراً گرما گرم دھواں دھار ریزولیوشن عـــه پاس کیا ہے کہ ہے ہے یہ ہمارے پیارے ہیں۔ یہ ہماری آنکھ کے تارے ہیں، انھوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا، جلایا پھونکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے، یہ ہماری ان کی خانگی شکر رنجی تھی، ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں، یہ ہمارے سگے ہیں کوئی سوتیاڈاہ نہیں، ماں بیٹی کی لڑائی دودھ کی ملائی، برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے ان کے درد سے ہمیں غش پر غش آتا ہے۔ ان کا بال بیکا ہوا اور ہمارا کلیجہ پھٹا، اللہ ان کو معافی دی جائے، فوراً ان سے درگزر کی جائے، یہ ہے آیہ ممتحنہ پر تمھارا عمل، یہ ہے "الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ" سے تمھاری جنگ وجدل۔ یہ ہے واحد قہار کو تمھارا پیٹھ دینا، یہ ہے کلام جبار سے تمھارا مچیٹا لینا ان تمھارے سگوں نے قرآن مجید پھاڑے، تم نے اس کے احکام پاؤں تلے مل ڈالے، انھوں نے مسجدیں ڈھائیں، تم نے رب المسجد کے ارشاد دولتیوں سے کچل ڈالے، قرآن چھوڑا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منہ موڑا اور ان کے دشمنوں ان کے اعداء سے رشتہ جوڑا، یہ تمھیں اسلام کا بدلا ملا۔

عـــه: بعض مفتیان بے انصاف اسے دیکھیں جنھوں نے لکھا تھا "اگر کوئی ہندو اس کے خلاف ہو تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ محارب سے بر وقسط ناجائز۔ ع

یہی اقرار یہی قول، یہی وعدہ تھا۔ الخ حشمت علی عفی عنہ

اف "بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ۝" [1]	اف ہے تم پر ظالموں نے کیا ہی برا عوض پایا۔

آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ تمھیں آیہ ممتحنہ پڑھنے کا کیا منہ ہے تمھارا پڑھنا یقینا مصداق "رب تالی القرآن و القرآن یلعنہ" [2] (بہتیرے وہ ہیں کہ وہ تو قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن انھیں لعنت فرمارہا ہے) ہے کیا اسی آیت کا تتمہ نہیں:

"وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝" [3]	تم میں جو ان سے دوستی رکھے تو وہی پکے ظالم ہیں

جو ان سے موالات کرے وہی ظالم ہے تم نے خاص محاربین بالفعل مقاتلین فی الدین سے موالات کی تو تم بحکم قرآن ظالمین ہوئے یا نہیں، اور یہی قرآن فرماتا ہے:

"اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۝" [4]	سن لو ظالموں پر اللہ کی لعنت۔

تو بحکم قرآن ایسے لوگ لعین ہوئے یا نہیں اب دو فتوے اب کرو آیہ ممتحنہ کا دعوی:

"وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝" [5] "وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝" [6]	اور اللہ تعالٰی ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور انھیں ایمان نہیں، اللہ تعالٰی اور مسلمانوں سے فریب کرتے ہیں اور حقیقت میں وہ اپنی ہی جانوں کو فریب میں ڈالتے ہیں اور انھیں خبر نہیں، ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ان کے جھوٹ کا بدلا۔

لیڈروں کو چوتھا جواب:

رابعًا: ان صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھئے کہ سب جانے دو کریمہ "لَا یَنْهٰىكُمُ" ہر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکین ہند میں کوئی بھی محارب بالفعل نہ سہی، اب دیکھو تمھارے ہاتھ میں قرآن سے کیا ہے، خالی ہوا۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۵۰

[2] المدخل لابن الحاج الکلام علی جمع القرآن دار الکتب العربی بیروت ۱/ ۸۵ و ۲/ ۳۰۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[5] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۹

[6] القرآن الکریم ۲/ ۸ تا ۱۰

"وَ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾ "[1] اور ان کے دل اڑے ہوئے ہیں۔

کریمہ " " لَا یَنۡهٰىكُمُ نے کچھ نیک برتاؤ مالی مواسات ہی کی تو رخصت دی یا یہ [1] فرمایا کہ انھیں اپنا انصار بناؤ، [2] ان کے گہرے یار غار ہو جاؤ، [3] ان کے طاغوت کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ، [4] ان کی جے پکارو، [5] ان کی حمد کے نعرے مارو، [6] انھیں مساجد مسلمین میں بادب و تعظیم پہنچا کر [7] مسند مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پرلے کا جا کر [8] مسلمانوں سے اونچا اٹھا کر واعظ وہادی مسلمان بناؤ [9] ان کا مردار جیفہ اٹھاؤ، [10] کندھے پر ٹکٹکی زبان پر جے یوں مرگھٹ میں پہنچاؤ، [11] مساجد کو ان کا ماتم گاہ بناؤ [12] ان کے لئے دعائے مغفرت و [13] نماز جنازہ کے اعلان کرو، [14] ان کی موت پر بازار بند کرو سوگ مناؤ، [15] ان سے اپنے ماتھے پر قشقے لگواؤ، [16] ان کی خوشی کو شعار اسلام بند کراؤ، [17] گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، [18] کھانے والوں کو کمینہ بتاؤ، [19] اسے مثل سَور کے گناؤ، [20] خدا کی قسم کی جگہ رام دہائی گاؤ، [21] واحد قہار کے اسماء میں الحاد رچاؤ، [22] اسے معاذاللہ رام [عہ] یعنی ہر چیز میں رما ہوا ہر شے میں حلول کئے ہوا ٹھہراؤ۔

عــہ: یہاں سے صریح گمراہی ظاہر ہوئی ان جاہل مفتیوں کی جنھوں نے کہا کہ "اس میں کیا حرج ہے رام خدا ہی کو تو کہتے ہیں" اور جب تنبیہ کی گئی کہ رام لچھمن وسیتارام میں کون سے لکھا کہ "بظاہر رام ہنود کے یہاں خدا کو کہتے ہیں اور خدا کی دہائی دینا جائز ہے" اتحاد منانے کا اثر ہے کہ وہ جو شدید گالی رب العزت کو دینے میں مقبول وشیر مادر ہے، خدا کو تو رام بنالیا کیا اپنے آپ کو بھی مولوی کی جگہ پنڈت اور عبد مضاف باحد اسماء الٰہیہ کے بدلے رامداس اور اپنی مسجد کو شوالہ اور اپنے مدرسہ کو پاٹ شالا کہنا روا رکھیں گے، کیا ان لفظوں کی جگہ مولوی عبد۔۔۔ صاحب نے اپنے مدرسہ کی مسجد میں وعظ فرمایا یوں کہنے کی اجازت دیں گے کہ پنڈت رام داس جی نے اپنے پاٹ شالا کے شوالے میں کتھا بکھائی یا کم از کم اتنا کہ اپنے لئے مولوی صاحب السلام علیکم کے بدلے پنڈت جی نمتکار کہنا روا رکھیں گے، اور یہی نہیں اپنے جنازوں کے ساتھ کلمہ طیبہ کی جگہ رام رام ست پکاریں گے کہ آخر ہنود کے نزدیک رام خدا ہی تو ہے اور خدا ضرور حق ہے، نہ اجازت دیں گے تو کیوں اللہ کو رام کہنا جائز، اور تمھارے لئے ویسے ہی ترجمے کرنا حرام معلوم ہوا، اللہ عزوجل کی عظمت سے اپنی عظمت دل میں زائد اور بہت زائد ہے، یہ ترجمہ کا سلسلہ تو بہت اونچا چلتا ہے مگر بے ادبوں کی اسی قدر سزا ہے ۱۲ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۳

۲۳ قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں لے جاؤ ۲۴ دونوں کی پوجا کراؤ، ۲۵ ان کے سرغنہ کو کہو خدا نے ان کو تمھارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے، یوں معنی نبوت جماؤ، اللہ عزوجل عـــہ نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تو یہی فرمایا "اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَکِّرٌ ؕ ﴿۲۱﴾" [1] تم تو نہیں مگر مذکر۔ اور خدا نے مذکر بنا کر بھیجا ہے اس نے معنی رسالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا، ہاں لفظ بچایا ۲۶ اسے یوں دکھایا نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے ۲۷ اور امام و پیشوا و بجائے مہدی موعود تو صاف کہہ دیا بلکہ ۲۸ اس کی حمد میں یہاں تک کہ اونچے اڑے کہ "خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست" ۲۹ صاف کہہ دیا کہ "آج اگر تم نے ہندو بھائیوں کو خوش کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کرلیا، صاف کہہ دیا کہ "ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھادے گا، ۳۰ صاف کہہ دیا کہ "ایسا مذہب چاہتے ہیں جو سنگم وپر یاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا" ۳۱ صاف کہہ دیا کہ "ہم نے قرآن مجید وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی" کیا کریمہ "لَا یَنْہٰکُمُ" میں ان ملعونات وکفریات کی اجازت دی تھی۔

"وَیْلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ ۚ" [2] "وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ؕ اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّہِمْ وَ یَقُوْلُ الْاَشْہَادُ ہٰۤؤُلَآءِ	تمھاری خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمھیں عذاب میں بھون دے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یہ ہیں وہ لوگ کہ اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے

عـــہ: یہاں سے صاف ظاہر ہوئی ان جاہل مفتیوں کی جنھوں نے لکھا "مذکر یاد دلانے کے معنی میں بولا جاتا ہے پس اگر کسی کو مذکر یعنی کوئی بات یاد دلانے کہا جائے تو جائز ہے" مسلمانو! للہ انصاف کہاں تو کوئی بات یاد دلانے والا اور کہاں یہ کہ "خدا نے ان کو مذکر بنا کر تمھارے پاس بھیجا ہے گاندھی کو پیشوا نہیں بلکہ قدرت نے تم کو سبق پڑھانے والا مدبر بنا کر بھیجا، یہ گلفشانی جدید لیڈر بننے والے جناب عبدالماجد بدایونی کی ہے جو جلسہ جمعیت علمائے ہند دہلی میں ہوئی اور اخبار فتح دہلی ۲۴ نومبر میں چھپی انھیں کی حمایت میں مفتی مذکور کا وہ فتوی ہے مگر معلوم نہیں ان مفتی صاحب فقیہ کی کتاب علم یا ان کے طور پر پنڈت رام داس جی شاستری کی ودیا پشتک میں مولوی عبدالماجد کو پانڈے شری داس کہنے کا بھی جواز ہے یا ان کے کھیلنے کے لئے صرف بارگاہ قہار بے نیاز ہے ۱۲ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۸۸/ ۲۱

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱

"الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ "س [1]	یہ ہیں وہ جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا سن لو ظالموں پر اللہ کی لعنت وہ جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔

دیکھی تم نے آئینہ ممتحنہ میں اپنی صورت:

"وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ " [2] " كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ " [3]	یہ سزا ہے ظالموں کی، عذاب ایسا ہوتا ہے اور بیشک آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے کیا اچھا ہوتا اگر وہ جانتے۔

لیڈروں سے ضروری سوال:

سوال ضروری لیڈران اور پارٹی کو اب تو کھلا کہ انھوں نے یقینا دشمنان خدا اور رسول سے وداد واتحاد منایا اور ان کا کوئی عذر بارد انھیں کام نہ آیا اب قرآن کریم سے اپنا حکم بتائیں، اوپر آیہ کریمہ تلاوت ہوئی:

" لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ " [4]	تم نہ پاؤ گے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ مخالفان خدا ورسول سے وداد کریں۔

دوسری آیات میں فرمایا:

" تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ " [5]	تم ان میں بہت کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں بیشک کیا ہی بری چیز ہے جو خود انھوں نے اپنے لئے تیار کی، یہ کہ ان پر اللہ کا غضب اترا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور اگر انھیں اللہ ونبی وقرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں کو دوست نہ بناتے مگر ہے کہ ان میں بہت سے فاسق ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸و۱۹

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

[4] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[5] القرآن الکریم ۵/ ۸۰، ۸۱

ترک موالات میں لیڈروں کی افراط و تفریط:

فرمایئے اللہ واحد قہار سچا کہ ہندوؤں سے وداد و اتحاد منانے والے ہر گز مسلمان نہیں انھیں اللہ و نبی وقرآن پر ایمان نہیں، یا معاذاللہ یہ سچے کہ ہم تو ٹکسالی مسلمان ہیں ہم تو قوم کے لیڈران وریفار مران ہیں، مسلمان تو یہی کہے گا کہ اللہ سچا" ومن اصدق من اللہ حدیثا"، غرض ترک موالات میں افراط کی تو وہ کہ مجرد معاملت حرام قطعی اور تفریط کی تو یہ کہ ہندوؤں سے وداد واتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی وانقیاد فرض بلکہ مدار ایمان۔

فسبحٰن مقلب القلوب والابصار۔	پاکی ہے اسے جو دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتا ہے۔

اول میں تحریم حلال کی، دوم میں تحلیل حرام بلکہ افتراض حرام اور ان دونوں کے حکم ظاہر وطشت از بام۔

انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے بہتانی الزام کارد:

للہ انصاف! کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کے خوش کرنے کو معاذاللہ مسلمانوں کا تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا یا ان کے اہل باطل نے مشرکین کے خوش کرنے کو صراحۃً کلام اللہ واحکام اللہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا، مسلمان کو خدا لگتی کہنی چاہئے، ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتوی اہلسنت نے دیئے کلام الٰہی واحکام الٰہی بیان کئے یہ تو ان کے دھرم میں انگریزوں کو خوش کرنے کے ہوئے وہ جو پیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اُبجی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر، رونے بیٹھے ہیں۔ کیا اس کا رد علمائے اہل سنت نے نہ کیا، وہ کس کو خوش کرنے کو تھا، کیا بکثرت رسائل ومسائل اس کے رد میں نہ لکھے گئے، حتی کہ اس کے بچے ندوے کے رد میں پچاس ۵۰ سے زائد رسائل شائع کئے جن میں جابجا اس نیم نصرانیت کا بھی رد بلیغ ہے، یہ کس کے خوش کرنے کو تھا، کیا صمصام حسن میں نہ تھا۔

نیچریاں راست خدادر کمند　　نیچر وقانون وراپائے بند
سر نتواند کہ زنیچر کشد　　خط بخدائیش سنیچر کشد
کیست سنیچر سی والیس آئی ست　　گول بکول آمدہ نیچر پست
چوں شدہ استارہ ہندآن دغل　　نحس وبلندآمدہ ہمچوں زحل
عرش وفلک جن وملک حشر تن　　ناروجنان جملہ غلط کردوظن
کیست نبی پر دل پرجوش گو　　وحی چہ باشد سخن جوش او
برزدہ برہم ہمہ از اصل وفرع　　دین نوآورد ونوآورد شرع
ریش حرام ست ودم فرق فرض　　حج سوئے انگلنڈ بود قطع ارض
گفت بیا قوم شنو قوم من　　ہیں سوئے اعزاز بدو قومِ من

ذلت تان دین مسلمانی ست　　　　وائے برانکس کہ نہ نصرانی ست

(ترجمہ: خدا نیچریوں کی قید میں ہے، نیچر (طبیعت) اور قانون اس کو پابند کرنیوالے ہیں، وہ نیچر سے سر نہیں پھر سکتا۔ سنیچر اس کو خدائی پر لکیر کھینچ دیتاہے، سنیچر کون؟ سی، ایس آئی ہے، ایک بیوقوف نیچر پرست (سرسید) کول میں آیاہے، جب سے وہ کھوٹا شخص ستارہ ہند ہوا (اسے تمغہ ملاہے) زحل کی طرح منحوس اور بلند ہوگیاہے، اس نے عرش آسمان، فرشتے، حشر جسمانی، جنت دوزخ سب کو غلط اور ظنی قرار دیاہے، (اس کے نزدیک) نبی کون ہے؟ بہادر اور شعلہ بیان خطیب ہے تمام اصول اور فروع کو اس نے درہم برہم کردیاہے، دین نیالایاہے اور شریعت نئی لایاہے، داڑھی حرام ہے اور (ٹیڑھی) مانگ کی دم فرض ہے، حج انگلینڈ کی طرف سفر کا نام ہے، اس نے کہااے میری قوم! آ اور سن، اے میری قوم! عزت کی طرف دوڑ، دین اسلام تمھاری ذلت ہے، افسوس اس شخص پر جو نصرانی (عیسائی) نہیں ہے) یہ کس کی خوشی کو تھا، کیامشر قستان اقدس میں نہ تھا۔

ندویا کیں جلوہ در اسپیچ ولکچر می کنند　　　　چوں بہ سنت می رسند آں کار دیگر می کنند
گہ روافض رابر سر برتاج لطف اللّٰہ نہند　　　　گہ پوادر رابہ تخت عالماں بر می کنند
بخت ورخت تخت دیں بیں جلوہ باصدرش براں　　　　پاڈری وسکاٹ بامسٹری براڈری کنند
مفت مفتی یافت ایں عزت کہ اور اہمنشیں　　　　باا ماماں جج وجنٹ وکلکٹر می کنند
ساز وناز عالماں بیں نظم بزم دیں بدیں　　　　میز وا سٹیج وٹکٹ ہال وکلب گھر می کنند
زیں سگا لشا چہ نالشا کہ خود ایں سرکشا　　　　داور دادار را برٹش گور نرے کنند

(ترجمہ: ندوہ والے جو تقریر اور لیکچر میں جلوہ دکھاتے ہیں جب سنت تک پہنچے ہیں تو دوسرا کام کرتے ہیں، (یعنی سنت کی مخالفت)۔ یہ کبھی رافضیوں کے سر پر اللہ تعالٰی کے لطف وکرم کا تاج رکھتے ہیں کبھی پادریوں کو علماء کے سٹیج پر بٹھاتے ہیں۔ دین کے اسٹیج کی قسمت اور سازوسامان دیکھئے کہ سوداڑھی منڈوں کے ساتھ پادری وسکاٹ اور مسٹر کو (اپنا) بھائی بناتے ہیں، مفتی کو مفت میں یہ عزت مل گئی کہ اسے اماموں، ججوں، جنٹوں، اور کلیکٹروں کا ہم نشین بنادیتے ہیں، علماء کے نازوانداز دیکھئے، مجلس دینی کا نظام دیکھئے، میز اسٹیج، ٹکٹ ہال اور کلب گھر بناتے ہیں، ان خوشامدوں پر کیارونا کہ یہ سرکش لوگ برٹش گورنر کو حاکم اور منصف مقرر کرتے ہیں) یہ کس کی خوشی کو تھا، مولوی عبدالباری صاحب خدام کعبہ کی بانگی کے لئے مسجد کانپور کو عام سڑک اور ہمیشہ کے لئے جنب وحائض وکافر ومشرک کی پامال کرا آئے اور بکمال جرات اسے مسئلہ شرعیہ ٹھہرایااس کے رد میں ابانۃالمتواری لکھاجس میں ان سے کہاگیا۔

دانم نہ رسی بکعبہ اے پشت براہ　　　　کیں رہ کہ تو میروی بانگلستانست

(کعبہ کی طرف پشت کرکے چلنے والے! میں جانتاہوں توکعبہ نہیں پہنچ سکے گاکہ جس راہ پر تو چل رہاہے وہ انگلستان کاراستہ ہے۔ت)

نیز ان کے شبہات واہیہ کے قلع قمع کو قامع الواہیات شائع ہوا، یہ کس کی خوشی کو تھا، بات یہ ہے ع

المرء یقیس علی نفسہ

ع آدمی اپنے ہی احوال پہ کرتا ہے قیاس

لیڈروں اور ان کی پارٹی نے آج تک نصرانیت کی تقلید وغلامی، خوشنودی نصارٰی کو کی اب کہ ان سے بگڑی اس سے بدرجہا بڑھ کر خوشنودی ہنود کو ان کی غلامی لی، سمجھتے ہیں کہ معاذاللہ خادمان شرع بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے حالانکہ اللہ ورسول جانتے ہیں کہ اظہار مسائل سے خادمان شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا صرف اللہ عزوجل کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا اور وللہ الحمد سنئے ہم کہیں واحد قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار درہزار لعنتیں جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو تباہی مسلمین کا مسئلہ نکالا ہو، نہیں نہیں، بلکہ اس پر بھی جس نے حق مسئلہ نہ رضائے خدا ور سول نہ تنبیہ وآگاہی مسلمین کے لئے بتایا بلکہ اس سے خوشنودی نصارٰی اس کا مقصد ومدعا ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ لیجئے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں سب کی ہزار درہزار لعنتیں ان پر جنھوں نے خوشنودی مشرکین کے لئے تباہی اسلام کے مسائل دل سے نکالے اللہ عزوجل کے کلام اور احکام تحریف وتغییر سے کایا پلٹ کر ڈالے شعار اسلام بند کئے شعار کفر پسند کئے، مشرکوں کو امام وہادی بنایا، ان سے وداد واتحاد منایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آمین، ان کی یہ آمین ان شاء اللہ تعالٰی خالی نہ جائے گی اگرچہ دل میں بہت کی دعا نہ ہو "الافی ضلل"۔

مشرکین سے معاہدہ کا بیان اور لیڈروں کا ردّ بلیغ

(۸) لیڈر کہ احکام اسلام کو یکسر بدلنے اور بیچارے عوام کو جھوٹے من گھڑت احکام سنا کر چھلنے پر تلے ہیں محض فریب دہی کے لئے اس طرف چلے ہیں کہ ہندوؤں سے اور ہم سے اب جبکہ عہد موافقت ہو گیا تو ہم کو اس کا پورا کرنا لازمی ہے یہ شریعت پر محض افتراء ہے، **اول** کون سی شریعت میں ہے کہ مشرکوں سے عہد موافقت، کافروں سے معاہدہ شرعیہ ایک مدت تک بمصلحت شرعی التوائے قتال کا عہد ہے، نہ کہ موافقت کا جواب نصوص قطعیہ حرام ہے۔

لیڈران پر دوسرا ردّ:

دوم صرف موافقت ہی نہیں بلکہ لیڈران فرماتے ہیں اگر شرعی عــہ مصلحت ہو تو اتحاد پیدا کرنا بھی ممنوع نہیں۔

عــہ: عبارت گزشتہ اور یہ سب عبارات کہ اس بحث میں آتی ہیں جن پر خط ہے خطبہ صدارت مولوی عبدالباری صاحب جلسہ انجمن علمائے صوبہ متحدہ ۱۲رجب ۳۸ھ بمقام کانپور کی ہیں ۱۲ حشمت علی عفی عنہ

مشرکوں سے اتحاد:

اللہ اکبر مشرک اور اتحاد جب تک یہ مشرک یا وہ مسلم نہ ہو جائیں دو ضدوں کا اتحاد کیونکر ممکن، ظاہر ہے کہ وہ مسلمان نہ ہوئے نہ یہ ان کو مسلمان مان کر ان سے متحد ہوئے تو ضرور صورت عکس ہے کہ انھیں نے شرک قبول کیا، لیڈر صاحبو! ممنوع ہے یا نہیں تمھاری خانگی پنچایتی بات نہیں "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" [1] حکم نہیں مگر اللہ کے لئے، خود لیڈران فرماتے ہیں خدا کے سوا کسی کو حاکم بنانا روا نہیں "لاحکم الا للہ"، اور اس میں یہاں تک بڑھے کہ اگر رسول کی اطاعت لازم ہے تو اس صورت میں جبکہ مخالفت احکام الٰہیہ نہ ہو ورنہ "انما الطاعۃ فی المعروف" مشہور ہے۔

لیڈران کے نزدیک رسول اللہ بھی خلاف خدا حکم فرما سکتے ہیں:

اللہ اکبر واحد قہار تو یہ فرمائے کہ "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" [2] جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور لیڈران فرمائیں رسول کی اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک وہ احکام الٰہی کی مخالفت نہ کرے۔ جب رسول خلاف خدا حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں، خیر، جب آپ کے یہاں رسول کا یہ مرتبہ ہے تو کیا قوم پر آپ کی اطاعت ہر طرح لازم ہے اگرچہ خلاف خدا و قرآن حکم دیجئے، ابھی تو آپ نے کہا کہ حکم نہیں مگر خدا کے لئے اب اگر خدائی دعوٰی تمھیں نہیں تو دکھاؤ خدا نے کہاں فرمایا ہے کہ مشرکوں سے اتحاد پیدا کرنا بمصلحت ممنوع نہیں۔

"هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾" [3]	لاؤ اپنی برہان اگر تم سچے ہو۔

قرآن عظیم کے صفحات مشرکین سے اتحاد و وداد حرام کرنے سے گونج رہے ہیں لیڈرو! "ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ" [4] مصلحت شرعی تم زیادہ جانو یا اللہ جو فرماتا ہے۔

"لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ" [5]	کسی غیر مسلم کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے تمھارا مشقت میں پڑنا۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷ و ۱۲/ ۴۰ و ۱۲/ ۶۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۰

[5] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

اللہ اکبر ایسا کھلا افتراء اور واحد قہار پر، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۪ وَّ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾" [1]	اپنی زبانوں کی جھوٹی بناوٹ سے نہ کہو کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہ پائیں گے تھوڑے دنوں دنیا میں برت لیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

لیڈران پر تیسرا ردّ:

لیڈران فرماتے ہیں ھم نے خدا کی محبت کو اس اتحاد میں بھی ملحوظ رکھا ہے۔

لیڈران کے نزدیک دشمنان خدا سے اتحاد میں خدا کی محبت ہے:

اللہ اکبر اللہ کے دشمنوں سے اتحاد اور اس میں محبت خدا کا ادعا واقعی ان کے نزدیک اللہ کی محبت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے مل کر ایک ہوجائیں، امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

الاعداء ثلثة عدوك وعدو صديقك وصديق عدوك [2]۔	دشمن تین ہیں: ایک خود تیرا دشمن، دوسرا تیرے دوست کا دشمن، تیسرا تیرے دشمن کا دوست،

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ ﴿۹۸﴾" [3] بیشک اللہ کافروں کا دشمن ہے تم کہ اس کے دشمنوں سے متحد ہوئے کیونکر اللہ کے دشمن نہ ہوئے۔

تو دعدوی ثم تزعم اننی

صديقك ليس النوك عنك بعارب

(تو میرے دشمن سے محبت رکھتا ہے پھر یہ جھک مارتا ہے کہ میں تیرا دوست ہوں حماقت تجھ سے دور نہیں)

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶، ۱۱۷

[2] نهج البلاغة مع شرح ابن ابی الحدید الجزء التاسع عشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۹۸

لیڈران پر چوتھا رد:

چہارم کافروں مشرکوں سے معاہدہ شرعیہ صرف اس وقت رواہے جب معاذاللہ مسلمانوں کو اس کی احتیاج وضرورت ہو، امام ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

الموادعة رکنها فهو لفظ الموادعة او المسالمة او المصالحة والمعاهدة او ما یؤدی معنی هذه العبارات وشرطها الضرورة فلا تجوز عند عدم الضرورة[1] (ملخصاً)	معاہدہ صلح کا رکن یہ الفاظ ہیں موادعت، مسالمت، مصالحت، معاہدہ اور جو لفظ ان معنی کو ادا کرے اور معاہدہ کی شرط ضرورت ہے بے ضرورت حرام ہے۔

لیکن لیڈران اپنا بھاری جرم خود قبول نہیں کرتے ہیں کہ ہم کو احتیاج نے اتحاد برداران ہند کی جانب مائل نہیں کیا تمھارا معاہدہ اگر بفرض غلط معاہدہ شرعیہ کی شکل میں ہوتا جب بھی بے ضرورت ان کی طرف مائل ہونا حرام تھا بر حال اس نے تمھیں واحد قہار کا نافرمان اور صریح بدخواہ مسلمانان و دین مسلمانان کردیا۔

لیڈران پر پانچواں رد:

پنجم کفار سے معاہدہ شرعیہ ایک قسم امان ہے اور شرط امان یہ ہے کہ کفار کو امان دہندہ سے خوف قتل و قتال ہو اور یہ ان پر قاہر ہو اگرچہ اپنی جماعت کے لحاظ سے اگرچہ نسبۃً پلہ انھیں کا بھاری ہو جنگ دوسر دار و حرب میں چرب کو بھی خوف ہوتا ہے جس سے انھیں اپنے قتل کا خوف نہ ہو اس کا امان دینا باطل اور معاہدہ کرنا مردود، بدائع ملک العلماء میں ہے:

اما حکم الموادعة فما هو حکم الامان المعروف لانها عقد امان ایضا[2]۔	معاہدہ کا حکم وہی ہے جو امان کا مشہور حکم ہے اس لئے کہ معاہدہ بھی ایک عقد امان ہے۔

ہدایہ میں ہے:

انه من اهل القتال فیخافونه اذهو من اهل المنعة فیتحقق الامان منه لملاقاته محله[3]۔	اس لئے کہ وہ اماں دہندہ اہل قتال سے ہے تو کافر اس سے ڈریں گے اس لئے کہ وہ حمایتی گروہ رکھتا ہے تو اس کا اماں دینا ٹھیک ہوگا اپنے محل پر واقع ہوا۔

---

[1] بدائع الصنائع کتاب السیر مطلب واما حکم الموادعة الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۸

[2] بدائع الصنائع کتاب السیر مطلب واما حکم الموادعة الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۹

[3] الهدایه باب الموادعة من یجوز امانه المکتبة العربیه کراچی ۲/ ۵۴۴

اسی میں ہے:

لایجوز امان اسیر ولاتاجریدخل علیهم لانهما لایخافونها والامان یختص بمحل الخوف[1] (ملخصا)	قیدی یا تاجر کہ دارالحرب میں تجارت کو گیا ہو ان کی امان صحیح نہیں اس لئے کہ کافران سے نہ ڈریں گے اور امان وہیں ہوسکتی ہے جہاں خوف ہو۔ (ملخصا)

اسی میں ہے:

ومن اسلم فی دارالحرب ولم یهاجر الینا لایصح امانه لمابینا[2]۔	جو دارالحرب میں مسلمان ہوا اور دارالاسلام میں ہجرت کرکے نہ آئے اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں اسی دلیل سے کہ ہم بیان کرچکے۔

فتح القدیر میں ہے:

لما بینا من ان الامان یختص بمحل الخوف ولا خوف منه حال کونه مقیما فی دارهم لامنعة له ولاقوة دفاع[3]۔	ہماری بیان کی ہوئی دلیل یہ ہے کہ امان دینا اس کا صحیح ہے جس سے خوف ہو اور اس سے خوف نہیں کہ یہ انھیں کے ملک میں رہتا ہے، اس کے پاس نہ اپنی حمایت کرنے والا کوئی گروہ ہے نہ مدافعت کفار کی قوت۔

عنایہ امام اکمل میں ہے:

شرط جواز الامان هوالایمان وعلته هوالخوف لان الخوف انما یحصل ممن له قوة وامتناع[4]۔	امان جائز ہونے کی شرط ایمان ہے اور اس کی علت خوف اس لئے کہ خوف اسی سے ہوتا ہے جو زور رکھتا ہو اور اپنے آپ کو بچاسکتا ہو۔

کلام امام نسفی میں ہے:

صح امانه لانه من اهل القتال	اس کی امان صحیح ہے اس لئے کہ وہ قتال کے

[1] الهدایة باب الموادعة من یجوز امانه المکتبة العربیه کراچی ۲/ ۵۴۵

[2] الهدایة باب الموادعة من یجوز امانه المکتبة العربیه کراچی ۲/ ۵۴۵

[3] فتح القدیر باب الموادعة من یجوز امانه مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۱۳

[4] عنایة مع فتح القدیر باب الموادعة من یجوز امانه مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۱۳

ومنعة الاسلام فیخافونه فینفذ منه الامان الذی ھوازالة الخوف[1]۔	لائق ہے اور اپنی حمایت کے لئے اسلامی گروہ رکھتا ہے تو کافر اس سے ڈریں گے توامان کہ خوف زائل کرنے کانام ہے اس سے نفاذ پائے گی۔

اسی میں ہے:

لایجوز امان اسیر وتاجر دخل علیھم ومسلم اسلم فی دار الحرب ولم یھاجر لان الامان یکون علی خوف ولاخوف لھم منه[2]۔	قیدی یاتاجر کہ دارالحرب میں داخل ہوا یاحربی کہ وہاں اسلام لایا اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کی ان کا امان دینا صحیح نہیں کہ امان ڈر میں ہوتی ہے اور کافران سے نہ ڈریں گے۔

تبیین امام زیلعی میں ہے:

لودخل مسلم فی عسکر اھل الحرب فی دارالاسلام و امنھم لایصح امانه الا اذا امنھم من یقاومھم بخلاف ما اذا امن عشرین اونحوھم فی دارالاسلام حیث لایجوز امانه لان الواحد وان کان مقھور اباعتبار نفسه حیث لایقاومھم لکنه قاھر ممتنع بقوة المسلمین فکان قاھرالھم حکما[3]۔(ملخصا)	حربیوں کا لشکر دارالاسلام میں آیا ہوا ہے اور کوئی مسلمان ان کے لشکر میں جاکر امان دے آئے یہ امان صحیح نہیں ہاں جب اتنے مسلمان انھیں امان دیں جو اس لشکر کی مقاومت کرسکتے ہوں بخلاف اس کے مثلاً بیس پچیس حربی دارالاسلام میں آئے اور ایک مسلمان نے ان میں جاکر انھیں امان دے دی، یہ امان صحیح ہوگئی کہ ایک اگرچہ بیس سے مغلوب ہے ان کی مقاومت نہیں کرسکتا مگر وہ مسلمانوں کے زور سے ان پر غالب ہے توحکما غلبہ اسی کا ہوگا۔(ملخصاً)

اسی میں ہے:

الامان ازالة الخوف ومن لم	امان خوف زائل کرنے کانام ہے اور وہ جو قتال

[1] کافی شرح وافی للنسفی

[2] کافی شرح وافی للنسفی

[3] تبیین الحقائق کتاب السیر المطبعة الکبرٰی الامیریه بولاق مصر ۳/ ۲۴۷

یباشر القتال لایخافونه فکیف یصح امانه[1]۔	نہ کرے کافر اس نہ ڈریں گے تو اس کی امان کیسے صحیح ہو۔

ایمان سے کہنا کیا تم ہنود پر قاہر تھے کیا ان کے قتل پر قادر تھے کیا ان کو تم سے خوف قتل تھا جسے تمھاری امان نے زائل کیا، اور جب یہ کچھ نہ تھا اور بیشک نہ تھا تمھارا معاہدہ اگر بفرض باطل، معاہدہ شرعیہ کی شکل میں ہوتا جب بھی قطعاً باطل و مردود تھا، اور مردود کو پورا کرنا لازمی بتانا اس سے بڑھ کر مردود۔

لیڈران پر چھٹا رد:

ششم کفار سے معاہدہ شرعیہ میں شرط اعظم یہ ہے کہ جتنی مدت تک ہو اس میں تہیہ قتال رکھیں اور اس کی آمادگی و درستی سامان سے غفلت نہ کریں کہ التواء و معاہدہ سے اصل مقصود یہی ہے ورنہ تارک فرض اہم ہوں گے اور مستحق نار جہنم، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

المعاهدة شرطها الضرورة وهی ضرورة استعداد القتال لان الموادعة ترك القتال المفروض فلایجوز الا فی حال یقع وسیلة الی القتال[2]۔	معاہدہ جائز ہونے کی شرط ضرورت ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ اس مدت میں سامان قتال درست کریں اس لئے کہ جہاد فرض ہے اور معاہدہ اس فرض کا ترک ہے تو اس حال میں حلال ہو سکتا ہے کہ یہ جہاد کے لئے وسیلہ پڑے۔

ایمان سے کہنا کیا تم ہندوؤں سے آمادگی قتال میں ہو اور اسی لئے ایک مدت تک ان سے معاہدہ کیا ہے کہ اس فرصت میں ان کے قتل کا سامان مہیا کر لو کیوں مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہو، بلکہ عالم الغیب والقلب کے ساتھ فریب کی راہ لیتے ہو۔

"وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ ؁" [3]	اور فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انھیں شعور نہیں۔

طرح طرح ثابت ہوا کہ تمھارا یہ معاہدہ اگر بفرض غلط معاہدہ شرعیہ کی شکل میں بھی ہوتا جب بھی

---

[1] تبیین الحقائق کتاب السیر قبیل باب الغنائم المطبعة الکبری الامیریة بولاق مصر ۳/ ۲۴۸

[2] بدائع الصنائع کتاب السیر مطلب واما نوع الثانی وھو الامان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۹

حرام ومردود وخلاف شرع ہوا، اب کیوں نہ یاد کریں لیڈران اپنا ہی قول کہ "خدا کے یہاں معاہدہ کا حیلہ بھی کارگر ہوتا ہے" یا دیکھئے کیا جواب ملتا ہے کوئی اگر معاہدہ کا دعوٰی بھی کرے تو خلاف شرع معاہدہ کیونکر مسلم ہوگا کیونکہ صلح حدیبیہ منسوخ ہوچکی ہے اور **الاما احل بہ حراما اوحرم بہ حلالا**[1] (مگر وہ معاہدہ جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنائے۔ت) کا استثناء حکم مستقل ہے"

لیڈران پر ساتوں رد:

ہفتم لیڈران کی بڑی کوشش اس میں ہے کہ مشرکین ہند کے شدید مظالم چھپائیں اور ان کو جیسے بنے "لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" میں داخل ٹھہرائیں تاکہ انھیں زیر حکم "لَایَنۡہٰکُمُ اللہُ" لائیں یہ صاف کہہ رہا ہے کہ معاہدہ کا عذر محض جھوٹا ہے معاہدہ تو حسب ضرورت شرعیہ مقاتلین سے خاص وقت قتال بھی جائز ہے پھر اگر معاہدہ ہوتا تو اس کھینچ تان کی کیا ضرورت پڑتی معلوم ہوا کہ جھوٹ کہتے ہیں اور قصداً بکتے ہیں اور دل میں خوب سمجھ رہے ہیں کہ نرا جھوٹ بکتے ہیں "وَاللہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۹۵﴾"[2] (اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ت)

مشرکوں سے معاہدہ لیڈران کے اصل اغراض

(۹) لیڈران حاشا تمھارا معاہدہ ہنود سے نہ التوائے قتال کے لئے ہوا نہ اس کا کچھ ذکر تھا نہ تم ان پر قاہر تھے نہ انھیں تم سے اپنے قتل کا خوف تھا بلکہ دونوں تیسرے کے ہاتھ میں مقہور ہو، نہ ہرگز اس مدت معاہدہ میں تم قتل ہنود کا سامان کررہے ہو نہ ہرگز تمھاری نیت نہ ہرگز تم ایسا کرسکتے ہو غرض معاہدہ شرعیہ سے ایسا ہی دور ہو جیسے مشرکین توحید سے یا تم شرع مجید سے بلکہ ناپاک معاہدہ چار باتوں کے لئے ہوا:

مشرکوں کا برادر بننا حرام ہے:

یکم: مشرکین سے عقد مواخات بھائی چارہ کہ برادران وطن ہندو بھائی، اللہ عزوجل فرمائے "اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ"[3] مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ تم کہو "**نحن والمشرکون اخوۃ**" ہم اور مشرکین آپس میں بھائی ہیں، جیسے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الاحکام باب الصلح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۷۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۹۵

[3] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۰

"لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ" [1]	کیا تم نے نہ دیکھا کہ منافقوں کو کہ اپنے بھائی کافروں سے کہتے ہیں۔

وہاں "من اھل الکتاب" تھا یہاں اس سے بڑھ کر "من الشرکین" ہوا۔

کافروں سے اتحاد کرنے والے بحکم قرآن کافر ہیں:

دوم: ان سے اتحاد، حالانکہ قرآن عظیم بیس سے زیادہ آیات میں اسے مردود وملعون فرماچکا اور جابجا صاف ارشاد فرمادیا کہ ایسا کرنے والے انھیں میں سے ہیں، "وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ" [2] ایسا کرنے والے مسلمان نہیں "لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ" [3] ایسا کرنے والوں کو اللہ ورسول وقرآن پر ایمان نہیں "وَلَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ" [4]۔

کافروں کا حلیف بننا حرام ہے:

سوم: مشرکین کے حلیف بننا انھیں اپنا حلیف بنانا، حالانکہ حلیف بنانا منسوخ ہوچکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تحدثوا فی الاسلام حلفا [5]، رواہ الامام احمد فی المسند ومحمد بن عیسٰی فی الجامع عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	اب اسلام میں کوئی حلف پیدا نہ کرو۔ یہ حدیث امام احمد نے مسند اور امام محمد بن عیسٰی نے جامع میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کی۔

یہ منسوخات ہی کے عمل پر ہیں کل کو شراب بھی حلال کرلیں گے اور خدا جانے کہاں کہاں تک بڑھیں گے، رب عزوجل فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[4] القرآن الکریم ۵/ ۸۱

[5] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی الحلف امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۹۲، مسند احمد بن حنبل مسند عبداللہ بن عمرو بن عاص دارالفکر بیروت ۲/ ۲۰۷۔۲۱۳

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝۵۷" [1]	اے ایمان والو! وہ جو تمھارے دین کو ہنسی کھیل ٹھہراتے ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور باقی سب کافران میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ اور اللہ تعالٰی سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔

تفسیر ابن جریر میں اس آیہ کریمہ کے تحت میں ہے:

یقول لاتتخذوهم ایها المؤمنون انصارا اواخوانا اوحلفاء فانهم لایألونکم خبالا وان اظهروالکم مودة وصداقة [2]۔	رب عزوجل فرماتا ہے اے مسلمانو! کافروں کو مددگار یا بھائی اور حلیف نہ بناؤ وہ تمھاری ضرر رسانی میں کمی نہ کریں گے اگرچہ تم سے دوستی ویارانہ ظاہر کریں۔

فقہ وحدیث کے حاوی امام اجل ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے مشکل الآثار میں یہ تحقیق فرما کر کہ مشرکوں سے استعانت حرام کتابی سے ہوسکتی ہے اس پر حدیث سوم کہ فائدہ ثانیہ میں آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابن اُبی منافق کے چھ سو حلیف یہودیوں کو واپس کردیا اور انھیں مشرکین فرمایا اعتراضا وارد کی کہ دیکھو حضور نے یہود کو بھی مشرکین سے گنا اور ان سے استعانت کو بھی مشرکین سے استعانت قرار دیا اس کے جواب میں فرمایا اس کی وجہ ان کا اس مشرک منافق سے حلف ہے کہ حلف کرنے والے جس سے حلف کرتے ہیں اس کی موافقت قبول کرتے ہیں تو مشرک کے حلیف ہوکر وہ کتابی نہ رہے مرتد ہوگئے اور اسی طرح مشرک، عبارت یہ ہے:

جوابنا ان وجه قول رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لهؤلاء الیهود علی مابینهم وبین ابن ابی المنافق من الحلف والمحالفة هی الموافقة من الحالفین للمحالفین فکانوا بذٰلك خارجین من اهل الکتاب مرتدین عما کانوا علیه وصاروا مشرکین کمشرکی العرب [3] (ملخصا)

امام ابوالولید باجی نے مختصر پھر علامہ یوسف دمشقی نے معتصر میں اسے مقرر رکھا،

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۷

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۵/ ۵۷ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۶/ ۱۶۶

[3] مشکل الآثار للطحاوی کتاب الجهاد باب بیان مشکل ماروی عن رسول الله الخ دار صادر بیروت ۳/ ۲۴۱

ان بنی قینقاع بمحالفتهم عبدالله صاروا كالمرتدين فخرجوا به عن حكم اهل الكتاب فصاروا كالمشركين فكان لهم حكمهم فلذلك منعوا وسموا مشركين [1] (ملخصاً)	بنی قینقاع کے یہودی ابن اُبی کے حلیف بن کر مرتدوں کے مثل ہوگئے تو کتابیوں کے حکم میں نہ رہے اور مشرکوں کی طرح ہوگئے تو ان کا وہی حکم ہوا جو مشرکوں کا، اسی واسطے حدیث نے انھیں منع فرمایا اور ان کا نام مشرک رکھا۔ (ملخصا)

سبحان اللہ! یہودی مشرک کے حلیف بن کر کتابی نہ رہے مرتد و مشرک ہوگئے حالانکہ "الکفر ملة واحدة" مگر کلمہ گو لیڈر مشرکین ہند کے حلیف پس روغلام بن کر نہ مرتد ہوئے نہ مشرک، ہٹے کٹے مسلمان ہی بنے رہے ؎

مشرک ہے عہد باندھ کے مشرک ہوئے یہود
یہ مشرکوں کے عبد مسلمان ہی رہے

اقول: حلف جب دو۲ مساوی گروہوں میں ہو فریقین یکساں ہیں اور جب مغلوب وضعیف گروہ دوسرے کی پناہ لے کر اس کا حلیف بنے تو پوری موافقت کا بار اسی پر ہے اس کی طرف سے صرف قبول پناہ وہی ہے، ابن ابی خبیث نے بڑی سطوت پیدا کرلی تھی یہاں تک کہ اس کے لئے تاج تیار کیا جاتا تھا قریب تھا کہ اسے بادشاہ بنایا جائے تو یہود بنی قینقاع کا حلف اس کی شوکت سے مستفید ہی ہونے کو تھا، ولہذا امام نے فرمایا: **ھی الموافقة من الحالفین للمحالفین** [2] (حلف کرنے والے جس سے حلف کرتے ہیں اس کی موافقت قبول کرتے ہیں۔ت) نہ اختصار کی طرح **الموافقة بین المتحالفین** [3] (حلف کرنے والوں کے درمیان موافقت۔ت) پھر دربارہ ادیان حکم یہ ہے کہ نازل سے مجرد ارادہ موافقت نازل کردیتا ہے اور ضد کے لئے صرف ارادہ کافی نہیں، مسلمان اگر **معاذاللہ** ارادہ کفر کرے گا تو کافر ہوجائے گا۔ لیکن کافر محض ارادہ اسلام سے مسلمان نہ ہوگا جب تک اسلام قبول نہ کرے، یوں ہی کتابی صرف ارادہ موافقت مشرکین سے مشرک ہوسکے گا مشرک نرے ارادے سے کتابی نہ ہوجائے گا لہذا وہ یہودی مشرک ہوگئے، ابن ابی خبیث کتابی نہ ہوا، یونہی حلیفان مشرکین ہند پر

---

[1] المعتصر من المختصر کتاب الجهاد باب فی الاستعانة بالمشرك دائرة المعارف العثمانیه حیدرآباد دکن ۱/ ۲۳۰

[2] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانة من الکفار دار صادر بیروت ۳/ ۲۴۱

[3] المعتصر من المختصر کتاب الجهاد باب فی الاستعانة بالمشرك دائرة المعارف العثمانیه حیدرآباد دکن ۱/ ۲۳۰

امام کا یہ حکم نافذ ہوگا۔ مشرکین ہند مسلمان ہو جائیں گے۔

اصل مقصود سلف گورنمنٹ ہے اماکن مقدسہ اور ترکوں کا نام ٹٹی ہے:

چہارم: اصل مقصود سلف گورنمنٹ ہے جس کی صاف تصریح بڑے بڑے [عہ۱] لیڈران نے کردی اس میں اپنی کمزوری بلکہ عجز دیکھ کر مشرکوں کا دامن پکڑا اپنا یار وانصار بنایا اوروں کو چھوڑئے مولویوں میں گنے جانے والے لیڈر فرماتے ہیں" ہم [عہ۲] تو ہندوستان کی آزادی کو ایک فرض اسلامی سمجھتے ہیں اس کے لئے ضرورت ہے کہ عام اتحاد ہو اور پوری کوشش سے مقصد حاصل کیا جائے حالانکہ مشرکوں سے ایسی استعانت نص قرآنی کے خلاف اور قطعاً حرام بلکہ صراحۃً قرآن کریم کی تکذیب ہے۔ ہم اس بحث کو بعونہ چند فوائد میں روشن کریں:

مشرکوں سے استعانت کی بحث جلیل ہے:

فائدہ اولٰی آیات کریمہ: قرآن کریم نے منع موالات کفار کو بکثرت آیات میں ارشاد فرمایا وہ سب ان کو مددگار بنانے سے ممانعت ہیں یہ اعلٰی درجہ موالات میں ہے، ولہذا اکابر مفسرین نے جابجا ولی کو ناصر اور ولایت کو نصرت ومعونت ومظاہرت سے تفسیر کیا، مگر ہم یہاں صرف ان بعض آیات پر اقتصار کریں جو اپنے سوق نظم یا شان نزول سے اس مقصود کو بالخصوص افادہ فرمارہی ہیں:

استعانت بمشرکین کے حرام ہونے پر آیات قرآنیہ:

آیت نمبر۱:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۱۱۸" [1]	اے ایمان والو! اپنے غیروں کو راز دار نہ بناؤ وہ تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے تمھارا مشقت میں پڑنا، دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہوئی ہے اور بڑی ہے بیشک ہم نے تمھارے سامنے نشانیاں صاف بیان فرمادیں اگر تمھیں عقل ہو۔

عہ۱: مثل شوکت علی ومحمد علی وابوالکلام آزاد ۱۲ حشمت علی غفرلہ

عہ۲: وہی خطبہ صدارت مولوی عبدالباری صاحب ۱۲ حشمت علی غفرلہ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

لیڈران نے اس آیہ کریمہ کو کیسا کیسا رد کیا کس کس طرح جھٹلایا:

یہ آیہ کریمہ اپنے ایک ایک جملے سے اس طوفان بدتمیزی کو جو آج مشرکین ہند سے لیڈران برت رہے ہیں رد فرماتی ہے:

ا۔ حالت کمزوری وعجز میں مدد کے لئے جس کسی کی طرف التجا لائی جائے ضرور ہے کہ اسے اپنا رازدار بنایا جائے اور رب عزوجل فرماتا ہے: کسی کافر کو رازدار نہ بناؤ، یہ واحد قہار کی نافرمانی ہوئی،

ب۔ ظاہر ہے کہ اسے اپنا خیر خواہ سمجھا گیا کہ بدخواہ کے دامن میں کوئی نہ چھپے گا اور رب عزوجل فرماتا ہے: وہ تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے، یہ اللہ تعالٰی کی تکذیب ہوئی۔

ج۔ مصیبت میں التجا واستمداد اسی سے ہوگی جسے جانا جائے کہ ہمیں مشقت سے بچائے گا، اور رب عزوجل فرماتا ہے: ان کی دلی تمنا ہے تمھارا مشقت میں پڑنا، یہ دوسری تکذیب ہوئی۔

د۔ چھپا دشمن جس سے اثر عداوت کبھی ظاہر نہ ہوا آدمی اس کے دھوکے میں آسکتا ہے اور جس کے منہ سے بغض کھل چکا اس سے قطعی احتراز کرے گا، رب عزوجل نے فرمادیا تھا کہ دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہوچکی پھر بھی ان کی محبت نے وہ اندھا بہرا کردیا کہ نہ اللہ تعالٰی کی سنی نہ ان کے منہ سے چھلکی یاد رہی۔

ہ۔ اگر ایک خفیف حد کی مخالفت ورنجش ظاہر ہوتی اور اطمینان ہوتا کہ دل میں اس سے زائد نہیں تو کچھ گنجائش ہوسکتی کہ یہ ہمارا اس حد کا بدخواہ نہیں جو ایسی بھاری مصیبت میں ساتھ نہ دے اس خیال ارذل کو رب عزوجل نے ان تینوں جملوں سے رد فرما دیا کہ وہ کوئی ہلکے مخالف نہیں تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے، یہ گمان نہ کرنا کہ وہ کسی سخت سے سخت مصیبت میں تم پر کچھ ترس کریں گے ان کی دلی تمنا ہے کہ تم مشقت میں پڑو کوئی خفیف رنجش ان کے منہ سے ظاہر نہ ہوئی بلکہ بغض اور پوری دشمنی بَیر عداوت، اور اس پر چوتھا جملہ یہ ارشاد فرمادیا کہ اس پر بس نہ جانو کہ ان کے دلوں کی دبی اور سخت تر ہے مگر انھوں نے اس واحد قہار کریم مہربان پروردگار کی ایک نہ مانی اور جملے جملے کی تکذیب ہی ٹھانی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

آیت نمبر ۲:

"بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ۙ﴿۱۳۸﴾ [1] الَّذِیْنَ	اے محبوب! خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لئے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۸

یَتَّخِذُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَھُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ؕ ﴿۱۳۹﴾ "[1]	دردناک عذاب ہے، وہ جو مسلمانوں کے سوا کافروں کو مددگار بناتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں عزت تو ساری اللہ کے قبضے میں ہے۔

ظاہر ہے کہ کمزوری میں کسی کی مدد چاہنے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے بل بازو سے ہمیں قوت ملے گی ہماری کمزوری وذلت، غلبہ وعزت سے بدلے گی، اللہ عزوجل فرماتا ہے: یہ ان کی بدعقلی ہے کافروں کی مدد سے غلبہ وعزت کی تمنا ہوس باطل ہے۔ اور فرماتا ہے کہ ایسا کرنے والے منافق ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ تفسیر ارشاد العقل السلیم میں اسی آیہ کریمہ کے تحت ہے:

بیان لخیبۃ رجائھم ایطلبون بموالاۃ الکفر القوۃ و الغلبۃ (فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا) تعلیل لبطلان رأیھم فان انحصار جمیع افراد العزۃ فی جنابہ عزوعلا بحیث لاینالھا الا اولیاءہ قال "وَ لِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَ لِرَسُوۡلِہٖ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ" یقضی ببطلان التعزز بغیرہ واستحالۃ الانتفاع بہ (مختصرا)[2]	اس آیت میں ان کی نامرادی کا بیان ہے جو کافروں سے استعانت کرتے ہیں، فرماتا ہے کیا کافروں کی دوستی سے غلبہ وقوت چاہتے ہیں عزت تو ساری اللہ کے لئے ہے اس میں ان کی رائے فاسد ہونے پر دلیل فرمائی کہ جب تمام عزتیں حضرت عزت کے لئے خاص ہیں کہ اس کے دوستوں کے سوا کسی کو نہیں مل سکتیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے عزت صرف اللہ تعالٰی ورسول اور مسلمانوں کے لئے ہے تو اس سے واجب ہوا کہ غیروں سے عزت چاہنا باطل اور ان سے نفع پہنچنا محال (مختصرا)

آیت نمبر ۳:

"لَا یَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَلَیۡسَ مِنَ اللّٰہِ فِیۡ شَیۡءٍ "[3]	مسلمان، مسلمانوں کے سوا کافروں کو مددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہیں۔

تفسیر لباب التاویل میں ہے: ان عبادۃ بن الصامت کان لہ حلفاء من الیھود فقال یوم الاحزاب یارسول اللہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۹

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ ۴/ ۱۳۹، ۱۳۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۴۴

[3] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

معی خسمائۃ من الیھود وقد رأیت ان استظھر بھم علی العدو فنزلت ھذہ الاٰیۃ وقولہ (لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ) الاٰیۃ یعنی انصارا واعوانا (مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ) یعنی من غیر المؤمنین والمعنی لایجعل المؤمن ولایتہ لمن ھو غیر مؤمن نھی اللہ المؤمنین ان یوالوا الکفار اویلا طفوھم لقرابۃ بینھم اومحبۃ اومعاشرۃ والمحبۃ فی اللہ والبغض فی اللہ باب عظیم واصل من اصول الایمان[1]۔

یعنی عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کچھ یہودی حلیف تھے غزوہ احزاب میں انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے ساتھ پانسو یہودی ہیں میری رائے ہوتی ہے کہ دشمن پر ان سے مدد لوں، اس پر یہ آیہ کریمہ اتری کہ مسلمان غیر مسلم کو مددگار نہ بنائیں کہ یہ مسلمانوں کو حلال نہیں اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ رشتے، خواہ یارانے، خواہ نرے میل کے باعث کافروں سے دوستانہ برتیں یا ان سے لطف ونرمی کے ساتھ پیش آئیں اور اللہ تعالٰی کے لئے محبت اور اللہ تعالٰی کے لئے عداوت ایک عظیم باب اور ایمان کی جڑ ہے۔

مدارک شریف پارہ ۶ میں ہے:

ای لاتتخذوھم اولیاء تنصرونھم تستنصرونھم وتواخونھم وتعاشرونھم معاشرۃ المؤمنین[2]۔

یعنی رب عزوجل فرماتا ہے کافروں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کے معاون ہو، اور ان سے اپنے لئے مدد چاہو انھیں بھائی بناؤ، دنیوی برتاؤ ان کے ساتھ مسلمانوں کا سار کھو، اس سب سے منع فرماتا ہے۔

تفسیر کبیر پارہ ۶ میں ہے:

المراد ان اللہ تعالٰی امر المسلم ان لایتخذ الحبیب والناصر الامن المسلمین[3]۔

یعنی مراد آیت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو حکم فرماتا ہے کہ صرف مسلمانوں ہی کو اپنا دوست مددگار بنائیں۔ اسی میں ہے:

---

[1] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت آیہ ۳/ ۲۸ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۳۶

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ لاتتخذوا الیھود الخ دار الکتب العربی بیروت ۱/ ۲۸۷

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ انما ولیکم اللہ ورسولہ الخ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۱۲/ ۳۰

یعنی لاتتخذوھم اولیاء ای لاتعتمدوا علی الاستنصار بھم ولاتتوددوا الیھم[1]۔

یعنی مراد آیت یہ ہے کہ کافروں کی مدد و یاری پر اعتماد نہ کرو۔

تفسیر ابی السعود و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں زیر آیہ مذکورہ ہے: نھوا عن موالاتھم لقرابۃ او صداقۃ جاھلیۃ ونحوھما من اسباب المصادقۃ والمعاشرۃ وعن الاستعانۃ بھم فی الغزو وسائر الامور الدینیۃ[2]۔

یعنی مسلمان منع کئے گئے کافروں کی دوستی سے خواہ وہ رشتہ داری ہی ہو یا اسلام سے پہلے کا یارانہ یا کسی سبب یاری خواہ میل جول کے سبب اور منع کئے گئے اس سے کہ جہاد یا کسی دینی کام میں کافروں سے استعانت کریں۔

آیت نمبر ۴:

"فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ۝۸۹"[3]	اگر کافر ایمان لانے سے منہ پھیریں تو انھیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو دوست نہ بناؤ نہ مددگار۔

اس آیہ کریمہ میں ولی کے ساتھ لفظ نصیر خود ہی صاف ارشاد ہے کہ انھیں دوست ٹھہرانا بھی حرام اور مددگار بنانا بھی حرام ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:

(فَاِنۡ تَوَلَّوۡا) عن الایمان (فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا) وان بذلوا لکم الولایۃ والنصرۃ فلا تقبلوا منھم (اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ) ویتصلون بھم والاستثناء من قولہ فخذوھم واقتلوھم دون الموالاۃ[4]۔	اگر وہ ایمان لانے سے منہ پھیریں تو انھیں پکڑو اور جہاں پاؤ مارو اور ان میں کسی کو نہ دوست بناؤ نہ مددگار۔ اور اگر وہ بلا معاوضہ بھی تمھاری دوستداری ومددگاری بگھاریں جب بھی قبول نہ کرو مگر جو اہل معاہدہ سے ملے یہ پکڑنے اور قتل کرنے سے استثناء ہے نہ دوستی سے کہ وہ تو ہر کافر سے مطلقاً حرام ہے۔

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) زیر آیہ لاتتخذوا الیھود الخ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۱۲/ ۱۶

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) زیر آیہ لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۸۹

[4] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) زیر آیۃ ۴/ ۸۹ دار الکتب العربی بیروت ۱/ ۲۴۲

تفسیر بیضاوی میں ہے:

ای جانبوھم راسا ولاتقبلوا منھم ولایۃ ولانصرۃ[1]۔	یعنی ان سے بالکل دور رہو اور ان کی دوستی ومدد کچھ نہ قبول کرو۔

تفسیر ابی السعود میں ہے:

ای جانبوھم مجانبۃ کلیۃ ولاتقبلوا منھم ولایۃ ولانصرۃ ابدا[2]۔	یعنی کافروں سے بالکل کنارہ کش رہو اور کبھی ان کی دوستی ومدد قبول نہ کرو۔

تفسیر فتوحات الٰہیہ میں ہے:

ھذا مستثنی من الاخذ والقتل اما الموالاۃ فحرام مطلقا لاتجوز بحال[3]۔	یہ استثناء گرفتاری وقتل سے ہے، رہی کافر سے موالات وہ تو مطلقاً حرام ہے کسی حال میں جائز نہیں۔

تفسیر خازن میں ہے:

ھذا الاستثناء یرجع الی القتل لا الی الموالات لان موالاۃ الکفار والمنافقین لاتجوز بحال[4]۔	یہ استثناء قتل کی طرف پھرتا ہے نہ کہ موالات کی جانب، اس لئے کہ کافروں اور منافقوں سے موالات تو کسی حال میں حلال نہیں۔

تفسیر کرخی میں ہے:

استثناء من مفعول فاقتلوھم لامن قولہ ولاتتخذوا منھم ولیا ولانصیرا وان کان اقرب مذکور لان اتخاذ الولی منھم حرام بلااستثناء بخلاف قتلھم[5]۔	معاہدوں سے ملنے والوں کا استثناء ان سے ہے جن کی بابت حکم فرمایا تھا کہ انھیں قتل کرو، اس ارشاد سے استثناء نہیں کہ ان میں نہ کسی کو دوست بناؤ نہ مددگار اگرچہ ذکر میں یہی قریب تر ہے اس واسطے کہ کافروں سے کسی کو دوست بنانا بلا استثناء حرام ہے بخلاف ان کے قتل کے کہ

---

[1] انوار التنزیل مع القرآن الکریم (بیضاوی) زیر آیہ ۴/ ۸۹ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۳

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) زیر آیہ ۴/ ۸۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۱۳

[3] الفتوحات الٰھیہ (الشھیر بالجمل) زیر آیہ ۴/ ۸۹ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۹

[4] لباب التاویل (تفسیر الخازن) زیر آیہ ۴/ ۸۹ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷۱

[5] تفسیر کرخی

اس سے معاہدین مستثنٰی ہیں۔ تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے:

قال الطیبی لامن الضمیر فی ولا تتخذوا وان کان اقرب لان اتخاذ الولی منھم حرام مطلقا[1]۔	طیبی نے کہا دوست یا مددگار بنانے کی ممانعت سے استثناء نہیں اگرچہ وہ قریب تر ہے اس لئے کہ کافروں میں سے کسی کو دوست بنانا مطلقًا حرام ہے اگرچہ معاہد ہو۔

اقول: اس پر خود سیاق کریمہ دال کہ قتل وقتال ہی کے منع ورخصت کا ذکر ہے یونہی عموم حکم نفس استثناء کا مفاد کہ مجاہرین متصلین بالمعاہدین ومعاہدین غیر جانبدار طرفین مستثنٰی فرمائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

استعانت بمشرکین کی تحریم پر صحیح حدیثیں:

فائدۂ ثانیہ: صحاح احادیث ناطق۔

حدیث ۱: صحیح مسلم وسنن اربعہ ومشکل الآثار امام طحاوی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدر کو تشریف لے چلے سنگستان وبرہ میں (کہ مدینہ طیبہ سے چار میل ہے) ایک شخص جس کی جرات وبہادری مشہور تھی حاضر ہوا، اصحاب کرام اسے دیکھ کر خوش ہوئے، اس نے عرض کی: میں اس لئے حاضر ہوا کہ حضور کے ہمراہ رکاب رہوں اور قریش سے جو مال ہاتھ لگے اس میں سے میں بھی پاؤں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **اتؤمن باللہ ورسولہ** کیا تم اللہ ورسول پر ایمان رکھتا ہے؟ کہا: نہ۔ فرمایا: "**فارجع فلن نستعین بمشرک**" تو پلٹ جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ چاہیں گے۔ پھر حضور تشریف لے چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے (کہ مدینہ سے چھ میل ہے) وہ پھر حاضر ہوا، صحابہ خوش ہوئے کہ واپس آیا وہی پہلی بات عرض کی اور حضور نے وہی جواب ارشاد فرمایا کہ کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے؟ کہا: نہ۔ فرمایا: "**فارجع فلن نستعین بمشرک**" واپس جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے، پھر حضور تشریف لے چلے جب وادی میں پہنچے وہ پھر آیا اور صحابہ خوش ہوئے اس نے وہی عرض کی۔ حضور نے فرمایا: کیا تو اللہ و رسول پر ایمان لاتا ہے؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: **فنعم**

---

[1] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی زیر آیۃ ۴/ ۸۹ دار صادر بیروت ۳/ ۱۶۵

اذن [1] ہاں اب چلو۔

حدیث ۲: امام احمد وامام اسحٰق بن راہویہ مسانید اور امام بخاری تاریخ اور ابو بکر بن ابی شیبہ مصنف میں اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک میں خبیب بن اساف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک غزوہ عـــہ۱ کو تشریف لئے جاتے تھے میں اور میری قوم سے ایک شخص حاضر ہوئے میں نے عرض کی: یارسول اللہ عـــہ۲! ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کسی معرکہ میں جائے اور ہم نہ جائیں (یہ قوم خزرج سے تھے کہ انصار سے ایک بڑا گروہ ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں مسلمان ہوئے کہا: نہ۔ فرمایا: **فانالا نستعین بالمشرکین علی المشرکین** تو ہم مشرکوں سے مشرکوں پر مدد نہیں چاہتے۔ اس پر ہم دونوں اسلام لائے اور ہمراہ رکاب اقدس شریک جہاد ہوئے [2]۔

حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ یونہی تنقیح میں اس کے رجال کی توثیق کی۔

حدیث ۳: امام واقدی مغازی اور امام اسحٰق بن راہویہ مسند اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر و معجم اوسط میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا ارشاد ہوا: یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی: یہودی بنی قینقاع قوم عبداللہ بن سلام خلفائے عبداللہ بن اُبی (یہ لفظ طحاوی ہیں اور لفظ ابن راہویہ یوں ہی عرض کی گئی یہ عبداللہ بن اُبی ہے اپنے حلیفوں کے ساتھ کہ قوم عبداللہ بن سلام کے یہود ہیں، اور لفظ واقدی میں ہے یہ ابن اُبی کے حلیف یہودی ہیں اور لفظ طبرانی میں ہے یہ عبداللہ بن اُبی ہے چھ سو یہودیوں کے ساتھ کہ اس کے

عـــہ۱: یہ غزوہ غزوہ بدر ہے **کمافی اسدالغابہ** ۱۲منہ غفرلہ

عـــہ۲: اقول: یہ لفظ مستدرک میں ہے اور مشکل الآثار و مسند احمد میں نہیں قبل اسلام اس کا کہنا باعتبار عرف مسلمین ہوگا یایوں کہ اس وقت بھی ایقان تھا اگرچہ اذعان بعد کو ہوا ۱۲منہ غفرلہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب کراہیۃ الاستعانۃ فی الغزو الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۸، مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانۃ من الکفار دارصادر بیروت ۳/ ۲۳۷

[2] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانۃ من الکفار دارصادر بیروت ۳/ ۲۳۹

حلیف ہیں فرمایا: کیا اسلام لئے آئے؟ عرض کی: نہ۔ وہ اپنے دین پر ہیں۔ فرمایا:

قل لهم فليرجعوا فانا لانستعين بالمشركين على المشركين[1]۔	ان سے کہہ دو لوٹ جائیں ہم مشرکوں پر مشرکوں سے مدد نہیں لیتے۔

اقول: یہ حدیث بھی حسن صحیح ہے مسند امام اسحٰق میں اس کی سند یوں ہے:

اخبرنا الفضل بن موسٰی عن محمد بن عمرو بن علقمة عن سعد بن المنذر عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنه[2]۔	ہمیں خبر دی فضل بن موسی نے محمد بن عمرو بن علقمہ سے انھوں نے سعد بن منذر سے انھوں نے ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

فضل بن موسٰی و محمد بن عمرو بن علقمہ دونوں رجال جمیع صحاح ستہ سے ہیں ثقہ ثبت وصدوق اور یہ سعد بن منذر بن ابی حمید الساعدی ہیں کما فی مشکل الآثار، ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا، تقریب میں کہا مقبول ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے:

روی عن جدہ وحمزة بن ابی اسید وعنه محمد بن عمرو بن علقمة وعبدالرحمٰن بن سلیمن بن الغسیل ذکرہ ابن حبان فی الثقات[3]۔	انھوں نے اپنے دادا حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حمزہ بن اسید سے علم حاصل کیا اور ان سے محمد بن عمرو بن عقلمہ اور عبدالرحمٰن بن سلیمن ابن حضرت غسیل الملائکہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا۔

لاجرم زرقانی علی المواہب میں ہے:

قدروی الطبرانی فی الکبیر والاوسط برجال ثقات عن ابی حمید الساعدی الحدیث(عہ[4]۔	یہ حدیث طبرانی نے معجم کبیر و معجم اوسط میں بہ سند صحیح ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

حدیث ۴: عبد بن حمید وابویعلی وابناء جریر ومنذر وابی حاتم اور بیہقی شعب الایمان میں

عــــہ: یہ طبرانی نے معجم کبیر و معجم اوسط میں بہ سند صحیح ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

---

[1] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانة من الکفار دار صادر بیروت ۳/ ۲۴۱

[2] نصب الرایہ بحوالہ اسحاق بن راہویہ فی مسندہ کتاب السیر کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۳

[3] تہذیب التہذیب ترجمہ ۸۹۹ سعد بن منذر دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۳/ ۴۸۳

[4] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول غزوہ احد دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۵

انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتستضیئوا بنار المشرکین**[1] مشرکوں کی آگ سے روشنی نہ لو۔ امام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کے معنی پوچھے گئے، فرمایا: **لاتستشیروا المشرکین فی شیئ من امورکم قال الحسن وتصدیق ذٰلك فی کتاب اللہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا "**[2] ارشاد حدیث کے یہ معنٰی ہیں کہ مشرکوں سے اپنے کسی معاملہ میں مشورہ نہ لو، پھر فرمایا اس کی تصدیق خود کلام اللہ میں موجود ہے کہ فرمایا اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے۔

اقول: یہ حدیث بھی اصول حنفیّہ کرام پر حسن ہے، طبری کے یہاں اس کی سند یہ ہے:

حدثنا ابوکریب ویعقوب بن ابراہیم قالا حدثنا ہشیم اخبرنا العوام بن حوشب عن الازہر بن راشد عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ[3]۔	ابوکریب اور یعقوب بن ابراہیم نے ہمیں حدیث بیان کی اور کہا ہمیں ہشیم نے انھوں نے کہا ہمیں عوام بن حوشب نے ازہر بن راشد سے انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔(ت)

ابوکریب سے عوام بن حوشب تک سب اجلہ مشاہیر ثقہ عدول، رجال جملہ صحاح ستہ سے ہیں اور ازہر بن راشد رجال سنن نسائی وتابعین سے ہیں ان پر کسی عــہ امام معتمد سے کوئی جرح ثابت نہیں اور

عــہ: اماتضعیف ابن معین فلازہر بن راشد الکاھلی لافی ھذا البصری الراوی عن انس وقد فرق بینھما ابن معین فضعف الکاھلی لاھذا کما بینہ الحافظ المزی فی تہذیبہ والحافظ	لیکن ابن معین نے ضعیف کہا ہے تو ازہر بن راشد کاہلی کو کہا ہے اس بصری راشد کو جو انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہے کی بابت نہیں کہا، ابن معین نے دونوں میں فرق کرتے ہوئے کاہلی کو ضعیف کہا ہے اس کو نہیں جیسا کہ حافظ مزی نے اپنی تہذیب (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] شعب الایمان حدیث ۹۳۷۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۴۰

[2] شعب الایمان حدیث ۹۳۷۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۴۰

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) زیر آیہ لاتتخذوا بطانۃ الخ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۴/ ۳۸

یہ کہ ان سے راوی صرف عوام بن حوشب ہیں جس کی بناء پر تقریب میں حسب اصطلاح محدثین نے مجہول کہا ہمارے نزدیک اصلاجرح نہیں خصوصاتابعین میں، مسلم الثبوت میں ہے:

لاجرح بأن له راویا واحدا وھو مجھول العین [1]۔ (ملتقطا)	یہ کوئی جرح کی بات نہیں کہ اس سے ایک ہی شخص نے روایت کی یا اسے مجہول العین کہتے ہیں۔

فواتح الرحموت میں ہے:

وقیل لایقبل عندالمحدثین وھو تحکم [2]۔	اور بعض نے کہا ایسا روای محدثین کے نزدیک مقبول نہیں اور یہ نری زبردستی ہے۔

فصول البدائع میں ہے:

العدالۃ فیما بین رواۃ الحدیث ھی الاصل ببرکتہ وھو الغالب بینھم فی الواقع کما نشاھدہ فلذا قبلنا مجھول القرون الثلثۃ فی الروایۃ [3]۔	راویان حدیث میں حدیث کی برکت سے عدالت ہی اصل ہے اور مشاہدہ شاہد کہ واقع میں ثقہ ہو ناہی ان میں غالب ہے اس لئے قرون ثلثہ کے مجہول کی روایت ہمارے ائمہ قبول کرتے ہیں۔

بعض روایات کہ استعانت میں پیش کی جاتی ہیں ان کا حال:

فائدہ ثالثہ: بعض روایات کہ ان احادیث صحیحہ بلکہ آیات صریحہ کے مقابل پیش کی جاتی ہیں ان میں کوئی صحیح ومفید مدعائے مخالف نہیں۔ محقق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العسقلانی فی تقریبہ واما قول الازدی منکر الحدیث فالازدی نفسہ مجروح ضعیف بشدید التعنت فی الرجال معروف ثم قولہ منکر الحدیث جرح مبھم غیر مفسر کما نصوا علیہ ۱۲منہ غفرلہ۔	میں اور حافظ عسقلانی نے اپنی تقریب میں بیان کیا ہے لیکن ازدی کا اس کو منکر الحدیث کہنا معتبر نہیں اس لئے کہ ازدی خود مجروح، ضعیف اور رجال حدیث پر طعن کرنیوالا مشہور ہے پھر منکر الحدیث کہنا یہ غیر واضح مبہم جرح ہے جیسا کہ علماء نقد نے تصریح کی ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] مسلم الثبوت مسئلۃ معرف العدالۃ الشھرۃ مطبع انصاری دہلی ص ۱۹۲

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ مجھول الحال منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۴۹

[3] فصول البدائع

علی الاطلاق نے فتح القدیر میں انھیں ذکر کرکے فرمایا:

ولاشك ان هذه لاتقاوم احادیث المنع فی القوة فکیف تعارضها[1]۔	کوئی شک نہیں کہ یہ روایتیں قوت میں احادیث منع کو نہیں پہنچتیں تو کیونکر انکے معارض ہوسکتی ہیں۔

خود ابوبکر حازمی شافعی نے کتاب الاعتبار میں حدیث صحیح مسلم در بارہ ممانعت روایت کرکے کہا:

وما یعارضه لایوازیه فی الصحة والثبوت فتعذر ادعاء النسخ[2]	اور اس کا خلاف جن روایتوں میں آیا ہے وہ صحت وثبوت میں ان کے برابر نہیں تو ممانعت استعانت کو منسوخ ماننے کا ادعا ناممکن ہے۔

یہ اجمالی جواب بس ہے، اور مجمل کی تفصیل یہ کہ یہاں دو واقعے پیش کئے جاتے ہیں جن سے احادیث منع کو منسوخ بتاتے ہیں کہ وہ واقعہ بدر واُحد ہیں اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں کہ ان کے کئی برس بعد ہے بعض یہود بنی قینقاع سے یہود خیبر پر استعانت فرمائی پھر سنہ ۸ ہجری غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ سے اور وہ اس وقت مشرک تھے تو اگر ان پہلے واقعات میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مشرک یا مشرکوں کو رد فرمانا اس بناء پر تھا کہ حضور کو رد قبول کا اختیار تھا جب تو حدیثوں میں کوئی مخالفت ہی نہیں اور اگر اس وجہ سے تھا کہ مشرک سے استعانت ناجائز تھی تو ظاہر ہے کہ بعد کی حدیث نے ان کو منسوخ کردیا یہ تمام وکمال کلام امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے کہ ان سے فتح اور فتح سے ردالمحتار میں نقل کیا اور ناواقفوں نے نہ سمجھا یہ بعینہٖ کتاب الاعتبار حازمی شافعی میں امام شافعی سے مروی ہے:

حیث قال قرأت علی روح بن بدر اخبرك احمد بن محمد بن احمد فی کتابه عن ابی سعید الصیر فی اخبرنا ابو العباس انا الربیع انا الشافعی قال	میں نے روح بن بدر پر پڑھا کہ آپ کو احمد بن محمد بن احمد نے اپنی کتاب میں ابوسعید صیرفی سے خبر دی کہ انھوں نے کہا ہمیں ابوالعباس نے خبر دی کہ ہمیں ربیع نے خبر دی کہ ہمیں امام شافعی نے خبر دی

---

[1] فتح القدیر کتاب السیر فصل فی کیفیة القسمة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۴۳

[2] نصب الرایة بحوالہ الحازمی فی کتاب الناسخ والمنسوخ فصل فی کیفیة القسمة کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۴

الذی روی مالك کماروی رد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مشرکا ومشرکین فی غزوة بدر وابی ان یستعین الابمسلم ثم استعان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بعد بدر فی غزوة خیبر بیهود من بنی قینقاع کانوا اشداء واستعان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی غزوة حنین سنة ثمان بصفوان بن امیة وهو مشرك فالرد الاول ان کان بان له الخیار بان یستعین بمشرك وان یرده "کما له رد المسلم "من معنی مخافة او لشدة به فلیس واحد من الحدیثین مخالفا للاخر وان کان رده لانه لم یر ان یستعین بمشرك فقد نسخه مابعده من استعانته بالمشرکین اذا خرجوا طوعا ویرضخ لهم ولا یسهم لهم ولا یثبت عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه اسهم لهم انتهی[1]۔	کہ وہ جو امام مالک نے روایت فرمایا وہ ویسا ہی ہے جیسا انھوں نے روایت فرمایا، غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک مشرک اور دو مشرکوں کو واپس فرمادیا اور غیر مسلم سے استعانت کرنا قبول نہ فرمایا، پھر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے بعد غزوہ خیبر میں بنی قینقاع کے کچھ یہودیوں سے کام لیا کہ زورآور تھے اور سنہ ۸ ہجری غزوہ حنین میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے جس وقت میں کہ وہ مشرک تھے کچھ امداد لی تو پہلا رد فرمادینا اگر اس بناپر تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ کسی مشرک سے کام لیں یا اسے واپس فرمادیں جیسا کہ انھیں مسلمان کے واپس فرمادینے کا اختیار ہے اس پر کسی خوف یا مشقت کے باعث، جب تو حدیثوں میں باہم کچھ اختلافات ہی نہیں اور اگر وہ واپس فرمادینا اس بناء پر تھا کہ حضور نے مشرک سے مدد لینا ناجائز جانا تو بعد کے واقعہ نے کہ مشرکوں سے کام لیا اسے منسوخ کردیا اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ مشرکوں سے لڑنے میں مشرکوں سے مدد لے جبکہ وہ اپنی خوشی سے لڑنے کو چلیں اور غنیمت میں سے انھیں کچھ تھوڑا سا دیا جائے پورا حصہ نہ دیا جائے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ حضور نے انھیں پورا حصہ دیا ہو انتھی (یہ تمام کلام امام شافعی کا ہے)۔

اس کے بعد جو فقرہ فتح میں ہے وہ بھی زیر قال الشافعی داخل، اور انھیں کا قول ہے جسے بیہقی شافعی نے ان سے روایت کیا۔ نصب الرایہ میں ہے:

[1] نصب الرایة بحواله الحازمی فی کتاب الناسخ والمنسوخ فصل فی کیفیة القسمة کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۴

قال الشافعی ولعله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انما رد المشرك الذی ردہ فی غزوة بدر رجاء اسلامه وقال و ذٰلك واسع للامام ان یرد المشرك اویاذن له انتهی وکلام الشافعی کله نقله البیهقی عنه [1]۔	امام شافعی نے فرمایا کہ وہ مشرک جسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں واپس فرمایا تھا شاید یہ اس امید کی بناپر ہو کہ وہ اسلام لے آئے گا اور امام شافعی نے کہا سلطان اسلام کو گنجائش ہے چاہے مشرک کو واپس کردے یا اجازت دے انتہی اور امام شافعی کا یہ سارا کلام بیہقی نے ان سے روایت کیا۔

یہود سے استعانت کے پانچ جواب:

واقعہ یہود بنی قینقاع کا جواب تو واضح ہے جو محقق علی الاطلاق اور خود حازمی شافعی نے ذکر کیا کہ وہ روایت کیا اس قابل ہے کہ احادیث صحیحہ کے سامنے پیش کی جائے اس کا مخرج **الحسن بن عمارة عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس** ہے قطع نظر انقطاع سے کہ حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنیں جن میں یہ نہیں، اور امام شافعی کے نزدیک منقطع مردود ہے، حسن بن عمارہ متروک ہے **کما فی التقریب**، اور مرسل زہری مروی جامع الترمذی و مراسیل ابی داؤد ایک تو مرسل کہ امام شافعی کے یہاں مہمل **اقول:** اور سند مراسیل میں ایک انقطاع حیوۃ بن شریح و زہری کے درمیان ہے، تہذیب التہذیب میں امام احمد سے ہے:

لم یسمع حیوة من الزہری [2]۔	حیوۃ نے زہری سے کوئی حدیث نہ سنی۔

دوسرے مرسل بھی زہری کا جسے محدثین پا بر ہوا کہتے ہیں تیسرے ضعیف بھی **کمافی الفتح** (جیسا کہ فتح میں ہے۔ت) یونہی بیہقی نے کہا:

اسنادہ ضعیف و منقطع [3]۔	اس کی سند ضعیف اور بیچ میں کٹی ہوئی ہے۔

نصب الرایہ میں ہے: **انها ضعیفة** [4] یہ سب روایتیں ضعیف ہیں۔ **اقول** اور کچھ نہ ہو اس میں یہ تو ہے کہ:

---

[1] نصب الرایة کتاب التفسیر فصل فی کیفیة القسمة کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۴

[2] تهذیب التهذیب ترجمہ ۱۳۵ حیوة بن شریح دائرة المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن بھارت ۳/ ۷۰

[3] نصب الرایة بحوالہ البیهقی کتاب السیر فصل فی کیفیة القسمة المکتبة الاسلامیہ ریاض ۳/ ۴۲۲

[4] نصب الرایة بحوالہ البیهقی کتاب السیر فصل فی کیفیة القسمة المکتبة الاسلامیہ ریاض ۳/ ۴۲۳

اسھم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لقوم من الیھود قاتلوا معہ[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو جنھوں نے ہمراہ رکاب اقدس قتال کیا تھا حصہ عطافرمایا۔

اس سے استعانت کہاں ثابت، ممکن کہ انھوں نے بطور خود قتال کیا ہو، اور پانچواں جواب امام طحاوی سے آتا ہے کہ سرے سے قاطع استناد ہے۔

صفوان بن امیہ سے استعانت کے روشن جواب:

رہا قصہ صفوان رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کا قبل از اسلام غزوہ حنین شریف میں ہمراہ رکاب اقدس ہونا ضرور ثابت ہے مگر ہرگز نہ ان سے قتال منقول نہ یہی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے قتال کو فرمایا ہو صرف اس قدر ہے کہ سو زرہ خود بکتر اور ایک روایت میں چار سو ان سے عاریۃً لئے اور وہ بطمع پرورش سرکار عالم مدار کہ مؤلفۃ القلوب سے تھے ہمراہ لشکر ظفر پیکر ہولئے ان کی مراد بھی پوری ہوئی اور اسلام بھی پختہ راسخ ہوگیا سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غنائم سے اتنا عطافرمایا اتنا عطافرمایا کہ یہ بے اختیار کہہ اٹھے:

واللہ ماطابت بھذا الا نفس نبی[2]۔	خدا کی قسم اتنی عطائیں خوش دلی سے دینا نبی کے سوا کسی کاکام نہیں۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)

امام ابن سعد طبقات پھر حافظ الشان عسقلانی اصابہ فی تمیز الصحابہ میں انہی صفوان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت فرماتے ہیں:

لم یبلغنا انہ غزا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔	ہمیں روایت نہ پہنچی کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسل کی ہمراہی میں جہاد کیا ہو۔

امام طحاوی مشکل الآثار میں فرماتے ہیں:

صفوان کان معہ لا باستعانتہ ایاہ منہ فی	یعنی صفوان خود ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی

[1] نصب الروایۃ کتاب السیر فصل فی کیفیۃ القسمۃ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۲

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ باب ص ف ترجمہ ۴۰۷۳ دار صادر بیروت ۲/ ۱۸۷

[3] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ باب ص ف ترجمہ ۴۰۷۳ دار صادر بیروت ۲/ ۱۸۸

ذٰلك ففی هذا مایدل علی انه انما امتنع من الاستعانة به وبامثاله ولم یمنعهم من القتال معه باختیارهم لذلك [1] ۔	علیہ وسلم کے ساتھ ہو لئے تھے حضور نے ان سے استعانت نہ فرمائی، اس میں دلیل ہے اس پر کہ حضور مشرکوں سے استعانت سے باز رہتے تھے اور وہ اپنے اختیار سے ہمراہی میں لڑیں تو اس میں منع نہ فرماتے تھے۔

اسی میں ہے:

حدثنا ابوامیة قال حدثناء بشر بن عمر الزہرانی قال قلت لما لك الیس ابن شهاب كان یحدث ان صفوان بن امیة سارمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فشهد حنینا والطائف وهو كافر قال بلی ولكن هو سارمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولم یأمره رسول الله صلی لله تعالٰی علیه وسلم بذٰلك [2] ۔	ہم سے ابوامیہ نے حدیث بیان کی کہ ہم سے بشر بن عمر زاہرانی نے حدیث بیان کی کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گزارش کی کیازہری یہ حدیث بیان نہ کرتے تھے کہ صفوان بن امیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس چل کر حنین وطائف کے غزووں میں بحالت کفر حاضر ہوئے، فرمایا ہاں مگر وہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمرکاب ہولئے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے نہ فرمایا تھا۔

علامہ جلال الدین ابوالمحاسن یوسف حنفی معتصر میں فرماتے ہیں:

لامخالفة بین حدیث صفوان و بین قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لانستعین بمشرك لان صفوان قتاله كان باختیاره دون ان یستعین به النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وان الاستعانة بالمشرك غیر جائزة	یعنی حدیث صفوان اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے کچھ مخالفت نہیں کہ صفوان کا قتال کو جانا اپنے اختیار سے تھا، نہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے استعانت فرمائی ہے مشرک سے استعانت حرام ہے لیکن وہ خود لڑیں تو لڑنے دینا

[1] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانۃ من الکفار دارصادر بیروت ۳/ ۲۳۹

[2] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانۃ من الکفار دارصادر بیروت ۳/ ۲۳۷

لکن تخلیتهم للقتال جائزة لقوله تعالٰی لاتتخذوا بطانة من دونکم والاستعانة اتخاذ بطانة وقتالهم دون استعانة بخلاف ذٰلك[1]۔ (مختصرا)	جائز ہے اس لئے کہ رب عزوجل نے فرمایا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ مشرک سے استعانت کرنا اسے رازدار بنانا ہے اور بلااستعانت خود اس کے لڑنے میں یہ بات نہیں۔ (مختصرا)

استعانت جائز ہے تو صرف ذمی سے ہے حربی سے مطلقًا حرام

فائدہ رابعہ: **اقول** یہ مسئلہ کہ ذمی اگر مسلمانوں کے ہمراہ قتال کرے یا راستہ بتائے تو سلطان اسے غنیمت سے کچھ عطا فرمائے جو مسلمانوں کے حصہ سے کم ہو اور راہ بتانے میں بقدر اجرت تمام متون مثل ہدایہ ووقایہ وتحفۃ الفقہاء وکنز ووافی و مختار واصلاح وغرر وملتقی وتنویر اور ان کے سوا جن جن کتب میں اس کا ذکر ہے جیسے خزانۃ المفتیین واشباہ والنظائر وغیرہا سب میں ذمی کے ساتھ مقید ہے حتی کہ علامہ محمد بن عبدالرحمٰن دمشقی نے رحمۃ الامہ اور امام عبدالوہاب شعرانی نے میزان الشریعہ میں اسے ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اسی قید کے ساتھ ذکر کیا، رحمۃ الامہ کی عبارت یہ ہے:

اتفقوا علی ان من حضر الغنیمة من مملوك اوامرأة اوصبی اوذمی فلهم الرضخ[2]۔	علماء کا اتفاق ہے کہ غلام یا عورت یا لڑکا یا ذمی جو غنیمت میں حاضر ہو تو انھیں کچھ دیا جائے گا پورا حصہ نہیں۔

بعض شراح نے اسی سے مسئلہ استعانت استنباط کیا، فتاوائے شائع کردہ لیڈری نے درمختار کی یہ عبارت تو نقل کی:

مفادہ جواز الاستعانة بالکافر عند الحاجة[3]۔	اس سے سمجھا گیا کہ حاجت کے وقت کافر سے مدد لینی جائز ہے۔

اور متن کی عبارت چھوڑ دی جو ضمیر مفادہ کا مرجع بتاتی کہ یہ کاہے کا مفاد ہے وہ عبارت یہ ہے:

لالعبد وصبی وامرأة وذمی ورضخ لهم	غلام اور لڑکے اور عورت اور ذمی کے لئے غنیمت

[1] المعتصر من المختصر "فی الاستعانة بالمشرک" دائرة المعارف العثمانیة حیدرآباد دکن ۱/ ۲۲۹

[2] رحمة الامة فی اختلاف الائمة کتاب السیر فصل اختلف الائمة هل یملك الکفار الخ مطابع قطر الوطنیة قطر ص ۳۸۷

[3] الدر المختار فصل فی کیفیة القسمة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۳

اذا باشروا القتال او کانت المرأۃ تقوم بمصالح المرضی او دل الذمی علی الطریق [1]۔	کا حصہ نہیں ہاں کچھ دیا جائے گا اگر لڑیں یا عورت مریضوں کی تیمارداری کرے یا ذمی راستہ بتائے۔

اس کے متصل بلا فصل درمختار کی وہ عبارت ہے تو کافر سے مطلقاً وہی مراد جو متن میں مذکور ہے یعنی ذمی کہ حربی ہرگز اس کے معنی میں نہیں جس کے سبب بدلیل الویت یا مساوات تعمیم کرلی جائے اس کی نظیر ابھی عبارت قدوری وہدایہ سے گزری جن میں لفظ کافر تھا اور تمام اکابر نے تصریح فرمادی کہ کافر سے مراد ذمی ہے۔

ذمی میں بھی خاص کتابی سے استعانت جائز ہے مشرک سے مطلقاً حرام ہے:

فائدہ خامسہ: امام اجل زینت حنفیت سیدنا احمد طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی عنہ نے اس میں اور تخصیص فرمائی اور اسی کو حضرت سیدنا امام اعظم وجملہ ائمہ حنفیّہ کا مذہب بتایا کہ مسئلہ استعانت کا کتابی سے خاص ہے، جہاد میں وقت حاجت دبے ہوئے یہودی یا نصرانی سے مدد لے سکتے ہیں مشرک سے اصلا جائز نہیں مشکل الآثار میں استعانت بمشرک سے ممانعت کی حدیثیں روایت فرمائیں پھر استعانت بہ یہود کی حدیث اعتراضاً وارد کی پھر اس سے جواب میں فرمایا:

لیس فی ذٰلك مایخالف شیئا مما رویناہ فی ھذا الباب لان الیھود لیسوا من المشرکین الذین قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاثار الاول انہ لانستعین بھم اولئك عبدۃ الاوثان وھؤلاء اھل الکتب والغلبۃ لنا لانا الاعلون علیھم وھم اتباع لنا وھکذا حکمھم الاٰن عند کثیر من اھل العلم منھم ابوحنیفۃ واصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنھم یقولون لاباس	وہ حدیثیں کہ اس باب میں ہم نے ذکر کیں یہ روایت ان سے کچھ مخالفت نہیں رکھتی اس لئے کہ یہود مشرک نہیں ہیں جن کے بارے میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اگلی حدیثوں میں فرمایا کہ ہم ان سے استعانت نہیں کرتے وہ بت پرست ہیں اور یہ کتابی ہیں اور یہ غلبہ ان پر ہمیں کو ہے کہ ہمیں ان پر بالادست ہیں اور وہ ہمارے تابع ہیں اور اب بھی اکثر علماء کے نزدیک ان کا یہی حکم ہے از انجملہ امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم

[1] الدرالمختار فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۳

بالاستعانة باهل الکتاب فی قتال من سواهم اذا کان حکمنا هوالغالب ویکرهون ذٰلك اذاکان احکامنا بخلاف ذٰلك ونعوذ باﷲ من تلك الحال[1]۔	وہ فرماتے ہیں کہ غیر کتابی کے مقابلہ میں کتابیوں سے مدد لینے میں حرج نہیں جبکہ ہمارا ہی حکم غالب ہو اور کتابیوں سے بھی مدد لینے کو ناجائز رکھتے ہیں جبکہ حالت اس کے خلاف ہو یعنی وہ ہمارے تابع و پیرو نہ ہوں اور اس حالت سے اللہ کی پناہ۔

معتصر علامہ یوسف حنفی میں ہے:

الممتنع الاستعانة بالمشرك والیهود لیسوا من المشرکین هکذا حکمهم عند ابی حنیفة واصحابه اذا کان حکمنا هوالغالب بخلاف ما اذا لم یکن غالبا نعوذ باﷲ[2] (ملتقطا)	مشرک سے استعانت ناجائز ہے اور یہود مشرک نہیں امام اعظم اور ان کے تلامذہ کے نزدیک یہی حکم ہے جبکہ ہمارا ہی حکم غالب ہو بخلاف اس کے کہ معاذاللہ ہمارا حکم ان پر غالب نہ ہو۔ (ملتقطا)

تحقیق مقام استعانت کے اقسام اور ان کے احکام

فائدہ سادسہ: اقول: تحقیق مقام بتوفیق منعام یہ ہے کہ یہاں استعانت کی تین حالتیں ہیں:

التجا، اعتماد، استخدام

التجا: یہ کہ قلیل گروہ اپنے کو ضعیف و کمزور یا عاجز پا کر کثیر و قوی و طاقتور جتھے کی پناہ لے اپنا کام بنانے کے لئے اس کا دامن پکڑے یہ بداہۃً اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دینا ہوگا اور انھیں خواہی نخواہی ان کے اشارے پر چلنا ان کی پس روی کرنی پڑے گی۔

اعتماد[عہ]: یہ کہ گروہ مساوی سے یارانہ گانٹھیں انھیں اپنا یاور و یار و معین و مددگار بنائیں ان کی مدد و موافقت سے اپنے لئے غلبہ و عزت و کامیابی چاہیں یہ اگرچہ اپنے آپ کو ان کے رحم پر چھوڑ دینا نہیں مگر ان کی ہمدردی و خیر خواہی پر اعتماد یقینا ہے کوئی عاقل خون کے پیاسے دشمن بدخواہ کو معین و ناصر نہ بنائے گا، یہاں مساوات کے یہی معنی نہیں کہ ہر طرح قوت میں ہمارا ہم سنگ ہو بلکہ خود سر گروہ کہ ہمارے

عـــہ: اعتماد ہر استعانت میں ہے اور یہاں یہ مراد کہ صرف اعتماد ہے استیلاء نہ ان کا نہ اپنا ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماوری فی الاستعانة من الکفار دار صادر بیروت ۳/ ۲۴۰

[2] المعتصر من المختصر فی الاستعانة بالمشرك دائرة المعارف العثمانیة حیدرآباد دکن ۱/ ۲۲۹

ہاتھ میں مجبور نہیں اور ہمارے ساتھ اظہار بدخواہی کرسکتا ہے اسی شق میں ہے کہ باوصف خودسری اسے ناصر بنانا بے اعتماد نہ ہوگا۔ یہ دونوں صورتیں کفار کے ساتھ یقینا قطعاً نصوص قطعیہ قرآنیہ سے حرام قطعی ہیں جن کی تحریم کو پہلی اور دوسری دو ۲ہی آیتیں کافی ووافی ہیں ہر گز کوئی مسلمان انھیں حلال نہیں کہہ سکتا۔

استخدام: یہ کہ کافر ہم سے دباہو اس کی چٹیا ہمارے ہاتھ میں ہو کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو، وہ اگرچہ اپنے کفر کے باعث یقینا ہمارا بدخواہ ہوگا مگر بے دست وپا ہے ہم سے خوف وطمع رکھتا ہے خوف شدید کے باعث اظہار بدخواہی نہ کرسکے گا بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہوگا۔

الحمدالله! یہ تقریر غفرلہ القدیر نے تفقہاً لکھی تھی پھر امام شمس الائمہ سرخسی کی شرح سیر صغیر امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ دیکھی عظیم وجلیل تائید ملی، فائدہ خامسہ میں امام طحاوی وعلامہ یوسف حنفی کی عبارتیں سن چکے کہ جواز اس وقت ہے جب ہمارا ہی حکم غالب ہو اور امام ابوجعفر کاارشاد کہ ہمیں بلند وبالا ہوں اور وہ ہمارے تابع، بعینہٖ یہی شرط سیر صغر میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے امام محمد نے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ فرمایا:

سالته عن المسلمین یستعینون باھل الشرك علی اھل الحرب. قال لاباس بذٰلك اذا كان حكم الاسلام ھوالظاھر الغالب [1]۔	میں نے عرض کی کہ مسلمان اگر حربیوں پر مشرکوں سے مدد لیں تو کیسا ہے فرمایا مضائقہ نہیں بشرطیکہ اسلام ہی کا حکم روشن وزبردست ہو۔

مشرکوں سے ذمی مراد ہیں کہ اس سے دو ورق پہلے فرمایا:

لاباس بان یستعین اھل العدل بقوم من اھل البغی واھل الذمة علی الخوارج اذاكان حكم اھل العدل ظاھرا [2]۔	اہل عدل کا باغیوں اور ذمیوں سے خوارج کے خلاف مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اہل عدل کا حکم غالب ہو۔ (ت)

یہاں تو استخدام بتایا تھا مگر اس کی تعلیل وہ فرمائی جس نے استخدام کی پوری تصویر بھی کھینچ دی اور اس کی نوعیت بھی بتادی کہ کس طرح کا استخدام ہو۔

[1] المبسوط للسرخسی باب آخر فی الغنیمۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱۰/ ۱۳۸

[2] المبسوط للسرخسی باب الخوارج دارالمعرفۃ بیروت ۱۰/ ۱۳۴

کافر کو کتّا بنا کر استعانت جائز ہے جب وہ ہمارے ہاتھ میں کتے کی طرح مسخر ہو:

ارشاد ہوا: لان قتالھم بھذہ الصفۃ لاعزاز الدین والاستعانۃ علیھم باھل الشرك کالاستعانۃ بالکلاب [1]۔

دوورق پہلے فرمایا: والاستعانۃ باھل الذمۃ کالاستعانۃ بالکلاب [2]۔

(یعنی اس لیے کہ جب وہ اس حالت پر ہوں تو ان کا لڑنا ہمارے ہی دین کے اعزاز کو ہوگا اور حربیوں پر ان ذمی مشرکوں سے استعانت ایسی ہوگی جیسے شکار میں کتوں سے مدد لیتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ ہمارے ہاتھ میں کتوں کی طرح مسخر ہوں کہ ان کا فعل ہمارے ہی لئے ہو ہمارے ہی دین کے اعزاز کے واسطے ہو)

کتے سے شکار میں استعانت کب جائز ہوتی ہے جبکہ وہ وقت شکار سارا کام ہمارے ہی لئے کرے اس میں سے اپنے واسطے کچھ نہ کرے اگر شکار مارا اور ماشہ بھر اس کا گوشت کھالیا شکار حرام ہے، تو استخدام بتایا اور وہ بھی سب سے ذلیل تر یعنی جیسے کتے سے خدمت لیتے ہیں اور شرط فرمادی کہ وہ خودسری سے یکسر نکل کر محض ہمارے لئے آلہ بن گئے ہوں یہ نہ ہوگا مگر اسی صورت میں کہ ہم نے منقح کی وللہ الحمد۔

ذلیل و قلیل کافروں سے استعانت کی اجازت ہوگی نہ کہ انبوہ کثیر سے:

اقول: اور اس کے لئے ضرور ہے کہ وہ معدودے چند ذلیل قلیل ہوں کہ بڑا گروہ ہوا تو ممکن کہ میدان میں پہنچ کر کافروں کا لشکر دیکھ کر شرارت پر آئے اور پھن دکھائے ممکن کہ یہی حکمت ہو کہ روز احد چھ سو یہود کو واپس فرمادیا کہ یہ بڑا جتھا ہوا خصوصا اس حالت میں کہ مسلمان صرف سات سو ۷۰۰ اور مغلطائی کی روایت میں چھ ہی سو تھے اور غزوہ خیبر میں حسب عـــہ روایت واقدی صرف دس یہود کو ہمراہی کا حکم فرمایا کہ مسلمان ایک ہزار چار سو ۱۴۰۰ تھے

عـــہ: اخرج الواقدی فی مغازیہ عن | واقدی نے اپنے مغازی میں (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] المبسوط للسرخسی باب آخر فی الغنیمۃ دار المعرفۃ بیروت ۱۰/ ۱۳۸

[2] المبسوط للسرخسی کتاب السیر ۱۰/ ۲۳ باب الخوارج دار المعرفۃ بیروت ۱۰/ ۱۳۴

اور غزوہ حنین میں تو صفوان جیسے ستر ۷۰ اسی ۸۰ بھی مان لیجئے تو کچھ نہ تھے کہ الٰہی لشکر بارہ ہزار تھا جس کی کثرت کا ذکر خود قرآن عظیم میں ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے علماء ان مسائل میں ذمی وکافر بصیغہ مفرد لکھتے ہیں نہ بصیغہ جمع۔

استخدام کی چار صورتیں اور ان کے احکام کافر کو راز دار بنانا مطلقاً حرام ہے:

اب چار ۴ صورتیں ہیں:

اول اس سے ایسی استعانت جس میں وہ ہمارا راز دار ودخیل کار بنے یہ مطلقاً حرام ہے جس کے لئے پہلی آیہ کریمہ بس ہے، نیز فرماتا ہے جل وعلا:

"اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ" [1]	کیا اس گھمنڈ میں ہو کہ یونہی چھوڑ دئے جاؤ گے اور ابھی وہ لوگ علانیہ ظاہر نہ ہوئے جو تم میں سے جہاد کریں اور اللہ ورسول ومسلمین کے سوا کسی کو اپنا راز دار ودخیل کار بنائیں اور اللہ تعالٰی تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

کافروں کو محرری پر نوکر رکھنے کی ممانعت:

ولہذا حدیث چہارم میں ان سے مشورہ لینا ناجائز فرمایا، تفسیر کبیر میں کریمہ اولٰی کے تحت میں ہے:

ان المسلمین کانوا یشاورونھم فی امورھم ویؤانسونھم لماکان بینھم من الرضاع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حرام بن سعد بن محیصہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعشرۃ من یھود المدینۃ غزابھم الٰی خیبر [2] ۱۲منہ غفرلہ

حرام بن سعد بن محیصہ سے راوی کہ انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مدینہ کے دس یہود کو غزوہ خیبر میں ہمراہ لے گئے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۶

[2] کتاب المغازی للواقدی غزوہ خیبر منشورات موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۲/ ۶۸۴

والحلف ظنا منهم انهم وان خالفوهم فی الدین فهم ینصحون لهم فی اسباب المعاش فنهاهم الله تعالٰی بهذه الاٰیة عنه۔ فمنع المؤمنین ان یتخذوا بطانة من غیر المومنین فیکون ذٰلك نهیا عن جمیع الکفار وقال تعالٰی "یاایها الذین اٰمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء" ومما یؤکد ذٰلك ماروی انه قیل لعمر رضی الله تعالٰی عنه ھٰهنا رجل من اهل الحیرة نصرانی لایعرف اقوی حفظا واحسن خطا منه فان رأیت ان تتخذه کاتبا فامتنع عمر من ذٰلك وقال اذن اتخذت بطانة من غیر المومنین [1]۔

یعنی کچھ مسلمان بعض یہود سے اپنے معاملات میں مشورہ کرتے اور باہم دل بہلاتے کہ کسی سے دودھ کی شرکت تھی کوئی کسی کا حلیف تھا یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اگرچہ دین میں ہمارے خلاف ہیں دنیوی باتوں میں تو ہماری خیر خواہی کریں گے اس آیہ کریمہ میں رب العزت جل وعلا نے انھیں منع فرمایا اور حکم دیا کہ کسی غیر مسلم کو اپنا راز دار نہ بناؤ، تو یہ نہ صرف یہود بلکہ جملہ کفار سے ممانعت ہوئی اور اللہ تعالٰی عزوجل نے فرمایا: "اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو یار نہ بناؤ" اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوئی کہ ان سے عرض کی گئی کہ شہر حیرہ میں ایک نصرانی ہے اس کا سا حافظہ اور عمدہ خط کسی کا معلوم نہیں حضور کی رائے ہو تو ہم اسے محرر بنائیں امیر المومنین نے اسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ ایسا ہو تو میں غیر مسلم کو راز دار بنانے والا ٹھہروں گا۔ تفسیر لباب التاویل وغیرہ پارہ ۶ میں ہے:

روی ان اباموسٰی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه قال قلت لعمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه ان لی کاتبا نصرانیا فقال مالك وله قاتلك الله الا اتخذت حنیفا یعنی مسلما اماسمعت قول الله عزوجل "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ" قلت له دینه ولی کتابته فقال لا اکرمهم	یعنی ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوا کہ میں نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے عرض کی کہ میرا ایک محرر نصرانی ہے، فرمایا تمھیں اس سے کیا علاقہ خدا تمھیں سمجھائے کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر بنایا کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا کہ اے ایمان والو! یہود ونصارٰی کو یار نہ بناؤ، میں نے عرض کی اس کا دین اس کے لئے ہے مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے، فرمایا میں

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) آیہ لاتتخذوا بطانة الخ کے تحت المطبعة البهیة المصریة مصر ۸/ ۱۰ و ۲۰۹

اذا اھانھم اللہ، ولا اعزھم اذا اذلھم اللہ ولا ادنیھم اذا ابعدھم اللہ، قلت انہ لایتم امر البصرۃ الا بہ فقال مات النصرانی والسلام یعنی ھب انہ مات فما تصنع بعدہ فما تعملہ بعد موتہ فاعلمہ الاٰن واستغن عنہ بغیرہ من المسلمین[1] ۔	کافروں کو گرامی نہ کروں گا جبکہ انھیں اللہ نے خوار کیا نہ انھیں عزت دوں گا جبکہ اللہ نے انھیں ذلیل کیا نہ ان کو قُرب دوں گا جبکہ اللہ نے انھیں دور کیا، میں نے عرض کی بصرہ کا کام بے اس کے پورا نہ ہوگا۔ فرمایا مرگیا نصرانی والسلام یعنی فرض کرلو کہ وہ مرگیا تو اس کے بعد کیا کروگے جو جب کروگے اب کرو اور کسی مسلمان کو مقرر کرکے اس سے بے پروا ہوجاؤ۔

کافر کی تعظیم حرام ہے:

دوم اسے بعض مسلمانوں پر کوئی عہدہ ومنصب دینا جس میں مسلم پر اس کا استعلاء ہو مثلاً مسلمان فوج کے کسی دستے کا افسر بنانا یہ بھی حرام ہے، ابھی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد سن چکے کہ اللہ نے انھیں خوار کیا میں گرامی نہ کروں گا اللہ نے انھیں ذلت دی میں عزت نہ دوں گا، کتب حدیث میں یوں ہے کہ جب ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے محرری پر مقرر کیا امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں فرمان میں لکھا:

لیس لنا ان نأتمنھم وقد خونھم اللہ ولا ان نرفعھم وقد وضعھم اللہ ولا ان نعزوھم وقد امرنا بان یعلم الجزیۃ عن ید وھم صاغرون[2] ۔	ہمیں روانہیں کہ کافروں کو امین بنائیں حالانکہ اللہ تعالٰی انھیں خائن بتاتا ہے یا ہم انھیں رفعت دیں حالانکہ اللہ سبحٰنہ نے انھیں پستی دی، یا انھیں عزت دیں حالانکہ ہمیں حکم ہے کہ کافر ذلت وخواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں۔

درمختار میں ہے:

یمنع من استکتاب ومباشرۃ یکون بھا معظما عند المسلمین وتمامہ فی الفتح وفی الحاوی ینبغی ان یلازم الصغار بینہ وبین المسلم، فی کل شیئ وعلیہ فیمنع من القعود حال قیام المسلم عندہ بحر، ویحرم تعظیمہ[3] ۔

[1] لباب التاویل (تفسیر الکبیر) زیر آیہ لاتتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۲
[2]
[3] الدر المختار فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

یعنی ذمی کافر کو محرر بنانا یااور کوئی عمل ایسا سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو جائز نہیں، اس کا پورا بیان فتح القدیر میں ہے، حاوی میں ہے وہ مسلمان کے ساتھ ہر معاملہ میں دبا ہوا ذلیل رہے تو جب تک اس کے پاس کوئی مسلمان کھڑا ہواُسے بیٹھنے نہ دیں گے، یہ بحرالرائق میں ہے، اور اس کی تعظیم حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے:

قالوا الاحق ان لایترکوا ان یرکبوا الا لضرورۃ واذا رکبوا للضرورۃ فلینزلوا فی مجامع المسلمین[1]۔	علماء نے فرمایا: سزاوارتر یہ ہے کہ انھیں سوار ہونے ہی نہ دیں مگر (مرض وغیرہ کی) ناچاری سے پھر جب مجبوری کو سوار ہو تو ضرور ہے کہ مسلمانوں کے مجمع میں اتر لیں۔

بے تعظیمی کے ساتھ بھی کافر سے استعانت صرف وقت حاجت جائز ہے:

سوم بے حاجت اس سے استعانت کرنا یہ بھی ناجائز ہے، خود فتوائے شائع کردہ لیڈران میں درمختار سے ہے:

مفادہ جواز الاستعانۃ بالکافر عند الحاجۃ[2]۔	اس عبارت سے سمجھا گیا کہ حاجت کے وقت کافر (ذمی) سے استعانت جائز ہے۔

اسی میں ردالمحتار سے ہے:

امابدونھا فلا لانہ لایؤمن غدرہ[3]۔	حاجت نہ ہو تو جائز نہیں کہ کچھ اطمینان نہیں کہ وہ بدعہدی نہ کرے گا۔

کافر سے صرف اس صورت کی استعانت جائز ہے:

چہارم اب ایک صورت یہ رہی کہ [۱] دبے ہوئے مقہور کافر سے [۲] بشرط حاجت ایسی استعانت جس میں نہ [۳] اسے رازدار و دخیل کاربنانا ہو نہ [۴] کسی مسلمان پر اس کا استعلاء ہو یہ ہے وہ جس کی ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم نے رخصت

---

[1] الھدایۃ باب الجزیۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۵۷۸

[2] الدرالمختار فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۳

[3] ردالمحتار فصل فی کیفیۃ القسمۃ مکتبہ ماجدہ کوئٹہ ۳/ ۲۵۷

دی پچھلی دو قیدیں تو منتظر ثبوت بلکہ محتاج بیان بھی نہیں دین متین سے ضرورۃً معلوم ہیں جن کا کچھ بیان ابھی گزرا تو ان کی نظیر نماز کے لئے شرط وضو ہے کسی نماز کا مسئلہ بتائے تو یہ کہنا کچھ ضرور نہیں کہ بشرطیکہ باوضو پڑھی جائے، رہیں پہلی دو'، وہ ہمارے ائمہ کی طرح امام شافعی نے بھی بتائیں امام اجل ابو زکریا نووی شافعی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فارجع فلن استعین بمشرک، وقد جاء فی الحدیث الاخر ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم استعان بصفوان بن امیة قبل اسلامه فاخذ طائفة من العلماء بالحدیث الاول علی اطلاقه، وقال الشافعی واخرون ان کان الکافر حسن الرأی فی المسلمین ودعت الحاجة الی الاستعانة به استعین به والا فیکره حمل الحدیثین علی ہذین الحالین[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ واپس جا ہم ہر گز کسی مشرک سے استعانت نہ کریں گے، اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے اس حال میں امداد لی کہ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے تو ایک جماعت علماء نے پہلی حدیث کا مطلق حکم اختیار کیا اور شافعی اور کچھ اوروں نے کہا کافر اگر مسلمانوں کے حق میں نیک رائے رکھتا ہو اور اس سے استعانت کی حاجت پڑے تو استعانت کی جائے ورنہ منع ہے، امام شافعی نے ان دونوں حدیثوں کو ان دونوں حالوں پر محمول کیا۔

شرط حاجت تو صاف ذکر فرمائی اور شرط اول کا یوں اشعار کیا کہ کسی کافر کی رائے مسلمانوں کے بارے میں اچھی ہو تو اس سے اس استعانت جائز ہے، اسی شرط کو حازمی نے یوں ذکر کیا:

والثانی ان یکونوا ممن یوثق بھم فلا تخشٰی نائرتھم فمتی فقد ھٰذان الشرطان لم یجز للامام ان یستعین بھم[2]۔	یعنی حاجت کے ساتھ دوسری شرط یہ ہے کہ ان کافروں پر وثوق ہو کہ ان کی شرارت کا اندیشہ نہ رہے ان دونوں شرطوں میں سے کوئی کم ہوگی تو سلطان اسلام کو کافروں سے استعانت جائز نہ ہوگی۔

اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے: اور اللہ سب سے زیادہ سچا ہے "لَا یَاْلُوْنَکُمْ

[1] شرح صحیح مسلم مع مسلم کتاب الجہاد والسیر کراہیۃ الاستعانۃ فی الغزو بکافر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۸

[2] الناسخ والمنسوخ للحازمی

خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ"[1] کافر تمہاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے تمہارا مشقت میں پڑنا ان کی دلی تمنا ہے۔ تو محال ہے کہ خود سر کافر مسلمانوں کے لئے کوئی اچھی رائے رکھیں ان کی خیر خواہی پر وثوق ہوسکے ان کا خود سر کافر ہونا ہی ان پر بے اطمینانی کا پورا موجب ہے، محقق علی الاطلاق فتح القدیر باب الموادعۃ میں فرماتے ہیں:

لعل خوف الخیانۃ لازم لعلم بکفر ھم وکونھم حربا علینا[2]۔	امید ہے کہ خوف خیانت آپ ہی لازم ہے کہ ان کا کافر اور ہم سے مقاتل ہونا معلوم ہے۔

تو مسلمانوں کے خیر خواہ و قابل وثوق نہیں ہوسکتے مگر معدود چند ذلیل قلیل مجبور مقہور کافر جن کو سرکشی کی مجال نہیں ولہذا تمام علماء نے مسئلہ رضخ کو ذمی کے ساتھ مقید فرمایا اور اسے مفرد ذکر کیا۔

ثم اقول: ان کا شروط وقیود سے مشروط استعانت سے نہ ان کو رازدار و دخیل کار بنانا ہے کہ آیت اولٰی کے خلاف ہو، نہ ان سے عزت چاہنا کہ آیت دوم کے مخالف ہوں، ذلیل قلیل سے کون عزت چاہے گا، نہ اسے کوئی ولی و نصیر بنانا کہے گا کہ باقی آیات کے خلاف ہو۔ یہ استعانت اگر ایسی نہیں جیسے **کتبت بالقلم** (میں نے قلم کی مدد سے لکھا۔ ت) میں سے تو ایسی ضرور ہے جیسے لوگ چماروں کو پکڑا کر بیگار لیتے ہیں بلکہ جب انھیں کچھ مال دیا جاتا ہے تو ایسی جیسے چمار کو پیسہ دے کر جوتا گنٹھوالینا، کیا اسے کوئی کہے گا کہ چمار کو ولی و ناصر بنایا۔ لاجرم کلمات علماء مخالف آیات نہ ہوئے[عہ] **وللہ الحمد، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔**

لیڈروں نے احکام شریعت کو کیسے بدلا:

فائدہ سابعہ: یہ تھا حکم شرعی جس کی تحقیق و تنقیح **بحمدہ تعالٰی** اس وجہ جلیل پر ہوئی کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی، اب لیڈران اپنی تحریفیں دیکھیں احکام دین کو کتنا کتنا بدلا، شرعی مسئلہ کیسا کیسا مسلا،

اولاً ذکر تھا ذمی کا، لے دوڑے حربی۔

ثانیاً بروایت امام طحطاوی حضرت امام اعظم و امام ابویوسف امام محمد جملہ ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک جواز کتابی سے خاص تھا یہ لے دوڑے مشرک۔

عـــہ: دربارہ استعانت احکام شریعت تو یہ تھے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] فتح القدیر باب الموادعۃ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۶

ثالثاً: جواز باجماع قائلین حاجت سے مقید تھا اور یہ خود اپنا جرم قبولے کہ ہم عـــہ۱ کو احتیاج نے اتحاد برادران ہند کی جانب مائل نہیں کیا۔

رابعاً: انھیں راز دار و دخیل کار بنانا حرام قطعی تھا یہ اس سے بھی بدرجہا بڑھ کر قطعی تھا یہ اس سے بھی بدرجہا بڑھ کر ان کے ہاتھ بک گئے انھیں اپنا امام و پیشوا بنالیا ان عـــہ۲ کو اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں "وہی مانتا ہوں میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے:" ؎

عمرے کہ بآیات واحادیث گزشت
رفتی ونثار بت پرستی کردی

(وہ عمر کہ آیات واحادیث کے ساتھ گزری ختم ہوگئی، اور بت پرستی کی نذر کردی۔ت)

"کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾"[1]	اللہ یونہی چھاپ لگادیتا ہے ہر مغرور ستمگر کے دل پر۔

خامساً: ان کی تعظیم انھیں مسلمانوں پر استعلاء دینا حرام قطعی تھا، انھوں نے صرف ظاہری سجدہ کسی مصلحت سے بچا رکھا باقی کوئی دقیقہ مشرکوں کی تعظیم واعلاء میں نہ چھوڑا مسلمان کہلانے والوں نے ان کی جیئیں پکاریں، بیل بن کر گئو پتروں کی گاڑیاں کھینچیں، ان کی مدح میں غلو واغراق کئے حتی کہ گاندھی کو کہہ بھاگے ع

"خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے ست" عـــہ۳

(تیری تعریف سے خاموش رہنا تیری تعریف کی انتہا ہے۔ت)

"نبوت عـــہ۴ ختم نہ ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے" "ایک متلڈر عـــہ۵ ہزاروں کے مجمع میں اسٹیج پر چہکتا ہے کہ "اگر اللہ تعالٰی نے ان کو (گاندھی کی طرف اشارہ کرکے کہا) تمھارے لئے مزکر بناکر بھیجا ہے"

عـــہ۱: خطبہ صدارت مولوی عبدالباری ص ۵۔ حشمت علی غفرلہ

عـــہ۲: خط مولوی عبدالباری صاحب جس کا فوٹو حسن نظامی نے چھاپا۔ ۱۲ حمشت علی عفی عنہ

عـــہ۳: انجمن اسلامیہ کی طرف سے گاندھی کا سپاسنامہ شعر ۱۸۔ حشمت علی

عـــہ۴: تقریر ظفر الملک در رفاہ عام لکھنؤ "اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے" اخبار اتفاق دہلی ۷ ۱۲ کتوبر و دبدبہ سکندریہ یکم نومبر و پیسہ اخبار ۱۸ نومبر ۱۲ حشمت علی

عـــہ۵: تقریر عبدالماجد بدایونی جلسہ جمعیۃ العلماء ہند دہلی فتح اخبار دہلی جلد ۲ نمبر ۲۴۲۔ ۱۲ حشمت علی عفی عنہ

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف داخل کرنے کا رد:

دوسرا عــہ۱ جمعہ کا خطبہ اردو میں پڑھتا ہے، نہیں نہیں خطبہ کی جگہ لکچر دیتا ہے اور اس میں خلفائے راشدین وحسن وحسین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بدلے گاندھی کی مدح مقدس ذات ستودہ عــہ۲ صفات وغیرہا لفاظیوں کے ساتھ گاتا ہے، اللہ تعالٰی فرمائے: "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ"[1] مشرک تو نہیں مگر ناپاک۔ یہ کہیں مقدس ذات۔ اللہ فرمائے: "اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِؕ۝۶"[2] وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔ یہ کہیں ستودہ صفات۔ غرض خطبہ جمعہ کیا تھا قرآن عظیم کا رد تھا۔ آج خطبہ جمعہ میں یہ ہوا کل نماز میں "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" کی جگہ "اھدنا الصراط الگاندھی" پڑھیں گے اور کیوں نہ پڑھیں جسے جانیں کہ اس مقدس ذات ستودہ صفات کو اللہ تعالٰی نے مذکر بنا کر مبعوث فرمایا ہے اس کی راہ آپ ہی طلب کیا چاہیں اور بالفرض یہ تبدیل نہ کریں، تو "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" میں تو گاندھی کو ضرور داخل مان چکے۔ اللہ جسے مقدس ذات ستودہ صفات کرے اور خلق کے لئے مذکر بنا کر بھیجے اس پر انعام الٰہی تام وکامل ہے، "الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ"[3] (وہ جن پر اللہ نے احسان کیا) کا بیان قرآن کریم نے "مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَۚ"[4] (وہ کون ہیں نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ) فرمایا ہے۔ یہ سب مقدس ذات ستودہ صفات ہیں لاکھوں شہداء وصالحین کو اللہ تعالٰی نے مذکر بنا کر مبعوث نہ فرمایا توگاندھی جی اول نمبر کے "**انعمت علیھم**" ہوئے مگر قرآن تو کفار پر اپنا غضب اور لعنت بتاتا اور انھیں ہر مخلوق سے بدتر ہر ذلیل سے ذلیل تر فرماتا ہے اگر اس کا نام انعام ہے تو ضرور کفار سے بڑھ کر کوئی "**انعمت علیھم**" ہیں۔

"قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ٘ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ۝۳۰"[5] (اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) مشرک کو مسجد جامع میں مسلمانوں کا واعظ بنایا جاتا ہے ہزارہا مسلمانوں سے اونچا کھڑا کرکے مسند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جمایا جاتا ہے کیا مسئلہ استعانت

عــہ۱: اخبار مشرق گورکھپور ۱۳ جنوری ۲۱ء وعینی شہادت مولوی احمد مختار صاحب صدیقی میرٹھی رکن خلافت کمیٹی ۱۲ حشمت علی۔

عــہ۲: یہ مولوی صاحب شاہد عینی کا بیان ہے اور اخبار مشرق میں مقدس ذات پاکیزہ خیالات ہے۔ ۱۲ حشمت علی۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

[3] القرآن الکریم ۴/ ۶۹

[4] القرآن الکریم ۴/ ۶۹

[5] القرآن الکریم ۹/ ۳۰ و ۶۳/ ۴

کا یہ مطلب تھا کیا درمختار میں اس کا جواز لکھا تھا، اجازت تھی تو استخدام کی، وہ بھی ایسا جیسے کتے سے جو پورا مسخر ہولیا ہو۔ تم نے الٹی خدمت گاری بلکہ غلامی کی "وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ" [1] (اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)

سادسا: مشرکوں پر اعتماد حرام قطعی بلکہ تکذیب کلام الٰہی تھا جس کا بیان زیر آیت اولٰی گزرا انھوں نے اعتماد درکنار قطعاً التجا کی، التجاء واعتماد کے جو معنی گزرے ان کے آئینہ میں ان کی صورتیں منقوش دیکھ لیجئے ۲۳ کروڑ ہندوؤں کو اپنا یار و یاور بنانا کیا دلی خیر خواہی پر پورے اعتماد کے بغیر ممکن ہے بداہت عقل کو مکرائے تو لیڈران کے گیت سن لیجئے جو مشرکین کو اپنا دلی خیر خواہ سمجھنے کے گائے ہیں "ان عــہ۱ کی ہمدردی ہماری مصیبت کے وقت ظاہر ہوئی جس وقت کلمہ گو بھی معاونت حق سے گریزاں تھے ان کا دست اتحاد ہماری طرف بڑھا جب یار اغیار ہوگئے ہیں برادران وطن کو ان کی ہمدردی کی اجرت دے کر ان کے مرتبہ کو گھٹانا نہیں چاہتا وہ بہادر قوم ہماری مصیبت کے وقت خلوص کے ساتھ ہمدردی کرکے ہم ان کو اپنا دلی دوست بنانا چاہتی ہے نہ ہماری لفظی شکر گزاری کی محتاج ہے ہمارے دل میں ان کے اخلاص عــہ۲ نے گھر کرلیا ہے۔" دیکھئے کیسی دل کھول کر قرآن کی تکذیبیں کیں، اب اتنا مسلمان دیکھ لیں گے کہ یہ سچے یا اﷲ واحد قہار سچا کہ "لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا" [2] وہ تمھاری بدخواہی میں گئی نہ کریں گے قل صدق اللہ "وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ" [3]۔

درباره استعانت فتوٰی میں لیڈران کی موت عــہ۳

سابعا سب جانے دو اتنا تو مفتی لیڈران کو بھی مسلم کہ اگر ان کی طرف حاجت پڑے اور ان سے غدر کا امن ہو تو استعانت درست یعنی حاجت نہ ہو تو حرام اور ان کے غدر سے

عــہ۱: خطبہ صدارت مولوی عبدالباری صاحب ۵و۶۔ ۱۲ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

عــہ۲: رسالہ قربانی گاؤ مولوی عبدالباری ۱۲ حشمت علی عفی عنہ۔

عــہ۳: دربارہ استعانت جو فتوٰی شاہجہانپور لیڈران نے شائع کیا اس میں خود ان کی موت ہے مگر لیڈران کو نہیں سوجھتی۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۰

امن نہ ہو توحرام حاجت کاانکار خود لیڈران کو ہے اور ان کے غدر سے امن پر کیا دلیل قائم کرلی۔ کیا نرا وعدہ، اور اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

"وَمَایَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾" [1]	شیطان توانھیں وعدہ نہیں دیتامگر فریب سے۔

یا انھوں نے تمھارے خیر خواہ بنے رہنے کی قسمیں کھائی ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتاہے۔ "اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ" [2] ان کی قسمیں کچھ نہیں، یا تمھیں وحی آئی کہ یہ جانی دشمن یہ دینی اعداء یہ خونخوار بدخواہ یہ کبھی دغا نہ کریں گے، اور اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ" [3]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی ہوئی حالانکہ اسے کچھ بھی وحی نہ ہوئی۔

ان کے غدر سے امن کی توایک وہی صورت تھی کہ وہ ایسے ذلیل و قلیل ہمارے ہاتھ میں مجبور و مقہور ہوں کہ سرتابی کی قدرت ہی نہ رکھیں، کیا یہ ۲۳ کروڑ ہندو تمھارے ہاتھ میں ایسے ہی ہیں۔ جھوٹ جھوٹ جھوٹ اور پورے ۲۳ کروڑ جھوٹ، دیکھو تمھارے ہی شائع کردہ فتوے نے تمھیں گھر تک پہنچادیا اور اس استعانت میں تم پر فرد قرار داد جرم لگا کر مرتکب حرام ٹھہرا دیا احمق اسے شائع کروانے اور اپنی سند ٹھہراتے ہیں، اور نہیں جانتے کہ وہ انھیں پر رد ہے۔ ہمارے دوست مفتی صاحب نے مروان کے خفیہ خط کی طرح ملتمس کاسا صحیفہ ان کے ہاتھ میں دے دیا جس میں ان کی موت ہے اور یہ خوشی خوشی لئے پھرتے ہیں، نہیں نہیں نرے نا مشخص نہیں سمجھتے ہیں مگر مقصود ہی دین کو بدلنا احکام کو کچلنا عوام کو چھلنا ہے، جاہل بیچارے اتنا دیکھ لیں گے کہ دیکھو "ج ائ ز" لکھا ہے اب اتنی سمجھ کسے کہ جسے جائز لکھا ہے لیڈران کی استعانت کو اس سے مس نہیں اور ان کی جو استعانت ہے فتوے میں ہرگز اسے جائز نہ لکھا بلکہ صاف عدم جواز کا اشعار کیا۔

مفتیوں کو ہدایت:

ہاں جب مفتی کو واقعہ معلوم، تو فتوی اگرچہ بجائے خود صحت سے موسوم ایسا غلط انگیز لکھنا مذموم جسے اہل باطل اپنے باطل پر ڈھالیں اور اس سے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۶/ ۹۳

اپنی تقویت کی راہ نکالیں یہ سمجھ لینا کہ فتوے کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ان کے غدر سے امن کی صورت یہاں متصور نہیں عوام جاہلوں کو میسر نہیں، عقود الدریہ میں ہے:

اذا علم المفتی حقیقۃ الامر ینبغی لہ ان لایکتب للسائل لئلا یکون معینا لہ علی الباطل [1]۔	مفتی کو جب اصل واقعہ معلوم ہو تو اسے سزاوار نہیں کہ سائل کو اس کے حوالے کے موافق فتوی لکھ دے تاکہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔

اسی میں اپنے شیخ المشائخ شیخ عبدالقادر صفوری سے ہے:

ان بعض المبطلین اذا صار بیدہ فتوی صال بہا علی خصمہ وقال المفتی افتی لی علیك بکذا، والجاھل اوضعیف الحال لایمکنہ منازعۃ فی کون نصہ مطابقا اولا [2]۔	بعض اہل باطل کے ہاتھ میں جب فتوی آجاتا ہے اپنے فریق پر اس سے حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے مفتی نے میرے لئے تجھ پر فتوی دیا اور بے علم یا کمزور اس سے یہ بحث نہیں کرسکتا کہ اس کی عبارت صورت واقعہ سے مطابق بھی ہے یا نہیں۔

مولٰی تعالٰی ہمیں اور ہمارے احباب کو باطل واعانت باطل واختلاط اہل باطل سے بچائے اور حق پر استقامت تامہ عطا فرمائے والحمدﷲ رب العالمین۔

مساجد میں مشرک کے لے جانے کا رد:

(۱۰) لیڈران نے شریعت مطہرہ پر ایسے ہی شدید ظلم مسئلہ دخول کافر بمسجد میں کئے ہیں،

اولا: یہ مسئلہ تمام متون مثل تحفۃ الفقہاء وہدایہ ووقایہ وکنز ووافی ومختار واصلاح وغرر وملتقی وتنویر اور ان کے سوا محیط سرخسی واشباہ والنظائر ووجیز کردری وخزانۃ المفتین وفتاوٰی ہندیہ سب میں ذمی کے ساتھ مقید ہے فتوٰی شائع کردہ لیڈران نے بھی یہاں عبارت درمختار میں گنجائش نہ پائی یونہی نقل کرنی پڑی کہ **جاز دخول الذمی مسجدا** [3] ذمی کا مسجد میں جانا جائز ہے۔ سب سے اجل واعظم خود محرر مذہب امام محمد کا جامع صغیر میں ارشاد ہے: **محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ لاباس بان یدخل اھل الذمۃ المسجد الحرام** [4]" یعنی امام محمد امام ابویوسف سے راوی

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ قبیل کتاب الطہارۃ حاجی عبدالغفار پسران قندھار افغانستان ۱/ ۳

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ قبیل کتاب الطہارۃ حاجی عبدالغفار پسران قندھار افغانستان ۱/ ۳

[3] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۶

[4] جامع الصغیر مسائل من کتاب الکراھیۃ مطبع یوسفی لکھنو ص ۱۵۳

کہ امام اعظم نے فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم ذمیوں کا مسجد حرام میں جانا مضائقہ نہیں"ذمی مراد ہو اور کافر سے تعبیر کریں کیا بعید ہے ذمی بھی کافر ہی ہے اطلاق کی سندیں اوپر گزریں کہ "اراد بالکافر الذمی"کافر سے ذمی مراد ہے۔یونہی مستامن مراد ہو اور حربی سے تعبیر کریں کیا عجب ہے مستامن بھی حربی ہے اطلاق کی سند محیط وعالمگیریہ سے گزری کہ "اراد بالمحارب المستامن"حربی سے مستامن مراد ہے۔مگر ذمی بولیں اور اس سے حربی بھی مراد ہو یہ کس طرح منقول کہ اب تخصیص ذمی محض بے معنی و موجوب غلط فہمی ہوگی کہ حربی ہرگز معنی ذمی میں نہیں،لاجرم علامہ سید احمد طحطاوی وعلامہ سید محمد محشیان درمختار کو اس میں تردد ہوا کہ مستامن کے لئے بھی جواز ہے یا نہیں پھر اس استدلال علماء بالحدیث سے سند لاکر بھی جزم نہ کیا اور کتب سے تحقیق کرنے کا حکم دیا دونوں کتابوں کی عبارت یہ ہے:

انظر هل المستامن ورسول اهل الحرب مثله و مقتضی استدلالهم علی الجواز بانزال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وفد ثقیف فی المسجد جوازه ویحرر[1]۔	غور طلب ہے کہ مستامن اور حربیوں کا ایلچی بھی کہ وہ بھی مستامن ہوتا ہے اس حکم میں ذمیوں کے مثل ہے یا نہیں۔ علماء کہ جواز پر اس سے دلیل لائے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وفد ثقیف کو مسجد شریف میں اتارا یہ مستامن کے لئے جواز چاہتا ہے بات ہنوز تحقیق طلب ہے۔

اقول: مستامن کے لئے خود قرآن عظیم سے اشارہ نکال سکتے ہیں کہ:

"وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ "[2]۔	اے محبوب! اگر کوئی مشرک تم سے پناہ چاہے تو اسے پناہ دو کہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچادو۔

حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے کوئی مجلس نہ تھی سوا مسجد کریم کے ولہذا وفود یہیں حاضر ہوتے اور اس میں متون کا خلاف نہیں،ہدایہ سے گزرا کہ مستامن جب تک دارالاسلام میں ہے بمنزلہ ذمی ہے ذمہ مؤیدہ و موقتہ دونوں طرح ہوتے ہیں، کافی امام نسفی فصل امان میں ہے:

المراد بالذمة العهد مؤقتا كان او مؤبدا وذٰلك الامان وعقد الذمة[3]۔	ذمہ سے عہد مراد ہے ایک میعاد معین تک ہو یا ہمیشہ کے لئے، یہ امان وعقد ذمہ ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مکتبہ ماجد کوئٹہ ۵/ ۲۷۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶

[3] کافی للنسفی

یہی کہہ سکتے ہیں کہ ذمی وحربی برابر ہیں یعنی مستامن کہ اس کے لئے بھی ایک وقت تک ذمہ ہے بالجملہ جواز خاص ذمی کے لئے تھااور یہ حربی لے دوڑے۔

ثانیا یہاں بھی امام بدرالدین محمود عینی وغیرہ اکابر کی روایت یہ ہے کہ ہمارے امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ذمیوں میں جواز صرف کتابی کے لئے ہے یہ مشرک حربی لے دوڑے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قال ابو حنیفة یجوز الکتابی دون غیرہ واحتج بما رواہ احمد فی مسندہ بسند[عـہ]	امام ابو حنیفہ نے فرمایا مسجد میں کتابی (ذمی) کا آنا جائز ہے اور کفار کا نہیں اور امام اس پر اس

عـــہ: قول الامام العینی بسند جید **اقول**: ای علی اصولنا و مالنا ان نترك اصولنا الی اصول المحدثین فضلاعن قول عالم متاخر شافعی فلا علیك مما فی التقریب وذٰلك ان مخرجه اشعث بن سوار عن الحسن عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه واشعث من شیوخ شعبة و الثوری ویزید بن ھارون وغیرھم من الاجلاء وانتقاء شعبة فی من یأخذ منه معلوم قال الذھبی وحدث من اشعث لجلالته من شیوخ ابواسحٰق السبیعی[1] اھ وقد قال سفین اشعث اثبت من مجالدوقال ابن مھدی ھو ارفع من مجالد ومجالد من رجال صحیح مسلم وقال ابن معین اشعث احب الی من

امام عینی کا قول جید سند سے **اقول**: (میں کہتاہوں) کہ یہ سند ہمارے قاعدہ پر جید ہے اور ہم محدثین کے اصول کی خاطر اپنے اصول نہ چھوڑیں گے چہ جائیکہ ایک متاخر شافعی عالم کے قول کی خاطر چھوڑیں تو تقریب میں مذکور بیان تمھارے خلاف نہیں ہے یہ اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بواسطہ حسن اس حدیث کی تخریج کرنے والے اشعث بن سوار ہیں جبکہ اشعث، شعبہ، ثوری، یزید بن ہارون وغیرہم کے اکابر شیوخ میں سے ہیں اور شعبہ کا انتخاب ان میں جن سے اس نے روایت کی ہے وہ معروف ہے ذہبی نے کہا اشعث کی جلالت شان کی وجہ سے اس کے شیوخ میں سے ابواسحٰق سبیعی نے اس سے حدیث روایت کی ہے اھ۔ اور سفیان نے کہا کہ اشعث مجالد کی نسبت زیادہ قوی ہے، اور ابن مہدی نے کہا وہ مجالد سے بلند ترین ہے جبکہ مجالد صحیح مسلم کے راویوں میں شمار ہیں اور (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] میزان الاعتدال للذھبی ترجمہ ۹۹۶ اشعث بن سوار دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۶۴

جید عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایدخل مسجدنا ھذا بعد عامنا ھذا	حدیث سے سند لائے جو امام احمد نے اپنی مسند میں کھری اسناد کے ساتھ جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اسمٰعیل بن مسلم، وقال الامام احمد و العجلی ھو امثل فی الحدیث من محمد بن سالم وروی ابن الدورقی عن ابن معین انہ ثقۃ وقال عثمٰن بن ابی شیبۃ صدوق وذکرہ ابن شاھین فی الثقات وقال ابن عدی لم اجد لہ فیما یرویہ متنا منکرا وقال البزار لا نعلم احدا ترک حدیثہ الامن ھو قلیل المعرفۃ واختلاف قول ابن معین فی رجل یکون انہ دون الثقۃ وفوق الضعیف و ھذا ھو شرط الحسن قال الذھبی فی محمد بن حفصۃ فیہ شیئ ولھذا وثقہ ابن معین مرۃ وقال مرۃ صالح ومرۃ لیس بالقوی ومرۃ ضعیف[1] اھ ومحمد ھذا من رجال الصحیحین و بالجملۃ وقد وثق اشعث ولم یرم بقادح قط بل لیس فیہ جرح مفسر اصلا فحدیثہ حسن ولاشك لاجرم ان حکم العینی علی اسنادہ انہ جید حق واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ

ابن معین نے کہا میرے نزدیک اشعث زیادہ محبوب ہیں اسمٰعیل بن مسلم سے، اور امام محمد اور عجلی نے کہا وہ محمد بن سالم سے حدیث میں زیادہ مقبول ہے، اور ابن دورقی نے ابن معین سے روایت کی کہ اشعث ثقہ ہے اور عثمان نے کہا وہ نہایت صادق ہے ابن شاہین نے اس کو ثقہ لوگوں میں ذکر کیا اور ابن عدی نے کہا میں نے اس کے روایت کردہ متن کو منکر نہیں پایا اور بزار نے کہا کہ اس کی مروی حدیث کو ترک کرنیوالا صرف وہی ہے جو خود معرفت میں کمزور ہے اور ابن معین کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو ثقہ نہ ہو اور ضعف سے بالاتر ہو اور یہی حدیث حسن کی شرط ہے، ذہبی نے محمد بن حفصہ کے متعلق کہا کہ اس میں کچھ ضعف ہے اس لئے ابن معین نے کبھی اس کی توثیق کی اور کبھی صالح کہا اور کبھی "لیس قوی" کہا اور کبھی ضعیف کہا اھ اور یہ محمد نامی صحیحین کے رجال میں رہے، خلاصہ یہ ہے کہ اشعث کی توثیق کی گئی اور کسی اعتراض کا نشانہ ہر گز نہیں بنایا گیا بلکہ کوئی مفسر جرح اس پر قطعاً نہ ہوئی لہٰذا اس کی حدیث حسن ہے تو بیشک لازم طور پر عینی کا اس کی سند کو جید کہنا حق ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال للذھبی ترجمہ ۷۴۲۹ محمد ابن ابی حفصہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۵۲۵

مشرك الا اهل العهد وخدمهم [1]۔	فرمایا اس سال کے بعد ہماری اس مسجد میں کوئی مشرک نہ آنے پائے سوائے ذمیوں اور ان کے غلاموں کے۔

غمز العیون والبصائر میں ہے:

لایمنع من دخول المسجد الذمی الکتابی بخلاف غیرہ واحتج الامام رحمه الله تعالٰی بمارواہ احمد عن جابر رضی الله تعالٰی عنه [2]۔	ذمی کتابی کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے گا بخلاف اور کافر کے اور اس پر امام اعظم اس حدیث سے سند لائے جو امام احمد نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

غایۃ البیان علامہ اتقانی کتاب القضاء میں ہے:

قال شمس الائمة السرخسی فی شرح ادب القاضی و قد ذکر فی السیر الکبیر ان الشرك یمنع من دخول المسجد عملا بقوله تعالٰی انما المشرکون نجس [3]۔	امام شمس الائمہ سرخسی نے شرح ادب القاضی میں فرمایا کہ امام محمد نے سیر کبیر میں فرمایا کہ مشرکوں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے گا اس ارشاد الٰہی پر عمل کے لئے کہ مشرک نرے ناپاک ہیں۔

اگر کہئے حدیث میں تو مطلق ذمی کا استثناء فرمایا کتابی کی تخصیص کہاں ہے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں۔ت) مشرکین عرب کو ذمی بنانا روانہ تھا ان پر صرف دو حکم تھے اسلام لائیں ورنہ تلوار تو وہاں ذمی نہ تھے مگر کتابی، تو استثناء منقطع ہے بلکہ ہم نے مسند میں دیکھا اور اخر مسند جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حدیث اس طرح ہے کہ مذکور ہوئی اور اس سے ۲۷ ورق پہلے یوں ہے:

لایدخل مسجد نا هذا مشرك بعد عامنا هذا غیر اهل الکتاب وخدمهم [4]۔	اس سال کے بعد ہماری اس مسجد میں کوئی مشرک نہ آنے پائے سوائے کتابی اور ان کے غلام کے۔

تو یہاں خود کتابی کی تصریح ہے۔

---

[1] عمدۃ القاری باب الاغتسال اذا أسلم ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۴/ ۲۳۷

[2] غمز العیون والبصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الذمی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۷و۱۷۷،۱۷۷و۵۷۸

[3] غایۃ البیان کتاب القضاء

[4] مسند امام احمد بن حنبل مروی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۳۹

ثالثاً اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) للہ الحمد اس حدیث حسن نے صاف ارشاد فرمایا کہ اس سے پہلے جو کسی مشرک یا کافر غیر ذمی کے لئے اجازت تھی منسوخ ہوگئی کہ فرمایا "**بعد عامنا ھذا**" (اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد میں نہ آنے پائے سوا ذمیوں کے) مخالفین جتنی روایات پیش کریں ان کے ذمہ لازم ہے کہ اس واقعہ کے اس ارشاد کے بعد ہونے کا ثبوت دیں ورنہ سب جوابوں سے قطع نظر ایک سیدھا سا یہی جواب بس ہے کہ وہ منسوخ ہوچکا اور وہ ہرگز اس کا ثبوت نہیں دے سکتے" خصوصاً **بعد عامنا ھذا** کا لفظ ارشاد فرمارہاہے کہ یہ ارشاد بعد نزول سورہ برأت ہے غالباً اس کا یہ لفظ اس پاک ارشاد الٰہی "**اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا**"[1] (مشرک نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔ت) سے ماخوذ ہے تو پہلے کے وقائع پیش کرنا محض نادانی لیکن لیڈران تو ڈھونڈھ کر منسوخات ہی پر عمل کررہے ہیں کہ اس میں اپنا بچاؤ دیکھتے ہیں "**وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ**"[2] (اور باطل والوں کا وہاں خسارہ۔ت)

لیڈران کی بہی خواہی اسلام:

رابعاً: یہ نہ سہی اختلاف احوال زمانہ وعادات قوم کو ہمیشہ مسائل تعظیم وتوہین میں دخل تام ہے پھر غیر اسلامی سلطنت اور کافروں کی کثرت میں اس کی اجازت اور اس کی اشاعت اور مساجد کو پامالی کفار کے لئے وقف کرنا کس قدر بہی خواہی اسلام ہے

ع اے راہ روپشت بمنزل ہشدار

(اے منزل کی طرف پشت کرکے چلنے والے! ہوش کر۔ت)

لیڈران کی اسلامی غیرت:

خامساً: واقعی بندگی بیچارگی جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری، وہ تمھیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں، تمھارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہوجائے سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں، پیسے لیں تو دور سے، یا پنکھا وغیرہ پیش کرکے اس پر رکھوالیں حالانکہ بحکم قرآن خود وہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ جو تمھارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا محبت مشرکین نے اندھا بہرا کردیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۷۸

لیڈران محض اغوا کے لئے مسئلہ دخول مساجد کا نام لیتے ہیں انہوں نے جو کیا بالاجماع حرام قطعی ہے:

سادساً: ان باتوں کا ان سے کیا کہنا جس پر **حبك الشیئ یعمی ویصم**[1] (تیرا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا اور بہرکر دیتا ہے) کا رنگ پھر گیا سب جانے دو خدا کو بھی منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے جواز تھا تو یوں کوئی کافر دبالچا، ذلیل وخوار مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سرمشرکوں نجس پرستوں کو مسلمانوں کو واعظ بناکر مسجد میں لے جاؤ اسے مسند مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بٹھاؤ مسلمانوں کو نیچا کھڑا کرکے اس کا واعظ بناؤ، کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمھیں مل سکتی ہے **حاشا ثم حاشا اللہ انصاف!** کیا یہ اللہ ورسول سے آگے بڑھنا شرع مطہر پر افتراء گھڑنا احکام الٰہی دانستہ بدلنا سوئر کو بکری بتاکر نگلنا نہ ہوگا۔ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یصافح المشرکون اویکنوا اویرحب بھم[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مشرکوں سے مصافحہ کیا جائے یا انھیں کنیت سے یاد کریں یا آتے وقت مرحبا کہیں۔

یہ ادنیٰ درجہ تکریم کا ہے کہ نام لے کر نہ پکارا، فلاں کا باپ کہا یا آتے وقت جگہ دینے کو آئیے کہا اللہ اکبر حدیث اس سے بھی منع فرماتی ہے اور ائمہ دین ذمی کافر کی نسبت وہ احکام تحقیر وتذلیل فرماچکے جن کا نمونہ ابھی گزرا کہ اسے محرر بنانا حرام کوئی کام ایسا سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو حرام اس کی تعظیم حرام، مسلمان کھڑا ہو تو اسے بیٹھنے کی اجازت نہیں، بیماری وغیرہ ناچاری کے باعث سواری پر ہو تو جہاں مسلمانوں کا مجمع آئے فوراً اتر پڑے۔

بدایونی لیڈر بننے والے اپنے حق میں احکام ائمہ کرام دیکھیں:

حتی کہ فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویر الابصار ودرمختار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے:

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۵/ ۱۹۴

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۴۴۶ اسحٰق بن ابراہیم الحنظلی دارالفکر بیروت ۹/ ۲۳۶

لو سلم علی الذمی تبجیلا یکفرلان تبجیل الکافر کفر [1]۔	اگر ذمی کو تعظیما سلام کرے کافر ہو جائے گا کہ کافر کی تعظیم کفر ہے۔

فتاوٰی امام ظہیر الدین واشباہ در مختار وغیرہا میں ہے:

لو قال لمجوسی یااستاذ تبجیلا کفر [2]۔	اگر مجوسی کو بطور تعظیم "اے استاد" کہا کافر ہو گیا۔

اور یہاں حربی مشرک کی یہ کچھ تعظیم یہ کچھ مسلمانوں پر اس کی رفعت وتقدیم ہو رہی ہے اور پھر کفر بالائے طاق ان کے جواز کو بھی ٹھیس نہیں لگتی، اس حرام قطعی کو حلال کی کھال پہنا کر فتوے اور رسالے لکھے جارہے ہیں، مجوسی کو تعظیما زبان سے استاد کہہ دینے والا کافر ہو لیکن مشرک بت پرست کو اسٹیج پر کھڑے ہو کر کہنے والا "کہ خدا نے ان [عہ] کو مذکر بنا کر تمھارے پاس بھیجا ہے "گاندھی کو پیشوا نہیں بلکہ قدرت نے تم کو سبق پڑھانے والا مدبر بنا کر بھیجا ہے ٹھیٹ مسلمان بنا رہے ہیں سبق پڑھانے والا اور سبق بھی کسی دنیوی حرفت کا نہیں بلکہ صاف کہا کہ تمھارا فرض دینی یاد دلانے کو تو استاذ نے علم دین بتایا اور علم دین بھی کسی مستحب وغیرہ کا نہیں بلکہ خاص فرض دینی کا معلم استاذ بنایا اور کسی کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل۔ پہلو میں دل اور دل میں اسلام کی قدر ہو تو وہ ان لفظوں کو دیکھے کہ "خدا نے ان کو مذکر بنا کر تمھارے پاس بھیجا ہے "خدا لگتی کہنا یہ رسالت سے کے سیڑھی نیچے رہا ان لیڈر بننے والوں کا اسلام کیا ہے؟ ع

چوں وضوے محکم بی بی تمیز

(یہی جیسے بی بی تمیز کا محکم وضو ہو۔ت)

کہ کس طرح ٹوٹا کیا اس میں دراڑ تک نہ پڑتی "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠ ﴿۲۲۷﴾" [3] (اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)

عہ: دیکھو اخبار فتح دہلی جلد ۲ نمبر ۲۴۲ جلسہ جمعیۃ العلماء ہند میں مولانا عبدالماجد بدایونی کی تقریر ص ۴ کالم اول ۱۲ حشمت علی

[1] الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[2] الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

دربارہ مساجد لیڈران کا پیش کردہ شاہجہانپوری فتوٰی خود انہیں پر رد ہے:

سابعا: ائمہ دین نے صاف تصریحیں فرمائیں کہ کافر کا بطور استعلاء مسجد میں جانا مطلقاً حرام ہے، ہدایہ میں ہے:

الاٰیۃ محمولۃ علی الحضور استیلاء واستعلاء [1]۔	آیت اس پر محمول کی گئی ہے کہ وہ غلبہ وبلندی کے طور پر نہ آئیں۔

کافی امام نسفی میں ہے:

الاٰیۃ محمولۃ علی منعھم ان یدخلوھا مستولین وعلی اھل اسلام مستعلین [2]۔	آیت کے یہ معنی قرار دیئے گئے ہیں کہ ان کے ایسے آنے سے منع کیا جاتا ہے کہ بطور غلبہ آئیں اور مسلمانوں پر بلند ہوں۔

مگر ہدایہ وکافی کا ان لوگوں کے سامنے ذکر کیا جو قرآن عظیم کے نصوص قاہرہ نہیں سنتے، ہاں یہ کہیے کہ اگر حق مانیں تو لیڈران کی خوبی قسمت ورنہ سخت نصیبوں کی شامت کہ خود لیڈری شائع کردہ فتوے نے بحوالہ ردالمحتار یہی عبارت ہدایہ نقل کردی کہ قرآن عظیم نے مشرک کا بطور استعلاء مسجد میں آنا حرام فرمایا ہے، ہمارے دوست مفتی صاحب نے یہ دوسرا متلمس کا صحیفہ مروانی خط کی طرح ان کے ہاتھ میں دے دیا، مروانی خط ان کے ہاتھ تھا اور متلمس کا صحیفہ بند، ان کے ہاتھ میں کھلا ہوا فتوی دے دیا اور ان کو اپنی موت نہ سوجھی اسے شائع کراتے عوام کو بہلاتے بھلاتے ہیں۔

مفتی کو ہدایت:

ہاں اتنی شکایت دوستانہ مفتی صاحب سے بھی ہے کہ ذمی کا حکم حربیوں یا کتابی یا مشرکوں پر ڈھالنا درکنار صورت استعلاء اگر معلوم تھی کہ طشت از بام ہے تو اسے جانتے ہوئے باطل پرستوں کے ہاتھ میں فتوی دینا نہ چاہئے تھا جس سے وہ عوام کو بہکائیں اور اپنے حرام قطعی بلکہ اس سے بھی اشد کو حلال کر دکھلائیں، پھر عجب یہ کہ بیان حکم میں عدم استعلاء کی قید رہ جانے نے مطلقاً جواز کی سنائی اگرچہ عبارت کتاب سے اطلاق پر آئی کتاب کی عربی عبارت عوام کیا سمجھیں انھیں گمراہ کرلینے کی لیڈروں نے راہ پائی نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

---

[1] الھدایہ کتاب الکراھیۃ مسائل متفرقۃ مطبع یوسفی لکھنؤ الجزء الرابع ۴۷۲/۴

[2] کافی امام النسفی

شریعت کے ساتھ لیڈروں کی حالت:

مسلمانو! تم نے دیکھا یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے دین کی، کیسا کیسا شریعت کو بدلتے مسلتے، پاؤں کے نیچے کچلتے، اور خیر خواہ اسلام بن کر مسلمانوں کو چھلتے ہیں، موالات مشرکین ایک، معاہدہ مشرکین دو، استعانت بمشرکین تین، مسجد میں اعلائے مشرکین چار، ان سب میں بلا مبالغہ یقینا قطعاً لیڈروں نے خنزیر کو دنبے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے، دین الٰہی کو پائمال کیا ہے، اور پھر لیڈر ہیں، ریفامر ہیں، مسلمانوں کے بڑے راہبر ہیں، جو ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے مسلمان ہی نہیں، جب تک اسلام کو کند چھری سے ذبح نہ کرے ایمان ہی نہیں۔

"رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ "[1]	اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے، اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔

آہ آہ آہ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون o ع

اندکے پیش تو گفتم دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

(آپ کے سامنے تھوڑا سا غم دل پیش کیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ آپ کا دل آزردہ ہوگا ورنہ باتیں بہت ہیں۔ت)

ضروری عرض واجب اللحاظ

میں جانتا ہوں کہ میرا کلام انھیں برا لگے گا اور حسب معمول تحقیق حق واظہار احکام رب الانام کا نام گالیاں رکھا جائیگا ہمیشہ عاجزوں نے اپنا عجز یونہی چھپایا ہے احکام حق کو سختی بتا کر گالیاں ٹھہرا کر جواب سے گریز کا حیلہ بنایا ہے لہٰذا دست بستہ معروض کہ تھوڑی دیر نیچری تہذیب سے تنزل فرما کر وہ آیتیں کہ شروع فتوٰی میں تلاوت ہوئیں ان پر ایمان لا کر ان مباحث علمیہ واحکام الٰہیہ کو بغور سن لیجئے اگر بفرض باطل ہماری غلط فہمی ہے حق وانصاف سے بتا دیجئے ہمیں بحمد اللہ ہرگز وہ نہ پائے گا جو سمجھ لینے کے بعد باطل پر اصرار حق سے انکار نار پر عار اختیار کر رہے ہیں، اور اگر سمجھ جاؤ سمجھ کیا جاؤگے تمھارے سمجھ وال سمجھ رہے ہیں کہ دیدہ ودانستہ حق سے الجھ رہے ہیں یہ حرام کو حلال، حلال کو حرام کا جامع پہنایا، اسلام کو کفر، کفر کو اسلام بنا کر دکھایا ہے تو ماننے نہ ماننے کا تمھیں اختیار ہے اور جزاء وحساب وکشف حجاب روز شمار۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۷و۹۸

"یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُۙ(۹) فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍؕ(۱۰)" [1]	جس دن سب چھپی باتیں جانچ میں آئیں گی تو آدمی کو نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار۔

ترک معاملت پر ایک نظر:

(۱۱) حضرات لیاڈر نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اودھم مچائی اوروں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے، اس میں دونوں کی رنگت رچائی، افراط وہ کہ نصارٰی سے نری معاملت بھی حرام قطعی، اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرض شرعی، پھر بھی ان کے اس افراط و تفریط میں اتنا فرق ہے کہ دوم نے بذاتہ دین کو برباد کردیا، اور اول پر عمل میں فی نفسہٖ ضرر اسلام نہ تھا، مباح کو کوئی حرام جان کر چھوڑے تو اس چھوڑنے میں حرج نہیں کہ مباح ہی تھا نہ کہ واجب، ضلالت ہے اس اعتقاد تحریم میں، لیکن حرام قطعی فرض منانا ایمان و عمل دونوں کا تباہ کن ہوا اور اپنے ہر پہلو سے اسلام کا برباد کرنے والا، لہٰذا اول سے بحث ضرور نہ تھی حکم بتادیا معاندوں کا عناد ان کے ساتھ ہے لیکن عملی حیثیت سے بھی اس خصوص میں مسلمانوں کو بہت ضرر پہنچتے دکھائی دیتے ہیں سخت مشکلات کا سامنا ہے جن کا حل ان بزعم خود گہری نگاہ والے انجام شناس لیاڈر الناس نے کچھ سوچ رکھا ہوگا، نظر بعادات و حالات کسی طرح عقل باور نہیں کرتی کہ ان کی چیخ پکار سے تمام ہندوسند و بنگال و برہما و افریقہ و جاوہ حتی کہ عدن تک کے مسلمان سب نوکریاں، ملازمتیں، زمینداریاں، تجارتیں یکلخت چھوڑ دیں، یہ شور شیں تو دو دن سے ہیں صدہا[عــه] حرام نوکریاں پہلے ہی سے کر رہے ہیں وہ تو چھوڑیں نہیں مباح نوکریاں اور

عــــه: مثلاً حضر کی نوکری اعلاء کلمۃ اللہ کے سوا کسی مسلمان بادشاہ کی بھی جائز نہیں، یونہی خلاف ماانزل اللہ حکم کرنے کی، یونہی جس میں سود کا لینا دینا یا حساب کرنا ہو یا دستاویز سود کا کاتب یا شاہد بننا پڑے، بالجملہ حرام کام یا خود اعانت حرام کی ملازمت کی کہ اسلامی سلطنت وریاست کی بھی حرام ہے اور بلا ملازمت ایسے کاموں کا انجام دینا اور زیادہ شرع پر اُجرت، یہی حال کالجوں کی ملازمت اور ان کے تعلیم و تعلم کا ہے، جہاں تعلیم مخالف شرع و اسلام ہوا گرچہ اسلامی کہلائے تعلم حرام، اور اس کی کسی طرح امداد حرام مگر جو دین رکھنے والا تعلیم دینیات پر یوں رہے کہ طلبہ کے عقائد کی حفاظت کرے ضلالتوں کا بطلان انھیں بتایا کرے وہ بازار میں ذکر الٰہی کرنے والے سے بھی زائد ہوگا جسے حدیث نے فرمایا مردوں میں زندوں کی طرح ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۸۶/ ۹و۱۰

حلال تجارتیں، زمینداریاں کس طرح چھوڑدیں گے، ان جلسوں ہنگاموں، تبلیغوں کہراموں سے اگر سو دو سو نے نوکریاں یا دس بیس نے تجارتیں یا دو ایک نے زمینداریاں چھوڑ بھی دیں تو اس سے تُرکوں عہ۱ کا کیا فائدہ یا انگریزوں کا کیا نقصان، غریب نادار مسلمان کی کمائی کا ہزار ہا روپیہ ان تبلیغوں میں برباد جارہا ہے اور جائے گا اور محض بیکار و نامراد جارہا ہے اور جائے گا، ہاں لیڈروں مبلغوں کی سیر وسیاحت کے سفر خرچ اور جلسہ واقامت کے پلاؤ قورمے سیدھے ہوگئے اور ہوں گے، اگر یہ فائدہ ہے تو ضرور نقد وقت ہے اور سیر یورپ کے حساب کا راز تو روز حساب ہی کھلے گا،

"یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ" [1] (جس دن سب چھپی باتیں جانچ میں آئیں گی تو آدمی کو نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار۔ت) کیا لیڈر صاحبان فہرست دکھائیں گے کہ ان برسوں کی مدت اور لاکھوں روپے کی اضاعت میں اتنا فائدہ مرتب ہوا، اتنوں نے نوکریاں چھوڑیں اتنوں نے تجارتیں اتنوں نے زمینداریاں۔

اخبارات ومطابع کیوں نہیں بند کرتے:

طرفہ یہ کہ ان کے خون گرم حامی ہمدم ومحرم عہ۲ اخبارات اس ترک تعاون پر بڑے بڑے

عہ۱: **تنبیہ، تنبیہ، تنبیہ:** مسلمانو! ترکوں کی حمایت اماکن مقدسہ کی حفاظت سلطنت اسلامی کی اعانت یہ سب دکھانے کے دانت تھے کہ کسی طرح مسلمانوں میں اشتعال ہو لاکھوں روپے کا چندہ ہاتھ آئے ورنہ بڑے ساعی لیڈروں علی برادروں سے صاف منقول ہوا کہ "مسئلہ خلافت اب طے کر رکھو، ہندوستان کی آزادی کی فکر کرو ہم ہندو قوم پرست ہیں ہمارا فرض ہے کہ اگر ترکی بھی ہندوستان پر چڑھائی کرے تو ہم ان کے خلاف تلوار اُٹھائیں ہمارا نصب العین سلطنت کی خود اختیاری حاصل کرنا ہے ترک موالات اس کا ذریعہ ہے" ابوالکلام آزاد سے منقول ہوا: "لڑائی ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دلانے کے لئے ہے اگر خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تاہم ہماری جد وجہد جاری رہے گی اس وقت تک کہ ہم گنگا وجمنا کی مقدس زمین کو آزاد نہ کرالیں" مسلمانو! اب بھی تمہاری آنکھیں نہ کھلیں اور خلافت واماکن مقدسہ کے حیلہ پر فریب کھاتے رہو تو خدا حافظ، حشمت علی عفی عنہ

عہ۲: خصوصا روزنامہ ہمدم لکھنؤ جس کے ہر پرچہ کی پیشانی پر یہ ساقط الوزن رباعی لکھی ہوتی ہے،

پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو — حامی نہ کسی خراب سازش کے رہو
قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر — لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو

(باقی برصفحہ آیندہ)

[1] القرآن الکریم ۸۶/ ۱۰۔۹

زور لگارہے ہیں خود اپنے اخبارات و مطابع کیوں نہیں بند کرتے، ان صیغوں کو تو انگریزوں سے جو گہرے تعلقات ہیں دوسرے صیغوں کو کم ہوں گے کیا اوروں کے لئے شور و فغاں اور اپنے لئے نوشجاں،

لیڈران اوروں کو ترک تعاون کی طرف بلاتے ہیں اور خود ان کا عمل اس کے خلاف ہے:

اور ایک اخباری و مطابعی کیا کریں گے بڑے بڑے لیڈر بننے والے اسی مرض میں گرفتار ہیں دیگراں را نصیحت خود را فضیحت ع

حیرتے دارم زدانشمند مجلس باز پرس　　　　توبہ فرمایا چرا خود توبہ کمترے کنند

(مجھے حیرت ہے، مجلس کے دانشمند سے پھر پوچھو توبہ کا مشورہ دینے والے خود بہت کم توبہ کرتے ہیں۔ت)

ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا جو اُبھارنے میں آگئے ان مصیبت زدوں پر جو گزری سو گزری یہ سب اپنے جورو بچوں میں چین سے رہے، ہر الگانہ پھٹکری، اور ترک تعاون میں بھی کیا کسی لیڈر یا مبلغ کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں۔نہ ان کا کوئی انگریزی یا ریاست میں ملازم ہے پھر انھیں کیوں نہیں چھوڑتے، کیا واحد قہار نے نہ فرمایا:

"لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝" [1]	کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے، کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اتباع ہوا کی اجازت دی جو اللہ کی راہ سے گمراہ کرنے والی ہے، قال تعالٰی: "وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ" [2] اپنی خواہش کا پابند نہ ہو کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کردے گی، خیر گمراہی تو ان صاحبوں کے یہاں بہت آسان بلکہ محبوب تر چیز ہے، مگر پچھلے مصرع پر اپنے لیڈروں اور کمیٹی کا فتوٰی لیں جس میں کہا کہ انگریزوں کے وفادار، ان کے حکم کے نیچے چلنے والے رہو اور اتنی تاکید ہے کہ ہر پیشانی پر اسی کی تجدید ہے اس سے مقاطعہ کیوں نہ فرض ہوا، اسے پارٹی بلکہ اسلام سے کیوں نہ خارج کیا، ہاں شاید ساقط الوزن کرنے میں اس نے اپنے لئے کچھ رات لگا رکھی ہو یعنی انگریزوں کے دکھانے کو اس طرح ہو اور لیڈروں کے سنانے کو یہ کہ آپ دیکھتے نہیں اس میں وزن ہی کہاں ہے یوں ہے: ع

لائل سبجکٹ تم نہ برٹش کے رہو　　　　حشمت علی عفی عنہ

---

[1] القرآن الکریم ۶۱/ ۲، ۳

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۲۶

کیاخدا کا سخت دشمن بننا آسان سمجھا ہے کیا تمھارے یہاں سے نہ چھپا[عہ] کہ "اگر کسی مسلمان رئیس نے دباؤ یا خوشامد سے کوئی ایسی کارروائی کی جس سے ثابت ہو کہ وہ دشمنان اسلام کا ساتھ دیتے ہیں تو فوراً ان کا شمار مرتدین میں ہوگا اور مرتد کی سزا اسلام کے آئین میں کیا ہے ہر شخص کو معلوم ہے" کیا کوئی ریاست آپ کے نزدیک اسی سے بری ہے کیا اس میں سب سے پیش قدم سلطنت علیہ دکن نہیں، کیا اس کے احکام اور چھپے ہوئے فرمان ملاحظہ نہ ہوئے، کیا آپ کے لیڈروں میں اسی کے وظیفہ خوار نہیں، کیا مد خیرات سے گیارہ گیارہ روپے یومیہ پانے والوں نے اپنا یومیہ بند کرالیا، کیا جسے اوروں کے لئے حرام بتاتے ہو آپ خوشی سے کھاتے ہو۔

لیڈروں پر لیڈروں سے مقاطعہ فرض ہے:

بلا پس ہو ان کے منہ لگا حرام ان سے نہ چھوٹا، اور لیڈروں کا منہ کس نے بند کیا ان پر ان لیڈروں سے مقاطعہ واجب تھا یا قرآن مجید بدل کر جو احکام دل سے گھڑے ہیں وہ کس طرح لیڈروں کے لگ بھگ نہیں اوروں کے سر پڑے ہیں یہ قانون کے مستثنیات عامہ ہیں، اور جب لیڈر خود ہی اپنے کہے پر عامل نہیں تو ان کی چیخ و پکار اوروں سے کیا عمل کرائے گی۔ ع

اوخویشتن گم ست کرا رہبری کند

(وہ تو خود گم ہے کس کی کیا رہبری کرے۔ت)

مانا کہ تم میں وہ بھی ہوں جو ان تینوں علتوں سے بری ہیں، نہ زمینداری نہ تجارت نہ اجازت کہ مالگزاری یا ابواب یا ٹیکس یا چنگی دینی پڑے اور انگریزوں سے تعلق تعاون پیدا ہو کر حرمت قطعیہ کا حکم جڑے، فرض کردم کہ خود اس سے پاک ہیں نرے مفلس محتاج بے نواز ہیں پھر یہاں تو عام ذرائع رزق یہی ہیں، کیمیا تو نہ بناتے ہوں گے، اوروں کے سر کھاتے ہوں گے، ان کا مال انھیں وجوہ سے ہوگا جو تمھارے نزدیک علی الاطلاق حرام ہے، تو حرام ہی کھایا یا حرام ہی کمایا۔ ہر طرح گرفتار حرام ہی رہے، نجات کی صورت بتائے پھر ترک معاملت کی فرضیت گائے، اور یہ روپیہ کہ ان جلسوں میں صرف

عہ: دیکھو تقریر صدارت شیخ مشیر حسن قدوائی بیرسٹرایٹ لاء تعلقدار گدیا مطبوعہ لکھنؤ ص ۴۹ یہ بھی مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلّی کے ان مسائل میں امام و متبوع ہیں، دیکھو خطبہ صدارت مولوی عبدالباری مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۰ "میں ان مسائل میں کبھی مشیر حسن صاحب کے خلاف مشورہ نہیں کرتا" آپ بیرسٹر بھی ہیں اور تعلقدار بھی، بھلا انگریزوں سے آپ کو کیا تعلق لہٰذا صرف اسلامی ریاستوں کو مرتد فرمایا۔ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ

کررہے ہو یہ بھی تواس حرام کا ہے، سچ کہنا کیا دل میں سمجھ لئے ہو اگرچہ زبان سے نہ کہو کہ ع

مال حرام بود بجائے حرام رفت

اور ریل تار، ڈاک کیا انگریزوں سے معاملت نہیں اس میں تو سب چھوٹے بڑے مبتلا ہو اگر کہوا نھیں سہولت کے لئے رکھ چھوڑا ہے تواعلان کردو کہ ہمارے یہاں سہولت کے لئے حرام روا ہے، اگر کہو کہ زمینداری و تجارت چھوڑیں تو کھائیں کیا، توملازم اگر ملازمتیں چھوڑیں تو کھائیں کیا، جو جواب تمھارا ہے وہ سب کا ہے، غرض یہ نہ چلی نہ چل سکتی ہے، نہ تم نے خود اس پر عمل کیا، نہ کرسکتے ہو، اس کی پوری تصویر یہی ہے کہ ع

وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے

پھر بے معنی چیخ وپکار سے کیا حاصل سوا اس کے کہ ع

مغز ماخورد و حلق خود بدرید (مغز ہمارا کھایا اور حلق اپنا پھاڑ لیا۔ت)

ہندوؤں کی دیگ موافقت سے بانگی کا چاول:

اور بفرض غلط وبفرض باطل اگر سب مسلمان زمینداریاں تجارتیں نوکریاں تمام تعلقات یکسر چھوڑدیں تو کیا تمھارے جگری خیر خواہ جملہ ہنود بھی ایسا ہی کریں گے اور تمھاری طرح نرے ننگے بھوکے رہ جائیں گے، حاشا ہرگز نہیں، زنہار نہیں، اور جو دعوی کرے اس سے بڑھ کر کاذب نہیں مکار نہیں، اتحاد و وداد کے جھوٹے بھروں پر بھولے ہو منافقانہ میل پر پھولے ہو سچے ہو تو موازنہ نہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو ادھر پچاس ہندوؤں نے نوکری تجارت زمینداری چھوڑدی ہو کہ یہاں مالی نسبت یہی یا اس سے بھی کم ہے، اگر نہیں دکھا سکتے تو کھل گیا کہ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

لاجرم نتیجہ کیا ہوگا یہ کہ تمام اموال کل دولتیں دنیاوی جمیع اعزاز جملہ وجاہتیں صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں رہ جائیں اور مسلمان دانے دانے کو محتاج بھیک مانگیں اور نہ پائیں، ہندو کہ اب انھیں پکائے ڈالتے ہیں جب بے خوف وخطر کچا ہی چبائیں، یہ ہے لیڈر صاحبوں کی خیر خواہی یہ ہے حمایت اسلام میں جانکاہی، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

ہندو کیوں ملے ہیں، اس کا راز:

میں نے اپنی ایک تقریر میں اس ہندو الفت وگاندھی رغبت کا راز بیان کیا تھا جسے بعض احباب نے تحریر میں لیا، اس کا اعادہ موجب افادہ۔ مسلمانوں کا رب جل وعلا فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۱۱۸" [1]	اے ایمان والو! کسی کافر کو اپنا ہم راز نہ بناؤوہ تمھارے نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے، ان کی دلی تمنا ہے تمھارا مشقت میں پڑنا، دشمنی ان کے مونہوں سے کھل چکی ہے اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہے بہت بڑی ہے بیشک ہم نے تمھیں صاف صاف نشانیاں بتادیں اگر عقل رکھتے ہو۔

قرآن عظیم گواہ ہے اور اس سے بہتر کون گواہ "وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا۝۱۲۲" [2] (اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔ت) کہ مشرکین ہر گز ہماری خیر خواہی نہ کریں گے، خیر خواہی در کنار کبھی بد خواہی میں گئی نہ کریں گے، پھر انھیں یار و انصار بنانا ان سے وداد واتحاد منانا ان کے میل سے نفع کی امید رکھنا صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب ہے یا نہیں ہے، اور ضرور ہے، "وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۝۸۵" [3] (مگر تمھیں نگاہ نہیں۔ت) آؤاب ہم تمھیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس میل اور مَیل کا راز بتائیں، دشمن اپنے دشمن کے لئے تین باتیں چاہتا ہے:

اول: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم: یہ بھی نہ ہوسکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز کر رہے۔

مخالف نے یہ تینوں درجے ان پر طے کردئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں

اولا: جہاد کے اشارے ہوئے اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا، **ثانیا:** جب یہ نہ بنی ہجرت کا بھرادیا کہ کسی طرح یہ دفع ہو ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے یہ اپنی جائدادیں کوڑیوں کے مول ہمیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہرحال ہمارے ہاتھ آئیں ان کی مساجد ومزارات اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں، **ثالثا:** جب یہ بھی نہ نبھی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کرکے ترک معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑدو کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مالگزاری ٹیکس کچھ نہ دو خطابات واپس کردو امر اخیر تو صرف اس لئے ہے کہ ظاہری نام کام دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لئے نہ رہے اور پہلے تین اس لئے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۵۶/ ۸۵

کہ ہر صیغہ وہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں، جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے حقوق اسلام پر جو گزرتی ہے ظاہر ہے، جب تنہاوہی رہ جائیں گے تو اس وقت کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے، مالگزاری وغیرہ نہ دینے پر کیا انگریز چپ بیٹھے رہیں گے؟ ہر گز نہیں، قرقیاں ہوں گی تعلیقے ہوں گے، جائدادیں نیلام ہوں گی اور ہندو خریدیں گے، نتیجہ یہ کہ مسلمان صرف قلی بن کر رہ جائیں، یہ تیسرادرجہ ہے، دیکھا تم نے قرآن عظیم کا ارشاد کہ "وہ تمھاری بدخواہی میں گئی نہ کریں گے" ان کی دلی تمنا ہے کہ تم مشقت میں پڑو والعیاذ باللہ تعالٰی۔

منکر پر ردو انکار کس حالت میں فرض ہے اور کہاں اس کا حکم نہیں:

(۱۲) منکر کا ازالہ ضرور فرض ہے اپنے مراتب ثلاثہ پر جن میں تیسرا مرتبہ کہ تغییر بالقلب ہے یعنی دل سے اسے برا جاننا مطلقاً ہر حال میں فرض عین ہے، اور پہلے دونوں بشرط قدرت علی الترتیب فرض کفایہ مگر دوسرا یعنی تغییر باللسان اس حالت میں ہر گز فرض نہیں کہ مرتکب اس کی شناعت سے خود آگاہ ہو جان بوجھ کر اس کا مرتکب ہو اور امید واثق نہ ہو کہ منع کئے سے باز رہے گا ایسی حالت میں اس زبان یا قلم سے کہ وہ بھی ایک زبان ہے ردو انکار اصلا واجب نہیں رہتا خصوصا جبکہ مظنہ فتنہ وشورش ہو۔ فتاوٰی امام قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما یجب الامر بالمعروف اذا علم انھم یستمعون [1]۔	امر بالمعروف اسی وقت واجب ہے جب یہ جانے کہ وہ کان لگا کر سنیں گے۔

نصاب الاحتساب میں ہے:

المقصود منه الائتمار فاذا فات ذٰلك لایجب [2]۔	امر بالمعروف سے مقصود تو یہ ہے کہ لوگ مانیں جب اس کی امید نہ ہو تو وہ واجب نہیں۔

بستان امام فقیہ ابواللیث ومحیط وہندیہ وغیرہا میں ہے:

ان کان یعلم باکبر رأیه انه لو امر بالمعروف یقبلون ذٰلك منه و	اگر اپنے غالب گمان سے جانتا ہو کہ امر بالمعروف کرے گا تو یہ لوگ مان لیں گے اور بُری بات سے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی الغناء واللھو الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۳

[2] نصاب الاحتساب

یمتنعون عن المنکر فالامر واجب لایسعه ترکه ولو علم باکبر رأیه انه لو امرهم بذٰلك قذفوه وشتموه فترکه افضل ولو علم انهم لایقبلون منه ولایخاف منه ضربا ولاشتما فهو بالخیار والامر افضل[1]۔ (ملخصا)	باز آئیں گے تو امر بالمعروف واجب ہے اسے چھوڑنے کی گنجائش نہیں اور اگر اپنے غالب گمان سے جانتا ہو کہ امر بالمعروف کرے گا تو یہ لوگ پتھر پھینکیں گے گالی دیں گے تو اس وقت امر بالمعروف نہ کرنا ہی افضل ہے اور اگر جانیں مانیں گے تو نہیں مگر ان سے گالی کا بھی اندیشہ نہیں تو اختیار ہے چاہے امر بالمعروف کرے یا نہ کرے اور کرنا بہتر ہے۔

وجیز امام کردری وعالمگیریہ میں ہے:

اللحن حرام بلاخلاف فاذاقرأ بالالحان و سمعه انسان ان علم انه ان لقنه الصواب لایدخل الوحشة یلقنه وان دخله الوحشة فهو فی سعة ان لا یلقنه۔ فان کل امر بمعروف یتضمن منکرا یسقط وجوبه[2]۔	قرآن عظیم کا غلط پڑھنا بالاتفاق حرام ہے تو اگر کوئی شخص غلط پڑھ رہا ہو اور دوسرا سنے اگر یہ سننے والا جانے کہ اسے صحیح بتاؤں گا تو اسے وحشت پیدا نہ ہوگی تو بتائے، اور اگر بتانے سے اسے وحشت پیدا ہو تو اسے گنجائش ہے کہ نہ بتائے کہ جو امر بالمعروف کسی منکر کو متضمن ہو اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

مثلاً کوئی مسلمان نہیں جانتا کہ ناحق قتل یا غارت مسلم حرام و موجب عذاب نار ہے، کون نہیں جانتا کہ اس میں کسی طرح کی اعانت مطلقاً حرام و مستوجب غضب جبار ہے، کون نہیں جانتا کہ زنا حرام ہے، کون نہیں جانتا کہ شراب پینا سخت خبیث کام ہے اور ہزاروں لاکھوں اس کے مرتکب ہیں، پھر کبھی نہ سنا ہوگا کہ علماء یا ان کی تحریریں ہر چکلے ہر بھٹی کا گشت کریں اصلاً ہرگز تمام جہان میں کوئی عالم بلکہ کوئی عاقل اس کا قائل نہیں، اور خود ان لیڈروں میں جو جامہ مولویت میں ہیں وہ بھی اس کے عامل نہیں، آخر یہ اس لئے کہ وہ لوگ دانستہ مرتکب ہیں، اور مظنون نہیں کہ منع سے مانیں بلکہ شورش و شر کا احتمال بیشتر کا ایسی جگہ جب تغییر بالید مقدور نہیں تغییر باللسان کچھ ضرور نہیں، غیر ضروری اور اس پر طرہ یہ کہ نامفید ایسا شور مچانا اور بلاوجہ شرعی شورشوں کے لئے مفید سپر ہو جانا کون سی شریعت نے واجب مانا، ایسے ہی مواقع کے لئے ارشاد الٰہی ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی الغناء واللھو الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۳۔ ۳۵۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع فی الصلوٰۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۷

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ"[1]	اسے ایمان والو! تم اپنے آپ کو سنبھالے رہو دوسروں کا گمراہ ہونا تمھیں نقصان نہ دے گا جب تم راہ پر ہو۔

ہاں اگر کسی منکر شرعی پر گمراہان گمراہ گر فرقہ بندی کریں اور اسے بزور زبان وزور وبہتان معروف شرعی کا جامہ پہنائیں اور اس کے لئے آیات واحادیث واقوال ائمہ کی تحریف وتصحیف منائیں احکام الٰہیہ کو کایا پلٹ کرکے حرام کو حلال حلال کو حرام دکھائیں، جیسا اب گاندھی مت اور گاندھوی امت مسائل موالات مشرکین، ومعاہدہ مشرکین واستعانت مشرکین، ودخول مشرکین فی المساجد وغیرہا میں کررہی ہے، تو اس وقت ان منکرات کبرٰی ووا ہیات عظمٰی کا ازالہ فرض اعظم ہوگا، خطیب بغدادی جامع میں راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا ظهرت الفتن اوقال البدع فلیظهر العالم علمه ومن لم یفعل ذٰلك فعلیه لعنة الله والملئكة والناس اجمعین۔ لایقبل الله منه صرفا ولا عدلا[2]۔	جب فتنے یا فرمایا بدمذہبیاں ظاہر ہوں تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اورآدمیوں سب کی لعنت، اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل۔

یہ سعی ان معاندوں کے لئے نہیں جو دانستہ تغییر کلام اللہ وتبدیل احکام اللہ کررہے ہیں بلکہ ان شبہات کے کشف کو ہے جن سے وہ احکام الٰہیہ کو بدلتے اور عوام مسلمین کو چھلتے ہیں اس امید پر کہ مولٰی عزوجل چاہے تو جو ان کے دھوکے میں آگئے حق کی طرف واپس آئیں اور جن پر ہنوز ان کا فریب نہ چلا بعونہٖ تعالٰی حفظ وپناہ پائیں "اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۱۹﴾"[3]۔ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾ ۚ"[4] (بیشک یہ اللہ کو آسان ہے، بیشک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ت) حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

والله لان یهدی الله بك رجلا	خدا کی قسم بیشک یہ بات کہ اللہ تیرے سبب سے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

[2] الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع حدیث ۱۳۶۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۸

[3] القرآن الکریم ۲۹/ ۱۹

[4] القرآن الکریم ۲۹/ ۲۰

واحد اخیرلك من ان یکون لك حمر النعم [1]۔رواہ البخاری ومسلم عن سھل بن سعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ جعل اللہ لنا السھل والسعدی فی القبل والبعد وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم۔	ایک شخص کو ہدایت فرمادے تیرے لئے سرخ اونٹوں کا مالک ہونے سے بہتر ہے، یہ حدیث بخاری ومسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی (اللہ تعالٰی انھیں ہمارے اگلے پچھلوں کے لئے سہل اور مبارک بنائے وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا وآلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم۔ت)

سنانی جہاد کے احکام واقسام کا ذکر

تنبیہ: جہاد کہ اعظم وجوہ ازالہ منکر ہے اسی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جنانی (۲) لسانی (۳)

جہاد جنانی: یعنی کفر وبدعت وفسق کو دل سے براجاننا جو ہر کافر مبتدع وفاسق سے ہے اور ہر مسلمان کہ اسلام پر قائم ہو یہ کرتا ہے مگر جنھوں نے اسلام کو سلام اور اپنے آپ کو مشرکین وکفار کا غلام کیا ان کی راہ جدا ہے ان کا دین غیر دین خدا ہے۔

لسانی: کہ زبان وقلم سے رد، وہ ابھی سن چکے کہ ایسوں ہی پر سب سے اہم وآکد، یہ **بحمداللہ تعالٰی** خادمان شرع ہمیشہ سے کررہے ہیں اور اللہ ورسول کی مدد شامل ہو تو دم آخر تک کریں گے، ۱وہابیہ، ۲نیاچرہ، ۳دیوبندیہ، ۴قادیانیہ، ۵روافض، ۶غیر مقلدین، ۷ندویہ، ۸آریہ ۹نصارٰی وغیرہم سے کیا اور اب ان گاندھویہ سے بھی وہی برسرپیکار ہیں حق کی طرف بلاتے اور باطل کو باطل کر دکھاتے اور مسلمانوں کو گمراہ گروں کے شر سے بچاتے ہیں **وللہ الحمد** آگے ہدایت رب عزوجل کے ہاتھ ہے۔

رہا **جہاد سنانی:** ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ یہ نصوص قرآن عظیم ہم مسلمانان ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں اور اس کا واجب بتانے والا مسلمان کا بدخواہ مبین۔

یہاں کے مسلمانوں کو جہاد کا حکم نہیں اور واقعہ کربلا سے لیڈران کا استناد اغوائے مسلمین:

بہکانے والے یہاں واقعہ کربلا پیش کرتے ہیں یہ ان کا محض اغوا ہے۔ **اولا** اس لڑائی میں ہر گز حضرت

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۳۔ ۴۲۲، صحیح مسلم باب من فضائل علی ابن ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۹

امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے پہل نہ تھی امام نے خبیث کوفیوں کے وعدہ پر قصد فرمایا تھا جب ان غداروں نے بد عہدی کی قصد رجوع فرمایا اور جب سے شروع جنگ تک اسے بار بار احباب واعداء سب پر اظہار فرمایا۔

(ا) جب حر بن یزید ریاحی تمیمی رحمہ اللہ تعالٰی اول بارہزار سواروں کے ساتھ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مزاحم ہوئے امام نے خطبہ فرمایا: "اے لوگو! میں تمھارا بلایا آیا ہوں، تمھارے ایلچی اور خطوط آئے کہ تشریف لایئے ہم بے امام ہیں، میں آیا اب تم اگر عہد پر قائم ہو تو میں تمھارے شہر میں جلوہ فرما ہوں "**وان لم تفعلوا و کنتم بمقدمی کارھین انصرفت عنکم الی المکان الذی اقبلت منہ الیکم** [1] "اور اگر تم عہد پر نہ رہو یا میرا تشریف لانا تمھیں ناپسند ہو تو میں جہاں سے آیا وہیں واپس جاؤں" وہ خاموش رہے۔

(ب) پھر بعد نماز عصر خطبہ فرمایا اور اس کے اخر میں بھی وہی ارشاد کیا کہ "**ان انتم کرھتمونا انصرفت عنکم** [2] اگر تم ہمیں ناپسند رکھتے ہو میں واپس جاؤں، حر نے کہا ہمیں تو یہ حکم ہے کہ آپ سے جدا نہ ہوں جب تک ابن زیاد کے پاس کوفے نہ پہنچادیں۔

(ج) امام نے اس پر بھی ہمراہیوں کو معاودت کا حکم دیا وہ بقصد واپسی سوار ہوئے حر نے واپس نہ ہونے دیا۔

(د) جب نیٹوی پہنچے حر کے نام ابن زیاد خبیث کا خط آیا کہ حسین کو پٹپر میدان میں اتارو جہاں پانی نہ ہو اور یہ میرا ایلچی تمھارے ساتھ رہے گا کہ تم میرا حکم بجالاتے ہو یا نہیں۔ حر نے حضرت امام کو ناپاک خط کا مضمون سنایا اور ایسی ہی جگہ اترنے پر مجبور کیا، فدائیاں امام سے زہیر بن القین رحمہ اللہ تعالٰی نے عرض کی: اے ابن رسول اللہ! آگے جو لشکر آنے والے ہیں وہ ان سے بہت زائد ہیں ہمیں اذن دیجئے کہ ان سے لڑیں، فرمایا: "**ما کنت لابدأھم بالقتال** [3]" میں ان سے قتال کی پہل کرنے کو نہیں۔

(ہ) جب خبیث ابن طیب یعنی ابن سعد اپنا لشکر لے پہنچا حضرت امام سے دریافت کیا کیسے آئے؟ فرمایا: تمھارے شہر والوں نے بلایا تھا "**فاما اذ کرھونی فانی انصرف عنھم** [4]" اب کہ میں انھیں ناگوار ہوں واپس جاتا ہوں، ابن سعد نے یہ ارشاد ابن زیاد کو لکھا، اس خبیث نے نہ مانا، **قاتلہ اللہ**۔

(و) شب کو ابن سعد سے خلوت میں گفتگو ہوئی اس میں بھی حضرت امام نے فرمایا: "**دعونی**

---

[1] تاریخ الطبری ثم دخلت سنۃ احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۲۸

[2] تاریخ الطبری ثم دخلت سنۃ احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۲۸

[3] تاریخ الطبری ثم دخلت سنۃ احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۳۲

[4] تاریخ الطبری ثم دخلت سنۃ احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۳۴

ارجع الی المکان الذی اقبلت منه [1] " مجھے چھوڑو کہ میں مدینہ طیبہ واپس جاؤں، ابن سعد نے ابن زیاد کو لکھا اس بار وہ راضی ہوا تھا کہ شمر مردود خبیث نے باز رکھا۔

(ز) عین معرکہ میں قتال سے پہلے فرمایا:

ایھاالناس اذکرھتمونی فدعونی انصرف الی مأمنی من الارض [2]۔	اے لوگو! جبکہ تم مجھے پسند نہیں کرتے تو چھوڑو کہ اپنی امن کی جگہ چلا جاؤں۔

اشقیاء نے نہ مانا، غرض جب سے برابر قصد عود رہا مگر ممکن نہ ہوا کہ منظور رب یونہی تھا، جنت آراستہ ہو چکی تھی اپنے دولھا کا انتظار کر رہی تھی، وصال محبوب حقیقی کی گھڑی آگئی تھی تو ہر گز لڑائی میں امام کی طرف سے پہل نہ تھی ان خبیثوں ہی نے مجبور کیا، اب دو صورتیں تھیں یا بخوف جان اس پلید کی وہ ملعون بیعت قبول کی جاتی کہ یزید کا حکم ماننا ہوگا اگرچہ خلاف قرآن وسنت ہو۔ یہ رخصت تھی ثواب کچھ نہ تھا قال تعالٰی: "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ" [3]۔ مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔ یا جان دے دی جاتی اور وہ ناپاک بیعت نہ کی جاتی، یہ عزیمت تھی اور اس پر ثواب عظیم، اور یہی ان کی شان رفیع کے شایان تھی، اسی کو اختیار فرمایا، اسے یہاں سے کیا علاقہ!

ثانیا بالفرض اس بے سروسامانی میں امام کی طرف سے پہل بھی سہی تو یہاں ایک فرق عظیم ہے جس سے یہ جاہل غافل، فاسقوں پر ازالہ منکر میں حملہ جائز اگرچہ یہ تنہا ہو اور وہ ہزاروں اور سلطان اسلام جس پر اقامت جہاد فرض ہے اسے بھی کافروں سے پہل حرام جبکہ ان عـــہ کے مقابلہ کے قابل نہ ہو، مجتبٰی وشرح نقایہ وردالمحتار کی عبارت گزشتہ:

ھذا اذا غلب علی ظنه انه یکافیھم والا فلا یباح قتالھم۔	یہ اس وقت ہے جب گمان غالب ہو کہ ان کے مقابلہ کے قابل ہے ورنہ ان سے لڑنا حلال نہیں۔ (ت)

کے بعد ہے۔ بخلاف الامر بالمعروف [4] (امر بالمعروف کا حکم اس کے خلاف ہے۔ ت) شرح سیر میں اس کی وجہ بیان فرمائی:

ان المسلمین یعتقدون مایأمر به فلابد	امر بالمعروف میں مسلمانوں کو جو حکم دے گا وہ دل سے

عـــہ: اور شرط قدرت تو دفاع بلکہ کسی فرض اسلامی سے کبھی منفک نہیں۔ بنصوص قطعیہ واجماع امت مرحومہ۔

[1] الکامل فی التاریخ ذکر مقتل حسین دار صادر بیروت ۴/ ۵۴و۵۵

[2] تاریخ الطبری ثم دخلت سنة احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۴۳

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[4] جامع الرموز کتاب الجہاد گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۵

ان یکون فعله مؤثرا فی باطنهم بخلاف الکفار[1]۔	اسے حق جانتے ہیں تو ضرور اپنے دل میں اس کے فعل سے متاثر ہوں گے بخلاف کفار۔

دیکھو امام نے کیا کیا اور تم کیا کر رہے رہو، کیوں اسلام و کفر ملاتے ہو:

ثالثاً: حضرت امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام پاک لیتے ہوئے شرم چاہئے تھی، کیا امام تو امام ان کے غلام ان کے در کے کسی کتے نے **معاذ اللہ** مشرکوں سے مدد مانگی، کیا کسی مشرک کا دامن تھاما، کیا کسی مشرک کے پس رو بنے، کیا مشرکوں کی جے پکاری، کیا مشرکوں سے اتحاد گانٹھا، کیا مشرکوں کے حلیف بنے، کیا ان کی خوشامد کے شعار اسلام بند کرنے میں کوشاں ہوئے، کیا قرآن عظیم و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی وغیرہ وغیرہ شنائع کثیرہ بہتر تن سے بیس ہزار فجار کا مقابلہ فرمایا۔ امام کا نام لیتے ہو تو کیا تم میں بہتر مسلمان بھی نہیں جب تیئس کروڑ مشرکین تمھارے ساتھ ہوں گے اس وقت تم میں بہتر مسلمانوں کا عدد پورا ہوگا، قرآن کو پیٹھ دینے والو! کیوں امام کا نام لیتے ہو، اسلام سے الٹے چلنے والو! کیوں مسلمانوں کو دھوکے دیتے ہو، دہلی میں فتوٰی چھاپ دیا کہ اس وقت جہاد واجب ہے بے سروسامانی کے جواب کو امام کی نظیر پیش ہوگئی اور حالت یہ کہ ذرا سی دھوپ سے بچنے کو گوپتروں کی چھاؤں ڈھونڈھ رہے ہیں، کیا تم اپنے ہی فتوے سے نہ صرف تارک فرض و مرتکب حرام بلکہ راضی بہ غلبہ کفر و ذلت اسلام نہ ہوئے، امام کا توکل اللہ پر تھا اور تمھارا اعتماد اعداء اللہ پر، یقین جانو کہ اللہ سچا، اللہ کا کلام سچا "لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ" "مشرکین تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے وہ جھوٹا فتوٰی اور یہ پوچ بھروسا اور خادمان شرع پر الٹا غصہ کہ کیوں خاموش رہے کیوں سینہ سپر نہ ہوئے، یہ ہے تمھاری خیر خواہی اسلام یہ ہیں تمھارے دل ساختہ احکام، جن پر نہ شرع شاہد نہ عقل مساعد، مسلمان ہونے کا دعوٰی ہے تو اسلام کے دائرے میں آؤ، تبدیل احکام الرحمٰن و اختراع احکام الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ، مشرکین سے اتحاد توڑو، دیوبندیہ وغیرہم مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن پاک اپنے سایہ میں لے، دنیا نہ ملے نہ ملے دین تو ان کے صدقے میں ملے۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ"	اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ شیطان کے پس رو نہ ہو بیشک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے

[1] شرح السیر الکبیر

مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ "[1]	پھر اگر روشن دلیلیں آنے پر تمہارا قدم لغزش کرے تو جان لو اللہ غالب حکمت والا ہے کاہے کے انتظار میں ہیں سوا اس کے کہ گھٹاٹوپ بادلوں میں اللہ کا عذاب اور فرشتے آئیں اور کام تمام ہو اور اللہ ہی کی طرف سب کام پھرتے ہیں۔

ربنا علیك توکلنا والیك انبنا والیك المصیر o ربنا لاتجعلنا فتنة للذین کفروا و اغفرلنا ربنا انك انت العزیز الحکیم o ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیرا لفاتحین o امین یاارحم الراحمین o وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا وملجانا ومأوٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین دائما ابدا الاٰبدین، عدد کل ذرة الف الف مرة فی کل اٰن وحین والحمد للہ رب العلمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸تا۲۱۰

انفس الفکر فی قربان البقر ۱۲۹۸ھ

(گائے کی قربانی کے بارے میں بہترین طریقہ)

مسئلہ ۱۸۴: عجیبہ عـــہ از مرادآباد شوال ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مذہب حنفیہؒ اس مسئلہ میں کہ گاؤ کشی کوئی ایسا امر ہے جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، یا اگر کوئی معتقد اباحت ذبح ہو مگر کوئی گائے اس نے ذبح نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو، ہر چند کہ اکل اس کا جائز جانتا ہے، تو اس کے اسلام میں کچھ فرق نہ آئے گا اور وہ کامل مسلمان رہے گا، گاؤ کشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گنہ گار ہوتا ہے، یا اگر

عـــہ: **اہم وضاحت:** (ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء کا نمونہ و مصداق) ۱۲۹۸ ہجری کا ربع اخیر ہے شوال مکرم کا ماہ منیر ہے، اس لیے خاتمۃ المحققین امام المدققین والد ماجد حضرت مصنف علام مدظلہ وقدس سرہ الشریف کے وصال کو دس مہینے ہوئے ہیں بضرورت انتظام معاش جانب جائداد چند روز ابتدا میں توجہ کرنی ہوئی ہے اس لئے حضرت مصنف مدظلہ اپنے دیہات میں تشریف رکھتے ہیں کہ وہیں یہ سوال پہنچا اس وقت کھیتوں کا معاینہ تھا آدمی نے وہیں یہ سوال پیش کیا، بنگاہ اولین

(باقی برصفحہ آئندہ)

کوئی شخص گاؤ کشی نہ کرے صرف اباحت ذبح کا دل سے معتقد ہو تو وہ گنہ گار نہ ہوگا۔ جہاں بلاوجہ اس فعل کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس کے اندرونی مقصد کو پہچان لیا کہ اگرچہ یہاں بعض مسلمانون نے بھیجا مگر اصل سائل ہنود ہیں اور فورا معلوم کیا کہ وہ اس سے کیا چاہتے ہیں، اور اہل اسلام کو کیسے نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتے ہیں، عصر کا وقت تھا، فرمایا: صحیح جواب دیا جائے گا، دیہات میں کتابیں نہ تھیں، دوسرے دن وہ جواب تحریر فرمادیا، جو ناظرین نے ملاحظہ فرمایا، جس نے بحمداللہ تعالٰی فریب دینے والوں کے مکر کو خاک میں ملایا، والاحضرت حامی سنت مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین رامپوری رحمۃاللہ تعالٰی علیہ اور علمائے رامپور نے اس پر تصدیقیں لکھیں، اور حضرت مولٰنا موصوف مرحوم نے مقاصد کو پہچان کر تصدیق میں تحریر فرمایا کہ "**الناقد بصیر**" یہ پرکھنے والا آنکھیں رکھتا ہے یعنی اس کا دیدہ بصیرت نورالٰہی سے منور ہے کہ مکاروں کے خفی مکر کی تہہ تک پہنچ گیا اور اس کا قلع قمع کیا،

"**ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾**"[1] (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اللہ بڑے فضل والا ہے۔ت)

جب جناب مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا فتوی ۱۳۰۵ھ میں چھپا اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ سوال اسی ماہ وسال میں ان کے پاس بھی گیا تھا، یہاں مرادآباد سے آیا، وہاں مرزاپور سے گیا تھا، اور عجب نہیں کہ مختلف مقامات سے اور علماء کے پاس بھی بھیجا ہوا، اوروں کا جواب تو کیا معلوم مگر جناب لکھنوی صاحب کا جواب چھپا جس سے ظاہر ہوا کہ عیاروں کا دھوکا ان پر چل گیا انھوں نے غور نہ فرمایا کہ سوال کے تیور کیا ہیں اس کا سائل کون ہونا چاہئے، اس سے اس کی غرض کیا ہے، سیدھا سادہ پاؤں تلے کا جواب لکھ دیا کہ:

"گاؤ کشی واجب نہیں، تارک گنہ گار نہ ہوگا، بقصد اثارت فتنہ گاؤ کشی نہ چاہئے بلکہ جہاں فتنہ کا ظن غالب ہو احتراز اولٰی ہے قربانی اونٹ کی بہتر ہے[2]۔ محمد عبدالحیّ"

وہیں کے اور دو ۲ صاحبوں نے مہر کی، اس پر مسلمانوں کی ضرورت ہوئی کہ اہل افتا کو ہوشیار کریں انھیں دنیا کی حالت ملک کی رنگت دکھائیں خود اپنے جواب کو صحیح معنی کی طرف پھیرنے کی راہ بتائیں، لہٰذا اس پر دو سوال ہوئے:

سوال اول: "حضرت علماء سے جن کی مواہیر اس پرچہ پر ثبت ہیں استفسار ہے کہ جواب میں آپ کی مراد اس جملہ سے آیا یہ ہے کہ ابتدائے فتنہ اہل اسلام کی طرف سے نہ ہو یعنی (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۱

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۲و ۲۸۳

ارتکاب سے ثوران فتنہ وفساد ہو اور مفضی بہ ضرر اہل اسلام ہو، اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور عملداری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جہاں عملداری ہنود کی ہو وہاں بقصد فتنہ انگیزی گاؤکشی نہ کریں یا یہ کہ بلاد ہندوغیرہ میں جہاں ہمیشہ سے اہل اسلام گائے ذبح کرتے آئے اور کبھی ان کو مقصود فتنہ انگیزی نہ ہوئی بلکہ اجرائے حکم شریعت اب اگر مسلمان ان بلاد میں گائے ذبح کرے اور ہندو بنظر تعصب منع کریں تو مسلمان اس سے باز رہے"[1]

طبیعت میں حق کی طرف رجوع کامادہ تھا اس سوال سے تنبہ ہوا اور حضرات علماء نے یہ **جواب** تحریر فرمایا: "گائے ذبح کرنا اگرچہ مباح ہے واجب نہیں، مگر ایسا مباح نہیں کہ کسی زمانہ یا بلاد خاص میں اس کارواج ہو بلکہ یہ طریقہ قدیمہ ہے زمان آنحضرت صلعم عـــہ و صحابہ وتابعین وجملہ سلف صالحین سے تمام بلاد وامصار میں اور اسکی اباحت پر اجماع ہے تمام اہل اسلام کا، ایسے امر شرعی ماثور قدیم سے اگر ہنود روکیں تو مسلمان کو اس سے باز رہنا نہیں درست ہے بلکہ ہر گاہ ہنود کا ایک امر شرعی قدیم کے ابطال میں کوشش کریں، اہل اسلام پر واجب ہے کہ اس کے ابقاء واجراء میں سعی کریں، اگر ہنود کے کہنے سے اس فعل کو چھوڑیں گے تو گنہگار ہوں گے، اور مقصود اس جملہ میں جو جواب سابق میں ہے یہ ہے کہ بقصد برانگیختہ کرنے فتنہ وفساد کے گاؤکشی نہ چاہئے مثلاً جہاں عملداری ہنود کی ہو وہاں مسلمان بقصد ابتدائے مردم آزادی خواہ مخواہ ذبح کریں یا عیدالاضحیٰ میں کسی ہندو کے مکان کے قریب جاکے بایں خیال ذبح کریں کہ فتنہ قائم ہو ایسی صورتوں کا ارتکاب نہ چاہئے بلکہ ایسی حالت میں ترک، اولیٰ ہے اور بلاد ہندوستان وغیرہ میں ترک اولیٰ نہیں بلکہ اس کے ابقا میں سعی واجب ہے ہے[2]"

محمد عبدالحی
ابوالحسنات

سوال تو پہلے بھی ہندوستان ہی سے آیا تھا مگر اس وقت غور نہ فرمایا گیا۔ (باقی برصفحہ آیندہ)

عـــہ: استغفراللہ بلکہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۲کاتب۔

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۸۳۔۲۸۲)

[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۳

اسلام بھی نہ ہو تو وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز ہے یا یہ کہ بلاسبب ایسی حالت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "فی الواقع ان بلاد میں مسلمانوں کو گاؤ کشی باقی رکھنے میں کوشش لازم ہے اور مراد اس فقرہ سے یہ ہے کہ جہاں عملداری خاص ہنود کی ہے اور گاؤ کشی وہاں زینہار نہیں ہوتی اس جگہ باعلان گاؤ کشی کرنا بنظر فتنہ اولیٰ نہیں[1]"

محمد عبدالوہاب

"فی الواقع مقصود جملہ سابق سے یہ ہے کہ بارادہ برانگیختہ کرنے فساد کے عملداری خاص ہنود میں جہاں گائے ذبح نہ ہوتی ہو گاؤ کشی باعلان نہ چاہئے یا ہندو کے ہمسایہ میں علانیہ ذبح کرنا بارادہ فساد نہ چاہئے جن بلاد و مواضعات ہند میں رواج گاؤ کشی چلا آیا ہے اب کوئی ہندو بپاس تعصب مانع ہے تو مسلمانوں کو بپاس حمیت اسلامی ابقائے گاؤ کشی میں کوشش بلیغ لازم ہے زینہار ترک نہ کریں گاؤ کشی شعار مسلمانی ہے احتمال فساد ہو تو بذریعہ حکام رفع کرنا اس کا بابقائے رواج قدیم واجب ہے بخوف فساد ہنود ذبح گائے سے زینہار باز نہ رہیں، ذبح گاؤ شعائر اسلام سے ہے اہمال اس کا بلاوجہ وجیہ جائز نہیں[2]"

ابوالحیا محمد عبدالحلیم

"ہاں ابتداءً اثارت فتنہ نہ چاہئے اور یہی معنی ہیں فقرہ جواب سابق کے پس جن بلاد میں ذبح گاؤ مروج ہے منع کرنا ہنود کا ان کی جانب سے اثارت فتنہ وفساد ہو گا اس کو رفع کرنا مسلمان کو ضرور ہے[3]"

ابوالحسنات محمد عبدالحلیم ۱۰۹۳

سوال دوم: از بھاگل پور شوال ۱۲۹۸ھ

"اگر مسلمان گائے کی قربانی یا واسطے کھانے گائے ذبح کرنا چاہے اور ہنود بوجہ تعصب یا بنظر توہین اسلام روکیں تو مسلمانوں کو گائے کی قربانی یا گائے کے ذبح سے رکنا چاہئے یا کیا کرے، اگر از جانب ہنود فساد کا احتمال ہے مگر اس کا دفع بذریعہ حکام ممکن تو صرف بلحاظ فتنہ مذکور باز آنا چاہئے یا کیا کرے، یہ امر ظاہر ہے کہ اونٹ ان ملکوں میں کم ہیں (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۳

[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۴

[3] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۸۵۔۲۸۴

میں بقصد اثارت فتنہ وفساد ارتکاب اس کا واجب ہے، اور قربانی اونٹ کی بہتر ہے یا

اگر دستیاب بھی ہوئے تو بہت قیمت سے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سات بھیڑ کی قیمت ایک گائے سے زیادہ ہوتی ہے اور اگر ہنود کہیں تم گائے مت کرو اونٹ بھیڑ قربانی کرو، تو اس کو مان لینا واجب ہے یا نہیں؟[1] **بینوا توجروا**

جواب: گائے ذبح کرنے کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ نے زمانہ آنحضرتص عــہ۱ میں اور بعد آنحضرت صلعم عــہ۲ کے اس کو ذبح کیا ہے اس کے گوشت حلال اور ذبح جائز ہونے پر اتفاق ہے تمام مسلمانوں کا خواہ بروز عید ہو یا اور روز تو مسلمان کو باز آنا نہیں درست ہے، اور رہندو کی ممانعت تسلیم کرلینا نہیں جائز ہے، تسلیم کرنا موجب ان کے اعتقاد باطل کی تقویت وترویج کا ہوگا یہ کسی طرح شرع میں جائز نہیں۔ اونٹ اگرچہ گائے سے اولٰی ہے مگر کوئی شخص اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا علی الخصوص جب ہنود بغرض تعصب کہیں کہ خواہ مخواہ اونٹ یا بکری کرو، مسلمانوں کو ضرور ہے کہ قول ہنود تسلیم نہ کریں اور گاؤ کشی کو کہ اسلام کا طریقہ قدیمہ ہے ترک نہ کریں بوجہ احتمال فساد ہنود گائے ذبح کرنے سے رکنا نہ چاہئے[2]"

"قربانی گائے کی شعار اسلام ہے اس کا موقوف کرنا بسبب ممانعت ہنود معصیت ہے"

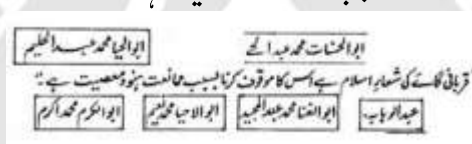

یہ مجموعہ فتاوٰی جلد دوم طبع اول ص ۱۴۸ تا ص ۱۵۵ کا اقتباس ہے، الحمدللہ کہ آخر میں وہی سمجھنا پڑا جو حضرت مصنف مدظلہ نے بنگاہ اولین خیال فرمالیا، **ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم**۔ ان فتاوٰی کی نقل سے یہ بھی مقصود ہے کہ حضرت مصنف مدظلہ کے حکم وجوب کی بعض تائیدات واضح ہوں تاکہ بعض عوام کو زیادت اطمینان ملے **وبالله التوفيق**۔

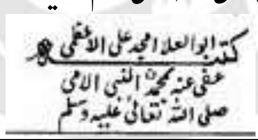

عــہ۱: اقول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عــہ۲: اقول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۵

[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۸۶۔ ۲۸۵

گائے کی؟ بینوا توجروا

الجواب:

واللہ سبحنہ موفق الصدق والصواب، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، اللھم بك نستعین،

اصل مسئلہ کے جواب سے پہلے دو ۲ امر ذہن نشین کرنا لازم:

اول: یہ کہ ہماری شریعت مطہر اعلیٰ درجہ حکمت ومتانت ومراعات دقائق مصلحت میں ہے، اور جو حکم عرف ومصالح پر مبنی ہوتا ہے انھیں چیزوں کے ساتھ دائر رہتا ہے، اور اعصار وامصار میں ان کے تبدل سے متبدل ہوجاتا ہے، اور وہ سب احکام شرع ہی قرار پاتے ہیں، مثلاً زمان برکت نشان حضور سرِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بوجہ کثرت خیر ونایابی فتنہ وشدت تقوٰی وقوت خوف خدا عورتوں پر ستر واجب تھا نہ حجاب، اور زنان مسلمین برائے نماز پنجگانہ مساجد میں جماعتوں کے لئے حاضر ہوتیں، بعد حضور کے جب زمانے کا رنگ قدرے متغیر ہوا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا:

لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی من النساء مارأینا لمنعھن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نسائھا[1] **رواہ احمد وبخاری ومسلم۔**	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے زمانے کی عورتوں کو ملاحظہ فرماتے تو انھیں مساجد جانے سے ممانعت کرتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو منع کردیا تھا (اسے امام احمد وامام بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ت)

جب زمانہ رسالت سے اور بُعد ہوا ائمہ دین نے جوان عورتوں کو ممانعت فرمادی، جب اور فساد پھیلا، علماء نے جوان وغیر جوان کسی کے لئے اجازت نہ رکھی، درمختار میں ہے:

یکرہ حضور من الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقاً لوعجوزالیلا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان[2]۔	رات کو عورتوں کا خواہ بوڑھی ہوں جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے اور اگر جمعہ، عید اور وعظ کی مجلس ہو تو مفتی بہ مذہب میں مطلقاً مکروہ ہے زمانہ کے فساد کی وجہ سے۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دارالفکر بیروت ۶/ ۹۱، صحیح بخاری باب خروج النساء الی المساجد باللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰، صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳

[2] درمختار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

فتح القدیر میں فرمایا:

عمم المتاخرون المنع العجائز والشواب فی الصلوات کلھالغلبۃ الفساد فی سائر الاوقات[1]۔	غلبہ فساد کی وجہ سے تمام اوقات کی نمازوں میں عموماً بوڑھی اور جوان عورتوں کا نکلنا متاخرین علماء نے منع فرمایا ہے۔ (ت)

حالانکہ صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا استأذنت احدکم امرأتہ الی المسجد فلا یمنعھا[2] رواہ احمد والشیخان والنسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما	جب تم میں کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے (اسے احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں فرمایا:

لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ[3] رواہ احمد ومسلم عن ابن عمر واحمد وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ	اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔(اسے امام احمد اور مسلم نے ابن عمر سے اور احمد و ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

پھر ان ائمہ علماء کے یہ احکام ہر گز حکم اقدس کے خلاف نہ ٹھہرے بلکہ عین مطابق مقصود شرع قرار پائے،اس طرح رفتہ رفتہ حاملان شریعت وحکمائے امت نے حکم حجاب دیااور چہرہ چھپاناکہ صدر اول میں واجب نہ تھاواجب کردیا۔ نہایہ میں ہے:

سدل الشیئ علی وجھھا واجب علیھا[4]۔	چہرے پر پردہ لٹکانا عورت پر واجب ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۱۷

[2] صحیح بخاری باب استیذان المرأۃ زوجھا بالخروج الی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰، صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳

[3] صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳، سنن ابی داؤد باب خروج النساء الی المساجد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۴

[4] المسلك المتقسط علی لباب المناسك بحوالہ النھایہ مع ارشاد الساری مع فصل فی احرام المرأۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۸

شرح لباب میں ہے:

دلت المسئلة علی ان المرأة منهية عن اظهار وجهها للاجانب بلاضرورة[1]۔	یہ مسئلہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کو بلاضرورت اجنبی لوگوں پر اپنا چہرہ کھولنا منع ہے۔(ت)

تنویر میں ہے:

تمنع من کشف الوجه بین رجال لخوف الفتنة[2]۔	فتنہ کے خوف سے مردوں میں عورت کو چہرہ کھولنے سے روکا جائے۔(ت)

اسی قسم کے صدہا احکام ہماری شریعت میں ہیں "**ومن القواعد المقررة فی شریعتنا المطهرة ان الحکم یدور مع علته**" (ہماری شریعت مطہرہ کے مسلمہ قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ حکم اپنی علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔ت)

دوم واجبات ومحرمات ہماری شریعت میں دو قسم ہیں:

ایک لعینہٖ یعنی جس کی نفس ذات میں مقتضی ایجاب وتحریم موجود ہے، جیسے عبادت خدا کی فرضیت اور بت پرستی کی حرمت۔

دوسرے لغیرہٖ یعنی وہ کہ امور خارجہ کا لحاظ ان کی ایجاب وتحریم کا اقتضا کرتا ہے اگرچہ نفس ذات میں کوئی معنی اس کو مقتضی نہیں، جیسے تعلم صرف ونحو کا وجوب کہ ہمارے رب تعالٰی کی کتاب اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام زبان عربی میں ہے اور اس کا فہم بے اس علم کے متعذر، لہٰذا واجب کیا گیا، اور افیون اور بھنگ وغیرہا مسکرات کی حرمت کہ ان کا پینا ایک ایسی نعمت یعنی عقل کو زائل کردیتا ہے جو ہر خیر کی جالب اور ہر فتنہ وشر سے بچانے والی ہے، اسی قبیل سے ہے شعار کہ مثلاً انگرکھے کا سیدھا پردہ ہماری اصل شریعت میں واجب نہیں۔ بلکہ ہمارے شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی انگرکھا نہ پہنا، نہ حضور کے ملک میں اس کا رواج تھا، مگر اب کہ ملک ہندوستان میں شعار مسلمین قرار پایا اور الٹا پردہ کفار کا شعار ہوا، تو اب سیدھا پردہ چھوڑ کر الٹا اختیار کرنا بلاشبہہ حرام، اسی طرح بوجہ عرف وقرارداد امصار وبلاد جس مباح کا فعل عزت وشوکت اسلام پر دلالت کرے اور اسے چھوڑ دینے میں اسلام کی توہین اور کفر کا غلبہ سمجھا جائے، قواعد شرعیہ بالیقین اس سے بازرہنے کی تحریم کرتے ہیں، اور مبنٰی اس کا وہی نظر مصالح واعتبار عرف ومراعات اقتضائے امور خارجہ ہے، جسے ہم دونوں مقدمہ سابقہ میں بیان کر آئے۔

---

[1] المسلك المتقسط علی لباب المناسك بحواله النهاية مع ارشاد الساری فصل فی احرام المرأة دار الکتب العربی بیروت ص ۶۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۶

جب یہ امور منقح ہولئے تو اب اصل مسئلہ کا جواب لیجئے۔

گاؤ کشی اگرچہ بالتخصیص اپنے نفس ذات کے لحاظ سے واجب نہیں نہ اس کا تارک باوجود اعتقاد اباحت بنظر نفس ذات فعل گنہ گار نہ ہماری شریعت میں کسی خاص شیئ کا کھانا بالتعیین فرض، مگر ان وجوہ سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ گاؤ کشی جاری رکھنا واجب لعینہ، اور اس کا ترک حرام لعینہ نہیں، یعنی ان کے نفس ذات میں کوئی امر ان کے واجب یا حرام کرنے کا مقتضی نہیں، لیکن ہمارے احکام مذہبی صرف اسی قسم کے واجبات و محرمات میں منحصر نہیں، بلکہ جیسا ان واجبات کا کرنا اور ان محرمات سے بچنا ضروری وحتمی ہے یوہیں واجبات محرمات لغیرہا میں بھی امتثال اجتناب اشد ضروی ہے، جس سے ہم مسلمانوں کو کسی طرح مفر نہیں، اور ان سے بالجبر باز رکھنے میں بیشک ہماری مذہبی توہین ہے جسے حکام وقت بھی روا نہیں رکھ سکتے۔

ہم مذہب وملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں اگرچہ کسی شہر میں گاؤ کشی بند کردی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع ہرگز اس سے باز رہنے کا ہمیں حکم نہیں دیتی، یک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس میں ذلت اسلام متصور نہ ہوگی۔ کیا اس میں خواری و مغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی، کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلی درجہ کی خوشی ظاہر کرکے ہمارے مذہب واہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا، کیا بلاوجہ وجیہ اپنے لئے ایسی دنائت وذلت اختیار کرنا اور دوسروں کو دینی مغلوبی سے اپنے اوپر ہنسوانا ہماری شرع جائز فرماتی ہے؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں، ہماری شرع ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی، نہ یہ متوقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں، اور دوسری طرف لفظ کی توہین وتذلیل روا رکھیں۔ سائل لفظ ترک لکھتا ہے، یہ صرف مغالطہ اور دھوکا ہے، اس نے "ترك" اور "کف" میں فرق نہ کیا، کسی فعل کا نہ کرنا اور بات ہے اور اس سے بالقصد باز رہنا اور بات، ہم پوچھتے ہیں کہ اس رسم سے جس میں صدہا منافع ہیں، یک قلم امتناع آخر کسی وجہ پر مبنی ہوگا، اور وجہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ ہنود کی ہٹ پوری کرنا، اور مسلمانوں نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے اسباب معیشت میں کمی وتنگی کردینا، ہم اہل اسلام کی ابتدائے عہد سے بڑی غذا جس کی طرف ہماری طبعیتیں اصل خلقت میں راغب اور اس میں ہمارے لئے ہزاروں منافع اور اس سے ہمارے خالق تبارک وتعالٰی نے قرآن عزیز میں جابجا ہم پر منت رکھی، گوشت ہے۔

قال ربنا تبارك وتعالٰی "وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ	ہمارے رب تبارک وتعالٰی نے فرمایا: اس نے تمھارے لئے بنائے اونٹ سے دو (نر ومادہ)

اَمِ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ "[1] وقال تعالٰی "اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا مٰلِکُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَ ذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا رَکُوۡبُهُمۡ وَ مِنۡهَا یَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَ لَهُمۡ فِیۡهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ "[2]	اور گائے میں سے دو (ان کافروں سے) فرمادو اللہ تعالٰی نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ جو دونوں مادہ کے پیٹ میں ہیں۔

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا انھیں نہیں سوجھتا کہ ہم نے اپنی قدرتی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے پیدا فرمائے تو وہ ان کے مالک ہیں اور ہم نے ان چوپاؤں کو ان کا مسخر کردیا تو ان میں کسی پر سوار ہوتے ہیں اور کسی کا گوشت کھاتے ہیں، اور ان کے لئے ان میں منافع ہیں اور پینے کی چیز تو کیا شکر نہ کریں گے الی غیر ذلك من الاٰیات۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں گوشت کو دنیا وآخرت کے سب کھانوں کا سردار اور سب سے افضل و بہتر فرمایا۔[3]

والحدیث مخرج بطریق عدیدۃ من عدۃ من الصحابۃ الکرام رضوان تعالٰی علیہم اجمعین۔	یہ حدیث متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے متعدد طرق سے تخریج شدہ ہے۔ (ت)

اور بیشک بکری کا گوشت دوامًا ہمارے ہر امیر و فقیر کو دستیاب نہیں ہوسکتا، خصوصًا مسلمانان ہندوستان کہ ان میں ثروت بہت کم اور افلاس غالب ہے، غریبوں کی گزر بے گوشت گاؤ کے نہیں، اور کتب حکمت بھی شاہد کہ اصل غذا انسان کی گوشت ہے، عناصر غذائے نباتات، نباتات غذائے حیوانات، حیوانات غذائے انسان، اور بیشک اس کے کھانوں میں جو منفعتیں اور ہمارے جسم کی اصلاحیں اور ہمارے قوی کی افزائش ہیں اس کے غیر سے حاصل نہیں، اور مرغوبی کی یہ کیفیت کہ ہر شخص اپنے وجدان سے جان سکتا ہے کہ کیسا ہی لذیذ کھانا ہو، چند روز متواتر کھانے سے طبیعت اس سے سیر ہوجاتی ہے اور

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۴

[2] القرآن الکریم ۳۶ / ۷۱ تا ۷۳

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب اللحم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۵

زیادہ دن گزریں تو نفرت کرنے لگتی ہے۔بخلاف نان گندم و گوشت کہ عمر بھر کھائے تو اس سے تنفر نہیں ہوتا۔معہذا گائے کی کھال وغیرہ سے جو ہزار ہا قسم کے منافع ملتے اوران منفعتوں میں ہنود بھی ہمارے شریک ہوتے ہیں،اور چند اقوام کی تجارتیں اور ان کے رزق کے ظاہری سامان گاؤکشی کا نتیجہ ہیں۔

تو سائل کا یہ قول کہ "کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو" محض تصویر غلط ہے اور گائے کی قربانی خاص ہمارے شعائر دین سے ہے، ہمارا مالک و مولٰی تبارک وتعالٰی صریح ارشاد فرماتا ہے:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ"[1]	اور اونٹ اور گائے کو کیا ہم نے تمھارے لئے خدا کے شعاروں میں سے۔

اور یقینًا معلوم کہ ہمارے ملک میں اونٹ ہماری غذا وادائے واجب قربانی کے لئے کفایت نہیں کرسکتے۔اول تو سخت گراں،دوسرے بہ نسبت گاؤ نہایت قلیل الوجود،اور اگر گاؤکشی موقوف کرکے اونٹ پر کفایت کی جائے تو چند روز میں اونٹ کی قیمت دہ چند ہوجائے گی،اور یہ نفع عام جو ہمارے غرباء کو پہنچتا ہے ہر گز اس سے متوقع نہیں،اور عجب نہیں کہ رفتہ رفتہ بوجہ قلّت اونٹ حکم عنقا کا پیدا کرے،تو رفع حاجت دائمہ اس سے متوقع نہیں،اور بکری کا گوشت کھانے کے لئے بھی تھوڑے لوگوں کو ملتا ہے،اور قربانی کے واسطے بھی ہر شخص ایک بکری جداگانہ کرے کہ سال بھر سے کم کی نہ ہو،اور اس کے اعضاء بھی عیب و نقصان سے پاک ہوں۔بخلاف اس غریب پرور جانور یعنی گائے کے کہ ہمارے مسئلہ شرعیہ سے اس میں سات شخص شریک ہوسکتے ہیں،اور بیشک سات بکریاں ایک گائے سے ہمیشہ گراں رہتی ہیں۔معہذا ہمارے مذہب میں اس کا جواز اور ہنود کے یہاں ممانعت ایک پلہ میں نہیں،ہماری اصل شریعت میں اس کا جواز موجود،قرآن مجید میں ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً"[2]۔وشرائع من قبلنا اذا قصها الله تعالٰی علینا من دون انکار شرائع لنا[3] (ملتقطا) کما نص علیہ فی کتب الاصول۔	بیشک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔(ت) ہم سے پہلی شریعتوں کو جب اللہ تعالٰی بیان فرما کر منع نہ فرمائے تو وہ ہماری شریعت ہوجاتی ہے(ملتقطا) جیسا کہ کتب اصول میں منصوص ہے(ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

[3] اصول البزدوی باب شرائع من قبلنا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۳۲

اور ہنود کے اصل مذہب میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، متاخرین نے خواہ مخواہ اس کی تحریم اپنے سر باندھ لی، بلکہ کتب ہنود گواہی دیتی ہیں کہ پیشوایان ہنود بھی گائے کا مزہ چکھنے سے محروم نہ گئے جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو "**سوط اللہ الجبار**" وغیرہ کتب میں رد ہنود کا مطالعہ کرے۔

علاوہ بریں ہم دریافت کرتے ہیں اس کی تحریم ہنود کے یہاں دو ہی وجہ سے معقول:

ایک یہ کہ جانور کی ناحق ایذا اور ہتھیا ہے، ہم کہتے ہیں اکثر اقوام ہنود بکری، مرغی، مچھلی کھاتے ہیں؟ کیا وہ جانور نہیں، کیا ان کی جان جان نہیں، کیا ان کی ایذا حرام نہیں، کیا ان کا قتل ہتھیا نہیں، اور خود کتب ہنود سے جو رام و لچھمن و کرشن کا شکاری ہونا ثابت، اس ہتھیا کا کیا علاج، اور ایسا ہی ناراضی ہنود کا خیال کیجئے، تو اگر وہ ہتھیا کے حکم کو عام کردیں تو کیا شرع مطہر ہمیں ہر جانور کے ذبح و قتل سے باز رکھے گی، اور سانپ کہ انسان کی جان کا دشمن اور ہندوؤں کا دیوتا ہے ہرگز نہ مارا جائے گا، اور مسلمانوں کے اسباب و معیشت مفقود اور انسانوں کے ابواب عافیت مسدود کردئے جائیں گے، حاشا و کلا ہماری شرع ہرگز ایسا حکم نہیں فرماتی، نہ حکام وقت ان خرافات کو روا رکھیں کیا مزے کی بات ہے، ہندوؤں میں بعض قومیں ایسی ہیں کہ مطلقاً ہر جانور کا قتل حرام اور ہتھیا جانتی ہیں، بلکہ بعض کو تو اس قدر غلو و تشدد ہے کہ ہر وقت منہ پر کپڑا باندھے رہتے ہیں کہ مکھی یا بھنگا حلق میں جاکر مرنہ جائے، اور باقی طوائف ہنود ان لوگوں کا خیال اور ان کے مذہب کا لحاظ نہیں کرتے، مزے سے بکری، مرغی، مچھلی وغیرہ وغیرہ نوش جان کرتے اور مسلمانوں کی دیکھا دیکھی دیگچیوں کے بگھار کا لطف اڑاتے ہیں، جب ان کے آپس میں یہ کیفیت ہے تو ہم پر کیوں ہنود کا لحاظ اور ان کے مذہب کا ایسا خیال واجب کرکے گاؤکشی بند کرنے کا فتوٰی دیا جاسکتا ہے **ان ھذا الا ظلم صریح او جھل قبیح** (یہ نہیں مگر نرا صریح ظلم یا قبیح جہالت۔ ت) دوسری وجہ کہ گائے ان کے یہاں معظم ہے اور اپنے معظم کا ہلاک نہیں چاہتے۔ ہم کہتے ہیں کہ:

اولا: گئو ماتا کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان سعادت مندوں کی تعظیم کا حال کھل جاتا ہے اپنے ہاتھوں چماروں کے حوالے کرتے ہیں کہ چیریں پھاڑیں، اور چرسا اپنے لئے ٹھہرا لیتے ہیں کہ کھال کی جوتیاں بناکر پہنیں جو جوتوں سے بچی وہ ڈھول کر کھنچی کہ شادی بیاہ میں کام آئے، رات بھر تیا پانچے کھائے

ثانیا: بغرض غلط اگر تعظیم ہے بھی تو صرف گائے پر مقتصر ہے، ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ ہنود آپ بیل کی ہر تعظیم نہیں کرتے بلکہ اس پر سخت تشدد کرتے ہیں ہل میں جوتیں، گاڑی میں چلائیں، سواریاں لیں، بوجھ لدوائیں، وجہ بے وجہ سخت ماریں کہ جابجا ان کے جسم زخمی ہوجاتے ہیں، ہم نے خود دیکھا ہے کہ بعض ہنود نے باربرداری کی گاڑیوں میں اس قدر بوجھ بھرا کہ بیلوں کا جگر پھٹ گیا، اور خون ڈال کر مرگئے، تو معلوم ہوا کہ بیل ان کے

یہاں معظم نہیں، اگر یہ ممانعت بربنائے تعظیم ہے تو چاہئے کہ بخوشی بیلوں کے ذبح کی اجازت دیں، ورنہ ان کا صریح مکابرہ او رہٹ دھرمی ہے۔

باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ "اس فعل کے ارتکاب سے ثوران فتنہ وفساد ہو" ہم کہتے ہیں جن مواضع میں مثل بازار وشارع عام وغیرہما گاؤ کشی کی قانوناً ممانعت عـــہ ہے وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ اثارت فتنہ وفساد اس کی طرف منسوب ہوسکتی ہے اور قانونا مجرم قرار پائے گا، اور اس امر کو ہماری شریعت مطہرہ بھی روا نہیں رکھتی کہ ایسی وجہ سے مسلمانوں پر مواخذ ہے یا انھیں سزا ہو نا بیشک توہین اسلام ہے جن کا مرتکب یہ شخص ہوا، نظیر اس کی سب وشتم آلہہ باطلہ مشرکین ہے کہ شرع نے اس سے ممانعت فرمائی، اگرچہ اکثر جگہ فی نفسہ حرج متحقق نہ تھا۔

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ"[1]۔	اور انھیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔ (ت)

اور جہاں قانونا ممانعت نہیں وہاں اگر ثوران فتنہ وفساد ہو گا تو لاجرم ہنود کی جانب سے ہو گا، اور جرم انھیں کا ہے کہ جہاں ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے۔ کیا ان کے جرم کے سبب ہم اپنی رسوم مذہبی ترک کرسکتے ہیں، یہ حکم بعینہٖ ایسا ہوا کہ کوئی شخص اعتبار سے کہے تمہارا مال جمع کرنا باعث ثوران فتنہ وفساد وایذائے خلق اللہ ہے، کہ نہ تم مال جمع کرو نہ چور چرانے آئیں نہ وہ قید وبند کی سخت سخت سزائیں پائیں، اس احمق کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ چوری چور کا جرم ہے، اس کے سبب ہمیں جمع مال سے کیوں ممانعت ہونے لگی، اور اگر ایسا ہی خیال ہنود کے فتنہ وفساد کا شرع ہم پر واجب کرے گی تو ہر جگہ ہنود کو قطعاً اس رسم کے اٹھادینے کی سہل تدبیر ہاتھ آئے گی، جہاں چاہیں گے فتنہ وفساد برپا کریں گے اور بزعم جہال شرع ہم پر ترک واجب کردے گی، اور اس کے سوا ہماری جس رسم مذہبی کو چاہیں گے اپنے فتنہ وفساد کی پناہ پر بند کرادیں گے، اور یہی واقعہ ان کے لئے نظیر ہو جائے گا، ایسی صورت میں تم پر اپنی رسم کا ترک شرعا واجب ہوتا ہے۔

عـــہ: فی الحال یہی صورت حال ہے کہ مختلف حکومتوں نے اپنے اپنے صوبے میں ذبیحہ گاؤ کا مطلقاً خلاف قانون قرار دیا ہے لہٰذا باز رہا جائے۔ ۱۲ عبدالمنان

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۸

بالجملہ خلاصہ جواب یہ ہے کہ بازار وشارع عام میں جہاں قانوناممانعت ہے،براہ جہالت ذبح گاؤ کا مرتکب ہونا بیشک اسلام کی توہین وذلت کے لئے پیش کرنا ہے، کہ شرعا حرام اور اس کے سواجہاں ممانعت نہیں وہاں سے بھی باز رہنا اور ہنود کی بیجاہٹ بجارکھنے کے لئے یک قلم اس رسم کو اٹھادینا ہر گز جائز نہیں بلکہ انھیں مضرات ومذلات کا باعث ہے جن کا ذکر ہم اول کر آئے جنھیں شرع مطہر پر ہر گز گوارا نہیں فرماتی نہ کوئی ذی انصاف حاکم پسند کرسکے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: از مسلم لیگ ضلع بریلی مرسلہ سید عبدالودود جائنٹ سیکرٹری لیگ مذکور جمادی الاولٰی ۱۳۲۹ھ

نحمدہ ونصلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ آج کل ہنود کی طرف سے نہایت سخت کوشش اس امر کی ہورہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤکشی کی رسم موقوف کرادی جائے اور اس غرض سے انھوں نے ایک بہت بڑی عرضداشت گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لئے تیار کی ہے جس پر کروڑوں باشندگان ہندوستان کے دستخط کرائے جارہے ہیں، بعض ناعاقبت اندیش مسلمان بھی اس عرض داشت پر ہندوؤں کے کہنے سننے سے دستخط کررہے ہیں،ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا کیاحکم ہے؟ اور اس مذہبی رسم جو شعائر اسلام میں سے ہے کے بند کرانے میں مدد دینے والے گنہ گار اور عنداللہ مواخذہ دار ہیں یانہیں؟ **بینوا الجواب بالتفصیل واللہ یھدی من یشاء الی سواء السبیل۔**

الجواب:

گائے کی قربانی شعائر اسلام سے ہے۔

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"[1]	اوراونٹ گائے بیل ہم نے ان کو کیا تمھارے لیے اللہ کی نشانیوں سے۔

مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ اس معاملہ کے انسداد میں شرکت ناجائز وحرام ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

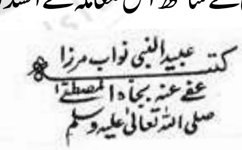

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

فی الواقع گاؤکشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے،اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً " [1] شرائع من قبلنا اذا قصها اللہ تعالٰی علینا من دون انکار شرائع لنا [2] (ملتقطا) کما نص فی کتب الاصول۔	بیشک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔(ت) ہم سے پہلی شریعتوں کو جب اللہ تعالٰی بیان فرما کر منع نہ فرمائے تو وہ ہماری شریعت ہو جاتی ہے۔(ملتقطا) جیسا کہ کتب اصول میں منصوص ہیں۔(ت)

زراعت کے بہانے سے ہنود ہماری مذہبی رسم میں نہ صرف دست اندازی بلکہ اس کا پورا انسداد چاہتے ہیں، اور طرفہ یہ کہ اس پر مذہبی آزادی سے استناد کرتے ہیں، کیا مذہبی آزادی کے یہ معنی ہیں کہ ایک فریق کے خیالات کو کامیاب کرنے کے لئے دوسرے فریق کی دینی مذہبی رسوم بند کر دی جائیں، ہندوستان میں روزانہ ہزاروں گائے ذبح ہوتی ہیں آج تک زراعت کو کون سا نقصان پہنچا جو آئندہ پہنچنے کی امید ہو، قدرت کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کی مانگ زیادہ ہوتی ہے اسے زیادہ پیدا فرماتی ہے، گاؤکشی بند ہونے سے زراعت کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا سوا اس کے کہ کھیت میں پڑ کر تیار کھیت کو کھا جانے والے اب دس ہیں تو جب سو ہونگے، ہاں گوشت کو نقصان عظیم پہنچے گا، مسلمان اور عیسائی بلکہ ہنود کی بعض اقوام بھی طبعی طور پر غذائے گوشت کے عادی ہیں، اسے بند کرکے صرف دال ساگ پر انھیں قانع کرنا ضرور ان کی عافیت میں خلل انداز ہوگا اور ہر گز ان کی صحت جسمانی ٹھیک نہیں رہ سکتی اور اس کے سوا عام حاجتوں کو سخت نقصان پہنچے گا، مثلاً "جوتا" ہے، کیا ہنود اس کے محتاج نہیں، کم لوگ ہیں کہ نری استر کا پہنتے ہوں، اور جب ادھوڑی استر کا بند ہو جائیگا تو غرباء تو پہن ہی نہ سکیں گے اور امراء کے لئے چہار چند قیمت ہو جائے گی، اور اس کے علاوہ ہزاروں کام جن پر چمڑے کے کارخانوں کی بنا ہے، اور لاکھوں روپے کی تجارت ہے اور ہزاروں

---

[1] القرآن الکریم ۲ / ۶۷

[2] اصول البزدوی باب شرائع من قبلنا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۳۲

آدمیوں کا رزق، اور گورنمنٹی خزانے کے لئے لاکھوں کا محصول، یہ سب امور یکسر بند ہو جائیں گے، اور ملک کی رفاہ وآسائش میں عام انقلاب واقع ہوگا، جس کا ضرر نہ صرف مسلمانوں کو ہوگا بلکہ تمام اقوام کو پہنچے گا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

کتبہ ابوالعلا امجد علی الاعظمی
عفی عنہ بمحمد النبی الامی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

ذٰلک کذٰلک
مصطفٰی رضا خان قادری ۱۳۲۸
آل الرحمٰن محمد عرف
ابوالبرکات محی الدین جیلانی

مسئلہ ۱۸۶: از مجلس دادخواہی مسلمانان بریلی ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

دعوٰی قربانی کے جواب میں ہنود نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس فعل کی اجازت نہیں، بنیاد مذہب مدعی کی اوپر قرآن شریف کے ہے، کتاب مذکور میں قربانی گاؤ کی ہدایت نہیں کرتا ہے، مدعی خلاف اس کے بحیلہ مذہب بغرض دل دکھانے مذہب ہنود کے جس کی دھرم شاستر میں سخت ممانعت ہے یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے فقط، چونکہ یہ بیان ان کا متعلق قرآن شریف ومسائل مذہب کے ہے، لہٰذا علماء کی خدمت میں استفتاء ہے کہ آیا یہ بیان ہنود صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

بیان ہنود سراسر غلط ہے۔ مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید اور ہمارے سچے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادات سے قربانی گاؤ کی اجازت بخوبی ثابت ہے:

(۱) اللہ تعالٰی قرآن مجید کے سترھویں پارہ، بائیسویں سورہ حج کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾" [1]	اور قربانی کے ڈیل دار جانوروں کو کیا ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیاں تمھارے لئے، ان میں بھلائی ہے، تو اللہ کا نام لو ان پر کھڑے ہوئے، پھر جب ان کی کروٹیں گر جائیں تو خود کھاؤ، اور صبر سے بیٹھنے والے اور مانگنے والے کو کھلاؤ، یوہیں ہم نے ان جانوروں کو تمھارے بس میں کر دیا ہے کہ تم احسان مانو،

قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہیں، تفسیر قادری جو ہنود کے ایک معزز رئیس منشی نولکشور سی آئی ای نے اپنی فرمائش سے منجانب مطبع تصنیف کرائی اور داخل رجسٹری کرا کر اپنے مطبع میں چھ بار

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

چھاپی، بیچی، اس کی جلد دوم طبع ششم سطر اخیر ص ۷۹ وسطر اول ص ۸۰ میں آیت کے ان لفظوں کا ترجمہ یوں لکھا: "**وَالْبُدْنَ** اور اونٹ اور گائے جو قربانی کے واسطے ہانکے لیے جاتے ہیں "**جعلنھا لکم**" کر دیا ہم نے انھیں، یعنی ان کے ذبح کو تمھارے واسطے **مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ** دین الٰہی کے نشانیوں میں سے "[1] اور بیشک ہم حنفی مذہب والوں کے تینوں امام یعنی امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اور ان کے سب پیروؤں کا یہی مذہب ہے بُدنہ یعنی قربانی کے ڈیل دار جانور میں اونٹ اور گائے دونوں داخل ہیں۔ انھیں اماموں کا مذہب ہندوستان کے تمام شہروں میں رائج ہے، اور یہاں انھیں کے مذہب پر فتوٰی وعمل ہوتا ہے، ہدایہ، درمختار، قاضی خاں، عالمگیری وغیرہا مشہور کتابیں اسی مذہب کی ہیں، درمختار میں ہے:

بدنۃ ھی الابل والبقر سمیت بہ لضخامتھا [2]۔	بدنہ اونٹ اور گائے ہے، ان کے ڈیل دار ہونے کے سبب ان کا یہ نام ہوا۔

ہدایہ میں ہے:

البدنۃ ھی الابل والبقر، قال الشافعی من الابل لنا ان البدنۃ تنبئ عن البدانۃ وھی الضخامۃ وقد اشترکا فی ھذا المعنی ولھذا یجزئ کل واحد منھما عن سبعۃ [3] اھ ملخصاً۔	اونٹ اور گائے دونوں بدنہ ہیں۔ شافعی نے کہا اونٹ، ہماری دلیل یہ ہے کہ بدنہ ڈیل دار ہونے سے خبر دیتا ہے، اور اس بات میں اونٹ اور گائے برابر ہیں، اس لئے وہ دونوں سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتے ہیں۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے: **البُدن من الابل والبقر** [4] بُدنہ اونٹ اور گائے دونوں سے ہے، اور یہ مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے کہ عنقریب مذکور ہوگی۔

(۲) اللہ تعالٰی اسی رکوع کے شروع میں فرماتا ہے:

"وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ	اور ہر گروہ کے لئے ہم نے مقرر کر دی قربانی کہ اللہ کا

[1] تفسیر قادری آیۃ والبدن جعلنھا لکم کے تحت نولکشور لکھنؤ ۲/ ۷۹، ۸۰

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

[3] الھدایۃ فصل مایتعلق بالوقوف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۲۳۶۔۲۳۷

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی الھدی نورانی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۱

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ"[1]	نام لیں چوپایوں کے ذبح پر جو اللہ نے انھیں دئے۔

یہاں فرمایا کہ چوپایوں کو اللہ تعالٰی نے قربانی کے لئے بنایا ہے اور آٹھویں پارہ چھٹی سورہ انعام کے سترھویں رکوع میں چوپایوں کی تفصیل یہ بیان فرمائی:

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ "(الی قولہ تعالٰی)" وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ "[2]۔	چوپائے آٹھ نر ومادہ میں بھیڑ سے دو، اور بکری سے دو، اونٹ سے دو، اور گائے سے دو، تو کہہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ، یا وہ جسے اپنے پیٹ میں رکھا دونوں مادہ نے،

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوا کہ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری سب کی قربانی اللہ تعالٰی نے بتائی ہے، اس لئے تفسیر مذکور فرمائشی منشی نولکشور کی جلد دوم ص ۸۷ سطر ۱۱ و ۱۲ میں چوپایوں پر اللہ کا نام لینے کی تفسیر میں لکھا: "بے زبان چوپایوں سے یعنی اونٹ گائے بکرا، اس سے قربانی مراد ہے کہ خدا کے نام پر ذبح کریں[3]"

اور پچھلی آیت سے یہ بھی کھل گیا کہ گائے بیل، بچھیا، بچھڑا اس کا کھانا حلال ہے جس کی حلت خود قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے:

(۳) اللہ تعالٰی پہلے پارے دوسری آیت سورت سورہ بقرہ کے آٹھویں رکوع میں فرماتا ہے:

"وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ"[4]	اور جب کہا موسٰی نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تمھیں حکم فرماتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔

اور ساتویں پارے چھٹی سورت سورہ انعام کے دسویں رکوع میں موسٰی وہارون وغیرہما انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرکے مسلمانوں کو حکم دیتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۴

[2] القرآن الکریم ۶/ ۴۴۔۱۴۳

[3] تفسیر قادری آیۃ ۲۲ / ۲۸ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۸۷

[4] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ"[1]	یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ٹھیک راستے چلایا تو تو انھیں کی راہ چل۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگلے انبیاء کی شریعت میں جو کچھ تھا وہی ہمارے لئے بھی ہے جب تک ہماری شریعت منسوخ نہ فرمادے، تو گائے کی قربانی کرنے کی ہمیں اجازت یوں بھی ثابت ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کے حکم سے گائے کا ذبح کیا جانا آج کا نہیں بلکہ اگلی شریعتوں سے چلا آتا ہے۔ تفسیر مذکور فرمائشی نولکشور جلد اول کے ص ۱۷سطر اخیر وص ۱۸ سطر اول میں اسی حکم الٰہی ذبح گاؤ کی حکمت یوں لکھی: "اس کے ذبح کرنے میں نکتہ یہ تھا کہ گئوسالہ پرستوں کی سرزنش ہو، انھیں دکھا دیا کہ جسے تم نے پوجا وہ ذبح کرنے کے قابل ہے، عبادت اور مدح کے لائق نہیں[2]"

(۴) ان سب کے علاوہ اگر فرض کیجئے کہ قرآن مجید میں گائے اور قربانی کا نام تک نہ آیا ہوتا جب بھی گائے کی قربانی قرآن مجید سے بخوبی ثابت تھی، قرآن مجید نے مذہب اسلام کی بنیاد صرف انھیں احکام پر نہیں رکھی جس کا خاص خاص بیان قرآن مجید میں آچکا، بلکہ خود قرآن مجید نے اپنے احکام اور نبی کے ارشادات دونوں پر بنائے اسلام رکھی، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ"[3]	جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لو، اور جس سے روکے اس سے بچو۔

اور فرماتا ہے:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ"[4]۔	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور فرماتا ہے:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۚ ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾"[5]	یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ صرف خدا کا حکم ہے جو اسے بھیجا جاتا ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹۰

[2] تفسیر قادری آیہ ۲/ ۶۷ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷و۱۸

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[4] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

[5] القرآن الکریم ۵۳/ ۳و۴

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود گائے کی قربانی کی، اور مسلمانوں کو ایک ایک گائے کی قربانی میں سات سات آدمیوں کے شریک ہونے کا حکم فرمایا، مذہب اسلام میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احکام کی چھ کتابیں زیادہ مشہور ہیں جنھیں صحاح ستہ کہتے ہیں، ان سب کتابوں میں یہ مضمون صراحۃً موجود ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

ضحّٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن نسائہ بالبقر [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ:

امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان نشترك فی الابل والبقر کل سبعۃ منا فی بدنۃ [2]۔	ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اونٹ اور گائے ہر بدنہ میں سات سات آدمی شریک ہوجائیں۔

صحیح مسلم شریف میں انھیں سے روایت ہے:

اشترکنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الحج والعمرۃ کل سبعۃ فی بدنۃ فقال رجل لجابر أیشترك فی البقر مایشترك فی الجزور، فقال ماھی الا من البدن [3]۔	حج وعمرہ میں ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کے ایک ایک ڈیل دار جانور میں سات سات آدمی شریک ہوئے، کسی نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کیا گائے کی قربانی میں بھی اتنے ہی شریک ہوسکتے ہیں جتنے اونٹ میں، فرمایا: گائے بھی تو بدنہ ہی میں داخل ہے،

ترمذی ونسائی وابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

قال کنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ	ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر

---

[1] صحیح البخاری باب من ذبح ضحیۃ غیرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۴

[2] صحیح مسلم باب جواز الاشتراك فی الھدٰی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[3] صحیح مسلم باب جواز الاشتراك فی الھدٰی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

وسلم فی سفر فحضر الاضحٰی اشترکناہ فی البقرۃ عن سبعۃ [1]۔	میں تھے کہ بقر عید آئی تو ہم نے سات آدمیوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔

سبحان اللہ! جو کام خود ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا اور ہمیں اس کا حکم دیا، اسے مذہب اسلام کے خلاف جاننا، یا مذہب اسلام میں اس کی اجازت وہدایت نہ ماننا کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔

(۵) اس بیان میں ایک بڑی ناانصافی یہ ہے کہ ہماری تو صرف کتاب آسمانی سے ثبوت چاہا۔ جو ہم روشن طور پر ادا کرچکے اور اپنے لئے شاستر کا دامن پکڑا وید کا نام کیوں نہ لیا جسے اپنے نزدیک کتاب آسمانی بتاتے ہیں، اگر سچے ہیں تو اب اپنے وید سے قربانی گاؤ کی ممانعت ثابت کریں، اور شاستر پر بنائے مذہب رکھتے ہیں، تو ہماری بھی کتب فقہ کو بنائے مذہب جانیں، ہدایہ، درمختار، قاضی خاں، عالمگیری وغیرہا ہزار دس ہزار کتابیں جو چاہیں دیکھ لیں جس میں قربانی کا باب مذکور ہے۔ ان سب میں قربانی گاؤ نہایت صریح طور پر مسطور ہے، تو اسے خلاف مذہب بتانا صریح دھوکا دینا ہے۔

(۶) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس بیان ہنود نے خوب ثابت کردیا کہ مورتی پوجن اور بتوں کے آگے گھنٹا بجانا، سنکھ پھونکنا، مہادیو پر پانی ٹپکانا، ہولی دیوالی وغیرہ وغیرہ صدہا باتیں کہ ہنود نے اپنی مذہبی ٹھہرارکھی ہیں جن کا ذکر ان کے وید میں نہیں سب ان کے خلاف مذہب ہیں کہ جس کتاب پر بنیاد مذہب ہنود ہے ان کا پتا نہیں دیتی پچھلے ہنود نے محض براہ حیلہ انھیں مذہبی بنارکھا ہے۔

(۷) سب سے زائد یہ ہے کہ وید جس پر مذہب ہنود کی بنا ہے خود صاف صاف قربانی گاؤ کی اجازت دے رہا ہے، اخبار پانیر ص ۷ کالم ۴ مطبوعہ ۱۰ اپریل ۱۸۹۴ء میں ایک مضمون چھپا ہے کہ: "ہندوستان قدیم میں گائے کی قربانی"

اسی میں وید سے نقل کیا:

"اے اگنی! یہ پاک نذر صدق دل سے راگ کی صورت میں تیرے حضور پیش کرتے ہیں، اور تمنا ہے کہ یہ سانڈ اور گمنیاں تجھے پسند آویں۔"

رگ وید ۶: ۱۶۔۴۷ میں تہ دل سے سوما کا عرق پینے والی اگنی خالق کی، جسے گھوڑے اور سانڈ اور بیل اور گمنیاں اور منت کے مینڈھے چڑھائے جاتے ہیں ستائش کروں گا۔ رگ ۱۰ : ۹۱۔ ۱۴۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی کتب خانہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۱

اسی اخبار میں ہر ہمنہ پران، اور ستیار تھ پرکاش اور ترہنا جلد ۳ باب ۸، اور منو کی سامر تھی ۵: ۴۱ وغیرہا کتب میں مذہب ہنود سے ہندوؤں کا گائیں ذبح کرنا بخوبی ثابت کیا ہے، اسی طرح یہ امر مہابھارت وغیرہ سے بھی ثابت، فیصلہ ہائی کورٹ مقدمہ قربانی نمبری ۶۸۷ میں تاریخ ہنود زمانہ پیشیں سے حکام ہائی کورٹ نے ثابت کیا ہے کہ اگلے ہندو اپنی دینی رسوم میں گئوعید یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے، اور متقدمین حکمائے ہنود نے اس کی تاکید کی تھی، تو ثابت ہوا کہ ہنود اپنے وید اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف بغرض دل دکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گاؤ کی صاف صریح اجازت ہے، امر مذہبی میں مزاحمت بیجا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں جس کا عقلاً عرفاً قانوناً کسی طرح انھیں اختیار نہیں، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۸۷: از بنارس چوک جدید مسئولہ حاجی محمد امیر و عبدالکریم صاحبان گلٹ فروش ۲۹ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

ہمارے سنی حنفی علماء رحمہم اللہ تعالٰی اس میں کیا فرماتے ہیں کہ ہم مسلمانان ہند کو باوجود کفار کے گاؤ کی قربانی کے مٹانے پر کمر بستہ رہنے کے صرف ہندوؤں سے سلطانی چندہ وصول کرنے کی غرض و مصلحت سے گائے کی قربانی کو ہمیشہ کے لئے ترک کردینا، اور بغرض مذکور اس کے ترک کردینے کو تحریراً و تقریراً عام جلسوں میں یہ بیان کرنا اور شائع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

گائے کی قربانی ہندوستان میں اعظم شعائر اسلام سے ہے:

قال اللہ تعالٰی "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہم نے تمھارے لئے اللہ کی نشانیوں سے کئے۔ (ت)

اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں ثابت کیا ہے کہ یہاں اس کی قربانی واجب ہے اور بلحاظ ہنود اس کا ترک ناجائز، کسی دینی کام کے لئے کفار سے چندہ لینا اول تو خود ہی ممنوع اور سخت معیوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انا لانستعین بمشرك** [2] ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے، ولہٰذا علماء تصریح

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[2] سنن ابو داؤد باب فی المشرك یسھم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ باب الاستعانۃ بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸

فرماتے ہیں کہ کسی کتابی کافر سے قربانی کا ذبح کرانا مکروہ ہے اگرچہ کتابی کا ذبیحہ جائز ہے، تنویر الابصار میں ہے: **کرہ ذبح الکتابی**[1] (کتابی کا ذبیحہ مکروہ ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

لانها قربة ولاینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین[2]۔	کیونکہ یہ عبادت ہے اور دینی امور میں کافر سے مدد لینا مناسب نہیں۔ (ت)

امام نسفی کافی میں فرماتے ہیں:

امر المسلم کتابیا بان یذبح اضحیة جاز، لانه من اهل الذبائح والقربة عـــہ ابانابته ونیته ویکرہ لان هذا من عمل القرب وفعله لیس بقربة[3]۔	مسلمانوں نے کسی کتابی کافر کو قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو جائز ہے کیونکہ کتابی لوگ ذبح کے اہل ہیں۔ (ت)

تو مشرک سے مسلمان مجاہدوں کے لئے چندہ لے کر اس کی نگاہ میں اسلام کو **معاذاللہ** محتاج وذلیل ٹھہرانے کے لئے اس کے مذہب باطل کو اپنے دین پر فتح دینا اور اسلام کا ایک بڑا شعار بند کردینا اسی کا کام ہوسکتا ہے جو سخت احمق اور اسلام کا نادان دوست یا صریح منافق اور اسلام کا چالاک دشمن ہو، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۸: مسئولہ حافظ خورشید علی صاحب از مدرسہ خیر المعاد رہتک ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی نبیه الکریم۔

اللهم "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝" [4]۔	اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر، بیشک تو ہے بڑا دینے والا۔ (ت)

عـــہ: کافی سے مقابلہ نہ ہوسکا اس لئے یہاں کا کچھ لفظ رہ گیا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۸

[3] کافی امام نسفی

[4] القرآن الکریم ۳/ ۸

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے مسلمانوں کی ایذا دہی اور تکلیف رسانی کے لئے ہندوؤں اور آریوں سے عقد محبت اور بھائی بندی مضبوط کیا، اور کافروں کے دباؤ سے محض ان کی خوشنودی اور اپنی غرض حاصل کرنے کے لئے علی الاعلان پنچایت میں کہہ دیا کہ ہم گائے کی قربانی ہرگز نہیں کریں گے کیونکہ گائے کی قربانی کہیں نہیں آئی ہے۔ اب استفسار یہ ہے کہ گروہ مذکور اس عقد سے موافق آیہ ربانی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ(۲۳)" [1]	اے ایمان والو اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔ (ت)

اور حدیث رسول: **من تشبه بقوم فهو منهم** [2] (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انھیں میں سے ہوگا۔ ت) خواہ تشبہ اعتقادیات میں ہو یا عملیات میں، یا دونوں میں کافر ہوا یا نہیں؟ علاوہ ازیں مسلمانوں کی ضد میں اپنے کئے پر جم جانے اور برتقدیر گناہ کبیرہ ہونے کے اس پر اصرار کرنے سے کافر ہوا یا نہیں؟ اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے، اور علماء کی شان میں کلمات بدکہنے، اور شریعت محمدیہ کی توہین سے یہ لوگ کافر ہوئے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ لوگ سخت اشد اخبث اشنع کبیرہ کے مرتکب ہیں گائے کی قربانی بلاشبہ قرآن عظیم سے ثابت ہے، جواز کے لئے تو آیات کثیرہ ہیں۔ مثلا:

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةًؕ" [3]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے: بیشک اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[2] سنن ابوداؤد باب فی لبس الشهرة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر دارالفکر بیروت ۲/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

اور فرماتا ہے:

"وَمِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَیۡنِ وَمِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَیۡنِ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّکَرَیۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡہِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ"[1]	اونٹ میں سے دو، اور گائے میں سے دو تم فرماؤ کیا اللہ نے اونٹ اور بیل حرام کئے ہیں، یا اونٹنی اور گائے یا بوتا اور بچھڑا۔

یعنی ان میں سے کچھ حرام نہ فرمایا، سب تمھارے لئے حلال ہیں، اور خاص عبادت قربانی کے لئے فرماتا ہے:

"وَالۡبُدۡنَ جَعَلۡنٰہَا لَکُمۡ مِّنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ"[2]	قربانی کے اونٹ اور گائے ہم نے تمھارے لئے اللہ کی نشانیوں سے بنائے۔

خصوصا ہندوستان میں کہ یہاں تو بالخصوص گائے کی قربانی واجبات شرعیہ سے ہے جیسے ہم نے اپنے رسالہ "**انفس الفکر فی قربان البقر**" میں بدلائل واضحہ ثابت کیا ہے، خوشی ہنود کے لئے اس سے باز رہنے والا بلاشبہ بدخواہ اسلام و مسلمین ہے، دشمنان دین سے دوستی کرنے والا دشمن دین ہوتا ہے، اور روز قیامت ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جاتا ہے،

قال تعالٰی "وَمَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ؕ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو تم میں سے ان سے دوستی رکھے وہ انھیں میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **المرء مع من احب**[4] آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھے۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: **انت مع من احببت**[5] تو اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ دوستی رکھے۔ اور ایک حدیث میں ہے قسم کھا کر ارشاد فرمایا:

مااحب رجل قوما الاحشرہ اللہ فی زمرتھم[6] اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جو کسی قوم کے ساتھ دوستی رکھے گا ضرور اللہ تعالٰی انھیں کے ساتھ اس کا حشر کریگا۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۴

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[4] صحیح البخاری باب علامۃ الحب فی اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۱

[5] صحیح البخاری باب مناقب عمر بن الخطاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۱

[6] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۹

گناہ کبیرہ پر اصرار اگرچہ کفر نہیں، مگر دشمنان دین کی دوستی اگر آج کفر نہ ہو تو معاذاللہ مرتے وقت کافر اٹھاتی ہے کہ انھیں کے ساتھ حشر ہو، اور مطلقًا علمائے دین یا کسی عالم دین کی ان کے عالم ہونے کے سبب برا کہنا، یا شریعت مطہر کی ادنٰی توہین کرنا، یہ تو یقینا قطعًا کفر وارتداد ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹ تا ۱۹۴: ازرائے بریلی مقام مدرسہ رحمانیہ عربیہ مسئولہ مسلمانان رائے بریلی ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لیڈران قوم جو علم شریعت سے ناواقف اور احکام شریعت سے بے بہرہ ہیں، انھوں نے ۷ جنوری ۱۳۱۰ھ کو بمقام ٹاؤن ہال ایک میٹنگ منعقد کرکے اہالیان شہر کو جمع کیا اور قوم ہنود کی ہمدردی کو اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ نہایت پر زور تقریر وتائید میں دکھلاتے ہوئے باوجود مقامی عالم دین کے اختلاف ومتفق الرائے نہ ہونے کے اس امر پر بے حد مصر ہوئے کہ قوم ہنود کی ہمدردی کے صلہ میں گائے کی قربانی جو ان کے سخت دل آزاری کا سبب، اور باہمی اتفاق اور اتحاد کے لئے سد باب اور رخنہ انداز ہے قطعاً چھوڑدینا چاہئے کیونکہ اس وقت ان کی محبت اور ہمدردی بالخصوص معاملت ترکی وخلافت عثمانیہ کے بارے میں بیحد ضروری ہے ان کی معیت معاملات مذکورہ میں قطعاً مفید، اور ان کی علیحدگی قطعاً مضر ہوگی، اور یہ بھی بیان کیاکہ شریعت نے ہم کو اختیار دیا ہے کہ گائے بکری، بھیڑ وغیرہ جس کی چاہیں قربانی کریں بلکہ مینڈھا کی قربانی افضل ہے، لہٰذا افضل کے ہوتے ہوئے گائے کی قربانی جس میں دل آزاری قوم ہنود کی ہے ہرگز نہ کرنا چاہئے، چنانچہ افسر علمائے ہند جناب مولانا عبدالباری صاحب نیز دیگر علمائے پنجاب نے ایساہی فتوٰی دے دیا ہے اور یہ بھی ظاہر کیاکہ وہ غرباء جو مثلا دس روپے کی گائے لے کر سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کرلیا کرتے تھے اب ان کے لئے یہ انتظام کیاجائے گاکہ ان سے دس روپیہ لے کر سات بکرایا بھیڑ ہم لوگ بہم پہنچادیا کریں گے اور زائد روپیہ ہم لوگ اپنے پاس سے لگادیا کریں گے، یا بھیڑ اور بکری بہ نرخ بازار مثلا چار پانچ روپیہ راس ہم لوگ خرید کر فراہم رکھیں گے اور غرباء کو مثلا ایک روپیہ راس دیا کرینگے، جس کے لئے کچھ چندہ بھی کیاگیا ہے، مگر اس کے لئے نہ کوئی جائداد وقف کرتے ہیں اور نہ ہمیشہ کے لئے کوئی رجسٹری کی صورت ہے، چونکہ اس امر پر پورا اعتماد ہے کہ یہ لوگ اس بار عظیم کو ہمیشہ نہ نباہ سکیں گے، لہٰذا ضرور اور اغلب ہے کہ اس میں قوم ہنود سے خفیہ یا صراحۃ ضرور امداد لیں گے۔

لیڈران قوم کاخیال ہے کہ جس قدر قربانیاں سالہائے گزشتہ میں گائے کی لوگوں نے کی ہیں انھیں کو امداد دی جائے گی، اور جو لوگ جدید قربانی کرنا چاہیں گے ان کو امداد نہ دی جائے گی، نیز جو لوگ

پیغمبر علیہ السلام یا اپنے دیگر بزرگوں کی طرف سے قربانیاں کیا کرتے تھے چونکہ یہ بلاضروت ہے اس لئے ان کو امداد نہ دی جائے، اور یہ بھی خیال ہے کہ قربانی ہی پر کیا منحصر ہے، بلکہ جملہ شادی وغمی وغیرہ وغیرہ میں گائے ذبح نہ کی جائے، بجائے اس کے بکری وغیرہ کا گوشت استعمال کیا جائے، اور رائے بریلی میں اس امر کا تجربہ بھی ہوچکا ہے کہ جن مقامات میں گائے کی قربانیاں ہوا کرتی ہیں اس جگہ ایک سال قربانی نہ ہونے سے پھر آئندہ سال اس جگہ قربانی میں سخت رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، اور نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس کی نظیر موجود ہے، اس موقع پر کسی قانون دان لیڈر کو حِس تک نہیں ہوتی کہ اس کو بمقتضائے قانون جاری کرادیوے، بلکہ فتنہ وفساد کے الفاظ سے مرعوب کرکے غرباء کو خاموش کردیا جاتاہے۔ لہٰذا امور ذیل دریافت طلب ہیں:

(۱) قوم ہنود کی ہمدردی گزشتہ وآئندہ کے صلہ میں اور باہمی اتحاد قائم رکھنے کی غرض سے گائے کی قربانی ترک کردینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) اور ان لوگوں کے وعدہ موہومہ مذکورہ پر بھروسہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور ان کے فراہم کردہ چندہ سے امداد لے کر اپنی طرف سے وجوباً خواہ استحباباً قربانی کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

(۳) ان لوگوں کے فراہم کردہ چندہ سے جس میں شبہ قوی ہے کہ ر قوم ہنود بھی شامل ہوں گی قربانی کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟

(۴) فی الواقع اگر مولوی عبدالباری صاحب وغیرہ کا اس کے متعلق فتوٰی ہوچکا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۵) اور ایسے محرکین کی کمیٹی میں شرکت کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور اس کے محرک اور مرتکب عنداللہ ماجور رہوں گے یا گنہ گار؟

(۶) گائے بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ میں منجانب شریعت مختار ہونا، اس کے کیا معنی ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) گائے کی قربانی شعار اسلام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ"[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: قربانی کے اونٹ اور گائے ہم نے تمھارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنائے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

دشمنان دین سے اتحاد منانے کو شعار اسلام بند کرنا بدخواہی اسلام ہے۔

(۲) ان صاحبوں کا وعدہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ القائے شیطان ہے۔

وقال اللہ تعالٰی "وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شیطان تو وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔

ان سے چندہ سے مدد لے کر گائے کی قربانی چھوڑنا، شیطان کا داؤں چلالینا ہے، دو چار کو شیطان نے دھوکا دے لیا،
اور مسلمان تو اپنی انکھیں کھلی رکھیں

(۳) اس کا جواب جواب دوم میں آگیا۔ اور اس سے اور بھی کھل گیا کہ یہ شیطان کا فریب ہے ہر گز کفار تمھارے دین کی خیر خواہی نہ کریں گے، قال اللہ تعالٰی "لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ؕ "[2] (وہ تمھاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ت) ضرور ہے کہ جس میں وہ ساعی ہیں اس میں تمھارے دین کا ضرر ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کی آرزو ہے کہ ایذا تمھیں پہنچے۔ (ت)

ان کے زبانی اتحاد پر پھولنا قرآن عظیم کو بھولنا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ "[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں بڑا ہے۔ (ت)

اس اتحاد کی یک طرفہ تالی تو دیکھو، تم اپنا شعار دین بند کرو جسے تم ان سے بالکل مخفی کرتے ہو، اور وہ اتنا بھی نہ کریں کہ اتنے گھنٹے سنکھ ان مندروں سے بند کردیں، جہاں سے تمھیں یا کم از کم کسی مسجد کو وہ مکروہ ودلخراش آوازیں جائیں وہ اعلان نہ چھوڑیں اور تم مخفی سے بھی باز آؤ، یہ انھیں لیڈروں سے اسلام دوستی ہے۔

(۴) مولوی عبدالباری صاحب کے والد مرحوم مولانا عبدالوہاب صاحب، اور ان کے استاذ مولوی عبدالحہ صاحب اور دیگر علمائے فرنگی محل کا فتوٰی خود مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحہ صاحب میں چھپ چکا ہے کہ بخاطر ہنود قربانی گاؤ بند کرنا معصیت ہے، ناجائز ہے، اس کا جاری رکھنا واجب ہے، "**انفس الفکر**" بھیجتا ہوں اس پر عمل چاہئے۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۰

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

(۵) محرکین کا حال قرآن عظیم کی آیتوں سے اوپر ظاہر ہوچکا کہ شیطان کے فریب میں ہیں، نادانستہ خواہ ان کے بعض دانستہ بدخواہی اسلام کررہے ہیں، اس کمیٹی میں شرکت حرام ہے کہ قرآن عظیم کو پیٹھ دینے کا مجمع ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ [1]۔ وقال تعالٰی فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ﳲ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔(ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انھیں جیسے ہو۔(ت)

(۶) اس کی تفصیل "**انفس الفکر**" سے معلوم ہوگی، قربانی کا تمھیں اختیار ہے، مگر مخالفان اسلام کی خاطر سے شعائر اسلام بند کرنے کا کسی وقت تم کو اختیار نہیں۔

"وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ﴿۴﴾" [3]۔	اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۹۵و۱۹۶: از فتحپور محلّہ ایرانیاں مرسلہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۱۱ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

مولانا المعظم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آج کل اخباروں میں علماء نے شائع فرمایا ہے کہ مصلحتا ضرورت ہے کہ ہندوؤں سے اتفاق کیا جائے اور بجائے گائے کی قربانی کے بکری بھیڑ کی قربانی کی جائے، تو جناب والا اس کی نسبت کیا فرماتے ہیں کہ جو قربانی گائے کی کرتا ہے اس کو آجکل اس مصلحت سے گائے کی قربانی نہ کرنا کیسا ہے؟

(۲) اصل میں بکری بھیڑ کی قربانی افضل ہے یا گائے کی، فقط

الجواب:

یہاں گائے کی قربانی قائم رکھنا واجب ہے اور اس ناپاک مصلحت کے لئے اس کام کا چھوڑنا حرام، گائے کی قربانی اسلام کا شعار ہے، اور شعار اسلام بند کرنے کی وہی کوشش کرے گا جو اسلام کا بدخواہ ہے، ایسا شخص عالم نہیں ہوسکتا بلکہ ظالم ہے، اور کس پر ظلم ہوتا ہے، اسلام پر اور ہنود سے جیسا اتحاد منایا جارہا ہے حرام ہے حرام قطعی حرام ہے، نصوص قرآن عظیم سے حرام ہے اور اس کے جو نتائج ہورہے ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

کہ مسلمانوں نے قشقے لگوائے۔ رام لچھمن پر پھول چڑھائے، مشرک کی ٹکٹکی اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کی جے بولتے ہوئے مرگھٹ میں لے گئے۔ قرآن عظیم ایک ڈولے میں رامائن کی پوجا کراتے مندر میں لے گئے، ان کے بڑے لیڈر نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی، یہ فضائح کھلے ہوئے کفر نہیں رہے؟ مشرک سے اتحاد ہو کر یہ نتیجہ آپ ہی ضرور تھا، قرآن کریم میں صاف ارشاد فرمایا کہ تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا، وہ سب انھیں میں سے ہے، آیہ کریمہ کارڈ پر نہیں لکھی جاسکتی، ترجمہ اس کا یہی ہے، پھر کیونکر ممکن تھا کہ مشرکوں سے اتحاد کرنے والے مشرک نہ ہوجاتے یہ یہاں ہے، اور اگر سچے دل سے تائب ہو کر باز نہ آئے تو صحیح حدیثوں کا ارشاد ہے کہ ان کا حشر بھی بت پرستوں کے ساتھ ہوگا، مولٰی عزوجل اپنے غضب سے پناہ دے، ہدایت فرما کر دل نہ الٹے۔ راہ دکھا کر آنکھیں نہ پلٹیں **اِحْفَظْنَا یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ** (اے دلوں اور آنکھوں کو بدلنے والے! ہماری حفاظت فرما۔ ت) **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۷: از لکھنؤ کنٹونمنٹ روڈ کوٹھی ۳۳ مسئولہ مولوی عبدالحمید صاحب ۵ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

عالیجناب معلی القاب مولانا صاحب قبلہ ادام اللہ برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج کل اہل ہنود جگہ جگہ میونسپلٹی کے ذریعہ سے انسداد گاؤکشی کی کوشش کررہے ہیں، چنانچہ فیض آباد، ہاتھرس اور شہر لکھنؤ میں ہندو ممبران میونسپلٹی نے اپنی زیادتی تعداد کی وجہ سے تمامی مسلمانوں ممبروں کے خلاف انسداد گاؤکشی کا قانون پاس کردیا ہے، اگر خدانخواستہ گاؤکشی قانونا ممنوع قرار دی گئی تو عام مسلمانوں کو صرف اسی قدر نہیں کہ روز مرہ کی زندگی میں ان کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ تقریبا تمام غیر مستطیع مسلمان جو تعداد میں نوے فیصدی سے بھی زائد ہیں ان سب کو عید الضحٰی میں قربانی کرنا بھی نصیب نہ ہوگا اس لیے کہ غریب مسلمان کسی طرح اس کی مقدرت نہیں رکھتے کہ وہ فردًا فردًا پندرہ بیس روپے کا بکرا ہر سال خرید سکیں، لہٰذا دریافت طلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں عام مسلمانوں کو خاموشی اختیار کرنی چاہئے یا انسداد گاؤکشی کے خلاف ان کو بھی امکانی جدوجہد کرنی چاہئے، اور مذہبًا ان پر کیا واجب ہے؟

یہ ایک استفتاء ہے جس کا جواب براہ کرم وبرائے خدا ورسول اکرم (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) جلد تر عطا فرمائیں تاکہ مسلمانوں کے عام جلسہ میں جو کہ صرف پانچ چھ یوم میں ہونے والا ہے آنجناب کا شرعی حکم پھر سب کو پڑھ کر سنادیا جائے۔

الجواب:

مولٰنا المکرم وذو المجد والکرم اکرمکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ مسئلہ بھی کچھ قابل سوال ہے، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان یحب ان یعلم منزلتہ عنداللہ فلینظر کیف منزلۃ اللہ عندہ۔فان اللہ ینزل العبد منہ حیث انزلہ من نفسہ [1]۔رواہ الحاکم فی المستدرك و الدارقطنی فی الافراد عن انس وابونعیم فی الحلیۃ عن ابی ھریرۃ وعن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	جو یہ جاننا پسند کرے کہ اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ کتنا ہے وہ یہ دیکھے کہ اس کے دل میں اللہ کی قدر کیسی ہے کہ بندے کے دل میں جتنی عظمت اللہ کی ہوتی ہے اللہ اسی کے لائق اپنے یہاں اسے مرتبہ دیتا ہے (اسے حاکم نے مستدرک میں اور دارقطنی نے افراد میں انس وابونعیم نے حلیہ میں ابوہریرہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

آدمی اگر اللہ ورسول کے معاملہ کو اپنے ذاتی معاملہ کے برابر ہی رکھے، تو دین میں اس کی سرگرمی کے لئے بس ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ذراسی نالی یا پرنالے کی ملک بلکہ مجرد حق کے لئے کس قدر جان توڑ عرق ریزیاں کرتا ہے اس کا مقدمہ منتہا تک پہنچاتا ہے، کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا، پیسہ کے مال پر ہزاروں اٹھادیتا ہے، دنیوی فریق کے مقابل کسی طرح اپنی دبتی گوارا نہیں کرتا، گائے کشی مسلمان کا دینی حق ہے، اور حق بھی کیسا، خاص شعار اسلام، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىٕرِ اللّٰهِ" [2]۔	اونٹ اور گائے کی قربانی کو ہم نے تمھارے لئے دین الٰہی کے شعاروں سے کیا۔

امام محمد جامع صغیر میں فرماتے ہیں: وَالْبُدْنَ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ [3] (اونٹ اور گائے بُدنہ ہیں۔ت) اور اگر شعار اسلام کو اور بھی خاص اعدائے اسلام کے مقابلہ میں اپنی ایک نالی کے برابر بھی نہ سمجھو، تو جان لو کہ اللہ واحد قہار ہے یہاں تمھاری قدر کتنی ہے اگر وہ ضرورت وضرر جو سوال میں مذکور ہوئے نہ بھی ہوتے بقدر قدرت کوشش لازم تھی،

حدیث میں ہے: لیس منا من اعطی

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب الدعا دارالفکر بیروت ۱/ ۹۵۔۴۹۴

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[3] الجامع الصغیر باب تقلید البُدن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۳۱

الدنیۃ فی دیننا[1] ہمارے گروہ سے نہیں جو ہمارے دین کے معاملہ میں دبتی رکھنے دے کہ ان ضرورتوں اور ضرروں کے ہوتے ہوئے بیشک جو اس میں بے پروائی وچشم پوشی برتے گا اور حسب طاقت دین کی مدد نہ کرے گا اور شعار اسلام کو نقصان پہنچنے دے گا، روز قیامت سخت باز پرس میں پکڑا جائے گا اور اس کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالٰی قیامت میں اس کی شدید حاجت کے بوقت اسے بے یار ومددگار چھوڑے، جیسا اس نے دین کی مدد سے منہ موڑا، قال اللہ تعالٰی "وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾"[2] اس سے قیامت میں فرمایا جائے گا جیسا تونے دین کو بھلادیا تھا تو ایسا ہی آج تو بھلادیا جائے گا کہ کوئی تیری خبر نہ لے گا، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: از پرولیا ضلع مان بھوم مسئولہ خلیفہ محمد جان شب ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ترک گاؤ کشی یا ترک قربانی گاؤ مصلحت وقت سمجھ کر چھوڑ دیا جائے اس پر مذہبی نقصان ہے یا نہیں؟

الجواب:

گاؤ کشی مباح قطعی ہے، مشرکین کی خاطر اسے بند کرنا مشرک کا بول بالا کرنا ہے، اور قربانی گاؤ شعار اسلام ہے، مشرکین کی خاطر اس کا بند کرنا حرام ہے، وھو تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۹: از شہر بریلی صدر بازار مکان ۸۹۷ مرسلہ حافظ بنے خاں صاحب مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

قربانی گاؤ کے متعلق ہمارے علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ہندوستان میں قربانی گاؤ کا جاری رکھنا واجب ہے اور خوشنودی ہنود کے لئے اس کا بند کرنا حرام ہے،

"وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾"[3]۔	اللہ ورسول زیادہ اس سے مستحق ہیں کہ انھیں راضی کرو اگر تم مسلمان ہو۔

[1] صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد ۱/ ۳۸۰، مسند احمد بن حنبل فلم نعطی الدنیہ فی دیننا ۴/ ۳۳۰

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۶

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

والتفصیل فی رسالتنا"انفس الفکر فی قربان البقر" (تفصیل ہمارے رسالے "**انفس الفکر فی قربان البقر**" میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۰ و ۲۰۱: از آنولہ ضلع بریلی مرسلہ چودھری رحیم بخش صاحب مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید گائے قربانی کے واسطے خرید کی، چونکہ قربانی گائے کی اہل ہنود کے واسطے باعث دل آزاری ہوگی اس لئے زید خوشنودی اہل ہنود کے واسطے گائے خرید کردہ سے بیل یا بھینس وغیرہ بدل کر قربانی کرنا چاہتا ہے تو عندالشرع یہ بدلنا درست ہے یا نہیں؟ اور گائے کی قربانی بوجہ اتحاد کے موقوف کر دینا درست ہے یا نہیں؟
(۲) محض خوشنودی اہل ہنود کے لئے قربانی بجائے تین روز کے ایک ہی دن مقرر کریں، درست ہے یا نہیں؟ اور ایک دن مقرر کر لینے والوں کو عندالشرع کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) وہ گائے کہ بہ نیت قربانی خریدی، اس کا دوسری گائے سے بدلنا بھی منع ہے کہ اللہ کے واسطے اس کی نیت کرکے پھرنا معیوب ہے، اور ہندوؤں سے اتحاد حرام، اور اس کی وجہ سے گائے کی قربانی موقوف کرنا حرام، اور حرام موجب غضب جبار وعذاب نار، ایسا کرنے والوں کو حشر ہندوؤں کے ساتھ ہوگا، حدیث میں ارشاد ہوا کہ "میں قسم کھا کر فرما سکتا ہوں کہ جو جس سے اتحاد رکھے گا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا[1]" **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ بھی حرام ہے، ہنود کی خوشنودی کے لئے اللہ ورسول کے حکم میں تنگی کرنا مسلمانوں کا کام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۱۹

مسئلہ ۲۰۲: مسئولہ حافظ سلیم اللہ بہاری پور بریلی ۱۸جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بغیر پردہ عورتوں کر مرید کرتاہے اور ان بے پردہ کو اپنے پاس بٹھلاتاہے، بات بھی کرتا ہے بجائے داڑھی منڈانے کے خشخشی کرنے کاحکم دیتاہے، عالموں کی غیبت کرتاہے، اذان اور صلوٰۃ اور تکبیر اپنے کانوں سے سنے مگر نماز کے لئے مسجد میں نہیں آتاہے اور کہتاہے کہ پیر رسول تک نہیں بلکہ خداتک براہ راست پہنچادے گا، ایسے پیر کے واسطے ہماری شریعت کیاحکم دیتی ہے، ایسے پیر کامرید ہونا کیساہے اور جو اس کے پیروکار ہیں ان کے واسطے اور ایسے پیر کے واسطے ہماری شریعت اہل سنت والجماعت کیاحکم دیتی ہے؟ کوئی بات خلاف نہیں ہے۔

الجواب:

اگریہ باتیں واقعی ہیں توایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں، ایسا شخص اور اس کے پیروسب گمراہ ہیں، اور یہ کہنا کہ پیر رسول تک نہیں بلکہ براہ راست اللہ تک پہنچادیتاہے اس کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ بے واسطہ رسول، اگریہی مراد ہے تو صریح کفر ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۳: از بلنڈا ضلع پیلی بھیت مسئولہ محمد حسین صاحب ۴ربیع الاخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تین شخصوں کو جو بستی کے تھے مسلمان کیا، اس پر اس بستی کے ایک مسلمان نے کہا کہ مسلمانوں کے کلمہ میں یہ طاقت ہے کہ سور کھانے والوں کو کلمہ پڑھاکر مسلمان کرلیتے ہیں توایسی حالت میں سور پر کلمہ پڑھ کر کیوں نہیں کھالیتے، ایسی حالت میں شرع اس پر کیاحکم لگاتی ہے، وہ شخص نماز نہیں پڑھتا روزہ نہیں رکھتاہے نام کا مسلمان کہلاتاہے اور کہتاہے کہ ہم کو مسلمانوں سے واسطہ نہیں ہے ہم کو ہندوؤں سے کام ہے اور واسطہ ہے ہمارا روزگار ایساہے اور اس پر منع کیاگیاتو فوجداری پر آمادہ ہوگیا۔

الجواب:

اگریہ بیان واقعی ہے تو وہ شخص کافر ہوگیا۔ اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، مسلمانوں کو اس سے میل جول سلام کلام حرام ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۴: از شہر کہنہ محلّہ روہیلی ٹولہ مسئولہ محمد خلیل الدین صاحب ۷صفر ۱۳۳۹ھ

مسئلہ مسئولہ سید عرفان علی صاحب رکن انجمن خادم الساجدین رہڑی ٹولہ بریلی ۲صفر ۱۳۳۹ھ میں جو دربارہ مطلب ومعنی آیہ شریفہ "**مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً**"[1] (الی مقیتا) ہے اس بات پر منطقی دلائل

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۵

قائم کرکے ایک بحث طویل کی جاسکتی ہے کہ فلاں مسلم یا نامسلم فلاں سلطنت مظلومہ اور فلاں ملک کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور حفاظت کی کوشش بلیغ کررہاہے اس کے جلسہ وجلوس اور وعظ وبیان کی شرکت اور اس کی تعظیم ومدح اور اس کی اقتداء وپیروی سب جائز بلکہ ضروری ہے اور جو اس بات سے احتراز کرے یا اس پر اعتراض کرے تو وہ آیہ شریفہ کے خلاف کام کرتاہے اور گنہ گار ہے جو دوسروں کو امور متذکرہ بالا سے منع کرتاہے یا روکتاہے وہ آیہ شریفہ کے حصہ آخر یعنی شفاعت سیئہ کا مرتکب ہوا، امید کہ اس کی نسبت تصریح ووضاحت فرماکر ماجور ومشکور ہوں۔

الجواب:

آیہ کریمہ کی نسبت ایسا وسوسہ محض القائے شیطان رجیم ہے، قرآن عظیم میں اعمال حسنہ وسیئہ کی ایک عام میزان ومعیار مقرر فرمائی ہے کہ تمام فروع میں ملحوظ ومرعی ہے اللہ جل وعلا ارشاد فرماتاہے:

"وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾"[1] جو آخرت چاہے اور اس کے قابل کوشش کرے اور شرط یہ ہے کہ ہو مسلمان تو ان لوگوں کی کوشش مشکور ہوگی۔ اور کافروں کی نسبت فرماتاہے: "وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾"[2] یعنی کافر کچھ بھی عمل کرے ہم نے اس کو تباہ وبرباد کردیاہے، کافر سے اصلا کوئی حسنہ قبول نہیں بلکہ اس سے کوئی حسنہ متصور ومعقول نہیں، امور ثواب کے عمومات میں ہمیشہ صرف اہل اسلام مراد ہیں، رب عزوجل فرماتاہے:

"مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾"[3]	کون ایسا ہے جو اللہ کے لئے قرض حسن دے اللہ اسے دونا دون عطافرمائے اور اس کے لئے عزت والا ثواب ہے۔

کیا کوئی کہہ سکتاہے کہ کافر اگر کسی کو دو ایک روپے بے سود قرض دے دے وہ اس آیت میں داخل ہے اور اس کے لئے عزت کا ثواب ہے، صورت دائرہ نہ صورت شفاعت ہے نہ شفاعت حسنہ بلکہ بداہۃ سخت شناعت سیئہ ہے، مسلمان کہلانے والوں نے مشرکین سے وداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامی وانقیاد واختیار کیا، شعائر اسلام کی بندش میں کوشاں ہیں، اور شعار کفر قبول کرنے پر

---
[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۱

نازاں، مشرکوں کی تعظیم کہ سخت مخالفت قرآن عظیم ہے اعلان کے ساتھ ہورہی ہے ان کی جے پکاری جاتی ہے، انھیں اپنی مزعوم حاجت دینیہ میں پیشوا اور رہنما بنایا جاتا ہے آیات واحادیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کی جاتی ہے، مشرکوں کو مساجد میں لے جاکر مسلمانوں کا واعظ بنایا جاتا ہے مشرک کی ٹکٹکی کندھوں پر اٹھاکر مرگھٹ تک لے گئے اس کے لئے دعائے مغفرت ونماز جنازہ کے اشتہار دئے جو صریح کفر ہے، صاف کہہ دیا کہ آج تم نے اگر اپنے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کرلیا اور یہ کہ خدا کی رسی مضبوط تھامنے سے اگرچہ دین نہ ملے دنیا تو ضرور ملے گی، علانیہ چھاپ دیا کہ ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز موقوف کردے گا اور سنگم وپریاگ کو مقدس علامت بنائے گا، یہاں اس قول کے معنی کھلے جو خدا کی رسی کی نسبت کہا تھا، حبل اللہ قرآن عظیم ہے محال ہے کہ اسے مضبوط تھامنے سے دین نہ ملے، مگر یہ دین جو معابد کفار کو مقدس بنائے اور مسلم وکافر کا امتیاز اٹھائے البتہ قرآن عظیم سے نہیں مل سکتا، قرآن عظیم تو اس کا بیخ کن ہے۔

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" [1] "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۸۵" [2]۔	بیشک اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے۔ اور جو اسلام کے سوا کوئی بھی دوسرا دین چاہے وہ ہر گز قبول نہ ہوگا اور وہ شخص آخرت میں زیاں کار رہے گا۔

لہٰذا تصریح کردی کہ قرآن عظیم کو مضبوط تھامنے سے اگرچہ دین نہ ملے اور کہاں تک ان کے افعال واقوال ذکر کئے جائیں جن کے دل اللہ نے الٹ دئے اور آنکھیں پلٹ دیں **فسبحٰن مقلب القلوب والابصار** (پاک ومنزہ ہے وہ ذات جو دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتی ہے۔ت) باقی امور تحریم تعظیم مشرکین وغیرہ بارہا بیان ہوچکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۵: از لاہور بازار کٹڑہ کالج شرونوالہ مسئولہ خادم اسلام ملا محمد بخش حنفی چشتی سابق منیجر اخبار ہنر ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امر مشروع اور مباح شرعی کو کوئی شخص حرام شرعی اور ممنوع مذہبی بنانے کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں؟ غیر مشروع پر کوئی شخص مشروع اور

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

حلال شرعی بناسکتا ہے یا نہیں؟ جیسے کہ گائے کی قربانی مشروع اور مباح شرعی ہے کیا اس کو کوئی لیڈر قوم ممنوع شرعی کراسکتا ہے، ہنود کی مجالس اعیاد میں شرکت جو ممنوع اور حرام شرعی ہے کیا لیڈروں کی رائے سے وہ شرکت جائز اور حلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ دین پاک اللہ واحد قہار نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تمام جہان کے لئے قیامت تک کے واسطے اتارا ہے۔

"تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ۝۱" [1] "قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا" [2]	بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو، تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (ت)

اور ان سے نبوت کا دروازہ بند فرمادیا، محال ہے کہ ابدالآباد تک اب کوئی جدید نبی ہو۔

"وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۠۝۴۰" [3]	ہاں اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں میں پچھلے، اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (ت)

محال ہے کہ ان کی کتاب کا ایک حرف یا ان کی شریعت کا کوئی حکم کبھی بدل سکے

"لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝۴۲" [4]	باطل کو اس کی طرف راہ نہیں، نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔

ان کی شریعت کے کسی حلال کو جو حرام بتائے یا کسی حرام کو حلال بتائے وہ حلال حرام یا حرام حلال تو نہ ہو جائے گا بلکہ یہی کہنے والا الٹا کافر ہو جائے گا۔

"وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	اور نہ کہو اسے جو تمہاری باتیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۱

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۸

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲

لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ "[1] "مَتَاعٌ قَلِیۡلٌ ۪ ثُمَّ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمِہَادُ ﴿۱۹۷﴾ "[2] "قُلۡ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمۡ اَمۡ عَلَی اللّٰہِ تَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۹﴾ "[3] "وَیۡلَکُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَیُسۡحِتَکُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰی ﴿۶۱﴾ "[4]	بھلانہ ہوگا، تھوڑا برتنا ہے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی برا بچھونا، کیا اللہ نے اس کی تمھیں اجازت دی ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو، تمھیں خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو وہ تمھیں عذاب سے ہلاک کردے اور بیشک نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا۔(ت)

قربانی گاؤ کی حلت اور مجالس اعیاد ہنود میں شرکت کی حرمت دونوں ضروریات دین میں سے ہیں جو اسے حرام یا حلال کہے وہ اللہ ورسول پر افتراء کرتا ہے اور بحکم قرآن اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور حکم کفر اس پر لازم والزم۔

"وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[5] نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔(ت) اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس طرح چھٹکارا پائیں گے، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں، اللہ تعالٰی بلند و عظیم کی طاقت وتوفیق کے بغیر انسان نہ برائی سے پھر سکتا ہے اور نہ نیکی بجالاسکتا ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۶: از قصبہ حافظ گنج ضلع بریلی مسئولہ عبداللہ رضوی عرف چھنگے ۱۳صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ حافظ گنج میں ہندوؤں کی جل بہار اٹھتی تھی مگر اب کی مرتبہ مسجد کے قریب کے راستہ سے گزرنا چاہا تھا تمام اہلسنت وجماعت نے کہا کہ ہماری مسجد کے سامنے سے نہیں نکلتی ہے، عمرو نے جو دیوبند کو اپنا پیشوا مانتا ہے ہندوؤں کے ہمراہ ہو کر تھانہ میں کہہ دیا کہ مسجد کے سامنے سے نکلتی ہے اس حالت میں عمرو برادری کے قابل ہے مسلمان

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶
[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۹۷
[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹
[4] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱
[5] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

مانا جائے یانہیں، اور بی بی عمرو کی ہندو کے ہمراہ میلہ رام لیلا کو جائے شریعت سے اس کا نکاح جائز رہا یانہیں؟

الجواب:

میلاء میں جانا توحرام ہی ہے اگرچہ اس سے نکاح نہ کیا جائے اور کفار کے لئے جھوٹی گواہی دینی اور وہ بھی ایسی ناپاک بات میں، اور اس کے سبب مسجد کی توہین کرانی قریب بہ کفر ہے اگرچہ اس پر کفر مطلق کا حکم نہ بھی ہو، مگر جب وہ دیوبندیوں کا معتقد ہے تو اسی قدر اس کے کفر کے لئے کافی ہے، فتوٰی علمائے حرمین شریفین میں دیوبندیوں کی نسبت ہے:

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر [1]۔	جو ان کے کافر ہونے اور ان کے عذاب کے بارے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

بہر حال عمرو کی عورت اس کے نکاح سے باہر ہے، اور اس سے میل جول حرام ہے، اور اسے برادری سے خارج کرنا فرض، مگر جب اسلام لائے اور اپنے کفر اور ان کبائر سے توبہ کرے، اور دیوبندیہ ودیگر وہابیہ وجملہ کفار کو کافر مانے اس وقت برادری میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۷: از شہر محلّہ سوداگراں مسئولہ احسان علی صاحب طالب علم ۱۸صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید معاذاللہ یہ کہے کہ میں عیسائی یا وہابی یا کافر ہوجاؤں گا، نام ایک فرقہ کا لیا آیا وہ انھیں میں سے ہوگا یانہیں؟ یا یہ کہے کہ جی چاہتا ہے کہ غیر مقلد ہوجاؤں یا یہ کہے کہ غیر مقلد ہونے کا جی چاہتا ہے، یہ قول کیسا ہے، اگرچہ کسی کو چھیڑنے یا مذاق کی غرض سے کہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

جس نے جس فرقہ کا نام لیا اس فرقہ کا ہوگیا مذاق سے کہے یا کسی دوسری وجہ سے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸تا۲۱۲: از قصبہ تلسر ضلع شاہجہانپور محلّہ ہندوپٹی مسئولہ ضیاء الدین صاحب ۱۸صفر ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم۔

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام ادام فیضھم المولی العلام ان مسائل میں، **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

(۱) ایک صاحب مسمّٰی مولوی اشرف علی ساکن قصبہ تلہر ضلع شاہجہانپور دوسرے صاحب حکیم عبداللہ مقیم تلہر ہیں، حکیم صاحب کا بیان ہے کہ "یزید فاسق فاجر نہ تھا اس کو برانہ کہا جائے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اس کے یہاں جانا نہ چاہئے تھا، کیوں گئے، اور یہ ملکی جنگ تھی" دوسرے یہ کہ نماز فجر کے بعد مسلمانوں نے ان سے مصافحہ کرنا چاہا انھوں نے مصافحہ نہ کیا اور بدعت بتادیا، کیا حکیم صاحب کا یہ بیان سراسر غلط نہیں۔ کیا انھوں نے حضرت سیدالشہدا رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان ارفع واعلٰی میں گستاخی نہ کی؟ داد کذب بیانی نہ دی؟ کیا مصافحہ سے دست کشی وانکار اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ اس کی مراد بدعت سے بدعت سیئہ ہے اور ان کا یہ فعل وہابیانہ ہے؟[1]

(۲) اول الذکر مولوی صاحب ایک زمانہ تک مدرسہ مولوی یسین واقع بریلی محلّہ سرائے خام کے مدرس رہ چکے ہیں، کیا ان کی وہابیت کو اسی قدر کافی نہیں کہ ایک بدمذہب کے مدرسہ میں ملازم رہ کر اس مدرسہ کے دستور العمل درس تعلیم کی پابندی کرکے درس دیا چہ جائیکہ علم غیب حبیب خدا سید ہر دوسرا علیہ افضل التحیۃ والثناء میں وہابیہ کا خیال مغویانہ قیل وقال، جو کوئی شخص صحیح العقیدہ علم حضور سراپانور کو روز اول سے قیامت تک کے تمام اشیاء ذرہ ذرہ کو کلیۃً وجزیۃً محیط جانے اور ان کے واسطے **ماکان ومایکون** کا علم مانے اور قائل علم غیوب خمسہ ہو وہ شخص ان مولوی صاحب کے نزدیک مضل وضال قابل عقاب ونکال، اکابر علمائے اہلسنت کثرہم اللہ تعالٰی کی شان میں جن کی مدح وستائش میں مفتیان علام وعلمائے ذوی الاحترام حرمین طیبین وروم وشام وغیرہم مبالغہ فرمائیں اور ان کو پیشوا وسردار علمائے اہلسنت بتائیں، یہ صاحب بیہودہ الفاظ وناشائستہ کلمات زبان پر لائیں، ان صاحب کے تمام اوصاف میں باستثنائے مدرسی مدرسہ مذکورہ حکیم صاحب مذکور بھی شریک وہمخیال یہ دونوں صاحب مولوی قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند ومولوی رشید احمد گنگوہی ومولوی اشرف علی تھانوی کو اپنا پیشوا جانتے اور سرتاج اہلسنت مانتے ہیں، کیا دونوں صاحب کم سے کم بدعتی وبدمذہب نہیں؟ کیا ان کے ساتھ ان احادیث واقوال کے مطابق عمل نہ کیا جائے جو فتاوٰی الحرمین طبع بمبئی میں مذکور ہیں:

فی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔	صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان سے الگ رہو انھیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمھیں بہکا نہ دیں وہ تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

و[۲] لابی داؤد عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلاتشھدوھم[1]۔	ابوداؤد کی حدیث میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مرجائیں تو جنازے پر حاضر نہ ہو۔
[۳] زاد ابن ماجۃ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم[2]۔	ابن ماجہ نے بروایت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ اس قدر اور بڑھایا: جب انھیں ملو تو سلام نہ کرو۔ کھانا نہ کھاؤ، شادی بیاہ نہ کرو۔
و[۴] عند العقیلی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجالسوھم ولا تشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم[3]۔	عقیلی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس نہ بیٹھو، ساتھ پانی نہ پیو، ساتھ
[۵] زاد ابن حبان عنہ لاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم[4]۔	ابن حبان نے انھیں کی روایت سے زائد کیا ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو، ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔
[۶] الدیلمی عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی بریئ منھم وھم براء منی جھادھم کجھاد الترکیۃ والدیلم[5]۔	دیلمی نے معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان سے بیزار ہوں وہ مجھ سے بے علاقہ ہیں ان پر جہاد ایسا ہے جیسا کہ کافران ترک و دیلم پر۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنہ باب فی القدر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۸

[2] سنن ابن ماجہ باب فی القدر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۰

[3] الضعفاء الکبیر ترجمہ احمد بن عمران دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶

[4] کنز العمال حدیث ۳۲۵۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۴۰، میزان الاعتدال ترجمہ ۱۲۰۳ بشیر بن عبیداللہ القیصر دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۲۰

[5] فردوس الاخبار حدیث ۳۲۵۴ معاذ بن جبل دارالکتب العربی بیروت ۲/ ۴۴۹

و۷لابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا رأیتم صاحب بدعة فاکھروافی وجھہ فان اللہ یبغض کل مبتدع ولایجوز احد منھم علی الصراط لکن یتھافتون فی النار مثل الجراد والذباب[1]۔	ابن عساکر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کسی بدمذہب کو دیکھو تو اس کے برُرو اس سے ترش روئی کرو اس لئے کہ اللہ تعالٰی ہر بدمذہب کو دشمن رکھتا ہے ان میں کوئی پل صراط پر گزر نہ پائے گا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آگ میں گر پڑیں گے جیسے ٹیری اور مکھیاں گرتی ہیں۔
و۸للطبرانی وغیرہ عن عبداللہ بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام[2]۔	(طبرانی وغیرہ عبداللہ بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت) جو کسی بدمذہب کی توقیر کرے اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد دی۔
و۹لہ فی الکبیر ولابی نعیم فی الحلیة عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من مشی الی صاحب بدعة لیوقرہ فقد اعان علی ھدم الاسلام[3] وغیرہ من الاحادیث،	نیز طبرانی معجم کبیر اور ابونعیم نے حلیہ میں معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی بدمذہب کی طرف اس کی توقیر کرنے کو چلے اس نے اسلام کے ڈھانے میں اعانت کی، اور اس کے سوا اور حدیثیں ہیں،
۱قال العلماء فی کتب العقائد کشرح المقاصد وغیرہ ان حکم المبتدع البغض والاھانة والرد والطرد[4]۔	علماء کتب عقائد مثل شرح مقاصد وغیرہ میں فرماتے ہیں کہ بدمذہب کا حکم اس سے بغض رکھنا اسے ذلت دینا اس کا رد کرنا اسے دور ہانکنا ہے۔

[1] تذکرة الموضوعات للفتنی باب افتراق الامة علی ثلاث وسبعین فرقة کتب خانہ مجیدیہ ملتان ص ۱۵

[2] المعجم الاوسط مروی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حدیث ۶۷۲۸ مکتبة المعارف الریاض ۷/ ۳۹۶، حلیة الاولیاء ترجمہ ۳۱۷ حضرت خالد بن معدان دار الکتب العربی بیروت ۵/ ۲۱۸

[3] المعجم الکبیر از معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۸۸ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۹۶، حلیة الاولیاء ترجمہ ۳۶-۳۳۵ دار العربی بیروت ۶/ ۹۷

[4] شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامة دار المعارف النعمانیة لاہور ۲/ ۲۷۰

وفی "غنیۃ الطالبین قال فضیل بن عیاض من احب صاحب بدعۃ احبط اللہ عملہ واخرج نور الایمان من قلبہ واذا علم اللہ عزوجل من رجل انہ مبغض صاحب بدعہ رجوت اللہ تعالٰی ان یغفر ذنوبہ وان قل عملہ واذا رأیت مبتدعا فی طریق فخذ طریقا اٰخر اھ[1]۔	غنیۃ الطالبین میں ہے فضیل بن عیاض نے فرمایا جو کسی بدمذہب سے محبت رکھے اس کے عمل حبط ہو جائیں گے اور ایمان کا نور اسکے دل سے نکل جائے گا اور جب اللہ تعالٰی اپنے کسی بندے کو جانے کہ وہ بدمذہب سے بغض رکھتا ہے تو مجھے امید ہے کہ مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی اس کے گناہ بخش دے اگرچہ اس کے عمل تھوڑے ہوں اور جب کسی بدمذہب کو راہ میں آتا دیکھو تو تم دوسری راہ لو، انتھی بقدر الضرورۃ۔

(۳) جب شرع مطہر نے ایسے لوگوں سے اس درجہ نفرت دلائی اور اس قدر برائی بیان فرمائی تو کیا مسلمانوں کا فرض مذہبی نہیں کہ ان کو مسجد میں آنے سے روکیں، ان سے ہر قسم کا قطع تعلق کرلیں، علی الخصوص وہ شخص جس کے ہاتھ میں مسلمانوں کا کام ہو اور مسلمان اس کو مانتے ہوں اور عزت ووقار کی نظر سے دیکھتے ہوں خواہ بباعث علم یا بجہت پیری مریدی یا بخیال تونگری وغیرہ اس پر سخت ضروری کہ ان کو خود دخول مسجد سے حتی الوسع روکے اور ان کے ساتھ میل جول سے مسلمانوں کو باز رکھے، جو شخص ان مولوی صاحب وحکیم صاحب کے خیالات باطلہ وحالات فاسدہ پر مطلع ہو کر ان دونوں کو امام بنائے اور ان کے پیچھے نماز پڑھے اور کہے یہ مولویوں کے جھگڑے ہیں ہمیں ان سے کیا سروکار آخر یہ دونوں عالم تو ہیں، کیا وہ شخص زیاں کار اور انھیں مفسدین فی الدین سے نہیں اور وہ نماز اس کی باطل ومردود نہیں؟ حالانکہ جن تین علمائے مذکورین کو یہ دونوں صاحب پیشوا جانتے ہیں ان کے بارے میں مفتیان وعلمائے مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ نے یہ حکم دیا جیسا کہ فتاوٰی حسام الحرمین میں مذکور ہے:

ان ھٰؤلاء الفرق الواقعین فی السؤال غلام احمد القادیانی ورشید احمد و من تبعہ کخلیل الانبھتی واشرف علی وغیرھم لاشبھۃ فی کفرھم بلامجال بل لاشبھۃ فی من شك بل فی	بیشک یہ طائفے جن کا تذکرہ سوال میں واقع ہے غلام احمد قادیانی اور رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہہ نہیں اور نہ شک کی مجال، بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ

[1] غنیۃ الطالبین فصل فی اعتقاد اہل السنۃ ان امۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۰

من توقف فی کفرھم بحال من الاحوال [1]۔	کسی طرح کسی حال میں انھیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں بھی شبہہ نہیں۔

اسی میں ہے:

اظھر فضائحھم القبیحة فی المعتمد المستند فلم یبق من نتائجھم الفاسدة بکل واضحة دامغة جلیلة لاسیما المتصدی لحل رایة ھذہ الفرقة المارقة التی تدعی بالوہابیة ومنھم مدعی النبوة غلام احمد قادیانی والمارق الاخر المنقص لشان الالوھیة والرسالة قاسم النانوتوی ورشید احمد الکنکوھی وخلیل احمد الانبھتی واشرف علی التانوی، ومن حذا حذوھم [2]۔ انتھی بقدر الضرورة۔	مصنف نے اپنی کتاب معتمد المستند میں اس گروہ کی بری رسوائیاں ظاہر کیں پس ان کے فاسد عقیدوں سے ایک بھی بغیر پوچ لچر کئے نہ چھوڑا تو اے مخاطب تجھ پر لازم ہے کہ اسی روشن رسالہ کا دامن پکڑے جسے مصنف نے بزدوی لکھ دیا تو ان گروہوں کے رد میں ہر ظاہر وروشن وسرکوب دلیل پائے گا خصوصا جو اس گروہ خارجی از دین کے باندھے ہوئے نشان کھول دینے کا قصد کرے، وہ گروہ خارج از دین کون ہے جسے وہابیہ کہا جاتا ہے اور ان میں مدعی نبوت غلام احمد قادیانی ہے اور دین سے دوسرا نکلنے والا شان الوہیت ورسالت گھٹانے والا قاسم نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی تھانوی اور جو ان کی چال چلا، انہتی بقدر الضرورۃ۔

اسی میں ہے: وبالجملة ھٰؤلاء الطوائف کلھم کفار مرتدون خارجون عن الاسلام باجماع المسلمین وقد قال فی البزازیة والدرر والغرر والفتاوٰی الخیریة ومجمع الانھر والدر المختار وغیرھا من معتمدات الاسفار فی مثل ھؤلاء الکفار من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر اھ وقال فی الشفاء الشریف ونکفر من لم یکفر من دان بغیر ملة الاسلام من الملل اووقف فیھم شك اھ وقال فی بحر الرائق وغیرہ من حسن کلام اھل الاھواء او قال معنوی اوکلام له معنی صحیح ان کان ذٰلك کفرا من القائل کفر المحسن اھ وقال؛ الامام ابن حجر

---

[1] حسام الحرمین تقریظ اسمٰعیل بن خلیل مکتبہ نبویہ لاہور ص ۴۹

[2] حسام الحرمین تقریظ مفتی تاج الدین الیاس مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۰۷

فی الاعلام فی فصل الکفر المتفق علیه بین ائمتنا الاعلام من تلفظ الکفر یکفر وکل من استحسنه او رضی به یکفر اھ[1]۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ طائفے سب کے سب (اسماعیلیہ، نذیریہ، امیریہ، قاسمیہ، مرزائیہ، رشیدیہ، اشرفیہ) مرتد ہیں، باجماع امت اسلام سے خارج ہیں اور بیشک بزازیہ اور درر غرر اور فتاوٰی خیریہ اور مجمع الانہر اور درمختار وغیرہا معتمد کتابوں میں ایسے کافروں کے حق میں فرمایا کہ جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے خود کافر ہے، اور شفا شریف میں فرمایا ہم اسے کافر کہتے ہیں جو ایسے کو کافر نہ کہے جس نے ملت اسلام کے سوا کسی ملت کا اعتقاد کیا یا ان کے بارے میں توقف کرے یا شک لائے، اور بحرالرائق وغیرہ میں فرمایا جو بددینوں کی بات کی تحسین کرے یا کہے کچھ معنی رکھتی ہے یا اس کلام کے کوئی صحیح معنی ہیں اگر اس کہنے والے کی وہ بات کفر تھی تو یہ جو اس کی تحسین کرتا ہے یہ بھی کافر ہوجائے گا، اور امام ابن حجر نے کتاب الاعلام کی اس فصل میں جس میں وہ باتیں گنائی ہیں جن کے کفر ہونے پر ہمارے ائمہ اعلام کا اتفاق ہے فرمایا جو کفر کی بات کہے وہ کافر ہے اور جو اس بات کو اچھا بتائے یا اس پر راضی ہو وہ بھی کافر ہے **انتہی**۔

تو موافق ارشاد علمائے مکہ مکرمہ ومدینہ ومطابق حکم معتمد المستند نذیر حسین دہلوی وامیر احمد سہسوانی و قاسم نانوتوی ومرزا غلام احمد قادیانی ورشید احمد گنگوہی واشرف علی تھانوی اور ان سب کے مقلدین ومتبعین وپیروان ومدح خوان باتفاق علمائے اعلام کافر ہوئے اور جو ان کو کافر نہ جانے ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی بلاشبہ کافر ہے چہ جائیکہ پیشوا اور سردار جانیں **والعیاذ باللہ الکریم۔ وھو "یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴿۱۴۲﴾"**[2] (وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔ ت) ہم کو چونکہ اختصار منظور تھا لہٰذا ان گمراہوں گمراہ گروں کافروں کے وہ اقوال ملعونہ ومردودہ جن پر حکم فسق وکفر لگایا گیا بالکل نقل نہیں کئے، اور ان اقوال پر علمائے حرمین نے جس قدر احکام لگائے ہیں ان میں صرف دس پانچ تحریر ہوئے، جو صاحب ان فرق باطلہ کے اقوال عقوبت مال اور ان احکام علمائے اہل کمال پر اطلاع چاہیں وہ فتاوٰی الحرمین وحسام الحرمین مطالعہ فرمائیں۔

(۴) ایسے نازک وقت میں کہ ہر چہار طرف سے دین حق پر حملے ہورہے ہیں اور بیخ کنان سخت یکبار گی

---

[1] حسام الحرمین کتاب المعتمد المستند مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۲ و ۲۱۳ و ۱۰/ ۲۵

ٹوٹ پڑے ہیں کیا علمائے اہلسنت پر واجب نہیں کہ اپنے علم کو ظاہر کریں اور میدان میں آکر تحریراً و تقریراً احیاء سنت اماتت بدعت ونصرت ملت فرمائیں اگر ایسانہ کریں سکوت وخاموشی سے کام لیں تو کیا اس حدیث شریف کے مورد نہ ہوں گے جو فتاوٰی الحرمین میں مذکور ہے۔

قال الامام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقۃ ان الحامل الداعی لی علی التالیف فی ذٰلك وان کنت قاصرا عن حقائق ماھنالك مااخرجه الخطیب البغدادی فی الجامع وغیرہ انه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال اذا ظهرت الفتن او قال البدع وسب اصحابی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل ذٰلك فعلیه لعنة اللّٰه والملئکة والناس اجمعین لایقبل اللّٰه منه صرفا ولاعدلا [1] اھ	امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں واضح ہو کہ اس تالیف پر میرے لئے باعث وسبب اگرچہ میرا ہاتھ یہاں کے حقائق سے کوتاہ ہے وہ حدیث ہوئی جو خطیب بغدادی نے جامع میں اور ان کے سوااور محدثین نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب فتنے یا فرمایا بدمذہبیاں ظاہر ہوں اور میرے صحابہ کو برا کہا جائے تو واجب ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے جو ایسانہ کرے گا اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے اللہ تعالٰی نہ اس کا فرض قبول فرمائے نہ نفل۔

(۵) جو شخص مسجد میں آکر اپنی زبان سے لوگوں کو ایذا دیتا ہو اس شخص کو مسجد سے نکالنے کا حکم ہے، اس کے نکالنے کے بارے میں درمختار کا یہ قول نص صریح ہے یا نہیں؟

واکل نحوثوم ویمنع منه وکذا کل موذ ولو بلسانه [2]۔	یعنی مسجد میں داخل ہونے سے بدبودار چیزوں مثل کچا لہسن کھانے والے کو منع کیا جائے اور اسی طرح ہر ایذا دینے والا اگرچہ زبان سے دیتا ہو دخول مسجد سے روکا جائے۔

ردالمحتار میں تحت قول **واکل نحوثوم** فرمایا:

ای کبصل ونحوہ ممالہ رائحۃ کریھۃ للحدیث الصحیح فی النھی عن قربان اکل الثوم والبصل المسجد، قال	یعنی جیسے پیاز وغیرہ ان چیزوں سے جن میں بدبو ہو یہ حکم موافق حدیث صحیح ہے جو کچا لہسن اور پیاز کھانے والے کی ممانعت دخول مسجد میں ہے،

[1] فتاوٰی الحرمین جواب سوال تاسع مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۱۷

[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ویکرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۵

الامام العینی فی شرحه علی صحیح البخاری قلت علة النهی اذی الملئکة واذی المسلمین[1]۔	امام عینی نے اپنی شرح میں جو صحیح بخاری پر لکھی ہے فرمایا کہ میں کہتا ہوں دخول مسجد سے ممانعت کا سبب ایذائے ملائکہ وایذائے مسلمانان ہے۔

والحمدللّٰه رب العلمین وافضل الصلوات واکمل التسلیمات علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی صحبه واله ومن تبعهم اجمعین۔

الجواب:

الحمدللّٰه وحده والصلٰوۃ والسلام علی من لانبی بعده واله وصحبه المکرمین عنده وسائر المسلمین المتبعین سعده۔	سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جو اکیلا ہے، صلٰوۃ وسلام اس ذات پر جس کے بعد نبی نہیں اور اس کے آل واصحاب پر جو اس کے ہاں عزت والے ہیں اور باقی تمام مسلمانوں پر جو اس کی سعادت کے پیروکار ہیں۔(ت)

فاضل سائل بلکہ مجیب سلمہ القریب المجیب کا یہ سوال خود ہی جواب حق وصواب ہے "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ"[2] (حق کے بعد گمراہی ہوتی ہے۔ت) ہمیں زید وعمرو کی شخصیت سے کام نہیں احکام شرعیہ عام ہوتے ہیں جس سے یہ امر صادر ہو اس کا یہ حکم ہے کسے باشد خاک بود یا خسے باشد (خواہ کوئی ہو مٹی ہو یا تنکا۔ت) اسی عموم کے طور پر ہم کلام کریں گے اگر فلاں وفلاں اس کے مصداق تو ضرور وہی ان احکام کے استحقاق ہیں ورنہ جس پر صادق و مستحق ولائق۔

"وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ"[3] و"حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ"[4]۔	اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے اور اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز ہے۔

(۱) یزید پلید **علیه مایستحقه من العزیز المجید** قطعاً یقیناً باجماع اہلسنت فاسق وفاجر وجری علی الکبائر تھا اس قدر پر ائمہ اہل سنت کا اطباق واتفاق ہے، صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اتباع وموافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اور اس آیہ کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ویکرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۲

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۳

"فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝۲۲ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝۲۳ "[1]۔	کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو، یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی تو انھیں بہرا کردیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین وخود کعبہ معظمہ وروضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بے اذان ونماز رہی، مکہ ومدینہ وحجاز میں ہزاروں صحابہ تابعین بے گناہ شہید کئے، کعبہ معظمہ پر پتھر پھینکے، غلاف شریف پھاڑا اور جلایا۔ مدینہ طیبہ کی پاکدامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کردیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا، مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گود کے پالے ہوئے تن نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارک چور ہوگئے، سرانور کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا۔ حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے، اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا، ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق وفجور نہ جانے، قرآن عظیم میں صراحۃً اس پر "لَعَنَهُمُ اللّٰهُ"[2] (ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) فرمایا۔ لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین ان پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لعن وتکفیر سے احتیاطًا سکوت فرمایا کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں کفر متواتر نہیں، اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں **لقولہ تعالٰی**، "فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝۵۹ اِلَّا مَنْ تَابَ"[3] (تو عنقریب دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے مگر جو تائب ہوگئے۔ت) اور توبہ تادم غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط واسلم ہے، مگر اس کے فسق وفجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہل سنت کے خلاف ہے اور ضلالت وبدمذہبی صاف ہے، بلکہ انصافا یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شمّہ ہو۔

---

[1] القرآن الکریم ۴۷/ ۲۲۔۲۳

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[3] القرآن الکریم ۱۹/ ۵۹

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[1] (اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) شک نہیں کہ اس کا قائل ناصبی مردود اور اہل سنت کا عدو وعنود ہے، ایسے گمراہ بددین سے مسئلہ مصافحہ کی شکایت بے سود ہے، اس کی غایت اسی قدر کہ اس نے قول صحیح کا خلاف کیا اور بلاوجہ شرعی دست کشی کرکے ایک مسلمان کا دل دکھایا مگر وہ توان کلمات ملعونہ سے حضرت بتول زہرا و علی مرتضٰی اور خود حضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کا دل دکھا چکا ہے، اللہ واحد قہار کو ایذا دے چکا ہے،

"وَالَّذِينَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾"[2] "اِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾"[3]	اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے، بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۲) سوال نے یہاں بھی قطعیات کے ساتھ قرائن کو ضم کیا قطعی کے ہوتے قرینی باطنی کی کیا بحث کسی مدرسہ محلّہ سرائے خام کی نوکری یا علم **ماکان ومایکون** یا غیوب خمسہ میں کلام یا علماء اہل سنت کو سب ودشنام تفاصیل رکھتے ہیں جن کی اصلا حاجت نہیں جب علمائے حرمین طیبین **زادھما اللہ شرفا وتکریما** نانوتوی وگنگوہی وتھانوی کی نسبت نام بنام تصریح فرماچکے ہیں کہ یہ سب کفار مرتدین ہیں اور یہ کہ "**من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**"[4] جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر، نہ کہ ان کو پیشوا وسرتاج اہلسنت جاننا، بلاشبہہ جو ایسا جانے ہرگز ہرگز صرف بدعتی وبدمذہب نہیں قطعاً کافر ومرتد ہے اور ان تمام احادیث کا کہ سوال میں فتاوی الحرمین سے منقول ہوئیں مورد ہے، بلاشبہہ اس سے دور بھاگنا، اور اسے اپنے سے دور کرنا، اس سے بغض، اس کی اہانت، اس کا رد فرض ہے، اور توقیر حرام وہدم اسلام اسے سلام کرنا اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کے ساتھ کھانا پینا حرام، اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام اور قربت زنائے خالص، اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت حرام، اسے مسلمانوں کا سا غسل وکفن دینا حرام، اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر، اس کا جنازہ اپنے

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷
[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۱
[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷
[4] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

کندھوں پر اٹھانا، اس کے جنازے کی مشایعت حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام، اس کے لئے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر، **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

(۳) جواب سابق میں واضح ہو چکا کہ ان سے ہر قسم کا قطع تعلق فرض ہے، اور جب وہ تمام علمائے حرمین شریفین کے متفق علیہ فتوے سے کافر و مرتد ہیں تو مسجد میں ان کا کیا حق، حدیث ابن حبان مذکور فتاوٰی الحرمین میں ہے: **لاتصلوا معھم** [1] ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ ان کے پیچھے تو نماز باطل محض ہی ہے صف میں ان کا کھڑا ہونا بھی جائز نہیں کہ ان کی نماز نماز ہی نہیں، تو عین نماز میں بالکل خارج از نماز ہیں تو ان کے کھڑے ہونے سے صف قطع کہ غیر نمازی حائل اور صف قطع کرنا حرام نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من قطع صفا قطعہ اللہ** [2] جو صف قطع کرے اللہ اسے کاٹ دے، تو جو مسلمانوں میں سربرآوردہ ہو جو ان کے منع پر بلا فتنہ و فساد قدرت رکھتا ہو اس پر فرض ہے کہ انھیں مسجد میں آنے سے روکے اور مسلمانوں کی نماز کو خراب ہونے سے بچائے، مسلمانوں کو نرمی و تفہیم اور جو نہ مانے اسے ہر جائز سختی و تشدد کے ساتھ ان کے میل جول سے باز رکھے کہ یہ نہی عن المنکر ہے اور نہی عن المنکر تاقدر قدرت فرض قطعی ہے اور جو نہ کرے وہ اسی مجرم کا اس کے عذاب میں ساتھی، اصحاب سبت پر جب عذاب الٰہی نازل ہوا کہ "**فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾**" [3] ہم نے ان سے فرمایا ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔ جو انھیں منع نہ کرتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ بندر کر دئے گئے منع کرنے والوں نے نجات پائی جو ان کے خیالات و حالات پر مطلع ہو کر انھیں عالم جانے یا قابل امامت مانے ان کے پیچھے نماز پڑھے وہ بھی انھیں کی طرح کافر و مرتد ہے کہ **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر** [4] جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے۔ ت) اس کے لئے حسام الحرمین کی وہ عبارتیں کہ سوال سوم میں مذکور ہوئیں کافی ہیں یونہی جو ان احکام ضروریات اسلام کو کہے کہ یہ مولوی کے جھگڑے ہیں وہ بھی کافر ہے، محیط و عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال آنہا کہ علم آموزند داستانہا است کہ می آموزند او قال بادست آنچہ می گویند	کوئی آدمی کہتا ہے یہ علم سیکھنے والے کہانیاں سیکھ رہے ہیں یا کہتا ہے جو کہتے ہیں یہ تمام جھوٹ ہے

[1] فتاوٰی الحرمین جواب سوال عاشر مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۱۹

[2] سنن ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۶۵

[4] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

او قال تزویرست او قال من علم حیله رامنکرم هذا کله کفر[1]	یا کہتا ہے میں علم حیلہ کا منکر ہوں، یہ تمام کفر ہے۔(ت)

(۴و۵) بلاشبہہ علمائے اہلسنت پر اعانت سنت واہانت بدعت تحریراً و تقریراً بقدر قدرت فرض اہم واعظم ہے اور رہر موذی کو مسجد سے نکالنا بشرط استطاعت واجب بلکہ اگرچہ صرف زبان سے ایذا دیتا ہو خصوصاً وہ جس کی ایذا مسلمانوں میں بدمذہبی پھیلانا اور اضلال واغوا ہو ان کی سند میں وہی احادیث وروایات کہ سائل فاضل نے ذکر کیں کافی ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۳، ۲۱۷: ازاسٹیشن بھوجی پورہ آر۔کے۔آر مسئولہ محمد صدیق دکاندار سگریٹ وبساط خانہ ۲۸صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص امامت کرتا ہے اور پڑھالکھا بھی ہے، لڑکوں کو پڑھاتا بھی ہے کچھ مسئلہ مسائل بھی جانتا ہے اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہتا ہے۔بریلی میں جو جلسہ ۱۷اکتوبر ۱۹۲۰ء کو خلافت اسلامیہ کے نام سے ہوا جس میں شوکت ومحمد علی ومولانا ابولکلام آزاد ومسٹر گاندھی وغیرہ نے تقریریں کیں اس جلسہ میں وہ شریک ہوا، اس جلسہ کی وہ بہت تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:

(۱) اس جلسہ میں بہت اچھا بیان ہوا اس جلسہ میں علماء تھے اس میں مکہ شریف مدینہ شریف اور عرب شریف سے ترکوں کی خلافت چلے جانے اور چھن جانے کے حالات بیان ہوئے اور یہ بھی بیان ہوا کہ ہندوؤں کی دوستی کرنا قرآن پاک سے ثابت ہے اور ان کے بیانات کا جلسہ کے لوگوں پر بہت اثر ہوا اکثر روتے تھے ساری خلقت ہزاروں آدمیوں کا جماؤ تھا، ہندو بھی شریک تھے اور مسلمانوں کا ساتھ دے رہے تھے، سب ایکہ کے ساتھ کارروائی ہو رہی تھی، اور یہ بھی کہتا تھاؤ کہ

(۲) انگریزوں سے دوستی اور ان کی نوکری اور ان کے اسکولوں میں پڑھنے کی اور اسلامی مدرسے کھولنے کی منادی ہو گئی، یہ بھی کہتا ہے کہ

(۳) بریلی کے اعلیٰحضرت نے فتوی دیا ہے کہ ترکوں کی خلافت صحیح نہیں ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اعلیٰحضرت نے فتوی دیا ہے کہ

(۴) جو کوئی جلوس وجلسہ خلافت میں جائے گا اس کی بیوی نکاح سے باہر ہو جائے گی وہ کافر ہو جائے گا، جب دیوبند کی بابت سوال کیا گیا تو کہتا ہے کہ

(۵) میں نہ اس کا مرید ہوں اور نہ برا کہتا ہوں دیوبند کے مدرسہ کی تعریف کرتا ہے، بہشتی زیور

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۰

وغیرہ کتابیں اس کے پاس موجود ہیں تو اب علماء سے سوال یہ ہے کہ شخص جو کہ خلافت ترکی صحیح مانتا ہے اور شریف صاحب کو بوجہ ترکوں سے جدا ہونے کے برا سمجھتا ہے اور جس کی باتیں اور خیالات اوپر بیان ہوئے کیسا ہے، اس جملہ مذکورہ بالا میں شریک ہونا کیسا ہے اور اس شخص کے کون کون سے خیالات وعقیدے برے ہیں، خدا و خدا کے رسول کے نزدیک ایسے خیالات رکھنے والے کا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں تاکہ جو خیالات اس کے برے ہوں ان سے اہل سنت وجماعت بچنے کی کوشش کریں، جواب مہری ودستخطی ہونا چاہئے۔

الجواب:

جو شخص پڑھا لکھا ہو کر مدرسہ دیوبند کی تعریف کرے اور دیوبندیوں کی نسبت کہے کہ میں ان کو برا نہیں کہتا۔ اس قدر اس کے مسلمان نہ ہونے کو بس ہے، علمائے کرام حرمین طیبین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے، کہ یہ لوگ کفار مرتد ہیں، اور فرمایا: **من شك فی عذابه وکفرہ فقد کفر**[1] جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، "ہندوؤں کی دوستی کرنا قرآن سے ثابت ہے" حالانکہ قرآن عظیم جابجا اس کے خلاف پر ناطق ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور اسے امامت سے علیحدہ کرنا فرض ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

جواب مسئلہ: مسئولہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف علی صاحب بہاری پروفیسر دینیات علی گڑھ کالج ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

(۱) معاملہ **(۲)** مدارات **(۳)** برواقساط **(۴)** معاشرت **(۵)** مداہنت **(۶)** رکون **(۷)** وداد **(۸)** اتحاد **(۹)** انقیاد **(۱۰)** تبتل

ان مدارج عشرہ میں ہر دوسرا پہلے سے زائد ہیں اور ہر پہلے میں دوسرے کی شرط کا انتفاء ملحوظ ہے، پہلا بشرط لاشیئ کے مرتبہ اور دوسرا بشرط شیئ کے مرتبہ میں۔

موالات کی دو[۲] قسمیں ہیں: حقیقی وصوری۔ حقیقی کی پانچ قسمیں رکون سے آخر تک یہ مطلقاً ہمشہ حرام ہیں ہر کافر سے، اور ہمیشہ حرام رہیں گی، اور صوری کی چار قسمیں مدارات سے مداہنت تک۔

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

تعظیم مشرک کے جلوس میں شریک ہونا ضرور حرام ہے، اس کی یہاں سے ممانعت پیش کی گئی اور یہ افتراء ہے کہ مطلقاً شریک ہونے والے کا نکاح باطل بتایا گیا مگر اس افتراء کا عجب کیا ہے جبکہ وہ خود اس مفتری جلسہ کو پسند کرتا ہے اور اس کے افتراء کا خود ناقل ہے کہ ان میں بر و اقساط معاہدین سے جائز حربی غیر معاہد سے حرام، یا بعض کے نزدیک ایک وقت میں حربی غیر محاربین سے حلال رکھا گیا تھا پھر حرام فرمادیا اور اب ابداً حرام ہے، اور چوتھی قسم مداہنت کسی وقت بھی حلال نہ تھی، غایۃ ضعف اضمحلال کے وقت ارشاد ہوا تھا: "وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَیُدْهِنُوْنَ۝۹"[1] (وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔ت) مگر حالت اکراہ میں اس کی رخصت ہوگی "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[2] (سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ت) اور معاشرت بضرورت و بمجبوری جائز ورنہ حرام، اور جواز مدارات کے لئے ضرورت مجبوری درکار نہیں مصلحت ہی کافی ہے، یہ اقسام موالات میں ان سب سے خارج معاملہ ہے کہ ہر کافر سے ہر وقت جائز ہے مگر مرتدین سے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۸: وہ اب یہ بیان کرتے ہیں کہ میں کوٹہ میں مولانا کا فتوٰی دیکھ آیا اس کی رو سے مجھ پر ان اقوال کی وجہ سے **معاذاللہ** کفر عائد نہیں ہوتا وہ کہتے ہیں میں نے یہ اقوال صرف آریہ کا بھید لینے کو کہے تھے **الحرب خدعة**[3] (جنگ دھوکا ہے۔ت) اور یہ ایک ایسے مضمون کے ساتھ ملحق تھے جس میں آریوں اور ان کے مذہب پر حملہ تھا جس کی وجہ سے معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ میں نے رضامندی سے نہیں کہے ان وجہوں کی بنا پر آیا ان سے کفر ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور بہر تقدیر نکاح کے بارہ میں کیا حکم ہے اگر تجدید نہ کی جائے تو بھی نکاح سابق کسی صورت میں بحال ہے یا نہیں؟ میں امید کرتا ہوں کہ ان مسائل کے جواب اور اس فتوٰی کی نقل سے جو کوٹہ روانہ کیا جناب مجھ کو مطلع کریں گے، زیادہ آداب، محمد میاں قادری برکاتی عفی عنہ از لکھنؤ

(**نوٹ**: سوال کا ابتدائی حصہ دستیاب نہ ہوا)

الجواب:

حضرت گرامی دامت برکاتہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فقیر ادھر مبتلائے حوادث رہا، شب بستم ذی الحجہ لیلۃ الثلثاء بعد مغرب میرے حقیقی بھانجے مولوی حافظ واجد علی خاں مرحوم نے دو مہینے کی علالت میں انتقال کیا، ان کے تیسرے دن بست و دوم ذی الحجہ **یوم الخمیس** وقت ظہر میرے حقیقی بھتیجے نوجوان صالح مولوی فاروق رضاخاں مرحوم نے سترہ برس کی عمر میں بعارضہ وبائی صرف دو روز علیل رہ کر مفارقت

---

[1] القرآن الکریم ۶۸/ ۹

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[3] صحیح بخاری باب الحرب خدعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۵

کی اب شب بست و پنجم محرم الحرام لیلۃ الثلثاء بعد مغرب میرے احب احباب واعز اصحاب جوان صالح صاحب ورع، متقی، محب سنت واہل سنت عدو بدعت واہل بدعت سنی مستقل قائم مصداق "لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍؕ"[1] (وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ت) دلاور حسین مرحوم مغفور ساکن جواہر پورے بعمرے ۳۳ سال بعارضہ وبائی صرف دس پہر علیل رہ کر داغ فراق دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون للہ مااخذ وما اعطی وکل شیئ عندہ باجل مسمی اللھم اغفرلنا ولھم وارحمنا وارحمھم ولاتحرمنا اجورھم ولاتفتنا بعدھم وارحم المسلمین والمسلمات جمیعا یاارحم الراحمین، اٰمین بجاہ من ارسلتہ رحمۃ وبعثتہ نعمۃ صل وسلم وبارك علیك مع الاھل والصحب والامۃ عدد کل خلق وکلمۃ اٰمین، والحمد للہ رب العالمین۔	ہم اللہ کے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (تین دفعہ) اللہ تعالٰی جو چاہے لے لے اور جو چاہے عطا فرمائے ہر شے کا اس کے ہاں وقت مقرر ہے، اے اللہ! ہمیں معاف فرمادے اور ان مرحومین کو، ہم پر رحم فرما اور ان پر بھی، ان کے اجر سے ہمیں محروم نہ فرما، ان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال اے ارحم الراحمین! تمام مسلمان عورتوں اور مردوں پر رحم فرما اور اسے قبول فرما بوسیلہ اس ذات کے جسے تونے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور ان کی بعثت کو عظیم نعمت بنایا، آپ کی ذات پر صلٰوۃ وسلام اور برکات کا نزول فرما، آپ کے اہل، صحابہ اور امت پر تمام مخلوق کی اور کلمہ آمین کی مقدار تمام حمد اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔(ت)

فتوٰی کہ فقیر نے کوٹہ بھیجا تھا اس کی نقل حاضر ہے اس کے کون سے حرف میں ان کے لئے حکم کفر سے نجات ہے اس میں دو شقیں کیں: اول یہ کہ کلمات دل سے کہے اس پر یہ لکھا کہ "جب تو اس کا کفر صریح ظاہر واضح ہے جس میں کسی جاہل کو بھی تامل نہیں ہوسکتا" اس کا مفہوم مخالف صرف اس قدر کہ اگر دل سے نہ کہے تو کفر ایسا واضح نہیں جس میں کسی جاہل کو بھی تامل نہ ہوسکے نہ یہ کہ دل سے نہ کہے تو کفر ہی نہیں کفر ضرور ہے اگرچہ اس درجہ شدت ظہور پر نہیں کہ کوئی جاہل بھی تامل نہ کرسکے بلکہ اس سے ظاہر یہ ہے کہ دل سے نہ کہے جب بھی اس کے کفر میں کوئی جاہل تامل کرسکے کسی اہل علم کو تامل نہیں ہوسکتا اور جاہلوں میں سب کو نہیں کسی کو، اور وہ بھی یقینا نہیں امکانًا یعنی دل سے نہ کہے کی حالت میں احتمال ہے کہ شاید کوئی جاہل

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

اس کے کفر میں تامل کرے اور دل سے کہے تو اتنا احتمال بھی نہیں۔

دوسری شق یہ کہ آریہ کو دھوکا دینے کے لئے استعمال کئے، دل سے ان کلمات ملعونہ کو پسند نہیں کرتا یہی وہ عذر ہے جو وہ اب بیان کرتے ہیں، ان کے بیان سے پہلے ہی فتوے میں اس کارد موجود ہے کہ "دھوکے کا عذر محض جھوٹ اور باطل ہے "جب اس کے ساتھ وہ جملے ملحق تھے جن کے جواب سے آریہ عاجز ہیں تو وہ ایسے پاگل نہیں کہ اپنی موت انھیں نہ سوجھے اور کرے حملے کرنے والے کو سمجھ لیں کہ واقعی یہ دل سے وید کا عاشق اور ویدک دھرم کے لئے بے چین اور آریہ ہونے کو عزت وفخر وسرفرازی جاننے والا ہے آخر نہ دیکھا کہ انھوں نے ایک نہ سنی اور عاشق بے چین کو عزت وفخر وسرفرازی سے محروم رکھا اگر وہ ذرا بھی دھوکا کھاتے تو ایسے شخص کو جو عوام میں عالم مشہور اور دھڑلے کا واعظ اور اتنے اونچے عالی اعلٰی خاندان سے اور سور روپے ماہوار کی جائداد بھی دکھائے، شہد پر مکھیوں کی طرح گرتے لپٹتے پیان پوجتے، ڈنڈوت کرتے، کندھوں پر چڑھا کر سربازار باجا بجاتے گروکل لے جاتے اور اسی مضمون کا لکچر دلواتے مگر انھوں نے منہ بھی نہ لگایا ایمان بھی گیا اور دھوکا بھی نہ ہوا حقیقۃً ابلیس لعین نے اسے دھوکا دے کر ایمان لے لیا کافر تو اس کے دھوکے میں نہ آئے مگر یہ اس کافر ملعون ابد کے دھوکے میں آگیا، اور بفرض غلط اگر اس میں آریہ کو دھوکا ہوتا بھی تو دھوکا دینا کیا ایسا ضرور ہے جس کے سبب کھلے کفر بکے:

"وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ"[1]	اور فرمادو کہ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے، تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔(ت)

کیا بلاضرورت باختیار خود کفر بکنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جب کہ دل سے نہ ہو، اس دل سے نہ ہونے کا عذر منافقین پیش کرچکے اور اس پر واحد قہار سے فتوائے کفر پاچکے،

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ"[2]	اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ تعالٰی اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے مسلمان ہو کر۔

یہیں سے رضامندی نہ ہونے کا بھی جواب واضح ہوگیا کہ ہزل استہزاء میں بھی رضا بالحکم نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۵و۶۶

ہوتی ورنہ جد ہونہ ہزل۔ ردالمحتار میں ہازل کی نسبت ہے:

انہ تکلم بالسبب قصدا فیلزمہ حکمہ وان لم یرض بہ[1]۔	اس نے قصداً سبب کا تکلم کیا لہٰذا اس پر حکم لازم ہوگا اگرچہ وہ اس سے راضی نہ تھا۔ (ت)

اور بفرض غلط اگر دھوکا دینا ضرور بھی ہو تو ہر ضرورت کفر سے نہیں بچاتی، یوں تو جو ننگے بھوکے پیٹ کی خاطر عیسائی ہوجاتے ہیں انھیں بھی کہئے کافر نہ ہوئے کہ بضرورت کفر اختیار کیا، یہاں وہ ضرورت معتبر ہے کہ حد اکراہ شرعی تک پہنچی اور یہ بداہۃً ظاہر کہ دھوکا دینا ضروری بھی سہی تاہم تو حد اکراہ تک کسی طرح نہیں پہنچ سکتا، کیا قائل اگر یہ دھوکا نہ دیتا تو کوئی اسے قتل کردیتا یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا یا آنکھیں پھوڑ دیتا، کچھ بھی نہ ہوتا اس کے ایک رونگٹے کو بھی ضرر نہ پہنچتا تو یقیناً اس نے بلا اکراہ وہ کلمات کفر بکے اور واحد قہار عزجلالہ نے کلمہ کفر بکنے میں کافر ہونے سے صرف مبتلائے اکراہ کا استثناء فرمایا ہے کہ ارشاد فرماتا ہے:

"اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[2]	سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ (ت)

یہاں اکراہ درکنار ایک رونگٹے کو بھی کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا ایک دھیلا بھی گرہ سے نہ جاتا تھا اور بکے وہ کلمات کہ مجرد علامت کفر نہیں، بلکہ حقیقۃً خود کفر خالص ہیں تو قطعاً دل کھول کر کفر بکنا ہوا اور یقیناً بنص قطعی قرآن کفر ہے ولہٰذا جو بلا اکراہ کلمہ کفر بکے بلا فرق نیت مطلقاً قطعاً یقیناً اجماعاً کافر ہے عورت اس کی نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے جب تک از سرنو اسلام نہ لائے اور اپنے کلمات ملعونہ سے براءت وتوبہ صادقہ نہ کرے ہرگز اس سے نکاح نہیں ہوسکتا اور اگر اسلام لے آئے توبہ کرے اور پھر نکاح سابق کی بنا پر عورت کو زوجہ بنائے تو قطعاً زنائے خالص ہے، فتاوٰی امام قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل کفر بلسانہ طائعا وقلبہ مطمئن بالایمان یکون کافرا ولایکون عنداللہ تعالٰی مومنا[3]۔	ایک شخص نے زبان سے حالت خوشی میں کفر کا اظہار کیا حالانکہ اس کا دل ایمان پر تھا تو وہ کافر ہے اور وہ اللہ تعالٰی کے ہاں مومن نہیں ہے۔ (ت)

حاوی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۵

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[3] فتاوٰی ہندیۃ باب المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۸۳

من کفر باللسان وقلبه مطمئن بالایمان فھو کافر وبلیس بمومن عنداللہ تعالٰی[1]۔	جس نے زبان سے کفر کیا حالانکہ دل ایمان پر تھا تو وہ کافر ہے اور وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی مومن نہیں۔ (ت)

جواہر الاخلاطی اور مجمع الانہر میں ہے:

من کفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالایمان کان کافرا عندنا وعنداللہ تعالٰی[2]۔	جس نے زبان سے حالت خوشی میں کفر کا اظہار کیا حالانکہ اس کا دل ایمان پر تھا تو وہ کافر اور اللہ تعالٰی کے ہاں بھی مومن نہیں۔ (ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

اللسان ترجمان الجنان فیکون دلیل التصدیق وجودا وعدما فاذا بدله بغیرہ فی وقت یکون متمکنا من اظہارہ کان کافر اوامااذا زال تمکنه من الاظہار بالاکراہ لم یصر کافرا[3]۔	زبان دل کی ترجمان ہے تو یہ دل کی تصدیق یا عدم تصدیق پر دلیل ہوگی تو جب وہ اظہار ایمان پر قدرت کے باوجود عدم تصدیق کا اظہار کرتا ہے تو وہ کافر ہوگیا البتہ جب کسی جبر کی وجہ سے قدرت اظہار پر نہ ہو تو اب کافر نہ ہوگا۔ (ت)

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:

حکمه ای التکلم بکلمة الکفر ان کان طوعا ای لم یکرھه احد من غیر سبق لسان الیه، احباط العمل و انفساخ النکاح[4]۔	اگر کلمہ کفر کا تکلم خوشی سے ہے یعنی کسی چیز کا اکراہ وجبر نہیں جبکہ سبقت لسانی نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ عمل ضائع اور نکاح ختم ہوجائے گا۔ (ت)

یہ شرح ہے میرے ان الفاظ کی، کہئے اس میں کون سی ان کے لئے مفر ہے، ہاں اللہ مجھے معاف کرے اتنا قصور ضرور ہوا کہ لہجہ نرم تھا جس کے سبب گنجائش کا وہم گزرا وہ بے عقل یہاں سے سبق لیں جو سختی سختی پکارتے ہیں زمانہ کی حالت یہ ہے کہ ذرا نرم لفظوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، ایک بات اور بھی قابل گزارش ہے کہ حدیث

---

[1] حاوی

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۸۸

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر باب الایمان ھو الاقرار والتصدیق مصطفی البابی مصر ص۸۶

[4] الحدیقۃ الندیۃ باب کلمۃ الکفر مکتبہ نوریہ رضویہ لائلپور ۲/ ۹۸۔۱۹۷

میں ارشاد فرمایا:

اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسرو العلانیۃ بالعلانیۃ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ [1]۔	اگر کوئی برائی کر بیٹھو تو اس سے توبہ کرو، مخفی گناہ پر مخفی اور اعلانیہ گناہ پر اعلانیہ توبہ کرو(امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

بسند حسن علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ کا حکم ہے اور انھوں نے اس کا یہاں تک اعلان کیا کہ اخبار میں شائع کرایا، اللہ تعالٰی ہدایت دے۔ والسلام

مسئلہ ۲۱۹: مرسلہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب از مارہرہ شریف بروز یک شنبہ ۵ جمادی الاولی ۱۳۳۳ھ

مولانا المعظم والمکرم دام مجدھم، پس از آداب سلام نیاز معروض ایک عورت کے منہ سے یہ کلام نکلا "اللہ میاں کو خبر نہیں فرشتے آئے روح نکالنے کو" وہ کہتی ہے میں نے اس سے مراد یہ لیا تھا کہ اللہ میاں نے حکم اور کی قبض روح کا دیا تھا یہ اور کی روح قبض کرنے کو غلطی سے آگئے، یہ مراد نہیں لیا تھا کہ **معاذاللہ** اللہ میاں جاہل ہیں، اس کی نسبت شرعی حکم کیا ہے؟ آیا یہ کلمہ اس مراد پر کیسا ہے؟ بہر حال جو حکم ہو اس سے فوراً مطلع فرمایا جاؤں، جلد ضرورت ہے اس وجہ سے جوابی کارڈ روانہ ہے۔ والسلام

الجواب:

حضرت گرامی دامت برکاتہم بعد ادائے تسلیم معروض یہ لفظ بہر حال کلمہ کفر ہے بلکہ صریح کفر ہے، اس کے صاف معنی نفی علم ہیں اور اس کا کفر خالص ہو نا ظاہر، اور تاویل کہ اس نے بیان کی وہ ان لفظوں سے علاقہ نہیں رکھتی وہ بھی یونہی بنے گی کہ جس کی روح قبض کرنے آئے اس کا حکم تو تھا یہ اپنی غلطی سے دوسرے کے پاس گئے جس کی اسے خبر نہیں، تو اب دوہرا کفر ہوگیا۔ ایک نفی علم مولٰی عزوجل دوسرا ملائک کی طرف براہ غلط خلاف حکم کرنے کی نسبت، اور اگر بالفرض اس سے قطع نظر بھی ہو تو اس دوم کا تو وہ خود اپنی تاویل میں اقرار کرتی ہے یہ کیا کفر نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اور وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۳۳۱ مکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۰/ ۱۵۹، کنز العمال حدیث ۱۵۱۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۲۰۹

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۵۰

قال تعالٰی "لَا یَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾"[1]۔	حکم ہو، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا، بات میں اسے سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں۔ (ت)

فرض ہے کہ تائب ہو کر اسلام لائے، اگر شوہر رکھتی ہے تجدید نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۰: ۲۵ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلے کے بارے میں، زاہد کی لڑکی نے زاہد کے پاس چند روپیہ امانۃً رکھا، چند روز کے بعد وقت ضرورت طلب کیا، زاہد نے انکار کیا تم کو روپیہ نہیں دوں گا، بے چاری مجبور ہو کر مولوی صاحب کے پاس سفارش کو گئی، مولوی صاحب سے سفارش کیا، مولوی صاحب نے آکر زاہد کو فرمایا لڑکی کا روپیہ ادا کردو، زاہد نے کہا آپ کی بات نہیں سنوں گا خدا کہے جب بھی نہیں سنوں گا، اس شخص پر کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زاہد نئے سرے سے اسلام لائے توبہ کرے، کلمہ طیبہ پڑھے، بعد تجدید اسلام تجدید نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۱: از بنارس چھاؤنی محلّہ ڈیٹھوری محل تھانہ سکرور مولوی عبدالوہاب بروز چہار شنبہ ۲۱ صفر ۱۳۳۴ھ

یہ کہ یزید کی نسبت لفظ یزید پلید کا لکھنا یا کہنا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ یزید کی نسبت رحمۃ اللہ علیہ کہنا درست ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

یزید بیشک پلید تھا، اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے، اور اسے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نہ کہے گا مگر ناصبی کہ اہل بیت رسالت کا دشمن ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**

مسئلہ ۲۲۲: از برٹش گائناڈ مراراپٹرس ہال ونچ ایسٹ بنک مسئولہ عبدالغفور ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اور جس نے کہا کہ تم لوگ سب یزید ہو اور وہ لوگ مسلمان ہیں تو اس کلمہ پر کیا

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۷

حکم ہے؟ فقط

الجواب:

اگر بلاوجہ شرعی کہا سخت گنہ گار ہوا،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳: مسئولہ نبن خان ملازم اعلیحضرت قبلہ ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص امور شرعی کی بابت یہ الفاظ کہے کہ شرع کیا چیز ہے۔ آج کل شرع پر کون عمل کرتا ہے، یہ شرع بھی ایک بحث نکال رکھی ہے وہ شخص عندالشرع کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس نے واقعی طور پر یہ الفاظ کہے تو کافر ہوگیا اور اگر لوگوں پر طعن کے طور پر کہا یعنی آج کل لوگوں نے شرع کو ایسا سمجھ رکھا ہے تو سخت گنہ گار ہوا کہ عام کہا اور لفظ بھی معنی کفر کو موہم ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۴: از کراچی بندر گاڑی کھاتہ آرام باغ حجرہ اسلامیہ مولوی احمد صدیق نقشبندی ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

زید نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کے شروع میں عربی عبارت میں اس طرح لکھا ہے: **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الٰھنا محمد وھو معبود جل شانہ وعز برہانہ ورسولنا محمد و ھو محمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔** ان الفاظ کی کوئی تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ایسے لکھنے والے پر شرعا کیا حکم ہے اور اس سے میل جول رکھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے اعتقاد والے سے نکاح وغیرہ پڑھوانا شرعا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ جواب مع عبارات تحریر فرمائیں۔

الجواب:

ہمارے ائمہ نے حکم دیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

واجب ہے کہ احتمال اسلام پر کلام محمول کیا جائے جب تک اس کا خلاف ثابت نہ ہو، پہلے جملہ میں محمد بفتح میم کیوں پڑھا جائے مُحمِّد بکسر میم کہا جائے یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محمد ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بار بار بکثرت حمد وثنا کئے گئے، اور ان کا رب عزوجل ان کا محمد ہے بار بار بکثرت ان کی مدح وتعریف فرمانے والا، اب یہ معنی صحیح ہوگئے اور لفظ بالکل کفر سے نکل گیا اور اگر بفتح میم ہی پڑھیں اور معنی لغوی مراد ہیں یعنی ہمارا رب بکثرت حمد کیا گیا ہے جب بھی عند اللہ کفر نہ ہوگا مگر اب صرف نیت کا فرق ہوگا بہر حال ناجائز ہونے میں شبہہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع [1]۔	محض معنی محال کا وہم بھی منع کے لئے کافی ہوتا ہے۔(ت)

مصنف کو توبہ چاہئے اور اسے متنبہ کیا جائے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں مگر یہ کہ کوئی حالت خاصہ داعی ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۵: مسئولہ معین الدین احمد میمن سنگھی بنگال پوسٹ نیکلا ساکن جیگاتلہ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے غضبناک ہو کر علماء کی توہین اور حقارت کرے اور کہے کہ عالم لوگوں نے دیس خراب کر دیا ہے حالانکہ اس جلسہ وگفتگو میں بہت سارے عوام الناس اور ایک مولوی صاحب بھی موجود تھے تو مولوی صاحب نے شخص مذکور سے دریافت کیا کہ تم نے خرابی کی نسبت تمام علماء کی طرف کی ہے یہ تم ایمان کے ساتھ کہتے ہو تو شخص مذکور نے جواب دیا کہ عالم لوگوں نے دیس خراب کر دیا، پھر مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ یہ بات تم ایمان کے ساتھ کہتے ہو تو اس شخص مسطور نے جواب دیا کہ میں ایمان کے ساتھ کہتا ہوں اور یہی شخص کہتا ہے کہ اس عالم نے مسئلہ ہذا کو جاری کیا، اس لئے کچھ نہیں کہا یہ عالم میری خواہر کا خاوند ہے اگر دوسرا کوئی عالم مسئلہ جاری کرتا تو سلامت جانے نہ دیتا اور کوئی ایسا ہی لفظ تشنیع کا کہے تو ایسی باتوں سے نکاح جاتا رہتا ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ کے تحریر فرما دیں عند اللہ ماجور ہوں گے۔

الجواب:

علمائے دین کی توہین کفر ہے۔ مجمع الانہر میں ہے:

من قال لعالم عویلم علی وجه	جس نے بے ادبی کرتے ہوئے عالم کو عویلم کہا

[1] ردالمحتار کتاب الحظر فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

الاستخفاف فقد کفر [1]۔	اس نے کفر کیا۔(ت)

اس شخص پر تجدید اسلام لازم ہے اور اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶تا ۲۲۹: از لکھنؤ احاطہ فقیر محمد خاں متصل دکان ظہور بخش ہیزم فروش مسئولہ حضرت محمد میاں صاحب ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک مسلم جو نماز خلاف معمول بہت جلدی سے پڑھ لیتا تھا اس کو زجراً ایک اور مسلم نے کہا کیا تو نے نماز کو کھیل سمجھ رکھا ہے، اس پر ایک دوسرے نے کہا اور کیا بظاہر اس نے بھی زجراً کہا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) بعض لوگ لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم پورا نہیں پڑھتے بلکہ عندالحاجت جب پڑھتے ہیں صرف لاحول یا لاحول ولاقوۃ الاباللہ پر بے وجہ اقتصار کرتے ہیں اگرچہ سخت قبیح و شنیع ہے مگر اس میں کفر تو کسی طرح کا بھی نہیں یا کیا اس پورے جملہ کا علم صرف جزو مدخول نفی مقرر کرنا کہنا کیسا ہے؟

(۳) نصارٰی وغیرہ کی کچہریوں اور ان حکام آج کل کے زمانہ والوں کو عدالت یا عادل کہنا اگرچہ سخت ہے اور فقہاء نے حکم کفر تک فرمایا اس سے احتراز ضرور ہے مگر بات دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ حکم کفر مسئلہ مفتٰی بہا ہے کہ ایسا استعمال کرنے والے کافر ہو جائیں اور اگر ہے تو کیا قطعی کفر ان پر عائد ہے اور قطعی بھی ایسا کہ جو دوسرا کافر نہ سمجھے اس کے بھی ایمان میں خلل آئے۔

(۴) کاتب جو اُجرت پر کتابت کرے اور اس کتابت میں امر مخالف دین ہو اور اُجرت پر چھاپنے شائع کرنے والے اسے شائع کریں یا کوئی شخص بے اُجرت محض مروت سے ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یا کوئی شخص صفائی خط کے لئے کوئی قطعہ وغیرہ لکھے اور اس میں ایسے کلمات بھی نقل کرجائے یا ان سب صورتوں میں زبان سے پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) "اور کیا" کہنے والے پر الزام نہیں جب کہ اسے بھی اس سارق نماز پر زجر مقصود ہو۔

(۲) عندالحاجۃ صرف لاحول ولاقوۃ یالاحول پر اقتصار قبیح ہے کفر سے کوئی علاقہ نہیں کہ

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر الفصل الرابع فی الاستخفاف بالعلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

اپنے حول وقوت کی نفی کے لئے ہے علی ہذا صرف لاحول کہنا حرج نہیں رکھتا۔

(۳) عدالت بطور علم رائج ہے معنی وضعی مقصود نہیں ہوتے لہٰذا تکفیر ناممکن، البتہ عادل کہنا ضرور کلمہ کفر ہے مگر یہ محض بروجہ خوشامد ہوتا ہے لہٰذا تجدید اسلام ونکاح کافی، ہاں خلاف ماانزل کو اعتقاداً عدل جانے تو قطعاً وہی کفر ہے کہ **من شك فی کفرہ فقد کفر** [1] (جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ت)

(۴) **القلم احد اللسانین** (قلم بھی ایک زبان ہے۔ت) جو زبان سے کہے پر احکام ہیں، وہی قلم پر، اور ایسی اجرت حرام، اس کی اشاعت حرام، اور ایسی مروت فی النار، اعتقاداً نہ ہو تو کفر نہیں۔ **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۰: مسئولہ مرزا محمد عثمان بیگ از موضع شہباز پور ڈاکخانہ محمود پور ضلع بریلی ۴ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص نے اپنی زبان سے قصدا کہا کہ میں خدا ورسول کو نہیں جانتا ہوں کہ کون ہیں اور نہ مسجد کو جانتا ہوں کہ کیا چیز ہے، اور وہ شخص عمر کا بھی بالغ ہے، پس اس شخص کو کیا کہنا چاہئے؟ اور اس کا نکاح قائم رہا یا نہیں؟ اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے پوری بات نہ لکھی کہ کیا گفتگو تھی جس پر اس نے یہ کہا، اگر یہ کلمات بطور تحقیر کہے ہیں تو یقینا کافر ومرتد ہے، عورت اس نکاح سے نکل گئی اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام، اور اگر اپنی حالت پر افسوس اور اپنے جہل کے بیان کے لئے کہا کہ میں ایسا جاہل کہ نہ خدا کی پہچان نہ رسول کی معرفت نہ مسجد ہی کی کوئی قدرشناسی مجھے ہوتی ہے تو اس پر الزام نہیں سوا اس کے کہ طرز ادا اچھی نہیں۔ **واﷲ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۱: رحمت علی خادم درگاہ شاہ دانہ بتوسط مولوی نظام الدین یکے از طلباء مدرسہ اہلسنت بریلی محلّہ سوداگران ۸ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بہت سے اشخاص نعت شریف پڑھتے ہوئے شاہ دانہ علیہ الرحمۃ کے مزار کی طرف آتے تھے اور ان کے ہمراہ چادر تھی کہ چند اشخاص نے کہا کہ

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

بیٹی چودوں نے چوپٹی سی مقرر کرلی ہے جو لئے پھرتے ہیں پس جن اشخاص نے یہ کلمہ کہا ہے ان پر شرع شریف میں کیا حکم ہے اوران کو توبہ کرنا کس طرح پر چاہئے؟ **فقط**

الجواب:

جس جس نے یہ ناپاک کلمہ کہا سب سخت گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ان سب پر فرض ہے کہ علانیہ توبہ کریں جس طرح علانیہ یہ کہا ہے اور مسلمانوں سے معافی مانگیں ورنہ حق العبد میں گرفتار رہیں گے، شریعت مطہرہ میں سلطنت اسلام کے یہاں ایسے کہنے والوں پر اسی اسی کوڑوں کی سزا کا حکم ہے، پھر ہمیشہ کو ان کی گواہی مردود، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از نظام علی خاں ولد امام علی خاں پرگنہ سیوان ضلع بدایون بھوانی پور خیرو، ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

اس معمہ میں مسلمان ایک دوسرے کو کافر کہے تو شریعت اس کو کیا کہتی ہے؟

الجواب:

سوال صاف کرنا چاہئے معمہ میں کہنے کا کیا معنی، بات پوری لکھی جائے تو جواب دیا جائے، کیا کہا اور کسے کہا اور کس بنا پر کہا۔ فقط

مسئلہ ۲۳۳: مرسلہ میر سید امجد علی سنی حنفی ساکن علاقہ گورکھالی وارد حال ضلع بہرائچ محلّہ بڑی ہاٹ مکان مولوی ابو محمد صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک مسلمان سنی حنفی مسمّٰی گلزار خاں نے ایک عورت قوم مہتر سے تعلق ناجائز پیدا کرلیا عرصہ تک اس عورت کے مکان پر رہ کر اکل وشرب اس کے ساتھ کرتا رہا، کچھ عرصہ بعد بوجہ تائید غیبی یا شرم دنیاوی عورت سے اس نے قطع تعلق کرکے پانے افعال سابقہ سے ایک مجمع عام میں تائب ہوگیا، تائب ہونے کے بعد مسلمانان قُرب وجوار نے مسمّٰی گلزار کے ساتھ برابر بلا اکراہ مواکلت ومشاربت جاری کردی، متعدد لوگ ایسے ہیں جو گلزار اور اس کے ساتھ شریک مسلمانوں کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں اور جہلا کو اپنا ہم خیال کرتے اور بیان کرتے کہ گلزار خاں کسی طرح مسلمان نہیں رہ سکتا اور توبہ کوئی چیز نہیں۔

الجواب:

یہ متعدد لوگ محض خطا وظلم پر ہیں، مسلمان بھائی کی توبہ قبول کرنی واجب ہے، اللہ عزوجل خود اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، قرآن عظیم میں ہے:

"هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ	اللہ ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور گناہوں

وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ"[1]	سے در گزر فرماتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ"[2]	کیا انھیں خبر نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتاہ اخوہ متنصلا فلیقبل ذٰلك منه محقا کان او مبطلا فان لم یفعل لم یرد علی الحوض[3]۔ رواہ الحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جس کے پاس اس کا مسلمان بھائی معذرت کرتا ہوا آئے اس پر لازم ہے کہ اس کا عذر قبول کرے چاہے وہ حق پر ہو یا ناحق پر اگر عذر قبول نہ کرے گا تو روز قیامت حوض کوثر پر میرے حضور حاضر ہونا نصیب نہ ہوگا۔ (اسے حکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ان لوگوں کا کہنا کہ توبہ کوئی چیز نہیں اگر اس سے خاص گلزار کی یہ توبہ مقصود ہے یعنی اس نے دل سے توبہ نہیں کی تو مسلمان پر بدگمانی ہے اور وہ سخت حرام ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[4]۔	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[5]۔ رواہ الائمة مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	گمان سے دور رہو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔ (اسے امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۵

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۴

[3] المستدرك للحاکم کتاب البر والصلة دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۴

[4] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[5] صحیح البخاری کتاب الادب باب قوله تعالٰی یاایھاالذین آمنوا اجتنبوا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۶

اور اگر یہ مراد ہو کہ سرے سے توبہ کوئی چیز نہیں تو معاذاللہ صریح کفر ہے نیز گلزار اور اس کے شریک مسلمانوں کو اسلام سے خارج سمجھنا کافرانہ خیال ہے اور یہ کہنا کہ گلزار خاں کسی طرح مسلمان نہیں ہوسکتا اللہ عزوجل وشرع مطہر پر افتراء ہے ان لوگوں پر فرض ہے کہ توبہ کریں اور گلزار اور اس کے ساتھی مسلمانوں سے معافی چاہیں پھر ان کو چاہئے کہ تجدید اسلام کے بعد اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کریں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴تا۲۳۸: محمد قاسم کھوکھر مدرس مدرسہ دھاموں کی، محمد اقبال مدرس مدرسہ ترہاڑہ ونور محمد امام مسجد دروبکی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس طائفہ کے حق میں جن کے اعتقادات، اقوال، افعال حسب ذیل ہوں:

(۱) مصلی کو نماز اور صائم کو روزہ رکھنے سے منع کریں بلکہ رمضان المبارک میں علانیہ بھنگ وچرس کا استعمال کریں اور بطور مسخری قبل از وقت افطار نداکریں کہ صائمین افطار کریں۔

(۲) مشرکین کی طرح مرد عورتوں کی سی صورت اور وضع بنائیں

(۳) اٹھتے بیٹھتے اپنے مرشدوں کو باسماء امام مہدی، رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اللہ تعالٰی موسوم کریں۔

(۴) علمائے دین کی توہین بایں کلمات کریں کہ ہم ان کی مقعد مارتے ہیں، نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام اصحاب بلکہ خود پیغمبر خاتم نبوت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر فضیلت دیں

(۵) جو پیغمبر واولیاء وصال کرچکے ہوں ان کی روحانی زندگی سے انکار کریں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ جب تک خدا اور سول کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں گے ان کی ہستی کے ہرگز قائل نہ ہوں گے، ایسوں سے اہل اسلام کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب:

جتنی باتیں سوال میں ان لوگوں کی ذکر کیں وہ ان کے فسق وفجور وشیطنت واستحقاق جہنم کے لئے تو بہت کافی ہیں مگر ان میں چار باتیں صریح کفر وارتداد ہیں، اول اپنے پیروں کو خدا اور سول کہنا، دوسرے شریعت مطہرہ کی نسبت وہ ملعون کلمہ، تیسرے وہ یہودیوں کی بات "لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً"[1] اللہ ورسول کو جب تک آنکھ سے نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں گے۔ چوتھے امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ کو انبیائے کرام خصوصا سید الانبیاء علیہ افضل الصلوۃ والسلام سے افضل ماننا مولا علی کو کسی ایک نبی سے افضل بتانا ہی کفر ہے نہ کہ سب انبیاء نہ کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، شک نہیں کہ یہ لوگ کفار ومرتدین ہیں، مسلمانوں کو ان سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۵۵

میل جول حرام، سلام وکلام حرام، ان کی موت میں شرکت حرام، بیمار پڑیں ان کی عیادت حرام، مرجائیں تو انھیں غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا حرام، مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، جب تک توبہ کرکے مسلمان نہ ہوں گے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۹ و ۲۴۱: محمد عبدالحمید ساکن رولوشدہ مدی پارہ ضلع پٹرہ ڈاکخانہ سیف اللہ کنڈی ۱۹ رجب ۱۳۳۴ھ

(۱) بعضے ذاکرین اپنے مرشد کو خدا کہتے ہیں بایں نیت کہ مرشد اگر رہنمائی نہ کرے تو معرفت الٰہی کیسے حاصل ہوگی اور اکثر مرشد کے قدم پر سجدہ کرتے ہیں یہ فعل ان کے روا ہیں یا نہیں؟

(۲) بعضے نادان علماء کو حقارت کے ساتھ گالی دیا کرتے ہیں اور شریعت مطہرہ کی بھی اہانت کرتے ہیں تو اس پر شرعا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہہ کر گالی دیوے تو کیا حکم ہے؟

(۳) ایک شخص جو کسی قدر علم رکھتا ہے مسجد کے بارے میں لوگوں کو کہتا ہے کہ تم لوگ مسئلہ کو لے کر یہاں کا جھگڑا فساد کرتے ہو مسجد ہی تو تمھارے لئے فساد گاہ ہے وہاں جاکر جو کرنا ہے کرو، اور وہ توبہ کے بارے میں کہتا ہے کہ فقط توبہ ہی سے گناہ معاف ہوجاتا ہے، یہ ہرگز نہیں ہوتا، اور وہ شخص مسئلہ کا جواب بلا تحقیق دیا کرتا ہے اور مکروہ کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ تو مکروہ ہی ہے حرام تو نہیں مکروہ سے کیا ہوگا اور کوئی چیز مکروہ تحریمی ہو تو کہتا ہے کہ لاؤ مکروہ تحریمی کھالوں گا، ایسے شخص پر شرعا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان کرو اجر پایئے۔ ت)

الجواب:

(۱) مرشد کو خدا کہنے والا کافر ہے اور اگر مرشد اسے پسند کرے تو وہ بھی کافر، مرشد برحق کی قدمبوسی سنت ہے اور سجدہ ممنوع۔

(۲) شریعت کی توہین کرنے والا کافر ہے۔

قال اللہ تعالٰی، "قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو کہہ دے کیا تم اللہ سے اور اس کے کلام اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے مت بناؤ، تحقیق تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہوگئے۔ (ت)

یونہی عالم دین سنی صحیح العقیدہ داعی الی اللہ کی توہین کفر ہے، مجمع الانہر میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۶۔۶۵

الاستخفاف بالعلماء والاشراف کفر[1]۔	علماء اور سادات کی توہین کفر ہے۔

اسی میں ہے: من قال للعالم عویلم فقد کفر[2] جو کسی عالم کو حقارت سے "مولویا" کہے وہ کافر ہے۔
مگر یہ اوپر بتادیا گیا اور واجب اللحاظ ہے کہ عالم دین وہی ہے جو سنی صحیح العقیدہ ہو، بدمذہبوں کے علماء علمائے دین نہیں۔ یوں تو ہندوؤں میں پنڈت اور نصارٰی میں پادری ہوتے ہیں اور ابلیس کتنا بڑا عالم تھا جسے معلم الملکوت کہا جاتا ہے قال اللہ تعالٰی "اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ"[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا۔ت) ایسوں کی توہین کفر نہیں بلکہ تاحدِ مقدور فرض ہے، حدیث شریف میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بمافیه یحذره الناس[4]۔	کیا تم فاجر کے ذکر سے گھبراتے ہو جب لوگ اسے جانتے ہوں فاجر کے فجور کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے محفوظ رہیں۔(ت)

(۳) بے تحقیق مسئلہ کا جواب دینا حرام ہے، اور مکروہ تحریمی مرتبہ واجب میں ہے اس کا ہلکا جاننا گمراہی وضلالت ہے، اور مسائل شرعیہ ومسجد کی توہین مذکور کفر ہے، اور یہ بھی اس کا شریعت پر افتراء ہے کہ توبہ سے گناہ معاف نہیں ہوتے، حدیث میں فرمایا:

التائب من الذنب کمن لاذنب له[5]۔	گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے گویا گناہ کیا ہی نہ تھا۔

حق سبحنہ فرماتا ہے:

"هُوَالَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْاعَنِ السَّیِّاٰتِ"[6]۔ واللہ اعلم۔	اللہ ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الفاظ الکفر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الفاظ الکفر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵
[3] القرآن الکریم ۴۵/ ۲۳
[4] سنن الکبرٰی کتاب الشہادات دارصادر بیروت ۱۰/ ۲۱۰، تاریخ بغداد ترجمہ ۴۵ ۷ ۳، ۷۵۱ ۳ دارالکتاب العربی بیروت ۷/ ۲۶۲و۲۶۸
[5] سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب ذکر التوبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳
[6] القرآن الکریم ۹/ ۱۵۴

مسئلہ ۲۴۲: از پو پاری جنتا زن مار قوار محمد حبیب اللہ ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ

دین محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دن نقلی ہے یا اصلی؟ اور اصلی ہے تو نقلی کہنے والے کو کیا سمجھنا چاہئے؟

الجواب:

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" [1] (بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ت) اللہ کے یہاں یہی دین دین ہے اس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں۔

"وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾" [2]	اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ ہر گز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے ہے۔(ت)

تو یہی دین اصلی ہے اور یہ نقلی بھی ہے بایں معنی کہ اس کے احکام شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں، فلاسفہ وغیرہم کی طرح عقلی ڈھکوسلے نہیں، اس معنی پر اگر نقلی کہا تو صحیح کہا، اور اگر نقلی بمقابلہ اصلی کہا یعنی معاذاللہ واقعی دین نہیں بلکہ کسی کی نقل اتاری گئی تو ایسا کہنے والا کافر، یہ بات اس وقت کے باہم محاورات سے واضح ہوگی، اور اگر واضح نہ ہو تو معنی صحیح بنتے ہوئے خواہی نخواہی معنی باطل پر حمل نہ کریں گے اور تکفیر جائز نہ ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۳تا۲۴۴: مسئولہ محمد احمد طالب علم مدرسہ اہل سنت یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) رب العزت جل جلالہ وتعالٰی شانہ کی نسبت میاں اور صاحب کہنا یعنی اللہ میاں اور اللہ صاحب جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو جب تو لعدم المانع دلیل کی ضرورت نہیں، اور اگر ناجائز ہو تو دلیل درکار ہے، اس صورت میں جو اسے پسند کرے بلکہ فخر کرے کہ یہ الفاظ میرے مختصات میں سے ہیں، اس شخص کے واسطے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

(۲) سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں صاحب یعنی محمد صاحب کہنا کیسا ہے؟

الجواب:

حضرت رب العزت عزجلالہ پر لفظ صاحب کا اطلاق جائز، بلکہ حدیث میں وارد ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی المال والاھل[1]۔	اے اللہ! توہی سفر میں صاحب ہے، مال اور اہل کا توہی محافظ ہے۔(ت)

اور میاں کا اطلاق نہ کیا جائے کہ وہ تین معنی رکھتاہے ان میں دو رب العزت کے لئے محال ہیں، میاں آقا اور شوہر اور مرد عورت میں، زنا کا دلال لہذا اطلاق ممنوع اور اس پر افتخار جہل۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اطلاق صاحب خود قرآن عظیم میں وارد:

"وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ﴿۲﴾ "[2]	اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے، تمھارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔(ت)

مگر نام اقدس کے ساتھ اس طور پر لفظ صاحب کا ملانا آریوں اور پادریوں کا شعار ہے وہ اسے معروف تعظیم میں لاتے ہیں جو زید وعمر کے لئے رائج ہے کہ شیخ صاحب، مرزا صاحب، پادری صاحب، پنڈت صاحب، لہذا اس سے احتراز چاہئے، ہاں یوں کہا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے صاحب ہیں آقا ہیں مالک ہیں مولٰی ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۵: مستفسرہ حافظ بنو علی ضلع بھنڈارہ محلّہ کمھ تالاب ملک متوسط ناگپور ۴ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص درود شریف اس طور پر پڑھے صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه ونور عرشه محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین، ایک صاحب اس میں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نور عرشہ پڑھنا حرام ہے۔ فقط۔

الجواب:

جو اسے ناجائز بتاتاہے شریعت پر افتراء کرتاہے:

"حَلٰلٌ وَّ هٰذَا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ "[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور نہ کہو اسے جو تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔(ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا سافر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۹۔۵۰، سنن الکبرٰی کتاب الحج باب مایقول الرجل اذا رکب دار صادر بیروت ۵/ ۲۵۲

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۱۔۲

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

بلاشبہہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور عرش اللہ ہیں عرش انھیں کے نور سے بنااور انھیں کے نور سے منور ہے۔[1]

کما فی حدیث رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیساکہ حدیث میں ہے اسے امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۶: مسئولہ حبیب اللہ بنگالی ۱۵ شوال ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بہاء اللہ ایک فرقہ نکلاکہ مجموعہ قرآن مجید کو منسوخ کہتاہے اور یہ بھی کہتاہے کہ جیسے توریت اورانجیل اور زبور منسوخ ہوگئ ویساہی قرآن شریف بھی منسوخ ہے، اگر منسوخ نہ ہوتااس کاحکم بموافق قرآن شریف کے جاری کیوں نہیں کیاجاتاہے، جیساکہ زنا کرتاہے اورچوری کرتاہے اور شراب پیتاہے حد کیوں نہیں لگایا جاتاہے، بہاء اللہ کے فرقہ سے ایک آدمی کامظہر اللہ کرکے لقب ہے وہ کہتاہے خداوند کریم نے لوح محفوظ سے میرے اوپر کتاب الاقدس نزول فرمایاہے اس وقت اس کاحکم جاری ہے اور احادیث کو خبری کاغذ بتاتاہے اور نہیں مانتاہے، اورائمہ اربعہ کو جھوٹ کہتاہے یہ فرقہ مومن ہے یانہیں؟ اور:

"یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۵﴾"[2]	کام کی تدبیری فرماتاہے آسمان سے زمین تک پھراسی کی طرف رجوع کرے گااس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمھاری گنتی میں۔ (ت)

آیہ بالاکی شان نزول کیاہے اور ناسخ ہے یامنسوخ؟ فقط۔

الجواب:

جس فرقہ کے یہ اقوال ہوں وہ کافر مرتد ملعون ہے ایساکہ جواسے مسلمان جانے بلکہ جواس کے کفرمیں شک کرے خود کافرہے مرتدہے، بزازیہ ومجمع الانہرودرمختار میں ہے:

من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر۔[3]	جوان کے عذاب وکفرمیں شک کرے وہ بھی کافرہے۔ (ت)

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ عبدالرزاق المقصد الاول اول المخلوقات المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۷۳۔۷۱

[2] القرآن الکریم ۳۲/ ۵

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

آیہ کریمہ حمد الٰہی میں ہے: شان نزول وہاں ذکر ہوتا ہے جو کسی حادثہ خاصہ میں اترے خبر منسوخ نہیں ہو سکتی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷تا۲۴۸: محمد ظہیر الدین صاحب ثمن برج وزیر آباد پنجاب ۱۳ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عالم غیر مقلد عقائد و عملیات، جو کہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کرجائے، اور اس کی نماز جنازہ ایک غیر مقلد پڑھائے، اور اس غیر مقلد کے پیچھے ایک عالم حنفی المذہب نے غیر مقلد متوفی کے عمل کو اچھا اور غیر مقلد کے اقتداء کو جائز سمجھ کر نماز جنازہ پڑھی ______ حالانکہ وہ عالم حنفی المذہب قبل ازیں لوگوں کو عقائد غیرملقدین سے منع کرتا رہا ہو پس اس حالت میں جب کہ عالم حنفی المذہب نے غیر مقلد کی نماز جنازہ غیر مقلد امام کے پیچھے جائز تصور کرکے ادا کی ہو تو اس پر از روئے شرع محمدی کیا تعزیر ہوتی ہے اور کیا بلاتوبہ واستغفار ایسے عالم حنفی کی اقتداء جائز ہے؟ عالم غیر مقلدین متوفی وامام غیر مقلد ائمہ اربعہ مجتہدین کے مسائل استنباط واجتہادیہ کو خلاف حدیث سمجھتا اور اکثر ان کے برعکس فتوے دیتا اور عمل کرتا ہو مثلا:

(۱) نماز تراویح بیس رکعات سے کم ہرگز کسی امام کے نزدیک نہیں وہ آٹھ رکعت کا حکم دیتا اور عمل کرتا۔

(۲) مسئلہ طلاق ثلاثہ جو کہ فی کلمۃ واحدۃ اور جلسہ واحدۃ کے کہی گئی ہو اس طلاق ثلاثہ کو حکم رجعی طلاق کا دے کر بدون نکاح شوہر ثانی اس کے ساتھ نکاح کرادیتا ہو اور طلاق بالخلع کی عدت ایک حیض آنے کے بعد نکاح کرادیتا ہو اور تقلید شخصی سے بالکل انکار کرتا ہو، علاوہ ازیں آمین بالجہر کہنا امام کے پیچھے الحمد کا پڑھنا ہاتھ سینہ پر باندھنا سورہ فاتحہ میں ض کی جگہ ظ پڑھنا وغیرہ وغیرہ جائز سمجھتا ہو۔

الجواب:

سائل نے جو فہرست گنائی وہ غیر مقلد کے بعض فرعی مسائل باطلہ واعمال فاسدہ کی ہے ان کے عقائد اور ہیں جن میں بکثرت کفریات ہیں ان میں سے بعض کی تفصیل رسالہ **الکوکبۃ الشھابیۃ** میں ہے، جس میں ستر وجہ سے ان پر اور ان کے پیشوا پر بحکم فقہاء کرام لزوم کفر ثابت کیا ہے کسی جاہل صحبت نایافتہ کی نسبت احتمال ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے عقائد ملعونہ سے آگاہ نہیں ظاہری صورت مسلمان دیکھ کر اقتدا کرلی اور نماز جنازہ پڑھ لی مگر جسے عالم ہونے کا دعوی ہو اور ان کے عقائد پر مطلع ہو لوگوں کو ان سے منع کرتا ہو اور خود انھیں اچھا جان کر ان کے جنازہ کی نماز پڑھے اور ان کی اقتدا کرے تو ضرور اس کے عقیدے میں فساد اور اس کے ایمان میں خلل آیا اور وہ بھی متہم شمار کیا جائے گا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی

فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ "[1]۔	رکھے گا تو وہ انھیں میں سے ہے۔ (ت)

اب اس شخص کے پیچھے نماز ہر گز جائز نہیں اور اس پر توبہ و تجدید اسلام لازم ہے اور اگر عورت رکھتا ہے تو بعد توبہ و تجدید اسلام تجدید نکاح کرے۔

"وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" [2]۔ "وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ" [3]۔ "وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" [4]۔ نسأل الله العفو والعافیة ولاحول ولاقوۃ الا بالله العلی العظیم۔ والله تعالٰی اعلم۔	اور الله تعالٰی جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جو ناشکری کرے تو بیشک الله بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا، اور جو منکر ہو تو الله تعالٰی تمام جہانوں سے مستغنی ہے، ہم الله تعالٰی سے عفو اور عافیت مانگتے ہیں کہ بلند و عظیم الله تعالٰی کی قوت اور توفیق کے بغیر نہ بُرائی سے بچا جاسکتا ہے اور نہ ہی نیکی کو بجالایا جاسکتا ہے، والله تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۹و۲۵۰: از ملک کاٹھیاوار مقام اڑتیاں آمین احمد ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

(۱) ہندو یا نصارٰی اس کو کافر بولنا کیسا ہے؟

(۲) ایک ہندو کو پھانسی کا حکم ہوا وہ اسی وقت مسلمان ہونا چاہتا ہے یہ مسلمان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) گالی کے طور پر کافر کہنا اور بات ہے اور شرع کی اصطلاح یہ ہے کہ جو مسلمان نہیں اسے کافر کہا جاتا ہے بایں معنی جو کوئی اسلام میں نہ ہو شرع کے نزدیک کافر ہے۔

(۲) پھانسی ہوجانے سے ایک آن پہلے جو اسلام لائے مسلمان ہوجائے گا اور اس کی تجہیز و تکفین اور اس کے جنازہ کی نماز مسلمانوں پر فرض ہوگی۔

مسئلہ ۲۵۱: امام بخش زیدی از جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان ۳ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

وحدۃ الوجود حق ہے یا نہ؟

الجواب:

توحید ایمان ہے لا اله الا الله (الله کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ت) اور وحدت حق

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

[3] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۲

[4] القرآن الکریم ۳/ ۹۷

"کُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ" [1] (اس کی ذات کے سوا ہر کوئی ہلاک ہونے والا ہے۔ت) سواد بن قارب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشھد ان اللہ لارب غیرہ،

وانک مامون علی کل غائب [2]

(میں گواہی دیتاہوں کہ بیشک اللہ تعالٰی کے سوا کوئی رب نہیں اور بیشک (یارسول اللہ!) آپ ہر غیب پر امین ہیں۔ت)

اور اتحاد باطل اور اس کا ماننا الحاد:

"اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ﴿۹۳﴾" [3]	آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔

وجود واحد ہے اور موجود احد، باقی سب ظل وعکوس،

هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳﴾ [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن، اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۲: مسئولہ سید اولاد علی صاحب مراد آبادی ۷ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ "اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾" [5] (بیشک وہ سب کچھ جانتا ہے۔ت) اور "فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ" [6] (تم جدھر منہ کرو اُدھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمھاری طرف متوجہ)

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ قصہ اسلام سواد بن قارب دار الفکر بیروت ۳/ ۶۰۹، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب اسلام عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۷/ ۸، مختصر سیرۃ الرسول از عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۶۹

[3] القرآن الکریم ۱۹/ ۹۳

[4] القرآن الکریم ۵۷/ ۳

[5] القرآن الکریم ۴۲/ ۱۲

[6] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۵

اور "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾ "[1] (اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔ت) سے احاطہ اور قرب ذاتی مراد ہے یا صفاتی زید کہتا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کا علم اور قدرت ہر شے کو محیط ہے نہ ذات، عمرو کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کی ذات ہر شے کو محیط اور شہ رگ سے زیادہ قریب ہے کوئی مکان کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ذات خدا موجود نہ ہو اور خدا ہر جگہ حاضر وناضر ہے اور اگر ان آیات سے احاطہ اور قرب صفاتی مراد لیا جائے گا تو گویا صفات خدا ذات باری سے بڑھ گئیں اور ذات باری محدود اور صفات سے چھوٹی ہوگی، اور جو شخص ان آیات سے احاطہ اور قرب صفاتی مراد لے وہ مشرک ہے اگر دنیا بھر کے عالم ایسا کہیں تو بھی ایک کی نہ مانوں گا اور سب کو مشرک کہوں گا اور اپنی دلیل میں شاہ امداد اللہ صاحب اور مولانا روم صاحب اور امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کے اقوال پیش کرتا ہے، ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟ اور اگر زید حق پر ہے تو عمرو کے واسطے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے وہ اپنے اس قول سے کسی گناہ کا مرتکب ہے یا نہیں؟ **بینوا مع الدلائل من الکتاب توجروا من اللہ الوھاب** (کتب سے دلائل کے ساتھ بیان کیجئے اور اللہ وہاب سے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

"رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ "[2]	اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔(ت)

آیات متشابہات میں اہل سنت حفظہم اللہ تعالٰی کے دو۲ مسلک ہیں:

اوّل: تفویض کہ ہم ان کے معنی کچھ نہیں جانتے اللہ ورسول جانتے ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو معنی مراد الٰہی ہیں ہم اس پر ایمان لائے،

"اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ "[3]۔	ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۸۔۹۷

[3] القرآن الکریم ۳/ ۷

یہی مسلک سلف ہے اور یہی صحیح و معتمد، اس تقدیر پر تو نہ احاطہ ذاتی کہا جائے نہ صفاتی کہا جائے، معنی سے کچھ بحث ہی نہ کی جائے، حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ "[1] (رحمان نے عرش پر استواء فرمایا۔ ت) کے معنی دریافت کئے گئے فرمایا:

الاستواء معلوم والکیف مجھول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ[2]۔	استواء معلوم ہے اور کیف مجہول وراس پر ایمان فرض اور اس کی تفتیش بدعت۔

یہی جواب سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیا، یہی مسلک ہمارے امام اعظم اور سائر ائمہ سلف کا ہے، ہاں ہم ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالٰی جسم و جہت و مکان سے پاک و منزہ ہے، کسی مکان میں نہیں ہوسکتا، کسی جگہ نہیں ہوسکتا، کسی طرف نہیں ہوسکتا، اور طرف سب اس کے بنائے ہوئے ہیں، اور حادث ہیں، اور قدیم ازلی، ازل میں کسی جگہ کسی طرف نہ تھا کہ جگہ اور طرف تھے ہی نہیں تو اب کسی جگہ اور طرف میں نہیں، جیسا جب تھا ویسا ہی اب ہے، جگہ اور طرف کو بنا کر بدل نہ گیا، جگہ اور طرف بدلیں گے اور وہ بدلنے سے پاک ہے۔

دوم: تاویل کہ ایسی آیات کو حسب محاورہ معنی جائز پر حمل کریں جس سے نہ چین لینے والی طبیعتوں کو تسکین ہو اور ایمان سلامت رہے یہ مسلک خلف کا ہے اور اس طور پر احاطہ صفاتی مراد لیں گے، علم وقدرت الٰہی ہر شے کو محیط ہونے کے بھی یہ معنی نہیں کہ اس کے علم وقدرت ہر جگہ متمکن ہیں کہ جگہ یا طرف میں ہونا جسم و جسمانیت کی شان ہے اور وہ اور اس کے صفات ان سے متعالی بلکہ احاطہ علم کے معنی یہ ہیں کہ ہر شے واجب یا ممکن یا ممتنع معدوم یا موجود حادث یا قدیم اسے معلوم ہے، احاطہ قدرت کے معنی یہ ہیں کہ ہر ممکن پر اسے قدرت ہے، اس سے صفات کا ذات سے بڑھ جانا نہ کہے گا مگر مجنون، عمرو کاوہ کہنا کہ کوئی مکان کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ذات خدا موجود نہ ہو کلمہ کفر ہے کہ اس کی ذات کے لئے جگہ ثابت کرنا ہے، فتاوٰی تاتارخانیہ وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وفتاوٰی عالمگیری وجامع الفصولین وغیرہ میں اس پر حکم کفر فرمایا اور احاطہ صفاتی ماننے والے کو اس کا مشرک کہنا ہزاروں ائمہ خلف پر حکم شرک

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۵

[2] لباب التاویل (تفسیر الخازن) ۷/ ۵۴ ثم استوٰی علی العرش کے تحت مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۳۸، درمنثور بحوالہ مردویہ عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۷/ ۵۴ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۹۱، مدارك التنزیل (تفسیر نسفی) ۲۰/ ۵ سورہ طٰہ. دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۴۸

لگانا ہے اور اس کا کہنا کہ "اگر تمام دنیا کے عالم ایسا کہیں تو میں سب کو مشرک کہوں گا" صریح کفر پر آمادگی ہے کہ تمام جہان کے عالموں کو مشرک نہ کہے گا مگر کافر اور کفر پر آمادگی کفر ہے، عمرو پر توبہ فرض ہے اپنے عقیدہ باطلہ سے تائب ہو اور کلمہ اسلام پڑھے اور عورت رکھتا ہو تو بعد اسلام اس سے پھر نکاح کرے اگر وہ راضی ہو ہم چند سہل سہل باتیں لکھتے ہیں اگر اللہ تعالٰی کو اسے ہدایت کرنا ہے تو انھیں سے وہ سمجھ لے گا کہ اس نے کیسی ناپاک بات کہی اور اپنے معبود کو کیسے کیسے گھناؤنے داغ لگائے اور نظر انصاف سے نہ دیکھے اور تعصب وعناد برتے تو اللہ راہ نہیں دیتا ہے ظالموں کو، ذرا آنکھیں بند کرکے گردن جھکا کر رب عزوجل کی عظمت پر ایمان لا کر غور کرے کہ اس نے کیسی ذلیل چیز کا نام خدا رکھا ہے الحمد للہ معیت وقرب واحاطہ الٰہیہ پر مسلمان کا ایمان ہے مگر نہ ان معنی پر جو ان الفاظ سے لغوی وعرفی طور پر سمجھ آتے ہیں بلکہ ان پر جو مراد الٰہی ہیں اور ہمارے عقول سے وراء ہیں معاذاللہ اگر یہی ظاہری معنی لئے جائیں جس پر یہ کہا جائے کہ وہ بذاتہٖ ہر مکان ہر گوشہ میں موجود ہے تو اس سے زائد ذلیل تر کوئی عیب لگانا نہ ہوگا۔

(۱) جب کہ اس کے نزدیک اس کا وہی معبود بالذات ہر مکان ہر گوشہ میں موجود اور ہر شے کو بالذات محیط ہے تو پاخانہ میں بھی ہوگا، اس کی نجاست کو لپٹا ہوا بھی ہوگا، اس نجاست کے ساتھ اس کے بدترین مقام سے نکلا بھی۔

(۲) جو شے دوسری شے کو بالذات محیط ہو وہ یوہیں ہوگا کہ محیط کے اندر جوف ہو جو اس دوسری چیز کو گھیرے ہوئے ہے جیسے آسمان زمین کو محیط ہے تو اس کا معبود جوف دار کھگل ہوا اور اللہ واحد قہار صمد ہے جوف سے پاک ہے۔

(۳) سب اشیاء کو محیط ہونا بایں معنی ہے کہ اس کا معبود وہی تمام عالم کے باہر باہر ہے اور عالم اس کے اندر ہے جیسے فلک الافلاک کے اندر باقی کرّے جب تو شہ رگ سے زیادہ قریب کیسے ہوا بلکہ لاکھوں منزل دور ہوا اور اگر یوں ہے کہ ہر ذرہ ذرہ کو بذاتہٖ بلاواسطہ محیط ہے تو بلاشبہ وہ شے کہ مشرق کے کسی ذرہ کو محیط ہو قطعاً اس کی غیر ہوگی جو مغرب کے ذرہ کو محیط ہے تو ذروں کی گنتی پر خدا یا خدا کے ٹکڑے ہوئے اور وہ احد صمد اس سے متعالی ہے۔

(۴) جب کہ وہ ہر شے کو بالذات محیط ہے تو زمین کو بھی محیط ہوگا اور یہ جو تم چلتے ہو اور جوتیاں پہن کر پاؤں رکھتے ہو وہ تمھارے معبود پر ہوئیں تم جو پاخانہ پیشاب پھرتے ہو وہ تمھارے معبود پر گرا کیسا گھناؤنا معبود اور کیسے ناپاک عابد،

"ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ "[1] (کتنا کمزور چاہنے والا اور

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۷

جو چاہا گیا۔ت)

(۵) مثلاً کسی زید نے کسی عمرو کو جوتا مارا تو عمرو کو بھی اس کا معبود محیط ہے، اس جوتے پڑتے وقت وہیں قائم رہے گا یا ہٹ جائے گا اگر ہٹ گیا تو ہر شے کو محیط نہ رہا اگر قائم رہا تو اسی پر پڑا،

(۶) جس وقت زید نے جوتا اٹھایا اور ابھی عمرو کے بدن تک نہ پہنچا تو جوتے اور عمرو کے بدن میں جو فاصلہ ہے وہ بھی ایک شے اور وہ ایک جگہ ہے، وہ وہی معبود بذات خود یہاں بھی موجود ہوگا یہاں سے وہاں تک جگہ اس سے بھری ہوئی ہے اب جوتا آگے بڑھا کہ بدن عمرو سے قریب ہو اس بڑھنے میں وہ وہی معبود کہ یہاں سے وہاں تک بھرا ہوا تھا، پانی یا ہوا کی طرح چرے گا کہ جوتا اس میں ہوتا ہوا گزر جائے گا جب تو طرفہ معبود جسے جوتے نے پھاڑ دیا اور اگر نہ چرے گا بلکہ سمٹے گا جیسے پھولی ہوئی روٹی سمٹتی ہے تو معبود کیا ہوا ربڑ ہوا، اور اگر نہ چرے گا نہ سمٹے گا تو ضرور ہے کہ جوتا دیکھ کر جگہ چھوڑ دے گا ہر جگہ موجود کہاں رہا؟

(۷) جب کہ ہر وہ شے کہ بذاتہ محیط ہے تو محیط جیسا شے کے اوپر ہوتا ہے ویسا ہی اس کے نیچے پاؤں کے تلے وہ جوتوں کے نیچے وہ پھر ایسے ذلیل کو رب اعلی کیسے کہا جاسکتا ہے!

تعالی اللّٰہ عما یقول الظالمون علوا الکبیرا، ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم وصلی اللّٰہ العلی الاعلی علی الکریم المولی والہ وصحبہ وبارك وسلم ابدا امین، و استغفر اللّٰہ العظیم والحمد للّٰہ رب العالمین، واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	جو کچھ ظالموں نے کہا اللہ تعالٰی اس سے کہیں بلند و بزرگ ہے نیکی بجالانا اور برائی سے پھرنا اللہ بلند وبزرگ کی توفیق کے بغیر نہیں ہوسکتا اور بلند و اعلٰی اللہ تعالٰی کی خصوصی رحمتیں ہوں کریم مولٰی پر اور اس کی آل اور اصحاب پر بھی، ہم اللہ تعالٰی سے معافی کے طلب گار ہیں، تمام حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اللہ سبحانہ وتعالٰی ہی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۳: مرسلہ مجیب الدین ساکن امسچور پوسٹ ٹوپیری بازی ضلع ڈھاکہ ۶ صفر ۱۳۳۵ھ

جو مذہب اور فقہ کا نہیں ماننے والا کتابی ہے یا خارجی؟

الجواب:

جو مسلمان کہلا کر فقہ کو اصلا نہ مانے نہ کتابی ہے نہ خارجی بلکہ مرتد ہے اسلام سے خارج اور اگر کوئی تاویل کرتا ہے تو کم از کم بددین گمراہ۔

قال اللّٰہ تعالٰی "فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو کیوں نہ ہو کہ ان کے

مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ "[1] وفی الحديث عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔(ت)اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، اللہ تعالٰی جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵۴: مرسلہ محمد الیاس صاحب واعظ خراسانی شہر جونا گڑھ ملک کاٹھیاوار ۱۶ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس شخص کے بارہ میں جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالٰی نے فرشتوں سے مشورہ کیا اگرچہ اس کی ضرورت نہیں مگر تعلیماً کہ ہم تم بھی مشورہ سے کام لیں، کیا ایسے شخص سے بامید نجات ابدی بیعت ہونا مفید ہے یا جو مرید ہوچکے ہیں کچھ فائدہ نہ اُٹھائیں گے، بینوا توجروا (بیان کرو اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اتنی بات ایسی نہیں جس کے سبب اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہوجائے خصوصاً کہ اس نے تصریح کردی کہ اسے حاجت مشورہ کی نہیں بندوں کے ارشاد کے لئے ایسا کیا تو جو اس سے وہم جاتا وہ بھی اس نے دفع کردیا، خود حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **استشارنی ربی فی امتی ثلثا**[3] مجھ سے میرے رب نے میری امت کے بارہ میں تین بار مشورہ چاہا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵: مرسلہ سخاوت خاں نابینا مسجد ندی قصبہ مہدپور ریاست اندور ملک مالوہ یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کوئی شخص سنت وجماعت میں سے نماز سے انکار کرے اور اس سے کہا جائے کہ نماز سے

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۲

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۳، المعجم الکبیر حدیث ۹۱۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۹/ ۳۸۹

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان دار الفکر بیروت ۵/ ۳۹۳، الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان امۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۶

انکار کرنا کفر ہے اس کے جواب میں وہ کہے کہ میں کافر ہی سہی، ایسے شخص کی نسبت کیا حکم ہے؟ **فقط**

الجواب:

نماز سے انکار یہ بھی ہے کہ وہ کہے میں نہیں پڑھتا یا نہیں پڑھوں گا، اس قدر سے کافر نہ ہوگا جب تک نماز کی فرضیت سے انکار یا اس کا استخفاف نہ کرے، اگر شخص مذکور کا انکار اس حد کا نہ تھا تو جس نے اس کے انکار پر حکم کفر لگایا خاطی ہوا، اور اسی کی زیادتی اس شخص کو ایسے کلمہ مردودہ کی طرف لے گئی، بہرحال اپنے آپ کو یہ کہنا کہ کافر ہی سہی اس کا ظاہر **معاذاللہ** قبول کفر ہے، اور قبول کفر یقینا کفر ہے، مگر اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ نزدیک کافر ہی سہی لہذا حکم تکفیر نہ کیا جائے گا البتہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۶ و ۲۵۷: مرسلہ حاجی قاسم میاں صاحب از گونڈل علاقہ کاٹھیاوار ۱۷ جمادی الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں ائمہ دین وعلمائے معتمدین اہل سنت **ایدھم اللہ تعالٰی ونصرھم اللہ**، کاٹھیاوار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس (جس کا جلسہ بمقام جوناگڈھ کاٹھیاوار بتاریخ ۲ و ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو ہوا) کے ان ارکین کے حق میں ہادی بن کر اپنی تقریروں میں ذیل کے اقوال بیان کئے اور ان ارکین کا حکم بھی بیان فرمائیں جنھوں نے ان کے اقوال گجراتی زبان میں بعینہٖ نقل کئے اور چھاپ کر مسلمانوں میں تقسیم کئے اور کرتے ہیں؟

(۱) گجراتی زبان میں دینی کتابوں کا انتظام کیا جائے، مسلمان بچوں کے لئے خاص گجراتی مدارس قائم کئے جائیں جن میں "مسلمان دھرم کی دنت کتھاؤں کا ذکر ہو" اور جن میں مسلمان بیرتروں کی تعریفیں کی ہوں، ایسی کتابیں رائج کی جائیں (نیز) "مسلمان لوگ جس دھرم کی دنت کتھا" اور جن حضرات کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں ان کا حقارت سے جس مروجہ کتب میں ذکر کیا گیا ہو اول درجہ کتب کو دیگر اقوام سے ملے ہوئے مدارس سے باطل کرنا (روداد تقریر صدر صفحہ ۲۹۰)

(۲) ہم ہمارے ملکی برادروں کے جذبات کو ان کے "دیوتا کی باتوں کو" ان کے پیشواؤں کو عزت دیتے ہیں اور وہ بھی ایسی ہی عزت ہماری طرف رکھیں ایسی بھی امید رکھتے ہیں (روداد تقریر صدر ص ۳۳) مگر گزارش آنکہ لفظ "دنت کتھا" کے معنی گجراتی زبان میں زبان کی بات وہ بات جس کی کوئی سند نہ ہوتی ہو، ہوتے ہیں۔

الجواب:

ایسے اقوال کے قائم ہادی نہیں ہوسکتے بلکہ مضل ہیں یعنی گمراہ کرنے والے اور گمراہی پھیلانے والے

اور مسلمانوں کو گمراہی کی طرف بلانے والے، اور جو ایسے اقوال کو شائع کرتے ہیں وہ مسلمانوں میں اشاعت فاحشہ کے محب اور ان قائلوں کی طرح غضب جبار و عذاب قہار کے مستوجب ہیں، بزرگان اسلام کے مناقب کو دنت کتھا یعنی بے اصل افسانہ کہنا ہی گمراہی کے لئے کافی تھا مگر کفار کے مذہبی جذبات اور ان کے دیوتاؤں اور پیشواؤں کو عزت دینا صریح کلمہ کفر ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۠ ﴿۸﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا عزت تو خاص اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

ان کے دیوتاؤں اور پیشواؤں اور مذہبی جذبات کا اعزاز درکنار جو ان کے کسی فعل کی تحسین ہی کرے باتفاق ائمہ کافر ہے، غمز العیون والبصائر میں ہے:

اتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر [2]۔	جس نے کسی کافر کے عمل کو اچھا گمان کیا وہ باتفاق مشائخ کافر ہے۔ (ت)

ان لوگوں پر فرض ہے کہ ایسی باتوں سے توبہ کریں، تجدید اسلام کریں، تجدید نکاح کریں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۸: از اکبر آباد چھوٹی گلی حکیموں کی معرفت ڈاکٹر محمد نفیس صاحب مرسلہ مولانا مولوی دیدار علی صاحب الوری ۴ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اثنائے وعظ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت ان کلمات کا اطلاق کیا **نعوذ باللہ** آپ یتیم، غریب، بیچارے تھے اور جب چند اشخاص نے جاکر سمجھایا کہ غالباً آپ نے یہ الفاظ نہیں کہے ہوں گے، مناسب ہے کہ آپ اظہار انکار فرمادیں تو کہنے لگا کہ میں نے تو یہی کہا ہے، اللہ جل شانہ تو قرآن عظیم میں "**وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا**"[3] فرمارہا ہے، بعدہ جب ایک نووارد مولوی صاحب نے ان سے دریافت کیا تو ان الفاظ کے کہنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ آپ سوچ بچار کر بات فرمایا کرتے تھے اس کو لوگوں نے غریب

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[2] غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر باب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[3] القرآن الکرایم ۹۳/ ۷

بیچارہ کرکے کہہ دیا مولوی صاحب نے فرمایا غالبا ایسا ہی ہوگا مگر آپ یہ تو لکھ دیں کہ یہ الفاظ موجب توہین شان رسالت اور موجب کفر ہیں اور اسی طرح "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا"[1] ایسے موقع پر کہتا ہے کہ بیشک تو اس لکھنے سے منکر ہوگیا اور لیت و لعل میں ٹال دیا۔ آیا بلاتوبہ اس کا وعظ سننا ملنا جلنا سلام علیک کرنا، اس کے معاونین سے نکاح پڑھوانا اور اس کے معاونین کے پیچھے نماز عید پڑھنا اور ان سے ملنا جلنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا جزاکم الله** (بیان کرو اجر پاؤ الله تعالٰی تمہیں جزا عطا فرمائے۔ت)

الجواب:

حضور اقدس **قاسم النعم، مالك الارض ورقاب الامم، معطی منعم، قثم، قیم، ولی، والی، علی، عالی، کاشف الکرب، رافع الرتب، معین کافی، حفیظ وافی، شفیع شافی، عفو عافی، غفور جمیل، عزیز جلیل، وہاب کریم، غنی عظیم، خلیفه مطلق حضرت رب، مالك الناس ودیان العرب، ولی الفضل جلی الافضال، رفیع المثل، ممتنع الامثال صلی الله تعالٰی علیه وسلم وآله وصحبه وشرف اعظم** کے شان ارفع واعلٰی میں الفاظ مذکورہ کا اطلاق ناجائز وحرام ہے، خزانۃ الاکمل مقدسی وردالمحتار و اخر شتّٰی میں ہے:

یجب ذکرہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم باسماء معظمة فلایجوز ان یقال انه فقیر غریب مسکین[2]۔	حضور اکرم صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کا تذکرہ باعظمت اسماء کے ساتھ کرنا لازم وفرض ہے، آپ صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر، غریب اور مسکین کہنا جائز نہیں۔(ت)

زرقانی علی المواہب میں ہے:

قال تعالٰی ووجدك عائلا فاغنی نص علی انه اغناہ بعد ذٰلك فزاله عنه ذٰلك الوصف فلایجوز وصفه به بعد[3]۔	الله تعالٰی کا فرمان مبارک "الله تعالٰی نے آپ صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کو محتاج پایا تو غنی کردیا" واضح طور پر شاہد ہے کہ الله تعالٰی نے آپ کو غنی کردیا ہے جس سے محتاجی والا وصف زائل ہوچکا ہے، لہٰذا اس کے بعد آپ صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کا یہ وصف بیان کرنا

---

[1] القرآن الکریم ۹۳/ ۷

[2] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب

ہر گز جائز نہیں۔(ت) اسی میں ہے:

الیتیم من الیتم موت الاب قبل بلوغ الولد او من الانفراد کدرۃ یتیمۃ کما قیل فی قولہ تعالٰی الم یجدك یتیما ای واحدا فی قریش عدیم النظیر انتھی ومذھب مالك لایجوز علیہ ھذا الاسم [1]۔	لفظ یتیم، یتم سے ہے یعنی بچہ کے بالغ ہونے سے پہلے باپ کا فوت ہونا، یا اس کا معنی منفرد اور یکتا ہونا ہے جیسے کہا جاتا ہے دریتیم (یکتا موتی) جیسا کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی "کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا" کے تحت مفسرین نے کہا ہے یعنی قریش میں آپ کی مثال نہیں ملتی یکتا ہیں انتہی، امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فتوٰی ومذہب یہ ہے کہ اس نام (یتیم) کا اطلاق آپ پر جائز نہیں۔(ت)

نسیم الریاض جلد رابع ص ۴۵۰ میں ہے:

الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام لایوصفون بالفقر ولایجوز ان یقال لنبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیر وقولھم عنہ الفقر فخری لااصل لہ کما تقدم [2]۔	تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو فقر کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا، ہمارے نبی وآقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر کہنا جائز نہیں، باقی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں جو منقول ہے "الفقر فخری" (فقر میرا فخر ہے) اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ گزرا۔(ت)

اسی کے صفحہ ۳۷۸ میں ہے:

قال الزرکشی کالسبکی لایجوز ان یقال لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیر اومسکین وھو اغنی الناس باللہ تعالٰی لاسیما بعد قولہ تعالٰی "وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى" وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم احینی مسکینا ارادبہ المسکنۃ	امام زرکشی نے امام سبکی کی طرح فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر یا مسکین کہنا ہر گز جائز نہیں، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے تمام لوگوں سے بڑھ کر غنی بنایا ہے خصوصا اللہ تعالٰی کے اس فرمان کے بعد تو اس کی گنجائش ہی نہیں" پایا اس نے آپ کو محتاج تو غنی کردیا" باقی آپ صلی اللہ

[1] شرح الزرقانی علی المواہب

[2] نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض الوجہ الخامس ان لایقصد دار الفکر بیروت ۴/ ۴۰۵

القلبیة بالخشوع والفقر فخری باطل لااصل له کما قال الحافظ ابن حجر العسقلانی [1]۔	تعالٰی علیہ وسلم کی دعا "اے اللہ! مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ" سے قلبی خشوع ومسکنت مراد ہے۔ اور یہ قول "فقر میرا فخر ہے" باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں جیساکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا۔ (ت)

شفاء شریف امام اجل قاضی عیاض صدر باب اول قسم رابع میں ہے:

افتی فقهاء الاندلس بقتل ابن حاتم المتفقة الطلیطلی وصلبه بما شهد علیه من استخفافه بحق النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و تسمیته ایاه اثناء مناظرته بالیتیم وختن حیدر وزعمه ان زهده علیه الصلٰوة والسلام لم یکن قصدا ولو قدر علی الطیبات اکلها الی اشباه لهذا [2]۔	فقہاء اندلس نے ابن حاتم المتفقۃ الطلیطلی کے قتل اور پھانسی لٹکانے کا فتوی دیا اس کے خلاف یہ شہادت ملی کہ اس نے دوران مناظرہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقام کی بے ادبی کرتے ہوئے آپ کو یتیم اور حیدر کا سسر کہا، اور اس کا خیال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زھد اختیاری نہ تھا اگر آپ طیبات پر قادر ہوتے تو ضرور انھیں استعمال میں لاتے، اس کی مثل گستاخی کے دیگر اقوال۔ (ت)

شرح علی قاری میں ہے:

یکفی امر واحد منها فی تکفیره وقتله [3]۔	اس کی تکفیر اور قتل کے لئے ان مذکورہ اشیاء میں ایک ہی کافی ہے۔ (ت)

نیز شفا شریف میں ہے:

افتی ابو الحسن القابسی فیمن قال فی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الجمال یتیم ابی طالب بالقتل	امام ابوالحسن قابسی نے اس کے قتل کا فتوی دیا جو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ابوطالب کا یتیم اونٹوں والا کہے کیونکہ یہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء باب فی بیان ماھو الخ دارالفکر بیروت ۴/ ۳۳۶

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی الباب الاول فی بیان ماھو الخ مطبع شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۱۰

[3] شرح الشفاء ملاعلی قاری الباب الاول فی بیان ماھو الخ الحاج محرم آفندی ۲/ ۳۹۸

لظهور استهانته ف بذلك [1]۔	کے حق میں توہین ہے۔(ت)

شرح علی قاری میں ہے:

لعل الجمع بين الوصفين مطابق للواقع فی السوال والافکل واحد منهما یکفی فی تکفیر صاحب المقال [2]۔	دو چیزوں (اونٹوں والا، ابوطالب کا یتیم) کو شاید سوال میں جمع ذکر کرنے کی وجہ سے اکٹھا کر دیا گیا ہے ورنہ ان دونوں میں سے ایک کا بھی قائل کافر ہے۔(ت)

نیز شفا شریف میں بیت معری:۔

کنت موسی وافته بنت شعیب غیر ان لیس فیکما من فقیر [3]

(آپ موسٰی کی طرح ہیں جن کے پاس حضرت شعیب کی صاحبزادی آئی تھیں مگر بات صرف اتنی ہے کہ تم دونوں کوئی فقیر نہیں۔ت) پر ارشاد فرمایا:

اخر البیت شدید وداخل فی باب الازراء، والتحقیر بالنبی علیه الصلٰوۃ والسلام وتفضیل حال غیرہ علیه [4]۔	دوسرے شعر کا مصرعہ ثانی نہایت نامناسب اور گستاخی کے باب میں داخل ہے کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں تحقیر وتوہین ہے اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دوسرے کو فضیلت دی گئی ہے۔(ت)

شرح علی قاری میں ہے:

ای عجز شدید فی القبح عند تدبرہ لان مضمونه التعبیر لموسٰی علیه الصلٰوۃ والسلام بفقرہ [5]۔	یعنی اس شعر کے آخری مصرعہ میں اگر تدبر کیا جائے تو اس میں قباحت شدید ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کو فقیر کہہ کر عار دلائی گئی ہے جو کہ قباحت کا باعث ہے۔(ت)

نیز شفا شریف میں اور اشعار بیباکان بدزبان جو اس سے ہلکے ہیں ذکر کرکے فرمایا:

هذہ کلها وان لم تتضمن سبا ولا اضافة	یہ تمام اشعار اگرچہ گستاخی اور فرشتوں اور

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی الباب الاول فی بیان ماہو فی قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبع شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۰۹

[2] شرح الشفاء ملا علی قاری الباب الاول فی بیان ماہو فی قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبع الحاج محرم آفندی ۲/ ۳۹۶

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل الوجہ الخامس الخ مطبع شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۲۹

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل الوجہ الخامس الخ مطبع شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۲۹

[5] شرح الشفاء ملا علی قاری الحاج محرم آفندی ۲/ ۴۴۲

ف: خط کشیدہ عبارت کتاب الشفاء مطبوعہ شرکت صحافیہ میں نہیں ہے۔ **نذیر احمد**

الی الملئکہ والانبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام نقصاً ولست اعنی عجزی بیتی المعری ولاقصد قائلها ازراء وغضاً فما وقر النبوۃ ولاعظم الرسالۃ ولاعزر حرمۃ المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نقص پر مشتمل نہیں نہ ہی معری کے پورے کلام کو درست سمجھتا ہوں اور نہ ہی ان کے قائل نے بے ادبی اور طعن کا قصد کیا، تاہم ان اشعار میں نبوت کا وقار اور رسالت کی عظمت اور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اعزاز نہیں ہے۔(ت)

شرح علی قاری میں ہے:

(لست اعنی) بھذہ النفی (عجزی بیتی المعری) فانہ کفر واضح والحاد لائح [2]۔	میں نہیں ہوں (اس نقص اور گستاخی کی) نفی میں معری کے شعروں کو درست قرار دینے والا کیونکہ یہ واضح کفر اور کھلا الحاد ہے۔(ت)

امام ابن حجر مکی شرح ہمزیہ مبارکہ میں زیر قول ماتن امام محمد بوصیری قدس سرہ

وسع العالمین علماً وحلماً   فھو بحر لم تعیہ الاعباء

مستقل دنیاك ان ینسب   الامساك منھا الیہ والاعطاء [3]

(آپ علم وحلم میں تمام جہانوں سے برتر ہیں، وہ ایسا سمندر ہے جسے کوئی عیب لگانے والا عیب نہیں لگاسکتا، آپ دنیا کو حقیر وذلیل جانتے ہیں برابر ہے آپ کو غیر مستحق سے دنیا کو روکنا اور مستحق کو عطا کرنا۔ت)

فرماتے ہیں:

فی السیف المسلول للتقی السبکی عن الشفاء واقرہ ان فقہاء الاندلس	امام تقی سبکی نے "السیف المسلول" میں "الشفاء" سے نقل کرکے اسے ثابت رکھا ہے کہ فقہاء اندلس

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل الوجه الخامس الخ مطبع شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۳۰

[2] شرح الشفاء ملا علی قاری فصل الوجه الخامس الخ الحاج محرم آفندی ۲/ ۴۴۵

[3] متن الھمزیہ شرح الفتوحات الاحمدیۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۴۶

افتوا باراقة دم من وصفه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالفقر فی اثناء مناظرته بالیتیم ثم زعم ان زهده لم یکن قصدا او لو قدر علی الطیبات اکلها و ذکر البدر الزرکشی من بعض الفقهاء المتاخرین انه کان یقول لم یکن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقیر من المال ولاحاله حال الفقر بل کان اغنی الناس بالله تعالٰی قد کفی امر دنیاه فی نفسه وعیاله وکان یقول فی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اللهم احینی مسکینا ان المراد استکانة القلب لاالسکنة هی ان لایجد مایقع لوقعاس کفایته وکان یشدد التکبر علی من یعتقد خلاف ذٰلك اه واما خبر الفقر فخری وبه افتخر فموضوع وقد صح انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم استعاذ من فتنة الفقر کما استعاذ من فتنة الغنی[1]۔	نے اس شخص کے قتل کا فتوٰی جاری فرمایا جس نے دوران مناظرہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر و یتیم کہا اور یہ عقیدہ رکھا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زہد اختیاری نہ تھا اگر آپ اشیاء طیبہ پر قادر ہوتے تو انھیں استعمال میں لاتے، امام بدرزرکشی نے بعض متاخرین فقہاء سے نقل کیا کہ فرمایا کرتے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات گرامی مال کے اعتبار سے فقیر نہیں اور نہ آپ کا حال، حال فقر ہے بلکہ اللہ تعالٰی نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام لوگوں سے غنی بنایا ہے آپ اپنی ذات اور عیال میں دنیا کے کسی معاملہ میں ہرگز محتاج نہیں اور یہ بھی فرماتے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جو ارشاد گرامی ہے "اے اللہ! مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ" سے دل کی عاجزی مراد ہے نہ کہ وہ غریبی و محتاجی جو فقر کا مترادف ہے یعنی وہ محتاج جو قوت لایموت نہ رکھتا ہو، اور جو اس کے خلاف ذہن و عقیدہ رکھتا ہو اس پر سخت ناراض ہوتے۔ رہا معاملہ حدیث "فقر میرا فخر ہے اور اس پر میں فخر کرتا ہوں" کا، تو یہ موضوع اور من گھڑت روایت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ فقر کے فتنہ سے پناہ مانگا کرتے جیسے کہ مالداری کے فتنہ سے پناہ مانگتے۔ (ت)

ان الفاظ کے ناجائز اور حرام ہونے پر یہ عبارات متظافرہ ہیں اور فتوائے فقہائے اندلس وامام ابوالحسن قابسی و تقریرات امام قاضی عیاض وامام تقی الملۃ والدین سبکی و توضیحات علی قاری میں ان پر حکم کفر ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق، توفیق جامع و تحقیق لامع یہ ہے کہ ان اوصاف کا اطلاق بروجہ تقریر و اثبات خواہ حکم قصدی میں ہو یا وصف عنوانی میں اگر قول قائل کے سیاق یا سباق یا سوق یا مساق سے

---

[1] شرح الهمزیه للامام ابن حجر مکی دستیاب نہیں یہ عبارت مختصرا الفتوحات الاحمدیه ص ۷۴ مطبوعه المکتبة التجاریة مصر پر ملاحظہ ہو۔

طرز تنقیص ظاہر وثابت ہو یقینا کفر ہے، اور اگر ایسا نہیں اور قائل جاہل ہے اور اس سے صدور نادر ہو اور وہ اس پر غیر مصر توہدایت وتنبیہ وزجر وتہدید کریں اور حاکم شرع اس کے مناسب حال تعزیر دے کہ وہ ضرور سزاوار سزا ہے۔ اور اگر قائل مدعی علم ہے یا ایسے کلمات کا عادی یا بعد تنبیہ بھی ان پر مصر تو مریض القلب بد دین گمراہ ومستحق عذاب شدید ہے، سلطان اسلام اسے قتل کرے گا اور زمین کو اس کی ہستی ناپاک سے پاک اور عام مسلمانوں کو اس کی صحبت ومجالست سے احتراز لازم اور اسے واعظ یا امام نماز بنانا اس کا وعظ سننا اس کے پیچھے نماز ممنوع وحرام۔

وھذا ماقال الامام ابن حجر المکی ونقله فی النسیم مقرا علیه عند ذکر فتیا الامام ابی الحسن القابسی المذکورة الظاھر ان مذھبنا لایابی ذلك لمافی عبارته من الدلالة علی الازراء فان ذکر یتیم ابی طالب فقد لم یکن صریحا فی ذلك فیما یظھر نعم ان کان السیاق یدل علی الازراء کان کما لو جمع بین اللفظین [1]۔اھ	یہ وہ ہے جو امام ابن حجر مکی نے فرمایا: صاحب نسیم الریاض نے اسے امام ابوالحسن القابسی کے فتوے مذکورہ کے ساتھ نقل کرکے اسے مؤید وثابت رکھا ظاہر یہی ہے کہ ہمارا مذہب اس کا انکار نہیں کرتا کیونکہ فقط یتیم ابوطالب کہنے میں ظاہرًا وصراحۃً توہین نہیں ہے ہاں جب کلام کا پس منظر توہین پر دال ہوگا تو یہ توہین بنے گا جیسا کہ اس صورت میں بنتا ہے جب دونوں (یتیم ابوطالب، اونٹ والا) کو جمع کردیا گیا ہو اھ (ت)

کلمات بے ادبی کامعاذاللہ خود کہنا درکنار دوسرے کا کہا ہوا بے غرض ردوانکار لوٹانے پر شفاء شریف میں فرمایا:

اماالاباحة لحکایة قوله لغیرھذین المقصدین فلااری لھا مدخلا فی ھذا الباب فلیس التفکه بعرض النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاحد بمباح وذکرھا علی وجه الحکایات واحادیث الناس والخوض فی قیل و	مباح ہونے کا ایک پہلو یوں بھی ہوسکتا ہے کہ قائل اپنے مقولہ کو ان دونوں مقاصد کے علاوہ کسی اور انداز کے ساتھ بیان کرے میرے خیال کے مطابق اس طرح اس کا تعلق ان امور میں باقی نہ رہے گا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت سے کسی کو کھیلنا مباح نہیں ہے ایسے کلمہ کا بطور حکایت یا لوگوں کی بات یا بطور بحث قیل وقال

[1] نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض الباب الاول دارالفکر بیروت ۴/ ۳۴۲

قال ومالایعنی فکل ھذا ممنوع و بعضہ اشد فی المنع والعقوبۃ فما کان من الحاکی لہ علی غیر قصد او معرفۃ بمقدار ماحکاہ اولم تکن عادتہ اولم تکن الکلام من البشاعۃ حیث ھو ولم یظھر علی حاکیہ استحسانہ و استصوابہ زجر عن ذٰلك ونھی عن العودۃ الیہ وان قوم ببعض الادب فھو مستوجب لہ وان کان لفظہ من البشاعۃ حیث ھو کان الادب اشد وان اتُّھِمَ ھذا الحاکی فیما حکاہ انہ اختلفہ ونسبہ الی غیرہ اوکانت تلك عادۃ لہ اوظھر استحسانہ لذٰلك فحکم ھذا حکم الساب نفسہ یؤاخذ بقولہ ولاتنفعہ نسبتہ الی غیرہ فیبادر بقتلہ ویجعل الی الھاویۃ امہ [1] (ملخصًا)	اور بے مقصد ذکر کرنا ممنوع ہے بعض طرز بیان ممانعت اور عقوبت میں زیادہ شدید ہے توحکایت کرنیوالے نے بے قصد اور بے علمی میں حکایت کی یا اس کی ایسی عادت نہیں یا وہ بات کھلی بے ادبی نہیں بایں طور کہ وہ اس کو پسند اور درست نہیں مانتا، تو اس کو زجر کیا جائے گا، اور آئندہ ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا اور اگر بطور ادب اس کو کچھ سزا دی جائے تو وہ اس کا مستحق ہے اور اگر وہ الفاظ کھلی بے ادبی ہو تو سزا سخت ہوگی، اور اگر حکایت کرنے والا اس سے متہم ہو کر حکایت بیان کرتے ہوئے بناوٹ سے کام لیتا ہے اور غیر کی طرف منسوب کرتے ہوئے حکایت بیان کرے یا اس کی عادت ایسی ہے یا وہ بات اس کے ہاں پسندیدہ ہو تو اس کا حکم وہی ہوگا جو سبّ کرنے کا حکم ہے، یہ اسی کی بات متصور ہوگی اور غیر کی طرف منسوب کرنا اس کو مواخذہ سے نہ بچاسکے گا لہٰذا فورًا قتل کیا جائے اور واصل جہنم کیا جائے (ملخصا) (ت)

ظاہر ہے کہ زید بے قید جس کے حال سے سوال ہے اگر قسم اول میں ہے تو ضرور اس پر حکم کفر ہے، سائل نے اس کا پورا کلام نقل نہ کیا جس کے سیاق وسباق سے حال کھلتا ہے اور اگر اس قسم سے بچ بھی جائے تو قسم سوم سے ہونا یقینی کہ وہ مدعی علم بنتا وعظ کہتا ہے پھر مسلمانوں کے ہدایت کرنے پر بھی باز نہ آیا مصر رہا، یہ سب اس کے تین الفاظ سابقہ پر ہے، رہا لفظ "بیچارہ" وہ ان سب سے سخت تر، بیچارہ وہ کہ کس بلا میں گرفتار اور بیکس، بے بس، بے یار ہو جو اس سے خلاص کا کوئی حیلہ نہ پائے۔

---

[1] کتاب الشفاء فصل الوجہ السادس المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ترکی ۲/ ۲۳۵۔۳۶

یہ ضرور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے رب عزوجل پر افتراء اور قرآن عظیم کی تکذیب اور کفار ملاعنہ کی تصدیق ہے جنھوں نے بکا تھا، ان محمدا ودعه ربه[1] محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا، جس پر سورہ والضحٰی شریف نازل ہوئی۔

"وَالضُّحٰىۙ ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰىۙ ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ "[2]	اے پیارے تمھارے روئے درخشاں کی قسم تمھاری زلف مشکیں کی قسم، نہ تمھیں تمھارے رب نے چھوڑا نہ بیزار ہوا، جو آن آگے آتی ہے تمھارے لئے گزشتہ آن سے بہتر ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم،

کیا معاذاللہ ان کو اس ناپاک لفظ سے تعبیر کیا جائے گا جن کا رب فرماتا ہے:

" اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ "[3]	اگر تم کوئی ان کی مدد نہ کرو تو اللہ واحد قہار ان کا مددگار۔

کیا معاذاللہ ان کو کہا جائے گا جن کے لئے ان کا مولیٰ عزوجل فرماتا ہے:

"فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾ "[4]۔	بیشک اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتوں کی فوجیں ان کی مدد کو حاضر ہیں۔

کیا معاذاللہ ان کو کہا جائے گا جو اس ظاہری تنہائی اور ایک جہاں برسر عداوت وپرخاش ہونے کی حالت میں اپنے یار غار سے فرماتے تھے: "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَاۚ "[5] غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو یہ ملعون کلمہ ان پہلو سے بھی ملعون وخبیث تر ہے، زید بے قید خود بھی جانتا تھا کہ یہ سب سے بدتر ہے، ولہذا ایک بار کہ بناوٹ پر آیا اسی کو سوچ بچار بنایا اور اس سے بھی ہزار درجہ ملعون تر اس کا وہ ناپاک نجس گندا خبیث قول ہے کہ میں نے تو یہی کہا ہے، اللہ تعالیٰ یوں فرمارہا ہے، اس سے کُھل گیا کہ وہ ضرور بددین گمراہ فاسد العقیدہ مختل الایمان بلکہ ظاہرًا بالقصد مرتکب توہین حضور سید الانس والجان ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اس کا وعظ سننا حرام اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس سے

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ والضحٰی امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۰

[2] القرآن الکریم ۹۳/ ۱تا۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۴۰

[4] القرآن الکریم ۶۶/ ۴

[5] القرآن الکریم ۹/ ۴۰

ملنا جلنا حرام، اسے سلام علیک کہنا حرام، اپنی تقریب میں اسے بلانا حرام، اپنا کوئی دینی کام اگرچہ صرف نکاح خوانی ہو اسے سپرد کرنا حرام،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

اس حالت میں شر وضلالت پر جو اس کے معاون ہیں سب اسی کی مثل ہیں اور ان سب کے یہی احکام۔

قال اللہ تعالٰی "وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انھیں میں سے ہے۔ (ت)

طھر اللہ الارض من خبثھم وخبث امثالھم (اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کے خبث سے زمین کو پاک کردے۔ت) ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹ تا ۲۶۰: از کاکوروی درگاہ تکیہ شریف کاظمیہ مرسلہ سید سبط احمد صاحب خادم درگاہ ۲۳ رمضان ۱۳۳۵ھ

(۱) اگر کوئی مسلمان قبل شروع رمضان المبارک یہ لفظ استعمال کرے کہ ہندو ہوتے تو بہتر یہ تیس روزے تو نہ رکھنا پڑتے۔

(۲) دوسرا شخص ایسے لفظ بصراحت یہ بیان کرے کہ اللہ پاک نے تیس روزے بنائے ہیں پوری قید ہے۔ بھوک پیاس لے کر آتے ہیں، بڑا ظلم ہے، رمضان کے روزے بڑے ظالم ہیں، لیکن جو ظلم کرتا ہے تھوڑے دن رہتا ہے۔

الجواب:

یہ دونوں شخص یقیناً کافر ومرتد ہیں اگر عورت رکھتے ہوں تو ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں، عورتوں کو اختیار ہے بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کرلیں، یہ کافر اگر توبہ نہ کریں از سرنو اسلام نہ لائیں، تو مسلمانوں کو ان سے میل جول حرام، سلام کلام حرام، بیمار پڑیں تو انھیں پوچھنے جانا حرام، مرجائیں تو ان کے جنازے میں شرکت حرام، انھیں غسل دینا حرام، ان پر جنازہ پڑھنا حرام، ان کا جنازہ کندھے پر رکھنا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

حرام، جنازے کے ساتھ جانا حرام، مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام، ان کے اقارب اگر حکم شریعت مانیں تو ان کی موت پر ان کی لاشیں دفع عفونت کے لئے بھنگی چماروں سے ٹھیلے پر ڈلوا کر مسلمانوں اور کافروں سب کی مقابر سے جدا کسی گڑھے میں کتے کی طرح پھینکوا کر اوپر سے پاٹ دیں، "وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾"[1] (اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۱: از ملوک پور مرسلہ مولوی شفاعت اللہ صاحب طالب علم مدرسہ اہل سنت ۹ شوال ۱۳۳۵ھ

زید ایک مسجد کا امام ہے اور بکر بوجہ باہم شکر رنجی زید کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تھا، بنائے شکر رنجی اول یہ ہے کہ زید داڑھی کترواتا ہے، دوم کہ زید بکر سے منافقانہ رسم رکھتا تھا کیونکہ ایک مرتبہ چند اہل محلّہ وغیرہم نے زید اور بکر کے درمیان اس شکر رنجی کو دفع کرکے صلح کرادی تھی، اور قرآن پاک درمیان میں دیا تھا، مگر قرآن پاک دینے پر بھی زید کا بغض نہ گیا، اور وہ وقتاً فوقتاً اپنے منافقانہ برتاؤ سے اپنا بغض ظاہر کرتا رہا، مگر اس مصالحت کے بعد زید نے چند دنوں کے لئے داڑھی چھوڑ دی جس پر بکر زید کے پیچھے نماز پڑھنے لگا، چند روز کے بعد زید نے بکر پر ایک الزام لگایا جس کو اہل محلّہ نے بعد تحقیق جھوٹا پایا، اس پر بکر نے زید سے دریافت کیا کہ میرے اور تمھارے درمیان کلام پاک دیا گیا تھا پھر تم نے مجھ سے کیوں بغض رکھا اور کیوں میرے اوپر تہمت لگائی، اس پر زید نے صریحا جواب دیا کہ ایک قرآن شریف کیا اگر دو قرآن شریف درمیان ہوجائیں گے تب بھی تیری جانب سے میرا بغض نہ جائے گا، ایسی صورت میں زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

محبت وبغض قلبی حالت اختیار بشر میں نہیں۔

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ھذا قسمی فیما املك فلاتؤاخذنی فیما لا املك[2]۔	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے، یہ اس میں میرا حصہ ہے جس کا میں مالک ہوں پس اس میں مواخذہ نہ فرما جس کا میں مالک نہیں ہوں۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲۹

[2] اتحاف السادۃ المتقین واما اصحاب علیه السلام فابو بکر رضی اللہ عنه دار الفکر بیروت ۲/ ۲۲۹

زید کے اس قول کو اس پر محمول کرنا چاہئے کہ جب بھی میرا البغض نہ جائے گا کہا ہے نہ کہ جب بھی تیرا البغض نہ چھوڑوں گا، ہاں اگر بغض بلاوجہ شرعی ہے اور اس پر کارروائی کرتا ہے جیسے جھوٹی تہمتیں لگانا اور اس امر میں مشہور ہے تو فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۲: عبدالغنی رنگ ساز بریلی محلّہ عقب کوتوالی ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیر کے ساتھ مرید کو کیسا عقیدہ رکھنا چاہئے، آیا یہ کہنا چاہئے کہ میرا بخشنے والا وہی ہے، یا یہ کہ اس کے وسیلہ سے بخشا جاوے گا جیسا کہ ایک شخص (زید) ہے وہ یہ کہتا ہے کہ بخشنے والا اور دینے والا پیر ہی ہے، اور عمرو یہ کہتا ہے کہ پیر بخشنے والا نہیں بلکہ ان کے وسیلہ سے ان کے مرید بخشے جائیں گے، اور بغیر وسیلہ پیر کے دربار خدا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک رسائی نہیں، اور اس امر میں زید ہمیشہ عمرو سے اختلاف رکھتا ہے اب فیصلہ فرمادیں کہ دونوں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر؟ اور جو حق پر نہیں ہیے اس کو توبہ کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**
(بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

عمرو حق پر ہے اور زید کے وہ الفاظ کہ بخشنے والا اور دینے والا پیر ہی ہے اپنے ظاہر پر بہت شنیع ہیں اور اگر اس کا ظاہر ہی اعتقاد قائل ہو تو صریح کفر بہرحال زید کو توبہ چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۳: لکھیم پور ضلع کھیری محلّہ نئی بستی مرسلہ محمد غفران الحق صاحب ۶ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا بسبیل تذکرہ، کیا اس کو خبر تھی تمھارے دل کی، یعنی کیا خدا جانتا تھا تمھارے دل کی بات کو۔ تو اس کے کہنے سے اس نے خدا کی صفت علم سے انکار کیا یا نہیں؟ اور اس کلمہ کے کہنے پر وہ عورت خارج از ایمان ہوئی یا نہیں؟ اور ایمان سے خارج ہونے کی وجہ سے اس مرد کے نکاح میں رہی یا منکر بصفت علم باری تعالٰی ہونے کی وجہ سے ایمان جاتا رہا، اور ایمان جانے کی وجہ سے اپنے خاوند کے جو کہ مسلمان ہے نکاح سے باہر ہوئی یا نہیں؟ اب وہ عورت توبہ کرکے بغیر عدت کے ایام گزارے اور بغیر دوسرے مرد سے نکاح کئے اپنے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے؟ اور پہلا مہر خاوند کو دینا ہوگا یا ساقط ہوگیا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

سائل نے ان زن و شو کا اول سے مکالمہ نہ لکھا جس سے اس قول زن کے معنی متعین ہوتے اس میں وہ پہلو بھی نکلتا ہے جس سے سلب علم نہ ہو مثلاً مرد نے دعوٰی کیا کہ فلاں وقت میرے دل میں یہ بات تھی عورت نے اس پر مرد سے یہ کہا کہ اللہ تعالٰی کو اپنے دل میں اس وقت یہ بات ہونے کا گواہ کرے لہٰذا یہ الفاظ کہے یعنی کیا تمھارے دل میں یہ ارادہ ہونا علم الٰہی میں تھا، اس صورت میں لزوم محظور نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ"[1]۔	اور وہ اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں، تم فرماؤ ان کا نام تو لو یا اسے وہ بتاتے ہو جو اس کے علم میں ساری زمین میں نہیں۔ (ت)

نیز ممکن ہے کہ استفہام تقریری ہو یعنی اس سے اقرار لینا چاہا کہ اللہ تعالٰی **علیم بذات الصدور** ہے، جب وہ اقرار کرتا تو آگے اس پر تفریع کرتی مثلاً یہ کہ جب وہ دلوں کی خبر رکھتا ہے کیوں فاسد ارادہ دل میں لاتے ہو تو ایسے مجمل سوال پر کوئی حکم نہیں دے سکتا، ہاں اگر ثابت و متحقق ہو کہ عورت نے وہ الفاظ **معاذاللہ** نفی علم کے لئے کہے تو بے شک کلمہ کفر تھے، اس روایت کی بناء پر جس پر اب فتوٰی ہے نکاح سے نہ نکلی، اگر وہ توبہ اور تجدید اسلام کرے تو نظر بظاہر الروایۃ دو گواہوں کے سامنے تجدید نکاح کرلیں اس سے زیادہ کی حاجت نہیں اور پہلا مہر کسی حال میں ساقط نہ ہوا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۶۴: مرسلہ سید ایوب علی ساکن بریلی محلّہ کسگران ۱۳ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بلانکاحی عورت اپنے گھر میں رکھتا ہے چند مسلمان نے زید سے ہر چند کہا کہ تو اپنا نکاح کرلے، زید نے جھوٹ کہا کہ میرا نکاح ہوچکا ہے میں اب نہیں کروں گا، اور کسی کو اس کے نکاح کی خبر نہیں ہے، مسلمانوں نے کہا کہ تو مسلمان نہیں ہے جو شرعی حکم نہیں مانتا ہے زید نے جواب دیا کہ ہاں میں مسلمان نہیں ہوں لہٰذا سب مسلمانوں نے زید کو اپنی محفل سے اٹھادیا بعد چندے زید کہتا ہے کہ آپ میرا نکاح کردو، لہٰذا سوال ہے کہ ازروئے شرع شریف زید کے واسطے کیا حکم ہے؟ **والسلام**

الجواب:

وہ سب لوگ گنہ گار ہوئے جنھوں نے اسے کہا کہ تو مسلمان نہیں اور جب وہ ایک عورت کو بی بی کی

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۳۳

طرح گھر میں رکھتا اور کہتا تھا کہ میرا نکاح ہوچکا ہے تو اسے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہ تھی، نہ ان لوگوں کو نکاح نہ معلوم ہونے سے نکاح نہ ہونا لازم تھا ان لوگوں نے اپنی نادانی سے برخلاف شرع اسے اتنا تنگ کیا کہ آخر شیطان نے اس سے کہلوادیا کہ ہاں وہ شخص مسلمان نہیں ہے، اس کہنے سے اس کا ایمان جاتا رہا اور نکاح اگر کیا بھی تھا باطل ہوگیا اب وہ پھر مسلمان ہوکر اس کے بعد عورت کی رضامندی سے اس سے نکاح کرے اور یہ سب لوگ بھی توبہ کریں جنھوں نے ناحق تنگ کرکے یہاں تک نوبت پہنچائی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۵ و ۲۶۶: از شہر محلّہ ذخیرہ مسجد نیاریان مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب طالبعلم درجہ اول مدرسہ اہل سنت وجماعت ۱۱ محرم ۱۳۳۶ھ

(۱) عرض این ست کہ شخصے وعظ گفت، گفت کہ شہید رابر نبی پنج فضیلت زیادہ دارد حدیث بیان کردہ راست ست یانہ؟ برامام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ بسیار تجاوز بیان کرد کہ در مصنف ابی الشکور تکذیب وے کردی یعنی سر بر چوگان وبرلاش مبارک اسپ راندن ومستورات رابے پردہ بردن وغیرہ راست ست یانہ؟ وگفتہ ابوالشکور در مصنف خود کہ یزید دوازدہ سردار خود راکشت کہ من شما امر نکردم بودم بقتل وے۔	**(۱)** عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے وعظ میں کہا شہید کو نبی پر پانچ درجے زیادہ فضیلت ہے، یہ بات درست ہے یا نہیں؟ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق زیادتی کرتے ہوئے کہا کہ ابوالشکور کے مصنف میں ان کی تکذیب کی گئی ہے یعنی ان کے سر اور لاشے پر گھوڑے دوڑائے گئے، خواتین کو بے پردہ کیا گیا یہ سب درست ہے یا غلط؟ ابوالشکور نے اپنے مصنف میں یہ بھی بیان کیا کہ یزید نے اپنے بارہ سردار یہ کہتے ہوئے قتل کروادئے کہ میں نے تمھیں قتل حسین کا حکم نہیں دیا تھا۔
(۲) دیگر گفت کہ شہادت ناقصہ امام حسن رادادہ شد وشہادت کاملہ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ دادہ شد ورسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شہید نشدہ وگفت دربیان ایں حدیث کہ برحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شہید فضیلت دارد معاذ اللہ بواسطہ جناب راست ست یانہ؟	**(۲)** دوسرے یہ کہا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہادت ناقص اور امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہادت کاملہ دی گئی، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شہید نہیں اور اس نے اس حدیث کے بیان میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شہید کو فضیلت ہے **(معاذاللہ)** امام حسین کے واسطہ سے آپ بتائیں یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) غیر نبی رابر نبی تفضیل کفر است اگر فضل جزئی مراد دارد نیز بے ادب وبدزبان وبدخواہ مسلمانان وبرہم زن دین وایمان ست وتجاوز از حد ظلم ست وبغض او کفر وسائرش حرام، قال تعالٰی "وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ"[1] وہیچوں مظالم ملعونہ غیر ثابتہ وثابتہ از پہلوئے اہانت اہل بیت کرام راتہی نیست، فضائل ومناقب آنہا نشر باید نہ آنچنانکہ درشمار زبونان وخستگان وبیچارگاں باشمد۔ کردم از عقل سوالے کہ بگو ایمان چیست عقل در گوش ولم گفت کہ ایمان اداب است وما رابایزید وافعال واقوال ظالمانہ ومنافقانہ آں پلید کارے نیست، اعاذنا اللہ تعالٰی منہ وامثالہ۔ (۲) سخن اول بے ادبی وسخن آخر کفر، واللہ تعالٰی اعلم۔	(۱) غیر نبی کو نبی پر فضیلت دینا کفر ہے اگر جزئی فضیلت مراد ہو تو یہ بے ادبی، بدزبانی اور مسلمانوں کی بدخواہی اور دین وایمان کو جلانا ہے اور حد سے تجاوز کرنا ظلم ہے ان کا بغض وغیرہ کفر وحرام ہے، اللہ تعالٰی کا فرمان ہے جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، اسی طرح غیر ثابت مظالم ملعونہ اور ثابتہ مذکورہ اہلبیت کرام کی اہانت سے خالی نہیں، اہلبیت کے فضائل ومناقب کا بیان ہونا چاہئے نہ یہ کہ ان کو بیچارگاں اور بے سہارا اور خستہ حال ثابت کیا جائے، میں نے عقل سے پوچھا بتاؤ ایمان کیا ہے تو عقل نے میرے دل کے کان میں کہا ایمان سراپا ادب ہے اور ہمیں یزید پلید اور اس کے ظالمانہ افعال واقوال سے کوئی سروکار نہیں اللہ تعالٰی ہمیں اس سے اور اس کی امثال سے پناہ عطا فرمائے۔ (۲) پہلی بات بے ادبی اور دوسری کفر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۷: خدا ہر جگہ حاضر کہنا کیسا ہے؟

الجواب:

اللہ عزوجل جگہ سے پاک ہے، یہ لفظ بہت برے معنی کا احتمال رکھتا ہے اس سے احتراز

[1] القرآن الکریم ۱/۶۵

لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۸: از ریاست بہاولپور مقام فرید آباد ڈاک خانہ غوث پور مرسلہ مولوی نور احمد صاحب فریدی ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

ھوالحق بشرط ملاحظہ عالیہ جناب حضرت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی مدظلہم العالی مجدد مائۃ حاضرہ، یاحضرت اقدس دام فیوضاتکم العالیہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، صد آداب نیاز مندانہ بجالاکر عارض ہوں کہ اس جگہ در بارہ مسئلہ وحدۃ الوجود سماع علماء میں سخت اختلاف ہے، زید کہتا ہے مسئلہ وحدۃ الوجوہ حق ہے اور صحیح ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیائے عظام علیہم الرضوان کا مشرب ہے اور سماع لاھلہ شرعًا درست ہے، ہر دو مسائل کا ثبوت کتب اسلامیہ سے موجود ہے، بکر اس کے برخلاف ہے اور فتوٰی دیتا ہے کہ مشرب وحدۃ الوجود والے تمام کافر ہیں اور سماع بلاتخصیص مطلق حرام ہے اور اس کا مرتکب **معاذاللہ** ملعون وکافر ہے، اور ہر دو مسائل کا ثبوت کسی کتاب اسلامی میں نہیں، فلہذا بکمال ادب معروض کہ بحوالہ کتب معتبرہ فتوائے خود سے امت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بواپسی جواب سرفرازی بخشیں کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون کاذب تاکہ تشویش اور خطرہ ایمانی بین المسلمین نہ آئے، **والاجر علی اللہ** (اجر اللہ کے پاس ہے۔ت)

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہاں تین چیزیں ہیں، توحید، وحدت، اتحاد۔ توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر ہے، اور وحدت وجود حق ہے، قرآن عظیم واحادیث وارشادات اکابر دین سے ثابت، اور اس کے قائلوں کو کافر کہنا خود شنیع خبیث کلمہ کفر ہے، رہا اتحاد وہ بیشک زندقہ والحاد اور اس کا قائل ضرور کافر، اتحاد یہ کہ یہ بھی خدا وہ بھی خدا سب خدا ع

گر فرق مراتب نکنی زندیق ست

(اگر تو فرق مراتب نہ کرے تو زندیق ہے۔ت)

حاش للہ الہ الہٰ ہے اور عبد عبد، ہرگز نہ عبد الہ ہوسکتا ہے نہ الہ عبد، اور وحدت وجود یہ کہ وہ صرف موجود واحد، باقی سب ظلال وعکوس ہیں، قرآن کریم میں ہے:

"**کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ**ؕ"[1]	ہر چیز فانی ہے سوائے اس کی ذات کے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، حضور اکرم فرماتے ہیں:

الصدق کلمۃ الشاعر کلمۃ لبید الاکل شیئ ماخلا اللہ باطل[1]۔	سب میں سچی زیادہ بات جو کسی شاعر نے کہی لبید کی بات ہے کہ سن لو اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔

کتب کثیرہ مفصلہ، اصابہ نیز مسند میں ہے سواد بن قارب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشھد ان اللہ لارب غیرہ　　　　وانک مامون علی کل غائب[2]

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی رب نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمیع غیوب پر امین ہیں)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔

اقول: یہاں فرقے تین ہیں:

اول: خشک اہل ظاہر کہ حق و حقیقت سے بے نصیب محض ہیں یہ وجود کو اللہ و مخلوق میں مشترک سمجھے ہیں۔

دوم: اہل حق و حقیقت کہ بمعنی مذکور قائل وحدت وجود ہیں۔

سوم: اہل زندقہ وضلالت کہ الٰہ و مخلوق میں فرق کے منکر اور ہر شخص وشے کی الوہیت کے مقر ہیں ان کے خیال واقوال اس تقریبی مثال سے روشن ہوں گے، ایک بادشاہ اعلٰی جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں، آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شیئ کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے، بعض میں صورت صاف نظر آتی ہے بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی کسی میں الٹی، ایک میں بڑی ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی بعض میں چوڑی، کسی میں خوشنما کسی میں بھونڈی، یہ اختلاف ان کی قابلیت کا ہوتا ہے ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے خود واحد ہے، ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے، ان کے الٹے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ "وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ"[3] (اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے۔ت)

---

[1] الجامع الصحیح للبخاری کتاب الادب باب مایجوز من الشعر والرجز قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۸

[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ قصہ اسلام سواد بن قارب دارالفکر بیروت ۳/ ۶۰۹

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۶۰

اب اس آئینہ خانے کو دیکھنے والے تین قسم ہوئے:

اول: ناسمجھ بچے، انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتا ہے جیسے وہ، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں تو عین یہ بھی اور وہ بھی، مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم، اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہی بادشاہ ہے، یہ سب اسی کے عکس ہیں اگر اس سے حجاب ہوجائے تو یہ سب صفحہ ہستی سے معدوم محض ہوجائیں گے، ہو کیا جائیں گے اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں حقیقۃً بادشاہ ہی موجود ہے باقی سب پر تو کی نمود ہے،

دوم: اہل نظر و عقل کامل، وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بیشک وجود ایک بادشاہ کے لئے ہے موجود ایک ہی ہے یہ سب ظل و عکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے اس تجلی سے قطع نظر کرکے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں، اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی یہ ناقص ہیں وہ تام، یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں، اور وہ سلطنت کا مالک یہ کوئی کمال نہیں رکھتے، حیاۃ، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام، سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع، تو یہ اس کا عین کیونکر ہوسکتے ہیں، لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلی کی نمود، یہی حق و حقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود۔

سوم: عقل کے اندھے سمجھ کے اوندھے ان ناسمجھ بچوں سے بھی گزر گئے، انھوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی، تاج جیسا کہ اس کے سر پر ہے بعینہٖ ان کے سروں پر بھی، انھوں نے عقل و دانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا، کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب و نقائص نقصان قوابل کے باعث ان میں تھی خود بادشاہ کو ان کا مورد کردیا، جب یہ وہی ہیں تو ناقص عاجز محتاج، الٹے، بھونڈے، بدنما، دھندلے کا جو عین ہے قطعاً انھیں ذمائم سے متصف ہے تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا (ظالم جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ت)

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجود حقیقی احتیاج سے پاک وہاں جسے آئینہ کہئے وہ خود بھی ایک ظل پھر آئینے میں انسان کی صرف سطح مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان

کے صفات مثل کلام و سمع وبصر و علم وارادہ وحیات سے اصلا نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عزجلالہ کے تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتو ڈالا یہ وجود اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت حق ہوئی وہ سمجھ لئے کہ۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوآں

ہر کجامی نگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھر میں ایک چراغ ہے اس کی روشنی سے ہر جا بارونق ہے۔ت)

انھوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں: حقیقی، ذاتی، کہ متجلی کے لئے خاص ہے، اور ظلی عطائی کہ ظلال کے لئے ہے اور حاشا یہ تقسیم اشتراک معنی بلکہ محض موافقت فی اللفظ، یہ ہے وہ حق حقیقت و عین معرفت وللہ الحمد۔

الحمدلله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولاان هدانا الله لقد جاءت رسل ربنا بالحق، صلی الله تعالٰی علیهم وعلی سیدهم ومولاهم وبارك وسلم۔	سب حمد اللہ تعالٰی کے لئے جس نے ہمیں اس کے لئے ہدایت دی جبکہ ہم خود راستہ پانے والے نہ تھے اگر اللہ تعالٰی ہماری رہنمائی نہ فرماتا یقینا ہمارے رب کے تمام رسول حق لائے اللہ تعالٰی ان سب پر اور ان سب کے آقا ومولا پر رحمتیں اور برکتیں اور سلامتی نازل فرمائے۔(ت)

سماع مجرد کہ جملہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو بلاشبہ اہل کو مباح بلکہ مستحب ہے اس پر انکار ستر صدیقوں پر انکار ہے اور معاذاللہ صدیقین کی تکفیر کرنے والا کفر اخبث کا سزاوار ہے، اس کی تفصیل فتاوٰی فقیر خصوصا رسالہ "اجل التحبیر" میں ہے، ہاں مزامیر شرعًا ناجائز ہیں، حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں: مزامیر حرام ست[1] (مزامیر حرام ہیں۔ت) اور اہل اللہ کسی معصیت الٰہی کے اہل نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۹: از کھنڈل ضلع اکیاب ملک برہما مرسلہ محمد بدیع الرحمٰن ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

اندریں کہ شخصے عالمے را دراثنائے سخن بدیں گونہ دشنام داد کہ چہ ذکر علم تحصیل نمودی وچہ ذکر عالم ہستی پس سب علم وعالم معاوانصاف آں	ایک شخص نے دوران گفتگو عالم دین کو اس طرح گالی دی ہے تونے ذکر علم حاصل کیا ہے، تو ذکر عالم ہے، اس نے علم اور عالم کو ذکر اور آلہ تناسل سے

[1] فوائدالفواد نظام الدین

باذکر وآلہ تناسل توہین علوم دین وہتک عالم متین ست یانہ، برشق اول برشاتم موصوف چساں حکم حسب شرع محمدی عائد شود **بینوا بالدلیل**۔	متصف کیا، یہ علم دین وعالم متین کی توہین ہے یانہیں؟ اگر ہے تو شاتم پر شرح محمدی کا کیا حکم جاری ہتاہے، دلیل کے ساتھ بیان فرمائیں (ت)

الجواب:

فقہائے کرام توہین عالم راکفر داشتہ اند، در مجمع الانہر ست: من قال للعالم عویلم علی وجہ الاستخفاف کفر[1]۔ آنجا اگر تاویل را راہی بود توہین علم دین خود کفر خالص است **واللہ تعالٰی اعلم**۔	فقہاء کرام نے عالم کی توہین کو کفر قرار دیا ہے، مجمع الانہر میں ہے، اگر کسی نے توہین کی نیت سے عالم کو عویلم (گھٹیا عالم) کہا تو یہ کفر ہے، اگر یہاں تاویل کریں تو علم دین کی توہین خالصتاً کفر ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۰ تا ۲۷۲: از کشمیر خاص محلّہ رنگریزاں بخانہ منشی چراغ ابراہیم براستہ جہلم مرسلہ محمد یوسف صاحب ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ

(۱) کوئی شخص فقہ کا انکار کرے کہ میرا فقہ پر ایمان نہیں ہے تو کیا وہ مسلمان ہے یا کافر؟

(۲) اگر وعظ میں کوئی کہے کہ بعد خدا کے درجہ عالم کا ہے فقط، تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کوئی یوں کہے، کہ آدم علیہ السلام نے کپڑا بُنا ہے اور داؤد علیہ السلام نے آہن گروں کا کام کیا ہے اور فلاں پیغمبر نے حجام کا کام کیا، تو اس میں کیا بے عزتی نبیوں کی ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) فقہ کا انکار قرآن مجید کا انکار ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (ت)

اور قرآن مجید کا انکار کفر ہے۔

(۲) اگر اس نے عالم سے مراد یہی عرفی علماء لئے جنھیں مولوی کہتے ہیں تو یہ کلمہ کفر ہوگا کہ اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر علماء کی تفضیل لازم آتی ہے، اور اگر مطلق عالم مراد لیا کہ انبیاء

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۲

علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی شامل ہے تمام عالم سے اعلٰی واعلم تو وہی ہیں، تو ضرور حق ہے اور جب بات محتمل ہے تو قائل پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے قرائن کلام سے متعین نہ ہوتا ہو۔

(۳) حجام کا کام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف نسبت کرنا تو اس شخص کا افتراء ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کپڑا بننا سکھایا گیا، داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے لوہا نرم کیا گیا وہ اس سے زرہیں بناتے، یہ بیان اگر اس نے محل توہین میں کیا تو کافر مرتد ہے اور اگر کسی محل صحیح میں نیت صحیح سے کیا تو حرج نہیں، اور اگر نہ کوئی نیت فاسدہ تھی نہ صحیحہ ویسے ہی بے معنی حکایات کے طور پر بیان کیا تو بے ادب ہے اور قابل تعزیر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۳ و ۲۷۴: از شہر کہنہ محلّہ قاضی ٹولہ مرسلہ حاجی سعد الدین صاحب ۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

تفضل حسین نے ایک جلسہ عام میں منبر پر بیٹھ کر یہ کہا کہ آج میں ایک ایسی بات بیان کرتا ہوں جو آج تک حاضرین جلسہ نے نہ سنی ہو کیونکہ کسی عالم اور کسی فقیر نے آج تک بیان نہیں کیا وہ بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بی بی عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے دولت خانے پر تشریف لائے آپ کی سوئی گر گئی تھی وہاں اندھیرا تھا اس کو وہ تلاش کررہی تھیں تاریکی کی وجہ سے نہ ملتی تھی حضور نے تبسم فرمایا دندان اقدس کی روشنی سے وہ سوئی مل گئی، حضور نے خیال فرمایا کہ میرے دانت ایسے روشن ہیں کہ آج تک کسی کے ایسے نہ ہوئے اس تکبر کی وجہ سے حضور کا دندان اقدس جنگ اُحد میں، شہید ہوگیا۔

(۲) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرتے تھے اس وجہ سے پاؤں شریف پر ورم آگیا، کسی صاحب نے یہ عرض کیا کہ حضور پتھر آگ میں گرم کرکے سینکیں، حضور نے جس وقت پتھر آگ میں ڈالا اس نے اللہ تعالٰی سے فریاد کی حکم ہوا کہ ہم اس کا بدلہ تجھ کو دیں گے ان الفاظ سے توہین ہوئی یا نہیں۔ اور ہوتی ہے تو کس حد تک، یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں یا غلط؟ اس کے بیان کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے اور سامعین پر اس کا گناہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کس طرح اس گناہ سے بری ہوں؟

الجواب:

پہلی روایت کہ تبسم فرمانے سے سوئی مل گئی، یہاں تک ٹھیک ہے، اس کے بعد جو اس بیان کرنے والے نے بڑھایا ہے وہ صریح کذب وافتراء ہے، اور اس کے ساتھ جو اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت **معاذاللہ** تکبر کا لفظ کہا وہ صریح کفر ہے وہ ایمان سے نکل گیا اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، جیسے مجمع میں اس نے وہ ناپاک ملعون لفظ کہا اسے حکم ہے کہ ویسے ہی

مجمع میں توبہ کریں اور اسلام لائے اگر نئے سرے سے مسلمان نہ ہو تو مسلمانوں کو اس سے سلام و کلام حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کی شادی غمی میں شریک ہونا حرام بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مر جائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے غسل و کفن دینا حرام، اس کے جنازہ کی نماز حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، مرنے کے بعد اسے کچھ ثواب پہنچانا حرام، بلکہ اس کے کفر پر مطلع ہو کر جو کوئی اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا کوئی معاملہ کرے گا اور اسے مسلمان جانے گا بلکہ اس کے کفر میں شک کرے گا وہ خود کافر ہو جائے گا، شفائے امام قاضی عیاض وبزازیہ وذخیرۃ العقبٰی و مجمع الانہر و در مختار میں ہے:

من شك في عذابه وكفره فقد كفر [1]۔	جس نے اس کے عذاب وکفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ (ت)

(۲) اور وہ جو دوسری روایت پتھر کی اس نے بیان کی وہ بھی محض جھوٹ اور اس کا افتراء ہے اور اگر توبہ نہ کرے تو وہ روایت اس پر جہنم کے پتھر برسائے گی وہ لوگ جو ایسے کو بیان کرنے کے لئے بٹھاتے ہیں اور اس کا بیان سنتے ہیں سب سخت گنہ گار ہیں اور اگر اس پہلی روایت کو سن کر پسند کیا تو وہ پسند کرنے والے سب اس کی مثل کافر ہوگئے اور ان کی عورتیں نکاح سے نکل گئیں، ان پر توبہ فرض ہے، اور ہدایت اللہ کے ہاتھ، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: از کٹک بخشی بازار مرسلہ داور علی خان سہاوری ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک اشتہار بجنسہٖ روانہ خدمت کرتا ہوں اس میں نمبر ۶ میں جو لکھا ہے اس سے مسلمانانِ کٹک بہت الجھن میں پڑ گئے ہیں کیونکہ جس کتاب کے حوالے سے لکھا ہے وہ غیر مقلدین کی کتاب کا حوالہ ہے اس واسطے مکلّف ہوں کہ اس کا جواب دیجئے تاکہ مسلمانانِ کٹک کی بے چینی دور ہو۔

الجواب:

ظاہرًا مسلمانوں کی پریشانی کا باعث یہ ہے کہ اس قول کو صاحب اشتہار کی طرف سے سمجھے حالانکہ اس میں وہابیہ کا قول نقل کیا ہے، یہ قول وہابیہ کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی کا ہے کہ اس نے تقویۃ الایمان میں لکھا اور شیطنت پر سخت شیطنت یہ کی کہ اس کلمہ کفر کو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کیا کہ حضور فرماتے ہیں "میں بھی تمھارے طرح ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" [2] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کا کلمہ اور پھر اسے خود حضور کی طرف منسوب کرنا دوہرا استحقاق عذاب نار ہے۔

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] تقویۃ الایمان الفصل الخامس فی رد الاشراک مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۲

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے حرام کردیا ہے انبیاء کا بدن کھانا زمین پر، اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دئے جاتے ہیں۔

دوسری صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون[2]۔	انبیاء اپنے مزارات طیبہ میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶و۲۷۷: از رادھن پور گجرات قریب احمد آباد مرسلہ حکیم محمد میاں صاحب ۷ اجمادی الثانی ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک مولوی صاحب وعظ میں اس طرح کہتے تھے: "اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو اپنے کلام پاک میں یوں ارشاد فرماتے ہیں" اور کبھی اس طرح کہتے تھے: "ارشاد فرماتا ہے" کہیں تو اللہ فرماتے ہیں اور کہیں اللہ فرماتا ہے، ایسے کلام کے کہنے سے انسان پر کفر شرک تو لازم نہیں آتا یا آتا ہے، گناہ گار ہوتا ہے یا نہیں، اور کتابوں کے مصنف نے "اللہ فرماتے ہیں" کیوں نہیں لکھا؟ اور "فرماتا ہے" لکھا، کیا وجہ؟

(۲) ابھی چندروز کی بات ہے کہ ایک شہر سے فتوے آئے ہیں اس میں کئی مہریں ہیں اس میں لکھا ہے کہ "بہشتی زیور" سے انکار کرنے والا کافر ہے، اس کی عورت بھی نکاح سے خارج ہوگئی، اقرار وانکار کرنے والے مسلمان ہی ہیں، مسلمانوں کو کافر کہنا جائز ہے۔؟ جنھوں نے مسلمانوں کو کافر کہا اسے کیا چاہئے؟

الجواب:

(۱) اللہ عزوجل کو ضمائر مفرد سے یاد کرنا مناسب ہے کہ وہ واحد احد فرد وتر ہے اور تعظیمًا ضمائر جمع میں بھی حرج نہیں، اس کی نظیر قرآن عظیم میں ضمائر متکلم ہیں توصدہا جگہ ہے: (مثلا)

"اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ	بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود

[1] سنن ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

[2] مجمع الزوائد باب ذکر الانبیاء علیہم السلام دارالکتاب بیروت ۸/ ۲۱۱، المطالب العالیہ حدیث ۳۴۵۲ توزیع عباس احمد البازمکۃ المکرمہ ۳/ ۲۶۹

لَحٰفِظُوْنَ"۔	اس کے نگہبان ہیں۔(ت)

اور ضمائر خطاب میں صرف ایک جگہ ہے وہ بھی کلام کافر سے کہ عرض کرے گا: رب ارجعون لعلی اعمل صٰلحا (اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں۔ت) اس میں علماء نے تاویل فرمادی کہ یہ "ارجع" کی جمع باعتبار تکرار ہے یعنی "ارجع ارجع ارجع" ہاں ضمائر غیبت میں بے ذکر مرجع صیغ جمع فارسی، اور اردو میں بکثرت بلا نکیر رائج ہیں۔ ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

(آسمان امانت کا بوجھ نہ اٹھاسکا، قرعہ فال مجھ دیوانے کے نام نکلا۔ت)

ع سعدیا روز اول جنگ بہ ترکاں دادند

(اے سعدی! روز اول سے جنگ ترکوں کو دے دی گئی ہے۔ت)

؎ زرویت ماہ تابان آفریدند ز قدت سر بستان آفریدند

(تیرے چہرہ اقدس سے روشن چاند پیدا ہوتے ہیں تیرے قد انور سے باغ کے سرو اگتے ہیں۔ت)

ایسی جگہ لوگ کارکنان قضاء وقدر کو مرجع بتاتے ہیں، بہرحال یونہی کہنا مناسب ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے، مگر اس میں کفر و شرک کا حکم کسی طرح نہیں ہوسکتا، نہ گناہ ہی کہا جائے گا بلکہ خلاف اولی۔

(۲) مسلمان کو کافر ٹھہرانا کفر ہے مگر اس کی کیا شکایت کہ بہشتی زیور کا مصنف اور اس کے ماننے والے وہی ہیں جن کو علمائے حرمین شریفین فرماچکے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸: از کھنوڑہ ضلع ہوشیار پور مرسلہ امجد علی خاں صاحب معرفت مولوی شفیع احمد صاحب بیلپوری متعلّم مدرسہ اہل سنت وجماعت ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی شخص آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو بدلیل حدیث انا من نور اللہ[1] (میں اللہ کے نور سے ہوں۔ت) نور الٰہی کا جزو مانے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

یہ لفظ معنی فاسد کا موہم، اور موہم سے بچنا واجب، ردالمحتار میں ہے:

[1] تذکرۃ الموضوعات باب فضل الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کتب خانہ مجیدیہ ملتان ص ۸۶

مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع [1]۔	محض محال معنی کا وہم بھی ممانعت کے لئے کافی ہوتا ہے۔(ت)

نور کا اطلاق نفس ذات پر بھی ہے،

"اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ" [2]۔	اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔(ت)

بلکہ حقیقۃً نور وہی ہے،

فان النور ھو الظاھر بنفسہ والمظھر لغیرہ کما قال الامام حجۃ الاسلام الغزالی۔	کیونکہ نور بنفسہٖ ظاہر اور غیر کو ظاہر کرنے والا ہے جیسا کہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے کہا۔(ت)

اور حقیقت لغویہ وعرفیہ میں روشنی کو کہتے ہیں وہ ایک عرض اور مخلوق ہے **قالہ الامام النووی فی شرح صحیح مسلم** (یہ بات امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں کہی ہے۔ت) معنی اول پر جزئیت محال اور اس کا ماننا کفر، اور معنی دوم پر جزئیت واقع، اور اس کا ماننا صحیح، لہذا ایسے لفظ کے یوں اطلاق سے احتراز چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۹: از کوہ الموڑہ بانس گلی مرسلہ کریم بخش عرف بھوا ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

ہولی کے موقع پر پر سر بازار مخصوص مسلمانوں کی دکانوں کے روبرو ٹھہر ٹھہر کے ہنود نے ایسے شرمناک الفاظ میں حملہ کیا، ایک گیت گایا جس میں مذمت کلام پاک اور توہین خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھی، وہ الفاظ یہ ہیں، گیت، مسلمانوں کی لڑکیاں پڑھنے بیٹھیں قرآن، اللہ مارے۔۔۔۔۔ عـــہ۱ رسول مارے۔۔۔۔۔ عـــہ۲ ان الفاظ کو مسلمانان الموڑہ سن کر بذریعہ کچہری چارہ جوئی نہ کریں ہنود کے معافی چاہنے پر معافی دینے کو آمادہ ہو جائیں تو شرع کا کیا حکم ہے؟ آیا مسلمان مواخذہ دار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:

"اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾" [3] (سنو، ظالموں پر اللہ کی لعنت۔ت) وہ بے عزت لوگ شاید

عـــہ۱: و عـــہ۲: یہاں فحش الفاظ تھے۔

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۵

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

مسلمان ہی نہ ہوں گے، جنھوں نے اللہ واحد قہار اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایسے ناپاک ملعون الفاظ سنے اور کچھ پروانہ کی، ملعون گانے والے کافروں اور خبیث سننے والوں کی ضرور ملی بھگت ہوگی، وہ خوب جانتے ہوں گے کہ یہ باطن میں کافر اور ان کے دینی بھائی اور انھیں کی طرح ہولی کی آگ میں دینی حمیت اور انسانی غیرت دونوں پھونکے بیٹھے ہیں، جب تو ان کے سامنے بے دغدغہ اللہ ورسول کو برسر بازار گالیاں دیں اور ان کے ساتھ بے غیرتوں کی بیٹیوں کو کیا کیا بکھانیں، "اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝" [1] (سنو، ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) یہ بے عزت اگر واقع میں مسلمان نہیں ہیں تو انھیں جہنم میں جانے دیں، وہاں اور جو مسلمان ہیں ان پر لازم ہے کہ جائز چارہ جوئی انتہا کو پہنچائیں، ورنہ اعداء اللہ کو اور شہ ہوگی اور اللہ ورسول کو اور زیادہ گالیاں دی جائیں گی اور اس کا وبال ان سب خاموش رہنے والوں پر پڑے گا، "اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝" [2] اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقط چند بے غیرتوں کے نہیں ان کے معافی دینے سے معافی ہو جائے، اس میں ہر مسلمان مدعی ہے، امام قاضی عیاض شفا شریف میں امام اجل،

(نوٹ: جواب نامکمل دستیاب ہوا)

مسئلہ ۲۸۰ تا ۲۸۵: از خیر آباد محلّہ شیخ سرائے ضلع سیتاپور مرسلہ امتیاز علی صاحب　　۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ دونوں مسلمان حنفی المذہب زن وشوہر، ہندہ جاہل بیوقوف اور بدمزاج ہے، زید اپنی معمولی ضرورت بھر پڑھا لکھا ہے اور اپنے مذہب کا پابند ہے۔ ہندہ کی بیوقوفی سے زید کچھ ناخوش ہوا اس پر ہندہ تند مزاج ہوگئی، حالت تکرار میں غصہ سے زید نے ہندہ سے یہ کہا کہ میں نے تم کو بارہا نصیحت کی کچھ سودمند نہ ہوا اور پھر فضیحت اپنی اور تمھاری لوگوں میں کی، اس کی بھی تم نے پرواہ نہ کی، اب درجہ اذیت کا باقی ہے جو میں تم کو دے سکتا ہوں اور یہ شریعت کی تعلیم ہے گو اذیت دینے کو طبیعت نہیں چاہتی اور اس کے بعد اگر راہ پر نہ آؤگی پھر مجبورًا مجھ کو آخیر درجہ کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کرنا ہوگی، اگر تم کو میرے ساتھ رہنا منظور نہیں ہے تو تم آزادی حاصل کرسکتی ہو اور میں تم کو آزاد کرسکتا ہوں اس کے بعد جو میرا جی چاہے گا میں کروں گا، اور جو تمھارا جی چاہے تم کرنا، اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کیونکہ شریعت کا یہ صاف حکم ہے کہ جب کسی طرح نباہ کی شکل نہ ہو تو آزادی ہونا چاہئے، اس پر ہندہ نے غصہ میں یہ کہا کہ "چولہے میں جائے ایسی شریعت" یا "مری پڑے ایسی شریعت پر"

(۱) اس فقرہ کے جاری کرنے سے عورت کس جرم یا گناہ کی مرتکب ہوئی اور اس کا دفعیہ کیا ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

(۲) ایسے الفاظ کہنے سے عورت پر ارتداد کا حکم تو نہیں ہوتا ہے؟
(۳) اگر ارتداد کا حکم عائد ہوتا ہے تو نکاح ہندہ اور زید میں کوئی نقصان ہے یا نہیں؟
(۴) اگر اس فعل سے نکاح میں کچھ نقصان ہوا اور شوہر نے جماع کیا تو یہ فعل کیا ہوا؟
(۵) اگر ایسی صورت میں جماع کیا اور حمل قرار پاگیا تو اولاد کیا کہلاوے گی؟ حلالی یا حرامی؟
(۶) اور اگر کوئی حکم الفاظ بالا کی وجہ سے عورت کے خلاف ہے اور اس کا نکاح میں کچھ نقصان نہیں تو اس کا دفعیہ کیا ہے؟

الجواب:

ہندہ مرتدہ کافرہ ہوگئی، شوہر پر حرام ہوگئی، جب تک توبہ کرکے اسلام نہ لائے اس سے جماع حرام ہے، اس جماع سے جو اولاد ہوگی ولد الحرام ہوگی اگرچہ ولد الزنا نہ کہیں، ہندہ پر فرض ہے کہ اس ملعون ناپاک لفظ سے توبہ کرے اور از سر نو مسلمان ہو، اس کے بعد زید دو گواہوں کے سامنے اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۶: از شہر کہنہ محلّہ سہسوانی ٹولہ مسئولہ محمد یامین صاحب ۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کافر کو کافر کہنا چاہئے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ نہیں کہنا چاہئے اس لئے کہ شاید مرتے وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لائے، زید اگر باز نہ آئے تو اس سے سلام علیک جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

کافر کو ضرور کافر کہا جائے گا، زید کا خیال غلط ہے جہالت پر مبنی ہے اسے سمجھایا جائے اگر نہ مانے تو قابل ترک ہے پھر اس سے سلام علیک نہ کی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از موضع موہن پور ڈاکخانہ دیورنیاں ضلع بریلی مرسلہ نور محمد نورباف ۱۳ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت منکوحہ کو اسی روز اس کے خاوند نے طلاق دی اور اسی روز قاضی صاحب نے اس کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ پڑھادیا قاضی مذکور سے کہا گیا کہ یہ نکاح ناجائز ہے کیونکہ اس میں عدت کی ضرورت ہے، انھوں نے کہا کچھ ضرورت نہیں ہے، ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کتنے نکاح ایسے پڑھائے ہوں گے، انھوں نے کہا کہ سیکڑوں نکاح ہم نے ایسے ہی پڑھائے ہیں، حالانکہ وہ عورت بالغ تھی اور اپنے شوہر کے یہاں آتی جاتی اور رہتی تھی اس حالت میں وہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اور نکاح پڑھانے والے پر شریعت کا حکم کیا ہے؟ اس شخص کا نکاح پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان قاضی صاحب کا بھی نکاح رہا یا نہیں؟

الجواب:

وہ نکاح حرام قطعی ہوا، اور اس میں قربت زنائے خالص ہے ان مرد وعورت پر فرض ہے کہ فوراً فوراً جدا ہو جائیں، اور عورت پر فرض ہے کہ عدت پوری کرے اس کے بعد نکاح کر سکتی ہے، قاضی جو مدت سے نکاح خوانی کر رہا ہے نرا وحشی جنگلی نہیں ہو سکتا، جو مسئلہ عدت سے آگاہ نہ ہو اس حالت میں اس کا کہنا کہ "عدت کی کچھ ضرورت نہیں۔" کفر ہے اس کی عورت نکاح سے نکل گئی اور وہ ایمان سے خارج ہو گیا، اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور مسلمان ہو، اس کے بعد اس کی عورت راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے، ایسے شخص سے نکاح ہر گز نہ پڑھوایا جائے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۸: از شہر بریلی کہنہ محلّہ گھیر جعفر صاحب مسئولہ امتیاز رسول صاحب ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مرتبہ کسی جگہ بسم اللہ شریف میں گیا اور وہاں سے جب واپس آیا تو اس کو اپنے دوست عمرو کے گھر جانے کا اتفاق ہوا، عمرو نے دریافت کیا کہ کہاں گئے تھے؟ زید نے صاف کہہ دیا کہ مجھ کو بسم اللہ شریف میں جانے کا اتفاق ہوا، دوسرے دن زید شہر کو کپڑا وغیرہ خریدنے گیا لوٹتے ہوئے جب عمرو کے مکان پر سے گزرا تو عمرو نے بطور مذاق کے دریافت کیا کہ بسم اللہ میں گئے تھے؟ چونکہ زید تھکا ہوا تھا گرمی زیادہ پڑ رہی تھی کچھ ہوش وحواس بجا نہ تھے غلطی سے بے ساختہ اس کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا کہ **نعوذ باللہ** "ستر پر گئی **بسم اللہ**، تمھیں ہر وقت مذاق ہی رہتا ہے" **بعدہ** زید اتنا کہہ کر بہت شرمندہ ہوا اور اس نے توبہ کرلی، مگر پھر بھی وہ لوگ اس کو کافر کہنے لگے انھوں نے تمام لوگوں کو مجبور کرکے کہلوایا کہ یہ کافر ہے، حالانکہ اس نے صدق دل سے توبہ کرلی، اب اگر اور کوئی طریقہ توبہ کرنے کا ہے وہ تحریر کردیجئے اور ان لوگوں کی بابت تحریر کیجئے کہ وہ کس حالت میں ہیں جو کہ ایک مسلمان کو توبہ کرنے کے بعد بھی کافر کہیں، زید کی مراد لفظ **بسم اللہ** سے نہ تھی بلکہ اس رسم سے جس میں لوگ بطور شادی وغیرہ کے جمع ہو جاتے ہیں۔

الجواب:

اس میں زید نے برا کیا بہت برا کیا اس پر توبہ فرض تھی، وہ اس نے کرلی، اس کے بعد لوگ اسے کافر کہتے ہیں سخت سخت اشد اشد گنہگار و مستحق عذاب نار ہوتے ہیں، ڈریں ڈریں کہ کہیں خود کفر میں نہ پڑیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من عیر اخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ [1]۔	یعنی جو کسی مسلمان بھائی کو توبہ کے بعد اس گناہ کا طعنہ دے

[1] جامع الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۷۳

رواہ الترمذی عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ وحسنہ ای ذنب قد تاب منہ [1] کما فی روایۃ ذکرھا فی الشرعۃ قال فی الحدیقۃ الندیۃ۔	وہ نہ مرے گا جب تک خود اس گناہ کا مرتکب نہ ہو (اسے ترمذی نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اسے حسن کہا ____ یہاں وہ گناہ مراد ہے جس سے توبہ کرلی گئی ہو، جیساکہ شرعۃ میں مذکورہ روایت میں ہے اسے حدیقۃ الندیۃ میں بیان فرمایا گیاہے۔ت)
والعیاذ باللہ تعالٰی ھذا فی الذنب فکیف بالاکفار و مالہ من قرار، واللہ تعالٰی اعلم۔	العیاذ باللہ تعالٰی یہ محض گناہ کے بارے میں ہے جس نے کسی کو بغیر ثبوت کے تکفیر کردی اس کا کیا بنے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۹: مسئولہ مولوی حشمت اللہ صاحب سنی حنفی قادری رضوی لکھنوی ۲۴ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین **کثرھم اللہ تعالٰی ونصرھم وایدھم** اس مسئلہ میں کہ سنیوں کے محلّہ میں ایک قادیانی آکر بسا، زید سنی نے مردوں عورتوں کو اس کے گھر میں جانے، اس سے خلاملا، میل جول حصہ بخرہ رکھنے سے منع کیا، ہندہ جس کے بیٹے وغیرہم سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہیں اس نے کہا کہ بڑے نمازیئے پڑھ کے ملا ہوگئے ہم عذاب ہی بھگت لیں گے، اس بیچارے قادیانی کو دق کر رکھا ہے تواب ہندہ کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماکر اجر پایئے۔ت)

الجواب:

ہندہ نماز کی تحقیر کرنے، عذاب الٰہی کو ہلکا ٹھہرانے اور قادیانی کو اس فعل مسلمانان سے مظلوم جاننے اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم وناحق سمجھنے کے سبب اسلام سے خارج ہوگئی اپنے شوہر پر حرام ہوگئی جب تک نئے سرے سے مسلمان ہو کر اپنے ان کلمات سے توبہ نہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از رامہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی مرسلہ تاج الدین امام مسجد ۱۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بدمذہب کہتاہے کہ نور حضرت کا غیر مخلوق ہے۔

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نوریقینا مخلوق الٰہی ہے، مصنف عبدالرزاق میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ ۶۰انواع میں سے نوع ۱۲ الطعن والتعییر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۴۰

یاجابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہ[1] (الحدیث)	اے جابر! بیشک اللہ تعالٰی نے تمام جہانوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

جو حضور کے نور کو غیر مخلوق کہے منکر قرآن عظیم ہے،

قال اللہ تعالٰی "خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے: وہ ہر شیئ کا خالق ہے تو اسی کی عبادت کرو، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۱: از گونا سنٹرل انڈیا ریاست گوالیار مرسلہ محمد صدیق سیکرٹری انجمن اسلامیہ ۱۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ٹوٹکے کراتا ہے بکرا بطور صدقہ مریض کے سرہانے بندھاتا ہے اور مریض کو سوار کراتا ہے (اگر وہ کمسن ہو) پھر اس بکرے کو دفن کراتا ہے اور وہ اس کو ضروری خیال کرتا ہے اور اس پر عامل ہو اور پتلا بنواوے اور مرغا گڑواوے اور سیندور وغیرہ لگواوے جو طریقہ سحر سے ہے، آیا زید مبتلائے شرک ہے یا نہیں؟ اور اس پر توبہ اور تجدید نکاح لازم ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کو اہل اسلام کو امام اپنا بنانا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر مسلمانوں سے کہا جاوے کہ ایسے شخص پر زجر کرنا چاہئے اس کو کم از کم امامت سے معزول کردو اس پر چند ان پڑھ مسلمان یہ کہیں کہ ہم تو زید پر ایمان لائے ہیں؟ تو یہ کیسا ہے؟ اگر زید کے مراسم نیلام کنندہ شراب سے ہوں جو پارسی ہے اور آمدنی شراب سے وہ روپے دیتا ہو اور زید اسے بلا کراہت نہایت خوشی سے خرچ میں لاتا ہو اور اس نیلام کار شراب کے یہاں سے کھانا آتا ہو جو آمدنی شراب سے ہے اور زید بخوشی اسے کھاتا ہو تو زید کو امامت سے معزول کردینا، مسلمانوں کے لئے امر مستحسن ہے یا نہیں؟ اور جو ان پڑھ لوگ اس کے امام رہنے پر اصرار کریں ان کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

بکرا دفن کرنا اور مرغا گاڑنا اور اسے صدقہ سمجھنا اور خصوصاً ضروری جاننا اور پتلا بنوانا یہ سب افعال شیاطین وساحران ملعونین ہیں ان کے ساتھ اگر کوئی قول یا فعل یا اعتقاد کفری ہو تو ضرور کفر ہے ورنہ

---

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ عبدالرزاق اول المخلوقات المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۷۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۳

کبیرہ اور سخت کبیرہ اور فاعل فاسق اور عذاب نار کا مستحق اور امامت کا محض نالائق، اسے معزول کرنا واجب اور اس کے پیچھے نماز ممنوع وگناہ اور اس کا پھیرنا لازم، اور جو اس کی حمایت کرتے ہیں مورد عذاب و مستحق عقاب ہوتے ہیں، خصوصا وہ کہنے والے کہ ہم تو زید پر ایمان لائے ہیں انھیں تجدید اسلام و نکاح چاہئے اور زید کو بھی جبکہ قولاً یا فعلاً کوئی کفر صریح اس سے ثابت نہ ہو ورنہ خود ہی اس کا نکاح باطل اور اسلام زائل، **والعیاذ باللہ**، کافر سے دوستانہ رکھنا مسلمانوں کو شایاں نہیں،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انھیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمھارے پاس آیا ہے۔(ت)

شراب کی آمدنی کہ کافر کے پاس ہے اس کا وہ حکم نہیں جو مسلم کے پاس ہونے کا ہے، کافر کہ بخوشی اپنے مال سے مسلمان کو دیتا ہے مسلمان کو اس کے لینے میں حرج نہیں اور آمدنی سے خریدے ہوئے کھانے میں تو اور توسیع ہے کہ مسلمان کے یہاں بھی جب تک عقد و نقد دونوں حرام زر پر جمع نہ ہوں اس کی خباثت شیئ مشتری کی طرف سرایت نہیں کرتی **کما ھو مذہب الامام الکرخی المفتی بہ** (جیسا کہ امام کرخی کا مذہب اور مفتی بہ قول ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۲: از کانپور محلّہ فیل خانہ قدیم مرسلہ مولانا مولوی سید محمد آصف صاحب ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

قبلہ کونین وکعبہ دارین دامت فیوضہم بعد تسلیمات فدویانہ التماس ایں کہ کتاب ارشاد رحمانی تصنیف مولوی محمد علی سابق ناظم ندوہ جن کے بابت ان کے ایک پیر بھائی نے مجھ سے کہا کہ وہ اب سابق افعال و کوشش متعلق ندوہ سے تائب ہوگئے ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ حالات مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں لکھا کہ بخاری شریف کے سبق میں حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر پر احمد میاں نے کہا کہ کرشن کے سولہ ہزار گوپیاں تھیں، اسی پر مولانا مرحوم نے فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان تھے اور مصنف نے ان کے بعد لکھا ہے کہ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ کسی مردے کے کفر پر تاوقتیکہ ثبوت شرعی نہ ہو حکم نہ لگانا چاہئے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ **لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ** [2] (ہر قوم کے لئے ہادی ہے۔ ت) اس تقدیر پر ہو سکتا ہے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/۱

[2] القرآن الکریم ۱۳/ ۷

رام چندر اور کرشن ولی یا نبی ہوں لہٰذا فدوی مکلّف خدمت فیض درجت ہے کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کسی مکتوب وغیرہ میں یہ لکھا ہے اور حضور نے ملاحظہ فرمایا ہے، قول مذکور رام چندر و کرشن مرزا صاحب نے کسی شخص کے خواب کی تعبیر میں فرمایا ہے، یہ بھی اس کتاب میں مرقوم ہے **فقط**۔

الجواب:

مولوی محمد علی صاحب نہ خیالات سابقہ سے تائب ہوئے نہ اس حکایت کی کچھ اصل جو مولانا فضل الرحمٰن کی طرف منسوب ہوئی، نہ یہ بات جناب مرزا صاحب نے کسی خواب کی تعبیر میں کہی بلکہ کسی خط کے جواب میں ایک مکتوب لکھا ہے، اس میں ہندوؤں کے دین کو محض بربنائے ظن و تخمین دین سماوی گمان کرنے کی ضرور کوشش فرمائی ہے بلکہ معارف ومکاشفات وعلوم عقلی و نقلی میں ان کا ید طولٰی مانا ہے، بلکہ ان کی بت پرستی کو شرک سے منزہ اور صوفیہ کرام کے تصور برزخ کے مثل مانا ہے اور بحکم "لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ"[1] (ہر امت کے لئے رسول ہے۔ت) ہندوستان میں بھی بعثت انبیاء ہونا اور ان کے بزرگوں کا مرتبہ کمال و تکمیل رکھنا لکھا ہے، مگر رام یا کرشن کا نام نہیں بایں ہمہ فرمایا ہے:

درشان آنہا سکوت اولٰی ست نہ مارا جزم بکفر وہلاک اتباع آنہا لازم ست ونہ یقین بہ نجات آنہا برماواجب ومادہ حسن ظن متحقق ست[2]۔	ان کے بارے میں سکوت اولٰی ہے ہم پر ان کے کفر اور ان کے اتباع کا ہلاک ہونا ماننا لازم نہیں اور نہ ان کی نجات پر یقین لازم ہے البتہ حسن ظن متحقق ہے۔(ت)

یہ اس تمام مکتوب کا خلاصہ ہے، ان فقرات کا حال قبل اظہار خود آشکار، اگر یہ مکتوب مرزا صاحب کا ہے اور اگر ان کا بے دلیل فرمانا سند میں پیش کیا جاسکتا ہے تو ان سے بدرجہا اقدم واعلم حضرت زبدۃ العارفین سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی سبع سنابل شریف میں کہ بارگاہ رسالت میں پیش اور سرکار کو مقبول ہوچکی، ص ۱۷۰ میں فرماتے ہیں:

مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری رادرماہ ربیع الاول بجہت عرس رسول علیہ الصلٰوۃ والسلام	مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری کو ماہ ربیع الاول میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۴۷

[2] مکتوبات مرزا مظہر از کلمات طیبات مکتوب ۱۴ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۷

از دہ جااستدعا آمد کہ بعد از نماز پیشیں حاضر شوند ہر دہ استدعاقبول کردند حاضراں پرسیدند اے مخدوم ہر دہ استدعا قبول فرمودید ہر جابعد از نماز پیشیں حاضر باید شد چگونہ میسر خواہد آمد، فرمود کشن کہ کافر بود چند صدجا حاضر می شد اگر ابوالفتح دہ جاحاضر شود چہ عجب [1]۔	میلاد مبارک میں دس مقامات سے دعوت شرکت دی گئی کہ نماز ظہر کے بعد تشریف لائیں، آپ نے تمام کی استدعا قبول کرلی، حاضرین نے آپ سے پوچھا اے مخدوم ما! آپ نے ہر جگہ نماز ظہر کے بعد دعوت قبول فرمالی ہے تو ہر جگہ بعد از نماز ظہر جانا کیسے ہوگا؟ فرمایا: کشن جو کافر تھا وہ کئی سو جگہ حاضر ہوسکتا ہے اگر ابوالفتح دس جگہ حاضر ہوگا تو کیا عجب! (ت)

بات یہ ہے کہ نبوت ورسالت میں اوہام وتخمین کو دخل حاصل نہیں "اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ" [2] (اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھنا ہے۔ت) اللہ ورسول نے جن کو تفصیلا نبی بتایا ہم ان پر تفصیلا ایمان لائے، اور باقی تمام انبیاء اللہ پر اجمالا "لِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ" [3] (ہر امت کے لئے رسول ہے۔ت) اسے مستلزم نہیں کہ ہر رسول کو ہم جانیں یا نہ جانیں تو خواہی نخواہی اندھے کی لاٹھی سے ٹٹولیں کہ شاید یہ ہو شاید یہ ہو، کاہے کے لئے ٹٹولنا اور کاہے کے لئے شاید، **امنا باللہ ورسلہ** (ہم اللہ تعالٰی اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ت) ہزاروں امتوں کا ہمیں نام ومقام تک معلوم نہیں "وَقُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِکَ کَثِیْرًا ۝۳۸" [4] (اور ان کے بیچ میں بہت سی سنگتیں ہیں۔ت) قرآن عظیم یا حدیث کریم میں رام و کرشن کا ذکر تک نہیں۔ ان کے نفس وجود پر سوائے تواتر ہنود ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ یہ واقع میں کچھ اشخاص تھے بھی یا محض انیاب اغوال ورجال بوستان خیال کی طرح اوہام تراشیدہ ہیں، تواتر ہنود اگر حجت نہیں تو ان کا وجود ہی ناثابت اور اگر حجت ہے تو اسی تواتر سے ان کا فسق وفجور ولہو ولعب ثابت، پھر کیا معنی کہ وجود کے لئے تواتر ہنود مقبول اور احوال کے لئے مردود مانا جائے اور انھیں کامل ومکمل بلکہ ظنا معاذاللہ انبیاء ورسل جانا مانا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۳ و ۲۹۴: از رائے پور ممالک متوسط گول بازار مرسلہ مرزا محمد اسمٰعیل بیگ　　۲۹ صفر ۱۳۳۸ھ

مندرجہ ذیل مکالمہ اس غرض سے علمائے دین کی خدمت اقدس میں ارسال ہے کہ از راہ کرم

---

[1] سبع سنابل حکایت مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۷۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۴

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۴۷

[4] القرآن الکریم ۲۵/ ۳۸

جلد تر اس کا جواب دیں کہ قول اصح کس کا ہے، اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ اللہ تعالٰی آپ حضرات کو اہل سنت وجماعت کا مقتدی بنائے رکھے آمین ثم آمین، **بینوا توجروا۔**

(۱) زید کا قول یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے مثل ایک بشر تھے کیونکہ قرآن عظیم میں ارشاد ہے کہ "**قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ**"[1] (تم فرماؤ کہ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ت) اور خصائص بشریت بھی حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے، کیا کھانا پینا جماع کرنا بیٹا ہونا باپ ہونا کفو ہونا سونا وغیرہ امور خواص بشریت سے نہیں ہیں جو حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے، ہاں اگر کوئی بشریت کی بناء پر حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مساوات کا دعوٰی کرنے لگے تو یہ نالائق حرکت ہے لیکن اس کا کون قائل ہوسکتا ہے سوائے صوفیائے مغلوبین کے کہ وہ بعض مقام پر پہنچ کر غلبہ سُکر کی وجہ سے اپنی رفعت کا دم بھرنے لگتے ہیں جیسا کہ عارف بسطامی سے منقول ہے کہ:

لوائی ارفع من لواءِ محمد[2] (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)	میرا جھنڈا حضرت محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے جھنڈے سے بلند ہوگا۔ (ت)

(۲) عمرو کہتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بشریت ہمارے مثل نہ تھی بلکہ اقوال بزرگان وپیشوایان امت سے ثابت ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راسہ صورت است: یکے بشری، **قولہ تعالٰی** "**اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ**"[3] (فرمان خداوندی ہے: میں تم جیسا بشر ہوں۔ت) دوم ملکی، چنانچہ فرمودہ است:

انی لست کاحد کم انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی[4]۔	میں تمھاری طرح نہیں ہوں میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (ت)

سوم حقی، **کما قال** (جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت):

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۱۰

[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ص ۱۱۲

[3] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۱۰

[4] مسند امام احمد حنبل از مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۵۳۔ ۲۴۴

لِیْ مَعَ اللہِ وَقْت لَایَسَعُ فِیْہِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَل [1] ۔	میرے واسطے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے کہ نہیں گنجائش رکھتاہے اس وقت میرے ساتھ کوئی مقرب فرشتہ نہ کوئی نبی بھیجاہوا۔ (ت)

اور کھانا پینا سونا جاگنا جو خصائص بشریت حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اس بناء پر اپنے مثل سمجھنا جیساکہ کفار اور مشرکین کہا کرتے تھے۔

"مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ " [2] ۔	اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتاہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ (ت)

سراسر بے ادبی وگستاخی ہے، جیسا مولانا روم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

گفت اینک مابشر ایشان بشر ماوایشان بستہ خوابیم وخور

ایں نداشتند ایشاں از عمی ہست فرقے درمیاں بے انتہا [3]

(انھوں نے کہا ہم بھی بشر یہ بھی بشر ہم سوتے ہیں کھاتے ہیں یہ بھی سوتے ہیں کھاتے ہیں یہ اندھا ہونے کی بناپر نہیں جانتے کہ ان کے اور حضور کے درمیان بے انتہا فرق ہے۔ت)

یہ تو کفار ومشرکین کا قول تھا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس " اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ " [4] (میں تمھاری مثل بشر ہوں۔ت) کے کہنے پر مامور تھے جس کی دلالت لفظ قُل کرتا ہے ورنہ جب **ایکم مثلی** [5] (تم میں سے کون ہے میری مثل۔ت) ارشاد ہوا ہے اسے زید کس معنٰی پر تاویل کرے گا، لہٰذا اپنے مثل بشر حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سمجھنا سوءِ ادب ہے اور اس سے احتراز لازم، کیونکہ:

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر گرچہ باشد درنوشتن شیر وشیر [6]

(پاک لوگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر (دودھ) ایک جیسے ہوں۔ت)

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حدیث ۷۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۹۷

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷

[3] مثنوی مولوی معنوی حکایت مرد بقال وروغن ریختن طوطی دفتر اول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۱۰

[5] صحیح البخاری باب کم التعزیر والادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۱۲

[6] مثنوی مولوی معنوی حکایت مرد بقال وروغن ریختن طوطی دفتر اول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱

حق تو یہ ہے، مثلے ہست کہ (مثل ہے کہ۔ت)

الجنس الی الجنس یمیل * بہر دل من بردن صورت انساں داری

(ہر جنس اپنی جنس کی طرف میلان کرتی ہے، میرا دل لے جانے کے لئے تونے انسان کی صورت اختیار کی ہے۔ت)

رہا یہ قصہ کہ صوفیائے کرام مثلاً حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جو یہ فرمایا کہ:

لوائی ارفع من لواء محمد[1] (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم)	میرا جھنڈا حضور اکرم (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے جھنڈے سے بلند ہوگا۔(ت)

اسے اس کا یعنی زید کا نالائق حرکت کہنا صوفیاء صافی اور عارف بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان میں سخت گستاخی اور سفلہ پن ہے۔ نہ اس سے مساوات کی بو آتی ہے، اور نہ فضیلت ہی استغفر اللہ پائی جاتی ہے بلکہ ان ظاہر بینوں کے لئے جو حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بشر سمجھے ہوئے ہیں ایک تازیانہ ہے، ان کا یہ کلام ع

گفتہ او گفتہ اللہ بود

(ان کا کہنا اللہ تعالٰی کا کہنا ہے۔ت)

کے مصداق ہے ورنہ: ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

(خاک کی عالم پاک کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ت)

پس حضور انور اور دیگر بزرگوں علیہم التحیۃ والثناء کے کسی قول و فعل پر انھیں اپنے مثل بشر سمجھنا ضلالت و بد دینی ہے کیونکہ:

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد   گر حفظ مراتب نہ کنی زندیق ست

(ہر مرتبہ وجود کے اعتبار سے الگ حکم رکھتا ہے اگر مراتب کے فرق کو سامنے نہیں رکھو گے تو گمراہ و زندیق ہو جاؤ گے۔ت)

اسی بناء پر شیخ محقق فرماتے ہیں:

بالجملہ تکلم کردن درحال شریف سید الکائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات بقیاس بلکہ	سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کے حال مبارک میں عقل کے ساتھ بلکہ اپنی دریافت کی بنیاد

[1] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ص ۱۱۲

بدریافت معرفت خود از دائرہ جنس ادب بیرون ست وحکم تکلم در متشابہات دارد[1]۔ انتہی کلام عمرو۔	پر گفتگو کرنا جنس ادب سے باہر ہے اور متشابہات میں گفتگو کے حکم میں ہے عمرو کا کلام ختم ہوا۔ (ت)

مستفتی عرض کرتا ہے کہ جلد سے جلد اس کا جواب عنایت فرمایا جائے، اگر بواپسی ڈاک ہو تو عین احسان و کرم ہے، اللہ تعالٰی حضور کو جزائے خیر دے۔ فقط

الجواب:

مستفتی کو تعجیل اور فقیر بتیس روز سے علیل، اور مسئلہ ظاہر وبین غیر محتاج دلیل، لہٰذا صرف ان اجمالی کلمات پر اقتصار ہوتا ہے، عمرو کا قول مسلمانوں کا قول ہے اور زید نے وہی کہا جو کافر کہا کرتے تھے:

"قَالُوْا مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ"[2]	کافر بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی۔

بلکہ زید مدعی اسلام کا قول ان کافروں کے قول سے بعید تر ہے وہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنا سا بشر مانتے تھے اس لئے ان کی رسالت سے منکر تھے کہ:

"مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾"[3]	تم تو نہیں مگر ہماری مثل بشر، اور رحمان نے کچھ نہیں اتارا تم نرا جھوٹ کہتے ہو۔ (ت)

واقعی جب ان خبثاء کے نزدیک وحی نبوت باطل تھی تو انھیں اپنی اسی بشریت کے سوا کیا نظر آتا لیکن ان سے زیادہ دل کے اندھے وہ کہ وحی و نبوت کا اقرار کریں اور پھر انھیں اپنا ہی سا بشر جانیں، زید کو "قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ"[4] سوجھا اور "یوحٰی الی" نہ سوجھا جو غیر متناہی فرق ظاہر کرتا ہے، زید نے اتنا ہی ٹکڑا لیا جو کافر لیتے تھے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت سے اعلٰی ہے وہ ظاہری صورت میں ظاہر بینوں کی آنکھوں میں بشریت رکھتے ہیں جس سے مقصود خلق کا ان سے انس حاصل کرنا اور ان سے فیض پانا، ولہٰذا ارشاد فرماتا ہے:

[1]

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۵

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۱۰

"وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّا يَلۡبِسُوۡنَ ۝۹ "[1]	اور اگر ہم فرشتے کو رسول کرکے بھیجتے تو ضرور اسے مرد ہی کی شکل میں بھیجتے اور ضرور انھیں اسی شبہہ میں رکھتے جس دھوکے میں اب ہیں۔

ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انھیں اوروں کی مثل سمجھنا ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا ظاہر بینوں کور باطنوں کا دھوکا ہے یہ شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں۔

ہمسری باا ولیاء برداشتہ　　انبیاء راہمچوں خود پنداشتند

(اولیاء کی برابری اختیار کرنا اپنے آپ کو انبیاء جیسا تصور کرنا ہے۔ت)

ان کا کھانا پینا سونا یہ افعال بشری اس لئے نہیں کہ وہ ان کے محتاج ہیں حاشا،

لست کاحدکم انی ابیت عندربی یطعمنی ویسقینی [2]۔	میں تمھاری طرح نہیں ہوں میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔(ت)

ان کے یہ افعال بھی اقامت سنت و تعلیم امت کے لئے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں جیسے ان کا سہو ونسیان حدیث میں ہے: انی لا انسی ولکن انسی لیستن بی [3] میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تاکہ حالت سہو میں امت کو طریقہ سنت معلوم ہو۔ امام اجل محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان لایأتی الاحول البشریة لاجل نفسه المکرمة بل ذٰلك منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی طریق التانیس البشریة لاجل الاقتداء به صلی الله تعالٰی علیه وسلم الاتری الی قول عمر رضی الله تعالٰی عنه انی لاتزوج النساء و مالی علیهن حاجة وقدقال	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احوال بشری کھانا پینا سونا جماع اپنے نفس کریم کے لئے نہ فرماتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لئے کہ ان افعال میں حضور کی اقتدا کریں، کیا نہیں دیکھتا کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے

---
[1] القرآن الکریم ۶/ ۹

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۴۴

[3] مؤطا امام مالک باب العمل فی سھو میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۸۴

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حبب الی من دنیا کم الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلٰوۃ فانظر الی حکمۃ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حبب ولم یقل احببت وقال من دنیا کم فاضافھا الیھم دونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فدل علی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان حبہ خاصا بمولاہ عزوجل یدل علیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وجعلت قرۃ عینی فی الصلٰوۃ فکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشری الظاہر ملکی الباطن فکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایأتی الی شیئ من احوال البشریۃ الاتانیسا لامتہ تشریعا لھا لا انہ محتاج الی شیئ من ذٰلك کما تقدم وللجھل بھذہ الاوصاف الجلیلۃ والخصال الحمیدۃ قال الجاھل المسکین "مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ" [1]۔	تمھاری دنیا میں سے خوشبو، عورتوں کی محبت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، یہ نہ فرمایا کہ میں نے انھیں دوست رکھا، اور فرمایا: تمھاری دنیا میں سے تو اسے اوروں کی طرف اضافت فرمایا نہ کہ اپنے نفس کریم کی طرف، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت اپنے مولٰی عزوجل کے ساتھ خاص ہے جس پر یہ ارشاد کریم دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ افعال بشری محض اپنی امت کو انس دلانے اور ان کے لئے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شے کی کچھ حاجت ہو، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا انھیں اوصاف جلیلہ وفضائل حمیدہ سے جہل کے باعث بیچارے جاہل یعنی کافر نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

عمرو نے سچ کہا کہ یہ قول حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہ فرمایا بلکہ اس کے فرمانے پر مامور ہوئے جس کی حکمت تعلیم تواضع وتانیس امت وسد غلو نصرانیت ہے، اول دوم ظاہر، اور سوم یہ کی مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی امت نے ان فضائل پر خدا اور خدا کا بیٹا کہا پھر فضائل محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی عظمت شان کا اندازہ کون کرسکتا ہے، یہاں اس غلو کے سدباب کے لئے تعلیم فرمائی گئی کہ کہو میں تم جیسا بشر ہوں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں۔

[1] المدخل فصل فی آدابہ فی الاجتماع باہلہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۹۳

ہاں "یوحی الی" رسول ہوں، دفع افراط نصرانیت کے لئے پہلا کلمہ تھا اور دفع تفریط ابلیسیت کے لئے دوسرا کلمہ اسی کی نظیر ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا:

" قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۹۳ "[1]۔	تم فرمادو پاکی ہے میرے رب کو میں خدا نہیں میں تو انسان رسول ہوں۔

انھیں دونوں کے دفع کو کلمہ شہادت میں دونوں لفظ کریم جمع فرمائے گئے:۔

اشهد ان محمدا عبده ورسوله۔	میں اعلان کرتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (ت)

بندے ہیں خدا نہیں، رسول ہیں خدا سے جدا نہیں، شیطنت اس کی کہ دوسرا کلمہ امتیاز اعلی چھوڑ کر پہلے کلمہ تواضع پر اقتصار کرے، اسی ضلالت کا اثر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دعوی مساوات کو صرف نالائق حرکت کہا، نالائق حرکت تو یہ بھی ہے کہ کوئی بلاوجہ زید کو طپانچہ ماردے یعنی اس زید کو جس نے کفر وضلال نہ بکے ہوں، پھر کہاں یہ اور کہاں وہ دعوی مساوات کہ کفر خالص ہے، اور اس کا اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ارفعیت کا ادعا نسبت کرنا محض افتراء اور کج فہمی ہے حاشا کوئی ولی کیسے ہی مرتبہ عظیمہ پر ہو سرکار کے دائرہ غلامی سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا، اکابر انبیاء تو دعوی مساوات کر نہیں کرسکتے، شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء نے شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خطبہ فضائل سن کر تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰہ والتسلیم سے فرمایا: بهذا فضلكم محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم [2] ان وجوہ سے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تم سب سے افضل ہوئے۔ ولی کس منہ سے دعوی ارفعیت کرے گا، اور جو کرے گا حاشا ولی نہ ہوگا شیطان ہوگا، حضرت سیدنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال ونظائر رضی اللہ تعالٰی عنہم وقت ورود تجلی خاص شجرہ موسی ہوتے ہیں سیدنا موسٰی کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا: "یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۳۰ "[3] اے موسٰی! بیشک میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا، کیا یہ ہر پیڑ نے کہا تھا حاشا اللہ بلکہ واحد قہار نے جس نے

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۹۳

[2] حدیث قدسی

[3] القرآن الکریم ۲۷/ ۳۰

درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں؟ نہیں نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا، جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا اسی نے وہاں فرمایا: "یٰمُوۡسٰۤی اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۰﴾"[1] (اے موسٰی! میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا۔ت) اسی نے یہاں بھی فرمایا: **سبحانی مااعظم شانی**[2] (میں پاک ہوں اور میری شان بلند ہے۔ت) اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ **لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**[3] (میرا جھنڈا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ت) بیشک لواء الٰہی لواء محمدی سے ارفع واعلٰی ہے، حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی نے مثنوی شریف میں اس مقام کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور تسلط جن سے اس کی توضیح کی ہے کہ انسان پر ایک جن مسلط ہو کر اس کی زبان سے کلام کرے اور رب عزوجل اس پر قادر نہیں کہ اپنے بندے پر تجلی فرما کر کلام فرمائے جو اس کی زبان سے سننے میں آئے بلاشبہہ اللہ قادر ہے او ر معترض کا اعتراض باطل، اس کا فیصلہ خود حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں ہو چکا ظاہر بینوں بے خبروں نے ان سے شکایت کی کہ آپ سبحانی مااعظم شانی کہا کرتے ہیں، فرمایا: حاشا میں نہیں کہتا کہا آپ ضرور کہتے ہیں ہم سب سنتے ہیں فرمایا: جو ایسا کہے واجب القتل ہے میں بخوشی تمہیں اجازت دیتا ہوں جب مجھے ایسا کہتے سنو بے دریغ خنجر مار دو، وہ سب خنجر لے کر منتظر وقت رہے یہاں تک کہ حضرت پر تجلی وارد ہوئی اور وہی سننے میں آیا سبحانی مااعظم شانی مجھے سب عیبوں سے پاکی ہے میری شان کیا ہی بڑی ہے، وہ لوگ چار طرف سے خنجر لے کر دوڑے اور حضرت پر وار کئے جس نے جس جگہ خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا اور حضرت پر خط بھی نہ آیا، جب افاقہ ہوا دیکھا لوگ زخمی پڑے ہیں، فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا بجا، **واللہ اعلم**

مسئلہ ۲۹۵تا۲۹۷: از شہر بھڑوچ لال بازار چنارواڑ مرسلہ مولوی عباس میاں ولد مولوی علی میاں صاحب یکم ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک مولوی احمد سعید نام کا دہلی مدرسہ امینیہ کا جو دیوبند کی شاخ سے ہے ابھی دس روز

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۰

[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ص ۱۱۲

[3] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ص ۸۹، ۱۱۲

ہوئے محرم شریف کے، بھڑوچ وعظ کو آئے تھے، انھوں نے یہ کہا وعظ میں، کہ جنت کی خرید وفروخت میں ایک دلال کی ضرورت ہے جیسے یہاں کوئی چیز خرید وفروخت کرنے میں دلال کی معرفت خرید وفروخت کرتے ہیں تو وہاں کے لئے بھی دلال پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، مجھے اس کے سوا دوسرا لفظ زیادہ اچھا اس موقع پر نہیں معلوم ہوتا، دلال یہی لفظ عمدہ ہے، اب دلال کسے کہتے ہیں، اس سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت وتعریف ہوئی یا توہین، اس کے سوا اور کوئی لفظ زیادہ تعریف کے لائق ہے یا نہیں۔ ایسے لفظ کہنے سے ایمان کا کچھ نقصان ہے یا نہیں؟

(۲) مولود شریف حضرت کی پڑھنے میں بڑی ہتک ہوتی ہے، ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضرت کی ارواح کا آنا اور تعظیم کو اٹھنا یہ بھی بُرا ہے، تو یہ مولود کا پڑھنا اب برا ہے یا اچھا ہے؟

(۳) احمد سعید مدرسہ امینیہ دہلی امام سنہری مسجد کے، ان کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے یا نہیں؟ اوپر کے سوالوں سے کیسا معلوم ہوتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب کی عطا سے مالک جنت ہیں، معطی جنت ہیں، جسے چاہے عطا فرمائیں، امام حجۃ الاسلام غزالی پھر امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ پھر علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی مبلکہ الارض کلھا وانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقطع ارض الجنۃ ماشاء منھا لمن شاء فارض الدنیا اولی[1]۔	اللہ تعالٰی نے دنیا اور آخرت کی تمام زمینوں کا حضور کو مالک کردیا ہے، حضور جنت کی زمین میں سے جتنی چاہیں جسے چاہیں جاگیر بخشیں تو دنیا کی زمین کا کیا ذکر۔

دلالی ایک ذلیل پیشہ ہے ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، فتح القدیر میں دلال کو خاکروب وحجام کے ساتھ شمار کیا ہے عبارت یہ ہے:

اما شھادۃ اہل الصناعات الدنئیۃ کالکساح والزبال والحائك والحجام والاصح انھا تقبل لانھا قد تولاھا قوم	گھٹیا کاروبار کرنے والوں کی شہادت مثلا جاروب کش، ماشکی، جولاہا، حجام کی، تو اصح یہی ہے کہ قبول کی جائے گی کیونکہ یہ کام بہت سے

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۶۲۶، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی دار المعرفۃ بیروت ۵/ ۲۴۲

صالحون فمالم یعلم القادح لایبنی علی الصناعة ومثله النخاسون والدلالون[1]۔	صالح اور بزرگ لوگ بھی اپناتے رہے تو جب تک واضح طور پر مانع طعن وجرح نہ ہو محض کسی کاروبار کو عدم صحت شہادت کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اور اسکی مثل حکم ہے جانور ہانکنے والوں اور دلالوں کا (ت)

بلکہ درمختار میں ہے:

فی شرح الوهبانية لاتقبل شهادة بائع الاکفان والحنوط وکذاالدلال واعتمده قدری افندی فی واقعاته وذکره المصنف فی اجارة معینة معزیا للبزازیة وملخصه انها لاتقبل شهادة الدلالین والصکاکین والوکلاء المفتعلة علی ابوابهم ونحوه فی فتاوٰی مؤیدزاده[2]۔	شرح الوہبانیہ میں ہے کفن وحنوط بیچنے والے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اسی طرح دلال کی گواہی کا بھی حکم ہے، قدری آفندی نے اپنی واقعات میں اس پر اعتماد کیا، مصنف نے بزازیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اجارہ معینہ میں اسے ذکر کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دلالوں، اشٹام فروشوں اور ان وکلاء جو لوگوں کے دروازوں پر چکر لگاتے ہیں وغیرہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، فتاوٰی مؤید زادہ میں ایسے لوگوں کا یہی حکم بیان ہوا ہے۔ (ت)

دلال کا کام یہ ہے کہ مشتری سے بڑھوائے یا بائع سے گھٹوائے جوڑ توڑ لگا کر جھوٹ سچ ملا کر نرم گرم کرا کر سودا کرادے اور اپنے ٹکے سیدھے کرے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس ذلیل لفظ سے تعبیر کرنا صریح توہین ہے، اور حضور اقدس کی توہین کفر، اس سے بہتر لفظ خیال کیونکر آتا جب دل میں عظمت ہی نہیں۔

(۲) مجلس میلاد مبارک ذکر شریف سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور حضور کا ذکر اللہ عزوجل کا ذکر، اور ذکر الٰہی سے بلاوجہ شرعی منع کرنا شیطان کا کام ہے اور ذکر شریف سے **معاذاللہ** حضور کا ہتک حرمت ہونا قائل کا محض کذب وافتراء ہے، ہاں بعض روایات موضوعہ واشعار نامشروعہ سے ایسا ہو تو اس سے مجلس شریف بری نہ ہو جائے گی، جیسے بہت لوگ نماز میں تعدیل ارکان نہیں کرتے اور یہ حرام ہے۔

---

[1] فتح القدیر باب من تقبل شهادة الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۸۶

[2] درمختار باب القبول وعدمه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

مگر اس سے خود نمازی بُری نہ ہو جائے گی، تشریف آوری حضور کے اختیار ہے اور قیام تعظیمی ذکر قدوم شریف کے لئے ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ "[1]	اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ (ت)

(۳) اوپر کے جوابوں سے اس کا حکم ظاہر ہو گیا فقط، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۸: از مولمیں ملک برہما مرسلہ ابراہیم ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص جو ایک اسلامیہ مدرسہ میں جس میں قرآن شریف اور اردو اور ضروری دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، مدرس اعلٰی ہے اس نے اپنے ماتحت مدرسین وطلبہ وغیرہ کی اطلاع کی غرض سے اس عبارت کے جواب میں جو دوسرے مدرس نے اپنے درجہ کی بورڈ پر لکھی تھی کہ: "ہر کہ پند و نصیحت گوئی نخست برآں کار کن" (جو تو کسی کو نصیحت کرے اس پر پہلے خود عمل کرے۔ت) یہ عبارت لکھائی اس بورڈ پر کہ "کافر افسر کے حکم کی تعمیل کرنے کی ہمارے مذہب میں تاکید ہے" دوسرے روز ایک شخص نے مدرس اعلٰی سے دریافت کیا کہ یہ (عبارت بالا) کس نے لکھی ہے اور یہ کس کا مذہب ہے جواب دیا میں نے لکھائی گو میرے قلم کی نہیں ہے آپ لکھ کر علماء سے دریافت کرلیں اور متولی صاحب وغیرہ سے کہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ عبارت صحیح ہے قطع نظر اندیشہ وخوف، شریعت میں کافر افسر کی حکم برداری کی تاکید آئی ہے، اگر شریعت مطہرہ سے ایسا حکم نہیں ہے تو جو شخص اس مذکورہ عبارت کو مذہبی حکم تاکیدی کہتا ہو اور سوال کرنے پر جواب دے کہ دریافت کرو متولی صاحب وغیرہ سے کہو اس کے لئے کیا حکم ہے، اور تاوقتیکہ وہ اپنے اس عقیدہ فاسدہ سے باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے اس پر سبقت سلام اور اس سے اختلاط بہتر ہے یا اجتناب؟ مکرر التماس یہ ہے کہ استفتاء مدرس اعلٰی کو دکھایا گیا تو فرمایا کہ اس کے ساتھ یہ اور بڑھا دو کہ اگر کافر افسر کا حکم خلاف شرع محمدی نہ ہو، لہٰذا اب اس صورت میں یہ سوال ہے کہ اس عبارت کے زائد کرنے سے بھی کچھ حکم بدل جاوے گا یا نہیں؟ ان دونوں صورتوں میں ہر صورت کا کیا جواب ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! ہمیں حق وصواب کی رہنمائی عطا فرما۔ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

مسلمانوں کے دینی مذہبی کام میں کسی کا افسر بننا دو۲ طرح ہیں:

اول: قہری کہ کوئی شخص مذہبی دست اندازی کرکے بالجبر افسر بن بیٹھے، جیسے فساق وظلماء امراء امامت نماز کیا کرتے تھے۔

دوم: ارادی کہ مسلمانوں کی جماعت خود اسے اپنے مذہبی کام میں پیشوا بنائے۔

اول: نہ زیر بحث ہے نہ یہاں اس کلام ومکالمہ کا مفاد نہ محل اضطرار پر احکام اختیار،

لاجرم **دوم** مراد اور وہی مفہوم ومستفاد یعنی باختیار خود کسی ہندو یا رافضی یا وہابی یا قادیانی کو مدرسہ دینیہ اسلامیہ پر افسر مقرر کیا گیا ہو اس کی نسبت مدرس کہتا ہے کہ اس کا حکم ماننے کی ہمارے مذہب میں تاکید ہے، ہمارے مذہب سے اس نے اپنا کوئی خاص اختراعی مذہب دین اسلام سے جدا مراد لیا ہو تو:

"وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ "[1]	اور جو مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔(ت)

کا مصداق ہے اور اگر دین اسلام مراد لیا تو شریعت مطہرہ پر محض افتراء کیا اور:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ؕ مَتَاعٌ قَلِیۡلٌ ۪ وَّلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱۷﴾ "[2]	بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا تھوڑا برتنا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب۔(ت)

کا استحقاق ہے، شریعت مطہرہ نے اسلامی کام پر باختیار خود ایسوں کو افسر مقرر کرنا ہی کب جائز رکھا ہے نہ کہ ان کے احکام کی تصویب اور ان کے ماننے کی تاکید، **ان ھو الاضلال بعید** (یہ واضح گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ت) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَۃً مِّنۡ دُوۡنِکُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَکُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ۚۖ وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُہُمۡ اَکۡبَرُ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ ہٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ	اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمھارے نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے وہ جی سے چاہتے ہیں کہ تم مشقت میں پڑو، بیر ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے اور وہ جو ان کے سینوں میں دبا ہے اور بھی بڑا ہے ہم نے تمھارے سامنے نشانیاں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶و۱۱۷

تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ "[1]	کھول دیں اگر تم میں عقل ہے ارے یہ جو تم ہو تم تو ان سے محبت کرتے ہو وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم پوری کتاب پر ایمان لائے ہو تم سے ملیں تو کہیں ہم مسلمان ہیں اور اکیلے ہوں تو تم پر جلن سے اپنی انگلیاں چبائیں، اے محبوب! تم ان سے فرمادو کہ اپنی جلن میں مر جاؤ، بیشک اللہ دلوں کی جانتا ہے۔

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من استعمل رجلا من عصابة وفیهم من هوارضی لله منه فقد خان الله ورسوله والمؤمنین [2]۔ رواه الحاکم صححه والطبرانی والعقیلی وابن عدی والخطیب عن عبدالله بن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	جس نے کسی جماعت پر ایک شخص کو مقرر کیا اور ان میں وہ موجود ہے جو اللہ کو اس سے زیادہ پسند ہے تو ضرور اس نے اللہ ورسول اور سب مسلمانوں سے خیانت کی، (اسے حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے صحیح کہا، طبرانی، عقیلی، ابن عدی اور خطیب نے بھی اسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

غایۃ البیان، علامہ اتقانی وجامع الرموز وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

لاینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین [3]۔	دینی کاموں میں کافر سے مدد نہ لینی چاہئے۔

یہ اس پر فرمایا کہ مسلمان اپنی قربانی کا جانور کسی یہودی سے ذبح کرائے نہ کہ دین وتعلیم دین کی افسری بالاختیار اسے دی جائے، اللہ تعالٰی فرماچکا کہ تمھاری خیر خواہی درکنار کبھی اپنی چلتی نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے، حال کے بکثرت واقعات شاہد ہیں ہم وطن ہنود آج کل کتنا اتحاد واتفاق بگھار رہے ہیں اور مسلمانوں کی خاص رسم مذہبی قربانی گاؤ پر کیا ہی فتنے اٹھاتے فساد مچاتے ہیں قابو چلے پر کیا کچھ مسلمان لوٹے گئے، ذبح کئے گئے، جلائے گئے، اور وہابیہ وغیرہم مذکورین تو ہنود ویہود سے بھی بدرجہا بدتر ہیں کہ مسلمان بن کر اسلام کے گلے پر خنجر ہیں، کما بیناہ فی غیر مارسالة (جیسا کہ متعدد رسائل میں ہم نے اسے

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۹۔۱۱۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب الاحکام دارالفکر بیروت ۴/ ۹۲

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۸

بیان کیا۔ت) اگر وہاں دینی مدرسہ کا کسی ہندو یا رافضی وہابی وغیرہ کو افسر بنا رکھا ہے،اس کی خوشامد میں مدرس نے یہ فقرہ لکھا جب تو اس کا حال یہ تھا اور اگر کوئی افسر ایسا نہیں محض بلاوجہ مسلمانوں کے مذہبی مدرسہ پر غیر کی افسری فرض کرکے یہ حکم لکھا اور اعلان کے لئے بورڈ پر لگایا تو اس کے اور بھی مرض قلبی پر دال ہے اور بعد کو یہ تقیید کہ اس کا حکم خلاف شرع نہ ہو، کیا مفید یہ شرط کیا مسلمان میں نہیں، کیسا ہی جلیل القدر مسلمان افسر ہو اگرچہ خود اپنا باپ یا استاد یا پیر اس کا حکم وہی مانا جائے گا جو خلاف شرع نہ ہو **لاطاعة لاحد فی معصیة اللہ تعالٰی**[1] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کی جائے گی۔ت) یہ بیانات کہ ہم نے اوپر لکھے ان سے اور مدرس کے اندرونی بیرونی حالات سے اس کی مذہبی کیفیت کا اندازہ کیا جائے اگر واقع میں ہنود یا وہابیہ وغیرہم کی طرف دینی امور میں اس کا میلان ہے تو اس سے اجتناب لازم اور اختلاط ممنوع،اور اگر ایسا نہیں بلکہ ایک بے معنی حماقت تھی کہ نادراً اس سے صادر ہوئی تو تفہیم کردی جائے اگر اصرار نہ کرے اس سے ابتداءِ سلام میں حرج نہیں جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۹: از الہ آباد دائرہ اجملیہ مسئولہ مولوی سید نذیر احمد صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے اہلسنت وجماعت اس صورت میں کہ عام اہل اسلام کو بغرض استقامت امور دنیاوی،اتحاد کسی مشرک قوم سے اس طور پر کرنا کہ دسہرہ میں عام اہل اسلام شریک ہو کر ناقوس بجائیں، پھول رام لچھمن پر چڑھائیں، جے کی آواز بلند کریں یا قربانی میں گائے کی قربانی بند کردیں جائز ہے یا ناجائز؟ مرتکب ان امور کا کس وزر کا مستوجب ہے؟ مع حوالہ عبارات جواب درکار ہے۔

الجواب:

مسلمان کو دسہرے کی شرکت حرام ہے،بلکہ فقہاء نے اسے کفر کہا اور اس میں بہ نیت موافقت ہنود ناقوس بجانا بیشک کفر ہے اور معبودان کفار پر پھول چڑھانا کہ ان کا طریقہ عبادت ہے اشد واخبث کفر،اشباہ والنظائر وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے:

عبادۃ الصنم کفرولااعتبار بما فی قلبه وکذا لوصور عیسٰی علیه الصلوٰۃ لیسجدله،وکذا اتخاذ الصنم لذٰلك وکذٰلوتزنر بزنار الیھود	بت کی عبادت کفر ہے،دل میں جو کچھ ہے اس کا اعتبار نہیں، اسی طرح اس کا حکم ہے اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تصویر بناکر اسے سجدہ کیا،اسی طرح سجدہ کے لئے بت بنانے کا حکم ہے،اسی طرح اگر کسی نے

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۳

والنصارٰی دخل کنیستهم اولم یدخل[1]۔	یہود ونصارٰی کا زنار باندھا خواہ ان کے گرجا میں داخل ہوا یا نہ ہوا۔(ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

الاعطاء باسم النیروز والمهرجان(بان یقال هدیة هذا الیوم ش)لایجوز ای الهدایا باسم هٰذین الیومین حرام وان قصد تعظیمه کمایعظمه المشرکون یکفر[2]۔	نیروز اور مہرجان کے نام پر عطیہ (بایں طور کہ کہا جائے یہ اس دن کا ہدیہ ہے ش) جائز نہیں یعنی ان دونوں ایام کے ناموں پر ہدایا دینا لینا حرام اور اگر مشرکین کی طرح ان کی تعظیم بھی کرے گا تو کفر ہوگا،(ت)

بحر الرائق وعالمگیری و مجمع الانہر و جامع الفصولین میں ہے:

یکفربخروجه الی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلون فی ذٰلك الیوم وبشرائه یوم النیروز شیئا لم یکن یشتریه قبل ذٰلك تعظیما للنیروز لا للاکل والشرب وباهدائه ذٰلك الیوم للمشرکین ولو بیضة تعظیما لذلك الیوم[3]۔	مجوسیوں کے ساتھ نیروز میں اس طرح نکلنا کہ اس دن وہ جو کریں گے یہ ان کی موافقت کرے تو یہ کفر ہے،اسی طرح نیروز کے دن کی تعظیم کرتے ہوئے یا مشرکین کو ہدیہ دینے کے لئے کوئی چیز خریدی نہ کہ کھانے پینے کے لئے جبکہ وہ چیز اس سے پہلے نہیں خریدی تھی اگرچہ وہ انڈہ ہی کیوں نہ ہو تو کفر ہوگا۔(ت)

جامع الفصولین و منح الروض الازہر میں ہے:

قال ابوبکر بن طرخان من خرج الی السدة(قال القاری ای مجمع اهل الکفر)کفر اذفیه اعلان الکفر وکانه اعان علیه وعلی قیاس السدة الخروج الی النیروز والموافقة معهم فیمایفعلونه	شیخ ابوبکر بن طرخاں کہتے ہیں جو سدہ کی طرف نکلا(ملا علی قاری نے اس کا معنی اہل کفر کا اجتماع کیا ہے) تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس میں کفر کا اعلان ہے گویا اس نے کفر پر مدد کی اس پر قیاس ہے، نیروز میں نکلنا اور اس دن ان کے

[1] اشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۹۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۰، ردالمحتار باب مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۱

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ان الالفاظ الکفر انواعٌ مطبع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۸

فی ذٰلك الیوم کفر[1]۔	موافق عمل کرنا کہ یہ بھی کفر ہے۔(ت)

جے بولنا طریقہ کفار ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبہ بقوم فھو منھم[2]۔	جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کرلی وہ انہی میں سے ہے۔(ت)

پھر اگر معبودان کفار کی جے ہے تو کفر ہے اور اگر کافروں کی ہے تو فقہائے کرام اسے بھی کفر فرماتے ہیں، فتاوٰئے ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویر الابصار میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر ولوقال لمجوسی یااستاذ تبجیلا کفر[3]۔	اگر کسی نے تعظیم کرتے ہوئے ذمی کو سلام دیا تو کافر ہوجائے گا کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہے، اگر کسی نے مجوسی کو بطور تعظیم "اے استاذ" کہا تو کفر ہے۔(ت)

بخاطر ہنود گائے کی قربانی بند کرنا حرام ہے، **والتفصیل فی انفس الفکر فی قربان البقر** (اس کی تفصیل ہماری کتاب "**انفس الفکر فی قربان البقر**" میں ملاحظہ کیجئے۔ت) مرتکب کا حکم انھیں احکام سے ظاہر جو مرتکب حرام ہے مستحق عذاب جہنم ہے ار جو مرتکب کفر فقہی ہے جیسے دسہرے کی شرکت یا کافروں کی جے بولنا اس پر تجدید اسلام لازم ہے اور اپنی عورت سے تجدید نکاح کرے اور جو قطعاً کافر ہوگیا، جیسے دسہرے میں بطور مذکور ہنود کے ساتھ ناقوس بجانے یا معبودان کفار پر پھول چڑھانے والا کافر مرتد ہوگیا اس کی عورت نکاح سے نکل گئی اگر تائب ہو اور اسلام لائے جب بھی عورت کو اختیار ہے بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے، اور بے توبہ مرجائے تو اسے مسلمانوں کی طرح غسل وکفن دینا حرام اس کے جنازے کی شرکت حرام اسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام اس پر نماز پڑھنا حرام **الی غیر ذٰلك من الاحکام** (اس کے علاوہ دیگر احکام بھی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۰تا۳۰۲: از میرٹھ لال کرتی بازار مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ بتقریب اتفاق ہندو مسلمانان میرٹھ میں

---

[1] جامع الفصولین فصل فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۳، منح الروض الازہر فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۵۰

[3] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۸۸، درمختار کتاب الحظر فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

ایک جلوس مہاتما گاندھی جی کا نکالا گیا جس میں ہندو مسلمانان سب شریک تھے، علاوہ دیگر واقعات کے ایک واقعہ مسلمانان میرٹھ کا یہ ہوا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے عین جلوس میں قشقہ چندن وغیرہ مسلمانوں کے ماتھے پر لگایا ہے، چندن لگوانے اور لگوانے والے مسلمانوں سے معلوم ہوا ہے کہ اس چندن لگانے میں ہندوؤں کی طرف سے کوئی جبر نہ تھا چنانچہ جن مسلمانوں نے انکار کیا انھوں نے انکار کرنے والے مسلمانوں کے ماتھے پر نہیں لگایا، اب اس جلوس میں شریک ہونے والے مسلمانوں کی تین قسمیں تھیں جو بترتیب ذیل درج سوال ہیں، امید کہ ہر ایک کا حکم شرع شریف علمائے کرام "لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ؕ" [1] وہ کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہیں رکھتے۔ ت) کی شان پیش نظر فرماتے ہوئے تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں:

(۱) جو مسلمان اس جلسہ میں شریک ہوئے اور چندن لگوانے سے انکار کیا ان کی شرکت اس جلوس میں از روئے شریعت کیسی تھی۔

(۲) جن مسلمانوں نے چندن لگوانے سے ہندوؤں کو روکا نہیں بلکہ لگوایا پھر بعد کو اسی وقت یا تھوڑی دیر بعد اس جلسہ میں اپنے ہاتھوں اور رومالوں سے صاف کر لیا ان کا کیا حکم ہے؟

(۳) جن مسلمانوں نے چندن لگوایا اور چندن لگائے ہوئے جلسہ میں شریک رہے بلکہ چندن لگائے ہوئے اپنے گھروں پر واپس آئے یا شام تک لگائے رہے، ان کی بابت حکم شرع شریف کیا ہے؟

الجواب:

حرام حرام سخت حرام تھی بلکہ فقہائے کرام کے طور پر حکم سخت تر، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله [2]، رواه ابو داؤد بسند حسن وعلقه الترمذی عن سمرة بن جندب رضی الله تعالٰی عنه۔	جس نے کسی مشرک کے ساتھ اتفاق کیا اور اسی کے ساتھ ٹھہرا وہ اسی کے مثل ہوگا، اسے ابوداؤد نے حضرت جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن سے اور ترمذی نے تعلیقًا بیان کیا۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

[2] سنن ابو داؤد کتاب الجهاد باب فی الاقامة بارض الشرك آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹

من سود مع قوم فھو منھم [1]۔ رواہ الخطیب عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس نے کسی قوم کی کثرت بڑھائی وہ انہی میں سے ہوگا، اسے خطیب نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

تیسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کثر سواد قوم فھو منھم [2]۔ رواہ ابویعلی فی مسندہ وعلی بن معبد فی کتاب الطاعۃ والمعصیۃ عن عبداللہ بن مسعود وابن المبارك فی الزھد عن ابی ذر من قولہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جس نے کسی قوم کا جتھا بڑھایا پس وہ انہی میں سے ہوگا اسے ابویعلٰی نے مسند میں اور علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ و المعصیۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعا اور ابن مبارک نے زہد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد کے طور پر نقل کیا۔ (ت)

مجمع الانہر، شرح ملتقی الابحر وفتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویر الابصار ودر مختار وغیرہا میں ہے:

یکفر بتبجیل الکافر حتی لو سلم علی الذمی تبجیلا کفر وبقولہ للمجوسی یااستاذ تبجیلا [3]۔	کافر کی تعظیم کفر ہے حتی کہ اگر کسی نے ذمی کو تعظیما سلام کہا تو یہ کفر ہے، کسی نے مجوسی کو بطور تعظیما "یا استاد" کہا تو یہ بھی کفر ہے۔ (ت)

(۲) قشقہ کہ ماتھے پر لگایا جاتا ہے صرف شعار کفار نہیں بلکہ خاص شعار کفر بلکہ اس سے بھی اخبث خاص طریقہ عبادت مہادیو وغیرہ اصنام سے ہے اور اس کے لگانے پر راضی ہونا کفر پر رضا ہے اور اپنے لئے ثبوت کفر پر رضا بالاجماع کفر ہے، منح الروض الازہر میں ہے:

من رضی بکفر نفسہ فقد کفر ای اجماعا وبکفر غیرہ اختلف المشائخ [4]۔	جو اپنی ذات کے کفر پر خوش ہو اور وہ بالاتفاق کافر ہے او رجو کسی کے کفر پر خوش ہوا اس کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ (ت)

---

[1] تاریخ بغداد حدیث نمبر ۵۱۶۷ عبداللہ بن عتاب الشاھد العبدی دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۴۱

[2] نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ بحوالہ مسند ابی یعلی کتاب الطاعۃ والمعصیۃ الخ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۳۴۶

[3] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸

[4] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۰۔۱۷۹

اور کفر پر رضا جیسی سو برس کے لئے ویسے ہی ایک لمحہ کے لئے، پونچھ ڈالنے سے کفر جو واقع ہو لیا مٹ نہ جائیگا جب تک از سر نو اسلام نہ لائے، جیسے جو مہادیو کے آگے دن بھر سجدہ میں پڑ رہے وہ بھی کافر اور جو سجدہ کرکے سر اٹھائے وہ بھی کافر، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

(۳) وہ کافر تھے یہ اکفر ہوئے، دونوں فریق اسلام سے نکل گئے اور ان کی عورتیں ان کے نکاح سے، ان پر ویسے ہی مجمع کثیر میں علی الاعلان توبہ کرنا از سر نو مسلمان ہونا فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسرو العلانیة بالعلانیة [1] رواہ الامام احمد فی الزھد و الطبرانی فی الکبیر بسندحسن عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب کوئی برائی کا ارتکاب کرے تو توبہ بھی اسی طرح کی جائے مثلاً خفیہ گناہ پر خفیہ توبہ اور اعلانیہ گناہ پر اعلانیہ توبہ ضروری ہے، اسے امام احمد نے زہد میں اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۳ تا ۳۰۵: از چھاؤنی میرٹھ صدر بازار مدرسہ امداد الاسلام معرفت مولوی عبدالمومن صاحب مدرس مسئولہ حافظ شیر محمد خاں امام مسجد وطالب علم مدرسہ ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) اگر قوم ہنود کا کوئی جلسہ ہو اور اس میں بہت سے مسلمان برضا ورغبت شامل ہوں اور ہنود مثل اپنے مسلمانوں کی پیشانیوں پر بھی چندن لگائیں اور مسلمان بخوشی لگوائیں اور تا اختتام جلسہ اس کو اپنی پیشانیوں پر باقی رکھیں تو مسلمانوں کا اپنی پیشانیوں پر قشقہ یعنی چندن لگوانا ان کے اسلام یا نکاح کے متعلق کیا حکم رکھتا ہے؟

(۲) اسی جلسہ کے ہندو لیڈر کی مسلمانوں کو جے پکارنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) اور اگر بعض مسلمانوں کے بلا ان کے رضا ورغبت کے چندن لگادیا گیا ہو اور انھوں نے اس کو فوراً پونچھ دیا ہو تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) بخوشی لگانے دینا اور خود لگانا ایک ہی حکم ہے، شراب یا پیشاب خود پیئے یا دوسرا پلائے اور یہ منہ

---

[1] کنز العمال بحوالہ احمد بن حنبل فی الزھد حدیث ۱۰۱۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۲۰۹

کھول دے دونوں ایک ہی ہیں قشقہ زنار کی طرح شعار کفر بلکہ اس سے بدتر شعار بت پرستی ہے۔ زنار بعض ملکوں کے یہود ونصارٰی میں بھی ہے اور قشقہ خاص علامت وشعار مذہب مشرکین وعبدۃ الاصنام، وہ لوگ اسلام سے خارج ہوگئے، اور ان کی عورتیں ان کے نکاح سے، اشباہ والنظائر میں ہے:

عبادۃ الصنم والاعتبار بما فی قلبه وکذا لوتزنر بزنار الیہود والنصارٰی دخل کنیستھم اولم یدخل [1]۔	بت کی عبادت کفر ہے جو دل میں تھا اس کا اعتبار نہیں، اسی طرح حکم ہے اگر یہود ونصارٰی کا زنار باندھا خواہ ان کے گرجا میں داخل ہو یا نہ ہو (ت)

خلاصہ وظہیریہ ومحیط ومنح الروض الازہر وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے:

واللفظ لھذا فی الخلاصۃ من تزنر بزنار الیہود والنصارٰی وان لم یدخل کنیستھم کفر ومن شد علی وسطه حبلا وقال ھذا زنار کفر وفی الظھیریۃ وحرم الزوج وفی المحیط لان ھذا تصریح بما ھو کفر وفی الظھیریۃ من وضع قلنسوۃ المجوس علی رأسه فقیل له فقال ینبغی ان یکون القلب سویا کفر [2]۔	خلاصہ میں الفاظ یہ ہیں اگر کسی نے یہود ونصارٰی کی طرح زنار باندھا تو کفر ہے اگرچہ ان کے گرجا میں داخل نہ ہو اور جس نے کمر میں رسی باندھی اور کہا یہ زنار ہے وہ کافر ہوجائے گا، ظہیریہ میں ہے اس پر بیوی حرام ہوجائے گی، محیط میں ہے کیونکہ یہ صراحۃ کفر ہے، ظہیریہ میں ہے: جس نے مجوسی کی ٹوپی پہنی اس پر اعتراض کیا گیا تو کہا دل درست ہونا چاہئے، تو یہ کفر ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام طاہر بخاری وبحر الرائق وتنویر الابصار ودر مختار وعالمگیری وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاول من اھدی بیضۃ الی المجوس یوم النوروز کفر [3]۔	یہ پہلی کتاب کے الفاظ ہیں جس نے نوروز کے دن کسی مجوسی کو انڈہ بھی تحفہ میں دیا تو یہ کفر ہے۔ (ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

ای لانه اعانه علی کفرہ واغوائه اوتشبه بھم فی اھدائه [4]۔	کیونکہ یہ کفر واغوا پر مدد ہے یا ان کے ساتھ ہدایا میں مشابہت ہے۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس السادس فی تشبیہ الکفار مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ پاکستان ۴/ ۳۸۷

[4] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۶

شفا شریف واعلام بقواطع الاسلام میں ہے:

کذا (ای یکفر) من فعل فعلا اجمع المسلمون علی انه لایصدر الامن کافر وان کان صاحبه مصر حا بالاسلام مع فعله کالمشی الی الکنائس مع اهلها بزیهم من الزنانیر وغیرها[1]۔	اسی طرح وہ بھی کافر ہے جس نے ایسا عمل کیا جس کے بارے میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ صرف کافروں سے صادر ہوسکتا ہے اگرچہ وہ شخص اس فعل کے ساتھ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا پھرے مثلا اہل زنانیر کے ساتھ زنار پہن کران کے گرجوں میں جانا (ت)

(۲) حرام حرام سخت حرام، جے بولنا ہنود کا شعار ہے اور ہندو لیڈر کی جے پکارنا بحکم فقہائے کرام خود کفر ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذٰلك العرش[2]۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة وابو یعلی فی مسندہ والبیهقی فی شعب الایمان عن انس بن مالك وابن عدی عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے (اسے امام ابن ابی الدنیا نے "ذم الغیبۃ" میں ابویعلی نے اپنی مسند میں، بیہقی نے شعب الایمان میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

فاسق کا یہ حال ہے نہ کہ مشرک، فتاوٰی امام ظہیر الدین واشباہ علامہ محقق بحر ومتن شیخ الاسلام غزی تمرتاشی وشرح مدقق علائی دمشقی ومجمع الانہر علامہ شیخی زادہ رومی وغیرہا میں ہے:

تبجیل الکافر کفر فلو سلم علی الذمی تبجیلا کفر ولوقال للمجوسی یااستاذی تبجیلا کفر[3]۔	کافر کی تعظیم وتوقیر کفر ہے، اگر کسی نے ذمی کو بطور توقیر سلام کیا تو یہ کفر ہے، اگر کسی نے مجوسی کو تعظیما "یا استاد" کہا تو یہ بھی کفر ہے۔ (ت)

(۳) قشقہ کا کفران پر عائد نہیں مگر ایسی جگہ کیوں گئے کہ یہ نوبت پہنچی ایسے جلسے کی شرکت ہی حرام تھی۔

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ فصل فی آخر الخطاء مکتبہ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۷۸

[2] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

[3] الاشباہ والنظائر باب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸

ہاں ایک دقیقہ اور ہے اور بلا رضا ورغبت ہونا اور، اور اس فعل شنیع کی انتہا درجے تک کراہت وناگواری اور، اگر اس کی رغبت نہ تھی اور جس نے لگایا اس کے ساتھ اس نے وہی برتاؤ کیا جو بلاوجہ منہ پر جوتا مارنے والے کے ساتھ کرتا، جب تو جانے کہ واقعی اس نے اس کفر کو مکروہ وناگوار رکھا اور اگر ہنس کر چُپ رہا اور پونچھ ڈالا یا بقدر ضرورت اس پر نہ بگڑا تو جانئے کہ کراہت بھی نہیں گو رغبت نہ ہو، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶: از میرٹھ صدر بازار مچھلی محلّہ پیتم درزی کی مسجد مرسلہ حکیم عبدالرحمٰن صاحب ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شہر میرٹھ کے اندر مہاتما گاندھی تشریف لائے۔ مجمع کثیر تھا، اہل ہنود کے بچوں نے کھیل تماشے کے طورپر اکثر مسلمانوں کے چندن لگایا اس کی بابت قاری محمد صالح پیش امام جامع مسجد صدر نے فتوٰی دیا کہ جن مسلمانوں کے چندن لگایا ہے وہ اپنی عورتوں کے پاس نہ جائیں جب تک تجدید ایمان اور دوبارہ نکاح نہ کرلیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

مسلمانو! اللہ واحد قہار سے ڈرو، اسلام کو کھیل تماشہ نہ بناؤ، ہنود کے بچے ان کے بالجبر لگالیتے، یہ ضرور ان کی خوشی سے ہوا یا کم از کم اسے قبول کیا، بہر حال تجدید ایمان فرض ہے اور بعد تجدید ایمان بے تجدید نکاح عورتوں کو ہاتھ نہیں لگاسکتے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۷: از موضع رجہت ضلع گیا مرسلہ سید محمد حبیب صاحب ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

ہولی دیوالی ہندوؤں کا پرب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ کس بناپر جاری ہوا ہے؟ اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ مسلمان اگر اس کو کریں تو کیا ان پر کفر عائد ہوگا؟

الجواب:

ہولی دیوالی ہندوؤں کے شیطانی تہوار ہیں، جب ایران خلافت فاروقی میں فتح ہوا بھاگے ہوئے آتش پرست کچھ ہندوستان میں آئے ان کے یہاں دو[۲] عیدیں تھیں، [۱] نوروز کہ تحویل حمل ہے اور [۲] مہرگان کہ تحویل میزان، وہ عیدیں اور ان میں آگ کی پرستش ہندوؤں نے ان سے سیکھیں اور یہ چاند سورج دونوں کو پوجتے ہیں لہٰذا ان کے وقتوں میں یہ ترمیم کہ میکھ سنکھ رانت کی پورنماشی میں ہولی اور تلاسنکھ رانت کی اماوس میں دیوالی یہ سب رسوم کفار ہیں، مسلمانوں کو ان میں شرکت حرام اور اگر پسند کریں تو صریح کفر، غمز العیون میں ہے:

اتفق مشایخنا ان من رأی امر الکفار	ہمارے مشائخ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے کفار

حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترك الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوسی او ترك المضاجعة عندھم حال الحیض حسن فھو کافر [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کے کسی معاملہ کو اچھا کہا تو وہ کافر ہو جائے گا حتی کہ انھوں نے اس شخص کو کافر قرار دیا جو یہ کہے کہ کھانے کے وقت مجوسی کے ہاں گفتگوں نہ کرنا بہت اچھا عمل ہے یا ان کے ہاں حالت حیض ہمبستری نہ کرنا اچھا عمل ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۸: از موضع امریا ضلع بریلی ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین حنفی رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ ایک بارات موضع پچومی سے موضع امریا میں آئی، بعد نکاح لڑکی کے باپ اور لڑکے کے چچا مسمّٰی حسین بخش سے کسی بات پر نزاع لفظی واقع ہوئی جس کی وجہ سے تمام برادری کے خلاف حسین بخش اوران کے برادروں نے کھانا نہیں کھایا، دوسرے روز رخصت کے وقت رحیم بخش لڑکی کے باپ نے سامان جہیز وغیرہ دے کر کہاکہ یہ موجود ہے اس کو لے جاؤ اور لڑکی اس وقت رخصت کروں گا جس وقت حسین بخش وپوے کھانا کھائیں گے، جب سب برادری نے حسین بخش وپوے کو مجبور کیاتو ہر دو شخص کھانا کھانے پر رضامند ہوگئے، پھر برادری والوں نے ان دونوں شخصوں سے کہاجب تم کھانے کھانے پر رضامند ہو توتم کولازم ہے کہ باہم مل کر ایک دوسرے کا قصور معاف کردو اس رائے کو سن کر رحیم بخش لڑکی کے باپ نے سب برادری کی طرف مخاطب ہو کر کہاکہ میں اپنے قصور پر نادم ہوں اور خدا ورسول کے واسطے ان سے معافی چاہتاہوں یہ بات سن کر حیدر بخش نہایت غیظ وغضب میں یہ کہتاہوا چلا گیاکہ ہم خدا ورسول کو نہیں جانتے ہیں اور نہ ہم ملیں، ایسے الفاظ کہنے والے کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر واقع میں اس نے یہ لفظ کہے ہیں کہ وہ خدا اور سول کو نہیں جانتا تو کہنے والا اسلام سے گیا اور اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، مسلمانوں پر فرض ہے کہ جب تک وہ توبہ کرکے از سرنو مسلمان نہ ہو اس کی موت وحیات کسی بات میں شریک نہ ہوں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۹ تا ۳۱۰: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین ان مسائل میں کہ:

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ غمز العیون کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

(۱) از روئے فرمان اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یزید بخشا جائے گا یا نہیں؟

(۲) حضرت منصور شمس تبریز وسرمد نے ایسا لفظ کہا جس سے خدائی ثابت ہوتی ہے تو دار پر آئے اور کھال کھینچی گئی لیکن وہ ولی اللہ گنے جاتے ہیں، اور فرعون، ہامان، شداد اور نمرود نے دعوی خدائی کیا تو کافر فی النار ہوئے اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب:

(۱) یزید پلید کے بارے میں ائمہ اہلسنت کے تین قول ہیں، ۱ امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہر گز بخشش نہ ہوگی، اور ۲ امام غزالی وغیرہ مسلمان، تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہوگی، اور ۳ ہمارے امام سکوت فرماتے ہیں کہ نہ ہم مسلمان کہیں گے نہ کافر۔ لہٰذا ہم بھی سکوت کریں گے۔

(۲) ان کافروں نے خود کہا ملعون ہوئے اور انھوں نے خود نہ کہا اس نے کہا جسے کہنا شایان ہے آواز ان میں سے مسموع ہوئی جیسے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درخت سے سنا: "اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۰﴾"[1] میں ہی ہوں اللہ سارے جہاں کا، کیا درخت نے کہا تھا، حاشا بلکہ اللہ نے، یونہی یہ حضرات اس وقت شجرہ موسٰی ہوتے ہیں،

مسئلہ ۳۱۱: از ملک برہما مسجد اکھیم پوسٹ، مرسلہ مولوی عبدالعزیز خاں قادری ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

ایک عالم کو ایک شخص نے گالی دی اس کی بیوی کو طلاق ثلاثہ ہوں گے یا بعد توبہ رجعت کر سکتا ہے؟

الجواب:

کسی خاص عالم کو کسی دنیوی وجہ سے گالی دینے سے عورت نکاح سے نہیں نکلتی۔ ہاں مطلقًا علماء کو یا خاص کسی عالم کو بوجہ علم دین برا کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، عورت فورًا نکاح سے نکل جاتی ہے مگر یہ فسخ نکاح ہوتا اسے طلاق نہیں، نہ ایک نہ تین، اسلام لانے کے بعد اگر عورت راضی ہو تو اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۲: از بمبئی نشان پاڑہ کو اس روڈ طاہر ٹوپن بلڈنگ تیسرا مالا پوسٹ نمبر ۹ مرسلہ سید اسداللہ حسین ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو خود کو عالم ظاہر کرتا ہے اپنے وعظ میں بیان کرتا ہے کہ زین المجالس جس میں کرامات قطب الاقطاب غوث الاعظم حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ مرقوم ہیں سراسر غلط اور اس کا مؤلف مردود ہے، کتاب مذکور کا پڑھنا سننا حرام ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۰

جناب غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقوال مثل "قدمی ھٰذہ" الخ وغیرہ کے غلط ہیں یارسول اللہ اور یا غوث کہنا حرام ہے، قصائد خوانی میلاد شریف ناجائز ہے، اولیاء اللہ وغیرہم پر فاتحہ خوانی مثل گیارھویں شریف وغیرہ کے ناجائز ہے، ان اقوال کی تائید وتصدیق قرآن شریف کی قسم سے کرتا ہے، بس اس صورت میں شخص مذکور کس فرقہ کا آدمی ہے اس کا عقیدہ مطابق اہل سنت وجماعت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہم سنیوں کو اس کی مجلس وعظ میں شریک ہونا کیسا اور اس کے اقوال پر یقین لاکر جو منکر کرامات اولیاء ہوجائے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

ایسے اقوال کا قائل نہیں ہوتا مگر وہابی مسلمانوں کو اس کے وعظ میں جانا جائز نہیں، صحیح حدیث میں ارشاد ہوا:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [1] ۔	ان سے بچو اور انھیں دور رکھو، وہ تمھیں گمراہ نہ کریں اور نہ فتنہ میں ڈالیں۔(ت)

کرامات اولیاء کا منکر گمراہ ہے، اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کرامات اولیاء حق ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۳: از منڈوہ ضلع فتح پور ہسوہ ڈاکخانہ خاص مرسلہ حافظ محی الدین صاحب ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بلاعذر شرعی علی الاعلان روزہ رمضان المبارک کے ترک کرے اور اگر کسی نے نماز پڑھنے کے لئے کہا کہ اٹھو نماز پڑھو، تو جواب دیا کہ کون اٹھک بیٹھک کرے، ابی جتنے نمازی حاجی وحافظ ہیں سب بے ایمان ہیں، یا کسی نے روزہ رکھنے کو کہا تو جواب دیا کہ کون بھوکا مرے جس کے گھر میں کھانا نہ ہو وہ روزہ رکھے، ہم سے تو بھوکا نہیں مراجاتا، تمھیں روزہ رکھ کے بہشت میں چلے جانا اور ماہ رمضان المبارک میں سرراہ دروازہ پر بیٹھ کر آب نوشی وحقہ نوشی خود کرتا اور کراتا ہے اگر کوئی منع کرتا ہے کہ روزہ داروں کے سامنے مت کھاؤ پیو، تو جواب دیتا ہے کہ خدا سے چوری نہیں ہے تو بندے سے کون سی چوری ہے، سو یہ سب باتیں زید کی کیسی ہیں؟ زید ان باتوں سے مسلمان ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگ کیسے ہیں جو زید کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں اور ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور زید کی ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اس بیہودہ بکنے اور تمسخر کرنے سے زید کا نکاح اس کی عورت سے باطل

[1] صحیح مسلم النہی عن الروایۃ والضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

ہوا یا قائم رہا؟ اگر باطل ہوا تو اولاد اس کی کیسی ہے؟ زید اور اس کے ساتھی کبھی کبھی جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز جمعہ وعیدین ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پر حکم کفر ہے اور وہ لوگ جو اس کی ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں ان پر بھی یہی حکم ہے، ان کے جمعہ وعیدین باطل ہیں، ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں، مسلمانوں کو ان سے میل جول حرام ہے، نہ ان کے پاس بیٹھنا جائز۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۴ تا ۳۱۷: از کوہ کسولی ضلع انبالہ کوٹھی بارک ماسٹر صاحب مرسلہ جان محمد خانساماں ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ان مسائل میں: قصبہ کسولی کے اندر ایک مسجد ہے اس میں مسلمانان کی طرف سے ایک پیش امام مقرر ہیں انھوں نے اپنے وعظ کے اندر بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک ایلچی تھے، اور حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس نام سے یاد کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

(۱) کیا نعوذ باللہ ایلچی کے نام سے حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یاد کرنے سے منقصت پائی جاتی ہے تو ایسے قائل کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باحیات تو ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے اور نہ روضہ پاک سے باہر تشریف لاسکتے ہیں قیامت تک۔

(۲) کیا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز نہیں پڑھتے اور کیا روضہ پاک سے باہر تشریف نہیں لاسکتے؟ اور ایک مقام پر میلاد سرور کائنات علیہ التسلیم والتحیہ تھا وہاں ولادت کا ذکر میلاد خواں نے نہیں کیا، جلدی سے سلام پڑھ دیا اور پیش امام صاحب وعظ فرمانے بیٹھ گئے، اثنائے وعظ میں بیان کیا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور میلاد شریف پڑھواتا ہے وہ جہنمی ہے۔

(۳) کیا تارک الصلٰوۃ کافر ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

(۴) کیا میلاد شریف پڑھوانے والا جہنمی ہے؟

الجواب:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ عزوجل کے رسول اعظم ونائب اکبر خلیفہ اعظم ہیں، ایلچی وہ ہوتا ہے جس کو پیام یا خط پہنچانے کے سوا کوئی سرداری اور حکومت نہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اکرم میں اس لفظ کا استعمال کرنا بیشک تنقیص وتوہین ہے اور اس کا وہی حکم ہے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام حیات حقیقی دنیاوی روحانی جسمانی سے زندہ ہیں، اپنے مزارات طیبہ میں نمازیں پڑھتے ہیں، روزی دئے جاتے ہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں، زمین وآسمان کی سلطنت میں تصرف فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون[1]۔	حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے مزارات میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔[2]	بیشک اللہ تعالٰی نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کا زمین پر کھانا حرام فرمادیا ہے اللہ کے نبی زندہ ہیں اور رزق دئے جاتے ہیں۔ (ت)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

اذن للانبیاء ان یخرجوا من قبورھم و یتصرفوا فی ملکوت السمٰوٰت و الارض[3]۔	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے مزاراات سے باہر جانے اور آسمانوں اور زمین میں تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] شرح الصدور باب احوال الموتٰی فی قبورھم خلافت اکیڈمی مینگورہ سوات ص ۸۷، مجمع الزوائد باب ذکر الانبیاء علیہم السلام دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۲۱۱

[2] سنن ابن ماجہ آخر کتاب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

[3] الحاوی للفتاوٰی رسالہ تنویر الحلک دار الفکر بیروت ۲/ ۲۶۳

(۳) نماز نہ پڑھنا سخت کبیرہ ہے مگر اس کے جہنمی ہونے پر یقین نہیں ہوسکتا کہ کفر کے سواسب گناہ زیر مشیت الٰہی ہیں۔
(۴) اور میلاد مبارک پڑھوانے پر اگر جہنمی کہے تو خود مستحق جہنم ہے۔

مسئلہ ۳۱۸تا۳۱۹: از سنبھل محلّہ چمن سرائے متصل مزار جناب میرن شاہ صاحب مرسلہ احمد خاں ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:
(۱) جو شخص یہ کہے کہ جناب سرورکائنات فخر موجودات میں نقصان تھا تو اتنا تھا کہ حضور خدانہ تھے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یانہیں؟
(۲) جو مسلمان یہ کہے کہ حضرت کاخیال نماز میں آجائے تو نماز نہ ہوگی اور گدھے خچر کا خیال آئے تو نماز ہوجائے گی، ایسا کہنے والا مسلمان ہے یانہیں؟ اور یہ کہنا حقارت نبی ہے یانہیں؟ اور حقارت نبی کفر ہے یانہیں؟
خدا تعالٰی کو براکہنے والا مسلمان ہے یانہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ حضور اقدس نے (ستر دلیل کفر ہوں اور ایک مسلمان ہونے کی) تواس کو مسلمان فرمایاہے اور آج کل ہزاروں مسلمانوں کو زبردستی کھینچ کرکافر بنایا جاتا ہے اس کی کیاوجہ ہے؟

الجواب:

(۱) اس نے اچھے لفظوں میں ادانہ کیا مگر جو بات کہی حق ہے بیشک سواالوہیت و مستلزمات الوُہیت کے سب فضائل وکمالات حضور کے لئے ثابت ہیں، امام محمد بوصیری بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

دع مادعتہ النصارٰی فی نبیھم واحکم بماشئت مدحافیہ واحتکم[1]

(جو کچھ نصارٰی نے اپنے نبی علیہ السلام کے بارے میں کہا تم وہ نہ کہو، اس کے علاوہ ہر مرتبہ ومقام آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے بیان کرسکتے ہو۔ ت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

مخواں اور خدا از بہر حفظ شرع و پاس دیں دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدحش املاکن[2]

(شریعت ودین کا پاس کرتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خدانہ کہو اس کے علاوہ ہر وصف کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدح کرا ور لکھ سکتے ہو۔ ت)

---
[1] قصیدہ بردہ شریف الفصل الثالث تاج کمپنی لاہور ص ۱۰
[2] دیوان عبدالحق المحدث الدہلوی

(۲) یہ ملعون بات ضرور کلمہ توہین ہے اور اس کے خبیث قائل پر بلاشبہ کفر لازم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی نبی یا فرشتہ کی توہین یا حضرت عزت جل جلالہ کو معاذاللہ بُرا کہنا بلاشبہ کفر ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کہیں نہیں فرمایا، یہ حضور پر محض افتراء ہے، نہ ہر گز علماء محتاطین کسی مسلمان کو کھینچ کر کافر بنائیں، یہ ان پر افتراء ہے، اور اس کی تفصیل رسالہ **تمہید الایمان** میں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: از بہرائچ محلّہ قاضی پورہ مسجد کالے خان مرسلہ نواب علی صاحب موذن مسجد ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ ایک مدعی صوفیت نے ایک بزرگ کے عرس کی تقریب میں ہر طبقہ کے لوگوں کو بلایا یہاں تک کہ ہنود بھی بلائے گئے، اور باوجود اطلاع عقائد باطلہ ایک لکچرار کو جلسہ میں تقریر کے واسطے کھڑا کیا اس شخص نے اس بڑے مجمع کے سامنے توحید پرستی کے پردہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے مقربوں کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں اور ان مقدس اور قدسی صفات حضرات کے صبر و تحمل کو نہایت شرمناک کمزوری اور نامردی سے تعبیر کیا، مثلاً یہ کہ سرور عالم وعالمیاں کو جب جنگ احد میں مجروح کیا گیا تو وہ کچھ بھی نہ کرسکے، حضرت علی شیر خدا ابن ملجم سے اپنی جان کی حفاظت نہ کرسکے وغیرہ وغیرہ، اور ایک حکیم حافظ عربی داں شخص ان بیانات کی تصدیق وتائید کی، جن لوگوں نے اس گستاخانہ مقرر کو بدعقیدہ کہا تھا ان کو تہدید کی اور اس مدعی تصوف کی شان میں چند اشعار پڑھے گئے، جب ایک شخص نے چاہا کہ ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کا جواب دے اور ان معزز اور مقتدر حضرات کے مناقب بیان کرے تو اس مصدق ومؤید وبانی جلسہ میں سرگوشی ہوئی اور منتظموں نے حصہ تقسیم کیا کہ لوگوں کے مجمع کو درہم برہم کردیا اور خود اس بیان زہر آلود پر نہ تقریر کرنے والے کو روکا نہ کسی طرح اظہار ناخوشی کیا بلکہ ان لوگوں کو جو تردید پر آمادہ تھے ہر امکانی طریقہ سے باز رکھنا چاہا تو اس بانی محفل ومؤید ومقرر سے عام مسلمانوں کو کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے اور ان کی دین داری کے متعلق کیا خیال رکھنا چاہئے؟

الجواب:

سوال میں جو وہ لفظ ہیں یعنی شرمناک کمزوری اور نامردی اگر بعینہٖ یہ الفاظ اس مقرر نے کہے یا اور الفاظ ملعونہ جو ان کے ہم معنی ہوں تو اس کے کافر مرتد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ایسے کہ **من شك فی کفرہ فقد کفر**[1] جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے، اور اس تقدیر پر جتنے اس کے

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

مؤید تھے سب مرتد ہیں اور جنھوں نے اس کی حمایت وطرفداری کے لئے اس کے رد سے روکا وہ سب بھی اسلام سے نکل گئے، اس تقدیر پر مسلمانوں کو ان کے ساتھ وہی برتاؤ لازم ہے جو مرتدین کے ساتھ ان سے میل جول حرام، سلام کلام حرام، موت وحیات میں کوئی معاملہ اسلامی ان سے برتنا حرام، اور گر رد سے روکنا اور مجمع منتشر کردینا اس کی طرفداری اور حمایت کے لئے نہ ہو، نہ اس کے کلام ملعون کو کفر نہ جاننے کے باعث تو دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ انسداد نیچریانہ تہذیب خبیثہ کے باعث ہے تو مداہنت وشیطنت ہے اور اس کے مرتکب عذاب شدید کے مستوجب، اور اگر یہ بھی نہیں بلکہ رد میں اندیشہ فتنہ تھا رد کرنے والے کو اس سے بچانے کے لئے یہ بندش کی تو بحال صحت اندیشہ اور غلبہ مفسدہ ان روکنے والوں پر الزام نہیں۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی[1]۔	اعمال کامدار نیات پر ہے اور ہر آدمی کا حکم اس کی نیت کے مطابق ہے۔ (ت)

اور اگر وہ الفاظ ملعونہ کلام مقرر میں نہ بعینہا تھے نہ ایسے الفاظ جوان معنی کو مودی ہوں، بلکہ سائل نے اس کا مقصود ایسا سمجھ کر اسے ان الفاظ سے تعبیر کیا تو اگر دلائل وقرائن وسیاق وسباق سے ثابت ہو کہ اس کا یہی مقصود تھا تو اس پر وہی حکم کفر وارتداد ہے اور طرفداروں کے لئے بھی وہی احکام عود کرینگے جبکہ انھوں نے بھی یہی مقصود سمجھا یا، یہ مقصود ایسا واضح تھا جس کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ نہ تھا، اور اگر دلائل وقرائن سے بھی مقصود ثابت نہ ہو تاہم اس میں شک نہیں کہ طرز ادب کے خلاف ہے، اس طور پر بیان دو ہی قوموں کا شیوہ ہے یا تو ملحدان بے دین یا وہابیان خو گر توہین، اور دونوں مردود وگمراہ ہیں باقی سیاق وسباق کلام وغیرہ متعلقات کی سائل نے تفصیل نہ کی کہ کوئی شق متعین کی جاتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۱: از کوچین ضلع ملیبار محلّہ مٹانچیری مکان سیٹھ سلیمان قاسم میمن مرسلہ حاجی طاہر محمد مولانا ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خدا کو حاضر وناظر سمجھنا کیسا ہے اور وہ کون ہے؟

الجواب:

اللہ عزوجل شہید وبصیر ہے اسے حاضر وناظر نہ کہنا چاہئے یہاں تک کہ بعض علماء نے اس پر تکفیر کا خیال فرمایا اور اکابر کو اس کی نفی کی حاجت ہوئی، مجموعہ علامہ ابن وہبان میں ہے:

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

ویاحاضر ویاناظر لیس بکفر[1]۔	یاحاضر یاناظر کہنا کفر نہیں۔(ت)

جو ایسا کہتا ہے خطا کرتا ہے بچنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۲: ۲۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نام کے مسلمان نے ایک کتاب ضوء نور الحق المبین عربی زبان میں لکھی اور چھپوا کر اپنے ہم خیالوں میں بہ تعداد پانچ ہزار تقسیم کی اور اس کو مجالس عام میں برسرمنبر پڑھنے کا حکم دیا اور اس میں صفحہ ۳۴ پر یہ لکھا ہے:

فالمسلمون الذین یشھدون بکلمۃ الاخلاص وھم کافۃ اھل الجماعۃ والسنۃ وکلمۃ الاخلاص ھی التی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ من قالھا مخلصا دخل الجنۃ وھی لاتقبل منھم وترد علیھم لانھم لم یقروا الا بالرسول وحدہ وانکروا مرتبۃ الوصی۔	مسلمان وہ ہیں جو کلمہ اخلاص کی گواہی دیں اور وہ تمام اہل جماعت وسنت ہیں اور کلمہ اخلاص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کافرمان ہے جس نے اخلاص کے ساتھ پڑھ لیا وہ جنتی ہے اور یہ کلمہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان پر رد کردیا جائے گا کیونکہ انھوں نے صرف رسول کا اقرار کیا، مرتبہ وصی کاانکار کردیا۔(ت)

اور صفحہ ۳۵ پر ہے:

وان امام زمانکم محل من الدین محل الرسول۔	تمھارے زمانے کے امام کامقام دین میں وہی ہے جو رسول کا مقام ہے۔(ت)

اور صفحہ ۴۳ پر ہے:

وان وصیہ علیؓ امیر المومنین نظیرہ (ای نظیر الرسول) فی تمامہ وکمالہ۔	حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) امیر المومنین ہونے میں ان کی نظیر ہیں یعنی تمام وکمال میں رسول اللہ کی نظیر ہیں۔(ت)

اور صفہ ۴۶ پر ہے:

وکان من کان فی ایامہ (ایام الرسول) لااستطاعۃ لھم فی قبول کل الحکمۃ	گویا جوان کے ایام میں تھا (یعنی حضور کے ایام میں) کہ بیک وقت تمام حکمت کا

[1] مجموعہ ابن وہبان

دفعة واحدة۔	قبول کرنا طاقت میں نہ تھا۔ (ت)

اور صفحہ ۱۶۳ پر حضرت جعفر رحمۃ اللہ تعالٰی کی نسبت لکھا ہے جنھوں نے بارہ لاکھ شیعوں کو سنی بنالیا تھا:

فمن وسواس خناس وسوس فی صدور الناس، فضل و اضل کثیرا من الناس یعنی جعفر النهر والی قرین ابلیس الواقع به عن رحمة الله تعالٰی الابلاس۔	وہ خناس کے وساوس میں سے ہے اس نے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالے خود بھی گمراہ اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا یعنی جعفر النہر والی، وہ ابلیس کا سینگ ہے اس کی وجہ سے رحمت الٰہی سے مایوسی ہوئی۔ (ت)

پھر انھیں حضرت جعفر کی نسبت صفحہ ۱۶۴ پر ذٰلك الشیطن (وہ شیطان ہے۔ت) کا لفظ ہے، پس کیا حکم ہے شریعت کا ایسی کتاب کی نسبت جس میں اس قسم کے مذکورہ مضامین ہوں اور کیا فتوٰی ہے ایسی کتاب لکھنے اور چھپوا کر تقسیم کرنے اور منبروں پر حکماً پڑھوانے کی نسبت؟ اور کیا ارشاد ہے سنی مسلمانوں کو کہ وہ اس کتاب کی ضبطی اور مصنف کتاب کی تنبیہ کے لئے حاکم ملک سے چارہ جوئی قانونی کریں یا نہ کریں؟

الجواب:

یہ بات کیا سوال طلب ہے، رویش ببیں حالش مپرس (اس کا چہرہ ہی دیکھ حال مت پوچھ۔ت) ظاہر ہے کہ ایسی ناپاک کتاب کسی رافضی غالی نجس القلب خبیث اللسان کی ہے، اس کی اشاعت اشاعت فاحشہ، اس کا لکھنا پڑھنا پڑھوانا سب اشد قطعی حرام، اس میں تمام اہلسنت بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین و کلمات کفریہ ہیں اس بارے میں قانونی چارہ جوئی اگر مفید ہو ممنوع نہیں مگر زمانہ وہ ہے کہ اس سے لاکھ لاکھ درجے بدتر کتابیں شائع ہو رہی ہیں جن میں وہ قطعی کفر ہیں کہ:

من شك فی کفره وعذابه فقد کفر[1]۔	جس نے اس کے کفر و عذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ (ت)

جیسے حفظ الایمان و براہین قاطعہ اور سب سے خبیث تر "فلسفہ اجتماع" جس میں سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجہول النسب بچہ لکھا ہے رسولوں کو ماننا محض لغو بتایا ہے، رسول کی تعظیم باطل کہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو لکھا کہ انھوں نے اپنے مقلدوں کی آزادی پامال کردی اپنے اوپر اعتراض سے ان کی دہن دوزی کی، اپنی سطوت برقرار رکھنے کے لئے اپنی اور اپنے اہل بیت کی تعظیم کی آیتیں قرآن میں بڑھا دیں، قرآن اپنے دعوی توحید میں سچا نہیں، نبی کی تعظیم بت پرستی ہے وغیرہ وغیرہ اشد ملعون کفر، پھر وہ قوم کے لیڈر بنتے ہیں اس کے مصنف کے اسلام پر شہادت دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہم نے ہر طرح تحقیق کرلیا اس میں کوئی بات کفر کی نہیں، اور بعض دوسرے دفتر اس کی اشاعت کررہے ہیں فالی اللہ المشتکی وانا للہ وانا الیہ راجعون ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس وربنا الرحمن المستعان علی ماتصفون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۲: از خیر پور ٹالی اسٹیشن ٹامی والے ریاست بہاولپور بر خانقاہ مبارک مرسلہ عبدالرحیم نائب معلم مدرسہ عربیہ خیر پور شرقیہ ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور خالد دونوں بھائی حقیقی ہیں، مسمّٰی زید بقضائے الٰہی فوت ہوگیا ہے اور اس کا برادر خالد موجود ہے اور زید مرحوم کی دو بیویاں اور دو بیٹیاں موجود ہیں، زید مرحوم کے داماد نے مسمّٰی خالد کو کہا بموجب شریعت مبارکہ حصہ تقسیم ہونا چاہئے کیونکہ ہم تم اہل اسلام پابند شریعت کے ہیں شرع محمدی پر فیصلہ ہونا چاہئے خالد جو متروکہ زید پر قابض وجابر ہے صاف کہہ دیا کہ ہم کو شریعت نامنظور ہے بلکہ رواج منظور، اب فرمائیے کہ عندالشریعت خالد کا کیا حکم ہے نکاح رہا یا فسخ ہوگیا؟

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو خالد پر حکم کفر ہے اور یہ کہ اس کا نکاح فسخ ہوگیا اس پر توبہ فرض ہے، نئے سرے سے اسلام لائے، اس کے بعد اگر عورت راضی ہو اس سے دوبارہ نکاح کرے، عالمگیری میں ہے:

اذا قال الرجل لغیرہ حکم الشرع ھذہ الحادثۃ کذا فقال ذٰلك الغیر من برسم کارمی کنم نہ بشرع یکفر عند بعض المشائخ[1] اھ	جب کسی نے دوسرے سے کہا اس معاملہ میں شریعت کا حکم یہ ہے وہ دوسرا جوابا کہتا ہے میں تو رسم کے مطابق کروں گا نہ کہ شرع کے مطابق، تو بعض مشائخ

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۲

اقول: وصورۃ النازلۃ اشد من ھذا بکثیر فان ھذا اخبار عن عملہ والرجل ربما یعمل بالمعصیۃ وھو لا یرضاھا فیکون عاصیا لا کافر العدم الاستحسان و الاستحلال بخلاف ماثمہ فانہ صریح فی عدم قبول الشرع وترجیح الرسم علیہ فکان کالمسألۃ قبلھا ترجیح قال لخصمہ اذھب معی الی الشرع قال بیادہ ببار تا بردم بے جبر نروم یکفر لانہ عاند الشرع اھ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کے نزدیک یہ کافر ہو جائے گا اھ۔ **میں کہتا ہوں** صورت نازلہ مذکورہ صورت سے بہت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس عمل کی اطلاع ہے اور آدمی بہت دفعہ معصیت کا عمل کرتا ہے مگر اسے گناہ تصور کرتا ہے اور دلی طور پر اس پر خوش نہیں ہوتا تو اب عاصی ٹھہرا نہ کہ کافر، کیونکہ اس نے اسے حلال تصور نہیں کیا بخلاف سوالیہ صورت کے یہاں قبول شرع کا انکار ہے اور رسم کو اس پر ترجیح دے رہا ہے یہ اس سے قبل والے مسئلہ جیسا ہے کسی نے مخالف سے کہا میرے ساتھ شریعت کی طرف چل، تو وہ کہنے لگا پیغام شریعت لادے تاکہ میں چلوں، بغیر جبر کے میں نہیں جاؤں گا، تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے شریعت سے عناد کو روا رکھا اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۴: از قصبہ کسیر کلاں ڈاک خانہ خاص ضلع بلند شہر مرسلہ عبدالشکور صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طریقت شعار حقیقت آثار جناب مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب دام ظلکم و فضلکم، بعد ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے گزارش ہے کیا فرماتے ہیں علمائے دین سوالات ذیل میں کہ بہشتی زیور کے چھٹے حصے میں لکھا ہے کہ "مُردوں کی روحیں اوقات متبرکہ شب جمعہ وغیرہ میں اپنے گھروں کو نہیں آتیں اگر کسی ایسی ویسی کتاب میں لکھا دیکھو جبھی ایسا عقیدہ مت رکھنا" باوجود احادیث صحیحہ اور اکثر روایات کتب معتبرہ اہل سنت وجماعت سے ارواح کا آنا ثابت، اس باب میں ہر چند مولوی اشرف علی تھانوی سے ان سب کتابوں کے اسمائے طیبہ وحوالہ جات جن سے ارواح کا آنا ثابت، لکھ کر دریافت کیا کہ کیا یہ سب کتابیں ایسی ویسی ہیں، اگر ایسی ویسی نہیں تو قرآن کو ایسی ویسی کہنے والے کی نسبت شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ اس پر مولوی صاحب نے جو جوابات جملہ خطوں کے بغیر دستخط اپنے تحریر فرمائے ہیں وہ قابل ملاحظہ حضور ہیں لہٰذا ہر ایک خط کی نقل مع جواب اس کے تحریر کی جاتی ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۱

(عزیزی منظور مد عمرہ کا پہلا خط بنام مولوی اشرف علی تھانوی) جناب مولوی صاحب بعد السلام علیکم عرض ہے کہ جناب کی بعض تصنیفات مثل بہشتی زیور وغیرہ میں جملہ رسوم مروجہ اہل اسلام مثلاً قیام میلاد شریف و اعراس بزرگان دین وتعین گیارھویں شریف وطریق نیاز ایصال ثواب میت اور دعا کے لئے بروقت فاتحہ ہاتھ اٹھانا اور میت کا تیجا، دسواں، بیسواں، چہلم، سہ ماہی، ششماہی، برسی، سات جمعراتیں کرنا، اور بزرگوں سے استمداد چاہنا اور ان کے مزاروں پر چادریں چڑھانا اور عورتوں کو قبور اولیائے کرام پر بفرض زیارت کے جانا وغیرہ وغیرہ ناجائز وبدعت لکھا ہے، اور ان ایام میں ہماری طرف ایک رسالہ موسومہ "مفید آخرت" حصہ اول ودوم چھپ کر شائع ہوئے ہیں بغرض ملاحظہ جناب ہمراہ تحریر ہذا ارسال ہیں ان دونوں حصوں میں امور متذکرہ بالا کو بدلائل احادیث واقوال مشائخ کرام علمائے عظام وروایات فقہ جائز و مستحسن ثابت کیا گیا ہے اور نیز جناب نے "بہشتی زیور" کے حصہ چھ کے اس بیان میں جس میں ان رسموں کا بیان ہے جو کسی کے مرنے میں برتی جاتی ہیں، لکھا ہے: "بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان تاریخوں اور جمعرات کے دن اور شب برات وغیرہ کے دنوں میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اس بات کی شرع شریف میں کچھ اصل نہیں اور ان کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ جو کچھ ثواب مُردوں کو پہنچایا جاتا ہے اس کو خود اس کے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے پھر اس کو کون ضرور ہے کہ مارامارا پھرے، پھر یہ بھی ہے کہ اگر مُردہ نیک اور بہشتی ہے تو ایسی بہار کی جگہ چھوڑ کر کیوں آنے لگا اور اگر بد اور دوزخی تو اس کو فرشتے کیوں چھوڑیں گے کہ عتاب سے چھوٹ کر سیر کرتا پھرے، غرض یہ بات بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے، اگر کسی ایسی ویسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھو تب بھی ایسا عقیدہ مت رکھنا جس کتاب کو عالم سند نہ رکھیں وہ بھروسہ کی نہیں ہے۔"

برخلاف اس کے جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رام پوری نے اپنی کتاب "عمدۃ الفاتحہ" میں ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں کو آنا احادیث وکتب فقہ اقوال مشائخ کرام وعلمائے عظام سے ثابت کیا ہے، مشت نمونہ وہ روایات بھی یہاں لکھی جاتی ہیں، سنئے، اشعۃ اللمعات میں مولانا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

دربعضے روایات آمدہ است کہ ارواح میت می آید خانہ خود راشب جمعہ پس نظرمی کند کہ تصدق می کنند ازوے یانہ [1]۔	بعض روایات میں منقول ہے کہ جمعہ کی رات میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہیں کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا گیا ہے یا نہیں۔ (ت)

[1] اشعۃ اللمعات باب زیارت القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۷-۷۱۶

دقائق الاخبار مصنفہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ہے: "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ جس دن ہوتا ہے دن عید کا، یا دن جمعہ کا، یا روز عاشورہ کا، یا شب نصف شعبان، آتی ہیں روحیں مُردوں کی، اور کھڑی ہوتی ہیں اوپر اپنے گھروں کے، پس کہتی ہیں آیا ہے کوئی کہ یاد کرتا ہے مجھ کو، آیا ہے کوئی کہ رحم کرے اوپر ہمارے، آیا ہے کوئی کہ یاد کرے غربت ہماری کو، اے وہ لوگو! کہ رہتے ہو تم بیچ گھروں ہمارے کے، اے لوگو! اچھے ہوئے تم ساتھ اس کے اور بدبخت ہم ساتھ اس کے ہوئے، اور اے لوگو! کھڑے ہو تم بیچ کشادہ محلوں ہمارے کے، اور ہم درمیان قبروں تنگ کے، اور آیا ہے اے لوگو! ذلیل کیا تم نے یتیموں ہمارے کو، اے لوگو! نکاح کیا تم نے ساتھ عورتوں ہماری کے، آیا ہے کہ یاد کرے کوئی بیچ غربت اور فقر ہمارے کے، اعمال نامے تمھارے کشادہ ہیں اور اعمال نامے ہمارے لپٹے گئے"[1]

اور قریب قریب روایت اسی مضمون کی کتاب درر الحسان میں امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نقل فرماتے ہیں:

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اذا کان یوم العید ویوم العشر ویوم الجمعۃ الاولی من شھر رجب ولیلۃ النصف من شعبان ولیلۃ الجمعۃ یخرج الاموات من قبورھم ویقفون علی ابواب بیوتھم ویقولون ترحموا علینا فی اللیلۃ بصدقۃ ولو بلقمۃ من خبز فانا محتاجون الیھا فان لم یجدواشیئا یرجعون بالحسرۃ[2]۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے جب عید کادن، دسواں دن، ماہ رجب کاپہلا جمعہ، شب براءت (شعبان کی نصف) اور جمعہ کی رات آتی ہے تو اموات اپنی قبور سے نکل کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہماری طرف سے اس رات صدقہ کرو اگرچہ روٹی کا ایک لقمہ ہی دو کیونکہ ہم اس کے ضرورت مند ہیں اگر وہ کچھ صدقہ نہ کریں تو بڑے افسوس سے لوٹتے ہیں (ت)

دستور القضاۃ مصنفہ صدر الدین رشید تبریزی میں فتاوٰی نسفیہ سے منقول ہے:

ان ارواح المؤمنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم	اہل ایمان کی ارواح ہر جمعہ کی رات اور دن کو اپنے گھروں کے صحن میں آکر غمناک آواز دیتی ہیں: اے

[1] دقائق الاخبار

[2] درر الحسان فی البعث ونعیم الجنان للسیوطی

ثم ینادی کل واحد منهم بصوت حزین یااهلی ویا اولادی یا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقة واذکرونا ولاتنسونا وارحمونا فی غربتنا قد کان هذا المال الذی فی ایدیکم فی ایدینا فیرجعون منهم باکیا حزینا ثم ینادی کل واحد منهم بصوت حزین اللهم قنطهم من الرحمة کما قنطونا من الدعاء والصدقة[1]۔	میرے گھر والو، اے میری اولاد، اے میرے رشتہ دارو، ہم پر صدقہ کرکے مہربانی کرو، ہمیں یاد رکھو، ہمیں بھول نہ جاؤ، ہماری غربت پر رحم کرو، یہ مال جو تمھارے ہاتھوں میں ہے یہ کبھی ہمارے پاس بھی تھا پھر وہ غمگین روتے ہوئے واپس جاتے ہیں، پھر ان میں سے ہر کوئی غمگین آواز سے کہتا ہے اے اللہ! ان کو رحمت سے اسی طرح دور فرما جس طرح انھوں نے ہمیں دعا و صدقہ سے مایوس کیا ہے۔ (ت)

اشباہ والنظائر احکام جمعہ میں مسطور ہے: وفیه یجتمع الارواح[2] یعنی جمعہ کے دن روحیں اکٹھی ہوتی ہیں، روضۃ الریاحین میں ہے:

مذهب اهل السنة ان ارواح الموتٰی فی بعض الاوقات من علیین وسجین یاتون الی اجساد هم فی قبورهم عند مایرید الله تعالٰی خصوصا فی لیلة الجمعة ویومها ویجلسون ویتحدثون[3]۔	اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اموات کی ارواح جب اللہ تعالٰی چاہتا ہے علیین اور سجین سے اپنے اجسام کی طرف آتی ہیں خصوصا جمعہ کی رات، دن میں آپس میں بیٹھ کر گفتگو کرتی ہیں (ت)

بخوف تطویل اس قدر ہی روایات پر بس، ورنہ اور بھی کتب معتبرہ خزانۃ الروایات اور عوارف المعارف اور تذکرۃ الموتٰی مصنفہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں کو آنا ثابت ہے، چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتاوٰی عزیزی ترجمہ سرور عزیزی میں فرماتے ہیں: "مُردے اوقات متبرکہ میں مثلاً شب جمعہ اور شب قدر میں اپنے ان عزیزوں کے پاس گزرتے

[1] دستور القضاۃ صدر الدین رشید تبریزی

[2] الاشباہ والنظائر باب احکام الجمعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۹

[3] روضۃ الریاحین

ہیں کہ وہ عزیزان اموات کو یاد کرتے ہیں قدر ضرورت"[1]

جناب آپ کی عبارت بالا دیکھنے اور ان سب روایات کے غور کرنے سے عوام الناس نہایت مبتلائے اوہام اور مشکوک ہیں، اب سوال یہ ہے کہ آپ کے اقوال قابل تسلیم یا یہ جملہ روایات منقولہ اور کتب حوالہ جات روایات منقولہ کو کیا تصور کیا جائے، آیا یہ سب کتابیں ایسی ویسی ہیں جن کی عالم سند نہیں رکھتے، تحقیق کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، یا یہ کہ وہی درست ہے جو جناب کی کتاب زشتی زیور وغیرہ میں لکھا ہے عنداللہ بواپسی ڈاک جواب باصواب بنظر انصاف مستفید فرمائے تاکہ خاطر جمع ہوں اللہ آپ کو اس کی جزائے خیر دے گا، جواب کے واسطے ٹکٹ مرسل ہے، ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

(پہلے خط کا جواب از طرف تھانوی):

السلام علیکم اگر تقلید پر اکتفا ہے تو جو شخص آپ کے نزدیک قابل اعتماد ہو اس کا اتباع کیجئے اور اگر تحقیق کا شوق ہے تو یہ خط لے کر تشریف لے آیئے بشرطیکہ کچھ علوم دینیہ سے مناسبت بھی ہو،

(دوسرا خط بنام تھانوی):

جناب تھانوی صاحب ! اسلام علیکم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آنا اپنے گھروں کو ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ مثل شب جمعہ وغیرہ میں اپنے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے:

در بعضے روایات آوردہ است کہ ارواح میت می آید خانہ خود راشب جمعہ پس نظرمی کند کہ تصدق مے کنند ازوے یانہ[2]۔	بعض روایات میں منقول ہیں کہ جمعہ کی رات میت کی روح اپنے گھر آتی ہے، اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا گیا ہے یا نہ۔ (ت)

اور نیز اکثر کتب معتبرہ اہل سنت وجماعت فقہ وحدیث وتفاسیر مثلاً دقائق الاخبار، درر الحسان، دستور القضاۃ، فتاوٰی نسفیہ، اشباہ والنظائر، روضۃ الریاحین، خزانۃ الروایات، عوارف المعارف، تذکرۃ الموتٰی، فتاوٰی عزیزی وتفسیر عزیزی میں ارواح کا آنا مسطور، لیکن جناب کی زشتی زیور کے حصہ چھ میں "ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں میں نہ آنا" اس شدومد کے ساتھ مذکور کہ "اگر

[1] سرور عزیزی ترجمہ فتاوٰی عزیزی

[2] اشعۃ اللمعات باب زیارت القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۷

ایسی ویسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھو تب بھی ایسا اعتقاد مت رکھنا" تو سوال یہ ہے کہ یہ لکھنا جناب کا کس صورت پر محمول کیا جاوے، آیا سب کتابیں مذکور الصدر جن سے ارواح کا آنا ثابت ہے، ایسی ویسی کتب میں اور گر نہیں تو ان کتابوں کو ایسی ویسی سمجھنے والے کے حق میں شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ عنداللہ غور فرما کر جواب حق سے مع مہر اور دستخط کے دریغ نہ کریئے گا۔ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

(دوسرے خط کا جواب از طرف تھانوی):

وعلیکم السلام، چونکہ انداز عبارت سے مقصود اعتراض معلوم ہوتا ہے اور جس پر اعتراض کرنا مقصود ہو اس سے استفسار کرنا نامناسب ہے اس لئے جواب نہیں دیا گیا کیونکہ مقصود استفتاء سے دوسرا ہوتا ہے یعنی طلب حکم العمل، اور ان دونوں غرضوں سے منافات معلوم۔

(تیسرا خط بنام تھانوی)

جناب، السلام علیکم، افسوس مسئلہ حل طلب جناب کو دوبارہ لکھا لیکن جواب جواب باوجودیکہ فقیر کو نہ اعتراض مرغوب، نہ کوئی مناظرہ محبوب، بلکہ اظہار حق مطلوب، کتب معتبرہ اہل سنت وجماعت جن کے اسمائے طیبہ پچھلے خطوں میں بالتصریح مذکور، جب یہ ایسی ویسی نہیں تو ان کو ایسی ویسی سمجھنے والے کی نسبت جو حکم شرع ہو اس کے لکھنے میں آپ کو کیا تامل ہے، ہاں البتہ آپ کے اس لفظ ایسی ویسی کے لکھنے میں شامل ضرور ہوتی ہیں، شاید جس کی وجہ سے اظہار حق میں کچھ دریغ ہے، اگر بہ تقاضائے بشریت جناب سے کوئی سہو وخطا اس کلمہ ایسی ویسی کے لکھنے میں مضمر ہے تو آگاہیت پر ان کلمات کی واپسی میں کیا عذر ہے اور اگر خاص کوئی تاویل ہے تو اس سے عنداللہ مع دستخط ومہر کے بواپسی ڈاک صاف صاف طور سے عوام کو مطلع فرمادیجئے گا بلحاظ اس کے تاکہ ظن قائم کریں اگر آپ نے صاف صاف جواب جواب بھی نہ دیا تو پھر مجبوراً یہی متصور ہوگا کہ آپ کو کتب معلومہ سے انحراف ہے، اس پر پھر جو حکم شرعی ہوگا علمائے اہل سنت وجماعت سے استفتا لے کر بذریعہ اشتہار مشتہر کردیا جائے گا، ۹ فروری ۱۹۱۹ء

(تیسرے خط کا جواب از طرف تھانوی):

السلام علیکم، مجھ کو جو کچھ عرض کرنا تھا کرچکا، فقط۔

جناب من! تینوں خط مع جواب ان کے پیش خدمت بعد ملاحظہ مخفی نہ رہے گا مولوی صاحب نے اصل جواب کے دینے میں کس قدر اینچ پینچ لگائے ہیں، اور جو مقصود سوال تھا ان کے جوابات میں وہ قطعی مفقود، اب سوال یہ ہے کہ اس عبارت زشتی زیور سے کہ جس میں جو لکھا ہے "ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں کو آنا اگر کسی ایسی ویسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھو تب بھی ایسا اعتقاد مت رکھنا"

اس سے اور نیز خطوط مذکورہ کے جوابات سے یہ امر ثابت ہے یانہیں کہ مولوی صاحب کو جملہ احادیث و روایات، کتب معتبرہ اہل سنت وجماعت جن میں ارواح کا آنا ثابت ایسی ویسی اور جو شخص ان سب احادیث روایات کو ایسی ویسی کہے اس کی نسبت شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

تھانوی نے حفظ الایمان میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح توہین کی اور شدید گالیاں دیں جس پر علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق اس پر حکم کفر دیا اور صاف فرمادیا کہ:

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر [1]۔	جو اس کے اقوال پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک بھی کرے وہ بھی کافر ہے۔

اس کے بعد اس کی ایسی ویسی باتوں پر کیا التفات اور کتب دینیہ کی توہین کی کیا شکایت، **ماعلی مثله بعد الخطاء** (خطا کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۵: از او، آر، ریلوے ٹیلیگراف ٹریننگ اسکول مرسلہ سید اعجاز احمد صاحب اسٹیشن ماسٹر ۲۰ رمضان ۱۳۳۷ھ

میرے تاجدار آقا، حضور کے سایہ رحمت میں حق سبحانہ وتعالٰی اس کمینہ کو امان عطا فرمائے، ایک صاحب کہتے ہیں کہ ماحصل یہ کہ اعمال صالحہ کرنے سے کبھی نہ کبھی جنت میں جائے گا اگرچہ کسی نبی یا خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے، اس پر یہ آیت پیش کرتا ہے پارہ "لایحب اللہ" سورہ مائدہ ع ۱۰:

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾" [2]	اس میں کچھ شک نہیں جو کوئی مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور صابی اور نصارٰی ان میں سے جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاوے اور نیک عمل بھی کرے تو قیامت کے دن ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر رہیں گے۔

گویا کہ نصارٰی یہودی وغیرہ اگر اللہ وروز آخرت پر ایمان لاویں اور نیک عمل کریں اگرچہ حضور صلی اللہ

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۵/ ۶۹

تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان نہ لاویں تب بھی جنت کے مستحق ہیں، میں نے اس شخص کو اٰمنوا باللہ ورسولہ (اللہ تعالٰی اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ت) اور نیز بعد کی آیت پڑھ کر سمجھایا کہ اول ایمان عقیدہ ہے بعد کو اعمال صالحہ، اگر عقائد ٹھیک نہیں، اللہ تعالٰی کے محبوبوں کی عظمت دل میں نہیں لاکھ اعمال صالحہ کرے جنت کا مستحق نہیں، اس کے جواب میں وہ آیت پیش کرتا ہے حضور سے گزارش ہے کہ فوراً اس کا رد اور اس آیت کے واضح معنی نیز بغیر مسلمان ہوئے لاکھ اعمال صالحہ کرے کسی طرح جنت کا مستحق نہیں اگرچہ کسی نبی پر ایمان نہ لائے اس کو اعمال صالحہ اس کے کام آویں گے یعنی وہ جنت کا مستحق ہے، ورنہ کلام سے ثبوت مانگتا ہے،

الجواب:

اللہ عزوجل اپنے غضب سے بچائے اور شیطان لعین کے دھوکوں سے پناہ دے، قرآن عظیم اول تا اخر انبیاء پر عموماً اور حضور پر نور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء پر خصوصاً ایمان لانے کا حکم دے رہا ہے، ان کی تکذیب کرنے والوں پر لعنت وعذاب اتار رہا ہے، اور یہ کہ دین صرف دین اسلام ہے اور یہ کہ کافر کا کوئی عمل صالح نہیں سب باطل وناکام ہے جسے دن کو آفتاب نظر نہ آئے وہ اپنی آنکھوں کو روئے، ہم صدہا آیات کریمہ سے بعض کی تلاوت سے شرف لیں گے نہ اس لئے کہ جو دیدہ ودانستہ اندھا بنا ہو اس کی آنکھیں کھلیں اس کی تو قیامت کے دن بھی پٹ ہی ہوں گی۔

"وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ"[1]	اور ہم انھیں قیامت کے دین ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے اندھے اور گونگے اور بہرے۔ (ت)

بلکہ اس لئے کہ کوئی جاہل سا جاہل مسلمان کسی ملعون کے دھوکے میں نہ آجائے۔

آیت ۱: سب سے پہلے جو اس کج فہم نے اپنے ثبوت میں پیش کی یہی اس زعم پر لعنت برسارہی ہے، اس میں اللہ پر ایمان لانا توشرط نجات فرمایا ہے، اس قدر تو وہ شخص بھی جانتا ہے مگر اللہ پر ایمان ہوتا تو اللہ پر ایمان کے معنی جانتا، اللہ پر ایمان یہ نہیں کہ لفظ اللہ مان لیا بلکہ ایمان تصدیق کا نام ہے، جو اللہ عزوجل کے ہر ہر کلام کی تصدیق قطعی سچے دل سے کرتا ہو وہ اللہ عزوجل پر ایمان رکھتا ہے اور جو اس کے کسی کلام میں شبہہ بھی لائے اسے ہرگز اللہ پر ایمان نہیں کہ اس کی سب باتوں کی تصدیق نہیں کرتا، اب کلام اللہ کو دیکھئے روشن تصریحوں سے انبیائے کرام وحضور سید الانام

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۹۷

علیہ و علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ورسالت کا بیان ہے،ازاں جملہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ"[1] محمد اللہ کے رسول ہیں، "یٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳﴾"[2] اے سردار مجھے حکمت والے قرآن کی قسم بیشک تم رسولوں سے ہو، "وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ ؕ"[3] اللہ خوب جانتاہے کہ تم اس کے رسول ہو۔یوہیں نوح وابراہیم وموسٰی وعیسٰی وہارون ویعقوب وادریس والیاس ولوط ویونس واسمٰعیل واسحٰق وداؤد وسلیمان وزکریا ویحیٰی وہود وشعیب وصالح وغیرہم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کی نسبت،توجو ان میں کسی کی نبوت میں شک کرے اللہ تعالٰی کی تصدیق نہیں کرتا تو ہرگز ہرگز اللہ ہی پر ایمان نہیں رکھتا کسی طرح اس آیت کے حکم میں نہیں آسکتا،اصل یہ ہے کہ ایمان باللہ میں جملہ ضروریات دین پر ایمان داخل ہے کہ ان میں سے کسی بات کی تکذیب رب کی تکذیب ہے اور رب کی تکذیب رب کے ساتھ کفر ہے،پھر رب پر ایمان کہا،یوم آخر بھی انہیں میں داخل ہے جسے مہتم بالشان ہونے کے سبب جداذکر فرمایا،جس طرح آیہ کریمہ:

"وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾"[4]	اور وہ کہ اہمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمھاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں(ت)

میں اسے تین بار ذکر فرمایا کہ وہ جو قرآن عظیم پر ایمان لاتے ہیں اور اس سے پہلے کتابوں پر بھی اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں،آخرت پر ایمان قرآن عظیم پر ایمان میں آگیا،پھر اگلی کتابوں پر ایمان میں آیا کہ سب میں اس کا ذکر ہے،تیسری بار اسے پھر جداذکر فرمایا یوہیں یہاں ولہذا جابجا صرف ایمان باللہ و عمل صالح پر ایسے وعدے فرمائے یوم آخرت کا ذکر نہ فرمایا مثلا سورہ طلاق میں:

"وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾"[5]	جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے اللہ انھیں جنتوں میں لے جائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ان میں رہیں، بیشک اللہ نے ان کے لئے اچھا رزق لکھاہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۳۔۲۔۱

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۴

[5] القرآن الکریم ۶۵/ ۱۱

اسی طرح سوہ تغابن میں بالجملہ ایمان باللہ میں سب ضروریات کتابوں، رسولوں، فرشتوں، قیامت وغیرہا پر ایمان لانا داخل ہے، توآیت کریمہ کاحاصل یہ ہے کہ یہود نصرانی، صابی کوئی بھی ہو جو تمام ضروریات دین پر اسلام لائے، (قرآن عظیم کو کلام اللہ، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سچارسول اللہ اور خاتم النبیین مانے کہ سب ضروریات دین اس میں آگئے، جب تک وہ کوئی قول یا فعل منافی تصدیق نہ کرے) اور نیک کام کرے (یعنی شریعت مطہرہ محمدیہ کے مطابق کیونکہ ان کو خاتم النبیین مان چکا تو جو کام ان کی شریعت کے خلاف ہے منسوخ یامردود ہے) اس پر کچھ خوف وغم نہیں، خلاصہ یہ کہ نعمت کچھ انھیں اشخاص مسلمین کے لئے خاص نہیں بلکہ کوئی بھی ہو کسی بھی مذہب وملت کا ہو جو اسلامی عقیدے مانے اور شریعت محمدی پر چلے اس پر کچھ خوف وغم نہیں توآیہ کریمہ اس آیت کی نظیر ہے کہ:

"فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ"[1]	اے مسلمانو! اگر یہود ونصارٰی بھی ان تمام باتوں پر ایمان لے آئیں جن پر تمھاراایمان ہے تو وہ بھی راہ پاجائیں،

یہ مطلب اس آیت کا ہے، منکر سوچے کہ اب اس کا باطل شبہ کدھر گیا، مسلمان دیکھیں کہ جو آیت اس کار دہے اسی کو اپنی سند بنایا، یہ اگر تعصب نہیں تو ابلیس لعین کا کیسا سخت دھوکا ہے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

آیت ۲: ایک سخت چالاکی بلکہ کلام اللہ میں تحریف کے قبیل سے ہے اس آیت کو دکھانا اور اس سے متصل اوپر کی آیت کاچھپانا جو مطلب صاف فرمارہی ہے وہ آیہ کریمہ یہ ہے:

"قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۞"[2]	اے محبوب! ان یہود ونصارٰی سے فرمادو کہ اے کتاب والو! تم نرے باطل پر ہو جب تک توریت وانجیل اور جو کچھ تمھارے رب سے تمھاری طرف اترا تھااسے قائم نہ کرو، اور اے محبوب! بیشک ان میں بہتوں کو اس قرآن سے سرکشی اور کفر بڑھے گا تو تم ان کافروں کا غم نہ کھاؤ،

قرآن عظیم فرماتاہے کہ یہود ونصارٰی جب تک توریت وانجیل کو قائم نہ کریں نرے باطل پر ہیں اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۷

[2] القرآن الکریم ۵/ ۶۸

قرآن سے سرکشی کرکے کافر جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ مانے اس کا قرآن عظیم سے سرکشی کرنا تو ظاہر وواضح، اور اس نے توریت وانجیل بھی قائم نہ کی کہ ان میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بشارتیں تھیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ" [1]	میں اپنی رحمت ان کے لئے لکھوں گا، جو پیروی کریں گے رسول نبی امی کی جسے اپنے پاس لکھا ہوا پائیں گے توریت وانجیل کی۔

اور فرماتا ہے:

"مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ" [2]	محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس، میں نرم دل (الی قولہ تعالٰی) ان کا یہ وصف توریت میں ہے اور ان کی ثناء ہے انجیل میں۔ (ت)

اور عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ذکر فرماتا ہے:

"مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ" [3]	میں بشارت دیتا آیا ہوں ان رسول کی جن کا نام پاک احمد ہے۔

توجس نے احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ مانا اس نے توریت وانجیل قائم نہ کی بلکہ پھینک دی، اور قرآن عظیم سے سرکش ہوا، اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ وہ کافر ہے پھر ایمان میں کیونکر شامل ہوسکتا ہے، انصاف والے کے لئے خود وہی آیت کہ منکر نے پڑھی اور برابر کی آیت کہ اس نے چھوڑ دی، کفایت کرتی ہیں صدہا میں سے تبرکا دو چار اور سن لیجئے۔

آیت ۳: آیہ کریمہ "اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ" [4] میں حضور کے اوصاف کریمہ ذکر کرکے فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۶۱/ ۶

[4] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

"فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ ﴿۱۵۷﴾ " [1]	توجو اس نبی اُمی پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم ومدد کی اور اس نور کے پیرو ہوئے جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ثابت ہوا کہ جب تک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور ان کی تعظیم نہ کرے ہر گز فلاح نہ پائے گا اگرچہ اپنے زعم میں کیسے ہی نیک عمل رکھتا ہو۔

آیت ۴: اس کے متصل فرماتا ہے:

"قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ِ۟ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ " [2]	اے محبوب! تم فرمادو کہ اے لوگو! میں تمام آدمیوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ کہ زمین وآسمان میں اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں وہی جلائے اور مارے، تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر کہ اللہ اور اس کے کلاموں پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پیروی کرو کہ تمہیں ہدایت ہو،

معلوم ہوا کہ ہدایت تو نبی امی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ماننے پر موقوف ہے جو ان کو نہ مانے اسے ہدایت نہیں، اور جب ہدایت نہیں ایمان کہاں، تو "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ" [3] (جو کوئی سچے دل سے اللہ اور قیامت پر ایمان لائے۔ت) میں کیونکر آسکتا ہے۔ **آیت ۵:**

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ	بیشک جو انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈال دیں، اور کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لائیں گے اور کسی کے منکر ہوں گے، اور چاہتے ہیں کہ سب پر ایمان اور سب سے کفر کے بیچ میں کوئی راستہ نکالیں وہی پورے پکے کافر ہیں، اور ہم نے کافروں

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۸

[3] القرآن الکریم ۵/ ۶۹

وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓىٕكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۠ ۱۵۲ "[1]	کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں کسی کے انکار اور باقی پر ایمان سے ان میں جدائی نہ ڈالی عنقریب اللہ ان کو ان کے ثواب دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیہ کریمہ نے صاف فرمادیا کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان میں جدائی ڈالنے والا پکا کافر ہے، اور یہ کہ جو ان سب کو ماننے اور ایک ہی کا منکر ہو وہ اللہ اور سب رسولوں کا منکر اور ویسا ہی پکا کھلا کافر ہے، یہ نہیں کہ جو سب کو مانیں وہ مسلمان اور جو سب سے منکر وہ کافر، اور یہ جو بعض کو مانتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں کچھ اور ہوں، نہیں نہیں یہ بھی کل کے منکر کی طرح پورے کافر ہیں بیچ میں کوئی راہ نکل ہی نہیں سکتی۔

آیت ۶:

" اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۱۹ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۠ ۲۰ "[2]	بیشک اللہ کے نزدیک دین یہی اسلام ہے یہود و نصارٰی نے دانستہ براہ سرکشی اس کا خلاف کیا اور جو اللہ کی آیتوں سے کافر ہوا بے غم نہ ہو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، اگر وہ تم سے جھگڑیں تو فرمادو کہ میں اور میرے پیرو تو سب اللہ کے لئے اسلام لائے اور یہود و نصارٰی و مشرکین سب سے کہو کیا تم مسلمان ہوتے ہو، اگر اسلام لائیں تو راہ پاجائیں اور منہ پھیر دیں تو تم پر صرف پہنچادینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔
آیت ۷: " وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۸۵ "[3]	جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے وہ ہرگز قبول نہ فرمایا جائے گا، اور اسے آخرت میں خسارہ رہے گا

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۰تا۱۵۲

[2] القرآن الکریم ۳/ ۲۰۔۱۹

[3] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

آیت ۸:

"اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ فَرِیۡقًا مِّنۡهُمۡ لَیَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾ "[1]	یہود و نصارٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے تھے جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں ایک گروہ دانستہ حق کو چھپاتا ہے۔

اور ساتویں پارہ میں اس کے بعد یوں فرمایا:

"اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾ "[2]	وہ جنھوں نے اپنی جان خسارہ میں ڈالی وہ ان پہچانے ہوئے نبی پر ایمان نہیں لاتے۔

اور پہلے پارے میں صاف تر ارشاد ہوا:

"وَ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ ۫ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۸۹﴾ "[3]	اس سے پہلے اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے جب وہ جانا پہچانا تشریف لایا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت کافروں پر۔

آیت ۹:

"وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰهُ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ﴿۲۳﴾ "[4]	اور جو کچھ انھوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انھیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"اَذۡهَبۡتُمۡ طَیِّبٰتِكُمۡ فِیۡ حَیَاتِكُمُ الدُّنۡیَا"[5]	ان سے فرمایا جائے گا کہ تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے (ت)

اور فرماتا ہے:

"مَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ؕ ۟"[6]	جس نے یہ سودا لیا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۹

[4] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

[5] القرآن الکریم ۴۶/ ۲۰

[6] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

اور فرماتا ہے:

"لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾ "[1]	اپنی کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (ت)

اور فرتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ "[2]	بیشک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ "[3]	تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق، تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہے دنیا میں اور قیامت میں تو خاص انہیں کی ہے۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ﹰاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ﴿۱۸﴾ "[4]	اپنے رب سے منکروں کا حال ایسا ہے کہ ان کے کام ہیں جیسے راکھ کہ اس پر ہوا کا سخت جھونکا آیا آندھی کے دن میں ساری کمائی سے کچھ ہاتھ نہ لگا، یہی ہے دور کی گمراہی۔ (ت)

ان ساتوں آیتوں کا حاصل ارشاد یہ ہے کہ کافر اگر کوئی بظاہر نیک کام مثل تصدق وغیرہ کرے بھی تو اس کا بدلہ اسے دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں وہاں انھیں کچھ ہاتھ نہ آئے گا، جنت کا کھانا پینا کافروں کے لئے حرام ہے، پاکیزہ رزق اور زینت کے سامان آخرت میں خاص مسلمانوں کے لئے ہیں، کافروں کے اعمال کو اللہ تعالٰی برباد کرکے ایسا کردیتا ہے کہ جیسے روزن میں سے دھوپ آئے تو اس کے اندر ریزے سے اڑتے ہیں اور ہاتھ میں لو تو کچھ نہیں، کافروں کے اعمال کی یہ مثال ہے کہ شدید آندھی کے دن میں کہیں کچھ راکھ پڑی جسے آندھی کے جھونکے۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۴

[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

[4] القرآن الکریم ۱۴/ ۱۸

اڑالے گئے کہ اب وہ ذرے بھی نہیں دکھائی دیتے کچھ ہاتھ آنا تو بڑی بات ہے،

نسأل اللہ العفو والعافیۃ "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ "[1]۔ وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ وسید رسلہ واٰلہ صحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا ہی سوال کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! نہ ٹیڑھا فرما ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما بلاشبہ تو ہی عطا فرمانے والا ہے، اللہ تعالٰی کی رحمتوں کا نزول ہو تمام مخلوق سے افضل تمام رسولوں کے سربراہ اور ان کے آل واصحاب سبھی پر، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۶ تا ۳۳۱: ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) اکثر دیہات میں جو قربانیاں ہوتی ہیں تو ان قربانیوں کے سر بہشتی کو دیتے ہیں، اور کسی گاؤں میں یہ رسم ہے کہ حجام کو دیتے ہیں، ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ علمائے دین نے کہیں حکم اس بات کا نہیں دیا اور نہ علماء کی زبان سے سنا گیا کہ قربانی کا سر بہشتی کو یا حجام کو دیا جائے، تو وہ لوگ قربانی کنندہ کہنے لگے کہ اگر یہ حق بہشتی کا نہ ہوتا تو ہمارے باپ دادا کیوں دیتے، کیا ان کے زمانے میں عالم نہ تھے، ہم باپ دادا کی رسم نہ چھوڑیں گے چاہے ہمارے قربانی مقبول ہو یا نہ ہو، اس کو خدا ہی جانتا ہے۔

(۲) یہ کہ بہشتی کہتا ہے کہ یہ حق ہمارا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے سے چلا آتا ہے اور عالم خود اب تک دیتے چلے آرہے ہیں، اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ دیتے تو علماء کیوں قربانی کے سرپائے دیتے، بلکہ کہتا ہے کہ جو ہمارے حق کو میٹے وہ عالم نہیں ہے، **معاذ اللہ** اب علمائے دین فرماویں کہ یہ حق بہشتی وغیرہ کا ہے یا نہیں۔ یا علمائے دین اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بہتان باندھا گیا ہے؟

(۳) یہ کہ جو لوگ قربانی کرتے ہیں یا کر چکے ہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ چاہے ہماری قربانی مقبول ہو یا نہ ہو ہم اپنے باپ دادا کا رسم نہیں چھوڑیں گے چاہے عالم کچھ بھی کہیں، تو ان کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸

ان لوگوں کی قربانیاں کیسی ہیں؟
(۴) یہ کہ قربانی کا گوشت لامذہب یعنی بھنگی وغیرہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۵) قربانی کی الانت قربانی کے گوشت میں شامل کی جاوے یا کیا؟
(۶) قربانی کا دل گردہ کلیجہ اہل قربانی کو پکوا کر اس پر فاتحہ دے کر کھاتے ہیں یہ درست ہے نہیں؟ یا ان دل گردہ کلیجی کو بھی گوشت قربانی میں شامل کیا جاوے یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) قربانی کرنے والے کو اختیار ہے کہ سر یا جو چیز بہشتی، حجام یا جس کسی مسلمان کو چاہے دے کسی کے لئے کسی چیز کی ممانعت نہیں، ہاں بالتخصیص کسی کا کسی چیز میں کوئی حق شرع شریف میں وارد نہیں ہوا،

(۲) اس بہشتی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کیا، اس پر توبہ فرض ہے، ورنہ سخت جہنم کا سزاوار ہے، علمائے کرام جائز کام سے منع نہیں فرماتے جب کہ بہشتی کو بھی سر دینا جائز تھا علماء نے سکوت فرمایا، اس سے یہ ثابت نہیں کہ شرع شریف میں ان کا کوئی حق مخصوص ہے،

(۳) یہ اقوال ان کے مذموم و سخت ہیں، ان کی قربانیاں قابل قبول نہیں، انھوں نے قبول الٰہی کو ہلکا جانا اور عالموں کے ارشاد سے بے پروائی کی، از سر نو کلمہ پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں،

(۴) بھنگی وغیرہ کسی کافر کو قربانی یا اور کوئی صدقہ دینا جائز نہیں ہر گز نہ دے۔

(۵) اوجھڑی آنتیں جن کا کھانا مکروہ ہے چاہے یہ چیز اپنے لئے نکال لے یا ان کو بھی تقسیم میں داخل کرلے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۲: از قصبہ کودرکوٹ ضلع اٹاوہ مسئولہ محی الدین احمد صاحب ۲۴ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقام پر مسجد کے قریب اہل ہنود نے ایک نئی مورت قائم کی، مسلمانوں نے ان کے خلاف مورت اٹھوانے کا دعوٰی دائر کیا، اس پر ایک مسلمان نے اہل ہنود سے ساز باز کرکے جھوٹی شہادت دی کہ یہ مورت قدیم ہے، اس بناء پر مسلمانوں نے شخص مذکور الصدر سے تعلقات منقطع کرلئے، معلوم کرنا اس امر کا ہے کہ ازروئے شریعت اس شخص سے خطا کس حد تک پہنچی ہے اور اس جھوٹی شہادت سے اس کی زوجہ تو نکاح سے باہر نہیں ہوئی؟ اب اگر اس شخص کو اسلام و برادری میں شامل کیا جائے تو اس کے واسطے کیا طریقہ اسلامی عمل میں لایا جاوے اور جب تک حسبِ

احکام شرعی اس کو شامل کیا جائے اس دوران میں اور کوئی دوسرا مسلمان اس سے تعلقات پیدا کرے تو اس کے واسطے کیا حکم شرعی ہے

الجواب:

جبکہ اس نے ترویج پرستش بت میں سعی کی اس پر لزوم کفر ہوا، اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، اس پر فرض ہے کہ علانیہ مسلمانوں کے سامنے توبہ کرے اور نئے سرے سے کلمہ پڑھے، مسلمان ہو اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کی ضرورت ہے، توبہ و تجدید اسلام سے پہلے جو لوگ اس حال سے واقف ہو کر اس سے میل جول رکھیں مستحق سزاو عذاب ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب شریف ہیں اور ان کے برتاؤ برخلاف حکم خدا اور سول کے برتاؤ میں آتا ہے کہ داڑھی منڈواتے ہیں، اور لوگ اگر ان سے کچھ کہتے ہیں کہ آپ کو داڑھی منڈوانا غیر مناسب ہے، تو لوگوں کو جواب فرماتے ہیں کہ میری طبیعت کا اختیار ہے اور میری طبیعت کا حکم ہے، ایسا شخص حلال کو حرام جانے اور حرام کو حلال جانے ان صاحب کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب باصواب مع حدیث وفقہ کے مرقوم فرمادیں اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرماوے گا۔

الجواب:

داڑھی منڈوانا حرام ہے اور اس پر یہ جواب کہ میری طبیعت کا اختیار ہے گناہ پر اصرار اور سخت سزا کا سزاوار ہے، مگر اسے حرام کو حلال جاننا نہیں سمجھا جاتا ہے اس کہنے میں کہ میری طبیعت کا اختیار ہے اور میری طبیعت کو اختیار ہے بہت فرق ہے، دوم بھی تحلیل حرام میں صریح نہیں نہ کہ اول، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۴: از فتح گنج غربی مرسلہ حبیب شاہ دہنے شاہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ گنج غربی میں آج واقع بروز سہ شنبہ کو ایک پنچایت اسلامی قائم کی گئی اور اس میں یہ بات پیش کی گئی کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس سے علیک سلیک اور میل اسلامی طریقہ پر ترک کردیا جائے اور حقہ پانی اسلامی طریقہ پر بند کردیا جائے، جب یہ مجمع ہوا اور مسلمان سب جمع ہوگئے تو پیش امام کہ جو نماز جمعہ وعیدین وپنجوقتہ کا ہے اس کو بلایا گیا تو اس کا اس نے جواب دیا کہ مجھ کو اس سے کچھ تعلق نہیں آج تو میں مماوس کو جو ہندوؤں کا تہوار ہے

وہاں پر مندر میں جاتا ہوں اور سنکھ دھو کر رکھ لیا ہے اسلامی پنچایت سے کیا مطلب، تو جو شخص ایسے الفاظ کہے اور اس گروہ اسلام میں کہ جہاں پر سوائے نماز کی پابندی کے اور کوئی انتظام کی ضرورت نہ تھی اس کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور شرع شریف کا ایسے شخص پر کیا حکم ہے؟ جمعہ عنقریب ہے جمعہ سے پیشتر یا جمعہ تک جواب مل جانا چاہئے۔

الجواب:

اس شخص کے پیچھے نماز باطل محض ہے اس پر کفر لازم ہے، اس کی عورت نکاح سے نکل گئی جب تک نئے سرے سے مسلمان نہ ہو، اس سے سلام کلام بھی حرام ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیا معنی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۵تا۳۳۹: از شہر لکھنؤ محلّہ گڈھیا کمال جمال مسئولہ عابد حسین عباسی ۱۴محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہنود کی خوشی کرنے کی خاطر اور اتفاق پیدا کرنے کی خاطر سے گائے کی قربانی یا روزمرہ کے لئے گائے کا ذبیحہ بند کرنا کیسا ہے، ہندوستان کی حالت ملاحظہ فرماتے ہوئے حکم شریعت سے مطلع فرمائے۔

(۲) قوم ہنود کی ہمدردی گزشتہ و آئندہ کے صلہ میں اور باہمی اتحاد رکھنے کی غرض سے گائے کی قربانی ترک کر دینا شرعاً جائز ہے یا نہ؟

(۳) فی الواقع اگر مولوی عبدالباری صاحب وغیرہ اس کے متعلق فتوٰی دے چکے ہیں اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) اور ایسے محرکین کی کمیٹی میں شرکت کرنا چاہئے یا نہ؟ اور اس کے محرک اور مرتکب عنداللہ ماجور و گنہ گار ہوں گے یا نہ؟

(۵) گائے، بھیڑ، بکری یا اونٹ وغیرہ میں منجانب شریعت مختار ہونا اس کے کیا معنی ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہندوستان میں گائے کی قربانی جاری رکھنا واجب ہے اور خوشنودی ہنود کے لئے اس کا بند کرنا حرام، مولوی عبدالباری کے باپ مولانا عبدالوہاب مرحوم اور استاد مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی کے فتوے اس بارے میں ہو چکے ہیں اور ہمارے رسالہ **انفس الفکر** میں کافی و وافی بیان ہے، اور ہنود سے اتحاد حرام منجر بکفر ہے جس کے نتائج طشت از بام ہیں، اس اتحاد کے منانے والے خود

اپنے اقرار سے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردیتے ہیں، "خسر الدنیا والدین ذٰلك هو الخسران المبین والعیاذ باللّٰه رب العالمین" (وہ دنیاودین دونوں میں خسارے میں ہے اور یہی واضح گھاٹا ہے اور پناہ اللہ رب العالمین کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

جلد چہار دہم ۱۴ ختم ہوئی، عنوان کتاب السیر جاری ہے
پندرھویں جلد بھی ان شاء اللہ سیر پر مشتمل ہوگی۔

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۵

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۔۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عرَبی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد پانزدہم (۱۵)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ________ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ________ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوٰی رضویہ جلد پانز دہم
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
مقدمہ ________ حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری
تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام وسرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۷۴۴
اشاعت ________ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ / اپریل ۱۹۹۹ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

*مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
*مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدُللہ ! اعلحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "**العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ**" کی ترجمہ وتخریج کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ، بعنایت رسول الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تقریباً نو سال کے مختصر عرصہ میں یہ پندرھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل **کتاب الطہارۃ، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر** اور **کتاب السیر** کے بعض حصے پر مشتمل چودہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے۔

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ـــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ـــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ـــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ـــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ـــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ـــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ـــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ـــــ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ـــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ـــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ـــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ـــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ـــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ـــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

پندرھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڈھ بھارت کے صفحہ ۱۶۹ سے ۳۱۴ تک ۸۱ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ نئے شامل کردہ رسائل کے علاوہ اسی جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ فاضل شہیر مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری مہتمم جامعہ اسلامیہ لاہور نے کیا ہے۔ اس سے قبل چھٹی، ساتویں، آٹھویں، دسویں اور چودھویں جلد بھی علامہ موصوف کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب السیر کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل پندرہ رسائل بھی اس جلد کی

زینت ہیں:

(۱) الجبل الثانوی علی کلیۃ التھانوی (۱۳۳۷ھ)

کلمہ طیبہ اور درود شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسم گرامی کی جگہ اشرفعلی کہنے والے کا حکم شرعی۔

(۲) سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح (۱۳۰۷ھ)

اس بات کا بیان کہ کذب باری تعالٰی محال ہے اور اللہ تعالٰی کو محال پر قادر ماننا اس کو عیب لگانا ہے بلکہ اس کی الوہیت کا انکار ہے۔

(۳) دامان باغ سبحن السبوح (۱۳۰۷ھ)

نظریہ امکان کذب کا رد بلیغ

(۴) القمع المبین لآمال المکذبین (۱۳۲۹ھ)

مسائرہ، شرح مواقف اور حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی عبارت سے قائلین امکان کذب کے استدلال کا رد۔

(۵) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب (۱۳۲۰ھ)

مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات کفریہ کا رد۔

(۶) حجب العوار عن مخدوم بہار (۱۳۳۹ھ)

غیر مقلدوں کی طرف سے مخدوم بہار شرف الدین احمد یحیٰی منیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک غلط بات منسوب کرنے کا رد اور آپ کی ایک عبارت سے دفع شبہات۔

(۷) ابحاث اخیرہ (۱۳۲۸ھ)

علماء دیوبند اور مولوی اشرفعلی تھانوی پر اتمام حجت

(۸) الدلائل القاہرہ علی الکفر النیاشرہ (۱۳۳۵ھ)

نیچری کافروں کے خلاف زبردست دلائل

(۹) قھر الدیان علی مرتد بقادیان (۱۳۲۳ھ)

قادیانی مرتد پر قہر خداوندی

(۱۰) الجُراز الدیانی علی المرتد القادیانی (۱۳۴۰ھ)

قادیانی مرتد پر اللہ تعالٰی کی شمشیر برآں

(۱۱) جزاء اللہ وعدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۱۳۱۶ھ)

ختم نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے دشمن خدا پر جزائے خداوندی۔

(۱۲)الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ (۱۳۱۲ھ)
امام الوہابیہ کے کفریات کے بارے میں چمکدار ستارہ
(۱۳)سل السیوف الھندیۃ علی کفریات باباء النجدیہ (۱۳۱۲ھ)
نجدی پیشواؤں کے کفریات پر لٹکتی ہوئی تلوار
(۱۴)تدبیر فلاح ونجات واصلاح (۱۳۳۱ھ)
ترکی مسلمانوں کی حالت زار کا بیان اور مسلمانوں کی اصلاح کامیابی اور نجات کی عمدۃ تدبیریں۔
(۱۵)باب العقائد والکلام (۱۳۳۵ھ)
اس بات کا بیان کہ کوئی کافر اللہ تعالٰی کو نہیں پہچانتا۔
پندرہ رسائل مذکورہ میں سے مقدم الذکر چھ رسائل تو پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم کتاب السیر میں موجود تھے اگرچہ ان میں سے رسالہ "حجب العوار" کو سابق کی جگہ سے تبدیل کردیا گیا ہے تاکہ رد مرزایت اور رد منکرین ختم نبوت سے متعلق رسائل یکجا ہوجائیں جبکہ آخر الذکر رسالہ یعنی "تدبر فلاح ونجات واصلاح" فتاوٰی رضویہ قدیم جلد دوازدہم میں شامل تھا، مگر اس کے مباحث جلیلہ کتاب السیر سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں لہذا اس کو جلد ہذا میں شامل کردیا گیا، اور رسالہ باب العقائد والکلام فتاوٰی رضویہ قدیم جلد اول کتاب الطھارۃ باب التیمم میں تھا وہاں سے خارج کیا گھا تھا اور وعدہ تھا کہ کسی مناسب مقام پر شامل کیا جائے گا، چنانچہ مضمون کے پیش نظر اسے بھی جلد ہذا میں شامل کردیا ہے، باقی سات رسائل اسی سے قبل فتاوٰی رضویہ میں شامل نہ تھے، موضوع کی مناسبت کے پیش نظر ان کو بھی اس جلد کی زینت بنانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جلد ہذا میں مسئلہ نمبر ۷۵ دراصل فتاوٰی رضویہ قدیم جلد نہم مطبوعہ کراچی کے صفحہ ۸۹ تا ۹۷ مسائل کلامیہ سے منتقل کیا گیا ہے کیونکہ اس کا مضمون کتاب السیر سے مطابقت رکھتا ہے، یاد رہے کہ کتاب السیر کے بعد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم میں "کتاب المفقود" تھی جس کو کتاب الطلاق کے ساتھ منسلک کرکے تیرھویں جلد (جدید) میں شامل کیا جا چکا ہے۔ لہذا اب اگلی جلد یعنی جلد ۱۶ "کتاب المفقود" کی بجائے "کتاب الشرکۃ" سے شروع ہوگی۔ مندرجہ ذیل رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس جلد میں شامل ہونے سے رہ گئے۔
(۱)المجل المسدد ان سب المصطفٰی مرتد۔ (۲)البارقۃ اللمعا علی ساعد من نطق بالکفر طوعا۔
(۳)المقال الباھر منکر الفقہ کافر۔

ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ اپریل ۱۹۹۹ء
O حافظ محمد عبدالستار سعیدی — جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

فہرست مضامین

مولوی اشرف علی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم کو جانوروں، پاگلوں، بچوں کے علم سے تشبیہ دی جس پر علمائے حرمین شریفین نے انھیں کافر کہا۔	۸۴	جعلی اور وہابیوں کی طرف سے من گھڑت کتابوں کا جدول جو انھوں نے اعلٰیحضرت اور ان کے والد ماجد اور جد امجد قدست اسرار ہم اور سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منسوب کیں۔	۹۰
o رسالہ **ابحاث اخیرہ** (اس مبارک رسالہ نے ان وہابیوں، دیوبندیوں کی مناظرہ کی رَٹ اور تعلیوں کو خاک میں ملا دیا جو دعوتِ مناظرہ دے بیٹھے تھے اعلٰیحضرت علیہ الرحمۃ نے یہ مضمون حقائق مشحون بصیغہ رجسٹری ارسال فرمادیا جس کا تاریخی نام "ابحاثِ اخیرہ ہے"، اس کے پہنچتے ہی تھانوی، اجودھیاباشی اور چاندپوری وغیرہ کو سانپ سُونگ گیا، آج تک اس کی تابشوں سے دیابنہ ملاعنہ کی آنکھیں خیرہ ہیں اور قیامت تک اس کا جواب ان سے ممکن نہیں)	۸۷	جدول میں مذکور کتابوں اور انکے جعلی مطابع کا جہاں بھر میں کہیں وجود نہیں۔	۹۱
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے مصنف علیہ الرحمۃ کی ڈیوٹی۔	۸۷	تھانوی صاحب سے مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے دس ۱۰ استفسارات۔	۹۳
امر دین کے علاوہ مصنف علیہ الرحمہ پر جتنے ذاتی حملے ہوتے رہے انھوں نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی۔	۸۸	کاش یہ بات اُسی وقت طے ہو جاتی۔	۹۷
مولوی ثناء اللہ امرتسری ممکن و موجود میں فرق نہ جان سکے۔ مقدوراتِ الٰہیہ کو موجودات میں منحصر ٹھہرایا اور علم الٰہی کے نامحدود ہونے میں اپنے آپ کو متامل بتایا۔	۸۸	اعلٰیحضرت علیہ الرحمۃ کی طرف سے مولوی اشرف علی تھانوی کو ۱۳۲۹ھ میں تحریر کردہ تاریخ خط جس میں آپ نے اتمام حجت کرتے ہوئے گستاخانہ عقائد و عبادات پر مناظرہ کی آخری دعوت دی۔	۹۷
مصنف علیہ الرحمۃ کا فرمان کہ سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہے کہ عزتِ سرکار کی حمایت کروں نہ کہ اپنی۔	۸۸	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نامِ اقدس تعظیم سے لینا فرض ہے۔	۹۹
مصنف علیہ الرحمہ کا اس پر اظہار مسرت کہ گستاخانِ رسول جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے اور بُرا کہتے ہیں اتنی دیر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بدگوئی اور منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں۔	۸۸	ترک تعظیم کے طور پر خالی رسول رسول کہنا کفر ہے اور بلا ضرورت ہو تو برکات سے محرومی۔	۹۹
تذکارات۔	۸۹	جو جلوس کسی غیر مسلم کے استقبال کے لئے ترتیب دیا جائے چند یا زیادہ مسلمانوں کی شرکت اس کو جائز نہ کردے گی۔ کفر کی محفلوں میں جو برضا و رغبت شریک ہو کافر ہو گیا اور باکراہ شرعی ہو تو معذور ہے۔	۱۰۰
		تعظیمِ مشرک کا جلوس حرام، اور فعلِ حرام کا تماشہ دیکھنا بھی حرام۔	۱۰۰

کلمہ سے بہتر ہے کہ مرتد کے جنازہ کے ساتھ ڈھولکی بجاتے جائیں، یہ کلمہ بہت شنیع ہے مگر کفر نہیں۔	۱۵۴	بعض ان افعال کا بیان جو فقہاء کے نزدیک کُفر ہیں۔	۱۶۰
رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام انبیاء احتلام سے پاک ہیں، یہ کہنا کہ انھیں احتلام ہوا کلمہ شنیعہ ہے۔	۱۵۵	ایک حدیث شریف کے الفاظ کی تحقیق اور طرق روایت کی تفصیل۔	۱۶۰
یا جوج ماجوج کے احتلام سیدنا آدم علیہ السلام سے بننے کی روایت صحیح نہیں۔	۱۵۶	کیا قرآن کی سب باتیں صحیح ہیں؟ یہ کلمہ ضرور کفر ہے۔	۱۶۲
ثعلبی حاطب اللیل ہیں۔	۱۵۶	توہین عالم دین بوجہ علم دین کفر ہے ورنہ گناہِ کبیرہ ہے۔	۱۶۳
حضرت کعب احبار صاحب اسرائیلیات ہیں۔	۱۵۶	ڈاڑھی کامذاق اڑانے والوں پر توجہ تجدید نکاح ضروری۔	۱۶۳
امام نووی اور ابن حجر نے احتلام جائز رکھا، مگر ائمہ اعلام نے عموماً اس کو قولِ منکر قرار دیا۔	۱۵۶	برادرانِ یوسف علیہ السلام کے بارے میں نبی ہونے نہ ہونے کے دونوں قول ہیں۔ اسلئے ان کی بے ادبی یا حرام ہے یا کفر۔	۱۶۴
موجودہ ساری دنیا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔	۱۵۶	تقویۃ الایمان کفر و بے دینی کے کلمات پر مشتمل ہے اس کا پڑھنا حرام ہے۔	۱۶۵
حدیث یاجوج ماجوج کی تاویلات۔	۱۵۷	○ رسالہ **الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ**	۱۶۷
یاجوج ماجوج کے اولادِ آدم ہونے کی بحث۔	۱۵۸	ہمارے فقہاء کرام اور پیشوااینِ مزہب کے نزدیک ان وہابیہ غیر مقلدین پر حکم کفر ہے یا نہیں جو تقلیدِ ائمہ کو شرک اور مسلمانوں مقلدین کو مشرک کہتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان و صراطِ مستقیم وغیرہ کو اپنا امام و پیشوا بتاتے ہیں اس کے اقوال کو حق وہدایت جانتے اور اس کے مطاق اعتقاد رکھتے ہیں۔	۱۶۷
خاص حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے احتلام کا ثبوت افتراء ہے۔	۱۵۸	انتہائی فصیح وبلیغ اور اقتباسات آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل خطبہ۔	۱۶۸
امام الحرمین اور امام محمد جوینی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کو کفر قرار دیا ہے۔	۱۵۸	وہ آیاتِ قرآنیہ اور اُن کا اردو ترجمہ جن پر خطبہ مشتمل ہے۔ (حاشیہ)	۱۶۸
جن لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احتلام ہونے کی بات کی اور اس پر اصرار کیا تجدید ایمان و نکاح کریں۔	۱۵۹	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شاہد ہیں اور شاہد کو مشاہدہ درکار۔	۱۶۸

فہرست ضمنی مسائل

جعلی اور وہابیوں کی طرف سے من گھڑت کتابوں کا جدول جو انھوں نے اعلحضرت اور ان کے والد ماجد قدست اسرار ہم اور سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منسوب کیں۔	۹۰	مجنوں نبی عامر اولیاء اللہ سے تھا، لیلٰی جنون سے اس نے اپنے آپ کو چھپار کھا تھا۔	۳۰۶
جدول میں مذکور کتابوں اور ان کے جعلی مطابع کا جہان بھر میں کہیں وجود نہیں۔	۹۱	حجرت شبی سے کسی نے پُوچھا سلمٰی کی خبر دینے والا کوئی ہے، انھوں نے فرمایا دارین میں اس کی خبر دینے والا کوئی نہیں ہے۔	۳۰۶
اعلحضرت علیہ الرحمۃ کی طرف سے مولوی اشرفعلی تھانوی کو ۱۳۲۹ھ میں تحریر کردہ تاریخ خط جس میں آپ نے اتمام حجت کرتے ہوئے گستاخانہ عقائد وعبادات پر مناظرہ کی آخری دعوت دی۔	۹۷	ترک تقلید کا بیج ہندوستان میں اسمٰعیل دہلوی نے بویا۔	۵۲۱
موجودہ ساری دنیا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔	۱۵۶	قادیانیوں نے روہیل کھنڈ گزٹ میں اشتہار چھپوایا جس میں علمائے حق کو گالیاں دینے کے بعد مناظرہ کا چلینج کیا گیا جس کے جواب میں رسالہ "ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری" کا اجرا ہوا جو دو عددوں پر مشتمل ہے۔	۵۹۶
روضہ انور کے پاس اونچی آواز سے بولنے والے کو فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ڈانٹ۔	۱۶۹	حضرت عزیر علیہ السلام کو بعد موت اللہ تعالٰی نے زندہ فرمایا۔	۶۱۳
یہ بات جھوٹ ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی کہ تُو خانہ کعبہ میں داخل ہو جا اور وہاں بچہ جَن۔	۱۹۳	چاروں طائر انِ خلیل علیہ السلام مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے۔	۶۱۳
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اور اُن کے بارہ اساتذہ حدیث "ناد علی" کی سندیں لیتے، اجازتیں دیتے اور وظیفہ کرتے تھے۔	۲۱۷	مقوقس شاہ مصر کی تصدیق ولادت۔	۶۴۴
حاکم مکہ کے حکم سے علماء حرمین شریفین اور وہابی مولویوں کے درمیان مناظرہ کی کیفیت۔	۲۳۳	فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے گستاخ رسول کو طمانچہ مارا۔	۶۶۱
حضور کے وصال کے بعد بعض نام کے صحابہ مرتد ہوگئے تھے۔	۲۶۸	حضرت ابراہیم صاحبزادہ رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال بچپن میں ہوا۔	۶۷۱
مذاہب کی کثرت اور گمراہیوں کے شیوع نے موجودہ علم کلام کی پناہ ڈالی۔	۴۷۰	مسیلمہ خبیث کے قاتل وحشی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جنھوں نے زمانہ کفر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، وہ فرمایا کرتے "قتلت خیر الناس و شر الناس" میں نے بہتر شخص کو شہید کیا پھر سب سے بدتر کو مارا۔	۶۷۵

وہابی خارجی ہیں اور خارجیوں کی تکفیر اس بناء پر لازم ہے کہ وُہ تمام اُمت مسلمہ کا کافر کہتے ہیں۔	۲۳۵	اتحاد وحلول کا عقیدہ کفر ہے۔	۳۳۰
اللہ تعالٰی سے ہمکلامی انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام اور ملائکہ کے ساتھ مختص ہے۔	۲۴۴	اللہ تعالٰی کے افعال علت و غرض سے خالی ہیں پر مصالح سے مملو ہیں۔	۳۰۹
انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ کفر کا حکم خود کفر ہے۔	۲۴۵	سمع وبصر کے شامالات میں اختلاف علماء کا بیان۔ (حاشیہ)	۳۱۵
غیر نبی کو نبی بنانا کفرِ صریح ہے۔	۲۴۸	جو شیئ کسی صفت کے احاطہ سے خارج ہے اس میں قصور اس شیئ کا ہے۔ معاذاللہ صفتِ باری کا کوئی نقصان ہیں۔	۳۲۲
حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں ادنی گُستاخی کُفر ہے۔	۲۴۹	محال شیئ ہے ہی نہیں کہ کہا جائے کہ ایک شے عموم قدرت الٰہیہ سے رہ گئی۔	۳۲۲
جو اپنے کفر کا اقرار کرے وُہ کافر ہے۔	۲۵۱	صفاتِ الٰہیہ صفتِ کمال ہیں معاذ اللہ صفات عیب و نقصان نہیں۔	۳۲۲
تمام اُمت کو کافر قرار دینا کفر ہے۔	۲۵۳	معتزلہ اور متکلمین کا اجماع کہ کذب الٰہی محال ہے۔	۳۲۵
ڈاڑھی منڈانے کو سنت کہنا کفر ہے۔	۲۶۶	باتفاقِ اشاعرہ وغیر اشاعرہ نقص باری تعالٰی پر محال ہے۔	۳۲۶
ڈاڑھی کے وجوب کے انکار کے طور پر یہ کہنا کہ "یہ سنت ہے" گمراہی ہے کفر نہیں ہے۔	۲۶۶	اللہ تعالٰی اپنے وعدہ اور وعید دونوں میں کذب سے پاک ہے۔ (تفسیر کبیر)	۳۲۶
مصحف شریف کا اعاظم صحابہ سے افضل ہونا قطعی نہیں۔	۲۷۰	اللہ تعالٰی کا عیوب سے پاک ہونا امر عقلی ہے۔	۳۳۳
فرعون کو مومن کہنا اور اس کے ایمان کو مومنوں کے ایمان سے زیادہ بتانا کفر ہے۔	۲۷۲	مذکورہ بالا اصل پر فلاسفہ کی چند غلط تفریعات۔	۳۳۳
ماکان ومایکون کی تشریح۔	۲۷۴	اللہ تعالٰی کا کذب سے پاک ہونا ضروریات دینیہ سے ہے۔	۳۳۴
حلول واتحاد سے متعلق ایک سوال۔	۲۷۶،۲۸۰	ہر ممکن مقدور ہے۔	۳۳۵
زعم کفر فی الحال کفر ہے۔	۲۹۳	ارادہ الٰہیہ امر غیب ہے۔	۳۳۵
لا الٰہ کے معنی غیر خدا کی الوہیت کی نفی ہے مطلقًا اُلوہیت کی نفی نہیں ہے۔	۲۹۳	تکوین وغیرہ صفاتِ الٰہیہ ازلی ہیں۔	۳۳۵
جس نے لا الٰہ الا اللہ کہنا چاہا اور صرف لا الٰہ کہہ سکا کافر نہ ہُوا۔	۲۹۵	کلام اللہ کا صدور اللہ تعالٰی سے علی وجہ الاختیار نہیں ہے۔	۳۶۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

کتاب السِّیرَ

(حصّہ دوم)

مسئلہ ۱: از شہر مسئولہ محمد خلیل الدین احمد صاحب ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کہا کہ ایک ہندی مہاجر مدنی کی اہلیہ افغانی النسل مدنی بی بی صاحبہ ہندوستان تشریف لائی ہیں، وہ تعزیوں وغیرہ کے حالات سن کر فرماتی ہیں کہ ہندیوں نے یہ اسلامی بت بنائے ہیں، اس کو سن کر خالد نے نہایت غضبناک ہو کر کہا تعزیوں کو بت کہنے والا خود کافر ہے اگرچہ عالم ہو۔

الجواب:

تعزئے ناجائز ضرور ہیں مگر ان کو بت کہنا زیادت وغلو ہے، مسلمان ان کی پرستش نہیں کرتے، اور جس نے وہ کلمہ کہا کہ "بت کہنے والا خود کافر ہے اگرچہ عالم ہو" اس نے اس سے بھی ہزار درجے بدتر کہی سخت سزا کا مستحق ہے بلکہ توہین علماء کے سبب اس پر تجدید اسلام ونکاح لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: از شہر مسئولہ محمد خلیل الدین احمد صاحب ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ میں کہ عمرو نے کہا تفضیلیہ کے پیچھے ہم نماز نہیں پڑھیں گے، بکر یہ سن طیش میں آگیا اور کہا ہم تو تفضیلیہ ہیں ہم کو دوسروں (غیر تفضیلیہ) سے کیا مطلب اگر وہ دو خدا کہیں تو ہم نہیں مانتے اگر وہ گوہ کھائیں تو ہم نہیں کھا سکتے، اسطرح عالم اہل سنت وجماعت پر کنایۃً تبرا کہا اور یہ بھی کہا کہ ہم خارجی کو نماز نہیں پڑھانے دیں گے، (مسجد کا امام ایک سید اہلسنت وجماعت ہے) اس طرح اہلسنت وجماعت کو خارجی کہا۔

الجواب:

تفضیلیہ گمراہ ہیں اور علماء کی توہین راہ جہنم ہے اور اہلسنت کو خارجی کہنا رافضیوں کا شعار ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳تا۷: از شہر کہنہ محلّہ کوٹ مسئولہ عنایت اللہ خاں یکم صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ [1] جو شخص کہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا اور [2] معراج جسمانی نہ ہوئی اور [3] جملہ شہداء واولیاء اللہ وبزرگان دین کی نیاز ونذر کرنا حرام

اور [4] ان سے بذریعہ دعاامداد طلب کرنا شرک ہے، پس وہ (۵) شخص ونیز اس کے پیرو قابل امام ہیں یا نہیں؟ اور وہ کس فرقہ سے ہیں؟ اور مسئلہ مندرجہ بالا کون سی بات جائز وناجائز ہے؟ اور حضرت کو علم غیب تھا یا نہ؟ اور معراج جسمانی ہوئی یا نہ؟

الجواب:

[1] اللہ عزوجل نے روز اول سے روز اخر تک جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہے اور جو کچھ ہونے ولا ہے ایک ایک ذرہ کا تفصیل علم اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عطافرمایا، ہزار تاریکیوں میں جو ذرہ یا ریگ کا دانہ پڑا ہے حضور کا علم اس کو محیط ہے، اور فقط علم ہی نہیں بلکہ تمام دنیا بھر اور جو کچھ اس میں تا قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہے ہیں جیسا اپنی اس ہتھیلی کو۔ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی ذرہ ان کی نگاہ سے مخفی نہیں بلکہ یہ جو کچھ مذکور ہے ان کے علم کے سمندروں میں سے ایک چھوٹی سی نہر ہے، اپنی تمام امت کو اس سے زیادہ پہچانتے ہیں جیسا آدمی اپنے پاس بیٹھنے والوں کو، اور فقط پہچانتے ہی نہیں بلکہ ان کے ایک ایک عمل ایک ایک حرکت کو دیکھ رہے ہیں۔ دلوں میں جو خطرہ گزرتا ہے اس سے آگاہ ہیں، اور پھر ان کے علم کے وہ تمام سمندر اور جمیع علوم اولین وآخرین مل کر ہم علم الٰہی سے وہ نسبت نہیں رکھتے جو ایک ذرا سے قطرہ کو کروڑ سمندروں سے، "وَمَاقَدَرُوااللهَ حَقَّ قَدۡرِهٖٓ"[1] ظالموں نے اللہ ہی کی قدر نہ پہچانی کہ جو کچھ ہو گزرا اور قیامت تک ہونے ہونے والا ہے اس کا علم اس کی عطا سے اس کے محبوب کے لئے مانا اور کہہ دیا کہ یہ تو خدا سے برابری ہو گئی مشرک ہوگیا۔ بے ادبو! کیا خدا کا علم اتنا ہی ذرا سا ہے کہ دو حدوں میں محدود ہے، یہ تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے صدقہ میں اپنے غلاموں کو عطافرماتے ہیں، یہ سب آیات کریمہ واحادیث صحیحہ واقوال ائمہ وعلماء واولیاء سے ثابت جن کی تفصیل ہماری کتابوں "**الدولة المکیه وانباء المصطفی وخالص الاعتقاد**" وغیرہ میں ہے، [2] معراج شریف یقینا قطعاً اسی جسم مبارک کے ساتھ ہوا نہ کہ فقط روحانی جو ان کے عطا سے ان کے غلاموں کو بھی ہوتا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: "**سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ**"[2] پاکی ہے اسے جو رات میں لے گیا اپنے بندہ کو، یہ نہ فرمایا کہ لے گیا اپنے بندہ کی روح کو۔ [3] نیاز نذر کرنا جائز ہے، [4] اور اولیاء سے طلب دعا مستحب ہے۔ اور [5] یہاں ان مسائل میں کلام کرنے والے نہیں مگر وہابی، اور وہابی مرتد ہیں اور مرتد کے پیچھے نماز باطل

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹۱

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۱

محض جیسے گنگا پرشاد کے پیچھے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸: از ایم،اے،او، کالج علی گڈھ نمبرے مارلیس کورٹ مسئولہ مقصود علی صاحب ۲۰ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۱۱ اکتوبر کو مولانا شوکت علی و محمد علی صاحب علی گڑھ تشریف لائے اور انھوں نے ہم طالب علموں کو یہ سمجھایا کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی دشمن ہے اور چاہتی ہے کہ جزیرۃ العرب ومقامات مقدسہ پر اگر اپنی حکومت نہیں تو کم سے کم اثر رکھیں، تو اس حالت میں ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے، انھوں نے یہ بتایا کہ خلافت کمیٹی نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ اس وقت گورنمنٹ سے ہم مسلمانان قطع تعلق کرلیں اور کالج کے طاطب علموں کو یہ بتایا کہ چونکہ کالج میں گورنمنٹ روپیہ دیتی ہے اور اس سے کالج کا تعلق ہے تو ہم طالب علم کالج چھوڑ دیں، توکیا یہ اس قت ہم لوگوں کا مذہبی فرض ہے کیااس کی عدول حکمی سے کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کالج اور اس کی تعلیم میں جس قدر بات خلاف شریعت ہے اس سے بچنا ہمیشہ فرض تھا اور ہے جہاں تک مخالفت شرع نہ ہو اس سے بچنا کبھی بھی فرض نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹: از خیر وپور ٹامے والی ریاست بہاولپوری مسئولہ مولوی عبدالرحیم خانقاہی ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بیانی ہے کہ مجھے فیصلہ شرح محمدی کا منظور وقبول نہیں ہے بلکہ رواج وقانون منظور ہے، یہ سخن بالادریغ عوام الناس میں کہہ دیا ہے عندالشریعۃ اس کے ساتھ یعنی زید کے ساتھ شریعت مبارک کا کیاارشاد ہے؟ صاف خوشخط استفتاء پر جواب فرماویں، اُجرت جواب پر دی جائے گی۔

الجواب:

یہاں فتوٰی پر کوئی اجرت نہیں لی جاتی نہ پہلے نہ بعد، نہ اپنے لئے نہ اسے روا رکھا جاتا ہے، بیان مذکورہ سوال اگر واقعی ہے تو زید پر تجدید اسلام واجب ہے توبہ کرے، اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھے، اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

الجبل الثانوی علٰی کلیۃ التھانوی ۱۳۳۷ھ

(تھانوی کے گُردے پر دوسرا پہاڑ)

مسئلہ ۱۰:

ماقولکم دام طولکم فی رجل یسمی اشرف علی کتب	تمھاری (اللہ تعالٰی تمھیں طویل عمر عطا فرمائے) اشرف علی نامی شخص کے بارے میں کیا رائے ہے

الیه بعض مجبیه انه رأی فی المنام انه یقرأ الکلمة الطیبة لکن یذکر فیها اسمکم)ای اسم اشرف علی)مکان محمد(صلی الله تعالٰی علیه وسلم)ثم تذکرانه اخطأ فاعاد فلم یخرج من لسانه الا "اشرف علی"رسول الله مکان محمد رسول الله (صلی الله تعالٰی علیه وسلم)هو دار ان هذا غیر صحیح لکن لاینطلق اللسان الابهذا من غیر اختیار قال فلما تکرر هذا رأیتکم تجاهی فخررت علی الارض وصحت صیاحا شدید اوخلت ان لم یبق فی باطنی قوة ثم استیقظت ببدان الغیبة عن الحس واثر عدم الطاقت کما هو،لکن لم یکن فی المنام ولافی الیقظة الاتصورکم تأملت فی الیقظة ماوقع من الغلط فی الکلمة الطیبة فاردت ان ادفع هذا الخیال عن القلب فجلست ثم اضطجعت علی الجنب الاخر لتدارك الغلط الواقع فی الکملة الشریفة اردت الصلٰوة علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلا اقول الا اللهم صلی علی سیدنا ونبینا ومولانا اشرف علی،مع انی الاٰن یقظان غیر وسنان ولکن خارج عن الاختیار لیس لی علی اللسان اقتدار حتی بقیت هکذا طول النهار وبکیت من الغد بالاکثار وسوی هذه وجوه کثیرة	جس کی طرف اس کے کسی چاہنے والے نے لکھا کہ اس نے خواب میں کلمہ طیبہ پڑھا لیکن حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسم گرامی محمد کی جگہ تیرانام (اشرف علی) پڑھا تو زبان اس کے بعد خیال آیا یہ تو غلط ہے دوبارہ کلمہ پڑھا تو زبان سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی جگہ "اشرف علی رسول اللہ" نکلتا ہے میں نے غور کیا یہ تو صحیح نہیں لیکن زبان سے بے اختیار یہی نکلتا ہے جب بار بار ایسا ہوا تو میں نے تمھیں سامنے دیکھا میں زمین پر گر پڑا اور سخت چیخ وپکار کی، اور مجھے خیال آتا ہے کہ میرے اندر باطنی قوت ختم ہو گئی ہے پھر میں جاگا مگر حس کا غائب ہونا اور ناطاقتی پہلے کی طرح ہی تھی مگر نیند اور بیداری میں صرف تمھارا ہی تصور تھا، بیداری کی حالت میں میں نے غور کیا کہ کلمہ طیبہ غلطی ہو گئی تو میں نے اس خیال کو دل سے نکالنے کی کوشش کی میں بیٹھ گیا پھر میں دوسری کروٹ لیٹ گیا، کلمہ طیبہ میں واقع غلطی کے تدارک کے لئے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں ____ "اللهم صلی علی سیدنا ونبینا ومولانا اشرف علی" حالانکہ میں اب بیداری میں تھا نہ کہ حالت غفلت میں ونیند میں، لیکن یہ معاملہ بے اختیاری میں تھا، زبان پر میرا کنٹرول ختم ہو چکا تھا حتی کہ یہی عمل سارا دن رہا، دوسرے روز بہت رویا ہوں۔ ان وجوہ کے علاوہ دیگر کئی وجوہ نے بھی مجھے آپ

اوجیت لی محبتکم (اھ ما کتب الرجل) فکتبت الیه اشر علی ان فی ھذہ الواقعة تسلیةً لکم ان الذی ترجعون الیه ھو متبع السنة اھ. وقد طبع ھذا کله واشاعه اشرف علی نفسه فی جریدة شھریة تسمی الامداد مبتھجابه علی رؤس الاشھاد بل داعیا مریدیه الٰی مثله من الغالات فی تعظیمه وایثار فضله فان ھذا ھو مقصد الجریدة یحسبوھا فی ارشادھم رشدیة فما حکم الشریعة الغراء فیھما واشرف علی ھذا ھوالذی کتب فی رسیلة له لاتزید علی ثلاث وریقات فی ابطال نسبة علم الغیب الی محمد صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم انه ان ارید به کل العلوم بحیث لایشذ منھا شیئ فبطلانه ظاھر عقلا ونقلا وان ارید البعض فای خصوصیة فیه له فان مثل ھذا حاصل لزید وعمر وبل لکل صبی و مجنون بل لکل بھیمة وحیوان وقد حکم علیه بقوله ھذا اکابر علماء الحرمین المکرمین انه کفر وارتد ومن شك فی کفرہ فقد کفر [1] کما ھوا مفصل فی حسام الحرمین افیدونا اجزل اللّٰه تعالٰی ثوابکم اٰمین!	کی محبت عطا کی ہے کہاں تک عرض کرو، اس شخص کا مکتوب ختم ہوا، اشر فعلی نے اسکے جواب میں لکھا اس واقعہ میں تمھارے لئے اس بات کی تسلی ہے کہ جس کی طرف تم رجوع کررہے ہو وہ سنت کا متبع ہے اھ اور یہ تمام واقعہ اشرف علی نے خود اپنے ماہنامہ رسالہ الامداد میں اعلانیہ شائع کیا خوشیاں مناتے ہوئے بلکہ مریدین کو اپنی تعلیم اور بزرگی کی ترجیح میں غلو کی طرف بلاتے ہوئے، اس لئے کہ رسالہ کا مقصود ہی یہ ہے کہ مریدین سے انہی کی ہدایت میں راہ راست پر جائیں تو شریعت مبارکہ کا ان دونوں اشخاص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور یہ وہی اشرف علی ہے جس نے اپنے ایک رسالہ (جو تین چھوٹے چھوٹے اوراق پر مشتمل ہے) میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف علم غیب کی نسبت کو باطل قرار دیتے ہوئے کہا ہے اگر اس علم غیب سے مراد اس طرح کے تمام علوم ہیں کہ اس سے کوئی شیئ خارج نہیں تو اس کا باطل ہونا عقلاً ونقلاً باطل ہے۔ اور اگر مراد بعض علوم غیبیہ ہیں تو اس میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہے کیونکہ یہ تو زید، عمرو بلکہ ہر بچے، پاگل بلکہ ہر چوپائے اور حیوان کو حاصل ہے۔ اس کی اس عبارت پر علماء حرمین شریفین نے یہ حکم جاری کیا کہ یہ شخص کافر مرتد ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ جیسا کہ حسام الحرمین میں تفصیلاً موجود ہے ہمیں اس کے جواب میں سے مطلع فرمائیں اللہ تعالٰی آپ کو اجر جزیل عطا فرمائیں، آمین!

[1] حسام الحرمین المقدمه مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ص ۱۳

الجواب:

اللھم لك الحمد صلی علی نبیك نبی الحمد واٰلہ وصحبہ العمد،رب انی اعوذبك من ھمزات الشیطین واعو ذبك رب ان یحضرون،ائمۃ الدین لم یقبلوا زلل اللسان فی الکفر والالاجتراء کل خبیث القلب ان یجاھر بسب اللہ وسب رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویقول زلت لسانی قال الامام القاضی عیاض فی الشفاء الشریف"لایعذر احد فی الکفر بدعوی زلل اللسان[1]"اھ،وفیہ ایضاً"عن ابی محمد بن ابی زید لایعذر احدبد عوی زلل اللسان فی مثل ھذا[2] اھ"وفیہ ایضاً"افتی ابوالحسن القابسی فیمن شتم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سکرہ یقتل لانہ یظن بہ انہ یعتقد ھذا ویفعلہ فی صحوہ[3]"اھ ثم الزلل ان کان انمایکون بحرف اوحرفین	اے اللہ! حمد تیرے لئے ہے۔اپنے نبی محمد پر،ان کی آل واصحاب جودین کی ستون ہیں پر رحمتوں کا نزول فرما،اے میرے رب! میں شیطان کے حملوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں تیری پناہ لیتاہوں اس سے کہ مجھ پر وہ حملہ آور ہو۔ائمہ دین کسی کفو میں زبان کا پھسل جانا قبول نہیں کرتے،ورنہ یہ ہوتا کہ جو خبیث القلب ہو وہ اعلانیہ اللہ تعالٰی اوراس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سب وشتم کرکے کہہ دے میری زبان پھسل گئی،امام قاضی عیاض شفاء شریف میں فرماتے ہیں کسی آدمی کے کفرکے ارتکاب پراس کایہ عذر مقبول نہ ہوگاکہ میری زبان پھسل گئی اھ،اس میں یہ بھی ہے امام ابو محمد بن ابی زید نے فرمایا ایسی صورت میں کسی کایہ عذر قبول نہیں کہ زبان قابوں میں نہ رہی اھ،اس میں یہ بھی ہے امام ابوالحسن القابسی نے اس شخص کے قتل کا فتوٰی جاری فرمایا جس نے نشہ کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوسب وشتم کیا،کیونکہ اس سے متعلق خیال یہی ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتاہے اور وہ حالت ہوش میں بھی ایسا کہا کرتا ہے اھ،پھر زبان کا پھسلنا ہو توایک یادو حرفوں میں ہو،یہ

[1] شفا بتعریف حقوق المصطفی فصل قال القاضی تقدم لکلام المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ترکی ۲/ ۲۲۳

[2] شفا بتعریف حقوق المصطفی فصل قال القاضی تقدم لکلام المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ترکی ۲/ ۲۲۳

[3] شفا بتعریف حقوق المصطفی فصل قال القاضی تقدم لکلام المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ترکی ۲/ ۲۲۳

لا ان تزل اللسان طول النهار وهذا غير مقبول ومعقول، قال فی جامع الفصولين الفصل لثامن والثلثين "ابتلى بمصيبات متنوعة فقال اخذت مالی وولدی واخذت كذا وكذا فماذا تفعل ايضاً وماذا بقی لم تفعله وما اشبهه من الالفاظ كفر كذا حكی عن عبدالكريم فقيل له ارأيت لوان المريض قاله وجرى على لسانه بلا قصد شدة مرضه، قال الحرف الواحد يجری ونحوه قد يجری علی اللسان بلاقصد اشاره الی انه يحكم بكفره ولا يصدق "[1] اه فاذا لم يصدق فی نصف سطر كيف يصدق فيما كر ره مناما ويقظة طول النهار بل هو قطعاً مسرف كذاب الم تر ان الله تعالٰی جعل الجسد تحت ارادة القلب قال نبينا الحق المبين صلی الله تعالٰی عليه وسلم "الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی

تو نہیں ہوگا کہ سارا دن زبان کنٹرول میں نہ رہے، ایسا ہونا غیر مقبول وغیر معقول ہے، جامع الفصولین کی اڑتیسویں فصل میں ہے ایک شخص مختلف مصائب میں مبتلا ہوا اور وہ کہتا ہے (اے اللہ!) تو نے میرا مال، میری اولاد اور یہ یہ چھین لیا اس کے بعد اور کیا کرے گا، اور باقی رہ ہی کیا گیا جو تو نے نہیں کیا، اور اس کی مثال دیگر الفاظ کہے تو یہ کفر ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالکریم سے منقول ہے کہ ان سے سوال ہوا کہ ایک مریض کی زبان سے شدت مرض کی وجہ سے بلاقصد ایسا کوئی کلمہ جاری ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ایسا اگر کوئی حرف بھی جاری ہو جائے خواہ بلاقصد ہو تو اس پر کفر کا حکم ہی جاری کیا جائے گا اور زبان بھٹکنے کا عذر سچا نہ سمجھا جائے گا اھ جب نصف سطر میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی تو وہاں کیسے تصدیق جائز ہوگی جب جواب میں اور سارا دن بیداری میں ایسا بکتا رہا بلکہ یہ شخص تو یقینا ظالم، زیاتی کرنے والا اور کذاب وجھوٹا ہے، کیا تمھارے علم میں نہیں اللہ تعالٰی نے جسم کو ارادہ بدل کے تابع بنا رکھا ہے حق واضح فرمانے والے ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: سنو جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست رہے تو تمام جسم درست رہتا ہے اگر وہ بگڑ جائے تو تمام

[1] جامع الفصولین فصل ۳۸ فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۰

القلب "[1] فما فسد قوله ولسانه والا وقد فسد قبله قلبه وجنانه وهذا يدعى ان لسانه فى فيه حيوان مستقل بارادته غير تابع للقلب كفرس جموح شديدة الجموح تحت راكب ضعيف قوى الضعف يريد اليمين والفرس لاتنعطف الاللشمال حتى كلما اراد ردها لليمين لم تاخذ الا ذات الشمال حتى تنازع القلب واللسان طول النهار فلم يك الغلبة الاللسان هذا غير معقول ولا مسموع فلا شك انه محكوم عليه بالكفر حكما غير مدفوع وهل سمعتم باحد يدعى الاسلام ويقول طول النهار فلان رسول الله مكان محمد رسول الله اويقول لابيه ياكلب ابن الكلب ياخنزيرا بن الخنزير ويكرره من الصباح الى المساء ثم يقول انما كنت اقول يا ابت يا سيدى فينازعنى اللسان ويذهب من الاب السيد الى الكلب والخنزير حاش لله ماكان هذا ولايكون ولن يقبله احد الا مجنون هذا حكم ذلك القائل

جسم بگڑ جاتا ہے سن لو وہ دل ہے۔ زبان کا قول اس وقت ہی فاسد ہوگا جب اس سے پہلے دل فاسد ہوگا، مذکور شخص کا دعوی یہ ہے کہ اس کے منہ میں زبان ایسا حیوان ہے جو اپنے ارادہ میں مستقل ہے دل کے تابع نہیں جیسے کوئی سخت سرکش گھوڑا نہایت ہی کمزور سوار کے تحت ہو وہ اس گھوڑے کو دائیں طرف لے جانا چاہے مگر وہ بے پروا ہو کر بائیں طرف چل پڑے جب بھی اسے وہ دائیں جانب لانے کی کوشش کرے وہ بائیں ہی کو جائے۔ حتی کہ سارا دن دل اور زبان میں جھگڑا رہا اور زبان کو غلبہ حاصل ہوگیا یہ بات و دعوی نہایت غیر معقول ہے اور ہرگز قابل سماعت و توجہ نہیں، اس پر بلاشبہ کفر کا ایسا حکم ہی صادر ہوگا جو ٹل نہیں سکتا کیا تم نے کبھی یہ سنا کوئی شخص اسلام کا دعوی کرتا ہے اور سارا دن محمد رسول اللہ کی بجائے فلاں رسول اللہ کہتا رہے یا اپنے والد کو اے کتے، کتے کے بیٹے یا خنزیر بن خنزیر کہتا رہے اور صبح تا شام اسکی زبان پر یہی جاری رہے پھر کہے میں تو یہ کہنا چاہتا تھا اے میرے ابا جان، اے میرے سرادر، مجھ سے میری زبان جھگڑ پڑی اور اس نے اب اور سردار کی جگہ کلب اور خنزیر کہہ دیا، اللہ کی قسم یہ بات ہی غلط ہے، ایسی بات کو دیوانے کے علاوہ کوئی قبول نہیں کرے گا۔ یہ تو اس قائل کا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرائہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳

اما ما کتب الیه اشرفعلی فی الجواب، فاستحسان منه لذلك الکفر واستحسان الکفر کفر بلا ارتیاب وما هوا الالما رأی فیه من تعظیم نفسه ووصفه بانه رسول الله ذی القوة والصلوة علیه استقلالا بدل النبی صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم ومدحه بالنبوة فابتهج واجاز کل ذلك وجعله تسلیة لذلك الهالك ارأیت لوسبه وامه اواباه احد طول النها ثم قال انما کنت ارید مدحك فلم یطع اللسان فی الخطاب وبقیت تسبك واباك وامك من الصباح حتی توارت بالحجاب هل کان اشرف علی او احد من اراذل الناس ولوخصافا او زبالا، اوارذل منهم یقبل هذه المعاذیر، ویقول له ان فی هذه تسلیة لکم ان الذی تحبونه وتسبونه انه لمن ضئضئ الخنازیر کلابل یحرق غیظا ویموت غنظا اویفعل به ماقدر علیه حتی القتل ان وجد سبیلا الیه فالتسلیة ھٰهنا لیس الا لاستخفافه بمحمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم و بمرتبة النبوة والرسالة	حکم ہے۔ رہا معاملہ اشرفعلی کا جو اس نے جواب میں لکھا تو اس میں اس کے کفر کی تعریف کی ہے اور بلاشبہہ کفر کو اچھا کہنا اور سمجھنا بھی کفر ہوتا ہے کیونکہ مجیب نے اس میں اپنی ذات کی تعظیم ووصف کو سمجھا ہے کہ وہ اللہ کا رسول صاحب قوت ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بجائے ان پر درود وسلام اور نبوت کے ساتھ مدح کی گئی ہے وہ اس پر خوش ہوا ہے اور ہر ایک کو اس نے اس کی اجازت دی ہے اور اس تباہ وبرباد ہونے والے کے لئے اسے تسلی قرار دیا، تم ہی بتاؤ اگر اس تھانوی کو یا اس کی ماں کو یا اس کے والد کو سارا دن گالی دیتا اور پھر کہتا میں تو تمھاری مدح وتعریف کرنا چاہ رہا تھا لیکن زبان نہ مانی وہ صبح سے تجھے، تیرے والد اور تیری ماں کو گالی دیتی رہی تھی حتی کہ شام ہوگئی، کیا اشرف علی یا کوئی سب سے کمینہ اگرچہ وہ موچی، ماشکی یا کوئی اور گھٹیا آدمی ہو ان عذروں کو قبول کرلے گا اور اسے کہے گا تمھارے لئے اس میں تسلی ہے کہ جس سے محبت کرتے ہو اور تم اسے گالی دیتے ہو وہ اصل خنزیر ہے وہ ہرگز نہیں قبول کرے گا بلکہ وہ غیظ میں جل جائے گا غیرت سے مرجائے گا وہ کچھ کر گزرے گا جو اس کے بس میں ہو حتی کہ اگر اسے طاقت ہو تو وہ اسے قتل کردے گا تو یہاں تسلی دینا فقط رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین اور مرتبہ نبوت ورسالت

وختم النبوۃ الاعظم واستحسان نسبتھا الی نفسه الامارۃ بالسوء کثیرا "لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝۲۱"[1] فلا ریب ان اشرف علی ومریدہ المذکور کلاھما کافر بالرب الغیور غرتھما الامانی وغرھما باللہ الغرور، بل اشرف علی اشد کفرا واعظم وزرا فان المرید زعم ان ما یقول غلط صریح وباطل قبیح، وھذا لم یقبح القول ولاوبخ قائله بل استحسنه وجعله تسلیة له ولکن لاغروفان من سب رسول اللہ محمدا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بتلك السبة الفاحشة الماثورۃ فی السوال عنه المحکوم علیه لاجلھا بالکفر والارتداد من اسیادنا علماء الحرمین الکریمین فبأی کفر یتعجب منه واذاکان عندہ مثل علم محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالغیب حاصل لکل صبی ومجنون وبھیمة، ولاشك انه اعلم عنه من ھٰؤلاء الاخساء الذمیمة فکان بزعمه اعلم واکرام من محمد

اور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بے ادبی اور تحقیر پر ہے اور اپنے نفس امارہ جو بکثرت اسے برائی کا حکم دیتا ہے کی طرف نبوت ورسالت کی نسبت کرنے کو پسند کیا ___ بیشک ان لوگوں نے تکبّر کیا اور اللہ کے بہت بڑے باغی قرار پائے، بلاشبہہ اشرف علی اور اس کا مذکور مرید دونوں رب غیور کے ساتھ کفر کرنیوالے ہیں انھیں ان کی خواہاشات نے فریب دیا اور شیطان ان کی خواہشات نے فریب دیا اور شیطان دھوکہ باز نے انھیں اللہ سے دھوکے میں ڈالا، بلکہ اشر فعلی کفر اور جھوٹ کے اعتبار سے اشد واعظم ہے کیونکہ مرید نے خیال کیا جو کچھ وہ کہہ رہاہے وہ واضح طور پر غلط اور نہایت ہی قبیح وبدتر ہے لیکن یہ اشر فعلی نہ تو اس قول کو برا کہہ رہاہے اور نہ اس کے قائل کو جھڑک رہاہے بلکہ اسے اچھا جان رہاہے اور اس کو اس کے لئے تسلی قرار دے رہاہے مگر اس پر کچھ تعجب نہیں جس نے واضح طور پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ وہ سب وشتم کیا ہے جس کا تذکرہ سوال میں ہے جس پر علماء حرمین کریمین نے اسے کافر اور مرتد قرار دیا تو اس سے کس کفر کا تعجب کیا جائے جبکہ اس کے نزدیک تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرح علمِ غیب ہر بچے، مجنون اور چارپائے کو حاصل ہے حالانکہ بلاشبہ اس کا اپنا علم ان برے خسیسوں سے زیادہ ہوا، توگویا اس کا گمان یہ ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۱

صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فحق له ان یدعی النبوة والرسالة لنفسه لالمحمد صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کذلك یطبع اللّٰه علی کل قلب متکبر جبار ولکن واللّٰه ان رب محمد لبالمرصاد لمن شاقه عذاب النار واللّٰه اعلم بمایوعون o وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	سے اعلم واکرم ہے لہٰذا اس نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بجائے اپنے لئے نبوت ورسالت کا دعوی حق جانا، اللہ تعالٰی ایسے متکبر سرکش لوگوں کے دلوں پر مہر لگادیتا ہے، اللہ کی قسم رب محمد بھی ان کی گھات میں ہے اور جس نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مخالفت کی اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہے، اللہ تعالٰی جانتا ہے جو یہ ذہن میں رکھتے ہیں، عنقریب جان لیں گے ظالم یہ کہاں پہنچ جانے والے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ابحاث اخیرہ ۱۳۲۸ھ

(یہ مبارک رسالہ وہ ہے کہ جس نے وہابیوں، دیوبندیوں کی مناظرہ کی رٹ اور تعلیوں کو خاک ملا دیا ہے، خورجہ کے دیوبندیوں نے دعوت مناظرہ دی تھی، بیچارے اپنی طواغید کی چالبازیوں سے ناواقف تھے دعوت مناظرہ دے بیٹھے، اعلیحضرت قبلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ مضمون حقائق مشحون وصیغہ رجسٹری ارسال فرمادیا جس کا تاریخی نام "**ابحاث اخیرہ**" ہے، اس کے پہنچتے ہی تھانوی واجودھیا باشی وچاند پوری وغیرہ کو سانپ سونگھ گیا اور آج تک اس کی تابشون سے دیا بنہ ملاعنہ کی آنکھیں خیرہ ہیں اور قیامت تک اس کا جواب ان سے ممکن نہیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم

جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی!

الحمدللہ! اس فقیر بارگاہ غالب قدیر عزجلالہ، کے دل میں کسی شخص سے نہ ذاتی مخالفت نہ دنیوی خصومت، مجھے میرے سرکار ابد قرار حضور پرنور سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے محض اپنے کرم سے اس خدمت پر مامور فرمایا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو ایسوں کے حال سے خبر دار رکھوں جو مسلمان کہلا کر اللہ واحد قہار جل جلالہ اور محمد رسول اللہ ماذون مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس پر حملہ کریں تاکہ میرے عوام بھائی مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ان "ذیاب فی ثیاب"

کے جبوں، عماموں، مولویت، مشیخیت کے مقدس ناموں **قال اللہ وقال الرسول** کے روغنی کلاموں سے دھوکے میں آکر شکار گرگاں خونخوار ہو کر معاذاللہ سقر میں نہ گریں، یہ مبارک کام بحمد المنعام اس عاجز کی طاقت سے بدرجہا خوب تر وفزوں تر ہوا، اور ہوتا ہے، اور جب تک وہ چاہے گا ہوگا۔ **ذلك من فضل الله علينا وعلى الناس، والحمد لله رب العالمين** (ہم پر اور لوگوں پر یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ت) اس سے زیادہ نہ کچھ مقصود نہ کسی کی سب وشتم وبہتان وافتراء کی پروا، میرے سرکار نے مجھے پہلے ہی سنادیا تھا:

"وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ "[1]۔	بے شک ضرور تم مخالفوں کی طرف سے بہت کچھ برا سنوگے اور اگر صبر و تقوٰی کرو تو وہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

الحمد للہ! یہ زبانی ادعا نہیں۔ میری تمام کاروائیاں اس پر شاہد عدل ہیں، موافق اور مخالف سب دیکھ رہے ہیں کہ امر دین کے علاوہ جتنے ذاتی حملے مجھ پر ہوئے کسی کی اصلاً پروانہ کی، اصحاب فقیر نے آپ کی طرف سے ہر قابل جواب اشتہار کے لاجواب جواب دئے جو بحمدہٖ تعالٰی لاجواب رہے مگر جناب کے مہذب عالم مقدس متکلم مولوی مرتضی حسن صاحب دیوبندی چاند پوری کے کمال شستہ وشائستہ دشنام نامے (بریلی چپ شاہ گرفتار) کی نسبت قطعی ممانعت کردی، جس کا آج تک ادھر والوں کو افتخار ہے کہ ہمارا گالی نامہ لاجواب رہا، گرامی منش مولانا ثناء اللہ امرتسری ممکن و موجود میں فرق نہ جان سکے، مقدورات الٰہیہ کو موجودات میں منحصر ٹھہرایا، علم الٰہی کے نامحدود ہونے میں اپنے آپ کو متامل بتایا اور جاتے ہی رمضان جیسے مبارک مہینہ میں برعکس چھاپ دیا، میں ہرا آیا، ادھر اس پر بھی التفات نہ ہوا، عاقلاں نیکوں میدانند پر اکتفا کیا، یہاں تک وقائع مکہ معظمہ میں کیسے کیسے معکوس اور مصنوع اکاذیب فاجرہ اخباروں میں کس آب وتاب سے چھپاکئے، ہر چند احباب کا اصرار ہوا، فقیر اتنا ہی شائع کرتا ہے کہ "یہ جھوٹ ہے" اتنا بھی نہ کیا، پھر جب چند ہی روز میں حضرات کے جھوٹ کھل گئے اور واحد قہار کے زبردست ہاتھوں نے ان کے منہ میں پتھر دے دئے، اسی پر بھی میں نے اتنا نہ کہا کہ "کیسا آپ صاحبوں کا جھوٹ کھلا" ایسے وقائع بکثرت ہیں، اور اب جو صاحب چاہیں امتحان لیں، ان شاء اللہ **العزیز** ذاتی حملوں پر کبھی التفات نہ ہوگا۔ سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہے کہ عزت سرکار کی حمایت کروں نہ کہ اپنی۔

میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افتراء کرتے، برا کہتے ہیں اتنی دیر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بدگوئی، منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں، میں چھاپ چکا، اور پھر لکھتا ہوں میری آنکھ کی ٹھنڈک

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۶

اس میں ہے کہ میری اور میرے آباء کرام کی آبروئیں عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سپر رہیں، اللھم اٰمین!

تذکارات

(۱) آپ جانتے ہیں اور زمانہ پر روشن ہے کہ بفضلہٖ سالہا سال سے کس قدر رسائل کثیرہ عزیزہ آپ اور آپ کے اکابر جناب مولوی گنگوہی صاحب وغیرہ کے رد میں ادھر سے شائع ہوئے اور **بحمدہٖ تعالٰی** ہمیشہ لاجواب رہے۔

(۲) وہ اور آپ صراحۃً مناظرہ سے استعفاء دے چکے

(۳) سوالات گئے جواب نہ ملے، رسائل بھیجے داخل دفتر ہوئے، رجسٹریاں پہنچیں منکر ہو کر واپس فرمادیں،

(۴) اخیر تدبیر کو دیوبند جلسہ میں ان رئیسوں کے ذریعہ سے جن کا جناب پر بار ہے تحریک کی، اس پر بھی آپ ساکت ہی رہے۔

(۵) رئیسوں کا دباؤ تھا، ناچار دفعہ وقتی کو وہی چاندپوری صاحب آپ کے وکیل بنے، فقیر نے اپنے خط و قلم سے جناب کو رجسٹری شدہ کارڈ بھیجا۔ پھر کیا آپ مناظرہ معلومہ پر آمادہ ہوئے، کیا آپ نے چاند پوری صاحب کو اپنا وکیل مطلق کیا؟ ساتـــ ۷ مہینے سے زائد گزر گئے آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ واقعی آمادہ ہوئے ہوتے۔ واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا تو "ہاں" لکھ دینا دشوار نہ ہوتا۔ مردانہ وار اقرار سے فرار نہ ہوتا۔ یہ ہے وہ فرضی، لایعنی، غیر واقع، بے بھیتی معاہدہ جس سے عدول کا ادھر الزام لگایا جاتاہے۔ سبحان اللہ! اپنے وکیل بالادعا کی وکالت آپ نہ مانیں اور عدول جانب خصم سے جانیں۔ ہاں جناب تو نہ بولے، سولہ ۱۶ دن بعد انھیں آپ کے موکل صاحب نے لب کھولے کہ ہم جو رؤسا کے سامنے اپنے منہ آپ ہی دعوی وکالت کر چکے ہیں۔ اب جناب تھانوی صاحب سے دریافت کرنا ذلت اور رسوائی، گردن کا طوق، ناپاک چالیں، بے شرمی کے حیلے ہیں (ملاحظہ ہو ان کا شریفانہ مہذب خط مورخہ ۳۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۸ھ) جو ان کی اعلٰی تہذیبوں سے نمونہ خروارے ہے۔ یہ خطاب محض اس جرم پر ہیں کہ تھانوی صاحب سے ہماری وکالت کا کیوں استفسار کیا، ان کے قبول وعدوں پر کیوں موقوف رکھا، ہمارا زبانی ادعا کیوں نہ مان لیا، جناب تھانوی صاحب لاکھ نہ مانیں ہم جو ان کے وکیل بن بیٹھے ہیں، اب نہ ماننا بے شرمی کا حیلہ ہے، ناپاک چال ہے، ذلت ہے، رسوائی ہے، طوق وبال ہے، جناب تھانوی صاحب! آپ اپنے موکل یعنی خود ساختہ وکیل صاحب کی بابت خود ہی فیصلہ فرما سکتے ہیں، آج تک ایسی وکالت کسی

غیر مجنون کے نزدیک قابل قبول ہوئی یا کوئی عاقل ایسے حضرات سے خطا روا رکھے گا۔

(۶) جلسہ دیوبند کے بعد جناب مولوی گنگوہی صاحب کے ایک شاگرد رشید مولوی علی رضا مودی نے آپ حضرات سے مناظرہ کر لینے کی تحریک کی، انھیں فورًا لکھا گیا، یہاں تو برسوں سے یہی درخواست ہے، جناب گنگوہی صاحب اپنی راہ گئے، جناب تھانوی صاحب بھی انھیں کی راہ پر مہر برلب ہیں۔ آپ ہی ہمت کیجئے اور تھانوی صاحب سے جواب لادیجئے، اس کے پہنچنے پر ان صاحب نے بھی ہمت ہار دی۔

(۷) اذناب جناب کے افتراء اعظم پر مسلمانوں نے پانچ سو روپے نقد کا اشتہار دیا اور آپ کو رجسٹری بھیجا، آپ نے نہ جواب دے سکے نہ ثبوت،

(۸) دوسرے اشد افتراء نامہ پر تین ہزار روپے کا اشتہار آپ کو دیا اور رجسٹری بھیجا، اگر تمام جماعت سے کچھ بن پڑتی تو اپنے مدرسہ دیوبند کے لئے اتنی بڑی رقم نہ چھوڑی جاتی مگر نہ جواب ہی ممکن ہوا نہ ثبوت ناچار چارہ کار وہی سکوت۔

(۹) یہ مانا کہ جب جواب بن ہی نہ پڑے تو کیا کیجئے، کہاں سے لایئے، کس گھر سے دیجئے، مگر جناب والا! ایسی صورتوں میں انصاف یہ تھا کہ اپنے اتباع کا منہ بند کرتے، معاملہ دین میں ایسی ناگفتنی حرکات پر انھیں لجاتے شرماتے، اگر جناب کی طرف سے ترغیب نہ تھی تو کم از کم آپ کے سکوت نے انھیں شہ دی یہاں تک کہ انھوں نے "سیف النقی" جیسی تحریر شائع کی جس کی نظیر آج تک کسی آریہ یا پادری سے بن نہ پڑی یعنی میرے رسائل قاہرہ کے قرض اتارنے کا یہ ذریعہ شنیعہ ایجاد کیا کہ میرے والد ماجد وجد امجد و پیر و مرشد قُدِّسَتْ اَسْرَارُهُمْ وخود حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اسمائے طیبہ سے کتابیں گھڑ لیں، ان کے نام نہاد مطبع تراش لئے، فرضی صفحوں کے نشان سے عبارتیں تصنیف کرلیں جس کی مختصر جدول یہ ہے:

نام کتاب	اسمائے طیبہ مفتری علیہم	مطبع تراشیدہ	صفحہ تراشیدہ	خلاصہ عبارت تراشیدہ	صفحہ افتراء
ہدایۃ البریہ	والد ماجد قدس سرہٗ	لاہور	۱۳	مسئلہ علم غیب	۱۱
"	"	"	۴۱	مسئلہ تبدیل گورستان بحمایت گنگوہی صاحب	۲۰
تحفۃ المقلدین	حضرت خاتم المحققین	صبح صادق سیتاپور	۱۵	تعریف جناب گنگوہی صاحب	۳
ہدایۃ الاسلام	حضرت قدوۃ السالکین جد امجد قدس سرہٗ	"	۳۰	مسئلہ علم غیب خاص بحمایت تھانوی صاحب	۱۱
تحفۃ المقلدین	جد امجد قدس سرہٗ	لکھنؤ	۱۲	تبدیل گورستان بحمایت گنگوہی صاحب	۲۰
خزینۃ الاولیاء	اعلیٰحضرت سیدنا حمزہ قدس سرہٗ	کانپور	۱۵	مسئلہ علم غیب بحمایت تھانوی صاحب	۱۱
ملفوظات	" " " "	مصطفائی	۱۷	تبدیل گورستان بحمایت گنگوہی صاحب	۲۱
مراۃ الحقیقۃ	حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ عنہ	مصر	۱۸	مسئلہ علم غیب	۱۴

اور بے دھڑک لکھ دیا کہ تم یہ کہتے ہو اور تمھارے اکابر اپنی ان کتابوں میں ان مطابع کی مطبوعات میں ان صفحوں پر یہ فرماتے ہیں، حالانکہ ان کتابوں کا جہاں میں وجود، نہ ان مطابع کا کسی مطبع میں چھپی، نہ ان حضرات نے تصنیف فرمائی، نہ حوالہ دہندہ کے فرض وتراش کے باہر آئیں، جرأت پر جرأت یہ کہ صفحہ ۲۰ پر جو فرضی مطبع لاہور کی خیالی ہدایۃ البریہ سے ایک فتوی گھڑا اس کے آخر میں حضرت خاتم المحققین قدس سرہ، کی مہر بھی دل سے تراش لی جس میں ۱۳۰۱ھ لکھے حالانکہ حضرت والا کا وصال شریف ۱۲۹۷ھ میں ہوچکا، حضرات کی حیا! یہ سخت گندہ افترائی رسالہ جناب کے مدرسہ دیوبند سے شائع ہوا، صاحب مطبع کا بیان ہے کہ آپ کے ایک متکلم مصنف مولوی صغیر حسین صاحب دیوبندی نے چھپوایا، آپ کے وکیل مولوی مرتضی حسن دیوبندی نے اپنے ایک خط میں اسے افتخارًا پیش کیا کہ تحریر میں بھی اب آپ کی حقیقت دیکھنی ہے سیف النقی طبع ہوچکا ہے ملاحظہ سے گزرا ہوگا (ملاحظہ ہو خط ۳۰ ربیع الآخر ۱۳۲۸ھ) جب حیاء ودین وغیرت ودیانت وعقل وانسانیت کی نوبت یہاں تک مشاہدہ ہوئی ہر ذی فہم نے جان لیا کہ بحث کا خاتمہ ہوگیا، حضرات سے مخاطبہ کسی عاقل کا کام نہ رہا، **الحمدللہ** کتب ورسائل فقیر تو چھتیس سال سے لاجواب ہیں، اصحاب واحباب فقیر کے رسائل بھی بعونہٖ عزجلالہ، لاجواب ہی ہے۔ ادھر کے تازہ رسائل [۱] ظفر الدین الطیب و [۲] کین کش پنجہ پیچ و [۳] بارش سنگی و [۴] پیکان جانگداز و [۵] العذاب البئیس اور [۶] ضروری نوٹس و [۷] نیاز مانہ و [۸] کشف راز و [۹] اشتہار چہارم وپنجم وہفتم وہشتم ہی ملاحظہ فرمائے، کس سے جواب ہوسکا؟ ان کے اعتراضوں مواخذوں اور مطالبوں کا کس نے قرض ادا کیا؟ بات بدل کر ادھر اُدھر کی مہمل لچر اگر ایک آدھ پرچے میں کسی صاحب نے کچھ فرمائی اس کا جواب فورًا شائع ہوا کہ پھر ادھر مہر سکوت لگ گئی **والحمد للہ رب العلمین**، مگر آپ کی یہ تدبیر حضرات کو ایسی سوجھی جس کا جواب ایک میں اور میرے اصحاب کیا تمام جہاں میں کسی عاقل سے نہ ہوسکے، غریب مسلمان اتنی حیاء وغیرت ایسی بے تکان جرأت اتنی بیباک طبیعت کہاں سے لائیں کہ کتابوں کی کتابیں دل سے گھڑلیں، ان کے مطبع تراش لئے، ان کی عبارتیں ڈھال لیں اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سر بازار چھاپ دیں کہ فلاں چھاپے کی فلاں کتاب فلاں صفحہ پر جناب مولوی گنگوہی صاحب

نے لکھا ہے کہ تھانوی صاحب کافر ہیں، فلاں مطبع کے فلاں رسالے فلاں سطر میں جناب مولوی تھانوی صاحب نے فرمایا ہے کہ گنگوہی صاحب مرتد ہیں، جو اتنا ہولے وہ حضرات سے مخاطبہ کا نام لے کر اور واقعی سوااس طریقے کے اور کرہی کیا سکتے تھے کہ حضرات چھتیس سال کے کتب ورسائل کے بار سے سبکدوش ہوتے۔

وقت ضرورت گر نماز گریز دست بگیر وسر شمشیر تیز

(مصیبت کے وقت جب انسان کو بھاگنے کی بھی طاقت نہیں رہتی تو وہ لڑائی کے لئے کمر بستہ ہوجاتا ہے۔ت)

(۱۰)الحمد للہ! حق تمام جہان پر واضح ہولیا اور ہر عاقل اگرچہ مخالف ہو خوب سمجھ گیا کہ کس نے مناظرہ سے برسوں فرار کیا۔ کس نے ہر بار مقابلہ جواب سے انکار کیا، کون اتنا عاجز آیا کہ حیاوانسانیت کا یکسر پردہ اٹھایا، اور مرتا کیانہ کرتا کہ اس طرف چال برابا آیا جو آج تک کسی منکر اسلام کو بھی اسلام کے مقابل نہ سوجھی، مسلیمہ ملعون نے جواب قرآن عظیم کے نام سے وہ کچھ ناپاک خباثتیں ہزل فحش لغو جہالتیں بکیں مگر یہ اسے بھی نہ بن پڑی تھی کہ کچھ آیتیں سورتیں گھڑ کر قرآن عظیم ہی کی طرف منسوب کردیتا کہ مسلمانو! تم تویوں کہتے ہو اور تمھارے قرآن میں یہ لکھا ہے، یہ خاتمہ کا بند اس اخیر دور میں "مدرسہ عالیہ دیوبند" اوراس کے ہواخواہوں ہی کا حصہ تھا۔ بایں ہمہ آپ کے بعض بیچارے نافہم عوام یہ امید کئے جاتے ہیں کہ آپ مناظرہ فرمائیں گے، اسی کے متعلق اب تازہ شگوفہ نے خورجہ سے خروج کیا ہے جو آپ کے کسی خلیفہ کلن صاحب کا کہلایا ہوا ہے۔ اگرچہ یہاں صدہا بار کا تجربہ ہے کہ آپ نہ بولے نہ بولیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں لکھ کر چھاپنی تھیں وہ چھاپ چکے اور بار بار چھاپی جارہی ہے۔ اس پر مسلمانان عرب وعجم مطالبہ کریں، آپ کو کیا عرض پڑی ہے کہ جواب دیں، کتنی بار خود آپ سے مطالبے ہوئے جواب غائب، جلسہ دیوبند میں خط بھیجا جواب غائب، تصدیق وکالت کے لئے رجسٹری گئی، جواب غائب، آپ کے یہاں کے شاگرد مودی ہمکے ان کو متوسط کیا، جواب غائب، جناب شیخ بشیر الدین وغیرہ رؤسائے میرٹھ کو متوسط کیا، جواب غائب، جب آپ کے آقایان نعمت کی وساطت پر بھی آپ نے جواب نہ دیا تواب خورجہ والے آپ کو بلوائیں۔ یہ امید موہوم، بہت اچھا ہزار بار گنا بھول گئے ایک بار پھر سہی، آپ کے معتقدین خورجہ نے آپ حضرات کے اقوال سے ناتجربہ کاری یا اپنی سادگی سے لکھ دیا کہ جو صورت یہ فقیر بارگاہ مصطفوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پسند کرے منظور ہے۔ بہت خوب ادھر سے کتنی بار اصول اور اہم شرائط مناظرہ کی تصریح ہوچکی اور تعین مباحث کی گنتی ہی نہیں، فقیر نے جو خط جلسہ دیوبند میں بھیجا اس میں بھی ان کی یاددہانی تھی، ظفر الدین الطیب وضروری نوٹس ملاحظہ ہوں اور ان کے سوالوں کا جواب صاف صاف

خاص اپنے قلم و مہر و دستخط سے عطا ہو۔ تمام اشتہاروں، تمام مطالبوں میں اگرچہ آپ کو کافی ووافی مہلتیں دیں اور ہمیشہ بیکار گئیں کہ آپ تو اپنے ارادوں جیتے جی تک مہلت لئے ہوئے ہیں۔ پھر بھی ربط ضبط کے لئے تعین مدت لازم ہے۔ یہ سوالات کچھ غور طلب نہیں۔ تھوڑی عقل والا بھی ان فورًا ہاں یا نہ کہہ سکتا ہے، مگر بہ لحاظ استعداد جناب شرعی مہلت کہ ابلاغ اعذار کے لئے معین ہے پیشکش اور وصول خط سے تین دین کے اندر ہر سوال کا معقول جواب صاف صریح مہری عنایت ہو، یہ آخری بار ہے اس دفعہ بھی پہلو تہی فرمائی تو جن کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم اقدس میں ملایا انہی میں آپ کو ملادینے کی ہمارے لئے اجازت ہو۔

استفسارات

(۱) توہین اور تکذیب خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے الزامات قطعیہ جو مدتوں سے آپ اور آپ کے اکابر جناب مولوی گنگوہی ونانوتوی صاحبان پر ہیں۔ کیا آپ ان میں اس فقیر سے مناظرہ پر آمادہ ہیں یا ہونا چاہتے ہیں؟

(۲) کیا آپ بحالت صحت نفس وثبات عقل بطوع ورغبت بلاجبر واکراہ اقرار فرماتے ہیں کہ حسام الحرمین و تمہید ایمان وبطش غیب وغیرہ کے سوالات واعتراضات کا جواب بالمواجہ مہری ودستخطی دیتے ہیں گئے یونہی ان جوابات پر جو سوالات وردپیدا ہوں ان کا یہاں تک کہ مناظرہ انجام کو پہنچے اور بفضلہٖ تعالٰی حق ظاہر ہوں۔

(۳) کیا آپ اسی پر اکتفا فرمائیں گے یا حسب ترتیب مذکور ظفر الدین الطیب اس کے بعد سبحان السبوح و کوکبہ شہابیہ وسل السیوف وغیرہا میرے رسائل کے مطالبات سے اپنے اکابر گنگوہی صاحب واسمٰعیل دہلوی صاحب کو سبکدوش کریں گے۔

(۴) اگر آپ اپنے ہی اقوال کے ذمہ دار ہوں اور اپنے اکابر جناب گنگوہی ونانوتوی دہلوی صاحبان پر سے دفع کفر وضلال کی ہمت نہ فرمائیں، تو اتنا ارشاد ہو کہ یہاں دو فریق ہیں: اول مسلمانان اہلسنت عرب وعجم، دوم صاحبان مذکور گنگوہی ونانوتہ ودہلی مع الاتباع والاذناب ومن بلی۔ جناب اگر فریق اول سے ہیں تو الحمد للہ ذلك ما کنا نبغ (الحمدللہ ہی ہم چاہتے ہیں۔ ت) تحریر فرمادیجئے کہ جنابان گنگوہی ونانوتوی ودہلوی سے بری ہوں وہ اپنے اقوال وکفر ضلال وتوہین وتکذیب رب ذوالجلال ومحبوب ذی الجمال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باعث ویسے ہی ہیں جیسا ان کو علماء حرمین شریفین

لکھتے آئے اور جیسا ان کی نسبت حسام الحرمین و فتاوٰی الحرمین وغیرہما میں لکھا ہے، اس وقت بلاشبہ ان کے اقوال کا مطالبہ آپ ہی سے نہیں ہو سکتا بلکہ آپ خود بھی ان کے اتباع واذناب سے مطالبہ و مواخذہ میں شریک ہوں گے، اور اگر جناب فریق دوم سے ہیں تو ان کے اقوال خود آپ کے اقوال ہیں پھر جواب مطالبات سے پہلوں تہی کیا معنی؟ اور ظاہر اس کا مظنہ نہیں کہ جناب فریقین سے جدا ہو کر کسی تیسرے طائفہ مثلاً رافضی، خارجی، قادیانی، نیچری وغیرہ میں اپنے آپ کو گنیں اور بالفرض ایسا ہو تو اس کی تصریح فرمادیجئے، یوں بھی اس مطالبہ سے آپ کو برات ہے۔

(۵) واقعی آپ نے اپنے یہاں کے متکلم اکبر چاندپوری صاحب کو جلسہ دیوبند میں مناظرہ مذکورہ کے لئے اپنا وکیل مطلق و مختار عام کیا تھا یا انھوں نے محض جھوٹ مشہور کردیا؟ برتقدیر اول کیا سبب کو اسی کی تصدیق کے لئے جو کارڈ رجسٹر شدہ گیا آج جناب کو آٹھواں مہینہ ہے کہ جواب نہ دیا۔

(۶) وہ آپ نے وکیل کیا یا چاندپوری خود بن بیٹھے؟ بہر حال آپ سے اس کی تصدیق چاہنا ویسا ہی جرم اور انھیں مہذب خطابوں کا مستحق ہے جو چاندپوری صاحب نے تحریر فرمائے یا ان کا وہ زعم محض ہذیان و مکابرہ وبے عقلی وجنون وزبان درازی ودریدہ دہنی ہے۔ برتقدیر اول شرع، عقل، عرف کس کا قانون ہے کہ زید جو محض اپنی زبان سے وکیل عمرو ہونے کا مدعی ہوا، اسی قدر سے اس کی وکالت ثابت ہو جائے اور تصرفات وہ جو عمرو کے مال واہل میں کرے نافذ وتام قرار پائیں اگرچہ عمرو ہرگز اس کی توکیل کا اقرار نہ دے۔ برتقدیر ثانی کیا ایسا شخص کسی عاقل کے نزدیک قابل خطاب علوم خصوصاً مسائل اصول دینیہ ہو سکتا ہے یا مردود ومطرود نالائق مخاطبہ ہے؟

(۷) سیف النقی کی نسبت بھی ارشاد ہو، آخر میں آپ بھی اللہ واحد قہار کا نام تو لیتے ہیں اسی واحد قہار جبار کی شہادت سے بتائے کہ یہ حرکات جو آپ کے یہاں کے علماء مناظرین کر رہے ہیں صاف وصریح ان کے عجز کامل اور نہایت گندی حملہ بزدل کی دلیل روشن ہیں یا نہیں؟

(۸) جو حضرات ایسی حرکات اور اتنی بے تکلف اختیار کریں، جو ان کو چھپوائیں، بیچیں، بانٹیں، شائع اور آشکارا کریں، جو اُن کو پیش کریں، حوالہ دیں، ان پر افتخار کریں، جو امور مذکورہ کو روا رکھیں، ترک انسداد وانکار کریں، کسی عاقل کے نزدیک لائق خطاب ٹھہر سکتے ہیں؟ یا صاف ظاہر ہو گیا کہ مناظرہ آخر ہو گیا، مناظرہ مناظرہ کا جھوٹا نام لینے والے بے روح پھڑکتے بے جان سسکتے ہیں، "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾"[1] (اس میں نہ وہ مرے نہ زندہ رہے۔ت)

(۹) اس واحد قہار جلیل وجبار کی شہادت سے یہ بھی بتادیجئے کہ وہ رسالہ ملعونہ جو خاص جناب کے

---

[1] القرآن الکریم ۸۷/۱۳

مدرسہ دیوبند سے اشاعت ہورہا ہے اور جس کے آخر میں آپ کے دیوبند مولوی کا اعلان لکھا ہے کہ بندہ کی معرفت رسالہ "سیف النقی علیٰ راس الشقی" بھی مل سکتا ہے قیمت ۰۲ آنہ۔اور مولٰنا محمد اشرف علی صاحب وغیرہ بزرگان دین کی جملہ تصانیف بھی مل سکتی ہیں۔راقم بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہانپور۔

اس اشاعت کی آپ کو اطلاع توظاہر مگراس میں اس میں آپ کا شورٰی نہیں۔آپ کی شرکت ہے یا نہیں؟ نہیں توآپ کی رضا ورغبت ہے یا نہیں؟ نہیں توآپ کو سکوت اور سکوت کا محصل اجازت ہے یا نہیں؟ نہیں توآپ نے کیاانسداد کیا؟اور اس میں اپنی پوری قدرت صرف کی یا بے پروائی برتی؟برتقدیر اول اثر کیوں نہیں ہوتا؟برتقدیر ثانی یہ بھی نیم اجازت ہے یا نہیں؟

(۱۰) اسی عزیز، مقتدر، منتقم، متکبر عزجلالہ کی شہادت سے یہ بھی حسبۃ اللہ فرمادیجئے کہ حالات ومقالات جو ظفرالدین الجید تا اشتہار ہشتم ازنامہ حاضرہ مسمّٰی بہ ابحاث اخیرہ میں مذکور ہوئی سب حق وصواب ہیں یاان میں سے کون ساخلاف واقع ہے؟اور جب سب حق ہیں تومناظرہ کاطالب کون رہااور برابر فرار برفرار، گریز برگریز پر کس نے قرار کیا؟ یَبِّنُوْا تُوْجَرُوْا(بیان کیجئے اجر پائے۔ت)

"رَبِّ احۡکُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾" [1]۔	اے میرے رب! حق فیصلہ فرمادے۔اور ہمارے رب رحمان ہی کی مدد درکار ہے ان باتوں پر جو تم بناتے ہو(ت)

جناب مولوی تھانوی صاحب! یہ دس سوال ہیں صرف واقعات یاآپ کے ارادہ وہمت سے استفسار یاصاف واضحات جن کاجواب ہر ذی عقل پر اشکار، بایں ہمہ جواب میں جناب کو تین دن کی مہلت دی گئی اگر جناب کے نزدیک یہ بھی کم ہے توبے تکلف فرمادیجئے آپ جس قدر چاہیں فقیر توسیع کرنے کو حاضر ہے مگر جواب خود دیجئے،اب وکالت کازمانہ گیا،وکلاء کا حال کھل گیا۔مدتوں جناب کو اختیار توکیل دیا کہ آپ گھبراتے ہیں تو جسے چاہیں اپنے مہر ودستخط سے اپناوکیل بنائے، بار بار سائل واشتہارات میں اس کی تکرار کی مگرآپ نے خاموشی ہی اختیار کی،اور بالآخر چاندپوری صاحب محض بروز زبان خود بخود آپ کے وکیل بنے جس کاانجام وہ ہوا،کیاآپ عالم نہیں۔کیاآپ وضوح حق نہیں چاہتے؟کیاآپ ان کلمات کے قائل نہیں؟کیاآپ پر خوداپنا تبریہ لازم نہیں؟آپ دوسروں کاسہارا چھوڑئے اور اللہ کومان کر تحقیق حق سے منہ نہ موڑئے، حیرانی وپریشانی میں عوام متقدین کادم نہ توڑئے،ہاں ہاں آپ سے مطالبہ ہے۔آپ پر مواخذہ ہے۔اورآپ جواب

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۱۲

دیجئے، اپنے قلم وخط سے دیجئے، اپنے مہر ودستخط سے دیجئے، ورنہ صاف انکار کردیجئے کہ عوام کی چپقلش تو جائے، حق اہل فہم پر ظاہر ہوچکا ہے۔آپ کے ان معتقدین پر بھی وضوح پائے پھر ان میں سے جسے توفیق ہو ضلالت چھوڑ کر ہدی پر آئے۔واللہ یھدی من یشآء الٰی صراط مستقیم، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا وناصرنا وماوٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، والحمدللہ رب العالمین○

○

دستخط

فقیر احمد رضاخاں قادری عفی عنہ

آج بستم ذی القعدہ ۱۳۲۸ھ روز چہار شنبہ کو فقیر نے خود لکھا

اور میری مہر ودستخط سے امضاہوا۔

کاش یہ بات اسی وقت طے ہو جاتی!

ایک تاریخی خط

(بافاضہ حضرۃ علامہ مولانا حسنین رضا خاں بریلوی مدظلہ العالی)

علمائے دیوبند کی وہ دین سوز عبارتیں جن پر سارا عرب وعجم چیخ اٹھا تھا، دنیا کے بڑے بڑے علماء کرام ومفتیان عظام ومشائخ ذوی الاحترام وعوام لرز گئے تھے۔ ہر دردمند مخلص تڑپ رہا تھا کہ کسی صورت یہ فتنہ ختم ہو اور ملت اسلامیہ سکون واطمینان کا سانس لے۔

دین اور ملت اسلامیہ میں فتنہ اور افتراق کی یہ ہولناک آگ ایسی نہ تھی جس پر مجدد اعظم امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ، خاموش تماشائی رہتے، اسلام کا انتہائی درد، مسلمانوں کی دنیا وآخرت کی تباہی کا خوف اور آپ کے منصب کی ذمہ داری نے آپ کو مضطرب اور بے چین کر دیا، علماء دیوبند کو دعوت پر دعوت دی، بہت سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ خطوط لکھے، رجسٹریاں بھیجیں کہ اے اللہ کے بندو! تمھاری ان عبارتوں سے اسلام کی بنیادوں پر ضربیں لگی ہیں، مسلمان سخت مشکلات میں پھنس گیا ہے، دنیا کے ساتھ اس کی آخرت بھی برباد ہو رہی ہے۔ آؤ، ہم تم بیٹھ کر اس معاملہ کو صاف کرلیں اور اس راہ کو اختیار کریں جو اسلام کا عین منشاء اور مسلمانوں کے لئے صراط مستقیم ہو، مگر افسوس کہ اکابر دیوبند نے یا تو اس سے اجتناب کیا یا اگر وعدے بھی کئے تو ایفانہ کرسکے، خجالت اور شرمندگی دامنگیر رہی۔

علماء دیوبند کی اس روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت کے اندیشوں کے مطابق یہ فتنہ آج اپنے عروج پر پہنچ گیا جس سے نہ صرف مسلمانوں کی دنیا کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ ایک بہت بڑی جماعت اور اس کی مختلف شاخوں کی آخرت بھی برباد ی ہو رہی ہے۔

ہم ذیل میں مجدد اعظم امام بریلوی قدس سرہ، کے ایک تاریخی خط کی نقل پیش کر رہے جو آپ نے آج سے تقریبًا ستاسٹھ ۶۷ [1] سال قبل ۱۳۲۹ھ میں مولوی اشرف علی تھانوی کو لکھا تھا اور جو رسالہ "دافع الفساد عن مراد آباد" میں چھپ چکا تھا۔

معاوضہ عالیہ امام بریلوی قدس سرہ،

نقل

بنام

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ نحمدہ، ونصلی علی رسولہ الکریم ○

السلام علی من اتبع الھدٰی، فقیر بارگاہ عزیز قدیر عزجلالہ، تومدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے اب حسب معاہدہ قرار داد مراد آباد پھر محرک ہے کہ آپ سوالات و مواخذ حسام الحرمین کی جواب دہی کو آمادہ ہوں، میں اور آپ جو کچھ کہیں لکھ کر کہیں اور سنادیں اور وہی دستخطی پرچہ اسی وقت فریقین مقابل کو دیتے جائیں کے فریقین میں سے کسی کو کہہ کے بدلنے کی گنجائش نہ رہے۔ معاہدہ میں ۲۷ صفر ۱۳۱۹ھ) مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی ہے، آج پندرہ کو اس کی خبر مجھ کو ملی، گیارہ روز کی مہلت کافی ہے۔ وہاں بات ہی کتنی ہے، اسی قدر کہ یہ کلمات شان اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہ تعالٰی دو منٹ میں اہل ایمان پر ظاہر ہو سکتا ہے، لہٰذا فقیر اس عظیم ذوالعرش کی قدرت ورحمت پر توکل کرکے یہی ۲۷ صفر روز جان افروز دوشنبہ اس کے لئے مقرر کرتا ہے آپ فورًا قبول کی تحریر اپنی مہری دستخطی روانہ کریں اور ۲۷ صفر کی صبح مراد آباد میں ہوں۔ اور آپ بالذات اس امر اہم واعظم دین کو طے کرلیں اپنے دل کی آپ جیسی بتاسکیں گے وکیل کیا بتائے گا، عاقل بالغ مستطیع غیر مخدرہ کی توکیل کیوں منظور ہو؟ مع ہذا یہ معاملہ کفر واسلام کا ہے، کفر واسلام میں وکالت کیسی؟ اگر آپ خود کسی طرح سامنے نہیں آسکتے اور وکیل کا سہارا ڈھونڈلے تو یہی لکھ دیجئے، اتنا توحسب معاہدہ آپ کو لکھنا ہی ہوگا کہ وہ آپ کا وکیل مطلق ہے اس کا تمام ساختہ وپرداختہ، قبول، سکوت، نکول، عدول سب آپ کا ہے، اور اس قدر اور بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ اگر بعون العزیز المقتدر عزوجلالہ، آپ کا وکیل مغلوب یا معترف یا ساقط یا فار ہوا تو کفر سے توبہ علی الاعلان آپ کو کرنی اور چھاپنی ہوگی کہ توبہ میں وکالت ناممکن ہے اور اعلانیہ کفر کی توبہ اعلانیہ لازم، میں عرض کرتا ہوں کہ آخر بار آپ ہی کے سر رہتا ہے کہ توبہ کرنی ہوئی تو آپ ہی پوچھے جائیں گے پھر آپ خود ہی دفع اختلاف کی ہمت کیوں نہ کریں؟ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں

---

[1] موجودہ ۱۴۱۹ھ کے مطابق اب سے تقریبًا نوے ۹۰ سال قبل

گستاخی کرنے کو آپ تھے اور بات بنانے دوسرا آئے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ آپ برسوں سے ساکت اور آپ کے حواری رفع خجلت کی سعی بے حاصل کرتے ہیں۔ ہر بار ایک ہی طرح کے جواب ہوتے ہیں، آخر تابہ کے، یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمدللہ میں فرض ہدایت ادا کرچکا، آئندہ کسی کے غوغہ پر التفات نہ ہوگا۔ منوادینا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے **واللہ یھدی من یشاء الٰی صراط مستقیم**۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، والحمد للہ رب العلمین۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۵ صفر المظفر روز چہار شنبہ ۱۳۲۹ھ

(مآل یہی ہوا کہ اکابر دیوبند گھبراتے رہے، خجالت وشرمندگی نبھاتے رہے،

رجوع واتحاد سے گریز کیا اور ایک بہت بڑا فتنہ باقی رہ گیا۔)

مسئلہ ۱۱: از لائن مین بکسرا اسٹیشن ڈاکخانہ گجادھر گنج مسئولہ حاجی عبداللہ خاں صاحب ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر ہو تو صرف یہ کہنا کہ رسول نے ایسا کیا رسول نے ایسا کہا، کیا مناسب ہے؟

الجواب:

نام اقدس تعظیم کے ساتھ لینا فرض ہے، خالی رسول رسول کہنا اگر بقصد ترک تعظیم ہے تو کفر ہے ورنہ بلا ضرورت ہو تو برکات سے محرومی، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۲: از شہر محلاملوکپور مسئولہ محمود الرحمٰن صاحب ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

فتوٰی حضور والا کا دربارہ شرکت جلوس مسٹر شوکت علی وغیرہم فدویان نے مطالعہ کیا اور دوسرے لوگوں کو ہدایت کی مگر بعض آدمی جواب کے الفاظ پر یوں شبہ پیش کرتے ہیں ایسے جلوس میں شرکت مولانا شوکت علی ومحمد علی صاحبان دو مسلمان ہیں اور مقاصد حال بھی مسلمانوں ہی کے ہیں پس تعظیم ہندو کے جلوس کی کیونکر ہوئی نیز لفظ **فھو منھم** (پس وہ انہی میں سے ہے۔ ت) بتلاتا ہے کہ شریک ہونے والے کافر ہوجائیں گے، کیا یہ الفاظ حقیقت پر محمول ہیں؟ مہربانی فرماکر ان دونوں شبہوں کا اور جواب عنایت فرمادیجئے تاکہ حیلہ گروں کو حیلہ کا موقع نہ رہے۔

الجواب:

اس میں جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں گاندھی کے تابع ہو کر آرہے ہیں، اشتہار کی سرخی میں صرف اس کی آمد ہے اور اس کی خدمات اور قربانیوں کا ذکر کرکے اس کے استقبال کو شاندار بنانے کا شدومد ہے، باقی مسلم یا نامسلم اس کے ساتھی یا تابع رکھے گئے ہیں اور پیغام بھی اسی کا سنانا لکھا ہے، پھر یہ جلوس دوسرے کا کیونکر ہوسکتا ہے، حدیث کے ارشاد پر نکتہ چینی مسلمان کا کام نہیں، فعل کفر میں جو دل سے شریک ہو وہ ظاہرًا باطنًا کافر ہے، اور جو اکراہ واضطرار ومجبوری محض سے بظاہر شریک ہو اسے معافی ہے۔ مگر اکراہ صحیح شرعی درکار ہے، کسی کی خاطر وغیرہ سے مجبور ہونا شرعی مجبوری نہیں اور بلااکراہ شرعی شرکت کفر پر بھی شریعت مطہرہ لزوم کفر وتجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳: از شہر محلّہ لوکپور چھوٹا دروازہ مسئولہ سید رونق علی صاحب ۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خلافت اسلامیہ عرب کی کمیٹی کا جلسہ بریلی میں ہوگا، مولانا محمد علی وشوکت علی اور مہاتما گاندھی وغیرہ آئیں گے، بازار سجایا گیا ہے، ان سب کا جلوس دھوم دھام سے نکلے گا اور جلسہ میں مسلمان، ہندو، نیچری، وہابی، شیعہ سب شریک ہوں گے۔ ایسی حالت میں مسلمان اہلسنت وجماعت اس جلسہ میں شرکت کریں یا جلوس دیکھیں یا نہیں؟ اور اس جلسہ میں شرکت جائز ہے یا گناہ؟ کیسا گناہ؟ خدا کے واسطے حکم شریعت اس جلسہ میں چندہ دینے اور بیان سننے وغیرہ کا صاف صاف قرآن وحدیث سے بیان فرمایا جائے۔

الجواب:

تعظیم مشرک کے جلوس میں شرکت حرام ہے، اور حرام فعل کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے۔ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے: **التفرج علی المحرم حرام**[1] (حرام پر خوشی بھی حرام ہے۔ت) ایسے جلسوں میں شرکت گناہ کبیرہ ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾"[2]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: پس نصیحت ویاد دہانی کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو (ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من سود مع قوم فھو منھم**[3] (جس نے جس

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار مقدمۃ الکتاب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] تاریخ بغداد حدیث ۵۱۶۷ عبداللہ بن عتاب دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۴۱

قوم کی کثرت بنائی وہ انہی میں سے ہے۔ت) حرام کاری میں چندہ دینا بھی حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ "[1]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے: گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ت)

اور نامسلم کو واعظ مسلمین بنا کر اس کا بیان سننا اشد سے اشد کبیرہ وبدخواہی اسلام ہے،

قال اللہ تعالٰی "یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝ "[2]۔	اللہ تعالٰی کا مقدس فرمان ہے: پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلًا نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انھیں دور بہکادے۔ (ت)

سائل نے مہاتما لکھا یہ حرام ہے۔ مہاتما بمعنی روح اعظم ہے کہ خالص لقب افضل الملائکہ ہے علیہ و علیہم الصلٰوۃ والسلام، یوہیں جولوگ ایسا مذہب نکالنا چاہیں کہ مسلم وکافر کا فرق اٹھادے، سنگم وپریاگ کو مقدس علامت ٹھہرادے جولوگ کہیں کہ آج تم نے اپنے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کرلیا، جولوگ کہیں کہ خدا کی رسی مضبوط تھامنے سے اگرچہ دین ہاتھ سے جاتا رہے مگر دنیا تو ضرور ملے گی ایسوں کو مولانا کہنا حرام ہے، حدیث میں فرمایا:

لاتقولوا للمنافق یاسیدنا فانہ ان یکن سید کم فقد اسخطتم ربکم [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	منافق کو یاسندنا (اے ہمارے سردار) نہ کہو کیونکہ اگر وہ تمھارا سردار ہے تو تم نے اپنے رب کو یقینا اپنے سے ناراض کرلیا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث بریدۃ الاسلمی دارالفکر بیروت ۵/ ۳۴۶-۴۷

رسالہ
الدلائل القاھرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ ۱۳۳۵ھ
(نیچری کافروں کے خلاف دلائل قاہرہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین پرور و فقہائے نامور (کثرھم اللہ تعالٰی ونصرھم) اس سوال میں کہ اس ملک کاٹھیاوار میں ایک مجلس بنام "کاٹھیاوار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" اعنی کاٹھیاوار کے مسلمانوں کی تعلیمی مجلس قائم ہوئی ہے جن کے محرک ومختار متبعین و متعلقین علیگڑھ کالج ہیں، ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو ان کا پہلا جلسہ، جونا گڈھ (کاٹھیاوار) مقام پر ہوا جن کا صدر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد پروفیسر علیگڑھ کالج وسکرٹری منشی غلام محمد بیرسٹر ایٹ لاء کاٹھیاواری ایجنٹ علیگڑھ کالج ومؤید آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور واعظ مولوی سلیمان پھلواروی جان جانان ندوہ مخذولہ قرار پائے، اس کانفرنس کا مقصد بھی آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ہے جن میں بلارعایت سنی ہر کلمہ گو رافضی، وہابی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہم رکن (ممبر) ہوسکتے ہیں۔ ایسی مجلس (کانفرنس) کو بعض مسلمان اپنی دینی ودینوی ترقی کا سبب جان کر جان ومال سے امداد کرتے ہیں، اور دینی مفسدہ ومضرت سے آگاہ نہیں۔ اور بلا تفریق ورعایت اہل سنت تمام بے دینوں مرتدوں، مدعیان اسلام کو مسلمان سمجھ کر رکن (ممبر) بنائیں، بلکہ ان کے صدر اور سیکرٹری اور واعظ بنائے میں بھی خوف خدا نہ لائیں، اور کوئی نصیحت کرے کہ ایسی پچرنگی مسلم کانفرنس خلاف شرع شریف ہے تو یہ بہانا بتائیں

کہ یہ دینی کانفرنس کہاں ہے یہ تو دینوی ترقی کے لئے قائم کی گئی ہے جو ہمارا ملک تعلیم میں سب سے پیچھے ہے، آیا سنیوں کو ایسی کانفرنس کا قائم کرنا اور جان ومال سے اس کی مدد کرنا، اس کے جلسہ میں شریک ہونا بددین مرتدوں کو مسلمان سمجھنا اور ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان سے ترقی کی امید رکھنا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے؟ یہ ہمارے ائمہ دین (رحمہم اللہ تعالٰی) وضاحت سے بیان کرکے ان سیدھے سادے مسلمانوں کو گمراہی کے گڑھے اور بدینوں کے ہتھکنڈوں سے بچا کر نعمائے دارین حاصل کریں، جواب آنے پر ان شاء اللہ تعالٰی اس استفتاء کو چھپوا کر اس ملک کاٹھیاوار و گجرات وبرما وغیرہا جگہ پر بغرض اشاعت مسلمانوں میں عام طور سے تقسیم کیا جائے گا۔ **فقط**

تاریخ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۵ ہجریہ مقدسہ پنجشنبہ۔ راقم آثم خادم قاسم میاں عفی عنہ از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاوار

الجواب:

(۱) ایسی مجلس مقرر کرنا گمراہی ہے اور اس میں شرکت حرام، اور بدمذہبوں سے میل جول آگ ہے اور اس بڑی آگ کی طرف کھینچ کرلے جانے والا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاِمَّا یُنۡسِیَنَّكَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾" [1]	اور اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھ ظالموں کے۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے:

دخل فیه الکافر والمبتدع والفاسق والقعود مع کلھم ممتنع [2]۔	اس آیت کے حکم میں ہر کافر ومبتدع اور فاسق داخل ہیں اور ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [3]۔	ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم	ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] التفسیرات الاحمدیه تحت آیة ۶/ ۶۸ مطبع کریمی بمبئی، انڈیا ص ۳۸۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

ولایفتنونکم[1]۔	کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ ورسول سے زیادہ کوئی ہماری بھلائی چاہنے والا نہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس بات کی طرف بلائیں یقینا ہمارے دونوں جہان کا اس میں بھلا ہے، اور جس بات سے منع فرمائیں بلا شبہ سراسر ضرر وبلا ہے۔ مسلمان صورت میں ظاہر ہو کر جوان کے حکم کے خلاف کی طرف بلائے یقین ضرور چکنی چکنی باتیں کرے گا اور جب یہ دھوکے میں آیا اور ساتھ ہولیا تو گردن مارے گا مال لوٹے گا شامت اس بکری کی کہ اپنے راعی کا ارشاد نہ سنے اور بھیڑیا جو کسی بھیڑ کی اون پہن کر آیا اس کے ساتھ ہولے، ارے! مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمھیں منع فرماتے ہیں وہ تمھاری جان سے بڑھ کر تمھارے خیر خواہ ہیں "حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ"[2] تمھارا مشقت میں پڑنا ان کے قلب اقدس پر گراں ہے "عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ"[3] واللہ وہ تم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جیسے نہایت چہیتی ماں اکلوتے بیٹے پر "بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾"[4]۔ ارے! ان کی سنو، ان کا دامن تھام لو، ان کے قدموں سے لپٹ جاؤ، وہ فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[5]۔	ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

ابن حبان وطبرانی وعقیلی کی حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولا تناکحوھم واذا مرضوا فلاتعودوھم واذامآ توافلا تشھدوھم	ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے رشتہ نہ کرو۔ وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مر جائیں تو جنازہ پر نہ جاؤ،

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۱

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۸

[4] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۸

[5] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم [1] ۔	نہ ان کی نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نماز مغرب کے بعد کسی مسافر کو بھوکا پایا اپنے ساتھ کاشانہ خلافت میں لے آئے اس کے لئے کھانا منگایا، جب وہ کھانے بیٹھا کوئی بات بدمذہبی کی اس سے ظاہر ہوئی فورًا حکم ہوا کہ کھانا اٹھالیا جائے اور اسے نکال دیا جائے، سامنے سے کھانا اٹھوالیا اور اسے نکلوادیا۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کسی نے آکر عرض کی: فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، فرمایا: **لاتقرأہ منی السلام فانی سمعت انہ احدث** میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا کہ میں نے سنا ہے کہ میں نے کچھ بدمذہبی نکالی۔ سیدنا سعید بن جبیر شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم کو راستہ میں ایک بدمذہب ملا، کہا کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا سننا نہیں چاہتا۔ عرض کی ایک کلمہ اپنا انگوٹھا چھنگلیا کے سرے پر رکھ کر فرمایا **ولانصف کلمۃ** آدھا لفظ بھی نہیں۔ لوگوں نے عرض کی اس کا کیا سبب ہے، فرمایا ازیشان منہم ہے، امام محمد بن سیرین شاگرد انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کے پاس دو بدمذہب آئے عرض کی کچھ آیات کلام اللہ آپ کو سنائیں، فرمایا میں سننا نہیں چاہتا، عرض کی کچھ احادیث نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنائیں، فرمایا میں سننا نہیں چاہتا، انھوں نے اصرار کیا، فرمایا تم دونوں اٹھ جاؤ یا میں اٹھا جاتا ہوں، آخر وہ خائب وخاسر چلے گئے، لوگوں نے عرض کی اے امام! آپ کا کیا حرج تھا اگر وہ کچھ آئتیں یا حدیثیں سناتے، فرمایا میں نے خوف کیا کہ وہ آیات واحادیث کے ساتھ اپنی کچھ تاویل لگائیں اور وہ میرے دل میں رہ جائے تو ہلاک ہو جاؤں۔ ائمہ کو یہ خوف تھا اور اب عوام کو یہ جرأت ہے **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ**۔ اور ایسی جگہ مال دنیاوی پسند کرے گا جو دین نہیں رکھتا س جو عقل سے بہرہ نہیں۔ یکے نقصان مایہ دگر شماتت ہمسایہ (ایک تو مال نقصان اور دوسرے ہمسایہ کی خوشی۔ ت) ہمسایہ کون؟ وہ بئس القرین شیطان لعین کیسا خوش ہوگا کہ ایک ہی کرشمے میں دونوں جہان کا نقصان پہنچایا، مال بھی گیا اور آخرت میں عذاب کا بھی مستحق ہوا،

"خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۱﴾ " [2]	دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا، یہی ہے صریح نقصان (ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۴۶۸، ۳۲۵۲۸، ۳۲۵۲۹، ۳۲۵۴۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹ و ۵۴۰ و ۵۴۲، الضعفاء الکبیر حدیث ۱۵۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶، العلل المتناہیۃ حدیث ۲۶۰ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۶۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱

دیکھوامان کی راہ وہی ہے جو تمھیں تمھارے پیارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بتائی:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[1]۔	ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

دیکھو نجات کی راہ وہی ہے جو تمھارے رب عزوجل نے بتائی:

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[2]۔	یاد آئے پر پاس نہ بیٹھو ظالموں کے۔(ت)

بھولے سے ان میں سے کسی کے پاس بیٹھ گئے ہو تو یاد آنے پر فوراً کھڑے ہوجاؤ، ان مضامین کی تفصیل میں تمام اکابر علمائے حرمین شریفین کافتوٰی مسمی بہ **فتاوٰی الحرمین برجف ندوۃ المین** اور عامہ علمائے ہند کافتوٰی مسمی بہ **فتاوٰی السنۃ لالجام اھل الفتنۃ** اور **فتاوی القدوۃ** اور **النذیر الاحمد** اور **النذیر المبین** وغیرہا پچاس سے زائد کتابیں چھپ کر شائع ہوچکیں، اور ہدایت اللہ عزوجل کے ہاتھ،

"وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِی السَّبِیْلَ ﴿۴﴾"[3]۔ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾"[4]۔	اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے، اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز (ت)

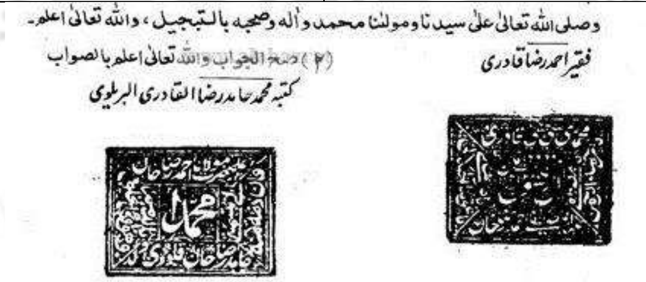
وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد وآلہ وصحبہ بالتبجیل، واللہ تعالٰی اعلم۔
فقیر احمد رضا قادری
(۲) صح الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب
کتبہ محمد حامد رضا القادری البریلوی

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۳

(۳) الجواب صحیح والمجیب نجیح
حررہ مصطفٰی رضا القادری البریلوی

(۴) الجواب ھو الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب
ابو العلا امجد علی الاعظمی الرضوی عفاعنہ

(۵) الجواب صحیح
محمد ظہور الحسین الفاروقی الرامفوری
المدرس الاول المدرستہ اہل السنۃ والجماعۃ

(۶)

(۷) الجواب صحیح فقیر حمد اللہ کمال الدین القادری الپشاوری عفی عنہ	(۸) الجواب صحیح محمد نعیم الدین عفاعنہ المعاصی
(۹) الجواب صحیح ابو نصر محمد یعقوب عفی عنہ حنفی قادری بلاسپوری	(۱۰) الجواب صحیح محمد عبد الرشید مظفر پوری
(۱۱) الجواب صحیح فقیر عزیز الحسن القادری الرضوی عفااللہ عن ذنبہ الخفی والجلی	(۱۲) الجواب صحیح رحم الٰہی مدرس مدرسہ اہلسنت
(۱۳) الجواب صحیح احمد حسین رامپوری عفی عنہ	(۱۴) الجواب صحیح والمخالف قبیح محمد اکرام الدین بخاری واعظ الاسلام خطیب وامام مسجد وزیر خاں مرحوم لاہور
(۱۵) الجواب صحیح واللہ تعالٰی اعلم عبد السلام غفرلہ قادری اعظم گڑھی	(۱۶) الجواب صحیح محمد رحیم بخش مظفر پوری
(۱۷) الجواب صحیح فقیر محمد حامد علی عفی عنہ فاروقی الآ آبادی	(۱۸) الجواب صحیح سردار علی خاں بریلی

(۱۹)اصاب من اجاب محمد حسنین رضا البریلوی مدرسہ پنجم مدرسہ اہل سنت وجماعت بریلوی.	**(۲۰)اصاب من اجاب** فقیر ابوالظفر محمد ایوب غفرلہ اللہ الذنوب دربنگوی
(۲۱)اصاب من اجاب وھو مرشدی الفاضل البریلوی محمد خلیل الرحمٰن بہاری صدیقی رضوی مدرس منظر الاسلام	**(۲۲)الجواب قد کتب الحق وھکذا مذھب اھلسنتة والجماعة وانا اسلمه ایضاً ومن خالف ھذا فھو من الوھابیة** سید عبداللہ الرضوی البہاری ثم البریلوی
(۲۳)الجواب صحیح عمر النعیمی المراد آبادی	

تصدیقات علمائے کلکتہ

(۲۴) الحمد للہ موفق اھل السنة للاھتداء بھدی الائمة المجتھدین مصابیح الظلم وھداة الامة والصلٰوۃ والسلام علی خاتم النبیین، سیدنا محمد بن عبداللہ قامع الکفرة والمبتدعین، وعلی اٰله الطیبین الطاھرین، واصحابه البرزة الکرام المتقین، امابعد فقد اطلعت علی ماتضمنه ھذا الجواب المستطاب من الادلة الواضحة والبراھین الساطعة التی لاعذر لاحد بجھلھا کیف لا والکتاب و السنتة یحرمان صریحاً وتلویحاً الاشتراك مع اھل البدع فی امر مادینیا کان اودنیویاً ونقل ماوردفی ھذا المعنی یطول شرحه والموفق یکفیه	سب خوبیاں اللہ تعالٰی کو جس نے اہلسنت کو توفیق بخشی کہ ائمہ مجتہدین کی پیروی کریں کہ وہ تاریکیوں کے چراغ اور امت کے راہنما ہیں اور درود وسلام سب نبیوں کے ختم کرنیوالے ہمارے سردار محمد بن عبداللہ پر کہ کافروں اور بد مذہبوں کی بیخ کنی کرنے والے ہیں اوران کی آل طیب وطاہر اور ان کے اصحاب نیک و بزرگ وپرہیزگاروں پر، بعد حمد و نعت میں مطلع ہوا ان دلائل ظاہرہ اور براہین روشن پر جن پر یہ جواب مشتمل ہے کہ وہ ایسے نہیں کہ کوئی ان کے نہ جاننے میں معذور رہ سکے کیوں نہ ہو قرآن وحدیث صراحۃ واشارۃ بد مذہب کی شراکت کو حرام بتاتے ہیں کسی معاملہ میں ہو دینی ہو خواہ دینوی اور جو اس بارہ میں وارد ہو اس نقل کرنا طویل شرح چاہتاہے اور جسے توفیق ملی اسے وہ کافی ہے

مانقله مولانه الامام الهمام فی الجواب ولامخذول لایکفیه نقل الف کتاب منزلة من رب الارباب، قال الجلال فی تفسیر الایة التی نقلها مولانا حفظه الله وهی(لاترکنوا)تمیلوا(الی الذین ظلموا)بموادة اومداهنة اورضاباعمالهم(فتمسکم) تصیبکم (النار ومالکم من دون الله)ای غیره(من) زائدة (اولیاء)یحفظونکم منه(ثم لاتنصرون)تمنعون من عذابه [1] انتهی قال العلامة الصاوی فی حاشیة علی الجلالین(قوله الی الذین ظلموا)ای بالکفر اوالمعاصی (قوله بموادة)مصدر وادد کقاتل ای محبة(قوله او مداهنة)ای مصانعة فالمداهنة بذل الذین لاصلاح الدنیا(قول او رضاباعمالهم)ای تزیینا لهم ولاعذر والاحتجاج بضرورة الدنیا فان الله هو الرزاق ذو القوة المین(قوله فتمسکم النار)ای لان المرء یحشر مع من احب(قول یحفظونکم منه)ای من عذاب النار [2] انتهت عبارته رضی الله عنه. **اقول:** قدتبین جلیا ان الاٰیة الشریفة صریحا فی النهی عن محبة المبتدعین ومعاونتهم وتکثیر سوادهم و مشارکتهم فی امور الدین والدنیا	جسے ہمارے مولیٰ امام عالی ہمت نے نقل کیا اور جسے خدا نے بے مدد چھوڑا اس کے لئے خدا کی اتاری ہوئی ہزار کتاب کا نقل کردینا بھی کافی نہیں، جس آیت کو مولانا نے نقل فرمایا اس کی تفسیر میں امام جلال الدین فرماتے ہیں ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ ان سے دوستی یا چکنی چپڑیں بات کرو یا ان کے اعمال پر راضی ہو کہ تمھیں آگ پہنچے گی اور خدا کے سوا تمھارا کوئی مددگار نہیں کہ اس سے تمھیں بچائے پھر تمھاری مدد نہ ہوگی کہ اس کے عذاب سے روک دئے جاؤ انتہی، علامہ صاوی جلالین کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ ظالم سے مراد عام ہے کافر ہوں یا فاسق، مداہنت کے معنی کارستانی اور دین دے کر دینا سنوارنی ان کے اعمال پر راضی ہونا یعنی ان کے زینت بڑھانا اور ضرورت دینا کے ساتھ حجت لانا یہ عذر مسموع نہیں کہ اللہ ہی روزی دینے والا مضبوط وقت والا ہے، تمھیں آگ چھوئے گی، اس لئے کہ آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھے، **میں کہتا ہوں** کہ بدمذہبوں کی محبت اور ان کی اعانت اور ان کی جماعت بڑھانے اور ان کی دینی و دنیوی شرکت سے ممانعت میں یہ آیت شریفہ صریح ہے خواہ ان کی بدمذہبی کفر کی حد کو پہنچی ہو یا معصیت کو، علاوہ اس کے ان میں وہ ہیں جن کی بد مذہبی کفر تک پہنچی ہوئی ہے جیسے نیچری وغیرہم اور وہ ہیں جن کی

[1] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۱۱/ ۱۱۳ مطبع مجتبائی دہلی نصف اول ص ۱۷۸

[2] حاشیہ الصاوی علی الجلالین تحت آیۃ ۱۱/ ۱۱۳ المشهد الحسینی قم ایران ۲/ ۲۳۰

معا سواء کانت بدعھم بدع کفر اوعصیان علی ان فیھم من بدعته مکفرۃ کالنیشریة ونحوھم ومن بدعته مفسقة کالوھابیه فیما یتعلق بغیر اصول الدین فالمسئول عنھم جامعون لبدع الکفر والفسق وعلٰی کل ھم من الذین ظلموا انفسھم وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من مشی مع ظالم فقد اجرم[1] رواہ الدیلمی وقال علیه الصلوۃ والسلام من مشی مع ظالم لیعینه وھو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام[2] رواہ الطبرانی وبالجملة فالاٰیات والاحادیث واقوال ائمة الدین وفقھاء المذھب الاربعة فی ھذا لمعنی یعسر حصرھا، وفیما اجاب به مولانا المجیب کفایة لمن القی السمع وھو شھید واللہ وحدہ المستعان به علی المبتدعة اولیاء الشیطان۔ قال بفمه ونقله بقلمه عبدہ المذنب احمد موسی مصری المنونی امام وخطیب المسجد الجامع بکلکته۔	بدمذہبی میں فسق ہے جیسے وہ وہابیہ جن کی وہابیہ ؎ کا تعلق اصول دین کے ساتھ نہ ہو۔ تو جن کے بارے میں سوال ہے وہ جامع بدعت کفر وفسق ہیں اور ہر تقدیر پر وہ ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور بے شک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو ظالم کے ساتھ چلا اس نے جرم کیا اس حدیث کو دیلمی نے روایت کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو ظالم کے ساتھ چلا کہ اس کی اعانت کرے اور جانتا ہو کہ وہ ظالم ہے تو وہ السلام سے نکل گیا اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا، حاصل کلام آیات واحادیث اور ائمہ دین اور چاروں مذہبوں کے فقہاء کے اقوال اس بارے میں اتنے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے اور مولانا مجیب کے جواب میں کفایت ہے اس کے لئے جو کان لگائے اور دل سے حاضر ہو اور ایک اللہ سے مدد چاہی جاتی ہے بدمذہبوں پر کہ شیطان کے دوست ہیں، اسے اپنے منہ سے کہا اور اپنے قلم سے لکھا اس کے بندہ گنہگار احمد موسٰی مصری منونی نے کہ مسجد جامع کلکتہ کا امام وخطیب ہے۔

؎: رہے وہابیہ زمانہ کہ ضروریات دین کے منکر اور اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب توہین کرنے والے ہیں وہ قطعاً کافر ہیں جن کے بارے میں علماء حرمین شریفین نے بالاتفاق فرمایا:

من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر[3]۔ ۱۲ مصحح۔	جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک بھی کیا وہ کافر ہے ۱۲ مصحح (ت)

[1] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن معاذ حدیث ۱۴۹۵۳ موسستہ الرسالۃ بیروت ۸۵/۶

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۲۷/۱

[3] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

(۲۵) الجواب صحیح

محمد لعل خاں عفی عنہ نائب صدر انجمن اصلاح عقائد و مدرسہ عثمانیہ اہلسنت وجماعت نمبر ۲۲ زکریا اسٹیٹ کلکتہ

محمد لعل خاں منشی

(۲۶) الجواب موافق بالصواب

ابوابراہیم محمد اسمٰعیل بہاری مدرس اول مدرسہ فیض عام اہلسنت وجماعت سیالدہ کلکتہ

مدرسہ فیض عام اہلسنت وجماعت

(۲۷) اقول وباللّٰہ التوفیق ماتقرر ھکذا المجالس بین یدی سیدالانبیاء والمرسلین واصحابہ واولیائہ الکاملین والعلماء المحققین والمدققین فی حین من الان والاوان الحسرۃ فیہ ان الرجال فھموا ان فیہ اتساع الاسلام والامر لیس ھکذا وکلہ من فتور عقلھم و نقص ایمانھم واللّٰہ الموفق بالصواب والیہ المرجع والماٰب۔

حررہ سید علی حسن بھاری غفرلہ الباری

میں کہتا ہوں اور خدا ہی سے توفیق ہے کہ ایسی مجلس کا تقرر نہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا نہ صحابہ واولیاء علماء محققین ومدققین کے زمانوں میں، افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگوں سمجھ رکھا ہے کہ اسلام کی اس میں اشاعت ہے حالانکہ یہ بات نہیں، یہ سب ان کی عقلوں کا فتور اور ایمان کا نقصان ہے اور اللہ صواب کی توفیق دینے والا ہے اور اسی کی طرف مرجع وبازگشت ہے۔

حررہ سید علی حسن بہاری غفرلہ الباری

(۲۸) الفتاوی التی صدرت من العلماء الکرام لاریب فیہ الشرکۃ فی ھذا المجلس بون من طرق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لان لیس فیہ رائحۃ الاسلام ولوکان فی بادی النظر فارجون من اللّٰہ تعالٰی ان یبعدنا من الشین الفطن ویحفظنا من البلاء والمحن ویثبتنا ویمیتنا علی ملۃ رسولہ الکریم واٰلہ واصحابہ العظیم، فقط

کتبــــــــــــــــــــــــہ

الراجی الطریان فیضان الباری

حکیم سید محمد راحت حسین بہاری عفی عنہ مہتمم مدرسہ فیض عام اہلسنت وجماعت سیالدہ کلکتہ

جو فتوے علمائے کرام کی جانب سے صادر ہوئے ان میں کچھ شبہ نہیں۔ اس مجلس میں شرکت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طریقہ سے دوری ہے کہ اس میں السلام کی بوتک نہیں اگرچہ بظاہر ہو، میں اللہ تعالٰی سے امید کرتا ہوں کہ ہم کو برائیوں اور فتنوں سے دور رکھے اور بلا اور محنتوں سے محفوظ رکھے اور اپنے رسول کریم اور ان کی آل واصحاب بزرگ کی ملت پر ہمیں ثابت رکھے اور اسی پر ہمیں موت دے۔

(۲۹)بسم اللہ الرحمن الرحیم *حامدا ومصلیا* "قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ"[1] (اے محبوب! تم فرمادو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمھیں دوست رکھے گا۔ت) خلاصہ کلام اگر محبوب بننا ہو تو اتباع شریعت سے کام لو اور ایسے خلاف مجالس سے پرہیز کرو کہ جس میں شرکت بھی منع ہے تو کجا امداد مالی اللہ الہادی، ان لوگوں کی باتوں اور لسانی سے دام فریب میں مت آؤ جیسا کہ فتوے میں تحریر ہے وہی درست ہے مولیٰ تعالیٰ عمل کی توفیق دے، اس فتوے پر کچھ اور حوالہ دینا اپنی کم لیاقتی کا ثبوت ہے۔ذلك كذلك انى مصدق لذلك

حررہ مورضعیف فخر الحسن قادری غفرلہ مدرس عربی مدرسہ عثمانیہ کلکتہ

(۳۰)التائیدو والشرکته فی مثل هذه المجالس بل المیلان الیها مالیا کان او بدنیا بدلیل الکتاب والسنة وفقه امام الائمة ممتنع ۱۲۔ الراقم فقیر ابو نعیم محمد ابراہیم عفی عنه سلهٹی مدرس اول مدرسه عثمانیه کلکته۔ (۳۱)قد اصاب ما اجاب مولٰنا العلام مجدد مائۃ الحاضرۃ مصباح الدین احمد عفاعنہ۔ مٹیابرج کلکتہ۔	ایسی مجلسوں کی تائید وشرکت بلکہ میلان خواہ مالی ہو یا بدنی بدلیل قرآن وحدیث وفقہ امام اعظم حرام ہے ۱۲ الراقم فقیر ابو نعیم محمد ابراہیم عفی عنہ سلہٹی مدرس اول مدرسہ عثمانیہ کلکتہ (۳۲)الجواب صحیح والمجیب میب محمد فضل الرحمٰن غفرلہ المنان، مٹیابرج کلکتہ (۳۳)البتہ بد عقیدے کے لوگوں سے پرہیز واجب ہے۔ محمد اسمٰعیل عفنی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

تصدیقات علمائے جبل پور

(۳۴)بسمہٖ سبحٰنہ وتعالیٰ عزوجل، اعلیحضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ بحر العلوم علامہ محقق بریلوی سلمہ اللہ القوی کا یہ مبارک فتوی جو گونڈل کاٹھیاوار سے ہمارے پاس بغرض تصدیق بھیجا گیا ہے اور اس وقت ہمارے پیش نظر ہے مسئلہ مستفسرہ میں یہ مقدس فتوی اعلیٰ نصوص شریعت وفصوص حقیقت کا جامع سراپا حجت قاہرہ، اس کا ہر جملہ ہر فقرہ روشن دلیل وبرہان، حق وصداقت کا مہر درخشان، ہم ایسوں کی طرف مراجعات اور ہمارے مزید افادات سے مستغنی ہے، اور اس کے قبول وتسلیم میں وہی شخص تامل کرسکے گا

[1] القرآن الکریم ۳/ ۳۲

جو دین وایمان سے بے سروکار، حق وہدایت و سبیل مومنین سے بیزار، ندوہ مخذولہ کا فضلہ خوار، وہابیت و نیچریت سے ہمکنار، اشرار اہل بدع سے ہو، میرے نزدیک اس نورانی فتوے سے ہم ایسوں سے اضافہ چاہنا، یا بضمن تصدیق، تحریر کلمات توثیق وتائید کا خواستگار ہونا نصف النہار کے چمکتے ہوئے آفتاب کے آگے چراغ رکھوانا ہے، ہم اس وقت اپنے بعض محبان حضرات اہل سنت کی مخلصانہ استدعا پر مجبور ہر کر تعمیلاً للحکم، اس محترم فتوے کی تصدیق میں صرف اس قدر عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

ان هذا الجواب هو الصراط المستقيم وسبيل الشرع القويم والحمد الله الرب الرحيم وعلى حبيبه ونبيه الكريم واله وصحبه افضل الصلوة والتسليم والله سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه عزمجده اتم واحكم۔ کتبـــــــــــــــــــــــــــــــه الفقير عبد الباقی محمـــــــــــــــــــــــــــــــد برهان الحق الرضوی الجبلفوری غفرله	کہ یہ جواب ہی سیدھا راستہ اور شریعت کا مضبوط راستہ ہے۔(ت) 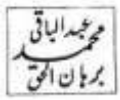
(۳۵) ان هذا لهو الحق المبين، ومن اعتصم به فقد هدى الى الصراط المستقيم المستبين، قلما يوصل اليه، فضلا عن المزيد عليه، فنسئل الله تعالٰی ان يثبتنا على الكتاب والسنة وان يميتنا على الايمان ويدخلنا به الجنة. اٰمين، والحمد الله رب العالمين وصلى الله تعالٰی على حبيبه سيد المرسلين محمد واله واصحابه اجمعين۔ کتبه الراجی عفوربه عبد السلام السنی الحنفی القادری الرضوی الجبلفوری غفرله 	بیشک یہی حق مبین ہے اور جس نے اس کے ساتھ تمسک کیا اسے سیدھے راستہ ظاہر کی طرف ہدایت ہوئی اس تک پہنچنا ہی کم ہے اس پر زیادتی تو کجا، اللہ تعالٰی سے ہم سوال کرتے ہیں کہ کتاب وسنت پر ہمیں ثابت قدم رکھے، اور ایمان پر موت دے اور جنت میں داخل کرے آمین، سب خوبیاں خدا کے لئے جو پروردگار عالم ہے اور اللہ تعالٰی درود بھیجے اپنے حبیب رسولوں کے سردار محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر۔

تصدیقات علمائے بہار

(۳۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما، فقیر بارگارہ رضوی عبید المصطفٰی محمد ظفرالدین بہاری میجروی غفرلہ وحقق املہ مدرس اول مدرسہ عالیہ سہسرام ناصر الحکام اس مبارک سراپا ہدایت فتوے کی تائید وتصدیق کرتے ہوئے (نہ معاذاللہ اس خیال سے کہ اپنی تصدیق سے اس فتوے کو زینت دوں بلکہ حسب ارشاد احبااس نیت سے کہ اپنی تصدیق کی اس فتوے سے عزت افزائی کروں) عرض گزار ہے کہ بلاشبہ اس قسم کی انجمنیں جس طرح دینی مضرتوں کی جالب گناہ کی موجب ہیں، یونہی دینوی حیثیت سے بھی اصلاً مفید نہیں سوااس کے کہ غریب مسلمانوں کا بہت سے روپیہ صرف ہونے پر تین دن کی دل لگی رہے نئی نئی صورتیں دیکھنے میں آئیں، کچھ لکچر اور تقریر کا لطف رہے اللہ اللہ خیر صلا، بہت بڑاکار نمایہ اس قسم کی انجمنوں کا ریزولیوشن (RESOLUTION) پاس کرنا ہے، جب روداد دیکھئے یہی لکھاہے یہ پاس ہوااوہ پاس ہوامگران عقلمندوں کواس کی خبر نہیں کہ اس زمانہ میں آدمی پاس ہوکر تو کچھ کر نہیں سکتاریزولیوشن پاس ہو کر کیا کرلے گا۔کہنے سے کام نہیں چلتا کرنے کی ضرورت ہے، سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الطیور تصحیح ولاتفعل، والبازی یفعل ولایصیح [1]	چڑیاں چیں چیں کرتی ہیں اور کچھ کرتی نہیں، اور باز کرتا ہے چیں چیں نہیں کرتا ہے،

اگر واقعی قومی ترقی مقصود ہے تو یہ تقریرات اور ریزولیوشن ہر گز کچھ فائدہ نہیں پہنچاسکتے کام کرنے کی ضرورت ہے اور اس کاآسان طریقہ یہ ہے کہ اس وقت زیادہ نہیں تو مسلمان صرف انھیں چار باتوں پر کاربند ہوجائیں جو رسالہ مبارکہ "تدبیر صلاح ونجات وفلاح" میں مذکور ہیں پھر دیکھئے قوم کی کیسی ترقی ہوتی ہے اور ان کاآفتاب کس طرح بالائے افق ترقی بکمال اوج تاباں ہوتاہے، اور اگر غور کیاجائے توان تمام ریزولیوشنوں میں بیکار امور اور رونا دھونا فلاں کے مرنے پر رنج، فلاں کی موت پر سوگ، اور فلاں کے انتقال پر ملال، اور فلاں کے عطیہ پر واہ واہ، اور فلاں کو فلاں خطاب ملنے پر اظہار مسرت سے قطع نظر کرکے سب کا لب لباب شاہراہ پر چلنے والوں کے لئے دن میں چراغ جلانا اور روز روشن میں روشنی کرنے کی ہدایت کرنا ہوتاہے یعنی قوم ترقی میں سب سے پیچھے ہے اس لئے آگے بڑھو یعنی انگریزی پڑھو حالانکہ زمانہ کی گردش سے انگریزی کی طرف لوگوں کا میلان طبعی وعملی اس حد تک پہنچاہواہے کہ اگران کو دھکے دے کر بھی باہرت کیاجائے توہرگ ٹلنے والے نہیں، پڑھنے والوں کے لئے باوجودیکہ عربی مذہبی تعلیم

1

میں ہر طرح کی آسانیاں اور کار آمد نتائج ہیں مگر پھر بھی سیکڑے میں پندرہ کو اس کی طرف توجہ نہیں اور باوجود سیکڑوں موانعات ہزارہا وقت وزحمت کے انگریزی پر لوگ گرے پڑے ہیں، پھر ایسی حالت میں خاص اس غرض کے لئے انجمن قائم کرنا دینوی حیثیت سے بھی تحصیل حاصل اور تضییع اموال ومحاصل کے سوا اصلاً مفید نہیں۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضی وصلی اللہ تعالٰی علی المصطفی المرتضی وعلی الہ وصحبہ رضی اللہ تعالٰی عنھم باحمد رضا۔	یااللہ احمد رضا کے طفیل ہمیں اپنی پسندیدہ رضا والی چیز کی توفیق عطافرما، اور درود ہو مصطفٰی مرتضی اور آپ کی آل و اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم سب پر (ت)

کتبہ عبدہ العاصی ظفرالدین البہاری عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی

سنی حنفی قادری رضوی عبید المصطفٰی ظفرالدین احمد

(۳۷) لاریب فیہ فلیتنافس المتنافسون وانا عبدہ محمد ابوالحسن السھسرامی مدرس دوم مدرسہ عالیہ المرقوم ۷ فروری ۱۹۱۷ء	اس میں شک نہیں کہ رغبت کرنیوالوں کو اس کی رغبت کرنا چاہئے، عبدہ محمد ابوالحسن سہسرامی

(۳۸) ابوصالح ظہیرالدین احمد فریدی، مورخہ ۷ فروری ۱۹۱۷ء روز چہار شنبہ (انچارج مدرس دوم مدرسہ عالیہ) (۴۰) قداصاب من اجاب کمترین فہیم الدین عفی عنہ مدرس پنجم عربی (۴۲) الجواب صحیح سید عبدالرشید مدرس مدرسہ شمس الہدی بانکی پور (۴۳) قد اصاب فی مااجاب مولی العلماء امام الفقہاء مجدد المائۃ الحاضرۃ الفاضل البریلوی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ فی ھذہ المسئلۃ بان التائید والشرکۃ و	(۳۹) المجیب مصیب فرخندہ علی عفی عنہ مدرس چہارم مدرسہ سہسرام (۴۱) لقد اجاب المجیب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب محمد یحیٰی مدرس مدرسہ عالیہ سہسرام، المرقوم، فروری ۷ ۱۹۱ء سنی حنفی قادری ۱۳۲۲ عبدالرشید عظیم آباد عالموں کے پیشوا فقہاء کے امام اس صدی کے مجدد فاضل بریلوی نے اللہ تعالٰی ان کو بقائے دراز سے مسلمانوں کو بہرہ یاب کرے اس مسئلہ میں جو جواب دیا ٹھیک دیا کہ اس جیسی بری مجلس کی تائید اور شرکت اور اس میں

الحضور فی مثل هذا المجلس القبيحة حرام و المعاونة اثم والمقاربة فيهاسم قاتل للايمان فليتنا فس المتنافسون وفقنا الله تعالٰی ایانا وجمیع المومنین للمفارقه والاجتناب عن مثل هذا المجلس والتائید والشرکة فیه۔ حررۃ فقیر الی سید المرسلین ذی المنن المدعو به سید محمد غیاث الدین حسن الحنفی السنی الرجهتی البهاری عفی عنه الباری	حاضری حرام ہے اور اس کی اعانت گناہ اور اس میں قریب ہونا ایمان کے لئے زہر قاتل، رغبت کرنے والوں کو چاہئے کہ اس کی رغبت کریں، اللہ تعالٰی ہمیں اور سب مسلمانوں کو توفیق دے کہ اس سے جدا رہیں اور ایسی مجلس سے اور اس کی تائید وشرکت سے بچیں۔

(۴۴) اصاب من اجاب فقیر محمد رحیم بخش حنفی قادری رضوی مدرس اول مدرسہ فیض الغرباء آگرہ

تصدیقات علمائے کان پور

(۴۵) الجواب صحیح وصواب والمجیب نجیح ومثاب نمقه الفقیر الی الله تعالٰی عبیدالله عفا عنه ماجناه المدرس بالمدرسة فیض احمدی فی الکانفور۔

(۴۶) اصاب من اجاب والله سبحنه اعلم بالصواب حقیق بان یکتب بالذهب علی القرطاس۔ نمقه محمد عبدالرزاق عفی عنه المدرس مدرسه امداد العلوم فی الکانفور 	جواب دینے والے نے درست فرمایا واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، یہ جواب اس قابل ہے کہ اس کو کاغذ پر سونے سے لکھا جائے (ت)

(۴۷) الجواب صحیح والمجیب نجیح، حررہ الفقیر الی الله المنان المدعو محمد سلیمان الحنفی السنی النقشبندی المجددی الافاقی فضل رحمانی المدرس بالمدرسة درالعلوم فی الکانفور غفرله والمشائخه الغفور بحرمة صاحب التاج والمعراج واللواء العقود فی المقام المحمود علیه وآله واصحابه الصلوة والسلام من ملك المعبود۔

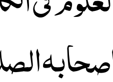

تصدیقات علمائے سندھ حیدر آباد

(۴۹) فاضل مجیب نے جو تحریر فرمایا ہے وہ صحیح اور حق ہے واقعی اس قسم کی مجالس اور جو لوگ اہل بدعت وہوا سے ہیں ان سے دور رہنا ضرور چاہئے اس واسطے کہ ان کی ملاقات اور ان کی مجالس میں جانا علامت ضعف ایمان اور آئندہ کو منجر طرف الحاد کے ہے۔ **نعوذ باللہ من ذلک، اللھم احفظنا منھم بجاہ نبیك المصطفی ورسولك المرتضی، اٰمین یارب العالمین۔**

تصدیقات علمائے محمود آباد ضلع سیتاپور

(۵۰) **بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ وحدہ والصلٰوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ، امابعد** بیشک ایسی مجلس مقرر کرنا جہنم خریدنا اور سخت حرام وناروا ہے۔ مسلمان کی ترقی ہرگز اس میں نہیں، ایک صحیح واقعہ پیش کرتاہوں وہ یہ کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور چٹائی پر آرام فرماتے ہیں کہ اس کے نشان بدن اقدس پر ظاہر ہو رہے ہیں امیر المومنین کو بے اختیار رونا آگیا عرض کی: یارسول اللہ! قیصر وکسرٰی کافران مجوس ونصارٰی اس ناز ونعمت میں اور حضور اللہ کے رسول اس تکلیف ومحنت میں، فرمایا: اے عمر! کیا تو راضی نہیں کہ ان کے لئے دینا ہو اور ہمارے لے آخرت، خود امیر المومنین فاروق اعظم باوصف فتوحات عظیم کے جب بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں کہ وہاں کے پادریوں نے آپ کو دیکھنے کے لئے بلایا تھا، حالت یہ ہے کہ پیش دشمنان اونٹ پر اور غلام سوار، اور جناب کے دست اقدس میں اونٹ کا مہار، بدن مبارک پر چمڑے کا کرتا جس میں متعدد سترہ پیوند، اگر ایسی مجلس کے لوگ جو درج سوال ہیں اور جان ومال سے انجمن ظلم میں شرکت کو تیار ہیں حضرات صحابہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھتے کس کس طرح ہنستے اور احمق سمجھتے بلکہ دل میں تو اب بھی کہتے ہوں گے کہ وہ ریگستانی جفاکش ناز ونعمت کے مزے کیا جانیں، یہ لطف عجیب اور نظم وترتیب وآراستگی وتہذیب کچھ دانایان یورپ ہی کو نصیب، ان خیالات فاسدہ کے دل میں نہ آنے کے لئے تو ہمارے سلطان ہفت کشور شافع روز محشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے، **لاتجالسوھم**[1] **الخ** ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے دور بھاگو، انھیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمھیں

---

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۴۶۸ و ۳۲۵۲۸ و ۳۲۵۲۹ و ۳۲۵۴۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹، ۵۴۰، ۵۴۲

فتنہ میں نہ ڈال دیں[1]، معاذاللہ کہیں حضور کے خیال مقدس میں یہ بات نہ آئی تھی کہ ہمارے میل جول سے بدمذہب ہدایت پائیں گے راہ راست پر آئیں گے نہیں۔ یہ منع فرمانا حضور کا ازاراہ شفقت تھا، جس طرح شفیق باپ ازراہ مہربانی اپنی پیاری اولاد کو آوارہ مزاجوں اور بد معاشوں کی صحبت و میل جول سے روکے، یہ چند حروف فقیر نے محض زبدہ ارباب سنت وعمدہ اصحاب جماعت اخی فی الدین قاسم میاں صاحب کے فرمانے سے لکھے ورنہ امام اہلسنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ حماہ اللہ تعالٰی عن الشر والاعداء (اللہ تعالٰی ہر شر اور دشمنوں پر ان کی مدد فرمائے، ت) کے نورانی کلمات عوام تو عوام خواص کے لئے کافی ہیں، مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے اور فقیر ضعیف کو بھی دعائے خیر سے یاد کرنا چاہئے،

ختم اللہ لنا ولکم بالخیر والحسنی ووفقنا لما یحب ویرضی وحشرنا فی ظلال حمایات الاولیاء امقربین وتحت لواء سید المرسلین وصلی اللہ تعالٰی وسلامہ علی خاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔	اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ خیر اور بھلائی میں فرمائے اور ہمیں اپنی پسند و رضا کی توفیق دے اور حشر کے روز اولیاء مقربین کی حمایت اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے جھنڈے کا سایہ عطافرمائے، (ت)

محمد اسمٰعیل سنی حنفی قادری محمود آبادی الحال پیش امام رسالہ نمبر ۴ دہلی

(۵۱) ذلك کذلك رجب علی مدرس مدرسہ اسلامیہ محمود آباد

(۵۲) ذلك کذلک

خادم طلبہ محمد عبداللطیف مدرس مدرسہ اسلامیہ محمود آباد و پیش امام جامع مسجد محمود آباد۔

تصدیق حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت جناب مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب احمد آبادی زیدت مکارمھم

(۵۳) الجواب صحیح

کتبہ عبدالرحیم بن پیر بخش السنی الحنفی القادری النقشبندی الاحمد آبادی المدرس الاول فی المدرسۃ القادریۃ

تصدیق ناصر سنت قامع بدعت مولانا مولوی ابوالمساکین محمد ضیاء الدین صاحب زید مجدہم

(۵۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم. الحمد اللہ العزیز الکریم والصلٰوۃ والسلام علی حبیبہ الرؤف الرحیم۔

---

[1] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

فتوائے مبارکہ فرستادہ ناصر ملت حقہ، ناشر سنت سنیہ، قاطع اعناق بدعات شنیعہ، قامع بیخ محدثات قبیحہ، سر شکن فرق باطلہ من الندوۃ والوہابیۃ والنیاچرہ، ماحی وطغیان، حامی ودین وایمان جناب قاضی قاسم میاں امام جامع شہر گونڈل متعلق کاٹھیاوار صانہ المولی الستار عن شرور الاشرار (خدائے ستار انھیں اختر ار کے شر سے محفوظ فرمائے۔ت) فقیر کی نظر سے گزرا خلعت صدق وثواب سے اراستہ زیور شدہ ہدایت سے پیراستہ پایا۔

جو کچھ لکھا ہے اس میں سراسر صواب ہے　　　اثبات مدعا پہ حدیث وکتاب ہے
ہر لفظ اس کا گوہر کان رشاد ہے　　　ہر سطر اس کی راہ حصول مراد ہے

کیونکر نہ ہو، یہ تحریر فرمایا ہوا اس بے نظیر کا ہے جس کی مثیل آج دنیا میں ملنا مشکل، جو فاضلوں کا فعل، جس کا فتوی تمام روئے زمین پر جاری، جس کے فیوض وبرکات ہر گوشہ عالم میں ساری، جو استاذوں کا استاذ مسلم، ہر عالم سے اعلم، مفتیوں کا سرتاج اکرم، سنیوں کا امام معظم، گلزار سنت کو شاداب فرمانے والا، داغ بد مذہبی و بدعت کا مٹانے والا، درخت کفر وشرک کا قاطع، شریعت وطریقت کا جامع جس کا تمام ہندوستان مدح خوان، جس کی توصیف میں علمائے حرمین شریفین رطب للسان، گمراہوں ا راہنما، ہمارا آقا، ہمارا مولیٰ ہمارا سردار، متقی، پرہیزگار، حکیم اُمت، اعلحضرت مولوی مفتی احمد رضاخان صاحب ادام فیضہ اللہ الواہب، یہ مسئلہ کیا ہے بہت بڑی کسوٹی حق وباطل کے پرکھنے، سنی وبدعتی کے جانچنے کی ہے، جو صاحب اس کو پڑھ کر یا سن کر بخندہ پیشانی تصدیق فرمائیں حق جانیں، حق مانیں ان کا ضرور اہل سنت میں شمار، ورنہ اہل بدعت وکلاب اہل النار میں معدود ہوں گے۔ ہمارے سنی بھائیوں پر لازم ہے کہ ایسی مجلس ایسی صحبت سے بچیں، ایسے لوگوں سے خلط ملط ہر گز پیدا نہ کریں، یہ بڑے شاطر وعیار ہوتے ہیں، وہ سبز باغ دکھاتے ہیں کہ خواہ نخواہ آدمی ان کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے، جب اس کا دل اپنی طرف لبھایا اور اپنا مطعی ومسخر بنالیا پھر اس کا ایمان، دھن، دولت سب کچھ چھین لیا، دونوں جہان کے ٹوٹے میں ڈال دیا، وباللہ التوفیق وھویھدی من یشاء الی صرام مستقیم والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الکریم وعلی الہ وصحبہ اجمعین آمین!

حررہ محمد ضیاء الدین المکنی بابی المساکین عفی عنہ

تصدیق عالم جلیل فاضل نبیل جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب الوریٰ مفتی آگرہ

(۵۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم، بلاشبہہ اس نازک وقت میں بہت سے علماء درویش طلب دنیائے دنی میں اتباع سنت ترک کرکے اتنے دیندار بن گئے کہ کوٹ پتلون والوں میں ان کی سی کہہ کران سے دنیا

حاصل کرتے ہیں اہل سنت میں لباس سنت پہن کر بزرگان دین مثل حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ مولٰنا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں، ان میں مل کر ان کو گمراہ کرتے ہیں جن کا سبق ہمہ تن دنیا ہی دنیا ہے گو اہل دین اور بانی شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مشابہ مسلمانوں کی صورت بھی نہ رہے سارے طریق سنت چھوٹ جائیں فقط برائے نام مسلمان رہ جائیں مگر تحصیل دنیا میں غیر قوموں سے پیچھے نہ رہیں، ایسی اغراض سے جو انجمنیں قائم کی گئی ہیں ایسی انجمنوں کے جو ممبر و سرگروہ ہیں ضرور ان سے مسلمانوں کو بچنا فرض ہے، ان کی میٹھی باتوں پر کبھی مسلمانوں کو فریفتہ نہ ہونا چاہئے، خواہ وہ قرآن پڑھیں خواہ خوش لحنی سے مثنوی شریف، ان کی مجالس سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے، مسلمانو! ان کے شہد میں زہر ملا ہوا ہے، مسلمانو! کبھی تم کو بذریعہ شہد ہلاک نہ کردیں، ان احادیث صحیحہ سے ان کی حالتوں کو مطابق کرکے دیکھ لو، اگر ان علامتوں مذکورہ احادیث سے ان میں کچھ بھی شائبہ پاؤ ان سے کوسوں جدا رہو، منتخب کنزالعمال میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال یأتی علی الناس زمان وجوھھم وجوہ الادمیین وقلوبھم قلوب الشیاطین سفاکین للدماء لایرعون عن قبیح ان تابعتھم اربوك وان ائتمنتھم خانوك صبیھم عارم وشابھم شاطر وشیخھم لایامرو بالمعروف ولای نھی عن المنکر، السنۃ فیھم بدعۃ والبدعۃ فیھم سنۃ، وذوالامرء منھم غاو فعندذلك یسلط اللہ علیھم شرارھم فیدعو خیارھم فلایستجاب لھم، رواہ الخطیب[1]۔	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ منہ تو اس وقت کے آدمیوں کے سے منہ ہونگے اور ہوں گے دل ان کے شیطانوں کے سے خونریز، لوگ نہ بچیں گے اور نہ بچائیں گے بری بات سے، اگر پیروی کرے تو ان کی، تباہ کردیں وہ تجھ کو، اور اگر امانت رکھے تو ان کے پاس خیانت کریں، بچے ان کے شوخ ہوں اور جوان ان کے چلاک اور بیباک، بڈھے ان کے نہ بھلی بات کا حکم کریں نہ بری بات سے منع کریں، سنت ان میں بدعت ہو اور بدعت ان میں سنت۔ اور جو ان میں سے صاحب حکم ہوں خواہ وہ عالم ہوں یا حاکم گمراہ ہوں، پس ایسے وقت میں غلبہ دے گا ان پر اللہ شریروں کو اور مقرر کرے گا ان پر شریر حاکموں کو، پس نیک لوگ جو ان میں ہوں پکاریں گے مگر کوئی ان کی نہ سنے گا۔

[1] منتخب کنزالعمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ الخطیب عن ابن عباس کتاب الفتن الباب الثانی دارالفکر بیروت ۵/ ۴۰۶

عن [۲] عابس الغفاری عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بادر وابالاعمال ستا امارۃ السفھا وکثرۃ الشرط وبیع الحکم واستخفافابالدم وقطیعۃ الرحم ونشواء یتخذون القرآن مزامیر یقدمون احدھم یغنیھم وان کان اقلھم فقھا [1] رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

عابس رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ چھ باتوں کے ظہور سے پہلے عمل کرلو یعنی پھر نیک عمل کرنا دشوار ہوجائے گا، حکومت اور امارت بے عقلوں کی ہو، زیادتی چپراسیوں کی ہو، اور حکم حاکم بکے یعنی جس نے رشوت دے دی اپنے موافق حکم حاکم سے حاصل کرلیا، اور بیع الحکم بالکسر اگر پڑھا جائے یہ معنی ہوں گے کہ حکمت کی بات کو اہل حکمت بیچیں اور دین دنیا کے عوض بکے، خون کرنے کو ہلکی بات سمجھیں، خویش اور اقرباء سے قطع اور جدائی ہو، ایسی پیدائش پیدا ہو کہ قرآن کو بانسری کی آواز سمجھ کر، ایسے شخص کو اپنا پیشوا بنائیں کہ وہ گانے کے طور سے ان کو سنائے، خواہ سمجھ قرآن کی یعنی اسے نماز و روزہ حج زکوۃ بیع و شراء حلال وحرام میراث وغیرہ مسائل کے بیان کرنے پر ان سب میں سے بہت ہی کم سمجھ رکھتا ہو، اس سے سنیں گے اور جاننے والے عالم سے پرہیز کریں گے۔

عن [۳] عمر وعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتانی جبرئل انفا فقال انا للہ و انا الیہ رٰجعون قلت اجل انا للہ و انا الیہ رٰجعون فمم ذلك جبرئیل فقال ان امتك مفتتنۃ بعدك بقلیل من الدھو غیر کثیر قلت فتنۃ کفر اوفتنۃ ضلالۃ قال کل ذلك سیکون قلت ومن این ذاك وانا تارك فیھم کتاب اللہ قال بکتاب اللہ یضلون واول ذٰلك من قبل قرائھم و

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام نے آکر کہا انا للہ وانا الیہ رٰجعون یعنی تحقیق ہم واسطے اللہ کے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں یہ ایک کلمہ ہے جس کو تکلیف اور مصیبت کے وقت کہنا موجب دفع بلا اور ترقی حسنات ہے لہذا میں نے بھی کہا ہاں انا للہ وانا الیہ رٰجعون مگر اس وقت اس کے کہنے کی کیا وجہ ہے اے جبریل۔ کہا آپ کی امت آپ کے تھوڑے ہی زمانہ بعد فتنہ میں مبتلا ہوگی، میں نے کہا فتنہ کفر کا یا گمراہی کا، کہا سبھی کچھ ہوگا یعنی بعض مرتد بھی ہوجائیں گے اور بعض گمراہ بھی، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ طب عن عابس الغفاری کتاب الفتن الباب الثانی دار الفکر بیروت ۵/ ۳۹۴ و ۳۹۵

امرائهم يمنع الامراء الناس حقوقهم فلا يطعونها فيقتتلوا ويتبع القراء اهواء الامراء فيمدون فی الغی ثم لايقصرون، قلت يا جبرئيل فبم سلم منهم قال بالكف والصبر ان اعطم الذی لهم اخذوه وان منعوا تركوه[1] رواه الحاكم۔	فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ دونوں فتنے کیونکر ہونگے میں تو ان میں اللہ کے کلام کو چھوڑ جاؤں گا، کہا کلام اللہ ہی سے گمراہ ہوں گے یعنی اس کے معنی من گھڑے جوڑ کر جماعت اہل اسلام میں توڑ پھوڑ کرینگے اور اول یہ فتنہ قاریوں سے یعنی قرآن کے جاننے والوں دنیادار مولویوں سے اور امیروں سے شروع ہوگا، امیر لوگوں کے حق نہ دیں گے اور بند کرینگے، مولوی بھی انھیں کی سی کہیں گے، حلال حرام کے بیان میں کرنے میں ان سے ڈرینگے اور ان کے پیچھے لگیں گے، پس گمراہی میں بڑھتے چلے جائیں گے پھر کمی نہیں کریں گے، میں نے کہاں اے جبریلی! اس وقت ان سے بچاؤں کی کیاصورت ہے۔ کہا صبر، جو کچھ وہ دیں لے لیں اور نہ دیں تو چپ چاپ صبر کر بیٹھیں۔

اور اس سے زیادہ تصریح اس مضمون کی مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث میں ہے:

عن [4] ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان اناسا من امتی سيفقهون فی الدين ويقرءون القراٰن ويقولون نأتی الامراء فنصيب من دنياهم ونعتزلهم بديننا ولايكون ذلك كما لا يجتنی من القتاد الاالشوك كذلك لا يجتنی من قربهم الايعنی الخطايا[2]۔ رواه ابن ماجه۔	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیشک بہت لوگ امت میری سے سمجھ حاصل کریں گے دین اور پڑھیں گے قرآن کو، اور مولوی بن کر کہیں گے کہ امیروں کے پاس آکر ان کی دنیا سے کچھ لیں اور اپنے دین کو ان سے بچالیں اور یہ ہو نہیں سکتا جس طرح کانٹے دار درخت سے نہیں چنے جاتے مگر کانٹے، ان کے قرب سے بھی نہیں حاصل ہو سکتا مگر یعنی خطائیں۔
عن[5] علی كرم اللہ وجهه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم يأتی علی الناس زمان همتهم بطونهم وشرفهم متاعهم	حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا آپ نے، ایسازمانہ آئے گا کہ لوگوں کی تمام ہمت اپنے پیٹ بھرنے کی ہوگی جس کے

[1] منتخب کنزالعمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ الحکیم عن عمرو کتاب الفتن الباب الثانی دارالفکر بیروت ۵/ ۳۹۹

[2] منتخب کنزالعمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ ابن ماجہ عن ابن عباس کتاب العلم الباب الثانی دارالفکر بیروت ۴/ ۴۱

قبلتھم نسائھم ودینھم دراھمھم ودینار ھم اولئك شرر الخلق لاخلاق لھم عنداللہ[1]۔ راوہ الدیلمی	پاس مال و متاع دنیا زیادہ وہی سب میں بزرگ ہے، جورویں ان کا قبلہ اور درہم و دینار ان کا دین، یہ لوگ بری مخلوقات کے ہیں، ان کے واسطے اللہ تعالٰی کے پاس آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور اگر اس سے زیادہ تصریح منظور ہو، میرا رسالہ مختصر المیزان جس میں تقریبا چالیس حدیثیں مضمون کی ہیں کہ حضور نے فرمایا بڑی جماعت کی پیروی کرنا اور جو بڑی جماعت سے جدا ہو جہنم میں پڑے گا۔ اور چالیس کے قریب اس مضمون کی حدیثیں ہیں کہ میری سنت اور میرے اصحاب کی سنت پر عمل کرنے والا ناجی فرقہ وہی ہوگا جو سواد اعظم مومنین کا پیرو ہوگا، او جو بڑی جماعت سے جدا ہوا، جہنمی ہوگا، اور چند حدیثیں اس مضمون کی ہیں کہ ہر اخیر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے کہ نماز تمھاری نماز سے اچھی پڑھیں گے اور قرآن بہت پڑھیں گے مگر دین سے بالکل خارج ہوں گے۔ پھر حدیثیں بدمذہب مولویوں کی علامات میں نقل کی گئی ہیں جن کو اگر ملاحظہ فرمائیں اور لوگوں کو دکھلائیں ان شاء اللہ تعالٰی مفید ہوگا۔

حررہ العبد الراجی رحمۃ ربہ ابو محمد دیدار علی الرضوی الحنفی المفتی فی جامع الاکبر آباد۔

تصدیقات علمائے کاٹھیاوار

(۵۶) الجواب صحیح والمجیب مصیب للہ درہ حیث اجاب مااجاب ماجاب الا من کتاب اللہ تعالٰی عزوجل وحدیث المجیب صلی اللہ علیہ وسلم ولہ بذلك عند اللہ الجلیل الاجر الکثیر والثواب الجزیل، حررہ محمد اسمعیل عفی عنہ القریشی سنی حنفی ثم الفشاوری حالانزیل الجام جودھفور ملك کاتھیاوار۔	جواب صحیح، مجیب حق گو، اللہ تعالٰی بھلا کرے جس نے یہ جواب دیا یہ جواب قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے، اللہ تعالٰی کے ہاں اس کے لئے اجر کثیر اور ثواب بھاری ہے، اسے سنی حنفی محمد اسمٰعیل عفی عنہ نے لکھا

(۵۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ وحدہ والصلٰوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی الہ الکرام واصحابہ العظام، امابعد بے شبہہ ایسی مجلس مقرر کرنا اور اس میں دامے درمے قدمے معاونت کرنا اپنے ہاتھوں دروازہ دوزخ کھولنا اور عذاب خدا کو اپنی طرف بلانا ہے، پیارے سنی بھائیو !

[1] منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ الدیلمی کتاب الفتن الباب الثانی دار الکفر بیروت ۵/ ۴۰۷

اگر انکھوں میں نور ایمان ہے تو یہ محترم فتوی دیکھو مقدس ومقبول فتوی علامہ دوران امام اہل ایمان جناب مولانا مفتی حاجی قاری حضرت شاہ احمد رضاخاں صاحب قبلہ بریلوی ادام اللہ تعالٰی فیوضاتہ ومتع المسلمین بطول حیاتہ کا تحریر شدہ ہے، یہ وہ رکن اعظم ہے اسلام ہے کہ ہمیشہ نصرت واحیائے دین متین میں فرید اوامانت وازالہ بدعت وضلالت کفر وشرک میں وحید ہے، آپ کے علم وفضل کی نہریں علاوہ ہندوستان کے اور ممالک میں بھی جاری ہیں، آپ کے فیوض جلیلہ کا آفتاب تمام عالم میں چمکتا ہے، کشتی دین واسلام کے آپ ناخداہیں، اہل سنت وجماعت کے پشت وپناہ میں، آپ نے اپنی عمر شریف کا اتنا حصہ حمایت مذہبی میں صرف کیا، خدمت دینی کے سواء ایک ساعت بھی کسی اور کام کی طرف توجہ نہیں فرماتے، اسلام ومسلمین کو فائدہ کثیرہ پہنچاتے ہیں، ہر مہینے دور دور سے سیکڑوں استفتاء آتے اور جواب باصواب سے مزین کرکے روانہ فرماتے ہیں، نامور علمائے مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ آپ کے فتاوے سے موافقت کرتے اور آپ کی جلالت وتبحر علمی کو مانتے ہیں، علامہ وحید فاضل فرید آپ کی جناب میں تحریر فرماتے ہیں اور موجودہ صدی کا مجدد مانتے ہیں، القاب جلیلہ سے ملقب کرتے، طرح طرح دعائیں دیتے، اور آپ کے مدائح سے جلیل القدر فضلائے عرب رطب اللسان رہتے ہیں، مولانا شیخ عبدالرحمٰن دہان مدرس حرم مکہ مکرمہ بعد بیان مدائح کثیرہ فرماتے ہیں:

الذی شهد له علماء البلد الحرام، بانه السید الفرد الامام، سیدی وملاذی الشیخ احمد رضاخاں البریلوی[1]۔	جس کے لئے علمائے مکہ مکرمہ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سردار ہے بے نظیر ہے امام ہے میرے سردار اور میرے جائے پناہ حضرت احمد رضاخاں بریلوی (ت)

مولانا سید اسمٰعیل بن خلیل آفندی حافظ کتب حرم مکہ معظّمہ بعد بہت سے مدائح وذکر اسم گرامی اعلحضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

وقد شهد له عالم مكة بذلك ولولم يكن بالمحل الارجع لما وقع منهم وذلك بل اقول لوقيل فی حقه انه مجدد هذا القرن لكان حقا وصدقا[2]۔	علمائے مکہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علمائے مکہ ان کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے بلکہ میں کہتاہوں کہ اگران کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے توالبتہ حق وصحیح ہو۔ (ت)

[1] حسام الحرمین تصدیقات علماء مکہ مکرمہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۸۳

[2] حسام الحرمین تصدیقات علماء مکہ مکرمہ مکتبہ نبویہ۔ لاہور ص ۵۱

اسی طرح علمائے مدینہ منورہ بھی آپ کے مداح ہیں اور کئی جلیل القدر فاضلوں نے اہل حرمین سے کتنے ہی علوم میں آپ سے سندیں لیں اور کئی حضرات نے بیعت بھی فرمائی "**ذلك فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم**"۔ یہ مسئلہ کیا ہے، بڑا امتحان خدا ہے جو سنی ہوگا وہ اس فتوے پر عامل رہ کر قہر مولی سے بچے گا۔ اور اگر نفس امارہ کی شامت یا انجان پنے سے کانفرنس میں شامل ہوا ہو اور فتوے دیکھنے کے بعد کانفرنس کی شرکت سے تائب ہوا تو **ماشاء الله** جیسا کہ اپنے ہاتھوں سے دروازہ دوزخ کھولا تھا، لاجرم امید قوی ہے کہ اس کی توبہ کو مولیٰ تعالیٰ جل جلالہ مفتاح درجنت بنادے کہ یہ حدیث شریف میں وارد ہے:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له [1]۔	گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ (ت)

بلکہ بمصداق اس آیت شریفہ کے:

" اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝ " [2]۔	مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

خداوندا! تو توفیق رفیق گردان غربائے امت خصوصًا اہل سنت کے تئیں اس طوفان بے پایا سے بجابجاہ **سید الشافعین آمین یارب العالمین!**

آج میری زہے قسمت کہ یہ مقدس فتوٰی شہر گونڈل کاٹھیاوار سے برادر دینی ومحب یقینی، اخی فی اللہ حامی سنت، ماحی فتن، نیچری فگن، ندوی شکن، دافع شکن، دافع الفتن مولانا محمد قاسم صاحب دام بالعزوالرفعۃ والجاہ ومن کل سوء وشر حماہ ووقاہ نے بغرض تصدیق وتصویب اس ناسزا سگ بارگاہ احمد رضا کے پاس بھیجا اور اپنے نامہ نامی وصحیفہ سامی میں تحریر فرمایا کہ ما قل ودل، اور اپنے مہر ودستخط کرکے سیدھا کلکتہ نزد محب سنت عدو بدعت، سرتاج اہل سنت، حامی دین متین، قاطع جیوش المبتدعین، جناب معلی القاب، حضرت منشی حاجی حکیم محمد لعل خاں صاحب کے رجسٹر کرکے بھیج دینا کہ وہاں طبع ہوجائے، واللہ فقیر اس پر انوار خورشید سے مقبول وچمکدار فتوے کی تحسین وتصویب کے کب لائق وحقدار، مگر مکرمی قاضی صاحب والا مناقب اعلیٰ مناصب داسم بالمواہب کی تعمیل کے لئے اتنے پر کفایت کرتا ہوں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر التوبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷۰

ماأجاب المجیب المصیب العالم العلامۃ الدراکۃ الفھامۃ ذوالتحقیق الباھرۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ مولانا احمد رضا خان فھو حق وصواب وذلك حکم السنۃ والکتاب جزاہ اللہ تعالٰی عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء، ونفعنا وجمیع اھل السنۃ بعلومہ الٰی یوم الجزاء، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	باصواب جواب دینے والے عالم نہایت فہم ودرک والے علامہ وسیع تحقیق والے، موجودہ صدی کے مجدد مولانا احمد رضاخاں نے جو جواب دیا رہ حق وصواب ہے، کتاب وسنت کا یہی حکم ہے، اللہ تعالٰی ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطافرمائے اور تمام ہم اہلسنت کو ان کے علم سے قیامت تک بہرور فرمائے، واللہ تعالٰی اعلم اس کا علم اتم واحکم ہے۔(ت)

عبدہ المذنب محمود جان سنی حنفی قادری البرکاتی الرضوی
البیشاوری ثم الجام جودھپوری کاٹھیاواری عفی عنہ کتبہ
بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۵۸)ماکتب العلماء المحققون والفضلاء المدققون فی ھذا الاستفتاء قد اجابوا بالحجج القویۃ وبالدلائل الصحیحۃ من عبارات الکتاب والسنۃ فاثابھم اللہ تعالٰی ثواب کثیرًا واجرًا وفیرًا فی یوم القیمۃ وقلع اللہ تعالٰی اساس المبتدعین ومحافل المنکرین المطر ودین وسود اللہ وجوھھم فی الدنیا والدین بحرمۃ سیدنا ومولانا سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالحق احق عندالحق۔	علمائے محققین اور فضلائے مدققین نے اس فتوے میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ قوی حجتین اور صحیح دلائل عبارات قرآن و حدیث سے جواب دیا اللہ تعالٰی بروز قیامت ثواب کثیر اور اجر وافر عطافرمائے اور بدمذہبوں اور منکرین مردودوں کی محفل کی بنیاد قطع کرے اور ان کے منہ دنیا ودین میں سیاہ کرے بحرمت ہمارے سردار مولٰی سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے، تو حق خدا کے نزدیک زیادہ سزاوار ہے۔

حررہ الاثیم عبدالکریم ابن المولوی حامد صاحب مرحوم المغفور متوطن فی بلد دھوراجی

(۵۹)الحمد للہ علٰی کل حال والشکر للہ علی کل نوالہ والصلوۃ والسلام علی رسولہ سیدنا ومولانا وسندنا محمد وعلٰی الہ واصحابہ اجمعین اٰمین وبہ نستعین، امابعد **اقول:** کیاخوب جواب ان سوالوں کا عالم محقق وفاضل مدقق اعلحضرت مولاناحاجی الحرمین الشریفین احمد رضاخاں صاحب البریلوی نے

دئے ہیں جن کی تحریریں دیکھنے سے معلوم ہوا جو کچھ حق جواب کا تھا وہ لکھے۔اللہ پاک ایسے علمائے دین کو قائم وترقی درجات میں رکھے،آمین ثم آمین! چونکہ بمصداق لولا العلماء لهلك الجهلاء (اگر علماء نہ ہوتے تو جاہل ہلاک ہوجاتے۔ت) سچ تو یہ ہے کہ آج کل بد مذہب والوں کا اظہار ہورہا ہے، یہ چوہے ہیں دین السلام کی کترنی کررہے ہیں، ایسے چوہوں کے سر کوب بلکہ نابود کرنے والے علمائے دین اہل سنت وجماعت جیسے یہ ہمارے اعلحضرت وغیر ہم کہ ان کانفرنس کے توڑنے والے ہیں نے بدلائل قرآن شریف وباحادیث صحیح وباقول فقہائے فصیح کے چندیا اڑادی، ہاں ذرا غور کرکے دیکھو صاف کلام پاک صاحب لولاک شافع محشر کا ہمیں راہ راست بتلارہا ہے، حدیث افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ[1] (بہترین عمل محبت اور بغض اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہونا ہے۔ت) اللہ پاک جمیع مسلمانوں کو نیک ہدایت بخشے اور راہ راست جماعت پر مستقیم رکھے، آمین ثم آمین!

کتبہ خادم العلماء والفقراء احقر العباد عبدالحکیم خلف مولوی عبدالکریم ساکن دھوراجی باباء واجداد۔

(۶۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ علی ماھدی والصلوۃ علی رسولہ المصطفی والہ المجتبٰی وعلمائہ الذین احکموا بنیان الحق والتقی، وقلعوا اساس البدع والھوی، اما بعد اس عاجز واحقر خادم العلماء نے تحقیق انیق مشفقان محبیان کی از ابتداء تا انتہاء دیکھی، خداوند کریم ان سب کو اجر عظیم نصیب کرے اور جناب قاضی وحاجی قاسم میاں کو جو خیر خواہ اور سچے عاشق اسلام اور اہل السلام ہیں جنھوں نے بڑی جانفشانی کی ہے اور ان کے ہواخواہوں کو بھی ثواب جمیل عطا کرے۔ المجیب مصیب ولہ فی الاخرۃ نصیب

حررہ احقر العباد محمد طاہر ولد مولوی ایوب عفی عنہا کاٹھیاوار دھوراجی

تصدیق جناب مولانا مولوی غلام محی الدین عرف فقیر صاحب ساکن راندیر ضلع سورت

(۶۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد اللہ وکفی والصلٰوۃ علی سیدنا محمد المصطفی وعلی الہ واھل بیتہ واصحابہ الذین اجتبٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد حمد وصلٰوہ کے واضح ولائح کہ فقیر نے یہ تحقیق انیق محبیان ومصحبان شفیق کی ابتداء سے انتہاء تک دیکھی سو حق حقیق ہے اللہ جل شانہ وعم نوالہ ان سب کو اور خاص کرکے جناب برادر بلکہ از جان بہتر دین کے عاشق، اہل اسلام کے خیر خواہ، محب صادق جناب قاضی وحاجی قاسم میاں اور ان کے معاونوں سب کو جزائے خیر عطا فرمائے حالًا ومالًا بیشک اس زمانہ

[1] سنن ابو داؤد کتاب السنۃ باب مجانبۃ اھل الاھواء وبغضھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۷۶

پر فتن میں اظہار کرنا اور حق کو حق کر دکھانا اور اپنے دینی برادروں کو بچانا، یہ ہر مسلمان باایمان کا فرض ہے اور یہ قرآنی حکم محکم ہے جو اس کو نہ مانے اور اصرار کرے وہ قابل جہنم ہے، دیکھو سورہ نساء پارہ پنجم:

"وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ "[1]۔	اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔(ت)

پس یہ ندوہ اور کانفرنس اور ایسی ویسی خلاف شرع مجلسیں سم قاتل ہے، اس میں شریک ہونا مدد دینا گناہ کبیرہ ہے، خدا سب مسلمانوں کو بچائے اور توفیق نیک رفیق عطا فرمائے، آمین!

الراقم الحروف خادم خلق اللہ فقیر صاحب سید غلام محی الدین بن مولانا مولوی سید رحمت اللہ عفی عنہما بدست خود۔

(۶۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ العلیم العلام وعلی نبیہ والہ وصحبہ الصلوۃ والسلام۔ اما بعد میں ناچیز اس لائق نہیں ہوں کہ ایسے علماء کے فتووں پر تصحیح لکھوں اور میری تحریر سے فتوٰی کچھ زیادہ معتبر ہو مگر دو باتوں نے مجھے لکھنے پر ابھارا اور جرات دلوائی ایک تو برادر ایمانی کے اصرار نے اور دوسرے اس امید نے کہ علمائے راسخین کی متابعت اور مشابہت سے مجھ گناہ گار کا حشر بھی ان کے ساتھ ہو جائے اور ؎

ان کے پیچھے پیچھے جنت الماوٰی کروں

لہٰذا لکھواتا ہوں کہ:

ما افتی العلماء والعظام والفقہاء الکرام فھو حق وصحیح وانا اضعف عبد اللہ الجلیل المحمود ابن الحافظ الاسمعیل المغفور المرحوم تابع لاقوالھم و فتوٰھم فی ھذا المرام و الصلوۃ علی نبیہ والہ وصحبہ والسلام وکان ذلک فی ۲۵ من شھر ذی القعدۃ الحرام من السنۃ الھجریۃ۔	علماء وفقہاء کرام نے جو فتوٰی دیا وہ صریح حق ہے اور میں اللہ تعالٰی جلیل کا نہایت ضعیف بندہ محمود بن حافظ اسمٰعیل مرحوم، صلوٰۃ وسلام ہو اللہ تعالٰی کے نبی، ان کی آل واصحاب پر، ۲۵ ذی قعدہ سن ہجری میں تحریر کیا گا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

تقریظ جناب مولانا مولوی غلام رسول صاحب ملتانی

(۶۳)قد اصاب ما جا مولانا العلام وحید العصر فرید الدھر امام الفقھاء راس الانقیاء مجدد المائۃ الحاضرۃ الفاضل البریلوی متع اللہ المسلمین والمومنین بطول بقائہ فی ھذہ المسئلۃ بان التائید والشرکۃ فی مثل ھذا المجالس الشیعۃ ممنوع کما قال اللہ تعالٰی "لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ"[1]۔وفقنا اللہ تعالٰی ایانا ولسائر المسلمین و المومنین للمفارقۃ والشرکۃ من ھذہ المجالس و الیہ التوفیق وھو احسن رفیق۔	درست ہے جو اس مسئلہ میں جواب دیا مولٰنا علام یکتائے زمانہ، تنہائے روزگار، فقہاء کے امام پرہیزگاروں کے سردار، اس صدی کے مجدد فاضل بریلوی نے اللہ تعالٰی مسلمین ومومنین کو ان کی درازی عمر سے متمتع کرے کہ اس جیسی بری مجلس کی تائید وشرکت ممنوع ہے چنانچہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ مسلمان مسلمان کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائی اور جو ایسا کرے وہ رحمت خدا سے کسی شیئ میں نہیں۔ اللہ تعالٰی ہمیں اور تمام مسلمین و مومنین کو توفیق دے کہ ان مجلسوں کی شرکت سے جدا رہیں اور اسی کی طرف توفیق ہے اور وہ اچھا ساتھی۔

حررہ العبد الجانی ابوالقبول غلام رسول الملتانی عفی عنہ

تقریظ علمائے مراد آباد

(۶۴)الحمد للہ علی الخبیر سقطت والی العلیم ظفرت بیشک بلاارتیاب جواب صحیح و صواب،ایسے مجالس کا انعقاد بلانزاع حرام،جو دنیا کو دین پر ترجیح دیتے ہیں یہ ایسوں ہی کا کام،اس میں بذل جاہ ومال تو کجا نفس شرکت ہی ناروا،توہب تنبچر، تشیع کی معجون مرکب کہیں اپنے زہریلے اثر سے تجھے ہلاک نہ کردے،اپنے ایمان کی خبر لے،فرق مبتدعہ وہابیہ، نیاچرہ، مرزائیہ وغیرہ ضالہ کے ساتھ مجالست وموانست ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ جسے وہ ترقی سمجھے وہ عین تنزل ہے،دار فانی کے عیش وتفاخر کو پیش نظر رکھ کر نعیم آخرت کو بھلادیں،بیشک مسلمانوں کے لئے دنیا وآخرت میں وہی اصلح وانفع ہے جو ان کے لئے ان کے رب تبارک وتعالٰی اور حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جیساکہ مجیب معظم و مفخم ومصیب مدظلہم الاقدس نے

---
[1] القرآن الکریم ۳ /۲۸

مبرہن فرمایا، مفتی صاحب موصوف کا علم و فضل ظاہر واشکار، جس سے ہدایت کے چشمے اکناف عالم میں نمودار، اصل تو یہ ہے کہ حضرت والا کی ذات بابرکت ہرگز کسی واصف کے وصف اور مادح کے مدح کی محتاج نہیں جبکہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مبارک شہر مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے علمائے عظام وفضلائے کرام نے ایسا گہرا احترام فرمایا کہ جس کا بیان حیطہ تحریر سے باہر، میں یہ بھی کیوں کہوں یہ اکرام علمائے بلدامین نے فرمایا، نہیں نہیں بلکہ یقینا یہ مجد وشرف اسی آقائے نامدار سرکار ابد قرار فداہ روحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقار سے ہے جن کے صدقہ میں ہر ذی عزت ذی عزت بنا، جس کو جو ملا ان سے ملا، وہ وہی آفتاب رسالت ہیں جنھوں نے بعضے مقربان درگاہ علیہ متع اللہ المسلمین بقائہم کو عالم رؤیا میں اپنے نور بار جلو کی جھلک دکھا کر زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ "احمدی رضا کی خدمتیں قبول ہیں"۔ والحمد اللہ علی ذلک، ارباب سنت پر لازم کہ حضرت ممدوح کے فتوے کے موافق عمل فرمائیں اور بدعقیدہ بدمذہبوں کی صحبت سے اجتناب رکھیں، اللہ تبارک وتعالٰی ہم سب کو ہدایت پر قائم رکھے آمین ثم آمین! واخر دعوٰنا ان الحمد اللہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سید المرسلین شفیع المذنبین راحۃ العاشقین والہ وصحبہ الطیبین الطاھرین کلھم اجمعین الی یوم الدین۔

حررہ العبد المذنب ابوالمکارم محمد عماد الدین عفی عنہ

(۶۵)الجواب صحیح والمجیب المعظم المکرم مصیب ومثاب فقیر ابوالبرکات عبیدالمصطفٰی سید احمد غفر اللہ الصمد

(۶۶)الجواب صحیح حقیر سید اولاد علی عفی عنہ

تصدیقات علمائے پیلی بھیت

(۶۷)جو کچھ حضرت شیک الاسلام والمسلمین عون الاحناف والدین، امام علمائے اہل سنت، عالم کتاب وملت، عارف باللہ، نائب رسول اللہ، مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجۃ قاہرہ، مؤید ملت طاہرہ، سیدنا ومولانا الحاج اعلٰحضرت مولوی احمد رضاخاں صاحب دامت برکاتہم ومتع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے دربارہ مسئلہ ہذا تحریر فرمایا ہے وہ سب حق وصواب ہے اور احق بالاتباع ہے، مسلمانوں کو اس پر عمل لازمی ضروری ہے۔ اور خلاف اس کا ضلالت وموجب ہلاکت، **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وھو الھادی بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**، فقیر قادری حکیم عبدالاحد الشہیر بسلطان الواعظمین خادم ومدرس مدسۃ الحدیث

پیلی بھیت ابن علامہ اوحد ارشد فقیہ امجد حضرت مولانا وصی احمد صاحب قبلہ محدث سورتی قدس سرہ العلی۔

(۶۸) حضرت عظیم البرکت عالم اہل سنت قامع بدعت و محی سنت مولانا و بالفضل المولوی احمد رضاخاں صاحب متع اللہ المسلمین ببقائہ کا جواب صحیح ہے۔

حررہ العبد الحقیر ابو سراج عبدالحق رضوی عفی عنہ

(۶۹) الجواب صحیح والمجیب الفاضل نجیح۔

فقیر قادری حبیب الرحمٰن مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت۔

تصدیقات علمائے شاہجہان پور

(۷۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ الاعلی والصلوۃ والسلام علی رسول المجتبٰی وعلی الہ واصحابہ الذین ھم اسانید الھدی، امابعد یہ فتوے عالم اکمل، فاضل اجل، حامی دین غراحضرت مولٰنا مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی کا دیکھنے میں آیا، نہایت صحیح اور درست پایا، بلاشبہہ یہ مجلس منحوس، مکر اور فریب سے دین اور دینا دونوں برباد کرنے والی، اگر مسلمان ان کی صحت اور معاونت اور شرکت سے باز نہ آئیں گے تو بالیقین اپنے دین ودنیا دونوں خراب کریں گے، چنانچہ فرمایا حق سبحانہ وتعالٰی نے:

"لَاتَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ" [1]، قالا فی تفسیر روح البیان تحت ھذہ الایۃ الکریمۃ والمراد بمن حاد اللہ ورسول المنافقون والیھود والفساق والظلمۃ والمبتدعۃ والمراد بنفی الوجدان نفی المودۃ علی معنی انہ لاینبغی ان یتحق ذلک، وحقہ ان یمتنع ولایوجد بحال [2] انتھی، وایضا فیہ	تم ایسی قوم نہ پاؤ گے جو اللہ تعالٰی اور آخرت پر ایمان لائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مخالفوں سے محبت کریں، روح البیان میں اس آیہ کریمہ کے تحت فرمایا: اللہ ورسول کے مخالف، منافق، یہود، فساق، ظالم، بدعتی لوگ ہیں، اور "نہ پائیں" سے مراد محبت و تعلق کی نفی ہے یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے اور اس سے بچنا لازم ہے، بہر حال اس سے باز رہے، ختم ہوا، اور اس میں ہے

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] روح البیان (التفسیر) تحت آیۃ ۵۸/ ۲۲ المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبھا الحاج الریاض ۹/ ۴۱۲

عن سھل بن عبداللہ التستری قدس سرہ من صحح ایمانہ واخلص توحیدہ فانہ لایانس الی مبتدع والایجالسہ ولایواکلہ ولایشاربہ ولایصاحبہ ویظھر من نفسہ العداوۃ والبغضاء [1] انتھی،	سہل بن عبداللہ تستری قدس سرہ، سے منقول ہے کہ صحیح الایمان والاخالص توحید والا شخص نہ بدعتی لوگوں کی رغبت رکھے، نہ ان کے پاس بیٹھے، نہ ان کے ساتھ کھائے، نہ ان کی صحبت میں جائے اور ان سے عداوت وبغض کا مظاہرہ کرے، انتہی (ت)

اور یہ ان کا کہنا کہ یہ دینی کانفرنس کہاں ہے یہ تو دنیوی کے لئے قائم کی ہے بالکل فریب اور دھوکا دہی اور رہزنی ہے، کیونکہ اگر عزت اور ترقی دنیا کی پیدا کرنے کے واسطے ہے تب بھی ان سے اختلاط عہ، اور مداہنت ممنوع ہے، چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے:

ومن داھن مبتدعا سلبہ اللہ حلاوۃ السنن ومن تحبب الی مبتدع لطب عزفی الدنیا اوعرض منھا اذلہ اللہ بتلك العزۃ وافقراللہ بذلك الغنی [2] انتھی، و ایضا قال سبحنہ تعالٰی وتقدس "وَلَاتَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [3] ۔ قال فی جواہر التنزیل تحت ھذہ الایۃ الکریمۃ وھی نار جھنم والرکون ھو المیل	جو بدعتی کے معاملہ میں کمزوری دکھائے اللہ تعالٰی اس سے سنت کی حلاوت کو سلب فرماتا ہے اور جو شخص بدعتی کی دعوت کو دنیاوی عزت یاسامان کی خاطر قبول کرتا ہے تواللہ تعالٰی اس کو اس غناء کے باوجود ذلیل وفقیر کردیتا ہے، اللہ تعالٰی نے یہ بھی فرمایا ہے ظالموں کی طرف میلان نہ کرو کہ آگ تمھیں چھوئے، جواہر التنزیل میں اس آیہ کریمہ کے تحت فرمایا یہ جہنم کی آگ ہے اور "رکون" تھوڑی میل ہے تو جو ان کے ساتھ مکمل میلان رکھے اور ان کے

عہ: یعنی فرقہ باطلہ سے ۱۲۔

[1] روح البیان للحقی (التفسیر) تحت آیۃ ۲۲/۵۸ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج الریاض ۹/ ۴۱۲

[2] روح البیان للحق (التفسیر) تحت آیۃ ۵۸ /۲۲ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج الریاض ۹/ ۴۱۲

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

الیسیر فما ظنك بمن یمیل الیهم کل المیل ویتهالك علی مصاحبتهم ویتعب قلبه وقالبه فی ادخال السرور علیهم ویستنهض الرجل والخیل فی جلب المنافع الیهم ویبتهج بالتزی بزیهم والمشارکة فی غیهم ویمد عینیه الی ماتمتعوا به من زهرة الدنیا الفانیة ویغبطهم بما اوتوا من القطوف الدانیة غافلا عن حقیقة ذلك ذاهلا عن منتهی ماهنالك وینبغی ان یعد مثل ذلك من الذین ظلموا[1] انتہی۔	ساتھی ہونے پر والہانہ انداز اپنائے اور ان میں شامل ہونے پر روحانی وجسمانی خوشی ظاہر کرے اور منافع حاصل کرنے کے لئے اس ٹولے کی طرف دوڑے اور ان کی شکل وصورت پر فخر کرے، ان کی گمراہی میں شرکت کرے، اور دنیاوی امیرانہ سہولیات پر امید لگائے اور ان کے موج میلے پر رشک کرتے ہوئے اس کی حقیقت نہ سمجھے اور نتائج سے بے فکر ہوجائے تو ایسے لوگوں کو ظالموں میں شمار کرنا مناسب ہے۔ (ت)

اس شاہجہان پور میں عرصہ چودہ پندرہ سال کا ہوا ہوگا کہ اس ندویہ نے مجلس قائم کی تھی مکروفریب دے کر ساٹھ ہزار روپیہ نقد اور زیورات اور جائیداد دیہات وغیرہ حاصل کیا کہ اتنا کسی شہر سے حاصل کرنے کا سنا نہیں گیا۔ اور سب خورد برد کرڈالا یہاں تک کہ طلاب جو مدرسہ ندویہ میں پڑھنے جاتے تھے تو ان سے خوراک کی تنخواہ لے لیتے تب داخل کرتے، اسی وجہ سے مولوی مسیح الزمان خاں صاحب اور اعزاز حسین صاحب وغیرہ ان سے علیحدہ ہوگئے اور فقیر سے اور اہل ندویہ سے کئی گھنٹے مباحثہ رہا انھوں نے تسلیم کیا اور وعدہ کیا کہ ہم غیر مقلدوں اور وہابیوں اور رافضیوں اور نیچریوں کو اپنا شریک نہ کرینگے، اور پھر بھی انھوں نے شرکت ان فرقہ باطلہ کی قائم رکھی، اس سے بڑھ کر کیا فریب ہوگا، اب ان شہروں میں ان کا داؤں چلتا نہیں انجان شہروں میں جاکر فریب دہی دنیا اور دین کی اختیار کی، ان شاء اللہ تعالٰی سچے مسلمان تو بعد علم کے ان کے فریب میں ہرگز نہ آئیں گے۔

حررہ الخاطی محمد ریاست علی شاہجہان پوری عفی عنہ۔

(۷۱) اصاب من اجاب۔ العبد نور احمد عفی عنہ

[1] جواھر التنزیل

(۷۲)الجواب صحیح۔ محمد فراست اللہ عفی عنہ

(۷۳)الجواب صحیح۔ ظہور احمد شاہجہان پوری عفی عنہ

تصدیقات علمائے رامپور

(۷۴)الجواب صحیح۔

محمد نور الحسین الرامفوری المدرس الاول للمدرسۃ العثمانیہ الواقعۃ بلدۃ کلکتہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ الہجریۃ المقدسۃ

(۷۵)بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد اللہ علی الھدایۃ والرشاد ونعوذ باللہ من البغی والعناد، والصلوٰۃ والسلام علی نبییہ المصطفی والہ وصحبہ الذین اجتباہم واصطفی، اما بعد فقیر حضرت مجدد دین وملت، قامع شرکت وبدعت، مجدد مائتہ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، امام اہلسنت حضرت فاضل بریلوی ادام اللہ وابقاہ کے حرف حرف سے متفق ہے، نیچری ایجوکیشنل کانفرنسیں یاان کے فضلے ندوۃ مخذولہ کی شرکت بدنی ہو یامالی قطعی حرام، اور اس کو حلال اور دینی خدمت سمجھنے والاکافر وبے دین ہے، ملعون نیچریوں نے خوشنودی نصاریٰ کے لئے حب جاہ میں گرفتار ہوکر انگریزی تعلیم کا جال پھیلایا رکھاہے جس سے اس گروہ نابکار بندہ کفار کی غرض فاسد یہ ہے کہ جوہر ایمان مسلمان نادان بچوں کے سینے سے مٹ جائے مگر ان اشرار ناہنجار کو اس رہزنی کے صلے میں کوئی منصب یا جہنمی خطاب مل جائے، ہنوز ایک ماہ نہیں گزرا کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مدارس میں منعقد ہوئی جس کے صدر آنریبل خان بہادر عزیز الدین احمد سی، آئی، اے، کلکٹر آف ویلور نے خطبہ صدارت فرماتے ہوئے کہاکہ مسلمان بچوں کو ابتداء میں قرآن خوانی سے جو نقصانات پیدا ہوجاتے ہیں آگے چل کر وہ انگریزی تعلیم میں حارج ہوتے ہیں، اگے چل کر فرماتے ہیں کہ جو مادر وطن کے فرزند، ایم۔اے، یابی۔اے کی ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے کوشش کررہے ہوں توان کوایام رمضان میں روزہ بالکل نہ رکھناچاہئے کیونکہ بوجہ صوم طالبعلموں کے قوائے عقلی وحسی کمزور پڑجاتے ہیں، **اناللہ وانا الیہ راجعون۔** (ملاحظہ ہومزید کیفیت کے لئے اخبار وکیل)

جن خبیث کانفرنس ونیچری جلسوں میں ان کے معین ومددگار بیٹھ کر خلاف نصوص قرآنی واحادیث محبوب ربانی ریزولیوشن پاس کرتے ہوں ان کانفرنسوں کی شرکت مسلمانوں کو قطعی حرام ہےایسی کفریہ کانفرنسوں میں اس گروہ شقاوت پژدہ کی شرکت کرنا یامالی مدد کرنااسلامی بنیاد کو ڈھانااور آتش کفر کابھڑکانا ہے جس کاانجام جہنم ہے،

(۱) رب العزت ارشاد فرماتا ہیں:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ	اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو

"وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ "[1]	دوست نہ سمجھوں اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔ (ت)
(۲) "مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ "[2]۔	اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کردے گا گندے کو ستھرے سے (ت)

حدیث صحیح میں ارشاد ہوتا ہے:

اباھریرۃ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکون فی اٰخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم واٰباؤکم ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[3]۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں (ایک گروہ) فریب دینے والوں اور جھوٹ بولنے والوں کا ہوگا وہ تمھارے سامنے ایسی باتیں لائیں گے جن کو نہ تم نے کبھی سنا ہوگا نہ تمھارے باپ دادا نے، تو ایسے لوگوں سے بچو اور انھیں اپنے قریب نہ آنے دو تاکہ وہ تمھیں گمراہ نہ کریں اور فتنہ میں نہ ڈالیں۔ (ت)
(۲) من اعرض عن صاحب بدعۃ بغضا لہ فی اللہ ملا اللہ قبلہ امنا وایمانا[4]۔	جس نے بغض کی بنا پر بدمذہب سے اعراض کیا تو اللہ تعالٰی اس کا دل امن وایمان سے بھردے گا۔ (ت)
(۳) من مشی الی صاحب بدعۃ لیوقرھم فقد اعان علی ھدم الاسلام[5]۔	جو کسی بدعتی کی تعظیم کے لئے گیا اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔ (ت)

غرض آیات واحادیث اس بارے میں مالا مال ہیں، خداوند کریم برادران اہل سنت کو ان خبیث جلسوں کی شرکت سے محفوظ رکھے اور گروہ نیاچرہ سے ہم مسلمانان اہل سنت کو بچائے، آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلٰوۃ واکمل التسلیم۔ فیقر محمد شفاعت الرسول سنی حنفی قادری رضوی برکاتی کان اللہ رامپوری

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۹

[3] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[4] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۳۷۸ عبدالرحمن بن نافع دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۲۶۴

[5] کنز العمال حدیث ۱۱۲۳ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۲۲

ابن شیر بشیہ سنت عمدۃ المتکلمین سیف المسلول حضرت ابوالوقت مولٰنا شاہ محمد ہدایت الرسول مرحوم مغفور رامپوری

(۷۶) تصدیق جناب مولانا مولوی محمد علیم صاحب میر ٹھی زید مجدہ

مبسملًا وحامدًا محمدًا (جلا وعلا) ومصلیًا ومسلمًا محمدًا (سلم اللہ علیہ وصلی) امابعد کاٹھیاوار مسلم ایجو کیشنل کانفرنس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کاٹھیاوار کی ایک تعلیمی انجمن ہے، مسلمانوں میں علوم کی روشنی پھیلانا اور ان کو جہالت کے قعر مذلت سے نکالنا ایک ایسا ضروری واہم امر ہے جس کے متعلق قرآن عظیم میں یوں وارد ہوتا ہے۔

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ"[1]۔	اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں۔ (ت)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

"يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ"[2]۔	اللہ تمھارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا (ت)

طلب علم کے متعلق فرمان حضور عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوتا ہے کہ:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة[3]۔	علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے (ت)

نیز: اطلبوا العلم ولو بالصین[4] (علم حاصل کرو چاہئے چین جانا پڑے۔ ت) لیکن سب سے اہم سوال یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد کون سا علم ہے کیونکہ مدینۃ العلم حضرت سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ:

العلوم خسة الفقة للادیان والطب للابدان و الهندسة للبنیان والنحو للسان والنجوم للزمان[5] کذافی مدینة	علوم پانچ ہیں: فقہ، دین کے لئے، طب، بدن کے لئے۔ ہندسہ عمارت کے لئے، نحو زبان کے لئے، نجوم زمانہ کے لئے۔ جیسا کہ مدینۃ العلوم

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۰۴

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۱

[3] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی مسئلہ الواجب علی الکفایۃ واجب علی الکل منشورات الرضی قم ایران ۱/ ۶۳

[4] کنز العمال حدیث ۲۸۶۹۸، ۲۸۶۹۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۳۸

[5] مدینۃ العلوم

العلوم، وقال الامام الشافعی رحمه الله تعالٰی علیه العلم علمان علم الطب للابدان وعلم الفقة للادیان [1]۔	میں مذکور ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: علم دو ہیں؛ علم طب، بدن کے لئے، اور علم فقہ، دین کے لئے (ت)

سوال مذکورۃ الصدر کا جواب آیات کلام عظیم واحادیث نبی کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کے مضامین کو ترتیب دینے سے بادنٰی توجہ معلوم ہوجاتاہے کہ یہاں اس علم سے مراد دین ہی ہے، چنانچہ اسی پر مفسرین ومحدثین کا اجماع، اور اگر جیساکہ بعض مأولین معانی آیات واحادیث کہتے ہیں کہ علوم ابدان بھی اسی میں داخل ہیں تو بھی یہ امر یقینی ہے کہ علوم دینی کو بہر نوع علوم ابدان پر اولیت ان مأولین کے نزدیک بھی مسلم ہوگی، اس لئے معاملات تعلیم وتعلم علوم پر غور کرنے والوں کے لئے منکم ہونا ہی نہیں بلکہ بفحوائے:

"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَۙ" [2]	تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں (ت)

اہل ذکر ہونا اور شان رفع کا مورد بننے کے لئے "الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" [3] (جو ایمان لائے۔ت) کا ہونا نیز طلب علم کی فرضیت کا حکم پانے والوں کے لئے مسلم ومسلمہ کا ہونا لابد ہے، پس جہاں مسائل تعلم وتعلیم پر غور کرنے کے لئے امت مرحومہ کے وہ افراد جمع ہوں جو یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِؕ " [4] اور " اَهْلَ الذِّكْرِ " [5] کے مصداق کہلائے جاسکیں اور تعلیمی مشورے میں " " یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْۙ " [6] کی آیت کو ملحوظ رکھ کر تحفظ ایمان واسلام واشاعت علوم دین کے فرض اہم واولین کو محسوس کرتے ہوئے ضمناً ضرورت زمانہ کے لئے تجارت وزراعت، صنعت وحرفت نیز ایسی السنہ وکتب کے تعلم وتعلیم کے متعلق بھی مشورہ کریں جن کے حصول سے دین میں نقصان آنے کا احتمال اضعف بھی نہ ہو تو ان کی انجمن محمود اور اس انجمن کی شرکت مسعود کہی جائے گی، البتہ اگر ارکان انجمن معراعن الدین والایمان ہوں، اور مبحث مشورہ تعلیم وتعلم علوم مخرب دین وایمان تو وہ انجمن یقیناً مردود اس کی شرکت سے اہل ایمان کے لئے بہر نوع گریز واجب، جیساکہ اکابر علماء کے فتاوے سے بوضاحت ثابت ہوچکا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اکمل واتم۔ فقیر محمد علیم رضا القادری غفرلہ

1

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و ۲۱/ ۷

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۱

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۰۴

[5] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و ۲۱/ ۷

[6] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۸

(۷۷) تصدیقات علمائے پنجاب

عنایت فرمائے من جناب قاسم میاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ یہاں پر استفسارات کے اجوبہ علمائے کرام مقیمان زیارت شریف لکھتے ہیں۔آپ کا دعاگو عرصہ ممتدہ سے بوجہ کم فرصتی علیحدہ ہے۔آپ کے استفسار کے متعلق جوابا گزارش ہے کہ اہل السنۃ کو اہل ہواوبدعت کے لئے اشاعتِ امور ہوائیہ وبدعیہ میں امداد دینی نہ چاہئے، میں چونکہ مفتی نہیں ہوں لہذا مہر بھی نہیں رکھتا۔

العبد الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علیشاہ بقلم خود از گولڑہ

(۷۸) **الجواب صحیح والمجیب مصیب۔**

حررہ الراجی الٰی لطف ربہ القوی عبدالنبی الامی السید حیدر شاہ القادری الحنفی المتوطن کچھ بھوج المعروف بہ پیر پھڑوالہ النزیل فی الکلکتہ المرقوم ۲۷ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ

(۷۹) فرمان ہادی السبیل سید الانبیاء والملائکۃ والرسل رسول الکل عزیز از جان ودل حبیب لبیب پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد ما ھو المکتوب فی اللوح والقلم فی کل یوم ولیلۃ ولمحۃ وساعۃ ونفس الف الف مائتہ الف مرۃ الی یوم العلم، جز اہل السنت والجماعت کلہم فی النار ہو، پس ایسے مجمع میں شریک ہونا حرام ہے،ہاں ہاں جسے جہنمی رقعہ خرید کرنا ہو اسے جائز ہے کہ اپنا حال رائگاں کرکے دنیا میں ناموری پائے اور گروہ ماانا علیہ واصحابی وسواد اعظم سے خارج ہوکر گروہ اہل البدعۃ والنار میں اپنا نام لکھوائے۔

"مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ"[1] الایۃ۔ "وَ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى"[2]۔	جو کچھ تمھیں رسول عطافرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو الآیۃ۔اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہے۔(ت)

کتبہ خاکپائے سیدنا رسول الرب الغفور احقر عبدالشکور گیسو دراز ابن المرحوم المغفوری مولوی دادامیاں محمدی سنی حنفی چشتی صابری اویسی دھوراجوی عفا اللہ عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۲

رسالہ
تدبیر فلاح ونجات واصلاح ۱۳۳۱ھ
(نجات، اصلاح معاشرہ اور کامیابی کی بہترین تدبیریں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم ط

مسئلہ ۱۵: از کلکتہ کولوٹولہ اسٹریٹ نمبر ۶۵ مسئولہ جناب حاجی منشی لعل خاں صاحب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

قبلہ وکعبہ حضرت مرشدی ومولائی دام ظلکم العالی، تمنائے قدمبوسی کے بعد مؤدبانہ گزارش، المؤید کے پرچے برائے ملاحظہ مرسل ہیں۔ ارشاد ہو کہ آج کل مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے اور امداد ترک کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:

بملاحظہ مکرمی حامی سنت ماحی بدعت برادر طریقت حاجی لعل خاں صاحب دام مجدہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، المؤید کے چھ پرچے آئے انھیں بالاستیعاب دیکھا گمان یہ تھا کہ شاید کوئی خبر خوشی کی ہو مگر اس کے برعکس اس میں رنج وملال کی خبریں تھیں، بے گناہ مسلمانوں پر جو مظالم گزر رہے ہیں اور سلطنت ان کی حمایت نہیں کرسکتی صدمہ کے لئے کیا کم تھے کہ اس سے بھی بڑھ کر ترکوں کی اس تازہ تبدیل روشن کا ذکر تھا جس نے میرے خیال کی تصدیق کردی۔

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ"[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی کسی قوم کو گردش میں نہیں ڈالتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدل ڈالیں۔

اللہ اکرم الاکرمین اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طفیل سے ہماری اور ہمارے اسلامی بھائیوں کی آنکھیں کھولے، اصلاح قلوب واحوال فرمائے، خطاؤں سے در گزر کرے، غیب سے اپنی مدد اتارے، اسلام و مسلمین کو غلبہ قاہرہ دے، آمین الٰہ الحق آمین، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ مگر بے دل نہ چاہئے،

"لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾"[2]	اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بیشک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔(ت)

اللہ واحد قہار غالب علی کل اس دین کا حافظ وناصر ہے،

"وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾"[3] "وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾"[4]	اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا، تمھیں غالب آؤگے اگر ایمان رکھتے ہو۔(ت)

حضور سید نا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق لایضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذلک غالبًا[5]۔	میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا ان کی مخالفت اور رسوائی کرنے والا ان کو ضرر نہ پہنچاسکے گا کہ وہ گروہ اس کا حکم آنے تک اس پر غالب رہے گا۔(ت)

یہاں امر اللہ وہ وعدہ صادقہ ہے جس میں سلطان شہید ہوں گے اور روئے زمین پر اسلامی

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/۱۱

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۸۷

[3] القرآن الکریم ۳۰/ ۴۷

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۹

[5] صحیح البخاری کتاب المناقب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۴، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تزال امتی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۳، سنن ابوداؤد کتاب الفتن آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۸

سلطنت کا نام نہ رہے گا۔ تمام دنیا میں نصارٰی کی سلطنت ہوگی، اگر معاذاللہ وہ وقت آگیا ہے جب تو کوئی چارہ کار نہیں۔ شدنی ہو کر رہے گی، مگر وہ چند ہی روز کے واسطے ہے، اس کے متصل ہی حضرت امام کا ظہور ہوگا۔ پھر سیدنا روح اللہ عیسٰی مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام نزول اجلال فرمائیں گے اور کفر تمام دینا سے کافور ہوگا۔ تمام روئے زمین پر ملت ایک ملت اسلامی ہوگی، اور مذہب ایک مذہب اہلسنت، غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے، پھر اس کی عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو، مگر فقیر جہاں تک نظر کرتا ہے ابھی ان شاء اللہ وہ وقت نہیں آیا اگر ایسا ہے تو ضرور نصرت الٰہیہ نزول فرمائے گی اور کفار ملاعنہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے، بہر حال بندگی بیچارگی دعا کے سوا کیا چارہ ہے، وہی جو ہمارا رب ہے ہماری حالت زار پر رحم فرمائے گا اور اپنی نصرت اتارے یعنی جھٹکے جو پہنچ گئے ہیں انھیں پر "زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ﴿۱۱﴾ "[1] (خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔ت) کو ختم فرمادے اور "اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾ "[2] (سن لو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔ت) کی بشارت سنادے، **حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔**

آپ پوچھتے ہیں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں، اللہ عزوجل نے تو مسلمانوں کے جان ومال جنت کے عوض خریدے ہیں،

" اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ "[3]	بیشک اللہ نے مسلمانوں کے جان ومال خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔(ت)

مگر ہم ہیں کہ مبیع دینے سے انکار اور ثمن کے خواستگار ہندی مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن ومال واہل وعیال چھوڑ کر ہزاروں کوس دور جائیں اور میدان جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں مگر مال تو دے سکتے ہیں، اس کی حالت بھی سب آنکھوں دیکھ رہے ہیں وہاں مسلمانوں پر یہ کچھ گزر رہی ہے یہاں وہی جلسے وہی وہی رنگ، وہی تھیٹر وہی امنگ، وہی تماشے وہ بازیاں، وہی غفلتیں وہی فضول خرچیاں، ایک بات کی بھی کمی نہیں، ابھی ایک شخص نے ایک دنیاوی خوشی کے نام سے پچاس ہزار دئے ایک عورت نے ایک چین وچنان جرگہ کو پچاس ہزار دئے، ایک رئیس نے ایک کالج کو ڈیڑھ لاکھ دئے، اور یونیورسٹی کے لئے تو تیس لاکھ سے زائد جمع ہوگیا، ایک رات میں ہمارے اس مفلس شہر سے اس کے لئے چھبیس ہزار کا چندہ ہوا، بمبئی میں ایک کم درجے

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۱۱

کے شخص نے صرف ایک کوٹھری چھبیس ہزار روپے کو خریدی فقط اس لئے کہ اس کے وسیع مکان سکونت سے ملحق تھی، جسے میں بھی دیکھ آیا ہوں، اور مظلوم اسلام کی مدد کے لئے جو کچھ جوش دکھائے جارہے ہیں آسمان سے بھی اونچے ہیں، اور جو اصلی کاروائی ہورہی ہے زمین کی تہہ میں ہے پھر کس بات کی امید کی جائے۔بڑی ہمدردی یہ نکالی ہے کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ ہو، میں اسے پسند نہیں کرتا۔ ہرگز مسلمانوں کے حق میں کچھ نافع پاتا ہوں، اول تو یہ بھی کہنے کے الفاظ ہیں نہ اس پر اتفاق کریں گے نہ ہرگز اس کو نباہیں گے، اس عہد کے پہلے توڑنے والے جنٹل مین حضرات ہی ہوں گے جن کی گزر بغیر یورپین اشیاء کے نہیں۔ تو سارا یورپ ہے پہلے صرف اٹلی کا بائیکاٹ ہوا تھا، اس پر کتنوں نے عمل کیا اور کتنے دن نباہا، پھر اس سے یورپ کو ضرر بھی کتنا، اور ہو بھی تو کیا فائدہ کہ وہ ہو سو ترکیوں سے اس سے دہ گنا ضرر پہنچا سکتے ہیں، لہٰذا ضرر رسانی کا ارادہ صرف وہی مثل ہے کہ کمزور اور پٹنے کی نشانی، بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں، کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں، اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں، ہاں اپنی حالت سنبھالنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں ہی پر کیا موقوف تھا، ویسے ہی چاہئے تھا کہ:

اولاً: باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقامات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ ووکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع ہی میں رہتا، اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گھڑنت کرکے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر کہ آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کیلئے بنک کھولتے، سود شرع نے قطعی حرام فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ "کتاب کفل افتیه الفاhم" میں چھپ چکا ہے، ان جائز طریقوں پر بھی نفع لینے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر کو ہوئی چلی جاتی ہے ان سے بھی محفوظ رہتے، اگر بنیوں کی جائداد ہی لی جاتی مسلمان ہی کے پاس رہتی یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنئے تنگے۔

رابعاً: سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا، چاردانگ عالم میں انکی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو

بلند تاجوں کا مالک بنایا۔اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا **فانا للہ وانا الیہ راجعون، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

دین متین علم دین کے دامن سے وابستہ ہے، علم دین سیکھنا پھر اسی پر عمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی چاہتے وہ انھیں بتادیتا، اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزل ہے، جسے عزت جانتے ہو اشد ذلت ہے،

مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کریں تو ان **شاء اللہ العزیز** آج کی حالت سنبھل جاتی ہے،آپ کے سوال کا جواب تو یہ ہے، مگر یہ تو فرمائے کہ سوال وجواب سے حاصل کیا جب کوئی اس پر عمل کرنے والا نہ ہو، عمل کی حالت ملاحظہ ہو:

اول: پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلہ میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں۔اور کچہری جاکر اگرچہ گھر کی بھی جائے ٹھنڈے دل سے پسند گرہ گرہ بھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں، "**فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾**"[1] (تو کیا تم باز آئے۔ت)

دوم: کی یہ کیفیت کہ اول تو خاندانی لوگ حرفت وتجارت کو عیب سمجھتے ہیں اور ذلت کی نوکریاں کرنے، ٹھوکریں کھانے، حرام کام کرنے، حرام مال کھانے کو فخر وعزت، اور جو تجارت کریں بھی تو خریدار کو اتنا حس نہیں کہ اپنی ہی قوم سے خریدیں اگرچہ پیسہ زائد سہی کہ نفع ہے تو اپنی بھائی کا ہے، اہل یورپ کو دیکھا ہے کہ دیسی مال اگرچہ ولایتی کی مثل اور اس سے ارزاں بھی ہو ہرگز لیں گے اور ولایتی گراں خرید لیں گے۔ادھر بیچنے والوں کی یہ حالت کہ ہندو آنہ روپیہ نفع لے، مسلمان صاحب چونی سے کم پر راضی نہیں اور پھر لطف یہ کہ مال بھی اس سے ہلکا بلکہ خراب، ہندو تجارت کے اصول جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہی زیادہ ملتا ہے اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے وصول کرلیں۔ناچار خریدنے والے مجبور ہو کر ہندو سے خریدتے ہیں۔کیا تم یہ عادتیں چھوڑ سکتے ہو "**فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾**"[2] (تو کیا تم باز آئے۔ت)

سوم: کی یہ حالت کہ اکثر امراء کو اپنے ناجائز عیش سے کام ہے، ناچ رنگ وغیرہ بے حیائی یا بیہودگی کے کاموں میں ہزاروں لاکھوں اڑادیں وہ ناموری ہے ریاست ہے، اور مرتے بھائی کی جان بچانے کو ایک خفیف رقم دینا ناگوار، جنھوں نے بنیوں سے سیکھ کر لین دین شروع کیا وہ جائز نفع کی طرف توجہ کیوں کریں، دین سے کیا کام، اللہ ورسول کے احکام سے کیا غرض، ختنہ نے انھیں مسلمان کیا اور گائے کے گوشت نے مسلمانی قائم رکھی اس سے زائد کیا ضرورت ہے، نہ انھیں مرنا ہے، نہ اللہ وحدہ قہار کے حضور جانا، نہ اعمال کا

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۹۱

حساب دینا، انا ﷲ وانا الیه راجعون۔ پھر سود بھی لیں تو بنیا اگر بارہ آنے مانگے یہ ڈیڑھ دو سے کم پر راضی نہ ہوں، ناچار حاجتمند بنیوں کے ہتھے چڑھتے ہیں اور جائدادیں ان کی نذر کر بیٹھتے ہیں۔

چہارم: کاحال ناگفتہ بہ ہے کہ انٹر پاس کو رزاق مطلق سمجھا ہے وہاں نوکری میں عمر کی شرط، پاس کی شرط، پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے، نہ اس کی نوکری میں اس کی حاجت پڑے، اپنی ابتدائی عمر کہ وہی تعلیم کا زمانہ ہے یوں گنوائی، اب پاس ہونے میں جھگڑا ہے، تین تین بار فیل ہوتے ہیں اور پھر لپٹے چلے جاتے ہیں، اور قسمت کی خوبی کہ مسلمان ہی اکثر فیل کئے جاتے ہیں، پھر تقدیر سے پاس بھی مل گیا تو اب نوکری کا پتا نہیں اور ملی بھی تو صریح ذلت کی، اور رفتہ رفتہ دینوی عزت کی بھی پائی تو وہ کہ عندالشرع ہزار ذلت، کہئے پھر علم دین سکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیک وبد میں تمیز کرنے کا کون سا وقت آئے گا۔ لاجرم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو مضحکہ سمجھتے ہیں، اپنے باپ دادا کو جنگلی، وحشی، بے تمیز، گنوار، نالائق، بیہودہ، احمق، بے خرد جاننے لگتے ہیں، بفرض غلط اگر یہ ترقی بھی ہوئی تو نہ ہونے سے کروڑ درجے بدتر ہوئی، کیا تم علم دین کی برکتیں ترک کرو گے، "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱" [1] (توکیا تم باز آئے۔ت)

یہ وجوہ ہیں یہ اسباب ہیں، مرض کا علاج چاہنا اور سبب کا قائم رکھنا حماقت نہیں تو کیا ہے، اس نے تمھیں ذلیل کردیا اس نے غیر قوموں کو تم پر ہنسوایا، اس نے اس نے جو کچھ کیا وہ اس نے، اور آنکھوں کے اندھے اب تک اس اوندھی ترقی کا رونا روئے جاتے ہیں، "ہائے قوم وائے قوم یعنی ہم تو اسلام کی رسی گردن سے نکال کر آزاد ہوگئے، تم کیوں قلی بنے ہو" حالانکہ حقیقۃ یہ آزادی ہی سخت ذلت کی قید ہے جس کی زندہ مثال یہ ترکوں کا تازہ واقعہ ولا حول ولاقوۃ الا باﷲ العلی العظیم۔

اہل الرائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں، اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر وقصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کردیں پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجئے، یہ خیال نہ کیجئے کہ ایک ہمارے کئے کیا ہوتا ہے ہر ایک نے یونہی سمجھا تو کوئی کچھ نہ کرے گا، بلکہ ہر شخص یہی تصور کرے کہ مجھی کو کرنا ہے، یوں ان شاء اللہ تعالٰی سب کرلیں گے، چند جگہ جاری تو کیجئے پھر خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، خدا نے چاہا تو عام بھی ہوجائے گا، اس وقت آپ کو اس کی برکات نظر آئیں گی، وہی آیہ کریمہ کہ ابتداء سخن میں تلاوت ہوئی "اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ" [2] الایۃ جس طرح برے رویہ کی طرف اپنی حالت بدلنے پر تازیانے ہے یوں ہی نیک روش کی طرف

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۱

[2] القرآن الکریم ۱۳/ ۱۱

تبدیلی پر بشارت ہے کہ اپنے کرتب چھوڑوگے تو ہم تمھاری اس ردی حالت کو بدل دیں گے، ذلت کے بدلے عزت دینگے، اے رب ہمارے! ہماری انکھیں کھول اور اپنے پسندیدہ راستہ پر چلا صدقہ رسولوں کے سورج مدینہ کے چاند کا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وکرم آمین!

خیر یہ مرتبہ تو عمر کا ہے، مسلمانوں چار باتوں میں سے ایک کو بھی اختیار کرتے نہیں معلوم ہوتے، مگر ضروریات امداد ترک کی نسبت کہئے مرثیے ہزاروں پڑھے گئے مگر سوابعض غرباء کے امراء ورؤسا بلکہ دنیا بھر کے والیان ملک نے بھی کوئی قابل قادر حصہ لیا وہ جو فوجی مدد دے سکتے تھے وہ جو لاکھ پونڈ بھیج سکتے تھے وہ ہیں اور بے پروائی، گویا انھوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ انھیں جانے دیجئے، وہ جانیں اور ان کی مصلحت، آپ بیتی کہئے، کتنا چندہ ہوا ہے جس پر ہمدردی اسلام کا دعوی ہے، مصارف جنگ کچھ ایسے ہلکے ہیں، جتنا چندہ جا چکا ہے ایک دن کی لڑائی میں اس سے زیادہ اڑ جاتا ہے، اب بھی اگر تمام ہندوستان کے جملہ مسلمان امیر فقیر غریب رئیس اپنے سچے ایمان سے ہر شخص اپنے ایک مہینہ کی آمدنی دے دے تو گیارہ مہینہ کی آمدنی میں بارہ مہینہ گزر کرلینا کچھ دشوار نہ ہو۔ اور اللہ عزوجل چاہے تو لاکھوں پونڈ جمع ہو جائیں، یونیورسٹی کے لئے جو غریبوں کے پیٹ کاٹ کر تیس لاکھ سے زیادہ جوڑلیا اور اس پر سود مل رہا ہے کہ اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے زائد سے زائد ہو چکی ہے، اور وہ بنی بھی نہیں یہ روپے تو گھر سے دینا نہیں اس کو اللہ وحدہ قہار کی راہ بھیج دیجئے، اسلام باقی ہے تو یونیورسٹی نہ بننا ضرر نہ دے گا۔ اور اسلام نہ رہا تو یونیورسٹی کیا بخشوالے گا، بلکہ ہم کہہ دیتے ہیں کہ وہ اس وقت ہرگز ہرگز بن بھی نہ سکے گی اس وقت جو گت ہوگی اس کا بیان پیش از وقت ہے اور بالفرض تنگ دل اور بخیل ہاتھ پرایا مال بھی یوں دینے کو نہ ہو تو یہ تمام وکمال روپے سلطنت اسلام کو بقائے اسلام کے لئے بطور قرض حسن ہی دیجئے، اور زیادہ کیا کہوں، **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

کتب عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مہر دارالافتاء مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی

تصحیح کردہ اعجاز الرضوی

صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد رضا خان قادری عفی عنہ

از کاظمی مقیم دربار داتا صاحب

الجواب صحیح

فقیر حسین احمد العاشق النھواری عفی عنہ المولی القوی

اصاب المجیب جزاہ اللہ جزاء ویثیب (مجیب نے جواب درست دیا ہے اللہ تعالٰی مجیب کو جزا وثواب عطا فرمائے۔ت)
فقیر مصطفٰی رضا القادری النوری غفرلہ ولوالدیہ
صح الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب (جواب صحیح ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جاننے والا ہے۔ت)
فقیر امجد علی الاعظمی الرضوی عفی عنہ
وانا علی ذلك من الشاھدین (اور میں اس حوالے کے صحیح ہونے پر گواہ ہوں۔ت)
فقیر نواب مرزا رضوی بریلوی عفی عنہ المولی القوی

مسئلہ ۱۶: مسئولہ اختر حسین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۲۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سامنے سے گزرا دوسرے سے کہا صلوٰۃ ہو گئی اور جماعت تیار ہے، اس نے کہا نماز پڑھنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں، جب یہ ذکر ایک تیسرے شخص کے سامنے ہوا اور لوگوں نے کہا یہ کلمہ کفر ہے، تو اس نے کہا ایسی باتوں سے کفر نہیں عائد ہوا کرتا حالانکہ یہ شخص عاقل بالغ ہے اس شخص کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کہنے سے وہ شخص کافر ہو گیا، اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، اور یہ تیسرا بھی نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھے اور اپنی عورت سے اس کے بعد نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ سید عزیز احمد صاحب ۷ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامی شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان در حقیقت دو سو روپیہ کو بیع کیا مگر بیعنامہ ڈھائی سو روپیہ کا لکھا اور رجسٹری کے وقت حاکم کے سامنے دو سو روپیہ وصول پائے، باقی پچاس روپیہ اس سے قبل وصول پانے کا جھوٹا اقبال کیا اور اس بارے میں عمرو کی شہادت پیش کی، عمرو نے باوجود اس کے کہ اس کو اس امر کا اچھی طرح علم تھا کہ مکان حقیقت میں دو سو روپیہ کو بیع کیا گیا ہے اور کوئی رقم پچاس روپے کی اس سے قبل زید کو وصول نہیں ہوئی ہے اس امر کی شہادت دی کہ مکان واقعی ڈھائی سو روپے کو بیع کیا گیا ہے اور پچاس روپے زید کو اس سے قبل وصول ہو چکے ہیں، جب لوگوں نے عمرو سے کہا کہ تم نے جھوٹی شہادت دی، عمرو نے اس کا جواب دیا کہ کچہری میں کون سا سچ کہا کرتا ہے جتنے جاتے ہیں سب جھوٹ ہی کہا کرتے ہیں اگر میں نے جھوٹ کہا تو کیا برا کیا، اب سوال یہ ہے کہ عمرو اکثر اوقات نماز میں امامت بھی کرتا ہے تو ایسی حالت میں عمرو کی امامت نماز میں جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس کی امامت ناجائز ہے، ایک تو اس نے جھوٹی گواہی دی اور حدیث میں فرمایا:

"سن لو سن لو جھوٹی گواہی بتوں کے پوجنے کے برابر رکھی گئی، سن لو سن لو جھوٹی گواہی بتوں کے پوجنے کے برابر رکھی گئی، سن لو سن لو جھوٹی گواہی بتوں کے پوجنے کے برابر رکھی گئی[1]۔" دوسری حدیث میں فرمایا:

لن تزول قدما شاھد الزور حتی یوجب اللہ لہ النار[2]۔	جھوٹی گواہی دینے والا وہاں سے قدم ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالٰی اس کے لئے نار جہنم واجب فرماتا ہے۔

[1] سنن ابوداؤد کتاب القضاء باب فی شہادت الزور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۰، سنن ابن ماجہ ابواب الشہادات باب شہادت الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الشہادات باب شہادۃ الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

یہاں تک توگناہ کبیرہ ہی تھا جو آدمی کی ہلاکت وبربادی کو بس ہے آگے اس کا کہنا کہ "میں نے جھوٹ بولا تو کیا برا کیا" صریح کلمہ کفر ہے، اس پر لازم ہے کہ تجدید اسلام کرے اور اگر عورت رکھتا ہے تو از سرِ نو اسلام لانے کے بعد اس سے تجدید نکاح ضرور ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸: از موضع شمس آباد ضلع کیمل پور پنجاب مسئولہ مولوی غلام ربانی صاحب ۱۰ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

ایک عالم سنی حنفی المذہب نے اپنے وعظ میں کہا کہ اللہ عزوجل نے ایک سو چار ۱۰۴ کتاب نازل فرمائی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب میں پروردگار نے فرمایا: "**اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ**"[1] الخ (اور اطاعت کرو اللہ تعالٰی کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ت) اے مسلمانو! آپ لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں اس کے بعد آپ لوگ خیال کریں کہ قوت ایمانی میں کہاں تک ضعف ہوگیا ہے، دیکھو کسی حاکم کا چپراسی ثمن لے کر آتا ہے تو اس کا کس قدر خوف ہوتا ہے حالانکہ حاکم ایک بندہ مثل ماو شما، ثمن پیسہ آدھے پیسہ کا کاغذ جس میں معمولی مضمون ہوتا ہے، چپراسی پانچ چھ روپے کا ملازم ہوتا ہے، مگر یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کے خوف کے مارے لوگ روپوش ہوجاتے ہیں، لاچاری سے لینا ہی پڑتا ہے بعدہ وکیل کی تلاش اور روپے کا صرف کرنا وکذا وکذا، اور اللہ تعالٰی احکم الحاکمین کہ دم بھر میں تہہ وبالا کرسکتا ہے اس کا حکمنامہ یعنی قرآن پاک ومقدس کہ جس کے ایک ایک حرف پر دس بیس تیس نیکی کا وعدہ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لائے کہ جن کی خاطر زمین وآسمان پیدا ہوا، اب بتاؤ کہ اس احکم الحاکمین اور اس قرآن مجید اور اس کے رسول کا فرمان ہم سب مسلمان لوگ کہاں تک بجالاتے ہیں ہمیشہ وعظ سنتے ہیں عمل نہیں کرتے الخ، اس پر دوسرے ایک عالم نے کہا کہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو چپراسی کہنا دین کا، یا اس سے مثال دینا، یا اس سے تشبیہ، تینوں صورتوں میں کفر ہے، اور کہنے والا سابی ہے اس کی توبہ قبول نہ ہوگی اب عرض ہے کہ یہ تشبیہ ہے یا تمثیل، اور مثال کا فرق پورے طور سے بیان فرمائیے یہ سوال اگرچہ کوتاہ ہے مگر بڑا اہم اور ضروری ہے جس کے سبب سے ایک بڑا فتنہ وفساد برپا ہورہا ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

حاش للہ اس میں نہ تشبیہ ہے نہ تمثیل، نہ اصلا **معاذ اللہ** توہین کی بو، یہ تو لوگوں کی زجر وتوبیخ ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

کہ ایک ذلیل حاکم کا ذلیل فرمان ذلیل چپراسی لائے اس پر تو تمھاری یہ حالت ہوتی ہے اور ملک الملوک واحد قہار جل وعلا کا عزیز وعظیم وجلیل وکریم فرمان اعزالمسلمین اکرم المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لے کر تشریف لائے اس کی پروانہیں کرتے، اس سے اپنی قوت ایمانی کے حال کا اندازہ کرسکتے ہو، اس کی نظیر حضور بشیر ونذیر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

والذی نفسی بیدہ لویعلم احد ھم انہ یجد عرقا سمینا اومرماتین حسنتین لشھد العشاء[1]۔	قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ان میں کسی کو یہ معلوم ہوتا کہ کوئی فربہ ہڈی جس پر گوشت کا خفیف حصہ لپٹا رہ گیا ہو یا بکری کے اچھے دو کھُر ملیں گے (جن کے شگاف میں گوشت کا لگاؤ ہوتا ہے) توضرور نماز عشاء میں حاضر ہوتا۔

اور طبرانی نے معجم اوسط میں بسند صحیح انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لوان رجلا دعا الناس الی عرق اومرماتین لاجابوہ وھم یدعون الی ھذہ الصلوۃ فی جماعۃ فلا یاتونھا[2]۔	اگر کوئی شخص لوگوں کو پتلا گوشت لپٹی ہوئی ہڈی یا دو کھروں کی دعوت دے تو ضرور جائیں گے اور اس نماز کی جماعت کو بلائے جاتے ہیں تو نہیں آتے۔

کیا معاذاللہ یہ ثواب ورضائے الٰہی کو دو کوڑی کی ہڈی یا دو کھروں سے تشبیہ ہے، حاشا بلکہ ان کے حال کی تقبیح اور ان پر زجر وتوبیخ ہے کہ ایسی حقیر چیز کے لئے تو دوڑتے ہیں اور ایسی عظیم شئے کی پروانہیں کرتے، امام بدرالدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

المعنی لوعلم انہ لوحضر صلوۃ العشاء لوجد نفعا دنیویا وان کان خسیسا حقیرا لحضرھا لقصور ھمتہ و لا یحضرھا لما لھا من الاجرواو المثوبات (ای العقبی ونعیمھا[3])	مفہوم یہ ہے کہ اگرانھیں یہ علم ہو کہ نماز پر آنے سے دنیوی نفع ہو اگرچہ وہ حقیر وخسیس ہو وہ تب بھی آئیں کیونکہ ان کی منزل دنیا ہے اور اس کے لئے نہ حاضر ہوں گے جس میں ان کے لئے عقبٰی اور اس کے انعامات ہیں۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب اخراج الخصوم واہل الریب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۷۲

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث انس بن مالک ۲۷۸۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۳/ ۳۶۶

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری کتاب الاحکام باب اخراج الخصوم الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۲۴/ ۲۸۳

اور اگر یوں ہوتا کہ خدا نا ترسو! اللہ و رسول سے اتنا ڈرو جتنا دنیوی حاکم اور اس کے سمن اور چپراسی سے ڈرتے ہو جب بھی اسے تمثیل و تشبیہ و توہین سے علاقہ نہیں تو اب اس کی نظیر یہ حدیث ہوتی کہ ابن عدی نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

استحیی اللہ استحیائك من رجلین من صالحی عشیرتك [1]۔	اللہ تعالیٰ سے ایسی شرم کر جیسی اپنے کنبے کے دو نیک مردوں سے کرتا ہے۔

یہاں **معاذاللہ**، اللہ تعالیٰ کو کنبے کے دو مردوں سے تشبیہ نہیں، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اتنی ہی حیا چاہئے جتنی دو مردوں سے بلکہ اس مقدار حیا کی طرف ہدایت ہے کہ اللہ سے کرے تو معاصی سے روکنے کو کافی ہو، یوہیں نہ یہاں **معاذاللہ** دنیوی حاکم اور سمن اور چپراسی سے تشبیہ ہے نہ یہ کہ اللہ و رسول و قرآن سے اتنا ہی ڈرو جتنا ان سے بلکہ اس مقدار خوف کی طرف ہدایت ہے کہ اللہ و رسول و قرآن سے ہو تو اتقا و اجتناب معاصی کے لئے بس ہو، ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ساب مرتد ہے اور اس کے سب احکام مثل مرتد، مرتد اگر توبہ کرے **تقبل ولا یقتل** (قبول کریں گے اور قتل نہ کریں گے) **کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت)

تشبیہ میں اگر وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع ہو تمثیل ہے جیسے کریمہ "کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا" [2] (گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔ت) ورنہ نہیں، اور کبھی تشبیہ مرکب کو تمثیل کہتے ہیں جس کے معنی میں مفرد کی مفرد سے تشبیہ ملحوظ نہیں بلکہ ہیأت مجموعی سے کریمہ "وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ" [3] (اور وہی انھیں لئے جارہی ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ۔ت) میں تشبیہ ہے۔ اور کریمہ "مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا" [4]۔ الایۃ (ان کی کہاوت اس کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی، الایۃ۔ ت) میں تمثیل ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

مسئلہ ۱۹: ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

وقایہ اہل السنہ میں موذن کو مثل چپراسی دربار حاکم کے کہا ہے، اور ترمذی میں ہے کہ

---

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جعفر بن زبیر الشامی دمشق دار الفکر بیروت ۲/ ۵۶۰

[2] القرآن الکریم ۶۲/ ۵

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۲

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۷

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی مباشرت اذان فرمائی ہے، غرض کہ حضور بھی علمی تقریر سے ثابت فرمائیں کہ تمثیلا اس لفظ سے کوئی خرابی نہیں ہوتی۔

الجواب:

وقایہ اہل السنہ میں حاضری پکارنے کا ذکر ہے جو مسجد میں مؤذن کا کام ہے اور شاہی دربار میں چوبدار اور کچہریوں میں چپراسی کا، اس سے مؤذن چپراسی یا چوبدار کے مثل نہیں ہوسکتا، جس عالی شان کا دربار ویسا ہی اس کا خادم، نہ دربار عزت سے کسی دربار کو نسبت ہوسکتی ہے نہ مؤذن سے چوبدار و چپراسی کو، وقایہ میں مؤذن کو چپراسی نہ کہا اور کہا بھی جائے تو اسے یہاں سے علاقہ نہیں، اس خیال کو فورًا فورًا سر سے نکال دیجئے تعظیم شان اقدس کے تصور میں ڈوب جائیے آیہ مبارکہ

"تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ۝۱۵" [1] (تم اسے سہل سمجھتے تھے، اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔ت) چپراسی تو اسی حاضری پکارنے پر نوکر ہوتا ہے یونہی موذن اس پر مقرر ہوتا ہے اتفاقا اگر کسی گواہ یا فریق کو ایک بار حاکم خود آواز دے لے چپراسی نہ ہوجائے گا اور اسے چپراسی کہنا ضرور اس کی توہین ہوگا ___ "وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۳۳" [2] (اور ہرگز تمھیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: از ڈاک خانہ جہت لور تحصیل مکودر ضلع جالندھر مسئولہ مولوی چراغ علی شاہ صاحب قادری ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بلااعتقاد فاعلیۃ بالذات حضرات صوفیہ کرام ومشائخ عظام سے استمداد طلب کرتا ہے مثلا یا شیخ عبدالقادر شیئا للہ اور یا علی مدد یا اغثنی یا رسول اللہ اور سماع بالمزامیر سنتا ہے اور پیر کو تعظیما سجدہ کرتا ہے، ایسے شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، ایک مولوی وہابی نجدی نے اس کا نکاح بغیر حلالہ درست کرکے نکاح کردیا، کہتا ہے کہ وہ شخص کافر اور مرتد ہوگیا ہے تین طلاقیں اس پر نہیں پڑتیں، اب آیا اس کا نکاح بغیر حلالہ درست ہے یا نہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی امامت وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۳۳ و ۳۵/ ۵

الجواب:

انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء سے استمداد جائز ہے اور مزامیر سننا گناہ، اور سجدہ تعظیمی حرام مگر کفر نہیں جب تک نیت عبادت نہ ہو، عالمگیری میں ہے:

من سجد للسلطان علی وجه التحیة لایکفر ولکن یأثم لارتکابه الکبیرة، وان سجد بنیة العبادة فقد کفر کذا فی جواهر الاخلاطی [1]۔ملخصاً۔	جس نے کسی حاکم کو بطور تعظیم سجدہ کیا وہ کافر نہ ہوگا ہاں گناہگار ہے کیونکہ اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اگر اس نے سجدہ بطور عبادت کیا تو کافر ہوگا۔ جیساکہ جواہر الاخلاطی میں ہے ملخصاً (ت)

تین طلاقیں بیشک ہوگئیں اور بغیر حلالہ نکاح ہر گز نہیں کرسکتا اگر کرے گا زنا ہوگا، وہابی کا فتوٰی جنون ہے، اگر وہ شخص کافر نہیں تو تین طلاقوں میں کیا شک اور بے حلالہ نکاح کیونکر حلال۔ اور اگر کافر ہے تو مسلمان عورت کا اس سے نکاح کیونکر جائز، نہ بے حلالہ ہوسکے گا نہ بعد حلالہ، مگر ہے یہ کہ وہ کافر نہیں۔ وہابیہ خود کفار ہیں، جیساکہ حسام الحرمین فتاوائے علمائے کرام حرمین شریفین سے ظاہر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از شہر محلّہ ذخیرہ مسئولہ سید مشتاق علی صاحب ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پرہیزگار متقی اہلسنت سے کہ اس کی وہابی سے مذہبا کچھ حجت ہوئی وہابی نے کچھ اعتراض کیا اہل سنت نے جواب دیا کہ تمھارا جنازہ کے ساتھ کلمہ پڑھتے جانا بہتر نہیں ہے اس سے تو ڈھولکی اگر ہو تو بہتر ہے؟ اس می اہل سنت مرتکب گناہ تو نہیں؟

الجواب:

بہت برا کیا، بہت بیجا کہا، توبہ لازم ہے، وہابی کا کلمہ پڑھنا اگرچہ بیکار ہے جب تک اسلام نہ لائے مگر ڈھولکی کلمہ سے بہتر نہیں ہوسکتی پھر بھی یہ تاویل ہے کہ ڈھولکی بجانے والا فاسق ہے اور وہابی مرتد، اور مرتد مورد لعنت، جنازہ کے ساتھ فاسق کے ہونے سے مرتد کا ہونا لاکھ بدتر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۹۔۳۶۸

مسئلہ ۲۲: از پور بندر کھاری مسجد مسئولہ محمد اسمٰعیل خاں ابن محمد اکبر خاں معرفت مولوی غلام محی الدین صاحب راندیری ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ زید کہتا ہے کہ حضرت سیدنا محمد ن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو احتلام ہوا ہے اور عمرو کہتا ہے کہ یہ کلمہ کہنا بہت ہی بڑی بے ادبی ہے اور نہیں ہوا ہے تو اس بات کو چھوڑ دے، لیکن زید ہر وعظ میں اور ہر جلسہ میں بیٹھ کر اس بات کو دہراتا ہے اور اس میں فتنہ وفساد بڑھتا چلا جاتا ہے، اس درمیان ایک دین دار سخی بہت ہی بھولا اور بہت عالم دوست لیکن بالکل ہی بے علم وبے عقل بلا خلل ایک نامی واعظ بکر کو اور جگہ سے بلالاتا ہے وہ آکر زید سے مل جاتا ہے اور رات کو وعظ میں سارے عوام کے آگے حضرت کے احتلام ہوا ہے ہاں ہوا ہے احتلام ہی ہوا ہے حضرت کو احتلام ہوا ہے، اور زید کی تائید کرتا ہے اور صحیح مسلم شریف اور شرح نووی کو دکھلاتا ہے۔ اور زید حق گو اور عمرو کو ناحق جتلاتا ہے لہٰذا اس مسئلہ کا جواب للہ حق عزوجل وعلا وحق الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم حق حق لکھ جتاویں اور فریقین کے فساد کو مٹاویں اور عنداللہ اجر عظیم پاویں۔

الجواب:

فی الواقع حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام احتلام سے پاک ومنزہ ہیں۔

قال اللہ تعالٰی: " اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ﴿۶۵﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔ (ت)

طبرانی معجم کبیر میں بطریق عکرمہ اور دینوری مجالس میں بطریق مجاہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ فرمایا:

مااحتلم نبی قط وانما الاحتلام من الشیطان[2]۔	کبھی کسی نبی کو احتلام نہ ہوا، احتلام تو نہیں مگر شیطان کی طرف سے۔

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۵

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۵۶۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۲۲۵

کعب احبار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے جو مروی ہوا کہ یاجوج وماجوج نطفہ احتلام سیدنا آدم علیہ السلام سے بنے ہیں، اول کعب ہی سے اس کا ثبوت صحت کو نہ پہنچا اس کا ناقل ثعلبی حاطب لیل ہے کما فی عمدۃ القاری، نووی نے حسب عادت ان کا اتباع کیا۔ پھر کعب صاحب اسرائیلیات ہیں ان کی روایت کہ مقررات دین کے خلاف ہو مقبول نہیں۔ ہاں امام نووی وحافظ عسقلانی نے شروح صحیح مسلم و صحیح بخاری میں اس کی یہ تاویل نقل کی کہ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر فیضان زیادت فضلہ بسبب ابتلائے ادعیہ منع نہیں اور اسے مقرر رکھا **اقول:** مگر لفظ شنیع ومکروہ ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حصر کے خلاف کہ احتلام نہیں مگر شیطان کی طرف سے، ولہذا عامہ علمائے کرام نے اسے مقبول نہ رکھا، فتح الباری بدء الخلق میں ہے:

هو قول منكر جدا لا اصل له الا من بعض اهل الكتاب[1]۔	وہ سخت واجب الانکار بات ہے اس کی اصل نہیں مگر بعض اہل کتاب سے۔

امام علامہ بدر الدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

حكاه الثعلبي عن كعب الاحبار وحكاه النووي ايضا في شرح مسلم وغيره ولكن العلماء ضعفوه وقال ابن كثير وهو جدير بذلك اذلا دليل عليه بل هو مخالف لما ذكر وامن ان جميع الناس اليوم من ذرية نوح عليه الصلوة والسلام بنص القرأن (قلت) جاء في الحديث ايضا امتناع الاحتلام على الانبياء عليهم الصلٰوة والسلام[2]۔	یعنی اسے ثعلبی نے کعب احبار سے حکایت کیا نیز نووی نے شرح مسلم وغیرہ میں، مگر علماء نے اسے ضعیف بتایا، اور امام ابن کثیر نے کہا وہ تضعیف ہی کے لائق ہے کہ بے دلیل محض ہے بلکہ اس ارشاد علماء کے مخالف ہے کہ آج بنص قطعی قرآن مجید تمام آدمی ذریت نوح علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ہیں، امام عینی نے فرمایا میں کہتا ہوں نیز حدیث وارد ہے کہ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر احتلام محال ہے۔
قال اللہ تعالٰی "وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ	اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے: ہم نے نوح ہی

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری باب بدء الخلق مصطفی البابی مصر ۷/ ۱۹۵

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب بدء الخلق ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۵/ ۲۳۲

هُمُ الْبٰقِيْنَ۟ "[1]	کی اولاد باقی رکھی۔

فتح الباری کتاب الفتن میں ہے:

الاول المعتمد والا فاین کانوا حین الطوفان [2]۔**اقول** وقد اجبنا عن هذا بجوابین فی کتابنا الفیوضات الملکیة احدهما مایدرینا لعل الله خمرها مددا متطاولة حتی خلقهم منها بعد الطوفان [3]۔	یاجوج وماجوج کا ذریت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ہونا معتمد ہے ورنہ طوفان کے وقت وہ کہاں رہے۔ ہم نے اپنی کتاب "الفیوضات الملکیة" میں اس کے دو جواب دئے ایک یہ ہے ہمیں کیا علم شاید اللہ تعالٰی نے اس نطفہ کو طویل مدت تک محفوظ رکھا ہو اور پھر اس سے ان کی تخلیق طوفان کے بعد فرمائی ہو (ت)

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری دونوں محل میں ہے:

وهذا لفظه فی بدء الخلق قال ابن کثیر وهذا القول غریب جد اثم لادلیل علیه لامن عقل ولامن نقل، ولایجوز الاعتماد هٰهنا علی مایحکیه بعض اهل الکتاب لماعندهم من الاحادیث المفتعلة [4]۔ اماما عزاه الامام النووی فی فتاواه لجماهیر العلماء انهم من ماء آدم لا من حواء، **فاقول** لا یثبت الاحتلام، **فاولا** قد تحصل النطفة بنحو التبطین	کتاب بدء الخلق میں ہے ان کے الفاظ یہ ہیں امام عماد نے فرمایا یہ قول سخت غریب ہے، پھر اس پر نہ عقل سے دلیل نہ نقل سے، اور یہاں بعض اہل کتاب کی حکایت پر اعتماد حلال نہیں کہ ان کے پاس بہتیری باتیں گھڑی ہوئی ہیں۔ امام نووی نے فتاوٰی میں جماہیر علماء کی طرف منسوب کیا کہ یہ نطفہ حضرت آدم کا تھا نہ کہ حضرت حواء کا، تو **میں کہتا ہوں** اس سے احتلام کہاں ثابت ہوتا ہے **اولاً** کبھی کبھی نطفہ حالت حیض میں شرمگاہ سے باہر

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۷۷

[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الفتن باب یاجوج وماجوج مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۲۱

[3] الفیوضات الملکیة حاشیه الدولة المکیة مطبع اہل السنة والجماعة بریلی ص ۷۸

[4] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب قصه یاجوج وماجوج دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۳۳۶

فی المحیض وثانیا ماکل نطفة تقبلها الرحم وثالثا ماکل النطفة تقبلها الرحم بل اذا قبلت ربما قبلت جزء منها ورمت بالباقی وقد ثبت الجواب عن حدیث الطوفان وقد یکون جوابا ایضا عن الذی ذکر ابن کثیر فان الکلام فی الموجودین اذذلك لان البقاء فرع الوجود علی ان الکلام فی ولد اٰدم قطعا، وھم لیسوا من ولدہ علی الاطلاق وان کانوا من ولدہ لانھم من مائه وذلك لان الولد ما عن صاحبته قال تعالٰی "اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ"[1]۔	پیٹ وغیرہ پر استعمال سے حاصل ہوتا ہے **ثانیا** ہر نطفہ کو رحم قبول نہیں کرتا **ثالثاً** رحم ہر نطفہ کے تمام کو قبول نہیں کرتا بلکہ جزء کو قبول کرکے بقیہ کو پھینک دیتا ہے، اور یہ تین جواب حدیث طوفان سے ہیں اور یہ اس کا جواب بھی ہے جو حافظ ابن کثیر نے نقل کیا کیونکہ کلام ان میں ہے جو وہاں موجود تھے کیونکہ بقا وجود کی فرع ہے، علاوہ ازیں گفتگو ان میں ہے جو یقینی طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں، اور یہ کامل طور پر ان کی اولاد نہیں اگرچہ ایک لحاظ سے اولاد ہیں کیونکہ ان کے نطفہ سے ہیں اور وہ اس لئے کہ ولد کے لئے بیوی کا ہونا ضروری ہے، اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہاں ہے اس کے لئے اولاد حالانکہ اس کے لئے بیوی ہی نہیں۔ (ت)

بالجملہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر احتلام منع ہے اور خود حضور اقدس انور اطیب اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت اور اس کی تکرار اور اس پر اصرار کہ ہاں ہوا ہاں ہوا، یقینا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افتراء ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء جہنم کا سیدھا راستہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی متواتر حدیث میں ہے:

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار[2]۔	جو مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اہل سنت کسی کبیرہ کا ارتکاب کو کفر نہیں کہتے جب تک استحلال وغیرہ مکفرات کے ساتھ نہ ہو، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کو امام ابو محمد جوینی والد امام الحرمین نے کفر بتایا ____

[1] القرآن الکریم ۶ /۱۰۱

[2] صحیح مسلم باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

خصائص کبرٰی میں ہے:

قال النووی وغیرہ الکذب علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الکبائر ولایکفر فاعلہ علی الصحیح وقول الجمہور وقال الجوینی ھو کفر [1]۔	امام نووی وغیرہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے البتہ کفر نہیں صحیح اور جمہور کے قول پر، اور امام جوینی نے کہا کہ یہ کفر ہے۔ (ت)

اور در مختار وغیرہ میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا ومافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ (ای تجدید الاسلام اھ شامی) وتجدید النکاح [2]۔	جہاں باتفاق کفر ہو وہاں عمل ونکاح باطل اور اولاد اولاد زنا قرار پائے گی، اور جس میں اختلاف ہو وہاں توبہ استغفار کا حکم کیا جائے گا (یعنی تجدید اسلام کرنا ہوگی اھ شامی) اور تجدید نکاح بھی۔ (ت)

زید وبکر پر فرض ہے کہ توبہ کریں مناسب ہے کہ تجدید اسلام کریں پھر اپنی عورتوں سے نکاح تازہ کریں خصوصا اس کلمہ خبیث میں کہ معاذاللہ پہلوئے توہین وتنقیص شان رکھتا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: از کانپور فیل خانہ قدیم مکان مولوی سید محمد اشرف صاحب وکیل مسئولہ مولانا سید محمد آصف صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

یاحبیب محبوب اللہ روحی فداک، قبلہ کونین وکعبہ دارین محی الملۃ والدین دامت فیوضہم، بعد تسلیمات فدویانہ تمنائے حصول سعادت آستانہ بوسی، التماس اینکہ بفضلہ تعالٰی فدوی بخریت ہے ملازمان سامی کی صحتواری مدام بارگاہ احدیت سے مطلوب، حضور نے جو کارڈ تحریر فرمایا تھا وہ بصد ادب ملازمان حضور کی خدمت میں حاضر کیا جاتا ہے اس صحیفہ میں تحریر ہے (کیا یہ مسلمان ہیں یا وہ ان میں کون مسلمان ہے) والسلام مع الکرام۔

---

[1] خصائص الکبرٰی باب اختصاصہ بان الکذب علیہ لیس کالکذب علی غیرہ دار الکتب الحدیثیہ مصر ۳/ ۳۲۶

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹، ردالمحتار باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۹

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ،نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ،

والا حضرت مولانا المکرم ذوالمجد والکرم مولانا مولوی سید محمد آصف صاحب دامت فضائلہم ،السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،کارڈ میں بعض اعمال گاندھویہ کہ فقہًا کفر ہیں جیسے قشقہ لگانا،کافر کی جے پکارنا،کافر کی تعظیم گنا کر ان کے فاعلوں کو کہا ہے کہ یہ مسلمان یا وہ،ان میں کون مسلمان ہے، بلاشبہ جس طرح کفر فقہی میں مبتلا ہوئے اور استحلال کریں تو کفر کلامی میں بعینہٖ یہی حالت فقہًا وکلامًا ان افعال واقوال کے مرتکبین کی ہے۔**والسلام**۔

مسئلہ ۲۴: از شہر ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر حدیث کی تکرار کر رہے تھے، تکرار کرتے ہوئے اس حدیث تک پہنچے جس میں یہ حکم دیا جو شخص لڑکے لڑکی بالغ کی شادی نہیں کرتا ہے اور لڑکے لڑکی سے کوئی فعل قبیح واقع ہو تو دونوں کے والدین ماخوذ گرفتار عذاب الیم ہوں گے لڑکے لڑکی نہیں،اتفاقًا اس حدیث کے بین السطور میں "**زجر**" کا لفظ لکھا ہوا تھا جس کے معنی جھڑکنے کے ہیں، زید نے بکر سے کہا کہ والدین ماخوذ نہیں ہوسکتے خود لڑکی لڑکا ہوں گے، دیکھو بین السطور میں زجر کا لفظ لکھا ہوا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ لڑکی لڑکا ماخوذ ہوگا والدین نہیں۔ بکر نے کہا کہ بین السطور حاشیہ ہے اس حدیث میں اور حدیث کا حاشیہ سب صحیح نہیں ہوتا ہے، زید نے بکر سے بطور سوال کے پوچھا کہ کیا قرآن کی سب باتیں صحیح ہیں، زید کہنا چاہتا تھا کہ کیا تفسیر کی سب باتیں صحیح ہیں، مگر سہوا یہ الفاظ اثنائے تقریر میں نکل پڑے حالانکہ یہ نہ مقصود ہے زید کا، نہ زید اس بات کا مقر ہے کہ **معاذ اللہ** قرآن مجید فرقان حمید کی سب باتیں صحیح نہیں، ایک قابل مفتی صاحب نے زید پر فتوی دیا کہ زید کافر ہوگیا اور اس کو کافر سمجھ کر توبہ کرائی اور کلمہ شریف پڑھوایا، دونوں کے لئے شرع مطہر سے کیا حکم نافذ کیا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اول: توذکر حدیث میں غلطیاں ہیں، یہ حدیث دو طور پر آئی ایک کلام الٰہی اور دوسری کلام نبوی سے، کلام الٰہی میں تو والدین کا ذکر نہیں بلکہ صرف باپ کا، اور ولدین کا ذکر نہیں بلکہ صرف دختر کا، اور بلوغ کا ذکر نہیں بلکہ بارہ برس کی عمر کا۔ اور لڑکی پر گناہ نہ ہونے کا ذکر نہیں بلکہ باپ پر ہونے کا، اور کلام نبوی میں نہ ماں کا ذکر ہے نہ اولاد پر گناہ ہونے کا، حدیث اول کے الفاظ یہ ہیں جسے بیہقی نے شعب الایمان میں امیر المومنین عمر وانس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ

وسلم نے فرمایا:

مکتوب فی التوراۃ من بلغت لہ ابنۃ اثنتی عشرۃ سنۃ فلم یزوجھا فاصابت اثما فاثم ذلك علیہ[1]۔	توریت میں مرقوم ہے کہ جس کی لڑکی بارہ برس کی عمر کو پہنچ جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اور لڑکی سے کچھ گناہ صادر ہو تو اس کا گناہ باپ پر ہے۔ حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور حدیث دوم کے الفاظ یہ ہیں جسے انھیں بیہقی نے شعب الایمان میں ابوسعید وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علی ابیہ[2]۔	جس کے کوئی بچہ پیدا ہو وہ اس کا نام اچھا رکھے اور اسے اچھا ادب دے، پھر جب وہ بالغ ہو اس کا نکاح کردے، اور اگر وہ بالغ ہو اور یہ اس کا نکاح نہ کرے اور اس سے کوئی گناہ صادر ہو تو بات یونہی ہے کہ اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔

اور باپ پر گناہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اولاد پر نہ ہو جب کہ وہ مکلّف ہو، خود حدیثوں میں موجود ہے، فاصابت اثما اور فاصاب اثما، اس کی نظیر دوسری حدیث صحیح ہے:

من سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیمۃ و لاینقص ذلك من اوزارھم شیئا[3]۔	جو اسلام میں کوئی بری راہ نکالے اس پر اس کا وبال ہے اور قیامت تک جو اس راہ پر چلیں گے سب کا وبال ہے بغیر اس کے کہ ان کے وبالوں میں سے کچھ کم کرے۔

[1] شعب الایمان حدیث ۸۶۶۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶ /۴۰۲، کنز العمال ترجمہ ۴۵۴۱۲ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶ /۵۷-۴۵۶

[2] شعب الایمان حدیث ۸۶۶۶ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۶ /۴۰۱

[3] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۷، صحیح مسلم کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۴۱، مسند امام احمد حدیث جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۵۷ تا ۳۶۱

زید کی زبان سے جو لفظ نکلا بلا شبہ کلمہ کفر ہے اور اس پر تجدید اسلام لازم، اور مفتی کا حکم صحیح ہے المفتی انما یفتی بالظاہر واللّٰہ یعلم السرائر (فتوٰی دینے والا ظاہر کا پابند ہوتا ہے دلوں کے رازوں سے تو اللہ تعالٰی ہی آگاہ ہے۔ت) واقع میں اگر اس کی زبان بہکی تو عند اللہ کفر نہ ہوا، مگر مفتی بلا دلیل اس دعوی کو قبول نہ کرے گا۔ شفا شریف میں ہے:

لایعذر بدعوی زلل اللسان [1]، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	زبان کے بہکنے کا دعوی عذر نہیں قرار دیا جاتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵ تا ۲۶: از ریاست فرید کوٹ مسئولہ علیم الدین فراش کوٹھی بلبیسر گنج ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) حنفی نماز مدلل ص ۷ اور حواشی اور فتاوی بدیع الدین میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عالم باعمل سے بدزبانی اور فحش کلامی کرے تو کافر ہو جاتا ہے اور اس کی عورت نزدیک امام محمد کے مطلقہ بطلاق بائن ہو جاتی ہے، تو ایسے شخص کو پھر اپنی عورت سے کس طرح نکاح کرنا چاہئے؟

(۲) حدیث میں ہے کہ "بڑھاؤ داڑھی کو اور کترواؤ مونچھوں کو" روایت کیا اس کو بخاری نے، حضور نے صیغہ امر سے دونوں حکم فرمائے اور امر حقیقۃً وجوب کے لئے ہوتا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں حکم واجب ہیں، اور واجب کا ترک کرنا حرام، پس داڑھی کٹانا اور مونچھیں بڑھانا دونوں حرام فعل ہیں، اس سے زیادہ دوسری حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے: "جو شخص لبیں نہ لے وہ ہم سے نہیں" روایت کیا اس کو احمد وترمذی ونسائی نے۔ جب اس کا گناہ ہونا ثابت ہو گیا تو جو لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور داڑھی بڑھانے کو عیب مانتے ہیں بلکہ داڑھی والوں پر ہنستے ہیں اور اس کی ہجو کرتے ہیں، ان سب مجموع امور سے ایمان کا سالم رہنا دشوار ہے، ان لوگوں کو واجب ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں اور ایمان ونکاح کی تجدید کریں اور اپنی صورت موافق حکم اللہ ورسول بنائیں، ایک کتاب میں یہ مضمون دیکھا گیا کہ یہ واقعی درست ہے کہ ایسے شخص کو دوبارہ تجدید نکاح کا حکم دیا جائے۔ **بینوا توجروا**

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل قال القاضی تقدم الکلام المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ترکی ۲/ ۲۲۳

الجواب:

(۱) عالم کی توہین اگر بوجہ علم دین ہے بلا شبہ کفر ہے **کما فی مجمع الانھر** (جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے۔ت) وگرنہ اگر بے سبب ظاہر کے ہے تو اس پر خوف کفر ہے **کما فی الخلاصۃ ومنح الروض** (جیسا کہ خلاصہ اور منح الروض میں ہے۔ت) ورنہ اشد کبیرہ ہونے میں شک نہیں۔

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاثۃ لایستخف بحقھم الامنافق بین النفاق ذوالشیبۃ فی الاسلام وذوالعلم والامام المقسط[1]۔ رواہ ابوالشیخ فی کتاب التوبیخ عن جابر بن عبد اللہ والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	تین آدمیوں کی توہین منافق ہی کرے گا: مسلمان بوڑھا، صاحب علم اور عادل حاکم۔ اسے امام ابوالشیخ نے کتاب التوبیخ میں جابر بن عبداللہ سے اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ (ت)

جس سے صدور کفر ہو وہ توبہ کرے از سر نو اسلام لائے، اس کے بعد اگر عورت راضی ہو اس سے نکاح جدید بمہر جدید کرے۔

(۲) بلا شبہ داڑھی ایک قبضہ تک رکھنا ہے اور منڈوانا حرام، اور لبیں اتنی تر شوانا کہ لب بالا سے آگے نہ بڑھیں یہ بھی خصال فطرت وسنن موکدہ سے ہے۔ اور داڑھی پر ہنسنا ضرور کفر ہے کہ توہین سنت متوارثہ جمیع انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے **وتفصیل المسئلۃ فی کتابنا لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللحٰی** (اور اس مسئلہ کی تفصیل ہماری کتاب لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللحی میں ہے۔ت) بلا شبہ استہزا کرنیوالے پر تجدید اسلام لازم ہے اور اس کے بعد اگر عورت کو رکھنا چاہے تو تجدید نکاح ضرور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷: از فیروز پور محلّہ پیراں والا مسئولہ عنایت اللہ شاہ دبیر انجمن تعلیم الدین والقرآن ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبیوں میں شمار ہیں یا نہیں، بصورت اول قسم کی توہین کی یا کلمہ بے ادبانہ ان کے حق میں کہنا ناجائز اور بصورت ثانیہ جب ان کی خطا معاف کی جاچکی ہے تو ان کی نسبت کلمات بے ادبانہ اور ناشائستہ زبان پر لانا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸

الجواب:

ان کی نسبت کلمات ناشائستہ لانا بہر حال حرام ہے، ایک قول ان کی نبوت کا ہے **کما فی شرح الھمزیۃ للامام ابن حجر المکی رحمہ اللہ تعالٰی** (جیسا کہ امام ابن حجر مکی کی شرح ہمزیہ میں ہے۔ت) اور ظاہر قرآن عظیم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

قال تعالٰی "اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤی اِبْرٰہٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ مَاۤ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّہِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ ۫ وَ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد پر، اور جو عطا کئے گئے موسٰی وعیسٰی اور جو عطا کئے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھے ہیں۔(ت)

اسباط یہی ابنائے یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام ہیں۔ اس تقدیر پر تو ان کی توہین کفر ہوگی ورنہ اس قدر میں شک نہیں کہ وہ اولیائے کرام سے ہیں اور جو کچھ ان سے واقع ہوا اپنے باپ نبی اللہ کے ساتھ محبت شدیدہ کی غیرت سے تھا پھر وہ بھی رب العزت نے معاف کردیا۔ اور یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود عفو فرمایا:

"قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ ۫ وَ ہُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾ "[2]۔	کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔(ت)

اور یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا:

"سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾ "[3]	جلد میں تمھاری بخشش اپنے رب سے چاہوں گا بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔(ت)

بہر حال ان کی توہین سخت حرام ہے اور باعث غضب ذوالجلال والاکرام ہے، رب عزوجل نے کوئی کلمہ ان کی مذمت کا نہ فرمایا دوسرے کو کیا حق ہے، مناسب ہے کہ توہین کرنے والا تجدید اسلام وتجدید نکاح

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۶

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۹۲

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۹۸

کرے کہ جب ان کی نبوت میں اختلاف ہے اس کے کفر میں اختلاف ہوگا اور کفر اختلافی کا یہی حکم ہے، **کما فی الدر المختار و رد المحتار وغیرهما** (جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸: از بغداد شریف ۶ آمر ڈ کاٹینک کور نمبر ۱۹۳۰ مسئولہ علی رضا خاں فٹر مستری ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ "**تقویۃ الایمان**" کا پڑھنا بعض لوگ برا بتاتے ہیں اور بعض اچھا کہتے ہیں، برا بتانے والے حضور کا حوالہ دیتے ہیں، ہم مشکوک ہیں جواب سے مطلع فرمائیے، **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ ناپاک کتاب سخت ضلالت و بے دینی اور کلمات کفر پر مشتمل ہے اس کا پڑھنا زنا اور شراب خوری سے بدتر حرام ہے کہ ان سے ایمان نہیں جاتا۔ اور یہ ایمان زائل کرنے والی ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، وہ جو اس کا پڑھنا اچھا بتاتے ہیں گمراہ بددین بلکہ کفار مرتدین ہیں۔ اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو فقیر کی کتاب **سل السیوف الهندیة** اور **الکوکبة الشهابیة** اور **الاستمداد علی اجیال الارتداد** اور **کشف ضلال دیوبند** وغیرہا انصاف و ایمان کی نگاہ سے دیکھی جائیں مسلمان کا ایمان خود گواہی دے گا کہ وہ مردود کتاب تقویۃ الایمان نہیں تفویت الایمان ہے یعنی ایمان فوت کرنے والی، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ
الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ ۱۳۱۲ھ
(امام الوہابیہ کے کفریات کے بارے میں چمکدار ستارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۲۹: از بدایوں مرسلہ مولٰنا مولوی محمد فضل المجید صاحب قادری فاروقی سلمہم اللہ تعالٰی ۲۲ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ

بخدمت بابرکت مولٰنا مرجع الفتاوٰی والمفتیین ملاذ العلماء المحققین جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب **اللھم ادم افاضاتھم وافاداتھم** (یااللہ! ان کے فیوض وافادات کو دائمی بنا۔ت) **السلام علیکم!**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابیہ غیر مقلدین جو تقلید اربعہ کو شرک کہتے ہیں، جس مسلمان کو مقلد دیکھیں اسے مشرک بتاتے ہیں، دہلی والے اسمٰعیل مصنف تقویۃ الایمان وصراط مستقیم وایضاح الحق ویک روزی وتنویر العینین کو اپنا امام وپیشوا بتاتے، اس کے اقوال کو حق وہدایت جانتے اور اس کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں، ہمارے فقہائے کرام وپیشوایان مذہب کے نزدیک ان پر اور ان کے پیشوا پر حکم کفر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی ارسل عــــہ۱ رسولہ شاھدا و مبشرا و نذیرا لتومنوا عــــہ۲ باللہ

عــــہ۱: یہ خطبہ قرآنی آیتوں اور ایمانی ہدایتوں پر مشتمل ہے، تعمیم فائدہ کے لئے ان آیات اور زبان اردو میں ان ہدایات کی طرف اشارہ مناسب،

آیت۱: "اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۟" [1] | بیشک ہم نے تمھیں بھیجا گواہ اور خوشی اور ڈر سناتا۔

کہ جو تمھاری تعظیم کرے اسے فضل عظیم کی بشارت دو اور جو معاذاللہ بے تعظیمی سے پیش آئے اسے عذاب الیم کا ڈر سناؤ، اور جب وہ شاہد و گواہ ہوئے اور شاہد کو مشاہدہ درکار، تو بہت مناسب ہوا کہ امت کے تمام افعال و اقوال و اعمال و احوال ان کے سامنے ہوں، طبرانی کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھٰذہٖ [2]۔ | بیشک اللہ تعالٰی نے میرے سامنے دنیا اٹھالی تو میں دیکھ رہا ہوں اسے اور جو اس میں قیامت تک ہونے والا ہے جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲منہ مد ظلہ۔

عــــہ۲: آیت ۲:

"لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ" عــــہ [3]۔ | (یہ رسول کا بھیجنا کس لئے ہے خود فرماتا ہے اس لئے کہ) تم اللہ ورسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

معلوم ہوا کہ دین و ایمان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا نام جو ان کی تعظیم میں کلام کرے اصل رسالت کو باطل وبیکار کیا چاہتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی ۱۲۔

عــــہ: قرئ تعززوہ بزائین معجمین ۱۲منہ۔(م) | آیہ کی تعززوہ دوزاء کے ساتھ بھی قرأت ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۵ و۴۸/ ۸

[2] کنز العمال بحوالہ عن ابن عمر حدیث ۳۱۹۸۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۲۰

[3] القرآن الکریم ۴۸/ ۹

ورسوله و تعزروه وتوقروه بجنانكم ولسانكم *فجعل تعظيمه وتوقيره وتعزيره هو الركن الركين لدينكم الحق وايمانكم *وحرم عـــہ۱ عليكم ان ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبى اوتجهر واله بالقول كجهر بعضكم لبعض فتحبط اعمالكم وانتم لاتشعرون بخسرانكم * وجعل عـــہ۲ طاعته طاعته وبيعته عـــہ۳ بيعته فان بايعتم نبيكم فانما فوق ايديكم يدرحمانكم *وقرن عـــہ۴ اسمه الكريم باسمه العظيم فى الاغناء عـــہ۵۔

عـــہ۱: آیت:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝۲" [1]

اے ایمان والو! نہ بلند کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اور اس کے حضور چلّا کر نہ بولو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہیں تمھارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر نہ ہو۔

امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روضہ انور کے پاس کسی کو اونچی آواز سے بولتے دیکھا، فرمایا کیا اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند کرتا ہے، اور یہی آیت تلاوت کی ۱۲۔

عـــہ۲: آیت ۴: "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَۚ" [2]۔

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی ۱۲۔

عـــہ ۳: آیت ۵: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْۚ" [3]۔

بیشک جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کررہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر ۱۲۔

عـــہ۴: اللہ عزوجل نے بے شمار امور میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک اپنے نام اقدس سے ملایا کہیں اصل شان اپنی تھی اس میں حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر بھی شامل فرمایا، کہیں اصل معاملہ حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تھا ان کے ساتھ اپنے ذکر والا سے اعزاز بڑھایا، آئندہ کی آٹھ آیتیں اسی کے بیان میں ہیں ۱۲منہ مدظلہ۔

عـــہ۵: آیت ۶: "اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖۚ" [4]۔

انھیں دولتمند کردیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے ۱۲

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۲
[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۰
[3] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰
[4] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

والایتاء عــــہ۱ ورجاء العطاء والتقدیم عــــہ۲ والقضاء عــــہ۳ والمحادۃ عــــہ۴ والارضاء عــــہ۵

عــــہ۱: آیت ۷:

"وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ"[1]۔

اور کیا خوب تھا اگر وہ راضی ہوتے اس پر جو انھیں دیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے، اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ۱۲۔

عــــہ۲: آیت ۸:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ"[2]۔

اے ایمان والو! اللہ ورسول سے آگے نہ بڑھو ۱۲۔

عــــہ۳: آیت ۹:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ؕ(۳۶)"[3]

نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد نہ عورت کو جب اللہ ورسول کوئی بات ان کے معاملہ میں ٹھہرادیں تو انھیں اپنے کام کا کچھ اختیار باقی رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ ورسول کا وہ صریح گمراہ ہوا بہک کر ۱۲۔

عــــہ۴: آیت ۱۰:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْؕ"[4]۔

تو نہ پائے گا انھیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں اللہ ورسول کے مخالف سے چاہے وہ اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی ہوں ۱۳۔

عــــہ ۵: آیت ۱۱: "وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ(۶۲) اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَاؕ ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ(۶۳)"[5]

اللہ ورسول زیادہ مستحق ہیں اس کے کہ یہ لوگ انھیں راضی کریں اگر ایمان رکھتے ہیں کیا انھیں خبر نہیں کہ جو مقابلہ کرے اللہ ورسول سے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور وہی بڑی رسوائی ہے ۱۲۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

[4] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[5] القرآن الکریم ۹/ ۶۲ و ۶۳

والنصح عـــه۱ والایذآء عـــه۲ فی قراٰنکم *ورفع شانه مکانه فمیز امره عن امور من عداه فما کان لیوزن بمیزانکم *اتجعلون الحصی عـــه۳ کالدر او الدم کالمسك ام تجعلون العصف کریحانکم *فقد هدا کم ربکم ان لَا تَجْعَلُوْا عـــه۴ دُعَآءَالرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِبَعْضِکُمْ بَعْضًا[1] من اب اومولی اوسلطانکم *وقال الذین ارسلوا السنتهم فی شانه العظیم

عـــه۱: آیت ۱۲: "اِذَانَصَحُوْالِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ"[2] جب خلوص رکھیں اللہ ورسول کے ساتھ۔

عـــه۲: آیت ۱۳: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَاوَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًامُّهِیْنًا ۝" [3] بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ ورسول کو اللہ نے ان پر لعنت کی دنیا وآخرت میں، اوران کے لئے تیار کر رکھی ذلت کی مار۔

یہ معاملہ خاص حبیب کا ہے، اللہ کو کون ایذا دے سکتا ہے، مگر وہاں تو جو معاملہ رسول کے ساتھ برتا جائے اپنے ہی ساتھ قرار پایا ہے۔

عـــه۳: یعنی جب تم خود کنکر کو موتی، خون کو مشک، بھس کو پھول کی طرح سمجھتے تو رسول کے معاملہ کا اوروں پر کیا قیاس کرتے ہو، یہاں تو کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی جب ان کے ابن مکرم حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لاتقیسونی باحد ولاتقیسوا علی احدا[4]۔ مجھے کسی پر قیاس نہ کرو نہ کسی کو مجھ سے نسبت دو۔

توخود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے واللہ اکبر ۱۲۔

عـــه۴: یہ آیت ۱۴ ہے کہ رسول کا پکارنا اپنے میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو، اب ایک دوسرے میں باپ اور مولا اور بادشاہ سب آگئے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں نام پاک لے کر ندا کرنا حرام ہے، اگر روایت میں مثلاً یا محمد آیا ہو تو اس کی جگہ بھی یا رسول اللہ کہے، اس مسئلہ کا بیان عظیم الشان فقیر کے رسالہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین میں دیکھئے ۱۲منہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۳

[2] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[4] زبدۃ الآثار تلخیص بهجه الاسرار (اردو) مکتبہ نبویہ لاہور ص ۷۷

اَبِاللّٰهِ عــــہ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴿۶۵﴾ "[1] "لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ" [2] *

عــــہ: یہ آیت ۱۵ ہے غزوہ تبوک کو جاتے وقت منافقوں نے تخلیہ میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف شان کچھ کہا، جب سوال ہوا تو عذر کرنے لگے اور بولے ہم تو یونہی آپس میں ہنستے تھے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: "قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ"[3] الآیۃ اے نبی! ان سے فرمادے کیا اللہ تعالٰی اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے معاملہ میں ٹھٹھا کرتے تھے بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے ایمان لا کر۔

اقول: اس آیت کے تین فائدے حاصل ہوئے:

اول: یہ کہ جو رسول کی شان میں گستاخی کرے وہ کافر ہوجاتا ہے اگر چہ کیسا ہی کلمہ پڑھتا اور ایمان کا دعوی رکھتا ہو، کلمہ گوئی اسے ہر گز کفر سے نہ بچائے گی۔

دوم: یہ جو بعض جاہل کہنے لگتے ہیں کہ کفر کا تو دل سے تعلق ہے نہ کہ زبان سے، جب وہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس کے دل میں کفر ہونا معلوم نہیں تو ہم کسی بات کے سبب اسے کیونکر کافر کہیں، محض خبط اور نری جھوٹی بات ہے، جس طرح کفر دل سے متعلق ہے یونہی ایمان بھی، زبان سے کلمہ پڑھنے پر مسلمان کیسے کہا یونہی زبان سے گستاخی کرنے پر کافر کہا جائے گا، اور جب بغیر اکراہ شرعی کے ہے تو اللہ کے نزدیک بھی کافر ہوجائے گا اگر چہ دل میں اس گستاخی کا معتقد نہ ہو کہ بے اعتقاد کہنا ہزل وسخریہ ہے، اور اسی پر رب العزت فرماچکا کہ تم کافر ہوگئے اپنے ایمان کے بعد، اس کی تحقیق ہمارے رسالہ **البارقۃ اللمعا علی سامد نطق بالکفر طوعا** (۱۳۰۴ھ) میں ہے۔

سوم کھلے ہوئے لفظوں میں عذر تاویل مسموع نہیں، آیت فرماچکی کہ حیلہ نہ گھڑو تم کافر ہوگئے۔

تنبیہ: یہاں اللہ عزوجل نے انھیں کلمات گستاخی کو وجہ کفر بتایا اور ان کے مقابل کلمہ گوئی وعذر جوئی کو مردود ٹھہرایا یہاں ان کے کفر سابق مخفی کی بحث نہیں کہ "قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ" فرمایا ہے تم مسلمان ہو کر کافر ہوگئے۔ نہ کہ "**قد کنتم کافرین**" تم پہلے سے کافر تھے، یہ فائدے خوب یاد رکھنے کے ہیں **وباللہ التوفیق** ۱۲ منہ مدظلہ

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۵

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۶

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۵

فیاایھا المنافقون ؎۱ المردۃ الفاسقون الزاعم کبیر کم ان مدح ؎۲ الرسول کمدح بعضکم بعضا بل اقل منہ فی حسبانکم قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ ؎۳ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ واللہ مخرج اضغانکم *

؎۱: نفاق دو قسم ہے: عقدی و عملی، نفاق عملی کے بیان میں فقیر نے ایک رسالہ حافلہ مسمّٰی بہ ابناء الحذاق بمسالک النفاق (۱۳۰۹ھ) لکھااور آیات واحادیث کثیرہ وغزیرہ سے اس کے وجوہ وصور کو ظاہر کیاجو اس رسالہ کے غیر میں مجموعانہ ملیں گی وہاں سے ان حضرات کے نفاق کا ثبوت لیجئے ۱۲منہ

؎۲: اللہ توفرمائے رسول کے حضور چلّا کر نہ بولو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، اللہ فرمائے رسول کا پکارنا ایک دوسرے کا سا پکارنا نہ ٹھہرالو، تقویۃ الایمان والا کہے رسول کی ایسی ہی تعریف کرو جیسی باھم ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس میں بھی کمی کرو، انا للہ وانا الیہ راجعون o

؎۳: قال اللہ تعالٰی:

"قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾[1] هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ "مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ "[2]

ظاہر ہوچکی ہے دشمنی ان کی باتوں سے اور وہ جو ان کے دلوں میں دبی ہے اس سے بھی زیادہ ہے ہم نے صاف بیان فرمادیں تمھارے لئے نشانیاں اگر تمھیں سمجھ ہو، دیکھو یہ جو تم ہو تم تو انھیں چاہتے ہو اور وہ تمھیں نہیں چاہتے اور تم پوری کتاب پر ایمان لاتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر غضب میں اپنی انگلیاں چباتے ہیں تو فرمادے مر جاؤ گھٹ گھٹ کر خدا خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔

اقول: اس آیت سے بھی دو ۲ فائدے ملے:

ایک: یہ کہ دل کے بخار کے ساتھ زبانی اقرار کلمہ گوئی کی پکار کوئی چیز نہیں۔

دوسرے: یہ کہ دل کا بخار زبانی باتوں سے ظاہر ہو جاتا ہے ۱۲منہ ۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۹

استحوذ عـــہ۱ علیکم الشیطن فانساکم ذکر اللّٰه وتعظیم الرسول وقد نطق القراٰن بخذلانکم * زادفاء کم الشیطن نقطا من شینه وتاء کم التدویر دائرۃ نونه فاراکم تقویة الایمان فی تفویت ایمانکم * "مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ" [1] وما اللّٰه بغافل عن کفرانکم * فلاورب محمد لاتؤمنون عـــہ۲ حتی یکون احب الیکم من والدکم وولدکم والناس اجمعین والروح بین جسمانکم * صلی اللّٰه تعالٰی وبارك وسلم علیه واله الکرام وصحبه العظام وخادمی سنة القیام بردزیغکم و طغیانکم * ورزقناحبه الصادق فی غایة الاعظام وادامة ذکرہ الی یوم القیام، وان کان فیه رغم انوفکم واسخان اعیانکم * اٰمین یاارحم الراحمین * والحمد للّٰه رب العلمین وصلی اللّٰه تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد والہٖ واصحابه اجمعین۔

عـــہ۱: قال اللّٰه تعالٰی: "اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑲" [2]	غالب آگیا ان پر شیطان سو بھلادی ان کو خدا کی یاد وہ شیطان کے گروہ ہیں، سن لو شیطان ہی کے گروہ نقصان میں ہیں۔ علمائے مدینہ طیبہ نے وہابیہ کے حق میں یہی آیت لکھی اور خود حدیث صحیح بخاری سے ان کاقرن شیطان ہونا ثابت ہے ۱۲منہ

عـــہ۲: صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد و سنن نسائی وابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ [3]	تم میں کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ اور سارے جہان سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اللھم بحبه لك وحبك اجعل حب احب الینامن حب الظمآن للماء البارد ومن حبنا انفسنا یاارحم الراحمین۔ اٰمین ۱۲منه

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۹

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب من الایمان ان یحب لاخیه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶، صحیح مسلم کتاب الایمان باب وجوب محبة رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹

ترجمہ خطبہ

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے اپنا رسول بھیجا گواہ اور خوشی اور ڈر سناتا ہوا، تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالٰی پر اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور تم اس کی تعظیم اور توقیر اپنے دل اور زبان سے بجالاؤ، تو اللہ تعالٰی نے ان کی تعظیم وتوقیر اور اعزاز کو تمھارے ایمان اور دین حق کا مضبوط رکن بنایا۔ اور تم پر حرام کیا ہے کہ تم اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر بلند کرو یا تم ان کے حضور اس طرح چلا کر بولو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمھیں اپنے خسارے کی خبر نہ ہو، اور اللہ تعالٰی نے ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی بیعت کو اپنی بیعت بنایا تو اگر تم اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بیعت کرو تو تمھارے ہاتھ پر رحمان کا ہاتھ ہے اور اللہ تعالٰی نے اپنے اسم کریم کے ساتھ ان کا اسم پاک ملایا غنی کرنے، عطا کرنے، عطا کی امید کرنے، آگے ہونے، فیصلہ کرنے، مخالف ہونے، راضی ہونے اور خلوص وایذا میں تمھارے قرآن پاک میں، اور اللہ تعالٰی نے ان کی شان بلند فرمائی اور ان کی عظمت مکانی فرمائی، تو یوں اللہ تعالٰی نے ان کے معاملہ کو ان کے ماسوا سے ممتاز فرمایا۔ تو ان کی شان تمھارے ترازو سے ماوراء ہے، کیا تم کنکر کو موتی یا خون کو مشک یا بھس کو پھول قرار دوگے، تو بیشک تمھارے رب نے تمھیں راہنمائی دی ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو خواہ تمھارا باپ ہو یا آقا ہو یا بادشاہ ہو، اور اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کے بارے میں جو زبان درازی ان کی شان میں کرتے ہیں فرمایا کیا تم اللہ تعالٰی اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے معاملہ میں ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے ہو اپنے ایمان کے بعد، اے سرکش منافقو، فاسقو، تمھارے بڑے نے خیال ظاہر کیا کہ رسول اللہ کی مدح تمھاری آپس میں ایک دوسرے کی مدح کے مساوی بلکہ اس سے بھی کم ہے یہ تو تمھارے خیال میں ہے جبکہ بغض تمھارے منہ سے ظاہر ہوگیا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے وہ اس سے بھی خطرناک ہے اور اللہ تعالٰی تمھارے حسد کو ظاہر فرمانے والا ہے، تم پر شیطان غالب آگیا ہے اس نے تم کو اللہ تعالٰی کی یاد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم بھلادی ہے اور بلاشک قرآن نے تمھاری رسوائی بیان فرمادی پس شیطان نے تمھاری فاء پر اپنے شین کے نقطوں میں ایک نقطہ بڑھادیا اور تمھاری تاء کا دائرہ اپنے نون کے دائرہ سے بڑھادیا تو شیطان نے تمھیں ایمان کے ضائع کرنے میں، ایمان کی تقویت دکھائی، مومنوں کو اللہ تعالٰی اس حال پر نہ چھوڑے گا جس پر تم اب ہو جب تک خبیث کو طیب سے جدا نہ کردے اور اللہ تعالٰی تمھارے کفر سے غافل نہیں، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے رب کی قسم تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ تمھارے والد۔ اولاد، تمام لوگوں اور تمھارے روحوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ صلی اللہ تعالٰی وبارک وسلم علیہ

وعلٰی آلہ الکرام وصحابتہ العظام اور ساتھ ہی تمھاری سرکشی اور غلط روی کے رد کرنے کی سنت پر قائم خدام پر سلام و برکات ہوں، اور اللہ تعالٰی ہمیں انتہائی تعظیم کے ساتھ آپ کی سچی محبت اور قیامت تک آپ کا دائمی ذکر عطا فرمائے اگرچہ اس میں تمھاری ناکیں آلود اور تمھاری آنکھیں بیمار ہوں، **آمین یا ارحم الراحمین والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین**۔ (ترجمہ خطبہ ختم ہوا، یہاں سے جواب شروع ہے)

بلاشبہہ وہابیہ مذکورین اور ان کے پیشوائے مسطور پر بوجوہ کثیر قطعاً یقیناً کفر لازم اور حسب تصریحات جماہیر فقہائے کرام اصحاب فتاوٰی اکابر واعلام رحمہم اللہ الملک المنعام ان پر حکم کفر ثابت و قائم اور بظاہر ان کا کلمہ پڑھنا اس حکم کا نافی اور ان کو نافع نہیں ہوسکتا آدمی فقط زبان سے کلمہ پڑھے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے مسلمان نہیں ہوتا جبکہ اس کا قول یا فعل اس کے دعوے کا مکذب ہوگیا، اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے کلمہ پڑھے بلکہ نماز وروزہ حج زکوٰۃ بھی ادا کرے بایںہمہ خدا اور رسول کی باتیں جھٹلائے یا خدا اور رسول وقرآن کی جناب میں گستاخیاں کرے یا زنار باندھے، بت کے لئے سجدے میں گرے تو وہ مسلمان قرار پاسکتا یا عادت کے طور پر وہ کلمہ پڑھنا اس کے کام آسکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ ہم ابھی حاشیہ خطبہ میں یہ مضمون آیات قرآنیہ سے ثابت کرچکے۔ درمختار مطبع ہاشمی ص ۳۱۸:

لو اتی بہما علی وجہ العادۃ لم ینفعہ مالم یتبرأ[1]۔	اگر عادت کے طور پر کلمہ پڑھا تو نفع نہ دے گا جب تک اپنی اس کفری بات سے توبہ نہ کرے۔

امام الوہابیہ کا خود اپنے اقرار سے کافر ہونا نیز سب وہابیہ کا اپنے امام کی تصریح سے کافر ٹھہرنا

ان کے مذہبی عقیدوں اور ان کے پیشوائے مذہب کی کتابوں میں بکثرت کلمات کفریہ ہیں جن کی تفصیل کو دفتر درکار، اور ان کے پیشوا نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں (جسے یہ لوگ **معاذاللہ** کتاب آسمانی کی مثل جانتے اور اپنے مذہب کی مقدس کتاب مانتے ہیں) اپنے اور اپنے سب پیرووں کے کھلم کھلا کافر ہونے کا صاف اقرار کیا ہے، میں پہلے ان کا وہ اقراری کفر نقل کروں پھر بطور نمونہ صرف ستر کفریات ان کے اور لکھوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا ہے کہ زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزٰی کی پھر پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالٰی ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھالے گی جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا وہ اٹھالیا جائے گا جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور ہوجائے گی[2]۔

تقویۃ الایمان مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ ص ۴۴ پر یہ حدیث بحوالہ مشکوٰۃ نقل کی اور خود اس کا

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] مشکوٰۃ المصابیح باب لاتقوم الساعۃ الا علی شرار الناس مطبع مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۴۸۱

ترجمہ کیا کہ:
''پھر بھیجے گا اللہ ایک باؤ اچھی، سو جان نکال لے گی جن کے دل میں ہو گا ایک رائی کے دانہ بھر ایمان، سو رہ جائیں گے وہی لوگ جن میں کچھ بھلائی نہیں۔ سو پھر جائیں گے اپنے باپ دادوں کے دین پر۔''[1]
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بھی صراحۃً ارشاد فرمایا تھا کہ ''وہ ہوا خروج دجال لعین ونزول عیسی مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بعد آئے گی[2]۔
تقویۃ الایمان میں حدیث کے یہ الفاظ بھی خود ہی نقل کئے اور اس کا ترجمہ کیا ص ۴۵: ''نکلے گا دجال سو بھیجے گا اللہ عیسٰی بیٹے مریم کو، سو وہ ڈھونڈے گا اس کو، پھر تباہ کردے گا اس کو، پھر بھیجے گا اللہ ایک باؤ ٹھنڈی شام کی طرف سے، سو نہ باقی رہے گا زمین پر کوئی کہ اس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو مگر مار ڈالے گی اس کو۔''[3]
بایںہمہ حدیث مذکور لکھ کر اسی صفحہ پر صاف لکھ دیا: ''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔''[4]
اب نہ خروج دجال کی حاجت رہی نہ نزول عیسٰی کی ضرورت بلکہ ان کے نصیبوں کے لئے وہ ہوا بھی چل گئی، تمام مسلمانوں کے کافر مشرک بنانے کے لئے ختم دنیا کی حدیث صاف صاف اپنے زمانہ موجودہ پر جمادی، اور کچھ پروانہ کی کہ جب یہ وہی زمانہ ہے جس کی اس حدیث نے خبر دی اور وہ ہوا چل چکی اور جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان تھا مر گیا اب تمام دنیا میں نرے کافر ہی کافر رہ گئے ہیں تو یہ شخص خود اور اس کے سارے پیرو کیا دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستے ہیں، یہ خود اپنے اقرار سے ٹھیٹ کافر پکے بت پرست ہیں، یہ خود ان کا اقراری کفر تھا، اب گنئے کہ علمائے کرام فقہائے عظام کی صریح تصریحوں سے ان پر کتنی وجہ سے کفر لازم:

کفریہ ۱: یہی اقرار کفر کہ جو اپنے کفر کا اقرار کرے وہ سچ کافر ہے، نوازل فقیہ ابواللیث، پھر خلاصہ، پھر تکملہ لسان الحکام مطبوعہ مصر ص ۷۵: **رجل قال انا ملحد یکفر**[5] جو اپنے الحاد کا اقرار کرے وہ کافر ہے۔

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۰
[2] مشکوٰۃ المصابیح باب لاتقوم الساعۃ الاعلی شرار الناس مطبع مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۴۸۱
[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۱
[4] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۰
[5] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر فصل ثانی جنس خامس مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۷

اشباہ فن ثانی کتاب السیر باب الردۃ:

قیل لھا انت کافرۃ فقالت انا کافرۃ کفرت [1]۔	کسی نے کہا تو کافرہ ہے، کہا میں کافرہ ہوں، وہ کافرہ ہوگئی۔

فتاوٰی عالمگیری مطبع مصر ۱۳۱۰ھ جلد ۲ ص ۲۷۹:

مسلم قال انا ملحد یکفر ولو قال ماعلمت انہ کفر لایعذر بھذا [2]۔	ایک مسلمان اپنے ملحد ہونے کا اقرار کرے کافر ہوجائے گا اور اگر کہے کہ میں نہ جانتا تھا کہ اس میں مجھ پر کفر عائد ہوگا تو یہ عذر نہ سنا جائے۔

کفریہ ۲: اسی قول میں تمام امت کو کافر مانا، یہ خود کفر ہے، شفاء شریف امام قاضی عیاض ص ۳۶۲ و ص ۳۶۳:

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ [3]۔	جو کوئی ایسی بات کہے جس سے تمام امت کو گمراہ ٹھہرانے کی طرف راہ نکلے وہ یقینا کافر ہے۔

کفریہ ۳: تقویۃ الایمان ص ۲۰: "غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کرلیجئے، یہ اللہ صاحب کی ہی شان ہے۔" [4]۔ یہاں اللہ سبحنہ کے علم کو لازم وضروری نہ جانا اور **معاذاللہ** اس کا جہل ممکن مانا کہ غیب کا دریافت کرنا اسی کے اختیار میں ہے چاہے دریافت کرلے چاہے جاہل رہے۔ یہ صریح کلمہ کفر ہے، عالمگیری ج ۲ ص ۲۵۸:

یکفر اذا وصف اللہ تعالٰی بما لایلیق بہ اونسبہ الی الجھل اوالعجز اوالنقص [5] اھ	جو شخص اللہ تعالٰی کی ایسی شان بیان کرے جو اس کے لائق نہیں یا اسے جہل یا عجز یا کسی ناقص بات کی طرف نسبت کرے وہ کافر ہے۔

بحر الرائق مطبع مصر ج ۵ ص ۱۲۹، بزازیہ مطبع مصر ج ۳ ص ۳۲۳، جامع الفصولین

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۹

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۷۱

[4] تقویۃ الایمان الفصل الثانی فی ردالاشراک فی العلم مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۴

[5] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۸

مطبع مصر ج ۲ ص ۲۹۸:

لو وصف اللّٰہ تعالٰی بما لا یلیق بہ کفر[1]۔	اگر اللہ تعالٰی کی شان میں ایسی بات کہی جو اس کے لائق نہیں کافر ہوگیا۔

کفریہ ۴: "جب چاہے دریافت کرنے" کا صاف یہ مطلب کہ ابھی تک دریافت ہوا نہیں ہاں اختیار عــــہ ہے کہ جب چاہے دریافت کرلے تو علم الٰہی قدیم نہ ہوا اور یہ کھلا کفر ہے۔ عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۲:

لو قال علم خدائے قدیم نیست یکفر کذا فی التتار خانیۃ[2] اھ ملخصا۔	جو علم خدا کو قدیم نہ مانے وہ کافر ہے ایسا ہی تار تارخانیہ میں ہے اھ ملخصا۔

کفریہ ۵: ایضاح الحق مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ ص ۳۵ و ۳۶:

تنزیہ او تعالٰی از زمان ومکان وجہۃ واثبات رؤیت بلاجہت ومحاذات (**الی قولہ**) ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ مے شمارد[3] اھ ملخصا۔	اللہ تعالٰی کو زمان ومکان اور جہت سے پاک قرار دینا اور اس کا دیدار بلاجہت وکیف ثابت کرنا (آگے یوں کہا) یہ تمام امور از قبیل بدعت حقیقیہ ہیں اگر کوئی شخص ان مذکورہ اعتقادات کو دینی اعتقاد شمار کرے اھ ملخصا (ت)

اس میں صاف تصریح کی ہے کہ اللہ تعالٰی کو زمان ومکان وجہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلا کیف ماننا بدعت وضلالت ہے اس میں اس نے تمام ائمہ کرام وپیشوایان مذہب اسلام کو بدعتی وگمراہ بتایا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۴۳ھ ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں:

عقیدہ سیز دہم آنکہ حق تعالٰی رامکان نیست واُورا جہتے از فوق وتحت متصور نیست وہمینست مذہب اہل سنت وجماعت[4]۔	تیرھواں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے لئے مکان اور فوق وتحت کی جہت متصور نہیں ہے اور یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے (ت)

عــــہ: اس کے متعلق شرح عقائد وفقہ اکبر وشرح فقہ اکبر کی عبارات کفریہ ۱۰ کے رد میں دیکھئے ۱۲ منہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۲/ ۲۹۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۲

[3] ایضاح الحق (مترجم اردو) فائدہ اول پہلا مسئلہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۷۷ و ۷۸

[4] تحفہ اثنا عشریہ باب پنجم در الھیات سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴۱

بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۹، عالمگیری ج ۲ ص ۲۵۹:

یکفر باثبات المکان للہ تعالٰی[1]۔	اللہ تعالٰی کے لئے مکان ثابت کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔

فتاوی قاضی خاں فخر المطابع ج ۴ ص ۴۳:

رجل قال خدائے بر آسمان میداند کہ من چیزے ندارم **یکون کفرا لان اللہ تعالٰی منزہ عن المکان**[2]۔	کسی نے کہا کہ خدا آسمان پر جانتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں۔کافر ہوگیا۔اس لئے کہ اللہ تعالٰی مکان سے پاک ہے۔

خلاصہ کتاب الفاظ الکفر فصل ۲ جنس ۲:

لو قال نردبان بنہ وبرآسمان برآئے وباخدائے جنگ کن **یکفر لانہ اثبت المکان للہ تعالٰی**[3]۔	اگر کوئی یوں کہے کہ سیڑھی لگاؤ اور آسمان پر جاکر خدا سے جنگ کرو، توکافر ہوجائے گااس لئے کہ اس نے اللہ تعالٰی کے لئے مکان مانا۔(ت)

کفریہ ۶: رسالہ یکروزی فاروقی ص ۱۵۵:

بعد اخبار ممکن ست کہ ایشان رافراموش گردانیدہ شود پس قول بامکان وجود مثل اصلا منجر بتکذیب نصی از نصوص نگردد وسلب قرآن مجید بعد انزال ممکن ست[4]۔	خبر دینے کے بعد ممکن ہے کہ اللہ تعالٰی اسے بھلادے پس حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ہم مثل ثابت کرنا ہرگز نصوص میں سے کسی نص کی تکذیب نہیں اور قرآن پاک کے نازل کرنے کے بعد اس کا سلب ہوجانا ممکن ہے۔(ت)

اہل حق نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل یعنی تمام صفات کمالیہ میں حضور کا شریک وہمسر محال ہے،اور بعض علماء اس پر دلیل لائے تھے کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ

---

[1] بحر الرائق باب احکام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۰، فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۹

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب السیر باب مایکون کفرا من المسلم الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۸۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر فصل ۲ جنس ۲ مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۴

[4] رسالہ یکروزی (فارسی) فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا اگر حضور کا مثل بمعنی مذکورر ممکن ہو تومعاذاللہ کذب الٰہی لازم آئے،اس کے جواب میں شخص مذکور نے وہ کفری بول بولا کہ اگراللہ تعالٰی قرآن مجید دلوں سے بھلا کرایسا کرے تو کس نص کی تکذیب ہوگی، یہاں صاف اقرار کردیا کہ اللہ عزوجل کی بات واقع میں جھوٹی ہو جانے میں تو حرج نہیں حرج اس میں ہے کہ بندے اس کے جھوٹ پر مطلع ہوں اگرانھیں بھلا کراپنی بات جھوٹی کردے تو تکذیب کہاں سے آئیگی کہ اب کسی کو وہ نص یاد ہی نہیں جو جھوٹ ہوجانا بتائے غرض سارا ڈر بندوں کا ہے جب ان کی مت ماردی پھر پروا کیا **تعالی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا**۔ظالموں کی باتوں سے اللہ تعالٰی بہت بلند ہے۔ت) شفاء شریف ص۳۶۱:

من دان بالو حدانیۃ وصحۃ النبوۃ و نبوۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولکن جوز علی الانبیاء الکذب فیما اتوابہ ادعی فی ذٰلک المصلحۃ بزعمہ اولم یدعھا فھوکافر باجماع[1]۔	جواللہ تعالٰی کی وحدانیت نبوت کی حقانیت ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو باایںہمہ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر ان باتوں میں کہ وہ اپنے رب کے پاس سے لائے کذب جائز مانے خواہ بزعم خود اس میں کسی مصلحت کا ادعا کرے یانہ کرے ہر طرح بالاتفاق کافرہے۔

حضرات انبیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والثناء کا کذب جائز ماننے والا بالاتفاق کافر ہوا اللہ عزوجل کا کذب جائز ماننے والا کیونکر بالاجماع کافر مرتد نہ ہوگا،اس مسئلے میں شخص مذکور اور اس کا کاسہ لیسوں کے اقوال سخت ہولناک وبیباک وناپاک ہیں جن کی تفصیل وتشریح اوران کے رد بلیغ کی تنقیح ہماری کتاب **سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح** (۱۳۰۷ھ) سے روشن۔

کفریہ ۷: یکروزی ص۱۴۵:

لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ مقدمہ قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں برملٰک وانبیاء خارج از قدرت الٰہیہ نیست والالازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد[2]۔	اللہ تعالٰی کے لئے مذکور کذب کو ہم محال نہیں مانتے کیونکہ واقع کے خلاف کوئی قضیہ وخبر بنانا اور اس کو فرشتوں اور انبیاء پر القاء کرنا اللہ تعالٰی کی قدرت سے خارج نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ انسانی قدرت اللہ تعالٰی کی قدرت سے زاید ہو جائے۔(ت)

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۶۹

[2] رسالہ یکروزی (فارسی) فارقی کتب خانہ ملتان ص۱۷

اس میں صاف تصریح ہے کہ جو کچھ آدمی اپنے لئے کرسکتا ہے وہ سب خدائے پاک کی ذات پر بھی روا ہے جس میں کھانا پینا، سونا، پاخانا پھرنا، پیشاب کرنا، چلنا، ڈوبنا، مرنا، سب کچھ داخل۔ لہٰذا اس قول خبیث کے کفریات حد شمار سے خارج۔

کفریہ ۸: یکروزی ص ۱۴۵:

عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحنہ میشمارند و او را جل شانہ بآں مدح می کنند بر خلاف اخرس و جماد وصفت کمال ہمیں ست کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام کاذب دارد و بنا بر رعایت مصلحت ومقتضائے حکمت بتنزہ از شوب کذب تکلم بکلام کاذب ننماید ہما شخص ممدوح می گردد بخلاف کسے کہ لسان او ماؤف شدہ یا ہر گاہ ارادہ تکلم بکلام کاذب نماید آواز بند گردد یا کسے دہن او را بند نماید ایں اشخاص نزد عقلا قابل مدح نیستند، بالجملہ عدم تکلم کلام کاذب ترفعا عن عیب الکذب وتنزہا عن التلوث بہ از صفات مدح ست [1] اھ ملخصا۔	عدم کذب کو اللہ تعالٰی کے لئے کمالات میں سے شمار کرتے ہیں اور عدم کذب کو گونگے اور جماد کے مقابلہ میں اللہ تعالٰی کی مدح بتاتے ہیں، اور جبکہ صفت کمال یہ ہے کہ کسی شخص کو جھوٹ بولنے پر قدرت ہو تو وہ مصلحت اور حکمت کی بنا پر جھوٹی بات کہنے سے گریز کرے تو ایسا شخص مدح کا مستحق ہوتا ہے، اس کے برخلاف کوئی ایسا شخص کہ اس کی زبان ناکارہ ہو یا جب وہ جھوٹی بات کہنے کا ارادہ کرے تو اس کی آواز بند ہوجائے یا دوسرا کوئی اس وقت تک اس کا منہ بند کردے تو ایسے لوگ عقلاء کے ہاں مدح کے قابل نہیں ہوتے غرضیکہ جھوٹ کے عیب سے بچنا اور اپنے آپ کو جھوٹ میں ملوث نہ کرنا مدح کی صفات میں سے ہے اھ ملخصا (ت)

اس میں صاف اقرار ہے کہ اللہ عزوجل کا جھوٹ بولنا ممتنع بالغیر بلکہ محال عادی بھی نہیں کہ گونگے کا بولنا ہرگز نہ محال بالذات نہ ممتنع بالغیر، نہ ممتنع عقلی، نہ محال شرعی، صرف محال عادی ہے، اور وہ تصریح کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی کا جھوٹ بولنا ایسا بھی نہیں جیسے گونگے کا بولنا کہ اللہ تعالٰی کی تو اس سے مدح کرتے ہیں اور گونگے کی نہیں، تو ضرور ہوا کہ کذب الٰہی محال عادی بھی نہ ہو یہ صریح کفر ہے اور اس میں ایمان ودین وشرائع سب کا ابطال کہ جب خدا پر جھوٹ ہر طرح روا ہے تو اس کی کسی بات پر اطمینان کیا ہے۔

کفریہ ۹: اسی قول میں صراحۃً مان لیا کہ اللہ تعالٰی میں عیب والائش کا آنا جائز ہے مگر مصلحۃً ترفع کے لئے

---

[1] رسالہ یکروزی (فارسی) فارقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸۔۱۷

اس سے بچتا ہے یہ صراحۃً اللہ عزوجل کو قابل ہر گونہ نقص وعیب وآلودگی مانتا ہے کہ یہ بھی مثل کفریہ ہفتم ہزاروں کفریات کا خمیرہ ہے۔ عالمگیری قول مذکورہ درکفریہ ۳، اعلام بقواطع الاسلام مطبع مصر ۱۲۹۲ھ ص ۱۵:

من نفی اواثبت ماھو صریح فی النقص کفر [1]۔	جو اللہ تعالٰی کی شان میں کوئی ایسی بات نہ یا ہاں کہے جس میں کھلی منقصت ہو کافر ہو جائے۔

کفریہ ۱۰: اس قول میں صدق الٰہی بلکہ اس کی سب صفات کمال کو اختیاری مانا کہ مصلحت عیب وآلائش سے بچنے کو اختیار کیا ہے جس طرح کفریہ ۳ میں صفت علم غیب کو صراحۃً اختیاری کہا تھا اور جو چیز اختیاری ہو ضرور حادث ونوپیدا ہوگی، شرح عقائد النسفی طبع قدیم ص ۲۲:

الصادر عن الشیئ بالقصد والاختیار یکون حادثا بالضرورۃ [2]۔	جو کسی سے اس کے قصد واختیار سے صادر ہو وہ بالبداہت حادث ہوگا۔ اور صفات الٰہی کو حادث ٹھہرانا کلمہ کفر ہے۔

فقہ اکبر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ وشرح فقہ اکبر ملا علی قاری طبع حنفی ۱۲۶۹ھ ص ۲۹:

صفاتہ فی الازل غیر محدثۃ ولامخلوقہ فمن قال انھا مخلوقۃ او محدثۃ اووقف فیھا اوشك فیھا فھو کافر باللہ تعالٰی [3]	اللہ تعالٰی کی سب صفتیں ازلی ہیں، نہ وہ نوپیدا ہیں نہ مخلوق، تو جو انھیں مخلوق یا حادث بتائے یا اس میں توقف یا شک کرے وہ کافر ہے۔

کفر ۱۱ تا ۱۹: اسی قول میں صاف بتایا کہ جن چیزوں کی نفی سے اللہ تعالٰی کی مدح کی جاتی ہے وہ سب باتیں اللہ عزوجل کے لئے ہو سکتی ہیں ورنہ تعریف نہ ہوتی، تو اللہ تعالٰی کے لئے [۱] سونا، [۲] اونگھنا، [۳] بہکنا، [۴] بھولنا، [۵] جورو، [۶] بیٹا، [۷] بندوں سے ڈرنا، [۸] کسی کو اپنی بادشاہی کا شریک کرلینا، [۹] ذلت وخواری کے باعث دوسرے کو اپنا بازو بنانا وغیرہ سب کچھ روا ٹھہرا کہ ان سب باتوں کی نفی سے اللہ تعالٰی کی مدح کی جاتی ہے **آیت** "لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ" [4] نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ **آیت** "لَا یَضِلُّ رَبِّیْ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۸، اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ دار الشفقت استنبول ترکی ص ۳۵۱

[2] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۲۳

[3] الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر الباری جل شانہ موصوف فی الازل الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

وَلَا یَنْسَی ﴿۵۲﴾ "[1] نہ میرا رب بہکے نہ بھولے۔ آیت "مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ "[2] اللہ نے کسی کو اپنی جورو بنایا نہ بیٹا۔ آیت "وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ "[3] اللہ کو ثمود کے پیچھے کا خوف نہیں۔ آیت "وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ" [4] نہ کوئی بادشاہی میں اس کا ساجھی نہ کوئی دباؤ کے سبب اس کا حمایتی۔ یہ سب صریح کفر ہیں۔

کفریہ ۲۰ و ۲۱: صراط مستقیم مطبع ضیائی ۱۲۸۵ھ ص ۱۷۵:

نسبت پیر خودتا اینکہ روزے حضرت جل وعلا دست راست ایشاں رابدست قدرت خاص خود گرفتہ و چیزے راز امور قدسیہ کہ بس رفیع بدیع بود پیش روے حضرت ایشاں کردہ فرمود کہ ترا ایں چنیں دادہ ام و چیزہائے دیگر خواہم داد[5]۔	اپنے پیر کی نسبت یہاں تک کہ ایک روز ان کا دایاں ہاتھ اللہ نے اپنے خاص دست قدرت میں پکڑا اور امور قدسیہ کی بلند و بالا چیز کو ان کے سامنے پیش کرکے فرمایا کہ تجھے میں نے یہ چیز دے دی اور مزید چیزیں دوں گا۔ (ت)

ص ۱۳: مکالمہ و مسامرہ بدست مے آید[6] (مکالمہ اور گفتگو حاصل ہوگی۔ ت)

ص ۱۵۴: گاہے کلام حقیقی ہم مے شود[7] عــــہ (اور کبھی کلام حقیقی بھی ہوتی ہے۔ ت) شفاء شریف ص ۳۶۰:

من اعترف بالٰهية الله تعالٰی ووحدانيته ولكنه ادعى له ولد اوصاحبته فذلك كفر باجماع المسلمين وكذلك من ادعى مجالسة	جو اللہ تعالٰی کی الوہیت و توحید کا تو قائل ہو مگر اس کے لئے جورو یا بچہ ٹھہرائے وہ باجماع مسلمین کافر ہے اسی طرح جو اللہ تعالٰی کے ساتھ ہمنشینی

عــــہ: یہ صراحۃً اپنے پیر وغیرہ کو نبی بتانا ہے ۱۲ سل السیوف۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۵۲

[2] القرآن الکریم ۷۲/ ۳

[3] القرآن الکریم ۹۱/ ۱۵

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۱۱

[5] صراط مستقیم باب چھارم خاتمہ دربیان پارہ از واردات الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۴

[6] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیان ثمرات حب عشقی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۲

[7] صراط مستقیم باب سوم فصل چھارم تکملہ دربیان سلوک المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۴۳

اللہ تعالٰی والعروج الیہ ومکالمتہ[1] اھملخصاً۔	اس تک صعود اس سے باتیں کرنے کا مدعی ہو۔

ص ۳۶۲:

وکذلك من ادعی منھم انه یوحی الیه وان لم یدع النبوۃ اوانه یصعد الی السماء ویدخل الجنة ویاکل من ثمارھا ویعانق الحور العین فھؤلاء کلھم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[2]۔	اسی طرح جھوٹا متصوف دعوی کرے کہ اللہ تعالٰی اسے وحی کرتا ہے اگرچہ نبوت کا مدعی نہ ہو، یا یہ کہ وہ آسمان تک چڑھتا ہے جنت میں جاتا اس کے پھل کھاتا حوروں کو گلے لگاتا ہے یہ سب کافر ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے۔

حوروں سے اس معانقہ کے دعوے پر تو یہ حکم ہے خود رب العزت سے ہاتھ ملا کر مصافحہ پر کیا حکم ہوگا۔ تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۹۹:

درحین بعثت بلکہ درحین مناجات ومکالمہ کہ اعلائے مراتب قرب بشری باجناب خداوندی ست[3]۔	نبی کی بعثت کے وقت بلکہ مکالمہ اور مناجات کے وقت جو کہ اللہ تعالٰی کے ہاں بشری قرب کا اعلٰی مرتبہ ہے۔(ت)

اس ترقی سے صاف ظاہر کہ مکالمہ کا مرتبہ نفس نبوت سے خاص تر ہے تو دنیا میں کسی کے لئے اللہ عزوجل سے کلام حقیقی کا دعوی صراحۃً اس کی نبوت کا دعوی ہے، تفسیر عزیزی سورہ بقرہ مطبع کلکتہ ۱۲۴۹ھ ص ۴۲۳ زیر **قولہ تعالٰی** "وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ":

منشائے ایں گفتگوے ایشاں جہل ست زیرا کہ نمی فہمند کہ رتبہ ہمکلامی باخدائے عزوجل بس بلند ست ہنوز بہ پایہ اولین آں کہ ایمان ست نرسیدہ اند وآں رتبہ مختص ست بملائکہ وانبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام وغیرہ ایشاں راہرگز میسر نمی شود پس فرمائش ہمکلامی باخدا گویا فرمائش آنست کہ تاہمہ راپیغمبراں	ان کی اس گفتگو کا منشاء جہالت ہے کیونکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالٰی کے ساتھ ہم کلامی کا رتبہ بہت بلند ہے یہ لوگ ابھی ایمان کی ابتداء کو نہیں پہنچے حالانکہ وہ رتبہ ہمکلامی فرشتوں اور انبیاء کو ہی حاصل ہے کسی دوسرے کو ہرگز میسر نہیں ہے، تو اللہ تعالٰی سے ہمکلامی کی فرمائش کرنا گویا یہ فرمائش ہے کہ وہ

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعة الشرکة الصحافیة فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۶۸

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعة الشرکة الصحافیة فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۷۱۔۲۷۰

[3] تحفہ اثنائے عشریہ باب ششم در بحث نبوت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۴

یا فرشتہا سازد [1]۔	سب کو پیغمبر یا فرشتے بنادے (ت)

شرح عقائد جلالی مطبع مصر ص ۱۰۶ اس مسئلہ کی دلیل میں کہ جو شخص دنیا میں اللہ عزوجل سے کلام حقیقی کا مدعی ہو کافر ہے۔ فرمایا:

المکالمۃ شفاھا منصب النبوۃ بل اعلی مراتبھا وفیہ مخالفۃ لما ھو من ضروریات الدین وھو انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین علیہ افضل صلٰوۃ المصلین [2]۔	اللہ عزوجل سے کلام حقیقی منصب نبوت بلکہ اس کے مراتب میں اعلٰی مرتبہ ہے تو اس کے دعوے کرنے میں بعض ضروریات دین یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار ہے۔

کفریہ ۲۲: صراط مستقیم ص ۱۲:

از جملہ آں شدت تعلق قلب ست بمرشد خود استقلالاً یعنی نہ باآں ملاحظہ کہ ایں شخص کہ ناوداں فیض حضرت حق وواسطہ ہدایت اوست بلکہ بحثیت یہ کہ متعلق عشق ہماں می گردد چنانکہ یکے از اکابرایں طریق فرمود کہ اگر حق جل وعلا درغیر کسوت مرشد من تجلی فرماید ہر آئینہ مرا با اوالتفات درکار نیست [3]۔	ان میں سے ایک یہ کہ اپنے مرشد سے شدید قلبی مستقل تعلق یعنی یہ لحاظ نہ ہو کہ یہ مرشد اللہ تعالٰی کے فیض کا ذریعہ اور اس کی ہدایت کے لئے واسطہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ عشق کا تعلق کے لئے واسطہ ہو چنانچہ اس طریقت کے ایک بڑے نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالٰی مجھ پر میرے مرشد کے لباس وشکل کے بغیر تجلی فرمائے تو مجھے اس کی طرف التفات درکار نہیں ہے۔ (ت)

شخص مذکورہ کے پیروؤں سے استفسار ہے کہ اپنے اصول پر اس کلمہ کا حکم بتائیں یا خود اسی سے پوچھیں کہ وہ ہمیشہ ایک جگہ ایک بات کہنے دوسری جگہ آپ ہی اس کو کفر وضلالت بنادینے کا عادی ہے، تقویۃ الایمان ص ۱۵۶: "اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تو اس کے دربار میں یہ حالت ہے کہ ایک گنوار کے منہ سے اتنی بات سنتے ہی مارے دہشت کے بیحواس ہوگئے پھر کیا کہئے

[1] فتح العزیزی (تفسیر عزیزی) سورہ بقرہ تحت آیۃ ۲/ ۱۱۸ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۲۷

[2] الدوانی علی العقائد العضدیۃ بحث توبہ سے قبل مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۶

[3] صراط مستقیم ہدایت ثالثہ افادہ ۲ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ص ۱۱

ان لوگوں کو کہ اس مالک الملک سے ایک بھائی بندی کا رشتہ یا دوستی آشنائی کا سا علاقہ سمجھ کر کیا بڑھ بڑھ کر باتیں مارتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ اگر میرا رب میرے پیر کے سوا کسی اور صورت میں ظاہر ہوں تو ہر گز اس کو نہ دیکھوں، اللہ پناہ میں رکھے ایسی ایسی باتوں سے ع

بے ادب محروم گشت از فضل رب[1] "ملخصًا

میں کہتا ہوں ہاتھ میں ہاتھ ملا کر باتیں ہونا تو بھائی بندی یا آشنائی کا سا علاقہ نہیں ع

بے ادب محروم ماند از فضل رب

کفریہ ۲۳: تقویۃ الایمان ص ۱۴:

"جتنے پیغمبر آئے سو وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانے اس کے سوا کسی کو نہ مانے"[2]

ص ۱۶ و ۱۷: "اللہ صاحب نے فرمایا کسی کو میرے سوا نہ مانیو"[3]

ص ۱۸: "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان۔"[4]

ص ۷: "اوروں کو ماننا محض خبط ہے۔"[5]

یہاں انبیاء وملائکہ وقیامت وجنت ونار وغیرہا تمام ایمانیات کے ماننے سے صاف انکار کیا اور اس کا افتراء اللہ تعالٰی اور اس کے رسولوں پر رکھ دیا، یہ کفریہ بھی صدہا کفریات کا مجموعہ ہے، مسلمانوں کے مذہب میں جس طرح اللہ عزوجل کا ماننا ضرور ہے یونہی ان سب کا ماننا جزء ایمان ہے ان میں جسے نہ مانے گا کافر ہے۔ ہر اردو زبان والا جانتا ہے کہ ماننا تسلیم وقبول واعتقاد کو کہتے ہیں ولہٰذا اہل زبان ایمان کا ترجمہ "ماننا" اور کفر کا ترجمہ "نہ ماننا" کرتے ہیں۔

آیت (بقرۃ): "ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝" ۔[6]	موضح قرآن ترجمہ شاہ عبدالقادر: تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وے نہ مانیں گے۔[7]

[1] تقویۃ الایمان الفصل الخامس فی رد الاشراک فی العادات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۸

[2] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراک مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۰

[3] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراک مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۲

[4] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراک مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۲

[5] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵

[6] القرآن الکریم ۲/ ۶

[7] موضح القرآن ترجمہ شاہ عبدالقادر تاج کمپنی کراچی ص ۴

آیت (یٰس) "لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۝" [1]	موضح القرآن: ثابت ہوچکی بات ان بہتوں پر سو وے نہ مانیں گے۔ [6]
آیت (نساء) "یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ" [2]	موضح القرآن: سومانتے ہیں جو اترا تجھ پر۔ [7]
آیت (اِعراف) "وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ۝" [3]	موضح القرآن: اور پچھاڑی کاٹی ان کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں اور نہ تھے ماننے والے۔ [8]
آیت (انعام) "وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ"۔ [4]	موضح القرآن: اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتیں ماننے والے تو کہہ سلام ہے تم پر۔ [9]
آیت (بقرہ) "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ"۔ [5]	موضح القرآن: مانا رسول نے جو کچھ اترا اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے سب مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو اور رسولوں کو۔ [10]

دیکھو اللہ تعالٰی تو یہ فرماتا ہے کہ ایمان والوں نے اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں سب کو مانا، یہ شخص کہتا ہے اللہ نے فرمایا میرے سوا کسی کو نہ مانو۔

آیت (اعراف) "قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝" [11]	موضح القرآن: کہنے لگے بڑائی والے جو تم نے یقین کیا سو ہم نہیں مانتے۔ [12]

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۷
[2] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۵۳۰
[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۶۲
[4] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۲۶
[5] القرآن الکریم ۷/ ۷۲
[6] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۹۳
[7] القرآن الکریم ۶/ ۵۴
[8] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۶۲
[9] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵
[10] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۶۱
[11] القرآن الکریم ۷/ ۷۶
[12] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۹۴

تو اقوال مذکورکے صاف یہ معنی عـــہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے سواانبیاء ملائکہ کسی پر ایمان نہ لائے سب کے ساتھ کفر کرے اس سے بڑھ کر کفر کیا ہوگا۔

لطف یہ ہے کہ اسی تقویۃ الایمان کے دوسرے حصے تذکیر الاخوان مترجمہ سلطان خاں مطبع فاروقی ص ۳۷ میں ہے: "اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے جوان کو نہ مانے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔"[1]

سبحن اللہ! دوسرے حصے والا کہتا ہے جو صحابہ کو نہ مانے وہ بدعتی ہے جہنمی، پہلے والا کہتا ہے صحابہ تو صحابہ جو انبیاء کو مانے وہ مشرک دوزخی، کفی اللہ المومنین القتال (مومنوں کو اللہ کافی ہے لڑائی میں۔ت)

کفریہ ۲۴: صراط مستقیم ص ۳۸:

صدیق من وجہ مقلد انبیاء می باشد و من وجہ محقق در شرائع پس اگر صدیق زکی القلب ست رضا و کراہیت حضرت حق در افعال و	صدیق من وجہ انبیاء کا مقلد ہوتا ہے اور من وجہ احکام شریعت میں محقق ہوتا ہے۔ اگر صدیق زکی القلب ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کو افعال و

عـــہ: اگر اس کے کلام کے کچھ نئے معنی اپنے جی سے گھڑیئے بھی تو **اولا** تو صریح لفظ میں تاویل کیا معنی، شفا شریف صفحہ ۳۲۲:

والتاویل فی لفظ صراح لایقبل[2]۔ صریح لفظ میں تاویل کا دعوی مقبول نہیں۔

ثانیا: وہ آپ سب تاویلوں کا دروازہ بند کرچکا تو اس کے کلام میں بناوٹ نہ رہی گھڑت ہے جو اسے خود قبول نہیں، تقویۃ الایمان ص ۵۸: "یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولئے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لیجئے معما اور پہیلی بولنے کی اور جگہ ہیں کوئی شخص اپنے باپ یا بادشاہ سے جگت نہیں بولتا اس کے واسطے دوست آشنا ہیں نہ کہ باپ اور بادشاہ۔"[3]

یہ نفیس فائدہ ہر جگہ ملحوظ خاطر رہے کہ اکثر حرکات مذبوحی کا جواب شافی ہے ۱۲ سل السیوف

---

[1] تذکیر الاخوان حصہ دوم تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر الصحابہ علیمی کتب خانہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۰۵

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی القسم الرابع الباب الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانی ۲/ ۲۱۰۔۲۰۹

[3] تقویۃ الایمان الفصل الخامس علیمی کتب خانہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۹

اقوال مخصوصہ وصحت وبطلان در عقائد خاصہ و محمودیت ومذمومیت در اخلاق وملکان شخصیہ بنور جبلی خود دریافت می نماید[1]۔	اقوال مخصوصہ میں اور صحت وبطلان کو عقائد خاصہ، پسندیدہ وناپسندیدہ کو اخلاق وعادات شخصیہ میں اپنے فطری نور سے جان لیتا ہے۔(ت)

ص۳۹:

پس احکام ایں امور مذکورہ اورا بدو وجہ معلوم میشود یکے بشہادت قلب خود خصوصا ودیگر بسبب اندراج او در کلیات شرع عموما وعلم کہ بوجہ اول حاصل شدہ تحقیقی ست وثانی تقلیدی واگرزکی العقل ست نور جبلی او بسوئے کلیات اورا راہنمونی می فرماید پس علوم کلیہ شرعیہ اورا بدو واسطہ می رسد بوساطت نور جبلی و بوساطت انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام در کلیات شریعت وحکم احکام ملت اوراشاگرد انبیاہم میتواں گفت وہم استاذ انبیاہم ونیز طریق اخذ آنہم شعبہ ایست از شعب وحی کہ انرا در عرف شرح بنفث فی الروع تعبیر میفرمایند وبعضے اہل کمال آں را بوحی باطنی مے نامند[2]۔	پس مذکور احکام اس کو دو طرح معلوم ہوتے ہیں، ایک خصوصی طور پر اپنے قلب کی گواہی سے اور دوسرا عموما شرعی کلیات میں داخل ہونے کی وجہ سے، اور پہلے طریقہ سے حاصل شدہ علم تحقیقی ہے اور دوسرا تقلیدی ہے، اور اگر ذکی العقل ہو تو اس کا فطری نور کلیات کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے، پس امور کلیہ شرعیہ اس کو دو طرح سے پہنچتے ہیں، ایک فطری نور کے ذریعہ سے، دوسرا انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے واسطہ سے، پس شرعی کلیات کا اور حکم واحکام ملت میں اس کو انبیاء کا شاگرد کہہ سکتے ہیں، اور ان کا ہم استاذ بھی کہہ سکتے ہیں، نیز ان کے اخذ کا طریقہ وحی کے اقسام میں سے ایک قسم ہے جس کو عرف شرع میں نفث فی الروع سے تعبیر کرتے ہیں، اور بعض اہل کمال اس کو باطنی وحی کا نام دیتے ہیں۔(ت)

ص۴۰:

ہمیں معنی را بامامت ووصایت تعبیر می کنند وعلم ایشاں راکہ بعینہٖ علم انبیاست لیکن بوحی ظاہری متلقی نشدہ بہ حکمت مے نامند[3]۔	اس معنی کو امامت اور وصایت سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے علم کو جو کہ بعینہٖ انبیاء کو علم ہے لیکن ظاہری وحی سے حاصل نہیں ہوتا، اسکو حکمت کا نام دیتے ہیں۔(ت)

[1] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیاں ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص۳۳و۳۴

[2] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیاں ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص۳۴

[3] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیاں ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص۳۵

ص ۴۱:

لابد اورا بمحافظتے مثل محافظت انبیاکہ مسمّٰی بہ عصمت ست فائز مے کنند[1]	ضروری ہے کہ اس کو محفوظ قرار دیا جائے جس طرح انبیاء کا محفوظ ہونا جس کو عصمت کہتے ہیں۔(ت)

ص ۴۲:

ندانی کہ اثبات وحی باطن وحکمت ووجاہت وعصمت مر غیر انبیاء رامخالف سنت واز جنس اختراع بدعت ست وندانی کہ ارباب ایں کمال از عالم منقطع شدہ اند[2] اھ ملخصا۔	یہ نہ سمجھنا کہ باطنی وحی، حکمت، وجاہت اور عصمت کو غیر انبیاء کے لئے ثابت کرنا خلاف سنت اور از قبیل اختراع بدعت ہے اور یہ بھی نہ سمجھنا کہ اس کمال کے لوگ دنیا سے ختم ہو چکے ہیں اھ ملخصا(ت)

اس قول ناپاک میں اس قائل بیباک نے بے پردہ وحجاب صاف صاف تصریحیں کیں کہ ۱بعض لوگوں کو احکام شرعیہ جزئیہ وکلیہ بے وساطت انبیاء اپنے نور قلب سے بھی پہنچتے ہیں، ۲خاص احکام شرعیہ عـــہ۱ میں انھیں وحی آتی ہے ایک طرح وہ انبیا کے مقلد ہیں اور ایک طرح ۳تقلید انبیاء سے آزاد احکام شرعیہ میں خود محقق، ۴وہ انبیاء کے شاگرد بھی ہیں اور ہم استاد بھی، ۵تحقیقی علم وہی ہے جو انھیں بے توسط انبیاء خود اپنی قلبی وحی سے حاصل ہوتا ہے، انبیاء کے ذریعے سے جو ملتا ہے وہ تقلیدی بات ہے، ۶وہ علم میں انبیاء کے برابر وہمسر ہوتے ہیں فرق اتنا ہے کہ انبیاء کو ظاہری وحی آتی ہے انھیں باطنی، ۷وہ انبیاء کے مانند معصوم ہوتے ہیں اسی مرتبہ کا نام حکمت ہے یہ کھلم کھلا غیر نبی کو نبی عـــہ۲ بنانا ہے۔ جب ایک معصوم کو اعمال وعقائد وغیرہا امور شرعیہ میں احکام الٰہیہ

عـــہ۱: **اقول** اور احکام شریعت میں بھی کلیہ کی تصریح کر دی ہے کہ کوئی ناواقف یہ دھوکا نہ کھائے کہ یہ لوگ مجتہدین امت سے ہیں۔ اگر بے وساطت انبیا حکم پہنچنا ہی اخراج مجتہدین کو بس تھا، مگر زیادت فرق وکمال صراحت کے لئے احکام کلیہ کا اونچا طرہ چمکتا پھندنا لٹکا دیا کہ احکام کلیہ شرعیہ تو نبی ارشاد فرماتا ہے کہ مجتہدین کی اتنی شان کہ ان سے احکام جزئیہ استنباط کرتا ہے، یہاں ایسا نہیں بلکہ انھیں خود احکام کلیہ شریعت بے وساطت نبی بذریعہ وحی پہنچتے ہیں، مسلمانو! خدا کے واسطے اور نبی کسے کہتے ہیں ۱۲ سل السیوف۔

عـــہ۲: اور نبی بھی کیسا صاحب شریعت ۱۲ سل السیوف۔

---

[1] صراط مستقیم ہدایت رابعہ در بیان ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

[2] صراط مستقیم ہدایت رابعہ در بیان ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۶

بے توسط انبیا خود بذریعہ وحی آئے پھر نبوت اور کس شے کا نام ہے فقط وحی باطنی ہونا کچھ منافی نبوت نہیں، بہت انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کو وحی الٰہی باطنی طور پر آتی، کہا جاتا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کی وحی اس طرح کی تھی **کما نقلہ الامام البدر محمود فی عمدۃ القاری** (جیسا کہ امام بدر محمود نے عمدۃ القاری میں اسے نقل کیا۔ت) خود حضور اقدس سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بہت احکام اسی وحی باطنی سے آئے، جسے نفث فی الروع کہتے ہیں، علماء نے جو انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر وحی آنے کی سات ۷ صورتیں لکھیں ان میں یہ بھی ذکر فرمائی **کما فی العمدۃ والارشاد وغیرہما**، تو حقیقت نبوت مع لازم عصمت پوری پوری صادق آکر صرف وحی باطنی کی بناپر نفی نبوت ممکن نہیں۔ مشکوۃ شریف مطبع انصاری ۱۳۰۲ھ ص ۴۴۴:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (فذکر الحدیث الی ان قال) وان روح القدس نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقہا [1] ۔ **الحدیث رواہ البغوی فی شرح السنۃ** [2] **قلت وبنحوہ رواہ الحاکم عنہ البزار فی مسندہ عن حذیفۃ والطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی غیرانہ لم یذکر جبرئیل کالبیہقی فی شعب الایمان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔**	ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک روح القدس نے میرے باطن میں وحی کی کہ کوئی جاندار نہ مرے گا جب تک اپنا رزق پورا نہ کرے۔الحدیث۔(اس کو بغوی نے شرح السنۃ میں روایت کیا **قلت** (میں کہتا ہوں اور ایسی روایت امام حاکم نے ان سے کی اور بزار نے اپنی مسند میں حضرت حذیفہ سے اور طبرانی نے کبیر میں حسن بن علی سے لیکن انھوں نے جبریل کا ذکر نہ کیا جس طرح بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے ذکر کیا ہے۔(ت)

شفاء شریف سے زیر کفر ۱۲ گزرا کہ صرف وحی کا مدعی کافر ہے، اگرچہ نبوت دعوٰی نہ کرے [3] تفسیر عزیزی عـــہ

عـــہ: زیادت جلیلہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ ص ۲۱۱ میں فرماتے ہیں:

ھذا القول کفر لامحالۃ بالاجماع من	یہ قول یقینا باجماع امت بہت وجہ سے کفر ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] مشکوۃ المصابیح باب التوکل والصبر الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۵۲

[2] مشکوۃ المصابیح باب التوکل والصبر الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۵۲

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۷۰

ص ۴۴۲:

معرفت احکام شرعیہ بدون توسیط نبی ممکن نیست [1]۔	شرعی احکام کی معرفت انبیاء کی وساطت کے بغیر ممکن نہیں۔ (ت)

تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۴۰:

آنچہ گفتہ است کہ فاطمہ بنت اسد را وحی آمد کہ درخانہ کعبہ برود و وضع حمل نماید دروغیست پر بمیزہ زیرا کہ کسے از فرق اسلامیہ وغیر اسلامیہ قائل بہ نبوت فاطمہ بنت اسد نہ شدہ حجاج چہ قسم ایں را مسلم مے داشت [2]۔	جو کہا جاتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی کہ تو خانہ کعبہ میں جا اور وہاں بچے کی پیدائش کر، یہ سب جھوٹ اور بے پر بات ہے کیونکہ کوئی بھی اسلامی اور غیر اسلامی فرقہ فاطمہ بنت اسد کی نبوت کا قائل نہیں ہے، حجاج اس کو کس طرح تسلیم کرسکتا ہے۔ (ت)

غرض اس ناپاک کلمے کے کلمہ کفر ہونے میں اصلاً شک نہیں اور اس میں اور جو خباثتیں ہیں مثلاً غیر نبی کو تقلید انبیاء سے من وجہ آزاد اور احکام شرعیہ میں خود محقق اور علوم انبیاء کا ہمسر وہم استاد اور بتقلید روافض مثل انبیاء معصوم ماننا ان کی شناعتیں ہر سچے مسلمان پر ظاہر ہیں۔ یہاں صرف ایک عبارت شاہ ولی اللہ پر اختصار کروں الدر الثمین شاہ صاحب مطبوع مطبع احمدی ص ۴ و ۵:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وجوہ منہا دعوی تلقی الاحکام الشرعیۃ من اللہ تعالٰی بلاواسطۃ نبی وذلك دعوی نبوۃ [3] اھ مختصرًا۔	از انجملہ یہ کہ اس میں اللہ تعالٰی سے بیوساطت نبی احکام شرعیہ لینے کا ادعا ہے اور یہ نبوت کا دعوی ہے اھ مختصراً (ت)

امام الوہابیہ کے کفر اجماعی کا یہ خاص جزئیہ ہے والعیاذ باللہ رب العالمین ۱۲ منہ مدظلہ

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) بیان افراط فرقہ امامیہ پ الٓمٓ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۴۹

[2] الحدیقۃ الندیہ

[3] تحفہ اثنا عشریہ کید ہشتاد و ہفتم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۹

سألت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوالا روحانیا عن الشیعة فاومی الی ان مذھبھم باطل وبطلان مذھبھم یعرف من لفظ الامام ولما افقت عرفت ان الامام عندھم ھو المعصوم المفترض طاعة الموحی الیہ وحیا باطنیا وھذا ھو معنی النبی فمذھبھم یستلزم انکار ختم النبوة قبحھم اللہ تعالٰی [1]۔	میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے رافضیوں کے بارے میں روحانی سوال کیا حضور نے ارشاد فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور اس کا بطلان لفظ امام سے ظاہر ہے جب مجھے ہوش آیا میں نے پہچانا کہ ان کے نزدیک امام وہ ہے جو معصوم ہو اور اس کی اطاعت فرض اور اس کی طرف وحی باطنی آتی ہو، اور یہی معنی نبی کے ہیں تو ان کے مذہب سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے، اللہ ان کا بُرا کرے۔ (ت)

دیکھو یہ وہی امامت وہی عصمت اور وہی وحی باطنی ہے جسے شاہ صاحب ختم نبوت کے انکار کو مستلزم بتاتے ہیں، کیوں صاحب ان رافضیوں کو تو کہا گیا کہ اللہ ان کا بُرا کرے کیا اسے نہ کہا جائے گا کہ انکی طرح اس کا بھی بُرا کرے اور اسے ان کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھے، آمین! غالباً اصل مقصود اپنے پیر رائے بریلی سید احمد کو کہ نواب امیر خاں کے یہاں سواروں میں نوکر اور بیچارے نرے جاہل سادہ لوح تھے نبی بنایا تھا اس کی یہ تمہیدیں اٹھائی گئی تھیں کہ بعض اولیاء اس طرح کے بھی ہوتے ہیں ادھر یہ وحی عصمت وغیرہ سب کچھ بگھار نبوت کا پورا خاکہ اتارا اخیر میں یہ بھی جمادی کہ اس مرتبہ کے لوگوں کو دنیا سے معدوم نہ جانیو قیامت تک ہوتے رہیں گے، پھر یہاں تو یہ بتادیا کہ اس مرتبہ کو حکمت کہتے ہیں ادھر ختم نبوت کتاب میں اپنے پیر کا خدا سے مکالمہ ومصافحہ اور بے تکلفی کی گفتگوئیں لکھ کر پچھلا نتیجہ دکھادیا کہ:

امثال ایں وقائع واشباہ ایں معاملات صدہا پیش آمد تاآنکہ کمالات طریق نبوت بذروہ علیائے خود رسید والہام وکشف بعلوم حکمت آنجامید انست [2]۔	ان واقعات جیسے اور ان معاملات کے مشابہ سینکڑوں پیش آئے تاکہ نبوت کے راستے کے کمالات اپنے اعلٰی مقام تک پہنچ جائے اور علم حکمت کا الہام وکشف انجام پذیر ہو۔ (ت)

بس کھل گیا کہ اس زمانے کے وہ وحی والے معصوم انبیاکے ہم استاد تقلید انبیا سے آزاد بیواسطہ انبیا احکام شریعت خدا سے پانے والے یہ پیر جی ہیں میں تو اس عیاری کا قائل ہوں کہ ابتداءً یوں نہ کہہ دیا

[1] الدر الثمین شاہ ولی اللہ

[2] صراط مستقیم خاتمہ دربیان پارہ ازواردت ومعاملات المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۵

پیر جی معصوم ہیں پیر جی پر وحی اترتی ہے بلکہ یوں پانی پاندھا کہ صدر کتاب میں بے غرضانہ بعض اولیاء کے لئے ان منصوبوں کا ثبوت مانا اور بنام حکمت مسمّٰی کیا پھر جمادیا کہ خبردار یہ نہ جاننا کہ اس زمانے میں ایسے کہیں نہیں بلکہ ہمیشہ رہیں گے پھر آخر کتاب میں پیر جی کے لئے درجہ حکمت ثابت کردیا یعنی بس سمجھ جاؤ یہ وہی منصب ہے جس کا ہم نام وحال سب کچھ اوپر بتاآئے ہیں غرض نیوتوں ساری جم گئی مگر تین کھٹکے رہ گئے تھے ایک سب سے بڑا یہ کہ آیہ کریمہ **خاتم النبیین** کا کیا جواب ہوگا۔اس کی فکر کو وہ مسئلہ گھڑا کہ اللہ تعالٰی کا جھوٹ بولنا کچھ دشوار نہیں۔ظاہر ہے کہ جب کلام الٰہی کا واجب الصدق ہونا قلوب عوام سے نکل جائے اس کی بات جھوٹی ہونی جائز وروا سمجھنے لگیں گے تو پھر آیت سے اعتراض کا محل نہ رہے گا۔دوسرا خدشہ پیر جی الف کے نام بے نہیں جانتے،اس پر کوئی طعن کر بیٹھا کہ نبی اور بے علم،یہ کیسا خبط بے ربط۔تو اس کا یہ سامان کرلیا کہ پیر جی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کمال مشابہت پر پیدا ہوئے ہیں اس لئے نرے امی رہے ص ۴:

از بسکہ نفس عالی حضرت ایشاں بر کمال مشابہت جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات در بدء فطرت مخلوق شدہ بناء علیہ لوح فطرت ایشاں از نقوش علوم رسمیہ وراہ دانشمندان کلام وتحریر وتقریر مصفے ماندہ بود[1]۔	چنانچہ ان حضرات کی عالی ذات کو جناب رسالتمآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ ابتداء فطرت میں کامل مشابہت دے کر پیدا کیا گیا اسی بناپر ان حضرات کی لوح فطرت رسمی علوم اور علماء کی راہ کلام وتحریر وتقریر سے مصفٰی رہی تھی۔ (ت)

افسوس پیر جی کا عیب چھپانے کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایسی تشبیہ شفاء شریف میں ایسی تشبیہ دینے والے کی نسبت فرمایا ص ۳۳۶:

ماوقر النبوۃ ولا عظم الرسالۃ ولاعزر حرمۃ المصطفی (الی قولہ)فحق ھذا ان دریٔ عنہ القتل الادب والسجن[2]الخ۔	اس نے نہ نبوت کی توقیر کی نہ رسالت کی تعظیم نہ حرمت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت کی اگر اس سے قتل دفع کریں تو اس کی سزا تعزیر وقید ہے الخ (ت)

ص ۳۳۷:

کون النبی اُمّیًا آیۃ لہ وکون ھذا امیا نقیصۃ فیہ وجھالۃ[3]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امی ہونا حضور کے لئے معجزہ ہے اور اس شخص کا امی ہونا اس میں عیب جہالت (ت)

---

[1] صراط مستقیم خطبہ کتاب المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۴

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل الوجہ الخامس المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲ /۲۳۰

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل الوجہ الخامس المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲ /۲۳۳

تیسرا بڑا اندیشہ یہ تھا کہ جاہل لوگ یہ سب کچھ گوارا کرکے براہ جہالت کوئی معجزہ مانگ بیٹھے یا کسی ذی علم ہی نے بقصد تفضیح وتعجیز فرمائش کردی تو کیسی بنے گی اس کی یوں بھاری پیش بندی کرلی گئی۔ تقویۃ الایمان حصہ دوم ترجمہ سلطان خان ص ۱۶ و ۱۷: "جس شخص سے کوئی معجزہ نہ ہو اس کو پیغمبر نہ سمجھنا یہ عادتیں یہود اور نصارٰی اور مجوس اور منافقوں اور مکہ والے اگلے مشرکوں کی ہیں پیغمبر خدا ایسی ہی باتوں کو مٹانے کے واسطے آئے پھر جو شخص ایسی عادتیں اختیار کرے اور مسلمانوں میں جاری کرے وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے مغضوب ہے راندا گیا خدا کے غضب میں گرفتار اور خدا کے دشمنوں میں شمار[1] اھ ملخصا۔"

ظاہر ہے کہ عوام بیچارے اتنے بھاری بھاری ڈراوے موٹے موٹے لغت سن کر کانپ جائیں گے پھر کوئی معجزہ، طلبی کا نام بھی زبان پر نہ لائے گا پیش خویش ان سب کارستانیوں سے کام پورا کرلیا تھا، پیر جی کی مہر کا کندہ اسمہ احمد قرار پایا تھا، خطبوں میں پیر جی کے نام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا شروع ہوگیا تھا مگر قہر الٰہی سے مجبور ہیں غیبی کوڑے نے سب بنے کھیل بگاڑ دئے پٹھانوں کے خنجر موذی کش نے چنے سورما پچھاڑ دئے،

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
وحی عصمت کی کرامات نہ ہونے پائی

"فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۴۵" [2] (تو ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور سب خوبیوں سراہا اللہ رب سارے جہاں کا۔ت)

کفریہ ۲۵: تقویۃ الایمان ص ۶۰، حدیث تو یہ لکھی:

أرأیت لو مررت بقبری أکنت تسجد له (بتاؤ اگر میری قبر پر گزر ہو تو تم اس کو سجدہ کروگے۔ت) خود ہی اس کا ترجمہ یوں کیا کہ: "بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو۔"

آگے جو گستاخی کی رگ اچھلے جھٹ آفت کی، (ف) لکھ کر فائدہ یہ جڑ دیا:

"یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" [3]

اس کے حامی اور اس کے پیر وایمان سے بتائیں یہ حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے، کہاں تو وہ

---

[1] تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان الفصل الاول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۷

[2] القرآن الکریم ۶/ ۴۵

[3] تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۲

لفظ حدیث کہ اگر تو میری قبر سے گزرے، کہاں یہ فائدہ خبیث کہ مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ کیوں یہ کیسا کھلا افترا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار [1]۔	جو دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

وہابی صاحبو! ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد پر اپنے پیشوا کا ٹھکانا بتاؤ، ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء [2]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے زمین پر حرام کیا ہے کہ پیغمبروں کے بدن کھائے۔

فائدہ: یہ حدیث ۱ ابوداؤد و ۲ نسائی و ۳ ابن ماجہ و ۴ امام احمد و ۵ ابن خزیمہ و ۶ ابن حبان و ۷ دارقطنی و ۸ حاکم وابونعیم ۹ وغیرہم ائمہ حدیث نے حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی امام الائمہ ۱ ابن خزیمہ و ۲ ابن حبان و ۳ دارقطنی نے اس کی تصحیح اور امام عبدالغنی وامام عبدالعظیم منذری نے تحسین کی حاکم نے کہا بر شرط بخاری صحیح ہے، ابن دحیہ نے کہا صحیح ہے محفوظ ہے ثقات عدول کے سلسلے سے آئی ہے

وہابی صاحبو! تمھارے پیشوا نے یہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں کیسی عـــہ صریح گستاخی کی۔

عـــہ: **زیادت جلیلہ:** سبحان اللہ! رب العالمین جل مجدہ ان کے غلاموں یعنی شہدائے کرام کی نسبت ارشاد فرمائے:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾" [3]۔	جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمھیں خبر نہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱، صحیح مسلم تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ ۱/ ۷

[2] سنن ابو داؤد باب تفریع ابواب الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۰، سنن النسائی کتاب الجمعۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۰۴، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی فضل الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۴

زرقانی شرح مواہب مطبع مصر جلد اص ۱۰۶:

فی الکامل للمبرد مما کفر به الفقهاء الحجاج انه رأی الناس یطوفون حول حجرته صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال انما یطوفون باعواد ورمة قال الدمیری کفروه بهذا لانه تکذیب لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	ابوالعباس مبرد نے الکامل میں لکھا کہ ان باتوں میں جن کے سبب علماء کرام نے حجاج ظالم کو کافر کہا ایک یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو روضہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف کرتے دیکھا بولا کچھ لکڑیوں اور گلے ہوئے جسم کا طواف کررہے ہیں۔علامہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور فرماتے:

"لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ"[1]۔ خبردار شہیدوں کو مردہ نہ جانیو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی دئے جاتے ہیں شاد شاد۔

اور ایک سفیہ مغرور محبوبان خدا سے نفور خود حضور پرنور اکرم المحبوبین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی نسبت وہ ناپاک لفظ کہے اور وہ بھی یوں کہ معاذاللہ حضور ہی کی حدیث کا یہ مطلب ٹھہرائے یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، قیامت میں ان شاء اللہ تعالٰی مر کر مٹی میں ملنے کامزہ الگ کھلے گا اور یہ جدا پوچھا جائے گا کہ حدیث کے کون سے لفظ میں اس ناپاک معنی کی بو تھی جو تو نے "یعنی" کہہ کر محبوب اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کردیا حضور پر افتراء خدا پر افتراء ہے اور خدا پر افتراء جہنم کی راہ کا بر اسرا۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾"[2] "مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾"[3] بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا تھوڑا برتنا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(النهی الاکید عن الصلٰوۃ من وراء عدی التقلید من تصانیف المصنف العلامۃ قدس سرہ)

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۹

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۷

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء[1]۔رواہ ابوداؤد۔	کمال الدین دمیری نے فرمایا علماء نے اس قول پر اس وجہ سے تکفیر کی کہ اس میں ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب ہے کہ بیشک اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء کا جسم کھانا حرام کیا ہے۔(اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ت)

فائدہ: یہ روضہ اقدس کا طواف کرنے والے تابعین یا اقل درجہ تبع تابعین تو ضرور تھے۔

کفریہ ۲۶: تقویۃ الایمان کی ابتداء میں شرک کی کچھ قسمیں اور ان کا اجمالی بیان گھڑا کہ یہ باتیں فلاں قسم سے شرک ہیں اس بیان کے بعد اسی اجمال کی تفصیل کی پانچ فصلیں مقرر کیں ان فصلوں میں جو کچھ ہے وہ اسی اجمالی بیان کی شرح ہے ص ۱۰ پر اسی بیان اجمالی میں لکھا:

"حاجتیں برلانی اللہ ہی کی شان ہے کسی انبیاء واولیاء کی یہ شان نہیں جو کسی کو مصیبت کے وقت پکارے وہ مشرک ہو جاتا ہے[2]۔"

اسی میں لکھا ص ۱۲: "جو کوئی انبیاء واولیاء کی اس قسم کی تعظیم کرے مشکل کے وقت ان کو پکارے ان باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے ان چاروں طرح کے شرک کا صریح قرآن وحدیث میں ذکر ہے اس لئے اس باب میں پانچ فصلیں کیں[3] اھ ملخصًا۔

غرض یہ اجمالی بیان ایک دعوی ہے اور آگے ساری کتاب اس دعوے کا بیان وثبوت، اب یہ دعوی تو یاد رکھئے کہ "جو کوئی انبیاء اولیاء کو پکارے وہ مشرک ہے" آگے ثبوت کی فصلوں میں اس کا بیان سنئے صفحہ ۲۹:

"اللہ سے زبردست کے ہوتے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتے محض بے انصافی ہے کہ ایسے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجئے۔"[4]

یہ حضرات اولیاء وانبیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء کو "ناکارے لوگ" کہا، کیا یہ ان کی جناب میں کھلی گستاخی نہیں، کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کفر خالص نہیں جس کی تفصیل شفاء شریف اور اسی کی

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول قصۃ الفیل دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۹۰

[2] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷

[3] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۹

[4] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۰

شرح وغیرہا کتب ائمہ میں ہے۔

کفریہ ۲۷: تقویۃ الایمان پہلی فصل میں اس دعوے کا کہ "انبیاء واولیا کو پکارنا شرک ہے" ثبوت سنئے ص ۱۹:

"ہماراجب خالق اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے ہر کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔"[1]

مسلمانو! ایمان سے کہنا حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کی نسبت ایسے ناپاک ملعون الفاظ کسی ایسے کی زبان سے نکل سکتے ہیں جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو، شاید اسی شخص نے اور طائفے کی نسبت سچ ہی کہا تھا کہ پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا کہ ان میں کوئی ایسا بھی نہ رہا جس کے دل میں دانہ خردل کے برابر ایمان ہو، اور حضرات انبیاء سے اسے کچھ کام نہ ہونا بہت ٹھیک ہے کہ جب اس کے میلے گندے مذہب میں ان کا ماننا ہی روا نہیں بلکہ کفر ہے تو دین تو یوں گیا، اور دنیا جو ایسوں کی غایت مرام و مبلغ علم ہے اس میں کسی نبی کی سرکار سے ٹکا مہینہ جمعہ کی روٹی ملنے کی بھی امید نہیں تو زال دنیا کے ایسے کمانے والے پوتوں کو انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام سے کام ہونے کا کیا باعث۔

کفریہ ۲۸و۲۹: یہ کفریہ اٹھائیس سب سے بدتر خبیث، صراط مستقیم ص ۹۵:

بمقتضائے ظلمت بعضہا فوق بعض از وسوسہ زنا خیال مجامع زوجہ خود بہتر ست وصرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود ست خیال آں با تعظیم واجلال بسویدائے دل انسان مے چسپد بخیال گاؤ وخر کہ نہ آں قدر چسپیدگی میبود ونہ تعظیم بلکہ مہان ومحقر میبود وایں تعظیم واجلال غیر کہ در نماز	ظلمات بعضہا فوق بعض کی بناپر زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی سے مجامعت کا خیال بہتر ہے اور اپنی ہمت کو شیخ اور ان جیسے معظم لوگوں خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف مبذول کرنا اپنے گائے اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے کئی گنا بدتر ہے کیونکہ ان کا خیال تعظیم اور اجلال کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں چپک جاتا ہے۔ بخلاف گدھے اور گائے کے خیال میں نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور

[1] تقویۃ الایمان الفصل الاول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۳

ملحوظ ومقصود می شود بشرک میکشد[1]۔	نہ ہی تعظیم بلکہ ان کا خیال بے تعظیم اور حقیر ہوتا ہے اور یہ غیر کی تعظیم واجلال نماز میں ملحوظ ومقصود ہو تو شرک کی طرف کھینچ لیتی ہے۔

مسلمانو، مسلمانو! خدارا ان ناپاک ملعون شیطانی کلموں کو غور کرو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نماز میں خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے کسی فاحشہ رنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی برا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے، ہاں واقعی رنڈی نے تو دل نہ دکھایا گدھے نے تو کوئی اندرونی صدمہ نہ پہنچایا، نیچا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دکھایا کہ قرآن عظیم میں وخاتم النبیین پڑھ کر تازی نبوتوں کا دربار جلایا ان کا خیال آنا کیوں نہ قہر ہو ان کی طرف سے دل میں کیوں نہ زہر ہو۔

مسلمانو! للہ انصاف، کیا ایسا کلمہ کسی اسلامی زبان وقلم سے نکلنے کا ہے! حاش للہ! پادریوں پنڈتوں وغیرہم کھلے کافروں مشرکوں کی کتابیں دیکھو جو انھوں نے بزعم خود اسلام جیسے روشن چاند پر خاک ڈالنے کو لکھی ہیں۔ شاید ان میں بھی اس کی نظیر نہ پاؤ گے کہ ایسے کھلے ناپاک لفظ تمھارے پیارے نبی سچے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت لکھے ہوں کہ انھیں مواخذہ دنیا کا اندیشہ ہے مگر اس مدعی اسلام بلکہ مدعی امامت کا کلیجہ چیر کر دیکھئے کہ اس نے کس جگرے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت بے دھڑک یہ صریح عـــہ سب ودشنام کے لفظ لکھ دئے اور روز آخر اللہ عزیز غالب قہار کے غضب عظیم وعذاب الیم کا اصلا اندیشہ نہ کیا۔

مسلمانو! کیا ان گالیوں کی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع نہ ہوئی یا مطلع ہو کر ان سے انھیں ایذا نہ پہنچی، ہاں ہاں، واللہ واللہ انھیں اطلاع ہوئی، واللہ واللہ انھیں ایذا پہنچی، واللہ واللہ جو انھیں ایذا دے اس پر دنیا وآخرت میں اللہ جبار وقہار کی لعنت، اس کے لئے سختی کا عذاب شدت کی عقوبت۔ **آیت:**

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ	بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ نے لعنت فرمائی دنیا وآخرت

عــــہ: اور ان کی شان میں ادنٰی گستاخی کفر جس کی مبارک مقدس منور تفصیل شفا شریف اور اس کی شرح میں ہے ۱۲ سل السیوف۔

[1] صراط مستقیم ہدایت ثانیہ در ذکر مخلات عبادات الخ افادہ نمبر ۱ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۸۶

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ "[1]	میں اور ان کے لئے بنار کھا ہے ذلت والا عذاب۔
آیت: "وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ "[2]۔	جو ایذا دیتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔

مسلمانو! پھر ان مقتدیوں کا ایمان دیکھئے، ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر اسلام کے کان میں انگلیاں دے کر یہ کچھ دیکھتے یہ کچھ سنتے ہیں اور پھر وہ ویسا ہی امام کا امام، یہ اس کے چیلے بیدام کے غلام، **سبحان اللہ!** یہ حرکات اور اسلام کا نام، مسلمان وہ ہیں جنھیں قرآن عظیم فرماتا ہے،

آیت: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ[3]۔	تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں اللہ اور پچھلے دن کو کہ محبت رکھیں اس سے جس نے ضد باندھی اللہ اور اس کے رسول سے اگرچہ وہ ان کے باب یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ لوگ ہیں کہ نقش کردیا اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور مدد فرمائی ان کی اپنی طرف کی روح سے۔

وہابی صاحبو! مسلمان بننا چاہتے ہو تو حضور پر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت سویداے دل کے اندر جماؤ جو ان کی جناب عالم مآب میں گستاخی کرے اگر تمھارا باپ بھی ہو الگ ہو جاؤ جگر کا ٹکڑا ہو دشمن بناؤ، بہزار زبان وصد ہزار دل اس سے تبری کرو تحاشی کرو اس کے سایہ سے نفرت کرو اس کے نام محبت پر لعنت کرو، ورنہ اگر دوسرا تمھیں اللہ ورسول سے زیادہ عزیز ہے تو اسلام کا نام لیے جاؤ حقیقت اور چیز ہے، وائے بے انصافی اگر کوئی تمھارے باپ کو گالی دے تو اس کے خون کے پیاسے رہو صورت دیکھنے کے روادار نہ ہو۔ بس پاؤ تو کچا نگل جاؤ۔ وہاں نہ تاویلیں نکالو نہ سیدھی بات ہیر پھیر میں ڈالو، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت وہ کچھ سنو اور آنکھ میلی نہ کرو۔ بلکہ اس کی امامت وپیشوائی کا دم بھرو، ولی جانو، جو اسے برا کہے الٹی اس سے دشمنی ٹھانو، بدلگام کی بات میں سو سو طرح کے پیچ نکالو، رنگ رنگ کی تاویلیں ڈھالو، جیسے بنے کی بگڑی سنبھالو، اسی کی حمایت میں عظمت مصطفٰی

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پس پشت ڈالو، یہ کیا ایمان ہے، کیسا اسلام ہے، کیا اسلام اسی کا نام ہے۔

اے راہ روپشت بمنزل ہشدار

(اے منزل کی طرف پشت کرکے چلنے والے! ہوش کر۔ت)

مزہ یہ ہے کہ وہ خود تمھاری ساری بناوٹوں کا در باجلا گیا۔ تقویۃ الایمان:

"یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولئے اور اس سے کچھ اور معنی لیجئے معما اور پہیلی بولنے کی اور جگہ ہیں۔ کوئی شخص اپنے باپ یا بادشاہ سے جگت نہیں بولتا، اس کے واسطے دوست آشنا ہیں نہ باپ اور بادشاہ۔"

اور انصاف کیجئے تو اس کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی جگہ نہیں میں جانتا ہوں تم یوں نہیں سمجھوگے ذرا اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو اور آنکھیں بند کرکے بہ نگاہ انصاف غور کرو، اگر کوئی وہابی اپنے باپ کی نسبت کہے کہ تیرے کان گدھے کے سے ہیں تیری ناک بجو کی سی ہے، تو کیا اس نے اپنے باپ کو گالی نہ دی، یا کوئی سعادت مند نجدی اٹھ کر اپنے بدلگام مصنوعی امام کی نسبت کہے کہ ان کی آواز لطیف کتے کے بھونکنے سے مشابہ تھی، ان کا دہن شریف سور کی تھوتھنی سے ملتا تھا، تو تم اسے کیسا سمجھوگے۔ کیا اپنے طائفے میں رکھوگے یا بسبب گستاخی پیشواذات سے باہر کردوگے۔ اب تمھیں ظاہر ہوگا کہ اس خبیث بددین نے جو ہمارے عزت والے رسول دوجہان بادشاہ عرش عالم پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت یہ لعنتی کلمات [عہ] لکھے۔ انھوں نے ہمارے اسلامی دلوں پر تیر و خنجر سے زیادہ کام کیا، پھر ہم اسے

[عہ]: یہاں اس کے پیرووں کی غایت معذرت و سخن سازی جو کچھ ہے یہ ہے کہ کلام اس نے بقصد توہین نہ لکھا سوق سخن تاکید اخلاص کے لئے ہے مگر یہ بناوٹ اسی قبیل سے ہے کہ

لن یصلح العطاء ما افسدہ الدھر

(زمانے کے فساد کو یہ عطیہ ہرگز درست نہیں کرسکتا۔ت)

قصد قلب کلمات لسان سے ظاہر نہ ہوگا تو کیا وحی اترے گی کہ فلاں کے دل کا یہ ارادہ تھا اور صریح لفظ شنیع و قبیح میں سوق کلام خاص بغرض توہین ہونا کس نے لازم کیا، کیا اللہ و رسول کو برا کہنا اس وقت کلمہ کفر ہے جب بالخصوص اسی امر میں گفتگو ہو ورنہ باتوں باتوں میں جتنا چاہے برا کہہ جائے کفر و کلمہ کفر نہیں علت وہی ہے کہ ان حضرات کے دلوں میں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت عظمت نہیں ان کی بدگوئی کو ہلکا جانتے ہیں اس میں طرح طرح کی شاخیں نکالتے ہیں جیسے بنے اپنے امام کے کفریات سنبھالتے ہیں، شفاء شریف ص ۳۳۰ (باقی اگلے صفحہ پر)

اپنے سچے پکے اسلامی گروہ میں کیونکر داخل کر سکتے ہیں، ذرا یہ فرق بھی دیکھتے جاؤ کہ ہم نے جو نظیریں دیں ان میں صرف تشبیہ پر قناعت کی، تم جانو جب نری تشبیہ ایسی ہو تو بدر جہا بدتر بتانے میں مسلمانوں کا کیا حال ہوا ہوگا الا لعنة اللہ علی اعداء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علٰی رسولہ واٰلہ وبارك وسلم۔

مسلمانو! اور ذرا اس ناپاک وجہ کو تو خیال کرو (خاکش بدہن) یہ "بدر جہا بدتر ہونا" اس لئے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آیا تو عظمت کے ساتھ آئیگا اور گدھے کا حقارت سے تو نماز عـــہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تقدم الکلام فی قتل القاصد لسبہ الوجہ الثانی لاحق بہ فی الجلاء ان یکون القائل غیر قاصد للسب والازراء لامعتقد لہ ولکن تکلم فی جہتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکلمۃ الکفر ماھو فی حقہ صلی اللہ علیہ وسلم نقیصۃ مثل ان یاتی بسفہ من القول اوقبیح من الکلام و نوع من السب فی جہتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان ظہر بدلیل حال انہ لم یقصد سبہ اما لجہالۃ او ضجر او سکر اوقلۃ ضبط لسانہ، او تہور فی کلامہ فحکم ھذا حکم الوجہ الاول قتل من دون تلعثم[1] اھ مختصرا۔	یعنی اس کا حال تو اوپر معلوم ہو چکا جو بالقصد تنقیص شان اقدس کرے، دوسری صورت اسی کی طرح روشن وظاہر یہ ہے کہ قائل نہ تنقیص و تحقیر کا قصد کرے نہ اس کا معتقد ہو مگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معاملہ میں کلمہ کفر بول اٹھے جو حضور کے حق میں تنقیص شان ہو مثلا کوئی بے ادبی کا لفظ یا بری بات اور ایک طرح کی تنقیص بولے اگرچہ اس کے اس کے حال سے ظاہر ہو کہ اس نے مذمت و توہین کا ارادہ نہ کیا بلکہ جہالت یا جھنجھلاہٹ یا نشہ میں بک دیا یا بات کہنے میں زبان روکنے کی کمی یا بیباکی سے صادر ہوا، اس صورت کا حکم بعینہٖ وہی پہلی صورت کا حکم ہے فورا قتل کیا جائے بلاتوقف ۱۲ منہ۔

عـــہ: مکتوبات شیخ مجدد صاحب مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ مکتوب ۳ صفحہ ۴۶ خواجہ محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ نوشتہ بودند[2] الخ (پوری عبارت زیر کفر ۵۳ ص ۲۱۸ میں آتی ہے)

سبحان اللہ! کہاں تو اس شخص کا وہ کفری بول کہ نماز میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آیا اور خاکش بدہن شرک نے منہ پھیلایا یا فقط نماز برباد کہ ایمان ہی ابتر تف بروئے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل قال القاضی تقدم الکلام المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۲۲

[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰ بخواجہ محمد اشرف وحاجی محمد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۶

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصور آنا اس شرک پسند کے نزدیک شرک تک پہنچائے گا۔

اقول: الحمد للہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت تو رفیع الدرجات ذوالعرش جل وعلا کی بنائی ہوئی ہے۔ کسی کافر یا کافر منش کے مٹائے نہ مٹے گی، چودھویں رات کے چاند کا چمکتا نور کہیں کتوں کے بھونکنے سے کم ہوا ہے ؎

مہ فشاند نور وسگ عوعو کند ہر کسے بر خلقت خود مے تند

(چاند نور پھیلا رہا ہے اور کتا عوعو کرتا ہے، ہر ایک اپنی اپنی فطرت ظاہر کرتا ہے۔ت)

اس شخص کے نزدیک نماز میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آنا موجب شرک کہ جب وہ آئے گا عظمت کے ساتھ آئے گا، مگر واللہ العظیم کہ شریعت رب العرش الکریم نے نماز بے ان کے خیال باعظمت وجلال کے ناقص ہے، اس سے کہو کہ اپنے شریکوں کو جمع کرے اور قہر والے عرش کے مالک سے لڑائی لے کہ تو نے کیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کافروشی وکفر منشی ان کے (بدگویوں) کی طرف خیال لے جانا اپنے بیل اور گدھے کے نہ صرف تصور بلکہ ہمہ تن اس میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر، اور کہاں شیخ طریقت وآقائے نعمت وخداوند دولت خاندان دہلی شیخ مجدد کا یہ واشگاف قول کہ تصور صورت شیخ سے غافل نہ ہو۔ نمازوں، عبادتوں، سب وقتوں حالتوں میں اسی کی طرف متوجہ رہو اگرچہ عین نماز میں اسی صورت کو سجدہ محسوس ہو وہ قبلہ عبادت ہے، نہ مسجود لہ جو اس قبلہ سے پھرا وہ بیدولت تباہ ہوا اس کا کام برباد ہوگیا، تصور شیخ کی ایسی دولت سعادت مندوں کو ملتی ہے طالبان خدا کو اس کی بہت تمنا رہتی ہے، غرض وہ بول یہ قول باہم لڑے ہیں کفر وشرک کے عقاب پر تولے کھڑے ہیں، دیکھئے وہابی صاحب کدھر ڈھالتے ہیں ادھر جھکاتے یا ادھر ڈالتے ہیں ؎

یا دامن یار رفت از دست یا ایں دل زار رفت از دست

(یار دامن ہاتھ سے جائے گا یا یہ آزردہ دل ہاتھ سے جائیگا۔ت)

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾[1]۔ ۱۲ سل السیوف الهندیة علی کفریات باباالنجدیة	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی ہے، کیا اچھا تھا کہ وہ جانتے۔ ۱۲ سل السیوف الهندیة علی کفریات باباالنجدیة

[1] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

ایسی شریعت بھیجی جس نے نماز کی ہر دو رکعت پر التحیات واجب کی اور اس میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ پڑھنا عرض کرنا لازم کیا۔

مسلمانو! کیا ان کے پڑھنے کا حکم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف خیال کرنے کا حکم نہ ہوا، بیشک ہوا، اور واقعی ان کا خیال مسلمان کے دل میں جب آئے گا عظمت وجلال ہی کے ساتھ آئے گا کہ اس کا تصور ان کے پاک مبارک تصور کو لازم بین بالمعنی الاخص ہے اور عرض سلام تو خاص بغرض ذکر و اکرام ہی ہے تو یہاں نہ صرف ان کے خیال بلکہ خاص نماز میں ان کے ذکر وتکریم کا حکم صریح و لکن المنفقین لایعلمون (لیکن منافقین نہیں جانتے۔ت) احیاء العلوم مطبع لکھنؤج ۱ ص ۹۹:

احضر فی قلبك النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وشخصه الکریم وقل سلام علیك ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاته[1]۔	التحیات میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنے دل میں حاضر کر اور حضور کی صورت پاک کا تصور باندھ اور عرض کر السلام علیک ایھا النبی ورحمہ اللہ وبرکاتہ۔

میزان امام شعرانی مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۳۹ و ۱۴۰:

سمعت سیدی علیاً الخواص رحمه اللہ تعالٰی یقول انما امر الشارع المصلی بالصلٰوۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی التشھد لینبه الغافلین فی جلوسھم بین یدی اللہ عزوجل علی شھود نبیھم فی تلك الحضرۃ فانه لایفارق حضرۃ اللہ تعالٰی ابدافیخاطبونه بالسلام مشافیة[2]۔	میں نے اپنے سردار علی خواص رحمۃ اللہ تعالٰی کو فرماتے سنا کہ شارع نے نمازی کو تشہد میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام عرض کرنے کا اس لئے حکم دیا جو لوگ اللہ عزوجل کے دربار میں غفلت کے ساتھ بیٹھتے ہیں انھیں آگاہ فرما دے کہ اس حاضری میں اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھیں اس لئے کہ حضور کبھی اللہ تعالٰی کے دربار سے جدا نہیں ہوتے پس بالمشافہہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام عرض کریں۔

[1] احیاء العلوم کتاب اسرار الصلٰوۃ بیان تفصیل ماینبغی ان یحضر القلب الخ مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۲۹

[2] المیزان الکبرٰی للشعرانی باب صفۃ الصلٰوۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۷

حجۃاللہ البالغہ شاہ ولی اللہ صاحب صدیقی ص ۲۱۰:

ثم اختار بعدہ السلام علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تنویھا بذکرہ واثباتا للاقرار برسالتہ واداء لبعض حقوقہ [1]۔	پھر اس کے بعد التحیات میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام اختیار کیا ان کا ذکر پاک بلند کرنے کو اور ان کی رسالت کا اقرار ثابت اور ان کے حقوق سے ایک ذرہ ادا کرنے کے لئے۔

اولیائے عظام وعلمائے کرام نے اس عرض سے سلام کی جو حکمت ارشاد فرمائی ہے میں اسے مواہب لدنیہ وغیرہا ائمہ کتب سے نقل کروں اس سے بہتر کہ ان غیر مقلدوں کے امام آخر الزمان نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی کتاب سے سناؤں کہ یہ ان پر اشد وسخت تر ہے۔ مسک الختام نواب بھوپال مقام ص ۲۴۴:

نیز آں حضرت ہمیشہ نصب العین مومنان وقرۃ العین عابدان ست درجمیع احوال واوقات خصوصا درحالت عبادات ونورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر و قوی ترست وبعضے از عرفاء قدس سرہم گفتہ اند ایں کہ خطاب بجہت سریاں حقیقت محمدیہ است علیہ الصلٰوۃ والسلام در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود حاضر ست پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب واسرار معرفت منور وفائز گرددآرے۔ درراہ عشق مرحلہ قرب وبعد نیست می بینمت عیاں دعا می فرستم [2]	تمام احوال واوقات خصوصا عبادات کی حالتوں میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام مومنین کا نصب العین اور عابدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں، عبادات کے مواقع میں نورانیت اور انکشاف زیادہ قوی ہوتا ہے، بعض عارفین قدس اسرارہم نے فرمایا کہ نماز میں (السلام علیک کا) خطاب حقیقت محمدیہ علیہ الصلٰوۃ والسلام کو ہوتا ہے جو موجودات کے تمام ذرات اور ممکنات کے تمام افراد میں سرایت کئے ہوئے ہے لہٰذا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہوتے ہیں اس لیے نمازی کو اس حقیقت سے آگاہ رہنا چاہئے اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی اس موجودگی سے غافل نہ ہو تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور اور فائز ہوجائے، ہاں (شعر) عشق کی راہ میں قرب وبعد کا مرحلہ نہیں ہے۔ میں آپ کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور دعا پیش کرتا ہوں۔ (ت)

[1] حجۃ البالغہ الامور التی لابد منہا فی الصلٰوۃ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ۲/ ۶

[2] مسک الختام شرح ببلوغ المرام کتاب الصلٰوۃ باب ، صفۃ الصلٰوۃ مطبع نظامی کانپور ۱/ ۲۴۴

اس عبارت میں نواب بہادر فرمائشی شرکوں کے انبار لگا گئے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر عبادت میں مسلمانوں کے پیش نظر ہیں ۱ایک شرک، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر نمازی کی ذات بلکہ ہر ہر ذرہ ممکنات میں موجود وحاضر ہیں ۲دو شرک، نمازی نماز میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مشاہدے سے ہر گز غافل نہ ہوتا ہے کہ قرب الٰہی پائے، ۳تین شرک، مگر یہ کہے کہ اگلی پچھلی سلطنتوں میں بڑے لوگوں کو تین خون معاف ہوتے تھے گورنمنٹ وہابیت سے نواب بہادر کو تین شرک معاف ہیں ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اسی طرح وعلی عباداللہ الصلحین کیا شرک سے بچے رہے گا کہ امثال آں از معظمین سب کو شامل۔

مسلمانو! کیا ہر نماز کے ختم پر درود شریف پڑھنا سنت نہیں، اور حضرت امام شافعی وامام احمد عـــہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک تو فرض ہے۔ پھر درود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد وتکریم نہیں تو کیا ہے۔ درود کو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خیال باعظمت وجلال سے انفکاک کیونکر ممکن! مسلمانو! ہر رکعت میں الحمد شریف پڑھنا ہمارے نزدیک امام ومنفرد پر واجب اور ان غیر مقلدوں وہابیوں کے یہاں سب پر فرض ہے ان سے کہو اس میں "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" [1] نکال ڈالیں یعنی راہ ان کی جن پر تو نے انعام کیا۔ جانتے ہو وہ کون ہیں؟ ہاں قرآن سے پوچھو وہ کون ہیں:

"فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ" [2]	جن پر خدا نے انعام کیا وہ انبیاء اور صدیق اور شہداء اور نیک لوگ ہیں

جب "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" [3] پڑھ کر ان کی راہ مانی جائے گی ضرور عظمت کے ساتھ ان کا خیال آئے گا اور وہ اس کے نزدیک شرک ہے تو الحمد میں سے اس شرک کے دور کرنے کی کوشش کریں صرف "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۠" [4] رکھیں کہ انبیاء وصدیقین کی جگہ نماز میں یہود نصارٰی کی یادگاری رہے، بلکہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" [5] بھی رکھنے کے قابل نہیں کہ حدیث میں اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما مراد لئے گئے ہیں، فتح الخبیر شاہ ولی اللہ دہلوی مصر ۹۵ھ ص ۳:

عـــہ: فی اشھر الروایتین اھ میزان الشعرانی ورحمۃ الامۃ ۱۲منہ۔ (م)	دونوں روایتوں میں سے مشہور روایت میں میزان الشعرانی ورحمۃ الامۃ ۱۲منہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۱/ ۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۹

[3] القرآن الکریم ۱/ ۶

[4] القرآن الکریم ۱/ ۷

[5] القرآن الکریم ۱/ ۵

الصراط المستقیم کتاب اللہ وقیل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصاحباہ[1]۔	صراط مستقیم سے مراد قرآن ہے اور بعض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما مراد ہیں (ت)

مسلمانو! میں فقط الحمد کو کہتا ہوں۔ نہیں نہیں شاید دو ایک کے سوا قرآن عظیم کی کسی سورت کا نماز میں تلاوت کرنا اس وہابی شرک سے نہ بچے گا۔ جن سورتوں میں حضور پر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام یا ملائکہ عظام یا صحابہ کبار یا مہاجرین وانصار یا متقین ومحسنین وعباد اللہ الصالحین کی صریح تعریفیں ہیں ان کا تو کہنا ہی کیا ہے، یونہی وہ بھی جن میں حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء کے قصص مذکور ہیں کہ ان کا تصور جب آئے گا عظمت ہی سے آئے گا جس کا اس شخص کو خود اقرار ہے ان کے سوا گنتی ہی کی سورتیں حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر صریح سے خالی ہوں گی اور کچھ نہ ہو تو کم سے کم حضور سے خطاب ہوں گے جب چاروں قل، "تبت" میں کھلا ہوا حضور قدس صلی کا ذکر لگا ہوا ہے کہ اس کی تلاوت میں ضرور خیال جائے گا کہ یہ بھاری انتقام اللہ عزوجل کس کی طرف سے لے رہا ہے، یہ سخت غضب الٰہی کس کی جناب میں گستاخی کرنے پر اتر رہا ہے "لایلف" شریف میں اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا صراحۃً ذکر نہیں تو کعبہ معظّمہ کا ذکر ہے اور وہ بھی کمال تعظیم کے ساتھ کہ اپنی ربوبیت کو اس کی طرف اضافت فرمایا اس کا تصور کب بے عظمت آئے گا بنظر ظاہر صرف سورہ تکاثر اس عالمگیر وبا سے بچے گی باقی تمام وکمال ہر سورۃ کی تلاوت شرک عـــہ میں ڈالے گی پھر تکاثر بھی

عـــہ: اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلٰوۃ والتحیۃ عیاذًا باللہ ان شرکیات کی واجب وسنت وجائز کرنیوالی ہوئی، صحابہ سے آج تک تمام مسلمان کہ ان امور پر اجماع کیے ہوئے ہیں سب شرک میں گرفتار ٹھہرے اس سے بڑھ کر اور کیا کلمہ ہوگا، شفاء شریف ص ۳۶۲ و ۳۶۳:

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ[2]۔ ۱۲ سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ للمصنف العلامۃ مدظلہ	جو شخص ایسی بات کہے جس سے تمام امت کے گمراہ ٹھہرنے کی راہ نکلتی ہو ہم بالیقین اسے کافر کہتے ہیں ۱۲ سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ للمصنف العلامۃ مدظلہ۔

---

[1] فتح الخبیر مع الفوز الکبیر الباب الخامس تکملہ الفوز الکبیر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۸۷

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۷۱

بچی تو صرف شرک سے معصیت یا کراہت سے اسے بھی نجات نہیں کہ مقابر و جحیم واموال و نعیم کا خیال اس میں بھی رکھا ہوا ہے یہ عظمت کے ساتھ نہ آکر خیال انبیاء واولیاء کے شرک میں نہ ملا تو خیال گاؤخر کی قباحت میں تو شریک ہوگا۔تف ہزار تف ایسے ناپاک اختراع پر۔

مسلمانو! میں صرف نماز ہی میں گفتگو کرتا ہوں، نہیں نہیں۔اس کے نزدیک بیرونی نماز بھی قرآن عظیم کی تلاوت شرک ہے کیا فقط نماز ہی عبادت ہے نفس تلاوت نہیں کیا اس عبادت میں شرک رواہے، حاشا کسی عبادت میں روانہیں۔اور قرآن کی سورتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعت،ان کی ذکر،ان کی یاد،ان کی تعظیم،ان کی تکریم سے گونج رہی ہیں توعبادت تلاوت بے تصور عظمت سیدنا عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیونکر متصور،تواس چوپائی شرک سے کدھر مفر،غرض اس دشنام صریح سے قطع نظر یہ وجہ قبیح خود افتح القبائح و مجموعہ صدہا کفریات وفضائح ہے۔

مسلمانو! تم نے دیکھا کیسی خبیث وناپاک وجہ کے حیلے سے اس شخص نے تمھارے پیارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالی دی اور ہنوز دعوی اسلام باقی ہے۔سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعوی!

"رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ "[1]	اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے،اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں (ت)

تنبیہ: میں نے اس کفریہ ملعونہ کی تفضیح و تقبیح میں ذرا اپنے قلم کو وسعت دی کہ یہ مقام اس شخص کی اشد شقاوت کا تھا اور میں نے نہ دیکھا کہ ہمارے علماء نے یہاں کلام کو کامل رنگ تفصیل دیا ہو،اب اس قول خبیث اخبث الاقوال بلکہ ارجس الابوال کے بعد مجھے اس کے کفریات جزئیہ زیادہ گنانے کی حاجت نہیں کہ طول وجہ ملال ہے مگر اجمالاً اتنا اور سن لیجئے کہ اس کے حصہ میں جزئیات کثیرہ کے علاوہ بعد دابواب جہنم سات کلیات کفریا تکے ہیں:

دہلوی ملاکے یہاں کفریات کے سات کلیے

(۱) جابجاقرآن عظیم ایک بات فرمائے اور یہ صاف اسے غلط و باطل کہہ جائے۔شفاء شریف میں ص ۳۷۳، معین الحکام امام علاء الدین علی طرابلسی حنفی مطبع مصر ص ۲۲۹:

من استخف بالقراٰن اوبشیئ منه او حجده اوکذب بشیئ منه اواثبت مانفاه اونفی	جو شخص قرآن مجید یااس کے کسی حرف کی گستاخی یااس کاانکار یااس کی کسی بات کی تکذیب یاجس

[1] القرآن الکریم ۲۳/۹۸

ما ثبتہ علی علم منہ بذلك اوشك فی شیئ من ذٰلك فھو کافر عند اھل العلم بالاجماع [1]۔(ملخصا)	بات کی قرآن نے نفی فرمائی اس کا اثبات یا جس کا اثبات فرمایا اس کی نفی کرے دانستہ یا اس میں کسی طرح کا شک لائے وہ باجماع تمام علماء کے کافر ہے۔(ملخصا)

(۲) اس کے طور پر قرآن عظیم میں جابجا شرک موجود۔

(۳) اس کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ سے شرک صادر ہوئے۔

(۴) یونہی حضرات ملائکہ عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام سے۔

(۵) یہی خیال خبیث حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت۔

(۶) جن باتوں کو یہ صاف صاف شرک بتاتا ہے وہ اس کے اکابر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور ان کے والد ماجد شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم اور ان سب کے پیر سلسلہ جناب شیخ مجدد صاحب کی تصنیفات تحریرات میں اہلی گہلی پھر رہی ہیں تو اس کے نزدیک معاذاللہ وہ سب مشرک تھے پھر یہ انھیں امام و پیشوا وولی خدا کہتا ہے اور بڑی لمبی چوڑی تعریفوں سے یاد کرتا ہے اور جو مشرکوں کو ایسا جانے خود کافر ہے تو یہ اس کا نیم اقراری کفریہ ہوا۔

(۷) کھلے شرکوں کے بھاری تودے خود اس کے کلام میں برساتی حشرات الارض کی طرح پھیلے ہیں ایک بات اس کتاب میں کفر دوسری میں ایمان، یہاں شرک وہاں عرفان، تو یہ پورا اقرار کفریہ ہے، میں ان سب کی پوری تفصیل کروں تو بلا مبالغہ ایک مجلد ضخیم لکھوں دوسرے سے پانچویں تک چار کلیے کے لئے بکثرت جزئیات فقیر نے اپنے رسالہ **اکمال الطامۃ علی شرك سوی بالامور العامۃ** (۱۳۱۱ھ) میں جمع کئے ثلثہ باقیہ کے جزئیات پر ہمارے بہت رسائل میں کلام ملے گا اور خود اسی رسالہ کی تقریرات سابقہ سے بعض کا پتا چلے گا یہاں بطور نمونہ ساتوں کلیے کی صرف ایک مثال لکھوں۔

کفریہ ۳۰: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾" [2]۔	ہم یہ کہاوتیں بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے اور ان کی سمجھ نہیں مگر عالموں کو۔

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل واعلم ان من استخف بالقرآن الخ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۸۷و ۲۸۸

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۴۳

یہ شخص غیر مقلدی اور دین الٰہی میں ہر گونہ آزادی کا پھاٹک کھولنے کے لئے کہتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے قرآن سمجھنے کو علم ہر گز درکار نہیں۔

تقویۃ الایمان ص ۳: "عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ ورسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے اس کو بڑا علم چاہئے سو یہ بات بہت غلط ہے [1] اھ ملخصا۔

لطف یہ کہ اپنے اس گھڑے مطلب پر دلیل لایا آیہ کریمہ:

"هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ" [2]۔ سے، اور خود ہی اس کا ترجمہ کیا کہ: "وہ اللہ ایسا ہے کہ جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول ان میں سے کہ پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقل کی باتیں۔" [3] کیوں حضرت! جب قرآن کے سمجھنے کو علم درکار نہیں ہر جاہل نادان سمجھ سکتا ہے تو نبی کے سکھانے کی کیا حاجت تھی، سبحان اللہ! ردواسدوا تو خود سمجھ لیں اور صحابہ کرام سکھانے کے محتاج۔

کفریہ ۳۱ و ۳۲: تقویۃ الایمان ص ۱۰: "روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست اور بیمار کردینا اقبال وادبار دینا، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء اولیاء بھوت پری کی یہ شان نہیں جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ تعالٰی نے ان کو قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہے [4] اھ ملخصًا۔

کاش یہ ظالم صرف اس قدر کہتا کہ جو کسی کو قادر بالذات و متصرف بالاستقلال سمجھے مشرک ہے تو بیشک حق تھا مگر یوں مطلب کیا نکلتا کہ یہ معنی تو کسی کی نسبت کسی مسلمان کے خیال میں ہر گز نہیں تو تمام مسلمانوں کو

---

[1] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲

[2] القرآن الکریم ۶۲ /۲

[3] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳

[4] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷

کیونکر مشرک بنایا جاتا اور وہ کیونکر صادق آتا کہ ص ۵:

"شرک لوگوں میں بہت پھیل رہاہے اور اصل توحید نایاب[1]۔"

صفحہ ۴۵: "سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا[2]" کہ تمام دنیا میں کوئی مسلمان نہ رہا لہٰذا یہ عام جبروتی حکم لگایا کہ "پھر خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہے[3]۔"

اب غور کیجئے کہ اس ناپاک وملعون قول پر انبیاء وملائکہ سے لے کر اللہ و رسول تک اور اس کے پیشواؤں سے لے کر خود اس ظلوم وجہول تک کوئی بھی حکم شرک سے نہ بچا۔

آیت: "اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ"[4]۔ **آیت:** "وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ"[5]۔	انھیں دولتمند کردیا اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے۔ اے عیسٰی تو تندرست کرتا ہے مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے۔

یہ **معاذاللہ** قرآن عظیم کے شرک ہیں اور "میرے حکم سے" کالفظ بڑھادینا شرک سے نجات نہ دے گا کہ تندرست کردینے کی قدرت اللہ ہی کے حکم سے سمجھے جب بھی تو اس شرک پسند کے نزدیک شرک ہے۔ **کفریہ ۳۳:**

آیت: "اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ"[6]۔	(عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا) میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہوں اور میں مُردے جِلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

یہ **معاذاللہ** عیسٰی مسیح کلمۃ اللہ علیہ الصلٰوۃ والسلام کا شرک ہوا۔ **کفریہ ۳۴ تا ۳۸:**

"وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ"[7]۔	اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو سب سجدے میں گرے سوا ابلیس کے۔

---

[1] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴

[2] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۰

[3] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷

[4] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[5] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

[6] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[7] القرآن الکریم ۲/ ۳۴

آیت: "وَرَفَعَ اَبَوَیۡہِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَہٗ سُجَّدًا ۚ"[1]۔	یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا اور وہ سب یوسف کے لئے سجدے میں گرے۔

یہ (خاک بدہن گستاخان) ۳۴اللہ تعالٰی اور ۳۵ملائکہ و۳۶آدم و۳۷یعقوب و۳۸یوسف علیہم الصلٰوۃ والسلام سب کا شرک ہوا، اللہ نے حکم دیا ملٰئکہ نے سجدہ کیا آدم راضی ہوئے یعقوب ساجد، یوسف رضامند۔

تقویۃ الایمان ص ۱۱: "جو کوئی کسی پیغمبر کو سجدہ کرے اس پر شرک ثابت ہے، خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے ہر طرح کا شرک ہے [2]اھ ملخصا"۔

صفحہ ۸:

"شرک جیسے سجدہ کرنا گو کہ پھر اس کو اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور بندہ اور اس بات میں انبیاء اور شیطان اور بھوت میں کچھ فرق نہیں [3]اھ ملخصا۔"

یوں تو اس گمراہ کا استاد شفیق شیطان لعین ہی اچھا رہا کہ خود کو بہتر فرمایا وہ شرک کے پاس نہ گیا اور یہاں فسخ کا جھگڑا پیش کرنا جہالت، شرک کسی شریعت میں حلال نہیں ہوسکتا، کبھی ممکن نہیں کہ اللہ تعالٰی شرک کا حکم دے اگرچہ اسے پھر کبھی منسوخ بھی فرمادے۔

کفریہ ۳۹ و ۴۰: حدیث: حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ ورسولہ[4]۔	ابن جمیل فقیر تھا اسے اللہ اور اس کے رسول نے غنی کردیا۔

یہ حدیث صحیح بخاری مطبع احمدی قدیم ج ۱ ص ۱۹۸ میں ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب جل وعلا سے عرض کرتے ہیں:

اللھم انی احرم مابین جبلیھا مثل ماحرم بہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام	الٰہی! میں دونوں کوہ مدینہ کے درمیان کو حرم بناتا ہوں مثل اس کے جیسے ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والسلام

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۰

[2] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۸

[3] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۶

[4] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ تعالٰی وفی الرقاب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۸

مکۃ [1]۔	نے مکہ کو حرم بنایا۔

صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۱: **واللفظ لہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ** (حدیث کے یہ لفظ صحیح مسلم کے ہیں۔ت)

حدیث: حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ابراھیم حرم مکۃ وانی حرمت المدینۃ مابین لابتیھا لایقطع عظاھھا ولایصاد صیدھا [2]۔	بیشک ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میں نے مدینہ کو حرم کیا، نہ کاٹی جائیں اس کی ببولیں اور نہ پکڑا جائے اس کا شکار۔

صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۰ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اس مطلب کی حدیثیں صحاح وسنن ومسانید وغیرہا میں بکثرت ہیں جن میں حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صاف وصریح حکم فرمایا کہ مدینہ طیبہ اور اس کے گرد وپیش کے جنگل کا وہی ادب کیا جائے جو مکہ معظّمہ اور اس کے جنگل کا ہے۔یہی مذہب ائمہ مالکیہ وشافعیہ وحنبلیہ اور بکثرت ائمہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا ہے،ائمہ حنفیہّ اگرچہ اس باب میں اور احادیث پر عمل فرماتے ہیں جو شرح معانی الآثار امام طحاوی وغیرہ میں مع نظر مذکور مگر ترجیح یا تطبیق یا نسخ دوسری چیز ہے،کلام اس میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے توصراحۃً مدینہ طیبہ کے جنگل کا ادب ارشاد فرمایا،اب اس شخص کی سنئے تقویۃ الایمان ص ۱۱: "گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا،درخت نہ کاٹنا یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لئے بتائے ہیں پھر جو کوئی کسی پیغمبر یا بھوت کے مکانوں کے گرد پیش کے جنگل کا ادب کرے اس پر شرک ثابت ہے پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں کہ ان کی اس تعظیم سے اللہ خوش ہوتا ہے ہر طرح شرک [3] اھ ملحصًا۔

جان برادر! تونے دیکھا کہ اس شخص کی ساری کوشش اسی میں تھی کہ اللہ اور رسول کو بھی مشرک کہنے سے نہ چھوڑے،تف ہزار تف بروئے بے دیناں۔

کفریہ ۱۴۱تا۱۴۶: تفسیر عزیزی پارہ عم شاہ عبدالعزیز صاحب مطبوعہ بمبئی ص ۱۴۰:

---

[1] صحیح مسلم باب فضائل مدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۱

[2] صحیح مسلم باب فضائل مدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۰

[3] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۸

"بعضے از اولیاء اللہ راکہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود کرد انیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ اند واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ باین سمت نمیگردد،اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از انہامی نمایند وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود از انہامی طلبند ومے یابند زبان حال آنہا درآن قوت ہم مترنم بایں مقال است۔ من آیم بجان گر توآئی بہ تن [1]"	بعض اولیاء کرام جنھوں نے اپنے آپ کو بنی نوع انسان کی رہنمائی اور تکمیل کے لئے متصرف کر رکھا ہے وہ (وفات کے بعد کی) حالت میں بھی دنیا میں تصرف کرتے ہیں اور کمال وسعت ادراک کی بناء پر ان کا استغراق اس طرف توجہ سے مانع نہیں بنتا اور اویسی خاندان باطنی کمالات کی تحصیل انہی اولیاء سے کرتے ہیں اور اہل حاجات ومشکلات انہی سے اپنی حاجات کا حل طلب کرتے ہیں اور مراد پاتے ہیں اور یہ اولیاء کرام زبان حال سے اس وقت یہ فرماتے ہیں: اگر تو جسمانی طور پر آیا ہے تو میں جان سے حاضر ہوں۔ (ت)

یہ عبارت سراپا بشارت اس شخص کے مذہب ہمہ تن شرارت پر معاذاللہ سرتاپا شرک جلی سے ملوث ہے،اولیائے کرام دنیا میں تصرف، بعد انتقال بھی ان کا تعلق باقی رہنا،ان کے علوم کی وسعت کہ ادھر بھی مستغرق ہیں ادھر بھی خبر رکھیں،اولیاء کا بعد وصال بھی فیض دینا،مریدوں کو مناصب عالیہ تک پہنچانا،حاجتمندوں کا اپنی حاجتیں ان کی پاک روحوں سے طلب کرنا ان کا حل مشکل فرمانا،نواب بہادر کی عبارت میں تو تین ہی شرک تھے حضرت شاہ صاحب کے کلام میں المضاعف ہیں،ہاں ہونا ہی چاہیے کہ وہ نواب تھے یہ شاہ ہیں کلام الملک ملک الکلام۔

کفریہ ۴۷تا۴۹: تحفہ اثناء عشریہ حضرت ممدوح ص ۳۹۶ و ۳۹۷:

حضرت امیر و ذریہ طاہرہ اورا تمام امت بر مثال مریدان ومرشدان می پرستند وامور تکوینیہ رابایشاں وابستہ میدانند وفاتحہ ودرود وصدقات ونذر بنام ایشاں رائج ومعمول گردیدہ چنانچہ باجمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است [2]۔	تمام امت مریدوں کی طرح حضرت امیر (علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کی اولاد پاک کو مرشد تسلیم کرتی ہے اور تکوینی امور کو ان سے وابستہ مانتی ہے،اور فاتحہ،درود اور صدقات ونذر ونیاز ان کے نام رائج اور معمول ہے جس طرح کہ تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہ معاملہ رائج ہے۔(ت)

---

[1] فتح العزیز (تفسیری عزیزی) پ عم س انشقاق مطبع مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ۳/ ۲۰۶

[2] تحفہ اثناء عشریہ باب ہفتم در امامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

وہابی صاحبو! یہ بھی اکٹھے تین ۳ شرک ہیں، ہر ایک ڈھائی من پختہ کا، شاہ صاحب کو دیکھئے کتنے بڑے شرک پسند، مشرک دوست، علی پرست، پیر پرست، اولیاء پرست ہیں کہ کاروبار عالم کو دامن ہمت حضرت مولی مشکل کشا واہلبیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے وابستہ مانتے اور پیروں کی طرح ان سب کی پرستش اور ان کے اور تمام اولیاء کے نام کی نذر منت جائز مانتے، اور نہ آپ ہی تنہا بلکہ تمام امت مرحومہ کو **استغفر اللہ** انھیں بلاؤں میں سانتے ہیں، اب تو عجب نہیں کہ روافض کی طرح امت مرحومہ کو **معاذاللہ** امت ملعونہ لقب دیجئے،

تقویۃ الایمان ص ۸: "پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اس کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل و سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق سمجھے سو ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہے[1]۔"

پانچویں فصل شرک فی العادۃ کی برائی کے بیان میں لکھا ص ۶۱:

"پیر پرست انے تئیں کہلوانا محض بے جا ہے اور نہایت بے ادبی[2]۔"

کفریہ ۵۰ تا ۵۲: شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ سے ظاہر کہ وہ خود اور ان کے بارہ اساتذہ حدیث و پیران سلسلہ

ناد علیا مظہر العجائب* تجدہ عونا لك فی النوائب *کل ھم وغم سینجلی* بولایتك یا علی یا علی یا علی[3]*	پکار علی کو جن کی ذات پاک سے وہ خوارق وفیوض ظاہر ہوتے ہیں جنھیں دیکھ کر عقلیں اچنبھے میں ہیں جب توانھیں ندا کرے گا تو انھیں مصائب وآفات میں اپنا مدد گار پائیگا ہر پریشانی ورنج اب دور ہوتا ہے آپ کی ولایت سے یا علی یا علی یا علی (ت)

---

[1] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۶

[2] تقویۃ الایمان الفصل الخامس فی رد الاشراك فی العادات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۳

[3] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

کی سندیں لیتے، اجازتیں دیتے، وظیفہ کرتے۔

الحمدللہ۔ ان شاہ صاحب اور ان کی پیروں استاذوں نے تو شرک کا پانی سر سے تیر کر دیا یہاں بھی مثل سابق تین [۳] پہاڑ شرک کے ہیں: [۱] مصیبت میں مولا علی کے پکارنے کا حکم ایک شرک، [۲] انھیں مصیبتوں میں مددگار ماننا دو شرک، [۳] یا علی یا علی یا علی کی لے باندھنا تین شرک۔ جسے ان نفیس و جانفزا کلام کی تفصیل دیکھنی ہو فقیر کے رسائل **انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار** (۱۳۰۵ھ) و **حیات الموات فی بیان سماع الاموات** (۱۳۰۵ھ) و **انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ** (۱۳۰۴ھ) و **الامن والعلی لناعتی المصطفی بدافع البلاء** (۱۳۱۱ھ) وغیرہا مطالعہ کرے۔

کفریہ ۵۳ تا ۵۵: تمام خاندان دہلی کے آقائے نعمت وخداوند دولت ومرجع ومنتہی ومفرغ وملجاو سید ومولٰی جناب شیخ مجدد صاحب کے مکتوبات مطبوعہ لکھنؤ جلد دوم مکتوب سیم ۳۰ ص ۴۶:

خواجہ محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ را نوشتہ بودند کہ بحدے استیلا یافتہ است کہ در صلوات آنرا مسجود خود می دانند و می بیند واگر فرضاً نفی کند منتفی نمیگردد محبت اطوار این دولت متمنائے طلاب ست از ہزاراں یکے رامگر بدہند صاحب ایں معاملہ مستعد تام المناسبۃ ست یحتمل کہ باندک صحبت شیخ مقتدا جمیع کمالات اور اجذب نماید رابطہ را چرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب و مساجد را نفی نہ کنند ظہور ایں قسم دولت سعاد تمنداں را میسر است تا در جمیع احوال صاحب رابطہ را متوسط خود دانند ودر جمیع اوقات متوجہ او باشند نہ در رنگ جماعہ بیدولت کہ خود را مستغنی دانند وقبلہ توجہ را از شیخ خود منحرف سازند و معاملہ خود را برہم زنند[1]۔	خواجہ محمد اشرف ورزش نے رابطہ (تصور شیخ) کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا اس حد تک غلبہ ہے کہ نمازوں میں اپنا مسجود جانتے اور دیکھتے ہیں اگر اس رابطہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں تو بھی ختم نہیں ہوتا (تو اس پر آپ نے فرمایا) اس دولت کے حصول کی خواہش ہزاروں طالبوں کی تمنا ہے مگر کسی ایک کو عطا ہوتی ہے، اس کیفیت والا شیخ سے مکمل مناسبت کے لئے مستعد ہوتا ہے وہ امید کرتا ہے کہ اپنے مقتداء شیخ کی صحبت کی کمی اس کے تمام کمالات کو جذب کردے گی، لوگ رابطہ (تصور شیخ) کی نفی کیوں کرتے ہیں حالانکہ وہ مسجود الیہ ہے مسجود لہ نہیں ہے یہ لوگ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے (حالانکہ وہ مسجود الیہ ہیں) اس قسم کی دولت کا ظہور سعادت مندوں کو نصیب ہوتا ہے حتی کہ تمام احوال میں وہ صاحب رابطہ (شیخ) کو اپنا وسیلہ جانتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اس بے دولت جماعت کی طرح نہیں ہوتے جو اپنے آپ کو شیخ سے مستغنی جانتے ہیں، اور اپنی توجہ کا قبلہ شیخ سے پھیر کر خود سر ہو جاتے ہیں۔ (ت)

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰ بخواجہ محمد اشرف وحاجی محمد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۶

یہاں بھی تین ڈبل شرک ہیں، ہر ایک اگلے باٹوں سے ہزار من کا، مرید نے لکھا کہ تصور شیخ اس قدر غالب ہے کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود جانتا ہے صورت شیخ ہی کو سجدہ نظر آتا ہے، جناب شیخ مجدد نے فرمایا کہ یہ دولت سعادتمندوں کو ملتی ہے طالبان حق کو اس دولت کی تمنا ہوتی ہے، ایک شرک، اور کتنا بھاری شرک، تمام احوال میں شیخ کو اپنا متوسط جانو عـــہ دو شرک، نماز وغیرہ ہر حال وہر وقت میں پیر کی طرف متوجہ ہو تین شرک، اب یاد کر اپنا وہ کفری بول کہ نماز میں پیر وغیرہ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانا چنیں وچناں ہے اور منجر بشرک، ناظرین! آپ نے جانا کہ وہ بے سعادت کون ہے جسے جناب مجدد صاحب بے دولت و تباہ کار بتارہے ہیں، ہاں وہ یہی بے دولت ہے، صراط مستقیم میں کہتا ہے ص ۱۳۰: از جملہ اشغال مبتدعہ شغل برزخ ست[1]۔

بدعت والے اشغال میں سے برزخ کا شغل بھی ہے (ت)

اسی میں ہے ص ۱۱: "صاحب صورت پرستی ست[2]" (یہ صاف صورت پرستی ہے۔ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے خاص اس مسئلہ میں ایک نفیس رسالہ مسمّٰی **الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقدالرابطۃ** (۱۳۰۹ھ) لکھا، اس میں جناب شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب وشاہ عبدالرحیم صاحب وغیرہم کے بہت کلمات اور ائمہ کرام وعلمائے عظام کے تیس ۳۰ ارشادات سے اس شغل کا جواز ثابت کیا، اس بیدولت کے نزدیک وہ سب **معاذاللہ** بدعتی تصویر پرست ہیں جب تو جناب شیخ مجدد نے تباہ کار ومنحرف بتایا۔

کفریہ ۵۶: مکتوبات جناب موصوف ج ۱ مکتوب ۳۱۲ ص ۴۴۸:

مخدوما احادیث نبوی علی مصدرہا الصلٰوۃ والسلام	میرے مخدوم، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی احادیث

عـــہ: تقویۃ الایمان ص ۷: جو بات سچی ہے کہ اللہ بندہ کی طرف سب سے زیادہ نزدیک ہے سو اس کو چھوڑ کر جھوٹی بات بنائی کہ اوروں کو حمایتی ٹھہرایا اور یہ جو اللہ کی نعمت تھی کہ وہ محض اپنے فضل سے بغیر واسطے کے کسی کے سب مرادیں پوری کرتا ہے سب بلائیں ٹال دیتا ہے سو اس کا حق نہ پہچانا اور اس کا شکرادانہ کیا یہ بات اوروں سے چاہنے لگے پھر اس الٹی راہ میں اللہ کی نزدیکی ڈھونڈتے ہیں سو اللہ ہر گز ان کو راہ نہیں دے گا ۱۲ منہ[3]

---

[1] صراط مستقیم باب سوم فصل سوم المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۸

[2] صراط مستقیم باب سوم فصل سوم المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۹

[3] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵

در باب جواز اشارت بسبابہ بسیار وارد شدہ اند وبعضے از روایات فقہیہ حنفیہ دریں باب آمدہ [1]۔	شہادت کی انگلی سے اشارہ کی بابت بہت وادر ہیں اور فقہ حنفی کی بعض روایات بھی اس سلسلہ میں آئی ہیں۔(ت)

صفحہ ۴۴۹:

وغیر ظاہر مذہب ست وآنچہ امام محمد شیبانی گفتہ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یشیرو یصنع کما یصنع النبی علیہ وعلی الہ الصلوۃ والسلام ثم قال ھذا قولی و قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما از روایات نوادر ست نہ روایات اصول وفی المحیط اختلف المشائخ فیہ منہم من قال لایشیر ومنہم من قال یشیر وقد قیل سنۃ وقیل مستحب و الصحیح حرام، ہر گاہ درروایات معتبر حرمت اشارت واقع شدہ باشد بر کراہت اشارت فتوٰی دادہ باشند مامقلدان رانمیرسد کہ بمقتضائے احادیث عمل نمودہ جرات در اشارت نمائیم مرتکب ایں امراز حنفیہ یا علمائے مجتہدین راعلم احادیث معروفہ جواز اشارت اثبات نمی نماید یاانگارد کہ اینہا بمقتضائے ارائے خود برخلاف احادیث حکم کردہ اند ہر دوشق فاسد ست تجویز نکند آنرا مگر سفیہ یا معاند،ظاہر اصول اصحاب ما عدم اشارت ست سنت علمائے ماتقدم شدہ [2]۔	اور وہ ظاہر مذہب پر نہیں ہیں اور امام محمد شیبانی رحمہ اللہ تعالٰی سے جو منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشارہ کیا کرتے تھے،اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی بھی اسی طرح کرتے جس طرح حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کیا کرتے تھے،اور پھر انھوں نے فرمایا یہی میرا اور امام ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا قول ہے،یہ نقل نادر روایات میں سے ہے کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے،بعض نے فرمایا اشارہ نہ کرے،اور بعض نے فرمایا اشارہ کرے اور اس کو سنت بھی کہا ہے بعض نے مستحب کہا ہے،اور صحیح یہ ہے کہ حرام ہے،ہر گاہ کہ معتبر روایات میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہے اور اشارہ کی کراہت پر فتوٰی دیا گیا ہے ہم مقلدین حضرات کو یہ حق نہیں کہ احادیث کے مقتضٰی پر عمل کریں اور اشارہ کرنے کی جرات کریں،اس چیز کے مرتکب کو چاہئے کہ احناف یا مجتہدین کو معروف احادیث سے اشارہ کے جواز کا اثبات کرے یا پھر واضح کرے کہ وہ اپنی رائے سے احادیث کے خلاف حکم کررہے ہیں جبکہ دونوں شقیں فاسد ہیں ان کو بیوقوف یا معاند کے بغیر کوئی بھی جائز نہیں کریگا،ہمارے

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۱۲ بمیر محمد نعمان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۴۸
[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۱۲ بمیر محمد نعمان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۴۹

	اصحاب کا ظاہر اصول اشارہ کرنا ہے پس عدم اشارہ ہی ہمارے متقدمین علماء کی سنت ہے۔ (ت)

صفحہ ۴۵۰:

احادیث راایں اکابر بیشتر از ما، می شناختند البتہ وجہ موجہ داشتہ باشند در ترک عمل بمقتضائے ایں احادیث علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام [1]۔	احادیث کوہماری نسبت یہ اکابر زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، یقینا وہ ان احادیث کے مقتضا کے ترک پر کوئی موثر وجہ پیش نظر رکھتے ہیں۔(ت)

ص ۴۵۱:

اگر گویند کہ علمائے حنفیہّ برجواز اشارت نیز فتوی دادہ اند گویم ترجیح عدم جواز راست [2] اھ ملخصا۔	اگر یوں کہیں کہ علمائے احناف اشارہ کے جواز کا فتوی دیتے ہیں توہم جواب میں کہیں گے کہ ترجیح عدم جواز کو ہے اھ ملخصا(ت)

اب ذرا حضرات غیر مقلدین کانوں سے ٹینٹ، آنکھوں سے جالے ہٹا کر یہ دھوم دھامی عبارت سنیں اوراسکے تیور دیکھیں جناب شیخ سلسلہ کو صاف اقرار ہے کہ دربارہ اشارہ میں احادیث حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکثرت آئی ہیں اور وہ حدیثیں معروف مشہور ہیں مگر ہمارے یہاں اصول مذہب میں اشارہ کاذکر نہیں اور ہمارے علماء کی سنت عدم اشارہ ہے ہماری فقہ میں مکروہ ٹھہرا ہے لہٰذا ہمیں احادیث کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں۔ معاذاللہ اس بھاری شرک تقلید کو کچھ کہئے کہ مذہب کے مقابل احادیث صحیحہ مشہورہ کو نہیں مانتے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جواب میں اپنے مولویوں کی سنت پیش کرتے ہیں اور جو حنفی مذہب حنفی کے خلاف کسی حدیث پر عمل کرے اسے بے عقل ہٹ دھرم بتاتے ہیں، مزہ یہ کہ یہ مسئلہ خود مذہب حنفی میں متفق علیہا نہیں، آپ ہی اقرار فرماتے ہیں کہ مشائخ کو اختلاف ہے جواز واستحباب وسنیت اشارہ کے بھی قائل ہوئے یہاں تک کہ ائمہ کا فتوی بھی حدیثوں کے موافق موجود حتی کہ خود امام مذہب امام محمد نے تصریح فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشارہ فرمایا کرتے اور ہم وہی کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرتے تھے، اور فرماتے ہیں یہی مذہب میرا اور امام ابو حنیفہ کا ہے مگر از انجا کہ یہ روایت نوادر کی ہے اس پر بھی نظر نہ ہوگی، نہ اختلاف مشائخ وفتوی پر لحاظ ہوگا۔ صرف اس لئے کہ ظاہر روایۃ میں ذکر نہ آیا حرمت مرجح اور اس کے خلاف صحیح ومشہور حدیثوں پر ہمیں عمل نہیں پہنچتا، ایمان سے کہنا ایمان ترک تقلید کا

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۱۲ بمیر محمد نعمان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۵۰

[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۱۲ بمیر محمد نعمان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۵۱

کہیں تسمہ بھی لگا رہا، اب شخص مذکور کے جبروتی احکام سنئے کہ خاص اپنے پیر سلسلہ حضرت شیخ مجدد کو بمقابلہ مذہب احادیث چھوڑنے اور سنت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقابل سنت علماء کی سند پکڑنے پر کیا کیا جلی کٹی بے نقط سناتا ہے۔ تقویۃ الایمان ص ۴۲: "جو کوئی کسی امام یا مجتہد کی بات کو رسول کے فرمانے سے مقدم سمجھے حدیث کے مقابل قول کی سند پکڑے، سوایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے[1]۔"

ص ۲ و ۳: "اس زمانہ میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کوئی پہلوں کی رسموں کو کوئی مولویوں کی باتوں کو جو انھوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالیں سند پکڑتے ہیں[2]۔"

صفحہ ۴: "رسولوں کو رسول سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی راہ نہ پکڑے[3]۔"

صفحہ ۶: "اسی طرح کی خرافاتیں بکتے ہیں، سبب یہ کہ خدا اور سول کے کلام کو چھوڑ کر غلط سلط رسموں کی سند پکڑی، پیغمبر خدا کے سامنے بھی کافر لوگ ایسی ہی باتیں کرتے تھے[4]۔" تنویر العینین:

لیت شعری کیف یجوز التزام تقلید شخص معین مع تمکن الرجوع الی الروایات المنقولة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصریحة الدالة علی خلاف قول امام المقلد فان لم یترك قول امامه ففیه شائبة من الشرك[5]۔	میں کیسے جانوں کہ ایک شخص کی تقلید کو لئے رہنا کیونکر حلال ہوگا جبکہ اپنے امام کے خلاف مذہب پر صریح حدیثیں پاسکے اس پر بھی امام کا قول نہ چھوڑے تو اس میں شرک کا میل ہے۔

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر رد الاشراك فی العبادة مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۸ و ۲۹

[2] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲

[3] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳

[4] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید وشکر کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴

[5] تنویر العینین

تنویر العینین:

اتباع شخص معین بحیث یتمسك بقوله وان ثبت علی خلافه دلائل من السنة والکتاب و یاول الی قوله شوب من النصرانیة وحظ من الشرك والعجب من القوم لایخافون من مثل هذا الاتباع یخیفون تارکه فما احق هذه الاٰیة فی جوابهم وکیف اخاف مااشرکتم ولایخافون انکم اشرکتم باللّٰه [1]۔	ایک امام کی پیروی کہ اس کی بات کی سند پکڑے اگرچہ اس کے خلاف حدیث وکتاب سے دلیلیں ثابت ہوں اور انھیں اس قول کی طرف پھیرے یہ نصرانی ہونے کا میل ہے اور شرک میں کاحصہ اور تعجب یہ کہ لوگ آپ تو اس تقلید سے ڈرتے نہیں بلکہ اس کے چھوڑنے والے کو ڈارتے ہیں تو کتنی ٹھیک ہے یہ آیت ان کے جواب میں کہ میں کیونکر ڈروں اس سے جسے تم نے اللہ کا شریک بنایا حالانکہ تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اوروں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا۔

افسوس حضرت شیخ مجدد صاحب کو کیا خبر تھی کہ ہمارے سلسلہ میں ایسے فرزند دلبند سعادت مند پیدا ہونے والے ہیں جو ہماری معرفت وولایت بالائے طاق سرے سے اصل ایمان میں خلل بتائیں گے **معاذاللہ** کافر مشرک نصرانی بتائیں گے شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز صاحب کیا جانتے تھے کہ ہماری نسل میں وہ ہونہار سپوت اٹھنے کو ہیں جو ہماری پیر پدری استادی در کنار **عیاذاباللہ** کفر وشرک سے قبر پاٹیں گے ہمیں سے پیدا ہو کر ہماری ہی مسلمانی کی جڑ کاٹیں گے از ماست کہ برماست (ہم سے ہی ہمارے خلاف ہے۔ت) اللہ تعالٰی گندہ کرنے والی مچھلی سے بچائے ع

بدنام کنندہ نکونامے چند

(بہت سے نیک ناموں کو تونے بدنام کیا۔ت)

زنان باردار گرمار زانید بہ از طفلے کہ ناہنجار زانید

(حاملہ عورتیں اگر سانپ جنیں تو ناہنجار بچہ جننے سے وہ بہتر ہے۔ت)

غرض کہاں تک گنئے انبیاء ومرسلین وملائکہ وصحابہ وائمہ وسائر مسلمین وتمام جہان وخود رب العالمین تک جو شرک کے چھینٹے پہنچے تھے خاندان دہلی کا ایک ایک بزرگ، عالم، صوفی پیشوا بوڑھا سب اسی ہولی کی پچکاریوں میں رنگا ہوا ہے، حضرات وہابیہ سے استفسار کہ اپنے امام کا ساتھ دے کر شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ ولی اللہ صاحب

---
[1] تنویر العینین

جناب شیخ مجدد صاحب سب کو کھلم کھلا مشرک مان لوگے۔ یا کچھ ایمان دھرم کا خیال کرکے اس مصنوعی امام کو گمراہ بددین ومکفر مسلمین ومورد لزوم ہزاراں کفر جانوگے، میں عبث تشقیق کرتاہوں بلکہ شق ثانی ہر طرح لازم، اگر اسی کو اختیار کیجئے اور خدا ایسا ہی کرے، جب توظاہر ورنہ شق اول پر جب وہ حضرات **معاذاللہ** مشرک ٹھہرے اور یہ ان کا مداح، ان کا معتقد ان کا مرید، ان کا مقلد، انھیں امام سمجھے، پیشوا مانے، ولی کہے، مقبول خدا جانے، توآپ لزوم کفر سے کب محفوظ رہ سکتاہے کہ جو شخص مشرکین کو ایسا سمجھے خود کافر ہے، اس شخص پر کفر ہر طرح لازم رہا کہ کردکہ نیافت یہ اس کی جزا ہے کہ مسلمانوں کو محض بے وجہ ناروا بات بات پر مشرک کہا تھا۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را　　　چنداں اماں ندارد کہ شب راسحر کند

(شمع کے پروانے کا ناحق خون تونے دیکھا، کچھ امن نہ دیا کہ شب کو سحر بنادیتا۔ت)

کفریہ ۵۷ تا ۶۱: صراط مستقیم ص ۳۶[1]:

ائمہ ایں طریق واکابر ایں فریق در زمرہ ملئکہ مدبرات الامر کہ در تدبیر امور از جانب ملاء اعلیٰ ملہم شدہ دراجرائے آں می کوشند معدود ند پس احوال ایں کرام بر احوال ملائکہ عظام قیاس باید کرد[1]۔	اس طریقہ کے ائمہ وراس گروہ کے اکابر حضرات کا شمار مدبرات الامر فرشتوں کے گروہ میں ہوتاہے یہ فرشتے ملاء اعلیٰ کی طرف سے تدابیر امور کے لئے الہام پاتے ہیں اور پھر ان کے اجراء میں کوشاں ہوتے ہیں، پس ان بزرگوں کے احوال کو معظم فرشتوں کے احول پر قیاس کرنا چاہئے(ت)

ص[2] ۶۶:

قطبیت وغوثیت وابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت مہد حضرت مرتضی تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشاں ست در سلطنت سلاطین وامارت امراہم ہمت ایشاں رادخلے ہست کہ برسیاحین عالم ملکوت مخفی نیست[2]۔	قطبیت وغوثیت وابدالیت وغیرہا یہ تمام مراتب حضرت علی مرتضی کے زمانہ باکرامت سے دنیاکے اختتام تک بواسطہ علی مرتضی حاصل ہوتے ہیں اور ان حضرات کو بادشاہوں کی سلطنت اور امراء کی امارت میں اہم دخل ہوتاہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔(ت)

---

[1] صراط مستقیم باب اول ہدایت رابعہ افادہ ا المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۲

[2] صراط مستقیم باب دوم ہدایت ثانیہ افادہ ا المکتبہ السلفیہ لاہور ص ۵۸

صفحہ [3] ۱۱۲:

ارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال وشہادت مے باشند وایں کبار اولی الایدی والابصار رامے رسد کہ تمامی کلیات رابسوئے خود نیست نمایند مثلاایشاں رامی رسد کہ بگویند کہ از عرش تافرش سلطنت ماست [1]۔	ان بلند منصب والے حضرات عالم والے حضرات علم امثال وشہادت میں تصرف کرنے میں مجاز مطلق ہوتے ہیں،ان طاقتوں اور بصیرت والے اکابرین کو اختیار ہے کہ تمام امور کلیہ اپنی طرف منسوب کرلیں،مثلا ان کواختیار ہے کہ وہ عرش تافرش اپنی سلطنت ہونے کادعوی کریں۔(ت)

صفحہ [4] ۵۴:

دریں مقام بعضے خلیفۃاللہ مے باشند خلیفۃاللہ اں کسے ست کہ برائے انصرام جمیع مہام اورامقرر کردہ مانند نائب سازند [2]۔	اسی مقام پر بعض حضرات خلیفۃاللہ ہوتے ہیں خلیفۃاللہ وہ شخص ہوتاہے جو تمام مہمات کے انتظام پر مقرر ہوتاہے اور نائب کی طرح ہوتاہے۔(ت)

صفحہ [5] ۳۴:

او رادر کیف ولایت خود گرفتہ وزیر سایہ کفالت تربیت خود آوردہ جارحہ تدبیر تکوینی تشریعی خودمے سازد [3]۔	اس کواپنی ولایت کے پہلو میں لے کراس کی تربیت کی کفالت خود کرتے ہیں اور تکوینی وتشریعی امور میں خود تصرف والا بناتے ہیں۔(ت)

ان پانچ شرکیات میں صاف صاف تصریحیں ہیں کہ ملائکہ واولیاء کاروبار عالم کے مدبر ہیں،اولیاء عالم کے کام جاری کرتے ہیں،اولیاء کو تمام عالم میں تصرف کااختیار کلی دیا جاتاہے،تمام کام ان کے ہاتھ سے انصرام پاتے ہیں،بادشاہوں کے بادشاہ بننے،امیروں کے امیری پانے میں مولا علی کی ہمت کودخل ہے،

اب تقویۃالایمان کی سنئے،اس کی ایک عبارت شروع کفریہ ۲۲میں سن چکے بعض اور لیجئے ص۷:

"اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی [4]۔"

---

[1] صراط مستقیم باب دوم فصل چہارم افادہ ۲ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص۱۰۱

[2] صراط مستقیم باب سوم تکملہ دربیان سلوك المکتبۃ السلفیہ لاہور ص۱۴۳

[3] صراط مستقیم باب اول ہدایت رابعہ افادہ۱ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص۲۹

[4] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص۵

صفحہ ۴۲: "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں[1]۔"

صفحہ ۲۹: "کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں[2]۔"

صفحہ ۲۸: "جو کوئی کسی مخلوق کو عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل ہی سمجھ کر اس کو مانے سواس پر شرک ثابت ہوتا ہے گو کہ اللہ کے برابر نہ سمجھے اور اس کے مقابلہ کی طاقت اس کو نہ ثابت کرے[3]۔"

کفریہ ۶۲ تا ۶۸: صراط مستقیم ص ۱۲۱:

دریں حالت اطلاع بر امکنہ افلاک وسیر بعضے مقامات زمین کہ دور ودراز از جائے وے بود بطور کشف حاصل مے آید وآں کشفش مطابق واقع می باشد[4]۔	اس حالت میں وہ آسمانوں کے مقامات اور اپنے سے دور دراز تک زمین کے بعض مقامات کی سیر بطور کشف کرتے ہیں، اور ان کا کشف واقع کے مطابق ہوتا ہے۔(ت)

صفحہ ۱۲۴:

برائے انکشاف حالات سمٰوٰت وملاقات ارواح وملائکہ وسیر جنت ونار واطلاع بر حقائق آں مقام ودریافت امکنہ آنجا وانکشاف امرے از لوح محفوظ ذکر یاحی یاقیوم ست (الی قولہ) ودر سیر مختار ست بالائے عرش نماید یا زیر آں ودر مواضع آسماں نماید یا بقاع زمین[5] الخ"	آسمانوں کے حالات پر آگاہی اور فرشتوں اور روحوں کی ملاقات، جنت ودوزخ کی سیر اور ان مقامات کے حقائق پر اطلاع اور وہاں کے مقامات کی دریافت اور لوح محفوظ کے امور پر آگاہی کے لئے یا حی یا قیوم کا ذکر ہے، (آگے یہاں تک) اور اس سیر میں وہ مختار ہے کہ عرش سے بالا یا زیر عرش یا آسمانوں میں کسی مقام پر یا زمین کے کسی خطے کو ملاحظہ کرے ۔(ت)

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۸

[2] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۰

[3] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۹

[4] صراط مستقیم باب سوم فصل اول افادہ ۶ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۰۔۱۰۹

[5] صراط مستقیم فصل دوم افادہ ۱ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۳

صفحہ ۸ ۱۲۵:

برائے کشف قبور سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح مقررست[1]۔	کشف قبر کے لئے "سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح" مقرر ہے۔(ت)

صفحہ ۹ ۱۲۸:

برائے کشف ارواح وملائکہ ومقامات آنہا وسیر امکنہ زمین وآسمان وجنت ونار واطلاع بر لوح محفوظ شغل دورہ کند و باستعانت ہماں شغل بہر مقامیکہ از زمین وآسمان وبہشت ودوزخ خواہد متوجہ شدہ سیر آن مقام واحوال آنجا دریافت کند وبااہل آں مقام ملاقات سازد[2]۔	ارواح، ملائکہ اور ان کے مقامات اور زمین وآسمان، جنت، دوزخ اور لوح محفوظ پر دورہ کا شغل کرے اور اس شغل کی مدد سے زمین وآسمان، بہشت ودوزخ جس مقام کی طرف چاہے متوجہ ہوتا ہے اور اس مقام کی سیر سے وہاں کے احوال دریافت کرتا ہے اور وہاں کے رہنے والوں سے ملاقات کرتا ہے۔(ت)

صفحہ ۱۰ ۱۲۹:

برائے کشف وقائع آئندہ اکابر ایں طریقہ طرق متعدد نوشتہ اند[3]۔	مستقبل کے واقعات کے کشف کے لئے اس طریقہ کے اکابر نے متعدد طرق لکھے ہیں۔(ت)

صفحہ ۱۱ ۱۵۸:

آں عزیز باوجود وجاہت عنداللہ کامل النفس قوی التاثیر صاحب کشف صحیح باشد[4]۔	وہ اللہ تعالٰی کے ہاں باوجاہت ہوتے ہوئے کامل النفس، قوی التاثیر اور صحیح کشف والا ہوتا ہے۔(ت)

صفحہ ۱۲ ۱۷۶، اپنے پیر کو لکھا:

کشف بعلوم حکمت آنجا میدانست[5]۔	علوم حکمت کے ذریعہ کشف ہوتا ہے۔(ت)

ان سات شرکیات میں صاف صاف کشف کی صحت کا اقرار ہے وہ بھی ایسا کہ اولیاء کو زمین کے دور ودراز

---

[1] صراط مستقیم باب سوم فصل دوم ہدایت ثانیہ افادہ ۲ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۳

[2] صراط مستقیم باب سوم فصل دوم ہدایت ثانیہ افادہ ۱ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۷

[3] صراط مستقیم باب سوم فصل دوم ہدایت ثانیہ افادہ ۲ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۷

[4] صراط مستقیم باب چہارم دربیان طریق سلوک راہ نبوت المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۴۷

[5] صراط مستقیم خاتمہ دربیان پارہ از واردات ومعاملات الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۵

مقامات ظاہر ہوتے ہیں بلکہ زمین کیا آسمانوں کے مکانات اور ملائکہ وارواح اور ان کے مقامات اور جنت و دوزخ اور قبروں کے اندر کا حال اور آنے والے واقعات کھل جاتے ہیں یہاں تک کہ عرش فرش سب میں ان کی رسائی ہوتی ہے حتی کہ لوح محفوظ پر اطلاع پاتے ہیں وہ اپنے اختیار سے زمین وآسمان میں جہاں کا حال چاہیں دریافت کرلیں، اور ان سب باتوں کے حاصل کرنے کے طریقے خود ہی اس شخص نے بتائے کہ یوں کرو تو یہ رتبے مل جائیں گے یہ کشف یہ اختیار ہاتھ آئیں گے، اب تقویۃ الایمان کی پوچھئے ص ۲۷:

"جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو ان کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا[1]۔"

صفحہ ۲۵: "ان باتوں میں سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بیخبر ہیں اور نادان[2]۔"

صفحہ ۵۷ و ۵۸: "جو کہ اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی کو نہ ملادے مثلا کوئی شخص فلانے درخت میں کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ ورسول جانے کیونکر غیب کی

بات اللہ ہی جانتا رسول کو کیا خبر[3]"۔

سبحان اللہ! وہاں تو پیر جی کے ایک ایک مرید کو زمین وآسمان، جنت ودوزخ حتی کہ قبر کے حالات آئندہ کے واقعات لوح محفوظ و عرش اعظم غرض تن تلوک روشن تھے، عرش وفرش میں ہر جگہ کے حالات کا جان لینا اپنے اختیار میں تھا، خود ان پیر جی کو وہ طریقے معلوم تھے کہ یوں کرو تو یہ سب باتیں روشن ہوجائیں گی مگر **معاذاللہ** محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی انجانی یہاں تک ہے کہ آسمان کے تارے تو درکنار، کیا دخل کہ ایک پیڑ کے پتے جان لیں، اگر انھیں کوئی کہے کہ وہ کسی درخت کے پتوں کی گنتی جانتے ہیں تو اس نے انھیں اللہ کی شان میں ملادیا، وہاں تو بندگی کو وسعت تھی یہاں آکر خدائی اتنی تنگ ہوئی کہ ایک پیڑ کے پتے جاننے پر رہ گئی، حق فرمایا اللہ عزوجل نے: "مَاقَدَرُوااللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ"[4] اللہ ہی کی قدر نہ کی جیسی چاہئے تھی،

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۸

[2] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۷

[3] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۰

[4] القرآن الکریم ۶/ ۹۱ و ۳۹/ ۶۷

تقویۃ الایمان صفحہ ۵۲: "شرک سب عبادت کا نور کھو دیتا ہے کشف کا دعوی کرنے والے اس میں داخل ہیں [1]۔"
یعنی جیسے یہ شخص اور اس کے پیر کہ وہ اپنے اور یہ ان کے لئے کشف کا دعوی کرکے شرک میں ڈوبے۔

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۟ ؑ " [2]۔	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے۔ (ت)

کفریہ ۶۹: یہ نمونہ کفریات امام الطائفہ تھا، اتباع واذناب کہ اس کے عقائد کو صحیح وحق جانتے اور اسے امام وپیشوا مانتے ہیں لزوم کفر سے کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں، شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۰۱ مجمع الفتاوی سے:

من تکلم بکلمۃ الکفر وضحك بہ غیرہ کفرا ولو وقبل القوم ذلك کفروا [3] الخ۔	جو کلمہ کفر کہے اور دوسرا اس پر ہنسے (یعنی راضی ہو اور انکار نہ کرے) دونوں کافر ہو جائیں اور اگر کوئی واعظ کلمہ کفر بولے اور لوگ اسے قبول کریں تو سب کافر ہوں۔

اعلام میں ہمارے علمائے اعلام سے کفر متفق علیہ کی فصل میں منقول، ص ۳۱:

من تلفظ بلفظ الکفر یکفر (الی قولہ) وکذا کل من ضحك علیہ اواستحسنہ اورضی بہ یکفر [4]۔	جو کفر کا لفظ بولے کافر ہو اسی طرح جو اس پر ہنسے یا اسے اچھا سمجھے یا اس پر راضی ہو کافر ہو جائے۔

بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴:

من حسن کلام اھل الاھواء اوقال معنوی اوکلام لہ معنی صحیح ان کان ذلك کفرا من القائل کفر المحسن [5]۔	جو بد مذہبوں کے کلام کو اچھا جانے یا کہے بامعنی ہے یا یہ کلام کوئی معنی صحیح رکھتا ہے اگر وہ اس قائل سے کلمہ کفر تھا تو یہ اچھا بتانے والا کافر ہو گیا۔

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۶

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر مطلب فی ایراد الفاظ المکفرۃ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۵

[4] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبہ دار الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۶۶

[5] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۵

کفریہ ۷۰: ان صاحبوں کی قدیمی عادت دائمی خصلت کہ جس مسلمان کو کسی امام کا مقلد پائیں بے دھڑک اسے مشرک بتائیں بحکم ظواہر احادیث کثیرہ وصحیحہ وروایات فقیہہ مصححہ رجیحہ ان پر حکم کفر عائد ہونے کو بس ہے، طرفہ یہ کہ اس کوفرقہ ظاہر احادیث پر عمل بڑا دعوی ہے، صحیح بخاری ج ۲ ص۹۰۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۷ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد:

ایما امری قال لاخیه کافر فقد باء بها احدهما ان کان کما قال والا رجعت الیه[1]۔	یعنی کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان دونوں میں ایک پر یہ بلا ضرور پڑے اگر جسے کہا وہ سچ کافر تھا جب تو خیر، ورنہ یہ لفظ اسی کہنے والے پر پلٹ آئے گا،

صحیح بخاری ص ۸۹۳، صحیح مسلم ص ۱۵۷ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تحدیث حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث:

لیس من دعا رجلا بالکفر اوقال عدواللہ ولیس کذلك الاحار علیه[2]۔	جو کسی کو کفر پر پکارے یا خدا کا دشمن کہے اور وہ حقیقت میں ایسا نہ ہو تو اس کا یہ کہنا اسی پر پلٹ آئے۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبوعہ مصر ۱۲۷۶ھ ج ۲ ص ۱۵۶: **کذالك یا مشرك ونحوه**[3] اسی طرح کسی کو مشرک یا اس کی مثل کوئی لفظ کہنا کہ وہ مشرک نہ تھا تو کہنے والا خود مشرک ہوگیا۔ میں کہتا ہوں یہ معنی خود انھیں حدیثوں سے ثابت کہ ہر مشرک دشمن خدا ہے، تقویۃ الایمان ص ۴۴: "مشرک ہیں اللہ سے پھرے ہوئے رسول کے دشمن[4] تو مشرک کہنا خدا کا دشمن کہنا ہوا اور اس کا پلٹنا خود حدیث میں فرمایا بلکہ اسی حدیث میں فرمایا کہ فاسق کہنا بھی پلٹتا ہے تو مشرک تو کہیں بدتر ہے۔ شرح الدور الغرر للعلامۃ اسمٰعیل النابلسی پھر حدیقہ ندیہ ج ۲ ص ۱۴۰ و ۱۵۶:

لو قال للمسلم کافر کان الفقیه ابوبکر الاعمش یقول کفر وقال غیرہ من مشائخ بلخ لایکفر	جو کسی مسلمان کو کافر کہے امام ابوبکر اعمش فرماتے تھے کافر ہوگیا، اور دیگر مشائخ بلخ فرماتے کافر نہ ہوا،

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال من قال لاخیه المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷
[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال من قال لاخیه المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷
[3] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیه النوع العاشر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۶
[4] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۹

واتفقت ھذا المسئلة ببخارا فاجاب بعض ائمة بخارا انه یکفر فرجع الجواب الی بلخ انه یکفر فمن افتی بخلاف قول الفقیه ابی بکر رجع الی قوله[1] اھ ملخصاً۔	پھر یہ مسئلہ بخارا میں واقع ہوا بعض ائمہ بخارا شریف نے حکم کفر دیا یہ جواب پلٹ کر بلخ میں آیا تو جو پہلے امام ابوبکر کے خلاف فتوے دیتے تھے انھوں نے بھی اسی طرف رجوع فرمائی۔

شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۲۰:

رجع الکل الی فتوٰی ابی بکر البلخی وقالوا کفر الشاتم[2]۔	سب ائمہ اسی فتوے ابوبکر کی طرف پلٹ آئے اور فرمایا مسلمان کو ایسی گالی دینے والا خود کافر ہے۔

عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۸ ذخیرہ سے، برجندی شرح نقایہ مطبع لکھنؤ ج ۴ ص ۶۸ فصولی عمادی سے، حدیقہ ندیہ ص ۱۴۰ و ۱۵۶ احکام حاشیہ درر سے، خزانۃ المفتین ج ۱ کتاب السیر آخر فصل الفاظ الکفر، جامع الفصولین ج ۲ ص ۳۱۱ قاضی خاں سے، بزازیہ ج ۳ ص ۳۳۱، ردالمحتار مطبع استنبول ج ۳ ص ۲۸۳ نہر الفائق وغیرہ سے:

المختار للفتوی فی جنس ھذہ المسائل ان القائل بمثل ھذہ المقالات ان کان اراد الشتم ولایعتقدہ کافرا لایکفر وان کان یعتقدہ کافرا فخاطبه بھذا بناء علی اعتقادہ ان کافر یکفر[3]۔	اسی قسم کے مسائل میں فتوے کے لئے مختار یہ ہے کہ مسلمان کو اس طرح کا کوئی لفظ کہنے والا اگر صرف دشنام ہی کا ارادہ کرے اور دل میں کافر نہ جانے تو کافر نہ ہوگا اگر اپنے مذہب کی رو سے اسے کافر سمجھتا ہے اس بناء پر یوں کہا تو کافر ہو جائے گا۔

[1] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیه النوع الرابع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۱۲، الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیه النوع العاشر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۷

[2] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایه مصطفی البابی مصر ص ۱۸۱

[3] حدیقه ندیه شرح طریقه محمدیه النوع الرابع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۱۲، فتاوٰی ہندیه الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۸، شرح النقایة للبرجندی کتاب الحدود نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۸، ردالمحتار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۱۸۳

درمختار ص ۲۹۳ شرح وہبانیہ سے:

یکفر ان اعتقد المسلم کافرا بہ یفتی [1]۔	مسلمان کو کافر سمجھے تو خود کافر ہے اسی پر فتوٰی ہے۔

جامع الرموز عـــہ۱ مطبع کلکتہ ۱۲۷۴ھ ج ۴ ص ۶۵۱:

المختار انہ الو اعتقد المخاطب کافرا کفر [2]۔	مختار یہ ہے کہ اسے اپنے مذہب میں کافر جان کر کافر کہا تو کافر ہوگیا۔

مجمع الانہر مطبع استنبول ج ۱ ص ۵۶۶:

لو اعتقد المخاطب کافرا کفر [3]۔	اپنے عقیدے میں ایسا سمجھ کر کہے تو کافر ہے۔

اس مذہب مختار وماخوذ للفتوٰی ومفتی بہ پر بھی اس طائفہ تالفہ پر صراحۃً کفر لازم کہ وہ قطعاً یقینا اپنے اعتقاد سے مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ان کی کتب عـــہ۲ مذہب میں صاف مصرح ہے تو باتفاق مذاہب مذکورہ فقہائے کرام انھیں لزوم کفر سے مفر نہیں۔ عـــہ۳

عـــہ۱: فصول عمادی سے ۱۲ سل السیوف

عـــہ۲: مثل تقویۃ الایمان وتنویر العینین وتصانیف بھوپالی وغیرہا جابجا مصرح ۱۲ سل السیوف

عـــہ۳: باقی تفصیل وتحقیق ہمارے رسائل النہی الاکید، الکوکبۃ الشہابیۃ حصہ اول مجلد ششم العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ میں ہے، لاجرم علمائے مکہ معظّمہ کے سردار بقیہ السلف عمدۃ الابرار خاتم المحققین شیخ الاسلام والمسلمین زبدۃ کبراء البلد الامین شیخنا وبرکتنا وقدوتنا علامہ سید شریف احمد زینی دحلان مکی رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنابہ وقدسنا بسرہ الملکی نے کتاب مستطاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ کہ خاص اسی طائفے کے رد میں تالیف فرمائی اور مطبع بہیہ مصر میں طبع ہوئی ان گمراہوں کی نسبت تصریحا ارشاد فرمایا صفحہ ۲۶: ھٰؤلاء الملحدۃ المکفرۃ للمسلمین [4] یہ ملحد کافر بے دین لوگ مسلمانوں کو کہنے والے۔

(باقی برصفحہ آیندہ)

---

[1] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

[2] جامع الرموز کتاب الحدود فصل القذف مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۳۵

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الحدود فصل فی التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۱۰

[4] الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ مکتبۃ دارالشفقۃ ترکی ص ۳۸

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ " [1]	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا کہ وہ جانتے۔(ت)

تذییل جلیل: یہ بطور نمونہ طائفہ حائفہ اور اس کے کفری اقوال اور ان پر کتب ائمہ دین سے احکام کفر و اشد الضلال تھے جن کا شمار بظاہر ستر کفریات تک پہنچا اور حقیقۃً تو بے شمار ہیں کہ ساتھ سے گیارہ تک پانچ کفریات کے کلمات میں ہر کلمہ صدہزار کفریہ کا خمیرہ ہے۔یونہی کفریہ ۲۳و۲۹ بھی مجمع کفریات کثیرہ، یہ ستر کیا ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ظاہر ہے کہ ملحد ایک فرقہ کفار ہے بلکہ جمیع فرق کفر کو شامل، ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۴۵۷ رسالہ علامہ ابن کمال پاشا ہے: **الملحد اوسع فرق الکفر حدا** [2] ملحد تمام فرق کفار سے وسعت معنی میں زیادہ ہے۔ نیز علامہ سید شریف ممدوح نے فرمایا ص ۳۰:

امر الشریف مسعود ان یناظر علماء الحرمین العلماء الذین بعثوھم فناظروھم فوجدوھم ضحکۃ وسخرۃ کحمر مستفرۃ فرت من قسورۃ ونظروا الی عقائدھم فاذا ھی مشتملۃ علی کثیر من الکفریات [3]۔	مکہ معظمہ کے حاکم حضرت مسعود رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے علمائے حرمین شریفین کو حکم دیا کہ وہابیوں کے مولویوں سے جو ان کے امام شیخ نجدی نے بھیجے ہیں مناظرہ کریں، علماء کرام نے ان ملوں سے مناظرہ فرمایا تو انھیں پایا کہ نرے مسخرے ہنسنے کے قابل ہیں جیسے بھڑکے ہوئے گدھے کہ شیر سے بھاگ ہوں اور ان کے عقائد کو غور فرمایا تو ان میں بہت باتیں وہ پائیں جن کا قائل کافر ہے۔

اسی رسالہ مبارکہ میں ص ۳۳ سے ۳۵ تک حدیثیں نقل فرمائی جن میں اس فرقہ وہابیہ کے خروج کی خبر آئی ہے ان میں بھی جابجا ان کے کافر اور دین اسلام سے یکسر خارج ہونے کی تصریح ہے اسی میں ان کے معلم اول شیخ نجدی کی نسبت فرمایا ص ۲۷: "فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ" [4] مدہوش ہوگیا کافر ۱۲ سل السیوف تصنیف العلامۃ مد ظلہ العالی۔

[1] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

[2] ردالمحتار باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۶

[3] الدرالسنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ مکتبۃ دار الشفقۃ ترکی ص ۴۳و۴۴

[4] الدرالسنۃ فی الرد علی الوہابیۃ مکتبۃ دار الشفقۃ ترکی ص ۴۰

میں سے جس ایک کو چاہئے ستر ۷۰ کر دکھائے تواب کفریات کو خواہ ستر کہے خواہ ستر ہزار کفریات ٹھہرائے او کیوں نہ ہوں کہ وہاں عمر بھر یہی کمایا تھا پڑھا لکھا سب اسی میں گنوایا تھا مشقیں چڑھی تھیں مہارتیں بڑھی تھیں ایک ایک قول میں ہزار ہزار کفر بے بول جانا وہاں کیا بات تھی، یہاں قصد استیعاب آب دریا پیمودن ودانہائے ریگ شمردن کے تمیل سے ہے لہٰذا اس طرف سے عطف عنان کیجئے اور ان کے اقوال خاصہ پر خاک ذلت ڈال کر بہت مشائخ کرام کے نزدیک اس سارے فرقہ متفرقہ اور اس کے تمام طوائف سابقہ ولاحقہ اکا ایک کفریہ عامہ قدیمہ سن لیجئے کہ انھیں کافر کہنا فقہًا واجب ہے، واضح ہو کہ وہابیہ منسوب بہ عبدالوہاب نجدی ہیں، ابن عبدالوہاب ان کا معلم اول تھا، اس نے کتاب التوحید لکھی جس میں اپنے فرقہ خبیثہ کے سوا تمام اہل اسلام کو کھلم کھلا مشرک بنایا اور حرمین طیبین زادہما اللہ شرفا وتکریما پر چڑھائی کرکے کوئی دقیقہ گستاخی وبے ادبی وشرارت وظلم وقتل غارت کا اٹھانہ رکھا۔ تقویۃ الایمان اسی کتاب التوحید کا ترجمہ ہے۔ اس کا حال کتاب مستطاب سیف الجبار کے مطالعہ سے کھلتا ہے، یہ فرقہ حادثہ گروہ خوارج کی ایک شاخ ہے جنھوں نے سب میں پہلے حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر خروج کیا اور اسد اللہ القہار کافر شکار سے دار البوار کا رستہ لیا جن کی نسبت حدیث میں آیا کہ وہ قیامت تک منقطع نہ ہوں گے۔ جب ان کا ایک گروہ ہلاک ہوگا دوسرا سر اٹھائے گا یہاں تک کہ ان کا پچھلا طائفہ دجال لعین کے ساتھ نکلے گا بموجب اس وعدہ صادقہ کے یہ قوم مغضوب ہمیشہ فتنے اٹھایا کی تیرہ صدی کے شروع میں اس نے دیار نجد سے خروج کیا اور بنام نجدیہ مشہور ہوئی جن کا پیشوا نجدی تھا اسی کا مذہب میاں اسمٰعیل دہلوی نے قبول کیا اور اس کی کتاب کا ترجمہ بنام تویۃ الایمان کہ حقیقۃً تفویت الایمان ہے ان دیار میں پھیلایا اور بلحاظ معلم اول وہابیہ وبنظر معلم ثانی اسمعیلیہ لقب پایا اس طائفہ کا ہمیشہ سے یہی مذہب رہا ہے کہ دنیا میں وہی موحد و مسلم ہیں باقی سب **معاذاللہ** کافر۔ ردالمحتار جلد ۳ ص ۴۷۸:

ویکفرون اصحاب نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علمت ان ھذا غیر شرط فی مسمی الخوارج بل ھو بیان لمن خرجوا علی سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ والا فیکفی فیھم اعتقادھم کفر من خرجوا علیہ کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا	اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معاذاللہ کافر کہنا کچھ خارجیوں کے لئے ضروری نہیں بلکہ خاص یہ ان خارجیوں کا بیان حال ہے جنھوں نے ہمارے آقا مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر خروج کیا تھا خارجی ہونے کو اتنا کافی ہے کہ جن پر خروج کریں انھیں اپنے عقیدے میں کافر جانیں جیسا ہمارے زمانے میں عبدلوہاب کے پیرووں سے واقع ہوا جنھوں نے نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر ظلماً قبضہ کیا اپنے آپ کو

يتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتی کسر الله تعالٰی شوکتهم وخرب بلادهم و ظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلث وثلثین ومائتین والف [1]۔	حنبلی بتاتے تھے مگر ان کا مذہب یہ کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے خلاف مذہب میں مشرک ہیں اسی بناء پر انھوں نے اہل سنت وعلماء اہل سنت کا شہید کرنا حلال ٹھہرالیا یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے ان کی شوکت توڑی ان کے شہر ویران کیے مسلمان کے لشکر کو ان پر فتح دی ۱۲۳۳ھ بارہ سو تینتیس ہجری میں،

یہاں سے تو ان کی اصل نسل مذہب مشرب معلوم ہولئے، اب علمائے کرام سے ان کا حکم سنئے، بزازیہ جلد ۳ ص ۳۱۸:

یجب اکفار الخوارج فی الکفار هم جمیع الامة سواهم [2]۔	خارجیوں کو کافر کہنا واجب ہے اس بناء پر کہ وہ اپنے سوا تمام امت کو کافر کہتے ہیں۔

ظاہر ہوا کہ یہ خصلت خبیثہ ان میں آج کی نہیں بلکہ ہمیشہ سے ان کے اگلے پچھلے سب اسی مرض میں گرفتار تھے جس پر مشائخ مذہب رحمہم اللہ تعالٰی نے انھیں کافر جانا، اور ان کی تکفیر کو فرض واجب مانا۔ لطف یہ کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب بھی انھیں مشائخ کرام کی موافق فرماتے بلکہ تکفیر خوارج کو مجمع علیہ بتاتے ہیں۔ تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۲۷:

محارب حضرت مرتضی اگر از راہ عداوت و بغض ست نزد اہل سنت کافر ست بالاجماع وہمیں ست مذہب ایشاں در حق خوارج [3]۔	حضرت علی مرتضی سے جنگ کرنیوالا اگر ان سے عداوت وبغض کی وجہ سے کرتا ہے تو اہل سنت کے نزدیک بالاجماع وہ کافر ہے۔ اور خوارج کے متعلق ان کا یہی مذہب ہے (ت)

بالجملہ عــه ماہ نیم ماہ ومہر نیمروز کی طرح ظاہر وزاہر کی اس فرقہ متفرقہ یعنی وہابیہ اسمعیلیہ اور اس کے امام نافرجام

عــه: اس میں شک نہیں کہ اس گروہ ناحق پژدہ پر ہزاروں وجہ سے کفر لازم اور جماہیر فقہائے کرام کی تصریحیں ان کے صریح کفر پر حاکم، نسأل الله تعالٰی العفو والعافية فی الدنیا والاخرة (ہم اللہ سے دنیا وآخرت میں عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت)

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۸

[3] تحفہ اثنا عشریہ باب دوازدہم در تولا وتبرا سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۹۴

پر جزما قطعاً یقینا اجماعا بوجوہ کفر لازم، اور بلاشبہ جماہیر فقہائے کرام واصحاب فتوٰی اکابر واعلام کی تصریحات واضحہ پر یہ سب کے سب مرتد کافر باجماع ائمہ ان سب پر اپنے کفریات ملعونہ سے بالتصریح توبہ و رجوع اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھنا فرض وواجب اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ مختار ومرضی ومناسب **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تنبیہ نبیہ: یہ حکم فقہیہ متعلق بکلمات سفہی تھا مگر اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں بیحد برکتیں ہمارے علمائے کرام عظمائے اسلام معظمین کلمہ خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر کہ یہ کچھ دیکھتے وہ کچھ سخت وشدید ایذائیں نہ پاتے ہیں اس طائفہ تالفہ کاکے پیر وپیر سے ناحق ناروا بات بات پر سچے مسلمان خاص سنیوں کی نسبت حکم کو کفر وشرک سنتے، ایسی ناپاک وغلیظ گالیاں کھاتے ہیں، با ایہنمہ نہ شدت غضب دامن احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑائی نہ ان نالائق ولایعنی خباثتوں پر قوت انتقام حرکت میں آتی ہے، وہ اب تک یہی تحقیق فرمارہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے، جب تک ضعیف ساضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے، فقیر غفرلہ تعالٰی نے اس مبحث کا قدرے بیان آخر رسالہ **سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح** ۱۳۰۷ھ میں کیا اور وہاں بھی باآنکہ اس امام وطائفہ پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا کفر سے کف لسان ہی کیا، بالجملہ اس طائفہ حائفہ خصوصاان کے پیشوا کا حال مثل یزید پلید علیہ ماعلیہ ہے کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، ہاں یزید مرید اور انکے امام عنید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں۔ اور ان حضرت سے یہ سب کلمات کفر اعلٰی درجے تواتر پر ہیں پھر اگرچہ براہ احتیاط سے زبان روکے ان کے خسار وبوار کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمہ کرام فقہائے اسلام کے نزدیک ان پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، **والعیاذ باللہ القیوم الدائم**، امام ابن حجر مکی قواطع میں فرماتے ہیں:

انہ یصیر مرتدا علی جماعتہ وکفی بھذا خسارا وتفریطا ۔[1]	ایک جماعت کے قول پر وہ کافر ہے اسی کے خسارے وذلت کو یہی کافی ہے۔(ت)

اللہ عزوجل پناہ دے اور دین حق پر دنیا سے اٹھائے آمین، **والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم** ۱۲ سل السیوف تصنیف العلامۃ المصنف مدظلہ العالی۔

---

[1] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۶۲

الحمدللہ کہ یہ اجمالی اجلالی جواب باصواب غرہ جمادی الآخرہ روز مبارک جمعہ فاخرہ ۱۳۱۲ ہجریہ طاہرہ کو بدر سمائے ختام اور بلحاظ تاریخ الکوکبۃ الشھابیہ فی کفریات ابی الوھابیۃ ۱۳۱۲ھ نام ہو۔

نسأل اللّٰه تعالٰی ان یدینا علی الایمان والسنة ویختم لنا علی دینه الحق بعظیم المنة ویدخلنا بجاہ حبیبه الکریم علیه افضل الصلٰوۃ والتسلیم فرادیس الجنة، وصلی اللّٰه تعالٰی علی سیدنا و مولٰنا محمد سید الانس والجنة وعلی اٰله وصحبه واهله وحزبه اجمعین و الحمدللّٰه رب العٰلمین۔	ہم اللہ تعالٰی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان وسنت پر دوام بخشے اور اپنے دین حق پر ہمارا خاتمہ فرمائے اپنے بڑے احسان سے اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اپنے حبیب کریم کے وسیلہ سے ہمیں جنت الفردوس عطافرمائے، وصلی اللہ تعالٰی علیہ ومولانہ محمد سید الانس والجنتہ وعلی الہ وصحبہ واہلہ وحزبہ اجمعین والحمد اللہ رب العالمین۔ (ت)

کتبـــــــــــــــــــــــــــــه

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم

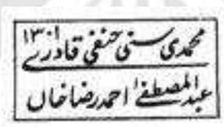

رسالہ

سل السیوف الھندیۃ علٰی کفریات بابا النجدیۃ ۱۳۱۲ھ

(نجدی پیشواؤں کے کفریات پر لٹکتی ہوئی ہندی تلواریں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۳۰: از بدایوں مرسلہ مولٰینا مولوی محمد فضل المجید صاحب قادری ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

بخدمت بابرکت مولٰینا مرجع الفتاوٰی والمفتین ملاذ العلماء المحققین جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب!

اللھم ادم افاضاتھم وافاداتھم، السلام علیکم!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابیہ غیر مقلدین جو تقلید ائمہ اربعہ کو شرک کہتے ہیں، اور جس مسلمان کو مقلد دیکھیں مشرک بتاتے ہیں، دہلی والے اسمٰعیل مصنف تقویۃ الایمان و صراط مستقیم وایضاح الحق ویکروزی و تنویر العینین کو اپنا امام وپیشوا بتاتے ہیں اور اس کے اقوال کو حق وہدایت جانتے ہیں اور اس کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں ہمارے فقہاء کرام پیشوایان مذہب کے نزدیک ان پر اور ان کے پیشوا پر حکم کفر لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر حاصل کرو۔ت)

الجواب:

الحمد للہ علی دین الاسلام والسلام علی نبی السلام سلام المسلمین بعون السلام وعلٰی

الہٖ وصحبه فی دار السلام. ایها المسلمون! پیش از جواب اتنا عرض کروں کہ اس تحریر سے مقصود دو امر محمود:

اولا: عامہ مسلمین و برداران دین پر اظہار مبین کہ مذہب وہابیہ ایسی ضلالتوں پر مشتمل، اور ان کا امام وطائفہ ایسی شناعتوں کو موجد و قائل،

ثانیًا: کبرائے وہابیہ پر عرض ہدٰی وخوف خدا کہ دیکھوں کیسے کو امام بناتے ہو، اندھیری رات میں کس مضل مبین کے پیچھے جاتے ہو، تھوڑی دیر کا اندھیرا ہے، دم کے دم میں سویرا ہے۔

بروز حشر شود ہمچو صبح معلومت　　　که باکه باختۂ عشق درشب دیجور

(صبح کی حشر میں تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اندھیری رات میں کس سے لڑاتے رہے۔ت)

غصے سے کام نہیں چلتا، بگڑنے سے مذہب نہیں سنبھلتا "اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ"[1] (میں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں۔ت) ایک ذرا تعصب و نفسانیت و حمایت امام وحمیت جاہلیت سے جدا ہو کر للہ فی اللہ اس تحریر پر نظر کیجئے سب کتابوں کے نشان صفحات بتادئے ہیں جس میں شبہہ ہو تطبیق کرلیجئے، پھر اگر نگاہ انصاف میں تمھارے مذہب وامام مذہب پر یہ الزامات قائم ہوں تو خدا سے ڈرو، کفریات وضلالت پھر اصرار نہ کرو، بددین کی پیروی کا دم نہ بھرو۔ اور اگر اطاقت جواب ہے تو کیوں پیچ وتاب ہے، ہمیں گو وہمیں میدان، اظہار حق سے کیوں خائف وترساں آدمی بن کر اور کی سنی اپنی کہی، ایک مکابرہ عناد کی نہیں سہی، یہ ایک نمونہ ہے اس سے فارغ ہو تو اور سننا ہے اس سے بھی سلامت نکلے تو اور آگے چلئے یہاں تک کہ حق ایک طرف کھل جائے جید وردی میزان عمل میں تل جائے، اے رب میرے! ہدایت فرما انك انت السميع القريب وما توفيق الا بالله اليه توكلت واليه انيب (تو قریب وسمیع ہے، مجھے صرف اللہ سے توفیق حاصل ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ت) بلاشبہہ گروہ مذکور اور اس کے پیشوائے مسطور پر بوجوہ کثیرہ قطعاً یقینا کفر لازم اور حسب تصریحات جماہیر فقہائے کرام اصحاب فتاوٰی اکابر واعلام ان پر حکم کفر ثابت وقائم، ان کے عقیدوں مکیدوں مذہبی رسالوں میں بکثرت کلمات کفریہ ہیں جن کی تفصیل کو ذخیرہ درکار، خود ان کے پیشوا نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں (جسے یہ لوگ معاذاللہ کتاب آسمانی کی مثل جانتے اور اپنے مذہب کی مقدس معصوم کتاب مانتے ہیں) اپنے اور اپنے سب پیرووں کے صریح کافر بت پرست ہونے کا صاف اقرار کیا، ہم نے اس سوال کے رد پر خاص اس باب میں ایک مفصل رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی الكوكبة الشهابية فی كفريات ابی الوهابية لکھا اور اس میں بطور نمونہ ان کے ستر کفریات کا شمار کیا کہ بحوالہ کتاب وصفحہ ان کے پیشوا کی کتابوں سے اقوال نقل کئے، پھر ائمہ کرام وعلمائے عظام کی تصانیف سے اسی طرح بہ نشان صفحات ان باتوں پر حکم کفر مع ترجمہ لکھے، بحمدالله تعالٰی اس رسالہ نے اپنے ناظر کو اس امر کی تحقیق میں کوئی دقت باقی نہ رکھی، صرف اتنا کام رہا کہ جو اپنی انکھوں دیکھا چاہے اس کی کتابوں سے صفحہ کے

---

[1] القرآن الکریم ۳۴/ ۴۶

نشانوں سے وہ عبارتیں نکالے پھر ایسے ہی نشان سے کتب ائمہ وعلماء میں ان کی نسبت حکم کفر دیکھے دکھالے، وہ کتابیں جن سے ہم نے ان کے اقوال کا کلمات کفر ہونا ثابت کیا یہ ہیں:

(۱) قرآن عظیم (۲) صحیح بخاری شریف (۳) صحیح مسلم شریف (۴) فقہ اکبر تصنیف حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (۵) درمختار (۶) عالمگیری (۷) فتاوٰی قاضیخاں (۸) بحر الرائق (۹) نہر الفائق (۱۰) اشباہ والنظائر (۱۱) جامع الرموز (۱۲) برجندی شرح نقایہ (۱۳) مجمع الانہر (۱۴) شرح وہبانیہ (۱۵) ردالمحتار (۱۶) شرح الدرر والغرر للعلامۃ اسمٰعیل النابلسی (۱۷) حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ للعلامہ عبدالغنی النابلسی (۱۸) نوازل امام فقیہ ابواللیث (۱۹) فتاوٰی ذخیرہ امام برہان محمود (۲۰) فتاوٰی خلاصہ (۲۱) فتاوٰی بزازیہ (۲۲) فتاوی تاتار خانیہ (۲۳) مجمع الفتاوٰی (۲۴) معین الحکام علامہ طرابلسی (۲۵) فصول عمادی (۲۶) خزانۃ المفتین (۲۷) جامع الفصولین (۲۸) جواہر الاخلاطی (۲۹) تکملہ لسان الحکام (۳۰) الاعلام بقواطع الاسلام للامام ابن حجر المکی الشافعی (۳۱) شفاء شریف للامام القاضی عیاض المالکی (۳۲) شرح الشفا للملا علی قاری (۳۳) نسیم الریاض للعلامۃ الشہاب الخفاجی (۳۴) شرح المواہب للعلامہ الزرقانی المالکی (۳۵) شرح فقہ اکبر للعلامۃ القاری (۳۶) شرح العقائد العضدیہ للمحقق الدوانی الشافعی (۳۸) الدرر السنیہ للعلامۃ السید الشریف مولانا احمد زینی دحلال المکی الشافعی (۳۸) الدرالثمین للشاہ ولی اللہ دہلوی (۳۹) تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی (۴۰) تفسیر عزیزی شاہ صاحب موصوف (۴۱) موضح القرآن شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی برادر شاہ صاحب ممدوح (۴۲) یہاں تک کہ خود تقویۃ الامان اور (۴۳) اس کا دوسرا حصہ تذکیر الاخوان وغیرہا، اور (۴۴) نیز اس میں مدد لی گئی احیاء العلوم امام حجۃ الاسلام غزالی وشرح (۴۵) عقائد النسفی علامہ سعد تفتازانی و (۴۶) میزان الشریعۃ الکبرٰی امام عبدالوہاب شعرانی ومکتوبات (۴۷) جناب شیخ مجدد الف ثانی و (۴۸) حجۃ اللہ البالغہ و (۴۹) انتباہ فی سلاسل اولیاء ہر دو تصنیف شاہ ولی اللہ صاحب، یہاں تک کہ (۵۰) مسک الختام شرح بلوغ المرام تصنیف نواب صدیق حسن بھوپالی ظاہری آنجہانی وغیرہا سے، یہاں صرف سات (کفریہ) قول پر اکتفا کروں:

کفریہ اول: تقویۃ الایمان مطبع فاروقی دہلی ص ۲۰:

"غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کر لیجئے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے[1]۔"

اس کا صاف یہ مطلب کہ اللہ تعالٰی کو اختیار ہے جب چاہے غیب کی بات دریافت کرلے تو صراحۃً لازم کہ اسے بالفعل علم غیب حاصل نہیں۔ ہاں حاصل کرلینے کا اختیار رکھتا ہے، یہاں صراحۃً اللہ تعالٰی کی طرف

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی فی ردالشراك فی العلم مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۴

جہل نسبت کیا اور اس کے علم قدیم کو ازلی نہ مانااور اس کی صفت کو اختیاری جانا، یہ تینوں باتیں صریح کفر ہیں، عالمگیری مطبع مصر جلد ۲ ص ۲۹۸، بحر الرائق مطبع مصر ج ۵ ص ۱۲۹، بزازیہ طبع مصر ج ۳ ص ۳۲۳ جامع الفصولین مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۲۹۸:

یکفر اذاوصف اللہ تعالٰی بمالایلیق بہ او نسبہ الی الجھل اوالعجز اوالنقص [1]۔	جو اللہ تعالٰی کی شان میں ایسی بات کہے جو اس کے لائق نہیں یا اسے جہل یا عجز یا کسی ناقص بات کی طرف نسبت کرے وہ کافر ہے۔

عالمگیری ج ۲ ص ۱۶۲:

لو قال علم خدائے قدیم نیست یکفر [2]۔	جو علم خدا کو قدیم نہ مانے وہ کافر ہے۔

شرح عقائد نسفی طبع قدیم ص ۲۱:

الصادر عن الشیئ بالقصد والاختیار یکون حادثا بالضرورۃ [3]۔	جو کسی سے اس کے قصد واختیار سے صادر ہو وہ ضرور حادث ونو پیدا ہوگا۔

فقہ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وشرح فقہ اکبر مطبع حنفی ۱۲۹۶ھ ص ۲۹:

صفاتہ فی الازل غیر محدثۃ ولامخلوقۃ فمن قال انھا محدثۃ او وقف فیھا اوشك فیھا فھو کافر باللہ تعالٰی [4]۔	اللہ تعالٰی کی سب صفتیں ازلی ہے نہ وہ نو پیدا ہیں نہ مخلوق، تو جو انھیں مخلوق یا حادث بتائے یا اس میں توقف یا شک کرے وہ کافر ہے۔

کفریہ دوم: بعض علماء دلیل لائے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل تمام صفات کمالیہ میں شریک وہمسر اگر ممکن ہو تو معاذاللہ آیہ کریمہ وخاتم النبیین کی تکذیب لازم آئے، اس کے جواب میں شخص مذکور کا کلام سنئے، یکروزی مطبع فاروقی ص ۱۴۴:

بعد اخبار است کہ ایشان رافاموش گردانیدہ شود، پس قول بامکان وجود مثل اصلا منجر	خبر دینے کے بعد ممکن ہے کہ اللہ تعالٰی ان کی خبروں کو بھول جائے پس حضور علیہ السلام کی مثل کا وجود ممکن ہو نا ہر کسی نص

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۲

[3] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ص ۲۳

[4] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر الباری جل شانہ موصوف فی الازل بصفات الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

تکذیب نصی از نصوص نگردد و سلب قرآن مجید بعد انزال ممکن است [1]۔	کی تکذیب کا سبب نہیں ہوسکتا جبکہ نزول قرآن کے بعد قرآن کا سلب ہوجانا ممکن ہے۔(ت)

یہاں صاف بے پردہ اقرار کردیا کہ اللہ عزوجل کی بات واقع میں جھوٹی ہوجائے تو کچھ حرج نہیں حرج اس میں ہے کہ بندے اس کے جھوٹ پر مطلع ہوں اگر انھیں بھلا کر اپنی بات جھوٹی کردے تو تکذیب کہاں سے آئے گی اب کسی کو وہ نص یاد ہی نہیں کہ جھوٹ پر اطلاع پائے۔شفا شریف مطبع صدیقی ص۳۶۱:

من دان بالوحدانية وصحة النبوة ونبوة نبينا صلی اللہ تعالٰی علیه وعلی اله وسلم ولكن جوز علی الانبياء الكذب فيما اتوا به ادعی فی ذلك المصلحة بزعمه اولم يدعها فهو كافر باجماع [2]۔	جو اللہ تعالٰی کی وحدانیت، نبوت کی حقانیت، ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو اینمہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ان باتوں میں کہ وہ اپنے رب کے پاس سے لائے کذب جائز مانے خواہ بزعم خود اس میں کیسی مصلحت کا ادعاء کرے یا نہ کرے ہر طرح بالاتفاق کافر ہے۔(ت)

حضرات انبیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء کا کذب جائز جاننے والا بالاتفاق کافر ہوا اللہ عزوجل کا کذب جائز ماننے والا کیونکر بالاجماع کافر و مرتد نہ ہوگا!

کفریہ سوم: صراط مستقیم مطبع ضیائی ۱۲۸۵ھ ص ۱۷۵ اپنے پیر کی نسبت لکھا:

روزے حضرت جل وعلا دست راست ایشاں رابدست قدرت خاص خود گرفتہ وچیزے را از امور قدسیہ کہ بس رفیع وبدیع بود پیش روئے حضرت ایشاں کردہ فرمودہ کہ ترا ایں چنیں دادہ ام وچیزہائے دیگر خواہم داد [3]۔	ایک روزہ اللہ تعالٰی نے اس حضرت کا دایاں ہاتھ اپنے دست قدرت میں پکڑا اور امور قدسیہ کی ایک بلند و بالا عجیب چیز کو پیش کرکے فرمایا تجھے یہ دیا اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی دیں گے۔(ت)

ص ۱۳: مکالمہ ومسامرہ بدست می آید [4] (ہم کلامی اور باتیں حاصل ہوئیں۔ت)

---

[1] رسالہ ایک روزہ (فارسی) فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۲۶۹

[3] صراط مستقیم خاتمہ دربیان پارہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۴

[4] صراط مستقیم ہدایت اربعہ دربیان ثمرات حب المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۲

ص ۱۵۴: گاہے کلام حقیقی ہم می شود[1] (کبھی حقیقی گفتگو بھی حاصل ہوتی ہے۔ت) یہ صراحۃً اپنے پیر وغیرہ کو نبی بنانا ہے۔ تفسیر عزیزی سورہ بقرہ شاہ عبدالعزی صاحب مطبع کلکتہ ۱۲۴۹ھ ص ۴۲۳:

ہمکلامی باخدائے عزوجل مختص است بملائکہ وانبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام وغیر ایشاں راہر گز میسر نمی شود، پس فرمائش ہمکلامی باخدا گویا فرمائش آن ست کہ ماہمہ راپیغمبراں یافرشتہا سازد[2]۔	اللہ تعالٰی سے ہم کلامی صرف انبیاء اور فرشتوں کے لئے خاص ہے، علیہم الصلٰوۃ والسلام ان کے علاوہ کسی دوسرے کوہر گز میسر نہیں ہوتی۔ پس اللہ تعالٰی سے ہم کلامی کی فرمائش کرنا گویا کہ اپنے کو پیغمبروں اور فرشتوں میں شمار کرنا ہے۔(ت)

شرح عقائد جلالی طبع مصر ص ۱۰۶، اس مسئلہ کی دلیل میں کہ دنیا میں اللہ تعالٰی سے ہمکلامی کا مدعی کافر ہے فرمایا:

المکالمۃ شفاھا منصب النبوۃ بل اعلی مراتبھا وفیہ مخالفۃ لماھو من ضروریات الدین وھو انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ وسلم خاتم النبیین علیہ افضل صلٰوۃ المصلین[3]۔	اللہ عزوجل سے کلام حقیقی منصب نبوت بلکہ اس کے مراتب میں اعلی مرتبہ ہے تواس کے دعوے میں بعض ضروریات دین یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار ہے۔

اسی طرح شفاء شریف میں مدعی مکالمہ کو بالاجماع کافر بتایا ص ۳۶۰، اسی میں ہے ص ۳۶۲:

وکذالك من ادعی منھم انہ یوحی الیہ وان لم یدعی النبوۃ وانہ یصعد الی السماء ویدخل الجنۃ ویاکل من ثمارھا ویعانق الحور العین فھؤلاء کلھم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[4]۔	اسی طرح جو جھوٹا متصوف دعوٰی کرے کہ اللہ تعالٰی اسے وحی کرتا ہے اگرچہ مدعی نبوت نہ ہو یا کہ وہ آسمان تک چڑھتا جنت میں جاتا اس کے پھل کھاتا حوروں کو گلے لگاتا ہے، یہ سب کافر ہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے۔

[1] صراط مستقیم باب سوم تکملہ دربیان سلوك ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۴۳

[2] فتح العزیزی (تفسیر عزیزی) آیہ ۲/ ۱۱۸ کے تحت مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۲۷

[3] الدوانی علی العقائد العضدیہ بحث توبہ سے قبل مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۶

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۲۷۱-۲۷۰

حوروں سے اس معانقہ کے دعوی پر تو یہ حکم ہے رب العزۃ سے ہاتھ ملاکر مصافحہ پر کیا حکم ہوگا!

کفریہ چہارم: تقویۃالایمان ص ۱۴:

"جتنے پیغمبر آئے وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانے اوراس کے سوا کسی کو نہ مانے[1]۔"

ص ۱۶و۱۷: "اللہ صاحب نے فرمایا میرے سوا کسی کو نہ مانیو[2]۔"

ص ۱۸: "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان[3]۔"

ص ۷: "اوروں کو ماننا محض خبط ہے[4]۔"

مسلمانوں کے مذہب میں جس طرح اللہ تعالٰی عزوجل کا ماننا رکن ایمان ہے یونہی اس کے انبیاء وملائکہ، کتابوں، جنت، نار وغیرہا ایمانیات کا ماننا ان میں سے ہے جسے نہ مانے گا کافر ہوگا۔ ماننا ترجمہ ایمان کا ہے اور نہ ماننا کفر کا تو یہ صراحۃً انبیاء وغیرہم کے ساتھ کفر کا حکم ہوا کہ خود کفر ہے اور اللہ تعالٰی ورسول پر اس کے حکم کا افتراء دوسرا کفر۔ **آیت** بقرۃ:

"ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ"[5]	موضح قرآن: تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وے نہ مانیں گے۔[6]

آیت اعراف:

"قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝"[7]	موضح قرآن: کہنے لگے بڑائی والے جو تم نے یقین کیا سو ہم نہیں مانتے۔[8]

آیت آخر بقرۃ:

ا"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ	موضح قرآن: مانا رسول نے جو کچھ اترا اس کو اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے سب نے مانا اللہ کو

[1] تقویۃ الایمان الفصل الاولی فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری دوازہ لاہور ص ۱۰

[2] تقویۃ الایمان الفصل الاولی فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری دوازہ لاہور ص ۱۲

[3] تقویۃ الایمان الفصل الاولی فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری دوازہ لاہور ص ۱۲

[4] تقویۃ الایمان مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری دوازہ لاہور ص ۵

[5] القرآن الکریم ۲/ ۶

[6] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۴

[7] القرآن الکریم ۷/ ۷۶

[8] موضح القرآن ترجمہ وتفسیری شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۹۴

وَ کُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ "[1]	اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو اور رسولوں کو۔[2]

دیکھو اللہ عزوجل تو فرماتا ہے کہ ایمان والوں نے اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، نبیوں سب کو مانا، یہ کہتا ہے "اللہ نے فرمایا میر سوا کسی کو نہ مانیو" اگر اس کے کلام کے کچھ نئے معنی اپنی جی سے گھڑے ے بھی تو **اول:** تو صریح لفظ میں تاویل کیا معنی! شفاء شریف ص ۳۲۳:

ادعاء التاویل فی لفظ صراح لایقبل[3]۔	صریح لفظ میں تاویل کا دعوی مقبول نہیں۔

ثانیا: وہ آپ سب تاویلوں کا دروازہ بند کرچکا تو اس کے کلام میں بناوٹ نری گھڑت جو اسے خود قبول نہیں۔ تقویۃ الایمان ص ۵۵:

" یہ محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولئے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لیجئے، معما اور پہیلی بولنے کی اور جگہ ہیں، کوئی شخص اپنے باپ یا بادشاہ سے جگت نہیں بولتا اس کے واسطے دوست آشنا ہیں نہ باپ اور بادشاہ[4]" یہ نفیس فائدہ ہے ہر جگہ ملحوظ خاطر رہے کہ اکثر حرکات مذبوحہ کا جواب شافی رہے۔

تذکیر الاخوان حصہ دوم تقویۃ الایمان مترجمہ سلطان خاں مطبع فاروقی ص ۷۳:

"اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے جو ان کو نہ مانے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے[5]۔"

سبحن اللہ! دوسرے حصے والا کہتا ہے جو صحابہ کو نہ مانے وہ بدعتی جہنمی، پہلے والا کہتا ہے صحابہ تو صحابہ جو انبیاء کو مانے وہ بھی کافر دوزخی " كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ[6] " (اور اللہ نے مسلمانوں کو لڑائی کی کفایت فرمادی۔ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

[2] موضح القرآن ترجمہ و تفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۶۱

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی الباب الاولی فی بیان ماھو حقہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۲۱۰

[4] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۹

[5] تذکیر الاخوان حصہ دوم تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۰۵

[6] القرآن الکریم ۳۳/ ۲۵

کفریہ پنجم: صراط مستقیم بعض اولیاء کی نسبت لکھا، ص ۳۷:

صدیق من وجہ مقلد انبیاء می باشد و من وجہ محقق در شرائع[1]۔	صدیق من وجہ انبیاء کا مقلد ہوتا ہے اور من وجہ احکام شریعت میں محقق ہوتا ہے۔(ت)

ص ۳۹:

علوم کلیہ شرعیہ اور ابد و واسطہ می رسد بوساطت نور جبلی وبوساطت انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پس در کلیات شریعت وحکم واحکام ملت او را شاگرد انبیاء ہم می تواں گفتہم استاذ انبیاء ہم ونیز طریق اخذ آنھم شعبہ ایست از شعب وحی کہ آں را در عرف شرح بہ نفث فی الروع تعبیر می فرمایند وبعضے اہل کمال آن را بوحی باطنی می نامند[2]۔	امور کلیہ شرعیہ اس کو دو طرح سے پہنچتے ہیں، ایک فطری نور کے ذریعہ سے، دوسرا انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے واسطہ سے، پس شرعیہ کلیات اور حکم واحکام ملت میں اس کو انبیاء کا شاگرد کہہ سکتے ہیں اور انبیاء کا استاذ بھی کہہ سکتے نیز ان کے اخذ کا طریقہ وحی کے اقسام میں سے ایک قسم ہے جس کو عرف شرع میں نفث فی الروع سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اہل کمال اس کو باطنی وحی کا نام دیتے ہیں۔(ت)

ص ۴۰:

ہمیں معنی را بامامت ووصایت تعبیر میکنند[3]۔	اس معنی کو امامت اور وصی سے تعبیر کرتے ہیں۔(ت)

ص ۴۱:

لابد او را بمحا فظتے مثل محافظت انبیاء کہ مسمّٰی بہ عصمت ست فائز مے کنند[4]۔	ضروری ہے کہ اس کو محفوظ قرار دیا جائے جس طرح انبیاء کا محفوظ ہونا جس کو عصمت کہتے ہیں۔(ت)

ص ۴۲:

ندانی کہ اثبات وحی باطنی وعصمت مر غیر انبیاء را مخالفت سنت واز جنس اختراع بدعت	یہ نہ سمجھنا کہ باطنی وحی اور عصمت کو غیر انبیاء کے لئے ثابت کرنا خلاف سنت اور

[1] صراط مستقیم فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۳

[2] صراط مستقیم فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۴

[3] صراط مستقیم فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

[4] صراط مستقیم فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

است ونادانی کہ ارباب ایں کمال از عالم منقطع شدہ اند[1]۔	از قبیل اختراع بدعت ہے اور یہ بھی نہ سمجھنا کہ اس کمال کے لوگ دنیا سے ختم ہو چکے ہیں۔(ت)

یہاں صاف تصریحیں ہیں کہ ان کے بعض خیال اولیاء کو احکام شریعت بے وساطت انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام وحی باطنی سے پہنچتے ہیں وہ احکام شریعت میں ایک وجہ سے خود محقق اور پیروی انبیاء سے مستغنی ہوتے ہیں وہ مثل انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔

اقول: اور احکام شریعت میں بھی کلیہ کی تصریح کردی کہ کوئی ناواقف دھوکا نہ کھائے کہ یہ لوگ مجتہدین امت سے ہیں اگرچہ بے وساطت انبیاء حکم پہنچنا ہی اخراج مجتہد کو بس تھا مگر زیادت فرق وکمال صراحت کے لئے احکام کلیہ کا اونچا طرہ چمکتا پھند نا لٹکا دیا کہ احکام کلیہ شرعیہ تو نبی ارشاد فرماتا ہے مجتہد کی اتنی شان کہ ان سے احکام جزئیہ استنباط کرتا ہے، یہاں ایسا نہیں بلکہ انھیں خود احکام کلیہ شریعت بے وساطت نبی بذریعہ وحی پہنچتے ہیں مسلمانو! خدا کے واسطے اور نبی کسے کہتے ہیں یہ صراحۃ غیر نبی کو نبی بنایا کہ صریح کفر ہے اور نبی بھی کیسا صاحب شریعت۔ تفسیر عزیزی شاہ عبدالعزیز صاحب سورہ بقرہ ص ۴۴۳:

معرفت احکام شرعیہ بدون توسیط نبی ممکن نیست[2]۔	شرعی احکام کی معرفت انبیاء کی وساطت کے بغیر ممکن نہیں۔(ت)

تحفہ اثنا عشریہ شاہ صاحب موصوف مطبع کلکتہ ۱۲۴۳ھ ص ۱۴۰:

انچہ گفتہ است کہ فاطمہ بنت اسد راوحی آمد کہ درخانہ کعبہ برود ووضع حمل نماید در وغیست پر بیمزہ زیرا کہ کسے از فرق اسلامیہ وغیر اسلامیہ قائل بہ نبوت فاطمہ بنت اسد نشدہ[3]۔	جو کہا جاتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی کہ تو خانہ کعبہ میں جا اور وہاں بچے کی پیدائش کر یہ سب جھوٹ اور بے پر بات ہے کیونکہ کوئی بھی اسلامی اور غیر اسلامی فرقہ فاطمہ بنت اسد کی نبوت کا قائل نہیں ہے۔(ت)

الدر الثمین شاہ ولی اللہ صاحب مطبع احمدی ص ۵:

الامام عندھم ھو المعصوم المفترض	رافضیوں کے نزدیک امام وہ ہے کہ معصوم اور اس کی

[1] صراط مستقیم ہدایت رابعہ در بیان ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۶

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) بیان افراط فرقہ امامیہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۴۹

[3] تحفہ اثناء عشریہ کید ہشتاد وہفتم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۹

طاعته الموحی الیه وحیا باطنیا وھذا ھو معنی النبی فمذھبھم یستلزم انکار ختم نبوۃ قبحھم اللہ تعالٰی [1]۔	اطاعت فرض اور اس کی طرف وحی باطنی آتی ہو اور یہی معنی نبی کے ہیں تو ان کے مذہب سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے اللہ ان کا بُرا کرے

دیکھو یہ وہی امامت وہی عصمت، وہی وحی باطنی ہے جسے شاہ ولی اللہ صاحب ختم نبوت کے انکار کو مستلزم بتاتے ہیں، شفاء شریف کا قول گزرا کہ صرف وحی کا دعوٰی کفر ہے اگرچہ نبوت کا مدعی نہ ہو۔

کفریہ ششم: صراط مستقیم ص ۹۵:

صرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق دو صورت گاؤ خر خود است کہ خیال آن با تعظیم واجلال بسویدائے دل انسان می چپد وایں تعظیم واجلال غیر کہ در نماز ملحوظ و مقصود می شود بشرک می کشد [2]۔	اپنی ہمت کو شیخ اور ان جیسے معظم لوگوں خواہ جناب رسالتمآب ہوں کی طرف مبذول کرنا اپنے گائے اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بھی کئی گنا بدتر ہے کیونکہ ان کا خیال تعظیم اور اجلال کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں چپک جاتا ہے اور یہ غیر کی تعظیم و اجلال نماز میں ملحوظ و مقصود ہو تو شرک کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ (ت)

یہ صراحۃً حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فحش گالی دینا ہے اور ان کی شان میں ادنٰی گستاخی کفر، جس کی مبارک مقدس منور تفصیل شفا شریف اور اس کی شرح میں ہے۔ للہ انصاف! بدر جہاں بدتر گناہ در کنار اگر تمہارا بیٹا یا نوکر یا غلام تمہاری کسی شے کو گدھے یا کتے سے صرف تشبیہ ہی دے کہ تمہاری فلاں بات گدھے کی سی ہے فلاں چیز کتے سے ملتی ہے تو کیا اس نے تمہیں گالی نہ دی؟ کیا تمہارے ساتھ شدید گستاخی نہ کی؟ ذرا اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو تو جانو کہ اس ملعون قول نے مسلمانوں کے سچے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کھلی دشنام دے کر ان کے دلوں پر کیسا زخم عظیم پہنچایا "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾" [3] (اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ ت)

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ	بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر

---

[1] الدر الثمین شاہ ولی اللہ

[2] صراط مستقیم باب دوم فصل سوم المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۸۶

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

"فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا" [1]	اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(ت)

اور یہ وجہ خبیث خود بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آئے گا تو عظمت کے ساتھ اور ان کی نوبت شرک تک پہنچے گی اس قائل کو لزوم کفر تک پہنچانے کے لئے بوجہ کافی کہ اس بناء پر التحیات میں السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته، اور اشهدان محمدًا عبده ورسوله، پچھلے قعدہ میں اللهم صلی علی محمد وال محمد، ہر رکعت میں صراط الذین انعمت علیهم یوں ہی نمازوں میں وہ سورۃ وآیت جس میں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی یا ملک یا کسی نیک بندے یا کعبہ وغیرہ معظمات دینیہ کا ذکر یا خطاب رہے، خلاصہ ی کہ الهکم التکاثر کے سوا الحمد وغیرہ کسی سورت کا پڑھنا سب معاذاللہ شرک کی راہ ہوا اور شریعت محمدیہ علی صاحبها افضل الصلٰوۃ والتحیة عیاذًا باللہ ان شرکیات کی واجب وسنت وجائز کرنے والی ہوئی، صحابہ سے آج تک تمام مسلمان کہ ان امور پر اجماع کئے ہوئے ہیں سب شرک میں گرفتار ٹھہرے، اس سے بڑھ کر اور کیا کلمہ کفر ہوگا۔ شفاء شریف ص ۳۶۲ و ۳۶۳:

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل به الی تضلیل الامة [2]۔	جو شخص ایسی بات کہے جس سے تمام امت کے گمراہ ٹھہرنے کی راہ نکلتی ہو ہم بالیقین اسے کافر کہتے ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی مطبع صدیقی ص ۲۱۰:

ثم اختار بعده السلام علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه واله وسلم تنویها بذکره و اثباتا للاقرار برسالته واداءً لبعض حقوقه [3]۔	پھر اس کے بعد التحیات میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام اختیار کیا ان کا ذکر پاک بلند اور ان کی وساطت کا اقرار ثابت اور ان کے حقوق کا ایک پارہ ادا کرنے کے لئے۔

مکتوبات جناب شیخ مجدد صاحب مطبو لکھنؤج ۲ مکتوب ۳۰ ص ۴۶:

خواجہ محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ نوشتہ بودند کہ سجدے استیلا یافتہ است کہ در صلوٰۃ آنرا	خواجہ محمد اشرف ورزش نے رابطہ (تصویر شیخ) کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا اس حد تک غلبہ ہے کہ نمازوں

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماهو من المقالات المطبعة الشرکه الصحافیه ۲/ ۲۷۱

[3] حجة الله البالغه الامور التی لابد منها فی الصلٰوة المکتبه السلفیه لاهور ۲/ ۶

مسجود خود میداند وبیند واگر فرضا نفی کند منتفی نمیگردد محبت اطوار ایں دولت متمنائے طلاب ست از ہزاران یکے رامگر بد ہند صاحب ایں معاملہ مستعد تام المناسبۃ ست یحتمل کہ باندک صحبت شیخ مقتدا جمیع کمالات او راجذب نماید رابطہ راچرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرامحاریب و مساجد رانفی نہ کنند وظہور ایں قسم دولت سعاد تمندان رامیسر است تادر جمیع احوال صاحب رابطہ رامتوسط خود دانند ودر جمیع اوقات متوجہ او باشند نہ درنگ جماعہ بیدولت کہ خود رامستغنی دانند وقبلہ توجہ را از شیخ خود منحرف سازند و معاملہ خود رابرہم زنند[1]۔	میں اپنا مسجود جانتے اور دیکھتے ہیں اور اگر اس رابطہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں تو بھی ختم نہیں ہوتا (تو اس پر آپ نے فرمایا) اس دولت کے حصول کی خواہش ہزاروں طالبوں کی تمنا ہے مگر کسی ایک کو عطا ہوتی ہے، اس کیفیت والا شیخ سے مکمل مناسبت کے لئے مستعد ہوتا ہے وہ امید کرتا ہے کہ اپنے مقتدا شیخ کی صحبت کی کمی اسکے تمام کمالات کو جذب کردے گی لوگ رابطہ (تصور شیخ) کی نفی کیوں کرتے حالانکہ وہ مسجود الیہ ہے مسجود لہ نہیں ہے یہ لوگ محرابوں اور مسجودوں کی نفی کیوں نہیں کرتے (حالانکہ وہ مسجود الیہ ہیں) اس قسم کی دولت کا ظہور سعاتمندوں کو نصیب ہوتا ہے حتی کہ تمام احوال میں وہ صاحب رابطہ (شیخ) کو اپنا وسیلہ جانتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اس بے دولت جماعت کی طرح نہیں ہوتے جو اپنے آپ کو شیخ سے مستغنی جانتے ہیں اور اپنی توجہ کا قبلہ شیخ سے پھیر کر خود سر ہوجاتے ہیں۔(ت)

سبحان اللہ! کہاں تو اس شخص کا وہ کفری بول کہ نماز میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آیا اور خاکش بدہن شرک نے منہ پھیلایا، نہ فقط نماز بر باد کہ ایمان ہی ابتر، تف بر روئے کافروش و کفران کے (بدگویوں کی) طرف خیال لے جانا اپنے بیل اور گدھے کے نہ صرف تصور بلکہ ہمہ تن اس میں ڈوب جانے سے بدرجہانج بدتر اور کہاں شیخ طریقت وآقائے نعمت وخداوند دولت خاندان دہلی حضرت شیخ مجدد کا یہ واشگاف قول کہ تصور صورت شیخ سے غافل نہ ہو نمازوں عبادتوں سب وقتوں حالتوں میں اسی کی طرف متوجہ رہو اگرچہ عین نماز میں اسی صورت کو سجدہ محسوس ہو کہ وہ قبلہ عبادت ہے، نہ مسجود لہ، جو اس قبلہ سے پھرا وہ بے دولت تباہ ہوا اس کا کام بر باد ہوگیا تصویر شیخ کی ایسی دولت سعادت مندوں کو ملتی ہے طالبان خدا اس کو اس کی بہت تمنا رہتی ہے غرض وہ بول یہ قول باہم لڑے ہیں کفر وشرک کے عقاب پر تولے کھڑے ہیں، دیکھئے وہابی صاحب کدھر ڈھالتے ہیں ادھر جھکاتے ہیں یا ادھر ڈالتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰ خواجہ محمد اشرف وحاجی محمد نولشکور لکھنؤ ۲/ ۴۶

یادامن یار رفت از دست یا ایں دل زار رفت از دست
(یار کادامن ہاتھ سے گیا یا یہ آزردہ دل سے ہاتھ گیا۔ت)

"كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ "[1]	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے (ت)

کفریہ ہفتم: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھالے گی جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا وفات پائے گا زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہوجائے گی، تقویۃ الایمان ص ۴۴ پر حدیث بحوالہ مشکوٰۃ نقل کی اور خود اس کا ترجمہ کیا:
"پھر بھیجے گا اللہ ایک باد اچھی سو جان نکالے گی جس کے دل میں ہوگا رائی کے دانے بھر ایمان سو رہ جائیں گے وہی لوگ جن میں کچھ بھلائی نہیں سو پھر جاویں گے اپنے دادوں کے دین پر[2]"۔
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بھی صراحۃً ارشاد فرمادیا تھا کہ وہ ہوا خروج دجال لعین ونزول حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آئے گی، تقویۃ الایمان میں حدیث کے یہ لفظ بھی نقل کئے اور ان کا ترجمہ لکھا ص ۴۵: "نکلے کا دجال سو بھیجے گا اللہ عیسٰی بیٹے مریم کو، سو وہ ڈھونڈھے گا اس کو، پھر بھیجے گا اللہ ایک باد ٹھنڈی شام کی طرف سے، سو نہ باقی رہے گا زمین پر کوئی کہ اس دل میں ذرہ بھر ایمان ہو مگر کہ مار ڈالے گی اس کو[3]۔"
بااینہمہ حدیث مذکور لکھ کر اسی صفحہ پر صاف لکھ دیا: "سو پیغمبر خدا کے فرمان کے موافق ہوا[4]۔"
اب نہ خروج دجال کا انتظار نہ نزول مسیح درکار، ان کے نصیبوں وہ ہوا ابھی چلی گئی تمام مسلمانوں کے کافر بت پرست بنانے کو ختم دنیا کی حدیث صاف صاف اپنے زمانہ موجودہ پر جمادی، یہ کھلم کھلا اپنے اور اپنے تمام پیرووں کے کفر شرک کا اقرار ہوا کہ جب یہ وہی زمانہ ہے جس کی اس حدیث نے خبر دی تو دنیا کے پردے پر کوئی مسلمان نہیں سب

---

[1] القرآن الکریم ۶۸ /۳۳
[2] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۱
[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۱
[4] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۰

کافربت پرست ہیں جن میں یہ خود اور اس کے پیرو بھی داخل، اور جو کفر کا اقرار کرے آپ کافر ہے۔

خلاصہ و تکملہ لسان الحکام للعلامۃ ابراہیم الحلبی مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ ص ۵۷:

فی النوازل رجل قال انا ملحد یکفر[1]۔	نوازل میں ہے جو اپنے کفر کا اقرار کرے کافر ہے۔

عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹:

مسلم قال انا ملحد یکفر ولوقال ما علمت انه کفر لایعذر بهذا[2]۔	جو مسلمان اپنے ملحد ہونے کا اقرار کرے کافر ہوجائے گا اور اگر کہے میں نہ جانتا تھا کہ اس میں مجھ پر کفر عائد ہوگا تو یہ عذر نہ سنا جائے گا۔

پھر اس میں تمام امت کو کافر بنایا، یہ دوسرا کفر ہے، شفاء شریف کی عبارت ابھی سن چکے، غرض اس کی کتابوں میں ایسے کفریات بکثرت ہیں جن پر بلا مبالغہ صدہا نہیں ہزارہاں وجہ سے کفر لازم، جسے یقین نہ آئے ہمارا رسالہ **الکوکبۃ الشھابیۃ** یا دیگر تحریرات **رائقۃ البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ** وغیرہا مطالعہ کرے۔ یہ طائفہ وہابیہ کہ اس کے پیرو، اس کے ہم مذہب اس کے کلمات کی تصحیح وتحسین کرتے اسے امام و پیشوا مقتدا مانتے ہیں، وہ سب کفریات ان پر بھی عائد، اعلام بقواطع الاسلام میں ہمارے علمائے کرام سے کفر متفق علیہ کی فصل میں منقول، مطبع مصر ص ۳۱:

من تلفظ بلفظ کفر یکفر وکذا کل من ضحك علیه اواستحسنه اورضی به یکفر[3]۔	جو کفر کا لف بولے کافر ہوا اسی طرح جو اس پر ہنسے یا اچھا سمجھے یا راضی ہو کافر ہوجائے۔

بحرالرائق ج ۵ ص ۱۲۴:

من حسن کلام اهل الاهواء وقال معنوی او کلام له معنی صحیح ان کان ذلك کفرا من القائل کفر المحسن[4]۔	جو بدمذہبوں کے کلام کو اچھا جانے یا کہے بامعنی ہے یا یہ کلام کوئی معنی صحیح رکھتا ہے اگر وہ اس قائل سے کلمہ کفر تھا تو یہ اچھا بتانے والا کافر ہوگیا۔

پھر ان کی عبارت دائی کہ جس مسلمان کو مقلد پائے شرک بتائیں بحکم احادیث صحیحہ وروایات مصححہ فقہیہ ان پر لزوم کفر کے لئے بس ہے، صحیح بخاری مطبع احمدی قدیم ج ۲ ص ۹۰۱، صحیح مسلم افضل المطابع ج ۱ ص ۵۷:

ایما رجل اوقال الاخیه کافر فقد باء بها احدهما	حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر فصل ثانی جنس خامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۷

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۹

[3] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبہ دار الشفقت استنبول ترکی ص ۳۶۶

[4] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۴

(زاد مسلم) ان کان کما قال والا رجعت علیہ[1]۔	وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے اگر جسے کہا سچ کافر تھا، تو خیر ورنہ یہ لفظ کہنے والا پر پلٹ آئے گا۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبع مصر ۱۲۷۶ھ ج ۲ ص ۱۵۶:

کذلك یا مشرك ونحوہ[2]۔	اسی طرح کسی کو مشرک یا اس کے مثل کوئی لفظ کہنا کہ جسے کہا وہ مشرک نہ تھا تو کہنے والا خود مشرک ہوگیا۔

ہم نے الکوکبۃ الشہابیہ اور نیز النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید میں ثابت کیا کہ یہ معنی خود احادیث سے ثابت اور تقویۃ الایمان اس دعوٰی کی مؤید، ۱عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۸: ۲ذخیرہ سے ۳برجندی شرح نقایہ مع لکھنو ج ۲ ص ۶۸، ۴جامع الرموز مطبع کلکتہ ۱۲۷۴ھ ج ۲ ص ۶۵۱ ۴ دونوں ۵فصول عمادی سے، ۶حدیقہ ندیہ ص ۱۴۰ و ۱۵۶ ۷احکام حاشیہ درر و غرر سے، ۸جامع الفصولین ج ۲ ص ۳۱۱ ۹قاضی خاں سے، ۱۰ردالمحتار مطبع استنبول ج ۳ ص ۲۸۳ ۱۱نہر الفائق سے ۱۲در مختار ص ۲۹۳، ۱۳شرح وہبانیہ سے ۱۴خزانۃ المفتین قلمی ج ۱ کتاب السیر آخر فصل الفاظ الکفر ۱۵بزازیہ ج ۳ ص ۳۳۱:

المختار للفتوی فی جنس ھذہ المسائل ان القائل بمثل ھذہ المقالات ان کان ارادالشتم و لایعتقدہ کافر ا لایکفر وان کان یعتقدہ کافرا فخاطبہ بھذا بناء علی اعتقادہ انہ کافر یکفر[3]۔	اسی قسم کے مسائل میں فتوے کے لئے مختار یہ ہے کہ مسلمان کو اس طرح کا کوئی لفظ کہنے والا اگر صرف دشنام دہی کا ارادہ کرے اور دل میں کافر نہ جانے تو کافر نہ ہوگا اور اگر اپنے مذہب کی رو سے اسے کافر سمجھتا ہے اس بنا پر یوں کہا تو کافر ہوجائے گا۔

در مختار: بہ یفتی[4] اسی تفصیل پر فتوی ہے۔ پر ظاہر کہ یہ لوگ اپنے مذہب واعتقاد کی رو سے مسلمانوں کو

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الرابع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۶

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۸، الحدیقۃ الندیۃ النوع الرابع من الانواع الستین السب الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۶، شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الحدود نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۸، ردالمحتار باب التعزیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۳

[4] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

مشرک کہتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ان کی کتب مثل تقویۃ الایمان وتنویر العینین وتصانیف بھوپالی وغیرہا میں جابجا مصرح تو حسب تصریحات مذکورہ فقہائے کرام ان پر لزوم کفر میں اصلا کلام نہیں، باقی تفصیل ہمارے رسائل **النھی الاکید والکوکبۃ الشھابیہ** وحصہ اول مجلد ششم **العطایا النبویہ فی الفتاوٰی الرضویہ** میں ہے، لاجرم علمائے مکہ معظّمہ کے سردار بقیۃ السلف عمدۃ الابرار خاتمۃ المحققین شیخ الاسلام والمسلمین زبدۃ الکبراء البلد الامین شیخنا وبرکتنا وسیدنا وقدوتنا علامہ سید شریف احمد زینی دحلان مکی رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنابہ وقدسنا بسرہ المکی نے کتاب مستطاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں کہ خاص اسی طائفہ کے رد میں تالیف فرمائی اور مطبع بہیہ مصر میں طبع ہوئی، ان گمراہوں کی نسبت تصریحا ارشاد فرمایا ص ۲۶:

ھٰؤلاء الملحدۃ المکفرۃ للمسلمین[1]۔	یہ ملحد کافر بے دین لوگ مسلمانوں کو کافر کہنے والے۔

ظاہر ہے کہ ملحد ایک فرقہ کفار ہے بلکہ جمیع فرق کفر کو شامل، ردالمحتار ج ۳ ص ۴۵۷ رسالہ علامہ ابن کمال پاشا سے:

الملحد اوسع فرق الکفر حدا[2]۔	ملحد تمام فرق کفار سے وسعت معنی میں زیادہ ہے۔

نیز علامہ سید شریف ممدوح نے فرمایا ص ۳۰:

امر الشریف مسعود ان یناظر علماء الحرمین العلماء الذین بعثوھم فناظروھم فوجدوھم ضحکۃ ومسخرۃ کحمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ ونظروا الی عقائدھم فاذا ھی مشتملۃ علی کثیر من المکفرات[3]۔	مکہ معظّمہ کے حاکم حضرت مسعود رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے علماء حرمین شریفین کو حکم دیا کہ وہابیوں کے مولویوں سے جو ان کے امام شیخ نجدی نے بھیجے ہیں مناظرہ کریں، علمائے کرام نے ان ملوں سے مناظرہ فرمایا تو انھیں پایا کہ نرے مسخرے ہنسنے کے قابل ہیں جیسے بھڑکے ہوئے گدھے کہ شیر سے بھاگے ہوں، اور ان کے عقائد کو غور فرمایا تو ان میں بہت باتیں وہ پائیں جن کا قائل کافر ہے۔

اسی رسالہ مبارکہ میں ص ۳۲ سے ۳۵ تک بہت حدیثیں نقل فرمائیں جن میں اسی فرقہ وہابیہ کے خروج کی خبر آئی ہے ان میں بھی جابجا ان کے کافر اور دین اسلام سے یکسر خارج ہونے کی تصریح ہے اس میں ان کے

[1] الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ مکتبۃ دار الشفقت ترکی ص ۳۸

[2] ردالمحتار باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۹۶

[3] الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ مکتبۃ دار لشفقت ترکی ص ۴۳ و ۴۴

معلم اول شیخ نجدی کی نسبت فرمایا ص ۲۷: "فَبُهِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ ؕ"[1] مدہوش ہو گیا کافر۔

بالجملہ اس میں شک نہیں کہ اس گروہ ناحق پژدہ ہزاروں وجہ سے کفر لازم، اور جماہیر فقہائے کرام کی تصریحیں ان کے صریح کفر پر حکم۔

نسأل الله تعالٰی العفو والعافیه فی الدین والدنیا والاخرة۔	ہم اللہ تعالٰی سے دین اور آخرت میں عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔(ت)

تنبیہ نبیہ: یہ حکم فقہی متعلق بکلمات سفہی تھا مگر اللہ تعالٰی کے بے شمار رحمتیں بے حد برکتیں ہمارے علمائے کرام عظمائے اسلام معظمین کلمہ خیر الانام علیہ وعلیہم والسلام پر کہ یہ کچھ دیکھتے وہ کچھ سخت وشدید ایذائیں پاتے اس طائفہ کے پیر وپیرو سے ناحق ناروا بات پر سچے دل سے مسلمانوں خالص سنیوں کی نسبت حکم کفر وشرک سنتے،ایسی ناپاک وغلیظ گالیاں کھاتے ہیں بااینہمہ نہ شدت غضب دامن احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑاتی، نہ ان نالائق ولایعنی خباثتوں پر قوت انتقام حرکت میں آتی ہے، وہ اب تک یہی تحقیق فرمارہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے، فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ، نے اس مبحث کا قدرے بیان آخر رسالہ **سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح** ۱۳۰۷ھ میں کیا اور وہاں بھی باآنکہ اس امام وطائفہ پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا، حکم کفر سے کف لسان ہی لیا۔

بالجملہ اس طائفہ حائفہ خصوصاً ان کے پیشوا کا حال مثل یزید پلید علیہ ماعلیہ ہے کے محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، ہاں یزید مرید اور ان کے امام عنید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں اور ان حضرات سے یہ سب کلمات کفر اعلٰی درجہ تواتر پر ہیں، پھر اگرچہ ہم براہ احتیاط تکفیر سے زبان روکیں ان کے رخسار وبوار یہ کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمہ کرام فقہائے السلام کے نزدیک ان پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، **والعیاذ باللہ القیوم الدائم**، امام ابن حجر مکی قواطع میں فرماتے ہیں:

انه یصیر مرتدا قول جماعة وکفی بھذا خسارا و تفریطا[2]۔	وہ ایک جماعت کے قول پر مرتد ہو جائیگا اور یہ اس کے خسارہ اور سرکشی کو کافی ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۸

[2] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ دار الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۶۲

اللہ عزوجل پناہ دے اور دین حق پر دنیا سے اٹھائے، آمین! والحمد اللہ رب العالمین، واللہ سبحنہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

الحمد للہ جواب مفصل سے یہ چند سطور کا التقاط مع بعض نفائس زیادات کہ غرہ جمادی الآخرہ روز جمعہ مبارکہ ۱۳۱۲ھ کو آغاز و انجام ہوا، بجائے خود بھی اس باب میں کافی ووافی کلام ہوا، لہٰذا بلحاظ تاریخ سل السیوف الھندیۃ علی الکفریات بابا النجدیۃ عـــہ نام ہوا،

صلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولٰینا محمد والہ وصحبہ اجمعین والحمد اللہ رب العالمین۔

کتبـــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا بریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبد المصطفٰی

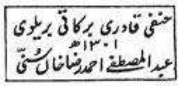

مسئلہ ۳۱: از جی آئی پی ریلوے اسٹیشن بھوساول مسئولہ عبدالباسط ۱۳/ رمضان ۱۳۳۹ھ

مسلمانوں نے اتفاق کیا کہ جو مسلمان نماز نہ پڑھے گا وہ برادری سے خارج سمجھا جائے گا اس پر چند افراد جو نماز و روزہ وحج وزکوۃ کے پابند نہ ہوں عالم کے سمجھانے پر بھی نہ مانیں اور کہیں کہ پہلے شرابیوں اور زانیوں کو برادری سے خارج کرنا یہ ضرور اور فرض ہے سوااس کے نصیحت کرنے والے عالم کو کہیں کہ تم جھوٹے ہو اور تم پر خدا کی لعنت ہے حالانکہ وہ عالم ان کا امام ہے تو ایسے بے نمازیوں کو ابھارنے اور جرات دینے والے اور باوجود تاکید عالم کو جھوٹا اور لعنتی بنانے والے مسلمان (بے نمازیوں) کو شرع شریف کے موافق کیا تنبیہ ہونی چاہئے؟ ایسا کہنے والے ایمان سے خارج ہوچکے اور انھیں تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرانا ضرور ہے یا نہیں؟ اگر ایسے اشخاص اپنی بات رکھنے کے لئے نادانی سے یا مغروری سے استفتاء

عـــہ: قال الصاحب جمال الدین بن مطروح: ان کان باباکم بذا راضیاء فرب غش قداتی من تصیح وقال غیرہ: ورام باباھم مامورا فاخلفت ظنہ المقادر نقلھما فی حرف الباء من فوات الوفیات ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	الصاحب (جمال الدین بن مطروحی نے کہا: اگر تمھارا بابا اس پر راضی ہے تو بسا اوقات کھوٹا بھی کھری آواز دیتا ہے۔ اور کسی دوسرے نے کہا: تمھارے بابا نے کسی مامور کا قصد کیا تو پیمانوں نے اس کا اندازہ غلط کیا۔ دونوں شعر فوات الوفیات کے حرف باء میں اس نے نقل کئے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

نہ پڑھیں نہ تجدید نکاح شرم سے کریں اور مرجائیں تو مسلمان ایسوں کی میت میں جائیں اور قبرستان میں دفن کریں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ لوگ سخت اشد کبیرہ کے مرتکب ہوئے، مورد غضب جبار ہیں، مستحق نار ہیں، مستحق لعنت پروردگار ہیں، مگر اتنی بات پر صاف حکم کفر ان پر نہیں ہوسکتا، اگر مرجائیں تو ان کے ساتھ اسلامی برتاؤ فرض ہوگا ہاں اگر کوئی خاص مکالمہ ایسا تھا جس پر یہ جواب دینا موجب کفر ہو تو اس کا ذکر سائل نے نہ کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲: از درنگر دایا مسانہ گجرات گاڑیکے دروازہ بنجارہ چاندا رسول کے پاس والا مکان مسئولہ عبدالرحیم احمد آبادی ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر الزام لگانا اور ان کو اپنے جیسا جاننا کفر ہے یا نہیں؟ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو وقت زید وعمر میں جھگڑا ہوا، عمرو نے زید کے پاس ایک رقعہ بھیجا جس کی نقل یہ ہے، قولک مجھ کو اس کا مطلق رنج نہیں، اقوال یہ بات تو سراسر غلط ہے کیونکہ سب وشتم اور برا کہنے سے مانند مقناطیس کے جس طرح لوہے میں اثر پیدا کرتا ہے اسی طرح دل پر اثر ہو جاتا ہے، خواص ہوں یا عوام، نبی ہو یا ولی سب کے دل پر غم تو ضرور سرایت کرتا ہے، دیکھئے ہمارے پیشوا فخر عالم محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم کو کفار قریش کی ایذادہی وطعن زنی کی وجہ سے دل پر غم وحزن کا صدمہ از حد پہنچا تھا ہر وقت غم کی تسلی کے لیئے اللہ جل شانہ نے وقتاً فوقتاً جبریل علیہ السلام کی معرفت نازل فرمایا، جیسے قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾"[1]۔	اور اے محبوب تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان کا غم نہ کھاؤ اور ان کے فریبوں سے دل تنگ نہ ہو۔ (ت)

اب فرمایئے یہ الفاظ کفریہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجر پائے۔ ت)

الجواب:

سوال کی تفصیل سائل نے تحریر کی اس کے دیکھنے سے یہ الزام ثابت نہیں ہوتے کہ اس نے **معاذ اللہ** حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر الزام رکھنا چاہا، یا **عیاذاً باللہ** حضور کو اپنے جیسا جانا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۲۷

مسئلہ ۳۳۳: از مدراس بتوسط جناب سید شاہ مخدوم محی الدین صاحب قاری نائب متولی مسجد والا جاہی ترلکھیڑی مسئولہ جناب شاہ محمد حسین صاحب قادری نائب قاضی اہلسنت مدراس ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

حضرت مولانا المحترم دام فیضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی، ایک استفتاء بغرض جواب مرسل خدمت گرامی ہے، امید کہ جلد جواب باصواب مرحمت فرمائیں گے کیونکہ مدراس میں ایک شخص جو اپنے آپ کو قومی لیڈر کہلواتا ہے اور اپنے اخبار میں ہمیشہ بزرگان دین کی توہین کرتا ہے جس کے سبب قوم میں تفرقہ پڑرہا ہے اس کی تنبیہ اور خلق اللہ کی ہدایت کے لئے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے امید کہ جواب سے سرفراز فرما کر عنداللہ ماجور رہوں گے

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین کہ ایک مدراسی پرچہ نویس فاتحہ دلانے والوں پر شرانگیزی کرتا ہے جس کے خیالات یہ ہیں: "فاتحہ بدعت اور زیارت تربتہائے مطہرہ قبرپرستیاں اور اس کی تحریر سے حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فاتحہ دلانے والوں اور متبرک طعام کھانے والوں کو نام کی پوجا قبر کی پرستش کرنے والوں، خلافت کا خون پینے والے اور حضرت غوث الاعظم کی پاک ہڈیوں کو چبانے والے سنایا جارہا ہے، ۱۱ ربیع الآخر کے اخبار میں لکھا ہے: "آج اس کے مریدوں اور متعقدوں کو یہ حال ہے کہ نام کی پوجا اور قبر کی پرستش کررہے ہیں مگر خلافت کا خون پی رہے ہیں، حضرت غوث اعظم کی پاک ہڈیوں کو چبارہے ہیں، الخ" ۲ ربیع الاول کے پرچہ میں لکھا کہ: ان بدمعاشوں کو اس پر رونا نہیں آتا کہ حضرت شاہ بغداد کی روح کو کافروں نے ذلیل کیا ہے" اور ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کے پرچے میں لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے: " جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے کہ اجل کا فرشتہ بندر بن کر شاہ یونان کو کاٹا۔" ۱۵ ماہ محرم ۱۳۳۷ھ کے پرچے میں لکھا ہے: "اذان میں **محمد** رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سن کر انگوٹھے چوم لینا یا موئے مبارک کی زیارت کرلینا یا آثار خانہ کے روبرو سے گزرتے ہوئے گردن جھکا دینا یا جمعہ یا جمعرات کو فاتحہ کرلینا یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اطاعت نہیں۔" ایسے شخص کے لئے شرع شریف میں کیا حکم کرتی ہے، ایسے شخص کو مولانا، فخر قوم، فخر مسلمانان، لیڈر قوم کا لقب دینا دائرہ اسلام میں کوئی خدمت عطا کرنا اس کی تائید واعانت کرنا اس سے راہ ورسم رکھنا اس کا وعظ کرانا اس کا اخبار خریدنا کیا حکم رکھتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فاتحہ کو بدعت کہنا، زیارات مزاراتِ طاہرہ کو قبرپرستی بنانا، نیاز حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم

رضی اللہ تعالٰی عنہ کو نام کی پوجا کہنا، تعظیم آثار شریفہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حضور کی اطاعت نہ ماننا، یہ سب شعار وہابیت ہیں اور وہابیہ گمراہ بددین بلکہ کفار ومرتدین ہیں، **کما حققناہ فی غیر ما کتاب** (جیسا کہ ہماری متعدد کتب میں اس کی تفصیل ہے۔ت) روح اقدس حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت وہ ناپاک کلمہ تذلیل لکھنا کذب وقبیح و توہین صریحہ ہے ان کے غلامان غلام کی روح کو تمام جہان کے کفار ومشرکین ووہابیہ ومرتدین مل کر ذلیل نہیں کر سکتے۔

"وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۠ ۝۸ "[1]۔	عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں (ت)

حضرت ملک الموت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بندر کاٹنے کا لفظ ملک مقرب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ک توہین ہے کفر مبین ہے، ایسے شخص کو مولانا وفخر مسلمانان اور ہادی ورہبر قوم ماننا اگر اس کے اقوال پر اطلاع کے بعد ہے خود کافر وموجب غضب رب ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتقولوا للمنافق سیدنا فانہ ان یکن سیدکم فقد اسخطتم ربکم[2]۔	منافق کو "اے ہمارے سردار" نہ کہو کہ اگر وہ تمھارا سردار ہوا تو تم نے اپنے رب کا غضب اپنے سر لیا۔

فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر ودر مختار وغیرہا میں ہے: **تبجیل الکافر کفر**[3] (کافر کی توقیر کفر ہے۔ت) انھیں میں ہے: **لو قال لمجوسی یا استاذ تبجیلا کفر**[4] (اگر مجوسی کو "اے استاد" توقیرا کہا تو کفر ہے۔ت) اس کا واعظم کرانا حرام ہے، تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم	کیونکہ اس کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث بریدۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۴۷-۳۴۶، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب لایقول المملوک آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۴

[3] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸، درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[4] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸، درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

اھانۃ شرعا[1]۔	مسلمانوں پر شرعا اس کی توہین لازم ہے۔(ت)

اسلام کی کوئی خدمت اسے سپرد کرنا جس میں وہ مسلمانوں کا راز دار یا بعض مسلمانون کا سردار بنے سخت حرام ہے

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! غیر کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔

ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب ایک کافر کو اپنا محرر بنانا چاہا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں فرمان بھیجا:

لااکرمھم اذا اھانھم اللہ و لااعزھم اذا اذلھم اللہ ولا ادینھم اذا ابعدھم اللہ[3] وفی اخرٰی لیس لنا ان ناتمنھم وقد خرنھم اللہ ولا ان نرفعھم وقد وضعھم اللہ[4]۔	میں کافر کو گرامی نہ کروں گا جب کہ انھیں اللہ نے خوار کیا، نہ انھیں عزت دوں گا جب کہ انھیں اللہ نے ذلیل کیا، نہ ان کو قرب دوں گا جب کہ انھیں اللہ نے دور کیا، دوسری روایت میں ہے ہمیں روا نہیں کہ کافروں کو امین بنائیں حالانکہ اللہ تعالٰی انھیں خائن بتاتا ہے یا ہم انھیں رفعت دیں حالانکہ اللہ سبحانہ، وتعالٰی نے انھیں پستی دی۔

درمختار میں ہے:

یمنع من استکتاب ومباشرۃ یکون بھا معظما عند المسلمین[5]۔	اسے کتابت اور ایسے کام سے روک دیا جائے گا جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے ہاں معظم ٹھہرے۔(ت)

اس کی تائید واعانت حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ"[6]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور حد سے بڑھنے پر مدد نہ دو۔

[1] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۲

[4] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۲

[5] درمختار باب فضل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

[6] القرآن الکریم ۵/ ۲

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خلع من عنقه ربقة الاسلام[1]۔	جو دانستہ کسی ظالم کے ساتھ اسے مدد دینے چلے بیشک اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔

اس سے راہ ورسم میل جول رکھنا حرام ہے،

قال اللہ وتعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[3]۔	ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اس کا اخبار بطور پسند خرید نا ہرگز جائز نہیں جب کہ وہ ایسی ناپاک و مخالف دین باتوں پر مشتمل ہوتا ہے

قال اللہ تعالٰی "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۖۗ وَّ یَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝۶"[4]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے کچھ لوگ لغو باتیں خریدتے ہیں کہ ان کے سبب براہ جہالت خدا کی راہ سے بہکادیں اور اسے ہنسی بنالیں ان کے لئے ہے ذلت دینے والا عذاب۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/ ۲۲۷، شعب الایمان حدیث ۷۶۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۲۲
کنز العمال حدیث ۱۹۵۵ ۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۸۵، الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۷۰۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۵۴۷

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] صحیح مسلم باب نہی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[4] القرآن الکریم ۳۱/ ۶

مسئلہ ۳۴: ازپڑاوہ علاقہ ریاست ٹونک محلّہ سلطان پورہ مسئولہ ابراہیم ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے ہاتھوں سے تعزیہ بناتاہے اور پرستش جیسے افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں یعنی منت وغیرہ ماننا، اس شخص میں اور بت پرست میں کیافرق ہے؟ اس کی زوجہ اس کے نکاح میں رہی یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

تعزیہ بنانا ناجائز ہے مگر ہرگز کوئی مسلمان اس کی پرستش نہیں کرتا نہ اسے معبود جانتاہے، یہ مسلمان پر شدید بدگمانی ہے اور بدگمانی حرام، اور وہ منتیں کہ مانی جاتی ہیں عرفی یا اختراعی ہیں شرعی نہیں، بلکہ خود نذر شرعی کے عبادت ہونے میں کلام ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں نذر ماننے سے منع فرمایا اور عبادت سے منع نہیں کیا جاتا۔ صحیحین میں ابوہریرہ وعبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتنذروا فان النذر لایغنی من القدر شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل[1]۔	نذر نہ مانو تقدیر کے آگے نذر کچھ کام نہیں دیتی اس سے تو فقط اتنا ہوتا ہے کہ بخیل سے مال نکال لیا جاتا ہے۔

اولیاء کے لئے نذر عرفی ف صدہاسال سے مومنین وصالحین میں معمولی ہے جس کا بیان ہماری کتاب "**السنیۃ الانیقہ فی فتاوی افریقہ**" میں ہے غرض اس کی زوجہ کا اس کے نکاح میں نہ رہنا محض بلاوجہ خیال باطل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵: از غازی پور یوپی مسئولہ قاضی محمود احمد صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ایسے شخص کی امامت کے بارے میں جو خلافت اسلامیہ کی تباہی اور مقامات مقدسہ پر قبضہ ہونے اعدائے دین اسلام کی مسرت میں شرکت کرتا ہو اور مصیبت زدہ مسلمان کوئی ایسی تدبیر کرتے ہوں جس سے خلافت اسلامیہ کا وقار قائم ہوجائے اور جزیرۃ العرب پر اسلامی حکومت قائم ہوجائے تو مسلمانوں کے خلافت قاتلان اسلام کی نہ صرف امداد کرتا ہو بلکہ ان کی

---

[1] صحیح مسلم کتاب النذر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۴

ف: نذر عرفی اور نذر فقہی کی وضاحت فتاوٰی رضویہ جلد ۱۳ مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاہور کے ص ۵۹۷ پر مسئلہ ۲۴۹ کے تحت فتاوٰی افریقہ سے نقل کردی گئی ہے اسے وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۱۲

تحسین و تبریک اور ایسی مجالس میں شرکت کرتا ہوں جو خلافت کی تباہی و بربادی کے واسطے کی جاتی ہوں، اس سے تمام اہل اسلام کے قلوب متنفر ہوں کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ باتیں واقعی ہیں کہ وہ معاذاللہ شکست اسلام پر مسرت کرتا ہے اور قاتلان مسلمین کی تحسین، تو اس کی قابلیت امامت درکنار اس کے اسلام ہی میں کلام ہے، باقی وہ ناجائز طریقے جو مدعیان حمایت نے نکال رکھے ہیں اور جس میں مشرکین سے محبت و وداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامی وانقیاد برت رہے ہیں، وہ سب مخالف قرآن عظیم ہیں، مسلمانوں کو ان سے جدائی فرض ہے،

قال اللہ تعالٰی "لَاتَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم نہ پاؤ گے انھیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ وقیامت پر کہ اللہ ورسول کے مخالفوں سے دوستی کریں اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہوں۔

اور فرماتا ہے:

"وَلَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِیِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ"[2]۔	اور اگر انھیں اللہ اور نبی اور قرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں کو اپنا دوست یا مددگار نہ بناتے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶و ۳۷: از سہسرام محلّہ پرتالہ ضلع آرہ مسئولہ قدرت اللہ صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اثنائے تقریر میں کہا کہ غلاف کعبہ جلادیا گیا، دوسرے نے کہا کیا ہوا دوسرا غلاف آجائے گا۔ اس پر کہا گیا کہاں سے آئے گا، قسطنطیہ سے تو نہیں آسکتا۔ تو اس نے جواب دیا کیا کعبہ کو جاڑا لگتا ہے، ایسا کہنے والے کے لئے عندالشرع کیا حکم ہے؟

(۲) خلیفۃ المسلمین کے لئے احکام کو ماننا یا ان کی مدد کرنا ان کے وقار کو قائم رکھنا اندر حدود والوں پر فرض ہے یا ہندوستانیوں پر بھی؟ **بینوا توجروا۔**

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۸۱

الجواب:

(۱) اس کے کلام سے استہزا مترشح ہوتا ہے اس پر توبہ فرض ہے، اور اگر معاذاللہ فی الواقع کعبہ معظّمہ سے استہزا مقصود ہو تو کفر ہے۔

(۲) احکام سلطانی اس کے قلمرو تک ہیں اور اعانت وحمایت ابتداءً اس ملک والوں پر ہے اور وہ عاجز ہوں یا نہ کریں تو قریب والوں پر یونہی منتہائے دنیا تک، مگر ہر فرض بقدر استطاعت ہے اور ہر مطالبہ بقدر قدرت، بحالت موجودہ ہندوستانیوں کو جہاد قائم کرنے کی اجازت شرع میں نہیں۔ **کما ھو مبین فی المحجه المؤتمنة** (جیسا کہ **المحجة المؤتمنة** میں اس کا تفصیلی بیان ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۸: از سرکار اجمیر مقدس لنگر گلی مسئولہ حکیم غلام علی صاحب ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

اگر کوئی مولوی اپنے مدرسہ کے دروازے پر اور خلافت کے بورڈ پر اور خلافت کی ٹوپی پر اور خلافت کی رسید پر فقط اجمیر لکھے کیا اجمیر کے ساتھ شریف نہ لکھنا اور اصلی نام غلام معین الدین پر غلام نہ لکھا خلاف عقیدہ اہلسنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اجمیر شریف کے نام پاک کے ساتھ لفظ شریف نہ لکھنا اور ان تمام مواقع میں اس کا التزام کرنا اگر اس بنا پر ہے کہ حضور سید ناخواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جلوہ افروزی حیات ظاہری ومزار پر انوار کو (جن کے سبب مسلمان اجمیر شریف کہتے ہیں) وجہ شرافت نہیں جانتا تو گمراہ بلکہ عدو اللہ ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

من عادٰی لی ولیًا فقد اٰذنته بالحرب[1]۔	جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی اس کے خلافت میرا اعلان جنگ ہے۔ (ت)

اور اگر یہ ناپاک التزام بربنائے کسل وکوتاہ قلمی ہے تو سخت بے برکتا اور فضل عظیم وخیر جسیم سے محروم ہے **کما افادہ الامام المحقق محی الدین ابوزکریا قدس سرہ فی الترضی** (جیسا کہ امام محقق محی الدین ابوزکریا قدس سرہ نے ترضی میں بیان فرمایا ہے۔ت) اور اس کا مبنٰی وہابیت ہے تو وہابیت کفر ہے، اس کے بعد ایسی باتوں کو کیا شکایت ع

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۲ و ۹۶۳

ماعلی مثله بعد الخطاء

(خطاء کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ت)

اپنے نام سے لفظ غلام اس بناپر ہے کہ حضور خواجہ خواجگان رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم کا غلام بننے سے انکار واستکبار رکھتا ہے، تو بدستور گمراہ اور بحکم حدیث مذکورہ عدواللہ ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم، قال اللہ "اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ" [1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: کیا نہیں جہنم میں ٹھکانا متکبرین کا۔ت) اور اگر بربنائے وہابیت ہے کہ غلام اولیائے کرام بننے والوں کو مشرک اور غلام محی الدین وغلام معین الدین کو شرک جانتاہے تو وہابیہ خود زندیق، بے دین، کفار و مرتدین ہیں "وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ" [2] (اور کفار کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹: از رانی کھیت محکمہ ملٹری وائس مسئولہ ثناء اللہ سب اوورسیئر ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے کہا کہ تمھارا رکوع، سجود بالشرع نہیں ہے، اس پر اس نے فورًا یہ کہا یہ آج سے القط ہے، جو آج سے نماز پڑھے وہ مادر......... ہے اور اس سے کہا کہ تم نے داڑھی منڈوائی تو کہا کہ سنت ہے، ایسے شخص پر کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس کا دوسرا لفظ کہ داڑھی منڈوانے کے جواب میں کہا سنت ہے، اگر داڑھی منڈوانے کو سنت کہا تو ضرور کلمہ کفر ہے، اور اگر یہ مطلب تھا کہ داڑھی رکھنا صرف سنت ہے، فرض واجب نہیں کہ اس کے ترک سے میں نے گناہ کیا تو اگرچہ اس کا یہ جواب شیطانی ہے مگر کفر سے بچ جائے گا، لیکن وہ گالی جو اس نے نماز پڑھنے والے کو دی ضرور کلمہ کفر ہے اس پر فرض ہے کہ نئے سرے سے مسلمان ہو پھر عورت کو رکھنا چاہے تو اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰: از قصبہ رچھا روڈ ضلع بریلی مسئولہ حکیم محمد احسن صاحب ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں پر کسی فعل ناجائز کے سبب کفر کا فتوٰی دینا جائز ہے یا نہیں ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۳۹ /۶۰

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۵

الجواب:

فعل ناجائز کہ صرف گناہ ہو محض اس کی وجہ سے کفر کا فتوی دینا سید و غیر سید کسی پر بھی جائز نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱ تا ۴۲: از جمشید پور ڈاک خانہ خاص ضلع سنگھ بھوم آفس کار کمپے مسئولہ حمید اللہ ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

(۱) مسلمان یا ہندو کسی مسلمان کا نام لے کر کہیں کہ فلاں شخص کی جے۔ جیسے شوکت علی محمد علی کی جے، یہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) شوکت علی وغیرہ کے مجلسوں میں جانا درست ہے یا نہیں؟ اور لفظ مہاتما کہنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جے جو کافر بولتے ہیں جیسے گاندھی وغیرہ کی یا عام ہنود کی، یہ بحکم فقہائے کرام کفر ہے، درمختار وغیرہ میں ہے: **تبجیل الکافر کفر** [1] (کافر کی تعظیم کفر ہے۔ت) یونہی جو نام کا مسلمان حد کفر تک پہنچ گیا ہو اس کی جے کا بھی یہی حکم ہے، اور مسلمان کی جے بولنا بھی منع ہے کہ کفار سے مشابہت ہے۔

(۲) مشرک کو مہاتما کہنا حرام ہے بلکہ بحکم فقہائے کرام کفر ہے اور ان کے جلسوں میں جانا ناجائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: از محلّہ سوداگران مسئولہ حضرت ننھے میاں صاحب مد ظلہم ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے یہ رکوع "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ" [2] (اے اہل ایمان! ہو جاؤ اللہ تعالٰی کے مددگار۔ت) پڑھا پھر **من بنی اسرائیل** کی جگہ **منکم** کہہ گیا۔ زید نے بعد سلام کہا کہ قرآن عظیم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرماتا ہے: اللہ کے مددگار ہو جاؤ، پھر بنی اسرائیل کی حالت دکھائی جاتی ہے کہ ایک گروہ ان میں سے ہمارا فرمانبردار ہوا اور ایک فرقہ نے کفر کیا منکم کی ضمیر گویا انصار اللہ ک طرف تم نے راجع کی تو **معاذاللہ** صحابہ کے دو گروہ ہوگئے

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[2] القرآن الکریم ۶۱/ ۱۴

اس پر امام نے جواب دیا کہ قرآن عظیم عامہ مسلمین سے بھی خطاب فرماتا ہے کفار سے بھی خطاب فرماتا ہے اگر ایسا نہیں یعنی مخاطبہ اس کا صرف صحابہ کرام ہی سے ہو تو اوامر اونواہی سب اٹھ جائیں گے اور کوئی کافر کافر نہ رہے گا۔ اور یہ کہہ دے گا کہ ہم کو کوئی حکم نہیں پہنچا، اس پر زید نے کہا کیا ہم کمینے اس قابل نہیں کہ قابل نہیں کہ قرآن عظیم ہم سے مخاطبہ فرمائے، صحابہ سے اس نے خطاب فرمایا ان کے صدقہ میں ہم کو ملا، عالمگیر دنیا کا بادشاہ ایک چمار سے بات کرنے میں اپنی تذلیل سمجھے گا۔ ہماری نسبت قرآن عظیم سے وہ نہیں جو چمار کو علمگیر سے ہے، کافروں سے مخاطبہ نہیں بلکہ ان کو جھڑکیاں دینا ہے

"وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۝۵۹ "[1] (اور جدا ہو جاؤ آج کے دن اے مجر مو۔ت) یہ جھڑکی ہے یا مخاطبہ، شہنشاہ مجرم بدمعاش بدکار کو حکم سزا سنایا کرتا ہے اس کو کلام نہیں کہتے، صحابہ کرام کے پاک ذکر میں طغیان کلام میں یہ بھی زید کے منہ سے نکل گیا کہ اگر وہ ایسی جان نثاری اور ایسی کوششیں نہ فرماتے تو مورخین تاریخ میں لکھ دیتے کہ ایک صاحب پیدا ہوئے اور انھوں نے یہ دعوی کیا، ان پر کتاب اتاری گئی اس کے سوا اور کچھ پتا نہ چلتا۔ یہ انھیں کی جانبازیوں کا نتیجہ ہے جو ہم مسلمان ہیں، ان کا احسان اسلام پر قرآن پر اور سب پر، اگر معاذاللہ احسان سے قائل کی نیت اس وقت غصہ یا حماقت کے سبب منت نہادن ہو تو اس کی نسبت کیا حکم ہوگا حالانکہ زید کے اندر کے دل کا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن عظیم پر کسی کا احسان نہیں حتی کہ جس اکرم الاکرمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اس نے نزول اجلال فرمایا ان کا بھی کوئی احسان اس پر نہیں بلکہ اسی کے احسانات بے نہایت ہیں، وہ اپنے عقیدے میں روح ایمان کے طریقہ پر رکھتا ہے کہ اس کی ایک آیت کریمہ خود حضور پر نور سید المرسلین نبی الانبیاء اور جمیع مخلوقات الٰہی سے افضل تر ہے کہ وہ باری عزوجلالہ کی صفت کریمہ ہے اور یہ مخلوق وہ قدیم ہے اور یہ حادث اور وہ نماز ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز تو یقینا ہو گئی، ضمیر منکم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کو پھرنی کچھ ضرور نہیں، التفات بھی ہو سکتا ہے، اور پھرے بھی تو حرج نہیں، بعض کہ اس وقت **الذین امنوا** اور بظاہر صحابہ میں داخل تھے **معاذاللہ** بعد کو مرتد ہو گئے جن سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قتال فرمایا جس کا ذکر آیہ کریمہ:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ	اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۵۹

وَیُحِبُّوْنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاہِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۴﴾ "[1]	وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا، مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی کی ملامت کرنے والے کی ملامت اندیشہ نہ کریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

یہاں بھی یاایھاالذین اٰمنوا سے خطاب فرمایا اور انھیں میں سے بعض معاذاللہ مرتد ہوئے، اور وہ اللہ کے پیارے صدیق اکبر اور ان کے پیرو ہوئے، زید کا کہنا کہ خطاب الٰہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے اور ہم بالطبع داخل ہیں بہت صحیح ہے، اور واقعی قرآن کریم کفار سے زجر کے سوا خطاب کم فرماتا ہے، غالبا اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ ان سے یوں فرمادو، "قُلْ یٰۤاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ ﴿۱﴾ "[2]، "قُلْ یٰۤاَہْلَ الْکِتٰبِ "[3]، "قُلْ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ ہَادُوْۤا "[4]، "قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا "[5] وغیر ذالک۔ پھر بھی بعض جگہ سوائے زجر بھی قرآن عظیم نے بنفس نفیس ان سے خطاب فرمایا ہے۔

قال تعالٰی "یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۸﴾ "[6]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے وہ لوگوں جو موسی وعیسٰی پر ایمان کا نام لیتے ہو، یعنی یہود ونصاری اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تمھیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمھارے لئے نور کردے گا جس سے صراط پر چلو اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

معالم شریف میں ہے:

یاایھاالذین اٰمنوا اتقواللہ. الخطاب لاھل الکتابین من الیھود والنصارٰی یقول یاایھاالذین اٰمنوا بموسی وعیسی	اے اہل ایمان! اللہ کا تقوی اختیار کرو، یہ یہود ونصارٰی اہل کتاب کو خطاب ہے فرمایا اے وہ لوگو! جو موسٰی وعیسی پر ایمان لائے

---

[1] القرآن الکریم ۵ /۵۴

[2] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱

[3] القرآن الکریم ۳/ ۹۸

[4] القرآن الکریم ۶۲/ ۶

[5] القرآن الکریم ۳/ ۱۲

[6] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۸

اتقوا اللہ فی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	تمھیں حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں ڈرنا چاہئے۔(ت)

زید نے جو کچھ مدح صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں کہا سب حق ہے اور سچی محبت صحابہ سے ناشی ہے اور وہ لفظ احسان کہ اس کی زبان سے نکلا اس کی توجیہ نہایت صاف وآسان ہے، قرآن مصحف کریم کو بھی کہتے ہیں، اس قرآن مجید کا ہدیہ کیا ہے، فلاں نے قرآن عظیم کو ہبہ کیا، یا فلاں مسجد پر وقف کیا، یا قرآن کریم کی جلد بندھواؤ، یا چولی چڑھاؤ، یا غلاف سی دو، ان تمام محاورات میں قرآن سے مصحف ہی مراد ہے، اور بلاشبہ یہ محاورہ عام شائع متعارف ہے اور مصحف یعنی یہ اوراق اور ان پر یہ نقوش ساتی روشنائی ضرور حادث وجنس مخلوق ہے، اور اجلہ کا اس سے افضل ہونا ممکن نہ ہو یہ کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں بلکہ جب جنگ صفین میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کے حضور قرآن عظیم بلند کیا گیا فرمایا: **ھذا مصحف صامت وانا مصحف ناطق**[2]۔ یہ خاموش قرآن ہے اور میں قرآن ناطق ہوں۔ اگر قرآن سے زید کی یہی مراد تھی تو اس پر کچھ الزام نہیں اور اس کا وہ بیان کہ میں قرآن کو ایسا جانتا ہوں، استدراک ودفع وہم ہوگا، یعنی قرآن حقیقی کی نسبت تو میرا یہ اعتقاد ہے جو حرف بحرف ہے، مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اکرم الاولین کہنے کی اجازت نہیں، یہ نام پاک عرف میں رب العزت کے لئے ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکرم الاولین والآخرین ہیں، غرض زید کی نسبت حکم فتوٰی تو یہ لکھا کہ اس کا کلام معنی صحیح رکھتا ہے، اور وہ کسی سخت الزام کا مورد نہیں ______ لیکن وہ اپنی نیت کو خوب جانتا ہے اور اس کا رب اس سے اعلم، اگر یہ کلمہ اس نے قرآن حقیقی قدیم ہی کی نسبت کہا ہو تو اس صورت میں ضرور حکم سخت ہوا، اس تقدیر پر تجدید اسلام لازم ہوگی پھر اس کے بعد تجدید نکاح وبیعت وحج کے احکام، قرآن عظیم غنی عن العلمین ہے، وہ اس سے پاک ومنزہ ہے کہ تمام عالم میں اس کا اس پر کچھ احسان ہو، اگر سارا جہان کفر کرتا اس کی عظمت میں ذرہ بھر فرق نہ آتا اور اگر سارا جہاں ایمان لے آئے اس کی عظمت میں ذرہ بھر اضافہ نہ ہو کہ اس کی عظمت نامحدود ہے اور نامحدود پر اضافہ محال، بالجملہ یہ معاملہ زید اور اس کے رب میں ہے شرعاً اس پر کوئی الزام نہیں کہ صاف تاویل موجودہ ہے، ہاں حفظ زبان کی احتیاط لازم، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] معالم التنزیل علی ہامش الخازن تحت آیۃ یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ الخ مصطفی البابی الحلبی المصر ۷/ ۴۰

[2]

مسئلہ ۴۴: از میرٹھ کوٹھی سید محمد حسین صاحب بیرسٹر مسئولہ محمد مجتبٰی خاں ۱۵ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تبلیغ خلافت کی غرض سے جامع مسجد میں ایک جلسہ ہوا جس میں ہنود بھی شریک ہوئے، دوران تقاریر میں مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے اور ہنود نے بندے ماترم، مہاتما گاندھی کی جے، تلک مہاراج کی جے کے نعرے لگائے، کیا ہنود کو مساجد میں اس قسم کے نعرے لگانا جائز ہے؟ اور اگر بعض مسلمانوں نے خود اپنی زبان سے اسی مقام پر دوران تقاریر میں اہل ہنود کے ساتھ یا خود پیش قدمی کرتے ہوئے اس قسم کی جے کی آوازیں بلند کی ہوں تو ان کا کیاحکم ہے؟ **بینوا بالدلیل توجروا من الرب الجلیل** (دلیل کے ساتھ بیان کرو رب جلیل سے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

مشرکین کی جے پکارنا ان کی تعظیم ہے اور کافروں کی تعظیم کفر ہے، فتاوٰی ظہیریہ واشباہ و درمختار میں ہے، **تبجیل الکافر کفر**[1] (کافر کی تعظیم کفر ہے۔ت) ایسے کلمہ گویوں پر لازم ہے کہ نئے سرے سے اسلام لائیں، پھر اپنی عورتیں رکھنا چاہیں تو ان سے از سر نو نکاح کریں، بلکہ ایسے جلسوں میں جو مضامین باطلہ و مخالف شرع ہوتے ہیں پر بہ نیت تحسین **اللہ اکبر** کہنا بھی حرام قطعی ہے کہ ذکر الٰہی کی توہین ہے۔ مشرکوں کو مسجد میں اس طرح لے جانا اور ان کا اپنے کلمات کفر بالاعلان کہنا اور مسلمان کہلانے والوں کا اسی پر راضی ہونا باجماع امت حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما بینت المساجد لما بنیت له[2] (وفی اخری) **لذکر اللہ والصلوۃ وقراءۃ القراٰن**[3]۔	مسجدیں تو صرف اس لئے بنیں جس لئے بنیں، دوسری روایت میں ہے وہ تو اللہ تعالٰی کی یاد اور نماز اور تلاوت قرآن کے لئے بنیں۔

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸، درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱

[3] صحیح مسلم باب وجوہ غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸، کنزالعمال حدیث ۲۰۷۹۳ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۶۶۱

یہاں تک کہ صحیح حدیثوں میں فرمایا: جو مسجد میں اپنی گمی چیز کو پوچھے اس سے کہو لا ردالله علیك ضالتك وان المساجد لم تبن لھذا[1] اللہ تیری گمی چیز کو تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہ بنیں، نہ کہ کافروں کے لے جانے اور مشرکوں کی جے پکروانے کے لئے، مگر کیا کیجئے کہ ان لوگوں کے دل مسخ ہوگئے، انھوں نے مشرک کے غلام ہو کر اللہ ورسول کے سب احکام منسوخ کردیئے، احمق بے عقل وجاہلوں کی کیا گنتی ساری کمیٹی میں سب سے بڑے عالم کہلانے والے مولوی عبدالباری فرنگی محلی ہیں جنھوں نے جلسہ مدراس میں اپنے منہ سے اپنے آپ کو نہ صرف عالم بلکہ بہت بڑا مجدد کہا وہ اقرار لکھ رہے ہیں کہ وہ بالکل پس روگاندھی کے ہیں اس کو اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتا ہے وہی مانتے ہیں "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾"[2] (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت) اس کا نام دین ہے اس کا نام اسلام ہے حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے: اگر تم نے کافروں کا کہا مانا تو ضرور تم بھی مشرک ہو۔

"وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾"[3] "وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[4] واللہ تعالٰی اعلم۔	بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۵: از ماناڈے، برما ود نمبر ۲۹ زرباری مرسلہ حاجی حسین احمد صاحب ماسورتی سوداگر آہن

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے وعظ میں کہا کہ فرعون نے ایک نماز میں خداوند کریم سے پانی کی دعا مانگی اور کہا میں تجھ کو وحدہ لاشریك له جانتا ہوں میری دعا قبول فرما، پس اس کی دعا قبول ہوئی آج کل کے مسلمانوں کا ایمان اگر فرعون جتنا بھی ہوتا سب جنت میں چلے جاتے، دوسری بات یہ کہی کہ ترک موالات پانچ بنائے اسلام سے بڑھ کر ہے، پس ایسے واعظ کے لئے کیا حکم ہے ایسے ملعونہ کلمات سے کافر ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو فاسق ہوا یا نہیں؟ اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کی دونوں باتیں کفر ہیں، فرعون بالاجماع وبنص قطعی قرآن کافر تھا،

قال اللہ تعالٰی "كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ"	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کافروں سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا نوح کی قوم اور رس والوں اور ثمود نے اور فرعون اور قوم لوط نے اور ایکہ والوں اور تبع

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع النہی عن البیع فی المسجد امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۵۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

[3] القرآن الکریم ۶/ ۳۳

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيۡدِ ۝۱۴ "[1]	کی قوم نے ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو تکذیب رسل پر ہم نے جو وعید فرمائی تھی ان سب پر ثابت ہو گئی۔

مسلمانوں کے ایمان کو اس کافر اکفر کے ایمان سے کم کہنا صریح کفر ہے، یہ کفر کو ایمان پر تفضیل دینا ہے، کافر میں ایمان کہاں اور وہ بھی مسلمانوں کے ایمان سے افضل، جس کا نام ان لوگوں نے ترک موالات رکھا ہے، اول تو وہ ہر گز ترک موالات نہیں، مشرکوں سے صراحۃً موالات کر رہے ہیں بلکہ ان کے غلام بن رہے ہیں، ان میں جذب ہو چکے، ان میں فنا ہو رہے ہیں، مشرک کے پس رو ہوئے، اسے اپنا رہنما بنالیا، جو وہ کہتا ہے وہی مانتے ہیں، ان کے سب سے بڑے عالم مولوی عبدالباری فرنگی محلّی نے صاف صاف ان باتوں کا اقرار کیا اور صراحۃً لکھ دیا کہ میں نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کر دی، قرآن عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائیں مجوس ہوں خواہ یہود و نصارٰی ہوں، خواہ ہنود، اور سب سے بدتر مرتدان ہنود، اور یہ مدعیان ترک موالات مشرکین مرتدین سے یہ کچھ موالات برت رہے ہیں۔ پھر ترک موالات کا دعوٰی، اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی مشرک مہادیو کو پوجتا جائے اور کہے دیکھو شرک بہت بری چیز ہے سوا خدا کے کسی کو نہ پوجنا و غیر خدا کو سجدہ نہ کرنا، نصارٰی سے ترک معاملت جائز دنیویہ جس کا نام انھوں نے ترک موالات رکھا ہے وراسے فرض بلکہ مدار ایمان بتاتے ہر گز شریعت نے اسے واجب نہ کیا، یہ ان کا شریعت پر افتراء اور ان کا بلکہ ان کے رہنما گاندھی کا اختراع ہے، ان سب امور کی تفصیل ہماری کتاب **المحجة المؤتمنه** میں ہے۔ اور بفرض غلط اگر یہ واجب بھی ہوتی تو اسے اسلام کی پانچوں بناؤں سے بڑھ کر کہنا صریح کفر تھا، اللہ عزوجل کو ایک اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس کا رسول برحق ماننے کے برابر بھی کوئی فرض نہیں ہو سکتا، سب فرض اس کے نیچے ہیں اور اس کے سبب مقبول، یہ نہ ہو تو سب مردود،

قال اللہ تعالٰی " وَقَدِمۡنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰهُ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ۝۲۳ "[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کچھ انھوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انھیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۰ /۱۲تا۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

وقال تعالٰی" وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ‌ ۚ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۞ "[1]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہر گز اس سے قبول نہ کیا جائیگا اور وہ اخرت میں زیاں کاروں سے ہے۔(ت)

بالجملہ واعظ مذکور کے کفر میں کوئی شک نہیں اور اس کے پیچھے نماز ایسی ہے جیسی گاندھی کے پیچھے، اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، اسے واعظ بنایا اس کا وعظ سننا در کنار مسلمانون کو اس سے میل جول اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا، اس سے سلام کلام، اس کی موت وحیات میں کوئی معاملہ اہل اسلام سب یکسر حرام جب تک وہ اپنے کلمات ملعونہ سے توبہ کرکے اسلام نہ لائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۶: مسئولہ حکیم عبدالرحمٰن محلّہ جمال پورہ مقال سون پت ضلع رہتک ۱۱ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

منبع الفضل وبرکات الزمان مولانا احمد رضا خان **ادامہ اللہ تعالٰی بالفیض والاحسان، السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی، اما بعد** واضح رائے عالی ہو کہ **بسط البنان** کے رد میں آنجناب کے دو رسالہ "**ادخال السنان**" اور "**واقع اللسان**" دیکھے جن کے مطالعہ سے تمام شکوک رفع ہوگئے اور اپ کی اقصی مراتب کی تحقیق سے دل خوش ہوا، اما ایک یہ شبہ باقی رہ گیا ہے امید ک اس معما کو عما فہم عبارت میں کارڈ ملصقہ پر حل فرما کر تشفی فرمائیں گے، شبہ یہ ہے کہ چونکہ "**ادخال السنان**" کے تمام دلائل سے تو حضور سرور کائنات علیہ افضل التحیات کا عالم الغیب ہونا بماکان وبمایکون کا پیش از وفات ہی باحسن طریقہ ثابت ہوگیا، لیکن مشکوۃ شریف کے **باب الشفاعت** میں صحیحین کی حدیث میں **یلھمنی محامد احمدہ بھا لاتحضرنی الاٰن**[2] (مجھے ایسے محامد کا الہام ہوگا جن کا اس وقت مجھے علم نہیں۔ ت) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محامدہ وثنا مستثنٰی ہیں یعنی یہ محامد حضرت کو قیامت کے اس وقت خاص سے پیشتر نہیں عطا کئے گئے کیونکہ ترمذی شریف میں اسی باب میں **لم یفتحہ علی احد قبلی**[3] (مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ ت) فرمایا ہے۔ اور شیخ دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی شرح اشعۃ اللمعات میں اسی طرح کی ہے:

ہم دران وقت نورے خاص از مقام قرب ومعرفت در دل من افتد کہ علم آن محامد	مقام قرب ومعرفت سے اس وقت میرے دل میں ایک نور خاص پیدا ہوگا جو ان

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

[2] مشکوۃ المصابیح باب الحوض والشفاعۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۸۸

[3] جامع الترمذی باب ماجاء من الشفاعۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۶۶

اثران باشد[1]۔	محامد کا اثر ہوگا۔ (ت)

اوراس حدیث سے تیسری حدیث کے اس جملہ لم یفتحہ علی احد من قبلی کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکشادہ الہام نکردہ برہیچ یکے پیش از من بلکہ بر من نیز پیش ازیں وقت چنانچہ از حدیث سابق لائح می شود[2]۔	مجھ سے پہلے ان کا کسی پر الہام نہ ہوگا بلکہ میں بھی اس سے پہلے ان کو نہ جانوں گا جیسا کہ سابقہ حدیث سے واضح ہے۔ (ت)

اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں گویا اسی حدیث کو بیان فرماتے ہیں:

فیاتی ویسجد ویحمد اللّٰہ بمحامد یلھمہ اللّٰہ تعالٰی ایاہ فی ذلك الوقت لم یکن یعلم قبل ذلك الوقت[3]۔	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لاکر سجدہ ریزی کرینگے اور اللہ تعالٰی کی ایسی محامد کریں گے جن سے اللہ تعالٰی آپ کو اس وقت نوازے گا اس سے پہلے وہ آپ کے علم میں نہ ہوں گی۔ (ت)

پس ان عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ محامد اسی وقت تعلیم ہوں گے، اور یہ محامد بھی من جملہ مایکون سے ہے، تو گویا ابھی تک اس کا علم حضور کو نہیں۔ اور گویا بعض اشیاء کا علم نہ ہوا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوا، تو تمام اشیاء کا علم نہ ہوا اور اس میں احتمال ذہول بھی نہیں رہتا کیونکہ خود اس سے انکار فرماتے ہیں کہ ہم کو اس کا علم عطا نہیں ہوا۔ امید کہ مفصل جواب عطا فرمائیں گے، اطمینان کے لئے دریافت ہے، اور مرقاۃ میں اس کی کیا شرح کی گئی ہے؟

الجواب:

مولانا المکرم اکرمکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کارڈ کے مطالعہ سے محظوظ ہوا، مولٰی تعالٰی آپ کو برکات دے، ایسی حق پسندی وحق جوئی نہایت قابل مسرت ہے۔ ماکان ومایکون جس کے ذرہ ذرہ کا احاطہ کلیہ قرآن عظیم واحادیث صحیحہ وارشادات ائمہ سے آفتاب روشن کی طرح ثابت ہے، اس کے معنی ماکان من اول یوم ویکون الی اخر الایام یعنی روز اول آفرینش سے روز قیامت تک جو کچھ ہوا اور ہونے والا ہے ایک ایک ذرے کا علم تفصیلی حضور کو عطا ہوا، شرق وغرب

[1] اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ (فارسی) باب الحوض والشفاعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۳۸۸

[2] اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ (فارسی) باب الحوض والشفاعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۳۸۹

[3] فتوحات مکیہ الباب الخامس والعشرون وثلثمائۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۸۷ و ۴۰۳ و ۳/ ۹۲ و ۹۳

میں سمٰوات وارض میں عرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہیں۔ ذات وصفات حضرت عزت احاطہ وتناہی سے بری ہیں، ممکن نہیں کہ جمیع مخلوقات کا علم مل کر اس کی ذات علیہ یا کسی صفت کریمہ کو محیط ہوسکے کبھی کوئی اسے پورا جان سکے گا۔ مومنین واولیاء وانبیاء اور خود حضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوات واکمل التسلیمات ابدالاباد تک اس کی معرفت میں ترقی فرمائیں گے، ہر روز اس کے وہ محارم معلوم ہوں گے جو کل تک نہ معلوم تھے اور یہ سلسلہ ابد تک رہے گا کبھی ختم نہ ہوگا۔ روزانہ بے شمار علوم متعلق ذات وصفات ان پر منکشف ہوں گے اور ہمیشہ ذات وصفات میں نامتناہی غیر معلوم رہے گا کہ وہ محیط کل ہے کسی کے احاطہ میں نہیں آسکتا۔ وہ حدیث متعلق بہ محامد علوم ذات وصفات میں ہے اور بیشک حق ہے اور دعوی اہل حق کو کچھ مضر نہیں۔ **وله الحمد وهو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۷: مسئولہ قاضی قاسم میاں از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاوار بروز چہار شنبہ ۴ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومشائخ عظام اس معاملہ میں کہ زید کہتا ہے کہ سوائے خدا کے کچھ نہیں یعنی یہ بھی خدا وہ بھی خدا، زید بھی خدا، بکر بھی خدا، علی ہذا القیاس، یعنی خالق ومخلوق نہیں، فعل فاعل مفعول خدا میں صورت بے صورت ہے، بے صورت صورت ہے، نہ یہ ہے نہ وہ ہے، نہ زید ہے نہ عمرو ہے نہ بکر ہے، خدا ہی خدا ہے، جن کی تائید میں یہ چند اشعار جو اپنے بنائے ہوئے ہیں وہ پیش کرتا ہے، اور چند اشعار دیوان جام جم مصنفہ طالب حسین صاحب فرخ آبادی کے جو فرخ آباد کے مطبع مورس کمپنی بزریہ میں چھپی ہے پیش کرکے اپنا مسلک بتلاتے ہیں جو بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ یہ اشعار بھی زید خود کے ہیں جن کا تخلص اطہر ہے:

بندے کو تو خدا کہوں اور اس کو کیا کہوں ۔۔۔ بند کو بندہ اور نہ خدا کو خدا کہوں

اطہر ہی خدا ہے غرض دو میں ایک سے ۔۔۔ زیور کو زر کہوں نہیں اور کیا کہوں

اگر سب بھول بیٹھا تو خدا بھی بھول جا اطہر کہ ہے یہ سب بڑا دھوکا خدا خود ہے خدا خود ہے

میں ہی مرسل میں ہی مرسل میں ہی اخبار اور قرآن ۔۔۔ محمد اور میں ہی اللہ آہاہاہا ، آہاہاہا

نہ مفتی ہے نہ خنجر ہے نہ حد ہے نہ شریعت ہے ۔۔۔ خدا ہے تو اگر سچا انا الحق کہہ انا الحق کہہ

خدا ہو کر نہ بندہ بن زباں کھول دے پیارے ۔۔۔ ہے یہ آزادی کا رستہ انا الحق کہہ انا الحق کہہ

نہ رکھ روزہ نہ کر سجدہ نہ جا کعبہ میں توجہ کو ۔۔۔ نہ ہے روزہ نہ ہے سجدہ انا الحق کہہ انا الحق کہہ

خدا تھا کب محمد تھے شریعت تو ہے مفروضہ ۔۔۔ نہیں ہے ما سوا حق کا انا الحق کہہ انا الحق کہہ

معبود تو خدا کو کہے حور پر مرے ۔۔۔ شہوت پرست گر نہ کہو اس کو کیا کہوں

اللہ کے سوانہیں پھر بولتا ہے کون
اطہر تجھے خدا نہ کہوں اور کیا کہوں
اطہر توبرائے نام ہوں میں حیرت نہیں ہے اللہ ہوں میں
عارف ہے اگر تو شک مت لاؤ اور نہیں میں اور نہیں
آپ ہی عرش اور آپ ہی کرسی، آپ ہی دوزخ اور جنت
آپ مکیں ہے آپ مکان ہے کیا کیا شور مچایا ہے
کافر کو تو براکہوں مومن کو کیا کہوں !
اچھا کہوں نہ اس کو نہ اس کو برا کہوں

مصنفہ طالب حسین فرخ آبادی:

بنا ایک وحدت کی تصویر میں ہوں
مرید آپ ہی، آپ ہی پیر میں ہوں
نہ دیکھا ہو جس نے اسے مجھ کو دیکھے
نہاں وعیاں اس کی تصویر میں ہوں
عذاب کس کا ثواب کیسا گناہ کہتے ہیں کس یارو
وہی ہے فاعل جو خیر و شر کا خطا ہے عطا خطا ہے
عجب معمہ ہے یہ عزیز و خلا ملا ہے ملا خلا ہے
برا بھلا اب کہوں میں کس کو بھلا برا ہے برا بھلا ہے

(۱) مذکورہ بالا عقیدہ کو حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سینہ کا علم بتاتا ہے جو آج تک سینہ بہ سینہ مشائخ طریقت میں چلا آتا ہے اور اسی کا نام وصول الی اللہ ہے،

(۲) اور یہی زید ظاہر میں نماز کے لئے اٹھتا ہے تو اپنے مریدوں کے سامنے یہ بھی کہتا ہے کہ ذرا خدا کو دھوکا دے لوں، اسی طرح قولی اور فعلی کاروائی کرکے شریعت مطہرہ سے وہ وہ نفرتیں دلاتا ہے کہ مسلمان کے کلیجے پاش پاش ہو جاتے ہیں۔

(۳) اور یہی زید وعظ میں بھی پکار پکار کر کہتا ہے کہ شریعت تمھارے ماں باپ نے بھی سکھائی، شریعت تو تمھارے استادوں نے بھی سکھائی، شریعت تو تمھارے مولویوں نے بھی سکھائی مگر خدا کے ملنے کا تو رستہ کچھ اور ہے اور یہ تو منتر کچھ اور ہے اور اسی قسم کے دھوکے دے کر مسلمانوں کو اپنی مریدی کی طرف راغب کرتا ہے اور مرید کرکے مذکور عقیدہ اور یہی اللہ کی تعظیم کرتا ہے یعنی خالق مخلوق نہیں۔ اب التماس یہ ہے کہ اس زید کا عقیدہ کیسا ہے، مسلمان اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں، شرع شریف میں اس کے لئے تعزیزی بھی ہے یا نہیں، مسلمانوں کو اس کی مریدی سے خارج ہو کر بعد توبہ جدید نکاح کا ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر جدید نکاح کی ضرورت ہے تو پہلا مہر کافی ہے یا نہیں، اگر اس جدید نکاح میں عورت قبول نہ کرے تو کیا صورت ہے؟ کتاب تذکرہ غوثیہ مسلمانوں کے پڑھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ براہ مہربانی اوپر کے سوالوں کے جوابات مفصل طور سے ارقام فرما کر عنداللہ ماجور ہوں و عندالناس مشکور ہوجئے گا۔ **فقط**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید یقینا کافر مرتد ہے، اس کے کلام سرتاپا کفر سے بھرے ہوئے ہیں، مثلا (۱) زید و عمر و بکر سب کو خدا کہنا (۲) خدا کو مخلوق اور مفعول کہنا (۳) بندہ کو خدا کہوں (۴) خدا کو خدا نہ کہوں دوسرا عـــہ شعر لکھنے میں سائل سے کچھ رہ گیا ہے (۵) تیسرے شعر میں خدا کے بھول جانے کی فرمائش اور کہ یہ بھی بڑا دھوکا ہے (۶) چوتھے شعر میں اپنے آپ کو اللہ کہنا (۷) رسول کہنا (۸) قرآن کہنا (۹) پانچویں شعر میں شریعت کا انکار (۱۰) اناالحق کہنے پر اصرار (۱۱) چھٹے شعر میں بھی یہی (۱۲) بندہ بننے کی ممانعت (۱۳) ساتویں میں وہی (۱۴) بروجہ انکار نماز روزے، حج کی ممانعت (۱۵) آٹھویں شعر میں خدا کی نفی (۱۶) شریعت کو فرضی وساختہ بتانا کہ سیاق وسباق سے یہی مراد متعین ہے۔ (۱۷) وہ ان الحق (۱۸) دسویں شعر میں خدا بننا (۱۹) گیارھویں میں بھی یہی (۲۰) تیرھویں میں مومن کو اچھا نہ کہنا کافر کو برا نہ کہنا، یہ بیس کفر تو زید کے کلمات مذکور میں کھلے کھلے ہیں۔ (۲۱) سولھویں شعر میں عذاب وثواب کا انکار (۲۲) سترھویں شعر میں بھلے کو برا، برے کو بھلا کہنا (۲۳) ان صریح عقائد کفر ملعون کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا (۲۴) کفر کو وصول الی اللہ بتانا (۲۵) نماز کے لئے اس کا کہنا کہ خدا کو دھوکا دے لوں اس کے کلمات سابقہ کے لحاظ سے لائق تاویل نہ رہا، معنی استہزاء میں متعین ہو گیا اور وہ کفر ہے (۲۶) شریعت سے نفرت دلانا (۲۷) شریعت کو راہ خدا نہ ماننا

بالجملہ زید ان کافروں میں ہے جن کو فرمایا گیا ہے **من شك فی عذاب وکفرہ فقد کفر**[1] جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔ سلطنت اسلام ہوتی تو اس کی تعزیر یہ تھی کہ بادشاہ اسلام اسے قتل کرتا، اس کا اختیار غیر سلطان کو یہاں نہیں۔ مسلمانوں کو اس سے میل جول حرام، اس سے سلام کلام حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کا وعظ سننا حرام، وہ بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، جنازہ اٹھانا حرام، جنازہ کے ساتھ چلنا حرام، اس پر نماز حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اسے مسلمانوں کی طرح دفن کرنا حرام، اس کے لئے دعائے بخشش کرنا حرام، اسے کچھ ثواب پہنچانا حرام، اسکی قبر پر جانا حرام، جو ان باتوں میں سے کوئی بات اسے مسلمان جان کر کرے گا یا اس کی موت کے بعد اس کے لئے دعائے بخشش کرے گا یا اسے

عـــہ: ظاہرًا یوں ہے ع اظہر ہے یا خدا ہے الخ۔

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

ثوب پہنچائے گا اگرچہ اسے کافر جان کر وہ خود کافر ہو جائے گا جو لوگ اس کے مرید اس کے ہو چکے ہیں ان پر فرض ہے کہ اس سے جدا ہوں دور بھاگیں کہ وہ بیعت اس کے ہاتھ پر نہیں ابلیس کے ہاتھ پر ہوئی، پھر ان مریدوں میں جو اس کے ان کفروں سے آگاہ تھے اور اس کے بعد مرید ہوئے یا بعد مریدی کے آگاہ ہوئے اور اس کی بیعت سے الگ نہ ہوئے وہ سب بھی اسلام سے خارج ہیں، ان پر بھی فرض کہ نئے سرے سے مسلمان ہوں، توبہ کریں، توبہ واسلام کے بعد ان کی عورتوں اگر ان سے دوبارہ نکاح پر راضی نہ ہوں تو ان پر جبر نہیں۔ عورتیں جس سے چاہیں اگر عدت گزر چکی ہے تو ابھی ورنہ بعد عدت اپنا نکاح کرلیں اور اگر انھیں سے دوبارہ نکاح کریں، تو مہر جدید لازم آئیگا اور پہلا مہر بھی اگر باقی ہے دینا ہوگا۔ کتاب تذکرہ غوثیہ جس میں غوث علی شاہ پانی پتی کا تذکرہ ہے ضلالتوں، گمراہیوں بلکہ صریح کفر کی باتوں پر مشتمل ہے مثلاً غوث علی شاہ جگن ناتھ کی چوکی پراشنان کرتے ملے کسی نے پہچانا تو بولے کہ اس شخص کے دو باپ تھے، ایک مسلمان اس کی طرف سے حج کر آیا ہے، دوسرا باپ ایک پنڈت تھا اس کی طرف سے جگن ناتھ تیرتھ کرنے آیا ہے ایسی ناپاکی بے دینی کی کتاب کا دیکھنا حرام ہے جس مسلمان کے پاس ہو جلا کر خاک کردے، **واللہ الھادی الی صراط مستقیم** (اللہ تعالٰی ہی صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔ ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۸: مسئولہ عبدالرحمٰن طالب علم مدرسہ چھیپوں احمد آباد گجرات ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص کی موجودگی میں ایک مرید نے اپنے پیر کی شان میں یہ قصیدہ پڑھا اور پیر نے اس قصیدہ کو سن کر پڑھنے والے کو کہا کہ تو میرا حبیب ہے اور اس کے بعد یہ قصیدے منبر پر پڑھے جاتے ہیں اور اس کے جواز کا حکم پیر نے دیا آیا شرعاً یہ قصیدہ جائز ہیں یا نہیں؟ قصیدہ مذکور یہ ہے:

مرحبا یا مرحبا یاشاہ لواری مرحبا — نور الہدٰی خیر الورٰی یاشاہ لواری مرحبا
یا امام العالمین و انتخاب اولین — ختم ولایت مقتدا یا شاہ لواری مرحبا
پیشوائے اولیا تو برگزیدہ ذوالجلال — شافع ہر دوسرا یا شاہ لواری مرحبا
کن عطا فضل و کرم امروز فردائے کریم — صامع بجز تو نیست کس یاشاہ لواری مرحبا
یابشیر ویا نذیر وائے شہ اولو العزم — ملجائے والا صفیا یا شاہ لواری مرحبا
منعم و مسجود قیوم و جہان بحر کرم — طالب و مطلوب و مصدر یاشاہ لواری مرحبا
ذات تو احد ولے میم موجودات او — خلق عالم را سبب یا شاہ لواری مرحبا

قاب قوسین توئی گفت مازاغ البصیر	جائے تورشک مدینہ یاشاہ لواری مرحبا
سید کونین سالار رسل گنج نہاں	یا محمدن الزمان یاشاہ لواری مرحبا
ہست مدعا مظہر ذات تو مسند نشیں	لایموت ولم یزل یاشاہ لواری مرحبا
مشکل کشا احمد زماں القاہ اللہ بہرما	آوارہ پرور حافظا یاشاہ لواری مرحبا

الجواب:

یہ خالص کفر ہے اور اس کا قائل اس کا اجازت دہندہ، اس کا پسند کنندہ سب مرتد ہیں، کسی امتی کو آں [۱]سرور عالم کہنا، [۲]علیہ الصلوٰۃ کہنا، [۳]مسجود و مخلوق کہنا، [۴]خیر الورٰی کہنا، [۵]انتخاب اولین کہنا، [۶]شافع ہر دوسرا کہنا، [۷]سید کونین کہنا تو حرام وجزاف تھا ہی یوہیں [۸]خلق عالم راسبب اور [۹]قاب قوسین اور [۱۰]مازاغ البصر اور [۱۱]جائے تورشک مدینہ کہنا، ان میں بہت کلمات موہم کفر یا منجر بکفر ہیں، [۱۲]مگر ذات تو احد اور [۱۳]سالار رسل اور [۱۴]مسند نشین لم یزل کہنا قطعاً یقینا کفر ہے۔ یوہیں فقہائے کرام نے [۱۵]قیوم جہاں غیر خدا کو کہنے پر تکفیر فرمائی۔ مجمع الانہر میں ہے:

اذا اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصۃ بالخالق (جل وعلا) نحو القدوس والقیوم والرحمن وغیرہا یکفر [1] اھ. واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی اللہ تعالٰی کی صفات مختصہ میں سے کسی صفت کا اطلاق مخلوق پر کرے، مثلاً اسے قدوس کے یاقیوم یارحمٰن کہے تو کافر ہوجائے گا اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۹: از کلکتہ محلّہ دہی ہٹہ ۸۱ مولوی ولی اللہ خاں صاحب　　۵ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ بروز چہار شنبہ

حضرات علمائے کرام کچھ عرصہ سے ایک ضخیم کتاب گلزار وحدت مصنفہ پیرجی نجم الدین متوطن جھنجون ضلع جے پور طبع ہوئی جس میں جابجا ملحدانہ مولات مندرج ہیں مشتے نمونہ اخروار عرض ہے:

وہی وہی کوئی اور نہ دوجا	اس بن کوئی اور نہ سوجا
ہر رنگ سے بے رنگی آیا	ہر ہر بھیس سے آپ دکھایا
آپ ہی دیکھتے آپ ہی دکھاوے	پھر وہ آپ کو آپ سراوے
کہیں محمد ہو کر آیا	ہادی مہدی نام دھرایا
کہیں عارف ہو اگیانی	اپنی اپنے قدر پہچانی

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ انواع داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۰

کہیں عاشق ہوئے پھرے دیوانا　　کہیں معشوق محبوب یگانہ
کہیں عابد ہو کرے عبادت　　کہیں زاہد ہو کرے ریاضت
کہیں مؤذن بانگ سناوے　　آپ ہی آپ کو سیس نواوے
کہیں برہمن سنکھ بجایا　　آپ ہی اپنا مرجس گایا
کہیں رند ہوا شرابی　　راگ رنگ جنگ ربابی
کون ہے آدم کون ہے ابلیس　　کون سلیمان اور بلقیس
یہ سب انچھر وہ ہے معنا　　پہن لیا ہے ایسا بانا
یہ سب روپ اسی نے دھارے　　ایک ایک سے بھی نیارے

ص ۳۰:

ایک نے اتنے نام دھرائے　　ایک ایک سے بھی نیارے
اول ہو کر آخر ہوا　　ظاہر ہو کر باطن بیا
کہیں واجب معبود کہلایا　　کہیں ممکن بندہ بن آیا
جیسے جل کر برف بنائی　　جل بن اس میں اور نہ کائی
جوں حباب دریا سے اٹھے　　آخر اس کا اس میں میٹے
بیرنگی بہ رنگ لے آیا　　ہر ہر نتھہ میں آپ پوجایا
مکھ پر چادر میم کی رکھ کر آپ غفور　　احمد اپنا نام دھر جگ میں کیا ظہور
نجما دیکھ اس یار کی رمزوں کی دستور　　ہر رنگ میں بیرنگ رہا دور کا دور

ص ۷۴: پھر جس شخص نے خلق اور خالق کو دو سمجھے اور ایک نہ جانا وہ مشرک ہے کہ مبتلا ہوا بیچ شرک خفی کے، اور جس شخص نے کہا ذات کو ساتھ فردیت کے یعنی خلق اور خالق کو ایک سمجھا وہ موحد ہے۔

ص ۵۹: اے عزیز چھٹا مرتبہ انسان کامل کا ہے وہ مشرک ہے مرتبوں ذاتی اور خلق میں یعنی اگر اس تعین بشریت کے خیال سے اس کو دیکھے تو آدمی اور اگر اس کی کمالیت فقر کی طرف دیکھے تو اللہ تعالٰی ہے بموجب اس قول کے، قول صوفیہ: **اذا اتم الفقر فھو اللہ** (جب فقر مکمل ہوا تو اللہ ہوا۔ت)

ص ۱۱۹ ص ۱۲۰: نقل ہے کہ جب حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے درس توحید شروع کیا اور مسئلہ وحدۃ الوجود کو ظاہر فرمانے لگے۔ چنانچہ یہ رباعی ان کی تصنیف ہے:

لا آدم فی الکون ولا ابلیس　　لا ملك سلیمان ولا بلقیس

فالکل عبارۃ وانت المعنی　　یا من ھو للقلوب مقناطیس

یعنی آدم ہے نہ شیطان ہے جہان میں نہ ملک سلیمان علیہ السلام کا نہ بلقیس کا، پھر یہ سب عبارت ہیں اور واس عبارت کے معنی ہے اسے وہ کوئی جو واسطے دلوں کے لوہ چکا ہے۔

ف: یعنی جس طرح پتھر لوہ چگی کا ہوہ کو اٹھالیتا ہے، اسی طرح دلوں مخلوق کو اپنے تابع کر رکھتے ہیں، غرضکہ شیخ مذکور نعرہ ہمہ اوست کا مارنے لگے، علماؤں نے اس میں صلاح اور مشورہ کئے، کرے اور بتلائے کہ یہ فقیر تو شریعت میں رخنہ ڈالنے لگا۔ اول تو اس کو قائل کرو، اگر نہ مانے گا تو اس کو ماریں گے، غرضکہ سب کی صلاح سے ایک شخص نے ان علماؤں سے آکر شیخ کے پاس عرض کیا کہ حضرت آپ کی دعوت ہے آپ ہی نے قبول کری، اس شخص نے کئ قسم کے کھانے پکائے اور ایک خوان میں جدا جدا برتنوں میں دھر لایا اور ایک رکابی میں پلیتی بھی بھر کر اس خوان میں لایا۔ آپ نے وے تمام کھانے جو نفیس تھے کھائے اور پاخانہ نہ کھایا، جب اس شخص نے کہا کہ حضرت اس کو بھی کھالوی بھی کوئی غیر نہیں ہے۔ وہ ہی ہے، شیخ نے فرمایا بہت اچھا ان کے مکان کے صحن میں ایک حوض پانی کا تھا آپ نے پانی میں غوطہ مار کر خوک کی صورت ہو کر نکلے اور اس پاخانہ کو کھالیا، اور پھر حوض میں غوطہ مارا اور آدمی کی شکل ہو کر نکل آئے اور فرمایا اے عزیز وہ طعام بھی میں نے کھایا اور یہ پاخانہ بھی میں نے کھایا مگر طعام واسطے صورت انسان کے تھی اور پاخانہ واسطے شکل خوک کے بنا کر آیا وہ میں ہی تھا کہ آدمی تھا اور خوک ہو گیا، حضرات اسی طرح تمام کتاب جو ۴۲۵ صفحوں پر لکھی گئی ہے مضامین الحادیہ سے مملو ہے، بارہا پیر جی مذکور کے متبعین سے جو ایک جماعت جہلا کی ہیے، کہا گیا کہ یہ کتاب سراسر عقائد کو خراب کرنے والی اور نا قابل عمل ہے مگر جواب یہی ملتا ہے کہ علمائے عظام حنفی المذہب سے اس کے متعلق استفسار کیا جائے جو ارشاد ہو گا اس کے مطابق عمل کیا جاوے گا۔ اس لئے یہ چند حوالہ جات معروضہ بالا مقالات مختلفہ سے نقل کرکے استدعا ہے کہ عندالشرع اس شخص کا معہ اس کے مریدین اور متبعین کے جو حکم ہو بوضاحت تحریر فرما کر مزین بمہر فرمائیں تاکہ جماعت جہلاء جو ان کے دام تزویر میں ہے رہائی پا کر راہ یاب ہوں۔ **واللہ تعالٰی ھو الموافق۔**

الجواب:

یہ کلمات الحاد ہیں اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت جو وہ ملعون حکایت نقل کی ہے محض کذب وافتراء وساختہ ابلیس لیعین ہے، توحید ایمان ہے، اور وحدۃ

وجود حق اور زعم اتحاد الحاد، صوفیہ کرام تو صاحب تحقیق ہیں اور ان کے ایسے مقلدین ملحد و نذیق ہیں، اس کتاب کا جس کے پاس ہو اس پر جلا دینا فرض ہے اور سامنے دیکھنا حرام اور اس پر اعتقاد رکھنا کفر یہیں سے اس شخص کے مریدین اور متبعین کا حال ظاہر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰: از گڑھی اختیار خاں تحصیل خان پور ریاست بہاولپور مرسلہ محمد یار صاحب واعظ ۹ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ

قبلہ معتقدین دام ظلہ، از خاکسار محمد یار مشتاق دیدار بعد نیاز حسب اینکہ شب معراج آپ کا قصیدہ معراجیہ پڑھا گیا جس پر وہابیوں نے دولھا اور دولھن کے متعلق شور اُٹھایا کہ اللہ جل جلالہ و حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے حق میں ان الفاظ کا استعمال کرنا موجب کفر ہے، شب برات یہاں یہاں گڑھی اختیار خاں میں ان الفاظوں کے متعلق وہابیوں کی طرف سے میرے ساتھ ایک طویل بحث ہونے والی ہے، اے مجدد بمن بے سروسمان مددے، قبلہ دیں مددے کعبہ ایماں مددے، ضرور مہربانی فرماکر دلائل قاطع سے اس تشبیہ کا ثبوت مدلل کرکے اسی ہفتہ میں بھیج کر مسلمانانِ اہلسنت وجماعت کو عزت بخشیں، حضور پر فرض سمجھی جارہی ہے، یہ فی سبیل اللہ بصدقہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کام کو سب کاموں پر مقدم فرماکر وہ تحریر فرمادیں کہ موجب اطمینان اہل اسلام ہو۔

الجواب:

اللہ عزوجل نے وہابیہ کی قسمت میں کفر لکھا ہے، انھیں ہر جگہ کفر ہی کفر سوجھتا ہے، قصیدہ مذکورہ میں دو جگہ دولھن کا لفظ ہے اور چار جگہ دولھا کا، وہ اشعار یہ ہیں: ؎

(۱) نئی دولھن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے آل تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

(۲) نظر میں دولھا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منہ پر آنچل تجلّی ذات بحت کے تھے

(۳) دولھن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلاف مشکیں جو اڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

(۴) خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولھا بنا رہے تھے

(۵) بجا جو تلووں کا ان کے دھوون بناوہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اترن وہ پھول گلزار نور کے تھے
(٦) جھلک سی اک قدسیوں پہ آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولھا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے[1] (ملتقطا)

ان میں کون سی جگہ **معاذاللہ** اللہ عزوجل کو دولھا یا دولھن کہا گیا ہے **ولکن الوھابیۃ قوم یفترون** (لیکن قوم وہابیہ جھوٹ بولتی ہے۔ت) وہابیہ کی بنائے مذہب کذب وافترا پر ہے۔اور کیونکر نہ ہو کہ ان کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی نے اپنے معبود کے لئے جھوٹا ہونا روا رکھا ہے، ہاں مشیخیت نبی رکھے نہ ہو کہ ان سے بنچتا ہے،اب اگر یہ بھی جھوٹ سے بچیں تو عابد و معبود برابر ہو جائیں گے،اسی لئے ان کے دین میں نماز سے بھی بڑھ کر فرض ہوا کہ جھوٹ بکا کریں کہ کسی طرح اپنے ساختہ معبود سے تو کم رہیں "**ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ**"[2]، "**لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ**"[3] (کتنا کمزور چاہنے والا اور وہ جس کو چاہا، بیشک کیا ہی بُرا موالی اور بیشک کیا ہی بُرا رفیق۔ت)

شعر اول میں تو دولھن کسی کو نہ کہا اپنے معنی حقیقی پر ہے، زینت کعبہ کو نئی دولھن کی زیبائش سے تشبیہ دی ہے جس طرح ان حدیثوں میں جنت کی جنبش سرور کو دولھن کی نازش سے، خطیب نے تاریخ بغداد میں عقبہ بن عامر جہنی اور طبرانی نے معجم اوسط میں عقبہ اور انس دونوں اور ازدی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے دریافت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنت کو دونوں شہزادوں امام حسن اور امام حسین علی جدہما الکریم وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیم کا اس میں تشریف رکھنا معلوم ہوا **ماست الجنۃ میسا کما تمیس العروس فی خدرھا**[4] جنت خوشی سے جھومنے لگی جیسے نئی دولھن فرحت سے جھومے۔

شعر سوم میں کعبہ کو دولھن کہا اور مکان آراستہ کو دولھن کہنا محاورہ صحیحہ شائعہ ہے امام احمد

---

[1] حدائق بخشش قصیدہ معراجیہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی حصہ اول ص ۱۰۵ تا ۱۰۷
[2] القرآن الکریم ۲۲ /۷۳
[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۳
[4] المعجم الاوسط حدیث ۱۷۱۶ المکتبۃ المعارف الریاض ۸/ ۵۹، اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ مناقب اہلبیت بحوالہ الخطیب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۸۸

مسند میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عسقلان احدی العروسین یبعث منها یوم القیٰمة سبعون الفاً لاحساب علیهم [1]۔	عسقلان دو دولہنوں میں کی ایک ہے روز قیامت اس میں سے ستر ہزار ایسے اٹھیں گے جن پر حساب نہیں۔

مسند الفردوس میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

طوبٰی لمن اسکنه الله تعالٰی احدی العروسین عسقلان اوغزة [2]۔	شادمانی ہے اسے جسے اللہ تعالٰی دو دلہنوں میں سے ایک بسائے عسقلان یا غزہ۔

باقی چار اشعار ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دولھا کہا ہے اور وہ بیشک تمام سلطنت الٰہی کے دولھا ہیں، امام قسطلان مواہب لدینہ شریف میں نقل فرماتے ہیں:

انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم رأی صورة ذاته المبارکة فی الملکوت فاذاهو عروس المملکة [3]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شب معراج عالم ملکوت میں اپنی ذات مبارکہ کی تصویر ملاحظہ فرمائی تو دیکھا کہ حضور تمام اہلسنت الٰہی کے دولھا ہیں (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)

دلائل الخیرات شریف میں ہے:

اللهم صلی علی محمد وعلی اٰله بحر انوارك ومعدن اسرارك ولسان حجتك وعروس مملکتك [4]۔	الٰہی دورد بھیج محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل پر جو تیرے انوار کے دریا اور تیرے اسرار کے معدن اور تیری حجت کی زبان اور تیری سلطنت کے دولھا ہیں۔

علامہ محمد فاسی اس کی شرح مطالع المسرات میں فرماتے ہیں:

---

[1] مسند امام احمد از حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۲۲۵

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۹۴۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۵۰، کنزالعمال حدیث ۳۵۰۷۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۸۹

[3] المواہب اللدنیہ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۵۷

[4] دلائل الخیرات منزل دوم جامع مسجد ظفریہ مریدکے شیخوپورہ ص۱۰۵

مملکتك هوق موضع الملك شبه بمجتمع العرس ومافيه من الاحتقال والتناہی فی الصنيع والتانق فی محسناته وترتيب اموره وكونه جديدا ظريفا واهله فی فرح وسرور نعمة وحبور فرحين بعروسهم راضين به محبين مكرمين له،موتمرين لامره متنعمين له بانواع المشتهيات بدليل اثبات اللازم الذی هوا العروس،والمعهود تشبيه مجتمع العرس بالمملكة وعكس التشبيه هنا لاقتضاء المقام ذلك ليفيد ان سر المملكة ونكتتها ومعناها الذی لاجله كانت هو المصطفی صلی الله تعالٰی عليه وسلم كما ان سر مجتمع العرس ونكتته ومعناه الذی لاجله كان هوالعروس والمصطفی صلی الله تعالٰی عليه وسلم هوالانسان الكبير الذی هو الخليفة علی الاطلاق فی الملك والملكوت قد خلعت عليه اسرار الاسماء والصفات ومكن من التصرف فی البسائط والمركبات والعروس يحاكی شانه شان الملك والسلطان فی نفوذ الامر وخدمة الجميع له وتفرعنهم لشانه ووجدانه مايجب ويشتهی مع الرای واصحابه فی مؤنته وتحت اطعامه فتم التشبيه وتمكنت الاستعارة[1]۔

اس عبارت سراپا بشارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ الشریف نے اس درود مبارک میں سلطنت کو برات کے مجمع سے تشبیہ دی کہ اس میں کیسا اجتماع ہوتا ہے اور اس کی آرائش انتہاء کو پہنچائی جاتی ہیں، سب کام قرینے سے ہوتے ہیں۔ ہر چیز نئی اور خوش آئند لوگ اپنے دولھا پر شاداں وفرحاں اسے چاہنے والے اس کی تعظیم واطاعت میں مصروف اس کے ساتھ قسم قسم کی من مانتی نعمتیں پاتے ہیں۔ اور عادت یوں ہے کہ برات کے مجمع کو سلطنت اور دولھا کو بادشاہ سے تشبیہ دیتے ہیں یا اس کا عکس کیا کہ سمجھا جائے کہ جس طرح برات کے مجمع کا مغز وسبب دولھا ہوتا ہے یوہیں تمام مملکت الٰہی کے وجود کا سبب اور اس کے اصل راز ومغز ومعنٰی صرف مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں ع

دولھا کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

[1] مطالع المسرات باب ابتداء اللہ تعالٰی مکتبہ نوریہ رضویہ لائلپور ص ۲۲۳

اس لئے کہ حضور تمام ملک وملکوت پر اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں جن کو رب عزوجل نے اپنے اسماء وصفات کے اسرار کا خلعت پہنایا اور ہر مفرد ومرکب ہیں تصرف کا اختیار دیاہے، دولھا بادشاہ کی شان دکھاتا ہے، اس کا حکم برات میں نافذ ہوتا ہے، سب اس کی خدمت کرتے ہیں اور اپنے کام چھوڑ کر اس کے کام میں لگے ہوتے جس بات کو اس کا جی چاہے موجود کی جاتی ہے، چین میں ہوتا ہے، سب براتی اس کی خدمت میں اور اس کے طفیل میں کھانا پاتے ہیں، یوہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بادشاہ حقیقی عزوجل کی شان دکھاتے ہیں، تمام جہاں میں ان کا حکم نافذ ہے، سب ان کی خدمت گار وزیر فرمان ہیں، جو وہ چاہتے ہیں اللہ عزوجل موجود کردیتا ہے **مااٰری ربك الا یسارع فی ھواك**[1]۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں میں حضور کے رب کو دیکھتی ہوں کہ حضور کی خواہش میں شتابی فرماتا ہے، تمام جہاں حضور کے صدقہ میں حضور کا دیا کھاتا ہے کہ "**انما انا قاسم واللہ المعطی**"[2] صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہر نعمت کع دینے الا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں ہوں۔ یوں تشبیہ کامل ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الٰہی کے دولھا ٹھہرے، **والحمد اللہ رب العالمین**۔

ان تقریرات سے واضح ہوا کہ ان معانی پر دولھن، دولھا، زوج، زوجہ کی طرح باہم مفہوم متضائف نہیں۔ عسقلان وعزہ کو حدیث نے دولھنیں فرمایا، دولھا کون ہے؟ بیہقی شعب الایمان میں امیر المومنین مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لکل شیئ عروس وعروس القراٰن الرحمٰن[3]۔	ہر شے کی جنس میں ایک دولھن ہوتی ہے اور قرآن عظیم میں سورۃ الرحمٰن دولھن ہے۔

یہاں کسے دولھا ٹھہرائے گا؟ تو قصیدہ سے وہ مہمل ملعون خیال پیدا کرنا کسی ایسے ہی کا کام ہوگا مگر حدیثیں تو اس سے بڑھ کر اوہام باطلہ والوں پر قہر ڈھائیں گی، حاکم صحیح مستدرر اور امام الائمہ ابن خزیمہ اپنی صحیح اور بیہقی سنن میں حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ترجی من تشاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۰۶

[2] صحیح بخاری کتاب الاعتصام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۸۷

[3] شعب الایمان حدیث ۲۴۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۹۰

ان اللہ تعالٰی یبعث الایام القیمۃ علی ھیأتھا ویبعث یوم الجمعۃ زھراء منیرۃ اھلھا یحفون بھا کالعروس تھدی الی کریمھا[1]۔	بیشک اللہ عزوجل قیامت کے دن سب دنوں کو ان کی شکل پر اٹھائے گا، اور جمعہ کو چمکتا روشن دیتا، جمعہ پڑھنے والے اس کے گرد جھرمٹ کئے ہوئے جیسے نئی دولھن کو اس کے گرامی شوہر کے یہاں رخصت کرکے لے جاتے ہیں۔(ت)

امام اجل ابوطالب مکی قوت القلوب اور حجۃ الاسلام محمد غزالی احیاء میں فرماتے ہیں:

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الکعبۃ تحشر کالعروس المزفوفۃ(قال الشارح الی بعلھا)وکل من حجھا یتعلق باستارھا یسعون حولھا حتی تدخل الجنۃ فیدخلون معھا[2]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بیشک کعبہ روز قیامت یوں اٹھایا جائے گا جیسے شب زفاف دولھن کو دولھا کی طرف لے جاتے ہیں، تمام اہل سنت جنھوں نے حج مقبول کیا اسکے پردوں سے لپٹے ہوئے اس کے گرد دوڑتے ہونگے یہاں تک کہ کعبہ اور اس کے ساتھ یہ سب داخل جنت ہوں گے۔

نہایہ امام ابن الاثیر میں ہے:

منہ الحدیث "یزف علی بینی وبین ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام الی الجنۃ" ان کسرت الزاء فمعناہ یسرع من زف فی مشیہ وازف اذا اسرع وان فتحت فھومن زففت العروس ازفھا اذا احدیتھا الی زوجھا[3]۔	یعنی اسی باب سے ہے یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی مرتضی میرے اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیچ میں جنت کی طرف خوش خوش تیز چلیں گے، یا میرے اور ان کے بیچ میں جنت کی طرف یوں لیے جائیں گے جیسے نئی دولھن کو دولھا کے یہاں لے جاتے ہیں،

امام اجل ابن المبارک وابن ابی الدنیا وابوالشیخ اور ابن النجار کتاب الدرر الثمینہ فی تاریخ المدینۃ

[1] المستدرک للحاکم کتاب الجمعہ باب سید الایام یوم الجمعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۷۷

[2] احیاء العلوم کتاب اسرار الحج باب فضیلۃ البیت مطبعۃ المشھور الحئی القاہرہ مصر ۱/ ۲۴۱، اتحاف السادۃ التقین کتاب اسرار الحج باب فضیلۃ البیت دارلفکر بیروت ۴/ ۲۷۴، قوت القلوب کتاب الحج ذکر فضائل البیت الحرم دارصادر بیروت ۲/ ۱۲۱

[3] النھایہ لابن الاثیر باب الزء مع الفاء المکتبۃ الاسلامیہ الریاض ۲/ ۳۰۵

میں کعب احبار سے راوی کہ انھوں نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بیان کیا اور کتاب التذکرہ میں امام ابو عبداللہ محمد قرطبی کے الفاظ یہ ہیں کہ:

روی ابن المبارك ن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها انها قالت ذکر وارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وکعب الاحبار حاضر فقال کعب الاحبار [1]۔	یعنی امام ابن المبارک نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک تھا اور اس وقت کعب احبار حاضر تھے تو کعب احبار نے کہا

ہر صبح ستر ہزار فرشتے اتر کر مزار اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طواف عـــہ۱ کرتے اور اس کے گرد حاضر رہ کر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے رہتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے وہ چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار اور اتر کر یونہیں طواف کرتے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرتے رہتے ہیں، یونہیں ستر ہزار رات میں حاضر رہتے ہیں اور ستر ہزار دن میں۔

حتی اذا انشقت عنه الارض خرج فی سبعین الفامن الملئکة یزفون عـــہ۲ صلی اللہ تعالیٰ	جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزار مبارک سے روز قیامت اٹھیں گے ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ باہر

عـــہ۱: فی المواهب الشریفة من فجر یطلع الانزل سبعون الفامن الملئکة حتی یحفون [2] الحدیث فقال العلامة الزرقانی ای یطوفون [3] الخ۔

مواہب شریف میں ہے ہر صبح ستر ہزار فرشتے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ یفون کا معنی یطوفون (طواف کرتے ہیں) ہے الخ (ت)

عـــہ۲: هذا مافی المشکوة ومجمع بحار الانوار او المدارج الشریفة ولفظ التذکرة والمواهب یوقرونه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم [4] من التوقیر بمعنی التعظیم والکل صحیح، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منه

یہ مشکوٰۃ، مجمع بحاالانوار اور مدارج شریف کے الفاظ ہیں۔ تذکرہ اور مواہب میں ہے اس کا معنی یوقرون ہے کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں۔ اور تمام معانی صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ الدرر الثمینہ المقصد العاشر الفصل الثالث دار المعرفۃ بیروت ۸ /۳۴۹، التذکرۃ فی احوال الموتی باب فی بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من قبرہ دارلحدیث مصر ص ۱۶۳ المواہب اللدینۃ المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۲۵

[2] المواہب اللدینۃ المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۲۵

[3] شرح الزقانی علی المواہب الدینیۃ القصد العاشر دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۳۴۹

[4] التذکرۃ فی احوال الموتی والآخرۃ باب فی بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من قبرہ دار الحدیث مصر ص ۱۶۳

علیہ وسلم [1]۔	تشریف لائیں گے جو حضور کو بارگاہ عزت میں یوں لے چلیں گے جیسے نئی دولھن کو کمال اعزاز واکرام وفرحت وسرور وراحت وآرام وتزک احتشام کے ساتھ دولھا کی طرف لے جاتے ہیں۔

مجمع بحارالانوار میں بعلامت ط علامہ طیبی شارح مشکٰوۃ سے بعد ذکر حدیث علی مثل عبارت مذکورہ نہایہ ہے:

ومنه فی الوجهین فی سبعین الفا عـــه من الملٰئکة یزفونه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [2]۔	ستر ہزار فرشتے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ کا طواف کرتے ہیں (ت)

شیخ محقق محدث دہلوی قدس سرہ مدارج میں اسی حدیث ک ترجمہ میں فرماتے ہیں:

چوں مبعوث می گردد وآنحضرت از قبر شریف بیروں می آید میان ایں فرشتگان زفاف می کنند اورا و زفاف در اصل بمعنی بروں عروس بخانہ زوج ومراد ایں جالازم معنی ست کہ بردن محبوت ست پیش محب یعنی بردن آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدرگاہ عزت [3]۔	جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مزار اقدس سے باہر تشریف لائیں گے تو فرشتوں نے دولھا کی طرح آپ کو گھیرا ہوگا۔ زفاف کا معنی دولہن کا خانہ زوج سے باہر آنا ہوتاہے، یہاں لازم معنی مراد ہے کہ محبوب کو محب کے پاس لے جانا یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو رب اکرم کی بارگاہ اقدس میں لے جانا (ت)

اب وہابیہ بولیں کس کس کو کافر کہیں گے مگر ان کو اس پر تنبیہ بیکار، انکے مذہب کی بناء ہی اس پر ہے کہ اللہ ورسول تک کو مشرک بتاتے ہیں۔ پھر اور کس کی کیا گنتی، ان کے امام نے تقویت الایمان میں صاف لکھ دیا: ''جو کہے اللہ ورسول نے دولتمند کردیا، وہ مشرک ہے [4]،'' حالانکہ بعینہٖ یہی کلمہ خود اللہ عزوجل

عـــه: سقط الفاظ الفامن نسختہ الطبع فلیستبنہ ۱۲ منہ	باخبر رہیں کہ مطبوعہ نسخہ میں ''الفًا'' کا لفظ ساقط ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] التذکرۃ فی احوال الموتی باب فی البعث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الحدیث مصر ص ۱۶۳، مشکٰوۃ المصابیح باب الکرامات فضل الثالث مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۴۶

[2] مجمع بحار انوار تحت لفظ زفف مطبع نولکشور لکھنو ۲/ ۶۳

[3] مدارج النبوت باب پنجم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۴۰

[4] تقویۃ الایمان

وسید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قرآن عظیم وحدیث صحیح میں فرمایا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰہُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور انھیں کیا برا لگا یہی نا کہ اللہ ورسول نے انھیں دولتمند کردیا اپنے فضل سے۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ماینقم ابن جمیل الا انہ ان کان فقیرا فاغناہ اللہ ورسولہ[2]۔	ابن جمیل کو کیا برا لگا آخر یہی کہ وہ محتاج تھا اللہ ورسول نے اس کو دولتمند کردیا۔

مسلمان دیکھیں کہ وہ بات جو اللہ جل جلالہ نے فرمائی اللہ کے رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمائی، وہابیہ کا امام منہ پھیر کر کہہ رہا ہے کہ جو ایسا کہے مشرک ہے، پھر بھلا جس مذہب میں اللہ ورسول تک معاذ اللہ مشرک ٹھہریں اس سے مسلمانوں کو کافر کہنے کی کیا شکایت!

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾"[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی عظیم کی توفیق وتوانائی کے بغیر نہ برائی سے پھرنے کی قوت اور نہ نیکی بجالانے کی طاقت، اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۱: از بمبئی چھاچھ محلّہ نمبر ۳ مرسلہ محمد ایوب ابن حاجی صدیق میمن صاحب ۳ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ

یہاں کے باشندے حضرت مولانا ممدوح کے بہت ہی معتقد ہیں اور ان کے فرمان کو بہت عزت اور قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے زور قلم کا ہر شخص لوہا مانے ہوئے ہے، مولانا کی تحریر ہی پر گویا سارا دار ومدار ہے، مولانا صاحب میں خدا کی عنایت سے علاوہ عالم ہونے کے یہ بھی بڑا کمال ہے کہ آپ فن شعر اور نکات شاعری سے بخوبی واقف ہیں اور ماہر ہیں یہ بات دوسرے عالم میں نہیں پائی جاتی آپ ہی سے فیصلہ اس کا بھی اچھی طرح ہوسکتا ہے ثم التسلیم بالتکریم۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[2] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب فی قول اللہ تعالٰی وفی الرقاب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۸

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

خیر طلب ہیچدان حیدر علی خاں عفی عنہ حیدر فرخ آبادی
جواب فورامع فتوی ود ستخطی ومہری حضرت مولانا مرشد آنا چاہئے۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خالد سنی المذہب نے مندرجہ ذیل شعر کلمات شہادت کا ابتدائی ٹکڑا نظم کیاہے جس سے پورا کلمہ شہادت مراد ہے، لیکن زید جو مذہبا شیعہ ہے اس سے پورا کلمہ شہادت مراد نہیں لیتا ہے بلکہ صرف اشھدان الا الہ کے معنی سے خالد کو ملحد قرار دیتا ہے۔

اشھدان لاالہ نقش ہے اس لوح پر
نیر توحید کب عاشق کی پیشانی نہ تھی

مندرجہ بالا شعر کی نسبت زید نے مندرجہ ذیل الفاظ لکھے ہیں: شعر کا پہلا مصرعہ الحادی کا سائن بورڈ ہے کیونکہ اشھدان لاالہ کے تو یہ معنٰی ہوئے کہ میں گواہی دیتاہوں کہ نہیں ہے کوئی خدا، پھر جس پیشانی پر یہ کفر کا کلمہ لکھا ہو اسے ہم الحاد کا سائن بورڈ نہ کہیں تو کیا کہیں۔اسی طرح زید نے بکر سنی المذہب کے اس نعتیہ کی نسبت۔

پھر روضہ حضرت کی زیارت کو چل اخلاص
پھر چھوڑ دے تو بہر خدا حب وطن کو

مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کئے ہیں: اخلاص صاحب! کبھی کبھی توہش کی باتیں کیا کیجئے، آپ نے **حب الوطن من الایمان**[1] (وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ت) والی حدیث پڑھی نہیں تو کیا سنی بھی نہیں۔

فلہذا زید کا خالد کو ملحد اور بکر کو بے ایمان قرار دینا جائز اور مندرجہ بالا الفاظ زبان سے کہنا جائز ہے یا قلم سے لکھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو علمائے کرام وفضلائے عظام زید اور زید کے ان مؤیدین کی نسبت جو باوجود سنی ہونے کے زید کی تائید وتصدیق کررہے ہیں از روئے شرع شریف کیا فتوی صادر فرماتے ہیں۔**بینوا توجروا**

الجواب:

حاشا شعر مذکور سے خالد سنی المذہب پر کسی طرح حکم کفر والحاد ممکن نہیں۔مگر اس کے نزدیک جو اس کلمہ طیبہ کو کہ مدار ایمان ہے **معاذاللہ** وہ ٹکڑے کفر واسلام پر منقسم کرے اور اس کا پہلا آدھا کفر خالص جانے اور یہ کس درجہ ناپاک وشنیع ہے۔

اولا: یوں ہو توہر مسلمان جتنی بار **لا الہ اللہ** کہے ہر بار اس کا کافر ہونا اور بعد کفر اسلام لانا ٹھہرے کہ جب تک پہلا جز کہا تھا اس معترض کے طور پر تومطلقا ہر الہ کی نفی تھی اور یہ بیشک کفر ہے، جب **الا اللہ** کہا تو اب اللہ عزوجل کی الوہیت مان کر مسلمان ہوا۔

[1] الدرالمنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ حدیث ۱۴۹ حرج الحاء المکتب الاسلامی بیروت ص ۱۰۰

ثانیا: بلکہ اب بھی مسلمان ہونا بخیر کہ اس وقت الا اللہ کہہ لیا تو کیا ہوا، اس کا پھر ارادہ ہے کہ یہی کلمہ سرے سے پڑھے اور پہلے جز سے خدا کی نفی مطلق کرکے کافر ہو تو کفر سے رجوع کب ہوئی جب کہ پھر عزم کفر موجود ہے اور عزم کفر فی الحال کفر ہے۔

ثالثا: قرآن عظیم میں کس قدر کثرت سے **لا الٰہ الا اللہ** و **لا الٰہ الا ھو** وارد ہے، اگر پہلے جز میں نفی عام الوہیت ہر الٰہ ہے جیسے کہ معترض کا خیال تبع ہے تو معاذاللہ قرآن کریم نے صدہا بار الوہیت رب العزت کی نفی فرمائی اور ہر بار نفی کرکے اثبات فرما کر تناقضوں کی ٹھہرائی، **تعالی اللہ عن ذٰلك علوا کبیرا**[1] (اللہ تعالٰی اس سے بلند ہے۔ت)

رابعًا: معترض کے طور پر معاذاللہ سب کلمہ گو جن میں بزعم معترج خود معترض بھی داخل فاسد النکاح ہوں اور ان کی اولاد اولاد الزنا کہ جب پہلا جزء کہا کافر ہوگئے، نکاح ٹوٹ گئے اور الا اللہ کہنے سے اگرچہ اسلام عو بھی کرائے ٹوٹا نکاح تو نہیں جڑتا تب تک از سر نو نہ وہ اور وہ ونہ ہوا تو سب بے نکاحی رہیں اور اولاد والد الحرام۔

خامسًا: معترض کے نزدیک نزع روح کے وقت کلمہ طیبہ کی تلقین سخت حرام و بدخواہی اہل اسلام ہو اپنے آپ تو کافر ہو ہو کر الا اللہ سے مسلمان ہو لئے اس پر کیا بھروسہ ہے کہ پہلے ہی جز پر روح پرواز کر جائے یا زبان بند ہو جائے تو معاذاللہ کافر مرے۔

سادسًا: اس کے یہ معنی سمجھنا اسلام پر کیسا سخت الزام پر عبارت صحیح بتانے سے معاذاللہ عجز کا اتہام ہے کہ ایمان کا آغاز کفر سے رکھا **لا الٰہ اللہ** کی جگہ کلمہ طیبہ یوں کیوں نہ بتایا **ان اللہ ھو الا لہ وحدہ لاشریك لہ لیس غیرہ من الہ** یہ خالص اسلام ہوتا اور معترض کا کفر والحاد راہ نہ پاتا۔

بالجملہ اس کے یہ معنی سمجھنا کہ نہیں ہے کوئی خدا، عاقل سے معقول نہیں بلکہ بلاشبہ اس کے معنی نفی الوہیت غیر خدا ہیں یقینا قطعاً مسلمان جس وقت اس سے تلفظ کرتا ہے یہی مراد لیتا ہے تو بحمد اللہ تعالٰی اس کے دونوں جز عین ایمان ہیں، پہلا جز الوہیت غیر خدا کی نفی اور دوسرا جز الوہیت الٰہ حق کا اثبات اور دونوں ایمان ہیں۔ رضی نے کہ نحو و عربیت کا بڑا محقق اور مذہب کا شیعی تھا، اس کی تحقیق کی اور بتادیا کہ یہاں ہر گز نفی عام نہیں۔ ورنہ تناقص لازم آئے بلکہ ماوراء مستثنٰی کی نفی ہوتی ہے، شرح کافیہ میں

[1] شرح المقاصد المبحث الثانی الوجود مفهوم واحد الخ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۷۴

اس کی عبارت با لتلخیص یہ ہے:

ان قلنا انه داخل فی القوم والاء لاخراج زید منهم بعد الدخول کان المعنی جاء زید مع القوم ولم یجیٔ زید وهذا تناقض ظاہر ،ینبغی ان یجنب کلام العقلاء عن مثله،وقد ورد فی الکتاب العزیز من الاستثناء شیئ کثیر کقوله تعالٰی فلبث فیهم تلک الخمسین عاما فیکون المعنی لبث الخمسین فی جملة الالف ولم یلبث تلک الخمسین تعالی الله عن مثله علوا کبیرا (الٰی ان قال) فزبدة الکلام ان دخول المستثنی منه ثم اخراجه بالا واخواتها انما کان قبل اسناد الفعل او شبهه الیه فلا یلزم التناقض فی نحو جاء فی القوم الازیدا لانه بمنزلة قولک القوم المخرج منهم زید جاؤنی وذلک لان المنسوب الیه وان تأخر لفظا لابد له من التقدم وجودا علی النسبة التی یدل علیها الفعل اذ المنسوب الیه والمنسوب سابقان علی النسبة بینهما ضرورة ففی الاستثناء لما کان المنسوب الیه هو المستثنٰی منه مع الا والمستثنٰی فلا بد من وجود هذه الثلثة قبل النسبة فلا بد ذلک اذن من حصول الدخول والاخراج قبل النسبة فلا تناقض [1] اھ

(اگر ہم یہ کہیں کہ جاءنی القوم الازیدا میں زید قوم میں شامل ہے اور الا اس کو قوم میں شامل ہونے کے بعد نکالنے کے لئے ہے تو معنٰی یہ ہوگا، کہ زید قوم کے ساتھ آیا اور نہ آیا۔ یہ واضح تناقض ہے لہٰذا ایسا متناقض کلام عقلاء سے متصور نہیں ہوسکتا حالانکہ قرآن پاک میں یہ استثناء کثیر موجود ہے جیسے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ہزار برس بغیر پچاس کے ٹھہرے، تو معنٰی یہ ہوئے کہ آپ پچاس سمیت مجموعہ ہزار ٹھہرے، اس واضح تناقض سے اللہ تعالٰی پاک ہے، آگے انھوں نے یہ تک کہا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مستثنٰی منہ میں دخول اور الاّ اور دیگر حروف کے ساتھ پھر اس کو خارج کرنا فعل یا شبہ فعل کے اسناد سے قبل ہوتا ہے تو اب جاءنی القوم لا زیدا جیسی مثالوں میں تناقص لازم آئے گا، کیونکہ اب معنی یوں ہوا" قوم جس سے زید

---

[1] شرح الکافیہ للرضی بحث المستثنٰی دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۲۵۔۲۲۶

خارج ہے میرے پاس آئی،اس لئے کہ منسوب الیہ اگرچہ لفظی طور پر فعل سے موخر ہے لیکن وجودی طور پر فعل سے مقدم ہے کیونکہ منسوب اور منسوب الیہ اس نسبت سے مقدم ہوتے ہیں جو دونوں میں پائی جاتی ہے اور یہ نسبت وہ ہے جس پر فعل دال ہے تو استثناء میں جب منسوب الیہ یعنی مستثنٰی منہ اور الاّ اور مستثنٰی تین چیزیں ہیں تو لازمی طور پر یہ تین فعل والی نسبت سے پہلے ہوں گے لہٰذا اب دخول وخروج نسبت سے قبل ہوا تو تناقص نہ رہا۔ت)

اقول: حاصل یہ ہے کہ لفظ مافی النفس سے تعبیر ہوتے ہیں یہاں اگر یوں ہو کہ متکلم نے **اولًا** نفی عام بلا د استثناء کی اور جزء اول سے تعبیر کیا پھر اس عام میں سے مستثنٰی کو جدا کیا اور اس پر جزء استثنا سے دلالت کی تو صریح تناقص ہے کہ یہ دو حکم متنافی ہوئے لا سالبہ کلیہ تھا اور یہ موجبہ جزئیہ اور وہ دونوں نقیض ہیں،ایسا ہر گز نہیں بلکہ وہاں صرف حکم واحد ہے متکلم نے ایک مفرد کلی کو کہ مرتبہ لابشرط شے میں تھا مستثنٰی سے فارغ کرکے مرتبہ بشرط لا شی میں لیا اور اس مقید پر حکم واحد کیا بے ادخال لا والا سے معبر کیا لا حکم ہے اور الاّ قید مسند الیہ کہ اس کے مرتبہ بشرط لا پر دال تو یہ لا ہر گز نفی جمیع کے لئے نہیں بلکہ نفی ماورائے مستثنٰی کے لئے تو **مافی الذھن** یقینا حق ہے،ہاں تقیید پر دلالت درکار،وہ اگر نفس کلام میں نہ ہوتی تو کلام کی ترکیب مشہور ومعروف کا مسلمان میں دائر وسائر،اور قائل کا مسلمان ہونا خود ہی دلالت کرتا کہ یہ تنگی شعر کے سبب بعض کلام پر اختصار ہے اور مراد یقینا مجموع جیسے ہے بے تنگی کلام **قلیا** اور **لن تنا** کہتے ہیں اور مراد سورہ کافرون وپارہ چہارم،مسلمان اگر **ابنت الربیع البقل** (موسم بہار نے سبزہ اگایا۔ت) کہے تو اس کا سلام ہی تجوز پر قرینہ ہے،اس سے یہ گمان کہ اس نے خود فصل بہار کو سبزی کا خالق مانا ہے،ہر گز مسلم عاقل کو نہیں ہوسکتا **کما نصوا علیه وصرح به فی الفتاوی الخیریه** وغیرہا (جیسا کہ اس پر علماء نے تصریح موجود ہے اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ میں یہ تصریح موجود ہے۔ت) نہ کہ یہاں نفسی کلام میں معنٰی صحیح کی صاف تصریح موجود ہے کہ مصرع دوم میں صاف توحید بتائی اور یہ ہی اول سے مراد ٹھہرائی،اگر **معاذاللہ** نفی مطلق ہوتی توحید کب رہتی تعطیل ہوتی،توحید تو ایک کا اثبات ہے نہ کہ **معاذاللہ** عام نفی تام،تو ثابت ہوا کہ اس پر حکم الحاد اگر از قبیل **کل اناء یترشح بما فیه** (ہر برتن وہی کچھ باہر پھینکتا ہے جو اس میں ہو۔ت) نہ ہو تو جنون خالص ہے۔لاجرم جامع الفصولین فصل ۳۸ میں ہے:

من قال لاالہ وارادان یقول الا اللہ	جس نے لا الہ کہا الا اللہ ارادہ کے باوجود نہ کہہ

ولم یقل لایکفر لانه عقد علی ایمان [1]۔	سکا تو وہ کافر نہیں کیونکہ اس نے ایمان کے ارادے سے یہ کہا(ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین میں ہے: آثراعنه الی(عه)لایکفر [2] (اسی کے عدم کفر کو ترجیح حاصل ہے۔ت)

اسی طرح فتاوٰی بزازیہ و شرح ملتقی الابحر میں ہے، ہاں شاعر نے اسی قتصار میں تقصیر ضرور کی علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اس لاکامد طویل نہ کرے کہ صورت نفی سے جلد جانب تصریح اثبات منتقل ہوجائے اس نے اتنی دیر کی کہ صورت نفی مصرع اول میں رکھی اور تصریح اثبات چھ لفظوں کے فاصلہ سے مصرع دوم میں اسے یوں کہنا تھا اشھدان الاالٰہ غیرہ ہے اس پر نقش۔

اسی طرح بکر سنی کے شعر مذکور پر اعتراض جہل فاضح یا عناد واضح ہے حب الوطن من الایمان [3] (وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ت) نہ حدیث سے ثابت نہ ہرگز اس کے یہ معنی، اس کا یہ معنی امام بدرالدین زرکشی نے اپنے جز اور امام شمس الدین سخاوی نے مقاصد حسنہ اور امام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی نے الدرالمنتشرہ میں بالاتفاق اس روایت کو فرمایا: لم اقف علیه [4] (میں اس سے آگاہ نہیں ہوسکا۔ت) امام سخاوی نے اس کی اصل ایک اعرابی بدوی اور حکیمان ہند کے کلام میں بتائی کما یظھر بالرجوع الیه (جیسا کہ اس کی طرف رجوع سے ظاہر ہے۔ت) اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں اپنے بندوں کی کمال مدح فرمائی جو اللہ ورسول جل وعلاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت میں اپنا وطن چھوڑیں، یار و دیار سے منہ موڑیں، اور ان کی سخت مذمت فرمائی جو جب وطن لئے بیٹھے رہے اور اللہ ورسول کی طرف مہاجر نہ ہوئے۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِيۡمَ كُنۡتُمۡ‌ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک ملائکہ جن کی جان نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کررہے تھے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے، کہتے ہیں ہم اس بستی میں

عه: وھکذا فی الاصل لعله "انه"۔

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۸

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۸۹

[3] الدار المنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ حرف الحاء حدیث ۱۸۹ المکتب الاسلامی بیروت ص ۱۰۰

[4] المقاصد الحسنہ للسخاوی حدیث ۳۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۰۹، الدرر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ حروف الحاء حدیث ۱۸۹ المکتب الاسلامی بیروت ص ۱۰۰

تَکُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۙ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾ "[1]	کمزور دبائے ہوئے تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین (مدینہ طیبہ) گنجائش والی نہ تھی کہ تم وطن چھوڑ کر اس میں جارہتے ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی بُری پلٹنے کی جگہ مگر کمزور اور عورتیں بچے جنھیں کچھ بنائے نہ بنی نہ راہ ملی قریب ہے کہ اللہ تعالٰی ان کو معاف فرمائے، اللہ تعالٰی معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے اور جو اللہ تعالٰی کی راہ میں وطن چھوڑ کر اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا اپنے گھر سے نکلے پھر اسے موت آجائے اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ثابت ہولیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جو مدینہ طیبہ کی حاضری پر حب وطن کو ترجیح دیں وہ ظالموں کی طرح ہیں اور جو حب وطن کو خاک بوسی آستان عرش نشان پر تصدق کریں وہ ان مقبولوں میں ہیں:

"قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾ "[2]	تم فرماؤ سب اپنے کینڈے (طریقے) پر کام کرتے ہیں تو تمھارا رب خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ راہ پر ہے۔ (ت)

وہ وطن جس کی محبت ایمان سے ہے وطن اصلی ہے جہاں سے آدمی آیا اور جہاں جانا ہے۔

کن فی الدنیا کانك غریب اوعابر سبیل [3]۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دنیا میں اس طرح رہو جیسے اجنبی ہو یا مسافر، اور ہمارے لئے اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہی سب کا کارساز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۹۷تا۱۰۰

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۴

[3] کنز العمال حدیث ۶۱۲۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۱۹۶

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۳

مسئلہ ۵۲ تا ۵۸: از ریاست رامپور مرسلہ معشوق علی صاحب ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر میلاد خواں مجلس میلاد شریف میں مفصلہ تحت مضامین کی نظم یا نثر پڑھتے ہیں:

(۱) میم کی چادر مکھ پر ڈالے احمد بن کر آیا،

(۲) شب وصل خدا نے نبی سے کہا تو اور نہیں میں اور نہیں
ہے میم کا پردہ کیا پردہ تو اور نہیں میں اور نہیں

(۳) کہیں لیلٰی بنا، کہیں مجنون، کہیں شریں بنا، کہیں فرہاد
ہے میم کا پردہ کیا پردہ تو اور نہیں میں اور نہیں

(۴) کہتا ہے یہ تجھ سے خدا دل میں نہ رکھ اپنے خودی تیرے نگین طبع پر میری حقیقت ہے کھدی
جب عین وحدت کی صفت خاص اپنی میں نے تجھ کو دی من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(۵) ترسیٹھ برس خدا مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں پھرا کسی نے نہ پہچانا۔

(۶) محمد نے خدائی کی خدا نے مصطفائی کی۔
کوئی سمجھے تو کیا سمجھے، کوئی جانے تو کیا جانے

(۷) ایک روز جبریل علیہ السلام حضور سرور کائنات علیہ الصلٰوۃ والتحیات کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اخی! تم کو اپنے مقام سے یہاں تک آنے میں کتنا وقفہ ہوتا ہے؟ عرض کیا: حضور دستار مبارک کا پیچ تمام نہیں فرمانے پائیں گے کہ غلام اپنے مقام سے

یہاں حاضر ہو جائے گا،آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں سے تم کو حکم ملتاہے وہاں پردہ پڑا ہے جاؤاس کو اٹھا کر دیکھو،ادھر آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دستار مبارک زیب سر فرمانا شروع کی،جبریل علیہ السلام نے مقام مذکور پر پردہ اٹھا کر دیکھا تو حضور پٹکا زیب سر فرمارہے ہیں،پھر زمین پر آکر اسی طرح پٹکا زیب سر فرماتے ہوئے دیکھا۔اسی استعجاب میں چند مرتبہ آئے گئے،حیران ہو کر عرض کیا کہ حضور! پھر مجھے کیوں دوڑایا جاتاہے جب یہاں بھی آپ ہے وہاں بھی آپ،اور مثل ان کے،لہٰذا ایسے مضامین کا پڑھنااور سننا شرع شریف میں کیا حکم رکھتاہے؟ کسی سے اس بارے میں جھگڑا قصہ نہیں ہے۔اپنا عقیدہ صاف کرنے کی غرض سے یہ تکلیف دی جاتی ہے۔

الجواب:

(۱) اگر آیا کی ضمیر حضرت عزت عزجلالہ،کی طرف ہے تو بیشک عوام کا ایسا بکنا صریح کلمہ کفر ہےاور اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہے تو بیشک احد واحد ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،دونوں حضور کے اسمائے طیبہ سے ہیں اور معنی یہ کہ حضور مظہر شان احدیت ہیں تجلی احدیت حضور کی عبدیت میں جلوہ گر ہے،اگر میم کہ طوق ف وکمر پرستش ہے ساتر نہ ہو تو عالم میں کوئی دیکھنے کی تاب نہ لائے پھر بھی ایسے لفظ سے بچنے ہی کا حکم ہے کہ عوام کا ذہن ایسی دقیق توجیہ کی طرف نہ جائے گا اوران کے فساد عقیدہ یا اس بات کا موہم ہوگا کہ وہ قائل کو گمراہ جانیں۔حدیث میں ہے:

ایاك ومایعتذر منه [1] فان الخیر لایعتذر منه۔	ہر اس شیئ سے بچو جس پر معذرت کرنی پڑے،اور خیر میں معذرت نہیں کرنا پڑتی۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے:ایاك ومایسوء الاذن [2] (ہر اس شے سے بچو جسے کان بُرا جانیں۔ت) تیسری حدیث میں ہے: حدثوا الناس بمایعرفون [3] (لوگوں سے وہی بیان کرو جو ان کے لئے معروف ہے۔ت) چوتھی حدیث میں ہے:

ماانت بمحدث قوما حدیثا لا تبلغه عقولهم الاکان لبعضهم فتنة [4]۔	جب کوئی کسی قوم کو ایسی بات بیان کرے گا جہاں تک ان کی عقل کی رسائی نہیں تو وہ ان میں فتنہ کا سبب بنے گا(ت)

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/ ۳۲۷

[2] مسند امام احمد بن حنبل بقیه حدیث ابو العادیة دارالفکر بیروت ۴/ ۷۶

[3] کنز العمال حدیث ۲۹۳۱۸ موسسة الرسالة بیروت ۱۰/ ۲۴۷

[4] صحیح مسلم باب النهی عن الروایة عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹

ف:اصل میں اسی طرح ہے مگر اعلٰحضرت کا خط نہیں اس لئے ناقل سے غالبًا سہو ہوا۔

(۲) یہ اللہ عزوجل پر افتراء ہے اور اس کاظاہر کفر،

وقد قال اللہ تعالٰی "اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ" [1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔(ت)

(۳) بظاہر کفر ہے ف اور اس کا مقلد زندیق۔ عوام کو ایسا تفوہ کفر کا کھلا راستہ ہے، عوام سے مراد وہ ہیں کہ مقام حقائق تک نہ پہنچے اگرچہ علماء کہلاتے ہوں اور ان سے بدتر وہ مسخرگان شیطان کہ جاہل ہیں اور اور علم حقائق کے مدعی۔

(۴) فارسی شعر حضرت امیر خسرو قدس سرہ العزیز کا عاشقانہ غزل ہے اسے یوں نعت شریف میں لے جانا اور کلام الٰہی ٹھہرانا اور اللہ ورسول میں یوں اتحاد ماننا بلکہ حضور کو جان اور اللہ کو تن جاننا یہ صریح کفر وارتداد ہے۔

(۵) اس کاظاہر بھی کلمہ کفر ہے،

ووقوع مثلہ فی کلام اللہ وکلام رسولہ کمایذکر عن التورٰۃ جاء اللہ من طور سیناء واشرق من ساعیر واستعلن من فاران وحدیث یا موسٰی کنت مریضا فلم تعدنی کنت جائعا فلم تطعمنی [2] وامثال ذٰلک لایکون سندا للجواز فلیس للعبد ان یتعدی طورہ وعلیہ اتباع المحکمات دون ماتشابہ منہ۔	اس کا وقوع کلام الٰہی اور کلام رسول ایں جیسا کہ تورات سے ہے کہ اللہ تعالٰی طور سیناء سے آیا اور ساعیر اور فاران ان سے وہ چمکا، اور حدیث میں ہے: اے موسٰی! میں مریض تھا تم نے میری عیادت نہ کی، میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ اور اس کے دیگر امثال یہ جواز کی سند ودلیل نہیں بن سکتے، بندے کو اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے بندے پر محکمات کی اتباع لازم اور متشابہات سے بچنا لازم ہے۔(ت)

(۶) پچھلا مصرع تو صحیح ہے اور پہلے کا نصف اخیر بھی صحیح ہے کہ کرنا بنانے پیدا کرنے کو کہتے ہیں: ؎

گفتم ایں جام جہاں بیں بتوکے داد حکیم　　　گفت آں روز کہ ایں گنبد مینامی کرد

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[2]

ف: اندازہ سے بنایا اصل میں بیاض ہے۔

(میں نے اسے کہا کہ یہ جہاں نما جام تجھے حکیم نے کب دیا؟ اس نے کہا کہ جس دن اس نے یہ گنبد (آسمان بنایا۔ت)
یعنی اللہ عزوجل نے حضور کی مصطفائی پیدا کی حضور کو یہ مرتبہ بخشا، البتہ نصف اول بہت سخت ہے اس میں تاویل بعید یہ ہے
کہ خدائی مخلوق کو کہتے ہیں ع

ساری خدائی اک طرف فضل الٰہی اک طرف

اور خدائی کی پیدائش بطفیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا **لولاك لما خلقت الدنیا**[1]
(اگر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں دنیا پیدا نہ فرماتا۔ت) حضور تخم وجود واصل موجود ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم، تو نسبت مجاز ہے جیسے **انبت الربیع البقل** بہار نے سبزہ اگایا۔ **وقال اللہ تعالٰی "مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ"**[2] (اور اللہ تعالٰی
نے فرمایا: زمین کی اگائی ہوئی چیزیں۔ت) اگانے والا زمین کو فرمایا، مگر حق یہ ہے کہ ایسی تاویل نہ لفظ کو کلمہ کفریہ ہونے سے
بچائے نہ قائل کو اشد حرام ہے کے ارتکاب سے، بہار و زمین غیر ذوی العقول پر قیاس نہ ہوگا۔ اور ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع[3]۔	منع کے لئے محض محال معنی کا ایہام ہی کافی ہوتا ہے۔(ت)

(۷) یہ روایت محض کذب وباطل ومردود وموضوع وافتراء واختراع ہے **قاتل اللہ واضعھا** (اللہ تعالٰی ایسی روایت گھڑنے
والے کو برباد کرے۔ت) اور اس کا ظاہر سخت کفر ملعون ہے۔ ایسے تمام مضامین کا پڑھنا سننا سب حرام ہے، **واللہ سبحانہ
وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از رام پور مرسلہ معشوق علی صاحب ۷ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر میلاد خواں میلاد شریف میں اس نظم کو پڑھتے ہیں:

(۱) اٹھا کر میم کا پردہ سب الا اللہ کہتے ہیں احد میں میم کو ضم کرکے صلی اللہ کہتے ہیں
(۲) ظہور ہو کر کے دنیا میں یہ فرمانا کہ بندہ ہوں تو سب ناسُوت میں حضرت رسول اللہ کہتے ہیں
(۳) ہوئے ممکن سے جب واجب نبی ملکوت میں پہنچے وہاں سب دیکھ احمد کو ظہور اللہ کہتے ہیں

---

[1] الفوائد المجوعۃ باب فضائل النبی حدیث ۱۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۲۶، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ حدیث ۷۵۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۹۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

(۴) جو پہنچا مرتبہ جبروت میں مسجود عالی کا	تو اس جسم مطہر کو وہ نور اللہ کہتے ہیں
(۵) الست مرتبہ لاہوت سمجھو ذات کا احمد	سب اس رتبہ میں آنحضرت کو عین کہتے ہیں
(۶) خدا فرمائے گا محشر میں بخشالو تم اب احمد	گنہ گاران امت کو شفیع اللہ کہتے ہیں
(۷) نزول از تا عروج حضرت کا لکھا ہے حقیقت سے	خدا پہچان سب سے حسن اللہ کہتے ہیں

الجواب:

ان اشعار کا پڑھنا حرام حرام سخت حرام ہے، ان میں بعض کلمہ کفریہ ہیں اگرچہ تاویل کے سبب قائل کو کافر نہ کہیں اور بعض موہم کفر ہیں اور یہ بھی حرام ہے، ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع[1]۔	منع کے لئے محض محال کا معنی کا ایہام ہی کافی ہوتا ہے۔ (ت)

ہاں بعض جیسے شعر چہارم وششم ایہام کفر سے خالی ہیں پھر بھی ششم میں مصرعہ دوم "گنہ گاران امت الخ" کو حضرت عزت کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں، اور چہارم میں مسجود کا لفظ مناسب نہیں۔ ہاں شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

ہزاران ہزار عاشق برآستانہ او (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سجدات می کنند وایں مرتبہ ہیچکس را نداده اند۔ مگر بطفیل ایں محبوب (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) برخے از اولیائے امت راشمہ محبوبیت آں نصیب شدہ مسجود خلائق و محبوب دلہا گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم وسلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہما[2] (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	لاکھوں عشاق ان (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے مبارک آستاں پر سجدہ کرتے ہیں اور یہ مرتبہ جس کی بھی عطا کیا گیا ہے وہ اس محبوب (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی طفیل ہے۔ اولیائے امت میں سے جس کو اس محبوبیت سے حصہ ملا ہے وہ مخلوق کے مسجود و محبوب ہوئے مثلًا حضرت غوث الاعظم، سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۰: از ناگور مارواڑ دکان سید محمد صدیق لعل محمد سوداگران مرسلہ حضرات مذکورین ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

---

[1] ردالمحتار کتاب الحضر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) پ عم س الم نشرح مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ۳۲۲

ہمارے سرور عالم کا رتبہ کوئی کیا جانے
خدا سے ملنا چاہے تو محمد کو خدا جانے

یہ شعر عام طور پر حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محفل میلاد میں پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس شعر کا ظاہر صریح کفر ہے اور اس کا پڑھنا حرام ہے اور جو اس کے ظاہر مضمون کا معتقد ہو یقینا کافر ہے۔ہاں اگر بقرینہ مصرعہ اولٰی یہ تاویل کرے کہ خدا سے ملنا چاہے تو یوں سمجھے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرتبہ کو اللہ ہی جانتا ہے تو یہ معنی صحیح ہے،مگر ایسا موہم لفظ بولنا جائز نہیں۔ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایہام المعنی المحال کاف فی المنع [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	منع کے لئے محض محال معنی کا ایہام ہی کافی ہوتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۱: از جودھپور مارواڑ مرسلہ قاضی محمد عبدالرحمٰن صاحب متخلص بہ طالب مدرس درجہ اول سردار اسکول ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ

حضرتم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،،بتاریخ ۱۶ مارچ سنہ رواں بروز یک شنبہ جودھپور میں مشاعرہ تھا،مصرع طرح ھو ہذا: "شب عاشق سحر نہ ہو جائے" نمبر ۲ پر ایک غزل نعتیہ پڑھی گئی جس کا مطلع یہ ہے:ے

نعت خیر البشر یہ نہ ہو جائے
دل حقیقت نگر نہ ہو جائے

کیا حضور! یہ مطلع نعت میں ٹھیک ہے؟اس کا قائل کہتا ہے کہ آپ کے دیوان میں بھی اس قسم کا کوئی شعر ہے گروہ شعر دیوان میں دکھاتا نہیں۔اور خاکسار کے پاس دیوان ہے نہیں۔لہٰذا متکلف ہوں کہ اس میں جو کچھ امر حق ہو جواب سے سرفراز فرمادیں۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،،یہ مطلع سخت باطل وناجائز ہے کہ اس میں نعت اقدس سے ممانعت ہے اور نعت اقدس اعظم فرائض ایمان سے ہے،اس سے ممانعت کس حد تک پہنچتی ہے،اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الحضر ولاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

تاویل کی جگہ نہ ہوتی تو حکم بہت سخت تھا فقیر کے دیوان میں اصلا کوئی شعر اس مضمون کا نہیں۔ **وله الحمد وهو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۲: از شہر دہلی پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ مرسلہ محمد عبدالکریم صاحب ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

حضور! مندرجہ ذیل اشعار کے متعلق یہاں کے مولویوں نے کہا ہے کہ اس کا جواب کوئی اہل اللہ دے گا، لہٰذا اس کا جواب حضور ہی دیں گے۔ **اشعار:**

(۱) چہ خوش گفت بہلول فرخندہ فال ۔۔۔ کہ من از خدا پیش بودم دو سال

(۲) من آں وقت کہ دم خدارا سجود ۔۔۔ کہ ذات وصفات خدا ہم نہ بود

الجواب:

دوسرا شعر ایسا مشکل نہیں، نبود سے نہ نفی مطلق مقصود نہ مفہوم بلکہ نفی مقید بوقت سجدہ یعنی جس وقت میں نے سجدہ کیا اس وقت میں ذات صفات نہیں۔ اور یہ حق ہے کہ ذات وصفات الٰہی وقت وزمانہ سے متعالی ہیں۔ وہ کسی وقت میں نہیں وقت سے پاک ہیں۔ جیسے کسی مکان میں نہیں مکان سے پاک ہیں، زمان ومکان سب حادث ہیں اور ذات وصفات الٰہی قدیم، جب زمان ومکان نہ تھے ذات وصفات ان سے جدا تھیں، ایسے ہی اب بھی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی، پہلے شعر میں از خدا لفظ پیش سے متعلق نہیں بلکہ بودم سے اور پیش کا متعلق ازیں محذوف ہے۔ جیسے عربی "كُنَّا قَبْلُ فِيْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝۲۶"[1] یعنی قبل ہذا اردو میں پہلے کہہ چکا یعنی اس سے پہلے، یونہیں پیش بودم یعنی پیش ازیں۔ اس کا اشارہ حالت موجود کی طرف ہے یعنی عالم اجساد میں ہونا، اور سائل سے مراد زمانہ ممتمد کہ یہاں ہزار سال ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ میں اس عالم اجساد میں آنے سے دو ہزار برس پہلے خدا کی طرف سے وجود رکھتا تھا، موجود تھا، اور یہ حق ہے، حدیث میں ہے:

ان اللہ تعالٰی خلق الارواح قبل الاجسام بالفی عام[2]۔	اللہ تعالٰی نے روحیں جسموں سے دو ہزار برس پہلے بنائیں۔

بااین ہمہ دونوں شعر موہم معنی کفر ہیں اور ان کا اطلاق سخت اشد حرام، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۳ تا ۶۵: از شہر بریلی محلہ سہسوائی ٹولہ متصل مسجد چپ شاہ مسئولہ لیاقت حسین طالبعلم ۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع درباب اس شعر کے نعت رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **وھو ھذا:**

[1] القرآن الکریم ۵۲/ ۲۶

[2] الفوائد المجوعہ مناقب الخلفاء الاربعۃ الخ حدیث ۹۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۲، الموضوعات لابن جوزی حدیث ۵۷ دارالکفر بیروت ۱/ ۴۰۱

ے کردن مہمانی عشق محمد

جگر کے کوفتے دل کے پسندے

(جگر کے کوفتے اور دل کے کباب بنا کر عشق محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی مہمانی کرنا۔ت)

(۱) آیا قابلیت نعت اور مولود خوانی کی رکھتا ہے یا نہیں؟

(۲) انسان کا گوشت حلال یا حرام؟

(۳) کس مقدس شخص کی مہمانی میں یا اس کے عشق کی مہمانی میں انسان کا گوشت پیش کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

انسان کا گوشت انسان پر حرام ہے عشق پر حرام نہیں وہ ایک آگ ہے کہ ماسوائے محبوب کو جلادیتی ہے، گوشت گھلانا اس کا پہلا فعل ہے، ولہذا حدیث میں فرمایا:

ان اللہ یبغض الحبر السمین [1]۔	اللہ دشمن رکھتا ہے موٹے عالم کو۔

شعر میں "مہمانی عشق" ہی کہا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۶: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ قاسم حسین رضوی مصطفائی ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مندرجہ ذیل اشعار آیا کفر میں داخل ہیں اور ان کا لکھنے والا کافر ہے یا نہیں؟ دلاور حسین میلاد خواں نے میرے سامنے بیان کیا کہ ایک عالم مجدد نے ایسے شاعر کو کافر فرمایا ہے اور تحریری فتوٰی میرے پاس موجود ہے اگر اس نے جھوٹ بولا اور ایک مسلمان پر کفر ثابت کرنے کے لئے ایک بزرگ پر اتہام رکھ کر ایسے غلط لفظ کہے تو کیا وہ کافر ہونے سے بری ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اشعار یہ ہیں:

۱ جوش کرم پر بحر ہے دیکھو یہ الٹی لہر ہے ہم بھولے بیٹھے ہیں انھیں ان کو ہماری یاد ہے

۲ ہے ہم سے غلاموں کا کعبہ تو در آقا اللہ مبارک کرے سجدے کا ادا کرنا

الجواب:

حاشا ان میں کوئی بات کفر تو کفر گمراہی کی بھی نہیں، ممکن کہ اور اشعار کی نسبت فتوٰی ہوا ہو اور دلاور حسین نے بے علمی کے سبب ان کے مضمون کو ویسا ہی گمان کرکے یہ کہہ دیا ہو، بہر حال جاہل کو احکام

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین باب بیان فضیلۃ الجوع دارالکفر بیروت ۷/ ۳۸۸

شرح خصوصًا کفر واسلام میں جراٴت سخت حرام ہے کوئی ہو کسے باشد۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۷: از مراد آباد محلّہ شیدی سرائے مرسلہ صابر حسین صاحب ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا یہ شعر ہے:

سکھی پاپ کی گٹھری توسیس دھری کہیں روس نہ جاویں سام ہری

کتے جاکے بروں کہاں ڈوب مروں سیاں سے حیا شرماوت ہے

اس میں سام ہری جو خدا کا نام رکھا ہے سو یہ عمرو کے نزدیک کفر ہے، آیا یہ قول عمرو کا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

جاہل احمق نادان شاعر نے جو ہندی زبان کی نظم کہی اس میں معبود برحق عزوجلالہ کی طرف انھیں لفظوں سے کنایا کیا جو ہندی میں مستعمل ہے ایسے کلام اس قبیل سے ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی فرماتے ہیں:

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں[1]

(وہ خوش بخت ہے جو دلبروں کے راز دوسروں کی زبان سے کہتا ہے۔ت)

اولیاء اشعار میں لیلٰی و سلمٰی باندھتے ہیں اور مطلب سعدی دیگر ست، نہ کہ **معاذاللہ** رب عزوجل کو ان ناموں سے تعبیر کیا بلکہ وہی گفتہ آید در حدیث دیگراں، سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

ان مجنون بنی عامر کان من احباء اللہ تعالٰی ستر شأنہ بجنون بلیلٰی[2]۔ نقلہ الزرقانی فی شرح المواھب الشریفۃ من روضۃ العاشق لابن القیم واستغربہ۔	حضرت مجنون بنی عامر اولیاء سے تھے عشق لیلٰی کو پردہ کر رکھا تھا (امام زرقانی نے شرح مواہب الشریفہ میں روضۃ العاشق لابن قیم سے اسے نقل کرکے غریب کہا۔ت)

سیدی ابوبکر شبلی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی کو یہ شعر پڑھتے سنا:

اسأل عن سلمی فھل من مخبر یکون لہ علم بھا این تنزل

میں سلمٰی کو پوچھتا ہوں ہے کوئی بتانے والا کہ وہ کہاں اترے گی، فرمایا **واللہ مافی الدارین**

[1] مثنوی مولوی معنوی دفتر اول بردن بادشاہ طبیب غیب را بر سر بیمار نورانی کتب خانہ پشاور ص ۸

2

عنہا مخبر[1]۔ خدا کی قسم دونوں جہان میں کوئی اس کی خبر دینے والا نہیں۔ سیدی ابوسعید خراز رضی اللہ تعالٰی عنہ سوتے سوتے گھبرا کر روتے ہوئے اٹھے اور فرمایا کہ ابھی مجھ سے رب عزوجل نے خواب میں فرمایا: ابوسعید تو لیلٰی و سلمٰی کے اشعار سنتا اور ان کے مضامین کو مجھ پر محمول کرتا ہے، اگر میں نہ جانتا کہ تو مجھ کو دوست رکھتا ہے تو وہ عذاب کرتا کہ نہ کیا ہوتا[2]۔

ھر زبان ہندی میں جو معبود برحق کے اسماسے ہے، جیسے ایشور، اور بظاہر اس میں کوئی معنی محال نہیں جیسے رام میں ہیں کہ ہر چیز پر رما ہونے اور سرایت و حلول پر دلیل ہے اور سیام کنھیا کا نام نہیں اس کا وصف اس سے کرتے ہیں کہ وہ سیہ فام تھا اور سیام سیاہ کو کہتے ہیں۔ اور صوفیہ کرام فرماتے ہیں: تجلی ذات بحت کا رنگ خالص سیاہ ہوتا ہے، شاعر نے بڑی خطا کی بہت برا کیا اس پر توبہ لازم ہے، مگر حکم کفر غلو و غلط ہے،

لایخرج العبد من الایمان الاجحود ما ادخله فیه سواء صرح به اوجحد وجحد الجحود وھذا اخبث واعند العنود۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بندہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا مگر جب کہ وہ ایسی چیز کا انکار کرے جس کے ذریعہ سے وہ ایمان میں داخل ہوا تھا خواہ وہ تصریح کرے یا انکار، اور انکار کا انکار یہ زیادہ خبیث اور سبب عناد ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۸تا۶۹: از موضع خورد مئوڈاک خانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مسئولہ سید صفدر علی صاحب ۲صفر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ اس شعر کا شاعر اور قائل شرعاً کیسا ہے **وھو ھذا**: ؎

نہ مر بھوکا نہ رکھ روزہ نہ جا مسجد نہ کر سجدہ

وضو کا توڑ کر کوزہ شراب شوق پیتا جا

(۲) بے نمازی کو نہ جانو دیندار پیر ہو یا ہو مرید بابکار

الجواب:

(۱) یہ شعر کفر ہے۔ **(۲)** یہ شعر ٹھیک ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

1

2

مسئلہ ۷۰: انتظام علی خاں صاحب چھتہ شیخ بنگلور زیر جامع مسجد دہلی ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

شعر اندرون غزل نعتیہ مصنفہ اکبر خاں مرئی: ؎

عجب کھیل کھیلے عجب روپ بدلے زمانہ بہروپیا بن کے آیا

اس قسم کے شعر حضور کی شان کے خلاف ہیں کہ نہیں؟ اور ایسے شعر محافل میلاد شریف حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں پڑھنا چاہئے کہ نہیں "اللہ اللہ گفتہ اللہ می شوی" اس سے مراد لی ہے کہ نمک میں ملی شے نمک ہوگئی، جو خدا میں ملا وہ خدا ہوگیا۔ یہ شعر قابل اعتراض ہے کہ نہیں؟ اور مصرعہ بالا "اللہ اللہ گفتہ اللہ می شوی" سے مراد اور مطلب کیا حاصل ہونا چاہئے؟

الجواب:

بہروپئے والا شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح توہینوں پر مشتمل ہے، کھیل کھیلنا روپ بدلنا کہنا ہی توہین تھا، مصرع دوم نے کفر پر رجسٹری کردی **والعیاذ باللہ تعالٰی**، یہ کہنا کہ جو خدا میں ملا وہ خدا ہوگیا کفر ہے، اس مصرع سے احتراز لازم ہے، مراد یہ ہے کہ فنافی اللہ می شوی"۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۱: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ خانقاہ برکاتیہ مسئولہ والاحضرت عظیم البرکت مولانا مولوی سید محمد میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۳۰ رجب ۱۳۳۹ھ

حضرت مولانا المعظم والمکرم والمحترم دامت برکاتہم العالیہ، پس از تسلیم مع التعظیم والتکریم معروض خدمت، جناب مولوی حسن رضا خاں صاحب مرحوم کے نگارستانِ لطافت میں ان کی ایک غزل میں ان کا ایک شعر یہ ہے: ؎

شب اسرٰی کے دولھا پر نچھاور ہونے والی تھی
نہیں تو کیا غرض تھی اتنی جانوں کے بنانے سے

یہ شعر ان کے دیوان "ذوق نعت" میں بھی موجود ہے جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اتنی جانوں کے بنانے سے غرض یہ تھی کہ شب اسرٰی کے دولھا پر ان کی نچھاور کی جائے حالانکہ افعال مولٰی عزوجل معلل بالاغراض نہیں ہوا کرتے اس کا حل مجھے مطلوب ہے۔

الجواب:

والاحضرت عظیم البرکت دامت برکاتہم العالیہ، تسلیم مع التعظیم، یہاں طرز ادا دو[۲] ہیں: **اول:** ہم نے یہ کام زید کے لئے کیا ورنہ ہمیں کیا غرض تھی، **دوم** اور کیا غرض تھی، اول میں اپنی غرض کی نفی مطلق ہے

اور ثانی میں اس غرض کا اثبات اور غرض دیگر کی نفی۔ شعر میں طرز اول ہے نہ کہ دوم، تو اس میں مطلقًا نفی غرض ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ فعل اختیاری کے لئے مصلحت یا غرض ضرور ہے ورنہ عبث ہوگا، اور مولٰی تعالٰی عبث سے پاک ہے، اس کے افعال مصالح سے مملو ہیں اور اغراض سے منزہ، وہ مصالح بھی راجع بعباد ہیں۔ مولٰی تعالٰی مصلحت ومفسدت سے پاک، مداح مرحوم مصلحت کا اس میں حصر کرتا ہے،

لحدیث خلقت الخلق لاعرفهم کرامتك و منزلتك عندی ولولاك ماخلقت الدنیا [1]۔ رواہ ابن عساکر عن سلمان فارسی۔	اس حدیث کی وجہ سے کہ میں نے مخلوق اس لئے پیدا فرمائی تاکہ میرے ہاں جو آپ کا مقام و شرف ہے اسے وہ جان لے، اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا پیدا نہ فرماتا۔ اسے ابن عساکر نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

تو عرض کرتا ہے کہ مصلحت یہ تھی ورنہ کیا کوئی غرض تھی کہ اگر غرض و مصلحت دونوں نہ ہوں تو عبث لازم آئے، اور وہ محال ہے۔ لیکن مولٰی تعالٰی غرض سے پاک ہے، لاجرم یہی مصلحت تھی، **وھو تعالٰی اعلم۔**

---

[1] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ذکر ما خص به وشرف به من بین الانبیاء دار الفکر بیروت ۲/ ۱۳۷

رسالہ

سُبحٰن السبوح عن کذب عیب مقبوح ۱۳۰۷ھ

(کذب جیسے بدترین عیب سے اللہ تعالٰی کی ذات پاک ومنزہ ہے)

مسئلہ ۷۲: از ابو محمد صادق علی مداح عفی عنہ گڑھ مکٹیسری از میرٹھ بالائے کوٹ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین در بارہ مسئلہ امکان کذب باری تعالٰی جس کااعلان تحریری وتقریری علمائے گنگوہ ودیوبند اور ان کے اتباع آج کل بڑے زور وشور سے کررہے ہیں، تحریرًا کتاب "براہین قاطعہ" میں کہ مولوی خلیل انبیٹھی کے نام سے شائع کی گئی، جس کی لوح پر لکھا ہے: "بامر حضرت چنین وچناں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی" اور خاتمہ پر ان کی تقریظ بایں الفاظ ہے: "احقر الناس رشید احمد گنگوہی نے اس کتاب براہین قاطعہ کو اول سے آخر تک بغور دیکھا، الحق کہ یہ جواب کافی اور حجت وافی ہے اور مصنف کی وسعت نور علم اور فسحت ذکاء وفہم پر دلیل واضح۔ حق تعالٰی اس تالیف نفیس میں کرامت قبولیت عطافرمائے اور مقبول مقبولین ومعمول عالمین فرمائے[1]" (ملخصًا) جس سے ثابت کہ گویا کتاب ہی تالیف ان کی ہے، صفحہ ۳ پر یوں مکتوب ہے: "امکان کذب کامسئلہ اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے: **ھل یجوز الخلف فی الوعید فظاھر**

---

[1] براہین قاطعہ خاتمہ کتب مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص ۲۷۰

مافی المواقف والمقاصد ان الاشاعرۃ قائلون بجوازہ (کیا خلف وعید جائز ہے، مواقف اور مقاصد سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اشاعرہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ت) پس اس پر طعن کرنا پہلے مشائخ پر طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے[1]۔"**انتھی ملخصا۔** تقریرا مولوی ناظر حسین دیوبندی مدرس اول مدرسہ عربی میرٹھ نے مسجد کوٹ پر بلند آواز سے چند مسلمان میں کہا کہ ہمارا تو اعتقاد یہ ہے کہ خدا نے کبھی جھوٹ بولا نہ بولے مگر بول سکتاہے، بہشتیوں کو دوزخ اور دوزخیوں کو بہشت میں بھیج دے تو کسی کا اجارہ نہیں، اور یہی امکان کذب ہے، **انتھی۔**
پس ایسا اعتقاد کیساہے اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں جس کا عقیدہ ایسا ہے سچی بات بتاؤ اچھا اجر پاؤ۔

الجواب:

سبحٰن ربك رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین، و الحمد ﷲ رب العالمین، والحمد ﷲ المتعال شانہ عن الکذب والجھل والسفہ والھزل و العجز والبخل، وکل مالیس من صفات الکمال المنزہ عظیم قدرتہ بکمال قدوسیتہ وجمال سبوحیتہ عن وصمہ خروج ممکن او ولوج محال، قولہ الحق ووعدہ الصدق، ومن اصدق من اللہ قیلا، وکلامہ الفصل وماھو بالھزل فسبحن اللہ بکرۃ واصیلا، لذاتہ القدم ولنعتہ القدم، فلاحادث	آپ کا رب رب العزت ہر اس عیب سے پاک ہے جو یہ مخالفین بیان کرتے ہیں، تمام رسولوں پر سلام ہو، تمام حمد اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، تمام حمد اللہ کے لئے جس کی شان اقدس ہر قسم کے کذب، جہل، بے عقلی، غیر سنجیدگی، بخل اور ہر اس وصف سے پاک ہے جو اس کے کمال منزہ کے خلاف ہے کمال قدوسیت اور جمال سبوحیت کی وجہ سے اس کی قدرت خروج ممکن اور دخول محال کے عیب سے پاک ومبرا ہے، اس کا فرمان حق اور اس کا وعدہ سچا اور قول کے اعتبار سے اس سے بڑھ کر کون سچا ہوسکتا ہے اس کا مقدس کلام حق و باطل میں فیصلہ کن ہے اور وہ ومذاق، ٹھٹھا نہیں ہے پس اللہ تعالٰی کی تسبیح ہے صبح وشام، اس کی ذات بھی قدیم اور صفات

[1] براہین قاطعہ مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص ۳۵۲

يقوم ولاقائم يحول، وكلامه ازلى وصدقه ازلى، فلا الكذب يحدث ولاالصدق يزول، والصلاة والسلام على الصادق المصدوق سيد المخلوق النبى الرسول الاٰتى بالحق من عند الحق لدين الحق على وجه الحق والحق يقول فهو الحق وكتابه الحق بالحق انزل وبالحق نزل وعلى الحق النزول، واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له حقا حقا، واشهد ان محمد عبده ورسوله بالحق ارسله صدقا صدقا، صلوات الله وسلامه عليه وعلى اله وصحبه وكل من ينتمى اليه، وعلينا معهم وبهم ولهم ياارحم الراحمين، اٰمين اٰمين، اله الحق اٰمين، قال المصدق لربه بتوفيقه العظيم المسبح لمولاه عن كل وصف ذميم، عبدالمصطفى احمد رضا المحمدى السنى الحنفى القادرى البركاتى البريلوى، صدق الله تعالٰى قوله فى الدنيا والاخرة ومصدق فيه ظنه بالعفو والمغفرة، اٰمين، اللهم هداية الحق والصواب۔	بھی قدیم تو حادث قائم نہیں رہتا اور قائم متغیر نہیں ہوتا اور اس کا کلام ازلی ہے اور اس کا صدق ازلی ہے تو اسکے کلام میں کذب کا حدوث نہیں اور اس کے صدق کو زوال نہیں۔ صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات اقدس پر جو صادق ومصدوق، تمام مخلوق کے سردار نبی رسول، حق کی طرف بلانیوالے، بطریق حق، دین حق کے لئے حق لانے والے، حق کا فرمان ہے کہ وہ حق ہیں۔ ان کی کتاب حق جو حق کے ساتھ نازل کیا اور نازل ہوئی اور اس کا نزول حق پر ہوا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریك ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ سراپا حق ہے، میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں اور ان کو حق وصدق دے کر بھیجا، ان پر اللہ تعالٰی کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو اور ان کی آل واصحاب اور ان کی طرف ہر منسوب پر، ساتھ ہم پر بھی ان کی وجہ سے ان کی خاطر ہو یا ارحم الرحمین آمین آمین الہ الحق آمین، اپنے رب کی تصدیق کرنے والے اس کی عظیم توفیق سے، ہر برے وصف سے اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرنے والا غلام مصطفٰی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی کہتا ہے اللہ تعالٰی اس کے قول کو دنیا وآخرت میں سچا فرمائے اور اس کا اپنے بارے میں اللہ تعالٰی سے عفو ومغفرت کے حسن ظن کو سچا فرمائے آمین، اے اللہ! تو ہی حق وصواب کی رہنمائی فرمانے والا ہے۔ (ت)

فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی لہ بحول وقوت رب الارباب، اس مختصر جواب موضح صواب ومزیح ارتیاب میں اپنے مولٰی جل وعلا کی تسبیح وتقدیس اور اس جناب رفیع وجلال منیع پر جرأت وجسارت والوں کی تقبیح وتفلیس کے لئے کلام کو چار تنزیہوں پر منقسم اور ایک خاتمہ پر مختتم اور بنظر ہدایت عوام و ازاحت اوہام،

ایک ضروری مقدمہ ان پر مقدم کرتا ہے۔

تنزیہ ۱ اول: میں ائمہ دین وعلمائے معتمدین کے ارشادات متین جن سے **بحمد اللہ** شمس وامس کی طرح روشن ومبین کہ کذا الٰہی بالاجماع محال اور اسے قدیم سے ائمہ سنت میں مختلف فیہ ماننا عناوہ مکابرہ یا جاہلانہ خیال۔

تنزیہ ۲ دوم: میں بفضل ربانی دعوی اہل حق پر دلائل نورانی جن سے واضح ہو کر کذب الٰہی قطعاً مستحیل اور ادعائے امکان باطل وبے دلیل۔

تنزیہ ۳ سوم: میں امام وہابیہ ومعلم ثانی طائفہ نجدیہ مصنف رسالہ یکروزی کی خدمت گزاری اور ان حضرات کے اوہام باطلہ وہذیانات عاطلہ کی ناز برداری کہ یہی صاحب ان حضرات نو کے امام کہن اور ان کے مرجع وملجاوماخذ ومنتہی، انھیں کے سخن۔

تنزیہ ۴ چہارم میں جہالات جدیدہ کا علاج کافی اور اس امر حق کا ثبوت وافی کہ مسئلہ قدیمہ خلف وعید، اس مزلۃً حادثہ سے منزلوں بعید۔

خاتمہ میں جواب مسائل وحکم قائل، **والحمد اللہ مجیب السائل۔**

مقدمہ، اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق، مسلمان کا ایمان ہے کہ مولٰی سبحانہ وتعالٰی کے سب صفات، صفات کمال وبروجہ کمال ہیں، جس طرح کسی صفتِ کمال کا سلب اس سے ممکن نہیں یوہیں **معاذاللہ** کسی صفت نقص کا ثبوت بھی امکان نہیں رکھتا اور صفت کا بروجہ کمال ہونا یہ معنی کہ جس قدر چیزیں اس کے تعلق کی قابلیت رکھتی ہیں ان کا کوئی ذرہ اس کے احاطہ دائرہ سے خارج نہ ہونہ یہ کہ موجود ومعدوم وباطل وموہوم میں کوئی شیئ ومفہوم بے اس کے تعلق کے نہ رہے اگرچہ وہ اصلا صلاحیت تعلق نہ رکھتی ہو اور اس صفت کے دائرہ سے محض اجنبی ہو۔ اب احاطہ دوائر کا تفرقہ دیکھئے:

(۱) خلاق کبیر جل وعلا فرماتا ہے: "خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ"[1] وہ ہر چیز کا بنانے والا ہے تو اسے پوجو۔ یہاں صرف حودث مراد ہیں کہ قدیم یعنی ذات وصفات باری تعالٰی عزمجدہ مخلوقیت سے پاک،

(۲) سمیع وبصیر جل مجدہ فرماتا ہے: "اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾"[2] وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے، یہ

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۲

[2] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۹

تمام موجودات عــــہ قدیمہ وحادث سب کو شامل مگر معدومات خارج یعنی مطلقًا یا جس چیز نے ازل سے ابد تک

عــــہ: **فائدہ**: اعلم انه ربما یلمح کلام القاری فی منح الروض الی تخصیص بصارہ تعالٰی بالاشکال والالوان وسمعه بالاصوات والکلام، وقد صرح العلامة اللاقانی فی شرح جوھرۃ التوحید بعمومھما کل موجود، وتبعه سیدی عبدالغنی فی الحدیقة وھذا کلام اللاقانی قال لیس سمعه تعالٰی خاصًا بالاصوات بل یعم سائرا لموجودات ذوات کانت اوصفات فسیمع ذاته العلیة وجمیع صفاته الازلیة کما یسمع ذواتنا وما قام بنامن صفاتنا کعلومنا والواننا و ھکذا بصرہ سبحانه و تعالٰی لا یختص بالالوان ولا بالاشکال والاکوان فحکمه حکم السمع سواء بسواء فمتعلقھما واحد [1] انتھی۔اما ماقال اللاقانی قبل ذٰلك حیث عرف السمع بانه صفة ازلیه قائمة بذاته تعالی تتعلق بالمسموعات اوبالموجودات[2] الخ

فائدہ: واضح ہو کہ "منح الروض" میں ملا علی قاری کے کلام سے اللہ تعالٰی کی بصارت کا اشکال والوان اور اس کی سمع کا اصوات وکلام کے ساتھ اختصاص کا اشارۃ معلوم ہوتا ہے حالانکہ علامہ علامہ لاقانی نے "جوہرۃ التوحید" کی شرح میں اللہ تعالٰی کی مذکورہ دونوں صفات کو تمام موجودات میں عام ہونے کی تصریح کی ہے اور علامہ عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ میں ان کی اتباع کی ہے۔اور علامہ لاقانی کا کلام یہ ہے، انھوں نے فرمایا اللہ تعالٰی کی سمع صرف اصوات کے ساتھ مختص نہیں کی بلکہ تمام موجودات کو عام ہے خواہ ذوات ہوں یا صفات، تو باری تعالٰی کو اپنی ذات وصفات کا سامع ہے جس طرح وہ ہماری ذوات اور ہماری صفات مثلا ہمارے علوم اور الوان کا سامع ہے یونہی سبحانہ وتعالٰی کی بصر کا معاملہ ہے کہ وہ بھی اکوان والوان واشکال کے ساتھ مختص نہیں اس کا معاملہ بھی سمع جیسا ہے اور دونوں صفات برابر ہیں تو دونوں کے متعلقات بھی ایک جیسے ہیں انتہی، (اور اس پر علامہ نابلسی کا کلام یہ ہے) لیکن علامہ لاقانی نے جو اس سے قبل فرمایا جہاں سمع کی تعریف یوں کی ہے کہ اللہ تعالٰی کی ازلی صفت ہے جو اس کی (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] الحدیقة الندیه بحواله اللاقانی ھی ای الصفات یعنی صفات المعانی الحیاۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵
[2] الحدیقة الندیه بحواله اللاقانی ھی ای الصفات یعنی صفات المعانی الحیاۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵

کسوت وجود نہ پہنی نہ ابد تک پہنے کہ ابصار کی صلاحیت موجود ہی میں ہے جو اصلا ہے ہی نہیں، وہ نظر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والبصر بانه صفتة ازليه تتعلق بالمبصرات او بالموجودات [1]الخ **فاقول:** لايجب ان يكون اشارة الى الخلاف بل اتى اولا بالمبصرات معتمدا على بداهة تصوره ثم اردت بالموجودات فرارا عن صورة الدور، و ليس فى التعبيرين تناف اصلا فان المبصر ما يتعلق به الابصار وليس فيه دلالة على خصوصية شيئ دون شيئ فاذاكان الابصار يتعلق بكل شيئ كان المبصر والموجود متساديين، نعم لماكان ابصارنا الدينوى العادى مختصا باللون ونحوه ربما يسبق الذهن الى هذا الخصوص فازال الوهم بقوله او بالموجودات آتيا بكلمة اولتخييرفى التعبير۔وهذه نكتة اخرى للارداف وانما لم يكتف به لان ذكر المبصرات ادخل فى التميز۔

ثم اقول، تحقيق التقدم ان الابصار لاشك انه ليس كالارادة

ذات سے قائم ہے اور تمام مسموعات یا موجودات سے متعلق ہے الخ، اور اللہ تعالٰی کی بصر کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ اس کی ازل صفت ہے جو تمام مبصرات یا موجودات سے متعلق ہے الخ، **اقول:** اس سے متعلق میں کہتا ہوں "او" یعنی یا، سے تعبیر میں ضروری نہیں کہ یہ اختلاف کا اشارہ ہو بلکہ مبصرات کو پہلے ذکر کرکے اس کے تصور کی بداہت کو ظاہر کیا پھر موجوادت کو ساتھ ذکر کیا تاکہ دور لازم نہ آئے جبکہ مبصرات و موجودات دونوں تعبیرات میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ مبصر وہ چیز ہے جس سے ابصار کا تعلق ہوسکے جبکہ کسی شیئ سے خصوصیت پر کوئی دلالت نہیں ہے، تو جب ابصار کا تعلق ہر چیز سے ہے تو مبصر اور موجود دونوں مساوی ہوئے، ہاں ہماری دنیاوی عادی بصار چونکہ الوان وغیرہ سے مختص ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ ذہن اس خصوصیت کو اپنائے اس لئے انھوں نے مذکورہ وہم کے ازلہ کے لئے "او بالموجودات" کلمہ "او" کو تعبیر میں اختیار دینے کے لئے لائے۔ تو مبصرات کے بعد موجودات کو ذکر کرنے کا دوسرا نکتہ ہوا، اور صرف موجودات پر اکتفاء اس لئے نہ کیا کیونکہ مبصرات کو امتیاز میں زیادہ دخل نہیں۔ پھر **میں کہتا ہوں** مقام کی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الحدیقة الندیه بحواله اللاقانی هی ای الصفات یعنی صفات المعانی الحیاة مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵

کیا آئے گا تو نقصان جانب قابل ہے نہ کہ جانب فاعل، شرح فقہ اکبر میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

موالقدرة والتکوین التی لایجب فعلیة جمیع التعلقات الممکنة لها بل هو امن صفات التی یجب ان تتعلق بالفعل بکل مایصلح لتعلقها کالعلم فعدم ابصار بعض مایصح ان یبصره نقص فیجب تنزیهه تعالٰی عنه کعدم العلم ببعض مایصح ان یعلم، وهذا ممالایجوز ان یتناطع فیه عنزان انما الشان فی تعبیر مایصح تعلق الابصار به فان ثبت القصر علی الاشکال والوان والاکوان فذاک، وان ثبت عموم الصحة بکل موجود وجب القول بتحقق عموم الابصار ازلًا وابدًا لجمیع الکائنات القدیمة والحادثة الموجودة فی ازمنتها المحققة اوالمقدرة لما عرف من انه لا یجوز ھٰهنا شیئ منتظر لکن الاول باطل للاجماع علی رؤیة المومنین ربهم تبارك وتعالٰی فی الدار الاُخرة فکان اجماع علی ان صحة الابصار لاتختص بماذکر وقدصرح اصحابنا فی هذا المبحث ان مصحح

تحقیق یہ ہے کہ ابصار بیشک، ارادہ قدرت اور تکوین صفات جیسی نہیں۔ جن کا تمام ممکنہ تعلقات سے بالفعل متعلق ہونا واجب نہیں بلکہ ابصار ان صفات میں سے جن کا ممکن التعلق سے بالفعل متعلق ہونا واجب ہے جیسا کہ علم کا معاملہ ہے تو بعض وہ چیزیں جن کا ابصار ممکن اور صحیح ہو سکتا ہے ان کا عدم ابصار نقص ہوگا لہٰذا اللہ تعالٰی کا اس نقص سے پاک ہونا ضروری ہے جیسے س علم سے متعلق بعض اشیاء کا علم نہ ہونا نقص ہے جس سے وہ پاک و منزہ ہے یہ وہ معاملہ ہے جس میں دو آراء نہیں ہو سکتیں، اب صرف یہ بحث ہے کہ ابصار کا تعلق کن چیزوں سے ہو سکتا ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ابصار صرف اشکال والوان واکوان سے ہی متعلق ہو سکتی ہے تو یہی ہوگا اور اگر ثابت ہو جائے کہ اس کا تعلق تمام موجودات سے صحیح ہو سکتا ہے تو پھر ازلًا وابدًا تمام کائنات وحادثہ خواہ وہ اپنے زمانوں میں محقق ہوں یا مقدر ہوں سب سے ابصار کا تعلق ماننا اور بیان کرنا واجب ہوگا جیسا کہ واضح ہے کہ اب کوئی چیز انتظار کے مرحلہ میں نہ ہوگی، لیکن پہلی شق باطل ہے کیونکہ آخرت میں مومنین کے لئے اللہ تعالٰی کی رؤیت پر اجماع ہے (حالانکہ اللہ تعالٰی اشکال والوان سے پاک ہے) تو ثابت ہوا کہ ابصار کا تعلق اشکال والوان سے مختص نہیں ہے جبکہ ہمارے اصحاب نے اس کے بحث میں تصریح (باقی برصفحہ آئندہ)

قد افتی ائمة سمرقند وبخارا علی انه (یعنی المعدوم) غیر مرئی، وقد ذکر الامام الزاهد الصفار فی اٰخر کتاب التلخیص ان المعدوم مستحیل الرؤیة، و کذا المفسرون ذکروا ان المعدوم لایصلح ان یکون مرئ اللہ تعالٰی، وکذا قول اسلف من الاشعریة و الماتریدیة ان الوجود علة جواز الرؤیة مع الاتفاق، علی ان المعدوم الذی یستحیل وجودہ لایتعلق بہ برؤیته [1] سبحنہ اھ۔	ائمہ سمرقند وبخارا نے یہ فتوٰی دیا کہ (معدوم) دکھائی نہیں دیتا، امام زاہد صفار نے کتاب التلخیص کے آخر میں لکھا معدوم کی رؤیت محال ہوتی ہے، اسی طرح مفسرین نے کہا معدوم اللہ تعالٰی کے دکھائی دینے کے قابل ہی نہیں۔ اسلاف اشعریہ اور ماتیریدیہ کا بھی قول یہی ہے کہ جواز رؤیت کی علت وجود ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ ایسا معدوم جس کا وجود محال ہے اس کے ساتھ رؤیت باری کا تعلق نہیں ہوسکتا اھ (ت)

شرح السنوسی للجزائریہ میں ہے:

انهما (یعنی سمعه تعالٰی وبصرہ) لایتعلقان	ان دونوں (اللہ تعالٰی کے سمع وبصر) کا تعلق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الرؤیة هو الوجود وقد اجمعوا کما فی المواقف انه تعالٰی یرٰی نفسه فتبین ان الحق هوا التعمیم وان قوله تعالٰی "اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ۝۱۹" [2] جار علی صرافة عمومه من دون تطرق تخصیص الیه اصلا هکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق ومن اتقن هذا تیسر له اجراء فی السمع بدلیل کلام اللہ سبحانه وتعالٰی فافهم واللہ سبحنہ وتعالٰی فافهم واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم ۱۲ منه رضی اللہ عنه۔	کردی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالٰی کی رؤیت کا مدار صرف وجود ہے جبکہ ان کا اجماع ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی ذات کو دیکھتا ہے جیسا کہ مواقف میں ہے، تو ابصار میں تعمیم ہی حق ہے، اور اللہ تعالٰی کے ارشاد "اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ۝۱۹" کا اجراء اپنے خالص عموم پر ہوگا جس میں کسی قسم کی تخصیص کا شائبہ نہ ہوگا۔ یوں تحقیق ہونی چاہئے جبکہ اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے جو بھی اس تحقیق پر یقین رکھے گا اس کے لئے صفت سمع میں بھی عموم کا اجراء آسان ہوگا جس کی دلیل اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے پس سمجھو واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر باب یری اللہ تعالٰی فی الآخرۃ بلاکیف مصطفی البابی مصر ص ۸۴

[2] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۹

الابالموجود والعلم یتعلق بالموجود والمعدوم والمطلق والمقید[1] اھ۔	موجود سے ہوتا ہے اور علم کا تعلق موجود و معدوم اور مطلق ومقید سے ہوتا ہے اھ (ت)

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

المعدومات التی عــہ ماارادھا اللہ تعالٰی ولاتعلقت القدرۃ بایجادھا فی ازمنتھا المقدرۃ لھا، ولا کشف عنھا العلم موجودۃ فی تلك الازمنۃ فلا یتعلق بھا السمع و البصر، وکذلك المستحیلات بخلاف العلم فانہ یتعلق بالموجودات والمعدوم[2]۔	وہ معدومات جن کا اللہ تعالٰی نے اردہ نہیں فرمایا اور از منہ مقررہ میں ان کی ایجاد کے لئے قدرت متعلق نہیں ہوتی اور نہ مقدرہ زمانہ میں موجود ہوکر تحت علم آتی ہیں تو ایسی معدومات سے اللہ تعالٰی کی سمع وبصر متعلق نہیں ہوتی اور محالات کا معاملہ بھی ایسا ہے۔بخلاف علم کہ اس کا تعلق موجود اور معدوم دونوں سے ہے۔ (ت)

عــــہ:**اقول:** قولہ ماارادولا تعلقت ولا کشف عبارات شتّٰی عن معبر واحد وھو دوام العدم المناقض للوجود بالفعل فان کل ما ارادہ اللہ تعالٰی فقد تعلقت القدرۃ بایجادہ بالفعل وبالعکس، وما کان کذلك فقد کشف العلم عنہ موجودا بالاطلاق العام وبالعکس وذلك لان العلم موجودا تابع اللوجود ولاوجود للمخلوق الابتعلق القدرۃ ولا تعلق للقدرۃ الا بترجیح الارادۃ، کما تقرر کل ذٰلك فی مقرہ، واللہ تعالٰی اعلم۔ ۱۲منہ

اقول: حدیقہ کا قول "ارادہ نہ فرمایا" قدرت کا تعلق نہ ہو، علم کا کشف نہ ہو، یہ مختلف عبارات ہیں جن کی مراد ایک ہے اور وہ یہ کہ دائمی جو عدم بالفعل وجود کے مناقض ہے کیونکہ اللہ تعالٰی جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کے ایجاد سے بالفعل قدرت کا تعلق بھی ہوتا ہے اور اس کا عکس بھی ہوتا ہے جو چیز اس شان میں ہوگی اسی کے بالفعل موجود ہونے کا مطلقًا علم بالکشف ہوتا ہے اور عکس بھی، کیونکہ کسی موجود کا علم اس چیز کے وجود سے ہوتا ہے جبکہ مخلوق کا وجود قدرت کے تعلق کے بغیر نہیں ہوسکتا اور قدرت کا تعلق ارادہ سے ترجیح پائے بغیر نہیں ہوسکتا جیسا کہ یہ تمام امور اپنے مقام میں ثابت شدہ ہیں، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

---

[1] الحدیقہ الندیہ بحوالہ شرح السنوسی للجزائریۃ ھی الصفات یعنی صفت المعانی الحیاۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵

[2] الحدیقہ الندیہ بحوالہ شرح السنوسی للجزائریۃ ھی الصفات یعنی صفت المعانی الحیاۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵

(۳) قوی قدیر تبار وتعالٰی فرماتاہے: "وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۠"[1] وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے، یہ موجود ومعدوم سب کو شامل، بشرط وحدوث وامکان کہ واجب ومحال اصلالائق مقدوریت نہیں، مواقف میں ہے: القدیم لایستند الی القادر[2] (قدیم کو قادر کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ت) شرح مقاصد میں ہے: لاشیئ من الممتنع بمقدور[3] (کوئی ممتنع مقدور نہیں ہوتا۔ت) امام یافعی فرماتے ہیں:

جمیع المستحیلات العقلیۃ لایتعلق للقدرۃ بہا[4]۔	تمام محلات عقلیہ کے ساتھ قدرت کا تعلق نہیں ہوتا۔(ت)

کنزالفوائد میں ہے:

خرج الواجب والمستحیل فلایتعلقان ای القدرۃ والارادۃ بہما[5]۔	واجب اور محال خارج ہوں گے ان کے ساتھ قدرت اور ارادہ کا تعلق نہیں ہوسکتا۔(ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

أقصاہا ان یمتنع بنفس مفہومہ کجمیع الضدین وقلب الحقائق واعدام القدیم. وھذا لایدخل تحت القدرۃ القدیمۃ[6]۔	آخری مرتبہ وہ ہے جو نفس مفہوم کے اعتبار سے ممنوع ہو مثلا ضدین کا جمع ہونا، حقائق میں قلب، قدیم کا معدوم ہونا یہ قدرت قدیمہ کے تحت داخل ہی نہیں۔(ت)

(۴) علیم خبیر عزشانہ، فرماتاہے: "وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۠"[7] وہ ہر چیز کو جانتاہے، یہ کلیہ واجب وممکن وقدیم وحادث وموجود ومعدوم ومفروض وموہوم غرض ہر شی ومفہوم کو قطعاً محیط جس کے دائرے سے اصلاً کچھ خارج نہیں۔ یہ ان عمومات سے ہے جو عموم قضیہ مامن عام الاوقد خص منہ البعض

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۲۰ و ۱۱/ ۴

[2] مواقف مع شرح المواقف المقصد الخامس منشورات الرضی قم ایران ۳/ ۱۷۸

[3] شرح المقاصد المبحث الثانی القدرۃ الحادثۃ علی الفعل دارالمعارف نعمانیہ لاہور ۱/ ۲۴۰

[4]

[5] کنز الفوائد

[6] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افعال العباد بعلمہ تعالٰی الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۶

[7] القرآن الکریم ۲/ ۲۹، ۶/ ۱۰۱

(ہر عام سے کچھ افراد مخصوص ہوتے ہیں۔ت) سے مخصوص ہیں، شرح مواقف میں فرمایا:

علمه تعالٰی یعم المفهوما کلها الممکنة والواجبة والمتنعة فهو اعم من القدرة لانها تختص بالممکنات دون الواجبات والممتنعات[1]۔	اللہ تعالٰی کا علم تمام مفہومات کو شامل ہے خواہ وہ ممکن ہیں یا واجب یا ممتنع،اور وہ قدرت سے عام ہے کیونکہ قدرت کا تعلق فقط ممکنات سے ہے واجبات اور ممتنعات کے ساتھ وہ متعلق نہیں ہوتی۔(ت)

اب دیکھئے لفظ چاروں ایک جگہ ہے یعنی کل شیئ، مگر ہر صفت نے اپنے ہی دائرے کی چیزوں کو احاطہ عـــه فرمایا جو اس کے قابل اور اس کے احاطہ میں داخل تھیں، تو جس طرح ذات وصفات خالق کا دائرہ خلق میں نہ آنا معاذاللہ عموم خالقیت میں نقصان نہ لایا، نقصان جب تھا کہ کوئی مخلوق احاطہ سے باہر رہتا، یا معدومات کا دائرہ ابصار سے مہجور رہتا عیاذًا باللہ، احاطہ بصر الٰہی میں باعث فتور نہ ہوا، فتور جب ہوتا کہ کوئی مبصر خارج رہ جاتا۔اسی طرح صفت قدرت کا کمال یہ ہے کہ جو شے اپنی

عـــه:ای شملت مافی دائرتها وان لم یشمله اللفظ کمافی العلم ولم تشمل مالیس فیها وان شمله اللفظ کمافی الخلق وذٰلك ان الشیئ عندنا یخص بالموجود قال تعالٰی "اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْــٴًـا"[2] ویعم الواجب، قال تعالٰی "اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ"[3]، فافهم ۱۲منه رضی الله عنه۔	یعنی اپنے دائرہ کی ہر شی کو شامل ہے اگرچہ اس کو لفظ شامل نہ ہو جیسے علم میں،اور جو دائرہ میں نہ ہو اس کو شامل نہیں اگرچہ لفظ اس کو شامل ہو جیسے خلق میں، یہ اس لئے کہ ہمارے نزدیک صرف موجود ہی شی کہلاتی ہے،اللہ تعالٰی نے فرمایا کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اسے پیدا کیا جبکہ اس سے قبل کوئی شیئ نہ تھا۔اور شے واجب کو بھی شامل ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا۔فرمادیجئے کون سی شیئ شہادت میں بڑی ہے؟ فرمادو اللہ،اسے سمجھو ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] شرح المواقف المرصد الرابع القصد الثالث منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۷۰

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۷

[3] القرآن الکریم ۶/ ۱۹

حدِ ذات عہ۱ میں ہونے کے قابل ہے۔اس سب پر قادر ہو، کوئی ممکن احاطہ قدرت سے جدانہ رہے،نہ یہ کہ واجبات و محالات عقلیہ کو بھی شامل ہو جو اصلاً تعلق قدرت کی صلاحیت نہیں رکھتے،سبحان اللہ محال کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی طرح موجود نہ ہوسکے،اور مقدور وہ کہ قادر چاہے تو موجود ہو جائے،پھر دونوں کیونکہ جمع ہو سکتے ہیں،اور اس کے سبب یہ سمجھنا کہ کوئی شے دائرہ قدرت سے خارج رہ گئی محض جہالت کہ محالات مصداق و ذات سے بہرہ ہی نہیں رکھتے، حتی کہ فرض و تجویز عقلی عہ۲ میں بھی تو اصلاً یہاں کوئی شے تھی ہی نہیں جسے قدرت شامل نہ ہوئی یا

" اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾ "[1] کے عموم سے رہ گئی۔یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ مغویان تازہ جو اسی مسئلہ کذب و دیگر نقائص وغیرہا کی بحث میں بے علموں کو بہکاتے ہیں کہ مثلاً کذب یا فلاں عیب یا فلاں بات پر اللہ عزوجل کو قادر نہ مانا تو معاذاللہ عاجز ٹھہرا اور " اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾ "[2] کا انکار ہوا۔یہ ان ہوشیاروں کی محض عیاری و تنزیر اور بیچارے عوام کو بھڑکانے کی تدبیر ہے،ایھا المسلمون! قدرت الٰہی صفت کمال ہو کر ثابت ہوئی ہے نہ معاذاللہ صفت نقص و عیب،اور اگر محالات پر قدرت مانئے تو بھی انقلاب ہوا جاتا ہے،وجہ سنئے،جب کسی محال پر قدرت مانی اور محال محال سب ایک سے معہذا تمھارے جاہلانہ خیال پر جس محال کو مقدور نہ کہئے اتنا ہی عجز و قصور سمجھئے تو واجب کہ سب محالات زیر قدرت ہوں،اور منجملہ محالات سلب قدرت الٰہیہ بھی ہے تو لازم کہ اللہ تعالٰی اپنی قدرت کھو دینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنالینے پر قادر ہو،اچھا عموم قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی،یوہیں منجملہ محالات عدم باری عزوجل ہے تو اس پر قدرت لازم،اب باری جل وعلا عیاذًا باللہ واجب الوجود نہ ٹھہرا،تعمیم قدرت کی بدولت الوہیت ہی پر ایمان گیا تعالٰی اللہ عما یقول الظّٰلمون علوا کبیرا (ظالم جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے کہیں بلند ہے۔ت)

پس بحمد اللہ ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا قطع نظر اس سے کہ خود قول بالمحال ہے،جناب

عہ۱:یشیر الٰی ان مصحح المقدوریۃ نفس الامکان الذاتی ۱۲ منہ

اشارہ کیا کہ مقدوریت کی صحت کا مدار نفس امکان ذاتی پر ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲:اوردہ تفسیر اللمراد بالفرض ۱۲ منہ

فرض سے مراد کی تفسیر کے لئے ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۰

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۰

باری عزاسمہ کو سخت عیب لگانااور تعمیم قدرت کے پردے میں اصل قدرت بلکہ نفس الوہیت سے منکر ہو جانا ہے،للہ انصاف!
حضرات کے یہ تو حالات اور اہل سنت پر معاذاللہ عجز باری عزوجل ماننے کے الزامات، ہمارے دینی بھائی اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیں کہ حضرات کے مغالطہ وتلبیس سے امان میں رہیں، **واللہ الموفق۔**

تنزیہ اول ارشادات علماء میں: اقول: وباللہ التوفیق میں یہاں ازالہ اوہام حضرات مخالفین کو اکثر عبارات ایسی نقل کروں گا کہ امتناع کذب الٰہی پر تمام اشعریہ و ماتریدیہ کا اجماع ثابت کریں جس کے باعث اس وہم عاطل کا علاج قاتل ہو کہ معاذاللہ یہ مسئلہ قدیم سے مختلف فیہا ہے حاش للہ! بلکہ بطلان امکان پر اجماع اہل حق ہے جس میں اہل سنت کے ساتھ معتزلہ وغیرہ فرق باطلہ بھی متفق، ناظر ماہر دیکھے گا کہ میرا یہ مدعا ان عبارتوں سے کن کن طور پر رنگ ثبوت پائے گا:

اول: ظاہر وجلی یعنی وہ نصوص جن میں امتناع کذب پر صراحۃً اجماع منصوص۔

دوم: اکثر عبارتیں علمائے اشعریہ کی ہوں گی تاکہ معلوم ہو کہ مسئلہ خلافی نہیں۔

سوم: وہ عبارات جن میں بنائے کلام حسن وقبح عقلی کے انکار پر ہو کہ یہ اصول اشاعرہ سے ہے، تولاجرم مسئلہ اشاعرہ وماتریدیہ کا اجماعی ہوا اگرچہ عندالتحقیق صرف حسن وقبح بمعنی استحقاق مدح وثواب وذم وعقاب کی شرعیت و عقلیت میں تجاذب آراء ہے، نہ بمعنی صفت کمال وصفت نقصان کہ بایں معنی باجماع عقلا عقلی ہیں،

کما نصوا علیه جمیعاً ونبه علیه ھٰھنا المولٰی سعد الدین التفتازانی فی شرح المقاصد والمولی المحقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الھمام وغیرھما من الجھابذۃ الکرام۔	جیسا کہ اس پر تمام نے تصریح کی ہے اور اس پر علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح المقاصد میں اور محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن ہمام اور دیگر کبار ماہرین علماء نے تنبیہ کی ہے۔(ت)

اب بتوفیق اللہ تعالٰی نصوص ائمہ وکلمات علماء نقل کرتا ہوں:

نص ۱: شرح مقاصد کے مبحث کلام میں ہے:

الکذب محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالٰی محال[1] اھ ملخصًا۔	جھوٹ باجماع علماء محال ہے کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال اھ ملخصًا۔

نص ۲: اسی کی بحث وحسن وقبح میں ہے:

[1] شرح المقاصد المبحث السادس فی انه تعالٰی متکلم دار المعارف النعمانیه لاہور ۲ /۱۰۴

قد بینا فی بحث الکلام امتناع الکذب علی الشارع تعالٰی[1]۔	ہم بحث کلام میں ثابت کر آئے کہ اللہ عزوجل پر کذب محال ہے۔

نص ۳: اسی بحث تکلیف بالمحال میں ہے:

محال ھو جھلہ کذبہ تعالٰی عن ذلك[2]۔	اللہ تبارک وتعالٰی کا جہل یا کذب دونوں محال ہیں، برتری ہے اسے ان سے۔

نص ۴: اسی میں ہے:

الکذب فی اخبار اللہ تعالٰی فیہ مفاسد لاتحصٰی ومطاعن فی الاسلام لاتخفی منھا مقال الفلاسفۃ فی المعاد ومجال الملاحدۃ فی العناد وھٰھنا بطلان ماعلیہ الاجماع من القطع بخلود الکفار فی النار، فمع صریح اخبار اللہ تعالٰی بہ فجواز الخلف وعدم وقوع مضمون ھٰذا الخبر محتمل، ولما کان ھذا باطلاقطعا علم ان القول بجواز الکذب فی اخبار اللہ تعالٰی باطل قطعًا[3] اھ ملتقطًا۔	یعنی خبر الٰہی میں کذب پر بے شمار خرابیاں اور اسلام میں آشکارا طعن لازم آئیں گے فلاسفہ حشر میں گفتگولائیں گے، ملحدین اپنے مکابروں کی جگہ پائیں گے کفار کا ہمیشہ آگ میں رہنا کہ بالاجماع یقینی ہے اس پر یقین اٹھ جائیں گے کہ اگرچہ خدا نے صریح خبریں دیں مگر ممکن ہے کہ واقع نہ ہوں۔ اور جب یہ امور یقینا باطل ہیں تو ثابت ہوا کہ خبر الٰہی میں کذب کو ممکن کہنا باطل ہے اھ ملتقطا۔

نص ۵: شرح عقائد نسفی میں ہے:

کذب کلام اللہ تعالٰی محال[4] اھ ملخصا۔	کلام الٰہی کا کذب محال ہے اھ ملخصا

نص ۶: طوالع الانوار کی فرع متعلق بمبحث کلام میں ہے:

الکذب نقص والنقص علی اللہ تعالٰی محال[5] اھ۔	جھوٹ عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

---

[1] شرح المقاصد قال وتمسکوا بوجوہ الاول ان حسن الاحسان وقبح العدوان دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۵۲

[2] شرح المقاصد المبحث الخامس التکلیف مالایطاق دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۵۵

[3] شرح المقاصد المبحث الثانی عشر اتفقت الامۃ علی العفو عن الصفاء دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۸

[4] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعت العربیہ قندھار، افغانستان ص ۷۱

[5] طوالع الانوار للبیضاوی

نص ۷: مواقف کی بحث کلام میں ہے:

انه تعالٰی یمتنع علیه الکذب اتفاقا اما عند المعتزله فلان الکذب قبیح وھو سبحانه لایفعل القبیح واما عندنا فلانه نقص والنقص علی الله محال اجماعا۔[1] (ملخصا)	یعنی اہلسنت ومعتزلہ سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالٰی کا کذب محال ہے، معتزلہ تو اس لئے محال کہتے ہیں کہ کذب برا ہے اور اللہ تعالٰی برا فعل نہیں کرتا اور ہم اہلسنت کے نزدیک اس میں دلیل سے ناممکن ہے کہ کذب عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالٰی پر بالاجماع محال ہے۔

نص ۸: مواقف وشرح مواقف کی بحث حسن وقبح میں ہے:

مدرك امتناع الکذب منه تعالٰی عندنا لیس ھو قبحه العقلی حتی یلزم من انتفاء قبحه ان لایعلم امتناعه منه اذله مدرك اٰخر وقد تقدم اھ[2] ملخصا۔	یعنی ہم اشاعرہ کے نزدیک کذب الٰہی محال ہونے کی دلیل قبح عقلی نہیں ہے کہ اس کے عدم سے لازم آئے کہ کذب الٰہی محال نہ جانا جائے بلکہ اس کے لئے دوسری دلیل ہے کہ اوپر گزری، یعنی وہ کہ جھوٹ عیب ہے اور اللہ تعالٰی میں عیب محال۔

نص ۹: انھیں کی بحث معجزات میں ہے:

قدم فی مسئلة الکلام من موقف الالٰھیات امتناع الکذب علیه سبحانه وتعالٰی[3]۔	یعنی ہم موقف الٰہیات سے مسئلہ کلام میں بیان کرآئے کہ اللہ تعالٰی کا کذب زنہار ممکن نہیں۔

نص ۱۰: امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد مسایرہ میں فرماتے ہیں:

یستحیل علیه تعالٰی سمات النقص کالجھل والکذب[4]۔	جتنی نشانیاں عیب کی ہیں، جیسے جہل وکذب سب اللہ تعالٰی پر محال ہیں۔

نص ۱۱: علامہ کمال الدین محمد بن محمد ابن ابی شریف قدس سرہ، اس کی شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں:

لاخلاف بین الاشعریة وغیرہم فی ان کل	یعنی اشاعرہ وغیرہ اشاعرہ کسی کو اس میں خلاف نہیں

---

[1] مواقف مع شرح المواقف المقصد السابع بحث انه تعالٰی متکلم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۱۰۰، ۱۰۱

[2] مواقف مع شرح المواقف المرصد السادس المقصد الخامس منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۱۹۳

[3] مواقف مع شرح المواقف الموقف السادس فی السمعیات منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۲۴۰

[4] المسایرة متن المسامرة ختم المصنف کتابه ببیان عقیدہ اہلسنت اجمالا المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۳۹۳

ماکان وصف نقص فالباری تعالٰی منزہ عنہ وھو محال علیہ تعالٰی والکذب وصف نقص اھ ملخصا[1]۔	کہ جو کچھ صفت عیب ہے باری تعالٰی اس سے پاک ہے اور وہ اللہ تعالٰی پرت ممکن نہیں اور کذب صفت عیب ہے۔ (ملخصا)

نص ۱۲: امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

قول تعالٰی فلن یخلف اللہ عھدہ یدل علی انہ سبحانہ وتعالٰی منزہ عن الکذب وعدہ و عیدہ۔ قال اصحابنا لان الکذب وصفة نقص والنقص علی اللہ تعالٰی محال، وقالت المعتزلة لان الکذب قبیح لانہ کذب فیستحیل ان یفعلہ فدل علی ان الکذب منہ محال[2] اھ ملخصًا۔	اللہ عزوجل کا فرمانا کہ اللہ ہر گز اپنا عہد جھوٹا نہ کریگا دلالت کرتا ہے کہ مولٰی تعالٰی سبحانہ اپنے ہر وعدہ و وعید میں جھوٹ سے منزہ ہے، ہمارے اصحاب اہل سنت وجماعت اس دلیل سے کذب الٰہی کو ناممکن جانتے ہیں کہ وہ صفت نقص ہے اور اللہ عزوجل پر نقص محال، اور معتزلہ اس دلیل سے ممتنع مانتے ہیں کہ کذب قبیح لذاتہ ہے تو باری تعالٰی عزوجل سے صادر ہونا محال، غرض ثابت ہوا کہ کذب الٰہی اصلا امکان نہیں رکھتا۔ اھ (ملخصا)

نص ۱۳: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾"[3]	پوری ہے بات تیرے رب کی سچ اور انصاف میں کوئی بدلنے والا نہیں، اس کی باتوں کا، اور وہی ہے سنتا جانتا ہے۔

امام ممدوح اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں:

اعلم ان ھذہ الاٰیة تدل علی ان کلمة اللہ موصوفة بصفات کثیرة (الٰی ان قال) الصفة الثانیة من صفات کلمة اللہ کونھا صدقا والدلیل علی ان الکذب نقص والنقص علی اللہ تعالٰی محال[4]۔	یہ آیت ارشاد فرمائی ہے کہ کذب اللہ تعالٰی کی بات بہت صفتوں سے موصوف ہے، ازانجملہ اس کا سچا ہونا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ کذب عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

---

[1] المسامرة شرح المسایرة اتفقوا علی ان ذلک غیر واقع المکتبة التجاریة الکبرٰی ص ۳۹۳

[2] مفاتیح الغیب تحت آیت فلن یخلف اللہ عھدہ المکتبة البھیہ مصر ۳/ ۱۵۹

[3] القرآن الکریم ۶ /۱۱۵

[4] مفاتیح الغیب تحت آیة وقت کلمت ربک صدق وعدلًا المطبعة البھیة المصریة مصر ۱۳/ ۱۶۱-۱۶۰

نص ۱۴: یہیں فرماتے ہیں:

صحة الدلائل السمعية موقوفة على ان الكذب على اللہ تعالٰی محال[1]۔	دلائل قرآن وحدیث کا صحیح ہونا اس پر موقوف ہے کہ کذب الٰہی محال مانا جائے۔

نص ۱۵: زیر قولہ تعالٰی:

"مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی کی شان نہیں کہ وہ بیٹا بنائے وہ پاک ہے(ت)

بعض تمسکات معتزلہ کے رد میں فرماتے ہیں:

اجاب اصحابنا عنه بان الكذب محال على اللہ تعالٰی[3]۔	اہلسنت نے جواب دیا کہ کذب الٰہی محال ہے۔

نص ۱۶: علامہ سعد تفتازانی شرح مقاصد میں انھیں امام ہمام سے ناقل:

صدق كلام تعالٰی لما كان عندنا ازليا امتنع كذبه لان ما ثبت قدمه امتنع عدمه[4]۔	کلام خدا کا صدق جب کہ ہم اہلسنت کے نزدیک ازلی ہے تو اس کا کذب محال ہوا کہ جس چیز کا قدم ثابت ہے اس کا عدم محال ہے۔

تنبیہ: انھیں امام علام کا ارشاد کہ "کذب الٰہی کا جواز ماننا قریب بکفر ہے، ان شاء اللہ تعالٰی تنزیہ چہارم میں آئے گا۔

نص ۱۷: تفسیر بیضاوی شریف میں ہے:

"وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾" انكار ان يكون احد اكثر صدقا منه فانه لايتطرق الكذب الى خبره بوجه لان نقص وهو على اللہ تعالٰی محال[5]۔	اللہ تعالٰی اس آیت میں انکار فرماتا ہے اس لئے کہ کوئی شخص اللہ سے زیادہ سچا ہو کہ اس کی خبر تک تو کسی کذب کو کسی طرح راہ ہی نہیں کہ کذب عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ وتمت کلمت ربك الخ المطبعۃ البہیۃ العربیہ مصر ۱۳/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۳۵

[3] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) تحت آیت ماکان اللہ ان یتخذ من ولد سبحنہ المطبعۃ البہیۃ المصر ۲۱/ ۲۱۷

[4] شرح المقاصد المبحث الثانی العشر اتفقت الامۃ علی العفو الخ دار المعارف نعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۷

[5] انوار التنزیل واسرار التاویل (بیضاوی مع القرآن الکریم) تحت آیۃ ومن اصدق الخ مصطفی البابی مصر ص ۹۲

نص ۱۸: تفسیر مدارک شریف میں ہے:

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾" تمییز وهو استفهام بمعنی النفی ای لااحد اصدق منه فی اخباره ووعده ووعیده لاستحالة الکذب علیه تعالٰی لقبحه عــــه لکونه اخبارا عن الشیئ بخلاف ماهو علیه [1]۔	آیت میں استفہام انکاری ہے یعنی خبر وعدہ وعید کسی بات میں کوئی شخص اللہ سے زیادہ سچا نہیں کہ اس کا کذب تو محال بالذات ہے کہ خود اپنے معنی ہی کے رو سے قبیح ہے کہ خلاف واقع خبر دینے کا نام ہے۔

نص ۱۹: تفسیر علامۃ الوجود سیدی ابی السعود عمادی میں ہے:

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾" انکار لان یکون احد اصدق منه تعالٰی فی وعده وسائر اخباره وبیان لاستحالته کیف لاوالکذب محال علیه سبحٰنه دون غیره [2]۔	آیت میں انکار ہے اس کا کہ کوئی شخص اللہ تعالٰی سے زیادہ سچا ہو وعدہ میں یا کسی اور خبر میں، اور بیان ہے اس زیادت کے محال ہونے کا، اور کیوں نہ محال ہو کہ اللہ تعالٰی کا کذب تو ممکن ہی نہیں بخلاف اوروں کے۔

عــــه: **اقول:** استدل قدس سره بالقبح اما فی نظر الظاهر فلانه رحمه الله تعالٰی من ائمتنا الماتریدیة ولذا عدلت عنه الاشاعرة کصاحب المواقف وصاحب المفاتیح کما سمعت نصهما واما عندالتحقیق فلان عقلیة القبح بهذا المعنٰی من المجمع علیه بین العقلاء وهٰؤلاء شاعرة رحمهم الله تعالٰی انفسهم ناصون بذلك فلا علیك من ذهول من ذهل کما اومانا الیه فی صدر البحث والله تعالٰی اعلم ۱۲منه رضی الله تعالٰی عنه

اقول: علامہ قدس سرہ، نے قبح سے استدلال کیا ظاہر نظر میں تو اس لئے کہ آپ رحمہ اللہ تعالٰی ہمارے ائمہ ماتریدیہ میں سے ہے اسی لئے اشاعرہ نے قبح سے استدلال نہ کیا جیساکہ آپ نے صاحب مواقف اور صاحب مفاتیح کی نصوص سنیں، اور عندالتحقیق اس لئے کہ اس معنی میں قبح عقلی ہونا عقلاء اور اشاعرہ میں متفق چیز ہے جس کو خود اشاعرہ رحمہم اللہ تعالٰی نے بیان فرمایا جیساکہ ہم نے بحث کی ابتداء میں اشارہ کیا ہے کسی کے ذہول سے تجھ پر کوئی اعتراض نہیں، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (ت)

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیه ومن اصدق من الله الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۴۱

[2] ارشاد العقل السلیم تحت آیه ومن اصدق من الله الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۲۔۲۱۱

نص ۲۰: تفسیر روح البیان میں ہے:

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا" انکار لان یکون احد اکثر صدقا منه فان الکذب نقص وهو علی الله محال دون غیره[1] اهملخصا۔	آیت اس امر کا انکار فرماتی ہے کہ کوئی شخص صدق میں اللہ تعالٰی سے زائد ہو کر کذب عیب ہے اور وہ خدا پر محال ہے، نہ اس کے غیر پر، اھ ملخصا۔

نص ۲۱: شرح السنوسیہ میں ہے:

الکذب علی الله تعالٰی محال لانه دناءة[2]۔	اللہ تعالٰی پر کذب محال ہے کہ وہ کمینہ پن ہے۔

نص ۲۲: فاضل سیف الدین ابہری کی شرح موقف میں ہے:

ممتنع علیه الکذب اتفاقا لانه نقص والنقص علی الله تعالٰی محال اجماعا[3]۔	کذب الٰہی بالاتفاق محال ہے کہ وہ عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالٰی پر بالاجماع محال ہے۔

نص ۲۳: شرح عقائد جلالی میں ہے:

الکذب نقص والنقص علیه محال فلایکون من الممکنات ولاتشمله القدرة کسائر وجوه النقص علیه تعالٰی کالجهل والعجز[4]۔	جھوٹ عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال، تو کذب الٰہی ممکنات سے نہیں، نہ اللہ تعالٰی کی قدرت اسے شامل جیسے تمام اسباب عیب مثل جہل وعجز الٰہی، کہ سب محال ہیں اور صلاحیت قدرت سے خارج۔

نص ۲۴: اسی میں ہے:

لایصح علی تعالٰی الحرکة والانتقال ولا الجهل ولا الکذب لانهما النقص والنقص علی الله تعالٰی محال[5]۔	اللہ تعالٰی پر حرکت وانتقال وجہل وکذب کچھ ممکن نہیں کہ یہ سب عیب ہیں اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

---

[1] تفسیر روح البیان تحت ومن اصدق من اللہ حدیثا المکتبۃ الاسلامیہ الریاض ۲/ ۲۵۵

[2] شرح السنوسیہ

[3] شرح المواقف سیف الدین ابہری (تلمیذ مصنف)

[4] الدوانی علی العقائد العضدیۃ بحث "علی" مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۳

[5] الدوانی علی العقائد العضدیۃ بحث "لیس" مطبع مجتبائی دہلی ص ۶۶ و ۶۷

نص ۲۵: کنزالفوائد میں ہے:

قدس تعالٰی شانہ من الکذب شرعا وعقلا اذاھو قبیح یدرك العقل قبحہ من غیر توقف علی شرح فیکون محالا فی حقلہ تعالٰی عقلا وشرعا کما حققہ ابن الھمام وغیرہ[1]۔	اللہ عزوجل بحکم شرح وبحکم عقل ہر طرح کذب سے پاک مانا گیا، اس لئے کہ کذب قبیح عقلی ہے کہ عقلی خود بھی اس کے قبح کو مانتی ہے بغیر اس کے کہ اس کا پہچاننا شرح پر موقوف ہیو تو جھوٹ بولنا اللہ تعالٰی کے حق میں عقلا وشرعا ہر طرح محال ہے جیسے کہ امام ابن الہمام وغیرہ نے اس کی تحقیق افادہ فرمائی۔

نص ۲۶: مولانا علی قاری شرح فقہ اکبر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الکذب علیہ تعالٰی محال[2]۔	اللہ تعالٰی پر کذب محال ہے۔

نص ۲۷: مسلم الثبوت میں ہے:

المعتزلہ قالوا لولاکون الحکم عقلیا لم یمتنع الکذب منہ تعالٰی عقلا، والجواب انہ نقص فیجب تنزیھہ تعالٰی عنہ کیف وقدمر انہ عقلی باتفاق العقلاء لان ماینافی الوجوب الذاتی من جملۃ النقص فی حق الباری تعالٰی ومن الاستحالات العقلیۃ علیہ سبحنہ[3] اھ ملخصا مع الشرح۔	خاص یہ کہ معتزلہ نے اہلسنت سے کہا اگر حکم عقلی نہ ہو تو اللہ تعالٰی کا کذب محال نہ رہے حالانکہ اسے ہم تم بالاتفاق محال عقلی مانتے ہیں اہلسنت نے جواب دیا کہ کذب اس لئے محال عقلی ہوا کہ وہ عیب ہے تو واجب ہوا کہ اللہ تعالٰی کو اس سے منزہ مانیں اس کے عقلی ہونے پر تمام عقلاء کا اجماع ہے وجہ یہ ہے کہ کذب الوہیت کی ضد ہے اور جو کچھ الوہیت کی ضد ہے وہ سب اللہ تعالٰی کے حق میں عیب ہے اور اس کی شان میں محال عقلی ہے اھ ملخصا مع الشرح۔

نص ۲۸: مولانا نظام الدین سہالی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

الکذب نقص لان ماینا فی الوجوب الذاتی من الاستحالات العقلیۃ بذالك اثبت الحکماء الذین ھم غیر متشرعین بشریعۃ	جھوٹ بولنا عیب ہے کہ جو کچھ خدا ہونے کے منافی ہے وہ سب محال عقلی ہے، اس پر دلیل سے وہ حکماء اسے محال جانتے ہیں جو کسی شریعت پر ایمان

---

[1] کنز الفوائد

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر الصفات الفعلیہ مصطفی البابی مصر ص ۲۳

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیہ الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۴۶، مسلم الثبوت الطبع الانصاری دہلی ص ۱۰

الاستحالۃ المذکورۃ فان الوجوب والکذب لا یجتمعان کما بین فی الکلام [1] اھ ملخصًا۔	نہیں رکھتے کہ خدائی و دروغ گوئی جمع نہ ہو گی جیسا کہ علم کلام میں ثابت ہو چکا ہے اھ ملخصا۔

نص ۲۹: مولانا بحر العلوم عبد العلی ملک العلماء فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالٰی صادق قطعا لاستحالۃ الکذب ھناك [2]۔ (ملخصا)	اللہ تعالٰی یقینا سچا ہے کہ وہاں کذب کا امکان ہی نہیں۔

نص ۳۰: افسوس کہ امام الوہابیہ کے نسبا چچا اور علما باپ اور طریقۃ دادا یعنی شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے بھی اس پسر نامور کی رعایت نہ فرمائی کہ تفسیر عزیزی میں زیر **قولہ تعالٰی** "فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللہُ عَہۡدَہٗۤ" [3] (اللہ تعالٰی ہر گز اپنے عہد کے خلاف نہیں فرماتا۔ت) یوں تصریح کی ٹھہرائی:

خبر او تعالٰی کلام ازلی اوست و کذب در کلام نقصانے ست عظیم کہ ہر گز بصفات اوراہ نمی یابد در حق او تعالٰی کہ مبراز جمیع عیوب و نقائص ست خلاف خبر مطلقا نقصان ست [4] اھ ملخصا۔	اللہ تعالٰی کی خبر ازلی ہے، کلام میں جھوٹ کا ہونا عظیم نقص ہے لہٰذا وہ اللہ تعالٰی کی صفات میں ہر گز راہ نہیں پا سکتا اللہ تعالٰی کہ تمام نقائص و عیوب سے پاک ہے اس کی حق میں خبر کے خلاف ہونا سراپا نقص ہے اھ ملخصا (ت)

مدعیان جدید سے پوچھا جائے جناب باری میں کہاں تک نقصان مانتے ہیں **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اللہ تعالٰی** سچا ادب نصیب فرمائے۔ **آمین!**

یہاں نصوص ائمہ و تصریحات علماء میں نہایت کثرت اور جس قدر فقیر نے ذکر کئے، عاقل منصف کے لئے ان میں کفایت بلکہ ایسے مسائل میں ہنگام تنبہ یا ادنی تنبیہ پر سلامت عقلی و نور ایمان دو شاہد عدل کی گواہی معتبر،

واذ وعیت ما القی علیك الیراع وتبین الاجماع وبان ان لیس لاحد نزاع فلا علیك من اضطراب مضطرب الحمد للہ المنزہ عن الکذب۔	مذکورہ قیمتی گفتگو اگر قارئین نے محفوظ کر لی ہے تو واضح ہو گیا کہ یہ بات اجماعی ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں لہٰذا اضطراب ختم ہو جانا چاہئے، تمام تعریف اللہ تعالٰی کی جو کذب سے مبرا ہے۔ (ت)

---

[1] شرح مسلم الثبوت نظام الدین سہالی

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المصطفی الباب الثانی فی الحکم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۶۲

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۰

[4] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ فلن یخلف اللہ عہدہ پ آلم در الکتب لال کنواں دہلی ص ۳۰۷

تنزیہ دوم دلائل قاہرہ و حجج باہرہ میں: فقیر غفراللہ تعالٰی بتوفیق مولٰی سبحانہ وتعالٰی ان مختصر سطور میں بلحاظ ایجاز کذب باری عزاسمہ کے محال صریح اور توہم امکان کے باطل قبیح ہونے پر صرف تیس دلیلیں ذکر کرتا ہے جن سے خمسہ اولٰی کلمات طیبات ائمہ کرام وعلمائے عظام علیہم رحمۃ الملک المنعام میں ارشاد وانعام ہوئیں، اور باقی پچیس ہادی اجل وعزوجل کے فیض ازل سے عبداذل کے قلب پر القاء کی گئیں **والحمد للہ رب العلمین۔**

دلیل اول: کہ نصوص سابقہ میں مکرر گزری جس پر [1]طوالع و شرح [2]مقاصد و [3]مسایرہ و [4]مسامرہ و [5]مفاتیح الغیب و [6]مدارک و [7]بیضاوی وارشاد [8]العقل و [9]روح البیان و [10]شرح سنوسیہ و [11]شرح ابہری و [12]شرح عقائد جلالی و [13]کنز الفوائد و [14]مسلم الثبوت و [15]شرح نظامی و [16]فواتح الرحموت وغیرہا کتب کلام وتفسیر واصول میں تاویل فرمائی کہ کذب عیب ہے اور ہر عیب باری عزوجل کے حق میں محال، اور فی الواقع یہ کلیہ اصول اسلام وقواعد علم کلام سے ایک اصل عظیم وقاعدہ جلیلہ ہے جس پر تمام عقائد تنزیہ بلکہ مسائل صفات ثبوتیہ بھی متفرع **کمالا یخفی علی من طالع کلمات القوم** (جیسا کہ ہر اس شخص پر مخفی نہیں جو قوم کے کلمات سے آگاہ ہے۔ ت) شرح عقائد نسفی میں ہے:

الحی القادر العلیم السمیع البصیر الشائی المرید، لان اضدادھا نقائص یجب تنزیہ اللہ تعالٰی عنھا [1]۔ (ملخصاً)	زندہ، قادر، جاننے والا، سمیع، بصیر، مشیت والا، ارادے والا ہے کیونکہ ان کے اضداد نقائص ہیں جن سے اللہ تعالٰی کا بری ہونا لازم ہے۔ (ت)

شرح سنوسیہ میں ہے:

اما برھان وجوب السمع والبصر والکلام اللہ تعالٰی فالکتاب والسنۃ والاجماع وایضا لو لم یتصف بھا لزم ان یتصف باضدادھا وھی نقائص والنقص علیہ تعالٰی محال [2]۔	اللہ تعالٰی کے لئے سمع، بصر اور کلام کا ہونا لازم ہے اس پر دلیل کتاب، سنت اور اجماع ہے، اور یہ بھی اگر وہ ان سے متصف نہ ہو تو ان کی ضد سے متصف ہوگا اور وہ نقائص ہیں اور نقص اللہ تعالٰی کے لئے محال ہے۔ (ت)

شرح مواقف میں ہے:

---

[1] شرح عقائد نسفی صفات باری تعالٰی دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۳۰

[2] شرح السنوسیہ

لاطریق لنا الی معرفة عـــہ۱ الصفات سوی الاستدلال بالافعال والتنزیه عن النقائص[1]۔	ہمارے لئے معرفت صفات پر افعال اور نقائص سے تنزیہ کے ساتھ استدلال کے سوا کوئی چارہ نہیں۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) بداہت عقل شاہد ہے کہ اللہ عز مجدہ جمیع عیوب ونقائص سے منزہ، اور اس کا ادراک عـــہ۲ شرح پر موقوف نہیں ولہذا بہت عقلائے غیر اہل ملت بھی تنزیہ باری جل مجدہ ہمارے موافق ہوئے۔

وان یثبتوا بجهلهم مایستلزم النقص غیر دارکین انه کذٰلك بل زاعمین عـــہ۳ انه هوالکمال والاعبرة بسخافات الحمقاء الذین لاعقل لهم ولادین اعاذنا اللہ تعالٰی من شرهم اجمعین۔	اگر انھوں نے اپنی جہالت کے سبب ایسی باتیں ثابت کیں جو نقص کو مستلزم تھیں، ہاں ان کا ارادہ نقص ثابت کرنے کا نہ تھا ان کے گمان میں یہ کمال تھا لیکن ایسے بوقوفوں کی لایعنی باتوں کا کیا اعتبار جن کے پاس عقل نہ دین، اللہ تعالٰی ان کے شر سے محفوظ رکھے،(ت)

یہاں تک کہ فلاسفہ نے بھی بزعم خود اس اصل اصیل پر مسائل متفرع کئے۔

منها مافی المواقف وشرحها قال جمهور الفلاسفة لایعلم الجزئیات المتغیرة والافاذا علم مثلا	ان میں سے ایک وہ ہے جو مواقف اور اس کی شرح میں ہے جمہور فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی تبدیل

عـــہ۱: ای عقلا اذفیه الکلام بدلیل الحصر فافادان التنزه عن النقائص واجب لذات الواجب عقلا فالاتصاف بشیئ منها محال عقلا ۱۲ منه	یعنی عقلی طور پر کیونکہ کلام اسی میں ہے اس کی دلیل حصر ہے اس سے واجب تعالٰی کی ذات کا نقائص سے وجوبًا پاک ہونے کا عقلا فائدہ حاصل ہوا، تو نقائص سے متصف ہونا عقلا محال ہوگا ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۲: وقد صرح به فی الکنز وشرح المواقف اما الکنز فقد سمعت نصه واما السید فلما عرفت اٰنفا ۱۲ منه	اس پر کنز الفوائد اور شرح مواقف میں تصریح کی ہے کنز کی نص آپ نے سن لی اور سید کی بات ابھی آپ نے معلوم کرلی ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۳: کما قالوا فی صدور العالم بالایجاب کما سیأتی ۱۲ منه	جیسا کہ فلاسفہ نے عالم کے صدور کو واجب کہا ہے جیسے عنقریب آئے گا ۱۲ منہ (ت)

[1] شرح المواقف المقصد الثامن فی صفات اختلف فیها منشورات الشریف الرضی قم ایران ۴/ ۱۰۵

ان زیدا فی الدار الاٰن ثم خرج زید عنها فاما ان یزول ذٰلك ویعلم انه لیس فی الدار اویبقی ذٰلك العلم بحاله والاول یوجب التغیر فی ذاته من صفة الی اُخری والثانی یوجب الجهل وکلاهما نقص یجب تنزیهه تعالٰی عنه [1] اھ ومنها مافیه ایضا اما الفلاسفة فانکروا القدرة بالمعنی المذکور لاعتقادهم انه نقصان واثبتواله الایجاب زعمامنهم انه الکمال التام [2]۔	ان میں سے ایک وہ ہے جو مواقف اور اس کی شرح میں ہے جمہور فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی تبدیل ہونے والی جزئیات کا علم نہیں رکھتا ورنہ اگر وہ جانتا ہو مثلاً زید اس وقت دار میں ہے پھر وہ وہاں سے نکل گیا تو یا تو سابقہ علم زائل ہوجائے گا اور جان لے گا کہ وہ دار میں نہیں یا پہلا علم ہی بحال رہے گا پہلی صورت میں اس کی ذات اقدس میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف تغیر اور دوسری صورت میں جہل لازم آئے گا اور یہ دونوں باتیں نقص ہیں جن سے اللہ تعالٰی کا منزہ ہونا ضروری ہے اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فلاسفہ نے معنی مذکورہ کے ساتھ قدرت کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے اعتقاد میں یہ نقص ہے اور انھوں نے اس کی ذات اقدس کے لئے یہ زعم کرتے ہوئے ایجاب کا ثبوت کیا ہے کہ یہ کمال تام ہے۔ (ت)

پھر شرع مطہر کی طرف رجوع کیجئے تو مسئلہ اعلٰی ضروریات دین سے ہے جس طرح قرآن وحدیث نے باری جل مجدہ کی توحید ثابت فرمائی یونہی ہر عیب ومنقصت سے اس کی تنزیہ وتقدیس اور خود کلمہ طیبہ **سبحانہ اللہ** واسمائے حسنی سبوح وقدوس کے معنی ہی یہ ہیں ولہذا تسبیحات حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں وارد **سبحان الذی لاینبغی التسبیح الاله** (پاک ہے وہ ذات کہ پاکیزگی فقط اسی کے لئے ہے۔ت) جس کے باعث **توقروہ** پر وقف اور **تسبحوہ** کو اس سے فصل کیا گیا، پر مرتبہ اجمال میں اس پر اجماع اہل اسلام منعقد، کوئی **لا الٰه الا اللہ محمد رسول اللہ** (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کہنے والا اپنے رب عزوجل پر عیوب ونقائص روا نہ رکھے گا۔

فالاجماع فی الدرجه الثالثة من الادلة لاانه العمدة فی اثبات المسئلة کماوقع عن بعض الاجلة فاعرف۔	دلائل شرعیہ میں اجماع کا تیسرا درجہ ہے یہ نہیں کہ اجماع اثبات مسئلہ کے لئے بہتر صورت ہے جیسا کہ بعض بزرگوں سے ہے اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ (ت)

---

[1] شرح المواقف المقصد الثالث فی علمه تعالٰی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۷۴

[2] شرح المواقف المقصد الثانی فی قدرته تعالٰی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۴۹

دلیل دوم: العظمۃ للہ اگر کذب الٰہی ممکن ہو تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں کہ اٹھائے نہ اٹھیں، کافروں ملحدوں کو اعتراض ومقال وعناد وجدال کی وہ مجالیں ملیں کہ مٹائے نہ مٹیں۔ دلائل قرآن عظیم ووحی حکیم یک دست ہاتھ سے جائیں حشر ونشر وحساب وکتاب وجنت ونار وثواب وعذاب کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ پائیں کہ آخر ان امور پر ایمان صرف اخبار الٰہی سے ہے جب معاذاللہ کذب الٰہی ممکن ہو تو عقل کو ہر خبر الٰہی میں احتمال رہے گا، شاید ہو نہی فرمادی ہو، شاید ٹھیک نہ پڑے **سبحٰنہ وتعالٰی عمایصفون، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (پاک اور بلند ہے اللہ تعالٰی کی ذات جس کی عبارت سے جو وہ بیان کرتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ت) یہ دلیل شرح مقاصد میں افادہ فرمائی جس کی عبارت نص چہارم میں گزری، اور امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں زیر قولہ تعالٰی وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا (پوری ہے بات تیرے رب کی سچ وانصاف میں۔ت) اس کی طرف اشعار کیا کذب الٰہی کے محال ہونے پر دلیل عقلی قائم کرکے فرماتے ہیں:

ولایجوز اثبات ان الکذب علی اللہ محال بالدلائل السمعیۃ لان صحۃ الدلائل السمعیۃ موقوفۃ علی ان الکذب علی اللہ محال فلو اثبتنا امتناع الکذب علی اللہ تعالٰی بالدلائل السمعیۃ لزم الدور وھو باطل[1]۔	اللہ تعالٰی سے کذب کے محال ہونے کو دلائل سمعیہ سے ثابت کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ خود ان دلائل سمعیہ کی صحت اس پر موقوف ہے کہ کذب اللہ تعالٰی سے محال ہے اگر ہم اللہ تعالٰی کسے امتناعی کذب کو دلائل سمعیہ سے ثابت کریں گے تو دور لازم آجائے گا جو باطل ہے۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق۔ تنویر دلیل یہ ہے کہ عقل جس امر کو ممکن جانے گی اور ممکن وہی جسے وجود وعدم وجود دونوں سے یکساں نسبت ہو تو چاہئے وہ امر کیسا ہی مستعبد ہو مگر عقل از پیش خویش اس کے ازلاً ابداً عدم وقوع پر جزم نہیں کرسکتی کہ ہر ممکن مقدور اور ہر مقدور صالح تعلق ارادہ اور ارادہ الٰہیہ امر غیب ہے جس تک عقل کی اصلا رسائی نہیں پھر وہ بطور خود کیونکر کہہ سکتی ہے کہ اگرچہ کذب الٰہی زیر قدرت ہے مگر مجھے اس کے ارادہ پر خبر ہے کہ ازل سے ابد تک بولا نہ بولے، ارادہ پر حکم وہیں کرسکتے ہیں جہاں خود صاحب ارادہ جل مجدہ خبر دے کہ فلاں امر ہم کبھی صادر نہ فرمائیں گے، **کقولہ تعالٰی:**

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔(ت)

[1] مفاتیح الغیب تحت آیۃ وتمت کلمت ربك المطبعۃ البھیہ مصر ۱۳/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

وقولہ تعالٰی:

"یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫"[1]۔	اللہ تعالٰی تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے تم پر تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔ (ت)

امام فخر الدین رازی تفسیر سورہ بقر میں زیر آیہ کریمہ "اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾" (یا تم اللہ تعالٰی کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ ت) فرماتے ہیں:

الاٰیۃ تدل علی فوائد (الی ان قال) ثانیھا ان کل ماجاز وجودہ وعدمہ عقلا لم یجز المصیر الی الاثبات اوالی النفی لابدلیل سمعی[2]۔	یہ آیت مبارک ان فوائد پر دال ہے (آگے چل کر کہا) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جس شیئ کا وجود ودم عقلا جائز ہو اس کے اثبات ونفی کے لئے سمعی کی طرف رجوع ضروری ہے۔ (ت)

اور تفسیر سورہ انعام میں زیر قول تعالٰی: قل اللہ شھید بینی وبینکم قف (فرمادیجئے اللہ تعالٰی میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے۔ ت) فرماتے ہیں:

المطالب علی اقسام ثلثۃ منھا مایمتنع اثباتہ بالدلائل السمعیۃ، فان کل مایتوقف صحۃ السمع علی صحت امتنع اثباتہ بالسمع والالزم الدور، ومنھا مایمتنع اثباتہ بالعقل وھو کل شیئ یصح وجودہ ویصح عدمہ عقلا فلا امتناع فی احد الطرفین اصلا فالقطع علی احد الطرفین بعینہ لایمکن الا بالدلیل السمعی[3] الخ۔	مطالب کی تین اقسام ہیں: ایک جن کا اثبات دلائل سمعیہ سے ممتنع ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس کا اثبات صحت سمع پر موقوف ہے اس کا اثبات سمع سے نہیں ہوسکتا ورنہ دور لازم آئے گا، دوسرا جن کا اثبات عقل سے ممتنع ہے اور وہ ہر شی ہے جس کا وجود وعدم عقلا صحیح ہو وہ دونوں میں سے کوئی ممتنع نہ ہو تو اب ایک جانب میں یقین دلیل سمعی کے بغیر ممکن نہیں الخ (ت)

امام الحرمین قدس سرہ کتاب الارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں:

اعلموا وفقکم اللہ تعالٰی ان اصول العقائد	جان لو (اللہ تعالٰی تمھیں توفیق دے) اصول عقائد

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۵

[2] مفاتیح الغیب تحت آیۃ ام تقولون علی اللہ مالاتعلمون المطبعۃ البھیہ مصر ۳/ ۱۶۰

[3] مفاتیح الغیب قل ای شی اکبر شھادۃ الخ المطبعۃ البھیہ مصر ۱۲/ ۱۷۶

تنقسم الی مایدریك عقلا ولایسوغ تقدیر ادراکه سمعا.الی مایدریك سمعا ولایتقدر ادارکه عقلاو الی مایجوز ادراکه سمعا وعقلا فاما مالایدرك الاعقلا فکل قاعدة فی الدین یتقدم علی العلم بکلام الله تعالٰی ووجوب اتصافه بکونه صدقا اذا السمعیات تستندالی کلام الله تعالٰی وماسبق ثبوته فی المرتبة علی ثبوت الکلام وجوبا فیستحیل ان یکون مدرکه السمع واماما لایدرك الاسمعا فهو القضاء بوقوع مایجوز فی العقل فلایتقدرالحکم بثبوت الجائز ثبوته فیما یتقدر الحکم بثبوت الجائز ثبوته فیما غاب عنا الابسمع[1] الخ۔	کی تقسیم یوں ہے کچھ چیزیں وہ ہیں جن کاادراک عقل ہے ان کاادراک سمعی جائز ہی نہیں، کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کاادراک سمعی ہے ان کا ادارک عقلی نہیں ہو سکتا، کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا ادراک عقلا اور سمعا دونوں طرح جائز ہوتاہے،وہ چیزیں جن کا ادراک فقط عقلا ہے تو دین کا ہر وہ قاعدہ جو اللہ تعالٰی کے کلام اور صدق سے اس کے وجوبی اتصاف سے پہلے ہے کیونکہ دلائل سمعیہ کا اعتماد اثبات کلام الٰہی سے ہوتا ہے تو جس کے مرتبہ کا ثبوت کلام کے ثبوت سے پہلے ہونا لازم ہے تواب محال ہے کہ اس کا سبب ادراک سمع ہو اور جن چیزوں کا ادراک فقط سمع سے ہے تو وہ عقلی طورپر جائز الوجود چیز کے وقوع کا فیصلہ ہے تو سمع کے بغیر کسی جائز الوجود چیز جو ہم سے غائب ہے کے ثبوت کا حکم جائز الوجود چیز سے نہیں ہو سکتا الخ (ت)

شرح عقائد نسفی میں ہے:

القضایا منها ماهی ممکنات لاطریق الی الجزم باحدجانبها فکان من فضل الله ورحمته ارسال الرسل لبیان ذٰلک[2] اهملخصا۔	کچھ چیزیں ان میں سے ممکن ہیں ان کی کسی ایک جانب کا جزم نہیں ہو سکتا تو اس کے بیان کے لئے رسولوں کا بھیجنا اللہ تعالٰی کا فضل ورحمت ہے اھ ملخصا (ت)

میں کہتاہوں اب آدمیوں ہی میں دیکھ لیجئے کہ جو کام زید کی قدرت میں ہے دوسرا ہر گزاس پر جزم نہیں کر سکتا کہ وہ کبھی اسے نہ کرے گا پھر یہاں بعد اخبار زید بھی جزم و تیقن کی راہ نہیں۔ مثلاً زید کہے بلکہ قسم بھی کھائے کہ میں اس سال ہر گز سفر نہ کروں گا تاہم دوسرا اگرچہ صدق زید کا کیسا ہی معتقد ہو قسم نہیں کھا سکتا کہ زید اس سال یقینا سفر نہ کرے گا اور کھائے تو سخت جری وبیباک اور نگاہ عقلاء میں ہلکا ٹھہرے گا تو وجہ کیا، وہی کہ غیب کا حال

---

[1] الارشاد فی الکلام

[2] شرح العقائد النسفیه بیان ارسال رسل دار الاشاعة العربیه قندھار افغانستان ص ۹۸

معلوم نہیں اور زید کی بات سچی ہی ہونی کیا ضرور ممکن کہ فرق پڑ جائے جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہولیا اور اب تم نے کذب الٰہی کہ زیر قدرت مانا تو عقلا ہر خبر میں احتمال کذب ہواہی رہا یہ کہ خبر الٰہی یقین دلائے کہ اللہ عزوجل اگرچہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے، مگر نہ کبھی بولا، نہ بولے ہیہات اس یقین کی طرف بھی کوئی راہ نہیں کہ آخر یہ کلام الٰہی سے خود ایک کلام ہوگی تو عقلا ممکن کہ یہی بروجہ کذب صادر ہوئی ہو پھر وہ کون سا ذریعہ وثوق رہا جس کے سبب عقل یقین کرسکے یہ ممکن جو قدرت الٰہی میں تھا واقع نہ ہوا خلاصہ یہ کہ جب کذب عقلا ممکن تو استحالہ عقلی تو تم خود نہیں مانتے، رہا استحالہ شرعی وہ دلیل شرع سے مستفاد ہوتا ہے اور دلائل شرع سب کلام الٰہی کی طرف منتہی۔ **کما مر من ارشاد امام الحرمین** (جیسا کہ امام الحرمین کے ارشاد سے گزرا۔ت) تو جس کلام الٰہی سے کذب الٰہی کا استحالہ ثابت کیجئے پہلے خود اسی کلام الٰہی کا وجوب صدق شرعا ثابت کیجئے، لاجرم دور یا تسلسل سے چارہ نہیں، اب عقلی و شرعی دونوں استحالے اٹھ گئے اور اللہ تعالٰی کی بات **معاذاللہ** زید وعمرو کی سی بات ہو کررہ گئی **تعالی اللہ عما یقولون علوا کبیرا** (یہ جو کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے نہایت ہی بلند ہے۔ت) پھر حشر ونشر وجنت و نار وغیرہا تمام سمعیات پر ایمان لانے کا کیا ذریعہ ہے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم، ھذا ماعندی فی تقریر دلیل ھؤلاء الاعلام وفی المقام ابحاث طوال تعرف بالغوص فی الجج الکلام** (میرے نزدیک ان علماء اعلام کی دلیل کی وضاحت وتفصیل یہی ہے اس مقام پر بڑے تفصیل مباحث ہیں جو کلام کے سمندر میں غوطہ زن ہونے سے معلوم ہوتے ہیں۔ت) **دلیل سوم:** مواقف وشرح مواقف میں ہے:

اما امتناع الکذب علیه تعالٰی عندنا فثلثة اوجه (الٰی ان قال) وایضا فیلزم علی تقدیر ان یقع الکذب فی کلامه سبحانه ان نکون نحن اکمل منه فی بعض الاوقات اعنی وقت صدقنا فی کلامنا[1]۔	یعنی کذب الٰہی کا محال ہونا ہم اہلسنت کے نزدیک تین دلیل سے ہے ایک یہ کہ اس کے کلام میں کذب آئے تو بعض وقت ہم اس سے اکمل ہوجائیں یعنی جس وقت ہم اپنے کلام میں سچے ہوں۔

اقول: تقریر دلیل یہ ہے کہ ہر محکی عنہ میں امکان کہ انسان اسے بروجہ صحیح حکایت کرے اور شک نہیں کہ جس حکایت میں جو سچا ہو وہ اس میں جھوٹے پر خاص اس وجہ کی رو سے فضل رکھتا ہے اگرچہ اور کروڑوں وجہ سے مفضول ہو، اب اگر کذب الٰہی ممکن ہو تو **معاذاللہ** جس وقت وہ جھوٹ بولے اور انسان اسی بات کو

[1] شرح المواقف المقصد السابع فی انه تعالٰی متکلم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۱۰۱

مطابق واقع ادا کرے تو لازم کہ آدمی اس وجہ سے افضل ہو جائے اور باری عزوجل پر کسی جہت سے کسی مخلوق کو کسی طرح کا فضل جزئی بھی اگرچہ نہایت ضعیف و مضمحل ہو ملنا محال، تو ثابت ہوا کہ مکان کذب باطل خیال ہے **فافهم والعزة لله ذی الجلال** (پس غور کیجئے اور عزت اللہ ذوالجلال کے لئے ہے۔ت)

ثم اقول: اس دلیل کی ایک مختصر تقریر یوں ممکن ہے کہ اگر کذب خالق ممکن ہو تو کتنی بڑی شناعت ہے کہ خلق سچی اور خالق جھوٹا، **العیاذ باللہ رب العالمین**، لیکن صدق خلق محال نہیں تو کذب خالق ممکن نہیں۔

دلیل چہارم: جس کی طرف امام فخر الدین رازی نے نص ۱۶ میں اشارہ فرمایا کہ جب اہلسنت کے نزدیک اللہ عزوجل کا صدق ازلی تو کذب محال کہ ہر ازلی ممتنع الزوال، **اقول: وباللہ التوفیق** تصویر دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل پر اسم صادق کا اطلاق قطع نظر اس سے کہ قرآن عـــہ وحدیث واجماع سے ثابت، مخالفان عنید یعنی طائفہ جدید کو بھی مقبول کہ وہ بھی اللہ عزوجل کو صادق بالفعل تو مانتے ہیں اگرچہ صادق بالضرورۃ ہونے سے انکار کرتے ہیں کہ

عـــہ: اما القراٰن فقوله تعالٰی ذٰلك جزینٰهم ببغیهم وانا "ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾"[1] وقول تعالٰی "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾"[2] فان المعنی ان اللہ تعالٰی اصدق قائل وحمل الاصدق حمل الصادق مع زیادۃ واماالحدیث فقد عد الصادق من الاسماء الحسنٰی فی حدیث ابن ماجة[3] وحدیث الحاکم فی المستدرك وابی الشیخ و ابن مردویة فی تفسیریهما وابی نعیم فی کتاب الاسماء الحسنٰی کلهم عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واما الاجماع فظاهر لاینکر ۱۲منه۔

قرآن میں اللہ تعالٰی کا فرمان ہے یہ ہم نے ان کی بغاوت کی سزا دی اور ہم یقینا سچے ہیں، دوسرے مقام پر فرمایا: اللہ تعالٰی سے بڑھ کر کون زیادہ سچا ہے، معنی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی سب سے بڑھ کر صادق ہے، اور اصدق کا حمل صادق مع زیادۃ کا حمل ہے رہی حدیث تو حدیث میں اسماء حسنٰی میں صادق کو شمار وشامل کیا گیا ہے، اور یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے ابن ماجہ، حاکم نے مستدرک میں، ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے اپنی تفاسیر اور امام ابو نعیم نے "کتاب الاسماء الحسنی" میں ذکر کیا، رہا اجماع تو واضح ہے، اس کا انکار کیا ہی نہیں جاسکتا ۱۲منہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۶

[2] القرآن اکریم ۴/ ۱۲۲

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الدعاء باب اسماء اللہ عزوجل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۳

جب کذب ممکن جانا اور امکان نہیں مگر جانب مخالف سے سلب ضرورت تولاجرم باری تعالٰی کے صادق ہونے کو ضروری نہ مانامگر جاہل کہ صادق بالفعل مانناہی ان کے مذہب نامہذب کااستیصال کر گیاکہ جب وہ صادق ہے اور صدق مشتق قیام مبدء کو مستلزم،تو واجب کہ صدق اس کی ذات پاک سے قائم اور ذات الٰہی سے قیام حوادث محال،تو ثابت کہ صدق الٰہی ازلی ہے بعینہٖ اسی طریقہ سے ہمارے ائمہ کرام نے تکوین وغیرہ کا صفات ازلیہ سے ہونا ثابت فرمایا۔شرح عقائد نسفی میں ہے:

(التکوین صفۃ)ﷲ تعالٰی لاطباق العقل و النقل علٰی انہ تعالٰی خالق للعالم مکون لہ وامتناع اطلاق الاسم المشتق علی الشیئ من غیر ان یکون ماخذ الاشاق وصفالہ قائمہ بہ(ازلیۃ)بوجوہ الاول انہ یمتنع قیام الحوادث بذاتہ تعالٰی لمامر[1] اھملخصا۔	(تکوین صفت ہے)اللہ تعالٰی کی، کیونکہ عقل و نقل اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالٰی جہاں کا خالق اور بنانے والا ہے اور کسی شے،پر اسم مشتق کا اطلاق اس وقت تک ممتنع ہوتا ہے جب تک مادہ اشتقاق اس کا وصف اور اس کے ساتھ قائم نہ ہو (ازلی ہے)اس پر متعدد دلائل ہیں،اول یہ کہ اللہ تعالٰی کی ذات اقدس کے ساتھ حوادث کا قیام ممتنع ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اھ ملخصا(ت)

اسی میں ہے:

اللہ تعالٰی متکلم بکلام ھو صفۃلہ ضرورۃ امتناع اثبات المشتق لشیئ من غیرقیام ماخذ الاشتقاق بہ[2]۔	اللہ تعالٰی متکلم بکلام ہے اور یہ اس کی صفت ہے کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ کسی شیئ کے لئے مشتق کا اثبات اس کے ساتھ ماخذ اشتقاق کے قیام کے بغیر ممتنع ہوتا ہے۔(ت)

منح الروض میں مسامرہ سے ہے:

الایمان من صفات اللہ تعالٰی من اسمائہ الحسنی "المؤمن"کما نطقق بہ الکتاب العزیز.وایمانہ ھو تصدیقہ	ایمان،اللہ تعالٰی کی صفات میں سے ہے کیونکہ اس کے اسماء حسنی میں "المؤمن" بھی ہے جیسا کہ قرآن عزیز اس پر ناطق ہے اور اس کا ایمان ازل

[1] شرح العقائد النسفیہ بیان صفات باری تعالٰی دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۵۰

[2] شرح العقائد النسفیہ بیان صفات باری تعالٰی دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۴۴

فی الازل بکلامه القدیم ولایقال ان تصدیقه محدث ولامخلوق تعالٰی اللہ ان یقوم به الحادث [1] اھ ملخصا۔	میں کلام قدیم کی تصدیق ہے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی تصدیق محدث و مخلوق ہے کیونکہ وہ اس سے بلند ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادث قائم ہو اھ ملخصا (ت)

اور جب صدق الٰہی ازلی ہوا تو امکان کذب کا محل نہ رہا کہ اس کا وقوع بے انعدام صدق ممکن نہیں **تحقیقا لمعنی التضاد** (کیونکہ ان میں تضاد پایا جاتا ہے، ت) اور انعدام صدق محال ہے کہ علم کلام میں مبین ہوچکا کہ قدیم اصلا قابل عدم نہیں **فتبصر۔**

دلیل پنجم: اگر باری عزوجل کذب سے متصف ہوسکے تو اس کا کذب اگر ہوگا تو قدیم ہی ہوگا کہ اس کی کوئی صفت حادثہ نہیں، اور جو قدیم ہے معدوم نہیں ہوسکتا، تو لازم کہ صدق الٰہی محال ہوجائے حالانکہ یہ بالبداہۃ باطل، توکذب سے اتصاف ناممکن، یہ دلیل تفسیر کبیر و مواقف و شرح مقاصد میں افادہ فرمائی، امام کی عبارت یہ ہے زیر قولہ تعالٰی **"وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا﴿۸۷﴾"** [2] (اللہ تعالٰی سے بڑھ کر کون سے سچی بات فرمانے والا۔ ت) امتناع کذب الٰہی پر اہل سنت کی دلیل بیان کرتے ہیں:

اما اصحابنا فدلیلھم انه لوکان کاذبا لکان کذبه قدیما، ولو کان کذبه قدیما لامتنع زوال کذبه لامتناع العدم علی التقدیم، ولوامتنع زوال کذبه قدیما لامتنع کونه صادقا، لان وجود احد الضدین یمنع وجود الضد الاٰخر فلو کان کاذبا لامتنع ان یصدق لکنه غیر ممتنع، لانا نعلم بالضرورۃ ان کل من علم شیئا فان لایمتنع علی ان یحکم علیه بحکم مطابق للمحکوم علیھم والعلم بھذہ الصحۃ ضروری، فاذاکان امکان الصدق قائما کان امتناع الکذب	ہمارے علماء کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ کاذب ہے تو اس کا کذب قدیم ہوگا اور اس کا کذب قدیم ہے تو اس کے کذب کا زوال ممتنع ہوگا کیونکہ قدیم پر عدم، ممتنع ہوتا ہے، اور اگر سا کے کذب کا زوال قدیما ممتنع ہے تو اس کا صادق ہونا ممتنع ہوگا کیونکہ ضدین میں سے ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے لئے امتناع کا سبب ہوتا ہے، تو اگر وہ کاذب ہے تو اس کا صادق ہونا ممتنع ہوگا لیکن یہ تو ممتنع نہیں کیونکہ ہم بداہۃ جانتے ہیں کہ جو شخص کسی شی کے بارے میں علم رکھتا ہو اس کے لئے اس شے پر محکوم علیہ کے مطابق حکم لگانے

[1] منح الروض الازہر شرح فقہ الکبر باب الایمان مخلوق اولا مصطفی البابی مصر ص ۱۴۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۷

حاصلا لامحالۃ[1]۔	میں کوئی امتناع نہیں اور اس ضابطہ کی صحبت کا علم و یقین ضروری ہے جب امکان صدق قائم ہے تو کذب کا حصول ہر صورت میں ممتنع ہوگا۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق تحریر دلیل یہ ہے کہ تم نے باری عزوجل کا تکلم بکلام کذب تو ممکن مانا اس کا کاذب ومتصف بالکذب ہونا بھی ممکن مانتے ہو یا نہیں؟ اگر کہئے نہ تو قول بالمتناقضین اور بداہت عقل سے خروج ہے کہ کاذب ومتصب بالکذب نہیں مگر وہی جو تکلم بکلام عـــہ کذب کرے اسے ممکن کہہ کر اسے محال ماننا نرا جنون ہے۔ اور اگر کہئے ہاں، تو اب ہم پوچھتے ہیں یہ انصاف صرف لم یزل میں ممکن یا ازل میں بھی شق اول باطل کہ امکان قیام حوادث کو مستلزم اور شق ثانی پر جب ازلیت کذب ممکن ہوئی تو اس کا ممتنع الزوال ہونا ممکن ہوا کہ ہر ازلی واجب الابدیۃ اور کذب کا امتناع زوال استحالہ صدق کو مستلزم کہ کذب وصدق کا اجتماع محال، جب اس کا زوال محال ہوگا اس کا ثبوت ممتنع ہوگا، اور امکان وجود ملزوم امکان وجود لازم کو مستلزم، تحقیقا لمعنی اللزوم حیث کان ذاتیا لا لعارض کما ھٰھنا (معنی لزوم کے ثبوت کی وجہ سے ذاتی ہے نہ کہ کسی عارض کی وجہ سے، جیسا کہ یہاں ہے۔ت) تو لازم آیا کہ صدق الٰہی کا محال ہونا ممکن ہو اور استحالہ اسی شے کا ممکن ہوگا جو فی الواقع محال ہو بھی کہ ممکن کا محال ہو جاہر گز ممکن نہیں ورنہ انقلاب لازم آئے اور وہ قطعاً باطل۔ تو ثابت ہوا کہ اگر باری تعالٰی کا امکان کذب مانا تو اس کا صدق محال ہوگا لیکن وہ بالبداہۃ محال نہیں تو امکان کذب یقینا باطل، اور استحالہ کذب قطعاً حاصل۔

و الحمد للہ اصدق قائل الدلائل الفائضۃ علی قلب الفقیر بعون القدیر عز جدہ وجل مجدہ۔	تمام تعریف اللہ تعالٰی کی ان سچے دلائل پر جو قدیر عزجدہ وجل مجد کی مدد سے فقیر کے دل پر وارد ہوئے۔(ت)

دلیل ششم: اقول: وبحول اللہ اصول (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے بیان کرتا ہوں (کلام الٰہی

عـــہ: ای انشاء لاحکایۃ اذلاکلام فیہا کما لایخفی ففی القرآن العظیم جمل عن الکفار من اراجیفھم الباطلۃ ۱۲ منہ	یعنی بطور انشاء نہ کہ بطور حکایت کیونکہ اس میں کلام ہی نہیں جیسا کہ واضح ہے تو قرآن میں ایسے جملے موجود ہے جن میں کفار کی باطل اداکا تذکرہ ہے ۱۲ منہ (ت)

---
[1] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) تحت آیۃ ومن اصدق من اللہ حدیثاً المطبعۃ البھیۃ مصر ۱۰/ ۲۱۷، ۲۱۸

ازل میں بایجاب کلی حق تھا، معاذاللہ اس کا بعض باطل یا نہ حق نہ باطل شق ثانی تو کفر صریح [عـــہ۱] اور ثالث میں مطابقت ولا مطابقت دونوں کا ارتفاع اور وہ قطعاً محال، اولا [عـــہ۲] بالبداہۃ۔

فان ارتفاع محمول الانفصال الحقیقی عن الموضوع کارتفاع النقیضین۔	کیونکہ انفصال حقیقی کے دونوں محمول کا موضوع سے ارتفاع نقیضین کے ارتفاع کی طرح ہوتا ہے۔(ت)

ثانیا: باجماع عقلاء،

حتی الجاحظ المعتزلی وانما نزاعه [عـــہ۳] فی مجرد السمیة۔	حتی کہ جاحظ معتزلی بھی قائل ہے نزاع محض نام میں ہے۔(ت)

عـــہ۱: ای فلایرضی به المخالف ایضا فلاینافی عقلیة البرهان وانما اکتفی به قصرا للمسافة والافله طریق قدعرفت وهو وجوب الکذب وامتناع الصدق الباطل ببداهة العقل ۱۲منه

یعنی اس پر مخالف بھی راضی نہ ہوگا اور یہ عقلی برہان کے منافی نہیں اختصاراً اس پر اکتفاء کرلیا گیا ورنہ اس کے لئے وہ طریق جو جان چکا کہ وہ کذب کا وجوب اور صدق کا امتناع ہے جو بداہۃ عقل سے باطل ہے ۱۲منہ (ت)

عـــہ۲: فیه المقنع وحدیث الاجماع والنص تبرعی ۱۲ منه۔

یہی کافی ہے اجماع اور نص کی بات بطور تبرع و نفل ہے ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۳:الخبر عند الجمهور اما صادق او کاذب لانه امامطابق للواقع الذی هو المخبر عنه وهو الصادق، اولا مطابق وهو الکاذب وهذه المنفصلة حقیقیة دائرة بین النفی والاثبات ونزاع من نازع لیس الافی اطلاق لفظ الصدق والکذب لغة هل هما لهذین المعنین لافی صدق هذه المنفصلة [1] اھ مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت لمولانا بحرالعلوم قدس سرہ ۱۲منه۔

جمہور کے نزدیک خبر صادق ہے یا کاذب، کیونکہ اگر وہ واقع کے مطابق نہیں تو کاذب، اور یہ مفصلہ حقیقیہ ہے جو نفی واثبات کے درمیان دائر ہے اور جس نے بھی اس میں نزاع کیا ہے وہ صرف لغۃ لفظ صدق وکذب کے اطلاق میں کیا ہے کہ کیا وہ ان دونوں معنی کے لئے ہیں منفصلہ حقیقہ جس کے دونوں محمول مرتفع ہوں، کے صدق میں نہیں، اھ، مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت لمولانا بحرالعلوم قدس سرہ، ۱۲منہ (ت)

---

[1] فواتح الرحموت شرح المسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثانی السنہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۰۷

ثالثاً: خود قرآن عظیم نفی واسطہ پر ناطق،

قال مولانا ذوالجلال فماذا بعد الحق الاالضلل [1]۔	ہمارے مالک صاحب جلال کا فرمان ہے پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔(ت)

تو لاجرم شق اول متعین اور شاید مخالف بھی اس سے انکار نہ رکھتا ہو اب ہم پوچھتے ہیں کذب ممکن علی فرض الوقوع صرف کسی کلام نقل کو عارض ہوگا یا نفیس کو بھی، اول محض بے معنی کہ صدق وکذب حقیقۃً موصوف معنی ہے نہ صفت عبارت، ولہٰذا شرح مقاصد میں فرمایا:

طریق اطراد ھذاالوجه فی کلام المتنظم من الحروف المسموعه انه عبارۃ عن کلامه الازلی ومرجع الصدق والکذب الی المعنی [2]۔	یہ تو ایسی کلام میں جاری ہو رہا ہے جو صرف مسموعہ سے بنی ہے اور یہ کلام ازلی سے عبارت ہے اور صدق وکذب کا مرجع معنی ہے۔(ت)

بر تقدیر ثانی یہ کلام نفسی وہی کلام قدیم ہے یا علی تقدیر التجزی اس کا بعض ہوگا جو ازل میں ایجاباً کلیاً صادق تھا یا اس کا غیر شق ثانی پر قیام حوادث لازم اور اول میں انقلاب صدق بکذب کہ کلامِ بشر میں بھی محال، سچی بات کبھی جھوٹی عــــہ

عــــہ: یہاں بعض اذہان میں یہ شبہہ گزرتا ہے کہ زید آج قائم ہے تو قضیہ زید قائم حق ہے، کل قائم نہ رہا تو زید لیس بقائم حق ہوگیا اور اس کی حقیقت اس کے کذب کو مستلزم، **اقول:** ان صاحبوں نے فعلیہ ودائمہ میں فرق نہ کیا یا نہ جانا کہ دو مطلقہ عامہ میں تناقص نہیں، مسلم الثبوت میں ہے:

الخبر الصادق صادق دائما والکاذب کاذب دائما [3]۔	خبر صادق ہمیشہ صادق اور خبر کاذب ہمیشہ کاذب ہوتی ہے۔(ت)

مولانا قدس سرہ فواتح میں فرماتے ہیں:

ولایکن ان یدخلا فی شیئ من الاخبار، وفرق بین تحقق مصداق الخبر وصدقه فان الاول قدیختلف بحسب الاوقات واما	دونوں کا کسی خبر میں جمع ہونا ممکن نہیں، اور خبر کے مصداق کے تحقق اور اس کے صدق میں فرق ہے کیونکہ پہلا اوقات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۲

[2] شرح المقاصد المبحث السادس فی انه تعالٰی متکلم دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۱۰۴

[3] مسلم الثبوت الاصل الثانی السنة مطبع انصاری دہلی ص ۱۷۶

نہیں ہو سکتی، نہ جھوٹی کبھی سچی، ورنہ مطابقت ولا مطابقت میں تصادم لازم آئے اور نقیضین باہم نقیضین نہ رہیں، بالجملہ کلام صادق کے لئے ثبوت صدق ضروری، تو سلب ضرورت ضرورۃً مسلوب، وھو المطلوب۔

وانت تعلم ان صدور الکلام القدیم منہ سبحانہ و تعالٰی لیس علی وجہ الاختیار فان القدیم لایستند الی المختار من حیث ھو مختار و القراٰن کلام اللہ غیر مخلوق ولافی اقتدار فلایستزلك الشیطان ان الاستحالۃ انماجاءت من ان المولی سبحانہ وتعالٰی لم یصدر فی الازل الاکلاما صادقًا وھو لایقدر ان ان یخلق لنفسہ صفۃ حادثۃ فبقی الامکان فی بدو الامر علی ماکان۔	اور تم جانتے ہو اللہ تعالٰی سبحانہ سے کلام قدیم کا صدور اختیاری نہیں کیونکہ قدیم کسی مختار من حیث مختار کی منسوب نہیں ہو سکتا، قرآن اللہ تعالٰی کا کلام ہے جو مخلوق نہیں اور تحت قدرت نہیں ــــ تمھیں شیطان اس بات سے نہ پھسلادے کہ استحالہ یہاں سے لازم آیا کہ اللہ تعالٰی سے ازل میں کلام صادق ہی صادر ہوا، اور وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اپنی ذات کے لئے صفت حادثہ پیدا کرے تو ابتدائی امر میں امکان باقی رہا جیسا کہ تھا۔ (ت)

دلیل ہفتم: وھو اختصر واظھر اقول وباللہ التوفیق (جو نہایت مختصر اور بہت ہی واضح ہے، میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) امکان کذب اس کی فعلیت بلکہ ضرورت کو مستلزم کہ اگر م کلام نفسی ازلی ابدی واجب للذات مستحیل التجدد و کذب پر مشتمل نہ ہو تو کلام لفظی کا کذب ممکن نہیں ورنہ وجود دال بلامدلول؏

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صدق خبر فدائم فان صدق المطلقۃ دائم فالصادق دائما، فلایدخلہ الکذب اصلا ولا اجتمعا والکذب کاذب دائما فلایدخلہ الصدق[1] اھ ملخصا ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔

رہا صدق خبر تو وہ دائمی ہے کیونکہ مطلقہ کا صدق دائمی ہوتا ہے لہٰذا صادق ہمیشہ صادق ہی ہوگا اور اس میں کبھی بھی کذب داخل نہیں ہو سکتا ورنہ دونوں کا اجتماع ہو جائے گا اور کاذب ہمیشہ کاذب ہی رہے گا اس میں صدق داخل نہیں ہو سکتا اھ ملخصا ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔ (ت)

؏: المدلول ھو المعنی فلانقض بالمعدوم ۱۲ منہ

؏: مدلول وہ معنی ہی ہے لہٰذا معدوم کے ساتھ کوئی اعتراض نہیں ہوگا ۱۲ منہ (ت)

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی الاصل الثانی السنۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۰۲

یا کذب دال مع صدق المدلول لازم آئے اور یوں دونوں بالبداہۃ محال، او جب کلام لفظی میں کذب ممکن نہ ہو تو نفسی میں ممکن نہیں، ورنہ باری عزوجل کا عجز عن التعبیر لازم آئے تولاجرم امکان کذب ماننے والا اپنے رب کو واقعی کاذب مانتاہے اور اس کے کلام نفسی میں کذب موجود بالفعل جانتاہے اور وہاں فعل ودوام ووجوب متلازم وبوجہ آخر اوضح واظہر۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) تمھارے دعوی کا حاصل یہ کہ **بعض ماھو کلام اللہ تعالٰی فھو ممکن الکذب بالضرورۃ** (اللہ تعالٰی کے کلام کا بعض ضرور ممکن الکذب ہے۔ت) اور شک نہیں کہ **کل ماھو ممکن الکذب کاذب بالضرورۃ** (اور جو ممکن الکذب ہو وہ ضرور کاذب ہوتاہے۔ت) کہ کلام واحد میں امکان کذب بے فعلیت کذب متصور نہیں اور فعلیت کذب امتناع صدق اور امتناع صدق ضرورت کذب ہے، نتیجہ نکلا **بعض ماھوا کلام اللہ تعالٰی کاذب بالضرورۃ** (اللہ تعالٰی کے کلام کا بعض ضرور کاذب ہے۔ت) اب اس میں وصف عنوانی کا صدق خواہ بالفعل **لو کماھو المشھور** (جیسا کہ یہ مشہور ہے۔ت) خواہ بالامکان **لو کما ھو عند الفارابی** (جیسا کہ فارابی کے ہاں ہے۔ت) ہر طرح باری عزوجل کا **معاذاللہ** کاذب بالفعل ہونا لازم۔ بر تقدیر اول تو لزوم بدیہی، اور بر تقدیر ثانی اس قضیہ یعنی **بعض ما ھو کلام اللہ بالامکان العام کاذب بالضرورۃ** (جو اللہ تعالٰی کا کلام بامکان العام ہے وہ ضرور کاذب ہے۔ت) کو کبرٰی کیجئے اور قضیہ **کل ماھو کلام اللہ بالامکان العام فھو کلام اللہ بالفعل** (ہر کلام جو کلام اللہ بامکان والعام ہے وہ بالفعل کلام اللہ ہے۔ت) کو صغرٰی ثبوت صغرٰی یہ کہ باری تعالٰی کے لئے کوئی حالت منتظرہ نہیں۔ شکل ثالث کی ضرب خامس پھر وہی نتیجہ دے گی کہ **بعض ماھو کلام اللہ بالفعل کاذب بالضرورۃ** (بعض کلام اللہ بالفعل ضرور کاذب ہے۔ت) **والعیاذباللہ تعالٰی**، بلکہ حقیقۃً یہ وجہ دلیل عـــہ مستقل ہونے کے قابل، کمالایخفی علی المتامل۔

عـــہ: حاصل الوجه الاول ان علی قول الامکان لابد من فعلیة فی الکلام النفسی و الا لامتنع فی اللفظی لانه لا یکون الاتعبیرا عن نفسی ولاامکان ھھنا لنفسی اٰخر غیر ھٰذا الموجود المفروض ان لاکذب فیه

پہلی وجہ کا حاصل یہ ہے کہ قول امکان پر کلام نفسی میں فعلیت ضروری ہے ورنہ کلام لفظی میں امتناع ہوگا، جب لفظی میں امتناع ہوگا تو نفسی میں امتناع ضرور ہوگا کیونکہ لفظی صرف نفسی کی تعبیر ہے جبکہ اس موجود نفسی جس میں کذب نہ ہونا مفروض ہے کے علاوہ کسی اور نفسی کا امکان نہیں اور صادق کی کاذب

(باقی اگلے صفحہ پر)

واللہ الموفق لابطال الباطل (جیسا کہ کسی صاحب فکر پر مخفی نہیں، اور اللہ تعالٰی ہی ابطال باطل کی توفیق دینے والا ہے۔ ت)

دلیل ہشتم: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) صدق الٰہی صفت قائمہ بذات کریم ہے ورنہ مخلوق ہوگا کہ ذات وصفات کے سوا سب مخلوق اور ہر مخلوق عدم سے مسبوق تو لازم کہ غیر متناہی دور ازل میں اللہ تعالٰی سچا نہ ہو، تعالٰی عن ذلک علوا کبیرا (اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے۔ت) اور جب صدق صفت قائمہ بالذات ہے اور صفات مقتضائے ذات اور مقتضائے ذات میں تغیر محال کہ تغیر مقتضی تغیر مقتضی کو مقتضی اور تغیر ذات عموما محال خصوصا جناب عزت میں جہاں تغیر صفت بھی مستحیل تو لاجرم کذب منافی ذات ہوا اور منافی ذات کا وقوع نافی ذات اس سے بڑھ کر اور کیا استحالہ متصور۔

دلیل نہم: اقول: وباللہ التوفیق ہم زیر دلیل چہارم وہشتم بدلائل ثابت کر آئے کہ صدق صفت قائمہ بالذات ہے تو کذب بھی اگر ممکن ہو صفت ہی ہو کر ممکن ہوگا۔ فانہما ضدان والتضاد مایکون

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والتعبیر عن الصادق بالکاذب محال واذا متنع فی اللفظی فی النفسی والالزم العجز عن التعبیر فلو لم یوجد فی النفسی بالفعل لامتنع اصلا لکنہ ممکن عندك فیجب ان یوجد فیدوم فیجب وحاصل الثانی ان لو امکن فی کلام لہ لوجد ذلك الکلام لعدم الانتظار فیکون بعض ماھو کلامہ بالفعل ممکن الکذب ولایمکن کذب کلام الا اذا کان کاذبًا و الکاذب کاذب بالضرورۃ وظاہر ان بین الوجھین بونًا بینًا فھما دلیلان مستقلان حقیقۃ والحمد للہ وبہ التوفیق ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔

کے ساتھ تعبیر محال ہے اور جب لفظی میں امتناع ہے تو نفسی میں بھی ہوگا ورنہ تعبیر سے عجز لازم آئے گا، اور اگر وہ نفسی میں عملا موجود نہیں تو وہ اصلا موجود نہ ہوگا لیکن وہ تمھارے نزدیک ممکن ہے تو اس کا موجود ہونا ضروری ہوگا پس وہ دائمی اور واجب ہوگا اور ثانی وجہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ کلام میں ممکن ہوا تو عدم انتظار کی وجہ سے وہ کلام موجود ہوگا تو بعض کلام عملاً ممکن الکذب ہوگا اور کذب کلام اس وقت ممکن ہوگا جو وہ کاذب ہو، اور کاذب بالضرورۃ کاذب ہی ہوگا، تو بعض کلام عملا بالضرورۃ کاذب ہوگا تو دو دلیلوں کے درمیان واضح بعد ہے لہذا یہ دونوں حقیقۃ مستقل دلیلیں ہیں، تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے اور توفیق اس سے ہے ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی (ت)

بحسب الورود علی محل واحد (یہ دونوں ضدیں ہیں اور تضاد جو ایک محل پر ورود کی صورت میں ہوتا ہے۔ت) اب **مخالف متعسف وفور استحالات دیکھئے: اولا** لازم کہ کذب الٰہی موجود بالفعل ہو کہ صفات باری میں کوئی صفت **منتظرہ** غیر واقعہ ماننا باطل ورنہ تاثر عہ۱ بالغیر یا تخلف عہ۲ مقتضی یا تاخر عہ۳ اقتضا یا حدوث عہ۴ مقتضی لازم آئے، تعالٰی اللہ عنہ علوا کبیرا (اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے۔ت)

ثانیا واجب کہ کذب واجب ہو کہ صفات الٰہیہ سب واجب للذات ہیں۔

ثالثا صدق عہ الٰہی محال ٹھہرے کہ وجوب کذب امتناع صدق ہے۔

رابعا کذب صفت کمال ہو کہ صفات باری سب صفات کمال۔

عہ۱: ان کان الاتصاف لامن الذات **اقول**: ولو لتعلق الارادۃ فان التعلق حادث و الحادث غیر فافھم فانہ علم فی نصف سطر ۱۲ منہ۔

اگر اتصاف ذات کے اعتبار سے نہ ہو، **اقول** اگرچہ تعلق ارادہ کے اعتبار سے ہو کیونکہ تعلق حادث ہے اور حادث غیر ہے، اسے اچھی طرح جان لو کیونکہ اس نصف سطر میں سارا علم ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: ان اقتضی الذات ازلا ولم یتحقق ۱۲ منہ مدظلہ وزید فیضہ القوی۔

اگر ذات ازلا تقاضا کرے اور وہ متحقق نہ ہو ۱۲ منہ مدظلہ وزید فیضہ القوی (ت)

عہ۳: ان اقتضی فیما لایزال لافی الازل ۱۲ منہ

اگر وہ تقاضا کرے مگر ازل میں نہ ہو ۱۲ منہ (ت)

عہ۴: ان فرعن الکل والترم تصاحب المقتضی والمقتضی ۱۲ منہ

اگر سب سے فرار کرے اور مقتضی اور مقتضی کے ساتھ رہنے کا التزام کرے ۱۲ منہ (ت)

عہ: فرق بین بناء الکلام علی قدم الصفۃ وان ما ثبت قدمہ استحال عدمہ وھی مقدمۃ عویصۃ الاثبات وبین بناء علی وجوبھا وامتناع ضدھا للذات وھو من اجلی الواضحات والحمد للہ رب البرایات ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔

کلام کی بناء پر صفت کے قدیم ہونے پر اور واجب ہونے پر اس میں فرق ہے، اول کا مقدمہ کہ جس کا قدم ثابت ہوا اس کے عدم محال ہے، اس کا اثبات پیچیدہ ہے، دوسرے کا مقدمہ کہ جو واجب ہو اس کی ضد ذات کے لئے ممتنع ہوتی ہے، یہ بہت واضح ہے، تمام تعریفیں کائنات کے رب کے لئے ہیں ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی (ت)

خامسًا صدق صفت نقصان ہو کہ وہ عدم کذب کو مستلزم، اور اب عدم کذب عدم کمال، اور عدم کمال عین نقصان۔

سادسًا۔سابعًا، ثامنًا: صدق عــــہ۵ کل و کذب عــــہ۶ جزئی، جب دونوں صفت عــــہ۷ اور دونوں ممکن عــــہ۸ تو دونوں واجب عــــہ۹ تو دونوں محال عــــہ۱۰ تو اجتماع عــــہ۱۱ نقیضین وارتفاع نقیضین واجتماع وارتفاع، سب حاصل، تاسع عشر، حادی عشر، بعینہٖ اسی طریقہ سے دونوں کمال، تو دونوں نقصان، تو دونوں مجمع کمال و نقصان، ثانی عشر، ثالث عشر، رابع عشر، جب دونوں صفت تو دونوں مقتضی، تو دونوں منافی، تو دونوں جامع اقتضاء وتنافی، خامس عشر جب دونوں مقتضی تو وجود ذات مستلزم اجتماع نقیضین، اور جس کا وجود مستلزم محال ہو تو خود محال، تو بر تقدیر امکان کذب وجود باری معاذاللہ محال ٹھہرتا ہے، مدعی معاند دیکھے کہ اس کی سلگائی آگ نے بھڑک کر کہاں تک پھونکا، یہ سردست پندرہ ۱۵ استحالے ہیں اور ہر استحالہ بجائے خود ایک دلیل مستقل، تو اب تک آٹھ ۸ اور پندرہ ۱۵ تیئس ۲۳ دلیلیں ہوئیں،

دلیل بست وچہارم: اقول: وباللہ التوفیق، بالفرض اگر کذب کو عیب و منقصت نہ مانئے تو اتنا بالضرورۃ ضرور کہ کوئی کمال نہیں ورنہ مولٰی تعالٰی کے لئے واجب الثبوت ہوتا اور عقل سلیم شاہد کہ باری عزوجلہ کے لئے ایسی شی کا ثبوت بھی محال جو کمال سے خالی ہو اگرچہ نقص نہ ہو، علامہ سعد الدین

عــــہ۵: یعنی ہر خبر میں صادق ہونا کہ بالفعل موجود ۱۲منہ

عــــہ۶: یعنی بعض اخبار میں صادق نہ ہونا کہ مخالف ممکن مانتا ہے ۱۲منہ

عــــہ۷: الاولی لما فی الدلیل الرابع والثامن والثانی لما مر اٰنفا ۱۲ منہ۔

اول جیسا کہ چھوتی، آٹھویں اور دوسری میں ابھی گزرا ۱۲منہ (ت)

عــــہ۸: ای بالامکان العام اما الاول فللوجود اما الثانی فبالفرض ۱۲ منہ۔

یعنی امکان عام کے ساتھ پہلا وجود کی وجہ سے اور دوسرا بالفرض ۱۲ منہ (ت)

عــــہ۹: وان کل صفۃ تجب للذات ۱۲منہ۔

کیونکہ ہر صفت ذات کے لئے لازم ہے ۱۲منہ (ت)

عــــہ۱۰: فان وجوب کل یستلزم استحالۃ الاخر کما مر مرار ۱۲ منہ۔

کیونکہ ہر ایک کا وجوب دوسرے کے محال ہونے سے مستلزم ہے جیسا کہ کئی دفعہ گزرا ۱۲منہ (ت)

عــــہ۱۱: فان الصدق الکلی یستلزم عدم الکذب والکذب الجزئی عدم الصدق الکلی ۱۲منہ

کیونکہ صدق کلی عدم کذب کو اور کذب جزئی عدم صدق کلی کو مستلزم ہے ۱۲منہ (ت)

تفتازانی مبحث رابع فصل تنزیہات شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

ان لم یکن من صفات الکمال امتنع اتصاف الواجب بہ للاتفاق علی ان کل مایتصف ھو بہ یلزم ان یکون صفۃ کمال [1]۔	اگر وہ صفات کمالیہ میں سے نہیں تو اس کے ساتھ واجب کا اتصاف ممتنع ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ واجب جس کے ساتھ متصف ہوگا اس کا صفت کمال ہونا ضروری ہے۔(ت)

علامہ ابن ابی شریف مسایرہ میں فرماتے ہیں:

یستحیل علیہ تعالٰی کل صفۃ لا کمال فیھا ولا نقص لان کلا من صفات الالٰہ صفۃ کمال [2]۔	اللہ تعالٰی کے لئے ہر وہ صفت محال ہے جس میں نہ کمال ہو اور نہ نقص ہو کیونکہ اللہ تعالٰی کی ہر صفت صفت کمال ہے، (ت)

دلیل بست وپنجم: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) بداہت عقل شاہد عدل کہ جو مطلق کذب پر قادر ہوگا کذب مطلق پر بھی قدرت رکھے گا کہ بعض کلام میں کذب پر قادر اور بعض میں اس سے عاجز ہونے کے کوئی معنی نہیں، اور قرآن کلام اللہ قطعاً حق جس کے بعض قضایا مثل **قولہ تعالٰی لاالٰہ الا اللہ وقولہ تعالٰی محمد رسول اللہ** وغیرھما کے صدق پر عقل صرف بے توقف شرع وتوقیف سمع خود حکم کرتی ہے تو واجب کہ قرآن عظیم مقتضائے ذات نہ ہو، اور نہ کذب مطلق مقدور نہ رہے گا کہ کلام ہرگز کاذب نہیں ہوسکتا اور جو کچھ ذات نہ مقتضائے ذات وہ قطعاً حادث ومخلوق توکذب الٰہی کا ممکن ماننا قرآن عظیم کلام اللہ کے حادث ومخلوق ماننے کو مستلزم اب بعد تنبیہ بھی اصرار کرو تو اب معتزلی کرامی گمراہ ہونے سے کیوں انکار کرو۔

دلیل بست وششم: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) جب بر تقدیر امکان کذب، بوجہ بطلان ترجیح بلامرجح ونیز بحکم بداہت غیر مکذوبہ، ہر فرد کذب قدرت الٰہی میں ہوا تو ہر فرد صدق مقدور ہوگا ورنہ صدق البعض واجب یا محال ہوگا۔ تو کذب فی البعض محال یا واجب حالانکہ ہر فرد کذب مقدور مانا تھا، "**ھذا خلف**" پس صدق وکذب کا ہر ہر فرد مقدور ہوا اور ہر مقدور حادث تو کلام الٰہی سے مطابقت ولامطابقت دونوں مرتفع، اور یہ بداہۃً محال۔

دلیل بست وہفتم: اقول: وباللہ التوفیق کتب حدیث وسیر مطالعہ کیجئے بہت خوش نصیب ذی عقل

---

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع فی امتناعی اتصافہ بالحادث دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۷۱

[2] المسامرۃ شرح المسایرۃ ختم المصنف کتابہ ببیان عقیدۃ اہل سنت اجمالا المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی المصر ص ۳۹۳

لبیب صرف جمال جہاں آرائے حضور پر نور سید عالم سرور اکرم مولائے اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دیکھ کر ایمان لائے، کہ **لیس ھذا وجہ الکذابین** یہ منہ جھوٹ بولنے والے کا نہیں۔اے شخص ! یہ اس کے حبیب کا پیارا منہ تھا جس پر خوبی وبہار دوعالم نثار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،اور ۳ پاکی وقدوسی ہے اس کے وجہ کریم کے لئے،واللہ ! اگر آج حجاب اٹھاویں تو ابھی کھلتا ہے کہ اس وجہ کریم پر امکان کذب کی تہمت کس قدر جھوٹی تھی،مخالف اسے دلیل خطابی کہے مگر میں اسے حجت ایقانی لقب دیتا اور مسلمانوں کی ہدایت ایمانی سے انصاف لیتا اور اپنے رب کے پاس اس دن کے لئے ودیعت رکھتا ہوں۔

"یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ"[1]، "یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۙ ﴿۸۸﴾"[2]۔"اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾"[3]۔	وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا،جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے،مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔(ت)

بااین ہمہ اگر مجال باز نہ آئے تو دلیل ہفتم میں وجہ دوم کہ بجائے خود دلیل مستقل تھی،اس کے عوض معدود جانے بہر حال تیس کا عدد کامل مانے۔

دلیل بست وہشتم: قال عزوجل:"وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾"[4] (اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے) **اقول:** **وباللہ التوفیق** آیہ کریمہ نص جلی کہ کذب الٰہی محال عقلی ہے،وجہ دلالت سنئے خادم تفسیر وحدیث وواقف کلمات فقہاء پر روشن کہ امثال عبارات اگرچہ بظاہر نفی مزیت غیر کرتی ہیں مگر حقیقۃً تفصیل مطلق ونفی برتر وہمسر کے لئے مسوق ہوتی ہیں۔سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضل کوئی نہیں یعنی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب سے افضل ہیں

"وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز"[5] یعنی صبغۃ اللہ سب سے احسن ہے،"وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ"[6] ای ھوا احسن قولا من کل من عداہ (اوراس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے،یعنی وہ دوسرے تمام سے قول میں خوبصورت ہے۔ت) علامۃ الوجود سیدی ابوالسعود علیہ الرحمۃ الودود در تفسیر ارشاد میں زیر قولہ تعالٰی عزوجل"وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۹

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۸۸

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۸۹

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۸

[6] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۳

عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا" [1] (اللہ تعالٰی پر جھوٹ افترا بولنے والے سے کون بڑا ظالم ہے۔ت) فرماتے ہیں:

ھو انکار واستبعاد لان یکون احد اظلم ممن فعل ذٰلك او مساویا له وان کان سبك الترکیب غیر معترض لانکار المساواۃ و نفیھا یشھد به العرف الفاشی والاستعمال المطرد، فانه اذا قیل من اکرم من فلان اولا افضل من فلان فالمراد به حتما انه اکرم من کل کریم وافضل من کل فاضل، الا یری الی قوله عزوجل "لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾" بعد قوله تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا" الخ والسر فی ذٰلك ان النسبة بین الشیئین انما تتصور غالبا لاسیما فی باب المغالبة بالتفاوت زیادۃ ونقصانا فاذالم یکن احدھما ازید یتحقق النقصان لامحالة [2]۔	یہ انکار واستبعاد ہے کہ اس سے بڑھ کر یا اس کے مساوی کوئی ظالم نہیں ہو سکتا اگرچہ بظاہر ترکیب انکار و نفی مساوات پر ضرب نہیں لیکن اس پر مشہور عرف اور مسلمہ استعمال شاہد ہے مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے فلاں فلاں زیادہ بزرگ ہے یا فلاں سے کوئی افضل نہیں، تو اس سے یقینا مراد یہ ہے کہ ہر کریم سے اکرم اور ہر فاضل سے افضل ہے کیا رائے ہے اللہ تعالٰی کے اس فرمان مبارک میں "وہ یقینا آخرت میں خسارے میں ہیں" جس کے بعد فرمایا ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا، اور اس میں راز یہ ہے کہ نسبت غالبا دو چیزوں کے درمیان خصوصا غلبہ میں تفاوت کے باب میں زیادتی اور نقصان میں متصور ہوتی ہے جب ان میں سے کوئی ایک زیادہ نہ ہو تو بہر حال نقصان کا ہی تحقق ہوگا۔(ت)

تو لاجرم معنی آیت یہ ہیں کہ مولٰی عزوجل کی بات سب کی باتوں سے زیادہ صادق ہے جس کے صدق کو کسی کلام کا صدق نہیں پہنچتا اور پر ظاہر کہ صدق عـــہ کلام فی نفسہ اصلا قابل تشکیک نہیں کہ باعتبار ذوات قضایا خواہ اختلاف قدم وحدوث کلام یا بقا وفنائے سخن یا کمال ونقصان متکلم خواہ کسی وجہ سے اس میں تفاوت مان سکیں، سچی سچی باتیں مطابقت واقع میں سب یکساں اگر ذرا بھی فرق ہوا تو سرے سے

عـــہ: الصدق تارۃ ینسب الی القول واخری الی القائل والکلام ھٰھنا فی المعنی الاول فلا یذھبن ھذا عنك ۱۲ منه۔	صدق کبھی قول کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی قائل کی طرف، واضح رہے یہاں گفتگو معنی اول میں ہے یہ بات ذہن نشین رہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۲۱

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ ۶ /۲۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۱۱۹

سچ ہی نہ رہا، اصدق وصادق کہاں سے صادق آئے گا، یہ معنی اگرچہ فی نفسہٖ بدیہی ہیں مگر کلام واحد میں لحاظ کرنے سے ان اغبیاء پر بھی انکشاف تام پائیں گے جنھیں بدیہیات میں بھی حاجت شانہ جنبانی تنبیہ ہوتی ہے، قرآن عظیم نے فرمایا محمد رسول اللہ کہ ہم کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کیا وہ جملہ محمد رسول اللہ کہ قرآن میں آیا زیادہ مطابق واقع ہے اور ہم نے جو محمد رسول اللہ کہا کم مطابق ہے، حاشا کوئی مجنون بھی اس میں تفاوت گمان نہ کرے گا یا متعدد باتوں میں دیکھئے تو یوں نظر کیجئے، فرقان عزیز نے فرمایا: "وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا" [1] (اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔ت) ہم کہتے ہیں لا الہ الا اللہ الملك الحق المبین (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی مالک حق واضح ہے۔ت) کیا وہ ارشاد کہ بچے کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوٹنا تیس مہینے میں ہے، زیادہ سچا ہے، اور اس قول کے صدق میں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں معاذ اللہ کچھ کمی ہے تو ثابت ہوا کہ اصدقیت بمعنی اشد مطابقۃ للواقع غیر معقول ہے، ہاں نظر سامع میں ایک تفاوت متصور اور اس تشکیک اصدق وصادق میں وہی مقصود معتبر جسے دو عبارتوں سے تعبیر کرسکتے ہیں، ایک یہ کہ وقعت وقبول میں زائد ہے مثلاً رسول کی بات ولی کی بات سے زیادہ سچی ہے یعنی ایک کلام کہ ولی سے منقول اگر وہی بعینہٖ رسول سے ثابت ہوجائے قلوب میں وقعت اور قبول کی قوت اور دلوں میں سکون وطمانیت ہی اور پیدا کرے گا کہ ولی سے ثبوت تک اس کا عشر نہ تھا اگرچہ بات حرف بحرف ایک ہے۔ دوسرے احتمال کذب سے ابعد ہونا مثلاً مستور کی بات سے عادل کی بات صادق تر ہے یعنی بہ نسبت اس کے احتمال کذب سے زیادہ دور ہے اور حقیقۃً تعبیر اول اسی تعبیر دوم کی طرف راجع کہ سامع کے نزدیک جس قدر احتمال کذب سے دوری ہوگی اسی درجہ وقعت ومقبولیت پوری ہوگی جب یہ امر ممہد ہوگیا تو آیہ کریمہ کا مفاد یہ قرار پایا کہ اللہ عزوجل کی بات ہر بات سے زیادہ احتمال کذب سے پاک ومنزہ ہے، کوئی خبر اور کسی کی خبر اس امر میں اس کے مساوی نہیں ہوسکتی اور شاید حضرات مخالفین بھی اس سے انکار کرتے کچھ خوف خدا دل میں لائیں، اب جو ہم خبر اہل تواتر کو دیکھتے ہیں تو وہ بالبداہۃ بروجہ عادت دائمہ بدیہہ غیر متخلفہ علم قطعی یقینی جازم ثابت غیر محتمل النقیض کو مفید ہوتی ہے جس میں عقل کسی طرح تجویز خلاف روا نہیں رکھتی اگرچہ بنظر نفس ذات خبر ومخبر امکان ذاتی باقی ہے کہ ان کا جمع علی الکذب قدرت الٰہیہ سے خارج نہیں، تلویح میں ہے:

المتواتر یوجب علم الیقینی بمعنی ان العقل	متواتر سے علم یقین حاصل ہونے کا معنی یہ ہے کہ عقل یہ حکم

[1] القرآن الکریم ۴۶/ ۱۵

یحکم حکما قطعیا بانھم لم یتواطؤا علی الکذب وان ما اتفقوا علیہ حق ثابت فی نفس الامر غیر محتمل للنقیض لابمعنی سلب الامکان العقلی عن تواطئھم علی الکذب[1] اھملخصًا۔	لگاتی ہے کہ ایسے لوگوں کا اتفاق کذب پر یقینًا نہیں ہوسکتا، جس پر ان کا اتفاق ہوا ہے وہ حق اور نفس الامر میں ثابت ہے اس میں نقیض کا احتمال نہیں ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کا امکان عقلی کا سلب ہوگیا ہے۔(ت)

مگر ایسا امکان منافی قطع بالمعنی الاخس بھی نہیں ہوتا **کما حققہ فی المواقف وشرحھا واشار الیہ فی شرح المقاصد و شرح العقائد وغیرھما** (جیسا کہ مواقف اور اس کی شرح میں ہے اور اس کی طرف شرح مقاصد اور شرح عقائد وغیرہ میں اشارہ ہے۔ت) اسے پیش نظر رکھ کر کلام باری تعالٰی کی طرف چلئے، امکان کذب ماننے کے بعد مباحث مذکورہ دلیل دوم وفرق امور عادیہ وارادہ غیبیہ سے قطع نظر بھی ہو تو غایت درجہ اس قدر کے کلام ربانی وخبر اہل تواتر کانٹے کی تول ہم پلہ ہوں گے، جیسا کہ احتمال کذب یعنی نافی قطع ومنافی جزم اس کلام پاک میں نہیں اس سے خبر تواتر کا بھی دامن پاک اور بنظر امکان ذاتی جو احتمال عقلی خبر تواتر میں ناشی وہ بعینہٖ کلام الٰہی میں بھی باقی، پھر کلام الٰہی کا سب کلاموں سے اصدق ہونا، اور کسی کی بات اس سے صدقاً بھی ہمسری نہ کرسکنا کہ مفاد آیہ کریمہ تھا **معاذاللہ** کب درست آیا بخلاف عقیدہ مجیدہ اہلسنت **وقایۃ اللہ لھم دامت** (ان کو اللہ تعالٰی کی حفاظت دائمی ہو۔ت) یعنی امتناع عقلی کذب الٰہی کہ اس تقریر پر کلام مولٰی جل وعلا میں کسی طرح احتمال کذب کا امکان نہیں بخلاف خبر تواتر کہ احتمال امکانی رکھتی ہے اور یہ بات قطعاً صرف اسی کے کلام پاک سے خاص، محال ہے کہ کوئی شخص ایسی صورت نکال سکے کہ کسی غیر خدا پر کذب محال عقلی ہوجائے عصمت اگر بمعنی امتناع صدور وعدم قدرت ہی لیجئے تاہم امتناع ذاتی نہیں کہ سلب عصمت خود زیر قدرت، اب بحمد اللہ شمس تابندہ کی طرح روشن درخشندہ صادق آیا کہ "مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾"[2] (اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔ت) اور العزۃ اللہ کیوں نہ صادق آئے کہ آخر "مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾"[3] (اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔ت) یہ دیکھو یہ منشاء تھا علماء کے اس ارشاد کا کہ زیر آیت کریمہ استدلال میں فرمایا کہ کوئی اس سے کیونکر اصدق ہوسکے کہ اس پر تو کذب محال اوروں پر ممکن **والحمد اللہ رب العالمین**۔

---

[1] التلویح والتوضیح متن التنقیح الرکن الثانی فی السنۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۸۷

دلیل بست ونہم: قال المولٰی سبحانہ وتعالٰی: "قُلۡ اَیُّ شَیۡءٍ اَکۡبَرُ شَہَادَۃً ؕ قُلِ اللّٰہُ ۟" [1] (اے نبی! تو کافروں سے پوچھ کون ہے جس کی گواہی سب سے بڑی ہے۔ تو خود ہی فرما کہ اللہ)

اقول: اللہ کے لئے حمد و منت کہ یہ آیہ کریمہ آیہ سابقہ سے بھی جلی واظہر، اور افادہ مراد میں اجلٰی واز ہر، وہاں ظاہر نظر نفی اصدقیت غیر تھا اور اثبات اصدقیت کلام اللہ بحوالہ عرف یہاں صراحۃً ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کی گواہیوں سے اکبر واعظم واعلٰی ہے، اب اگر معاذاللہ امکان کذب کو دخل دیجئے تو ہرگز شہادت الٰہی کو شہادت اہل تواتر پر تفوق نہیں کہ جو یقین اس سے ملے گا اس سے بھی مہیا اور جو احتمال اس میں باق اس میں بھی پیدا تو قرآن پر ایمان لانے والے کو یہی چارہ کہ مذہب مہذب اہل سنت کی طرف رجوع کرے اور جناب عزت کے امکان کذب سے براءت پر ایمان لائے، باقی تقریر دلیل مثل سابق ہے، فافہم واعلم اللہ اعلم۔

دلیل سیم: قال ربنا عز من قائل:

"وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۱۱۵﴾" [2]	اور پورا ہے تیرے رب کا کلام صدق وانصاف میں کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتوں کا، اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

علماء فرماتے ہیں یعنی باری عزوجل کا کلام انتہا درجہ صدق وعدل پر ہے، جس کا مثل ان امور میں متصور نہیں، بیضاوی میں ہے:

بلغت الغایۃ اخبارہ واحکامہ ومواعیدہ صدقا فی الاخبار والمواعید وعدلا فی الانقضیۃ والاحکام [3]۔	اللہ تعالٰی کی اخبار، احکام اور مواعید انتہائی کامل ہیں، اخبار مواعید صدق کے اعتبار سے اور قضایا واحکام عدل کے اعتبار سے۔ (ت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

المعنی انہا بلغت الغایۃ القاصیۃ صدقا فی الاخبار والمواعید وعدلا فی الاقضیۃ	مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے کلمات اخبار ومواعید میں صدق کے اعتبار سے اور قضایا واحکام میں

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۵

[3] انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) مع القرآن الکریم تحت ۶/۱۱۵ النصف الاول مصطفی البابی مصر ص ۱۴۳

والاحکام لا احد یبدل شیئا من ذٰلك بما ھو اصدق واعدل ولا بما ھو مثلہ [1]۔	عدل کے اعتبار سے انتہائی درجہ پر ہیں اس سے بڑھ کر کوئی اصدق واعدل نہیں جو ان میں سے کسی حکم کو بدل ڈالے بلکہ ان کے مماثل بھی کوئی نہیں۔(ت)

اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) صدق قائل کے لئے سات درجات ہیں:

درجہ اول: روایات وشہادات میں قطعاً کذب سے محترز ہو اور مخالف میں بھی زنہار ایسا جھوٹ روانہ رکھے جس میں کسی کا اضرار ہو اگرچہ اسی قدر کہ غلط بات کا بار کرانا مگر مزاحا یا عبثا ایسے کذب کا استعمال کرے جو نہ کسی کو نقصان دے نہ سننے والا یقین لاسکے مثلاً آج زید نے منوں کھایا، آج مسجد میں لاکھوں آدمی تھے، ایسا عـــہ شخص کاذب نہ گنا جائے گا یا آثم ومردود الروایۃ نہ ہوگا تاہم بات خلاف واقع ہے اور محض فضول وغیر نافع، اگرچہ نفس کلام میں حکایت واقع، مراد نہ ہونے پر دلیل قاطع، ولہٰذا حدیث میں ارشاد فرمایا:

قال بعض اصحابه فانك تداعبنا یارسول اللّٰه	آپ کے بعض صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ

عـــہ: قال الامام حجۃ الاسلام محمد بن الغزالی قدس سرہ العالی فی منکرات الضیافۃ من کتاب الامر بالمعروف من احیاء العلوم کل کذب لایخفی انہ کذب ولا یقصد بہ التلبیس فلیس من جملۃ المنکرات کقول الانسان مثلا طلبتك الیوم مائۃ مرۃ، واعدت علیك الکلام الف مرۃ، ومایجری مجراہ مما یعلم انہ لیس یقصد بہ التحقیق فذلك لایقدح فی العدالۃ ولا ترد الشھادۃ بہ [2]۔ ۱۲منہ	حجۃ الاسلام امام محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم کی کتاب الامر بالمعروف میں منکرات ضیافت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہر وہ کذب جس کا کذب ہونا مخفی نہ ہو اور اس سے کوئی فریب ودھوکا متصور نہ ہو تو وہ منکرات میں سے نہیں ہوگا مثلا انسان کہتا ہے میں نے آج تجھے سو دفعہ تلاش کیا، میں نے آج تجھے ہزار دفعہ کہا ہے یا ان کے قائم مقام الفاظ جن سے معلوم ہو کہ مقصود تحقیق نہیں تو یہ چیز عدالت پر قادح نہ ہوگی اور نہ ہی اس سے ایسے شخص کی شہادت مردود ہوگی ۱۲منہ (ت)

---
[1] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت ۶/ ۱۱۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۷

[2] احیاء العلوم کتاب الامر بالمعروف الباب الثالث مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ ۲/ ۳۴۱

فقال انی لا اقول الا حقا [1]۔ اخرجه احمد والترمذی باسناد حسن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)! آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا: میں صرف حق ہی کہتا ہوں، امام احمد اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرۃ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

درجہ ۲: ان لغو و عبث جھوٹوں سے بھی بچے مگر نثر یا نظم میں خیالات شاعرانہ ظاہر کرتا ہو جس طرح قصائد کی تشبیبیں ع

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول

(سعاد کی جدائی پر آج میرا دل مضطرب ہے۔ ت)

سب جانتے ہیں کہ وہاں نہ کوئی عورت سعاد نامی تھی نہ حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ اس پر مفتون، نہ وہ ان سے جدا ہوئی نہ یہ اس کے فراق میں مجروح، محض خیالات شاعرانہ ہیں، مگر نہ فضول بحث کہ تشحید خاطر و تشویق سامع و ترقیق قلب و تزئین سخن کا فائدہ رکھتے ہیں تاہم ازانجا کہ حکایت بے محکی عنہ ہے: ارشاد فرمایا گیا: "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ" [2] نہ ہم نے اسے شعر سکھایا نہ وہ اس کی شان کے لائق۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

درجہ ۳: ان سے بھی تحریر مگر مواعظ و امثال میں ان امور کا استعمال کرتا ہو جن کے لئے حقیقت واقعہ نہیں جیسے کلیلہ دمنہ کی حکایتیں، منطق الطیر کی روایتیں، اگرچہ کلام قائل بظاہر حکات واقع ہے مگر تغلیط سامع نہیں کہ سب جانتے ہیں وعظ و نصیحت کے لئے یہ تمثیل باتیں بیان کردی گئی ہیں جن سے دینی منفعت مقصود، پھر بھی انعدام مصداق موجود، ولہٰذا قرآن عظیم کو "اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۵﴾" [3] (پہلوں کے قصے۔ ت) کہنا کفر ہوا جیسے آج کل کے بعض کفار لئام، مدعیان اسلام، نئی روشنی کے پرانے غلام دعوی کرتے ہیں کہ کلام عزیز میں آدم و حوا کے قصے شیطان و ملک کے افسانے سب تمثیل کہانیاں ہیں جن کی حقیقت مقصود نہیں،

---

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی المزاح امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۰، مسند امام احمد از مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۳۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۶۹

[3] القرآن الکریم ۶/ ۲۵

تعالی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا (ظالم جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالٰی کی ذات گرامی اس سے کہیں بلند ہے۔ت)

درجہ ۴: ہر قسم حکایت بے محکی عنہ کے تعمد سے اجتناب کلی کرے اگرچہ برائے سہو وخطا حکایت خلاف واقع کا وقوع ہوتا ہو یہ درجہ خاص اولیاء اللہ کا ہے۔

درجہ ۵: اللہ عزوجل سہوا وخطا بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے مگر امکان وقوعی باقی ہو یہ مرتبہ اعاظم صدیقین کا ہے کہ:

ان اللہ تعالٰی یکرہ فوق سمائہ ان یخطأ ابوبکر الصدیق فی الارض [1]۔ رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر والحارث فی مسندہ وابن شاھین فی السنۃ عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اللہ تعالٰی آسمان کے اوپر اس بات کو نا پسند فرماتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ زمین پر غلطی کریں، اسے طبرانی نے معجم الکبیر میں، شیخ حارث نے مسند میں اور ابن شاھین نے السنۃ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ت)

درجہ ۶: معصوم من اللہ ومؤید بالمعجزات ہو کہ کذب کا امکان وقوع بھی نہ رہے مگر بنظر نفس ذات امکان ذاتی ہو یہ رتبہ حضرات انبیاء مرسلین علیہم الصلٰوۃ والسلام اجمعین کا ہے۔

درجہ ۷: کذب کا مکان ذاتی بھی نہ ہو بلکہ اس کی عظمت جلیلہ وجالت عظیمہ بالذات کذب وغلط کی نافی ہو اور اس کی ساحت عزت کے گرد اس گردلوث کا گزر محال عقلی یہ نہایت درجات صدق ہے جس سے مافوق متصور نہیں اب آیہ کریمہ ارشاد فرمارہی ہے کہ تیرے رب کا صدق وعدل اعلٰی درجہ منتہی پر ہے تو واجب کہ جس طرح اس صدور ظلم وخلاف عدل باجماع اہلسنت محال عقلی ہے یونہی صدور کذب وخلاف صدق بھی عقلا ممتنع ہو، ورنہ صدق الٰہی غایت ونہایت تک نہ پہنچا ہوگا کہ اس کے مافوق ایک درجہ اور بھی پیدا ہوگا یہ خود بھی محال اور قرآن عظیم کے خلاف، **فثبت المقصود والحمد اللہ العلی الودود** (مقصود ثابت ہوگیا اور حمد اللہ بلند اور محبت فرمانے والے کے لئے ہے۔ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن معاذ بن جبل حدیث ۳۲۶۳۱ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۵۵۸، المعجم الکبیر بحوالہ الحارث حدیث ۱۲۴ المکتبۃ الفیصلیہ البیروت ۲۰/ ۶۸

تنبیہ: اقول: فرق ہے دلیل سمعی کے مناط استحالہ ومظہر استحالہ ہونے میں اول کے یہ معنی کہ استحالہ صدق آیت پر موقوف ہے یعنی ورود دلیل نے محال کردیا اگر سمع میں نہ آتا عقلا ممکن تھا یہ استحالہ شرعی ہوگا، اور ثانی کا یہ حاصل کہ صدق آیت ماننا استحالہ پر موقوف یعنی اگر محال عقلی نہ مانئے تو مفاد آیت صادق نہیں آتا یہ استحالہ عقلی ہوگا، فقیر نے ان تینوں دلیل آخیرین میں یہی طریقہ برتا ہے، غایت یہ کہ کلام مقدمات مسلمہ پر مبنی ہوگا اس قدر دلیل کو عقلیت سے خارج نہیں کرتا **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) خلاصہ یہ کہ آیات ان اثبات ہیں نہ لم ثبوت، **والحمد لله مالك الملكوت** (تمام حمد ملکوت کے مالک کی ہے۔ت) یہ بحمداللہ تیس ۳۰ دلیلیں ہیں کہ عجالۃً حاضر کی گئیں، اور اگر غور استقصا کی فرصت ہوتی تو باری عزوجل سے امید زیادت تھی پھر بھی ع

در نہ خانہ اگر کسی ست یک حرف بس ست

(اگر خانہ میں کچھ ہے تو ایک حرف ہی کافی ہے۔ت)

واللہ الھادی الی الحق المبین والحمد اللہ رب العالمین۔	اللہ تعالٰی ہی واضح حق کی طرف رہنمائی فرمانے والا ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ (ت)

تنزیہ سوم عـــہ ردہذیانات امام وہابیہ میں

یامعشر المسلمین! ان ہمارے عنایت فرما مخالفین **ھداھم اللہ تعالٰی الی الحق المبین** (اللہ تعالٰی حق مبین کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے۔ت) کا معاملہ سخت نازک مجہلہ۔ براہ سادگی ایک شخص کو امام بنالیا

عـــہ: **تنبیہ ضروری:** قطع نظر اس سے کہ ان کے امام کا رد اُن کے رد کا امام ہے، بنظر نفس واقعہ فتنہ براہین بھی جس کے باعث یہ استفتاء میرٹھ سے آیا اور حضرت مولانا دام ظلہ العالی نے یہ جواب ہادی صواب رقم فرمایا اس تنزیہ کا لکھنا نہایت ضروری تھا کہ اس براہین قاطعہ **مالارادبہ ان یوصل** (جس کی مطلوب تک رسائی نہیں۔ت) کا یہ قول اسی امام الوہابیہ کی حمایت میں ہے انوار ساطعہ نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا تھا کہ کوئی جناب باری عزاسمہ کو امکانِ کذب کا دھبا لگاتا ہے[1] "اور براہین قاطعہ نے اسی کے درد حمایت وحمیت جاہلیت میں لکھا" مکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا[2] **الی آخر الجھالۃ الفاحشہ**"، تو اولا بپاس امامت، ثانیا بشرم حمایت ہر طرح ملا گنگوہی صاحب پر (بشرطیکہ یہ رسالہ قدسیہ دیکھ کر ہدایت نہ پائیں اور بعلت (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] البراہین القاطعہ مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے مطبع لے بلاساڈھور ص ۲

[2] الانوار الساطعہ مع البراہین القاطعۃ مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے مطبع لے بلاساڈھور ص ۲، ۳

اور پیش خویش آسمان بریں پر اٹھا کر رکھ دیا، اب اسکے خلاف کسی کی بات قبول ہونی تو بڑی بات، کان تک آئی اور طبیعت نے آگ لی، آہٹ ہوئی اور غصہ نے باگ لی، سننے سے پہلے ٹھہرایا کہ ہرگز نہ سنیں گے، بگڑنے کی قسم بنائے نہ بنائیں گے، ان ہٹوں کا پاس ہدایت سے یاس دلا رہا ہے، مگر پھر بھی اظہار حق کے بغیر چارہ کیا ہے ؂

من آنچہ شرط بلاغ ست با قومی گویم تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

(بات کا پہنچانا ضروری ہے میں نے وہ کردیا اب تو میری بات سے نصیحت حاصل کرلے یا غصہ کرلے۔ت)

کاش خدا اتنی توفیق دے کہ اک ذرا دیر کے لئے تعصب و نفسانیت کو پان رخصت ملے قائل امام طریق ہے، معترض خصم فریق، ان حیثیتوں کے لحاظ سے نظر بچ کر چلے، پھر گوش ہوش کو اجازت شنیدن ہو، پھر میزان خرد کو حکم سنجیدن، اب اگر قول خصم قابل قبول ہو تو اتباع حق سے کیوں ناحق عدول ہو، ورنہ پھر وہی تو وہی تمھارے امام جو بادہ آج بکام ہے کل بھی در جام، اس چند ساعت میں نہ کچھ بنے بگڑے نہ رنگ امامت جما ہوا اکھڑے، ہاں اے وہ سوراخو جو سر کے دونوں جانب گوہر سماعت کے کان بنے ہو، جن پر ہوا کی موجیں نیسانِ سخن سے بارور ہو کر مہین مہین پھوہار سے آوازوں کا جھالا برساتی اور ان قدرتی سیپوں میں ان ننھی ننھی بوندیوں سے سننے کے موتی بناتی ہیں، کیا کوئی تم میں "اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾"[1] (کان لگائے اور متوجہ ہو۔ت) کے قابل نہیں۔ ہاں اے گوشت کے وہ صنوبری ٹکڑوں جو سینوں کے بائیں پہلوؤں میں ملک بدن کے تخت نشین ہو جن کی سرکار میں آنکھوں کے عرض بیگی کانوں کے جاسوس بیرونی اخبار کے پرچے سناتے اور خرد کے وزیر فہم کے مشیر اپنی روشن تدبیر سے نظم و نسق کے بیڑے اٹھاتے ہیں، کیا تم میں کوئی "يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ"[2] (کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نجدیت نجدت و تہمت مکابرہ پر آئیں) اس تنزیہ کا جواب دینا بھی (اگر نفخ صور سے پہلے دے سکیں) نہایت ضروری و لازم ہے یہ تو کوئی مقتضائے غیرت نہیں کہ گھر بیٹھے حمایت امام کا بیڑا اٹھائے اور جب شیر شرزہ کا نعرہ جانگداز سنئے امام کو چھوڑ کر حمایت سے منہ موڑئے اور "اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ"[3] (میں تجھ سے بری ہوں مجھے ڈر ہے۔ت) کی ٹھہرائیے، والسلام ۱۲ منہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۳۷

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۶

کا قائل نہیں؟ جان برادر! یقین جان تعصب باطل واصرار عاطل کا وبال شدید ہے، آج نہ کھلا تو کل کیا بعید ہے، شب درمیان فردا "لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ"[1] (اگر ہم سنتے یا سمجھتے۔ت) کا، "هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ"[2] (یہ بڑی سختی کا دن ہے۔ت) الا "اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ"[3] (بیشک ان کا وعدہ صبح کے وقت ہے، کیا صبح قریب نہیں۔ت) اس دن "رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا"[4] (اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں۔ت) کا جواب "كَلَّا ؕ"[5] (ہر گز نہیں۔ت) ہوگا اور طعن بے امان "اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ"[6] (کیا تمھارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا تھا۔ت) کے جگر دوز تیر میں بلا کا پلا، ابھی سویرا ہے ہوش سنبھالو، آنکھیں مل ڈالو، راستہ سوجھنے کی راہ نکالو، چل تو دیئے، یہ بھی دیکھتے ہو کہ اس جھکی اندھیری میں کس کے پیچھے ہو، جس نے نہ صرف ایک مسئلہ کذب باری بلکہ خوارج، روافض، معتزلہ، مریسیہ، ظاہریہ، کرامیہ وغیرہم طوائف ضالہ کی بدعات شنیعہ اور ان کے علاوہ صدہا ضلالات قبیحہ قطعیہ کی خندقیں جھنکائیں، اور تمھیں ان قہروں ٹھوکروں ستم لغزشوں کی خبر تک نہ ہوئی، چشم فہم میں وہ بلا کی نیندیں جھک آئیں اور پھر گمان یہ کہ اس بیسٹر راہ کا ہدایت مآل ہیہات ہیہات کہاں ہدایت اور کہاں یہ چال،

؎ اذا کان الغراب دلیل قوم سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب کوّا کسی قوم کا رہبر ہو تو وہ انھیں ہلاکت کی راہ پر ہی لے جائیگا۔ت)

للہ اپنی حالت پر رحم کرو قبل اس کے کہ پھر معذرت "رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا"[7] (اے ہمارے رب! انھوں نے ہم کو بہکایا تھا۔ت) کام نہ آئے اور "لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ"[8] (میرے پاس نہ جھگڑو۔ت) کی غضب جھنجھلاہٹ "اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا"[9] (جب بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیرووں سے۔ت) کارنگ دکھائے "رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ"[10] (اے ہمارے رب! ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔ت) فقیر اس تمہید حمید وتہدید رشید کو اپنا شفیع بناکر مجال مقال میں قدم دھرتا اور دوڑتے دوڑتے نازک طبعوں گراں سمعوں، چیں بجبینوں، ناتواں بینوں سے کچھ

---

[1] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۰
[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۷۷
[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۸۱
[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۹و۱۰۰
[5] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۰۰
[6] القرآن الکریم ۶۷/ ۸
[7] القرآن الکریم ۷/ ۳۸
[8] القرآن الکریم ۵۰/ ۲۸
[9] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۶
[10] القرآن الکریم ۷/ ۸۹

عرض کرتا ہے ؎

کہنے کو ان سے کہتا ہوں احوال دل مگر
ڈر ہے کہ شان ناز پہ شکوہ گراں نہ ہو

یا ایھا القوم! ان حضرت امام اول وہابیت ہندیہ معلم ثانی طوائف نجدیہ کو اپنی اپج کا مزہ مقدم تھا بیباک روی میں اپلے کا عالم تھا، زبان کے آگے بارہ ہل چلتے، جب ابلتے پھر کیا کسی کے سنبھالے سنبھلتے، جدھر جانکلے مسجد ہو یا دیر لگی رکھنے سے پورا بیر ؎

گہ بت شکنی گاہ بمسجد زنی آتش   از مذہب توکافر مسلمان گلہ دارد

(کبھی تو بت توڑتا ہے اور کبھی مسجد جلاتا ہے، تیرے مذہب سے کافر و مسلمان دونوں کو گلہ ہے، ت)

اسی لئے حضرت کی ایک کتاب میں جو کفر ہے دوسری میں ایمان، آج جو ولی ہے کل پکا شیطان، ایک انکھ سے راضی دوسری سے خفا، ایک پر میں زہر دوسرے میں شفاء، دور کیوں جائے ایک ہاتھ پر صراط ایک پر تقویت رکھ لیجئے، ایک دوسری کارد کردے تو سہی اب ایک بڑی مصلحت سے جس کے لئے حضرت نے اپنی تصانیف میں بڑے بڑے پانی باندھے، اور پیش خویش آہستہ آہستہ سب سامان کر لئے، جسے فقیر نے اپنے مجموعہ مبارکہ **"البارقۃ الشارقۃ علی المارقۃ المشارقۃ"** مجلد سوم [عـــہ۱] فتاوٰی فقیر مسمی به **العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ** میں مفصل ومدللہ بیان کیا۔ یہ سُوجھی کہ وہ مطلب نہ نکلے گا جب تک اللہ تعالٰی کا وجوب صدق باطل نہ ہو لہٰذا رسالہ "یکروزی" میں امکان کذب کے قائل ہوئے اور اس بیہودہ دعوے کے ثبوت کو بہزار جان کنی دو ہذیان بین البطلان ظاہر کئے:

ہذیان اول امام وہابیہ: اگر کذب [عـــہ۲] الٰہی محال ہو اور محال پر قدرت نہیں تو اللہ تعالٰی جھوٹ

عـــہ۱: اب الحمدللہ وہ بارھواں ہے ۱۲

عـــہ۲: علمائے دین جوار شاد فرمایا کہ کذب عیب ہے اور عیب اللہ عزوجل پر محال، حضرت اس کے رد میں یوں اپنا خبث نفس ظاہر کرتے ہیں:

قولہ وھو محال لانہ نقص والنقص علیہ تعالٰی محال،	قولہ یہ محال ہے کیونکہ نقص ہے اور اللہ تعالٰی پر نقص محال ہے۔
اقول: اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الٰہیہ داخل نیست پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد	**اقول:** اگر محال سے مراد محقق لذاتہ ہے جو قدرت الٰہیہ کے تحت داخل نہیں تو ہم نہیں مانتے کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور ہوگا کیونکہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

بولنے پر قادر نہ ہوگا حالانکہ اکثر آدمی اس پر قادر ہیں، تو آدمی کی قدرت اللہ سے بڑھ گئی، یہ محال ہے، تو واجب کہ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہو،

ایھا المسلمون! حماکم اللہ شر المجون (اے اہل اسلام! اللہ تعالیٰ اس خطرناک شر سے محفوظ فرمائے۔ت) للہ! بنظر انصاف اس اغوائے عوام وطغوائے تمام کو غور کرو کہ اس بس کی گانٹھ میں کیا کیا زہر کی پڑیا بندھی ہیں۔

اولا: دھوکا دیا کہ آدمی تو جھوٹ بولتے ہیں خدا نہ بول سکے تو قدرت انسانی اس کی قدرت سے زائد ہو حالانکہ اہل سنت کے ایمان میں انسان اور اس کے تمام اعمال واقوال واوصاف واحوال سب جناب باری عزوجل کے مخلوق ہیں، قال المولٰی سبحانہ وتعالٰی:

"وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾"[1]۔	تم اور جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

انسان کو فقط کسب پر ایک گونہ اختیار ملا ہے، اس کے سارے افعال مولٰی عزوجل ہی کی سچی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، آدمی کی کیا طاقت کہ بے اس کے ارادہ وتکوین کے پلک مار سکے، انسان کا صدق وکذب کفر ایمان طاعت عصیان جو کچھ ہے سب اسی قدیر مقتدر جل وعلا نے پیدا کیا، اور اسی کی عمیم قدرت عظیم ارادت سے واقع ہو جاتا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر ملائکہ وانبیاء خارج از قدرت الٰہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی ست، کذب مذکور آرے منافی حکم اوست پس ممتنع بالغیر ست، ولہذا عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ بیشمارند[2] الخ

یہ قضیہ غیر مطابق للواقع ہے اور اس کا القاء ملائکہ اور انبیاء پر قدرت الٰہیہ سے خارج نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ قدرت انسانی قدرت ربانی سے زائد ہو جائے کیونکہ قضیہ غیر مطابق للواقع، اور اس کا القاء مخاطبین پر اکثر افراد انسانی کی قوت میں ہے، ہاں کذب مذکور اس کی حکمت کے منافی ہے لہذا یہ ممتنع بالغیر ہے اور اسی لئے عدم کذب کو اللہ تعالٰی کے کمالات سے شمار کرتے ہیں الخ۔ (ت)

بقیہ عبارت سراپا شرارت زیر ہذیان دوم آئے گی ۱۲ **عفا اللہ تعالٰی عنہ**۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۹۶

[2] رسالہ یکروزی (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص۱۷

"وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ "[1]	تم نہ چاہوں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو پروردگار ہے سارے جہاں کا۔

ع اس کا چاہا ہوا ہمارا نہ ہوا

ع ماشئت کان وماتشاء یکون لامایشاء الدھر والافلاک

(جو توں نے چاہا ہو گیا، جو آپ چاہیں گے وہ ہو جائے گا، نہیں ہو گا جو دہر اور افلاک چاہیں گے۔ت)

پھر کتنا بڑا فریب دیا ہے کہ آدمی کا فعل قدرت الٰہی سے جدا ہے یہ خاص اشقیائے معتزلہ کا مذہب نامہذب ہے قرآن عظیم کا مردود ومکذب۔

ثانیاً اقول: اس ذی ہوش سے پوچھو انسان کو اپنا بڑا جھوٹ بولنے پر قدرت ہے **یا معاذ اللہ** اللہ عزوجل سے بلوانے پر، پھر قدرت عـــــہ بڑھنا توجب ہوتا کہ اللہ تعالٰی آدمی سے جھوٹ بلوانے پر قابو نہ رکھتا اپنے کذب پر قادر نہ ہو تو انسان کو اس عزیل جلیل کے کذب پر کب قدرت تھی کہ قدرت الٰہی سے اس کی قدرت زائد ہو گئی ولکن

"وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَا لَہٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ﴿۴۰﴾ "[2] (لیکن "جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کہیں نور نہیں"۔ت)

عـــــہ: **فائدہ عائدہ ضروری الملاحظہ:** ایھا المسلمون پر ظاہر کہ قدرت بڑھنے کے یہ معنی کہ ایک شے پر اسے قدرت ہے اسے نہیں، نہ یہ کہ اسے جس شے پر قدرت ہے وہ تو اس کی قدرت میں بھی داخل، مگر ایک اور چیز اس کی قدرت سے خارج جو ہر گز اس کی قدرت میں بھی داخل نہ تھی اسے قدرت بڑھنا کوئی مجنون ہی سمجھے گا، یہاں بھی دو چیزیں ہیں: **ایک** کذب انسان، وہ قدرت انسانی میں مجازاً ہے اور قدرت ربانی میں حقیقۃً، **دوم** کذب ربانی، اس پر قدرت انسانی نہ قدرت ربانی، تو انسان ک قدرت کس بات میں، معاذاللہ مولٰی سبحانہ وتعالٰی کی قدرت سے بڑھ گئی، ہوا یہ کہ ملاجی نے بغایت سفاہت وغباوت کہ تمغائے عامہ اہل بدعت ہے، یوں خیال کیا کہ انسان کو اپنے کذب پر قدرت ہے، اور بعینہٖ یہی لفظ جناب عزت میں بول کر دیکھا کہ اسے بھی اپنے کذب پر قدرت چاہئے ورنہ جو چیز مقدور انسان بھی ہو مقدور رحمٰن نہ ہوئی، ختم الٰہی کا ثمرہ کہ دونوں جگہ اپنے اپنے کا لفظ دیکھ لیا اور فرق معنی اصلا نہ جانا، ایک جگہ اپنے سے مراد ذات انسان ہے، دوسری جگہ ذات رحمٰن جل وعلا، پھر جو شے قدرت انسانی میں تھی قدرت ربانی سے کب خارج ہوئی، "کَذٰلِکَ یَطۡبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلۡبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ "[3] ۱۲منہ

---

[1] القرآن الکریم ۸۱/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

ثالثاً: حضرت کو اسی "یکروزی" میں یہ تسلیم روزی کہ کذب عیب ومنقصت ہے اور بیشک باری عزوجل میں عیب ونقصان آنا محال عقلی، اور ہم اسی رسالہ کے مقدمے میں روشن کرچکے محال پر قدرت ماننا اللہ عزوجل کو سخت عیب لگانا بلکہ اس کی خدائی سے منکر ہوجانا ہے، حضرات مبتدعین کے معلم شفیق ابلیس خبیث علیہ اللعن نے یہ عجز وقدرت کا نیا شگوفہ ان دہلوی بہادر سے پہلے ان کے مقتدا ابن حزم فاسد العزم فاقد الجزم ظاہر المذہب ردی المشرب کو بھی سکھایا تھا کہ اپنے رب کا ادب واجلال یکسر پس پشت ڈال کتاب الملل والنحل میں بک گیا کہ **انہ تعالٰی قادر ان یتخذ ولدا اذلو لم یقدر لکان عاجزا**[1] یعنی اللہ تعالٰی اپنے لئے بیٹا بنانے پر قادر ہے کہ قدرت نہ مانو تو عاجز ہوگا۔

تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا "لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾"[2]	ظالم جو کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے کہیں بلند ہے، بیشک تم حد کی بھاری بات لائے، قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ گرجائیں ڈھے کر اس پر کہ انھوں نے رحمٰن کے لئے اولاد بتائی اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ اولاد اختیار کرے۔(ت)

سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی مطالب الوفیہ میں ابن حزم کا یہ قول نقل کرکے فرماتے ہیں:

فانظر اختلال ھٰذا المبتدع کیف غفل عما یلزم علی ھذہ المقالۃ الشنیعۃ من اللوازم التی لاتدخل تحت وھم وکیف فاتاہ ان العجز انما یکون لوکان القصور جاء من ناحیۃ القدرۃ عما اذاکان لعدم قبول المستحیل تعلق القدرۃ فلایتوھم عاقل ان ھذا عجز۔[3]	یعنی اس بدعتی کی بدحواسی دیکھنا کیونکر غافل ہوا کہ اس قول شنیع پر کیا کیا قباحتیں لازم آتی ہیں جو کسی وہم میں نہ سمائیں اور کیونکر اس کے فہم سے گیا کہ عجز تو جب ہو کہ قصور قدرت کی طرف سے آئے اور جب وجہ یہ ہے کہ محال خود ہی تعلق قدرت کی قابلیت نہیں رکھتا تو اس سے کسی عاقل کو عجز کا وہم نہ گزرے گا۔

---

[1] الملل والنحل لابن حزم

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۸۹تا۹۲

[3] المطالب الوفیہ لعبد الغنی النابلسی

اسی میں فرمایا:

وبالجملة فذلك التقدير الفاسد يؤدی الی تخليط عظيم لا يبقی معه شيئ من الايمان ولامن المعقولات اصلا[1]۔	یعنی یہ تقدیر فاسد (کہ باری عزوجل محالات پر قادر ہے) وہ سخت درہمی وبرہمی کا باعث ہوگی جس کے ساتھ نہ ایمان کا نام ہے نہ اصلا احکام عقل کا نشان۔

اسی میں فرمایا:

وقع ھٰھنا لابن حزم هذيان بين البطلان ليس له قدوة ورئيس الاشيخ الضلالة ابليس[2]۔	یعنی سومسئلہ قدرت میں ابن حزم سے وہ بہکی بہکی بات کھلی باطل واقع ہوئی جس میں اس کا کوئی پیشوانہ رئیس مگر سردار گمراہی ابلیس۔

کنزالفوائد میں فرمایا:

القدرة والارادة صفتان مؤثرتان و المستحيل لا يمكن ان يتأثر بهما اذ يلزم ح ان يجوز تعلقهما باعدام نفسهما واعدام الذات العالية واثبات الالوهية لما لايقبلها من الحوادث و سلبها عن مستحقها جل وعلا فای قصور وفساد ونقص اعظم من هذا وهذا التقدير يودی الی تخليط عظيم وتخريب جسيم لايبقی معه عقل ولانقل ولاايمان ولا كفر ولعماءة بعض الاشياء من المبتدعة من هذا صرح بنقيضه فانظر عماهذا المبتدع كيف عمی يلزم علی هذا القول	یعنی قدرت اور ارادہ دونوں صفتیں مؤثر ہیں، اور محال کا ان سے متاثر ہونا ممکن نہیں ورنہ لازم آئے کہ قدرت وارادہ اپنے نفس کے عدم اور خود اللہ تعالٰی کے عدم اور مخلوق کو خدا کردینے اور خالق سے خدائی چھین لینے ان سب باتوں سے متعلق ہوسکے اس سے بڑھ کر کون سا قصور وفساد ونقصان ہوگا اس تقدیر پر وہ سخت درہمی اور عظیم خرابی لازم آئے گی، جس کے ساتھ نہ عقل رہے نہ نقل نہ ایمان نہ کفر، اور بعض اشقیائے بدمذہب کو جو یہ امر نہ سوجھا تو صاف لکھ گیا کہ ایسی بات پر خدا قادر ہے اب اس بدعتی کا اندھا پن دیکھو کیونکر اسے نہ سوجھیں وہ شناعتیں جو اس برے قول پر لازم آئیں گی جن کی طرف

[1] المطالب الوفية لعبد الغنی النابلسی

[2] المطالب الوفية لعبد الغنی النابلسی

الشنیع من اللوازم التی لایتطرق الیھا الوھم [1]۔	وہم کو بھی راستہ نہیں۔

مسلمان انصاف کرے کہ یہ تشنیعیں جو علماء نے اس بدمذہب ابن حزم پر کیں اس بدمشرب عدیم الحزم سے کتنی بچ رہیں،

"کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ؕ تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ" [2] "وَ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ کَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ ﴿۵۲﴾" [3]۔	ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات، ان کے ان کے دل ایک سے ہیں، اور اللہ دغا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔(ت)

رابعا اقول: العزۃ للہ، اگر دہلوی ملاکی یہ دلیل سچی ہو تو دو خدا، دس خدا، ہزار خدا، بیشمار خدا ممکن ہو جائیں، وجہ سنئے جب یہ اقرار پایا کہ آدمی جو کچھ کرسکے خدا بھی اپنی ذات کے لئے کرسکتا ہے، اور معلوم کہ نکاح کرنا، عورت سے ہم بستر ہونا، اس کے رحم میں نطفہ پہنچانا قدرت انسانی میں ہے تو واجب کہ ملاجی کا موہوم خدا بھی یہ باتیں کرسکے ورنہ آدمی کی قدرت تو اس سے بھی بڑھ جائے گی، اور جب اتنا ہوچکا تو وہ آفتیں جن کے سبب اہل اسلام اتخاذ ولد کو محال جانتے تھے، امام وہابیہ نے قطعاً جائز مان لیں۔ آگے نطفہ ٹھہرنے ور بچہ ہونے میں کیا زہر گھل گیا ہے، وہ کون سی ذلت وخواری باقی رہی ہے جن کے باعث انھیں مانتے جھجکنا ہوگا بلکہ یہاں آکر خدا کا عاجز رہ جانا تو سخت تعجب ہے کہ یہ تو خاص اپنے ہاتھ کے کام ہیں جب دنیا بھر میں بزعم ملاجی سب کے لئے اس کی قدرت سے واعق ہوتے ہیں تو کیا اپنی زوجہ کے بارے میں تھک جائیگا اخر بچہ نہ ہونا یوں ہوتا ہے کہ نطفہ استقرار نہ کرے اور خدا استقرار پر قادر ہے، یا یوں کہ منی ناقابل عقد وانعقاد یا مزاج رحم مس کوئی فساد یا خلل آسیب مانع اولاد تو جب خدائی ہے کیا ان موانع کا ازالہ کرسکے گا، بہر حال جب امور سابقہ ممکن ٹھہرے تو بچہ ہونا قطعاً ممکن اور خدا کا بچہ خدا ہی ہوگا، **قال اللہ تعالٰی:**

قُلۡ اِنۡ عـــــہ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ٭ۖ فَاَنَا اَوَّلُ	توفرما اگر رحمان کے لئے کوئی بچہ ہے تو میں سب سے پہلے

عـــــہ: حملہ السدی علی الظاھر وعلیہ ھول فی تکملہ المفاتیں والبیضاوی والمدارك وارشاد العقل وغیرھا ولاشك انہ صحیح صاف لاغبار علیہ فای حاجۃ الی ارتکاب تاویلات بعیدۃ ۱۲منہ	سدی نے اسے ظاہر پر محمول کیا اور اسی پر اعتماد ہے تکملۃ المفاتیں، بیضاوی، مدارک اور ارشاد العقل وغیرہا میں، اور بیشک یہ صحیح صاف ہے اس پر کچھ غبار نہیں تو پھر تاویلات بعیدہ کے ارتکاب کی کیا حاجت ہے ۱۲منہ (ت)

[1] کنز الفوائد
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۸
[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۲

الْعٰبِدِیْنَ ۝۸۱ "[1]	پوجنے والا ہوں۔

تو قطعاً دو خدا کا امکان ہوا اگرچہ منافی گیر ہو کر امتناع بالغیر ٹھہرے اور جب ایک ممکن ہو تو کروڑوں ممکن کہ قدرت خدا کو انتہا نہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

خامساً ملائے دہلی کا خدائے موہوم کہاں کہاں آدمی کی حرص کرے گا، آدمی کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے، پاخانہ پھرتا ہے، پیشاب کرتا ہے، آدمی قادر ہے کہ جس چیز کو دیکھنا نہ چاہے انکھیں بند کرلے، سننا نہ چاہے کانوں میں انگلیاں دے لے، آدمی قادر ہے کہ آپ کو دریا میں ڈوبو دے آگ سے جلالے، خاک پر لیٹے کانٹوں پر لوٹے، رافضی ہو جائے، وہابی بن جائے، مگر ملائے ملوم کا مولائے موہوم یہ سب باتیں اپنے لے کر سکتا ہوگا، ورنہ عاجز ٹھہرے گا اور کمال قدرت میں آدمی سے گھٹ رہے گا،
اقول غرض خدائی سے ہر طرح ہاتھ دھو بیٹھنا ہے نہ کر سکا تو حضرت کے زعم میں عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں کر سکا تو ناقص ہوا ناقص خدا نہیں۔ محتاج ہوا محتاج خدا نہیں۔ ملوث ہوا ملوث خدا نہیں۔ تو شمس و مس کی طرح اظہر و ازہر کہ دہلوی بہادر کا یہ قول ابتر حقیقۃً انکار خدا کی طرف منجر،

"مَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ "[2]، والعیاذ باللہ من اضلال الشیطن۔	انھوں نے اللہ تعالٰی کی صحیح قدر نہیں کی، اور شیطان کی گمراہی سے اللہ تعالٰی کی پناہ۔ (ت)

مگر "سبحان ربنا" ہمارا سچا خدا سب عیبوں سے پاک اور قدرت علی المحال کی تہمت سراپا ضلال سے کمال منزہ عالم اور عالم کے اعیان اعراض، ذوات، صفات، اعمال، اقوال، خیر شر صدق کذب حسن قبیح سب اسی کی قدرت کاملہ و ارادہ الیہ سے ہوتے ہیں نہ کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہ کسی کی قدرت اس کی قدرت کے ہمسر نہ اپنے لئے کسی عیب پر قادر ہونا اس کی شان قدوسی کے لائق و درخور،

تعالٰی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا o وسبحن اللہ بکرۃ واصیلا، والحمد للہ حمدا کثیرا۔	اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں، صبح وشام اللہ تعالٰی کی تقدیس و پاکیزگی ہے اور تمام اور کثیر حمد اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ (ت)

ثم اقول: ذہن فقیر میں ان پانچ کے علاوہ ہذیان مذکور پر اور ابحاث دقیقہ کلامیہ ہیں جن کے ذکر کے لئے مخاطب قابل فہم دقائق درکار نہ وہ حضرات جن میں اجلہ واکابر کا مبلغ علم سیدھی سیدھی

---

[1] القرآن الکریم ۴۳/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۴

نفس عبارت مشکوٰۃ وغیرہ سن سنا کر اجازت وسند کی داد وستد تابہ اذلہ واصاغر چہ رسد، **امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولھم واللہ الھادی وولی الایادی** (ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم لوگوں کی عقل کے مطابق کلام کریں، اللہ تعالٰی ہی ہادی اور مدد کا مالک ہے۔ت)

ہذیان دوم مولائے نجدیہ:

عدم کذب رااز کمالات حضرت حق سبحانہ می شمارند واورا جل شانہ بآں مدح می کنند بخلاف اخرس و جماد کہ ایشاں راکسے بعدم کذب مدح نمی کند وپرظاہر ست کہ صفت کمال ہمین ست کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام کاذب میدارد وبنابر رعایت مصلحت و مقتضی حکمت بتنزہ از شوت کذب تکلم بکلام کاذب نمی نماید ہماں شخص ممدوح می گردد وبسلب عیب کذب و اتصاف بکمال صدق بخلاف کسے کہ لسان اوماؤف شدہ باشد و تکلم بکلام کاذب نمی تواند کرد یا قوت متفکرہ او فاسد شدہ باشد کہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع نمی تواند کرد یا شخصے کہ ہرگاہ کلام صادق مے گوید کلام مذکور ازوصادر می گردد وہر گاہ کہ ارادہ تکلم بکلام کاذب می نماید آواز او بند مے گردد یازبان او ماؤف می شود یاکسے دیگر دہن اور ابند می نماید یا حلقوم اور اخفہ می کنند یاکسے کہ چند قضایا صادقہ رایاد گرفتہ است واصلہ پر ترکیب قضایائے دیگر قدرت نمی دارد و بناء علیہ کلام کاذب ازوصادر نمے گردد ایں اشخاص مذکورین نزد عقلا قابل مدح می نشیند بالجملہ عدم تکلم کلام کاذب ترفعا عن عیب الکذب و تنزہا عن التلوث بہ از صفات مدح ست وبنا عجز از تکلم بکلام کاذب ہیچ گونہ از صفات مدائح نیست یامدح آں بسیار	عدم کذب کو اللہ تعالٰی کے کمالات سے شمار کرتے ہیں اور اس جل شانہ کی اس کے ساتھ مدح کرتے ہیں بخلاف گونگے اور جماد کے، ان کی کوئی عدم کذب سے مدح نہیں کرتا اور یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ کمال یہی ہے کہ ایک شخص جھوٹے کلام پر قادر تو ہو لیکن بنابر مصلحت اور بتقاضائے حکمت تقدس جھوٹے کلام کا ارتکاب اور اظہار نہ کرے ایسا شخص ہی سلب عیب کذب سے ممدوح اور کمال صدق سے متصف ہوگا بخلاف اس کے جس کی زبان ہی ماؤف ہو اور جھوٹا کلام کر ہی نہیں سکتا یا اس کی سوچ وفکر کی قوت فاسد ہو کر قضیہ غیر مطابق للواقع کا انعقاد نہیں کرسکتا یا ایسا شخص ہے جو کسی جگہ سچا کلام کرتا ہے، اس سے وہ صادر ہوتی ہے اور جس جگہ جھوٹا کلام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی آواز بند ہوجاتی ہے یا اس کی زباں ماؤف ہوجاتی ہے، یا کوئی اس کا منہ بند کردیتا ہے یا اس کا کوئی گلا دبا دیتا ہے یا کسی نے چند سچے جملے رٹ لئے ہیں اور وہ دیگر جملوں پر کوئی قدرت ہی نہیں رکھتا اور اس بناء پر اس سے جھوٹ صادر ہی نہیں ہوتا، یہ مذکور لوگ عقلاء کے نزدیک قابل مدح نہیں ہیں بالجملہ عیب کذب سے بچنے اور اس میں ملوث ہونے سے محفوظ رہنے کے لئے جھوٹی کلام کا عدم تکلم صفات مدح میں سے ہے اور

ادون ست از مدح اول[1] انتھی بلفظ الرکیک المختل۔	عاجز ہونے کی وجہ سے کلام کاذب سے بچنا کوئی صفات مدح میں سے نہیں یا اس کی مدح ہو بھی تو پہلے سے کم ہوگی (رکیک خلل پذیر عبارت ختم ہوئی) (ت)۔

اس تلمیع باطل وطویل لاطائل کا یہ حاصل بے حاصل کہ عدم کذب اللہ تعالٰی کے کمالات و صفات مدائح سے ہے اور صفت کمال و قابل مدح یہی ہے کہ متکلم باوجود قدرت بلحاظ مصلحت عیب وآلائش سے بچنے کو کذب سے باز رہے، نہ کہ کذب پر قدرت ہی نہ رکھے، گونگے یا پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ جھوٹ نہیں بولتا تولازم کذب الٰہی مقدور و ممکن ہو۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اس ہذیان شدید الطغیان کے شنائع ومفاسد حد شمار سے زائد مگر ان توسنیوں بدلگامیوں پر جو تازیانے بنگاہ اولین ذہن فقیر میں حاضر ہوئے پیش کرتا ہوں **وباللّٰہ العصمۃ فی کل حرف وکلمۃ** (ہر حرف اور کلمہ میں اللہ کی عصمت ہے۔ت)

تازیانہ ۱: اقول: العزۃ للّٰہ والعظمۃ للّٰہ واللّٰہ الذی الا الٰہ الا ھو (عزت اللہ تعالٰی کے لئے اور عظمت اللہ تعالٰی کے لئے ہے، اللہ کی ذات وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ت) "كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝"[2] (کتنا بڑا بول ہے کہ ان کے منہ سے نکلتا ہے نرا جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ت) للہ! یہ ظلم شدید وضلال بعید تماشا کردنی کہ جابجا خود اپنی زبان سے کذب کو عیب ولوث کہا جاتا ہے پھر اسے باری عزوجل کے لئے ممکن بتاتا اور اللہ کے جھوٹ نہ بولنے کی وجہ یہ ٹھہراتا ہے کہ حکیم ہے اور مصلحت کی رعایت کرتا ہے لہٰذا **ترفعا عن عیب الکذب وتنزھا عن التلوث بہ** یعنی اس لحاظ سے کہ کہیں عیب ولوث سے آلودہ نہ ہوجاؤں کذب سے بچتا ہے، دیکھو صاف صریح مان لیا کہ باری عزوجل کا عیب دار وملوث ہونا ممکن، وہ چاہے تو ابھی عیبی وملوث بن جائے، مگر یہ امر حکمت و مصلحت کے خلاف ہے اس لئے قصداپرہیز کرتا ہے **تعالٰی اللّٰہ عما یقولون علوا کبیرا** (اللہ تعالٰی اس سے کہیں بلند ہے جو یہ کہتے ہیں۔ت) اور خود سرے سے اصل مبنائے خود سری دیکھئے، ملائے مقبوح کا یہ املائے مقدوح اس کلام آئمہ کے رد میں ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص باری تعالٰی پر محال، اس کے جواب میں فرماتے ہیں، محال بالذات ہونا ہمیں تسلیم نہیں بلکہ ان دلیلوں (یعنی دونوں ہذیانوں) سے ممکن ہے تو کیسی صاف روشن تصریح ہے کہ نصرف کذب بلکہ ہر عیب وآلائش کا خدا میں آنا ممکن، واہ بہادر! کیا نیم گردش چشم میں تمام عقائد تنزیہ و تقدیس کی جڑ کاٹ گیا، عاجز، جاہل،

---

[1] رسالہ یکروزی (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص۱۷، ۱۸

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

احمق، جاہل، اندھا، بہرا، ہکلا، گونگا سب کچھ ہونا ممکن ٹھہرا، کھانا، پینا، پاخانہ پھرنا، پیشاب کرنا، بیمار پڑنا، بچہ جننا، اونگھنا، سونا بلکہ مرجانا، مرکے پھر پیدا ہونا سب جائز ہوگیا، غرض اصول اسلام کے ہزاروں عقیدے جن پر مسلمانوں کے ہاتھ میں یہی دلیل تھی کہ مولیٰ عزوجل پر نقص وعیب محال بالذات ہیں، دفعۃً سب باطل وبے دلیل ہو کر رہ گئے، فقیر تنزیہ دوم میں زیر دلیل اول ذکر کر آیا کہ یہ مسئلہ کیسی عظمت والا اصل دینی تھا جس پر ہزار ہا مسئلہ ذات وصفات بار عزوجل متفرع ومبنی، اس ایک کے انکار کرتے ہی وہ سب اڑ گئے، وہیں شرح مواقف سے گزرا کہ ہمارے لئے معرفت صفات باری کی طرف کوئی راستہ نہیں مگر افعال الٰہی سے استدلال یا یہ کہ اس پر عیوب ونقائص محال، اب یہ دوسرا راستہ تو تم نے خود ہی بند کردیا، رہا پہلا یعنی افعال سے دلیل لانا کہ اس نے ایسی عظیم چیزیں پیدا کردیں اور ان میں یہ حکمتیں ودیعت رکھیں، تو لاجرم ان کا خالق بالبداہۃ علیم وقدیر وحکیم ومرید ہے،

اقول اولا: یہ استدلال صرف انھیں صفات کمال میں جاری جن سے خلق وتکوین کو علاقہ داری باقی ہزار ہا مسائل صفات ثبوتیہ وسلبیہ پر دلیل کہاں سے آئے گی، مثلا مصنوعات کا ایسا بدیع ورفیع ہونا ہرگز دلالت نہیں کرتا کہ ان کا صانع صفت کلام یا صفت صدق سے بھی متصف، یا نوم واکل وشرب سے بھی منزہ ہے،

ثانیا: جن صفات پر دلالت افعال وہاں بھی صرف ان کے حصول پر دال، نہ یہ کہ ان کا حدوث ممنوع یا زوال محال، مثلا اس نظم حکیم وعظیم بنانے کے لئے بیشک علم وقدرت وارادہ وحکومت درکار مگر اس سے صرف بناتے وقت ان کا ہونا ثابت ہمیشہ سے ہونے اور ہمیشہ رہنے سے دلیل ساکت، اگر دلائل سمعیہ کی طرف چلئے،

اقول اولا: بعض صفات سمع پر متقدم تو ان کا سمع سے اثبات دور کو مستلزم۔

ثانیا: سمع بھی صرف گنتی کے سلوب وایجابات میں وارد ان کے سوا ہزاروں مسائل کس گھر سے آئیں گے مثلا نصوص شرعیہ میں کہیں تصریح نہیں کہ باری عزوجل اعراض وامراض وبول وبراز سے پاک ہے، اس کا ثبوت کیا ہوگا۔

ثالثا: نصوص بھی فقط وقوع وعدم پر دلیل دیں گے، وجوب استحالہ وازلیت وابدیت کا پتا کہاں چلے گا مثلا "بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾"[1] "عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾"[2] (سب کچھ جانتا ہے، ہر شی پر قادر ہے۔ت) سے بیشک ثابت کہ اس کے لئے علم وقدرت ثابت یہ کب نکلا کہ ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے، اور ان کا زوال اس سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰

محال، یونہی "وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ"[1]۔ (اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے۔ت) اور لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ"[2] (اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند۔ت) کا اتنا حاصل کہ کھاتا پیتا سوتا اونگھتا نہیں، نہ یہ کہ یہ باتیں اس پر ممتنع، ہاں ہاں ان سب امور پر دلالت قطعی کرنے والا ان تمام دعوائے ازلیت وابدیت ووجوب وامتناع پر بوجہ کامل ٹھیک اترنے والا ہزاروں ہزار مسائل صفات ثبوتیہ وسلبیہ کے اثبات کا یکبارگی سچا ذمہ لینے والا، مخالف ذی ہوش غیر مجنون ومد ہوش کے منہ میں دفعۃً بھاری پتھر دے دینے والا نہ تھا مگر وہی دینی یقینی عقلی بدیہی اجماعی ایمانی مسئلہ کہ باری تعالٰی پر عیب ومنقصت محال بالذات۔ جب یہی ہاتھ سے گیا سب کچھ جاتا رہا، اب نہ دین ہے نہ نقل نہ ایمان نہ عقل،

" اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ "[3] " كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ "[4]	ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے، اللہ یوں ہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔ (ت)

ہاں وہابیہ نجدیہ کو دعوت عام ہے اپنے مولائے مسلم وامام مقدم کا یہ ہذیان امکان ثابت مان کر ذرا بتائیں تو کہ ان کا معبود بول وبراز سے بھی پاک ہے یا نہیں۔ حاش للہ! امتناع تو امتناع عدم وقوع کے بھی لالے پڑیں گے، آخر قرآن وحدیث میں تو کہیں اس کا ذکر نہیں، نہ افعال الٰہی اس نفی پر دلیل، اگر اجماع مسلمین کی طرف رجوع لائیں اور بیشک اجماع ہے مگر جان برادر! یہ بیشک ہم نے یونہی کہا کہ یہ عیب ہیں اور عیب سے تنزیہ ہر مسلمان کا ایمان تو قطعاً کوئی مسلم ان امور کو روانہ رکھے گا، جب عیب سے تلوث ممکن ٹھہرا تو اب ثبوت اجماع کا کیا ذریعہ رہا، کیا نقل وروایت سے ثابت کروگے، حاشا نقل اجماع درکنار سلفا وخلفا کتابوں میں اس مسئلے کا ذکر ہی نہیں، اگر کہئے بول وبراز کا وقوع ایسے آلات جسمانیہ پر موقوف جن سے جناب باری منزہ، **تو اولا:** ان آلات کے بطور آلات نہ اجزائے ذات ہونے کے استحالہ پر سوا اس وجوب تنزہ کے کیا دلیل جسے تمہارا امام ومولٰی رو بیٹھا۔

ثانیا: توقف ممنوع آخر بے آلات زبان ومردمک وپردہ گوش کلام بصر وسمع ثابت، یونہی بے آلات

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۱۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

[4] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

بول وبراز سے کون مانع، اسی طرح لاکھوں کفریات لازم آئیں گے کہ تمھارے امام کا وہ بہتان امکان تسلیم ہو کر قیامت تک ان سے مفرنہ ملے گی۔

کذلک، "لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝" [1]	اسی طرح کہ سچ کو سچ کرے اور جھوٹ کو جھوٹا اگرچہ برا مانیں مجرم (ت)

مسلمانوں نے دیکھا کہ اس طائفہ تالفہ کے سردار وامام مدعی اسلام نے کیا بس بویااور کیا کچھ کھویا اور لاکھوں عقائد اسلام کو کیسے ڈبویا، ہزاروں کفر شنیع وضلال کا دروازہ کیسا کھولا کہ اس کا مذہب مان کر کبھی بند نہ ہوگا۔ پھر دعوی یہ ہے کہ دنیا بھر میں ہمیں موحد ہیں باقی سب مشرک، سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعوی، اور ناقص وعیبی وملوث خداکے پوجنے والے ! کس منہ سے اپنے تراشیدہ موہوم کو حضرت سبحانہ کہتا ہے، سبحان اللہ وہی تو سبحانہ کے قابل جس میں دنیا بھر کے عیبوں آلائشوں کا امکان حاصل، العزۃ للہ میں اپنے رب ملک سبوح قدوس عزیز مجید عظیم جلیل کی طرف بہزار جان وصد ہزار جان براءت کرتا ہوں تیرے اس عیبی آلائش تراشیدہ معبود اور اس کے سب پوجنے والوں سے، مسلمانو! تمھارے رب کی عزت وجلال کی قسم کہ تمھارا سچا معبود جل وعلا، وہ پاک ومنزہ وسبوح وقدوس ہے جس کے لئے تمام صفات کمالیہ ازلًا ابدًا واجب للذات اور اصلا کسی عیب دلوث سے ملوث ہونا جزمًا قطعاً محال بالذات اس کی پاک قدرت اس ناپاک شناعت سے بری ومنزہ کہ معاذاللہ اپنے عیبی وناقص بنانے پر حاصل ہو، "فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝" [2] (کیا ہی اچھا مولا اور کیا ہی اچھا مددگار۔ت) یہ ملائے ملوم کا مولائے موہوم تھا جو اپنے لئے عیوب وفواحش پر قدرت تو رکھتا ہے مگر لوگوں کے شرم ولحاظ یا ہمارے سچے خداکے قہر وغضب سے ڈر کر باز رہتا ہے۔

"ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝" [3] "لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝" [4]۔	کتنا کمزور چاہنے والا اور جس کو چاہا، بیشک کیا ہی برا مولٰی اور بیشک کیا ہی برا رفیق۔ (ت)

او سفید ملوم کذب ظلوم الوہیت ومنقصت باہم اعلٰی درجہ تنافی پر ہیں، الٰہ وہی ہے جس کے لئے جمیع صفات

---

[1] القرآن الکریم ۸/۸

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۳

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۳

کمال واجب لذاتہ تو کسی عیب سے اتصاف ممکن ماننا زوال الوہیت کو ممکن جاننا ہے پھر خدا کب رہا،

"وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝" [1] (بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔ت) عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تفسیر کبیر سے منقول ہوگا کہ باری تعالٰی کے لئے امکان ظلم ماننے کا یہی مطلب کہ اس کی خدائی ممکن الزوال ہے میں گمان نہیں کرتا کہ اس بیباک کی طرح (مسلمانوں کی تو خدا امان کرے) کسی سمجھ وال کافر نے بھی بے دھڑک تصریح کردی ہو کہ عیب دلوث خدا میں توآسکتے ہیں مگر بطور ترفع یعنی مشیخت بنی رکھنے کے لئے ان سے دور رہتا ہے ___ صدق اللہ (اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا۔ت):

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝" [2] "فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝" [3] والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی۔	اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی، بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ (ت)

ثم اقول: طرفہ تماشا ہے کہ خدا کی شان معلم طائفہ کا تو وہ ایمان کہ خدا کے لئے ہر عیب کا امکان اور ارباب طائفہ یوں بے وقت کی چھیڑ کرنا حق ہلکان "کہ تمام امت عـــہ کے خلاف حق تعالٰی کے عجز پر عقیدہ ٹھہرانا تو مؤلف کے پیشوایان دین کا ہے مؤلف اس پر اظہار افسوس نہیں کرتا[4]"۔ حضرت! ذرا گھر کی خبر لیجئے وہاں مولائے طائفہ عجز و جہل و ظلم و بخل وسفہ وہزل وغیرہا دنیا بھر کے عیب نقائص کے امکان کا ٹھیکا لے چکے ہیں پھر بفرض غلط

عـــہ: یہ عبارت براہین کے اسی صفحہ ۳ کی ہے جس کا خلاصہ صدر استفتاء میں گزرا یہاں ملا گنگوہی صاحب جناب مؤلف یعنی مکرمنا مولوی عبدالسمیع صاحب مؤلف انوار ساطعہ پر یوں منہ آتے ہیں کہ تم لوگ اللہ کا عجز مانتے ہو جو محال پر اسے قادر نہیں جانتے ہو اور ہم تو اس کے لئے جھوٹ وغیرہ سب کچھ جائز رکھتے ہیں تو عجز تو نہ ہوا اگرچہ خدائی گئی، ہزار تف اس بھونڈی سمجھ پر، رہا اس مغالطہ عجز کا دنداں شکن حل، وہ اس رسالہ مبارکہ میں جابجا گزرا، سبحان اللہ! محال پر قدرت نہ ہونے کو عجز جاننا الٰہی کیسے نامشخص کی تشخیص ہے، واللہ الھادی ۱۲ عفی عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[4] البراہین القاطعہ مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے مطبع لے ساڈھور ص ۳

اگر کسی نے ایک جگہ عجز مان لیا تو تمھارے امام کے ایمان عــہ۱ پر کیا بے جا کیا، ایک امر کہ خدا کے لئے اس سے کروڑ درجہ بدتر ممکن تھا، اس نے خرمن سے ایک خوشہ تسلیم کرلیا پھر کیا قہر کیا مگر تمھارا امام جو خدا کے ناقص عیبی ملوث آلائشی ہوسکنے پر ایمان لایا نہ یہ قابل افسوس نہ خلاف امت ہے، یہ تمھارے پیشوایان دین کی مت ہے، **معاذاللہ** اس امام کی بدولت طائفہ بیچارے کی کیا بری گت ہے،

ثم اقول: اس سے بڑھ کر مظلمہ حائفہ تناقض صریح امام الطائفہ اسی منہ سے خدا کے لئے عیب و تلوث ممکن مانتا ہے، اسی منہ سے کہتا ہے جھوٹ نہ بول سکے تو قدرت جو گھٹ جائے گی، جی گھٹ جائے گی تو کیا آفت آئے گی، آخر جہاں ہزار عیب ممکن تھے اینہم برعلم بس عــہ۲ ہے یہ کہ رب کریم رؤف ورحیم عزہ مجدہ اپنے اضلال سے پناہ میں رکھے اٰمین اٰمین بجاہ سید الھادین محمد ن الصادق الحق المبین، صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلٰی الہ وصحبہ اجمعین۔

تازیانہ ۲: اقول: وباللہ التوفیق، ایھا المسلمون! حاشا یہ نہ جاننا کہ باری عزوجل کا عیوب و نقائص سے ملوث ہونا اس شخص کے نزدیک صرف ممکن ہی نہیں ہے، نہیں نہیں بلکہ یقینا اسے بالفعل ناقص جانتا اور کمال حقیقی سے دور مانتا ہے، اے مسلمان! کمال حقیقی یہ ہے کہ اس صاحب کمال کی نفس ذات مقتضی جملہ کمالات ومنافی تولثات ہو اور قطعاً جو ایسا ہوگا اسی پر ہر عیب و نقصان محال ذاتی ہوگا کہ ذات سے مقتضائے ذات کا ارتفاع یکاذات یا منافی ذات کا اجتماع دونوں قطعاً بدیہی الامتناع، اور بیشک ہم اہلسنت اپنے رب کو ایسا ہی مانتے ہیں، اور بیشک وہ سچے کمال والا ایسا ہی ہے، اس شخص نے کہ اس عزیز جلیل پر عیب و نقصان کا امکان مانا تو قطعاً کمالات کو اس کا مقتضائے ذات نہ جانا تو یہ کمال حقیقی سے بالفعل خالی اور حقیقۃ ناقص وفاقد مرتبہ عالی ہوا، آج وجہ معلوم ہوئی کہ یہ طائفہ تالفہ اپنے آپ کو موحد اور اہلسنت کو مشرک کیوں کہتا ہے، اس کے زعم میں اللہ عزوجل کے لئے اثبات کمالات واجبہ للذات شرک ہے کہ لفظ وجوب جو مشترک ہوجائے گا اگرچہ وجوب بالذات ووجوب للذات کا فرق اس طفل مکتب پر بھی مخفی نہیں جو اربعہ وزجیت کی حالت جانتا ہے، ولہٰذا اس فرقہ ضالہ نے باتباع کرامیہ کمالات الٰہیہ کو مقتضائے

عــہ۱: وانتظر ماسنلقی علیك ان السفیه قائل با لامکان الوقوعی بالوقوع لابمجرد الامکان الذاتی ۱۲ منه سلمه اللہ تعالٰی

ہماری آئندہ گفتگو کا انتظار کرو یہ بیوقوف امکان وقوعی بلکہ وقوع کا قائل ہے نہ کہ محض امکان ذاتی کا، ۱۲ منه سلمه اللہ تعالٰی۔ (ت)

عــہ۲: ولاتنس مااشرناك الیه ۱۲منه۔

جس کی طرف ہم نے تمھیں متوجہ کیا ہے اسے مت بھولنا ۱۲منہ (ت)

ذات نہ ٹھہرایا تو جیسے معتزلہ نے تعدد قدماء سے بچنے کو نفی صفات کی اور اپنا نام اصحاب التوحید رکھا، یونہی اس طائفہ جدیدہ نے اشتراک لفظ وجوب سے بھاگنے کو نفی اقتضائے ذات کی اور اپنا نام موحد تراشا، **وفی ذلك اقول**: ؎

خَسِرَ الَّذِیْنَ بِالْاِعْتِزَا	لِ وَبِالتَّوَھُّبِ جَاءُوا
ذَا اَھْلُ تَوْحِیْدٍ وَذَا	كَ مُوَحِّدٌ غَوَاء
نعم القلوب تشابھت	فتناسب الاسماء [1]

(خسارے میں مبتلا ہیں جو معتزلی اور وہابی بنے، معتزلی اہل توحید اور وہابی موحد گمراہ، ان کے دل ایک جیسے ہیں اور ناموں میں بھی مناسب ہے۔ت)

تنبیہ نبیہ: جہول سفیہ کو جب کہ اس کے استاذ قدیم ابلیس رجیم علیہ اللعن نے یہ نقصان و تلوث باری عزوجل کا مہلکہ سکھایا، تو دوسری کتاب افصاح الباطل مسمّٰی بہ ایضاح الحق میں ترقیق ضلال وشدت نکال کا رستہ دکھایا، یعنی اس میں نہایت دریدہ دہنی مسائل وتقدیس باری تعالٰی عزوجل کو جن پر تمام اہلسنت کا اجماع قطعی ہے صاف بدعت حقیقیہ بتایا، جری بیباک کی وہ عبارتِ ناپاک یہ ہے:

تنزیہ اوتعالٰی اززمان ومکان وجہت واثبات رؤیت بلاجہت ومحاذات وقول بصدور عالم بر سبیل ایجاب واثبات قدم عالم وامثال آں ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ می شمارد [2] اھ ملخصا۔	زمان، مکان، جہت اور رؤیت بلاجہت ومحاذات سے اللہ تعالٰی کو پاک کہنا اور جہاں کا صدور بطور ایجاب وعالم کا قدم ثابت کرنا اور ایسے دیگر امور یہ تمام حقیقی بدعات ہیں جبکہ مذکور اعتقاد والے لوگ ان مذکورہ امور کو دینی عقائد میں شمار کرتے ہیں اھ ملخصا (ت)

دیکھو کیسا بے دھڑک لکھ دیا کہ اللہ عزوجل کی یہ تنزیہیں کہ اسے زمانہ ومکان وجہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلاکیف حق ماننا سب بدعت حقیقیہ ہیں، سچ ہے جب اللہ تعالٰی کے لئے ہر عیب وآلائش کو ممکن ماننا سنت ملعونہ امام نجدیہ ہے تو اس عزیز مجید جل مجدہ کی تنزیہ وتقدیس آپ ہی بدعت حقیقیہ شریعت

[1] الدیوان العربی بساتین الغفران رضا دارالاشاعت لاہور ص ۱۴۷

[2] ایضاح الحق الصریح (مترجم اردو) فائدہ اول ان امور کا بیان جو بدعت حقیقیہ میں داخل ہیں قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۷۸، ۷۷

وہابیہ ہو گی، وہی حساب ہے ع

کہ تو ہم در میان ما تلخی

(کہ تو بھی مصیبت میں مبتلا ہے۔ت)

مشرکین بھی تو دین اسلام کو بدعت بتاتے تھے،

"مَاسَمِعْنَابِهٰذَافِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ"[1]	یہ تو ہم نے سب سے پچھلے دین نصرانیت میں بھی نہ سنی یہ تو نری نئی گھڑت ہے(ت)

خیر یہاں تک تو نری بدعت ہی بدعت تھی، آگے شراب ضلالت تیز و تند ہو کر اونچی چڑھی اور نشے کی ترنگ کیف کی امنگ دون پر آکر کفر تک بڑھی کہ اللہ عزوجل کا پاک و منزہ اور دیدار الٰہی کو بے جہت و مقابلہ ماننے کو مخلوقات کے قدیم جاننے اور خالق کو بے اختیار ماننے کے ساتھ گنا اور اسے ان ناپاک مسئلوں کے ساتھ کہ باجماع مسلمین کفر محض ہیں، ایک حکم میں شریک کیا، اب کیا کہا جائے سوا اس کے کہ "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۲۷"[2] (اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) **ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم**، اچھے امام اور اچھے ماموم ع

مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

تازیانہ ۳: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) سفیہ سحیق کی اور جہالت وضلالت دیکھئے خود ماننا جاتاہے کہ صدق اللہ عزوجل کی صفات کمالیہ سے ہے، حیث قال صفت کمال ہمیں ست[3] الخ (جہاں اس نے یہ کہا صفت کمال یہی ہے الخ۔ت) پھر اسے امر اختیاری جانتاہے کہ باری تعالٰی نے باوجود قدرت عدم برعایت مصلحت بطور ترفع اختیار فرمایا، اہل سنت کے مذہب میں اللہ عزوجل کے کمالات اس کے یا کسی کے قدرت واختیار سے نہیں بلکہ باقتضائے نفس ذات بے توسط قدرت وارادہ واختیار اس کی ذات پاک کے لئے واجب ولازم ہیں نہ کہ **معاذاللہ** وہ اس کی صنعت یا ان کا عدم اسکے زیر قدرت، تمام کتب کلامیہ اس کی تصریح سے مالا مال، وہ احادیث وآثار تمھارے کان تک بھی پہنچے ہوں گے جن میں کلام الٰہی کو باختیار الٰہی ماننے والا کافر ٹھہرا ہے، اور عجب نہیں کہ بعض ان میں سے ذکر کروں، مجھے یہاں حیرت ہے کہ اس بیباک بدعتی کو کیونکر الزام دوں، اگر یہ کہتاہوں کہ صفات کمالیہ الٰہی کا اختیاری اور ان کے عدم کا زیر قدرت

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۷

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] رسالہ یکروزی (فارسی) فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

باری نہ ہونا ائمہ اہلسنت کا مسئلہ اجماعی ہے تو اس نے جیسے اوپر مسائل اجماعیہ تنزیہ وتقدیس کو بدعت حقیقیہ لکھ دیا یہاں کہتے کون اس کی زبان پکڑتا ہے کہ ائمہ اہل سنت سب بدعتی تھے، اور اگریوں دلیل قائم کرتا ہوں کہ صفت کمال کا اختیاری اور اس کے عدم کا زیر قدرت ہونا مستلزم عیب ومنقصت ہے کہ جب کمال اختیاری ہوا کہ چاہے حاصل کیا یا نہ کیا تو عیب ونقصان روا ٹھہرا اور مولٰی سبحانہ وتعالٰی کا موصوف بصفات کمالیہ ہونا کچھ ضروری نہ ہوا تو یہ اس بدمشرب کا عین مذہب ہے وہ صاف لکھ چکا کہ باری عزوجل میں عیب وآلائش کا ہونا ممکن، مگرہاں ان پیروؤں سے اتنا کہوں گا کہ آنکھ کھول کر دیکھتے جاؤں کس معتزلی کرامی کو امام جانتے ہو جو صراحۃً عقائد اجماعیہ اہل سنت وجماعت کو رد کرتا جاتا ہے، پھر نہ کہنا کہ ہم سنی ہیں۔

تنبیہ نبیہ: حضرت نے صفات کمالیہ باری جل وعلا کا اختیاری ہونا کچھ فقط صفت صدق ہی میں نہ لکھا بلکہ مستلزم علم الٰہی میں بھی اس کی تصریح کی، کتاب تقویۃ الایمان مسمّٰی بہ تقویت الایمان، ع

بر عکس نہند نام زنگی کافور

(سیاہ حبشی کا نام الٹ کر کافور رکھتے ہیں۔ت)

میں صاف لکھ دیا: "غیب کادریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہیئے کرلیجئے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے"[1]

حاشاللہ! اللہ عزوجل پر صریح بہتان ہے، دیکھو یہاں کھلم کھلا اقرار کرگیا کہ اللہ تعالٰی چاہے تو علم حاصل کرلے چاہے جاہل رہے، شاباش بہادر، اچھا ایمان رکھتا ہے خدا پر، اہل سنت کے مذہب میں ازلاً ابداً ہر بات کو جاننا ذات پاک کو لازم ہے کہ نہ وہ کسی کے ارادہ واختیار سے نہ اس کا حاصل ہونا یا زائل ہوجانا کسی کے قابو واقتدار میں، پیروصاحبو! ذرا پیر طائفہ کی بدمذہبیاں گنتے جاؤ اور اپنے امام معظم کے لئے ہم اہلسنت کے امام اعظم ہمام امام الائمہ سراج الامہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد واجب الانقیاد کا تحفہ لو، فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

صفاتہ تعالٰی فی الازل غیر محدثۃ ولامخلوق فمن قال انہا مخلوقۃ او محدثۃ اووقف فیہا اوشك فیہا فھو کافر باللہ تعالٰی[2]۔	صفات الٰہی ازلی ہیں، نہ حادث نہ کسی کے مخلوق تو جو انھیں مخلوق یا حادث بتائے یا ان میں تردد کرے یا شک لائے وہ کافر ہے اور اللہ تعالٰی کا منکر۔

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی رد الاشراك فی العلم مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۴

[2] الفقۃ الاکبر مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۴

اقول: وجہ اس کی وہی ہے کہ صفات مقتضائے ذات تو ان کا حادث و قابل فنا ہونا ذات کے حدوث و قابلیت کو مستلزم، اور یہ عین انکار ذات ہے، **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

تازیانہ ۴: اقول: وباللہ التوفیق جب صدق الٰہی اختیاری ہوا اور قرآن عظیم قطعًا اس کا کلام صادق، تو واجب کہ قرآن مجید اللہ تعالٰی کا مقتضائے ذات نہ ہو، ورنہ قرآن لازم ذات ہوگا اور صدق لازم قرآن اور لازم لازم لازم، اور لازم کا اختیاری ہونا بداہۃ باطل اور باجماع مسلمین جو کچھ ذات ومقتضائے ذات کے سوا ہے، سب حادث و مخلوق تو دلیل قطعی سے ثابت ہوا کہ مولائے وہابیہ پر قرآن عظیم کو مخلوق ماننا لازم، اس بارے میں اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود [عـــہ۱] وعبداللہ بن عباس [عـــہ۲]، وجابر بن عبداللہ [عـــہ۳]، وابو درداء [عـــہ۴]، وحذیفہ بن الیمان [عـــہ۵]، وعمر بن حصین [عـــہ۶]، ورافع بن خدیج [عـــہ۷]، وابو حکیم شامی [عـــہ۸]، وانس بن مالک [عـــہ۹]، وابوہریرہ [عـــہ۱۰] دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کی حدیثوں سے مروی ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قرآن مجید

عـــہ۱: الشیرازی فی الالقاب والخطیب ومن طریقہ ابن الجوزی بوجہ اُخر ۱۲منہ	شیرازی نے القاب میں، خطیب نے اور ابن جوزی نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے ۱۲منہ (ت)
عـــہ۲: ابونصر السجری فی الابانۃ عن اصول الدیانۃ ۱۲منہ۔	ابونصر السجری نے الابانۃ عن اصول الدیانۃ میں ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۳: اخرج عنہ الخطیب ۱۲منہ	ان سے خطیب نے نقل کیا ہے ۱۲منہ (ت)
عـــہ۴: الدیلمی فی مسند الفردوس ۱۲منہ۔	دیلمی نے مسند الفردوس میں ذکر کیا ۱۲منہ (ت)
عـــہ۵: الشیرازی فی الالقاب والدیلمی فی مسند الفردوس بوجہ اُخر ۱۲منہ	شیرازی نے القاب میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ ۱۲منہ (ت)
عـــہ۶: الدیلمی من طریق الامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ	دیلمی نے امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے نقل کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۷: کالذی قبلہ ۱۲منہ سلمہ اللہ تعالٰی	یہ پہلے کی ہی مثل ہے ۱۲منہ سلمہ اللہ تعالٰی (ت)
عـــہ۸: روی عنہ الخطیب ۱۲منہ	خطیب نے ان سے نقل کیا ۱۲منہ (ت)
عـــہ۹: الدیلمی وھو عند الخطیب بوجہ اُخر ۱۲منہ۔	دیلمی میں ہے اور خطیب نے اسے ایک اور سند سے بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۱۰: ابن عدی فی الکامل ۱۲منہ	ابن عدی نے الکامل میں ذکر کیا ۱۲منہ (ت)

کے مخلوق کہنے والے کو کافر بتایا، مگر ازانجا کہ ائمہ محدثین کو ان عـــہ احادیث میں کلام شدید ہے، لہٰذا آثار و اقوال صحابہ کرام و تابعین عظام وائمہ اعلام علیہم رضا المنعام استماع کیجئے۔

(ارشاد اتا ۱۰) امام لالکائی کتاب السنہ میں بسند صحیح روایت کرتے ہیں:

انبأنا الشیخ ابو حامد بن ابی طاہر الفقیه انبأنا عمر بن احمد الواعظ حدثنا محمد بن هارون الحضرمی حدثنا القاسم بن العباس الشیبانی حدثنا سفیان بن عیینة عن عمرو بن دینار قال ادرکت تسعة من اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقولون من قال القرآن مخلوق فهو کافر [1]۔	ہمیں خبر دی شیخ ابو حامد بن ابی طاہر الفقیہ نے انھیں خبر دی عمر بن احمد الواعظ نے انھیں خبر دی محمد بن ہارون الحضرمی نے انھیں خبر دی قاسم بن عباس الشیبانی نے ان سے بیان کیا سفیان بن عیینہ نے کہ حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نو صحابہ کو پایا کہ فرماتے تھے جو قرآن کو مخلوق بتائے وہ کافر ہے۔

عـــہ: البیهقی فی الاسماء والصفات اسانیده مظلمة لا ینبغی ان یحتج بشیئ منها ولا ان یستشهد بها [2] ابن الجوزی فی الموضاعات موضوع [3] الذهبی فی المیزان والحافظ فی اللسان والسخاوی فی المقاصد باطل [4] القاری فی المنح لااصل له [5] السیوطی فی اللاٰلی فما رأیت لهذا الحدیث من طب [6] ۱۲ منه سلمه ربه۔	بیہقی نے "الاسماء والصفات" میں کہا ان میں سے کسی کے ساتھ بھی استدلال واستشہاد درست نہیں، ابن جوزی نے موضاعات میں موضوع قرار دیا ذہبی نے میزان میں اور حافظ نے لسان میں اور سخاوی نے مقاصد میں باطل کہا، علی قاری نے المنح میں کہا اس کی کوئی اصل نہیں، سیوطی نے اللآلی میں کہا میں نے اس حدیث کی کوئی صحت نہ پائی ۱۲ منہ سلمہ ربہ (ت)

[1] اللآلی المصنوعة بحوالہ اللالکائی فی السنة کتاب التوحید دار المعرفة بیروت ۱/ ۸

[2] المقاصد الحسنه بحوالہ الاسماء والصفات تحت حدیث ۷۶۷ دار الکتب العلمیه بیروت ص ۳۰۴

[3] موضوعات ابن الجوزی کتاب التوحید دار الفکر بیروت ۱/ ۱۰۸

[4] المقاصد الحسنه حدیث ۷۶۷ دار الکتب العلمیه بیروت ص ۳۰۴

[5] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر القرآن غیر مخلوق الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۶

[6] اللآلی المصنوعة کتاب التوحید دار المعرفة بیروت ۱/ ۶

(۱۱) بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن آباءہ الکرام سے راوی کہ مخلوقیت قرآن ماننے والے کی نسبت فرماتے، **انہ یقتل ولایستتاب**[1] اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ نہ لیں۔

(۱۲) اسی میں امام علی بن مدینی سے منقول: **انہ کافر**[2] (وہ کافر ہے۔ت)

(۱۳) اسی میں امام مالک سے مروی: **کافر فاقتلوہ**[3] کافر ہے اسے قتل کرو۔

(۱۴) جزء الفیل میں یحیٰی بن ابی طالب سے رایت:

من زعم ان القرآن مخلوق فھو کافر[4]۔ذکر ھذہ الاربع امام السخاوی فی المقاصد الحسنۃ۔	جو قرآن کو مخلوق کہے کافر ہے۔ (ان چاروں کا ذکر امام سخاوی نے "المقاصد الحسنہ" میں کیا ہے۔ت)

(۱۵) ابن امام احمد کتاب السنہ میں فرماتے ہیں:

من قال القرٰان مخلوق فھو عندنا کافر لان القرٰان من صفۃ اللہ[5]۔	قرآن کو مخلوق کہنے والا ہمارے نزدیک کافر ہے کہ قرآن خدا کی صفتوں سے ہے۔

(۱۶) امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

من قال القرٰان مخلوق فھو زندیق[6]۔	جو قرآن کو مخلوق کہے وہ بے دین ہے۔

(۱۷) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

القرآن کلام اللہ من قال مخلوق فھو کافر[7].	قرآن کلام الٰہی ہے جو اسے مخلوق کہے کافر ہے۔

(۱۸) عبداللہ بن ادریس کے سامنے خلق قرآن ماننے والوں کا ذکر ہوا کہ اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں

---

[1] المقاصد بحوالہ البیہقی فی الاسماء والصفات تحت حدیث ۷۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۵

[2] المقاصد الحسنہ بحوالہ علی ابن مدینی تحت حدیث ۷۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۵

[3] المقاصد الحسنہ بحوالامام مالك تحت حدیث ۷۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۵

[4] المقاصد الحسنہ بحوالہ جزء الفیل عن یحیٰی بن ابی طالب تحت حدیث ۷۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۵

[5] الحدیقۃ الندیۃ بحوالہ کتاب السنۃ القرآن کلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷

[6] الحدیقہ الندیہ عبداللہ ابن مبارك کتاب السنۃ القرآن کلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷

[7] الحدیقۃ الندیۃ سفیان بن عینیہ کتاب السنۃ القرآن کلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷

فرمایا:

کذبوا لیس ھؤلاء بموحدین ھؤلاء زنادقۃ من زعم ان القراٰن مخلوق فقد زعم ان اللہ مخلوق ومن زعم ان اللہ مخلوق فقد کفر ھؤلاء زنادقۃ [1]۔	جھوٹے ہیں وہ موحد نہیں زندیق ہیں جس نے قرآن کو مخلوق کہا اس عـــہ نے خدا کو مخلوق کہا اور جس نے خدا کو مخلوق کہا کافر ہوا، یہ بے دین ہیں۔

(۱۹تا۲۱) وکیع بن الجراح ومعاذ بن معاذ ویحیٰی بن معین فرماتے ہیں: **من قال القراٰن مخلوق فھو کافر** [2] (جس نے قرآن کو مخلوق کہا وہ کافر ہے۔ت)

(۲۲) ابن ابی مریم نے فرمایا: **من زعم ان القراٰن مخلوق فھو کافر** [3] (جو قرآن کو مخلوق مانے وہ کافر ہے۔ت)

(۲۳و۲۴) شبابہ بن سور وعبدالعزیز بن ابان قرشی فرماتے ہیں:

القرآن کلام اللہ ومن زعم انہ مخلوق فھو کافر [4]۔	قرآن کلام اللہ ہے جو اسے مخلوق مانے کافر ہے۔

(۲۵) امام یزید بن ہارون نے فرمایا:

واللہ الذی لا الہ الا ھوا الرحمن الرحیم عالم الغیب والشھادۃ من قال القراٰن مخلوق فھو زندیق [5]۔ اورد ھذہ الاواخر فی	قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں بڑا مہربان رحمت والا حاضر غائب سب سے خبردار کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے زندیق ہے (ان آخری اقوال کا

عـــہ: **اقول:** وجہ ملازمت ظاہر ہے کہ ہر مخلوق حادث اور قرآن لازم ذات اور حدوث لازم حدوث ملزوم کو مستلزم اور ہر حادث مخلوق تو خلق صفت ماننے کو خلق ذات ماننا لازم، حضرات نجدیہ غور کریں لازم شنیع یعنی **معاذاللہ** ذات باری کا حادث و مخلوق ہونا ان کے امام پر بھی لازم آیا یا نہیں غنیمت جانیں کہ لازم قول قول نہیں ہوتا **۱۲ منہ دام فیضہ**

---

[1] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ عبداللہ بن ادریس القرآن کلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷

[2] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ وکیع بن الجراح ومعاذ بن معاذ ویحیٰی بن معین مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۵۸،۲۵۷

[3] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ ابن ابی مریم القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۸

[4] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ شبابہ بن سوار وعبدالعزیز بن ابان القرشی القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۸

[5] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ یزید بن ہارون القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۵۸،۲۵۷

الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية للعلامة النابلسی۔	تذکرہ علامہ نابلسی نے الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ میں کیا۔ت)

(۲۶) سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وصایا میں فرماتے ہیں:

من قال ان کلام اللہ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم [1]۔	جو قرآن کو مخلوق کہے اس نے عظمت والے خدا کے ساتھ کفر کیا۔

(۲۷) امام فخر الاسلام فرماتے ہیں:

قدصح عن ابی یوسف انه قال ناظرت اباحنیفة رحمه الله تعالٰی فی مسئلة خلق القراٰن فاتفق رأیي ورأیه علی ان من قال بخلق القراٰن فهو کافر [2]۔	امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے بروایت صحیحہ ثابت ہوا کہ انھوں نے فرمایا میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مسئلہ خلق قرآن میں مناظرہ کیا بالآخر میری اور ان کی رائے متفق ہوئی کہ خلق قرآن ماننے والا کافر ہے۔

(۲۸) مولانا علی قاری شرح فقہ اکبر میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں:

صح هذا القول اٰیضاعن محمد [3]۔	یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی سے بھی بسند صحیح مروی ہوا۔

(۲۹و۳۰) فصر عمادی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

من قال بخلق القراٰن فھو اکافر [4] الخ۔	جس نے قرآن کے مخلوق ہونے کا قول کیا وہ کافر ہے۔(ت)

(۳۱) خلاصہ میں ہے:

معلم قال تاقرآن آفریدہ شدہ است پنج شنبہی نہادہ شدہ است یکفر [5] الخ۔	اگر معلم نے کہا جب سے قرآن پیدا کیا گیا جمعرات بنائی گئی تو کافر ہوجائے گا الخ۔(ت)

---

[1] وصیت نامہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ملک سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص۲۹و۳۰

[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ فخر الاسلام القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مصطفی البابی مصر ص۲۶

[3] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ فخر الاسلام القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مصطفی البابی مصر ص۲۶

[4] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۶

[5] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الجنس التاسع فی القرآن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۸

(۳۲) خزانۃ المفتین میں ہے:

من قال بخلق القراٰن فهو كافر، سئل نجم الدين النسفي عن معلمة قالت تاقراٰں افريده شد است سيم پنج شنبى استادنهاده شده است، هل يقع فى نكاحها شبهة قال نعم لانها قالت بخلق القرآن [1]۔	جس نے خلق قرآن کا قول کیا تو وہ کافر ہے۔امام نجم الدین نسفی سے ایک معلّمہ کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کہا جب قرآن پیدا کیا گیا تیسویں جمعرات استاد رکھا گیا اس معلّمہ کے نکاح میں کوئی شبہ واقع ہوگا؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں، کیونکہ اس نے خلق قرآن کا قول کیا ہے۔(ت)

ایہا المسلمون ! امام وہابیہ کے صرف ایک قول کے متعلق صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین وعلمائے دین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے یہ بتیس فتوے ہیں جن کی رو سے اس پر کفر لازم ^{عـــہ}، اور اس کے بہت سے اقوال کہ اس کے مثل یا اس سے بھی شنیع تر ہیں، ان کا کہنا ہی کیا ہے ع

قیاس کن زگلستان او بہارش را

(باغ پر اس کی بہار کو قیاس کرو۔ت)

اللهم انا نسئلك الختام على الايمان والسنة، اٰمين اٰمين يا عظيم المنة۔	اے اللہ ! ہم تجھ سے ایمان اور سنت پر خاتمہ مانگتے ہیں، اے عظیم احسان فرمانے والے ! قبول فرما، قبول فرما! (ت)

یہ چار تازیانے خاص اس امر کے اظہار میں تھے کہ مولائے نجدیہ نے اس ایک قول میں کتنی کتنی بد مذہبیاں کیں، معتزلیت کرامیت وغیرہما کس کس طرح کی ضلالتیں لیں، کیسا کیسا عقائد اجماعیہ اہل سنت کو جھٹلایا، اللہ عزوجل کی جناب میں گستاخی وبے ادبی کو کس نہایت تک پہنچایا، جب بحمد اللہ تضلیل متدل سے فراغت پائی

عـــہ: ليحمدوا ان المحققين فرقوا بين اللزوم و الالتزام ثم الايكفيه ما فى هذا من خسار كامل وبوار تام والعياذ بالله ذى الجلال والاكرام ۱۲ منه۔	محققین نے لزوم اور التزام کے درمیان فرق کیا ہے یہ غنیمت جانیں پھر کیا اسی میں کامل خسارہ اور مکمل ہلاکت کافی نہیں صاحب جلال واکرام ہی کی پناہ ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] خزانۃ المفتین فصل فی الفاظ الکفر قلمی نسخہ ۱/ ۱۹۷

بتوفیق تعالٰی تذلیل دلیل کی طرف چلئے یعنی اس ہذیان دوم میں جو اس نے امکان کذب باری پر ایک فریبی مغالطہ دیا، اس کا رد بلیغ سنئے، ذرا اس کی تقریر مغالطہ پر پھر ایک نظر ڈال لیجئے کہ تازہ ہو جائے، حاصل اس کلام پریشان کا یہ تھا کہ عدم کذب باری تعالٰی کہ صفات کمال سے ہے، جس سے اس کی مدح کی جاتی ہے، در صفت عـــہ۱ کمال و قابل مدح ہے کہ کذب پر قادر ہو کر اس سے بچے، سرے سے قدرت ہی نہ ہوئی، تو عدم کذب میں کیا خوبی ہے، پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ جھوٹ نہیں بولتا۔ یوہیں جو کذب کا ارادہ کرے مگر کسی مانع کے سبب بول نہ سکے عقلا اس کی بھی مدح نہ کریں گے، اب بتوفیق اللہ تعالٰی پہلے تقوض اجماع لیجئے، پھر حل مغالطہ کا مژدہ دیجئے، واللہ الھادی وولی الایادی (اللہ تعالٰی ہی ہادی ہے اور مدد کا مالک ہے۔ت)

تازیانہ ۵: رب عزوجل فرماتا ہے: "وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾"[1] میں بندوں کے حق میں ستمگر نہیں۔ اور فرماتا ہے: "وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾"[2] تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور فرماتا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ"[3] بیشک اللہ تعالٰی ایک ذرے برابر ظلم نہیں فرماتا۔

اقول: ان آیات میں مولٰی عزوجل نے عدم ظلم سے اپنی مدح فرمائی، کیوں عـــہ۲ ملاجی! بھلا جو ظلم پر

عـــہ۱: اقول: اس احمق کا سارا ہذیان دفع کرنے کو صرف اتنا جملہ کافی جو تنزیہ دوم میں زیر دلیل بست و چہارم گزرا کہ اللہ عزوجل پر ہر وہ شے بھی محال جو کمال سے خالی ہو اگرچہ نقص نہ رکھتی ہو ظاہر ہے کہ نفی کمال سے مدح ہونے سے رہی مدح اس کی نفی سے ہوگی جو کمال نہیں، اور جو کچھ نہیں وہ باری عزوجل کے لئے محال، ایمان ٹھیک ہو تو یہی دو حرف بس ہیں ۱۲ منہ

عـــہ۲: بحمداللہ یہ نقض نہ رفع بدیع ملائے شفیع کی ساری تقریر فظیع کو سراپا حاوی جس سے اس کے ہذیانوں کا ایک حرف نہ بچ سکے، اس تقریر پریشان کو پیش نظر رکھ لیجئے اور یوں کہہ چلئے ظلم الٰہی محال نہیں ورنہ لازم آئے کہ قدرت انسانی قدرت ربانی سے زائد ہو کہ ظلم و ستم اکثر آدمیوں کی قدرت میں ہے، ہاں ظلم خلاف حکمت ہے تو ممتنع بالغیر ہو، اسی لئے عدم ظلم کو کمالات حضرت حق سبحانہ سے گنتے اور اس سے اس کی تعریف کرتے ہیں۔ بخلاف شجر و حجر کہ انھیں کوئی عدم ظلم سے ستائش نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ صنعت کمال یہی ہے کہ ظلم پر قدرت تو ہو مگر برعایت مصلحت و مقتضائے حکمت الائش ستمگاری سے بچنے کو ظلم نہ کرے، ایسا ہی (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۴۹

[3] القرآن الکریم ۴/ ۴۰

قدرت ہی نہ رکھے اس کی بے ظلمی کی کیا تعریف، یوں تو پتھر کی بھی ثنا کیجئے کہ ظلم نہیں کرتا، اسی طرح جو صوبہ چاہے مگر حاکم بالا کا خوف مانع آئے اسکی بھی مدح نہ کریں گے۔ تو لاجرم باری عزوجل کو ظلم پر قادر رکھئے گا، سبحان اللہ! تم سے کیا دور جب کذب وغیرہ وآلائش پر قدرت مان چکے تو ظلم میں کیا ستم رکھا ہے مگر اتنا سمجھ لیجئے کہ ظلم کہتے ہیں ملک غیر میں تصرف بے جا کو، جب باری سبحانہ و تعالیٰ کو اس پر قادر مانئے گا تو پہلے بعض اشیاء کو اس کی ملک سے خارج اور غیر کی ملک مستقل مان لیجئے، مسلمانوں کو توبزور زبان زور و بہتان مشرک کہتے ہو خود سچے پکے کافر بن جائے، قال تعالیٰ:

"لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" [1] اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔ وقال تعالیٰ:

"قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ" [2] تو فرماؤ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تو فرماؤ اللہ تعالیٰ کا ہے، وقال تعالیٰ: "اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ" [3] کیا ان کا ساجھا ہے آسمانوں میں، ولہٰذا اہل سنت وجماعت کا اجماع قطعی قائم کہ باری جل مجدہ سے ظلم ممکن ہی نہیں۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

لایوصف اللہ تعالیٰ بالقدرۃ علی الظلم لان المحال لایدخل تحت القدرۃ وعند	باری تعالیٰ کو ظلم پر قادر نہ کہا جائے گا کہ محال زیر قدرت نہیں آتا، اور معتزلہ کے نزدیک قادر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شخص سلب عیب ظلم واتصاف کمال عدل سے ممدوح ہوگا بخلاف اس کے جس کے اعضاء وجوارح بیکار ہوگئے ہوں کہ ظلم کرہی نہیں سکتا یا قوت متفکرہ فاسد ہوگئی ہے کہ معنی ظلم سمجھنے اور اس کا قصد کرنے ہی سے عاجز ہے یا وہ شخص کہ جب عدل وانصاف کا حکم دے تو یہ حکم اس سے صادر ہو اور جب ظلم کا حکم چاہے آواز بند ہوجائے یا زبان نہ چلے یا کوئی منہ بند کرلے یا گلا دبادے یا ایک شخص کسی سے سیکھ کر حکم کرتا ہے آپ حکم دینا جانتا ہی نہیں اور وہ بتانے والا اسے احکام عدل وانصاف ہی بتاتا ہے اس وجہ سے ظلم صادر نہیں ہوتا، یہ لوگ عقلاء کے نزدیک قابل مدح نہیں بالجملہ عیب ظلم سے ترفع اور اس کی آلائش سے تنزہ کے لئے ظلم نہ کرنا ہی صفت مدح ہے اور عجز ہو تو کچھ مدح نہیں، یا اسکی مدح پہلے کی مدح سے بہت کم ہے انتہٰی ملاحظہ کیجئے نقض اسے کہتے ہیں کہ نام کو لگی نہ رکھے واللہ الموفق ۱۲ منہ سلمہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۴ و ۴/ ۱۲۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۳۵/ ۴۰ و ۴۶/ ۴

المعتزلۃ انہ یقدر ولایفعل[1]۔	ہے اور کرتا نہیں۔

بیضاوی وعمادی وغیرہما تفاسیر میں ہے:

الظلم یستحیل صدورہ عنہ تعالٰی[2] اھ ملخصاً۔	اللہ تعالٰی سے ظلم صادر ہونا محال ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے: الظلم محال منہ تعالٰی[3] اللہ تعالٰی سے ظلم محال ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے:

الذی یدل علی ان الظلم محال من اللہ تعالٰی ان الظلم عبارۃ عن التصرف فی ملك الغیر، والحق سبحانہ لایتصرف الافی ملك نفسہ فیمتنع کونہ ظالما وایضا الظالم لایکون الھا والشیئ لایصح الااذ کانت لوازمہ صحیحۃ فلوصح منہ الظلم لکان زوال الٰھیتہ صحیحا وذٰلك محال[4] اھ ملخصا۔	ظلم الٰہی محال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ظلم ملک غیر میں تصرف عـــہ۱ سے ہوتاہے اور حق سبحانہ تعالٰی جو تصرف کرے یا اپنی ہی ملک میں کرتا ہے تو اس کا ظلم ہونا محال اور نیز ظالم عـــہ۲ خدا نہیں ہوتا اور شے جبھی ممکن ہوتی ہے کہ اس کے سب لوازم ذاتیہ ممکن ہوں، تو اگر ظلم الٰہی ممکن ہو تو لازم ظلم یعنی زوال الوہیت بھی ممکن ہو یہ محال ہے اھ ملخصًا۔

اسی میں زیر قولہ تعالٰی "وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ"[5] الاٰیۃ لکھتے ہیں:

الظالم سفیہ خارج عن الاُلھیۃ فلوصح	ظالم بے وقوف ہے خدائی سے خارج تو اگر خدا سے

عـــہ۱: لایخفی علی الفطن الفاھم فرق بین تعبیر الاصل وعبارۃ العبد المترجم ۱۲ منہ	صاحب ذہن وفہم کے لئے اصل اور مترجم کی عبارت میں فرق واضح ہے ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۲: یعنی ظلم والوہیت کا جمع ہونا ناممکن کہ ظلم عیب ہے اور الوہیت ہر عیب کو منافی تو صدور ظلم کو عدم الوہیت لازم ۱۲ منہ۔

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر باب لایوصف اللہ تعالٰی بالقدرۃ علی الظلم مصطفی البابی مصر ص ۱۳۸

[2] انوار التنزیل (بیضاوی) آل عمران آیۃ وما اللہ یرید ظلما للعلمین (نصف اول) مصطفی البابی مصر ص ۶۹

[3] روح البیان تحت آیۃ وما انا بظلام للعبید المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الریاض جزء ۲۶ ص ۱۲۶

[4] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) آیۃ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرہ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۰/ ۱۰۲

[5] القرآن الکریم ۲۱/ ۴۷

منه الظلم لصح خروج عن الالٰهیة [1]۔	ظلم ممکن ہو تو اس کا خدائی سے نکل جانا ممکن ہو،

تفسیر کبیر کی وہی عبارت ہے جس کا ہم تازیانہ اول میں وعدہ کر آئے تھے۔

تازیانہ ۶: قال ربنا تبارك وتعالٰی:

وقول "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا" [2]۔	تو کہہ سب تعریفیں اس خدا کو جس نے اپنے لئے بیٹا نہ بنایا۔

وقال تعالٰی حاکیا عن الجن:

"وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا" [3]۔	بے شک بڑی شان ہے ہمارے رب کی جس نے اپنے لئے نہ عورت اختیار کی نہ بچہ۔

اقول: ان آیات میں سبوح قدوس جل جلالہ نے یوں اپنی تعریف فرمائی، اب بھلا میاں جی کہیں اپنی دلیل سے چوکتے ہیں، ضرور کہیں گے کہ ان کا خدائے موہوم چاہے تو بیاہ کرے، بچے جنائے، مگر عیب ولوث سے بچنے کو فرد رہتا ہے، جب تو صفت مدح ٹھہری ورنہ سرے سے قدرت ہی نہ ہو تو خوبی ہی کیا ہے، یحیٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کو فرمایا گیا: "سَیِّدًا وَّ حَصُوْرًا" [4] سردار اور عورتوں سے پرہیز رکھنے والا، احیز نامرد کی کون تعریف کرے گا کہ عورتوں سے بچتا ہے۔"

تازیانہ ۷: قال المولٰی سبحانه وتعالٰی: "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا" [5] تیرا رب بھولنے والا نہیں،

اقول: اب دہلوی ملا اپنی ہذیانی دلیل کو آیہ کریمہ میں جاری کر دیکھئے، "رب تعالٰی ذکرہ، نے عدم نسیان سے اپنی مدح فرمائی او رصفت کمال و قابل مدح یہی ہے کہ باوجود امکان نسیان عیب ولوث سے بچنے کو اپنے علوم حاضر رکھے، پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ یہ بات نہیں بھولتا حالانکہ عدم نسیان قطعاً اسے بھی حاصل، یونہی اگر ایک شخص بالقصد کسی مسئلہ کو بھلا دینا چاہتا ہے اور عمداً اپنے دل کو اس کی یاد سے پھیرتا ہے، مگر جب بھولنے پر آتا ہے کوئی یاد لاتا ہے یوں بھلانے پر قدرت نہیں پاتا عقلاً ایسے شخص کو بھی عدم نسیان سے مدح نہ کریں گے تولاجرم

---

[1] المفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) آیہ نضع الموازین القسط یوم القیٰمة المطبعة البهیة المصریة مصر ۲۲/۱۷۷

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۱۱

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۳

[4] القرآن الکریم ۳/ ۳۹

[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۴

واجب کہ باری سبحانہ کا نسیان ممکن ہو اور وہ اپنے علوم بھلا دینے پر قادر "**تعالٰی اللہ عن ذٰلك علوا کبیرا** (اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے۔ت)

تازیانہ ۸: آیہ کریمہ "**لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی**" [1] میرا رب نہ بہکے نہ بھولے، **اقول:** موسٰی کلیم علی سیدہ وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے عدم ضلال سے اپنے رب کی ثنا کی "اگر دہلوی میانجی کی دلیل سچی ہو تو لازم کہ باری عزوجل کا بہکنا ممکن ہو کہ مدح اسی میں ہے کہ باوصف امکان عیب ولوث سے بچنے کو ضلال میں نہ پڑے، اگر ضلالت پر قدرت ہی نہ پائی تو مجبوری کی بات میں تعریف کا ہے کی، پتھر کو کوئی نہ کہے گا کہ یہ راہ نہیں بھولتا یا جب پھینکتے ہیں تو سیدھا زمین ہی پر آتا ہے، کبھی بہک کر آسمان کو نہیں چلا جاتا، اسی طرح جب کوئی شخص بہکنے کو ہو تو راہ بتادی جائے، یوں بہکنے نہ پائے، اس میں بھی کوئی تعریف نہیں" یہ چار تازیانے نقض کے لئے بس ہیں، اور جو شخص طرز تصویر سمجھ گیا اس پر راہ اور نقوض کثیرہ کا استخراج عــــہ آسان۔

مگر انصاف یہ ہے کہ جو گستاخ دہن دریدہ حیا پریدہ اپنے رب کے لئے دنیا بھر کے عیب وآلائش روا کر چکا، اس سے ان استحالوں کا ذکر بے حاصل کہ وہ سہو وضلالت وجماع وولادت سب کچھ گوارا کرلے گا۔

تیر بر جاہ انبیا انداز | طعن در حضرت الٰہی کن
بے ادب زی وآنچہ دانی گوئے | بیحیا باش وہرچہ خواہی کن

(انبیاء علیہم السلام کے رتبہ پر تیر برسا، بارگاہ الٰہی میں طعن کر، بے ادب ہو جا پھر جو چاہے کہہ بیحیا ہو جا پھر جو چاہے کر۔ت)

تازیانہ ۹: اقول: ع

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگوئے

(اس کے تمام عیوب بیان کئے اب اسکے ہنر بھی بیان کر۔ت)

عــــہ: مثلاً قال اللہ تعالٰی: "**وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ**" [2] اللہ غافل نہیں تمہارے کاموں سے، تو ملاجی کے مسلک پر لازم کہ اس کی غفلت ممکن ہو، وقال اللہ تعالٰی:

"**اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ**" [3] الایۃ۔	کیا انھوں نے نہ دیکھا کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے اور نہ تھکا ان کے بنانے سے،

اب ملّاجیل کہیں گے کہ خدا کا تھکنا بھی ممکن، وعلی ھذا القیاس ۱۲ منہ۔

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۵۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۸۵ و ۱۴۰ و ۱۴۹ و ۳/ ۹۹

[3] القرآن الکریم ۴۶/ ۳۳

جامعیت اوصاف عجب چیز ہے، اور مجموعہ کا فضل آحاد پر ظاہر، دہلوی ملا کو بھی اللہ عزوجل نے جامعیت اصناف بدعت عطا فرمائی تھی، دنیا بھر میں کم کوئی طائفہ ارباب ضلالت نکلے گا جس سے ان حضرت نے کچھ تعلیم نہ لی ہو، پھر ایجاد بندہ اس پر علاوہ، تو اس نئے فتنہ کو چاہے عطر فتنہ کہئے یا ضلالت کی گھانیوں کا عطر مجموعہ، اب یہ نفیس دلیل جو حضرت نے امکان کذب باری عزوجل پر قائم کی، حاشا ان کی اپنی تراشی نہیں کہ وہ دین میں نئی بات نکالنے کو بہت برا جانتے تھے بلکہ اپنے اساتذہ کاملہ حضرات معتزلہ خذلہم اللہ تعالٰی سے سیکھ کر لکھی ہے، ان خبیثوں نے بعینہٖ حرف بحرف اس دلیل سے مولٰی تعالٰی کا امکان ظلم نکالا تھا اور جو نقص فقیر نے ان حضرت پر کئے بعینہٖ ایسے ہی نقصوں سے ائمہ اہل سنت نے ان باپاکوں کا رد فرمایا، امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں زیر قولہ عزوجل **ان اللہ لایظلم مثقال ذرۃ** فرماتے ہیں:

قالت المعتزلہ الاٰیۃ تدل علی انہ قادر علی الظلم لانہ تمدح بترکہ ومن تمدح بترك فعل قبیح لم یصح منہ ذٰلك التمدح الااذاکان ھو قادرًا علیہ الاتری ان الزمن لایصح منہ ان یتمدح بانہ لایذھب فی اللیالی الی السرقۃ والجواب انہ تعالٰی تمدح بانہ لاتاخذہ سنۃ ولانوم ولم یلزم ان یصح ذلك علیہ وتمدح بانہ لاتدرکہ الابصار ولم یدل ذٰلك عند المعتزلۃ عـــہ علی انہ یصح ان تدرکہ الابصار[1]۔	یعنی معتزلہ نے کہا آیت مذکورہ دلالت فرماتی ہے کہ اللہ تعالٰی ظلم پر قادر ہے، اس لئے کہ رب عزوجل نے اس میں ترک ظلم سے اپنی مدح فرمائی ور کسی فعل قبیح کے ترک پر مدح جب ہی صحیح ہوگی کہ اسے اس کے کرنے پر قدرت ہو آخر نہ دیکھا کہ لنجھا اپنی تعریف نہیں کرسکتا کہ میں راتوں کو چوری کے لئے نہیں جاتا، اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی مدح میں فرمایا کہ اسے نیند آئے نہ غنودگی، حالانکہ معتزلہ کے ہاں بھی اللہ تعالٰی کے لئے یہ ممکن نہیں۔ اور اپنی مدح میں یہ بھی فرمایا کہ ابصار اس کا احاطہ نہ کرسکیں، حالانکہ یہ بھی ان کے ہاں ممکن نہیں (ت)

مسلمان دیکھیں کہ معتزلہ ذلیل کی یہ بیہودہ دلیل بعینہٖ وہی ہذیان ملائے ضلیل ہے یا نہیں۔ فرق یہ ہے کہ انھوں نے اس قدیم العدل پر تہمت ظلم رکھی، انھوں نے اس واجب الصدق پر افترائے کذب اٹھایا،

عـــہ: **اقول:** بل وعندنا ایضاً اذاکان الادراك بمعنی الاحاطۃ ۱۲منہ	میں کہتا ہوں بلکہ ہمارے نزدیک بھی جب ادارک بمعنی احاطہ ہو ۱۲ منہ (ت)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر کبیر) آیۃ ان اللہ لایظلم مثقال ذرۃ الخ المطبعۃ البھیۃ المصریہ مصر ۱۰۲/۵

انھوں نے بر تقدیر تنزہ اپنے رب کو لنجھے سے تشبیہ دی انھوں نے گونگے اور پتھر سے ملادیا، وفی ذلك **اقول:** (اسی میں میں نے کہا۔ت)؎

هم اٰمنوا ظلما ملیکهم　　　ذا قائل کذابا کذب ^عہ^ الهه

لاغر وفیه اذا القلوب تشابهت　　　فالشبه نزاع الی اشباهه [1]

(وہ ظالم اپنے مالک کے بارے میں ظلم پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ اپنے الہ کو کذاب کہتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے دل ایک جیسے ہیں اور وجہ شبہ اپنے مشابہات کی طرف کھینچنے والا ہوتا ہے۔ت)

اب ائمہ اہل سنت کا جواب سنئے، امام ممدوح فرماتے ہیں اس دلیل سے جواب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی تعریف فرمائی کہ اسے غنودگی وخواب نہیں آتی اس سے یہ لازم نہ آیا کہ **معاذاللہ** یہ چیزیں اس کے لئے ممکن بھی ہوں اور اس نے اپنی تعریف فرمائی کہ نگاہیں اسے نہیں پاتیں اس سے معتزلہ کے نزدیک اس پر نظر پہنچنے کا امکان نہ نکلا **انتہی** کیوں ہم نہ کہتے تھے ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(تمام جواصاف رکھتے ہیں تو تنہا ان سے جامع ہے۔ت)

تازیانہ ۱۰: هو الحل اقول وباللّٰه التوفیق

صفات مدائح کے درجات متفاوت ہیں بعض مدائح اولٰی ہوتے ہیں یعنی اعلی درجہ کمال، اور بعض تنزلی یعنی فائت الکمال کے مبلغ کمال، پھر یہ اسی کے حق میں مدح ہوں گے جو مدائح اولی نہیں رکھتا، صاحب کمال تام کا اس پر قیاس جہل و وسواس، مثلا عبادت وتذلل وخشوع وخضوع وانکسار وتواضع انسان کے مدائح جلیلہ سے ہیں اور باری جل شانہ پر محال، کہ ان کا مدح ہونا فوت کمال حقیقی یعنی معبودیت پر مبنی تھا، معبود عالم عزجلالہ کے حق عیب ومنقصت ہیں بلکہ اس کے لئے مدح تعالٰی وتکبر ہے جل وعلا سبحانہ وتعالٰی، یوہیں ترک نقائص ومعائب میں مخلوق کی مدح بالقصد باز رہنے پر مبتنی ہونا بھی اسکے نقصان ذاتی پر مبنی کہ وہ اپنی ذات میں سبوح وقدوس وواجب الکمال ومستحیل النقصان نہیں بلکہ جائز العیوب والقبوح ہے اور بنظر نفس ذات کے عیوب و نقائص سے

عـــہ: قدمر ان القول بالامکان قول بالوقوع بل بالوجوب ۱۲منه	گزر چکا ہے کہ امکان کذب کا قول کذب کے وقوع بلکہ اس کے وجوب کو مستلزم ہے ۱۲منہ (ت)

[1] الدیوان العربی الموسوم بساتین فی الرد علی القائل بامکان کذب اللہ تعالٰی دار الاشاعت لاہور، مجمع بحوث الامام احمد رضا کراچی ص ۲۰۴

منافات نہیں رکھتا تو غایت مدح اس کے لئے یہ ہے کہ جہاں تک بنے اس ممکن سے بچے اور تلوث سے بھاگے، ولہذا جہاں بوجہ فقدان اسباب وآلات بعض معائب وفواحش کی استطاعت نہ رہے وہاں مدح بھی نہ ہوگی جیسے نامرد لنجھے اپاہج گونگے کا زنا کرنا، چوری کو نہ جانا، جھوٹ بولنا کہ مناط مدح کے دور بھاگنا اور ت اپنے نفس کا باز رکھتا تھا یہاں مفقود، اور جب امکان ہے تو کیا معلوم کہ عصمت بی بی از بیچاری نہیں شاید اسباب سالم ہوتے تو مرتکب ہوتا، سفیہ جاہل نے اپنے رب جل وعلا کو بھی انھیں گونگوں لنجھوں بلکہ اینٹوں پتھروں پر قیاس کیا اور جب تک عیب ونقصان سے متصف نہ ہوسکے عدم عیب کو مدح نہ سمجھا حالانکہ یہ مدح اول وکمال حقیقی تھا کہ وہ اپنے نفس ذات میں متعالی وقدوس وسبوح وواجب الکمالات ومستحیل القبوح ہے تعالٰی وتقدس تو یہاں عیب ممکن سے باز رہنے اور بطور ترفع بالقصد بچنے کی صورت ہی متصور نہیں، نہ حاش للہ یہ اس کے حق میں مدح بلکہ کمال مذمت وقدح ہے، **واللہ العزۃ جمیعا** (تمام عزت اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ت) **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

تنبیہ نفیس: ایھا المسلمون! ایک عام فہم بات عرض کروں، سفیہ جاہل کا سارا مبلغ یہ ہے کہ کذب پر قدرت پاکر ہی اس سے بچنا صفت کمال ہے نہ کہ کذب ممکن ہی نہ ہوا، **اقول:** جب کذب ممکن ہوا تو صدق ضروری نہ رہا، اور جو ضروری نہیں وہ ممکن الزوال، تو حاصل یہ ہوا کہ کمال وہی ہے جسے زوال ہوسکے اور جو ایسا کمال ہو، جس کا زوال محال تو کمال ہی کیا ہے، سبحان اللہ! یہ بھی ایک ہی ہوئی، او احمق! کمال حقیقی وہی ہے جس کا زوال امکان ہی نہ رکھے، ہر کمال قابل زوال عارضی کمال ہے نہ ذاتی کمال، مسلمانو! للہ انصاف! باری عزوجل کا مصدق یوں ماننا کہ ہے تو سچا مگر جھوٹا بھی ہوسکتا ہے، یہ کمال ہوا یا یوں کہ وہ سبوح قدوس تبارک وتعالٰی ایسا سچا ہے جس کا جھوٹا ہونا قطعاً محال، اہل اسلام ان دونوں باتوں کو میزان ایمان میں تول کر دیکھیں کہ کون گستاخ بے ادب اپنے رب کی تنزیہہ کو بدعت وضلالت جاننے والا بحیلہ مدح اس کی مذمت وتنقیص پر اترتا ہے اور کون سچا مسلمان صحیح الایمان اپنے مولٰی کی تقدیس کو اصل دین ماننے والا اس کے صدق ونزاہت وجملہ کمالات کو علی وجہ الکمال ثابت کرتا ہے **والحمد للہ رب العالمین وقیل بعدا للقوم الظلمین۔**

للہ الحمد اس عشرہ کاملہ نے ہذیان ناپاک گستاخ بیباک کی دھجیاں اڑادیں مگر ہنوز ان کی نزاکتوں کو تو بس نہیں ع

صدہا سال می تواں سخن از زلف یار گفت

(زلف محبوب کے بارے میں سوسال بھی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ت)

ابھی حضرت کی اس چار سطری چار دیواری میں شواہد وزوائد وغیرہا مفاسد سے بہت ابکار افکار ستم کیش عیار، آہوان مردم شکار کی چھلبل نظر آتی ہے، جنھیں بے خدمت کامل تسکین بالغ ناشاد نامراد، سسکتا بلکتا چھوڑ جانا خلاف مروت وفتوت ذاتی ہے، لہٰذا اپنے سمند رَہوار، غضنفر خونخوار، صاعقہ برق بار کی دوبارہ عنان لیتا اور خامہ پختہ کار، شہزور شہسوار، شیر گیر ضیغم شکار کو از سر نو رخصت جولان دیتا ہوں **وباللہ التوفیق۔**

تازیانہ ۱۱: قولہ عدم کذب راز کمالات حضرت حق سبحانہ، می شمارند[1] (عدم کذب کو اللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی کے کمالات سے شمار کرتے ہیں۔ت)

اقول: اس ہوشیار عیار کی چالاکی دیدنی، صدق کو چھوڑا، عدم کذب پر مباحثہ چھیڑا تاکہ جماد وغیرہ کی نظریں جماسکے، ظاہر ہے کہ پتھر کو سچا نہیں کہہ سکتے مگر یہ بھی ٹھیک ہے کہ جھوٹا نہیں حالانکہ قلب حاضر اور عقل ناظر ہو تو فقیر ایک نکتہ بدیعہ القاء کرے سلب کیس شی کا بنفسہ ہر گز صفت کمال نہیں ورنہ لازم آئے کہ معدومات کروڑوں اوصاف کمال سے موصوف اور اعلٰی درجہ مدح کے مستحق بلکہ باری تعالٰی کی تنزیہ وتقدیس میں اس کے شریک ہوں کہ بحالت عدم موضوع سب سالبے سچ ہیں جو سرے سے موجود ہی نہیں، وہ جسم بھی نہیں، جہت میں بھی نہیں، زمان میں بھی نہیں، مکان میں بھی نہیں۔ مصور بھی نہیں۔ محدود بھی نہیں۔ مرکب بھی نہیں، متجزی بھی نہیں، حادث بھی نہیں، متناہی بھی نہیں۔ کاذب بھی نہیں۔ ظالم بھی نہیں، مخلوق بھی نہیں، فانی بھی نہیں، ذی زوجہ بھی نہیں، ذی ولد بھی نہیں، اسے خواب بھی نہیں، اونگھ بھی نہیں، بلکنا بھی نہیں، بھول بھی نہیں۔ بیس یہ اور ان جیسے صدہا، اور سب صادق ہیں، مگر کوئی مجنون معرض مدح وبیان کمال میں آتا ہے جب کسی صفت کمال کے ثبوت پر مبنی اور صفت مدح سے منبئی ہو، ولہذا قضایائے مذکورہ باری عزوجل کے مدائح سے ہیں کہ ان چیزوں کا سلب اعظم صفات کمال یعنی وجوب کے ثبوت سے ناشی اور ان کے بیان سے اس کا سبوح وغنی وقدوس ومتعالی ہونا ظاہر، باری عزوجل کو کہنا کہ متجزی نہیں، بیشک مدح ہے کہ اس سے اس کا غنا سمجھا گیا اور نکتہ کو کہنے میں کچھ تعریف نہیں کہ اس کے لئے خوبی نہ نکلی کہ وہاں غنادر کنار متجزی محتاج کے محتاج المحتاج کی محتاجی ہے وعلی ہذا القیاس، جب یہ امر ممہد ہولیا تو ظاہر ہوگیا کہ حقیقۃً صدق صفت کمال ہے نہ مجرد عدم کذب جو معدومات بلکہ محالات کے بارے میں بھی صادق البتہ سلب کذب وہاں مفید مدح جہاں اس کا سلب ثبوت صدق کو مستلزم مثلاً زید عاقل ناطق کی تعریف کیجئے کہ جھوٹا نہیں۔ بیشک تعریف ہوئی کہ جھوٹا نہیں تو آپ ہی سچا ہوگا اور سچا ہونا صفت کمال، تو اس سلب نے ایک صفت کمال کا ثبوت بتایا، لہٰذا محل مدح میں آیا، جہاں ایسا نہ ہو وہاں زنہار مفید مدح مظہر کمال، یہ نکتہ بدیعہ ملحوظ رکھئے، پھر دیکھئے کہ عیار بہادر کی دی ہوئی نظیریں کیا کیا کئے کو پہنچتی ہیں۔ **واللہ الموفق۔**

---

[1] رسالہ یکروزی (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

تازیانہ ۱۲و۱۳: قولہ اخرس وجماد کہ کسے ایشاں رابعدم کذب مدح نمی کند[1] (گونگے اور جماد کی مدد عدم کذب سے کوئی نہیں کرتا۔ت)

اقول: دونوں نظیروں پر پتھر پڑے ہیں، گنگ وسنگ کی کیوں مدح کریں کہ وہاں سلب کذب ثبوت صدق سے ناشی نہیں، گونگہ یا پتھر اگر جھوٹا اگر جھوٹا نہ ہوا تو کیا خوبی کہ سچا بھی نہیں، تو وہ استلزام صفت کمال جو مبنائے مدح تھا یا منتفی، سر یہ ہے کہ منفصلہ حقیقیہ کے مقدم وتالی میں جب دو صفت مدح وذم محمول ہوں تو جس فرد موضوع سے ذمیہ کو سلب کیجئے مدحیہ ثابت ہوگی کہ یہاں ہر ایک کا رفع دوسری کے وضع کو منتج مخلاف ان چیزوں کے جو زیر موضوع مندرج ہی نہیں، کہ ان سے دونوں محمول کا ارتفاع معقول، پھر سلب ذم ثبوت مدح پر کیونکر محمول، یہاں قضیہ **کل متکلم مخبر اما صادق واما کاذب** (ہر متکلم خبر دینے والا یا وہ صادق ہوگا یا کاذب۔ت) تھا اخرس وجماد پر سرے سے وصف عنوانی ہی صادق نہیں، پھر عدم کذب ان کے لئے کیا باعث مدح ہو، دیکھ او ذی ہوش! یہ فارق ہے نہ وہ کہ جب تک عیب **ممکن** نہ ہو کمال حاصل ہی نہیں **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

تکمیل جمیل: اقول: او جھوٹی نظیروں سے بیچارے عوام کو چھلنے والے! اس تفرقہ کی سچی نظیر دیکھ مسلمان کو اہل بدعت کے بہتر فرقے پورا آگنا کر کہئے رافضی، وہابی، خارجی، معتزلی، جبری، قادری، ناصبی وغیرہ نہیں تو بیشک اس کی بڑی تعریف ہوئی، اور بعینہٖ یہی کلمات کسی کافر کے حق میں کہئے تو کچھ تعریف نہیں حالانکہ یہ سالبہ قضیے دونوں جگہ قطعاً صادق، تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان باوجود قدرت رافضی وہابی ہونے سے بچا لہٰذا محمود ہوا اور دونوں اس کافر کو رافضی وہابی ہونے پر قدرت ہی نہ تھی لہٰذا مدح نہ ٹھہرا، کوئی جاہل سے جاہل یہ فرق سمجھے گا بلکہ تفرقہ وہی ہے کہ جب یہ فرقے اہل قبلہ کے ہیں تو مسلمان کے حق میں ان بہتر کی نفی سنی ہونے کا اثبات کرے گی لہٰذا اعظم مدائح سے ہوا اور کافر سرے سے مقسم یعنی کلمہ گو ہی سے خارج، تو ان کی نفی سے کیس وصف محمود کا اس کے لئے اثبات نہ نکلا، ولہٰذا مفید مدح نہ ٹھہرا، **والحمد للہ علیٰ اتمام الحجۃ ووضوح المحجۃ** (اتمام حجت اور غلبہ پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔ت)

تازیانہ ۱۴: قولہ بخلاف کسے کہ لسان اوماؤف شدہ باشد تکلم بکلام کاذب نمی تواند کرد[2] (بخلاف اس کے جس کی زبان ہی ماؤف ہو اور وہ جھوٹا کلام کر ہی نہ سکے، ت) **اقول** اچھا ہوتا کہ تم بھی اسی کس کے مثل ہوتے کہ ایسے کاذب کلاموں کے بس تو نہ بوتے، اے عقلمند! وہ ماؤف اللسان تکلم، بکلام صادق بھی نہ کرسکے تو عدم مدح کی وہی وجہ کہ سلب کذب سے ثبوت صدق نہیں۔

تازیانہ ۱۵: قولہ یا قوت متفکرہ او فاسد شدہ باشد کہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع نمی تواند کرد[3] (یا اس کی سوچ وفکر کی قوت فاسد ہو کر قضیہ غیر مطابق للواقع کا انعقاد نہ کرسکے۔ت) **اقول:** تم سے بڑھ کر

---

[1] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷و۱۸

[2] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷و۱۸

[3] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷و۱۸

فاسد المتفکر کون ہوگا، پھر کتنے قضایائے باطلہ عقد کررہے ہو، بھلا حضرت کیا فساد متفکرہ صرف قضایائے کاذبہ ہی کے لئے ہوگا اور جب مطلقًا ہے تو عقد قضیہ پر بھی قدرت نہ ہوگی تو صراحۃً وہی فارق اور وہم زاہق، ہاں جس تام العقل سالم النطق کو لطف الٰہی صدق محض کی استطاعت دے کہ وجہ مانع غیبی اصدار کذب سے ممنوع ومصروف ہو تو یہ عدم کذب بیشک مدح عظیم ہوگا اسی وجہ سے کہ اب ثبوت صادقیت کبرٰی سے مبنی اور کمال جلیل یعنی عصمت من اللہ پر مبنی خلاصہ یہ کہ شخص مذکور اس طور پر زیر موضوع مندرج اور بطور فساد تفکر خارج، **فظهر التفرقة وذهب الوسوسة** (فرق ظاہر اور وسوسہ ختم ہوا۔ت)

تازیانہ ۱۶تا۱۹: قولہ یا شخصے کہ کلام صادق از وصادر می گردد وہر گاہ ارادہ کلام کاذب نماید آواز او بند میگردد یا زبان اوماؤف میشود یا کسے دین او بند یا حقوق خفہ کند[1] (یا ایسا شخص ہے جو کسی جگہ سچا کلام کرتا ہے وہ اس سے صادر ہوتا ہے اور جب جھوٹا کلام کرتا ہے توآواز بند ہوجاتی ہے یا زبان ماؤف ہوجاتی ہے یا کوئی اس کا منہ بند کردیتا ہے یا گلا دبادیتا ہے۔ت)

اقول: ایسا تو کیا کہوں جو آپ کی طبع نازک کو بلکل خفہ کند، ہاں اتنا کہوں گا کہ اب کی تو اچھل کر تارے ہی توڑ لائے، یہ چار نظیریں وہ بے نظیر دی ہیں کہ باید وشاید، او عقل کی پڑیا! جب وہ عزم تکلم بکذب کرچکا تو کلام نفسی میں کاذب ہوچکا اگرچہ بوجہ مانع صادر نہ ہوسکا ت واس کے عدم سے حکم کذب کیونکر درکار، کذب حقیقۃً صفت معانی ہے نہ وصف الفاظ پھر اسکی مدح کیا معنی قطعاً مذموم ہوگا بھلا لے دے کر اگلی نظیروں میں عدم کذب کی صورت تو تھی یہاں اللہ کی عنایت سے وہ بھی نہ رہی صریح کذب متحقق وموجود اور عدم کذب کی نظیروں میں معدود، جبھی تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی جب گمراہ کرتا ہے عقل پہلے لے لیتا ہے **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔

تازیانہ ۲۰: قولہ یا کسے کہ چند قضایائے صادقہ یاد گرفتہ واصلاً بر ترکیب قضایائے دیگر قدرت ندارد بناء علیہ تکلم بکاذب از وصادر نہ گردد[2] (یا کسی نے چند سچے جملے رٹ لئے ہیں دیگر جملوں پر وہ قدرت نہیں رکھتا ہے اس بناء پر اس سے جھوٹ صادر نہیں ہوتا ہے۔ت)

اقول یہ صورت بھی ویسا ہی فساد عقل کی ہے جس سے فقط حفظ صوادق کا شعبہ بڑھایا، مگر کام نہ آیا قطع نظر اس سے کہ یہ تصویر کیسی اور ایسے شخص سے حفظ قضایا معقول بھی ہے یا نہیں۔

اولا: انسان مرتبہ عقل بالملکہ میں بالبداہۃ ترکیب قضایا پر قادر، تو سرے سے تصویر ہی باطل، اور عقل ہیولانی میں کہ تعقل انطباعی نہیں ہوتا، اگر تعقل نسبت خبریہ معقول بھی ہو تاہم حکایت وقصد افادۃ قطعاً غیر معقول اور صدق کذب باعتبار حکایت ہی میں، نہ باعتبار مجرد علم، ورنہ **معاذاللہ** علم کواذب کاذب ٹھہرے، تو یہاں بھی سلب کذب سے ثبوت لازم نہ ہوا اور وہی فارق پیش آیا۔

[1] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

[2] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

ثانیا جو اصلا کسی قضیہ کا حتی کہ قضایائے وہمیہ واحکام شخصیہ بدیہیہ حسیّہ پر بھی قادر نہ ہو قطعاً مجانین بلکہ حیوانات سے بھی بدتر اور جماد سے ملحق تو اس کا کلام کام نہ ہوگا، صورت بے صورت ہوگا اور صدق وکذب اولا بالذات صفت معانی ہے، نہ وصف عبارات، تو بات اگرچہ بایں معنی سچی ہو کہ سامع اس سے ادراک معنی مطلق للواقع کرے مگر اس سے اس جمادی آواز کرنے والے کا صدق لازم نہیں کہ معنی متصف بالصدق اس کے نفس سے قائم نہیں حتی کہ علماء نے کلام مجنون کو بھی خبریت سے خارج کیا، اور پر ظاہر کہ صدق وکذب اوصاف خبر ہیں، نہ شامل مطلق آواز، مولانا بحر العلوم قدس سرہ فواتح میں فرماتے ہیں:

الکلام الصادر عن المجنون لایکون مقصودا بالافادۃ فلایکون حکایۃ عن امر حتی یکون خبر[1]۔	پاگل سے صادر ہونے والا کلام مقصود کے لئے مفید نہیں ہوتا لہٰذا کسی امر (واقع) سے حکایت ہی نہیں حتی کہ اسے خبر قرار دیا جائے۔ (ت)

تنبیہ دائر وسائر بہ تسفیہ جلہ نظائر: اقول: ایھا المسلمون! سفیہ جاہل نے حتی الامکان اپنے رب میں راہ کذب نکالنے کو نو نظیریں دیں، مگر بحمد اللہ سب نے معنًی ہم نے اس وقت تک ان کے رد میں اس مر پر بنائے کار رکھی کہ عدم کذب بنفسہ کمال نہیں۔ جب تک ثبوت کمال پر مبنی نہ ہو، اور یہاں ایسا نہیں اس کی سزا کو اسی قدر بس تھا۔ مگر غور کروکیجئے تو معاملہ اور بھی بالکل معکوس اور عقل مستشھد کا کاسہ منکوس اور تمام نظائر روبہ قفا ہیں یعنی یہاں عدم قدرت علی الکذب کا بربنائے کمال ہونا بالائے طاق الٹا بربنائے عیوب ونقائص ہے، کہیں عدم عقل کہیں عجز آلات، کہیں لحوق مغلوبی کہیں عروض آفات، پھر ایسا عدم کذب اگر ہوگا تو مورث ذم ہوگا نہ باعث مدح، یہ وجہ ہے کہ ان صور میں سلب کذب سے تعریف نہیں کرتے نہ وہ جاہلانہ وسفیہانہ خیال کہ عیب پر قدرت نہ ہونا مانع کمال، اب ختم الٰہی کا ثمرہ کہ سفیہ جاہل کہ خدا وجماد میں فرق نہ سوجھا، اس کا عدم کذب اس کے کمال عالی یعنی سبوحیت وقدوسیت بلکہ نفس الوہیت سے ناشی کہ الوہیت اپنی حد ذات میں ہر کمال کی مقتضی اور ہر نقص کی منافی اور ان کا کذب عیوب ونقائص پر مبنی پھر کیسی پرلے سرے کی کوری یا سینہ زوری کہ عین کمال کو کمال نقص پر قیاس کرے اور اینٹوں پتھروں کے عیوب ونقائص باری جل مجدہ کے ذمے دھرے، جاہل پر ایسی نظیر دینی لازم تھی جس میں عدم کذب باآنکہ کمال سے ناشی ہوتا پھر بھی بحالت عدم امکان مدح نہ سمجھا جاتا "**وانی لہ ذلک**" اب جو اس کا حامی بنے سب کو دعوت عام دیجئے کہ ایسی نظیر ڈھونڈ کرلاؤ، "**فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا**"[2] **الایۃ** (پھر اگر نہ کرسکو گے اور ہرگز نہ کرسکو گے۔ ت)

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی الاصل الثانی السنۃ مشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۰۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۴

تنبیہ دوم: اقول: اس سے زائد قہر یہ ہے کہ اپنا لکھا خود نہیں سمجھتا، نظیریں دے کر بالجملہ کہہ کر آپ ہی خلاصہ مطلب یہ نکلتا ہے کہ عدم کذب اگر بربنائے عجز ہو تو مورث مدح نہیں، معلوم ہوا کہ ان نظائر میں تحقیق عجز وقصور پر مطلع ہے، پھر باری عزوجل کے عدم کذب کو ان سے ملاتا ہے حالانکہ وہاں عیب ومنقصت پر عدم قدرت زنہار عجز نہیں بلکہ عین کمال و مدحت، اور **معاذاللہ** داخل قدرت ماننا ہی صریح نقص ومذمت، یہ تقریر کافی ووافی طور پر مقدمہ رسالہ ونیز رد ثالث، ہذیان اول میں گزری اور وہیں یہ بھی بیان ہوا کہ عجز جب ہے کہ جانب فاعل قصور وکمی ہو جیسے اے سفیہ! ان تیری نظیروں کہ گنگ وسنگ اپنے نقصان کے باعث جھوٹ سچ کچھ نہیں بول سکتے، نہ یہ کہ جانب قابل نالائق ہو کہ تعلق قدرت کی قابلیت نہیں رکھتا، جس طرح جناب باری عزوجل کا کذب وغیرہ تمام عیوب سے منزہ ہونا اسے ہرگز کوئی مسلم عاقل عجز گمان نہ کرے گا، یارب مگر ابن حزم سا کوئی ضال اجہل یا ان حضرت سا جاہل اضل، **وباللہ العصمۃ عن موقع الزلل والحمد اللہ الاعز الاجل** (پھسلنے کے مواقع سے اللہ ہی کی طرف سے حفاظت ہوتی ہے اور تمام حمد اللہ غالب وبزرگ تر کے لئے ہے۔ت)

بحمداللہ یہ صرف نظار پر تازیانوں کا دوسرا عشرہ کاملہ تھا، بلکہ خیال کیجئے تو یہاں تک اسی مسئلہ کے متعلق سفاہات شریفہ پر سات تازیانے اور گزرے، تازیانہ ۱ اول دوسرا، **ثم اقول:** (میں پھر کہتا ہوں۔ت) جس نے حضرت کا تناقص بتایا، اور ۲ دوم ۳ سوم و ۴ دہم کے بعد کی تنبیہات اور ۵ بستم کا ثانیا اور اس کے بعد کی دو ۶ تنبیہیں، یہ ساتوں جداگانہ تازیانے تھے، توحقیقۃً عشرہ اولیٰ میں چودہ ۱۴ اور ثانیا میں تیرہ ۱۳ کل ستائیس ۲۷ تازیانے یہاں تک ہوئے چلتے وقت کے تین ۳ اور لیتے جائیے کہ تیس ۳۰ کا عدد جو دونوں تنزیہ سبق میں بھی ملحوظ رہا ہے پورا ہوجائے، خصوصاً ان میں ایک تو ایسا شدید کامل جس سے جان بچانی مشکل جو آپ کا خلاصہ طلب کھولے اصل مذہب سرچڑھ کر بولے **وباللہ التوفیق واضافۃ التحقیق** (توفیق اور حصول تحقیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت)

تازیانہ ۲۸: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ت) شاطر عیار نے اگرچہ بظاہر اغوائے جہال کہ عوام اہل اسلام اپنے رب ذوالجلال والاکرام کے حق میں صریح دشنام سن کر بھڑک نہ جائیں، مطلب دل کے روئے زشت پر پردہ ڈالنے کو براہ تقیہ کہ روافض سے بڑھ کر اصل اصیل مذہب نجدیہ ہے، یہ کلمات بڑھادئے کہ "کذب مذکور آرے منافی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر ست [1]" (ہاں کذب مذکور اس کی حکمت کے منافی ہے لہذا یہ کذب ممتنع بالغیر ہے، ت) مگر اس کے ساتھ ہی جوم ذہب خفیہ جوش پر آیا اور نظیریں دینے کا شوق گرمایا تو کھلے بندوں علانیہ بتایا کہ کذب الٰہی میں اصلاً امتناع بالغیر کی بو بھی نہیں قطعاً جزماً جائز وقوعی ہے جس کے وقوع میں استحالہ عقلی وشرعی درکنار استبعاد عادی کا بھی

[1] رسالہ یک روزہ شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

نام ونشان نہیں۔ ثبوت لیجئے اگر اس کے مذہب میں کذب الٰہی ممکن بالذات و ممتنع بالغیر ہوتا تو نظیریں وہ دیتا جن میں ممتنع بالذات ہو کہ دیکھو جہاں امتناع ذاتی ہوتا ہے عدم کذب باعث مدح نہیں ہوتا اور باری عزوجل کے لئے مدح ہے تو اس کے حق میں امتناع ذاتی نہیں، مگر برخلاف اس کے مثالیں وہ دیں جن میں امتناع ذاتی کا پتہ نہیں، مثلاً جس کا منہ بند کرلیں یا گلا گھونٹ دیں اور اس وجہ سے وہ جھوٹ نہ بول سکے تو پر ظاہر کہ بولنے پر یقینا قادر، اگر بالفرض امتناع ہے تو اس عارض کی وجہ سے تو نہ ہوا مگر امتناع بالغیر امام نجدیہ اسے بھی مانع مدح جان کر باری عزوجل سے صراحۃً سلب کرتا ہے پھر کیوں منافقانہ کہا تھا، "ممتنع بالغیر ست" (کذب باری تعالیٰ ممتنع بالغیر ہے۔ت) صاف کہا ہوتا "اصلا از امتناع بالغیر ہم بہرہ ندارد" (امتناع بالغیر سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ت) اے حضرت! دور کیوں جائیے پہلی بسم اللہ اخرسی و جمادہی کی نظیر لیجئے بھلا اخرس تو انسان ہے، جماد کے لئے بھی کلام محال شرعی تک نہیں صرف محال عادی ہے کتب حدیث دیکھئے بطور خرق عادت ہزار بار پتھروں جمادوں سے کلام واقع ہوا اور ہزار ہا بار ہوگا قریب قیامت آدمی سے اس کا کوڑا باتیں کرے گا، جب اہل اسلام یہود عنود کو قتل کریں گے اور وہ پتھروں درختوں کی آڑلیں گے شجر و حجر مسلمان سے کہیں گے اے مسلمان آ یہ میرے پیچھے یہودی ہے، اسی طرح سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گونگے کا کلام کرنا احادیث میں وارد، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ"[1]	کافر اپنی کھالوں سے بولیں گے تم نے کیوں ہم پر گواہی دی، وہ بولیں گی ہمیں اس اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گواہی بخشی۔

اگر کلام جماد واخرس ممتنع بالغیر یا محال شرعی ہوتا زنہار وقوع کا نام نہ پاتا کہ ہر ممتنع بالغیر کا وقوع اس غیر یعنی ممتنع بالذات کے وقوع کو مستلزم، تو وقوع نے ظاہر کردیا کہ صرف خلاف عادت ہے جب وقوع کلام ثابت اور ان کے استحالہ کذب پر ہرگز کوئی دلیل عقلی نہ شرعی، تو یقینا اس کے لئے بھی جواز قوی جو امتناع بالغیر کا منافی قطعی، اب جیوٹ بہادر استدلال کرتا ہے کہ ایسا عدم کذب مفید مدح نہیں ہوتا، اور باری عزوجل میں مدح ہے، تولاجرم وہاں ایسا عدم بھی نہ ہوگا، اتنا تو اس کے کلام کا منطوق صریح ہے، آگے خود دیکھ لیجے کہ اخرس وجماد میں کیسا عدم تھا جس کو باری عزوجل میں نہیں مانتا، زنہار نہ امتناع عقلی تھا نہ استحالہ شرعی بلکہ صرف استبعاد عادی تو بالضرور ملائے بیباک اپنے رب میں کذب کو مستبعد بھی نہیں جانتا، العظمۃ للہ! اگر لازم قول قول ٹھہرنے تو اس سے بڑھ کر کفر جلی اور کیا ہے، مگر یہ حسن احتیاط اللہ عزوجل نے ہم اہلسنت ہی کو عطا فرمایا، اہل بدعت خصوصاً نجدیہ کہ

[1] القرآن الکریم ۲۱/۴۱

یہ شخص جن کا معلم وامام ہے کفر وشرک کو ٹکے سیر کئے ہوئے ہیں، بات پیچھے اور کفر شرک پہلے، اگر "جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا"[1] (اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے۔ت) کی ٹھہرے تو کیا ہم ان کے ایسے صریح کفریات پر بھی فتوٰی کفر نہ دیتے، مگرالحمد للہ یہاں "اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ"[2] (برائی کو بھلائی سے ٹال۔ت) پر عمل اور کلمہ طیبہ کا ادب پیش نظر ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنے والے کو حتی الامکان کفر سے بچاتے ہیں، والحمد للہ رب العالمین۔

تازیانہ ۲۹: اقول: مناجات حکمت کے سبب کذب کو زبانی ممتنع بالغیر کہنا اس سفیہ کا صریح تناقص سے شے ممتنع بالغیر جب ہو سکتی ہے کہ کسی محال بالذات کی طرف منجر ہو ورنہ لزوم ممکن کا ممکن کو ناممکن کرنا لازم آئے اور انتفائے حکمت اگرچہ اہل سنت کے نزدیک ممتنع بالذات مگر ان حضرات کے دین میں بالیقین ممکن کہ اخر سلب حکمت ایک عیب ہے ومنقصت ہے اور وہ تمام عیوب ونقائص کو ممکن مان چکا پھر کس منہ سے کہتا ہے کہ منافات حکمت باعث امتناع بالغیر ہوئی، الحمد للہ اہل بدعت کے بارے میں اس طرح سنت باری تعالٰی ہے کہ انھیں کے کلام سے انھیں کے کلام پر حجت والزام قائم فرماتا ہے ع

ومنها علی بطلانها لشواهد

(ان میں سے ان کے بطلان پر شواہد موجود ہیں۔ت)

سچ کہا ہے:

دروغ گو را حافظہ نباشد

(جھوٹے شخص کا حافظہ نہیں ہوتا۔ت)

تازیانہ ۳۰: اقول: سبحان اللہ! ہم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ امام الطائفہ نے امتناع بالغیر محض تقیۃً مانا حقیقۃً اس کا مذہب جواز وقوعی ہے، مگر غور کیجئے تو وہاں کچھ اور ہی گل کھلا ہے، امام وماموم، خادم ومخدوم سارا طائفہ ملوم کذب الٰہی کو واقع اور موجود گا رہا ہے، صراحۃً کہتے ہیں کہ کذب مقدور اور فر بلاشبہہ مقدوریت کذب مقدوریت صدق کو مستلزم، کما دللنا علیه فی الدلیل السادس والعشرین (جیسا کہ اس پر ہم نے چھبیسویں دلیل میں اشارہ کیا ہے۔ت) اور امام الطائفہ نے تو صاف بتا دیا کہ برعایت مصلحت صدق اختیار فرمایا، اب کتب عقائد ملاحظہ کیجئے، ہزار در ہزار قاہر تصریحیں

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۴

ملیں گے کہ جو کچھ باختیار صادر ہو قدیم نہیں تولاجرم صدق الٰہی حادث ٹھہرااور ہر حادث ازل میں معدوم اور ازل کیلئے نہایت نہیں تو بالیقین لازم کہ ازل غیر متناہی میں مولیٰ تعالٰی سچانہ رہا ہوا اور جب سچا نہ تھا تو معاذاللہ ضرور جھوٹا تھا **للانفصال الحقیقی بینھما** (کیونکہ ان دونوں کے درمیان انفصال حقیقی ہے۔ت) پھر ضلال پلشت کا چہرہ زشت چھپانے کو کیوں کہتے ہو کہ کذب الٰہی ممکن ہے، کیوں نہیں کہتے کہ خدائے موہوم طائفہ ملوم کروڑوں برس تک جھوٹا رہ چکاہے، پھر اب بھی اپنی پرانی آن پر آئے تو کیا ہے، **تعالٰی اللہ عما یقولون علوا کبیرا** (اللہ تعالٰی اس سے بہت بالا ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں۔ت)

تازیانہ ۳۱: میں نے بارہا قصد کیا کہ تازیانوں میں دس بیس تیس پر بس کروں مگر جب ان حضرت کی شوخیاں بھی مانیں وہاں تو

زفرق تابقدم ہر کجاکہ مے بنگرم　　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاایں جاست

(سر کی مانگ سے لے کر قدم تک ہر جگہ پر نظر ڈالو دامن دل ہر جگہ کے بارے میں کہے گا جگہ یہی ہے۔ت)

اسی رسالہ **یکروزی** میں عبارت مذکورہ سے دو سطر اوپر جو نظر کروں تو وہاں تو خوب ہی سانچے میں ڈھلے ہیں یہاں عروس مذہب کے جمال مطلب پر پردہ تقیہ تھا وہاں حضرت بے نقاب چلے ہیں، اعتراض تھا کہ اگر حضور سید علم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل یعنی تمام اوصاف کمالیہ میں حضور کا شریک **من حیث ھو شریك** ممکن ہو تو خبر الٰہی کا کذب لازم آئے کہ وہ فرماتا ہے:

"وَ لٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ"[1]۔	لیکن اللہ کے رسول اور انبیاء کے آخری ہیں۔ (ت)

اور وصف خاتمیت میں شرکت ناممکن، حضرت اس کا ایک جواب یوں دیتے ہیں:

بعد اختیار ممکن ست کہ ایشاں رافراموش گردانیدہ شود پس قول بامکان وجود مثل اصلا منتج بتکذیب نص از نصوص نگردد وسلب قرآن مجید بوصف انزال ممکن ست داخل تحت قدرت الٰہیہ، **کماقال اللہ تعالٰی** "وَ لَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِيۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ	اختیار کے بعد یہ ممکن ہے کہ اس آیہ کریمہ کی بھول ہو جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثل کے وجود کے امکان والی بات نصوص میں سے کسی نص کی تکذیب بالکل نہ ہو گی جبکہ نازل شدہ قرآن کا سلب ممکن ہے جو اللہ کی قدرت کے تحت داخل ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر ہم چاہیں تو آپ کی طرف کی ہوئی وحی کو اٹھالیں پھر آپ ہمارے

[1] القرآن الکریم ۳۳/۴۰

بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ "[1]	پاس کوئی وکالت کرنے والا نہ پاتے۔(ت)

حاصل یہ کہ امکان کذب ماننا تکذیب قرآن کو اسی صورت میں مستلزم کہ آیات قرآن محفوظ رہیں حالانکہ ممکن کہ اللہ تعالٰی قرآن ہی کو فنا کردے، پھر تکذیب کاہے کی لازم آئے۔

اقول: ایھا المؤمنون! دیکھو صاف صریح مان لیا کہ خدا کی بات واقع میں جھوٹی ہو جائے تو ہو جائے اس میں کچھ حرج نہیں، حرج تو اس میں ہے کہ بندے اسے جھوٹا جانیں، یہ اسی تقدیر پر ہوگا کہ آیات باقی رہیں جن کے ذریعہ سے ہم جان لیں گے کہ خدا کی فلانی بات جھوٹی ہوئی اور جب قرآن ہی محو ہو گیا پھر جھوٹی پڑی تو کسی کو جھوٹ کی خبر بھی نہ ہوگی تکذیب کون کرے گا، غرض سارا ڈر اس کا ہے کہ بندوں کے سامنے کہیں جھوٹا نہ پڑے واقع میں جھوٹا ہو جائے تو کیا پروا، **انا للہ وانا الیہ راجعون** (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت) اے سفیہ ملوم! یہ تیرا خدائے موہوم ہوگا جو بندوں کے طعنوں سے ڈر کر جھوٹ سے بچنے اور ان سے چرا چھپا بھلا بھلا کر خوب پیٹ بھر کر بولے ہمارا سچا خدا بالذات ہر عیب ومنقصت سے پاک ہے کہ کذب وغیرہ کسی میں نقصان کو اس کے سراپردہ عزت تک بار ممکن نہیں، اور جو افعال اس کے ہیں حاشا وہ ان میں کسی نہیں ڈرتا، "**يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ** ﴿۲۷﴾ "[2] (اللہ جو چاہے کرے۔ت) "**يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ** ﴿۱﴾ "[3] (حکم فرماتا ہے جو چاہے۔ت) اس کی شان ہے اور "**لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ** ﴿۲۳﴾ "[4] (اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔ ت) اس کے جلال عظیم کا بیان "**لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**"[5] "**سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ** ﴿۱۰۰﴾ "[6] (اور اس کے لئے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں پاکی اور برتری ہے اس کو ان کی باتوں سے۔ت)

تازیانہ ۳۲: رب جلیل کو خلق کا خوف ماننا حضرت کا قدیمی مسلک ہے تقویت الایمان میں بھی بحث شفاعت میں فرماگئے:

"آئین بادشاہت کا خیال کرکے بے سبب درگزر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کو

---

[1] رسالہ یکروزہ (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱

[4] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۳

[5] القرآن الکریم ۴۵/ ۳۷

[6] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۰

دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے[1]" العظمۃللہ! سفیہ جہول نے خدا کو بھی دارا و سکندر یا ہمایوں واکبر سمجھا ہے کہ اپنی مرضی پوری کرنے کو لوگوں کے لحاظ سے حیلے ڈھونڈتا ہے: الا "بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾"[2] (دور ہوں بے انصاف لوگ۔ت)

تازیانہ ۳۳: قولہ "سلب قرآن مجید بعد انزال ممکن ست"[3] (نزول قرآن مجید کا سلب ممکن ہے۔ت)

اقول: اے طرفہ معجون جملہ بدعات قرآن مجید اللہ عزوجل کی صفت قدیمہ ازلیہ ابدیہ ممتنع الزوال ہے، نہ اس کا وجود اللہ عزوعلا کے ارادہ واختیار وخلق ایجاد سے نہ اس کا سلب واعدام اللہ تعالٰی کی قدرت میں ورنہ اپنی ذات کریم کو بھی سلب کرسکے مقتضائے ذات بے انتفائے ذات منتفی نہیں ہوسکتا۔

تازیانہ ۳۴: قولہ کماقال اللہ تعالٰی (اس کا قول: جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے، ت)

اقول: کیا خوب، کہاں ذاہب کہاں مسلوب، مگر آپ کو تحریف معنوی مرغوب،

تنبیہ: ہیہات یہ گمان نہ کرنا کہ سلب سے مراد قلب سے زوال ہے، **اولاً** جس ضرورت سے اس طرف جائے وہ حضرت کے بالکل خلاف مذہب کہ یہ شخص صفات باری کو علانیہ مخلوق واختیاری مانتا ہے، جیسا کہ علم الٰہی وصدق ربانی کے بارے میں اس کی تصریحیں ہم نے نقل کیں، اور بیشک وہ چیزیں جو مخلوق ومقدور ہے اس کی ذات کا سلب بھی ممکن، تو برخلاف مسلک قائل تاویل قول غلط وباطل۔

ثانیاً: ہم نے تنزیہ دوم میں بدلائل ثابت کردیا کہ صدق کو اختیاری ماننے والا قطعاً قرآن عظیم کو حادث مانتا ہے اور بیشک ہر حادث قابل فنا پھر اس کے نزدیک فنائے قرآن یقینا جائز۔

ثالثاً: خاص یہاں بھی حضرت کا مطلب ان کی جاہلانہ نظر میں جبھی نکلے گا کہ قرآن مجید فی نفسہٖ معدوم ہوسکے کہ جب خبر ہی نہ رہی تو کاذب کیا ہوگی، ورنہ مجرد سہو ہوجانا ہرگز منافی نہیں ہوسکتا، **کما لایخفی فاعرف** (جیسا کہ مخفی نہیں پس اسے اچھی طرح جان لو۔ت)

تازیانہ ۳۵: اقول: بفرض محال اگر سلب قرآن ممکن بھی ہو، تاہم جناب سفاہت مآب کا جواب عجاب قطعاً ناصواب، معترض نے لزوم کذب سے استحالہ قائم کیا تھا نہ لزوم تکذیب سے اور بیشک اس تقدیر لزوم کذب سے اصلا مفر نہیں کہ خبر جب خلاف واقع ہو تو اس کا صفحہ عالم سے انعدام مانع کذب قائل نہ ہوگا۔ مانا کہ خبر معدوم ہوگئی، اس کے بعد اس کا خلاف واقع ہونا تو غایت یہ کہ ظہور کذب کا وقت نہ تھا

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثالث فی ذکر رد الاشراک فی التصرف مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۲

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۴

[3] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

کہ کذب اس وقت اسے عارض ہوتا ہے جس کے لئے وجود معروض درکار تھا، وہ جس وقت موجود تھی اسی وقت بوجہ مخالفت واقع کاذب تھی گو ظہور کذب بعد کی ہو یا کبھی نہ ہو، اب انسان ہی میں دیکھئے اس کا کلام کہ عرض ہے اور عرض علمائے عــہ متکلمین کے نزدیک صالح بقا نہیں فورا موجود ہوتے ہی معدوم ہوجاتا ہے، بااین ہمہ جب اس کا خلاف واقع ہوتا، کہتے ہیں کہ فلاں کی بات جھوٹی تھی، غرض اس نفیس جواب ملائے عجاب اور ان دو ہذیان تباہ وخراب کی قدر ان کے مثل مجانین ہی جانتے ہوں گے، یامعاذاللہ عفوالٰہی بشرط صلاحیت کام نہی فرمائے تواس کی سچی قدر اس دن کھلے گی "یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ" [1] (جس دن سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔ت)

الحمدللہ! یہ حضرت کی چند سطری تحریر پر بالفعل پنتیس کوڑے ہیں اور پانچ ہذیان اول پر گزرے تو پورے چالیس تازیانے ہوئے، واقعی معلم طائفہ نے بغلامی معلم الملکوت ہمارے مولٰی پر کذب وعیوب کا افترائے ممقوت کیا، اور شرع میں افتراء کی سزا اسی کوڑے مگر غلام کے حق میں آدھی "فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ" [2] (توان پر اس کی سزا آدھی جو آزاد عورتوں پر ہے۔ت) تو چالیس کوڑے نہایت بجا واقع ہوئے، اللہ عزوجل سے آرزو کہ قبول فرمائے اور ان تازیانوں کو متبوع کے حق میں نکال وعقوبت تابع کے لئے ہدایت وعبرت، اہل سنت کے واسطے قوت واستقامت بنائے، آمین یاارحم الراحمین! بیشک ہماری طرف کے علماء "شکراللہ مساعیم الجمیلہ" نے حضرت کے ہذیان دوم کی بھی ضرور دھجیاں لی ہوں گی مگر اس وقت تک فقیر کی نظر سے اس بارے میں کوئی تحریر نہ گزری جو کچھ حاضر کیا بحمداللہ القائے ربانی ہے کہ عبد ضعیف پر فیض لطیف سے فائض ہوا، امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ العزیز اس بسلط جلیل ووجہ جمیل پر نقد جزیل حصہ خاص فقیر ذلیل ہے۔

عــہ: بلکہ مذہب بقاپر بھی مدعا حاصل، لفظی غیر قار کا انعدام توظاہر اور نفسی نسبت مخلوط بالارادہ ملحوظ بقصد الافادہ کا نام ہے، پرظاہر کہ ارادہ افادہ ادائم نہیں، اور جو کچھ بعد کو محفوظ رہے صورت علمیہ ہے، نہ کلام نفسی، معہذا بحالت نسیان وہ بھی زائل، علاوہ بریں روح انسانی اگرچہ اہل سنت کے نزدیک فنا نہ ہوگی مگر قطعاً ممکن الانعدام اس کے ساتھ اس کے سب صفات معدوم ہوسکتے ہیں ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] القرآن الکریم ۸۳ /۶

[2] القرآن الکریم ۴ /۲۵

فللّٰہ المنۃ فی کل اٰن وحین والحمد للّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ و صحبہ اجمعین۔ آمین!	ہر وقت وہر گھڑی اللہ تعالٰی کی ہی حمد ہے اور حمد ہے تمام جہانوں کے پروردگار کی، صلٰوۃ والسلام رسولوں کے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کے آل واصحاب تمام پر، آمین! (ت)

تنزیہ چہارم [عہ] علاج جہالات جدیدہ میں

اقول: وبحول اللّٰہ اصول ایھا المسلمون (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں اے اہل ایمان سلام! ت) امکان کذب الٰہی کو خلف وعید کی فرع جاننا اوراس میں اختلاف ائمہ کو وجہ سے امکان کذب کو مختلف فیہ ماننا ایک تو افتراء دوسرے کتنا بے مزہ۔ بیشک مسئلہ خلف وعید میں بعض علماء جانب جواز گئے، اور محققین نے منع وانکار فرمایا، مگر حاشانہ اس سے امکان کذب ثابت، نہ یہ علمائے مجوزین کا مسلک بلکہ وہ اس سے بہزار زبان تبری وتحاشی کرتے ہیں، پھر ان کی طرف امکان کذب کی نسبت سخت کذب وستم جسارت جس کے بہتان واضح البطلان ہونے پر حجج قاہرہ قائم،

حجت اولٰی: یہی نصوص قاطعہ کہ تنزیہ اول میں گزرے جن سے واضح کہ کذب باری محال ہونے پر اجماع قطعی منعقد تمام کتب کلامیہ میں جہاں اس مسئلے کا ذکر آیا ہے صاف تصریح فرمادی کہ اس پر اجماع واتفاق علماء ہے یا بے حکایت خلاف اس پر جزم کیا فرمایا ہے۔

حجت ثانیہ: اقول: طرفہ یہ کہ جو علماء مسئلہ خلف وعید میں خلاف بتاتے ہیں وہی استحالہ کذب پر اجماع نقل فرماتے ہیں، جس شرح مقاصد میں ہے:

ان المتاخرین منھم یجوزون الخلف فی الوعید [1]۔	ان میں کے متاخرین خلف وعید جائز مانتے ہیں۔

اسی شرح مقاصد میں ہے:

عہ: **تنبیہ ضروری:** خوب یاد رہے کہ اس ساری تنزیہ اور اس کے مناسب تمام مواضع رسالہ میں ہمارا روئے سخن ان ناقصوں خاسروں کی طرف نہیں جنھیں عروسان منصہ امامت طائفہ نے اپنے بھولے چہروں کا نقاب بنایا ہو بلکہ صرف مخاطبہ ان نئے متبدعوں، تازہ مقتداؤں سے ہے جو کتاب پر تفریظ لکھیں اور اس کے حرف بحرف صحیح ومسلم ہونے کی تصریح کریں **والسلام ۱۲ منہ**

---

[1] شرح المقاصد المبحث الثانی اتفقت الائمۃ علی العفو عن الصغار دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۷

الکذب وھو محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ علی مح [1]۔	کذب الٰہی باجماع علماء محال ہے کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اس پاک بے عیب پر قطعاً محال۔

مگر علماء کو خبر نہ تھی کہ امکان کذب جواز خلف وعید پر متفرع تو ہم اسے مختلف فیہ لکھ کر کیونکر اجماع بتائے دیتے ہیں، اب چودھویں صدی میں آکر ان حضرات کو اس تفریع کی خبر ہوئی،

حجت ثالثہ: اقول: طرفہ تریہ کہ جو علماء خلف وعید کا جواز مانتے ہیں خود ہی کذب الٰہی کو محال واجماعی جانتے ہیں، جس مواقف میں ہے:

لایعد الخلف فی الوعید نقصا [2]۔	خلف وعید تنقص نہیں گنا جاتا۔

اسی مواقف میں ہے:

انہ تعالٰی یمتنع علیہ الکذب اتفاقا [3]۔	کذب باری بالاتفاق محال ہے۔

جس شرح طوالع میں ہے:

الخلف فی الوعید حسن [4]۔	وعید میں خلف حسن ہے۔

اسی میں ہے:

الکذب علی اللہ تعالٰی محال [5]۔	اللہ تعالٰی کا کذب محال ہے۔

جن علامہ جلال دوانی نے شرح عقائد میں لکھا:

ذھب بعض العلماء الی ان الخلف فی الوعید جائز علی اللہ تعالٰی لافی الوعد وبھذا وردت السنۃ [6]۔	بعض علماء اس طرف گئے کہ وعید میں خلف اللہ تعالٰی پر جائز ہے نہ وعدہ میں اور یہی مضمون حدیث میں آیا۔

[1] شرح المقاصد المبحث السادس فی انہ تعالٰی متکلم دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲ /۱۰۴

[2] شرح المواقف المقصد السادس فی تقریر اصحابنا منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۳۰۷

[3] شرح المواقف المقصد السابع فی انہ تعالٰی متکلم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۱۰۰

[4] شرح طوالع الانوار

[5] شرح طوالع الانوار

[6] الدوانی علی العضدیہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۴

پھر بعد ذکر حدیث اسے عرف وکلام سے مؤید کیا **کما نقله افندی اسماعیل حقی فی روح البیان** (جیسا کہ امام اسماعیل حقی آفندی نے روح البیان میں اسے نقل کیا ہے۔ت) وہی علامہ جلال فرماچکے:

الکذب علیه تعالٰی محال لاتشتمله القدرة [1]۔	اللہ تعالٰی کا کذب محال ہے قدرت الٰہی میں داخل نہیں۔

مگر یہ علماء خود اپنا لکھانہ سمجھے تھے کہ باہم متلازم چیزوں میں ایک کاجواز دوسرے کااستحالہ کیونکرمان لیتے اور اپنے کلام سے آپ ہی تناقض کرتے ہیں۔اب صدہاسال کے بعد ان حضرات کو کشف ہوا کہ مذہب کے معنی وہ تھے جو خود اہل مذہب کی فہم نہ تھے۔

حجت رابعہ: اقول: افسوس ان ذی ہوشوں نے اتناہی دیکھاکہ علماء مسلک جواز کا محصل ومبنٰی کیا ٹھہراتے اور اس تفریع شنیع یعنی امکان کذب کو کیوں کر طرح طرح سے دفع فرماتے ہیں یہاں ان سے بعض وجوہ نقل کرتا ہوں:

وجہ ۱: وعید سے مقصود انشائے تخویف وتہدید ہے، نہ اخبار، توسرے سے احتمال کذب کا محل ہی نہ رہا، مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

الخلف فی الوعید جائز فان اهل العقول السلیمة یعد ونه فضلاء لانقصا دون الوعد فان الخلف فیه نقص مستحیل علیه سبحانه ورد بان ایعاد الله تعالٰی خبر فهو صادق قطعا لاستحالة الکذب هناک، و اعتذر بان کونه خبرا ممنوع بل هو انشاء للتخویف فلا باس ح فی الخلف [2]۔(ملخصًا)	یعنی وعید میں خلف جائز ہے کہ سلیم عقلیں اسے خوبی گنتی ہیں، نہ عیب، اور وعدہ میں جائز نہیں کہ اس میں خلف عیب ہے اور عیب اللہ عزوجل پر محال اس پر اعتراض ہوا کہ اللہ تعالٰی کی وعید بھی ایک خبر ہے تو یقینا سچی باری جل وعلا کا کذب محال، اور عذر کیا گیا کہ ہم اسے خبر نہیں مانتے بلکہ انشائے تخویف ہے تواب خلف میں حرج نہیں۔ (ملخصًا)

دیکھو! خلف وعید جائز ماننے والوں سے استحالہ کذب الٰہی کا صراحۃً اقرار اور اس کے امکان سے بہزار زبان اجتناب وانکار کیا، اور اپنے مذہب کی وہ توجیہ فرمائی جس نے اس احتمال باطل کی گنجائش ہی نہ رکھی، پھر **معاذاللہ** امکان کذب ماننے کو ان کے سر باندھنا کیسی وقاحت وشوخ چشمی ہے۔

---

[1] الدوانی علی العضدیۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۳

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی الباب الثانی فی الحکم منشورات الرشریف قم ایران ۱/ ۶۲

وجہ ۲: فرماتے ہیں آیات عفو سے مخصوص ومقید ہیں، یعنی عفو و وعید دونوں میں وارد، توان کے ملانے سے آیات وعید کے یہ معنی ٹھہرے کہ جنھیں معاف نہ فرمائے گا وہ سزا پائیں گے، جب یہ معنی خود قرآن عظیم ہی نے ارشاد فرمائے تو جواز خلف کو **معاذ اللہ** امکان کذب سے کیا علاقہ رہا، امکان کذب تو جب نکلتا کہ جزمًا حتمًا وعید فرمائی جاتی، اور جب خود متکلم جل وعلا نے اسے مقید بعدم عفو فرمادیا ہے تو چاہے وعید واقع ہو یا نہ ہو ہر طرح اس کا کلام یقینا صادق جس میں احتمال کذب کو اصلا دخل نہیں، یہ وجہ اکثر کتب علماء مثل تفسیر بیضاوی انوار التنزیل و تفسیر عمادی ارشاد العقل السلیم و تفسیر حقی روح البیان و شرح مقاصد وغیرہا میں اختیار فرمائی، لطف یہ ہے کہ خود ہی ردالمحتار جس سے مدعی جدید غیر مہتدی و رشید نے مسئلہ خلف میں خلاف نقل کیا، اسی ردالمحتار میں اسی جگہ اسی قول جواز کے بیان میں فرمایا:

حاصل ھذا القول جواز التخصیص لما دل علیہ اللفظ بوضعہ اللغوی من العموم فی نصوص الوعید[1]۔	اس قول کا حاصل یہ ہے کہ نصوص وعید میں جو ظاہر لفظ اپنے معنی لغوی کی رو سے عموم پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا یہ سزا پائے گا، اس میں تخصیص جائز ہے۔

یعنی عام مراد نہ ہو بلکہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہو جنھیں مولٰی تعالٰی عذاب فرمانا چاہے، ایمان سے کہنا اسی ردالمحتار میں یہیں یہیں یہ تصریح تو نہ تھی جس نے اس تفریع خبیث وقبیح کی صاف بیخ کنی کردی، آج تک کسی عاقل نے عام مخصوص منہ البعض کو کذب کہا ہے، ایسے عام تو قرآن عظیم میں اس وقت بکثرت موجود، پھر امکان کذب کیوں مانو! صاف نہ کہہ دو کہ قرآن مجید میں (خاک بدہن گستاخان) جابجا کذب موجود ہے، واہ شاباش! ردالمحتار کی عبارت سے اچھا اسناد کیا کہ آدھی نقل اور آدھی عقل، پھر بھی دعوی رشد ودیانت باقی ہے، ذرا آدمی سے تو حیا کرے **والاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

وجہ ۳: اگر بالفرض کوئی نص مفید تخصیص وعید نہ بھی آتا تاہم کریم کی شان یہی ہے کہ غیر متمرد غلاموں کے حق میں وعید بنظر تہدید فرمائے اور اس سے یہی مراد لے کہ اگر ہم معاف نہ فرمائیں تو یہ سزا ہے، خلاصہ یہ کہ قرینہ کرم تخصیص وتقید وعید کے لئے بس ہے اگرچہ مخصص قولی نہ ہو۔

اقول وبہ یحصل قران المخصص بالمخصص بخلاف ماسبق فھو خاص بمذہب	**میں کہتا ہوں** اس سے مخصص کا قرینہ حاصل ہوگیا بخلاف ما سبق کے، وہ صرف اس شخص کے مذہب کے

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء بالمغفرۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

من یجیز التراخی والانفصال وھذا جارٍ علی مذھب الکل۔	موافق ہے جس نے تراخی وانفصال کو جائز رکھا ہے اور یہ تمام مذہب پر جاری ہے۔(ت)

یہ وجیہ فقیر غفراللہ تعالٰی کے خیال میں آئی تھی یہاں تک کہ علامہ خیالی رحمہ اللہ تعالٰی کو دیکھا کہ حاشیہ شرح عقائد میں اس کی تصریح فرمائی:

حیث قال لعل مرادھم ان الکریم اذا اخبر بالوعید فاللائق بشانہ ان یبنی اخبارہ علی المشیۃ وان لم یصرح بذلک بخلاف الوعد فلا کذب ولا تبدیل [1]۔	یعنی امید ہے کہ خلف وعید جائز ماننے والے یہ مراد لیتے ہیں کہ کریم جب وعید کی خبر دے تو اس کی شان کے لائق یہی ہے کہ اپنی خبر کو مشیت پر مبنی رکھے اگرچہ کلام میں اس کی تصریح نہ فرمائے بخلاف وعدہ کے تو خلف وعید میں نہ کذب ہے نہ بات بدلنا۔

مسلمانو! دیکھا کہ خلف وعید جائز ماننے والے اس تفریع ناپاک سے جو مدعی بیباک نے گھڑی کس قدر دور بھاگتے اور کس کس وجہ سے اسے علانیہ رد کرتے ہیں، پھر اپنی جھوٹی بات بنانے کے لئے ناکردہ گناہ ان کے سر ایسا الزام شدید باندھنا کس درجہ جرأت وبے حیائی ہے، قال اللہ سبحانہ وتعالٰی:

"وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓــٴَـةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓــٴًـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا۠(۱۱۲)" [2]۔	اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے پھر اسے کسی بے گناہ پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا۔(ت)

حجت خامسہ: اقول: مجوزین خلف وعید اپنے مذہب پر بڑی دلیل پیش کرتے ہیں کہ باری عزاسمہ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ" [3]	بیشک اللہ تعالٰی کفر کو معاف نہیں فرماتا اور کفر سے نیچے جتنے گناہ ہیں جسے چاہے گا بخش دے گا۔

اسی ردالمحتار میں اسی مقام پر اسی مسئلہ کے بیان میں آپ کی منقولہ عبارت سے چار ہی سطر بعد فرمایا:

ادلۃ المثبتین التی من انصھا قولہ تعالٰی	اثبات کرنیوالوں کی مضبوط ترین دلیل اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے

---

[1] حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد النسفیہ مطبع اصح المطابع بمبئی (انڈیا) ص ۱۳۱

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۶

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ"[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی کفر کو معاف نہیں فرماتا اور کفر سے نیچے جتنے گناہ ہیں جسے چاہے گا بخش دے گا۔ (ت)

یوں ہی اس کی ماخذ حلیہ شرح منیہ میں امام محقق ابن امیر الحاج میں ہے اور پر ظاہر کہ دعوی دلیل پر متفرع اور اس کے مفاد کا تابع ہوتا ہے، سبحان اللہ! جب جواز خلف خود ارشاد متکلم بالوعید جل مجدہ کی طرف مستند کہ اس نے فرمادیا "ہم جسے چاہیں گے بخش دیں گے" تو دلیل امکان کذب کو اصلا راہ نہیں دیتی مگر مدلول میں زبردستی خدا واسطے کو مان لیا جائے گا اس جہالت کی کوئی حد ہے آپ کے نزدیک یہ علماء اپنے دعوی ودلیل کی بھی سمجھ نہ رکھتے تھے کہ خلف تو اس معنی پر جائز مانیں جسے امکان کذب لازم، اور دلیل وہ پیش کریں جو اس معنی کی بالکل قاطع وحاسم، خدارا اپنی جہالتیں، سفاہتیں علماء کے سرکیوں باندھتے ہو، ع

اس آنکھ سے ڈرئیے جو خدا سے نہ ڈرے آنکھ

للہ! انصاف! اگر بادشاہ حکم نافذ کرے کہ جو یہ جرم کرے گا یہ سزا پائے گا اور ساتھ ہی اسی فرمان میں یہ بھی ارشاد فرمائیے کہ ہم جسے چاہیں گے معاف فرمادیں گے تو کیا اگر وہ بعض مجرموں سے در گزر کرے تو اپنے پہلے حکم میں جھوٹا پڑے گا یا اس آئین کی قدر لوگوں کے دلوں سے گھٹ جائے گی، جیسا کہ وہ احمق جاہل دعوی کرتا ہے یا اگر کوئی شخص بدلیل اس دوسرے ارشاد کے ثابت کرے کہ بادشاہ نے جو سزا مقرر فرمائی ہے کچھ ضرور نہیں کہ ہو ہی کر رہے بلکہ ٹل بھی سکتی ہے تو کیا اس کے قول کا حاصل یہ ہوگا کہ وہ بادشاہ کا کذب محتمل مانتا ہے، ذرا آدمی سمجھ سوچ کر تو بات منہ سے نکالے، سبحٰن اللہ! جس ردالمحتار سے سند لائے اسی میں وہیں اسی بیان میں اسی صفحہ میں وہ صاف وروشن تصریحیں موجود ہیں جن سے اس تفریع ناپاک کی پوری قلعی کھلتی ہے، حضرت ایک ذرا سا ٹکڑا نقل کر لائیں اور باقی بالکل ہضم، گویا دیکھا ہی نہیں۔ اسی کا نام دین ودیانت ہے۔ اسی پر دعوی رشد وہدایت ہے۔ مگر حضرات وہابیہ عادت سے مجبور ہیں، نقل عبارت میں قطع وبرید اب صاحبو کا داب قدیم رہا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے متکلمین نے رسالے کے رسالے جی سے گھڑ کر علمائے سابقین کی طرف نسبت کر دیئے۔ انتہی یہ کہ عالم و امام دل سے تراشے کہ باوجود تکرار مطالبہ تمام عالم میں ان کے وجود کا پتا نہ دے سکے۔ فقیر کے بعض احباب سلمہم اللہ تعالٰی نے رسالہ "سیف المصطفی علی ادیان الافتراء" اسی باب میں لکھا اور اس میں ان حضرات کے عمائد واکابر کی ڈیڑھ سو سے زیادہ ایسی ہی عبارتوں، بددیانتوں کا ثبوت دیا۔ واقعی حضرات نجدیہ نے ایک حدیث صحیح عمر بھر کے عمل کو بس سمجھی ہے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

اذالم تستحیی فاصنع ماشئت[1] (جب کوئی بے حیاہو جائے تو وہ چاہے کرے۔ت) ع

بے حیاباش وانچہ خواہی کن

(بے حیاہو جاپھر جو چاہے کرتارہ۔ت)

حجت سادسہ: اقول: امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

قال ابوعمر وبن العلا لعمر وبن عبید، ماتقول فی اصحاب الکبائر؟ قال **اقول:** ان اللہ منجز ایعادہ کما ھوا منجز وعدہ، قال ابو عمر وانك رجل اعجم، لا اقول اعجم اللسان ولکن اعجم القلب، ان العرب تعدا لرجوع عن الوعدلؤماوعن الایعاد کرماء والمعتزلۃ حکوا ان اباعمروبن العلاء لما قال ھذا الکلام قال لہ عمرو بن عبید یااباعمرو فھل یسمی اللہ مکذب نفسہ فقال لا فقال عمرو بن عبید فقد سقطت حجتک، قالوا فانقطع ابوعمرو بن العلاء، وعندی انہ کان لابی عمرو ان یجیب عن ھذا السؤال ان ھذا انما یلزم لوکان الوعید ثابتا جزمًا من غیر شرط، وعندی جمیع الوعیدات مشروطۃ بعدم العفو، فلایلزم من ترکہ دخول الکذب فی الکلام اللہ تعالٰی اھملخصًا۔[2]	یعنی امام ابو عمرو بن العلاء رحمہ اللہ تعالٰی نے عمرو بن عبید پیشوائے معتزلہ سے فرمایااہل کتاب کبائر کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ کہا میں کہتاہوں اللہ تعالٰی اپنی وعید ضرور پوری کرے گا جیساکہ اپناوعدہ بیشک پورافرمائے گا۔امام نے فرمایاتو عجمی ہے میں نہیں کہتاکہ زبان کا عجمی بلکہ دل کا عجمی ہے، عرب وعدہ سے رجوع کو نالائقی جانتے ہیں اور وعید سے در گزر کو کرم، معتزلہ حکایت کرتے ہیں۔اس پر عمرو نے جواب دیا کیاخدا کو اپنی ذات کا جھٹلانے والا ٹھہرائے گا۔ امام نے فرمایانہ، عمرو نے کہاتوآپ کی حجت ساقط ہوئی، اس پرامام بند ہوگئے۔امام رازی فرماتے ہیں میرے نزدیک امام یہ جواب دے سکتے تھے کہ اعتراض توجب لازم آئے کہ وعید یقینی بلاشرط ہواور میرے مذہب میں توسب وعیدیں عدم عفو سے مشروط ہیں توخلف وعید سے معاذاللہ کلام الٰہی میں کذب کہاں سے لازم آیا۔

اب عاقل بنظر انصاف غور کرے۔**اولًا:** اگر تجویز خلف امکان کذب ماننا ہی ہوتی توبر تقدیر صدق حکایت امام کا بند ہونا کیا معنی انھیں صاف کہنا تھامیں جواز خلف مانتاہوں توامکان کذب میرا عین مذہب اور

---

[1] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ بن مسعود حدیث ۶۵۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ اللہ لا یخلف المیعاد المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۷/ ۱۹۷

برتقدیر کذب معتزلہ علمائے اہلسنت کیوں نہیں فرماتے کہ تم نے وہ حکایت گھڑی جو آپ ہی اپنے کذب کی دلیل ہے، مجوزین خلف توامکان کذب مانتے ہیں پھر امام اس الزام پر بند کیوں ہو جاتے۔

ثانیاً: آگے چل کر امام رازی امام ابن العلاء کی طرف سے اچھا جواب دیتے ہیں کہ میرے مذہب میں سب وعیدیں مقید ہیں۔سبحان الله! جب وعیدیں مقید ہوں گی توامکان کذب کدھر جائے گا۔کیوں نہیں کہتے کہ میرے مذہب میں کذب ممکن توالزام ساقط، غرض بے شمار وجوہ سے ثابت کہ مدعی جدید غیر مہتدی ورشید نے علماء کرام پر جیتا طوفان باندھا۔

حجت سابعہ،**اقول:** آپ کی یہی ردالمحتار جس سے آدھا فقرہ نقل کرکے ائمہ دین پر پوری تہمت کردی،اس مبحث میں حلیہ امام علامہ ابن امیر الحاج ناقل ہے شروع عبارت یوں ہے:

واقفه على الاول صاحب الحلية المحقق ابن امير الحاج وخالفه فى الثانى وحقق ذٰلك بانه مبنى على مسئلة شهيرة وهى انه هل يجوز الخلف فى الوعيد فظاهر مافى المواقف[1] الخ۔	صاحب حلیہ محقق ابن امیر الحاج نے اول میں اس کی موافقت کی ہے اور ثانی میں مخالف،اور ثابت کیا کہ اس کامدار ایک مشہور مسئلہ پر ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا خلف وعید جائز ہے۔تو مواقف میں جو کچھ ہے تو وہ ظاہر ہے الخ۔(ت)

اور ختم یوں هذا خلاصة ما اطال به فى الحلية[2] (یہ حلیہ میں ان کی طویل گفتگو کا خلاصہ ہے۔ت)اور یہ صاحب حلیہ خود مسلمانوں کے حق میں جواز خلف کو ترجیح دیتے ہیں،اسی ردالمحتار میں ان سے منقول:

الاشبة ترجح جواز الخلف فى الوعيد فى حق المسلمين خاصة دون الكفار[3]۔	اشبہ ومختار یہ ہے کہ خلف وعید کا جواز خاص مسلمانوں کے حق میں ہے نہ کہ کفار کے حق میں ہیں۔(ت)

اب ملاحظہ ہو کہ یہی امام قائل جواز خود آپ کی اس تفریح شنیع یعنی امکان کذب سے کیسی سخت تحاشی کرتے ہیں۔اسی حلیہ میں بعد ختم بحث کے فرمایا:

وحاش لله ان يراد بجواز الخلف فى الوعيد ان لا يقع عذاب من اراد الله الاخبار	یعنی حاشا للہ خلف وعید جائز ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ عزوجل نے جس کے عذاب کی خبر دینی چاہی

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

بعذابہ فانہ محال علی اللہ تعالٰی قطعا، کما ان عدم وقوع نعیم من ارادالله الاخبار عنہ بالنعیم محال علیہ قطعاً کیف لا وقد قال تعالٰی "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾" "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾" "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ" [1]۔	اس کا عذاب واقع نہ ہو یہ اللہ تعالٰی پر قطعاً محال ہے جس طرح یہ بالیقین ممکن نہیں کہ اس نے جس کے لئے نعیم کی خبر دی ہو اس کے لئے نعیم واقع نہ ہو اور کیوں کر نہ ہو اس کی خبر کا کذب محال ہے۔ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے اللہ سے کس کا قول سچا ہے، اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔ تیرے رب کی باتیں سچ اور عدل میں کامل ہیں، کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں۔

کیوں ایمان سے کہنا یہ وہی علماء ہیں جن پر تم امکان کذب ماننے کا بہتان کرتے ہو۔ اللہ حیا دے۔

حجت ثامنہ بقطع عرق ضلالت ضامنہ۔ اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں اور اسی کی توفیق سے تحقیقی بات کو پایا جاسکتا ہے۔ت) علمائے مجوزین کے طریق استدلال و مناظرہ وجدال شاہد عدل ہیں کہ ان کے نزدیک خلف وعید وعفو و مغفرت میں نسبت تساوی اور دونوں جانب سے ترفق کلی ہے، ثبوت سنئے قریب گزرا کہ انھوں نے اپنے دعوے پر آیہ کریمہ "وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" [2] (اور کفر سے نیچے جتنے گناہ ہیں جسے چاہے بخش دے گا۔ت) سے استدلال کیا۔ اور حلیہ پھر ردالمحتار میں جس سے آپ ہمیشہ کے لئے اپنے پیچھے ایک آفت لگانے کو ذرا سا ٹکڑا نقل کرلائے۔ اس دلیل کو انص واظہر دلائل مجوزین کہا اور پر ظاہر کہ آیت صرف جواز مغفرت ارشاد فرماتی ہے اسی کو انھوں نے جواز خلف پر دلیل ٹھہرایا تو ان کا استدلال برہان قاطع کہ وہ مغفرت کو خلف سے عام نہیں مانتے کہ جواز اعم ہر گز جواز اخص کا مثبت نہیں ہوسکتا اور عنقریب آتا ہے کہ معتزلہ نے امتناع عفو پر آیات وعید سے تمسک کیا۔ اس پر ان علماء نے جواب دیا کہ خلف جائز ہے تو لاجرم جواز خلف کو امتناع عفو کارد مانا اور زنہار جواز اعم امتناع اخص کا نافی نہیں ہوسکتا۔ تو ان کا یہ جواب دلیل ساطع کو وہ خلف کو مغفرت سے عام نہیں مانتے۔ رہا تباین وہ بالبداہۃ اور خود اس رد واثبات سے سے بین البطلان پس تساوی متعین اور مراد متبین، یعنی ظاہر ہوگیا کہ وہ صرف عدم وقوع وعید بوجہ عفو کو خلف سے تعبیر فرماتے اور جائز

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۶

ٹھہراتے ہیں کہ یہی مغفرت سے مساوی ہے نہ کہ معاذاللہ تبدیل وتکذیب خبر کہ عفو سے عموم وخصوص دونوں رکھتی ہے مثلاً درگزر بربنائے تخصیص نصوص وتقیید وعید واقع ہوئی تو عفو موجود اور تبدیل مفقود، کسی جرم پر ایک سزائے شدید کی وعید حتمی اور ایقاع کے وقت اس میں کمی کی تو عفو عــــہ مفقود اور تبدیل موجود۔ اور اگر عفو تخفیف کو شامل کیجئے تو عام مطلقاً سہی بہر حال خلف کہ اس کا مساوی ہے کذب سے قطعاً عام مطلقاً یا من وجہ اب تو اپنی جہالت فاحشہ پر متنبہ ہوئے کہ جواز اعم امکان اخص کا مستلزم مان رہے ہو **فالحمد اللہ علی اتمام الحجۃ وایضاح المحجۃ۔**

حجت تاسعہ قاہرہ قالعہ قاتلہ قارعۃ بارغۃ التنیین دامغۃ الکذابین: اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) ایہا المسلمون! ذرا قلب حاضر درکار اسی مدعی جدید غیر مہتدی ورشید نے کذب باری عزوجل کا صرف امکان عقلی ہی ائمہ دین کی طرف نسبت نہ کیا۔ بلکہ معاذاللہ انھیں کفر صریح کا قائل قرار دیا۔ پھر الحمد اللہ ان کا دامن سنت مامن تو کفر و ضلالت کے ناپاک دھبوں سے پاک ومنزہ مگر حضرت خود ہی اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ یوں نہ مانیں تو مفصل جانیں۔ اصل مراد یہ ہے کہ خلف بایں معنی کہ متکلم بایک بات کہہ کر پلٹ جائے اور جو خبرت دی تھی اس کے خلاف عمل میں لائے۔ بلاشبہہ اقسام کذب سے ہے کہ کذب نہیں مگر خلاف واقع خبر دینا تو اس معنی پر خلف کو ممکن یا سائغ یا واقع یا واجب جو کچھ مانئے بعینہ وہی حکم کذب کے لئے ثابت ہوگا کہ یہ جانب وجود ہے اور جانب وجود میں قسم مقسم کو مستلزم اور عقل احکام قسم سے مقسم پر حاکم کہ اس کا وجود بے اس کے محال ونا ممکن تو لاجرم اس کا امکان اس کے جواز اور اس کا وجود اس کے وقوع اور اس کا وجوب اس کی ضرورت کو لازم۔ حضرت مدعی جدید نے اپنی جہالت وضلالت سے کلام علماء میں خلف کے یہی معنی سمجھے کہ باری تعالٰی **عیاذاً باللہ** بات کہہ کر پلٹ جائے خبر دے کر غلط کردے لہٰذا جواز خلف پر امکان کذب کو متفرع کیا حالانکہ حاشاللہ عالم میں کوئی عالم اس کا قائل نہیں بلکہ وہ صراحۃً اس معنی مردود مخترع عنود کا رد بلیغ فرماتے او جواز خلف کو تخصیص نصوص وتقیید وعید وغیرہما ایسے امور پر بربنا کرتے ہیں جن کے بعد نہ معاذاللہ کہہ کر پلٹنا نہ بات کا بدلنا ہو اس امر پر دلائل قاہرہ وتصریحات باہر سن ہی چکے ہیں مگر ان حضرت کو

عــــہ: **المغفرۃ وقایۃ شر الذنوب بالکلیۃ**[1] اھ ۱۲ رضی اللہ عنہ۔	مغفرت گناہوں کے شر سے کلیۃً محفوظ رہنا ہے اھ ۱۲ رضی اللہ عنہ (ت)

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

یہ مسلم نہیں خواہی نخواہی خلف اسی معنی پر ڈھالتے ہیں جو ایک قسم کذب ہے تاکہ اسکے جواز سے امکان کذب کی راہ نکالیں بہت اچھا اگر یہی معنٰی مراد ہوں تو اب نظر کیجئے کہ جواز خلف کے کیا معنی ہیں اور وہ اپنے کس معنی پر ائمی میں مختلف فیہ۔ حاشا جواز صرف بمعنی امکان عقلی محل خلاف نہیں بلکہ [عہ۱] قطعاً جواز شرعی وامکان وقوعی میں نزاع

عہ۱: **اقول**: هل عیست ان تتفطن مما القینا ونلقی علیك من الابحاث ونقلنا وننقل لك من کلمات العلماء ان الکلام فی مطلق الخلف فی حق العصاۃ لا الخلف المطلق فیهم ولا الخلف فی الکفار لوفاق اهل السنة الوعیدیة علی استحالته شرعا اما الثانی فظاهر واضح وقد نص علیه القراٰن العزیز واجمعت علیه الامة جمیعا واما الاول فنقل علیه ایضا غیر واحد الاجماع وهو الصواب من حیث النظر وان نقل العلامة فی حاشیه العلائی خلافه ففی هذین ان کان الخلاف فلایکون الافی الامکان العقلی ولذا حمل علیه العلامة ش بید انی لا اعلم خلافا بین اهل السنة فی جواز الاول عقلا والثانی وان وقع فیه خلاف ولکن المحققین هٰهنا علی الجواز ولم یخالف فیه الا اقل قلیل کما سیأتی فالذی [عہ۲] وقع عن العلامة ش

اقول (میں کہتا ہوں) آپ نے ہماری اس گفتگو سے جو کی اور کریں گے اور علماء کے منقولہ کلمات سے سمجھ لیں گے کہ کلام گنہ گاروں کے حق میں مطلق خلف میں ہے۔ نہ خلف مطلق میں اور نہ ہی حق کفار میں خلف ہے کیونکہ وعیدی اہلسنت کا اتفاق ہے کہ ایسی خلف وعید شرعاً محال ہے، دوسری بات (حق کفار میں) تو ظاہر واضح ہے اس پر قرآن عزیز کی تصریح ہے اور تمام امت کا اس پر اتفاق ہے۔ رہی پہلی بات تو اس پر بھی متعدد اہل علم نے اجماع نقل کیا ہے، دلیل کے اعتبار سے یہی صواب ہے، اگرچہ علامہ نے حاشیہ علائی میں اس کے خلاف نقل کیا ہے ان دونوں میں اگر اختلاف ہو بھی تو محض بطور امکان عقلی ہو ہوگا اس لئے علامہ ش نے اسے اس پر محمول کیا مگر میں اول کے جواز عقلی میں اہلسنت کا اختلاف نہیں جانتا، اور دوسری میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن محققین یہاں بھی جواز پر ہیں اگرچہ اس کی مخالفت بہت ہی کم لوگوں نے کی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

عہ۲: قوله فالذی وقع حیث نقل النزاع المشهور وکون المحققین علی المنع

قولہ والذین وقع. کیونکہ انھوں نے جہاں نزاع مشہور نقل کیا ہے اور محققین کا اس کے کلام میں دونوں خلفوں (باقی برصفحہ آئندہ)

ہے جس کے بعد امتناع بالغیر بھی نہیں رہتا۔ **دلائل سنئے:**

(بقیہ حاشیہ عـــہ۱صفحہ گزشتہ)

اشتباہ یجب التنبیه له وقد اوضحناہ علی ہامشه ولو لا ان عرضنا فی المقام لایتعلق بنقد ذٰلك لاتینا بالتحقیق فیما ھنالکن ثم من البدیھی ان امکان عدم التعذیب عقلا مع استحالته شرعا ادخل فی الرد علی ھٰؤلاء الجھلة کما لایخفی علی عاقل فضلا عن فاضل و سنلقی علیك تحقیقه فیما سیأتی فی رد الوھابیة الدیوبندیة فانتظر واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم ۱۲منه قدس سرہ۔

علامہ ش سے جو واقع ہوا یہ اشتباہ ہے جس پر تنبیہ ضروری ہے اور ہم نے اس کے حاشیہ پر اس کی وضاحت کر دی ہے اگر ہماری غرض اس مقام پر تنقید کرنا ہوتی تو ہم اس تحقیق کو یہاں کر دیتے۔ پھر یہ بات بدیہی ہے کہ عقلا عدم عذاب کا محض امکان جو شرعا محال ہے ان جہال کے رد کا ذریعہ بنتا ہے جیساکہ کسی عاقل پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی ہو۔ عنقریب اس کی تفصیل و تحقیق وہابیہ دیوبندیہ کے رد میں آرہی ہے تھوڑا سا انتظار کرو۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم ۱۲منه قدس سرہ، (ت)

(بقیہ حاشیہ عـــہ۲صفحہ گزشتہ)

فی کلامه علی ھٰذین الخلفین وزعم تبعا فالحق ان محل النزاع المشھور ھوالجواز الشرعی وکلامھم انما ھو فی مطلق الخلف وتحقیق الحق فی محصله ماسنلقی علیک واللہ الھادی ۱۲منه رضی اللہ عنه۔للحلیة ان الاشبه ترجح جواز الاول عقلا فاوھم ان جوازہ العقلی مختلف فیه واوھم ایھا مًا اشد واعظم ان المحققین علی انکارہ وان کان الاشبه عندہ ترجح الجواز مع انا لانعلم فیه نزاع اصلا ولانظنه محل نزاع وان کان فلا شك ان عامة الائمة علی الجواز ثم اوھم بل صرح اٰخر ان الصحیح عن المحققین منع الثانی عقلا مع ان الامر بالعکس

پر منع مذکور ہوا اور حلیہ کی اتباع میں اس نے عقلا جواز اول کی ترجیح کو مختار محسوس کرلیا تو اسے یہ وہم ہوگیا کہ اس کے جواز عقلی میں اختلاف ہے یہ وہم شدید ہے محققین تو اس کا انکار کررہے ہیں اگرچہ اس کے ہاں مختار جواز کو ترجیح دینا ہے حالانکہ ہم تو اس میں نزاع کا علم نہیں رکھتے اور نہ ہی محل نزاع کا گمان کرے ہیں اور اگر ہے تو بلاشبہہ اکثر ائمہ جواز پر ہیں پھر وہم میں پڑتے ہوئے آخر تصریح کی کہ محققین کے ہاں صحیح یہ ہے کہ دوسری صورت عقلا منع ہے حالانکہ معاملہ برعکس (باقی اگلے صفحہ پر)

اولاً اہلسنت بالاجماع اور معتزلہ کا ایک فرقہ مغفرت عاصیان کبائر کردگان وبے توبہ مردگان کے امکان عقلی پر متفق ہیں یعنی کچھ عقلی محال نہیں جانتی کہ اللہ تعالٰی ان سے مواخذہ نہ فرمائے مگر امکان شرعی میں اختلاف پڑا اہلسنت بالاجماع شرعاً بھی جائز بلکہ واقع اور یہ فرقہ وعیدیہ سمعاً ناجائز اور عذاب واجب مانتے ہیں۔انھوں نے آیات وعید سے استناد کیا اس کے جواب میں جواز خلف کا مسئلہ پیش ہوا یعنی اے معتزلہ! تمھارا استدلال تو جب تمام ہو کہ ہم وقوع وعید شرعاً واجب مانیں وہ خود ہمارے نزدیک جائز الخلف ہے تو عفو پھر جائز کا جائز ہی رہا اور شرعاً وجوب عذاب کہ تمھارا دعوٰی تھا ثابت نہ ہوا۔امام علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

البحث الثانی عشر اتفقت الامة ونطق الکتاب والسنة بان اللہ تعالٰی عفو غفور یعفو عن الصغائر مطلقًا وعن الکبائر بعد التوبة ولایعفو عن الکفر قطعاً.واختلفوا فی العفو عن الکبائر بدون التوبة فجوزہ الاصحاب بل اثبتوہ خلافاللمعتزلة.تمسك القائلون بجواز العفو عقلا وامتناعه سمعا وھم البصریون من المعتزلة وبعض البغدادیة بالنصوص الوارة فی وعید الفساق واصحاب الکبائر، واجیب بانھم داخلون فی عمومات الوعد بالثواب ودخول الجنة علی مامر والخلف فی الوعد لئوم لایلیق بالکریم وفاقابخلاف الخلف فی الوعید فانه	بارھویں،امت کا اتفاق اور کتاب وسنت اس پر ناطق ہیں کہ اللہ تعالٰی معاف فرمانے والا غفور ہے۔وہ صغائر تو ہر حال میں معاف فرمادیتا ہے اور کبائر کو توبہ کے بعد،کفر کو قطعاً معاف نہیں فرماتا۔بغیر توبہ کبائر کی بخشش میں اختلاف ہے ہمارے اصحاب (اہل سنت) اس کے جواز کے قائل بلکہ اس کو دلائل سے ثابت کرنے والے ہیں اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے ان میں سے کچھ نے کہا عقلاً عفو کا جواز ہے مگر شرعاً ممتنع ہے۔یہ بصری معتزلہ کی رائے ہے۔بغدادی معتزلہ ان کی نصوص سے استدلال کرتے ہیں جو فساق اور اصحاب کبائر کے بارے میں وعیدیں آئی ہیں۔ان کو جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ وعدہ ثواب ودخول جنت کی عمومی نصوص میں داخل ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فالحق ان محل النزاع المشھور ھوالجواز الشرعی وکلامھم انما ھو فی مطلق الخلف وتحقیق الحق فی محصله ماسنلقی علیك واللہ الھادی ۱۲ منه رضی اللہ عنه۔

ہے تو حق یہ ہے کہ نزاع مشہور کا محل جواز شرعی ہے،علماء کا کلام مطلق خلف میں ہے حق کی تحقیق ہم آپ پر عنقریب بیان کریں گے۔واللہ الھادی ۱۲ منہ رضی اللہ عنہ (ت)

ربما یعد کرما[1] اھملتقطا۔	جیسا کہ گزر چکا ہے۔اور وعدہ میں خلف ایسا قابل ملامت عمل ہے جو بالاتفاق کریم کے مناسب ولائق نہیں بخلاف خلاف وعید کے کہ اسے اکثر کرم ہی شمار کیا جاتا ہے اھ ملتقطا۔(ت)

دیکھو علماء اس جواز خلف سے عذاب کے وجوب شرعی کو دفع فرماتے ہیں اور وجوب شرعی کا مقابل نہیں مگر جواز شرعی اگر صرف امکان عقلی مراد ہو تو وہ ان معتزلہ کے مذہب سے کیا منافی اور ان کی دلیل کا کیونکر نافی ہو گو وہ کب کہتے تھے کہ واجب عقلی ہے جو تم امکان عقلی کا قصہ پیش کرو۔تو ثابت ہوا کہ یہ علماء بالیقین خلف وعید کو شرعا جائز مانتے ہیں۔

ثانیًا: محققین کہ جواز خلف نہیں مانتے۔آیہ کریمہ "مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ"[2] (میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ت)استدلال کرتے ہیں کما فی شرح عقائد النسفی وشرح الفقه الاکبر وغیرھما (جیساکہ شرح عقائد نسفی، شرح فقہ اکبر اور دیگر کتب میں ہے۔ت) اور پر ظاہر کہ آیت میں نفی وقوع صرف استحالہ شرعی پر دلیل ہوگی نہ کہ امتناع عقلی پر،تو لازم کہ وہ علماء جواز شرعی مانتے ہوں ورنہ محققین کی دلیل محل نزاع سے محض اجنبی اور امر نزاع کی نافہمی پر مبتنی ہوگی وہ نہ کہہ دیں گے کہ اس سے صرف استحالہ شرعی ثابت ہوا وہ امکان عقلی کے کب خلاف ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

ثالثًا: واحدی نے بسیط میں آیہ کریمہ "اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴿۱۹۴﴾"[3] (بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ت) سے صرف وعدہ مراد لیا اور وعید پر حمل کرنے سے انکار کیا کہ اس میں تو خلف جائز ہے۔تفسیر کبیر میں فرمایا:

احتج الجبائی بھذہ الاٰیة علی القطع بوعید الفساق (ثم ذکر احتجاجة والاجوبة عنه الی ان قال)وذکر الواحدی فی البسیط طریقة اُخریٰ۔فقال لم لایجوز ان یحمل ھٰذا علی میعاد الاولیاء دون وعید الاعداء	جبائی نے وعید فساق کی قطعیت پر اسی آیہ مبارکہ سے استدلال کیا(پھر اس کا استدلال اور اس کے جوابات ذکر کئے پھر کہا)اور واحدی نے بسیط میں ایک اور طریقہ ذکر کرتے ہوئے کہا یہ کیوں جائز نہیں کہ اسے وعدہ اولیاء پر محمول کرلیا جائے نہ کہ وعید اعدا پر

[1] شرح المقاصد المبحث الثانی عشع دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۲۳۵تا ۲۳۷

[2] القرآن الکریم ۵۰/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۹۴

لان خلف الوعید کریم عندالعرب[1] الخ۔	کیونکہ خلف وعید عربوں کے ہاں سراپا کریم ہوتا ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ علمائے مجوزین اگر صرف امکان عقلی مانتے تو آیت میں اس حمل کی انھیں کیا حاجت تھی کہ انتفائے شرعی جواز عقلی کے کچھ منافی نہیں۔

رابعا: قائلان جواز کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ خلف وعید صرف بحق مسلمین جائز ہے نہ بحق کفار۔ عبارت حلیہ:

الاشبہ ترجح القول بجواز الخلف فی الوعید فی حق المسلمین خاصۃ دون الکفار[2]۔	مختار یہ ہے کہ خلف وعید کا قول مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے نہ کہ کفار کے لئے۔(ت)

ابھی بحوالہ ردالمحتار گزری مگر میں نے اس کی جگہ اور تحفے پیش کروں، مختصر العقائد میں ہے:

الملك لله والناس عبیدہ ولہ ان یفعل بھم مایرید ولکن وعدان لایعذب احدا بغیر ذنب وان لایخلف المؤمن المذنب فی النار ویستحیل ان یخلف فی میعادہ وکذا اوعد ان یعذب المؤمن المذنب زمانا والکافر موبدا وکن قد یعفو عن المؤمن المذنب ولایعذبہ لانہ تکرم وتفضل فیترك الوعید، اما فی حق الکفار فلایکون العفو وان کان تکرما وتفضلا قال اللہ تعالٰی ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھداھا، ولکن حق القول منی الایۃ، اخبر انہ لایفعل مع الکفار الابطریق العدل[3]۔	ملک اللہ کا ہے تمام لوگ اس کے غلام ہیں اللہ تعالٰی ان کے بارے میں جو اپنے ارادہ کے مطابق کرسکتا ہے لیکن اس نے وعدہ فرمایا وہ کسی کو گناہ کے بغیر عذاب نہیں دے گا۔ کسی مومن گنہگار کو ہمیشہ دوزخ میں نہیں ڈالے گا اور اس سے وعدہ کی خلاف ورزی محال ہے۔اس طرح اس نے مومن گنہگار کو کچھ وقت کے لئے اور کافر کو ہمیشہ کے لئے عذاب دینے کی وعید فرمائی ہے لیکن اگر وہ کسی مومن کو معاف فرما دیتاہے اور اسے عذاب نہیں دیتا تو یہ اس کا سراپا کرم وفضل ہے تو وعید کو ترک فرمادیتاہے رہا کفار کا معاملہ تو اس میں عفو نہیں اگرچہ عفو کرم وفضل ہی ہوتا ہے اللہ تعالٰی کا فرمان ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو ہدایت دیں لیکن میرا قول حق ہے۔ الآیہ اس میں اللہ تعالٰی نے خبر دی ہے کہ کفار کے ساتھ صرف عدل کا معاملہ فرمائے گا۔(ت)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ان اللہ لایخلف المیعاد المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۷/ ۱۹۲

[2] ردالمحتار بحوالہ الحلیۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء بالمغفرۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

[3] مختصر العقائد

روح البیان میں ہے:

اللہ تعالٰی لایغفر ان یشرك به فینجز وعیدہ فی حق المشرکین ویغفر مادون ذٰلك لمن یشاء فیجوز ان یخلف وعیدہ فی حق المومنین[1]۔	اللہ تعالٰی مشرک کو معاف نہیں فرماتا تومشرکین کے حق میں وعید جاری وساری رہے گی اوراس سے نیچے کو معاف فرمادیتا ہے جس کو چاہے تواہل ایمان کے حق میں خلف وعید جائز ہوگی۔(ت)

سبحان اللہ! اگر صرف امکان عقلی میں کلام ہوتا تو وہ باجماع اشاعرہ بلکہ جماہیر اہلسنت حق کفار میں بھی حاصل **وھو التحقیق یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید** (اور یہی تحقیق ہے اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔ت) شرح مقاصد الطالبین فی علم اصول دین میں ہے:

اتفقت الامة ان اللہ تعالٰی لایعفو عن الکفر قطعاوان جاز عقلا ومنع بعضھم الجواز العقلی ایضا لانه مخالف لحکمة التفرقة بین من احسن غایة الاحسان ومن اساء غایة الاساءة وضعفه ظاھر[2] اھ ملخصا۔	امت کا اتفاق ہے کہ کفر کو قطعاً معاف نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس کا عقلی جواز ہے اور بعض نے تو جواز عقلی کا بھی انکار کیا ہے کہ انتہائی نیکی کرنے والے اور انتہائی برائی کرنے والے کے درمیان فرق کرنے کی حکمت کے خلاف ہے اور اس کا ضعف ظاہر ہے اھ ملخصا(ت)

اسی میں ہے:

عند شرذمة لایجوزون العفو عنھم فی الحکمة[3]۔	ایک گروہ کے ہاں یہ ہے کہ وہ حکمت کے طورپر کفار سے معافی کو جائز نہیں کہتے۔(ت)

لاجرم بدلائل قاطعہ ثابت ہواکہ قائلین جواز جواز شرعی لیتے ہیں اور خلف کے امتناع بالغیر سے بھی انکار رکھتے ہیں،اب تم نے خلف کے وہ معنی لیے جوایک قسم کذب ہے تو قطعاًلازم کہ تمھارے زعم باطل میں ان علماء کے نزدیک کذب الٰہی نہ صرف عقلا بلکہ شرعا بھی جائز ہو جسے امتناع بالغیر سے بھی بہرہ نہیں یہ صریح کفر ہے **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔ امام علامہ قاضی عیاض قدس سرہ، شفاشریف میں فرماتے ہیں:

من دان بالوحدانیة وصحة النبوة و	جو اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور نبوت کی حقانیت اور

[1] روح البیان الجزء السادس والعشرون سورۃ ق مایبدل القول کے تحت المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۹/ ۱۲۵

[2] شرح المقاصد المبحث الثانی عشر دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۵

[3] شرح المقاصد المبحث الثانی عشر دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۸

نبوة بنبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولکن جوز علی الانبیاء الکذب فیما اتوابه ادعی فی ذٰلك المصلحة بزعمه ام لم یدعها فهو کافر باجماع[1]۔	ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اعتقاد رکھتا ہو باایں ہمہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ان باتوں میں کہ وہ اپنے رب کے پاس سے لائے کذب جائز مانے خواہ بزعم خود اس میں کسی مصلحت کا ادعا کرے یا نہ کرے۔ہر طرح بالاجماع کافر ہے۔(ت)

سبحان اللہ! حضرت انبیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء پر کذب جائز ماننے والا باتفاق کافر ہوا۔ جناب باری عزوجل کا جواز کذب ماننے والا کیونکر بالاجماع کافر و مرتد نہ ہوگا۔ اب تو جانا کہ تم نے اپنی جہالت و قاحت سے کفر واسلام میں تمیز نہ کی اور کفر خالص پر معاذاللہ ائمہ دین میں نزاع ٹھہرادی، سبحان اللہ! یہ فہم فقاہت یہ دین و دیانت اور اس پر عالم رشید بلکہ شیخ مرید بننے کی ہمت ع

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت

(آدم ختم ہوگئے اور اللہ تعالٰی کے ملک پر گدھے نے قبضہ کرلیا۔ت)

ذرا یہ مقام یاد رکھئے کہ آپ کو خاتمہ اس سے کام پڑتا ہے واللہ المستعان علی ماتصفون، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

حجت عاشرہ ظاہرہ باہرہ زاہرہ قاہرہ امر وادھی من قرینتھا الاولی۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) ہنوز بس نہیں اگرچہ علماء مسئلہ خلف میں بلفظ جواز تعبیر کر رہے ہیں مگر عقلی صافی و نظر وافی نصیب ہو تو کھل جائے کہ وہ جس معنی پر خلف جائز کہتے ہیں اس معنی پر نہ صرف جائز بلکہ بالیقین واقع مانتے ہیں تو تمھارے زعم خبیث پر قطعاً لازم کہ ائمہ دین کذب الٰہی کو یقینا واقع و موجود بالفعل جانتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کفر جلی اور کیا ہوگا، دلائل لیجئے۔

اولا: ہم ثابت کرآئے کہ خلف وعفو ان کے نزدیک مساوی ہیں۔ اور ایک مساوی کا وقوع مساوی دیگر کو قطعاً مستلزم خواہ تساوی فی التحقق ہو یا فی الصدق کہ اول کا تو عین منطوق تلازم فی الوجود اور ثانی اس سے بھی زیادہ ادخل فی المقصود، فان الانفکاك فی الوجود فی الصدق مع شی زائد (کیونکہ وجود میں انفکاک، صدق میں انفکاک ہی ہے بلکہ شی زائد کے ساتھ ہے۔ت) لیکن عفو بالیقین واقع ابھی شرح مقاصد

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعة الشرکة الصحافیة ۲/ ۲۶۹

سے گزرا "جواز الاصحاب بل ائبتوہ [1]" (اصحاب اسے جائز بلکہ اسے ثابت کرتے ہیں۔ت) تو ثابت ہوا کہ وہ علماء جسے خلف وعید کہتے ہیں یقیناً واقع، اب تم خلف کو اس معنی ناپاک پر حمل کرتے ہو تو معاذاللہ الٰہی کے بالیقین واقع و موجود ہونے میں کیا کلام رہا، صدق اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا۔ت):

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾" [2]۔	بیشک آنکھیں اندھی ہوتیں وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی (اللہ سبحانہ وتعالٰی کی پناہ۔ت)

ثانیاً: تعیین تساوی سے قطع نظر بھی کیجئے تاہم آیہ کریمہ "وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ" [3] (شرک سے نیچے معاف فرمادے گا۔ت) سے ان کا استدلال دلیل قاطع کو خلف عفو س خاص یا مباین نہیں لاجرم مساوی نہ سہی تو عام ہوگا۔ بہر حال وقوع مغفرت وقوع خلف اور تمھارے طور پر وقوع خلف وقوع کذب کو مستلزم ہو کر کذب الٰہی یقینی الوقوع ٹھہرے گا اور کیا گمراہیوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔

ثالثاً: مختصر العقائد کی عبارت گزری کچھ دیر نہ ہوئی جس میں خلف وعد کو محال لکھ کر وعید مسلمین کے بارے میں دیکھ لیجئے کیا لفظ لکھا یجوز ان یترك الوعید (وعید کا ترک کرنا جائز ہے۔ت) نہ کہا بلکہ صاف صاف یترك الوعید [4] (وعید کو ترک کردیا۔ت) مرقوم کیا۔ پھر ثبوت مدعا میں کیا کلام رہا۔

رابعاً: ان دلائل قاطعہ کے بعد تمھاری سمجھ کے لائق قاطع نزاع وواقع شغب یہ ہے کہ امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسی حلیہ میں جو اسی ردالمحتار کی جس سے آپ ناقل (اس مقام میں) ماخذ صاف بتادیا کہ خلف وعید صرف عفو سے عبارت ہے۔ اب آپ ہی بولئے کہ آپ کے مذہب میں عفو بالیقین واقع ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہی خلف ہے اور تم خلف کو اصل کذب سمجھے تو اپنے خدا کو یقیناً کاذب کہہ چکے یا نہیں۔ حلیہ کی عبارت میں ہے:

الدعاء المذکور یستلزم انه یجوز الخلف فی الوعید وظاهر المواقف والمقاصد	دعا مذکور اس بات کو مستلزم ہے کہ خلف وعید جائز ہے۔ مواقف اور مقاصد کے ظاہر سے ہی

[1] شرح المقاصد البحث فی عشر دار المعارف النعمانیہ بیروت ۲/ ۲۳۵

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۶

[4] مختصر العقائد

ان الاشاعرۃ قائلۃ بہ لانہ لایعد نقصاً بل جود او کرماً ولھذا مدح بہ کعب بن زھیر رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حیث قال۔ نبئت ان رسول اللہ اوعدنی والعفو عند رسول اللہ مأمول [1]	معلوم ہوتا ہے کہ اشاعرہ اس کے قائل ہیں کیونکہ اسے نقص نہیں بلکہ جود و کرم شمار کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اس کے ساتھ مدح کرتے ہوئے کہا۔ مجھے بتایا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم نے وعید سنارکھی ہے مگر سول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عفو کی ہی امید ہے۔(ت)

دیکھو صراحۃً مدح بالعفو کو مدح بخلف وعید قرار دیا۔اسی طرح ختم نبوت میں قول ابن نباتہ مصری:

الحمد للہ الذی اذا وعدی وفا واذا اوعد عفا [2]۔	تمام حمد اللہ کی جو وعدہ کرکے وفا فرماتا ہے اور تو جب وعید سناتا ہے تو معاف فرمادیتا ہے۔(ت)

کو اسی باب سے ٹھہرایا اب بھی وضوح حق میں کچھ باقی رہا۔یہ دوسرا مقام یاد رکھنے کا ہے کہ تم نے صراحۃً وقوع و وجود کذب الٰہی کو ائمہ اہلسنت کا مذہب جانا اور ایسے کفر شنیع وارتداد فظیع کو اہل حق کا ایک اختلافی مسئلہ مانا،

کذلك یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار ولاحول ولاقوۃ الا باللہ الواحد القھار۔	یوں ہی اللہ تعالٰی ہر متکبر اور جابر دل پر مہر ثبت فرماتا ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ الواحد القھار(ت)

بالجملہ بحمد اللہ بحجج قاہرہ وبینات باہرہ شمس وامس سے زیادہ روشن اوابین ہوگیا کہ علماء جس معنی پر خلف جائز مانتے ہیں، حاش للہ! اسے امکان کذب اصلاعلاقہ نہیں،ان کے نزدیک خلف بمعنی عدم ایقاع وعید بوجہ تجاوز وکرم ہے کہ عین عفو یا عفو کا مساوی وملازم،اور یہ معنی نہ صرف جائز بلکہ باجماع اہلسنت بلاشبہہ واقع رہا۔خلف بمعنی تبدیل وتکذیب خبر جس کے جواز پر امکان کذب متفرع ہوسکے۔ہر گز ان علماء کی مراد نہ عالم میں کوئی عالم اس کا قائل بلکہ وہ بالاتفاق یک زبان ویک دل اس سے تبری وتحاشی کامل کرتے ہیں اور کذب الٰہی کے استحالہ قطعی وامتناع عقلی پر اجماع تام رکھتے ہیں۔اول سے آخر تک ان کے تمام کلمات ومحاورات وجوہ مناظرہ طریق رد واثبات ہزار در ہزار طور سے اس امر پر شاہد عدل وناطق فصل **وقد ظھر علی کل**

---

[1] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

ذی عقل (اور یہ ہر عقلمند پر ظاہر ہے۔ت) اور امام ابن امیر الحاج نے تو بحمد اللہ یہ امر باتم وجوہ منجلی کردیا کہ خود جواز خلف کو راجح مان کر اس معنی ناپاک تراشیدہ مدعی بیباک کی وہ بیخ کنی فرمائی جس کی غرب سے شرق تک خبر آئی۔یونہی امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں باآنکہ کلام امام ابو عمر وابن العلاء قائل جواز خلف کی وہ کچھ تائید کی جو اوپر گزر چکی۔جب معنی تبدیل کی نوبت آئی جس پر ان حضرات نے تفریع کی ٹھہرائی اس پر وہ شدید و عظیم نکیر فرمائی کہ کج فہمی جاہل پر قیامت ڈھائی،اسی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الخبرا ذاجواز علی اللہ الخلف فیہ فقد جوز الکذب علی اللہ تعالٰی وھذا خطاء عظیم بل یقرب من ان یکون کفرافان العقلاء اجمعوا علی انہ تعالٰی منزہ عن الکذب ومعلوم ان فتح ھذا الباب یقضی الی الطعن فی القراٰن وکل الشریعۃ اھملخصا[1]۔	یعنی جب خبر میں خلف اللہ تعالٰی پر جائز رکھا جائے تو بیشک کذب الٰہی کو جائز ماننا ہوگا اور یہ سخت خطا ہے بلکہ قریب ہے کہ کفر ہوجائے اس لئے کہ تمام عقلاء (یعنی نہ صرف اہل اسلام بلکہ سمجھ والے کافر بھی) اتفاق کئے ہوئے ہیں کہ باری تعالٰی کذب سے منزہ ہے۔اور معلوم ہے کہ اس دروازے کا کھولنا قرآن مجید اور تمام شریعت میں طعن تک لے جائیگا اھ ملخصا۔

بس خدا کی شان ہی شان نظر آتی ہے کہ واضح روشن،ایمانی اجماعی مسائل ہیں مدعیان علم ودیانت ورشد ومشیخت اغوائے عوام وتلبیس مرام کو یوں دیدہ ودانستہ کو یہ مفتری بن جاتے ہیں اور خوف خالق وشرم خلائق سب کو یک دست سلام کرکے ائمہ دین پر یوں کھلے بہتان جیتے طوفان اٹھاتے ہیں۔

چشم بازو گوش باز وایں ذکا　　　خیرہ ام در چشم بندے خدا

(آنکھیں کھولو،کان کھولو،اے بندہ خدا!اس سے آنکھیں خیرہ ہیں۔ت)

فان کنت لاتدری فتلك مصیبۃ　　　وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

(اگر تم نہیں جانتے تو یہ مصیبت وپریشانی ہے اور اگر جانتے ہو تو اس سے بڑھ کر آزمائش ہے۔ت)

بس زیادہ نہ کہو سوا اس کے کہ اللہ ہدایت دے آمین!

تنبیہ نبیہ: الحمد للہ تحقیق ذروہ علیا کہ پہنچی اور عیارون طراروں کی افترابندی اپنی سزا کو،اب صرف یہ امر قابل تنقیح رہا کہ جب خلف بمعنی تبدیل کے استحالہ پر اجماع قطعی قائم اور بمعنی مساوی عفو بالاجماع جائز بلکہ واقع تو علمائے مجوزین ومحققین مانعین میں نزاع کس امر پر ہے۔**اقول:** وباللہ التوفیق وبہ العروج علی

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر

اوج التحقیق علی الخبیر سقطت (میں کہتا ہوں اللہ کی توفیق سے، اور اس توفیق سے باخبر کو تحقیق کی بلندیوں پر عروج حاصل ہوتا ہے۔ت) ہاں منشاء نزاع اس اطلاق کی تجویز ہے مجوزین نے خیال کیا کہ خلف وعید معاذاللہ کسی عیب ومنقصت کا نشان نہیں دیتا بلکہ عفو وکرم پر دلیل ہوتا ہے اور محل مدح وستائش میں بولا جاتا ہے ولہٰذا جابجا عرف عرب سے اس پر استناد کرتے ہیں۔قائل قائلھم (ان میں سے کسی کا قول ہے۔ت) ؎

وانی وان اوعدتہ او وعدتہ لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

(اگر میں نے اسے وعید سنائی یا اس سے وعدہ کیا تو اپنے وعید کا خلاف اور وعدہ کو پورا کرنیوالا ہوں۔ت)

وقال اٰخر (اور دوسرے نے کہا۔ت) : ؎

اذا وعد السراء انجز وعدہ وان اوعد افالعفو مانعہ

(جب خوشحال لوگوں سے وعدہ کیا تو وعدہ پورا کردیا اور جب فقراء کو وعید سنائی تو عفو اس کے مانع ہوگیا۔ت)

بنابراں خلف وعید کی تجویز کی۔ محققین نے دیکھا کہ لفظ معنی محال یعنی تبدیل کا موہوم اور یہاں ایہام محال بھی منع میں کافی، کما نصوا علیہ فی مسئلۃ معقد العنز (جیسا کہ انھوں نے مسئلہ معقد العنز میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) اور اس کے ساتھ وقوع تمدح صرف مخلوق میں ہے خالق عزوجل کا ان پر قیاس صحیح نہیں لاجرم اس تجویز سے تحاشی کی۔

خلاصہ یہ کہ آیات وعید میں بنظر ظاہر عموم عدم ایک صورت خلف میں ہے اگرچہ بنظر تخصیص وتقیید حقیقت خلف سے قطعاً منزہ، مجوزین اسی خلف صوری کو خلف وعید سے تعبیر کرتے اور اسے جائز رکھتے ہیں کہ مفید مدح ہے اور محققین منع فرماتے ہیں کہ موہم نقص وقدح ہے ورنہ اگر خیال معنی کیجئے تو بلاشبہہ وہ جس امر کو خلف کہتے ہیں قطعاً بالاجماع جائز وواقع، ولہٰذا علامہ شہاب الدین خفاکی مصری نے نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں مسئلہ خلف کو اہلسنت کا اتفاقی قرار دیا اور اس میں خلاف صرف معتزلہ کی نسبت کیا،

حیث قال الوعید لایجوز تخلفہ عند المعتزلہ لقولھم بانہ یجب علی اللہ تعالٰی تعذیب العاصی [1]۔	جہاں کہاں کہ وعید کا تخلف معتزلہ کے ہاں جائز نہیں کیونکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ خاص کو عذاب دینا اللہ تعالٰی پر لازم ہے۔(ت)

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۵۳۱

پر ظاہر کہ اس نسبت کا منشا وہی نظر معنی ہے کہ معنی مقصود مجوزین کے جواز میں واقعی اشقیائے معتزلہ ہی کو خلاف ہے اہلسنت میں کوئی اس کا منکر نہیں۔ جس طرح معنی کذب و تبدیل کے بطلان وامتناع پر اہلسنت بلکہ اہل ملل بلکہ اہل عقل کا اجماع ہے جس میں کسی فرقہ کا خلاف معلوم ظاہر نہیں۔ یہ ہے بحمد اللہ محل نزاع کی تحریر انیق و تقریر رشیق، **والحمد اللہ ولی التوفیق علی الھام التحقیق وارشاد الطریق** (حمد ہے اللہ تعالٰی میں جو عطاء تحقیق اور رہنما طریق کی توفیق کا مالک ہے۔ت) امام محقق مدقق علامہ حلبی نے اسی حلیہ میں جواز خلف مان کر معنی کذب و تبدیل سے وہ تحاشی عظیم فرمائی جس کی نقل حجت سابعہ میں گزری پھر تصریح مراد کی یوں ارشاد کی:

المراد بالوعید صورۃ العموم بالوعید من ارید بالخطاب [1]۔	مسئلہ جواز خلف میں وعید سے صورت عموم مراد ہے کہ بظاہر حکم سب مخاطبوں کو شامل نظر آتا ہے۔

یعنی تنہا الفاظ وعید پر نظر کیجئے تو صاف یہی حکم ہے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ایسا کریں گے سب سزا پائیں گے پھر جبکہ بدلائل قاطعہ ثابت ہوا کہ بعض کو نہ ہوگی تو بظاہر وعید متخلف ہوئی حالانکہ وہ عموم صرف صوری تھا۔ نہ حقیقی کہ حقیقت میں عمومات وعید آیاتِ مشیت سے مکتسب تقیید، جن کا حاصل یہ ہے کہ ہم معاف نہ فرمائیں تو سزا ہوگی بس اس قدر محصل خلف ہے جسے معاذاللہ کذب و تبدیل سے کچھ علاقہ نہیں۔ پھر اس مراد و مقصود کی تحقیق فرما کر ارشاد کرتے ہیں:

ثم حیث کان المراد ھذا فالوجہ ترك اطلاق جواز الخلف فی الوعد والوعید دفعا لایھام ان یکون المراد منہ ھذا المحال [2]۔	یعنی جب معلوم ہوگیا کہ جواز خلف سے صرف اس قدر مراد ہے نہ وہ کہ معاذاللہ امکان کذب کو راہ دے کہ کذب و تبدیل تو یقینا اللہ تعالٰی پر مستحیل، تو مناسب یہی ہے کہ وعدہ یا وعید کسی میں جواز خلف کا لفظ نہ بولیں کہ اس سے کسی کو اس معنی محال کا وہم نہ گزرے.

واقعی امام ممدوح کا گمان بجا تھا۔ آخر دیکھئے نا کہ اس چودھویں صدی میں جہال سفہاء کو وہ ہم آڑے ہی آیا۔ والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی پھر فرماتے ہیں:

وانما وافقناھم علی الاطلاق لشھرۃ المسئلۃ بینھم بھذہ الترجمۃ و	ہم نے جو اس لفظ کے اطلاق میں علمائے سابقین کا ساتھ دیا اس پر باعث یہ تھا کہ مسئلہ ان میں سے اسی

[1] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

نستغفر اللہ العظیم من کل مالیس فیہ رضاہ [1]۔	نام سے شہرت رکھتاہے اور ہم اللہ عزوجل سے مغفر چاہتے ہیں ہر اس بات کی جو اسے پسندیدہ نہیں۔

سفیہ جاہل دیکھے کہ اس کے امکان کذب کے شوشے کدھر گئے۔

"قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝" [2]۔	فرماؤکہ حق آیااور باطل مٹ گیابیشک باطل کو مٹنا ہی تھا۔ (ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی نے بتوفیقِ المولٰی سبحانہ وتعالٰی اس مقام کی زیادہ تحقیق حواشی شرح عقائد وشرح مواقف پر ذکر کی اگر مخافت تطویل نہ ہوتی توان نفائس جلیلہ کو زیور گوش سامعین کرتا۔ **وفیما ذکرنا کفایۃ والحمد للہ ولی الهدایۃ** (جو کچھ ہم نے ذکر کردیاوہی کافی ہے۔ حمد ہے اللہ تعالٰی کی جو ہدایت کامالک ہے۔ت) غرض اس مقدار سے زائد کسی امر کو محل نزاع ٹھہرانا خود ان کے مقتضائے کلام ومقال وتمسک واستدلال سے جداپـڑنا اور توجیہ القول بالایرضی بہ قائلہ کرنااور ان کے اجماعیات قاطعہ سے منکر ہونااور ان مہالک شنیعہ ونتائج فظیعہ کاان کے ذمے باندھنا ہے جن سے ہو ہزار جگہ بتصریح صریح تبری کرتے ہیں۔اور واقعی بحمد اللہ بارہادیکھا ہے کہ ائمہ اہلسنت میں جو مسئلہ اصول مختلف فیہ رہاہے اگرچہ بعض ناظرین ظواہر الفاظ سے دھوکا کھائیں مگر عندالتحقیق اس کاحاصل نزاع لفظی یاایسی ہی کسی ہلکہ بات کی طرف راجع ہواہے۔ پھر ایک فریق کے دوسرے پر الزامات حقیقۃً اپنے معنی مراد پر الزام ہیں جس سے دوسرے کاذہن خالی نہ اس کی مراد سے انھیں تعلق نہ اسے دیکھ کر کوئی عاقل یہ وہم کرسکتاہے کہ وہ امر جس کاالزام دیاگیافریقین میں مختلف فیہ ہے بلکہ یہ تو عامہ نزاعات حقیقیہ معنویہ میں بھی نہیں ہوتاچہ جائے صوریہ ولفظیہ میں الزام اسی امر سے دیتے ہیں جس کابطلان متفق علیہ ہو مختلف فیہ سے مختلف فیہ پر احتجاج یعنی چہ خصوصاجب کہ ایک امر میں اختلاف دوسرے میں تنازع کی فرع ہو کہ اس تقدیر پر فرع سے الزام مصادرہ علی المطلوب ہے۔یہ نکتہ بھی یادرکھنے کے قابل کہ طرف مقابل سخت ابلہ وجاہل، خیر بات دور پہنچی نظائر لیجئے۔ مثلاایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق،امام عارف باللہ حارث محاسبی وجعفر بن حرب وعبداللہ بن کلاب وامام المتکلمین عبدالعزیز مکی وائمہ سمرقنداول کے قائل اور اسی طرف امام ہمام ابوالحسن اشعری قدس سرہ،مائل،بلکہ اسی پر امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص شریف دلیل کامل،اور امام عماد السنہ احمد بن حنبل وغیرہ جماعت محدثین سے قول منقول اور یہی ائمہ بخارا

---

[1] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۱

"**ومن وافقهم**" کے نزدیک مختار و منصور و معتمد مقبول، اس پر ائمہ سمر قند و بخارا میں نزاع کو جو طول ہوا مخفی نہیں انہوں انھوں نے ان پر مخلوقیت قرآن کا الزام رکھا انھوں نے ان پر نا مخلوقیت افعال عباد کا طعن کیا اور حقیقت دیکھئے تو بات کچھ بھی نہیں اپنی اپنی مراد پر دونوں سچ فرماتے ہیں ایمان مخلوق بیشک مخلوق کہ مخلوق و صفات مخلوق سب مخلوق اور ایمان کہ صفت خالق عزوجل ہے جس پر اسمائے حسنٰی سے پاک مومن دلیل یعنی اس ملک جلیل جل جلالہ کا ازل میں اپنے کلام کی تصدیق فرمانا وہ قطعاً غیر مخلوق کہ خالق و صفات خالق مخلوقیت سے منزہ۔

هكذا قرره الفاضل العلامة كمال الدين بن ابي شريف القدسي في المسامرة شرح المسايرة۔	اسی طرح اس کی تفصیل فاضل علامہ کمال الدین بن ابی شریف المقدسی نے المسامرۃ شرح المسایرۃ میں کی ہے۔(ت)

اب کیا کوئی احمق جاہل اس نزاع کو دیکھ کر یہ گمان کرے گا کہ بعض صفات خالق کا مخلوق یا بعض افعال مخلوق کا نا مخلوق ہونا ائمہ اہل سنت میں مختلف فیہ ہے۔ حاشا کلا یوں ہی مسئلہ زیادت و نقصان ایمان کہ قدیم سے مختلف فیہا ہے۔ امام رازی وغیرہ بہت محققین اسے بھی نزاع لفظی پر اتارتے ہیں۔ منح الروض میں ہے:

ذهب الامام الرازي وكثير من المتكلمين الى ان هذا الخلاف لفظي راجع الى تفسير الايمان[1]۔	امام رازی اور بہت سے متکلمین اس طرف گئے ہیں یہ اختلاف لفظی ہے جو ایمان کی تفسیر کی طرف لوٹتا ہے۔ (ت)

پھر کہا:

هذا هو التحقيق الذي يجب ان يعول عليه[2]۔	یہ وہ تحقیق ہے جس پر اعتماد لازم ہے(ت)

اسی طرح اور مسائل پائے گا۔ اگر اس پر حمل کیجئے جب تو امر نہایت ایسر کہ مجوزین بمعنی مساوی عفہ لیتے ہیں اور مانعین بمعنی تبدیل قول دونوں سچ کہتے ہیں اور دونوں اجماع باتیں ہیں مگر فقیر نے **بحمد اللہ** جو تنقیح مناط کردی اس پر نزاع بھی معنوی رہی اور قول مانعین کا محقق وراجح ہونا بھی کھل گیا اور جہالت جاہلین کا علاج بھی **بحمد اللہ** بروجہ کافی ہولیا،

ذٰلك من فضل الله علينا وعلى الناس	یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر او لوگوں پر لیکن اکثر لوگ

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر ومنہا ان الایمان لایزید وینقص مصطفی البابی مصر ص ۱۳۵

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر ومنہا ان الایمان لایزید وینقص مصطفی البابی مصر ص ۱۳۵

ولکن اکثر الناس لایشکرون o اللھم لك الشکر الابدی والمن السرمدی، والحمد ﷲ رب العالمین۔	شکر نہیں بجالاتے۔اے اللہ! شکر ابدی اور احسان دائمی تیرے لئے ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔(ت)

تسجیل جلیل و تکمیل جمیل: اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) مدعی جدید بیچارے کی حالت نہایت قابل رحم غریب نے امام الطائفہ کی بات بنانے کو عقل ودیانت کو پان رخصت دیا۔اپنے رب کو جیسے بنے لائق کذب کردینے کا ذمہ لیا۔ائمہ امت وسادات ملت پر کھلی آنکھوں جیتا بہتان کیا، غرض لاکھ جتن کو چھوڑے مگر کال نہ کٹا یعنی امام کی پیشانی سے داغ ضلالت مٹنا تھا نہ مٹا۔آپ کو یاد ہو کہ اصل بات کاہے پر چھڑی تھی، ذکر یہ تھا کہ حضور پر نور سید المرسلین خاتم النبیین اکرم الاولین والاخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل وہمسر حضور کی جملہ صفات کمالیہ میں شریک برابر محال ہے کہ اللہ تعالٰی حضور کو خاتم النبیین فرماتاہے اور ختم نبوت نا قابل شرکت توامکان مثل مستلزم کذب الٰہی اور کذب الٰہی محال عقلی ؎

منزہ عن شریك فی محاسنہ　　　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

(اپنے محاسن میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی شریک سے بالا ہیں آپ کو ہر حسن تقسیم نہیں کیاگیا۔ت)

اس پر اس سفیہ نے جواب دیا کہ کذب الٰہی محال نہیں۔ ممکن ہے کہ خدا کی بات جھوٹی ہو جائے اور اس پر جو ہذیانات بکے ان کی خدمت گزاری توآپ سن ہی چکے اب یہ حضرت اس کی حمایت میں خلف وعید کامسئلہ پیش کرتے ہیں یعنی ان کے امام نے نئی نہ کہی بلکہ اس کا قول ایک گروہ ائمہ کے موافق ہے۔اے سبحان اللہ! ؎

اماچنیں مقتدے چناں　　　　جہاں چوں نہ بیند بدلے چناں

(ایسے امام اور ایسے مقتدی، جہاں نے ایسے بدنہ دیکھے ہوں گے۔ت)

اے حضرت! سب کچھ جانے دیجئے مگر یہ آیہ کریمہ "وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ"[1] ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ت) بھی معاذاللہ کوئی وعید ہے جس کے امکان کذب کو جواز علت پر متفرع کیجئے گا یہ تو وعدہ ہے یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بشارت عظیمہ کو تمھیں اس فضل جلیل سے مشرف کیاگیا تمھاری شریعت مطہرہ کو شرف افضلیت بخشا تم ناسخ ادیان ہوئے تمھارے دین متین کا ناسخ کوئی نہ آئے گا تم سب سے بلند وبرتر تم سے بالا کوئی ہوانہ ہوگا۔اس میں خلف تو

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

ہر طرح بالا جماع محال ہے پھر تمھارے امام کا کیا کام نکلا اور مخالف اجماع مسلمین واحداث بدعت ضالہ فی الدین کا داغ کیونکر مٹا۔ ہاں یہ کہ اس کی اور ساتھ لگے تمھاری عقل ودیانت کا کام تمام ہوا، اسے کام نکلنا سمجھ لیجئے چاہئے کام ہو جانا قسمت کا بدا کہ دین ودیانت سے یوں کٹی چھٹی اور امام بیچارے کی بات نہ بنی ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　　　حبك الشی یعمی و یصم

(تجھے شی کی محبت اندھا اور بہرہ کردے گی۔ت)

؎ ذلیل وخوار وخراب وخستہ نہ اس سے ملتے نہ ایسے ہوتے

بہک گئے دین حق کا رستہ نہ اس سے ملتے نہ ایسے ہوتے

صدق القائل (کہنے والے نے سچ کہا۔ت)۔

اذا کان الغراب دلیل قوم　　　　سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب قوم کا رہنما کوّا ہو تو اس کو ہلاکت والے راستہ ہی کی رہنمائی کرے گا۔ت)

الحمد ﷲ! یہ بظاہر دس حجج باہرہ اور حقیقۃً اکیس دلائل قاہرہ ہیں کہ حجت رابعہ میں [11]وجہ ۲ و [12]وجہ ۳ حجت سادسہ میں [13]ثانیا، حجت تاسعہ وعاشرہ دونوں میں [14] [15]ثانیا [16] [17]ثالثا ر[18] [19]ابعا، بالجملہ کے بعد [20]عبارت امام رازی تنبیہ نبیہ میں کلام [21]امام حلبی، یہ گیارہ مستقل حجتیں تھیں۔ انھیں مدعی جدید پر اکیس کوڑے سمجھئے تو بائیسواں [22]تازیانہ تسجیل جلیل کا ہوا، اوپر کے سو[100] ملا کر ایک سو بائیس [122]کوڑے انھیں جمع رکھئے اور آگے چلئے کہ سائل کے بقیہ سوال کو اظہار جواب وتحقیق صواب کا انتظار کرتے دیر گزری، اب وقت وہ آیا کہ ادھر عطف عنان کروں اور بیان حکم قائل کے لئے میدان بدیع تحقیق رفیع میں قدم دھروں:

واللہ الھادی ولی الایادی والصلٰوۃ علی حبیبہ سراج النادی۔ رہنمائی فرمانے والا اللہ ہے اور وہی مدد کا مالک ہے اس کے محبوب پر صلٰوۃ والسلام ہو جو مجلس کائنات کے چراغ ہیں۔(ت)

خاتمہ تحقیق حکم قائل میں

اقول: وباللہ التوفیق اللھم اغفروقنا الضلال والکفر (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں اے اللہ! ہمیں معاف فرمادے اور ہمیں گمراہی اور کفر سے محفوظ فرما۔ت) جان برادر! یہ پوچھتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ کیسا ہے اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے، یہ پوچھ کہ امام وماموم پر ایک جماعت ائمہ کے نزدیک

کتنی وجہ سے کفر آتا ہے۔حاش للہ حاش للہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہر گز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتاہوں اگرچہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں اور امام الطائفہ کے کفر پر بھی ہم حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن وجلی نہ ہوجائے اور حکم اسلام کے لئے کوئی ضعیف ساضعیف محمل بھی نہ رہے فان السلام یعلو ولایعلی (اسلام غالب ہے مغلوب نہیں۔ت) مگر یہ کہتاہوں اور بیشک کہتاہون کہ بلاریب ان تابع ومتبوع سب پر ایک گروہ علماء کے مذہب میں بوجہ کثیرہ کفر لازم۔والعیاذ باللہ ذی الفضل الدائم (دائمی فضل والے اللہ کی پناہ۔ت) میرا مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ان عزیزون کو خواب غفلت سے جگاؤں اور ان کے اقوال باطلہ کی شناعت بائلہ انھیں جتاؤں کہ او بے پروا بکریو! کس نیند سورہی ہو، گلا دور پہنچا، سورج ڈھلنے پر آیا گرگ خونخوار بظاہر دوست بن کر تمھارے کان پر تھپک رہاہے کہ ذرا جھٹپٹا اور اپنا کام کرے چوپایوں میں تمھاری بیجاہٹ کے باعث اختلاف پڑچکا ہے بہت حکم لگاچکے کہ یہ بکریاں ہمارے گلے سے خارج ہیں بھیڑیاں کھائے شیر لے جائے ہمیں کچھ کام نہیں اور جنھیں ابھی تک تم پر ترس باقی ہے وہ بھی تمھاری ناشائستہ حرکتوں سے ناراض ہوکر اپنی خاص گلے میں تمھارا آنا نہیں چاہتے ہیہات ہیہات اس بیہوشی کی نیند اندھیری رات میں جسے چوپان سمجھ رہے ہو واللہ وہ چوپان نہیں خود بھیڑیا ہے کہ ذیاب فی ثیاب کے کپڑے پہن کر تمھیں دھوکا دے رہاہے پہلے [عہ۱] وہ بھی تمھارے طرح اس گلے کی بکری تھا، حقیقی بھیڑیے [عہ۲] نے جب اسے اسے شکار کیا اپنے مطلب کا دیکھ کر دھوکے کی ٹٹی بنالیا اب وہ بھی اکے دکے کی خیر مناتا اور بھولی بھیڑوں کو لگا کر لے جاتا ہے للہ اپنی حالت پر رحم کرو۔اور جہاں تک دم رکھتے ہو ان گرگ ونائب گرگ سے بھاگو جیسے بنے اس مبارک گلے میں جس پر خدا کا ہاتھ ہے کہ یداللہ علی الجماعۃ (جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ت) اور اس کے سچے راعی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں آکر ملوں کہ امن چین کا رستہ چلو اور مرغ زار جنت میں بے خوف چرو۔اے رب میرے ہدایت فرما، آمین!

عہ۱: یعنی امام الوہابیہ ۱۲ عہ۲: یعنی شیطان ۱۲

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو کچھ اپنے رب کے پاس سے لائے ان سب میں ان کی تصدیق کرنا اور سچے دل سے ان کی ایک ایک بات پر یقین لانا ایمان ہے۔

ادامه الله لنا حتى نلقاه به يوم القيام وندخل به بفضل رحمته دار السلام اٰمين!	اللہ تعالٰی اس پر ہمیں دوام عطا فرمائے حتی کہ ہماری روز قیامت آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملاقات ہو اور اللہ تعالٰی اپنی رحمت سے دارالسلام میں آپ کے ساتھ داخلہ عطا فرمائے۔ (ت)

اور معاذاللہ ان میں کسی بات کا جھٹلانا اور اس میں ادنٰی شک لانا کفر،

اعاذنا الله منه بحفظه العظيم ورحم عجزنا وضعنا بلطفه الفخيم، انه هو الغفور الرحيم اٰمين اٰمين اٰله الحق اٰمين!	اپنے حفظ عظیم سے اللہ تعالٰی ہمیں اپنی پناہ عطا فرمائے اور ہمارے عجز اور کمزوری پر لطف عظیم سے رحم فرمائے وہی غفور رحیم ہے، آمین آمین اے معبود برحق آمین! (ت)

پھر یہ انکار جس سے خدا مجھے اور سب مسلمانوں کو پناہ دے دو طرح ہوتا ہے، لزومی والتزامی، التزامی یہ کہ ضروریات دین سے کسی شیئ کا تصریحات خلاف کرے یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے اگرچہ نام کفر سے چڑے اور کمال اسلام کا دعوی کرے۔ کفر التزامی کے یہی معنی نہیں بلکہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں۔ یہ اقرار تو بہت طوائف کفار میں بھی نہ پایا جائے گا ہم نے دیکھا ہے بہیترے ہندو کافر کہنے سے چڑتے ہیں بلکہ اس کے یہ معنی کہ جو انکار اس سے صادر ہوا یا جس بات کا اس نے دعوی کیا وہ بعینہٖ کفر ومخالف ضروریات دین ہو جیسے طائفہ تالفہ نیاچرہ کا وجود ملک وجن وشیطان وآسمان ونار وجنان ومعجزات انبیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والسلام سے ان معانی پر کہ اہل اسلام کے نزدیک حضور ہادی برحق صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے متواتر ہیں انکار کرنا اور اپنی تاویلات باطلہ وتوہمات عاطلہ کو لے مرنا نہ ہرگز ہرگز ان تاویلوں کے شوشے انھیں کفر سے بچائیں گے نہ محبت اسلام وہمدردی قوام کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝" [1] (اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ ت) اور لزومی یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں مگر منجر بکفر ہوتی ہے یعنی مآل سخن ولازم حکم کو ترتیب مقدمات وتتمیم تقریبات کرتے لے چلئے توانجام کار اس سے کسی ضرور دین کا انکار لازم آئے جیسے روافض کا خلاف حقہ راشدہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت جناب صدیق اکبر وامیر المومنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انکار کرنا کہ تضلیل

---

[1] القرآن الکریم ۹ /۳۰ و ۶۳ /۴

جمیع صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی طرف مؤدی اور وہ قطعاً کفر مگر انھوں نے صراحۃً اس لازم کا اقرار نہ کیا تھا بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہلبیت عظام وغیرہم چند اکابر کرام علی مولاھم وعلیہم الصلٰوۃ والسلام کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بناتے اور خلافت صدیقی وفاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں اس قسم کے کفر میں علماء اہلسنت مختلف ہوگئے جنھوں نے مآل مقال ولازم سخن کی طرف نظر کی حکم کفر فرمایا اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعوت وبدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے، **والعیاذ باللہ رب العالمین** (اللہ رب العالمین کی پناہ۔ت) امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفا شریف میں فرماتے ہیں:

من قال بالمأل یؤدی الیہ قول ویسوقہ الیہ مذھبہ، کفرہ، فکانھم صرحوا عندہ بماادی الیہ قولھم، ومن لم یراخذھم بمأل قولھم ولاالزمھم موجب مذھبھم لم یرا کفارھم قال لانھم اذاوقفوا علی ھٰذا قالوا لا نقول بالمأل الذی الزمتموہ لنا۔و نعتقد ونحن وانتم انہ کفر، بل نقول ان قولنا لا یؤل الیہ علی ما اصلنا، فعلی ھٰذین المأخذین اختلف الناس فی الکفار اھل التاویل والصواب ترک اکفارھم[1] اھملخصاً۔	جس نے اس مآل کی طرف دیکھا جس کی طرف اس کا قول مؤدی تھا جس کی طرف اس کا مذہب چلا جاتا ہے تو اس نے اس کی تکفیر کی گویا اس نے ان کے مؤدی قول کو سمجھا ہے اور جنھوں نے ان کے مآل کو نہ دیکھا اور نہ ان کے تقاضا مذہب کا لزوم دیکھا انھوں نے تکفیر نہیں کی اس لئے جب وہ اس سے اگاہ ہوگئے تو انھوں نے کہا ہم اس مآل کا قول دونوں اسے کفر تصور کرتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے اصل کے مطابق ہمارے قول کا وہ مآل ہی نہیں، ان دونوں ماخذوں کی وجہ سے اہل تاویل کے کفر میں لوگوں کا اختلاف ہوا اور درست رائے یہی ہے کہ ان کے کفر کا قول نہ کیا جائے اھ ملخصا (ت)

جب یہ امر ہولیا تو اب ان امام وماموم کے کفریات لزومیہ ہوگئے۔ امام کے کفروں کا شمار ہی نہیں اس نے تو صرف انھیں چند سطروں میں جو تنزیہ سوم میں اس سے منقول ہوئیں کفروی لزومی کی ساتھ اصلیں تیار کیں جن میں ہر اصل صدہا کفر کی طرف منجر اور اس کا مذہب مان کر ہرگز ان سے نجات نہ مفر، **والعیاذ باللہ العلی الاکبر**۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ بیروت ۲/ ۲۷۸

اصل اول: جو کچھ انسان کرسکے خدا اپنی ذات کریم کے لئے کرسکتا ہے ورنہ قدرت انسانی بڑھ جائیگی (دیکھو ہذیان اول) اس اصل کے کفروں کی گنتی نہیں مگر میں اسی قدر شمار کروں جو اوپر گن آیا ہوں یقینا قطعاً لازم کہ اس سفیہ کے مذہب پر (۱) اس کا معبود کھانا کھاسکتا ہے (۲) پانی پی سکتا ہے (۳) پاخانہ پھر سکتا ہے (۴) پیشاب کرسکتا ہے (۵) اپنا سمع روک سکتا ہے (٦) بصر روک سکتا ہے (۷) دریا میں ڈوب سکتا ہے (۸) آگ میں جل سکتا ہے (۹) خاک پر لیٹ سکتا ہے (۱۰) کانٹوں پر لوٹ سکتا ہے (۱۱) وہابی ہوسکتا ہے (۱۲) رافضی ہوسکتا ہے (۱۳) اپنا نکاح کرسکتا ہے (۱۴) اجماع کرسکتا ہے (۱۵) عورت کے رحم میں اپنا نطفہ پہنچا سکتا ہے (۱٦) اپنا بچہ جنا سکتا ہے (۱۷) نیز اس اصل پر لازم کہ خدا خدا نہیں (۱۸) ہزاروں کروڑوں خدا ممکن ہیں (۱۹) آیہ کریمہ "**وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ**"[1] (اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے اعمال کو۔ت) حق نہیں ان سب امور کا ثبوت ہذیان مذکور کے ردوں میں ہدیہ ناظرین ہوا۔

اصل دوم: خدا کے لئے عیوب ونقائص محال نہیں بلکہ مصلحت کے لئے ان سے قصداً بچتا ہے (ہذیان دوم) اس اصل کفر اصل اول سے صدہا درجے فزوں جس سے لازم کہ اس بیباک کے مذہب ناپاک پر (۲۰) اہل اسلام کے عامہ عقائد تنزیہی وتقدیس کہ ان کے نزدیک ضروریات دین سے ہیں سب باطل وبے دلیل (۲۱) اس نامسعود کا وہمی معبود عاجز (۲۲) جاہل (۲۳) احمق (۲۴) کاہل (۲۵) اندھا (۲٦) بہرا (۲۷) ہکلا (۲۸) گونگا سب کچھ ہوسکتا ہے (۲۹) کھانا کھائے (۳۰) پانی پیئے (۳۱) پاخانہ پھرے (۳۲) پیشاب کرے (۳۳) بیمار پڑے (۳۴) بچہ جنے (۳۵) اونگھے (۳٦) سوئے (۳۷) مرجائے (۳۸) مر کر پھر پیدا ہو سب کچھ روا ہے (۳۹) اللہ کے علم (۴۰) قدرت (۴۱) سمع (۴۲) بصر (۴۳) کلام (۴۴) مشیت وغیرہا صفات کمال کے (ازلی) ہونے کا کچھ ثبوت نہیں (۴۵ تا ۵۰) ان کے ابدی ہونے کا کچھ ثبوت نہیں (۵۱) اس کی الوہیت قابل زوال، ان سب لزوم کا بیان تازیانہ اول میں گزرا بلکہ (۵۲) خود اس اصل کا ماننا درحقیقت بالفعل اللہ عزوجل کو ناقص جانتا ہے (دیکھو تازیانہ ۲) اور بیشک جو اللہ عزوجل کی طرف نقص کی نسبت کرے قطعاً کافر، اعلام بقواطع الاسلام میں ہے: **من نفی او اثبت ماھو صریح فی النقص کفر**[2] الخ۔

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۹٦

[2] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ فصل اول مکتبۃ حقیقۃ استنبول ترکی ص

اصل سوم: جن باتوں کی نفی سے خدا کی مدح کی گئ وہ سب خدا کے لئے ممکن ہیں (ہذیان ۲) اس کے کفر بھی بکثرت ہیں قطعاً لازم کہ اس سفیہ کے طور پر (۵۳) اس کے معبود کی جورو ہوسکتی ہے۔ (۵۴) بیٹا ہو سکتا ہے (۵۵) بھول سکتا ہے (۵۶) بہک سکتا ہے (۵۷) بعض اشیاء اس کی ملک سے خارج ہیں الی غیر ذٰلک من الکفریات (اس کے علاوہ دیگر کفریات۔ت) (دیکھو ت۵تا۸)

اصل چہارم: صدق الٰہی اختیاری ہے (ھ ۲) اس سے لازم کہ سفیہ کے مذہب پر (۵۸) قرآن مجید مخلوق ہے جس کے کفر پر ۳۲ فتوے گزرے (۵۹) اس کا معبود ازل میں کاذب تھا (۶۰) اب بھی کاذب ہے (۶۱) کبھی صادق نہیں ہوسکتا (۶۲) قرآن مجید کا جملہ جملہ غلط ہے (۶۳) اللہ مخلوق ہے (۶۴) بلکہ محال ہے الی غیر ذٰلک وہ کفریات کثیرہ کہ مواضع متعددہ میں جن کا الزام گزرا۔

اصل پنجم: علم الٰہی اختیاری ہے (تنبیہ بعد ت ۳) اس پر لازم کہ جاہل کے نزدیک (۶۵) علم الٰہی مخلوق وحادث ہے جس کے کفر پر فتوی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ گزرا (اللہ تعالٰی ازل میں جاہل تھا (۶۷) جب چاہے جاہل بن جائے (۶۸) اللہ حادث ہے (۶۹) قابل فنا ہے الی غیر ذٰلک۔

اصل ششم: کذب الٰہی ممکن ہے اور ثابت کر آئے کہ اس کا کلام نہ صرف امکان عقلی بلکہ امکان وقوعی بلکہ عدم استبعاد عادی میں نص صریح ہے اور (۷۰) یہ خود کفر ہے، پھر اس تقدیر پر قطعاً یقینا (۷۱) شریعت سے یکسر مان مرتفع (۷۲) خدا کی خبر سے یقین مندفع (۷۳) اسلام پر مطاعن جن سے جواب ناممکن۔

اصل ہفتم: (۷۴) اللہ تعالٰی بندوں سے چراچھپا کر، بہلا بھلا کر آیات قرآنیہ جھوٹی کردے تو کچھ حرج نہیں (ت۳۱) ہیہات یہ تو اس نے صاف صریح کہا تھا میں متحیر ہوں اسے لزوم میں داخل کروں یا التزام میں، پھر اس پر (۷۵) حشر نشر، حساب کتاب، جنت نار، عذاب، ثواب کس چیز پر ایمان نہ رہا کہ ہر چیز میں صاف صریح احتمال نقص باقی تو یقین کیسا تو ایمان کہاں۔ والعیاذ باللہ رب العالمین ہماری تقریرات سابقہ وتقریرات لاحقہ دیکھنے والا اس امام نجدیہ کے کفریات لزومیہ کو صدہا تک پہنچا سکتا ہے۔ بلکہ جس قدر اوپر مذکور ہوئے وہ بھی یہاں پورے نہ گنے گئے پھر بھی **معاذاللہ** پچھتّر کفر کیا کم ہیں، پھر یہ تو صرف ایک ہی قول پر ہیں باقی کفریات، تفویت الایمان وصرام المستقیم کی گنتی ہی کیا ہے پھر وہ اقبالی کفر علاوہ رہے جو ایمان تفویۃ الایمان پر صراط مستقیم میں اہلے گہلے پھر رہے ہیں۔ غرض حضرت کے کفریات لزومیہ واقبالیہ کی تفصیل کرتے فی کفر ایک نقطہ ان کی قبر پر دیتے جائے تو غالبا دم بھر میں ساری قبر کامنہ کالا ہو جائے، یہ اس کی سزا ہے کہ کفر وشرک دھڑی دھڑی کرکے بیچا محض بلاوجہ سچے مسلمانوں کو کافر مشرک کہا یہاں تک کہ ان کے طور پر صحابہ وتابعین سے لے کر شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز صاحب تک کوئی کفر وشرک سے نہ بچا گویا حضرت کے نزدیک کفر امور عامہ

سے تھا پھر یہ خود اس سے بچ کر کہا جاتے کہ کرد کہ نیافت کما تدین تدان [1] (جو کیا تھا نہ پایا، جو کرے گا اس کا بدل دیا جائے گا۔ت)۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را	چنداں اماں نداد کہ شب راسحر کند

(تم نے دیکھا نہیں کہ پروانہ کا خون ناحق شمع کو اسی طرح امان نہیں دیتا کہ رات کو سحری کردے۔ت)

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ " [2] اللهم احفظ لنا الایمان واعصمنا من شر الشیطان بجاہ حبیبك سیدنا محمد سید الانس والجان صلی الله تعالٰی علیه وسلم وعلٰی اٰله و صحبه شرف وکرم اٰمین والحمد لله رب العلمین۔	اسی طرح عذاب ہے، اور آخرت کا عذاب سب سے بڑا ہے، کاش یہ اسے جانیں، اے اللہ! ہمارے ایمان کی حفاظت فرما، شر شیطان سے ہمیں محفوظ فرما بوسیلہ اپنے حبیب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جو انس وجن کے سردار ہیں آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر شرف وکرم ہو آمین والحمد للہ رب العالمین۔(ت)

ان امام صاحب پر چالیس بلکہ سوتازیانے اور پر گزرے تھے پچھتّر یہ ہوئے کہ ایک جماعت ائمہ کے نزدیک تم پچھتّر وجہ سے کافر ہو، امام الطائفہ پر ایک ہی قول میں پونے دو سو کوڑے یاد رکھے، اب مقتدی صاحبوں کی طرف چلئے ان میں دیوبندی [عہ] تقلید نے تو دیوبندگی یعنی اس عوام مغوی امام کی پیروی سے قدم آگے نہ بڑھایا

عہ: **تنبیہ ضروری**: واقف منصب افتاء جانتاہے کہ مفتی سے جس کلام باطل وضلال کی نسبت سوال سائل ہو اس پر اس کلام کی شناعتوں کا اظہار، قباحتوں کا ایضاح واجب اگرچہ قائل محض عامی وجاہل ہو کہ اتمام جواب واحکام صواب اس پر موقوف اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قابل مخاطبہ ٹھہرا، پس اگر حضرت دیوبندی مثل مدعیان جدید کوئی اکابر ومتبوعین طائفہ سے ہیں جب تو اس رد بلیغ کا ہدیہ مبارک یا اگر مثل صاحب نسبت۔براہین قاطعہ نقاب عارض امامت کامنہ ہیں تو خطاب متعدد اور مخاطب واحد ورنہ کلام فقیر بضرورت افتاء محض جانب کلام من حیث ہو کلام معطوف اور خصوصی متکلم سے نظر مصروف ۱۲منہ۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ عد عن ابن عمر حدیث ۴۳۰۳۲ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

[2] القرآن الکریم ۶۸ /۳۳

یعنی کوئی ایسی نئی بات پیش نہ کی جس پر الزام کفر سے جدید حصہ پاتا صرف انھیں احکام امام کا ترکہ پایا اور اس کی باقی خرافات بشدت اہمال قابل التفات اہل علم نہیں تاہم معرض بیان میں سکوت نا محمود لہٰذا بطور اجمال تعرض مقصود، قولہ ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے کبھی جھوٹ بولا نہ بولے۔

اقول: یہ زبانی اظہار محض بے بنیاد و ناپائیدار کہ جب کذب ممکن بلکہ جائز وقوعی ہوا جیسا کہ تمھارے امام کا مشرب، تو ہر گز اس اعتقاد کی طرف کوئی راہ نہیں بلکہ صراحۃً "اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾"[1] (یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا علم تمھیں نہیں۔ت) میں داخل ہونا ہے۔ وہ تقریریں کہ فقیر نے دلیل دوم تنزیہ دوم میں حاضر کیں یہاں بنہایت وضوح وانجلا جاری، جنھیں **بحمداللہ** اس اظہار باطل کی ذلت وخواری کی پوری ذمہ داری، سچا ہے تو کذب الٰہی جائز رکھ کر اپنے اعتقاد پر دلیل تو قائم کرے اور جب نہ قائم کرسکے تو واضح ہوجائے گا کہ یہ زبانی استمالت بھی صرف خاطر داری عوام کے لئے تھی آخر اس کا امام صراحۃً لکھ ہی چکا کہ چراچھپا کر خدا جھوٹ بول لے تو کچھ حرج نہیں،

اللھم انی اعوذبك من اضلال الشیاطین، والعیاذ باللہ رب العالمین۔	اے اللہ! میں شیطان کی گمراہی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اللہ رب العالمین کی پناہ ہے۔(ت)

قولہ مگر بول سکتا ہے، **اقول:** "اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾"[2] (دیکھو کیسا اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ کافی ہے صریح گناہ۔ت)

قولہ۔ بہشتیوں کو دوزخ اور دوزخیوں کو بہشت میں بھیج دے، **اقول:** قطع نظر اس سے کہ مومن مطیع کی تعذیب ہمارے ائمہ کرام ماتریدیہ اعلام قدست اسرارہم کے نزدیک محال عقلی مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

امتناع تعذیب الطائع مذھبنا معشر الماتریدیۃ فانہ نقص مستحیل علیہ سبحانہ وتعالٰی عقلا[3] اھ ملخصا۔	مومن مطیع کے عذاب کا ممتنع ہونا ہم ماتریدیہ کا مذہب ہے کیونکہ یہ نقص ہے جو اللہ تعالٰی پر محال عقلی ہے، اھ ملخصا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۰

[3] فواتح الرحموت بذیل المستصفی الباب الاول فی الحاکم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۴۶

اور امام نسفی وغیرہ عـــہ۱ بعض علماء نے عفو کافر کو بھی عقلاً ناممکن جانا، امام ابن الہمام مسایرہ میں فرماتے ہیں،

صاحب العمدۃ اختار ان العفو عن الکفر لا یعفو من الکفر ال یجوز عقلا۔[1]	صاحب عمدہ کا مختار یہ ہے کہ کفر سے عفو عقلاً جائز نہیں۔(ت)

اس قائل سے پوچھئے انبیاء و اولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کا جنھوں نے کبھی اطاعت کے سوا کچھ گناہ نہ کیا معاذ اللہ دوزخ میں جانا اور کافروں مشرکوں کا جنت میں آنا محال شرعی بھی مانتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اپنے ایمان کی فکر کرے اور علماء سے اپنا حکم پُوچھ دیکھئے اور اگر ہاں تو ممتنع بالغیر ہو اور ممتنع بالغیر وہی جس کا وقوع ماننا کسی ممتنع بالذّات کی طرف منجر ہو ورنہ لزوم ممکن سے استحالہ ممکن محض ناممکن، اب وہ غیر کیا ہے، یہی لزوم کذب باری عزوجل، تو آپ ہی کی دلیل عـــہ۲ سے ثابت ہوا کہ کذب بار محال ذاتی ہے، اسے ذی ہوش!

عـــہ۱: طرفہ یہ کہ وہ ردالمحتار جس سے مدعیان جدید اس مسئلہ میں جہلا متمسک اس میں بھی یہی قول اختیار کیا اور اسی کو صحیح و معتمد قرار دیا،

حیث قل لکنہ مبنی علٰی جواز العفو عن الشرك عقلاع وعلیہ یبتنی القول بجواز الخلف فی الوعید، و قد علمت ان الصحیح خلافہ فالدعاء بہ کفر لعدم جوازہ عقلا و شرعا[2]۔	انھوں نے کہا یہ اس پر مبنی ہے کہ شرک کا عفو عقلا جائز ہے اور خلف وعید کا قول بھی اسی پر مبنی ہے اور آپ جان چکے صحیح قول اس کے خلاف ہے لہٰذا اس کا دعوی کفر ہے کیونکہ اس کا جواز نہ عقلا ہے نہ شرعا(ت)

اور اس طرف اس کے ماخذ حلیہ کا کلام ناظرہ،

کمالا یخفی علٰی من طالعہ بامعان النظر واللہ الموفق ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جیسا کہ مخفی نہیں ہر اس شخص پر جس نے گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(ت)
عـــہ۲: فان قلت لم لا یجوز ایکون ھذا ایضاً	اگر یہ اعتراض کریں یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہ بھی محال لغیرہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] المسایرہ مع المسامرۃ الرکن الرابع فی السفیہات المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۲۵۵

[2] ردالمحتار مطلب فی خلف لاوعید الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

ورود نص کے سبب خلاف منصوص کو محال شرعی اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا وقوع محال عقلی یعنی کذبِ الٰہی کو مستلزم، شرح عقائد میں ہے:

لو وقع لزم کذب کلام اللہ تعالٰی وھو محال [1]۔	اگر قوع ہو جائے تو اللہ تعالٰی کے کلام کا کذب لازم آتا ہے جو محال ہے (ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے،

قال اللہ تعالٰی، لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا، وعن ھذا النص ذھب المحققون ممن جوزہ عقلا من الاشاعرۃ الی امتناعہ سمعا وان جاز عقلا ای والا لزم وقوع خلاف خبرہ سبحانہ [2]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے، اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر، اسی نص کی بنا پر ان اشاعرہ میں سے محققین اس طرف گئے ہیں جو اسے عقلا جائز سمجھتے تھے کہ شرعا محال ہے اگرچہ عقلا جائز ہے یعنی ورنہ اللہ تعالٰی کی خبر کے خلاف وقوع لازم آئے گا۔ (ت)

سبحان اللہ! یہ تو عقل وفہم اور الٰہیات میں بحث کا وہم قولہ تو کسی کا اجارہ نہیں **اقول:** یوں تو تم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) محالا لغیرہ وذٰلک الغیر المستحیل بالذات شیئا اٰخر قلت لم لا یجوزان یکون ھذا ھو ذٰلک الغیر الا محال بالذات ولا جلہ سارملزومہ محالا بالغیر فان تشبثت باحتمال تشبثنا باٰخر وکنا مصیبین وکنت من الخاطئین لا نک مستدل بھذا الدلیل علی امکان الکذب امامد عیا واما غاصبا فکیف یکفیک عسٰی ولعل ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہو اور یہ غیر جو محال بالذات ہو دوسری شیئ ہے میں کہوں گا یہ کیوں جائز نہیں کہ یہ غیر محال بالذات یہی ہو اور اس کی وجہ سے اسکا ملزوم محال بالغیر ہو اور اگر تم کسی اور احتمال سے استدلال کرو تو ہم مصیب اور تم خاطی ٹھہروگے کیونکہ تم اس دلیل سے امکان کذب پر استدلال کیا تو تم یا تو مدعی ہو یا غاصب اب تمھارے لئے شاید یہ ہو امید ہے کہ ہو، کیسے کام آسکتا ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ الاعربیۃ قندھار افغانستان ص ۷۱

[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر معنی قرب الباری من مخلوقاتہ وبعدہ عنھم البابی مصر ص ۱۰۷

اپنے امام کی طرف سے یہ بھی کہہ سکتے ہو کہہ سکتے ہو اگر باری تعالٰی اپنے آپ کو ناقص وملوث و عیبی بنالے تو کسی کا اجارہ نہیں، اپنی ذات یا قدرت یا علم یا الوہیت کو فنا کردے تو کسی کا اجارہ نہیں، ظاہر ہے کہ ان محالات کے فرض پر بھی اس کا اجارہ ثابت نہ ہوگا کہ بے علاقہ ملازمت معقول نہیں پھر اسی نفی اجارہ سے ثبوت امکان کیونکر ہو، اور اگر یہ مقصود کہ ایسا کرے تو کچھ حرج نہیں، اور بیشک عرف میں یہ کلام اسی معنی کو مفید ہوتا ہے تو محض غلط و باطل، اور اجماعِ امت و نصوص قاطعہ کے خلاف بیشک کتنا بڑا حرج ہے کہ سارے جہان کا سچّا مالک **معاذاللہ** جھُوٹا ٹھہرے جس کے استحالہ پر نصوص بے شمار سُنتے آئے اور حلیہ کا کلام تازہ گزرا اور شرح عقائد و شرح فقہ اکبر کی آوازیں تو ابھی تمھارے کان مین گو نجتی ہو گی، مگر ہاں تمھارے نزدیک اللہ عزوجل کے جھُوٹے ہونے میں کیا حرج ہوتا تھا، امام تو صاف کہہ چکا کہ اس پاک بے عیب میں دنیا بھر کے عیب آسکتے ہیں پھر انیہم بر علم اللہ ایمان و حیا بخشے۔ قولہ یہی امکانِ کذب ہے۔**اقول:** عـــہ محض تمھارا کذب ہے ہر ممتنع بالغیر محال بالذات کو مستلزم، اور باوجود اس کے خود ممکن بالذات ہوتا ہے، اسکا امکان ذاتی اس محال بالذات کے امکان ذاتی کو مستلزم ہو محال بالذات اور کو مستلزم ہونا محال بالذات اور لمَ یہ کہ ان میں استلزام ہی عارضی تھا نہ کہ ذاتی ورنہ محال بالذات ہوتا نہ کہ بالغیر، یُوں تو لازم کہ باری تعالٰی و تقدس واجب الوفود نہ رہے یا تمام موجودات واجب بالذات ہو جائیں، وجہِ ملازمت سُنئے زید آج موجود ہوا اس کا وقت وجود علم الٰہی سبحانہ و تعالٰی میں تھا یا نہیں، اگر نہیں تو علم محیط باری جل وعلا منتفی ہوا اور انتفائے علم کہ مقتضائے ذات ہے انتفائے مقتضی کو مقتضی تو باری عزوجل **معاذاللہ** معدوم ہُوا اور اگر تھا تو اس وقت اس کا عدم بھی ممکن ذاتی تھا یا نہیں، اگر نہیں تو زید واجب بالذات ہُوا اور وہاں تو اس کا اس وقت عدم کہ ممکن بالذات ہے۔ عدم علم اور عدم عالم کو مستلزم تو تمھارے طور پر عدم ذات ممکن تو باری جل جلالہ واجب الوجود نہ ہوا، اب توآپ کو اپنی جہالت پر یقین آیا، واقعی تم بیچارے معذور ہو کہ حقائقِ علوم ودقائق فہوم میں بیچاری گنگوہی تعلیم کا حصہ رکھا ہی نہ گیا، ذرا کلمات علماء پر

عـــہ :**واقول:** ایضا بلکہ اوجاہل ! اگر یہ تیر دلیل جہالت تام ہو تو باری عزوجل کا**معاذاللہ** جہل بھی ممکن ٹھہرے کہ اس نے بہشتیوں کے بہشت، دوزخیوں کے دوزخ جانے کی صرف ہم کو خبر ہی نہ دی بلکہ اس کے علم میں بھی ایسا ہی ہے باایںہمہ وُہ خلاف پر قادر، اس تقدیر پر اس کا علم غلط پڑے گا اور یہی امکان جہل ہے تعالٰی عن ذلک علو کبیر االلہ تعالٰی اس سے بڑھ کر بلند ہے۔ت) ہاں اے جاہل ! اب تو یا تو امکان جہل بھی مان یا امکانِ کذب پر ان جُھوٹے شوشوں سے در گزر، اللہ تعالٰی ہدایت بخشے آمین ! ۱۲منہ رضی اللہ عنہ۔

نظر کیجئے تو آپ کو اپنی دانشمندی پر یقین کامل آئے۔علّامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

ان اللّٰه تعالٰی لما اوجد العالم بقدرته اختیارہ فعدمه ممکن فی نفسه مع انه یلزم من فرض وقوعه تخلف المعلوم عن علته التامة وہو محال والحاصل ان لاممکن لایلزم من فرض وقوعه محال بالنظر الٰی ذاته واما بالنظر الٰی امر زائد علٰی نفسه فلا نسلم انه لایستلزم المحال۔[1]	اللہ تعالٰی نے جہان کو اپنی قدرت واختیار سے تخلیق فرمایا اس کا فی ذاتہ عدم ممکن ہے باوجودیکہ اسکے وقوع کے فرض سے معلول کا اپنی علت تامہ سے تخلف لازم آتا ہے اور یہ محال ہے، حاصلیہ ہے کہ ممکن وُہ ہوتا ہے جی زاتہ جس کے وقوع کے فرج کرنے سے مال لازم نہ آئے لیکن کسی امر زائد کی بنسبت ہم نہیں مانتے کہ محال کو مستلزم نہیں (ت)

شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

ان قیل ماعلم اللّٰه او اخبر بعدم بوقوعه یلزم من فرض وقوعه محال ھو جهله او کذبه تعالٰی عن ذٰلك و کل مایلزم من فرض وقوعه محال فهو محال ضرورۃ امتناع وجود الملزوم بدون اللازم ،فجوابه منع الکبری وانما یصدق لوکان لزوم المحال لذاته امالو کان لعارض کالعلم اوالخبر فیما نحن فیه فلا لجوازان یکون ھو ممکنافی نفسه ومنشاء لزوم المحال ھو ذٰلك العارض۔[2]	اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالٰی نے جس چیز کے عدم وقوع کو جانا یا اُس کی خبر دی ہو تو اس کے وقوع کے فرض سے محال لازم آئے گا وہ جہالت یا اس کا کذب ہے تو جب اس فرض وقوع سے محال لازم آئے گا تو یہ بہر حال محال ہو گا کیونکہ لازم کے بغیر ملزوم کا وجود ممتنع ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبرٰی نہیں مانتے، یہ تب سچّا ہے کہ اگر لزوم محال لذاتہ ہو اور اگر کسی عارضہ کی وجہ سے ہو مثلاً وُہ زیر بحث علم یا خبر ہو تو اس میں محال نہیں کیونکہ یہ فی نفسہٖ ہو سکتا ہے ممکن ہے اور لزوم محال کی علّت وہ عارض بن رہا ہو۔(ت)

غرض استحالہ ناشیہ عن نفس الذات وعن خارج میں فرق نہ کرکے بعض نے استلزام عارضی میں بھی استحالہ لازم بالذات سے استحالہ ملزوم بالذات کا حکم کیا جس کا محققین نے یوں حل کر دیا مگر ایسی جگہ امکان ملزوم سے

---
[1] شرح العقائد النسفیه دار الاشاعة العربیه قندھار افغانستان ص ۷۱ و ۷۲
[2] شرح المقاصد المبحث الرابع لاقبیح من اللّٰه تعالٰی دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۱۵۵

امکان لازم مستحیل بالذّات کا حکم آپ ہی کی عقل شریف کا حصّہ خاصہ تھا کہ اس کے رد میں علماء کا وہ حل کافی ووافی ہوا، سبحان اللہ! میں اپنے علماء سے کیوں استناد کروں۔ آپ اپنے ہی امام کا قول نہ سُنئے، اسی مبحث کذب والی یکروزی میں کیا کہتا ہے:

اگر مقصود این ست کہ وقوع مذکور بالفعل (جسے یہاں اپنی بحث میں وقوع تعذیب مطیع و مغفرت کافر فرض کیجئے) مستلزم کذب ست پس آن مسلم ست وکسے دعوی وقوع مذکور بالفعل نکردہ اگر مقصودش این ست کہ امکان وقوع مذکور مستلزم کذب نصی ست از نصوص قرآنیہ پس آں نص را تلاوت باید کرد تا واضح گردد کہ کدام نص بر نفی امکان وجود مذکور دلالت میکند واگر مقصود این ست کہ امکان وجود مذکور مستلزم امکان کذب ست پس ملازمت ممنوع ست زیرا کہ عدم وجود مذکور معلول صدق نص ست پس تحقق عدم مذکور البتہ مستلزم تحقق امکان صدق نص مذکور ست وزوال عدم مذکور بالفعل مستلزم کذب ست واما امکان زوال عدم مذکور پس مستلزم امکان زوال صدق نیست یعنی امکان وجود مثل مذکور مستلزم امکان کذب نیست چہ امکان زوال معلول مستلزم امکان زوال علت نیست والا لازم آید کہ امکان زوال عقل اول مستلزم امکان زوال واجب باشد پس امکان زوال عقل اول ممتنع باشد پس عقل اول واجب لذا تہ باشد، حاصلش آنکہ ملازم درمیان علت و معلوم درفعلیت وجود و عدم ست نہ درامکان ذاتی والا لازم آید کہ واجب لذاتہ ممکن لذاتہ اگردد، چہ معلولات او	اگر مقصود یہ ہے کہ وقوع مذکور بالفعل ہے (جسے یہاں اپنی بحث میں وقوع تعذیب مطیع و مغفرت کافر فرض کیجئے) تو یہ کذب کو مستلزم ہے پس یہ تسلیم شدہ ہے اور کسی نے وقوع مذکورہ بالفعل کا دعوی نہیں کیا، اور اگر مقصود یہ ہے کہ وقوع مذکور کا امکان قرآنی نص کے کذب کو مستلزم ہے تو اس نص کی تلاوت کی جائے تاکہ واضح ہو جائے کہ کون سی نص وجود مذکور کے نفی امکان پر دلالت کر رہی ہے، اور اگر مقصود یہ ہے کہ وجود مذکور کا امکان امکانِ کذب کو مستلزم ہے تو یہ لزوم ممنوع ہے کیونکہ وجود مذکور کا عدم صدق نص کا معلول ہے تو عدم مذکور کا تحقق یقینا صدق نص مذکور کے امکان کے تحقق کو مستلزم ہے، عدم مذکور کا بالفعل زوال، کذب کو مستلزم ہے لیکن زوال عدم مذکور کا امکان، زوال صدق کے امکان کو مستلزم نہیں یعنی امکان وجود مذکور، امکان کذب کو مستلزم نہیں کیونکہ زوال معلول کا امکان، امکان زوال علت کو مستلزم نہیں ورنہ لازم آئے گا زوال عقل اول کا امکان، زوال واجب کے امکان کو مستلزم ہو تو زوال عقل اول کا امکان ممتنع ہو تو عقل اول واجب لذاتہ ہوگی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ علت و معلول کے درمیان تلازم فعلیت وجود عدم میں ہے نہ کہ امکان ذاتی میں، ورنہ ازم آئے گا کہ واجب لذاتہ، ممکن

ہمہ ممکنات اند اھ [1] ملخصاً۔	لذاتہ ہو جائے کیونکہ اس کے تمام معلولات ممکن ہیں اھ ملخصًا (ت)

اگراس کی یہ تقریر پریشان طویل الذیل جس میں اس نے خواہی نہ خواہی ذراسی بات کو بیگھوں میں پھیلایا ہے، تمھاری مقدس سمجھ میں نہ آئے تو اسی کا دوسرا بیان مختصر سنو اسی یکروزی میں لکھتا ہے:

اگر مقصود این ست کہ از وقوع ممکن ہیچگونہ محال ناشی نمی گردد لا بالنظر الٰی ذاتہ ولا بالنظر الی الامور الخارجیۃ پس این مقدمہ ممنوع ست چہ بریں تقدیر لازم می آید کہ وجود ہر معدوم و عدم ہر موجود محال باشد زیرا کہ مستلزم محال ست یعنی کذب علم ازلی [2]۔	اگر مقصود یہ ہے کہ وقوع ممکن سے کوئی محال لازم نہیں آتا، نہ اس کی ذات کے اعتبار سے اور نہ امور خارجی کے اعتبار سے، تو یہ مقدمہ ممنوع ہے کیونکہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ ہر معدوم کا وجود اور ہر موجود کا عدم محال ہو کیونکہ یہ محال کو مستلزم ہے یعنی علم ازلی میں کذب۔ (ت)

دیکھو باوجود امکان ملزوم لازم کو محال مانتا ہے، پھر تمھاری جہالت کہ تعزیب مطیع و عفو کافر کے امکان سے امکان کذب پر استدلال کرتے ہو، غرض حق یہ ہے کہ یہ نفیس استدلال کسی ایسے ہی مقدس آدمی کا کام ہے جسے دیو جہالت کی بند وقید میں کبھی علم و فہم کی ہوا نہ لگی ہو، واللہ الھادی خیر یہ تو وہ تھے جنھوں نے تقلید امام سے تجاوز نہ کیا تھا، رہے امام عنید کے مرید رشید، انھوں نے بیشک ہمت فرما کر وُہ طرفہ ابکار افکار ہدیہ انظار فحول نظار کیں یعنی یہی جواز خلف کی تقریر نازنین جس کے باعث اُن پر لزوم کفر کی تین وجہیں اور بڑھیں:

اولا: وہ وجہ ہائل کہ تمام مقلدین امام طائفہ کو عموماً شامل یعنی یہ اس کے قول مذکور و جمیع اقوال کفریہ میں مقلد اور بیشک جو کفریات میں تقلید کرے قطعاً لزومِ کفر سے حصّہ پائے۔

ثانیا: ان حضرت نے جواز خلف بمعنی کذب، ائمہ دین کی طرف نسبت کیا اور ہم بدلائل قاطعہ مبرہن کر آئے کہ وُہ جس معنی پر خلف جائز فرماتے ہیں اسے قطعاً جائز و قوعی بلکہ واقع ٹھہراتے ہیں، تو ان حضرت نے مولٰی سبحانہ و تعالٰی کا کاذب بالفعل ہونا کہ قطعاً اجماعاً کفر خالص ہے، ایک جماعت ائمہ دین کا مذہب جانا اور اسے اس قدر ہلکا سمجھا کہ ائمہ اہل سنت کا اختلافی مسئلہ مانا اور اس پر طعن کو بیجا بتایا اور اس سے تعجب کار جہلا ٹھہرایا اور بیشک جو شخص کسی عقیدۂ کفر کو ایسا سمجھے خود کافر ہے، اعلام بقواطع الاسلام میں ہمارے علمائے اعلام

---

[1] رسالہ یک روزی (فارسی) مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۵و۱۶

[2] رسالہ یک روزی (فارسی) مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۶

سے کفر متفق علیہ کی فصل میں منقول،

او صدّق کالم اھل الا ھواء عـــہ اوقال عندی کلام مھم کلام معنوی اومعناہ صحیح [1] الخ۔	یا وُہ تصدیق کرے کلام اہل بدعت کی، یا کہے میرے ہاں ان کا کلام بامقصد ہے، یا کہے اس کا معنی درست ہے الخ (ت)

فقیر نے اس مسئلہ کی قدرے تفصیل اپنے رسالہ مبارکہ مقامع الحدید علی خدا المنطق الجدید میں ذکر کی **واللہ الموفق۔**

ثالثًا: الحمد للہ کہ علمائے اہلسنت ان نے جہلا کی جہالت فاحشہ سے پاک نرالے اور ان کے بہتانی خیالوں، شیطانی ضلالوں پر سب سے پہلے تبرّا کرنے والے مگر ان کی قوتِ واہمہ نے جو انھیں امام الطائفہ کے ترکہ میں ملی، ائمہ متقدمین میں کچھ علماء ایسے تراشے جو کذب الٰہی کے جواز و قوعی بلکہ وقوع بالفعل کے قائل ہوئے تو وہ تراشیدہ علماء ساختہ ائمہ (جن کا ان جہال کے وہم وخیال کے سوا کہیں وجود نہیں) قطعاً جماعا کافر مرتد تھے، اب انھوں نے ان وہمی موجودوں یقینی مرتدوں کو کافر نہ جانہ بلکہ مشائخِ دین و علمائے معتمدین مانا تو خود ان پر کفر وارتداد لازم آنے میں کیا کلام رہا کہ جو کسی منکرِ ضروریات دین کو کافر نہ کہے آپ کافر ہے۔ امام علامہ قاضی عیاض قدس سرہ سفا شریف میں فرماتے ہیں:

الاجماع علی کفر من لم یکفر احدا من النصاری و الیھود و کل من فارق دین المسلیمن او وقف فی تکفیر ھم او شک. قال القاضی	یعنی اجماع ہے اس کے کفر پر جو یہود و نصارٰی یا مسلمانوں کے دین سے جدا ہونیوالے کافر نہ کہے یا اس کے کافر کہنے میں توقف کرے یا شک لائے، امام قاضی

عـــہ: حمل العلامة ابن حجر اھل الاھواء علی الذین نکفر ھم ببد عتھم قلت وھو کما افاد ولا یستقیم التخریج علی قول من اطلق الاکفا ر بکل بدعة فانہ الکالم فی الکفر المتفق علیہ فلیتبنہ ۱۲۔	علامہ ابن حجر اہل ہوا سے مراد وہ لوگ لیتے ہیں جنھیں ان کی بدعت کی وجہ سے کافر کہا گیا ہے، میں کہتا ہون بات وہی ہے جو انھوں نے کہی اسے یہ حوالہ اس قول پر صحیح نہیں جو مطلقاً ہر بدعت کو کفر کہتے ہیں کیونکہ گفتگو اس کفر میں ہو رہی ہے جس پر اتفاق ہو اسے یادرکھ ۱۲ (ت)

[1] علامہ بقواطع الاسام مع سبل النجاۃ فصل کفر متفق علیہ مکتبہ حقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۷۱

ابو بکر لا ن التوقیف والا جماع اتفقا علی کفرھم فمن وقف فی ذٰلك فقد کذب النص و التوقیف اوشك فیه،والتکذیب والشك فیه لا یقع الامن کافر۔[1]	ابوبکر باقلانی نے اس کی وجہ یہ فرمائی کہ نصوص شرعیہ واجماعِ امت ان لوگوں کے کفر پر متفق ہیں توجو ان کے کفر میں توقف کرتا ہے وُہ نص و سریعت کی تکذیب کرتا ہے یا اس میں شک رکھتا ہے اور یا امر کافر ہی سے صادر ہوتا ہے۔

اسی میں ہے:

یکفر من لم یکفر من دان بغیر ملة الاسلام اووقف فیھم اوشك اوصحح مذ ھبھم وان اظھر الاسلام واعتقد ابطال کل مذھب سواہ فھو کافر باظھار ما اظھر من خلاف ذٰلك[2] اھملخصا۔	یعنی کافر ہے جو کافر نہ کہے ان لوگوں کو کہ غیر ملت اسلام کا اعتقاد رکھتے ہیں یا ان کے کفر میں شک لائے یا ان کے مذہب کو ٹھیک بتائے اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور مذہب اسلام کی حقانیت اور اس کے سواسب مذہبوں کے بطلان کا اعتقاد ظاہر کرتاہو کہ اس نے بعض منکر ضروریات دین کو جب کہ کافر نہ جانا تواپنے اس اظہار کے خلاف اظہار کر چکا اھ ملخصا۔

آپ کو یاد ہو کہ ان مدعیان جدید نا مہتدی ورشید پر ایک سو بائیس ۱۲۲ کوڑے اوپر جوڑے اور ان کے امام کا وبال انھیں کب چھوڑے کہ یہ آخر اسی کے مقلد اور اسکے اقوال کے پورے معتقد، معھذا جب ضرب الغلام اھانة المولی (غلام کی ضرب مولٰی کی اہانت ہے۔ت) توضرب المولی اھانة الغلام (مولٰی کی ضرب غلام کی اہانت۔ت) بدرجہ اولٰی بہر حال یہ پچھتّر ۷۵ کوڑے جو امام الطائفہ پر تازے پڑے، ان کے حصّے میں بھی یقینا جڑے، کُل ایک سو ۱۹۷ ستانوے ہوئے اور تین خاص ان کے دم پر سوار تو اس مختصر رسالے موجز عجالے میں مدعیان جدید پرپُورے دو سو ۲۰۰ کوڑوں کی کامل بوچھار،

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۠﴿۳۳﴾ "[3]	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخر کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وُہ جانتے۔(ت)

میں نے جس طرح اس رسالہ کا تاریخی نام "سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" رکھا یونہی

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تحقیق القول فی اکفار المتاولین المطبعة الشرکة الصحافیه ۲ /۲۹۷

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل جی بیان ماھو من المقالات کفر المطبعة الشرکة الصحافیه ۲ / ۲۷۱

[3] القرآن الکریم ۶۸ / ۳۳

ان تازیانوں کا عدد رخواست کرتا ہے کہ اس کا تاریخی لقب "دوصد تازیانہ بر فرق جہول زمانہ" رکھوں، بالجملہ آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ایک مذہب علمائے دین پر یہ امام و مقتدی سب کے سب نہ ایک دو کفر بلکہ صدہا کفر سراپا کفر میں ڈوبے ہوئے ہیں وفی ذٰلك اقول: (اس میں میں نے کہا۔ت) ؎

فکفر فوق کفر فوق کفر کان الکفر من کثر و فر

کماءٍ اٰسنٍ فی نتین دفر تتابعَ قطرہ من تقب کفر [1]

(کفر ہر کفر سے بڑھ کر کفر، ہر کثیر سے بڑھ کر کثیر، جیسا کہ کھڑا پانی بدبودار پانی ملنے سے خوب بدبودار ہو جاتا ہے۔ت)

معاذاللہ! اس قدر ان کے خسار وبوار کو کیا کم ہے اگرچہ ائمہ محققین و علمائے محتاطین انھیں کافر نہ کہیں اور یہی صواب ہے،

وھو الجواب وبہ یفتی و علیہ الفتوی وھو المذھب وعلیہ الاعتماد وفیہ السلامۃ وفیہ السداد۔	جواب یہی ہے، اس کے ساتھ فتوی دیا جاتا ہے اور اسی پر فتوی ہے، یہی مذہب اور اسی پر اعتماد ہے، اسی میں سلامتی اور یہی درست ہے۔ (ت)

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی اعلام میں فرماتے ہیں:

انہ یصیر مرتدا علٰی قول جماعۃ و کفٰی بھٰذا خسارا [2]۔	وُہ ایک جماعت علماء کے قول پر مرتد ہوگیا اور اس قدر خسران وزیان میں بس ہیں۔

والعیاذ باللہ خیرا الحافظین (اور بہتر حفاظت کرنے والے کی پناہ۔ت) پھر جب کہ ائمہ دین ان کے کفر میں مختلف ہوگئے تو راہ یہ ہے کہ اگر اپنا بھلا چاہیں جلد از سر نو کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنے مذہب نامہذب کی تکذیب صریح اور اس کے رد و تقبیح کی صاف تصریح کریں ورنہ بطور عادت کلمہ شہادت کافی نہیں کہ یہ تو وہ اب بھی پڑھتے ہیں اور اسے اپنے مذہب کا رد نہیں سمجھتے۔ بحر الرائق میں بزازیہ و جامع الفصولین سے ہے:

لواتی باشھادتین علی وجہ العادۃ لم ینفعہ مالم یرجع عماقال۔ [3]	اگر معمول کے مطابق وہ کلمہ شہادت پڑھتے تو اسکو وہ نافع نہیں جب تک وہ اپنے قول سے رجوع نہ کرے (ت)

[1] الدیوان العربی الموسوم بساتین الغفران فی الرد علی القائلین بامکان کذب اللہ الخ رضا دار الاشاعۃ لاہور ص ۱۹۲

[2] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبہ حقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۶۲

[3] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۸

اور جس طرح اس مذہب خبیث کا اعلان کیا ہے ویسے ہی توبہ و رجوع کا صاف اعلان کریں کہ توبہ نہاں کی نہاں ہے اور عیاں کی عیاں۔ حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ۔[1] رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی المعجم الکبیر بسند حسن علی اصولنا عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب تو کوئی گناہ کرے تو فورا توبہ کر، پوشیدہ کی پوشیدہ اور ظاہر کی ظاہر۔ (اسے امام احمد نے کتاب الزہد میں، طبرانی نے المعجم الکبیر مین سند صحیح سے ہمارے اصولوں کے مطابق حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اس سب کے بعد اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کریں کہ کفر خلافی کا حکم یہی ہے، علامہ حسن شرنبلالی شرح وہانیہ پھر علامہ علائی شرح تنویر میں فرماتے ہیں:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنی وما فیہ خلاف یومر بالاستغفار والتوبۃ و تجدید النکاح[2]۔	جو بالاتفاق کفر ہو اس سے اعمال، نکاح باطل ہو جاتے ہیں تمام اولاد، اولاد زنا قرار پا جاتی ہے اور جس میں اختلاف ہو وہاں استغفار، توبہ اور تجدید نکاح کروایا جائے گا۔ (ت)

پس اگر مولٰی سبحانہ و تعالٰی ہدایت فرمائے اور اس کے کرم سے کچھ دُور نہیں، یعنی یہ حضرات اپنے مذہب مردود سے باز آئیں اور علانیہ اب العالمین کی طرف توبہ لائیں "فَاِخۡوَانُكُمۡ فِی الدِّیۡنِ"[3] تمھارے دینی بھائی ہیں، ورنہ اہل سنت پر لازم کہ ان سے الگ ہو جائیں، ان کی صحبت کو آگ سمجھیں، ان کے پیچھے نماز ہر گز نہ پڑھیں اگر نادانستہ پڑھ لی ہو اعادہ کرلیں کہ نماز اعظم عباداتِ ربِّ بے نیاز ہے اور تقدیم وامامت ایک علٰی اعزاز، اور فاسق مجاہر، واجب التوہین، نہ کہ بدعتی گمرہ فاسق فی الدّین، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ فقیر عفر اللہ تعالٰی لہ نے ان مسائل کے قدرے تحقیق و تفصیل اپنے رسالہ النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید میں ذکر کی۔ علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم وکذا	یعنی فاسق و بدمذہب کی امامت مکروہ تحریمی

[1] المعجم الکبیر حدیث معاذ بن جبل حدیث ۳۳۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰ /۱۵۹، الزہد الکبیر حدیث ۹۵۴ دار القلم کویت ص ۳۶۴

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی ۱/ ۳۵۹

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

المبتدع[1] اھ ملخصاً۔	قریب بحرام ہے اھ ملخصاً۔

جس کے سبب نماز کا پھیرنا واجب، یہ ہے حکم، وللہ الحکم والیہ ترجعون o والحمد للہ رب العٰلمین (اور اللہ ہی کے لئے حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو دونوں جہانوں کا پالنے والا ہے۔ت)
التماس ہدایت اساس: میں جانتا ہوں کہ فقیر کے اس رسالے پر حسبِ معمول سخن پروری و بحکم دستور تعصب و خود سری اگر بعض سلیم خاطرین شرمائیں گی، قبول وانصاف کو کام فرمائیں گی، تو بہت عنادی طبیعتیں گرمائیں گی، جبلی نزاکتیں غصہ لائیں گی، جاہلی حمیتیں جوش دکھائیں گی، تعصبی حمائتیں ہمت پر آئیں گی، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، نعم المولٰی ونعم الکفیل (ہمارے لئے اللہ کافی اور وہ سب سے بڑا کارساز، سب سے بہتر آقا اور سب سے بہتر کفالت فرمانے والا ہے۔ت) یہ سب کچھ قبول، کھسینا عاجزوں کا قدیمی معمول، مگر "اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ"[2] (میں تمھیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔ت) حق اسلام یادلا کر اتنا مامول کر چند ساعت کے لئے تعصب و نفسانیت کو راہ بتائیں، مثنٰی وفرادٰی، تنہا یا دو دو صاحب بیٹھ کر غور فرمائیں اگر کلام خصم حق و صواب ہو تو اللہ! حق سے کیوں اجتناب ہو، کیا قرآن نے نہ سنایا کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰى ۙ﴿۱۰﴾ وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۱﴾"[3] (عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دور رہے گا۔ت) اے میرے پیارے بھائیو! کلمہ اسلام کے ہمراہیو! اگر نفس امارہ رہزن عیّارہ اور شیطان لعین اس کا معین، ولہٰذا خطا کا اقرار آدمی کو ناگوار، مگر واللہ! "وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ"[4] اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ت) کی آفت سخت شدید، "اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴿۷۸﴾"[5] (کیا تم میں ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں۔ت) خدارا ذرا انصاف کو کام فرماؤ، خلق کا کیا پاس خالق سے شرماؤ، کچھ دیکھا بھی کس پر امکانِ کذب کی تہمت دھرتے ہو، کس پاک بے عیب میں عیب آنے کا احتمال کرتے ہو، العظمۃ للہ! ارے وہ خدا ہے سب خوبیوں والا ہر عیب و نقصان سے پاک نرالا، ذرا تو گریبان میں منہ ڈالو جس نے زبان عطا فرمائی اس کے بارے میں تو زبان سنبھالو، وائے

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴۔۵۱۳
[2] القرآن الکریم ۳۴ / ۴۶
[3] القرآن الکریم ۸۷ / ۱۰و۱۱
[4] القرآن الکریم ۲ / ۲۰۶
[5] القرآن الکریم ۱۱/ ۷۸

بے انصافی تمھیں کوئی جھُوٹا کہے توآپے میں نہ رہو اور ملک جبار واحد قہار کا جُھوٹا ہو نا یو ممکن کہو، یہ کون سی دیانت ہے، کیا انصاف ہے، اس پر یہ قہر اصرار یہ بلااعتساف ہے،

اے طائفہ حائفہ اے قوم مفتون ! مانو تو ایک تدبیر تمھیں بتاؤں، میرا رسالہ تنہائی میں بیٹھ کر بغور دیکھو، ان دو سو ۲۰۰ دلائل و اعتراضات کو ایک ایک کرکے انصاف سے پرکھو، فرض کرو دم کہ دہ سو ۲۰۰ میں استحالہ کذبِ الٰہی پر صرف ایک دلیل اور تمھارے خیال اور تمھارے امام کے ہذیانی اقوال پر فقط ایک ایک اعتراض قاطع ہر قال و قیل باقی رہ گیا، باقی سب تم نے جواب دے لیا، تو جان برادر ! احقاقِ حق کو ایک دلیل کافی، ابطال باطل کو ایک اعتراض وافی، نہ کہ دلائل باہرہ اعتراضیات قاہرہ صد ہانسو اور ایک نہ گِنو۔ دل میں جانتے جاؤ کہ دلائل باصواب اور اعتراض لاجواب، مگر ماننے کی قسم ' توبہ کی اان بلکہ اُلٹے تائید باطل کی فکر سامان، یہ تو حق پرستی نہ ہُوئی بادبستی، نشہ تعصب میں سیاہ مستی ہوئی، پھر قیامت تو نہ آئے گی، حساب تو نہ ہو گا، خدا کے حضور سوال وجواب تو نہ ہوگا، اے رب میرے ! ہدایت فرما اور ان لجیلی آنکھوں کو کُچھ تو شرما۔

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول — اے کہ دُر ساختہ قطرہ بارانی را

(اے اللہ ! تُو میرے آنسوؤں کو حسنِ قبول دے سکتا ہے جیسا کہ تو بارس کے قطرہ کو موتی بنادیتا ہے۔ت)

اور یہیں سے ظاہر کہ جو صاحب قصد جواب کی ہمت رکھیں ایک ایک دلیل ایک ایک اعتراض کا تفصیلی جواب سمجھ کر لکھیں، یہ نہ ہو کہ ابقائے مشیخت، رفع مزامت، فریب عوام، جواب کے نام کو کہیں، کچھ اعتراج باقی سے اعراض، یہ کلا خصم کارد نہ کرے گا، الٹا تمھیں پر صاعقہ بن کر گرے گا کہ جب حجت خصم مٹا نہ سکے مذہب سے اعتراض ہٹا نہ سکے تو ناحق تکلیف خامہ اٹھائی، مصیبت سیاہی نامہ اٹھائی، اپنے ہی عجز کا اظہار کیا، بطلان مذہب کا اقرار کیا، للہ کُچھ دیر تو حق و انصاف کی قدر سمجھو، زنجیر تعصب کی قید سے سلجھو، خار زار تکبرّ میں اتنا نہ اُلجھو، افسوس کہ حق کا چاند جلوہ نما اور تمھارے نصیب کی وہی کالی گھٹا، ہمارے ہُمایُوں سایہ فگن اور تمھارا تاج وہی بالِ زغن، اے سچّے خدا سچ سے موصوف جُھوٹ سے نرالے، سچے رسول پر سچی کتاب اتارنے والے ! اپنے سچے حبیب کی سچی وجاہت کا صدقہ آمت مصطفٰی کو سچّی ہدایت نصیب فرما،

صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وسلم وعلٰی اٰلہ و صحبہ و شرف کرمہ مانجی الصادق و ھلك الکاذب و نھی الصدق عن تعاطی الکواذب قولك الحق و	اے اللہ ! رحمتیں نازل فرما اور آپ کے شرف وبزرگی میں مزید اضافہ فرما جو حبیب ہیں جب تک صادق نجات پاتے رہیں، کاذب ہلاک ہوتے رہیں، جنھوں نے تمام کواذب سے منع فرمایا، تیرا قول حق

وعدك الصدق ولك الحمد واليك المصير انك علٰی كل شئی قدير و صلی الله تعالٰی علٰی سیدّ الصادقین محمد و آله وصحبه اجمين اٰمين اٰمين اله الحق اٰمين!	تیرا وعدہ سچّا حمد تیرے لئے، تمام کا لوٹنا تیر طرف اور تو ہر شیئ پر قادر ہے، اللہ تعالٰی کی رحمت ہو سید الصاد قین حضرت محمد، آپ کی آل اور اصحاب سب پر، آمین آمین الٰہ الحق آمین! (ت)

الحمدللہ کہ یہ مبارک رسالہ موجز عجالہ باوجود کثرت اشغالِ تحریر مسائل وترتیب رسائل، تیرہ [۱۳] دن کے متفرق جلسوں میں مسودہ اور تئیس [۲۳] دن میں صاف وبیضہ ہو کر دوازدہم ماہ مبارک و فاخر شہر ربیع الآخر روز ہمایوں جمعہ ۱۳۰۷ھ علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والتحیۃ کو بہم وجوہ بدر سمای تمام و شمع بزمِ ہدایت انام ہوا۔

للہ الحمد والمنہ کہ آج اس مبارک رسالے، سنّت کے قبالے، رنگ صدق جمانے والے، زنگِ کذب گمانے والے سے علومِ دینیہ میں تصانیفِ فقیر نے سو [۱۰۰] کا عدد کامل پایا،

والحمد لله وھّاب العطایا، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ٥ والحمد لله رب العٰلمين والصلاة و السلام علٰى سيد المرسلين محمد و اله وصحبه اجمعين، سبحٰن ربك رب العزة عمّا يصفون، و سلام على المرسلين، والحمد لله رب العٰلمين، تمّت و بالخير عمّت بعون من قال وقوله الحق "تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾" الحمد لله الذی بنعمه وجلاله تتم الصالحات، والصلٰوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد سيد الكائنات و اٰله و صحبه وامته و حزبه الجمعين، و الحمد لله رب العٰلمين۔	تمام حمد اللہ تعالٰی کی ہے جو تمام انعامات کا اعطا کرنیوالا ہے، اے ہمارے رب! ہماری طرف سے قبول فرما بلا شبہ تُو سننے والا ہے، تمام حمد اللہ کی جو جہانوں کا پرور دگار ہے، صلٰوۃ وسلام نازل ہو تمام رسولوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر آپ کی آل و اصحاب تمام پر، سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمن۔ رسالہ تام ہوا اور خیر کے ساتھ وسیع ہوا اس ذات کی مدد سے جس نے فرمایا جبکہ اس کا فرمان بر حق ہے "ترے رب کے کلمات صدق وعدل میں تام ہیں کوئی ان کو تبدیل کرنے والا نہیں وہی سننے جاننے والا ہے۔" تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کی جس کی نعمت و جلال سے خوبیا تام ہوتی ہیں اور صلٰوۃ ولام ہمارے آقا مولٰی سید کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آل واصحاب واُمت اور ان کی سب جماعت پر، والحمد رب العالمین (ت)

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــــه

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد ن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تحریر جناب مولانا گلام دستگیر علیہ الرحمۃ من ربنا القدیر بر رسالہ مبرکہ "سُبحٰن السبوح من عیب کذب المقبوح فقیر غلام دستگیر قصوری کان اللہ لہ جمادی الاول ۱۳۰۸ھ میں بریلی میں وار دہُوا اور اس مبارک رسالہ کے دیکھنے کا اتفاق پڑا، چونکہ مدتِ دراز کے بعد یہاں آنے کا اتفاق ہوا ہے اور ملاقات احباب اور نیز مشورہ امر دینی کے سبب جو وکلاء سے کرنا تھا اس قدر کم فرصتی ہُوئی کہ معمولی وظائف جو کبھی سفر و حضر میں ترک نہیں ہوئے تھے ان چار روز میں وُہ بھی پُورے نہ ہوسکے، اس کشاکش میں اس رسالہ سلالہ کو فقیر بالاستیعاب کیا کچھ حصّہ معتد بہا بھی نہ دیکھ سکا مگر ابتدا اور درمیان اور انتہا سے جو دیکھا تو مسئلہ امکان کذب باری تعالٰی کارَد پایا اور اس کا آنکھوں سے لگایا الحمد للہ حمدا کثیرا کہ اس کے مولف علامہ فہامہ نے جو ایک علم اور فضل کے خاندان سے عمدۃ الخلف وبقیۃ السلف ہیں اس بارے میں بھی اپنے عزیز واقارب کو جو ہمیشہ کارِ خیر اشاعت علوم دینیہ میں مصروف ہیں صرف فرمایا جزاہ اللہ الشکور عنی وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء واوصلہ الی غایۃ ما یحب و یرضی، اللھم تقبل منا انك انت السمیع العلیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ و مظھر لطفہ و احسانہ سیدنا محمد و عترتہ اجمعین اللھم ارحمنا معھم برحمتک یا ارحم الراحمین!

۱۵ جمادی الاول روز روانگی وطن پر چند حروف لکھے گئے وللہ ھو المسیر للصعاب۔

رسالہ
دامان باغ سبحٰن السبوح
(سبحٰن السبوح کے باغ کا دامن ۱۳۰۷ھ)

مسئلہ ۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کی دیو بند کا پڑھا ہُوا ایک مولوی کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی جُھوٹا ہو سکتا ہے اور اس پر دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ آدمی جُھوٹ بول سکتا ہے تو اگر اللہ تعالٰی نہ بول سکے تو آدمی کی قدرت خدا کی قدرت سے بڑھ جائے گی کہ ایک کام ایسا نکلا کہ آدمی تو کر سکتا ہے اور خدا نہیں کر سکتا، یہ ظاہر بات ہے کہ خدا کی قدرت بے انتہا ہے آدمی جس جس بات پر قادر ہے خدا ضرور ان سب باتوں پر قادر ہے اور ان کے سوا بے انتہا چیزوں پر قدرت رکھتا ہے جن پر آدمی کو قدرت نہیں انسان کو اپنے کذب پر قدرت اور خدا کو اپنے کذب پر قدرت نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے، اور اس دلیل کو کہتا ہے کہ یہ ایسی قاطع دلیل ہے کہ جس کا جواب نہیں ہو سکتا ہے امید کہ اس بارہ میں جو حق ہو تحریر فرمائیں اور مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچائیں۔ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

سبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون (پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ت) اللہ عزوجل سلمانوں کو شیطانوں کے وسوسوں سے بچائے، دیو بندی نہ دیو بندی کہ دیو بندیوں نہ دیو بندیوں کہ ان کے امام اسمٰعیل دہلوی کا یہ قول صریح ضلالت و گمراہی و بد دینی ہے جس میں بلا مبالغہ ہزار ہا وجہ سے کفر لزومی ہے، جمہور فقہائے کرام کے طور پر ایسی ضلالت کا قائل صریح کافر ہو جاتا ہے اگر ہم باتباع

جمہور متکلمین کرام صرف لزوم پر بے التزام کافر کہنا نہیں چاہتے اور ضال مضل بد دین کہنے پر قناعت کرتے ہیں۔

اس مسئلہ میں فقیر کا یک کافروافی رسالہ **مسمّٰی بہ سبحٰن السبوح عن کذب مقبوح** مدت ہوئی چھپ کر شائع ہو چکا اور گنگوہیوں دیوبندیوں وغیرہم وہابیوں کسی سے اس کا جواب نہ ہو سکا نہ **ان شاء اللہ العزیز** قیامت تک ہو سکے،

حقت علیھم کلمۃ العذاب بما کذبوا ربھم وبما کانو یفسقون اولٰئك اصمھم اللہ واعمٰی ابصارھم فھم طغیانھم یعمھونo	عذاب کا قول ان پر ٹھیک اترا بسبب اس کے کہ انھوں نے اپنے رب کی طرف جھوٹ منسوب کیا اور اس سبب سے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالٰی نے بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا پس وُہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہتے ہیں (ت)

میں نے اس رسالے میں تیس ۳۰ نصوص اور تیس دلائل قطعیہ سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالٰی کا کذب محال بالذات ہے اور یہ کہ اس کے محال بالذات ہونے پر تمام ائمہ امت کا اجماع ہے۔ مسلمان جس کے دل میں اس کے رب کی عظمت اور اس کے کلام کی تصدیق ہوا گر کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے تو اس کے لئے یہی دو حرف کافی ہیں، اول یہ کہ کذب ایسا گندا ناپاک عیب ہے جس سے ہر تھوڑی ظاہری عزّت والا بھی بچنا چاہتا ہے اور ہر بھنگی چمار بھی اپنی طرف اس کی نسبت سے عار رکھتا ہے، اگر وہ اللہ عزوجل جلالہ کے لئے ممکن ہوا تو وہ عیبی ناقص ملوث گندی گھناؤنی نجاست سے آلودہ ہو سکے گا، کیا کوئی مسلمان اپنے رب پر ایسا گمان کر سکتا ہے، مسلمان تو مسلمان کہ اس کے لئے اسکے رب کی امان، ادنٰی سمجھ وال یہودی نصرانی بھی ایسی بات اپنے رب کی نسبت گوارا نہ کرے گا، پاکی ہے اسے جس کے سراپردہ عزت و جلال کے گرد کسی عیب و نقص کا گزر قطعاً محال بالذات ہے، جس کی عظمت و قدوسیت کو ہر لوث وآلودگی سے بالذات منافات ہے۔ شرح مقاصد میں ہے:

الکذب محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالٰی محال[1]۔	یعنی جُھوٹ باجماعِ علماء محال ہے کہ وُہ بالاتفاق عقلا عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

نیز مقصد سادس فصل ثالث مبحث سابع جملہ اہلسنت کے عقائد اجماعیہ میں فرماتے ہیں:

طریقۃ اھل السنۃ ان العالم حادث و	اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ تمام جہان حادث و

[1] شرح المقاصد المبحث االسادس فی انہ تعالٰی متکلم دارا لمعارف النعمانیہ لاہور ۲ / ۱۰۴

الصانع قدیم متصف بصفات قدیمة و الا یصح علیه الجهل ولا الکذب ولا النقص[1]۔	تو پیدا ہے،اور اس کا بنانے ولا قدیم اور صفاتِ قدیمہ سے موصوف ہے،نہ اس کا جہل ممکن ہے نہ کذب ممکن ہے نہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کاامکان ہے۔

دوم: یہ کہ جب اس کاکذب ممکن ہو تواس کا صدق ضروری نہ رہا،جب اس کا صدق ضروری نہ رہاتواس کی کون سی بات پر اطمینان ہوسکے گا،ہر بات میں احتمال رہے گاکہ شاید جُھوٹ کہہ دی ہو،جب وُہ جُھوٹ بول سکتاہے تواس یقین کاکیاذریعہ ہے کہ اس نے کبھی نہ بولا،کیااس کسی کاڈر ہے یااس پر کوئی حاکم وافسر ہے جو اسے دبائے گااور جو بات وہ کرسکتاہے نہ کرنے دے گا،ہاں ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھاکہ خوداس کاوعدہ ہوکہ ہمیشہ سچ بولوں گا یااس نے فرمادیاہے کہ میرا سب باتیں سچی ہیں مگر جب اس کا جھوٹ ممکن ٹھہرالو توسرے سے اس وعدہ وفرمان ہی کے صدق پر کیااطمینان رہا،ہو سکتاہے کہ پہلا جُھوٹ یہی بولا ہو،غرض معاذاللہ اس کاکذب ممکن مان کردین و شریعت واسلام وملّت کسی کااصلاًپتانہیں لگارہتا،جزاوسزاوجنت ونارہ حساب و کتاب وحشر و نشر کسی پرایمان کاکوئی ذریعہ نہیں رہتا،

تعالی اللہ عمایقولون الظلمون علوا کبیرا۔	اللہ تعالٰی بہت بلند ہے اس سے جوظالم کہتے ہیں۔(ت)

علّامہ سعدالدین تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

الکذب فی اخبار اللہ تعالٰی فیه مفاسد لا تحصی و مطاعن فی الاسلام لا تخفی،منها مقال الفلاسفة فی المعاد ومجال الملاحدة فی العناد' و بطلان ماعلیه الاجماع من القطع بخلود الکفار فی نار فمع صریح اخبار اللہ تعالٰی به،فجواز عدم وقوع مضمون ھٰذا الخبر محتمل ولماکان ھٰذا باطلا قطعا	اخبارالٰہیہ میں امکان کذب ماننے سے بے شمار خرابیاں اور اسلام میں ایسے طعنے سراٹھائیں گے جو پوشیدہ نہیں منجملہ ان کے معادکے بارے میں فلاسفہ کاکلام،عنادپر مبنی بے دینوں کی جسارت اور کفارکے ہمیشہ جہنم میں رہنے جیسے اجماعی نظریات کا بطلان ہے باوجودیکہ اس بارے میں اللہ تعالٰی کی تصریح وارد ہے،چنانچہ اس خبرکے مضمون کے عدم وقوع کاجائز ہونا محتمل ہوا،اورجب یہ قطعاً

[1] شرح المقاصد فصل ثالث مبحث ثامن دارا المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۲۷۰

علم ان القول بجواز الکذب جی اخبار اللہ تعالٰی باطل قطعا[1] (ملتقطا)۔	باطل ہے تو معلوم ہُوا کہ اخبار الٰہیہ میں امکان کذب کا قول قطعاً باطل ہے (ملتقطا) (ت)

رہی دیوبندی کی دلیل ذلیل وہ اس کی اپنی ایجاد نہیں، امام الوہابیہ کی اختراع خبیث ہے، **سبحٰن السبوح** میں اسکے ہذیانوں کی پوری خدمت گزاری کردی ہے، یہاں چند حرف گزارش،

اوّلا: جب یہ ٹھہرا کہ انسان جو کچھ اپنے لئے کرسکتا ہے وہابیہ کا خدا بھی خود اپنے واسطے کرسکتا ہے، تو جائز ہُوا کہ اُن کا خدا زنا کرے، شراب پئے، چوری کرے، بُتوں کو پُوجے، پیشاب کرے، پاخان پھرے، اپنے آپ کو آگ میں جلائے، دریا میں ڈبائے، سرِ بازار بدمعاشوں کے ساتھ دھول چھکڑ لڑے، جوتیاں کھائے وغیرہ وغیرہ وہ کون سی ناپاکی، کون سی ذلت، کونسی خواری ہے جو ان کے خدا سے اُٹھ رہے گی۔

ثانیا: بے دین اس گھمنڈ میں ہیں کہ انھوں نے خدا کا عیبی ہونا فقط ممکن کہا ہے کوئی عیب بالفعل تو اسے نہ لگایا، حالانکہ اوّل تو یہی ان کا گدھا پن ہے اُس جلیل جمیل سبوّح قدوس کی شان جلال کے لئے فقط امکان عیب ہی خود بڑا بھاری ہے **فی سبحٰن السبوح واوضحناہ اللغواۃ مع مالہ من الواضوح** (جیسا کہ ہم نے اس کو سبحٰن السبوح میں بیان کیا اور گمراہوں کے لئے اس کی خوب وضاحت کی۔ت) خیر یہ تو ایمان والے جانتے ہیں، میں وُہ بتاؤں جسے یہ عیب لگانے والے بھی سمجھ جائیں کہ بیشک انھوں نے خدا کو بالفعل عیبی مانا اور کتنا سخت سے سخت عیبی جانا بلکہ اس کے حق میں کچھ لگی نہ رکھی صاف صاف اس کی الوہیت ہی باطل کردی، وجہ سُنئے جب ٹھہری کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے خدا بھی اپنے لئے کرسکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ آدمی قادر ہے کہ اپنی ماں کی تواضع وخدمت کے لئے اس کے تلووں پر اپنی آنکھیں ملے، اپنے باپ کی تعظیم وغلامی کے لئے اس کے جُوتے اپنے سر پر رکھ کر چلے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ ایسی تعظیم وتواضع وخدمت وغلامی پر قادر ہو ورنہ انسان کی قدرت جو اس کی قدرت سے بڑھ جائے گی کہ ایک کام وہ نکلا جو انسان کرسکا اور خدا سے نہیں ہوسکتا، اگر کہئے اسے اس کام پر اس وجہ سے قدرت نہ ہوئی کہ اس کے ماں باپ ہی نہیں تو اس میں اس زخم کا کیا علاج ہُوا، مطلب تو اتنا تھا کہا ایک کام ایسا نکلا جسے بعض انسان کررہے ہیں اور خدا سے نہیں ہوسکتا خواہ نہ ہوسکنے کی کوئی وجہ ہو، لاجرم تمھارے طور پر ضرور ہے کہ خدا کے ماں باپ ہوں تاکہ وُہ بھی ایسی سعادت مندی کرسکے جیسی انسان کررہاہے، اور ظاہر کہ جو ماں باپ سے پیدا ہو وہ حادث ہو گا اور حادث خدا نہیں ہوسکتا، اس کا کوئی خالق ہوگا اور مخلوق خدا نہیں ہوسکتا، اب تو تم سمجھے کہ تم خدا کو

---

[1] شرح المقاصد المبحث الثانی عشر دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲ / ۲۳۸

بالفعل عیبی مانتے اور سرے سے اس کی الوہیت ہی باطل کر رہے ہو۔ہاں ایک صورت نکل سکتی ہے کہ بالفعل خدا کے ماں باپ نہ ہوں اور پھر بھی اسے ان سعاد تمندیوں پر قدرت ہو، کہو تو بتادیں، وہ یہ کہ وہابیہ کا خدا کسی دن اپنے آپ کو موت دے اور آواگون کے ہاتھوں کسی پُرش کے بھوگ سے کسی استری کے گربھ میں دوسرا جنم لے اپنے ان آئندہ ماں باپوں کی غلامی کرے، مگر الوہیت تو یُوں بھی گئی کہ جو مر سکا وُہ خدا کہاں !

ثالثاً: احمق بددین نے اگرچہ مسلمانوں کا دل رکھنے کو اپنے رسالہ یکروزی میں جہاں یہ ناپاک دلیل ذلیل لکھی ہے یہ اظہار کیا کہ خدا کا کذب ممکن بالذات ہونے پر بھی ممتنع بالغیر ضرور ہے مگر دلیل وہ پیش کی جس نے امتناع بالغیر کو بھی صارف اڑادیا، ظاہر ہے کہ انسان کا کذب نہ ممتنع بالذات نہ ممتنع بالغیر، بلکہ ہر روز و سب ہزاروں بار واقع تو کذب پر اس کی قدرت آزاد ہوئی جس پر کوئی روک نہیں اور برابر کام دے رہی ہے، مگر خدا کی قدرت بستہ و مسدود ہے کہ واقع کرنے کی مجال نہیں اور شک نہیں کہ آزاد قدرت مسدود قدرت پر صریح فوقیت رکھتی ہے تو یوں کیا انسانی قدرت اس کی قدرت سے فائق نہ رہی باعتبار مقدورات کمّاً نہ سہی تو باعتبار نفاذ کیفاً سہی، ناچار تمھیں ضرور ہے کہ امتناع بالغیر بھی نہ مانو کہ انسانی قدرت سے شرمانا تو نہ پڑے۔

رابعاً: اس قول خبیث کی خباثتیں کہاں تک گنیں کہ وُہ تو بلا مبالغہ کروڑوں کفریات کا خمیرہ ہے، ہاں وہ پوچ بے حقیقت گرہ کھولیں جو اس نے اپنا جادو پھونک کر لگائی اور حماقت سے بہت کرّی گتھی جانی، یہ چار طور پر ہے **بعضھا قریب من بعض:**

اوّل: ساری بات یہ ہے کہ احمق نے افعال انسانی کو خدا کی قدرت سے علیحدہ سمجھا ہے کہ آدمی اپنے کام اپنی قدرت سے کرتا ہے یہ رافضیوں معتزلیوں فلسفوں کا مذہب ہے، اہلسنت کے نزدیک انسانی حیوانی تمام جہان کے افعال اقوال اعمال احوال سب اللہ عزوجل ہی کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، اوروں کی قدرت ایک ظاہری قدرت ہے جسے تاثیر و ایجاد میں کچھ دخل نہیں تمام کائنات و ممکنات پر قدرت موثرہ خاص اللہ عزوجل کے لئے ہے، تو کذب ہو یا صدق، کفر ہو یا ایمان، حسن ہو یا قبح، طاعت ہو یا عصیان، انسان سے جو کچھ واقع ہو گا وہ اللہ ہی کا مقدور اللہ ہی کا مخلوق ہو گا، اسی کی قدرت اسی کی ایجاد سے پیدا ہو گا، پھر کیونکر ممکن کہ انسان کو فعل قدرتِ الٰہی سے جُدا کر سکے جس کے لئے وزن برابر کرنے کو خدا کو خود اپنے لئے بھی کر سکنا پڑے، اس ضلالت و بدینی کی کوئی حد ہے مقاصد میں ہے:

فعل العبد واقع بقدرۃ اللہ تعالٰی انما للعبد الکسب والمعتزلۃ بقدرۃ	یعنی بندے کا ہر فعل اللہ تعالٰی ہی کی قدرت سے واقع ہوتا ہے بندہ کا فقط کسب ہے اور معتزلہ وفلاسفہ

العبد صحۃ الحکماء ایجابا[1]۔	کہتے ہیں کہ بندے کا فعل خود بندے کی قدرت سے ہوتا ہے، معتزلہ کے نزدیک امکانی طور پر کہ قدرت بندہ سے وقوعِ فعل ممکن ہے واجب نہیں اور فلاسفہ کے نزدیک وجوبی طور پر کہ تخلف ممکن نہیں۔

دوم: اندھے سے پوچھو انسان کو کس کے کذب پر قدرت ہے، اپنے یا خدا کے۔ ظاہر ہے کہ انسان قادر ہے تو صرف کذبِ انسانی پر نہ کہ معاذ اللہ کذبِ ربّانی پر۔ اور شک نہیں کہ کذب انسانی ضرور قدرت ربانی میں ہے، پھر اگر کذب ربانی قدرت ربانی میں نہ ہُوا تو قدرت انسانی کیونکر بڑھ گئی، وہ کذب ربانی پر کب تھی اور جس پر تھی یعنی کذب انسانی، اسے ضرور قدرت ربانی محیط ہے، مگر خدا جب دین لیتا ہے عقل پہلے چھین لیتا ہے، دل کے اندھے نے یہ خیال کیا کہ انسان اپنے کذب پر قادر ہے، اور یہی لفظ بارگاہِ عزت میں بول کر دیکھا کہ اسے بھی اپنے کذب پر قدرت چاہئے اور نہ سُوجھا کہ وہاں اپنے سے انسان مراد تھا اور اب خدا مراد ہو گیا، اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ اسی کی طرح کا کوئی کور باطن خیال کرے کہ انسان اپنے خدا کی تسبیح کر سکتا ہے تو چاہئے کہ خدا بھی اپنے خدا کی تسبیح کر سکے ورنہ قدرت انسانی بڑھ جائے گی، تو خدا کے لئے اور خدا درکار ہوا،

وھلم جرا الی غیر نہایۃ و غیر قرار، کذٰلك یطبع اللہ علٰی کل قلب متکبر جبار۔	اور کھینچتا چل مالا نہایۃ تک، یونہی اللہ تعالٰی ہر متکبر سرکش کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے (ت)

سوم: ہم پُوچھتے ہیں قدرتِ انسانی بڑھ جانے سے کیا مراد ہے، آیا یہ کہ انسان کے مقدورات گنتی میں خدا کے مقدورات سے زائد ہو جائیں گے، یہ تو بداہۃً استحالہ کذب کو لازم نہیں کہ کذب و جملہ نقائص سرکار عزت کے لئے سرکار عزت کی قدرت میں نہ ہونے پر بھی اس کے مقدورات غیر متناہی ہیں اور انسان کتنی ہی ناپاکیوں پر قادر ہو آخر اس کے مقدورات محدود ہی رہیں گے اور متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، ہاں یہ کہئے کہ ایک چیز بھی ایسی نکلنا جو انسان کے زیر قدرت ہو اور رحمٰن کے زیر قدرت نہ ہو محال ہے (اور بیشک ایسا ہی ہے) اسی کو زیادت قدرت سے تعبیر کیا ہے تو اب ہم دریافت کرتے ہیں یہ خاص کذب کہ انسان سے واقع ہوا قدرتِ خدا سے ہوا یا قدرتِ خدا سے جدا، بر تقدیر اول وہ کون سی چیز نکلی جو انسان کے زیر قدرت تھی اور رحمٰن کے زیر قدرت نہ تھی کہ یہ جو قدرت انسان سے ہوا خود مانتے ہو کہ قدرت رحمٰن سے ہوا پھر زیادت کہاں، بر تقدیر دوم رحمٰن اگرچہ معاذ اللہ اپنے کروڑ کذبوں پر قادر ہو وہ کذب اس کذب کے عین نہ ہوں گے جو انسان سے

[1] المقاصد مع شرح المقاصد الفصل الخامس دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۲۰

واقع ہُوا بلکہ کذب ہونے میں اس کے مثل ہوں گے اور مثل پر قدرت شے پر قدرت نہیں، وُہ خاص کذب انسانی جو قدرت انسانی سے واقع ہوا اسے صراحۃً قدرتِ خدا سے جدا کہہ رہے ہو تو خدا کا کذب ممکن بلکہ اب تازہ ایمان گنگوہی پر **معاذاللہ** واقع مان کر بھی وُہ کال تو نہ کٹا کہ ایک شیئ جو زیر قدرت انسانی تھی زیر قدرت رحمانی نہ ہوئی اس کی نوع مقدور خدا ہوئی نہ کہ خود وہ فرد، تو تو نے خدا اور انسان کو دربارہ کذب برابر کے دو عاجز مانا کہ نوع کذب کے افراد سے جس فرد پر انسان قادر ہے اور جس فرد پر خدا قادر ہے انسان قادر نہیں۔ دہلوی کے بندو! اسی پر اس مسئلہ میں "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ" [1] (بیشک اللہ تعالٰی ہر شیئ پر قادر ہے۔ت) پڑھتے اور کذب الٰہی محال جاننے والے مسلمانوں پر عجز ماننے کی تہمت رکھتے ہو، حالانکہ تم خود ہی وُہ ہو کہ خدا کو افراد مقدورہ عبد پر قادر نہیں مانتے جب تو وزن برابر کرنے کو امثال مقدورات عبد خود اس کے نفس کریم میں گھڑنا چاہتے ہو **قاتلکم اللہ** (اللہ تعالٰی تمھیں ہلاک کرے۔ت) کسی مذہب خبیث کی بھی تقلید چھوڑو گے یا سب میں سے ایک ایک حصّہ لوگے، یہ طوائف معتزلہ سے طائفہ جبائیہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالٰی نفس مقدورات عبد پر قادر نہیں۔ مواقف میں ہے:

الجبائیة قالوا لایقدر علی عین فعل العبد [2] **الخ۔**	جبائیہ نے کہا کہ اللہ تعالٰی عین فعل عبد پر قدرت نہیں رکھتا الخ (ت)

ہم اہلسنّت کے نزدیک اللہ تعالٰی عین مقدورات عبد پر بھی قادر ہے کہ وہ اسی کی قدرت کاملہ سے واقع ہوتے ہیں اور ان کے امثال پر بھی کہ امثال عبد سے امثال فعل صادر کراسکتا ہے، مگر ایسے امثال پر قدرت کہ خود اپنے نفس کریم سے ویسی ناپاکیاں صادر کر دکھائے اس سے وُہ پاک و متعالی ہے، **سبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون** (پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ت)

اس کی مثال یُوں سمجھو کہ زید و عمرو دونوں اپنی اپنی زوجہ ؏۱ کو طلاق ؏۲ دینے پر قادر ہیں مگر ایک دوسرے کی

؏۱: یہ فہم امام الوہابیہ کے قابل واضح تغایر لکھا ہے ورنہ مخلوق میں کسی فعل بعینہٖ پر دوسرے کو قدرت نہیں ہو سکتی کہ فعل فاعل سے تعین پاتا ہے تو وہ فعل مثلاً روٹی کھانا، پانی پینا یا اٹھنا بیٹھنا وغیرہ وغیرہ جو زید سے صادر ہوا عمرو سے صادر نہیں ہو سکتا اس کی نظیر اس سے صادر ہو گی ۱۲منہ مد ظلہ

؏۲: یعنی ایسی طلاق جس میں اصیل خود مختار ہو ۱۲منہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۷

[2] المواقف مع شرح المواقف المرصد الرابع فی الصفات الوجودیة منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۶۴

زوجہ کو طلاق عـــہ نہیں دے سکتا تو ہر ایک دوسرے کے مقدور پر قادر نہیں بلکہ اس کی نظیر پر قادر ہے، لیکن حق جل مجدہ دونوں پر قادر ہے کہ ان میں جو اپنی زوجہ کو طلاق دے گا وُہ طلاق اللہ ہی کی قدرت سے واقع و موجود و مخلوق ہو گی تو اللہ تعالٰی زید و عمرو ہر ایک کے عین فعل پر بھی قادر ہے اور مثل فعل پر بھی کہ ایک کا فعل دوسرے کا مثل تھا، مگر امام الوہابیہ کی ضلالت نے اسے خدا کی قدرت نہ جانا بلکہ قدرت کے لئے یہ لازم سمجھا کہ جیسے وہ اپنی اپنی جورو کو طلاق دے سکتے ہیں خدا خود بھی اپنی جورو مقدسہ کو طلاق دے سکے، اس گدھے پن کی حد ہے؟ اس بے ایمانی کا ٹھکانہ ہے؟ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

چہارم: یہ قضیہ بیشک حق تھا کہ جس پر انسان قادر ہے اس سب اور اس کے علاوہ نامتناہی اشیاء پر مولٰی عزوجل قادر ہے وہ بقدرت ظاہر یہ عطائیہ اور حق بقدرت حقیقیہ ذاتیہ مگر اس حق کو یہ ناحق کوش کس طرح باطل محض کی طرف لے گیا انسان کا کسی فعل کو کرنا کسب کہلاتا ہے انسان کی قدرت ظاہر یہ صرف اس قدر ہے، قدرت حقیقیہ خلق وایجاد میں اس کا حصہ نہیں وہ خاص مولٰی عزوجل کی قدرت ہے تو اس کلمہ حق کا حاصل یہ تھا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ عزوجل اسکے خلق اور پیدا کرنے پر قادر ہے کہ وہ کسب نہ ہو گا مگر بقدرت خدا اس دل کے اندھے نے یہ بنالیا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے، رحمٰن بھی خود اپنے لئے اس کے کسب پر قادر ہے **سبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون** (پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ت) اندھے نے نہ جانا کہ کسی کا کسی شے پر قادر ہونا "**صحۃ الشیئ منہ**" ہے نہ کہ "**صحۃ الشیئ علیہ**"، اور صاف گھڑلیا کہ "**ما یصح علی العبد یصح علی اللہ**" جو بندے پر جاری ہوسکے خدا پر بھی جاری ہو سکتا ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا ضلالت و شیطنت بے انتہا ہے،

"وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[1]	اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے (ت)

دیوبندی اسے قطعی دلیل کہتا ہے، ہم ایک فائدہ عجیبہ بتائیں، میں کہتا ہوں ہاں وہ ضرور قطعی دلیل ہے مگر کاہے پر، وہابیہ امام الوہابیہ کے ایک ایک قول ایک ایک فقرے ایک ایک حرف وہابیت کے ابطالِ صریح پر، اس حجت عامۃ الظہور لامعۃ النور کی تقریر ایک مقدمہ واضحہ کے بیان سے روشن و منیر،

عـــہ: بمعنی مذکور ۱۲ منہ

[1] القرآن الکریم ۲۶ /۲۲۷

وُہ مقدمہ یہ کہ جس بات کا حق جاننا خدا پر جائز وروا ہے وُہ ضرور فی الواقع حق وبجا ہے ورنہ خدا پر جہل مرکب جائز ہو کہ اپنی غلط فہمی سے ناحق کو حق جان لے باطل کو صحیح مان لے، امام الوہابیہ نے اگرچہ اس کا کذب ممکن کہا مگر وُہ یُوں تھا کہ اس کے علم میں ٹھیک بات ہے اور دوسروں سے اس کے خلاف کہے نہ یہ کہ خود اس کا علم ہی باطل وخلافِ حق ہو اس کے امکان کی اس نے تصریح نہ کی، دیوبندیوں نے اگرچہ امکان جہل عـــہ صراحۃً اوڑھ لیا مگر وہ جہل بسیط تھا کہ ایک بات معلوم نہ ہونا، نہ کہ جہل مرکب کہ باطل کو حق اعتقاد کرنا، اس کا امکان ان سے بھی مسموع نہیں، رہے ہم اہل اسلام، ہمارے نزدیک تو بحمداللہ تعالٰی یہ مقدمہ اجلی بدیہیات واعلٰی ضروریات دین سے ہے، اگر خدا کا علم جائز الخطا ہو تو قیامت وحشر ونشر وجنت ونار وغیرہا جملہ سمعیات باطل محض ہو جائیں کہ ان کی طرف عقل کو آپ تو راہ ہی نہیں کہ کسی دلیل کسی تعلیل، کسی استقراء، کسی تمثیل سے ان پر اعتقاد کرسکے ان کا اعتقاد محض بربنائے کلام الٰہی تھا اب اس کی جانچ واجب ٹھہری کہ ایک جائز الخطاء کی بات ہے، جانچ کا ہے سے ہوگی عقل سے، عقل وہاں چل سکتی ہی نہیں تو محض مہمل وبے ثبوت جاننا اور ان سب کا چھوڑ دینا لازم ہُوا کذب نے تو بات ہی میں شبہ ڈالا تھا جہل مرکب نے جڑ سے لگی نہ رکھی بلکہ نظر بمذہب وہابیہ اس تقدیر پر نہ صرف ایمانیات معاد بلکہ خود اصل ایمان اعنی توحید الٰہی پر بھی ایمان ہاتھ سے جائے گا، وجہ سُنئے وہابیہ کے طور پر خدا کے لئے بیٹا ہونا عقلاً محال نہیں ان کا امام صاف مان رہا ہے کہ جو کچھ انسان کرسکتا ہے خدا بھی اپنے لئے کرسکتا ہے تو واجب ہُوا کہ خدا عورت سے نکاح بعدہ جماع بعدہ اس کے رحم میں اپنے نطفے کا ایقاع کرسکے ورنہ قدرت میں انسان سے گھٹ جو رہے گا، اور جب یہاں تک ہو لیا تو اب نطفہ ٹھہرانے اور بچہّ بنانے اور پیدا کرانے میں کیا زہر گھُل گیا کہ ان سے عاجز رہے گا دنیا بھر کی ماؤں کے ساتھ یہ افعال کر رہا ہے، اپنی زوجہ کے بارے میں کیوں تھک رہے گا، آخر وہابیہ کا ایک پُرانا امام ابن حزم غیر مقلّد ظاہری المذہب مدعی عمل بالحدیث منہ بھر کر

عـــہ: مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری مرحوم مصنف تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل وغیرہ نے جو اس ہذیان امام الوہابیہ پر لزوم امکان جہل وغیرہ شناعات سے نقض کیا تھا، مولوی محمود حسن دیوبندی وغیرہ پارٹی دیوبند نے عقائد گنگوہی کے بیان وحمایت میں اس کا جواب اخبار نظام الملک پرچہ ۲۵ / اگست ۱۸۸۹ء میں یہ چھاپا "چوری شراب خوری، جہل، ظلم سے معارضہ کم فہمی معلوم ہوتا ہے، غلام دستگیر کے نزدیک خدا کی قدرت بندہ سے زائد ہونا ضروری نہیں حالانکہ یہ کلیہ ہے جو مقدور العبد ہے مقدور اللہ ہے۔" دیکھو کیسا صاف اقرار ہے کہ وہابیہ کا معبود چوریاں کرئے شرابیں پیئے، جاہل بنے، ظلم میں سے سب کچھ روا ہے، **اعوذباللّٰہ من الخذلان** اس پرچہ کی خرافات ملعونہ کا رد آخر کتاب مستطاب سبحٰن السبوح میں چھپا ہے وہاں ملاحظہ ہو ۱۲منہ۔

بک گیا کہ خدا کے بیٹا ہو سکتا ہے، ملل و نحل میں کہتا ہے:

انہ تعالیٰ قادر ان یتخذ ولد اذلو لم یقدر لکان عاجزا [1]	بیشک اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اولاد رکھے کیونکہ اگر اس پر قادر نہ ہوا تو عاجز ہوگا(ت)

اس کا رد سبحٰن السبوح صفحہ ۳۴ و ۳۵ میں ملاحظہ ہو، اور شک نہیں کہ خدا کا بیٹا ہوگا تو ضرور وہ بھی مستحقِ عبادت ہوگا، قال اللہ تعالیٰ:

"قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝" [2]	تم فرمادو کہ رحمٰن کے کوئی بچہ ہے تو سب سے پہلے اس کا پُوجنے والا میں ہوں۔

تو ثابت ہُوا کہ وہابیہ کے نزدیک ہزاروں خدا مستحقِ عبادت ممکن ہیں، عقلی استحالہ تو یُوں یا، رہا شرعی اس کے کھونے کو امکان کذب کیا تھوڑا تھا کہ اب خدا کی بات سچّی ہونی ضرور نہیں، جہل مرکب ممکن مانا گیا، تو پوری رجسٹری ہو جائے گی کہ ممکن کہ ادعائے توحید و مذمت شرک سے جو تمام قرآن گونج رہا ہے سب بر بنائے جہل مرکب و غلط فہمی ہو۔ اب لا الٰہ الّا اللہ بھی ہاتھ سے گیا والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالیٰ، بالجملہ اللہ عزوجل پر جہل مرکب محال بالذات ہونے میں وہابیہ کو بھی اہل اسلام کا ساتھ دینے سے چارہ نہیں تو یہ مقدمہ کہ "جس بات کا حق جاننا خدا پر رواہے وُہ ضرور حق و بجا ہے۔" برہانی ایقانی بھی ہے اور مخالف کا تسلیمی اذعانی بھی، اس کا نام مقدمہ ایمانیہ رکھیئے۔

اب خلاف وہابیہ و وہابیت جو بات چاہئے فرض کر لیجئے خواہ وہ ہمارے موافق ہو یا ہمارے احکام سے بھی زائد مثلا:

(۱) اسمٰعیل دہلوی نرا کافر تھا۔

(۲) گنگوہی، دیوبندی، نانوتوی، انبٹھی، تھانوی وغیرہم وہابی سب کھلے مرتد ہیں۔

(۳) جو کذبِ الٰہی ممکن کہے ملحد ہے۔

(۴) تقویۃ الایمان، تنویر العینین، ایضاح الحق، صراطِ مستقیم تصانیف اسمٰعیل دہلوی، معیار الحق تصنیف نذیر حسین دہلوی، تحذیر الناس تصنیف نانوتوی، براہین قاطعہ تصنیف گنگوہی وغیرہا جملہ نباحات انبوہی سب کفری بول نجس تراز بول ہیں، جو ایسا نہ جانے زندیق ہے۔

---

[1] الملل والنحل لابن حزم

[2] القرآن الکریم ۴۳ / ۸۱

(۵) جو باوصف اطلاع اقوال ان میں سے کسی کا معتقد ہو ابلیس کا بندہ جہنم کا کندہ ہے۔
(۶) ان سفہا اور اُن کے نُظرا تمام خبثا جنھوں نے شانِ اقدس وارفع رب العالمین و حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تنقیص کی، جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورب العزت جل جلالہ کے مقابل ان ملحدوں کی حمایت مروت رعایت کرے ان کی باتوں کی تحسین، توجیہ تاویل کرے وہ عدوِ خدا دشمنِ مصطفٰی ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔
(۷) غیر مقلدین سب بے دین پکّے شیاطین پورے ملاعین ہیں۔

سات یہ اور سات ہزار اور، جو بات لو کیا انسان اس کا اعتقاد نہیں کر سکتا ہر شخص بداہۃً جانتا ہے کہ آدمی ضرور ان میں سے ہر بات کے اعتقاد عــــہ پر قادر ہے، یہ مقدمہ بدیہیہ عامۃ الورود محفوظ رکھئے کہ "اس امر کا اعتقاد انسان کر سکتا ہے"۔ مسلمانو! (اس) میں آپ کو اختیار رہا، ردّ وہابیہ کی جس بات کو چاہئے اس کا مشار الیہ بنایئے، اب اس مقدمہ بدیہیہ کو صغرٰی کیجیے اور مقدمہ وہابیہ یعنی دہلوی ضلیل کا وہ دعوی ذلیل کہ "جو کچھ انسان کر سکتا ہے خدا کر سکتا ہے" اسے کبرٰی بنایئے، شکل اوّل بدیہی الانتاج سے نتیجہ نکلا کہ "اس امر کا اعتقاد خدا کر سکتا ہے" اب اس نتیجہ صغری کیجیے اور مقدمہ ایمانیہ کو کبری کہ "ہر وہ امر جس کا اعتقاد خدا کر سکتا ہے قطعاً یقینا حق ہے، شکل اول کا نتیجہ بدیہیہ ہوگا کہ یہ امر قطعاً یقینا حق ہے، وہابیہ کو یہاں معارضہ بالقلب کی گنجائش نہیں کہ اپنے عقاید باطلہ کو کہیں انسان ان کا بھی اعتقاد کر سکتا ہے تو خدا بھی کر سکتا ہے تو یہ بھی حق ہیں کہ بنائے دلیل مقدمہ وہابیہ ہے اور وہ ان پر حجت کہ ان کا اور ان کے امام کا ایمان ہے، ہمارے نزدیک وُہ باطل محض ہے تو کبرٰی قیاس اول مردود ہو کر پہلا ہی نتیجہ باطل ہوگا، اب کہئے مفر کدھر، تین ہی احتمال ہیں:

اول: مقدمہ ایمانیہ کا انکار کرو اور اپنے خدا کا جہل مرکب میں گرفتار ہونا بھی جائز جانو، جب تو قیامت و حشر و نشر و جنت و نار جملہ سمعیات اور خود اصل اصول دین لا الٰہ الا اللہ (پر ایمان کو استعفاء دو اور کھلے کافر بنو۔

دوم: اقرار کرو کہ مقدمہ وہابیہ یعنی دہلوی ضلیل کی دلیل ذلیل کا وہ شیطانی کلیہ مردود و ملعون و مطرود تھا

عــــہ: ظاہر ہے کہ کوئی خبر بھی ہو حق ہوگی یا باطل، اور سب جانتے کہتے مانتے ہیں کہ حق کا اعتقاد فرض یا کم از کم جائز اور باطل کا اعتقاد حرام و ممنوع، اور فرض و حرام و ممنوع وہی شے ہوگی جس پر انسان کو قدرت ہو، یہی یہاں ملحوظ ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

ہیہات اول تو اسے تمھارا دل کب گوارا کرے ؎

انی لکم الی الهدی تهویل قد اشرب فی القلوب اسمٰعیل

(تمھیں ہدایت کی طرف پلٹنا کہاں نصیب ہوگا، تحقیق تمھارے دلوں میں اسمٰعیل (کی محبت) رچ گئی ہے۔ت)

اور خدا کا دھرا سر پر، براہ ناچاری اس کے انکار پر آؤ بھی تو تمھارا خصم کب مانے وہ کہے گا میرا استدلال اسی مقدمہ کی بنا پر الزامی تھا، اور خصم جب دلیل الزامی قائم کرے تو فریق کو اپنے مقدمہ مسلمہ سے پلٹ جانے کی گنجائش نہیں، کما صرح عــہ به العلماء الکرام (جیسا کہ علماءِ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) ورنہ کوئی دلیل الزامی قائم ہی نہ ہوسکے، ہمیشہ مغلوب کے لئے یہ بھاگنے کا رستہ کُھلا رہے کہ دلیل جس مقدمہ مسلمہ پر مبنی ہو اس سے انحراف کر جائے اور بالفرض وُہ بھی در گزر کرے تو کیا یہ اقرار نرے قول کی ضلالت پر اقتضاء ہوگا، نہیں نہیں صاف صاف کہنا پڑے گا کہ امام الوہابیہ باری سبوح قدوس عزوجل کو ایسی شنیع ناپاک گالی کہ کروڑوں گالیوں پر مشتمل ہے دے کر صریح ضال مضل بے دین ہوا اور تم اور فلاں و فلانی اس کے سارے معتقدین بھی اس کی طرح گمراہ بددین ہوں۔

سوم اگر ان دونوں سے فرار کرو تو اب نہ رہا مگر یہ تیسرا کہ ان سب نتائج کو جو تمھارے امام ہی کے

عــــہ: فی مسلم الثبوت و شرحه فواتح الرحموت للمولی بحر العلوم لو تم هذا لم یکن الدلیل الجدلی مفیدا للالزام اصلا، اذ یمکن اعتراضه بالخطاء فی تسلیم احدی المسلمات و لم تکن القضایا المسلمة من مقاطع البحث والکل باطل علی ما تقرر فی محله والحق ان المسلّمه کالمفروض فی حکم الضروری لا یصح انکاره فانکاره اشد من الالزام[1] اھ باختصار ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت تصنیف مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ہے کہ اگر یہ تام ہو جائے تو پھر دلیل جدلی بالکل مفید الزام نہ رہے گی کیونکہ ممکن ہوگا کہ خصم قضائے مسلمہ میں سے کسی کو خطا مان لے اور مسلمات بحث کے خاتمہ کا ذریعہ نہ رہینگے اور یہ سب باطل ہے جیسا کہ ہم اس کو اپنے محل میں ثابت کر چکے ہیں، اور حق یہ ہے کہ مسلَّم، حکم ضرورۃ و بداہۃ میں مفروض سمجھا جاتا ہے جس کا انکار صحیح نہیں، پس اس کا انکار الزام سے شدید تر ہے اھ باختصار رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مع بذیل المستصفٰی

گھر سے پیدا ہوئے حق جانو اور دہلوی عــہ۱ اول و دہلوی عــہ۲ آخر و گنگوہی و نانوی وانبیٹھی و تھانوی و دیوبندی اور خود اپنے آپ اور جملہ وہابیہ اور سارے غیر مقلدین سب کو کافر مرتد اور تقویۃ الایمان و براہین قاطعہ و تحذیر الناس و معیار الحق و غیر تمام تصانیف وہابیہ کو کفری قول اور پیشاب سے زیادہ نجس و بدمانو، فرمائیے ان میں کون سا آپ کو پسند ہے جسے اختیار کیجئے اپنے اور اپنے امام سب کے کفروني یا کم از کم گمراہی و بددینی کا اقرار کیجئے، کہو کچھ جواب فرماؤ گے یا آج ہی سے "مَالَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝۲۵ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝۲۶ "[1] (تمھیں کیا ہوا آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ وہ آج گردن ڈالے ہیں۔ت) کا رنگ دکھاؤ گے کیوں،

ھل ثوب الفجار ماکانوا یافکون والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کیا کچھ بدلہ فاجروں کو اس کا ملا جو وہ جھوٹ بولے تھے، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اور اللہ تعالٰی ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی اور ان کے تمام آل و اصحاب پر درود نازل فرمائے، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے (ت)

عــہ۱: اسمٰعیل ۱۲　　　عــہ۲: نذیر حسین ۱۲

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۲۵و ۲۶

رسالہ
القمع المبین لاٰمال المکذبین ۱۳۲۹ھ
(مسایرہ وشرح مواقف وسیالکوٹی کی عبارات میں مکذّبوں کی سرشکنی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۷۴: از نگلہ اروہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع اکبر آباد، مرسلہ محمد صادق خاں، شوال ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

قلت الکذب نقص والنقص علیه تعالٰی محال، فلا یکون من الممکنات الخ قوله والنقص علیه الخ لا یخفی انه موقوف علٰی کونه ممتنعا بالذات ولا نسلم ذٰلك اذلوکان ممتنعا لما وقع الکذب من احد فھو ممتنع بواسطة انه مناف لکماله تعالٰی فیکون ممتنعا بالغیر والامتناع بالغیر	**میں کہتاہوں**، جھوٹ نقص ہے، اور نقص اللہ تعالٰی کے لئے محال، لہٰذا یہ ممکنات میں سے نہیں ہے الخ اس کا قول، کہ نقص اللہ تعالٰی کے لئے محال الخ، مخفی نہ رہے کہ یہ بات کذب کے ممتنع بالذات ہونے پر موقوف ہے، جبکہ یہ ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اگر یہ محال بالذات ہوتا تو پھر کسی سے بھی کذب صادر نہ ہوتا، لہٰذا یہ اللہ تعالٰی کمال کے منافی ہونے کے واسطہ سے ممتنع ہے تو ممتنع بالغیر ہُوا جو امکان

لاینافی الامکان الذاتی۔ حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی	ذاتی کے منافی نہ ہوا۔ (ت) حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی

الجواب:

بسم الله الرحمٰن الرحیم۔ الحمد لله الواجب الصدق المستحیل الکذب المحال علیه بذاته لذاته کل نقص و شین، فمن تقول علیه بامکان کذبه وتفرق الیه بخلف وعیده فقد استوجب لعنة الله علیه فی الدارین، "قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ "[1] "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ "[2] "عــــہ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ "[3] "وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ "[4] "اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ "[5] "مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ "[6] "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ "[7] "اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ "[8] "هو	بسم الله الرحمن الرحیم، سب تعریفیں اس اللہ تعالٰی کے لئے جو واجب، صادق، کذب جس کے لئے محال بذاتہ ہے، جس کی ذات کے لیے ہر نقص اور عیب محال بذاتہ ہے، اور جو شخص اس کے لئے امکانِ کذب کا قول کرے اور خلفِ وعید کے ذریعہ اس کا راستہ بنائے تو بیشک وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالٰی کی لعنت کا مستحق ہوا، فرمادیجئے اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا، اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی، جو یہاں اندھا ہو آخرت میں اندھا اور زیادہ گمراہ ہے، تمھاری خرابی اللہ پر کذب کی تہمت نہ باندھو کہ تمھیں عذاب سے پیس ڈالے گا، بیشک جو اللہ پر کذب کی تہمت رکھتے ہیں انھیں چھٹکارا نہ ملے گا دنیا میں تھوڑا برتنا ہے اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب، اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر کذب کی تہمت رکھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے یہ لوگ اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا سنتا ہے اللہ کی لعنت ان ظالموں

عــــہ: آیۃ ھذا سے جناب گنگوہی کا فوٹو ملا دیکھئے ۱۲ اس عفا عنہ

[1] القرآن الکریم ۳ / ۹۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۱

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۲

[4] القرآن الکریم ۲۰ / ۶۱

[5] القرآن الکریم ۱۶ / ۱۱۶

[6] القرآن الکریم ۱۶ / ۱۱۷

[7] القرآن الکریم ۶ / ۲۱

[8] القرآن الکریم ۱۱/ ۸

"الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳۳﴾ "[1] صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وعلٰی اٰلہٖ و صحبه وبارك وکرم کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔	پر، اور اللہ تعالٰی وُہ ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرک لوگ ناپسند کریں۔ اللہ تعالٰی اپنی رحمت فرمائے اس رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کے صحابہ پر، اور ان پر برکتیں اور کرامتیں نازل فرمائے جب تک اس کو یاد کرنے والے یاد کرتے رہیں اور جب تک اس کے ذکر سے غافل لوگ غفلت کرتے رہیں، اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی سب جہانوں کے پالنے والے کے لئے۔ (ت)

اللہ عزوجل کے غضب سے اسی کی پناہ، پھر اس کے حبیب اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پناہ، جب غضب الٰہی کسی قوم سے دین لیتا ہے عقل پہلے چھین لیتا ہے کہ عقل سلیم بفضل کریم باطل کو قبول نہیں کرتی، اور اگر کبھی شیطان نے کچھ دھوکا دینا چاہا "تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ "[2] (یاد دلاؤ تو جلد ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) مگر جب عقل نہ رہی (یعنی دین متین کی سمجھ اگرچہ دنیا و دیگر علوم و فنون کی کتنی ہی دانش ہو "لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡـًٔا وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ "[3] (نہ کسی چیز کو سمجھتے ہیں اور نہ ہدایت پاتے ہیں۔ ت) اس وقت انسان شیطان کا مسخرہ ہو جاتا ہے کہ صورت میں آدمی اور باطن میں گدھا ہے "کَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ "[4] "کَاَنَّهُمۡ حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ ۙ "[5] (گدھے کی مثل کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہُوئے ہیں، گویا بھاگتے ہوئے گدھے ہیں۔ ت) اپنی اغراض فاسدہ کے لئے اس کی کتاب بنی کی مثال بالکل سوئر اور سیرِ باغ کی ہوتی ہے، پُھول مہکیں، کلیاں چٹکیں، تختے لہکیں، فوارے چھلکیں، بلبلیں چہکیں، اسے کسی لطف و سرور سے کام نہیں وہ اس تلاش میں پھرتا ہے کہ کہیں نجاست پڑی ہو تو نوشِ جان کرے بعینہٖ یہی حالت گمراہ بددین کی ہوتی ہے ہزار ورق کی کتاب میں لاکھ باتیں نفیس و جلیل فوائد کی ہوں ان سے اسے بحث نہ ہو گی، کتاب بھر میں اگر کوئی غلط و باطل وخطا جملہ اپنے مطلب کا سمجھے گا اسی کو پکڑ لے گا اگرچہ واقع میں وہ اس کے مطلب کا بھی نہ ہو اتنی بات اس میں خنزیر سے بھی بڑھ کر ہوئی کہ وہ نجاست لے گا تو اپنے مطلب کی اور اسے اس کی بھی تمیز نہیں، انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ یا بیجا صادر ہونا کچھ نادر کالعدم نہیں پھر سلف صالحین و

[1] القرآن الکریم ۹ / ۳۳

[2] القرآن الکریم ۷/ ۲۰۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۰

[4] القرآن الکریم ۶۲ / ۵

[5] القرآن الکریم ۷۴/ ۵۰

ائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے،

کل ماخوذ من قوله و مردود علیه الا صاحب هذا القبر صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	اس روضہ پاک والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا ہر ایک کا قول لیا جاسکتا ہے اور اس پر رد بھی کیا جاسکتا ہے۔(ت)

جس کی جو بات خلاف اہل حق و جمہور دیکھی وہ اسی پر چھوڑی اور اعتقاد وہی رکھا جو جماعت کا ہے کہ ید الله علی الجمائۃ اتبعو السواد الاعظم اللہ تعالٰی کی حمایت جماعت کو حاصل ہے سواد اعظم کی پیروی کرو۔ت) نہ کہ اجماع امت کے خلاف کسی نے محض بطور بحث منطقی کوئی شگوفہ چھوڑ دیا اور دل کی میچ کر اس کے پیچھے ہوئے یا اندھے ملاعین کا طریقہ ہوتا ہے یا اوندھے شیاطین کا کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾"[1]	اگر ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس میں چلنا پسند نہ کریں اور گمراہی کا رستہ نظر پڑے تو اس میں چلنے کو موجود ہوجائیں یہ اس لئے کہ وُہ ہمارے کلام کی طرف کذب کی نسبت کرتے اور ہماری آیتوں میں غافل ہیں۔

اس وصف میں تمام طوائف گمراہان میں طائفہ وہابیہ اور طوائف وہابیہ میں خاص طائفہ دیوبندیہ سب سے ممتاز ہیں، اور ہوا ہی چاہیں کہ قرآن عظیم فرماتا ہے یہ اس کذب کی شامت ہے جو وُہ ہمارے کلام کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اللہ کی طرف نسبتِ کذب میں وہابیہ سب سے پیش قدم ہیں کہ ان کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی صاحب نے یک روزی میں اس کی چنائی چنی اور وہابیوں میں دیوبندی اس میں اگوا ہیں کہ ان کے پیر گنگوہی صاحب نے براہین میں اس پر استر کاری کی، نیز جناب موصوف کی تقلید سے ماشاء الله اندھے ہونے میں بھی اس طائفہ کو دنیا بھر کے دلی اندھوں پر ترجیح ہے اگر ایک آدھ آنکھ آدھی چوتھائی بھی کھلی ہوتی تو یہ نہ سوجھتا کہ سیالکوٹی ملا تو جس کذب میں یہاں ممکن بالذات کہہ رہے ہیں اسے نہ صرف ممکن بلکہ واقع بتا رہے ہیں یعنی نفس کذب کسی کا ہو جنگلی کا یا کوہی کا، دہلوی کا یا گنگوہی کا، اور اس کے ممکن بلکہ روزانہ لاکھوں کروڑوں بار واقع ہونے میں کیا کلام ہے ان کے لفظ دیکھئے کہ "لوکان ممتنعا لما وقع الکذب من احد" یعنی جس طرح اجتماع نقیضین وارتفاع نقیضین اپنی ذات میں محال ہیں یوں ہی اگر مطلق جُھوٹ خود اپنی ذات میں محال ہوتا تو کبھی کوئی شخص جھوٹ نہ بول سکتا مگر کروڑوں لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ جھوٹ خود اپنی حد ذات میں محال نہیں، ہاں

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۴۶

جب اسے اللہ عزوجل کی طرف نسبت کرو تو ضرور محال ہے کہ ذات الٰہی بالذات مقتضی جملہ کمالات و منافی جملہ نقائص ہے تو اس پر کذب محال بالذات ہے یہ استحالہ جانب باری سے بالذات ہوا کہ اس کی ذات کریم ہر عیب کے منافی ہے، مگر مطلق کذب جو کلّیِ عام شامل ہر کذب اور ہر شخص کے کذب کو تھا اس فرد کے استحالہ سے اسے بھی ایک استحالہ عارض ہوا کہ ہر فرد کا حکم طبیعت من حیث کی طرف ساری ہوتا ہے یہ استحالہ مطلق کذب کے حق میں ذاتی نہ ہوا کہ خود مطلق کذب کی ذات سے پیدا نہ ہوا بلکہ اللہ عزوجل کی ذات سے، بعینہٖ اس کی مثال وہی اجتماع نقیضین ہے، مطلق اجتماع کسی کا ہو اپنی حد ذات میں محال نہیں ورنہ کبھی کوئی دو ۲ چیزیں جمع نہ ہو سکتیں ہاں نقیضین کا اجتماع محال بالذات ہے کہ ذات نقیضین منافی اجتماع ہے، مگر مطلق اجتماع کہ ہر دو شَے کے جمع ہونے کو عام شامل تھا وہ جو اس مادہ خاصہ میں آکر محال ہوا تو یہ استحالہ اس کے لئے ذاتی نہیں بلکہ خصوص نقیضین کے باعث ہے تو مطلق اجتماع کہ ماہیت مطلقہ ہے ضرور ممکن بالذات بلکہ لاکھوں جگہ موجود اور اس کے سبب اجتماع نقیضین ممکن نہیں ہو سکتا وہ قطعاً محال بالذات ہے یونہی مطلق کذب کہ طبیعت مرسلہ ہے ضرور ممکن بالذات بلکہ ہزاروں جگہ موجود اس کے سبب معاذاللہ کذب باری ممکن نہیں ہو سکتا وہ یقینا محال بالذات ہے، یہ ہے اس عبارت کی تقریر جس سے اعتراض ملّا سیالکوٹی صاحب کی تشریح بھی ہو گئی اور اس سے جواب کی خوب توضیح بھی کہ یہاں کلام کذب خاص میں ہے نہ کہ مطلق طبیعت کذب میں، اور کلی کا امکان اس کے ہر فرد کے امکان کو مستلزم نہیں، یہاں ملّا سیالکوٹی کی تو اتنی ہی خطا تھی کہ محلِ نزاع میں فرق نہ کیا امکانِ فرد میں بحث تھی اور لے کر چلے امکان طبیعت، مگر دیوبندی اپنے کفر سے کب باز آتے ہیں، وہ اسی کو معاذاللہ امکان باری پر دلیل بتاتے اور اپنے کفریات ان کے سر منڈھا چاہتے ہیں، بہت خوب اب دیوبندی سنبھل کر بتائیں کہ یہ سیالکوٹی تقریر جس طرح تم بتاتے ہو تمھارے نزدیک حق ہے یا باطل، اگر باطل ہے تو کیوں دانستہ اوندھے چلتے اور ناواقف مسلمانوں کو چھلتے ہو، اور حق ہے تو تمھارے ہی منہ ثابت ہو کہ تم مشرک ہی نہیں بلکہ نرے بت پرست ہو کہ اللہ عزوجل کو مانتے ہی نہیں صرف اپنے ساختہ ٹھاکر کو پُوجتے ہو، یُوں نہ مانو ہم ثابت کر دیں تو سہی، جس تقریر سے اس کا کذب معاذاللہ ممکن ٹھہرایا، بعینہٖ بلا تفاوت اسی تقریر سے اس کا شریک بھی ممکن ہے کہ شریک اگر محال ہوتا تو کوئی کسی کا شریک نہ ہو سکتا تو شریک باری اس واسطے سے محال ہو گا کہ اس کے کمال کے منافی ہے تو ممتنع بالغیر ہوا اور امتناع بالغیر امکان ذاتی کا منافی نہیں، بعینہٖ بلا تفاوت اسی تقریر سے اس کی موت و فنا بھی ممکن ہے کہ موت محال ہوتی تو کوئی کبھی نہ مرتا تو موتِ باری اس واسطے محال ہوئی کہ منافی کمال ہوئی تو امتناع بالغیر رہا تو اس کا مرنا فنا ہو جانا ممکن بالذات ہوا تو وہ واجب الوجود نہ ہوا تو الٰہ نہ ہوا بلکہ کوئی تمھارا ساختہ ٹھاکر ہُوا، "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۟" [1] (خبردار ظالموں پر

[1] القرآن الکریم ۱۱ / ۱۸

اللہ کی لعنت ہے۔ت)

اس عبارت کے جواب کو تو اسی قدر بس ہے مگر فقیر بعون القدیر چاہتا ہے کہ اس بحث کو اعلیٰ درجہ کمال پر پہنچائے اور گنگوہی و دیو بندی مکذّ بانِ الٰہی نے مسایرہ و شرح مواقف کی دو عبارتوں سے جو مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا ہے ایک ضربتِ حیدری و صولتِ فاروقی سے اس کی بھی پردہ دری ہو جائے، و باللہ التوفیق ان عبارتوں سے استناد اس سے زیادہ پوچ و لچر ہے، جیسا اس عبارت سیالکوٹی سے تھا، مگر اللہ کے مکذّبوں کا مقصود مردود تو صرف عوام کو دھوکے دینا اور یہود کے **تلبسوا الحق بالباطل و تکتموا الحق** (حق کو باطل سے ملاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو۔ت) سے پُورا اتر کر لینا ہے۔

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۲۷"[1] ظالم لوگ عنقریب معلوم کرلیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں (ت)

فاقول: و باللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) مسلمانو! عقائد وہ سنت ہیں جو حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و صحابہ و تابعین و سلف صالحین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے ثابت ہیں انھیں کے بیان کے لئے کتب عقائد کے متون موضوع ہوتے ہیں، زمانہ خیر میں یہ عقائد صدور و السنہ ائمہ سے تلقی کئے جاتے تھے، اور مسلمان اپنی سلامت صدر سے ان پر ایمان لاتے تھے انھیں چون وچرا و **لِمَ و لانسلم** کی علّت نہ تھی، جب بد مذہبوں کا شیوع ہُوا اور گمراہ مکلبوں نے عام مسلمین کو بہکانے کے لئے اپنے عقائد باطلہ پر عقلی و نقلی مغالطے پیش کرنے شروع کئے تو علمائے سنت و جماعت کو حاجت ہُوئی کہ ان کے دلائل باطلہ کارَد کریں اپنے عقائد حقّہ پر دلائل قائم فرمائیں، یہاں سے کلام متاخرین کی بنا پڑی اب کہ استدلال و بحث و مناظرہ کا پھاٹک کُھلا خود اپنے دلائل وجوابات کی جانچ پرکھ کی بھی حاجت ہوئی، اذہان مختلف ہوتے ہیں اور بحث و استخراج میں خطا و اصابت آدمی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ایک نے مذہب پر ایک دلیل قائم فرمائی یا مخالفت کی یا کسی اعتراض کا جواب دیا دوسرے نے اس پر بحث کردی کہ اپنے مذہب پر یہ دلیل کمزور ہے مخالف کی طرف سے اس کا رَد یہ ہو سکتا ہے، یا اعتراض کا یہ جواب کافی نہیں مخالف اس میں یوں کہہ سکتا ہے، اس رَد و بحث کا اثر فقط اسی دلیل وجواب تک ہوتا ہے عام ازیں کہ اس دلیل وجواب ہی میں قصور ہو جیسا کہ بحث کرنے والے کا بیان ہے، یا خود اس باحث کی نظر نے خطا کی دلیل وجواب صحیح و صواب ہو، بہر حال **معاذ اللہ** اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اپنا اصل مذہب باطل یا مخالف کا ضلال حق ہے، ہر عاقل جانتا ہے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۶ / ۲۲۷

کسی کی قائم کی ہُوئی ایک دلیل یا دیا ہُوا جواب بگڑ جانے سے اصل مسئلہ باطل نہیں ہو سکتا نہ معاذ اللہ یہ بحث کرنے والا اپنا عقیدہ بدلتا اور مذہب اہلسنّت کو باطل جان کر اس سے باہر نکلتا ہے یہ ایک ایسی بات ہے جسے نہ فقط اہلسنت بلکہ ہر مذہب وملّت والا اپنے یہاں دیکھتا جانتا ہے، پھر بھی جب تک زمانہ خیر کا قرب تھا اس رَد و کد میں ایک اعتدال باقی تھا جب فن کلام فلسفہ دان متاخرین کے ہاتھ پڑا اب تو بات بات میں وجہ بے وجہ نکتہ چینی کی لَے بڑھی جس سے مقصود صرف بردومات ورَدّو اثبات و منع ونقض واخذ میں ذہن آزمائی اور اپنی طاقت سخن کی رونمائی ہوتی ہے وبس، نہ کہ معاذ اللہ مذہب سے پھریں دین و عقائد کو باطل کریں حاشاللہ یہاں سے ہر ذی انصاف پر ظاہر کہ یہ متاخر شارح محشیٰ جو کچھ بحث میں لکھ جایا کرتے ہیں وہ مطلقًا خود ان کا اپنا بھی اعتقاد نہیں ہوتا نہ کہ تمام اہلسنت و جماعت کا عقیدہ، عقیدہ وُہ ہوتا ہے جو متون و مسائل میں بیان کر دیا بالائی تقریریں اس کے موافق ہیں تو حق ہیں، مخالف ہیں تو وہی ان کی بحث بازیاں اور ذہن آزمائیاں اور قلم کی جولانیاں ہیں جن کا خود انھیں اقرار ہے کہ ان میں قواعد اہل حق کی پابندی نہیں کی جاتی اور معرفتِ سامع پر چھوڑا جاتا ہے کہ عقیدہ اہل حق اسے معلوم ہے اس کی مراعات کرلے گا، مواقف میں ہے:

انت تعرف مذهب اهل الحق و انما لا نتعرض لا مثاله للاعتماد على معرفتك بها في مواضعها۔[1]	تم اہل حق کا مذہب جانتے ہو اور تمھاری اس معرفت کی بنا پر ہی ہم ایسے مقامات میں اس سے تعرض نہیں کرتے۔(ت)

شرح میں ہے:

فعليك برعاية قواعد اهل الحق في جميع المباحث وان لم نصرح بها۔[2]	تو تجھ پر لازم ہے کہ تمام مباحث میں اہل حق کے قواعد کا پاس کرے اگرچہ ہم وہاں یہ تصریح نہ کریں۔(ت)

شرح مقاصد میں ہے:

كثير اما توردالا راء الباطلة للفلا سفة من غير تعرض لبيان البطلان الا فيما يحتاج الى زيادة بيان[3]	عام طور پر فلاسفہ کی باطل آراء کو ان کا بطلان ذکر کئے بغیر وارد کر دیا جاتا ہے ہاں جہاں کسی زائد بیان کی ضرورت ہو تو وہاں ان کا بطلان واضح کر دیا جاتا ہے۔(ت)

[1] المواقف شرح المواقف القسم الاول المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵/ ۲۴۴

[2] المواقف شرح المواقف القسم الاول المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵/ ۲۴۴

[3] شرح المقاصد المقصد الثالث الفصل الثالث القسم الاول النوع الثالث المسموعات دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۲۱۶

بعینہٖ اسی طرح حسن چلپی علی السید میں ہے تو عقائد ان کے وہی ہیں جو متون خود اور ان کے کلام میں جابجا مصرح ہیں اگرچہ بحث مباحث میں کچھ کہیں، خصوصاوُہ جن پر فلسفہ کا رنگ چڑھااُن کو تو لِمَ ولا نسلم کا وہ لپکا بڑھا جس کے آگے کھائی، خندق، دریا، پہاڑ سب یکساں ہیں مطارحات میں وہ باتیں کہہ جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ، شرح فقہ اکبر میں ہے سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لقد اطلعت من اھل الکلام علٰی شیئ ماظننت مسلما یقولہ۔[1]	میں نے اہل کلام سے بعض باتیں وہ سنیں کہ مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی مسلمان ایسا کہتا۔

وُہ تو سمجھ لئے کہ بحث مذہب پر حاکم نہیں، ہمارے عقائد معلوم ومعروف ہیں لِمَ ولانسلم میں جو بات اس کے خلاف ہو گی ناظرین خود ہی سمجھ لیں گے اور ان کے متعدد اکابر نے اس پر تنبیہ بھی کر دی، مگر مضل مغوی کا کیا علاج وُہ تو ایسے ہی موقع کی تاک میں رہتا ہے ادھر عامی بیچارہ مارا پڑا یا وادی حیرت میں سرگرداں رہا اسے ہر بات میں قاعدہ اہل حق کہاں معلوم کہ اس کی مراعات کرلے گا، یہی وُہ باتیں ہیں جنھوں نے اس قسم کے کلام متاخرین کو ائمہ دین کی نگاہ میں سخت ذلیل وبے قدر بنا دیا، یہاں تک کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

من طلب العلم بالکلام تزندق۔[2]	جس نے عِلم کلام کے ذریعہ علم حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ زندیق بنا۔ (ت)

فقہائے کرام نے فرمایا جو مال علماء کے لئے وصیّت کیا گیا ہو متکلمین کا اس میں حصہ نہیں، نہ کتبِ کلام کتبِ علم میں داخل، ہندیہ میں محیط سے ہے:

لایدخل فی ھذہ الوصیۃ المتکلمون۔[3]	اس وصیت میں متکلمون (علم کلام والے) داخل نہ ہوں گے۔ (ت)

انھیں میں امام ابوالقاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی سے ہے: کتب الکلام لیست کتب العلم[4] (کلام کی کتب علم کی کتب نہیں۔ ت) منح الروض الازہر میں فتاوی ظہیریہ سے ہے:

---

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴
[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴
[3] فتاوی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۱
[4] فتاوی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۱

اوصی لعلماء بلدہ لا ید خل المتکلمون ولو اوصی انسان ان یوقف من کتبہ کتب العلم فافتی السلف انہ یباع مافیھا من کتب الکلام۔[1]	کسی نے علاقہ کے علماء کے لئے کچھ وصیت کی تو اس میں متکلمون (علم کلام والے) داخل نہ ہوں گے، اور اگر کسی نے وصیت کی کہ میری کتب میں سے علم کی کتب کو وقف کیا جائے تو اسلاف کا فتوی ہے کہ علم کلام کی کتب کو ان میں سے فروخت کیا جائے (یعنی یہ علم کی کُتب نہیں ہیں)۔(ت)

طریقہ محمدیہ میں بحوالہ تاتارخانیہ امام حافظ ابواللیث سمرقندی سے ہے:

من اشتغل بالکلام محی اسمہ علی العلماء۔[2]	جو شخص کلام میں مشغول ہوا تو اس کا نام علماء کی فہرست سے خارج قرار دیا جائے گا۔(ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے: **فلا یقال لہ عالم**[3] (اس کو عالم نہ کہا جائے گا۔ت) اس کے نظائر نظرِ فقیر میں کثیر ووافر، سرِدست انھیں تین کتابوں سے نظائر لیجئے کہ مکذّبانِ خدا نے قرآن عظیم و نصوص صریحہ متون و عقائد و اجماع قطعی ائمہ سلف وخلف کو یکسر چھوڑ کر ابحاث زائدہ میں ان کی تراشیدہ تقریروں کا دامن پکڑا ہے یعنی مسایرہ وشرح مواقف جن کی دو عبارتیں دیوبندیوں کی پُرانی دست مال ہیں، اور تیسری حاشیہ سیالکوٹی کی یہ عبارت کہ سوال میں گزری، ان کے بعد **بحمد اللہ تعالٰی** مکذبوں کا ہاتھ بالکل خالی رہ جائیگا اور وسوسہ ابلیس مردود و مطرود ہو کر "**وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۷﴾**"[4] (اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ت) کا نقشہ ان پر یہیں سے نظر آئے گا **وباللہ التوفیق**۔

نظیر اوّل: مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی کی سُنئے، منہیہ خیالی سے منقول ہُوا کہ اس میں باری عزوجل کے علم کا امور متناہیہ سے تفصیلا متعلق ہونا ممنوع کہہ دیا، مُلّا نے خیالی کا خیال خبالی نقل کرکے اس پر رجسٹری کردی:

حیث قال قولہ فتامل نقل عنہ وجہ التامل ان علمہ تعالٰی الشامل انما یشتمل مالا یمتنع	جہاں انہوں نے کہا قولہ فتامل (اس کا قول کہ تامل کرو) وہاں انھوں نے وجہ تامل ان سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالٰی کا شامل علم ان چیزوں کو مشتمل ہوگا جن کا وجود ممتنع نہ ہوگا جس طرح اس کی شامل قدرت ان چیزوں کو

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴

[2] طریقہ محمدیۃ النوع الثانی فی المنہی عنہا مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ۱/ ۹۳ و ۹۴

[3] الحدیقۃ الندیۃ بحوالہ تاتارخانیہ النوع الثانی فی العلوم المنہی عنہا فیصل آباد ۱/ ۳۳۰

[4] القرآن الکریم ۷۷/ ۴۷

وجوده و امکان تعلق العلم بالمراتب الغیر المتناهیة مفصلة ممنوع انتهی فان قیل فیلزم الجهل علی الله قلت الجهل عدم العلم بما یصح تعلق العلم به کما ان العجز عدم تعلق القدرة بما یصح ان تتعلق به فتأمل اھ۔[1]	مشتمل ہے جن کا وجود ممتنع نہ ہو، اور مفصل طور پر غیر متناہی مراتب میں علم کے تعلق کا امکان ممنوع ہے **انتہٰی**، اگر اعتراض کیا جائے کہ اس سے اللہ تعالٰی کا جہل لازم آئے گا، تو **میں کہتا ہوں** جن چیزوں سے علم کا تعلق صحیح ہو ان کو نہ جاننا جہل ہے، جس طرح جن چیزوں سے قدرت کا تعلق صحیح ہو ان چیزوں کی قدرت نہ ہونا عجز کہلاتا ہے، غور کر اھ۔ (ت)

ممنوع کہتے تو کہہ گئے لیکن نظر کرتے کہ یہ وسوسہ باطلہ جو عدد مبین **اعاذنا اللہ تعالٰی من شرہ المھین** نے القا کیا، اس کی تہ میں کیا کیا آفات قاہرہ ہیں، توہر گز خامہ و نامہ کو اس سے آلودہ کرنا روا نہ رکھتے،

فاقول اوّلاً: (دونوں مّلا صاحب فرمائیں تو کہ سلسلہ اعداد سے کس قدر پر مولٰی عزوجل کا علم جا کر رُک گیا کہ اس سے آگے کا عدد خدا کو معلوم نہیں، سلسلہ ایّام آخرت سے کتنے دن خدا کو معلوم ہیں، آگے مجہول نعیم جنان و عذاب نیران سے کتنی مقدار علم الٰہی میں ہے زیادہ کی اسے خبر نہیں، کیا کوئی عاقل مسلم سوچ سمجھ کر ایسی بات کہہ سکتا ہے، حاشا وکلّا دیکھو کیسی صریح تصدیق ہے امام شافعی کے اس ارشاد کی کہ **ماظنت مسلماً یقوله**[2] (مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی مسلمان یہ بات کہے گا۔ت)، ہاں انھوں نے **اطلعت علٰی شیئ**[3] (میں نے کسی چیز پر اطلاع پائی۔ت) فرمایا،

"وقد اطلعنا علٰی اشیاء اذفسد الزمان و الی الله المشتکی وعلیه التکلان"۔	جبکہ ہم نے فساد زمان کی وجہ سے بہت سی چیزوں پر اطلائی پائی جبکہ شکایت اللہ تعالٰی کے دربار میں ہے اور اسی پر توکل ہے (ت)

ثانیاً: جو حد مقرر کیجئے وہاں فارق بتایئے کہ حد بندی کرے، کیا سبب کہ یہاں تک کا علم ہوا بعد کا نہیں، علم کے لئے معلوم کا وجود خارجی درکار ہو تو آخرت درکنار معاذاللہ کل آئندہ کا علم نہ ہو بلکہ ازل میں جملہ ماوراسے **عیاذاً باللہ** جہل مطلق ہو پھر خلق کیونکر ہو اور جب وجود ضرور نہیں تو معدوم معدوم سب یکساں، کسی حدِ خاص پر رُکنا ترجیح بلا مرجح ہے بخلاف علوم عالم کہ وہاں مرجح ارادہ الٰہیہ ہے، جسے جتنا دیا اُتنا ملا "لَایُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَاشَآءَ"[4] (اللہ تعالٰی کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر صرف جتنا اللہ تعالٰی

---

[1] حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی علی الخیالی مطبع مجتبائی دہلی ص ۶۵

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴

[4] القرآن الکریم ۲ / ۲۵۵

چاہے۔ت)

ثالثاً: جو حد مقرر کیجئے یقیناً معلوم کہ ایام وایلام وانعام اس سے آگے بڑھیں گے کہ "لاتقف عند" حد ہیں، اب جو بعد کو آئے ان کا علم باری عزوجل کو ہوگا یا نہیں، اگر نہیں تو جہل موجود، اور جو عذر کیا تھا زاہق و مردود، کہ اب تو وہ خود عباد کو معلوم و مشہود، معہذا انھیں پیدا کون کرے گا، وہی خبیر شہید، تو نہ جاننا کیا معنی!

"اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾" [1]	کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہی ہے ہر باریکی جانتا خبر دار۔(ت)

اور اگر وہاں تم نے اور مانا کہ ان کا علم پہلے نہ تھا تو اس کا علم معاذاللہ حادث ہُوا، متجدد ہوا، کیا یہ عقیدہ اہلسنّت کا ہے جو ہمارے رب عزوجل نے فرمایا "وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾" [2] (اللہ تعالٰی ہر شیئ کا عالم ہے۔ت)

عقیدہ وُہ ہے جو خود سیالکوٹی نے حاشیہ شرح عقاید جلالی میں لکھا:

المعلومات فی انفسها غیر متناهیة لشمولها الموجوات والمعدومات۔[3]	معلوماتِ باری تعالٰی اپنی ذات میں غیر متناہی ہیں کیونکہ موجودات اور معدومات سب کو شامل ہیں۔(ت)

خود شرح میں ہے:

اعلم ان المتکلمین ینفون الوجود الذهنی ویثبتون علم الله تعالٰی بالحوادث الغیر المتناهیة۔[4]	واضح رہے علم کلام والے ذہنی وجود کی نفی کرتے ہیں اور اللہ تعالٰی کے لئے غیر متناہی حوادث کا علم ثابت کرتے ہیں(ت)

بلکہ خود اسی حاشیہ سیالکوٹی علی الخیالی میں ہے:

هذه التعلقات قدیمة غیر متناهیة بالفصل ضرورة عدم تناهی متعلقاتها اعنی جمیع مایمکن ان یعلم من الامور الکلیة والجزئیة الازلیة والمتجددة لشموله	یہ تعلقات تفصیلی طور پر غیر متناہی قدیم ہیں یہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ان کے متعلقات غیر متناہی ہیں، یعنی تمام وُہ امور جن کو جانا جاسکتا ہے کلیات، جزئیات، ازلیہ ہوں یا حادثہ، کیونکہ یہ علم ممکنات،

---

[1] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۶

[3] حاشیہ شرح عقاید جلالی مطبع مجتبائی دہلی ص۲۱

[4] شرح الدوانی علی العقاید العضدیۃ مطبع مجتبائی دہلی ص۲۱

الممکن والممتنع والواجب۔[1]	محالات اور واجبات سب کو شامل ہے(ت)

عقیدہ وہ ہے جو مقاصد و شرح میں فرمایا:

علمہ تعالٰی لا یتناھی و محیط بما لا یتناھی کالا عداد والاشکال)ونعیم الجنان و شامل لجمیع الموجودات والمعدومات الممکنۃ والممتنعۃ وجمیع الکلیات و الجزئیات سمعاو عقلا۔[2]	اللہ تعالٰی کا علم غیر متناہی ہے اور اعداد واشکال اور جنّت کی نعمتوں جیسی غیر متناہی اشیاء کو محیط اور تمام موجودات و معدومات و ممکنات و ممتنعات کو اور تمام کلیات و جزئیات کو نقلا و عقلا شامل ہے۔(ت)

عقیدہ وُہ ہے جو مواقف و شرح میں بیان فرمایا:

علمہ تعالٰی یعم المفھومات کلھا الممکنۃ والواجبۃ والممتنعۃ والمخالف فی ھذا الفصل فِرَق الاولی من قال لا یعلم نفسہ(الی ان قال)الرابعۃ من قال لا یعقل غیر المتناھی۔[3]	اللہ تعالٰی کا علم تمام ممکنہ،واجبہ اور محال مفہومات کو شامل ہے،اس بحث میں کچھ مخالف فرقے ہیں،پہلا وُہ جو کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو اپنی ذات کا بھی علم نہیں ہے،اور یہاں تک کہا کہ چوتھا فرقہ وُہ ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو غیر متناہی امور کا علم نہیں ہے۔(ت)

عقیدہ وُہ ہے جو حدیقہ ندیہ میں فرمایا:

المعلومات موجودۃ او معدومۃ محالۃ او ممکنۃ قدیمۃ اوحادثۃ متناھیۃ اوغیرمتناھیۃ جزئیۃ اوکلیۃ وبالجملۃ جمیع مایمکن ان یتعلق بہ العلم فھو معلوم للہ تعالٰی۔[4]	موجود اور معدوم محال یا ممکن ہوں،قدیم و حادث،متناہی،غیر متناہی،جزئی یا کُلّی غرضیکہ جس چیز سے بھی علم کا تعلق ہو سکتا ہے وہ سب اللہ تعالٰی کو معلوم ہے۔(ت)

عقیدہ وُہ ہے جو اس فقیر ربِّ قدیر نے الدولۃ المکیہ میں لکھا اور علمائے کرام حرمین طیبین نے

---

[1] حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی علی الخیالی مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۲

[2] مقاصد و شرح المقاصد خاتمہ علمہ لایتناہی الخ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۹۰

[3] مواقف و شرح المواقف المقصد الثالث فی علمہ تعالٰی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۷۰

[4] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقہ المحمدیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۴

مزیّن بتصدیقاتِ جلیلہ کیا:

ان ربنا تبارك وتعالٰی یعلم ذاته الکریمة و وصفاته الغیر المتناهیة والحوادث التی وجدت والتی توجد غیر متناهیة الی ابد الابد والممکنات التی لم توجد ولن توجد بل والمحالات باسرها فلیس شیئ من المفاهیم خارجا عن علمه سبحٰنه وتعالٰی یعلمها جمیعا تفصیلا تاما ازلا ابدا وذاته سبحٰنه وتعالٰی غیر متناهیة وصفاته غیر متناهیات وکل صفة منها غیر متناهیة وسلاسل الاعداد غیرمتناهیة وکذا ایام الابد وساعاته واٰناته وکل نعیم من نعم الجنة وکل عذاب من عقوبات جهنم و انفاس اهل الجنة واهل النار ولمحاتهم وحرکاتهم وغیر ذٰلك کلهاغیر متناه والکل معلوم لله تعالٰی ازلا و ابدا باحاطة تامة تفصیلیة ففی علمه سبحٰنه وتعالٰی سلاسل غیر المتناهیات بمرات غیرمتناهی بل له سبحانه وتعالٰی فی کل ذرة علوم لا متناهی لان لکل ذرة مع کل ذرة کانت اوتکون اویمکن ان تکون نسبة بالقرب والبعد والجهة مختلفة فی الا زمنة باختلاف الا مکنة الواقعة والممکنة من اول یوم الٰی مالا اٰخر له والکل معلوم له سبحٰنه وتعالٰی بالفعل فعلمه عز جلاله غیر متناه غیر متناه فی غیر متناه کانه معکب غیر المتناهی علی اصطلاح الحساب وهذا جمیعا واضح عند من له من الاسلام	ہمارے رب تعالٰی اپنی ذات کریمہ و صفات غیر متناہیہ اور حوادث جو موجود ہیں یا ہو سکیں خواہ ابدالا بد تک غیر متناہی ہوں اور ممکنات غیر موجودہ اور جو موجود نہ ہو سکیں اور محالات تمام ان مفہومات میں سے کوئی بھی اللہ تعالٰی کے علم سے خارج نہیں، ان تمام کو تفصیلا کاملًا ازل و ابد سے جانتا ہے، اللہ تعالٰی کی ذات پاک لا محدود اور اس کی صفات غیر متناہی ہیں اور پھر اس کی ہر صفت غیر متناہی ہے، اعداد کا سلسلہ اور یونہی ابد تک ایّام، ان کے گھنٹے، ان کی آنات اور جنت کی نعمتیں، اور پھر ہر نعمت، یونہی جہنم کی سزاؤں کے عذاب، اور جنتی اور جہنمی لوگوں کے سانس، ان کے لمحات، حرکات وغیرہا یہ تمام غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالٰی کا علم ازلا وابدا ان سب کو محیط تام ہے اور تفصیلا ہے، تو اللہ تعالٰی کے علم میں غیر متناہی سلسلے غیر متناہی طور پر داخل ہیں بلکہ ہر ذرّہ کے متعلق اللہ تعالٰی کے معلومات ہیں کیونکہ ہر ذرّہ کو ذرّہ کے ساتھ خواہ وہ موجود ہو یا ہو سکتا ہو یا اس کی نسبت قُرب وبُعد اور زمانہ کی مختلف جہات سے باعتبار اختلاف مکانات وزمانات اول تا غیر منتہٰی، ضرور نسبت حاصل ہے، اور تمام کا اللہ تعالٰی کو بالفعل علم ہے تو اللہ تعالٰی کا علم غیر متناہی، غیر متناہی میں غیر متناہی ہے، گویا کہ حساب والوں کی اصطلاح میں غیر متناہی معکب ہے اور تمام بیان کردہ اس شخص کے ہاں واضح ہے جس کو اسلام

نصیب۔[1]	نصیب ہے۔(ت)

عقیدہ وُہ ہے جو فقیر نے اس کی تعلیقات الفیوضات الملکیہ میں نقل کیا:

حیث کتبت علٰی قولی بل لہ سبحٰنہ فی کل ذرّۃ علوم لامتناھی ما نصہ الحمد للہ ھذالذی کتبتہ من عندی ایمانا بربی ثم رأیت التصریح بہ فی التفسیر الکبیر اذ یقول تحت کریمۃ وکذٰلك نری ابرٰھیم، سمعت الشیخ الامام الوالد عمر ضیاء الدین رحمہ اللہ تعالٰی قال سمعت الشیخ ابا القاسم الانصاری یقول سمعت امام الحرمین یقول معلومات اللہ تعالٰی غیر متناھیۃ ومعلوماتہ فی کل واحد من تلك المعلومات ایضاً غیر متناھیۃ وذٰلك لان الجوھر الفرد یمکن وقوعہ فی احیاز لا نھایۃ لھا علی البدل ویمکن اتصافہ بصفات لانھایۃ لھا علی البدل الخ۔[2]	جہاں میں نے اپنے مذکور قول "بلکہ اللہ تعالٰی سبحٰنہ کے ہر ذرّہ میں علوم غیر متناہی ہیں" پر یہ عبارت لکھی ہے، الحمد للہ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ میں نے اپنی طرف سے اپنے رب پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے' اس کے بعد میں نے تفسیر کبیر میں اس کی تصریح پائی، جہاں آیہ کریمہ "وکذٰلک نری ابراھیم" کے تحت فرمایا کہ میں نے اپنے والد شیخ امام عمر ضیاء الدین رحمہ اللہ تعالٰی سے سُنا اُنھوں نے فرمایا میں نے شیخ ابوالقاسم انصاری سے انھوں نے فرمایا میں نے امام الحرمین سے سُنا کہ فرمارہے تھے کہ اللہ تعالٰی کے معلومات غیر متناہی اور ان معلومات میں سے ہر ایک کے معلومات بھی غیر متناہی ہیں یہ اس لئے کہ جو ہر فرد کا غیر متناہی احیاز میں علٰی سبیل البدل پایا جانا ممکن ہے اور یُونہی اس کا بدل کے طور پر غیر متناہی صفات سے متصف ہونا ممکن ہے الخ۔ (ت)

نظیر دوم: مسایرہ میں اصل عقیدہ تو وہی لکھا جو ائمہ اہلسنّت و جماعت کا ہے کہ اللہ کے سوا اصلاً کسی شے کا کوئی خالق نہیں، بندوں کے افعال اختیاریہ بھی تمام و کمال اسی کے مخلوق ہیں، بندہ صرف کاسب ہے، اور اسے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے روشن کیا:

حیث قال الاصل الاول العلم بانہ تعالٰی لا خالق سواہ فھو سبحٰنہ الخالق لکل حادث جوھراو عرض کحرکۃ	جہاں اُنھوں نے فرمایا کہ پہلا ضابطہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے متعلق یہ علم ہے کہ وُہ خالق ہے اور اس کے بغیر کوئی بھی خالق نہیں، تو اللہ تعالٰی ہر حادث

[1] الدولۃ المکیۃ القسم الاوّل مطبعہ اہل السنۃ والجماعت بریلی ص ۷

[2] الفیوضات الملکیۃ تعلیقات الدولۃ المکیۃ مطبعہ اہل السنۃ والجماعت بریلی ص ۹

کل شعرۃ وکل قدرۃ و فعل اضطراری کحرکۃ المرتعش والنبض اواختیاری کا فعال الحیوانات المقصود لھم ،واصلہ من النقل قولہ تعالٰی اللہ خالق کل شیئ وقولہ تعالٰی واللہ خلقکم وما تعملون ومن العقل ان قدرتہ تعالٰی صالحۃ للکل لا قصورلھا عن شیئ منہ فوجب اضافتھا الیہ بالخلق اھ[1] مختصرًا۔	خواہ وہ جوہر ہو یا عرض جیسے ہر بال کی حرکت، ہر طاقت وقدرت اور ہر فعل خواہ اضطراری ہو جیسے رعشہ والے اور نبض کی حرکت، یا فعل اختیاری ہو جیسا کہ اپنے مقصد کے لئے ہر حیوان کی حرکت کا خالق ہے، اور یہ ضابطہ، اللہ تعالٰی کے قول "خالق کل شیئ"، اور اس کے قول "واللہ خلقکم وما تعملون" سے ماخوذ ہے، اور یہ عقلی تقاضا ہے کہ اللہ تعالٰی کی قدرت کاملہ ہے وُہ کسی چیز کے متعلق ناقص نہیں ہے لہٰذا ہر چیز اللہ تعالٰی کی صفت خلق کی طرف منسوب ہے اھ مختصرًا (ت)

پھر جب عادت متاخرین اہل کلام بحث کے طور پر ایک بات لکھ گئے اگر مسلّم ہو تو اس بحرِ عمیق مسئلہ قدر میں شناوری اور سر الٰہی کی جلوہ گری چاہے جس میں بحث سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صدیق اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کو ممانعت فرمائی اور آخر نتیجہ وہی ہُوا جو ہونا چاہئے کہ گوہر کی جگہ خزف پر ہاتھ پڑے اور وہ بھی محض "لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ﴿۷﴾ "[2] (نہ فربہ کرے اور نہ بُھوک ختم کرے۔ت) وُہ بحث یہ کہ عزم کو نصوص سے مخصوص مان لیجئے اس کا آغاز لقائل ان یقول (سے کیا یعنی کوئی کہنے والا یُوں کہہ سکتا ہے اور وہی شبہات جو معتزلہ پیش کرتے ہیں اس کی تقریر میں بیان کرکے کہا:

فلنفی الجبر المحض و تصحیح التکلیف وجب التخصیص وھو لا یتوقف علٰی نسبۃ جمیع افعال العباد الیھم بالایجاد(ای کما فعلت المعتزلۃ)بل یکفی ان یقال جمیع ما یتوقف علیہ افعال الجوارح من الحرکات وکذاالتروك التی ھی افعال النفس من المیل و الداعیۃ والاختیار بخلق اللہ تعالٰی	بندے کے مجبور محض ہونے کی نفی اور اس کی تکلیف کی صحت کے لئے تخصیص واجب ہے اور یہ اس بات پر وقوف نہیں کہ بندوں کے تام افعال کا ایجاد، بندوں کی طرف منسوب ہو، یعنی جیسا کہ معتزلہ نے کیا ہے، بلکہ اس کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ چیز جس پر بندہ کے افعال جوارح حرکات اور تروک وغیرہ نفس کے افعال مثلًا میلان، دواعی اور اختیارات وغیرہ ہیں یہ سب کے سب اللہ تعالٰی کی تخلیق سے ہیں

[1] المسایرہ متن المسامرۃ الاصل الاول المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۹۶تا۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۸۸/ ۷

لاتاثیر لقدرة العبد فیه وانما محل قدرته عزمه عقیب خلق الله تعالٰی هذه الا مور فی باطنه عزما مصمما بلاترددو توجهه توجها صادقا للفعل طالبا ایا ه فاذا اوجد العبد ذٰلك العز م خلق الله له الفعل فیکون منسوبا الیه تعالٰی من حیث هو حرکة والی العبد من حیث هو زنا و نحوه(الی ان قال)وکفی فی التخصیص لتصحیح التکلیف هذا الامر الواحد اعنی العزم المصمم وما سواه مما لا یحصی من الافعال الجزئیة والتروك کلهامخلوقة لله تعالٰی متأ ثرة عن قدرته ابتداء بلا واسطة القدرة الحادثة المتأثرة عن قدرته تعالٰی والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم [1] (ملخصًا)	اور ان امور میں بندے کی قدرت کی کوئی تاثیر نہیں ہے، اور بندے کی قدرت صرف اس کے عزم میں ہے جو اللہ تعالٰی کی طرف سے ان امور کی تحقیق کے بعد اس کے باطن میں عزم صمیم بلا تردّد پیدا ہوتا ہے اور اس کی توجہ صادق اور طلب برائے فعل سے حاصل ہوتا ہے، تو جب بندہ اپنے اس عزم کو بروئے کار لاتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے لئے فعل کو پیدا فرمادیتا ہے تو یہ فعل اللہ تعالٰی کی طرف حرکت ہونے کے لحاظ سے منسوب ہوتا ہے اور بندے کی طرف مثلاً زنا وغیرہ ہونے کے لحاظ سے منسوب ہوتا ہے، آگے یہاں تک فرمایا، اور بندے کی تکلیف کی صحت کے لئے یہی ایک امر یعنی عزم مصمم کافی ہے، اسکے علاوہ باقی تمام افعال جزئیہ اور تروک وغیرہ اللہ تعالٰی کی مخلوق ہیں اور براہِ راست اللہ تعالٰی کی قدرت سے متأثر ہیں جبکہ اس تاثیر کے لئے اور جدید تاثیر کی ضرورت نہیں ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی (ملخصًا)۔(ت)

مسایرہ کے بیان سے کسی نافہم کو دھوکا نہ ہو کہ یہ حنفیّہ کا مذہب ہے، حاشا بلکہ ان کا مذہب وہ ہے جو ان کے امام امام الائمۃ الانام سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فقہ اکبر ووصایائے شریفہ میں تصریح فرمائی کہ افعال عباد جمیع و تمام و کمال بلا تخصیص و بلا استثناء مخلوق الٰہی ہیں، خود مسایرہ کے لفظ صاف بتارہے ہیں کہ یہ ایک طبع زاد بحث ہے نہ کہ مذہب منقول، بلکہ فی الواقع یہ صاحبِ مسایرہ کا بھی عقیدہ نہیں، بحث عقیدہ نہیں ہوتی، عقیدہ یُوں نہیں کہا جاتا کہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے، ان کا عقیدہ وہی ہے جو اصل مسئلہ یہاں بیان کیا اور آخر کتاب میں عقیدہ اہلسنّت وجماعت کی فہرست میں لکھا یہ عبارات عنقریب اِن شاء اللہ مذکور ہوتی ہیں، یہاں مجھے اس بحث کا ناموجہ ّو بیجا صل ہونا بتانا ہے، جو ضرورت اس بحث کی بیان کی، اس کا باذنہ تعالٰی شافی و کافی جواب فقیر کے رسالہ "ثلج الصدر لایمان القدر ۱۳۳۵ھ" سے کہ تحفہ حنفیّہ میں طبع ہُوا ملے گا اور اس

[1] المسایرۃ متن المسامرۃ الاصل الاول العلم بانہ تعالٰی الخ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۱۱۹ تا ۱۲۳

بحث کا نامفید بے ثمر ہونا اس حاشیہ سے واضح جو فقیر نے یہاں ہامشِ مسایرہ پر لکھا، وہ یہ ہے:

قوله فاذااوجد العبد ذٰلك العزم **اقول**: معاذالله ان يقول بان العبد يخلق شيئا واحدا ولا عشر عشير معشار شيئ الا له الخلق والامر تبارك الله رب العٰلمين افمن يخلق كمن لا يخلق ماكان لهم الخيرة هل من خالق غير الله وكون هذا قليلا بالنسبة الٰى مقدورات الله تعالٰى لا يجدى نفعا فانه كثير بثير فى نفسه جدا فان الانسان لا يحصى ماله من العزمات فى يوم واحد فكيف فى عمره فكيف عزائم الاولين والاٰخرين من الانس والجن والملك وغيرهم فتخرج هٰذه الكثرة التى تفنى دون عد بعضها الاعمار عن مخلوقات العزيز الغفار بلا واسطة وتدخل فى مخلوقات العبيد فيكون جواب هل من خالق غير الله بالايجاب والعياذ بالله اى بلٰى هناك الوف مؤلفة خالقون غير الله ولم تبثت المعتزلة اكثر من هذا اذ شنع عليهم ائمتنا من مشائخ ماوراء النهر وغيرهم رحمهم الله تعالٰى قائلين انهم اقبح من المجوس حيث ان المجوس لم يقولوا الا بخالقين اثنين	**قوله** اذا اوجد العبد ذٰلك العزم (جب بندہ اس عزم کو ایجاد کرتا ہے) **اقول**: (میں کہتا ہوں) معاذاللہ کہ ہم یہ کہیں کہ بندہ کسی ایک چیز کو پیدا کرتا ہے جبکہ کسی بھی چیز کا عشر عشیر صرف اللہ تعالٰی کی تخلیق اور حکم سے ہوتا ہے اللہ تبارک تعالٰی ہی رب العالمین ہے، کیا خالق غیر خالق کی طرح ہے جو کوئی اختیار نہیں رکھتے، کیا اللہ تعالٰی کے سوا کوئی خالق ہو سکتا ہے، اس عزم کا اللہ تعالی کی مقدورات کی نسبت قلیل ہونا کسی طرح مفید نہیں، کیونکہ یہ فی نفسہ کثیر و وسیع ہے کیونکہ انسان ایک دن کے اپنے عزمات کا شمار نہیں کر سکتا تو اپنی عمر بھر کے عزمات کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے تو اولین وآخرین انسانوں، جنات اور فرشتوں وغیر ہم کے عزمات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، تو اس عظیم کثرت جس کے کچھ حصّہ کو شمار کرنے میں عمریں ختم ہو جائیں، کو تم اللہ تعالٰی عزیز غفار کی مخلوقات سے براہِ راست خارج کر دو اور اس کو بندے کی مخلوقات بنا دو تو لازم آئیگا کہ "**هل خالق من غير الله**" (کیا اللہ کے ماسوا کوئی خالق ہے) کا جواب ایجاب میں ہوگا (کہ ہاں اور خالق ہے) **والعياذ بالله تعالٰى** (پھر یوں کہنا ہوگا) ہاں یہاں ہزاروں ہزار ماسوا اللہ خالق ہیں، معتزلہ بھی تو اتنا ہی کہتے ہیں جبکہ ماوراء النہر کے ہمارے ائمہ وغیر ہم رحمہم اللہ تعالٰی نے ان پر زبردست تشنیع کی ہے اور انھوں نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ معتزلہ لوگ مجوس سے بدتر ہیں کیونکہ مجوس نے دو خالقوں

فما اثبتوا الا شریکا واحدا والمعتزلة اثبتوا شرکاء لا تحصی و ذٰلك انها انما قالت بخلق العبد فعله الا ختیاری و کل فعل اختیاری لا بد له من عزم فعدد العزمات والا فعال سواء بل ربما تکون العزمات اکثر اذ قد یعزم العبد علی فعل ثم یصرف عنه فلا یقع قال سیدنا علی کرم الله تعالٰی وجهه عرفت ربیّ بفسخ العزائم فان کانت العزمات یشملها اسم واحد و هو العزم فکذٰلك الافعال ینتظمها اسم واحد وهو الفعل، فلا طائل تحت ما قدم الشارح و یأتی اٰنفًا للمصنف انه یکفی اسناد جزئی واحد الی العبد وهو العزم، بل لو فرضنا انه واحد بالشخص فالله تعالٰی متعال عن ان یشارکه احد فی خلق شیئ ولو جزئیا واحدا اما اعتذار المصنف بان البراهین ای الاٰیات الناصة باختصاص الخلق به تعالٰی عمومات تحتمل التخصیص وقد اوجبه العقل اذ ارادة العموم فیها تستلزم الجبر المحض المستلزم لضیاع التکلیف و بطلان الامر و النهی و تعلق القدرة بلا تاثیر ای کما تقوله الاشاعرة لا یدفعه لان موجب الجبر لیس	کا قول کیا ہے یعنی اللہ تعالٰی کے ساتھ ایک اور شریک بنادیا ہے جبکہ معتزلہ نے اللہ تعالٰی کے بے شمار شریک بنادئے یہ اس طرح کہ انھوں نے کہا کہ بندہ اپنے افعال اختیار یہ کا خود خالق ہے جبکہ ہر اختیاری فعل کے لئے عزم ضروری ہے تو اس طرح افعال اور عزمات کی تعداد مساوی ہُوئی بلکہ عزمات کی تعداد بڑھ جاتی ہے کیونکہ بندہ کبھی ایک فعل کا عزم کرکے اس فعل کو ترک کردیتا ہے، جس سے فعل وجود میں نہیں آتا جیسا کہ علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو عزائم کے ناکام ہونے سے پہچانا ہے، اگر تمام عزائم کو ایک عزم کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اس طرح تو تمام افعال کو بھی ایک فعل کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ یہ ایک سب کو شامل ہے، تو یہ بات شارح کی گزشتہ اور مصنّف کی آئندہ گفتگو کہ بندہ کی طرف ایک جزئی چیز یعنی عزم کی نسبت اس کے مکلّف ہونے کے لئے کافی ہے، کو مفید نہیں، بلکہ اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ یہ واحد شخصی ہے تب بھی اللہ تعالٰی اپنی تخلیق میں اس ایک شریک سے بھی پاک ہے اگرچہ یہ ایک جزئی ہو، مصنّف کا یہ عذر کہ وہ آیات جن میں تخلیق کو اللہ تعالٰی کا خاصہ بیان کیا گیا ہے وہ ایسے عمومات ہیں جن میں تخصیص کا احتمال ہے اور اس تخصیص کو عقل نے لازم کیا ہے کیونکہ ان آیات کا عموم انسان کے مجبور محض ہونے کو مستلزم ہے جس سے مکلّف ہونے اور امر و نہی کا بطلان اور انسانی قدرت کا غیر مؤثر ہونا لازم آتا ہے اور اشاعرہ کا اس کے متعلق موقف کو ختم

سوٰی ان لا تأثیر لقدرۃ العبد فی ایجاد فعل اھ ملخصًا[1]۔فاعترضه القاری فی منح الروض بان ذٰلك العزم المصمم داخل تحت الحکم المعمم اھ۔[2]	نہیں کرتا کیونکہ جبر کا موجب صرف یہی ہے کہ اس کے فعل کے ایجاد میں انسان کی اپنی قدرت کی تاثیر نہیں ہے اھ ملخصا، تو اس عذر پر ملا علی قاری نے منح الروض میں اعتراض کیا ہے کہ انسان کا یہ عزم صمیم خود ان آیات کے عموم میں داخل ہے اور وہ اللہ تعالٰی کا مخلوق ہے اھ۔
اقول: ھذا من اعجب ما تسمع من الرد فابن الھمام متی انکر د خوله تحت العام ولو انکرہ فما کان یحوجه الی التخصیص بل النظر فیه بما ستسمع بتو فیق اللہ تعالٰی۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) تیری شنید میں یہ پسندیدہ رَد ہے، تو علّامہ ابن ھمام نے عزم کو کب آیات کے عموم میں داخل ہونے سے انکار کیا ہے، اگر انکار کیا ہوتا تو پھر تخصیص کی ان کو ضرورت پیش نہ آتی، بلکہ اس میں قابل غور وُہ بات ہے جو آپ ابھی اللہ تعالٰی کی توفیق سے سُنیں گے۔
فاقول اولا: بل الاٰیات عمومات لا تحتمل التخصیص لا جماع ائمۃ السنۃ علٰی اجرائھا علٰی سنتھا وان الخلق مختص باللہ تعالٰی لا حظ فیه للعبد فما ذا ینفع کون اللفظ فی ذاته محتملا للخصوص مع الا جماع علٰی ان لا خصوص و من کان فی ریب مما قلنا فلیأ تنا بنقل من الصحا بۃ والتا بعین اومن بعد ھم من ائمۃ السنۃ المتقدمین	**فاقول:** (تو میں کہتا ہُوں) کہ یہ آیات اپنے عموم پر ہیں ان میں کسی تخصی۔ص کا احتمال نہیں کہ اہلسنّت کے ائمہ کا اجماع ہے کہ یہ آیات اپنے عمومی اقتضاء پر جاری ہیں اور یہ کہ خلق کی صفت صرف اللہ تعالٰی سے خاص ہے اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے، تو لفظ کا فی نفسہ محتمل تخصیص ہونا کیا مفید ہو سکتا ہے جبکہ اجماع یہ ہے کہ یہاں تخصیص نہیں ہے، اور اگر ہمارے اس بیان میں کسی کو شک ہو تو اسے چاہیئے کہ وُہ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے متقدمین ائمہ اہلسنّت میں سے کوئی نقل پیش کرے،

[1] المسایرۃ مع المسامرۃ العلم بانه تعالٰی لاخالق سواہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۱۱۶ و ۱۱۷

[2] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر افعال العبد کسبھم الخ مصطفٰی البابی مصر ص ۵۲

قبل حدوث ھٰؤلا المتأخرین یکون فیه ان للعبد ایضاقسطامن الخلق والایجادولن یاتی به حتی یوب القارظان ویمکن التکلف بارجاع ماللقاری الی ھذا ای الاجماع قائم علی عدم التخصیص فذلك العزم ایضاغیر مخرج من الحکم۔

ثانیًا: لا حاجة بنا الی تخصیص النصوص و اثبات منصب افاضة الوجود لمن لا وجود له فی حد ذاته بل تندفع الحاجة علی وزان ماتزعمون اندفاعهاٰھهنا باثبات تاثیر القدرة الحادثة فی شیئ دون الوجود کما ھو مذھب الامام ابی بکر الباقلانی ان للانسان قدرة مؤثرة لکن لا فی الوجود بل فی حال زائدة علی الوجود وقد ارتضاہ جمع من المحققین ذاھبین الی ان تاثیر ھا فی القصد والقصد حال لا موجود ولا معدوم ای ھو من الامور الاعتباریة التی وجودھا بمنشیھا والخلف فی الحال لفظی کما فی الفصول البدائع وغیرھا، فلیس افاضتها خلقا فانه افاضة الوجود بل ھو احداث والاحداث اھون من الخلق کما فی المسلم وفواتح وعلیه تدور کلمات الامام

جس میں یہ ہو کہ بندے کے لئے کبھی خلق وایجاد میں دخل ہے ان سے قبل کسی امام سے کوئی نقل پیش نہیں کی جاسکتی حتی کہ قارظان واپس لوٹ آئیں، اور علامہ قاری کی کلام کو تکلف سے اسی عدم تخصیص کے اجماع کی طرف راجع کیا جائے گا کہ یہ عزم صمیم بھی ان آیات کے عموم سے خارج نہیں ہے۔

ثانیا: ہمیں ان نصوص کے عموم میں تخصیص کرنے اور ایجاد کا منصب ایسی ذات کے لئے ثابت کرنے کی حاجت نہیں جس کا اپنا وجود ذاتی نہیں ہے بلکہ بندے کے مجبور محض کو دفع کرنے کی حاجت ان کے اس اندفاع سے پُوری ہو جاتی ہے جس کو انھوں نے اپنے خیال میں اندفاع قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالٰی کی قدرت کی تاثیر کے بعد بندے کی نئی تاثیر کا تعلق وجود میں نہیں بلکہ اور چیز میں ہے جیسا کہ امام ابوبکر باقلانی کا مذہب ہے، کہ انسان کی قدرت مؤثر ہے لیکن وجود میں نہیں بلکہ وجود سے زائد ایک حال میں ہے جس کو بہت سے محققین نے پسند کرتے ہوئے کہا کہ انسان کی تاثیر کا تعلق قصد سے ہے اور یہ قصد ایک حال ہے جو نہ موجود ہے اور نہ معدوم ہے یعنی وہ ایک ایسی اعتباری چیز ہے جس کا وجود صرف اس کے منشاء کے تابع ہے اور اس حال میں اختلاف صرف لفظی جیسا کہ الفصول البدائع وغیرہ میں ہے تو اس قصد کو بروئے کار لانا بطور خلق نہیں ہوتا بلکہ خلق اور وجود کا فیضان ہے جس کو احداث کہا جاتا ہے اور احداث کی شان خلق سے کمزور ہے جیسا کہ مسلم الثبوت اور فواتح میں ہے اور امام محقق

المحقق صدر الشریعۃ فی التوضیح والعلامۃ الشمس الفناری فی الفصول البدائع و تبعہ العلامۃ قاسم تلمیذ المحقق ابن الھمام فی تعلیقاتہ علی المسایرۃ وغیرھم رحمھم اللہ تعالٰی وھم مع تنوع منازعھم یرجعون الی ذلك الحرف الواحد ولم ار احد منھم یرضی بتخصیص العمومات، اللھم الا ماحکی عن الامام ابی المعالی علی الاضطراب فیہ فتارۃ یثبتہ و تارۃ ینفیہ کما فی الیواقیت عن الشیخ ابی طاھر القزوینی بل الکلام فی ثبوتہ عنہ کما سیأتی، والمنقول عن الحنفیۃ فی کتب المتاخرین ھو ھذا القدر اعنی ان للقدرۃ الحادثۃ اثرا فی القصد اما انہ خلق وایجاد او النصوص مخصصۃ فکلا لا یوجد ھذا الا للمحقق و قد قال الامام صدر الشریعۃ فی التوضیح بعد ما استفرغ وسعہ فی التوضیح والتنقیح فالحاصل ان مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی ینفون عن العبد قدرۃ الایجاد والتکوین فلا خالق ولا مکون الا اللہ تعالٰی لکن یقولون ان للعبد قدرۃ ما علی وجہ لا یلزم منہ وجود امر حقیقی لم یکن بل انما یختلف بقدرتہ النسب والاضافات فقط کتعین احد المتساویین و ترجیحہ[1] اھ فھذا نص

صدر الشریعۃ کا توضیح اور علامہ شمس فناری کا الفصول البدائع میں کلام اسی پر دائر ہے، اور علامہ قاسم شاگرد رشید محقق ابن ہمام نے مسایرہ پر اپنی تعلیقات میں اس کی اتباع کی ہے اور مذکور حضرات کے غیر رحمہم اللہ تعالٰی باوجودیکہ وُہ اپنے اپنے بیان میں مختلف ہیں وہ سب اس ایک بات پر متفق ہیں، میں نے اس میں سے کسی کو بھی عمومات میں تخصیص پر راضی نہیں پایا، صرف امام ابوالمعالی سے اس میں اضطراب منقول ہے کہ کبھی وہ تخصیص کو ثابت اور کبھی اسکی نفی کرتے ہیں جیسا کہ یواقیت میں شیخ ابوطاہر قزوینی سے منقول ہے بلکہ ان سے ثبوت میں کلام ہے جیسا کہ آرہا ہے، اور متاخرین کی کتب میں جو کچھ احناف سے منقول ہے وُہ صرف یہ ہے کہ انسان کی قدرت حادثہ کا اثر قصد میں ہے لیکن یہ کہ وُہ خلق وایجاد ہے یا آیات میں تخصیص ہے اس کا ہرگز کہیں وجود نہیں، ہاں صرف محقق مذکور نے ذکر کیا ہے جبکہ امام صدر الشریعۃ نے توضیح میں مکمل توضیح و تنقیح سے فراغت کے بعد فرمایا، کہ حاصل یہ ہے کہ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی بندے کی قدرت خلق وایجاد اور تکوین کی نفی کرتے ہیں لہٰذا اللہ تعالٰی کے ماسوا کوئی خالق اور مکّون نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وُہ بندے کی قدرت کے اس طرح قائل ہیں کہ اس سے کسی معدوم چیز کے حقیقی وجود کا قول لازم نہ آئے بلکہ انسانی قدرت سے صرف نسبت واضافت تبدیل ہوتی ہے مثلاً دو مساوی چیزوں میں سے ایک کا تعین اور ترجیح

---

[1] التوضیح مع التلویح فصل فی مسائل الجبر والقدر المطبعۃ الخیریۃ مصر ۲/ ۱۵۵

صریح فی ان مذهب الحنفیة علی خلاف ما بحث المحقق ولو لا نسحب الکلام علی منوال الا لتزام لقلت انه ابداه نقضا علی القدریة اللئام بانه لو سلم ان الحاجة الٰی تصحیح التکلیف والجزاء تؤدی الٰی ذٰلك ولا بد فهی تندفع بشیئ واحد وهو القصد فلم قلتم فی جمیع الافعال بخالقیة العبد، ولعمری هذا قاطع لهم لا یمکنهم الخروج عنه۔ هذا وقال الامام محمد السنوسی رحمه الله تعالٰی فی شرح ام البراهین مقدمته فی التوحید وبالجملة فلیعلم ان الکائنات کلها یستحیل منها الاختراع لا ثر ما، بل جمیعها مخلوق لمولٰنا جل و عز و مفتقر الیه اشد الا فتقار ابتداء ودوا ما بلا واسطة فبهذا اشهد البرهان العقلی و دل علیه الکتاب والسنة واجماع السلف الصالح قبل ظهور البدع، ولا تصغ باذنیك لما ینقله بعض من اولع ینقل الغث والسمین عن مذهب بعض اهل السنة مما یخالف ما ذکرناه لك فشد یدك علی ما ذکرناه فهو الحق الذی لا شك فیه ولا یصح غیره واقطع تشرفك الی سماع الباطل تعش سعیدا و تمت ان شاء الله تعالٰی	ہو جائے اھ تو یہ صریح نص ہے کہ احناف کا مسلک محقق مذکور کی بحث کے خلاف ہے، اگر محقق مذکور کے کلام کو ان کے التزام پر محمول نہ کریں تو میں کہوں گا کہ انھوں نے یہ گفتگو قدریہ ملعون فرقے پر بطور نقض ذکر کی ہے کہ اگر بقول قدریہ یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ انسان کے مکلّف ہونے اور علم کی جزادئے جانے کی بنا پر اس چیز کی حاجت ہے تو بھی یہ حاجت صرف ایک قصد کے ایجاد سے پُوری ہو جاتی ہے تو پھر تم تمام افعال کے لئے بندے کی خالقیت کا قول کیوں کرتے ہو تو یقینًا محقق مذکور کا یہ موقف قدریہ کے موقف کا قاطع ہے جس سے ان کو فرار ممکن نہیں ہے، اس کو محفوظ کرو۔ امام سنوسی رحمہ اللہ تعالٰی نے ام البراہین کے مقدمہ فی التوحید میں فرمایا خلاصہ یہ کہ معلوم ہونا چاہئے کہ تمام کائنات میں کسی اثر سے اختراع محال ہے بلکہ پوری کائنات اللہ تعالٰی مولٰی عزوجل کی مخلوق ہے اور ابتداء و دوام میں بلا واسطہ اسی کی سخت محتاج ہے عقلی دلیل کی یہی شہادت ہے اور کتاب و سنّت اور اجماع سلف صالحین کا یہی مدلول ہے اور بدعات کے ظہور سے قبل یہ مسلم ہے، لہٰذا بعض ایسے لوگوں کی بات مت سُنو جو مذہب اہل سنت و جماعت کے متعلق ضعیف و قوی ہر قسم کی بات ہمارے ذکر کردہ کے خلاف نقل کردیتے ہیں، لہٰذا ہمارے ذکر کردہ پر ہاتھ کو مضبوط کر، یہی حق ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے علاوہ سب نادرست ہے اس لئے باطل کی طرف اپنی توجہ کو مبذول مت کر ان شاء اللہ

طیبا رشیدا واللہ المستعان [1] اھ، قال محشیه الفاضل محمد الدسوقی اشار بهذاالی ثلثة اقوال نقلت عن اهل السنة قول القاضی بتاثیر قدرة العبد فی حال الفعل وقول الاستاذالاسفرائنی تو ثر فی اعتبار لان الاستاذ لایقول بالاحوال وقول امام الحرمین فی ذات الفعل علی وفق مشیئة الرب وهذه الاقوال غیرصحیحة لمخالفتها لاجماع السلف الصالح فان قلت کیف یصح من هؤلاء الائمة مخالفة الاجماع قلت قال فی شرح الکبری لایصح نسبتها لهم بل هی مکذوبة عنهم ولئن صحت فانما قالوه فی مناظرة مع المعتزلة جرالیها الجدل اھ [2] ملخصًا۔	سعادت مند زندگی پائے گا اور پاکیزہ کامیاب موت پائے گا جبکہ اللہ تعالٰی ہی مستعان ومددگار ہے اھ اس کے محشّی فاضل محمد دسوقی نے یہاں کہا کہ انھوں نے بعض ناقلین کہہ کر تین اقوال کی طرف اشارہ کیا ہے جو اہلسنت و جماعت کی طرف منسوب ہیں جن میں ایک قاضی کا قول ہے کہ بندے کی قدرت فعل کے حال میں تاثیر کرتی ہے اور دوسرا قول استاذ اسفرائنی کا ہے کہ بندے کی قدرت اعتبار میں مؤثر ہے، کیونکہ یہ استاذ احوال کے قائل نہیں، اور تیسرا قول امام الحرمین کا ہے کہ بندے کی قدرت کی تاثیر نفسِ فعل میں اللہ تعالٰی کی مشیت کے مطابق ہوتی ہے، یہ تینوں اقوال نادرست ہیں کیونکہ یہ سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہیں۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ ان ائمہ کرام کے اقوال اجماع کے خلاف کیونکر صادر ہوئے، تو اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ شرح کبرٰی میں فرمایا کہ ان اقوال کی نسبت ان ائمہ کی طرف درست نہیں ہے بلکہ یہ ان پر جھوٹ کہا گیا ہے اور اگر یہ نسبت درست بھی ہو تو انھوں نے یہ بات معتزلہ کے ساتھ مناظرہ میں بطور ارخاء عنان کہی ہے اھ ملخصا۔
اقول: امامخالفة مانقل عن ابی المعالی للاجماع فظاهر وقد صح خلافه	**اقول** (میں کہتا ہوں) ابو المعالی سے جو منقول ہے اس کا اجماع کے مخالف ہونا ظاہر ہے حالانکہ ان سے اس کا خلاف صحیح ثابت ہے جیسا کہ

[1] شرح ام البراہین للامام محمد السنوسی

[2] حاشیہ شرح ام البراہین للفاضل الدسوقی

كما ستسمع اما قول امام اهل السنة الباقلانی والاستاذ الامام ابی اسحٰق علی مانقل ھٰهنا فليس فيه رائحة خلاف ما اسقر عليه الاجماع والاتفاق لما علمت انه ليس فی شيئ من الايجاد والتكوين علی الاطلاق و قال العلامة فی شرح المقاصد المشهور فيما بين القوم والمذكور فی كتبهم ان مذهب امام الحرمين ان فعل العبد واقع بقدرته وارادته كما هو رأی الحكماء وهذا خلاف ما صرح به الامام فيما وقع الينا من كتبه قال فی الارشاد اتفق ائمة السلف قبل ظهور البدع والاهواء علی ان الخالق هو الله ولا خالق سواه ان الحوادث كلها حدثت بقدرة الله تعالٰی من غير فرق بين ما يتعلق قدرة العباد به و بين ما يتعلق فان تعلق الصفة بشيئ لا يستلزم تاثيرها فيه كالعلم بالمعلوم والارادة [عــه] بفعل الغير فالقدرة	عنقریب آپ سنیں گے، لیکن امام اہلسنت باقلانی اور استاذ امام ابو اسحٰق اسفرائنی سے جو یہاں ان کے اقوال نقل کئے گئے ہیں اس میں اجماع اور اتفاق کے خلاف بُو تک بھی نہیں ہے کیونکہ انکے کلام میں ایجاد و تکوین کے متعلق علی الاطلاق کوئی بات نہیں ہے، اور شرح مقاصد میں علّامہ نے فرمایا کہ قوم میں مشہور اور ان کی کُتب میں مذکور ہے کہ امام الحرمین کا مذہب یہ ہے کہ بندے کا فعل اس کی اپنی قدرت اور ارادہ سے واقع ہوتا ہے جیسا کہ حکماء کی رائے ہے، حالانکہ یہ بات امام کی اس تصریح کے خلاف ہے جو انھوں نے اپنی ان کتب میں کی ہے، جو ہمارے پاس پہنچی ہیں انھوں نے ارشاد میں فرمایا کہ بدعات و گمراہی کے ظہور سے قبل ائمہ سلف کا اتفاق ہے کہ خالق صرف اللہ تعالٰی ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے اور تمام حوادث کا وجود اللہ تعالٰی کی قدرت سے ہوتا ہے خواہ ان کے ساتھ بندوں کی قدرت کا تعلق ہو یا نہ ہو ان میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ کسی چیز کے ساتھ صفت کے تعلق سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس صفت کی تاثیر اس چیز میں پائی جائے جیسا کہ علم کا تعلق معلوم سے اور ارادہ کا تعلق

عــــہ: **اقول**: ارادة فعل الغير وان لم تكن من الارادة المبحوث عنها اعنی صفة من شانها تخصيص احد المقدورين كما لا يخفی بل بمعنی المحبة والهوی لكنه

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) غیر کے فعل کا ارادہ وُہ ارادہ نہیں جو زیر بحث ہے یعنی وُہ صفت جو مقدورین میں سے ایک کو خاص کرے، یہ مراد نہیں کما لایخفی بلکہ یہاں بمعنٰی محبت اور خواہش کے ہے، دوسری صفت کے ذکر سے (باقی اگلے صفحہ پر)

الحادثة لا تؤثر فی مقدورها	غیر کے فعل سے ہوتا ہے تو قدرت حادثہ اپنی مقدورات میں ہرگز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یرید الاستیضاح بصفات اخرٰی الاترٰی انه ذکر العلم ثم التقیید الفعل الغیر لیکون اوضح واظهر والا فارادة فعل نفسه ایضا غیر مؤثرة فی الفعل انما شانها التخصیص والتاثیر شان القدرة کما نص علیه فی المسایرة غیرانه یتجه لهم الجواب بان الکلام فی القدرة ولیس من شانها الا التاثیر عند تعلق الارادة اما العلم والارادة فبمعزل عن التاثیر وکانه لهذا عدل عنه الامام حجة الاسلام فی قواعد العقائد فاستند بنفس القدرة اذ یقول ولیس من ضرورة تعلق القدرة بالمقدور ان یکون بالاختراع فقط. اذ قدرة الله تعالٰی فی الازل قد کانت متعلقة بالعالم ولم یکن الاختراع حاصلا بها وهی عند الاختراع متعلقة به نوعا اٰخر من التعلق فیه فبطل ان القدرة تختص بایجاد المقدر اھ[1]

ان کا مقصد صرف وضاحت کرنا، آپ غور نہیں کرتے کہ انھوں نے صفتِ علم ذکر کی اور پھر ارادہ کو غیر کے فعل سے مقید کیا تاکہ زیادہ وضاحت واظہار ہوسکے، ورنہ تو اپنے فعل کا ارادہ بھی غیر مؤثر ہوتا ہے جس کی شان صرف تخصیص کرنا ہے جبکہ تاثیر صرف قدرت کی شان ہوتی ہے جیسا کہ اس پر مسایرہ میں نص کی گئی ہے، علاوہ ازیں وہ معتزلہ کو جواب دے رہے ہیں کہ بحث قدرت میں ہو رہی ہے جو صرف اس وقت تاثیر کرتی ہے جب ارادہ کا تعلق ہو، لیکن محض علم اور ارادہ کا تاثیر میں کوئی دخل نہیں ہے، گویا کہ اسی لئے امام حجۃ الاسلام نے اس انداز کو تبدیل کرتے ہُوئے قواعد العقائد میں نفس قدرت کو دلیل میں اختیار کیا جب انھوں نے فرمایا کہ مقدور کے ساتھ قدرت کے تعلق کو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ تعلق صرف ایجاد واختراع کے لئے ہو کیونکہ ازل میں اللہ تعالٰی کی قدرت کا تعلق تمام عالم سے ہُوا حالانکہ اس وقت اختراع وایجاد اس تعلق سے نہ ہُوا جبکہ اختراع کے وقت ایک اور تعلق ہُوا تو اس سے یہ کہنا باطل ٹھہرا کہ قدرت صرف ایجادِ مقدر سے مختص ہے اھ، (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۱۱

اصلا و اتفقت المعتزلة ومن تابعهم من اهل الزیغ	مؤثر نہیں ہوتی جبکہ معتزلہ اور انکے متبعین گمراہ حضرات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وانت تعلم ان القدرة انما تؤثر علی وفق الارادة وانما تعلقت الارادة فی الازل ان توجدالکائنات فی اوقاتها المخصوصة فیمالایزال فلانسلم ان القدرة تعلقت مع العراء عن الاختراع بل اثرت واختراعت علی و فق الارادة اماھٰھنا فتعلق بلا تاثیر اصلافلم تکن الااسما بلا مسمی ولفظا بلا معنی وھذاما حصل ماناقشه به فی المسایرة۔

اقول: ولا اری ھذه العقدةتنفك الاباحدامرین الاول لیست القدرةماتؤثرحتماولامع الارادةولامحیدعنه للمعتزلة ایضا الاتری ان الکفرةبذلواجهدھم فی ایذاء النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وھموابمالم ینالوا وردالله الذین کفروا بغیظھم فانّما القدرة صفةمن شانها التاثیروتؤثرمع الارادة لولامانع وقدقال فی المسامرة شرح المسایرةاعلم ان الاشعریةلاینفون عن القدرة الحادثة

آپ جانتے ہیں کہ قدرت کی تاثیر ارادہ کے موافق ہوتی ہے تو ازل میں اس ارادہ کا تعلق ہوا کہ کائنات اپنے مخصوص اوقات میں یعنی لایزال میں موجود ہو، اس لئے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قدرت کا تعلق اختراع سے خالی ہو سکتا ہے بلکہ قدرت ارادہ کے موافق تاثیر کرتی ہے اور اختراع کرتی ہے، لیکن یہاں بندے کے معاملہ میں قدرت کا تعلق ہر گز تاثیر کے لئے معنٰی نہیں، مسایرہ میں جو مناقشہ بیان کیا ہے یہ اس کا ماحصل ہے۔

اقول: (میں کہتاہُوں) اور یہ عقدہ میری رائے میں صرف دو امور میں سے ایک کے ساتھ حل ہو گا، اوّل یہ کہ کوئی بھی قدرت اگرچہ ارادہ کے ساتھ بھی ہو حتمی طور پر موثر نہیں ہے اور معتزلہ کو بھی اس سے فرار نہیں ہے، کیاآپ نہیں دیکھتے کہ کفار نے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذارسانی میں مکمل جدوجہد کی اور پورا عزم کیا جو حاصل نہ کر پائے اور اللہ تعالٰی نے کفار کے غیظ و غضب کو مردود کر دیا، لہٰذا قدرت ایک ایسی صفت ہے جس کی شان صرف تاثیر کرنا ہے اور وُہ ارادہ کے ساتھ تاثیر کرتی ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، چنانچہ مسامرہ شرح مسایرہ میں کہا ہے کہ اشعری حضرات قدرت حادثہ کی تاثیر بالفعل کی نفی کرتے ہیں اس کی (باقی اگلے صفحہ پر)

علٰی ان العباد موجدون لافعالھم	اس پر متفق ہیں کہ بندے اپنے فعال کے موجد ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الا التاثیر بالفعل لا بالقوۃ لان القدرۃ الحادثۃ عندھم صفۃ شانھا التأثیر والایجاد ولکن تخلف اثرھا فی افعال العباد لمانع ھو تعلق قدرۃ اللّٰہ تعالٰی بایجادھا، کما حقق فی شرح المقاصد وغیرہ اھ[1] **قلت** وصرح بہ الامدی ثم رأیت فی شرح المقاصد من بحث القدرۃ الحادثۃ من مقصد الاعراض نسبہ لہ ولم یأت بتحقیق یزید علی مامر۔

اقول: وفیہ حزازۃ والقلب لا یطمئن بہ ولا یسکن الیہ والالکان کل حیوان ولواخس مایکون واضعہ قادرا علی الخلق والایجاد وان لم یتفق لہ ذٰلك لعروض مانع وھو سبقۃ الخلق الالٰھی وماذا تفعل الاشاعرۃ الاقدمون ح بدلیلھم ان لوقدر العبد علی فعلہ لقدر علی خلق الاجسام والجواھر

بالقوۃ تاثیر کی نفی نہیں کرتے، کیونکہ ان کے ہاں حادث قدرت ایسی صفت ہے جس کی شان تاثیر کرنا ہے لیکن بندوں کے افعال میں اس کا اثر اس لئے نہیں ہوتا کہ وہاں مانع موجود ہے اور وہ اللہ تعالٰی کی قدرت کا تعلق جو ان کے افعال کے ایجاد میں مؤثر ہے، کا موجود ہونا، جیسا کہ شرح مقاصد وغیرہ میں اس کی تحقیق ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) اس بیان کی تصریح آمدی نے کی ہے پھر میں نے شرح مقاصد کی بحث قدرت حادثہ جو اعراض کے مقصد میں ہے، اس بحث کو ان کی طرف منسوب پایا جس میں گزشتہ تحقیق سے کچھ زائد نہیں ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اس میں خلش ہے اور دل کو اطمینان و سکون اس سے حاصل نہ ہو سکا، ورنہ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ہر انسان بلکہ خسیس ترین اور ضعیف ترین حیوان بھی خلق و ایجاد پر قادر ہو جائے اگرچہ اس کو مانع کی وجہ سے اتفاق نہ ہو سکے اور وہ مانع اللہ تعالٰی کی تخلیق کا پہلے موجود ہونا ہے، اور اشاعرہ متقدمین اس وقت اپنی اس دلیل کو کیسے بیان کریں گے کہ اگر بندہ اپنے فعل پر قادر ہو تو پھر وُہ اجسام و جواہر کے خلق پر بھی قادر ہو گا کیونکہ فعل اور اجسام دونوں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] المسامرۃ شرح المسایرۃ العلم بانہ تعالٰی لا خالق سواہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۱۱۲

مخترعون لها بقدرتهم ثم المتقدمون	اور اپنی قدرت سے ان کو سرزد کرتے ہیں پھر معتزلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اذلا مصحح سوی الحدوث والامکان وهما مشترکان افتراهم قائلین ان کل انسان وحیوان حتی الخناس والدیدان یقدر علٰی خلق السمٰوٰت والارض وان لم یقع لهم لسبقة خلق الله تعالٰی، وقد نص الاشعریة ان لیس للعبد من الفعل الا المحلیة فتدبروا نصف، **والثانی** ان الحادثة تحدث ولا تخلق وکفی به تاثیرا وهذا هو الذی حمل الحنفیة والقاضی والاستاذ وجمعا من المحققین علی القول بان للحادثة تاثیرا فیما دون الوجود والحق ان العقل لایستقل بادراك تلك الحقائق فنؤمن بما اتی به القراٰن وشهدت به الضرورة وادی الیه البرهان ان الفرق بین الانسان والحجر وبین حرکتی البطش والارتعاش والصعود والهبوط والوثبة والسقوط بدیهی، وان لیس للانسان الا ماسعی ولان لاخالق لشیئ الا العلی الاعلی وان لامشیئة للانسان الا بمشیئة الله تعالٰی ولانزید علی هذا ولانقتحم

حدوث وامکان میں مساوی طور پر مشترک ہیں اور یہی حدوث و امکان ہی خلق وایجاد کی صحت کا معیار ہیں تو کیا اشعریہ کو اس بات کا قائل تصور کروگے کہ ہر انسان اور حیوان حتیٰ کہ کیڑے مکوڑے زمین وآسمان کی تخلیق پر قادر ہیں اگرچہ اس تخلیق کا ان کو اتفاق نہ ہوا کہ اللہ تعالٰی کا خلق پہلے موجود ہے حالانکہ اشعریہ کی صریح نص ہے کہ فعل میں بندے کا دخل صرف محلیۃ کا ہے، تو غور اور انصاف کرو۔ دوسرا یہ کہ قدرت حادثہ صرف حدوث کر سکتی ہے خلق نہیں کر سکتی اس کے لئے اتنی تاثیر ہی کافی ہے، یہی وُہ حقیقت ہے جس نے احناف قاضی، استاذ ار محققین کی جماعت کو اس قول پر مجبور کیا کہ حادث قدرت کی تاثیر ہے لیکن وجود کے لئے مؤثر نہیں ہے، حق تو یہ ہے کہ ان حقائق کے ادراک میں عقل کو استقلال نہیں ہے لہٰذا قرآن کے بیان کردہ اور بداہت کی شہادت اور جہاں تک دلائل کی رسائی ہے کہ انسان اور پتھر، ارادی اور رعشہ کی حرکتوں، اٹھنے اور کُودنے، گرنے اور اترنے میں بدیہی فرق پر ہم ایمان رکھیں اور انسان کے بس میں صرف سعی کرنا ہے اور اللہ تعالٰی کے بغیر کسی چیز کا کوئی خالق نہیں اور انسان کی مشیئت اللہ تعالٰی کی مشیئت کے تابع (باقی اگلے صفحہ پر)

منھم کانوا یمنعون من تسمیۃ العبد خالقالقرب عھد ھھم باجماع السلف علی انہ لا خالق الااللہ تعالٰی واجتراٗ المتأ خرون فسموا العبد خالقا علی الحقیقۃ ھذا کلامہ ثم اورد ادلۃ الاصحاب واجاب عن شبہ المعتزلۃ وبالغ فی الردعلیھم وعلی الجبریۃ واثبت للعبد کسبا وقدرۃ مقارنۃ للفعل غیر مؤثرفیہ [1] اھ فھذا اصرح نص علی ان معتقدہ رحمہ اللہ تعالٰی ھواھل السنۃ سواء بسواء فلم یبق احد تسایرہ المسایرۃ.

اقول: ولکن العجب کل العجب من العلامۃ بحرالعلوم الکنوی عفااللہ تعالٰی عنا وعنہ جنح فی الفواتح الی مافی المسایرۃ مع تصریحہ فیھاقبلہ باسطربما نصہ(وما فھموا)ادی المعتزلۃ بل ھؤلاء الجھلۃ ایضا(ان الامکان لیس من شانہ افاضۃ الوجود)

کے متقدمین حضرات اجماع سلف سے قریب زمانہ کی بنا پر بندے پر خالق کا اطلاق نہ کرتے تھے اور لا خالق الا اللہ پر اجماع کے خلاف قول نہ کرتے اور انکے متاخرین نے جرات کرتے ہوئے بندے پر حقیقی خالق کا اطلاق شروع کر دیا، امام نے اپنے اس کلام کے بعد معتزلہ کے دلائل کا رَد اور ان کے شبہات کا جواب دیا انھوں نے ان کا اور جبریہ کا خُوب رَد فرمایا اور یہ ثابت کیا کہ بندے کا صرف کسب ہوتا ہے اور فعل کے مقارن اس کو ایک قسم کی قدرت حاصل ہوتی ہے جو کہ غیر مؤثر ہوتی ہے اھ، تو ان کیطرف سے یہ واضح نص ہے کہ انکا عقیدہ وہی ہے جو اہلسنت کا عقیدہ ہے اور کوئی فرق نہیں ہے تو مسایرہ کی راہ چلنے والا کوئی بھی نہ ہُوا،

اقول: (میں کہتا ہُوں) لیکن تعجب ہے کہ علامہ بحرالعلوم لکھنوی (ہمیں اور انھیں اللہ تعالٰی معاف فرمائے) نے فواتح میں مسایرہ میں مذکور کی طرف میلان فرمایا، حالانکہ انھوں نے خود فواتح میں چند سطر قبل ازیں تصریح کی ہے جس کی عبارت یُوں ہے کہ (ومافھموا) یعنی معتزلہ اور ان جاہلوں نے بھی نہ سمجھا کہ (ممکن کی یہ شان نہیں کہ وُہ وجود عطا کرے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بحرا لانقدر علی سباحتہ واللہ الھادی ۱۲منہ۔

ہے، پر پختہ یقین کریں اور اس پر مزید کوئی بات نہ کریں، اور ایسے سمندر میں چھلانگ نہ لگائیں جس میں تیرنے کی ہمیں قدرت نہیں ہے اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] شرح المقاصد الفصل الخامس فی افعال البحث الاول فعل العبد الخ دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۲۶

فان من هو فی نفسه باطل الذات محتاج فی الواقعية الی الغیروکل عـــہ علی مولاہ کیف یقدر علٰی ایجاد الافعال من غیراختلال بالنظام الاجود، وهذاظاهر لمن له اقل حدس من اصحاب العنایة الالٰهية، لکن من لم یجعل الله له نورفماله من نور(وعند اهل الحق)اصحاب العنایة الذین هم اهل السنة الباذلون انفسهم فی سبیل الله بالجهادالاکبر(له قدرةکاسبة)فقط لا خالقة[1] الخ فکیف رضی مع هذا بان جعل الممکن الباطل الذات خالقالعزائمه مع ان قول التاثیرفی امر اعتباری کان بمرأی عینیه و قد کان بینه هو بنفسه علی وجه کاف و لم یتعقبه فان کان مختار اولا بدفکان اختیار ماعلیه جمع من المحققین ولبس	کیونکہ جو چیز فی نفسہ اپنی ذات میں باطل اور اپنے وجود میں غیر کی محتاج ہو اور اپنے مالک پر بوجھ قرار پائے، وُہ بہترین نظام عالم میں خلل انداز ہو کر افعال کو کیسے ایجاد کر سکتی ہے اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر عیاں ہے جس کو اللہ تعالٰی کی طرف سے عنایت پر معمولی سی سمجھ ہے، لیکن جس کو اللہ تعالٰی نورِ علم نہ عطافرمائے اس کو نور کیسے نصیب ہو سکتا ہے (اور اہل حق کے ہاں) یعنی اللہ تعالٰی کی عنایت والے لوگ وُہ اہل سنت و جماعت ہیں جو اللہ تعالٰی کے راستے میں جہاد اکبر کرتے ہُوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں (بندہ کو صرف قدرت کاسبہ حاصل ہے) نہ کہ قدرت خالقہ الخ، تواس تصریح کے باوجود انھوں نے ممکن باطل الذات کو کیسے اپنے عزائم کا خالق کہہ دیا حالانکہ انکا مطمح نظر یہ ہے کہ بندے کی تاثیر صرف اعتباری چیز میں ہوتی ہے اس کو انھوں نے خود کافی تفصیل سے بیان کیا اور پھر اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اگر یہی ان کا مختار ہے اور ہونا بھی ضروری ہے تو یہ تمام محققین کا اجماعی مختار ہے اور اس میں نہ کسی نص کی

عـــہ: استعمله بمعنی المحتاج وانماهو بمعنی التقیل والله متعال ان یکون احد کلا علیه ۱۲منه۔	"کلّ" کالفظ انھوں نے یہاں محتاج کے معنٰی میں استعمال کیا ہے اور اس کا معنٰی بوجھ ہے جبکہ اللہ تعالٰی اس سے پاک ہے کہ کوئی اس پر بوجھ بنے ۱۲منہ (ت)

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی فائدہ فی تحقیق صدور الافعال الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۴۰ و۴۱

فیه مخالفة نص ولا اجماع وهو اولی واحری ولکن الله یفعل مایرید هذا وتلمیذ المحقق العلامة الکمال بن ابی شریف وان سایر ههنا شیخه رحمهما الله تعالٰی لکنه اشار بعده الی ان هذا خلاف ما علیه اهل السنة حیث قال فی المسامرة عند قول المصنف قد منا ان للمکلف اختیارا اوعزما یصمم مانصه (اختیارا) علی ما علیه اهل السنة (اوعزما) علی مااختاره المصنف[1] اھ وتلمیذه الاٰخر العلامة الذین بن قطلوبغافی تعلیقه علی المسایرة لم یرض به من اول الامر وقال للطریق الذی سلکه المصنف انه المرضی عنده الرفع للجبر فلم یندفع به سأنبه علیه ثم اوردطریقا اختاره العلامة الفناری فی الفصول واقره ومحصله هو التاثیر فی الا عتباری ولو لاغرابة المقام لاوردته مع مایرد علیه، **اقول:** وبما ذکرنا ظهران الفرق بین ماساره فی المسایرة

مخالفت ہے نہ اجماع کی، یہی مناسب اور اولی ہے، لیکن اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے کرتا ہے اسے محفوظ کرو، ار محقق مذکور کے شاگرد علامہ کمال بن ابی شریف اگرچہ یہاں انھوں نے اپنے شیخ کی موافقت کی ہے لیکن اس کے بعد انھوں نے اشارہ دیا کہ یہ بات اہلسنّت کے مسلک کے خلاف ہے، جہاں انھوں نے مسامرہ میں مصنّف کے قول (کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ مکلّف کو اختیار یا عزم صمیم حاصل ہے) پر کہا جس کی عبارت یوں ہے (اختیار حاصل ہے) جیسا کہ اہلسنّت کا مؤقف ہے (یا عزم صمیم حاصل ہے) جیسا کہ مصنف نے خود پسند کیا اھ، اور محقق مذکور کے دوسرے شاگرد (علامہ زین بن قطلوبغا مسایرہ پر اپنی تعلیقات میں ابتداءً ہی اپنے استاذ کے موقف پر راضی نہ ہوئے اور یوں کہا جس راستہ پر مصنف چلے وہ انکا اپنا پسندیدہ ہے اور وہ جبر کو ختم کرنے کے لئے کہا جبکہ اس سے جبر مندفع نہ ہوا میں اس پر عنقریب تنبیہ لاؤں گا، اس کے بعد انھوں نے علامہ فناری کا راستہ اپنایا جس کو انھوں نے فصول میں بیان کرکے اس پر ثابت قدم رہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کی تاثیر اعتباری چیز میں ہوتی ہے، اگر یہ مقام غرابت کا حامل نہ ہوتا تو میں اس کو اور اس پر اعتراض کو ذکر کرتا، **اقول:** (میں کہتاہوں) ہمارے ذکر کردہ سے مسایرہ کی روش

[1] المسامرة شرح المسایرة فعل العبد الخ المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۱۴۳

وماقضٰی به القاضی کالفرق بین الغرب والشرق فماقال فی المسامرۃان حاصل کلام المصنف رحمه الله تعالٰی تعویل علٰی مذهب القاضی الباقلانی [1] الخ وتبعه علی القاری فی منح الروض الا زهرفقال ما اختارہ هوقول الباقلانی من ائمۃ اهل السنة [2] الخ فهما لا وجه له نعم انما وافقه فی لفظ وهوانه یکون منسوبًاالیه تعالٰی من حیث هوحرکة والی العبد من حیث هوزنا ونحوہ وقال القاضی قدرۃ اللہ تعالٰی تتعلق باصل الفعل،وقدرۃ العبد بوصفه من کونه طاعة اومعصیة.فمتعلق تاثیرالقدرتین مختلف کمافی لطم الیتیم تادیباوایذاء فان ذات اللطم واقعة بقدرۃاللہ تعالٰی وتاثیرہ،وکونه طاعة علی الاول ومعصیةعلی الثانی بقدرۃالعبدوتاثیرہ لتعلق ذٰلک بعزمه المصمم [3] اھ فانماالاشتراک فی نسبة	اور قاضی باقلانی کے فیصلہ میں فرق واضح ہو گیا یہ مغرب و مشرق جیسا فرق ہے، مسامرہ میں جو کہا کہ مصنّف رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کا ماحصل قاضی باقلانی کے مذہب پر اظہار اعتماد ہے الخ،اور ملا علی قاری نے منح الروض الازہر میں اس کی اتباع کرتے ہوئے کہا کہ مصنّف نے جسے اختیار کیا وُہ اہلسنّت کے ایک امام قاضی باقلانی کا قول ہے الخ،حالانکہ ان دونوں کی بات میں کوئی وزن نہیں ہے،ہاں اتنا ضرور ہے کہ فعل سے دو ۲ قسم کی تاثیروں کے تعلق میں دونوں کا لفظی اشتراک ہے،مصنّف نے کہا کہ فعل حرکت ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالٰی کی طرف منسوب ہے اور مثلًازنا وغیرہ ہونے کے اعتبار سے بندے کی طرف منسوب ہے اور قاضی نے فرمایا اللہ تعالٰی کی قدرت کا تعلق اصل فعل سے ہے اور بندے کی قدرت کا تعلق فعل کی صفت کہ طاعت یا معصیت ہونے سے ہے تو دونوں قدرتوں کی تاثیر کا تعلق مختلف ہے،جیساکہ یتیم بچے کو تھپّڑمارناتربیت اور ایذا بھی ہوتا ہے تو تھپڑ کالگنا اللہ تعالٰی کی قدرت اور تاثیر سے ہوتا ہے اور طاعت کے لحاظ سے نیکی اور اذیت کے لحاظ سے گناہ ہونا یہ بندے کی قدرت اور تاثیر سے ہے جو اس کے عزم مصمم کے تعلق کی وجہ سے ہُوئی اھ، تو یہاں

[1] المسامرۃ العلم بانه تعالٰی لا خالق سواہ المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۱۴۳

[2] منح الروض الازھر شرح الفقه الاکبر افعال العبد کسبھم الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۲

[3] منح الروض الازھر شرح الفقه الاکبر افعال العبد کسبھم الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۲

صفۃ الفعل الٰی تاثیر قدرۃ العبد واین ما ادعی المحقق من خلقہ عزمہ۔

اقول: ماذکر من ان الصفۃ اثر قدرۃ العبد حق بلا مریۃ لکن لاعلی الوجہ الذی قررالمصنّف بل الا مر ان المولٰی تعالٰی اجری سنتہ بان العبد اذا ارادفعلا یخلقہ اللہ تعالٰی فیہ فالارادۃ بخلق اللہ تعالٰی والفعل بخلق اللہ تعالٰی ولیس للعبد من الخلق شیئ لکن کون الفعل ارادیا یتوقف علی ارادۃ العبد توقفا عقلیا قطعیا اذلو خلق اللہ فیہ الفعل من دون ان یخلق فیہ ارادۃ لہ لکان کحرکۃ الحجر بالتحریك فلم یکن ارادیا والفعل لایکون طاعۃ ولامعصیۃ الا اذا کان ارادیا فھذہ الصفۃ للفعل لاتحصل الا بارادتنا ای لکونہ مصحوبا لارادۃ خلقھا اللہ تعالٰی فینا ولولا ذٰلك لم یکن طاعۃ ولامعصیۃ قطعًا، ثمّ انیّ رأیت المحقق ذکر فی التحریر اما الحنفیۃ فالکسب صرف القدرۃ المخلوقۃ الی القصد المصمم فاثرھا فی القصد ویخلق سبحٰنہ الفعل عندہ بالعادۃ

اشتراک صرف فعل کی صفت کو بندے کی قدرت کی طرف منسوب کرنے میں ہے جبکہ محقق مذکور کا یہ دعوٰی کہ بندہ اپنے عزم کا خالق ہے، وہ کہاں ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) قاضی کا یہ کہنا کہ فعل کی صفت بندے کی قدرت کا اثر ہے بلا شک یہ حق ہے لیکن اس طور پر نہیں جس طرح مصنّف نے اس کی تقریر کی بلکہ معاملہ یُوں ہے کہ اللہ تعالٰی کی یہ سنت جاریہ ہے کہ بندہ جب کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے ارادہ پر فعل کی تخلیق فرماتا ہے لہٰذا ارادہ اور فعل دونوں اللہ تعالٰی کی مخلوق ہوئے اور بندے کا خلق میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہوتا لیکن کسی فعل کے ارادی ہونے کا دار و مدار بندے کے ارادے پر ہے یہ دار و مدار عقلی اور قطعی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالٰی بندے کے ارادہ کے بغیر فعل کی اس میں تخلیق کر دے تو پھر یُوں ہُوا جیسے پتھر کو حرکت دی جائے تو وہ حرکت کرتا ہے، تو اس طرح فعل نہ ارادی ہوگا نہ طاعت و معصیت ہوگا، یہ جبھی ممکن ہے وُہ فعل ارادی ہو تو فعل کی یہ صفت ہمارے ارادے سے حاصل ہُوئی، یعنی یہ صفت اللہ تعالٰی کی طرف سے ارادہ کی تخلیق کے ساتھ حاصل ہُوئی، اگر یہ نہ ہو تو وہ فعل قطعًا طاعت و معصیت نہ بنے گا۔ پھر میں نے محقق ابن ہمام کو تحریر میں یہ ذکر کرتے ہوئے پایا کہ حنفی حضرات کے ہاں کسب یہ ہے کہ مخلوق قدرت کو مصمم قصد کے لئے صرف کرنا اس مخلوق قدرت کا اثر قصد میں ہوتا ہے تو اللہ تعالٰی اس وقت اپنی عادت کریمہ کے مطابق فعل کو پیدا فرماتا ہے

فان کان القصد حالا غیر موجود و لا معدوم فلیس بخلق وعلیه جمع من المحققین وعلی نفیه فکذلك (ای لیس الکسب بخلق ایضا) علی ما قیل (ای قول صدر الشریعة) الخلق یقع به المقدور لا محل فی القدرة و یصح انفراد القادر بایجاد المقدور و الکسب یقع به فی محلها ولا یصح انفراده بایجاده ولو بطلت هذه التفرقة (بین الخلق و الکسب) علی تعذره (ای بطلانها) وجب تخصیص القصد المصمم من عموم الخلق بالعقل اھ[1] باختصار، مزیدا ما بین الهلالین من شرحه التقریر والتحبیر لتلمیذه المحقق ابن امیر حاج رحمهما الله تعالٰی فقد ابان البون البین بین مابحثه فی المسایرة وبین ماذهب الیه الامام القاضی وظهرت بحمد الله تعالٰی منه علیّ فائدة نفسیة وهوانی کنت کتبت علی المسایرة قبل هذا بنحو اربع سنین مانصه نرجوان المصنف رحمه الله تعالٰی رجع عنه اذلم یذکره فی فکذلك مایعتقده الا ما علیه اهل السنة کما سیأتی و نرجوان المولٰی سبحٰنه وتعالٰی	تو اگر قصد صرف ایسا حال ہو جو نہ معدوم اور نہ موجود ہو تو مخلوق نہ بنے گا۔ قصد کے مخلوق نہ ہونے اور اس کے حال ہونے کی نفی محققین کی ایک جماعت کا موقف ہے اوریُوں ہی کسب بھی مخلوق نہیں ہے ایک قول کے مطابق یعنی صدر الشریعہ کے قول پر کہ خلق سے مقدور کا وجود محل قدرت کے بغیر ہوتا ہے اور اس میں قادر کا مقدور کے ایجاد میں منفرد ہونا صحیح ہوتا ہے اور کسب سے مقدور کا وجود محل قدرت (قصد) کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس کے بغیر ایجاد میں منفرد ہونا صحیح نہیں ہوتا، اور اگر (خلق اور کسب کا یہ فرق) باطل ہو جائے جبکہ یہ فرق متعذر ہے یعنی یہ فرق باطل ہے، تو پھر عموم خلق میں سے قصد مصمم کی تخصیص ضروری ہو گی اھ اختصارا، اور ہلالین میں اسکی شرح التقریر والتحبیر سے اضافہ ہے، یہ شرح ان کے شاگرد محقق ابن امیر الحاج (رحمہا اللہ تعالٰی) کی ہے، تو انھوں نے اپنی مسایرہ کی بحث اور امام قاضی کے مذہب میں واضح فرق کر دیا ہے اور میرے لئے بحمد اللہ تعالٰی یہاں ایک نفیس فائدہ ظاہر ہُوا، وہ یہ کہ میں نے مسایرہ پر چار سال قبل حاشیہ لکھا تھا جس کی عبارت یہ ہے، ہمیں امید ہے کہ مصنف رحمہ اللہ تعالٰی نے اسی سے رجوع کر لیا ہو گا کیونکہ انھوں نے تشبیہ (فکذلک) (میں اپنا عقیدہ ذکر کئے بغیر صرف اہلسنت کا موقف ذکر فرمایا ہے، کما سیأتی اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالٰی

[1] التحریر فی اصول الفقه الباب الاول الفصل الثانی فی الحکم مصطفی البابی مصر ص ۲۲۸

جعل ھذہ الزلۃ الواحدۃ وان عظمت مغمورۃ فیما اولاہ من بحار الحسنات الجمیلۃ ونسأل اللہ الثبات علی الحق وھدایۃ الصواب فی کل باب وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰلہ وسلم ابدًا اٰمین[1] اھ فبحمد اللہ تعالٰی قد حقق اللہ رجائی وظھر رجوع المحقق عن اختیار ما بحثہ، اذعلقہ ھٰھنا علٰی تعذر التفرقۃ بین الخلق والکسب وصرح ببطلان التعذر فاذا بطل المبنی وجب تھدم البناء وللہ الحمد وتصنیف التحریر متأخر عن تالیف المسایرۃ کما لاتخفی علٰی من طالعہ وذٰلک قولہ تعالٰی یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا والاٰخرۃ[2] والحمد للہ ربّ العٰلمین، امّا ما اورد الشیخ القزوینی علی الامام ابی بکر الباقلانی کما نقلہ فی الیواقیت لامام الشعرانی مقرا علیہ انہ یقال لہ ھذہ الحال مقدورۃ للہ تعالٰی ام لا علی الثانی لا محالۃ تکون مقدورۃ للعبد وھو مذھب المعتزلۃ بعینہ وعلی الاول لم یکن للعبد شیئ البتۃ وذٰلک ھو مذھب الجبریۃ بعینہ	ان کی اس ایک خطا کو (اگرچہ یہ گراں ہے) انکو عطا کردہ نیکیوں کے دریاؤں میں غوطہ زن کردے گا اور ہم اللہ تعالٰی سے ثابت قدمی کے سائل ہیں کہ وہ ہمیں ہر معاملہ میں حق اور صواب کی رہنمائی فرمائے وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ محمد وآلہ وسلم ابداً، آمین، اھ۔ اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ اس نے میری امید کو پُورا فرمادیا اور محقق مذکور نے اپنی بحث کو مختار قرار دینے سے رجوع فرمالیا جب انھوں نے خلق اور کسب میں فرق کے متعذر ہونے پر حاشیہ لکھ کر اس تعذر کو باطل قرار دیا، توجب مبنٰی باطل ہو گیا تو اس پر بنی ہوئی عمارت بھی گر گئی، وللہ الحمد، اور انکی کتاب التحریر مسایرہ سے بعد کی تصنیف ہے جیسا کہ مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں ہے، اور یہ اللہ تعالٰی کے ارشاد کہ "اللہ تعالٰی ایمان والوں کو دُنیا وآخرت میں حق پر ثابت قدمی عطا فرماتا ہے" کا مظہر ہے الحمد للہ رب العالمین، لیکن شیخ قزوینی کا امام ابو بکر باقلانی پر وہ اعتراض جس کو امام شعرانی نے یواقیت میں نقل کرکے ثابت رکھا یعنی اس حال (قصد) کے متعلق ان سے سوال کیا گیا کہ یہ اللہ تعالٰی کا مقدور ہے یا نہیں، اور اگر نہیں، تو پھر لا محالہ یہ بندے کا مقدور ہو گا جبکہ معتزلہ کا بعینہٖ یہی مذہب ہے اور اوّل صورت یعنی اگر اللہ تعالٰی کا مقدور ہے تو پھر بندے کے لئے کچھ مقدور نہ ہُوا جبکہ یہ بعینہٖ جبریہ کا

[1] حاشیہ اعلیحضرت علی المسایرۃ

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۷

فلا فائدۃ لتمسك بالحال[1] اھ باختصار۔

اقول: و تلك شکاۃ ظاهر عنك عارها، و لما یترأی ظاهر ان ھٰذا سوال عام الورود لا محیص عنه لشیئ من الاقوال فشان من اثبت للقدرۃ الحادثة تاثیرا مافی شیئ من عین اوحال فیقال له کما قلتم فان قال ان ذلك الشیئ لیس مقدور اللّٰه تعالٰی فھو الاعتزال اوقال مقدور له فلم یبق للعبد شیئ وھو الجبر و من لم یثبت کسادتنا الاشعریة فقد افصح بالشق الاخیر من الاول فیقال اذن لا شیئ للعبد البتة فھو الجبر بعینه و ذٰلك لانه انما یرید انکم لجأتم الٰی ھٰذا نفیا للجبر فاذااعترفتم انه واقع بقدرۃ اللّٰه تعالٰی لا بقدرۃ العبد لاستحالة اجتماع مؤثرین علٰی اثر فقد انتفٰی الملجأ ولزم القرار علٰی ما منه الفرار فالمعنی ھو الجبر بعینه عندکم بل لما **اقول** یختار انه مقدور اللّٰه تعالٰی بل و مرادہ ایضا لکن ارادان یرید العبد فیکون فلا جبر ولا اعتزال

مذہب ہے، لہذا حال کا سہارا لینا بیکار ہوا اھ اختصارًا

اقول (میں کہتا ہوں) یہ ایسی شکایت ہے جس کی عار آپ کی طرف سے ظاہر، اور ظاہرًا نظر آرہا ہے کہ یہ سوال عام الورود ہے اس سے کسی قول کو بھی چھٹکارا نہیں ہے، تو جو بھی حادث قدرت کے لئے کسی قسم کی تاثیر کسی عین چیز یا حال میں ثابت کرے گا تو اس پر تمھارا یہی اعتراض وارد ہوگا کہ اگر یہ چیز اللہ تعالٰی کا مقدور نہیں تو اعتزال لازم آئے گا، اور اگر اللہ تعالٰی کا مقدور ہو تو پھر بندے کا کچھ دخل نہ رہا، تو یہ جبر ہے، اور جو لوگ اس قدرت کے لئے کوئی تاثیر ثابت نہ مانیں جیسا کہ ہمارے سادات اشعریہ کا موقف ہے تو ان پر پہلی دو ۲ شقوں میں سے دوسری شق والا اعتراض ہوگا کہ بندے کی کوئی تاثیر نہیں تو یہ بعینہٖ جبر ہے، بندے کے لئے تاثیر نہ ماننے والوں کی مراد یہ ہے کہ بندے کی تاثیر ماننے والوں کو اس بات پر جبر کی نفی کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے بندے کی تاثیر ماننے کے باوجود جب یہ اعتراف کرلیا کہ اللہ تعالٰی کی قدرت سے بندے کا فعل ہوتا ہے اور بندے کی قدرت سے نہیں کیونکہ ایک اثر کے لئے دو موثر محال ہیں تو اس سے تمھارا مقصد (یعنی جبر کی نفی) فوت ہوگیا اور جس سے فرار تھا اسی پر قرار ہُوا، یہی فعل کا اللہ تعالٰی کی قدرت سے ہونا تمھارے ہاں بعینہٖ جبر ہے، تو

[1] الیواقیت والجواہر المبحث الرابع والعشرون الخ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۰

والٰی منحی هذا ینحو مافی المسایرة غایة مافیه انه تعالٰی قدرہ علی بعض مقدوراته تعالٰی کما انه اعلمنا بعض معلوماته سبحٰنه تفضلا [1] الخ وبالجملة لاتنافی بین کونه مقدورالله تعالٰی ومقدورالعبد باقدارہ حتی یقال لم یکن للعبد شیئ وایضًا لایلزم من کونها مقدورة للعبد الاعتزال لانهم یقولون بخالقیة العبد والخلق افاضة الوجود والحال غیر موجود هذا، ولیعلم انی لااریدبالدفاع عن هذاالقول ان اقول به انما اقول انی لااعلم مایردہ من نص اواجماع وقدرأوا ان ھٰھنا ثلٰثة اشیاء حال بین عینین ارادة العبد وفعله وتعلقها به فان	کوئی قول بھی مذکورہ اعتراض سے نہ بچ سکے گا بلکہ یہ اعتراض ختم ہوگا تو میرے اس قول سے ہوگا کہ بندے کا فعل اللہ تعالٰی کا مقدور ہے بلکہ اسکی مراد بھی ہے لیکن اللہ تعالٰی ارادہ فرماتا ہے کہ بندہ اس فعل کا ارادہ کرے تو پایا جائے، تو اس طرح نہ جبر لازم آیا اور نہ ہی اعتزال ہوا میرے کلام کے انداز پر ہی مسایرہ کا یہ بیان ہے، اس میں انتہائی قابل اعتراض بات یہ ہوگی کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بعض مقدورات پر بندے کو قادر بنادیا (جبکہ واقع میں ایسا ہے) جیسے اللہ تعالٰی اپنے بعض معلومات کا ہمیں علم دیتا ہے اور یہ اس کا فضل ہے الخ، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالٰی کے مقدور اور اللہ تعالٰی کے قادر بننے پر بندے کے مقدور، میں کوئی منافات نہیں تاکہ یہ کہا جائے کہ بندے کی کوئی قدرت نہیں، نیز فعل کا اللہ تعالٰی کی قدرت سے بندے کا مقدور ہوجانے سے اعتزال بھی لازم نہ آئے گا، کیونکہ معتزلہ بندے کی خالقیت کا قول کرتے ہیں، جبکہ خلق وجود عطا کرنے کا نام ہے حالانکہ حال (قصد) موجود نہیں ہوتا، اسے محفوظ کرو۔ معلوم ہونا چاہئے کہ حال (قصد) میں بندے کی تاثیر والے قول کے دفاع سے میرا مقصد یہ نہیں کہ میں اس کا قائل ہوں، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ اس قول کے رد میں کوئی نص یا اجماع میرے علم میں نہیں ہے، جبکہ ان کے خیال میں یہاں تین

[1] المسایرة متن المسامرة العلم بانه تعالٰی لاخالق سواہ المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۱۸۔۱۱۷

لم یکن للعبد مدخل فی شیئ من ذٰلك خرج من البین قطعًا وھوالجبر حقاکما لازم بہ الحنفیۃ الاشعریۃ بل قدنصت الاشاعرۃ انفسھم فی بحث عقلیۃ الحسن والقبح ان فعل العبد اضطراری غیر اختیار فوجب ان لایوصف بحسن ولاقبح عقلا، ونص الامام ابوالحسن الاشعری ان العبد محل الفعل فحسب وصرح کبراء الاشاعرۃ کالامام الفخر والعلامۃ سعدالدین فی اٰخرین ان المأل ھو الجبر وان العبد مجبور فی صورۃ مختار وتبعھم القاری فی منح الروض فجعلہ الانصاف،ومن المعلوم قطعًا اجماعًا وسمعًا ان لیس للعبد شیئ من الایجاد فارادتہ کقولہ لیست الاخلق ربہ تبارك وتعالٰی فلم یبق الاالتعلق المسمی بالقصد فقالوا ھذامااقدرہ علیہ ربہ ولیس من الخلق فی شیئ کما عرفت،فھذا نزاع ساداتنا الحنفیۃ فی ھذاالباب اما انا فکما ذکرت فی الفیوض الملکیۃ تعلیقات کتابی الدولۃ المکیۃ لست ممن یخوض فی ھذاوانما ایمانی و للہ الحمد ماثبت بالقراٰن

امور ہیں، بندے کے فعل اوراس کے ارادے کے درمیان ایک حال اور بندے کے ارادے کا اس سے تعلق ان تینوں امور میں اگر بندے کا کوئی دخل نہیں تو بندہ بالکل الگ تھلگ رہا تو یہ قطعًا جبر ہے جس کا اشعری حنفی لوگ الزام دیتے ہیں، بلکہ اشاعرہ نے حسن وقبح کے عقلی ہونے کی بحث میں خود تصریح کی ہے کہ بندے کا فعل اضطراری غیر ارادی ہے تو وہ کیسے حسن وقبح سے عقلاً موصوف ہوسکتا ہے،امام ابوالحسن اشعری نے یہ تصریح کی ہے کہ بندہ تو صرف فعل کا محل ہے اور بس،اور امام فخر الدین اور علامہ سعدالدین جیسے بڑے اشاعرہ نے آخری دور میں تصریح کی ہے کہ نتیجۃً جبر لازم ہے اور بندہ مختار کی صورت میں مجبور ہے اور ملا علی قاری نے منح الروض میں ان کی اتباع کرتے ہوئے اسی کو انصاف قرار دیا ہے،اور یہ بات قطعًا اجماعی اور سماعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کو ایجاد میں کوئی دخل نہیں ہے تو اس کا ارادہ اس کے قول کی طرح صرف اور صرف اللہ تعالٰی کی مخلوق ہے اب صرف ارادے کا فعل سے تعلق باقی ہے جس کو قصد کا نام دیا جاتا ہے تو اس کے لئے انہوں نے کہا ہے کہ اس پر اللہ تعالٰی نے بندے کو قادر فرمایا ہے اور یہ قصد کسی شیئ کے خلق میں دخیل نہیں ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے تو اس باب میں ہمارے سادات احناف کا یہ نزاع ہے۔ لیکن میرا معاملہ تو وہ ہے جو میں نے اپنی کتاب الدولۃ المکیہ کے حاشیہ الفیوض الملکیہ میں ذکر کردیا ہے کہ میں اس گہرائی میں نہیں پڑتا، میرا تو صرف وہ ایمان ہے (وللہ الحمد) جس کو قرآن نے

واجمع علیه الفریقان،شهدت به البداهة وادی الیه البرهان،ان لاجبرولاتفویض ولکن امر بین امرین، (وسرت اسرد فیه الکلام الٰی ان قلت) فالتکلیف حق، والجزاء حق،والحکم عدل، و الاعتراض کفر، والاستبداد ضلال، والتحج رجنون،والجنون فنون، ولا حجة لاحد علی الله تعالٰی مهما فعل ولله الحجة البالغة، لایسئل عما یفعل وهم یسئلون، فهٰذا ایماننا ولانزید علیه وان سئلنا عما ورائه قلنا لا ندری ولاکلفنا به ولا نخوض بحرا لانقدر علی سباحته نسأل الله الثبات علی دین الحق وسدا جته،والحمد لله رب العٰلمین اھ[1]

وثالثًا: الخلق لغة وعرفا وشرعا هوالایجاد بالاختیار، قال تعالٰی "اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ"[2]،فافادان العلم لازم للخلق وذٰلك هوالایجاد بالقصد فان الموجب لایجب ان یعلم الموجب من جهة کونه موجبا

ثابت کیا،جس پر دونوں فریق متفق ہیں،جس پر بداہت شاہد ہے اور جس پر دلیل وبرہان نے آگاہی دی ہے کہ نہ جبر ہے نہ تفویض ہے بلکہ ان دونوں چیزوں کے بین بین ایک امر ہے،میں نے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے آخر میں یہ کہا کہ تکلیف حق ہے،جزاء حق ہے اور حکم عدل اور انکار کفر ہے،بندہ کو مستقل بنانا گمراہی ہے اور اس کو پتھر بنانا جنون ہے اور جنون کئی قسم ہے اور اللہ تعالٰی جو کرتا ہے اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے،کامل حجت اللہ تعالٰی کی ہے وہ جو کرے اس پر اعتراض نہیں،لوگ جو کریں ان سے پوچھ ہوگی،پس ہمارا تو یہ ایمان ہے اور بس،اس سے زائد کوئی ہم سے سوال کرے تو کہہ دیں گے،کہ ہم نہیں جانتے اور نہ ہم اس کے مکلّف ہیں،ہم اس سمندر میں غوطہ زن نہ ہونگے جس میں تیراکی نہیں کرسکتے،ہم تو اللہ تعالٰی سے اس کے دین پر ثابت قدمی اور سادہ فہمی کی دعا کرتے ہیں والحمدللہ رب العالمین اھ

ثالثًا: لغت،عرف اور شرع میں خلق کا معنٰی "اختیار سے کسی چیز کو ایجاد کرنا" ہے،اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے **الایعلم من خلق** یعنی کیا تخلیق کرنے والا علم نہیں رکھتا،تو اس آیہ کریمہ نے یہ فائدہ دیا کہ خلق کو علم لازم ہے جبکہ یہی ایجاد بالقصد ہے،اس کے برخلاف موجب کے لئے ضروری نہیں کہ وہ موجب ہونے کی حیثیت سے موجب کو جانے،

---

[1] الفیوضات الملکیة تعلیقات الدولة المکیة مطبعة اہل السنة والجماعت بریلی ص ۲۲
[2] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۴

وان علم علمه من جهة اخری واما ما نوزع فیه بان الدلالة بالتتمة "وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ"[1]. **فاقول**: کونه لطیفا خبیرا کاف فلولم یکف للخالقیة لکان اقحام من خلق مستدرکا، علی انه قد تواتر من القراء الوقف علی من خلق فهی جملة مستقلة ولا توقف لها علی مابعدها والحق ان الکل دلیل مستقل، فلوکان قصدنا بخلقنا لکان بقصد نا وکل احد یعلم من وجدانه انما یرید الفعل لا انه یرید ان یرید ثم یرید۔

ورابعًا، لایخالف ملأ حتی المعتزلی ان الارادة الکلیة فینا لیس بخلقنا بل خلق ربنا خالق القول والقدر، فلا یکون لنا ان کان الا القصد الجزئی۔

اقول: ولیست کلیة الارادة المخلوقة فی عبد انها نوع تحته افراد بل هی صفة شخصیة قائمة بشخص وانما کلیتها بمعنی الاطلاق

اگر وہ اسے جانے گا تو دوری جہت سے جانے گا اور یہ نزاع کہ علم پر اس آیہ کریمہ کا تتمہ دلالت کررہا ہے تو **میں کہتا ہوں** کہ اللہ تعالٰی کا لطیف وخبیر ہونا خالقیت کے لئے کافی ہے اور اگر یہ خالقیت کیلئے کافی نہ ہو تو پھر اس آیہ کریمہ کے درمیان "**من خلق**" کا ذکر زائد قرار پائے گا، اس کے علاوہ قراء حضرات کا "**من خلق**" پر وقت تواتر سے منقول ہے لہٰذا یہ مستقل جملہ ہے جس کا معنٰی مابعد پر موقوف نہیں ہے، اور حق تو یہ کہ یہ دونوں جملے خالق کے عالم ہونے پر مستقل دلیل ہیں تو اگر ہمارا قصد ہمارے خلق سے ہو تو وہ بھی ہمارے قصد سے ہوگا اور ہر ایک اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ یہ فعل کا قصد اور ارادہ ہے نہ کہ یہ ارادے کا ارادہ ہے اور پھر اس ارادے کے لئے ارادہ کرنا ہوگا (تو اگر یہ قصد وارادہ فعل کیلئے نہ ہو بلکہ ارادے کے لئے ہو تو یوں ارادہ در ارادہ سے تسلسل لازم آئے گا)

رابعًا، کوئی گروہ حتی کہ معتزلہ حضرات بھی اس بات سے انکاری نہیں ہیں کہ ہمارا کلی ارادہ ہمارا خلق نہیں ہے بلکہ یہ ارادہ کلیہ ہم میں اللہ تعالٰی کا خلق ہے، اور ہمارا رب خالق قول اور خالق قدر ہے، تو یہ ارادہ کلیہ ہمارا خلق نہیں، اگر ہمارا ہے تو صرف جزئی ارادہ ہے۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) بندے میں پیدا شدہ ارادہ اس معنی میں کلیہ نہیں کہ اس کے تحت کئی افراد ہوں بلکہ یہ ایک صفت ہے جو شخصی ہے اور ایک شخص سے قائم ہے، اس ارادے کی کلیت اس معنی میں ہے کہ یہ ارادہ تمام

[1] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۴

عن التعلقات فکلما تعلقت بمقدور معین سمیت جزئیۃ.فما القصد الجزئی الاخصوص تعلق تلك الصفۃ الشخصیۃ بفعل شخصی والتعلق امر اضافی لاوجودلہ فی الاعیان فان اسند الی العبد لم یکن فی شیئ من الخلق فلم عدلتم عن قول الحنیفۃ وملتم الی تخصیص النصوص۔ وخامسًا[عہ] ھب ان القصد بالقصد	تعلقات سے خالی ہے توجب اس کا تعلق کسی جزئی اور معین مقدور سے ہوتا ہے تو وہی ارادہ جزئی کہلاتا ہے لہٰذا جزئی قصد وارادہ صرف اسی معنٰی میں ہے کہ اس شخصی صفت کا شخصی فعل سے خصوصی تعلق ہوتا ہے جبکہ یہ تعلق ایک نسبت و اضافت ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے، لہٰذا اگر اس قصد جزئی کو بندے کی طرف منسوب کیا جائے تو کسی بھی چیز کا خلق نہ ہوگا (کیونکہ یہ خاص تعلق ہے جس کا کوئی وجود نہیں ہے) تو آپ حضرات نے کس خاطر احناف رضی اللہ تعالٰی عنہم کے قول سے اعراض کیا اور کیوں نصوص میں تخصیص کا تکلف کیا۔ **خامسًا**، تسلیم کرلیں کہ قصد وارادہ کے لئے

عــــہ:**اقول** وھنا دلیلان اٰخران یمکن لہ الجواب عنھما۔

سادسًا:"وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ" [1] فمشیتنا لیست بمشیتنا بل بمشیۃ ربنا۔

سابعًا: ورد مرفوعا وانعقد اجماع المسلمین علٰی قولھم ماشاء اللہ

اقول (میں کہتا ہوں) یہاں دو دلیلیں اور ہیں، ان کا جواب ممکن ہے، پہلی سادسًا اور دوسری سابعًا ہے۔

سادسًا، اللہ تعالٰی کے ارشاد "تم نہیں چاہو گے سوائے اس کے کہ اللہ تعالٰی چاہے" کی رو سے ہماری کوئی مشیت نہیں ہے اگر ہے تو اللہ تعالٰی کی مشیت سے ہے (تو بندے کا مجبور ہونا ثابت ہے)

سابعًا، مرفوع حدیث اور اجماعِ مسلمین سے ثابت ہے کہ یہ مسلم قول ہے جو اللہ تعالٰی چاہے گا وہ (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القرآن الکریم ۷۶/ ۳۰

فلابد من الانتهاء الی قصد لیس بالقصد والا تسلسل فی الاعیان لانه وجودی عندکم، واذا انتهی الامر الی الایجاب انتهی الاختیار لزم القرار علی ماکان منه الفرار ماقولهم الوجوب بالاختیار لا ینافی الاختیار بل یحققه،**اقول:**لیس هذا وجوبا بالاختیار بل اختیار بالوجوب ای لایستطیع ان لا یختار وهو ینافی الاختیار بمعنی التمکن من الترك قطعًا فیعود المحذور واردا علی القائلین بالتاثیر فی الحال ایضا ولا محیص بماقالوا	بھی قصد ضروری ہے تو لازمًا آخر میں ایسا قصد ہوگا ورنہ تو خارج میں تسلسل کا وجود لازم آئے گا کیونکہ تمہارے ہاں قصد وجودی چیز ہے، توجب آخر میں قصد خود بخود بغیر قصد پایا گیا تو یہ بطور ایجاب ہوگا اور اختیاری نہ ہوگا یہی وہ جبر ہے، تو نے جس سے فرار اختیار کیا وہی پیش آیا، لیکن یہاں ان کا یہ کہنا کہ یہ وجوب بالاختیار ہے جو اختیار کے منافی نہیں بلکہ اس کے بندے کا اختیار ثابت ہوتا ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ وجوب بالاختیار نہیں بلکہ اختیار بالوجوب ہے یعنی بندہ کو اس کے اختیار نہ کرنے کی استطاعت نہ ہوگی، یہ تو قطعاً اختیار بمعنی قدرت ترک کے منافی ہے تو خرابی کا عود لازم آیا جو بندے کے لئے حال میں تاثیر کے قائل ہیں ان پر بھی یہ اعتراض وارد ہوگا، اور ان کا یہ کہنا کہ قصد اعتباری چیز ہے جس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کان ومالم یشاء لم یکن فلولم یشاء مشیتنالما کانت لکن کانت فقد شاء ها والجواب عنهما مشیتنا بمشیتنا لمشیته ان تکون بمشیتنا ویخص الاول ان المعنی لاتشاؤن شیئا من افعالکم الاماشاء الله ان یخلقه عند مشیتکم ۱۲منه۔

ہوگا اور جو نہ چاہے گا نہ ہوگا، تو اگر اللہ تعالٰی ہماری مشیئت کو نہ چاہے تو نہ ہوگی، لیکن ہماری مشیئت پائی جاتی ہے لہٰذا اللہ تعالٰی نے اس کی مشیئت فرمائی ہے (تو بندے کے لئے جبر ثابت ہے) دونوں دلیلوں کا جواب یہ ہے کہ ہماری مشیئت کا وجود ہماری مشیئت سے ہے کہ اللہ تعالٰی کی مشیئت ہے کہ بندے کی مشیئت پائی جائے، اور پہلی دلیل میں آیہ کریمہ میں تخصیص یوں ہوگی تم اپنے افعال سے کچھ نہ چاہوگے مگر جب اللہ تعالٰی تمہاری مشیت سے اس کو پیدا کرنا چاہے گا ۱۲منہ (ت)

ان القصد اعتباری فلیتسلسل وذٰلك لانه فی المبدء محال ولوفی الاعتباریات **اقول** لان سر تجویزہ ھو انقطاعه بانقطاع الاعتبار وھٰھنا حیث انقطع انقطع ماتحته لانعدام العلة فینعدم الفعل، ولابان قصد القصد عین القصد فان المحتاج کیف یکون عین المحتاج الیه ولا بانه عدمی فلایحتاج الی مؤثر فان کل متجدد لاغناء له عن مؤثر ولو عدمیا کالعمی ولابان اختیار المختار لایعلل کایجاب الموجب، **اقول** نعم لایسأل لم خصص ھذا لاذاك کما حققته فی رسالة "الافھام المصحح للترجیح بدون مرجح" التی الفتھا بعد ورود ھذاالاستفتاء امانفس التخصیص فمتجدد ولیس له عن المؤثر محیص، فان قال الکل لانرید بالاختیاری الامایقع بالاختیار او عند الاختیار وان لم یکن الاختیار بالاختیار	تسلسل ہوسکتا ہے (یہ قول بھی اس اعتراض سے ان کو نجات نہیں دے سکتا) کیونکہ اس تسلسل کے مبدء میں (بلاقصد ہونا) ایک محال چیز ہے اگرچہ یہ اعتباری چیزوں کا تسلسل بھی ہو **اقول**: (میں کہتا ہوں) اعتباریات میں تسلسل کے جواز کا قول اس بنیاد پر تھا کہ یہ اعتبار کے انقطاع سے منقطع ہوجاتا ہے تو یہاں جب اعتباری قصد منقطع ہوگیا تو تسلسل بھی ختم ہوگیا کیوں کہ علت (قصد) جب ختم ہوگئی تو فعل ختم ہوجائے گا، اس تسلسل کے جواز کی بنیاد یہ نہیں کہ قصد کا قصد عین وہی قصد ہوتا ہے کیونکہ یہ غلط ہے اس لئے دوسرا قصد پہلے کی طرف محتاج ہے اور پہلا محتاج الیہ ہے تو محتاج کا عین محتاج الیہ ہونا کیونکر ہوسکتا ہے، اور اس کے جواز کی بنیاد یہ بھی نہیں، کہ قصد عدمی ہے تو عدمی کسی مؤثر کا محتاج نہیں ہوتا، یہ اس لئے غلط ہے کہ قصد متجدد ہوتا ہے تو متجدد چیز مؤثر سے مستغنی نہیں ہوسکتی اگرچہ وہ متجدد عدمی ہو، جیسا کہ بینانہ ہونا، اور اس کے جواز کی وجہ یہ بھی نہیں کہ مختار کے اختیار کے لئے کسی اور علت کی ضرورت نہیں، جیسا کہ موجبِ کے ایجاب کے لئے ضرورت نہیں، **اقول** یہ اس لئے غلط ہے کہ مختار کے اختیار سے تخصیص ہوتی ہے تو اس تخصیص کے متعلق وجہ نہیں پوچھی جاسکتی کہ اس کو کیوں خاص کیا یا اسکو کیوں خاص نہ کیا مختار کو اختیار تخصیص کی تحقیق میں نے اپنے رسالہ **الافھام المصحح للترجیح بدون المرجح** میں کی ہے جس کو میں نے اس استفتاء کے بعد تالیف کیا ہے لیکن

قلنا ان دفع قول الاشعری ان فعل العبد اضطراری ولکن این المحیص من ثبوت الحجة للعبد فی المعاصی فانه یقول ماخلقت وانما قصدت وماکان قصدی ایضًا باختیاری فماذنبی،**واعلم** ان الکلام ھٰھنا ینجر الی حویصة اخری امر وادھی،لاتنحل بانامل الافکار الابتوفیق العزیز الغفار ولعصوبة ھذا سکت عنه مثل السید الشریف فی موضعین من شرح المواقف والتزم مصیبته البحر فی الفواتح والعیاذ باللّٰه تعالٰی وتتبعت کلمات المتکلمین و الاصولیین من جمیع مظان ھذا البحث الیھا فاجتمعت لی منھا ثمانیة اجوبة لاغناء فی شیئ منھا ثم المولٰی سبحٰنه وتعالٰی فتح بفضله وھدانی للجواب الحق کما اوردت کل ذٰلك فی رسالتی "تحبیر الحبر بقصم الجبر ۱۳۲۹ھ" التی الفتھا بعد ورود ھذا الاستفتاء قبل ان انھی الجواب عنه فنکل ھذا البحث قبل ان انھی الجواب عنه فنکل ھذا البحث الیھا ونفیض فیما کنا فیه فنقول لھم تبین ان

نفسِ تخصیص تو متجدد ہے جس کو مؤثر سے غنی نہیں، اور تمام مذکور حضرات یہ کہیں کہ اختیاری سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ مختار سے یا اختیار پر صادر ہوا اگرچہ وہ اختیار اختیاری نہ ہو، تو ہم کہیں گے کہ یہ بات اگرچہ اشعری کے اس قول کے لئے دافع ہوجائیگی کہ بندے کا فعل اضطراری ہے، لیکن قیامت کے روز گناہوں پر جواب طلبی کے وقت بندے کی اس حجت، کہ میں نے گناہ کے فعل کی تخلیق نہ کی صرف قصد کیا، اور میرا قصد اختیاری بھی نہ تھا تو گناہ میرا کیسے ہوگیا، کا جواب کیسے بنے گا تو خلاصی نہ ہوئی، اور معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں کلام ایک نئی مشکل میں پڑگیا ہے جو مشکل ترین ہے اور اللہ تعالٰی العزیز الغفار کی توفیق کے بغیر افکار کے ذریعہ حل نہیں ہوسکتی بحث کی اس صعوبت کی بناء پر سید شریف نے شرح المواقف کے دو مقام پر خاموشی اختیار کرلی، اور بحر العلوم نے فواتح میں اس کو مصیبت تسلیم کیا ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اس معاملہ میں متکلمین اور اصولیین کے مواقعِ بحث کی میں نے چھان بین کی تو مجھے وہاں سے آٹھ جواب ملے جن سے کوئی تسلی بخش اطمینان نہ ملا، پھر مولٰی تعالٰی نے اپنے فضل اور رہنمائی سے حق جواب کا راستہ کھول دیا، جیسا کہ میں نے اس تمام بحث کو اپنے رسالہ "تجبیر الحبر بقصم الجبر" میں لایا ہوں، اس رسالہ کو میں نے اس استفتاء کے ورود کے بعد اور اس کے جواب کو مکمل کرنے سے قبل تالیف کیا ہے، تو میں اس بحث کو اس کے سپرد کرتا ہوں اور اپنی جاری کلام میں چل رہا ہوں، تو ہم ان سے

ما زعمتم ان الحاجة تندفع به فماحملکم علٰی تخصیص النصوص،وانت تعلم ان ھذا کما یکفی للرد علی المحقق رحمہ اللہ تعالٰی کذٰلك لرد کل مایدعی العبد خالقالہ من فعل اوعزم اوغیر ذٰلك للخلاص من ھذہ الورطۃ الظلماء،فان الکلام یجری فی الکل،ولایزال یتسلسل الابالانھاء الی الالجاء، وھذامانقل فی شرح المقاصد وغیرہ عن المحققین ان المآل ھوالجبر فثبت بالبرھان اسناد خلق شیئ ماالی العبد مع کونہ مخالفًاللقراٰن العظیم والاجماع القدیم والدین القویم لایسمن ولایغنی من جوع، فوجب حمل کلام اللہ تعالٰی علٰی عمومہ والایمان بان لاخالق الااللہ تعالٰی،ثم البداھۃ شاھدۃ بالفرق بین البشروالحجر فلاجبر ولا تفویض ولکن امربین امرین، ولا یلزم للعلم بحقیقۃ شیئ العلم بحقیقتہ کما بینتہ فی"ثلج الصدر لایمان القدر"وھذا ھو العلم الموروث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	گزارش کررہے ہیں کہ واضح ہوچکا ہے کہ تمہاری مجبوری والی حاجت اس سے ختم ہوگئی ہے تو پھر کس لئے تم نصوص کی تخصیص کررہے ہو۔آپ جانتے ہیں کہ جس طرح یہ بیان محقق رحمہ اللہ تعالٰی کے رد کے لئے کافی ہے اسی طرح ان تمام لوگوں کے رد کے لئے کافی ہے جو بندے کو فعل یا عزم وغیرہ کیلئے خالق ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور اس اندھیری نگری سے خلاصی دینے کے لئے کافی ہے کیونکہ یہ کلام تمام لوگوں کے موقف پر جاری ہوتا ہے اور یہ سلسلہ کلام جاری رہے گا تاوقتیکہ جبر تک انتہا نہ ہوجائے،اور یہی کچھ ہے جو شرح المقاصد وغیرہ میں محققین سے منقول ہے کہ باالآخر معاملہ جبر پر ختم ہوتا ہے،تو برہان سے ثابت ہوگیا ہے کہ بندے کی طرف کسی چیز کے خلق کو منسوب کرنا باوجودیکہ،قرآن قدیم،اجماع اور دین قویم کے مخالف ہے،نہ کسی طرح مفید ہے اور نہ ہی کسی حاجت میں کارآمد ہے،تو ضروری ہے کہ اللہ تعالٰی کے کلام کو اس کے عموم پر محمول کیا جائے اور اللہ تعالٰی کے سوا کسی کے خالق نہ ہونے پر ایمان رکھاجائے،پھر بداہت اس بات پر شاہد ہے کہ بشر اور حجر میں فرق ہے لہٰذا جبر کا قول نہ کیا جائے اور نہ ہی تفویض کی بات کی جائے بلکہ ان دونوں کے درمیان معاملہ ہے،اور کسی چیز کے حق ہونے کے علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی حقیقت کا علم ہوجائے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ"ثلج الصدر لایمان بالقدر"میں بیان کیا ہے یہی وہ علم ہے

علیہ وسلم ومن رام فوقہ فانما یروم خرط القتاد۔
اقول: ومن الدلیل القاطع علی بطلان کل کلام ارید بہ حل ھذہ العقدۃ ماتواتر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من نھیہ الامۃ حتی اجلۃ صحابۃ الکرام الذین کانوا اعقل واعلم وافھم من کل من بعدھم عن الخوض فیہ وقد اخرج الطبرانی فی المعجم الکبیر عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اجتمع اربعون من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ینظرون فی القدر والجبر فیھم ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما، فنزل الروح الامین جبرئیل علیہ الصلٰوۃ والسلام فقال یامحمد اخرج علی امتک فقد احدثوا، فخرج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملتمعا لونہ متوردۃ وجنتاہ کانما تفقأ بحب الرمان الحامض، فنھضوا الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاسرین اذرعھم ترعد اکفھم واذرعھم، فقالوا

جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وراثت میں ملا ہے اور جو شخص اس سے زائد کا متلاشی ہے وہ ناممکن کا متلاشی ہے۔
اقول: (میں کہتا ہوں) اس پیچیدہ بحث میں ہر کلام کے بطلان پر ایک قاطع دلیل وہ ہے جو تواتر کے ساتھ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے منقول ہے کہ آپ نے اپنی امت حتی کہ اجلہ صحابہ کرام جو کہ اپنے بعد والے لوگوں سے ہر طرح زیادہ عقل، زیادہ علم اور زیادہ فہم والے تھے، کو اس خطرناک بحث سے منع فرمایا چنانچہ امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ جو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے آزاد کردہ تھے، سے روایت کیا کہ چالیس صحابہ کرام جن میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی تھے جمع ہو کر جبر وقدر میں بحث کرنے لگے تو روح الامین جبرائیل علیہ الصلٰوۃ والسلام حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! آپ باہر اپنی امت کے پاس تشریف لے جائیں انہوں نے ایک نیا کام شروع کر دیا ہے، تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام باہر اس حال میں تشریف لائے کہ غصہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخی میں اس طرح نمایاں تھا جیسے سرخ انار کا دانہ آپ کے رخسار مبارک پر نچوڑا گیا ہو، تو صحابہ کرام حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی اس کیفیت کو دیکھ کر کھلے بازو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے استقبال

تبنا الی الله ورسوله.فقال اولی لکم ان کدتم لتوجبون،اتانی الروح الامین فقال اخرج الی امتك یامحمد فقد احدثت [1] اھ افتری ان ھذا الغضب الشدید والنھی الاکید کان لان ابابکر وعمر وسائر الصحابة رضی الله تعالٰی عنھم لم یکونوا اھلالان یعرفواکلمة سھلة خفیفة ان العزم لکم والباقی لربکم اوغیر ذٰلك مما یزعمه زاعم کلابل ھو دلیل قاطع علی ان الامر سر لاتبلغه العقول ولایحیط به البیان،وان لاخیر للامة فی کشفه علیھم والالماضن الله به ورسوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فالحق الناصع ماعلیه ائمة السلف ان الامر بین لاولا ولا مصدر لنا الاٰن فوق ذٰلك ومانحن من المتکلفین الحمدلله رب العٰلمین	کے لئے آگے بڑھے در انحالیکہ ان کے ہاتھ اور بازو کانپ رہے تھے اور عرض کی ہم نے اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں توبہ پیش کی تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا قریب تھا کہ تم اپنے پر جہنم کو واجب کرلیتے، میرے پاس جبرائیل امین تشریف لائے اور کہا کہ آپ باہر امت کے پاس جائیں انہوں نے حادثہ کردیا ہے، الخ،آپ نے یہ شدید غضب اور پُر تاکید نہی دیکھ لی اور کیا یہ اس وجہ سے تھی کہ ابوبکر اور عمر فاروق و دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین معمولی سی اس بات کو سمجھنے کے اہل نہ تھے کہ عزم بندے کا خلق ہے اور باقی سب اللہ تعالٰی کی مخلوق ہے یا جیسا کہ گمان کرنے والوں نے یہ گمان کیا ہرگز ہرگز یہ بات نہ تھی بلکہ یہ اس بات پر قطعی دلیل تھی کہ جبر وقدر کا معاملہ ایک راز ہے جس تک عقلوں کی رسائی نہیں اور جس کو احاطہ بیان میں نہیں لایا جاسکتا اور اس راز کو عیاں کرنے میں امت کے لئے بھلائی نہیں ورنہ اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے بیان پر بخیل نہ تھے،تو خالص حق وہی ہے جس پر ائمہ سلف قائم رہے کہ یہ معاملہ نہ جبر ہے نہ قدر ہے بلکہ دونوں کے درمیان ایک امر ہے جس کو اب تک ہم پر اس سے زائد واضح نہیں کیا گیا اور نہ ہی ہم تکلف میں مبتلا ہوں گے،الحمد رب العٰلمین۔(ت)

[1] العجم الکبیر حدیث ۱۴۲۳ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲/ ۹۵و۹۶

بالجملہ یہ بحث کہ نصوص کے خلاف، اجماع کے خلاف، اشعریہ کے خلاف، حنفیّہ کے خلاف، وجدان کے خلاف، برہان کے خلاف، کیا عقیدہ اہلسنت ہوسکتی ہے، یا امام ابن الہمام کا یہ عقیدہ ہے حاش للہ، **عقیدہ** وہی ہے جو خود ہمارے رب عزوجل نے فرمایا: "هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَيۡرُ اللّٰهِ" [1] (کیااللہ تعالٰی کے بغیر کوئی خالق ہے۔ت) اور فرمایا: "اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ" [2] (صرف اسی کے لئے خلق اور امر ہے۔ت) اور فرمایا: "اَفَمَنۡ يَّخۡلُقُ كَمَنۡ لَّا يَخۡلُقُ" [3] (توکیا پیدا کرنے والا اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا۔ت) اور فرمایا: "لَا يَخۡلُقُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ" [4] (وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے جبکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ت)

عقیدہ وہی ہے جو خود امام ابن الہمام نے اسی اصل کے آغاز میں لکھا کہ **ان اللہ لاخالق سواہ** [5] (بیشک اللہ تعالٰی کے سوا کوئی خالق نہیں۔ت)

عقیدہ وہی ہے جو خود امام ممدوح نے اسی کتاب مسایرہ کے آخر میں لکھا، جہاں عقائد اہلسنت کی فہرست دی اور تادمِ مرگ اس پر اپنے ثابت قدم رہنے کی دعا کی کہ فرماتے ہیں:

ولنختم الکتاب بایضاح عقیدۃ اھل السنۃ و الجماعۃ، وھی انہ تعالٰی واحد لاشریك لہ، منفرد بخلق الذوات وافعالھا، [6] (الٰی ان قال علیہ رحمۃ ذی الجلال) **واللہ سبحٰنہ نسألہ من عظیم جودہ وکبر منہ ان یتوفانا علٰی یقین ذٰلك مسلمین انہ ذوالفضل العظیم، وھو**	ہم اپنی کتاب کو اہلسنت وجماعت کے عقیدہ کی وضاحت پر ختم کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی واحد لاشریک ہے وہ ذات اور افعال کے پیدا کرنے میں منفرد ہے، اور ان رحمہ اللہ تعالٰی نے آخر میں یوں فرمایا، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی کے جودو کرم اور اس کی کبریائی سے ہم سوالی ہیں کہ وہ ہمیں اس پختہ یقین حالت اسلام میں وفات نصیب فرمائے، وہ بڑے فضل والا ہے، اور وہی

[1] القرآن الکریم ۳۵/ ۳
[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۴
[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۷
[4] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۰
[5] المسایرۃ متن المسامرۃ العلم بانہ تعالٰی لاخالق سواہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص۹۶
[6] المسایرۃ متن المسامرۃ ختم المصنف کتابہ ببیان عقیدہ اہلسنت المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص۳۹۰

حسبنا ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم [1]۔	ہمیں کافی ہے اور بہترین وکیل ہے، ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔ (ت) **عقیدہ** وہ ہے جو امام صدر الشریعۃ کی توضیح سے گزرا، (یہ رسالہ ناقص ملا)

مسئلہ ۷۵: از ڈیرہ غازی خاں، بلاک ۱۲، مرسلہ مولوی احمد بخش صاحب ۲۱ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

حضرت ملک العلماء والفضلاء ثقتی رجائی ادام اللّٰہ تعالٰی ظلہ علی رؤس المستفیضین! نیاز بے انداز وشوقِ زیارت کے بعد جن کا کوئی حد وانداز نہیں، گزارش، میں دیوبندیوں کو امکان کذب کے متعلق سخت مبغوض اور ملحد جانتا تھا ان ایام میں جہد المقل مؤلفہ محمود حسن دیوبندی کا اتفاقِ مطالعہ ہوا تو عقلی دلائل کی پرواہ نہ کرکے کتب معتبرہ کی نقول وروایات جو اس میں موجود ہیں سخت مخالف عقیدہ خود ثابت ہوئی ہے، سوا اس کے کوئی چارہ نہ ملا کہ حضور کی خدمت میں دریافت کرنے سے یہ مشکل حل ہو، اگر کوئی جہد المقل کا جواب مفصل یا کوئی اور تسلی بخش رسالہ یا کتاب چھپی ہو تو کسی خادم کے نام حکم فرماکر کہ وی پی بھیج دیں ممنون فرمائیں، ورنہ مجھے مطمئن فرمادیں کہ شرح مقاصد وشرح مواقف وشرح طوالع ومسائرہ وغیرہ کتبِ کثیرہ کی عبارات کا کیا جواب ہے جن میں صاف طور پر موجود ہے کہ خدائے پاک جل شانہ سے صدور قبائح ممکن ہے، **فقط۔**

الجواب:

بملاحظہ مولٰینا المکرم ذی المجد الاتم والفضل والکرم دامت معالیہ وبورکت ایامہ ولیالہ، السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ، نامی نامہ بریلی سے واپس ہو کر یہاں آیا، فقیر ۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس مبارک پڑھ کر شام سے سخت علیل ہوا کہ ایسا مرض کبھی نہ ہوا تھا، میں نے وصیت نامہ لکھوادیا، بارے بحمدہٖ تعالٰی مولٰی عزوجل نے شفا بخشی ولہ الحمد۔ اسی دوران میں آپ کا قصیدہ حمیدہ نعتیہ آیا تھا مجھ میں دیکھنے کی قوت کہاں تھی وہ کاغذات میں مل گیا اور مہینوں گم رہا، مجھے زیادہ ندامت اس کی تھی کہ جناب نے تحریر فرمایا کہ اس کا مثنٰی یہاں نہیں، اب الحمد للّٰہ مہینوں کے بعد مل گیا، زوال مرض کو مہینے گزرے مگر جو ضعف شدید اس سے پیدا ہوا تھا اب تک بدستور ہے۔ فرض ووتر اور صبح کی سنتیں بدقت کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں باقی سنتیں بیٹھ کر۔ مسجد میرے دروازے سے دس بارہ قدم ہے وہاں تک چار آدمی کرسی پر بٹھا کرلے جاتے اور لاتے، اور باقی امراض کہ کئی برس سے کاللازم ہیں بدستور ہیں، کبھی ترقی کبھی تنزل،

والحمدللّٰہ علٰی کل حال واعوذ باللّٰہ من حال اھل النار۔	تمام تعریفیں ہر حال میں اللّٰہ تعالٰی کے لئے ہیں اور دوزخیوں کے حال سے میں اللّٰہ تعالٰی کی پناہ مانگتا ہوں (ت)

[1] المسایرۃ متن المسامرۃ ختم المصنف کتابہ ببیان عقیدۃ اہلسنت اجمالاً المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۳۹۵

حاش للہ استغفر اللہ معاذ اللہ یہ بطور شکایت نہیں بلکہ صرف معذرت کیلئے اظہار واقعیت، اس کی وجہ کریم کو حمد ابدی ہے بعزتہ وجلالہ سر سے پاؤں تک ایک ایک رونگٹے پر کروڑوں بے شمار نعمتیں ہیں لاکھوں بے حساب عافیتیں ہیں۔

ولہ الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کما یحب ربنا ویرضی ملأ السمٰوٰت وملأ الارض وملأ ماشاء من شیئ بعد والحمد للہ رب العالمین۔	حمد اسی کے لئے ہے ایسی حمد جو بہت زیادہ پاک، برکت والی ہے جیسے ہمارا رب چاہے آسمان بھر، زمین بھر اور ہر وہ شیئ بھر جو وہ چاہے، اور تمام تعریفیں اس معبود کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (ت)

ان حالات میں شدت گرما سے گھبرا کر رمضان شریف کرنے اور گرمیاں گزارنے ۲۹ شعبان سے یہاں پہاڑ پر آیا، طالب دعا ہوں، یہ کمزوری یہ قوت ضعف یہ علالتیں پھر میری تنہائی اور اس پر اعدائے دین کا چاروں طرف سے نرغہ، اسی کی پھر اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدد ہے کہ برابر دفع اعداءِ دین ودشمنانِ اسلام میں وقت صرف ہوتا ہے،

تقبل المولٰی بکرمہ ولہ الحمد علی نعمہ۔	مولا تعالٰی اپنے کرم سے قبول فرمائے اور اس کی نعمتوں پر اسی کے لئے حمد ہے (ت)

یہاں آکر بھی پانچ رسالے رد خبثاء میں تصنیف ہوچکے ہیں اور چھٹا زیرِ تصنیف ہے۔ یہ سوال کہ جناب نے فرمایا مدت ہوئی اس کے جواب میں بھی ایک مستقل رسالہ "القمع المبین لآمال المکذبین" تصنیف کرچکا ہوں جو میرے رسالہ "سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" کے آخر میں طبع ہونا شروع ہوا تھا مگر افسوس کہ اب تک پورا نہ چھپا، میں مطبع کو لکھتا ہوں کہ وہ جس قدر بھی چھپا ہے حاضر خدمت کرے۔ اجمالاً یہاں بھی دو حرف گزارش کروں کہ جناب جیسے فاضل کامل کے لئے بعونہ عزوجل کافی ووافی ہوں گے۔ ان عبارتوں کے جواب کو اربابِ دین وانصاف کے لئے بحمدہٖ تعالٰی ایک نکتہ بس ہے۔ عقیدہ وہ ہوتا ہے جو متون، یا تراجم ابواب وفصول، یا فہرست وفذ بلکہ عقائد میں لکھتے ہیں وہی اہلسنت کا معتقد ہوتا ہے وہ ہی خود ان علماء کا دین معتمد ہوتا ہے۔ ہنگامِ ذکر دلائل وابحاث ومناظرہ جو کچھ ضمناً لکھ جاتے ہیں اس پر نہ اعتماد ہے نہ خود انکا اعتقاد ہے، اور تو اور خود سب سے اعلٰی واجلٰی مسئلہ توحید میں ملاحظہ فرمائیے۔ اس کلام محدث میں اس کے دلائل پر کیا کیا نقض وارد کئے ہیں۔ دلائل عقلیہ بالائے طاق رکھئے خود برہان قطعی یقینی ایمانی قرآنی:

"لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" [1]۔	اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالٰی کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور تباہ ہوجاتے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۲

پر کیا کچھ شور و شغب نہ ہوا، حتی کہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے اسے محض اقناعی لکھ دیا جس پر نوبت کہاں تک پہنچی، کیا معاذ اللہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کو توحید پر ایمان نہیں یا اس میں کچھ شک ہے، نہیں یہ صرف طبع آزمائیاں اور بحث و مباحثہ کی خامہ فرسائیاں ہیں، جو گمراہوں کے لئے باعثِ ضلال و دستاویز اضلال ہو جاتی ہیں، اور اہل متانت واستقامت جانتے ہیں کہ:

"مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝۵۸" [1]۔	انہوں نے تم سے یہ نہ کہی مگر ناحق جھگڑنے کو بلکہ وہ ہیں جھگڑالو لوگ (ت)

ولہٰذا ائمہ دین و کبرائے ناصحین ہمیشہ سے اس کلام محدث کی مذمت اور اس میں اشتغال سے ممانعت فرماتے آئے یہاں تک کہ سیدنا امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

من طلب العلم بالکلام تزندق [2]۔	جس نے علم کلام حاصل کیا وہ زندیق ہو گیا (ت)

فقہائے کرام نے فرمایا جو وصیت علماء کے لئے کی جائے متکلمین اس سے کچھ حصہ نہ پائیں گے، میں نے "القمع المبین" میں متعدد نظائر اس کے ذکر کئے ہیں کہ ایمان و عقیدہ کچھ ہے، اور بحث و مباحثہ میں کچھ کا کچھ، حتی کہ کفر صریح تک لکھتے ہیں، مولوی نے حاشیہ خیالی میں خود خیالی سے کیسا ناپاک خیال نقل کیا اور خود اسے مسلم و مقرر رکھا کہ باری عزوجل کا علم متناہی ہے "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۱۵۶" [3] (ہم اللہ کے مال ہیں ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت) یہ صریح مناقض ایمان ہے۔ علامہ سید شریف قدس سرہ کے استاد سید مبارک شاہ نے شرح حکمۃ العین میں لکھ دیا کہ واجب صرف اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا اپنے تعین و تشخص میں دوسرے کا محتاج ہو تو کیا حرج ہے، کیا یہ دین ہے، کیا یہ اسلام ہے، **کلا واللہ**، اور اتنا بھی خیال نہ کیا کہ اس کے تعین و وجود تو ایک ہی ہیں کہ اسکے ذات کریم کے عین ہیں، **معاذاللہ** تعین میں محتاج ہوا تو نفس وجود میں محتاج غیر ہوا پھر واجب الوجود کیسے رہا **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم**۔ یہ حضرات خود بھی تصریح کر گئے ہیں کہ عقائد معلوم و متعین ہو چکے ابحاث و مشاجرات وغیرہا میں جو کچھ ہم لکھیں اس پر اعتماد نہ کرو۔ عقیدہ سے مطابقت سے و مخالفت دیکھ لو پھر بھی اگر "الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ" [4] (وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے) بگڑیں "فَیَتَّبِعُوْنَ

---

[1] القرآن الکریم ۴۳ / ۵۸

[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر عن ابی یوسف مصطفی البابی مصر ص ۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

[4] القرآن الکریم ۳/ ۷

مَاتَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ"[1] (وہ تو اشتباہ والی آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے کو۔ت) پر اڑیں تو یہ ان کی بدنصیبی و بے ایمانی۔ شرح مقاصد میں فرمایا:

کثیر ماتوردالاراء الباطلۃ للفلاسفۃ من غیر تعرض لبیان البطلان الافیما یحتاج الی زیادۃ بیان[2]۔	بسااوقات فلاسفہ کی آراء باطلہ ذکر کردی جاتی ہیں اور ان کے بطلان کے بیان سے تعرض نہیں کیا جاتا سوائے اس کے جس کے بیان کی زیادتی اور تفصیل کی محتاجی ہو۔(ت)

اسی طرح حسن چلپی علٰی شرح المواقف میں ہے__ خود مواقف میں فرمایا:

انمالانتعرض لامثالہ للاعتماد علی معرفتك بھافی موضعھا[3]۔	ہم اس مباحث کا تعرض نہیں کرتے اس اعتماد پر کہ تو ان کو ان کی جگہوں پر پہچان چکا ہے(ت)

شرح مواقف میں فرمایا:

علیك برعایۃ قواعد اھل الحق فی جمیع المباحث وان لم یصرح بھا۔[4]	تجھ پر تمام مباحث میں اہل حق کے قواعد کی رعایت لازم ہے اگرچہ ان کی تصریح نہ کی گئی ہو(ت)

فتح القدیر و نہر الفائق و در مختار کتاب النکاح میں ہے:

الحق عدم تکفیر اھل القبلۃ وان وقع الزامًا لھم فی المباحث۔[5]	حق اہل قبلہ کی عدم تکفیر ہے اگرچہ مباحث میں الزامی طور پر تکفیر واقع ہوئی ہے(ت)

شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ میں تصریح کی کہ جو کچھ میں اس میں کہوں میرا مذہب نہ سمجھا جائے میری باگ ایک قوم بے ادب کے ہاتھ میں ہے جدھر لیجاتے ہیں جانا پڑتا ہے، بالجملہ مباحث کلام و مناظرہ کا کچھ اعتبار نہیں کہ محل بیان عقائد میں جو لکھا ہے وہ عقیدہ ہے، یا جس پر صراحۃً اجماع ملت بتایا جائے، یا اسے تصریحًا عقیدہ اہلسنت کہا جائے، یا اس کے خلاف کو مذہب گمراہاں بتایا جائے ایسے مواقع پر ملاحظہ فرمائے کتب مذکورہ میں کیا لکھا ہے، شرح مقاصد میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷

[2] شرح المقاصد المقصد الثالث النوع الثالث المسموعات دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۲۴۲

[3] المواقف مع شرح المواقف القسم الاول فی الالوان المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی ۵/ ۲۴۲

[4] شرح المواقف القسم الاول فی الالوان المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی ۵/ ۲۴۲

[5] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

طریقۃ اھل السنۃ ان العالم حادث والصانع قدیم متصف بصفات قدیمۃ لیست عینہ ولاغیرہ، وواحد لاشبۃ لہ ولاضد ولاند ولانہایۃ لہ ولاصورۃ ولاحد ولایحل فی شیئ ولایقوم بہ حادث ولایصح علیہ الحرکۃ والانتقال ولاالجھل ولا الکذب ولاالنقص وانہ یری فی الاٰخرۃ[1]۔	اہل سنت وجماعت کا راستہ یہ ہے کہ بے شک عالم حادث ہے اور صانع عالم قدیم ایسی صفات قدیمہ سے متصف ہے جو نہ اس کا عین ہیں نہ غیر۔ وہ واحد ہے، نہ اس کی کوئی مثل ہے، نہ مقابل، نہ شریک، نہ انتہا، نہ صورت، نہ حد، نہ وہ کسی میں حلول کرتا ہے، نہ اسکے ساتھ کوئی حادث قائم ہوتا ہے، نہ اس پر حرکت صحیح، نہ انتقال، نہ جہالت، نہ جھوٹ اور نہ نقص۔ اور بیشک آخرت میں اس کو دیکھا جائے گا۔ (ت)

اسی میں ہے:

الکذب محال، اما **اولا** فباجماع العلماء واما **ثانیًا** فبما تواتر من اخبار الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام واما **ثالثا** فلان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالٰی محال[2] الخ۔	اللہ تعالٰی کے لئے جھوٹ محال ہے، **اولًا** اس لئے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے، اور **ثانیًا** اس لئے کہ اس میں پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متواتر خبریں منقول ہیں، اور **ثالثًا** اس لئے کہ جھوٹ نقص ہے جس پر تمام عقلمندوں کا اتفاق ہے اور نقص کا اللہ تعالٰی میں ہونا محال الخ (ت)

مواقف وشرح مواقف میں ہے:

(تفریع علی) ثبوت (الکلام) للہ تعالٰی وھو انہ (یمتنع علیہ الکذب اتفاقا۔ اما عندنا فثلثۃ اوجہ الاول انہ نقص والنقص علی اللہ تعالٰی محال) اجماعا[3]۔	یہ اللہ تعالٰی کے لئے ثبوت کلام پر متفرع ہے اور وہ یہ کہ بیشک بالاتفاق اللہ تعالٰی کے لئے جھوٹ ممتنع ہے، ہمارے نزدیک اس کی تین وجوہ ہیں، پہلی وجہ یہ کہ جھوٹ نقص ہے اور نقص اللہ تعالٰی پر بالاجماع محال ہے۔ (ت)

[1] شرح المقاصد المبحث الثامن حکم المومن الخ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۷۰

[2] شرح المقاصد المبحث السادس فی انہ متکلم دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۰۴

[3] شرح المواقف المرصد الرابع المقصد السابع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۱۰۱۔۱۰۰

انہیں میں آخر کتاب فذلکہ عقائد اہلسنت میں ہے:

الفرق الناجیة اهل السنة والجماعة فقد اجمعوا علٰی حدوث العالم ووجود الباری تعالٰی، وانه لاخالق سواہ وانه قدیم لیس فی حیز ولاجهة ولایصح علیه الحرکة والانتقال ولاالجهل ولایصح الکذب ولا شیئ من صفات النقص۔[1] (ملخصًا)	ناجی فرقے یعنی اہلسنت وجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ عالم حادث ہے اور باری تعالٰی موجود ہے اور یہ کہ اس کے بغیر کوئی خالق نہیں اور یہ کہ وہ قدیم ہے، نہ وہ کسی جہت میں ہے نہ حیز میں، اس پر حرکت وانتقال اور جہل وکذب صحیح نہیں، اور نہ ہی کوئی صفت نقص اس کے لئے صحیح ہے (ت)

انہیں میں بیان فرقہ ضالہ میں ہے:

(المزداریة هوابوموسٰی عیسٰی بن صبیح المزدار تلمیذ بشر)اخذ العلم عنه وتزهد حتی سمی راهب المعتزلة(قال الله قادر علی ان یکذب ویظلم)ولوفعل لکان الها کاذبا ظالمًا تعالٰی الله عما قاله علوا کبیرا[2]۔	(مزداریہ، وہ ابوموسٰی عیسٰی بن صبیح مزدار شاگرد ہے بشر کا) اس سے علم حاصل کیا اور زہد اختیار کیا حتی کہ اس کا نام راہب معتزلہ پڑگیا (اس نے کہا کہ اللہ تعالٰی جھوٹ اور ظلم پر قادر ہے) اگر وہ ایسا کرلے تو وہ جھوٹا ظالم معبود ہوگا، حالانکہ اللہ تعالٰی بہت بلند ہے اس سے جو کچھ اس نے کہا۔ (ت)

مسایرہ امام ابن الہمام میں ہے:

یستحیل علیه تعالٰی سمات النقص والجهل والکذب[3]۔	اللہ تعالٰی پر نقص، جہل اور جھوٹ کی علامات محال ہیں۔ (ت)

اس کی شرح مسایرہ میں ہے:

لاخلاف بین الاشعریة وغیرهم فی ان کل ماکان وصف نقص فالباری تعالٰی عنه منزه، وهو محال علیه تعالٰی والکذب وصف	اشاعرہ اور ان کے غیر میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں جو بھی وصف نقص ہے باری تعالٰی اس سے پاک ہے اور ایسا وصف اس پر محال ہے اور جھوٹ

[1] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامة منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۴۰۰

[2] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامة منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۳۸۱

[3] المسایرہ مع المسامرۃ ختم المصنف کتابہ ببیان عقیدہ اہل سنة اجمالا المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۳۹۳

نقص[1]۔	وصف نقص ہے۔(ت)

یونہی مسایرہ میں تلخیص عقائد اہلسنت میں اس کی تصریح فرمائی۔ مسایرہ کی یہ عبارت میرے پاس منقول نکل آئی، کتاب وطن میں ہے۔ یونہی شرح طوالع یہاں پاس نہیں ورنہ اور عبارتیں بھی حاضر کرتا اور انصافاً کسی مسلم صحیح الاعتقاد کو یہاں عبارات کی کیا حاجت، اگر بفرض غلط علماء تصریح نہ بھی فرماتے تو اپنا ایمان بھی کوئی چیز ہے جس میں **معاذ اللہ** نقص کی گنجائش، وہ سبوح وقدوس کیونکر ہوا اور اس کی تسبیح کیسی، **تعالٰی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا** (جو کچھ ظالم کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے۔ت) اور دیوبندیوں سے تو اب امکان کذب کی بحث ہی فضول ہے، ان کے پیشوا گنگوہی نے صراحۃً وقوعِ کذب مان لیا اور تصریح کردی کہ جو "اللہ تعالٰی کو **معاذ اللہ** کاذب بالفعل کہے اسے کافر یا گمراہ یا فاسق کہنا کیا معنی، کوئی سخت لفظ نہ کہنا چاہئے، اس کا اختلاف حنفی شافعی کا سا ہے"، اس بیان کے لئے میرے قصیدہ الاستمداد صفحہ ۲۴ کے پہلے تین شعر، پھر ص ۲۵ پر ان کا حاشیہ نمبری ۱۷۶ تا ۱۸۰ پھر اس کی تکمیلات میں ص ۹۱ سے ص ۹۴ تک تکمیل ۵۹ ملاحظہ فرمائیے۔ جہد المقل کا مصنف اللہ عزوجل کا نہ صرف کاذب ہونا ممکن جانتا تھا بلکہ اسے بالامکان ظالم، چور، شرابی بھی جانتا تھا۔ یوں کروڑوں خدا موجود بالفعل مانتا تھا اس کے بیان کے لئے قصیدہ الاستمداد صفحہ ۲۲ پر ع چور شرابی ظالم جاہل، یہاں سے چار شعر تک، اور اسی صفحہ پر اس کا حاشیہ نمبری ۱۵۴ تا ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰ اور تکمیلات آخر صفحہ ۸۱ سے ص ۸۲ تک تکمیل ۵۰ و ۵۱، اور اس کے متعلق رسالہ اڈیٹر شکن کہ ص ۸۲ سے ص ۹۰ تک نوٹ میں ملاحظہ ہو، میں مطبع کو لکھ دوں گا کہ یہ اور سبحٰن السبوح ہدیۃً خدمت میں بنظرِ احتیاط بیرنگ حاضر کرے، والسلام مع الاکرام۔

تحریر عــــہ فہرست عقائد دیوبندیان مرتبہ مولوی رکن الدین صاحب الوری پیش کردہ مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور غرہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی سلام علی عبادہ الذین اصطفی لاسیما علی حبیبہ المصطفی

فہرست نظر سے گزری جزی اللہ من حررہ ووصف بہ وقدرہ حضرات کفر سمات گنگوہ ونانوتہ وانبٹھہ وتھانہ بھون

عــــہ: اصل میں۔

[1] المسامرۃ شرح المسایرۃ اتفقوا علی ان ذلک غیر واقع المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۲۰۶

وسائر وہابیہ (اخذھم اللّٰه تعالٰی اخذۃ الرابیہ) کے کفر وضلال حد شمار سے خارج ہیں جسے انموذج وافر ووافی پر اطلاع منظور ہو فقیر کا قصیدہ الاستمداد علٰی اجیال الارتداد اس کی شرح کشف ضلال دیوبند مطالعہ فرمائے جس میں بحوالہ کتب وصفحات ان کے دو سو تیس اقوال کفر وضلال ہیں یہ پندرہ سولہ کہ یہاں شمار ہوئے بلکہ ان میں سے صرف دو ایک "علم شیطان کا علم نبی صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم سے زائد ہونا[1]" کہ براہین قاطعہ گنگوہی میں ہے،

دوسرا "حضور کا سا علم غیب ہر پاگل ہر چوپایہ ہر جانور کو حاصل ہونا[2] کہ حفظ الایمان تھانوی میں ہے"۔ ہر مسلمان کے سمجھنے کو یہی بس ہیں۔

یہ دونوں کفر قطعی وارتداد یقینی ہیں، ان پر علمائے حرمین شریفین نے بحوالہ شفا شریف وبزازیہ ومجمع الانہر و در مختار وغیرہا حکم فرمایا کہ:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[3]۔	ان قائلوں کے کافر ہونے میں جو شک کرے وہ بھی کافر۔

(ا) ابن عبدالوہاب نجدی کے کفر عام آشکار ہیں، اکابر عرب وعجم نے دفتر کے دفتر اس کی تکفیر وتضلیل میں تصنیف فرمائے۔ وہ روضہ انور کو صنم اکبر کہتا اور چھ سو برس کے تمام ائمہ واکابر کو کافر اکفر۔ اور کچھ نہ ہوتا تو یہی اس کے کفر کو کیا کم تھا کہ حضور سید المرسلین صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم وامیر المومنین مولا علی کرم اللّٰه تعالٰی وجہہ وسیدنا غوث اعظم رضی اللّٰه تعالٰی عنہ کے خالی اسماء طیبہ بلا تعظیم لکھ کر کہا کہ یہ سب جہنم کی راہیں ہیں۔

الالعنة اللّٰه علی الظّٰلمین (خبردار ظالموں پر اللّٰه تعالٰی کی لعنت ہے۔ت) گنگوہی صاحب اسے اچھا اور اس کے عقائد کو عمدہ کیوں نہ بتائیں کہ وہ ان کے دشمن محمد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم کو سخت گالیاں دینے والا تھا۔ طرفہ یہ کہ گنگوہی صاحب کو اس پر ایمان بالغیب ہے، ان کے فتاوٰی حصہ اول ص ۶۴ میں ہے: "محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کا حال مجھ کو معلوم نہیں[4]"۔ پھر بھی ص ۸ پر لکھتے ہیں: "

محمد بن عبدالوہاب کے عقائد عمدہ تھے وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں[5]"۔

یعنی اتنا اجمالاً معلوم تھا کہ وہ محمد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم کو سخت گالیاں دیتا، بس اتنا ہی اس کے اچھے

---

[1] براہین قاطعہ بحث علم غیب مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص ۵۱

[2] حفظ الایمان مع بسط البنان کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سہانپور ص ۸

[3] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ، لاہور ص ۱۳

[4] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الایمان والکفر قرآن محل کراچی ص ۴۴

[5] فتاوٰی رشیدیہ مسائل مشورہ قرآن محل کراچی ص ۲۳۵

اور اس کے عقائد عمدہ ہونے کے لئے کافی ہے، زیادہ تحقیقات کی کیا حاجت ہے دیگ سے ایک ہی چاول دیکھ لینا بس ہے۔

(۲) قول دوم میں وہابیہ غیر مقلدین کے ساتھ عقائد میں اپنا اتحاد اور اعمال میں خلاف بتایا پہلا جملہ ضرور صحیح ہے بیشک وہابیہ مقلدین وغیر مقلدین یقینا تمام عقائد کفر وضلال میں متحد ہیں اور اگر کچھ اختلاف ہوتا تو نہ ہوتا کہ "**الکفر ملة واحدة**"، عجب کہ گنگوہی صاحب جو اپنے رب کو کاذب مانتے ہیں، خود یہاں سچ بول گئے مگر **الکذاب قد یصدق** (بہت بڑا جھوٹا کبھی کبھار سچ بول دیتا ہے۔ت) دوسرا جملہ کہ اعمال میں اختلاف ہے جھوٹ ہے صوری اختلاف ہو معنوی کچھ نہیں کہ براہین قاطعہ ص ۱۳۷ میں صاف لکھا ہے کہ؛

"مختلف فیہ مسئلہ تو یوں بھی بلاضرورت جائز ہو جاتا ہے[1]"۔

اور فتاوٰی حصہ اول ص۵ میں ہے: "حدیث پر عمل کرنا لوجہ اللہ تعالٰی اچھا ہے[2]"

ص۶ پر رفع یدین وآمین بالجہر کرنے والے کو کہا: "تعصب اچھا نہیں وہ بھی عامل بحدیث ہے"[3]۔

بلکہ کہا: "اگرچہ نفسانیت سے کرتا ہے مگر فعل تو فی حد ذاتہ درست ہے"[4]۔

صفحہ ۵ پر تھا: "سب حدیث پر ہی عامل ہیں مقلد ہو یا غیر مقلد[5]"۔

(۳) ترک تقلید کا بیج ہندوستان میں اسمٰعیل دہلوی نے بویا جیسا کہ اس کی تقویۃ الایمان اور تنویر العینین سے ظاہر ہے۔ گنگوہی صاحب کا اس پر ایمان قرآن عظیم پر ایمان سے بہت زائد ہے۔

فتاوٰی حصہ اول ص ۱۲۲ میں کہتے ہیں: "اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے"[6]

[1] البراہین القاطعۃ تحقیق مسئلہ اجرۃ تعلیم القرآن الخ مطبع لے بلاسا واقع ڈھورہ ص ۱۳۷

[2] فتاوٰی رشیدیہ کتاب التقلید والجہاد قرآن محل کراچی ص۱۷۹

[3] فتاوٰی رشیدیہ کتاب التقلید والجہاد قرآن محل کراچی ص ۱۸۰

[4] فتاوٰی رشیدیہ کتاب التقلید والجہاد قرآن محل کراچی ص ۱۸۰

[5] فتاوٰی رشیدیہ کتاب التقلید والجہاد قرآن محل کراچی ص ۱۷۹

[6] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الایمان والکفر قرآن محل کراچی ص ۴۱

ہر شخص جانتا ہے کہ عین کی نفی ضد کا ثبوت ہے، جب تقویۃ الایمان کاپڑھنا عین اسلام ہے تو نہ پڑھنا قطعًا کفر ہے، حالانکہ کروڑوں مسلمان ہیں جو قرآن عظیم پڑھے ہوئے نہیں وہ کافر نہ ہوئے جب تقویۃ الایمان کارکھنا عین اسلام ہے تونہ رکھنا کفر ہے، حالانکہ کروڑوں مسلمانوں کے پاس قرآن نہیں ہوتا وہ کافر نہ ہوئے لیکن تقویۃ الایمان وہابیہ ضرور پاخانہ میں لیجاتے ہوں گے کہ جس وقت نہ رکھی عین اسلام سے چھٹے اور کافر ہوئے غالبًا گنگوہی صاحب کی قبر میں بھی رکھ دی گئی ہوگی کہ مر کر توکافر نہ ہوں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ انہیں مٹی میں ملے پندرہ سال سے زائد ہوئے کتاب بھی گل گئی ہوگی، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دشمن ان کے نزدیک مر کر مٹی میں مل گئے تو وہ ناپاک کتاب کیارہی ہوگی، بہر حال گنگوہی صاحب اب تو اپنے حکم سے بھی کافر ہوئے ہونگے۔ خیر، کہنا یہ ہے کہ جب ایک ایسی کتاب نے غیر مقلدی بوئی توگنگوہی صاحب اس کی اجازت کیوں نہ دیں ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک مقلدین ائمہ معاذ اللہ کفار تھے اور ہیں کہ تقلید کرکے تقویۃ الایمان کا خلاف کیا اور اس پر عمل عین اسلام تھا تو ضرور کافر ہوئے، اور اگر کہئے کہ یوں توگنگوہی ونانوتوی وتھانوی ودیوبندی صاحبان سب کفار ٹھہرینگے کہ ظاہرًا ان سب کا عمل تقلید پر ہے توگنگوہی صاحب تقیہ کا حکم دے کر اس کاعلاج کر گئے ہیں وہ کہہ دیں گے کہ ہمارا اور ان کا تقلید پر عمل تقیۃً ہے توصورۃً کافر ہوئے دل میں توکفر نہیں غیر مقلدی بھری ہے۔

(۴) امکان کذب کااب ذکر فضول ہے گنگوہی اور ان کے اتباع صراحۃً وقوعِ کذب لکھ چکے اس کی تفصیل کشفِ ضلالِ دیوبند میں ص۹۱ سے ص ۹۴تک دیکھئے۔

(۵) وصف کریم رحمۃ للعالمین مسلمانوں کے نزدیک توضرور خاصہ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مگر گنگوہی صاحب اسے کیونکر مانتے کہ اس سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل محال ہوجاتا کہ آیہ کریمہ

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾"[1] (اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کیلئے۔ت) تمام ماسوااللہ کو حضور کی رسالت عام کررہی ہے، سب ماسوااللہ حضور کے امتی ہیں اور امتی کا مثل نبی ہونا بداہۃً محال، لہٰذا عالمین کے عموم قطعی کو رد کرکے اس وصف کریم کو گلی گلی کے ملوں میں متبذل کردیا۔

(۶) اس کی نسبت اوپر گزرا کہ کفر قطعی ہے مگر گنگوہی صاحب سے اس کی شکایت نہ چاہئے ہر شخص اپنے بڑے کی بڑائی چاہتا ہے۔

(۷) مجلس میلاد مبارک کی نسبت جو مبشرات علمائے کرام وصلحائے عظام نے دیکھے کہ حضور اقدس

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۷

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس عمل مبارک سے شاد ہیں۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: "**من فرح بنافرحنابه**[1]" جو ہماری خوشی کرتا ہے ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔ یونہی ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنی نیاز سالانہ پر شاد وفرحاں دیکھا، ان خوابوں کے جواب میں ان کے متکلمین کہتے ہیں کہ خواب کا کیا اعتبار، یہاں تک کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خواب مروی صحیح بخاری شریف کہ شادی ولادتِ اقدس پر ابولہب ملعون پر روز دوشنبہ قدرے تخفیف ہوتی ہے، اسے بھی مہمل بتاتے اور یہ شعر گاتے ہیں۔

چو غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم   نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم[2]

(جب میں آفتاب کا غلام ہوں تو میں یہ کہتا ہوں کہ سب کچھ آفتاب سے ہے، میں شبنم وشب پرست نہیں کہ خواب کی بات کروں۔ت)

سبحان اللہ! غلام محمد وغلام نبی شرک، اور غلامِ آفتاب ہونے کا خود اقرار، اس کا ترجمہ عربی میں عبدِ شمس اور ہندی میں سورج داس ہی ہوا یا کچھ اور، وہاں تو خوابوں کی یہ کیفیت اور اپنے سے استاذی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فخر ثابت کرنے کے لئے ایک جعلی خواب سے تمسک، مگر ہونا ضرور تھا "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾"[3] (ضرور تم منزل بمنزل چڑھو گے۔ت)، ان کے اگلوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کیا کہا تھا "قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾"[4] پڑھایا ہوا دیوانہ، انہوں نے پڑھائے کی تصدیق اس خواب سے کی اور دیوانہ کی تکمیل تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کہ "ان کا سا علم غیب ہر مجنون کو ہے[5]" "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[6] (عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

(۸) وہ مجلس مبارک جنم کنھیا سے تشبیہ کیوں نہ دیں جو قرآن عظیم کو ویدا شلوک سے تشبیہ دے چکے ہیں دیکھو براہین قاطعہ ص۷۹۔

(۹و۱۰) نفسِ میلاد وعرس سے انکار کا کیا گلہ جب کہ انہیں نفسِ انبیاء واولیاء اور خود حضور سید الانبیاء

1

2

[3] القرآن الکریم ۸۴/ ۱۹

[4] القرآن الکریم ۴۴/ ۱۴

[5] حفظ الایمان مع بسط البنان کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ضلع سہارن پور ص۸

[6] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

علیہم الصلٰوۃ والسلام سے صاف انکار ہے اور ان کا ماننا نرا خبط ٹھہراتے ہیں۔ ان کے قرآن بلکہ ان کے نزدیک قرآن سے اعظم تقویت الایمان مطبع صدیقی دہلی ۱۲۷۰ھ ص۲۱ میں ہے: اللہ کے سوا کسی کو نہ مان[1]۔"

ص۸: "اوروں کا ماننا محض خبط ہے"[2]۔

ص۱۹: "اللہ صاحب نے فرمایا میرے سوا نہ مانیو۔[3]"۔

ص۱۷: "جتنے پیغمبر آئے سو اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو ماننے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے[4]"۔

(۱۱) ایصال ثواب کے طریقوں کو بدعت سیئہ وحرام کیوں نہ کہیں ۔

جگ بیتی سے کیا مطلب ہے اپنی بیتی سناتے یہ ہیں

ان کی میت کو ثواب پہنچنا محال کہ "مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝" [5] (آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ت) ان کے قاری کو ثواب ملنا محال کہ "وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝" [6] (جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا یعنی برباد کردیا۔ت)

(۱۲) سالگرہ دو طرح ہوتی ہے، ایک میں کچھ قرآن مجید ودرود شریف پڑھ کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسیدنا غوث اعظم وغیرہ اولیائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نیاز اور احباب وفقراء کو کچھ تقسیم، گنگوہی صاحب اسے ہرگز جائز نہیں کہہ سکتے کہ اس میں تو دن کی تعیین بھی ہے اور ہر سال کا التزام بھی، اور ان کے دشمنوں کی نیاز بھی، اسے جائز کہہ کر وہابیت میں کس دین کے رہتے۔ دوسری وہ جو کہ کفار وفجار کرتے ہیں کہ جس میں لہو لعب ناچ رنگ وغیرہا شیطنتیں ہوتی ہیں، گنگوہی صاحب اسے جائز فرماتے ہیں

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۲

[2] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ۵

[3] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۲

[4] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ص ۱۰

[5] القرآن الکریم ۲ /۲۰۰

[6] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

توان پر اعتراض بیجا ہے، رہا یہ کہ اس میں بھی تعیین والتزام ہے، ہوا کرے، تعیین توالتزام ہی کے لئے ہوتی ہے اور ان کے یہاں حسنات ہی کا التزام حرام ہے نہ کہ سیئات، بلکہ بسااوقات سیئات کا التزام ان کے یہاں فرض قطعی بلکہ مدارِ ایمان ہے، جیسا ان کے قرآن تقویۃ الایمان سے عیاں ہے۔ ص ۱۲ میں ہے:

"اس کے گھر دور دور سے قصد کرکے سفر کرنا اور راستے میں نامعقول باتیں کرنے سے بچنا یہ کام عبادت کے ہیں جو کسی پیغمبر یا بھوت کو کرے اس پر شرک ثابت ہے[1]"۔ (ملخصًا)

توثابت ہوا کہ مدینہ طیبہ کے راستے میں نامعقول باتیں کرنا فرض بلکہ مدارِ ایمان ہیں اگر نہ کرے گا مشرک ہوجائیگا، اور نہ ایک مدینہ طیبہ بلکہ سفر حج کے سواگنگوہ یا دیوبند یا تھانہ بھون جہاں کہیں جاتے ہوئے بھی نامعقول باتیں اور جنگ وجدال بلکہ فسق وفجور بھی نہ کرے گا مشرک ہوجائے گا کہ آیت نے سب کو ایک نسق میں بیان فرمایا ہے کہ:

"فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ؕ"[2]۔	تونہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو، نہ کوئی گناہ، نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت (ت)

(۱۳) دادا پیر سے بغض کی کیا شکایت جب خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شدید بغض رکھتے ہیں جن کی تفصیل کتب کثیرہ میں ہوچکی اور پھر آپس میں اپنا اصطلاحی فیض بانٹ رہے ہیں، الحق یہ فیض شیطانی ہے، اور محبوبوں کے بغض ہی سے ملتا ہے، تونبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے انقطاع سلسلہ جو بغض مشائخ سلسلہ سے حاصل ہوگا، مضر نہیں بلکہ ضرور ہے۔

(۱۴) اوپر گزرا کہ یہ ملعون اخبث قول کفر قطعی وارتداد یقینی ہے **لعن اللہ قائلہ وقابلہ** (اللہ تعالٰی لعنت کرے اس کے قائل اور اس کو قبول کرنے والے پر۔ ت) ان مرتدین سے کیا شکایت عجب ان سے جو مسلمان کہلاتے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں ایسی شدید ناپاک گالیاں سنتے اور پھر ان کی تاویل کرتے یا قائل کو کافر کہتے ہچکچاتے ہیں لاواللہ وہ خود اپنا ایمان اس دشنام دہندہ پر لٹاتے ہیں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ	تونہ پائے گا ان لوگوں کو جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ ورسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے

[1] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی لاہاری دروازہ لاہور ص ۷ و ۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۷

اَوۡ عَشِیۡرَتَھُمۡ ؕ"[1]	یا بھائی یا عزیز ہوں۔

(۱۵) تقیہ کی اجازت بلکہ حکم دینے کی کیا شکایت کہ آخر ان بڑوں کی وراثت ہے جو بارگاہِ اقدس میں حاضر آکر شدید غلیظ قسمیں کھا کر کہا کرتے: "نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ"[2] ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک حضور یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ رب العزت نے اس پر ارشاد فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے بیشک تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ خبیث جھوٹے ہیں، زبانی ادعا یہ تھا اور دل کی خباثت وہ کہ "لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَۃِ" الآیۃ[3] (کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے الآیۃ۔ت) یہی حال ان صاحبوں کا ہے مسلمانوں کے دکھاوے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریفیں کرینگے بات بات پر "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کہیں گے اور دلی خباثتیں وہ کہ چوڑھا چمار ہر ذرہ ناچیز سے کمتر، ان کی سرداری ایسی جیسے گاؤں کا چودھری، عاجز ناکارے، مرکر مٹی میں مل گئے وغیرہ وغیرہ۔

"اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾ "[4] "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾"[5]	خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت۔ بیشک وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کو ان پر دنیا وآخرت میں اللہ تعالٰی کی لعنت اور اللہ نے ان کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(ت)

(۱۶) سبحان اللہ وہ جو اللہ ورسول کو شدید گالیاں دے چکے ان سے کوّا کھانے بلکہ اسے ثواب بتانے کی کیا شکایت۔ سنن ابن ماجہ شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ فرمایا:

من یاکل الغراب وقد سماہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاسقا واللہ ماھو من الطیبات[6]۔	کوا کون کھائے گا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو اس کا نام فاسق رکھا ہے خدا کی قسم وہ پاک چیزوں سے نہیں۔

یہی مجانست وجہ موانست ہوئی، شاعر کا قول ؎

پرد ہم جنس باہم جنس در زاغ کبوتر با کبوتر زاغ با زاغ

(ہر جنس اپنی جنس کے ساتھ پرواز کرتی ہے۔ کبوتر کبوتر کے ساتھ، کوا کوے کے ساتھ۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[5] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[6] سنن ابن ماجہ ابواب الصید اب الغراب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۴۱

اگر نہ مانے تو کیا اللہ عزوجل کا ارشاد بھی نہ مانیں گے کہ "اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ"[1] (گندیاں گندوں کے لئے اور گندے گندیوں کے لئے ہیں۔ت) تمام کتب مذہب متون وشروح وفتاوٰی مملو ہیں کہ غراب ابقع یعنی دورنگا کو احرام ہے۔ گنگوہی صاحب اگراب آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے تو مادر زاد داندھے تو نہ تھے کہ دیسی کوے میں دورنگ نظر نہ آئے بڑی دلیل یہ لاتے ہیں کہ وہ صرف نجاست نہیں بلکہ دانہ بھی کھاتا ہے تو مرغی کی طرح ہوا۔ یوں تو پہاڑی کوا بھی حلال کرلیں وہ بھی بکثرت دانہ کھاتا ہے کھیتوں پر کثرت سے گرتا ہے اور کتا تو روٹی اور گوشت سب کھاتا ہے، یہ مرغی کے دانہ کھانے پر گئے اور نہ دیکھا کہ وہ فاسق نہیں جیفہ خوار نہیں اور کوا فاسق وجیفہ خوار ہے، بہر حال ان باتوں میں ان سے بحث بیکار ہے کہ ان کو نفسِ اسلام ہی سے انکار ہے،

"وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ" ۔ سیعلم الذین اجرموا ای منقلب ینقلبون۔ نسأل اللہ العافیة، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین وبارك وسلم ومجد وکرم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ اور عنقریب جان لیں گے مجرم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ اور ہم اللہ تعالٰی سے عافیت مانگتے ہیں۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی مدد کے۔ اللہ تعالٰی ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی، آپ کی آل اور آپ کے تمام اصحاب پر درود، برکت اور سلام نازل فرمائے اور انہیں بزرگی وکرم سے نوازے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

رسالہ
باب العقائد والکلام ۱۳۳۵ھ
(عقائد وکلام کا باب)

مسئلہ ۷۶: کفار اللہ تعالٰی کو جانتے ہیں یا نہیں؟

رسالہ باب العقائد والکلام جس کا رسالہ حسن التعمم میں وعدہ عہ تھا، یہ بیان اگرچہ مسائل تیمّم وطہارت ظاہری سے جدا ہے مگر باذنہٖ تعالٰی طہارت باطن کا اعلٰی ذریعہ ہے، جس طرح قرآن عظیم نے مسائل طلاق کے وسط میں تاکیدِ نماز کا ذکر فرمایا کہ:

"حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾"[1]۔	نگاہداشت کرو نمازوں اور خصوصًا نماز اوسط کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔

اسی سنتِ کریمہ کے اتباع سے یہ مسائل تیمّم کے وسط میں عقائد اسلام کی یاد دہانی ہے، مولٰی تعالٰی قبول فرمائے

عــــہ: مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے یہ نوٹ اس صورت میں ہے جبکہ یہ رسالہ جلد اول قدیم، کتاب الطہارت، باب التیمم (از صفحہ ۵۳۷ تا صفحہ ۷۴۹) پر تھا، اب اسے باقی رکھتے ہوئے وہاں سے خارج کرکے مضمون کی مناسبت سے یہاں شامل کیا جارہا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۸

اور مسلمانوں کے لئے ذریعہ ثبات ایمان بنائے، اور اس کے کرم پر دشوار نہیں کہ بعض مخالفین کو بھی اس سے راہِ ہدایت دکھائے **وباللہ التوفیق۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للذی ھدانا للایمان: واٰتانا القراٰن والفرقان: والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان: علی من اعطانا العلم بربنا فصح لنا الایمان: وعلٰی اٰلہ وصحبہ وتابعیھم باحسان:

جانا جس نے جانا اور جس نے نہ جانا وہ اب جانے کہ اللہ عزوجل کو جاننا **بحمدہ تعالٰی** مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، کوئی کافر کسی قسم کا ہو ہرگز اسے نہیں جانتا، کفر کہتے ہی جہل باللہ کو ہیں، یہاں ناواقفوں کو ایک شبہہ گزرتا ہے جس کا جواب کاشف صواب ورافع حجاب **والتوفیق من اللہ الوھاب۔**

تقریر شبہہ: کافروں کے صدہا فرقے اللہ تعالٰی کو جانتے بلکہ مانتے بھی ہیں،

فلاسفہ تو اس کی توحید پر دلائل قائم کرتے ہیں، یہود و نصارٰی توراۃ وانجیل، اور مجوس اپنے زعم میں ژند واستا کو اسی کا کلام جان کر اعتقاد رکھتے ہیں، آریہ اگرچہ وید کو اس کا کلام نہیں جانتے مگر بزعم خود اسی کا الہام مانتے اور اسی کو مالک وخالق کل اعتقاد کرتے اور توحید کا محض جھوٹا دم بھرتے ہیں، ہنود وغیرہم بت پرست تک کہتے ہیں کہ سارے جہاں کا مالک سب خداؤں کا خدا ایک ہی ہے، عرب کے مشرک کہا کرتے

"مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط"[1]	یعنی وہ تو ان بتوں کو صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ بت انہیں اللہ سے قریب کردیں۔

اور لبیک میں کہا کرتے:

لبیك لاشریك لك الاشریكا ھولك تملکه وماملك[2]۔	ہم تیری خدمت کو حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک کہ تیرا ہی مملوک ہے تو اس کا بھی مالک اور اس کی ملک کا بھی مالک۔

جب وہ لاشریک لک تک پہنچتے کہ تیرا کوئی شریک نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے: **ویلکم قدقد**[3] تمہیں خرابی ہو بس بس، یعنی آگے نہ بڑھو استثناء نہ گھڑو، رب عزوجل فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۳

[2] صحیح مسلم باب التلبیۃ وصفتھا ووقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۶

[3] صحیح مسلم باب التلبیۃ وصفتھا ووقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۶

"وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ؕ"[1]	اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کس نے بنائے، ضرور کہیں گے اللہ نے۔

اور کلمہ گو فرقوں میں جو مرتد ہیں وہ تو نبی وقرآن سبھی کو جانتے **قال اللہ وقال الرسول** سے سند لاتے نمازیں پڑھتے روزے رکھتے ہیں جیسے قادیانی، نیچری، چکڑالوی، وہابی، رافضی، دیوبندی، غیر مقلد **خذلھم اللہ تعالٰی اجمعین**، پھر کیونکر کہا جائے کہ یہ اللہ عزوجل کو جانتے ہی نہیں، ہاں نرے دہریوں کی نسبت یہ کہنا ٹھیک ہے جو اللہ تعالٰی کو مانتے ہی نہیں۔

تقریر جواب: بعون الوھاب اقول وباللہ التوفیق ایجاب وسلب متناقض ہیں جمع نہیں ہوسکتے وجود شیئ اس کے لوازم کے وجود کا مقتضی اور ان کے نقائض ومنافیات کا نافی ہے کہ لازم کا منافی موجود ہو تو لازم نہ ہو اور لازم نہ ہو تو شیئ نہ ہو، تو ظاہر ہوا کہ سلب شے کے تین طریقے ہیں:

اول: خود اس کی نفی مثلاً کہے انسان ہے ہی نہیں۔

دوم: اس کے لوازم سے کسی شیئ کی نفی مثلاً کہے انسان تو ہے لیکن وہ ایک ایسی شیئ کا نام ہے جو حیوان یا ناطق نہیں۔

سوم: ان کے منافیات سے کسی شیئ کا اثبات مثلاً کہے انسان حیوان ناہق یا صاہل سے عبارت ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں پچھلوں نے اگرچہ زبان سے انسان کو موجود کہا مگر حقیقۃً انسان کو نہ جانا وہ اپنے زعم باطل میں کسی ایسی چیز کو انسان سمجھے ہوئے ہیں جو ہرگز انسان نہیں، تو انسان کی نفی اور اس سے جہل میں یہ دونوں اور وہ پہلا جس نے سرے سے انسان کا انکار کیا سب برابر ہیں فقط لفظ میں فرق ہے۔

مولٰی عزوجل کو جمیع صفات کمال لازم ذات، اور جمیع عیوب ونقائص اس پر محال بالذات کہ اس کے کمال ذاتی کے منافی ہیں، کفار میں ہرگز کوئی نہ ملے گا جو اس کی کسی صفتِ کمالیہ کا منکر یا معاذ اللہ اس کے عیوب ونقص ونقص کا مثبت نہ ہو، تو دہریے اگر قسم اول کے منکر ہیں کہ نفسِ وجود سے انکار رکھتے ہیں، باقی سب کفار دو قسم اخیر کے منکر ہیں کہ کسی کمال لازم ذات کے نافی یا کسی عیب منافی ذات کے مثبت ہیں، بہر حال اللہ عزوجل کو نہ جاننے میں وہ اور دہریے برابر ہوئے وہی لفظ وطرزِ ادا کا فرق ہے، دہریوں نے سرے سے انکار کیا اور ان قہریوں نے اپنے اوہام تراشیدہ کا نام خدا رکھ کر لفظ کا اقرار کیا، مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۲۵

"اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ"[1]	دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو خدا بنالیا۔

ولہٰذا کریمہ "لیقولن اللہ" کے تتمہ میں ارشاد ہوا: "قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾ "[2]۔ اگر ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے، کہیں گے "اللہ قل الحمد للہ" تم کہو حمد اللہ کو کہ اس کے منکر بھی ان صفات میں اسی کا نام لیتے ہیں اپنے معبودان باطل کو اس لائق نہیں جانتے، مگر کیا اس سے کوئی یہ سمجھے کہ وہ اللہ کو جانتے ہیں، نہیں نہیں بل اکثر ھم لایعلمون o بلکہ اکثر اسے جانتے ہی نہیں،[3] وہ تو یونہی اپنی سی اٹکلیں دوڑاتے ہیں، جیسے اور بہتیرے معبود گھڑ لئے کہ:

" اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ "[4]۔	وہ تو نرے نام ہیں کہ تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے دھر لئے اللہ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری۔

یونہی اپنی اندھی اٹکل سے ایک سب سے بڑی ہستی خیال کرکے اس کا نام اللہ رکھ لیا ہے حالانکہ وہ اللہ نہیں کہ جس صفات کی اسے بتاتے ہیں اللہ عزوجل ان سے بہت بلند وبالا ہے، تعالٰی اللہ عما یقول الظٰلمون علوا کبیرا o سبحٰن رب العرش عما یصفون o رہا یہ کہ یہاں اکثر سے نفی علم فرمائی **اقول اولاً**: دفع شبہہ کو اتنا ہی کافی کہ آخر یہ ان کے اکثر سے نفی ہے جو اقرار کرتے تھے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہی ہے، معلوم ہوا کہ ان کا اقرار باللہ منافی جہل باللہ نہیں اور ہمارے سالبہ کلیہ کی نفی نہ فرمائے گا کہ یہ مفہوم لقب سے استدلال ہوا اور وہ صحیح نہیں اکثر سے نفی سلب جزئی ہوئی اور سلب جزئی کلی کو لازم ہے نہ کہ اس کا منافی۔ **ثانیاً**: ایسی جگہ اکثر پر حکم فرمانا قرآن عظیم کی سنت کریمہ ہے حالانکہ وہ احکام یقیناً سب کفار پر ہیں

"اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ "[5] "وَاَنَّ اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾"[6] "وَلٰكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾"[7] "وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾"[8] "يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَاَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۚ ﴿۸﴾ "[9] "يَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنۡكِرُوۡنَهَا وَاَكۡثَرُهُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۳﴾ "[10] کافروں کو "ز فرمایا ان میں اکثر ایمان نہیں رکھتے، ان کے اکثر فاسق ہیں، ان کے

---

[1] القرآن الکریم ۴۵/ ۲۳
[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۲۵
[3] القرآن الکریم ۴۳/ ۲۰
[4] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۳
[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۰
[6] القرآن الکریم ۵/ ۵۹
[7] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳
[8] القرآن الکریم ۶/ ۳۷
[9] القرآن الکریم ۹/ ۸
[10] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۳

اکثر بے عقل ہیں، ان کے اکثر جاہل ہیں، ان کے اکثر کافر ہیں، حالانکہ وہ سب ایسے ہی ہیں۔ یونہی یہاں فرمایا کہ ان کے اکثر نہیں جانتے حالانکہ ان میں کوئی بھی نہیں جانتا یہاں تک کہ شیاطین کے بارے میں فرمایا "یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ "[1] ان میں اکثر جھوٹے ہیں حالانکہ یقیناً وہ سب جھوٹے ہیں اور ان کے سوا اور آیاتِ کثیرہ، اب یا تو یہ کہ اکثر سے کل مراد ہے جیسے کبھی کل سے اکثر مراد ہوتا ہے کریمہ "**ومایتبع اکثرھم الاظنا**" کے تحت میں مدارک التنزیل میں ہے: **المراد بالاکثر الجمیع**[2] اکثر سے مراد کل ہے۔ت) معالم التنزیل میں ہے: **اراد بالاکثر جمیع من یقول ذٰلک**[3]۔ اکثر سے مراد وہ سب جو یہ کہتے ہیں (ت) شہاب علی البیضاوی میں ہے:

یعنی ان الاکثر یستعمل بمعنی الجمیع کما یرد القلیل بمعنی العدم، وحمل النقیض علی النقیض حسن وطریقة مسلوکة[4] اھ۔ **اقول: لکن لاشك ان منھم من لایتبع ظنا ولا وھما ولا ادنی شبھة انما یتبع ھوی نفسه عنادا واستکبارا** "یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ"[5]، "فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ٘ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾ "[6] "وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ	یعنی اکثر بمعنی کل ہے جیسے قلیل بمعنی معدوم استعمال ہوتا ہے اور ایک نقیض کی مراد پر دوسری نقیض کو مراد لینا اچھا اور مروج طریقہ ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں**، لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کے بعض ظن اور وہم اور کسی ادنٰی شبہ میں مبتلا نہیں وہ تو قطعاً عناد اور تکبر کی بنا پر نفسانی خواہش کے پیروکار ہیں (جس کو قرآن میں ہم نے یوں بیان فرمایا) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وہ خوب جانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (اور فرمایا) جب انکی پہچان کے مطابق وہ تشریف لائے تو انہوں نے اس کا انکار کردیا تو

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۳

[2] مدارك التنزیل سورۃ یونس آیۃ ومایتبع اکثرھم الاظنا کے تحت دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۶۳

[3] معالم التزیل علی ہامش الخازن سورۃ یونس آیۃ ومایتبع اکثرھم الاظنا کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۹

[4] حاشیۃ الشھاب علی البیضاوی سورۃ یونس آیۃ ومایتبع اکثرھم الاظنا کے تحت دارصادر بیروت ۵/ ۲۸

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۶ و۶/ ۲۰

[6] القرآن الکریم ۲/ ۸۹

اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا "[1]، وقد سلفت الاٰیة یعرفون نعمة الله ثم ینکرونها، نعمة الله محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم[2] قاله ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	کافروں پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے (نیز فرمایا) انہوں نے ان کا انکار کردیا باوجودیکہ دلی طور پر وہ یقینی سمجھتے تھے یہ انکار ظلم اور تکبر کی بناء پر کیا۔ پہلے آیہ کریمہ گزری کہ اللہ تعالٰی کی نعمت کو پہچانتے ہیں اور پھر اس کا انکار کردیتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے قول کے مطابق نعمۃ اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) یا یہ کہ ان میں سے جو علمِ الٰہی میں ایمان لانے والے ہیں ان کا استثناء فرمایا جاتا ہے۔

وھو مسلك حسن نفیس ذھب الیه خاطری بحمد الله تعالٰی اول وهلة ثم رأیت العلامة ابا السعود اشار الیه فی "ارشاد العقل السلیم" حیث قال تخصیص اکثرھم للتلویح بما سیکون من بعضھم من اتباع الحق والتوبة[3]۔	یہ نفیس اور خوب مسلک ہے، ابتداءً ہی میرا دل اس کی طرف مائل ہوا، پھر میں نے علامہ ابوالسعود کو "ارشاد العقل السلیم" میں اس کی طرف اشارۃ کرتے ہوئے پایا جہاں انہوں نے فرمایا کہ خصوصیت سے اکثر کفار کا ذکر اس لئے کہ ان میں سے بعض حق کی اتباع اور توبہ کو پالیں گے (ت)

مشرکین کا جہل باللہ تو اسی کریمہ سے ثابت جس سے ان کے جاننے پر شبہہ میں استدلال تھا مدعیانِ توحید پر کلام کیجئے جن میں نصارٰی بھی باوصف تثلیث اپنے آپ کو شریک کرتے ہیں اور شرع مطہر نے بھی ان کے احکام کو احکام مشرکین سے جدا فرمایا: **فاقول:** وبالله التوفیق پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت)

(ا) فلاسفہ کے جھوٹے خدا

فلاسفہ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو صرف ایک عقل اول کا خالق ہے، دوسری چیز بنا ہی نہیں سکتا، تمام جزئیاتِ عالم سے جاہل ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۴

[2] الجامع لاحکام القرآن بحوالہ السدی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۱۶۱

[3] ارشاد العقل السلیم سورہ یونس آیۃ ومایتبع اکثرہم الاظنا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۵

اپنے افعال میں مختار نہیں، اجسام کو معدوم کرکے پھر نہیں بناسکتا، ولہذا حشر جساد کے منکر ہیں، آسمان اس نے نہ بنائے بلکہ عقلوں نے، اور ایسے مضبوط گھڑے کہ فلسفی خدا انہیں شق نہیں کرسکتا، ولہذا قیامت کے منکر ہیں وغیرہ وغیرہ خرافاتِ ملعونہ، کیا انہوں نے خدا کو جانا، **حاش ﷲ سبحٰن رب العرش عما یصفون۔**

(۲) آریہ کے جھوٹے خدا

آریہ ایسے کو ایشر کہتے ہیں جس کے برابر کے ہم عمر دو واجب الوجود اور ہیں روح ومادہ۔ ایشر نہ ان کا خالق نہ ان کے مالک اور ناحق ناروا انہیں دبا بیٹھا ان پر ظالمانہ حکم چلارہا ہے۔ ایسے کو جس کا اصلاً کوئی ثبوت ہی نہیں آریہ نے زبردستی مان رکھا ہے۔ جب روح ومادہ بے کسی کے بنائے آپ ہی ازل سے موجود ہیں تو کیا آپ ہی اپنا میل نہیں کرسکتے تو جونون کے بننے میں بھی اس کے وجود پر دلیل نہیں، رہا جونون کا بدلنا وہ کرم کے ہاتھ ہے ایشور کی کیا حاجت اور اس کے ہونے پر کیا دلیل، ایسے کو جو، عـــہ۱ ماں رکھتا ہے، اور وہ اس کی جان کی حفاظت کرتی ہے تو باپ بھی ضرور ہوگا کہ خود آریہ ولادتِ مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام پر کہتے ہیں کہ بے باپ ولادت نرا مضحکہ ہے، جب ایشور کے ہوتے ہوئے بے باپ ولادت نہیں ہوسکتی تو جب ایشور بھی نہ تھے ان کی ماتا آپ سے آپ کیسے گربھ کرلاتی۔ اور خاکی انڈا ہو بھی تو گندا۔ ایسے کو جو بستر عـــہ۲ پر بیمار پڑا اور اپنی ماں کو دوا کے لئے پکار رہا ہے وید آتے اور اس کا تنگ حال دیکھ کر سخت کڑھتے اور سر ہلاتے ہیں، ایسے کو جس سے زیادہ علم وعقل والے موجود ہیں یہ اپنی بیماری میں جن کی دوہائی دیتا اور چیخ رہا ہے کہ او سیکڑوں طرح کے عقل وعلم والو! تمہاری ہزاروں بوٹیاں عـــہ۳ ہیں ان سے میرے شریر کو نروگ کرو، اے اماں جان! تو بھی ایسا ہی کر، ایسے کو جو گونگا ہے اصلاً بول نہیں سکتا (اور یہ دوا کے لئے دوہائی تہائی کون مچارہا تھا) بات تو یوں نہیں کرتا کہ انسان کی مشابہت نہ پیدا ہو، مگر وید اتارنے کے لئے رشیوں کو بینڈ باجے کی طرح بجاتا اور کٹھ پتلیوں کی مانند نچاتا ہے فضیلت انسانی میں مشابہت گوارانہ ہوئی اور بجانے نچانے کے رذیل

عـــہ۱: دیکھو یجروید ۱۲

عـــہ۲: یجروید ادھیا نمبر ۱۲ و ۱۴

عـــہ۳: یہ سمجھ میں آنے کی بات نہیں کہ بوٹی بواؤ معروف اور ان کے پاس ہو ایشر جی کے پاس نہ ہو، دیکھنا کہیں یہ بوٹی بواؤ مجہول تو نہیں، تو یہ ضرور ایشر جی کے یہاں کہاں کہ ان کے ہوم کرنے والے ماس سے بہت برا مانتے ہیں عجب نہیں کہ بیماری میں طاقت آنے کے لئے مسلمانوں سے گوشت کی بوٹیاں مانگتے ہوں ۱۲ اعجب العقاب تصنیف مولوی نواب مرزا صاحب قادری برکاتی رضوی۔

کاموں میں شرکت کی ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(ہر شخص کی فکر اس کی ہمت بھر ہوتی ہے۔ت)

اس بجنے ناچنے میں جو کچھ رشیوں کے سُر کے بولے وہ اس کی الہامی کتاب وید ہے، ایسے کو جس نے نیوگ جیسی بیحیائی کو ذریعہ نجات کیا ہے، ایسے کو جس کے عہ ۱ ہزار سر ہیں دو ۲ مُونھے سانپ سے پانسو حصے سواہزار آنکھ ہیں ہر سر میں ایک ☆ہر منہ سے کانا، یا بعض چہروں میں کئی کئی باقی چہروں سے اندھا، ہزار پاؤں ہیں کنکھجورا تو نہیں جسے ہزار پا کہتے ہیں۔ ایسے کو جو زمین پر ہر جگہ ہے اُلٹا سیدھا، نٹ کی کلا کو بھی مات کیا، اور کلام حرام کہ انسان سے مشابہت نہ ہو، پھر جگہ پاخانہ بھی ہے سیدھا ہوتا تو پاؤں ہی بھرتے، الٹا بھی ہے تو سَر بھی سَنا تب بھی دس ۱ انگل کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے تو ہر جگہ کب ہُوا پھر دو ۲ آدمی آمنے سامنے دس ۱ انگل کے فاصلے سے ہوں تو ان میں ہر ایک ایشور کا جگہ میں شریک ہُوا، اور دو ۲ انگل کے فاصلے پر ہوں تو ایشور آٹھ آٹھ انگل ہر ایک کے پیٹ میں گُھسا ٹھہرا، ایسے کہ جو سروبیاپک ہے ہر چیز میں حلول کئے ہوئے ہے ہر مادہ کی فرج ہر شخص کی مقعد ہر پاخانے کی ڈھیری میں نجاست کا کیڑا بھی اتنا گھناؤنا تو نہیں ہوتا۔ پھر یہ سب جگہ رما ہُوا ایک ہی ایشور ہے یا ہر جگہ نیا، بر تقدیر دوم ایشوروں کی گنتی تمام مخلوقات کے شمار سے بڑھ نہ گئی تو برابر ضرور رہی اس پر توحید کا دم بھرتے ہیں، بر تقدیر اول ایشور کے سنکھوں مہا سنکھوں ٹکڑے ہُوئے کہ ذرّے ذرّے بھر جگہ میں اس کا نیا ٹکڑا ہے تو ایشور مرکب ہُوا اور ہر مرکب محتاج ہے کہ جب تک اس کے سب اجزا اکٹھے نہ ہوں نہیں ہو سکتا، تو ایشور محتاج ہوا، پھر جب ہر جگہ رما ہوا ہے فرض کرو ایک شخص نے دُوسرے کے جُوتا مارا تو یہ فضا جس میں جُوتا چل کر اُس کے بدن تک گیا اس میں بھی ایشور تھا یا نہیں، نہ کیونکر ہوگا وہ سب جگہ ہے اور جب یہاں بھی تھا تو جُوتا آتے ہوئے دیکھ کر ہٹ گیا یا جُوتا اس کے اندر ہوتا ہُوا گزر گیا ہٹ تو سکتا نہیں ورنہ ہر جگہ کب رہا یہ جگہ خالی ہو جائے گی ضرور جُوتا اُس میں ہو کر گزرا عجب ایشور کے جُوتے سے پَھٹ گیا، پھر اُس شخص کے جس حصہ بدن پر جوتا پڑا وہاں بھی ایشور تھا یا نہیں، نہ کیسے ہوگا ورنہ ہر جگہ نہ رہے گا اور جب وہاں بھی تھا تو اب بتاؤ کہ یہ جُوتا کس پر پڑا، کاش نرا الٹا ہوتا تو پاؤوں پر لگتا، سیدھا بھی ہے تو سر پر پڑا، یہ ہیں آریہ اور اُن کا ایشور، کیا اُنھوں نے خدا کو جانا، حاش للہ

سبحٰن رب العرش عمّا یصفون o

عہ: یہاں سے اُن الفاظ تک کہ ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے جس جس عبارت پر خط ہے یہ مضمون یجروید ادھیا ۳۱ منتر اول کا ہے ۱۲۔

(۳) مجوس کے جھوٹے خدا

ایسے کو خدا کہتے ہیں جس کے برابر کی چوٹ کا دوسرا خالق شیطان ہے، پھر بعض کے نزدیک تو شیطان اُس کا مخلوق ہی نہیں اُسی کی طرح واجب الوجود ہے خود بخود موجود ہے جب تو شیطان اُس کا ہمسر ہونا ظاہر، اور جن کے نزدیک وُہ بھی اسی سے پیدا ہوا وہ اور سخت اعجوبہ ہے۔یزدان سے کوئی جزئی شر تواس لئے نہ بن سکا کہ وہ خیر محض ہے اُس سے شر کیونکر پیدا ہو، مگر اہر من کی ہر شر کی جڑ اور کلی شر ہے اس سے پیدا ہو گیا اور جب سب شر اہر من سے پیدا ہیں اور اہر من یزدان سے تو جملہ شرور کا ٹیکا یزدان ہی کے ماتھے رہا، ایسے کو جسے بیٹھے بٹھائے ایک دن فکر ہوئی کہ اگر کوئی میرا مخالف ہو تو کیسا ہو، اس خیال فاسد سے ایک دُھواں اُٹھا جو شیطان بنا اور اس نے قوت پکڑی یہاں تک کہ لشکر جوڑ کر یزدان کے مقابل ہُوا مجوس کا یزدان اُس کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگا اور جنت میں قلعہ بند ہوا، اہر من تین ہزار برس جنت کا محاصرہ کیے رہا، یزدان اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا، آخر فرشتوں نے بیچ بچاؤ کرکے تصفیہ کرادیا کہ سات ہزار برس دنیا میں شیطان سلطنت کرے پھر ملک یزدان کو سونپ دے، مجوس کا یزدان طول محاصرہ سے عاجز آچکا تھا جبرًا و قہرًا قبول کیا اور اب اس سے دعا فضول کی کہ وُہ دنیا کی سلطنت سے معزول، ایسے کو جس نے بیٹے کے لئے ماں باپ کے لئے بیٹی جیسی بیحیائیاں حلال کی ہیں، کیا انھوں نے خدا کو جانا، حاش للہ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون ۝

(۴) یہود کے جھوٹے خدا

یہود ایسے کو خدا کہتے ہیں جو آسمان و زمین بنا کر اتنا تھکا کہ عرش پر جا کر پاؤں پر پاؤں رکھ کر چت لیٹ گیا، ایسے کو جو ان میں بعض کے نزدیک عزیر کا باپ ہے ایسے کو جو ایک حکم دے کر اس کا پابند ہو جاتا ہے زمانہ و مصالح کتنے ہی بدلیں اس کے بدلے دوسرا حکم نہیں بھیج سکتا ولہذا نسخ کے منکر ہیں اور شریعتِ موسوی کو ابدی کہتے اور اس صریح کذب کا افترا اپنے معبود کے سر دھرتے ہیں، ایسے کو جس نے آپ ہی قومِ نوح پر طوفان بھیجا پھر اپنی اس حرکت پر ایسا نادم ہُوا اتنا رویا کہ آنکھیں دُکھ آئیں، نسخ تو پچتانا ٹھہر کر محال، حالانکہ اُسے پچتانے سے کوئی تعلق نہیں، رات کو دن کرتا ہے پھر دن کو رات کر دیتا ہے، کوئی مجنون ہی اسے پچتانا کہے گا، جب احکامِ تکوینیہ میں یہ ہے احکامِ تشریعیہ میں کون مانع ہے، خیر وُہ تو پچتانے کے خوف سے نہ بدل سکے مگر آدم کو بنا کر پچتایا اور طوفان بھیج کر تو پچتانے کا وُہ طوفان آیا جس نے رُلا رُلا کر آنکھوں کا یہ دن کر دکھایا، ایسے کو جس نے یہودی کے لئے اسکی سگی بہن حلال کی اور توراۃ میں اسکی حرمت غلط لکھ دی اس لئے کہ شریعت آدم میں یقینا حلّت تھی اب حرام کرے تو منسوخی حکم سے پچتانا ٹھہرے ایسے کو جس نے خلیل و اسمٰعیل علیہما الصلٰوۃ والسلام کی دُعا قبول کی اور ان سے کہا کہ میں نے اسمٰعیل و اولاد اسمٰعیل کو برکت دی اور تمام خیر و خُوبی اُن میں رکھی عنقریب تمام اُمتوں پر اُنھیں غالب کروں گا اور اُن میں اُنھیں میں سے اپنا رسول اپنے کلام کے ساتھ بھیجوں گا، پھر کیا کچھ نہیں بلکہ ان کا عکس کیا جیسا یہود بکتے ہیں۔ ایسے کو کہ نہ تورات اُس کی کتاب

نہ موسٰی سے اُس کا کلام، یہ سارے کرشمے ایک فرشتے کے ہیں۔ کیا انھوں نے خدا کو جانا، **حاش للہ سبحٰن رب العرش عمّا یصفونO**

(۵) نصارٰی کے جھوٹے خدا

نصارٰی ایسے کو خدا کہتے ہیں جو مسیح کا باپ ہے اور مزہ یہ کہ اُس کے بھائیوں عہ۱ کا بھی باپ ہے، اُس عہ۲ کے شاگردوں کا باپ ہے، اُس عہ۳ کے چھوٹے جھنڈ کا باپ ہے۔ ہر عیسائی عہ۴ کا باپ ہے، پھر عہ۵ ہر مصلح کا باپ ہے، خود عہ۶ آدمیوں کے باپ آدم کا باپ ہے، تو ہر بشر کا باپ ہے یہاں تک کہ حکم عہ۷ ہے کہ زمین پر کسی کو اپنا باپ مت کہو کیونکہ تمھارا ایک ہی باپ ہے جو آسمان پر ہے، یہ کچھ تو نات پودھ پھیلی ہُوئی ہے اور پھر اکیلا مسیح اُس کا اکلوتا، ایسے کو جو اپنے اکلوتے کو سُولی سے نہ بچاسکا، ایسے کو کہ جب اس کا بیگناہ اکلوتا یہاں کی مصیبت جھیل کر ہاں ہاں عیسائیوں کا خدا مخلوق کے مارے سے دَم گنوا کر باپ کے پاس گیا اُس نے اکلوتے کی یہ عزت کی اُس کی مظلومی و بیگناہی کی یہ داد دی کہ اُسے عہ۸ دوزخ میں جھونک دیا اوروں کے بدلے اسے تین دن جہنم میں بُھونا، ایسے کو عہ۹ جو روٹی اور گوشت کھاتا ہے اور سفر سے آکر اپنے پاؤں دُھلوا کر درخت کے نیچے آرام کرتا ہے درخت اونچا اور وُہ نیچا ہے، ایسے کو جو فقط زندوں عہ۱۰ کا خدا ہے مُردوں کا نہیں جو جو مرتے جاتے ہیں اس کی خدائی سے نکلتے جاتے ہیں، ایسے کو جو اپنے ایک بندے عہ۱۱ سے رات کو صبح ہونے تک کشتی لڑا اور اُسے گرانہ سکا جب دیکھا کہ میں اس پر غالب نہیں آتا اُس کے پاؤں کی نس چڑھا کر کمزور کیا، ایسے کو جس کا عہ۱۲ بیٹا اُسے جلال بخشتا ہے آریوں کے ایشور کی تو ماں اس کی جان کی حفاظت کرتی تھی عیسائیوں کے خدا کا بیٹا اُسے عزت بخشتا ہے، کیوں نہ ہو سپوت ایسے ہی ہوتے ہیں، اس پر پھر اسے بے خطا جہنم میں جھونکنا کیسی محسن کشی ناانصافی ہے۔ ایسے کو جو عہ۱۳ یقینا دغاباز ہے پچتاتا عہ۱۴ بھی ہے،

عہ۱: انجیل یوحنا باب ۲۰ درس ۱۷، عہ۲: انجیل متی باب ۵ درس ۴۵ و ۴۸ و باب ۶ درس ۲ و ۴ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۶ و ۳۲ و باب، درس ۱۱۔ وانجیل لوقا باب ۱۱ درس ۲ و باب ۱۲ درس ۳۰۔ عہ۳: انجیل لوقا باب ۲ درس ۳۲۔ عہ۴: پولس کا خط گلتیوں کو باب ۳ درس ۲۶۔ عہ۵: انجیل متی باب ۵ درس ۹۔ عہ۶: انجیل لوقا باب ۳ درس ۳۸۔ عہ۷: انجیل متی باب ۲۳ درس ۹۔ عہ۸: مسئلہ کفارہ ۱۲۔ عہ۹: پیدائش باب ۱۸ درس ۴ تا ۸۔ عہ۱۰: انجیل متی باب ۲۲ درس ۳۲۔ عہ۱۱: موسٰی کی پہلی کتاب باب ۳۲ درس ۵ و ۲۴۔ عہ۱۲: انجیل یوحنا باب ۱۷ درس اول۔ عہ۱۳: کتاب یرمیاہ نبی باب ۴ درس ۱۹۔ عہ۱۴: کتاب یرمیاہ باب ۱۵ درس ۶۔

تھک جاتا بھی ہے، ایسے کو عـــہ۱ جس کی دو ۲ جورو ہیں ہیں دونوں پکّی زناکار حد بھر کی فاحشہ، ایسے کو جس عـــہ۲ کے لئے زنا کی کمائی فاحشہ کی خرچی، کمال مقدس پاک کمائی ہے، ایسے کو جس عـــہ۳ نے باندی غلام بنانا جائز رکھ کر نصارٰی کے دھرم میں حد درجے کی ناپاک ظالمانہ وحشیانہ حرکت کی، اور پھر خالی عـــہ۴ کام خدمت ہی کے لئے نہیں بلکہ موسٰی کو حکم دیا کہ مخالفوں کی عورتیں پکڑ کر حرم بناؤ اُن سے ہم بستری کرو، ایسے کو جس عـــہ۵ کی شریعت محض باطل ہے اُس سے راستبازی نہیں آتی اُسے ایمان عـــہ۶ سے کچھ علاقہ نہیں جو اس کی شریعت عـــہ۷ پر عمل کرے ملعون ہے بلکہ اس کا اکلوتا عـــہ۸ بیٹا خود ہی ملعون ہے پھر بھی ایسی لعنتی شریعت عـــہ۹ پر عمل کا حکم دیتا، بندوں سے اس کا التزام مانگتا اُسکے ترک عـــہ۱۰ پر عذاب کرتا ہے، ایسے کو عـــہ۱۱ جو اتنا جاہل کہ نہایت سیدھا سا حساب نہ کر سکا بیٹے کو باپ سے عمر میں بڑا بتایا گیا، ایسے کو جو عـــہ۱۲ اتنا بھلکّڑ کہ اپنے اکلوتے کے باپوں کی صحیح گنتی نہ گنا سکا، کہیں داؤد تک اس کے ستائیس ۲۷ باپ، کہیں پندرہ ۱۵ بڑھا کر بیالیس ۴۲ باپ وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ، کیا انھوں نے خدا کو جانا۔ حاش ﷲ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون○

(۶) نیچریوں کے جھوٹے خدا

نیچری ایسے کو خدا کہتا ہے جو نیچر کی زنجیروں میں جکڑا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور نیچر بھی اُتنا جو نیچری کی سمجھ میں آئے جو اس کی ناقص عقل سے وراء ہے معجزہ ہو یا قدرت سب پادَر ہوا ہے، ایسے کو جس نے (خاک بدہن ملعونان) جھوٹا دین اسلام بھیجا کہ اس میں باندی غلام حلال کیا (اگرچہ پیر نیچر کے نزدیک ابتدا ہی میں) عـــہ۱۳ اور وہ دین جس

عـــہ۱: کتاب حزقیل نبی باب ۲۳ درس ۱ تا ۲۳ عـــہ۲: کتاب یسیعاہ نبی باب ۲۳ درس ۱۸۔ عـــہ۳: خروج باب ۱۲ درس ۱ و ۴ تا ۶ و پیدائش باب ۱۶ درس ۱ تا ۶ وغیرہ۔ عـــہ۴: استثنا باب ۷ درس ۲ باب ۲۱ درس ۱۰ و ۱۱۔ عـــہ۵: پولس کا خط گلتیوں کو باب ۳ درس ۱۱۔ عـــہ۶: ایضًا درس ۱۲۔ عـــہ۷: ایضًا درس ۱۰ و ۱۳۔ عـــہ۸: ایضًا درس ۱۳۔ عـــہ۹: انجیل متی باب ۲۳ درس ۲۳۔ عـــہ۱۰: کتاب یرمیاہ باب ۹ درس ۱۲ تا ۱۶۔ عـــہ۱۱: تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۲ درس او ۲ مع باب ۲۱ درس ۲۰۔ عـــہ۱۲: انجیل لوقا درس ۲۳ تا ۳۱ مع انجیل متی درس ۶ تا ۱۷۔

عـــہ۱۳: رسالہ سید احمد خان پیر نیچر ابطال غلامی صفحہ ۱۳ ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں ہو سکتی صاف عیاں ہے کہ غلامی اس قادر مطلق کی مرضی اور قانون قدرت دونوں کے برخلاف ہے صفحہ ۲۰ غلامی خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتی کیا پاک پروردگار ہی ناپاک چیز کو انسان کے حق میں جائز کرتا اصلی ظلم اور ٹھیٹ ناانصافی ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

میں باندی غلام بنانا حلال ہوا ہو نیچری کے نزدیک خدا کی طرف سے ہر گز نہیں ہو سکتا، ایسے کو جس نے مدتوں اسلام میں اپنی خلاف مرضی باتیں ناپاک چیزیں، اصلی ظلم، ٹھیٹ ناانصافی روا رکھی، ایسی بد باتیں بہائم کی حرکتیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات مانی نہیں جا سکتی کہ سچّا مذہب جو خدا کی طرف سے اترا ہو اُس میں ایسے امور جائز ہوں۔ ایسے کو جو ان سخت ظالموں، ٹھیٹ ناانصافوں جانور سے بدتر وحشیوں کو جن کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خدا ایسے قصور کا تقصیر وار نہیں ہو سکتا صفحہ ۲۴ جو امور لونڈیوں اور قیدی عورتوں کے ساتھ جائز سمجھے جاتے ہیں کیا حرکات بہائم سے کچھ زیادہ رتبہ رکھتے ہیں، کیا وہ کسی مذہب کے سچے اور خدا کے دئے پر دلیل ہو سکتے ہیں، حاشا وکلا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات مانی نہیں جا سکتی کہ سچّا مذہب جو خدا کی طرف سے اترا ہو اس میں ایسے امور جائز ہوں، صفحہ ۲۵ یہودی مذہب نے غلامی کے قانون کو جائز سمجھا، اور عیسٰی مسیح نے اس کی نسبت کچھ نہ کہا مگر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو کچھ کہا اس کو کسی نے نہ سمجھا، صفحہ ۲۹ زمانہ اسلام میں بھی غلامی کی رسم پر جب تک آیتِ حُریت نازل نہ ہُوئی کچھ تھوڑا سا عملدرآمد ہُوا، اس میں کُچھ شک نہیں کہ قبلِ نزولِ آیتِ حریت جو غلام موجود تھے ان کو اسلام نے دفعۃً آزاد نہ کیا، نہ ان کے تعلقات کو توڑا، ملاحظہ ہو موسوی، عیسوی، محمدی تینوں دین باطل کر دئے، مُوسوی تو یوں کہ اس نے غلامی کے قانون کو جائز رکھا، اور عیسوی یُوں کہ عیسٰی مسیح نے اسی شدید بیحیائی ٹھیٹ ظلم پر کچھ نہ کہا نبی کا کسی بات پر سکوت بھی اسے جائز کرنا ہے، اسلام یوں کہ صدر اسلام میں غلامی کی رسم پر عملدرآمد رہا پھر جب اس مرتد کے زعم میں آیت آزادی اُتری اس نے بھی اگلے حکموں کو برقرار رکھا، ان بے حیائیوں کو معدوم نہ کیا۔ سود منع فرمایا جب تو یہ حکم دیا کہ پہلے کا جو باقی رہا ہو وہ ابھی چھوڑ دو ورنہ اللہ ورسول سے لڑائی کو تیار ہو جاؤ، اور یہاں موجودہ ظلموں بے حیائیوں کو قائم رکھا جائز کر دیا فقط آئندہ کے لئے اس کے زعمِ ملعون میں منع کیا، بہر حال تینوں دینوں میں ہمیشہ یا ایک زمانہ دراز تک رسمِ غلامی جائز رہی، اور خود کہہ چکا کہ ایک لمحہ کے لئے یہ بات نہیں مانی جا سکتی کہ سچّا مذہب جو خدا کی طرف سے اترا ہو اس میں ایسے امور جائز ہوں کیسا صاف صریح کہہ دیا کہ موسوی، عیسوی، محمدی تینوں دین باطل، اور پھر عجب ہے کہ اس کے پیرواُسے نہ صرف مسلمان بلکہ اسلام کا سنورانے والا بتاتے ہیں کلا واللہ بلکہ "اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٭ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝" [1]، "وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝" [2] (منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا، عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) ۱۲ منه علیه الرحمة۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۳۴

[2] القرآن ۲۶ / ۲۲۷

چھوٹا بڑا اوّل سے آج تک اُن ناپاکیوں پر اجماع کئے ہوئے ہے خیر الامم کا خطاب دیتا اور اپنے چُنے ہوئے بندے کہتا ہے۔ ایسے کو جس نے کہا تو یہ روشن آیتیں بھیجتا ہوں تمھیں اندھریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہوں اور کیا یہ کہ جو کہی کہہ مکرنی کہی تمثیلی داستان پہیلیاں چیستا، لفظ کچھ مراد کچھ جو لغتہً عرفاً کسی طرح اُس کا مفہوم نہ ہو۔ فرشتے، آسمان، جن، شیطان، بہشت، دوزخ، حشر اجساد، معراج، معجزات سب باتیں بتائیں اور بتائیں بھی کیسی ایمانیات ٹھہرائیں اور من میں یہ کہ در حقیقت یہ کچھ نہیں یو ہیں طوطا مینا کی سی کہانیاں کہہ سُنائیں وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ کیا انھوں نے خدا کو جانا۔ حاش للہ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون O

(۷) چکڑالوی کے جُھوٹے خدا

چکڑالوی ایسے کو خدا کہتا ہے جس کے رسول کی قدر ایک ڈاکئے سے زیادہ نہیں جس نے اپنے نبی کا اتباع کچھ نہ رکھا، ایسے کو جس نے کہا تو یہ، کہ میری کتاب میں ہر شیئ کا روشن بیان ہے ہر چیز کی پُوری تفصیل ہے ہم نے اس میں کوئی بات نہ اٹھا رکھی اور حالت یہ کہ نماز فرض کی اور یہ بھی نہ بتایا کہ کے وقت کی، یہ بھی نہ بتایا کہ ہر وقت میں کے رکعتیں، یہ بھی نہ بتایا کہ اُس کے پڑھنے کی ترکیب کیا ہے اس کے ارکان کیا ہیں، اگر رکوع سجود قیام قرأت اس کے رکن مانے بھی جائیں اگرچہ اس نے کہیں اس کا اظہار نہ کیا تو ان میں آگے کیا ہو پیچھے کیا، اس کے مفسدات کیا کیا ہیں، کیونکر جاتی ہے، کیونکر ہوتی ہے سب سے بڑا فرض ایمان، اُس میں تو یہ گول مجمل بے سود بیان جس سے کچھ پتا ہی نہ چلے اور دعوی وُہ ہے کہ جملہ اشیاء کا روشن بیان، مزہ یہ کہ متواترات کی جڑ کاٹ دی کہ سوا میری کتاب کے کچھ حجت نہیں، اپنی کتاب کیا وہ خود ہمارے ہاتھ میں دے گیا یہ بھی تو ہم کو تواتر ہی سے ملی، جب تواتر حجت نہیں، یہ بھی حجت نہیں، غرض ایمان اسلام سب برباد وناکام وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ کیا اس نے خدا کو جانا۔ حاش للہ سبحٰن رب العرش عما یصفون O

(۸) قادیانی کے جھوٹے خدا

ایسے کو خدا کہتا ہے جس عـــہ۱ نے چار سو جھوٹوں کو اپنا نبی کیا اُن سے جھوٹی پیشین گوئیاں کہلوائیں جس نے ایسے عـــہ۲ کو ایک عظیم الشان رسول بنایا جس کی نبوت پر اصلاً دلیل نہیں بلکہ اُس کی نفیِ نبوت پر دلائل قائم جو (خاک بدہن ملعونان) ولد الزنا عـــہ۳ تھا جس کی تین دادیاں نانیاں زناکار کسبیاں تھیں۔ ایسے کو جس عـــہ۴ نے ایک بڑھئی کے

عـــہ۱: ازالہ ص ۶۲۹۔ عـــہ۲: اعجاز احمدی ص ۱۳۔ عـــہ۳: ضمیمہ انجام آتھم ص ۷۔ عـــہ۴: رسالہ کشتی نوح ص ۱۶ مع نوٹ۔

بیٹے کو محض جُھوٹ کہہ دیا کہ ہم نے بن باپ کے بنایا اور اس پر یہ فخر کی جھوٹی ڈینگ ماری کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کُھلی نشانی ہے۔ ایسے کو جس نے عــہ۱ ایک بد چلن عیاش کو اپنا نبی کیا جس نے ایک عــہ۲ یہودی فتنہ گر عــہ۳ کو اپنا رسول کرکے بھیجا جس کے پہلے ہی فتنہ نے دنیا کو تباہ کردیا۔ ایسے کو جو عــہ۴ اسے ایک بار دنیا میں لاکر دوبارہ لانے سے عاجز ہے وہ جس نے ایک شعبدہ باز عــہ۵ کی مسمریزم والی مکروہ حرکات قابلِ نفرت حرکات جھوٹی بے ثبات کو اپنی آیات بینات بتایا، ایسے کو جس کی آیات بینات لہو لعب ہیں اتنی بے اصل کہ عام لوگ ویسے عجائب کرلیتے تھے اور اب بھی کر دکھاتے ہیں بلکہ آجکل کے کرشمے اُن سے زیادہ بے لاگ ہیں اہل کمال کو ایسی باتوں سے پرہیز رہا ہے۔ ایسے کو جس نے اپنا عــہ۶ سب سے پیارا بروزی خاتم النبیین دوبارہ قادیان میں بھیجا مگر اپنی جُھوٹ فریب تمسخر ٹھٹول کی چالوں سے اُس کے ساتھ بھی نہ چوکا، اُس سے کہہ دیا کہ تیری جورو کے اس عمل سے بیٹا ہوگا جو انبیاء کا چاند ہوگا بادشاہ اُس کے کپڑوں سے برکت لیں گے، بروزی بیچارہ اس کے دھوکے میں آکر اُسے اشتہاروں میں چھاپ بیٹھا اسے تو یُوں ملک بھر میں جُھوٹا بننے کی ذلّت ورسوائی اوڑھنے کے لئے یہ جُل دیا اور جھٹ پٹ میں اُلٹی کَل پھرا دی بیٹی بنادی، بروزی بیچارہ کو اپنی غلط فہمی کا اقرار چھاپنا پڑا اور اب دوسرے پیٹ کا منتظر رہا اب کی یہ مسخرگی کی کہ بیٹا دے کر امید دلائی اور ڈھائی برس کے بچے ہی کا دم نکال دیا، نہ نبیوں کا چاند بننے دیا نہ بادشاہوں کو اُس کے کپڑوں سے برکت لینے دی، غرضکہ اپنے چہیتے بروزی کا جھوٹا کذاب ہونا خوب اُچھالا اور اُس پر مزہ یہ کہ عــہ۷ عرش پر بیٹھا اُس کی تعریفیں گا رہا ہے، اس پر بھی صبر نہ آیا بروزی کے چلتے وقت کمال بے حیائی کی ذلت ورسوائی تمام ملک میں طشت از بام ہونے کے لئے اُسے یوں چاؤ دلایا کہ اپنی بہن احمدی کی بیٹی محمدی کا پیام دے، بروزی بیچارے کے مُنہ میں پانی بھر آیا، پیام پر پیام، لالچ پر لالچ، دھمکی پر دھمکی، اُدھر احمدی کے دل میں ڈال دیا کہ ہرگز نہ پسیج، یوں لڑائی ٹھنوا کر اپنے امدادی وعدوں سے بروزی کی امیدوار بڑھائی کہ دیکھ احمدی کا باپ اگر دوسری جگہ اس کا

عــہ۱: ضمیمہ مذکوہ صفحہ ۷۔ عــہ۲: مواہب الرحمٰن صفحہ ۷۲۔ عــہ۳: دافع البلا صفحہ ۱۵۔ عــہ۴: ایضًا عبارت مذکورہ۔
عــہ۵: ازالہ آخر صفحہ ۱۵۱ تا آخر صفحہ ۱۶۲۔ عــہ۶: دافع البلا صفحہ ۳ وصفحہ ۹ وغیرہ۔ عــہ۷: اعجاز احمدی ص ۶۹۔

نکاح کر دے گا تو ڈھائی برس میں وہ مرے گا، اور تین برس میں وُہ شوہر، یا بالعکس،، بروزی جی تو ہمیشہ اُس کی چالوں میں آجاتے تھے اسے بھی چھاپ بیٹھے یہاں تک تو وہی جُھوٹی پیشن گوئیاں رہتیں جو سدا کی تھیں۔ اب اُس قادیانی کے ساختہ خدا کو اور شرارت سوجھی جھٹ بروزی کو وحی پھنٹادی کہ "زوجنا کہا" محمدی سے ہم نے تیرا نکاح کر دیا۔ اب کیا تھا بروزی جی ایمان لے آئے کہ اب محمدی کہاں جاسکتی ہے یُوں جُل دے کر بروزی کے منہ سے اُسے اپنی منکوحہ چھپوادیا، تاکہ وُہ حد بھر کی ذلت جو ایک چمار بھی گوارانہ کرے کہ اُس کی جورو اور اُس کے جیتے جی دوسرے کی بغل میں، یہ مرتے وقت بروزی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہو، اور رہتی دنیا تک بیچارے کی فضیحت وخواری وبے عزّتی وکذابی کا ملک میں ڈنکا ہو، ادھر تو عابد و معبود کی یہ وحی بازی ہُوئی اُدھر سلطان محمد آیا اور نہ عابد کی چلنے دی نہ معبود کی، بروزی جی کی آسمانی جورو سے بیاہ کر ساتھ لے، یہ جا، وہ جا، چلتا بنا، ڈھائی تین برس پر موت دینے کا وعدہ تھا وُہ بھی جُھوٹا گیا، اُلٹے بروزی جی زمین کے نیچے چل بسے وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ یہ ہے قادیانی اور اُس کا ساختہ خدا۔ کیا وُہ خدا کو جانتا تھا یا اب اس کے پیرو جانتے ہیں **حاش ﷲ سبحٰن رب العرش عما یصفون** O

(۹) رافضیوں کے جھوٹے خدا

ایسے کو خدا کہتا ہے جو حکم کرکے پچتاتا ہے جو مصلحت عـــہ سے جاہل رہ کر ایک حکم کرتا ہے جب مصلحت کا علم آیا اُسے بدل دیتا ہے، اس سے تو یہودی خدا غنیمت تھا کہ پچتانے کے عیب سے بچنے کو نسخ تک نہ کر سکا، ایسے کو جو وعدے کا جُھوٹا یا بندوں سے عاجز ہے کہ اپنا کلام اتارا اور اُس کی حفاظت کا ذمہ دار بنا مگر عثمان غنی وغیرہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم واہلسنت نے اس کی آیتیں اُلٹ پُلٹ کر دیں سُورتوں کی سورتیں کترلیں اور وہ یا تو وعدہ خلافی سے چپکا، دیکھا کیا اور کچھ نہ کہا، یا گھٹانے والوں کے آگے کچھ نہ چل سکی، دم سادھ گیا۔ ایسے کو جس نے کہا تو یہ کہ میں یہ دین سب پر غالب کرتا ہوں، اور کیا یہ کہ خود ہی اُسے ملیا میٹ کر دیا، اپنی کتاب ہی کا آپ ہی تھل بیڑا نہ رکھا، فاسقوں کی روایت بے تحقیق ماننے سے منع کیا اور اپنی کتاب کی روایت کا سلسلہ (خاک بدہن ملعونان) کافروں سے رکھا، اور کافر بھی وُہ جن کا ایک گروہ ایک جتھا خیانت میں طاق، اور عداوت اہلبیت میں تحریف واخفائے آیات پر سب کا اتفاق، کیا معلوم کہ اُنھوں نے کتنا بدلا، کیا کچھ چھپایا، آیتوں کی ترتیب بدل کر کہاں کا حکم کہاں لگایا، ایسے کو جو بندوں سے عاجز تر ہے وہ بندے سے نیکی چاہے اور بندہ بدی چاہے تو بندہ ہی کا چاہا ہوتا ہے اُس کی ایک نہیں چلتی۔ ایسے کو کہ ہر چمار ہر کافر ہر کُتّا ہر سوئر خالقیت میں اُس کا شریک ہے، وہ اعیان گھڑتا ہے یہ اپنی

عـــہ ۱: فتوائے مجتہد لکھنو مجموعہ تکملہ ردّروافض ۱۲۔

قدرت سے اپنے افعال، اور پھر اس پر یہ دعوٰی کہ ہے میرے سوا کوئی خالق۔ ایسے کو جس نے بہتیرا چاہا کہ میرے نائب کے بعد میرا شیر مسند پر بیٹھے مگر امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک نہ چلنے دی، آیت عــہ اتاری وُہ کتر لی اور سب نے اُس کے کترنے پر اتفاق کیا آج تک ویسی ہی کتری ہوئی چلی آتی ہے، اس کے رسول نے تمام صحابہ کے مجمع میں اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر دکھایا اور عمامہ باندھ کر اپنا ولیعہد بنایا مگر رسول کی آنکھیں بند ہوتے ہی بالاتفاق تمام صحابہ نے وہ عہد و پیمان پاؤں کے نیچے مَل ڈالا اور کمیٹی کرکے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مسند نشین کر دیا اور شیر مُنہ دیکھتا رہ گیا نہ اُسکی چلی نہ رافضی صاحبوں کے ساختہ خدا کی۔ ایسوں کے ہاتھ میں قرآن رکھا اچھا حفاظت کا وعدہ نباہا۔ ایسا بے اعتبار قرآن شائع کیا، اچھا دین کو غلبہ دیا اپنے نبی کی صحبت اور اُس کے دین کی روایت کو چھانٹ چھانٹ کر ایسے چنے لطف وعدل و اصلح کا واجب خوب ادا کیا، ایسے کو جس کا شیر اور شیر بھی کیسا غالب شیر ہمیشہ دشمنوں کا مطیع وفرمانبردار رہا (خاک بدہن ملعونان) کافروں کے پیچھے نماز پڑھا کیا، کافروں کے جھنڈے کے نیچے لڑا کیا، بُزدلی سے دو رویہ و منافق ہو کر دشمنوں کی بڑی بڑی تعریفیں گاتا رہا، اہلبیتِ رسالت پر کرّے کرّے گھنونے گھنونے ظُلم دیکھتا، اور ڈر کے مارے دَم نہ مارتا بلکہ اپنی مدح وستائش سے اور مدد کرتا، یہاں تک کہ کافر لوگ اُس کی سگی بیٹی چھین کرلے گئے اور بی بی بنایا اور وہ تیوری پر میل نہ لایا، ویسا ہی اُن کا خادم و ہمدم بنا رہا، اور وُہ کیا کرے رافضی دھرم میں رسول ہی کو یہ توفیق تھی کہ بیٹیاں لے تو کافروں منافقوں سے، اور بیٹیاں دے تو کافروں منافقوں کو، اور اپنا یار وانیس و وزیر و جلیس بنائے تو کافروں منافقوں کو، اور وُہ بھی کیا کرے روافض کا خدا ہی اُن ظالموں کافروں کے بڑے بڑے مناقب اپنے کلام میں اتارتا رہا، جسے لاکھ کے مجمع میں مقبول تو فقط چار چھ، باقی سب دشمن اور وہ اُس بھری جماعت میں بلا تعیین عام صیغوں سے عام وصفوں سے مہاجرین وانصار وصحابہ کہہ کر تعریفیں کرتا بندوں کو دھوکے دیتا، دوٹوک بات نہ کہنی تھی نہ کہہ سکا، ایسے کو جس نے اُن موجود حاضروں میں اپنے نیک بندوں کو مخاطب کرکے وعدہ دیا کہ ضرور ضرور تمھیں اس زمین کی خلافت دُوں گا اور تمھارا دین تمھارے لئے جماؤں گا اور تمھارا خوف امن سے بدل دوں گا، کاش وہ کسی کے لئے ان میں سے کچھ نہ کرتا تو نرا وعدہ خلاف ہی رہتا۔ نہیں اُس نے کی اور اُلٹی کی اپنے نیک بندوں کے بدلے (خاک بدہن ملعونان) کافروں کو زمینِ عرب کی خلافت دی اور اُنھیں کا دین خوب جما دیا اور انھیں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔ رہے

عــہ: یا ایھا النبی بلغ ما انزل الیك من ربك ان علیا ولی المؤمنین قرآن عظیم میں اتنا ٹکڑا روافض زیادہ مانتے ہیں اور یہ کہ صحابہ نے اسے گھٹا دیا ۱۲۔

چار چھ نیک بندے بے بس بیچارے ترساں ہراساں خوف کے مارے انھوں نے ان کی خدمتگاری فرمانبرداری کرتے دن گزارے، جس نے روشن کردیا کہ کافر ہی اُس کے نیک بندے ہیں تو وعدہ خلاف دغاباز حق کا چھپانے والا باطل کا چمکانے والا بندوں کو دھوکے دے کر اُلٹی سمجھانے والا سب کچھ ہُوا، ایسے کو جو خود مختار نہیں بلکہ اُس پر واجب ہے کہ یہ یہ کرے اور یہ یہ نہ کرے، اور مزہ یہ کہ اس پر واجب تھا بندوں کے حق میں بہتر کرنا یہ بندوں کے حق میں بہتر تھا کہ ان کی ہدایت کو جو کتاب اتری ظالموں کے پنجے میں رکھی جائے کہ وہ اسے کتریں بدلیں اور اصل ہدایت پہاڑ کی کھوہ میں چھپادی جائے جس کی وہ ہوا نہ پائیں یہ بندوں کے حق میں اصلح تھا کہ اعداء غالب محبوب مغلوب، باطل غالب حق مغلوب، اچھا واجب ادا کیا وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ، یہ ہے رافضیوں کا خدا، کیا خدا ایسا ہوتا ہے تعالیٰ اللہ کیا وہ خدا کو جانتے ہیں، حاش للہ سبحٰن رب العرش عما یصفون O

(۱۰) وہابیوں کے جھوٹے خدا

وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے جسے عـــہ۱ مکان، زمان، جہت، ماہیت، ترکیب عقلی سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے اور صریح کفروں کے ساتھ گننے کے قابل ہے جس کا سچا ہونا کچھ ضرور نہیں جھوٹا بھی ہوسکتا ہے۔ ایسے کہ عـــہ۲ جس کی بات پر اعتبار نہیں، نہ اُس کی کتاب قابلِ استناد نہ اُس کا دین لائق اعتماد، ایسے کو جس عـــہ۳ میں ہر عیب و نقص کی گنجائش ہے جو اپنی مشیحت بنی رکھنے کو قصداً عیبی بننے سے بچتا ہے، چاہے تو ہر گندگی میں آلودہ ہو جائے، ایسے کو جس عـــہ۴ کا علم حاصل کئے حاصل ہوتا ہے اس کا علم اس کے اختیار میں ہے چاہے تو جاہل رہے، ایسے کو جس عـــہ۵ کا بہکنا، بھولنا، سونا، اونگنا، غافل رہنا، ظالم ہونا حتی کہ مرجانا سب کچھ ممکن ہے کھانا، پینا، پیشاب کرنا، پاخانہ پھرنا، ناچنا، تھرکنا، نٹ کی طرح کلا کھیلنا، عورتوں سے جماع کرنا، لواطت جیسی خبیث بیحیائی کا مرتکب ہونا حتّٰی کہ مخنّث کی طرح خود مفعول بننا، کوئی خباثت کوئی فضیحت اُس کی شان عـــہ۶

عـــہ۱: ایضاح الحق اسمٰعیل دہلوی مطبع فاروقی ۱۲۹۷ھ دہلی مع ترجمہ صفحہ ۳۵ و ۳۶۔

عـــہ۲: دیکھو سبحٰن السبوح تنزیہ دوم دلیل دوم۔ عـــہ۳: رسالہ یکروزی اسمٰعیل دہلوی ص ۱۴۵۔

عـــہ۴: تقویۃ الایمان اسمٰعیل دہلوی مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ ص ۲۰۔

عـــہ۵: دیکھو یکروزی ص ۱۴۵ مع کوکب شہابیہ ۱۵ و سبحٰن السبوح طبع بار سوم ص ۶۴ تا ۶۷ و دامان باغ سبحٰن السبوح ص ۱۵۴ تا ۱۵۶ او پیکان جانگداز ص ۱۶۱ وغیرہ۔ عـــہ۶: یکروزی مردود مع مذکورہ ردود۔

کے خلاف نہیں، وُہ کھانے عـــہ۱ کا مُنہ اور بھرنے کا پیٹ اور مردی وزنی کی دونوں علامتیں بالفعل رکھتا ہے صمد نہیں جوف دار کھگل ہے، سبوح قدوس نہیں، خنثٰی مشکل ہے یا کم از کم اپنے آپ کو ایسا بنا سکتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو عـــہ۲ جلا بھی سکتا ہے ڈبو بھی سکتا ہے زہر کھا کر یا اپنا گلا گھونٹ کر بندوق مار کر خود کشی بھی کر سکتا ہے اُس کے ماں باپ جورو بیٹا سب عـــہ۳ ممکن ہیں بلکہ ماں باپ ہی سے عـــہ۴ پیدا ہوا ہے ربڑ کی طرح پھیلتا عـــہ۵ سمٹتا ہے برمھا کی طرح چومکھا عـــہ۶ ہے، ایسے کو جس عـــہ۷ کا کلام فنا ہو سکتا ہے جو بندوں کے خوف کے باعث جھوٹ عـــہ۸ سے بچتا ہے کہ کہیں وُہ مجھے جُھوٹا نہ سمجھ لیں، بندوں سے پُرا چھپا کر پیٹ بھر کر جھوٹ بک سکتا ہے، ایسے کو جس کی خبر کچھ ہے عـــہ۹ اور علم کچھ، خبر سچی ہے تو علم جھوٹا، علم سچا ہے تو خبر جُھوٹی۔ ایسے کو جو سزا عـــہ۱۰ دینے پر مجبور ہے نہ دے تو بے غیرت ہے، معاف کرنا چاہے تو حیلے ڈھونڈھتا ہے، خلق کی آڑ لیتا ہے، ایسے کو جس کی خدائی کی اتنی حقیقت کہ جو شخص ایک پیڑ کے پتّے گن دے اُس کا شریک ہو جائے، جس نے اپنا سب سے بڑھ کر

عـــہ۱: دیکھو مضمون محمود حسن دیوبندی مطبوع پرچہ نظام الملک ۲۵ اگست ۸۹ء مع رسالہ الھیبۃ الجباریہ علی جھالۃ الاخباریہ و پیکان جانگداز وغیرہ۔

عـــہ۲: یکروزی مردود مع مذکورہ ردود۔

عـــہ۳: ایضًا یکروزی و مضمون محمود حسن دیوبندی مع سبحٰن السبوح صفحہ ۷۴ و ۴۸ و ۶۶ و دامان باغ صفحہ ۱۵۸ و غیرہما، اور جورو بیٹے کا امکان ایک دیوبندی اپنے رسالہ ادلہ واہیہ صفحہ ۱۴۲ میں صراحۃً مان گیا دیکھو پیکان جانگداز صفحہ ۱۷۶۔

عـــہ۴: یکروزی و مضمون محمود حسن دیوبندی مع دامان باغ سبحٰن السبوح ص ۱۸۷

عـــہ ۵: یکروزی و محمود حسن مع پیکان جانگداز ص ۱۷۵۔

عـــہ۶: یکروزی و محمود حسن مع پیکان جانگداز ۱۷۶۔

عـــہ۷: یکروزی مع سبحٰن السبوح ص ۸۳۔

عـــہ۸: یکروزی مع سبحٰن السبوح ص ۸۲

عـــہ۹: رسالہ تقدیس دیوبندی ص ۳۶۔

عـــہ۱۰: یہاں سے شروع بیان دیوبندیاں تک سب اقوال تقویۃ الایمان اسمٰعیل دہلوی کے ہیں جو بار ہا دکھا کر رَد کر دئے گئے ۱۲

مقرب ایسوں کو بنایا جو اس کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں جو چُوڑھوں چماروں سے لائق تمثیل ہیں، ایسے کو جس نے اپنے کلام میں خود شرک بولے اور جابجا بندوں کو شرک کا حکم دیا۔ قرآن عظیم تو فرمائے " اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ " [1] انھیں اللہ و رسول نے اپنے فضل سے دولتمند کر دیا اور مسلمانوں کو اس کہنے کی ترغیب دے کہ " حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ " [2] ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتے ہیں اللہ و رسول ہمیں اپنے فضل سے۔ اور وہابیہ کا خدا اسمٰعیل دہلوی کے کان میں پھونک جائے کہ ایسا کہنے والا مشرک ہے، قرآن عظیم تو جبریل امین کو بیٹا دینے والا فرمائے کہ اُنھوں نے حضرت مریم سے کہا: " اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾ " [3] میں تو تیرے رب کا رسول ہُوں اس لئے کہ میں تجھے سُتھرا بیٹا دُوں۔ یعنی مسیح علیہ الصلٰوۃ والتسلیم رسول بخش ہیں، اور وہابیہ کا خدا اُن کے کان میں ڈال جائے کہ رسول بخش کہنا شرک قرآن عظیم تو اس گستاخ پر جس نے کہا تھا رسول غیب کیا جانے حکم کفر فرمائے کہ:

" لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ " [4]	بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔

اور وہابیہ کا خدا اسمٰعیل دہلوی کو یہی ایمان سُجھائے کہ رسول غیب کیا جانے اور وہ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ اللہ کے دئے سے مانے جب بھی شرک ہے۔ اب کہئے اگر رسول کو غیب کی خبر مانے تو وہابی خدا کے حکم سے مشرک، نہ مانے تو قرآن عظیم کے حکم سے کافر، پھر مفر کدھر، یہی ماننے بنے گی کہ یہ مسلمانوں کے خدا کے احکام ہیں جس نے قرآن کریم محمد رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اتارا اور وہ وہابیہ کے خدا کے جس نے تقویۃ الایمان اسمٰعیل دہلوی اتاری، ہاں وہابیہ کا خدا وُہ ہے جس کے سب سے اعلٰی رسول کی شان اتنی ہے جیسے قوم کا چودھری یا گاؤں کا پدھان جس نے حکم دیا ہے کہ رسولوں کو ہرگز نہ مانا رسولوں کا ماننا نرا خبط ہے وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ یہ ہے وہابیوں کا خدا، کیا خدا ایسا ہوتا ہے لا الٰہ الّا اللہ کیا وُہ خدا کو جانتے ہیں، حاش للہ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون ○

(۱۱) دیوبندیوں کے جھوٹے خدا

دیوبندی ایسے کو خدا کہتے ہیں جو وہابیہ کا خدا ہے جس کا بیان ابھی گزر چکا ہے اور اتنے وصف اور رکھتا ہے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۱۹/۱۹

[4] القرآن الکریم ۹/ ۶۶

علمِ ذاتی عــــہ۱ میں اس کی توحید یقینی، دوسرے کو اپنی ذات سے بے عطائے خدا عالم بالذات کہنا قطعاً کفر نہیں، ہاں وہ جو بالفعل جُھوٹا ہے جس عــــہ۲ کے لئے وقوعِ کذب کے معنے درست ہو گئے جو اسے جھٹلائے مسلمان عــــہ۳ سنی صالح ہے اسے کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہئے، دیوبندی خدا عــــہ۴ چوری بھی کرسکتا ہے وہ تمام جہان عــــہ۵ کا تنہا مالک نہیں اُس کے سوااور بھی مالک مستقل ہیں جن کی ملک میں وہ چیزیں ہیں جو دیوبندی خدا کی ملک میں نہیں اُن پر للچائے تو چاہے ٹھگوں لٹیروں کی طرح جبراً غصب کر بیٹھے کیونکہ وہ ظالم بھی عــــہ۶ ہوسکتا ہے اُچکّوں چوروں کی طرح مالکوں کی آنکھ بچا کرلے بھاگے کیونکہ وہ چوری کرسکتا ہے، ہاں وُہ جس کی توحید باطل ہے کہ ایک وہی خدا ہوتا تو دوسرا مالک مستقل نہ ہوسکتا اور دوسرا مالک مستقل نہ ہوتا تو دیوبندی خدا چوری کیسے کرسکتا کہ اپنی ملک لینے کو چوری نہیں کہہ سکتے اور اگر وہ چوری نہ کرسکتا تو دیوبندی بلکہ عام وہابی دھرم میں علٰی کل شیئ قدیر نہ رہتا انسان اُس سے قدرت میں بڑھ جاتا کہ آدمی تو چوری کرسکتا ہے اور وہ کرنہ سکا اور یہ محال ہے۔ لاجرم ضرور ہے کہ دیوبندی خدا چوری کرسکے تو ضرور ہے کہ اس کے سوا اور بھی مالک مستقل ہوں تو لازم ہے کہ دیوبندی خدا کم از کم مجوسی خداؤں کی طرح دو۲ ہوں، نہیں نہیں بلکہ قطعاً لازم کہ کروڑوں ہوں کہ آدمی کروڑوں اشخاص کی چوری کرسکتا ہے دیوبندی خدا نہ کرسکے تو آدمی سے قدرت میں گھٹ رہے، لاجرم ضرور ہے کہ کروڑوں خدا ہوں جن کی چوری دیوبندی خدا کرسکے، رہا یہ کہ وہ سب کے سب اسی کی طرح چوٹے بدمعاش ہیں یا صرف یہ، اس کا فیصلہ تھانوی صاحب کے سر ہے۔ ہاں دیوبندی خدا وُہ ہے کہ علم عــــہ۷ میں شیطان اس کا شریک ہے سب سے بدتر

عــــہ۱: یہ قول رشید احمد گنگوہی کا ہے، فتاوٰی گنگوہی جلد اول ص ۳ ۸ "جو یہ عقیدہ ہو کہ خود بخود آپ کو علم تھا بدون اطلاع حق تعالٰی کے تو اندیشہ کفر کا ہے امام نہ بنانا چاہیے اگرچہ کافر کہنے سے بھی زبان روکے" تھانوی صاحب وغیرہ علمائے وہابیہ سے استفتا ہے کہ علم ذاتی بے عطائے الٰہی کسی مخلوق کے لئے ماننا ضروریات دین کا انکار ہے یا نہیں، ہے تو ایسے کے کفر میں شک کرنا بلکہ کفر نہ ماننا صرف اندیشہ کفر جاننا کفر ہے یا نہیں، ہے تو جناب گنگوہی صاحب کافر ہُوئے یا نہیں، نہیں تو کیوں ۱۲۔

عــــہ۲: فتوائے گنگوہی ۱۲۔ عــــہ۳: فتوائے گنگوہی ۱۲۔

عــــہ۴: مضمون محمود وحسن دیوبندی پرچہ مذکورہ نظام الملک ۱۲

عــــہ۵: دیکھو مضمون مذکور دیوبندی مع پیکان جانگداز ص ۲ ۱۷۔ عــــہ۶: مضمون مذکور

عــــہ۷: براہین قاطعہ ایمان گنگوہی صاحب ص ۷ ۴۔

مخلوق عــہ۱ شیطان کا علم اُس کے سب سے اعلیٰ رسول کے علم سے وسیع تر ہے اور ہونا ہی چاہئے کہ رسول اس کے برابر کیسے ہو سکے جو خدا کا شریک ہے، اُس نے جیسا عــہ۲ علم اپنے حبیب کو دیا اور اُسے اپنا بڑا فضل کہا اور اس پر اعلیٰ درجہ کا احسان جتایا اُس کی حقیقت اتنی کہ ایسا تو ہر پاگل ہر چوپائے کو ہوتا ہے، ہاں دیوبندی خدا وُہ ہے جسے قادر مطلق کہنا اسی دلیل سے باطل ہے کہ جمیع اشیاء پر قدرت تو عقلاً و نقلاً باطل ورنہ خود وہ بھی مقدور ہو تو ممکن ہو تو خدا نہ رہے اور اگر بعض مراد تو اس میں اُس کی کیا تخصیص، ایسی قدرت تو ہر پاگل چوپائے کو ہے۔ دیوبندی خدا وہ ہے جس عــہ۳ نے ایسے کو اپنا سب سے اعلیٰ رسول چُنا جو اُس کا کلام سمجھنے کی لیاقت نہ رکھتا خیالات عوام کے لائق اُس کی سمجھ تھی جس کی خطا اہل فہم پر روشن تھی، پھر یہ دیوبندی خُدا اُسے اس فاحش غلطی پر بھی نہ روکتا یا شاید خود بھی اپنا کلام نہ سمجھتا کیونکہ وہ عــہ۴ جاہل بھی ہو سکتا ہے، دیوبندی خدا وُہ ہے کہ جس دلیل سے اس کے خاتم النبیین کے سوا چھ عــہ۵ خاتم النبین اور ماننا خاتم کی شان بڑھانا ہے یوہیں اُسے تنہا خدا کہنا اُس کی شان گھٹانا ہے اُس کی بڑی بڑائی یہ ہے کہ بہت سے خداؤں کا خدا ہے کیا خدا ایسا ہوتا ہے، **حاش للہ سبحٰن رب العرش عما یصفون** ○

(۱۲) غیر مقلدوں کے جھوٹے خدا

غیر مقلد کا خدا یہ سب کچھ ہے جو دیوبندی وہابی کا، **قال اللہ تعالٰی** "بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ" [1] (اور وہ بعض نزاکتیں اور زیادہ رکھتا ہے ایسا کہ جس عــہ۶ کے دین میں کُتّا حلال، سوئر کی چربی حلال، سوئر کے گُردے حلال، سوئر کی تلی حلال، سوئر کی کلیجی حلال، سوئر کی اوجھڑی حلال، سوئر کی کھال کا ڈول بنا کر اس سے پانی پینا حلال وضو کرنا

عــہ۱: براہین قاطعہ ایمان گنگوہی صاحب ص ۷۴۔ **عــہ۲**: حفظ الایمان تھانوی صاحب ص ۷۔

عــہ۳: تحذیر الناس قاسم نانوتوی صاحب ص ۲ مع حدیث متواتر "انا خاتم النبیین لانبی بعدی"۔

عــہ۴: تقویۃ الایمان ص ۲۰ و تصریح صریح مضمون مذکور محمود حسن دیوبندی۔ **عــہ۵**: تحذیر الناس نانوتوی ص ۷ و ۳ و ۳۸۔

حلال۔ **عــہ۶**: آیہ کریمہ "قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ" [2] میں کھانے کی صرف چار ۴ چیزوں میں حرمت کا حصر ہے جن میں کُتّا نہیں، اور سوئر کا گوشت ہے چربی گردے تلی کلیجی کھال نہیں، اور انکی حرمت میں کوئی صحیح صریح حدیث بھی نہیں اور ہو تو آیت کارد نہیں کر سکتی لہٰذا غیر مقلدی دھرم میں یہ سب چیزیں حلال و شیر مادر ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۷

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۵

حلال، گندی خبیث عـــہ۱ شراب سے نہا کر سارے کپڑے اس میں رنگ کر نماز پڑھنا حلال ایک وقت میں ایک عورت عـــہ۲ متعدد مردوں پر حلال، وُہ جس نے آپ ہی تو عـــہ۳ حکم دیا کہ خود نہ جانو تو جاننے والوں سے پوچھو، اپنے علماء کی اطاعت کرو، اپنے نیکوں کی پیروی کرو، جب پوچھا اور اطاعت و پیروی کی تو شرک کی جڑ دی۔ وُہ جس نے ائمہ دین کی تقلید حرام و شرک ٹھہرائی اور پُوربی عـــہ۴ بنگالی پنجابی بھوپالی کی فرض۔ وہ جس نے اپنے اور رسولوں کے سوا کسی کی بات حجت نہ رکھی اور بیچ میں چند محدثوں عـــہ۵ اور جارحوں معدلوں کو کھڑا کرکے ان کے قول کو کتاب وسنت کے برابر ٹھہرا کر حجیت دی یعنی یہ شریک الوہیت نہیں تو شریک رسالت ضرور ہیں، نہیں نہیں بلکہ شریک الوہیت ہی ہیں کہ

"اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"[1] (انھوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ

عـــہ۱: روضہ ندیہ صدیق حسن بھوپالی ص ۱۲۔ عـــہ۲: دیکھو ضمیمہ النیر الشابی ص ۳۴ تا ۳۶۔

عـــہ۳: قال اللہ تعالٰی

"فَسْــٴَـلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا، تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں (ت)

وقال تعالٰی "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"۔[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں (ت)

وقال تعالٰی "وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ"۔[4] ۱۲ (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا (ت)

عـــہ۴: کہ جو کچھ یہ کہہ دیں کہ قرآن حدیث سے ثابت ہے ان کے جاہلوں پر اس کا ماننا فرض ۱۲

عـــہ۵: بخاری و مسلم فلاں فلاں نے حدیث، روایت کردی صحیح ہو گئی، یحیٰی، نسائی، دارقطنی فلاں فلاں نے راوی کو ثقہ کہہ دیا، ضعیف کہہ دیا ضعیف ہے۔ اگرچہ یحیٰی وغیرہ تک سند خود مقطوع ہو، ذہبی وابن حجر نے قال کہہ دیا سند صحیح ہے رُوی کہا ضعیف ہے، یہ سب نری تقلید جامد ہے جس پر اللہ نے کوئی سند نہ اتاری، قرآن وحدیث سے اسکا کہیں ثبوت نہیں ۱۲

[1] القرآن الکریم ۹ / ۳۱

[2] القرآن الکریم ۱۶ / ۴۳

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[4] القرآن الکریم ۳۱ / ۱۵

کے سواخدا بنالیا۔ت) نہ کہ رسلا من دون النبی (نبی کے سوا رسول۔ت) ہاں وہ جس نے آپ ہی تو عـــہ اتباع ظن حرام اور افادہ حق میں محض ناکام کیا پھر ان چند کی ظنی روایات ظنی جرح و تعدیلات کا اتباع عین دین کر دیا، تو بات کیا وہی کہ یہ مثل انبیاء معصوم ہیں، نہیں نہیں بلکہ دین غیر مقلدی کے اربابا من دون اللہ جُھوٹے خدا ہیں، وُہ جس نے چند جاہلان عالم نما کے سوا جوابو حنیفہ و شافعی پر منہ آتے اور اُن کے احکام پر رکھنے کی اپنے میں طاقت بتاتے ہیں تمام عالم کو بے نتھا بیل کیا ہے کیونکہ وُہ آپ دلیل نہیں سمجھ سکتے اور دُوسرے کی کہی ہُوئی اگرچہ بنگالی بھوپالی دہلوی امرتسری کی مان لیں کہ دلیل سے یہ ثابت ہے، یہ تو وہی تقلید ہُوئی جو شرک ہے لہٰذا ضرور بے نتھے بیل ہیں، وُہ کہ عام جہاں پر جس کے لئے کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی کہ حجت قائم ہو دلیل سے، دلیل وُہ خود سمجھ نہیں سکتے اور دُوسرے کی سمجھ پر اعتماد شرک۔ وہ جس نے (خاک بدہن خبثا) کُھلے مشرکوں کو خیرامۃ کہا اور ان کے تین قرنوں کو خیر القرون (کہلوایا جن کا روز اول سے آج تک یہی معمول کہ عامی کو جو مسئلہ پُوچھنا ہوا عالم سے پُوچھا، عالم نے حکم بتادیا سائل نے مانا اور کاربند ہُوا صحابہ سے آج تک کبھی دلیل بتانے اور اُسے عامی کے اس قدر ذہن نشین کرنے کا کہ وُہ خود سمجھ لے کہ واقعی یہ حکم قرآن وحدیث سے ثابت بروجہ صحیح غیر معارض وغیر منسوخ ہے، ہرگز نہ دستور تھا نہ ہُوا نہ ہے، تو پوچھنے والے بے علم دلیل تفصیلی اُن کا فتوٰی مانا کئے اور یہی تقلید ہے، اور تقلید شرک تو عہد صحابہ سے آج تک سب

عـــہ: قال اللہ تعالٰی

"وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا اور ان میں اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر، بیشک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا (ت)

قال تعالٰی

"اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ"۔[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ تو نرے گمان کے پیچھے ہیں اور بیشک گمان یقین کی جگہ کُچھ کام نہیں دیتا (ت)

وقال تعالٰی "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ"[3]۔ ۱۲ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۶

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۸

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

مفتیان وعلماء مشرک گروشرک دوست ہُوئے اور ہر مشرک گرخود مشرک اور مشرکوں سے بدتر، تو غیر مقلد کے دھرم میں صحابہ سے اب تک تمام اُمت مشرک، لیکن غیر مقلد کا خدا انھیں کو **خیر الامۃ** اور **خیر القرون** کہتا کہلواتا ہے، پھر اس کی کیا شکایت کیہ ایسوں کو کہا جو غیر مقلدی دھرم میں "فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا"[1] تھے جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور جُدا جدا گروہ ہوگئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اتباع اُن سے فتوٰی لیتے اور اس پر چلتے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اتباع اُن کی طرف تھے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اتباع اُن کے ساتھ تھے اور وُہ اختلاف آج تک برابر قائم رہے، سب فریق مشورہ کرکے ایک بات پر عامل نہ ہونے تھے نہ ہوئے، قرآن عظیم میں ہمیشہ پڑھا کئے:

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ"۔[2]	(جب تم میں کسی بات میں اختلاف ہو تو اُسے اللہ ورسول کی طرف رجوع کرو۔

اس پر نہ عمل کرنا تھا نہ کیا، اس پر عمل کرتے تو سب ایک نہ ہو جاتے کہ اللہ ورسول کا حکم ایک ہی تھا، مگر وُہ اپنے ہی عالموں کے قول پر اڑے رہے مسعودی عمری عباسی نام نہ کہلانا کوئی چیز نہیں کام وہی رہا جو حنفی شافعی مالکی حنبلی نے کیا کام کام سے ہے نہ کہ نام سے۔ دین کے ایسے ٹکڑے کرنے والوں کو "**خیر امۃ و خیر القرون**" ٹھہرایا وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ، کیا انھوں نے خدا کو جانا، حاش للہ "مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ؁"[3]

"سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ؁"[4] (انھیں اس کی حقیقت کچھ معلوم نہیں یُونہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ت)

تنبیہ: مسلمانو! تم نے دیکھا یہ ہیں گمراہ فرقے، اور یہ ہیں ان کے ساختہ خدا "مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ"[5] (اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی۔ت) اور ایک عام بات یہ ہے کہ کفر کیا ہے اُس بات کی تکذیب جو بالقطع والیقین ارشاد الٰہی عزوجل ہے اب یہ تکذیب کرنے والا اگر اُسے ارشاد الٰہی عزوجل نہیں مانتا تو ایسے کو خدا سمجھا ہے جس کا یہ ارشاد نہیں حالانکہ خدا وُہ ہے جس کا یہ ارشاد ہے تو اُس نے خدا کو کہاں جانا اور اگر اس کا ارشاد مان کر تکذیب کرتا ہے تو ایسے کو خدا سمجھا ہے جس کی بات

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۵۹
[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹
[3] القرآن الکریم ۴۳/ ۲۰
[4] القرآن الکریم ۴۳/ ۸۲
[5] القرآن الکریم ۶/ ۹۱

جھٹلانا رواہے اور خدااس سے پاک و وراء و بلند و بالا تو اس نے خدا کو کب جانا، حاصل وہی ہوا کہ "اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ"[1] (اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا۔ت) اور یہاں سے ظاہر ہُوا کہ اس جہل باللہ میں نِرے دہریوں کے بعد جو سرے سے وجود خدا کے منکر ہیں سب سے بھاری حصہ ان وہابیوں اسمٰعیلیوں خصوصا دیوبندیوں کا ہے کہ اور کافر تو اس سے کافر ہوئے کہ انھوں نے خدا کو جھٹلایا خدا کو عیب لگایا مگر اُن میں ایسا کُھلا بیباک مشکل سے نکلے گا جو اپنی زبان سے خود ہی کہے کہ ہاں ہاں اُس کا خدا جُھوٹا ہونے اور نہ صرف جُھوٹ بلکہ ہر سڑے سے سڑے عیب ہر ناپاک سی ناپاک گندگی میں سننے کے قابل ہے یہودی نصرانی بھی شاید اسے کہتے جھجکیں گے، یہ دھوئی دھائی دیدے کی صفائی، انہی صاحبوں کے حصہ میں آئی کہ اپنے معبود کے کذاب عیبی آلودہ ہونے کو دھڑلے سے جائز کریں اور اُس پر تحریر کریں لکھیں چھاپیں اسی پر کمالِ اسلام کامدار جانیں

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ"[2] (اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)

تنبیہ: ان چند اوراق میں جو کچھ بیان ہُوا کتب ورسائل فقیر واصحاب فقیر میں بحمدہ تعالٰی مبسوط و مبر ہن ہیں، مسلمان انھیں حروف کو یاد رکھیں تو ضرور ضرور ان تمام بے دینوں کے سائے سے بچیں، انکی پر چھائیں سے دُور بھاگیں انکے نام سے گھن کریں، انکے قال اللہ وقال الرسول کے مکر کے جال میں نہ پھنسیں، "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" تو بعونہ تعالٰی یہیں روشن ہوا اور ان شاء اللہ الکریم، ان شاء اللہ الکریم، ان شاء اللہ الکریم، ان شاء اللہ الکریم وفی الاخرۃ[3] کل کے دن پر وہ بر افگن ہو یعنی ثابت رکھے اللہ ایمان والوں کو حق دین پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، واللہ قدیر واللہ غفور رحیم o وللہ الحمد۔ والیہ الصمد۔ وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین۔ اٰمین والحمد للہ ربّ العٰلمین o

---

[1] القرآن الکریم ۴۵/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۷

رسالہ
حجب العوار عن مخدوم بہار ۱۳۳۹ھ
(مخدوم بہار سے عیب کو روکنا)

مسئلہ ۷۷: از دانا پور مرسلہ محمد حنیف خان ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

بخدمت فیضدرجت جناب اعلیٰحضرت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب مدظلہ العالی، گزارش ہے کہ اسمٰعیل نے چمار سے مثال دی، یہاں کے غیر مقلد کہتے ہیں کہ مخدوم صاحب نے مینگنی سے مثال دی ہے اس کا کیا جواب ہے حضور کا کوئی رسالہ یا فتوٰی ہے اس بارے میں ہے یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اولاً: کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام سے منسوب ہونا اس سے ثبوت قطعی کو مستلزم نہیں، بہت رسالے خصوصاً اکابر چشت کے نام منسوب ہیں جس کا اصلاً ثبوت نہیں۔

ثانیاً: کسی کتاب کا ثابت ہونا اس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں، بہت اکابر کی کتابوں میں الحاقات ہیں جن کا مفصل بیان کتاب الیواقیت والجواھر امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی

رحمۃاللہ تعالٰی علیہ ہے خصوصا حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام میں تو الحاقات کی گنتی نہیں، کھلے ہوئے صریح کفر بھر دئے ہیں، جس پر در مختار ابوالسعود سے نقل کیا:

تیقنا ان بعض الیھود افترٰھا علی الشیخ قدس اللہ سرّہ [1]۔	ہم کو یقین ہے کہ شیخ قدس سرہ پر یہ عبارتیں بعض یہودیوں نے گھڑ دی ہیں۔

حضرت مخدوم صاحب ہی کی کتاب عقائد ترجمہ عمدۃ الکلام میں ہے:

قریش اعلٰی جد مصطفٰی بود واو دو پسر داشت یکے را نام ہاشم بود ودوم را نام تیم پیغامبر از نسل ہاشم است وابوبکر از نسل تیم است [2]۔	ہاشم کے باپ کا نام قریش اور ان کے دو بیٹے تھے، ایک ہاشم دوسرا تیم، پیغامبر ہاشم کی نسل سے اور ابوبکر تیم کی نسل سے ہیں۔

کوئی جاہل سے جاہل ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ ہاشم کے باپ کا نام قریش تھا، اور انکے دو بیٹے تھے، ایک ہاشم دوسرا تیم۔ ہم ہر گز ایسی نسبت بھی مخدوم صاحب کی طرف نہیں مان سکتے ضرور کسی جاہل کا الحاق ہے نہ کہ **معاذاللہ** توہین شان رسالت یہ وہابیہ ہی میں سے کسی کا الحاق ہے۔

ثالثاً: امام حجۃالاسلام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

لاتجوز نسبۃ مسلم الی کبیرۃ من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیا وقتل ابو لؤلوء عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما فان ذلك ثبت متواترًا فلا یجوزان یری المسلم بفسق او کفر من غیر تحقیق [3]۔	یعنی کسی مسلمان کی طرف کسی کبیرہ کی نسبت بلا تحقیق حرام ہے۔ ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابو ملجم نے مولا علی اور ابولولؤ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو شہید کیا کہ یہ تواتر سے ثابت ہے، تو کسی مسلمان کی طرف بلا تحقیق کفر یا فسق کی نسبت اصلا جائز نہیں۔

اس کے بعد وہ احادیث ذکر فرمائیں جن سے ثابت ہے کہ کسی کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے اگر وہ کافر نہ تھا۔ یوں ہی فسق کی طرف نسبت کرنے والا فاسق ہو جاتا ہے اگر وہ فاسق نہ تھا۔ کتاب کا چھپ جانا اسے متواتر نہیں کر دیتا کہ چھاپے کا اصل وہ نسخہ ہے جو کسی الماری میں ملا اس سے نقل کرکے کاپی ہوئی سیدھی صاف باتوں میں کسی کتاب سے کہ ظنی طور پر کسی بزرگ کی طرف منسوب ہو۔ اسناد اور بات ہے، اور ایسے

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۸

[2] کتاب عقائد ترجمہ عمدۃ الکلام

[3] احیاء العلوم والدین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ اللعن مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ ۳/ ۱۲۵

امر میں جسے مسند کلمہ کفر بنایا اور اس سے توہین شانِ رسالت کے جواز پر سند لانا ہے، اس پر اعتماد اور بات، علما کے نزدیک ادنٰی درجہ ثبوت یہ تھا کہ ناقل کے لئے مصنف تک سند مسلسل متصل بذریعہ ثقات ہو، خطیب بغدادی بطریق الرحمان سلمی امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ فرمایا:

اذا وجد احدکم کتابا فیہ علم لم یسمعہ عن عالم فلیدع باناء وماء فلینقعہ فیہ حتی یختلط سوادہ فی بیاضہ [1]۔	جب تک تم میں کوئی ایک کتاب پائے جس میں علم کی بات ہے اور اسے کسی عالم سے نہ سنا تو برتن میں پانی منگا کر وہ کتاب اس میں ڈبودے کہ سیاہی سپیدی سب ایک ہو جائے۔

فتاوٰی حدیثیہ امام زین الدین عراقی سے ہے:

نقل الانسان مالیس لہ بہ روایۃ غیر سائغ بالاجماع عند اھل الدرایۃ [2]۔	یعنی علمائے کرام کا اجماع ہے کہ آدمی جس بات کی سند متصل نہ رکھتا ہو اس کا نقل اسے حلال نہیں۔

ہاں اگر اس کے پاس نسخہ صحیحہ معتمدہ ہو کہ خود اس نے یا کسی ثقہ معتمد نے خود اصل نسخہ مصنف سے مقابلہ کیا یا اس نسخہ صحیحہ معتمدہ سے جس کا مقابلہ اصل نسخہ مصنف یا اور ثقہ نے کیا وسائط زیادہ ہوں تو سب کا اسی طرح کے متعمدات ہونا معلوم ہو تو یہ بھی ایک طریقہ روایت ہے اور ایسے نسخہ کی عبارت کو مصنف کا قول بتانا جائز، فتاوٰی حدیثیہ میں ہے:

قالوا ماوجد فی نسخۃ من تصنیف فان وثق بصحۃ النسخۃ بان قابلھا المصنف اوثقہ غیرہ بالاصل او بفرع مقابل بالاصل وھکذا جاز الجزم بنسبتھا الی صاحب ذلك الکتاب وان لم یوثق لم یجزم [3]۔	یعنی علماء نے فرمایا جو عبارت کسی تصنیف کے کسی نسخہ میں ملے اگر صحت نسخہ پر اعتماد ہے یوں کہ اس نسخہ کو خود مصنف یا کسی اور ثقہ نے خاص اصل مصنف سے مقابلہ کیا ہے یا اس نسخہ سے جسے اصل پر مقابلہ کیا تھا، یوں ہی اس ناقل تک، جب تو یہ کہنا جائز ہے کہ مصنف نے فلاں کتاب میں یہ لکھا ورنہ جائز نہیں۔

[1] الفتاوٰی الحدیثیہ بحوالہ الخطیب مطلب فی ان الانسان لایصح لہ الخ المطبعۃ الجمالیہ مصر ص ۶۵

[2] الفتاوٰی الحدیثیہ بحوالہ الخطیب مطلب فی ان الانسان لایصح لہ الخ المطبعۃ الجمالیہ مصر ص ۶۴

[3] الفتاوٰی الحدیثیہ بحوالہ الخطیب مطلب فی ان الانسان لایصح لہ الخ المطبعۃ الجمالیہ مصر ص ۶۵

مقدمہ امام ابوعمرو بن الصلاح میں عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ انھوں نے اپنے صاحبزادے ہشام سے فرمایا: تم نے لکھ لیا؟ کہا: ہاں۔ مقابلہ کرلیا؟ کہا: نہ۔ فرمایا: لم تکتب[1] تم نے لکھا ہی نہیں۔ اسی میں امام شافعی ویحیٰی بن ابی کثیر سے ہے کہ دونوں صاحبوں نے فرمایا:

من کتب ولم یعارض کمن دخل الماء ولم یستنج[2]۔	جس نے لکھا اور مقابلہ نہ کیا وہ ایسا ہے کہ پانی میں داخل ہے اور استنجانہ کیا۔

اسی میں ہے:

اذا اراد ان ینقل من کتاب منسوب الی مصنف فلا یقل "قال فلان کذا وکذا" الا اذا وثق بصحۃ النسخۃ بان قابلھا ھو اوثقۃ غیرہ باصول متعددۃ[3]۔	جب کسی کتاب سے کہ کسی مصنف کی طرف منسوب ہے کچھ نقل کرنا چاہے تو یوں نہ کہے کہ مصنف نے ایسا کہا جب تک کہ صحت عامہ نسخہ پر اعتماد نہ ہو یوں کہ اس نے خواہ اور ثقہ نے اس متعدد صحیح نسخوں سے مقابلہ کیا ہو۔

اسی میں ہے:

یطالع احدھم کتابا منسوبا الی مصنف معین وینقل منہ عنہ من غیر ان یثق بصحۃ النسخۃ قائلا "قال فلان کذاوکذا او ذکر فلان کذا وکذا" والصواب ماقدمناہ اھ[4] ولفظ الفتاوی الحدیثیۃ عنہ والصواب ان ذلک لایجوز[5]۔	کسی معین مصنف کی طرف منسوب کتاب میں ایک عبارت دیکھ کر آدمی نقل کردیتاہے کہ مصنف نے ایسا کہا حالانکہ صحت نسخہ پر وثوق (بروجہ مذکور کہ اصل نسخہ مصنف سے بلاواسطہ یا بوساطت ثقات اس نے یا اور ثقہ نے مقابلہ کیا ہو) حاصل نہیں مثلایوں کہے کہ فلاں نے یوں یوں کہا یافلاں نے یوں یوں ذکر کیا، حق یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح النوع الخامس والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۹۲

[2] مقدمہ ابن الصلاح النوع الخامس والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۹۲

[3] مقدمہ ابن الصلاح النوع الرابع والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۸۷

[4] مقدمہ ابن الصلاح النوع الرابع والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۸۷

[5] الفتاوٰی الحدیثیہ مطلب ان الانسان لایصح لہ ان یقول الخ المطبعۃ الجمالیۃ مصر ص ۶۵

امام نووی نے تقریب میں فرمایا:

فان قابلها باصل محقق معتمد اجزاه[1]۔	اگر ایک اصل تحقیق معتمد سے اس نے مقابلہ کیا ہے تو یہ بھی کافی ہے۔

یعنی اصول معتمدہ متعدد سے مقابلہ زیادت احتیاط ہے، یہ اتصال سند اصل وہ شیئ ہے جس پر اعتماد کرکے مصنف کی طرف نسبت جائز ہوسکے، اور متاخرین نے کتاب کا علماء میں ایسا مشہور ہونا جس سے اطمینان کہ اس میں تغییر و تحریف نہ ہوئی، اسے بھی مثل اتصال سند جانا اور وہ ایسا ہی ہے مقدمہ امام ابو عمرو نوع اول میں ہے:

اٰل الامران الاعتماد علی مانص علیه فی تصانیفهم المعتمدة المشهورة التی یؤمن فیها لشهرتها من التغییر و التحریف[2] (ملخصاً)	یعنی آخر قرار داد اس پر ہوا کہ اعتماد اس پر ہے جو ایسی مشہور و معتمد کتابوں میں ہو جن کی شہرت کے سبب ان میں تغییر و تحریف سے امان ہو۔ (ملخصا)

فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق و منح الغفار میں فرمایا:

علی هذا لو وجدنا بعض نسخ النوادر فی زماننا لایحل عزوما فیها الی محمد والا الی ابی یوسف لانها لم تشتهر فی دیارنا ولم تتداول[3]۔	یعنی اگر کتب ستہ کے سوا اور کتب تلامذہ امام کے بعض نسخے پائیں تو حلال نہیں کہ ان کے اقوال کو امام محمد یا امام ابو یوسف کی طرف نسبت کریں کہ وہ کتابیں ہمارے دیار میں مشہور و متداول نہ ہوئیں۔

تداول کے یہ معنی کہ کتاب جب سے اب تک علماء کے درس و تدریس یا نقل و تمسک یا ان کی مطمح نظر رہی ہو، جس سے روشن ہو کہ اس کے مقامات و مقالات علماء کے زیر نظر آچکے اور وہ بحالت موجودہ اسے مصنف کا کلام مانا کئے، زبان علماء میں صرف وجود کتاب کافی نہیں کہ وجود تداول میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پر ظاہر کہ یہاں دونوں باتیں مفقود، تداول در کنار کوئی سند متصل بھی نہیں، نہ کہ تواتر جو ایسی نسبت کے لئے لازم ہے، رہا وجود نسخ، انصافاً متعدد بلکہ کثیر و وافر قلمی نسخے موجود ہونا بھی ثبوت تواتر کو بس نہیں، جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ سب نسخے جدا جدا اصل مصنف سے نقل کئے گئے یا ان نسخوں سے جو اصل سے نقل ہوئے ورنہ ممکن کہ بعض نسخ محرفہ ان کی اصل ہوں، ان میں الحاق ہوا اور یہ ان سے نقل و نقل در نقل ہو کر کثیر ہوگئے، جیسے آج کل کی

---

[1] تقریب النووی مع تدریب الراوی النوع الاول الصحیح دار الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۵۰

[2] مقدمہ ابن الصلاح النوع الاول الصحیح فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۹

[3] فتح القدیر کتاب الحوالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۰

محرف بائبل کے ہزار در ہزار نسخے، فتوحات مکیہ کے تمام مصری نسخے نسخہ محرفہ سے منقول ہوئے اور اس کی نقلیں مصر میں چھپیں اور اب وہ گھر گھر موجود ہیں، حالانکہ تواتر در کنار ایک سلسلہ صحیحہ آحاد سے بھی ثبوت ہیں، "وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝" [1] (اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ت) علامہ شامی کا ظن پر اکتفا صاف باتوں کے لئے وجہ ہے مگر ایسے امور میں اس پر قناعت قطعاً حرام، ورنہ معاذاللہ اکابر ائمہ واعاظم علماء کی طرف نسبت کفر ماننی پڑے، ہماری نظر میں ہیں وہ کلمات جو اکابر اولیاء سے گزر کر اکابر علماء معتمدین مثل امام ابن حجر مکی وملا علی قاری وغیرہما کی کتب مطبوعہ میں پائے جاتے ہیں، اور ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ الحاقی ہیں، ایک ہلکی نظیر علی قاری کی شرح فقہ اکبر صفحہ ۷۴ پر ہے:

ماسمی به الرب نفسه وسمی به مخلوقاته مثل الحی والقیوم والعلیم والقدیر [2]۔	نام کہ رب تعالٰی نے اپنے لئے اور مخلوق کے لئے مقرر فرمائے وہ مثل حی، قیوم، علیم، قدیر ہیں۔(ت)

اس میں مخلوقات پر قیوم کے اطلاق کا جواز ہے حالانکہ ائمہ فرماتے ہیں کہ غیر خدا کو قیوم کہنا کفر ہے۔ مجمع الانہر میں ہے:

اذا اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق نحو القدوس والقیوم والرحمٰن وغیرها یکفر [3]۔	جو اللہ تعالٰی کے مخصوص ناموں میں سے کسی نام کا اطلاق مخلوق پر کرے، جیسے قدوس، قیوم اور رحمٰن وغیرہ تو وہ کافر ہوجائے گا۔(ت)

اسی طرح اور کتابوں میں ہے۔ حتی کہ خود اسی شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۴۵ میں ہے:

من قال لمخلوق یاقدوس اوالقیوم اوالرحمٰن کفر [4]۔	جو کسی مخلوق کو قدوس یا قیوم یا رحمٰن کہے کافر ہوجائے۔

پھر کیونکر مان سکتے ہیں کہ وہ صفحہ ۷۴ کی عبارت علی قاری کی ہے ضرور الحاق ہے اگرچہ کتاب اجمالاً مشہور ومعروف ہے، بخلاف کلمات اسمٰعیل کہ موافق ومخالف کے نزدیک اس سے متواتر ہیں، مخالفین رد کرتے ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر اللہ سبحانہ اوجد المخلوقات مصطفی البابی مصر ص ۳۹

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ثم ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۰

[4] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایة مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

موافقین تاویلیں کرتے ہیں، اب یہیں دیکھئے اس چمار والے کلام پر سے دفع ایراد کہ یہ عبارت پیش کی، خود اسمٰعیل کی زندگی میں اس پر مواخذے ہوئے، جامع مسجد دہلی میں شاہ عبدالعزیز کے اعزہ واخص تلامذہ مثل مفتی رشید الدین خاں صاحب وشاہ موسٰی صاحب نے مناظرے کئے الزام دئے، نہ اس نے کہا کہ یہ کلمات میرے نہیں، نہ اس کے ہواخواہوں نے، جب سے آج تک، تو اس سے ثبوت یقینی ہے اور وہابیہ کہ بحالت موجودہ اسے مثل قرآن وعین ایمان مان رہے ہیں ان پر رد تو کسی ثبوت کی بھی حاجت نہیں **کمالایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

رابعًا: ایسی جگہ خلق سے مراد وہ ہوتے ہیں جو عظمت دینی سے اصلا حصہ نہیں رکھتے شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں: ؎

نگہدار دآں شوخ در کیسہ در　　　　کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر[1]۔

(موتیوں کی بات ایسے شوخ سے ہوشیار رہو جو تمام لوگوں کو جیب کترا سمجھتا ہے۔ت)

ابلیس ہوگا وہ جو کہے کہ اس سے عام مراد ہے کہ انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کو بھی معاذاللہ گرہ کاٹ جانے، حقیقت امر یہ ہے کہ مخلوق دو قسم ہے:

اول: وہ کہ عظمت دینی رکھتے ہیں جن کے سروسرور مطلق حضور سید المرسلین ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم، پھر باقی حضرات انبیاء وملائکہ واولیاء واہلبیت وصحابہ، پھر دیگر علماء وصلحاء واتقیاء، پھر سلاطین اسلام، پھر عام مومنین، نیز صحائف دینیہ مثل مصحف شریف وکتب فقہ وحدیث، صفات جمیلہ مثل ایمان وعمل، اعمال صالحہ مثل نماز وحج، اخلاق فاضلہ مثل زہد وتواضع، اماکن مقدسہ مثل کعبہ مکرمہ وروضہ منورہ، غرض جملہ اشخاص واشیاء جن کو مولٰی عزوجل سے علاقہ قرب ہے۔ اس علاقہ کے سبب ان کی تعظیم اللہ عزوجل ہی کی تعظیم ہے اور ان کی عزت اس کی عزت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم وحامل القراٰن غیر الغالی فیہ والجافی عنہ واکرام ذی السلطان المقسط[2]۔	بیشک اللہ کی تعظیم سے ہے بوڑھے مسلمان کی عزت کرنی، اور حافظ قرآن کی کہ نہ اس میں حد سے بڑھے نہ اس سے دوری کرے، اور حاکم عادل کی۔

[1] بوستان سعدی باب اول منشی گلاب سنگھ لکھنؤ ص ۱۲۸

[2] سنن ابو داؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

رواہ ابوداؤد بسند حسن عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	(اسے ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

مولٰی عزوجل فرماتا ہے: "فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾"[1] عزت ساری اللہ ہی کے لئے ہے، اور خود فرماتا ہے:

"وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾"[2]۔	عزت اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

رسول اور مسلمانوں کی عزت اگر عزت الٰہی سے جدا ہوتی تو عزت کے حصے ہو جاتے۔ ایک حصہ اللہ کے لئے، ایک رسول کا، ایک مومنین کا، حالانکہ رب عزوجل فرما چکا کہ عزت ساری اللہ ہی کے لئے ہے، تو قطعًا ان کی عزت اللہ ہی کی عزت سے ہے اور ان کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم۔ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفرقہ کرنے والوں کو قرآن عظیم کافر فرماتا ہے، ایک قوم کا حال ارشاد فرمایا:

"یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ"[3]۔	اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈالنی چاہتے ہیں۔

پھر فرمایا: "اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا"[4] یہی پکے کافر ہیں۔ رسولوں کی عزت رسولوں کی عظمت اللہ عزوجل کی عزت وعظمت سے جدا ماننی، اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈالنی ہے ۔

خاصان خدا خدا نباشند   لیکن زخدا جدا نباشند

(اللہ تعالٰی کے خاص بندے خدا نہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں۔ت)

ولہٰذا ان کی تعظیم مدار ایمان ہوئی، اور ان کی ادنٰی توہین کفر، ارسال رسول کا ایک مقصد اعلٰی تعظیم وتوقیر رسول ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ"[5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ، اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۹

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۰

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۱

[5] القرآن الکریم ۴۸/ ۸و۹

؎دوم وہ کہ عظمت دینی سے اصلاً بہرہ نہیں رکھتے کہ اللہ عزوجل سے انھیں کوئی علاقہ قرب نہیں ہے، تو بعد ہی ہے، ان کے بدتر وذلیل تر کفار ومشرکین ومرتدین مثل وہابیہ دیوبندیہ وغیر مقلدین ہیں، پھر باقی ضالین، نیز صفات رذیلہ مثل کفر وضلال، اعمال خبیثہ مثل زنا وشرب خمر، اخلاق رذیلہ مثل تکبر وعجب، اماکن نجسہ مثل معابد کفار غرض دنیا ومافیہا جس کو اللہ عزوجل سے علاقہ قرب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدّنیا ملعونة ملعون مافیھا الاما کان منھا للہ عزوجل [1]۔ رواہ ابو نعیم فی الحلیة والضیاء فی المختارة عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند حسن۔	دنیا ملعون ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے ملعون ہے مگر وہ جو اس میں سے اللہ عزوجل کے لئے ہو (اسے ابو نعیم نے حلیہ میں اور ضیاء نے مختارہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الدنیا ملعونة ملعون مافیھا الاذکر اللہ وماوالاہ وعالمًا اومتعلمًا [2] رواہ ابن ماجة عن ابی ھریرة و الطبرانی فی الاوسط عن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	دنیا پر لعنت ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے سب پر لعنت ہے مگر اللہ کا ذکر اور جسے اس سے علاقہ قرب ہے اور عالم یا طالب علم دین (اس کو ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور طبرانی نے اوسط میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الدنیا ملعونة ملعون مافیھا الاما ابتغی بہ وجہ اللہ تعالٰی [3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دنیا لعینہ ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب لعین ہے مگر جس سے رضائے الٰہی مطلوب ہو (اس کو طبرانی نے کبیر میں ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

رب عزوجل فرماتا ہے:

[1] حلیة الاولیاء ترجمہ ۲۳۰ محمد بن المنکدر دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۵۷

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب مثل الدنیا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۲-۳۱۳

[3] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر کتاب الزہد باب ماجاء فی الریاء دار الکتاب بیروت ۱۰/ ۲۲۲

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓىٕكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۝" [1]	بیشک اللہ ورسول کے مخالف وہی سب ذلیلوں سے ذلیل تروں میں ہیں۔

اور فرماتا ہے تبارک وتعالٰی:

"اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ۝" [2]	بیشک تمام کافر کتابی ومشرک جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے وہ تمام مخلوق الٰہی سے بدتر ہیں (اونٹ کی مینگنی سے بدتر، کتے سور کے غلیظ سے بدتر) بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ تمام مخلوق الٰہی سے بہتر ہیں (کعبہ وعرش سے بہتر، ملائکہ سے بہتر)

جب یہ دونوں قسمیں معلوم ہو گئیں اور واضح ہوا کہ قسم اول سے جدا نہیں بلکہ بعینہٖ اسی کی تعظیم، تو محل تحقیر میں غیر اللہ یا خلق سے یقیناً وہی مراد ہوتا ہے جسے مولٰی عزوجل سے علاقہ قرب نہیں۔ علاقہ قرب والے تو جانب خالق میں ہیں نہ کہ جانب غیر میں، دیکھو علماء فرماتے ہیں غیر خدا کے لئے تواضع حرام ہے، ملتقط پھر درمختار میں قبیل فصل فی البیع نیز فتاوٰی عالمگیریہ باب ۲۸ میں ہے: التواضع لغیر اللہ حرام [3] (غیر اللہ کے لئے تواضع حرام ہے۔ت) حالانکہ ماں باپ کے لئے تواضع کا قرآن عظیم میں حکم ہے:

"وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ" [4]	ماں باپ کے لئے نرم دل سے ذلت کا بازو بچھا۔

اپنے استاد بلکہ شاگردوں کے لئے بھی تواضع کا حدیث میں حکم ہے:

تواضعوا لمن تعلمون منه وتواضعوا لمن تعلمونه ولاتکوا جبابرۃ العلماء [5]۔ رواہ	جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لئے تواضع کرو، اور جسے سکھاتے ہو اس کے لئے تواضع کرو۔ اور گردن کش عالم

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۹۸/ ۶و۷

[3] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۴

[5] الجامع لاخلاق الراوی عن عمر باب ذکر ماینبغی للراوی والسامع دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۹۱، اتحاف السادہ عن ابی ہریرہ فضیلۃ الحلم دارالفکر بیروت ۸/ ۲۷

الخطیب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	نہ بنو (اسے خطیب نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو رب عزوجل نے صحابہ کی تواضع فرمانے کا حکم دیا ہے:

"وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾"[1] مومنوں کے لئے اپنا پہلو جھکائے۔ اور فرمایا:

"وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۱۵﴾"[2]۔	اپنے پیرو ایمان والوں کے لئے اپنا بازو نرم فرمایئے۔

بات وہی ہے کہ ایسی جگہ غیر اللہ سے وہی مراد جسے اللہ سے علاقہ نہ ہو، ولہذا ردالمحتار میں اس عبارت در مختار کی شرح کی: ای اذلال النفس لنیل الدنیا[3] یعنی تواضع لغیر کا یہ مطلب ہے کہ دنیا ملنے کے لئے اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلیل کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ[4]، رواہ احمد ومسلم والنسائی عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ۔	اللہ کی لعنت اس پر جو غیر خدا کے لئے ذبح کرے (اسے احمد اور مسلم اور نسائی نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔ ت)

حالانکہ خود حدیث کا ارشاد ہے:

من ذبح لضیفہ ذبیحۃ کانت فدائہ من النار[5]۔ رواہ الحاکم فی تاریخہ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو اپنے مہمان کے لئے جانور ذبح کرے وہ دوزخ سے اس کا فدیہ ہوجائے (اسے حاکم نے اپنی تاریخ میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

تو وجہ وہی ہے کہ اکرام مہمان اخلاق سے تھا اور مکارم اخلاق سے رضائے الٰہی مطلوب، مہمان کے لئے ذبح کرنا غیر اللہ کے لئے ذبح نہ ہوا بلکہ اللہ عزوجل ہی کے لئے، صوفی کہ غیر خدا کی تحقیر کرے اور اسے اونٹ کی

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۸۸

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۱۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[4] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب تحریم الذبح لغیر اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶۰

[5] السیاق فی ذیل التاریخ نیشاپور

مینگنی سے حقیر تر جانے قطعاً اسی کی تحقیر کرتا ہے جس کی تعظیم تعظیم الٰہی نہیں۔ جسے مولیٰ عزوجل سے علاقہ نہیں ورنہ جانب خالق کی تحقیر کرے تو وہ خود رب عزوجل کی تحقیر کرے گا۔ یہ صوفی کا کام ہوگا یا ابلیس لعین کا۔ ملعون ملعون ملعون ہے وہ کہ اس سے یہ سمجھے کہ مصحف شریف وانبیاء کرام کو مینگنی سے حقیر تر بتایا ہے، کیا ایسا بتانے والا قرآن عظیم کی تکذیب نہیں کرتا، کیا خود اللہ عزوجل کو گالی نہیں دیتا۔ کیا تمام دین وشریعت واسلام پائمال نہیں کرتا۔ قرآن وحدیث وشریعت ودین واسلام وایمان جن کی تعظیم کے حکم سے مملو ہیں، جن کی ادنٰی توہین کو کفر بتارہے ہیں۔ کیا ان کی ایسی تحقیر کرنیوالا بجھنم عـــہ) اس مردود کو مسلمان جاننے والا مسلمان رہ سکتا ہے۔

کلا واللہ "بَلۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ "[1]۔	بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ (ت)

حضرت مخدوم صاحب تو معاذاللہ اس معنی ملعون کے وہم سے بھی پاک ہیں۔ ہاں یہی کافر وملعون ومرتد وشیطان وابلیس ہیں جو ان کے کلام کو (اگر ان کا کلام ہے) ایسے گندے کفر پر ڈھالتے ہیں "وَمَا كَفَرَ سُلَيۡمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ "[2] (سلیمان نے تو کفر نہ کیا ہاں یہ شیطان ہی کافر ہوئے۔ "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۳۰﴾ "[3] (اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ ت) بخلاف ذلیل ضلیل دہلوی اسمٰعیل علیہ اللوم والتذلیل کہ اس نے چوڑھے، چمار سے بھی ذلیل اور ناکارے لوگ اور ذرہ ناچیز سے کم تر یہ ناپاک الفاظ صراحۃً تمام انبیاء کرام واولیاء عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام کو کہے، اس نے شرک کی چار قسمیں گھڑیں اور ان میں صراحۃً انبیاء واولیاء وبھوت پری سب کو یکساں رکھا۔ تفویت الایمان مطبع صدیقی دہلی ۱۲۷۰ھ ص ۹ " مشکل کے وقت پکارنا شرک ہے "اس بات میں اولیاء انبیاء شیطان، بھوت میں کچھ فرق نہیں جس سے معاملہ کرے گا مشرک ہوجائے گا خواہ انبیاء واولیاء سے کرے خواہ بھوت سے[4]۔

صفحہ ۱۲ جو کوئی کسی پیر پیغمبر بھوت کو ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو یا دور سے قصد کرکے جاوے یا وہاں روشنی

عـــہ: کذا فی الاصل لعلہ "بجھنم نہیں"

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[4] تقویۃ الایمان باب اول توحید وشرک کے بیان میں مطبع لوہاری گیٹ لاہور ص ۶

کرے، ان کی قبر پر شامیانہ کھڑا کرے، وہاں کے گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرے اس پر شرک ثابت ہے،[1]۔
صفحہ ۲۵ "جو کوئی کسی نبی ولی بھوت پری کو ایسا جانے وہ مشرک ہے"[2]
صفحہ ۵۱ کسی مخلوق کے نام کا کردیجئے ولی نبی بھوت پری کا سب حرام ہے اور ناپاک اور کرنیوالے پر شرک ثابت[3]
وغیر ذلک مقامات۔ تو اس کا کلام قطعاً ماسوی اللّٰه کو عام اور خود حضرات انبیاء واولیاء کے بالخصوص نام انھیں بیانات ص ۹، ۱۱، ۱۲ کے ثبوت میں اس نے پانچ فصلیں باندھیں جن میں سے فصل اول ص ۲۲ میں کہا: "ہمارا خالق جب اللّٰه ہے تو ہم کو بھی چاہئے اپنے ہر کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام، جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوڑھے چمار کا کیا ذکر[4]"
ص ۱۶ میں کہا: "جس نے اللّٰه کا حق مخلوق کو دیا تو بڑے کا حق ذلیل سے ذلیل کو دیا۔ جیسے بادشاہ کا تاج چمار کے سر پر، اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللّٰه کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے[5]"
فصل سوم ص ۳۵ پر کہا: "ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہ پہنچا سکتے۔ محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارے لوگوں کو ثابت کیجئے[6]"
فصل پنجم ص ۴۷ پر کہا: "سب انبیاء واولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے کمتر ہیں[7]"
ان صریح ملعون کلاموں کی سند میں وہ عبارت پیش کرنی کیسی شدید کھلی بے ایمانی ہے، مخدوم صاحب نے اگر کہا تو دنیا اور دنیا کی چیزوں کو کہا، جن کو اللّٰه سے علاقہ نہیں بیشک وہ مینگنی سے حقیر تر ہیں۔ اور اس گمراہ نے صاف صاف یہ چوہڑے چمار سے ذلیل ناکارے لوگ ذرہ ناچیز سے کمتر حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء اور خود سید الانبیاء صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم کو کہا "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[8] (اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھاتے ہیں۔ ت)

---

[1] تقویۃ الایمان باب اول توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۸
[2] تقویۃ الایمان الفصل ثانی فی رد الاشراک فی العلم مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۵
[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر رد الاشراک فی العبادات مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۸
[4] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراک مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۳
[5] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراک مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۰
[6] تقویۃ الایمان الفصل الثالث فی ذکر رد الاشراک فی التصرف مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۰
[7] تقویۃ الایمان الفصل الخامس فی رد الاشراک فی العادات مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۸
[8] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

خامسًا وہابیہ ان میں سے کچھ نہیں مانتے خواہی نخواہی مدعی ہیں کہ حضرت مخدوم نے ایسا فرمایا اور یہ کہ تمام انبیاء واولیاء وحضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلٰوۃ والثناء سب کو کہا **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ اب ان سے پوچھئے کہ یہ کہنا تمھارے نزدیک حق ہے یا باطل، اگر باطل ہے تو باطل سے سند لانیوالا مکار عیار اور اس سے توہین شان رسالت کا ہلکا پن چاہنے والا کافر بے دین فی النار ہے یا نہیں۔ اور اگر کہیں کہ ہاں وہ حق ہے،۔ اور حضرات انبیاء سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معاذاللہ اس ناپاک مثال کے لائق ہیں تو پردہ کھل گیا، ہر بچہ ہر بے علم ہر ناخواندہ بشرطیکہ مسلمان ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت پر ایمان سے اس کا دل کچھ بھی حصہ رکھتا ہو وہ تین باتوں پر فورًا یقین کرے گا:

(۱) یہ جو انبیاء کرام واولیاء عظام وخود حضور اقدس سید الانام علیہ وعلیہم الصلٰوۃ والسلام کو اس ناپاک گندی مثال کے لائق بتارہے ہیں قطعاً کافر ہیں۔ اور اللہ ورسول کے کھلے دشمن، کیا اسلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہی عظمت سکھائی ہے۔ " اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ۱۸ "[1] (ارے ظالموں پر خدا کی لعنت۔ ت)

(۲) اسے صاف روشن ہوجائے گا کہ ہرگز حضرت مخدوم صاحب نے ایسی ملعون بات نہ فرمائی نہ وہ یا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتاہے، جن کے غلامان غلام کے غلامان غلاموں کی عمر بھر کفش برداری سے حضرت مخدوم صاحب حضرت مخدوم صاحب ہوئے اگر انھیں کو ایسا ناپاک بتاتے تو خود کہاں رہتے۔ اور اپنے آپ اس سے کتنے لاکھ درجے بدتر گندی گھناؤنی ذلیل ناپاک مثال کے قابل ہوتے نہ کہ سند لانے کے لائق، مگر حاشاللہ بات وہی ہے کہ "وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا "[2] (اور سلیمان نے کفر نہ کیا ہاں شیطان کافر ہوئے۔ ت) حضرت مخدوم صاحب نے تو کفر نہ کیا یہ شیاطین ہی کفر کررہے ہیں۔

(۳) کھل جائیگا کہ اسمٰعیل دہلوی کے نجس اقوال ایسے ہی خبیث وناپاک ہیں کہ ان کے بنانے کے لئے انبیاء واولیاء وخود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کو ایسی گندی مثال ایسی سڑی دشنامیں دینے کی حاجت ہوتی ہے۔ پھر وہ گالیاں اللہ رسول پر تو چسپاں ہو نہیں سکتیں۔ وہ پاک ومنزہ ہیں۔ انھیں اسمٰعیل پرستوں کے کفر خبیث پر اور رجسٹری ہوتی ہے کہ ان کے دل میں اتنی قدر ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

اللہ واحد قہار کے حبیب اکرم و خلیفہ اعظم محمد رسول اللہ کی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)۔

واخذ اعداءہ باشد النقم اٰمین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلٰی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اللہ تعالٰی آپ کے دشمنوں سے سخت انتقام لے، ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اس جل مجدہ کا علم اتم واکمل ہے۔ (ت)

کتب عبدہ المذنب احمد رضاخاں البریلوی عفی عنہ
بمحمد ن المصطفی النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم۔

رسالہ
السوء والعقاب علی المسیح الکذاب ۱۳۲۰ھ
(جھوٹے مسیح پر وبال اور عذاب)

مسئلہ ۷۸: ازامرتسر، کڑہ گربا سنگھ، کوچہ ٹنڈا شاہ، مرسلہ جناب مولانا مولوی محمد عبدالغنی صاحب واعظ ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

باسمہٖ سبحانہ مستفتی نے ظاہر کیا کہ ایک شخص نے درآنحالیکہ مسلمان تھا ایک مسلمہ سے نکاح کیا، زوجین ایک عرصہ تک باہم مباشرت کرتے رہے، اولاد بھی ہوئی، اب کسی قدر عرصہ سے شخص مذکور مرزا قادیانی کے مریدوں میں منسلک ہو کر صیغ عقائد کفریہ مرزائیہ سے مصطبغ ہو کر علٰی رؤس الاشہاد ضروریاتِ دین سے انکار کرتا رہتا ہے، سو مطلوب عن الاظہار یہ ہے کہ شخص مذکور شرعًا مرتد ہوچکا اور اس کی منکوحہ اس کی زوجیت سے علیحدہ ہوچکی اور منکوحہ مذکورہ کا کل مہر معجّل، مؤجل مرتد مذکور کے ذمّہ ہے، اولادِ صغار اپنے والد مرتد کی ولایت سے نکل چکی یانہ؟ **بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا** (بیان کرکے اجر حاصل کیجئے۔ت)

خلاصہ جواباتِ امرتسر:

(۱) شخص مذکور بباعث آنکہ بہم عقیدہ مرزا کا ہے جو باتفاق علمائے دین کافر ہے، مرتد ہوچکا، منکوحہ

زوجیت سے علیحدہ ہوچکی، کل مہر بذمہ مرتد واجب الادا ہوچکا، مرتد کو اپنی اولادِ صغار پر ولایت نہیں۔

(ابو محمد زبیر غلام رسول الحنفی القاسمی عفی عنہ)

(۲) شک نہیں کہ مرزا قادیانی اپنے آپ کو رسول اللہ، نبی اللہ کہتا ہے اور اس کے مرید اس کو نبی مرسل جانتے ہیں، اور دعوی نبوت کا بعد رسول اللہ کے بالاجماع کفر ہے، جب اس طائفے کا ارتداد ثابت ہوا، پس مسلمہ ایسے شخص کے نکاح سے خارج ہوگئی ہے، عورت کو مہر ملنا ضروری ہے، اور اولاد کی ولایت بھی ماں کا حق ہے، عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی۔

(۳) لا یشك فی ارتداد من نسب المسمریزم الذی هو من اقسام السحر الی الانبیاء علیهم السلام واهان روح الله عیسٰی بن مریم علیهما السلام وادعی النبوة وغیرها من الکفریات کالمرزا فنکاح المسلمة لا شك فی فسخه لکن لها المهر والاولاد الصغائر. ابو الحسن غلام مصطفی عفی عنه۔	ترجمہ: بیشک جو شخص جادو کی قسم مسمریزم کو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کرے اور حضرت روح اللہ عیسٰی بن مریم علیہما السلام کی توہین کرے اور نبوت کا دعوی وغیرہ کفریات کا ارتکاب کرے جیسے مرزا قادیانی، تو اس کے مرتد ہونے میں کیا شک ہے، تو مسلمان عورت کا اس سے نکاح بلا شک فسخ ہوجائے گا لیکن اس مسلمان عورت کو مہر و اولاد کا استحقاق ہے۔ (ابوالحسن غلام مصطفٰی عفی عنہ۔ت)

(۴) شک نہیں کہ مرزا کے معتقدات کا معتقد مرتد ہے، نکاح منفسخ ہوا، اولاد عورت کو دی جائے گی، عورت کامل مہر لے سکتی ہے۔ (ابو محمد یوسف غلام محی الدین عفی عنہ)

(۵) انچہ علمائے کرام از عرب وہند و پنجاب در تکفیر مرزا قادیانی و معتقدان وے فتوی دادہ اند ثابت و صحیح ست قادیانی خود را نبی و مرسل یزدانی قرار میدہد، وتوہین وتحقیر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وانکارِ معجزات شیوہ اوست کہ از تحریر اتش پر ظاہر ست (نقل عبارات ازالہ رسائل مرزاست)۔ (احقر عباد اللہ العلی واعظ محمد عبدالغنی)	علماء عرب وہند و پنجاب نے مرزا قادیانی اور اس کے معتقدین کی تکفیر کا جو فتوی دیا ہے وہ صحیح وثابت ہے، مرزا قادیانی اپنے کو نبی ورسول یزدانی قرار دیتا ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین و تحقیر کرنا اور معجزات کا انکار کرنا اس کا شیوہ ہے۔ جیسا کہ اس کی تحریروں سے ظاہر ہے (یہ عبارات ازالہ اوہام میں منقول ہیں جو کہ مرزا کے رسائل میں سے ایک رسالہ ہے) احقر عباد اللہ العلی واعظ محمد عبدالغنی (ت)

(۶) احقر العباد خدا بخش امام مسجد شیخ خیر الدین۔

(۷) شک نہیں کہ مرزا قادیانی مدعیِ نبوت ورسالت ہے (نقل عبارات کثیرہ ازالہ وغیرہا تحریرات مرزا) پس ایسا شخص کافر تو کیا میرا وجدان یہی کہتا ہے کہ اس کو خدا پر بھی ایمان نہیں، ابوالوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ مصنّف تفسیر ثنائی امرتسری۔

(۸) قادیانی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ضروریاتِ دین سے انکار ہے نیز دعوی رسالت کا بھی چنانچہ (ایک غلطی کا ازالہ) میں اس نے صراحتًا لکھا ہے کہ میں رسول ہوں۔ لہٰذا غلام احمد اور اس کے معتقدین بھی کافر بلکہ اکفر ہوئے، مرتد کا نکاح فسخ ہوجاتا ہے، اولادِ صغار والد کے حق سے نکل جاتی ہے، پس مرزائی مرتد سے اولاد لے لینی چاہیے اور مہر معجّل اور مؤجل لے کر عورت کو اس سے علیحدہ کرنا چاہیے۔ (ابوتراب محمد عبدالحق بازار صابونیاں)

(۹) مرزائی مرتد ہیں اور انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے منکر معجزات کو مسمریزم تحریر کیا ہے، مرزا کافر ہے، مرزا سے جو دوست ہو یا اس کے دوست سے دوست وہ بھی کافر مرتد ہے۔

(صاحبزادہ صاحب سید ظہور الحسن قادری فاضلی سجادہ نشین حضرات سادات جیلانی بٹالہ شریف)

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد نبوت ورسالت کا دعوی اور ضروریات دین کا انکار بیشک کفر وارتداد ہے ایسے شخص پر قادیانی ہو یا غیر، مرتدوں کے احکام جاری ہوں گے۔ (نور احمد عفی عنہ)

از جناب مولانا مولوی محمد عبدالغنی صاحب امرتسری باسم سامی حضرت عالم اہلسنّت دام ظلہم العالی

بخدمت شریف جناب فیض مآب قامع فساد و بدعات دافع جہالت وضلالات مفخر العلماء الحنفیہ قاطع اصول الفرقۃ الضالۃ النجدیہ مولانا مولوی محمد احمد رضاخاں صاحب متعنا اللہ بعلمہ تحفہ تحیات وتسلیمات مسنونہ رسانیدہ مکشوف ضمیر مہر انجلا، آنکہ چوں دریں بلا داز مدّت مدیدہ بہ ظہور دجّال کذّاب قادیانی فتور وفساد برخاستہ است بموجب حکم آزادگی بہ ہیچ صورتے درچنگ علما آں دہری رہزن دین اسلام نمی آید، اکنوں ایں واقعہ درخانہ	بخدمت شریف جناب فیض مآب قامع فساد وبدعات، جہالت وگمراہی کو دفع کرنے والے، حنفی علماء کا فخر، گمراہ نجدی فرقہ کے اصول کو مٹانے والے مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب، اللہ تعالٰی ہمیں اس کے علوم سے بہرہ ور فرمائے، سلام وتحیت مسنونہ پیش ہوں، دلی مراد واضح ہو کہ جب سے اس علاقہ میں قادیانی فتور وفساد برپا ہوا ہے قانونی آزادی کی وجہ سے اس بے دین اسلام کے ڈاکو پر علماء کی گرفت نہ ہوسکی ابھی ایک واقعہ حنفی شخص کے ہاں ہوا ہے کہ اس کے نکاح میں مسلمان عورت

یک شخص حنفی شد کہ زنے مسلمہ در عقد شخصے بودہ آں مرد مرزائی گردید زن مذکورہ ازوے ایں کفریات شنیدہ گریز نمودہ بخانہ پدر رسید، للذا برائے آں و برائے سد آیندہ و تنبیہ مرزائیاں فتوی ہذا طبع کردہ آید امید کہ آں حضرت ہم بمہر و دستخط شریف خود مزین فرمایند کہ باعثِ افتخار باشد سفیر ازندوہ کدام مولوی غلام محمد ہوشیار پوری وارد امر تسر ازمدت دو ماہ شدہ است فتوائے ہذا نزدوے فرستادم مشار الیہ دستخط نمنمود وگفت اگر دریں فتوی دستخط کنم ندوہ ازمن بیزار شود خاکش بدہن، ازیں جہت مردماں بلدہ را بسیار بدظنی در حق ندوہ می شود زیادہ چہ نوشتہ آید جزاکم اللہ عن الاسلام و المسلمین۔ الملتمس بندہ کثیر المعاصی واعظ محمد عبدالغنی از امر تسر کڑہ گرباسنگھ کوچہ ٹنڈا شاہ۔	تھی وہ شخص مرزائی ہوگیا اس کی مذکورہ عورت نے اس کے کفریات سن کر اس سے علیحدگی اختیار کرکے اپنے والد کے گھر چلی گئی، للذا اس واقعہ اور آئندہ سدِّ باب اور مرزائیوں کی تنبیہ کے لئے یہ فتوی طبع کرایا ہے امید ہے کہ آپ بھی اپنی مہر اور دستخط سے اس کو مزین فرمائیں گے جو کہ باعثِ افتخار ہوگا۔ ندوہ کا ایک نمائندہ مولوی غلام محمد ہوشیار پوری دو ماہ سے امر تسر میں آیا ہوا ہے میں نے یہ فتوی اس کے پاس بھیجا تاکہ وہ دستخط کردے تو اس نے کہا اگر میں نے اس فتوی پر دستخط کئے تو ندوہ والے مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اس کے منہ میں خاک ہو، اس کی اس بات کی وجہ سے شہر کے لوگ ندوہ والوں سے نہایت بدظن ہوگئے ہیں۔ مزید کیا لکھوں، اللہ تعالٰی آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزاء عطا فرمائے، الملتمس گنہگار بندہ واعظ محمد عبدالغنی از امر تسر کڑہ گرباسنگھ کوچہ ٹنڈا شاہ۔ (ت)

الجواب:

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علٰی من لا نبی بعدہ وعلٰی اٰلہ و صحبہ المکرمین عندہ رب انی اعوذ بك من ھمزات الشیطین واعوذبك رب ان یحضرون۔	(تمام تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہیں، اور صلوٰۃ و سلام اس ذات پر جس کے بعد نبی نہیں ہے اور اس کی آل و اصحاب پر جو عزّت و کرامت والے ہیں، اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی کھلی بدگوئیوں سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں انکے حاضر ہونے سے۔ ت)

اللہ عزوجل دین حق پر استقامت عطا فرمائے اور ہر ضلال و وبال و نکال سے بچائے، قادیانی مرزا کا اپنے آپ کو مسیح و مثل مسیح کہنا تو شہرہ آفاق ہے اور بحکم آنکہ ع

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

(شراب کے تمام عیب بیان کئے اب اس کے ہنر بھی بیان کر۔ت)

فقیر کو بھی اس دعوی سے اتفاق ہے، مرزا کے مسیح و مثل مسیح ہونے میں اصلاً شک نہیں مگر لا واللہ نہ مسیح کلمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ اللہ بلکہ مسیح دجّال علیہ اللّعن والنّکال، پہلے اس ادعائے کاذب کی نسبت سہارن پور سے سوال آیا تھا جس کا ایک مبسوط جواب ولد اعز فاضل نوجوان مولوی حامد رضا خاں محمد حفظہ اللہ تعالٰی نے لکھا اور بنام تاریخی "الصّارم الربانی علٰی اسراف القادیانی" مسمّٰی کیا۔ یہ رسالہ حامیِ سنن، ماحی فتن، ندوہ شکن، ندوی فگن، مکر منا قاضی عبدالوحید صاحب حنفی فردوسی صین عن الفتن نے اپنے رسالہ مبارکہ تحفہ حنفیہّ میں کہ عظیم آباد سے ماہوار شائع ہوتا ہے طبع فرمادیا، بحمد اللہ تعالٰی اس شہر میں مرزا کا فتنہ نہ آیا، اور اللہ عزوجل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے۔ اس کی تحریرات یہاں نہیں ملتیں، مجیب ہفتم نے جو اقوال ملعونہ اس کی کتابوں سے بہ نشان صفحات نقل کئے مثیل مسیح ہونے کے ادعا کو شناعت و نجاست میں ان سے کچھ نسبت نہیں ان میں صاف صاف انکار ضروریاتِ دین اور بوجوہ کثیرہ کفر وارتداد مبین ہے فقیر ان میں سے بعض کی اجمالی تفصیل کرے۔

کفر اوّل: مرزا کا ایک رسالہ ہے جس کا نام "ایک غلطی کا ازالہ" ہے، اس کے صفحہ ۶۷۳ پر لکھتا ہے: میں احمد ہوں جو آیت "مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ" میں مراد ہے۔[1] آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا مسیح ربّانی عیسٰی بن مریم روح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ مجھے اللہ عزوجل نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے توریت کی تصدیق کرتا اور اس رسول کی خوشخبری سناتا جو میرے بعد تشریف لانے والا ہے جس کا نام پاک احمد ہے۔ ازالہ کے قول ملعون مذکور میں صراحتًا ادّعا ہوا کہ وہ رسول پاک جن کی جلوہ افروزی کا مژدہ حضرت مسیح لائے معاذاللہ مرزا قادیانی ہے۔

کفر دوم: توضیح مرام طبع ثانی صفحہ ۹ پر لکھتا ہے کہ "میں محدث ہوں اور محدث عــــہ بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔"[2]

عــــہ: لا الٰہ الا اللہ لقد کذب عدوّ اللہ ایھا المسلمون (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، دشمن خدا نے جھوٹ بولا اے مسلمانو!۔ت) سید المحدثین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں کہ انہیں کے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] توضیح المرام مطبوعہ ریاض الہند امرتسر، ص۱۶

[2] توضیح المرام مطبوعہ ریاض الہند امرتسر، ص۱۶

کفر سوم: دافع البلاء مطبوعہ ریاض ہند صفحہ ۹ پر لکھتا ہے "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واسطے حدیث محدثین آئی۔ انھیں کے صدقے میں ہم نے اس پر اطلاع پائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

قد کان فیما مضی قبلکم من الامم اناس محدثون فان یکن فی امتی منھم احد فانہ عمر بن الخطاب[2] **رواہ احمد والبخاری عن ابی ھریرۃ واحمد ومسلم والترمذی والنسائی عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔**

اگلی امتوں میں کچھ لوگ محدث ہوتے تھے یعنی فراست صادقہ و الہام حق والے، اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہوگا تو وہ ضرور عمر بن خطاب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے احمد اور بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

فاروق اعظم نے نبوت کے کوئی معنی نہ پائے صرف ارشاد فرمایا:

لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب[3] **رواہ احمد و الترمذی والحاکم عن عقبۃ بن عامر والطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنھما۔**

اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا، (اسے احمد و ترمذی اور حاکم نے عقبہ بن عامر سے اور طبرانی نے کبیر میں عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، ت)

مگر پنجاب کا محدث حادث کہ حقیقۃً نہ محدث ہے نہ محدث، یہ ضرور ایک معنی پر نبی ہوگیا **الا لعنۃ اللہ علی الکٰذبین** (خبردار، جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ت) **والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔**

---

[1] دافع البلاء مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان ص ۲۶

[2] صحیح البخاری مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۱، جامع الترمذی مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی مکتبہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۱۰

[3] صحیح البخاری مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۰، المستدرك للحاکم معرفتہ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۸۵، جامع الترمذی مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹

کفر چہارم: مجیب پنجم نے نقل کیا، و نیز میگوید کہ خدائے تعالٰی نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی، ان اقوال خبیثہ میں **اوّلاً:** کلام الٰہی کے معنی میں صریح تحریف کی کہ معاذ اللہ آیہ کریمہ میں یہ شخص مراد ہے نہ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **ثانیا:** نبی اللہ و رسول اللہ و کلمۃ اللہ عیسٰی روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افتراء کیا وہ اس کی بشارت دینے کو اپنا تشریف لانا بیان فرماتے تھے۔ **ثالثاً:** اللہ عزوجل پر افتراء کیا کہ اس نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس شخص کی بشارت دینے کے لئے بھیجا، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾"[1]	بیشک جو لوگ اللہ عزوجل پر جھوٹ بہتان اٹھاتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔

اور فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ"[2]	ایسے افتراء وہی باندھتے ہیں جو بے ایمان کافر ہیں۔

رابعًا: اپنی گھڑی ہوئی کتاب براہین غلامیہ کو اللہ عزوجل کا کلام ٹھہرایا کہ خدائے تعالٰی نے براہین احمدیہ میں یوں فرمایا، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ۗ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَ وَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾"[3]	خرابی ہے ان کے لئے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھیں پھر کہہ دیں یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے بدلے کچھ ذلیل قیمت حاصل کریں، سو خرابی ہے ان کے لئے ان کے لکھے ہاتھوں سے اور خرابی ہے ان کے لئے اس کمائی سے۔

ان سب سے قطع نظر ان کلمات ملعونہ میں صراحۃً اپنے لئے نبوت و رسالت کا ادعائے قبیحہ ہے اور وہ باجماعِ قطعی کفر صریح ہے، فقیر نے "رسالہ جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ ۱۳۱۷ھ" خاص اسی مسئلے میں لکھا اور اس میں آیت قرآن عظیم اور ایک سو دس ۱۱۰ حدیثوں اور تیس ۳۰ نصوں کو جلوہ دیا، اور ثابت کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۷۹

تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا، ان کے زمانہ میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقینا قطعاً محال و باطل جاننا فرض اجل وجزءِ ایقان ہے "وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ"[1] (ہاں الله کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے۔ت) نص قطعی قرآن ہے اس کا منکر، نہ منکر بلکہ شک کرنے والا، نہ شاک کہ ادنٰی ضعیف احتمال خفیف سے توہم خلاف رکھنے والا قطعاً اجماعاً کافر ملعون مخلد فی النیران ہے، نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے اس عقیدہ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی، کافر ہونے میں شک وتردّد کو راہ دے وہ بھی کافر ہیں، الکفر جلی الکفران ہے، قول دوم وسوم میں شائد وہ یا اس کے اذناب آج کل کے بعض شیاطین سے سیکھ کر تاویل کی آڑ لیں کہ یہاں نبی ورسول سے معنی لغوی مراد ہیں یعنی خبر دار یا خبر دہندہ اور فرستادہ مگر یہ محض ہوس ہے۔

اوّلاً: صریح لفظ میں تاویل نہیں سنی جاتی، فتاوٰی خلاصہ وفصول عمادیہ وجامع الفصولین وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للعمادی لو قال انا رسول الله او قال بالفارسیة من پیغمبرم یرید به من پیغام می برم یکفر[2]	یعنی اگر کوئی اپنے آپ کو الله کا رسول کہے یا بزبان فارسی کہے میں پیغمبر ہوں اور مراد یہ لے کہ میں کسی کا پیغام پہنچانے والا ایلچی ہوں کافر ہو جائے گا۔

امام قاضی عیاض کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیہ وسلم میں فرماتے ہیں:

قال احمد بن ابی سلیمٰن صاحب سحنون رحمهما الله تعالٰی فی رجل قیل له لا وحق رسول الله فقال فعل الله برسول الله کذا وذکر کلا ما قبیحا. فقیل له ما تقول یا عدو الله فی حق رسول الله فقال له اشد من کلامه الاول ثم قال انما اردت برسول الله العقرب فقال ابن ابی سلیمٰن للذی سأله اشهد علیه وانا شریکك یرید فی	یعنی امام احمد بن ابی سلیمان تلمیذ ورفیق امام سحنون رحمہما الله تعالٰی سے ایک مرد کی نسبت کسی نے پوچھا کہ اس سے کہا گیا تھا رسول کے حق کی قسم اس نے کہا الله رسول الله کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور ایک بد کلام ذکر کیا کہا گیا اے دشمن خدا! تو رسول الله کے بارے میں کیا بکتا ہے تو اس سے بھی سخت تر لفظ بکا پھر بولا میں نے تو رسول الله سے بچھّو مراد لیا تھا۔ امام احمد بن ابی سلیمان نے مستفتی سے فرمایا تم اس پر گواہ ہو جاؤ اور اسے سزائے موت دلانے اور

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۳

قتله و ثواب ذٰلک۔قال حبیب بن الربیع لان ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل[1]۔	اس پر جو ثواب ملے گا اس میں میں تمہارا شریک ہوں، (یعنی تم حاکم شرع کے حضور اس پر شہادت دو اور میں بھی سعی کروں گا کہ ہم تم دونوں بحکم حاکم اسے سزائے موت دلانے کا ثوابِ عظیم پائیں) امام حبیب بن ربیع نے فرمایا یہ اس لئے کہ کھلے لفظ میں تاویل کا دعوی مسموع نہیں ہوتا۔

مولانا علی قاری شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

ثم قال انما اردت برسول الله العقرب فانه ارسل من عندا لحق وسلط علی الخلق تاویلا للرسالة العرفیة بالارادة اللغویة وهو مردود عند القواعد الشرعیة[2]	یعنی وہ جو اس مردک نے کہا کہ میں نے بچھّو مراد لیا، اس طرح اس نے رسالت عرفی کو معنی لغوی کی طرف ڈھالا کہ بچھّو کو بھی خدا ہی نے بھیجا اور خلق پر مسلّط کیا ہے، اور ایسی تاویل قواعدِ شرع کے نزدیک مردود ہے۔

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

هذا حقیقة معنی الارسال وهذا مما لا شك فی معناه وانکاره مکابرة لکنه لا یقبل من قائله وادعاؤه انه مراده لبعده غایة البعد، وصرف اللفظ عن ظاهره لا یقبل کما لو قال انت طالق قال اردت محلولة غیر مربوطة لا یلتفت لمثله ویعد هذیانا اهملتقطا۔[3]	یعنی یہ لغوی معنی جن کی طرف اس نے ڈھالا ضرور بلاشک حقیقی معنی ہیں اس کا انکار ہٹ دھرمی ہے بایں ہمہ قائل کا ادعا مقبول نہیں کہ اس نے یہ معنی لغوی مراد لئے تھے، اس لئے کہ یہ تاویل نہایت دور از کار ہے اور لفظ کا اس کے معنی ظاہر سے پھیرنا مسموع نہیں ہوتا جیسے کوئی اپنی عورت کو کہے تو طالق ہے اور کہے میں نے تو یہ مراد لیا تھا کہ تو کھلی ہوئی ہے بندھی نہیں ہے (کہ لغت میں طالق کشادہ کو کہتے ہیں) تو ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور اسے ہذیان سمجھا جائے گا۔

ثانیا: وہ بالیقین ان الفاظ کو اپنے لئے مدح و فضل جانتا ہے، نہ ایک ایسی بات کہ

دندان تو جملہ در دہانند چشمان تو زیر ابروانند

(تیرے تمام دانت منہ میں ہیں، تیری آنکھیں ابرو کے نیچے ہیں۔ت)

[1] الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی القسم الرابع الباب الاول مطبع شرکة صحافیة فی البلاد العثمانیه ۲/ ۲۰۹

[2] شرح الشفاء لملّا علی قاری مع نسیم الریاض الباب الاول دار الفکر بیروت ۴/ ۳۴۳

[3] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الاول دار الفکر بیروت ۴/ ۳۴۳

کوئی عاقل بلکہ نیم پاگل بھی ایسی بات کو جو ہر انسان ہر بھنگی چمار بلکہ ہر جانور بلکہ ہر کافر مرتد میں موجود ہو محلِ مدح میں ذکر نہ کریگانہ اس میں اپنے لئے فضل وشرف جانے گا بھلا کہیں براہین غلامیہ میں یہ بھی لکھا کہ سچا خدا وہی ہے جس نے مرزا کی ناک میں دو ۲ نتھنے رکھے، مرزا کے کان میں دو ۲ گھونگے بنائے، یا خدا نے براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ اس عاجز کی ناک ہونٹوں سے اوپر اور بھوؤں کے نیچے ہے، کیا ایسی بات لکھنے والا پورا مجنون پکّا پاگل نہ کہلایا جائے گا۔اور شک نہیں کہ وہ معنی لغوی یعنی کسی چیز کی خبر رکھنا یا دینا یا بھیجا ہوا ہونا، ان مثالوں سے بھی زیادہ عام ہیں بہت جانوروں کے ناک کان بھویں اصلاً نہیں ہوتیں مگر خدا کے بھیجے ہوئے وہ بھی ہیں، اللہ نے انہیں عدم سے وجود نر کی پیٹھ سے مادہ کے پیٹ سے دنیا کے میدان میں بھیجا جس طرح اس مردک خبیث نے بجھّو کو رسول بمعنی لغوی بنایا۔ مولوی معنوی قدس سرہ القوی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

۱۔	**کل یوم ھو فی** شان بخواں	مرورا بیکار و بےفعلے مداں
۲۔	کمتریں کارش کہ ہر روزست آں	کُوسہ لشکر روانہ میکند
۳۔	لشکرے زاصلاب سوئے امہات	بہر آں تا در رحم روید نبات
۴۔	لشکرے زار حام سوئے خاکدان	تاز نر و مادہ پر گردد جہاں
۵۔	لشکرے از خاکداں سوئے اجل	تا بہ بیند ہر کسے حسنِ عمل [1]

((۱) روزانہ اللہ تعالٰی اپنی شان میں، پڑھ اس کو بیکار اور بے عمل ذات نہ سمجھ۔ت) (۲) اس کا معمولی کام ہر روز یہ ہوتا ہے کہ روزانہ تین لشکر روانہ فرماتا ہے۔ت) (۳) ایک لشکر پشتوں سے امہات کی طرف، تاکہ عورتوں کے رحموں میں پیدائش ظاہر فرمائے۔ت) (۴) ایک لشکر ماؤں کے رحموں سے زمین کی طرف، تاکہ نر و مادہ سے جہان کو پُر فرمائے۔ت) (۵) ایک لشکر دنیا سے موت کی جانب تاکہ ہر ایک اپنے عمل کی جزا کو دیکھے۔ت) حق عزوجل فرماتا ہے:

"فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ" [2]	ہم نے فرعونیوں پر بھیجے طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈکیں اور خون۔

کیا مرزا ایسی ہی رسالت پر فخر رکھتا ہے جیسے ٹڈی اور مینڈک اور جُوں اور کتے اور سوئر سب کو شامل مانے گا، ہر جانور بلکہ ہر حجر و شجر بہت سے علوم سے خبر دار ہے اور ایک دوسرے کو خبر دینا بھی صحاح احادیث سے ثابت،

[1] المثنوی المعنوی قصہ آنکس کہ در یارے بکوفت گفت الخ نورانی کتب خانہ پشاور، دفتر اول ص ۷۹

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۳۳

حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی ان کی طرف سے فرماتے ہیں: ؎

ما سمیعیم وبصیریم وخوشیم　　　　با شما نامحرماں ماخامشیم [1]

ہم آپس میں سننے، دیکھنے والے اور خوش ہیں، تم نامحرموں کے سامنے ہم خاموش ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ" [2]	کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر ان کی تسبیح تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من شیئ الا یعلم انّی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس [3] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وصححہ خاتم الحفاظ۔	کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے اللہ کا رسول نہ جانتی ہو سوا کافر جن اور آدمیوں کے۔ (طبرانی نے کبیر میں یعلٰی بن مرہ سے روایت کیا اور خاتم الحفاظ نے اسے صحیح کہا۔ت)

حق سبحانہ تعالٰی فرماتا ہے:

"فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾" [4]	کچھ دیر ٹھہر کر ہد ہد بارگاہ سلیمانی میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے ایک بات وہ معلوم ہوئی ہے جس پر حضور کو اطلاع نہیں اور میں خدمت عالی میں ملک سبا سے ایک یقینی خبر لے کر حاضر ہوا ہوں۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من صباح ولا رواح الا وبقاع الارض ینادی بعضها بعضا، یا جارۃ هل مر بك الیوم عبد صالح صلّی علیك او ذکر اللہ؟	کوئی صبح اور شام ایسی نہیں ہوتی کہ زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے کو پکار کر نہ کہتے ہوں کہ اے ہمسائے! آج تجھ پر کوئی نیک بندہ گزرا جس نے تجھ پر

[1] المثنوی المعنوی حکایت مارگیرے کہ اژدہائے افسردہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور دفتر سوم ص ۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۷۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۲/ ۲۶۲، الجامع الصغیر حدیث ۸۰۴۸ دار الکتب العلمیہ بیروت الجزء الثانی ص ۴۹۲

[4] القرآن الکریم ۲۷/ ۲۲

فان قالت نعم رأت ان لها بذٰلك فضلا [1]۔رواہ الطبرانی فی الاوسط وابونعیم فی الحلیۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	نماز پڑھی یا ذکر الٰہی کیا، اگر وہ ٹکڑا جواب دیتا ہے کہ ہاں تو وہ پوچھنے والا ٹکڑا اعتقاد کرتا ہے کہ اسے مجھ پر فضیلت ہے۔(اسے طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

تو خبر رکھنا، خبر دینا سب کچھ ثابت ہے۔کیا مرزا ہر اینٹ پتھر، ہر بت پرست کافر، ہر ریچھ بندر، ہر کتے سؤر کو بھی اپنی طرح نبی و رسول کہے گا؟ ہر گز نہیں، تو صاف روشن ہوا کہ معنی لغوی ہر گز مراد نہیں بلکہ یقیناً وہی شرعی و عرفی رسالت و نبوت مقصود اور کفر وارتداد یقینی قطعی موجود۔

وبعبارۃ اخری معنی کے چار ہی قسم ہیں، لغوی، شرعی، عرفی، عام یا خاص، یہاں عرف عام تو بعینہٖ وہی معنی شرعی ہے جس پر کفر قطعًا حاصل، اور ارادہ لغوی کا ادعاء یقینًا باطل، اب یہی رہا کہ فریب دہی عوام کو یوں کہہ دے کہ میں نے اپنی خاص اصطلاح میں نبی و رسول کے معنی اور رکھے ہیں جن میں مجھے سگ و خوک سے امتیاز بھی ہے اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصفِ نبوت میں اشتراک بھی نہیں، مگر حاش للہ! ایسا باطل ادعاء اصلاً شرعًا عقلاً عرفًا کسی طرح بادشتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، ایسی جگہ لغت وشرع وعرف عام سب سے الگ اپنی نئی اصطلاح کا مدعی ہونا قابل قبول ہو تو کبھی کسی کافر کی کسی سخت سے سخت بات پر گرفت نہ ہوسکے کوئی مجرم کسی معظم کی کیسی ہی شدید توہین کرکے مجرم نہ ٹھہرسکے کہ ہر ایک کو اختیار ہے اپنی کسی اصطلاح خاص کا دعوی کردے جس میں کفر و توہین کچھ نہ ہو، کیا زید کہہ سکتا ہے خدا دو ہیں جب اس پر اعتراض ہو کہہ دے میری اصطلاح میں ایک کو دو کہتے ہیں، کیا عمرو جنگل میں سؤر کو بھاگتا دیکھ کر کہہ سکتا ہے وہ قادیانی بھاگا جاتا ہے، جب کوئی مرزائی گرفت چاہے کہہ دے میری مراد وہ نہیں جو آپ سمجھے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے یا جنگلی کو قادیانی کہتے ہیں، اگر کہئے کوئی مناسبت بھی ہے تو جواب دے کہ اصطلاح میں مناسبت شرط نہیں لا مشاحۃ فی الاصطلاح (اصطلاح میں کوئی اعتراض نہیں) آخر سب جگہ منقول ہی ہونا کیا ضرور، لفظ مرتجل بھی ہوتا ہے جس میں معنی اوّل سے مناسبت اصلاً منظور نہیں، معہذا قادی بمعنی جلدی کنندہ ہے یا جنگل سے آنے والا۔ قاموس میں ہے:

قدت قادیۃ جاء قوم قدا قحموا	قوم جلدی میں آئی، قدت قادیۃ کا ایک معنی

[1] المعجم الاوسط حدیث ۵۲۶ مکتبہ المعارف الریاض ۱/ ۳۳۶

من البادیۃ والفرس قدیا نا اسرع [1]	قدت من البادیۃ یا قدت الفرس جنگل سے آیا، یا گھوڑے کو تیز کیا۔

قادیان اس کی جمع اور قادیانی اس کی طرف منسوب یعنی جلدی کرنے والوں یا جنگل سے آنے والوں کا ایک، اس مناسبت سے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے جنگلی کا نام قادیانی ہوا، کیا زید کی وہ تقریر کسی مسلمان یا عمرو کی یہ توجیہ کسی مرزائی کو مقبول ہو سکتی ہے، حاشا وکلّا کوئی عاقل ایسی بناوٹوں کو نہ مانے گا بلکہ اسی پر کیا موقوف، یوں اصطلاح خاص کا ادعاء مسموع ہو جائے تو دین و دنیا کے تمام کارخانے درہم برہم ہوں، عورتیں شوہروں کے پاس سے نکل کر جس سے چاہیں نکاح کرلیں کہ ہم نے تو ایجاب وقبول نہ کیا تھا، اجازت لیتے وقت ہاں کہا تھا، ہماری اصطلاح (ہاں) بمعنی (ہوں) یعنی کلمہ جزر وانکار ہے، لوگ بیع نامے لکھ کر رجسٹری کرا کر جائدادیں چھین لیں کہ ہم نے تو بیع نہ کی تھی بیچنا لکھا تھا، ہماری اصطلاح میں عاریت یا اجارے کو بیچنا کہتے ہیں الٰی غیر ذٰلک من فسادات لا تحصٰی (ایسے بہت سے فسادات ہوں گے۔ت) تو ایسی جھوٹی تاویل والا خود اپنے معاملات میں اسے نہ مانے گا، کیا مسلمانوں کو زن ومال اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے زیادہ پیارے ہیں کہ جورو اور جائداد کے باب میں تاویل سنیں اور اللہ ورسول کے معاملے میں ایسی ناپاک بناوٹیں قبول کرلیں لا الٰہ الا اللہ مسلمان ہرگز ایسے مردود بہانوں پر التفات بھی نہ کریں گے انہیں اللہ ورسول اپنی جان اور تمام جہان سے زیادہ عزیز ہیں وللہ الحمد جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود ان کا رب جل وعلا قرآن عظیم میں ایسے بیہودہ عذروں کا دربار جلا چکا ہے، فرماتا ہے:

"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ" [2]	ان سے کہہ دو بہانے نہ بناؤ بیشک تم کافر ہوچکے ایمان کے بعد۔ والعیاذ باللہ تعالٰی رب العالمین۔

ثالثًا: کفر چہارم میں امتی و نبی کا مقابلہ صاف اسی معنی شرعی و عرفی کی تعیین کر رہا ہے۔

رابعًا: کفر اول میں تو کسی جھوٹے ادعائے تاویل کی بھی گنجائش نہیں، آیت میں قطعًا معنی شرعی ہی مراد ہیں نہ کہ لغوی، نہ اس شخص کی کوئی اصطلاح خاص، اور اسی کو اس نے اپنے نفس کے لئے مانا تو قطعًا یقینا بمعنی شرعی ہی اپنے نبی اللہ ورسول اللہ ہونے کا مدعی اور "وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ" [3]

---

[1] القاموس المحیط باب الواؤ فصل القاف مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۶

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

(ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ت) کا منکر اور باجماع قطعی جمیع امت مرحومہ مرتد وکافر ہوا، سچ فرمایا سچے خدا کے سچے رسول سچے خاتم النّبیین محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ عنقریب میرے بعد آئیں گے **ثلثون دجّالون کذّابون کلھم یزعم انہ نبی** تیس ۳۰ دجال کذاب کہ ہر ایک اپنے کو نبی کہے گا **وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی**[1] حالانکہ میں **خاتم النبیین** ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں، اُمنت اُمنت صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم۔ میں ایمان لایا میں ایمان لایا، اللہ تعالٰی آپ پر صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے۔ت) اسی لئے فقیر نے عرض کیا تھا کہ مرزا ضرور مثیل مسیح ہے صَدَق بلکہ مسیح دجّال کا کہ ایسے مدعیوں کو یہ لقب خود بارگاہ رسالت سے عطا ہوا **والعیاذ باللہ رب الٰعلمین**۔

کفر پنجم: دافع البلاء ص ۱۰ پر حضرت مسیح علیہ السلام سے اپنی برتری کا اظہار کیا ہے[2]

کفر ششم: اسی رسالے کے صفحہ ۷ پر لکھا ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے[3]

کفر ہفتم: اشتہار معیار الاخیار میں لکھا ہے میں بعض نبیوں سے بھی افضل ہوں۔ یہ ادعاء بھی باجماعِ قطعی کفر وارتداد یقینی ہیں، فقیر نے اپنے فتوٰی مسمّٰی بہ ردّالرفضۃ میں شفاء شریف امام قاضی عیاض وروضہ امام نووی وارشاد الساری امام قسطلانی وشرح عقائد نسفی وشرح مقاصد امام تفتازانی واعلام امام ابن حجر مکی ومنح الروض علامہ قاری وطریقہ محمدیہ علامہ برکوی وحدیقہ ندیہ مولٰی نابلسی وغیرہا کتب کثیرہ کے نصوص سے ثابت کیا ہے کہ باجماعِ مسلمین کوئی ولی کوئی غوث کوئی صدیق بھی کسی نبی سے افضل نہیں ہوسکتا، جو ایسا کہے قطعًا اجماعًا کافر ملحد ہے، ازاں جملہ شرح صحیح بخاری شریف میں ہے:

النبی افضل من الولی وھو امر مقطوع بہ والقائل بخلافہ کافر کانہ معلوم من	یعنی ہر نبی ہر ولی سے افضل ہے اور یہ امر یقینی ہے اور اس کے خلاف کہنے والا کافر ہے کہ

---

[1] جامع ترمذی ابواب الفتن باب لاتقوم الساعۃ الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۴۵، مسند احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۵/ ۳۹۶

[2] دافع البلاء ضیاء الاسلام قادیان ص ۳۰

[3] دافع البلاء ضیاء الاسلام قادیان ص ۳۰

الشرع بالضرورۃ[1]	یہ ضروریاتِ دین سے ہے۔

کفر ہفتم: میں ایسے ایک لطیف تاویل کی گنجائش تھی کہ یہ لفظ (نبیوں) بتقدیم نون نہیں بلکہ (بنیوں) بہ تقدیم با ہے یعنی بھنگی در کنار کہ خود ان کے تولال گرو کا بھائی ہوں ان سے تو افضل ہوا ہی چاہوں میں تو بعض بنیوں سے بھی افضل ہوں کہ انہوں نے صرف آٹے دال میں ڈنڈی ماری اور یہاں وہ ہتھ پھیری کی بیسیوں کا دین ہی اڑ گیا، مگر افسوس کہ دیگر تصریحات نے اس تاویل کی جگہ نہ رکھی۔

کفر ہشتم: ازالہ صفحہ ۳۰۹ پر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو جن کا ذکر خداوند تعالٰی بطور احسان فرماتا ہے مسمریزم لکھ کر کہتا ہے: اگر میں اس قسم کے معجزات کو مکروہ نہ جانتا تو ابن مریم سے کم نہ رہتا[2] یہ کفر متعدد کفروں کا خمیرہ ہے معجزات کو مسمریزم کہنا ایک کفر کہ اس تقدیر پر وہ معجزہ نہ ہوئے بلکہ معاذ اللہ ایک کسبی کرشمے ٹھہرے، اگلے کافروں نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔

"اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ اذۡکُرۡ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکَ وَ عَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذۡ اَیَّدۡتُّکَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ۟ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا ۚ وَ اِذۡ عَلَّمۡتُکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ۚ وَ اِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡہَا فَتَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ وَ تُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِیۡ ۚ وَ اِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِیۡ ۚ وَ اِذۡ کَفَفۡتُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَنۡکَ اِذۡ جِئۡتَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡہُمۡ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۱۰﴾ "[3]	جب فرمایا اللہ سبحانہ نے اے مریم کے بیٹے! یاد کر میری نعمتیں اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تجھے قوت بخشی لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر کا ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھایا لکھنا اور علم کی تحقیقی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا مٹی سے پرند کی سی شکل میری پروانگی سے پھر تو اس میں پھونکتا تو وہ پرند ہو جاتی میرے حکم سے اور تو چنگا کرتا مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میری اجازت سے، اور جب تو قبروں سے جیتا نکالتا مردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے یہود کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس یہ روشن معجزے لے کر آیا تو ان میں کے کافر بولے یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

مسمریزم بتایا یا جادو کہا، بات ایک ہی ہوئی یعنی الٰہی معجزے نہیں کسبی ڈھکوسلے ہیں، ایسے ہی

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب العلم باب ما یستحب للعالم الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۱۴

[2] ازالہ اوہام، ریاض الهند امرتسر، بھارت، ص ۱۱۶

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

منکروں کے خیال ضلال کو حضرت مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ تعالٰی علی سیّدہ وعلیہ وسلم نے بار بار بتاکید رد فرمادیا تھا اپنے معجزات مذکورہ ارشاد کرنے سے پہلے فرمایا:

"اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْــٴَـةِ الطَّیْرِ "[1] الآیۃ۔	میں تمہارے پاس رب کی طرف سے معجزے لایا کہ میں مٹی سے پرند بناتا اور پھونک مار کر اسے جِلاتا اور اندھے اور بدن بگڑے کو شفا دیتا اور خدا کے حکم سے مردے جِلاتا اور جو کچھ گھر سے کھا کر آؤ اور جو کچھ گھر میں اٹھا رکھو وہ سب تمہیں بتاتا ہوں۔

اور اس کے بعد فرمایا:

"اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ۝۴۹ "[2]	بیشک ان میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان لاؤ۔

پھر مکرر فرمایا:

"جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ۝۵۰ "[3]	میں تمہارے رب کے پاس سے معجزہ لایا ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔

مگر جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رب کی نہ مانے وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی کیوں ماننے لگا، یہاں تو اسے صاف گنجائش ہے کہ اپنی بڑائی سبھی کرتے ہیں ع

کس نہ گوید کہ دروغ من ترش ست

(کوئی نہیں کہتا کہ میرا جھوٹ ترش ہے۔ت)

پھر ان معجزات کو مکروہ جاننا دوسرا کفر یہ کہ کراہت اگر اس بنا پر ہے کہ وہ فی نفسہٖ مذموم کام تھے جب تو کفر ظاہر ہے قال اللہ تعالٰی:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ[4]	یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[3] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

اور اسی فضیلت کے بیان میں ارشاد ہوا:

"وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِؕ"[1]	اور ہم نے عیسٰی بن مریم کو معجزے دئے اور جبرئیل سے اس کی تائید فرمائی۔

اور اگر اس بنا پر ہے کہ وہ کام اگرچہ فضیلت کے تھے مگر میرے منصب اعلٰی کے لائق نہیں تو یہ وہی نبی پر اپنی تفضیل ہے ہر طرح کفر وارتداد قطعی سے مفر نہیں، پھر ان کلمات شیطانیہ میں مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ تعالٰی علٰی سیّدہ وعلیہ وسلم کی تحقیر تیسرا کفر ہے اور ایسی ہی تحقیر اس کلام ملعون کفر ششم میں تھی اور سب سے بڑھ کر اس کفر نہم میں ہے کہ ازالہ صفحہ ۱۶۱ پر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لکھا" بوجہ مسمریزم کے عمل کرنے کے تنویر باطن اور توحید اور دینی استقامت میں کم درجے پر بلکہ قریب ناکام رہے"[2]

انا للہ وانّا الیہ راجعون، الالعنۃ اللہ علٰی اعداء انبیاء اللہ وصلی اللہ تعالٰی علٰی انبیائہ وبارك وسلم۔	(ہم اللہ کی ملکیت اور ہم اس کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں، انبیاء اللہ کے دشمنوں پر اللہ تعالٰی کی لعنت، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اس کے انبیاء علیہم السلام پر اور برکتیں اور سلام۔ ت)

ہر ۱ نبی کی تحقیر مطلقًا کفر قطعی ہے جس کی تفصیل سے شفاء شریف وشروح شفاء وسیف مسلول امام تقی الملۃ والدین سبکی وروضہ امام نووی ووجیز امام کردری واعلام امام حجرمکّی وغیرہا تصانیف ائمہ کرام کے دفتر گونج رہے ہیں نہ کہ ۲ نبی بھی کون نبی مرسل نہ کہ ۳ مرسل بھی کیسا ۴ مرسل اولوالعزم نہ کہ تحقیر بھی کتنی کہ مسمریزم کے سبب نور باطن نہ نور ۵ باطن بلکہ دینی استقامت نہ ۶ دینی استقامت بلکہ نفس توحید میں ۷ کم درجہ بلکہ ناکام رہے اس ملعون قول **لعن اللہ قائلہ وقابلہ** (اسے کہنے والے اور قبول کرنے والے پر اللہ کی لعنت) نے اولوالعزمی ورسالت ونبوت درکنار اس عبداللہ وکلمۃ اللہ وروح اللہ علیہ وصلوٰۃ اللہ وسلام وتحیات اللہ کے نفس ایمان میں کلام کردیا اس کا جواب ہمارے ہاتھ میں کیا ہے سوا اس کے کہ:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۝۵۷"[3]	بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ نے لعنت کی دنیا وآخرت میں اور ان کے لئے تیار کر رکھا ہے ذلّت کا عذاب۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

[2] ازالہ اوہام ریاض الہند امرتسر، بھارت ص ۱۱۶

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

کفر دہم: ازالہ صفحہ ۶۲۹ پر لکھتا ہے: ایک زمانے میں چار سو نبیوں کی پیشگوئی غلط عـــہ ہوئی اور وہ جھوٹے۔[1] یہ صراحۃً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی تکذیب ہے عام اقوام کفار لعنہم اللہ کا کفر حضرت عزت عزّجلالہ نے یوں ہی تو بیان فرمایا:

" كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ۞ "[2] " كَذَّبَتْ عَادُ ِالْمُرْسَلِيْنَ ۞ "[3] " كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ "[4] " كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ۞ "[5] " كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ "[6]	(نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا، عاد نے رسولوں کو جھٹلایا، ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا، لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا، بَن والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ت)

ائمہ کرام فرماتے ہیں، جو نبی پر اس کی لائی ہوئی بات میں کذب جائز ہی مانے اگرچہ وقوع نہ جانے باجماع کفر ہے نہ کہ معاذاللہ چارسو انبیاء کا اپنے اخبار بالغیب میں کہ وہ ضرور اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ واقع میں جھوٹا ہو جانا، شفاشریف میں ہے:

من دان بالوحدانیۃ وصحۃ النبوۃ و نبوۃ بنبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولکن جوز علی الانبیاء الکذب فیما اتوا بہ ادعی فی ذٰلک المصلحۃ بزعمہ اولم یدعہا فھو کافر باجماع[7]	یعنی جو اللہ تعالٰی کی وحدانیت نبوّت کی حقانیت ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو بایں ہمہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر انکی باتوں میں کذب جائز مانے خواہ بزعمِ خود اس میں کسی مصلحت کا ادعا کرے یا نہ کرے ہر طرح بالاتفاق کافر ہے۔

عـــہ: یہ اس کی پیش بندی ہے کہ یہ کذّاب اپنی بڑ میں ہمیشہ پیشگوئیاں ہانکتا رہتا ہے اور بعنایت الٰہی وہ آئے دن جھوٹی پڑا کرتی ہیں تو یہاں یہ بتانا چاہتا ہے کہ پیشگوئی غلط پڑی کچھ شان نبوت کے خلاف نہیں معاذاللہ اگلے انبیاء میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ (اینہم بر علم)

---

[1] ازالہ اوہام ریاض الہند امر تسر بھارت ص ۲۳۴

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۰۵

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۲۳

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۴۱

[5] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۶۰

[6] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۷۶

[7] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ما ھو من المقالات مکتبہ شرکۃ صحافیہ فی بلاد العثمانیہ ۲/ ۲۶۹

ظالم نے چار سو کہہ کر گمان کیا کہ اس نے باقی انبیاء کو تکذیب سے بچالیا حالانکہ یہی آیتیں جو ابھی تلاوت کی گئی ہیں شہادت دے رہی ہیں کہ اس نے آدم نبی اللہ سے محمد رسول اللہ تک تمام انبیائے کرام علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کو کاذب کہہ دیا کہ ایک رسول کی تکذیب تمام مرسلین کی تکذیب ہے۔

دیکھو قوم نوح وہود وصالح ولوط وشعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک ہی نبی کی تکذیب کی تھی مگر قرآن نے فرمایا: قوم نوح نے سب رسولوں کی تکذیب کی، عاد نے کل پیغمبروں کو جھٹلایا، ثمود نے جمیع انبیاء کو کاذب کہا، قوم لوط نے تمام رسل کو جھوٹا بتایا، ایکہ والوں نے سارے نبیوں کو دروغ گو کہا، یونہی واللہ اس قائل نے نہ صرف چار سو بلکہ جملہ انبیاء ومرسلین کو کذاب مانا۔

فلعن اللہ من کذب احدا من انبیائہ وصلی اللہ تعالٰی علٰی انبیائہ ورسلہ والمؤمنین بھم اجمعین، وجعلنا منھم وحشرنا فیھم وادخلنا معھم دار النعیم بجاھھم عندہ وبرحمتہ بھم ورحمتھم بنا انہ ارحم الراحمین والحمد للہ رب العٰلمین۔	(اللہ تعالٰی کے کسی نبی کو جھوٹا کہنے والے پر اللہ تعالٰی کی لعنت اور اللہ تعالٰی اپنے انبیاء ورسولوں پر اور ان کے وسیلہ سے تمام مومنین پر رحمت فرمائے اور ہمیں ان میں بنائے، ان کے ساتھ حشر اور ان کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے، ان کی اپنے ہاں وجاہت اور ان پر اپنی رحمت اور انکی ہم پر رحمت کے سبب وہ برحق بڑا رحیم ورحمٰن ہے سب حمدیں اللہ تعالٰی کے لئے جو سب جہانوں کا رب ہے۔ت)

طبرانی معجم کبیر میں وَبَر حنفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انّی اشھد عدد تراب الدنیا ان مسیلمۃ کذّاب[1]	بیشک میں ذرہ ہائے خاک تمام دنیا کے برابر گواہیاں دیتا ہوں کہ مسیلمہ (جس نے زمانہ اقدس میں ادعائے نبوت کیا تھا) کذاب ہے۔

وانا اشھد معك یارسول اللہ (یارسول اللہ! میں بھی آپ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں) اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ عالم پناہ کا یہ ادنٰی کتا بعدد دانہائے ریگ وستارہائے آسمان گواہی دیتا ہے اور میرے ساتھ تمام ملائکہ سمٰوٰت وارض وحاملانِ عرش گواہ ہیں اور خود عرش عظیم کا مالک گواہ ہے "وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۲۸﴾"[2] (اور اللہ کافی ہے گواہ۔ت) کہ ان اقوال مذکورہ کا قائل بیباک کافر مرتد ناپاک ہے۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۴۱۲ از وبر بن مشھر الحنفی المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۲۲/ ۱۵۴

[2] القران الکریم ۴۸/ ۲۸

اگریہ عــہ اقوال مرزا کی تحریروں میں اسی طرح ہیں تو واللہ واللہ وہ یقینا کافر اور جو اس کے ان اقوال یا ان کے امثال پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ کہے وہ بھی کافر، ندوہ مخذولہ اور اس کے اراکین کہ صرف طوطے کی طرح کلمہ گوئی پر مدارِ اسلام رکھتے اور تمام بددینوں گمراہوں کو حق پر جانتے، خدا کو سب سے یکساں راضی مانتے، سب مسلمانوں پر مذہب سے لادعوے دینا لازم کرتے ہیں جیسا کہ ندوہ کی روداد اوّل و دوم ورسالہ اتفاق وغیرہا میں مصرح ہے ان اقوال پر بھی اپنا وہی قاعدہ ملعونہ مجرد کلمہ گوئی نیچریت کا اعلیٰ نمونہ جاری رکھیں اس کی تکفیر میں چون وچرا کریں تو وہ بھی کافر، وہ اراکین بھی کفار، مرزا کے پیرو اگرچہ خود ان اقوال انجس الابوال کے معتقد نہ بھی ہوں مگر جب کہ صریح کفر وکھلے ارتداد دیکھتے سنتے پھر مرزا کو امام و پیشوا و مقبول خدا کہتے ہیں قطعًا یقینا سب مرتد ہیں سب مستحقِ نار۔ شفاء شریف میں ہے:

نکفر من لم یکفر من دان بغیر ملة المسلمین من الملل اووقف فیھم اوشک [1]	یعنی ہم ہر اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو کافر کو کافر نہ کہے یا اس کی تکفیر میں توقف کرے یا شک رکھے۔

شفاء شریف نیز فتاوٰی بزازیہ ودرروغرر وفتاوٰی خیریہ و درمختار و مجمع الانہر وغیرہا میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [2]۔	جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے یقینا خود کافر ہے۔ (ت)

اور جو شخص باوصف کلمہ گوئی وادعائے اسلام، کفر کرے وہ کافروں کی سب سے بدتر قسم مرتد کے حکم میں ہے، ہدایہ و درمختار وعالمگیری وغرر وملتقی الابحر ومجمع الانہر وغیرہا میں ہے:

صاحب الھوٰی ان کان یکفر فھو بمنزلة المرتد [3]	(بدعتی اگر کفر کرے تو وہ مرتد کے حکم میں ہے۔ت)

فتاوٰی ظہیریہ وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وبرجندی شرح نقایہ وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

عــــہ: یہ اقوال دوسرے کے منقول تھے اس فتوے کے بعد مرزا کی بعض نئی تحریریں خود نظر سے گزریں جن میں قطعی کفر بھرے ہیں بلاشبہ وہ یقینا کافر مرتد ہے ۱۲۔

---

[1] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم فصل فی بیان ماھو من المقالات مکتبہ شرکۃ صحافیہ فی البلاد والعثمانیہ ۲/ ۲۵

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۳۵۶

[3] درمختار فصل فی وصایا الذمی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی، ۲/ ۳۳۳

هٰؤلاء القوم خارجون عن ملّة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين [1]	یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور انکے احکام بعینہٖ مرتدین کے احکام ہیں۔

اور شوہر کے کفر کرتے ہی عورت نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے، اب اگر بے اسلام لائے اپنے اس قول ومذہب سے بغیر توبہ کئے یا بعد اسلام وتوبہ عورت سے بغیر نکاح جدید کئے اس سے قربت کرے زنائے محض ہو جو اولاد ہو یقیناً ولد الزنا ہو، یہ احکام سب ظاہر اور تمام کتب میں دائر وسائر ہیں۔

فی الدر المختار عن غنیۃ ذوی الاحکام مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولادزنا [2]	درمختار میں غنیۃ ذوی الاحکام سے منقول ہے جو بالاتفاق کفر ہو وہ عمل، نکاح کو باطل کردیتا ہے اسکی اولاد ولد الزنا ہے۔

اور عورت کا کل مہر اس کے ذمّہ عائد ہونے میں بھی شک نہیں جب کہ خلوت صحیحہ ہوچکی ہو کہ ارتداد کسی دَین کو ساقط نہیں کرتا۔

فی التنویر وارث کسب اسلامہ وارثہ المسلم بعد قضاء دین اسلامہ وکسب ردتہ فی بعد قضاء دین ردتہ [3]	تنویر میں ہے قرضہ کی ادائیگی کے بعد اس کے اسلامی وقت کی کمائی کا وارث مسلمان ہے اور اس کے ارتدادی دور کی کمائی بیت المال میں جمع ہوگی۔

اور معجّل تو فی الحال آپ ہی واجب الادا ہے، رہا مؤجل، وہ ہنوز اپنی اجل پر رہے گا، مگر یہ کہ مرتد بحال ارتداد ہی مرجائے یا دارالحرب کو چلا جائے اور حاکم شرع حکم فرمادے کہ وہ دارالحرب سے ملحق ہوگیا اس وقت مؤجل بھی فی الحال واجب الادا ہوجائے گا اگرچہ اجل موعود میں دس بیس برس باقی ہوں۔

فی الدر ان حکم القاضی بلحاقہ حل دینہ [4] فی رد المحتار لانہ باللحاق صار من اھل الحرب وھم اموات فی حق احکام الاسلام فصار کالموت، الا	(درمختار میں ہے کہ اگر قاضی نے مرتد کو دارالحرب سے ملحق ہونے کا فیصلہ دے دیا تو اس کا دَین لوگوں کو حلال ہے، ردالمحتار میں ہے کیونکہ دارالحرب سے لاحق ہونے پر حربی ہوگیا اور حربی اسلام کے احکام میں مُردوں

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

[4] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

انه لا یستقر لحاقه الا بالقضاء لا حتمال العود، واذا تقرر موته تثبت الاحکام المتعلقة به کما ذکر نهر[1]	کی طرح ہوتے ہیں مگر اس کا طوق قاضی کے فیصلہ پر دائمی قرار پائے گا کیونکہ قبل ازیں اس کے واپس دارالاسلام آنے کا احتمال ہے، تو جب اس کی موت ثابت ہوگئی تو موت سے متعلقہ تمام احکام نافذ ہوجائیں گے جیسا کہ نہر نے ذکر کیا۔ ت)

اولاد صغار ضرور اس کے قبضے سے نکال لی جائے گی،

حذرا علی دینهم الاتری انهم صرحوا بنزع الولد من الام الشفیقة المسلمة ان کانت فاسقة والولد یعقل یخشی علیه التخلق بسیرها الذمیة فما ظنك بالاب المرتد والعیاذ بالله تعالٰی قال فی ردالمحتار الفاجرة بمنزلة الکتابیة فان الولد یبقی عندها الی ان یعقل الادیان کما سیاتی خوفا علیه من تعلمه منها ما تفعله فکذا الفاجرة[2] الخ وانت تعلم الولد لا یحضنه الاب الا بعد ما بلغ سبعا او تسعا وذلك عمر العقل قطعا فیحرم الدفع الیه ویجب النزع منه وانما احوجنا الی هذا لان الملك لیس بید الاسلام والا عـــه فالسلطان این یبقی	نابالغ بچوں کے دین کے خطرے کی وجہ سے، کیا آپ نے نہ دیکھا کہ فقہاء نے مسلمان شفیق ماں اگر فاسقہ ہو تو اس سے بچے کو الگ کرنے کی تصریح کی ہے بچے کے سمجھدار ہونے پر اس کی ماں کے بُرے اخلاق سے متاثر ہونے کے خوف کی وجہ سے، تو مرتد باپ کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوگا، والعیاذ باللہ تعالٰی، ردالمحتار میں فرمایا کہ فاجر عورت اہلِ کتاب عورت کے حکم میں ہے کہ اس کے پاس بچہ صرف اس وقت تک رہے گا جب تک دین سمجھنے نہ پائے جیسا کہ بیان ہوگا، اس خوف سے کہ کہیں بچہ اس کے اعمال سے متاثر نہ ہوجائے، تو فاجرہ عورت کا بھی یہی حکم ہے الخ، اور تجھے علم ہے کہ والد بچے کو سات یا نو سال کے بعد ہی اپنی پرورش میں لیتا ہے اور یہ سمجھ کی عمر ہے لہذا بچے کو اس کے سپرد کرنا حرام ہے اور اس سے الگ کرلینا ضروری ہے اور

عـــه: فان سلطان الاسلام مامور بقتله لایجوز له ابقاؤه بعد ثلثة ایام ۱۲منه	کیونکہ اسلامی حکمران کو مرتد کے قتل کا حکم ہے تو اسے جائز نہیں کہ مرتد کو تین دن کے بعد باقی رکھے۔ ۱۲منہ

[1] ردالمحتار باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۰

[2] ردالمحتار باب الحضانة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۴

المرتد حتی یبحث عن حضانته الاتری الی قولهم لا حضانة لمرتدة لا نها تضرب وتحبس کالیوم فانی تتفرغ للحضانة فاذا کان هذا فی المحبوس فما ظنك بالمقتول ولکن انا لله وانا الیه راجعون ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔	ہم نے یہ ضرورت اس لئے محسوس کی کہ یہ ملک مسلمان کے اختیار میں نہیں ورنہ اسلامی حکمران مرتد کو کب چھوڑے گا کہ مرتد کی پرورش کا مسئلہ زیر بحث آئے،آپ نے غور نہیں کیا کہ فقہاء کا ارشاد ہے کہ مرتدہ کو حق پرورش نہیں ہے کیونکہ وہ قید میں سزا یافتہ ہوگی جیسا کہ آج ہے لہٰذا وہ پرورش کرنے کی فرصت کہاں پاسکتی ہے تو یہ حکم قیدی کے متعلق ہے تو مقتول مرتد کے متعلق تیرا کیا گمان ہوسکتا ہے، لیکن ہم اللہ تعالٰی کا مال اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔ت

مگران کے نفس یا مال میں بدعوے ولایت اس کے تصرفات موقوف رہیں گے اگر پھر اسلام لے آیا اور اس مذہب ملعون سے توبہ کی تو وہ تصرف سب صحیح ہوجائیں گے اور اگر مرتد ہی مرگیا یا دارالحرب کو چلا گیا تو باطل ہوجائیں گے۔

فی الدر المختار یبطل منه اتفاقا ما یعتمد الملة وهی خمس النکاح والذبیحة والصید والشهادة والارث و یتوقف منه اتفاقا ما یعتمد المساواة وهو المفاوضة. او ولایة متعدیة وهو التصرف علی ولده الصغیر.ان اسلم نفذ وان هلك اولحق بدار الحرب وحکم بلحاقه بطل[1] اھ مختصرا.نسأل الله الثبات علی الایمان وحسبنا الله ونعم الوکیل وعلیه التکلان ولا حول ولا قوة الاّ بالله العلی العظیم وصلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وأله وصحبه اجمعین.اٰمین	(درمختار میں ہے مرتد کے وہ تمام امور بالاتفاق باطل ہیں جن کا تعلق دین سے ہو اور وہ پانچ امور ہیں: نکاح،ذبیحہ، شکار، گواہی اور وراثت،اور وہ امور بالاتفاق موقوف قرار پائیں گے جو مساوات عمل مثلاً لین دین اور کسی پر ولایت اور یہ نابالغ اولاد کے بارے میں تصرفات ہیں،اگر وہ دوبارہ مسلمان ہوگیا تو موقوف امور نافذ ہوجائیں گے،اور اگر وہ ارتداد میں مرگیا یا دارالحرب پہنچ گیا اور قاضی نے اس کے طوق کا فیصلہ دے دیا تو وہ امور باطل ہوجائیں گے،اھ مختصراً، ہم اللہ تعالٰی سے ایمان پر ثابت قدمی کے لئے دعا گو ہیں،ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے اور اس پر ہی بھروسا ہے،لاحول

[1] درمختار، باب المرتد، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

واللہ تعالٰی اعلم۔	ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عبد المصطفٰی — محمد وصی احمد

احمد رضا خاں عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامّی — ناصر دین

محمدی سُنّی حنفی قادری
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم

رسالہ

قھرالدّیان علٰی مرتدٍّ بقادیان ۱۳۲۳ھ

(قادیانی مرتد پر قہر خداوندی)

الحمدللہ وکفٰی،سمع اللہ لمن دعا،لیس وراء اللہ منتھٰی،ان ربی لطیف لما یشاء،صلوات العلی الاعلٰی، وتسلیماتہ المنزھۃ عن الانتھاء،وبرکاتہ التی تنمی وتنمٰی،علی خاتم النبیین جمیعا،فمن تنبّأ بعدہ تامّا اوناقصا فقد کفر وغوٰی،اللہ اکبر علٰی من عاث وعتا، ومرد وعصٰی،وفی ھوۃ ھواہ ھوٰی،اللھم اجرنا من ان نذل ونخزٰی،او نزلّ ونشقٰی،ربنا وانصرنا بنصرك علٰی من طغٰی وبغٰی،

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے،دعا کرنے والے کیلئے کفایت فرماتا اور سنتا ہے،اللہ تعالٰی کے بغیر کو منتہٰی نہیں بیشک میرا رب جس پر چاہے لطف فرماتا ہے،اللہ تعالٰی کی صلوٰتیں، تسلیمات اور برکتیں جو بڑھتی ہیں اور انتہا سے پاک ہیں تمام انبیاء کے خاتم پر،توجو آپ کے بعد تام یا ناقص نبوت کا مدعی ہوا تو وہ کافر ہوا اور گمراہ،اللہ تعالٰی ہر سرکش، باغی، کھلے نافرمان اور اپنی خواہش کے گڑھے میں گرنے والے پر غالب و بلند ہے،اے باری تعالٰی! ہمیں ذلّت، رسوائی، پھسلنے اور بدبختی سے محفوظ فرما۔یا اللہ! ہماری اپنی خاص مدد فرما ہر باغی اور سرکش اور

وضل واضل عن سبیل الاهتداء، صل علی المولٰی واٰله وصحبه ابدا ابدا، واشهد ان لا اله اِلّا الله وحده لا شریك له احدا صمدا، وان محمدا عبده ورسوله بالحق ودین الهدٰی، صلی الله تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وصحبه دائما سرمدا۔	جو بھی گمراہ ہو اور گمراہ کرتا ہو سیدھے طریقے سے ان سب کے خلاف۔ اور رحمت نازل فرما ہمارے آقا پر اور ان کی آل واصحاب پر ہمیشہ ہمیشہ، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، وہ وحدہ لاشریک احد صمد ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور برحق رسول ہیں اور اس کا دین ہدایت ہے۔ اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہو ان پر اور ان کے آل واصحاب پر دائمی۔ ت

اللہ اکبر علٰی من عتا وتکبر

(اللہ تعالٰی ہر سرکش اور متکبر پر غالب وبلند ہے۔ ت)

مدّتے ایں مثنوی تاخیر شد مُہلتے بایست تاخُوں شیر شد

(اس مثنوی کو ایک مدّت تاخیر ہوئی، خون کے دودھ بننے کے لئے مدت چاہیے۔ ت)

اللہ عزوجل اپنے دین کا ناصر، اپنے بندوں کا کفیل، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، رسالہ ماہواری رَدِّ قادیانی کی ابتداء حکمتِ الٰہیہ نے اس وقت پر رکھی تھی کہ یہاں دو چار جاہلان محض اس کے مرید ہو آئے، مسلمانوں نے حسب حکم شرع شریف ان سے میل جول، ارتباط، سلام، کلام یک لخت ترک کردیا۔ دین میں فساد، مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والوں نے یہ "الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ"[1] (بڑے عذاب سے قبل دنیاوی چھوٹا عذاب چکھا) مسلمانوں پر حملے میں اپنی چلتی میں کوئی گئی نہ کی، بس نہ چلا تو متواتر عرضیاں دیں کہ ہمارا پانی بند ہے، ہم پر زندگی تلخ ہے، بیدار مغز حکومت ایسی لغویات کو کب سنتی، ہر بار جواب ملا کہ مذہبی امور میں دست اندازی نہ ہوگی، سائلان آپ اپنا انتظام کریں، آخر بحکم آنکہ

ع دست بگیرد سر شمشیر تیز

(تیز تلوار کا سرا ہاتھ میں پکڑا۔ ت)

ایک بے قید پرچے روہیل کھنڈ گزٹ میں اشتہار چھاپا کہ عمائدِ شہر اگر علمائے طرفین سے مناظرہ کرائیں اور وہ

[1] القرآن الکریم ۳۲/۲۱

بھی اس شرط پر کہ دونوں طرف سے خود وہی منتظم رہیں تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم بھی مرزائی ملانوں کو بلالیں اور اس میں علمائے اہلسنّت کی شان میں کوئی دقیقہ بدزبانی واکاذیب بہتانی وکلماتِ شیطانی کا اٹھانہ رکھا، یہ حرکت نہ فقط ان بے علم بے فہم مرزائیوں بلکہ بعونہ تعالٰی خود مرزا کے حق میں **کالباحث عن حتفہ بظلفہ**(اس کی طرح جو اپنی موت اپنے کُھر سے کرید کر نکالے۔ت) سے کم نہ تھی۔

ست بازو بجہل میفگند   پنجہ بامردِ آہنیں چنگال

(ہر فاہم وجاہل کو چھیڑا، آہنی پنجے والے مرد سے پنجہ آزمائی کی۔ت)

مگر ازانجا کہ "**عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ**"[1]۔ قریب ہے کہ تم ناگوار سمجھوگے بعض چیزیں اور وہ تمہارے لئے بہتر ہوں گی۔ت)

ع خدا شرّے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

(اللہ تعالٰی ایسا شر لاتا ہے جس میں ہماری خیر ہو۔ت)

یہ ایک غیبی تحریک خیر ہوگئی جس نے اس ارادہ رسالہ کی سلسلہ جنبانی فرمادی، اشتہار کا جواب اشتہاروں سے دیا گیا۔ مناظرہ کے لئے ابکار افکار مرزا قادیانی کو پیام دیا، اس کے ہولناک اقوال ادّعائے رسالت ونبوت وافضلیت من الانبیاء وغیرہا کفر وضلال کا خاکہ اڑایا، گالیوں کے جواب میں گالی سے قطعی احتراز کیا، صرف اتنا دکھادیا کہ تمہاری آج کی گالی نرالی نہیں، قادیانی تو ہمیشہ سے اللہ ورسول وانبیائے سابقین وائمہ دین سب کو گالیاں سناتا رہا ہے، ہر عبارت اس کی کتابوں سے بحوالہ صفحہ مذکور ہوئی، مضمون کثیر تھا، متعدد پرچوں میں اشاعت منظور ہوئی، "ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری" نام رکھا گیا، اس میں دعوتِ مناظرہ، شرائط مناظرہ، طریق مناظرہ، مبادی مناظرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس مختصر تحریر نے اپنی سلک منیر میں متعدد سلاسل لئے، سلسلہ دشنام ہائے قادیانی بر حضرتِ ربّانی ورسولانِ رحمانی ومحبوبانِ یزدانی، سلسلہ کفریات وضلالاتِ قادیانی، سلسلہ تناقضات وتہافتات قادیانی، سلسلہ دجّالی وتلبیساتِ قادیانی، سلسلہ جہالات وبطالاتِ قادیانی، سلسلہ تاصیلات، سلسلہ سوالات اور واقعی وقتی ضرورات مختلف مضامین پر کلام کی مقتضی ہوتی ہیں اور اس کے اکثر رسائل الٹ پھیر کر انہیں ڈھاک کے تین پات کے حامل، لہٰذا ہر رسالے کے جداگانہ رو سے انہیں سلاسل کا انتظام احسن واولٰی۔

اب بعونہٖ تعالٰی اسی ہدایت نوری سے ابتدائے رسالہ ہے اور مولٰی تعالٰی مدد فرمانے والا ہے، اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۶

بعد وقتًا فوقتًا رسائل و مضامین میں حسبِ حاجت اندراج گزین مناسب، کہ جو کلام جس سلسلے کے متعلق آتا جائے بہ شمار سلسلہ اسی کی سلک میں انسلاک پائے جو نیا کلام اس سلاسل سے جدا شروع ہو اس کے لئے تازہ سلسلہ موضوع ہو۔اعتراضات کے تازیانے جن کا شمار خدا جانے اوّل تا آخر ایک سلسلہ میں منضود اور ہر اعتراض حاشیہ پر تازیانہ یا اس کی علامت "ت" لکھ کر جُدا معدود۔

مسلمانوں سے تو بفضلہٖ تعالٰی یقینی امید مدد و موافقت ہے، مرزائی بھی اگر تعصّب چھوڑ کر خوف خدا اور روز جزاء سامنے رکھ کر دیکھیں تو بعونہٖ تعالٰی امید ہدایت ہے **وماتوفیقی الاّ باللّٰہ علیہ توکّلت والیہ انیب وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰلہٖ وصحبہ انہ ھو القریب المجیب۔**

ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم خاتم النبیین واٰلہ وصحبہ اجمعین ط

اس میں قادیانی کو دعوتِ مناظرہ اور اس کے بعض سخت ہولناک اقوال کا تذکرہ ہے۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو دین حق پر استقامت اور اعدائے دین پر فتح و نصرت بخشے، آمین!

روہیل کھنڈ گزٹ مطبوعہ یکم جولائی ۱۹۰۵ء فقیر غفرلہ میں تصور حسین نیچہ بند کے نام سے ایک مضمون بعنوان "اطلاع ضروری" نظر سے گزرا جس میں اوّلًا علمائے اہلسنّت **نصرھم اللّٰہ تعالٰی** پر سخت زبان درازی وافتراء پردازی کی ہے، کوئی دقیقہ توہین کا باقی نہ رکھا اور آخر میں عمائدِ شہر کو ترغیب دی ہے کہ علمائے طرفین میں مناظرہ کرادیں کہ حق جس طرف ہو ظاہر ہوجائے

ہر ذی عقل جانتا ہے کہ نیچہ بند صاحب جیسے بے علم فاضل، کیا کلام وخطاب کے قابل، بلکہ فوج کی اگاڑی آندھی کی پچھاڑی مشہور ہے، جس فوج کی یہ اگاڑی یہ ہراوّل، اس کی پچھاڑی معلوم از اوّل، مگر اپنے دینی بھائیوں سے دفعِ فتنہ لازم، للہذا دونوں باتوں کے جواب کو یہ ہدایت نوری دو عدد پر منقسم، آئندہ حسبِ حاجت اس کے شمار کا اللہ عالم (پہلے عدد میں) ان گالیوں کا جوابِ متین جو علمائے اہلسنّت کو دی گئیں۔

پیارے بھائیو! عزیز مسلمانو! کیا یہ خیال کرتے ہو کہ ہم گالیوں کا جواب گالیاں دیں؟ حاشاللہ ہر گز نہیں بلکہ ان دل کے مریضوں اور ان کے ساختہ مسیح مرزا قادیانی کو گالی کے جواب میں یہ دکھائیں گے، ان کی آنکھیں صرف اتنا دکھا کر کھولیں گے کہ شُستہ دہنو! تمہاری گندی گالی تو آج کی نئی نرالی نہیں، قادیانی بہادر

ہمیشہ سے علماء وائمہ کو سڑی گالیاں دینے کا دھنی ہے، استغفر اللہ! علماء وائمہ کی کیا گنتی، وہ کون سی شدید خبیث ناپاک گالی ہے جو اس نے اللہ کے محبوبوں، اللہ کے رسولوں بلکہ خود اللہ واحد قہار کی شان میں اٹھا رکھی ہے، یہ اطلاع ضروری کی پہلی بات کا جواب ہوا۔

(دوسرے عدد) میں بعونہ تعالٰی قادیانی مرزا کو دعوتِ مناظرہ ہے، اس میں شرائط مناظرہ مندرج ہیں اور نیز اس کا طریق مذکور ہے جو نہایت متین و مہذّب اور احتمالِ فتنہ سے یکسر دور ہے اس میں قادیانی کی طرح فریق مقابل پر شرائط میں کوئی سختی نہ رکھی گئی بلکہ قادیانی کی باگ ڈھیلی کی اور اس کی تنگی کھول دی گئی ہے، اس میں بحولہ تعالٰی شرائط کے ساتھ مبادی بھی ہیں جو کمال تہذیب و متانت سے ضلالتِ ضال کے کاشف اور مناظرہ حسنہ کے بادی بھی ہیں۔

ایک مُدعی وحی کو لازم کہ اپنے وحی کنندوں کو جو رات دن اس پر اترتے رہتے ہیں جمع کر رکھے اور اپنی حال کی اور پچھلی قوت سب حق کا وار سہارنے کے لئے ملا لے۔ ہاں ہاں قادیانی کو تیار ہو رہنا چاہیے اس سخت وقت کے لئے جب واحد قہار اپنی مدد مسلمانوں کے لئے نازل فرمائے گا اور جھوٹی مسیحی جھوٹی وحی کا سب جال پیچ بعونہ کھل جائے گا۔

وما ذٰلك على الله بعزيز لقد عز نصر من قال وقوله الحق ان جندنا لهم الغٰلبون ولن يجعل الله للكٰفرين على المؤمنين سبيلا والحمد لله ربّ العٰلمين۔	(اور یہ اللہ تعالٰی پر گراں نہیں، اس ذات کی مدد غالب جس نے فرمایا اور اس کا فرمان برحق ہے کہ ہمارا تیار کردہ لشکر ہی ان پر غالب رہے گا، اور اللہ تعالٰی کافروں کو مومنوں پر ہرگز راہ نہ دے گا، الحمد للہ رب العالمین۔ت)

یہ دوسرا عدد بحولہ تعالٰی اس کے متصل ہی آتا ہے، اب بعونہ تعالٰی پہلے عدد کا آغاز ہوتا ہے۔

وماتوفيقي الّا بالله عليه توكلت واليه انيب۔	(اور مجھے صرف اللہ تعالٰی سے توفیق ہے اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ت)

عددِ اوّل

اللہ کے محبوبوں، اللہ کے رسولوں حتّٰی کہ خود اللہ عزوجل پر قادیانی کی لچھے دار گالیاں

مسلمانو! اللہ تعالٰی تمہارا مالک و مولٰی تمہیں کفر و کافرین کے شر سے بچائے، قادیانی نے سب سے زیادہ اپنی گالیوں کا تختہ مشق رسول اللہ وکلمۃ اللہ وروح اللہ سیدنا عیسٰی بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسّلام کو

بنایا ہے اور واقعی اسے اس کی ضرورت بھی تھی، وہ مثیل عیسٰی بلکہ نزول عیسٰی یا دوسرے لفظوں میں عیسٰی کا اتار بنا ہے، عیسٰی کے تمام اوصاف اپنے میں بتاتا ہے اور حقیقت دیکھئے تو مسیح صادق کی جمیع اوصاف حمیدہ سے اپنے آپ کو خالی اور اپنے تمام شنائع ذمیمہ سے اس پاک مبارک رسول کو منزّہ پاتا ہے لہٰذا ضرور ہوا کہ ان کے معجزات، ان کے کمالات سے یک لخت انکار اور اپنی تمام شنیع خصلتوں، ذمیم حالتوں کی ان پر بوچھاڑ کرے جب تو اتار بنا ٹھیک اترے۔ میں یہاں اس کی گالیاں جمع کروں تو دفتر ہو لہٰذا اس کی خروار سے مُشتِ نمونہ پیش نظر ہو۔

فصل اول

رسول اللہ عیسٰی بن مریم اور انکی ماں علیہما الصلوٰۃ والسلام پر قادیانی کا گالیاں

تازیانہ ا تا ۳ (۱): اعجاز احمدی ص ۱۳ پر صاف لکھ دیا کہ: "یہود عیسٰی کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی جواب میں حیران ہیں، بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسٰی نبی ہے کیونکہ قرآن نے اس کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطالِ نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ یہاں عیسٰی کے ساتھ قرآن عظیم پر بھی جڑ دی کہ وہ ایسی باطل بات بتارہا ہے جس کے ابطال پر متعدد دلائل قائم ہیں"۔

ت ۴و۵۔ (۲): ایضًا ص ۲۴: "کبھی عــہ آپ کو شیطانی الہام بھی ہوتے تھے۔"

ت ۶۔ (۳): ایضًا ص ۲۴: "ان کی اکثر پیشگوئیاں غلطی سے پر ہیں۔" یہ بھی صراحۃً نبوت عیسٰی سے انکار ہے کیونکہ قادیانی خود اپنی ساختہ کشتی ص ۵ پر کہتا ہے: "ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشین گوئیاں ٹل جائیں۔"

ت ۷: نیز پیشگوئی لیکھرام آخر دافع الوساوس ص ۷ پر کہتا ہے: "کسی انسان کا اپنی پیشگوئی میں جھوٹا نکلنا تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔"

ت ۸: ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۷ پر کہا: "کیا اس کے سوا کسی اور چیز کا نام ذلت ہے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ پورا نہ ہوا۔"

ت ۹: اور کشتی ساختہ میں اپنی نسبت یوں لکھتا ہے ص ۶: "اگر کوئی تلاش کرتا کرتا مر بھی جائے تو ایسی کوئی

عــــہ: یہ خود ان کا اپنا عقیدہ ہے بظاہر انجیل کے سر تھوپا ہے، خود اسے اپنے یہاں حدیث سے ثابت مانتا ہے۔ اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آتا ہے۔

پیشگوئی جو میرے منہ سے نکلی ہوا سے نہیں ملے گی جس کی نسبت وہ کہہ سکتا ہو کہ خالی گئی۔"تو مطلب یہ ہوا کہ اس کے لئے تو بھاری عزت ہے اور سید نا عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کے لئے وہ خواری و ذلّت ہے جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ **الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین۔**

ت ۱۰ تا ۱۲(۴): دافع البلاء ٹائیٹل پیج ص ۳: "ہم مسیح کو بیشک راستباز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا، **واللہ اعلم**، مگر وہ حقیقی منجی نہ تھا"۔

رسول اللہ اور وہ بھی ان پانچ مرسلین اولوالعزم سے کہ تمام رسولوں سے افضل ہیں یعنی ابراہیم و نوح و موسٰی و عیسٰی و محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم اس کی صرف اتنی قدر ہے کہ ایک راستباز آدمی تھا جو ان کی خاک پا کے ادنٰی غلاموں کا بھی پورا وصف نہیں تو بات کیا، وہی کہ عیسٰی کی نبوّت باطل ہے فقط ایک نیک شخص تھا وہ بھی نہ ایسا کہ دوسرے کو نجات ملنے کا واقعی سبب ہوسکے بلکہ حقیقی نجات دہندہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھے، اور اب قادیانی ہے کہ اسی کے متصل کہتا ہے کہ "حقیقی منجی وہ ہے جو حجاز میں پیدا ہوا تھا اور اب آیا مگر بروز کے طور پر خاکسار غلام احمد از قادیان"۔

ت ۱۳۔(۵): پھر یہاں تک تو عیسٰی کا ایک راستباز آدمی اور اپنے بہت اہل زمانہ سے اچھا ہونا یقینی تھا کہ بیشک اور البتہ کے ساتھ کہا، نوٹ میں چل کر وہ یقین بھی زائل ہوگیا، اسی صفحہ پر کہا "یہ ہمارا بیان محض نیک ظنی کے طور پر ہے ورنہ ممکن ہے کہ عیسٰی کے وقت میں بعض راستباز اپنی راستبازی میں عیسٰی سے بھی اعلٰی ہوں۔" اے **سبحٰن اللہ!**

حسنِ ظن تو چکار آید　　　ایماں یقین شعار باید

(پختہ ایمان انسان کا شعار ہونا چاہیے صرف اچھا گمان تیرے کیا کام آئے گا۔ت)

ت ۱۴۔(۶): پھر ساتھ لگے خدا کی شریعت بھی ناقص وہ تمام ہوگئی، اسی کے ص ۴ پر کہا "عیسٰی کوئی کامل شریعت نہ لائے تھے"۔

ت ۱۵ تا ۱۷۔(۷): عیسٰی کی راستبازی پر شراب خوری اور انواع انواع بد اطواری کے داغ بھی لگ گئے، ایضا ص ۴۔ مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحیٰی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ (یعنی یحیٰی) شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہ سنا کہ کسی فاحشہ عورت نے اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی، اسی وجہ سے قرآن میں یحیٰی کا نام حصور رکھا گیا مگر مسیح کا نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔

ت۱۸تا۲۰۔(۸):اسی ملعون قصے کو اپنے رسالہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ میں یوں لکھا: "آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدّی مناسبت درمیان ہے(یعنی عیسٰی بھی ایسوں ہی کی اولاد تھے) ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگاوے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے، سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہوسکتا ہے۔"

ت۲۱تا۳۶:اسی رسالہ ص ۴ سے ص ۸ تک مناظرہ کی آڑ لے کر خوب ہی جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔اللہ عزوجل کے سچے مسیح عیسٰی بن مریم کو نادان[۹] اسرائیلی، شریر[۱۰]، مکار[۱۱]، بدعقل[۱۲]، زنا نے خیال والا[۱۳] فحش گو[۱۴]، بدزبان[۱۵]، کٹیل[۱۶]، جھوٹا[۱۷]، چور[۱۸]، علمی[۱۹] عملی[۲۰] قوت میں بہت کچا، خلل دماغ والا[۲۱]، گندی گالیاں دینے والا[۲۲]، بدقسمت[۲۳]، نرافریبی[۲۴]، پیروِ شیطان[۲۵] وغیرہ وغیرہ خطاب اس قادیانی دجّال نے دیئے۔

ت ۳۷ (۲۶): صاف لکھ دیا ص۶ "حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہ ہوا۔"

ت۳۸(۲۷): "اس زمانے میں ایک تالاب سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے، آپ سے کوئی معجزہ ہوا بھی ہو تو آپ کا نہیں اس تالاب کا ہے، آپ کے ہاتھ میں سوا مکر وفریب کے کچھ نہ تھا۔"

ت۳۹و۴۰۔(۲۸): انتہاء یہ کہ ص ۷ پر لکھا: آپ کا خاندان بھی نہایت پاک و مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ہوا۔ **انّا للہ وانّا الیہ راجعون**۔ خدائے قہار کا حلم کہ رسول اللہ کو بحیلہ عـــہ وبے حیلہ یہ ناپاک گالیاں دی جاتی ہیں اور آسمان نہیں پھٹتا۔ ان شدید ملعون گالیوں کے آگے ان لچھے دار شرافتوں کا کیا ذکر جو نیچہ بند صاحب نے علماء اہلسنّت کو دیں ان کا پیر تو نانی دادی تک کی دے چکا۔ **الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین**۔

ت۴۱تا۴۴۔(۲۹): وہ پاک کنواری مریم صدیقہ کا بیٹا کلمۃ اللہ جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا نشان سارے جہان کے لئے۔ قادیانی نے اس کے لئے دادیاں بھی گنا دیں، اور ایک جگہ اس کا دادا بھی لکھا ہے اور اس کے حقیقی بھائی سگی بہنیں بھی لکھی ہیں، ظاہر ہے کہ دادا، دادی، حقیقی بہنیں، سگے بھائی اسی کے ہوسکتے ہیں جس کے لئے باپ ہو، جس کے نطفے سے وہ بنا ہو، پھر بے باپ کے پیدا ہونا کہاں رہا؟ یہ قرآن عظیم کی تکذیب اور طیبہ طاہرہ مریم کو سخت گالی ہے۔

ت۴۵: کشتی ساختہ ص۱۶ پر لکھا: "مسیح تو مسیح ہیں اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔ مسیح کی

عـــہ: خبیث حیلہ مناظرہ کا ہے اس کا رد عنقریب آتا ہے۔

دونوں ہمشیروں کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں"۔اور خود ہی اس کے نوٹ میں لکھا"یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں، یہ سب یسوع مسیح کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں یعنی یوسف اور مریم کی اولاد تھے۔"

ت۴۶: دیکھو کیسے کھلے لفظوں میں یوسف بڑھئی کو سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ کا باپ بنادیا اور اس صریح کفر میں صرف ایک پادری کے لکھ جانے پر اعتماد کیا۔ہاں ہاں یقین جانو آسمانی قہر سے واحد قہار سے سخت لعنت پائے گا اور جو ایک پادری کی بے معنی زٹل سے قرآن کو رد کرتا ہے۔

ت۴۷۔(۳۰): نیز اسی دافع البلاء کے ص ۱۵ پر لکھا"خدا ایسے شخص(یعنی عیسٰی) کو کسی طرح دوبارہ دنیا میں نہیں لاسکتا جس کے پہلے فتنے نے ہی دنیا کو تباہ کردیا۔" یہ ان گالیوں کے لحاظ سے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک ہلکی سی گالی ہے کہ اس کے فتنے نے دنیا تباہ کردی مگر اس میں دو شدید گالیاں اور ہیں کہ **ان شاء اللہ تعالٰی** فصل سوم میں مذکور ہوں گی۔

ت۴۸(۳۱): اربعین نمبر ۲ ص ۱۳ پر لکھا"کامل مہدی نہ موسٰی تھا نہ عیسٰی۔ان مرسلین اولوالعزم کا کامل ہادی ہونا بالائے طاق، پورے مہدی بھی نہ ہوئے۔اور کامل کون ہیں، جناب قادیانی۔" دیکھو اسی کا ص ۱۲ و ۱۳۔

ت۴۹ و ۵۰(۳۲) مواہب الرحمٰن پر صاف لکھ دیا کہ عیسٰی یہودی تھا **لو قدر اللہ رجوع عیسی الذی ھو من الیھود لرجع العزۃ الی تلك الیوم** (اگر اللہ تعالٰی نے یہودی عیسٰی کا دوبارہ آنا مقدر کیا تو عزت اس دن لوٹ آئے گی۔) ت ظاہر ہے کہ یہودی مذہب کا نام ہے نہ کہ نسب کا، کیا مرزا کہ پارسیوں کی اولاد ہے مجوسی ہے۔

قادیانی نے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کردی۔

ت۵۲(۳۳): حد یہ کہ عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کردی۔ مسلمانو! وہ اتنا احمق نہیں کہ صاف حرفوں میں لکھ دے عیسٰی کافر تھا بلکہ اس کے مقدمات متفرق کرکے لکھے، یہ تو دشنام سوم میں سن چکے کہ عیسٰی کی سخت رسوائیاں ہوئیں، اور کشتی ساختہ ص ۱۸ پر کہتا ہے"جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں ممکن نہیں کہ خدا ان کو رسوا کرے، کون خدا پر ایمان لایا صرف وہی جو ایسے ہیں" دیکھو کیسا صاف بتادیا کہ جسے خدا پر ایمان ہے ممکن نہیں کہ اسے خدا رسوا کرے لیکن عیسٰی کو رسوا کیا تو ضرور اسے خدا پر ایمان نہ تھا اور کیا کافر کہنے کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔**الا لعنۃ اللہ علی الکفرین۔**

قصد تھا کہ فصل اوّل یہیں ختم کی جائے کہ اتنے میں قادیانی کی"**ازالۃ الاوھام**"ملی، اس کی برہنہ گوئیاں بہت بے لاگ اور قابلِ تماشا ہیں۔

معجزات مسیح کی تحقیر وانکار۔

ت۵۳تا۵۷(۳۴): یہ جو مثیل مسیح بنا اور اس پر لوگوں نے مسیح کے معجزے مثلاً مردے جِلانا اس سے طلب کئے تو صاف جواب دیتا ہے ص ۳ "احیاء جسمانی کچھ چیز نہیں، احیاء روحانی کے لئے یہ عاجز آیا ہے"۔دیکھو

وہ ظاہر باہر قاہر معجزہ جسے قرآن عظیم نے جا بجا کمال تعظیم کے ساتھ بیان فرمایا اور آیۃ اللہ ٹھہرایا، قادیانی کیسے کھلے لفظوں میں اس کی تحقیر کرتا ہے کہ وہ کچھ نہیں، پھر اس کے متصل کہتا ہے ص ۴۔ "ماسوائے اس کے اگر مسیح کے اصلی کاموں کو ان حواشی سے الگ کرکے دیکھا جائے جو محض افتراء یا غلط فہمی سے گھڑے ہیں تو کوئی اعجوبہ نظر نہیں آتا بلکہ مسیح کے معجزات پر جس قدر اعتراض ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی اور نبی کے خوارق پر ایسے شبہات ہوں، کیا تالاب کا قصہ مسیحی معجزات کی رونق دور نہیں کرتا"۔

دیکھو "کوئی اعجوبہ نظر نہیں آتا" کہہ کر ان کے تمام معجزات سے کیسا صاف انکار کیا اور تالاب کے قصے سے اور بھی پانی پھیر دیا اور آخر میں لکھا ص ۴ و ۵ "زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ حضرت مسیح معجزہ نمائی سے صاف انکار کرکے کہتے ہیں کہ میں ہر گز کوئی معجزہ دکھا نہیں سکتا مگر پھر بھی عوام الناس ایک انبار معجزات کا ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔"

غرض اپنی مسیحیت قائم رکھنے کو نہایت کھلے طور پر تمام معجزاتِ مسیح وتصریحاتِ قرآن عظیم سے صاف منکر ہے اور پھر مہدی و رسول و نبی ہونے کا ادّعا، مسلمان تو مکذّبِ قرآن کو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتے، قطعًا کافر مرتد زندیق بے دین ہے نہ کہ نبی ورسول بن کر اور کفر پر کفر چڑھے **الا لعنۃ اللہ علی الکفرٰین** (خبردار! کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) اور اس کذاب کا کہنا کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اپنے معجزے سے منکر تھے، رسول اللہ پر محض افتراء اور قرآنِ عظیم کی صاف تکذیب ہے، قرآنِ عظیم تو مسیح صادق سے یہ نقل فرماتا ہے کہ:

"اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۴۹﴾" [1]	بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب سے یہ معجزے لے کر آیا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں، وہ خدا کے حکم سے پرند ہو جاتی ہے اور میں بحکم خدا مادر زاد اندھے اور بدن بگڑے کو اچھا کرتا اور مردے زندہ کرتا ہوں، اور تمہیں خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے اور جو گھروں میں اٹھا رکھتے ہو، بیشک اس میں تمہارے لئے بڑا معجزہ ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

پھر مکرّر فرمایا:

"وَ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ﴿۵۰﴾ "[1]	میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بڑے معجزات لے کر آیا تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور یہ قرآن کا جھٹلانے والا ہے کہ انہیں اپنے معجزات سے انکار تھا۔

کیوں مسلمانو! قرآن سچا یا قادیانی؟ ضرور قرآن سچا ہے اور قادیانی کذّاب جھوٹا، کیوں مسلمانو! جو قرآن کی تکذیب کرے وہ مسلمان ہے یا کافر؟ ضرور کافر ہے، ضرور کافر بخدا۔

ت۵۸و۵۹: (۳۵) اسی بکر فکر قادیانی کے ازالہ شیطانی میں آخر ص ۱۶۱ سے آخر ۱۶۲ تک تو نوٹ میں پیٹ بھر کر رسول اللہ و کلمۃ اللہ کو وہ گالیاں دیں اور آیات اللہ و کلام اللہ سے وہ مسخریاں کیں جن کی حد و نہایت نہیں، صاف لکھ دیا کہ جیسے عجائب انہوں نے دکھائے عام لوگ کر لیتے تھے۔ اب بھی لوگ ویسی باتیں کر دکھاتے ہیں۔

ت۶۰ (۳۶): بلکہ آجکل کے کرشمے ان سے زیادہ بے لاگ ہیں۔

ت۶۱ و ۶۲ (۳۷): وہ معجزے نہ تھے، کل کا دَور تھا عیسٰی نے اپنے باپ بڑھئی کے ساتھ بڑھئی کا کام کیا تھا، اس سے یہ کلیں بنانی آ گئی تھیں۔ **ت۶۳ (۳۸)**: عیسٰی کے سب کرشمے مسمریزم سے تھے۔

(۳۹): وہ جھوٹی جھلک تھی۔

(۴۰): سب کھیل تھا، لہو ولعب تھا۔ **ت۶۴ (۴۱)**: سامری جادو گر کے گئوسالے کے مانند تھا۔

ت۶۵ (۴۲): بہت مکروہ و قابلِ نفرت کام تھے۔ **ت۶۶ (۴۳)**: اہل کمال کو ایسی باتوں سے پرہیز رہا ہے۔

ت۶۷ (۴۴): عیسٰی روحانی علاج میں بہت ضعیف اور نکمّا تھا۔

ت۶۸: وہ ناپاک عبارات بروجہ التقاط یہ ہیں ص ۱۵۱: انبیاء کے معجزات دو قسم ہیں، ایک محض سماوی جس میں انسان کی تدبیر و عقل کو کچھ دخل نہیں جیسے شق القمر، دوسرے عقلی جو خارقِ عادت عقل کے ذریعہ سے ہوتے ہیں جو الہام سے ملتی ہے جیسے سلیمان کا معجزہ **صرح ممرد من قواریر**[2] (شیشے جڑا صحن ہے۔ت) بظاہر مسیح کا معجزہ سلیمان کی طرح عقلی تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان دونوں میں ایسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے جو شعبدہ بازی اور دراصل بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنے والے تھے، وہ لوگ جو سانپ بنا کر دکھلادیتے اور کئی قسم کے جانور تیار کرکے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۴۴

زندہ جانوروں کی طرح چلادیتے، مسیح کے وقت میں عام طور پر ملکوں میں تھے سو کچھ تعجب نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا پھونک مارنے پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ یا پیروں سے چلتا ہو کیونکہ مسیح اپنے باپ عـــہ۱ یوسف کے ساتھ بائیس ۲۲ برس تک نجاری کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام در حقیقت ایسا ہے جس میں کلوں کے ایجاد میں عقل تیز ہو جاتی ہے پس کچھ تعجب نہیں کہ مسیح نے اپنے دادا عـــہ۲ سلیمان کی طرح یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہو، ایسا معجزہ عقل سے بعید بھی نہیں، حال کے زمانہ میں اکثر صنّاع ایسی چڑیاں بنالیتے ہیں کہ بولتی بھی ہیں، ہلتی بھی ہیں۔ دم بھی ہلاتی ہیں، اور میں نے سنا ہے کہ بعض چڑیاں کل کے ذریعہ سے پرواز بھی کرتی ہیں، بمبئی اور کلکتے میں ایسے کھلونے بہت بنتے ہیں اور ہر سال نئے نئے نکلتے آتے ہیں عـــہ۳ ماسوااس کے یہ قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز عمل الترب یعنی مسمریزی طریق سے بطور لہو ولعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آسکیں کیونکہ مسمریزم میں ایسے ایسے عجائبات ہیں، سو یقینی طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس فن میں مشق والا مٹی کا پرند بنا کر پرواز کرتا دکھادے تو کچھ بعید نہیں کیونکہ کچھ اندازہ کیا گیا کہ اس فن کی کہاں تک انتہا ہے عـــہ۴ سلبِ امراض عمل الترب (مسمریزم) کی شاخ ہے، ہر زمانے میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں جو اس عمل سے سلب امراض کرتے ہیں اور مفلوج مبروص ان کی توجہ سے اچھے ہوتے ہیں، بعض نقشبندی وغیرہ نے بھی ان کی طرف بہت توجہ کی تھی، محی الدین ابن عربی کو بھی اس میں خاص مشق تھی، کاملین ایسے عملوں سے پرہیز کرتے رہے ہیں، اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ مسیح بحکم الٰہی اس عمل (مسمریزم) میں کمال رکھتے تھے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں، اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو ان عجوبہ نمائیوں میں ابن مریم سے کم نہ رہتا، اس عمل کا ایک نہایت. براخاصہ یہ ہے کہ جو اپنے تئیں اس مشغولی میں ڈالے وہ روحانی تاثیروں میں جو روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں، بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ گو مسیح جسمانی بیماریوں کو اس عمل (مسمریزم) کے ذریعہ سے اچھا کرتے رہے مگر ہدایت و توحید اور دینی استقامتوں کے دلوں میں قائم

عـــہ۱: اس کا باپ، دیکھئے مسیح و مریم دونوں کو سخت گالی ہے۔

عـــہ۲: اس کا دادا، دیکھئے وہی مسیح و مریم کو گالی ہے۔

عـــہ۳: یہاں تک تو مسیح کا معجزہ کل دبانے سے تھا، اب دوسرا پہلو بدلتا ہے کہ مسمریزم تھا۔

عـــہ۴: یہاں تک مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرند بنانے پر استہزاء تھے اب اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنے پر مسخرگی کرتا ہے۔

کرنے میں ان کا نمبر ایسا کم رہا کہ قریب قریب ناکام رہے، جب یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان پرندوں میں صرف جھوٹی حیات جھوٹی جھلک نمودار ہوجاتی تھی تو ہم اس کو تسلیم کرچکے ہیں، ممکن ہے کہ عمل الترب (مسمریزم) کے ذریعہ سے پھونک میں وہی قوت ہوجائے جو اس دخان میں ہوتی ہے جس سے غبارہ اوپر کو چڑھتا ہے۔ مسیح جو جو کام اپنی قوم کو دکھلاتا تھا وہ دعا کے ذریعہ سے ہرگز نہ تھے بلکہ وہ ایسے کام اقتداری طور پر دکھاتا تھا۔ خدا تعالٰی نے صاف فرمادیا ہے کہ وہ ایک فطری طاقت تھی جو ہر فردِ بشر میں ہے، مسیح کی کچھ خصوصیت نہیں، چنانچہ اس کا تجربہ اس زمانے میں ہورہا ہے، مسیح کے معجزات تو اس تالاب کی وجہ سے بے رونق وبے قدر تھے جو مسیح کی ولادت سے پہلے مظہر عجائبات تھا جس میں ہر قسم کے بیمار اور تمام مجذوم مفلوج مبروص ایک ہی غوطہ مار کر اچھے ہوجاتے تھے لیکن بعض بعد کے زمانوں میں جو لوگوں نے اس قسم کے خوارق دکھلائے، اس وقت تو کوئی تالاب بھی نہ تھا، یہ بھی ممکن [عــــہ] ہے کہ مسیح ایسے کام کے لئے اس تالاب کی مٹی لاتا تھا جس میں روح القدس کی تاثیر تھی، بہر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل تھا جیسے سامری کا گوسالہ۔

مسلمانو! دیکھا کہ اس دشمن اسلام نے اللہ عزوجل کے سچے رسول کو کیسی مغلظ گالیاں دیں، کون سی ناگفتنی اس ناشدنی نے ان کے حق میں اٹھا رکھی، ان کے معجزوں کو کیسا صاف صاف کھیل اور لہو ولعب و شعبدہ و سحر ٹھہرایا، ابرائے اکمہ وابرص کو مسمریزم پر ڈھالا اور معجزہ پرند میں تین احتمال پیدا کئے، بڑھئی کی کل یا مسمریزم یا کراماتی تالاب کا اثر، اور اسے صاف سامری کا بچھڑا بتادیا بلکہ اس سے بدتر کہ سامری نے جو اسپِ جبریل کی خاک سُم اٹھائی وہ اسی کو نظر آئی دوسرے نے اطلاع نہ پائی، قال اللہ تعالٰی:

"قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ يَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِىۡ نَفۡسِىۡ ﴿۹۶﴾"[1]	سامری نے کہا میں نے وہ دیکھا جو انہیں نظر نہ آیا تو میں نے اسپِ رسول کی خاک قدم سے ایک مٹھی لے کر گوسالے میں ڈال دی کہ وہ بولنے لگا نفس امارہ کی تعلیم سے مجھے یونہی بھلا معلوم ہوا۔

مگر مسیح کا کرتب ایک دست مال تھا جس سے دنیا جہان کو خبر تھی، مسیح پیدا بھی نہ ہوئے تھے جب تالاب کی کرامات شہرہ آفاق تھیں، تو اللہ کا رسول یقینا اس کافر جادوگر سے بہت کم رہا، اور مزہ یہ ہے کہ مسیح کے وقت میں بھی ایسے شعبدے تماشے بہت ہوتے تھے پھر معجزہ کدھر سے ہوا، اللہ اللہ رسولوں کو گالیاں، معجزات کے انکار،

عــــہ: یہ تیسرا پہلو ہے کہ حضرت مسیح اس مٹی کے پرند میں تالاب کی مٹی ڈال دیتے جس میں روح القدس کا اثر تھا، اس کے زور سے حرکت کرتا جیسے سامری نے اسپِ روح القدس کے پاؤں تلے کی خاک بچھڑے میں ڈال دی بولنے لگا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۹۶

قرآن کی تکذیبیں اور پھر اسلام باقی ہے ع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیزہ

(جیسے تمیزہ بی بی کا وضوئے محکم ہو۔ت)

اس سے تعجب نہیں کہ ہر مرتد جو اتنے بڑے دعوے کرکے اٹھے اسے ایسے کفروں سے چارہ نہیں، اندھے تو وہ ہیں جو یہ کچھ دیکھتے ہیں پھر اتنے بڑے مکذبِ قرآن و دشمنِ انبیاء وعدوّالرحمٰن کو امامِ وقت مسیح و مہدی مان رہے ہیں۔

ع گر مسیح ایں ست لعنت بر مسیح

(اگر یہی مسیحیت ہے ایسی مسیحیت پر لعنت۔ت)

اور ان سے بڑھ کر اندھا وہ ہے جو شدبد پڑھ لکھ کر اس کے ان صریح کفروں کو دیکھ بھال کر کہے میں جناب عـــہ مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتا خطا پر جانتا ہوں، ہاں شاید ایسوں کے نزدیک کافر وہ ہوگا جو انبیاء اللہ کی تعظیم کرے، کلام اللہ کی تصدیق و تکریم کرے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

"كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾" [1]	اللہ یوں ہی مہر کردیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔

تنبیہ: ان عباراتِ ازالہ سے **بحمداللہ تعالٰی** اس جھوٹے عذر معمولی کا ازالہ بھی ہوگیا جو عبارات ضمیمہ انجام آتھم کی نسبت بعض مرزائی پیش کرتے ہیں کہ یہ تو عیسائیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی ہیں۔

عـــہ: ایسوں کو شاید اتنی بھی خبر نہیں کہ جو مخالفِ ضروریات دین کو کافر نہ جانے خود کافر ہے۔

من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر [2]۔	جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ خود کافر ہے۔

جب تکذیب قرآن و سب و شتم انبیاء کرام بھی کفر نہ ٹھہرے تو خدا جانے آریہ و ہنود و نصارٰی نے اس سے بڑھ کر کیا جرم کیا ہے کہ وہ کفار ٹھہرائے جائیں، یا شاید ایسوں کے دھرم میں تمام دنیا مسلمان ہے کافر کوئی تھانہ ہے نہ ہو، یہ بھی معجزاتِ مسیح کی طرح قرآن کے بے اصل کہ فلانا مسلم فلانا کافر، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

[2] درمختار باب المرتد، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۳۵۶

اوّلاً ان عبارات کے علاوہ جو گالیاں اس کے اور رسائل مثل اعجاز احمدی ودافع البلاء وکشتی نوح واربعین ومواہب الرحمٰن وغیرہ میں اہلی وگہلی پھر رہی ہیں، وہ کس عیسائی کے مقابلہ میں ہیں، مثل مشہور ہے، دلہن کا منہ کالا، مشاطہ کب تک ہاتھ دئے رہے گی۔
ثانیا: کس شریعت نے اجازت دی ہے کہ کسی بدمذہب کے مقابل اللہ کے رسولوں کو گالیاں دی جائیں؟
ثالثاً: مرزا کو ادّعا ہے کہ اگرچہ اس پر وحی آتی ہے مگر کوئی نیا حکم جو شریعتِ محمدیہ سے باہر ہو، نہیں آسکتا، ہم تو قرآن عظیم میں یہ حکم پاتے ہیں کہ:

" لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ[1]	کافروں کے جھوٹے معبودوں کو گالی نہ دو کہ وہ اس کے جواب میں بے جانے بوجھے دشمنی کی راہ سے اللہ عزوجل کی جناب میں گستاخی کریں گے۔

مرزا اپنی وہ وحی بتائے جس نے قرآن کے اس حکم کو منسوخ کردیا۔
رابعًا: مرزا کو ادّعا ہے کہ وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم بقدم چل رہا ہے، التبلیغ ص ۸۳ ؎ پر لکھتا ہے:

من اٰیات صدق انه تعالٰی وفقنی باتباع رسوله واقتداء نبیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فما رأیت اثرا من اٰثار النبی الاقفوته۔	(میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے مجھے اپنے رسول کی اتباع اور نبی کی اقتداء پر توفیق دی میں نے نبی کا جو بھی نشان دیکھا اس پر قدم رکھا۔ت)

بتائے تو کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس دن عیسائیوں کے مقابل **معاذ اللہ** عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو گالیاں دی ہیں۔
خامسًا: مرزا کے ازالہ نے مرزائیوں کی اس بکر فکر کا کامل ازالہ کردیا، ازالہ کی یہ عبارتیں تو کسی عیسائی کے مقابل نہیں، ان میں وہ کون سی گالی ہے جو ضمیمہ انجام آتھم سے کم ہے حتی کہ چور اور ولد الزنا کا بھی اثبات ہے وہاں چوری کسی مال کی نہ بتائی تھی بلکہ علم کی، ضمیمہ انجام ص۶، نہایت شرم کی یہ بات ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا کہ گویا یہ میری

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۸

تعلیم ہے۔

ازالہ میں اس سے بدتر چوری معجزہ کی چوری مانی کہ تالاب کی مٹی لاکر بے پر کی اڑاتے اور اپنا معجزہ ٹھہراتے، رہی ولادتِ زناوہ اس نے اس بائیبل محرف کے بھروسے پر لکھی، برائے نام کہہ سکتا تھا کہ عیسائیوں پر الزامًا پیش کی اگرچہ مرزا کی عملی کارروائی صراحۃً اس کی مکذّب تھی کہ وہ اپنے رسائل میں بکثرت مسلمانوں کے مقابل اسی بائیبل محرف کو نزول الیاس وغیرہ کے مسئلہ میں پیش کرتا ہے مگر ازالہ میں تو صاف تصریح کردی کہ قرآن عظیم اسی بائیبل محرف کی طرف رجوع کرنے اور اس سے علم سیکھنے کا حکم دیتا ہے، ازالہ ص ۳۰۸ "آیت ہے "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾" یعنی تمہیں علم نہ ہو تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو، ان کی کتابوں پر نظر ڈالو، اصل حقیقت منکشف ہو، ہم نے موافق حکم اس آیت کے یہود ونصارٰی کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ مسیح کے فیصلے کا ہمارے ساتھ اتفاق ہے دیکھو کتاب سلاطین وکتاب ملاکی نبی اور انجیل"۔ تو ثابت ہوا کہ یہ توریت وانجیل بلکہ تمام بائیبل موجودہ اس کے نزدیک سب بحکم قرآن مستند ہیں تو جو کچھ اس سے لکھا ہرگز الزامًا نہ تھا بلکہ اس کے طور پر قرآن سے ثابت، اور خود اس کا عقیدہ تھا، اور اللہ تعالٰی دجّالوں کا پردہ یونہی کھولتا ہے **والحمد للہ رب العٰلمین**۔

رسالہ
الجُرازالدّیانی علی المرتدّالقادیانی ۱۳۴۰ھ
(قادیانی مرتد پر خدائی خنجر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۷۹ـ۸۰: از پیلی بھیت مسؤلہ شاہ میر خاں قادری رضوی　　۳ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ

اعلیٰ حضرت مد ظلکم العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس میں شک نہیں آپ کی خدمت میں بہت سے جواب طلب خطوط موجود ہوں گے لیکن عریضہ ہذا بحالت اشد ضرورت ارسالِ خدمت ہے امید کہ بواپسی جواب سے شرف بخشا جائے۔

(۱) آیت کریمہ:

"وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْــٴًـا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ "[1]	(اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں، مردے ہیں زندہ نہیں، اور انہیں خبر نہیں لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ت)

یہ ظاہر کرتی ہے کہ ماسوا اللہ تعالیٰ کے جس کسی کو خدا کہا جاتا ہے وہ خالق نہ ہونے اور مخلوق ہونے کے علاوہ

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۰و۲۱

مردہ ہے زندہ نہیں۔

بنابریں عیسٰی علیہ السلام کو بھی جبکہ نصارٰی خدا کہتے ہیں تو کیوں نہ ان کو مردہ تسلیم کیا جائے اور کیوں ان کو آسمان پر زندہ مانا جائے؟

(۲) صاحبِ بخاری بروایت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا رقام فرماتے ہیں۔ (منقول از مشارق الانوار، حدیث ۱۱۱۸):

لَعَنَ اللہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسٰجِدَ [1]	اللہ تعالٰی یہود و نصارٰی پر لعنت فرمائے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔ (ت)

اس سے ظاہر ہے کہ نبیِ یہود حضرت موسٰی و نبیِ نصارٰی حضرت عیسٰی علٰی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبریں پوجی جاتی تھیں۔

حسب ارشاد باری تعالٰی عزّاسمہ "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ" [2] (پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ و رسول کے حضور رجوع کرو۔ ت) آیاتِ الٰہیہ، احادیث نبویہ ثبوتِ مماتِ عیسٰی علیہ السلام میں موجود ہوتے ہوئے کیونکر ان کو زندہ مان لیا جائے؟ میں ہوں حضور کا ادنٰی خادم شاہ میر خاں قادری رضوی غفرلہ ربّہ ساکن پیلی بھیت ۳ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ

الجواب:

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ط

(۱) قبلِ جواب ایک امر ضروری کہ اس سوال وجواب سے ہزار درجہ اہم ہے، معلوم کرنا لازم، بے دینوں کی بڑی راہِ فرار یہ ہے کہ انکار کریں ضروریاتِ دین کا، اور بحث چاہیں کسی ہلکے مسئلے میں جس میں کچھ گنجائش دست و پازدن ہو۔

قادیانی صدہا درجہ سے منکر ضروریاتِ دین تھا اور اس کے پس ماندے حیات و وفاتِ سیدنا عیسٰی رسول اللہ علی نبیّنا الکریم وعلیہ صلوات اللہ وتسلیمات اللہ کی بحث چھیڑتے ہیں، جو ایک فرعی مسئلہ خود مسلمانوں میں ایک نوع کا اختلافی مسئلہ ہے جس کا اقرار یا انکار کفر تو درکنار ضلال بھی نہیں (فائدہ نمبر ۴ میں آئے گا کہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۷۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

نزول حضرت عیسٰی علیہ السلام اہلسنّت کا اجماعی عقیدہ ہے) نہ ہرگز وفاتِ مسیح ان مرتدین کو مفید، فرض کردم کہ رب عزوجل نے ان کو اس وقت وفات ہی دی، پھر اس سے انکا نزول کیونکر ممتنع ہوگیا؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت محض ایک آن کو تصدیق وعدہ الٰہیہ کے لئے ہوتی ہے، پھر وہ ویسے ہی حیاتِ حقیقی دنیاوی و جسمانی سے زندہ ہوتے ہیں جیسے اس سے پہلے تھے، زندہ کا دوبارہ تشریف لانا کیا دشوار؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ [1]	انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں، نماز پڑھتے ہیں۔

(۲) معاذاللہ کوئی گمراہ بددین یہی مانے کہ ان کی وفات اوروں کی طرح ہے جب بھی ان کا دوبارہ تشریف لانا کیوں محال ہوگیا؟ وعدہ "وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾" [2] (اور حرام ہے اس بستی پر جسے ہم نے ہلاک کردیا کہ پھر لوٹ کر آئیں۔ت) ایک شہر کے لئے ہے، بعض افراد کا بعد موت دنیا میں پھر آنا خود قرآن کریم سے ثابت ہے جیسے سیدنا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ **قال اللہ تعالٰی**:

"فَاَمَاتَہُ اللہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ" [3]	(تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس، پھر زندہ کردیا۔ت)

چاروں طائرانِ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، **قال اللہ تعالٰی**:

"ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ؕ" [4]	(پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر انہیں بلا، وہ تیرے پاس چلے آئیں گے دوڑتے ہوئے۔ت)

ہاں مشرکین ملاعنہ منکرین بعث اسے محال جانتے ہیں اور درباره مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام قادیانی بھی اس قادر مطلق عزّجلالہ کو **معاذاللہ** صراحۃً عاجز مانتا اور دافع البلاء کے صفحہ ۳۴ پر یوں کفر بکتا ہے: خدا ایسے شخص کو پھر دنیا میں نہیں لاسکتا جس کے پہلے فتنے ہی نے دنیا کو تباہ کردیا ہے [5]۔ مشرک و قادیانی دونوں کے رد میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ ھُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ	(تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے بلکہ وہ نئے بننے سے

[1] مسند ابو یعلٰی مروی از انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۳۴۱۲، موسسہ علوم القرآن بیروت ۳/ ۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۹۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۹

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۰

[5] دافع البلاء مطبوعہ ربوہ ص ۳۴

خَلْقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۱۵﴾ "[1]	شُبہ میں ہیں۔ت)

جب صادق و مصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے نزول کی خبر دی اور وہ اپنی حقیقت پر ممکن و داخل زیر قدرت و جائز، تو انکار نہ کرے گا مگر گمراہ۔

(۳) اگر وہ حکم افراد کو بھی عام مانا جائے تو موت بعدِ استیفائے اجل کے لئے ہے، اس سے پہلے اگر کسی وجہ خاص سے اماتت ہو تو مانع اعادت نہیں بلکہ استیفائے اجل کے لئے ضرور اور ہزاروں کے لئے ثابت ہے، **قال اللہ تعالٰی**:

"اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمْ وَہُمْ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَہُمُ اللہُ مُوۡتُوۡا ۟ ثُمَّ اَحْیَاہُمْ ؕ "[2]	(اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے، تو اللہ نے ان سے فرمایا مر جاؤ، پھر انہیں زندہ فرمادیا۔ت)

قتادہ نے کہا:

اَمَاتَھُمْ عُقُوْبَۃً ثُمَّ بُعِثُوْا لِیَتَوَفَّوْا مُدَّۃَ اٰجَالِھِمْ وَلَوْ جَآءَتْ اٰجَالُھُمْ مَا بُعِثُوْا۔(معنًا)[3]	(اللہ تعالٰی نے ان کو سزا کے طور پر موت دی پھر زندہ کر دیئے گئے تاکہ اپنی مقررہ عمر کو پورا کریں، اگر ان کی مقررہ عمر پوری ہو جاتی تو دوبارہ نہ اٹھائے جاتے۔ت)

(۴) اس وقت حیات و وفاتِ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسئلہ قدیم سے مختلف چلا آتا ہے مگر آخر زمانے میں ان کے تشریف لانے اور دجّال لعین کو قتل فرمانے میں کسی کو کلام نہیں، یہ بلا شبہ اہلسنّت کا اجماعی عقیدہ ہے تو وفات مسیح نے قادیانی کو کیا فائدہ دیا اور مغل بچہ، عیسٰی رسول اللہ بے باپ سے پیدا ابن مریم کیونکر ہو سکا؟ قادیانی اس اختلاف کو پیش کرتے ہیں، کہیں اس کا بھی ثبوت رکھتے ہیں کہ اس پنجابی کے ابتداع فی الدین سے پہلے مسلمانوں کا یہ اعتقاد تھا کہ عیسٰی آپ تو نہ اتریں گے کوئی ان کا مثیل پیدا ہوگا، اسے نزول عیسٰی فرمایا گیا اور اس کو ابن مریم کہا گیا؟ اور جب یہ عام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ہے تو آیہ:

"یَتَّبِعْ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الْمُؤْمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ "[4]	(مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کرینگے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۳

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر طبری) القول فی تأویل قولہ تعالٰی الم تر الی الذین الآیۃ المطبعۃ المیمنہ مصر ۲/ ۳۴۷

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

کا حکم صاف ہے۔

(۵) مسیح سے مثیل مسیح مراد لینا تحریف نصوص ہے کہ عادتِ یہود ہے، بے دینی کی بڑی ڈھال یہی ہے کہ نصوص کے معنی بدل دیں "یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ"[1] (اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے بدل دیتے ہیں۔ت) ایسی تاویل گھڑنی نصوصِ شریعت سے استہزاء اور احکام وارشادات کو درہم برہم کر دینا ہے، جس جگہ جس شیئ کا ذکر آیا، کہہ سکتے ہیں وہ شیئ خود مراد نہیں اس کا مثیل مقصود ہے، کیا یہ اس کی نظیر نہیں جو اباحیہ مُلاعِنہ کہا کرتے ہیں کہ نماز وروزہ فرض ہے نہ شراب وزنا حرام بلکہ وہ کچھ اچھے لوگوں کے نام ہیں جن سے محبت کا ہمیں حکم دیا گیا اور یہ کچھ بدوں کے جن سے عداوت کا۔

(۶) بفرضِ باطل اینہم بر عَلَم پھر اس سے قادیان کا مرتد، رسول اللہ کا مثیل کیونکر بن بیٹھا؟ کیا اس کے کفر، اس کے کذب، اس کی وقاحتیں، اس کی فضیحتیں، اس کی خباثتیں، اس کی ناپاکیاں، اس کی بیباکیاں کہ عالم آشکار ہیں، چھپ سکیں گی؟ اور جہان میں کوئی عقل ودین والا ابلیس کو جبریل کا مثیل مان لے گا؟ اس کے خروارِ ہزار ہا کفریات سے مُشتے نمونہ، رسائل السوء والعقاب علی المسیح الکذاب وقہر الدیان علٰی مرتد بقادیان ونور الفرقان و باب العقائد والکلام وغیرہا میں ملاحظہ ہوں کہ یہ نبیوں کی علانیہ تکذیب کرنے والا، یہ رسولوں کو فحش گالیاں دینے والا، یہ قرآن مجید کو طرح طرح رد کرنے والا، مسلمان بھی ہونا محال، نہ کہ رسول اللہ کی مثال، قادیانیوں کی چالاکی کہ اپنے مسیلمہ کے نامسلم ہونے سے یوں گریز کرتے اور اس کے ان صریح ملعون کفروں کی بحث چھوڑ کر حیات ووفات مسیح کا مسئلہ چھیڑتے ہیں۔

(۷) مسیح رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور اوصافِ جلیلہ اور وہ کہ قرآن عظیم نے بیان کئے، یہ تھے کہ اللہ عزّوجل نے ان کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا نشانی سارے جہان کے لئے:

"قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ "[2]	بولی میرے لڑکا کہاں سے ہوگا، مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہ لگایا، نہ میں بدکار ہوں، کہا یونہی ہے، تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لئے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ امر ٹھہر چکا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۲۰و۲۱

انہوں نے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا:

"فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ۝۲۴" الآیۃ۔[1] علی قراءۃ من تحتها بالفتح فیهما وتفسیرہ بالمسیح علیه الصلٰوۃ والسلام (معنًا)[2]	تو اس کے نیچے والے نے اسے آواز دی کہ تو غم نہ کر، تیرے رب نے تیرے نیچے نہر بہادی ہے۔ اس قراءت پر جس میں مَنْ کی میم مفتوح اور تَحْتَهَا کی دوسری تاء مفتوح ہے اور اس کی تفسیر حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کی گئی ہے۔

انہوں نے گہوارے میں لوگوں کو ہدایت فرمائی۔

"یُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا"[3]	لوگوں سے باتیں کرے گا پالنے میں اور پکی عمر میں۔ (ت)

انہیں ماں کے پیٹ یا گود میں کتاب عطا ہوئی، نبوت دی گئی،

"قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ﳳ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝۳۰"[4]	بچہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔

وہ جہاں تشریف لے جائیں برکتیں ان کے قدم کے ساتھ رکھی گئیں۔

"وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ"[5]	اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں۔ (ت)

برخلاف کفرِ طاغیہ قادیان کہ کہتا ہے جس کے پہلے فتنے ہی نے دنیا کو تباہ کردیا۔ انہیں اپنے غیبوں پر مسلّط کیا،

"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝۲۶ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ"[6]۔	غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ (ت)

جس کا ایک نمونہ یہ تھا کہ لوگ جو کچھ کھاتے اگرچہ سات کوٹھڑیوں میں چھپ کر، اور جو کچھ گھروں میں ذخیرہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۲۴

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر طبری) القول فی تاویل قولہ تعالٰی فناداہا من تحتہا الخ مطبعہ میمنہ مصر ۱۶/ ۴۵

[3] القرآن الکریم ۳/ ۴۶

[4] القرآن الکریم ۱۹/ ۳۰

[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۳۱

[6] القرآن الکریم ۷۲/ ۲۶، ۲۷

رکھتے اگرچہ سات تہ خانوں کے اندر، وہ سب ان پر آئینہ تھا۔

"وَ اُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ وَ مَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ ؕ"[1]	اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ (ت)

انہیں توراتِ مقدس کے بعض احکام کا ناسخ کیا،

"وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ حُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ"[2]	اور تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توارت کی اور اس لئے کہ حلال کروں تمہارے لئے کچھ وہ چیزیں جو تم پر حرام تھیں۔ (ت)

انہیں قدرت دی کہ مادر زاد اندھے اور لاعلاج برص کو شفا دیتے،

"وَ تُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِىۡ ۚ"[3]	اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا۔ (ت)

انہیں قدرت دی کہ مردے زندہ کرتے،

"وَ اِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِىۡ ۚ"[4] "وَ اُحۡىِ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ"[5]	اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۔اور میں مردے جِلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ (ت)

ان پر اپنے وصفِ خالقیت کا پر تو ڈالا کہ مٹی سے پرند کی صورت خلق فرماتے اور اپنی پھونک سے اس میں جان ڈالتے کہ اُڑتا چلا جاتا،

"وَ اِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـَٔةِ الطَّيۡرِ بِاِذۡنِىۡ فَتَنۡفُخُ فِيۡهَا فَتَكُوۡنُ طَيۡرًۢا بِاِذۡنِىۡ"[6]	اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتا۔ (ت)

ظاہر ہے کہ قادیانی میں ان میں سے کچھ نہ تھا پھر وہ کیونکر مثیلِ مسیح ہوگیا؟

اخیر کی چار یعنی مادر زاد ۱اندھے اور ۲ابرص کو شفاء دینا، ۳مردے جِلانا، مٹی کی مورت میں پھونک سے ۴جان ڈال دینا، یہ قادیانی کے دل میں بھی کھٹکے کہ اگر کوئی پوچھ بیٹھا کہ تو مثیلِ مسیح بنتا ہے ان میں سے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

[4] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

[5] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[6] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

کچھ کر دکھا اور وہ اپنا حال خوب جانتا تھا کہ سخت جھوٹا ملوم ہے اور الٰہی برکات سے پورا محروم، للذا اس کی یوں پیش بندی کی کہ قرآن عظیم کو پسِ پشت پھینک کر رسول اللہ کے روشن معجزوں کو پاؤں تلے مل کر صاف کہہ دیا کہ معجزے نہ تھے مسمریزم کے شعبدے تھے، میں ایسی باتیں مکروہ نہ جانتا تو کر دکھاتا، وہی ملاعنہ مشرکین کا طریقہ اپنے عجز پر یوں پردہ ڈالنا کہ "لَوۡنَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَآ ۙ" [1] اگر ہم چاہتے تو ایسا کلام کہتے۔ ہم چاہتے تو اس قرآن کا مثل تصنیف کر دیتے، ہم خود ہی ایسا نہیں کرتے، الا لعنۃ اللہ علی الکٰفرین۔

قادیانی خَذَلَہُ اللہ کے ازالہ اوہام ص ۵، ۴، ۳ و نوٹ آخر میں ۱۵۱ تا آخر صفحہ ۱۶۲ ملاحظہ ہوں جہاں اس نے پیٹ بھر کر یہ کفر بکے ہیں یا ان کی تلخیص رسالہ قہر الدیان ص ۱۰ تا ۱۵ مطالعہ ہوں، یہاں دو چار صرف بطور نمونہ منقول:

ملعون ازالہ ص ۳: [1] احیاءِ جسمانی کچھ چیز نہیں۔

ملعون ازالہ ص ۴: کیا [2] تالاب کا قصّہ مسیحی معجزات کی رونق دور نہیں کرتا۔

ملعون ازالہ ص ۱۵۱: عـــہ [3] شعبدہ بازی اور [4] دراصل بے سود، [5] عوام کو فریفتہ کرنے والے [6] مسیح اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس [22] برس تک نجاری کرتے رہے، [7] بڑھئی کا کام در حقیقت ایسا ہے جس میں کلوں کے ایجاد میں عقل تیز ہو جاتی ہے، [8] بعض چڑیاں کل کے ذریعہ سے پرواز کرتی ہیں، [9] بمبئی کلکتہ میں [10] ایسے کھلونے بہت بنتے ہیں، یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے اعجاز [11] مسمریزمی [12] بطور لہو و لعب نہ [13] بطور حقیقت ظہور میں آسکیں، [14] سلبِ امراض مسمریزم کی شاخ ہے ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جو اس سے سلبِ امراض کرتے ہیں، مبروص ان کی توجہ سے اچھے ہوتے ہیں، [15] مسیح مسمریزم میں کمال رکھتے تھے، یہ [16] قدر کے لائق نہیں، یہ [17] عاجز اس کو مکروہ قابل نفرت نہ سمجھتا تو ان عجوبہ نمائیوں میں [20] ابن مریم سے کم نہ رہتا، اس عمل کا ایک نہایت بُرا خاصہ ہے جو اپنے تئیں اس میں ڈالے روحانی تاثیروں میں بہت [22] ضعیف اور [23] نکّما ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسیح جسمانی بیماریوں کو اس [24] عمل (مسمریزم) سے اچھا کرتے، مگر [25] ہدایت توحید اور دینی استقامتوں کے دلوں میں قائم کرنے میں ان کا نمبر ایسا کم رہا کہ [26] قریب قریب ناکام رہے، ان پرندوں میں صرف [27] جھوٹی حیات،

عـــہ: ازالہ اوہام، مطبع ریاض الہند ص ۱۲۱۔ ۱۱۳

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/۸

[۲۸]جھوٹی جھلک نمودار ہوجاتی تھی، [۲۹]مسیح کے معجزات اس تالاب کی وجہ سے [۳۰]بے رونق [۳۱]بے قدر تھے جو مسیح کی ولادت سے پہلے مظہرِ عجائبات تھا، بہر حال یہ معجزہ صرف ایک [۳۲]کھیل تھا جیسے [۳۳]سامری کا گوسالہ۔

مسلمانو! دیکھا، ان ملعون کلمات میں وہ کون سی گالی ہے جو رسول اللہ کو نہ دی اور وہ کونسی تکذیب ہے جو آیاتِ قرآن کی نہ کی، اتنے ہی جملوں میں تینتیس [۳۳]کفر ہیں۔

بہر حال یہ تو ثابت ہوا کہ یہ مرتد مثیل مسیح نہیں، مسلمانوں کے نزدیک یوں کہ وہ نبی مرسل اولوالعزم صاحب معجزات وآیات بینات، اور یہ مردود و مطرود و مرتد و موردِ آفات، اور خود اس کے نزدیک یوں کہ **معاذاللہ** وہ شعبدہ باز بھانمتی مسمریزمی تھے، روحانی تاثیروں میں ضعیف نکمّے اور یہ ڈال کا ٹوٹا مقدس مہذب برگزیدہ ہادی، **الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین** خبردار! ظالموں پر خدا کی لعنت۔ (ت)

ہاں ایک صورت ہے، اس نے اپنے زعمِ ملعون میں مسیح کے یہ اوصاف گنے، دافع البلاء ص ۴: مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسروں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحیٰی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ (یحیٰی) [۳۴]شراب نہ پیتا تھا، کبھی نہ سنا کہ کسی [۳۵]فاحشہ نے اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا یا [۳۶]ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا یا کوئی [۳۷]بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی، اسی وجہ سے خدا نے یحیٰی کا نام حصور رکھا مسیح نہ رکھا کہ [۳۸]ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔[1]

ضمیمہ انجام آتھم ص ۷: آپ (یعنی عیسٰی) کا [۳۹]کنجریوں سے میلان اور [۴۰]صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی [۴۱]مناسبت درمیان ہے (یعنی عیسٰی بھی ایسوں ہی کی اولاد تھے) [۴۲]ورنہ کوئی پرہیزگار ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگائے، [۴۳]زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے، [۴۴]اپنے بال اس کے پیروں پر ملے، سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا [۴۵]انسان کس چلن کا آدمی ہوسکتا ہے۔

ص ۶: [۴۶]حق یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہ ہوا۔

ص ۷: آپ کے ہاتھ میں سوا [۴۷]مکر و [۴۸]فریب کے کچھ نہ تھا، آپ کا [۴۹]خاندان بھی نہایت ناپاک ہے، تین [۵۰]دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ہوا۔ یہ پچاس [۵۰]کفر ہوئے۔

نیز اسی رسالہ ملعونہ میں ص ۴ سے ۸ تک بحیلہ باطلہ مناظرہ خود ہی جلے دل کے پھپھولے پھوڑے، اللہ عزوجل کے سچے رسول مسیح عیسٰی بن مریم کو [۵۱]نادان، [۵۲]شریر، [۵۳]مکار، [۵۴]بدعقل، [۵۵]زنانے خیال والا، [۵۶]فحش گو، [۵۷]بدزبان، [۵۸]کٹیل، [۵۹]جھوٹا،

[1] دافع البلاء مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ص ۶۔۵

۶۰چور، ۶۱علمی ۶۲عملی قوت میں بہت کچّا، ۶۳خلل دماغ والا، ۶۴گندی گالیاں دینے والا، ۶۶بد قسمت، ۶۷نرافریبی، ۶۸پیرِ وشیطان وغیرہ وغیرہ خطاب اس قادیانی دجّال نے دیئے اور اس کے تین کفر اوپر گزرے کہ اللہ مسیح کو دوبارہ نہیں لاسکتا، ۶۹مسیح فتنہ تھا، ۷۰مسیح کے فتنے نے تباہ کردیا۔ یہ سب ستر ۷۰ کفر ہوئے اور ہزاروں ستر کی گنتی کیا، غرض تیس ۳۰ سے اوپر اوصاف اس دجّال مرتد نے اپنے مزعوم مسیح میں بتائے، اگر قادیانی خود اپنے لئے ان میں سے دس وصف بھی قبول کرلے کہ یہ شخص یعنی یہی قادیانی ۱بد چلن، ۲بدمعاش، ۳فریبی، ۴مکّار، ۵زنانے خیال والا، ۶کٹیل بھی جھوٹا، ۷چور، ۸گندی گالیوں والا، ۹ابلیس کا چیلہ، ۱۰کنجریوں کی اولاد، کسبیوں کا جنا ہے، زنا کے خون سے بنا ہے، تو ہم بھی اس کی مان لیں گے کہ یہ ضرور مثیل مسیح ہے مگر کون سے مسیح کا؟ اسی مسیح قبیح کا جو اس کا موہوم ومزعوم ہے، **الالعنۃ اللہ علی الظّٰلمین**۔

مسلمانو! یہ سات فائدے محفوظ رکھئے، کیسا آفتاب سے زیادہ روشن ہوا کہ قادیانیوں کا مسئلہ وفات وحیاتِ مسیح چھیڑنا کیسا ابلیسی مکر، کیسی عبث بحث، کیسی تضییع وقت، کیسا قادیانی کے صریح کفروں کی بحث سے جان چھڑانا اور فضول زق زق میں وقت گنوانا ہے!

اس کے بعد ہمیں حق تھا کہ ان ناپاک وبے اصل و پا، در ہوا شبہوں کی طرف التفات بھی نہ کرتے جو انہوں نے حیاتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کئے، ایسی مہمل عیاریوں کیادیوں کا بہتر جواب یہی تھا کہ ہشت۔ پہلے قادیانی کے کفر اٹھاؤ یا اسے کافر مان کر توبہ کرو، اسلام لاؤ، اس کے بعد یہ فرعی مسئلہ بھی پوچھ لینا مگر ہم ان مرتدین سے قطع نظر کرکے اپنے دوست سائل سُنّی المذہب سے جوابِ شبہات گزارش کرتے ہیں، **وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیق**۔

پہلا شُبہ: کریمہ والذین یدعون من دُون اللہ الاٰیۃ۔

اقول اولاً: یہ شبہ مرتدانِ حال نے کافرانِ ماضی سے ترکہ میں پایا ہے، جب آیہ کریمہ: "**اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝۹۸**"[1] نازل ہوئی کہ بیشک تم اور جو کچھ تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہو تمہیں اس میں جانا ہے۔ مشرکین نے کہا کہ ملائکہ اور عیسٰی اور عزیر بھی تو اللہ کے سوا پوجے جاتے ہیں، اس پر رب عزوجل نے ان جھگڑالو کافروں کو قرآن کریم کی مراد بتائی کہ آیت بتوں کے حق میں ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲۱ / ۹۸

"اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنۡہَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسۡمَعُوۡنَ حَسِیۡسَہَا ۚ"[1]	بیشک وہ جن کے لئے ہمارا بھلائی کا وعدہ ہوچکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک تک نہ سنیں گے۔

قرآن کریم نے خود اپنا محاورہ بتایا جب بھی مرتدوں نے وہی راگ گایا۔ابوداؤد کتاب الناسخ والمنسوخ میں اور فریابی عبد بن حمید وابن جریر وابن ابی حاتم طبرانی وابن مردویہ اور حاکم مع تصحیح مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

لمّا نزلت انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون فقال المشرکون الملئکۃُ وعیسٰی وعزیر یعبَدون من دون اللہ فنزلت ان الذین سبقت لہم منا الحسنٰی اولئك عنہا مُبعدون[2]	جب یہ آیت نازل ہوئی۔اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ (الاٰیۃ) تو مشرکین نے کہا ملائکہ، حضرت عیسٰی اور حضرت عزیر کو بھی اللہ تعالٰی کے سوا پوجا جاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی ان الذین سبقت (الاٰیۃ) بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہوچکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔

ثانیًا یدعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللہِ یقینًا مشرکین ہیں اور قرآنِ عظیم نے اہل کتاب کو مشرکین سے جدا کیا،ان کے احکام ان سے جدا رکھے،ان کی عورتوں سے نکاح صحیح ہے مشرکہ سے باطل،اِن کا ذبیحہ حلال ہوجائے گا،اُن کا مردار،**قال اللہ تعالٰی**:

"لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ﴿۱﴾"[3]	(کتابی کافر اور مشرک اپنا دین چھوڑنے کو نہ تھے جب تک ان کے پاس دلیل نہ آئے۔ت)

وقال اللہ تعالٰی:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۶﴾"[4]	بیشک جتنے کافر ہیں کتابی اور مشرک سب جہنم کی آگ میں ہیں،ہمیشہ اس میں رہیں گے،وہی تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔(ت)۔

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱و۱۰۲

[2] المستدرك کتاب التفسیر تفسیر سُورۃ انبیاء دارالفکر بیروت ۲/ ۳۸۵

[3] القرآن الکریم ۹۸/ ۱

[4] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

وقال اللہ تعالٰی: "مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ"[1]	(وہ جو کافر ہیں کتابی یا مشرک، وہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی اترے تمہارے رب کے پاس سے۔ت)

وقال اللہ تعالٰی:

"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ"[2]	ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جنہوں نے کہا کہ بیشک ہم نصارٰی ہیں ت۔

وقال اللہ تعالٰی:

"اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۪ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ"[3] "وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکٰتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ ؕ"[4]	(آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور پارسا عورتیں مسلمان اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی۔ت) (اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں۔ت)

جب قرآن عظیم "یدعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ" میں نصارٰی کو داخل نہیں فرماتا اس "اَلَّذِین" میں مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کیونکر داخل ہو سکیں گے؟

ثالثًا: سورت مکیہ ہے اور سوائے عاصم، قُرّاءِ سبعہ کی قرأت "تَدْعُوْنَ" بہ تائے خطاب، تو بُت پرست ہی مراد ہیں اور "اَلَّذِین یدعُونَ اَصْنَامٌ" (جنہیں وہ پوجتے ہیں وہ بُت ہیں۔ت)

رابعًا: خود آیہ کریمہ طرح طرح دلیل ناطق کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء عموماً اور حضرت مسیح

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۵/ ۸۲

[3] القرآن الکریم ۵/۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۱

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خصوصًا مراد نہیں، جہاں فرمایا اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ[1] (مُردے ہیں زندہ نہیں۔ت) اموات سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ پہلے زندہ تھے پھر موت لاحق ہوئی للذا ارشاد ہوا "غَیر اَحْیاءٍ" یہ وہ مردے ہیں کہ نہ اب تک زندہ ہیں نہ کبھی تھے نِرے جماد ہیں، یہ بتوں ہی پر صادق ہے، تفسیر ارشاد العقل السلیم میں ہے:

حیث کان بعض الاموات ممّا یعتریہ الحیاۃ سابقا اولاحقا کاجساد الحیوان والنطف التی ینشئھا اللہ تعالٰی حیوانا احترز عن ذٰلك فقیل غیر احیاءٍ ای لا یعتریھا الحیٰوۃ اصلا فھی اموات علی الاطلاق[2]	بعض اموات وہ تھے جنہیں زندگی حاصل تھی جیسے مردہ حیوان کا جسم، اور بعض وہ ہیں جنہیں زندگی ملنے والی ہے مثلًا نطفہ جسے اللہ تعالٰی مستقبل میں حیوان بنائے گا اس لئے ایسے اموات سے احتراز کیا اور فرمایا غیر احیاء یعنی یہ وہ اموات ہیں جنہیں زندگانی (ماضی یا مستقبل میں) بالکل حاصل نہیں للذا یہ علی الاطلاق اموات ہیں۔

خاصّہ ربّ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ۙ"[3]	خبردار! شہیدوں کو ہر گز مردہ نہ جانیو بلکہ وہ اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں، اللہ نے جو اپنے فضل سے دیا اس پر خوش ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾"[4]	جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں خبر نہیں۔

محال ہے کہ شہید کو تو مردہ کہنا حرام، مردہ سمجھنا حرام اور انبیاء معاذ اللہ مردے کہے سمجھے جائیں، یقینا قطعًا ایمانًا وہ "اَحْیاء غَیر اَمْوَاتٍ" (زندہ ہیں مردے نہیں۔ت) ہیں نہ کہ عیاذًا باللہ "اموات غَیر اَحْیاءٍ" (مردے ہیں زندہ نہیں۔ت) جس وعدہ الٰہیہ کی تصدیق کے لئے ان کو عروضِ موت ایک آن کے لئے لازم ہے قطعًا شہداء کو بھی لازم ہے۔ "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ؕ"[5] (ہر جان کو موت کا

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۱

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) آیۃ ۱۶/ ۲۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۰۶

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

[5] القرآن الکریم ۲۱/ ۳۵

مزہ چکھنا ہے۔ت) پھر جب یہ " اَحۡیاء غَیر اَمۡوَاتٍ" ہیں وہ یقیناان سے لاکھوں درجے زائد "اَحیاء غَیر امواتٍ" ہیں نہ کہ "اَمۡوات غَیر اَحیاءٍ"۔

سادسًا: آیہ کریمہ میں "وَھُمۡ قَدۡ خُلِقُوۡا" بصیغہ ماضی نہیں بلکہ "وَّھُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ ﴿۲۰﴾"[1] بصیغہ مضارع ہے کہ دلیل تجدّد واستمرار ہو یعنی بنائے گھڑے جاتے ہیں اور نئے نئے بنائے گھڑے جائیں گے، یہ یقینا بُت ہیں۔

سابعًا: آیہ کریمہ میں ان سے کسی چیز کی خلق کا سلبِ کُلّی فرمایا کہ "لَا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡـًٔا"[2] (وہ کوئی چیز نہیں بناتے۔ت) اور قرآن عظیم نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بعض اشیاء کی خلق ثابت فرمائی، "وَاِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَھَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ"[3] (اور جب تو مٹی سے پرند کی مورت بناتا) اور ایجاب جزئی نقیض سلبِ کُلّی ہے تو عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق نہیں، نامناسب سے قطع نظر ہو تو اَمۡوَات قضیہ مطلقہ عامہ ہے یا دائمہ بر تقدیر ثانی یقینا انس وجن وملک سے کوئی مراد نہیں ہو سکتا کہ ان کیلئے حیات بالفعل ثابت ہے نہ کہ ازل سے ابد تک دائم موت، بر تقدیر اوّل قضیہ کا اتنا مفاد کہ کسی نہ کسی زمانے میں ان کو موت عارض ہو، یہ ضرور عیسٰی وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے لئے ثابت، بیشک ایک وقت وہ آئے گا کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پائیں گے اور روز قیامت ملائکہ کو بھی موت ہے، اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ موت ہو چکی، ورنہ "یدعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ" میں ملائکہ بھی داخل ہیں، لازم کہ وہ بھی مر چکے ہوں، اور یہ باطل ہے۔ تفسیر انوار التنزیل میں ہے:

(اَمۡوَات) حالًا اومالًا غیر احیاءٍ بالذّاتِ لیتناول کُلّ معبودٍ[4]	(مردے حال میں یا آئندہ غیر زندے بالذات تاکہ ہر معبود کو شامل ہو۔ت)

تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے:

فالمراد مالا حیٰوۃ لہ سواء کان لہ حیٰوۃ ثم مات کعزیر او سیموت کعیسٰی والملئکۃ علیھم السلام او لیس من شانہ الحیٰوۃ کالا صنام[5]	یعنی ان اموات سے عام مراد ہے خواہ اس میں حیات کی قابلیت ہی نہ ہو جیسے بت، یا حیات تھی اور موت عارض ہوئی جیسے عزیر، یا آئندہ عارض ہونے والی ہے جیسے عیسٰی وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

منکرین دیکھیں کہ ان کا شبہ ہر پہلو پر مردود ہے، وللہ الحمد۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

[4] انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) آیۃ ۱۶/ ۲۱ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۲۷۰

[5] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشھاب علی تفسیر البیضاوی آیۃ ۱۶/ ۲۱، دار صادر بیروت، ۵/ ۳۲۲

شُبہ دوم: لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی[1] اللہ تعالٰی یہود و نصاری پر لعنت فرمائے۔ **اقول:** وَالْمِرْزَائِیَۃ لَعَنَھُمْ لَعْنًا کَبِیْرًا (میں کہتا ہوں کہ مرزائیوں پر بھی بڑی لعنت ہو) **اوّلاً:** اَنْبِیَائِھِمْ [2] میں اضافت استغراق کے لئے نہیں کہ موسٰی سے یحیٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام تک ہر نبی کی قبر کو یہود و نصارٰی سب نے مسجد کرلیا ہو، یہ یقینا غلط ہے، جس طرح "وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ" [3] (انہوں نے انبیاء کو ناحق شہید کیا۔ت) میں اضافت ولام کوئی استغراق کا نہیں کہ نہ سب قاتل اور نہ سب انبیاء شہید کئے، قال اللہ تعالٰی:

"فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾" [4]	(انبیاء کے ایک گروہ کو تم نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرتے ہو۔ت)

اور جب استغراق نہیں تو بعض میں مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا داخل کرلینا ادّعائے باطل و مردود ہے، یہود کے سب انبیاء نصارٰی کے بھی انبیاء تھے، یہود و نصارٰی کا ان میں بعض قبورِ کریمہ کو (مسجد بنالینا) صدقِ حدیث کے لئے بس اور اس سے زیادہ مرتدین کی ہوس۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یہ اشکال ذکر کرکے کہ نصارٰی کے انبیاء کہاں ہیں، ان کے تو صرف ایک عیسٰی نبی تھے ان کی قبر نہیں، ایک جواب یہی دیا جو بتوفیقہ تعالٰی ہم نے ذکر کیا کہ:

اوالمراد بالا تخاذ اعم من ان یکون ابتداعًا او اتباعًا فالیھود ابتدعت والنصارٰی اتبعت،ولا ریب ان النصارٰی تعظم قبور کثیر من الانبیاء الذین تعظمھم الیھود[5]	انبیاء کی قبروں کو مسجد بنانا عام ہے کہ ابتدًا ہو یا کسی کی پیروی میں، یہودیوں نے ابتداء کی اور عیسائیوں نے پیروی کی، اور اس میں شک نہیں کہ نصارٰی بہت سے ان انبیاء کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں جن کی یہودی تعظیم کرتے ہیں۔

ثانیا: امام حافظ الشان (ابن حجر) نے دوسرا جواب یہ دیا کہ اس روایت میں اقتصار واقع ہوا، واقع یہ ہے کہ یہود اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد کرتے اور نصارٰی اپنے صالحین کی قبروں کو، ولہذا صحیح بخاری حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں دربارہ قبور انبیاء تنہا یہود کا نام ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال قاتل اللہ الیھود اتخذوا قبور	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی یہودیوں کو ہلاک فرمائے انہوں نے اپنے

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۷۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۸۷

[5] فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۴۴

انبیائھم مساجد[1]	انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔

اور صحیح بخاری حدیث اُم سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں جہاں تنہا نصارٰی کا ذکر تھا صرف صالحین کا ذکر فرمایا، انبیاء کا نام نہ لیا کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولئك قوم اذا مات فیھم العبد الصالح اوالرجل الصالح بنوا علٰی قبرہ مسجدًا وصَوَّرُوْا فیہ تلك الصُّوَر[2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا نصارٰی وہ قوم ہے کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہوجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اور اس میں تصویریں بناتے۔

اور صحیح مسلم حدیث جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہود و نصارٰی دونوں کو عام تھا انبیاء و صالحین کو جمع فرمایا کہ:

سمعت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال الاوان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجدا[3]	میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیتے تھے۔ہمیشہ جمع طرق سے معنی حدیث کا ایضاح ہوتا ہے۔

ثالثًا اقول: چالاکی بھی سمجھئے! یہ فقط قبرِ عیسٰی ثابت کرنا نہیں بلکہ اس میں بہت اہم راز مضمر ہے، قادیانی مدعیِ نبوت تھا اور سخت جھوٹا کذاب جس کے سفید چمکتے ہوئے جھوٹ وہ محمدی والے نکاح، اور انبیاء کے چاند والے بیٹے قادیان و قادیانیہ کے محفوظ از طاعون رہنے کی پیشین گوئیاں وغیرہا ہیں، اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نبوت اور جھوٹ کا اجتماع محال، اس سے قادیانی کا سارا گھر ہر عاقل کے نزدیک گھروندا ہوگیا اس لئے فکر ہوئی کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو **معاذ اللہ** جھوٹا ثابت کریں کہ قادیانی کذاب کی نبوت بھی بن پڑے، اس کا علاج خود قادیانی نے اپنے ازالہ اوہام ص ۶۲۹ پر یہ کیا کہ ایک زمانے میں چار سو نبیوں کی پیشگوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے، یہ اس مرتد کے اکٹھے چار سو کفر کہ ہر نبی کی تکذیب کفر ہے، بلکہ کروڑوں کفر ہیں کہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء اللہ کی تکذیب ہے، **قال اللہ تعالٰی:** " كَذَّبَتۡ قَوۡمُ نُوۡحِ ۣالۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۰۵﴾ "[4] (نوح کی قوم نے پیغمبروں کو

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ، قدیمی کتب خانہ کراچی۔۱/ ۶۲

[2] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔۱/ ۶۲

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد، باب: النھی عن بناء المسجد علی القبور، قدیمی کتب خانہ، کراچی ۱/ ۲۰۱

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۰۵

جھٹلایا۔ت) تو اس نے چار سو ہر نبی کی تکذیب کی، اگر انبیاء ایک لاکھ عـــہ۱ چوبیس ہزار ہیں [1] تو قادیانی کے چار کروڑ چھیانوے لاکھ کفر، اور اگر دو لاکھ عـــہ۲ چوبیس ہزار [2] ہیں تو یہ اس کے آٹھ کروڑ چھیانوے لاکھ کفر ہیں، اور اب ان مرزائیوں نے خود یا اسی سے سیکھ کر اندارج کفر میں اور ترقی معکوس کرکے اسفل سافلین پہنچنا چاہا کہ معاذاللہ سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کا جھوٹ ثابت کریں، اس حدیث کے یہ معنے گھڑے کہ نصارٰی نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کو مسجد کرلیا، یہ صریح سپید جھوٹ ہے، نصارٰی ہر گز مسیح کی قبر ہی نہیں مانتے اسے مسجد کرلینا تو دوسرا درجہ ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ دیکھو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (کے دشمنوں) نے (خاک بدہنِ ملعونان) کیسی صریح جھوٹی خبر دی پھر اگر ہمارا قادیانی نبی جھوٹ کے پھنکے اڑاتا تھا تو کیا ہوا قادیانی مرتدین کا اگر یہ مطلب نہیں تو جلد بتائیں کہ نصارٰی مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کب مانتے ہیں، کہاں بتاتے ہیں، کس کس نصرانی نے اس قبر کو مسجد کرلیا جس کا مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذکر کیا، اس مسجد کا روئے زمین پر کہیں پتا ہے؟ ان نصرانیوں کا دنیا کے پردے پر کہیں نشان ہے؟ اور جب یہ نہ بتا سکو اور ہر گز نہ بتا سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذمّے معاذ اللہ دروغ گوئی کا الزام لگانے کو حدیث کے یہ معنی گھڑے اور:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ	(بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے

عـــہ۱: کما رواہ احمد وابن حبان والحاکم والبیہقی وغیرھم عن ابی ذر وھٰؤلاء وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما ۱۲ منہ غفرلہ(م)	(جیسا کہ احمد ابن حبان، حاکم، بیہقی وغیر ہم نے ابو ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نیز انہوں نے اور ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن مردویہ نے ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ غفرلہ۔ت)
عـــہ۲: کما فی روایۃ علٰی ما فی شرح عقائد النسفی للتفتازانی قال خاتم الحفاظ لم اقف علیہا ۱۲ منہ غفرلہ(م)	(جیسا کہ دوسری روایت میں ہے جس کو علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں ذکر فرمایا، خاتم الحفاظ نے فرمایا میں اس پر واقف نہیں ہوا ۱۲ منہ)

[1] مسند احمد بن حنبل، حدیث ابو امامۃ الباہلی، دارالفکر بیروت، ۵/ ۲۶۶

[2] شرح عقائد النسفی دار اشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان، ص ۱۰۱

عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ "[1]	ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ت)

کی گہرائی میں پڑے الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین، کیوں، حدیث سے موت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام پر استدلال کا مزا اچھّا؟

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ "[2] (واللہ تعالٰی اعلم)	(مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے۔ت) (واللہ تعالٰی اعلم)

کتبـــــــــــــــــــــہ

العبد المذنب

احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدن المصطفٰی

صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

رسالہ
جزاء اللّٰہ عدوّہ بابائہٖ ختم النبوّۃ ۱۳۱۶ھ
(دشمنِ خدا کے ختم نبوت کا انکار کرنے پر خدائی جزاء)

مسئلہ ۸۱: از شیخ خدا بخش اہلسنّت والجماعت محلّہ سوئی گری کی پول، ۱۹ رجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ولید ساکن مشہد کہ اپنے آپ کو سید کہلواتا، اپنا عقیدہ بایں طور پر رکھتا ہے کہ حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہم کو انبیاء ورسول کہنا ثابت ہے اور اپنے زعم میں اس کا ثبوت حدیثوں سے بتاتا ہے، ایسا عقیدہ رکھنے والا مسلمان سنت و جماعت اولیائے کاملین سے ہے یا غالی رافضی کافر اولیائے شیاطین سے؟ اور جو شخص عقیدہ کفریہ رکھے وہ سید ہو سکتا ہے، یا نہیں؟ اور اسے سید کہنا روا ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

الحمد للہ رب العٰلمین وسلام علی المرسلین، ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین وکان اللہ بکلّ شیئ علیما،	تمام خوبیاں اللہ تعالٰی رب العالمین کو اور سلام تمام رسولوں پر، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تم میں سے کسی ایک مرد کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے پچھلے، اور اللہ تعالٰی ہر شیئ کا عالم ہے

یا من یصلی علیه ھو وملئکته صل علیه وعلٰی اله و صحبه وبارك وسلم تسلیما اٰمین،ربّ انی اعوذبك من ھمزات الشیٰطین واعوذبك ربّ ان یحضرون و صلی الله تعالٰی علٰی خاتم المرسلین اول الانبیاء خلقًا واٰخرھم بعثًا واٰله وصحبه والتابعین ولعن وقتل واخزی وخذل مردة الجن وشیٰطین الانس و اعاذنا ابدا من شرھم اجمعین اٰمین۔	اے وہ ذات جس پر اللہ تعالٰی اور اس کے فرشتوں کے درود اور اس کے آل واصحاب پر اور سلام کامل۔آمین۔اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیاطین کے وسوسوں سے،اور اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں،اور صلوٰۃ اللہ خاتم المرسلین پر جو تمام انبیاء سے پیدائش میں اول اور بعثت میں ان سے آخر اور اس کی آل واصحاب اور تابعین پر،اور لعنت اور ہلاکت،رسوائی اور ذلت ہو اللہ تعالٰی کی طرف سے سرکش جنّوں اور انسانی شیطانوں پر،اور ان سب کے شر سے ہمیشہ ہمیں پناہ دے،آمین۔ت)

اللہ عزوجل سچا اور اس کا کلام سچا،مسلمان پر جس طرح لا اله الا الله ماننا الله سبحٰنه وتعالٰی کو احد صمد لا شریك له جاننا فرضِ اوّل ومناط ایمان ہے یونہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ان کے زمانے میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقینا محال وباطل جاننا فرض اجل وجزء ایقان ہے "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ"[1] (ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ت) نص قطعی قرآن ہے،اس کا منکر نہ منکر بلکہ شبہ کرنے والا نہ شاک کہ ادنٰی ضعیف احتمال خفیف سے توہّم خلاف رکھنے والا قطعًا اجماعًا کافر ملعون مخلد فی النیران ہے،نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے عقیدہ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر،جو اس کے کافر ہونے میں شک وتردّد کو راہ دے وہ بھی کافر بین الکافر جلی الکفران ہے،ولید پلید جس کا قول نجس تراز بول،سوال میں مذکور،ضرور ولی ہے بیشک ضرور مگر حاشانہ ولی الرحمٰن بلکہ عدو الرحمٰن ولی الشیطان ہے،یہ جو میں کہہ رہا ہوں میرا فتوی نہیں اللہ واحد قہار کا فتوی ہے،خاتم الانبیاء الاخیار کا فتوی ہے،علی مرتضٰی وبتول زہرا وحسن مجتبٰی وشہید کربلا تمام ائمہ اطہار کا فتوی ہے صلی الله تعالٰی علٰی سیدھم ومولاھم وعلیھم وسلّم۔شفاء شریف واعلام بقواطع الاسلام میں ہے:

یکفر ایضامن کذب بشیئ مماصرح	نیز تکفیر کی جائیگی جس نے قرآن کے صریح حکم یا خبر

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

فی القراٰن من حکم او خبر، او اثبت ما نفاہ او نفی ما اثبتہ علی علم منہ بذٰلک، اوشك فی شیئ من ذٰلک[1]	کی تکذیب کی، یا جس نے علم کے باوجود اس کی نفی کردہ کا اثبات کیا یا اس کے ثابت کردہ کی نفی کی، یا جس نے اس میں شک کیا۔ت۔

فتاوٰی حدیثیہ امام ابن حجر مکی میں ہے:

التردد فی المعلوم من الدین بالضرورۃ کالانکار[2]	بدیہی ضروری دینی معلوم چیز میں تردد کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کا انکار کرنا ہے۔ت

شفاء میں ہے:

وقع الاجماع علی تکفیر کل من دافع نص الکتاب او خص حدیثا مجمعا علی نقلہ مقطوعا بہ مجمعا علی حملہ علی ظاہرہ ولہذا نکفر من لم یکفر من دان بغیر ملۃ الاسلام اووقف فیھم اوشک (فی کفرھم) اوصحح مذھبھم، وان اظھر الاسلام واعتقدہ واعتقد ابطال کل مذھب سواہ فھو کافر باظھار ما اظھر من خلاف ذٰلک اھ[3] مختصرا مزیدا من نسیم الریاض ما بین الھلالین۔	ایسے شخص کے کفر پر امت مسلمہ کا اجماع ہے جو کتاب اللہ کی نص کا انکار کرے یا ایسی حدیث جس کے نقل پر یقین ہے اس کی تخصیص کرے حالانکہ اجماع کے مطابق اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے۔ اسی لئے ہم ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو اسلام کے غیر کسی دین والے کی تکفیر نہ کرے یا توقف یا شک کرے (ان کے کفر میں) یا ان کے مذہب کو صحیح سمجھے، اگرچہ ایسا شخص اسلام کا اظہار کرے اور عقیدہ رکھے اور اسلام کے سوا ہر مذہب کے بطلان کا عقیدہ رکھے اس سبب سے کہ وہ اپنے ظاہر کئے کا خلاف ظاہر کرتا ہے لہٰذا وہ کافر ہے اھ مختصراً، ہلالین کے درمیان نسیم الریاض کی طرف سے زائد ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

اجماع علی کفر من لم یکفر کل من	اسلام سے علیحدگی اختیار کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے والے

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ، فصل آخر فی الخطاء مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول، ص ۳۸۱

[2] فتاوٰی حدیثیہ، باب اصول الدین، مطبعہ جمالیہ مصر، ص ۱۴۶

[3] الشفاء للقاضی عیاض فصل فی بیان ما ھو من المقالات، مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ فی البلاد العثمانیۃ ۲ /۲۷۱، نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی بیان ما ھو من المقالات، دار الفکر بیروت، ۴/ ۵۰۹-۵۱۰

فارق دین المسلمین اووقف فی تکفیر هم اوشك[1] مختصرًا۔	یاان کی تکفیر میں توقف یا شک کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے والے کے کفر پر اجماع ہے، مختصرًا۔(ت)

بزازیہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[2]	جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہے۔(ت)

بلکہ شخص مذکور پر لازم وضرور ہے کہ اپنے آپ ہی اپنے کفر والحاد وزندقہ وارتداد کا فتوٰی لکھے، آخر یہ تو بداہۃً ضرورۃً موافقین ومخالفین حتی کہ کفار ومشرکین سب کو معلوم ومسلم کہ حضرات حسنین اور ان کے والدین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہم مسلمان تھے، قرآن عظیم پر ایمان رکھتے اور بلاشبہ اسے کلام اللہ جانتے، اس کے ایک ایک حرف کو حق مانتے، اور اسی قرآن کا ارشاد ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو قطعًا وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین اعتقاد کرتے تو قطعًا یقینا اپنے آپ کو نبی ورسول نہ جانتے اور اس ادعائے ملعون کو باطل وملعون ہی مانتے کہ قول بالمتنافیین کسی عاقل سے معقول نہیں، اب یہ شخص کہ انہیں نبی ورسول مانتا ہے خود اپنے ہی ساختہ رسولوں کو کاذب ومبطل جانتا ہے اور رسولوں کی تکذیب کفرِ ظاہر ہے تو خود ہی اپنے عقیدے کی رو سے کافر ہے، غرض انہیں رسول کہہ کر اعتقاد ختم نبوت میں سچا جانا تو اس ایمانی عقیدے کا منکر ہو کر کافر ہوا، اور جھوٹا مانا تو اپنے ہی رسولوں کی آپ تکذیب کرکے کافر ہوا مفر کدھر، ولا حول ولا قوّۃ الاّ باللہ العزیز الاکبر۔

ولید کے مقابل ذکرِ احادیث ونصوص علمائے قدیم وحدیث کا کیا موقع کہ جو نص قطعی قرآن کو نہ مانے حدیث وعلماء کی کیا قدر جانے، مگر بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کے لئے متعدد منافع ظاہر وبین ہیں، قرآن وحدیث دونوں ایمانِ مومن ہیں، احادیث کا بار بار تکرار اظہار دلوں میں ایمان کی جڑ جمائے گا، آیہ کریمہ میں وساوسِ ملعونہ

ف: اہل بیت کرام خواہ کسی امتی کو نبی ماننے والا خود اپنے اقرار سے بھی کافر ہے۔

[1] الشفاء للقاضی فصل فی تحقیق القول فی اکفار المتأولین، مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ فی البلاد العثمانیۃ ۲/۲۶۷

[2] درمختار، باب المرتد، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۳۵۶

بعض شیاطین نجدیہ کا استیصال فرمائے گا، ختم نبوت و خاتم النّبیین کے صحیح و نجیح معنی بتائے گا، بعض قاسمان کفر و مجون کے اختراع جنون کو مردود و ملعون بنائے گا۔

ولید پلید کے ادعائے خبیث ثبوت بالحدیث کا بطلان دکھائے گا، نصوصِ ائمہ سے اہلِ ایمان کو صحت فتوٰی پر زیادہ تر اعتبار و اعتماد آئے گا معہذا ذکر محبوب راحتِ قلوب ہے، ان کی یاد سے مسلمانوں کا دل چین پائے گا۔

بریت آدم اور ختم نبوّت:

فاقول: وبحول اللہ احول (ارشادات الٰہیہ)

طبرانی معجم کبیر میں اور حاکم بافادہ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لغزش واقع ہوئی عرض کی یا رب **اسئلك بحق محمد ان غفرت لی** (الٰہی! میں تجھے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما) ارشاد ہوا: اے آدم! تو نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو کیونکر پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الٰہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر لکھا پایا **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** تو میں نے جانا تو نے اسی کا نام اپنے نام پاک کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا:

صدقت یا اٰدم انہ لاحب الخلق الیّ واذ سألتنی بحقہ فقد غفرت لك ولو لا محمد ما خلقتک [1] ۔ زاد الطبرانی وھو اٰخر الانبیاء من ذرّیتک [2]	اے آدم! تو نے سچ کہا بیشک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے اور جب تو نے مجھے اس کا واسطہ دے کر سوال کیا تو میں نے تیرے لئے مغفرت فرمائی، اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔ طبرانی نے یہ اضافہ کیا: وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا نبی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حضرت موسٰی علیہ السلام اور ختم نبوّت:

ابونعیم ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان موسٰی لما نزلت علیہ التوراۃ وقرأھا	جب موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توریت اتری اسے

[1] المستدرك للحاکم کتاب التاریخ، استغفار آدم علیہ السلام بحق محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الفکر بیروت، ۲/ ۶۱۵، دلائل النبوۃ للبیہقی باب ما جاء فی تحدّث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۵/ ۴۸۹

[2] المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث ۶۴۹۸، مکتبۃ المعارف ریاض، ۷/ ۲۵۹

وجد فیھا ذکر ھذہ الامۃ فقال یارب انی اجد فی الالواح امۃ ھم الاٰخرون السابقون فاجعلھا امتی قال تلك امّۃ احمد [1]	(پڑھا تو اس میں اس امّت کا ذکر پایا عرض کی: اے رب میرے! میں ان لوحوں میں ایک امت پاتا ہوں کہ وہ زمانے میں سب سے پچھلی اور مرتبے میں سب سے اگلی، تو یہ میری امت کر، فرمایا: یہ امت احمد کی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔)

حضرت آدم علیہ السلام اور سرکار دوعالم:

ابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما خلق اللہ اٰدم اخبرہ ببنیہ فجعل یرٰی فضائل بعضھم علٰی بعض فراٰی نورًا ساطعا فی اسفلھم، فقال یا رب من ھذا قال ھذا ابنك احمد و ھوالاول وھو الاٰخر وھو اول شافع واول مشفع [2]	جب اللہ تعالٰی نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا انہیں ان کے بیٹوں پر مطلع فرمایا، وہ ان میں ایک کی دوسرے پر فضیلتیں دیکھا کئے تو ان سب کے آخر میں بلند و روشن نور دیکھا، عرض کی، الٰہی! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تیرا بیٹا احمد ہے یہی اوّل ہے اور یہی آخر ہے اور یہی سب سے پہلا شفیع اور یہی سب سے پہلا شفاعت مانا گیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

خاتم النبیین:

نیز بطریق ابی الزبیر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، فرمایا:

بین کتفی اٰدم مکتوب، محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔ [3]	آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں شانوں کے وسط میں قلم قدرت سے لکھا ہوا ہے محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

محمد اور دروازہ جنت:

ابن ابی شیبہ مصنف میں بطریق مصعب بن سعد حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم ذکر الفضیلۃ الرابعۃ، عالم الکتب بیروت ۱/ ۱۴

[2] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر باب ماورد فی اصطفائہ علی العالمین الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۱۱، کنزالعمال حدیث ۳۲۰۵۲، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۴۳۷

[3] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر باب ذکر ما خص بہ و شرف بہ الخ عالم الکتب بیروت ۲/ ۱۳۷

انه قال اول من یاخذ بحلقة باب الجنة فیفتح له محمد صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم ثم قرأ اٰیة من التوراة اٰخرا باقدما یانحن الاخرون الاولون[1]	یعنی انہوں نے کہا سب سے پہلے جو دروازہ جنت کی زنجیر پر ہاتھ رکھے گا پس اس کے لئے دروازہ کھولا جائے گا، وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، پھر توریت مقدس کی آیت پڑھی کہ سب سے پہلے مرتبے میں سابق زمانے میں لاحق، یعنی امتِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

خاتم الانبیاء کی بشارت:

ابن سعد عامر شعبی سے راوی، سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحیفوں میں ارشاد ہوا:

انه کائن من ولدك شعوب وشعوب حتی یاتی النبی الامیّ الذی یکون خاتم الانبیاء[2]	بیشک تیری اولاد میں قبائل در قبائل ہوں گے یہاں تک کہ نبی امّی خاتم الانبیاء جلوہ فرما ہو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یعقوب علیہ السلام و خاتم الانبیاء:

محمد بن کعب قرظی سے راوی:

اوحی اللہ تعالٰی الی یعقوب انی ابعث من ذریتك ملوکا وانبیاء حتی ابعث النبی الحرمی الذی تبنی امته ھیکل بیت المقدس، وھو خاتم الانبیاء، واسمه احمد[3]	اللہ عزوجل نے یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی میں تیری اولاد سے سلاطین وانبیاء بھیجتا رہا کروں گا یہاں تک کہ ارسال فرماؤں اس حرم محترم والے نبی کو جس کی امت بیت المقدس کی بلند تعمیر بنائے گی اور اس کا نام احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔

اشعیاء اور احمد مجتبٰی:

ابن ابی حاتم وہب بن منبہ سے راوی:

قال اوحی اللہ تعالٰی الی اشعیاء انی باعث	اللہ عزوجل نے اشعیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھیجی

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الفضائل ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۱/ ۴۳۴

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر من تسمی فی الجاہلیه بمحمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دار صادر بیروت ۱/ ۱۶۳

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر من تسمی فی الجاہلیه بمحمد دار صادر بیروت ۱/ ۱۶۳

نبیا امیا افتح بہ آذانا صما وقلوبا غلفا واعینا عمیا، مولدہ بمکۃ ومھاجرہ بطیبۃ وملکہ بالشام (وساق الحدیث فیہ)الکثیر الطیب من فضائلہ و شمائلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم الٰی ان قال ولا جعلن امتہ خیر امۃ اخرجت للناس(وذکر صفاتھم الٰی ان قال)اختم بکتابھم الکتب بشریعتھم الشرائع و بدینھم الادیان [1] الحدیث الجلیل الجمیل۔	میں نبی اُمی کو بھیجنے والا ہوں، اس کے سبب بہرے کان اور غافل دل اور اندھی آنکھیں کھول دوں گا، اس کی پیدائش مکّے میں ہے اور ہجرت گاہ مدینہ اور اس کا تخت گاہ ملک شام، میں ضرور اس کی امت کو سب امتوں سے جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئیں بہتر و افضل کروں گا، میں ان کی کتاب پر کتابوں کو ختم فرماؤں گا اور ان کی شریعت پر شریعتوں اور ان کے دین پر سب دینوں کو تمام کروں گا۔

کتب سماوی میں اسم محمد:

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یسمّی فی الکتب القدیمۃ احمد و محمد والماحی والمقفی ونبی الملاحم وحمطایا وفارقلیطا وماذماذ [2]	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اگلی کتابوں میں میرے یہ نام تھے، احمد، محمد، ماحی (کفر و شرک کو مٹانے والے)، **مقفی** (سب پیغمبروں سے پیچھے تشریف لانے والے) **نبی الملاحم** (جہادوں کے پیغمبر)، حمطایا (حرم الٰہی کے حمایتی)، **فارقلیطا** (حق کو باطل سے جدا کرنے والے)، **ماذ ماذ** (ستھرے، پاکیزہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم:

سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ھبط جبریل فقال ان ربك یقول قد ختمت بك الانبیاء وما خلقت خلقا اکرم علی منك وقرنت اسمك مع اسمی	جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حاضر ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی حضور کا رب فرماتا ہے بیشک میں نے تم پر انبیاء کو ختم کیا اور

---

[1] الخصائص الکبرٰی، بحوالہ ابن ابی حاتم و ابو نعیم باب ذکرہ فی التوراۃ والانجیل الخ دار الکتب الحدیثیہ ۱/ ۲۳، ۲۴، الدر المنثور، بحوالہ ابن ابی حاتم و ابو نعیم آیۃ الذی یجدونہ مکتوبا فی التوراۃ الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران، ۳/ ۱۳۴

[2] الخصائص الکبرٰی، بحوالہ ابی نعیم عن ابن عباس باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ دار الکتب الحدیثیہ شارع الجمھوریہ، بعابدین ۱/ ۱۹۲

فلا اذکرنی موضع حتی تذکر معی، ولقد خلقت الدنیا واھلھا لا عرفھم کرامتك علی ومنزلتك عندی، ولولاك ما خلقت السمٰوٰت والارض وما بینھما لولاك ما خلقت الدنیا ھذا مختصر [1]	کوئی ایسا نہ بنایا جو تم سے زیادہ میرے نزدیک عزت والا ہو، تمہارا نام میں نے اپنے نام سے ملایا کہ کہیں میرا ذکر نہ ہو جب تک میرے ساتھ یاد نہ کئے جاؤ، بیشک میں نے دنیا واہل دنیا سب کو اس لئے بنایا کہ تمہاری عزت اور اپنی بارگاہ میں تمہارا مرتبہ ان پر ظاہر کروں، اور اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے اصلًا نہ بناتا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

آخر النبیین:

خطیب بغدادی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما اسری بی الی السماء قربنی حتی کان بینی وبینه کقاب قوسین او ادنٰی، وقال لی یامحمد ھل غمك ان جعلتك اٰخر النبیین، قلت لا، قال فھل غم امتك ان جعلتھم اٰخر الامم قلت لا، قال اخبر امتك انی جعلتھم اٰخر الامم لافضح الامم عندہ ولا افضحھم عند الامم [2]۔	شب اسرٰی مجھے میرے رب عزوجل نے نزدیک کیا یہاں تک کہ مجھ میں اور اس میں دو کمان بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہا اور مجھ سے فرمایا: اے محمد! کیا تجھے اس کا غم ہوا کہ میں نے تجھے سب پیغمبروں کے پیچھے بھیجا، میں نے عرض کی نہ۔ فرمایا: کیا تیری امت کو اس کا رنج ہوا کہ میں نے انہیں سب امتوں کے پیچھے رکھا، میں عرض کی نہ۔ فرمایا: اپنی امت کو خبر دے دے کہ میں نے انہیں سب سے پیچھے اس لئے کیا کہ اور امتوں کو ان کے سامنے رسوا کروں اور انہیں اوروں کے سامنے رسوائی سے محفوظ رکھوں، والحمدللہ رب العالمین!

رحمةً للعٰلمین:

ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وبزار وابویعلٰی وبیہقی بطریق ابوالعالیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث طویل اسرامیں راوی:

ثم لقی ارواح الانبیاء، فاثنوا علی	یعنی پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ذکر ما خصّ بہ وشرف بہ من بین الانبیاء دارالفکر بیروت، ۲/ ۳۷-۱۳۶

[2] تاریخ البغداد ترجمہ ۷۲۵۵ ابوعبداللہ احمد بن محمد النزلی، دارلکتب العربی، بیروت، ۵/ ۱۳۰

ربهم فقال ابراهيم ثم موسٰی ثم داؤد ثم سليمٰن ثم عيسٰی ثم ان محمدا صلی الله تعالٰی علیه وسلم اثنٰی علی ربه فقال کلکم اثنی علی ربه وانی مُثن علی ربی الحمد لله الذی ارسلنی رحمة للعٰلمین وکافة للناس بشیرا ونذیرا و انزل علی الفرقان فیه تبیان لکل شیئ وجعل امتی خیر امة اخرجت للناس وجعل امة وسطا وجعل امتی هم الاولون وهم الاٰخرون ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحاو خاتما فقال ابراهیم بهذا فضلکم محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم انتهٰی الی السدرة فکلمه تعالٰی عند ذٰلك فقال له قد اتخذتك خلیلا وهو مکتوب فی التوراة حبیب الرحمن ورفعت لك ذکرك فلا اذکر الا ان ذکرت معی وجعلت امتك هم الاولون والاٰخرون وجعلتك اوّل النبیین خلقا واٰخرهم بعثا وجعلتك فاتحاو خاتما[1] هذا مختصر ملتقطا۔	ارواح انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے ملے، پیغمبروں نے اپنے رب عزوجل کی حمد کی، ابراہیم پھر موسٰی پھر داؤد پھر سلیمان پھر عیسٰی علیہم الصلوۃ بترتیب حمد الٰہی بجالائے اور اس کے ضمن میں اپنے فضائل و خصائص بیان فرمائے سب کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب جل جلالہ کی ثنا کی اور فرمایا تم سب اپنے رب کی تعریف کرچکے اور اب میں اپنے رب کی حمد کرتا ہوں سب خوبیاں اللہ کو جس نے مجھے سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام آدمیوں کی طرف بشارت دیتا اور ڈر سناتا مبعوث کیا اور مجھ پر قرآن اتارا جس میں ہر شیئ کا روشن بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی اور انہیں عدل و عدالت و اعتدال والی امت کیا اور انہیں کو اوّل اور انہیں کو آخر رکھا اور میرے واسطے میرا ذکر بلند فرمایا اور مجھے فاتحہ دیوان نبوت و خاتمہ دفتر رسالت بنایا، ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا ان وجوہ سے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تم سے افضل ہوئے پھر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدرہ تک پہنچے، اس وقت رب عزجلالہ نے ان سے کلام کیا اور فرمایا میں نے تجھے اپنا خالص پیارا بنایا اور تیرا نام توریت میں حبیب الرحمٰن لکھا ہے، میں نے تیرے لئے تیرا ذکر اونچا کیا کہ میرا ذکر نہ ہو جب تک میرے ساتھ تیری یاد نہ آئے اور میں نے تیری امت کو یہ فضل دیا کہ وہی سب سے اگلے اور وہی سب سے پچھلے اور میں نے تجھے سب پیغمبروں سے پہلے پیدا کیا اور سب کے بعد بھیجا اور تجھے فاتح وخاتم کیا۔

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ سبحان الذی اسرٰی الخ، المطبعۃ المیمنۃ مصر، ۱۵/ ۷ تا ۹

ارشاداتِ انبیاء وملائکہ واقوال علماءِ کتب سابقہ

حدیث شفاعت:

امام احمد وابوداؤد طیالسی مطولاً اور ابن ماجہ مختصراً اور ابویعلٰی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث طویل شفاعتِ کبرٰی میں فرماتے ہیں:

فیأتون عیسٰی فیقولون اشفع لنا الٰی ربك فلیقض بیننا فیقول انی لست ھنا کم انی اتخذت الٰھًا من دون اللہ، وانہ لا یھمنی الیوم الانفسی ولکن ان کل متاع فی وعاء مختوم علیہ أکان یقدر علی ما فی جوفہ حتی یفض الخاتم، فیقولون لا فیقول ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیأتونی فاقول انا لھا فاذا اراد اللہ ان یقضی بین خلقہ نادی مناد این احمد و امتہ فنحن الاخرون الاولون نحن اٰخر الامم واول من یحاسب، فتفرج لنا الامم عن طریقنا [1] الحدیث ھذا مختصر۔	یعنی جب لوگ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور سے مایوس ہو کر پھریں گے تو سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے، مسیح فرمائیں گے میں اس منصب کا نہیں مجھے لوگوں نے اللہ کے سوا خدا بنایا تھا مجھے آج اپنی ہی فکر ہے مگر ہے یہ کہ جو چیز کسی سر بمہر برتن میں رکھی ہو کیا بے مہر اٹھائے اسے پا سکتے ہیں، لوگ کہیں گے نہ، فرمائیں گے تو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور یہاں تشریف فرما ہیں، لوگ میرے حضور حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے میں فرماؤں گا میں ہوں شفاعت کے لئے، پھر جب اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں فیصلہ کرنا چاہے گا ایک منادی پکارے گا کہاں ہیں احمد اور ان کی امت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، تو ہمیں پچھلے ہیں اور ہمیں اگلی سب امتوں سے پیچھے آئے اور سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا اور سب امتیں عرصاتِ محشر میں ہمارے لئے راستہ دیں گی۔

انبیاء کا التجائے شفاعت:

احمد وبخاری ومسلم وترمذی حدیث طویل شفاعت میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فیأتون محمدا فیقولون یا محمد	اولین وآخرین حضور خاتم النبیین افضل المرسلین

---

[1] مسند ابویعلٰی حدیث ۲۳۲۴ عبداللہ ابن عباس، مؤسسۃ علوم القرآن بیروت، ۳/ ۶

انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء [1]	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور آکر عرض کرینگے حضور اللہ تعالٰی کے رسول اور تمام انبیاء کے خاتم ہیں ہماری شفاعت فرمائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور اذان اوّل:

ابو نعیم حلیۃ الاولیا اور ابن عساکر دونوں بطریق عطاء حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نزل اٰدم بالھند واستوحش فنزل جبریل فنادی بالاذان اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، قال اٰدم من محمد، قال اٰخر ولدك من الانبیاء [2]	جب آدم علیہ الصلوٰۃ و السلام بہشت سے ہند میں اترے تو گھبرائے، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اتر کر اذان دی، جب نام پاک آیا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: محمد کون ہیں، کہا: آپ کی اولاد میں سب سے پچھلے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

انشراح صدر:

ابونعیم دلائل میں یونس بن میسرہ بن حلبَس سے مرسلًا اور دارمی وابن عساکر بطریق یونس ھذا عن ابی ادریس الخولانی عبد الرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موصولًا راوی وھذا لفظ المرسل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: فرشتہ سونے کا طشت لے کر آیا اور میرا شکم مبارک چیر کر دل مقدس نکالا اور اسے دھو کر کچھ اس پر چھڑک دیا، پھر کہا:

انت محمد رسول اللہ المقفی الحاشر [3] (الحدیث ھذا مختصر)	حضور محمد رسول اللہ ہیں سب انبیاء کے بعد تشریف لانے والے تمام عالم کو حشر دینے والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث متصل میں یوں ہے: جبریل نے اتر کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شکم چاک کیا، پھر کہا:

قلب وکیع فیہ اذنان سمیعتان و عینان بصیرتان محمد رسول اللہ	مضبوط و محکم دل ہے اس میں دو کان ہیں شنوا اور دو آنکھیں ہیں بینا، محمد اللہ کے رسول ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر، سورہ بنی اسرائیل، قدیمی کتب خانہ، کراچی ۲/ ۶۸۵

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ عمر و بن قیس الملائی، دار الکتاب العربی بیروت، ۵/ ۱۰۷

[3] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم عن یونس باب ما جاء فی قلبہ الشریف دار الکتب الحدیثۃ، ۱/ ۱۶۲

المقفی الحاشر [1] (الحدیث)	انبیاء کے خاتم اور خلائق کو حشر دینے والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

بشارت میلاد الرسول:

ابو نعیم بطریق شہر بن حوشب اور ابن عساکر بطریق مسیب بن رافع وغیرہ حضرت کعب احبار سے راوی، انہوں نے فرمایا، میرے باپ اعلم علمائے توراۃ تھے، اللہ عزوجل نے جو کچھ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا، وہ اپنے علم سے کوئی شے مجھ سے نہ چھپاتے، جب مرنے لگے مجھے بلا کر کہا: اے میرے بیٹے! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تجھ سے نہ چھپائی مگر ہاں دو ورق رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آ پہنچا میں نے اس اندیشے سے تجھے ان دو ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو، تو اس کی پیروی کرلے یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے اس میں وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگادی ہے ابھی ان سے تعرض نہ کرنا، نہ انہیں دیکھنا جب وہ نبی جلوہ فرما ہو اگر اللہ تعالٰی تیرا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا، یہ کہہ کر وہ مرگئے ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے مجھے ان دونوں ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا، میں نے طاق کھولا ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں لکھا ہے:

محمد رسول اللہ خاتم النبیین لا نبی بعدہ مولدہ بمکۃ ومھاجرہ بطیبۃ [2] (الحدیث)	محمد اللہ کے رسول ہیں، سب انبیاء کے خاتم، ان کے بعد کوئی نبی نہیں، ان کی پیدائش مکے میں اور ہجرت مدینے کو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

راہب کا استفسار:

بیہقی وطبرانی وابو نعیم اور خرائطی کتاب الہواتف میں خلیفہ بن عبدہ سے راوی، میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے پوچھا جاہلیت میں کہ ابھی اسلام نہ آیا تھا تمہارے باپ نے تمہارا نام محمد کیونکر رکھا، کہا میں نے اپنے باپ سے اس کا سبب پوچھا، جواب دیا کہ بنی تمیم سے ہم چار آدمی سفر کو گئے تھے، ایک میں اور سفیان بن مجاشع بن دارم اور عمر بن ربیعہ اور اسامہ بن مالک، جب ملک شام میں پہنچے ایک تالاب پر اترے جس کے کنارے پیڑ تھے، ایک راہب نے

[1] الخصائص الکبرٰی باب ما جاء فی قلبہ الشریف صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الحدیثۃ شارع الجمہوریۃ بعابدین ۱/ ۱۶۲

[2] الخصائص الکبرٰی باب ما جاء فی قلبہ الشریف صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الحدیثۃ شارع الجمہوریۃ بعابدین ۱/ ۱۶۲، تہذیب تاریخ دمشق، باب تطہیر قلبہ من انعل الخ، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱/ ۳۷۹، الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم باب ذکرہ فی التوراۃ والانجیل، دار الحدیثہ شارع الجمہوریہ بعابدین ۱/ ۳۶

اپنے دیر سے ہمیں جھانکااور کہاتم کون ہو؟ ہم نے کہااولادِ مضر سے کچھ لوگ ہیں۔ کہا:

اما انه سوف یبعث منکم و شیکا نبی فسارعوا الیه و خذوا بحظکم منه ترشدوا فانه خاتم النبیین۔	سنتے ہو عنقریب بہت جلد تم میں سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے تم اس کی طرف دوڑنا اور اس کی خدمت واطاعت سے بہرہ یاب ہونا کہ وہ سب میں پچھلا نبی ہے۔

ہم نے کہااس کا نام پاک کیا ہوگا؟ کہا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ جب ہم اپنے گھروں کو واپس آئے سب کے ایک ایک لڑکا ہوا اس کا نام محمد رکھا[1]۔ انتھی، واللہ اعلم حیث یجعل رسالته۔

قبل از ولادت شہادت ایمان:

زید بن عمرو بن نفیل کہ احد العشرۃ المبشرۃ سیدنا سعید بن زید کے والد ماجد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنہ موحدان و مومنان عہد جاہلیت سے تھے طلوعِ آفتاب عالمتاب اسلام سے پہلے انتقال کیا مگر اسی زمانے میں توحید الٰہی و رسالت حضرت ختم پناہی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شہادت دیتے، ابن سعد وابونعیم حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، میں زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ملا مکہ معظّمہ سے کوہ حرا کو جاتے تھے، انہوں نے قریش کی مخالفت اور ان کے معبودانِ باطل سے جدائی کی تھی، اس پر آج ان سے اور قریش سے کچھ لڑائی رنجش ہوچکی تھی، مجھے دیکھ کر بولے اے عامر! میں اپنی قوم کا مخالف اور ملت ابراہیم کا پیرو ہوا اسی کو معبود مانتا ہوں جسے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوجتے تھے، میں ایک نبی کا منتظر ہوں جو بنی اسمٰعیل اور اولاد عبدالمطلب سے ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے میرے خیال میں میں ان کا زمانہ پاؤں گا میں ابھی ان پر ایمان لاتا اور ان کی تصدیق کرتا ان کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں، تمہیں اگر اتنی عمر ملے کہ انہیں پاؤ تو میرا اسلام انہیں پہنچانا، اے عامر! میں تم سے ان کی نعت وصفت بیان کئے دیتا ہوں کہ تم خوب پہچان لو، درمیانہ قد ہیں، سر کے بال کثرت و قلّت میں معتدل، ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخ ڈورے رہیں گے، ان کی شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہے، ان کا نام احمد، اور یہ شہر ان کا مولد ہے، یہیں ان کی رسالت ظاہر ہوگی، ان کی قوم انہیں مکے میں نہ رہنے دے گی کہ ان کا دین اسے ناگوار ہوگا، وہ ہجرت فرما کر مدینے جائیں گے، وہاں سے ان کا دین ظاہر و غالب ہوگا، دیکھو تم کسی دھوکے فریب میں آکر ان کی اطاعت سے محروم نہ رہنا۔

فانی بلغت البلاد کلها اطلب دین ابراهیم،	کہ میں دین ابراہیمی کی تلاش میں شہروں شہروں پھرا

[1] الخصائص الکبرٰی بحواله البیهقی والطبرانی والخرائطی باب اخبار الاحبار الخ دار الکتب الحدیثه شارع الجمهوریة، بعابدین ۱/ ۵۷۔۵۸

وکل من اسأل من الیھود والنصارٰی و المجوس یقول ھذا الدین وراء ک،وینعتونہ مثل ما نعتہ لک،و یقولون لم یبق نبی غیرہ۔	یہود ونصارٰی مجوس جس سے پوچھاسب نے یہی جواب دیا کہ یہ دین تمہارے پیچھے آتا ہے اور اس نبی کی وہی صفت بیان کی جو میں تم سے کہہ چکااور سب کہتے تھے کہ ان کے سوا کوئی نبی باقی نہ رہا۔

عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں جب حضور خاتم الانبیاء علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ظاہر ہوئی میں نے زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی یہ باتیں حضور سے عرض کیں، حضور نے ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشاد کیاقد رأیتہ فی الجنۃ یسحب ذیلہ[1] میں نے اسے جنت میں دامن کشاں دیکھا۔

انکار ختم نبوّت کی وجوہات:

اللہ اللہ اس زمانے کے یہود ونصارٰی و مجوس نے تو بالاتفاق حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوجانے کی شہادتیں دیں اور آج کل کے کذاب بدلگام مدعیان اسلام یہ شاخسانے نکالیں مگر ہے یہ کہ اس وقت تک ان فرقوں کو نہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بغض وحسد تھا، نہ اپنے کسی پیشوائے مردود کا سخن مطرود بنانا مراد و مقصد، نہ اپنے کسی سگے بھائی کی بات رکھنی نہ بعد ظہور نور خاتمیت اپنے باپ دادا کی نبوت گھڑنی، وہ کیوں جھوٹ بولتے جو کچھ علوم انبیاء واخبار احبار ورہبان وعلماء سے پہنچا تھا صاف کہتے تھے، بعد ظہور اسلام ان ملاعنہ کے دل میں حسد وعناد کا پھوڑا پھوٹا اور ان مدعیان اسلام پر قہر ٹوٹا کہ کسی خبیث کا پیشوا خبیث معاذ اللہ آیہ کریمہ وخاتم النبیین میں خدا کا جھوٹ ممکن لکھ گیا، اب یہ جب تک اپنی سینہ زوری سے کچھ خاتم الانبیاء گھڑ کر نہ دکھائیں اگرچہ زمین کے اسفل السافلین طبقے میں تو گروجی پیشوا کی خدمت ہی کیا ہوئی، ہونہار سپوتوں کی سعادت ہی کیا ہوئی، کسی قاسم کفروضلالت قسیم ومباین حق وہدایت کا کوئی بھائی لگتا ان نئے مرتدوں کے ہاتھ بک گیا۔ساتھ خاتم النبیین کا فتوٰی لکھ گیا، اب یہ اگر تازی نبوتوں کا ٹھیکہ نہ لیں ختم نبوت کے معنی متواتر کو مہمل نہ کہیں تو اکلوتے بھیا کی حمایت ہی کیا ہوئی، اختراعی طبیعت کی جودت ہی کیا ہوئی، کسی مردک کو یہ دھن سمائی کہ سید بنے تو کیا بنے، کوئی گنے تو نبی کا نواسا ہی گنے، پانچے کا رشتہ کوئی بات نہیں، پیرجی پوتے نہ بن بیٹھے تو کچھ کرامات نہیں "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[2] اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن سعد وابی نعیم عن عامر بن ربیعہ،باب اخبار الاحبار الخ،دار الکتب الحدیثہ شارع الجمہوریۃ بعابدین ۱/ ۶۲۔۶۱

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

مقوقس شاہ مصر کی تصدیق ولادت:

امام واقدی وابو نعیم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث طویل ملاقات مقوقس بادشاہ مصر میں راوی، جب ہم نے اس نصرانی بادشاہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدح و تصدیق سنی اس کے پاس سے وہ کلام سن کر اٹھے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ذلیل وخاضع کردیا ہم نے کہا سلاطین عجم ان کی تصدیق کرتے اور ان سے ڈرتے ہیں حالانکہ ان سے کچھ رشتہ علاقہ نہیں اور ہم تو ان کے رشتہ دار ان کے ہمسائے ہیں وہ ہمارے گھر ہمیں دین کی طرف بلانے آئے اور ہم ابھی ان کے پیرو نہ ہوئے، پھر میں اسکندریہ میں ٹھہرا کوئی گرجا کوئی پادری قبطی خواہ رومی نہ چھوڑا جہاں جا کر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صفت جو وہ اپنی کتاب میں پاتے ہیں نہ پوچھی ہو، ان میں ایک پادری قبطی سب سے بڑا مجتہد تھا اس سے پوچھا: ھل بقی احد من الانبیاء "آیا پیغمبروں میں سے کوئی باقی رہا؟ وہ بولا:

نعم وھو اٰخر الانبیاء لیس بینہ وبین عیسٰی نبی قد امر عیسٰی باتباعہ وھو النبی الامی العربی اسمہ احمد۔	ہاں ایک نبی باقی ہیں وہ سب انبیاء سے پچھلے ہیں ان کے اور عیسٰی کے بیچ میں کوئی نبی نہیں، عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کو ان کی پیروی کا حکم ہوا ہے وہ نبی امّی عربی ہیں ان کا نام پاک احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

پھر اس نے حلیہ شریفہ ودیگر فضائل لطیفہ ذکر کئے، مغیرہ نے فرمایا: اور بیان کر۔ اس نے اور بتائے، از انجملہ کہا:

یخص بمالم یخصّ بہ الانبیاء قبلہ کان النبی یبعث الی قومہ وبعث الی الناس کافۃ۔	انہیں وہ خصائص عطا ہوں گے جو کسی نبی کو نہ ملے ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا وہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

مغیرہ فرماتے ہیں میں نے یہ سب باتیں خوب یاد رکھیں اور وہاں سے واپس آکر اسلام لایا[1]

میلاد النبی پر خاص تارے کا طلوع:

ابو نعیم حضرت حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، میں سات برس کا تھا ایک دن پچھلی رات کو وہ سخت آواز آئی کہ ایسی جلد پہنچتی آواز میں نے کبھی نہ سنی تھی کیا دیکھتا ہوں کہ مدینے کے ایک بلند ٹیلے پر ایک یہودی ہاتھ میں آگ کا شعلہ لئے چیخ رہا ہے لوگ اس کی آواز پر جمع ہوئے وہ بولا:

ھذا کوکب احمد قد طلع ھذا الکوکب	یہ احمد کے ستارے نے طلوع کیا، یہ ستارہ کسی

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الخامس عالم الکتب بیروت، ص۲۱و۲۲

لا یطلع الا بالنبوۃ ولم یبق من الانبیاء الا احمد[1]	نبی ہی کی پیدائش پر طلوع کرتا ہے اور اب انبیاء میں سوائے احمد کے کوئی باقی نہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

یہودی علماء کے ہاں ذکر ولادت:

امام واقدی وابو نعیم حضرت حویصر بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال کنا ویھود فینا کانوا یذکرون نبیا یبعث بمکۃ اسمہ احمد ولم یبق من الانبیاء غیرہ وھو فی کتبنا[2] الحدیث	یعنی میرے بچپن میں یہود ہم میں ایک نبی کا ذکر کرتے جو مکے میں مبعوث ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے اب ان کے سوا کوئی نبی باقی نہیں وہ ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

احبار کی زبان پر نعتِ نبی:

ابو نعیم سعد بن ثابت سے راوی:

قال کان احبار یھود بنی قریظۃ والنضیر یذکرون صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فلما طلع الکوکب الاحمر اخبروا انہ نبی وانہ لا نبی بعدہ اسمہ احمد ومھاجرہ الی یثرب فلما قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ ونزلھا انکروا وحسدوا وبغوا[3] "فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ	یہود بنی قریظہ وبنی نضیر کے علماء حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے جب سرخ ستارہ چمکا تو انہوں نے خبر دی کہ وہ نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کا نام پاک احمد ہے، ان کی ہجرت گاہ مدینہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لاکر رونق افروز ہوئے یہود براہِ حسد و بغاوت منکر ہوگئے۔ توجب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس کے

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل الخامس، عالم الکتب بیروت، ص ۱۷، الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم باب اخبار الاخیار الخ دار الکتب الحدیثۃ شارع الجمھوریۃ بعابدین، ۱/ ۶۴

[2] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم باب اخبار الاحبار الخ دار الکتب الحدیثۃ شارع الجمھوریۃ بعابدین، ۱/ ۶۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل الخامس، عالم الکتب بیروت، ص ۱۷

[3] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم باب اخبار الاحبار الخ دار الکتب الحدیثہ شارع الجمھوریہ بعابدین، ۱/ ۶۷

الْكٰفِرِيْنَ۝۸۹ "[1]	منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔(ت)

اہل یثرب کو بشارت میلاد النبی:

زیاد بن لبید سے راوی، میں مدینہ طیبہ میں ایک ٹیلے پر تھا ناگاہ ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے:

یا اھل یثرب قد ذھبت واللہ نبوۃ بنی اسرائیل، ھذا نجم قد طلع بمولداحمد وھو نبی اٰخرالانبیاء و مھاجرہ الی یثرب[2]	اے اہل مدینہ! خدا کی قسم بنی اسرائیل کی نبوت گئی، ولادتِ احمد کا تارا چمکا، وہ سب سے پچھلے نبی ہیں، مدینے کی طرف ہجرت فرمائیں گے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یوشع کی زبان پر نعتِ رسول:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی میں نے مالک بن سنان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کہتے سنا کہ میں ایک روز بنی عبدالاشہل میں بات چیت کرنے گیا، یوشع یہودی بولا اب وقت آگیا ہے ایک نبی کے ظہور کا جس کا نام احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرم سے تشریف لائیں گے ان کا حلیہ ووصف یہ ہوگا، میں اس کی باتوں سے تعجب کرتا اپنی قوم میں آیا وہاں بھی ایک شخص کو ایسا ہی بیان کرتے پایا، میں بنی قریظہ میں گیا وہاں بھی ایک مجمع میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر پاک ہو رہا تھا ان میں سے زبیر بن باطا نے کہا:

قد طلع الکوکب الاحمر الذی لم یطلع الا لخروج نبی وظھورہ ولم یبق احد الا احمد وھذہ مھاجرہ[3]	بیشک سرخ ستارہ طلوع ہو کر آیا یہ تارا کسی نبی ہی کی ولادت و ظہور پر چمکتا ہے اور اب میں کوئی نبی نہیں پاتا سوا احمد کے، اور یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

تذییل:

ابن سعد و حاکم و بیہقی وابو نعیم حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی مکہ معظّمہ میں ایک یہودی بغرض تجارت رہتا جس رات حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیدا ہوئے قریش کی مجلس میں گیا اور پوچھا کیا آج تم میں کوئی لڑکا پیدا ہوا انہوں نے کہا ہمیں نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۲ / ۸۹

[2] الخصائص الکبرٰی باب اخبار الاحبار بحوالہ ابی نعیم دار الکتب الحدیثہ شارع الجمہوریۃ بعابدین ۱/ ۶۸

[3] الخصائص الکبرٰی باب اخبار الاحبار بحوالہ ابی نعیم دارا کتب الحدیثہ شارع الجمہوریۃ بعابدین ۱/ ۶۶ـ۶۵، دلائل النبوۃ، الفصل الخامس، عالم الکتب بیروت، ص۸

معلوم، کہا:

احفظوا ما اقول لکم ،ولد ھذہ اللیلۃ نبی ھذہ الامۃ الاخیرۃ بین کتفیہ علامۃ [1] الحدیث	جو تم سے کہہ رہا ہوں اسے حفظ کر رکھو آج کی رات اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہوا اس کے شانوں کے درمیان علامت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ارشادات حضور ختم الانبیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء

وفیھا انواع فی اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اسماء النّبی:

اجلّہ ائمہ بخاری و مسلم وترمذی ونسائی وامام مالک و امام احمد وابوداؤد طیالسی وابن سعد و طبرانی وحاکم و بیہقی وابو نعیم وغیر ہم حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لی اسماء انا محمد و انا احمد وانا الماحی الذی یمحوا اللہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علٰی قدمی وانا العاقب الذی لیس بعدہ نبی [2]	بیشک میرے متعدد نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالٰی میرے سبب سے کفر مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں میرے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا، میں عاقب ہوں اور عاقب وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

سبعہ اخیرہ الاالطبرانی کی روایت میں والخاتم [3] زائد ہے یعنی اور میں خاتم ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

انا محمد واحمد:

امام احمد مسند اور مسلم صحیح اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا محمد واحمد والمقفی والحاشر	میں محمد ہوں اور احمد اور سب انبیاء کے بعد

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن سعد و الحاکم والبیہقی وابی نعیم ،باب ما ظھر فی لیلۃ مولدہ الخ ،دار الکتب الحدیثہ ،بعابدین ۱/ ۱۲۳

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل ،باب فی اسمائہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ، کراچی ۲/ ۲۶۱، شعب الایمان للبیہقی ،فصل فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ۱۳۹۷، دار الکتب العلمیہ ،بیروت ۲/ ۱۴۱

[3] شعب الایمان للبیہقی فصل فی اسماء رسول صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۱۳۹۸ ،دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۴۱، الطبقات الکبرٰی ذکر اسماء رسول صلی اللہ علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۱۰۴

ونبی التوبۃ ونبی الرحمۃ[1]	آنے والا اور خلائق کو حشر دینے والا اور رحمت کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نام مبارک **نبی التوبۃ** عجب جامع و کثیر المنافع نام پاک ہے، اس کی تیرہ توجیہیں فقیر غفرلہ المولی القدیر نے شرح صحیح مسلم للامام النووی و شرح الشفا للقاری والخفاجی و مرقاۃ و اشعۃ اللمعات شروح مشکوٰۃ و تیسیر و سراج المنیر و حفنی شروح جامع صغیر و جمع الوسائل شرح شمائل و مطالع المسرات و مواہب و شرح زرقانی و مجمع البحار سے التقاط کیں اور چار بتوفیق اللہ تعالٰی اپنی طرف سے بڑھائیں سب سترہ ہوئیں، **بعضھا املح من بعض واحلی** (ان میں ہر ایک دوسری سے لذیذ اور میٹھی ہے۔ت)

خصائص مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہدایت سے عالم نے توبہ و رجوع الی اللہ کی دولتیں پائیں حضور کی آواز پر متفرق جماعتیں، مختلف امتیں اللہ عزوجل کی طرف پلٹ آئیں[2]۔

ذکرہ فی مطالع المسرات وقاری فی شرح الشفاء والشیخ المحقق فی اشعۃ اللمعات وعلیہ اقتصر فی المواھب اللدنیۃ شرح الاسماء العلیۃ وقبلہ شارحھا الزرقانی عند سردھا۔	(اس کو مطالع المسرات میں اور ملا علی قاری نے شرح شفاء میں، شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات میں ذکر کیا۔ اور اسی پر مواہب لدنیہ کے شرح اسماء مبارکہ میں اور اس سے قبل اپنے بیان میں شارح زرقانی نے انحصار کیا۔ت)

(۲) ان کی برکت سے خلائق کو توبہ نصیب ہوئی[3]۔ **الشیخ فی اللمعات والاشعۃ۔ اقول: ولیس بالاول فان الھدایۃ دعوۃ واراءۃ و بالبرکۃ توفیق الوصول** (اقول یہ چیز اول یعنی ہدایت سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ہدایت دعوت، راستہ دکھانے اور برکت سے وصول مقصود کی توفیق کا

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی اسمائہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۲۶۱

[2] مطالع المسرات ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ص ۱۰۱، شرح الشفا للعلی قاری علی ہامش نسیم الریاض فصل فی اسمائہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الفکر بیروت، ۲/ ۳۹۳، شرح الزرقانی علی المواھب المقصد الثانی الفصل الاول حرف ن، دار المعرفۃ، بیروت، ۳/ ۱۴۹

[3] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب اسماء النبی وصفاتہ الخ فصل نمبر ۱، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۴/ ۴۸۲

نام ہے)

(۳)ان کے ہاتھ پر جس قدر بندوں نے توبہ کی اور انبیائے کرام کے ہاتھوں پر نہ ہوئی **الشیخ فی اللمعات واشار الیه فی الاشعة حیث قال بعد ذکر الاولین** (شیخ نے لمعات میں اسے ذکر کیا اور اشعہ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا جہاں انہوں نے پہلے دونوں کا ذکر کیا وہاں یہ ہے۔ت)

ایں صفت در جمیع انبیاء مشترک ست و در ذات شریف آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم از ہمہ بیشتر و وافرو کامل ترست [1]	تمام انبیاء میں یہ صفت مشترک ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات میں یہ سب سے زیادہ اور وافر اور کامل تر ہے۔

صحیح حدیثوں سے ثابت کہ روز قیامت یہ امت سب امتوں سے شمار میں زیادہ ہوگی، نہ فقط ہر ایک امت جداگانہ بلکہ مجموع جمیع امم سے، اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں بحمداللہ تعالٰی اسی ۸۰ ہماری اور چالیس ۴۰ میں باقی سب امتیں، **والحمدللہ رب العالمین۔**

(۴) وہ توبہ کا حکم لے کر آئے [2] **(الامام النووی فی شرح صحیح مسلم والقاری فی جمع الوسائل والزرقانی فی شرح المواهب** (اسے امام نووی نے شرح مسلم، ملا علی قاری نے جمع الوسائل اور زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا۔ت)

(۵) اللہ عزوجل کے حضور سے قبول توبہ کی بشارت لائے [3] **شرح المواهب والمناوی فی التیسیر۔**

(۶)اقول بلکہ وہ توبہ عام لائے ہر نبی صرف اپنی قوم کے لئے توبہ لاتا ہے وہ تمام جہان سے توبہ لینے آئے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۷) بلکہ توبہ کا حکم وہی لے کر آئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء سب ان کے نائب ہیں تو روز اول سے آج تک اور آج سے قیامت تک جو توبہ خلق سے طلب کی گئی یا کی جائے گی، واقع ہوئی یا وقوع پائے گی۔ سب کے نبی، ہمارے نبی توبہ ہیں [4] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، **الفاسی فی مطالع المسرات فجزاہ اللہ معانی المبرات وعوالی المسرات** (یہ علامہ فاسی نے مطالع المسرات میں ذکر کیا، اللہ تعالٰی ان کو نیکیوں کا ذخیرہ اور بلند خوشیاں جزا میں عطا فرمائے۔ت)

---

[1] اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ باب اسماء النبی وصفاته الخ فصل نمبر۱، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۴/ ۴۸۲

[2] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الفضائل باب فی اسمائه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی۔ ۲/ ۲۶۱

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر، تحت حدیث انا محمد واحمد الخ مکتبہ امام الشافعی ریاض، ۱/ ۳۷۶

[4] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۱۰۲۔۱۰۱

(۸) توبہ سے مراد اہل توبہ ہیں[1]، ای علی وزان **قولہ تعالٰی واسئل القریۃ** (اللہ تعالٰی کے قول واسئل القریۃ کے انداز پر) (ت) یعنی توابین کے نبی، **مطالع المسرات مع زیادۃ منی** (مطالع المسرات اور جو کچھ زیادہ ہے وہ میری طرف سے) **اقول:** اب اوفق یہ ہے کہ توبہ سے مراد ایمان لیں[2] **کما سوغہ المناوی ثم العزیزی فی شروح الجامع الصغیر** (جیسا کہ علامہ مناوی نے پھر عزیزی نے الجامع الصغیر کی شرحوں میں ذکر فرمایا) (ت) حاصل یہ کہ تمام اہل ایمان کے نبی۔

(۹) ان کی امت توابین ہیں، وصفِ توبہ میں سب امتوں سے ممتاز ہیں، قرآن ان کی صفت میں **التائبون**[3] فرماتا ہے، جمع الوسائل، جب گناہ کرتے ہیں توبہ لاتے ہیں یہ امت کا فضل ہے اور امت کا ہر فضل اس کے نبی کی طرف راجع[4]، مطالع، **اقول: وبہ فارق ماقبلہ فلیس فیہ حذف ولا یجوز** (میں کہتا ہوں، اس سبب سے وہ پہلے سے جدا ہوا تو اس میں نہ حذف ہے اور نہ یہ جائز ہے۔ت)

(۱۰) ان کی امت کی توبہ سب امتوں سے زائد مقبول ہوئی[5]، **حفنی علی الجامع الصغیر**، کہ ان کی توبہ میں مجرد ندامت وترک فی الحال وعزم امتناع پر کفایت کی گئی، نبی الرحمۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے بوجھ اتار لئے اگلی امتوں کے سخت وشدید باران پر نہ آنے دیئے، اگلوں کی توبہ سخت سخت شرائط سے مشروط کی جاتی تھی گوسالہ پرستی سے بنی اسرائیل کی توبہ اپنی جانوں کے قتل سے رکھی گئی **کما نطق بہ القراٰن العزیز** (جیسا کہ قرآن نے اس کو بیان فرمایا) (ت) جب ستّر ہزار آپس میں کٹ چکے اس وقت توبہ قبول ہوئی، شرح الشفاء للقاری عـــہ والمرقاۃ ونسیم الریاض والفاسی ومجمع البحار۔ برمز (ن)

عـــہ: **اقتصر الحنفی فی تقریر ھذا الوجہ علی ذکر الاستغفار فقط فقال لانہ** | حنفی نے اپنی تقریر میں اس وجہ پر استغفار کے ذکر کا اقتصار کیا تو فرمایا آپ کی امت (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ص ۱۰۱ و ۱۰۲

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر، تحت حدیث انا محمد واحمد، مکتبہ امام الشافعی، ریاض، ۱/ ۳۷۶

[3] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ الخ، دار المعرفۃ، بیروت، ۲/ ۱۸۳

[4] مطالع المسرات ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ص ۱۰۱

[5] حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر علٰی ہامش السراج المنیر المطبعۃ الازہریۃ المصریۃ، مصر، ۲/ ۶۳

للامام النووی والذی رأیته فی منهاجه ماقدمت فحسب۔ (ان کی رمز امام نووی کی طرف ہے) اور جو میں نے ان کی کتاب منہاج میں دیکھا وہ میں نے پہلے بیان کردیا ہے اور بس۔ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قبل من امته التوبة بمجرد الاستغفار زاد میرك بخلاف الامم السابقة واستدل بقوله تعالٰی فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول[1] الاٰیة، وقد اقره العلامة القاری فی المرقاة وفی شرح الشفاء و شدد النکیر علیه فی جمع الوسائل شرح الشمائل فقال هذا قول لم یقل به احد من العلماء فهو خلاف الامة وقد قال وارکان التوبة علی ما قاله العلماء ثلثة الندم والقلع والعزم علی ان لا یعود ولا احد جعل الاستغفار اللسانی شرطا للتوبة[2] الخ اقول رحم الله مولانا القاری این فی کلام الحنفی ومیرك ان التوبة لا تقبل الا بالاستغفار فضلا عن اشتراط الاستغفار باللسان، انما ذکر ان مجرد الاستغفار کاف فی توبة هذه الامة من دون الزام امور اخر شاقة جدا کقتل الانفس وغیره مما الزمت به

سے صرف استغفار پر توبہ قبول فرمائی، اس پر میرک نے "**بخلاف الامم السابقه**" کا اضافہ کیا انہوں نے دلیل میں اللہ تعالٰی کا قول "اللہ تعالٰی سے استغفار کرو اور رسول ان کے لئے استغفار فرمائیں، الآیۃ" ذکر کیا، علامہ قاری نے مرقات اور شرح شفاء میں اس کو ثابت رکھا جبکہ جمع الوسائل میں اس پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ یہ بات علماء میں سے کسی نے نہ کی تو یہ امت کے خلاف ہے اور فرمایا کہ توبہ کے ارکان علماء کے بیان کے مطابق تین ہیں، ندامت اور چھوڑنا، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم، اور کسی نے بھی زبانی استغفار کو توبہ کی شرط نہ کہا الخ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی ملا علی قاری پر رحم فرمائے حنفی اور میرک کے کلام میں استغفار کے بغیر توبہ کا قبول نہ ہونا کہاں ہے چہ جائیکہ زبانی استغفار کی شرط ہو، انہوں نے تو یوں کہا ہے کہ اس امت کی توبہ میں صرف استغفار کافی ہے دوسرے شاق امور لازم نہیں مثلاً جانوروں کو قتل کرنا وغیرہ، جو کچھ پہلی امتوں پر لازم کیا گیا

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] مرقات المفاتیح کتاب الفضائل باب اسماء النبی وصفاته الخ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۰/ ۵۰، جمع الوسائل فی شرح الشمائل، باب ما جاء اسماء رسول صلی الله تعالٰی علیه وسلم دار المعرفة، بیروت ۲/ ۱۸۳

[2] جمع الوسائل فی شرح الشمائل، باب ما جاء اسماء رسول صلی الله تعالٰی علیه وسلم دار المعرفة، بیروت ۲/ ۱۸۳

(۱۱) وہ خود کثیر التوبہ ہیں، صحیح بخاری میں ہے: میں روز اللہ سبحانہ سے سو بار استغفار کرتا ہوں۔[1] **شرح الشفا و المرقاۃ واللمعات والمجمع برمز** (ط) **للطیبی والزرقانی** ہر ایک کی توبہ اس کے لائق ہے **حسنات الابرار سیأٰت المقربین** (نیکوں کی خوبیاں مقربین کے گناہ ہیں۔ت) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر آن ترقی مقامات قرب و مشاہدہ میں ہیں۔ "وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ" [2] (آپ کے لئے ہر پہلی ساعت سے دوسری افضل ہے۔ت) جب ایک مقام اجل واعلٰی پر ترقی فرماتے گزشتہ مقام کو بہ نسبت اس کے ایک نوع تقصیر تصوّر فرما کر اپنے رب کے حضور توبہ واستغفار لاتے تو وہ ہمیشہ ترقی اور ہمیشہ

الامم السابقة فلا تشم منه رائحة اشتراط الاستغفار لمطلق التوبة وان امعنت النظر لم تجد فیه خلا فالحدیث الارکان ایضا فان الاستغفار الصادق لا ینشؤا الاعن ندم صحیح والندم الصحیح یلزمه الاقلاع وعزم الترک، ولذا صح عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قوله الندم توبة علا ان المقصود الحصر بالنسبة الٰی ما کان علی الامم السابقة من الامر ثم هذا کله لا مساغ له فی تقریرا لوجه بما قررنا کما تری فاعرف ۱۲منه۔	اس سے مطلق توبہ کے لئے استغفار کی شرط کی بو تک محسوس نہیں ہوتی، اگر آپ گہری نظر سے دیکھیں تو اس میں آپ کوئی خلاف نہ پائیں گے کہ سچی استغفار کا وجود سچی ندامت کے بغیر نہیں ہوسکتا کیونکہ صحیح ندامت کو گناہ کا ختم کرنا اور اس کے ترک کا عزم لازم ہے اسی معنی میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح منقول ہے کہ ندامت توبہ ہے اس کے علاوہ ان کا مقصد پہلی امتوں پر لازم امور کی نسبت سے حصر کرنا ہے، پھر اس وجہ کی تقریر میں اس تمام بیان کا کوئی دخل نہیں ہے جس کی ہم نے تقریر کی جیسا کہ آپ اسے دیکھ رہے ہیں، غور کرو ۱۲منہ۔(ت)

[1] شرح الشفاء لعلی قاری علی ہامش نسیم الریاض، فصل فی اسمائہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۳، مرقات المفاتیح کتاب الفضائل باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۰/ ۵۰،۴۹

[2] القرآن الکریم ۹۳/ ۴

توبہ بے تقصیر میں ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [1] مطالع مع بعض زیادات منی

(۱۲) باب توبہ: انہیں کے امت کے آخر عہد میں باب توبہ بند ہوگا شرح الشفا للقاری [2]، اگلی نبوتوں میں اگر کوئی ایک نبی کے ہاتھ پر تائب نہ ہو تاکہ دوسرا نبی آئے اس کے ہاتھ پر توبہ لائے یہاں باب نبوت مسدود اور ختم ملّت پر توبہ مفقود، تو جو ان کے دستِ اقدس پر توبہ نہ لائے اس کے لئے کہیں توبہ نہیں [3] **افادہ الفاسی وبہ استقام کونہ من وجود التسمی بھٰذا الاسم العلی السمی۔**

(یہ فائدہ علامہ فاسی نے بیان کیا اور اس معنی کی بناء پر آپ کی ذات مبارکہ کا اس نام سے مسمّٰی ہونا درست ہے۔ت)

(۱۳) فاتح باب توبہ: وہ فاتح باب توبہ ہیں سب میں پہلے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توبہ کی وہ انہیں کے توسل سے تھی تو وہی اصل توبہ ہیں اور وہی وسیلہ توبہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مطالع [4]

(۱۴) کعب کا خون: وہ توبہ قبول کرنے والے ہیں ان کا دروازہ کرم توبہ و معذرت کرنے والوں کے لئے ہمیشہ مفتوح ہے جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون ان کے زمانہ نصرانیت میں مباح فرمادیا ہے ان کے بھائی بجیر بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لکھا **فطر الیہ فانہ لایرد من جاء تائبا** ان کے حضور اڑ کر آؤ جو ان کے سامنے توبہ کرتا حاضر ہو یہ اسے کبھی رد نہیں فرماتے [5] مطالع المسرات، اسی بناء پر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حاضر ہوئے راہ میں قصیدہ نعتیہ بانت سعاد نظم کیا جس میں عرض رسا ہیں:

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی　　　　والعفو عند رسول اللہ مامول

انی اتیت رسول اللہ معتذرا　　　　والعذر عند رسول اللہ مقبول [6]

مجھے خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے لئے سزا کا حکم فرمایا ہے اور رسول کے ہاں معافی کی امید کی جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور معذرت کرتا حاضر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

---

[1] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۱۰۲

[2] شرح الشفاء للعلی قاری علی ھامش نسیم الریاض فصل فی اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم، دار الفکر بیروت، ۲/ ۳۹۳

[3] مطالع المسرات ذکر اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ۱۰۱

[4] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۱۰۱

[5] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۱۰۲

[6] المجموعۃ النبہانیۃ فی المدائح النبویۃ قصیدہ بانت سعاد لکعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دار المعرفۃ، بیروت ۳/ ۶

بارگاہ میں عذر دولت قبول پاتا ہے۔

توراۃ مقدس میں ہے: **لایجزئ بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو ویغفر** [1]، احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدی کا بدلہ بدی نہ دیں گے بلکہ بخش دیں گے اور مغفرت فرمائیں گے **رواہ البخاری عن عبداللہ بن عمرو والدارمی وابن سعد وعساکر عن ابن عباس والاخیر عن عبداللہ بن سلام، وابن ابی حاتم عن وھب بن منبہ وابونعیم عن کعب الاحبار رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔**

اس کو بخاری نے عبداللہ بن عمرو اور دارمی، ابن سعد اور ابن عساکر نے ابن عباس سے اور آخری نے عبداللہ بن سلام سے، ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ سے اور ابونعیم نے کعب الاحبار رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا۔ت۔ وللہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے طیبہ ہیں عفو غفور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۱۵) نبی توبہ: اقول: وہ نبی توبہ ہیں، بندوں کو حکم ہے کہ ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توبہ واستغفار کریں اللہ تو ہر جگہ سنتا ہے، اس کا علم اس کا سمع اس کا شہود سب جگہ ایک سا ہے مگر حکم یہی فرمایا کہ میری طرف توبہ چاہو تو میرے محبوب کے حضور حاضر ہو۔ **قال تعالٰی:**

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا﴿۶۴﴾ [2]	اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے پاس حاضر ہو کر خدا سے بخشش چاہیں اور رسول ان کی مغفرت مانگے تو ضرور خدا کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

حضور کے عالم حیات ظاہری میں حضور ظاہر تھا، اب حضور مزار پُرانوار ہے اور جہاں یہ بھی میسر نہ ہو تو دل سے حضور پر نور کی طرف توجہ حضور سے توسل فریاد، استغاثہ، طلب شفاعت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اب بھی ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہیں، ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں:

روح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام [3]	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب کراھیۃ الصخب فی السوق، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۸۵، سنن دارمی باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دارالمحاسن بیروت ۱/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۴

[3] شرح شفاء للقاری علی ہامش نسیم الریاض، الباب الرابع من القسم الثانی، مطبعۃ الازہریۃ المصریۃ، مصر ۳/ ۴۶۴

(۱۶) وہ مفیض توبہ ہیں توبہ لیتے بھی یہی ہیں اور دیتے بھی یہی، یہ توبہ نہ دیں تو کوئی توبہ نہ کرسکے، توبہ ایک نعمتِ عظمٰی بلکہ اجل نعم ہے، اور نصوص متواترہ اولیائے کرام وعلمائے اعلام سے مبرہن ہوچکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیوی، ظاہری یا باطنی، روز اول سے اب تک، اب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت، آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا فاجر، ملک یا انسان، جن یا حیوان بلکہ تمام ماسوااللہ میں جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی اس کی کلی انہیں کے صبائے کرم سے کھلی اور کھلتی ہے اور کھلے گی، انہیں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے یہ سر الوجود واصل الوجود وخلیفۃ اللہ الاعظم وولی نعمت عالم ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا ابوالقاسم اللہ یعطی وانا اقسم ف[1] رواہ الحاکم فی المستدرک وصححہ واقرہ الناقدون۔	میں ابوالقاسم ہوں اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ (اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور تحقیق کرنے والوں نے اسے ثابت رکھا ہے۔ت)

ان کا رب اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰۷"[2]	ہم نے نہ بھیجا تمہیں مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس جانفزا وایمان افروز ودشمن گزا وشیطان سوز بحث کی تفصیل جلیل اور اس پر نصوص قاہرہ کثیرہ وافر کی تکثیر جمیل اپنے رسالہ مبارکہ **سلطنت المصطفٰی فی ملکوت الورٰی** ۱۲۹۷ھ میں ذکر کی **والحمدللہ رب العٰلمین**۔

(۱۷) اقول: وہ نبی توبہ ہیں کہ گناہوں سے ان کی طرف توبہ کی جاتی ہے توبہ میں انکا نام نامِ پاک نام جلالت حضرت عزت جلالہ کے ساتھ لیا جاتا ہے کہ میں اللہ ورسول کی طرف توبہ کرتا ہوں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم شریف میں ہے امّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کی:

یارسول اللہ اتوب الی اللہ والی رسولہ ماذا اذنبت[3]	یارسول اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا خطا ہوئی؟۔

[1] المستدرک للحاکم، کتاب التاریخ ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الفکر بیروت ۲/ ۶۰۴

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۷

[3] صحیح البخاری، کتاب النکاح باب ھل یرجع اذا رأی منکرًا فی الدعوۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۲/ ۷۷۸

ف: ہر نعمت ہر شخص کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملی اور ملتی ہے اور ملے گی۔

معجم کبیر میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے ابوبکر صدیق وعمر فاروق وغیرہما چالیس اجلّہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلا کر لرزتے کانپتے حضور سے عرض کی:

تبنا الی اللہ والٰی رسولہ[1]	ہم اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

فقیر نے یہ حدیثیں مع جلیل ونفیس بحثیں اپنے رسالہ مبارکہ الامن والعلٰی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء میں ذکر کیں۔

اقول: توبہ کے معنی ہیں نافرمانی سے باز آنا، جس کی معصیت کی ہے اس سے عہد اطاعت کی تجدید کرکے اسے راضی کرنا، اور نص قطعی قرآن سے ثابت کہ اللہ عزوجل کا ہر گنہگار حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا گنہگار ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"[2] ویلزمہ عکس النقیض من لم یطع اللہ لم یطع الرسول وھو معنی قولنا من عصی اللہ فقد عصی الرسول۔	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اس کو عکس نقیض، من لم یطع اللہ لم یطع الرسول، لازم ہے اور ہمارے قول "من عصی اللہ فقد عصی الرسول " کا یہی معنی ہے۔ (ت)

اور قرآن عظیم حکم دیتا ہے کہ اللہ ورسول کو راضی کرو۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾"[3] نسأل اللہ الایمان والامن والامان و رضاہ ورضی رسولہ الکریم علیہ وعلٰی اٰلہ الصلوٰۃ والتسلیم۔	سب سے زیادہ راضی کرنے کے مستحق اللہ ورسول ہیں اگر یہ لوگ ایمان رکھتے ہیں۔ ہم اللہ تعالٰی سے ایمان، امن وامان، اس کی رضا، اس کے رسول کریم کی رضا چاہتے ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (ت)

یہ نفیس فوائد کہ استطراداً زبان پر آگئے قابل حفظ ہیں کہ اس رسالے کے غیر میں نہ ملیں گے یوں تو ع

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۱۴۲۳، المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت، ۲/ ۹۵و۹۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

ہر گُلے را رنگ و بُوئے دیگر ست

(ہر پھول کا رنگ و خوشبو علیحدہ ہے۔ت)

مگر میں امید کرتا ہوں کہ فقیر کی یہ تین توجیہیں اخیر بحمد اللہ تعالٰی چیزے دیگر ہیں و باللہ التوفیق۔

توبہ قبول کرنے والے نبی:

امام احمد وابن سعد وابن ابی شیبہ اور امام بخاری تاریخ اور ترمذی شمائل میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، مدینہ طیبہ کے ایک راستے میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجھے ملے ارشاد فرمایا:

انا محمد وانا احمد وانا نبی الرحمۃ ونبی التوبۃ وانا المقفی وانا الحاشر ونبی الملاحم[1]	میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں رحمت کا نبی ہوں، میں توبہ کا نبی ہوں، میں سب میں آخر نبی ہوں، میں حشر دینے والا ہوں، میں جہادوں کا نبی ہوں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مالک لوائے احمد:

طبرانی معجم کبیر اور سعید بن منصور سنن میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا محمد وانا احمد وانا الحاشر الذی احشر الناس علٰی قدمی، وانا ماحی الذی یمحوا اللہ بی الکفر، فاذا کان یوم القیٰمۃ کان لواء الحمد معی، وکنت امام المرسلین وصاحب شفاعتھم[2]	میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں کہ لوگوں کو اپنے قدموں پر میں حشر دوں گا، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالٰی میرے سبب سے کفر کو محو فرماتا ہے، قیامت کے دن لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا، میں سب پیغمبروں کا امام اور ان کی شفاعتوں کا مالک ہوں گا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اسمائے طیبہ خاتم وعاقب ومقفی تو معنی ختم نبوت میں نص صریح ہیں، علماء فرماتے ہیں اسم پاک حاشر بھی اسی طرف ناظر۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

قال العلماء معناھما (ای معنی روایتی قدمی بالتثنیۃ والافراد) یحشرون علٰی	علماء نے فرمایا ان دونوں یعنی قدمی مفرد اور قدمی تثنیہ کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کا حشر میرے پیچھے

[1] شمائل الترمذی مع جامع الترمذی باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۵۹۷، مسند احمد بن حنبل، حدیث حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ۔ دار الفکر بیروت، ۵/ ۴۰۵

[2] المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث ۱۷۵۰، باب من اسمہ جابر بن عبداللہ۔ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت، ۲/ ۱۸۴

اثری وزمان نبوتی ورسالتی و لیس بعدی نبی[1]	میری رسالت و نبوت کے زمانہ میں ہوگا،اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

تیسیر میں ہے:

ای علی اثر نوبتی ای زمنھا ای لیس بعدہ نبی[2]	(یعنی میری نبوت کے زمانہ کے بعد یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ت)

جمع الوسائل میں ہے:

قال الجزری ای یحشر الناس علٰی اثر زمان نبوتی لیس بعدی نبی[3]	(جزری نے فرمایا یعنی لوگوں کا حشر میری نبوت کے زمانہ کے بعد ہوگا میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ت)

دس ۱۰ اسمائے مبارکہ:

ابن مردویہ تفسیر اور ابونعیم دلائل میں اور ابن عدی وابن عساکر ودیلمی حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لی عشرۃ اسماء عند ربی انا محمد واحمد والفاتح والخاتم وابو القاسم والحاشر والعاقب والماحی ویس وطٰہٰ[4]	میرے رب کے یہاں میرے دس نام ہیں، محمد و احمد وفاتح عالم ایجاد وخاتم نبوت وابوالقاسم وحاشر وآخر الانبیاء وماحی کفر ولیس وطٰہٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

ابن عدی کامل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ان لی عند ربی عشرۃ اسماء میرے رب کے پاس میرے لیئے دس نام ہیں،ازانجملہ محمد واحمد وماحی وحاشر وعاقب یعنی خاتم الانبیاء ورسول الرحمۃ ورسول التوبہ ورسول الملاحم ذکر کرکے فرمایا: وانا المقفی قفیت النبیین عامۃ وانا

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم ،باب فی اسمائہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۲۶۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان لی اسماء ،مکتبہ امام شافعی الریاض،۱/ ۳۴۳

[3] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دارالمعرفۃ بیروت،۲/ ۱۸۲

[4] الکامل فی ضعفاء،ترجمہ سیف بن وہب ،دارالفکر بیروت،۳/ ۱۲۷۳،دلائل النبوۃ لابی نعیم ،الفصل الثالث ،عالم الکتب بیروت ،ص ۱۲،تہذیب تاریخ ابن عساکر ،باب معرفۃ اسمائہ الخ داراحیاء التراث العربی ،بیروت،۱/ ۲۷۵

قثم [1] (میں مقفی ہوں کہ تمام پیغمبروں کے بعد آیا اور میں کامل جامع ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔)

تنبیہ: یہ حدیث ابن عدی نے مولٰی علی وام المؤمنین صدیقہ واسامہ بن زید وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایت کی،

کما فی مطالع المسرات فان کان کلھا عاقب او مقف ونحوھما کانت خمسۃ احادیث۔	(جیسا کہ مطالع المسرات میں ہے تو اگر تمام میں عاقب یا مقف وغیرہما ہوں تو پانچ احادیث ہوئیں۔ت)

الحاشر و العاقب:

حاکم مستدرک میں بافادہ تصحیح حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کنیسہ یہود میں تشریف لے گئے، میں ہمرکاب تھا، فرمایا، اے گروہ یہود! مجھے بارہ آدمی دکھاؤ جو گواہی دینے والے ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اللہ عزوجل سب یہود سے اپنا غضب (یعنی جس میں وہ زمانہ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گرفتار ہیں کہ "وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ" [2] (اور خدا کے غضب میں لوٹے تو غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے۔ت) اٹھالے گا، یہود سن کر چپ رہے کسی نے جواب نہ دیا۔ حضور نے فرمایا:

ابیتم فواللہ لانا الحاشروانا العاقب وانا النبی المصطفٰی اٰمنتم اوکذبتم [3]	تم نے نہ مانا خدا کی قسم بیشک میں حاشر ہوں اور میں خاتم الانبیاء ہوں اور میں نبی مصطفٰی ہوں خواہ تم مانو یا نہ مانو۔

رسول جہاد:

ابن سعد مجاہد مکی سے مرسلاً راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا محمد واحمد انا رسول الرحمۃ انا الملحمۃ انا المقفی والحاشر [4]	میں محمد واحمد ہوں، میں رسول رحمت ہوں، میں رسول جہاد ہوں، میں خاتم الانبیا ہوں، میں لوگوں کو حشر دینے والا ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

---

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ وہب بن وہب بن خیر بن عبداللہ بن زہیر، دارالفکر بیروت، ۷/ ۲۵۲۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۶۱و۹۰

[3] المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، مطبع دارالفکر بیروت، ۳/ ۴۱۵

[4] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر اسماء الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارصادر، بیروت، ۱/ ۱۰۵

نوع اُخر:

"هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ" [1]

وہی ہیں اوّل وہی ہیں آخر وہی ہیں باطن وہی ہیں ظاھر

انہیں سے عالم کی ابتدا ہے وہی رسولوں کی انتہا ہیں

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نحن الاٰخرون السابقون یوم القٰیمۃ [2]	ہم زمانے میں سب سے پچھلے اور قیامت میں سب سے اگلے ہیں۔

مسلم وابن ماجہ ابوہریرہ وحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نحن الاٰخرون من اهل الدنیا والاولون یوم القٰیمۃ المقضی لهم قبل الخلائق [3]۔	ہم دنیا میں سب کے بعد اور آخرت میں سب پر سابق ہیں، تمام جہان سے پہلے ہمارے لئے حکم ہوگا۔

دارمی ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الله ادرك بی الاجل المرجو واختارنی اختیارا فنحن الاٰخرون ونحن السابقون یوم القٰیمۃ [4]۔	بیشک اللہ نے مجھے مدّت اخیر وزمانہ انتظار پر پہنچایا اور مجھے چن کر پسند فرمایا تو ہمیں سب سے پچھلے اور ہمیں روز قیامت سب سے اگلے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

اس حدیث میں نسخ مختلف ہیں بعض میں یوں ہے:

ان الله ادرك بی الاجل المرحوم ،و	مجھے اللہ عزوجل نے محض رحمت کے وقت پہنچایا اور

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۳

[2] صحیح البخاری، کتاب الجمعه، باب فرض الجمعه، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۱۲۰، صحیح مسلم، کتاب الجمعه، باب فضیلة یوم الجمعة، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۲۸۲

[3] صحیح مسلم، کتاب الجمعه، باب فضیلة یوم الجمعة، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۲۸۲

[4] کنز العمال بحواله الدارمی، حدیث ۳۲۰۸۰، موسسة الرسالة، بیروت، ۱۱/ ۴۴۲

اختصر لی اختصارا [1]۔	مجھے اللہ عزوجل نے محض رحمت کے وقت پہنچایا اور میرے لئے کمال اختصار فرمایا۔

اس اختصار کی شرح و تفسیر پانچ وجہ منیر پر فقیر نے ۱۳۰۵ھ میں اپنے رسالہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین میں بیان کی۔

آخر زمان اور اولین یوم قیامت:

اسحٰق بن راہویہ مسند اور ابوبکر ابن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم مصنف میں مکحول سے راوی، امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک یہودی پر کچھ آتا تھا لینے کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:

لا والذی اصطفٰی محمدا علی البشر لا افارقك	قسم اس کی جس نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام آدمیوں سے برگزیدہ کیا میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔

یہودی بولا: واللہ! خدا نے انہیں تمام بشر سے افضل نہ کیا، امیر المؤمنین نے اسے تمانچہ مارا، وہ بارگاہ رسالت میں نالشی آیا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! تم اس تمانچہ کے بدلے اسے راضی کردو (یعنی ذمی ہے) اور ہاں اے یہودی! آدم صفی اللہ، ابراہیم خلیل اللہ، نوح نجی اللہ، موسٰی کلیم اللہ، عیسٰی روح اللہ ہیں وانا حبیب اللہ اور میں اللہ کا پیارا ہوں، ہاں اے یہودی! اللہ نے اپنے دو ناموں پر میری امت کے نام رکھے اللہ سلام ہے اور میری امت کا نام مسلمین رکھا اور اللہ مومن ہے اور میری امت کو مومنین کا لقب دیا، ہاں اے یہودی! تم زمانہ میں پہلے ہو ونحن الاٰخرون السابقون یوم القٰیمۃ اور ہم زمانے میں بعد اور روز قیامت میں سب سے پہلے ہیں، ہاں ہاں جنت حرام ہے انبیاء پر جب تک میں اس میں جلوہ افروز نہ ہوؤں اور حرام ہے امتوں پر جب تک میری امت نہ داخل ہو [2] صلی اللہ تعالٰی علیك وعلیھم وسلم۔

دریائے رحمت:

بیہقی شعب الایمان میں ابو قلابہ سے مرسلاً راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: انما بعثت فاتحا وخاتما [3] میں بھیجا گیا دریائے رحمت کھولتا اور نبوت و رسالت ختم کرتا ہوا۔

آخرین بعثت:

ابن ابی حاتم و بغوی و ثعلبی تفاسیر اور ابو اسحٰق جوزجانی تاریخ اور ابو نعیم دلائل میں بطریق عدیدہ عن قتادۃ عن الحسن عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مسنداً اور

---

[1] سنن الدارمی باب ۸، ما اعطی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الفضل، دار المحاسن، للطباعۃ مصر، ۱/ ۳۲

[2] المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، حدیث ۱۱۸۵۱، ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی، ۱۱/ ۵۱۱

[3] بیہقی شعب الایمان، حدیث ۵۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۴/ ۳۰۸

ابن سعد طبقات اور ابن لال مکارم الاخلاق میں قتادہ سے مرسلًا راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آیہ کریمہ "وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ" کی تفسیر میں فرمایا:

کنت اول النبیین فی الخلق واٰخرھم فی البعث[1]	میں سب نبیوں سے پہلے پیدا ہوا اور سب کے بعد بھیجا گیا۔

قتادہ نے کہا: فبداء بی قبلھم۔ اسی لئے رب العزت تبارک وتعالٰی نے آیہ کریمہ میں انبیائے سابقین سے پہلے حضور پر نور کا نام پاک لیا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تذییل:

ابو سہل قطان اپنے امالی میں سہل بن صالح ہمدانی سے راوی، میں نے حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توسب انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے حضور کو سب پر تقدم کیونکر ہوا، فرمایا:

ان اللہ تعالٰی لما اخذ من بنی اٰدم من ظھور ھم ذریاتھم واشھدھم علٰی انفسھم الست بربکم کان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول من قال بلٰی ولذٰلک صار یتقدم الانبیاء وھو اٰخر یبعث[2]	جب اللہ تعالٰی نے آدمیوں کی پیٹھوں سے ان کی اولادیں روز میثاق نکالیں اور انہیں خود ان پر گواہ بنانے کو فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں، تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کلمہ بلٰی عرض کیا کہ ہاں کیوں نہیں، اس وجہ سے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو سب انبیاء پر تقدم ہوا حالانکہ حضور سب کے بعد مبعوث ہوئے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

حضرت فاروق کا طریق نداوخطاب بعدازوصال:

شفا شریف امام قاضی عیاض واحیاء العلوم امام حجۃ الاسلام ومدخل امام ابن الحاج واقتباس الانوار علامہ ابوعبداللہ محمد بن علی رشاطی وشرح البردہ ابوالعباس قصار و مواہب لدنیہ امام قسطلانی وغیرہا کتب معتمدین میں ہے امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعد وفات

---

[1] تفسیر ابن ابی حاتم تحت آیۃ واذ اخذنا من النبیین الخ حدیث ۱۷۵۹۴ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ المکرمۃ ۹/ ۳۱۱۶، تفسیر نبوی المعروف معالم التنزیل علی ہامش الخازن، تحت آیۃ واذا خذنا من النبیین الخ مصطفی البابی الحلبی مصر ۵/ ۲۳۲

[2] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی سہل باب خصوصیۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکونہ اول النبیین فی الخلق، دار الکتب الحدیثہ بعابدین ۱/ ۹

حضور سید الکائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات جو فضائل عالیہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور کو ندا و خطاب کرکے عرض کئے ہیں انہیں میں گزارش کرتے ہیں:

بابی انت وامّی یارسول اللہ لقد بلغ من فضیلتك عند اللہ ان بعثك اٰخر الانبیاء وذکرك فی اولهم، فقال اللہ تعالٰی "وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ"[1] الاٰیۃ۔	یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان حضور کی فضیلت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس حد کو پہنچی کہ حضور کو تمام انبیاء کے بعد بھیجا اور ان سب سے پہلے ذکر فرمایا کہ فرماتا ہے اور یاد کر جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور تجھ سے اے محبوب اور نوح وابراہیم و موسٰی و عیسٰی بن (مریم سے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔)

حضرت جبرائیل سلام کہتے ہیں:

علامہ محمد بن احمد بن محمد بن محمد بن ابی بکر بن مرزوق تلمسانی شرح شفاء شریف میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جبریل نے حاضر ہو کر مجھے یوں سلام کیا: السلام علیك یا ظاهر، السلام علیك یا باطن۔ میں نے فرمایا: اے جبریل! یہ صفات تو اللہ عزوجل کی ہیں کہ اسی کو لائق ہیں مجھ سی مخلوق کی کیونکر ہوسکتی ہیں، جبریل نے عرض کی، اللہ تبارک وتعالٰی نے حضور کو ان صفات سے فضیلت دی اور تمام انبیاء و مرسلین پر ان سے خصوصیت بخشی اپنے نام وصف سے حضور کے نام وصف مشتق فرمائے۔

وسماك بالاوّل لانك اول الانبیاء خلقا وسماك بالاٰخر لانك اٰخر الانبیاء فی العصور خاتم الانبیاء الی اٰخر الامم۔	حضور کا اول نام رکھا کہ حضور سب انبیاء سے آفرینش میں مقدم ہیں اور حضور کا آخر نام رکھا کہ حضور سب پیغمبروں سے زمانے میں مؤخر و خاتم الانبیاء و نبی امت آخرین ہیں۔

باطن نام رکھا کہ اس نے اپنے نام پاک کے ساتھ حضور کا نام نامی سنہرے نور سے ساقِ عرش پر آفرینش آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو ہزار برس پہلے ابد تک لکھا پھر مجھے حضور پر درود بھیجنے کا حکم دیا میں نے حضور پر ہزار سال درود بھیجا اور ہزار سال بھیجا یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو مبعوث کیا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور جگمگاتا سورج۔

[1] المواہب اللدنیہ، باب وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتب الاسلامی، بیروت، ۴/ ۵۵۵

حضور کو ظاہر نام عطا فرمایا کہ اس نے حضور کو تمام دینوں پر ظہور وغلبہ دیا اور حضور کی شریعت وفضیلت کو تمام اہلِ سماوات وارض پر ظاہر وآشکارا کیا تو کوئی ایسا نہ رہا جس نے حضور پر نور پر درود نہ بھیجا ہو، اللہ حضور پر درود بھیجے۔

فربك محمود وانت محمد وربك الاول والاٰخر والظاھر والباطن وانت الاول والاٰخر والظاھر والباطن۔	پس حضور کا رب محمود ہے اور حضور محمد، حضور کا رب اول وآخر وظاہر وباطن ہے اور حضور اول وآخر وظاہر وباطن ہیں۔

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمدلله الذی فضلنی علی جمیع النبیین حتی فی اسمی وصفتی۔ ذکرہ القاری فی شرح الشفاء فقال قد روی التلمسانی عن ابن عباس[1] الخ۔ **اقول:** ظاھرہ انه اخرجه بسندہ فان الاسناد ماخوذ فی مفهوم الروایة کما قاله الزرقانی فی شرح المواھب ولعل الظاھر ان فیه تجریدا والمراد اورد وذکر الله تعالٰی اعلم۔	سب خوبیاں اللہ عزوجل کو جس نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی یہاں تک کہ میرے نام وصفت میں، علی قاری نے شرح شفاء میں اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ تلمسانی نے ابن عباس سے روایت کیا الخ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کو انہوں نے اپنی سند کے ساتھ تخریج کیا ہے کہ اسناد روایت کے مفہوم میں ماخوذ ہے جیسا کہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا ہوسکتا ہے کہ ظاہر اس میں تجرید ہو (اسناد ماخوذ نہ ہو) اور صرف وارد کرنا اور ذکر کرنا مراد ہو۔ (ت)

نوع آخر خصوص نصوص ختم نبوت:

صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا وارسلت الی	میں تمام انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دیا گیا، مجھے جامع باتیں عطا ہوئیں اور مخالفوں کے دل میں میرا رعب ڈالنے سے میری مدد کی گئی اور میرے لئے غنیمتیں حلال ہوئیں اور میرے لئے زمین پاک

[1] شرح الشفاء لعلی قاری علی ہامش نسیم الریاض فصل فی اسماء رسول اللہ الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۵

الخلق کافۃ وختم بی النبیون [1]	کرنے والی اور نماز کی جگہ قرار دی گئی اور میں تمام جہان سب ماسوی اللہ کا رسول ہُوا اور مجھ سے انبیاء ختم کئے گئے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

خاتم النبیین:

دارمی اپنی سنن میں بسند صحیح اور بخاری تاریخ اور طبرانی اوسط اور بیہقی سنن میں اور ابونعیم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا قائد المرسلین ولا فخر، وانا خاتم النبیین ولا فخر، وانا شافع ومشفع ولا فخر [2]	میں تمام رسولوں کا پیش رو ہوں اور بطور فخر نہیں کہتا، میں تمام پیغمبروں کا خاتم ہوں اور بطور فخر نہیں کہتا اور میں سب سے پہلی شفاعت کرنے والا اور سب سے پہلا شفاعت قبول کیا گیا ہوں اور بروجہ فخر ارشاد نہیں کرتا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

احمد وحاکم وبیہقی وابن حبان عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انی مکتوب عنداللہ فی ام الکتاب لخاتم النبیین وان اٰدم لمنجدل فی طینتہ [3]	بیشک بالیقین میں اللہ کے حضور لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا تھا اور ہنوز آدم اپنی مٹی میں پڑے تھے۔

آدم سروتن بآب وگل داشت

کو حکم بملک جان ودل داشت

(حضرت آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں ہی تھے جبکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بحکم خداوندی جان ودل سے سرفراز تھے۔ت)

لوح محفوظ پر شہادت ختم نبوت:

مواہب لدنیہ ومطالع المسرات میں ہے:

اخرج مسلم فی صحیحہ من حدیث عبداللہ بن عمر وبن العاص عن النبی صلی	یعنی صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب مواضع الصلٰوۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۱۹۹

[2] سنن الدارمی، حدیث ۵۰، باب ما اعطی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الفضل دارالمحاسن قاہرہ مصر، ۱/ ۳۱

[3] المستدرک کتاب التاریخ، ذکر اخبار سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالفکر بیروت، ۲/ ۶۰۰، کنزالعمال حدیث ۳۲۱۱۴، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۱/ ۴۴۹

اللہ تعالٰی علیہ وسلّم انہ قال ان اللہ عزوجل کتب مقادیر الخلق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنۃ فکان عرشہ علی الماء ، ومن جملۃ ما کتب فی الذکر وھو ام الکتاب ان محمدا خاتم النبیین۔	وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے زمین وآسمان کی آفرینش سے پچاس ہزار برس پہلے خلق کی تقدیر لکھی اور اس کا عرش پانی پر تھا منجملہ ان تحریرات کے لوح محفوظ میں لکھا بیشک محمد خاتم النبیین ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔
ثم قال بعد ھذا فی المواھب وعن العرباض بن ساریۃ[1] ، فذکر الحدیث المذکور اٰنفا و قال بعدہ فی المطالع وغیر ذٰلک من الاحادیث[2] ، اھ وقال الزرقانی بعد قولہ ان محمدا خاتم النبیین فان قیل الحدیث یفید سبق العرش علی التقدیر وعلٰی کتابۃ محمد خاتم النبیین[3] الخ فافادوا جمیعا انہ بتمامہ حدیث واحد مخرج ھٰکذا فی صحیح مسلم والعبد الضعیف راجع الصحیح من کتاب القدر فلم یجد فیہ الا الٰی قولہ وکان عرشہ علی الماء وبھٰذا القدر عزاہ لہ فی المشکوٰۃ والجامع الصغیر والکبیر وغیرھا فاللہ اعلم۔	پھر اس کے بعد مواہب میں فرمایا اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے ابھی مذکور حدیث کو ذکر کیا اور اس کے بعد مطالع المسرات میں فرمایا اس کے علاوہ احادیث میں ہے اھ ، اور علامہ زرقانی نے اپنے قول " تحقیق محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں " کے بعد فرمایا اگر اعتراض ہو کہ حدیث سے عرش کی تخلیق ، تقدیر اور محمد خاتم النبیین لکھنے سے قبل کا فائدہ دے رہی ہے الخ ، تو ان سب نے افادہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب ایک حدیث ہے جس کو صحیح مسلم میں تخریج کیا ہے جبکہ اس عبد ضعیف نے صحیح مسلم کی کتاب القدر کو دیکھا تو اس میں صرف ان کا قول یہ پایا " وکان عرشہ علی الماء " اس کا عرش پانی پر تھا " اور اسی قدر کو مشکوٰۃ میں صحیح مسلم وجامع صغیر وکبیر وغیرہما کی طرف منسوب کیا ہے تو اللہ تعالٰی زیادہ علم والا ہے۔

[1] المواہب اللدنیۃ ، باب سبق نبوتہ ، المکتب الاسلامی ، بیروت ، ۱/ ۵۷ ، مطالع المسرات ، مکتبہ نوریہ رضویہ ، فیصل آباد ، ص ۹۸

[2] مطالع المسرات ، مکتبہ نوریہ رضویہ ، فیصل آباد ، ص ۹۸

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ ، المقصد الاول ، دار المعرفۃ ، بیروت ، ۱/ ۳۱

عمارت نبوت کی آخری اینٹ:

احمد و بخاری و مسلم وترمذی حضرت جابر بن عبداللہ اور احمد و شیخین حضرت ابوہریرہ اور احمد و مسلم حضرت ابو سعید خدری اور احمد وترمذی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بالفاظ متناسبہ و معانی متقاربہ راوی حضور خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثلی و مثل الانبیاء کمثل قصرا حسن بنیانہ ترک منہ موضع لبنۃ فطاف بہ النظار یتعجبون من حسن بنیانہ الاموضع تلك اللبنۃ فکنت انا سددت موضع اللبنۃ ختم بی البنیان وختم بی الرسل [1]،وفی لفظ للشیخین فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین [2]	میری اور تمام انبیاء کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک محل نہایت عمدہ بنایا گیا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی، دیکھنے والے اس کے آس پاس پھرتے اور اس کی خوبی تعمیر سے تعجب کرتے مگر وہی ایک اینٹ کی جگہ کہ نگاہوں میں کھٹکتی، میں نے تشریف لا کر وہ جگہ بند کی، مجھ سے یہ عمارت پوری کی گئی، مجھ سے رسولوں کی انتہا ہوئی، میں عمارت نبوت کی وہ پچھلی اینٹ ہوں، میں تمام انبیاء کا خاتم ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

امام ترمذی حکیم عارف باللہ محمد بن علی نوادر الاصول میں سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اول الرسل اٰدم و اٰخرھم محمد [3] سب رسولوں میں پہلے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور سب میں پچھلے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سوسمار کی گواہی:

طبرانی معجم اوسط و معجم صغیر اور ابن عدی کامل اور حاکم کتاب المعجزات اور بیہقی وابو نعیم کتاب دلائل النبوۃ اور ابن عساکر تاریخ میں امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجمع اصحاب میں تشریف فرما تھے کہ ایک بادیہ نشین قبیلہ بنی سلیم کا آیا سوسمار شکار کرکے لایا تھا وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ متفق علیہ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطبع مجتبائی دہلی، ص ۵۱۱

[2] صحیح البخاری، باب خاتم النبیین، قدیمی کتب، کراچی۔ ۱/ ۵۰۱، صحیح مسلم، باب ذکر کونہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین، قدیمی کتب خانہ، کراچی ۲/ ۲۴۸

[3] نوادر الاصول حکیم ترمذی

ڈال دیا اور بولا قسم ہے لات وعزّٰی کی وہ شخص آپ پر ایمان نہ لائے گا جب تک یہ سوسمار ایمان نہ لائے، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جانور کو پکارا وہ فصیح زبان روشن بیان عربی میں بولا جسے سب حاضرین نے خوب سنا اور سمجھا:

لبّیك وسعدیك یا زین من وافی یوم القیٰمة۔	میں خدمت وبندگی میں حاضر ہوں اے تمام حاضرین مجمع محشر کی زینت۔

حضور نے فرمایا: من تعبد تیرا معبود کون ہے؟ عرض کی:

الذی فی السماء عرشه وفی الارض سلطانه وفی البحر سبیله وفی الجنة رحمته وفی النار عذابه۔	وہ جس کا عرش آسمان میں اور سلطنت زمین میں اور راہ سمندر میں رحمت جنت میں اور عذاب نار میں۔

فرمایا: من انا بھلا میں کون ہوں؟ عرض کی:

انت رسول رب العٰلمین وخاتم النبیین قد افلح من صدقك وقد خاب من کذبك۔	حضور پروردگارِ عالم کے رسول ہیں اور رسولوں کے خاتم، جس نے حضور کی تصدیق کی وہ مراد کو پہنچا اور جس نے نہ مانا نامراد رہا۔

اعرابی نے کہا اب آنکھوں دیکھے کے بعد کیا شبہہ ہے، خدا کی قسم میں جس وقت حاضر ہوا حضور سے زیادہ اس شخص کو دشمن کوئی نہ تھا اور اب حضور مجھے اپنے باپ اور اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں اشھد ان لا الٰه الا الله وانّك رسول الله [1] (میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ت) یہ مختصر ہے اور حدیث میں اس سے زیادہ کلام اطیب واکثر۔

یہ حدیث امیر المؤمنین مولٰی علی وام المؤمنین عائشہ صدیقہ وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایات سے بھی آئی۔

کما فی الجامع الکبیر والخصائص الکبرٰی ولم اقف علی الفاظھم فان اشتملت جمیعا علی لفظ خاتم النبیین کانت اربعة احادیث۔	جیسا کہ جامع کبیر اور خصائص کبرٰی میں ہے میں نے ان کے الفاظ نہ پائے اگر ان سب کے الفاظ خاتم النبیین کے لفظ پر مشتمل ہوں تو یہ چار احادیث ہوئیں۔

[1] دلائل النبوة لابی نعیم، ذکر الظبی والضّب، عالم الکتب، بیروت، ۲/ ۱۳۴

تذییل: ترمذی حدیث طویل حلیہ اقدس میں امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی کہ انہوں نے فرمایا: بین کتفیہ خاتم النبوۃ وھو خاتم النبیین[1] حضور کے دونوں شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہے اور حضور خاتم النبیین ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

تذییل: طبرانی معجم اور ابو نعیم عوالی سعید بن منصور میں امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے درود شریف کا ایک صیغہ بلیغہ راوی جس میں فرماتے ہیں:

اجعل شرائف صلوٰتك ونوامی برکاتك ورأفة تحنّنك علٰی محمد عبدك ورسولك الخاتم لماسبق والفاتح لما اغلق[2]	الٰہی! اپنی بزرگ درودیں اور بڑھتی برکتیں اور رحمت کی مہر نازل کر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر کہ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں، گزروں کے خاتم اور مشکلوں کے کھولنے والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نوع آخر ف نبوت گئی، نبوت منقطع ہوئی، جب سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نبوت ملی کسی دوسرے کو نہیں مل سکتی۔

ولا نبی بعدی:

صحیح بخاری شریف میں مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلك نبی خلفه نبی ولا نبی بعدی[3]	انبیاء بنی اسرائیل کی سیاست فرماتے، جب ایک نبی تشریف لے جاتا دوسرا اس کے بعد آتا، میرے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

احمد و ترمذی و حاکم بسند صحیح بر شرط صحیح مسلم کما قاله الحاکم واقره الناقدون (جیسے حاکم نے کہا ہے اور محققین نے اسے ثابت رکھا ہے) حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الرسالة والنبوۃ قد انقطعت	بیشک رسالت و نبوت ختم ہو گئی اب میرے بعد

[1] جامع ترمذی ابواب المناقب، باب ماجاء فی صفة النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۲۰۵

[2] المعجم الاوسط، حدیث ۹۰۸۵، مکتبۃ المعارف الریاض، ۱۰/ ۳۶

[3] صحیح بخاری کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۴۹۱

ف: نوع چہارم نبوت منقطع ہوئی اب کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

فلا رسول بعدی ولا نبی[1]	نہ کوئی رسول نہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات الرؤیا الصالحۃ[2]	نبوت سے کچھ باقی نہ رہا صرف بشارتیں باقی ہیں اچھی خوابیں۔

طبرانی معجم کبیر میں حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذهبت النبوة فلا نبوة بعدی الا المبشرات الرؤيا الصالحة یراها الرجل او ترٰی له[3]	نبوت گئی اب میرے بعد نبوت نہیں مگر بشارتیں ہیں اچھا خواب کہ انسان آپ دیکھے یا اس کے لئے دیکھا جائے۔

احمد وابنائے ماجہ وخزیمہ وحبان حضرت ام کرز رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند حسن راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذهبت النبوة وبقيت المبشرات[4]	نبوت گئی اور بشارتیں باقی ہیں۔

صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے مرض مبارک میں جس میں وصال اقدس واقع ہوا پردہ اٹھایا سر انور پر پٹی بندھی تھی لوگ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پیچھے صف بستہ تھے حضور نے ارشاد فرمایا:

یا ایها الناس انه لم یبق من مبشرات النبوة الا الرؤیا الصالحة یراها المسلم او تری له[5]	اے لوگو! نبوت کی بشارتوں سے کچھ نہ رہا مگر اچھا خواب کہ مسلمان دیکھے یا اس کے لئے دوسرے کو دکھایا جائے۔

[1] جامع الترمذی، ابواب الرؤیا، باب ذهبت النبوة الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۲/ ۵۱
[2] صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب مبشرات، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۲/ ۱۰۳۵
[3] المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث ۳۰۵۱، مکتبة الفیصلیه، بیروت، ۳/ ۱۷۹
[4] سنن ابن ماجه، ابواب تعبیر الرؤیا، باب الرؤیا الصالحة، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۲۸۶
[5] سنن ابن ماجه، ابواب تعبیر الرؤیا، باب الرؤیا الصالحة، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۸۷۔۲۸۶

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر ہوتے:

احمد وترمذی وحاکم بتصحیح ورؤیانی وطبرانی وابویعلٰی حضرت عقبہ بن عامر اور طبرانی وابن عساکر اور خطیب کتاب رواۃ مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر اور طبرانی حضرت عصمہ بن مالک و حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب [1]	اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

تذییل: صحیح بخاری شریف میں اسمٰعیل بن ابی خالد سے ہے:

قلت لعبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما أرأیت ابراھیم ابن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال مات صغیرا ولو قضی ان یکون بعد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی عاش ابنہ ولکن لانبی بعدہ [2]	میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے پوچھا آپ نے حضرت ابراہیم صاحبزادہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا تھا، فرمایا ان کا بچپن میں انتقال ہوا اور اگر مقدر ہوتا کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو حضور کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے، مگر حضور کے بعد نبی نہیں۔

امام احمد کی روایت انہیں سے یوں ہے میں نے حضرت ابن ابی اوفٰی کو فرماتے سنا:

لوکان بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی مامات ابنہ ابراھیم [3]	اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضور کے صاحبزادے انتقال نہ فرماتے۔

تذییل: امام ابوعمر ابن عبدالبر بطریق اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی انہوں نے فرمایا:

کان ابراھیم قد ملأ المھد ولو عاش لکان نبیا لکن لم یکن لیبقی فان نبیکم اٰخر الانبیاء [4]	حضرت ابراہیم اتنے ہوگئے تھے کہ ان کا جسم مبارک گہوارے کو بھر دیتا اگر زندہ رہتے نبی ہوتے مگر زندہ نہ رہ سکتے تھے کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں۔

---

[1] جامع الترمذی، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۲۰۹

[2] صحیح البخاری، کتاب الآداب، باب من سمی باسماء الانبیاء، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۹۱۴

[3] مسند امام احمد بن حنبل، بقیہ حدیث حضرت عبداللہ ابن اوفٰی، دارالفکر بیروت، ۴/ ۳۵۳

[4] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ، بحوالہ اسماعیل بن عبدالرحمن عن انس، المقصد الثانی، دارالمعرفۃ بیروت، ۳/ ۱۶۔۲۱۵

فائدہ: ف اس کی اصل متعدد احادیث مرفوعہ سے ہے، ماوردی حضرت انس اور ابن عساکر حضرات جابر بن عبداللہ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا[1] وبه انجلى ما اشتبه على الامام النووى مع جلالة شانه،وسعة عرفانه.اما ما قال الامام ابوعمر بن عبدالبر لاادرى ما هذا فقد كان ابن نوح غير نبى ولو لم يلد النبى الا نبيا كان كل احد نبيا لانهم من ولد نوح قال الله تعالٰى "وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ"[2] فاجابوا عنه بان الشرطية لا يلزمها الوقوع **اقول:** نعم لكنها لا شك تفيد الملازمة فان كانت مبينة على ان ابن نبى لايكون الا نبيا لزم ما الزم ابو عمرو لا مفر فالحق فى الجواب ما **اقول:** من عدم صحة قياس الانبياء السابقين وبنيهم على نبينا سيد المرسلين وبنيه صلى الله تعالٰى عليه وعليهم وسلم فلو استحق ابنه بعده النبوة لا يلزم منه استحقاق	(اگر ابراہیم زندہ رہتا تو صدیق پیغمبر ہوتا) اس سے امام نووی کو در پیش ہونے والا اشتباہ ختم ہوگیا، باوجودیکہ ان کی شان اجل ہے اور ان کا عرفان وسیع ہے لیکن امام ابو عمر بن عبدالبر نے جو یہ فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا، حالانکہ نوح علیہ السلام کے بیٹے نبی نہ ہوئے، اور اگر یہ ہوتا کہ نبی سے نبی ہی پیدا ہو تو ہر ایک نبی ہوتا کیونکہ وہ بھی تو نوح علیہ السلام کی اولاد تھے، کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہم نے اس کی ذریت کو ہی باقی رکھا، اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ کسی شرطیہ قضیہ کو وقوع لازم نہیں ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہاں درست ہے لیکن بے شک شرطیہ، ملازمہ کا فائدہ ضرور دیتا ہے اگر یہ قضیہ شرطیہ اس معنی پر مبنی ہو کہ نبی کا بیٹا ضرور نبی ہی ہوتا ہے تو ابو عمر کا الزام لازم آئے گا جس سے مفر نہیں ہے تو جواب میں حق وہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں کہ انبیاء سابقین اور ان کے بیٹوں کا قیاس ہمارے نبی سید المرسلین اور ان کے صاحبزادوں پر درست نہیں، اللہ تعالٰی ہمارے نبی اور سب انبیاء پر درود وسلام

ف: حديث ولو عاش ابراهيم لكان نبيا[3] والبحث عليه۔	**حدیث** "اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے" کی تحقیق اور اس پر بحث سے متعلق یہ فائدہ ہے (ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ الماوردی عن انس وابن عساکر حدیث ۳۳۲۰۴ موسسۃ الرسالۃ، بیروت،۱۱/ ۴۶۹

[2] الاسرار المرفوعہ بحوالہ ابن عبدالبر فی التمہید، حدیث ۷۴۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ص ۱۹۱

[3] تہذیب تاریخ ابن عساکر، باب ذکر بنیہ وبناتہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ۲۹۵

ابناء الانبیاء جمیعا ھکذا رأیتنی کتبت علی ھامش نسختی التیسیر ثم رأیت العلامۃ علی القاری ذکر مثلہ فی الموضوعات الکبیر فللّٰہ الحمد	فرمائے پھر اگر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بیٹا نبوت کا مستحق ٹھہرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی تمام انبیا کے بیٹے بھی نبوت کے مستحق ہوں، میں نے اپنی تیسیر کے نسخے پر یونہی حاشیہ لکھا بعد ازاں میں نے علامہ ملا قاری کو موضوعات کبیر میں اسی طرح ذکر کرتے ہوئے پایا **فللّٰہ الحمد**۔
وقد اخرج الدیلمی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسو ل اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نحن اھل بیت لا یقاس بنا احد[1]. علی انی **اقول**: لا نسلم ان الحدیث یحکم بالنبوۃ بل انبأ عما تکامل فی جوھر ابراہیم من خصائل الانبیاء و خلال المرسلین بحیث لو لم ینسدّ باب النبوۃ لنا لکان نبیا تفضلا من اللہ لا استحقاقا منہ فان النبوۃ لا یستحقھا احد من قبل ذات لکن اللہ تعالٰی یصطفی من عبادہ من تم و کمل صورۃ ومعنی ونسبا وحسبا وبلغ الغایۃ القصوی من کل خیر. اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ فاذن الحدیث علی وزان مامر لو کان بعدی نبی لکان عمر[2]. واللہ تعالٰی اعلم۔	دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہم اہلبیت پر کسی کو قیاس نہ کیا جائے۔علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ مذکورہ حدیث نبوت کا حکم بیان کر رہی ہے، یہ بات ہمیں تسلیم نہیں، بلکہ حدیث مذکور حضرت کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق یہ خبر دے رہی ہے کہ ان میں انبیاء علیہم السلام جیسے خصائل واوصاف تھے کہ اگر ہمارے لئے نبوت ختم نہ ہوتی تو وہ اللہ تعالٰی کہ فضل محض سے نبی ہوتے نہ کہ بطور استحقاق نبی بنتے، کیونکہ کوئی بھی اپنی ذات میں نبوت کا استحقاق نہیں رکھتا لیکن اللہ تعالٰی نبوت کے لئے اپنے بندوں میں سے ایسے کو منتخب فرماتا ہے جو صورۃً، معنیً، نسبًا، حسبًا ہر اعتبار سے تام وکامل ہو اور ہر خیر میں انتہائی مرتبہ کو پہنچا ہو، اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے کہ کہاں رسالت بنائے تو حدیث مذکور کی دلالت وہی ہے جو "**لو کان بعدی نبیا لکان عمر**" الحدیث کی دلالت ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

[1] الفردوس بمأثور الخطاب، حدیث ۶۸۳۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۴/ ۲۸۳

[2] جامع الترمذی، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، امین کمپنی خانہ رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۲۰۹

نوع آخر ف— بعد طلوع آفتاب عالمتاب خاتمیت صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلی آلہ الکرام جو کسی کے لئے ادعائے نبوت کرے دجّال کذّاب مستحق لعنت وعذاب ہے۔

امام بخاری حضرت ابوہریرہ اور احمد و مسلم وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، وھذا حدیث ثوبان، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انہ سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی [1]، ولفظ البخاری دجالون کذابون قریبا من ثلثین [2]	عنقریب اس امت میں قریب تیس کے دجال کذاب نکلیں گے ہر ایک ادعا کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اور بخاری کے الفاظ ہیں دجال کذاب تقریبًا تیس ہوں گے۔ت)

کذاب اور دجال

امام احمد وطبرانی وضیاء حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فی امتی کذابون و دجالون سبعۃ و عشرون منھم اربع نسوۃ وانی خاتم النبیین لا نبی بعدی [3]	میری امتِ دعوت میں (کہ مومن وکافر سب کو شامل ہے) ستائیس کذاب دجال ہوں گے ان میں چار عورتیں ہیں حالانکہ میں خاتم الانبیاء ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جھوٹے مدعیان نبوت:

ابن عساکر علاء بن زیاد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مرسلًا راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تقوم الساعۃ حتی یخرج ثلثون دجّالون کذابون کلھم یزعم انہ نبی [4] (الحدیث)	قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تیس دجال کذاب مدعی نبوت نکلیں گے۔

ف: نوع پنجم حضور کے بعد جو کسی کو نبوت ملنی مانے دجال کذاب ہے۔

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، ذکر الفتن ودلائلہا، آفتاب عالم پریس، لاہور، ۲/ ۲۲۸

[2] صحیح البخاری، کتاب الفتن، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۱۰۵۴

[3] مسند امام احمد، حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، دار الفکر بیروت، ۵/ ۳۹۶

[4] تہذیب تاریخ ابن عساکر، ترجمہ الحارث بن سعید الکذاب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۳/ ۴۴۵

تذییل: ابویعلٰی مسند میں بسند حسن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تقوم الساعۃ حتی یخرج ثلثون کذابًا منھم مسیلمۃ والعنسی والمختار [1]	قیامت نہ آئے گی جب تک کہ تیس کذاب نکلیں ان میں سے مسیلمہ اور اسود عنسی و مختار ثقفی ہے، اخذ ہم اللہ تعالٰی۔

الحمد للہ بفضلہٖ تعالٰی یہ تینوں خبیث کُتّے شیران اسلام کے ہاتھ سے مارے گئے، اسود مردود خود زمانہ اقدس اور مسیلمہ ملعون زمانہ خلافت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق و مختار ثقفی ملعون زمانہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں، وللہ الحمد[عہ]

حضرت علی اور ختم نبوت:

نوع آخر[ف] خاص امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے بارے میں متواتر حدیثیں ہیں کہ نبوت ختم ہوئی نبوت میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔

امام احمد مسند اور بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ صحاح، ابن ابی شیبہ سنن، ابن جریر تہذیب الاثار میں بطریق عدیدہ کثیرہ سیدنا سعد بن ابی وقاص، اور حاکم بتصحیح اسناد مستدرک، اور طبرانی معجم کبیر و اوسط، اور ابوبکر عاقولی فوائد میں، اور ابن مردویہ مطولًا اور بزار بطریق عبداللہ بن ابی بکر عن حکیم بن جبیر عن الحسن بن سعد مولٰی علی، اور ابن عساکر بطریق عبداللہ بن محمد بن عقیل عن ابیہ عن جدہ عقیل امیر المؤمنین مولٰی علی اور احمد و حاکم و طبرانی و عقیلی حضرت عبداللہ بن عباس، اور احمد حضرت امیر معاویہ، اور احمد و بزار و ابو جعفر بن محمد طبری و ابوبکر مطیری حضرت ابوسعید خدری، اور ترمذی بافادہ تحسین حضرت جابر بن عبداللہ سے مسندًا اور حضرت ابوہریرہ سے تعلیقًا، اور طبرانی کبیر اور خطیب کتاب المتفق والمتفرق میں حضرت عبداللہ بن عمر، اور ابو نعیم فضائل الصحابہ میں حضرت سعید بن زید، اور طبرانی کبیر میں حضرات براء بن عازب و زید بن ارقم و جیش

ف: نوع ششم خاص مولٰی علی کے باب میں متواتر حدیثیں کہ نبوت ختم ہوگئی نبوت میں ان کا حصہ نہیں۔

عہ: مسلیمہ خبیث کے قاتل وحشی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جنھوں نے زمانہ کفر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا وہ فرمایا کرتے قتلت خیر النّاس وشرّ النّاس [2]، میں نے بہتر شخص کو شہید کیا پھر سب سے بدتر کو مارا۔

---

[1] مسند ابو یعلی، مروی از عبداللہ بن زبیر، حدیث ۶۷۸۶، موسسۃ علوم القرآن، بیروت، ۶/ ۱۹۹

[2] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابۃ باب الافراد فی الواو، دار صادر، بیروت، ۳/ ۶۴۵

بن جنادہ وجابر بن سمرہ ومالک بن حویرث وحضرت ام المؤمنین ام سلمہ، زوجہ امیر المؤمنین علی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے راوی، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کو تشریف لیجاتے وقت امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مدینے میں چھوڑا امیر المؤمنین نے عرض کی یارسول اللہ! حضور مجھے عورتوں اور بچّوں میں چھوڑے جاتے ہیں، فرمایا:

اماترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی غیر انه لانبی بعدی[1]	یعنی کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم یہاں میری نیابت میں ایسے رہو جیسے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے رب سے کلام کے لئے حاضر ہوئے ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نیابت میں چھوڑ گئے تھے ہاں یہ فرق ہے کہ ہارون نبی تھے میں جب سے نبی ہوا دوسرے کے لئے نبوت نہیں۔

مسند ومستدرک میں حدیث ابن عباس یوں ہے:

الا ترضی ان تکون بمنزلة هارون من موسٰی الا انك لست بنبی[2]	کیا تم راضی نہیں کہ بمنزلہ ہارون کے ہو موسٰی سے مگر یہ کہ تم نبی نہیں۔

حضرت اسماء کی حدیث اس طرح ہے:

قالت هبط جبریل علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال یامحمد ان ربك یقرأك السلام ویقول لك علیّ منك بمنزلة هارون من موسٰی لکن لا نبی بعدک[3]	جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی حضور کا رب حضور کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) تمہاری نیابت میں ایسا ہے جیسا موسٰی کے لئے ہارون، مگر تمہارے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

---

[1] صحیح البخاری، مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۵۲۶، جامع الترمذی، مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ، امین کمپنی کتب خانہ، رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۲۱۴، صحیح مسلم کتاب الفضائل، مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۲/ ۲۷۸، مسند احمد بن حنبل، حدیث حضرت سعد ابن وقاص، دار الفکر بیروت، ۱/ ۱۸۲

[2] المجمع الزوائد بحوالہ احمد وغیرہ عن ابن عباس باب جامع مناقب علی رضی اللہ تعالٰی عنہ، دار الکتاب بیروت، ۹/ ۱۲۰، المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، دار الفکر، بیروت، ۳/ ۱۰۹

[3] المعجم الکبیر، حدیث ۳۸۴ تا ۳۸۹، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت، ۲۴/ ۱۴۶ و ۱۴۷

فضائل صحابہ امام احمد میں حدیث امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یوں ہے کسی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا فرمایا: سل عنھا علی ابن ابی طالب فھو اعلم مولا علی سے پوچھو وہ اعلم ہیں، سائل نے کہا: یا امیر المؤمنین ! مجھے آپ کا جواب ان کے جواب سے زیادہ محبوب ہے، فرمایا:

بئسما قلت لقد کرھت رجلا کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغرہ بالعلم غرا ولقد قال لہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی وکان عمر اذا اشکل علیہ شیئ یاخذ منہ [1]	تو نے سخت بُری بات کہی ایسے کو ناپسند کیا جس کے علم کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عزت فرماتے تھے اور بیشک حضور نے ان سے کہا تجھے مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جب کسی بات میں شبہ پڑتا ان سے حاصل کرتے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یا علی أخصمك بالنبوۃ ولا نبوۃ بعدی [2]	اے علی ! میں مناصب جلیلہ وخصائص کثیرہ جزیلہ نبوت میں تجھ پر غالب ہوں اور میرے بعد نبوّت اصلاً نہیں۔

حضرت علی کی عیادت:

ابن ابی عاصم اور ابن جریر بافادہ تصحیح اور طبرانی اوسط اور ابن شاہین کتاب السنہ میں امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی، میں بیمار تھا خدمت اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوا حضور نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود نماز میں مشغول ہوئے، ردائے مبارک کا آنچل مجھ پر ڈال لیا، پھر بعد نماز فرمایا:

برئت یا ابن ابی طالب فلا بأس علیك ما سألت اللہ لی شیئا الا سألت لك مثلہ ولا سألت اللہ شیئا	اے ابن ابی طالب ! تم اچھے ہوگئے تم پر کچھ تکلیف نہیں، میں نے اللہ عزوجل سے جو کچھ اپنے لئے مانگا تمہارے لئے بھی اس کی مانند سوال کیا

[1] فضائل الصحابۃ لامام احمد بن حنبل، حدیث ۱۱۵۳، فضائل علی علیہ السلام، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۶۷۵

[2] حلیۃ الاولیاء، المسندۃ فی مناقبھم وفضائلھم نمبر ۴ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱/ ۶۵

الا اعطانیہ غیرانہ قیل لی انہ لانبی بعدک۔	اور میں نے جو کچھ چاہا رب عزوجل نے مجھے عطافرمایا مگر مجھ سے یہ فرمایا گیا کہ تمہارے بعد کوئی نبی نہیں۔

مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں میں اسی وقت ایسا تندرست ہوگیا گویا بیمار ہی نہ تھا [1]

تنبیہ: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے) یہ حدیث حضرت امیر المؤمنین کے لئے مرتبہ صدیقیت کا حصول بتاتی ہے، صدیقیت ایک مرتبہ تلو نبوت ہے کہ اس کے اور نبوت کے بیچ میں کوئی مرتبہ نہیں مگر ایک مقام ادق واخفٰی کہ نصیبہ حضرت صدیق اکبر اکرم واتقٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے تو اجناس وانواع واصناف فضائل وکمالات وبلندی درجات میں خصائص وملزومات نبوت کے سوا صدیقین ہر عطیہ بہیہ کے لائق واہل ہیں اگرچہ باہم ان میں تفاوت و تفاضل کثیر ووافر ہو۔

آخر نہ دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ابن جمیل ونائب جلیل حضور پر نور سید الاسیاد فرد الافراد غوث اعظم غیث اکرم غیاث عالم محبوب سبحانی مطلوب ربانی سیدنا ومولانا ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل ولی علی قدم نبی وانا علی قدم جدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وما رفع المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدما الاوضعت انا قدمی فی الموضع الذی رفع قدمہ منہ، الا ان یکون قدما من اقدام النبوۃ فانہ لا سبیل ان ینالہ غیر نبی [2]، رواہ الامام الاجل ابوالحسن علی الشطنوفی قدس سرہ فی بھجۃ الاسرار فقال اخبرنا ابو محمد سالم بن علی بن عبد اللہ بن سنان الدمیاطی المصری	ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور میں اپنے جد اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم پاک پر ہوں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جہاں سے قدم اٹھایا میں نے اسی جگہ قدم رکھا مگر نبوت کے قدم کہ ان کی طرف غیر نبی کو اصلاً راہ نہیں (اس کو امام ابوالحسن علی شطنوفی قدس سرہ نے بہجۃ الاسرار میں روایت کیا، تو کہا ابو محمد سالم بن علی بن عبداللہ بن سنان الدمیاطی المصری جو قاہرہ میں ۶۷۱ھ میں پیدا ہوئے، انہوں نے کہا مجھے شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبداللہ سہروردی

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن ابی عاصم وابن جریر وطس وابن شاہین فی السنۃ حدیث ۳۶۵۱۳ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/ ۱۷۰

[2] بھجۃ الاسرار، ذکر کلمات اخبر بھا عن نفسہ الخ، مطبع مصطفی البابی، الحلبی، مصر ص ۲۲

المولد بالقاھرۃ ۶۷۱سنۃ احدی وسبعین وستمائۃ، قال اخبرنا الشیخ القدوۃ شھاب الدین ابو حفص عمر بن عبداللہ السھروردی ببغداد ۶۲۴ سنۃ اربع و عشرین وستمائۃ قال سمعت الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول علی الکرسی بمدرستہ[1] (فذکرہ)۔	نے ۶۲۴ھ کو بغداد میں بیان کیا کہ میں نے شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مدرسہ میں کرسی پر تشریف فرما، کہتے ہوئے سنا تو وہ ذکر فرمایا جو گزرا۔ (ت)

بالجملہ مادون نبوت پر فائز ہونا نہ تفرد کی دلیل نہ حجت تفضیل کہ وہ صدہا میں مشترک اور فی نفسہٖ مشکک، ہر غوث و صدیق اس میں شریک اور ان پر بشدّت مقول بالتشکیک، بلکہ خود حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتاہ ملك الموت وھو یطلب العلم کان بینہ وبین الانبیاء درجۃ واحدۃ درجۃ النبوۃ[2] رواہ ابن النجار عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس کے پاس ملک الموت آئیں اور وہ طلب علم میں ہو اس میں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں صرف ایک درجے کا فرق ہے کہ درجہ نبوت ہے (اسے ابن النجار نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

دوسری حدیث میں ہے:

کا دحملۃ القراٰن ان یکونوا انبیاء الا انہ لا یوحٰی الیھم[3]، رواہ الدیلمی فی حدیث عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	قریب ہے حاملان قرآن انبیاء ہوں مگر یہ کہ ان کی طرف وحی نہیں آتی (اسے دیلمی نے ایک حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا)

تو اس کے امثال سے حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم پر امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی تفضیل کا وہم نہیں ہوسکتا۔

[1] بھجۃ الاسرار، ذکر کلمات اخبر بھا عن نفسہ الخ، مطبع مصطفی البابی، الحلبی، مصر ص ۲۲

[2] کنز العمال، بحوالہ ابن النجار عن انس حدیث ۲۸۸۲۹، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۰/ ۱۶۰

[3] الفردوس بمأثور الخطاب، حدیث ۲۲۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱/ ۷۵

ابو بکر صدیق صدیق اکبر ہیں:

علماء فرماتے ہیں، ابو بکر صدیق صدیق اکبر ہیں اور علی مرتضی صدیق اصغر، صدیق اکبر کا مقام اعلیٰ صدیقیت سے بلند و بالا ہے، نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں ہے:

اما تخصیص ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلانہ الصدیق الاکبر الذی سبق الناس کلھم لتصدیقہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یصدر منہ غیرہ قط وکذا علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ فانہ یسمی الصدیق الاصغر الذی لم یتلبس بکفر قط ولم یسجد لغیر اللہ مع صغرہ وکون ابیہ علیٰ غیر الملۃ ولذا خصّ بقول علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ[1]	لیکن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخصیص اس لئے کہ وہ صدیق اکبر ہیں جو تمام لوگوں میں آگے ہیں کیونکہ انہوں نے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی وہ کسی کو حاصل نہیں اور یونہی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا نام صدیق اصغر ہے جو ہر گز کفر سے ملتبس نہ ہوئے اور نہ ہی انہوں نے غیر اللہ کو سجدہ کیا باوجودیکہ وہ نابالغ تھے اور ان کے والد ملت اسلامیہ پر نہ تھے، اسی وجہ سے انہوں نے علی کرم اللہ وجہہ کے قول کو خاص طور پر لیا۔

حضرت خاتم الولایۃ المحمدیۃ فی زمانہ بحر الحقائق ولسان القوم بجنانہ وبیانہ سیدی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نفعنا اللہ فی الدارین بفیضانہ فتوحات مکیہ شریفہ میں فرماتے ہیں:

فلو فقد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ذٰلك الوطن وحضرہ ابو بکر لقام فی ذٰلك المقام الذی اقیم فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لانہ لیس ثم اعلیٰ منہ یحجبہ عن ذٰلك فھو صادق ذٰلك الوقت وحکمہ وماسواہ تحت حکمہ (ثم قال) وھذا المقام الذی اثبتناہ بین الصدیقیۃ ونبوۃ التشریع الذی ھو مقام القربۃ وھو للافراد ھو دون نبوۃ التشریع۔	یعنی اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس موطن میں تشریف نہ رکھتے ہوں اور صدیق اکبر حاضر ہوں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مقام پر صدیق قیام کریں گے کہ وہاں صدیق سے اعلیٰ کوئی نہیں جو انہیں اس سے روکے وہ اس وقت کے صادق و حکیم ہیں، اور جو ان کے سوا ہیں سب ان کے زیر حکم، یہ مقام جو ہم نے ثابت کیا صدیقیت اور نبوت شریعت کے بیچ میں ہے، یہ مقام قربت فردوں کے لئے ہے، اللہ کے نزدیک

[1] نسیم الریاض شرح شفاء امام عیاض، الباب الاول، الفصل الاول، دار الفکر بیروت، ۱/ ۱۴۲

وفوق الصديقية فی المنزلة عند الله والمشار اليه بالسر الذی وقر فی صدر ابی بکر ففضل به الصديقين اذحصل له ماليس فی شرط الصديقية ولا من لوازمها فليس بين ابی بکر وبين رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم رجل لانه صاحب الصديقية وصاحب سر[1]	نبوت شریعت سے نیچا اور صدیقیت سے مرتبے میں بالا ہے اسی کی طرف اس راز سے اشارہ ہے جو سینہ صدیق میں متمکن ہوا جس کے باعث وہ تمام صدیقوں سے افضل قرار پائے کہ ان کے قلوب میں وہ رازِ الٰہی حاصل ہوا جو نہ صدیقیت کی شرط ہے نہ اس کے لوازم سے، تو ابوبکر صدیق اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان کوئی شخص نہیں کہ وہ توصدیقیت والے بھی ہیں اور صاحبِ راز بھی، رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

تذییل: بعض احادیث علویہ مبطلہ دعوی غلویہ۔

مولا علی کی نگاہ میں مقام صدیق اکبر

صحیح بخاری شریف میں امام محمد بن حنفیہ صاحبزادہ امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے ہے:

قال قلت لابی ای الناس خير بعد النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم قال ابوبکر قال قلت ثم من، قال ثم عمر ثم خشيت ان اقول ثم من فيقول عثمان فقلت ثم انت يا ابت، فقال ما انا الارجل من المسلمين[2]، رواه ايضا ابن ابی عاصم و خشيش وابو نعيم فی الحلية الاولياء۔	میں نے اپنے والد ماجد مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں سے بہتر کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر۔ میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا: پھر عمر۔ پھر مجھے خوف ہوا کہ کہیں میں کہوں پھر کون تو فرمادیں عثمان، اس لئے میں نے سبقت کرکے کہا اے باپ میرے! پھر آپ؟ فرمایا: میں تو نہیں مگر ایک مرد مسلمانوں میں سے (اسے ابن ابی عاصم اور خشیش اور ابو نعیم نے بھی حلیۃ الاولیاء میں بیان کیا ہے۔ت)

[1] الفتوحات المکية، الباب الثالث والسبعون، داراحياء التراث العربی، بيروت، ۲/ ۲۵

[2] صحيح بخاری، کتاب المناقب، فضائل ابی بکر رضی الله تعالٰی عنه، قديمی کتب خانه کراچی، ۱/ ۵۱۸، جامع الاحاديث بحواله خ ود وابن ابی عاصم وخشيش وغيره، حديث ۱۴۱۷۷ دار الفکر بيروت، ۱۶/ ۲۱۷، کنز العمال، بحواله خ ود وابن ابی عاصم وخشيش وغيره، ۳۶۰۹۴ موسسة الرساله، بيروت، ۱۳/ ۷

طبرانی معجم اوسط میں صلہ بن زفر سے راوی، جب امیر المؤمنین مولٰی علی کے سامنے لوگ ابوبکر صدیق کا ذکر کرتے، امیر المؤمنین فرماتے:

السبّاق یذکرون السابق یذکرون والذی نفسی بیدہ ما استبقنا الٰی خیر قط الاسبقنا الیہ ابوبکر [1]	ابوبکر کا بڑی سبقت والے ذکر کر رہے ہیں کمال پیشی لے جانے والے کا تذکرہ کرتے ہیں قسم اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جب ہم نے کسی خیر میں پیشی چاہی ہے ابوبکر ہم سب پر سبقت لے گئے ہیں۔

حضرت صدیق کے بارے میں حضرت علی رائے:

ابوالقاسم طلحی وابن ابی عاصم وابن شاہین واللالکائی سب اپنی اپنی کتاب السنہ میں اور عشاری فضائل صدیق اور اصبہانی کتاب الحجہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں راوی، امیر المؤمنین کو خبر پہنچی کچھ لوگ انہیں ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے افضل بتاتے ہیں منبر شریف پر تشریف لے گئے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا:

ایھا الناس بلغنی ان اقواما یفضلو نی علی ابی بکر و عمر ولو کنت تقدمت فیہ لعاقبت فیہ، فمن سمعتہ بعد ھذا الیوم یقول ھذا فھو مفتر، علیہ حد المفتری خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابو بکر ثم عمر (زاد غیر الطلحی) ثم احدثنا بعضھم احداثا یقضی اللہ فیھا مایشاء [2]	اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتے ہیں اگر میں پہلے متنبہ کرچکا ہوتا تو اب سزا دیتا، آج کے بعد جسے ایسا کہتا سنوں گا وہ مفتری ہے، اس پر مفتری کی حد آئے گی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں سے بہتر ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر ان کے بعد ہم سے کچھ نئے امور واقع ہوئے کہ خدا ان میں جو چاہے گا حکم فرمائے گا۔

امام ابو عمران عبدالبر استیعاب میں حکم بن حجل سے اور امام ابوالحسن دار قطنی سنن میں روایت کرتے ہیں امیر المؤمنین مولا علی فرماتے ہیں:

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۷۱۶۴، مکتبۃ المعارف الریاض، ۸/ ۸۲، جامع الاحادیث بحوالہ طس، حدیث ۷۶۸۸، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۰۹

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن ابی عاصم و ابن شاہین واللالکائی والعشاری، حدیث ۳۶۱۴۳، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۳/ ۲۱، جامع الاحادیث ابن ابی عاصم و ابن شاہین واللالکائی والعشاری، حدیث ۷۷۳۵، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۲

لا اجد احدا فضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدته حد المفتری [1]	میں جسے پاؤں گا کہ ابوبکر و عمر پر مجھے تفضیل دیتا ہے اسے مفتری کی حد اسّی کوڑے لگاؤں گا۔

ابن عساکر بطریق الزہری عن عبداللہ بن کثیر راوی، امیر المؤمنین فرماتے ہیں:

لا یفضلنی احد علی ابی بکر و عمر الاجلدته جلدا وجیعا [2]	جو مجھے ابوبکر و عمر سے افضل کہے گا اسے دردناک کوڑے لگاؤں گا۔

امام احمد مسند اور عدنی مائتین اور ابو عبید کتاب الغریب اور نعیم بن حماد فتن اور خثیمہ بن سلیمان طرابلسی فضائل الصحابہ اور حاکم مستدرک اور خطیب تلخیص المتشابہ میں راوی، امیر المؤمنین فرماتے ہیں:

سبق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وصلی ابوبکر وثلث عمر ثم خبطتنا فتنة و یعفواللہ عمن یشاء [3]، وللخطیب وغیرہ فهو ماشاء اللہ زادهو فمن فضلنی علی ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنهما فعلیه حد المفتری من الجلد و اسقاط الشهادة [4]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سبقت لے گئے اور ان کے دوسرے ابوبکر اور تیسرے عمر ہوئے، پھر ہمیں فتنے نے مضطرب کیا اور خدا جسے چاہے معاف فرمائے گا یا فرمایا جو خدا نے چاہا وہ ہوا تو جو مجھے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما پر فضیلت دے اس پر مفتری کی حد واجب ہے اسّی کوڑے لگائے جائیں اور گواہی کبھی نہ سنی جائے۔

ابو طالب عشاری بطریق الحسن بن کثیر عن ابیہ راوی، ایک شخص نے امیر المؤمنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: آپ خیر الناس ہیں۔ فرمایا تو نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ کہا نہ۔ فرمایا: ابوبکر کو دیکھا؟ کہا: نہ فرمایا: عمر کو دیکھا؟ کہا: نہ، فرمایا:

اما انك لو قلت انك رأیت النبی	سن لے اگر تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیکھنے

[1] جامع الاحادیث عن الحکم بن حجل عن علی، حدیث ۷۷۴۷، دارالفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۵، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمہ ۲۲، عبداللہ ابن ابی قحافہ، دارالفکر بیروت، ۱۳/ ۱۱۰

[2] جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر عن علی، حدیث ۷۷۲۳، دارالفکر بیروت، ۱۶/ ۲۱۹، کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی، حدیث ۳۶۱۰۳، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۳/ ۹

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب معرفۃ الصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم، مناقب ابی بکر، دارالفکر بیروت، ۳/ ۶۸۔۶۷

[4] کنز العمال بحوالہ خط فی تلخیص المتشابہ، حدیث ۳۶۱۰۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۳/ ۹، جامع الاحادیث خط فی تلخیص المتشابہ، حدیث ۷۷۲۲، دارالفکر بیروت، ۱۶/ ۲۱۹

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لقتلتك ولو قلت رأیت ابا بکر و عمر لجلدتک[1]	کے بعد خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اقرار کرتا اور پھر مجھے خیر الناس کہتا تو میں تجھے قتل کرتا اور اگر تو ابوبکر وعمر کو دیکھے ہوتا اور مجھے افضل بتاتا تو تجھے حد لگاتا۔

ابن عساکر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے فرمایا:

لایفضلنی احد علی ابی بکر و عمر الاوقد انکر حقی وحق اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]	جو مجھے ابوبکر وعمر پر تفضیل دے گا وہ میرے اور تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق کا منکر ہوگا۔

حضرات شیخین اولین جنتی ہیں:

ابوطالب عشاری اور اصبہانی کتاب الحجہ میں عبد خیر سے راوی، میں نے امیر المؤمنین مولٰی علی سے عرض کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جنت میں کون جائے گا؟ فرمایا: ابوبکر وعمر۔ میں نے عرض کی: یا امیر المؤمنین! کیا وہ دونوں آپ سے پہلے جنت میں جائیں گے؟ فرمایا:

ای والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ انھما لیاکلان من ثمارھا و یرویان من مائھا ویتکئان علی فرشھا وانا موقوف بالحساب[3]	ہاں قسم اس کی جس نے بیج کو چیر کر پیڑ اگایا اور آدمی کو اپنی قدرت سے تصویر فرمایا بیشک وہ دونوں جنت کے پھل کھائیں گے، اس کے پانی سے سیراب ہوں گے، اس کی مسندوں پر آرام کریں گے اور میں ابھی حساب میں کھڑا ہوں گا۔

خیر الناس بعد رسول اللہ:

ابوذر ہروی و دار قطنی وغیرہما حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی میں نے امیر المؤمنین سے عرض کی:

یا خیرالناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال مھلا یا ابا جحیفۃ	یا خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایا ٹھہر و اے ابوجحیفہ! کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ

[1] جامع الاحادیث بحوالہ العشاری، حدیث ۷۷۴۳، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۵، کنز العمال بحوالہ العشاری، حدیث ۳۶۱۵۳، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۳/ ۲۶

[2] جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر، حدیث ۷۷۳۳، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۔۲۲۱

[3] جامع الاحادیث بحوالہ ابو طالب العشاری والاصفہانی الخ حدیث ۷۷۲۰، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۱۹

الا اخبرك بخير الناس بعد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ابو بكر و عمر [1]	کون ہے؟فرمایا اے ابوجحیفہ! خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) ہیں۔

افضل الناس بعد رسول اللہ:

ابو نعیم حلیہ اور ابن شاہین کتاب السنہ اور ابن عساکر تاریخ میں عمرو بن حریث سے راوی میں نے امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو منبر پر فرماتے سنا:

ان افضل الناس بعد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ابوبكر وعمر وعثمان وفی لفظ ثم عمر ثم عثمان [2]	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں سے افضل ابوبکر وعمر وعثمان ہیں، اور بالفاظ دیگر پھر عمر پھر عثمان۔

مولود ازکیٰ فی الاسلام:

ابن عساکر بطریق سعد ابن طریف اصبغ بن نباتہ سے راوی، فرمایا:

قلت لعلى يا امير المؤمنين من خير الناس بعد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم؟ قال ابو بكر، قلت ثم من؟ قال ثم عمر، قلت ثم من؟ قال ثم عثمان، قلت ثم من؟ قال انا رأيت رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم بعينى هاتين والا فعميتا، وباذنى هاتين والا فصمتا، يقول ماولد فى الاسلام مولود ازكٰى ولا اطهر ولا افضل من ابى بكر ثم عمر [3]	میں نے مولٰی علی سے عرض کی یا امیر المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر۔ میں نے کہا: پھر کون؟ فرمایا: عمر، کہا پھر کون؟ فرمایا: عثمان، کہا: پھر کون؟ فرمایا: میں، میں نے ان آنکھوں سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا ورنہ یہ آنکھیں پھوٹ جائیں اور ان کانوں سے فرماتے سنا ورنہ بہرے ہوجائیں حضور فرماتے تھے اسلام میں کوئی شخص ایسا پیدا نہ ہوا جو ابوبکر پھر عمر سے زیادہ پاکیزہ زیادہ فضیلت والا ہو۔

[1] جامع الاحادیث بحوالہ الصابونی فی المائتین، حدیث ۳۴۷۷، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۲، کنز العمال بحوالہ الصابونی فی المائتین، وطس وکر حدیث ۳۶۱۴۱، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۳/ ۲۱

[2] کنز العمال، بحوالہ ابن عساکر وحل ابن شاہین فی السنہ، حدیث ۸۰۰۶، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۹۰

[3] جامع احادیث ابن عساکر حدیث ۸۰۲۳، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۹۴

ابو طالب عشاری فضائل الصدیق میں راوی، امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

وھل انا الاّ حسنۃ من حسنات ابی بکر[1]	میں کون ہوں مگر ابو بکر کی نیکیوں سے ایک نیکی۔

سیدنا صدیق کی سبقت کی چہار وجوہات:

خیثمہ طرابلسی وابن عساکر ابو الزناد سے راوی، ایک شخص نے مولیٰ علی سے عرض کی: یا امیر المؤمنین! کیا بات ہوئی کہ مہاجرین وانصار نے ابو بکر کو تقدیم دی حالانکہ آپ کے مناقب بیشتر اور اسلام وسوابق پیشتر، فرمایا: اگر مسلمان کے لئے خدا کی پناہ نہ ہوتی تو میں تجھے قتل کر دیتا، افسوس تجھ پر، ابو بکر چار وجہ سے مجھ پر سبقت لے گئے، افشائے اسلام میں مجھ سے پہلے، ہجرت میں مجھ سے سابق، صحبت غار میں انہیں کا حصہ، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امامت کے لئے انہیں کو مقدم فرمایا ویحك ان اللہ ذم الناس کلھم ومدح ابابکر فقال الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ[2]، (الاٰیۃ) افسوس تجھ پر بیشک اللہ تعالیٰ نے سب کی مذمت کی اور ابو بکر کی مدح فرمائی کہ ارشاد فرماتا ہے اگر تم اس نبی کی مدد نہ کرو تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد فرمائی جب کافروں نے اسے مکے سے باہر کیا دوسرا ان دو کا جب وہ غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتا تھا غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت صدیق کا تقدم:

خطیب بغدادی وابن عساکر اور دیلمی مسند الفردوس اور عشاری فضائل الصدیق میں امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سألت اللہ ثلثا ان یقدمك فابی علی الا تقدیم ابی بکر[3]	اے علی! میں نے اللہ عزوجل سے تین بار سوال کیا کہ تجھے تقدیم دے اللہ تعالیٰ نے نہ مانا مگر ابو بکر کو مقدم رکھنا۔

حضرت علی کی مدح افراط و تفریط کا شکار:

عبداللہ بن احمد زوائد مسند میں، اور ابو یعلٰی ودورقی وحاکم وابن ابی عاصم

---

[1] جامع الاحادیث بحوالہ ابی طالب العشاری، حدیث ۷۶۸۴، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۰۸

[2] جامع الاحادیث بحوالہ خیثمہ وابن عساکر حدیث ۷۶۸۹، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۰۹

[3] تاریخ بغداد، حدیث ۵۹۲۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۱/ ۲۱۳، کنز العمال بحوالہ ابی طالب العشاری وغیرہ حدیث ۳۵۶۸۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۲/ ۵۱۵

وابن شاہین امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ انہوں نے فرمایا:

دعانی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا علی ان فیك من عیسٰی مثلا ابغضته الیهود حتی بهتوا امه واحبته النصارٰی حتی انزلوه بالمنزلة التی لیس بها وقال علی الاوانه یهلك فیّ رجلان محب مطریئ یفرطنی بما لیس فیّ و مبغض مفتر یحمله شنأنی علی ان یبهتنی الاوانی لست بنبی ولا یوحی الیّ، ولٰکنی اعمل بکتاب اللہ وسنة نبیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ما استطعت فما امرتکم به من طاعة اللہ فحق علیکم طاعتی فیما احببتم او کرهتم وما امرتکم بمعصیة انا وغیری فلا طاعة لاحد فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف[1]	مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلا کر ارشاد فرمایا: اے علی! تجھ میں ایک کہاوت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہے، یہود نے ان سے دشمنی کی یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان باندھا اور نصارٰی ان کے دوست بنے یہاں تک کہ جو مرتبہ ان کا نہ تھا وہاں جا اتارا، مولا علی فرماتے ہیں سن لو میرے معاملے میں دو شخص ہلاک ہوں گے ایک دوست میری تعریف میں حد سے بڑھنے والا جو میرا وہ مرتبہ بتائے گا جو مجھ میں نہیں، اور ایک دشمن مفتری جسے میری عداوت اس پر باعث ہوگی کہ مجھ پر تہمت اٹھائے، سن لو میں نہ تو نبی ہوں نہ مجھ پر وحی آتی ہے تو جہاں تک ہوسکے اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہوں تو میں جب تمہیں اطاعت الٰہی کا حکم دوں تو میری فرمانبرداری تم پر لازم ہے چاہے تمہیں پسند ہو خواہ ناگوار، اور اگر معصیت کا حکم دوں میں یا کوئی، تو اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت تو مشروع بات میں ہے۔

افضل الایمان: ابن عساکر سالم بن ابی الجعد سے راوی، فرمایا:

قلت لمحمد بن الحنفیة هل کان ابو بکر اول القوم اسلاما قال لا قلت فیما علا ابو بکر و سبق حتی لا یذکر احد غیر ابی بکر قال لانه کان افضلهم	میں نے امام محمد بن حنفیّہ صاحبزادہ مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے دریافت کیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سب سے پہلے اسلام لائے تھے، فرمایا نہ۔ میں نے کہا پھر کس وجہ سے ابو بکر سب پر بلند و سابق ہوئے میں نے امام محمد بن حنفیّہ صاحبزادہ مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے دریافت کیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سب سے پہلے اسلام لائے تھے، فرمایا نہ۔ میں نے کہا پھر کس وجہ سے ابو بکر سب پر بلند و سابق ہوئے

[1] المستدرك للحاکم، کتاب معرفة الصحابه، دار الفکر بیروت، ۳/ ۱۲۳، مسند احمد بن حنبل مروی از علی رضی اللہ تعالٰی عنه، دار الفکر بیروت، ۱/ ۱۶۰

اسلاما حین اسلم حتی لحق بربه[1]	کہ ان کے سوا کوئی دوسرے کا ذکر ہی نہیں کرتا،

فرمایا: اس لئے کہ وہ جب سے مسلمان ہوئے اور جب تک اپنے رب عزوجل کے پاس گئے ان کا ایمان سب سے افضل رہا۔

شیخین کی افضیلت: امام دار قطنی جندب اسدی سے راوی:

ان محمد بن عبدالله بن الحسن اتاہ قوم من اھل الکوفة والجزیرة فسألوہ عن ابی بکر و عمر فالتفت الیّ فقال انظر الی اھل بلادك یسألونی عن ابی بکر و عمر لھما افضل عندی من علی[2]	یعنی امام نفس زکیہ محمد بن عبداللہ محض ابن امام حسن مثنٰی ابن امام حسن مجتبٰی ابن مولٰی علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجوھھم کے پاس اہل کوفہ وجزیرہ سے کچھ لوگوں نے حاضر ہو کر ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں سوال کیا امام نے میری طرف التفات کرکے فرمایا اپنے وطن والوں کو دیکھو مجھ سے ابو بکر و عمر کے باب میں سوال کرتے ہیں بیشک وہ دونوں میرے نزدیک علی سے افضل ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

رافضی اور خارجی نظریات:

حافظ عمر بن شبہ سیدنا امام زید شہید ابن امام زین العابدین ابن امام حسین شہید کربلا ابن مولا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی انہوں نے رافضیوں سے فرمایا:

انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر و عمر ولم یستطیعوا ان یقولوا فیھما شیأا وانطلقتم انتم فطفرتم فوق ذٰلك فبرئتم منھما فمن بقی فواللہ ما بقی احد الابرئتم منه[3]	خارجیوں نے چل کر تو انہیں سے برات کی جو ابوبکر و عمر سے نیچے ہیں یعنی عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہم مگر ابوبکر و عمر کی شان میں کچھ نہ کہہ سکے، اور اے رافضیو! تم نے ان سے اوپر جست کی کہ خود ابو بکر و عمر سے برات کر بیٹھے تو اب کون رہ گیا خدا کی قسم کوئی باقی نہ رہا جس سے تم نے تبرا نہ کیا۔

[1] الصواعق المحرقة بحواله ابن عساکر الباب الثانی، مکتبہ مجیدیہ، ملتان، ص ۵۳

[2] الصواعق المحرقة بحواله الدار قطنی عن جندب الاسدی، مکتبہ مجیدیہ، ملتان، ص ۵۵

[3] الصواعق المحرقة بحواله الحافظ عمر بن شعبه، مکتبہ مجیدیہ، ملتان، ص ۵۳

رافضی کی سزا:

دار قطنی فضیل بن مرزوق سے راوی فرمایا:

قلت لعمر بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنھم افیکم امام تفترض طاعتہ تعرفون ذٰلك لہ من لم یعرف ذٰلك لہ فمات مات میتۃ جاھلیۃ فقال لا واللہ ما ذٰلك فینا من قال ھذا فھو کاذب فقلت انھم یقولون ان ھذہ المنزلۃ کانت لعلی ثم للحسن ثم للحسین قال قاتلھم اللہ ویلھم ما ھذا من الدین واللہ ما ھٰؤلاء الا متأکلین بنا ھذا مختصر [1]	میں نے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام باقر کے بھائی امام عمر بن علی سے پوچھا آپ میں کوئی ایسا امام ہے جس کی طاعت فرض ہو آپ اس کا یہ حق پہچانتے ہیں جو اسے بے پہچانے مر جائے جاہلیت کی موت مرے، فرمایا خدا کی قسم ہم میں کوئی ایسا نہیں جو ایسا کہے جھوٹا ہے، میں نے کہا رافضی تو کہتے ہیں یہ مرتبہ مولا علی کا تھا، پھر امام حسن پھر امام حسین کو ملا۔ فرمایا: اللہ رافضیوں کو قتل کرے خرابی ہو ان کے لئے کیا دین ہے خدا کی قسم یہ لوگ نہیں مگر ہمارا نام لے کر دنیا کمانے والے والعیاذ باللہ عزوجل۔

نصوص ختم نبوت:

یہاں تک سو ۱۰۰ احادیث فقیر نے لکھیں اور چاہا کہ اسی پر بس کرے، پھر خیال آیا کہ ذکر پاک امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ ہے دس حدیثیں اور شامل ہوں کہ نام مبارک مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عدد حاصل ہوں، نظر کروں تو فیضان روح مبارک امیر المؤمنین سے تذییلات میں دس حدیثیں خود ہی گزر چکی ہیں تذییل بعد حدیث ۲۵ یک وبعد ۳۹ سہ وبعد ۴۲ یک و بعد ۴۸ و ۵۸ دو ۲ دو ۲ وبعد ۶۲ یک یہ مقصود تو یوں حاصل تھا مگر از انجا کہ وضع رسالہ نصوص ختم نبوت میں ہے اور ۸ سے ۱۰۰ تک بیس ۲۰ حدیثیں اس مطلب کو دوسرے طرز سے ادا کرتی تھیں للہذا خاص مقصود کی بیس حدیثوں کا اضافہ ہی مناسب نظر آیا کہ خود اصل مرام پر سو حدیثوں کا عدد کامل اور اصل مرویات ایک سو بیس ۱۲۰ ہو کر تین چہل حدیث کا فضل حاصل ہو۔

ارشاداتِ انبیاء و علمائے کتب سابقہ:

حاکم صحیح مستدرک میں وہب بن منبہ سے وہ حضرت عبداللہ بن عباس اور سات دے گر صحابہ کرام

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدار قطنی عن فضیل بن مرزوق، الباب الثالث، مکتبہ مجیدیہ، ملتان، ص ۵۶

سے کہ سب اہل بدر تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک اللہ عزوجل روز قیامت اوروں سے پہلے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کو بلا کر فرمائے گا تم نے نوح کو کیا جواب دیا وہ کہیں گے نوح نے نہ ہمیں تیری طرف بلایا، نہ تیرا کوئی حکم پہنچایا، نہ کچھ نصیحت کی، نہ ہاں یا نہ کا کوئی حکم سنایا، نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کریں گے:

دعوتھم یارب دعاء فاشیا فی الاولین و الاٰخرین امۃ حتی انتھی الی خاتم النبیین احمد فانتسخہ وقرأہ وامن بہ وصدقہ۔	الٰہی! میں نے انہیں ایسی دعوت کی جس کی خبر یکے بعد دیگرے سب اگلوں پچھلوں میں پھیل گئی، یہاں تک کہ سب سے پچھلے نبی احمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تک پہنچی انہوں نے اسے لکھا اور پڑھا اور اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق فرمائی،

حق سبحانہ، وتعالیٰ فرمائے گا احمد وامتِ احمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو بلاؤ۔

فیاتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وامتہ یسعی نورھم بین ایدیھم[1]	رسول اللہؐ اور حضور کی امت حاضر آئیں گے یوں کہ ان کے نور ان کے آگے جولان کرتے ہوں گے۔

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شہادت ادا کریں گے الحدیث وقد اختصرناہ (ہم نے حدیث کو اختصارًا نقل کیا ہے) دارقطنی غرائب، امام مالک اور بیہقی دلائل اور خطیب رواۃ مالک میں بطریق عدیدہ عن مالک بن انس عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور ابن ابی الدنیا، اور بیہقی وابونعیم دلائل میں بطریق ابن لہیعہ عن مالک بن الازہر عن، نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابونعیم دلائل میں من طریق یحیٰی بن ابراہیم بن ابی قتیلۃ عن بن اسلم عن ابیہ اسلم مولی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور معاذ بن المثنٰی زوائد مسند مسدد میں بطریق منتصر بن دینار عن عبداللہ بن ابی الھذیل راوی ہیں اور بروجہ آخر واقدی مغازی میں عن عبدالعزیز بن عمر بن جعونۃ بن نضلۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور ابن جریر تاریخ اور باوردی کتاب الصحابہ میں بطریق ابی معروف عبداللہ بن معروف عن ابی عبدالرحمن الانصاری عن محمد بن حسین بن علی بن ابی طالب، اور ابن ابی الدنیا امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

وھذا حدیث معاذ و فیہ صریح النص	یہ حدیث معاذ کی ہے اور اس میں صریح نص ہے

[1] المستدرك للحاکم، کتاب التواریخ المتقدمین من الانبیائ، دار الفکر بیروت، ۲/ ۴۸-۵۴۷

علی مرادنا ومازدنا من الطریق الاول ادرنا حوله هلالین۔	ہماری مراد پر، اور پہلے طریقہ سے ہم جو زیادتی کریں گے وہ ہلالین میں ہے۔

ذریب بن برثملا کی شہادت:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نضلہ بن عمر وانصاری کو تین سو مہاجرین وانصار کے ساتھ تاراج حلوان عراق کے لئے بھیجا، یہ قیدی اور غنیمتیں لے آتے تھے، ایک پہاڑ کے دامن میں شام ہوئی، نضلہ نے اذان کہی، جب کہا اللہ اکبر اللہ اکبر پہاڑ سے آواز آئی اور صورت نہ دکھائی دی کہ کوئی کہتا ہے کبرت کبیرا یانضلۃ تم نے کبیر کی بڑائی کی اے نضلہ!، جب کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ جواب آیا اخلصت یانضلۃ اخلاصًا نضلہ! تم نے خالص توحید کی، جب کہا اشھد ان محمدا رسول اللہ آواز آئی نبی بعث لانبی بعدہ ھو النذیر وھو الذی بشرنا بہ عیسٰی بن مریم وعلٰی راس امتہ تقوم الساعۃ یہ نبی ہیں کہ مبعوث ہوئے ان کے بعد کوئی نبی نہیں یہی ڈر سنانے والے یہی ہیں جن کی بشارت ہمیں عیسٰی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی تھی انہیں کی امت کے سر پر قیامت قائم ہوگی۔ جب کہا حی علی الصلوٰۃ جواب آیا فریضۃ فرضت[عہ۱] (طوبٰی لمن مشی الیھا وواظب علیھا) نماز ایک فرض ہے کہ بندوں پر رکھا گیا خوبی وشادمانی اس کے لئے جو اس کی طرف چلے اور اس کی پابندی رکھے، جب کہا حی علی الفلاح آواز آئی افلح من اتاھا وواظب علیھا (افلح[عہ۲] من اجاب محمد

عــــہ۱: ھکذا فی السابع وفی الطریق الثانی عند البیھقی فی الصلوٰۃ قال کلمۃ مقبولۃ وفی الفلاح قال البقاء لامۃ احمد صلی اللہ علیہ وسلم، وعکس ابن ابی الدنیا فذکر فی الصلوٰۃ البقاء لامۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفی الفلاح کلمۃ مقبولۃ ۱۲ منہ۔(م)	ساتویں طریقہ میں یوں ہے اور دوسرے طریقہ میں بیہقی کے ہاں یوں ہے، حی علی الصلوٰۃ پر کہا، یہ مقبول کلمہ ہے، اور حی علی الفلاح پر کہا اس میں امت محمدیہ کے لئے بقاء ہے اور ابن ابی الدنیا نے اس کا عکس بیان کیا کہ پہلے میں امت محمدیہ کی بقاء اور دوسرے میں مقبول کلمہ کہا ۱۲ منہ۔
عــــہ۲: زاد الخطیب وھو البقاء لا متہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ(م)	خطیب نے یوں زیادہ کہا، یہ امتِ محمدیہ کی بقاہے، ۱۲ منہ

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) مراد کو پہنچا جو نماز کے لئے آیا اور اس پر مداومت کی، مراد کو پہنچا جس نے محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اطاعت کی، جب کہا قد قامت الصلوٰۃ جواب آیا البقاء لامۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی رؤسھا تقوم الساعۃ بقا ہے امت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لئے اور انہیں کے سروں پر قیامت ہو گی (جب کہا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ آواز آئی اخلصت الاخلاص کلہ یا نضلۃ فحرم اللہ بھا جسدك علی النار اے نضلہ! تم نے پورا اخلاص کیا تو اللہ تعالٰی نے اس کے سبب تمہارا بدن دوزخ پر حرام فرمادیا) نماز کے بعد نضلہ کھڑے ہوئے اور کہا اے اچھے پاکیزہ خوب کلام والے! ہم نے تمہاری بات سنی تم فرشتے ہو یا کوئی سیاح یا جن، ظاہر ہو کر ہم سے بات کرو کہ ہم اللہ عزوجل اور اس کے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم (اور امیر المؤمنین عمر) کے سفیر ہیں، اس کہنے پر پہاڑ سے ایک بوڑھے شخص نمودار ہوئے، سپید مُو، دراز ریش، سر ایک چکی کے برابر، سپید اُون کی ایک چادر اوڑھے ایک باندھے، اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حاضرین نے جواب دیا، اور نضلہ نے پوچھا اللہ تم پر رحم کرے تم کون ہو؟ میں ذریب بن برثملا ہوں بندہ صالح عیسٰی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وصی ہوں انہوں نے میرے لئے دعا فرمائی تھی کہ میں ان کے نزول تک باقی رہوں (زادفی الطریق الثانی) (دوسرے طریقہ میں یہ زائد ہے۔ت) پھر ان سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کہاں ہیں؟ کہا انتقال فرمایا۔ اس پر وہ بزرگ بشدت روئے، پھر کہا ان کے بعد کون ہوا؟ کہا ابوبکر۔ وہ کہاں ہیں؟ کہا انتقال ہوا۔ کہا پھر کون بیٹھا؟ کہا عمر۔ کہا امیر المؤمنین عمر سے میرا سلام کہو، اور کہا کہ ثبات وسداد وآسانی پر عمل رکھئے کہ وقت قریب آلگا ہے، پھر علاماتِ قرب قیامت اور بہت کلماتِ وعظ وحکمت کہے اور غائب ہوگئے۔ جب امیر المؤمنین کو خبر پہنچی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام فرمان جاری فرمایا کہ خود اس پہاڑ کے نیچے جائیے (اور وہ ملیں تو انہیں میرا سلام کہئے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی تھی کہ عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک وصی عراق کے اس پہاڑ میں منزل گزین ہے) سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ (چار ہزار مہاجرین وانصار کے ساتھ) اس پہاڑ کو گئے چالیس دن ٹھہرے پنجگانہ اذانیں کہیں مگر جواب نہ ملا۔ آخر واپس آئے [1]

[1] دلائل النبوۃ ابو نعیم، عالم الکتب بیروت، الجزء الاول ص ۲۸۔۲۵، دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ماجاء فی قصۃ وصیئ عیسٰی ابن مریم علیہما السلام، المکتبۃ الاثریہ، لاہور، ۵/ ۴۲۵ تا ۴۲۷

شام کے نصرانی ختم نبوت کی شہادت دیتے ہیں:

طبرانی معجم کبیر میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، میں زمانہ جاہلیت میں ملک شام کو تجارت کے لئے گیا تھا ملک کے اسی کنارے پر اہل کتاب سے ایک شخص مجھے ملا پوچھا کیا تمہارے یہاں کسی شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے؟ ہم نے کہا ہاں، کہا تم ان کی صورت دیکھو تو پہچان لوگے؟ میں نے کہا ہاں، وہ ہمیں ایک مکان میں لے گیا جس میں تصاویر تھیں، وہاں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ مجھے نظر نہ آئی، اتنے میں ایک اور کتابی آکر بولا: کس شغل میں ہو؟ ہم نے حال کہا، وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا وہاں جاتے ہی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصویر منیر مجھے نظر آئی اور دیکھا کہ ایک شخص حضور کے پیچھے حضور کے قدم مبارک کو پکڑے ہوئے ہے، میں نے کہا یہ دوسرا کون ہے، وہ کتابی بولا:

انہ لم یکن نبی الا کان بعدہ نبی الا ھذا فانہ لا نبی بعدہ وھذا الخلیفۃ بعدہ۔	بیشک کوئی نبی ایسا نہ ہوا جس کے بعد نبی نہ ہو سوا اس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور یہ دوسرا ان کے بعد خلیفہ ہے۔

اسے جو میں دیکھوں تو ابوبکر صدیق کی تصویر تھی[1]

بادشاہ روم کی دربار میں ذکر مصطفٰی:

تذییل اوّل: ابن عساکر بطریق قاضی معافی بن زکریا حضرت عبادہ بن صامت، اور بیہقی وابونعیم بطریق حضرت ابوامامہ باہلی حضرت ہشام بن عاص سے راوی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہمیں بادشاہ روم ہرقل کے پاس بھیجا اور ہم اس کے شہ نشین کے نزدیک پہنچے وہاں سواریاں بٹھائیں اور کہا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ جانتا ہے یہ کہتے ہی اس کا شہ نشین ایسا ہلنے لگا جیسے ہوا کے جھونکے میں کھجور، اس نے کہلا بھیجا یہ تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ شہروں میں اپنے دین کا اعلان کرو، پھر ہمیں بلایا ہم گئے وہ سرخ کپڑے پہنے سرخ مسند پر بیٹھا تھا آس پاس ہر چیز سرخ تھی اس کے اراکین دربار اس کے ساتھ تھے ہم نے سلام نہ کیا اور ایک گوشے میں بیٹھ گئے وہ ہنس کر بولا تم آپس میں جیسا ایک دوسرے کو سلام کرتے ہو مجھے کیوں نہ کیا؟ ہم نے کہا ہم تجھے اس سلام کے قابل نہیں سمجھتے اور جس مجرے پر تو راضی ہوتا ہے وہ ہمیں روا نہیں کہ کسی کے لئے بجالائیں، پھر اس نے پوچھا سب سے بڑا کلمہ تمہارے یہاں کیا ہے؟ ہم نے

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۱۵۳۷، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت، ۲/ ۱۲۵، دلائل النبوۃ ابو نعیم، عالم الکتب، بیروت، ۱/ ۹

کہالا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر، خدا گواہ ہے یہ کہتے ہی بادشاہ کے بدن پر لرزہ پڑ گیا پھر آنکھیں کھول کر غور سے ہمیں دیکھا اور کہا یہی وہ کلمہ ہے جو تم نے میرے شہ نشین کے نیچے اترتے وقت کہا تھا؟ ہم نے کہاہاں، کہاجب اپنے گھروں میں اسے کہتے ہو تو کیا تمہاری چھتیں بھی اس طرح کانپنے لگتی ہیں؟ ہم نے کہاخدا کی قسم یہ تو ہم نے یہیں دیکھا اور اس میں خدا کی کوئی حکمت ہے، بولا سچی بات خوب ہوتی ہے سن لو خدا کی قسم مجھے آرزو تھی کہ کاش میرا آدھا ملک نکل جاتا اور تم یہ کلمہ جس چیز کے پاس کہتے وہ لرزنے لگتی۔ ہم نے کہا یہ کیوں؟ کہایوں ہوتا تو کام آسان تھا اور اس وقت لائق تھا کہ یہ زلزلہ شان نبوت سے نہ ہو بلکہ کوئی انسانی شعبدہ ہو[1] (یعنی اللہ تعالٰی ایسے معجزات ہر وقت ظاہر نہیں فرماتا بلکہ عالم اسباب میں شان نبوت کو بھی غالبًا مجرائے عادت کے مطابق رکھتا ہے)

"وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّا يَلۡبِسُوۡنَ ۝۹"[2]	اگر ہم فرشتے کو نبی بناتے تو مرد ہی بناتے اور اس کو وہی لباس پہناتے جو مرد لوگ پہنتے ہیں۔

ولہذاانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جہادوں میں بھی جنگ دوسرداروں کا مضمون رہتا ہے۔

الحرب بیننا وبینه سجال ینال منا و ننال منه[3]۔ رواه الشیخان عن ابی سفیان رضی اللّٰہ تعالٰی عنه۔	(ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کبھی وہ کامیاب اور کبھی ہم کامیاب ہوتے ہیں، اس کو شیخین نے ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

لہذا جب ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہرقل کو خبر دی کہ لڑائی میں کبھی ہم بھی ان پر غالب آتے ہیں ہرقل نے کہاھذہ اٰیة النبوة[4] یہ نبوت کی نشانی ہے رواہ البزار و ابونعیم عن دحیة الکلبی رضی اللّٰہ تعالٰی عنه (اسے بزار اور ابونعیم نے دحیہ کلبی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ما وجد من صورۃ نبینا محمد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱/ ۸۷۔۳۸۶، جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر عن المعافی عن عبادۃ بن الصامت، حدیث ۱۵۶۴۱ دار الفکر، بیروت، ۲۰/ ۶۲

[2] القرآن الکریم ۶/ ۹

[3] صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۴

[4] کشف الاستار عن زوائد البزار باب فیما کان عند اہل الکتاب من علامات نبوتہ، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۳/ ۱۱۷

تصرفِ اولیاء اور مظلومیت حسین:

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بعض جہال ضعیف الایمان اس پر شک کرنے لگتے ہیں، اور اسی قبیل سے ہے جاہل وہابیوں کا اعتراض کہ اولیاء اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ قدرت رکھتے تو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیوں ایسی مظلومی کے ساتھ شہید ہو جاتے، ایک اشارے میں یزید پلید کے لشکر کو کیوں نہ غارت فرمادیا۔ مگر یہ سفہاء نہیں جانتے کہ ان کی قدرت جو انہیں ان کے رب نے عطا فرمائی رضا و تسلیم و عبدیت کے ساتھ ہے نہ کہ معاذ اللہ جباری و سرکشی و خودسری کے ساتھ مقوقس بادشاہ مصر نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امتحاناً پوچھا کہ جب تم انہیں نبی کہتے ہو تو انہوں نے دعا کرکے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک فرمادیا جب انہوں نے ان کا شہر مکہ چھڑایا تھا، حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا تو عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول نہیں مانتا انہوں نے دعا کرکے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک کردیا جب انہوں نے انہیں پکڑا اور سولی دینے کا ارادہ کیا تھا؟ مقوقس بولا: **انت حکیم جآء من عند حکیم**[1]، تم حکیم ہو کہ حکیم کامل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے آئے، **رواہ البیہقی عن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اس کو بیہقی نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ت)

خیر یہ تو فائدہ زائدہ تھا، حدیث سابق کی طرف عود کریں۔

ہرقل کے پاس انبیاء کی تصاویر:

پھر ہرقل نے ہمیں باعزاز و اکرام ایک مکان میں اتارا، دونوں وقت عزت کی مہمانیاں بھیجتا، ایک رات ہمیں پھر بلا بھیجا، ہم گئے اس وقت اکیلا بالکل تنہا بیٹھا تھا، ایک بڑا صندوقچہ زرنگار منگا کر کھولا اس میں چھوٹے چھوٹے خانے تھے ہر خانے پر دروازہ لگا تھا، اس نے ایک خانہ کھول کر سیاہ ریشم کا کپڑا تہہ کیا ہوا نکالا اسے کھولا تو اس میں ایک سرخ تصویر تھی، مرد فراخ چشم بزرگ سرین کہ ایسے خوبصورت بدن میں ایسی لمبی گردن کبھی نہ دیکھی تھی سر کے بال نہایت کثیر (بے ریش دو گیسو غایت حسن و جمال میں) ہرقل بولا: انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہ، کہا: یہ آدم ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر وہ تصویر رکھ کر دوسرا خانہ کھولا، اس میں سے ایک سیاہ ریشم کا کپڑا نکالا، اس میں خوب گورے رنگ کی تصویر تھی، مرد بسیار موئے سر مانند موئے قبطیاں، فراخ چشم، کشادہ سینہ، بزرگ سر (آنکھیں سرخ، داڑھی خوبصورت) پوچھا: انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہ، کہا یہ نوح ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پھر اسے رکھ کر اور خانہ کھولا، اس میں سے حریر سبز کا ٹکڑا نکالا اس میں نہایت گورے رنگ

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء الی کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم المقوقس دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۹۶

کی ایک تصویر تھی، مرد خوب چہرہ، خوش چشم، دراز بنی (کشادہ پیشانی)، رخسارے سُتے ہوئے، سر پر نشانِ پیری، ریش مبارک سپید نورانی، تصویر کی یہ حالت ہے کہ گویا جان رکھتی ہے، سانس لے رہی ہے (مسکرارہی ہے) کہا: ان سے واقف ہو؟ ہم نے کہا: نہ، کہا: یہ ابراہیم ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ پھر اسے رکھ کر ایک اور خانہ کھولا، اس میں سے سبز ریشم کا پارچہ نکالا، اسے جو ہم نظر کریں تو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصویر منیر تھی، بولا: انہیں پہچانتے ہو؟ ہم رونے لگے اور کہا: یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، وہ بولا: تمہیں اپنے دین کی قسم یہ محمد ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں ہمیں اپنے دین کی قسم یہ حضور اکرم کی تصویر پاک ہے گویا ہم حضور کو حالتِ حیات دنیوی میں دیکھ رہے ہیں، اسے سنتے ہی وہ اچھل پڑا بے حواس ہوگیا سیدھا کھڑا ہوا پھر بیٹھ گیا دیر تک دم بخود رہا پھر ہماری طرف نظر اٹھا کر بولا: **اما انہ اٰخر البیوت ولٰکنی عجلتہ لانظر ما عندکم**[1]، سنتے ہو یہ خانہ سب خانوں کے بعد تھا مگر میں نے جلدی کرکے دکھایا کہ دیکھوں تمہارے پاس اس باب میں کیا ہے، یعنی اگر ترتیب وار دکھاتا آتا تو احتمال تھا کہ تصویر حضرت مسیح کے بعد دکھانے پر تم خواہ مخواہ کہہ دو کہ یہ ہمارے نبی کی تصویر ہے اس لئے میں نے ترتیب قطع کرکے اسے پیش کیا کہ اگر یہ وہی نبی موعود ہیں تو ضرور پہچان لوگے، **بحمد اللہ تعالٰی** ایسا ہی ہوا، اور یہی دیکھ کر اس حرماں نصیب کے دل میں درد اٹھا کہ حواس جاتے رہے اٹھا بیٹھا دم بخود رہا۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ [2] "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝" [3]	(اللہ تعالٰی اپنے نور کو تام فرمائیگا اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔ ت)

ہمارا مطلب تو **بحمد اللہ** یہیں پورا ہوگیا کہ یہ خانہ سب خانوں کے بعد ہے، اس کے بعد حدیث میں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصاویر کریمہ کا ذکر ہے، حلیہ ہائے منورہ پر اطلاع مسلمین کے لئے اس کا خلاصہ بھی مناسب، یہاں تک کہ دونوں حدیثیں متفق تھیں، ترجمہ مختصراً حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تھا، جو لفظ حدیث ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بڑھائے خطوط ہلالی میں تھے، اب حدیث ہشام اتم وازید ہے کہ اس میں پانچ انبیاء لوط واسحٰق ویعقوب واسمٰعیل ویوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر شریف زائد ہے لہذا اسی سے

---

[1] جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر عن معاذ عن عبادۃ بن الصامت حدیث ۱۵۶۴۱، دارالفکر بیروت ۲۰/ ۶۳، دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماوجد فی صورۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱/ ۳۸۷، ۳۸۸

[2] القرآن الکریم ۶۱/ ۸

[3] القرآن الکریم ۱/۱

اخذ کریں، اور جو مضمون حدیث عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں زائد ہوا سے خطوط ہلالی میں بڑھائیں۔
فرماتے ہیں پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا، حریر سیاہ پر ایک تصویر گندمی رنگ سانولی نکالی (مگر حدیث عبادہ میں گورا رنگ ہے) مرد مرغول عـــہ۱ مو سخت گھونگر والے بال، آنکھیں جانب باطن مائل، تیز نظر، ترش رو دانت، باہم چڑھے ہونٹ، سمٹا جیسے کوئی حالتِ غضب میں ہو۔ ہم سے کہا: انہیں پہچانتے ہو؟ یہ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور ان کے پہلو میں ایک اور تصویر تھی، صورت ان سے ملتی مگر سر پر خوب تیل پڑا ہوا، پیشانی کشادہ، پتلیاں جانب بینی مائل (سر مبارک مدوّر گول)، کہا: انہیں جانتے ہو؟ یہ ہارون علیہ السلام ہیں۔ پھر اور خانہ کھول کر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی، مرد گندم گوں، سر کے بال سیدھے، قد میانہ، چہرے سے آثار غضب نمایاں، کہا: یہ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی، گورا رنگ جس میں سرخی جھلکتی، ناک اونچی، رخسارے ہلکے، چہرہ خوبصورت، کہا یہ اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی، صورت صورتِ اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مشابہ تھی مگر لب زیریں پر ایک تل تھا، کہا: یہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سیاہ پر ایک تصویر نکالی، رنگ گورا، چہرہ حسین، ناک بلند، قامت خوبصورت، چہرے پر نور درخشاں اور اس میں آثار خشوع نمایاں، رنگ میں سرخی کی جھلک تاباں، کہا: یہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جد کریم اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی کہ صورت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہ تھی، چہرہ گویا آفتاب تھا، کہا یہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی سرخ رنگ، باریک ساقیں، آنکھیں کم کھلی ہوئی عـــہ۲ جیسے کسی کو روشنی میں چوندھ لگے، پیٹ ابھرا ہوا، قد میانہ، تلوار حمائل کئے، مگر حدیث عبادہ میں اس کے عوض

عـــہ۱: الحمدللہ حدیثیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں ابو یعلٰی وابن عساکر نے بطریق یحیٰی بن ابی عمرو الشیبانی عن ابی صالح عن ام ھانی رضی اللہ تعالٰی عنہا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث معراج میں موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی حلیہ روایت کیا کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

واما موسٰی فضخم اُدم طوال، کانہ من رجال شنوأۃ کثیر الشعر، غائر العینین، متراکب الاسنان مقلص الشفۃ خارج اللثۃ، عابس[1]	لیکن موسٰی علیہ السلام بھاری بدن، گندم گوں، طویل، گویا شنوہ قبیلہ کے لوگ، آنکھیں جانب باطن مائل، باہم چڑھے ہوئے دانت باہم ملے ہوئے ہونٹ، لٹکی داڑھی، سمٹا جیسے حالت غضب۔ ت۔ اور یہیں سے ترجیح حدیث صحیح ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہ ظاہر ہوئی کہ گندمی رنگ بتایا تھا ۱۲منہ۔

عـــہ۲: یہ اس سالہا سال کے گریہ خوف الٰہی کا اثر تھا جس کے باعث رخسارہ انور پر دو خط سیاہ بن گئے تھے۔

---

[1] درمنثور بحوالہ ابی یعلی وابن عساکر، تحت آیہ سبحٰن الذی، منشورات مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی، قم ایران، ۴/ ۱۴۸، المطالب العالیۃ بحوالہ ابی یعلی، حدیث ۴۲۸۷، دار الباز مکۃ المکرمۃ، ۴/ ۲۰۲

یوں ہے حریر سبز پر گوری تصویر جس کے عضو عضو سے نزاکت و دلکشی ٹپکتی، ساق و سرین خوب گول، کہا: یہ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی، فربہ سرین، پاؤں میں طول، گھوڑے پر سوار (جس کے ہر طرف پر لگے تھے گردن دبی ہوئی، پشت کوتاہ، گورارنگ) کہا: یہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں (اور یہ پردار گھوڑا جس کی ہر جانب پر ہیں ہوا ہے کہ انہیں اٹھائے ہوئے ہے) پھر حریر سیاہ پر ایک گوری تصویر نکالی، مرد جوان، داڑھی نہایت سیاہ، سر کے بال کثیر، چہرہ خوبصورت (آنکھیں حسین، اعضا متناسب) کہا عـــہ۱ یہ عیسٰی بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ہم نے کہا: یہ تصویریں تیرے پاس کہاں سے آئیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ ضرور سچی تصاویر ہیں کہ ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصویر کریم کے مطابق پائی۔ کہا: آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب عزوجل سے عرض کی تھی کہ میری اولاد کے انبیاء مجھے دکھادے حق سبحانہ تعالٰی نے ان پر تصاویر انبیاء اتاریں کہ مغرب شمس کے پاس خزانہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تھیں، ذوالقرنین نے وہاں سے نکال کر دانیال علیہ السلام کو دیں (انہوں نے پارچہ ہائے حریر پر اتاریں کہ یہ بعینہا وہی چلی آتی ہیں) سن لو خدا کی قسم مجھے آرزو تھی کاش میرا نفس ترک سلطنت کو گوارا کرتا اور میں مرتے دم تک تم میں کسی ایسے کا بندہ بنتا جو غلاموں کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ رکھتا (مگر کیا کروں نفس راضی نہیں ہوتا) پھر ہمیں عمدہ جائزے دے کر رخصت کیا (اور ہمارے ساتھ آدمی کرکے سرحدِ اسلام تک پہنچادیا) ہم نے آکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حال عرض کیا، صدیق روئے اور فرمایا: مسکین اگر اللہ اس کا بھلا چاہتا وہ ایسا ہی کرتا، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی کہ یہ اور یہودی اپنے یہاں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعت پاتے ہیں[1]

مقوقس کے دربار میں فرمان نبوی:

تذییل دوم: امام واقدی اور ابوالقاسم بن عبدالحکم فتوح مصر میں بطریق ابان بن صالح راوی جب حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمان اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لے کر مقوقس نصرانی بادشاہ

عـــہ۱: حدیث مذکور ام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا میں حلیہ سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے قد میانہ سے زائد دراز سے کم، سینہ چوڑا، خون کی سرخی بدن پر جھلکتی، بال عمدہ ان کی سیاہی سرخی مائل ۱۲منہ۔

عـــہ۲: فائدہ: یہ نفیس جلیل حدیث طویل جس کا خلاصہ اختصار کے ساتھ تین ورق میں بیان ہوا بحمداللہ صحیح ہے امام حافظ عماد الدین بن کثیر، امام خاتم الحفاظ سیوطی نے فرمایا **ھذا حدیث جید الاسناد ورجالہ ثقات**۔ ۱۲منہ

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ما وجد من صورۃ نبینا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ الاثریہ، لاہور ۱/ ۳۸۸تا۳۹۰، جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر عن المعافی عن عبادہ بن الصامت، حدیث ۱۵۶۴۱ دارالفکر بیروت، ۲۰/ ۶۳ و ۶۴

مصر و اسکندریہ کے پاس تشریف لے گئے، اس نے ان سے دریافت کیا کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس بات کی طرف بلاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: توحید و نماز پنجگانہ و روزہ رمضان وحج و وفائے عہد۔ پھر اس نے حضور کا حلیہ پوچھا، انہوں نے باختصار بیان کیا، وہ بولا:

قد بقیت اشیاء لم تذکرھا فی عینیه حمرة قلت ما تفارقه وبین کتفیه خاتم النبوة الخ	ابھی اور باتیں باقی رہیں کہ تم نے نہ بیان کیں ان کے آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں کہ کم کسی وقت جدا ہوتے ہوں اور ان کے دونوں شانوں کے بیچ مہر نبوت ہے۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اور صفات کریمہ بیان کرکے بولا:

قد کنت اعلم ان نبیا قد بقی وقد کنت اظن مخرجه بالشام، وھناك کانت تخریج الانبیاء قبله فاراہ قد خرج فی ارض العرب فی ارض جھد وبؤس والقبط لا تطاوعنی علی اتباعه وسیظھر علی البلاد[1]	مجھے یقینا معلوم تھا کہ ایک نبی باقی ہے اور مجھے گمان تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا کہ اگلے انبیاء نے وہاں ظہور کیا اب میں دیکھتا ہوں کہ انہوں نے عرب میں ظہور فرمایا، محنت میں مشقت کی زمین میں، اور قبطی ان کی پیروی میں میری نہ مانیں گے عنقریب وہ ان شہروں پر غلبہ پائیں گے۔

تتمہ حدیث: ابوالقاسم نے بطریق ہشام بن اسحٰق وغیرہ اور ابن سعد نے طبقات میں بطریق محمد بن عمر بن واقد ان کے شیوخ سے روایت کیا کہ مقوقس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی مضمون کی عرضی لکھی کہ:

قد علمت ان نبیا بقی وکنت اظن انه یخرج بالشام وقد اکرمتك رسولك وبعثت الیك بھدیة[2]	مجھے یقین تھا کہ ایک نبی باقی ہے اور میرے گمان میں وہ شام سے ظہور کرتا اور میں نے حضور کے قاصد کا اعزاز کیا اور حضور کے لئے نذر حاضر کرتا ہوں۔

عبداللہ بن سلام کا واقعہ ایمان:

تذییل سوم: بیہقی دلائل میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا چرچا سنا اور حضور کے صفت ونام وہیات اور جن جن باتوں کی ہم حضور

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ واقدی وابن عبدالحکیم، المقصد الثانی، الفصل الثالث، دارالمعرفۃ، بیروت، ۳/ ۳۵۰

[2] الطبقات الکبرٰی، ذکر بعثته رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ، دار صادر، بیروت، ۱/ ۲۶۰

کے لئے۔ توقع کر رہے تھے سب پہچان لیں تو میں نے خاموشی کے ساتھ اسے دل میں رکھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے مجھے خبر رونق افروزی پہنچی میں نے تکبیر کہی میری پھوپھی بولی: اگر تم موسٰی بن عمران علیہ الصلوٰۃ والسلام کاآنا سنتے تواس سے زیادہ کیا کرتے؟ میں نے کہا: اے پھوپھی! خدا کی قسم وہ موسٰی بن عمران کے بھائی ہیں جس بات پر موسٰی بھیجے گئے تھے اسی پر یہ بھی مبعوث ہوئے ہیں، وہ بولی:

یا ابن اخی اھو النبی الذی کنا نخبر بہ انہ یبعث مع بعث الساعۃ، قلت لھا نعم [1]	اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہ نبی ہیں جن کی ہم خبر دئے جاتے تھے کہ وہ قیامت کے ساتھ مبعوث ہوں گے؟ میں کہا: نعم ہاں۔ (الحدیث)

خطیب وابن عساکر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا احمد و محمد والحاشر والمقفی والخاتم [2]	میں احمد ہوں اور محمد اور تمام جہان کو حشر دینے والا، اور سب انبیاء کے پیچھے آنے والا، اور نبوت ختم فرمانے والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ہجرت حضرت عباس:

ابو یعلٰی و طبرانی و شاشی وابونعیم فضائل الصحابہ میں اور ابن عساکر و ابن النجار حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موصولاً اور رؤیانی وابن عساکر محمد بن شہاب زہری سے مرسلاً راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما عمِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں (مکہ معظّمہ سے) عرضی حاضر کی کہ مجھے اذن عطا ہو تو ہجرت کرکے (مدینہ طیبہ) حاضر ہوں۔ اس کے جواب میں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمان نافذ فرمایا:

یا عم اقم مکانك الذی انت فیہ، فان اللہ یختم بك الھجرۃ کما ختم بی النبوۃ [3]	اے چچا! اطمینان سے رہو کہ تم ہجرت میں خاتم المہاجرین ہونے والے ہو، جس طرح میں نبوت میں خاتم النبیین ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ما جاء فی دخول عبداللہ بن سلام علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتاب العلمیہ، بیروت، ۲/ ۵۳۰

[2] تاریخ بغداد للخطیب، ترجمہ ۲۵۰۱ احمد بن محمد السوطی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۵/ ۹۹

[3] تھذیب تاریخ دمشق الکبیر، ذکر من اسمہ عباس، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۷/ ۲۳۵

امام اجل فقیہ محدث ابواللیث سمرقندی ت*نبیہ الغافلین میں فرماتے ہیں:*

حدثنا ابوبکر محمد بن احمد ثنا ابو عمران ثنا عبدالرحمن ثنا داؤد ثنا عباد بن الکثیر عن عبد خیر عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہمیں ابوبکر محمد بن احمد ان کو ابوعمران ان کو عبدالرحمٰن ان کو داؤد ان کو عباد بن کثیر ان کو عبد خیر سے انہوں نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا۔

جب سورۃ اذا جاء نصراللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرض وصال شریف میں نازل ہوئی حضور فوڑا برآمد ہوئے پنجشنبہ کا دن تھا، منبر پر جلوس فرمایا، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حکم دیا کہ مدینے میں ندا کردو "لوگو! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وصیت سننے چلو" یہ آواز سنتے ہی سب چھوٹے بڑے جمع ہوئے، گھروں کے دروازے ویسے ہی کھلے چھوڑ دیئے یہاں تک کہ کنواریاں پردوں سے باہر نکل آئیں، حد یہ کہ مسجد شریف حاضرین پر تنگ ہوئی، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمارہے ہیں اور اپنے پچھلوں کے لئے جگہ وسیع کرو، اپنے پچھلوں کے لئے جگہ وسیع کرو۔ پھر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر قیام فرما کر حمد وثنائے الٰہی بجالائے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجی، پھر ارشاد ہوا:

انا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم العربی الحرمی المکی لا نبی بعدی[1] الحدیث، ھذا مختصر۔	میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم عربی صاحب حرم محترم ومکہ معظمہ ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، الحدیث، ہذا مختصر

مدینہ طیبہ میں حضور کی تشریف آوری:

اللہ اللہ ایک وہ دن تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے، زمین وآسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں، خوشی وشادمانی ہے کہ درو دیوار سے ٹپکی پڑتی ہے، مدینے کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہورہا ہے، باچھیں کھلی جاتی ہیں، دل ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے، سینوں پر جامے تنگ، جاموں میں قبائے گل کا رنگ، نور ہے کہ چھما چھم برس رہا ہے فرش سے عرش تک کا نور کا بقعہ بنا ہے، پردہ نشین کنواریاں شوق دیدارِ محبوبِ کردگار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع　　　　وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع[2]

(ہم پر چاند نکل آیا وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والا دعا مانگے) (ت)

---

[1] تنبیہ الغافلین، باب الرفق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ص ۴۳۷

[2] المواہب اللدنیۃ، الھجرۃ الی المدینۃ متی انشد طلع البدر، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱/ ۳۱۳

بنی النجار کی لڑکیاں کوچے کوچے محوِ نغمہ سرائی ہیں کہ:

نحن جوارٍ من بنی النجارِ یاحبذا محمد من جارٍ [1]

ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں اے نجاریو! محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیسا اچھا ہمسایہ ہے۔ت

ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے، مجلسِ آخری وصیت ہے، مجمع تو آج بھی وہی ہے، بچوں سے بوڑھوں تک، مردوں سے پردہ نشینوں تک سب کا ہجوم ہے، ندائے بلال سنتے ہی چھوٹے بڑے سینوں سے دل کی طرح بے تابانہ نکلے ہیں، شہر بھرنے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دئے ہیں، دل کمھلائے چہرے مرجھائے دن کی روشنی دھیمی پڑ گئی کہ آفتابِ جہاں تاب کی وداع نزدیک ہے، آسمان پژمردہ، زمین افسردہ، جدھر دیکھو سناٹے کا عالم اتنا اژدھام اور ہو کا مقام، آخری نگاہیں اس محبوب کے روئے حق نما تک کس حسرت و یاس کے ساتھ جاتی اور ضعفِ نومیدی سے ہلکان ہو کر بیخودانہ قدموں پر گر جاتی ہیں، فرطِ ادب سے لب بند مگر دل کے دھوئیں سے یہ صدا بلند:

کنت السواد لناظری فعمی علیك الناظر

من شاء بعدك فلیمت فعلیك کنت احاذر [2]

(میں اپنے دیکھنے والوں کے لئے سیاہ تھا پس اندھا کیا گیا آپکو دیکھنے والے کو، پس جو چاہے آپ کے بعد مار دے، پس آپ پر ہی بھروسا تھا کہ مجھے بچالیں گے۔ت)

اللہ کا محبوب، امت کا داعی کس پیار کی نظر سے اپنی پالی ہوئی بکریوں کو دیکھتا اور محبت بھرے دل سے انہیں حافظ حقیقی کے سپرد کر رہا ہے، شان رحمت کو ان کی جدائی کا غم بھی ہے اور فوج فوج امنڈتے ہوئے آنے کی خوشی بھی کہ محنت ٹھکانے لگی، جس خدمت کو ملک العرش نے بھیجا تھا باحسن الوجوہ انجام کو پہنچی۔

نوح کی ساڑھے نوسو برس وہ سخت مشقت اور صرف پچاس شخصوں کو ہدایت، یہاں بیس ۲۰ تئیس ۲۳ ہی سال میں بحمد اللہ یہ روز افزوں کثرت، کنیز و غلام جوق جوق آرہے ہیں، جگہ بار بار تنگ ہو جاتی ہے دفعہ دفعہ ارشاد ہوتا ہے آنے والوں کو جگہ دو، آنے والوں کو جگہ دو، اس عام دعوت پر جب یہ مجمع ہو لیا ہے سلطان عالم نے منبر اکرم پر قیام کیا ہے، بعد حمد و صلوٰۃ اپنے نسب و نام و قوم و مقام و فضائل عظام کا بیان ارشاد ہوا ہے، مسلمانو! خدارا پھر مجلس میلاد اور کیا ہے، وہی دعوت عام، وہی مجمع تام، وہی منبر و قیام، وہی بیان فضائل سید الانام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام مجلس میلاد اور کس شئے کا نام، مگر نجدی صاحبوں کو ذکر محبوب

---

[1] المواہب اللدنیۃ، الهجرۃ الی المدینۃ متی انشد طلع البدر، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱/ ۳۱۴

[2] المواہب اللدنیۃ المقصد العاشر، الفصل الاول (وثائی) المکتب الاسلامی، بیروت، ۴/ ۵۵۴

مٹانے سے کام وربنا الرحمن المستعان وبه الاعتصام وعلیه التکلان (ہمارا رب رحمٰن مددگار ہے اور اسی ذات سے مضبوطی اور اسی پر اعتماد۔ت)

چار پائے کلام کرتے ہیں:

ابن حبان وابن عساکر حضرت ابو منظور اور ابو نعیم بروجہ آخر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، جب خیبر فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک دراز گوش سیاہ رنگ دیکھا اس سے کلام فرمایا، وہ جانور بھی تکلم میں آیا، ارشاد ہوا، تیرا کیا نام ہے؟ عرض کی: یزید بیٹا شہاب کا،، اللہ تعالٰی نے میرے دادا کی نسل سے ساٹھ دراز گوش پیدا کئے **کلهم لا یرکبه الا نبی** ان سب پر انبیاء سوار ہوا کئے **وقد کنت اتوقعك ان ترکبنی، لم یبق من نسل جدی غیری ولا من الانبیاء غیرك** مجھے یقینی توقع تھی کہ حضور مجھے اپنی سواری سے مشرف فرمائیں گے کہ اب اس نسل میں سوا میرے اور انبیاء میں سوا حضور کے کوئی باقی نہیں، میں ایک یہودی کے پاس تھا اسے قصداً گرادیا کرتا وہ مجھے بھوکا رکھتا اور مارتا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کا نام **یعفور** رکھا، جسے بلانا چاہتے اسے بھیج دیتے چوکھٹ پر سر مارتا جب صاحب خانہ باہر آتا اسے اشارے سے بتاتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاد فرماتے ہیں، جب حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انتقال فرمایا وہ مفارقت کی تاب نہ لایا ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کنویں میں گر کر مرگیا[1]

هذا حدیث ابی منظور ونحوه عن معاذ باختصار غیر انه ذکر مکان الاباء ثلثة اخوة واسمه مکان یزید عمر وقال کلنا رکبنا الانبیاء انا اصغرهم وکنت لک[2]. الحدیث **قلت** ولا علیك من دندنة العلامة ابن الجوزی کعادته علیه ولا من تحامل ابن دحیة علی حدیث الضب المار سابقا فلیس فیهما ما ینکر شرعا ولا فی	یہ ابو منظور کی حدیث ہے اور اسی کی مثل حضرت معاذ سے بطریق اختصار مروی ہے مگر انہوں نے آباء کی جگہ تین بھائیوں کا اور یزید کی جگہ نام عمر ذکر کیا اور اس نے کہا ہم سب پر انبیاء علیہم السلام سوار ہوئے جبکہ میں سب سے چھوٹا ہوں اور میں آپ کے لئے ہوں، الحدیث۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) علامہ ابن جوزی کا اعتراض جیسا کہ اس کی عادت ہے تجھے مضر نہیں، اور نہ ہی ابن دحیہ کی سو سمار سے متعلق گزشتہ حدیث پر جسارت تجھے مضر ہے، ان دونوں حدیثوں میں شرعی طور پر کوئی قابل انکار چیز نہیں

[1] المواهب اللدنیة بحواله ابن عساکر عن ابی منظور، مقصد رابع، فصل اول، المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۵۴

[2] دلائل النبوة لابی نعیم، الفصل الثانی والعشرون، عالم الکتب، بیروت، ص ۱۳۸

سندھما کذاب ولا وضاع ولا متھم بہ فانی یاتیھما الوضع وھذا امام الشان العسقلانی قد اقتصر فی حدیث ابی منظور علی تضعیفہ ولہ شاھد من حدیث معاذ کما تری لاجرم ان قال الزرقانی نھایتہ الضعف لا الوضع [1]، وقال ھو والقسطلانی فی حدیث الضب (معجزاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیھا ما ھو ابلغ من ھذا ولیس فیہ ما ینکر شرعا خصوصا وقد رواہ الائمۃ) الحافظ الکبار کابن عدی وتلمیذہ الحاکم وتلمیذہ البیھقی وھو لا یروی موضوعا والدارقطنی وناھیك بہ (فنھایتہ الضعف لاالوضع) کما زعم کیف ولحدیث ابن عمر طریق اٰخر لیس فیہ السلمی رواہ ابو نعیم وورد مثلہ من حدیث عائشۃ وابی ھریرۃ عند غیرھما [2] اھ **قلت** وقد اوردکلا الحدیثین الامام خاتم الحفاظ فی الخصائص الکبری وقد قال فی خطبتھا نزھتہ عن الاخبار الموضوعۃ ومایردہ [3]، **قلت** وعزو الزرقانی	اور نہ ہی ان کی سندوں میں کوئی کذاب اور وضاع اور متہم راوی ہے توان حدیثوں کا موضوع ہونا کہاں سے ہوا جبکہ امام عسقلانی نے ابو منظور کی حدیث کو ضعیف کہنے پر اقتصار کیا حالانکہ اس حدیث کا شاہد حضرت معاذ کی حدیث ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے اسی بناپر علامہ زرقانی نے فرمایا زیادہ سے زیادہ یہ ضعیف ہے موضوع نہیں ہے،اور انہوں نے اور امام قسطلانی نے بھی سوسمار والی حدیث کے متعلق فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں تواس سے بڑھ کر واقعات ہیں جبکہ اس حدیث میں شرعی طور پر قابل انکار چیز بھی نہیں، خصوصًا جبکہ اس کو بڑے ائمہ حفاظ جیسے ابن عدی،ان کے شاگرد امام حاکم اور ان کے شاگرد امام بیہقی نے روایت کیا ہو،امام بیہقی تو موضوع روایت ذکر نہیں کرتے،اس کو دارقطنی نے روایت کیا ان کی سند تو تجھے کافی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ حدیث ضعیف ہو سکتی ہے موضوع نہیں ہے جیسا کہ بعض نے خیال کیا، موضوع کیسے کہا جائے جبکہ ابن عمر کی حدیث دوسرے طریقہ سے بھی مروی ہے جس میں سلمٰی مذکور نہیں اس طریق کو ابو نعیم نے روایت کیااور حضرت عائشہ صدیقہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی مثل دونوں کے غیر سے وارد ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) ان دونوں حدیثوں کو امام جلال الدین سیوطی

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ مقصد رابع، فصل اول، حدیث الضب، دار المعرفۃ بیروت، ۵/ ۱۴۸

[2] المواہب اللدنیہ مقصد رابع، فصل اول، حدیث الضب، المکتب الاسلامی، بیروت، ۲/ ۵۵۵، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ مقصد رابع، فصل اول، حدیث الضب، دار المعرفۃ بیروت، ۵/ ۵۰۔۱۴۹

[3] الخصائص الکبرٰی، مقدمۃ المؤلف، دار الکتب الحدیثیہ، بیروت، ۱/ ۸

حدیث الضب لا بن عمر تبع فیه الماتن اعنی الامام القسطلانی صاحب المواهب وسبقهما الد میری فی حیٰوة الحیوان الکبری لکن الذی رأیت فی الخصائص الکبرٰی والجامع الکبیر للامام الجلیل الجلال السیوطی هو عزوه لامیر المؤمنین عمر رضی الله تعالٰی عنه کما قدمت وقد اورده فی الجامع فی مسند عمر فزیادة لفظ الابن اما وقع سهوا اویکون الحدیث من طریق ابن عمر عن عمر رضی الله تعالٰی عنهما فیصح العزو الی کل وان کان الاولی ذکر المنتهی ویحتمل علی بُعد عن کل منهما فاذن یکون مرویا عن ستة من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم . والله تعالٰی اعلم۔	نے خصائص الکبرٰی میں ذکر فرمایا حالانکہ انہوں نے اس کتاب کے خطبہ میں فرمایا ہے میں نے اس کتاب کو موضوع اور مردود روایات سے دور رکھا ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) زرقانی کا سوسمار والی حدیث کو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف منسوب کرنا ماتن یعنی مصنف مواہب امام قسطلانی کی پیروی ہے جبکہ ان دونوں سے قبل علامہ دمیری نے حیٰوۃ الحیوان میں اس کو ذکر کیا لیکن میں نے امام جلال الدین سیوطی کی خصائص الکبرٰی اور جامع کبیر میں دیکھا انہوں نے اس کو امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر کرچکا ہوں، انہوں نے اسے اپنی جامع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مسند میں ذکر فرمایا، تو "ابن" کا لفظ سہواً لکھا گیا ہے یا پھر ابن عمر کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے لہذا دونوں حضرات کی طرف نسبت درست ہے، اگرچہ منتہی راوی یعنی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منسوب کرنا اولٰی ہے اور بعید احتمال کے طور پر دونوں حضرات سے مستقل روایت بھی ہوسکتی ہے تو یوں چھ صحابہ سے یہ حدیث مروی ہوگی۔ (واللہ تعالٰی اعلم)۔ت

میرے بعد کوئی نبی نہیں:

سعید بن ابی منصور و امام احمد و ابن مردویہ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا نبوة بعدی الا المبشرات الرؤیا الصالحة[1]	میرے بعد نبوت نہیں مگر بشارتیں ہیں اچھے خواب۔

[1] مسند امام احمد بن حنبل، حدیث ابی الطفیل رضی الله تعالٰی عنه، دار الفکر بیروت، ۵/ ۴۵۴، مجمع الزوائد، کتاب التعبیر، دار الکتاب، بیروت، ۷/ ۱۷۳

احمد وخطیب اور بیہقی شعب الایمان میں اس کے قریب ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یبقی بعدی من النبوۃ شیئ الاالمبشرات الرؤیا الصالحۃ یراھا العبد اوتری لہ[1]	میرے بعد نبوت سے کچھ باقی نہ رہے گا مگر بشارتیں، اچھا خواب کہ بندہ آپ دیکھے یااس کے لئے دوسرے کو دکھایا جائے۔

تیس ۳۰ کذاب:

ابوبکرابن ابی شیبہ مصنف میں عبید بن عمرولیثی اور طبرانی کبیر میں نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تقوم الساعۃ حتی یخرج ثلثون کذّابا کلھم یزعم انہ نبی زاد[2] عبید قبل یوم القٰیمۃ۔ **اقول:** وانما اخرنا ھما الی التذییل بخلاف عین اللفظ المتقدم فی الحدیث الثانی والستین لان فی تتمتہ ان من قال فافعلوا بہ کذاوکذا وھٰذا العموم انما تم لا جل ختم النبوۃ اذلوجاز ان یکون بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی صادق لما ساع الامر المذکور بالعموم وان کان یاتی ایضا ثلثون اوالوف من الکذابین بل کان یجب اقسامۃ امارۃ تمیز الصادق من الکاذب والامر بالایقاع بمن ھو کاذب	قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ اس سے پہلے تیس کذاب نکلیں ہر ایک اپنے آپ کو نبی کہتا ہو۔ عبید نے اس پر "قبل یوم القٰیمۃ" کوزائد کیا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ان دونوں حدیثوں کو ہم نے تذییل کے آخر میں ذکر کیا برخلاف اس کے جو باسٹھویں حدیث میں پہلے گزرا عین لفظ اس کے کیونکہ اس کے آخر میں یوں ہے کہ جو بھی نبوت کا دعوی کرے اسے یہ یہ کرو۔ اور جو بھی ایسا دعوی کرے اس سے یوں کرو" یہ عموم ختم نبوت کے لئے ہی تام ہوسکتا ہے کیونکہ اگر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا جائز ہوتا تو پھر یہ عام حکم ایسے لوگ تیس ہوں یا ہزاروں ہوں سب کو شامل نہ ہوتا بلکہ پھر سچے اور جھوٹے نبی کی تمیز میں کوئی امتیازی علامت بیان کرکے "یہ یہ کرنے" کا حکم ان میں سے صرف کاذبین کے لئے ہوتا

[1] مسند امام احمد بن حنبل، حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا، دار الفکر بیروت، ۶/ ۱۲۹، تاریخ بغداد للخطیب، ترجمہ ۵۸۳۶، عبدالغالب بن جعفر، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۱/ ۱۴۰

[2] مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفتن حدیث ۱۹۴۱۱، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۵/ ۱۷۰

منھم لا غیر کما لا یخفی والی اللہ المشتکٰی من ضعفنا فی ھٰذہ الزمان الکثیر فجارہ القلیل انصارہ الغالب کفارہ البین عوارہ وقد ظھر الاٰن بعض ھٰؤلاء الدجالین الکذابین فلواراد اللہ باحدھم شیئًا یطیروا بالمسلم والمسلم انما حدّث فانّا للہ وانّا الیہ رٰجعون لکن الاحتراس کان اسلم للمسلم وانفی للفساد فاحببنا الاقتصار علی القدر المراد واللہ المستعان وعلیہ التکلان ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔	ہر ایک کے لئے نہ ہوتا، جیسا کہ ظاہر ہے، اور اللہ تعالٰی سے ہی اس زمانہ میں ہمیں اپنے کمزور ہونے کی شکایت ہے یہ زمانہ جس میں فجار کی کثرت، مددگاروں کی قلّت، کافروں کا غلبہ اور کج روی عام ہے جبکہ اب بعض ایسے کذاب دجّال لوگ ظاہر ہوئے ہیں، اگر ایسے دجالوں کو اللہ تعالٰی کے ارادہ سے کچھ ہوگیا تو اس کو مسلمانوں کی طرف منسوب کیا جائے گا کہ انہوں نے ایسی حدیث بیان کی جس پر یہ کچھ ہوا ہم اللہ تعالٰی کی ملک ہیں اور اس کی طرف ہمارا لوٹنا ہے تاہم مسلمانوں کو اپنی حفاظت مناسب ہے اور فساد کو دفع کرنا زیادہ بہتر ہے تو اس لئے صرف مراد کو بیان کرنا ہی پسند کیا ہے، اور اللہ تعالٰی ہی سے مدد اور اسی پر توکل ہے لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔ (ت)

علی بمنزلہ ہارون ہیں:

خطیب حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انما علی مِنّی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لا نبی بعدی [1]	علی مجھ سے ایسا ہے جیسا موسٰی سے ہارون (کہ بھائی بھی اور نائب بھی) مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

امام احمد مناقب امیر المؤمنین علی میں مختصرًا، اور بغوی وطبرانی اپنی معاجیم، باوردی معرفت، ابن عدی کامل، ابو احمد حاکم کنٰی میں بطریق امام بخاری، ابن عساکر تاریخ میں سب زید بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث طویل میں راوی وھذا حدیث احمد (یہ حدیث احمد ہے۔ت) جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں بھائی چارہ کیا امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کی: میری جان نکل گئی اور پیٹھ ٹوٹ گئی، یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کے ساتھ کیا جو میرے ساتھ نہ کیا یہ اگر مجھ سے کسی ناراضی کے سبب ہے تو حضور ہی کے لئے منانا اور عزت ہے۔

[1] تاریخ بغداد للخطیب، ترجمہ ۴۰۲۳، الحسن بن یزید، دار الکتاب العربی، بیروت، ۷/ ۴۵۳

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی بعثنی بالحق ما اخرتك الا لنفسی وانت منّی بمنزلة هارون من موسٰی غیر انه لا نبی بعدی [1]	قسم اس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا میں نے تمہیں خاص اپنے لئے رکھ چھوڑا ہے تم مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون موسٰی سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں تم میرے بھائی اور وارث ہو۔

امیر المؤمنین نے عرض کی: مجھے حضور سے کیا میراث ملے گی؟ فرمایا: جو اگلے انبیاء کو ملی۔ عرض کی: انہیں کیا ملی تھی؟ فرمایا: خدا کی کتاب اور نبی کی سنت، اور تم میرے ساتھ جنت میں میری صاحبزادی کے ساتھ میرے محل میں ہوگے اور تم میرے بھائی اور رفیق ہو۔

ابن عساکر عـــہ بطریق عبداللہ بن محمد بن عقیل عن ابیہ عن جدہ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: خدا کی قسم میں تمہیں دو جہت سے دوست رکھتا ہوں، ایک تو قرابت، دوسرے یہ کہ ابوطالب کو تم سے محبت تھی، اے جعفر! تمہارے اخلاق میرے اخلاق کریمہ سے مشابہ ہیں:

عـــہ: فی نسخة کنز العمال المطبوعة عن عبداللہ بن عقیل عن ابیه عن جده عقیل وهو خطأ وصوابه عبداللہ بن محمد بن عقیل، عبداللہ تابعی صدوق من رجال الاربعة ما خلا النسائی قال الذهبی حدیثه فی مرتبة الحسن وابوه تابعی مقبول رجال ابن ماجة ۱۲ منه (م)	کنزالعمال کے مطبوعہ نسخہ میں عبداللہ بن عقیل اپنے والد ماجد اور ان کے دادا عقیل سے راوی جبکہ یہ خطا ہے اور صحیح یہ ہے عبداللہ بن محمد بن عقیل، یہ عبداللہ تابعی ہیں نہایت صادق، نسائی کے ماسوا سنن صحاح کے راویوں میں شمار ہیں، امام ذہبی نے فرمایا ان کی روایت حسن کے مرتبہ میں ہے اور ان کے والد بھی تابعی اور مقبول، ابن ماجہ کے راویوں میں شمار ہیں۔ ت

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، ذکر من اسمہ سلمان، ترجمہ سلمان بن الاسلام الفارسی، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۶/ ۲۰۳، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، حدیث ۱۰۸۵، موسسة الرسالہ، بیروت، ۲/ ۳۹-۶۳۸

واما انت یا علی فانت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی غیر انہ لانبی بعدی [1]	تم اے علی! مجھ سے ایسے ہو جیسے موسٰی سے ہارون مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

الحمدللہ تین چہل حدیث کا عدد تو کامل ہوا جن میں چوراسی ۸۴ حدیثیں مرفوع تھیں اور سترہ ۱۷ تذییلات علاوہ، پہلے گزری تھیں سات عــــہ اس تکمیل میں بڑھیں، ان سترہ میں بھی پانچ مرفوع تھیں تو جملہ مرفوعات یعنی وہ حدیثیں جو خود حضور پر نور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی حضور کے ارشاد و تقریر کی طرف منتہی ہیں نواسی ۸۹ ہوئیں لہٰذا چاہا کہ ایک حدیث مرفوع اور شامل ہو کہ نوّے ۹۰ احادیث مرفوعہ کا عدد کامل ہو نیز ان اللہ وتر یحب الوتر (اللہ واحد ہے اور واحد کو پسند کرتا ہے۔ت) کا فضل حاصل ہو۔ میں

آخری نبی اور میری امت آخری امت ہے:

بیہقی سنن میں حضرت ابن زمل جُہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث طویل رؤیا میں راوی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد نماز صبح پاؤں بدلنے سے پہلے ستر بار سبحان اللہ وبحمدہٖ واستغفر اللہ ان اللہ کان توّابا پڑھتے پھر فرماتے یہ ستر ۷۰ سات سو ۷۰۰ کے برابر ہیں نرا بے خیر ہے جو ایک دن میں سات سو ۷۰۰ سے زیادہ گناہ کرے (یعنی ہر نیکی کم از کم دس ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا، تو یہ ستر کلمے سات سو نیکیاں ہوئے اور ہر نیکی کم از کم ایک بدی کو محو کرتی ہے۔ ان الحسنات یذھبن السیأت، تو اس کے پڑھنے والے کے لئے نیکیاں ہی غالب رہیں گی مگر وہ کہ دن میں سات سو گناہ سے زیادہ کرے اور ایسا سخت ہی بے خیر ہوگا وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

پھر لوگوں کی طرف منہ کرکے تشریف رکھتے اور اچھا خواب حضور کو خوش آتا دریافت فرماتے: کسی نے کچھ دیکھا ہے؟ ابن زمل نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ فرمایا: بھلائی پاؤ اور برائی سے بچو ہمیں اچھا اور ہمارے دشمنوں پر بُرا، رب العالمین کے لئے ساری خوبیاں ہیں خواب بیان کرو۔ انہوں نے عرض کی: میں نے دیکھا کہ سب لوگ ایک وسیع نرم بے نہایت راستے پر بیچ شارع عام میں

عــــہ: بعد حدیث ۱۱۰ تذییل اول دو حدیث عبادہ بن صامت وہشام بن عاص، وتذییل دوم دو حدیث حاطب وشیوخ واقدی، وتذییل سوم حدیث ابن سلام وبعد حدیث ۱۱۷ دو حدیث عبید ونعیم رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲ منہ (م)

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن عبداللہ بن عقیل حدیث ۳۳۶۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۳۹۷

چل رہے ہیں ناگہاں اس راہ کے لبوں پر خوبصورت سبزہ زار نظر آیا کہ ایسا کبھی نہ دیکھا تھا اس کا لہلہاتا سبزہ چمک رہا ہے، شادابی کا پانی ٹپک رہا ہے، اس میں ہر قسم کی گھاس ہے، پہلا ہجوم آیا، جب اس سبزہ زار پر پہنچے تکبیر کہی اور سواریاں سیدھے راستے پر ڈالے چلے گئے ادھر ادھر اصلاً نہ پھرے، پھر اس مرغزار کی طرف کچھ التفات نہ کیا، پھر دوسرا ریلا آیا کہ پہلوں سے کئی گنا زائد تھا، سبزہ زار پر پہنچے تکبیر کہی راہ پر چلے مگر کوئی کوئی اس چراگاہ میں چرانے بھی لگا اور کسی نے چلتے میں ایک مُٹھّا لے لیا، پھر روانہ ہوئے، پھر عام اژدحام آیا، جب یہ سبزہ زار پر پہنچے تکبیر کہی اور بولے یہ منزل سب سے اچھی ہے یہ ادھر ادھر پڑ گئے میں ماجرا دیکھ کر سیدھا راہ راہ پڑ لیا، جب سبزہ زار سے گزر گیا تو دیکھا کہ سات زینے کا ایک منبر ہے اور حضور اس کے سب سے اونچے درجے پر جلوہ فرما ہیں، حضور کے آگے ایک سال خوردلاغر ناقہ ہے حضور اس کے پیچھے تشریف لے جاتے ہیں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ راہ نرم و وسیع وہ ہدایت ہے جس پر میں تمہیں لایا اور تم اس پر قائم ہو اور وہ سبزہ زار دنیا اور اس کے عیش کی تازگی ہے میں اور میرے صحابہ تو چلے گئے کہ دنیا سے اصلاً علاقہ نہ رکھا نہ اسے ہم سے تعلق ہوا نہ ہم نے اسے چاہا نہ اس نے ہمیں چاہا پھر دوسرا ہجوم ہمارے بعد آیا وہ ہم سے کئی گنا زیادہ ہے، ان میں سے کسی نے چرایا کسی نے گھاس کا مُٹھّا لیا اور نجات پاگئے، پھر بڑا ہجوم آیا وہ سبزہ زار میں دہنے بائیں پڑ گئے **توانّا للہ وانّا الیہ رٰجعون**o اور اے ابن زمل! تم اچھی راہ پر چلتے رہو گے یہاں تک کہ مجھ سے ملو اور وہ سات زینے کا منبر جس کے درجہ اعلٰی پر مجھے دیکھا یہ جہان ہے اس کی عمر سات ہزار برس کی ہے اور میں اخیر ہزار میں ہوں **واماّ ناقة التی رأیت ورأیتنی اتبعها فھی الساعة علینا تقوم لا نبی بعدی ولا اُمة بعد اُمتی** اور وہ ناقہ جس کے پیچھے مجھے جاتا دیکھا قیامت ہے ہمارے ہی زمانے میں آئے گی، نہ میرے بعد کوئی نبی نہ میری امت کے بعد کوئی امت[1]، **صلی اللہ تعالٰی علیك وعلٰی امتك اجمعین وبارك وسلم واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔**

تسجیل جمیل: بحمد اللہ بیس ۲۰ احادیث علویہ کے علاوہ خاص مقصود محمود ختم نبوت پر یہ ایک سو ایک ۱۰۱ حدیثیں ہیں اور مع تذییلات ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ جن میں نوے ۹۰ مرفوع ہیں اور ان کے رواۃ واصحاب اکہتر ۷۱۔

[1] کنز العماّل بحوالہ البیہقی، حدیث ۴۲۰۱۸، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۵/ ۵۱۸تا۵۲۱، المعجم الکبیر حدیث ۸۱۴۶، عن ابن زمل الجھنی، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت، ۸/ ۳۶۲و۳۶۷

گیارہ تابعی: صحابہ وتابعین جن میں صرف گیارہ تابعی:

۱۔امام اجل محمد باقر
۲۔سعد بن ثابت
۳۔ابن شہاب زہری
۴۔عامر شعبی
۵۔عبداللہ بن ابی الہذیل
۶۔علاء بن زیاد
۷۔ابوقلابہ
۸۔کعب احبار
۹۔مجاہد مکی
۱۰۔محمد بن کعب قرظی
۱۱۔وہب بن منبہ

اکاون صحابہ: باقی ساٹھ [۶۰] صحابی ازاں جملہ اکاون [۵۱] صحابہ خاص اصول مرویات میں:

۱۲۔ابی بن کعب
۱۳۔ابوامامہ باہلی
۱۴۔انس بن مالک
۱۵۔اسماء بنت عمیس
۱۶۔براء بن عازب
۱۷۔بلال مؤذن
۱۸۔ثوبان مولٰی رسول اللہ
۱۹۔جابر بن سمرہ
۲۰۔جابر بن عبداللہ
۲۱۔جبیر بن مطعم
۲۲۔حبیش بن جنادہ
۲۳۔حذیفہ بن اسید
۲۴۔حذیفہ بن الیمان
۲۵۔حسان بن ثابت
۲۶۔حویصہ بن مسعود
۲۷۔ابوذر
۲۸۔ابن زمل
۲۹۔زیاد بن لبید
۳۰۔زید بن ارقم
۳۱۔زید بن ابی اوفٰی
۳۲۔سعد بن ابی وقاص
۳۳۔سعید بن زید
۳۴۔ابوسعید خدری
۳۵۔سلمان فارسی
۳۶۔سہل بن سعد
۳۷۔ام المؤمنین ام سلمہ
۳۸۔ابوالطفیل عامر بن ربیعہ
۳۹۔عامر بن ربیعہ
۴۰۔عبداللہ بن عباس
۴۱۔عبداللہ بن عمر

۴۲۔ عبدالرحمٰن بن غنم
۴۳۔ عدی بن ربیعہ
۴۴۔ عرباض بن ساریہ
۴۵۔ عصمہ بن مالک
۴۶۔ عقبہ بن عامر
۴۷۔ عقیل بن ابی طالب
۴۸۔ امیر المؤمنین علی
۴۹۔ امیر المؤمنین عمر
۵۰۔ عوف بن مالک اشجعی
۵۱۔ ام المؤمنین صدیقہ
۵۲۔ ام کرز
۵۳۔ مالک بن حویرث
۵۴۔ مالک بن سنان والد ابی سعید خدری
۵۵۔ محمد بن عدی بن ربیعہ
۵۶۔ معاذ بن جبل
۵۷۔ امیر معاویہ
۵۸۔ مغیرہ بن شعبہ
۵۹۔ ابن ام مکتوم
۶۰۔ ابو منظور
۶۱۔ ابو موسٰی اشعری
۶۲۔ ابوہریرہ

اور **نو صحابی** تذییلات میں:

۶۳۔ حاطب بن ابی بلتعہ
۶۴۔ عبداللہ ابن ابی اوفٰی
۶۵۔ عبداللہ بن زبیر
۶۶۔ عبداللہ بن سلام
۶۷۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص
۶۸۔ عبادہ بن صامت
۶۹۔ عبید بن عمرو لیثی
۷۰۔ نعیم بن مسعود
۷۱۔ ہشام بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

ختم نبوت پر دیوبندی عقیدہ:

ان احادیث کثیرہ وافرہ شہیرہ متواترہ میں صرف گیارہ حدیثیں وہ ہیں جن میں فقط نبوت کا انہیں الفاظ موجودہ قرآن عظیم سے ذکر ہے جن میں آج کل کے بعض ضُلّال قاسمانِ کفر وضلال نے تحریف معنوی کی اور معاذ اللہ حضور کے بعد اور نبوتوں کی نیو جمانے کو خاتمیت بمعنی نبوت بالذّات لی یعنی معنی خاتم النبیین صرف اس قدر ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی بالذّات ہیں اور انبیاء نبی بالعرض، باقی زمانے میں تمام انبیاء کے بعد ہونا حضور کے بعد اور کسی کو نبوت ملنی ممتنع ہونا یہ معنی ختم نبوت نہیں اور صاف لکھ دیا کہ حضور کے بعد بھی کسی کو نبوت مل جائے تو ختم نبوت کے اصلاً منافی نہیں اس کے رسالہ ضلالت مقالہ کا خلاصہ

عبارت یہ ہے:

قاسم نانوتوی کا عقیدہ:

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدّم یا تاخّر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمانا کیونکر صحیح ہوسکتا بلکہ موصوف بالعرض کا قصّہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے اسی طور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمایئے آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور نبی موصوف بالعرض ایں معنی جو میں نے عرض کیا آپ کا خاتم ہونا انبیائے گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے[1] ھ ملتقطا مسلمانو! دیکھا اس ملعون ناپاک شیطانی قول نے ختم نبوت کی کیسی جڑکاٹ دی، خاتمیت محمدیہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کہ وہ تاویل گھڑی کہ خاتمیت خود ہی ختم کردی صاف لکھ دیا کہ اگر حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثنا کے زمانے میں بلکہ حضور کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو ختم نبوت کے کچھ منافی نہیں اللہ اللہ جس کفر ملعون کے موجد کو خود قرآن عظیم کا وخاتم النبیین فرمانا نافع نہ ہوا کما قال تعالٰی (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا۔:

"وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا(۸۲)"[2]	اتارتے ہیں ہم اس قرآن سے وہ چیز کہ مسلمانوں کیلئے شفاء ورحمت ہے اور ظالموں کو اس سے کچھ نہیں بڑھتا سوا زیاں کے۔

اسے احادیث میں خاتم النبیین فرمانا کیا کام دے سکتا ہے فبای حدیث بعدہ یومنون[3] قرآن کے بعد اور کون سی حدیث پر ایمان لائیں گے۔

[1] تحذیر الناس، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔ ص۱۸ و ۲۴

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۲

[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۸۵

صحابہ کرام اور ختم نبوت:

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے ان احادیث کثیرہ میں صرف گیارہ حدیثیں ایسی لکھیں جن میں تنہا ختم نبوت کا ذکر ہے باقی نوے ۹۰ احادیث اور اکثر تذییلات، ان پر علاوہ سو ""۱ سے زائد حدیثیں وہی جمع کیں کہ بالتصریح حضور کا اسی معنی پر خاتم ہونا بتارہی ہیں جسے وہ گمراہ ضال عوام کا خیال جانتا ہے اور اس میں نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لئے کوئی تعریف نہیں مانتا، صحابہ کرام وتابعین عظّام کے ارشادات کہ تذییلوں میں گزرے، مثلاً:

۱۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو سب انبیاء کے بعد بھیجا۔

۲۔ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول تمہارے نبی آخر الانبیاء ہیں۔

۳۔ عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔

۴۔ امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول کہ وہ سب انبیاء کے بعد بھیجے گئے۔

انہیں تو یہ گمراہ کب سنے گا کہ وہ اسی وسوسۃ الخناس میں صاف یہ خود بھی بتایا گیا ہے کہ وہ سلف صالح کے خلاف چلا ہے اور اسکا عذر یوں پیش کیا کہ: اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان میں کیا نقصان آگیا اور کسی طفل ناداں نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا وہ عظیم الشان ہوگیا"۔

مگر آنکھیں کھول کر خود محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی متواتر حدیثیں دیکھئے کہ:

۱۔ میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

۲۔ میں سب انبیاء میں آخر نبی ہوں۔

۳۔ میں تمام انبیاء کے بعد آیا۔

۴۔ ہمیں پچھلے ہیں۔

۵۔ میں سب پیغمبروں کے بعد بھیجا گیا۔

۶۔ قصر نبوت میں جو ایک اینٹ کی جگہ تھی مجھ سے کامل کی گئی۔

۷۔ میں آخر الانبیاء ہوں۔

۸۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۹۔ رسالت و نبوت منقطع ہو گئی اب نہ کوئی رسول ہوگا نہ نبی۔

۱۰۔ نبوت میں سے اب کچھ نہ رہا سوا اچھے خواب کے۔

۱۱۔ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔

۱۲۔ میرے بعد دجّال کذّاب ادعائے نبوت کریں گے۔

۱۳۔ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۱۴۔ نہ میری امت کے بعد کوئی امت۔

ادھر علمائے کتبِ سابقہ [عہ] اللہ ورسل جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادات سن سن کر شہادات ادا کریں گے کہ:

۱۔ احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین ہوں گے ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔

۲۔ انکے سوا کوئی نبی باقی نہیں۔

۳۔ وہ آخر الانبیاء ہیں۔

ادھر ملائکہ وانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صدائیں آرہی ہیں کہ:

۴۔ وہ پسین پیغمبراں ہیں۔

۵۔ وہ آخر مرسلان ہیں۔

خود حضرت عزت عزت عزتہ سے ارشادات جانفزا و دلنواز آرہے ہیں کہ:

۶۔ محمد ہی اوّل وآخر ہے۔

۷۔ اس کی امت مرتبے میں سب سے اگلی اور زمانے میں سب سے پچھلی۔

۸۔ وہ سب انبیاء کے پیچھے آیا۔

۹۔ اے محبوب! میں نے تجھے آخر النبیین کیا۔

۱۰۔ اے محبوب! میں نے تجھے سب انبیاء سے پہلے بنایا اور سب کے بعد بھیجا۔

۱۱۔ محمد آخر الانبیاء ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مگر یہ ضال مضل محرف قرآن مغیر ایمان ہے کہ نہ ملائکہ کی سنے نہ انبیاء کی نہ مصطفٰی کی مانے نہ ان کے خدا کی۔ سب کی طرف سے ایک کان گونگا ایک بہرا، ایک دیدہ اندھا ایک پھوٹا، اپنی ہی ہانک لگائے جاتا ہے کہ یہ سب نافہمی کے اوہام، خیالاتِ عوام ہیں، آخر الانبیاء ہونے میں فضیلت ہی کیا ہے انّا اللہ

عہ: نیز تنزیلات میں مقوقس کی دو حدیثیں گزریں کہ ایک نبی باقی تھے وہ عرب میں ظاہر ہوئے، ہرقل کی دو حدیثیں کہ یہ خانہ آخر النبوت تھا، عبداللہ بن سلام کی حدیث کہ وہ قیامت کے ساتھ مبعوث ہوئے، ایک حبر کا قول کہ وہ امت آخرہ کے نبی ہیں بلکہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عرض کہ حضور سب پیغمبروں سے زمانے میں متاخر ہیں۔ (م)

وانّا الیہ راجعونo

" کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ "[1] " رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ﴿۸﴾ "[2]	اللہ یونہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے دل پر۔اے ہمارے رب ! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بیشک تو ہی بڑا دینے والا۔

ہاں ان نوے ۹۰ حدیثوں میں تین حدیثیں صرف بلفظ خاتمیت بھی ہیں، دو حدیث سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کہ اے چچا! جس طرح اللہ تعالٰی نے مجھ پر نبوت ختم کی تم پر ہجرت کو ختم فرمائے گا، جیسے میں **خاتم النبیین** ہوں تم خاتم المہاجرین ہوگے۔شاید وہ گمراہ یہاں بھی کہہ دے کہ تمام مہاجرین کرام مہاجر بالعرض تھے حضرت عباس مہاجر بالذات ہوئے۔ ایک اور حدیث الٰہی جل وعلاکہ میں ان کی کتاب پر کتابوں کو ختم کرو نگا اور ان کے دین وشریعت پر ادیان شرائع کو۔ اوگمراہ! اب یہاں بھی کہہ دے کہ اور دین دین بالعرض تھے یہ دین دین بالذات ہے توریت وانجیل وزبور اللہ تعالٰی کے کلام بالعرض تھے قرآن کلام بالذات ہے مگر ہے یہ کہ:

" مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ "[3] نسأل اللہ العفو والعافیۃ ونعوذ بہ من الحور بعد الکور والکفر بعد الایمان والضلال بعد الھدی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد اٰخر المرسلین وخاتم النبیین واٰلہ و	جس کے لئے اللہ تعالٰی نور نہ بنائے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کے طلبگار ہیں، اور ہم سنورنے کے بعد بگڑنے اور ایمان کے بعد کفر اور ہدایت کے بعد گمراہی سے اس کی پناہ کے طالب ہیں، حرکت اور طاقت نہیں مگر صرف اللہ تعالٰی سے جو بلند و عظیم ہے، اللہ تعالٰی کی صلواتیں ہمارے آقا و مولٰی محمد صلی اللہ

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

صحبہ اجمعین، والحمد للہ رب العٰلمین۔	تعالٰی علیہ وسلم پر جو رسولوں کے آخری اور نبیوں کے آخری ہیں اور آپ کی سب آل واصحاب پر، والحمد للہ رب العالمین (ت)

دیوبندی اور شیعہ عقائد میں مماثلت:

الحمدللہ کہ بیان اپنے منتہٰی کو پہنچا اور حق کا وضوح ذروہ اعلٰی کو۔ احادیث متواترہ سے اصل مقصد یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاتم النبیین اور اہلبیت کرام کا نبوت ورسالت سے بے علاقہ ہونا تو بروجہ تواتر قطعی خود ہی روشن وآشکارا ہوا اور اس کے ساتھ طائفہ تالفہ وہابیہ قاسمیہ کو خاتم النبیین کو بہ معنی آخر النبیین نہ ماننا، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد اور نبی ہونے سے ختم نبوت میں نقصان نہ جاننا اس کے کفر خفی ونفاق جلی کا بھی بفضلہٖ تعالٰی خوب اظہار ہوا اور ساتھ لگے رافضیوں کے چھوٹے بھائی حضرات تفضیلیہ کی بھی شامت آئی، اسد الغالب کی بارگاہ سے اسی ۸۰ کوڑوں کی سزا پائی، ان چھوٹے مبتدعوں کا رد یہاں محض تبعًا واستطرادًا مذکور ورنہ ان کے ابطال مشرب ضلال سے قرآن عظیم واحادیث مرفوعہ واقوال اہلبیت وصحابہ وارشاداتِ امیر المؤمنین علی مرتضٰی واولیائے کرام وعلمائے اعلام ودلائل شرعیہ اصلیہ وفرعیہ کے دفتر معمور جس کی تفصیل جلیل وتحقیق جزیل فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کی کتاب **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** ۱۲۹۷ھ میں مسطور ہے۔

منکران ختم نبوت پر علمائے اسلام کی گرفت:

اب بتوفیقہ تعالٰی تکفیر منکرانِ ختم نبوت میں بعض نصوص ائمہ کرام لکھ کر بقیہ سوال کی طرف عنان گردانی منظور۔

علامہ تورپشتی: (نص ۱): امام علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی معتمد فی المعتقد میں فرماتے ہیں:

بحمداللہ ایں مسئلہ در اسلامیان روشن ترازان ست کہ آنرا بکشف وبیان حاجت نہ افتد اما ایں مقدار از قرآن از ترس آں یاد کردیم کہ مبادا زندیقے جاہلے رادر شبہتے اندازد وبسیار باشد کہ ظاہر نیار ند کردن وبدیں طریقہا پائے درنہند کہ خدائے تعالٰی برہمہ چیز قادرست کسے قدرت اورا منکر نیست اما چوں خدائے تعالٰی	بحمد اللہ تعالٰی یہ مسئلہ مسلمانوں میں روشن تر ہے کہ اسے بیان ووضاحت کی حاجت کیا ہے لیکن قرآن سے کچھ اس لئے بیان کررہے ہیں کہ کسی زندیق کے لئے کسی جاہل کو شبہ میں مبتلا کرنے کا خطرہ نہ رہے بسا اوقات کھلی بات کے بجائے یوں فریب دیتے ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے کوئی اس کی قدرت کا انکار نہیں کرسکتا لیکن جب اللہ تعالٰی

از چیزے خبر دہد کہ چنیں خواھد بودن یا نخواہد بودن جز چناں نباشد کہ خدائے تعالٰی ازاں خبر دہد وخدائے تعالٰی خبر داد کہ بعد از وے نبی دیگر نباشد ومنکر ایں مسئلہ کسے تواند بود کہ اصلا در نبوت او معتقد نباشد کہ اگر برسالت او معترف بودے ویرادر ہرچہ ازاں خبر دادے صادق دانستے وبہماں حجت ہاکہ از طریق تواتر رسالت او پیش ماباداں درست شدہ است ایں نیز درست شد کہ وے باز پسیں پیغمبران ست در زمان او و تاقیامت بعد ازوے ہیچ نبی نباشد وہر کہ دریں بہ شک ست درآں نیز بہ شک ست وآنکس کہ گوید کہ بعد از وے نبی دیگر بود یاہست یاخواہد بود وآنکس کہ گوید کہ امکان دارد کہ باشد کافرست اینست شرط درستی ایمان بخاتم انبیاء محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]	کسی چیز کے متعلق خبر دے دے کہ ایسے ہوگی یا نہ ہوگی، تواس کا خلاف نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالٰی اسی سے خبر دیتا ہے اور اللہ تعالٰی خبر دیتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا نبی نہ ہوگا،اس بات کا منکر وہی ہوسکتا ہے جو سرے سے نبوت کا منکر ہوگا جو شخص آپ کی رسالت کا معترف ہوگا وہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بیان کردہ ہر خبر کو سچ جانے گا جن دلائل سے آپ کی رسالت کا ثبوت بطریق تواتر ہمارے لئے درست ہے اسی طرح یہ بھی درست ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد آپ کے زمانہ میں اور قیامت تک آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا جو آپ کی اس بات میں شک کرے گا وہ آپ کی رسالت میں شک کرے گا،جو شخص کہے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی تھا یا ہے یا ہوگا اور جو شخص کہے کسی نبی کے آنے کا امکان ہے وہ کافر ہے یہی خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صحیح ایمان کی شرط ہے۔(ت)

امام ابن حجر مکی: (نص ۲،۳) امام ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان میں فرماتے ہیں:

تنبأ فی زمنه رضی الله تعالٰی عنه رجل قال امهلونی حتی اتی بعلامة فقال من طلب منه علامة کفر لانه بطلبه ذٰلك مکذب لقول النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لانبی بعدی[2]۔	امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ایک مدعی نبوت نے کہا مجھے مہلت دو کہ کوئی نشانی دکھاؤں،امام ہمام نے فرمایا جو اس سے نشانی مانگے گا کافر ہوجائے گا کہ وہ اس مانگنے کے سبب مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد قطعی و متواتر ضروردینی کی تکذیب کرتا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

---

[1] معتمد فی المعتقد (فارسی)

[2] خیرات الحسان فی مناقب الامام الفصل الحادی والعشرون فی فراستہ،ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۱۱۹

فتاوٰی ہندیہ: (نص ۴تا۷) فتاوٰی خلاصہ وفصول عمادیہ وجامع الفصولین وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں ہیں:

واللفظ للعمادی قال قال انا رسول الله او قال بالفارسیة من پیغمبرم یرید به من پیغام می برم یکفر ولو انه حین قال هذه المقالة طلب غیره منه المعجزة قیل یکفر الطالب والمتأخرون من المشائخ قالوا ان کان غرض الطالب تعجیزه وافتضاحه لایکفر[1]	یعنی اگر کوئی شخص کہے میں اللہ کا رسول ہوں یا فارسی میں کہے میں پیغمبر ہوں کافر ہوجائے گا اگرچہ مراد یہ لے کہ میں کسی کا پیغام پہنچانے والا ایلچی ہوں، اور اگر اس کہنے والے سے کوئی معجزہ مانگے تو کہا گیا یہ بھی مطلقاً کافر ہے، اور مشائخ متأخرین نے فرمایا اگر اسے عاجز ورسوا کرنے کی غرض سے معجزہ طلب کیا تو کافر نہ ہوگا ورنہ ختم نبوۃ میں شک لانے کے سبب یہ بھی کافر ہوجائے گا۔

اعلام بقواطع الاسلام: (نص ۸) اعلام بقواطع الاسلام میں ہے:

واضح تکفیر مدعی النبوة ویظهر کفر من طلب منه معجزة لانه بطلبه لها منه مجوز لصدقه مع استحالته المعلومة من الدین بالضرورة نعم ان اراد بذٰلك تسفیهه وبیان کذبه فلاکفر[2]	مدعی نبوت کی تکفیر تو خود ہی روشن ہے اور جو اس سے معجزہ مانگے اس کا بھی کفر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مانگنے میں اس مدعی کا صدق محتمل مان رہا ہے حالانکہ دین متین سے بالضرورۃ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی ممکن نہیں، ہاں اگر اس طلب سے اسے احمق بنانا اس کا جھوٹ ظاہر کرنا مقصود ہو تو کفر نہیں۔

(نص ۹،۱۰) اسی (اعلام بقواطع الاسلام) میں ہے:

ومن ذٰلک (ای المکفرات) ایضاً تکذیب نبی او نسبة تعمد کذب الیه	انہیں باتوں میں جو معاذ اللہ آدمی کو کافر کردیتی ہیں کسی نبی کو جھٹلانا یا اس کی طرف قصداً جھوٹ بولنے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الفصول العمادیۃ. الباب التاسع، نورانی کتب خانہ، پشاور، ۲/ ۲۶۳

[2] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ. مکتبۃ الحقیقۃ استنبول، ترکی، ص ۳۷۶

او محاربته اوسبه او الاستخفاف ومثل ذٰلك كما قال الحليمى مالو تمنى فى زمن نبينا او بعده ان لو كان نبيا فيكفر فى جميع ذٰلك والظاهر انه لافرق بين تمنى ذٰلك باللسان او القلب[1] اھ مختصرًا۔	کی نسبت کرنا یا نبی سے لڑنا یا اسے بُرا کہنا اس کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہونا اور بتصریح امام حلیمی انہیں کفریات کی مثل ہے ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں یا حضور کے بعد کسی شخص کا تمنا کرنا کہ کسی طرح سے نبی ہوجاتا، ان صورتوں میں کافر ہوجائے گا اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں کچھ فرق نہیں وہ تمنا زبان سے یا صرف دل میں کرے اھ مختصرًا۔

سبحان اللہ! جب مجرد تمنا پر کافر ہوتا ہے تو کسی کی نسبت ادعائے نبوت کس درجہ کا کفر خبیث ہوگا، **والعیاذ باللہ رب العٰلمین**۔

(نص ۱۱ تا ۱۴) تیمیۃ الدہر پھر ہندیہ میں بعض ائمہ حنفیہ سے اور اشباہ والنظائر وغیرہا میں ہے:

واللفظ لها اذالم يعرف ان محمدا صلى الله تعالٰى عليه وسلم اٰخر الانبياء فليس بمسلم لانه من الضروريات[2]	جب نہ پہچانے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پچھلے نبی ہیں تو مسلمان نہیں کہ یہ ضروریات دین سے ہے۔

طائفہ قاسمیہ: مولٰی سبحانہ و تعالٰی ہزاراں ہزار جزاہائے خیر و کرم و رضوان اتم کرامت فرمائے ہمارے علمائے کرام کو ان سے کس نے کہہ دیا تھا کہ صدہا برس بعد وہابیہ میں ایک طائفہ حائفہ قاسمیہ ہونے والا ہے کہ اگرچہ براہ نفاق وفریب کہ عوام مسلمین بھڑک نہ جائیں بظاہر لفظ خاتم النبیین کا اقرار کرے گا مگر اس کے بہ معنی آخر الانبیاء ہونے سے صاف انکار کرے گا اس معنی کو خیال عوام و ناقابل مدح قرار دے گا، اسی دن کے لئے ان اجلہ کرام نے لفظ **اشھر واعرف ومکتوب فی المصحف اعنی خاتم النبیین** کے عوض مسئلہ بلفظ آخر الانبیاء تحریر فرمایا کہ جو حضور کو سب سے بچھلا نبی نہ مانے مسلمان نہیں یعنی ختم نبوت اسی معنی پر داخل ضروریاتِ دین ہے یہی مراد رب العالمین ہے، اسی ضروری دین وارشاد الٰہ العالمین کو یہ گمراہ **معاذ اللہ** عامی خیال بتاتے ہیں۔

[1] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ، مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی، ص ۳۵۲

[2] الاشباہ والنظائر، کتاب السیر باب الردۃ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱/ ۲۹۶

مہمل و مختل ٹھہراتے ہیں "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ" [1] (اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) بحمداللہ یہ کرامت علمائے کرام امت ہے فجزاھم اللہ المثوبات الفاخرۃ ونفعنا ببرکاتھم فی الدنیا والاٰخرۃ اٰمین (اللہ تعالٰی ان کو قابل فخر ثواب کی جزادے اور ہمیں ان کی برکات سے دنیا وآخرت میں نفع عطافرمائے۔آمین۔ت)

فتاوٰی تاتارخانیہ: تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال لاخر من فرشتہ توام فی موضع کذااعینك علی امرك فقد قیل انہ لایکفر وکذااذا قال مطلقا انا ملك بخلاف مااذا قال انانبی [2]	یعنی ایک نے دوسرے سے کہا میں تیرا فرشتہ ہوں فلاں جگہ تیرے کام میں مدد کروں گا اس پر تو بعض نے بیشک کہا کافرنہ ہوگا یوں ہی اگر مطلقاً کہا میں فرشتہ ہوں بخلاف دعوی نبوت کہ بالاجماع کفر ہے۔یہ حکم عام ہے کہ مدعی زمانہ اقدس میں ہو مثل ابن صیاد واسود خواہ بعد کماتقدم وسیاتی (جیسا کہ گزرا اور آگے آئے گا۔ت)

شفاء قاضی عیاض: شفاء شریف امام قاضی عیاض مالکی اور اس کی شرح نسیم الریاض للعلامۃ الشہاب الخفاجی میں ہے۔

(وکذٰلك یکفر من ادعی نبوۃ احد مع نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ای فی زمنہ کمسیلمۃ الکذاب والاسود العنسی (او) ادعی (نبوۃ احد بعدہ) فانہ خاتم النبیین بنص القراٰن والحدیث فھذا تکذیب اللہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (کالعیسویۃ) وھم طائفۃ (من الیھود) نسبوا العیسٰی بن اسحٰق الیھودی ادعی النبوۃ فی زمن	یعنی اسی طرح وہ بھی کفر ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کی نبوت کا ادعا کرے جیسے مسیلمہ کذاب واسود عنسی یا حضور کے بعد کسی کی نبوت مانے اس لئے کہ قرآن وحدیث میں حضور کے خاتم النبیین ہونے کی تصریح ہے تو یہ شخص اللہ ورسول کو جھٹلاتا ہے جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، جیسے یہود کا ایک طائفہ عیسویہ کہ عیسٰی بن اسحٰق یہودی کی طرف منسوب ہے، اس نے مروان الحمار کے زمانے میں ادعائے نبوت کیا تھا اور بہت یہود

---
[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۶

مروان الحمار و تبعه كثير من اليهود وكان من مذهبه تجويز حدوث النبوة بعد نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم (وكاكثر الرافضة القائلين بمشاركة على فى الرسالة للنبى صلى الله تعالى عليه وسلم وبعده كالبزيغية والبيانية منهم) وهم اكفر من النصارى و اشد ضررا منهم لا نهم بحسب الصورة مسلمون ويلتبس امرهم على العوام (فهٰؤلاء) كلهم (كفار مكذبون للنبى صلى الله تعالى عليه وسلم لانه صلى الله تعالى عليه وسلم اخبر انه خاتم النبيين وانه ارسل كافة للناس واجمعت الامة على ان هذا الكلام على ظاهره وان مفهومه المراد منه دون تاويل ولا تخصيص فلا شك فى كفر هٰؤلاء الطوائف كلها قطعًا اجماعًا وسمعًا) [1] اھ مختصرًا۔	اس کے تابع ہوگئے، اس کا مذہب تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد نئی نبوت ممکن ہے اور جیسے بہت رافضی کہ مولا علی کو رسالت میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شریک اور حضور کے بعد انہیں نبی کہتے ہیں اور جیسے رافضیوں کے دو فرقے بزیغیہ و بیانیہ، ان لوگوں کا کفر نصارٰی سے بڑھ کر ہے اور ان سے زائد ان کا ضرر کہ یہ صورت میں مسلمان ہیں ان سے عوام دھوکے میں پڑجاتے ہیں یہ سب کے سب کفار ہیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی کہ حضور خاتم النبیین ہیں اور خبر دی کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں اور اپنے رب عزوجل سے خبر دی کہ وہ حضور کو خاتم النبیین اور تمام جہان کی طرف رسول بتاتا ہے اور امت نے اجماع کیا کہ یہ آیات و احادیث اپنے معنی ظاہر پر ہیں جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے خدا اور رسول کی یہی مراد ہے نہ ان میں کچھ تاویل ہے نہ تخصیص، تو کچھ شک نہیں کہ یہ سب طائفے بحکم اجماع امت و بحکم حدیث و آیت بالیقین کافر ہیں۔

منکران ختم نبوت کے طریقے:

الحمد للہ اس کلام رشید نے ولید پلید وروافض بلید و قاسمیہ جدید وامیریہ عـــہ طرید کسی مردود وعنید کا تسمہ نہ لگا وللہ الحجۃ السامیہ۔

عـــہ: اسی طرح طائفہ مرزائیہ متبعان غلام احمد قادیانی کہ سب سے تازہ ہے یہ بھی مرزا کو مرسل من اللہ کہتا ہے اور خود مرزا اپنے اوپر وحی اترنے کا مدعی ہے اپنے کلام کو کلام الٰہی و منزل من اللہ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] كتاب الشفاء للقاضى عياض، فصل فى بيان ما هو من المقالات، مطبعة شركة صحافيه، ۲/ ۷۱-۲۷۰، نسيم الرياض شرح شفاء للقاضى عياض فصل فى بيان ما هو من المقالات دار الفكر بيروت، ۴/ ۵۰۶ تا ۵۰۹

یہ فقرے آبِ زر سے لکھنے کے ہیں کہ ان خبیثوں کا کفر یہود و نصارٰی سے بدتر اور کھلے کافروں سے انکار زائد ضرر، **والعیاذ باللّٰہ العزیز الاکبر۔**

مجمع الانہر: وجیز امام کردری و مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

اما الایمان بسیدنا محمد صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فیجب بانہ رسولنا فی الحال وخاتم الانبیاء والرسل فاذا اٰمن بانہ رسول ولم یؤمن بانہ خاتم الانبیاء لایکون مؤمنا[1]	ہمارے مولا ہمارے سردار محمد صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم پر یوں ایمان لانا فرض ہے کہ حضور اب بھی ہمارے رسول ہیں (نہ یہ کہ **معاذ اللّٰہ** بعد وصال شریف حضور رسول نہ رہے یا حضور کے بعد اب اور کوئی ہمارا رسول ہوگیا) اور ایمان لانا فرض ہے کہ حضور تمام انبیاء و مرسلین کے خاتم ہیں، اگر حضور کے رسول ہونے پر ایمان لایا اور خاتم الانبیاء ہونے پر ایمان نہ لایا تو مسلمان نہ ہوگا۔

یہاں رسالت پر ایمان مجازًا بنظر صورت بحسب ادعائے قائل بولا گیا ورنہ جو ختم نبوت پر ایمان نہ لایا قطعًا حضور کی رسالت ہی پر ایمان نہ لایا کہ رسول جانتا تو حضور جو کچھ اپنے رب جل جلالہ کے پاس سے لائے سب پر ایمان لاتا۔ **کما تقدم فی کلام الامام التورپشتی رحمہ اللّٰہ تعالٰی** (جیسا کہ امام تورپشتی کے کلام میں پہلے گزر چکا ہے۔ ت)

علامہ یوسف اردبیلی: امام علامہ یوسف اردبیلی شافعی کتاب الانوار میں فرماتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بتاتا ہے اور اس کے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" سے منقول کہ اس میں صراحۃً اپنے آپ کو نبی بلکہ بہت انبیاء سے افضل لکھا ہے اس بارے میں ابھی چند روز ہوئے امرتسر سے سوال آیا تھا جس پر حضرت مصنف علامہ مدظلہ نے مدلل و مفصل فتوٰی تحریر فرمایا جس کا حسن بیان دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے جس کا نام **السوء والعقاب** ہے۔ **وللّٰہ الحمد، عفی عنہ مصحح** (م)

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد، ثم ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱/ ۶۹۱

من ادعی النبوۃ فی زماننا او صدق مدعیا لھا او اعتقد نبیا فی زمانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او قبلہ من لم یکن نبیا کفر اھ ملخصًا[1]	جو ہمارے زمانے میں نبوت کا مدعی ہو یا دوسرے کسی مدعی کی تصدیق کرے یا حضور کے زمانے میں کسی کو نبی مانے یا حضور سے پہلے کسی غیر کو نبی جانے کافر ہو جائے اھ ملخصًا۔

امام غزالی: امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی کتاب الاقتصاد میں فرماتے ہیں:

ان الامت فھمت من ھذا اللفظ انہ افھم عدم نبی بعدہ ابدا وعدم رسول بعدہ ابدا وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص ومن اولہ بتخصیص فکلامہ من انواع الھذیان لا یمنع الحکم بتکفیرہ لانہ مکذب لھذا النص الذی اجمعت الامۃ علی انہ غیر مؤول ولا مخصوص[2]	یعنی تمام امت محمدیہ علی صاحبہا وعلیہا الصلوٰۃ والتحیۃ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا کہ وہ بتاتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا حضور کے بعد کبھی کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا کہ اس لفظ میں نہ کوئی تاویل ہے کہ آخر النبیین کے سوا خاتم النبیین کے کچھ اور معنی گھڑیئے نہ اس عموم میں کچھ تخصیص ہے کہ حضور کے ختم نبوت کو کسی زمانے یا زمین کے کسی طبقے سے خاص کیجئے اور جو اس میں تاویل و تخصیص کو راہ دے اس کی بات جنون یا نشے یا سرسام میں بہکنے بڑانے بکنے کے قبیل سے ہے اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ وہ آیت قرآن کی تکذیب کررہا ہے جس میں اصلاً تاویل و تخصیص نہ ہونے پر امتِ مرحومہ کا اجماع ہوچکا ہے۔

بحمد اللہ یہ عبارت بھی مثل عبارت شفاء و نسیم تمام طوائف جدیدہ قاسمیہ وامیریہ خذلھم اللہ تعالٰی کے ہذیانات کا رد جلیل و جلی ہے آٹھ آٹھ سو برس بعد آنے والے کافروں کا رد فرماگئے، یہ ائمہ دین کی کرامت منجلی ہے۔

غنیۃ الطالبین: غنیۃ الطالبین شریف میں عقائد ملعونہ غلاۃ روافض کے بیان میں فرمایا:

ادعت ایضا ان علیا نبی (الی قولہ رضی اللہ	یعنی غالی رافضیوں کا یہ دعوی بھی ہے کہ مولا علی نبی

[1] الانوار لاعمال الابرار

[2] الاقتصاد فی الاعتقاد

تعالٰی عنہ)لعنھم اللہ وملئکتہ وسائر خلقہ الٰی یوم الدین وقلع آثارھم وابادخضراءھم ولاجعل منھم فی الارض دیارافانھم بالغوا فی غلوھم ومرضوا علی الکفر وترکوا الاسلام وفارقوا الایمان وجحدوا الالہ والرسل والتنزیل فنعوذ باللہ ممن ذھب الٰی ھٰذہ المقالۃ[1]	ہیں اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام مخلوق قیامت تک ان رافضیوں پر لعنت کریں اللہ ان کے درخت کی جڑ اکھاڑ کر پھینک دے تباہ کردے زمین پر ان میں کوئی بسنے والا نہ رکھے کہ انہوں نے اپنا غلو حد سے گزار دیا کفر پر جم گئے اسلام چھوڑ بیٹھے ایمان سے جدا ہوئے اللہ ورسول وقرآن سب کے منکر ہوگئے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے جو ایسا مذہب رکھے۔

الحمدللہ، اللہ عزوجل نے یہ دعائے کریم مستجاب فرمائی غرابیہ وغیرہا ملعون طوائف کا نشان نہ رہا اب جو اس دارالفتن ہند پر محن کی زمین میں فتنوں کی بوچھاڑ کی گندہ بہار میں دو ایک حشرات الارض کہیں کہیں تازہ نکل پڑے وہ بھی بحمداللہ تعالٰی جلد جلد اپنے مقر سقر کو پہنچ گئے ایک آدھ کہیں باقی ہو تو وہ بھی قہر الٰہی سے "اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَؕ(۱۶) ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ(۱۷) كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ(۱۸)"[2] کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہ فرمایا پھر پچھلوں کو ان کے پیچھے پہنچائیں گے مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ت) کا منتظر ہے۔

تحفہ شرح منہاج: تحفہ شرح منہاج میں ہے:

او کذب رسولا اونبیا او نقصہ بای منقص کان صغر اسمہ مریدا تحقیرہ اوجوز نبوۃ احد بعد وجود نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعیسٰی علیہ الصلوٰۃ و السلام نبی قبل فلا یرد[3]	یعنی کافر ہے جو کسی نبی کی تکذیب کرے یا کسی طرح اس کی شان گھٹائے، مثلاً بہ نیت توہین اس کا نام چھوٹا کرکے لے یا ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی کی نبوت ممکن مانے اور عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حضور کی تشریف آوری سے پہلے نبی ہوچکے ان سے اعتراض وارد نہ ہوگا۔

[1] غنیۃ الطالبین فصل علامات اہل بدعت کے بیان میں، مصطفی البابی مصر، ۱/ ۸۸

[2] القرآن الکریم ۷۷/ ۱۶تا۱۸

[3] المعتقد المنتقد بحوالہ التحفہ شرح المنہاج مع المستند المعتمد، مکتبہ حامدیہ، لاہور، ص ۲۸۔۱۲۷

شرح فرائد: عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی شرح الفرائد میں فرماتے ہیں:

فساد مذہبھم غنی عن البیان بشھادۃ العیان، کیف وھو یؤدی الی تجویز مع نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوبعدہ و ذٰلك یستلزم تکذیب القراٰن اذ قد نص علی انہ خاتم النبیین واٰخر المرسلین، وفی السنۃ انا العاقب لا نبی بعدی، واجمعت الامۃ علی ابقاء ھذا الکلام علی ظاھرہ وھٰذا احدی المسائل المشھورۃ التی کفرنا بھا الفلاسفۃ لعنھم اللہ تعالٰی [1] نقل ھٰذین خاتم المحققین معین الحق المبین السیف المسلول مولانا فضل الرسول قدس سرہ فی المعتقد المنتقد۔	فلاسفہ نے کہا تھا کہ نبوت کسب سے مل سکتی ہے آدمی ریاضتیں مجاہدے کرنے سے پا سکتا ہے اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ ان کے مذہب کا بطلان محتاج بیان نہیں آنکھوں دیکھا باطل ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کے نتیجے میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں یا حضور کے بعد کسی نبی کا امکان نکلے گا اور یہ تکذیب قرآن کو مستلزم ہے قرآن عظیم نص فرما چکا کہ حضور خاتم النبیین و آخر المرسلین ہیں اور حدیث میں ہے میں پچھلا نبی ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اسی معنی پر ہے جو اس کے ظاہر سے سمجھ میں آتے ہیں، یہ ان مشہور مسئلوں میں سے ہے جن کے سبب ہم اہل اسلام نے فلاسفہ کو کافر کہا اللہ تعالٰی ان پر لعنت کرے۔ یہ مذکورہ دونوں عبارتیں خاتم المحققین، حق مبین کے معاون ننگی تلوار مولانا فضل رسول قدس سرہ نے اپنی کتاب المعتقد المنتقد میں نقل کی ہیں۔

مواہب شریف: مواہب شریف آخر نوع ثالث، مقصد سادس میں امام ابن حبان صاحب صحیح مسمّٰی بالتقاسیم والانواع سے نقل فرمایا:

من ذھب الی ان النبوۃ مکتسبۃ لا تنقطع او الی ان الولی افضل من النبی فھو زندیق الی آخرہ [2]	جو اس طرف جائے کہ نبوت کسب سے مل سکتی ہے ختم نہ ہو گی، یا کسی ولی کو کسی نبی سے افضل بتائے وہ زندیق بے دین ملحد دہریہ ہے۔

[1] المعتقد المنتقد بحوالہ شرح الفرائد للنابلسی مع المستند المعتمد، مکتبہ حامدیہ، لاہور، ص ۱۵۔ ۱۱۴

[2] المواہب اللدنیہ، المقصد السادس، النوع الثالث، المکتب الاسلامی، بیروت، ۳/ ۱۸۳

علامہ زرقانی نے اس کی دلیل میں فرمایا: لتکذیب القراٰن وخاتم النبیین [1]، یہ شخص اس وجہ سے کافر ہوا کہ قرآن عظیم و ختم نبوت کی تکذیب کرتا ہے۔

امام نسفی: بحرالکلام امام نسفی پھر تفسیر روح البیان میں ہے:

صنف من الروافض قالوا بان الارض لا تخلو عن النبی والنبوۃ صارت میراثا لعلی واولادہ وقال اھل السنۃ والجماعۃ لا نبی بعد نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اللہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا نبی بعدی ومن قال بعد نبینا نبی یکفر لانہ انکر النص وکذٰلك لوشك فیہ [2] ببعض اختصار۔	رافضیوں کا ایک طائفہ کہتا ہے زمین نبی سے خالی نہیں ہوتی اور نبوت مولا علی اور ان کی اولاد کے لئے میراث ہوگئی ہے اور اہلسنّت و جماعت نے فرمایا ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے ہاں خدا کے رسول ہیں اور سب انبیاء میں پچھلے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے بعد کوئی نبی نہیں، تو جو حضور کے بعد کسی کو نبی مانے کافر ہے کہ قرآن عظیم و نص صریح کا منکر ہے یوں ہی جسے ختم نبوت میں کچھ شک ہو وہ بھی کافر ہے۔

تمہید ابو شکور سالمی: تمہید ابو شکور سالمی میں ہے:

قالت الروافض ان العالم لا یکون خالیا عن النبی قط وھذا کفر لان اللہ تعالٰی قال وخاتم النبیین ومن ادعی النبوۃ فی زماننا فانہ یصیر کافرا ومن طلب منہ المعجزات فانہ یصیر کافرا لانہ شك فی النص ویجب الاعتقاد بانہ ماکان لاحد شرکۃ فی النبوۃ لمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بخلاف ماقالت الروافض	رافضی کہتے ہیں دنیا نبی سے خالی نہ ہوگی اور یہ کفر ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے وخاتم النبیین اب جو دعوی نبوت کرے کافر ہے اور جو اس سے معجزہ مانگے وہ بھی کافر کہ اسے ارشاد الٰہی میں شک پیدا ہوا جب تو معجزہ مانگا اور اس کا اعتقاد فرض ہے کہ کوئی شخص نبوت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شریک نہ تھا بخلاف روافض کے کہ مولٰی علی کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، المقصد السادس النوع الثالث، دار المعرفۃ بیروت ۶/ ۱۸۸

[2] روح البیان، آیہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم الخ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض الشیخ، ۷/ ۱۸۸

ان علیاً کان شریکا لمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النبوۃ وھذا منھم کفر [1]	شریک نبوت مانتے ہیں اور یہ ان کا کفر ہے۔

مولانا عبدالعلی: بحر العلوم ملک العلماء مولانا عبدالعلی محمد شرح سلم میں فرماتے ہیں:

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین وابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل الاصحاب والاولیاء وھا تان القضیتان مما یطلب بالبرھان فی علم الکلام والیقین المتعلق بھما یقین ثابت ضروری باق الی الابد ولیس الحکم فیھما علی امر کلی یجوز العقل تناول ھذا الحکم لغیر ھٰذین الشخصین وانکار ھذا مکابرۃ وکفر [2]	محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ تمام اولیاء سے افضل ہیں اور ان دونوں باتوں پر دلیل قطعی علم عقائد میں مذکور ہے اور ان پر یقین وہ جما ہوا ضروری یقین ہے جو ابدا لآباد تک باقی رہے گا اور یہ خاتم النبیین اور افضل الانبیاء ہونا کسی امر کلی کے لئے ثابت نہیں کیا ہے کہ عقل ان دونوں ذات پاک کے سوا کسی اور کے لئے اس کا ثبوت ممکن مانے اور اس کا انکار ہٹ دھرمی اور کفر ہے۔

فیہ لف ونشر بالقلب یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے افضل الاولیاء ہونے سے انکار قرآن وسنت واجماع امت کے ساتھ مکابرہ ہے اور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے انکار کفر، **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

امام احمد قسطلانی: امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ مقصد سابع فصل اول، پھر علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ باب اول فصل ثانی میں فرماتے ہیں:

العلم اللدنی نوعان لدنی رحمانی ولدنی شیطانی والمحك ھو الوحی ولا وحی بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، واماّ قصۃ موسٰی مع الخضر	یعنی علم لدنی دو قسم ہے رحمانی اور شیطانی، اور ان کے پہچاننے کا معیار وحی ہے کہ جو اس کے مطابق ہے رحمانی ہے اور جو اس کے خلاف ہے شیطانی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد وحی نہیں کہ کوئی کہے میرا یہ علم وحی جدید کے

[1] التمھید فی بیان التوحید، الباب السابع فی المعرفۃ والایمان دار العلوم حزب الاحناف لاہور، ص ۱۱۴۔۱۱۳

[2] شرح سلم لعبد العلی، بحث التصدیقات آخر کتاب، مطبع مجتبائی، دہلی، ص ۲۶۰

علیهما الصلٰوۃ والسلام فالتعلق بها فی تجویز الاستغناء عن الوحی بالعلم اللدنی الحاد وکفر یخرج عن الاسلام موجب لاراقة الدم والفرق ان موسٰی علیه الصلٰوۃ والسلام لم یکن مبعوثا الی الخضر، ولم یکن الخضر مامورا بمتابعته ومحمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم الٰی جمیع الثقلین فرسالته عامة للجن والانس فی کل زمان، فمن ادعی انه مع محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم کالخضر مع موسٰی علیهما الصلٰوۃ والسلام اوجوز ذٰلك لاحد من الامة فلیجدد اسلامه(لکفره بهٰذه الدعوی)ولیشهد شهادة الحق(لیعود الی الاسلام)فانه مفارق لدین الاسلام بالکلیة فضلا عن ان یکون من خاصة اولیاء الله تعالٰی وانما هو من اولیاء الشیطٰن وخلفائه ونوابه(فی الضلال والاضلال)والعلم اللدنی الرحمانی هوثمرة العبودیة والمتابعة لهٰذا النبی الکریم علیه ازکی الصلٰوۃ واتم التسلیم وبه یحصل الفهم فی الکتاب والسنة بامریختص به صاحبه کما قال علی (امیر المؤمنین)وقد سئل	مطابق ہے، رہا خضر و موسٰی علیہما الصلٰوۃ والسلام کا قصہ (کہ خضر کے پاس وہ علم لدنی تھا جو موسٰی علیہما الصلٰوۃ والسلام کو معلوم نہ تھا، اسے یہاں دستاویز بنا کر علم لدنی کے سبب وحی کی پروا نہ رکھنا نری بے دینی و کفر ہے، اسلام سے نکال دینے والی بات ہے جس کے قائل کا قتل واجب، اور فرق یہ ہے کہ موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام حضرت خضر کی طرف مبعوث نہ تھے نہ خضر کو ان کی پیروی کا حکم (کہ وہ تو خاص بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے کان النبی یبعث الٰی قومه خاصة) اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام جن و انس (بلکہ تمام ماسوائے اللہ) کی طرف مبعوث ہیں (وارسلت الی الخلق کافّة) تو حضور کی رسالت ہر زمانے میں سب جن و انس کو شامل ہے تو جو مدعی ہو کہ وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایسے تھے جیسے موسٰی کے ساتھ خضر، امت میں کسی کے لئے یہ مرتبہ ممکن مانے وہ نئے سرے سے مسلمان ہو کہ اس قول کے باعث کافر ہوگیا مسلمان ہونے کے لئے کلمہ شہادت پڑھے کہ وہ دین اسلام سے یک لخت جدا ہوگیا چہ جائیکہ اللہ عزوجل کے خاص اولیاء سے ہو وہ تو شیطان کا ولی اور گمراہی و گمراہ گری میں ابلیس کا خلیفہ و نائب ہے علم لدنی رحمانی بندگی خدا و پیروی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پھل ہے جس سے قرآن و حدیث میں ایک خاص سمجھ حاصل ہو جاتی ہے جس طرح صحیح بخاری و سنن نسائی میں ہے کہ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے سوال ہوا کہ تم اہل بیت کو نبی صلی اللہ

(کما فی الصحیح وسنن النسائی)ھل خصکم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشیئ دون الناس(کما تزعم الشیعۃ)فقال لا الا فھمایؤتیہ اللہ عبدا فی کتابہ اھ[1] مختصرًا مزیدا ما بین الھلالین من شرح العلامۃ الزرقانی۔رزقنا اللہ تعالٰی بمنّہ واٰلائہ بفضل رحمتہ باولیائہ وصل وسلم علٰی خاتم انبیائہ محمد واٰلہ وصحبہ واحبائہ اٰمین۔	تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی خاص شیئ ایسی عطا فرمائی ہے جو اور لوگوں کو نہ دی جیسا کہ رافضی گمان کرتے ہیں؟ فرمایا: نہ مگر وہ سمجھو جو اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو قرآن عزیز میں عطا فرمائی اھ، مختصرًا ہلالین میں شرح زرقانی کی عبارت زائد لائی گئی ہے۔اللہ تعالٰی اپنی رحمت و فضل،احسان و نعمت ہمیں عطا فرمائے بوسیلہ اولیاء اللہ صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی آل و اصحاب سب پر۔آمین۔(ت)

سید کفریہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا:

ولید بلید خواہ کوئی پلید ختم نبوت کا ہر منکر عنید صراحۃً جاحد ہو یا تاویل کا مرید مطلقًا نفی کرے یا تخصیص بعید امیری، قاسمی، مشہدی مرید، رافضی غالی وہابی شدید، سب صریح کافر مرتد طرید علیھم لعنۃ العزیز الحمید (ان پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو) اور جو کافر ہو وہ قطعًا سید نہیں،اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

" اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﱪ "[2]	وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔(ت) نہ اسے سید کہنا جائز۔

منافق کو سید نہ کہو:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تقولوا للمنافق سید فانہ ان یکن سیدا فقد استخطتم ربکم عزوجل[3]،رواہ	منافق کو سید نہ کہو کہ اگر وہ تمہارا سید ہو تو بیشک تم پر تمہارے رب عزوجل کا غضب ہو (اس کو

[1] المواہب اللدنیۃ المقصد السابع،الفصل الاول علامات محبۃ الرسول،المکتب الاسلامی،بیروت،۳/ ۹۷۔۲۹۶،شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ،الفصل الاول علامات محبۃ الرسول،دار الفکر بیروت،۶/ ۱۱۔۳۱۰

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

[3] سنن ابی داؤد،کتاب الادب باب لا یقول المملوك ربی وربتی،آفتاب عالم پریس،لاہور،۲/ ۳۲۴

ابوداؤد والنسائی بسند صحیح عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ابوداؤد اور نسائی نے بسند صحیح حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا)

روایت حاکم کے لفظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا قال الرجل للمنافق یا سید فقد اغضب ربہ عزوجل[1]	جو کسی منافق کو "اے سید" کہے اس نے اپنے رب کا غضب اپنے اوپر لیا۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

پھر یہی نہیں کہ یہاں صرف اطلاق لفظ سے ممانعت شرعی اور نسب سیادت کا انتفائے حکمی ہو حاشا بلکہ واقع میں کافر اس نسل طیب وطاہر سے تھا ہی نہیں اگرچہ سید بنتا اور لوگوں میں براہ غلط سید کہلاتا ہو ائمہ دین اولیائے کاملین علمائے عاملین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین تصریح فرماتے ہیں کہ ساداتِ کرام بحمد اللہ تعالٰی خباثت کفر سے محفوظ و مصئون ہیں جو واقعی سید ہے اس سے کبھی کفر واقع نہ ہوگا، قال اللہ تعالٰی:

"اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳" [2]	اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دور رکھے اے نبی کے گھر والو! اور تمہیں خوب پاک کردے ستھرا کرکے۔

تمام فوائد اور بزار وابویعلٰی مسند اور طبرانی کبیر اور حاکم بافادہ تصحیح مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان فاطمۃ احصنت فرجہا فحرمہا اللہ و ذریتہا علی النّار[3]	بیشک فاطمہ نے اپنی حرمت پر نگاہ رکھی تو اللہ عزوجل نے اسے اور اس کی ساری نسل کو آگ پر حرام کردیا۔

اہل بیت سے کوئی بھی جہنمی نہیں:

ابوالقاسم بن بشران اپنے امالی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سالت ربی ان لا یدخل احدا من اہل بیتی النار فاعطانیہا[4]	میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہلبیت سے کسی کو دوزخ میں نہ ڈالے اس نے میری یہ مراد عطا فرمائی۔

[1] المستدرک للحاکم، کتاب الرقاق، دار الفکر بیروت، ۴/ ۳۱۱

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۳

[3] المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، دار الفکر بیروت، ۳/ ۱۵۲

[4] کنز العمال بحوالہ ابن بشران فی امالیہ عن عمران بن حصین حدیث ۳۴۱۴۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۲/ ۹۵

اہلبیت عذاب سے بری ہیں:

طبرانی بسند صحیح عــہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت بتول رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرمایا:

ان اللّٰہ تعالٰی غیر معذبك ولا ولدك [1]	بیشک اللہ تعالٰی نہ تجھے عذاب فرمائے گا نہ تیری اولاد کو۔

حضرت فاطمہ کی وجہ تسمیہ:

ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما سمیت فاطمة لان اللّٰہ فطمھا وذریتھا عن النار یوم القیٰمة [2]	فاطمہ اس لئے نام ہوا کہ اللہ عزوجل نے اسے اور اس کی نسل کو روز قیامت آگ سے محفوظ فرمادیا۔

اہلبیت آگ میں نہیں جاسکتے:

قرطبی آیہ کریمہ "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" کی تفسیر میں حضرت ترجمان القرآن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ناقل کہ انہوں نے فرمایا:

رضا محمد صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ان لا یدخل احد من اھل بیته النّار [3]	یعنی اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے راضی کردینے کا وعدہ فرمایا اور محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ ان کے اہل بیت سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔

نار دو قسم کی ہے، نارِ تطہیر کہ مومن عاصی جس کا مستحق ہو، اور نارِ خلود کافر کے لئے ہے، اہل بیت کرام

عــہ: افادہ الھیثمی فی الصواعق حیث قال جاء بسند رواته ثقات انه صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم قال لفاطمة فذکرہ۔ ۱۲ منه (م)	ہیثمی نے صواعق میں اس کا افادہ کیا جہاں انہوں نے کہا سند کے ساتھ مروی جس کے تمام راوی ثقہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو فرمایا تو پھر اس حدیث کا ذکر کیا ۱۲ منہ (ت)

[1] المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۱۶۸۵ المکتبة الفیصلیة، بیروت ۱۱/ ۲۶۳

[2] المواہب اللدنیه، بحواله ابن عساکر، المقصد الثانی، الفصل الثانی، المکتب الاسلامی، بیروت ۲/ ۶۴، تنزیه الشریعة بحواله ابن عساکر باب مناقب السبطین الخ الفصل الاول، دار الکتب العلمیه، بیروت ۱/ ۴۱۳

[3] الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی) تحت اٰیة ولسوف یعطیك ربک، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۲۰/ ۹۵

میں حضرت امیر المؤمنین مرتضی و حضرت بتول زہرا و حضرت سید مجتبٰی و حضرت شہید کربلا صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدہم و علیہم وبارک وسلم تو بالقطع والیقین ہر قسم سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ ہیں اس پر تو اجماع قائم اور نصوص متواترہ حاکم باقی نسل کریم تا قیام قیامت کے حق میں اگر بفضلہٖ تعالٰی مطلق دخول سے محفوظی لیجئے اور یہی ظاہر لفظ سے متبادر، اور اسی طرف کلماتِ اہل تحقیق ناظر، جب تو مراد بہت ظاہر، اور منع خلود مقصود جب بھی نفی کفر پر دلالت موجود۔ شرح المواہب للعلامۃ الزرقانی میں زیر حدیث مذکور:

انما سمیت فاطمۃ ھی فاما ھی وابنا ھا فالمنع مطلق واما من عداھم فالممنوع عنھم نار الخلود۔ واما ماروٰاہ ابو نعیم والخطیب ان علیاً الرضا بن موسٰی الکاظم ابن جعفر الصادق سئل عن حدیث ان فاطمۃ احصنت فقال خاص بالحسن و الحسین وما نقلہ الاخبار یون عنہ من توبیخہ لاخیہ زید حین خرج علی المامون وقولہ اغرك قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان فاطمۃ احصنت الحدیث ان ھذا لمن خرج من بطنھا لا لی ولا لك فھذا من باب التواضع وعدم الاغترار بالمناقب وان کثرت کما کان الصحابۃ المقطوع لھم بالجنّۃ علی غایۃ من الخوف والمراقبۃ والا فلفظ ذریۃ لا یخص بمن خرج من بطنھا فی لسان العرب ومن ذریتہ	بیشک فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا یہ نام ہے لیکن فاطمہ اور ان کے بیٹے تو ان پر مطلقًا جہنم کی آگ ممنوع ہے لیکن ان کے ماسوا کے لئے جہنم کا خلود ممنوع ہے۔ آپ پر اور ان پر اللہ تعالٰی کا سلام ہو۔ اور لیکن جو ابونعیم اور خطیب نے روایت کیا ہے کہ علی رضا بن موسٰی کاظم ابن جعفر الصادق سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا کہ فاطمہ نے اپنے حرم گاہ کو محفوظ رکھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا یہ حسن اور حسین کے لئے خاص ہے اور وہ جو مورخین نے ان سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے اپنے بھائی زید کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا جب اس نے مامون پر خروج کیا اور کہا کیا تجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان نے غرور میں مبتلا کیا ہے کہ فاطمہ نے اپنی حرم گاہ کو محفوظ رکھا ہے۔ (الحدیث) اس پر انہوں نے فرمایا یہ میرے اور تیرے لئے خاص نہیں بلکہ جو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بطن سے پیدا ہوا ہے ان سب کے لئے ہے، تو یہ تواضع اور مناقب کثیرہ کے باوجود غرور نہ کرنے کے باب سے ہے جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے جنت قطعی ہے اس کے باوجود وہ خوف و مراقبہ میں مبتلا تھے، ورنہ تو ذریت کا لفظ عربی

داؤد وسلیمٰن الاٰیة وبینهم وبینه قرون کثیرة فلا یرید ذٰلك مثل علی الرضا مع فصاحته ومعرفته لغة العرب علی ان التقلید بالطائع یبطل خصوصیة ذریتها ومحببها الا ان یقال ﷲ تعذیب الطائع فالخصوصیة ان لا یعذ به اکراما لها واﷲ اعلم [1]، اھ مختصرا و رأیتنی کتبت علی ھامش قوله الا ان یقال ما نصه۔ **اقول:** ولا یجدی فان الوقوع ممنوع باجماع اهل السنة واما الامکان فثابت عند من یقول به الی خلاف ائمتنا الماتریدة رضی اﷲ تعالٰی عنهم فانهم یحیلونه وقد تکلمت فی مسئلة علی هامش فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت لبحرالعلوم بما یکفی ویشفی فانی اجدنی فیها ارکن وامیل الی قول ساداتنا الاشعریة رحمهم اﷲ تعالٰی ورحمنا بهم جمیعا واﷲ اعلم بالصواب فی کل باب۔	زبان میں ایک پیٹ کی اولاد کے لئے خاص نہیں، جیسے آیہ کریمہ ومن ذریتہ داؤد سلیمٰن ہے، حالانکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور داؤد و سلیمٰن علیہما السلام کے درمیان کئی قرون کا فاصلہ ہے، لہٰذا علی رضا اپنی فصاحت اور عربی لغت کی معرفت کے باوجود یہ خاص مراد نہیں لے سکتے، علاوہ ازیں نافرمان کی تقلید حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد کی خصوصیت کو باطل کردیتی ہے، مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو نافرمان کی تعذیب کا اختیار ہے لیکن حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے اکرام کے لئے اُسے اِعذاب نہیں دیتا، **واللہ تعالٰی اعلم** اھ مختصراً۔ میں نے زرقانی کے قول "**الا ان یقال**" پر حاشیہ لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) ان کا یہ بیان مفید نہیں ہے عذاب کا وقوع تو باجماع اہلسنّت ممنوع ہے، باقی رہا امکان تو یہ اس قائل کے ہاں ثابت ہے جو ہمارے ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے خلاف ہے کیونکہ یہ ائمہ محال سمجھتے ہیں، میں نے اس مسئلہ پر کتاب مسلم الثبوت کی شرح بحرالعلوم فواتح الرحموت پر حاشیہ میں کافی اور شافی بحث کی ہے میں نے وہاں اپنے کو سادات اشعریہ رحمہم اللہ کے قول کی طرف مائل پایا، اللہ تعالٰی ہم سب پر رحم فرمائے۔ (**واللہ تعالٰی اعلم**)

فتاوٰی حدیثیہ امام ابن حجر مکی میں ہے:

اذا تقرر ذٰلك فمن علمت نسبته الی اٰل	توجب یہ ثابت ہوا توجس کی نسبت اہلبیت نبی اور

[1] شرح الزرقانی المواہب اللدنیة، المقصد الثانی، الفصل الثانی، دار المعرفة، بیروت، ۳/ ۲۰۳

البیت النبوی والسر العلوی لا یخرجه عن ذٰلك عظیم جنایته ولا عدم دیانته وصیانته ومن ثم قال بعض المحققین ما مثال الشریف الزانی او الشارب او السارق مثلًا اذا اقمنا علیه الحد الا کامیر اوسلطان تلطخت رجلاہ بقذر فغسله عنهما بعض خدمه ولقدبر فی هذا المثال وحقق ولیتأمل قول الناس فی امثالهم الولد العاق لا یحرم المیراث نعم الکفران فرض وقوعه لاحد من اهل البیت والعیاذ بالله تعالٰی هو الذی یقطع النسبة بین من وقع منه وبین شرفه صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما قلت ان فرض لا ننی اکادان اجزم ان حقیقة الکفر لا تقع ممن علم اتصال نسبه الصحیح بتلك البضغة الکریمة حاشا هم الله من ذٰلك و قد احال بعضهم وقوع نحو الزنا واللواط ممن علم شرفه فما ظنك بالکفر[1]

علوی حضرات کی طرف معلوم ہے تو اس کی بڑی جنایت اور عدم دیانت وصیانت اس کو اس نسبت سے خارج نہ کرے گی، اس بات کی بناء پر بعض محققین نے فرمایا زانی یا شرابی یا چور رسید پر حد قائم کرنے کی مثال صرف یہی ہے جیسے امیر یا سلطان کا کوئی خادم اس کے پاؤں پر لگی نجاست کو صاف کرے، اس مثال کو غور سے سمجھا جائے اور لوگوں کی اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ نافرمان اولاد وراثت سے محروم نہیں ہوتی، ہاں اگر ان حضرات سے کفر کا وقوع فرض کیا جائے، والعیاذ باللہ، تو اس سے وہ نسبت منقطع ہوجائے گی، میں نے صرف فرض کرنے کی بات اس لئے کی ہے کیونکہ مجھے جزم کی حد تک یقین ہے کہ جو صحیح النسب سید ہو اس سے حقیقی کفر کا وقوع نہیں ہوسکتا اللہ تعالٰی ان کو اس سے بلند رکھے، بعض نے ان سے زنا اور لواطت جیسے افعال کو بھی محال کہا ہے بشرطیکہ ان کی نسبی شرافت یقینی ہو تو پھر کفر کے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی حدیثیہ، طلب ما الحکمة فی خصوص اولاد فاطمه بالمشرف. المطبعة الجمالیه، مصر، ص ۱۲۲

شیخ اکبر اور اہلبیت:

امام الطریقۃ لسان الحقیقۃ شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ باب ۲۹ میں فرماتے ہیں:

لما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدا مخصاقد طھرہ اللہ و اھل بیتہ تطھیرا واذھب عنھم الرجس وھو کل ما یشینھم فھم المطھرون بل ھم عین الطھارۃ فھذہ الاٰیۃ تدل علی ان اللہ تعالٰی قد شرك اھل البیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی قولہ تعالٰی "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ"، و ای وسخ وقذر من الذنوب فطھر اللہ سبحانہ نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالمغفرۃ ممّا ھو ذنب بالنسبۃ الینا فدخل الشرفاء اولاد فاطمۃ کلھم رضی اللہ تعالٰی عنھم الی یوم القیٰمۃ فی حکم ھذہ الاٰیۃ من الغفران الی اٰخر ما افادوا جادو ثمہ کلام طویل نفیس جلیل فعلیك بہ رزقنا اللہ العمل بما یحبہ ویرضاہ اٰمین![1]	جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالٰی کے خاص عبد ہیں کہ ان کو اور ان کے اہل بیت کو کامل طور پر پاک کردیا ہے اور ناپاکی کو ان سے دور کردیا ہے اور رجس ہر ایسی چیز ہے جو ان حضرات کو داغدار کرے تو وہ پاکیزہ لوگ بلکہ وہ عین طہارت ہیں، تو اللہ تعالٰی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اہل بیت کو طہارت میں شریک فرمایا ہے جس پر آیہ کریمہ ہے "لیغفر لك اللہ" "اللہ تعالٰی نے آپ کے لئے پہلے اور پچھلے آپ کے خطا یا معاف کردئے یعنی گناہوں کی میل و قذر سے آپ کو پاک رکھا ہے جو ہماری نسبت سے گناہ ہوسکتے ہیں تو تمام سادات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد اس حکم میں داخل ہے الخ، تک جو حضرت شیخ نے بہترین فائدہ مند کلام فرمایا یہاں آپ کا جلیل نفیس طویل کلام ہے تو آپ پر لازم ہے کہ اس کی طرف راجع ہوں اللہ تعالٰی ہمیں اپنے پسندیدہ عمل کا حصّہ عطافرمائے، آمین! (ت)

[1] الفتوحات المکیۃ، الباب التاسع والعشرون، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/ ۱۹۶

بد عقیدہ سید:

اگر کہے بعض کٹر نیچری بیشمار اشد غالی رافضی بہت سچّے ملحد جھوٹے صوفی کچھ ہفت خاتم شش مثل والے وہابی غرض بکثرت کفار کہ صراحۃً منکرین ضروریات دین ہیں سید کہلاتے میر فلاں لکھے جاتے ہیں۔

اقول: کہلانے سے واقعیت تک ہزاروں منزل ہیں نسب میں اگرچہ شہرت پر قناعت **والناس امناء علی انسابھم** (لوگ اپنے نسبوں میں امین ہیں۔ت) مگر جب خلاف پر دلیل قائم ہو تو شہرت بے دلیل نامقبول وعلیل اور خود اس کے کفر سے بڑھ کر نفی سیادت پر اور کیا دلیل درکار، کافر نجس ہے **قال تعالٰی** "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک مشرک نرے ناپاک ہیں) اور ساداتِ کرام طیب وطاہر **قال اللہ تعالٰی** "وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۟ۚ"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے) اور نجس وطاہر باہم متبائن ہیں کہ ایک شیئ پر معًا ان کا صدق محال، جب علمائے کرام تصریح فرما چکے کہ سید صحیح النسب سے کفر واقع نہ ہوگا اور یہ شخص صراحۃً کافر تو اس کا سید صحیح النسب نہ ہونا ضرورۃً ظاہر، اب اگر اس نسب کریم سے انتساب پر کوئی سند معتمد نہ رکھتا ہو تو امر آسان ہے ہزاروں اپنی اغراضِ فاسدہ سے براہِ دعوی سید بن بیٹھے: ع

غلّہ تا ارزاں شود امسال سید می شوم

(اس سال سید بنوں گا تاکہ خوراک میں آسانی ہو)

رافضی سید: رافضی صاحبوں کے یہاں تو یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، آج ایک رذیل سارذیل دوسرے شہر میں جاکر رفض اختیار کرے کل میر صاحب کا تمغا پائے تو فلاں کافر سے کیا دور ہے کہ خود بن بیٹھا ہو یا اس کے باپ دادا میں کسی نے ادعائے سیادت کیا اور جب سے یونہی مشہور چلا آتا ہو، اور اگر بالفرض کوئی سند بھی ہو تو اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ اسی خاندان کا ہے جس کی نسبت یہ شہادت تامہ ہے، علامہ محمد بن علی صبان مصری اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفٰی وفضائل اہل بیت الطاہرین میں فرماتے ہیں:

ومن این تحقق ذٰلك لقیام احتمال زوال بعض النساء و کذب بعض الاصول فی الانتساب[3]	یہ کیسے ثابت ہوا جبکہ بعض عورتوں کی غلط کاری اور نسب بنانے میں بعض مردوں کے جھوٹ کا احتمال ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۳

[3] اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفٰی وفضائل اہل البیت الطاہرین، محمد بن علی صبان مصری

یہ وجوہ ہیں ورنہ حاشاللہ ہزار ہزار حاشاللہ نہ بطن پاک حضرت بتول زہرا میں معاذاللہ کفر وکافری کی گنجائش، نہ جسم اطہر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی پارہ کتنے ہی بُعد پر عیاذاً باللہ دخولِ نار کے لائق، الحمدللہ یہ دو دلیل جلیل واجب التعویل ہیں کہ کوئی عقیدہ کفریہ رکھنے والا رافضی وہابی متصوف نیچری ہر گز سید صحیح النسب نہیں۔ تین قیاس پر مشتمل

دلیل اوّل:

(۱) یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر نجس۔ نتیجہ: یہ شخص نجس ہے۔

(۲) ہر سید صحیح النسب طاہر ہے اور کوئی طاہر نجس نہیں، نتیجہ: کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔

(۳) اب یہ دونوں نتیجے ضم کیجئے یہی شخص نجس ہے اور کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔

نتیجہ: یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

قیاس اول کا صغرٰی مفروض اور کبرٰی منصوص اور دوم کا صغرٰی منصوص اور کبرٰی بدیہی تو نتیجہ قطعی۔

دلیل دوم:

قیاس مرکب، یہ بھی تین قیاسوں کو متضمن، یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر مستحق نار۔

نتیجہ: یہ شخص مستحقِ نار ہے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم اقدس کا کوئی پارہ مستحقِ نار نہیں۔

نتیجہ: یہ شخص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کا پارہ نہیں اور ہر سید صحیح النسب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم اقدس کا پارہ ہے۔

نتیجہ: یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

پہلا کبرٰی منصوص قرآن، اور دوسرے کا شاہد ہر مومن کا ایمان، اور تیسرا عقلاً وفقہاً واضح البیان۔

و الحمدللہ الکریم المنان والصلٰوۃ والسلام الاتمان الاکملان علٰی سیدنا ومولانا سید الانس والجان خاتم النبیین بنص الفرقان وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ و تابعیھم باحسان وعلینا معھم یااللہ یارحمٰن اٰمین اٰمین یارؤف یاحنان سبحانك اللھم و بحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك واللہ سبحانہ وتعالٰی	تمام تعریفیں احسان فرمانے والے اللہ کریم کے لئے تام وکامل صلٰوۃ وسلام ہمارے آقا و مولٰی انسان و جن کے سردار، قرآنی نص سے خاتم النبیین اور آپ کی آل واصحاب اور تابعین اور ان کے ساتھ ہم پر، یا اللہ یا رحمان، آمین آمین، اے شفقت ومہربانی فرمانے والے! تو پاک ہے اے اللہ! اور تیری ہی تعریفیں، گواہی دیتا ہوں کہ تیرے بغیر کوئی معبود برحق نہیں، تجھ سے بخشش کا طالب ہوں اور تیری طرف ہی رجوع، اللہ سبحانہ وتعالٰی

اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	بڑے علم والا اور اسی جل مجدہ کا علم نہایت تام اور نہایت قطعی ہے۔(ت)

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه محمد

المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تقریظ جناب مولانا شیخ احمد مکی مدرس مکہ معظّمہ دام مجدہ

الحمد للہ الذی جعلنا من ذوی العقول و منحنا بالرضا والقبول نسأله الصلٰوة والسلام کما ینبغی لجلال عظمة قدر نبینا و سیدنا محمد صلی اللہ علیه وسلم خاتم الانبیاء وسید کل رسول اشھد ان لا اله الّا اللہ وحدہ لا شریك له المنزہ عن الکذب والاقول والصلٰوة والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم انبیائه و اشرف رسله المبعوث الٰی کافة الخلق والی الاسود و الاحمر ھو الشافع المشفع فی المحشر صلی اللہ تعالٰی علیه وعلٰی اٰله واصحابه المصابیح العزر وعلی الائمة المجتھدین الی یوم الیقین اما بعد فقد نورت جفنی باثمد ھٰذا الجواب فیاطرب من جواب اصاب لا یاتیه الباطل من بین	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے ہمیں ذوالعقول بنایا اور رضا و قبول کا تحفہ دیا، اس سے ہم اپنے نبی و سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو انبیاء کے پچھلے اور تمام رسولوں کے سردار کی پُر جلال عظمتِ قدر کے مناسب پر صلٰوۃ وسلام کا سوال کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں جو کذب اور بے جا باتوں سے پاک ہے، ہمارے سردار، اللہ تعالٰی کے انبیاء و رسولوں کے خاتم واشرف، جو تمام مخلوق کی طرف مبعوث وہ محشر کے روز شفاعت کرنے والے جن کی شفاعت مقبول ہے سیدنا محمد پر صلٰوۃ و سلام اور ان کی آل واصحاب پر جو قابلِ قدر چراغ ہیں اور ائمہ مجتہدین پر قیامت تک، امابعد میں نے اس جواب کے سرمہ اثمد سے اپنی پلکوں کو منور کیا، کیا ہی خوشی ہے ایسے جواب باصواب سے کہ باطل اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا، بلکہ یہ نری ہدایت ہے جو حق وصواب تک پہنچانے

یدیه ولا من خلفه بل هدایة مهداة الی الحق و الصواب و کیف لا وهو للبحر الطمطام والحبر الفهام قدوة الفقهاء والمحدثین وزبدة الکملاء و المفسرین ریاض البلغاء المتکلمین ومرکز الفصحاء الماهرین جامع المتون وشارح الفنون التقی النقی نعمان الزمان مولانا الحاج الحافظ القاری الشیخ احمد رضا خاں لا زالت شموس افاضته علی العٰلمین مشرقة وصمصام اجوبته لاعناق الملحدین قاطعة جزاہ اللّٰه عنا وعن المسلمین خیرا لجزاء وجمع اللّٰه شمله مع الاوتاد والنجباء فلعمری ان هذا الجواب لا یقبله الاّ ذو قلب سلیم ولا یخوض فیه بالباطل الاّ الملحد الزندیق الرجیم کما قیل۔

الحمدللّٰه ان الحق قد ظهرا
الا علی اکمه لایعرف القمرا
من فاضل نال من ابائه الشرفا
اروی سحاب نداہ الجن والبشرا

والحق ان من یضلل اللّٰه فلا هادی له ومن یهدہ فلا مضل له اللهم اجعلنا متصفین بالافعال کما جعلتنا واصفین بالاقوال وارضنا وارض عنّا بجاہ سیدنا محمد والاٰل واحفظنا عن زائغ الزائغین ومن همزات الشیاطین واٰخر دعوانا

والی ہے کیوں نہ ہو کہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر، انتہائی فہم والے ماہر، فقہاء اور محدثین کے مقتداء، کاملین و مفسرین کے نشان، بلیغ کلام والوں کے باغ، فصیح ماہرین کے مرکز، متون کے جامع، فنون کے شارح، پاکیزہ، متقی، نعمانِ وقت مولانا الحاج حافظ قاری الشیخ احمد رضا خاں کا یہ جواب ہے ان کے فیض کا سورج تمام جہانوں پر چمکتا رہے اور ان کے جوابات کی تلوار ملحدین کی گردن کو کاٹتی رہے، اللہ ان کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اللہ تعالٰی ان کی مقبول خدمات کو اوتاد و نجباء کے ساتھ شمار فرمائے، مجھے اپنی عمر کی قسم اس جواب کو صرف سلیم قلب والے لوگ ہی قبول کریں گے اور اس میں باطل کی تلاش صرف ملحد وزندیق مردود کو ہی ہوگی، جیسے کسی نے کہا:

الحمد للّٰه بیشک حق ظاہر ہوا مگر اندھوں کے لئے نہیں جو چاند کو نہیں پہچانتے، یہ ظہور ایسے فاضل سے ہوا جس نے اپنے آباء واجداد سے شرف پایا، اس کی مجلس کے بادل نے جن وبشر کو سیراب کیا۔

یہ حق ہے کہ جس کو اللہ تعالٰی گمراہ کرے اس کا کوئی ہادی نہیں اور جس کو وہ ہدایت دے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں، اے اللہ! ہمیں افعال میں ایسے متصف فرما جیسے تو نے ہمیں اقوال میں واصف بنایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی آل پاک کے وسیلہ سے

ان الحمد للہ رب العٰلمین نمقه ببنانه الراجی عفو ربه الحفی البارٰی احمد المکی الجشتی الصابری الامدادی المدرس بالمدرسة الاحمدیة الواقعة فی مکّة المحمیة ۱۳۱۷ھ۔	ہمیں راضی بنا اور ہم سے راضی رہ، اور ہمیں گمراہوں کی گمراہی اور شیطانوں کی شیطنت سے محفوظ فرما، ہماری آخری التجا اللہ رب العالمین کی حمد ہے، احمد مکی چشتی صابری امدادی مدرس مدرسہ احمدیہ نے ۱۳۱۷ھ میں اپنے دستخطوں سے مکہ مکرمہ میں جاری کیا۔ (ت)

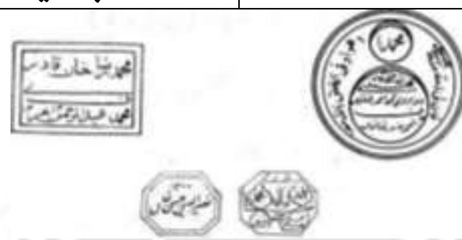

نوٹ:

جلد پانزدھم کتاب السیر (حصہ دوم) ختم ہوئی

جلد شانزدھم کا آغاز کتاب الشرکۃ سے ہوگا۔

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۶

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد شانزدہم (۱۶)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور۔۸ پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب______________فتاوی رضویہ جلد شانزدہم ۱۶

تصنیف______________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ______________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست____________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح____________مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام و سرپرستی__________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت______________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ______________مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات______________۶۳۲

اشاعت______________جمادی الاولٰی ۱۴۲۰ھ / ستمبر ۱۹۹۹ء

مطبع

____

ناشر______________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت

____

ملنے کے پتے

*مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولٰنا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی ترجمہ و تخریج کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا نو سال کے مختصر عرصہ میں یہ سولھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق کتاب الایمان، کتاب الحدودوالتعزیر اور کتاب السیر پر مشتمل پندرہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
١	کتاب الطہارۃ	٢٢	١١	شعبان المعظم ١٤١٠ھ ـــــ مارچ ١٩٩٠ء	٨٣٨
٢	کتاب الطہارۃ	٣٣	٧	ربیع الثانی ١٤١٢ ـــــ نومبر ١٩٩١ء	٧١٠
٣	کتاب الطہارۃ	٥٩	٦	شعبان المعظم ١٤١٢ ـــــ فروری ١٩٩٢	٧٥٦
٤	کتاب الطہارۃ	١٣٢	٥	رجب المرجب ١٤١٣ ـــــ جنوری ١٩٩٣	٧٦٠
٥	کتاب الصّلوٰۃ	١٤٠	٦	ربیع الاوّل ١٤١٤ ـــــ ستمبر ١٩٩٣	٦٩٢
٦	کتاب الصّلوٰۃ	٤٥٧	٤	ربیع الاوّل ١٤١٥ ـــــ اگست ١٩٩٤	٧٣٦
٧	کتاب الصّلوٰۃ	٢٦٩	٧	رجب المرجب ١٤١٥ ـــــ دسمبر ١٩٩٤	٧٢٠
٨	کتاب الصّلوٰۃ	٣٣٧	٦	محرم الحرام ١٤١٦ ـــــ جون ١٩٩٥	٦٦٤
٩	کتاب الجنائز	٢٧٣	١٣	ذیقعدہ ١٤١٦ ـــــ اپریل ١٩٩٦	٩٤٦
١٠	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	٣١٦	١٦	ربیع الاوّل ١٤١٧ ـــــ اگست ١٩٩٦	٨٣٢
١١	کتاب النکاح	٤٥٩	٦	محرم الحرام ١٤١٨ ـــــ مئی ١٩٩٧	٧٣٦
١٢	کتاب نکاح، طلاق	٣٢٨	٣	رجب المرجب ١٤١٨ ـــــ نومبر ١٩٩٧	٦٨٨
١٣	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	٢٩٣	٢	ذیقعدہ ١٤١٨ ـــــ مارچ ١٩٩٨	٦٨٨
١٤	کتاب السیر (ا)	٣٣٩	٧	جمادی الاخریٰ ١٤١٩ ـــــ ستمبر ١٩٩٨	٧١٢
١٥	کتاب السیر (ب)	٨١	١٥	محرم الحرام ١٤٢٠ ـــــ اپریل ١٩٩٩	٧٤٤

سولھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے صفحہ ٣٢٠ سے آخر تک ٤٣٢ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے، نئے شامل کردہ رسائل کے علاوہ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارہویں، بارہویں تیرہویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشرکۃ اور کتاب الوقف کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے انتہائی وقیع اور گرانقدر

تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) جوال العلولتبیّن الخلو (۱۳۳۶ھ)

خلو کی تعریف اور اس کے شرعی حکم کا بیان

(۲) التحریر الجید فی حق المسجد (۱۳۱۵ھ)

اشیاء مسجد کو فروخت کرنے اور انھیں اپنے تصرف میں لانے کا حکم

(۳) ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری (۱۳۳۱ھ)

مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوٰی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلّی کے اس مسجد کے بارے میں فیصلے کا رد بلیغ۔

رسائل مذکورہ میں سے اول الذکر رسالہ تو پہلے سے ہی فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم **کتاب الوقف** میں موجود تھا جبکہ باقی دونوں رسالے اس سے قبل فتاوٰی رضویہ میں شامل نہ تھے موضوع کی مناسبت سے ان کو جلد ہذا میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے نیز رسالہ **التحریر الجید** کے بعد مسئلہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸ فتاوٰی افریقہ سے ماخوذ ہیں، یاد رہے کہ پندرھویں جلد میں **کتاب السیر** مکمل ہوچکی ہے اس کے بعد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم میں **کتاب المفقود** تھی جس کو **کتاب الطلاق** کے ساتھ منسلک کرکے تیرھویں جلد (جدید) میں شامل کیا جاچکا ہے لہٰذا پیش نظر جلد (شانزدہم) کا آغاز **کتاب الشرکۃ** سے ہورہا ہے۔

جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ستمبر ۱۹۹۹ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

رموز

محقق: علّامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر
ح: علّامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی
ش: علّامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب ردالمحتار
ط: علّامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدر المختار وحاشیہ مراقی الفلاح
الدر: الدر المختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی
الدرر: الدرر شرح الغرر، ملّا خسرو علّامہ محمد بن فراموز
بحر: البحر الرائق، علّامہ زین الدین ابن نجیم
ہندیہ: فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف
نہر: النہر الفائق، سراج الدین عمر بن تمیم
فتح: فتح القدیر، علّامہ کمال الدین ابن ہمام
غنیہ: غنیۃ المستملی، علّامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی
حلیہ: حلیۃ المحلّی، ابن امیر الحاج

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

حَمدبَارِیْ تعالٰی

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ
بِجَلَالِہِ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلٰوتُہ دَوْمًا عَلٰی
خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ

حضرت رضا بریلوی

اس خدائے یکتا کی حمد وثنا
جو اپنے جلال میں یکتا و یگانہ ہے
تمام مخلوق میں سب سے اعلٰی انسان محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)
پر خدا کی رحمت ہمیشہ ہمیش نازل ہوتی رہے!

فہرست مضامین مفصّل

نقد میں مال حرام دیا تو بائع کو اس کا لینا حرام لیکن جائداد ملک مشتری ہوگی۔	۱۲۲	جتنے لوگوں کے نام بیع ہولی مبیع کے سب مالک ہوگئے اگرچہ قیمت ایک شخص نے ادا کی ہو۔	۱۲۶
ناچنے گانے والوں کو اجرت کے علاوہ "بیل" کے طور پر جو دیا جاتا ہے وہ حرام نہیں۔	۱۲۲	چندہ چندہ دہندگان کی ملک پر ہوتا ہے۔	۱۲۶
مال حرام کے مصرف خیر میں لانے کا حیلہ۔	۱۲۲	جو جائداد چندہ کے پیسہ سے چندہ دہندگان کی اجازت سے فراہم ہوئی تو اس میں سبھی شریک ہوں گے، اور جب سب لوگوں نے مل کر اس کو مدرسہ دینیہ کے لئے کردیا تو وقف ہوگیا۔	۱۲۶
جنازہ پر ڈالنے کے لئے چادر وقف کرسکتے ہیں۔	۱۲۲	مشترکہ جائداد میں چندہ کی کمی بیشی کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ سب کو یکساں حق حاصل ہے۔	۱۲۶
جنازہ پر بقصد زینت بیش قیمت چادر ڈالنا مکروہ ہے۔	۱۲۲	حقوق غیر متجزی میں تمام شریک علی وجہ الکمال مالک ہوتے ہیں۔	۱۲۶
مسجد کے لئے ہندوؤں کا وقف باطل ہے۔	۱۲۳	جو چیز ایک بار وقف ہوگئی دوبارہ وقف نہیں ہوسکتی۔	۱۲۷
نماز اور جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں۔	۱۲۳	کسی منصب والے کو بلاعذر شرعی معزول کرنا جائز نہیں۔	۱۲۷
تاڑ و کھجور کے باغ میں زمین کا وقف صحیح ہے اور تاڑ و کھجور تاڑی اور سیندھی نکالنے کے لئے اجارہ پر دینا حرام و باطل ہے۔	۱۲۳	مسئلہ شرعی میں قلّت و کثرت رائے کا اعتبار نہیں۔	۱۲۸
صدہا سال سے مسلمان جس زمین پر چاہ و قبور و مساجد بناتے آئے ہیں وہ وقف عام ہے۔	۱۲۴	انتظامی امور جن میں شرع کی طرف سے کوئی تحدید نہ ہو کثرت رائے کا لحاظ ہوتا ہے اور اس میں علم وجہالت کا بھی لحاظ نہ ہوگا بلکہ تجربہ کاری کا اعتبار ہے۔	۱۲۸
وقف خاص میں ہر متولی خلاف اغراض وقف تصرف کرنے سے ہر شخص کو روک سکتا ہے۔	۱۲۴	وقف کی صحت کے لئے واقف کا جائدا موقوفہ کا مالک ہو نا ضروری ہے	۱۲۹
خلاف اغراض وقف اجازت باطل ہے۔	۱۲۴	صحت وقف کے لئے وقف نامہ لکھنا ضروری نہیں، زبانی وقف بھی کافی ہے۔	۱۲۹
خائن متولی کو معزول کردینا لازم ہے۔	۱۲۴	واقف اپنے یا اپنے خاندان کی تولیت کی شرط لگاسکتا ہے۔	۱۲۹
ایک بیعنامہ کی نقل۔	۱۲۵	متولی سے ولایت کب لے لینا ضروری ہے۔	۱۲۹
ہبہ بالعوض بیع ہے۔	۱۲۶	اوقاف مطلقًا چاہے واقف غیر مسلم ہو اور وقف ہمارے مذہبی اعمال کے لئے ہوں، یا غریبوں کی مدد تعلیم یا طبّی امداد کے لئے ہوں سب علی العموم مذہبی ہیں۔	۱۳۰

فساق مرتکب کبیرہ کاذبیحہ جائز ہے،ان سے ابتداء سلام ناجائز،زجروتنبیہ کی نیت سے ان سے ترک راہ ورسم بہتر ہے۔	۳۶۰	مسجد میں وعظ اور چندہ کے جائز وناجائز ہونے کی صورتیں اور ان کاحکم۔	۳۶۱
فاسق نکاح پڑھائے تو نکاح درست ہے لیکن فاسق سے نکاح پڑھوانا منع ہے۔	۳۶۰	کسی زمین کے مسجد ہونے کی صورتیں۔	۳۶۱
ظن وتخمین سے کسی مسجد کے ضرار ہونے کاحکم نہیں لگایا جاسکتا۔	۳۶۰	مسجد کے لئے عمارت ضروری نہ ہونے کا بیان۔	۳۶۲
جس مسجد کامسجد ضرار ہونا یقینا ثابت ہواس کو ڈھایا جاسکتا ہے۔	۳۶۰	مسجد مچھلی بازار کانپور کے لئے جمع ہونیوالے چندہ کے مصارف کا بیان اور مولوی عبدالباری صاحب کے فیصلہ کی غلطی کااظہار۔	۳۶۳
اختلاف وفتنہ سے بچنے کے لئے الگ مسجد بنائی تو مسجد ضرار نہیں۔	۳۶۱	o رسالہ **ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری** (مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوٰی جس کا سوال لکھنو فرنگی محل سے آیااور دارالافتاء بریلی سے جواب دیا گیا اور بکمال وضوح ثابت کیا گیاکہ مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلّی نے جو فیصلہ مسجد مچھلی بازار کانپور کے متعلق کیا وہ سراسر مخالف احکام اسلام ہے اس پر مسلمانوں کو مطمئن ہونا سخت گناہ وحرام ہے ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ دربارۂ حفظ حقوق مذہبی گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی سے نفع لیں اوراپنے اپنے منصب کے لائق جائز چارہ جوئی میں پوری کوشش کریں مولوی صاحب کی یہ شخصی کارروائی اگر مقبول ٹھہر گئی تو ہمیشہ کے لئے مساجد ہند پر اس کابرا اثر پڑے گااور ہر مسلمان کہ جائز کوشش کرسکتا تھااور نہ کی اس کے وبال میں ماخوذ رہے گا۔"مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر"کا بھی رد بلیغ اس رسالہ میں ہے)	۳۶۵
فاسق اور بانی شر وفساد کی امامت ناجائز ہے۔	۳۶۱	مسئلہ از لکھنؤفرنگی محل مرسلہ مولوی محمد سلامت اللہ صاحب نائب منصرم مجلس مؤیدالاسلام۔	۳۶۵
جو مسجد ضرار کے حکم میں ہواس کی تعمیر میں مدد دینا ناجائز ہے۔	۳۶۱	جواب از دارالافتاء بریلی۔	۳۶۶
ذبح کی اجرت لینے والاامام ہوسکتا ہے۔	۳۶۱	سات امور مستفسرہ۔	۳۶۶
قیام جمعہ کی شرائط کا بیان۔	۳۶۱	فتنہ پردازی اور امن عام میں خلل اندازی اور مسلمانوں کو بلااور اسلام کو توہین کے لئے پیش کرنا ہرگز نہ شرعًا جائز ہے نہ عقلاً ٹھیک۔	۳۶۷
کسی کے مقابلہ میں بھی شر پیدا کرنا جائز نہیں	۳۶۱		

جس شخص نے بنام مسجد کوئی عمارت تیار کی جس سے تقرب الی اللہ مقصود نہ ہو بلکہ محض ریا وتفاخر کی نیت ہو وہ بیشک مسجد نہ ہوگی۔	۴۴۶	ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں عاریۃً دینا جائز نہیں، عیدگاہ میں دینا اور منع ہے۔	۴۵۲
امام نسفی اور صاحب بیان القرآن کے اقوال میں تطبیق۔	۴۴۶	مسجد کی زمین میں اپنے لئے درخت لگانا حرام ہے۔	۴۵۳
مسجد کا شش جہات میں جمیع حقوق عباد سے خالی ہونا ضروری ہے۔	۴۴۷	مسجد میں درخت لگایا گیا تو کب مسجد کا ہوگا اور کب لگانے والے کا، اور مسجد میں لگے ہوئے درخت کے اکھیڑنے اور نہ اکھیڑنے کی تفصیل۔	۴۵۳
جس مسجد کی دیوار مشترک رکھی وہ مسجد ہی نہ ہوگی، اور غیر مشترک دیوار کو متولی نے مشترک بنایا تو اس کو تولیت سے الگ کردیں، اور اشتراک کی جو علامتیں بنائی ہوں اسے مٹادیں۔	۴۴۸	وقف کی زمین میں بنائی ہوئی عمارت کی تفصیل۔	۴۵۴
جس نے مسجد کی دیوار پر شہتیر رکھا ہٹادیں اور جتنے دن رکھا اس کا کرایہ وصول کریں۔	۴۴۸	جو امام لائق امامت نہ رہ گیا ہو معزول کردیا جائے۔	۴۵۷
جو پتھر مسجد کی ضرورت سے زائد ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا ڈر ہو انہیں بیچ کر مسجد کی تعمیر میں صرف کرسکتے ہیں۔	۴۴۹	غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینے والے سے واپس لی جائے گی، اور جس متولی نے ایسی تنخواہ دی اسے بھی معزول کیا جائے۔	۴۵۷
جو سامان کسی خاص مسجد کے لئے خریدا گیا ہے کسی دوسرے کا اپنے مصرف میں لانا حرام ہے۔	۴۵۱	نابالغ بچوں کے تعلیم کے لئے مسجد میں جانے کا حکم۔	۴۵۸
مسجد کی بتی کا کرایہ پر دینا حرام ہے۔	۴۵۱	مصارف مسجد سے کچھ بچا کر اپنے صرفہ میں لایا تو اس کے کفارہ کی تدبیر۔	۴۶۱
لیمپ، فرش، دری وغیرہ اگر مسجد کی آمدنی کیلئے کرایہ پر دینے کے لئے خریدے گئے ان کا کرایہ پر دینا جائز ہے، اور خاص مسجد کی ضرورت کے لئے خریدے گئے تو کرایہ پر دینا حرام ہے۔	۴۵۱	حلال و حرام کے بارے میں صاحب مال کا قول بلادلیل معتبر ہے۔	۴۶۱
مجبوری کی صورت میں مجبوری دور ہونے تک خاص مسجد کے صرفہ کے سامان کرایہ پر دیئے جاسکتے ہیں۔	۴۵۲	عقد ونقد حرام پر جمع ہوں تو مبیع حرام ہوگا ورنہ نہیں۔	۴۶۲
		اللہ کے لئے جتنی مسجد بنائیں سب مسجد ہوگئیں اور سب کی آبادی مسلمانوں پر لازم ہے۔	۴۶۲

جو لا معلوم الجہت زمین کسی وقف کے خادموں کے قبضہ میں عہد قدیم سے ہو بلا ثبوت شرعی اس کی ملک کا دعوی یا جدید تصرف جائز نہیں۔	۴۷۵	اوقاف میں واقف کی شرط کے موافق صرف کرنا ضروری ہے۔	۴۸۵
مسلمانوں کاکام حتی الامکان صلاح پر محمول کرناواجب ہے۔	۴۷۵	واقف نے روزہ کشائی اور ختم قرآن کی شیرینی کے لئے وقف کیاتو تعمیر مدرسہ میں صرف کرناحرام ہے۔	۴۸۵
امامت میں میراث جاری نہیں ہوتی۔	۴۷۶	مسجد کی تعمیر اور مرمت کی شرط لگائی تو لوٹے اور چٹائی میں صرف نہیں کرسکتے۔	۴۸۶
جوامامت کے لائق نہ ہواس کامعزول کرناواجب ہے۔	۴۷۶	جس وقف کے شرائط تحریری نہ ہوں تو تعامل قدیم پر عملدرآمد ہوگا۔	۴۸۶
حکم شرعی نافذ کرنے کے لئے عوام سے مشورہ لینا ضروری نہیں۔	۴۷۷	وقف میں تعامل قدیم کی حد وقت اور زمانہ سے نہیں ہے۔	۴۸۶
بلا عذر شرعی کسی عہدہ دار کو اس کے عہدہ سے معزول کرنا جائز نہیں۔	۴۷۸	زمانہ حدوث کانہ معلوم ہوناقدامت کی دلیل ہے۔	۴۸۶
اس شرط پر کسی کی ممبری کے لئے کوشش کرناکہ مسجد میں دو ہزار روپیہ دے، معاملہ کی تصحیح کی مختلف صورتیں اور مصنف کی ژرف نگاہی۔	۴۷۸	جس وقت میں افطاری کے لئے مد مقرر ہو اگر افطار کے وقت بے روزہ دار بھی شریک ہوں متولیوں پر کچھ الزام نہیں۔	۴۸۷
مسجد کے کسی حصہ کو دکان یا تہ خانہ بنانا جائز نہیں	۴۸۲	لاعلمی میں مالدار کو زکوۃ دے دی ادا ہو گئی کہ حکم ظاہر پر ہے۔	۴۸۷
مسجد کے وضو خانہ کو دکان بنانا حرام ہے،	۴۸۲	اوقاف کے مصارف عمومی میں مالدار اور غریب سب برابر ہیں جیسے افطار یا وضو کا پانی۔	۴۸۷
وقف کواس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں۔	۴۸۳	بازاری عورت روزہ کشائی یا مسجد چٹائی وغیرہ کے لئے کچھ بھیجے تواس کاشرعی حکم۔	۴۸۷
اینٹوں کاجو ڈھیر ڈھائی ہزار مان کر نیلام ہوا شمار کے بعد اینٹیں زائد نکلیں تومالک کو دی جائیں۔	۴۸۳	جس خریداری میں خبث ہونا بعینہٖ معلوم نہ ہو اس کے حرام ہونے کاحکم نہیں لگایاجائیگا۔	۴۸۷
جو املاک قرق کرا کے نیلام کرائیں ان کو مسجد کی طرف سے خریدنااور مسجد میں لگانا جائز نہیں۔	۴۸۳	بازاری عورت کے عطیات سے بچناہی اولٰی ہے۔	۴۸۸

مسجد اور متعلقات مسجد خالص اللہ تعالٰی کی ملک ہے۔	۵۰۹	زمین عقد فاسد سے حاصل کرکے مسجد بنائی وقف صحیح ہوگیا دیگر مصارف خیر کے لئے وقف کرنے کا یہی حکم ہے۔	۵۱۵
اوقاف کا انتظام متولی کے سپرد ہے، امام مؤذن کا عزول منصب اسی کے ذمہ ہے۔	۵۰۹	مسجد کا حجرہ واقف نے مؤذن کے لئے بنایا تو اس میں مؤذن کو رہنا اور ان کے اوپر دوسری تعمیر بھی جائز ہے اور دیگر مصارف کے لئے وقف کیا تو مؤذن کا اس میں رہنا جائز نہیں۔	۵۱۷
جب تک خیانت کا مظنہ صحیحہ نہ ہو متولی کو حساب سمجھانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۵۰۹	کتابیں جامع مسجد کے لئے وقف کیں تو کسی دوسری مسجد یا مدرسہ کی طرف ان کا انتقال جائز نہیں۔	۵۱۷
مسلمانوں عورتوں نے جو جبرًا کسی ہندو راجہ کے تصرف میں رہیں اور ان راجاؤں سے مال لے کر نئی یا پرانی مسجدوں کی تعمیر کی ایسی مسجدوں کیلئے مسجد کا ہی حکم ہے اور ان میں نماز کو روکنا ظلم ہے۔	۵۱۱	مسئلہ بالا میں اختلاف علماء اور اقوال راجح کی ترجیح۔	۵۱۸
اجارہ کے لئے بیع کی ایسی طرح ایجاب و قبول اور تراضی طرفین ضروری ہے۔	۵۱۱	واقف ناظر کو معزول کرکے خود متولی بنے اس مسئلہ میں صاحبین کے اختلاف اور قول مفتٰی بہ کی تحریر۔	۵۱۹
مال معصوم کا بلا وجہ لینا حرام ہے، حربی کا مال اس کی رضا سے لینے میں کوئی حرج نہیں۔	۵۱۲	رافضی کو وقف مسلمین کا متولی بنانا حرام ہے۔	۵۲۰
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کفار مکہ سے تصرف مسلمین پر شرط بدل کر مال لیا۔	۵۱۲	کافر اپنی زمین کو اپنی رکھ کر مسلمانوں کو مسجد بنانے کے لئے اجازت دے تو وہ مسجد نہ ہوگی۔	۵۲۰
راجہ اور نواب جن عورتوں کو اپنے حرم میں رکھتے ہیں انہیں جو کچھ دیتے ہیں بطور اجرت زنا نہیں بلکہ بطور نفقہ ماہوار، اس لئے ان کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔	۵۱۳	کافر اپنی زمین مسلمانوں کو ہبہ کردے تو اس پر مسجد بنانا جائز ہے۔	۵۲۰
عاشق معشوق مسلمان ہوں تو آپس میں ایک دوسرے کو جو دیں رشوت ہے۔	۵۱۴	کافر سامان دے تو اس کا بعینہٖ مسجد میں لگانا منع ہے۔	۵۲۰
حرام مال میں جب تک عقد ونقد جمع نہ ہوں مبیع حرام نہیں ہوتا۔	۵۱۴	کافر اس طور پر رقم دے کہ مسلمانوں پر احسان رکھتے تو لینا جائز نہیں ہے، نیاز مندانہ دے تو لے لیں۔	۵۲۰

مقبرہ کی عمارت زمین قبرستان کے لئے وقف کرنے کے بعد بنی تو یہ عمارت ہی ناجائز ہے۔	۵۳۳	قبر کے لئے زمین وقف کرنے سے پہلے اس زمین میں جو مسجد بنائی وہ ابدالآباد کے لئے مسجد ہوگئی، اس میں کسی قسم کا غلط تصرف ناجائز ہے، اور ویران ہوجائے تو آبادی لازم ہے، اور مقبرہ قرار دینے کے بعد بنائی تو وہ مسجد ہی نہیں لیکن ذاتی مکان بنانا یا زراعت اس میں اب بھی ناجائز ہے۔	۵۳۸
عام مقابر میں تعمیر و تصرف کی اجازت نہیں۔	۵۳۳	مسجد قبرستان کی ملک نہیں ہوسکتی۔	۵۳۹
قبریں اگر مملوکہ زمین میں ہیں تو کسی قسم کے تعمیر و تصرف کے لئے مالک کی اجازت ضروری ہے۔	۵۳۳	میت دفن کرنے والے اگر کچھ رقم دفن کرتے وقت دیتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ یہ مسجد میں صرف ہوتی ہے، اسی طرح قبرستان کے وہ درخت جن کا لگانے والا معلوم نہ ہو سوکھ جائے تو وہ لکڑی مسجد میں صرف ہوسکتی ہے۔	۵۳۹
قبریں خود اس کی زمین میں ہوں تو اس طرح تعمیر کرسکتا ہے کہ ستون اور بنیاد عین قبر پر نہ ہو۔	۵۳۳	موقوفہ قبرستان میں کوئی دوسرا کام مثلاً بازار لگانا، کھیت بنانا حرام ہے۔	۵۳۹
قبریں اگر عصبًا بنی ہوں تو زمین کا مالک چاہے تو زمین خالی کرکے تعمیر کرے یا انتظار کرے تا آنکہ میت بالکل راکھ ہوجائے تب اس پر تعمیر کرے۔	۵۳۴	مسلمانوں کی قبر کھودنا شدید جرم ہے۔	۵۴۰
جو زمین ہندو راجا نے مسلمان کو قبرستان کے لئے دی، اور انہوں نے اس کو قبرستان کے لئے وقف کیا اس میں کسی بھی ہندو یا مسلمان زمیندار کو حق ملکیت قائم کرنے یا تصرف کرنے کا حق نہیں۔	۵۳۵	جان بوجھ کر ظالم کی مدد کرنا اسلام کی رسی گلے سے نکالنا ہے۔	۵۴۰
قبرستان میں کسی نے درخت بویا، درخت بونے والے کی ملک ہے۔	۵۳۷	گورنمنٹ نے قبرستان کے جز حصہ پر قبضہ کرکے معاوضہ دیا تو اس سے ویسی ہی جائداد خرید کر قبرستان میں شامل کی جائے۔	۵۴۱
قبرستان میں جو گھاس اگتی ہے جب تک سبز ہے اس کے کاٹنے کا حکم نہیں سوکھ جائے تو کاٹ سکتے ہیں۔	۵۳۷	آباد وقف کے بدلنے کی چار صورتوں کا بیان۔	۵۴۱
قبرستان میں جانور چرانا جائز نہیں۔	۵۳۷	وقف کی مصلحت شرط واقف کے خلاف میں ہو تو واقف اس میں مصلحت وقف کے موافق تغیر کرسکتا ہے۔	۵۴۲
ناجائز معاہدہ خود ہی باطل ہے۔	۵۳۷	واقف نے وقف نامہ میں شرط لگائی اور شرائط کی پابندی میں اغراض وقف کے خلاف لازم آتا ہے تو واقف کو تبدیل کی اجازت ہے۔	۵۴۳

فتنہ گر، شریر، مفرق جماعت ہر گز تولیت مسجد کے لائق نہیں۔	۵۸۱	تقدیر کا منکر رافضی، معتزلی ہے اور محبوبان خدا سے توسل کا منکر نجدی وہابی ایسے شخص کو سنی مسلمانوں کے مدرسہ کا مہتمم نہیں رکھا جاسکتا۔	۵۸۵
اہل محلّہ بانی میں سے جس کے مقرر کردہ امام افضل ہوں وہی رکھے جائیں مساوات کی صورت میں بانی کے مقرر کردہ راجح ہیں۔	۵۸۱	حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عمل۔	۵۸۵
موذن اور امام تنخواہ دار ہوں تو تنخواہ دینے والوں کو حق ترجیح ہے۔	۵۸۱	امام کو عذر شرعی کے بغیر امامت سے خارج کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔	۵۸۶
فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۵۸۱	تنخواہ دار امام نوکر ضرور ہے لیکن خدمت گار نہیں مخدوم ہے۔	۵۸۶
کوئی شخص امامت کا اہل تو ہے مگر جماعت میں اس سے افضل لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے لوگ اس کی امامت کو مکروہ سمجھتے ہوں تو اس کو امامت کے لئے آگے بڑھنا نہ چاہیے۔	۵۸۱	امام مسائل شرعیہ سے واقف ہو تو اوقات صوم وصلوٰۃ میں اس کی اتباع لازم ہے البتہ خود امام پر تکثیر جماعت کی رعایت بھی ضروری ہے۔	۵۸۷
خائن متولی نہیں ہوسکتا۔	۵۸۲	وقف کے معاملات میں اگر گورنمنٹ خلاف شرع مداخلت کرے تو تاحد امکان اس کی مزاحمت کی جائے۔	۵۸۷
جس گواہی کو لوگ جھوٹا سمجھیں اسمیں کئی احتمال ہیں۔	۵۸۲	جو کہے میں مسائل شرعیہ نہیں جانتا وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔	۵۸۷
وقف کی تولیت میں وراثت نہیں چلتی، بھائی اور بیٹے میں جو اہل ہو اسی کو متولی کیا جائے۔	۵۸۳	سود خوار آمدنی کے باوجود مسجد کے ضروری اخراجات نہ دینے والا متولی واجب الاخراج ہے۔	۵۸۷
جس نے دینی مدرسہ کو اپنے اغراض کا آلہ کار بنایا اور غلط الزام سے مسلمانوں کو بدنام کیا اور ادارہ کے دستور کی بلاوجہ خلاف ورزی کی درجہ ہمام کا لالچی ہے، اور بہ ہوائے نفس اس کے لئے کوشاں ہرگز تولیت کے لائق نہیں۔	۵۸۴	ناتوانی اور بیماری رفع صحت وقف نہیں۔	۵۸۸
		بدحواسی کا دعوی شاہدان شرعی کے بغیر نامقبول ہے۔	۵۸۸

فاسق کی تعظیم سے خدا کا عرش کانپتا ہے اور غیر مسلموں کو مسجد میں احترام کے ساتھ لے جانا اس سے برا ہے۔	٦٠٠	جتنے لوگوں نے مل کر مسجد بنائی سب واقفین میں شامل ہوگئے، ان میں سے کچھ لوگ نئی مسجد بنالیں تو پہلی مسجد کے واقف ہونے سے نہ نکلیں گے۔	٦٠٦
تولیت کے بارے میں وراثت جاری نہیں ہوتی، متولی حال نے جسکے بارے میں وصیت کی وہ متولی ہوگیا۔	٦٠١	مسجد کے لئے متولی ضروری نہیں وقف کے لئے ضروری ہے۔	٦٠٦
متولی نے حالت صحت میں بھی اگر کسی کو جانشین اور متولی بنایا اور اس وقف کے متولیوں کا قدیم سے یہی دستور رہا ہے تو جس کو متولی بنایا بشرط اہلیت شرعی متولی ہوگیا۔	٦٠١	متولی کئی ایک مقرر کرسکتے ہیں لیکن ان میں کوئی مستقل نہ ہوگا سب کو اتفاق رائے سے کام کرنا ہوگا۔	٦٠٦
جہاں معمول قدیم نہ ہو وہاں متولی خود اپنا نائب نہیں مقرر کرسکتا۔	٦٠٢	واقفین میں کچھ لوگوں نے ایک آدمی کو متولی مقرر کیا اور کچھ لوگوں نے دوسرے کو، دونوں متولی ہوگئے اور ملکر کام کریں گے۔	٦٠٧
تولیت میں وراثت نہیں چلتی، وقف نامہ میں دربارہ تولیت کوئی تصریح ہو تو اس کی اتباع کی جائے، تصریح نہ ہو تو واقف کے وارثوں سے جو اہل ہو اس کو متولی قرار دیا جائے۔	٦٠٣	مسجد کی زمین اصل مسجد ہے۔	٦٠٧
وارثوں میں کوئی اہل نہ ہو تو مسلمانوں کی رائے سے کوئی دیندار، ہوشیار، کارگزار متولی کیا جئے۔	٦٠٣	جس نے زمین دی وہ مسجد کا واقف ہوا، اور جس نے عمارت بنائی وہ تعمیر کا۔	٦٠٧
خائن اور خدمت وقف کا نااہل، اور تولیت کا خواستگار متولی نہیں ہوسکتا۔	٦٠٤	تعمیر کرنے والا بھی وقف میں شریک ہے۔	٦٠٧
متولی ومنتظم وقف پر وقف کے شرائط اور شرع کی پابندی ضروری ہے۔	٦٠٥	بدعتی، رافضی، جہمی، قدری، مشبہہ اور قرآن کو مخلوق ماننے والوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔	٦٠٨
جس پر خیانت کا ظن بھی ہو مسلمان حساب فہمی کا مطالبہ کرسکتے ہیں اور خیانت ثابت ہو تو اس کو نکال دیں۔	٦٠٥	جس کی بدمذہبی حد کفر کو پہنچی ہو اس کے پیچھے نماز باطل ہے اور جس کی حد کفر کو نہ پہنچے اس کو پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	٦٠٨
		جو رافضی شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہم کو گالی دے کافر ہے۔	٦٠٩

فہرست ضمنی مسائل

مسجد میں دروں کے طاق عدد کا مسلمانوں میں رواج ہے حتی الامکان اس روش کے خلاف نہ کیا جائے، بمجبوری جفت رکھنے میں بھی حرج نہیں۔	۲۹۹	مسجد میں کھڑکی رکھنا بھی حرام ہے۔	۳۰۸
اگر بہ یقین معلوم ہو کہ نئی مسجد کی تعمیر سے پرانی مسجد ویران ہوگی تو نئی کی تعمیر نہ کی جائے۔	۳۰۰	دوسرے کا کبوتر پکڑنا حرام اور ایسا کرنے والا فاسق ہے۔	۳۰۹
آباد مسجد کی اینٹ دوسری میں لگانا حرام ہے۔	۳۰۰	خالی کبوتر اڑانا جس میں چھت پر چڑھتے ہیں دوسروں کا مالی جسمانی ضرر ہو حرام ہے۔	۳۰۹
مسجد کے احاطہ اور اس کے صحن میں دکان بنانا جائز نہیں حجرہ بنا سکتے ہیں جبکہ اس سے مسجد میں کسی طرح کی تنگی نہ پڑے۔	۳۰۰	ایسے شخص کو منع کیا جائیگا اور نہ مانے تو اس کا کبوتر ذبح کردیا جائیگا۔	۳۰۹
دروازہ قدیم مسجد کی چھت پاٹ کر مسجد میں شامل کرنا بے اہل محلّہ کی اجازت کے جائز نہیں۔	۳۰۱	مطلقًا کبوتر بازی جس میں مفاسد بالا نہ ہوں لیکن عبث وبے فائدہ اور حرام ہے، اور پرندوں پر ظلم ہے۔	۳۰۹
آباد قبرستان کو پاٹ کر مسجد میں شامل کرنا حرام ہے۔	۳۰۲	کبوتر بازوں کو نصیحت وہدایت۔	۳۱۰
جس قبرستان میں دفن کرنا بند ہو وہاں قبر سے باہر ستون قائم کرکے بلندی پر چھت پاٹ کر چھت کو شامل مسجد کرنے میں حرج نہیں۔	۳۰۳	مسجد میں کبوتر بازی اشد حرام ہے۔	۳۱۰
نہر خاص کو پاٹ کر اس کی چھت پر مسجد بنانا جائز ہے۔	۳۰۶	مباح باتیں بھی مسجد میں بلاضرورت حرام ہیں۔	۳۱۲
غیر کی ایسی زمین پر جس پر اس غیر کو حق مزاحمت نہ رہا، مسجد بنائی تو فتوی اسی پر ہے کہ وہ عمارت مسجد ہوگئی۔	۳۰۶	مسجد میں بچوں اور پاگلوں کو لانا، بیع وشراء، جھگڑے اور آواز بلند کرنا منع ہے۔	۳۱۳
مسجد کی دیوار میں اپنی عمارت کے لئے کڑی ڈالنا حرام ہے۔	۳۰۸	مسجد میں آواز سے گم شدہ چیز تلاش کرنا منع ہے۔	۳۱۳
مسجد کی دیوار سے ملا کر بلا استحقاق پرنالہ گرانا حرام ہے۔	۳۰۸	دارالاسلام میں بنی ہوئی مسجد کی آبادی بھی جب متعذر ہوجائے اور تغلب کفار کا خطرہ ہو تو اسباب تعمیر اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جاسکتے ہیں۔	۳۱۷

ظن وتخمین سے کسی مسجد کے ضرار ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، جس مسجد کا مسجد ضرار ہونا یقینا ثابت ہو اس کو ڈھایا جاسکتا ہے۔	۳۶۰	مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔	۳۸۸
کسی کے مقابلہ میں بھی شر پیدا کرنا جائز نہیں۔	۳۶۱	بعض اشخاص کو قید سے چھڑانے کے لئے مسجدوں کی حرمتیں پامال کرنا حلال نہیں۔	۳۹۰
فتنہ پردازی اور امن عام میں خلل اندازی اور مسلمانوں کو بلا اور اسلام کی توہین کیلئے پیش کرنا ہرگز نہ شرعًا جائز ہے نہ عقلاً ٹھیک۔	۳۶۷	بھائی کا زکام کھونے کے لئے باپ کو قتل کردینا عقلمندی اور روا نہیں۔	۳۹۰
مخالف شرع حکم کو بلا جبر واکراہ خود ایک امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند کرنا یا اس میں دشواری ڈالنا اور آئندہ کے لئے بھی اسے نظیر بنا دینا روا نہیں۔	۳۶۷	مسجد تنگ ہو تو درگاہ کی زمین جبرًا مسجد میں شامل کرنا ناجائز ہے۔	۴۰۲
حقیقتًا حق دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔	۳۷۱	مسجد میں بالغ طلبہ کا پڑھنا اس شرط پر جائز ہے کہ اوقات نماز میں جگہ نہ گھیریں اور ان کے پڑھنے سے نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔	۴۰۴
مسجد کے کسی حصہ کو سڑک میں ڈال لینا تمام ائمہ کے اجماع سے حرام اور مناقض ارشاد خداوندی ہے۔	۳۷۶	مسجد کا کنواں مشترکہ بنانا کہ اس میں مشرکین بھی پانی لے سکیں منع ہے۔	۴۰۶
جنابت وحیض کی حالت میں مسجد میں جانا بیت اللہ کی بے حرمتی ہے۔	۳۸۲	مسجد کو باقی اور آباد رکھنا ضروری ہے، مسجد کسی دوسرے کام میں صرف نہیں کی جاسکتی۔	۴۰۶
کتے، خنزیر بلکہ ناسمجھ بچے اور مجنون کو مسجد میں چلتا دیکھ کر خاموش بیٹھے رہنا مسلمان کو روا نہیں۔	۳۸۲	مسجد کا ملبہ ناقابل استعمال ہو تو اسے مسلمان کے ہاتھ بیچا جائے کہ وہ بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے اور وہ رقم مسجد کی مرمت میں صرف کی جائے۔	۴۰۷
احتمال بے ادبی پر غیر مکلفوں کو مسجد سے نہ روکنا خلاف حکم حدیث ہے۔	۳۸۲	پورے قصبہ کی مساجد کو مختلف فرقوں میں تقسیم کرنے کا حکم۔	۴۱۱
مساجد کو یقینی بے حرمتی کے لئے پیش کرنا شنیع وخبیث ہے۔	۳۸۲	سنیوں کی بنائی مسجد کو رفع فساد کے لئے غیر مقلدوں کو دینا حرام ہے۔	۴۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الشرکۃ
(احکام شرکت کا بیان)

مسئلہ ۱: ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے دیار میں دستور ہے کہ پاٹ سن کی ڈھیر علیحدہ علیحدہ پانی میں بھگوتے ہیں، امسال کنوار کے مہینہ میں بہت سخت طوفان اور بارش کے سبب سے سب کے ڈھیر کو اکٹھا کرڈالا، بعدہ اکثر نے نہیں لیا بعض نے اس مال کو قبض کیا اور انتظام دے کر طیار کیا اب قبض کرنے والے بعض ان اکثر کو کہتے ہیں تمہارا جتنا ہولے لو، وہ لوگ کہتے ہیں جب ہمارا مال کا کوئی شناخت نہیں ہم نہیں لیتے، اب قبض کرنے والے لوگ خود خرچ کریں یا فقراء اور مساکین کو تقسیم کردیں اور قبض کرنے والے پر حلال ہو تو فقراء اور غنا ہونے میں برابر ہے یا تفاوت ہے؟

الجواب:

جب وہ لوگ نہیں لیتے تو قابضین صرف اپنا حصہ لے لیں باقی فقراء پر تصدق کردیں، ان میں اگر کوئی فقیر ہے تو اسے بھی دے سکتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: از کوہ نینی تال ۱۲ جمادی الاول ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمود بیگ و عبدالغفور بیگ دو بھائیوں کی دکان کوہِ نینی تال پر تھی، دونوں نے مال واسبابِ دکان اپنے باپ کے ترکہ سے پایا اور دونوں یکجا کارکن رہے اور یکجا ان کا

خورد ونوش تھا، کوئی غیریت کسی بات میں نہ تھی، محمود بیگ مع اپنی والدہ ولایتی بیگم کے آمدنی دکان سے چھ سوروپے حج کو گیا اور سب سامان دکان عبدالغفور بیگ کے سپرد کر گیا، بعد ان کی واپسی کے پھر عبدالغفور بیگ اسی آمدنی سے تین سوروپے کرلے کر حج کو گیا اور اپنی زوجہ امراؤبیگم اور ایک لڑکا یکماہہ عبدالشکور اپنی والدہ اور بھائی کے پاس چھوڑ گیا، راستہ میں مقام احمد آباد میں اس کی طبیعت بگڑی، کل اسباب اسٹیشن پولیس میں داخل کرکے محمود بیگ کو تار دیا، وہ فوراً روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ عبدالغفور بیگ نے انتقال کیا، وہ روپیہ اور اسباب جو اسٹیشن میں تھا محمود بیگ واپس لایا، اس صورت میں اس روپے کی نسبت کیا حکم ہے؟ یہ صرف محمود بیگ کو ملے گا یا وارثان عبدالغفور بیگ بھی اس سے حصہ پائیں گے اور کیونکر پائیں گے؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جبکہ وہ تین سوروپیہ اسی دکان مشترک کی آمدنی تھا جس کے دونوں بھائی بحصہ مساوی مالک تھے تو وہ روپیہ بھی نصف نصف ان دونوں کی ملک تھا، سائل مظہر کہ روپیہ عبدالغفور بیگ اپنے بھائی کی اجازت سے لے گیا تھا اب یہ اجازت قرض تھی خواہ ہبہ خواہ اباحت، بہر حال کل یا بعض جس قدر باقی تھا جسے محمود بیگ احمد آباد سے لے آیا اس کے مقدار نصف میں محمود بیگ کا حق ہے اور نصف عبدالغفور بیگ کا کہ برتقدیر عدم موانع ووارث آخر وتقدیم مایقدم چوبیس سہام ہو کر اسکے وارثوں پر یوں تقسیم ہوگا:

امراؤبیگم ــــــــ ۳	ولایتی بیگم ــــــ ۴	عبدالشکور ــــــــ ۱۷

بحالت قرض توظاہر کہ نصف مضمون تھا تو ماں کا مطالبہ محمود بیگ کا ترکہ عبدالغفور پر رہا خواہ اسی روپے سے ادا کریں یا اس کے غیر سے "لان الدیون تقضی بامثالھا" (کیونکہ قرض اپنی مثل سے ادا کیا جاتا ہے۔ت) اور بحالت اباحت بھی ظاہر کہ اباحت بعد موت باطل ہوجاتی ہے،

لانھا لیست تملیکا حتی تجری فیھا الارث بل تحلیل تصرف للمباح لہ، فاذا مات او مات المبیح بطلت امافی الثانی فلانتقال الملك کما علل بہ فی الخیریۃ واما فی الاول فلعدم الملك لینتقل کما اشرنا الیہ۔	کیونکہ یہ تملیک نہیں ہے تاکہ اس میں وراثت جاری ہو، بلکہ اس کے لئے ایک مباح چیز میں تصرف کو حلال قرار دینا ہے، توجب وہ یا مباح کرنے والا فوت ہوجائے گا تو باطل ہوگی، لیکن ثانی میں تو ملکیت کے انتقال کی وجہ سے جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں اس کو وجہ بتایا ہے مگر پہلی میں ملکیت نہیں تاکہ منتقل کیا جائے جیسا کہ ہم نے اس کا اشارہ دیا ہے۔(ت)

اور بحالت ہبہ تین سو میں سے ڈیڑھ سو کا ہبہ قابل قسمت میں ہبہ مشاع ہے کما نص علیہ علماؤنا فی غیر ما کتاب (جیسا کہ اس پر ہمارے علماء نے متعدد کتب میں نص فرمائی ہے۔ت) اور ایسا ہبہ مذہب صحیح پر محض بے اثر کہ بعض قبض بھی مورث ملک نہیں ہوتا جب تک جدا کرکے واہب کی طرف سے تسلیم نہ واقع ہو کما حققہ فی الخیریۃ والعقود الدریۃ ورد المحتار وغیرھا (جیسا کہ خیریہ، عقود دریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت) تو وہ ڈیڑھ سو بدستور ملک محمود بیگ پر رہے، ان دونوں صورتوں میں بعینہٖ انہیں روپوں کا نصف محمود بیگ کو ملنا چاہئے، غرض باقی کی نصف مقدار میں ہر طرح محمود بیگ کا استحقاق ثابت، ہاں جس قدر عبدالغفور بیگ صرف کر چکا تھا اس کا نصف بھی محمود بیگ کو ملے یا نہیں، یہ محل نظر ہے، اگر ثابت ہو کہ وہ روپے اس نے قرضًا یا ہبۃً دئے تھے تو بیشک ملنا چاہئے "لضمان القرض وبطلان الھبۃ فانقلبت مضمونۃ بالاستھلاک" (قرض کے ضمان اور ہبہ کے بطلان کے سبب لہٰذا اہلاک کرنے پر ضمان ہوگا۔ت) اور اگر اباحۃً دئے تھے یعنی مجرا لینا منظور نہ تھا نہ ان ڈیڑھ سو کا عبدالغفور بیگ کو مالک کیا تھا بلکہ جیسے بحالتِ اتحاد و یکجہتی ایک مال دوسرے کے خرچ میں آجاتا ہے اور اس کا معاوضہ مقصود نہیں ہوتا یوں دئے تھے تو جو صرف ہوگئے ہوگئے، ان کا بدل محمود بیگ کو نہیں مل سکتا "لان الاباحۃ تصح فی المشاع ولا تضمن" (کیونکہ اباحت حصص والی چیز میں صحیح ہوتی ہے اور اسی پر ضمان نہیں آتا ہے۔ت) اور بیشک عرف ناس پر لحاظ سے یہاں ظاہر یہی صورت ہے اور ظاہر پر عمل واجب جب تک دلیل سے اس کا خلاف نہ ثابت ہو، کہ عرف اعظم دلائل شرعیہ سے ہے۔ خیریہ میں ہے:

ان کان العرف قاضیاً بانھم یدفعونہ علی وجہ البدل یلزم الوفاء بہ، وان کان العرف بخلاف ذٰلک بان کانوالا ینظرون فی ذٰلک الی اعطاء البدل فلارجوع فیہ بعد الھلاک والاستھلاک والاصل فیہ ان المعروف عرفاً کالمشروط شرعاً[1] اھ ملخصًا۔	اگر عرف بتائے کہ لوگ اس کو بدلہ کے طور پر دیتے ہیں تو پھر بدلہ پورا کرنا لازم ہے اور اگر عرف اس کے خلاف ہو کہ لوگ اس میں عوض کے منتظر نہیں ہوتے تو پھر ہلاک کرنے ہلاک ہوجانے پر رجوع نہیں کیا جائے گا، اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ عرف میں مشہور معاملہ شرعًا مشروط کی طرح ہوتا ہے اھ ملخصًا (ت)

ظہیریہ میں امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول:

التعویل علی العرف حتی یوجد وجہ یستدل بہ علی غیر ما قلنا[2]۔	عرف پر اعتماد ہوگا اگر موجود ہو تو یہ قابل استدلال وجہ بن سکے گا جیسا کہ بہت دفعہ ہم ذکر کرچکے ہیں (ت)

[1] الفتاوٰی الخیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

[2] فتاوٰی ظھیریۃ

ولہٰذا باآنکہ اگر زید عمرو کو کچھ روپے دے کہ خرچ کرے، یا اپنی حاجتوں میں اٹھا، یا ان سے راہِ خدا میں جہاد کر، تو قرض ٹھہرتا ہے اگر شوہر عورت کو دے کہ کپڑے بنا کر میرے پاس پہن ہبہ ٹھہرے گا، یونہی طالب علم کو لکڑیاں وغیرہ دیں کہ اپنی کتابوں میں صرف کیجئے ہبہ قرار پائے گا کہ یہاں عرف قاضی تملیک ہے۔ عقود الدریہ میں ہے:

دفع الیه دراهم فقال له انفقها ففعل فهو قرض کما لو قال اصرفها الی حوائجک[1]۔	ایک نے دوسرے کو کچھ دراہم دئے کہ خرچ کرو تو اس سے لے کر خرچ کرلئے تو یہ قرض قرار پائے گا جیسے کوئی یوں کہے کہ یہ اپنی ضروریات میں صرف کرو (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال لأخر خذ هذا المال واغز فی سبیل الله عزو علا فهو قرض کذا فی الظهیریة[2]۔	اگر یوں کہا یہ مال لو اور فی سبیل اللہ جہاد کرو، تو یہ قرض شمار ہوگا، ظہیریہ میں یونہی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اعطی لزوجته دنانیر لتتخذ بها ثیابا وتلبسها عنده فدفعتها معاملة فهی لها قنیة[3]۔	خاوند نے بیوی کو کچھ دینار دئے کہ وہ کپڑا لے کر گھر میں لباس کے طور پہنے تو بیوی نے وہ دینار آگے معاملہ کے طور پر کسی کو دے دئے تو بیوی کو اختیار ہے، قنیہ (ت)

ہندیہ میں ہے:

قال لمتفقه اصرف هذه الخشبة الی کتبك فهو هبة والصرف الی الکتب مشورة کذا فی القنیة[4]۔	کسی نے طالبعلم کو کہا کہ یہ لکڑی لے جا کر اپنی کتب کے لئے استعمال کرو، تو یہ ہبہ ہوگا، اور کتب کے لئے استعمال صرف مشورہ ہوگا، جیسا کہ قنیہ میں ہے (ت)

اسی طرح اگر کسی کو مثلاً قاب پلاؤ یا اور کوئی عاریت کا نام کرکے دیا تو قرض ٹھہرے گا "لان عاریة مالاینتفع به الا بالاستهلاك قرض" (کیونکہ ایسی چیز کو عاریۃً دینا جس کو صرف کرکے ہی نفع لیا جاسکتا ہے تو وہ قرض ہوتا ہے۔ ت) اور ان میں باہم دوستی واتحاد ہے تو اباحت "لمکان العرف" (اباحت ہے کیونکہ یہی عرف ہے۔ ت) درمختار

---

[1] العقود الدریة تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الهبة تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۱

[2] الفتاوٰی الهندیة کتاب الهبة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

[4] الفتاوی الهندیة کتاب الهبة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۶

میں ہے:

لو اعارہ قصعۃ ثرید فقرض ولو بینھما مباسطۃ فاباحۃ[1]۔	اگر ثرید کا پیالہ عاریۃً دیا تو قرض ہوگا اور لین دین والوں میں بے تکلفی ہو تو یہ اباحت ہے (ت)

بالجملہ مدار عرف پر ہے اور یہاں عرف قاضی اباحت کہ جو بھائی باہم یکجا رہتے اور اتفاق رکھتے اور خورد ونوش وغیرہا مصارف میں غیریت نہیں برتتے، ان کی سب آمدنی یکجا رہتی ہے، اور جسے جو حاجت پڑے بے تکلف خرچ کرتا اور دوسرا اس پر راضی ہوتا اور واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا، نہ وہ آپس میں یہ حساب کرتے ہیں کہ اس دفعہ تیرے خرچ میں زائد آیا اتنا مجرا دے، نہ صرف کے وقت ایک دوسرے سے کہتا ہے میں نے اس روپے سے اپنے حصے کا تجھے مالک کردیا بلکہ یہی خیال کرتے ہیں کہ باہم ہمارا ایک معاملہ ہے جس کا مال جس کے خرچ میں آجائے کچھ پروا نہیں، اور یہ عین معنی اباحت و تحلیل ہے تو جب تک اس کا خلاف دلیل سے ثابت نہ ہوگا اباحت ہی قرار دیں گے اور زر صرف شدہ کا نصف محمود بیگ کو نہ ملے گا، **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۴۳: از ریاست رام پور بلاسپور دروازہ مرسلہ شہزادہ میاں معرفت مولوی سید خواجہ احمد صاحب ۱۴ صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی تعدادی (۳۷لعہ /عگہ) پختہ کے چند اشخاص بذریعہ میراث بطور اشتراک مالک تھے اور اسی طرح چند روز تک مالک رہے، منجملہ اراضی مذکورہ کے (للعہ عگہ ۱۴بسوہ) پختہ اراضی پر منجانب سرکار قبضہ ۱۳۰۸ف میں ہوگیا، یہ مقبوضہ اراضی سرکارہ وہ ہے کہ جس میں اشخاص مذکورہ بالا کے مورث نے بازار پینٹھ لگایا تھا، بعد ازاں اراضی مذکورہ مع اس اراضی پینٹھ والے کے ۱۳۱۴ فصلی میں باہم تقسیم ہوگئی اور عملدرآمد سرکار میں بھی اس تقسیم کا ہوگیا اور حصص ہر ایک کے مشخص اور ممتاز ہوگئے۔ مثلاً زید کے حصے میں یہ اراضی مقبوضہ سرکار پینٹھ والی مع کچھ دیگر اراضی کے (جملہ لعہ ۴ عگہ) پختہ آئی اور سب شرکاء رضامند اس تقسیم ہوگئے اور زید نے اور ایک بیگہ اراضی دیگر شرکاء سے منجملہ ۷ ۶ بیگہ پختہ کے خرید بھی لی بعد ان معاملات کے زید نے سرکار میں چارہ جوئی کی اور چاہا کہ سرکار اپنا قبضہ اراضی پینٹھ مذکور پر سے اٹھالے، سرکار نے قبضہ تو نہیں اٹھایا لیکن معاوضہ میں بجائے قبضہ اٹھانے کے دیگر اراضی دے دینے کا حکم دے دیا، اور سرکار کے قبضہ کو اس اراضی پر اٹھارہ ۱۸ سال ہوئے سترہ ۱۷ سال کے منافع کے بابت اندازہ ظاہر کرکے صرف مبلغ (الما للعہ نقد ۸) دے دینے کا بھی حکم صادر فرمادیا۔ اب دیگر شرکاء زید جو اسکے سابق میں شریک تھے وہ چاہتے ہیں کہ اس زر نقد سرکار کے عطیہ میں سے ہم کو بھی ملنا چاہئے، جس حاکم کے قبضہ میں وہ روپیہ ہے ان کی رائے ہے کہ روپیہ مذکورہ سترہ سال پر

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۶

بانٹا جائے۔ جب سے کہ تقسیم ہو گئی ہے یعنی ۱۳۱۴ف لغایت ۱۳۲۵ فصلی، تو زید کو تنہا جائے، اور جتنے زمانہ تک اراضی مشترکہ یعنی از ابتداء لغایت ۱۳۱۳ف بلحاظ حصص شرکاء روپیہ تقسیم کیا جاوے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اراضی پینٹھ والی اب سرکار میں خالص حق وملک زید کی قرار پائی ہے اور زید ہی نے کوشش کرکے معاوضہ کا حکم کرایا، اور سرکار سے روپیہ بھی تنہا زید ہی کو دے دینے کا حکم ہوا، ایسی صورت میں کیا زمانہ اشتراک کا عذر کرکے دیگر شرکاء بھی رقم مذکورہ میں سے لینے کے مستحق ہیں یا کیا؟ امید کہ جواب صاف صاف بلارُو رعایت تحریر فرمایا جائے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حق کے سوا کسی کی رو رعایت خادمانِ شرع کا کام نہیں، اگر وہاں کچھ فتوٰی نویس اسکے عادی سمجھے ہوں تو سب کو ان پر قیاس نہ کیا جائے، وہ زمین اگر سب شرکاء کی طرف سے معد للاستغلال تھی اور ریاست کو اس کا علم تھا **کما فی الدر عن الخیر الرملی** (جیسا کہ درمختار میں خیر الدین رملی سے منقول ہے۔ت) یا اس کا ایسا ہونا عام طور پر معروف تھا **کما فی ردالمحتار ویؤیدہ مسألۃ الخان والحمام فی الاشباہ والدر** (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے جس کی تائید خانوت اور حمام والا مسئلہ کررہاہے جو اشباہ اور درمختار میں مذکور ہے۔ت) تو بلاشبہہ یہ معاوضہ تازمانہ شرکت حسب حصص سب شرکاء کا ہے،

لان الاعداد قائم مقام الایجاب والاخذ مقام القبول فکانوا کلھم عاقدین فوجب الاجر لھم جمیعا۔	کیونکہ تیار کرنا ایجاب اور لینا قبول کے قائم مقام ہوتا ہے، تو یہ تمام لوگ عقد کرنے والے قرار پائینگے تو سب کے لئے معاوضہ واجب ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے یہ صورت کہ متصرف زید تھا اور وہ سب شرکاء کا کارکن، اور اس نے سب کے لئے اعداد کیا،

فانه اذن منھم جمیعا بحکم الاذن ولو فی ضمن العموم۔	کیونکہ وہ ان سب کی طرف سے اجازت ہوگی اگرچہ اذن عموم کے ضمن میں پایا گیا۔ (ت)

اور اگر اعداد سب کی طرف سے نہ تھا زید نے تنہا اپنے لئے کیا اور اس حالت میں ریاست نے اسے لیا اور اب یہ معاوضہ دیا تو اس کا مالک تنہا زید ہے،

لانه ھو العاقد والمنافع لاتتقوم الابالعقد فلاتکون الاله کما فی الھندیة والخیریة والعقود الدریة۔	کیونکہ وہ اکیلا ہی عاقد ہے جبکہ منافع صرف عقد سے قیمتی بنتے ہیں لہٰذا یہ صرف اسی کے لئے ہونگے جیسا کہ ہندیہ، خیریہ اور درر میں ہے (ت)

مگر تازمانہ شرکت بقدر حصص شرکاء زید کے لئے ملک خبیث ہے **لتصرف فی ملك غیرہ** (غیر کی ملکیت میں تصرف کی وجہ سے) اس پر لازم ہے کہ اس قدر تصدق کرے یا شرکا کو دے اور یہی اولٰی ہے **کما فی الخیریة**

وغیرھا (جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور ان کے لئے طیب ہوگا لانہ نماء ملکھم (کیونکہ یہ ان کی ملکیت میں اضافہ ہوا ہے۔ ت) اور اگر معد للاستغلال نہ تھی تو کسی شریک کے لئے کوئی معاوضہ ریاست کے ذمے نہ آیا لعدم الاجارۃ صراحۃ ولا دلالۃ (اس لئے کہ اجارہ نہ صراحۃً ہے نہ دلالۃً۔ت) جو کچھ دیا وہ محض ہبہ وعطیہ ہے جسے دیا تنہا اسی کا کام ہے اور تمام وکمال اس کے لئے طیب وحلال ہے،

لانہ لیس عوضاً من مشترك حتی یحتمل اشتراك الشرکاء فیہ۔	مشترکہ چیز کا معاوضہ نہیں تاکہ اس میں شرکاء حضرات کی شرکت کا احتمال ہو۔ (ت)

مگر یہ کہ شرکاء میں کوئی یتیم ہو تو البتہ اس کے حصے کے قابل بعد اخذ ریاست تا انتہائے شرکت جتنے دنوں وہ نابالغ رہا ہو اس قدر کا حصہ اس یتیم کو دینا واجب ہے،

لانہ منافع مالہ کمنافع الوقف مضمونۃ بالاستھلاك بلاشرط الاعداد کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر۔	کیونکہ یتیم کے مال کے منافع وقف کے منافع کی طرح ہلاک کرنے پر مضمون ہوجاتے ہیں اگرچہ یہ شرط نہ کی گئی ہو جیسا کہ درمختار وغیرہ مشہور کتب میں ہے (ت)

یہ استثناء صورت ثانیہ میں بھی جاری ہوگا اور قدر حصہ یتیم میں زید تصدق کا اختیار نہ رکھے گا بلکہ یتیم ہی کو دینا واجب، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴ تا ۱۰: ازبنارس مسجد چوک کہنہ مرسلہ محمد سلیمان ومحمد صاحبان ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس میں کہ خالد کے پانچ پسر، زید، بکر، حامد، جعفر اور تین دختر ہیں، خالد نے مکان مسکونہ بنوایا۔ زید، بکر، عمرو جنکی شادی ہوگئی تھی اور بالغ تھے کچھ روپے سے اس کی تعمیر میں خالد کے شریک ہوئے۔ چند سال بعد خالد نے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ، مکانات واسباب دکانداری وغیرہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کیا اور یہ مکان مسکونہ بھی اس ہبہ نامہ میں درج ہوا، ہبہ نامہ کی تحریر کے بعد تین سال تک خالد زندہ رہا مگر جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر جس کو وہ ہندہ کے نام ہبہ کرچکا تھا خود قابض رہا۔ خالد کی حیات میں زید، بکر، عمرو، حامد واسطے خوردونوش کے فی کس پانچ روپے دیتا تھا اور سبھوں کا کھانا یکجائی پکتا۔ جعفر صغیر سن تھا اسی وجہ سے شریک نہ تھا، ہر پسر اپنی اپنی آمدنی علیحدہ اپنے پاس رکھتا تھا اور امور خانگی میں خود خرچ کرتا تھا، صرف کھانا یکجائی تھا، بعد انتقال خالد ہندہ کے زمانہ میں بھی خوردونوش کا ایسا ہی انتظام رہا، اور دکان بلا فہرست اسباب عمرو کے سپرد ہوئی اس شرط پر کہ وہ ایک آنہ ۱/ فی روپیہ دستوری لے لیا کرے جب مال فروخت ہو، اور وہ حساب کتاب بھی لکھتا رہے۔

تھوڑے دنوں تک عمرو نے حساب کتاب لکھا مگر پھر خود ہی بند کردیا۔ بعد وفات خالد ہندہ کے حیات میں

مکان مسکونہ میں تعمیر مزید کی ضرورت ہوئی اور حامد نے کام شروع ہونے میں روپیہ دیا، روپے کی کمی عمرو پوری کرتا تھا جن کے تعلق دکان تھی اور اپنی انگریزی پہری بھی پہرتا تھا مگر آمدنی دونوں کی یکجا رکھتا تھا اس اثناء میں خاص اپنا روپیہ لگا کر زید نے اپنے لئے بنگلہ اس مکان مسکونہ میں اپنے روپے سے بنوایا جو اب تک قائم ہے ہندہ کے انتقال کے بعد حامد نے ایک بنگلہ اپنے واسطے اس مکان مسکونہ میں اپنے روپے سے بنوایا، اور یہ اس روپے کے علاوہ ہے جو کہ حامد نے تعمیر مزید کے شروع کرنے میں دیا تھا، دیگر یہ کہ زید کی وفات کے بعد اس کی بیوہ کو دو آنہ فی یوم اب تک دکان سے جو عمرو کے متعلق ہے ملتا ہے۔ اور عمرو کا بیان ہے کہ دکان کے ذمہ قرض بھی ہے مگر خالد وہندہ نے کوئی قرضہ نہیں لیا تھا اب وارثان خالد وہندہ میں نزاع درپیش ہے مکان مسکونہ کس طور پر تقسیم ہوگا؟ **(۱)** آیا زید وبکر وعمرو کا روپیہ جو حیات خالد وہندہ میں لگا ہے مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۲) حامد کا روپیہ اور زید کا بنگلہ جس کا وقوع بعد انتقال خالد مگر ہندہ کی حیات میں ہوا ہے مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۳) حامد کا بنگلہ جو بعد وفات خالد وہندہ کے تعمیر ہوا مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۴) دختروں کو مکان مسکونہ میں کس قدر حصہ پہنچ سکتا ہے صرف اس قدر مکان میں جو خالد کے انتقال کے وقت تھا یا نئی تعمیر سے لے کر؟

(۵) عمرو کی دکان کا حساب نہ لکھنے پر کوئی الزام اس پر آسکتا ہے یا نہیں؟

(۶) زید کے بیوہ کو دو آنہ ۲/فی یوم جو دکان سے ملتا ہے واپس ہوگا یا نہیں؟

(۷) عمرو کو جو قرضہ دکان مجرا ہوگا یا نہیں؟ **فقط بینوا توجروا۔**

الجواب:

جواب سوال اول: ان مسائل میں اصل کلی یہ ہے کہ جو شخص اپنے مال سے کسی کو کچھ دے اگر دیتے وقت تصریح ہو کہ یہ دینا فلاں وجہ پر ہے مثلاً ہبہ یا قرض یا ادائی دین ہے جب تو آپ ہی وہی وجہ متعین ہوگی اور اگر یہ کچھ ظاہر نہ کیا جائے تو دینے والے کا قول معتبر ہے کہ وہ اپنی نیت سے خوب آگاہ ہے اگر اپنی نافع نیت بتائے گا مثلاً کہے میں نے قرضًا دیا قرض میں دیا ہبہ مقصود نہ تھا تو اس کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور جو اس کے خلاف کا مدعی ہو وہ محتاج اقامت بینہ ہوگا مگر جبکہ قرائن ودلائل عرف سے اس کا یہ قول خلاف ظاہر ہو تو نہ مانیں گے اور اسی کو اقامتِ بینہ کی تکلیف دیں گے بکثرت مسائل اسی اصل پر متفرع ہیں، مداینات العقود الدریۃ میں بزازیہ سے ہے:

القول قول الرافع لانہ اعلم بجھۃ الدفع[1]۔	دینے والے کی بات معتبر ہوگی کیونکہ دینے کی وجہ کو وہ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب المداینات القول قول الرافع الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۴۴

فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح میں ہے:

دفع الٰی غیرہ دراھم فانفقھا وقال صاحب الدراھم اقرضتکھا وقال القابض لابل وھبتنی کان القول قول صاحب الدراھم[1]۔	ایک نے دوسرے کو کچھ درہم دئے تو اس نے لے کر خرچ کر لئے، دراہم دینے والے نے کہا میں نے تجھے قرض دئے تھے اور لینے والا کہتا ہے نہیں بلکہ تو نے مجھے ہبہ دیا ہے، تو دینے والے کی بات معتبر ہوگی (ت)

جامع الفصولین فصل رابع وثلثین میں ہے:

صدق الدافع بیمینہ لانہ مملک[2]۔	دینے والے کی بات قسم کے ساتھ مصدقہ قرار پائے گی کیونکہ وہ دینے والا ہے (ت)

وہیں ہے:

دفع الی ابنہ مالافاراداخذہ صدق انہ دفعہ قرضا لانہ مملک[3]۔	بیٹے کو کچھ مال دیا اب واپس لینا چاہتا ہے تو قرض کے طور پر دینا مانا جائے گا کیونکہ وہ دینے والا ہے (ت)

وہیں ہے:

یصدق المملك لانہ اعرف فقول العالم اولٰی بان یقبل من قول الجاہل الافیمایکذب عرفا[4]۔	مالک بنانے والے کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ وہ بہتر جانتا ہے تو جاننے والے کی بات کو ماننا اولٰی ہے بجائے اس کے کہ جاہل کی بات مانی جائے اِلّایہ کہ عرف اس کو جھوٹا قرار دے (ت)

ہدایہ میں ہے:

(من بعث الٰی امرأتہ شیئا فقالت ھوھدیۃ وقال الزوج ھو من المھر فالقول قولہ)لانہ ھوالمملك فکان اعرف بجھۃ التملیك کیف وان الظاھر انہ	جس نے بیوی کو کوئی چیز بھیجی تو بیوی نے کہا یہ ہدیہ ہے اور خاوند نے کہا یہ مہر میں شمار ہے، تو خاوند کی بات معتبر ہے کیونکہ وہ مالک بنانے والا ہے تو وہی تملیک کی وجہ کو بہتر جانتا ہے اس کے خلاف کیسے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح فصل فی حبس المرأۃ نفسہا بالمہر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۸

[2] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۷

[3] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۷

[4] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۷

یسعی فی اسقاط الواجب(الٰی فی الطعام الذی یؤکل)فان القول قولها او المراد منه مایکون مهیأً للاکل لانه یتعارف هدیة[1] الخ۔	ہوسکتا ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ خاوند اپنے ذمہ واجب کی ادائیگی میں کوشاں ہے ہاں کھائی جانیوالی چیز میں یہ بات ظاہر نہیں کیونکہ اس میں بیوی کی بات معتبر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز کھانے کے لئے مہیا کی گئی ہو کیونکہ عرفًا ایسی چیز ہدیہ قرار پاتی ہے الخ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

والذی یجب اعتبارہ فی دیارنا ان جمیعه ماذکر من الحنطة واللوز والدقیق والسکر والشاة الحیة وباقیها یکون القول فیها قول المرأة لان المتعارف فی ذٰلك کله ارساله هدیة فالظاهر مع المرأة لامعه ولایکون القول له الافی نحوالثیاب والجاریة[2]۔	ہمارے دیار میں گندم، بادام، آٹا، شکر، زندہ بکری، اس کا گوشت وغیرہ مذکورہ تمام اشیاء میں بیوی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ عرف میں ان تمام چیزوں کو ہدیہ کے طور پر ارسال کیا جاتا ہے اس لئے ظاہر عورت کی تائید کرتا ہے نہ کہ مرد کی، خاوند کی بات صرف کپڑوں اور لونڈی وغیرہ جیسی چیزوں میں معتبر ہوتی ہے (ت)

نہر الفائق میں ہے:

وینبغی ان لایقبل قوله ایضافی الثیاب المحمولة مع السکرونحوه للعرف[3]	مناسب ہے کہ خاوند کی بات شکر وغیرہ کے ساتھ ارسال کئے گئے کپڑوں میں معتبر نہ ہو کیونکہ عرف یہی ہے (ت)

حاشیہ ابی السعود الازھری علی الکنز میں ہے:

ینبغی ان یکون القول لهافی غیرالنقود للعرف المستمر[4]۔	مناسب ہے کہ نقود کے غیر میں بیوی کی بات معتبر ہو کیونکہ عرف میں یہی جاری ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

کذامایعطیهامن ذٰلك اومن دراهم	یونہی شب زفاف کی صبح کو جو درہم یا دینار دئے جاتے ہیں

[1] الہدایۃ کتاب النکاح باب المہر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۱۷

[2] فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۵۶

[3] ردالمحتار بحوالہ النہر الفائق کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

[4] فتح المعین علٰی شرح الکنز لملا مسکین کتاب النکاح باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۰

اودنا نیر صبیحۃ لیلۃ العرس ویسمی فی العرف صبیحۃ فان کل ذٰلك تعورف فی زماننا کونہ ھدیۃ[1]۔	ان کو عرف میں صبحہ کہا جاتا ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ ہدیہ ہونے پر عرف بن چکا ہے۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر صراحۃً ثابت ہے کہ زید وعمرو وبکر نے یہ روپیہ اپنے باپ کو قرضًا دیا تھا تو ضرور واپس ہوگا، یا صراحۃً ثابت ہو کہ بطور حسن سلوک وخدمت پدر ہبۃً دیا تھا تو ہر گز واپس نہیں ہوسکتا لتحقق موانع عدیدۃ للرجوع (رجوع کرنے میں متعدد موانع پائے جانے کی وجہ سے۔ت) یا ان کے یہاں معمول قدیم رہا ہو کہ جب کبھی ایسے صرف کی باپ کو ضرورت ہوئی ہے بیٹے اس کے شریک ہوئے ہیں اور وہ شرکت ہمیشہ بے قصد واپسی رہی ہے تو قول بقیہ ورثہ کا معتبر ہوگا کہ یہ دینا بھی اسی طرح تھا قرض نہ تھا دینے والے اگر مدعی ہوں کہ اس بار ہم نے قرضًا دیا تھا تو ازانجا کہ ان کا وہ عرف باہمی اس دعوے کے خلاف ہے بارِ ثبوت ان کے ذمہ ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قد قال العلامۃ فی الاسرار امر رجلا بان یعمل لہ عمل کذا ولم ینطقا شیئا فی الاجر وعدمہ ان کان العامل من قبل ممن یعمل لہ او للناس مثل ھذا العمل بغیر اجر کان متبرعا[2]۔	علامہ نے اسرار میں فرمایا ایک شخص نے دوسرے کو کوئی کام کرنے کو کہا اور اس پر انہوں نے معاوضہ ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر نہ کیا تو اگر کام کرنے والا قبل ازیں اس شخص کا کام بغیر اجرت کرتا رہتا ہے یا دوسرے لوگوں کا کام بلااجرت کرتا رہتا ہے تو مفت شمار ہوگا۔(ت)

اور اگر سب کچھ نہ ہو تو عمرو بکر خود اور زید کے وارثوں کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ یہ دینا بطور ہبہ نہ تھا مگر عمرو بکر کہ زندہ ہیں قطعی قسم کھائیں گے اور وارثان زید اپنے علم پر یعنی واللہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے مورث زید نے یہ روپیہ اپنے باپ خالد کو ہبۃً دیا تھا،

کما عرف من الحکم فی الیمین علی فعل الغیر فانھا انما تکون علی العلم لامع البتات۔	جیسا کہ کسی دوسرے شخص کے کام کرنے کے متعلق قسم میں معلوم ہوچکا ہے کہ وہ حکم علم پر مبنی ہوتا ہے مطلقًا قطعی نہیں ہوتا۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

[2] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الاجارہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۳

جامع الفصولین میں ہے:

الوارث یصدق ان الاب اعطاہ بجھة الدین لقیامه مقام مورثه فیصدق فی جھة التملیک[1]۔	وارث کی یہ بات تسلیم کرلی جائے گی کہ والد نے فلاں کو چیز بطور قرض دی تھی کیونکہ وارث اپنے مورث کے قائم مقام ہوجاتا ہے اس لئے تملیک کی وجہ میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔(ت)

اس صورت میں اگر بقیہ ورثہ خالد مدعی ہبہ ہوں گواہ دیں واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

کا مطالبہ مطلقًا کرسکتا ہے کہ اگر یہ دینا قرضًا تھا جب توظاہر، اور اگر بطور ہبہ ہی تھا تاہم دو طرح کا شیوع رکھتا ہے:

اولًا: چند شخصوں کو روپے ہبہ کرنا۔

ثانیًا: اپنے حصے کے ماوراکا ہبہ کرنا کہ اگر بالفرض سب شرکاء نہیں ایک ہی شریک کو باقیوں کے لئے ہبہ کرنا ہوتا جب بھی اپنا حصہ سے ہبہ جدا رہنے کے باعث محتمل قسمت میں مشاع تھا اور اس قسم کا شیوع صدقہ میں بھی جائز نہیں اگرچہ قسم اول یعنی چند شخصوں پر تصدق جائز ہے۔ بخلاف ہبہ کہ اس میں دونوں قسم کا مشاع مفسد ومبطل ہے جبکہ وہ شیئ صالح تقسیم ہو۔ درمختار میں ہے:

تصدق بعشرة دراہم اووھبھا لفقیرین صح لان الھبة للفقیر صدقة والصدقة یراد بھاوجه الله تعالٰی وھو واحد فلاشیوع لالغنیین لان الصدقة علی الغنی ھبة فلاتصح للشیوع ای لاتملك حتی لوقسمھا وسلمھا صح[2]۔	دو فقیروں کو دس درہم بطور صدقہ یا ہبہ اکٹھے دے دئے تو صحیح ہے کیونکہ فقیر کو ہبہ بھی صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ میں اللہ تعالٰی کی رضا مقصود ہوتی ہے اور وہ واحد ہے اس لئے اس میں شیوع یعنی قابل تقسیم ہونا، نہ پایا گیا، لیکن یہ صورت دو غنی حضرات کو صدقہ کرنے میں صحیح نہیں کیونکہ غنی کے لئے صدقہ بھی ہبہ ہوتا ہے جب کہ ہبہ میں شیوع درست نہیں یعنی دونوں غنیوں میں سے کوئی بھی غیر منقسم کا تقسیم اور قبضہ سے قبل مالک نہ بنے گا(ت)

تنویر میں ہے:

الصدقة کالھبة لاتصح غیر مقبوضة	صدقہ ہبہ کی طرح ہے لہٰذا بغیر قبضہ اور غیر منقسم کو

---

[1] جامع الفصولین فصل ٣٤ اسلامی کتب خانہ کراچی ٢/ ٢١٧

[2] درمختار باب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ١٦١

ولافی مشاع یقسم[1]۔	تقسیم کئے بغیر درست نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان قلت قدم ان الصدقۃ لفقیرین جائزۃ فیما یحتمل القسمۃ بقولہ وصح تصدق عشرۃ لفقیرین قلت المراد ھنا من المشاع ان یھب بعضہ لواحد فقط عـــہ فحینئذ ھو مشاع یحتمل القسمۃ بخلاف الفقیرین فانہ لاشیوع کما تقدم بحر[2] اھ. واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم	اگر تیرا اعتراض ہو کہ قبل ازیں کہا ہے کہ دو فقیروں کو تقسیم سے قبل قابل تقسیم چیز کا صدقہ جائز ہے، میں کہتا ہوں کہ یہاں۔۔۔۔۔۔کے معاملہ میں مشاع سے مراد یہ ہے کہ فقط اس کا کچھ ایک کو دیا ہو تو یہ مشاع (غیر منقسم جو قابل تقسیم تھا) ہوا، بخلاف فقیروں کے کیونکہ ان میں شیوع نہ پایا گیا، جیسا کہ پہلے گزرا، بحر، اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال سوم وبقیۂ دوم: زید وحامد نے زمین مکان مشترک میں جو بنگلے اپنے لئے اپنے روپے سے بنائے وہ خاص انہیں کے ہیں دیگر شرکاء کا ان میں کوئی حق نہیں، اگر باقی شرکاء اب قائم رہنا نہیں چاہتے تو مکان وزمیں موروث مشترک تقسیم کریں، اگر بنگلے کی کل زمین بنگلے ہی کے حصہ میں آکر پڑی جب تو نزاع ہی قطع ہوئی اور اگر وہ کل زمین یا اس کا بعض کسی دوسرے شریک کے حصے میں پڑے تو یا باہمی رضامندی سے زمیں والا اپنی زمین بنگلے والے کے ہاتھ بیع کردے یا بنگلے والا اپنا بنگلہ کل یا بعض زمین والے کے ہاتھ اور کسی طرح تراضی نہ ہو تو زمین والے کو اختیار ہوگا کہ بنگلہ کل یا بعض جس قدر اس کی زمین میں واقع ہوا اکھڑوا دے اور اس کے سبب اگر زمین کو کچھ نقصان قلیل پہنچے اس کا تاوان بنگلہ والے سے لے لے اور اگر نقصان سخت کثیر پہنچے کہ زمین کو خراب وبیکار کردے تو اسے اختیار ہے کہ اس قدر عمارت بنگلہ جو اس کی زمین میں ہے اپنی ملک ٹھہرا لے اگرچہ صاحب بنگلہ راضی نہ ہو اور اسے،

عـــہ: قولہ فقط ناظر الی بعضہ لا الی واحد حتی لو وھب بعضہ فقط لجماعۃ لم تجز ایضا ولو وھب کلہ لغیرہ واحد جاز فی الصدقۃ کما لایخفی ۱۲ منہ (م)	قولہ، فقط، کا تعلق لفظ "بعض" سے ہے نہ کہ "واحد" سے، حتی کہ بعض حصہ اگر پوری جماعت کو بھی دیا تو جائز نہ ہوگا اور اگر سارا متعدد کو دے دیا تو صدقہ میں جائز ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] ردالمحتار باب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۲۲

اس تعمیر کی وہ قیمت دے دے جو روز واپسی زمین ایسی عمارت کا اس حال میں نرخ ہو جبکہ اسکے گرادینے کا حکم ہولیا ہو، اور اس کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ عمارت گرادی جائے تو جس قدر عملہ ٹوٹ پھوٹ کر بعد گرانے کے نکلے اس کا بھاؤ روز واپسی کیا ہوگا اور گروانے میں کیا مزدوری جائے گی یہ مزدور اس عملہ کے بھاؤ سے گھٹا کر جو بچے وہ اس دن اس عمارت کی قیمت ہے جس کے گرانے کا حکم ہولیا۔ درمختار کتاب القسمۃ میں ہے:

بنی احدالشریکین بغیر اذن الاخر (وکذالوباذنہ لنفسہ لانہ مستعیرلحصۃ الاٰخر وللمعیرالرجوع متی شاء رملی علی الاشباہ اھ ش) فی عقار مشترك بینہما فطلب شریکہ رفع بنائہ قسم العقار فان وقع البناء فی نصیب البانی فبہا ونعمت والاھدم البناء (اوارضاہ بدفع قیمۃ ط عن الھندیۃ) وحکم الغرس کذٰلك بزازیۃ[1] اھ مزیدا من الشامی۔	مشترکہ جگہ پر ایک شریک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر تعمیر کی دوسرے نے وہاں سے عمارت ہٹانے کا مطالبہ کیا تو زمین کو تقسیم کیا جائے، اگر عمارت بنانے والے کے حصہ میں وہ عمارت آئی تو بہتر ورنہ عمارت کو گرایا جائے گا (اس پر علامہ شامی نے یہ اضافہ فرمایا یونہی شریک کی اجازت سے اپنی ذات کے لئے بنائی تو حکم یہی ہے کیونکہ اس نے گویا وہ زمین عاریۃً عمارت کے لئے اپنے شریک سے حاصل کی اور عاریتاً دینے والے کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے واپس لے لے اھ رملی علی الاشباہ اور طحطاوی میں ہندیہ سے یوں ہے، یاشریک کو قیمت دے کر راضی کرلے)＿＿＿＿اور پودے لگانے کا حکم بھی یہی ہے، بزازیہ، اھ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اقول: وفی فتاوٰی قارئ الھدایۃ وان وقع البناء فی نصیب الشریك قلع وضمن مانقصت الارض بذٰلك اھ وقد تقدم فی کتاب الغصب متنا ان من بنی او غرس فی ارض غیرہ امر بالقلع وللمالك ان یضمن لہ قیمۃ بناء او غرس امر بقلعہ ان نقصت الارض بہ	**میں کہتا ہوں** اور فتاوٰی قارئ الھدایہ میں ہے اور اگر عمارت شریک کے حصہ میں بنائی تو ہٹائے اور بنانے والے سے زمین کے نقصان کا ضمان لے اھ، متن کے کتاب الغصب میں پہلے گزر چکا ہے کہ جس نے عمارت یا پودے غیر کی زمین میں لگائے تو اسے ہٹانے کا حکم دیا جائے گا اور مالک کو اختیار ہوگا کہ اگر عمارت گرانے یا پودے اکھاڑنے سے زمین کا جو نقصان ہوا ہو تو اس کا

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۱، ردالمحتار کتاب القسمۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۰

والظاھر جریان التفصیل ھنا کذٰلك تأمل [1] اھ **اقول:** وکذٰلك تقدم فی کتاب العاریة متنا وشرحا حیث قال لواعار ارضا للبناء والغرس صح وله ان یرجع متی شاء ویکلفه قلعھما الااذاکان فیه مضرة بالارض فیترکان بالقیمة مقلوعین لئلا تتلف ارضه [2] اھ وھذا اعنی بناء احد الشریکین لایخلو عن احد ھما اذلو بنی بغیر اذن شریکه کان غاصبا او به لنفسه کان مستعیرا فلاشك فی جریان الحکم المذکور فیھما ھنا ثم ماذکرہ قاری الھدایة محله مااذاکان النقصان قلیلا غیربالغ حد افساد الارض والتملك محمول علی النقصان الفاحش کما یفیدہ تعلیل الدر بقوله لئلا تتلف ارضه وقد نقل المحشی عن السائحانی عن المقدسی فی الغصب تحت قول الدر من بنی اوغرس فی ارض غیر بغیر اذنه امر بالقلع	ضمان لے اور ظاہر ہے کہ یہاں وہی تفصیل ہوگی، غور کرو اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور یونہی متن اور شرح کی کتاب العاریۃ میں گزرا ہے جہاں فرمایا کہ اگر زمین عمارت یا پودے لگانے کے لئے عاریۃً دی تو جائز ہے اور اس کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے واپس لے لے اور بنانے والے کو ہٹانے پر مجبور کرے، ہاں اگر عمارت گرانے اور پودے اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو دونوں چیزوں کو ان کی اکھاڑی ہوئی صورت کی قیمت کے بدلے بحال رکھا جائے تاکہ مالک کی زمین تلف نہ ہو اھ، اور شریکین میں سے ایک کا تعمیر کرنا دو حال سے خالی نہیں کہ بغیر اجازت تعمیر کرے گا تو غاصب ہوگا یا اجازت سے اپنی ذات کے لئے تعمیر کرے گا تو عاریۃً حاصل کرنے والا قرار پائے گا تو بلاشک دونوں صورتوں میں وہاں مذکور حکم ہی جاری ہوگا، پھر قاری الہدایہ نے جو ذکر فرمایا تو اس کا محل وہ صورت ہے جب اکھاڑنے میں نقصان کم ہو جس سے زمین میں فساد پیدا نہ ہو، اور قیمت دے کر مالک بننے کی صورت وہ ہے جب زمین کا نقصان زیادہ ہو جیسا کہ درمختار کا یہ علت بیان کرنا "تاکہ زمین تلف نہ ہو" سے بطور فائدہ معلوم ہو رہا ہے، اور غصب کے باب میں محشی نے سائحانی اس نے مقدسی سے درمختار کے قول "جس نے غیر کی زمین میں بغیر اجازت عمارت بنائی یا پودے لگائے تو اسے وہاں سے اکھاڑنے

[1] ردالمحتار کتاب القسمۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۰

[2] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

والرد وللمالك ان يضمن له قيمة بناء او شجر امر بقلعه ای مستحق القلع ان نقصت الارض به[1] اھ مانصه ای نقصانا فاحشا بحیث یفسدھا اما لو نقصها قلیلا فیأخذارضه ویقلع الاشجار ویضمن النقصان[2] اھ فبذا التوفیق یتضح المرام وتزول الاوهام والجدلله ولی الانعام۔	اور زمین واپس کرنے کا حکم دیا جائے گااور مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ اکھاڑے ہوئے مکان یا درختوں کی قیمت کا ضامن بن جائے اگر زمین کو نقصان کاخطرہ ہو یعنی اگر نقصان ہوتو اکھاڑنے کااستحقاق ہوگااھ محشّی کی عبارت یہ ہے یعنی ایسا فحش نقصان جو زمین کے فساد کا باعث ہو، لیکن اگر نقصان قلیل ہوتو مالک اپنی زمین واپس لے اور درخت وغیرہ اکھاڑ دے اور نقصان کا ضمان لے اھ تو اس بیان سے مذکورہ عبارات میں موافقت ہو گئی، مقصود واضح ہوگیا اور اوہام ختم ہوگئے اور بزرگی نعمت کے مالک کے لئے ہے۔(ت)

نیز شامی میں ہے:

ای قیمة بناء اوشجر امر بقلعه اقل من قیمته مقلوعا مقداراجرة القلع فان کانت قیمة المقلوع عشرة واجرةالقلع دراهم بقیت تسعة[3] (ملخصًا)	یعنی مکان یا درخت جن کو اکھاڑنے کا حق ہے ان کھاڑے ہوئے کی قیمت سے اکھاڑنے کی مزدوری برابر منہا کرکے بقیہ قیمت دی جائے، مثلاً اگر اکھاڑے ہوئے کی قیمت دس درہم ہو اور مزدوری ایک درہم ہو تو نو درہم قیمت دے گا (ملخصًا)۔(ت)

خیریہ میں ہے:

ان وقع بعضه فی حصته وبعضه فی حصة الاٰخر فما وقع فی حصته فامره الیه وما وقع فی حصة الاٰخرفله ان یکلفه قلعه[4]۔	اگر مکان کا کچھ حصہ اپنی زمین اور کچھ حصہ دوسرے کی زمین میں ہو تو اپنی زمین والا حصہ اس کی صوابدید پر ہے، اور جو حصہ دوسرے کی زمین پر واقع ہے تو دوسرے کو حق ہے کہ وہ اسے گرانے پر مجبور کرے(ت)

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷
[2] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۴
[3] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۴
[4] الفتاوی الخیریه کتاب القسمة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۶۱

یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ مکان صالح تقسیم، اور شرکاء تقسیم پر راضی ہوں ورنہ اگر بقیہ شرکاء اس عمارت کو رکھنا نہ چاہیں تو ڈھادینے سے چارہ نہیں۔ خیریہ میں ہے:

لایخفی انه اذالم یمکن القسمة اولم یرضیا بها تعین الھدم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ مخفی نہیں کہ جب زمین قابل تقسیم نہ ہو یا فریقین تقسیم پر راضی نہ ہوں تو گرائے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جواب سوال چہارم: دختریں مکان قدیم سے کہ وقت مرگ خالد موجود تھا ترکہ پدری پائیں گی کہ ہبہ جو خالد نے ہندہ کے نام کیا تھا بوجہ قبضہ نہ دینے کے موت خالد سے باطل ہوگیا اور ترکہ ترکہ خالد ہی ٹھہرا اور اس میں سے جو حصہ ہندہ نے پایا اور نیز تعمیر مزید سے کہ زمانہ ہندہ میں سب شرکاء کے لئے ہوئی جس قدر حق ہندہ تھا ان دونوں میں سے ترکہ مادری لیں گی اور اگر زید کے ورثہ میں بہنوں کا کوئی حاجب مثلاً بیٹا یا پوتا نہیں تو جب کچھ زید کو ترکہ پدری و مہر دو ترکہ مادری سے پہنچا اور اس کا اپنا خاص بنگلہ ان تینوں میں سے میراث برادری کی مستحق ہوں گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال پنجم: حساب دکان لکھنا عمرو پر واجب نہ تھا اگر نہ لکھا اس پر کوئی الزام نہ ہوا،

فی العقودالدریة عن البحرالرائق من تصرفات القیم یجوز الاخذ علی نفس الکتابة ولایجوز الاخذعلی نفس المحاسبة لان الحساب واجب علیه [2] اھ فافادان الکتابة لاتجب علیه حتی جازله اخذ الاجرة علیها فعلم ان الامین فی معاملة لایجب علیه کتابة حسابه وان کان نفس الحساب واجبا علیه۔	عقوددریہ میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ قیمتی تصرفات میں لکھائی پر معاوضہ لینا جائز ہے اور محض حساب پر معاوضہ لینا جائز نہیں کیونکہ حساب اس پر واجب ہے، اھ، اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وہاں لکھائی واجب نہ ہوگی جہاں اجرت لینا جائز ہوگا تو اس سے معلوم ہوا کسی معاملہ منتظم پر حساب کی لکھائی واجب نہیں اگرچہ نفس حساب اس پر واجب ہے۔ (ت)

بلکہ یہ قرار داد ہی کہ عمرو و بقیہ شرکاء میں ہو کہ عمرو مال بیچے حساب لکھے اور اکنی روپیہ دستوری لے محض ناجائز و حرام ہے کما لایخفی علی الفقیه (جیسا کہ فقہ جاننے والے پر مخفی نہیں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] الفتاوٰی الخیریہ کتاب القسمۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۰

[2] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار، افغانستان ۱/ ۲۱۵

جواب سوال ششم: خاص ہندہ کے لئے اس کے بیوہ ہونے پر شریکوں کا یہ یومیہ مقرر کرنا ظاہرًا بہ نیت ثواب، بطور مواسات بیوہ برادر ہے اگر ایسا ہی ہے تو ہرگز واپس نہیں ہوسکتا کہ وہ اس حال میں تصدق ہے اور تصدق میں اصلًا رجوع نہیں۔ در مختار میں ہے:

لا رجوع فیھا ولو علی غنی لان المقصود فیھا الثواب لا العوض[1]	اس میں رجوع نہیں اگرچہ غنی پر کیا ہو کیونکہ اس سے مقصود ثواب ہے معاوضہ نہیں ہے (ت)

اور اگر دکان میں جو اس کا استحقاق بذریعہ ترکہ شوہری ہے اسے حق میں سمجھ کر دیتے ہیں تو اگر اس کا حق اسی قدر یا اس سے زائد ہے جب بھی رجوع کے لئے کوئی معنی نہیں، اور اگر ظاہر ہو کہ حق سے زائد پہنچا تو البتہ بقدر زیادت واپس لیا جائے گا۔

فی شرکۃ العقود الدریۃ سئل فیما اذا کان لکل من زید وعمرو عقار جار فی مبلکہ بمفردہ فتوافقا علی ان ما یحصل من ریع العقارین بینھما نصفین واستمر علی ذٰلک تسع سنوات، والحال ان ریع عقار زید اکثر ویرید زید مطالبۃ عمرو بالقدر الزائد الذی دفعہ لعمرو بناء علی انہ واجب علیہ بسبب الشرکۃ المزبورۃ فھل یسوغ لزید ذٰلک (الجواب) الشرکۃ المزبورۃ غیر معتبرۃ فحیث کان ریع عقار زید اکثر تبین ان مادفعہ لعمرو من ذٰلک بناء علی ظن انہ واجب علیہ ومن دفع شیئا لیس بواجب علیہ فلہ استردادہ الا اذا دفعہ علی وجہ الھبۃ واستھلکہ القابض کما فی شرح النظم الوھبانی وغیرہ من المعتبرات[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عقود دریہ کی کتاب الشرکہ میں ہے کہ زید اور عمرو ہر ایک انفرادی طور پر اپنی زمین کا مالک ہے تو دونوں نے باتفاق طے کیا کہ دونوں زمینوں سے جو پیداوار حاصل ہو وہ دونوں میں نصف نصف ہوگی اسی معاہدہ پر نو سال معاملہ چلتا رہا حالانکہ زید کی زمین زیادہ تھی اب زید اپنے زائد حصہ کا عمرو سے مطالبہ کرنا چاہتا ہے اس مبنٰی پر کہ عمرو کو ادا شدہ حصہ معاہدہ مذکورہ کی وجہ سے واجب تھا تو کیا زید کو اس زائد ادا شدہ کو واپس لینے کا اختیار ہے؟ (الجواب) مذکورہ شراکت معتبر نہیں تو جب زید کی زمین کا رقبہ زیادہ ہے تو پیداوار کا زیادہ ہونا واضح ہوگیا تو معلوم ہوا کہ اس نے عمرو کو جو زائد مقدار دی وہ اس خیال سے دی کہ اس کی ادائیگی واجب تھی جبکہ کوئی شخص غیر واجب چیز کو ادا کرے تو اس کی واپسی مطالبہ کا حق ہوتا ہے، ہاں اگر ہبہ کے طور پر دیا اور قابض نے اس کو ہلاک کردیا ہو تو واپسی کا حق نہیں جیسا کہ

[1] درمختار کتاب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۶

[2] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ، کتاب الشرکۃ، ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

النظم الوہبانی کی شرح وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جواب سوال ہفتم: یہ قرضہ کہ عمرو دکان کے ذمے بتاتا ہے اگر یوں ہے کہ اس نے حسب عادت تجار کچھ مال قرضوں مول لیا اور ہنوز زرِ ثمن ادا نہ کیا یا دکان میں خسارہ واقع ہونے کے سبب ادا نہ ہوسکا تو یہ قرض سب شرکاء کے ذمے حصہ رسد ہوگا اور عمرو کا قول اس بارے میں قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر یوں ہے کہ عمرو نے سرمایہ دکان بڑھانے کے لئے کچھ روپیہ قرض لے کر اور مال خریدا تو یہ قرض خاص ذمہ عمرو ہوگا باقی کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

تحقیق مسئلہ: یہ ہے کہ یہ طریقہ جو اکثر ورثاء میں معمول ہوتا ہے کہ مورث مرگیا اس کے اموال دیہات دکانات یوں ہی شرکت پر بلا تقسیم رہتے ہیں اور منجملہ ورثہ بعض وارث باقیوں کے اجازت ورضامندی سے ان میں تصرف کرتے ہیں شرکت عقد نہیں شرکت ملک ہی ہے،

کما حققه فی العقود الدریة، وقال فی ردالمحتار هی شرکة ملك کما حررته فی تنقیح الحامدیة ثم رأیت التصریح به بعینه فی فتاوی الحانوتی[1]۔	جیسا کہ عقود الدریہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور ردالمحتار میں فرمایا یہ شرکت ملک ہے جیسا کہ میں نے تنقیح الحامدیہ میں اس کو واضح کیا ہے اور پھر میں نے فتاوٰی حانوتی میں اس کی تصریح دیکھی (ت)

اور شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصہ سے اجنبی ہوتا ہے،

کما صرحوا به قاطبة، وفی الدرالمختار کل من شرکاء الملك اجنبی فی مال صاحبه لعدم تضمنها الوکالة[2]۔	جیسا کہ اس کا جواب مکمل طور پر گزرا، اور درمختار میں ہے کہ شرکت ملک کے تمام فریق دوسرے کے مال سے اجنبی ہوتے ہیں کیونکہ یہ شرکت وکالت کو متضمن نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر یہاں کہ تصرف باجازت ورضائے باقی شرکاء ہے یہ تصرف کرنے والا اپنے حصہ میں اصیل اور باقیوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے،

قال فی ردالمحتار یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوهم ان احدهم یموت فتقوم اولادہ علی ترکته بلاقسمة	ردالمحتار میں فرمایا: کاشتکار لوگوں میں جیسے یہ معاملہ عام ہے کہ جب ان شرکاء میں سے کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اس کی اولاد تقسیم کے بغیر ہی اپنے والد کے ترکہ

[1] ردالمحتار کتاب الشرکة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الشرکہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

ویعملون فیھا من حرث وزراعۃ وشراء واستدانۃ و نحو ذٰلك وتارۃ یکون کبیرھم ھو الذی یتولی مھماتھم ویعملون عندہ بامرہ وکل ذٰلك علی وجہ الاطلاق والتفویض[1] الخ فلا شك فی تحقق معنی التوکیل۔	پر قائم مقام بن جاتی ہے اور کھیتی باڑی اور خرید وفروخت اور لین دین جیسے امور سرانجام دیتی رہتی ہے اور کبھی ان میں سے بڑا وہ خود ہی ضروری امور کا متولی بن جاتا ہے اور چھوٹے اس کے کہنے پر عمل کرتے رہتے ہیں جبکہ یہ تمام کارروائی بطور اجازت اور تفویض ہوتی ہے الخ، تو اس میں وکالت کے معنی پائے جانے میں شک نہیں ہے (ت)

خصوصًا صورت مستفسرہ میں تو صراحۃً بقیہ شرکاء کی طرف سے عمرو کو تفویض دکان واجازت اعمال تجارت ہوئی یہ معنے وکالت ہیں اور اس میں یہ شرط قرار پانا کہ جو مال بکے عمرو انکی روپیہ دستور لے اگرچہ شرط فاسد ہے کہ شریک کو مال مشترک میں تصرف کرنے کے لئے اجیر کرنا اصلاً جائز نہیں،

وھذا باجماع من ائمتنا خلافا للامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنھم ثم ھل ھو باطل ام فاسد ذکرناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار، قال فی الدرالمختار لواستأجرہ لحمل طعام مشترك بینھما فلا اجرلہ لایعمل شیئا لشریکہ الاویقع بعضہ لنفسہ فلایستحق الاجر[2] اھ وقال الامام الاتقانی فی غایۃ البیان قال الکرخی قال محمد وکل شیئ استأجر احدھما من صاحبہ ممایکون عملا فانہ لایجوز وان عملہ فلا اجرلہ وکل شیئ لیس یکون عملا استأجرہ احدھما من صاحبہ فھو جائز وقال شمس الائمۃ البیھقی	اس پر ہمارے ائمہ کرام کا اجماع ہے بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر یہ بحث کہ کیا وہ باطل ہے یا فاسد ہے، تو میں نے اس کو ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے، در مختار میں فرمایا کہ اگر ایک شریک مشترکہ سامان کو اٹھانے کے لئے اجیر بنا تو اس کو اجرت نہ ملے گی کیونکہ جو کچھ اس نے اٹھایا اس میں شریک کے ساتھ اس کا اپنا حصہ بھی تھا لہذا اس اشتراک کی بنا پر وہ اجرت کا مستحق نہ ہوا اھ۔ اور امام اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا کہ امام کرخی نے کہا کہ امام محمد نے فرمایا کہ شریکین میں سے اگر ایک مشترکہ چیز کے کسی عمل میں اجیر بنا تو یہ جائز نہیں اگر اس نے ایسا کیا تو کوئی اجرت نہ پائے گا، اور ایسی مشترکہ چیز جو عمل نہ بنے اس کو اگر شریک اجرت پر لیتا ہے تو جائز ہے، اور شمس الائمہ بیہقی

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

فی الکفایة والاصل ان فی کل موضع لا یستحق الاجر الا بایقاع عمل فی العین المشترك لا یجوزلانه لا یمکن کما فی نقل الطعام المشترك بنفسه او احبته اوغلامه وکل ما یستحق بدون ایقاع عمل فی المشترك یجوز فانه تجب الاجرة بوضع العین فی الدار والسفینة والرحی لا بایقاع عمل اھ[1]	نے کفایہ میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ ایسا مقام جہاں صرف عمل کرنے پر ہی اجرت کا مستحق بنے تو وہاں کسی شریک کا اجیر بننا جائز نہیں کیونکہ مشترکہ چیز میں یہ ممکن نہیں جیسا کہ مشترکہ طعام کو خود شریک یا اس کا قریبی یا اس کا غلام منتقل کرنے کا اجیر بنے تو ناجائز ہے، اور ایسا مقام جہاں مشترک چیز میں بغیر عمل اجرت کا مستحق بنے وہاں جائز ہے کیونکہ عین چیز کو گھر میں یا کشتی یا چکی کے مکان میں کرایہ پر رکھ چھوڑنے پر اجرت واجب ہوتی ہے، عمل پر واجب نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر وکالت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی، بزازیہ میں ہے:

الوکالة لاتبطل بالشروط الفاسدة ای شرط کان[2]۔	وکالت فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتی جو بھی شرط ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

مایصح ولایبطل بالشرط الفاسد الوکالة الخ[3]۔	جو چیز صحیح قرار پائے اور فاسد شرطوں سے فاسد نہ ہو وہ وکالت ہے (ت)

تو وہ شرط ہی فاسد و باطل قرار پائی اور وکالت عمرو صحیح و تام رہی، عالمگیریہ میں ہے:

ولوقال اشترجاریة بالف درھم لك علی شرائك درھم فحینئذ یصیر وکیلا ویکون الوکیل اجر مثله ولایزاد علی درھم[4]۔	اگر کہا کہ ہزار درہم سے لونڈی خرید لاؤ اور خریداری پر تجھے ایک درہم دوں گا تو ایسی صورت میں وہ شخص وکیل قرار پائے گا اور وکیل عمل پر اجرت مثل کا مستحق ہوگا جو ایک درہم سے زائد نہ ہوگی (ت)

اور وکیل بالشراء قرضوں خرید سکتا ہے،

کمانصوا علیه فی غیر ما مسئلة، و	جیسا کہ بہت سے مسائل میں فقہاء کرام نے نص

---

[1] غایة البیان للاتقانی

[2] الفتاوٰی البزازیة علی ہامش الفتاوی الهندیة کتاب الوکالة الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۱

[3] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳ و ۵۴

[4] الفتاوٰی الهندیة کتاب الوکالة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۶۶

فی الخانیة الوکیل بالشراء اذااشتری بالنسیئة فمات الوکیل حل علیه الثمن ویبقی الاجل فی حق المؤکل[1]۔	فرمائی ہے، اور خانیہ میں ہے کہ خریداری کے وکیل نے اگر ادھار خرید کی ہو تو وکیل کے فوت ہونے کی صورت میں موکل پر رقم کی ادائیگی آئے گی اور مدت ادھار اس کے حق میں منتقل ہوجائے گی۔(ت)

بلکہ وکیل تجارت کو موافق معمول تجار قرضوں بیچنے کا بھی اختیار،

فی الدرالمختار صح بالنسیئة ان التوکیل بالبیع للتجارة وان کان للحاجة لایجوز[2]۔	درمختار میں ہے اگر تجارت کے طور پر ادھار فروخت کرے تو جائز ہے اگر اپنی حاجت کی وجہ سے ادھار کیا تو ناجائز ہے(ت)

مگر وکیل کو روپیہ قرض لینے کا اختیار نہیں، نہ قرض لینے پر توکیل روا، اگر لے گا خود وکیل ہی پر قرض ہوگا،

فی جامع الفصولین التوکیل بالاقراض جائز لابالاستقراض[3] الخ۔ وفی ردالمحتار قالوا انما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانه توکیل بالتکدی وھو لایصح الخ[4]۔	جامع الفصولین میں ہے قرض دینے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اور قرض حاصل کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں الخ (ت) اور ردالمحتار میں ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا: قرض لینے کے لئے وکیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ یہ حاجتمندی پر توکیل ہے جوکہ صحیح نہیں ہے الخ(ت)

ہاں اگر صورت یہ ہوتی کہ بقیہ شرکاء عمرو سے کہتے ہم سب شریکوں کے لئے اتنا روپیہ قرض لے کر سرمایہ تجارت بڑھاؤ اور عمرو قرض دینے والے سے کہتا کہ ہم شرکاء کو قرض دے، تو البتہ وہ قرض سب پر ہوتا اور اگر کہتا کہ مجھے ہم سب شرکاء کے لئے قرض دے تو اب بھی خاص عمرو ہی پر ہوتا،

الرسالة بالاستقراض تجوز ولو اخرج وکیل الاستقراض کلامه مخرج الرسالة یقع القرض للآمر ولو مخرج الولایة	قرض لینے کے لئے قاصد بنانا جائز ہے اور اگر قرض لینے کے لئے بنائے وکیل نے قاصد ہونے کا اظہار کرتے ہوئے قرض لیا تو یہ قرض وکیل بنانے پر ہوگا

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوکالة نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۷۶

[2] درمختار کتاب الشهادات باب الوکالة بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۷

[3] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدہ الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷

[4] ردالمحتار فصل فی الشرکة الفاسدة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۳

بان اضافة الیٰ نفسه یقع للوکیل[1]۔واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	اور اگر وکیل نے وکالت کا اظہار کرتے ہوئے کہ قرض لیا کہ اپنی طرف منسوب کیا تو قرض وکیل کے ذمہ آئے گا،واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدة اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷

کتاب الوقف

(احکامِ وقف کا بیان)

مسئلہ ۱۱: از مقام کول مانک چوک مسئولہ زوجہ عبدالرشید خاں ۲۲ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کسی تائبہ کو کچھ جائداد پاک بعوض دین مہر کے ملی ہے یہ اس کے تئیں وقف کیا چاہتی ہے اور متولی خود اپنی حیات میں آپ ہونا چاہتی ہے اور بعد کو دوسرے کو کیا چاہتی ہے، آیا یہ وقف کرسکتی ہے یانہیں؟ مگر اس جائداد میں ایک قید یہ لگی ہے کہ حین حیات اس نے پائی ہے بعد کو جس سے ملی ہے اسی پر عود کرے گی تو اس صورت سے وقف دوامی کرسکتی ہے یانہیں؟ اور دوامی نہ کرسکے تو حین حیات اپنی وقف کرسکتی ہے یانہیں؟ اور حین حیات وقف کرکے کسی دوسرے کو متولی کرسکتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**۔ (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جائداد مہر میں دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے، اور بعد وفات شرط واپسی شرط فاسد ہے، اور بیع شروط فاسدہ سے فاسد وحرام ہوجاتی ہے، اس کا فسخ کرنا بائع ومشتری دونوں پر فرض ہوتا ہے، اور ان میں کسی کے مرنے سے یہ حکم فسخ زائل نہیں ہوتا، اگر نہ فسخ کریں تو گنہگار رہتے ہیں اور عقد فاسد سے جو جائداد خریدی جائے مشتری اگرچہ بعد قبضہ اس کا مالک ہوجاتا ہے مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس کا ازالہ واجب ہوتا ہے، علماء کو اختلاف ہے کہ اسی حالت پر اگر مشتری اسے وقف کردے تو وقف صحیح ولازم ہوجائے گا صرف واقف کے ذمہ اس عقد فاسد کو فسخ نہ کرنے کا گناہ رہے گا جو بے توبہ نہ جائے گا یا وقف ہی مسلم نہ ہوگا بلکہ توڑ دیا جائے گا اور وہ شیئ بائع یا اس کے ورثہ دی جائے گی جب تک واقف نے اس میں تعمیر وغیرہ

زیادت سے حق فسخ کو زائل نہ کردیا ہو۔ درمختار وردالمحتار ومنح الغفار وغیرہ میں قول اول اختیار کیا اور اصح اور ظاہر الروایۃ قول ثانی ہے،

کما حققنا کل ذٰلك فیما علقنا علی ردالمحتار من اوّل کتاب الوقف فراجعه فانه مهم۔	جیسا کہ ردالمحتار کی کتاب الوقف کے ابتداء میں حاشیہ پر ہم نے اس کی تحقیق کی ہے، لہٰذا اسے دیکھا جائے کیونکہ ضروری بحث ہے (ت)

بہرحال اس وقف میں عورت کے لئے خیر نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ عقد یعنی معاوضہ مہر میں جائداد کا لینا فسخ کرے اور از سرنو وارثان شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے، اگر ادا کردیں فبہا ورنہ اس جائداد سے وصول کرے، اور اگر سمجھے کہ یوں نہ ملے گا اور مقدار مہر قیمت جائداد سے زائد یا مساوی ہوں تو مذہب مفتٰی بہ بطور خود اس جائداد کو اپنے مہر میں لے لے۔

وھی مسئلة الظفر بخلاف جنس الحق وقد حققها فی ردالمحتار وان الفتوی الاٰن علی جواز الاخذ۔	یہ کسی کے پاس اپنے حق پر خلاف جنس کے ذریعہ کامیابی کی بحث ہے، اس کی تحقیق ردالمحتار میں کی ہے اور موجودہ دور میں جبراً لے لینے کے جواز پر فتوٰی ہے (ت)

یوں مالک ہو کر وقف تام ابدی کرے وقف کسی وقت خاص تک مقید نہیں ہوسکتا لان من شرطه التابید (کیونکہ اس کی شرائط میں سے دائمی قرار دینا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲: ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ حضور میاں صاحب قبلہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

زید اپنی جائداد مقبوضہ مملوکہ کو وقف کیا چاہتا ہے مگر جائداد پر قرضہ ہے تو بغیر ادائے قرضہ وقف ہوسکتی ہے یانہیں، اور اگر وقف میں یہ قید لگادیں کہ وقف بالفعل صحیح ہوجائے اور نفاذ اس کا بعد ادائے قرض کے سمجھا جائے تو صحیح ہوجائے گا یا بعد ادائے قرضہ ہی صحیح ہوگا؟

الجواب:

عرف عوام میں جائداد پر قرضہ کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جائداد رہن ہو مرتہن کے قبضہ میں دے دی گئی ہو، دوسرے جسے وہ مکفول ومستغرق کہتے ہیں کہ جائداد قبضہ مالک ہی میں رہے مگر وہ دائن کو لکھ دے کہ یہ تیرے دین میں مکفول ہے تا ادائے دین کہیں بیع ہبہ وغیرہ انتقالات نہ کئے جائیں گے، یہ صورت ثانیہ تو شرعاً محض باطل وبے اثر ہے کہ مال کو کسی کے حق میں اس کے استیفا کے لئے محبوس کردینا رہن ہے اور رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا، قال تعالٰی: "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو گروی قبضہ میں دیا ہوا۔ت) اگر

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

یہی صورت ہے جب تو وقف بلاشبہہ صحیح وتام نافذ ہے اگرچہ قرضہ ادانہ کرے نہ آئندہ ادائے قرض کے لئے اس کے پاس کچھ مال بچے اگرچہ اس نے وقف میں یہ نیت بھی رکھی ہو کہ دائن کا دین مارا جائے اگرچہ وہ اس نیت فاسدہ سے سخت گنہگار ہوگا مگر وقف میں کچھ خلل نہیں کہ جب وہ جائداد رہن نہیں تو قرض اس کی ذات پر ہے نہ کہ جائداد پر۔ جائداد میں اس کے تصرفات مالکانہ بلامانع نافذ ہیں، اور اگر صورت اولٰی ہے یعنی جائداد قبضہ مرتہن میں سپرد کردی تو اب دو صورتیں ہیں، اگر اس کے پاس اور مال قابل ادائے قرض موجود ہے تو اب بھی وقف قبل ادائے قرض صحیح وتام نافذ ہے حاکم اس پر جبر کرے گا کہ اپنے دوسرے مال سے قرض ادا کرے مگر وقف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، اور اگر مال نہیں تو اس صورت میں البتہ وہ وقف برقرار نہ رہے گا حاکم اسے باطل کرکے جائداد قرض میں بیع کردے گا، یونہی اگر مدیون مذکور مرجائے تو انہیں دونوں صورتوں پر لحاظ ہوگا اور جائداد موجود ہے تو اس سے ادائے قرض کریں گے اور وقف صحیح رہے گا ورنہ توڑ دیا جائے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الاسعاف وغیرہ لو وقف المرھون بعد تسلیمہ صح واجبرہ القاضی علی دفع ما علیہ ان کان موسرًا و ان کان معسرا ابطل الوقف وباعہ فیما علیہ اھ وکذا لومات فان عن وفاء عاد الی الجھۃ والابیع وبطل الوقف کما فی الفتح بخلاف وقف مدیون صحیح فانہ یصح ولو قصد بہ المماطلۃ لانہ صادف ملکہ کما فی انفع الوسائل عن الذخیرۃ قال فی الفتح وھو لازم لاینقضہ ارباب الدیون [1] اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسعاف وغیرہ میں ہے مرہون چیز کو قبضہ دے دینے کے بعد اگر وقف کیا جائے تو صحیح ہے جبکہ اس کو رہن کے بدلے قرض کو ادا کرنے کے لئے قاضی مجبور کریگا بشرطیکہ مالدار ہو ورنہ تنگ دست ہونے کی صورت میں قاضی وقف کو باطل کرکے اس کے ذمہ قرض کی ادائیگی میں فروخت کردے گا اھ، اور یونہی اگر مرہون کو وقف کرنے پر فوت ہوجائے تو اگر قرض کی ادائیگی کے لئے مال ترکہ چھوڑا ہو تو وقف معینہ جہت پر برقرار رہے گا ورنہ فروخت کردیا جائے گا وقف باطل قرار پائیگا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اس کے برخلاف مقروض شخص کا وقف کردہ بہر صورت صحیح ہے بشرطیکہ وہ تندرست ہو اگرچہ وہ ادائیگی میں تاخیر کے لئے ایسا کرے کیونکہ یہ کارروائی اس کی اپنی ملکیت میں ہوئی ہے جیسا کہ انفع الوسائل میں ذخیرہ سے منقول ہے، فتح القدیر میں کہا ہے کہ مقروض کا یہ وقف لازم ہوگا قرض خواہ حضرات اس کو باطل نہیں کرسکیں گے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی وقف الراہن الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۵

مسئلہ ۱۳: از قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد محلّہ چھجھ پور مرسلہ حافظ یار محمد صاحب ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک زمانہ گزرا کہ زید نے ایک عالیشان پختہ مسجد چوک کے بیچ میں تیار کرائی اور گرد اسکے چوطرفہ دکانیں بنوائیں اور دکانوں کے محاصل کو ہمیشہ اپنے ذاتی تصرف میں رکھا، بعد انتقال زید کی یہ دکانیں بھی مثل اور جائداد کے ارثا اس کے اولاد کو ملیں اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قبضے کا اس کے خاندان میں جاری رہا یعنی دکانوں کی آمدنی اور کرایہ سے خاندانِ زید کی اوقات بسر ہوتی رہی اور مسجد کے متعلق وہ آمدنی نہ تھی بعد ایک مدت دراز کے ان دکانوں کا وارث یعنی خالد نے بسبب افلاس کے ان دکانوں کو عمرو بکر کے ہاتھ فروخت کرڈالا اب عمرو بکر چاہتے ہیں کہ ان دکانوں کو واسطے اجرائے مدرسہ اسلامی کے مسلمانوں کے نام وقف کردیں کہ دینی مدرسہ جاری ہو اور مسجد کی ترمیم وقتاً فوقتاً ہوتی رہی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ وقف جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے اور ان دکانوں کا وقف مسجد ہونا ثابت نہیں بلکہ ملک (میراث زید ہونا ثابت ہے تو عمرو بکر کہ وارث شرعی سے بروجہ شرعی مشتری ہوئے اگر وہ مسجد ومدرسہ دینیہ اسلام کے نام انہیں وقف کریں گے جس میں تعلیم دین متین مطابق مذہب اہل سنت وجماعت ہو اور اس کے مدرسین واراکین وہابیہ یا روافض یا غیر مقلد نیچری وغیرہم ضالین نہ ہوں) تو ان کے لئے اجر عظیم وصدقہ جاریہ ہے سالہاسال گزرگئے ہوں قبر میں ان کی ہڈیاں بھی نہ رہی ہوں ان کو بعونہٖ تابقائے مسجد و مدرسہ وجائداد برابر ثواب پہنچتا رہے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلث صدقة جارية او علم ينتفع به اوولد صالح يدعوله[1]۔ رواه مسلم فی صحیحه والبخاری فی الادب المفرد وابو داؤد والترمذی والنسائی عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه وفی الباب احاديث كثيرة شهيرة۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	جب انسان فوت ہوجائے تو اس کے عمل منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین وجہ سے جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ یا نافع علم یا صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور بخاری نے ادب مفرد میں، اور ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اس باب میں کثیر احادیث مشہورہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الوصیۃ باب مایلحق للانسان من الثواب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱

مسئلہ ۱۴: مسئولہ احمد حسن طالب علم بنگالی بروز دوشنبہ ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے برائے منفعت عوام ایک تالاب بنوایا اور اسے وقف کردیا اور اس کے زمانہ حیات میں لوگ عام طور سے تاریخ معینہ پر شکار کرتے اور ہمیشہ غسل وغیرہ کرتے جیسا کہ تمام تالابوں سے نفع حاصل کیا کرتے ہیں بعد اسکی موت کے بھی عرصہ تک یہی طریقہ جاری رہا پھر ایک مدت کے بعد ایک غیر شخص نے جو اس کے خاندان سے بھی نہیں ہے اپنے زمیندار کے بندوبست میں اپنی جانب منسوب کرلیا اب اس نے اپنے واسطے اس تالاب کو مخصوص کرلیا اب دوسرا شخص کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھاسکتا تو اس بارے میں کیا حکم ہے، آیا اس کا قبضہ صحیح ہے یا نہیں اور کیا ہونا چاہئے؟

الجواب:

اگر حالت یہ ہے جو سوال میں مذکور ہوئی تو اس کا قبضہ باطل ہے، شکار کرنا کوئی قربت نہیں نہ تفریح کا نہانا، تو اس تالاب کے وقف ہونے میں کلام ہے، بخلاف حوض مساجد کہ وضو کے لئے وقف ہے، ظاہرًا وہ وارثان بانی کی ملک ہے جیسا وہ ہونا چاہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵: مسئولہ حاجی سیٹھ محمد اعظم صاحب از راندیر متصل سورت مہتمم مدرسہ بر باولی ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب! آپ نے جو جواب روانہ فرمایا بندہ کو بتاریخ ۲۵ مئی بروز جمعرات کو ملا بہت خوب ہے مگر دریافت طلب یہ ہے کہ مسجد کی آمد سے جو ملکیت خرید کی گئی ہو وہ بھی در وقف گنی جائے کہ نہیں اور جب وہ وقف گنی جائے اس کے بیع کرنے کو حاکم کی منظوری کی ضرورت ہے کہ نہیں کیونکہ جو خریدنے والا ہو وہ کیا جانتا ہے کہ یہ وقف شدہ ملکیت کی آمد سے خرید کرکے وقف کی ہوئی ہے لہذا جو حاکم کی منظوری ہو تو کسی طور کا خوف نہ رہے نہ خریدنے والے کو نہ بیچنے والے کو، اور نہ غبن و تلف کا کوئی اندیشہ باقی رہے اور بعد میں کوئی مہتمم کو کسی طرح کا کوئی الزام نہ دے سکے اور نہ کوئی رائے لے تو بالکل خراب ہوتا ہے وہ تو مسجد کے روپوں سے مدرسہ کھولنا جواز بتاتے ہیں اور دبانے کے خیال سے ان کو یعنی اہل دول کے رائے بموجب فتوی دیتے ہیں۔

الجواب الملفوظ:

متولی نے زر وقف سے جو زمین یا جائداد وقف کے لئے خریدی وہ وقف نہیں ہوجاتی اس کی بیع جائز ہے کتابوں میں جزئیہ کی تصریح ہے ہاں بیع کے لئے ایسا ذریعہ اطمینان ضرور ہے جس میں کسی کے تغلب کا احتمال نہ رہے قاضی شرع تو یہاں کوئی نہیں اہل محلّہ وعالم دیندار و مسلمانان متدین کی دینداری سے یہ کام ہو، درمختار میں ہے:

اشتری المتولی بمال الوقف دار اللوقف لاتلحق بالمنازل الموقوفۃ و	متولی نے وقف مال سے کوئی مکان وقف طور پر خریدا تو یہ مکان وقف شدہ جائداد شمار نہ ہوگا اصح قول میں

یجوز بیعها فی الاصح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ١٦: بحضور عظیم البرکت اعلیحضرت مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج غریب اللہ صاحب تشریف لائے ہیں فرماتے ہیں کہ مسماۃ سمی طوائف جس کی عمر اس وقت تخمیناً ٥٠ برس کی ہے ١٦ برس ہوئے میاں ناصر صاحب کی مرید ہو کر تائب ہوئی، کرایہ دکانات سے گزر کرتی ہے، خواہش اس کی یہ ہے کہ جائداد تیس چالیس روپیہ ماہانہ کے وقف کرنا چاہتی ہے اور حج کو جانا چاہتی ہے، جس جائداد کا تاحیات خود اور بعد کو مدرسہ مالک ہے اس میں حضور کیا فرماتے ہیں؟
کمترین قادر علی محرر مدرسہ ۴ جمادی الآخر ١٣٣٨ھ

الجواب:

وہ جائداد اگر اس کی اس حرام کمائی کی ہے تو اس کا طریقہ صرف یہی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی محتاج پر تصدق کرے اور وہ محتاج بعد قبضہ اپنی طرف سے یوں وقف کرے کہ تاحیات سمی اس سے مستفید ہو اس کے بعد مدرسہ اور اس کے لئے دفع اعتراض مخالفین کے واسطے ضرور ہے کہ پہلے وہ ایک ہبہ نامہ اس محتاج کے نام تصدیق کرائے جس کا یہ مضمون ہو کہ یہ جائداد وجہ حرام سے ہے اور اب میں نے توبہ کی ہے اور شرع مطہر اس کے تصدق کا حکم فرماتی ہے لہٰذا میں نے فلاں کو بطور تصدق اس کا مالک مستقل کیا اور پورا قبضہ اسے دے دیا، اسکے بعد وہ محتاج وقف نامہ تصدیق کرائے کہ ازانجا کہ مسماۃ فلانہ نے امتثال حکم شرع کے لئے یہ جائداد بطور تصدق میری ملک کردی اور میں نے قبضہ کرلیا اور اب یہ مال شرعاً طیب ہوگیا، میں چاہتا ہوں کہ اسے کار خیر میں صرف کرکے ثواب حاصل کروں اور مسماۃ کو بھی فائدہ پہنچاؤں لہٰذا میں نے اسے تاحیات مسماۃ اس پر اور اس کے بعد مسجد مدرسہ پر وقف صحیح شرعی کی، باقی عبارتیں کاغذ میں حسب دستور ہوں۔

مسئلہ ١٧: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ٢٩ جنوری ١٩١٧ء کو اپنی کل جائداد جس پر بار کفالت بھی تھا باظہار بار کفالت وقف عنداللہ کی اور وقف نامہ تحریر کرکے اس میں متولی اپنی زوجہ کو لکھایا بعدہ ٣١ جنوری ١٩١٧ء کو ایک تتمہ متعلق وقف نامہ مذکور بخیال اس کے کہ زمینداری جو وقف نامہ میں وقف تھی اس کی نمبرداری کے لئے خواستگار دوسرا شریک ہو کیونکہ عورت بموجب قانون انگریزی بمقابلہ مرد کے نمبردار نہیں ہوسکتی ہے تتمہ مذکور لکھا اور اس میں عبارت حسب ذیل درج کی:

چونکہ میں نے بذریعہ دستاویز وقف نامہ مورخہ ٢٩ جنوری ١٩١٧ء کو اس کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ دس بارہ روپیہ کو وقف کرکے تکمیل دستاویز مذکور کے بذریعہ تحریر ورجسٹری کے کرادی ہے اس دستاویز میں سہو کامل

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٨٩

سے کسی سبب یہ بات لکھنے سے باقی رہ گئی ہے کہ تمام جائداد مندرجہ وقف نامہ متذکرہ بالا کی بابت میں شرائط کی پابندی اسمیں درج ہے اس کا عمل درآمد اور پابندی شرائط میرے مرنے کے بعد عمل پذیر ہوگی جب تک میں مقر بقید حیات زندہ ہوں اس وقت تک میں مقر مالکانہ قابض اور متصرف رہوں گا مع تتمہ دستاویز وقف نامہ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کی بابت لکھ دیا کہ سند ہو، بعدہ وہ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ایک تتمہ دوسرا اور لکھا اور اس میں حسب ذیل عبارت تحریر کی کہ تتمہ دستاویز مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء جو بابت دستاویز مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کے لکھا یا تھا اس تتمہ دستاویز کے سطر ج کے آخر میں لفظ مقر کے بعد بوجہ سہو کتابت کے عبارت ذیل تحریر ہونے سے رہ گئی ہے وہ عبارت ذیل مذکور تتمہ مذکور یعنی دستاویز تتمہ مذکور مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء مذکور کا جزو متصور ہو کر پڑھی جاوے:

"واقف منتظم بشرائط مندرجہ وقف نامہ بحیثیت متولی ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء"

لہٰذا یہ تتمہ بطور دستاویز تتمہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء متصور ہو، اس کے بعد پسر واقف نے کل جائداد واقف پر ۱۹۱۹ء میں قبضہ متولی سابق کو دے دیا۔ اب اسوال یہ ہے کہ وقف نامہ جائز ہے یا نہیں اور وقف اگر جائز ہے تو وہ ۱۹۱۹ء کے تتمہ سے مانا جائے گا یا ۱۹۱۷ء کے وقف نامہ سے اور تتموں سے تو کوئی اثر وقف پر نہیں پڑتا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ درمیانی امور کے بابت واقف بحیثیت متولی مانا جائے گا یا مالک کی حیثیت اس کی ہوگی تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقف کردے اور متولی کو قبضہ نہ دے اور خود ہی واقف اپنا قبضہ رکھے تو اس حالت میں کیا وقف ناجائز ہے یا جائز؟

الجواب:

وقف صحیح ہوگیا اور پہلا تتمہ جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف کا عملدرآمد اس کے مرنے کے بعد ہوگی زندگی بھر وہ مالکانہ قابض رہے مردود ہے وقف صحیح ہوجانے کے بعد اس میں کسی تبدیلی کا اصلاً اختیار نہیں اور دوسرا تتمہ جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف نامہ میں جسے متولی کیا تھا اس کی جگہ خود متولی رہنا چاہتا ہے یہ اس کے اختیار کی بات ہے اسے معزول کرکے آپ متولی ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

للواقف عزل الناظر مطلقًا بہ یفتی[1]۔	مطلقًا واقف کو یہ جائز ہے کہ وہ نگران کو معزول کردے، اسی پر فتوٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای سواء کان بجنحة اولا وسواء کان	یعنی نگران کا جرم ہو یا نہ ہو اور معزولی کی شرط

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

شرط له العزل اولا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہو یانہ ہو برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از مقام چندوسی ضلع مراد آباد محلّہ سنبھل دروازہ مسئولہ عبداللہ لوہار

کہ میفرمایند علمائے دین دریں مسئلہ، زید نے ایک منزل دکان واقع چندوسی پر گنہ بلاری میں ۱۹۰۴ء میں فی سبیل اللہ وقف کی، اور یہ وقف نامہ رجسٹری شدہ تحریر کردیا ہے، اس کے دو ماہ بعد ایک وصیت نامہ زید نے اور تحریر کردیا کہ میرا ارادہ بیت اللہ شریف جانے کا ہے اگر میں زندہ واپس آگیا تو میں مالک ہوں اور بعد انتقال میرے کے میری عورت مسماۃ عدیا اور میرا پوتا علی حسین مالک ہے۔ زید کا انتقال بیت اللہ شریف جاتے وقت راستہ میں ہوگیا اور اس کے بعد پوتا علی حسین بھی مرگیا تو اس کی بیوی عدی باقی رہی اس نے یہ جائداد کفالت کردی، کفالت کے ایک سال بعد عدی عورت کا بھی انتقال ہوگیا تو اس کے پوتے علی حسین کے والد امر نے یہ جائداد بیع کردی اور اس کا روپیہ اسی نے صرف کرلیا اور چودھری محلّہ ہے انہوں نے بیع نامہ پر دستخط کردئے اور اس کے بعد خریدار نے اسکو تعمیر کرلیا، خریدار کو وقت بیع اور وقت تعمیر کے یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ جائداد فی سبیل اللہ وقف ہے، اہل محلّہ کو جب معلوم ہوا کہ اس میں کا ایک شخص کہ جس کی وقف نامہ پر گواہی نہیں ملا اور اسی نے کہا کہ تو کوشش کرکے عدالت سے اس کی نقولیں حاصل کرینگے تو معلوم ہوگا اور مالک خریدار کا یہ بیان ہے کہ میرا روپیہ بیع و تعمیر کا دلوایا جائے تو میں قبضہ چھوڑ دوں گا، اور اب امر جس نے فروخت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں مالک تھا فروخت کردیا۔ اب ہماری شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

جب وہ دکان وقف ہوچکی تھی تو اس کی نسبت زید کو وصیت کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا، نہ عورت کو مکفول کرنے کا نہ عمرو کو اس کے بیچنے کا، یہ سب باطل محض، مشتری پر فرض ہے کہ اسے فورًا چھوڑ دے اپنا روپیہ عمرو سے لے لے، روپے نہ ملنے تک قبضہ رکھنے کا مشتری کو کوئی اختیار نہیں، ایک منٹ کے لئے قابض رہنا اس پر حرام ہے اس نے جدید کرلی ہے تو اسے اکھیڑ لے، اور اگر مسلمان اسے عملے کی قیمت ادا کرے، عملہ وقف کے لئے کرلیں تو بہتر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹: از بریلی موضع بلیا

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص موضع بلیا میں امام باڑے کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ میرا مکان ہے، اور اس میں بیل باندھنے لگا، اور زمیندار خود کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنا

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۲

تیوہار کرو، لیکن ان لوگوں نے زمیندار کو ۵۷ روپیہ دے کر اس کو اپنے بس میں کرلیااور وہ کہتے ہیں کہ ہم دینداری کے شریک نہیں۔ان کا کیاانتظام کیاجائے؟

الجواب:

امام باڑہ وقف نہیں ہوسکتاوہ جس نے بنایااسی کی ملک ہے اسے اختیار ہے اس میں جو چاہے کرے،وہ نہ رہاتواس کے وارثوں کی ملک ہے انہیں اختیار ہے،اور تعزیہ داری کو اگر کسی نے دینداری کہااور اس نے اس کی شرکت سے انکار کیاتو کچھ بیجانہ کیاکہ تعزیہ داری ناجائز ہے اس میں شرکت جائز نہیں۔یہی اس سوال سے ظاہر ہے اور وہ معنی کہ میں اسلام کے شریک نہیں مسلمان ہر گز مراد نہ لے گا،ہاں اگر ثابت ہوجائے کہ کسی کلمہ گو نے اسلام کی شرکت سے انکار کیاتو ضرور کافر ہوجائے گامگر یہ معنی یہاں سے مفہوم نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: مسئولہ عزیزالحسن قادری رضوی از قصبہ کچھوچھہ ضلع اٹاوہ محلّہ اونچاٹیلہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ہندہ سنی حنفی پابند صوم وصلوٰۃ جو پندرہ بیس برس ہوئے کہ اپنے مادری پیشہ کسب سے توبہ کرچکی،اپنی مقبوضہ کل جائداد واملاک جو اس کی ماں اور نانی کی متروکہ اور ان کو ان کے آشناؤں کی ہبہ کی ہوئی ہے مدرسہ دینیہ کی تعلیم میں یااسکے یتیم ومفلس طلبہ کی خوردونوش کی صرف میں لانے کی غرض سے وقف کرنا چاہتی ہے،پس سوال حضرات مفتیان شرع شریف سے یہ ہے کہ منتظمین مدرسہ کو یہ جائداد اپنے قبضہ میں لاکر اس کے محاصل کو ہندہ کی خواہش کے موافق صرف میں لاناشرعًا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو روپیہ بعوض زنا وغنا حاصل کیا مثل غصب حرام مطلق ہے کہ کسی طرح اس کی ملک نہیں ہوسکتا ہے وہ جائدادیں جو آشناؤں نے زانیات کو ہبہ کیں وہ ہبہ بھی محض باطل ہے وہ اصل دینے والوں کی ملک پر رہیں ان کی ملک میں نہیں آسکتیں،قنیہ ودر مختار میں ہے:

مایدفعه المتعاشقان فهو رشوة[1]۔	عشق بازی کرنیوالے ایک دوسرے کو جو دیں وہ رشوت ہے(ت)

ہاں جو جائداد زانیہ نے خریدی ہو اور اس کے شراء میں عقد ونقد دونوں زرِ حرام پر جمع نہ ہوئے ہوں مثلًا روپیہ پیشگی دے کر کہا کہ اس روپے کے عوض جائداد دے دے بائع نے اس کے عوض بیع کردی یہ تو حرام پر عقد ہوا،اور وہی روپیہ زرِ ثمن میں دیا گیا یہ حرام کا نقد ہوا دونوں جمع ہوگئے اس صورت میں بھی وہ جائداد ان کی ملک نہ ہوگی ہاں اگر زرحرام پر عقد ونقد دونوں جمع نہ ہوئے ہوں مثلًا جائداد خریدی اس وقت ثمن کی تعین خاص مال حرام سے نہ تھی نہ وہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ القنیۃ کتاب الھبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات ۴/ ۴۰۳

دکھایا گیانہ پیشگی دیا گیا مطلق روپے کے بدلے خریدی تو یہ جائداد اس خریدنے والے کی ملک صحیح وحلال ہوجائے گی اب زرِ ثمن اس حرام مال سے ادا کیا گیا تو یہ گناہ ہوا اور بائع کو اس کا لینا حرام تھا مگر جائداد اس کی ملک میں آگئی، اسی طرح جو کچھ ان کو اجرت ورشوت کے علاوہ ناچ گانے میں بطور انعام دیا جاتا ہے جسے "بیل" کہتے ہیں وہ ان پر حرام نہیں کما نص علیہ فی الھندیۃ (جیسا کہ فتاوٰی ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) غرض جن صورتوں میں جائداد اس کی ملک ہے اسے وقف کرسکتی ہے مہتممان مدرسہ اسے لے سکتے ہیں اور جس صورت میں جائداد اس کی ملک نہیں وہ اسے وقف نہیں کرسکتی نہ اس کے وقف کئے وقف ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جائداد کسی فقیر محتاج مسلمان کو ہبہ کرکے قبضہ کرادے اگرچہ اپنے کسی عزیز قریب مثل ماں بہن وغیرہ کو، اور وہ وقف کردے یا یہ اس سے خرید کرا گرچہ ایک پیسے کو یا اس سے اپنے نام ہبہ کراکے قبضہ میں کرکے خود وقف کردے اب یہ وقف صحیح ہوگا اور مدرسہ میں اس کا صرف حلال۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: از نگینہ ضلع بجنور متصل مسجد کھجور والی، مکان حکیم مبارک حسین صاحب مرسلہ صوفی حاجی محمد ابراہیم صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

جنازہ کے اوپر جو چادر نئی ڈالی جاتی ہے اگر پرانی ڈالی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر کل برادری کے مردوں کے اوپر ایک ہی چادر بنا کر ڈالتے رہا کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اس کی قیمت مردہ کے گھر سے یعنی قلیل قیمت لے کر مقبرہ قبرستان یا مدرسہ میں لگانی جائز ہے یا نہیں؟ اور چادر مذکور اونی یا سوتی بیش قیمت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نئی ہو یا پرانی یکساں ہے، ہاں مسکین پر تصدق کی نیت ہو تو نئی اولی، اور اگر ایک ہی چادر معین رکھیں کہ ہر جنازے پر وہی ڈالی جائے پھر رکھ چھوڑی جائے اس میں بھی حرج نہیں بلکہ اس کے لئے کپڑا وقف کرسکتے ہیں، درمختار میں ہے:

صح وقف قدر وجنازۃ وثیابھا [1]۔	ہنڈیا، جنازہ اور اس کے کپڑے کا وقف صحیح ہے۔(ت)

طحطاوی وردالمحتار میں ہے:

جنازۃ بالکسر النعش وثیابھا مایغطی بہ المیت وھو فی النعش [2]۔	جنازہ کسرہ کے ساتھ چارپائی اور اس کے کپڑے جن سے میت کو ڈھانپا جائے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

اور بیش قیمت بنظر زینت مکروہ ہے کہ میت محل تزئین نہیں اور خالص بہ نیت تصدق میں حرج نہیں **کجلال الھدی** (جیسا کہ ہدی (قربانی) کے جانور کے جُھل۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲: مسئولہ آفتاب الدین از مدرسہ منظر الاسلام

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو زمیندار اپنی زمین مسجد کے لئے وقف کرے تو یہ وقف ہماری شریعت میں معتبر ہے یانہیں؟ اور اس مسجد میں نماز جمعہ اور نماز پنجگانہ پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

مسجد کے لئے ہندو کا وقف باطل ہے **لانہ لیس قربۃ فی دینہ الباطل** (کیونکہ اس کے باطل دین میں کوئی قربت نہیں۔ت) اگر یونہی مسجد بنالیں گے اسمیں نماز ہوجائے گی اور جمعہ بھی ہوجائے گا اگر شہر یا فناء شہر میں ہو **اذلایشترط لھا المسجد** (کیونکہ نمازوں کے لئے مسجد شرط نہیں۔ت) مگر مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳: از موضع ڈیلاہی ڈاک خانہ لہریا سرائے ضلع دربھنگہ مرسلہ محمد عبدالجلیل خاں صاحب ۱۳رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی کچھ زمین مملوکہ کو وقف کرنا چاہتا ہے اس زمین کی آمدنی دو قسم کی ہے کچھ نقدی تحصیل ہے اور زیادہ حصہ آمدنی کا بذریعہ تاڑ و کھجور ہے یعنی جس قدر تاڑ و کھجور اس زمین میں ہیں سال بسال رعایا کے ساتھ بندوبست کئے جاتے ہیں رعایا مدت معینہ تک فائدہ اس سے اٹھاتے ہیں اور اس مدت تک کے لئے مالک نے جو کچھ زر مقرر کیا ہے اس کو ادا کرتے ہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زمین مذکورہ موصوفہ بصفت مسطورہ کو زید وقف شرعًا کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب:

زمین وقف کرسکتا ہے کہ اسمیں کوئی معصیت نہیں اور تاڑ و کھجور تاڑی اور سیندھی نکالنے کے لئے اجارہ پر دیں حرام و باطل ہے، وہ نہ بعد وقف جائز ہو نہ اب جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴ تا ۲۸: از علی گڑھ بازار موتی مسجد مرسلہ علی الدین سوداگر پارچہ ۲۹رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اگر کوئی قطعہ کسی خاص شخص یا قوم کی پرورش کے لئے وقف خاص ہو لیکن اس میں کچھ آمدنی ہو اور اس پر صدہا برس سے عام اہل اسلام اپنی مردے دفن کرتے ہوں جن کو ہزارہا قبور وبکثرت خطیرہ ومقبرہ ومتعدد مساجد وچاہات موجود ہوں اور ہنوز یہ عمل جاری ہو تو وہ اراضی وقف عام مانی جائیگی یانہیں؟

(۲) کیااراضی موقوفہ مذکور کے کسی متولی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مسلمان کو مردہ دفن کرنے ومسجد وچاہ وخطیرہ

بنانے سے روک دے۔

(۳) اگر منجملہ تین متولیوں کے جو کسی موقوفہ قبرستان کے ہوں دو مرد متولی زید کو مردہ دفن کرنے ومسجد وچاہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دیں اور وہ اس پر عمل کرکے مردہ دفن کرادے اور مسجد وچاہ بھی تعمیر کرادی مگر تیسری عورت متولیہ اس پر رضامند نہ ہو تو کیا دو مرد متولیوں کی اجازت کافی مانی جائے گی؟

(۴) کیا تیسری متولیہ کو جو اجازت میں شامل نہیں ہے شرعًا یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقبرہ ومسجد وچاہ تعمیر شدہ کو تڑوادے۔

(۵) کیا موقوفہ قبرستان میں کوئی شخص بہ اجازت متولیوں کے منجملہ تین کے مردہ دفن کرنے ومسجد وچاہ تعمیر کرنے کے لئے کوئی خاص حصہ مخصوص کرسکتا ہے اور تیسری متولیہ جو اجازت میں شامل نہیں ہے وہ مخصوص کرنے کی مانع ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ صدہا سال سے عام مسلمان بلانکیر اس زمین میں مساجد وچاہ وقبور بناتے آئے ہیں تو وہ ضرور وقف عام ہے، کس دلیل سے کہا جاتا ہے کہ کسی قوم خاص پر وقف تھا، ایسی حالت میں کسی متولی کو اختیار نہیں کہ سنی مسلمان کو اس میں دفن کرنے یا مسجد یا کُنواں بنانے سے روکے خواہ یہ روکنے والا مرد ہو یا عورت ہو، اور اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو کہ حقیقۃً وہ زمین کسی قوم خاص پر وقف ہے اور عام لوگوں نے صدہا سال سے اسمیں ظالمانہ وغاصبانہ تصرفات کررکھے ہیں جس کی امید ہرگز کسی طرح نہیں تو البتہ ہر متولی اس میں خلاف اغراض وقف تصرف کرنے سے ہر شخص کو روک سکتا ہے اگرچہ یہ متولی عورت ہو اگر دس مرد متولی اس کی اجازت دے چکے ہوں کہ خلاف اغراض وقف اجازت باطل ہے اور اجازت دینے والا خائن ہے جسے معزول کرنا لازم، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹ تا ۳۳: ازاودے پور میواڑ راجپوتانہ مرسلہ سید احمد علی صاحب مہتمم مدرسہ نظامیہ عربیہ اسلامیہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسی صورت میں کہ خالد نے ایک مدرسہ عربیہ دینیہ قائم کیا چندہ سے۔ اور شہر کے لوگوں سے خالد کا چندہ بھی زائد ہے اور نقل بیع نامہ جو ہمسلک ہذا ہے اس میں خالد نے علاوہ اپنے چھ نام دیگر برائے قائمی مدرسہ درج کرائے یعنی خالد، مولوی شمس الدین صاحب، چڑوہ رحیم بخش صاحب، حاجی محمد فاضل صاحب، رسالدار حسن خاں صاحب، مہاوت موتی خاں صاحب، الہ بخش صاحب، منجملہ ان کے رسالدار حسن خاں صاحب اور حاجی محمد فاضل صاحب مرچکے، محمد فاضل صاحب کا جزوی روپیہ تھا

اور رسالدار حسن خاں صاحب اور مہاوت موتی خاں صاحب کا چندہ کچھ نہیں صرف احتیاطًا نام درج بطور اطمینان کردئے گئے کہ کوئی مدرسہ کو ذاتی ملکیت نہ بنالیوے۔الہ بخش جی کا بھی تھوڑا روپیہ تھاوہ اور رحیم بخش جی اور فاضل جی کا تعلیم میں صرف ہوگیا زمین جو برائے مدرسہ خریدی گئی وہ سب باہر کے چندہ آوردہ خالد اور خالد کے ذاتی چندہ سے خرید کی گئی، جو عمارت مدرسہ اس وقت موجود ہے وہ باہر کے چندہ آوردہ خالد اور احباب خالد سے تعمیر ہوئی ہے تو خالد کا حق دوسروں کے مقابلہ میں اس مدرسہ پر کس قدر ہے فتوی عطا ہو۔

(۲) صورت مسطورہ بالا میں واقف کل کون ہوا اور اگر وقف مشترکہ مانا جاوے تو واقف اعظم کون ہوا صاف حکم فرمایا جائے، خالد حدیث شریف **الدال علی الخیر کفاعلہ**[1] (نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔ت) سے بھی فائدہ پائے گا یا نہیں؟

(۳) ایسے چندہ مسطورہ بالا سے جو ہر سال آمد ہو کر تعمیر اور تعلیم میں صرف ہوتا رہا کیا وقف ہو سکتا ہے کل آمد سالانہ ہو وہ صرف ہوجائے یعنی مدرسہ وقف مانا جائے گا یا کیا۔

(۴) اگر خالد وقف بھی کرنا چاہے تو وقف مانا جائے یا کوئی صورت عارض ہوگی حالانکہ خالد نے چندہ شہر اور باہر سے خدا واسطے مانگ کر لایا اور لگایا اور اپنا وقت سفر اور حضر بلا معاوضہ صرف کیا خالد جو کہ اول سے بانی اور متولی مدرسہ ہے بلاوجہ شرعیہ گروہ جہال جنہوں نے چندہ دیا یا نہ دیا ہو الگ کرسکتے ہیں ذاتی عداوت سے۔

(۵) سواد اعظم میں گروہ جہال مانے جائیں گے یا پڑھے لکھے پابند اسلام؟

نقل بیعنامہ

تحریر از طرف پٹھان حسن خاں وحاجی محمد خان پسران خواجو خاں سکنہ شہر بنام جملہ انجمن والان مسمّٰی رحیم بخش جی چڑوہ رنگریز، مولوی سید شمس الدین جی، مہاوت موتی خاں جی، الہ بخش جی، رسالدار حسن خاں جی، قاضی احمد علی، حاجی محمد فاضل جی شہر والوں کے روپیہ (ال سالہ للعہ ۱۶۴۱) اودے پوری دینا جس کے بدلہ میرے باپو نیکی جگہ نیم سیم سمیت مع چبوترہ وجملہ حقوق بخشش کردئے اور قابض ومتصرف بھی کرادیا روپیہ اس طرح پر لئے (ال معہ معہ ۱۰۷۷) تو پٹھان عمر خاں نیاز محمد خان کو رہن کے آپ نے چکائے وتحریرات رہن آپ نے لے لی اور مبلغ (مال مہ معہ ۲۷۵) چوڑی گر محمد علی کو بابت دعوی دیوانی کے آپ چکانا کم دو یا زیادہ اور مبلغ (مال لعہ لہ ۲۸۹) ہم نے نقد آپ سے وصول کرلئے غرضکہ (ال سال للعہ ۱۶۴۱) کل بھر پائے فیس نقشہ ورجسٹری وغیرہ سب آپ کے ذمہ ہے اس جگہ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعلہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۹۱

بابت ہمارے بھائی گرایہ وغیرہ کوئی دعوی جھگڑا کریں گے نہیں، اگر کریں گے توان کا من میں مناؤں گا لہذا یہ تحریر بیعنامہ سنداً لکھ دی کہ وقت ضرورت کام دے۔ دستخط حسن خاں وحاجی محمد خاں مع گواہان

مکرر یہ کہ زمین زیادہ قیمت کی تھی مگر مسطورہ بالا روپیہ میں آپ کو فروخت کرکے بخشش کردی کہ پھر کوئی دعویدار نہ ہوسکے (سمہ ۱۹۶۳) بکرمی کے بیساکھ بدی ۷۔

الجواب:

ہبہ بالعوض بیع ہے بیع جتنے اشخاص کے نام ہوئی سب مالک ہوئے اگرچہ روپیہ ایک ہی دیتا وہ اوروں کے حصے کا زر ثمن ادا کردینے میں متبرع ہے جبکہ ان سے واپسی قرار نہ پائی ہو جیسا یہاں ہے ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الوقف میں ثابت کیا ہے کہ زر چندہ چندہ دہندوں کی ملک پر رہتا ہے اور محصل کاان کے اذن عرفی سے غلط کرلینا اسے مالک نہ کردے گا اور جبکہ انہوں نے مدرسہ بنانے کے لئے خالد کو چندہ دیا تو اسے شراء زمین وتعمیر کا ماذون کیا اور ان کا روپیہ ان کے اذن سے اس نے شراء وتعمیر میں صرف کیا تو وہ زمین وعمارت تمام مشتریوں اور چندہ دہندوں کی ہوئی جس کا ایک پیسہ چندہ ہو اور جس کا ہزار روپے سب شریک ہیں، اور جبکہ دینی مدرسہ نفع عام مسلمین کے لئے بنانا مقصود تھا اس میں کسی کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ میں کسی جز کا مالک رہوں اور اس سے انتفاع ایک مدت محدود تک ہو پھر میری ملک میں واپس آئے جبکہ اپنی ملک سے خارج کرکے ہمیشہ کے لئے نفع مسلمین کے واسطے کردینا مقصود ہوتا ہے اور یہی حاصل وقف ہے تو اگرچہ نصاً وہ سب لفظ وقف نہیں کہتے عرفاً دلالۃً وقف کرتے اور وقف ہی سمجھتے ہیں، ذخیرہ وخانیہ وعالمگیریہ میں ہے:

رجل لہ ساحۃ لابناء فیھا امر قوماان یصلوا فیھا بجماعۃ فان امرھم بالصلٰوۃ فیھا ابدا نصًابان قال صلوا فیھا ابدا اوامرھم بالصلٰوۃ مطلقًا ونوی الابد صارت الساحۃ مسجدا اوان وقت بالشھر اوالسنۃ لاتصیر مسجدا۔[1]	ایک شخص نے اپنے خالی میدان میں لوگوں کو باجماعت نماز پڑھنے کی صراحۃً ابدی اجازت دی یا مطلقًا کہہ دیا کہ اس میں نماز پڑھو اور نیت ابدی کرلی تو وہ میدان مسجد قرار پائے گا اور اگر مہینے یا سال کے لئے نماز پڑھنے کو کہا تو وہ مسجد نہ قرار پائے گا۔(ت)

تو وہ ایک مکان ہے جس کی زمین وعمارت سب ان سب کی ملک مشترک ہو کر ان سب کی طرف سے وقف ہوئی اور حق کہ واقف کو وقف پر ہوتا ہے سب کو بروجہ کمال یکساں حاصل ہوا اس میں کمی بیشی چندہ پر لحاظ نہ ہوگا کہ یہ حق متجزی نہیں اور حق غیر متجزی ہر شریک کے لئے کاملاً حاصل ہوتا ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۵

ماثبت بجماعة فهو بينهم على سبيل الاشتراك الافى مسائل، الاولى ولاية الانكاح للصغير والصغيرة ثابتة للاولياء على سبيل الكمال لكل (الى ان قال) والضابط ان الحق اذاكان ممالايتجزى فانه يثبت لكل على الكمال فالاستخدام فى المملوك ممالا يتجزى[1]۔	جو چیز پوری جماعت کے نام ہو تو وہ ان سب میں مشترک ہوگی ماسوائے چند مسائل کے، جن میں سے ایک نکاح دینے کی ولایت جو تمام اولیاء کو نابالغ لڑکے اور لڑکی پر حاصل ہے اور یہ ہر ایک کو مستقل حاصل ہے (آگے یہاں تک فرمایا) اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر حق غیر متجزی ہو تو یہ ہر ایک کو مستقل ہوگا، تو مشترکہ غلام سے خدمت لینا ہر ایک کو مستقل حق ہے کیونکہ یہ بھی غیر متجزی ہے (ت)

خالد بشرط حسن نیت وقبول حضرت عزت الدال الخیر کفاعله[2] (نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔ت) کا فائدہ روز جزائے پائے گا خالد اب اسے جدید وقف کرکے واقف کل نہیں بن سکتا وقف دوبارہ وقف نہیں ہوسکتا نہ خالد مالک کل ہے اور وقف کی شرط ملک ہے، خالد کو مدرسہ سے جدا کرنے کی اگر کوئی وجہ شرعی نہ ہو تو جہال ہوں یا علماء بلاوجہ محض نفسانیت سے جو کریں مسموع نہیں ہوسکتا جبکہ خود حاکم قاضی کو کسی صاحب وظیفہ تک کا بے گناہ معزول کرنا نہیں پہنچتا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

استفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة فى وقف بغير جنحة وعدم اهلية[3]۔	بغیر جرم نگران کی معزولی کی عدم صحت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وقف کا کوئی نگران باوظیفہ ہو تو بھی بغیر جرم اور نااہلیت کے بغیر معزول نہیں کیا جاسکتا (ت)

اور اگر وجہ شرعی ہو تو بلاشبہہ معزول کیا جائے گا اگرچہ خاص اپنی تنہا ملک سے وقف کیا ہوتا۔ درمختار میں ہے:

ينزع وجوبا، بزازية، لو الواقف، درر، فغيره بالاولى غيرمامون اوعاجز اوظهربه فسق كشرب الخمر و نحوه، فتح[4]۔	لازمی طور پر معزول کیا جائے، بزازیہ۔ اگرچہ واقف ہی کیوں نہ ہو، درر۔ تو غیر بطریق اولٰی جب وہ ناقابل اعتماد نااہل، یا اس کا فسق ظاہر ہوچکا ہو مثلاً شرابی ہونا وغیرہ فتح۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر کتاب النکاح ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ١/ ٢٤٥۔٢٤٤

[2] جامع الترمذی باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعله امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ٢/ ٩١

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ٥/ ٢٢٧

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٨٣

سواد اعظم اہلسنت ہیں فرعیات میں حکم شرع کے خلاف کثرت و قلّت جماعت پر نظر نہیں امور انتظامی جن میں شرع مطہر کی جانب سے کوئی تحدید نہ ہو ان میں کثرت رائے کا لحاظ ہوتا ہے اس میں ہر ذی رائے مسلمان سنی کی رائے ملحوظ ہوگی اگرچہ عالم نہ ہو کہ معاملہ شرعیات سے نہیں بلکہ بارہا تجربہ کار کم علموں کی رائے کسی انتظامی امر میں نا تجربہ کار ذی علم کی رائے سے صائب تر ہوسکتی ہے **انتم اعلم بامور دنیاکم**[1] (تم اپنے دنیاوی امور کو بہتر جانتے ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴: مسئولہ مولوی ظہور حسین صاحب ساکن بریلی محلّہ کنگھی ٹولہ ۲۴رجب المرجب ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی حیات میں ایک جزو زمینداری معہ ایک قطعہ مکان موسوم امام باڑہ بغرض امورات مذہبی بشرائط ذیل بنام خدائے برتر وقف کرکے وقف نامہ مصدقہ رجسٹری لکھ دیا اور قبضہ دخل جزوًا و کلًا اٹھاکر خدا کی ملک میں دے دیا اور کوئی تعلق اپنا کسی قسم کا نہ رکھا اور دو متولی مقرر کرکے عمل درآمد باضابطہ کرادیا اغراض وقف کے شرائط مجوزہ ہندہ واقفہ یہ ہیں:

اول یہ کہ جو منافع خالص رہے اس میں سے محفل میلاد شریف حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ونذر ونیاز وغیرہا سید الشہداء امام حسن وامام حسین علیہما السلام وفاتحہ برسی اموات ومرمت شکست و ریخت امام باڑہ باہتمام متولیان ہو۔

دوسرے یہ کہ اگر متولیان مذکور بلا کسی کو متولی یا قائم مقام اپنا کئے فوت ہوجائیں تو اولاد ذکور لائق متولیان ہندہ سے متولی ہوگی کوئی شخص مستحق تولیت کا نہ ہوگا بلکہ یہ سلسلہ خاندانی تاقیام زمانہ نسلاً قائم رہے گا کوئی کمیٹی وانجمن موقوفہ میں دست انداز نہیں ہوسکتی کیونکہ محاصل اس وقف کا بنابر اجراء کارِ خیر ونذر ونیاز رکھا گیا ہے تاکہ نام میرا دنیا وآخرت میں ہمیشہ کو رہے اور ثواب ملتا رہے۔ ایسا وقف اور یہ اصراف اوقاف شرعی یعنی بموجب شرع محمدی کے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وہ جائداد اور یہ مکان اس وقف کرنے کے وقت ہندہ کی ملک تھی اور اب اس نے مصارف خیر مذکورہ کے لئے وقف کر دیئے وقف جائز و صحیح ولازم ہوگیا اور مصارف مذکورہ شرعًا جائز ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

ووقف المشاع جائز[2] **قال فی الدرر**	غیر منقسم جائداد کا وقف جائز ہے، درر میں ہے کہ

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب امتثال ما قالہ شرعًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۴

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۱۸

وبه یفتی[1]۔	اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

اور وقت وقف اس کا مالک ہو نا ضروری ہے، شامی ج ۳ ص ۵۵۵ میں ہے:

شرطه شرط سائر التبرعات افاد ان الواقف لابد ان یکون مالکاله وقت الوقف ملکاتاما[2]۔	اس کی شرط وہی ہے جو تمام تبرعات کی شرط ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ واقف کا بوقتِ وقف کامل مالک ہونا ضروری ہے(ت)

وقف کے لئے کتابت ضروری نہیں زبانی الفاظ کافی ہیں، خیریہ میں ہے:

اما اشتراط کونه یکتب فی حجة ویقید فی سجلات فلیس بلازم شرعا ومخالف للموضوع الشرعی فان اللفظ بانفرادہ کاف فی صحة ذلك شرعا والزیادۃ لایحتاج الیها[3] اھ ملتقطا	یہ کہ جہت وقف لکھی جائے اور دفتری کتب میں لکھائی تو یہ شرط شرعًا لازم نہیں بلکہ شرعی طریقہ کے مخالف ہے کیونکہ صرف لفظی طور پر کہہ دینا کافی ہے اور اس سے زائد شرعًا کوئی ضروری نہیں اھ (ت)

اور ولایت کو اپنے خاندان میں شرط کر دینا بھی صحیح ہے اور وہ اسکا متولی رہے گا جب تک کہ اس کی خیانت یا عجز یا فسق ظاہر نہ ہو ورنہ اس سے ولایت لے لی جائے گی اگر متولی خود واقف ہی ہو، درمختار صفحہ ۵۹۴ میں ہے:

وینزع وجوبا لوکان المتولی غیرمامون او عاجزا وظهر به فسق وان شرط عدم نزعه او ان لاینزعه قاض ولاسلطان لمخالفته لحکم الشرعی فیبطل کالوصی[4] اھ ملخصًا ومختصرا۔	اور متولی غیر معتمد علیہ ہو، یا نالائق ہو، یا اس کا فسق ظاہر ہو چکا ہو تو اس کو معزول کرنا ضروری ہے اگرچہ معزول نہ کرنے کی شرط کی ہو، یا یہ کہ قاضی اور سلطان بھی نہ معزول کرے گا، تو شرع کے مخالف ہونے کی وجہ سے یہ شرط باطل ہے جیسا کہ وصی کے متعلق حکم ہے۔ اھ ملخصًا مختصرًا (ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الوقف مطبعه احمد کامل الکائنه ۲ /۱۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۹

[3] فتاوٰی خیریة کتاب الوقف دارالمعرفة بیروت ۱/ ۲۱٦

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۳۵: از سورت عیدروس منزل خانقاہ عیدروسیہ مرسلہ حضرت سید علی بن زید بن حسن عیدروس سجادہ نشین خانقاہ مذکور ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے اوقاف جو ثواب کی نیت سے بترغیب حکم رب العالمین وقف کئے جاتے ہیں وہ اوقاف کل کے کل مذہبی ہیں یامذہب کے غیر یابعض مذہبی اور غیر مذہبی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اوقاف جائزہ مطلقًا اگرچہ بے نیت ثواب کئے جائیں اگرچہ وقف کرنیوالے مسلمان بھی نہ ہوں خواہ ہمارے مذہبی تعلیم اعمال، عبادات کے لئے ہوں یا غریبوں کی مدد، تعلیم، طبّی امداد وغیرہا کے لئے علی العموم سب مذہبی ہیں اور ان میں دست اندازی مذہبی دست اندازی، نیت وعدم نیت یا اسلام وکفرواقف سے یہ فرق پڑتا ہے کہ واقف اگر مسلمان ہواور ثواب کی نیت سے کرے (جیساکہ عام اوقاف میں مسلمانوں کی یہی نیت ہوتی ہے) تو وہ اس کے لئے قربت وعمل صالح وباعث ثواب وقرب رب الارباب بلکہ اطلاق عام میں عبادت الٰہی ہے اور ایسانہ ہو تو واقف کو ثواب نہ ملے گا مگر وقف فی نفسہ ضرور ہمارا دینی مذہبی کام ہی رہے گا ولہٰذا اس میں دو شرطیں مطلقًا لازم ہیں:

ایک یہ کہ وہ کام جس کے لئے یہ وقف ابتداءً ہوا یا آخر میں اس کے لئے قرار پائے گا واقف کے نزدیک کار ثواب ہو وہ اس ثواب کی نیت کرے یانہ کرے یہ اس کا فعل ہے کام مذہبی حیثیت سے ثواب کا ہونا چاہئے، جیسے غرباء کی امداد اگرچہ دواوغیرہ سے ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ کام خود ہمارے مذہب اسلام کی رو سے کارِ ثواب ہو اگرچہ وقف کرنے والا مسلمان نہ ہو۔

(۱) اسی لئے اگر اغنیاکے چائے پانی کے لئے ہوٹل بناکر وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ کوئی ثواب کا کام نہیں۔

(۲) کافرنے مسجد کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ اس کے خیال میں کار ثواب نہیں۔

(۳) کافرنے ایک مندر یا شوالے کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ واقع میں کارِ ثواب نہیں۔

(۴) کافرنے ایک شوالے پر وقف کیا اس شرط پر کہ جب تک یہ باقی ہے وقف کی آمدنی اس میں خرچ ہو اور جب شوالہ ٹوٹ کر ویران ہوجائے تو اس کے بعد یہ آمدنی محتاجوں پر صرف ہوا کرے وقف صحیح ہوجائے گا کہ اس کا آخر ایک ایسے کام کے لئے رکھا جو کار ثواب ہے یعنی امداد مساکین، اور آج ہی سے اس کی ساری آمدنی

امداد مساکین میں صرف ہوگی شوالہ کو ایک پیسہ نہ دیا جائے گا، اور اس قسم کے بکثرت مسائل کتب معتمدہ میں مذکور ہیں، تو ثابت ہوا کہ وقف جائز کیسا ہی ہو کسی نے کیا ہو کسی طرح کیا ہو مطلقاً ہم مسلمانوں کا دینی مذہبی ہے، کام دو ہی قسم ہیں: دینی یا دنیوی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دنیوی کام میں ان دونوں شرطوں سے کوئی شرط نہیں، نہ یہی ضرور کہ فاعل کے نزدیک وہ کارِ ثواب ہو، نہ یہی لازم کہ مذہب اسلام نے اسے کارِ ثواب مانا ہو اور وقف میں مطلقاً یہ دونوں شرطیں لازم ہیں، تو ظاہر ہوا کہ وہ ہرگز دنیوی کام نہیں بلکہ خاص دینی ومذہبی ہے، اور یہی ہمیں ثابت کرنا تھا، اور اس پر ایک صریح دلیل یہ بھی ہے کہ مسلمان اگر کیسا ہی وقف کسی غرض کا کرے اور پھر **معاذاللہ** اسلام سے پھر جائے تو فوراً اس کا ہر وقف باطل ہو جاتا ہے وہ اس کے وارثوں پر مالکانہ تقسیم کردیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر مرتد ہو کر پھر اسلام لے آئے وقف عود نہ کرے گا جب تک بعد اسلام پھر از سر نو وقف نہ کرے اور یہ حکم عام ہے جس میں کسی وقف کی تخصیص نہیں تو کوئی وقف اگر ایسا بھی ہوتا جو مذہبی نہ ہو تو مذہب بدل جانے سے وہ کیوں باطل ہو جاتا تو معلوم ہوا کہ وقف کیسا ہی ہو مطلقاً مذہبی ہے، اب ان تمام مسائل پر عبارات کتب ملاحظہ کیجئے، ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ جلد دوم ص ۴۲۳:

العتق والوقف والاضحیة ایضا عبادات[1]۔	وقف، عتق اور قربانی بھی عبادات ہیں۔(ت)

ہدایہ مع فتح القدیر مطبع مصر جلد پنجم ص ۵۷:

الوقف ازالة الملك الی الله تعالٰی علٰی وجه القربة[2]۔	اپنی ملکیت کو عبادت کے طور پر زائل کرنا اللہ تعالٰی کے لئے، اس کو وقف کہتے ہیں(ت)

فتح القدیر جلد مذکور ص ۵۷؛

محاسن الوقف ظاہرة لما فيه من ادامة العمل الصالح کما فی الحدیث المعروف اذا مات ابن اٰدم انقطع عمله الامن ثلث صدقة جارية[3]، الحدیث۔	وقف کے محاسن ظاہر ہیں کہ اس میں نیک عمل کا دوام ہے جیسا کہ معروف حدیث میں ہے کہ انسان کے فوت ہونے پر اس کے عمل تین کے ماسوا سب منقطع ہو جاتے ہیں، ان میں ایک صدقہ جاریہ ہے، الحدیث (ت)

درمختار مع شامی مطبع استنبول جلد سوم ص ۵۵۴:

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۲۵۸

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیہ کراچی ۲ /۶۲۳

[3] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۴۱۶

سببه ارادة محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب وفی الاٰخرة بالثواب یعنی بالنیة من اھلھا لانه مباح بدلیل صحته من الکافر[1]۔	دنیا میں احباب سے بھلائی اور آخرت میں ثواب کیلئے نفس کو خوش کرنا اس کا سبب ہے یعنی ثواب کی نیت اہل نیت سے، ورنہ مباح ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ وقف کرنا کافر کو بھی جائز ہے (ت)

ایضًا صفحہ ۴۵٦ :

شرطه ان یکون قربة فی ذاته[2]۔	شرط یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں قربت ہو۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری مطبع احمدی جلد سوم ص ۱۱۴ :

بیان شرائط وقف منھا ان یکون قربة فی ذاته وعند المتصرف[3]۔	وقف کے شرائط کا بیان ایک شرط یہ ہے کہ فی نفسہٖ قربت ہو اور تصرف کرنے والے کے ہاں بھی قربت ہو (ت)

ردالمحتار جلد سوم ص ۵۵۲:

فی النھر عن المحیط لو وقف علی الاغنیاء وحدھم لم یجز لانه لیس بقربة امالو جعل اٰخرہ للفقراء فانه یکون قربة فی الجملة[4]۔	نہر میں محیط سے منقول ہے اگر صرف اغنیاء کے لئے وقف ہو تو صحیح نہیں کیونکہ یہ قربت نہیں، اگرآخر میں فقراء کے لئے کر دیا تو فی الجملہ قربت ہو جائے گا۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ جلد سوم ص ۱۱۵:

لوجعل ذمی دارہ مسجدالمسلمین ثم مات یصیر میراثالورثته وھذاقول الکل کذافی جواھر الاخلاطی ولو جعل ذمی دارہ بیعة او کنیسة او بیت نار فی صحته ثم مات یصیر میراثا	اگر ذمی نے اپنے گھر کو مسلمانوں کے لئے مسجد بنایا پھر فوت ہوگیاتو وہ اس کے وارثوں کے لئے میراث ہوگی اور یہ سب کا قول ہے یونہی جواہر اخلاطی میں ہے، اور اگر ذمی نے اپنا گھر بیعہ یا کنیسہ، یا آتشکدہ اپنی تندرستی میں بنادیا پھر فوت ہوا تو میراث قرار پائے گا۔

---
[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[3] فتاوٰی ہندیة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۳

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

ھکذاذکر الخصاف فی وقفہ وھکذاذکر محمد من الزیادات کذافی المحیط[1] (ملخصا)۔	یوں خصاف نے اپنے وقف اور امام محمد نے زیادات میں بیان کیا، محیط میں ایسے ہی ہے (ملتقطا) (ت)

فتح القدیر جلد پنجم ص ۴۳۸ و ردالمحتار جلد سوم ص ۵۵۷ :

لووقف الذمی علی بیعۃ مثلا فاذا خربت یکون للفقراء، کان للفقراء ابتداءً ولولم یجعل اٰخرہ للفقراء کان میراثاً عنہ نص علیہ الخصاف فی وقفہ ولم یحك خلافاً[2]۔	اگر ذمی نے بیعہ (یہودی عبادت گاہ) کے لئے وقف کیا مثلاً خرابہ ہوجانے پر فقراء کے لئے کہا تو وہ ابتداء سے فقراء کے لئے ہوگا، اور اگر آخر میں (خرابہ کے وقت) فقراء کے لئے نہ کہتا تو پھر ورثاء کے لئے میراث بن جاتا، اس کو خصاف نے اپنے اوقاف میں بیان کیا اور اس میں خلاف قول ذکر نہ کیا۔ (ت)

عالمگیری جلد سوم ص ۱۱۴ واسعاف ص ۱۱۹:

لوقال تجری غلتھا علی بیعۃ کذافان خربت ھذہ البیعۃ کانت الغلۃ للفقراء والمساکین فانہ تجری غلتھا علی الفقراء والمساکین ولاینفق علی البیعۃ شیئ کذافی المحیط[3]۔	اگر ذمی نے کہا کہ اس زمین کی آمدن فلاں بیعہ پر وقف ہے اور جب یہ بیعہ خرابہ بن جائے تو زمین کی آمدن فقراء ومساکین کے لئے جاری رہے گی، تو یہ آمدن شروع سے ہی فقراء ومساکین پر صرف ہوگی اور بیعہ پر کچھ بھی صرف نہ ہوگا، محیط میں یونہی ہے (ت)

درمختار صفحہ ۵۵۷ : ارتد المسلم بطل وقفہ[4] (وقف کنندہ مسلمان مرتد ہوجائے تو اسکا وقف باطل ہوجائیگا۔ت) ردالمحتار صفحہ مذکورہ :

ویصیر میراثاًسواء قتل علی ردتہ اومات اوعادالی الاسلام الا ان اعادالوقف بعد عودہ الی الاسلام[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور وہ وقف میراث قرار پائے گا خواہ ارتداد پر قتل ہوجائے یا طبعی موت مرجائے، یا دوبارہ مسلمان ہوجائے، مگر دوبارہ اسلام کی صورت میں اس وقف کو دوبارہ وقف کرے تو وقف رہے گا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۶۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۵۳

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۳۷۷

[5] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۶۰

مسئلہ ۳۶: ازبنارس کچی باغ مرسلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب خلف منشی لعل محمد تاجر پارچہ بنارس ۴ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

ماقول العلماء ورثۃ الانبیاء جزاکم اللہ تعالٰی یوم الجزاء اس مسئلہ میں کہ یہاں رواج ہے کہ ماہ ربیع الاول میں لوگوں سے محض بغرض ایصال ثواب روح پر فتوح حضرت نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چندہ لیا جاتا ہے لوگ حسب استطاعت دیتے ہیں اس کا کھانا وغیرہ پکا کر مساکین وفقراء کو کھلایا جاتا ہے، اب اس چندہ سے کچھ روپیہ کھانے وغیرہ کے پخت سے فاضل بچ گیا تو افسران ومہتممین کی صلاح ہوتی ہے کہ اس روپے فاضل سے دیگ آجانا چاہئے کیونکہ ہر سال ۱۲ تاریخ ربیع الاول کو ضرورت پڑتی ہے اور بڑی تردد سے ملتی ہے کبھی مستعار کبھی کرائے پر، اور اس روپے سے آجائے گی تو ہمیشہ کے واسطے آرام ہوگا، معہذا یہ رائے بھی ہے کہ جس کو ضرورت دیگ کی پڑے گی اس کو کرائے پر دی جائے گی اور وہ کرایہ کی آمدنی مدرسہ میں طالب علم کی حاجتوں میں صرف کی جائے لیکن افسران مختلف ہیں جواز وعدمِ جواز میں، لہٰذا علماء سے مستفسر ہیں کہ اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایسے چندوں سے جو روپیہ فاضل بچے وہ چندہ دہندگان کا ہے انہیں کی طرف رجوع لازم ہے وہ دیگ وغیرہ جس امر کی اجازت دیں وہی کیا جائے، ان میں جو نہ رہے اس کے عاقل بالغ وارثوں کی طرف رجوع کی جائے اگر ان میں کوئی مجنون یا نابالغ ہے تو باقیوں کی اجازت صرف اپنے حصص کے قدر میں معتبر ہوگی صبی ومجنون کا حصہ خواہی نخواہی واپس دینا ہوگا، اور اگر وارث بھی نہ معلوم ہوں تو جس کام کے لئے چندہ دہندوں نے دیا تھا اسی میں صرف کریں، وہ بھی نہ بن پڑے تو فقراء پر تصدق کردیں، غرض بے اجازت مالکان دیگ لینے کی اجازت نہیں، درمختار میں ہے:

ان لم یکن بیت المال معمورا او منتظما فعلی المسلمین تکفینہ فان لم یقدروا اسألوا الناس لہ ثوبا فان فضل شیئ ردللمتصدق ان علم والا کفن بہ مثلہ والا تصدق بہ مجتبٰی[1]۔	اگر بیت المال میں مال نہ ہو یا کوئی منتظم نہ ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو کفن پہنائیں اور اگر کوئی قادر نہ ہو تو لوگوں سے چندہ لیا جائے اور کفن کے چندہ سے کچھ بچ جائے تو یہ چندہ لینے والا معلوم ہو تو اسے لوٹا دیا جائے ورنہ اس سے ایسے ہی کسی فقیر کو کفن پہنادیا جائے، یہ بھی نہ ہوسکے تو کسی فقیر کو صدقہ کردیا جائے، مجتبٰی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

(قولہ والا کفن بہ مثلہ) ھذا المریذکرہ	ماتن کا قول کہ اسی جیسے فقیر کو کفن پہنادیا جائے، یہ

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

فی المجتبی بل زادہ علیہ فی البحر عن التجنیس و الواقعات قلت وفی مختارات النوازل لصاحب الھدایۃ فقیر مات فجمع من الناس الدراھم وکفنوہ وفضل شیئ ان عرف صاحبہ یرد علیہ والایصرف الی کفن فقیر اٰخر اویتصدق بہ[1]۔	عبارت مجتبٰی میں مذکور نہیں بلکہ یہ زائد بحر میں تجنیس اور واقعات کے حوالے سے مذکور ہے میں کہتا ہوں اور صاحب ہدایہ کی کتاب مختارات النوازل میں ہے کہ فقیر فوت ہوا تو لوگوں نے چندہ جمع کرکے اس کو کفن دیا اور چندہ بچ گیا اگر اس زائد چندہ والا شخص معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے ورنہ اس کو کسی دوسرے فقیر کے کفن میں خرچ کیا جائے یا پھر صدقہ کردیا جائے (ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے:

قلت واشارفی ردالمحتار بنقل عبارت المختارات الی انہ لم یذکر الترتیب بین التکفین والتصدق علی مافی الشرح **اقول:** لکن فی الخانیۃ ثم الھندیۃ ان عرف صاحب الفضل ردہ علیہ وان لم یعرف کفن بہ محتاجا اٰخر وان لم یقدر علی صرفہ الی الکفن یتصدق بہ علی الفقراء[2] اھ۔ فھذا نص فی الترتیب و لاشك ان باختیارہ یخرج عن العھدۃ بیقین ثم ھذا وان لم یکن وقفا فلہ شبہ بہ ولاشك ان مراعاۃ غرض المالك املك واحکم فلذا اعولنا علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) ردالمحتار میں مختارات کی عبارت نقل کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ کسی فقیر کو کفن پہنانے یا صدقہ کرنے میں ترتیب مذکور نہیں ہے جیسا کہ شرح میں ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) لیکن خانیہ پھر ہندیہ میں ہے کہ اگر زائد چندے والا معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے اور اگر معلوم نہ ہو تو پھر کسی اور محتاج کو کفن دیا جائے، اور اگر کسی کفن میں صرف کرنا مقدور نہ ہو تو پھر فقراء پر صدقہ کیا جائے اھ، تو یہ عبارت ترتیب کے لئے نص ہے، اس میں شک نہیں کہ اس ترتیب کو اپنانے سے یقینا عہدہ برآ ہوسکتا ہے، پھر یہ اگرچہ وقف نہیں تو اس کے مشابہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ چندہ دینے والے مالک کی غرض کو پورا کرنا زیادہ محکم ہے اس لئے ہم نے اس ترتیب کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنازۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۱

مسئلہ ۳۷: از بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ محمد علی جان خاں صاحب ۸ رجب المرجب ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسمّٰی کرامت علی و نیاز علی واقع تکیہ ملوکپور کے خادم تھے جنہوں نے کچھ اراضی مسمّٰی قادر بخش کے پاس بمیعاد تیس سال کے بیع بالوفاء کردی جو بعد انقضاء میعاد مذکورہ بالاکے شیخ مذکور کے قبضہ میں اس بیعنامہ کے ذریعہ سے آگئی، چنانچہ شیخ مذکور کی قبر اور ان کے بزرگان کی قبریں بھی اسمیں بنیں، بعدہ تخمیناً عرصہ سینتالیس سال کا ہوا کہ از جانب سرکار انگریزی تکیہ ہذا میں مردوں کے دفن کرنے کی ممانعت ہوگئی اب وہ اراضی بیکار پڑی ہے اور اس کی صفائی کا کچھ انتظام نہ تھا اس واسطے جملہ مسلمانان محلّہ نے شیخ یاد علی وارث قادر بخش سے اس اراضی کا بیعنامہ مسجد کے نام جو اس کے محاذ میں واقع ہے صرف سڑک انگریزی درمیان میں واقع ہے لکھالیا اور بعد لکھانے بیعنامہ کے باجازت سرکار انگریزی اس اراضی کو پختہ منڈیروں سے محدود کرکے اس کے اوپر کرایہ دار کو بٹھادیا اور اس سے جو کرایہ حاصل ہوا اس کو مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کیا اور وقت محدود کرنے اراضی کے اس کو ہموار کردیا تھا اب اس کے محاصل کا مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر وہ زمین ان تکیہ داروں کی ملک نہ تھی بلکہ قبرستان عام مسلمین کی وقفی زمین تھی تو وہ بیعیں سب ناجائز ہوئیں اور بذریعہ بیع یہ صورت جو اسے متعلق مسجد کرلینے کی ہے یہ بھی ناجائز ہوئی اس میں جو قبور تھیں انہیں منہدم وہموار کرکے ان پر چلنا پھرنا سب ناجائز، البتہ جو زمین اس میں قبور سے جدا تھی وہ ازانجا کہ اب وہاں دفن ممکن نہ رہا ملک اصل واقف کی طرف عود کرگئی اس کے ورثہ کو اختیار ہے ان کی اجازت سے اس قدر کو متعلق مسجد کرسکتے ہیں اور واقف نہ معلوم ہو یا ورثہ کا پتا نہیں تو مسلمانوں کا یہ فعل باستثناء مواضع قبور ممنوع نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۸ تا ۴۱: مسئولہ حافظ قاضی تلن خاں عرف میزان اللہ شاہ اشرفی امام ومدرس مسجد مولوی ٹولہ شہر کہنہ ۵ شوال ۱۳۳۳ھ

ایک شخص کے پاس دوسو روپے امانت مسجد کا تھا کہ جس کو بلااجازت متولی اس نے عدالت سے وصولی کرلیا تھا اور بوجہ اس کے سربرآوردہ ہونے کے متولی نے طلب اس سے نہیں کی اور جب طلب کیا تو جواب دیا کہ جس کام میں میری رائے ہوگی صرف کردوں گا، چنانچہ اب اس شخص نے متصل اسی مسجد کے حجرہ کے اراضی افتادہ میں اپنا ذاتی ایک چبوترہ تعمیر کرلیا اور یہ خیال کہ اس چبوترہ کی آڑ دیوار حجرہ سے ہے اور اس چبوترہ کے آگے بھی اراضی افتادہ ہے جس میں تین پرنالہ مسجد کے قدیم سے جاری ہیں اس اراضی کی بھی آڑ مسجد سے ہوجاوے پس ایک پاکھا فصیل مسجد پر بنانے کا ارادہ کیا چونکہ وہ تعمیر بلاضرورت دیوار مسجد پر تھی لہٰذا یہ ظاہر کیا کہ مرمت مسجد کرائی جاوے،

چنانچہ اسی مرمت میں یہ تجویز خود کیا کہ پیش حجرہ ٹین ڈالا جاوے جس کے واسطے پاکھوں کی ضرورت ہے چنانچہ دونوں طرف حجروں کے فصیل پر پاکھے بنوائے گئے اوان کو بغرض حفاظت اراضی افتادہ بند کرنا چاہاتا کہ کوئی وضو فصیل پر نہ کرسکے جس کے مسلمان حارج ہوئے مگر کچھ نہ مانا ایک بہت اونچی جگہ پر کسی قدر ان پاکھوں کو کھولا اور ٹین پیش ہر دو حجرہ ڈلوادیا اور دوسو روپیہ اس تعمیر میں صرف کردئے۔ مسلمانوں کی رائے تھی کہ اور کچھ چندہ فراہم کرکے ایک مکان تعمیر ہوجاتا کہ جس کی آمدنی خرچ وصرف مسجد کو کافی ہوتی یہ رقم دوسو پچاس کی تھی جس میں اب صرف پچاس روپیہ انہیں کی تحویل میں باقی رہے ہیں لہٰذا تعمیر مکان اب دشوار ہوگئی،

(۱) ایسی حالت میں یہ روپیہ بجا صرف ہوا یا بے جا؟

(۲) اور مواخذہ دار اس کا عنداللہ وہ رہا یا نہیں؟

(۳) اور متولی مسجد سے رسید اس روپے کی طلب کرتا ہے تو رسید دینا چاہئے یا نہیں جبکہ بلامشورہ ورائے یہ روپیہ صرف ہوا مرمت مسجد میں، اگر صرف بہ انتظام ہوتا تو (صہ/) سے زائد نہ صرف ہوتا، اب ڈیڑھ سو روپیہ صرف دونوں طرف کے پاکھے اور ٹین اور فضولیات میں صرف ہوگیا جس کی اس وقت مسجد کو کوئی ضرورت نہ تھی اور ۸ سال تک یہ روپیہ اس نے اپنے قبضہ میں رکھا،

(۴) اور دونوں جانب کے در فصیل کھلوادینے چاہئیں یا نہیں کیونکہ ہوا بالکل مسدود ہے اور آرام نمازیوں اور وضو کا جاتا رہا، جو حکم شرع ہو وہ کیا جاوے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) شخص مذکور کے یہ تصرفات محض ناجائز و باطل ہیں۔

(۲) روپے کا تاوان اس پر لازم ہے۔

(۳) متولی مسجد کو حرام ہے کہ اسے رسید دے۔

(۴) دونوں طرف کے در بدستور کھول دئے جائیں کہ ہوا اور وضو کا آرام ہو،

فی الدر المختار والبحر الرائق والاشباہ والنظائر وغیرھا التصریح بان المتولی مقدم علی القاضی وان کان منصوبہ فکیف بالاجنبی فکیف فی اضاعۃ المال وسد المرافق[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار، بحرالرائق، الاشباہ والنظائر وغیرہا میں تصریح ہے کہ متولی قاضی پر مقدم ہے اگرچہ متولی اسی قاضی کا بنایا ہوا ہو تو اجنبی کا کیا مقام ہے تو مال کاضیاع اور مفادات پر پابندی کا کیا سوال ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۵

مسئلہ ۴۲ : کریم الدین واقف نے بحیثیت متولی کام نہیں کیا بلکہ مالکانہ جب سے وقف کیا جس کو عرصہ پندرہ سال کا ہوا کرتے رہے سیر اس میں کی (**مہ معہ /**) بیگھ زمین خود کاشت میں رکھی جو اعلیٰ درجہ کی ہے اور کبھی اس کا لگان درج نہیں ہوا، اخراجات جو لکھے ہیں چند نشان میں کبھی نہیں کی متولی بدلنے کی کہیں شرط نہیں، جس صورت میں خود واقف جو متولی ہوا وہ حسب شرائط کاربند نہ ہوا پھر وقف کب ہوا، مکرر یہ کہ اس نے اندراج وقف کا کاغذات پٹواری میں نہیں کرایا یہ ایک شرط اس نے اپنے ذمے لازم رکھی تھی۔

الجواب:

وقف میں کریم الدین کے لفظ صاف وبے تقیید مطلق ہیں کہ وقف دائمی کیا میں نے اور خود اپنے آپ کو متولی کیا وقف صحیح وتام ولازم ہوگیا جس کی تبدیل ناممکن ہے بعد کو اگر اس نے قبضہ مالکانہ کیا ہو اور جتنی باتیں سائل نے ظاہر کیں سب سچ ہوں بلکہ بالفرض اس نے صراحۃً دعوی دائر کردیا ہو کہ میں مالک ہوں یہ وقف نہیں ہے جب بھی وقف کو آنچ نہیں پہنچ سکتی بلکہ خود اس کی خیانت ظاہر ہوتی اور واجب ہوتا کہ وقف اس سے نکال کر دوسرے کے سپرد کیا جائے نہ یہ کہ اس سے وقف باطل ہوجائے یہ نری جہالت وضلالت ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا، بزازیۃ، لوالواقف، درر، فغیرہ بالاولٰی غیرمامون[1]۔	جبراً معزول کرنا واجب ہے، بزازیہ، اگرچہ واقف ہی ہو، درر۔ تو غیر شخص جو قابل اعتماد نہ ہو اس کو بطریق اولٰی معزول کیا جائے گا۔ (ت)

شرائط کی پابندی اس پر لازم تھی کہ اگر نہ کی گنہگار ہوا نہ کہ وقف ہی جاتا رہا وقف کے بعد واقف صرف ایک متولی کی حیثیت میں رہتا ہے نہ کہ مالک یا ابطال وقف پر قادر۔ کیا متولی اگر خلافِ شرائط کرے تو شیئ وقف سے نکل جائے گی، ایسا خیال نرے احمق بے ادراک کا خیال ہے، درباره متولی واقف کو ایسی صورت میں ضرور تبدیل کا اختیار ہوتا ہے اگرچہ وقت وقف یا وقف نامہ میں بدلنے کی کوئی شرط نہ کی ہو۔ بحر الرائق میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ عن حکم سائر الشرائط لان لہ فیھا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط۔[2]	متولی بنانا واقف کی تمام شرائط سے الگ معاملہ ہے کیونکہ واقف جب چاہے بغیر شرط بیان کئے بھی متولی کو تبدیل کرسکتا ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۲۳۱

تو بعد کو جو اقرار نامہ اس نے در بارہ تولیت لکھا اسی پر عمل درآمد واجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳تا۴۵: از بہار شریف ضلع پٹنہ ڈاکخانہ سوہ سرائے محلّہ مغل کنواں مکان شیخ بہادر مہتو مرسلہ مولوی امیر حسن صاحب ۲۱ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے وفات سے تیرہ برس پہلے اپنی جائداد کو وقف کرکے بشہادت معززین شہر ایک وثیقہ لکھوا کر حاکم وقت کی کچہری میں باضابطہ تعمیل کرادیا، بعد تیرہ سال کے مرض موت میں دوسرا وثیقہ مخالف شروط وثیقہ اول لکھوایا اور دو چار پہر کے بعد قضا کر گئی چونکہ ہندہ سنیہ حنفیّہ تھی لہٰذا فقہ حنفیّہ کی معتبرہ ومشہور کتابوں سے قول مفتی بہ وصحیح کے ساتھ میرے سوالات مفصلہ ذیل کا جواب مرحمت ہو:

(۱) وثیقہ اول کی ترمیم وشروط بدلنے کا ہندہ کا اختیار تھا یا نہیں؟

(۲) مرض موت کے وقف کا کیا حکم ہے؟

(۳) وثیقہ ثانی صحیح ہے یا باطل؟ بینوا توجروا المستفتی عبداللہ

الجواب:

عامہ [عہ۱] شرائط معتبرہ [عہ۲] کا اختیار شرع مطہر نے واقف کو صرف انشائے وقف کے وقت دیا ہے مثلاً جسے چاہے اس کا مصرف بنائے جسے چاہے اس سے جدا رکھے، جسے جتنا چاہے دینا بتائے، جس وقت یا حالت یا صفت کے ساتھ چاہے مقید کردے، جو ترتیب چاہے مقرر کرے، جب تک اس انشاء میں ہے مختار ہے، وقف تمام ہوتے ہی وہ تمام شروط مثل وقف لازم ہوجاتی ہیں کہ جس طرح وقف سے پھرنے یا اس کے بدلنے کا اسے اختیار نہیں رہتا یونہی ان میں سے کسی شرط سے رجوع یا اس کی تبدیل یا اس میں کمی بیشی نہیں کرسکتا ہاں اگر انشا ہی کے وقت شرط لگادی تھی کہ مجھے ان تمام شروط یا خاص فلاں شرط میں تبدیل کا اختیار ہوگا تو جس شرط کے لئے بالتصریح یہ شرط کرلی تھی

عہ۱: انما قال عامة لان التولیة خارجة عن هذا الحکم فله التغییر فیها کلما شاء ولو لم یشرط شیئا کما فی البحر وقد تقدم فی فتاوٰنا غیر مرة ۱۲منه (م)

"عامہ" کا لفظ اس لئے کہا کیونکہ تولیت کا معاملہ اس حکم سے خارج ہے لہٰذا واقف کو جب چاہے متولی میں تبدیلی کا حق ہے اگرچہ اس کی شرط نہ لگائی ہو جیسا کہ بحر میں ہے اور متعدد بار ہمارے فتاوی میں گزر چکا ہے ۱۲منہ (ت)

عہ۲: قید بالمعتبرة لان الشرط الباطل باطل مطلقًا لاتقبل حین الانشاء ولا بعده ۱۲منه۔

معتبر شرائط سے کہا، کیونکہ باطل شرط ہو تو مطلقًا باطل ہے وقف کرتے وقت لگائی گئی ہو یا بعد میں لگائی گئی ہو ۱۲منہ (ت)

اسی کو بدل سکے گا پھر اسے بھی ایک ہی بار بدل سکتا ہے، جب تبدیل ہولی اب دوبارہ تغیر کا اختیار نہ ہوگا کہ اسی قدر شرط کا مفاد تھا، وہ پورا ہوگیا اب دوبارہ تبدیل شرط شے زائد ہے لہٰذا مقبول نہ ہوگی البتہ اگر کسی شرط پر انشائے وقف میں یہ شرط لگادی کہ میں اسے جب کبھی چاہوں ہر بار بدل سکوں گا تو اس شرط کی نسبت اختیار مستمر رہے گا کہ اب اس کا استمرار ہی مقتضائے شرط ہے غرض واقف خود اس کا قطعی پابند ہوتا ہے جو ان شرائط میں وقف کرتے وقت زبان یا قلم سے نکال چکا اس سے باہر ان میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا، امام طرابلسی اسعاف میں فرماتے ہیں:

لایجوز لہ ان یفعل الامّا شرط وقت العقد[1]۔	یعنی واقف کو اسی قدر کرنے کی اجازت ہے جتنا وقف کرتے وقت شرط کرچکا تھا۔

اسی میں ہے:

لو شرط فی وقفہ ان یزید فی وظیفۃ من یری زیادتہ اوینقص من وظیفۃ من یری نقصانہ اویدخل معھم من یری ادخالہ اویخرج من یری اخراجہ جاز، ثم اذا فعل ذٰلك لیس لہ ان یغیرہ لان شرطہ وقع علی فعل یراہ فاذا راٰہ مضاہ فقد انتھی ماراٰہ[2]۔	یعنی اگر واقف نے وقف میں شرط کرلی کہ میری رائے میں جس کا وظیفہ بڑھانا مناسب ہوگا بڑھادوں گا یا جس کا کم کرنا مناسب ہوگا کردوں گا جسے داخل کرنا آئے گا داخل کروں گا جسے خارج کردینا منظور ہوگا خارج کردوں گا تو یہ شرط جائز ہے پھر جب ایک بار کرچکا اب اسے نہیں بدل سکتا کہ شرط جتنی تھی ختم ہوچکی۔

علامہ سید احمد حموی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

الوقف اذالزم لزم مافی ضمنہ من الشروط[3]۔	وقف جہاں لازم ہوا ساتھ ہی اس کے ضمن میں جتنی شرطیں ہیں سب لازم ہوجاتی ہیں۔

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

وقف ضیعۃ فی صحتہ علی الفقراء واخرجھا من یدہ الی المتولی ثم قال لوصیہ عندالموت اعط من غلتھا لفلان کذا ولفلان کذا	یعنی ایک جائداد اپنی صحت میں فقیروں پر وقف کرکے متولی کو سپرد کردی پھر مرتے وقت وصی سے کہا اس کی آمدنی سے اتنا فلاں کو دینا اتنا فلاں کو تو اس کا

[1] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۳۱

[2] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۳۱

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱ /۳۰۹

فجعله لاولئك باطل لانها صارت للفقراء اولا فلا یملك ابطال حقهم الا اذاشرط فی الوقف ان یصرف غلتها الی من شاء[1]۔	یہ کہنا باطل ہے کہ وقف ابتداءً فقراء کے لئے ہوچکا توان کا حق مٹانے کا اختیار نہیں رکھتا مگریہ کہ وقف ہی میں شرط کرلی ہو کہ اس کی آمدنی سے جسے چاہوں گادوں۔

درمختار میں ہے:

جازشرط الاستبدال به ثم لایستبدلها بثانیة لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لا الثانیة اھ[2] مختصرا۔	یعنی تبدیل وقف کی شرط جائز ہے پھر جب ایک بار تبدیل کرچکا دوبارہ نہیں کرسکتا کہ یہ اجازت تو اس شرط لگانے سے حاصل ہوئی تھی اور شرط پہلی میں پائی گئی نہ کہ دوسری میں اھ مختصرًا۔

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

الاان یذکر عبارة تفید له ذٰلك دائما[3]۔	یعنی ہاں اگر ہمیشہ اختیار تبدیل کی شرط کرلی تو ہمیشہ مختار رہے گا۔

اس قدر سے سوال اول وسوم کاجواب واضح ہوگیا کہ شروط لازمہ کی ترمیم کا ہندہ کو کوئی اختیار نہ تھااور دوسرا وثیقہ جہاں تک ان کی تبدیل کرتا ہو محض لغو و مہمل کہ وقف اس کی ملک سے خارج ہوچکااور شرائط لازمہ لازم ہولیں اب ان کے متعلق نیا وثیقہ ایسا ہے جیسا ایک اجنبی راہ چلتا کچھ لکھ جائے۔ سوال دوم کو اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور اس کا جواب یہ کہ مرض الموت میں وقف مثل وصیت بے اجازت ورثہ صرف ثلث مال میں نافذ ہوتا ہے **کما فی التنویر وغیرہ عامة کتب المذهب** (جیسا کہ تنویر وغیرہ عامہ کتب المذہب میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۶ تا ۴۸:　　ازبدایوں مرسلہ جناب نبی بخش صاحب مہتمم مدرسہ محمدیہ　　۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جائداد مسجد ومدرسہ دینی پر وقف ہے آیا ۱متولی کو اختیار ہے کہ اس کا کوئی جز بیع کردے یا ۲کسی کی حاجت وکار کے لیے وہ جائداد یا جزو جائداد اسے دے دے کہ وہ اپنے تصرف میں لائے اور اس کے عوض اس سے دوسری جائداد ویسی ہی یا اس سے بہتر بدل لے یا ۳اس جائداد کا کوئی ہمیشہ کے لئے کسی کو اجارہ دے دے یا چالیس سال کا پٹہ لکھ دے حالانکہ وقف آباد ہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

اور اسے حاجت نہیں، نہ واقف نے وقف نامہ میں اس کی اجازت دی بلکہ صرف اتنا لکھا ہے کہ ضرورت اتفاقیہ تعمیر در صورت وقوع خرابی مسجد ومدرسہ اختیار اجارہ دینے جزوجائداد کا چندروز عارضی تاادائے قرضہ ہوگا۔ **بینوا توجروا۔** نیز یہ بھی واضح رہے کہ وہ جائداد جسے لوگ اپنی ضرورت کے لئے مانگتے ہیں باغ ہے وہ اس کے پیڑ کاٹ کر عمارت بنانا چاہتے ہیں **فقط۔**

الجواب:

یہ چاروں صورتیں حرام قطعی ہیں متولی خواہ غیر کسی کو اصلًا ان کا اختیار نہیں متولی اگر ان میں سے کوئی صورت کرے گا تو خائن ہوگا اور واجب ہوگا کہ فورًا نکال دیا جائے اور وقف اس کے قبضہ سے نکال کر کسی متدین خداترس کو حسب شرائط واقفہ سپرد کیا جائے دوسرے جو اس باغ کو لے کر اس کے پیڑ کاٹ کر کوئی عمارت بنائیں گے وقف کے غاصب ہوں گے، فرض ہوگا کہ فورًا وقف ان کے قبضہ ظالمانہ سے خلاص کیا جائے اور ان کی عمارت مسمار کردی جائے اور ان سے پیڑوں کا تاوان بسختی تمام بلارعایت وصول کرلیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس لعرق ظالم حق[1]۔	ظالم کو دخل کا حق نہیں۔ (ت)

پہلی صورت کی حرمت تو ظاہر، ہر شخص جانتا ہے کہ:

الوقف لایملك لایباع ولایورث	وقف ملکیت نہیں بن سکتا، نہ فروخت ہو اور نہ وراثت بن سکتا ہے۔ (ت)

دوسری صورت یوں حرام ہے کہ واقفہ نے استبدال کی اجازت نہ دی بلکہ صراحۃً لکھ دیا کہ کسی متولی خواہ مہتمم خواہ اصحاب انجمن اسلامیہ کو اختیار انتقال دائمی جائداد کا نہ ہوگا اور وقف جب تک کچھ بھی انتفاع کے قابل رہے حاکم اسلام کو بھی اسکی تبدیل حرام و باطل ومردود محض ہے، درمختار میں ہے:

شرط فی البحر خروجہ عن الانتفاع بالکلیۃ و کون البدل عقارا والمستبدل قاضی الجنۃ المفسر بذی العلم والعمل[2]۔	بحر میں شرط ہے کہ وہ وقف کلیۃً انتفاع کے قابل نہ رہے اور اس کا بدل زمین ہو اور بدلنے والا قاضی محکمانہ ہو جس کا مطلب ہے کہ عالم باعمل ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---
[1] جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماذکر فی احیاء الموات امین کمپنی دہلی ۱/۱۶۶

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۸۳

یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وان لایکون ھناك ریع للوقف یعمر بہ الخ[1]۔	قاضی کو تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ وقف کلیۃً ناقابل انتفاع ہوجائے اور وقف کو آباد کرنے کے لئے آمدن بھی نہ ہو الخ (ت)

اور بدلے کی چیز کا اس سے بہتر ہونا وجہ جواز نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان دون زیادۃ اخری و لانہ لاموجب لتجویزہ لان الموجب فی الاول الشرط وفی الثانی الضرورۃ ولاضرورۃ فی ھذا اذلاتجب الزیادۃ فیہ بل تبقیہ کماکان[2]۔	وقف کو اپنی اصلی حالت میں بحال رکھنا ضروری ہے اس میں کوئی زیادتی نہ کی جائے کیونکہ اس کے جواز کا کوئی موجب نہیں ہے موجب اول میں شرط ہے اور ثانی میں ضرورت ہے جبکہ یہاں کوئی ضروری نہیں، اس لئے اس میں زیادتی ضروری نہیں بلکہ جیسے تھا ویسے باقی رکھے۔ (ت)

شرح الاشباہ للمحقق البیری میں یہ کلام فتح سے نقل کرکے فرمایا:

ماقالہ ھذا المحقق ھو الحق والصواب[3]۔	جو اس محقق نے فرمایا وہ حق وصواب ہے (ت)

تیسری صورت کی حرمت یہ کہ ہمیشہ کے لئے اجارہ میں دینا کسی مملوک شے کا بھی جائز نہیں، نہ کہ وقف ظاہر ہے کہ ہمیشگی کسی شیئ کو نہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ جب تک باقی ہے اور مدت بقامجہول ہے اور جہالت مدت سے اجارہ فاسد ہوتا ہے اور عقد فاسد حرام ہے، لہٰذا علماء نے تصریح فرمائی کہ جب تک مدت معین نہ کی جائے اجارہ جائز نہیں کہ تعیین مدت سے مقدار منفعت معلوم ہوتی ہے، پر ظاہر ہے کہ ہمیشہ کے لئے کہنا نہ کوئی تعیین مدت ہے نہ اس سے مقدار منفعت معلوم ہوسکے۔ ہدایہ میں ہے:

المنافع تارۃ تصیر معلومۃ بالمدۃ کاستیجار الدور للسکنی والارضین للزراعۃ فیصح العقد علی مدۃ معلومۃ	کبھی منافع کا تعین مدت کے تعین سے ہوتا ہے جیسے مکانات اور زرعی زمینوں کا اجارہ، تو معینہ مدت جو بھی ہو اس کے مطابق عقد اجارہ جائز ہے کیونکہ مدت معلوم ہوجانے سے منافع معلوم

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] شرح الاشباہ للعلامۃ البیری

ای مدۃ کانت لان المدۃ اذاکانت معلومۃ کان قدر المنفعۃ فیہامعلوما اذاکانت المنفعۃ لاتتفاوت[1]۔	ہو جاتے ہیں جب منافع میں تفاوت نہ ہو (ت)

عنایہ میں ہے:

الظن عدم البقاء الی تلك المدۃ والظن مثل الیقین فی حق الاحکام فصارت الاجارۃ مؤبدۃ معنی والتابید یبطلہا[2]۔	اس مدت تک باقی نہ رہنے کا ظن ہے جبکہ احکام ظن مثل یقین ہے تو معنًا یہ اجارہ دائمی ہوگا اور دائمی اجارہ عقد کو باطل کردیتا ہے (ت)

چوتھی یوں حرام ہے کہ جب نہ واقف نے اجازت دی ہو نہ وقف کی اپنی کوئی ضرورت ومجبوری ہو تو زمین موقوف کو تین برس سے زیادہ پر اجارہ دینا جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

فی الاوقاف لاتجوز الاجارۃ الطویلۃ کی لایدعی المستاجر ملکہا وھی مازاد علی ثلث سنین ھو المختار[3]۔	اوقاف کا طویل اجارہ جائز نہیں تاکہ مستاجر کو دعوی ملکیت کے لئے گنجائش پیدا نہ ہو، اور طویل مدت تین سال سے زائد کا نام ہے اور یہی مختار ہے (ت)

درمختار میں ہے:

فلواجرھا المتولی اکثرلم تصح الاجارۃ وتفسخ فی کل المدۃ لان العقد اذا فسد فی بعضہ فسد فی کلہ فتاوٰی قاری الہدایۃ[4]۔	اگر متولی نے وقفی چیز کو زیادہ مدت کیلئے اجارہ پر دیا تو صحیح نہیں، اور یوں تمام مدت میں اسے فسخ قرار دیا جائے گا کیونکہ جب عقد کا بعض حصہ فاسد ہوا تو تمام مدت فسخ ہو جائیگا، فتاوٰی الہدایہ (ت)

پھر یہ حکم تو اجارہ کے تھے اور وہ جس کے لئے اس باغ کو طلب کر رہے ہیں اجارہ نہیں اغارہ ہوگا یعنی وقف کا غارت کرنا، وقفی پیڑ کاٹ ڈالنے کی اجازت کیونکر ہوگی تو یہ اجارہ تین برس درکنار ایک گھڑی کے لئے حلال نہیں ہوسکتا۔

[1] الہدایۃ کتاب الاجارات مطب یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۱
[2] العنایۃ مع فتح القدیر کتاب الاجارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/۸
[3] الہدایۃ کتاب الاجارات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۱
[4] درمختار کتاب الاجارات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۷

مسئلہ ۴۹: از ریاست رامپور مرسلہ حاجی محمد علی خاں صاحب جج ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

زید کی طرف سے وکیل نے جو خدام درگاہ غریب نواز سے ہے کمیٹی درگاہ شریف سے اجازت حاصل کرکے زید کے لئے احاطہ درگاہ معلٰی میں مسجد شاہجہانی کے جانب جنوب ایک حجرہ مع دو دالان کے اپنے صرف سے تیار کرائے بعد تیاری زید نے اس تعمیر پر قبضہ کرنے یا اس کے مصارف وکیل کو ادا کرنے سے قطعی انکار کیا اس پر عمرو نے وہ لاگت تعمیر دے کر حجرہ اور ہر دو دالان پر قبضہ کرلیا اور ایک حجرہ اور زمین وکیل خادم درگاہ کی معرفت اپنے ذاتی مصارف سے تیار کرواکر کل لاگت خادم موصوف کو باخذ رسید دے دیا اور بعد تیاری ان دو حجروں اور ہر دو دالان کو اس نیت سے وقف کردیا کہ جب کبھی بہ زمانہ عرس شریف یا غیر اوقات میں عمرو یا اس کی اولاد یا متعلقین یا احباب حاضر آستانہ ہوا کریں تو ان میں قیام کیا کریں باقی زمانہ اور اوقات میں زائران صادر وارد، یا فقراء میں سے جو چاہے مقیم ہو کر شرف سعادت حاصل کیا کریں چنانچہ عمرو نے اپنی تعمیر کا کندہ تاریخی پتھر برپیشانی حجرہ میں نصب کردیا اور سالہاسال یوم تعمیر سے اب تک عمرو اور اس کے متعلقین وغیرہ زمانہ عرس شریف وغیرہ میں وہاں قیام کیا کرتے ہیں اگر کوئی فقیر وغیرہ ان میں رہتا ہے تو ان کے آنے پر وہ فوراً خالی کردیتا ہے اب وہی خادم درگاہ عمرو کے ان حجروں میں مقیم ہونے کے مانع ہیں اس عذر پر کہ یہ مال وقف ہے عمرو کی ملکیت نہیں، فقیر جو ان حجروں میں رہتے ہیں ان سے یہ حجرے خالی نہیں ہوسکتے، عمرو یا اس کے متعلقین یہاں ٹھہرنے کے مجاز نہیں ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین سے دریافت کیا جاتا ہے کہ عمرو کا ایسا وقف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور عمرو یا اس کے متعلقین بصورت متذکرہ بالا ان حجروں میں مقیم ہوسکتے ہیں یا نہیں اور منع کرنے والے کو خواہ وہ خدام درگاہ شریف میں سے ہو یا اور کوئی فقیر یا دیگر شخص جس نے حجروں میں سکونت اختیار کی ہو اس کو حق ممانعت ہے یا نہیں اور شخص مانع ان حجروں میں متصرف اور قابض رہ سکتا ہے یا نہیں اور وہ اس کے متعلق معاملات میں دخیل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

زمین احاطہ درگاہ معلٰی عامہ زائرین واردین صادرین کے لئے وقف یا ارصاد کالوقف بہر حال محکوم باحکام الوقف ہے **کما حققه المحقق الشامی فی ردالمحتار** (جیسا کہ محقق شامی نے ردالمحتار میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) عمرو نے جو حجرہ اپنے زر خاص سے تعمیر کرایا اور جو حجرہ و دالان وکیل سے خریدے اور ان کو اسی مقصد کے لئے وقف کیا یہ وقف صحیح ہوا خادم بائع اس عمارت سے بے تعلق ہوگیا، نہ اس کو ان معاملات میں مداخلت کا کوئی حق خاص رہا،

فی الدر المختار بنی علی ارض ثم وقف البناء قصدا بدونها ان الارض	در مختار میں ہے کہ کسی نے زمین پر عمارت بنائی پھر صرف عمارت بغیر اراضی وقف کردی اگر یہ زمین

مملوکة لایصح وان موقوفة علی ماعین البناء له جاز تبعااجماعاوان الارض لجهة اخری فمختلف فیه والصحیح الصحة کمافی المنظومة المجیئة۔[1]	مملوکہ ہے تو وقف صحیح نہیں، اگر زمین عمارت کے مقاصد کے لئے وقف ہو تو عمارت بھی تبعًا وقف ہو جائیگی اور اگر زمین کسی اور مقصد کیلئے وقف ہو تو پھر مختلف فیہ ہے اور صحیح یہی ہے کہ درست ہے جیسا کہ آئندہ منظوم میں ہے۔(ت)

عمرو اور اس کے متعلقین بھی ضرور ایام حاضری بارگاہ عالی میں ان میں مقیم ہو سکتے ہیں کوئی شخص ان کو بلاوجہ شرعی اس سے منع نہیں کر سکتا کہ یہ از قبیل مسجد و مقبرہ و رباط و قنطرہ و حوض و سقایہ ہے جن سے غنی و فقیر و واقف و غیر واقف سب حسب شرط وقف متمتع ہو سکتے ہیں۔ ہندیہ میں ہے:

لافرق فی الانتفاع فی مثل هذه الاشیاء بین الغنی والفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان والرباط والشرب من السقایة والدفن فی المقبرة کذافی التبیین۔[2]	ان چیزوں سے انتفاع میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں، لہذا سرائے و رباط، سقایہ (سبیل)، تدفین (مقبرہ میں ہر ایک کو مساوی حق ہے۔

اسی میں ہے:

ولاباس بان یشرب(ای البانی) من البئر والحوض ویسقی دابته وبعیره ویتوضأمنه کمافی الظهیریة[3]۔	بطور وقف تعمیر کرنیوالے کو کنویں، حوض سے پانی پینے، اپنے جانوروں کو پلانے، وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

ہاں ان کو مسکن و موطن دوام بنانے کا نہ عمرو کو اختیار ہے نہ کسی فقیر وغیرہ کو کہ یہ زمین و عمارت دونوں کے مقصد کے خلاف ہے اور خدام درگاہ کو تو ان میں اقامت چند روزہ کی بھی صحیح نہیں کہ وہ باہر سے حاضر ہونے والوں کے لئے بنے ہیں نہ کہ مجاوروں کے لئے۔ ہندیہ میں ہے:

قال الخصاف فی وقفه اذاجعل داره	امام خصاف نے وقف کے بیان میں فرمایا

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۶

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۵

سکنی للحاج فلیس للمجاورین ان یسکنوھا کذافی الظھیریۃ[1]۔	جب کسی نے اپنا گھر حجاج کی رہائش کیلئے وقف کیا تواس میں مجاورین کو رہائش کا حق نہیں، ظہیریہ میں یونہی ہے(ت)

سوالاتِ سائل کا جواب تو ہوگیا مگر یہاں ایک ضروری امر غور طلب باقی رہا جس سے اگرچہ سائل نے تصریحًا سوال نہ کیا مگر بیان صورت میں اس سے تعرض موجود اور اس کی حاجت ضرور ہے وہ یہ کہ جس طرح غیر عمرو کو ممانعت عمرو متعلقین عمرو کا اختیار نہیں اس طرح آیا عمرو کو بھی دوسرے کے ممانعت کا اختیار ہے یا نہیں جبکہ وہ دوسرا نہ بطور سکونت بلکہ حسب شرط معلوم ایام موسم خواہ ان کے غیر میں پہلے سے مقیم ہو اور اب عمرو یا اس کے متعلقین آجائیں تو آیا بدعوی عمارت اس سے خالی کراسکتے ہیں یا نہیں، ظاہرًا اس کا جواب نفی ہے، عمرو نے اگر یہ شرط وقف میں نہ لگائی ہو جب تو ظاہر، مجرد نیت نہ مفید شرط ہے نہ اس کا دعوی مسلم۔ درمختار میں ہے:

لوقال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیۃ فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ[2] اھ۔	اگر کہے میں نے یہ نیت کی تھی تو اس کی تصدیق نہ ہوگی تاتارخانیہ، جب وقف میں یہ معاملہ ہے تو غیر وقف میں کیسے تصدیق نہ ہوگی اھ (ت)

اور اگر شرط لگائی ہو اور شرط واقف واجب الاتباع ہے اور اس کے خلاف تصرف ناجائز، اور جب تاحیات صرف اپنے نفس پر وقف جائز ہے تو اوقاتِ خاصہ میں اپنی تقدیم کی شرط بدرجہ اولٰی، مگر یہ سب اس صورت میں ہوتا کہ زمین بھی ملک عمرو ہوتی، یہاں کہ زمین اول سے عام پر وقف ہے اسے کسی وقت اپنے نفس کے لئے اسے خاص کرلینے کا اختیار نہیں عمارت اس نے وقف کی اسے اپنے لئے خاص کرسکتا اگر یہ خصوص عمارت ہی تک محدود رہتا مگر ایسا نہیں بلکہ زمین بھی ان اوقات میں اس کے لئے محصور اور عام اہل حق سے ممنوع ومحجور رہے گی بلکہ زمین ہی قیام میں اصل ہے اور عمارت تابع۔ اور زمین پر اس کو اپنی تقدیم وترجیح کا کوئی حق نہیں، نہ دوامًا نہ کسی وقت خاص کے لئے، مثلًا موقف عرفات میں کوئی شخص ایک حجرہ بنائے کہ جس سال یہ حج کو جائے دوسرا وہاں وقوف نہ کرسکے اس کی ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی۔ امام طحاوی شرح معانی الآثار پھر علامہ اتقانی غایۃ البیان شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

المسجد الحرام لایجوز لاحد ان یبتنی فیہ بناء ولاان یحتجر فیہ موضعاو	مسجد حرام میں کسی کو اپنے لئے تعمیر کی اجازت ہے نہ ہی اپنے لئے جگہ مخصوص کرنے کا حق ہے، اور یہی حکم ان تمام

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۴۶۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

کذٰلك حکم جمیع المواضع التی لایقع لاحد فیھا ملك وجمیع الناس فیھا سواء الاتری ان عرفات لو اراد رجل ان یبنی فی المکان الذی یقف فیه الناس بناء لم یکن له ذٰلك وکذٰلك منٰی لواراد ان یبنی فیھا داراکان من ذٰلك ممنوعا، وکذٰلك جاء الاثر عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وحدث باسنادہ الی عائشة رضی الله تعالٰی عنھا قال قلت یارسول الله الانتخذ لك بمنی شیئا تستظل فیه فقال یاعائشة انھا مناخ لمن سبق فھذا حکم المواضع التی فیھا الناس سواء ولاملك لاحد علیھا[1]۔	مواضع کا ہے جن میں کسی کو ملکیت کاحق نہیں اور ان میں تمام لوگ مساوی حق رکھتے ہیں کیاآپ دیکھتے نہیں کہ عرفات میں کوئی شخص مکان بنانا چاہے جو کہ لوگوں کے ٹھہرنے کے لئے ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے، اور یونہی منٰی میں کوئی مکان حویلی بنانا چاہے تو ممنوع ہے، یہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماثور ہے جس کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! کیاہم آپ کے لئے منٰی میں کوئی سایہ دار جگہ بنادیں، توآپ نے فرمایااے عائشہ! منٰی تمام لوگوں کے لئے ڈیرہ ہے جو بھی پہلے وہاں اتر جائے تو یہ ان مواضع کاحکم ہے جس میں تمام لوگوں کو برابر حق ہے اور کسی کی ملکیت نہیں ہے(ت)

تو یہ شرط خلافِ شرع ہوئی اور واقف کی جو شرط مخالف شرع مطہر ہو نامقبول و نامعتبر ہے۔ردالمحتار میں ہے:

شرائط الواقف معتبرۃ اذالم تخالف الشرع۔[2]	جب شرع کے مخالف نہ ہو تو وقف کی شرائط معتبر ہیں(ت)

اور یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ ایسی زمینیں اس کے لئے ہیں جس کا قبضہ پہلے ہوجائے اور یہاں عمرو کا قبضہ سابق ہے کہ اس کی عمارت موجود ہے جیسے کوئی شخص مسجد میں آیاایک جگہ بیٹھاپھر وضو کے لئے گیااور اپنا کپڑاوہاں چھوڑ گیادوسرا شخص اس کپڑے کو ہٹا کر وہاں نہ بیٹھے کہ کپڑے والے کاقبضہ سابق ہولیاہے، یہاں اس کا محل نہیں، جب عمارت وقف ہوچکی عمارت کا ہونااس کا قبضہ سابقہ نہیں ٹھہر سکتاکہ نفس عمارت میں بھی یہ اور سب مسلمان برابر ہوگئے معہذاایسا قبضہ تھوڑی دیر کے لئے مسلم ہوتا ہے جیسا کپڑارکھ کر وضو کو جانے میں، نہ یہ کہ مسجد میں اپنی کوئی چیز رکھ دیجئے اور وہ جگہ ہمیشہ آپ کے لئے مخصوص ہوجائے کہ جب آیئے دوسروں پر تقدیم پایئے، یہ ہرگز نہ جائز نہ مقبول۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب البیوع باب بیع ارض مکہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۴۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب شرائط الوقف معتبرۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۶۱

فی الدر المختار فی مایمنع فی المسجد تخصیص مکان لنفسه ولیس له ازعاج غیره منه ولو مدرسا[1]۔	درمختار، مسجد میں ممنوعات کے بیان میں ہے کہ اپنے لئے جگہ کو مخصوص کرنا اور وہاں سے کسی کو ہٹانا اگرچہ مدرس ہو منع ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی القنیة له فی المسجد موضع معین یواظب علیه وقد شغله غیره قال الاوزاعی له ان یزعجه ولیس له ذٰلك عندنا اھ ای لان المسجد لیس ملکا لاحد بحر عن النهایة **قلت** وینبغی تقیید بما اذا لم یقم عنه علی نیة العود بلا مهلة کما لو قام للوضوء مثلا ولاسیما اذا وضع فیه ثوبه لتحقق سبق یده تأمل وفی شرح السیر الکبیر للسرخسی وکذا کل مایکون المسلمون فیه سواء کالنزول فی الرباطات والجلوس فی المساجد للصلٰوۃ، والنزول بمنٰی او عرفات للحج حتی لو ضرب فسطاطه فی مکان کان ینزل فیه غیره فهو احق ولیس للاٰخران یحوله[2]۔	قنیہ میں ہے کہ مسجد میں کسی کی مخصوص جگہ جہاں وہ روزانہ بیٹھتا ہو وہاں کوئی دوسرا شخص مشغول ہوجائے، توامام اوزاعی نے فرمایا اگر وہ اس کو وہاں سے ہٹانا چاہے تو جائز ہے اور اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے ہمارے نزدیک اھ یعنی کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں بحر میں نہایہ سے منقول، **قلت** (میں کہتا ہوں) اس بیان کو اس بات سے مقید کرنا مناسب ہے کہ جب پہلا شخص وہاں پر فوراً واپس آنیکی نیت سے نہ اٹھا ہو جیساکہ کوئی وضو کے لئے مثلاً اٹھے خصوصاً جب وہاں اپنا کپڑا رکھ جائے یہ اس لئے کہ وہ پہلے قبضہ کرچکا ہے، غور کرو۔ اور امام سرخسی کی سیر کبیر میں ہے اور ایسے ہی ہر وہ مقام جس میں تمام مسلمان مساوی حق رکھتے ہوں، جیسا کہ سراؤں میں ٹھہرنا، نماز کے لئے مساجد میں بیٹھنا اور منٰی اور عرفات میں حج کے لئے اترنا، حتی کہ اگر کسی نے ایک جگہ وہاں خیمہ لگایا اور دوسرا شخص وہاں پہلے ٹھہر گیا تو پہلے کو یہ حق نہیں کہ اسے وہاں سے منتقل کرے الخ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ جس نے سبقت کی اور عمرو کے لئے اپنی حاجت جائزہ کے وقت خالی نہیں کرتا اس پر یہ اعتراض بھی نہیں ہوسکتا کہ حق غیر میں تصرف کررہا ہے یعنی عام حق تو زمین میں تھا اور یہ حجروں دالانوں میں ٹھہر کر عمارت کو بھی اپنے تصرف میں لایا اور وہ عمارت اصل مالک نے اس کے لئے جائز کی تھی جو خود اس کی حاجت کے سوا دوسرے وقت میں آئے اس کا جواب وہی ہے کہ عمارت اس کی ملک نہ رہی اور

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فیمن سبقت یدہ الی مباح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۵

وہ شرط کہ اس نے کی تھی خلاف شرع ہو کر نامعتبر ہوئی تو اب جس کا ہاتھ سبقت کرے وہی مقدم ہے **ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند ربی** (مجھے یہ معلوم ہوا جبکہ حقیقی علم میرے رب کو ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰: از نجیب آباد ضلع بجنور متصل تحصیل مرسلہ جناب محمد ظفر اللہ صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مال وقف مسجد پر حجن کے نام سے موسوم ہے شرعًا کسی کا دعوی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کوئی شخص یا چند شخص مل کر اپنے آپ کو ولی قرار دیتے ہوں تو وہ مالک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مال وقف پر دعوی ملک تو کسی کو نہیں ہو سکتا، ہاں دعوی تصرف متولی کو ہے، اگر متولی نہ ہو تو اہل محلّہ کو اختیار ہے، اگر انہوں نے اس شخص یا اشخاص کو متولی کر دیا ہے تو اس کو اختیار مل سکتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۱: از مقام خاص مرزاپور محلّہ چیت گنج مرسلہ حکیم احمد علی صاحب یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ایک قطعہ زمین سرکاری جو کہ جنازہ مسلمانان کے لئے وقف ہے اس میں باجازت تکیہ دار کے ایک مکان ایک دوسرے فقیر نے بنایا اور اسی میں بود و باش اختیار کرنے کے بعد چندے اس مکان کو براہ خدا وقف کر دیا وہ وقف شدہ مکان بقیمت مبلغ بیس؎ روپیہ کو وارث تکیہ نے خرید کیا مکان وقف شدہ کا روپیہ ایک مسجد جو کہ مکان سے علیحدہ اسی زمین میں تعمیر کی گئی ہے وہ روپیہ اسی مسجد میں خرچ کیا گیا اب وہ مکان تکیہ دار کے قبضہ میں ہے پھر دوبارہ وہی فقیر جس نے مکان تعمیر کیا تھا خریدنا چاہتا ہے شرع شریف سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ تکیہ وقف ہے جیسا کہ سائل بیان کرتا ہے تو نہ اس میں اس فقیر کو اپنا مکان سکونت بنانے کی اجازت تھی نہ اسمیں مسجد بنانا جائز ہے **لان الوقف لایوقف** (کیونکہ وقف شدہ دوبارہ وقف نہیں ہوتا) نہ اس مکان کی زمین کا بیچنا صحیح تھا، نہ اب اس کے یا کسی اور کے ہاتھ بیع ہو سکتی ہے **لان الوقف لایملک** (کیونکہ وقف کسی کا مملوک نہیں ہو سکتا) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ت ۵۲ تا ۵۳: بتاریخ یکم صفر روز پنجشنبہ ۱۳۳۴ھ

(۱) قبرستان میں مدرسہ یا کوئی مکان یا مسجد بنانا جائز یا نہ؟

(۲) ایک بزرگ نے ایک جگہ چند بزرگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا وہاں ایک چبوترہ بطور مسجد بنایا اور ایک مدت تک وہاں نماز پڑھی گئی اب ایک عرصہ سے وہ جگہ خراب پڑی ہے، وقف کی یا نہیں کی اس کا کچھ حال معلوم نہیں،

اب وہ جگہ کسی کو دے دی جائے کہ مکان بنائے یا مسجد بنادی جائے۔

الجواب:

(۱) قبرستان وقف میں کوئی تصرف خلاف وقف جائز نہیں، مدرسہ ہو خواہ مسجد یا کچھ اور۔ اور اگر کسی کی ملک ہے تو قبور سے الگ وہ جو چاہے بنا سکتا ہے۔

(۲) اگر تصریحاً یا دلالۃً کسی طرح وقف کرنا ثابت نہیں تو وہ زمین مالک یا اس کے ورثہ کی ملک ہے وہ جو چاہیں کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۴: از ضلع سیتاپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی ابومحمد یوسف حسن صاحب طالب علم مدرسہ مذکور ۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے جواب میں کہ زید نے اپنی اور اپنے شریک دار کے کہ جس کی جانب سے وہ کارکن اور خود بھی حصہ دار تھا اپنے مقبوضہ مواضعات معافی کی نسبت انگریزی ہونے پر محکمہ بندوبست میں درخواست دی کہ ہمارے مواضعات حسب عمل درآمد قدیم اب بھی معاف رہیں اور اس میں حسب ذیل الفاظ سے اقرار کیا:

یہ مواضعات صدہا سال سے واسطے مصارف عرس سید شاہ فلاں واقع مقام فلاں ومصارف واردین و صادرین وغرباو مساکین ومجالس محرم سلاطین ماضیہ نے بطور وقف مقرر ومعاف ومرفوع القلم کیا ہے۔ دوسرے مقام پر اپنی درخواست میں یہ الفاظ تحریر کئے ہیں امیدوار ہوں کہ دیہات، معافی بدستور بصیغہ وقف معاف ومرفوع القلم رہیں، اور اسی مقدمہ میں اجلاس پر حاکم کے روبرو بسوال حاکم بدیں الفاظ جواب تحریر کردیا۔

سوال حاکم: تمہاری معافی بعہد نواب سعادت علی خاں والی لکھنؤ کے کس سبب سے ضبط ہوئی؟

جواب: یہ معافی وقف اس واسطے ضبط نہیں ہوئی اور اسی مقدمہ تحقیقات معافی میں ایک حساب داخل کیا جس میں عبارت مسلم وقف حسب ذیل ہے، اس میں مصارف میرے اور میرے عزیزوں کے مناط قوت ان کا بھی یہی ہے اور یہ سب لوگ خدمت گزار درگاہ ہیں اور یہ معافی وقف ہے اس کارروائی پر حاکم ضلع نے مصارف کی تحقیقات کرکے سفارش معافی کی کردی اور اس سفارش پر حاکم اعلٰے صاحب کمشنر نے یہ الفاظ تحریر کئے قابض اور ان کے مورثان سب مشہور لوگ ہیں اور مزار پیشتر بہت مشہور تھا یہ مجھ کو مذہبی وقف معلوم ہوتا ہے قبضہ سالہاسال سے ہے، مسجد وامام باڑہ وخانقاہ ومسافر خانہ سب بمقام فلاں ہے اس کو سرکار سے سند معافی عطا ہوئی جس میں لفظ وقف کا نہیں تحریر ہے اور سند مطبوعہ حسب نمونہ مقررہ ہے اور تمام ایسی معافیات میں اسی طور کے اسناد اس نواح میں سرکار نے دئے ہیں، اس کے بعد بندوبست پختہ میں

حسب قاعدہ مقررہ سرکار دعوی حقیت اعلٰی مواضعات مذکور کا زید ہی نے دائر کیا اور اس درخواست میں بربنائے قبضہ سابقہ ڈگری چاہی مگر اس مقدمہ کے بیان میں بعد درخواست مذکور مالک کا لفظ استعمال کیا اور ڈگری میں بھی لفظ مالکانہ تحریر ہوگیا اس کے بعد بمقدمہ حصہ داری و تعین حصہ ہر شریک دار میں پھر یہ ظاہر کیا کہ یہ جائداد واسطے مصارف درگاہ ہے کسی حصہ دار کو اختیار انتقال کسی قسم کا نہیں بعد مصارف عرس و فواتح واردین وصادرین کے جو بچتا ہے بحصہ مساوی تقسیم ہوجاتا ہے اور آئندہ ہم لوگوں نے اقرار کنندگان کے ورثہ پر اسی طور پر ہمارے حصہ سے تقسیم ہوتا رہے گا بعدہ واجب العرض میں بھی جو بعد کارراوئی حصہ داری کے مرتب ہوئی اس میں یہ تحریر کردیا کہ یہ موضع وقف ہے، ان حالات پر ازروئے شرع شریف اس جائداد پر اطلاق وقف کا ہوگا یا نہیں؟ اور زید کے وارثوں کو اختیار انتقال اس جائداد سے ہے یا نہیں، واضح رہے، مقدمہ تعین حصہ داری و دیگر کاغذات سرکاری میں کل حصہ داران شریک دار آمدنی نے اس کو وقف تسلیم کیا ہے اور یہ اقرار کیا ہے کہ کسی کو اختیار انتقال حاصل نہیں ہے صرف درمیانی کارروائی ڈگری حقیت اعلٰی میں لفظ مالک کا استعمال ہوا ہے اس سے قبل وبعد کی کل کارروائیوں میں اقرار عدم اختیار انتقال وقف کا سب کی جانب سے ہے اور یہ خاندان اولاد حضرت پیران پیر دستگیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ سے اپنے کو منسوب کرتا ہے اور ایسے ہی بعض ملفوظات خاندانی و شجرہ جات خاندانی سے مانا گیا ہے اس خاندان کے لوگ بلالحاظ مستطیع و غیر مستطیع حسب قرار داد بندوبست جو باتفاق خود تعین حصص کرچکے ہیں اس اعتبار سے مستحق گزارہ ہیں یا مورث اعلٰی کی نسل پر ازروئے فرائض ازسرنو تعین گزارہ کا حق رکھتے ہیں اگر مستطیع کو استحقاق گزارہ بوجہ اس کی استطاعت نہ ہو تو کسی وقت بحالت نہ رہنے استطاعت کے پھر کسی سبب سے گزارہ پاسکتے ہیں اور استطاعت کا معیار کیا ہے اور کسی اولاد پر بالخصوص سادات کے کسی خاندان پر جو وقف ہو اس میں جب لوگ مستطیع ہوتے جائیں گے وہ خارج از گزارہ ہوتے جائیں گے اور پھر جب غیر مستطیع ہوجائینگے داخل ہوتے جائیں گے، اور اس کا سلسلہ کس طور سے جاری رہے گا تعین گزارہ کی نسبت کیا ہوا کرے گا۔ امید کہ جملہ امور کا جواب ازروئے فقہ حنفیّہ مرحمت فرمایا جائے اور یہ اراضی عشری ہیں اور عشر ان پر واجب ہے یا نہیں، اور فی الحال یہ مواضعات کاشت کاروں کے پاس نقدی جمع سر ہیں، جن مصارف کا ذکر اوپر تحریر کیا گیا ہے جیسے فواتح واعراس ومیلاد شریف ومحرم وخرچ واردین وصادرین تو جہاں تک مجالس واعراس وفواتح کو ذکر وتذکرہ قرآن خوانی و تقسیم طعام وغیرہ سے تعلق ہے وہ تو ظاہر ہی ہے صرف تعزیہ داری کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے ایک رواجی مقامی طریقہ ہے تو اس قدر مصرف ناجائز کے شمول سے نفس وقف پر کیا اثر ہے اور یہ فعل قابل ترک ہے، اسی طور سے اعراس میں ایک صورت بعض وقت سماع کی ہے جو سب طریقہ موسیقی وراگ ومزامیر نزد احناف حرام ہیں اور یہی سوادِ اعظم ہے البتہ محض قصیدہ خوانی یا نعت خوش الحانی سے سننا اور سنانے والے کو کچھ دینا جیسا کہ حضور انور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک حضرت حسان کو مرحمت فرمائی تھی اس کی بابت

کیا حکم ہے یہ بھی قابل ترک ایسے اوقاف سے ہے یا نہیں؟

الجواب:

ارصادات سلاطین حکم وقف میں ہیں نہ وہ موروث ہوں نہ کسی کو ان کے بیع وانتقال کا کوئی حق ہو **کما حققه فی ردالمحتار بمالامزید علیه** (جیسا کہ اس کی تحقیق ردالمحتار میں کی ہے جس پر مزید اضافہ نہیں ہوسکتا۔ت) سند معافی میں لفظ وقف نہ ہونا کچھ مضر نہیں، نہ کسی مقدمہ میں اپنے آپ کو مالک تعبیر کرنا یا گورنمنٹی ڈگری میں لفظ مالکانہ لکھا جانا کچھ اثر رکھتا ہے کہ متولی کی طرف نسبت ملک بوجہ ملک تصرف واختیار شائع ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح فی الجواب ان کانت دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[1]۔	اگر حدود اربعہ کو اپنے لئے قرار دیا پھر یہ دعوٰی کیا کہ وقف ہے، توجواب صحیح یہ ہے اگر وقف ہونے کا دعوی تولیت کی وجہ سے ہو تو دونوں باتوں میں موافقت ممکن ہے کیونکہ وقف کو متولی متصرف اور فریق بحث ہونے کے اعتبار سے عادتًا اپنی طرف منسوب کرلیتا ہے۔(ت)

موقوف علیہ کا فقیر یا غیر ہاشمی ہونا ضرور نہیں اغنیاء وسادات بھی اوقاف عامہ، رفاہ عام میں داخل ہوسکتے ہیں جیسے مسجد، مقبرہ، حوض، کنواں، سقایہ، سرائے پل وغیرہا، اور وہ ہر وقت میں بشرط واقف مثل استثناء فی المصروف بھی شامل ہوسکتے ہیں جس طرح خود اپنا نفس اور اپنی اولاد، بالجملہ وقف کا قربت موبدہ کے لئے ہونا ضرور ہے مگر تمام آمدنی قربت ہی کے لئے معین ہونا ضرور نہیں استثناء بعض علی الدوام واستثناء کل الی زمان منقطع دونوں کی گنجائش ہے اور اس کا اختیار واقف کو ہے جیسی شرط کرے گا اتباع کی جائے گی تحت قول درمختار **والتصدق بالمنفعة ولوفی الجملة**[2] (منفعت کو صدقہ قرار دینا اگرچہ کسی طرح ہو۔ت) ردالمحتار میں ہے فرمایا:

فیدخل فیه الوقف علی نفسه ثم علی الفقراء وکذا الوقف علی الاغنیاء ثم الفقراء لما فی النهر عن المحیط لو وقف علی الاغنیاء وحدهم لم یجز لانه لیس بقربة، امالوجعل اخره للفقراء فانه یکون	اس میں اپنی ذات کے لئے وقف اور بعد میں فقراء کیلئے داخل ہوگا، اسی طرح اغنیاء کیلئے پھر فقراء کیلئے وقف کی صورت بھی داخل رہے گی جیسا کہ نہر میں محیط سے منقول ہے کہ اگر صرف اغنیاء کے لئے وقف ہو تو ناجائز ہوگا کیونکہ یہ قربت نہیں ہے لیکن اگر آخر میں فقراء

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

قربۃ فی الجملۃ[1] اھ	کیلئے وقف کیا تو جائز ہوجائیگا کیونکہ یہ قربت ہے اگرچہ فی الجملہ ہے اھ (ت)

اسی میں ہے:

اذاجعل اولہ علی معینین صار کانہ استثنٰی ذٰلك من الدفع الی الفقراء کما صرحوا بہ(الی ان قال) فعلم انہ صدقۃ ابتداءً ولایخرجہ عن ذٰلك اشتراط صرفہ لمعین[2]۔	جب اولًا دو معین شخصوں کے لئے کیا تو گویا یہ فقراء کو دینے سے استثناء ہوجائے گا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ان کا یہ بیان یہاں تک ہے کہ فرمایا) تواس سے معلوم ہوا کہ یہ ابتداءً صدقہ ہے، تو معین کے لئے صرف کرنے کی شرط اس کو اس سے خارج نہ کرے گی (ت)

اسی میں فتاوٰی امام قاضی خاں سے ہے:

لوقال ارضی صدقۃ موقوفۃ علی من یحدث لی من الولد ولیس لہ ولد یصح لان قولہ صدقۃ موقوفۃ وقف علی الفقراء وذکر الولد الحادث للاستثناء کانہ قال الاان حدث لی ولد فغلتہا لہ مابقی[3]۔	اگریوں کہا میری زمین بعد میں پیدا ہونے والے میرے بچے کیلئے صدقہ ہے جبکہ اسکی اولاد نہ ہو تو وقف صحیح ہوگا کیونکہ وقف شدہ صدقہ کہنے سے فقراء کیلئے وقف ہوگیا اور بیٹے کے ذکر سے اسمیں استثناء ہوگیا، گویا یوں کہا یہ صدقہ ہے مگر اگر میرا بچہ پیدا ہو تو اس کی موجودگی تک اس کے لئے وقف کرتا ہوں۔ (ت)

سلطان واقف کی شرط اگر معلوم ہے کہ بعد مصارف خیر مذکورہ جو بچے اولاد شیخ فلاں تقسیم کرلیں توان کے فقراء واغنیاء سب اسے بحصہ مساوی لیں گے اور اگر شرط کردی ہے کہ مابقے نسل شیخ پر حسب فرائض تقسیم ہو تو حسب فرائض ہی تقسیم ہوگی اقرب ابعد کو محجوب کرے گا اور لحاظ فقر وغنا نہ ہوگا اور اگر شرط یہ کی کہ باقیماندہ خاندان شیخ کے فقراء پر تقسیم ہو تو اب ان کے اغنیاء کو کچھ نہ ملے گا اور جو غنی فقیر ہوجائے اب سے وہ بھی مستحق ہوگا سنین ماضیہ کا حصہ نہ طلب کرے گا اور جو فقیر غنی ہوجائے اب سے وہ مستحق نہ رہے گا اور سالہائے گزشتہ کا لیا ہوا واپس نہ دے گا لان العبرۃ الحال دون الماضی والاستقبال (کیونکہ اعتبار حال کا ہے ماضی یا مستقبل کا نہیں۔ت) اور اگر

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۷
[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۵۸۔۳۵۷
[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۱۴

شرائط اصل واقف پر اطلاع نہ ہو تو عملدرآمد قدیم پر نظر ہوگی زید نے جو واجب العرض میں لکھا، یا اگر اس کے مطابق ہے فبہا ورنہ اس پر اصلاً لحاظ نہ ہوگا اور قدیم پر عمل رہے گا۔ **لانہ لیس بواقف ولاالیہ تغییرہ** (کیونکہ وہ نہ واقف ہے نہ اس کو تبدیلی کا حق ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذاعلم حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوّامہ کیف یعملون فیہ والی من یصرفونہ، فیبنی علی ذٰلک، لان الظاھر انھم کانوایفعلون ذٰلک علی موافقۃ شرط الواقف وھو المظنون بحال المسلمین فیعمل علی ذٰلک، وفی انفع الوسائل ذکر فی الذخیرۃ قال سئل شیخ الاسلام عن وقف مشھور اشتبھت مصارفہ وقدرمایصرف الی مستحقیہ قال ینظر الی المعھودمن حالہ فیماسبق من الزمان من ان قوّامہ کیف یعملون۔[1]	جب ماضی میں اس کا حال معلوم ہے کہ منتظم اس میں کیا کرتے رہے اور کہاں خرچ کرتے ہیں تو اسی حال کو وقف کی بنیاد قرار دیا جائے گا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ منتظم یہ عمل واقف کی شرط کے مطابق کرتے رہے ہیں مسلمانوں کے متعلق یہی گمان کیا جاسکتا ہے تو اسی عمل کو جاری رکھا جائے گا، انفع الوسائل میں ذکر ہے کہ ذخیرہ میں ہے کہ شیخ الاسلام سے ایک مشہور وقف جس کے مصارف اور مقدار کے متعلق اشتباہ ہے، کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ گزشتہ زمانہ کا حال معلوم کیا جائے گا کہ اس کے منتظم کیسے عمل کرتے رہے ہیں۔(ت)

استطاعت کی معیار ملک نصاب زائد از حاجت اصلیہ ہے تعزیہ ومزامیر دونوں معصیت ہیں اور معصیت میں مال وقف کا صرف دوہرا احرام ہے بلکہ تین حراموں کا مجموعہ، ایک وہ معصیت دوسرے مال وقف پر تعدی تیسرے مستحق کی محرومی مگر ان مور حادثہ سے نفس وقف پر کوئی ضرر نہیں، جو متولی ان میں صرف کرے گا اس قدر کا تاوان اس پر لازم ہوگا **لانہ امین وکل امین بالتعدی ضمین** (کیونکہ وہ امین ہے اور ہر امین ناجائز تصرف پر ضامن بنتا ہے۔ت) بلکہ اگر خود سلطان واقف منجملہ مصارف مذکورہ تصریحاً تعزیہ ومزامیر کو بھی ایک مصرف مقرر کرتا کہ وقف پر جب بھی ضرر نہ تھا یہ مصرف باطل رد وساقط کرکے وہ حصہ بھی مصارف خیر ہی کیطرف مصروف ہوتا، فتح القدیر پھر ردالمحتار میں ہے:

لووقف الذمی علٰی بیعۃ فاذا خربت یکون للفقراء کان للفقراء	اگر ذمی نے مثلاً بیعہ (یہودی عبادت گاہ) کیلئے وقف کیا اور کہا جب یہ خرابہ ہوجائے تو یہ فقراء کیلئے ہی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب والوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۱

ابتداءً [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوگا تو ابتدأ ہی یہ فقراء کے لئے وقف قرار پائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۵تا۵۶: از قصبہ گوپاموٗ ضلع ہردوئی اورہ محلّہ قنوجی مسئولہ یاور حسین صاحب یوم سہ شنبہ ۷ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاجی نواب ناظر حسین خاں صاحب رئیس قصبہ گوپاموٗ نے تقریبًا دس بارہ سال سے ایک مسجد کے متعلق جو کہ ان کے مکان کے قریب محلّہ قنوجی میں واقع ہے، یہ انتظام کیاکہ زیر مسجد کی دکانیں جن کو مسجد کے منتظموں نے رہن بھی کرلیا تھااور جو رہن سے بچی ہوئی تھیں وہ بالکل مسمار ہوگئی تھیں، غرضکہ وہ دکانات مسجد مذکور جو کہ ایک دینی مدرسہ عربی کو بحیثیت وقف شامل تھیں ان کو فک رہن کرالیااور مسمار شدہ کی تعمیر کرادی، ایک مدرسہ اسلامیہ کی آمدنی سے جس کے وہ صدرانجمن ہے سب ادا کردیا دکانوں کو تعمیر کرایا پھر رفتہ رفتہ انہیں دکانوں کوآمدنی سے وہ کل روپیہ بھی ادا کردیاجب انجمن کاروپیہ اداہوگیاتوان دکانوں کو مع تحویل باقی کے اپنے چھوٹے بھائی کو جوکہ اسی مسجد میں طلبہ کو عربی پڑھاتے ہیں بطور انتظام جائداد وقف کے حوالہ کردیا حتی کہ اس آمدنی سے وقتًا فوقتًا مسجد کی درستی ہوتی رہتی ہے،اوراسی احاطہ مسجد میں بیرونی طلبہ کے لئے حجرے بھی حسب ضرورت تیار ہوتے رہے،سال گزشتہ میں ایک مولوی صاحب کو باہر سے عربی تعلیم کے لئے بلایاگیا تھاان کی نصف تنخواہ چندہ سے اور نصف اسی آمدنی مسجد سے سال بھر تک دی جایا کی، نیزاب تک چونکہ درس وتدریس کے لئے سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ نہ تھی،اورجو کتابیں طلباء کوحسب دستور دی جاتی ہیں ان کے رکھنے کے لئے بھی مکان کی ضرورت ہوئی تو ایک مکان جانب مسجد میں اس سال بھی تعمیر کرایاگیاجوان شاء اللہ مختصرًامدرسہ وکتب خانہ دونوں کاکام دے گاعلاوہ ان دکان کے کچھ خانہائے رعایاخالی کراکے اس کی زمین مسجد کو وقف کردی اور دوایک دکانیں جدید بھی بنوادیں ایک دکان منشی بقاء اللہ صاحب وکیل سرائے میران نے بھی وقف کیا،

(۱) اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ علاوہ نیت کے عملدرآمد حسب مذکورہ بالا رہا ہے توآیااس آمدنی سے مسجد اور طلباء کے لئے حجرے نیزمدرس کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرناشرعًاجائز ہوگایانہیں؟

(۲) یہ کہ انہیں نواب صاحب موصوف نے جواپنی ذاتی دکان اور تین خانہائے رعایا کو صحن بازار مسجد کی ضرورت سے برابر کراکے نیز گردوپیش کے اپنی افتادہ زمین کو اسی مد میں مدّت سے وقف کردیا ہے چنانچہ گھاس، بھوسہ، لکڑی، کنڈااور دیگر پلہ داروں سے جواس زمین کا محصول آتا ہے وہ بھی برابر مسجد میں ایک بنئے کے ذریعہ سے یکمشت جمع ہوتا رہتا ہے اور جو مدّات مذکور میں صرف ہوتا ہےاسکے متعلق (ایک ہندورئیس جس کانام لالہ بشمبر ناتھ

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۶۱

ہے اور وہ گوپامؤ سے قریب ایک موضع تہمروان میں رہتے ہیں) کا یہ بیان سنا جاتا ہے کہ چُنگی قبضہ میں ہمارے ہے لہذا یہ متفرق آمدنی ہماری ہے اس کو ہم لیں گے حالانکہ وہ اس بازار میں کسی جزءِ اراضی کے بھی مالک نہیں ہیں اور چنگی ان کی ہونا قاعدہ کے بھی بالکل خلاف ہے کیونکہ چنگی حقِ گورنمنٹ ہے، کاغذات سرکاری میں بھی چنگی کا کوئی وجود نہیں، دوسرے مالک زمین یعنی واقف کی طرف سے یہ زمین دراصل مسجد کی ہے، ایسی حالت میں آیا ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہم دامے درمے قلمے، سخنے غرض ہر مدافعانہ حیثیت سے ان کی اس ناجائز دست برد سے اگروہ کریں اس کو بچائیں یا نہیں؟ نیز اس معاملہ جو شدائد ہمیں درپیش ہوں گے بصیغہ حفظ جائداد ووقف عنداللہ ہیں اس کا اجر ملے گا یا نہیں؟ اور اگر مسلمان کثرت رائے سے اس کی کل یا جزءِ آمدنی بطور فیصلہ باہمی کے لالہ صاحب کو دینا منظور کریں تو آیا ان کا یہ فعل شرعًا صحیح اور قابل تسلیم ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اوقاف میں شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہوتی ہے اور اس میں بلاشرط واقف یا اجازت خاصہ شرعیہ کوئی تغیر تبدل جائز نہیں، مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض ادا نہیں کیا جاسکتا جو ادا کرے گا تاوان اس پر ہے مسجد کے مال سے نہیں لے سکتا مسجد پر جو جائداد واقف نے وقف کی اگر اس سے بنائے مدرسہ ومصارف مدرسہ کی اجازت دی تھی تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

(۲) صورت مذکورہ میں ضرور مسلمانوں پر فرض ہے کہ حتی المقدور ہر جائز کوشش حفظ مال وقف ودفع ظلم ظالم میں صرف کریں اور اس میں جتنا وقت یا مال ان کا خرچ ہوگا یا جو کچھ محنت کرینگے مستحق اجر ہوں گے، قال تعالٰی:

"لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ" (الٰی قولہ تعالٰی) "اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ" [1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	ان کو مشقت اور مشکل نہ پہنچے گی (الٰی قولہ تعالٰی) مگر ان کے لئے نیک عمل لکھے جائیں گے (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: از ضلع گیا، موضع پردہ چک، ڈاکخانہ شمشیر نگر، مسئولہ ابوالبرکات یوم شنبہ ۷ اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ

عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت لگائے تو اسکی ملک ہے یا نہیں؟ دوسروں کو بدون اجازت استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب:

قبرستان اگرچہ وقف ہو مگر درخت جو اس میں لگائے جائیں اگر لگانے والا تصریحًا یہ کہ بھی دے کہ میں نے

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۰

ان کو قبرستان پر وقف کیا جب بھی وقف نہ ہوں گے اور لگانے والے ہی کی ملک رہیں گے، اس کی اجازت کے بغیر دوسروں کو ان میں تصرف جائز نہیں، اور اس کو اختیار ہے کہ اس کی لکڑی کاٹے یا جو چاہے کرے بلکہ اگر ان کے سبب مقابر پر زمین تنگ کردے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ درخت کاٹ کر زمین خالی کردے **والمسئلۃ فی الھندیۃ وغیرہا** (فتاوٰی ہندیہ وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ت) **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۸: از ضلع سیتاپور قصبہ لہرپور مدرسہ اسلامیہ قاضی ابومحمد یوسف حسین صاحب بروز چہار شنبہ ۲۱صفر ۱۳۳۴ھ

وقف والے استفتاء میں ایک لفظ "**ارصادات**" کا تحریر ہے جس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے، اگر آپ کو معلوم ہوں تحریر فرمائے، غیاث میں "**رصد**" کے معنی نگاہ رکھنا نکلے اور لفظ "**ارصادات**" نہیں نکلا، "**رصد**" کی اگر جمع "**ارصادات**" لئے جائیں تو بھی اس موقع پر کام نہیں دیتے شاید لفظ تحریرات سلطانی میں کسی قسم کی تحریر کا نام ہو جیسے "**سجل**" یا "**فرمان**" وغیرہ اگر ایسا ہے تو یہ تحریر فرمایئے کہ یہ لفظ کس قسم کے اسناد کے واسطے مستعمل ہوتا ہے اصلِ موقع اس لفظ کا شاید آپ کے خیال میں نہ باقی ہو اس لئے میں ابتدائے مضمون استفتاء کا نقل کئے دیتا ہوں، ارصادات سلاطین حکم وقف میں ہیں نہ وہ موروث ہوں نہ ان کے بیع وانتقال کا کسی کو حق ہو۔

الجواب:

مولٰنا اکرمکم اللہ تعالٰی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "**ارصاد**" کے معنی نگہداشتن ہی ہیں یعنی محفوظ کردینا، سلاطین اسلام مواضع سلطنت سے جو دیہات مصارف خیر کے لئے وقف کرتے ہیں انہیں ارصاد کہتے ہیں یعنی سلطان نے انہیں محفوظ وممنوع التملیک کردیا ان کا حکم بعینہٖ مثل وقف ہے،

وانما سمیت ارصادات لان الوقف شرطہ الملك والسلاطین لایملکون مافی ولایتھم ان الملك الا للہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ان کو ارصادات اس لئے کہتے ہیں کہ وقف کی شرط ہے کہ پہلے کسی کی ملک میں ہو جبکہ سلاطین اپنی ولایت کے مالک نہیں ہوتے، ملک تو صرف اللہ تعالٰی کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۹ تا ۶۰: از کانپور محلّہ لکھنیا بازار متصل مدرسہ فیض عام مسئولہ شمس الدین محمود عرف میاں ۲۲صفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقت وفات اپنے چند قطعات زمین وقف کئے اپنی ملکیت ومترو کہ سے چھوڑے سند وقف میں یہ تحریر ہے کہ خرچ مساکین ومسافرین ومسجد کے واسطے یہ وقف کیا جاتا ہے پس مورثان متوفی جو متولی جائداد موقوفہ بھی ہیں،

(۱) اگر منجملہ قطعات زمین متذکرہ صدر کے کوئی جزو جو خراب وبیکار پڑا ہو اور اس سے کسی قسم کی آمدنی بھی نہ ہو

مسجد میں شامل کردیں۔

(۲) یا کسی جز قطعاتِ مذکور بالا میں کچھ عمارت اس غرض سے تعمیر کردیں کہ اس کی آمدنی واسطے اخراجات مسجد کے کام آئے یا کسی خاص کام متعلق مسجد کے مثلاً فرش وفروش وغیرہ متعلقہ ومملوکہ مسجد کے رکھنے یا پیش امام وموذن وغیرہ کسی خادم مسجد کی سکونت کے بکار ہو تو جائز ہے یا نہیں اور متولی پر کوئی مواخذہ شرعی تو نہ ہوگا؟

الجواب:

اگر مسجد تنگ ہو جماعت کی دقت ہوتی ہے جگہ کی حاجت ہے تو یہ زمین مسجد میں شامل کردی جائے ورنہ نہیں کہ وہ مسجد کے لئے وقف ہے نہ کہ مسجد کرلینے کے لئے۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأته [1]۔	وقف کی ہیئت کو بدلنا جائز نہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الفتح ضاق المسجد وبجنبه ارض وقف علیه او حانوت جاز ان یوخذ ویدخل فیه [2]۔	فتح میں ہے کہ مسجد تنگ ہوجائے حالانکہ اسکے پہلو میں وقف شدہ زمین یا دکان ہے جو اسی مسجد کے نام وقف ہے تو اس کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے (ت)

صورت ثانیہ حسب پابندی شرائط واقف جائز ہے مثلاً اس کی آمدنی مسجد میں صرف کرنے کے لئے وقف کی ہو تو اس غرض کے لئے اس میں عمارت بنانی جائز اور سکونت امام وغیرہ کے لئے ناجائز لان شرط الواقف کنص الشارع (کیونکہ واقف کی شرط، شارع کی نص کی طرح ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۱: از خیر آباد ضلع سیتاپور اودھ محلہ میاں سرائے درگاہ حضرت حاجی حافظ سید محمد علی صاحب ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند موضعات کو شاہان دہلی نے واسطے مصارف امور مذہبی ومدد معاش ایک خاندان کے معاف کیا تا زمان سلطنت انگلشیہ موافق نیت عطا کنندہ اس پر عملدرآمد رہا عہد سلطنت انگلشیہ زمانہ بندوبست اول میں اس معافی کی نسبت تحقیقات ہو کر معافی قدیم ثابت ہوئی اس تحقیقات میں ورثا معافی دار اول نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ مواضع قدیم سے وقف ہے لیکن اب بھی وقف نامہ یا ایسی تحریر یا حکم شاہان دہلی عطا کنندہ کی معافی کا کہ جس سے واقف کا نام یا مضمون وقف اس سے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۴

ثابت ہوسکے پیش نہیں ہوا بلکہ جو کچھ ثبوت تحریری زبانی پیش ہوا اس سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضع شاہان دہلی نے بغرض مذکور بالا معافی عطا کئے تھے، اسی بنیاد پر جو سند سرکار انگلشیہ سے عطا ہوئی وہ معافی مشروط کی عطا ہوئی، اور منجملہ شرائط سند عطائے سرکار انگلشیہ ایک یہ بھی شرط ہے کہ درصورت عدم پابندی شرائط سند یہ معافی ضبط کرلی جائیگی اور مواضع مذکورہ کے متعلق سرکار انگلشیہ سے ڈگری حق اعلیٰ بمقابلہ سرکار بحق معافی داران صادر ہوچکی ہے اور سرکار انگلشیہ اپنے حقوق مثل رقم سوائی وفیس سڑکانہ وشفاخانہ وغیرہ مثل دیگر زمینداران کے سالانہ معافی دار سے لیتی ہے اس کے بعد سے تاحال ورثاء معافی داران شرائط مندرجہ عطیہ سرکار انگلشیہ پابند رہ کر بطور مناسب اغراض معافی میں محاصل مواضع میں سے خرچ کرکے بقیہ محاصل کو اپنے مدد معاش میں صرف کرتے رہے بندوبست اول سے اس خاندان معافی داران میں حصص قائم ہوئے اور برابر وراثت جاری رہے اور ہر معافی دار کا نام کھیوٹ وکاغذات میں بطور مالک درج ہوتا رہا۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا کہ شرکاء معافی میں سے چند شرکاء نے حسب ذیل انقلاب کئے ایک معافی دار نے منجملہ اپنے حصہ کے ایک جزء کا وقف نامہ بنام اللہ میاں رجسٹری شدہ تحریر کیا ایک حصہ دار نے اپنا حصہ اپنے حقیقی بھائی کے نام ہبہ کردیا، ایک نے وقف علی الاولاد کیا، اس کے بعد واقف علی الاولاد نے عدالت مجاز میں ایک دعوی دائر کیا کہ ہبہ مواضع موقوفہ میں ان میں کارروائی منتقلات جائز نہیں ہے اور اپنے عرضی دعوی میں اپنے انتقال وقف علی الاولاد کو پوشیدہ رکھا اور ہر دو انتقالات کو ظاہر کیا اور عدم جواز کی حجت کی لہذا استصواب ہے کہ مواضع عطیہ شاہی وسرکار انگلشیہ وقف سمجھے جائیں گے یا از قبیل عطیات ومعاقبات وارصادات وغیرہ متصور ہوں گے اور کارروائی انتقالات متذکرہ بالا باطل وکالعدم سمجھی جائیں گی یا جائز متصور ہوکر آئندہ کے لئے ایسی کارروائیاں جائز رہیں گی اور اس بیان معافی داران سے جو بندوبست میں نسبت وقف ہونے جائداد کے ہوا ہے جائداد مذکورہ وقف ہوگئے یا ان کا بیان بمقابلہ نیت عطا کنندہ کے باطل وہیچ ہے اور ہبہ جائداد بصورت عطیہ ومعافی وارصاد کے قائم رہیں گے اور عطیہ وارصاد کے کیا معنی ہیں اور ان پر کیا کیا احکام جاری ہوسکتے ہیں اور کیا کیا احکام جاری نہیں ہوسکتے ہیں فقط۔

الجواب:

ارصادات وعطایا سلاطین میں زمین وآسمان کا فرق ہے جو مواضع سلاطین اپنی رعیت میں سے کسی کو جاگیر بخش دیں اسے اس کا مالک کردیں وہ عطا ہے عربی میں اسے اقطاع کہتے ہیں اور ہماری زبان میں معافی وجاگیر اور جو مواضع سلاطین اسلام مصارف خیر کے لئے تعین کردیں وہ ارصاد ہیں ان کا حکم بعینہٖ حکم وقف ہے اور بعد مصارف خیر جو کچھ بچے اس میں سے کسی قوم یا کسی شیخ کی اولاد یا کسی مزار کے خدام کی مدد معاش کرنا منافی وقف وارصاد نہیں، نہ اوقاف قدیمہ کے لئے واقف کا نام معلوم ہونا ضرور، نہ کوئی سند پیش کرنا لازم، ورنہ لاکھوں وقف خصوصًا مساجد باطل ہوجائیں، خود سائل کا بیان ہے کہ مواضع سلاطین دہلی نے مصارف امور مذہبی اور ایک خاندان کی مدد معاش کے لئے

معاف کئے اور یہ کہ تا زمان سلطنت انگلشیہ موافق نیت عطا کنندہ اس پر عملدرآمد رہا اور یہ کہ اس کے بعد سے تاحال ورثاء معافی داران اغراض معافی میں محاصل مواضع میں سے خرچ کرکے بقیہ محاصل کو اپنی مدد معاش میں صرف کرتے رہے، یہ شان وقف ہی کی ہوتی ہے، اور اگر کسی خاص شخص کو جاگیر دینی ہوتی ہے تو مصارف خیر کی قید نہ لگائی جاتی، نہ یہ کہ ان سے جو بچے وہ مدد معاش میں صرف ہو، نہ اس کے موافق قدیم سے اب تک عملدرآمد رہتا ہے تو ضرور یہ مواضع وقف ہی ہیں اور بندوبست حال میں اسمائے متولیان بخانہ ملکیت رکھنا وقف ثابت کو زائل نہ کرے گا اور یہ انتقالات جو ان بعض متولیوں نے کئے اگر اس سے مقصود وہ محاصل ہیں جو بعد مصارف خیر ان کے حصہ میں آئیں جب تو ظاہر ہے کہ اس سے اصل وقف پر کوئی حملہ نہ ہوا اگرچہ محاصل کا وقف یا قبل وصول ہبہ کرنا باطل ہے، اور اگر ان سے نفس رقبہ جائداد کا انتقال مقصود تھا تو غایت یہ کہ ان کا ظلم باطل و مردود تھا، اس سے وقف پر کیوں حرف آنے لگا، گورنمنٹ کا رقوم سوائی وغیرہ لینا بھی منافی وقف نہیں، یوں ہی بندوبست اول سے اجرائے وراثت اگر محاصل میں ہے کیا بیجا ہے اور رقبہ میں ہے تو متولیوں کا ظلم ہے بلکہ بیان سائل کہ اب تک بعد مصارف خیر جو بچتا ہے تقسیم کرتے ہیں رقبہ میں اجرائے وراثت کی خود نفی کررہا ہے، اور نہ بھی سہی تو ان کے مورثوں کا سب سے پہلا بیان کہ یہ جائداد وقف ہے، ان کے ان تصرفات کے ابطال کو کافی ہے، جائداد ملک ہو کر وقف ہوسکتی ہے مگر وقف ٹھہر کر کبھی ملک نہیں ہوسکتی اور ان کے اس بیان اول میں نیت عطا کنندہ کا کچھ خلاف نہیں بلکہ عین موافقت ہے جیسا کہ اوپر ظاہر ہوا بالجملہ شک نہیں کہ مواضع مذکورہ وقف ہیں اور ان میں کسی کو تصرفات مالکانہ یا انتقالات کا کچھ حق نہیں "وَاتَّقُوااللّٰہَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹۶﴾"[1] (اور ڈرو اللہ تعالٰی سے جس کی طرف تم اٹھائے جاؤگے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۲: از ضلع بجنور موضع چاندپور مسئولہ محمد قطب الدین ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

مخدوم مکرم و معظم دام ظلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آبادی قصبہ چاندپور میں موازی ۶ بسوائے یعنی (للعہ مہ) گز کل اراضی نمبری خسرہ ۲۴۸۲ واقع محلّہ کوئلہ موقوفہ تھی اس پر ایک دکان بنی ہوئی تھی اس کی آمدنی صرف مسجد میں آتی تھی چنانچہ بندوبست دہم یعنی ۱۸۶۷ء یا ۱۲۷۴ف میں دکان مذکورہ بخانہ مالک زمین ومالک مکان (موقوفہ) تحریر ہے اس کے کیفیت میں (دکان تصرف مسجد) تحریر ہے اس کے منتظم مولوی مجتبٰی حسن صاحب دیوبندی ساکن چاندپور تھے دکان منہدم ہوگئی اس پر ایک سہ دری بنائی گئی جو قیام مسافران اور درس گاہ کے کام آتی رہی اور مہتمم بدستور مولوی صاحب موصوف رہے اب اس سال سے مولوی صاحب مذکور نے اس کے اوپر ایک بالاخانہ تعمیر کرلیا اس کو زنانہ مکان کرلیا بیچ کا سابقہ حصہ یعنی سہ دری اپنی نشست گاہ خاص بنالی، اللہ اللہ خیر صلاّ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵ /۹۶

مولوی صاحب کہتے ہیں ہم مکان کے مالک ہیں ہمارا تعمیر کردہ ہے تمادی بارہ سال عارضی ہے وغیرہ وغیرہ اور سب چیزیں خدا کی ملکیت میں اور ہم اس کے بندے ہیں، رضامندی سے وہ چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوتے، مجبورًا عدالتانہ کارروائی کرنا ہوگی چونکہ مولوی صاحب موصوف اور ان کے بھائی مولوی مرتضٰی حسن صاحب سب مولوی ہیں (مولوی عالم فاضل ہیں) سب لوگ ان کا ادب کرتے ہیں بچتے ہیں کوئی دعوی کرنے یا مدعی بننے پر رضامند نہیں ہوتا، یہاں ہم صرف دو آدمی حق کی حمایت کرسکتے ہیں، البتہ واقعات کے بابت شہادت دے سکتے ہیں، اگر ان کو مدعی بنالیا جائے تو گواہ کون رہے سوائے اس کے نالش ہونے پر لوگوں سے توقع ہوسکتی ہے، بالفعل یہ خیال ہے کہ مولوی پر ہاتھ ڈالنا گناہ کبیرہ ہے، حتی کہ مولوی عبدالواسع صاحب و میر سجاد حسین صاحب وکلا بجنور وکیل بننے سے گریز کرتے ہیں اس قحط الرجال میں آپ پر نظر دوڑتی ہے اور گزارش کیا جاتا ہے کہ ہم کو کیا کارروائی کرنا چاہئے اور اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور اگر آپ کا نام نامی بھی زمرہ مدعیان میں شامل کردیا جائے تو نامناسب تو نہیں ہے؟ یا کسی اور شخص کا لکھا جائے؟ جیسی رائے عالی ہو کیا جائے، جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو، فقط۔

الجواب:

بحمد اللہ تعالٰی میں حکم شرعی جانتا ہوں اور وہی بتاسکتا ہوں قانون سے نہ مجھے واقفیت نہ اس کا مشورہ دے سکتا ہوں، وقف میں تصرف مالکانہ حرام ہے اور متولی جب ایسا کرے تو فرض ہے کہ اسے نکال دیں اگرچہ خود واقف ہو چہ جائے دیگر۔ درمختار میں ہے:

وینزع وجوبًا ولو الواقف، درر، فغیرہ اولٰی لو غیر مامون، بزازیہ[1]۔	لازمًا معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہی ہو، درر۔ تو بطریق اولٰی غیر کو اگر وہ معتمد علیہ نہیں، بزازیہ۔ (ت)

اور وقف کا مدعی ہر مسلمان ہوسکتا ہے او جو مدعی ہو وہی شاہد ہوسکتا ہے **لانہ لایحتاج الی الدعوی** (کیونکہ دعوی کی ضرورت نہیں۔ ت) وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وقف کو ظلم سے نجات دلائیں۔ دیوبندی عالم دین نہیں ان کے اقوال پر مطلع ہوکر انہیں عالم دین سمجھنا خود کفر ہے، علمائے حرمین شریفین نے انہیں لوگوں کے لئے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ:

من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر[2]۔	جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے تو وہ کافر ہوا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

اور بالفرض کوئی عالم بھی ہو تو اس کا ادب اس کا مقتضی نہیں ہو سکتا ہے کہ وقف اس کے دستبرد ظالمانہ میں چھوڑ دیا جائے اگرچہ عالم ہے مگر وقف پر ظالم ہے اور اس کی تخلیص فرض۔ یہ بہت اچھا عذر ہے کہ سب ملک خدا ہے اور ہم اس کے بندہ، کیا ایسا کہنے والا اپنے املاک اور اپنے ابل میں بھی ان کے لئے یہی گمان کرے گا کہ یہ سب ملک خدا ہیں اور وہ خدا کے بندے، یہ خاصہ اباحیہ کا مذہب ہے، فقیر کچہری کی لیاقت نہیں رکھتا اس سے معاف فرمایا جائے اور ہزاروں مسلمان مدعی ہو سکتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۳: مسئولہ مردمان عامہ موضع باجری تحصیل کمرواڑ ضلع انبالہ بتوسط الہ بخش درزی ساکن باجری ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ نے اپنی تمام اشیاء جس میں منجملہ دیگر اشیاء کے ایک سکنی مکان بھی ہے مسجد کے نام پر خدا کے واسطے وقف کر دیا اور سند کے لئے ایک کاغذ پر چند معزز برادران رشتہ کے دستخط کروا کر ایک کاغذ بنالیا اور یہ کام کرکے وہ عورت ایک دوسرے موضع میں اپنی لڑکی کے گھر پر جارہی اور اس کے چلے جانے کے بعد میں اس عورت کے قریبی رشتہ والوں نے اس وقف شدہ مکان کی بابت فساد شروع کر دیا کہ ہم یہ مکان مسجد کے نام نہیں دیں گے حالانکہ بیوہ کے کوئی اولاد ذکور میں سے صاحب حق نہیں ہے اور وہ اپنے مال وجائداد کی بلااشتراک غیرے خاوند کے مرنے کے بعد خود مختار مالک تھی، لہٰذا اب دریافت امر خاص یہ ہے کہ آیا کوئی شخص بیوہ کی مرضی کے خلاف کچھ کاروائی کر سکتا ہے؟ اور اگر کر سکتا ہے تو کس صورت سے؟ ورنہ ایسے بددیانت اشخاص کی کیا شرعی تعزیز ہے؟ **فقط**

الجواب:

جو شیئ اللہ عزوجل کے لئے وقف ہو گئی اس میں کسی کو دعوی نہیں پہنچتا، یہاں سوال سے ظاہر یہ ہے کہ عورت نے اپنی حالت صحت میں یہ وقف کیا تو اب کسی رشتہ دار کا اس میں مزاحمت کرنا محض ظلم و ناممسوع ہے اور یہاں کوئی کسی کو تعزیر نہیں دے سکتا، بڑی تعزیر یہ ہے کہ جس سے بات واقع ہو مسلمان اسے چھوڑ دیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: از شہر جیت پور ملک کاٹھیاوار چھوٹی چوک مسئولہ حاجی امداد احمد حامد متولی جمعہ مسجد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کا طریقہ ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے یا فوت ہوتا ہے تو اس کی جانب سے اس کے عزیز ایک یا چند قرآن پاک مسجد میں بھیجتے ہیں اس نیت سے کہ لوگ پڑھیں تاکہ ہم کو ثواب ملے، اب چونکہ جامع مسجد میں وہ بکثرت جمع ہو گئے اور بیکار رکھے ہیں جن کا انجام سوائے گلنے اور بوسیدہ ہونے کے کچھ نہیں ہے کیونکہ پڑھنے والے چند اور قرآن بکثرت جمع، تو ان کو ہدیہ کرکے وہ پیسہ مسجد کے صرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں، مسجد سے ملحق ایک مدرسہ قرآن ہے اور نیز شہر میں بھی قرآن کے مدرسے ہیں ان میں

ان قرآنوں کو متولی بھیج سکتا ہے یا نہیں نیز اگر اس شہر کے مدارس سے بچ رہیں تو دوسرے شہر کے مدارس میں بھیجے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس بھیجنے سے مصحف شریف اس مسجد پر وقف کرنا مقصود نہیں ہوتا جب تو بھیجنے والوں کو اختیار ہے وہ مصاحف ان کی ملک میں باقی ہیں جو وہ چاہیں کریں اور اگر مسجد پر وقف مقصود ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں اسے دوسری مسجد بھیج سکتے ہیں یا نہیں، جب حالت وہ ہو جو سوال مذکور میں ہے اور تقسیم کی ضرورت سمجھی جائے تو قولِ جواز پر عمل کرکے دوسری مساجد ومدارس پر تقسیم کرسکتے ہیں اس شہر کی حاجت سے زائد ہو تو دوسرے شہر کو بھی بھیج سکتے ہیں مگر انہیں ہدیہ کرکے، ان کی قیمت مسجد میں نہیں صرف کرسکتے۔ درمختار میں ہے:

وقف مصحفاً علی المسجد جاز ویقرأ فیه ولایکون محصورا علی هذا المسجد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کے نام قرآن کا وقف جائز ہے وہاں اس کی تلاوت کی جائے لیکن وہ اس مسجد کے لئے پابند نہیں ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۵: مسئولہ عبداللہ لوہار مقام چندوسی ضلع مرادآباد محلّہ سنبھل دروازہ ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ، ایک باغ (اعگہ) کے دو بھائی مسمیان خواجہ بخش وعظیم مالک تھے اور دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھی، عظیم بخش نے ایک بھتیجا لے لیا تھا مسمّٰی حسین، اور اس نے نصف باغ کا داخل خارج کاغذات سرکاری میں کرادیا عرصہ تیس سال کا ہوا اور اب تک اسی کے نام داخل خارج چلا آتا ہے اب دوسرے بھائی خواجہ بخش نے بھی باغ بیت اللہ شریف کے جاتے وقت فی سبیل اللہ وقف کردیا تھا جبکہ عظیم بخش کا انتقال ہوگیا تھا ایسی صورت میں حصہ بھتیجا حسین کو پہنچ سکتا ہے یا بھائی مالک ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ نصف باغ بلاتقسیم عظیم بخش نے بھتیجے کے نام ہبہ کردیا تھا اور عظیم بخش نے اپنے انتقال کے بعد بھائی کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑا تو وہ ہبہ جو بھتیجے کے نام تھا عظیم بخش کی موت سے باطل ہوگیا۔ درمختار موانع رجوع میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلوقبله بطل[2]۔	قبضہ دے دینے کے بعد عاقدین میں سے کسی کا فوت ہوجانا، تو اگر قبضہ دینے سے پہلے فوت ہو تو عقد باطل ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰۔۳۸۱

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع عن الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

تو کل باغ کا مالک خواجہ بخش ہوا جب اس نے وقف کردیا وقف ہوگیا اب نہ اس کا ہے نہ بھتیجے کا، خالص مِلکِ الٰہی ہے عزوجل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۶: از علی گڑھ محلّہ دہلی دروازہ تکیہ بخشی کریم اللہ صاحب مسئولہ عبدالکریم وعبدالعزیز وغیرہ ۲۱رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں عالمان دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک تکیہ اور کچھ اراضی باڑہ کے نام سے کہ جو قدیم الایام سے واسطے فاتحہ حضرت فیض اللہ شاہ صاحب اور حضرت بانام شاہ صاحب کے وقف چلی آتی ہے اور اس کے متولی اور متصرف ہمارے اجداد سے تھے اور اس کی آمدنی سے فاتحہ اور عرس ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اس میں پہلے یہ تصرف ہوا کہ اس زمین میں کچھ دکانیں بنوادیں گئیں اور پھر تکیہ کی زمین سے کچھ حصہ اشخاص کے ہاتھ بیع کردیا گیااور باڑہ کی زمین میں ایک گنج آباد کراکے اس کو رہن کردیا اب استفسار طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ بیع اور رہن اس اراضی موقوفہ کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟اور یہ تصرف کیا حکم رکھتا ہے؟اس کا جواب بحوالہ کتب بیان فرمایا جائے۔ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

وقف کے رہن وبیع ناجائز ہیں، درمختار میں ہے:

فاذاتم ولزم لایملك ولایملك ولایعار ولایرھن[1]۔	جب وقف تام اور لازم ہوجائے تو کوئی نہ اس کا مالک بنے نہ کسی کو مالک بناسکے، نہ عاریۃً دیا جائے اور نہ رہن رکھا جاسکے گا(ت)

دکانیں اگر تکیہ میں بنائی گئیں تو قطعاً ناجائز ہیں اور باڑے میں متولی نے منفعت وقف کے لئے بنوائیں اور ان میں کوئی مخالفت شرط وواقف وتغییر ہیئات وقف نہ تھی تو حرج نہیں ورنہ وہ بھی ناجائز ہیں کمانص علیه فی فتح القدیر والفتاوی الھندیة وغیرھما (جیسا کہ اس پر فتح القدیر اور فتاوی ہندیہ وغیرہما میں تصریح کردی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۷: مرسلہ چودھری رشید الدین صاحب اشرف صاحب تعلقدار وآنریری مجسٹریٹ از بیار ضلع بارہ بنکی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قاضی امیر اشرف صاحب مرحوم نے وفات پائی ان کے کاغذات سے ایک تحریر برآمد ہوئی جس کی نقل مطابق اصل شامل استفتاء ہذا ہے جو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے مگر جا بجا اس کے حواشی وغیرہ پر عبارت ان کے قلم کی لکھی ہوئی ہے آیا اس تحریر پر عملدرآمد شرعاً

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہ وقف سمجھا جائے گا یا وصیت؟اور اس کی پابندی ہر دو طریق سے کسی طریق پر ورثاء کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

یہ نہ وقف ہے نہ وصیت، نہ کوئی شیئ، نہ اسکی پابندی اصلاً کسی طرح وارث خواہ غیر پر کچھ لازم، یہ ایک وقفنامہ نامکمل کاخاکہ ہے جو نہ قلم مورث سے ہے نہ دستاویزوں کے عنوان معروف (میں کہ فلاں بن فلاں الخ) سے اس کی ابتدا، نہ اس پر کوئی شہادت، ایسا کاغذ ایک ردی پرچے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، خصوصًا اس کا ختم اس پر ہے کہ لہٰذا وقفنامہ ہذا کو تکمیل ورجسٹری کرائے دیتا ہوں تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے، فقط۔ زیادہ سے زیادہ یہ گمان ہوسکتا ہے کہ مورث نے وقف کا قصد کیا اور کسی شخص سے اس کا مسودہ کرایا اور اس میں خود ترمیم کی پھر، رائے نہ ہوئی اور اسے موقوف رکھا و لہٰذا تکمیل نہ کی، نہ رجسٹری کرائی۔ یہ اگر ہو بھی تو اس قدر سے کچھ نہیں ہوتا کہ ایک ارادہ تھا جو ہو کر رہ گیا، یہ بھی بفرض تسلیم ہے ورنہ ثابت اس قدر بھی نہیں کہ یہ کاغذ مورث نے لکھوایا یا مورث کی رائے سے لکھا گیا، حواشی پر قلم مورث سے کچھ لکھا معلوم ہونا کوئی دلیل نہیں خط خط کے مشابہ ہوتا ہے، بہر حال وہ ایک مہمل کاغذ ہے جس کا کچھ اثر نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضین[1]۔	خط پر اعتماد نہ کیا جائے اور وقف نامہ جو گزشتہ قاضی حضرات کے اس پر خطوط لکھے ہوئے ہیں ان پر عمل نہ کیا جائے گا۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

کتاب الوقف انما ھو کاغذ بہ خط وھو لایعتمد علیہ ولایعمل بہ کما صرح بہ کثیر من علمائنا[2]۔	وقف کی کتاب، وہ ایک کاغذ ہے اس پر خط ہے جو قابل اعتماد نہیں اور نہ اس پر عمل جائز ہے جیسا کہ ہمارے اکثر علماء نے اس پر تصریح کی ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذاکان مصدرا معنونًا فکالنطق اذااعترف ان الخط خطہ بخلاف ما اذا	جب ابتداء میں عنوان قائم کیا گیا ہو تو پھر زبانی گفتگو کی طرح ہوگا جب یہ اعتراف بھی ہو کہ یہ میرا خط ہے

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ، کتاب الوقف ۱/ ۱۱۰ و کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار ۲/ ۲۰

لم یکن مصدرا معنونا وھذا ذکروہ فی الاخرس وذکر فی الکفایۃ اٰخر الکتاب عن الشامی ان الصحیح مثل الاخرس فاذاکان مستبینا مرسوما وثبت ذٰلك باقرارہ او ببینۃ فھو کالخطاب اھ والمعنون لحاضر اذا کتب علی وجه الصکوك یقول فلان الفلانی [1] الخ اھ ملتقطا واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	بخلاف اس کے کہ وہ عنوان سے شروع نہ کیا ہو، اس کو انہوں نے گونگے کے متعلق ذکر کیا ہے، اور کفایہ میں کتاب الوقف کے آخر میں علامہ شامی سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا کہ صحیح بھی گونگے کی طرح ہے کہ جب اس کی تحریر واضح ہو اور معنون لکھی گئی ہو اور اسکے اقرار یا گواہی سے ثابت ہو تو وہ خطاب کی طرح ہے اھ، معنون کسی مخاطب کے نام ہو اور چیک کی لکھائی ہو اور یوں لکھے فلاں جو فلاں ہے، الخ اھ ملتقطا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۸: از بمبئی مرسلہ قاضی شریف عبداللطیف صاحب قاضی بمبئی ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامدا ومصلیا

ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے علمائے کرام! آپ کا کیا فرمان ہے کہ۔ت) قاضی شریف عبداللطیف صاحب مرحوم مغفور ۱۸۵۰ء میں بمقام شولاپور منجانب حکومت مفتی مقرر کئے گئے ۱۸۵۶ء میں بمقام رتنا گری اسی عہدہ پر منتقل ہوگئے اسی عرصہ میں محکمہ افتاء کے لئے کتابوں کا ذخیرہ جماعت المسلمین کی جانب سے مہیا کردیا گیا من بعد ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ نے عہدہ مفتی موقوف کرکے صاحب موصوف کی پنشن مقرر کردی جو ان کے حین حیات تک جاری رہی ۱۸۶۶ء میں بمبئی کے جماعت المسلمین کے اہل حل وعقد ورؤسا نے بالاتفاق ان ذات ستودہ صفات کو عہدہ قضا سپرد کیا، کتب خانہ محکمہ افتاء رتنا گری بھی وہاں کے اکابر واصاغر مسلمین کی اجازت سے بمبئی منتقل ہوگیا بلکہ یہاں کے بزرگان اسلام نے اس کی مزید تکمیل فرمائی، آج تک وہ کتب خانہ عطیہ قوم دار القضا کے متعلق سمجھا جاتا ہے اس صورت سے کہ جو شخص مسند قضا پر متمکن ہوتا ہے اس کے قبض وتصرف اور نگرانی میں بطور امانت رہتا ہے، قاضی کو اس میں کسی قسم کی کمی کرنے یا کسی کتاب کے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے، البتہ حسب ضرورت قومی پیسہ سے یا محکمہ قضاء کی آمد سے اضافہ کرسکتے بلکہ کرتے رہتے ہیں، قاضی شریف عبداللطیف مرحوم ومغفور کے رحلت فرمانے کے بعد ان کا تمام ترکہ ورثہ میں تقسیم ہوا مگر کتب خانہ منجملہ عطایائے قوم مخصوص برائے مسند قضا ناقابل التقسیم قرار دیا گیا قاضی صاحب مرحوم کے بعد ان کے چھوٹے صاحبزادے جناب شریف محمد صالح صاحب حسب استرضائے ارباب حل وعقد جماعت المسلمین بمبئی قضاء پر متمکن ہوئے اور کتب خانہ ان کی نگرانی میں رہا، ۱۳۳۶ھ میں انہوں نے بھی رحلت

[1] ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۳

فرمائی اور بجائے ان کے جناب شریف عبداللطیف صاحب (ان کے فرزند اکبر) کے سپرد محکمہ قضا اور اس کے متعلق کتب خانہ کیا گیا، پس دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ یہ کتب خانہ جو دارالقضا کے متعلق ہے اور عطیہ قوم وہ بھی مثل دیگر مال متروکہ کے ورثہ میں تقسیم ہوگا یا حسب دستور سابق محفوظ ومامون ان قاضی صاحب کے پاس رہے گا جو فی الحال خدمت قضا انجام دے رہے ہیں۔

الجواب:

جبکہ وہ کتابیں جماعت مسلمین محکمہ افتاء یا دارالقضا کے لئے جمع کیں قاضی کو ان کا مالک نہ کیا جیسا کہ تعامل مذکور سوال سے واضح ہے تو ورثہ قاضی کے ان میں کوئی حق وراثت نہیں اگر جماعت نے وقف کیں تو ظاہر اور نہ کیں تو ملک جماعت ہیں یا نفاذ شراء علی المشتری کی صورت میں ملک مشتری اور وہ زر جماعت کا ضامن ہے بہر حال ملک قاضی نہیں، غیر قاضی نے جو کتابیں جماعت کے لئے خریدیں ان میں نفاذ علی المشتری کی صورت یہاں نادر ہے ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الوقف میں مبین کیا ہے کہ زرِ چندہ چندہ دہندوں کی ملک پر رہتا ہے اور ان کی اجازت سے صرف ہوتا ہے خریداری کتب اگر اہل جماعت نے خود نہ کی تو معہود یہ ہے کہ دوسرا ان کے امر سے کرتا ہے ثمن ان کے روپے سے ادا کیا جاتا ہے جو انہوں نے خریداری کے لئے پہلے دے دیا بعد خریداری ادا کیا اس صورت میں اس مشتری کے مالک کتب ہونے کے لئے یہ درکار کہ:

اولاً: جماعت نے اسے کسی کتاب معین مشخص کے شراء کا وکیل نہ کیا ہو، یعنی کسی جلد خاص کی نسبت کہ بعینہٖ یہ جلد خرید دے (یہ کہنا کہ ہدایہ یا فلاں مطبع کی ہدایہ یا فلان دکان سے مصری چھاپے کی ہدایہ یہ شے معین کے لئے توکیل نہیں جبکہ اس دکان پر مصری طبع کے متعدد نسخے ہدایہ ہوں) کہ اس صورت میں وہ غیبت جماعت میں اسے اپنے لئے خرید ہی نہیں سکتا،

حیث لم یکن مخالفا دفعا للغرر درمختار[1]، وبین المخالفة فی البحر، ولان فیه عزل نفسه فلا یملکه علی ما قیل الابمحضر من الموکل[2] ردالمحتار عن الباقانی عن الهدایة۔	جب مخالف نہ ہو، تاکہ دھوکا کا احتمال نہ ہو، درمختار، اور مخالفت کو بحر میں بیان کیا، اور اس لئے کہ اس میں اپنے آپ کو معزول ہونا ہے جس کا وہ اپنے موکل کی حاضری کے بغیر مالک نہیں، ردالمحتار نے باقانی سے بحوالہ ہدایہ نقل کیا۔

ثانیاً: عقد ایجاب میں جماعت کی طرف مضاف نہ ہو مثلاً اس نے بائع سے کہا یہ کتاب میں نے تجھ سے جماعت

---

[1] درمختار باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۵

[2] ردالمحتار باب الوکالۃ بالبیع والشراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۰۴

کی طرف سے خریدی اس نے کہامیں نے بیچی یا اس نے کہامیں نے یہ کتاب جماعت کے ہاتھ بیع کی اس نے کہامیں نے خریدی کہ اس صورت میں نفس عقد جماعت ہی کے لئے ہوگااور مشتری پر نافذ نہیں ہوسکتا۔

علی ماحققنا صورة بتفا صیلها فی کتاب البیوع من فتاوٰنا فی تحریر حافل کامل سمیناہ "عطیة النبی فی الاشتراء للاجنبی" بمالایوجد فی غیرہ وباللہ التوفیق۔	جو ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب البیوع میں اس کی تفصیلی صورتوں کی تحقیق کی ہے وہ جامع کامل تحریر ہے ہم نے اس کا نام "عطیة النبی فی الاشتراء للاجنبی" رکھا ہے، یہ تحقیق اس کے غیر میں نہیں ملے گی، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ (ت)

ثالثًا: عقد کو مال جماعت کی طرف بھی مضاف نہ کرے فقط جماعت کا روپیہ دکھا کر کہا اس روپے کی فلاں فلاں کتاب تجھ سے خریدی۔

رابعًا: خریداری میں جماعت کے لئے خرید نے کی نیت نہ کرے ورنہ وہ دیانةً علی الاطلاق جماعت ہی کے لئے ہے۔

خامسًا: قیمت میں مال جماعت نہ دے ورنہ وہ جماعت ہی کے لئے ٹھہریں گی اگرچہ اپنے لئے خریداری کی نیت بتائے،

وتفصیله ذٰلك فی البحر ولخصناہ فی جدالممتار بقولی وبالجملة اذاکان وکیلاً بشراء شیئ لابعینه فالاضافة قاضیة فان لم توجد فالنیة فان لم توجد فللعاقد عند محمد ان سلم الاٰمر ایضا عدم النیة وان قابل بل نوی لی حکم النفقد کما لوتخالفا فیها وعند ابی یوسف یحکم النقد فی الوجھین وھو الراجح قدمه قاضیخان واٰخر دلیله فی الهدایة فتحصل ان الحکم للاضافة فان لم توجد فللنیة فان لم توجد اوتکاذبا فیها فللنقد[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی تفصیل بحر میں ہے، ہم نے جدالممتار میں اپنے اس قول کے ساتھ اس کی تلخیص کی ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی غیر معین چیز کی خریداری کا وکیل ہو تو وہاں نسبت فیصل بنے گی اگر نسبت نہ ہو تو پھر نیت پر فیصلہ ہوگا اگر نیت بھی نہ ہو تو پھر خریدار کی نیت معتبر ہے جب آمر تسلیم کرلے کہ میرے لئے نیت نہ تھی اور اگر کہے خریدار وکیل نے میرے لئے نیت کرکے خریدا ہے تو صرف ایسی صورت میں امام محمد کے ہاں مروج سکے پر فیصلہ ہوگااور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے ہاں دونوں صورتوں میں سکے کو فیصل قرار دیا جائے گااور یہی راجح ہے، قاضی خاں نے اسے پہلے ذکر کیا اور ہدایہ میں اسکی دلیل کو بعد میں ذکر فرمایا۔ تو حاصل یہ ہوا کہ اضافت پر حکم ہوگا ورنہ نیت پر، اگر نیت نہ ہو یا

[1] جدالممتار حاشیہ ردالمحتار

دونوں اختلاف کریں تو پھر نقد پر فیصلہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

یہاں اگرچہ نفاذ علی المشتری سے تین مانع اول کثیر الوقوع نہیں مگر خامس ہی غالب ہے اور کتابیں لاکر سپرد جماعت یا داخل کتب خانہ افتاء وقضاء کرنا رابع پر شاہد۔ یونہی وہ کتابیں کہ قاضی نے قومی پیسے یا آمدنی دار القضاء سے خریدیں یہاں بھی ظاہر عبارت سوال یہ ہے کہ قاضی نے اپنے مال سے نہ خریدیں اگرچہ اس کی تنخواہ بھی اسی پیسے یا آمدنی سے ہوتی ہو مگر عبارت اس سے ساکت ہے کہ قاضی کا شراء بھی بامر جماعت تھا یا بطور خود۔ اگر صورت اولٰی ہے کہ قاضی نے اس مال سے کتابیں بامر جماعت خرید کر داخل کتب خانہ مذکورہ کیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ وقف یا ملک جماعت ہوئیں کہ اب قاضی وہ مشتری ہے جس میں وجہ رابع وخامس مانع تملک ہیں، اور اگر صورت ثانیہ ہے تو اب مانع نفاذ صرف وقت ایجاب بیع میں اضافت بجماعت ہونا ہے وبس۔ اگر یہ اضافت نہ ہو تو ایجاب میں مشتری کی طرف اضافت صراحۃً دلالۃً سے چارہ نہیں ورنہ بیع ہی نہ ہوگی، تجنیس ناصری وتاتارخانیہ وہندیہ میں ہے:

لوقال من فروختم ایں بندہ بہزار درم توخریدی فقال مجیبا لہ خریدم تم البیع، امالوقال من فروختم ایں بندہ رابہزار درم فقال المشتری خریدم ولم یزد علی ھذا لایکون بیعا لعدم الاضافۃ[1] اھ اقول: ای اذا لم تجر بینھما المساومۃ والا کفی بھا دلالۃ کقولہ ھٰھنا توخریدی فانہ ایضالیس باضافۃ فی الایجاب انما فیہ دلالۃ علیھا وذٰلک اعنی الاکتفاء بدلالۃ الاستیام کما فی تجنیس الامام صاحب الھدایۃ ثم الفتح لو قال لاٰخر بعد ماجری بینھما مقدمات البیع بعت ھذا بالف ولم یقل	اگر کہا میں یہ غلام ہزار درم میں فروخت کرتا ہوں تو خریدیگا تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے خریدا تو بیع تام ہوجائے گی۔ لیکن اگر یوں کہا میں یہ غلام ہزار درم میں فروخت کرتا ہوں تو دوسرے نے کہا میں نے خریدا اھ، اور اس پر کوئی زائد بات نہ کی تو بیع نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں خریدنے کی نسبت اس غلام کی طرف نہ ہوئی اھ اقول: (میں کہتا ہوں) یہ اس صورت میں ہے کہ جب پہلے اس غلام کے متعلق سودے کا ذکر نہ ہو، ورنہ یہی نسبت کافی ہے جو دلالۃً موجود ہے جیسا کہ یہاں بھی ایجاب یعنی "توخریدی" میں نسبت مذکور نہیں اس میں صرف دلالۃً نسبت ہے، اور یہ یعنی بھاؤ لگانا نسبت کے لئے کافی ہے جیساکہ صاحب ہدایہ سے تجنیس میں پھر فتح میں ہے کہ ایک نے دوسرے کو کہا میں نے یہ ہزار میں فروخت کیا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۳ /۵

منك وقال الاٰخر اشتریت صح ولزم اھ[1]۔	اور"تجھ سے"نہ کہا،اور دوسرے نے کہا میں نے خریدا، جبکہ دونوں میں پہلے بیع کے مقدمات (بھاؤ وغیرہ) ہوچکے ہوں تو بیع صحیح اور لازم ہوجائے گی اھ (ت)

اور جب ایجاب میں مشتری غیر مامور کی طرف اضافت ہے اگرچہ اسی قدر کہ اول قول اسی نے کیا تو بیع اسی کے حق میں نافذ ہوگئی لان الشراء متی وجد نفاذًا علی المشتری نفذ (کیونکہ جب خریداری شیئ پر نافذ کرتے پائی جائے تو وہ مشتری پر نافذ ہوجاتی ہے۔ت) عام ازیں کہ قبول میں بھی اسی مشتری کی طرف اضافت ہو مثلاً بائع کہے میں نے تیرے ہاتھ بیع کیں یا یہ کہے میں نے اپنے لئے خریدیں یا پہلے یہ کہے پھر وہ خواہ قبول میں کسی طرف اضافت نہ ہو، مثلاً بائع کہے میں نے تیرے ہاتھ بیچیں یہ کہے میں نے لیں یا قبول کیں، یا کہے میں نے اپنے لئے خریدیں وہ کہے میں نے دیں یا بیچیں خواہ قبول میں جماعت کی طرف اضافت محتملہ قابل تاویل ہو جو عقد کو جماعت کے حق میں متعین نہ کردے کہ اس صورت میں بوجہ اختلاف ایجاب وقبول بیع ہی باطل ہوگی جیسے وہ کہے میں نے تیرے ہاتھ بیع کیں یہ کہے میں نے جماعت کی طرف سے قبول کیں، خانیہ میں ہے:

لوقال الفضولی اشتریت ھذالفلان بکذا اوقال البائع بعت منك الصحیح انہ باطل[2]۔	اگر فضولی نے کہا یہ میں نے فلاں کے لئے خریدا، اور بائع نے کہا میں نے تجھے فروخت کیا، تو صحیح یہ ہے کہ بیع باطل ہوگی۔(ت)

بلکہ صورت یہ ہو کہ مثلاً وہ کہے میں نے تیرے ہاتھ بیچیں، یہ اس نے ایجابًا کہا، اب یہ قبول میں کہے میں نے جماعت کے واسطے خریدیں کہ واسطہ لحاظ وخاطر وتمتع بہت معانی کو محتمل ہے۔ عنایہ وفتح میں ہے:

ان قال اشتریت منك ھذاالعین لاجل فلان فقال بعت او قال المالك بعت منك ھذاالعین لاجل فلان فقال اشتریت لایتوقف علی اجازۃ فلان لانہ وجد نفاذًا علی المشتری حیث اضیف الیہ ظاھرا فلاحاجۃ الی الایقاف علی رضاالغیر وقولہ لاجل فلان یحتمل لاجل رضاہ وشفاعتہ وغیر ذٰلک[3]۔	اگر فضولی کہے میں نے تجھ سے یہ چیز فلاں کے لئے خریدی اور بائع نے کہا میں نے فروخت کی، یایوں کہ مالک کہے میں نے یہ چیز تجھے فلاں کے لئے فروخت کی تو یہ جواب میں کہے میں نے خریدی، تو بیع موقوف نہ ہوگی، کیونکہ جب صراحتًا خریدار پر بیع کا نفاذ کیا جارہا ہے تو اب اس کی اجازت اور رضا پر موقوف رکھنے کی ضرورت نہیں، اور بیع میں، فلاں کے لئے، کو فلاں کو سفارش پر محمول کیا جائیگا۔(ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[3] العنایۃ مع فتح القدیر کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۹۱، فتح القدیر کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۹۰

اس مسئلہ کی تحقیق بازغ وتنقیح بالغ ہمارے اسی رسالہ "عطیۃ النبی فی الشراء للاجنبی ۱۳۳۶ھ" میں ہے اس تقدیر پر قاضی کے دل میں وقت شراء جماعت کے لئے خریدنے کی نیت ہونی یا قیمت مال جماعت سے ادا کرنی کچھ مانع نفاذ علی المشتری نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لواشتری لغیرہ نفذ علیه اذا لم یضفه الی غیرہ[1]۔	اگر غیر کے لئے خریدی تو اس پر نافذ ہوجائیگی جب بائع نے فروخت کرنے کی غیر کی طرف نسبت نہ کی ہو(ت)

فتاوٰی امام قاضی خان وخزانۃ المفتین ووجیز امام کردری میں ہے:

یقول المالك بعت ھذا منك بکذافقال الفضولی قبلت اواشتریت ونوی الشراء لفلان فان الشراء ینفذ علیه ولا یتوقف[2]۔	مالک کہے میں نے تجھے یہ چیز فلاں رقم پر فروخت کی اور جواب میں فضولی کہے میں نے قبول کی یا خریدی اور نیت فلاں غیر شخص کے لئے خریداری کی کی، تو یہ خریداری اس فلاں کیلئے نافذ ہوجائیگی اور موقوف نہ ہوگی(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[3]۔	والد کے مال سے خریداری ہو تو یہ لازم نہیں کہ خریدی ہوئی چیز والد کی ہوگی(ت)

اس صورت میں اگر کتب خانہ وقف ہے تو قاضی کا کتاب خرید کر اس میں داخل کردینا وقف کرنا ہی سمجھا جائیگا کہ اس کے لئے دلالت کافی ہے تصریحاً زبان سے لفظ وقف کہنا ضرور نہیں جس طرح لوگ مسجد میں لوٹے چٹائیاں رکھ جاتے ہیں اور اگر وقف نہیں اور یہ کتابیں قاضی نے خرید کر جماعت کو دے دیں تو اب ملک جماعت ہوگئیں کہ یہ دینا نہ عاریۃً تھا، نہ بالمعاوضہ، تو ہبہ قرار پائے گا اور بعد قبضہ مفید ملک ہوگا،

قال فی ردالمحتار نفذ علی المشتری فان دفع المشتری الیه واخذ الثمن کان بیعا بالتعاطی بینھما[4] اھ وکتبت علیه اقول: یعنی اذا	ردالمحتار میں فرمایا خریدار پر بیع نافذ ہوجائے گی تو اگر خریدار نے اس کو دے کر قیمت وصول کرلی تو یہ دونوں میں بیع بالتعاطی (عملی لین دین) ہوگی اھ اقول: (میں

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

کان الدفع علی جھۃ البیع کما قید بہ فی الھدایۃ والدر المختار من الوکالۃ اما اذا دفع الیہ مجانا یکون ھبۃ کمن اشتری ثوبا وقطعہ قمیصا لتلمیذہ وسلمہ الیہ مبلکہ التلمیذ کما سیأتی فی الھبۃ[1]۔	کہتا ہوں) یہ جب ہے کہ دینا بیع کے طور پر ہو جیسا کہ اس قید کا ذکر، ہدایہ اور درمختار کے وکالت کے باب میں ہے، لیکن اگر یہ دستی دینا بطور مفت ہو تو ہبہ قرار پائے گا جیسا کہ کوئی کپڑا خرید کر شاگرد کے لئے قمیص بنائے اور پھر شاگرد کے ہاتھ سونپ دے تو شاگرد مالک ہوجائیگا جیسا کہ ہبہ کے باب میں آئے گا۔(ت)

اقول: مگر یہ اس وقت ہے کہ قاضی جانے کہ یہ شراء مجھ پر نافذ اور کتاب کا مالک میں ہوا ہوں ورنہ غلط فہمی کی حالت میں اس کا اپنی ملک سے اخراج کا قصد متحقق نہیں ہوسکتا کہ اپنے آپ کو مالک ہی نہ سمجھا تھا،

ولاعبرۃ بالظن البین خطؤہ[2] اشباہ ومن رفع شیئا ظانا انہ علیہ ثم بان انہ لم یکن علیہ یستردہ[3] کما افادہ فی الخیریۃ والعقود الدریۃ۔	گمان کا غلط ہونا واضح ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اشباہ، اور کسی نے کوئی چیز اس گمان سے دی کہ اس کے ذمہ ادائیگی ضرور تھی، پھر معلوم ہوا کہ ایسا نہیں تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ خیریہ اور عقود دریہ نے یہ فائدہ بیان کیا۔(ت)

قنیہ وہندیہ میں ہے:

ینبغی ان یحفظ ھذا فقد ابتلی بہ العامۃ والخاصۃ یستعینون بالناس فی الاحتطاب والاحتشاش فیثبت الملك للاعوان فیھا ولایعلم الکل بھا فینفقونھا قبل الاستیھاب بطریقہ او الاذن فیجب علیھم مثلھا او قیمتھا وھم لایشعرون[4] اھ وعدم الاذن فیما ذکر وان کان لنا فیہ	اس فائدہ کو یاد رکھنا چاہئے، لوگ عام وخاص اس میں مبتلا ہیں کہ لوگوں سے لکڑی اور گھاس وغیرہ کاٹنے میں مدد لیتے ہیں حالانکہ مدد کرنے والوں کی ان چیزوں میں ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور لوگوں کو علم نہ ہونے کی بناپر وہ مددگار کی ان چیزوں کا ہبہ اور اجازت حاصل کئے بغیر صرف کرلیتے ہیں تو ان پر ان چیزوں یا ان کی قیمت کا واپس کرنا لازم ہوتا ہے حالانکہ ان کو اس کا علم تک نہیں ہوتا اھ، متذکرہ صورت میں اجازت نہ ہونا، اگرچہ ہمیں اس میں

---

[1] جدالممتار حاشیۃ ردالمحتار

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۳

[3] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ۱/ ۹۱ وکتاب المداینات ۲/ ۳۴۹

[4] فتاوٰی ہندیۃ، کتاب الاجارۃ، الباب السادس، نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۱

کلام بیناہ فی رسالتنا "عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی ۱۳۳۴ھ" لکنه لایجدی ههنا لان الاذن یطلق التصرف ویسقط الضمان لکن لایسقط ملك المالك وفیه الکلام ھنا۔	کلام ہے جس کو ہم نے اپنے رسالہ "عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی" میں بیان کیا ہے لیکن یہاں اس کا فائدہ نہیں، کیونکہ اجازت تصرف کو جائز اور ضمان کو ساقط کرتا ہے لیکن مالک کی ملکیت کو ختم نہیں کرتی جبکہ یہاں کلام اسی میں ہے (ت)

اسی طرح اگر قاضی نے جماعت کو نہ دیں بلکہ کتب خانہ غیر وقفی میں آپ داخل کردیں اگرچہ اپنی ملک بھی جانتا ہو جب بھی اس کی ملک سے خارج نہ ہوں گی پرائے مال میں اپنا مال رکھ دینا ملک زائل نہیں کرتا، بالجملہ صرف یہ دو صورتیں ایسی نکلیں گی جن میں بعض کتب خریدہ قاضی ملک قاضی میں رہیں مگر ازانجا کہ ثمن دوسرے کے مال سے دیا ہے اس کا تاوان ذمہ قاضی رہا جن کتابوں کی نسبت یہ صورت ثابت ہو وارثان قاضی انہیں لیں اور جو قیمت ان کی قاضی نے قومی پیسے یا دار القضا کی آمد سے ادا کی وہ واپس دیں **ھذا ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی** (مجھے یہ معلوم ہوا ہے جبکہ حقیقی علم میرے رب کے ہاں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ
جوالُ العلوّلتبیّن الخلو ۱۳۳۶ھ
(مسئلہ خلو کی وضاحت کے لئے بُلندی کی گردش)

مسئلہ ۶۹تا۷۳: از قصبہ لاہر پور ضلع سیتاپور بمکان سید شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ وجد الحسن صاحب ۲۰ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) اوقاف میں کسی شخص کو کچھ اراضی بطور خلو جس کا ذکر شامی ج ۴ کتاب البیوع بحث خلوالحوانیت میں ہے زر پیشگی لے کر اس شرط پر دینا کہ وہ اجر مثل سال بسال اپنے زر پیشگی میں محسوب کرتا رہے جائز ہے یا ناجائز، اور واضح رہے کہ اس حصہ اراضی موقوفہ کا لگان سالانہ جس موقوف علیہ کے واسطے مخصوص ہے اس نے اپنی ضرورت کے واسطے زر پیشگی لیا ہے اور اسی نے زر پیشگی لینے والے سے معاملت خلو کی ہے اور اس موقوف علیہ کو اس حصہ موقوفہ پر حق متولیانہ بھی حاصل ہے۔

(۲) صاحب خلو کو یعنی جس کو ایسی اراضی دی گئی ہو اراضی کا لگان یعنی اجر مثل ادا کرکے جو منافع اس اجر مثل سے زائد ہو، لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر صاحب خلو خود اپنی کاشت کرکے یا اپنی کوشش سے اجر مثل کی آمدنی سے زائد آمدنی اراضی مذکور کرکے

اپنے مقابضت خلو کے زمانہ میں بڑھادے تو اس اضافہ کا صاحب خلو مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) نمبر ۲ و نمبر ۳ کی صورت بظاہر رہن دخلی کی سی ہے اور رہن دخلی کا منافع سود ہے، پس خلو اور رہن دخلی میں کیا فرق ہوا اور جواز خلو کی کیا صورت ہے اور نفس خلو کون سا معاملہ ہے اور اس کی کیا تعریف ہے؟

(۵) ایک وقف قدیمہ مشہورہ خاندانی میں اہل خاندان موقوف علیہم و متولیان نے ضرورت مصارف ضروریہ وقفی پر آمدنی وقف موجود نہ ہونے کی حالت میں اور مہاجنان سے بوجہ وقف قرضہ نہ ملنے کی وجہ سے اکثر اوقات یہ کیا کہ بعض حصص اراضیات وقف کو زر پیشگی لے کر زر مذکور دینے والے کے قبضہ میں دے دی اور دستاویز ٹھیکہ نامہ لکھ دی کہ اس قدر سالانہ لگان اس اراضی کا ٹھیکہ دار اپنے زر پیشگی میں مجرا اور بعد وصول کل زر پیشگی مذکور ایک حصہ میعاد پر وہ اراضی صاحب خلو سے واپس ہو کر متولیان و موقوف علیہم کے قبضہ میں آگئی، اس کارروائی سے منکرین وقف عدم وقف کا استدلال کرتے ہیں، یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں اور معاملت ٹھیکہ داری مذکور معاملت خلو سے سمجھی جائے گی یا اس کے علاوہ ناجائز سمجھی جائے گی اور ان واقعات اور ارتکاب سے وقف کالعدم ہو جائے گا یا باقی رہے گا اور ایسے فعل کا مرتکب قابل تولیت رہے گا یا نہیں، اگر کسی کے مورث نے یہ فعل کیا ہو تو اس کا وارث تولیت پائے گا یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للہ الذی لا خلو لشیئ من کرمہ، والصلٰوۃ والسلام علی من وقف علی الکون موائد کرمہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ المتولین اجراء حکمہ وحکمہ۔

اوّلاً: خلو خود باطل و بے اصل ہے، مذہب حنفی بلکہ نوسو برس تک مذاہب اربعہ میں کہیں اس کا پتا نہیں، دسویں صدی میں ایک عالم مالکی المذہب امام ناصر الدین لقانی قدس سرہ نے اسے جائز کیا، اسی صدی کے نصف آخر میں صاحب اشباہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے برخلاف مذہب اعتبار عرف خاص پر مبنی قرار دیا، اسی صدی اور اس کے بعد کے محققین مثل شیخ الاسلام علی مقدسی وعلامہ حسن شرنبلالی وعلامہ محمد آفندی زیرک زادہ وعلامہ خیر الملۃ والدین رملی وعلامہ سید احمد حموی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسے رد فرمادیا۔ حاشیۃ الرملی علی الاشباہ میں ہے:

قولہ ویصیر الخلوفی الحانوت حقالہ الخاقول : والفتوی علی خلاف ذٰلک، مقدسی[1]۔	اس کا قول کہ اور دکانوں میں خلو اس کا حق بن جاتا ہے الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) فتوٰی اس کے خلاف ہے، مقدسی۔ (ت)

[1] نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۴

اسی میں ہے:

قدعلمت ان الصحیح خلافه بقوله ان المذهب عدم اعتبار العرف الخاص[1]۔	تو معلوم کرچکا ہے کہ صحیح اس کے خلاف ہے اس کے قول سے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ ہونا مذہب ہے (ت)

شرح الاشباہ لزیرک زادہ میں ہے:

العرف لایجوز ماکان محظورا فی الشرع واما بیع الخلو اذا لم یکن ملاصقا بالحانوت فجائز شرعا فانه حق لمالکه وما وضعه فی الحانوت بالاجارۃ مشروع لکن الحانوت اذاکان ملکا یملك صاحبها خراجه منه اذاانقضی مدته المعروف وان لم تکن له مدۃ معلومة تکون الاجارۃ فاسدۃ وکذااذاکان الحانوت وقفاقد نص الفقهاء علی انه لاتجوز الاجارۃ فیه فوق ثلاث سنین کما فی الوقایة فلااعتبار للعرف سواء کان خاصا او عاما حین وجد النص فی الشرع علٰی خلافه وقد مرمنا تحقیقه فتذکر[2]۔	عرف جب شرعًا ممنوع ہو تو معتبر نہیں، لیکن خلو کی بیع اگر دکانوں سے متعلق نہ ہو تو شرعًا جائز ہے کیونکہ یہ خلو مالک کا حق ہے لیکن یہ دکانوں کے اجارہ میں مشروع ہے مگر دکان اگر کسی کی ملکیت ہو تو معینہ مدت ختم ہوجانے پر مالک ہی آمدن کا حقدار ہوگا اور اگر مدت معین نہ ہو تو یہ اجارہ فاسد ہوگا اور یونہی اگر دکان وقف ہو تو بھی وہ اجارہ فاسد ہوگا کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وقف کا اجارہ تین سال سے زائد جائز نہیں جیساکہ وقایہ میں ہے، لہذا جب کوئی عرف شرعی نص کے خلاف ہو خواہ عرف عام ہو یا خاص، تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، اس میں ہماری تحقیق گزر چکی ہے، اسے یاد کرو۔ (ت)

اس میں اس سے ایک ورق قبل ہے:

انمایعتبر العرف والعادۃ فیما لم یرد نص الشرع علی خلافه وسینقل فی السطر الثالث بعدها ان الودیعة والعین المؤجرۃ غیر مضمونتین بحال فلا یعتبر فیه العرف بعد النص علی خلافه من الفقهاء[3] اھ	وہی عرف اور عادت معتبر ہے جس کے خلاف شرعی نص نہ ہو، اس کے بعد تیسری سطر میں نقل کرینگے کہ امانت اور کرایہ پر دی ہوئی عین چیز کسی حال میں مضمون نہیں ہوتی لہذا اس کے ضمان پر عرف ہو تو اس کے خلاف فقہاء کی نص ہونے کی وجہ سے یہ عرف معتبر نہیں ہوگا اھ،

[1] نزہة النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیه کراچی ۲/۱۵(۲)

[2] شرح الاشباہ لزیرک زادہ

[3] شرح الاشباہ لزیرک زادہ

وھذا ما اشار الیه بقوله وقد مرمنا تحقیقه۔	یہ وہ عبارت ہے جس کے متعلق انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا"اور ہماری تحقیق اس میں گزری ہے۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

(قوله علی اعتبارہ(ای العرف الخاص)ینبغی ان یفتی بان مایقع فی بعض اسواق القاھرۃ من خلو الحوانیت لازما ویصیر الخلو حقاله قیل علیه کیف ینبغی ان یفتی به مع کونه مخالفا لقواعد الشرع الشریفة انتھی وقال شیخنا(یرید العلامة الشرنبلالی رحمھما الله تعالٰی فی رسالته"مفیدۃ الحسنی"بعد نقل کلام المصنف رحمه الله تعالٰی قوله ینبغی الخ مما لاینبغی فانه لامماثلة بین مااعتبرمن المسائل المبینة علی العرف الخاص وبین الخلو لان اعتبار العرف الخاص علی ماقیل به فی جمیع تلك المسائل ضررھا التزم به فاعلھا مختار النفسه او مقتصرا فی استیفاء شرط یمنع عنه الضرر، واماالوقف فناظرہ لایملك اتلافه ولاتعطیله وقد ثبت ان المذھب عدم اعتبار العرف الخاص[1]۔	"قوله علی اعتبارہ" یعنی عرف خاص کے اعتبار پر، یہ فتوٰی مناسب ہوگا کہ قاہرہ کے بازاروں میں جو دکانوں کا خلو ہے وہ لازم ہو اور خلو اس کا حق بن جائے،اس پر اعتراض ہے کہ یہ فتوٰی کیسے مناسب ہوگا جبکہ یہ شرع شریف کے قواعد کے خلاف ہے اھ،اور ہمارے شیخ(ان سے مراد علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں) نے اپنے رسالہ مفیدۃ الحسنٰی میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا "قوله ینبغی" مناسب ہے الخ، یہ غیر مناسب ہے کیونکہ عرف خاص میں معتبر مسائل جو بیان ہوئے ان میں اور خلو میں کوئی مماثلت نہیں ہے کیونکہ عرف خاص والے تمام مسائل میں یہ اعتبار ہے کہ ان میں ضرر والی چیز کو خود فاعل نے اپنے لئے پسند کیا ہے یا ضرر سے مانع شرط کو پورا کرنے میں اقتصار کیا ہے لیکن وقف کا ناظم تو اس میں کسی چیز کے تلف یا معطل کرنے کا مالک نہیں ہے اور جبکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ کرنا مذہب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قداشتھر نسبة مسئلة الخلؤ الٰی مذھب	مسئلہ خلو کی نسبت عالم مدینہ حضرت مالک بن انس

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

عالم المدينة مالك بن انس رضی الله تعالٰی عنه والحال ان ليس فيها نص عنه ولاعن احد من اصحابه. حتی قال البدر العراقی(مالکی) انه لم يقع فی کلام الفقهاء التعرض بمسئلة الخلوفيما اعلم وانما فيها فتيا للعلامة ناصر الدين اللقانی بناها علی العرف[1] الخ۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف مشہور ہے حالانکہ ان کی اور ان کے کسی شاگرد کی اس میں تصریح نہیں، ہے، بدر العراقی مالکی نے فرمایا ہے کہ میرے علم کے مطابق خلو کامسئلہ فقہاء کے کلام میں مذکور نہیں، اس میں صرف علامہ ناصر الدین لقانی کا فتوٰی ہے جس کو انہوں نے عرف پر مبنی قرار دیا ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

للعلامة الشرنبلالی رسالة ردفيها علی الاشباه بان الخلولم يقل به الامتأخرمن المالکية(حتی افتی بصحة وقفه ولزم منه ان اوقاف المسلمين صارت للکافرين بسبب وقف خلوها علی کنائسهم وبان عدم اخراج صاحب الحانوت لصاحب الخلويلزم منه حجرالحر المکلف عن مبلکه واتلاف ماله. بل لايجوز هذا فی الوقف وفی منع الناظرمن اخراجه تفويت نفع الوقف وتعطيل ماشرطه الواقف اھ ملخصاقلت وماذکره حق خصوصافی زماننا هذا[2]۔	علامہ شرنبلالی کاایک رسالہ ہے جس میں الاشباہ کارد کیا ہے اور کہا ہے کہ خلو کا قول ایک مالکی متاخر عالم کے سوا کسی نے نہیں کیااس نے یہ فتوٰی تک دے دیا کہ اس کا وقف صحیح ہے حالانکہ اس فتوٰی سے لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کے وقف کافروں کو منتقل ہوجائیں اس سبب سے کہ وہ خلو کو اپنے گرجوں کے لئے وقف کردینگے اور دکان کامالک جب خلووالے کو اپنی دکان سے بیدخل نہ کرسکے گا تو لازم آئے گا کہ آزاد مکلّف شخص اپنی ملکیت سے ممنوع ہوجائے اور اس کامال تلف ہو کر رہ جائے، بلکہ یہ سب کچھ وقف میں جائز نہیں ہے اور وقف کے نگران کو خلو والے کی بے دخلی سے منع کرنا وقف کے منافع کو ضائع کرنا اور واقف کی لگائی ہوئی شرط کو معطل کرنا ہے اھ ملخصًا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) انہوں نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں۔ (ت)

ثانیًا: صورت سوال کو خلو سے بھی کچھ علاقہ نہیں۔ خلواس تحقیق وتنقیح پر جو بتوفیق اللہ تعالٰی ہم نے اپنی تعلیقات ردالمحتار میں کی یہ ہے کہ مکان یادکان یازمین کامستاجر اپنااجارہ ہمیشہ باقی رکھنے کو اس میں اپنے

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

مال سے نہ اپنے لئے بلکہ اسی شیئ مستاجر سے الحاق اور اس کی حیثیت بڑھاتے اس کے فوائد کی تکمیل کے واسطے کچھ زیادت کرے خواہ متصل باتصال قرار، یا بے اس کے جیسے عمارت یا کنواں یا روشنی کا سامان یا پانی کے نل، وامثال ڈلک، یا خود نہ کرے مؤاجر کو اس کے روپے دے دے جو اجرت کے علاوہ ہوں اس مال کے مقابل جو اسے ابقائے اجارہ کا حق ملتا ہے اس کا نام خلو ہے۔رسالہ تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

قال العلامه الشلامی فی رسالته "تحریر العبارۃ فیمن هواحق بالاجارہ" (تنبیه) قد یثبت حق القرار بغیر البناء والغرس بان تکون الارض معطلة فیستاجرها من المتکلم علیها لیصلحها للزرعة و یحرثها و یکسبها وهو المسمی بمشد المسکة فلا تنزع من یدہ مادام یدفع ما علیها من القسم المتعارف کالعشر ونحوہ واذا مات عن ابن توجه لابنه فیقوم مقامه فیها، وقد رأیت بخط شیخ مشائخنا خاتمة الفقهاء الشیخ ابراہیم السائحانی الغزی المسکة عبارۃ من استحقاق الحراثة فی ارض الغیر وذکر فی الحامدیة انها لا تورث وانما توجه للابن القادر علیها دون البنت اھ[1]، ثم افاض فی بیان الکردار والسکنی والجدك وانها اعیان قائمة فی الارض الی ان قال وهذا غیر	علامہ شامی نے اپنے رسالہ "تحریر العبارۃ فیمن ھواحق بالاجارۃ" میں فرمایا (تنبیہ) کبھی تعمیر اور پودے لگائے بغیر حق استقرار ثابت ہوتا ہے مثلاً یوں کہ کوئی زمین خالی پڑی ہو تو کسی خواہشمند کو اجارہ پر دی جائے تاکہ وہ اس کو زراعت کے لئے تیار کرے اور اس کو کاشت کرکے آباد کرے جس کو مشد المسکہ کہا جاتا ہے تو یہ زمین اس کاشتکار سے اس وقت تک واپس نہ لی جائے گی جب تک وہ اس کا متعارف محصول مثلاً عشر وغیرہ دیتا رہے اور اگر وہ کاشت کار کوئی بیٹا چھوڑ کر فوت ہوجائے تو یہ کاشتکاری کا حق اس کو منتقل ہوجائے گا اور وہ بیٹا اپنے باپ کے قائم مقام قرار پائے گا، میں نے اپنے شیخ المشائخ خاتمہ الفقہاء الشیخ ابراہیم السائحانی الغزی کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "مسکہ" غیر کی زمین میں کاشتکاری کے استحقاق کا نام ہے، اور حامدیہ میں ذکر کیا ہے کہ اس استحقاق میں وراثت نافذ نہ ہوگی بلکہ صرف کاشتکاری پر قادر بیٹے کو یہ حق منتقل ہوگا اور بیٹی کو استحقاق نہ ہوگا، اھ، پھر انہوں نے کرایہ داری، سکنٰی اور جدک کی وضاحت میں فرمایا کہ یہ زمین میں باقی رہنے والے امور ہیں، آگے

[1] تحریر العبارۃ فیمن ھواحق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۳۔۱۵۲

الخلوالذی ذکرہ فی الاشباہ فانہ بمنزلۃ مشد المسکۃ المار وھو وصف لاعین قائمۃ فلایجوز بیعہ ولایورث وانما ینتقل الی الولد بطریق الاحقیۃ کمامر وما ذکرہ فی الاشباہ من جواز بیع الخلو ردوہ علیہ،وقد الف فی ردہ العلامۃ الشرنبلالی رسالۃ خاصۃ [1] اھکلام الشامی ملتقطاً۔

یہاں تک فرمایا کہ یہ امور اس خلو کا غیر ہیں جس کا ذکر الاشباہ میں کیا ہے کیونکہ یہ مشد المسکہ کی طرح ہے جس کا بیان پہلے گزرا ہے اور وہ خلو ایک وصف ہے جو باقی رہنے والی عین چیز نہیں ہے تو مشد المسکہ کی بیع ناجائز ہے اور وہ قابل وراثت نہیں ہے ارو صرف وہ بیٹے کو حقدار ہونے کی وجہ سے منتقل ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور الاشباہ میں خلو کی بیع کا جو جواز مذکور ہوا فقہاء کرام نے اس کو رد کیا ہے اور علامہ شرنبلالی نے ایک خاص رسالہ اس کے رد میں تالیف کیا ہے۔علامہ شامی کا کلام ملتقطا ختم ہوا۔

اقول: ومن الدلیل القاطع علی کون الخلو معنی لاعینا انہ لما استدل محمد بن ھلال الحنفی علی جواز الخلو بمافی جامع الفصولین وغیرہ عن الذخیرۃ والکبری والخانیۃ والخلاصۃ وواقعات الضریری اشتری سکنی وقف فقال المتولی ماأذنت لہ بالسکنی فامرہ بالرفع فلو اشتراہ بشرط القرار فلہ الرجوع علی بائعہ والافلایرجع علیہ بثمنہ ولابنقصانہ [2] اھ رموہ عن قوس واحدۃ انہ لم یفھم معنی السکنی لان المراد بھا عین مرکبۃ

اقول: (میں کہتا ہوں) خلو کے ایک معنوی چیز ہونے اور عین شیئ نہ ہونے پر قاطع دلیل یہ ہے کہ جامع الفصولین وغیرہ میں ذخیرہ،کبرٰی،خانیہ،خلاصہ اور واقعات ضریری سے منقول ہے اس بیان سے،کہ کسی نے وقف سکنٰی خریدا تو متولی نے کہا کہ میں اس سکنٰی کی اجازت نہیں دیتا اور وہاں سے سکنٰی ختم کرنے کا اس نے حکم دیا تو اگر اس خریدار نے وہ سکنٰی برقرار رہنے کی شرط پر خریدا تھا تو (متولی کے اس اقدام پر) وہ فروخت کرنے والے پر اپنے نقصان میں رجوع کرسکتا ہے ورنہ وہ اپنی لاگت اور نقصان میں بائع پر رجوع نہیں کرسکتا اھ،جب محمد بن ہلال حنفی نے خلو کے جواز پر استدلال کیا،توسب نے

---

[1] تحریر العبارۃ فیمن ھواحق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ١٥٥

[2] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ٢٢/١۔٢٢١،نزہۃ النواظر الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ٢/ ٥٠۔٥١

فی الحانوت وھی غیر الخلو ففی الخلاصة اشتری سکنی حانوت فی حانوت رجل مرکبا[1] الخ کمافی رد المحتار عن العلامة الشرنبلالی قال ثم نقل عن عدة کتب مایدل علی ان السکنی عین قائمة فی الحانوت[2]۔

ایک ہی انداز سے اس کارد کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد بن ہلال کو سکنٰی معنٰی سمجھ نہیں آیا، کیونکہ سکنٰی سے مراد دکان میں لگائی ہوئی عین موجود چیز ہے اور وہ خلو کا مغایر ہے، توخلاصہ میں یوں ہے کہ ایک شخص کی دکان میں مرکب سکنٰی حانوت ہو الخ، جیسا کہ ردالمحتار میں علامہ شرنبلالی سے نقل کرتے ہوئے کہا، انہوں نے پھر متعدد کتب سے نقل کیا کہ سکنٰی، دکان میں قائم رہنے والی ایک موجود عین چیز ہوتی ہے۔

قلت وقد نقله فی العقود الدریة وفی رسالته المذکورة عن التجنیس ثم نفس العبارة المستدل بھا منادیة بذاك اعلٰی نداء کما اوضحه السید الحموی مع غناہ عن الایضاح اذقال بعد نقل کلام العمادی اذا ادعی سکنی دار اوحانوت وبین حدودہ لایصح لان السکنی نقلیا فلایحدد وذکررشید الدین فی فتاواہ و ان کان السکنی نقلی لکن لما اتصل بالارض اتصال تابید کان تعریفه بمابه تعریف الارض لان السکنی مرکب فی البناء ترکیب قرار فالتحق بمالا یمکن نقله اصلااھ

قلت (میں کہتا ہوں) انہوں نے اس کو عقود دریہ میں اور اپنے مذکورہ رسالہ میں تجنیس سے نقل کیا، پھر استدلال کرنے والے کی نفس عبارت بھی واضح طور اس کا اعلان کررہی ہے جیسا کہ اسکو سید حموی نے واضح کیا حالانکہ وضاحت کی ضرورت نہ تھی، جہاں انہوں نے عمادی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص گھر یادکان کا سکنی کا دعوی کرکے اس کی حدود کو بیان کرے تو اس کا یہ دعوی درست نہ ہوگا کیونکہ سکنٰی ایک منتقل ہونے والی چیز ہے اسلئے اس کی حد بندی نہیں ہوسکتی، رشید الدین نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے کہ اگرچہ سکنٰی منتقل ہونے والی چیز ہے لیکن جب وہ کسی خطہ زمین سے بختہ اتصال کرے تو پھر اسکی تعریف زمین کی تعریف کی طرح ہوگی کیونکہ سکنٰی عمارت کے ساتھ استقرار والی ترکیب حاصل

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

مانصه فظهرلك بهذاان السكنى هو ما يكون مركبا فى الحانوت متصلا به فهو اسم عين لااسم معنى كما فهمه البعض وليس فى كلامهم مايفيد ماتوهمه هذاالبعض،الاترى تمام العبارة الذى نص فيها على حقيقة السكنى انه شيئ مركب يرفع فهل يستفاد من هذاالمعنى المعبر عنه بالخلو ايظن ان الخلو يرفع ثم يرد على بائعه ويقال لواشتراه بشرط القرار يرجع على بائعه بثمنه ويرد عليه والافلا يرجع عليه بثمنه ولانقصانه الحاصل بالقلع من الدكان،سبحٰنك هذا بهتان عظيم [1] اھ کلام الحموی فتبين ان الخلو وصف معنوى لاعين تقلع او ترفع وتنقل۔	کرلیتا ہے تواس کا شمار بھی ان چیزوں میں ہو جاتا ہے جو بالکل قابل انتقال نہیں ہوتیں،اس کی عبارت ختم ہوئی،تواس بیان سے آپ پر واضح ہوگیا کہ سکنٰی کا دکان کے ساتھ ترکیبی اتصال ہوتا ہے لہٰذا وہ ایک موجود عین چیز ہے نہ کوئی معنوی وصف ہے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے جبکہ اس کے اس خیال کے لئے کسی کا کلام مفید نہیں ہے،سکنٰی کی حقیقت بیان کرنے والے کی پوری عبارت آپ دیکھ نہیں رہے کہ انہوں نے کہا ہے سکنٰی ایک ایسی چیز ہے جو مرکب ہوتی ہے جسے ختم کیا جاسکتا ہے کیا اس سے یہ خلو کا معنی سمجھا جاسکتا ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ خلو کو ختم کیا جائے پھر وہ بائع پر واپس لوٹا دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اگر خلو کو استقرار کی شرط پر خریدا ہو تو بائع سے رجوع کرکے رقم واپس لی جائے اور خلو کو واپس کردے ورنہ رقم واپس نہ لے اور دکان کو اکھاڑنے سے جو نقصان ہوا وہ واپس نہ لے،سبحان اللہ! یہ تو بہتان عظیم ہے،حموی کا کلام ختم ہوا،تو واضح ہوگیا کہ خلو ایک معنوی وصف ہے اور سکنی کی طرح باقی رہنے والی مستقل چیز نہیں جس کو اکھاڑا یا ہٹایا یا ختم کیا جاسکے۔
اقول: لکن فی حاشية السيدين العلامتين ط وش على الدر عن حواشى الاشباه للعلامة السيد ابى السعود رحمهم الله ان الخلو	**اقول:** (میں کہتا ہوں) لیکن علامہ طحطاوی اور علامہ شامی دونوں قابل احترام حضرات نے در پر اپنے حواشی میں علامہ سید ابوسعود (رحمہم اللہ تعالٰی) سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، کہ،خلو کااطلاق متصل

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۷۔۳۳۶

یصدق بالعین المتصل اتصال قرار وبغیرہ والمراد بالمتصل اتصال قرار ماوضع لالیفصل کالبناء، و بالمتصل لاعلی وجه القرار کالخشب الذی یرکب بالحانوت لوضع عدۃ الحلاق مثلا فان الاتصال وجد لکن لاعلی وجه القرار وکذا یصدقان بمجرد المنفعة المقابلة بالدراھم اھ[1] وزاد ط عنه قبل ھذا اعلم ان الخلو یصدق بما اتصل بالعین قرار اتصال کالبناء بالارض المحتکرۃ ویصدق بالدراہم التی تدفع بمقابلة التمکن من استیفاء المنفعة اذماذکرہ المصنف یعنی صاحب الاشباہ من ان السلطان الغوری لما بنی حوانیت الجملون اسکنھا التجار بالخلو وجعل لکل حانوت قدرا اخذہ منھم الخ صریح فی ان الخلو فی حادثة السلطان الغوری عبارۃ عن المنفعة المقابلة للقدر الماخوذمن التجار فیرجع الی ماذکرہ العلامة الاجھوری من ان الخلو اسم لما یملکه دافع الدراھم من المنفعة التی دفع الدراھم بمقابلتھا وعلی ھذافلایکون الخلو خاصا بالمتصل بالعین اتصال قرار بل	استقراری عین چیز اور غیر استقراری دونوں پر ہوتا ہے اور متصل استقراری سے مراد وہ چیز ہے جو عمارت میں باقی رکھنے کیلئے لگائی ہو اور متصل غیر استقراری سے مراد مثلاً لکڑی جیسی کوئی چیز جس کو دکان میں لگا کر حجام کے سامان رکھنے کیلئے خانے بنائے جائیں یہ بھی اتصال ہے لیکن یہ علٰی وجہ الاستقرار نہیں ہوگا اور یوں ہی قراری اور غیر قراری کا مصداق وہ منفعت بھی بنتی ہے جو دراہم کے عوض حاصل کی جاتی ہے اھ، اور علامہ طحطاوی نے اس سے قبل علامہ ابوسعود سے یہ زائد نقل کیا ہے کہ واضح رہے کہ خلو کا اطلاق کسی عین چیز کے ساتھ متصل ہونے والی چیز پر ہوتا ہے جیسے عمارت کسی کرایہ کی زمین پر ہو، اور کسی منفعت کو دارہم کے بدلے حاصل کرنے کی قدرت پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے، اور مصنف یعنی صاحب اشباہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ سلطان غوری نے جب جملون کی دکانیں تعمیر کرائیں تو انھوں نے وہاں تجار کو خلو کے طور پر سکنٰی دیا اور ہر دکان کا کچھ بدل مقرر کرکے ان سے وصول کیا الخ، سلطان غوری کا یہ واقعہ صریح ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جو تجار حضرات سے وصول کردہ کا بدل ہے، تو یہ علامہ الاجھوری کے اس بیان کی طرف راجع ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا دراہم دینے والا دراہم کے بدلے مالک بنتا ہے اور اس بناء پر خلو، استقراری اتصال والی عین چیز سے خاص نہیں ہے بلکہ اس پر اور غیر استقراری پر بھی

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷

یصدق بہ وبغیرہ[1] الخ فھذا یفید ان من الخلو ماھو عین قائمۃ کالبناء والخشب المرکب الاان نقول السید الازھری لم یقل الخلو یصدق علی العین المتصل وانما قال یصدق بالعین وذٰلك ان یدفع صاحب الخلو دراہم للواقف مثلا لیبنی فی الوقف و یکون لہ بازائہ منفعۃ استبقاء الاجارۃ فالخلو ھو ھذا المعنی لاالعین، نعم صدقہ بسبب العین وبھذا یفسر مافسر بہ الاجھوری الخلو فالمنفعۃ ھی حق الاستبقاء کما افادہ السید ابوالسعود بقولہ تدفع بمقابلۃ التمکن من استیفاء المنفعۃ فھذاالتمکن ھوالمراد بالمنفعۃ فی تفسیر الاجھوری لکن نقل السید الحموی فی الغمز عن فاضل متأخر مالکی انہ قال بعد نقل کلام العلامۃ نورالدین علی الاجھوری المذکور ظاھرہ سواء کانت تلك المنفعۃ عمارۃ کأن یکون فی الوقف اماکن آئلۃ الی الخراب فیکریھا ناظر الوقف لمن یعمرھا، ویکون ماصرفہ

صادق آتا ہے الخ، تو یہ بیان اس بات کو مفید ہے کہ خلو، قائم رہنے والی عین چیز مثلاً عمارت اور عمارت پر لگی ہوئی لکڑی دونوں کا نام ہے، الایہ کہ ہم سید ازہری کے متعلق یہ کہیں کہ انہوں نے خلو کا صدق متصل عین پر نہیں کیا بلکہ عین چیز کے عوض پر کیا ہے، یہ یوں کہ خلو والا شخص واقف کو کچھ دراہم دے کر کہے کہ ان سے وقف میں وقف کے اضافہ کے لئے کچھ تعمیر کرے اور اس کے عوض اس کے لئے اجارہ کی منفعت کو باقی رکھنا ہوگا تو خلو اس معنی کا نام ہوگا خاص عین چیز کا نام نہ ہوگا، ہاں اس معنٰی پر اس کا صدق عین چیز کے سبب سے ہوا، خلو کی جو تفسیر علامہ اجھوری نے کی اس کو اسی تفسیر پر محمول کیا جائیگا تو منفعت سے مراد وہاں یہی اجارہ کے حق کی بقاء کا مطالبہ ہے جیسا کہ علامہ ابوسعود نے اپنے قول" دراہم، منعت کو پورا کرنے کی قدرت کے مقابلہ میں دئے جائیں" سے افادہ فرمایا، علامہ اجھوری کی تفسیر میں منفعت سے یہی تمکن مراد ہے، لیکن سید حموی نے غمز میں ایک مالکی متاخر فاضل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے علامہ اجھوری کے مذکور کلام پر علامہ نورالدین کے حاشیہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اجھوری کے کلام سے ظاہر ہے کہ منفعت عمارت ہو کہ وقف کی عمارت کا کوئی حصہ خراب ہو رہا ہو تو اسے وقف کا ناظم کسی ایسے شخص کو کرایہ پر دے دے جو اس کی تعمیر کرکے خرچہ

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۳ /۱۰

خلواله ویصیر شریکا للواقف بمازادته عمارته اوکانت المنفعة غیر عمارة کوقید مصباح مثلا ولوازمه لاخصوص العمارة خلافا لمن خص المنفعة بهادون غیرها اذ المعتبر انما هو عود الدراہم لمنفعة فی الوقف عمارة کانت او غیرہا اھ[1]۔	کے بدلے اپنے لئے خلو بنالے اور زائد عمارت میں وہ حصہ دار بن جائے یا وہ منفعت غیر عمارت ہو مثلاً چراغ کے لئے کوئی خانہ اور اس کے لوازمات بنالے جو عمارت سے متعلق ہوں نہ کہ خاص وہ عمارت، یہ عام معنٰی اس شخص کے برخلاف ہے جو خلو کو صرف منفعت سے مختص کرتا ہے، یہ اس لئے کہ خلو دراہم کا بدل ہے خواہ وہ عمارت ہو یا کوئی اور چیز ہو۔
اقول: فهذا نص فی ان نفس العمارة خلو ولایمکن تاویله بماذکرنا فی کلام السید الازهری ان المراد ان یعمرها للوقف لالنفسه کیف وانه فسربه المنفعة الواقعة فی تفسیر العلامة الاجهوری وهو یقول اسم لما یملکه دافع الدراہم من المنفعة[2] الخ الا ان یجعل من هذه للتعلیل والمنفعة المنفعة الآئلة الی الوقف وتنقسم الی عمارة وغیرہا فیکون مایملکه هو التمکن من استبقاء الاجارة لاجل تلك المنفعة التی اوصلها الی الوقف لکن یکدر رد قول الاجهوری فی مقابلتها فان دفعه الدراہم انما هو بمقابلة ذٰلك التمکن	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ مذکورہ کلام اس بات میں صریح نص ہے کہ خلو صرف عمارت کا نام ہے، اس کی وہ تاویل جو ہم نے سید ازہری کے کلام میں کی ہے ممکن نہیں کہ وہ وقف کا اضافہ ہو، ذاتی ملکیت نہ ہو، یہ تاویل کیونکر ممکن ہوگی جبکہ وہ یہ بات علامہ اجہوری کی اس کلام کی تفسیر میں کہہ رہے ہیں جس میں اس نے کہا ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا وہ دراہم کے عوض میں مالک بنتا ہے الخ الایہ کہ ہم "من المنفعة" کے "من" کو تعلیل کے لئے قرار دیں اور منفعت سے مراد وہ منفعت ہو جو وقف کے حق میں ہو، تو خلو عمارت اور غیر عمارت دونوں پر منقسم ہوجائے تو اجارہ کی بقا کے حق کا وہ مالک اس منفعت کے عوض ہوگا جس کو اس نے وقف میں شامل کیا ہے، لیکن اجہوری کا یہ قول کہ "دراہم منفعت کے مقابل ہیں" رد ہوجائیگا کیونکہ اس کے دراہم اجارہ کے دوام کے

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع دار المعرفة بیروت ۳/ ۱۰

لابدل تلك المنفعة الآئلة الى الوقف وانما هی حاصلة للوقف لاله بتلك الدراهم فلامخلص الاان يقال ان هذا كلام متاخر من المالكية فيكون الخلو عندهم شاملا للعين والمعنى وعندنا ليس الا المعنى والعين تسمى باسم اُخر كالسكنى كيف وقد قال هذاالمالكی بعده اما كونه اجارةلازمة فهذالا نزاع فيه(ای عندهم)ووجهه ان الواقف لما يريدان يبنی محلا للوقف فيأتی له اناس يدفعون له دراهم على ان يكون لكل شخص محل من تلك المواضع التی يريد الواقف بناءها فاذا قبل منهم تلك الدراهم فكانه باعهم تلك الحصة بمادفعوه له وكانه لم يقف جزء من تلك الحصة التی لكل،وغايته انه وظف عليهم كل شهر كذافليس للواقف فيه بعد ذٰلك تصرف الا بقبض الحصة الموظفة فقط وليس له ان يوجهه لغيره وكان رب الخلوصار شريكاللواقف فی تلك الحصة[1] اھ	مقابل ہیں نہ کہ وقف کے لئے منافع کے مقابل ہونگے وقف کے منافع تو صرف وقف کے لئے ہیں، دراہم دینے والے کے لئے دراہم کا بدل نہیں تو اس عبارت کا کوئی مخلص نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ مالکی حضرات کا آخری کلام ہے تو ان کے ہاں خلو، عین اور معنٰی دونوں کو شامل ہے اور ہمارے ہاں خلو صرف معنٰی کا نام ہے اور عین چیز کا ہمارے ہاں کوئی اور نام ہے مثلاً اسے سکنٰی کہا جائے گا اس حقیقت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے جبکہ خود اس مالکی فاضل نے اس کے بعد کہا اس خلو کا اجارہ لازمہ ہونے میں نزاع نہیں (یعنی مالکیوں کے ہاں) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب واقف نے کوئی تعمیر وقف میں کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے پاس لوگ آکر دراہم پیش کریں اور کہیں کہ ہم اس حصہ میں اپنے اپنے لئے مخصوص خطہ تعمیر کرینگے توجب واقف ان سے دراہم اس شرط پر قبول کرلے گا تو گویا اس نے یہ حصہ ان لوگوں کو معاوضہ پر فروخت کردیا اور گویا اس نے ہر ایک کا مخصوص خطہ وقف سے مستثنٰی کردیا اور نتیجتًا اس نے ہر ایک پر ماہانہ شرح سے کچھ وظیفہ مقرر کردیا تو اسکے بعد اب واقف کو اس حصہ میں کسی تصرف کا حق نہ رہا ماسوائے اس کے کہ وہ فقط مقررہ وظیفہ وصول کرتا رہے اور اب وہ حصہ کسی دوسرے کو دینے کا مجاز نہ ہوگا گویا کہ خلو والا ہر شخص اس حصہ میں واقف کے ساتھ شریک قرار پائے گا اھ،

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۸،۷ ۱۳

فقد جعل الخلو عقارا و جزء من تلك الارض مبیعا من ھٰؤلاء مستثنٰی من الوقف، ولذا قال وفائدۃ الخلو انہ کالملك فتجری علیه احکامه من بیع واجارۃ وھبة ورھن ووفاء دین وارث ووقف[1] الخ۔	تو یوں اس فاضل نے خلو کو مکانیت سے تعبیر کیا اور وقف شدہ زمین کا ایک حصہ ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کرکے وقف سے خارج قرار دیا اور اس لئے اس نے کہا کہ خلو کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ مملوکہ جگہ کی طرح ہوگا اور اس میں ملکیت کے احکام، بیع، اجارہ، ہبہ، رہن، قرض میں منہا کرنا، وراثت اور وقف جاری ہوں گے الخ،
اقول: ثم فی کلام ذٰلك الفاضل المالکی خدشة اخری فانه جعل العمارۃ خلوا وقال فی بیانه یکون ماصرفه خلوا له وانما المصروف الدراھم ھذا وبقی ما اسلفناہ عن اُفندی زیرك زادہ من بیع الخلو اذالم یکن ملاصقا بالحانوت وان وضعه فی الحانوت بالاجارۃ مشروع۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس مالکی فاضل کے کلام میں ایک اور خرابی ہے کہ یہاں اس نے عمارت کو خلو کہا ہے جبکہ پہلے وہ اپنے بیان میں کہہ چکا ہے کہ مال صرف کیا ہے وہ خلو ہوگا، حالانکہ جو صرف کیا ہے وہ دراہم ہیں عمارت نہیں ہے، یہ قابل توجہ ہے۔ زیرک زادہ آفندی سے جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اس میں ایک امر باقی ہے کہ انہوں نے کہا ہے جب خلو دکان سے ملصق نہ ہو اور ویسے کرایہ کی دکان میں رکھا ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔
اقول: احسن مایعتذر عنه انه اطلق علیه اسم الخلو تجوزا وان الخلو یطلق علیھما وان ماکان منه عینا مملوکة لصاحب الخلو فلا کلام فی جواز بیعه بل ووقفه ان تعورف وکانت الارض موقوفة او محتکرۃ والذی حدث وانکرہ المحققون ھو الخلو بمعنی المعنی واللّٰه	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ان کی طرف سے بہترین تاویل یہ ہوگی کہ انہوں نے اس علیحدہ چیز کو مجازًا خلو کہا ہے یا یہ کہ خلو کا اطلاق دونوں صورتوں پر کیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ خلو والے کی کوئی مملوک عین چیز ہو تو اس کے فروخت کرنے بلکہ عرف میں وقف کی صورت ہو تو وقف کرنے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ زمین وقف یا کرایہ کی رہے گی وہ چیز جو نئی ہے اور محققین نے اس کا انکار کیا ہے وہ

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۸

تعالٰی اعلم وبه یحصل التوفیق بین کلامی ابن ہلال والرادین علیه بان کلامه فی العین القائمة ولاشك ان الاستشهاد علیه بفرع السکنی صحیح اذن لایرد علیه شیئ مماذکروا و کلامهم فی المعنی المعروف فلاخلف ان ساعده کلام ابن ہلال فی رسالته والعلم بالحق عند علام الغیوب.ثم من العجب قول العلامة المنقح فی العقود الدریة الخلو عبارة عن القدیمة ووضع الید [1]اھ **اقول:** سبحٰن الله مجرد کونه واضع یده منذ زمان وهو المعبر عنه فی المبتدعات قانون النصاری بحق موروثی کیف یصیر حقا وکیف یسوغ ان یقول به وبجواز بیعه احد وقد قدم المنقح نفسه قبیل هذا مانصه. واما ما فی القنیة یثبت حق القرار فی ثلاثین سنة فی الارض السلطانیة والملك وفی الوقف فی ثلاث سنین ولو باع حق قراره فیها جاز.وفی الهبة اختلاف.ولو ترکها بالاختیار تسقط قد میته.حاوی الزاهدی اھ فالمراد به الاعیان

خلو معنوی ہے،اس تاویل سے ابن ہلال اور اس کا رد کرنے والوں کے کلاموں میں موافقت ہوجائیگی کہ ابن بلال کی گفتگو قائم رہنے والی عین چیز کے متعلق ہے اور اب اس پر سکنٰی کے طور پر تفریع بلاشک درست ہوگی اور کوئی اعتراض نہ رہے گا،ور معترضین کا کلام خلو کے معروف معنی کے متعلق ہے لہٰذا کوئی مخالفت نہ رہی بشرطیکہ ابن بلال کی اپنے رسالہ میں گفتگو اس تاویل کا ساتھ دے، حقیقت کا علم تو اللہ تعالٰی علام الغیوب کے ہاں ہے، پھر عقود الدریہ تنقیح کرنے والے علامہ کا یہ قول عجیب ہے کہ خلو قدیم دخل اور قبضے کا نام ہے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) سبحٰن اللہ کچھ زمانہ سے محض قابض ہونے جس کو نصارٰی کے قانون میں موروثی حق کہتے ہیں جو کہ ایک نئی بدعت ہے، سے کیسے حق ثابت ہوسکتا ہے اس حق کے ثبوت اور اس کے بیع کے جواز کی بات کوئی کیسے کرسکتاہے جبکہ خود یہ صاحب تنقیح اس بیان سے تھوڑا پہلے کہہ چکے ہیں،وہ یہ عبارت ہے کہ، لیکن قنیہ میں جو یہ کہا ہے کہ سلطانی زمین پر تیس سالہ قبضہ سے حق القرار اور ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور اگر قابض اس زمین کے حق قرار کو فروخت کرنا چاہے تو جائز ہے جبکہ ہبہ کرنے میں اختلاف ہے،اور اگر قابض خود اس حق سے دستبردار ہوجائے تو قدیمی حق (حق القرار) ساقط ہوجائے گا، حاوی الزاہدی،اھ، تو اس حق سے اعیان قیمتی مراد ہیں

---

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

المتقومة لامجرد الامر المعنوی لما علمت من عدم صحة بیعه ویدل علی ذٰلك قوله فی البزازیة ولاشفعة فی الکردار ای البناء ویسمی بخوار زم حق القرار لانه نقلی اھ[1] ثم ستسمع الآن نصه الصریح علی انکارہ فسبحٰن من لاینسی ھذا، وقال فی ردالمحتار قد یقال ان الدراھم التی دفعها صاحب الخلو للواقف واستعان(ای الواقف)بها علی بناء الوقف شبیهة بکبس الارض بالتراب فیصیرله حق القرار فلا یخرج من یدہ اذاکان یدفع اجر المثل ومثله ما لو کان یرم دکان الوقف ویقوم بلوازمها من ماله باذن الناظر ،امامجرد وضع الید علی الدکان ونحوها وکونه یستاجرها عدة سنین بدون شیئ مماذکر فهو غیر معتبر(الٰی ان قال)وممن افتی بلزوم الخلو الذی یکون بمقابلة دراھم یدفعهاللمتولی او المالك العلامة المحقق عبد الرحمٰن افندی العمادی صاحب ھدیة ابن العماد وقال فلایملك صاحب الحانوت

نہ کہ صرف معنوی امر ہے کیونکہ تو معلوم کرچکا ہے کہ امر معنوی کی بیع جائز نہیں ہے اس پر بزازیہ کا قول، کہ کردار یعنی عمارت جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں میں شفعہ کا حق نہیں ہے، کیونکہ یہ حق منتقل ہونے والی چیز ہے اھ، اس کے اس بیان کے باوجود اب تم ان سے صریح طور پر اس بیان کا انکار سن رہے ہو، پس وہی ذات پاک ہے جو بھولتی نہیں ہے، یہ قابل غور ہے۔ ردالمحتار میں فرمایا: خلو والا جو دراہم واقف کو دیتا ہے اور واقف بطور امداد ان دراہم کو وقف کی تعمیر پر خرچ کرتا ہے اس کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ زمین میں مٹی ڈالنے کے مشابہ ہے جس کے ذریعہ اس کو حق استقرار حاصل ہوجاتا ہے تو جب تک مثلی اجرت دیتا رہے گا اس کے قبضہ کو ختم نہیں کیا جاسکے گا، اسی کی مثل ہے جب وقف دکان بوسیدہ ہوجائے تو وقف کے نگران کی اجازت سے کوئی شخص اس کو اپنے مال سے مرمت کرلے تو مروج کرایہ ادا کرنے کی شرط پر استقرار حق ہوجائے، لیکن دکان وغیرہ پر محض قبضہ ہونا کہ چند سالوں سے کرایہ دار ہے اور دراہم دینے کی مذکورہ صورت نہ ہو تو استقرار حق معتبر نہ ہوگا (آگے یہاں تک فرمایا) متولی یا مالک کو دئے گئے دراہم کے عوض خلو کے لزوم کا فتوٰی دینے والوں میں علامہ محقق عبدالرحمٰن آفندی عمادی صاحب ہدیہ ابن عماد ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ دکان کا مالک خلو والے کا

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

اخراجه ولااجارتهالغيره مالم يدفع له المبلغ المرقوم فيفتى بجواز ذٰلك للضرورة قياسا على بيع الوفاء الذى تعارفه المتأخرون احتيالا على الربا الخ، **قلت** وهو مقيد ايضا بماقلنا بما اذاكان يدفع اجر المثل والا كانت سكناه بمقابلة مادفعه من الدراہم عين الربا كما قالوا فيمن دفع للمقرض دارا ليسكنها اوحمارا ليركبه الى ان يستوفى قرضه انه يلزمه اجرة مثل الداراو الحمار على ان مايأخذه المتولى من الدراہم ينتفع به لنفسه فلو لم يلزم صاحب الخلواجرة المثل للمستحقين يلزم ضياع حقهم، اللهم الا ان يكون ماقبضه المتولى صرفه فى عمارة الوقف حيث تعين ذٰلك طريقا الٰى عمارته ولم يوجد من يستأجر باجرة المثل مع دفع ذٰلك المبلغ اللازم للعمارة، فحينئذقد يقال بجواز سكناه بدون اجرة المثل الضرورة ومثل ذٰلك يسمى فى زماننا مرصدا كماقدمناه فى الوقف والله سبحانه وتعالٰى اعلم[1] اھ	قبضہ ختم نہ کرسکے گا اور نہ کسی اور کو کرایہ پر دے سکے گا جب تک خرچ شدہ رقم اس کو واپس نہ کردے، تو اس خلو کے جواز کا ضرورت کی بنا پر فتوی دیا جائے گا، یہ قیاس ہوگا اس بیع وفا پر جس کو متاخرین نے سود سے بچنے کے لئے متعارف کرایا ہے الخ **قلت** (میں کہتاہوں) یہ جواز بھی ہمارے مذکور بیان کہ جب تک مروج کرایہ دیتا رہے گا، کی قید سے مقید ہے، ورنہ یہ سکنٰی ان دراہم کے مقابلہ میں قرار پائے گا جو اس نے مالک کو دئے ہیں جو کہ عین سود ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا کہ کسی نے قرض دینے والے کو رہائش کے لئے مکان دیا یا سواری کے لئے گدھا دیا تھا کہ جب تک قرض واپس نہ ہو اس کے استعمال میں رہے، تو اس صورت میں قرض دینے والے پر مکان یا گدھے کا مروج کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا (ورنہ سود ہوگا) علاوہ ازیں متولی نے جو دراہم وصول کئے وہ ان کو ذاتی مفاد میں صرف کرے گا تو خلو والے پر اگر مروج کرایہ لازم نہ کیا جائے تو مستحقین وقف کا حق ضائع ہوگا، ہاں اگر متولی وصول کردہ دراہم کو وقف کی عمارت میں خرچ کرے جہاں وقف عمارت میں خرچ کرنے کی ضرورت واضح ہو، اور اس مرمت شدہ عمارت کو مروج کرایہ بمع صرف شدہ رقم، دینے والا کوئی نہیں تو ایسی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ متولی کو رقم دینے والا اس میں ضرورت کے پیش نظر بغیر کرایہ رہائش کرسکتا ہے، ایسی صورت کو ہمارے زمانہ میں "مرصد" کہا جاتا ہے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶و۱۷

اقول: قد قدم الکلام علی الوقف وانه لابد ان یدفع اجر المثل فعوده الیه ثانیا وقوله وهو مقید ایضا بما قلنا ان ارادبه مسألة الواقف کما حط علیه اٰخر کلامه کان تکرارا ولم یکن محل لایضاد وان ارادبه مسألة الملك لان کلام العمادی کان فیهما فلاحامل علی ایجاب اجر المثل الا ان یکون مال الیتیم بل لو نقص من اجر المثل فی الوقف لم یجز من جهة النقص لالانه عین الربا لان تلك الدراہم لاتدفع قرضا بل اعانة للوقف والصرف فی مایؤل نفعه الیه و لاتسترد ابدا الاان یخرجه الناظر فح یستردها کما ذکر المحقق العمادی وعن هذا کانت کبیع الوفاء فالدراہم فیه لیست قرضا عند مجوزیه والاکان الانتفاع به عین الربا کما هو المتعمد فیه اما الدفع لیصرفه المتولی الی نفسه فحاش لله لیس من الخلو فی شیئ بل عین رشوة ولیس لاحد من المسلمین

جیسا کہ ہم نے وقف کے بیان میں اس کو بیان کر دیا ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم **اقول:** (میں کہتا ہوں) رد المحتار میں انہوں نے پہلے وقف کی بحث میں کلام کیا اور فرمایا کہ مثلی اجرت اور کرایہ ضروری ہے، پھر ان کا دوبارہ اس کو بیان کرنا اور یہ کہنا کہ عمادی کا یہ بیان بھی ہمارے سابقہ قول کے ساتھ مقید ہے، اگر اس سے وقف کا مسئلہ مراد ہے جیسا کہ انہوں نے اس پر بات ختم کی ہے، تو یہ تکرار ہے، اور عمادی کی مخالفت کا محل نہ ہوا اگرچہ ذاتی ملکیت کا مسئلہ مراد ہو کیونکہ عمادی کا کلام دونوں صورتوں کے بیان میں ہے بہر حال مثلی اجرت کے بیان کی ضرورت نہیں، ہاں اگر وہ ملکیت کسی یتیم کی ہو تو مثلی اور مروج اجرت ضروری ہوگی بلکہ وقف والی صورت میں تو مروج کرایہ سے کم بھی ہو تو کمی کی وجہ سے ناجائز ہوگا نہ کہ سود ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ دی گئی رقم بطور قرض نہیں بلکہ وقف کے لئے اعانت کے طور پر دی گئی ہے جس کے منافع بالآخر وقف کی طرف راجع ہیں اور یہ رقم بید خلی کے بغیر ناقابل واپسی ہے صرف بے دخلی پر واپس ہوگی جیسا کہ علامہ عمادی نے ذکر کیا، اسی وجہ سے یہ صورت بیع الوفاء کی مانند قرار پاتی ہے کیونکہ اس کے مجوزین حضرات کے ہاں وہ دراہم بطور قرض نہیں ہیں، ورنہ تو مکان دکان سے انتفاع عین سود ہے جیسا کہ یہی معتمد علیہ بات ہے، لیکن یہ صورت کہ وقف کا متولی اپنی ذات کے لئے دراہم کو صرف کرے، اس غرض سے دینا تو ہر گز خلو نہیں بلکہ یہ تو رشوت ہے جس کے جواز کے متعلق کوئی بھی مسلمان قول نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اس

ان یقول بجواز مثله فضلا عن لزومه۔والله تعالٰی اعلم۔	رشوت کو لازم قرار دیا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر اگر خلو وقف میں ہو تو شرط ہے کہ یہ عقد خود واقف یا متولی کرے دوسرے کو اختیار نہیں، نیز لازم کہ وہ روپیہ خاص وقف کی منفعت صحیحہ میں صرف ہو نہ کہ واقف یا متولی یا کسی اور کے کام میں، نیز ضروری کہ وقف کو اس امداد کی حاجت ہو اگر وقف خود اپنی منفعت کو پورا کرسکتا ہے تو خلو باطل ہے۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

الموقوف علیه الغلة اوالسکنی لایملك الاجارة الا بتولیة او اذن قاض لان حقه فی الغلة لافی العین [1]۔	کسی کے لئے غلہ یا سکنٰی وقف ہو تو وہ زمین کو اجارہ پر دینے کا مالک صرف تولیت یا قاضی کی اجازت سے ہوسکتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس کا حق صرف غلہ ہے عین چیز یعنی زمین نہیں ہے۔(ت)

غمز العیون میں ہے:

شروط صحة الخلو ان یکون مابذل من الدراہم عائدا علی جهة الوقف بان ینتفع بها فیه فمایفعل الاٰن من اخذ الناظر الدراہم من ذی الخلو ویصرفها فی مصالح نفسه هو فهذا الخلو غیر صحیح ویرجع الدافع بدراهمه علی الناظر وان لایکون للوقف ریع یعمر منه فان کان یفی لعمارته ومصاریفه فلایصح فیه حینئذ خلو،فلو وقع کان باطلا وللمستأجر الرجوع علی الناظر بما دفعه من الدراہم،وان یثبت ذٰلك الصرف علی منافع	خلو کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ دراہم کے خرچ کرنے سے وقف کو فائدہ ہو کہ ان کا نفع وقف میں شامل ہو، اور آج کل جو کچھ کیا جارہا ہے وہ یہ کہ وقف کا نگران خلو والے سے دراہم لے کر اپنے ذاتی مفاد میں خرچ کرتا ہے تو یہ باطل ہے لہذا دراہم دینے والے کو حق ہے کہ وہ نگران سے واپس وصول کرے اگرچہ وقف کی اتنی آمدن نہ ہو جس سے اس کی تعمیر ہوسکے اور اگر اتنی آمدن ہو جس سے وقف کی عمارت وغیرہ مصارف پورے ہوسکتے ہوں تو اب اس میں خلو صحیح نہ ہوگا اگر خلو کیا تو باطل ہوگا اور مستاجر کو دئے ہوئے اپنے دراہم واپس لینے کا حق ہوگا،اور اگر واقعی دراہم کے فوائد وقف کے لئے ہوں تو بھی محض نگران کی تصدیق ثبوت

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۷

الوقف بالوجه الشرعی فلوصدقه الناظر علی التصرف من غیر ثبوت ولاظهور عمارة ان کانت هی المنفعة فلا عبرة بهذاالتصدیق لان الناظر لایقبل قوله فی مصرف الوقف حیث کان لذٰلك الوقف شاهد [1] اهـ نقله عن ذٰلك الفاضل المالکی مقرا بل معتمدا حیث قال هذاخلاصة ماحرره بعض فضلاء المالکیة فی تالیف مستقل فی ذٰلك والله الهادی الی قوام المسالك وانما اطنبنا الکلام فی هذا المقام لکثرة دوران الخلو بین الانام واحتیاج کثیر من القضاة الیها وابتناء کثیر من الاحکام علیها خصوصا قضاة الاوهام الذین لیس لهم شعور ولاالهام [2] اهـ.

اقول: ماذکر من عدم تصدیق الناظر مسلم ان کان مسرقا مفسدااوکذبه الظاهر کأن یدعی صرفها الی العمارة ولاعمارة والا فلعله عندالمالکیة اما عندنا فالناظر امین والقول قول الامین مالم یکذبه الظاهر قال فی الدرالمختارلوادعی المتولی الدفع قبل قوله الخ [3] وفی ردالمحتار عن الاسعاف وعن شرح الملتقی عن شروط

اور موقعہ پر عمارت کے وجود کے بغیر قابل تقسیم نہیں ہے جبکہ منافع کا تعلق عمارت سے ہو، کیونکہ جب وقف کے منافع قابل مشاہدہ ہوں تو مصرف کے متعلق محض نگران کا قول قابل قبول نہیں ہوتا اھ ،اس کو غمزالعیون نے اس مالکی فاضل سے ثابت بلکہ معتمد قرار دیتے ہوئے نقل کیا جہاں انہوں نے کہا کہ بعض مالکی فضلاء نے اس بحث کو اپنے مستقل رسالہ میں جو تحریر کیا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے، اللہ تعالٰی ہی مضبوط راستہ کی راہنمائی فرمانے والا ہے۔ ہم نے اس بحث کو اسلئے طول دیا کہ لوگوں میں خلو رواج کثیر ہے اور بہت سے قاضی حضرات کو اس کی ضرورت درپیش ہے اور اس پر بہت سے احکام مبنی ہیں خصوصًا وہم پرست قاضیوں کے لئے جن کو فہم وشعور نہیں ہے اھ۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اس کا یہ ذکر کرنا کہ نگران کی تصدیق کافی نہیں ہے یہ وہاں درست ہے جہاں نگران مفسد اور چور ہو یا ظاہر حال نگران کو جھوٹا قرار دے مثلاً یہ کہ وہ عمارت پر صرف کرنے کا دعوی کرتا ہو حالانکہ موقعہ پر عمارت کا وجود ہی نہیں ہے، ورنہ ہوسکتا ہے کہ یہ مالکی حضرات کا موقف ہو، لیکن ہمارے ہاں جب تک ظاہر حال نگران کو نہ جھٹلائے اس وقت تک نگران کو امین قرار دیا جائیگا اور اس کی بات ہی معتبر ہوگی، درمختار میں فرمایا ہے کہ اگر متولی ادا کرنے کا دعوی کرتا ہو تو اس کی بات قابل تسلیم

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۔۱۳۸

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۔۱۳۸

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۲

الظهيرية وعن البحر عن وقف الناصحی اذا آجر الواقف او قيمه او وصيه او امينه ثم قال قبضت الغلة فضاعت اوفرقتها على الموقوف عليهم وانكروا فالقول له مع يمينه [1] اھ وفيه عن الحامدية عن بيری زاده عن احكام الاوصياء، القول فی الامانة قول الامين مع يمينه الا ان يدعی امرا يكذبه الظاهر فحينئذ تزول الامانة وتظهر الخيانة فلا يصدق [2] اھ وفيه عنها عن المفتی ابی السعود انه ان كان مفسدا مبذرا لايقبل قوله بصرف مال الوقف بيمينه [3] اھ بل استظهر السيد الحموی نفسه فی امانات الغمز قبول قوله ولو بعد عزله مستندا بمسائل، منها ان الوصی لو ادعی بعد موت اليتيم انه انفق عليه كذا يقبل	ہوگی الخ اور ردالمحتار میں اسعاف اور شرح ملتقی سے ظہیریہ کی شروط اور بحر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ناصحی کے وقف کے حوالہ سے کہا ہے کہ جب واقف یا ناظم یا وصی یا امین نے وقف زمین کرایہ پر دی اور پھر کہا میں نے غلہ (اجرت) وصول کرلی ہے جو ضائع ہوگئی یا موقوف علیہ لوگوں میں تقسیم کردی ہے وہ لوگ انکار کریں تو قسم لے کر متولی وغیرہ کی بات تسلیم کرلیجائیگی اھ، اور اسی ردالمحتار میں حامدیہ سے بیری زادہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ وصی حضرات کے احکام کی بحث میں فرمایا کہ دیانت کے معاملہ میں قسم کے ساتھ ناظم کی بات تسلیم کرلی جائے گی ماسوائے ایسے معاملہ کے جس میں ظاہرًا جھوٹ کا مدعی ہو تو ایسی صورت میں اس کی دیانت ختم اور خیانت واضح ہونے کی بناء پر تصدیق نہ کی جائے گی اھ اسی میں حامدیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے مفتی ابوسعود سے نقل کیا ہے کہ اگر متولی وغیرہ مفسد اور فضول خرچ ہو تو وقف کے مال کو صرف کرنے کے متعلق اس کی قسم کے باوجود بات قبول نہ کیجائیگی اھ، بلکہ سید حموی نے ظاہر قرار دیتے ہوئے غمز کی امانات کی بحث میں فرمایا کہ اس کی بات قبول ہوگی اگرچہ اس کے معزول ہونے کے بعد اس کا قول ہو۔ اس بات کو حموی نے کئی مسائل سے ثابت کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل يراعی شرط الواقف فی اجارته دار احياء التراث العربی بيروت ۳/ ۴۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل يراعی شرط الواقف فی اجارته دار احياء التراث العربی بيروت ۳/ ۴۲۵

[3] ردالمحتار کتاب الوقف فصل يراعی شرط الواقف فی اجارته دار احياء التراث العربی بيروت ۳/ ۴۲۵

قولہ وعللوہ بانہ اسندہ الی حالۃ منافیۃ للضمان [1] اھ فکانہ سکت ھٰھنا معتمد اظھورہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ وصی شخص یتیم کی موت کے بعد دعوی کرے کہ میں نے یتیم پر اتنا مال صرف کیا ہے تو اس کی بات قبول کی جائے گی، اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ وصی کا یہ بیان ایسی حالت کی طرف منسوب ہے جو ضمان کے منافی ہے، اس پر ان کا سکوت ظاہر پر اعتماد کی دلیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ظاہر ہے کہ زرمذکور فی السوال نہ ضرورت وقف کے لئے لیا گیا نہ وقف میں صرف ہوا بلکہ ایک شخص کی اپنی ذاتی غرض میں اگرچہ وہ متولی بھی ہے نہ وہ روپیہ حق استبقائے اجارہ کے بدلے ہے، نہ اجرت مثل اس سے جدا ہے بلکہ اسی میں محسوب ہوا کرے گا تو کسی طرح خلو سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا بلکہ یقیناً وہ ایک قرض ہے کہ اس موقوف علیہ نے لیا اور اس کے بدلے وقف کو رہن کیا اور منافع حرام کو مقرض پر مباح کردیا وقف کا رہن خود ہی باطل ہے، تنویر الابصار میں ہے:

فاذا تم ولزم لایملك ولایملك ولایعار ولایرھن [2]۔	جب وقف لازم وتام ہوجائے تو وہ کسی کا مملوکہ نہ کسی کو تملیک نہ عاریۃً اور نہ ہی بطور رہن دیا جاسکتا ہے۔ (ت)

نہ کہ رہن دخلی کہ ملک کا بھی حرام ہے، تو یہ عقد حرام در حرام، ظلم در ظلم، ظلمات بر ظلمات ہے، واجب الرد ہے گیرندہ پر جب تک نہ چھوڑے وقف کے لئے اجر مثل تو خود ہی لازم ہوگا فان منافع الوقف مضمونۃ مطلقاً (کیونکہ وقف کے منافع مطلقاً قابل ضمان ہوتے ہیں۔ ت) اور جو کچھ اس سے زائد حاصل کرے گا وہ بھی اسے حلال نہیں وقف کردے یا تصدق کرے، اور اول اولٰی ہے کمافی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرھما (جیسا کہ خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ ت) یہاں تک چار سوالوں کا جواب شافی ہوگیا اور پنجم کا بھی کہ اس معاملہ کو خلو سے علاقہ نہیں اگرچہ روپیہ ضروریات وقف ہی کے لئے لیا اور انہیں میں صرف کیا کہ یہ روپیہ بمقابلہ استبقائے اجارہ علاوہ اجر مثل نہیں بلکہ اتنا زر اجر پیشگی لیا ہے وقتاً فوقتاً اجرت میں محسوب ہوگا اس سے عدم وقف خواہ اب انعدام وقف پر استدلال صریح جہل وضلال، وقف ثابت کسی کی ناجائز کارروائی سے نہ غیر ثابت ہوسکتا ہے نہ زائل ورنہ ابطال اوقاف ظالموں کے اختیار میں ہوجائے جب چاہیں کوئی ناجائز کام کردیں اور وقف باطل وزائل ہوجائے۔ ہاں تفتیش طلب اس کارروائی کا جواز وعدم جواز ہے اس میں مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الامانات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۷۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

دیہات کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے کہ زمین مزارعوں کے اجارہ میں رہے اور توفیر ٹھیکے میں دی جائے بلاشبہہ حرام ومردود وباطل ہے کما حققناہ لامزید علیہ فی کتاب الاجارۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی آخری تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب الاجارہ میں کردی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

قریۃ وقف آجر المتکلم علیھا ثلثھا لرجل سنۃ بمال لیتناول مایتحصل من الثلث المذکور من الغلال صیفیھا وشتویھا ھذہ الاجارۃ باطلۃ غیر منعقدۃ لما صرح بہ علماؤنا قاطبۃ من ان الاجرۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولاتفید شیئا من احکام الاجارۃ فلیس للمستأجر ان یتناول شیئا من الغلال بل ذٰلك للوقف یصرف فی وجوھہ المعینۃ [1]۔ (ملتقطًا)	وقف گاؤں ہو اور موقوف علیہ شخص گاؤں کے تہائی حصہ کی آمدنی کو ایک سال کے لئے کسی مال کے بدلے اجارہ پر دے دے تاکہ اجارہ پر لینے والا شخص اس مال کے بدلے موسم گرما اور سرما کی آمدن کا تہائی حصہ حاصل کرلیا کرے تو یہ اجارہ باطل ہوگا اور منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ تمام علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ اجارہ جو عین چیز کو قصدا تلف کرنے پر ہو وہ منعقد نہ ہوگا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہ ہوگا، اس لئے مذکورہ صورت میں اجارہ پر لینے والے کو اس آمدن کو لینے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ تمام آمدن وقف کے معینہ مصارف پر خرچ ہوگی۔ (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلۃ فلایملك المستأجر ماوجد من تلك الاعیان بل ھی علی ماکانت علیہ قبل الاجارۃ فتؤخذ من یدہ اذا تناولھا ویضمنھا بالاستھلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیہ التصرف فیھا لعدم مبلکہ وذٰلك کاستئجار بقرۃ لیشرب	جب اعیان کو تلف کرنے پر قصدًا اجارہ کیا جائے تو باطل ہوگا لہذا اجارہ پر لینے والے کو ان اعیان کو حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ اعیان یعنی غلہ وغیرہ وہیں خرچ ہوگا جہاں وہ اجارہ سے قبل خرچ ہوتے تھے اس لئے مستاجر (اجارہ لینے والے) کے قبضہ سے واپس لے لئے جائیں گے اگر اس نے وصول کرکے خرچ کرلئے اس سے ضمان وصول کیا جائے گا کیونکہ باطل معاملہ کوئی اثر نہیں رکھتا لہذا ان میں اس کا

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۷

لبنها وبستان لياكل ثمرته ومثله استئجار مافی يد المزارعين لاكل خراجه[1]۔	تصرف حرام ہوگا اس لئے کہ وہ اس چیز کا مالک نہ تھا، اس کی مثال جیسے کہ گائے وبھینس کو دودھ کے لئے اجارہ پر لے اور مثلاً باغ کو پھل کھانے کیلئے اور وقف کے مزارعین کے زیر قبضہ زمین کو غلہ کرنے کے لئے اجارہ پر لے۔(ت)

اسی میں ہے:

الالتزام والمقاطعة علی مایتحصل من قرية الوقف من خراج بمال معلوم من احد النقدين يدفعه الملتزم ويكون له مايتحصل منها قليلا كان اوكثيرا لاتجوز اذلاوجه لها شرعالكونها لاتتصور شرعًا ان تكون بيعا اذبعض المقاطع عليه معدوم وبعضه مجهول ولاان تكون اجارة لانها بيع المنافع والواقع عليه فی المقاطعة المشروحة اعيان لامنافع فهی باطلة بالاجماع[2] (ملتقطا)۔	کسی گاؤں کی آمدنی (حصہ بٹائی) حاصل کرنے کے لئے مقررہ نقد مال پر اجارہ کا فیصلہ اور التزام کرنا کہ جو قلیل یا کثیر حصہ بٹائی گاؤں سے حاصل ہو اس کو مستاجر حاصل کرے گا، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ شرعاً اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں، بیع اس لئے متصور نہیں ہوسکتی کہ معقود علیہ ابھی معدوم ہے اور کچھ حصہ مجہول ہے، اور اجارہ اس لئے متصور نہیں ہوسکتا کہ اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے جبکہ مذکورہ صورت میں منافع کی بجائے اعیان (غلہ) پر سودا ہوا ہے، لہذا یہ بالاجماع باطل ہے۔ (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

اذا استأجر القری والمزارع لتناول خراج المقاسمة اوخراج الوظيفة فالاجارة باطلة باجماع علمائنا[3] (ملتقطا)	جب گاؤں یا زراعت جن پر سرکاری وظیفہ یا حصہ بٹائی حاصل ہوتا ہے کو اجارہ پر لینا تاکہ ان سے حاصل وظیفہ یا حصہ کو بدلے میں وصول کیا کرے تو ہمارے علماء کے ہاں بالاجماع یہ اجارہ باطل ہے۔ (ملتقطا) (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۶

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

اسی میں ہے:

قریۃ ضمنہا من لہ ولایتہا لرجل بمال معلوم لیکون لہ خراجہا فالتضمین باطل اذلایصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا لانہ معدوم[1] (ملتقطا)	کوئی شخص مقررہ مال کے بدلے گاؤں کی آمدن کو کسی شخص کیلئے حاصل کرے تاکہ آمدن اس کے لئے ہوجائے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ یہ سودا منافع پر نہیں بلکہ اعیان (غلہ) کے تلف کرنے پر قصداً ہوا ہے اور بیع بھی نہیں کیونکہ یہ معدوم چیز پر سودا ہے (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

یتماری آجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم لاتصح وعلی کل منہما رد ماتناولہ۔[2]	کھجور کے باغ والا اپنے باغ سے حاصل ہونیوالے پھل کو مقررہ نقد پر کسی دوسرے کو اجارہ پر دے دے تو صحیح نہیں ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کو واپس کردیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

قد اتفقت علماؤنا علی ان الاجارۃ اذا وقعت علی تناول الاعیان او اتلافہا فہی باطلۃ فاجارۃ القری لتناول الخراج مقاسمۃ کان او وظیفۃ باطل وقد افتیت بذٰلک مرارا۔[3] (ملتقطا)	ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اجارہ اعیان چیزوں کے حصول یا ان کے تلف کرنے پر کیا جائے تو باطل ہوگا لہٰذا وظیفہ یا حصہ بٹائی والا گاؤں اجارہ پر اس لئے دینا کہ مستاجر اس کا وظیفہ اور حصہ عوض میں وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جبکہ میں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

المقرر فی کلام مشایخنا باجمعہم ان الاجارۃ علی استہلاک الاعیان باطلۃ	ہمارے مشائخ نے بالاتفاق یہ طے کیا ہے کہ اعیان چیزوں کو بطور ہلاکت قبضہ میں لینے پر اجارہ باطل ہے اور

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۸

[3] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۹

وجعل العین منفعة غیر متصور فالاجارة حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ الخراج والدراھم المضروبة فھو باطل باجماع ائمتنا[1] (ملتقطا)	عین چیز کو نفع قرار دینا متصور نہیں ہو سکتا، تو جہاں زمین کا اجارہ زراعت وغیرہ سے انتفاع کے لئے نہ ہو بلکہ اس سے حاصل ہونے والے خراج اور وظیفہ مقررہ کو حاصل کرنے کے لئے ہو تو یہ بالاجماع باطل ہے (ملتقطا) (ت)

اسی کی کتاب الوقف میں ہے:

لاقائل من فقھاء الاسلام بصحة الالتزام فی اوقاف الانام لانك مھما اعتبرته کان باطلا، وکیف ماقومته کان مائلافان قدرته بیعا فھو بیع المعدوم او المجھول، وان قدرته اجارة فھی واقعة علی استھلاك الاعیان المعدومة الاٰتیة فیما یؤل، وھی فی الموجودة لاتجوز فکیف یستأجر منھا ماسیجوز وان اعتبرته واھبالما سیصرف ومتھبا لما سیقبض فالھبة فی مال الوقف لاتجوز ولو بعوض[2] اھ **اقول:** خص الکلام بالوقف لان السوال عنه فاستدل بدلیل یخصه والا فھبة المعدوم بطلانه معلوم ولو فی الملك، قال فی الخیریة من الھبة وبھذاعلم عدم صحة ھبة ما سیتحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسه لم یقبضه بعد فکیف یملکه اھ[3]۔	فقہاء اسلام میں کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ سرکاری اوقاف کے وظائف کو حاصل کرنے کی ذمہ داری مقررہ نقد کے عوض حاصل کرلے کیونکہ آپ اسے جس معنی میں اعتبار کریں غلط ہوگا، اگر آپ بیع فرض کریں تو یہ مجہول یا معدوم چیز کی بیع قرار پائے گی اور اگر اجارہ فرض کریں تو یہ معدوم آئندہ پائے جانے والے اعیان کو حاصل کرنے پر اجارہ ہوگا جبکہ یہ موجودہ اعیان میں بھی جائز نہیں تو معدوم میں کیسے جائز ہوگا، اور اگر آئندہ موجود ہونے اور مہیا ہونے والی چیز کا ہبہ فرض کرو تو یہ وقف چیز کا ہبہ قرار پائے گا جبکہ وقف چیز کا ہبہ معاوضہ کے طور پر بھی جائز نہیں، **اقول:** (میں کہتا ہوں) انہوں نے خاص وقف کے متعلق بات کی ہے کیونکہ سوال یہی تھا اس لئے انہوں نے وقف سے متعلق دلیل ذکر کی ہے ورنہ تو معدوم چیز کا ہبہ معلوم البطلان ہے اگرچہ ذاتی ملکیت ہو، خیریہ میں ہبہ کی بحث میں فرمایا کہ مذکورہ بحث میں معلوم ہوا کہ گاؤں کے بعدمیں حاصل ہونیوالے محصول کا ہبہ بطریق اولٰی صحیح نہیں کیونکہ ابھی خود مالک کو ان پر قبضہ نہیں ہے تو وہ آگے کسی کو کیا قبضہ دے گا اھ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۵

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

فتاوٰی علامہ تاجی بعلی تلمیذ صاحب درمختار میں ہے:

هذا اذا لم تكن الاجارة واردة على استهلاك الاعيان قصدا، اما اذا كانت كذلك بان كانت اراضي القرية في ايدي مزارعين وانما استأجرها المستأجر المرقوم ليأخذ ما يخصها من خراج فهي باطلة كما صرح بذلك علماؤنا قاطبة[1]۔	یہ وہ صورت ہے جبکہ اعیان کو بطور ملکیت ہلاک کرنے پر اجارہ قصداً وارد نہ ہوا، اور اگر ایسا ہو کہ کسی گاؤں کی زمین مزارعین کے پاس ہو توان سے مقررہ محاصل وصول کرنے پر اجارہ کیا کہ مستاجر وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علماء نے تصریح کی ہے۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

وانظر ما في فتاوى الشيخ خير الدين من الاجارات فقد افتى مرارا ببطلان هذه الاجارة المسماة بالمقاطعة والالتزام[2]۔	ہمارے شیخ خیر الدین کے اجارات کی بابت فتاوٰی پر غور کرو انہوں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے کہ مقاطعہ اور التزام (ذمہ داری اور فیصلہ) کے عنوان سے جو اجارے کئے جاتے ہیں وہ باطل ہیں (ت)

ردالمحتار کتاب السیر میں قبیل فصل جزیہ ہے:

الواقع في زماننا ان المستاجر يستاجر ها لاجل اخذ خراجها لا للزراعة ويسمى ذلك التزاما وهو غير صحيح[3]۔	ہمارے زمانہ میں مستاجر حضرات خراج اور وظیفہ وصول کرنے کے لئے جو اجارہ طے کرتے ہیں وہ مزارعت کیلئے نہیں ہے اس لئے وہ باطل ہیں جس کا نام انہوں نے التزام بنا رکھا ہے(ت)

تو یہ کارروائی قطعاً اجماعاً حرام وباطل واقع ہوئی جس کے مورث نے یہ فعل کیا اس کے وارث پر تو کوئی الزام نہیں آتا، نہ وہ اس وجہ سے قابلیت تولیت سے عاری ہو جبکہ فی نفسہٖ وبرعایت شرائط واقف لائق تولیت ہو،

قال تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

---

[1] العقود الدرية بحواله فتاوى علامه التاجي البعلي كتاب الاجارة ارگ بازار قندهار افغانستان ۲/ ۱۲۱

[2] العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية كتاب الاجارة ارگ بازار قندهار افغانستان ۲/ ۱۲۱

[3] ردالمحتار كتاب الجهاد باب العشر والخراج داراحياء التراث العربي بيروت ۳/ ۲۶۶

[4] القرآن الكريم ۶۰/ ۱۶۴

محل نظر خود وہ متولی ہیں جو اس حرام کے مرتکب ہوئے یہاں ضرور فقیر ان وقائع کااظہار کرے جو ۳۴ برس سے آج تک کسی تحریر میں ذکر نہ کئے یہ مسئلہ کہ دیہات کارائج ٹھیکہ حرام قطعی ہے جو کچھ محاصل ہو سب مالک قریہ کا ہے اگر گاؤں مملوک ہو یا وقف کا، اگر موقوف ہو ٹھیکیدار کو اس میں سے ایک حبہ لینا حرام ہے اور جس سال نشست کم ہو تو ٹھیکیدار کو جتنا وصول ہوا اسی قدر مالک یا متولی کو لینا حلال ہے پوری رقم قرار یافتہ لینا حرام ہے مثلاً ہزار روپے سال کو ٹھیکہ تھا اور بارہ سو تحصیل ہوئے تو یہ دو سو ٹھیکے دار کو حرام ہیں مالک یا واقف کا حق ہیں اور آٹھ سو ملے تو مالک وواقف کو اسی قدر حلال، دو سو زیادہ حرام ہیں، باوصف کمال وضاحت اس دارالفتن ہندوستان میں ایسا خفی مسئلہ ہے جس سے یہاں کے اکابر علماء غافل محض، اور خود اس میں اور اس کی تحلیل میں مبتلا ہیں چودھویں صدی کے علماء میں باعتبار حمایت دین ونصرت سنت نیز بلحاظ تفقہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب بدایونی رحمہ اللہ تعالٰی کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا ایام ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیان دین کے خطاب تجویز کئے ہیں حضرت مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب کو الاسد الاسد الاشد، مولوی قاضی عبد الوحید صاحب فردوسی کو ندوہ شکن ندوی فگن، مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی کو شیر بیشہ سنت رحمہم اللہ تعالٰی، حاجی محمد لعل خان صاحب قادری برکاتی مدراسی سلمہ اللہ تعالٰی کو حامی سنت ماحی بدعت، اسی زمانے میں حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو تاج الفحول سے تعبیر کیا جو آج تک ان کے اخلاف میں مقول ومقبول ہے اور وہ بیشک باعتبارات مذکورہ اس کے اہل تھے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ رحمۃً واسعۃً، ایسے فاضل جلیل کے پاس ۱۳۰۲ھ میں جب فقیر کا فتوی اس ٹھیکے کی حرمت میں گیا جس میں اس وجہ سے کہ فقیر اس وقت اپنے دیہات میں تھا اور سوا خیریہ وردالمحتار کے کوئی کتاب ساتھ نہ لے گیا تھا فقط فتاوٰی خیریہ کی بعض عبارات تھیں، حضرت موصوف نے بعد تامل بسیار اس پر صرف اس مضمون سے تصدیق تحریر فرمائی کہ نظر حاضر میں ان عبارات سے عدم جواز ہی معلوم ہوتا ہے، جب فقیر شہر کو واپس آیا مفصل فتوی عبارات کثیرہ کتب عدیدہ پر مشتمل لکھ کر بھیجا، اب حضرت نے پورے وثوق سے تسلیم کیا اور یہ فرما بھیجا کہ اسکے جواز کے حیلہ سے اطلاع دو یہی حال اور علمائے اطراف کا ہے بعد سماع دلائل ووضوح تحریم یہی فرماتے پایا کہ حیلہ جواز نکالو یعنی عادتیں مستحکم ہو گئیں خود بھی ابتلا ہو چکا اور اس میں آرام بھی ہے لہٰذا حیلہ جواز کی تلاش ضرور ہوئی۔ مبارک ہیں وہ بندے کہ حکم پر مطلع ہو کر حق کی طرف رجوع لائیں اور اذانیان زمان کی طرح اپنے اور اپنے آباء واساتذہ کی عادت کو شرع مطہر کے رد کے لئے حجت نہ بنائیں۔ ردالمحتار کتاب الاجارہ میں ہے:

اذا تکلم احد بین الناس بذٰلك یعدون کلامه منکر امن القول وھذہ بلیة قدیمة، فقد ذکر العلامة قنالی زادہ	لوگوں میں جب یہ بات کی جاتی ہے تو اس کی بات کو لوگ غلط قول قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ مصیبت قدیم سے چلی آرہی ہے، چنانچہ علامہ قنالی زادہ نے ذکر کیا ہے

ان المسألة کثیرة الوقوع فی البلد ان واذا طلب رفع اجارتها یتظلم المستأجرون ویزعمون انه ظلم وهم ظالمون، وبعض الصدور والا کابر یعاونونهم ویزعمون ان هذا تحرك فتنة علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ما هی علیه وان شر الامور محدثاتها ولایعلمون ان الشر فی اغضاء العین عن الشرع وان احیاء السنة عند فساد الامة من افضل الجهاد واجزل القرب[1]۔(ملتقطا)	کہ بہت سے علاقوں میں یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور جب ایسے اجارہ کو ختم کرنے کی بات کی جاتی ہے تو مستاجر حضرات اپنے آپ کو مظلوم قرار دیتے ہیں اور اس کارروائی کو ظلم کہتے ہیں حالانکہ وہ خود ظالم ہیں، اور بعض معتبر حضرات اور اکابرین ان کی مدد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ کارروائی فتنہ کو ہوا دینا ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ امور کو اپنی اصلی حالت پر رکھا جائے اور نئی بدعات کو شر قرار دیا جائے، وہ لوگ نہیں جانتے کہ شرع سے چشم پوشی میں شر ہے اور امت کے فساد کے وقت کسی سنت کو زندہ کرنا بہترین جہاد اور بڑی عبادت ہے۔(ت)

ردالمحتار وعقود الدریہ میں ہے: وھذا اعلم فی ورق[2] (یہ ایک ورق میں عظیم علم ہے۔ت) تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

فعلم بهذا ان هذه علة قدیمة ولاحول ولاقوة الاباللّٰه العلی العظیم[3]۔	تو معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے، لاحول ولاقوۃ الاباللّٰه العلی العظیم۔(ت)

ایسا غامض مسئلہ کہ یہاں کے فحول علماء پر مخفی ہو اور عوام کی دوڑ انہیں تک ہے اگر عوام قبل اطلاع حکم اس میں مبتلا ہوں تو یہ نہ کہنا چاہئے کہ انہوں نے قصداً ارتکاب حرام یا وقف کی بدخواہی کی جس سے قابل تولیت نہ رہیں، واللّٰہ یعلم المفسد من المصلح واللّٰہ غفور رحیم۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴تا۷۵: مرسلہ محمد ابراہیم کنکشیر ہائی اسکول ضلع فرید پور رجب ۱۳۳۴ھ

(۱) اگر کسی ہندو نے چند جگہ مسلمان کو فقط نماز جمعہ کے واسطے وقف کردئے کہ تم لوگ اس میں قربانی مت کرنا۔ اگر قربانی کے واسطے اجازت بھی دیوے تو ہندو کی وقف کردہ زمین میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر ہندو کی وقف کردہ زمین میں ۲۰ یا ۲۵ برس تک نماز جمعہ پڑھی، بعد میں معلوم کیا، تو

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[3] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۷

اس مسجد کو دوسری جگہ مسلمان کے لئے جا کر بنا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسجد کے لئے ہندو کا وقف نا ممکن نامقبول ہے، وہ مسجد نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) وہ مسجد ہی نہیں، مسلمان دوسری جگہ اپنی مسجد بنائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مصارف وقف

(وقف کے مصارف کا بیان)

مسئلہ ۷۶: از احمد آباد گجرات محلّہ کالوپور پنچ پولی دھنکوٹ مرسلہ شیخ محمد زین الحق عرف چھٹومیاں ۴ محرم ۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید کے پاس ایک رقم زرِ نقد وقف یاللہ کسی کارِ خیر کے لئے موجود ہے مثلاً مسجد کی تعمیر وغیرہ مصارف کی یا کسی بزرگ کے روضہ یا مقبرہ یا عرس وغیرہ کی آمدنی اس کے مصارف پورے طور سے ہو کر اضافہ جمع رہتی ہے، یا مسجد یا مدرسہ یا یتیم خانہ تعمیر کرنے کو وہ چندہ جمع کیا گیا ہے اور اس کا خرچ پورے طور سے تمام ہو کر باقی رقم اضافہ رہی ہے وغیرہ وغیرہ، اس قسم کا پیسہ نقد یا مِلک مانند مکان وزمین وغیرہ کے ایک کارِ خیر کے لئے فراہم ہوا ہے یا کیا گیا ہے اس کو دوسرے کارِ خیر میں للہ یعنی مسجد کا چندہ کیا ہوا یا اس کی آمدنی میں سے بچتا رہا ہوا مقبرہ یا مدرسہ یا یتیم خانہ کے کام میں یا مقبرہ ومدرسہ ویتیم خانہ کا پیسہ مسجد کے کام میں لے سکتے ہیں یا نہیں وہ ازروئے شرع شریف مع حوالہ کتب مذہب اہل سنت وجماعت کے خلاصہ بیان فرماکے اپنی مہر ودستخط فرمادیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وقف جس غرض کے لئے ہے اسکی آمدنی اگرچہ اس کے صرف سے فاضل ہو دوسری غرض میں صرف کرنی حرام ہے وقف مسجد کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہونی درکنار دوسری مسجد میں بھی صرف نہیں ہوسکتی، نہ ایک

مدرسہ کی آمدنی مسجد یا دوسرے مدرسہ میں۔ درمختار میں ہے:

اتحد الواقف والجھۃ وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ، جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الاٰخر الیہ لانھما حینئذ کشیئ واحد وان اختلف احدھما بان بنی رجلان مسجدین او رجل مسجدا و مدرسۃ ووقف علیھما اوقافا لایجوز لہ ذٰلک[1]۔	جب واقف ایک ہو اور جہت وقف بھی ایک ہو اور آمدن کی تقسیم بعض موقوف علیہ حضرات پر کم پڑجائے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ دوسرے فاضل وقف سے ان پر خرچ کردے کیونکہ یہ دونوں وقف ایک جیسے ہیں، اور اگر واقف یا جہت وقف دونوں کی مختلف ہو مثلاً دو حضرات نے علیحدہ علیحدہ مسجد بنائی یا ایک نے مسجد اور دوسرے نے مدرسہ بنایا اور ہر ایک نے ان کے لئے علیحدہ وقف مقرر کئے تو پھر ایک کی آمدن سے دوسرے کے مصارف کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں۔ (ت)

چندہ کا جو روپیہ کام ختم ہو کر بچے لازم ہے کہ چندہ دینے والوں کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا وہ جس کام کے لئے اب اجازت دیں اس میں صرف ہو، بے ان کی اجازت کے صرف کرنا حرام ہے، ہاں جب ان کا پتانہ چل سکے تو اب یہ چاہئے کہ جس طرح کے کام کے لئے چندہ لیا تھا اسی طرح کے دوسرے کام میں اٹھائیں، مثلاً تعمیر مسجد کا چندہ تھا مسجد تعمیر ہوچکی تو باقی بھی کسی مسجد کی تعمیر میں اٹھائیں، غیر کام مثلاً تعمیر مدرسہ میں صرف نہ کریں، اور اگر اس طرح کا دوسرا کام نہ پائیں تو وہ باقی روپیہ فقیروں کو تقسیم کردیں۔ درمختار میں ہے:

ان فضل شیئ رد للمتصدق ان علم والا کفن بہ مثلہ والا تصدق بہ[2]	اگر چندہ سے کچھ بچ جائے تو دینے والا اگر معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے گا ورنہ اس جیسے فقیر کے کفن پر صرف کیا جائے یا صدقہ کردیا جائے (ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیری وغیرہما میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۷: مسئولہ ظہور حسین ساکن بریلی محلّہ کٹلے نالہ ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک وقف نامہ غیر مستقل آمدنی کا بنام خدائے برتر لکھا اور وقف نامہ مذکور میں نسلاً بعد نسل تولیت کا تذکرہ نسبت ورثاء متولیان کے اور کسی

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

کمیٹی یا انجمن کا دست انداز نہ ہونا تحریر ہے آمدنی مذکور بہ تعین تعداد واسطے نذر و نیاز وکار خیر جاریہ کی مقرر کردی مگر جائداد موقوفہ کی آمدنی اخراجات معینہ واقف سے زائد ہو تو وہ زائد آمدنی کیا ہوگی اور وقف پر کیا اثر ہوگا اور اس پر وراثت جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وقف پر وراثت جاری نہیں ہوسکتی زائد آمدنی امانۃً جمع رہے گی جیسے زیادت ممکن ہے اور برسوں میں کمی بھی محتمل ہے وہ کمی اس سرمایہ جمع شدہ سے وقتاً فوقتاً پوری کی جائے گی، متولیان وورثہ بحال تولیت اگر صالح تولیت رہے تو بہتر، ورنہ بحال جرم وخیانت وعدم لیاقت ضرور مسلمانوں کو دست اندازی پہنچے گی اور واقفہ کی اس شرط پر کچھ نظر نہ کی جائے گی نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار (درمختار وغیرہ معتمد کتب میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) درمختار جلد ۳ صفحہ ۵۵۴ پر ہے:

فیلزم فلا یجوز لہ ابطالہ ولا یورث عنہ وعلیہ الفتوی ابن الکمال وابن الشحنہ[1]۔	تو وہ لازم ہوجائے گا اب اس کا ابطال یاوراثت بنانا جائز نہیں، اسی پر فتوی ہے، ابن کمال وابن شحنہ۔(ت)

وعلیہ الفتوی کے تحت میں علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ای علی قولھما بلزومہ قال فی الفتح والحق ترجح قول عامۃ العلماء بلزومہ لان الاحادیث والاثار متظافرۃ علی ذلک واستمر عمل الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم علی ذلک فلذا ترجح علی خلاف قولہ اھ ملخصا[2]۔	یعنی صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے لزوم والے قول پر فتوی ہے، فتح میں فرمایا حق یہی ہے کہ عام علماء کے لازم ہوجانیوالے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ احادیث وآثار اس پر وارد ہیں، اور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والوں کا اس پر عمل چلاآرہا ہے اس لئے امام صاحب کے قول کے خلاف کو یہاں ترجیح ہے، اھ ملخصًا (ت)

اشباہ والنظائر ص ۱۹۲ میں ہے:

وسئل ابوبکر عن رجل وقف دارا علی مسجد علی ان مافضل من عمارتہ	ابوبکر سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے مسجد کے نام ایک حویلی وقف کی اور قرار دیا کہ اس حویلی کی

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۸

فھوللفقراء فاجتمعت الغلة والمسجد لایحتاج الی العمارۃ ھل تصرف الی الفقراء قال لاتصرف الی الفقراء وان اجتمعت غلة کثیرۃ لانہ یجوز ان یحدث للمسجد حدث والدار بحال لاتغل[1]۔	آمدن اگر مسجد کے تعمیری اخراجات سے زائد ہوتو فقراء پر خرچ کی جائے گی، اب آمدن جمع ہو گئی اور مسجد کی عمارت کو ضرورت نہیں تو کیا وہ جمع شدہ آمدن فقراء پر صرف کردی جائے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ فقراء پر خرچ نہیں ہو گی اگرچہ کثیر آمدن جمع ہوچکی ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں مسجد کی عمارت میں ضرورت پیش آئے اور حویلی کی آمدن باقی نہ رہے۔(ت)

درمختار ص ۵۹۴ میں فرمایا:

وینزع وجوبا ولو کان المتولی غیرمامون او عاجزا او ظھربه فسق وان شرط عدم نزعه وان لاینزعه قاضی ولاسلطان لمخالفته لحکم الشرع فیبطل کالموصی[2] اھملخصا ومختصرا۔	لازمی علیحدہ کردیا جائے اگر متولی قابل اعتماد نہ ہو یا عاجز ہو یا اس میں فسق واضح ہوجائے اگرچہ واقف نے معزول نہ کرنے کی شرط لگا رکھی ہو اور یہ کہ قاضی اور سلطان بھی معزول نہ کرسکے گا کیونکہ ایسی شرط شرع کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل قرار پائے گی جیسا کہ وصیت کرنیوالے کی ایسی شرائط باطل ہوجاتی ہیں اھ ملخصًا ومختصرًا۔(ت)

مسئلہ ۷۸: از پیلی بھیت مرسلہ مولنا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی ۲۸ جمادی الاٰخرہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص مسجد میں عرصہ پانچ سال سے واسطے حفاظت مسجد اور کل انتظام مسجد کے مقرر ہے اور مسجد کے وقف مال سے وظیفہ پاتا ہے اگر یہ شخص ایک سال یا کم وبیش کی رخصت لے کر اپنے مکان کو چلا جائے تو اس مدت میں وظیفہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں، اگر بعلت بیماری جاوے تو بھی مستحق ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

اصل کلی شرعی یہ ہے کہ اجیر خاص پر حاضر رہنا اور اپنے نفس کو کار مقرر کے لئے سپرد کرنا لازم ہے جس دن غیر حاضر ہوگا اگرچہ مرض سے اگرچہ اور کسی ضرورت سے اس دن کے اجر کا مستحق نہیں مگر معمولی قلیل تعطیل جس قدر اس صیغہ میں معروف ومروج ہو عادۃً معاف رکھی گئی ہے اور یہ امر باختلاف حاجت مختلف ہوتا ہے درس تدریس کی حاجت

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۱۸

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

روزانہ نہیں بلکہ طلبہ بلا تعطیل ہمیشہ پڑھے جائیں تو قلب اس محنت کا متحمل نہ ہو لہٰذا ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ اور کہیں دو دن منگل جمعہ تعطیل ٹھہری، اور رمضان المبارک میں مطالعہ کرنا سبق پڑھنا یاد کرنا دشوار ہے،

وقد قال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ان القلب اذا اکرہ عمی[1]۔	اور ہمارے آقا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے کہ جبر کی صورت میں دل بینا نہیں رہتا۔ (ت)

لہٰذا اسی صیغہ میں رمضان مبارک کی چھٹی بھی معمول ہوئی، بخلاف خدمتگاری کہ اس کی حاجت روزانہ ہے اگر خدمتگار رمضان مبارک کا عذر کرکے گھر بیٹھ رہے ہرگز ایک حبہ تنخواہ کا مستحق نہیں انتظام وحفاظت مسجد بھی اسی قبیل سے ہے جس کی حاجت روزانہ ہے تو اس میں اتنی رخصت بھی نہیں ہو سکتی جتنی صیغہ تعلیم وتعلم میں ہے ولہٰذا ہمارے ائمہ نے تصریح فرمائی کہ متولی کو اگر فالج وغیرہ عارض ہو تو جتنے دن اس کے باعث اہتمام مسجد سے معذور رہے گا اجرت نہ پائے گا بلکہ صیغہ تعلیم میں بھی تصریح فرمائی کہ مدرس معمول کے علاوہ غیر حاضری پر تنخواہ کا مستحق نہیں اگرچہ وہ غیر حاضری حج فرض ادا کرنے کے لئے ہو یونہی تصریح فرمائی کہ طالب علم جو وظیفہ پاتا ہو اگرچہ بضرورت حج فرض یا صلہ رحم اسے سفر کی اجازت ہے یا شہر کے آس پاس دیہات میں کہ مدت سفر سے کم ہوں بضرورت طلب معاش دو ہفتہ یا زیادہ انتہا تین مہینے تک غیر حاضری کی رخصت ہے مگر اس رخصت کے یہ معنی کہ ان ضرورتوں کے سبب اتنی غیر حاضری کے باعث اس کا نام نہ کاٹا جائیگا معزول نہ کیا جائیگا نہ کہ ایام سفر یا دو ہفتہ خواہ زیادہ کی غیر حاضری بلا سفر پر وظیفہ بھی پائے وظیفہ ان سب صورتوں میں اصلًا نہ مل سکے گا اور اگر تین مہینے سے زیادہ غیر حاضر رہا اگرچہ حوالی شہر میں اگرچہ بضرورت وناچاری معزول بھی کر دیا جائے گا جب صیغہ تعلیم میں یہ احکام ہیں تو صیغہ خدمت وحفاظت واہتمام وانتظام مسجد میں کسی غیر حاضری کی تنخواہ کیونکر پا سکتا ہے، ہاں غایت درجہ حرج مرض کو سال میں ایک ہفتہ کی اجازت ہو سکتی ہے یا زیادہ چاہے تو اپنا عوض یعنی نائب دے جائے بغیر اس کے نہ غیر حاضری کی اجازت نہ مہتممان وقف کو روا کہ اسے ایسی طویل رخصت دیں اگر دی تو تنخواہ حلال نہیں نہ اسے لینا جائز، نہ ان کو دینے کا اختیار اگر دیں گے تو یہ خود مال وقف میں خائن ہوں گے اور اس کے ساتھ یہ بھی معزول کئے جائیں گے، اس بیان سے جواب سوال واضح ہوگیا، اب مطالب مذکورہ پر علماء سنئے، درمختار میں ہے:

نظم ابن الشحنۃ الغیبۃ المسقطۃ للمعلوم المقتضیۃ للعزل ومنہ[2]۔ وما لیس بد منہ ان لم یزد علی ثلاث شہور فہو یعفی ویغفر	ابن شحنہ نے اپنی نظم میں مقررہ وظیفہ کو ساقط اور استحقاق معزولیت والی غیر حاضری کو بیان فرمایا ہے، ضروری عذر کی وجہ سے غیر حاضری اگر تین ماہ سے زائد نہ ہو تو معاف ہوگی، اور علماء کا اتفاق ہے کہ گزشتہ

1

2 درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

وقد اطبقو ا لایاخذ السهم مطلقًا لماقد مضی و الحکم فی الشرع یسفر قلت وهذاکله فی سکان المدرسة وفی غیر فرض الحج وصلة الرحم، امافیهما فلایستحق العزل والمعلوم کما فی شرح الوهبانیة للشرنبلالی[1]۔	غیر حاضری کا وظیفہ مطلقًا نہ لے گا اور شرع میں حکم واضح ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تمام بیان مدرسہ کے رہائشیوں کے لئے ہے اور فرض حج اور صلہ رحمی کے عذر کے علاوہ کے لئے ہے اگر دو مذکور عذر ہوں معزولی اور وظیفہ کا مستحق نہ ہوگا جیسا کہ شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله نظم ابن الشحنة، حاصل مافی شرحه تبعا للبزازیة انه لایسقط معلومه ولایعزل اذاکان فی المصر مشتغلا بعلم شرعی اوخرج لغیر سفر واقام دون خمسة عشر یوما بلا عذر علی احد قولین(ای والقول الاخر انه یسقط معلومه اذا خرج لرستاق بلاعذر ولواقل من اسبوعین)او خمسة عشرفاکثر لعذر شرعی کطلب المعاش ولم یزد علی ثلثة اشهر وانه یسقط ولایعزل لوسافر لحج ونحوه اوخرج للرستاق لغیرعذر مالم یزد علی ثلثة اشهر وانه یسقط ویعزل لوخرج واقام اکثر من ثلثة اشهر ولو لعذر قال الخیر الرملی وکل هذااذا لم ینصب نائبا عنه والا	قولہ ابن شحنہ کی نظم، اس کی شرح کا ماحاصل یہ ہے جو بزازیہ کی اتباع میں بیان کیا کہ اگر غیر حاضر ہونے والا شہر میں ہی شرعی علم یا حد سفر سے کم مسافت کے لئے شہر سے باہر گیا اور بلاعذر پندرہ دن سے زیادہ باہر قیام کیا تو ایک قول کے مطابق معزول نہ کیا جائے گا اور نہ ہی مقررہ وظیفہ ساقط ہوگا یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ بلاعذر شہر سے متعلقہ سراؤں میں پندرہ دن سے کم غائب رہا ہو، یا کسی شرعی عذر کی بناء پر مثلًا طلبِ معاش کے لئے پندرہ دن سے زائد اور تین ماہ سے کم غائب رہا ہو، تو وظیفہ ساقط ہوگا اور معزول نہ ہوگا یونہی اگر فرض حج کیلئے سفر پر رہا ہو یا بغیر عذر تین ماہ سے زائد شہری سراؤں میں غائب رہا ہو، اور اگر شہر سے باہر تین ماہ سے زائد اگرچہ عذر کی بناء پر غائب ہو کر وہاں مقیم رہا ہو تو وظیفہ ساقط اور معزول بھی ہوگا، اور خیر رملی نے فرمایا یہ تمام صورتیں تب ہوں گی جب وہ اپنا نائب مقرر نہ کر گیا ہو ورنہ

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

فلیس لغیرہ اخذ وظیفته اھ وفی القنیة من باب الامامة امام یترك الامامة لزیادۃ اقربائه فی الرساتیق اسبوعا او نحوہ او لمصیبة او لاستراحة لا باس به ومثله عفو فی العادۃ والشرع،وقد ذکر فی الاشباہ عبارۃ القنیة ھذہ وحملھا علی انه یسامح اسبوعا والاظھر مافی اٰخر شرح منیة المصلی للحلبی ان الظاہر ان المراد فی کل سنة ذکر الخصاف انه لو اصاب القیم فالج او نحوہ فان امکنه الکلام والاخذ والاعطاء فله اخذ الاجر،والّافلاقال الطرطوسی ومقتضاہ ان المدرس ونحوہ اذااصابه عذر من مرض او حج بحیث لایمکنه المباشرۃ لایستحق المعلوم لانه ادار الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرۃ فان وجدت استحق المعلوم والافلاوھذا ھو الفقه اھ،ولاینافی مامر من المسامحة باسبوع ونحوہ لان القلیل مغتفر کماسومح بالبطالة المعتادۃ[1] اھملخصا، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	اس کا وظیفہ کوئی دوسرا وصول نہیں کرسکتا اھ،اور قنیہ کے امامت کے باب میں ہے کہ اگر امام نے ہفتہ بھر امامت کا ترک سراؤں میں رہائش پذیر اپنے اقرباء کی زیارت یا کسی مصیبت کی بناء پر یا آرام کرنے کے لئے کیا تو کوئی حرج نہیں شرعًا اور عادۃً یہ معاف ہے،اور اشباہ میں قنیہ کی مذکورہ عبارت ذکر کرکے فرمایا کہ ہفتہ کی مقدار میں چشم پوشی سے کام لیاجائے،اور زیادہ ظاہر وہ قول ہے جو منیۃ المصلی کی شرح حلبی کے آخر میں مذکور ہے کہ ہفتہ بھر پورے ایک سال میں مراد ہے،خصاف نے ذکر فرمایا کہ اگر منتظم کو فالج یا کوئی مرض لاحق ہوگیا تو اس میں گفتگو اور لین دین کرنا ممکن ہو تو وہ اپنے اجر کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں،اس پر طرطوسی نے فرمایا کہ اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ مدرس وغیرہ کو جب کوئی عذر مثلًا مرض یا فرض حج پیش آئے جس کی وجہ سے وہ فرض منصبی ادا نہ کرسکے تو مقررہ وظیفہ کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ معاملہ فرض منصبی کی ادائیگی پر طے ہوا ہے اگر یہ پایا گیا تو وظیفہ کا استحقاق ہوگا ورنہ نہیں،فقہ یہی ہے اھ،یہ بیان ہفتہ تک کی چشم پوشی کے مذکور حکم کے منافی نہیں ہے کیونکہ قلیل معاف ہوتا ہے جیسا کہ عادت میں مقررہ تعطیلات میں چشم پوشی ہوتی ہے اھ ملخصًا،واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۷-۴۰۸

مسئلہ ۷۹: از سورت عید روس منزل خانقاہ عید روسیہ مرسلہ حضرت سید علی بن زین بن حسن عید روس سجادہ نشین خانقاہ مذکور ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ زید محض اس خیال سے کہ متولیان وقف کا مال غفلت وبے پرواہی سے خرد برد کرجاتے ہیں گورنمنٹ کے سامنے بغیر مشورہ قرآن وحدیث کے اپنی ذاتی رائے پیش کرتا ہے کہ اوقاف رجسٹرڈ کرائے جائیں اور حساب کی جانچ پڑتال کی جائے حالانکہ گورنمنٹ نے ایڈووکیٹ جنرل کو اوقاف کے لئے محض اس غرض کے واسطے مقرر کیا ہوا ہے کہ اگر متولی کے متعلق کسی شخص کو اس قسم کی کوئی خرابی معلوم ہو تو وہ ایڈوکیٹ جنرل کو اس کی اطلاع دے کر اس کی منظوری سے متولی پر دعوٰی کرسکتا ہے باوجود اس قاعدہ کے وہ یہ چاہتا ہے کہ اوقاف رجسٹرڈ ہوں اور محکمہ کے کثیر اخراجات مثل رجسٹرڈ کرانے کی فیس اور کلرکوں وغیرہ کی تنخواہ وغیرہ وغیرہ جس قدر اخراجات ہوں وہ تمام اوقاف سے دئے جائیں حالانکہ واقف کی ان کے لئے وصیت نہیں کیا زید کا یہ بل از روئے شریعت حقہ جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

زید کا وہ بل محض جائز وباطل ہے، وہ نئے خرچ کہ زید نے بے حکم شرع وبے شرط واقف اپنے دل سے ایجاد کرکے کسی وقف پر ڈلوانے چاہے ہرگز وقف پر نہ پڑیں گے، نہ کوئی وقف ان کا ذمہ دار ہوگا، زید تو زید حاکم وقاضی کو بھی وقف میں ایسے ایجاد کا شرعًا اختیار نہیں۔ عقود الدریہ مطبع مصر جلد اول صفحہ ۱۹۲:

اذا ثبت الاحداث لایعمل بتقریرہ لان القاضی لیس لہ الاحداث بدون مسوغ شرعی فکیف المتولی وقد صرح فی الذخیرۃ والولوالجیۃ وغیرہما بان القاضی اذا قرر فراشًا للمسجد بغیر شرط الواقف لم یحل للقاضی ذٰلک ولم یحل للفراش تناول المعلوم۔[1]	جب وقف میں نئے مصارف ثابت کئے جائیں تو ان کی تقرری پر عمل نہ کیا جائے گا کیونکہ قاضی کو شرعی جواز کے بغیر نئے امور نافذ کرنے کا اختیار نہیں تو متولی کیسے کرسکتا ہے، ذخیرہ، ولوالجیہ وغیرہما میں تصریح ہے کہ اگر قاضی نے واقف کی شرط کے بغیر مسجد کے لئے فرش کی صفائی کرنے والا مقرر کردیا تو قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے اور اس مقرر شدہ کو بھی مقررہ وظیفہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔(ت)

ایضًا ص ۱۸۸ (ص ۱۸۸ پر بھی ہے۔ت):

واخذ القاضی واعوانہ المال کاخذ	قاضی اور اس کے عملہ کا وقف مال کو لینا ایسا ہی ہے

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۰

اللصوص۔[1]	جیسے چوروں کا لینا ہے۔(ت)

بحر الرائق مطبع مصر جلد پنجم ص ۲۶۰:

فی البزازیه المتولی لو امیا فاستاجر الکاتب لحسابه لایجوزله اعطاء الاجرة من مال الوقف[2]۔	بزازیہ میں ہے کہ متولی اگر تعلیم والا نہ ہو اور حسابات کیلئے وہ کسی کو اجرت پر رکھ لے تو متولی کو اس کی اجرت وقف مال سے دینا جائز نہیں ہے۔(ت)

ایضًا ص ۲۴۵:

فان قلت فی تقریر الفراش مصلحة قلت یمکن خدمة المسجد بدون تقریره بان یستأجر المتولی فراشاله والممنوع تقریره فی وظیفة تکون حقاله ولذاصرح قاضیخان بان للمتولی ان یستأجر خادما للمسجد باجرة المثل واستفید منه عدم صحة تقریر القاضی فی بقیة الوظائف بغیر شرط الواقف کشهادة ومباشرة وطلب بالاولی وحرمة المرتبات بالاوقاف بالاولی[3]۔	اگر تیرا سوال ہو کہ مسجد کے لئے صفائی والے میں وقف کی اصلاح ہے تو میں کہوں گا کہ مسجد کی خدمت مستقل تقرری کے بغیر بھی ممکن ہے کہ متولی اجرت پر کسی سے کرالے، مستقل وظیفہ پر تقرری ممنوع ہے، اور اسی لئے قاضی خاں نے تصریح کی ہے کہ متولی مسجد کیلئے مروجہ اجرت پر کسی خادم سے کام لے سکتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ قاضی وقف کے بقایا وظائف میں مستقل تقرری واقف کی شرط کے بغیر نہیں کرسکتا، مثلاً شہادت اور اس کی ادائیگی اور اس کا طلب کرنا بطریق اولٰی اور اوقاف کے حسابات کو مرتب کرنا بطریق اولٰی (مستقل تقرری ممنوع ہوگی۔(ت)

ایضًا ص ۲۶۳:

فقد علمت ان مشروعیة المحاسبات للنظار انما هی لیعرف القاضی الخائن من الامین لا لاخذ شیئ من النظار للقاضی واتباعه والواقع بالقاہرة فی زماننا الثانی وقد شاهدنا	تو معلوم کرچکا کہ نگران حضرات سے حساب یہ صرف اس لئے مشروع ہے کہ قاضی کو معلوم ہوسکے کہ کون خائن ہے یا امین ہے، اس لئے نہیں کہ قاضی اور اس کے عملہ کے لئے نگرانوں سے کچھ وصولی کی جائے جبکہ

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۱۵

[2] بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۱

[3] بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۷

فیھا من الفساد للاوقاف کثیرا بحیث تقدم کلفة المحاسبة علی العمارة والمستحقین وکل ذٰلك من علامات الساعة[1]۔	قاہرہ میں اس وقت دوسری صورت مروج ہے وار اس سلسلہ میں ہم نے اوقاف میں بہت سے فسادات کا مشاہدہ کیا ہے جہاں پر محاسبہ کے اخراجات کو اوقاف کی عمارت اور اس کے مستحقین پر تقدم حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ تمام امور علامات قیامت سے ہیں (ت)

پھر زمانے کے حالت صدہاسال دگرگوں ہورہی ہے، دیانت امانت اور روپے کے معاملے میں حرام وحلال کی پروا نادر رہ گئی ہے، ابھی اسی عبارت بحرالرائق میں سن چکے کہ وہ اپنے زمانہ میں جسے چار سو برس ہونے آئے قاہرہ کے اوقاف کا کیاحال بتاتے ہیں کہ اہلکاروں کے حساب فہمیوں ہی نے وقف کے وقف تباہ کردئے ابھی تو متولی تنہا ہے اور اسے حساب کاخوف لگا ہے اور ہر مسلمان کو اس کی شکایت کا حق پہنچتا ہے اور تغلب کرے تو اس کے ہاتھ میں اپنی برات کی کوئی دستاویز نہیں، اور جب اوقاف رجسٹرڈ کرائے گئے اور حساب فہمی پر اہلکار مقرر ہوئے اور حساب رجسٹروں پر چڑھائے گئے متولیوں کو شکایت و مطالبہ سے تواطمینان ہوگیا کہ ان کا جمع خرچ پاس ہولیامگران میں جو خائن ہیں ان کا خیانت سے بازآنا معلوم، بلکہ وہ اپنی اغراض فاسدہ کیلئے حساب فہموں کو بھی راضی کرنا چاہیں گے اور انہیں بہت ایسے مل بھی سکیں گے اس وقت وقف میں ایک کی جگہ دس حصے ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کا صاف وہی نتیجہ ہے جو بحر میں فرمایا کہ **شاھدنا فیھا من الفساد للاوقاف کثیرا**[2] (ہم نے قاہرہ میں اوقاف کا کثیر فساد دیکھا ہے۔ت) اور ان کا وہ اعتراض تو ضرور لازم ہے کہ وہ خلاف شرع فیسیں قاہرہ میں خواہی نخواہی لی گئیں، وقف کی عمارت اور اس کے مستحقوں کا حق پورا ہو یا نہ ہو، **نسأل اللہ العفو والعافیة ولاحول ولاقوة الاباللہ العلی العظیم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۰: از سہسوان مسئولہ مولوی فضل احمد بدایونی ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

اگر جائداد موقوفہ سے رجوع شرعًا ناجائز ہو تو ایسے میں توسیع خرچ کی کرسکتا ہے مثلًا پندرہ روپے ماہوار یادس روپے ماہوار متولی کو ملتا ہے بوجہ تنگی عیال اطفال گزر مشکل ہے، نوکری چاکری کی قوت یاہمت نہیں اور کام آپ ہی کرتا ہے اگر اپنے خرچ توسیع کرے جائز ہے یانہیں؟

[1] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۳

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۳

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ"[1]	جو حاجتمند ہے وہ موافق دستور کھائے۔

اور فرماتا ہے:

"وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ"[2]	خداخوب جانتا ہے کون بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔

اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رب متخوض فیما شاءت نفسه من مال الله ورسوله لیس له یوم القیمة الا النار[3]۔ رواه احمد والترمذی وقال حسن صحیح عن خولة بنت قیس والبیهقی فی الشعب عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهم۔	بہت وہ کہ اللہ و رسول کے مال میں اپنی خواہش نفس کے مطابق دھنستے ہیں ان کے لئے قیامت میں نہیں مگر آگ (اس کو احمد نے اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو خولہ بنت قیس سے صحیح اور حسن قرار دیا ہے اور بیہقی نے اس کو اپنی شعب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لوکان لابن اٰدم واد من ذهب لابتغی الیه ثانیا ولوکان له وادیان لابتغی الیهما ثالثا ولا یملأ جوف ابن اٰدم الا التراب ویتوب الله علی من تاب[4]۔ رواه	اگر ابن آدم کے لئے ایک جنگل بھر سونا ہو تو دوسرا جنگل اور مانگے اور دو جنگل ہوں تو تیسرا اور چاہے، اور ابن آدم کا پیٹ نہیں بھرتی مگر خاک اور تائب کی توبہ اللہ قبول کرتا ہے (اس کو

---

[1] القرآن الکریم ۴ /۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[3] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء ان الغنی غنی النفس امین کمپنی دہلی ۲/ ۶۰

[4] الترغیب والترہیب بحوالہ البزاز الترغیب فی الاقتصاد حدیث ۳۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۴۲، صحیح البخاری باب مایتقی من فتنۃ المال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۵۳، مسند احمد بن حنبل حدیث ابی واقد اللیثی دار الفکر بیروت ۵/ ۲۱۹

احمد والشیخان عن ابن عباس والترمذی عن انس والبخاری عن ابن الزبیر وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ و احمد عن ابی واقد والبخاری فی التاریخ والبزار عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	شیخین نے ابن عباس اور ترمذی نے انس سے اور بخاری نے ابن زبیر سے اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور احمد نے ابو واقد سے اور بخاری نے تاریخ میں اور بزار نے بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

وقف سے رجوع ناممکن، پھر جو ماہوار مقرر ہوا اگر اس کے صدق سعی وحسن خدمت کے لحاظ سے بقدر اجر مثل کے نہیں تو ضرور اجر مثل کی تکمیل کردی جائے گی، اور اگر واقعی اجر مثل بھی اسکے واجبی صرف کو کفایت نہ کرے تو وقف کی فاضلات سے تاحد کفایت ماہوار میں اضافہ بھی ممکن، مگر نہ یوں کہ بطور خود کہ خود ہی مدعی اور خود ہی حاکم ہونا ٹھیک نہیں، بلکہ وہاں کے افقہ اہل بلد عالم سنی دیندار کی طرف رجوع کرے یا متعدد معزز متدین ذی رائے مسلمانان شہر کے سپرد کردے وہ بعد تحقیقات کامل اجر مثل تک حکم دیں یا بشرط صدق حاجت وعدم کفایت تاقدر کفایت اضافہ کریں، اس تقدیر پر ان کو یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب واقف خود ہی متولی ہوا اور خود ہی وقت وقف یہ ماہوار تجویز کیا تو اب کون سی بات حادث ہوئی کہ وہ ماہوار ناکافی ہوگیا، ردالمحتار میں ہے:

الناظر بشرط الواقف فلہ ماعینہ لہ الواقف ولو اکثر من اجر المثل کمافی البحر ولو عین لہ اقل فللقاضی ان یکمل لہ اجر المثل بطلبہ کما بحثہ فی انفع الوسائل، ویأتی قریبا مایؤیدہ، وھذا مقید لقولہ الاٰتی لیس للمتولی اخذ زیادۃ علی ماقررلہ الواقف اصلا[1]۔	نگران کو واقف کی شرط کے مطابق مقررہ وظیفہ ملے گا اگرچہ یہ مروج سے زائد ہو، اور اگر واقف کا مقرر کردہ مروج سے کم ہو تو اس کے مطالبہ پر مروج تک مکمل کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ اس کو انفع الوسائل نے بحث کے طور پر ذکر کیا ہے، اور اس کی مزید تائید عنقریب آئے گی اور یہ اس کے آئندہ قول کے "متولی کو مقررہ پر زیادتی کا ہرگز اختیار نہیں ہے" سے مقید ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تجوز الزیادۃ من القاضی علی معلوم	جب امام کے لئے مقررہ وظیفہ کفایت نہ کرے تو

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۷

الامام اذا کان لایکفیه[1]۔	قاضی کو زائد کرنے کا اختیار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر انه یلحق به کل من فی قطعه ضرر اذا کان المعین لایکفیه کالناظر والمؤذن ومدرس المدرسة والبواب ونحوھم اذا لم یعملوا بدون الزیادة، یؤیدہ مافی البزازیة اذا کان الامام والمؤذن لایستقر لقلة المرسوم للحاکم الدین ان یصرف الیه من فاضل وقف المصالح والعمارة باستصواب اھل الصلاح من اھل المحلة لو اتحد الواقف والجھة[2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ظاہر ہے کہ جس کو معزول کرنے میں نقصان ہو کہ مقررہ اس کو کفایت نہ کرتا ہو تو اس کے معاملہ کو بھی اس سے لاحق کیا جائے گا، مثلاً نگران، مؤذن، مدرس، چوکیدار وغیرہ حضرات جب یہ لوگ وظیفہ زائد کئے بغیر کام نہ کریں، اس کی تائید بزازیہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ جب امام اور مؤذن وظیفہ کی قلّت کی وجہ سے استقرار نہ کریں تو حاکم دین کو محلّہ کے اہل لوگوں کے مشورہ سے وقف کے مصالح اور عمارت سے فاضل آمدنی میں سے ان کے لئے صرف کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ فاضل آمدنی والے اوقاف کا واقف اور ان کی جہت ایک ہو۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۱: از رام پور محلّہ چاہ شور، محمود الظفر خان عرف چھمن خان ۹ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد بایں الفاظ وقف کی کہ تاحیات اپنی آمدنی جائداد موقوفہ کی اپنے مصارف میں لاتا رہوں، بعد میرے اولاد اپنی ضروریات میں صرف کرتی رہے، جب میرے اولاد میں سے کوئی شخص باقی نہ رہے تو علمائے صالحین محل مشروع میں صرف کرتے رہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ عمرو دائن زید مدیون کی اس آمدنی پر جو تاحیات اس کو جائداد موقوفہ سے اپنے مصارف میں لارہا ہے اجرائے ڈگری چاہتا ہے تو وہ شرعاً کراسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہاں جائداد پر نہیں کر سکتا آمدنی جو زید کو ملتی ہے اس پر کر سکتا ہے کہ جائداد وقف ہے اور آمدنی زید کی ملک۔ ردالمحتار میں ہے:

الموقوف علیه یملك المنافع بلابدل[3]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	موقوف علیہ حضرات وقف کے منافع کے بلا عوض مالک ہوں گے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۸

[3] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۹

مسئلہ ۸۳: از ضلع سیتاپور، لاہرپور مدرسہ اسلامیہ مسئولہ ابو محمد یوسف متعلّم مدرسہ اسلامیہ ۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ سہ شنبہ
والا جناب مستطاب اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ لازال شموس افضالکم تسلیم مسنون کریم مشحون معظم مقرون گزارش ہے بصدور والا نامہ فیض شمامہ عزت افزائی ہوئی، جواب استفتاء بیحد تسکین بخش صادر ہوگیا، اللہ تعالٰی جناب والا کی بزرگ ذات کو ہمیشہ سلامت رکھے اور اس فیض عام سے مسلمانان عالم کو فیضیاب فرماتا رہے آمین بحرمۃ النبی والہ الامجاد، جناب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم مغفور کی خبر رحلت دریافت ہو کر بہت رنج ہوا، صرف ایک بات اور دریافت طلب ہے جو گزارش کی جاتی ہے از راہ شفقت بزرگانہ اسکے جواب سے بھی مطلع کیا جاؤں، بجواب استفتاء مزامیر پر صرف ناجائز فرمایا بہت درست و بجا ارشاد ہے عین حکم شریعت ہے صرف اس قدر عرض ہے کہ صرف کسی قوال سے کوئی قصیدہ یا غزل نعتیہ یا توحید وغیرہ یا سلام وغیرہ سن کر عین حالت سماع میں یا بوقت رخصت حسب شدائد قوانین سابق او قات او قاف سے بطور زاد راہ قلیل یا کثیر دینا جائز ہے یانہیں؟ جیسا کہ مشائخ علیہم الرحمۃ کی مجالس عرس میں بزرگوں کا دستور رہے، درانحالیکہ وہ مزامیر سے خالی ہوں اور اس پر حضور انور حیات رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فعل سے سند لیناجو حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہے کہ حضور نے حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو قصیدہ سن کر ردائے مبارک عنایت فرمائی تھی ٹھیک ہے یانہیں؟ امیدوار ہوں کہ اسی عریضہ پر یہ جواب بھی مرحمت ہو جائے، عین ذرہ نوازی ہوگی فقط۔

الجواب:

قوال اگر نہ امرد ہو نہ عورت، اور اشعار صحیحہ حمد و نعت و منقبت بلامزامیر خوش الحانی سے پڑھے یا خاص مجمع صالحین میں ان کے ساتھ تغنی کرے بالجملہ نہ کسی فتنہ پر فی الحال اشتمال نہ آئندہ اس کا صحیح احتمال، تو صحیح یہ ہے کہ بلاشبہ جائز ہے اور اس پر لینادینا بھی روا اور واقعہ کعب بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے قصیدہ نعتیہ استماع فرما کر ردائے مبارک عطا فرمائی اس پر استناد صحیح ہے، اور جبکہ شدائد قدیم میں اس صورت جائزہ پر دینا چلا آیا ہے تو اب بھی دیا جائے گا بلکہ وہ صادرین و واردین میں داخل ہے، اور قلیل و کثیر بھی معہود قدیم پر دائر رہے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۴تا۸۷: مسئولہ بدرالدین صاحب ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ جامع مسجد بمبئی کے احاطہ میں ایک دفتر خانہ ہے اور جس کے انتظام کے متعلق گیارہ اشخاص کو کنی جماعت المسلمین بمبئی کی جانب سے مشاور مقرر ہیں

ان میں سے اکثرین کی رائے سے یہ قرار داد طے ہوئی ہے کہ دفتر خانہ مذکور میں ٹیلیفون لیا جائے باوجودیکہ نہ مسجد کے ساتھ کوئی تجارتی تعلقات ہیں اور نہ کوئی دوسرے اسباب ٹیلیفون کے، بلکہ اس سے فقط تضییع مال وقف ہے، پس ایسے ٹیلیفون کا لینا مال وقف سے شرعًا درست ہے یا نہیں؟

دوسرا اسی کے ساتھ یہ قرار داد بھی طے ہوئی کہ دفتر خانہ مذکور میں جہاں مجلس منتظمہ مشاورین منعقد ہوتی ہے وہاں ایک برقی پنکھا اپنے آرام و تعیش کے واسطے لیا جائے، آیا ایسا خرچ مال وقف میں سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ دفتر خانہ مذکور میں باوجودیکہ گیاس کی روشنی موجود ہے اس کو رد کرکے اس کی جگہ برقی روشنی کے خرچ کا مال وقف کو زیر بار کرنا شرعا کیا حکم رکھتا ہے؟ اطلاعا یہ بھی گزارش ہے کہ مجلس منتظمہ کے اجلاس علی الدوام زمانہ قدیم سے دن کے وقف طے ہوتے ہیں اور اگر احیانًا رات کو ضرورت پڑی تو گیاس کی روشنی موجود ہے۔ برقی روشنی کی بالکل ضرورت نہیں۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ ایسے مشاورین جو مال وقف سے ایسے فضول اور اسراف بیجا کریں ان کے متعلق شریعت غرا کا کیا حکم ہے؟

پس ان مسائل مذکورہ کے جوابات کتب شرعیہ سے مدلل بیان فرمائیں **جزاکم اللہ خیرا، بینوا توجروا۔**

پانچواں سوال یہ ہے کہ مانعین متولیوں سے ایک نے کہا کہ اس باب میں یعنی مال اوقاف سے ان کاموں میں صرف کرنے سے علماء سے رائے لینا شرعًا ضرور ہے، پس متولیان مجوزین سے ایک نے کہا کہ یہاں شریعت کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور دوسرے نے کہا میں تو عالموں کے منہ میں پیشاب کرتا ہوں، اس وقت اس سے کہا گیا کہ یہ کیا کلمہ کہتا ہے، خدا سے ڈر۔ تو اس نے کہا کہ خدا تو اوپر ہے اور ہم زمین پر، اگر خدا یہاں آئے تو ہم اس کو درست کردیں گے۔ پس ایسے کلمات ناشائستہ کہنے والوں کا شرعًا کیا حکم ہے؟ مفصل ومدلل مع سندہائے کتب شرعیہ بیان فرمائیں۔ **جزاکم اللہ۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں یہ نئی بدعتیں کہ مشاورین وقف میں حادث کیا چاہتے ہیں ٹیلیفون اور برقی پنکھا اور برقی روشنی مال وقف پر بار ڈالنا محض حرام ہے، فتح القدیر میں ہے:

امرنا بابقاء الوقف علی ماکان[1]۔	ہمیں حکم ہے کہ وقف کو گزشتہ حال پر قائم رکھیں۔ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

یہ وہاں فرمایا ہے کہ جہاں منافع وقف کے لئے مصارف مشروطہ پر زیادت کی جائے نہ کہ بے حاجت نہ کہ اپنا تعیش و ترفع یہ حرام در حرام ہے، مال وقف حکم مال یتیم میں ہے اور رب عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ "[1]	جو لوگ یتیموں کا مال ظلمًا کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔(ت)

یہ اسراف ہے اور اللہ مسرفوں کو دوست نہیں رکھتا " اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۟ۙ(۱۴۱) "[2] (اللہ تعالٰی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ت) اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا(۲۷) "[3]	بیشک مال بیجا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

یہ ان کو فرمایا جو اپنا مال بیجا اڑائیں نہ کہ وقف کا۔ ایسے مشاوروں کو معزول کرنا واجب ہے، در مختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مأمون[4]۔	لازمی طور پر معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہو، درر۔ تو دوسرے اگر قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ بطریق اولٰی معزول ہوں گے۔(ت)

یعنی اگر خود واقف کی طرف سے مال وقف پر کوئی اندیشہ ہو تو واجب ہے کہ اسے بھی نکال دیا جائے اور وقف اس کے ہاتھ سے لے لیا جائے تو غیر واقف بدرجہ اولٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ایسے اقوال ملعونہ بکنے والا کافر مرتد ہے اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، مسلمانوں پر اس سے میل جول حرام ہے، وقف مسلماناں میں اسے دخل دینا حرام ہے، اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا حرام ہے، اس کا جنازہ اٹھانا حرام ہے، جنازہ کے ساتھ جانا حرام ہے، اسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام ہے، اسکی قبر پر کھڑا ہونا حرام ہے، اسے کسی قسم کا ایصال ثواب کرنا کفر ہے۔

قال اللہ تعالٰی " وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖؕ "[5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان میں سے فوت ہونیوالے پر نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھو اور نہ آپ ان کی قبر پر قیام فرمائیں(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ٦/ ۱۴۱

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۷

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[5] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

جو اسے اب بھی مسلمان جانے یااس کے کافر مرتد ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اس کے لئے بھی یہی احکام ہیں۔
شفائے امام قاضی عیاض وبزازیہ وبحر الرائق ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

من شك فی عذابه وكفره فقد كفر[1]۔	جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے تو وہ کافر ہے (ت)
نسأل الله العفو و العافية ولاحول ولاقوة الابالله العلی العظیم۔	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور درگزر کرنے کی درخواست کرتے ہیں، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ (ت)
"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اے ہمارے رب! ہدایت فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے فضل سے ہمیں رحمت عطا کر، بیشک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۸تا۹۱: مرسلہ حکیم محمد حیات خاں صاحب آگرہ کوچہ حکیماں حیات منزل ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر اوقاف بشمول مسجد جامع وغیرہ آگرہ میں ایک انجمن کے ماتحت وزیر نگرانی ہیں جس کے پانچ ممبر ہیں منجملہ ان پانچوں کے ایک ممبر صاحب انجمن ہلال احمر آگرہ کے بھی سکریٹری ہوگئے ہیں، تھوڑا عرصہ ہوا کہ کچھ ترک قسطنطنیہ سے بغرض اظہار شکریہ مسلمانان آگرہ میں تشریف لائے اور بایماء ان ممبر صاحب کے جو ہلال احمر کے سکریٹری ہیں بلادریافت دیگر ممبران کمیٹی ایک جلسہ مسجد جامع آگرہ میں منعقد ہوا اس جلسہ کے متعلق جملہ انتظامات ممبر صاحب موصوف نے ملازمان مسجد سے کرائے اور جو کچھ روشنی میں خرچ ہوا وہ انجمن اوقاف متذکرہ صدر سے دلوایا اور یہ کہا کہ چونکہ مسجد جامع مسلمان آگرہ کی ہے اور یہ جلسہ مسلمانان آگرہ کا تھا اگر مسجد میں روشنی زائد نہ ہوتی تو باعث بدنامی مسلمانان تھا اس کارروائی پر دو ممبر معترض ہوئے تو ایک چوتھے ممبر صاحب نے وہ جو روشنی میں خرچ کی گئی تھی اپنے پاس سے ادا کردی اور یہ کہا کہ میں رفع نزاع کئے دیتا ہوں پس امورات قابل استفسار یہ ہیں:

(۱) آیا اول ممبر صاحب کا یہ فعل کہ ملازمان وقف سے انجمن ہلال احمر کا کام لیں درست تھا؟

(۲) آیا ایسے ملازم جو ذی استعداد علم دین سے بہرور کھے جاتے ہیں اور انہوں نے خود نیز اپنے ماتحت ملازموں سے بلاایماء انجمن اوقاف متذکرہ بالا کرائے ان ملازموں کا یہ فعل جائز تھا؟

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸

(۳) جو صرفہ آمدنی وقف سے روشنی کا دلوایا گیا وہ جائز تھا؟

(۴) اگر دیگر ممبر نے اس خرچہ کو ادا کر دیا تو آمدنی وقف میں شامل کرلئے جانے میں کوئی امر مانع شریعت تو نہیں ہے؟

الجواب:

شرائط اوقاف پر نظر کی جائے اگر معاملہ مذکورہ ان کے تحت میں داخل ہوتا ہو تو حرج نہیں ورنہ اس ممبر کو ایسا کرنا جائز نہ تھا، کام کرنیوالوں نے اگر کار اوقاف کا حرج کرکے کام کیا تو وہ بھی گنہگار ہوئے، ممبر جس نے معاوضہ دے دیا اپنی حسن نیت پر اجر پائے گا اور اس معاوضہ کو قبول کرلینا جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۲: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

اکثر سجادہ نشینان ومتولیان ومینجران وممبران وملازمان وقف آمدنی ہائے جائداد وقف کو اپنی ہی ملک اور اس کی زیادہ تر آمدنی کو بھی اپنے ہی مصارف میں صرف کرنا درست وحق سمجھتے ہیں درانحالیکہ وقف جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ مذہبی ثواب کے کاموں میں صرف ہونا چاہئے جیسا کہ کلکتہ، مدراس، بمبئی، الہ آباد کی کونسلوں میں بھی تسلیم کیا ہے، پس ان کا ایسا سمجھنا وکرنا برخلاف شرع کرنا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مذکورین کے لئے کوئی وعید بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو عوام مسلمین کو ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب:

وقف میں اتباع شرط واقف لازم ہے،

فقد قال علماؤنا ان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ[1]۔	ہمارے علماء نے فرمایا کہ واقف کی شرط پر عمل شارع کی نص پر عمل کی طرح ضروری ہے۔(ت)

اگر واقف نے یہی شرط کردی ہے کہ اکثر حصہ اس کا سجادہ نشینوں متولیوں کے صرف میں آئے تو ان کا ایسا کرنا بجا ہے اور ان پر کچھ الزام نہیں، اور اگر شرائط واقف کے خلاف وہ براہ تعدی مال وقف کو ظلمًا اپنے مصارف میں لاتے ہیں تو ظالم ہیں غاصب ہیں واجب الاخراج ہیں، لازم ہے کہ وقف ان کے ہاتھ سے نکال لیا جائے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا، بزازیۃ، ولو الواقف، درر، فغیرہ بالاولی لو غیر مامون[2]۔	لازمی طور پر معزول ہوگا، بزازیہ۔ اگرچہ واقف ہو، درر۔ تو غیر بطریق اولٰی اگر وہ ناقابل اعتماد ہو(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مال وقف مثل مال یتیم ہے جس کی نسبت ارشاد ہوا کہ جو اسے ظلماً کھاتا ہے اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے اور عنقریب جہنم میں جائے گا، " اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ " [1]۔ اگر وہ لوگ اس حرکت سے باز نہ آئیں ان سے میل جول چھوڑ دیں، ان کے پاس بیٹھنا روا نہ رکھیں۔

قال اللہ تعالٰی " وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ " [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب کبھی شیطان تجھے بھلادے تو پھر یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۳ تا ۱۰۲: از بہرائچ سید واڑہ بدولتکدہ حاجی احمد اللہ شاہ صاحب مرسلہ نواب علی مورخہ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

کسی مقام پر ایک بزرگ کا مزار ہے اور اس کے متعلق وقف کی معقول آمدنی ہے خادمان وقف کی بدنظمی سے عدالت نے اس وقف کو خادموں کے ہاتھ سے نکال کر ایک کمیٹی کے سپرد کیا جو وقف کمیٹی کے نام سے موسوم ہے، عدالت نے اس کمیٹی کے ممبران کے لئے جو اس میں شریک ہوں سنی المذہب ہونا ضروری رکھا ہے اور عدالت نے اس وقف کی نگرانی کے لئے قواعد وقف بھی مرتب کئے اور ان قواعد میں اخراجات کے مدات قائم کئے اور یہ شرط کردی کہ بجز ان مدات کے جو قواعد میں درج ہیں کسی دوسرے مدات غیر مندرجہ قواعد میں یہ رقم نہ صرف کی جائے۔

(۱) ان اخراجات کے مدات میں ایک مد خیرات کی بھی ہے جن کے الفاظ وقف قواعد میں یہ ہیں دو خیراتی (الاؤنس) یعنی وظائف وخیرات و تقسیم کھانا کپڑا بغرض پرورش غربا، اگر ایسے خیراتی (الاؤنس) یعنی وظائف سے ان مساجد میں مؤذنوں کو تنخواہ دینا جن کا کوئی تعلق اس وقف سے نہیں ہے یا ایسے ہی دوسرے مصارف مثلاً مدارس اردو انگریزی یا کسی انجمن کے اس مدرسہ کو جس کا کوئی تعلق وقف سے نہیں ہے ان کے مدرسین کو تنخواہ دینا شرعاً جائز ہے؟

(۲) اگر ممبران کمیٹی آمدنی وقف سے ایک مد کی رقم کسی دوسرے مد مندرجہ یا غیر مندرجہ مدات میں صرف

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

کریں اس وقت مسلمانوں کو ان سے باز پرس کا حق ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگ اس رقم صرف شدہ کے ادا کرنے پر شرع شریف سے مجبور ہیں یا نہیں؟

(۳) ایسے ممبران جو ہر کارروائی وقف کمیٹی کو عام مسلمانوں سے پوشیدہ کریں یا پوشیدہ رکھنے کی کوشش کریں یا اپنی خود رائی سے اس وقف کا روپیہ کسی بیجا طور پر صرف کریں تو ایسے لوگوں کا اس وقف کا ممبر رہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور عام مسلمانوں کو اوقاف کی جانچ کا اختیار ہے یا نہیں؟

(۴) اگر وقف کمیٹی کے اکثر ممبران صدر انجمن وقف کے ہمخیال ہوں اور بوجہ اپنی کثرت رائے کے احکام شرعیہ و نیز قواعد وقف کمیٹی کے خلاف عملدرآمد کریں یا کرتے ہوں اور اسی کمیٹی کا ایک ممبر زید جو ان کا ہمخیال نہیں ہے محض اپنی ذاتی معلومات و واقفیت واطمینان کے لئے متعلق وقف کاغذات وقف کو دیکھنا چاہے اور اس کی اصلاح کرنا چاہے اس وقت وہ ممبران جو ہمخیال صدر انجمن ہیں زید کو اس کے ارادہ سے باز رکھیں یا جس کاغذ کو وہ دیکھنا چاہتا ہے اس کو ان کاغذات کے دیکھنے کی اجازت نہ دیں یا اس کو اس کے فرض منصبی ادا کرنے سے باز رکھیں تو ان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۵) قواعد وقف مرتبہ عدالت نے کمیٹی وقف کو اختیار دیا ہے کہ کمیٹی حسب ضرورت دوسرے قواعد علاوہ قواعد مرتبہ عدالت مرتب کرے۔ قواعد وقف مرتبہ عدالت میں کسی ممبر کمیٹی کو جانچ پڑتال کاغذات عام نگرانی کی ممانعت نہیں ہے ایسی صورت میں کیا ممبران وقف وصدر وقف کو یہ اختیار شرعاً حاصل ہے کہ وہ جدید قواعد وقف ایسے مرتب کرلے کہ جس سے زید مذکور کاغذات وقف دیکھنے سے مجبور ہو جائے یا یہ کہ ممبران جو ہمخیال صدر انجمن ہیں اپنی کثرت رائے سے یہ قاعدہ پاس کردیں کہ کوئی ممبر وقف کمیٹی بغیر اجازت صدر انجمن وقف کوئی کاغذ نہیں دیکھ سکتا ان کی یہ کارروائی شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۶) سامان روشنی، فرش فروش، خیمہ وقنات ودیگر فرنیچر مثلاً شامیانہ ومیز وکرسی وغیرہ جو وقف کی ملک ہیں اہالیان شہر کو ان کی مشروع وغیر مشروع جلسوں میں دینا یا کسی رئیس کی رہائش کے سامان اسی وقف سے دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۷) مذہبی تقریبات میں جو شیرینی بغرض تقسیم آتی ہے وہ اس محفل کے حاضرین کے لئے مخصوص ہے یا مسلم اور غیر مسلم جو اس تقریب میں شریک نہیں ہے ان کے گھروں میں وہ شیرینی بطور تبرک بھیجنا یا اہالیان شہر کی اس اوقاف کے روپیہ سے دعوت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۸) اگر کوئی شے یا کتاب جو وقف کی ملک ہے کسی ملازم وقف یا ممبر وقف کمیٹی سے یا کسی غیر شخص سے

تلف ہو جائے تو اس وقت اس کا معاوضہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور معاوضہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۹) اگر ممبران وقف کمیٹی یا صدر انجمن وقف کمیٹی ملک وقف شدہ سے کوئی چیز کسی انجمن یا کسی مسجد میں جو غیر متعلق اوقاف ہے ہمیشہ کے لئے دے دیں تو ان کا یہ فعل شرعاً جائزہ یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۱۰) اگر جدید قواعد وقف مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت احکام شرعیہ کا لحاظ کرکے قواعد وقف مرتب ہو سکتے ہیں یا ممبران وقف کمیٹی کی کثرت رائے پر، شرع شریف کس کے حق میں فیصلہ کرتی ہے؟ (بحوالہ کتب فقہ)

الجواب

(۱) وقف میں شرائط واقف کا اتباع واجب ہے، اشباہ والنظائر میں ہے:

شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ [1]۔	واجب العمل ہونے میں واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے (ت)

اگر ان مواقع میں صرف کرنا شرط واقف سے جدا ہے جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو یہ صرف محض ناجائز ہے اور اگر واقف نے ہی ان مواقع میں صرف کی اجازت دی ہے جو ان میں مصرف خیر ہو اس میں صرف کرنا جائز ہے اور اگر شرائط واقف معلوم نہ ہوں تو متولیوں کے عملدرآمد قدیم پر نظر ہوگی کما فی الخیریۃ وغیرہا (جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت)

(۲) اس کا وہی جواب ہے جو اوپر گزرا جہاں انہوں نے صرف کیا اگر وہ موافق شرط واقف یا اس کے معلوم نہ ہونے کی حالت میں موافق عملدرآمد قدیم متولیان ہے تو وہ صرف جائز ہوا اور ان سے مطالبہ و بازپرس کی کوئی وجہ نہیں ورنہ ناجائز ہوا اور ضرور بازپرس ہے اور ان پر لازم ہوگا کہ اس کا تاوان وقف کے لئے ادا کریں۔

(۳) اگر روپیہ بیجا صرف کریں تو ضرور ان کا معزول کرنا واجب ہے، درمختار میں ہے:

ینزع وجوباً ولو الواقف، بزازیہ، فغیرہ بالاولی، درر، لوغیر مامون [2]۔	لازمی طور پر معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہو، بزازیہ تو غیر کو بطریق اولٰی، درر، اگر وہ قابل اعتماد نہ ہو۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

اور متولیوں کا وقف کی کارروائی پوشیدہ کرنا کوئی جرم نہیں، نہ ہر شخص ان سے حساب کا مطالبہ کرسکتا ہے جب تک خیانت ظاہر نہ ہو کہ وہ منجانب امین ہیں اور امین پر اعتراض نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ یونہی جن کی تولیت بشروط واقف نہ ہو، نہ شرط واقف کے خلاف ہو، اور عام مسلمانوں نے ان کو متولی کیا ہو یا ان کی تولیت پر راضی ہوئے ہوں۔

(۴) ان کا یہ فعل شرعًا جائز نہیں اور ان پر صریح الزام ہے جبکہ وہ دربارہ وقف مخالفت شرع کریں اور دوسرے کو اس کی جانچ سے بھی باز رکھیں۔ حدیث میں ہے:

من استرعی الذئب فقد ظلم۔[1]	جس نے بھیڑیئے کو راعی بنایا تو اس نے ظلم کیا (ت)

(۵) یہ کارروائی محض ناجائز ہے کہ اس سے دفع ظلم کا سد باب مقصود ہے۔ متعلق وقف نئے قوانین احداث کرنے کا کسی کو اختیار نہیں جبکہ وہ شرع مطہر یا شرط واقف کے خلاف ہو نہ کہ ایسی صورت کہ مخالفت احکام شرعیہ کی جائے اور اس کی ممانعت کا دروازہ بند کرنے کو یہ قوانین وضع ہوں ایسا قانون اگر خود شرط واقف میں ہوتا مردود ہوتا وہ ہرگز نہ مانا جاتا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً واقف نے کسی کو متولی مقرر کیا اور یہ شرط لگادی کہ اسے کوئی معزول نہ کرسکے اور جو اسے معزول کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہو اور حالت یہ ہو کہ متولی شرعا رکھنے کے قابل نہیں تو فورًا نکال دیا جائے گا اور واقف کی ایک نہ سنی جائے گی اور اس کی وہ لعنت اسی پر واپس جائیگی **کما فی الدر المختار**۔

(۶) حرام ہے، یہاں تک کہ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کو عاریۃً بھی دینا جائز نہیں **کما فی العلمگیریۃ عن القنیۃ** (جیسا کہ قنیہ سے عالمگیریہ میں ہے۔ت) نہ کہ زید وعمرو کو نہ کہ نامشروع جلسوں کو۔ یہ سراسر وقف پر ظلم ہے جو ایسا کریں وقف سے ان کا اخراج واجب ہے، **کما مر عن الوجیز والدرر والدر** (جیسا کہ وجیز، درر اور در سے گزرا۔ت)

(۷) غیر مسلم کو مال وقف سے بھیجنا تو کسی طرح جائز نہیں کہ وقف کار خیر کے لئے ہوتا ہے اور غیر مسلم کو دینا کچھ ثواب نہیں **کما فی البحر الرائق وغیرہ** (جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے۔ت)، رہا غیر حاضرین مسلمانوں کے گھروں پر بھیجنا، اس میں وہی شرط واقف یا عملدرآمد قدیم کا لحاظ ہوگا بعض مسلمانوں کی دعوت اگر کسی مصلحت وقف کے لیے ہے تو جائز ہے جبکہ شرط واقف یا عملدرآمد کے موافق ہو یا کسی ضرورتِ خاصہ کے لئے ہو **کما ذکروا الوصی فی مال الیتیم** (جیسا کہ علماء نے یتیم کے مال میں وصی کیلئے

[1]

فرمایا۔ت)اور اگر بعض مہتمم اپنی بارات میں کسی کو کھلانا چاہیں جو ان صورتوں سے جدا ہو تو کھانا بھی حرام ہے اور کھلانا بھی حرام اور کھلانے والوں پر اس کا تاوان واجب۔

(۸) متولی وقف امین وقف ہے جبکہ اس طرح کا متولی ہو جو اوپر مذکور ہوا اگر اس سے اتفاقیہ طور پر بے اپنے تقصیر و بے احتیاطی کے وقف کی کتاب یا کوئی مال تلف ہوجائے اس کا معاوضہ نہیں، اور اگر قصداً تلف کردے یا اگر اپنی بے احتیاطی سے ضائع کرے تو ضرور معاوضہ ہے، یہی حکم ملازمان وقف کا ہے جبکہ وہ تصرف جو اس نے کتاب میں کیا اس کی ملازمت میں داخل، اور اسے جائز تھا، ورنہ اگر وقف کے کسی اور صیغہ کا ملازم ہے کتب خانہ پر اس کو اختیار نہیں، اور اس نے مثلاً کتاب کسی کو عاریۃً دے دی اور ضائع ہوگئی تو ضرور اس پر معاوضہ ہے، غیر شخص نے اگر وہ تصرف کیا تو منجانب وقف جس کی اسے اجازت تھی اور بے اس کی تقصیر کے کتاب ضائع ہوگئی مثلا کتب خانہ وقف میں جا کر کتابیں دیکھنے کی اجازت ہو اور عام طور پر معمول ہو کہ کتابیں دیکھ کر اسی مکان میں رکھ آتے ہیں یا فلاں ملازم کو سپرد کردیتے ہیں اور یہ اس قاعدہ کو بجالایا اور کتاب گم ہوگئی تو اس پر بھی معاوضہ نہیں، ورنہ اگر وہ تصرف کیا جس کی اسے اجازت نہ تھی یا تھی مگر اس کی تقصیر و بے احتیاطی سے کتاب گئی تو ضرور تاوان دے گا، اور بہر حال معاوضہ اس کتاب کی قیمت یعنی بازار کے بھاؤ سے جو اس کے دام ہوں، کتاب کو علماء نے قیمتی ٹھہرایا ہے نہ مثلی مگر اس وقت تک چھاپے نہ تھے، اور کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسی چھاپے کی ہو یعنی اسی بار کی چھپی ہو اور کاغذ بھی ایک ہو اور جلد نہ بندھی ہو تو عجب نہیں کہ مثلی ہوسکے، یعنی کتاب کے معاوضہ میں ایسی ہی کتاب دینی آئے مگر تحقیق یہ ہے کہ چھاپے اور کاغذ کی وحدت بھی مستلزم مثلیت نہیں، ایک کاپی ایک پتھر پر جمی ہوئی اس کے ہزار کاغذ اٹھائے جاتے ہیں، کوئی ہلکا ہے کوئی بھرا ہوا، کوئی بہا ہوا ہے کوئی صاف ہے، تو بات وہی ہے جو علماء نے فرمائی کہ کتاب قیمتی ہے۔

(۹) حرام ہے، اور وہ چیز وہاں سے لی جائے گی اور نہ مل سکے تو ان سے تاوان لیا جائے گا ہم بحوالہ عالمگیری کہہ آئے کہ ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد کو عاریۃً دینا بھی ناجائز، نہ کہ غیر جگہ دے ڈالنا، جو ایسا کرے واجب العزل ہے۔

(۱۰) وقف کے لئے قوانین کے وضع کرنے کا حال اوپر گزرا کہ خلاف شرط واقف ہر گز جائز نہیں، اور جہاں جواز ہو وہاں قطعاً احکام شرعیہ ہی کا لحاظ فرض ہوگا، ان کے خلاف جس کسی کا بھی کہنا ہو مردود ہوگا، یہاں نہ کثرت رائے دیکھی جاتی ہے نہ اتفاق رائے۔اللہ عزوجل فرماتا ہے: "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ"[1] (حکم صرف

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

اللہ تعالٰی کا ہے۔ت) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعة لاحد فی معصیة اللہ تعالٰی [1]۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔(ت)

واقف جس کے لئے تصریح ہے کہ دربارہ وقف اس کی شرط مثل نص شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام واجب العمل ہے اس کا تو یہ حال ہے کہ اگر خلاف شرع شرط کرے مردود ہے ہرگز نہ مانی جائے گی، پھر زید وعمرو وکمیٹی کیا چیز ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال اقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ فھو رد وان کانت مائة شرط شرط اللہ احق واوثق۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	ایسی قوموں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں (جائز) نہیں، اور جو کتاب اللہ کے خلاف شرطیں لگائے تو وہ مردود ہونگی اگرچہ ایسی سو شرطیں ہوں صرف اللہ تعالٰی کی (مقبول) شرطیں ہی حق ہیں اور ثقہ ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۳تا۱۰۵: از شہر بمبئی کامبیکر اسٹریٹ چھاج محلّہ مرسلہ بدرالدین عبداللہ ۹جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) شہر بمبئی کی جامع مسجد کے اکثر متولیوں نے یہ رائے قائم کی کہ ایک کرایہ کی زمین لے کر اس پر ایک مکان وقف کے سرمایہ سے بنایا جائے، جس مکان کی لاگت ایک لاکھ چودہ ہزار روپیہ تک ہو اس حالت میں کہ شہر میں سیکڑوں مکانات دوامی بیعنامہ پر مل سکتے ہیں وقف کی اس قدر بڑی رقم ایک کرایہ کی زمین پر صرف کردینا شرعًا جائز ہے یانہیں؟

(۲) مذکورہ بالا زمین کے مالک نے کرایہ زمین کی یہ صورت قائم کی ہے کہ زمین مذکور کی ایک خاص رقم قرار دی جائے اور قیمت پر سالانہ فیصدی للعہ۸ روپیہ کے حساب سے جو سود ہے اس حساب سے زمین مذکور کا ماہواری کرایہ قرار دیا جائے، آیا کرایہ کا یہ طریقہ شرعًا جائز ہے یانہیں؟

(۳) چونکہ فی الحال بوجہ جنگ مزدوری لکڑی اور دیگر عماراتی اشیاء کی قیمت تین گنی بلکہ چار گنی ہوگئی ایسے وقت میں وقف مسجد کے سرمایہ کو کرایہ کی زمین پر عمارت بنانے میں صرف کرنا اور تیار شدہ عمارتیں جو کثرت سے

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفة الصحابہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۳

[2] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷، صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان ان الولاء من اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

ملتی ہیں انہیں نہ خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ یہ عمارت زرِ مسجد سے کیوں بنائی جاتی ہے اور وہ غرض اغراض وقف مسجد میں داخل ہے یا نہیں، اگران اغراض سے خارج ہے تو نہ خریدنا جائز نہ کرایہ پر لینا، اور اگر داخل ہے تو اس غرض کا حصول خاص اس زمین سے تعلق رکھتا ہے جسے متولی کرایہ پر لے کر عمارت بنانا چاہتے ہیں یا اور مکانوں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے اگر اور مکانوں سے بھی حاصل ہے اور وہ مول مل سکتے ہیں اور جدید عمارت بنانے اور کثیر کرایہ دینے سے خریداری میں نفع ہے تو متولیوں کو ہرگز جائز نہیں کہ یہ صورت کرایہ اختیار کرکے وقف کو نقصان پہنچائیں،

فان الولایۃ مشروطۃ بالنظر ولا نظر فی الضرر۔	ولایت مشروط بشفقت ہے اور ضرر میں شفقت نہیں ہے۔ (ت)

سود ملحوظ کرکے مقدار کرایہ معین کرنا ایک ناپاک بات اور گندہ لحاظ ہے لیکن اگر معین ہوجائے تو اس کرایہ میں حرج نہیں، مثلاً ہزار روپیہ کی قیمت ہے تو وہ نجس حساب لگا کر پونے چار روپیہ مہینہ کرایہ قرار دیا تو وہ نجاست اس لحاظ ہی میں رہی کرایہ میں نہ آئی، یہ ایسا ہوا کہ ابتداء کہتا کہ یہ زمین اتنی مدت کو پونے چار روپیہ کرایہ پر کردی، تیسری بات کا جواب مضمون بالا میں آگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: از سہسوان ضلع بدایوں قاضی محلّہ مرسلہ سید پرورش علی صاحب ۱۴رجب ۱۳۳۷ھ

حضور نے تنخواہ ماہوار متولی وقف کو اجیر مثل کا فتوی لکھا ہے، لہٰذا عرض ہے کہ مدرسہ اسلامیہ حنفیّہ سہسوان کی زمین موقوفہ سہسوان سے تین کوس ہے متولی کو سواری وخوراک مع سپاہی فصل ہنگام تحصیل وقت سے ملے گی، نذر، بھیٹ روپیہ، پٹہ وقبولیت بھی حسب رواج ہنگام ماہوار اس کی تنخواہ کا روپیہ مناسب ہے کاشتکاروں سے وصول کرکے مدرسہ پر صرف کرنا، مدرسوں کو ماہوار دینا، تعمیر ومرمت وغیرہ میں خرچ کرنا مالگذاری گورنمنٹی ادا کرنا اس کا کام ہے اتنے کام کی کتنی اجرت ہوگی۔

الجواب:

وقف سے سواری اور ایام کارگزاری کی تنخواہ ملے گی اور ضرورت ہو تو ان ایام میں سپاہی کی تنخواہ بھی، تنخواہ کا تعین کام کی کمی بیشی اور ہر جگہ کے عرف پر ہے، پٹہ اور قبولیت کا نذرانہ اور اس قسم کے زائد اور بے اصل رقوم کہ رائج ہو رہی ہیں شرعاً باطل ہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۷: از شہر بریلی محلّہ فراشی مسئولہ مولوی عبدالعزیز قدرت اللہ خاں صاحب ۲۱رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ کسی نے دو یا تین مسجدوں کے واسطے نام بنام الگ الگ روپیہ وصیت نامہ سے وقف کیاکہ فلاں مسجد کو اتنااور فلاں کو اتناماہوار دیا جائے، اب خود اس نے ایک مسجد کے نام کا روپیہ دوسری مسجد میں لگادیااور اس دوسری مسجد کے نام کا روپیہ بھی اسی دوسری مسجد میں لگادیا، دونوں مسجدوں کے نام ماہوار وقف کیاہے، سوال یہ ہے کہ دوسری مسجد کے ماہوار میں سے پہلی مسجد کا روپیہ ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور آئندہ بھی ایک مسجد کاماہوار دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو اس کو ادا کرنا ضرور ہے یا نہیں؟ یہ بھی واضح ہو کہ ہر ایک مسجد کے واسطے خاص خاص دکانوں کا کرایہ وقف ہے واقفہ زندہ ہےاور وصیت نامہ اسی کے قبضہ میں ہے جو رجسٹری شدہ ہے۔

الجواب:

جب وقف کی وصیت کی ہے تو اس کانفاذ بعد موت واقف ہوگا، زندگی میں اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۸تا۱۱۳: از فیض آباد چوک مسجد شاہ ٹاٹ مرسلہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب پیش امام ۱۶شعبان ۱۳۳۷ھ

حضرات علمائے کرام سوالات ذیل میں از روئے شرع شریف کیا حکم فرماتے ہیں:

(۱) مسجد کے متعلق مسجد کی ضرورت سے پاخانہ بناہوا تھااور وہی استنجاخانہ بھی تھا، مسجد کے متعلق ایک تھوڑا سا صحن مسجد کے دکھن جانب تھا جس کاحلقہ پختہ دیوار سے تھااور اسی حلقہ کے گوشہ میں مسجد کا استنجاخانہ تھا جس میں نمازیان مسجد اور مسافران طہارت اور رفع حاجت کرتے تھے۔ زید نے ایک مدرسہ بنانا چاہا جس کے واسطے عمرو نے اپنی ملک سے مدرسہ کے لئے مسجد کے خلف سے ملی ہوئی زمین دی تھی، زید کو وہ حلقہ جو مسجد کے متعلق تھااور پاخانہ دونوں وہ بھی زید نے کھود ڈالااور تخمیناً دو گز زمین چوڑان میں اور جتنی دور پاخانہ تھا اور اسی سیدھ اتنی ہی زمین پر چوڑان میں ۵خواہ ۶ گز تک لمبان میں سب بغیر عام مسلمانوں کی اجازت کے غصب کرکے اپنامدرسہ بڑھا کر بنالیااور تخمیناً تین ہزار اینٹ اسی حلقہ کی جو کھود ڈالی تھی وہ بھی مدرسہ میں لگائی، عام مسلمانوں نے سکوت کیا بوجہ اس کے کہ چند مسلمان ہمخیال زید کے اس کے شریک رہے۔ مسلمانوں نے چندہ جمع کرکے یہ سب بنوایا تھا کچھ دخل نہ دیا۔ کیا شرعاً زید کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مسجد کا پاخانہ توڑ ڈالے اور معہ پاخانہ کی زمین کے بغیر اجازت عام مسلمانوں کے غصب کرکے مدرسہ بنالے، اینٹ پاخانہ اور حلقہ کی مدرسہ میں لگالے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسی حالت میں جبکہ وہ پاخانہ اور استنجا خانہ نمازیان مسجد اور مسافران مسجد کے لئے تھا جس کے کھود ڈالنے سے نمازیوں کو برابر تکلیف رہی اور ہے، زید کا پاخانہ کھود ڈالنا اور مسجد کی ضروریات کا خیال نہ کرنا اور ایسی زمین کو مدرسہ میں داخل کرنا یہ سب شرعاً جائز ہے یا نہیں اور زید اس سے گنہگار ہوا یا نہیں؟

(۳) زید نے مسجد کی پشت پر کا پختہ پشتہ ایک ثلث جو حفاظت دیوار مسجد کے لئے بنایا جاتا ہے کھود ڈالا اور پاخانہ غسل خانہ اور اس کے بدررو (نالی) کا حوض سب مسجد کے پشت دیوار سے بالکل ملا ہوا بلکہ ایک گز مٹی نکال کر بنایا جس سے مسجد میں بو بھی آئے گی، دیوار پشت مسجد میں نونا (شور) بھی لگے گا مسجد کی بیحرمتی بھی ہے کہ پشت مسجد پر پاخانہ بنا ہے، آیا یہ سب فعل زید کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ شرع دیوار مسجد میں اجازت دیتی ہے کہ مسجد کا پشتہ وزمین پاخانہ کی ضرورت کو کھود ڈالا جائے کہ پاخانہ کی جگہ کچھ کم تھی یا پاخانہ بن نہ سکتا۔ مسجد کی پشت پر سے مہتر آوے گا حوض کا پانی جو بالکل نجاست غلیظہ ہے جس سے مسجد دیوار پر ضرور چھینٹ پڑے گی۔

(۴) زید نے یہ سب کچھ کیا خود اور چند مسلمانوں کی مدد سے، مگر مسلمانان شہر جس میں ہر قسم کے لوگ ہیں زید کی ان تمام باتوں کے خلاف یہ سب زمین مسجد پاخانہ اور وہ زمین جو اس کے متصل مسجد کے متعلق ہے اور اس کی اینٹ سب اپنے تحت تصرف میں لانا بھی سخت خلاف اور رنجیدہ ہیں اس کو جائز نہیں سمجھتے لہذا شرعاً ہم سب مسلمانوں کو سکوت کرنا چاہئے یا کہ دخل دینا چاہئے اور یہ سب زمین علیحدہ کرلینا چاہئے؟ امید کہ تشفی بخش جواب ہم غریب مسلمانوں کو مرحمت ہووے مع دلیل کے کیونکہ زید بھی مولوی ہے بغیر دلیل کے وہ ہم لوگوں کی کیوں مانے گا۔

(۵) کیا زمین متعلقہ مسجد یا استنجا خانہ وغیرہ وغیرہ مسلمانوں کی اجازت سے شرعاً منہدم ہو سکتا ہے ایسی حالت میں جبکہ وہ مسجد کے کام میں نہ آئے بلکہ دوسرے کام میں آئے وہ اجازت کے مجاز ہیں۔

(۶) مسجد میں پاخانہ یا پیشاب خانہ بنانے میں کچھ پورب پچھم میں فرق ہے یا نہیں؟ اور مسجد سے کتنے فاصلہ پر پیشاب خانہ بنانا چاہئے اس کی کوئی حد شرعاً جو ہو حکم فرمایا جائے اور نجاست کے پانی سے مسجد کی دیوار میں اگر اثر پہنچے تو شرعاً کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب:

(او۲) یہ فعل زید کا حرام قطعی ہے، ایک وقف جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے اسی پر رکھا جائے اس میں تو تغیر نہ ہو مگر ہیئت بدل دی جائے مثلاً دکان کو رباط کردیں یا رباط کو دکان، یہ حرام ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لاتجوز تغییر الوقف عن هیئته[1]۔	وقف جائداد کی ہیئت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔(ت)

نہ کہ سرے سے موقوف علیہ بدل دیا جائے، متعلق مسجد کو مدرسہ میں شامل کرلیا جائے یہ حرام ہے اور سخت حرام ہے۔

(۳) یہ بھی زید کا ویسا ہی تصرف ہے، حرام وناجائز ہے۔ مسجد کا پشتہ کھودنا حرام، اور اسے ماورائے مسجد دوسرے کام خصوصًا ایسے ناپاک کام میں صرف کرنا صریح ظلم وغصب وبیحرمتی مسجد ہے۔

صحیح حدیث کا ارشاد ہے کہ جو ایک بالشت زمین غصب کرے گا زمین کے ساتوں طبقوں تک اتنا حصہ توڑ کر روزِ قیامت اس کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا[2]۔

(۴) مسلمانون کو زید کی ایسی بیجادست برد وظلم پر سکوت حرام ہے اور چارہ جوئی فرض۔ لازم ہے کہ بذریعہ حکومت مسجد کی وہ پہلی زمین اور پشتہ کی زمین سب اس کے قبضہ سے نکلوائی جائے اور پہلے جس حالت پر تھی اسی حالت پر جبرًا اس سے کرائی جائے اور جتنی اینٹیں اس نے تصرف میں کرلی ہیں وہ متمیز ہوں تو واپس لی جائیں ورنہ ان کی قیمت لی جائے اور جتنے دنوں یہ استنجا خانہ وپشتہ وغیرہ کی زمین اس کے قبضہ میں رہی یا تاانفصال رہے اس سب کا کرایہ اس سے مسجد کے لئے لیا جائے **كما قد نصوا عليه قاطبة فی الکتب المعتمدة** (جیسا کہ تمام معتبر کتب میں اس پر نص موجود ہے۔ت)

(۵) مسلمانوں کو تغییر وقف کا کوئی اختیار نہیں تصرف آدمی اپنی ملک میں کرسکتا ہے وقف مالک حقیقی جل وعلا کی ملک خاص ہے اس کے بے اذن دوسرے کو اس میں کسی تصرف کا اختیار نہیں۔

(۶) مسجد کو بو سے بچانا واجب ہے، ولہٰذا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام، مسجد میں دیا سلائی سلگانا حرام، حتی کہ حدیث میں ارشاد ہوا: **وان یمر فیه بلحم نیئ**[3]۔ یعنی مسجد میں کچا گوشت لے جانا جائز نہیں، حالانکہ کچے گوشت کی بو بہت خفیف ہے تو جہاں سے مسجد میں بو پہنچے وہاں تک ممانعت کی جائے گی، مسجد عام جماعت کیلئے بنائی جاتی ہے اور جماعت ہر مسلمان پر واجب ہے یہاں تک کہ ترک جماعت پر صحیح حدیث میں فرمایا: ظلم ہے اور کفر ہے۔ اور نفاق یہ کہ آدمی اللہ کے منادی کو پکارتا سنے اور حاضر نہ ہو۔ صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] صحیح البخاری باب ماجاء فی سبع ارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۴

[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

لوصلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف لترکتم سنۃ نبیکم ولوترکتم سنۃ نبیکم لضللتم [1] وفی روایۃ ابی داؤد لکفرتم [2]۔	یعنی اگر مسجد میں جماعت کو حاضر نہ ہوگے اور گھروں میں نماز پڑھوگے تو گمراہ ہوجاؤگے ایمان سے نکل جاؤگے (اور ابوداؤد کی روایت میں ہے تم کافر ہوجاؤگے۔ت)

بایں ہمہ صحیحین کی حدیث میں ارشاد ہوا:

من اکل من ھذہ الشجرۃ الخبیثۃ فلایقربن مصلانا [3]۔	جو اس گندے پیڑ میں سے کھالے یعنی کچا پیاز یا کچا لہسن وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔

اور فرمایا: فان الملئکۃ تتأذی ممایتأذی منہ بنواٰدم [4]۔ یعنی یہ خیال نہ کروکہ اگر مسجد خالی ہے تو اس میں کسی بو کا داخل کرنا اس وقت جائز ہو کہ کوئی آدمی نہیں جو اس سے ایذا پائے گا ایسا نہیں بلکہ ملائکہ بھی ایذا پاتے ہیں اس سے جس سے ایذا پاتا ہے انسان۔ مسجد کو نجاست سے بچانا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴تا۱۱۹: از بمبئی کامبیکرات اسٹریٹ المعروف چھاج محلّہ مرسلہ بدرالدین عبداللہ صاحب مشاور جامع مسجد کمیٹی، ۱۶رجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے شرع متین زادہم اللہ تعالٰی شرفًا وتعظیمًا ان صور مسئولہ میں جوکہ ذیل حسب نمبر مندرج ہیں:

اول: یہ کہ شہر بمبئی میں ایک مسجد عظیم الشان رفیع البنیان جامع مسجد ہے اور اس کی بنا وسط شہر میں ایسی جگہ واقع ہے جس کے چوطرف کوئی مکان نہیں ہے اور اس میں ہوا بکثرت آتی کیونکہ سب اطراف اس کے فارغ ہیں بلکہ بعض اوقات بسبب کثرت ہوا مصلی دریچہائے مسجد کو بند کرتے ہیں، اس مسجد کی بنا پہلے ہی سے نہایت عمدہ وشاندار تھی مگر قبل از چند سال حضرات مشاورین نے اپنی رائے سے اس میں کسی قدر تبدل وتغیر کیا اور تخمینًا اس ترمیم وتبدیل میں تخمینًا تین لاکھ روپیہ سے زیادہ صرف مال وقف سے کیا گیا اس

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب فضل صلوٰۃ والجماعۃ وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشدید فی ترک الجماعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۱

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

[4] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

مسجد کی روشنی کے لئے قبل از چند سال بصرف مبلغ دس بارہ ہزار روپیہ ہانڈیاں و جھومر بلوری وغیرہ اسباب روشنی کا خرید کرکے نہایت اعلٰی پیمانہ پر مشاورین قدیم نے انتظام کیا تھا بعد از چند سال مشاورین جدید نے اس انتظام کو ناقابل و غیر مکتفی سمجھ کر تقریبًا بیس ہزار روپیہ سے زیادہ صرف مال وقف سے گیس کی روشنی کی تجویز کی اور طبقہ زیریں اور بالاپر گیس کے نل وغیرہ سقف وجدار مسجد میں نصب کئے گئے تھے اور چند سال تک یہ گیس یعنی دخان کی روشنی کا مسجد میں انتظام رہا، مگر جبکہ مسجد بطریق بیان بالاترمیم و تغیر کرنے میں آئی اس وقت یہ سب گیس کی روشنی کے نل وغیرہ جو کہ سقف وجدار میں نصب کیے گئے تھے ضائع وخراب وبرباد ہوئے پھر تجدیدًا حضرات مشاورین نے بکثرت رائے مشاورین نئے سرے سے گیس کی روشنی کا انتظام کیااور طبقہ زیریں میں سقف وجدار میں نل نصب کئے اس امر کو ایک سال کا عرصہ منقضی نہیں ہوا ہے کہ مشاورین مذکور چاہتے ہیں کہ مسجد میں برقی روشنی اور برقی پنکھوں کا انتظام واہتمام بصرف مال مسجد کیا جائے پس جملہ احوال سوال مذکور پر غور فرماکر بیان فرمادیں کہ یہ جو وقتًا فوقتًا دربارہ روشنی اخراجات کثیرہ کئے گئے ہیں یہ مال وقف میں تصرف بیجا وناز یبائے شرع ہیں یا نہیں؟ بیان فرمائیں۔

ثانی: یہ کہ جب مسجد ایسی جگہ واقع ہے جس کے چاروں طرف کوئی مکان نہیں ہے اور مسجد مذکور کے دیواروں میں دریچہائے کلاں بکثرت بنائے گئے ہیں اور ہر وقت ہوا وہاں موجود و متموج ہے بلکہ بعض وقت حسب بیان سوال اول کھڑکیاں بسبب کثرت ہوا کے بند کی جاتی ہیں، پس ایسی صورت میں مال وقف سے برقی پنکھے مسجد میں نصب کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ تجربتًا یہ امر ظاہر ہے کہ جب برقی پنکھا چلایا جاتا ہے اس وقت اس سے ایک آواز آتی ہے جو ضرور مخل نماز و مبطل خشوع وخضوع، بناءً علیہ اس طرح کے پنکھے بلاضرورت بصرف مال مسجد بنانا شرعًا جائز ہیں یا نہیں؟

(۴) یہ امر بتحقیق تمام ثبوت کو پہنچا ہے کہ پنکھا چلانے کے ڈبے میں جو گریس ڈالا جاتا ہے وہ اشیاء ناپاک ونجس سے مخلوط ہے اس صورت خاص میں بھی ان پنکھوں کے مسجد میں لگانے کا بصرف مال وقف شرعًا کیا حکم ہے؟

(۵) یہ کہ ماہرین فن الیکٹری سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی ہے کہ بہ نسبت گیس کی روشنی کے الیکٹری کی روشنی وبرقی پنکھوں میں زیادہ تر خوف آتشزدگی ہے، چنانچہ الیکٹری سے اس قسم کی آتشزدگی کے واقعات بہت ہوچکے ہیں جس سے بہت لوگ واقف ہیں، پس صورت مذکور میں ایسی خوفناک وحشت آمیز چیز کا نصب کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

(۶) یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بقول اطباء روشنی برقی مضر بصارت ہے اور برقی پنکھوں کی ہوا

بھی نقصان رسان صحت ہے، چنانچہ اس قبیل کا ایک مضمون اخبار طبیب مورخہ یکن جون سہ رواں مطبوع ہے جو اخبار کہ بسر پرستی جناب حاذق الملک مولوی حکیم اجمل خاں صاحب بہادر رئیس اعظم دہلی نکلا کرتا ہے، پس ایسی مضرت رساں صحت کا مسجد میں آویزاں کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(ا) یہ تصرفات محض ظلم واسراف وتضییع مال اوقاف ہیں علماء نے ایک چراغ وقف کے صبح تک روشن رکھنے کو ناجائز بتایا جب تک واقف سے نصًا یا عرفًا اس کی اجازت ثابت نہ ہو نہ کہ بار بار یہ ہزار ہا روپوں کا صرف بیکار، متولیوں کو کسی صرف جدید کے احداث کی اجازت نہیں ہوسکتی، اگر بلا مسوغ شرعی اس میں مال وقف صرف کرینگے وہ صرف ان کی ذات پر پڑے گا اور جتنا مال مسجد اس میں خرچ کیا اس کا تاوان ان پر لازم ہوگا، واقف نے اگر مسجد میں کنگرے نہ بنائے تھے اور متولی مال وقف سے بنائے گا گنہگار ہوگا اور تاوان دے گا، نمازیوں کو اگر بے منارہ کے اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے تو متولی مال مسجد سے منارہ نہیں بناسکتا، بنائے گا تو اس پر تاوان آئے گا، واقف نے فراش مسجد کا کوئی وظیفہ نہ رکھا تھا، متولی تو متولی حاکم کو حلال نہیں کہ اس میں فراش کا وظیفہ حادث کرے، نہ فراش کو وہ وظیفہ لینا حلال۔ بنائے مسجد بسکہ عمدہ ومحکم تھی تو متولیوں کو اس کا شہید کرنا اور نقشہ بدلنا اور اس میں مسجد کے تین لاکھ روپے اڑادینا اور اس کے سبب بیس ہزار کے نل برباد کرنا اور پھر گیاس کی روشنی میں بیس ہزار اور اڑانا، اور اب اسے بھی تباہ کرکے برقی روشنی کی کوشش کرنا اور اس میں مال مسجد برباد کرنا، یہ تمام افعال حرام تھے اور ہیں، متولیوں پر ان لاکھوں روپوں کا تاوان لازم ہے کہ اپنی گرہ سے ادا کریں، اور واجب ہے کہ ایسے مسرف متولی معزول کئے جائیں اور ان کی جگہ مسلمان متدین ہوشیار کار گزار خداترس دیانتدار مقرر کئے جائیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لووقف علی دھن السراج للمسجد لایجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین ویجوز الی ثلث اللیل ونصفه اذا احتیج الیه للصلٰوة فیه کذا فی السراج الوھاج ولایجوز ان یترك فیه کل اللیل الا فی موضع جرت العادة فیه بذٰلك کمسجد بیت المقدس ومسجد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و المسجد الحرام	اگر مسجد کے چراغ کے تیل کے لئے کوئی وقف کیا تو تمام رات چراغ روشن رکھنا جائز نہ ہوگا بلکہ صرف نمازیوں کی ضرورت کے مطابق اور تہائی رات تک، اگر ضرورت ہو تو نصف رات تک روشن رکھاجائے، تاکہ نمازی عبادت کرسکیں، یونہی السراج الوہاج میں ہے۔ اور تمام رات چراغ روشن رکھنا جائز نہیں، ہاں ایسے مقامات جہاں ایسی عادت جاری چلی آرہی ہے، جیسا کہ مسجد بیت المقدس او مسجد نبوی اور مسجد حرام میں ہے، یا واقف نے تمام

اوشرط الواقف ترکه فیه کل اللیل کماجرت به العادة فی زماننا کذافی البحر الرائق[1]۔	رات روشن رکھنے کی شرط لگار کھی ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں یہ عادت بن چکی ہے، بحر الرائق میں یونہی ہے (ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارة المسجد شرفا من ذٰلك ولو فعل یکون ضامنا[2]۔	منتظم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ مسجد کی عمارت پر وقف مال سے کوئی بالاخانہ بنائے، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ اس مال کا ضامن ہوگا۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

یجوز ان یبنی منارة من غلة وقف المسجد ان احتاج الیها لیکون اسمع للجیران وان کانوا یسمعون الاذان بدون المنارة فلا[3]۔	ارد گرد کے لوگوں کو آواز پہنچانے کے لئے مسجد کے وقف کی آمدنی سے مینار بنانا جائز ہے بشرط ضرورت، اور اگر منارہ کے بغیر اذان کی آواز لوگ سن لیتے ہوں تو پھر جائز نہیں (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

القاضی لیس له الاحداث بدون مسوغ شرعی فکیف المتولی وقد صرح فی الذخیرة والولوالجیة وغیرهما بان القاضی اذا قرر فراشا للمسجد بغیر شرط الواقف لم یحل للقاضی ذٰلك ولم یحل للفراش تناول المعلوم قال فی البحر فان قلت فی تقریر الفراش مصلحة قلت یمکن خدمة المسجد بدون تقریره بان یستاجر المتولی فراشا	قاضی کو وقف میں نئی عمارت بنانا ضرورت شرعی کے بغیر جائز نہیں تو متولی کیسے کرسکتا ہے جبکہ ذخیرہ اور ولوالجیہ وغیرہما میں تصریح ہے کہ اگر قاضی نے واقف کی شرط کے بغیر مسجد کے لئے صفائی والا مقرر کیا تو اسے جائز نہیں اور اس صفائی والے کو مقرر وظیفہ لینا جائز نہیں ہے اور بحر میں فرمایا اگر تیرا اعتراض ہو کہ صفائی والے کی تقرری میں اصلاح کی صورت ہے، تومیں کہتا ہوں کہ اس تقرری کے بغیر بھی مسجد کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۹
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف باب جعل دارہ مسجدًا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۲
[3] خزانۃ المفتین کتاب الوقف قلمی نسخہ ۱/ ۲۱۴

له والممنوع تقريره فی وظيفة تكون حقاله [1]۔	خدمت ممکن ہے کہ متولی کسی کو اجرت دے کر کرالے جبکہ مستقل تقرری جس پر وظیفہ مقرر ہو منع ہے۔(ت)

ہندیہ پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

مسجد مبنی اراد رجل ان ينقضه ويبنيه ثانيا احكم من البناء الاول ليس له ذلك لانه لاولاية له،مضمرات،الاان يخاف ان ينهدم،تاتارخانية، وتاويله ان لم يكن البانی من اهل تلك المحلة اما اهلها فلهم ان يهدموا ويجددوا بنائه لكن من مالهم لامن مال المسجد الابامر القاضی [2]۔	تعمیر شدہ مسجد کو گراکر کوئی شخص نئی مضبوط عمارت بنانا چاہے تواسے یہ اختیارات نہیں کیونکہ اس کو یہ ولایت حاصل نہیں ہے، مضمرات۔مگر اس صورت میں جب عمارت منہدم ہونے کاخطرہ ہو،تاتارخانیہ۔اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ تعمیر کرنے والا محلّہ دارنہ ہو،اگر وہاں کا محلّہ دار ہو تو محلے والوں کو اختیار ہے گراکر دوبارہ تعمیر کریں لیکن اپنے مال سے،نہ کہ مسجد کے مال سے،ہاں اگر قاضی کی اجازت ہو تو مسجد کامال خرچ کرسکتے ہیں۔(ت)

خلاصہ وتنویرالابصار میں ہے:

لاباس بنقشه خلامحرابه بجص وماء ذهب بماله لامن مال الوقف وضمن متوليه لوفعل [3]۔	جص اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش ونگار محراب کو چھوڑ کر کرنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی ذاتی مال سے کرے، وقف کے مال سے جائز نہیں،اگر متولی نے ایسا کیاتو ضامن ہوگا۔(ت)

بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

امامن مال الوقف فلاشك انه لايجوز للمتولی فعله مطلقًالعدم الفائدة فيه [4]۔	لیکن وقف مال سے ایسا کرنا بلاشبہ متولی کو مطلقًا جائز نہیں کیونکہ اس میں وقف کا کوئی فائدہ نہیں ہے(ت)

---

[1] العقود الدرية فی تنقيح الفتاوی الحامدية کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۰

[2] فتاوی ہندية کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[3] درمختار کتاب الصلوٰة باب مایفسد الصلوٰة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[4] ردالمحتار کتاب الصلوٰة باب مایفسد الصلوٰة داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۳

درمختار میں ہے:

الااذاکان الواقف فعل مثلہ لقولھم انہ یعمر الوقف کماکان[1]۔	ہاں اگر واقف ایسا کرتا رہا ہو تو پھر وقف مال سے جائز ہے کیونکہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ متولی اسی طرح تعمیر کرے جس طرح پہلے تھی (ت)

فتح القدیر پھر شرح علامہ بیری پھر ابن عابدین میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ ولاموجب لتجویزہ لان الموجب الشرط والضرورۃ ولاضرورۃ فی ھذا اذلاتجب الزیادۃ بل تبقیہ کماکان[2]۔	وقف کو اپنی اصلی حالت پر رکھنا واجب ہے کوئی زیادتی نہ کی جائے کیونکہ اس کے جواز کا کوئی موجب نہیں ہے کیونکہ موجب صرف وقف کی شرط یا ضرورت ہے اور اس میں کسی زیادتی کی ضرورت نہیں بلکہ جیسے تھا ویسے باقی رکھے۔(ت)

(۲) اولاً ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے کہ مسجد میں فرشی پنکھا لگانا مطلقاً ناپسندیدہ ہے، مدخل الی الشریعۃ میں ہے:

قد منع علماؤنا رحمھم اللہ تعالٰی المراوح اذ ان اتخاذھا فی المسجد بدعۃ[3]۔	ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے فرشی پنکھا مسجد میں لگانا ناجائز کہا ہے کیونکہ مسجد میں ایسا کرنا بدعت ہے۔(ت)

ثانیاً: جب یہ حالت ہے کہ حاجت اصلاً نہیں تو اپنے مال سے بھی جائز نہیں، نہ کہ مال وقف سے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ "[4]۔	اسراف نہ کرو اللہ تعالٰی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ تعالٰی کرہ لکم ثلثا	اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر البدع التی الخ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۲۲

[4] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۱

قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال[1]۔	فرمایا ہے قیل وقال، بغیر ضرورت سوالات کی کثرت اور مال کا ضیاع۔(ت)

ثالثًا: یہ وقف میں صرف جدید کا احداث ہے جس کی اجازت متولی کو نہیں ہوسکتی **کما بیّنا**۔

رابعًا: جب طبًّا اس پنکھے کی ہوا مضر صحت ہو تو اس کا کسی مسلمان کے گھر میں بھی اپنے یا اس کے مال خاص سے بھی لگانا جائز نہ ہوگا نہ کہ مسجد میں نہ کہ مال وقف سے، **کما یأتی**۔

(۳) بیشک مسجد میں ایسی چیز کا احداث ممنوع بلکہ ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

کرہ وقت حضور طعام تاقت نفسہ الیہ وکذا کل مایشغل بالہ عن افعالہا ویخل بخشوعہا کائنا ماکان[2]۔	نفس کی خواہش ہو تو کھانے کے وقت نماز مکروہ ہے اور یونہی ہر وہ چیز جس سے نماز میں دل مصروف رہے اور خشوع میں خلل انداز ہو، جو بھی ہو۔(ت)

نیز شرح تنویر میں ہے: **ولذا تکرہ فی طاحون**[3] (اسی لئے چکی خانہ میں نماز مکروہ ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

لعل وجہہ شغل البال بصوتہا[4]۔	ہوسکتا ہے اس کی وجہ چکی کی آواز سے دل کی مشغولیت ہو(ت)

(۴) اس صورت میں وہ پنکھا مطلقًا خود ہی ناجائز ہے اگرچہ پہلی چار وجہ نہ بھی ہوتیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

کرہ ادخال نجاسۃ فیہ فلایجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ[5]۔	مسجد میں نجاست کا داخل کرنا منع ہے اس لئے ناپاک تیل سے مسجد میں چراغ روشن کرنا جائز نہیں۔(ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث المغیرۃ بن شعبۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۴۶

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۲

[3] درمختار کتاب الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۲

[4] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۵

[5] درمختار شرح تنویر الابصار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

(۵) یہ بھی کافی وجہ اس روشنی اور پنکھے کی ممانعت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مراحدکم فی مسجدنا اوفی سوقنا ومعه نبل فلیمسك علی نصالها بکفه لایعقر مسلما[1]۔رواہ البخاری ومسلم وابوداؤدو ابن ماجة عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جب تم ہماری مساجد وبازار سے گزرو تو اپنے نیزوں کے پھالوں کو قابو رکھو اگر پاس نیزے ہوں تاکہ کسی مسلمان کو نہ لگے۔اس کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا نمتم فاطفؤا السراج فان الفارة تاخذ الفتیلة فتحرق اهل البیت[2]۔رواہ احمد والطبرانی والحاکم بسند صحیح عن عبداللہ بن سرجس والحدیث فی الصحیحین من وجوہ۔	جب سونے کا ارادہ ہو تو چراغ کو بجھادو، ممکن ہے کہ چوہیا چراغ کے فتیلہ کو کھینچ کر گھروالوں کو جلادے،اس کو احمد، طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیحین میں یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔(ت)

(۶) جب از روئے طب ان کا مضر ہونا ثابت ہو تو یہ ایک اعلٰی وجہ عدم جواز ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ضرر رسانی ہے، اور یہ حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولاضرار[3]۔رواہ احمد و ابن ماجة عن ابن عباس وابن ماجة عن عبادة رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	ضرر رسانی ناجائز ہے۔اس کو احمد اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے اور ابن ماجہ نے عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

اس میں مسلمانوں کی بدخواہی ہوئی اور یہ خلاف دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدین النصیحة للہ ولکتابه ولرسوله	بلاشبہ دین اللہ تعالٰی، اسکی کتاب، اس کے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من حمل السلاح فلیس منا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۷، مسند احمد بن حنبل حدیث ابوموسٰی الاشعری دارالفکر بیروت ۴/ ۳۹۷

[2] مسند احمد بن حنبل عبداللہ بن سرجس دارالفکر بیروت ۵/ ۸۲

[3] مسند احمد بن حنبل اخبار عبادة بن الصامت دارالفکر بیروت ۵/ ۳۲۷

ولائمۃ المسلمین وعامتھم [1]۔رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن تمیم الداری رضی اللہ تعالٰی عنہ،واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اور مسلمانوں کے ائمہ اور عوام الناس کے لئے خلوص کانام ہے۔اس کو مسلم،ابوداؤد،نسائی نے تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰ تا ۱۲۱: از بہاولپور ریاست سپرنٹنڈنٹ یتیم خانہ وسکریٹری اوقاف ۹ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ پنجشنبہ

حضور ایک کمیٹی ریاست بہاولپور میں منتظم آمدنی وخرچ اوقاف مساجد کی ہے اس کو دو مسئلہ کی اس وقت ضرورت ہے اس پر شرعی فتوے سے روشنی فرماکر باراحسان فرمائیں:

اول: مسجد کی جائداد وقف کی آمدنی کسی دوسری مسجد کے مصارف میں خرچ ہوسکتی ہے یانہ؟

دوم: اگر کوئی شخص سال تمام کے وعدہ پر دکان وقف کو کرایہ پر لے اور درمیان سال میں بوجہ بیماری وغیرہ چھوڑدے تو کیا ممبران اوقاف باقیماندہ کرایہ چھوڑ سکتے ہیں؟فقط۔

الجواب:

(۱) ہرگز جائز نہیں یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں لوٹے حاجت سے زائد ہوں اور دوسری میں نہیں تو اس کے لوٹے اس میں بھیجنے کی اجازت نہیں۔

(۲) اگر اس نے عذر صحیح شرعی سے چھوڑا تو باقیماندہ کرایہ چھوڑا جائے گا ورنہ نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲: از انجمن اسلامیہ بریلی ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یتیم خانہ اسلامیہ بریلی میں وہ یتیم جن کی عمر ۱۶ سال ۲ ماہ کی ہے ان کی یہ دریافت طلب ہے کہ اس عمر والوں کو بموجب شرع شریف کے پرورش کرنے اور روٹی کپڑا دینے کا بار یتیم خانہ کے ذمہ ضروری ہے یانہیں؟ان لڑکوں کی حالت یہ ہے کہ سردست یہ اس قابل نہیں ہوئے کہ یتیم خانہ سے نکلتے ہی وہ خود اپنے قوت بازو سے معاش حاصل کرسکیں،اور اندیشہ ہے کہ ان لوگوں کو اگر اس طرح چھوڑ دیا جائے گا تو یہ آوارہ گردی اور بداطواری میں مبتلا ہوجائیں گے،اور امید ہے کہ چھ سات ماہ کوشش کرکے ان کو اس قابل کردیا جائے گا کہ وہ کوئی پیشہ یا صنعت سیکھ کر اپنی معاش وجہ حلال سے پیدا کرسکیں گے اور اس عرصہ میں ان کے واسطے کوئی صورت معاش حاصل کرنے کی پیدا کردیجائے گی،

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴

پس اس صورت میں اگر ان لڑکوں کو اس عرصہ تک جب تک کہ وہ معاش پیدا کرنے کے قابل ہوسکیں یتیم خانہ میں رکھاجائے اور ان کے ضروری مصارف خورد نوش کا تکفل یتیم خانہ سے کیاجائے تو عندالشرع یہ مصارف اسلامی چندہ کی امانت سے جو یتیموں ہی کے واسطے وصول کیا گیا ہے جائز ہوں گے یا ناجائز؟اور اس روپیہ کے اس مدت میں صرف کرنے کا مواخذہ عندالشرع مہتممان یتیم خانہ کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

زر چندہ شرعًا ملک چندہ دہندہ پر باقی رہتا ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اس میں اجازت چندہ دہندگان پر مدار ہے اگر قدیم سے معمول یتیم خانہ رہا ہو کہ جو یتیم حد یتیم شرعی سے نکل کر بالغ ہوجائیں اور وہ بھی اپنے لئے رزق حلال کسب کرنے کے قابل ہونے تک ان کو یتیم خانہ میں رکھا جاتا اور زرچندہ سے ان کا خرچ کیا جاتا ہو، چندہ دہندگان اس پر آگاہ ہوا کئے اور اس پر راضی رہا کئے تو اب بھی جائز ہے **لان المعروف کالمشروط والاجازۃ دلالۃ کالاذن الصریح** (کیونکہ معروف چیز مشروط چیز کی طرح ہوتی ہے اور دلالۃً اجازت بھی صریح اجازت کی طرح ہے۔ت) اور اگر پہلے سے یہ معہود اور معروف نہ رہا اور اب تمام چندہ دہندوں سے اجازت لینی ممکن ہو تو اجازت لے کر کرسکتے ہیں،

لان المال لھم فیصرف باذنھم ولیس ھذا خلاف سبیل البرحتی یکرہ لھم الرجوع عنہ بل ربما یؤیدہ ویرغب الیتامٰی فی دخول ھذہ الجمیعۃ۔	کیونکہ مال ان کا ہے اس لئے ان کی اجازت سے خرچ کیاجائے اور یہ راہ نیکی کے خلاف نہیں ہے حتی کہ واپس لینا مکروہ ہے بلکہ اس میں نیکی کے لئے رغبت ہے اور یتیموں کو اس اجتماعیت میں شرکت کی رغبت ہوسکتی ہے(ت)

اور اگر سب سے اجازت نہ لے کر تو آئندہ مہینے کے چندے میں بقدر کفایت چند اشخاص سے اجازت لے لیجائے کہ تمہارا یہ چندہ جس حالت کے انقضاتک اس کام میں صرف ہوگا جو اجازت دیں ان کا چندہ باقی زرچندہ سے جدا رکھ کر خاص اس کام میں صرف کریں یہاں تک کہ پورا ہو اور اگر کوئی اجازت نہ دے یا جس قدر پر اجازت پائی اس سے زیادہ اس کام میں اٹھایا جائے تو ضرور حرام ہوگا اور اس کا مواخذہ مہتمموں پر رہیگا اور جن جن کا وہ چندہ تھا ان سب کا تاوان ان پر لازم آئے گا **لانھم تعدوا علی اموالھم والمتعدی غاصب والغصب مضمون** (کیونکہ انہوں نے دوسرے کے مال پر تعدی کی ہے اور تعدی غصب ہے اور غاصب سے ضمان لیا جاتا ہے۔ت) اور اگر وہ یتیم حالت یتم سے یتیم خانہ میں تھے اور بعد ظہور بلوغ یا

پندرہ سال کی عمر پوری ہونے کے یتیم خانہ سے ان پر صرف کیا گیا اور اجازت مذکورہ نصًا یا عرفًا ثابت نہ تھی تو سال بھر سے زائد یہ مواخذہ ذمہ مہتممان لازم اور تاوان ادا کرنا واجب ہوچکا صرف آئندہ سے سوال کیوں **واﷲ الھادی** بر دران اسلام کو احکام اسلام سے اطلاع دینی خیر خواہی ہے اور مسلمانوں کی خیر خواہی ہر مسلمان کا حق ہے **والدین النصح لکل مسلم**[1] (دین تمام مسلمانوں کیلئے خلوص اور بھلائی کا نام ہے۔ت) **واﷲ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: از اکبر آباد جامع مسجد مسئولہ جناب مولوی محمد رمضان صاحب ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

حضرت مولانا بالفضل والمعرفۃ اولانا مجدد مائۃ حاضرہ دام مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اﷲ وبرکاتہ، ایک استفتا ارسال خدمت اقدس ہے، امید ہے کہ جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمایا جاؤں، یہاں یہ مسئلہ درپیش ہے اور میری نظر سے ابھی کوئی نظیر ایسی نہیں گزری جس سے تشفی بخش جواب دیا جاسکتا، خیال ہوتا ہے کہ زید وکیل بالقبض ہے مگر سارا باب وکالت کا دیکھ ڈالا یہ صورت ایسی انوکھی ہے کہ صاف جواب نہیں ملتا، لہٰذا تصدیعہ وہ خدمت اقدس عالیہ ہوا زیادہ والتسلیم بہزار تفخیم، عاجز محمد رمضان عفی عنہ واعظ جامع مسجد آگرہ۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کیا گیا عمرو نے پانچسو روپے کا ایک چک دیا جو نوٹ نہیں تھا بلکہ کتاب کا ورق تھا جس کے ذریعہ سے بنک سے روپیہ وصول کیا جاسکتا ہے کہ بنک سے روپیہ وصول کرکے اس رقم میں شامل کرلی جائے وہ چندہ زید کے پاس جمع ہوا جو اس مسجد کے متولیوں میں سے ایک متولی تھا اس نے چک کا روپیہ وصول نہیں کیا خواہ غفلت سے خواہ اس چک میں بنک کی جانب سے کوئی اعتراض ہوا ازاں بعد زید کا انتقال ہوگیا اور ورثائے زید نے بھی روپیہ وصول نہیں کیا ازاں بعد عمرو کا بھی انتقال ہوگیا باقی متولیان مسجد مذکورہ نے ورثائے زید پر اس جمع شدہ چندہ کی نالش کرکے ڈگری بھی حاصل کرلی ورثائے زید سے اس چک کا روپیہ وصول کرنا کہ ان کے مورث کی غفلت یا بنک کے کسی اعتراض کی وجہ سے وصول نہیں ہوا تھا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے یا نادرست؟ یہ ملحوظ رہے کہ وہ چک اب کسی کام کا نہیں رہا، **بینوا بالکتاب تؤجروا عنداﷲ احسن ثواب** (کتاب سے بیان کرو اور اﷲ تعالٰی سے اجر وثواب پاؤ۔ت) **فقط۔**

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۵

الجواب:

صورت مسئولہ میں متولیان مسجد کی وہ نالش محض باطل تھی اور ڈگری سراسر خلاف شرع ہوئی، وہ روپیہ مسجد میں لینانرا حرام ہے، اور اگر لے لیا ہے تو ورثائے زید کو واپس دینا فرض ہے، ظاہر ہے کہ روپیہ جو کوئی شخص بنک میں جمع کرتا ہے وہ بنک پر دین ہوتا ہے، عمرو نے جو وہ روپیہ تعمیر مسجد کو دیا اگر مسجد موجود تھی اور اس کی تعمیر کو دیا تو یہ مسجد کے لئے ہبہ ہوا، عالمگیریہ میں ہے:

رجل اعطی درھما فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح المسجد صح لانہ ان کان لایمکن تصحیحہ وقفا یمکن تصحیحہ تملیکا بالھبۃ للمسجد فاثبات الملك للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح ویتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیۃ[1]۔	اگر کسی شخص نے مسجد کی عمارت یا اس کے اخراجات یا مصالح کے لئے بطور چندہ ایک درہم دیا تو جائز ہے کیونکہ اگر وقف کے طور پر صحیح نہ ہو تو ہبہ کے طور پر اس کی صحت ہوسکتی ہے کہ مسجد کے لئے یہ تملیک ہوجائیگی جبکہ اس طرح مسجد کے لئے تملیک صحیح ہے اور قبضہ ہوجانے پر ہبہ تمام ہوجائے گا۔ حسامیہ کے واقعات میں یونہی ہے (ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین وغیرہا میں ہے اس تقدیر پر یہ ہبۃ الدین عمن غیر من علیہ الدین مع تسلیطہ علی القبض (غیر مدیون کو قبضہ پر اختیار دے کر دین کا ہبہ کیا گیا ہے۔ت) ہوا، متولیان مسجد موہوب لہ کے نائب اور عمرو کی طرف سے وکیل بقبض الدین ہوئے اور اگر ہنوز مسجد موجود نہ تھی بلکہ بنانا چاہتے تھے اسکے چندہ میں دیا تو ہبہ نہیں ٹھہراسکتے کہ معدوم کے لئے ہبہ ممکن نہیں متولی صرف وکیل بالقبض ہوئے، دونوں صورتوں میں جب تک قبضہ نہ ہوا روپیہ ملک عمرو پر تھا، صورت ثانیہ میں توظاہر ہے کہ سرے سے ہبہ ہی نہ ہوا تو ملک مالک سے خروج کیا معنے،

وقد حققنا فی فتاوٰنا ان مایجمع من الناس لمصرف خیر یبقی علی ملك المعطیین۔	ہم نے اپنے فتاوٰی میں یہ تحقیق کردی ہے کہ لوگوں سے کسی اچھے مصرف کے لئے جو چندہ جمع کیا جاتا ہے وہ چندہ دینے والے لوگوں کی ملکیت ہی رہتا ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ذخیرہ سے ہے:

رجل جمع مالا من الناس لینفقه	کسی شخص نے لوگوں سے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

فی بناء المسجد فانفق من تلك الدراہم فی حاجته ثم ردبدلھا فی نفقة المسجد لایسعه ان یفعل ذٰلك فان فعل فان عرف صاحب ذٰلك المال رد علیه اوسأله تجدید الاذن فیه[1] الخ۔	جمع کیااور ان دراہم کواس نے اپنی ذاتی ضرورت پر خرچ کرلیا پھراس کے بدلے مسجد کی ضرورت میں اپنامال خرچ کیاتو ایسا کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے اگر کرلیا تو چندہ دینے والوں کو چندہ واپس کرے یاان سے نئی اجازت طلب کرے اگر چندہ دینے والوں کاعلم ہو۔(ت)

اور صورت اولیٰ میں اس لئے کہ ہبہ بے قبضہ تمام ومفید ملک موہوب لہ نہیں ہوتا، ابھی واقعات حسامیہ وہندیہ سے ہبہ مسجد میں گزرا کہ یتم بالقبض (قبضہ ہوجانے سے ہبہ تام ہوجاتاہے۔ت) اسعاف پھر بحرالرائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

لوان قومابنوامسجدا وفضل من خشبھم شیئ قالوایصرف الفاضل فی بنائه ولایصرف الی الدھن والحصیر ھذا اذاسلموہ الی المتولی لیبنی به المسجد والایکون الفاضل لھم یصنعون به ماشاؤا[2]۔	اگر قوم نے مل کر مسجد تعمیر کی اور کچھ تعمیراتی سامان لکڑی وغیرہ بچ جائے توفقہاء نے فرمایا کہ بچے ہوئے کواسی عمارت میں خرچ کرے اوراس کو دوسرے مصارف مثلاً مسجد کی چٹائی اور تیل وغیرہ میں نہ خرچ کرے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ قوم نے متولی کویہ کہہ کر سونپا ہو کہ اس کو تعمیر میں خرچ کردو، ورنہ فالتوسامان ان دینے والوں کی ملکیت رہے گا وہ جہاں چاہیں صرف کریں۔(ت)

اشباہ میں ہے:

لایصح تملیکه ای الدین من غیر من ھو علیه الا اذاسلطه علی قبضه فیکون وکیلا قابضا للموکل ثم لنفسه[3]۔	اس کی یعنی قرض کی مقروض کے غیر کو تملیک جائز نہیں تاوقتیکہ اس غیر کو قرض کی وصولی پر مقرر نہ کردے تاکہ یہ اس مالک کی طرف سے وصولی کا وکیل بن کر پھر اپنے لئے وصولی کامالک بن جائے(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الاوقاف التی یستغنی عنھا نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۸۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین فائدہ نمبر ۵ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

جامع الفصولین میں ہے:

هبة الدين ممن ليس عليه لم تجز الااذا سلطه علٰى قبضه فيصير كانه وهبه حين قبضه ولايصح الا بقبضه[1] (ملتقطًا)۔	قرض کا ہبہ غیر مقروض کو صرف اسی صورت میں جائز ہوگا جب وہ اس کو اپنی طرف سے قبضہ کیلئے مقرر کرے، تو یوں قبضہ کرلینے کے بعد ہبہ قرار پائے گا اور پھر اس کا قبضہ ہوجانے پر صحیح ہوجائے گا (ملتقطا (ت)

یہاں اگر موت عمرو سے پہلے چک بیکار ہوگا تو ہبہ بوجہ ہلاک موہوب قبل القبض باطل ہوگیا اور اگر موت عمرو کے بعد بیکار ہوا تو بوجہ موت واہب قبل تسلیم كما فی الدر المختار وعامة الاسفار (جیسا کہ درمختار اور عام کتب میں ہے۔ت) بہر حال مسجد کے لئے ملک اصلانہ ہوئی تو متولیان مسجد کو اس کا مطالبہ کس بناء پر پہنچ سکتا تھا، نہ کسی طرح ان کی ڈگری ہوسکتی تھی نہ ہر گز انہیں اس کا لینا حلال، نہ مسجد میں خرچ کرنا حلال، معہذا غفلت اگر جرم ہے تو نہ صرف زید بلکہ سب متولیوں کا کہ جب عمرو نے وہ چک مسجد کو دیا تھا ہر متولی کو مسجد کے لئے اس کا حاصل کرنا تھا فقط زید کے پاس جمع کردینے سے کیا باقی سب تولیت مسجد سے خارج ہوگئے اگر خارج ہوگئے تو انہوں نے دعوی کس بناپر کیا اور اگر خارج نہ ہوئے تو انہوں نے کیوں نہ وصول کیا یا کرایا، کیوں مال ضائع ہونے دیا، جرم ہے تو سبھی پر ہے، بلکہ اگر چک بعد موت زید بیکار ہوا تو تنہا باقیوں پر الزام ہے کہ ورثاء متولی نہیں، ان متولیوں نے کیوں تلف ہونے دیا، علاوہ بریں اگر یہ جرم تھا تو اتنا کہ ایک مال جو مسجد کی ملک ہوجاتا وصول نہ کیا نہ یہ کہ ایک مال جو مسجد کی ملک تھا تلف کردیا تو یہاں تملک سے امتناع ہے نہ کہ مملوک کا ضیاع، تو ضمان کیا معنی، اور جب ضمان نہیں تو زید ہی کے مال پر مطالبہ نہ آیا تو ورثاء سے مطالبہ کیسا،

قال الله تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ بوجہ غفلت چک بیکار ہوا ہو، اور اگر بنک والوں نے اس میں کوئی نقص نکال کر روپیہ نہ دیا جب تو ظاہر ہے کہ زید بے قصور ہے بالجملہ دعوی بہر حال باطل وبے معنی ہے، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

---

[1] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون فی الاحکامات ہبۃ الدین اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

مسئلہ ١٢٤: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ٢٥ محرم الحرام ١٣٣٢ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ بطور چندہ کانپور کے بیوگان ویتیمان وغیرہ وغیرہ کے واسطے جمع کیا ہو، اور اب بعد فیصلہ کانپور وہ روپیہ اکثر مردمان کی رائے سے تعمیر مسجد میں لگا دیا جائے تو اس کے بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

چندہ جس کام کے لئے کیا گیا ہو جب اسکے بعد بچے تو وہ انہیں کی ملک ہے جنہوں نے چندہ دیا ہے، **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) ان کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا جس کام میں وہ کہیں صرف کیا جائے، اور اگر دینے والوں کا پتا نہ چل سکے کہ ان کی کوئی فہرست نہ بنائی تھی نہ یاد ہے کہ کس کس نے دیا اور کتنا کتنا دیا تو وہ مثل مال لقطہ ہے اسے مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ١٢٥: از شہر مرسلہ جناب حافظ میاں صاحب ٥ جمادی الاخری ١٣٣٧ھ یوم دوشنبہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک ملک اور ایک باغ واسطے نیاز حضور جناب امام حسین علیہ السلام اور فاتحہ پیران عظام اور مرمت شکست ریخت زیارت بغرض بقائے نشان ونیز خیرات خالصًاللہ وقف کی، آیا یہ وقف مذہب اہل سنت وجماعت میں جائز وصحیح ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب بادلیل مشرح فرمائے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

خیرات خالصًا للہ کے لئے وقف جائز وصحیح ہے یونہی نیاز وفاتحہ حضرتِ امام واولیائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے لئے، جبکہ اسے مصرف خیر میں صرف کرنا ہو۔رہی مرمت زیارت، اگر اس مراد وہ مکان ہے کہ مسافرین، زائرین، حاضرین عرس کے آرام کو بنایا گیا تو وہ مثل سرائے ومسافرخانہ قربت ہے اور اس کی مرمت مثل عمارت، تو اس پر بھی وقف جائز وصحیح ہے۔

فی الدرالمختار الوقف علی ثلثۃ اوجہ اما للفقراء او للاغنیاء ثم للفقراء اویستوی فیہ الفریقان کرباط و خان ومقابر وسقایات وقناطر ونحوذٰلك کمساجد و طواحین وطست لاحتیاج الکل لذٰلك الخ[1]۔	درمختار میں ہے کہ وقف تین طرح ہوتا ہے: فقراء کے لئے یا پہلے اغنیاء اور پھر فقراء کے لئے یا دونوں کے لئے مساوی، جیسے سرائے، تکیہ، قبرستان، سبیلیں اور خیمے وغیرہ۔مثلًا مساجد، چکیاں اور برتن کیونکہ یہ تمام لوگوں کی ضروریات ہیں (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٨٦

اور اگر مراد عام قبر کی مرمت ہے تو وہ قربت نہیں اور وقف کے لئے قربت ہونا شرط ہے،

فی الدرالمختار شرطه ان یکون قربة فی ذاته ملوما منجزا[1] الخ۔	درمختار میں ہے کہ وقف ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ذاتی طور پر نیکی ہونا واضح طور پہ معلوم ہوا الخ۔ (ت)

فتاوٰی قاضی وفتاوٰی سراجیہ وتنویر الابصار وغیرہا میں ہے:

اوصی بان یطین قبر فهی باطلة[2] اھ مختصرًا	قبر کی لپائی کی وصیت کی تو باطل ہے اھ مختصرًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الوصیة اماصلة او قربة ولیست هذه واحدة منهما فبطلت[3]۔	وصیت، صلہ رحمی ہو یا پھر نیکی ہو، اور یہ دونوں میں سے نہیں ہے، لہذا باطل ہے (ت)

ہاں قبور اولیاء کرام کے حفظ ونگہداشت کو جبکہ ان کی تعظیم وتکریم کے تحفظ اور توہین وپامالی سے بچانے اور مسلمانوں کے وہاں حاضر ہو کر فیض ثواب وتبرکات پانے کے لئے ہو قربت کہنا اقرب بفقہ ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَؕ"[4]۔	یہ پہچان سے قریب تر ہے تاکہ ان کو اذیت سے بچایا جائے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تطیین القبور لایکرہ فی المختار وقیل یکرہ وقال البزدوی لواحتج لکتابة کیلایذہب الاثر ولایمتهن لاباس به[5]۔	قبروں کی لپائی مکروہ نہیں ہے، مختار قول میں بعض نے کہا مکروہ ہے۔ بزدوی نے فرمایا اگر کتابت کے لئے ضرورت ہو تاکہ قبر کے آثار ختم نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] درمختار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۱

[4] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۹

[5] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۲

ان کان القصد بذلك التعظیم فی اعین العامة حتی لایحتقر واصاحب ھذا القبر الذی وضعت علیه الثیاب ولجلب الخشوع والادب لقلوب الزائرین الغافلین کما ذکرنا من حضور روحانیتھم المبارکة عندقبورھم فھو امر جائز الخ[1]۔	اگر مقصد یہ ہو کہ اس سے لوگوں کی نظروں میں تعظیم ہوگی اور قبر والے کی تحقیر سے حفاظت ہوگی تو اس کی قبر پر کپڑا ڈالنا اور غافل لوگوں کو وہاں خشوع کی طرف اور ادب کی طرف راغب کرنا، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ قبروں پر اصحاب قبور کی روحیں حاضر ہوتی ہیں، اس لئے ہو تو یہ جائز ہے الخ (ت)

اور شک نہیں کہ ہر مباح بہ نیت محمودہ محمود و قربت ہوجاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی[2]۔	اعمال نیات کے ساتھ ہیں، ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے (ت)

اس صورت میں اس مرمت کے لئے تنہا بھی وقف صحیح ہوسکتا ہے لیکن یہاں جبکہ صرف مرمت قبر پر وقف نہیں بلکہ اس میں مصارف قبر صراحۃً مذکور ہیں تو ایک مصرف جائز اگرچہ خود قربت نہیں، ان میں شامل کرنا وقف کو ناجائز نہیں کرسکتا غایت یہ کہ گویا اتنا روپیہ جس قدر کی حاجت کبھی مرمت قبر کے لئے واقع ہو مصارف خیر سے ایک مصرف جائز کے لئے مستثنٰے ہوا اور اس میں کچھ حرج نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

اذاجعل اوله علی معنیین صار کانه استثنی ذلك من الدفع الی الفقراء کما صرحوا به[3]۔	جب وقف کرتے ہوئے دو چیزوں کو ذکر کیا گیا تو گویا یہ فقراء کو دینے سے مستثنٰی ہوگا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ت)

فتاوٰی قاضی خان ردالمحتار میں ہے:

لوقال ارضی صدقة موقوفة علی من یحدث لی من الولد ولیس له ولد یصح لان قوله صدقة موقوفة	اگر کسی نے یوں کہا کہ میری یہ زمین آئندہ پیدا ہونیوالے میرے بچے کے لئے صدقہ ہے فی الحال اگرچہ بچہ نہ ہو تو بھی یہ صحیح ہے کیونکہ اس کا صدقہ کہنا اس کو

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۷

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

وقف علی الفقراء وذکر الولد الحادث للاستثناء [1]۔	فقراء کے لئے وقف قرار دے گااور آئندہ ہونیوالے بچے کاذکر فقراء کے مصرف سے مستثنٰی ہوگا۔(ت)

بالجملہ صورت مذکورہ میں وہ وقف ضرور صحیح وجائز ولازم ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقف علی الاولاد وقف علی النفس جائز ہیں یا نہیں؟اور ان کے کیا معنٰی ہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

شرع مطہر میں وقف علی الاولاد ووقف علی النفس سب جائز ہے یعنی اپنی جائدادیوں وقف کرے کہ تاحیات کلیۃً خود اس سے متمتع رہوں تمام آمدنی اپنے مصارف ذاتی پر صرف کروں میرے بعد میری اولاد واولادِ اولاد اس سے بدیں تفصیل یا حصہ مساوی(جس طرح چاہے کہے) متمتع ہوتی رہے جب نسل میں کوئی نہ رہے توفلاں مدرسہ یا مسجد یا فقراء یاکارِ خیر کے لئے ہو جس طرح کہے گااسی طرح پابندی ہوگی اور جائداد بیع وہبہ وغیرہ انتقال کے اصلاً قابل نہ رہے گی تولیت کا بھی اختیار ہے کہ اپنی حیات تک چاہے اپنے ہی نام رکھے یااپنی اولاد کے نام اور بعد کو بھی جس طرح کی جائز شرطیں چاہے تولیت میں لگائے سب کی پابندی اسی طرح ہوگی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مکان بوائن مرحومہ مرسلہ محمد مغل صاحب ۲۶ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی ایک موضع میں ۴ /حقیت زمینداری ہے جس سے انتفاع تخمیناً مبلغ عہ ۳۰/روپیہ ماہوار کاہے اور یہ اراضی ہندہ کواپنے شوہر مرحوم سے دین مہر میں ملی ہے چونکہ ہندہ لاولد ہے اس وجہ سے اپنی جائداد مذکورہ اس طور سے وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتی ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے خود متولی رہ کراس کی آمدنی سے بطریق مناسب خیرات کرتی رہے گی بعد اس کے مرنے کے چار شخص دیندار متدین جنکو کہ وہ نامزد کرے گی وہ لوگ متولی ہوں گے اور اس آمدنی سے ایصال ثواب جس طریقہ سے وقف نامہ میں لکھے گی کرتے رہیں گے، ہندہ کی تین حقیقی بہنیں ہیں سوائے ان کے کوئی عزیز قریب نہیں ہے اور یہ ہرسہ بہنیں صاحب اولاد ہیں اور ان کی ماہوار آمدنی ہندہ کے آمدنی سے زیادہ غرضکہ ہرسہ بہنیں محتاج نہیں ہیں، اکثر اشخاص یہ کہتے ہیں کہ یہ وقف ازروئے شرع شریف

---
[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۳۱

ناقص وناجائز ہوگا اس وجہ سے کہ حقیقی بہنیں موجود ہیں اور ہندہ پر حق العباد کا مواخذہ رہے گا اور اس کو اجر وثواب اس کا نہ ہوگا بلکہ گنہگار ہوگی کہ وہ حق تلفی کرتی ہے، چونکہ ہندہ جائداد مذکورہ بالا ثواب وصدقہ جاریہ کے غرض سے وقف کرتی ہے پس اس صورت میں یہ وقف جائز ہوگا یا کہ ناجائز؟ اور ہندہ وقف کرنے سے ثواب پائے گی یا حق العباد کی حق تلفی سے گنہگار ہوگی؟ امید کہ جواب بحوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

اسے اپنی صحت میں وقف کا اختیار ہے جس طرح وقف کرے گی کل یا بعض وقف ہوجائے گی مگر نیت اگر یہ ہے کہ بہنوں کو ترکہ سے محروم کرے تو یہ اگرچہ حق العبد میں گرفتار نہیں کہ صحت مورث میں کسی وارث کا کوئی حق اس کے مال سے متعلق نہیں ہوتا مگر ایسی نیت ضرور مذموم وسخت شنیعہ ہے، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة۔ [1]	جو بلاوجہ شرعی اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کا حصہ قطع کردے۔ (ت)

بہنوں کا مالدار ہونا کوئی وجہ شرعی ان کے محروم کرنے کی نہیں۔ راہ یہ ہے کہ یا تو وارثوں سے رضامندی لے وہ سچے دل سے اجازت دے دیں کہ تم اپنی جائداد مصارف خیر کے لئے وقف کردو یا وقف اہلی کرے کہ وقف کا بھی ثواب پائے اور وارث بھی محروم نہ ہوں یعنی یوں وقف کرے کہ یہ جائداد میں نے اپنی زندگی بھر اپنے نفس پر وقف کی اور اپنے بعد اپنے ورثہ پر اور جب وہ اور اس کا وارث کوئی نہ رہے تو فلاں فلاں مصارف خیر پر اس میں یہ بھی جائز ہوگا کہ جائداد میں سے جتنا چاہے اپنی حیات اور اپنے وارثوں کے حیات میں بھی مصارف خیر کے لئے معین کردے اتنا ان میں صرف ہوگا باقی اپنی زندگی بھر یہ لے گی اور اس کے بعد اس کے وارث۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۸: از مدرسہ نعمانیہ دہلی مرسلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب احمد آبادی ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے مکان کو وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے کہ اس میں وراثت جاری نہ ہو، منشاء زید یہ ہے کہ مکان آبائی اسی طرح قائم رہے حصہ بخرہ ہو کر خراب نہ ہو کہ ورثہ اپنے اپنے حصے بیع کردیں گے، اولاد نرینہ اس میں رہا کرے اولاد اناث کو اگر ضرورت ہو یعنی

[1] سنن ابن ماجه باب الحیف فی الوصیة ادارہ احیاء السنة النبویة سرگودھا ص ۱۹۸

ان کی سسرال سے کسی ناچاقی کی وجہ سے یہاں آنا ہو تو وہ بھی رہے اور خرید وفروخت ہبہ وغیرہ کا کسی کو اختیار نہ رہے البتہ شکست وریخت یا تعمیر جدید یا تغییر مکانیت مناسب کا ہمیشہ اختیار ہے زید کی ایک ہمشیرہ بھی سہیم ہے وہ اس وجہ سے کہ اس کے لڑکے شاید ناراض ہوں تحریر نہیں دیتی زبانی خاص لوگوں کے روبرو اپنا معاف کرنا بیان کرتی ہے، اس صورت میں زید کا وقف کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

زید کو ایسے وقف کا اختیار ہے اور یہ وقف صحیح ہے اولاد نرینہ کے سامنے ہمشیرہ کا کوئی حق نہیں ہوتا تو وقف پر کہ غیر مرض موت میں کیا جائے کسی وارث کو حق اعتراض نہیں، نہ حصہ معاف کرنے کی ضرورت، نہ کسی تحریر دینے کی۔ وہ یہ مضمون لکھ دے کہ میں نے اپنا مکان محدود بحدود چنیں وچناں اپنی زندگی بھر اپنے نفس پھر اپنی اولاد پھر فقرائے مسلمین اہل سنت وجماعت پر بایں شروط وقف صحیح شرعی لازم کیا۔

(۱) اپنی حیات بھر خود اس میں رہوں گا۔

(۲) میرے بعد میری اولاد نرینہ واولاد نرینہ واولاد نرینہ تابقائے نسل اس میں رہیں۔

(۳) اولاد اولاد اولاد میں جو اناث ہوں جب تک شادی نہ ہو یا جو بیوہ ہو جائے اور وہاں ٹھکانہ نہ رہے یا بوجہ ناچاقی وہاں نہ رہ سکے وہ بھی تابقائے ضرورت اس میں سکونت رکھے گی۔

(۴) جب نسل میں اولاد ذکور نہ رہیں اولاد اناث کو حق ہوگا۔

(۵) جب وہ بھی نہ رہیں مکان کرائے پر دیا جایا کرے گا اور کرایہ فقرائے مسلمین اہل سنت وجماعت مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین پر صرف ہوا کرے گا۔

(۶) شکست ریخت کا صرف میری زندگی میں میرے ذمہ پھر اولاد ساکنین پھر کرایہ مکان سے ہوا کرے گا۔

(۷) کسی وقت کسی کو اس کی بیع وہبہ وانتقال وغیرہ کا اختیار نہ ہوگا، اور یہ جو مناسب ہوں شرائط لکھ کر وقف نامہ مکمل کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۹ تا ۱۳۰: ازآگرہ کٹرہ مسئولہ محمد نواب حسین کارخانہ دار کامدانی ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) زید اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے اور ایک ثلث آمدنی جائداد کا کارخیر میں دینا منظور ہے بعد منہائی دیگر اخراجات ضروری مرمت وغیرہ میں جو رقم باقی رہے اس میں سے ایک ثلث کار خیر میں صرف کرنا یا کل آمدنی میں سے۔

(۲) جو رقم ثلث آمدنی کارِ خیر کے واسطے نکالی جائے اس میں سے نیاز بزرگان دین کی و محفل میلاد شریف میں خرچ کرنا و کسی مدرسہ وغیرہ میں دینا مقصود ہے یہ جائز ہوگا اس حالت میں جداگانہ زکوۃ کی تو ضرورت نہ رہے گی۔

الجواب:

(۱) یہ اسکی زبان پر ہے اگر وقف میں یہ شرط لگائے گا کہ کل آمدنی بلااخراج خرچ کا ثلث تو یہی واجب ہوگا اور منافع خالص کا ثلث کہے گا تو خرچ نکال کر جو بچا اس کی تہائی اور اگر مطلق کہے گا تو حسب عرف منافع خالص کا ثلث سمجھا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) کار خیر میں جو کام متعین کردے گا مثلاً مسجد یا مدرسہ یا مساکین وہ ثلث اس میں صرف ہوسکے گا اور اگر نیاز بزرگان دین و محفل میلاد شریف بھی اسی میں شامل کرے گا تو یہ بھی ہوسکے گا یہ ثلث کار خیر میں صرف کردینا بقیہ دو ثلث پر سے زکوۃ ساقط نہ کردے گا جبکہ اس کے پاس حاجات اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب بچے اور سال گزرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب المسجد

(احکام مسجد کا بیان)

مسئلہ ۱۳۱: میمن محمد عبداللہ ابوبکر سوداگر زورنگل بازار انتصار گنج ریاست حیدرآباد دکن ۱۲ شوال ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چبوترہ پر عرصہ تیس سال سے اذان و نماز باجماعت وجمعہ ہوا کرتی ہے، اس پر محراب و منبر بھی ہے، زید کہتا ہے کہ محض چبوترہ پر نماز وغیرہ قائم ہونے سے حرمت مسجد نہیں ہوتی کیونکہ اس پر نہ چھت ہے نہ منارہ جو لوازمات مسجد ہیں، بکر کہتا ہے یہ لوازمات مسجد نہیں اذان و نماز پنجگانہ باجماعت وجمعہ کا قیام کافی ہے، اب ازروئے شرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

زید کا قول محض باطل وخلاف شرع ہے مسجد کے لئے چھت، منارہ، دیواریں کوئی چیز لازم نہیں، اس میں تو منبر محراب موجود ہے، یہ بھی نہ ہوتا تو بھی مسجدیت میں خلل نہیں۔ مسجد صرف اس زمین کا نام ہے جو نماز کیلئے وقف ہو یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی نری خالی زمین مسجد کو دے مسجد ہوجائے گی، مسجد کا احترام اس کے لئے فرض ہوجائے گا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فیها امر قوما ان یصلوا فیها بجماعة ابدا او امرهم بالصلٰوة مطلقا ونوی	کسی شخص کی خالی زمین ہے جس میں عمارت نہیں اس نے لوگوں کو کہا کہ اس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کرو، یایوں کہا کہ اس میں نماز پڑھو، اور نیت

الابد صارت الساحة مسجدا کذافی الذخیرة وھکذا فی فتاوٰی قاضی خان۔[1] (ملخصًا)	ہمیشگی کی کی تھی تو دونوں صورتوں میں وہ خالی زمین مسجد ہو گئی جیسا کہ ذخیرہ اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے (ت)

جبکہ اس چبوترہ کا کوئی مالک ومدعی نہیں اور اس میں مدتوں سے نماز باجماعت ہوتی ہے، جمعہ ہوتا ہے، منبر ہے، محراب ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو مسجد نہ سمجھا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۳۲: از شملہ مسجد قطب خانساماں کوہ شملہ خورد مرسلہ عالم خاں ممبر وسکریٹری مسجد مذکورہ ملازم کوٹھی آرناڈیل ۶ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک شخص قطب خانساماں نے تین مسجدیں مقام کوہ شملہ تین بازاروں میں بنوائی تھیں، بازار کلاں وبازار بابوگنج وبازار چھوٹا شملہ، خانساماں مرحوم نے خاص اپنی سعی وکوشش سے انگریز سے زمین بھی لی اور بنیاد بھی مسجد کی خود ہی ڈالی، اور اپنے زرِ خاص سے مسجد کو بنوایا، اور تیار ہونے پر بھی خانساماں مغفور نے اپنی حین حیات مسجد کی خدمت وخبر گیری کی اور مسجد کے ہمیشہ خرچ کے لئے کچھ جائداد بھی مسجد کے متعلق کی جو مسجد کے خرچ کو کافی ہے، اب بعد گزر جانے خانساماں مرحوم کے بے انتظامی متولیان ومنتظمانِ وقت کے سبب مسجد کے شہید ہو جانے پر اور پیشہ کے چند لوگوں نے چندہ جمع کرکے مسجد مذکور کو تعمیر کرایا اور انتظام دست بدست دیگراں رہا، سواب حق زیادہ مسجد پر پہلے بنانے والے اور اسکے گروہ کا ہے یا بعد کے بنانے والوں کا اور اس کے گروہ کا؟ اور نام روشن ہونا مسجد پہ اور مسجد کی تمام چیزوں پہ کس کا ہونا چاہئے یا کسی کا بھی نہیں؟ او مسجد مذکور قطب خانساماں کے نام سے پکاری جاتی ہے، بعد گزر جانے خانساماں مذکور کے انتظام مسجد دست بدست دیگراں رہا جو کہ منتظم یا متولی مانے جاتے رہے ہیں، بایں صورت ایک شخص بابو پندرہ بیس سال سے متولی یا منتظم قرار دیا ہوا تھا اور انتظام مسجد وآمدنی وخرچ سب اسی کے سپرد تھا سواسکے انتظام وتولیت سے مسجد کو سراسر نقصان ہوا، یہاں تک کہ مسجد مقروض بھی ہوئی اگرچہ اب نہیں ہے، لیکن مسجد پر خستگی اب بھی ظاہر ہے اور نمازیوں کو تکلیف سامان نماز سے ہمیشہ پہنچتی رہی، لہٰذا متولی ہذا کو معزول کرکے بجائے اس کے چند اشخاص معقول ممبر مقرر کرکے جو ایک پیشہ اور اسی بازار کے تھے، انتظام مسجد وآمدنی وخرچ ان کے متعلق کیا گیا، اب آئندہ انتظام دستور سابق کے موافق ہونا چاہئے جو متولی معزول کے وقف میں تھا اور اسی روش پہ چلنا چاہئے یا نئے طریق سے جو مسجد کی آسودگی ونمازیوں کے آرام کی صورت ہو، جو کتابیں کہ اب انتظام مسجد کے حساب وکتاب کے واسطے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

نئی تیار ہوئی ہیں ان پر نام قطب خانساماں کالکھا گیا ہے، گروہ دوم کہتا ہے کہ ان پہ قطب خانساماں کا نام لکھنا شرک وبدعت ہے چونکہ پہلے نہ تھا اب کیوں لکھا گیا؟ گروہ خانساماں کہتا ہے کہ کتابوں پہ نام کا ہونا شرک وبدعت نہیں ہے، پہلے کا دستور قاعدہ جب لیں جو قواعد وطریق سابق سے مسجد کو آسودگی اور نمازیوں کو آرام پہنچا ہو، مسجد کی آمدنی کا روپیہ خانساماں کے گروہ کے پاس رہنا چاہئے یا گروہ دوم کے پاس؟ اور زرِمذکور زیادہ مالدار کے پاس رہے یا تھوڑے مالدار کے پاس؟

الجواب:

مسجد قیامت تک اصل بانی کے نام سے رہے گی اگرچہ اس کی شکست ریخت یا شہید ہوجانے کے بعد دوبارہ تعمیر اور لوگ کریں، ثواب ان کے لئے بھی ہے مگر اصل بنا بانی وقف کے واسطے خاص ہے،

فان اصل المسجد الارض والعمارة وصف ولایکون من اعاد الوصف کمن احدث الاصل۔	کیونکہ اصل مسجد تو زمین ہے اور عمارت وصف ہے چنانچہ جس نے وصف کا اعادہ کیا وہ موجد اصل کی مانند نہیں ہوسکتا۔(ت)

کتابوں پر خانساماں کا نام لکھا جانا نامناسب نہیں بلکہ بہتر ہے اور اسے شرک وبدعت کہنا بدعت ہے۔ اسعاف پھر ردالمحتار میں ہے:

من قصد الواقف نسبة الوقف الیه وذٰلك فیما ذکرنا[1]۔	واقف کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کی طرف منسوب رہے، اور یہ ہماری مذکورہ صورت میں ہی ہوسکتا ہے(ت)

متولی مسجد بھی جب تک خانساماں کی اولاد یا کنبہ والوں میں کوئی شخص اس کا اہل پایا جائے اور لوگوں میں سے نہ کیا جائے گا، درمختار میں ہے:

مادام احد یصلح التولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف الیهم[2]۔	جب تک واقف کے اقارب میں سے کوئی متولی وقف بنانے کی اہلیت رکھتا ہو بیگانوں میں سے کسی کو متولی نہ بنایا جائے کیونکہ واقف کا قریبی رشتہ دار وقف کا زیادہ خیال رکھنے والا ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کے خاندان کی طرف منسوب رہے(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۱

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

مسجد کا روپیہ اسی متولی کے اختیار میں رہے گا اسکے لئے دیانتداری کارگزار ہونا شرط ہے مالدار ہونا ضرور نہیں، مالداروں کی سپردگی میں جبکہ مسجد کی بے انتظامی اور نمازیوں کو تکلیف رہی تو اس انتظام کا بدلنا اور ہوشیار دیانت دار پرہیزگار مسلمانوں کی نگرانی میں دینا فرض تھا، درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا بزازیۃ، لو الواقف درر، فغیرہ بالاولی غیر مأمون او عاجزًا او ظھر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وقف متولی کی تولیت سے نکال لینا واجب ہے (بزازیہ) اگرچہ خود واقف ہی متولی ہو (درر) جبکہ وہ غیر امین یا عاجز ہو یا اس کا فسق جیسے شراب نوشی وغیرہ ظاہر ہو جائے [جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو] غیر واقف سے اس صورت میں وقف کا واپس لے لینا بدرجہ اولٰی واجب ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳: از رام پور پیلا تالاب مسجد شاہ درگاہی صاحب مرسلہ مولوی عبدالقادر صاحب بنگالی ۵ صفر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ ایک مسجد چھپّر کی تھی اب ایک شخص نے اسکو توڑ کر اپنے پاس سے روپیہ دے کے اسی جگہ میں ٹین کر دیا، اب توڑا ہوا چھپّر فروخت کرنا برائے خرچ مسجد کے یا بیٹھک خانہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر بیٹھک خانہ درست ہے تو از روئے شرع شریف کے کس صورت پر جائز ہوگا فقط، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حاکم اسلام اور جہاں وہ نہ ہو تو متولی مسجد واہل محلّہ کو جائز ہے کہ وہ چھپّر کہ اب حاجت مسجد سے فارغ ہے کسی مسلمان کے ہاتھ مناسب داموں بیچ ڈالیں اور خریدنے والا مسلمان اسے اپنے مکان نشست یا باورچی خانے یا ایسے ہی کسی مکان پر جہاں بے تعظیمی نہ ہو ڈال سکتا ہے، پاخانہ وغیرہ مواضع بیحرمتی پر نہ ڈالنا چاہئے کہ علما نے اس کوڑے کی بھی تعظیم کا حکم دیا ہے جو مسجد سے جھاڑ کر پھینکا جاتا ہے۔ جواہر الاخلاطی وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

حشیش المسجد اذا کان لہ قیمۃ فلاھل المسجد ان یبیعوہ وان رفعوا الی	مسجد کی گھاس کی اگر کوئی قیمت ہو تو اہل مسجد کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کردیں۔ اگر حاکم کے پاس

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

الحاکم فھواحب ثم یبیعوہ بامرہ ھو المختار [1]۔	اس کامرافعہ کریں تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے پھر اس کے اذن سے فروخت کریں، یہی مختار ہے(ت)

فتاوٰی خانیہ میں ہے:

قد ذکرنا ان الصحیح من الجواب ان بیعھم بغیر امر القاضی لایصح ان یکون فی موضع لاقاضی ھناک[2]۔	ہم ذکر کرچکے کہ حکم صحیح یہ ہے کہ بغیر امر قاضی کے ان لوگوں کا مسجد کی گھاس کو فروخت کرنا صحیح نہیں سوائے اس جگہ کے جہاں قاضی نہ ہو۔(ت)

درمختار میں قبیل باب المیاہ ہے:

حشیش المسجد وکناستہ لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کی گھاس اور کوڑا کرکٹ ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں اس کی بیحرمتی ہوتی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۶

[3] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴

رسالہ
التحریر الجید فی حق المسجد ١٣١٥ھ
(مسجد کے حق میں عمدہ تحریر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ١٣٤: بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ٢١ ذوالحجۃ الحرام ١٣١٥ ہجری قدسیہ۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی چیزیں فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

مسجد کی چیزیں اس کے اجزاء ہیں، یا آلات یا اوقاف یا زوائد، اجزاء یعنی زمین وعمارت قائمہ کی بیع تو کسی حال ممکن نہیں مگر جب مسجد معاذاللہ ویران مطلق ہوجائے اور اس کی آبادی کی کوئی شکل نہ رہے تو ایک روایت میں باذن قاضیِ شرع حاکم اسلام اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کرسکتے ہیں، مواضع ضرورت میں اس روایت پر عمل جائز ہے۔

فی الدرالمختار لوخرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام	درمختار میں ہے اگر مسجد کا گردو پیش ویران ہوگیا اور مسجد کی ضرورت نہیں رہی تب بھی امام اعظم ابوحنیفہ

والثانی ابدا وبه یفتی وعن الثانی ینقل الیٰ مسجد اٰخر باذن القاضی[1]، وفی ردالمحتار قوله وعن الثانی الخ جزم به فی الاسعاف حیث قال ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لایعود الی ملك الواقف عند ابی یوسف فیباع نقضه باذن القاضی ویصرف ثمنه الی بعض المساجد[2] اھ وفیه ایضًا الشیخ الامام امین الدین بن عبدالعال والشیخ الامام احمد بن یونس الشلبی والشیخ زین بن نجیم والشیخ محمد عبد الوفائی فمنهم من افتی بنقل بناء المسجد ومنهم من افتی بنقله ونقل ماله الیٰ مسجد اٰخر، والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد اوحوض کما افتی به الامام ابوشجاع والامام الحلوانی وکفی بهما قدوة ولا سیما فی زماننا فان المسجد اذا لم ینقل

اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک وہ ہمیشہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ اور امام ابویوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ قاضی کی اجازت سے اسے دوسری مسجد کی طرف منتقل کردیا جائیگا۔ ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول "وعن الثانی الخ" اسعاف میں اسی پر جزم کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مسجد اور اس کا گردوپیش ویران ہوجائے اور لوگ وہاں سے نقل مکانی کرجائیں، تو امام ابویوسف کے نزدیک وہ واقف کی ملک میں نہیں لوٹے گی چنانچہ قاضی کی اجازت سے اس کا ملبہ فروخت کرکے ثمن کسی دوسری مسجد میں صرف کیا جائے گا اھ اسی میں یہ بھی جیسے شیخ امام امین الدین بن عبدالعال، شیخ امام احمد بن یونس شبلی، شیخ زین بن نجیم اور شیخ محمد الوفائی ان بزرگوں میں سے بعض نے مسجد کی عمارت اور بعض نے عمارت اور اس کے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنے کا فتوٰی دیا، اور جو بات مناسب ہے وہ یہی ہے کہ مسجد وحوض میں فرق کئے بغیر جواز نقل میں مشائخ مذکورہ کی اتباع کی جائے جیسا کہ امام ابوشجاع اور امام حلوانی نے اس پر فتوی دیا ہے اور ان دونوں اماموں کا مقتدا ہونا کافی ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں، کیونکہ اگر مسجد کو منتقل نہ کیا جائے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

یاخذا نقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد اھ ملتقطًا[1] **قلت** وللعبد الضعیف ھھنا تحقیق شریف حقق فیہ بتوفیق اللہ تعالٰی ان الروایۃ النادرۃ عن الثانی مفرعۃ علی قولہ المفتی بہ کما افادہ فی الدرر والدر خلافا لما فھمہ العلامۃ الشامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وانہ یفتی بہا فی مواضع الضرورۃ کما قررہ الشامی ومن سبقہ ممن سمی وممن لم یسم وانہ یجوز نقل الساحۃ ایضا کما نقل النقض وھو ما مر من قولہ منھم من افتی بنقلہ ونقل مالہ وان قول الدر "ینقل الی مسجد اٰخر"[2] محمول علی ظاھرہ وان ذکر النقض والمال والبناء فی کلام غیرہ غیر قید وان حاصل تلك الروایۃ زوال المسجدیۃ مع بقاء الوقفیۃ فلا یعود الی ملك البانی اوورثتہ ویجوز النقل والاستبدال واللہ تعالٰی اعلم بحقائق الاحوال۔	توچور اور جبری قبضہ کرنے والے لوگ اسباب مسجد لے لیں گے جیسا کہ دیکھا جارہا ہے اھ التقاط۔**قلت** (میں کہتا ہوں) اس عبد ضعیف کی یہاں پر ایک نہایت شاندار تحقیق ہے جس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام ابویوسف کی روایت نادرہ ان کے مفتی بہ قول پر متفرع ہے جیسا کہ اس کا فائدہ درر اور در نے دیا ہے۔بخلاف اس کے جو علامہ شامی نے سمجھا اور مواضع ضرورت میں اس پر فتوی دیا جتا ہے جیسا کہ علامہ شامی اور ان کے پیش روائمہ نے اس کی تقریر فرمائی ان میں سے بعض کا نام علامہ شامی نے ذکر کیا اور بعض کا نام ذکر نہیں کیا،اور اس بات کو بھی ثابت کیا گیا کہ مسجد کے ملبہ کی طرح اس کی میدان کو بھی نقل کرنا جائز ہے،اور علامہ شامی کا یہ قول گزرچکا ہے کہ ان میں سے بعض نے مسجد کو نقل کرنے اور اس کے مال کو نقل کرنے کا فتوی دیا ہے اور اس بات کو بھی ثابت کیا گیا کہ در کا یہ قول "اس مسجد کو دوسری مسجد کی طرف نقل کیا جائے گا" اپنے ظاہر پر محمول ہے اور یہ کہ در کے غیر کے کلام میں ملبہ، مال اور عمارت کا ذکر بطور قید نہیں اور یہ کہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ وقفیت کے باقی رہنے کے باوجود مسجدیت کا زوال ہے لہذا بانی یا اس کے وارثوں کی طرف ملک عود نہیں کرے گی اور اس کا نقل کرنا اور تبدیل کرنا جائز ہے اور احوال کی حقیقتوں کو اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

ہاں اگرمعاذ اللہ مسجد کی کچھ بنامنہدم ہوجانے یا اس میں ضعف آجانے کے سبب خود منہدم کرکے از سر نو تجدید عمارت کریں اب جو اینٹوں کڑیوں تختوں کے ٹکڑے حاجت مسجد سے زائد بچیں کہ عمارت مسجد کے کام نہ آئیں اور دوسرے وقت حاجت عمارت کے لئے اٹھارکھنے میں ضائع ہونے کا خوف ہو تو ان دو شرطوں سے ان کی بیع میں مضائقہ نہیں مگر اذن قاضی درکار ہے اور اس کی قیمت جو کچھ ہو وہ محفوظ رکھی جائے کہ عمارت ہی کے کام آئے،

فی ش عن ط عن الهندیة مسجد مبنی اراد رجل ان ینقضه ویبنیه احکم،لیس له ذٰلك لانه لاولا یة له،مضمرات،الاان یخاف ان ینهدم ان لم یهدم تاتارخانیة،وتاویله ان لم یکن البانی من اهل تلك المحلة واما اهلهافلهم ان یهدموه ویجددوا بناءه ویفرشوا الحصیر ویعلقو القنادیل لکن من مالهم لامن مال المسجد الابامر القاضی خلاصة[1] اھ وفی العقود الدریة عن البحر عن عمدة الفتاوٰی لا یجوز بیع بناء الوقف قبل هدمه[2] وفی الهندیة عن السراجیة لوباعواغلة المسجد اونقض المسجد بغیراذن القاضی الاصح انه لایجوزاھ[3] وفی الدر صرف الحاکم اوالمتولی نقضه اوثمنه ان تعذر	شامی میں ط سے بحوالہ ہندیہ مذکور ہے کہ تعمیر شدہ مسجد کو گرا کر اگر کوئی شخص پہلے سے مضبوط تر بنانا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کیونکہ اس کو ولایت حاصل نہیں، مضمرات۔ مگر اس وقت ایسا کرنا جائز ہے جب یہ ڈر ہو کہ اگر وہ نہیں کرائیگا تو از خود گر جائے گی،تاتارخانیہ۔تاویل اس کی یہ ہے کہ جب نئی مسجد بنانے والا اس محلّہ کا باشندہ نہ ہو لیکن اہل محلّہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پرانی مسجد کو گرا کر اس کو نئے سرے سے تعمیر کریں،اس میں چٹائیاں بچھائیں اور قندیلیں لٹکائیں لیکن یہ سب کچھ وہ اپنے مال سے کریں مسجد کے مال سے بلااجازت قاضی وہ ایسا نہیں کرسکتے،خلاصہ۔اور عقود الدریہ میں بحر سے بحوالہ عمدۃ الفتاوٰی منقول ہے کہ گرانے سے قبل وقف کی عمارت کو فروخت کرنا جائز نہیں اھ ہندیہ میں سراجیہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ اگر

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٧٠

[2] العقود الدریة فی تنقیح الحامدیة کتاب الوقف حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ١/ ١١٥

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ٢/ ٤٦٣

اعادة عینه الی عمارته ان احتاج والاحفظه لیحتاج، الااذاخاف ضیاعه فیبیعه ویمسك ثمنه لیحتاج[1]۔	لوگوں نے قاضی کی اجازت کے بغیر مسجد کا غلہ یا اس کاملبہ فروخت کردیا تواصح قول کے مطابق یہ جائز نہیں اھ۔

درمختار میں ہے حاکم یا متولی وقف کے ملبہ یااس کی قیمت کو صرف کرے اگر وقف کااعادہ بعینہٖ اس کی عمارت کی طرف متعذر ہوا گر حاجت ہو مرمت کی، ورنہ قضائے حاجت کے لئے محفوظ رکھے، مگرجب اس کے ضائع ہونے کاڈر ہو تواس کو فروخت کرکے ثمن وقف حاجت کے لئے رکھ چھوڑے۔(ت)

آلات: یعنی مسجد کا اسباب جیسے بوریا، مصلی، فرش، قندیل، وہ گھاس کہ گرمی کے لئے جاڑوں میں بچھائی جاتی ہے **وغیر ذٰلک،** اگر سالم وقابل انتفاع ہیں اور مسجد کو ان کی طرف حاجت ہے تو ان کے بیچنے کی اجازت نہیں، اور اگر خراب وبیکار ہوگئ یا **معاذاللہ** بوجہ ویرانی مسجد ان کی حاجت نہ رہی، تو اگر مال مسجد سے ہیں تو متولی، اور متولی نہ ہو تو اہل محلّہ متدین امین باذن قاضی بیچ سکتے ہیں، اور اگر کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد کو دئے تھے تو مذہب مفتی بہ پر اس کی ملک کی طرف عود کرے گی جو وہ چاہے کرے، وہ نہ رہا ہو اور اس کے وارث وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتا نہ ہو تو ان کا حکم مثل لقطہ ہے، کسی فقیر کو دے دیں، خواہ باذن قاضی کسی مسجد میں صرف کردیں،

فی الھندیة عن الذخیرة رباط کثرت دوابه وعظمت مؤنھا ھل للقیم ان یبیع شیئا منھا وینفق ثمنھا فی علفھا او مرمة الرباط، فھذا علی وجھین ان بلغ سن البعض الی حد لایصلح لما ربطت له، فله ذٰلك ومالافلا[2] الخ وفی الخانیة جنازة اونعش	ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ ایک رباط کے جانور بہت زیادہ ہوگئے اور ان کاخرچہ بہت بڑھ گیا تو کیا متولی ان میں سے بعض کو فروخت کرکے ان کی قیمت جانوروں کے چارہ اور رباط کی مرمت پر صرف کرسکتا ہے یا نہیں، اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، اگر بعض جانوروں کی عمریں اس قدر زیادہ ہوچکی ہیں کہ وہ اس مقصد کی صلاحیت نہیں رکھتے جس کے لئے ان کو رباط میں باندھا گیا ہے تو متولی انہیں فروخت کرسکتا ہے ورنہ

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۰

للمسجد فسد فباعه اهل المسجد قالوا الاولی ان یکون البیع بامر القاضی والصحیح ان بیعهم لایصح بغیر امر القاضی [1] اھ وفیها بسط من ماله حصیرا فی المسجد فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه فان ذٰلك یکون له ان کان حیا ولوارثه ان کان میتا وان بلی ذٰلك کان له ان یبیع ویشتری بثمنها حصیرا اٰخر،وکذالو اشتری حشیشا او قندیلا للمسجد فوقع الاستغناء عنه،وعندابی یوسف یباع ویصرف ثمنه الی حوائج المسجد فان استغنی عنه هذاالمسجد یحول الی المسجد الاٰخر،والفتوی علی قول محمد،ولو ان اهل المسجد باعوا حشیش المسجد اوجنازة او نعشا صار خلقا ومن فعل ذلك غائب،لایجوز الاباذن القاضی هوالصحیح [2] اھ فی الهندیة	نہیں الخ۔خانیہ میں ہے مسجد کا تابوت اور مسجد کی چارپائی جو کہ خراب ہوچکی ہو پس اہل مسجد نے اسے فروخت کردیا تو مشائخ فرماتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے بیع کا ہونا اولی ہے اور صحیح یہ ہے کہ بلااذن قاضی ان کی بیع درست نہیں ہوگی اھ اسی میں ہے کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد میں چٹائی بچھائی پھر مسجد ویران ہوگئی اور اس چٹائی کی ضرورت نہ رہی تو وہ چٹائی بچھانے والے کی ہوگی اگر وہ زندہ ہے ورنہ اس کے وارثوں کی ہوگی،اور اگر وہ چٹائی بوسیدہ ہوجائے تو بچھانے والے کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے نئی چٹائی خریدلے۔اسی طرح حکم ہے اگر کسی نے مسجد کے لئے گھاس یا قندیل خریدا پھر اس کی ضرورت نہ رہی ہو، اور امام ابویوسف کے نزدیک ان چیزوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت کو مسجد کی ضروریات پر صرف کیاجائے گا اور اگر اس مسجد کو ضرورت نہ ہو تو دوسری مسجد کی طرف منتقل کیاجائے گا،اور فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے،اور اگر اہل مسجد نے مسجد کی پرانی گھاس یا پرانا تابوت یا پرانی چارپائی فروخت کردی جبکہ یہ چیزیں مسجد کو دینے والا غائب ہے تو قاضی کی اجازت کے بغیر یہ جائز نہیں اور یہی صحیح ہے اھ ہندیہ میں ہے

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ اول ۱۶/۷۱۷،دوم ۱۳/۷۱۷،فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۸

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ اول ۱۶/۷۱۷،دوم ۱۳/۷۱۷،فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۸

ذکر ابو اللیث فی نوازلہ حصیر المسجد اذا صار خلقا واستغنی اھل المسجد عنہ وقد طرحہ انسان ان کان الطارح حیا فھو لہ وان کان میتا ولم یدع لہ وارث ارجو ان لاباس بان یدفع اھل المسجد الی فقیر او ینتفعوا بہ فی شراء حصیر اٰخر للمسجد والمختار انہ لایجوز لھم ان یفعلوا ذٰلک بغیر امر القاضی کذا فی محیط السرخسی[1] اھ فی ردالمحتار عن البحر الفتوی علی قول محمد فی اٰلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد[2]۔	کہ ابولیث نے اپنی نوازل میں ذکر کیا کہ مسجد کی چٹائی جب پرانی ہوگئی اور اہل مسجد کو اس کی ضرورت نہ رہی جبکہ اس کو ایک شخص نے ڈلوایا تھا وہ اس کی ہوگی اگر وہ زندہ ہے اور اگر وہ مرگیا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو میں امید کرتا ہوں کہ اس بات میں حرج نہیں کہ اہل مسجد وہ چٹائی کسی فقیر کو دے دیں یا اس کو بیچ کر مسجد کے لئے دوسری چٹائی خریدنے میں اس سے نفع اٹھائیں، اور مختار یہ ہے کہ قاضی کی اجازت کے بغیر انہیں ایسا کرنا جائز نہیں، محیط سرخسی میں یونہی ہے اھ، ردالمحتار میں بحوالہ بحر ہے کہ آلات مسجد کے بارے میں فتوی امام محمد کے قول پر ہے اور تابید مسجد کے بارے میں فتوی امام ابویوسف کے قول پر ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما (ت)

اوقاف: جبکہ عامر وآباد نہ ہوں ان کی بیع اصلاً جائز نہیں مگر بناچاری کہ ظالم نے زبردستی ان پر قبضہ کرلیا اور اس سے رہائی کی سبیل نہیں مگر وہ قیمت دینے پر راضی ہے تو بمجبوری ثمن لے کر ان کے عوض اور خرید کر ان کے قائم مقام کردیں یا جبکہ واقف نے اصل وقف میں استبدال شرط کرلیا ہو تو جائز ہے کہ انہیں بیچ کر تبدیل کرلیں،

فی الدر عن الاشباہ لایجوز استبدال العامر الا فی اربع[3]، فی ردالمحتار، الاولی لوشرطہ الواقف، الثانیۃ اذا غصبہ غاصب واجری	درمختار بحوالہ اشباہ مذکور ہے کہ چار صورتوں کے علاوہ آباد وقف کو تبدیل کرنا جائز نہیں، ردالمحتار میں ہے (ان چار صورتوں میں سے) پہلی صورت یہ ہے کہ خود واقف نے تبدیل کرنے کی شرط لگائی ہو،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴

علیه الماء حتی صار بحرا. فیضمن القیمة ویشتری المتولی بها ارضا بدلا. الثالثة ان یجحده الغاصب ولابینة ای واراد دفع القیمة فللمتولی اخذها لیشتری بها بدلا. الرابعة ان یرغب انسان فیه ببدل اکثر غلة واکثر صقعًا فیجوز علی قول ابی یوسف وعلیه الفتوی کما فی فتاوٰی قارئ الهدایة. قال صاحب النهر فی کتابه اجابة السائل قول قارئ الهدایة، "والعمل علی قول ابی یوسف" معارض بما قاله صدر الشریعة "نحن لانفتی به". وقد شاهدنا فی الاستبدال ما لایعد ویحصی، فان ظلمة القضاة جعلوه حیلة لابطال اوقاف المسلمین وعلی تقدیره فقد قال فی الاسعاف المراد بالقاضی هو قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل اه ولعمری ان هذا اعزمن الکبریت الاحمر، وما اراه الالفظا یذکر فالا حری فیه السد خوفا من مجاوزة الحد	دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے اسے غصب کرکے اس پر پانی جاری کردیا یہاں تک کہ وہ وقف دریا بن جائے تو اس صورت میں غاصب قیمت کا تاوان دے گا اور متولی اس قیمت کے بدلے دوسری زمین خریدے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب انکاری ہے اور گواہ نہیں ہیں یعنی غاصب وقف زمین کی قیمت دینے پر آمادہ ہے تو متولی کو اختیار ہے کہ اس سے قیمت وصول کرلے تاکہ اس کے بدلے دوسری زمین خرید لے چوتھی صورت یہ ہے کوئی شخص وقف زمین میں ایسی زمین کے بدلے رغبت رکھتا ہے جو غلہ کے اعتبار سے زمین وقف سے اکثر اور محل وقوع کے اعتبار سے زیادہ خوبصورت ہو تو امام ابویوسف کے قول پر تبدیل کرلینا جائز ہے اور اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے، صاحب نہر نے اپنی کتاب اجابۃ السائل میں فرمایا قاری الہدایہ کا کہنا کہ عمل امام ابویوسف کے قول پر ہے صدر الشریعۃ کے اس قول کے مخالف ہے کہ ہم اس پر فتوٰی نہیں دیتے تحقیق ہم نے وقف کی تبدیلی میں بے شمار (خرابیاں) دیکھی ہیں کیونکہ ظالم قاضیوں نے اس کو مسلمانوں کے اوقاف باطل کرنے کا حیلہ بنالیا ہے، اسی لئے اسعاف میں فرمایا کہ قاضی مستبدل سے مراد قاضی بہشت ہے جس کی تفسیر اہل علم وعمل کے ساتھ کی جاتی ہے اھ میری عمر کی قسم یہ صورت تو کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے اور میں نہیں خیال کرتا ہوں اس کو

واللہ سائل کل انسان اھ قال العلامۃ البیری بعد نقلہ **اقول**: وفی فتح القدیر الموجب الشرط او الضرورۃ ولاضرورۃ فی ھذا اذ لاتجب الزیادۃ بل نبقیہ کما کان اھاقول: ماقالہ ھذاالمحقق ھوالحق الصواب اھکلام البیری وھذا ماحررہ العلامۃ القنالی اھ مافی ردالمحتار مختصرًا[1] ورأیتنی کتبت علی ھامش قولہ واجری علیہ الماء حتی صار بحرا مانصہ **اقول**: علی ھذالم یبق عامراوفیہ کلام والصورۃ الرابعۃ سیأتی ان الحق عدم جواز الاستبدال فیھا فلم یبق الاصور تان بل لك ان تقول الثالثۃ ایضا خراب معنی وان لم یکن صورۃ فلك ان تقول ان العامر لایستبدل الابشرط کماھو قضیۃ	مگر محض لفظ جس کا ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ حد سے تجاوز کرنے کے خوف کے پیش نظر زیادہ مناسب اس میں ممانعت ہے اور اللہ تعالٰی ہر انسان سے پوچھنے والا ہے اھ علامہ بیری نے اس کو نقل کرنے کے بعد کہا **میں کہتا ہوں** اور فتح القدیر میں ہے کہ استبدال کا موجب یا تو شرط استبدال ہے یا ضرورت استبدال جبکہ یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وقف پر زیادتی واجب نہیں بلکہ ہم اس کو پہلی حالت پر باقی رکھیں گے اھ میں کہتا ہوں جو کچھ اس محقق نے کہا وہی حق اور درست ہے اھ کلام البیری۔ یہ وہ ہے جس کو علامہ قنالی نے تحریر کیا ہے اھ مختصرًا ردالمحتار، اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے شامی کے قول کہ "غاصب نے زمین وقف پر پانی بہایا یہاں تک کہ وہ دریا بن گئی" پر یوں حاشیہ لکھا کہ **میں کہتا ہوں** اس صورت میں وہ آباد نہ رہی حالانکہ کلام تو آباد زمین میں ہو رہی ہے، اور عنقریب چوتھی صورت کے بارے میں آرہا ہے کہ اس میں حق استبدال کا عدم جواز ہے، تو اب صرف دو۲ صورتیں باقی ہیں بلکہ تو کہہ سکتا ہے کہ تیسری صورت بھی معنًی خراب ہے اگرچہ صورتًا نہیں، لہٰذا تو کہہ سکتا ہے کہ آباد زمین وقف میں استبدال نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ واقف نے خود استبدال کی شرط لگادی ہو،

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

ماحقق المحقق فی الفتح حیث حصرہ فی الشرط اوضرورۃ خروجہ من الانتفاع بہ وان شئت اوضحت فقلت ان الوقف مھما امکن الانتفاع بہ لم یجز استبدالہ الابالشرط۔	جیسا کہ فتح القدیر میں مذکور کلام محقق کا تقاضا ہے جہاں اس نے استبدال کو شرط یا انتفاع سے خارج ہونے کی ضرورت میں منحصر کیا ہے اگر تو تفصیل کا طلبگار ہے تو میں کہتا ہوں کہ جب تک وقف سے انتفاع ممکن ہو بلا شرط اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

پھر بحالت شرط استبدال بھی اس تبدیل کا جواز چند شرط سے مشروط:

اولًا: یہ تبدیل کرنے والا خود واقف ہو یا وہ جس کی تبدیل اس نے شرط کی ہو مثلًا اپنے لئے تبدیل شرط کی تو متولی وغیرہ کسی کو اختیار نہیں اور دوسرے کے لئے شرط کی تو واقف کو اختیار ہے۔

ثانیًا: جتنی بار شرط کی اس سے زائد نہ ہو مثلًا کہا کہ مجھے تبدیل کا اختیار ہے تو ایک ہی بار بدل سکتا ہے اور اگر کہا جس قدر بار چاہوں تبدیل کروں تو ہمیشہ مختار ہے۔

ثالثًا: تبدیل عقار یعنی جائداد غیر منقولہ سے ہو نہ روپیہ اشرفی سے۔

رابعًا: عقار میں تخصیص کردی ہے تو اس کے خلاف کا اختیار نہیں مثلًا زمین سے بدلنا شرط کیا تو مکان سے تبدیل نہیں کرسکتا اور مکان کی شرط کی زمین سے تبدیل کا اختیار نہیں رکھتا یونہی فلاں شہر یا گاؤں کی زمین یا فلاں محلّہ کے مکان یا فلاں بازار کی دکان کی تخصیص کی تو معتبر رہے گی۔

خامسًا: تبدیل مکان بمکان میں وہ مکان اسی محلّہ کا ہو یا اس سے بہتر کا، یونہی دکان میں بازار وہی ہو یا اس سے بہتر۔

سادسًا بیع میں غبن فاحش نہ ہو۔

سابعًا: ایسے کے ہاتھ بیع نہ کرے جس کے لئے اس کی شہادت بوجہ تہمت رعایت مقبول نہ ہو جیسے باپ بیٹا۔

اقول: خلاصہ یہ کہ مخالفت شرط ومظنہ مخالفت نفع وقف سے بچے سب شرائط انہیں دو کلموں میں آگئے،

اما الاولان والرابع ففی الاولی ولیس استبدالہ بنفسہ اذا شرطہ لغیرہ من باب الخلاف	بہر حال پہلی دونوں اور چوتھی شرط ہے تو اول میں خود واقف کا تبدیل کرنا جبکہ وہ غیر کیلئے استبدال کی شرط کرچکا ہو خلاف شرط کے قبیلہ سے نہیں،

لماصرح به فی الخانیة اٰخر فصل الشرط فی الوقف ان الوقف هو الذی شرط لذٰلك الرجل وما شرط لغیره فهو مشروط لنفسه [1] اهواما البواقی ففی الاخری فان النقد اسرع هلا کا من العقار فالا ستبدال به نزول الی الاخس وفیه مخالفة النفع والسابع مظنتها۔	اس دلیل کی بناء پر جس کی تصریح خانیہ کے باب الوقف، فصل الشرط کے آخر میں کی گئی کہ بیشک واقف وہی ہے جس نے اس شخص (غیر) کے لئے استبدال کی شرط لگائی اور جو شرط اس نے غیر کے لئے لگائی وہ خود اس کے اپنے لئے بھی شرط ہوئی اھ لیکن باقی شرطوں میں سے دوسری اس لئے کہ نقدی عقار کی بنسبت جلد ہلاک ہوتی ہے تو نقدی کے ساتھ وقف زمین کا تبادلہ گھٹیا کی طرف نزول ہوگا اور اس میں نفع کی مخالفت ہے اور ساتویں شرط میں اس مخالفت کا ظن ہے۔ (ت)

ہاں جو وقف ویران وخراب ہوجائے تو قاضی شرع حاکم اسلام عالم عادل متدین خداترس کو بلاشرط واقف بلکہ باوصف منع واقف بھی اسے بیچ کر دوسری جائداد اسی غرض کے لیے اس کے قائم مقام کردینے کی اجازت ہے بچند شروط، چار شرطیں تو یہی کہ اوپر گزریں یعنی اول وثانی ورابع کے سوااور پانچویں شرط جو ابھی بیان کی کہ قاضی قاضی بہشت ہو، نہ قاضی جہنم،

سادسًا: وقف کا کچھ غلہ کرایہ وغیرہ ایسانہ ہو جس سے اس کی آبادی ہوسکے۔

سابعًا: ویرانی کامل ومطلق ہو کہ اصلاً قابل انتفاع نہ رہے جس غرض کے لئے وقف کیا کچھ کام نہ دے یا آمدنی اس قدر ناقص ہو کہ اس کے خرچ کو بھی غیر وافی ہو،

هذاما لخصناه بتوفیق الله تعالٰی من کلمات العلماء سنذکر کلامهم لیتضح لك جلیلة المآل قال فی ردالمحتار اعلم ان الاستبدال علی ثلٰثة وجوه، الاول ان یشترطه الواقف لنفسه اولغیره اولنفسه	یہ وہ خلاصہ ہے جو ہم نے علماء کی کلاموں سے اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ اخذ کیا ہے اب ہم ان علماء کرام کا کلام ذکر کرینگے تاکہ تیرے لئے بحث کے انجام کی عظمت واضح ہوجائے، ردالمحتار میں فرمایا تو جان لے کہ استبدال تین وجہوں پر ہے، اول یہ کہ واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے یا دونوں کے لئے

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مسائل الشرط فی الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۲

وغیرہ،فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح،والثانی ان لایشرطه سواء شرط عدمه اوسکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه شیئ اصلا اولایفی بمؤنته فهو ایضا جائز علی الاصح اذاکان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه،والثالث ان لایشرطه ایضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیرمنه ریعاونفعاوهذالایجوز استبداله علی الاصح المختار کذاحررہ العلامة قنالی زادہ وهو ماخوذ من الفتح [1]اھ ثم قال وفی البحر،المعتمد انه بلاشرط یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیة وان لایکون هناك ریع للوقف یعمر به وان لایکون البیع بغبن فاحش وشرط فی الاسعاف ان یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل	استبدال کی شرط لگائی ہوتو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق استبدال جائز ہے۔دوم یہ کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو عام ازیں کہ عدم استبدال کی شرط لگائی ہو یا خاموشی اختیار کی ہو لیکن وقف ایسا ہو گیا کہ اب اس سے بالکل نفع نہیں اٹھایا جاسکتا بایں طور کہ اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا یا اتنا حاصل ہوتا ہے جس سے وقف کا خرچہ پورا نہیں ہوتا تو اصح قول کے مطابق اس میں بھی استبدال جائز ہے بشرطیکہ قاضی اس کا اذن دے اور وہ اس میں مصلحت سمجھے۔سوم یہ کہ واقف نے استبدال کی شرط تو نہ کی ہو لیکن اس وقف میں کچھ نفع ہو اور اس کا بدل ماحول اور نفع کے اعتبار سے وقف سے بہتر ہو تو اصح ومختار قول کے مطابق اس کا استبدال جائز نہیں۔علامہ قنالی زادہ نے یوں ہی تحریر فرمایا ہے اور یہی فتح سے ماخوذ ہے اھ۔پھر فرمایا اور بحر میں ہے معتمد یہ ہے کہ یہ بلاشرط ہے جبکہ قاضی کے لئے اس شرط کے ساتھ استبدال جائز ہے کہ وقف کلی طور پر انتفاع سے خارج ہوجائے اور نہ ہی وقف کا ماحول اس قابل ہو کہ اس کے ذریعے وقف کو آباد کیا جاسکے اور نہ ہی یہ بیع غبن فاحش کے ساتھ ہو۔اسعاف میں یہ شرط لگائی گئی کہ تبدیل کرنے والا قاضی بہشت یعنی صاحب علم وعمل ہو

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٨٧

ویجب ان یزاد اٰخر فی زماننا وھو ان یستبدل بعقار لا بدراھم ودنانیر فانا قد شاھدنا النظار یأکلونھا وافادفی البحرزیادۃ شرط سادس ان لایبیعہ ممن لا تقبل شھادتہ لہ ولاممن لہ علیہ دین، حیث قال باع من رجل لہ علی المستبدل دین وباع الوقف بالدین وینبغی ان لایجوز علی قول ابی یوسف وھلال لانھما لا یجوز ان البیع بالعروض فالدین اولی اھ و ذکر عن القنیۃ مایفید شرطا سابعا حیث قال مبادلۃ دار الوقف بدار اخری انما یجوز اذاکانتا فی محلۃ واحدۃ اومحلۃ الاخری خیرا، وبالعکس لا یجوز وان کانت المملوکۃ اکثر مساحۃ وقیمۃ واجرۃ لاحتمال خرابھا فی ادون المحلتین اھ ۔وزاد قنا لی زادہ ثامنا وھو ان یکون البدل والمبدل من جنس واحد	اور ہمارے زمانے میں ایک اور شرط کااضافہ ضروری ہے وہ یہ وقف کاتبادلہ عقار کے ساتھ کیاجائے نہ کہ درہموں اور دیناروں کے ساتھ، کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ متولی وقف کے عوض دراہم ودینار لے کر کھاجاتے ہیں اور بحر نے چھٹی شرط کے اضافے کا فائدہ دیاہے وہ یہ کہ وقف کی زمین ایسے شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جس کے حق میں اس کی گواہی مقبول نہیں اور نہ ہی ایسے کے ہاتھ فروخت کرے جسکا یہ مقروض ہے۔ جہاں صاحب بحر نے فرمایاکہ وقف کوایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیاجسکا تبدیل کرنے والے پر قرض تھا اور اس نے قرض کے بدلے وقف کو بیچا تو امام ابویوسف اور ہلال کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہونی چاہئے کیونکہ یہ دونوں عروض کے عوض بیع کو ناجائز مانتے ہیں،تو دین کے عوض بدرجہ اولٰی ناجائز ہوگی اھ اور قنیہ کے حوالے سے صاحب بحر نے جو ذکر کیاوہ ساتویں شرط کا فائدہ دیتا ہے جہاں یہ فرمایاکہ وقف مکان کو دوسرے مکان سے تبدیل کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ دونوں مکان ایک ہی محلّہ میں واقع ہوں یا دوسرا محلّہ بہتر ہو اور اس کے برعکس استبدال ناجائز ہے اگرچہ تبدیل شدہ مکان وسعت، قیمت اور اجرت کے اعتبار سے وقف کی بنسبت اکثر ہو کیونکہ کمتر محلّہ میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کی خرابی کا احتمال ہے اھ،اور قنالی زادہ نے آٹھویں شرط کااضافہ کیا

لما فی الخانیۃ لو شرط لنفسہ استبدالھا بدار لم یکن لہ استبدالھا بارض وبالعکس او بارض البصرۃ تقید اھ فھذا فیما شرطہ لنفسہ فکذا یکون شرطا فیما لم یشرطہ لنفسہ بالاولی تامل ثم قال والظاہر عدم اشتراط اتحاد الجنس فی الموقوفۃ للاستغلال لان المنظور فیھا کثرۃ الریع وقلۃ المرمۃ والمؤنۃ اھ ولایخفی ان ھذہ الشروط فیما لم یشرط الواقف استبدالہ لنفسہ اوغیرہ۔فلو شرطہ لایلزم خروجہ عن الانتفاع ولامباشرۃ القاضی لہ ولاعدم ریع یعمر بہ کما لایخفی فاغتنم ھذاالتحریر[1] اھ کلام الشامی ملخصًا ورائیتنی کتبت علی ھامشہ عند ذکرہ الشرط الثامن وھو اتحاد جنس البدلین	وہ یہ کہ بدل اور مبدل دونوں ایک ہی جنس سے ہوں اس دلیل کی بنا پر جو خانیہ میں ہے کہ اگر واقف نے شرط لگائی کہ وہ وقف گھر کو گھر سے بدلے گا تو اس کے بدلے میں زمین لینا اس کے لئے جائز نہیں یونہی اسکے برعکس یا یہ شرط لگائی کہ اس کے بدلے بصرہ کی زمین لے گا تو یہ مقید ہوجائے گا اھ یہ اس صورت میں ہے جب واقف نے اپنے لئے یہ شرط لگائی ہو اسی طرح یہ بدرجہ اولٰی شرط ہوجائے گی جبکہ اس نے خاص اپنے لئے یہ شرط نہ لگائی ہو، غور کر، پھر فرمایا غلہ حاصل کرنے کے لئے زمین موقوفہ کے استبدال میں ظاہر اتحاد جنس کا شرط نہ ہونا ہے کیونکہ اس میں سبزہ، گھاس اور غلہ کی کثرت اور مرمت اور خرچہ کی قلّت ملحوظ ہوتی ہے اھ اور پوشیدہ نہ رہے کہ یہ تمام شرطیں اس صورت میں ہیں جب واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو چنانچہ اگر واقف نے استبدال کی شرط لگائی ہے تو استبدال کے لئے وقف کا انتفاع سے خروج اور اس کے لئے قاضی کی مباشرت اور وقف کے مال کا ایسا نہ ہونا جس سے اس کو آباد کیا جاسکے کچھ بھی ضروری نہیں جیسا کہ مخفی نہیں، پس اس تحریر کو غنیمت سمجھ اھ تلخیص کلام شامی۔اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے شامی

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

مانصہ **اقول:** الذی یظھر للعبد الضعیف انه غیر شرط الا لاتباع الشرط حتی لو شرط الاستبدال واطلق لم یتقید بالجنس کما یفیدہ کلام الاسعاف فاذن لایکون ھذا مشروطا فی التبدیل بالشرط، ثم راجعت الخانیة فوجدت کلامھا انص علی مافھمت وللہ الحمد حیث قال رضی اللہ تعالٰی عنه، لوقال ارضی صدقه موقوفة علی ان لی ان استبدلھا بارض اخری لم یکن له ان یستبدلھا بدار لانه لایملك تغیر الشرط، ولو قال ان لی ان استبدلھا بدار لم یکن له ان یستبدلھا بارض، ولو شرط الاستبدال ولم یذکر ارضا ولادارافباع الارض الاولی کان له ان یستبدلھا بجنس العقارات ماشاء من دار اوارض لاطلاق اللفظ[1] اھ	کے اس مقام پر حاشیہ لکھا جہاں علامہ شامی نے آٹھویں شرط یعنی بدلین میں اتحاد جنس کا صراحۃً ذکر کیا (اور وہ حاشیہ یوں ہے) **اقول:** (میں کہتا ہوں جو اس ضعیف بندے پر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ غیر شرط ہے مگر اتباع شرط کے لئے یہاں تک کہ اگر واقف نے مطلقًا استبدال کی شرط لگائی تو یہ استبدال جنس کے ساتھ مقید نہ ہوگا جیسا کہ اسعاف کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا یہ بلاشرط تبدیل میں مشروط نہیں ہوگا پھر میں نے خانیہ کی طرف رجوع کیا تو الحمد للہ اس کے کلام کو اپنے فہمیدہ پر بہتر نص پایا جہاں امام قاضی خاں رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اگر واقف نے کہا میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے اس شرط پر کہ مجھے دوسری زمین کے ساتھ استبدال کا اختیار ہوگا تو اس کو گھر کے ساتھ استبدال کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ وہ شرط میں تبدیلی کا مالک نہیں، اور اگر اس نے کہا کہ مجھے گھر کے ساتھ استبدال کا اختیار ہوگا تو وہ دوسری زمین کے ساتھ استبدال نہیں کرسکتا اور اگر اس نے استبدال کی شرط لگائی مگر اس نے زمین یا گھر کا ذکر نہیں کیا پھر پہلی زمین کو بیچ دیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ وہ ثمن کے بدلے کوئی بھی غیر منقولہ جائداد لے سکتا ہے چاہے زمین ہو یا گھر کیونکہ اس نے لفظ مطلق

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مسائل الشرط فی الوقف مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۱

مختصرا ۔ فھذا بحمداللہ نص صریح جلی فیما فھمت امامًا کتبت علیه فتبین وللہ الحمد ان ھذاالثامن لامساغ فی استبدال القاضی بلاشرط فلذااسقطته من شروطه وابدلته فی الشرط الرابع ۔ واسقطت من السابع فی الاول وھو الرابع فی الثانی عدم البیع بالدین لعلمی بان الثالث مغن عنه وزدت فی سابع الثانی ان لایفی ریعه بمؤنة اخذا مماذکر فی ردالمحتار وقد نص علیه فی الاسعاف والخانیة وعنھا فی البحر نفسه وزدت فی الاول الشرطین الاولین لما فی الخانیة والاسعاف والبحر ۔ واللفظ له لو شرط الاستبدال لنفسه ثم اوصی به الی وصیه ۔ لایملك وصیه الاستبدال ولو وکل وکیلا فی حیاته صح ۔ ولو شرطه لکل متولی صح ۔ وملکه کل متولی ولو شرط الاستبدال لرجل اٰخر مع نفسه ۔ ملك الواقف الاستبدال وحده

بولا ہے اھ اختصارا ۔ یہ بحمداللہ کھلی اور واضح نص ہے اس پر جو میں نے سمجھا اور جو میں نے شامی پر حاشیہ لکھا الحمد للہ وہ واضح ہوگیا کہ یہ جو آٹھویں شرط ہے استبدال قاضی بلا شرط میں اس گنجائش نہیں اسی لئے میں نے اس کو استبدال غیر مشروط کی شرطوں سے ساقط کردیا اور استبدال مشروط کی شرطوں میں اسے اس چیز کے ساتھ بدل دیا جو میں نے شرط رابع میں دیکھا اور میں نے اول میں ساتویں شرط جو کہ ثانی میں چوتھی ہے سے دین کے بدلے بیع کے عدم جواز کو یہ جان کر ساقط کردیا کہ تیسری شرط اس سے بے نیاز کردیتی ہے ۔ اور جو کچھ ردالمحتار میں مذکور ہے اس سے اخذ کرتے ہوئے میں نے ثانی کی ساتویں شرط میں یہ اضافہ کیا کہ وقف کی آمدنی سے اس کا خرچہ پورا نہ ہوتا ہو حالانکہ اسعاف اور خانیہ میں اس پر نص کی گئی ہے اور خانیہ کے حوالے خود بحر میں مذکور ہے ۔ اور اول میں پہلی دو شرطوں کا اضافہ میں نے اس دلیل کی بنا پر کیا جو خانیہ، اسعاف اور بحر میں ہے اور لفظ بحر کے ہیں کہ اگر واقف نے اپنے لئے استبدال کی شرط لگائی پھر کسی کے لئے اس کی وصیت کردی تو وصی استبدال کا مالک نہیں ہوگا ۔ اور اگر اپنی زندگی میں کسی کو وکیل بنایا تو صحیح ہے ۔ اور اگر ہر متولی کے لئے استبدال کی شرط لگائی تو صحیح ہے اور ہر متولی اس کا مالک ہوگا ۔ اور اگر واقف نے اپنے ساتھ دوسرے شخص کے لئے استبدال کی شرط لگائی تو واقف تنہا استبدال کا مالک

ولایملکه فلان وحده اھ[1] مختصرا وفی الدر وغیرہ جاز شرط الاستبدال به ثم لایستبدلها بثالثة لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لاالثانیة[2] اھ قال الشامی قال فی الفتح الاان یذکر عبارة تفید له ذٰلك دائما[3] اھ فاغتنم ھذاالتحریر والحمد ﷲ العلی الکبیر۔	ہوگا جبکہ دوسرا شخص تنہا اس کا مالک نہیں ہوگا اھ اختصار۔ درمختار میں ہے وقف زمین کو دوسری زمین سے بدل لینے کی شرط لگانا جائز ہے پھر اسکو تیسری زمین سے نہیں بدلے گا کیونکہ یہ حکم استبدال شرط کے ساتھ ثابت ہوا اور شرط صرف پہلی زمین میں پائی گئی نہ کہ دوسری میں شامی نے کہا فتح میں فرمایا ہے مگر واقف ایسی عبارت ذکر کرے جو اسکے لئے دائمی استبدال کا فائدہ دے اھ اس تحریر کو غنیمت سمجھ، اور تمام تعریفیں اللہ بزرگ وبرتر کے لئے ہیں (ت)

یہ حکم ہر عقار موقوف کا ہے جیسے زمین، مکان، دکان، اسی طرح اشجار موقوفہ اگر پھل دار ہوں تو جب تک ہرے ہیں ان کا کاٹنا بیچنا ناجائز اور گرپڑنے یا سوکھ جانے کے بعد رواہے کہ لکڑی بیچ کر مصارف وقف میں صرف کردیں یہاں تک اگر کوئی پھل کا درخت نصف خشک ہوگیا اور نصف قابل انتفاع ہے تو اسی نصف خشک کی بیع جائز، باقی کی ممنوع، متولی اگر سبز کو کاٹے بیچے گا خائن ہے تولیت سے خارج کیا جائے گا، ہاں وہ پیڑ کہ پھل نہیں رکھتے بلکہ وقف کا انتفاع ان سے یونہی ہے کہ انہیں بیچ کر دام کئے جائیں ان کے سبز وخشک ہر طرح کی بیع جائز ہے،

فی العقود الدریة عن البحر لرائق عن عمدة الفتاوی لایجوز بیع الاشجار الموقوفة المثمرة قبل قلعها بخلاف غیر المثمرة اھ وفی الفتح سئل ابو القاسم الصفار عن شجرة وقف یبس بعضها وبقی بعضها فقال	عقود دریہ میں بحوالہ بحر عمدۃ الفتاوی سے منقول ہے کہ وقف شدہ پھل دار درختوں کو گرجانے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں بخلاف ان درختوں کے جو پھل دار نہیں اھ۔ فتح میں ہے کہ ابوالقاسم صفار سے ایسے وقف شدہ درخت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس کا کچھ حصہ خشک ہوگیا اور کچھ ابھی باقی ہے

[1] بحرالرائق کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

مایبس منھافسبیله سبیل غلتھا وما بقی فمتروك علی حالھا اھ[1] (ملخصا) وفی العقود عن البحر عن الظھیریة لیس له ان یبیع الشجرة ویعمر الدار[2] الخ وفیھا سئل فی ناظر وقف قطع اشجار بستان الوقف الیافعة الغیر الشالبة ولاالیابسة وباعھا بلاوجه شرعی فھل اذا ثبت ذلك علیه بالوجه الشرعی یستحق العزل الجواب نعم وافتی الشیخ اسمٰعیل بمثل ذلک[3]۔	توانہوں نے فرمایا کہ جو خشک ہوگیا ہے اس کا راستہ وہی ہے جو اس کے غلہ کا راستہ ہے اور جو باقی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اھ تلخیص۔ عقود دریہ میں بحوالہ بحر، ظہیریہ سے منقول ہے کہ وقف درخت بیچ کر وقف گھر کی تعمیر کااختیار متولی کو نہیں الخ۔ اسی میں ہے کہ ایسے متولی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے وقف باغ کے ایسے درخت کاٹ دئے جنکا پھل پکا ہوا تھا اور وہ بے کار اور خشک نہ تھے اور انہیں بغیر کسی شرعی وجہ کے فروخت کردیا کہ اگر اس پر شرعی طریقے سے اس فعل کا ثبوت ہو جائے تو کیا وہ اس لائق ہے کہ اس کو معزول کردیا جائے؟، جواب: ہاں، اور شیخ اسمٰعیل نے اسی کی مثل فتوی دیا ہے (ت)

زوائد: جیسے درختوں کے پھل، زمین کا غلہ وغیرہ جن سے غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں بیچ کر مصارف مسجد واغراض معینہ واقف میں صرف کریں انکی بیع میں کوئی کلام نہیں مگر یہ بیع متولی کرے یا باذن قاضی شرع ہو کما قدمناہ عن الھندیة عن السراجیة (جیسا کہ ہم نے پہلے ہندیہ سے بحوالہ سراجیہ ذکر کیا ہے۔ت) ہاں جہاں جہاں ان مسائل میں اذن قاضی کی شرط مذکور ہوئی اگر قاضی شرع نہ ہو جیسے ان بلاد میں، توبضرورت مسلمانان دین دار موتمن معتمد اس بار کو اپنے اوپر اٹھا سکتے ہیں اور اللہ حساب لینے والا ہے اور وہ مصلح ومفسد کو خوب جانتا ہے،

فی الخانیة من فصل المقابر والرباطات قد ذکرنا ان الصحیح من الجواب ان بیعھم بغیر امر القاضی لا یصح	خانیہ کی فصل المقابر والرباطات میں ہے تحقیق ہم ذکر کرچکے ہیں کہ صحیح حکم یہ ہے کہ قاضی کے حکم کے بغیر ان کی بیع درست نہیں سوائے اس جگہ کے

[1] العقود الدریة کتاب الوقف الباب الاول مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۱۵

[2] العقود الدریة کتاب الوقف الباب الثانی مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۰۰

[3] العقود الدریة کتاب الوقف الباب الثالث مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۳۰

الاان یکون فی موضع لاقاضی هناک[1]۔	جہاں کوئی قاضی نہ ہو۔(ت)

اسی طرح وہ تمام اشیاء جو متولی بطور خود مسجد کے مال سے آمدنی مسجد بڑھانے کو خریدے ان کی بیع کا بشرط مصلحت وہ ہر وقت اختیار رکھتا ہے اگرچہ وہ دکان ومکانات ودیہات ہی ہوں کہ یہ خریداری اگرچہ بنظر مصلحت جائز ہوتی ہے مگر اس کے باعث وہ چیزیں وقف مسجد نہ ہوگئیں کہ ان کی بیع ناجائز ہو،

فی الخانیة باب الرجل یجعل دارہ مسجدا المتولی اذا اشتری من غلة المسجد حانوتا او دارا اومستغلا اٰخر جاز لان هذامن مصالح المسجد فاذا اراد المتولی ان یبیع ما اشتری وباع اختلفوافیه قال بعضهم لا یجوز هذا البیع لان هذاصار من اوقاف المسجد وقال بعضهم یجوز هذاالبیع وهو الصحیح لان المشتری لم یذکر شیئامن شرائط الوقف فلایکون ما اشتری من جملة اوقاف المسجد[2] اھ وفی منحة الخالق ورد المحتار عن الفتح اعلم ان عدم جواز بیعه الااذا تعذر الانتفاع به،انما هوفیما ورد علیه وقف الواقف امافیما اشتراہ المتولی من مستغلات الوقف فانه یجوز بیعه بلا هذا الشرط وهذا لان فی صیرورته وقفا خلافا	خانیہ کے "باب الرجل یجعل دارہ مسجدا" میں ہے کہ متولی اگر مسجد کی آمدنی سے دکان، گھر یا دیگر منافع خریدے تو جائز ہے کیونکہ یہ مسجد کے مصالح میں سے ہے۔ پھر جب متولی چاہے کہ جو اس نے خریدا اس کو فروخت کرے، اور فروخت کردے تو اس میں فقہاء نے اختلاف کیا، بعض نے کہا یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ یہ چیز اوقاف مسجد میں سے ہوچکی ہے اور بعض نے کہا یہ بیع جائز ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مشتری نے شرائط وقف میں سے کچھ بیان نہیں کیا لہٰذا جو کچھ اس نے خریدا وہ اوقاف مسجد میں سے نہیں ہوگا اھ منحۃ الخالق اور ردالمحتار میں فتح کے حوالہ سے ہے۔ جان لے کہ بیشک وقف سے انتفاع کے متعذر ہوئے بغیر اسکی بیع کا عدم جواز صرف اس چیز میں ہے جس پر واقف کا وقف وارد ہوا، رہی وہ چیز جس کو متولی نے وقف کی آمدنی سے خریدا تو اس میں شرط مذکور کے بغیر بھی بیع جائز ہے کیونکہ اس کے وقف ہونے میں اختلاف ہے

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف باب الرجل یجعل دارہ مسجدا مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۵

والمختار انه لایکون وقفا فللقیم ان یبیعه متی شاء لمصلحة عرضت[1] اھ، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اور مختار یہ ہے کہ وہ وقف نہیں ہے لہذا متولی کو اختیار ہے کہ کسی مصلحت کے عارض ہونے پر جب چاہے اس کو فروخت کرسکتا ہے اھ، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۵ تا ۱۳۶:

(۱) ایک مسجد کی ملکیت دیگر مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کا پیسہ مدرسہ میں خرچ کرے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

دونوں صورتیں حرام ہیں مسجد جب تک آباد ہے اس کا مال نہ کسی مدرسے میں صرف ہوسکتا ہے نہ دوسری مسجد میں، یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں سو چٹائیاں یا لوٹے حاجت سے زیادہ ہوں اور دوسری مسجد میں ایک بھی نہ ہو تو جائز نہیں کہ یہاں کی ایک چٹائی یا لوٹا دوسری مسجد میں دے دیں۔ درمختار میں ہے:

اتحد الواقف والجھة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه جائز للحاکم ان یصرف عن فاضل الوقف الاخر الیه لانھما حینئذ کشیئ واحد وان اختلف احدھما بان بنی رجلان مسجدین اورجل مسجدا ومدرسة ووقف علیھما اوقافا لایجوز له ذٰلک[2]۔	دو وقفوں کا واقف بھی ایک ہو اور ایک ہی چیز پر وقف ہوں، ان میں ایک کی آمدنی کم ہوجائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بحث سے اس پر خرچ کرے اس لئے کہ اس حالت میں وہ دونوں گویا ایک ہی چیز ہیں، اور اگر واقف دو ہوں یا جدا جدا چیزوں پر وقف ہوں جیسے دو شخصوں نے دو مسجدیں بنائیں یا ایک شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا اور ان پر جائدادیں وقف کیں تو اب حاکم کو بھی جائز نہیں کہ ایک کا مال دوسرے میں صرف کرے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی الوقف اذاخرب الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۲، منحة الخالق علی ھامش البحر الرائق کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۰

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

ردالمحتار میں ہے:

المسجد لایجوز نقل مالہ الی مسجد اٰخر [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جائز نہیں کہ ایک مسجد کا مال دوسری مسجد کو لے جائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷: مسجد کی کوئی چیز ایسی ہو کہ خراب ہو جاتی ہے اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں دیں اور وہ چیز اگر دوسرا آدمی قیمت دے کر مسجد کی چیز اپنے مکان پر رکھے تو اس کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے مگر اسے بے ادبی کی جگہ نہ لگائے۔ درمختار میں ہے:

حشیش المسجد وکناستہ لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کا گھاس کوڑا جھاڑ کر ایسی جگہ نہ ڈالیں جس سے اس کی تعظیم میں فرق آئے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۸: ایک شہر میں سب لوگوں نے اتفاق کے ساتھ ایک مکان نماز پڑھنے کے لئے بنایا اور اس کا نام عبادت گاہ رکھا گیا اور مسجد نام نہیں رکھا، اس کی وجہ یہ کہ کبھی آدمی نماز نہ پڑھے تو وہ عبادت گاہ بدعانہ کرے، اب اس مکان میں بیٹھ کر لوگ دنیا کی باتیں کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس مکان میں جمعہ اور عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے اور لکڑی کا منبر بھی رکھا گیا ہے اور پیش امام بھی ہے، تو اس عبادت گاہ میں فقط محراب نہیں ہے تو اس مکان کا مرتبہ مسجد کا ہو گا یا نہیں؟ اور اس میں دنیا کی باتیں کرنی درست ہیں یا نہیں؟

الجواب:

جب وہ مکان عام مسلمین کے ہمیشہ نماز پڑھنے کے لئے بنایا اسے کسی محدود مدت سے مقید نہ کیا کہ مہینے دو مہینے یا سال دو سال اس میں نماز کی اجازت دیتے ہیں اور اس میں نماز حتی کہ جمعہ و عیدین تک ہوتے ہیں تو اس کے مسجد ہونے میں کیا شک ہے، اس میں دنیا کی باتیں ناجائز اور تمام احکام احکام مسجد، مسجد ہونے کے لئے زبان سے مسجد کہنا شرط نہیں، نہ محراب نہ ہونا کچھ منافی مسجدیت۔ مسجد الحرام شریف میں کوئی محراب نہیں، خالی زمین نماز کے لئے وقف کی جائے وہ بھی مسجد ہو جائیگی، اگرچہ یہ نہ کہا ہو اسے مسجد کیا، اس میں محراب کہاں سے آئیگی، ذخیرہ وہندیہ وخانیہ، بحر وطحطاوی میں ہے:

رجل لہ ساحۃ لابناء فیہا امر قوما ان یصلوا فیہا بجماعۃ فھذا علی ثلثۃ اوجہ ان امرھم	ایک شخص کی خالی زمین بے عمارت ہے اس نے کچھ لوگوں سے کہا کہ اس میں جماعت سے نماز پڑھیں، اس کی تین صورتیں ہیں اگر تصریحاً کہا کہ

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[2] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۴

بالصلٰوۃ فیھا ابدًا نصًا بان قالواصلوا فیھا ابدا اوامرھم بالصلٰوۃ مطلقًاونوی الابدصارت الساحۃ مسجدًا اوان وقت الامر بالیوم او الشھر اوالسنۃ لا تصیر مسجدًا لومات یورث عنہ[1]۔	ہمیشہ پڑھیں یا مطلق کہا اور دل میں ہمیشگی کی نیت تھی تو وہ سادہ زمین مسجد ہو گئی اور اگر ایک دن یا مہینے یا برس کی قید لگادی کہ اتنے دن اس میں نماز پڑھ لو تو مسجد نہ ہو گی، اسکے مرنے پر وارثوں کو پہنچے گی۔

درمختار میں ہے: یزول ملکہ عن المسجد بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجدا[2] یعنی بانی کی ملک مسجد سے دو طرح زائل ہوتی ہے، ایک یہ کہ زبان سے کہہ دے میں نے اسے مسجد کیا، دوسرے یہ کہ یہ نہ کہے، اور اس میں نماز کی اجازت بلا تحدید دے اور اس میں نماز مثل مسجد ایک بار بھی ہو جائے تو اس سے بھی مسجد ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ لفظ مسجد کہنا شرط نہیں۔

بحرالرائق میں ہے:

لایحتاج فی جعلہ مسجدا الی قولہ وقفتہ ونحوہ لان العرف جاریا لاذن فی الصلٰوۃ علٰی وجہ العموم و التخلیۃ بکونہ وقفا علی ھذہ الجھۃ فکان کالتعبیر بہ[3]۔	مسجد ہونے کو کچھ ضروری نہیں کہ زبان سے کہے میں نے اسے وقف کیا یا اور کوئی لفظ اس کے مثل (۔مثلًا مسجد کیا) اس کے کہنے کی کچھ حاجت نہیں کہ عرف جاری ہے کہ نماز کی عام اجازت دے کر زمین اپنے قبضہ سے جدا کر دینا نماز کیلئے وقف ہی کرنا ہے، تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے زبان سے کہنا کہ اسے مسجد کیا ۱۲۔

اسی میں ہے:

بنی فی فنائہ فی الرستاق دکانا لاجل الصلٰوۃ یصلون فیہ بجماعۃ کل وقت فلہ حکم المسجد[4]۔	گاؤں میں اپنے پیش دروازہ کوئی چبوترہ نماز کیلئے بنالیا کہ لوگ پانچوں وقت اس میں جماعت کرتے ہیں اس چبوترے کے لئے مسجد کا حکم ہے ۱۲

اقول: بلکہ اگر نماز کے لئے وقف کرے اور اس کے ساتھ صراحۃً مسجد ہونے کی نفی کر دے مثلًا کہے میں نے یہ زمین نماز مسلمین کے لئے وقف کی مگر میں اسے مسجد نہیں کرتا یا مگر کوئی اسے مسجد نہ سمجھے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۸۔۲۴۹

[4] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۰

جب بھی مسجد ہو جائے گی اور اس کا یہ انکار باطل کہ معنی مسجد یعنی نماز کے لئے موقوف پورے ہوگئے اور مذہب صحیح پر اتنا کہتے ہی مسجد ہو گئی اب انکار مسجدیت لغو ہے کہ معنی ثابت از لفظ سے انکار یا وقف مذکور سے رجوع ہے اور وقف بعد تمامی قابل رجوع نہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کی نسبت کہے میں نے اسے چھوڑا چھوڑا چھوڑا مگر میں طلاق نہیں دیتا کوئی اسے مطلقہ نہ سمجھے۔ طلاق تو دے چکا اب انکار سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر یوں کہتے کہ ہم یہ زمین وقف نہیں کرتے صرف اس طور پر نماز کی اجازت دیتے ہیں کہ زمین ہماری ملک رہے اور لوگ نماز پڑھیں، تو البتہ نہ وقف ہوتی نہ مسجد۔ یہاں یہ بھی معلوم ہے کہ زمین مذکور جسے بالاتفاق اہل شہر نے محل نماز کیا یا تو عام زمین ملک بیت المال ہو جس میں اتفاق مسلمان بجائے حکم امام ہے یا ان کی ملک ہو یا اصل مالک بھی شامل ہو یا اس کی اجازت سے ایسا ہوا ہو یا بعد وقوع اس نے اسے جائز و نافذ کردیا ہو، ورنہ اگر اہل شہر کسی شخص کی مملوک زمین بے اس کی اجازت کے نماز کے لئے وقف کردیں اور وہ جائز نہ کرے، ہرگز نہ وقف ہوگی نہ مسجد، اگرچہ سب اہل شہر نے بالاتفاق یہ بھی کہہ دیا کہ ہم نے اسے مسجد کیا۔ بحرالرائق میں ہے:

فی الحاوی القدسی ومن بنی مسجدا فی ارض المملوکۃ لہ الخ فافادان من الخانیۃ لوان سلطانا اذن لقوم ان یجعلوا ارضا من اراضی البلدۃ حوانیت موقوفۃ علی المسجداو امرھم ان یزید وافی مسجدھم قالوا ان کانت البلدۃ فتحت عنوۃ وذلك لا یضر بالمارۃ والناس ینفذ امر السلطان فیھا وان کانت فتحت صلحا لاینفذ امر السلطان لان فی الاول تصیر ملکاللغانمین فجاز امر السلطان فیھا وفی الثانی	حاوی قدسی میں ہے جس نے اپنی مملوک زمین میں مسجد بنائی اس سے ثابت ہوا کہ مسجد ہونے کے لئے شرط ہے کہ بانی اس زمین کا مالک ہو، اسی لئے فتاوٰی قاضی خاں میں فرمایا کہ اگر سلطان نے لوگوں کو اجازت دی کہ شہر کی کسی زمین پر دکانیں بنائیں جو مسجد پر وقف ہوں یا حکم دیا کہ یہ زمین مسجد میں ڈال لو، علماء نے فرمایا اگر وہ شہر بزور شمشیر فتح ہوا ہے اور وہ دکانیں بنانا یا مسجد میں اس زمین کا شامل کرلینا راستہ تنگ نہ کرے نہ عام لوگوں کا اس میں نقصان ہو تو وہ حکم سلطان نافذ ہو جائے گا، اور اگر شہر صلح سے فتح ہوا تو نہیں کہ پہلی صورت میں شہر کی زمین بیت المال کی ملک ہو گئی تو اس میں سلطان کا حکم جائز ہے اور دوسری صورت میں اصلا مالکوں

تبقی علی ملك ملا کہا فلا ینفذ امرہ فیہا[1]۔	کی ملک رہی تو سلطانی حکم اس میں نفاذ نہ پائیگا ۱۲

ردالمحتار میں ہے:

شرط الوقف التأبید والارض اذاکانت ملکا لغیرہ فللمالك استردادھا[2]۔	وقف کی شرط ہمیشگی ہے اور زمین جب دوسرے کی ملک ہو تو مالک اسے واپس لے سکتا ہے ۱۲

یہ بیان بغرض تکمیل احکام تھا، سوال سے ظاہر وہی پہلی صورت ہے تو اس کے مسجد ہونے میں شک نہیں اور اس کا ادب لازم۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۹: غرۃ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بارش کے دن مسجد میں بیٹھ کر وضو کرنا اس طرح پر کہ غسالہ صحن مسجد میں گرے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو مع الکراہت یا بلا کراہت؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صحن مسجد مسجد ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیہ** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں اس انداز سے کردی ہے کہ اس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ت) اور مسجد میں وضو حرام۔

واستثناء موضع اعد لذلك لایصلی فیہ معناہ اذاکان الاعداد من الواقف قبل تمام المسجدیۃ اما بعدہ فلا یمکن منہ الواقف نفسہ فضلا عن غیرہ کما حققناہ فیما علی رد المحتار علقناہ واذاکان ذلك کذلك لم یکن الثنیا الاصوریا منقطعا کما لایخفی۔	وضو کے لئے بنائی گئی جگہ جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی کے استثناء کا مطلب یہ ہے کہ واقف نے تمام مسجدیت سے قبل وہ جگہ وضو کے لئے بنائی ہو لیکن تمام مسجدیت کے بعد تو خود واقف بھی اس پر شرعًا قادر نہیں چہ جائیکہ کوئی اور ایسا کرسکے جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کی ہے اور جب صورت حال یہ ہے تو پھر یہ استثناء محض صوری و منقطع ہوگا، جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

یہاں تک کہ غیر معتکف کو اس کی بھی اجازت نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر کسی برتن میں اس طرح وضو کرلے کہ ماءِ مستعمل برتن ہی میں گرے، ہاں صرف معتکف کو اس صورت کی رخصت دی گئی ہے بشرطیکہ کوئی بوند برتن سے باہر نہ جائے۔

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۰

درمختار میں ہے:

یحرم فیه(ای فی المسجد)الوضوء الا فیما اعد لذٰلک[1]۔	مسجد میں وضو حرام ہے سوائے اس جگہ کے جو وضو کے لئے بنائی گئی ہے(ت)

اشباہ میں ہے:

تکرہ المضمضة والوضوء فیه الاان یکون ثمه موضع اعد لذٰلك لایصلی فیه اوفی اناء[2]۔	مسجد میں کلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے الایہ کہ وہاں کوئی جگہ اسی مقصد یعنی وضو کے لئے بنائی گئی ہو جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو یا پھر کسی برتن میں وضو کیا جائے۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

فی البدائع یکرہ التوضی فی المسجد لانه مستقذر طبعا فیجب تنزیه المسجد عنه کما یجب تنزیهه عن المخاط والبلغم[3]۔	بدائع میں ہے کہ مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے طبعًا گھن محسوس ہوتی ہے لہٰذا اس سے مسجد کو پاک رکھنا ایسے ہی واجب ہے جیسا کہ رینٹ اور بلغم سے مسجد کو پاک رکھنا(ت)

اسی میں ہے:

قوله اوفی اناء **اقول**:هذالیس علی العموم بل فی المعتکف فقط بشرط عدم تلویث المسجد[4]۔	اس کا کہنا کہ یا برتن میں وضو کرلے، میں کہتا ہوں کہ یہ حکم عموم پر نہیں بلکہ صرف معتکف کے لئے ہےاور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد ملوث نہ ہونے پائے۔(ت)

بحرالرائق باب الاعتکاف میں ہے:

فی البدائع وان غسل المعتکف	بدائع میں ہے کہ اگر معتکف مسجد میں اس طرح

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۰

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۰

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۱۔۲۳۰

رأسه فی المسجد فلاباس به اذا لم یلوث بالماء المستعمل فان کان بحیث یتلوث المسجد یمنع منه لان تنظیف المسجد واجب ولوتوضأ فی المسجد فی اناء فهو علی هذا التفصیل انتهی بخلاف غیر المعتکف فانه یکرہ له التوضی فی المسجد ولو فی اناء ان یکون موضعا اتخذ لذٰلك لایصلی فیه [1] اھ۔	سر دھوئے کہ مستعمل پانی سے مسجد ملوث نہ ہو تو حرج نہیں ورنہ ممنوع ہے کیونکہ مسجد کو پاک صاف رکھنا واجب ہے اور اگر وہ مسجد میں کسی برتن میں وضو کرے تب بھی وہی تفصیل ہے جو مذکور ہوئی (انتہی) بخلاف غیر معتکف کے کہ اس کے لئے مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے سوائے اس جگہ کے جو وضو کے لئے بنائی گئی ہو جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو اھ۔

تو اگر خروج ممکن ہے مثلاً بارش خفیف ہے یا چھتری وغیرہ آلات حفاظت پاس ہیں او باہر نکلنے سے معذور نہیں تو واجب ہے کہ باہر ہی وضو کرے اور اگر عذر قوی قابل قبول ہے تو اگر کوئی برتن وغیرہ میسر ہے جس میں بلا تلویث مسجد وضو کرسکے جب بھی صحن میں وضو حرام ہے بلکہ چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کرلے اور برتن میں اس طرح وضو کرے کہ باہر چھینٹ نہ پڑے یا جو تدبیر ممکن ہو۔ایک سال اعتکاف میں شب کے وقت بارش بشدت تمام ہورہی تھی اور کوئی برتن اس اطمینان کا نہ تھا کہ وضو کرتے میں پانی قطرہ قطرہ سب اسی میں جائے، جاڑے کا موسم تھا فقیر نے توشک پر چادر چند تہہ کرکے رکھی اور اس پر وضو کیا کہ سب پانی چادر ہی میں رہا۔ غرض جو طریقہ تحفظ مسجد کا ممکن ہو بجالائے ورنہ بمجبوری بضرورت در میں بیٹھ کر اس طرح وضو کرے کہ خود سائے میں رہے اور پانی تمام وکمال موقع آب ومجرائے بارش میں گرے کہ ساتھ ہی مینہ اسے بہاتا لے جائے لان من قواعد الشرع ان الضرورات تبیح المحظورات [2] (کیونکہ شرعی قواعد میں سے ہے کہ ضرورتیں محظورات وممنوعات کو مباح وجائز کردیتی ہیں۔ت)

وقد قال اللہ تعالٰی "مَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ" [3] وقد رخصت الشریعة لعذر المطر فی ترك الجماعة وحضور المسجد	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اور تحقیق شریعت نے بارش کی وجہ سے جماعت ترک کرنے اور مسجد میں حاضر نہ ہونیکی

[1] بحر الرائق باب الاعتکاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۲ / ۷۸

مع وجوبھما علی المعتمد کما حققناہ فی رسالۃ لنا فی حکم الجماعۃ بل فی ترك الجمعۃ مع انھا فریضۃ قطعیۃ اجماعیۃ۔	رخصت دی ہے حالانکہ مذہب معتمد پر یہ دونوں واجب ہیں، جیسا کہ ہم نے حکم جماعت سے متعلق اپنے رسالے میں اسکی تحقیق کی ہے، بلکہ جمعہ کو چھوڑنے کی بھی بسبب بارش رخصت دی گئی باوجودیکہ وہ فرض قطعی اجماعی ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لاتجب (یعنی الجماعۃ) علی من حال بینہ وبینھا مطر وطین وبرد شدید[1]۔	اس شخص پر جماعت واجب نہیں جس کے لئے بارش کیچڑ او شدید سردی رکاوٹ بن جائے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشار بالحیلولۃ الی ان المراد المطر الکثیر کما قیدہ بہ فی صلٰوۃ الجمعۃ وکذا الطین[2]۔	رکاوٹ بننے کے ذکر سے صاحب تنویر نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مراد شدید بارش اور سخت کیچڑ ہے، جیسا کہ نماز جمعہ میں انہوں نے یہ قید لگائی ہے (ت)

درمختار میں ہے:

شرط لافتراضھا (ای الجمعۃ) بلوغ وعقل وعدم مطر شدید ووحل وثلج ونحوھما[3] اھ ملتقطا وذلك ان اللہ رؤف بالعباد، والحمدللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	نماز جمعہ کی فرضیت کے لئے عاقل وبالغ ہونا اور شدید بارش، کیچڑ اور برف وغیرہ کا نہ ہونا شرط ہے (التقاط) اور یہ اس لئے ہے کہ بیشک اللہ تبارک وتعالٰی اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۰: ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں حدث کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور معتکف کو حدث کرنا مسجد میں جائز ہے یانہیں؟ اور کوئی طالبعلم باوجود حجرہ ہونے کے مسجد میں کتب بینی کرے اور

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

[2] ردالمحتار باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۳

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۲

حدث بھی کرے تو اب اس صورت میں مسجد میں بیٹھنا افضل ہے یا حجرہ میں؟ اور جو صاحب اس کو تسلیم نہ کریں ان کو کیا حکم ہے شریعت کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مسجد میں حدث یعنی اخراج ریح غیر معتکف کو مکروہ ہے، اسے چاہئے کہ ایسے وقت باہر ہو جائے پھر چلا آئے، طالب علم کو مسجد میں کتب بینی کی اجازت ہے جبکہ نمازیوں کا حرج نہ ہو، اور اخراج ریح کی حاجت نادر ہو تو اٹھ کر باہر چلا جائے، ورنہ سب سے بہتر یہ علاج ہے کہ بہ نیت اعتکاف مسجد میں بیٹھے اور کتاب دیکھے جبکہ کتاب علم دین کی ہو یا ان علوم کی جو علم دین کے آلہ ہیں، اور یہ اسی نیت سے اسے پڑھتا ہو، جو شخص غیر معتکف کو اخراج ریح مسجد میں خلاف ادب نہیں جانتا غلطی پر ہے اسے سمجھا دیا جائے، یہ طریقہ اعتکاف کہ اوپر بیان ہوا اس کے لئے ہے جس کی ریح میں وہ بو نہ ہو جس سے ہوائے مسجد پر اثر پڑے، بعض لوگوں کی ریح میں خلقی بوئے شدید ہوتی ہے بعض کو بوجہ سوئے ہضم وغیرہا عارضی طور پر یہ بات ہو جاتی ہے ایسوں کو ایسے وقت میں مسجد میں بیٹھنا ہی جائز نہیں کہ بوئے بد سے مسجد کا بچانا واجب ہے۔

وان الملئکة تتأذی ممایتاذی منه بنوادم [1] ۔قاله رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	جس بات سے آدمیوں کو اذیت پہنچتی ہے اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: منشی عبدالصبور صاحب ۲۹ صفر مظفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مسجد زید کے آباو اجداد کی تعمیر ہے اور اسی بناء پر زید اپنے کو متولی مسجد مذکور قرار دیتا ہے، یہ مسجد ویران رہتی تھی، متولی ضروریات واقع کا خبر گیر اں نہیں ہوتا تھا، اہل محلّہ نے مرمت شکست ریخت کے واسطے متولی سے کہا کچھ بندوبست نہیں کیا تو اہل محلّہ نے تعمیر شروع کرادی، مسجد میں نماز وجماعت ہونے لگی، تعمیر ناتمام تھی کہ متولی نے روکا کہ جب ہم کو مقدرت ہوگی خود بنوادیں گے، تعمیر ناتمام رہی، اس مسجد میں کنواں بھی نہیں، متصل شارع عام کے کنویں سے کہ ہر کس وناکس پانی بھرتا ہے مسجد میں پانی آتا ہے، ہنود کی بے احتیاطی دیکھ کر اب اہل محلّہ کا قصد ہے کہ مسجد میں ہی کنواں تعمیر ہو جائے اور ایک حجرہ بھی سکونت جاروب کش ومؤذن کے واسطے تعمیر ہو جائے مگر متولی مانع ہوتا ہے کہ اور کوئی نہ بنوائے

---
[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

جب ہم کو استطاعت ہوگی خود بنوادیں گے ایسی حالت میں تعویق تعمیر کا حق متولی کو شرعاً حاصل ہے یا نہیں اور تعمیر سابق بدون اجازت متولی جائز ہوئی یا نہیں اور ممانعت متولی باطل تھی یا صحیح؟ اب بدون اجازت اہل محلّہ تعمیر کراسکتے ہیں یا نہیں؟ اور متولی مذکور پابند صوم وصلوٰۃ بھی نہیں ہے اور تعمیر ضروریات میں مانع ومزاحم ہوتا ہے شرعاً متولی رہ سکتا ہے؟ یا تولیت سے معزول ہوسکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں واقعی متولی کو بھی ہرگز حق نہ تھا کہ تعمیر مسجد سے اہل محلّہ کو روکتا، نہ کہ یہ شخص جو صرف اس بنا پر کہ مسجد اس کے بزرگوں کی تعمیر ہے اپنے آپ کو متولی ٹھہراتا ہے، تعمیر سابق کہ مسلمانان اہل محلّہ نے بے اجازت شخص مذکور کی ضرور جائز ہوئی کہ وہ باجازت قرآن عظیم ہے۔ اللہ عزوجل کی اجازت کے بعد زید وعمرو کی اجازت وعدم اجازت کیا چیز ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ"[1]	خدا کی مسجدیں وہی عمارت کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز برپا رکھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنٰی للّٰہ مسجدا بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنۃ[2]۔	جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ عزوجل اس کے لئے جنت میں مکان تعمیر فرمائے۔

شخص مذکور کی ممانعت محض باطل ونامسموع تھی اب بھی اہل محلّہ بے اس کی اجازت کے تعمیر کرسکتے ہیں، درمختار میں ہے:

اراداھل المحلۃ نقض المسجد وبناء ہ احکم من الاول ان البانی من اھل المحلۃ لھم ذٰلك والالا، بزازیۃ[3]۔	اہل محلّہ نے مسجد گرانے اور پہلے سے مضبوط تر بنانے کا ارادہ کیا اگر دوبارہ بنانے والا اہل محلّہ سے ہے تو انہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے ورنہ نہیں، بزازیہ۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل مسند عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۰، مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۸

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

فتاوٰی قاضی خاں پھر ردالمحتار میں ہے:

لیس لورثته منعهم من نقضه والزیادة فیه ولاهل المحلة تحویل باب المسجد[1]۔	واقف کے ورثاء اہل محلّہ کو مسجد گراکر وسیع کرنے سے منع نہیں کرسکتے مسجد کا دروازہ تبدیل کرنے کا بھی اہل محلّہ کو اختیار ہے (ت)

محیط امام سرخسی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل بنی مسجدا ثم مات فاراداهل المسجد ان ینقضوه ویزیدوافیه فلهم ذٰلك ولیس لورثة المیت منعهم[2]۔	ایک شخص نے مسجد بنائی پھر وہ فوت ہوگیا، بعد ازاں اہل محلّہ نے اس مسجد کو گرانے اور اس میں اضافہ کرنے کا ارادہ کیا تو بانی اول کے ورثاء کو منع کرنے کا اختیار نہیں (ت)

شخص مذکور ضروریات مسجد کا خبر گیراں نہیں ہوتا اور اہل محلّہ کی درخواست پر بھی درستی مسجد کا کچھ بندوبست نہ کیا اور جب اہل محلّہ نے تعمیر شروع کی اور مسجد میں نماز وجماعت ہونے لگی تو روکنے کو آموجود ہوا اور وہ روکنا بھی یوں نہیں کہ آپ تعمیر کرنا شروع کرتا بلکہ نرا وعدہ کہ ہم بنوادیں گے وعدہ بھی کیسا، محض موہوم کہ جب ہمیں مقدرت ہوگی بنوائیں گے، تو ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ شخص مذکور آبادی وعمارت مسجد میں خلل انداز ہے اور وہ ضرور "مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝" [3] (نیکی سے بہت زیادہ منع کرنیوالا حد سے تجاوز کرنے والا گنہگار ہے۔ت) میں داخل ہے آپ تعمیر نہ کرتا ہے نہ کرسکتا ہے کہ خود اپنی مقدرت سے انکار رکھتا ہے اور مسلمانوں نے جو تعمیر کی جس سے نماز وجماعت ہونے لگی اسے روکتا ہے تو صاف ویرانی مسجد کا خواستگار اور "مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا" [4] (اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو مساجد میں اللہ تعالٰی کے ذکر سے منع کرے اور مساجد کی بربادی میں کوشاں ہو۔ت) کی وعید شدید کا سزاوار ہے۔ شخص مذکور کو اگر متولی فرض بھی کرلیں تو اور مسلمانان محلّہ کی تعمیر میں اس کی کوئی اہانت نہیں نہ ہرگز شرع مطہر میں متولی کو حق دیا گیا ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[3] القرآن الکریم ۶۸/ ۱۲

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

کہ بوعدہ موہومہ مقدرت آپ تعمیر کرنے کے لئے مسجد کو خراب رکھے اہل محلّہ کو تعمیر سے روکے۔ فرض کیجئے اسے مقدرت کبھی نہ ہوئی تو کیا ہمیشہ مسجد ویران رکھیں یا اسے استطاعت دس برس یا دس مہینے یا دس دن ہی بعد ہو گی تو کون سی شریعت نے فرض کیا ہے کہ اس کی مقدرت کا انتظار کرو اور اتنی مدت مسجد خراب رکھو۔ جو شخص دعوی کرتا ہے کہ بسبب وعدہ اور لوگوں کو اس کے تیار کرانے کا انتظار کرنا ہوگا اگر اپنی ہوائے نفس کا حکم دیتا ہے تو مسلمانوں پر اس کا اتباع نہیں، اور اگر اسے شرع مطہرہ کا حکم ٹھہراتا ہے تو صراحۃً شریعت غرا پر افتراء کرتا ہے، شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کہیں نہیں کہ ایسے مہمل وعدوں کا انتظار مسلمانوں کو کرنا ہوگا انتظار انتظار میں مسجد کو خراب رکھنا ہوگا، مسجد متولی یا اس کے بزرگوں کی ملک نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "**وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ**"[1] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک مسجدیں اللہ تعالٰی ہی کی ہیں۔ت) فرضی یا واقعی متولی کو کیا حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو اپنے وعدہ فرد لکے انتظار پر مجبور کرے اور تا تریاق از عراق کے لئے مسجد کو خراب رکھے، ایسے انتظار کا فتوٰی دینا صریح جہالت وضلالت ہے خصوصًا جبکہ مسلمان آنکھوں دیکھ چکے کہ وہ ضروریات مسجد کی خبر گیری نہیں کرتا اور باوصف درخواست اس نے کچھ پروانہ کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین[2]۔	مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا (ت)

اور اگر بفرض باطل تسلیم بھی کرلیں کہ اوروں کی تعمیر میں بخیال عوام اس کی کوئی اہانت ہے تو بیت اللہ کی اہانت وخرابی سے اس کی یہ نفسانی اہانت آسان تر ہے۔ بھلا متولی تو متولی، علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اصل بانی مسجد اور اہل محلّہ میں دربارہ امام ومؤذن نزاع ہو اور جسے اہل محلّہ چاہیں وہ زیادہ مناسب ہو تو اصل بانی کے اختیار پر اہل محلّہ ہی کے اختیار کو ترجیح دی جائے گی۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

ان تنازعوا فی نصب الامام والمؤذن مع اہل المحلة ان کان مااختارہ اہل المحلة اولٰی من الذی اختارہ البانی فما اختارہ اہل المحلة اولٰی[3]۔	بانیان مسجد اور اہل محلّہ کے درمیان امام مؤذن کی تقرری میں اختلاف واقع ہو اور جس کو اہل محلّہ پسند کریں وہ بانی کے پسند کردہ سے اولٰی ہے تو اسی کو مقرر کرنا بہتر ہے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۷۹

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۷

جب اصل واقف پر اہل محلّہ کو صرف اس وجہ سے کہ ان کا پسند کردہ زیادہ مناسب ہے شرع مطہر نے ترجیح عطا فرمائی تو یہاں کہ آبادی وویرانی کا اختلاف ہے اور شخص مذکور خود واقف بھی نہیں اور خود عمارت کرتا بھی نہیں نرے وعدہ ہی پر ٹالتا ہے اور وہ وعدہ بھی ایک غیبی بات پر موقوف کہ خدا جانے ہوئی یا نہ ہوئی کیونکہ اہل محلّہ کی کارروائی کے آگے جو سراسر نافع مسجد ہے کوئی چیز ٹھہر سکتی ہے، اور جب اس ترجیح اہل محلّہ میں خود واقف کی اہانت نہ تھی یا فرضًا ہو تو شرع مطہر نے اصلًا اسپر لحاظ نہ فرمایا اور محض ایک انسب بات کے لئے اہل محلّہ ہی کو ترجیح بخشی تو یہاں اس غیر واقف کی اہانت کیا ہو گی یا ہو تو اس پر شرع کیا لحاظ فرمائے گی ایسے بیہودہ مخیلات کو مدار فتوٰی قرار دینا سخت عامیانہ سفاہت ہے جس کے لئے شرع الٰہی میں اصلًا اصل نہیں، معہذا ظاہر ہے کہ اہل محلّہ کا مقصود آبادی مسجد ہے نہ کہ اس شخص کی اہانت، ولہذا پہلے خود اسی سے درخواست کی جب اس نے کان نہ رکھا مجبورانہ خود عمارت شروع کی تو اہل محلّہ کی یہ غرض ٹھہرالینی کہ شخص مذکور کو ذلت پہنچے کس قدر شدید سوئے ظن و جہالت ہے کیا وہ اس قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ لاینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہاری نیتوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (ت)

کے مستحق نہیں؟ کیا صحیح حدیث میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2]۔	بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ (ت)

کا مخالف فاسق نہیں؟ ضرور ہے۔ اور شخص مذکور جبکہ تعمیر ضروریات کا مانع ومزاحم ہے تو بدخواہی مسجد کے سبب اگر متولی بھی ہوتا اس کا معزول کرنا واجب تھا نہ کہ فقط اولادِ بانی سے ہونا کہ ہرگز موجب تولیت نہیں کما لایخفی (جیسا کہ چھپا ہوا نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲: از میرٹھ کوٹھی انانش خیر نگر دروازہ مرسلہ ولایت اللہ خاں ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت میں مسجدوں کے اوپر مینار اور برج نہیں تھے، اب کیونکر بنائے جاتے ہیں؟

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب تعلیم الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۵

الجواب:

واقعی زمانہ اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مساجد کے لئے برج کنگرے اور اس طرح کے منارے جن کو لوگ مینار کہتے ہیں ہر گز نہ تھے بلکہ زمانہ اقدس میں پکے ستون نہ پکی چھت، نہ پکا فرش نہ گچکاری، یہ امور اصلاً نہ تھے کما فی صحیح البخاری فی ذکر مسجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (جیسا کہ بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد کے ذکر میں ہے۔ت) بلکہ حدیث میں ہے:

ابنوا المساجد واتخذوھا جما[1]۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ والبیھقی فی السنن عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	مسجدیں بناؤ اور انہیں بے کنگرہ رکھو (اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور بیہقی نے سنن میں سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے:

ابنوا مساجدکم جما وابنوا مدائنکم مشرفۃ[2]۔ رواہ ابن ابی شیبۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اپنی مسجدیں منڈی بناؤ اور اپنے شہر کنگرہ دار۔ (اس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ت)

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر تنبہ کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہوگئے اس قسم کے امور علماء وعامہ مسلمین نے مستحسن رکھے، اسی قبیل سے ہے قرآن عظیم سے ہے قرآن عظیم پر سونا چڑھانا کہ صدر اول میں نہ تھا اور اب بہ نیت تعظیم واحترام قرآن مجید مستحب ہے۔ یونہی مسجد میں گچکاری اور سونے کا کام،

وما راٰہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن[3]۔	جس شیئ کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عنداللہ بھی اچھی ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ فی زینۃ المسجد وماجاء فیھا ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۹

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ فی زینۃ المسجد وماجاء فیھا ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۹، کنز العمال حدیث ۲۰۷۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۶۵۶

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۷۹

درمختار میں ہے:

جاز تحلیۃ المصحف لما فیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد[1]۔	قرآن مجید کومزین کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تعظیم ہے جیسا کہ مسجد کو تعظیماً منقش کرنا جائز ہے۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لایکرہ نقش المسجد بالجص وماء الذھب[2]۔	قلعی اور سونے کے پانی سے مسجد کو منقش کرنا مکروہ نہیں۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لاباس بنقش المسجد بالجص والساج وماء الذھب والصرف الی الفقراء افضل کذافی السراجیۃ وعلیہ الفتوی کذافی المضمرات وھکذافی المحیط[3]۔	مسجد کو قلعی، ساج کی لکڑی اور سونے کے پانی سے منقش کرنے میں حرج نہیں تاہم فقراء پر صرف کرنا اولٰی ہے جیسا کہ سراجیہ میں ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے، مضمرات اور محیط میں یونہی ہے(ت)

اور ان میں ایک منفعت یہ بھی کہ مسافر یا ناواقف منارے کنگرے دور سے دیکھ کر پہچان لے گا کہ یہاں مسجد ہے، تو اس میں مسجد کی طرف مسلمانوں کو ارشاد وہدایت اور امر دین میں ان کی امداد واعانت ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی ۪"[4]	نیکی اور تقوٰی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔(ت)

تیسری منفعت جلیلہ یہ ہے کہ یہاں کفار کی کثرت ہے، اکثر مسجدیں سادی گھروں کی طرح ہوں تو ممکن ہے کہ ہمسایہ کے ہنود بعض مساجد پر گھر اور مملوک ہونے کا دعوی کردیں اور جھوٹی گواہیوں سے جیت لیں بخلاف اس صورت کے کہ یہ ہیأت خود بتائے گی کہ یہ مسجد ہے تو اس میں مسجد کی حفاظت اور اعدا سے اس کی صیانت ہے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر ۱/ ۱۶۸

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲

مسئلہ ۱۴۳: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاکخانہ قاضی ہاٹ متصل بختیار منشی کے بازار مرسلہ مولوی عبد العلی صاحب ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۲۲ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی ہندو مشرک زمیندار اپنی زمین میں نماز پنجگانہ وجمعہ کے لئے ایک مسجد بنادے یا مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو درست یا پختہ کردے یا ازروئے حیلہ کے دوسو یا چار سو کسی شخص کو مسجد بنوانے کی نیت سے دے وہ شخص زر دادہ سے مسجد بنادے شرعًا اس میں نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر اس نے مسجد بنوانے کی صرف نیت سے مسلمان کو روپیہ دیا یا روپیہ دیتے وقت صراحۃً کہہ بھی دیا کہ اس سے مسجد بنوادو، مسلمان نے ایسا ہی کیا تو وہ مسجد ضرور ہو گئی اور اس میں نماز پڑھنی درست ہے۔

لانہ انما یکون اذنا للمسلم بشراء الاٰلات للمسجد بمالہ وبمجرد ھذا لایصیر وکیلا وان فرض التوکیل فحیث لم یعین جنس المشری لایقع الشراء الا للمسلم لان الجھالۃ الفاحشۃ تبطل الوکالۃ. فی الدر المختار الاصل انھا (ای الوکالۃ) ان جھلت جھالۃ فاحشۃ وھی جھالۃ الجنس کدابۃ بطلت اھ[1] (ملخصًا) ومعلوم ان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ علیہ فعلی کل کانت الاٰلات ملك المسلم وقد جعلھا مسجدا فصح۔	کیونکہ یہ اس کی طرف سے مسلمان کو اس کے مال سے مسجد کے لئے سامان خریدنے کا اذن ہوا اور محض اتنی بات سے وہ وکیل نہ ہوا اور بالفرض توکیل مان بھی لیں تو جب جنس شراء غیر معین ہے تو شراء مسلمان کے لئے ہی واقع ہوگی اس لئے کہ جہالت فاحشہ وکالت کو باطل کردیتی ہے۔ درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ اگر وکالت جہالت فاحشہ کے ساتھ مجہول ہو یعنی جہالت جنس ہو جیسے دابہ کا مجہول ہونا تو وکالت باطل ہوجاتی الخ (ملخصا) اور یہ بات معلوم ہے کہ شراء جب مشتری پر نفاذ پائے تو نافذ ہوجاتی ہے، بہر صورت وہ خریدا ہوا سامان مسلمان کا مملوک ہوا اور اس نے مسجد بنادی تو صحیح ہے۔ (ت)

یونہی مسجد قدیم کی درستی ومرمت اگر کافر کرے تو اس کی مسجدیت میں نقصان نہ آئے گا **لان المسجد اذا تم مسجدا لایعود غیر مسجد ابدا** (کیونکہ مسجد بن جانے کے بعد کبھی بھی وہ غیر مسجد نہیں بن سکتی۔ ت)

[1] درمختار باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۴

اسی طرح کچھ مسجد کو اگر پکی کرادے فرش اور دیواریں پختہ بنوادے جب بھی اس کی مسجدیت میں حرج نہیں اس میں نماز درست ہے کہ یہ دیواریں اگرچہ ملک کافر رہیں گی کہ وہ مسجد کے لئے وقف کرنے کا اہل نہیں مگر دیواریں حقیقت مسجد میں داخل نہیں،

حتی لولم تکن او رفعت لم یتطرق الی المسجد خلل الاتری ان المسجد الحرام لاجدران فیه اصلا وان بناء الکعبة لو رفع کما وقع فی زمن سیدنا عبدالله بن الزبیر رضی الله تعالٰی عنهما لصحت الصلوة الیها کمانصوا علیه۔	مسجد کی دیواریں اگر بالکل نہ ہوں یا مرتفع ہوجائیں تو مسجدیت میں کوئی خلل نہیں آتا، کیا تو نہیں دیکھتا کہ مسجد الحرام میں دیواریں نہیں ہیں اور اگر کعبۃ اللہ کی عمارت اگر مرتفع ہوجائے جیسا کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ہوا تو تب بھی اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز ہے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ت)

یوں ہی مسالہ کہ فرش پختہ کرنے کو ڈالا چٹائی کی طرح ایک شیئ زائد ہے اور جواز نماز یوں کہ اگرچہ وہ مسالہ ملک کافر پر رہے گا مگر اس پر نماز اس کے اذن سے ہے،

فکان کالصلاة فی ارض الکافر باذنه بل اولی۔	تو یہ کافر کی زمین میں اس کے اذن سے نماز پڑھنے کی مانند ہوا یا اس سے بھی اولٰی ہے۔ (ت)

ہاں ایسی چیز کا قبول کرنا مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ مسجد کو ملک کافر سے آلودہ کرنا ہے،

وقد قال رسول اللهصلی الله تعالٰی علیه وسلم انا لا نستعین بمشرک[1]۔	تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم مشرک سے استعانت نہیں کرتے (ت)

اور اس میں یہ بھی قباحت ہے کہ جب وہ فرش ملک کافر پر باقی ہے تو اگر کسی وقت وہ یا اس کے بعد اس کا وارث اس پر نماز سے منع کردے تو نماز ناجائز ہوجائے گی جب تک فرش کھود کر زمین صاف نہ کرلیں۔ رہی پہلی صورت کہ مشرک اپنی زمین میں مسجد بنوادے اگر مشرک نے وہ زمین کسی مسلمان کو ہبہ کردی اور مسلمان نے مسجد بنوائی تو جائز ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے، اور اگر بے تملیک مسلم اپنی ہی ملک رکھ کر مسجد بنوائی تو وہ مسجد شرعًا مسجد نہ ہوئی،

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعانۃ بالمشرکین ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

لان الکافر لیس اهل لوقف المسجد وفی جواهر الاخلاطی جعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین وبناہ کما بنی المسلمون واذن لهم بالصلوٰۃ فیه فصلوا فیه ثم مات یصیر میراثا لورثته[1] وهذا قول الکل۔	کیونکہ کافر مسجد کو وقف کرنے کا اہل نہیں جواہر الاخلاطی میں ہے کہ ذمی نے اپنے گھر کو مسلمانوں کے لئے مسجد بنایا اور مسلمانوں کی طرح اس کی تعمیر کرائی پھر مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کو کہا اور انہوں نے اس میں نماز پڑھی بعد ازاں وہ ذمی مر گیا تو وہ اس کے وارثوں کو بطور میراث ملے گی، اور یہی سب کا قول ہے (ت)

اس میں نماز ایک کافر کے گھر میں نماز ہے جس پر نماز مسجد کا ہرگز ثواب نہیں مگر جبکہ اس کے اذن سے ہے نماز درست ہے اگر منع کردے گا تو اب اجازت نہ رہے گی اور زمین غصب میں نماز کی طرح مکروہ ہوگی **للتصرف فی ملك الغیر بغیر اذنه** (ملک غیر میں بلااذن مالک تصرف کرنے کی وجہ سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴:　　　　ازکانپور مرسلہ مولوی عبیداللہ صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرکے کسب ناجائز اختیار کرلیا اور مال میں ہزار پانسو کی تجارت بھی کرتی رہی چنانچہ اس نے اسی مال سے چند دن میں متعدد مکان وغیرہ بھی خرید کئے اور وہ مال اسکے پاس کچھ بطور حلال حاصل ہوا تھا اور کچھ بطور حرام، لیکن یہ امر کہ مال حلال کس قدر تھا اور مال حرام کس قدر، کچھ معلوم نہیں، خلاصہ یہ کہ وہ مال اس کے پاس مختلط تھا، اس کے بعد اس مال کی وارث اس کی ماں بنی، ہندہ کی ماں نے محض اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کی، اب اس مسجد میں لوگ نماز پڑھنے سے پرہیز کرتے ہیں، پس یہ فرمایا جائے کہ ایسی مسجد کو حکم مسجد کادیں گے یا نہیں؟ اور یہ وقف شرعًا صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی ارشاد ہو کہ مال مختلط وراثتًا اگر شخص کو نہ ملا ہو جبکہ خود اس کے پاس مختلط اپنا ذاتی ہو جیسا آج زمانے میں بکثرت لوگوں کے پاس ہے اگر ایسے سے مسجد بنوائی جائے تو کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مال مختلط کہ مورث وجوہ مختلفہ سے جمع کرلے اور وارث کو اس کی کچھ تفصیل کا پتا نہیں چل سکا کہ کتنا حلال ہے کتنا حرام ہے، جو حرام ہے کس کس سے لیا ہے تو امر مجہول کا مطالبہ اس سے نہیں ہوسکتا ایسی ہی

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الوقف قلمی نسخہ ص ۱۲۷

جگہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ:

الحرمة لاتتعدی بیان المسئلة فی الدر المختار ورد المحتار وغیرہما من الاسفار۔	حرمت متعدی نہیں ہوتی اس مسئلہ کی وضاحت درمختار اور ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے(ت)

تو مسجد مذکور ضرور مسجد ہے اور اس کا وقف صحیح اور اس میں نماز جائز، اور اگر خود اپنا روپیہ مختلط بلکہ حرام ہو اور اس سے مسجد یوں بنائے کہ زمین وخشت وغیرہما آلات کی خریداری میں زر حرام پر عقد ونقد جمع نہ ہو تو مذہب امام کرخی پر کہ اب وہی مفتی بہ ہے ان خریدی ہوئی اشیاء میں خباثت اثر نہ کرے گی۔

بل استحسن فی الطریقة المحمدیة الافتاء بما اوسع من ھذا وھو ان الخبث لایسری فی الابدال مطلقًا اذا کان ذلك فیما لایتعین فی البیع کالدراھم والدنانیر۔	بلکہ طریقہ محمدیہ میں تو اس سے وسیع تر صورت پر فتوی کو مستحسن قرار دیا ہے اور وہ یہ کہ خباثت ابدال میں مطلقًا اثر نہیں کرتی جبکہ ان اشیاء میں ہو جو بیوع میں متعین نہیں ہوتیں جیسے دراہم ودنانیر۔(ت)

حرام پر عقد کے یہ معنی کہ زرحرام دکھا کر کہے اس کے عوض فلاں شیئ دے دے، اور نقد کے یہ معنی کہ پھر زرِ حرام ہی اس کے معاوضہ میں دے، اگر مطلقًا بغیر روپیہ دکھائے کوئی چیز خریدے اور پھر زرِ حرام عوض میں دیا تو یہ دینا اگرچہ اسے حرام تھا،

لانه فیه بادائه الی من کان له وان لم یبق ھو ولاوارثه اولم یعرف فالتصدق وھذا عدول عنھما فلایجوز۔	کیونکہ اس میں وہ مال حرام اس شخص کو واپس کرنے کا پابند تھا جس کا وہ ہے اگر وہ یا اس کا کوئی وارث باقی نہیں یا ان کا علم نہیں تو تصدقہ کرنا لازم ہے جبکہ یہ مال حرام کسی کو معاوضے میں دینے اور اصل مالک کو واپس کرنے سے عدول ہوگا تو جائز نہیں(ت)

بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جبکہ اسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اور اس کے پاس بلا ملک ہے جیسے غصب ورشوت واجرت زنا وغیرہ کا روپیہ مگر جبکہ حرام پر عقد نہ ہوا فرد مطلق پر ہوا خریدی ہوئی شے میں خبث نہ آیا یونہی اگر زرحرام دکھا کر کہا اس کے عوض فلاں شیئ دے دے، جب اس نے دے دی اس نے وہ روپیہ ثمن میں نہ دیا بلکہ زرحلال دیا تو اب اگرچہ عقد حرام پر ہوا مگر نقد اس کا نہ ہوا، ان دونوں صورتوں میں مذہب مفتی بہ پر ابدال یعنی خریدی ہوئی چیزیں حلال رہتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اسی صورت اولٰی پر ہوتی ہیں کہ حرام پر عقد نہیں ہوتا، اور اگر بالفرض بعض آلات پر اتفاقًا ایسا ہوا ہو تو اس کا حال معلوم نہیں،

وقد قال فی الاصل بہ ناخذمالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔	امام محمد نے اصل میں فرمایا کہ ہم اسی کو اپناتے ہیں جب تک ہمیں کسی خاص شیئ کے حرام ہونے کا پتانہ چل جائے۔(ت)

تو ایسی مساجد کی مسجدیت اور ان میں نماز کی صحت میں شک نہیں وقد فصلنا المسألۃ فی فتاوٰنا (تحقیق ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل اپنے فتاوی میں بیان کردی ہے۔ت)

مسئلہ ۱۴۵: از شہر کہنہ ۲۳ محرم شریف ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹی مسجد کو مسلمانوں نے بڑھایا جو زمین اندر آتی اس میں ایک محراب ہوتی ہے کسی حساب سے پانچ در نہیں ہوسکتے، نہ تو زمین زیادہ ہے کہ دو در بن کر پانچ ہوجائیں نہ اتنا روپیہ کہ سامنے کی محرابیں توڑ کر اس زمین کو شامل کرکے تین در بنائے جائیں، اب اگر ایک در تیار ہوجائے اور سب مل کر چار در ہوجائیں تو کسی طرح کا نماز میں فتور آئے گا یا نہیں؟ شرع شریف نے کیا اجازت دی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اتنا ضرور ہے کہ طاق عدد اللہ عزوجل کو محبوب ہے ان اللہ وتر یحب الوتر[2] (اللہ تعالٰی وتر یعنی طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔ت) اور یہاں عام مسلمانوں میں مسجد کے در طاق ہی رکھنے کا رواج ہے وقد نص العلماء ان الخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ (علماء نے تصریح فرمائی کہ مسلمانوں کی عادت مستمرہ سے خروج مکروہ ہے۔ت) تو جہاں تک ممکن ہو مخالفت عادت مسلمین سے احتراز کریں اور ناممکن ہو تو کوئی حرج نہیں اور نماز میں تو کسی طرح دروں کے طاق یا جفت ہونے سے کوئی فضیلت یا فتور اصلاً نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۶: مرسلہ عنایت حسین ۴ صفر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں ایک مسجد چھوٹی ہے اور ایک جانب اس کے قبرستان ہے دو جانب تالاب ہے اور ایک جانب راستہ ہے اور مرمت طلب ہے، ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میں ایک مسجد بناؤں مگر شرط یہ ہے کہ اس مسجد سے بڑی ہو اور اس میں حجرہ وغیرہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند علی رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۴۳

اور وہیں چاہ بھی ہو اور پیش امام اور مؤذن کے واسطے بھی انتظام جائداد سے کر دیا جائے اور یہ جو مسجد ہے اسکے آس پاس بڑھانے کی گنجائش نہیں ہے اگر دوسری مسجد اس موضع میں تعمیر ہوئی تو یہ مسجد ویران ہو جائے گی اس میں کوئی نمازی نماز کے واسطے نہیں آئے گا اس وجہ سے کہ اس مسجد میں کوئی امام نہیں ہے اور نمازی بھی ایسے نہیں کہ اس میں امامت کرکے جماعت کرلیں ایسی حالت میں مسجد تعمیر کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ مسجد شہید کرکے اینٹ وغیرہ اس مسجد کی اس مسجد میں لگائیں یا کیا کریں؟

الجواب:

مسجد بنانا باعث اجر عظیم ہے جس طرح ممکن ہو کوشش کیجائے وہ مسجد بھی آباد رہے اور یہ بھی آباد ہو، ثواب لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے بھی امام مقرر کرے اگر کسی طرح یہ ممکن ہو بلکہ اگر معلوم ہو کہ اس مسجد کا بننا اسے ویران کردے گا تو ہرگز نہ بنائے کہ مسجد کا ویران کرنا حرام قطعی ہے اور اسے شہید کرنا حرام قطعی، اور آباد مسجد کی اینٹ وغیرہ دوسری مسجد میں لگادینا حرام قطعی۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ "[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس سے ظالم تر کون ہو سکتا ہے جو مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بربادی کی سعی کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۷:　　　　از بدایون　　　　۲۰ صفر ۱۳۲۳ھ

زید نے قبرستان قدیم اہل اسلام کو پاٹ کر ان قبروں کی چھت پر مسجد بنانا اور اس کو ایک مسجد قدیم کے صحن میں داخل کرنے کا قصد کیا ہے اور دروازہ قدیم مسجد کو بھی پاٹ کر اسکے نیچے دکان یا حجرہ بنانا اور چھت کو مسجد کرنا چاہتا ہے، آیا شرعًا زید کو یہ منصب ہے اور یہ سقف قبور مسجد ہو جائے گی اور مصلی کو ثواب مسجد ملے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا عنداللہ تعالٰی** (بیان کیجئے اور اللہ تعالٰی سے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

دروازہ پاٹ کر اس کے نیچے دکان بنانا ہرگز جائز نہیں، عالمگیری میں ہے:

قیم المسجد لایجوزلہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائہ[2]۔	ناظم مسجد کو جائز نہیں کہ وہ مسجد کی حدود میں یا فنائے مسجد میں دکانیں بنائے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

اور حجرہ بنانے کی اجازت ہے جبکہ زمین مسجد سے اس میں کچھ نہ لیا جائے، نہ مسجد پر راہ وغیرہ کسی امر کی تنگی لازم آئے اور یہ تغییر دروازہ کرنے والے خود اہل محلّہ ہوں یا ان کے اذن سے ہو۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے: **لاھل المحلۃ تحویل باب المسجد**[1] (اہل محلّہ کو دراوزہ مسجد کی تبدیل کااختیار ہے۔ت) اور اس صورت میں حجرہ کی چھت مسجد ہو جائے گی جبکہ برضائے اہل محلّہ ہے۔ خلاصہ میں ہے:

ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذلك المسجد وارادوا ان یزیدوا فی المسجد شیئا من الارض جاز الخ[2]۔	ایک زمین مسجد کے لئے وقف ہوئی اور اس مسجد کے پہلو میں زمین ہے اہل محلّہ نے ارادہ کیا کہ مسجد میں کچھ اضافہ اس زمین سے کریں تو جائز ہے الخ (ت)

فتاوٰی کبرٰی پھر جامع المضمرات شرح القدوری پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

مسجد اراد اھلہ ان یجعل الرحبۃ مسجدا وان یحولوا الباب عن موضعہ فلھم ذٰلك فان اختلفوا نظر ایھم اکثر وافضل فلھم ذلك[3] **اھ، بتلخیص۔**	اہل محلّہ نے چاہاکہ برآمدہ کو مسجد کردیں اور دروازہ کو اپنی جگہ سے تبدیل کردیں تو جائز ہے اور اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو دیکھا جائے گا کہ ان میں اکثر وافضل گروہ کی کیا رائے ہے اور انہیں کو اختیار دیا جائیگا اھ بتلخیص (ت)

اور اس کے نیچے حجرہ ہونا کچھ منافی مسجدیت سقف نہ ہوگا، قول بحر **شرط کونہ مسجدا ان یکون سفلہ وعلوہ مسجدا**[4] (اس کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے نیچے اور اوپر والا حصہ بھی مسجد ہو۔ت) یہاں وارد ہوگا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جمیع جہات میں حقوق مالکانہ عباد سے منقطع ہو مصالح مسجد توابع مسجد ہیں، خود بحر میں تتمہ عبارت مذکوریہ ہے:

لینقطع حق العبد عنہ بقولہ تعالٰی وان المسٰجد للّٰہ بخلاف ما اذا کان السرداب العلو موقوفا لمصالح المسجد کسرداب بیت المقدس ھذا ھو ظاہر	تاکہ حق عبد اس سے منقطع ہو جائے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی بنیاد پر کہ مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں۔ بخلاف اس کے کہ جب تہ خانہ یا بالاخانہ مصالح مسجد کیلئے موقوف ہوں جیسا کہ بیت المقدس کا تہہ خانہ ہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف باب الرجل جعل دارہ مسجدا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۳

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الرابع فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۲۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

[4] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

الروایۃ[1]۔	یہی ظاہر الروایہ میں ہے(ت)

ہدایہ میں ہے:

من جعل مسجدا تحته سرداب اوفوقه بيت وجعل باب المسجد الى الطريق وعزله عن مبلكه فله ان يبيعه وان مات يورث عنه لانه لم يخلص لله تعالٰى لبقاء حق العبد متعلقا به ولوكان السرداب لمصالح المسجد جاز[2]۔	جس شخص نے مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ اور اوپر مکان ہے اس نے مسجد کا دروازہ راستے کی طرف بنایااور اس کو اپنی ملک سے نکال دیا تو وہ اس کو بیچنے کااختیار رکھتا ہے اگر وہ مرجائے تو اس کی میراث قرار پائے گا کیونکہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہیں ہوا اس سبب سے حق عبد اس کے ساتھ منسلک رہااور اگر وہ تہ خانہ مصالح مسجد کیلئے ہو تو جائز ہے۔ (ت)

ہاں اگر زید بطور خود یہ کارروائی بے رضائے اہل محلّہ کرے تو وہ چھت مسجد نہ ہوجائے گی اور اس میں نماز اگرچہ جائز ہے مگر اس پر نماز مسجد کا ثواب نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

متولی مسجد جعل منزلا موقوفا علی المسجد مسجدا وصلی الناس فيه سنين ثم ترك الناس الصلٰوة فيه فاعيد منزلا مستغلا جاز لانه لم يصح جعل المتولی اياه مسجدا كذا فی الواقعات الحسامية[3]۔	ایک مسجد کے متولی نے ایک گھر جو کہ مسجد پر موقوف تھا کو مسجد بنادیا لوگ اس میں کئی برس نماز پڑھتے رہے، پھر لوگوں نے اس میں نماز پڑھنا چھوڑدیا پھر وہ اپنی سابقہ حالت یعنی کرایہ پر چلنے لگا تو جائز ہے کیونکہ متولی کااس کو مسجد کردینا صحیح نہیں ہوا تھا یہ واقعات حسامیہ میں مذکور ہے(ت)

رہا مسلمانوں کا قبرستان قدیم کہ وہ ضرور دفن موتٰی کے لئے موقوف ہوتا ہے، اس میں دو صورتیں ہیں اگر وہ قبرستان قابل کار ہو کہ اس میں دفن اموات کو جگہ بھی ہے اور کسی اور وجہ کے باعث اس سے استغناء بھی نہ ہو گیا نہ داخل حدود شہر ہونے کے سبب اس میں دفن کی ممانعت انگریزی طور پر ہوگئی جب تو اسے پاٹ کر دفن سے روک دینا سرے سے ناجائز وحرام ہے کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور وہ اصلًا روا نہیں۔

---

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

[2] الهدایة کتاب الوقف المکتبة العربیة کراچی ۲/ ۶۲۴

[3] فتاوی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

عالمگیریہ میں ہے: لایجوز تغییر الوقف[1] (وقف میں تغییر و تبدیل جائز نہیں۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه[2]۔	وقف کو حال سابق پر برقرار رکھنا واجب ہے (ت)

اور اگر وہ قابل کار نہ رہا یا اس سے استغناء ہوگیا یا وہاں دفن کی ممانعت ہوگئی جس کے سبب اب وہ اس کام میں صرف نہیں ہوسکتا یا مسجد قدیم لب مقبرہ واقع ہے یہ بیرون حدود مقبرہ ستون قائم کرکے اوپر کافی بلندی پر پاٹ کر چھت کو صحن مسجد سابق سے ملا کر مسجد کر دینا چاہتا ہے اس طرح کہ زمین مقبرہ نہ رکے نہ اس میں دفن موتی کرنے اور اس کی غرض سے لوگوں کے آنے جانے کی راہ رکے نہ اس چھت کے ستون قبور مسلمین پر واقع ہوں بلکہ حدود مقبرہ سے باہر ہوں تو اس میں حرج نہیں جبکہ وہ زمین جس میں ستون قائم کئے گئے متعلق مسجد ہو اور کارروائی اہل محلّہ کی یا ان کے اذن سے ہو یا وہ زمین اس بانی سقف یا کسی دوسرے مسلمان کی ملک ہو اور مالک اسے ہر کام کے لئے وقف کردے یا وہ زمین افتادہ بیت المال کی ہو اور اس میں اس کارروائی سے مسلمانوں کے راستے وغیرہ کو ضرر نہ ہو کہ ان حالتوں میں اس نے کوئی بیجا تصرف نہ کیا نہ وقف کو روکا نہ اس کی زمین کو کسی دوسرے کام میں صرف کیا صرف بالائی ہوا میں کہ نہ موقوف تھی نہ مملوک ایک تصرف غیر مضر نفع مسلمین کے لئے کیا۔ عالمگیریہ میں ہے:

ذکر فی المنتقی عن محمد رحمه الله تعالٰی فی الطریق الواسع بنی فیه اهل المحلة مسجدا و ذلك لایضر بالطریق فمنعهم رجل فلا باس ان یبنوا کذافی الحاوی[3]۔	منتقی میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں منقول ہے کہ ایک وسیع راستہ میں اہل محلّہ نے مسجد بنائی جس سے راستہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا ایک شخص نے انہیں اس سے منع کیا تو ان کے مسجد تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں، حاوی میں یونہی ہے (ت)

اسی میں خزانۃ المفتین سے ہے:

قوم بنوا مسجدا واحتاجوا الٰی مکان	لوگوں نے مسجد بنائی تو انہیں مسجد کو وسیع کرنے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵٦

لیتسع المسجد واخذوامن الطریق وادخلوہ فی المسجد ان کان یضر باصحاب الطریق لایجوز وان کان لایضربھم رجوت ان لایکون بہ بأس کذافی المضمرات وھو المختار کذافی خزانۃ المفتین[1]۔	کے لئے کچھ جگہ کی ضرورت پڑی اور انہوں نے راستہ سے کچھ جگہ لے کر مسجد میں داخل کرلی، اگر اس سے راستہ والوں کو ضرر ہوتو ناجائز ہے اور اگر ضرر نہ ہوتو مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہوگا جیسا کہ مضمرات میں ہے اور یہی مختار ہے خزانۃ المفتین میں یونہی ہے۔(ت)

نیز ہندیہ میں حق عام کی شے پاٹ کر مسجد اس طرح بنانے کا جس سے ان حقوق کو ضرر نہ پہنچے جزئیہ یہ ہے:

فی نوادرھشام سألت محمدالحسن عن نھر قریۃ کثیرۃ الاھل لایحصی عددھم وھو نھر قناۃ او نھر وادلھم خاصۃ، واراد قوم ان یعمر وابعض ھذاالنھر ویبنوا علیہ مسجدا اولا یضر ذٰلک بالنھر ولا یتعرض لھم احدمن اھل النھر، قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی یسعھم ان یبنواذلک المسجد للعامۃ او المحلۃ کذافی المحیط[2]۔	ہشام نے نوادر میں کہا کہ میں نے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے دریافت فرمایا کہ ایک کثیر آبادی والے قصبہ میں ایک نہر ہے جو کہ جنگل یا پہاڑ کے نالے کی صورت میں ہے اور وہ خاص انہی لوگوں کی ہے اب کچھ لوگوں کا ارادہ ہوا کہ وہ نہر کے کچھ حصہ تعمیر کرکے مسجد بنادیں، اس سے نہ تو نہر کو کوئی نقصان ہے اور نہ ہی نہر والوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو ایسی مسجد بنانے کا اختیار ہے چاہے وہ مسجد اہل محلّہ کے لئے بنائیں یا عام لوگوں کے لئے، جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ وہ وقف بھی مسجد ہوجائے گی اور اس میں نمازی کو ثواب مسجد ملے گا اور اس کے نیچے قبریں ہونا اس بناپر کہ ہمارے علماء نے قبروں کے سطح بالائی کو حق میت لکھا ہے،

فی العالمگیریۃ عن القنیۃ قال علاء الترجمانی یأثم بوطئ القبور لان سقف القبر حق المیت[3]۔	عالمگیریہ میں بحوالہ قنیہ مذکور ہے کہ علاء ترجمانی نے فرمایا قبور کوروندنا گناہ ہے کیونکہ قبروں کی بالائی سطح میت کا حق (ملکیت) ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

اور مسجد کا جمیع جہات میں حقوق العباد سے منقطع ہونا لازم ہے کما تقدم (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) ہر گز مانع مسجدیت نہ ہوگا کہ اس حق سے مراد کسی کی ملک یا وہ حق مالکانہ ہے جس کے سبب وہ اس مسجد میں تصرف سے مانع آسکے کہ جب ایسا ہوگا تو وہ خالص لوجہ اللہ نہ ہوئی، اور مسجد کا خالص لوجہ اللہ ہونا ضرور ہے، ولہذا فتح القدیر میں عبارت مذکورہ ہدایہ کی شرح میں فرمایا:

المسجد خالص لله سبحانه ليس لاحد فيه حق، وهو منتف فيما ذكر اما اذاكان السفل مسجدا فان لصاحب العلو حقا فی السفل حتی منع صاحبه ان ينقب فيه كوة اويتد فيه وتدا، واما اذاكان العلو مسجدا فلان ارض العلو ملك لصاحب السفل بخلاف ما اذاكان السرداب اوالعلو موقوفا لصاحب المسجد فانه يجوز اذلا ملك فيه لاحد[1] اھ مختصرا۔	مسجد خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہے اس میں کسی کا حق نہیں اور یہ بات صورت مذکورہ میں منتفی ہے لیکن اگر نیچے والا حصہ مسجد ہو پھر تو اس لئے کہ بالاخانے والا نچلے حصہ میں حق رکھتا ہے یہاں تک کہ نیچے والے کو دیواروں میں سوراخ کھودنے یا میخ گاڑنے سے منع کرسکتا ہے، اور اگر اوپر والا حصہ مسجد ہو تو پھر اس لئے کہ بالاخانے کی زمین نیچے والے کی ملک ہے۔ بخلاف اس کے اگر تہ خانہ اور بالاخانہ دونوں ہی مصلحت مسجد کے لئے وقف کردئے گئے ہوں تو صحیح ہے کیونکہ اب اس میں کسی کی ملک باقی نہیں رہا اھ مختصراً۔(ت)

مطلقاً حق العبد کا تعلق اگر مانع مسجدیت ہو تو کوئی مسجد مسجد نہ ہوسکے کہ ہر مسجد میں ادائے نماز واعتکاف وغیرہ عام مسلمانوں یا خاص اس کے اہل کا بخصوصیت زائدہ حق ہے جس کے باعث وہ بحال تنگی اوروں کو اپنی مسجد محلّہ میں نماز سے منع کرسکتے ہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا ضاق المسجد كان للمصلی يزعج القاعد عن موضع ليصلی فيه وان كان مشتغلا بالذكر اوالدرس او قراءة القراٰن اوالاعتكاف، وكذالاهل المحلة ان يمنعوا من ليس منهم عن الصلٰوة فيه اذا ضاق بهم المسجد كذافی القنية[2]۔	اگر مسجد تنگ ہو تو نمازی دوسرے شخص کو جو کہ وہاں بیٹھا ہوا ہے وہاں سے ہٹا کر نماز پڑھ سکتا ہے اگرچہ وہ بیٹھا ہوا شخص ذکر، تلاوت یا اعتکاف میں مشغول ہو یوں ہی مسجد کی تنگی کی صورت میں اہل محلّہ دوسروں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرسکتے ہیں یونہی قنیہ میں ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر کتاب الوقف فصل اختص المسجد باحکام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۔۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

بلکہ حق میت کہ قبر وسقف قبر میں ہے اگر ان حقوق عباد سے ہو جن کا تعلق خلوص لوجہ اللہ تعالٰی سے مانع ہو تو سرے سے مقبرہ موقوفہ ہی محال ہو جائے کہ مسجد کی طرح مقبرہ میں بھی محض خلوص وانقطاع جملہ حقوق عباد شرط ہے ولہذا بالاجماع مسجد کی طرح اس میں بھی افراز شرط ہوا۔ ہدایہ میں ہے:

وقف المشاع جائز عندابی یوسف الافی المسجد والمقبرۃ فانہ لایتم ایضاً عند ابی یوسف لان بقاء الشرکۃ یمنع الخلوص للہ تعالٰی اھ[1]۔ مختصرًا۔	امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک وقف مشاع جائز ہے سوائے مسجد و مقبرہ کے، اور وہ بھی امام ابویوسف کے نزدیک تام نہیں ہوتا کیونکہ شرکت اس وقف کے خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہونے سے مانع ہے اھ مختصراً (ت)

فتح القدیر میں ہے:

انما اتفقواعلٰی منع وقف المشاع مطلقًا مسجدا او مقبرۃلان الشیوع یمنع خلوص الحق للہ تعالٰی[2]۔	مسجد ومقبرہ میں وقف مشاع کے مطلقًا ممنوع ہونے پر تمام ائمہ متفق ہیں کیونکہ شیوع وقف کے خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہونے سے مانع ہے (ت)

بلکہ میت تو کوئی حق مالکانہ نہیں رکھتالان الموت ینافی الملک (کیونکہ موت ملکیت کے منافی ہے۔ت) نہر عام کی طرح نہر خاص اہل محلّہ کا جزئیہ گزرا کہ اس کے اوپر پاٹ کر مسجد بنادینا جائز ہے جبکہ ان کی نہر کو ضرر نہ پہنچے نہ وہ مانع آئیں تو اوپر مسجد ہے اور نیچے نہر بہتی ہے جس میں خاص قوم کا حق مالکانہ ہے مگر ازانجا کہ ان کے حق میں کوئی تصرف نہ کیا، نہ انہیں بالائے نہر اس پٹی ہوئی عمارت میں نماز سے ممانعت پہنچتی ہے کہ ان کا حق نہر میں ہے نہ کہ ہوا میں، وہ مسجد صحیح وجائز ہو گئی بلکہ حق مالکانہ درکنار خاص زمین مسجد جس پر عمارت بناکر مسجد کی گئی اگر ملک غیر ہو مگر اسے حق مزاحمت اصلًا نہ رہا ہو تو مذہب مفتی بہ پر وہ خالی عمارت بھی مسجد ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے:

بنی علی ارض ثم وقف البناء قصدا بدونھا ان الارض مملوکۃ لایصح وقیل صح وعلیہ الفتوی، وان موقوفہ علی	ایک شخص نے کسی زمین پر عمارت بنائی پھر بالقصد عمارت کو وقف کیا بغیر زمین کے، اگر وہ زمین کسی کی مملوک ہے تو وقف صحیح نہیں، اور ایک قول

[1] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۱۸

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۲۶

ماعین البناء له جازتبعا اجماعا وان الارض لجهة اخرے فمختلف فیه،والصحیح الصحة کما فی المنظومة المجیبة [1] اھ باختصار۔	میں صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے،اور اگر زمین وقف ہے اسی پر جس کے لئے عمارت معین ہوئی تو عمارت کا تبعًا وقف بالاجماع جائز ہے،اور اگر زمین کسی اور جہت کے لئے وقف ہے تو اس میں اختلاف ہے صحیح یہی ہے کہ اس صورت میں بھی عمارت کا وقف صحیح ہے جیسا کہ منظومہ مجیبہ میں ہے اھ باختصار(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله والصحیح الصحة ای اذاکانت الارض محتکرة وعن هذاقال فی انفع الوسائل انه لوبنی فی الارض الموقوفة المستأجرة مسجدا انه یجوز [2] اھ هذاما عندی،والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول "الصحیح الصحة" (صحیح صحت ہے)اس وقت ہے جب زمین محتکرہ ہو(یعنی جس کی اجرت بطور ماہانہ یا سالیانہ مقرر ہو)اسی بنیاد پر انفع الوسائل میں فرمایا کہ اگر کسی نے موقوفہ مستاجرہ زمین پر مسجد بنادی تو جائز ہے اھ میرے نزدیک یہ ہے۔والله سبحانه وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۴۸: غرہ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کی مسمّٰی عنایت الله نے حجرہ مسجد کی دیوار پر ایک دیوار بناکر مکان بنالیا ہے اور اسی دیوار کو سائبان کرلیا ہے اور مسجد کی محراب اور دیوار سے ملاکر ایک پیل پایہ کھڑا کرکے خاص دیوار مسجد میں سوراخ کرکے ایک کڑی ڈال کر چھت بنائی اور پرنالہ مسجد کی دیوار سے ملاہوا رکھا جس سے مسجد کا ضرر ہے اور ایک کھڑکی بھی اسی دیوار میں جو حجرہ پر بنائی گئی ہے واسطے آمدورفت چھت حجرہ کے رکھی،عنایت الله کو اس طریقہ سے مکان بنانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرام حرام حرام،سخت گناہ،سخت کبیرہ،وہ شخص شرعًا اشد سزا کا مستحق۔اس پر فرض ہے کہ حجرہ مسجد پر جو دیوار بنائی ہے ابھی ابھی ابھی فورًا فورًا ڈھادے مسمار کردے،اور اس میں جو کچھ نقصان حجرہ مسجد یا دیوار حجرہ مسجد کو پہنچے اسے اپنے داموں سے ویسا ہی بنوادے جیسا پہلے بنا ہوا تھا،

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

فان کل ضرر ببناء یضمن بالقیمۃ ماخلا بناء الوقف فیومر باعادتہ[1] کماکان فی الاشباہ والنظائر والدر المختار۔	عمارت کے ہر ضرر کا ضمان قیمت سے ادا کیا جاتا ہے سوائے وقف کے عمارت کے کہ اس کے اعادہ کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ وہ عمارت پہلے تھی (الاشباہ والنظائر اور در مختار) (ت)

دیوار مسجد میں جو سوراخ کیا ہے وہ سوراخ اسکے ایمان میں ہوگیا اس پر فرض قطعی ہے کہ اس ناپاک کڑی کو ابھی ابھی فوراً نکال لے اور دیوار مسجد کی ویسی ہی اصلاح کردے جیسی تھی اور اس کے سبب اس کی چھت گرپڑے اور گرانا ہی فرض ہے اور وہ ناپاک پر نالہ کہ دیوار مسجد سے ملا ہوا بلا استحقاق شرعی رکھا ہے اور اس میں مسجد کا ضرر ہے، لازم ہے کہ فوراً اسے اکھیڑ دے اور بند کردے، اور حجرہ کی چھت پر آمد و رفت کا اسے کوئی استحقاق نہیں، یہ ناپاک دیوار تو گرائی ہی جائے گی، اگر اسے ڈھا کر خاص اپنی زمین میں کوئی دیوار اس کے متصل بنائے تو اسے اصلاً اختیار نہیں کہ حجرہ کی چھت پر آنے جانے کو اس میں کھڑکی رکھی، یہ سب اس کی طرف سے ظلم اور سخت ظلم ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[2] (ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ت)

عنایت اللہ اگر ان سب احکام شرعی کو فوراً مانے اور اپنے یہ سب ناپاک تصرفات فوراً ڈھادے مسمار کردے فبہا، ورنہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کی چارہ جوئی کریں، اگر اس میں کمی یا دیر کرینگے تو وہاں کے سب مسلمان جو اس پر قادر تھے اور چارہ جوئی میں دیر لگائی عذاب شدید کے سزاوار ہوں گے **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۹:　از ریاست رامپور مرسلہ شاہ مفتاح الاسلام صاحب پانی پتی　۹ شوال المکرم ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کبوتر بازی، بیٹر بازی وغیرہا حرکات نامشروعہ مسجد میں کرنا اور کسی غیر کا کبوتر مینار یا دیوار مسجد پر بیٹھ جائے اس کے پکڑنے کے لئے اپنے کبوتر چھوڑ کر اور دانہ پانی صحن مسجد میں ڈال کر پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی بے حرمتی مسجد سے فاعل ایسے فعل کے لئے اور نیز متولی و دیگر متعلقین مسجد کے واسطے جو اس امر سے مانع نہ ہوں اور سکوت کریں یا شرکت اس میں کریں یا ان افعال سے رضامند ہوں پس ان کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی وعید ہے یا نہیں اور وہ سب گنہگار ہوتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ۲/ ۹۷ و ردالمحتار کتاب الغصب بیروت ۵/ ۱۱۵

[2] السنن الکبرٰی، کتاب الغصب ۱/ ۹۹ و کتاب احیاء الموات ۱/ ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۸ دار صادر بیروت

الجواب:

پرایا کبوتر پکڑنا حرام ہے اور اس کا فاعل فاسق وغاصب وظالم ہے بلکہ خالی کبوتر اڑانے والا کہ اوروں کے کبوتر نہیں پکڑتا مگر اپنے کبوتر اڑانے کو ایسی بلند چھتوں پر چڑھتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکتا ہے جن سے لوگوں کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچتا ہے اس کے لئے بھی شرع مطہر میں حکم ہے کہ اسے نہایت سختی سے منع کیا جائے تعزیر دی جائے، اس پر بھی نہ مانے تو احتساب شرعی کا عہدہ دار اس کے کبوتر ذبح کرکے اس کے سامنے پھینک دے۔ درمختار میں ہے:

یکرہ امساك الحمامات ولو فی برجها ان کان یضر بالناس بنظر اوجلب، فان کان یطیرها فوق السطح مطلعا علی عورات المسلمین ویکسرز جاجات الناس یرمیه تلك الحمامات عزر ومنع اشد المنع، فان لم یمتنع ذبحها المحتسب، وصرح فی الوهبانیة بوجوب التعزیر وذبح الحمامات ولم یقیده بما مر ولعله اعتمد عادتهم[1]۔	کبوتر رکھنا اگرچہ اپنے برجوں میں ہوں مکروہ ہے جبکہ کبوتر باز کے لوگوں کے گھروں میں نظر کرنے یا دوسروں کے کبوتر اپنے کبوتروں میں ملانے کے سبب سے لوگوں کو ضرر پہنچے، اور اگر چھت پر چڑھ کر کبوتر اڑاتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا کنکریاں پھینکتا ہے جس سے لوگوں کے برتن اور شیشے ٹوٹ جاتے ہیں تو اسے تعزیر کی جائے، اگر باز نہ آئے تو حاکم محتسب اس کے کبوتروں کو ذبح کردے۔ صاحب وھبانیہ نے مطلقاً وجوب تعزیر اور کبوتر کو ذبح کردینے کی تصریح کی ہے لوگوں کی بے پردگی کی قید کا ذکر نہیں کیا، شاید انہوں نے لوگوں کی عادت پر اعتماد کرتے ہوئے اس قید کو ترک کیا ہے۔ (ت)

اقول: بلکہ ان کا خالی اڑانا کہ نہ کسی کی بے پردگی ہو نہ کنکریوں سے نقصان، خود کب ظلم شدید سے خالی ہے جبکہ رواج زمانہ کے طور پر ہو کہ کبوتروں کو اڑاتے ہیں اور ان کا دم بڑھانے کے لئے (جس میں اصلاً دینی یا دنیوی نفع نہیں فیصدی کا خیال کہ اگلے زمانہ میں تھا اب خواب وخیال وافسانہ ہوگیا ہے نہ ہر گز یہ ان جہال کا مقصود، نہ کبھی ان سے یہ کام کوئی لیتا ہے) محض بے فائدہ اپنے بیہودہ بے معنی شوق کے واسطے انہیں اترنے نہیں دیتے وہ تھک تھک کے نیچے گرتے یہ مار مار کر پھر اڑادیتے ہیں صبح کا دانہ دیر تک کی محنت شاقہ پرواز سے ہضم ہوگیا بھوک سے بیتاب ہیں اور یہ غل مچاکر بانس دکھا کر آنے نہیں دیتے خالی معدے شہپر تھکے اور کسی طرح نیچے اترنے، دم لینے دانہ پانی سے اوسان ٹھکانے کرنے کا حکم نہیں۔ یہاں تک کہ گھنٹوں اور گھنٹوں سے پہروں انہیں

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

اسی عذاب شدید میں رکھتے ہیں، یہ خود کیا کم ظلم ہے اور ظلم بھی بے زبان بے گناہ جانور پر کہ آدمیوں کی ضرر رسانی سے کہیں سخت تر ہے،

کما سیأتی وکان ھذاان شاء اللہ تعالٰی ملحظ اطلاق العلامۃ ابن وھبان واللہ المستعان۔	جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور گویا کہ یہ ان شاء اللہ تعالٰی علامہ ابن وھبان کے اطلاق میں ملحوظ ہے اور اللہ تعالٰی سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے (ت)

بے درد کو پرائی مصیبت نہیں معلوم ہوتی اپنے اوپر قیاس کرکے دیکھیں اگر کسی ظالم کے پالے پڑیں کہ وہ میدان میں ایک دائرہ کھینچ کر گھنٹوں ان سے کاواکاٹنے کو کہے یہ جب تھکیں پست ہو کر رکیں، کوڑے سے خبر لے، ان کا دم چڑھ جائے، جان تھک جائے، بھوک پیاس بیحد ستائے، مگر وہ کوڑا لئے تیار ہے کہ رکنے نہیں دیتا، اس وقت ان کو خبر ہو کہ ہم بے زبان جانور پر کیسا ظلم کرتے تھے، دنیا گزشتنی ہے، یہاں احکام شرع جاری نہ ہونے سے خوش نہ ہوں ایک دن انصاف کا آنے والا ہے جس میں شاخدار بکری سے منڈی بکری کا حساب لیا جائے گا حالانکہ جانور غیر مکلّف ہے تو تم مکلفین کہ تمہارے ہی لئے ثواب وعذاب جنت وجہنم تیار ہوئے ہیں کس گھمنڈ میں ہو وہاں اگر نار سقر میں کاواکاٹنا پڑا کہ وہاں "جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾"[1] (پوری پوری جزا۔ت) ہے تو اسوقت کے لئے طاقت مہیا کر رکھو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت امرأۃ النار فی ھرۃ ربطتھا فلم تطعمھا ولم تدعھا تأکل من خشاش الارض[2] فوجبت لھا النار بذٰلک[3]۔ رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما، وجملۃ "فوجبت" من روایۃ الامام احمد عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما۔	ایک عورت جہنم میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اسے باندھ رکھا تھا نہ خود کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کا گراپڑا یا جو جانور کو ملتا کھاتی اس وجہ سے اس عورت کے لئے جہنم واجب ہوگئی (اس کو امام بخاری نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور جملہ "فوجبت" (یعنی اس عورت کے لئے جہنم واجب ہوگئی) حضرت امام احمد بن حنبل نے بروایت سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما ذکر فرمایا۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷۸/ ۲۶

[2] صحیح البخاری کتاب بدأالخلق باب خیر مال المسلم غنم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۷

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند جابر رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۳۵

اورجب کبوتر بازی بیرون مسجد اپنے گھر میں بھی حرام ہے تو مسجد میں کس درجہ اشد سخت تر حرام ہوگی، بادشاہ جبار قہار کی ایک نافرمانی اپنے گھر میں بیٹھ کر کیجئے اور ایک نافرمانی خاص اس کے دربار میں کہ یہ نافرمانی کے علاوہ دربار کی توہین اور بادشاہ کو **معاذ اللہ** بے قدر سمجھنے پر دال ہے، اگر واقعی دل میں یہی ہو کہ مسجد کیا محل ادب ہے جس میں گناہ سے رکئے جب تو خالص کفر ہے ورنہ جرم پہلے سے **اضعافًا مُّضَاعَفه** ہوجانے میں شک نہیں، وہ مسجد جس میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا نیکیوں کو کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ فتح القدیر میں ہے:

الکلام المباح فیہ مکروہ یاکل الحسنات[1]۔	مسجد میں کلام مباح بھی مکروہ ہے اور نیکیوں کو کھاجاتا ہے۔(ت)

اشباہ میں ہے:

انہ یاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب[2]۔	بیشک وہ نیکیوں کو یوں کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھاجاتی ہے(ت)

امام ابوعبداللہ نسفی نے مدارک شریف میں حدیث نقل کی کہ:

الحدیث فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل البھیمۃ الحشیش[3]۔	مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔(ت)

غمز العیون میں خزانۃ الفقہ سے ہے:

من تکلم فی المساجد بکلام الدنیا احبط اللہ تعالٰی عنہ عمل اربعین سنۃ[4]۔	جو مسجد میں دنیا کی بات کرے اللہ تعالٰی اس کے چالیس برس کے عمل اکارت فرمادے۔

اقول: ومثلہ لایقال بالرائ (میں کہتا ہوں کہ اس قسم کی بات رائے اور اٹکل سے نہیں کہی جاسکتی۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سیکون فی اٰخر الزمان قوم یکون حدیثھم فی مساجدھم لیس للہ فیھم حاجۃ[5]۔ رواہ ابن حبان	آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کریں گے اللہ عزوجل کو ان لوگوں سے کچھ کام نہیں (اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدنا

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ فصل ویکرہ استقبال القبلۃ بالفرج فی الخلاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۳۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المساجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۳

[3] المدارک (تفسیر النسفی) سورۃ لقمان آیۃ ومن الناس من یشتری دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۷۹

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۳

[5] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب المواقیت حدیث ۳۱۱ المطبعۃ السلفیہ مدینہ منورہ ص ۹۹

فی صحیحه عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔	ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا: ت)

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

کلام الدنیا اذاکان مباحا صدقا فی المساجد بلاضرورة داعیة الٰی ذٰلك کالمعتکف فی حاجته اللازمة مکروه کراهة تحریم (ثم الحدیث وقال فی شرحه) لیس لله تعالٰی فیهم حاجة ای لایرید بهم خیرا وانما هم اهل الخیبة والحرمان والاهانة والخسران[1]۔	یعنی دنیا کی بات جبکہ فی نفسہ مباح اور سچی ہو مسجد میں بلاضرورت کرنی حرام ہے ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لئے بات کرے، پھر حدیث مذکور ذکر کرکے فرمایا معنی حدیث یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہ کریگا اور وہ نامراد محروم وزیاں کار اور اہانت وذلت کے سزاوار ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان مسجدا من المساجد ارتفع الی السماء شاکیا من اهله یتکلمون فیه بکلام الدنیا فاستقبلته الملئکة وقالوا بعثنا بهلاکهم[2]۔	یعنی مروی ہوا کہ ایک مسجد اپنے رب کے حضور شکایت کرنے چلی کہ لوگ مجھ میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ملائکہ اسے آتے ملے اور بولے ہم ان کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان الملئکة یشکون الی الله تعالٰی من نتن فم المغتابین والقائلین فی المساجد بکلام الدنیا[3]۔	یعنی روایت کیا گیا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں (جو سخت حرام اور زنا سے بھی اشد ہے) اور جو لوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ان کے منہ سے وہ گندی بدبو نکلتی ہے جس سے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور ان کی شکایت کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! جب مباح وجائز بات بلاضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں توحرام و

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۴۰ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۷-۳۱۶

[2] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۴۰ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۱۸

[3] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۴۰ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۱۸

ناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا، مسجد میں کسی چیز کا مول لینا بیچنا خرید وفروخت کی گفتگو کرنا ناجائز ہے مگر معتکف کو اپنی ضرورت کی چیز مول لینی وہ بھی جبکہ مبیع مسجد سے باہر ہی رہے مگر ایسی خفیف ونظیف وقلیل شے جس کے سبب نہ مسجد میں جگہ رکے نہ اسکے ادب کے خلاف ہو اور اسی وقت اسے اپنے افطار یا سحری کے لئے درکار ہو،

استثنیته تفقھا لانه ماذون له فی احضار ھذاقطعا ولایؤمر بالخروج للاکل والشرب۔	اس چیز کا استثناء میں نے بطور تفقہ کیا ہے کیونکہ معتکف کو اس قسم کی اشیاء مسجد میں لانے کی قطعًا اجازت ہے اور اسے کھانے پینے کے لئے خروج کا حکم نہیں کیا جائے گا۔(ت)

اور تجارت کے لئے بیع وشرا کی معتکف کو بھی اجازت نہیں، اشباہ میں ہے:

یمنع من البیع والشراء لغیر معتکف ویجوزله بقدر حاجته ان لم یحضر السلعة[1]۔	مسجد میں بیع وشراء غیر معتکف کے لئے ممنوع ہے اور معتکف کو بقدر حاجت جائز ہے جبکہ سامان مبیع مسجد میں نہ لایا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

بشرط ان لایکون للتجارۃ بل یحتاجه لنفسه او عیاله بدون احضار السلعة[2]۔	بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو بلکہ معتکف کو اپنی ذات یا اہل وعیال کے لئے اس کی ضرورت ہو اور وہ سامان بھی مسجد میں حاضر نہ کیا گیا ہو(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوامساجد کم صبیانکم ومجانینکم وشراء کم و بیعکم و خصوماتکم و رفع اصواتکم[3]۔رواہ ابن ماجة عن مکحول عن واثلة وعبدالرزاق فی مصنفه عن	اپنی مسجد کو بچاؤ اپنے ناسمجھ بچوں اور مجنونوں کے جانے اور خرید وفروخت اور جھگڑوں اورآواز بلند کرنے سے۔اس کو ابن ماجہ نے مکحول سے اور انہوں نے واثلہ سے روایت کیا جبکہ امام عبدالرزاق

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۵

[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

مکحول عن معاذ بن جبل رضی الله عنهما۔	نے اپنے مصنف میں مکحول سے اور انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا رأيتم من يبيع او يبتاع فی المسجد فقولوا لااربح الله تجارتك واذا رأيتم من ينشد ضالة فی المسجد فقولوا لارد الله عليك[1]۔رواہ الترمذی وقال حسن صحيح والنسائی وابن خزيمة والحاكم بسند صحيح عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جب تم کسی کو مسجد میں کچھ بیچتے یا مول لیتے دیکھو تو اس سے کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے، اور جب کسی کو دیکھو کہ اپنی کوئی گم شدہ چیز مسجد میں لوگوں سے پوچھتا ہے تو اس سے کہو اللہ تجھے تیری چیز نہ ملائے (اس کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن صحیح ہے۔ نیز امام نسائی، ابن خزیمہ اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

دوسری صحیح روایت میں ارشاد فرمایا:

قولوا لاردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا[2]۔ رواه مسلم عنه رضی الله تعالٰی عنه۔	اس سے کہو اللہ تیری گمشدہ چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنی ہیں کہ ان میں آکر گمشدہ چیزوں کی تفتیش کرو (اس کو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

سبحان اللہ! جب دوسرے کا مال بخوشی برضا ورغبت دام دے کر مول لینے کی بات چیت کرنے پر یہ احکام ہیں تو پرایا مال بلارضا بلااجازت غصبًا پکڑ لینے کے لئے مسجد میں اپنے کبوتر چھوڑنا، دانہ پانی ڈالنا، قابو چلے تو پکڑ لینا کس درجہ اشد عظیم وبالوں کا موجب ہوگا، اور بٹیر بازی کہ ان کے لڑانے سے عبارت ہے اس سے بھی سخت تر ہے کہ وہ بلافائدہ بلاوجہ اپنے ناپاک شوق کے لئے جانوروں کو ایذا دینی ہے۔ حدیث میں ہے:

نهی رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم عن التحريش بين البهائم[3]۔رواه ابوداؤد	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا جانوروں کو باہم لڑانے سے (اسے ابوداؤد

[1] جامع الترمذی کتاب البیوع باب النهی عن البیع فی المسجد امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۸

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب عن نشد الضالة فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰

[3] جامع الترمذی کتاب الجهاد باب ماجاء فی التحریش بین البهائم امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۲

والترمذی وقال حسن صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور امام ترمذی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔ت)

علماء فرماتے ہیں مسلمان پر ظلم کرنے سے ذمی کافر پر جو پناہ سلطنت اسلام میں رہتا ہو ظلم کرنا سخت تر ہے اور ذمی کافر پر ظلم کرنے سے بھی جانور پر ظلم کرنا سخت تر ہے، درمختار میں ہے:

جاز رکوب الثور وتحمیلہ والکراب علی الحمیر بلا جھد وضرب، اذظلم الدابۃ اشد من الذمی وظلم الذمی اشد من المسلم[1]۔	بیل پر سوار ہونا اور بوجھ لادنا اور گدھے کو ہل میں جوتنا جائز ہے جبکہ مشقت و تشدد کے بغیر ہو، کیونکہ جانور پر ظلم ذمی پر ظلم ہے اور ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے زیادہ برا ہے(ت)

اس مسئلہ کی کمال تحقیق وتفصیل فقیر کے فتاوی مجلد چہارم ف کتاب الحظر والاباحۃ میں ملاحظہ ہو، جو لوگ ان افعال شنیعہ میں شریک ہوں وہ توظاہر شریک ہیں اور جو شریک نہ ہوں راضی ہوں وہ بھی شریک ہیں اور گناہ وعذاب میں حصہ دار، بلکہ اگر راضی بایں معنی ہوں کہ ان افعال کو خوب وپسندیدہ جانتے ہوں توان کا حکم سخت تر ہے کہ گناہ گناہ ہے اور اسے اچھا جاننا کفر۔ اور جو لوگ باوصف قدرت منع نہ کریں انسداد نہ کریں متولی مسجد ہو خواہ اہل محلّہ خواہ غیر وہ سب بھی گنہگار وماخوذ و گرفتار ہیں، اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ ایک جہاز میں کچھ لوگ سوار ہیں تتق والے چھتری پر پانی بھرتے آتے چھتری والے تکلیف پاتے، تتق والوں نے کہا ہم نیچے جہاز میں سوراخ کرلیں کہ یہیں سے پانی بھر لیا کریں کہ اوپر جانے میں چھتری والوں کو ایذا نہ ہو، اب اگر چھتری والے انہیں نہ روکیں اور سکوت کریں تو نرے وہی نہ ڈوبیں گے بلکہ یہ اور وہ سب ڈوبیں گے، اور روک دیں تو یہ اور وہ سب نجات پائیں گے۔ یہی حال گناہ کرنے والوں اور باوصف قدرت انہیں نہ روکنے والوں کا ہے[2] رواہ البخاری والترمذی عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما (اس کو امام بخاری وترمذی نے نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) اور فرماتے ہیں

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

[2] صحیح البخاری باب الشرکۃ ۱/ ۳۳۹ و کتاب الشہادات ۱/ ۳۶۹ قدیمی کتب خانہ کراچی، جامع الترمذی ابواب الفتن امین کمپنی دہلی ۲/ ۴۰

ف: کتاب الحظر والاباحۃ مکمل بارہ جلدوں میں سے اب مطبوعہ دسویں جلد ہے۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: پہلا نقص بنی اسرائیل میں یہ آیا کہ ان میں ایک گناہ کرتا دوسرا اسے منع تو کرتا مگر اس کے نہ ماننے پر اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا نہ چھوڑتا، اسکے سبب اللہ تعالٰی نے ان سب کے دل یکساں کردئے اور ان سب پر لعنت اتاری[1]، **رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اس کو ابوداؤد وترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا۔ت) اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:

"كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹"[2]۔	یعنی ان پر لعنت اس لئے ہوئی کہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے روکتے نہ تھے بیشک یہ ان کا بہت ہی برا کام تھا۔

اللہ تعالٰی مسلمانوں کو توفیق توبہ نصیب فرمائے، آمین! **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۰: از کھنٹور ضلع سورت کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانان ہندوستان بہ تلاش معاش جنوبی افریقہ کے علاقہ ٹرنسوال میں جاکر آباد ہوئے، انہوں نے اس ملک میں مسجدیں بنائیں، اب وہاں کی گورنمنٹ نے ان پر طرح طرح کے ظلمی قانون نافذ کررکھے ہیں جن کی وجہ سے ان کا رہنا وہاں مشکل ہوگیا ہے، پس اگر یہ لوگ وہاں سے نقل مکان کریں تو دوسرے مذہب کے لوگ یقینا مسجدوں کے مالک بن کر ان کو اپنے تصرف میں لائیں گے، لہٰذا اس جگہ سے اثاث مسجد کو منتقل یا فروخت کرکے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اس سے مسجدیں بنائی جائیں تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر ٹرانسوال میں کبھی سلطنت اسلامی نہ ہوئی تھی جیسا کہ یہی ظاہر ہے یا ہوئی تھی اور پھر ایسی غیر قوم کا تسلط ہوگیا جس نے شعائر اسلام مثل جمعہ وجماعت واذان وغیرہا کی یکسر بندش کردی اگرچہ بعد کو اسی قوم یا اس کے بعد کسی اور قوم نامسلمان نے اجازت بھی دے دی ہو جب تو نہ مسلمان کو اس میں وطن بنانے کی اجازت ہے نہ وہ مسجدیں مسجدیں ہوئیں **کمابنی مسجدا فی بریۃ کمافی الفتاوی العالمگیریۃ بل اضعف و**

---

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۰، سنن ابوداؤد کتاب الملاحم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۰

[2] القرآن الکریم ۵/ ۷۹

ابطل (یہ تو جنگل میں مسجد بنانے والے شخص کی طرح ہوا، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے بلکہ ان مساجد مزعومہ کا حکم تو اس سے بھی زیادہ ضعیف اور کمزور ہے۔ت) اس حالت میں بلا تکلف ان مکانات کو جنہیں مسجد سمجھے ہوئے ہیں مع زمین وعملہ سب بیچ ڈالیں اور بیچ نہ سکیں تو عملہ توڑ کر جہاں چاہیں لے جائیں یہ عملہ یا قیمت بانیوں کی ملک ہیں اور اگر اس علاقہ میں پہلے سلطنت اسلام ہو چکی تھی اور بعد کی قوموں نے کبھی جملہ شعائر اسلام کی بندش نہ کی بعض ہمیشہ جاری رہے اور اب جاری ہیں تو اس صورت میں اگر مسلمانوں کو ان میں توطن وبنائے مسجد کی اجازت تھی مگر جب حالت وہ ہے جو سوال میں مذکور ہوئی تو عملہ بیچ کر یا بعینہٖ دوسری جگہ لے جانے اور وہاں اس سے مسجد بنانے کی اجازت ہے،

علی مافصله وانقحه العلامة الشامی رحمه الله تعالٰی فی رد المحتار[1] وذکر ندامته علی افتائه من قبل بخلاف ذلك فلیراجع الیه۔ والله تعالٰی اعلم۔	اس مسئلہ کی تفصیل وتنقیح علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمائی اور اس سے قبل حکم مذکور کے خلاف اپنے جاری کردی ایک فتوے پر افسوس وندامت کا اظہار کیا اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں، اب ج د ہ ایک مسجد ہے، ا مسجد، ب صحن مسجد، ج نالی مسجد برائے وضو، د نالی مسجد، ہ متعلق صحن مسجد۔ سوال یہ ہے کہ مقام ہ پر نماز پڑھنا اس قدر ثواب رکھتا ہے جس قدر مکان پر نماز پڑھنے سے ثواب ہے کیونکہ مقام ہ جمیع اہل محلّہ کی رائے سے بڑھایا گیا ہے۔

الجواب:

جبکہ وہ زمین متعلق مسجد تھی اور جمیع اہل محلّہ کے رائے سے جزو مسجد کرلی گئی تو اب وہ مسجد ہوگئی اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں۔

فی الهندیة عن المضمرات عن الکنز مسجد اراد اهله یجعل الرحبة مسجدا لهم ذلك[2] اھ وفیها عن الخلاصة ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذٰلك	ہندیہ میں مضمرات سے بحوالہ کنز مذکور ہے کہ ایک مسجد والوں نے چاہا کہ برآمدہ کو مسجد بنالیں تو انہیں یہ اختیار ہے۔ اسی میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ایک زمین مسجد پر وقف ہوئی اور مسجد کے پہلو میں ایک وقف

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد اوغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

المسجد وارادوا ان یزید وافی المسجد شیئا من الارض جاز لکن یرفعون الامر الی القاضی لیاذن لھم ومستغل الوقف کالدار والحانوت علی ھذا[1] اھ ومثلہ فی ش عن البحر عن الخانیۃ وفیہ عن الفتح ولو ضاق المسجد وبجنبہ ارض وقف علیہ حانوت جاز ان یوخذو یدخل فیہ[2] اھ ومعلوم ان الجماعۃ کالقاضی حیث لاقاضی وفی الدرالمختار لم یختص ثواب الصلٰوۃ فی مسجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما کان فی زمنہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

زمین خالی پڑی ہے مسجد والوں نے چاہا کہ اس خالی زمین کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرکے مسجد میں اضافہ کرلیں تو جائز ہے، لیکن وہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ انہیں ایسا کرنے کا اذن دے دے اور وقف آمدنی کے لئے گھر اور دکان کا بھی یہی حکم ہے اھ اور اس کی مثل ش میں بحر سے بحوالہ خانیہ ہے اور اس میں فتح سے منقول ہے کہ اگر کوئی مسجد تنگ ہے اور اس کے پہلو میں اسی مسجد کے لئے ایک وقف زمین ہے جس پر دکان بنی ہوئی ہے تو اس کو (بغرض توسیع) مسجد میں داخل کرلینا جائز ہے اھ اور یہ بات معلوم ہے کہ جہاں قاضی نہ ہو وہاں جماعت مسلمین قاضی کی مانند ہے، اور درمختار میں ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب صرف اسی مسجد کے ساتھ مختص نہیں جو عہد رسالت میں تھی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲: از ضلع کبرے ڈاکخانہ مونڈا سوداران مقام نجیب نگر مسئولہ سردار مجیب رحمان تعلقہ دار ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

عالیجناب حاجی مولوی احمد رضاخان صاحب زاد فیوضکم، پس از تسلیم مسنون نیاز مشحون! گزارش مدعا یہ ہے کہ راقم نے جو مسجد جدید تعمیر کرائی اس میں ایک مختصر سا باغیچہ ہے جس میں اکثر اشجار ثمر دار ہیں اور مرچیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ آپ کی التماس ہے کہ براہ کرم حکم شرع شریف سے معزز فرمائیے کہ ان اشیاء کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر استعمال جائز ہے تو کس طریقہ سے؟ جواب سے معزز

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۴

[3] درمختار

کیا جاؤں۔

الجواب:

خاص مسجد میں باغیچہ ہونے کے تو کوئی معنی ہی نہیں۔اگر یوں ہے کہ جس زمین کا ایک قطعہ مسجد کیا ہے اس کے دوسرے قطعہ میں باغیچہ ہے تو اس صورت میں اگر باغیچہ مسجد پر وقف نہ کیا گیا تو وہ ملک اصل مالک پر باقی ہے اسے اختیار ہے کہ اس کے پھل جو چاہے کرے،اور اگر وہ بھی مسجد پر وقف کر دیا ہے تو اب اپنے صرف میں لانا اسے جائز نہیں بلکہ پھل بیچ کر مسجد کے صرف میں لائے۔اور اگر واقف نے یہی کیا ہے کہ جس زمین میں باغیچہ ہے خود اسی کو مسجد کر دیا ہے یعنی باغیچہ کو وقف علی المسجد نہ کیا بلکہ خود اس کی زمین کو مسجد کر دیا تو اس کے پھل توڑ کر اپنے صرف میں لائے اور درخت کاٹ کر زمین ہموار کرکے مسجد بنائے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۳: مسئولہ منشی حاجی محمد ظہور صاحب ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۲۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اہلسنت وجماعت تابع شرع دین محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک مسجد لب سڑک شارع عام جس کے تین طرف راستہ اور دو دروازے شرقی وجنوبی متصل بازار ہے اس کے بانی جو تھے وہ جوار رحمت میں ہیں اب مرمت وسفیدی ونگرانی اہل محلّہ کرتے ہیں،چند عرصہ ہوا جو ایک مسماۃ نے از قول پنجابیان اس قدر مسجد میں اور اضافہ کیا ہے یعنی ایک درجہ مع مسافر خانہ زیر وبالا وچاہ اندرون مسجد ودو غسل خانہ مسقف وسقایہ و روکار دروازہ مسجد بلندی مینار ہائے مع کلس طلائی واز سر نو فرش واستر کاری والماریاں وحجرہ ودکانات زیریں برائے صرف مسجد تعمیر کرائیں ملحقہ مسجد مکان ایک شخص کا ہے جس نے بعد اس نو تعمیر کے چند عرصہ کے بعد اپنے مکانات کو بلند کیا اور دیوار پاکھائے مسجد پر اپنے بالاخانہ کی دیواریں اور دروازے لگائے جس میں مینار مسجد کے آگئے اور بذریعہ ایک دروازہ کے جو چھت مسجد پر ہے آمدورفت آدمیوں اور کتوں کی اکثر چھت مسجد پر رہتی ہے اور مسافر خانہ کی چھت پر اپنی کھپریل رکھ لی اور حجرہ مسجد کی چھت کو اپنے بالاخانہ کے صحن میں ڈال لیا اس شخص کو ہر چند منع کیا مگر نہ مانا،زبانی اور تحریر کے ذریعہ سے اس نے ظاہر کیا کہ یہ مسجد وقف نہیں ہے یہ مسجد دار کا حکم رکھتی ہے مثل حمام اور چاہ کے میرے مورثان کی ہے اور اب میری ہے یہ مال موقوفہ نہیں ہے میری جائداد ہے حالانکہ اس مسجد میں نمازیں باجماعت پنجگانہ اور تراویح رمضان شریف وختم قرآن مجید ونماز جمعہ وعیدین بہ ہجوم نمازیان محلّہ ودیگر مسلمانان مدام پڑھتے ہیں اور پابندی امامت ومؤذنی وقیام طلبا ومسافران کی رہتی ہے تو ایسی صورتوں میں یہ مسجد حکم وقف کا رکھتی ہے یا مکان کا جو وراثۃً پہنچ سکتا ہے مع حوالہ کتاب وصفحہ کے جواب عطا فرمایا جائے۔

الجواب:

وہ مسجد یقیناً مسجد ہے، شخص مذکور کا اسے حکم دار میں بتانا اور اپنے مورثوں کی ملک ٹھہرانا ظلم و غصب ہے اور واحد قہار کی ملک دبا بیٹھنا ہے جب وہ عام طور پر مسجد مشہور ہے، مدتوں سے پنجگانہ جماعتیں جمعے، عیدین، تراویح وغیرہا مثل عام مساجد ہوتی ہیں، کوئی حق ملک اس میں غیر خدا کے لئے ثابت نہیں تو اسے مسلمان تو مسلمان جو غیر مذہب والا بھی دیکھے گا مسجد ہی جانے گا، شخص مذکور کے باپ دادا کی دار ہونے کا اصلاً گمان بھی نہ کرسکے گا، صورت مسجد کی صفت مسجد کی، برتاؤ مسجد کا، شہرت مسجد کی، ایسے روشن ثبوتوں کے بعد بھی کسی غاصب کا دعوی ملکیت سن لیا جائے تو ظالم لوگ تمام جہان کی مسجدیں دبا بیٹھیں، جس کے گھر کے پاس جو مسجد ہو وہ کہہ دے کہ اس کے باپ کا دار یا دادا کا حمام ہے، آج کل دو چار آنے تک گواہیاں سستی ہوگئی ہیں، آٹھ آنے میں دو گواہ دے دے، چلئے فراغت شد، اللہ واحد قہار کی مسجد انکے باپ دادا کا ترکہ ہوگئی، تمام ہندوستان میں وہ گنتی کی کے مسجدیں ہیں جن کے باضابطہ وقفنامے لکھے گئے ہیں اور وہ دستاویزیں محفوظ ہوں اور ان کے شاہد موجود ہوں تو یہ وہ ظالمانہ طریقہ ہے جس سے دنیا بھر کی تمام مسجدیں ظالموں غاصبوں کا گھر بن جائیں اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا، اور ظلم بھی کیسی حماقت کا جسے مسلمین تو مسلمین کوئی سمجھ وال غیر مذہب بھی قبول نہیں کرسکتا، بھلا مسجد تو مسجد ہے جس کی صورت جس کی محراب جس کے منارے وغیرہا خود دور سے گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ واحد قہار کا گھر ہے۔ تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ عام وقفوں کے ثبوت کو صرف شہرت کافی ہے پھر اس سے زیادہ اور شہرت کیا ہوگی کہ تمام مسلمان اسے مسجد جانتے ہیں، مسجد کہتے ہیں، اذانیں ہوتی ہیں، پنجگانہ جماعتیں ہوتی ہیں۔ جمعہ عیدین تراویح ختم کی امامتیں ہوتی ہیں۔ مسلمان اپنے مصارف سے اس کی مرمت، اس میں اضافہ، اس کی عمارت کرتے ہیں۔ ایسی حالت کا نام نہ سنا یا پکا بے دین بے حیا جو ساری دنیا کی آنکھوں پر اندھیری ڈال کر خدا کا مال غصب کرنا چاہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ درمختار جلد ۳ صفحہ ۶۲۴ میں ہے:

تقبل فیه الشهادة بالشهرة حفظاً للاوقاف القديمة عن الاستهلاك[1]۔	وقف میں شہادۃ شہرت بھی مقبول ہے تاکہ اوقاف قدیمہ ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں۔ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں جلد چہارم ص ۳۳۲ میں ہے:

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

اذا شهد الشهود ما تجوز به الشهادة بالسماع وقالو الم نعاين ذلك ولكنه اشتهر عندنا جازت شهادتهم [1]	جب گواہوں نے ان معاملات میں گواہی دی جن میں شہادت سماعت جائز ہے، اور کہا کہ ہم نے معائنہ نہیں کیا لیکن یہ ہمارے نزدیک مشہور ہے، تو ان کی گواہی جائز ہے۔(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ جلد سوم ص ۱۳۷ میں ہے:

وتقبل الشهادة فی الوقف بالتسامع وان صرحابه لان الشاهد ربما یکون سنه عشرین سنة وتاریخ الوقف مائة سنة فیتیقن القاضی ان الشاهد یشهد بالتسامع لابالعیان فاذن لافرق بین السکوت والافصاح اشار ظهیر الدین المرغینانی الی هذا المعنی کذافی الفصول العمادیة [2] ۔ملتقطاً۔	وقف میں شہادت تسامع یعنی سماعت کی گواہی مقبول ہے اگرچہ گواہ سماعت کی تصریح کردیں کیونکہ بسااوقات گواہ کی عمر بیس سال ہوتی ہے اور وقف سو سال سے ہوتا ہے، چنانچہ قاضی کو یقین سے علم ہوتا ہے کہ گواہ سنی ہوئی گواہی دے رہاہے نہ کہ دیکھی ہوئی، لہٰذا اس صورت میں سماع سے خاموشی اور تصریح کرنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ ظہیرالدین مرغینانی نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ فصول عمادیہ میں ہے۔(ت)

فتاوٰی خیریہ جلد دوم ص ۲۷ میں ہے:

فی الکنز لایشهد بمالم یعاینه الافی النسب والموت والنکاح والدخول وولایة القاضی واصل الوقف ومثله فی المختار وتنویر الابصار والکل من هٰؤلاء اطلق فعم المتقادم وغیره الخ [3] ۔	کنز میں ہے کہ جب تک گواہ نے معائنہ نہ کیا ہو وہ گواہی نہیں دے سکتا سوائے نسب، موت، نکاح، دخول، ولایت قاضی اور اصل وقف کے، اور مختار وتنویر الابصار میں بھی اسی کی مثل ہے اور ان سب نے مطلق رکھا قدیم وجدید کو عام ہیں۔(ت)

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشهادات فصل فی الشاهد یشهد الخ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۵۵

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب السادس فی الدعوٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۸

[3] فتاوٰی خیریة کتاب الشهادات دار الفکر بیروت ۲/ ۲۹

ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۴و۱۰۵میں ہے:

اماالوقف فالصحیح انه تقبل الشهادة بالتسامع فی اصله دون شرائطه لان اصله هو الذی یشتهر [1]۔	صحیح یہ ہے کہ شہادۃ تسامع اصل وقف میں جائز ومقبول ہے نہ کہ شرائط وقف میں، کیونکہ اصل وقف ہی شہرت پذیر ہوتا ہے۔(ت)

بالجملہ شخص مذکور کا قول محض مدفوع وسخت باطل و نامسموع ہے، اس پر فرض ہے کہ مسجد کے مناروں دیواروں اور اس کی اور اس کے حجرہ وغیرہ کی چھتوں کو اپنے ظالمانہ تصرفوں سے فوراً پاک کردے، جو کچھ عمارت مسجد کے پکھے وغیرہ کسی پر بنائی ہے فوراً ڈھادے، جتنی راہیں اس کے یا کتوں کے آنے جانے کی مسجد یا حجرہ مسجد کی سقف پر ہیں فوراً بند کردے، وہ نہ مانے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ باضابطہ چارہ جوئی کرکے اس کا دست تعدی مسجد سے کوتاہ کریں اور بالجبر ان ناپاک تصرفات کو مسجد سے دور کرادیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: مرسلہ حکیم سراج الحق صاحب بریلی مسجد بدرالاسلام ۲۰جمادی الآخر ۱۳۲۸ھ دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عرصہ ۴۵ سال سے خارج از مسجد یعنی حوالی مسجد کی اراضی میں مکان بنالیا ہے اس میں رہتا ہے اس نے چند عرصہ سے یعنی چھ ماہ سے اس مکان میں کچھ مرغیاں کے بچے واسطے اپنے کھانے کے خرید کرکے پرورش کری جب اس کو فہمائش کی گئی تو اس نے فوراً مرغیوں کو علیحدہ کردیا اور بحضوری قلب اللہ تعالٰی سے توبہ بھی دل سے کی، علاوہ اس کے اور جو جو الزام کہ جھوٹے ذمہ زید کے لگائے گئے تھے ان سے زید توبہ کرتا ہے، اور کہا کہ یہ محض مجھ پر جھوٹا اتہام ہے آیا اس توبہ حضوری قلب سے نزدیک خداوند عالم کے پاک ہوگیا یا نہیں؟

الجواب:

اللہ توبہ قبول کرتا ہے اگر اس نے سچے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ تعالٰی کے نزدیک اس گناہ سے پاک ہوجائے گا مگر حوالی مسجد یعنی فنائے مسجد میں جدید مکان بطور خود بنالینا اور اس کو اپنا مسکن کرلینا اور وہیں پاخانہ پیشاب کرنا یہ بھی حرام ہے اس کی توبہ سچی جب ہے کہ اپنے ان تصرفات کو بھی زائل کرے اور مسجد کو گھر نہ بنائے حوالی مسجد کا حکم بھی مثل مسجد ہوتا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

المسجد اذا جعل حانوتا او مسکنا تسقط	یعنی مسجد کو اگر دکان یا مکان بنالیا جائے تو اس کی

[1] الهدایة کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۵۹۔۱۵۸

حرمته وهذالایجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذافی محیط السرخسی [1]۔	حرمت ساقط ہو گی بے ادبی بے حرمتی ہو گی اور یہ حرام ہے اور فنائے مسجد تابع مسجد ہے تو اس کا حکم بھی مثل حکم مسجد ہے، ایسا ہی محیط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے۔

اور یہ خیال کہ بہت مساجد میں مکان پیش امام و مؤذن کی سکونت کو بنے ہوئے ہیں نفع نہ دے گا، علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد بن جانے سے پہلے اگر بانی مسجد ایسا کوئی مکان بنادے تو جائز ہے اور اس کے بعد اگر خود بانی مسجد آئے اور بنانا چاہے تو اجازت نہ دیں گے اگرچہ وہ یہ ظاہر کرے کہ اول ہی سے میری نیت اس کے بنانے کی تھی، درمختار میں ہے:

لوبنی فوقه بیتا للامام لایضرلانه من المصالح امالوتمت المسجدیة ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیة فاذا کان هذافی الوقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد۔ [2] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اگر مسجد کے اوپر واقف نے امام کے لئے مکان بنایا تو حرج نہیں کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن جب مسجدیت تام ہو جائے پھر اس پر مکان بنانا چاہے تو اس کو منع کیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ میں نے پہلے سے اس کا ارادہ کیا تھا تو اسکی تصدیق نہ کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے، لہٰذا ایسے مکان کو گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۵: ازاحمد آباد گھیسا محلّہ خماشہ مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب مع جماعت ۱۰شعبان ۱۳۲۹ھ

حضرت مولانا و مخدومنا فاضل اجل عالم مولوی احمد رضاخاں صاحب! بعد آداب و تسلیمات کے آپ کی خدمت فیضدرجت میں دست بستہ ملتمس ہوں کہ یہاں احمد آباد میں اسلام رخنہ اندازہ ہورہی ہے آپ کو اللہ عزوجل نے وارث انبیاء کیا ہے واسطے اسلام میں اتفاق رکھنے کے، بجائے اس کے اسلام میں نفسانیت کی وجہ سے نااتفاقی از حد پھیل رہی ہے، کئی فتووں پر آپ کی مہر دیکھی جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر دو جانب کی گفت وشنید نہیں سنتے، ایک ہی طرف کی بات سن کر حکم لگانا ناانصافی ہے، خیر یہاں ایک جھگڑا پڑا ہے، مسجد ایک مدت سے بن گئی ہے اور

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

ایک مسجد اب بن رہی ہے، ہر دو جانب کے فتوے نکلے ہیں مذکور دو فتوے آپ کی خدمت اقدس میں روانہ ہیں بغور ملاحظہ فرماکر جو حکم صحیح ہو روانہ کریں، آپ کی حق تحریر آنے سے ان شاء اللہ العزیز شر مٹ جائے ایسی امید ہے، والسلام۔

نقل فتوائے بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر احمد آباد میں محلّہ تاجپور پانچ پیلی میں سنت جماعت چھیپوں کی جماعت میں عرصہ چند روز کا ہوا اختلاف دنیویہ کی وجہ سے دو ٹکڑے ہوگئے ہیں، ایک طرف آٹھ سو گھر ہیں اور ایک طرف پچاس گھر ہیں، دونوں فرقوں نے مکان مسجد بنانے کے لئے خرید کئے، چھوٹی جماعت نے مسجد کی بنیاد ڈالنی شروع کی، ان کو بڑی جماعت کی جانب سے سمجھایا گیا کہ تمہاری مسجد کی مغرب کی جانب بڑی جماعت کا مکان ہے، ان دونوں مکانوں کو مسجد بناؤ اور بنانے میں ہم مال کی مدد میں شریک رہیں گے، انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ ہم فی الحال مسجد بناتے ہیں اور جب مغرب کی جانب مسجد بڑی جماعت والوں کی بنے گی تو ہم بیچ کی دیوار توڑ ڈالیں گے اب بڑی جماعت کی بھی مسجد قریب تیار ہونے کے ہے، اب چھوٹی جماعت کو کہا جاتا ہے کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کردو، اب چھوٹی جماعت کے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کرنا ناجائز ہے۔ اب علمائے اہلسنت عم فیوضہم کی خدمات عالیہ میں عرض ہے کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کرنے سے نمازیوں کو گنجائش نماز کی اچھی طرح سے ہوجائے گی اب اس صورت میں بیچ کی دیوار کو توڑ کر مسجد کو ایک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کی دیوار چھوٹی جماعت والے توڑنے کا انکار کریں تو ان کی مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

ہاں اہل محلّہ کو اختیار ہوتا ہے کہ نماز کے لئے دو مسجدوں کو ایک کردیں، اس کو ناجائز کہنا محض غلط و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

لھم ای لاھل المحلۃ نصب متولی وجعل المسجدین واحد وعکسہ لصلاۃ لالدرس اوذکر فی المسجد اھ[1]۔	اہل محلّہ کو اختیار ہے کہ وہ مسجد کا متولی مقرر کریں، اور یہ بھی اختیار ہے کہ دو مسجدوں کو ایک یا ایک کو دو کرلیں نماز کے لئے نہ کہ درس وذکر کے لئے اھ (ت)

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

مگر چھوٹی جماعت والے اگر خوف نزاع وجدال وغیرہ کسی مصلحت صحیحہ شرعیہ کے باعث دیوار توڑ کر مسجدیں ایک کرنے سے انکار کریں تو ان پر بھی جبر نہیں پہنچتا کہ جب ایک مسجد کو دو کرلینا جائز ہے **کما تقدم عن الدر ان لھم جعل مسجد واحد مسجدین** (جیسا کہ در کے حوالے سے گزرا کہ ایک مسجد کو دو کرنے صرف کا اہل محلّہ کو اختیار ہے۔ت) تو دو کو دو رکھنا کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے، ہاں اگر اصلاً کوئی وجہ شرعی نہ ہو صرف ضد کے سبب تفریق جماعت کریں تو ان کی بات نہ سنی جائے گی کہ اس صورت میں وہ متعنت یعنی بے جاہٹ کرنے والے ہیں اور متعنت کا قول مسموع نہیں ہوتا،

فی الھدایۃ وغیرھا من القسمۃ الاول منتفع بہ فاعتبر طلبہ والثانی متعنت فلم یعتبر [1]۔	ہدایہ وغیرہ میں قسمت کے باب میں ہے کہ اول اس سے نفع حاصل کرنے والا ہے لہٰذا اس کا مطالبہ معتبر ہے اور ثانی ہٹ دھرمی کرنے والا ہے اس کا مطالبہ معتبر نہیں (ت)

درمختار میں قبیل استصناع ہے:

الاصل ان من خرج کلامہ تعنتا فالقول لصاحبہ بالاتفاق [2]۔	قاعدہ یہ ہے کہ جس کا کلام تعنت یعنی ہٹ دھرمی پر مبنی ہو اس کے مخالف کا قول بالاتفاق معتبر ہوگا۔(ت)

توحسب صوابدید اکثر اہل جماعت اس دیوار فاصل کو علیحدہ کردیا جائے گا، ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیۃ سئل ابوالقاسم عن اھل مسجد اراد بعضھم ان یجعلوا المسجد رحبۃ والرحبۃ مسجدا او یتخذوا لہ بابا اویحولوا بابہ عن موضعہ وابی بعض ذٰلک قال اذا اجتمع اکثرھم وافضلھم لیس للاقل منعھم [3]۔	تاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابوالقاسم سے یہ سوال کیا گیا کہ بعض اہل مسجد ایک مسجد کو صحن اور صحن کو مسجد بنانا، مسجد کا دروازہ بنانا اور سابق دروازے کو اس کی جگہ سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں جبکہ بعض اس کا انکار کرتے ہیں تو کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا کہ اکثر وافضل حضرات متفق ہیں تو اقل کو اختیار نہیں کہ انہیں منع کریں (ت)

---

[1] الھدایۃ کتاب القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۱

[2] درمختار کتاب البیوع باب المسلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۹

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۳

یوں ہی اگر اس دیوار و تعدد کے باعث اہل محلّہ پر مسجدیں تنگی کرتی ہیں کہ ایک تو دیوار نے جگہ گھیری دوسرے دواماموں کے باعث کمی ہوئی کہ خود امام ایک صف کامل کی جگہ لیتا ہے اس وجہ سے اہل محلّہ دونوں مسجدوں میں پورے نہیں آتے اور دیوار توڑ کر ایک جماعت کر دینے سے وسعت ہو جائیگی تو اس صورت میں وہ دیوار خواہی نخواہی جدا کر دی جائیگی کہ تنگی مسجد کی ضرورت سے اس کے قریب کی زمین یا مکان یا دکان مملوک بلارضامندی مالک بقیمت لینے کا اختیار حاکم کو ہے، تو مسجد کو مسجد میں ملالینا بدرجہ اولٰی، درمختار میں ہے:

توخذ ارض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق علی الناس بالقیمۃ کرھا درر وعمادیۃ[1]۔	مسجد اگر تنگ ہو تو اس کے پہلو میں جو زمین، مکان یا دکان ہے وہ قیمت دے کر جبرا مسجد میں داخل کی جاسکتی ہے، درر و عمادیۃ۔ (ت)

اور بہر حال چھوٹی جماعت والوں کے انکار کرنے سے ان کی مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں خواہ ان کا انکار سنا جائے یا نہیں کہ آخر وہ مسجد ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ عبدالنبی نواب مرزا عفی عنہ الجواب صحیح۔ واللہ تعالٰی اعلم

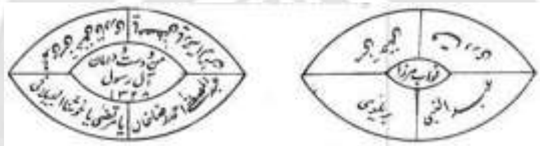

نقل فتوائے دہلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس میں پنجگانہ نماز تین ماہ سے ہو رہی تھی متصل اس کے اور ثانی مسجد بنائی گئی اس ضد پر کہ محلّہ والوں کے دو گروہ ہو جائیں اور آپس میں تفرقہ پڑ جائے اور اگلی مسجد کی آبادی میں فرق آئے پس اس ثانی مسجد کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا اس میں نماز جائز ہے یا نہیں اور اسکو مسجد کی تعمیر کا حکم دیا جائے یا نہیں؟

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۲

الجواب:

صورت مسئولہ میں مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے یعنی اس میں نماز پڑھنا منع ہے اور حاکم وقت کو چاہئے کہ اس کو مسجد کی صورت میں نہ رہنے دے خواہ اس کو ہدم کرادیا جائے یا کوئی مکان دوسرا بنادے جیسا کہ تفسیر جامع البیان میں آیہ "وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا" الخ[1] اور وہ لوگ جنہوں نے ضرر کے لئے ایک مسجد بنائی الخ۔ت) کی تفسیر میں لکھا ہے عبارت اس کی بلفظہ یہ ہے:

فلما اتموا بناءہ اتوارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین رجع من تبوك وقال اتممنا مسجد اللضعفاء واھل العلۃ واللیلۃ المطیرۃ نلتمس ان تصلی فیہ وتدعوبالبرکۃ فنزلت فی تکذیبھم فامر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھدمہ فھدموہ واحرقوہ (لاتقم فیہ) فی ذلك المسجد ابدا للصلوۃ[2]۔	جب انہوں نے مسجد کی تعمیر مکمل کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام تبوک سے واپس تشریف لائے اور کہا کہ یارسول اللہ! ہم نے کمزوروں، بیماروں اور رات کی تاریکی میں نماز پڑھنے والوں کی خاطر مسجد بنائی ہے۔ ہماری التماس ہے کہ آپ اس میں برکت کے لئے دعا فرمائیں، تو اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کی تکذیب میں یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس مسجد کے گرانے کا حکم دیا لہٰذا لوگوں نے مسجد کو گرا کر جلادیا، اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں کبھی بھی نماز کے لئے قیام نہ فرمائیں۔ (ت) محمد عبدالحق

نقل فتوائے ایران

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص محض بغرض نفسانیت اور عداوت اور ضرر مسجد مقیم (یعنی جو پہلے بنی ہوئی ہو) مسجد بنائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور ایسی مسجد بنائی جائے یا نہیں؟

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[2] جامع البیان تحت آیۃ ۹/ ۱۰۷ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ۱/ ۲۸۶

الجواب:

ھو اللہ تعالٰی اعلمھم بالحق والصواب، بلاشبہ جو مسجد بغرض نفسانیت وعداوت کے وضرر مسجد قدیم کے تیار کی جائے حکم مسجد ضرار رکھتی ہے اور ایسی مسجد کی بناء موجب ثواب نہیں بلکہ موجب نکال ہے، چنانچہ تفسیر مدارک وکشاف میں اس آیت کے نیچے مرقوم ہے:

"وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ "[1]۔ قیل کل مسجد بنی مباھاۃ اوریاء او سمعۃ اولغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ اوبمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار انتہی[2]۔	اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں، اور تھانگ اس شخص کی جو لڑرہا ہے، اللہ سے اور رسول سے آگے کا اور اب قسمیں کھائیں گے کہ بھلائی چاہتے تھے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جو مسجد بھی تفاخر، ریاکاری، مشہوری یا طلب رضاء الٰہی کے علاوہ کسی غرض کے لئے بنائی جائے ناپاک مال سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار سے ملحق ہوگی انتہی۔ (ت)

اور کشاف میں ہے:

عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی ید عمر امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی مدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ[3] انتہی۔	حضرت عطا سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ بہت سے شہر فتح فرمائے تو آپ نے مسلمانوں کو مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ایک شہر میں دو مسجدیں نہ بنانا تاکہ ایک سے دوسری کو ضرر نہ پہنچے، انتہی (ت)

اور صاحب تفسیر احمدی نے لکھا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[2] تفسیر النسفی (المدارک) تحت ۹/ ۱۰۷ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۴۵

[3] الکشاف (تفسیر) تحت ۹/ ۱۰۷ انتشارات آفتاب تہران ایران ۲/ ۲۱۴

فالعجب من المشائخین المتعصبین فی زماننا یبنون فی کل ناحیۃ مساجد طلبا للاسم والرسم واستعلاء لشانھم واقتداء باٰبائھم ولم یتاملوا فی ھذہ الاٰیۃ والقصۃ من شناعۃ حالھم وسوء افعالھم[1] انتھی۔	ہمارے زمانے کے متعصب مشائخ پر تعجب ہے کہ شہرت، رسم، اپنی رفعت شان اور اپنے آباء واجداد کی اقتداء کے لئے ہر کونے میں مسجدیں بنالی ہیں اور اس آیت کریمہ اور ان لوگوں کی بدافعالی اور بدحالی کے قصے میں غور نہیں کیا انتہی (ت)

کتبہ العبد بدیع الدین ابن سید شرف الدین صاحب مشھدی ثم الاحمد آبادی عفا اللہ تعالٰی عنھما

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

مکرم کرم فرمایان سلمکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ مع فتاوٰی فریقین ملا، فقیر نے آپ کے فرمانے سے یہاں کے فتوے پر مکرر نظر کی اور اس طرف کے فتاوٰی کو بھی دیکھا جو یہاں سے لکھا گیا خالص حق وصحیح ہے اس میں بحمد اللہ تعالٰی کسی کی طرف داری نہیں حکم شرعی بیان کیا ہے کسی کے مخالف موافق ہو اس سے بحث نہ کی نہ کی جاسکتی ہے کیا آپ نے اس میں یہ لفظ نہ دیکھے کہ چھوٹی جماعت والے اگر خوف نزاع وجدال وغیرہ کسی مصلحت شرعیہ کے باعث دیوار توڑ کر مسجدیں ایک کرنے سے انکار کریں تو ان پر جبر بھی نہیں پہنچتا، کیا آپ نے اس میں یہ لفظ نہ دیکھے کہ بہر حال چھوٹی جماعت والوں کے انکار سے ان کی مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ان عبارات کو دیکھ کر آپ حضرات نے فریق اول کی طرفداری سمجھی، ان عبارات کو دیکھ کر وہ فریق آپ کی طرفداری سمجھے، خلاصہ یہ ہوگا کہ دونوں فریق کی طرفداری ہے یعنی کسی کی طرفداری نہیں صرف بیان حکم سے غرض ہے والحمد للہ رب العٰلمین۔ اور یہ الزام کہ آپ ہر دو جانب کی گفتگو نہیں سنتے ایک ہی طرف کی بات سن کر حکم لگانا ناانصافی ہے اگر آپ انصاف فرمائیں تو یہ الزام محض بے اصل ہے یہاں فتوٰی دیا جاتا ہے دار القضا نہیں کہ فریقین کے بیان سننا تحقیقات امر واقع کرنا لازم ہو، مفتی تو صورت سوال کا جواب دے گا اس سے اسے بحث نہیں کہ واقع کیا ہے، نہ فریقین کا بیان سننا اس پر لازم نہ اس کا کام۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ سوال اگر ظاہر البطلان ہو تو اس کا جواب نہ دے اور دے تو اس کی غلطی ظاہر کردے تاکہ وہ اپنے فتوے سے باطل کا مددگار نہ بنے، یہاں بحمدہٖ تعالٰی اس کا لحاظ رہتا ہے جس سوال پر بریلی سے جواب گیا اس میں کوئی

[1] التفسیرات الاحمدیہ تحت ۹/ ۱۰۷ المطبع الکریمی بمبئی انڈیا ص ۴۷۸

امر ایسا نہ تھا کہ صورت سوال کو غلط سمجھا جاتا مگر افسوس کہ اس طرف کے فتووں میں اس امر اہم کا لحاظ اصلًا نہ ہوا، ان کے سوالوں میں صورت یہ فرض کی تھی کہ دوسری مسجد کی بناء ضد سے کہ آپس میں تفرقہ ہو اور اگلی مسجد کی آبادی میں فرق آئے محض نفسانیت وعداوت وضرر مسجد قدیم کے لئے بنائی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بنانے والوں کے قلب پر حکم تھا کہ ان کی نیت یہ ہے اور نہ صرف یہ بلکہ صرف یہی ہے، حالانکہ نیت کا جاننا اللہ عزوجل کا کام ہے اور مسلمان پر بدگمانی سخت حرام ہے تو مفتی صاحب کا منصب نہ تھا کہ اس صورت باطلہ کی تقدیر مان کر مسجد کے بنانے کو موجب عذاب ٹھہرائے اور حاکم وقت کو **معاذ اللہ** خانہ خدا کے ڈھانے پر ابھارے، ایسی جگہ صرف صورت پر حوالہ کا حیلہ یا اس کہہ دیئے کی آڑ جو چیز ایسی ہے اس کا حکم یہ ہے اہل عقل وعلم واقعات حال زمانہ کے نزدیک ہر گز کافی نہیں جبکہ صراحۃً معلوم ہے کہ ایک فریق بناواقعی حکم شرع وہ صورت گمان یا فرض کرکے فتوے لینا چاہتا ہے جس کے فرض وگمان کا شرعًا اسے اصلًا حق نہیں، نہ دوسرے کو جائز کہ اس کی بدگمانی مقرر رکھے،

"لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا" [1]۔	ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنوں پر اچھا گمان کرتے (ت)

اور وہ اپنے اس فرض باطل کے ایک فریق مسلمان کو بذریعہ فتوٰی ضرر پہنچانا چاہتا ہے تو صرف اس صورت کا حکم بتانا اور اس کا حکم نہ بتانا صراحۃً باطل کو مدد دینا ہے جو ایک جاہل مسلمان کے لائق بھی نہیں مفتی تو مفتی،

ومن لم یکن عالما باھل زمانہ فھو جاھل [2]۔	جو اپنے اہل زمانہ کے احوال کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے (ت)

اور حقیقت یہ کہ نہ صرف فریق دیگر بلکہ خود اس فریق کی بھی بدخواہی ہے بلکہ اس کی بدخواہی سخت تر ہے، فریق اول کی نیت اگر صحیح ہے تو ان کے فرض باطل یا نافہم مفتیوں کے اقوال ہائل سے اس کا کیا ضرر، مگر اس فریق کو جو بدگمانی اور مسلمانوں کو ایذارسانی کی بیماری تھی وہ مفتیوں کی تقریر وعدم انکار کے بعد پختہ ہوگئی،

فھلکوا واھلکوا وانما الدین النصح	وہ خود ہلاک ہوئے اور دوسروں کو ہلاک کیا دین تو

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۲

[2] درمختار کتاب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

لکل مسلم [1]۔	محض ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے۔(ت)

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مریض نے براہ ناواقفی اپنا مرض الٹا تشخیص کیا اور اس کے لئے طبیب سے دوا پوچھی، طبیب اگر اس کا اصل مرض جانتا اور سمجھتا ہے کہ یہ دوا اسے نافع نہیں بلکہ اور مضر ہوگی، تو اسے ہر گز حلال نہیں کہ الٹے مرض کی اسے دوا بتا کر اس کی غلطی کو اور جمادے اور اس کے ہلاک پر معین ہو اور یہاں اتنا کہہ دینے سے کہ مرض مسئول کی دوا یہ ہے یا جسے یہ مرض ہو اس کی دوا یہ ہے، طبیب الزام سے بری نہیں ہوسکتا جبکہ وہ جانتا ہے کہ اسے نہ یہ مرض نہ یہ اس کی دوا، بلکہ یہ اس کے مرض کو اور محکم کردے گی، حاشا یہ وہی کرے گا جو یا تو خود ہی طب نہیں جانتا اور خواہی نخواہی لوگوں کا گلا کاٹنے کو طبیب بن بیٹھا یا دیدہ دانستہ مریض کی غلط تشخیص مقرر رکھ کر خلاف مرض دوا دے کر اسے ہلاک کیا چاہتا ہے، دونوں صورتیں سخت بلا ہیں، ایک دوسرے سے بدتر، تو صاف روشن ہوا کہ انہیں فتووں میں سخت ناانصافی اور نہ ایک فریق بلکہ دونوں کی سخت بدخواہی ہوئی اگرچہ بظاہر فریق دوم کی طرفداری نظر آئے اگر کسی ذی علم عاقل خیر خواہ مسلمان سے یہ سوال ہوتا تو وہ یوں جواب دیتا کہ بھائیو اس کی بناء محض نیت پر ہے اور نیت عمل قلب ہے اور قلب پر اطلاع اللہ عزوجل کو، تم نے کیونکر جانا کہ اس فریق نے یہ مسجد اللہ کے لئے نہ بنائی بلکہ محض نفسانیت وعداوت واضرار مسجد سابق کا ارادہ اس کے دل میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **افلا شققت عن قلبه** [2] تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ باہم تفرقہ کے بعد اس کی بناء سے غایت یہ کہ تفرقہ کے باب الوقف میں ہے، اور مسلمان پر بدگمانی حرام قطعی، اس بیان ضروری کے بعد چاہتا تو یہ بھی لکھتا کہ ہاں اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو جاتا کہ ان کی نیت اضرار تھی اور اسی غرض سے انھوں نے مسجد بنائی تو ضرور اس کے لئے مسجد ضرار کا حکم ہوتا مگر حاشا اس کے ثبوت کا کیا طریقہ اور اس کی طرف راہ کیا، آپ کے سوال کا جواب یہ تھا، نہ وہ جو ایرانی ودہلوی صاحب نے دیا، بہرحال فقیر آپ صاحبوں کا ممنون احسان ہے کہ اپنے نزدیک جو عیب اپنے بھائی مسلمان یعنی اس فقیر میں سمجھا اس سے مطلع فرمایا، مجھ پر فرض تھا کہ بات ٹھیک ہوتی تو تسلیم کرتا اب کہ باطل ہے اس کا بطلان آپ کو دکھا دیا، ماننا آپ صاحبوں کا کام ہے، سنیوں بھائیوں کو آپس میں ایک رہنا لازم ہے، سنیوں پر دشمنان دین کے آلام کیا تھوڑے

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۸

بندھ رہے ہیں کہ آپس میں بھی خانہ جنگی کریں اور نہ ہوسکے تو اتنا ضرور ہے کہ دنیوی رنجش جانے دیں "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ"[1] بیشک تمام مومن توآپس میں بھائی بھائی ہیں۔ت) پر نظر فرما کر گلے مل لیں، فریق اول کو اپنی نیت معلوم ہے اور اللہ تعالٰی اس سے زائد اس کی نسبت جانتا ہے اگر واقع میں مسجد انہوں نے محض براہ نفسانیت بقصد اضرار مسجد سابق بنائی ہے تو ضرور وہ مسجد ضرار ہے اسے دور کردیں اور تائب ہوں مگر فریق دوم کو ہرگز حلال نہیں کہ مسلمانوں پر اتنی سخت بدگمانی کرکے معاذاللہ مسجد ڈھانا چاہیں اور ایسے بے معنی ناموں کے فتووں کی آڑلیں جو اس سے زیادہ اور کیا ظلم کریں گے کہ مسجد گرانے کا حکم دیتے اور حاکم وقت کو بربادی خانہ خدا پر ابھارتے ہیں والعیاذباللہ رب العٰلمین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم (اللہ تعالٰی رب العالمین کی پناہ، بلندی وعظمت والے اللہ تعالٰی کی عطاکے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت۔ت) فقیر اپنے اس خط کی نقل فریق اول کو بھی بھیجے گا کہ میں نے دونوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کیا ہے اور اصلاح کی توفیق دینے والا خدا ہے والسلام علٰی جمیع اخواننا اھل السنۃ والجماعۃ (تمام اہلسنت وجماعت پر سلامتی ہو۔ت) فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۰ شعبان المعظم یوم الاحد ۱۳۲۹ھ ہجریہ قدسیہ علی صاحبہا وآلہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ آمین!

مسئلہ ۱۵۶: ازمارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مسئولہ جناب سید علی شاہ حسن میاں صاحب غرہ ماہ مبارک ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد مسقف میں شدت گرماکے سبب مصلیوں کوتکلیف ہوتی ہے اور پسینہ کی کثرت وحبس کی وجہ سے ادائے فرض میں نقصان اور خلل ہوتا ہے ایسی حالت میں اس کے انسداد کے لئے اگر مسجد میں سقفی بادکش لٹکایا جائے تو یہ بھی جو بحالت معذوری ومجبوری کیا گیا ہے خلاف آداب مسجد ومنافی احکام شریعت تو نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

موسم گرما ہمیشہ سے آتا ہے اور عرب شریف میں آتا تھا اور مکہ معظّمہ میں گرمی یہاں سے سخت تر تھی اور ہے، اس میں نہ کوئی معذوری ہے نہ مجبوری، ورنہ ہر زمانے اور ہر مقام میں اس کاعلاج ملحوظ ہوتا کہ انسان سے معذور ومجبور کبھی نہیں رہاجاتا، نماز عبادت وبندگی ہے اور بندگی کمال تذلل وفروتنی، نہ کہ مخدوم بننا اور عین دربار بے نیاز میں خادم کو مقرر کرنا کہ ہم کو پنکھا جھلے کچہریوں میں جو فرشی پنکھے ہوتے ہیں اس میں

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۱۰

اصل مقصود حاکم ہوتا ہے کہ خود وہ ایک عاجز و محتاج ہے جسے گرمی سردی سب ستاتی ہے بلکہ اور بہت سے جفاکشوں کی نسبت وہ زیادہ محتاج ہے پنکھا اس کے لئے لگاتے ہیں خادم اس کے لئے کھینچتا ہے حاضرین بالطبع اس سے ہوا پاتے ہیں اس سبب سے وہ بے ادبی خلاف ادب دربار نہیں گنا جاتا۔ یوں نہ دیکھئے بلکہ یوں کہ کوئی شخص دربار شاہی میں حاضر ہو اور اپنا خادم مقرر کرے کہ بادشاہ کے سامنے مجھے دستی جھل، کیا اسے بے ادب نہ کہا جائے گا؟ بیشک کہا جائے گا، اور اب مسئلہ میں قدرے زیادہ بیان اور ادائے فرض میں عذر خلل و نقصان کا جواب فقیر کے فتاوی میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از احمد آباد محلّہ پانچ پیلی تاجپور ۱۴ رمضان ۱۳۲۹ھ

ایک مسجد جنگل میں ہے جس کی تولیت چھیپوں کی جماعت کرتی ہے اور وہ منہدم و مسمار ہوگئی ہے اور اس کی صرف ایک محراب ہی باقی ہے اور اس مسجد کے تمام پتھر لوگ چرالے گئے، اب اس صورت میں وہ محراب دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ اس مسجد شہید شدہ کا آباد کرنا فرض ہے ناممکن ہوگیا ہو اور اس کی طرف کوئی راہ میسر نہ ہو اور چور اس کے مال پر دست درازی کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں اس ضرورت میں اس کی محراب دوسری مسجد میں لگادینے کی اجازت ہوگی **کما بینہ العلامۃ الشامی فی ردالمحتار وفصلناہ فی فتاونا** (جیسا کہ علامہ شامی نے اس مسئلہ کو ردالمحتار میں بیان فرمایا اور ہم نے اپنے فتاوی میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۸: از الہ آباد بنگلہ نمبر ۱۶ مہابلی پرشاد سوداگر پناہی مرسلہ حاجی منشی محمد ظہور صاحب جوہری بریلوی ۱۷ صفر مظفر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ مسجد میرے مورثان نے بغرض نماز اپنے اور اپنے خاندان کے باستثناء عورات کے بنوائی اور اس کے ساتھ متصل اس کے اپنا مکان بنوایا اور ایک طرف کی کڑیاں مسجد کے ایک سمت کی دیوار پر اسی وقت میں رکھ لیں اب تیس سال ہوئے جو اس نے اجازت عام نمازیوں کو واسطے نماز کے دے دی اب نماز پنجگانہ اور نماز عیدین ہوتی ہے اب اس کی اولاد میں ایک شخص نے اپنے مکان کی نیچی چھت کو ڈیڑھ گز اونچا کیا اور وہاں کڑیاں یا شہتیر اٹھا کر دیوار پر دیوار کو بلند کرکے ڈال لیں اور بجائے ایک کھڑکی کے دو کھڑکی جانب مسجد اضافہ کی اور دیوار کو اونچا کرکے سائبان ٹین کا اپنی طرف کو ڈال لیا جس کا مگر مسجد کے دیوار پر رہا (خلاصہ) جب خانہ خدا وہ مسجد

عام نمازیوں کے واسطے وقف ہو گئی تو وہ دیوار مسجد جس پر کڑیاں یا شہتیر رکھا ہو اور دو مینار بھی اسی دیوار پر ہوں تو وہ دیوار بھی وقف ہوئی یا نہیں اور اس دیوار سے کڑیاں اٹھا کر اور دیوار بلند کرکے پھر دوبارہ کڑیاں رکھنے یا دیوار مسجد پر دیوار بنانے یا اضافہ کرنے کا کوئی حق ہے یا نہیں وارثان بانی مسجد کو ازروئے شرع شریف، اور وہ حق یا تعلق جو بانی مسجد نے رکھا تھا بعد علیحدہ کرنے کے باقی رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وہ مسجد روز اول سے عام مسلمانوں کے لئے خانہ خدا ہو گئی خاص ایک قوم کے لئے نیت کرنے سے خاص نہیں ہو سکتی نہ بانی کو اس میں اپنے لئے کوئی حق یا تعلق رکھنے کا اختیار ہے، فتاوٰی عالمگیری جد ۳ ص ۷ ۱۳ میں ہے:

اتفقوا علی انه لو اتخذ مسجدا علی انه بالخیار جاز الوقف وبطل الشرط کذا فی مختار الفتاوی، فی وقف الخصاف اذا جعل ارضه مسجدا وبناه واشهدان له ابطاله وبیعه فهو شرط باطل ویکون مسجدا کما لو بنی مسجدا لاهل محلة وقال جعلت هذا المسجد لهذه المحلة خاصة کان لغیر اهل تلك المحلة ان یصلی فیه هکذا فی الذخیرة[1]۔	یعنی سب علماء کا اتفاق ہے کہ اگر مسجد بنائی اس شرط پر کہ مجھے اختیار رہے تو مسجد صحیح ہو گئی اور وہ شرط جو لگائی باطل و بے اثر ہے، ایسا ہی مختار الفتاوٰی میں ہے۔ وقف خصاف میں ہے جب اپنی زمین کو مسجد کیا اور مسجد تعمیر کی اور لوگوں کو گواہ کر لیا کہ اس کا باطل کرنا اور بیچنا مجھے جائز ہوگا تو یہ شرط باطل ہے اور وہ مسجد ہو جائیگی اسی طرح اگر مسجد کسی محلّہ والوں کے لئے بنائی اور کہا کہ میں نے خاص اس محلّہ والوں کے لئے اسے مسجد کیا تو یہ شرط بھی باطل ہے اور وہ عام مسجد ہو جائیگی ہر شخص کو اس میں نماز کا اختیار ہوگا اگرچہ وہ غیر محلّہ کا ہو۔ ذخیرہ میں یونہی ہے۔

اور جب وہ دیوار مسجد کی ہے خود بیان کرنے والا کہہ رہا ہے کہ مسجد کی دیوار پر کڑیاں رکھ لیں اور اس دیوار پر مسجد کے دو منارے ہونا روشن دلیل ہے کہ وہ مسجد کی دیوار ہے تو اس دیوار کے وقف و مسجد ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، بانی مسجد کو حرام تھا کہ مسجد کی دیوار پر اپنی کڑیاں رکھے، یوں ہی اس وارث نے جو تصرفات مذکورہ کئے سب حرام ہیں، اور واجب ہے کہ کڑیاں اتار دی جائیں اور ٹین جدا کر دیا جائے، مسجد کی

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷۔۵۸

دیواران تصرفات سے پاک کردی جائے۔ درمختار مطبع قسطنطنیہ جلد ۳ص ۵۷۳ میں ہے:

لو بنی فوقه بیتاً للامام لایضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدیة ثم ارادہ البناء منع ولو قال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیة فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمه ولو علی جدار المسجد[1]۔	یعنی اگر مسجد کی چھت پر امام کے لئے گھر بنایا تو نقصان نہیں کہ یہ بھی مصالح مسجد سے ہے مگر مسجد پوری ہونے کے بعد اگر امام کے لئے بھی گھر بنانا چاہے گا نہ بنانے دیں گے اور اگر کہے گا میری پہلے سے یہی نیت تھی جب بھی نہ مانیں گے۔ تاتارخانیہ میں ہے تو جب یہ حکم خود بانی مسجد پر ہے تو دوسرے کا کیا ذکر، تو اس کا ڈھادینا واجب ہے اگرچہ مسجد کی فقط دیوار ہی پر کچھ بنایا ہو۔

بحرالرائق مطبع مصر جلد ۵ص ۲۷۱ میں ہے:

اذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فمن بنی بیتاً علی جدار المسجد وجب ھدمه[2]۔	یعنی جب خود بانی مسجد کو ممانعت ہے تو غیر بانی کیا چیز ہے تو جو شخص مسجد کی دیوار پر کوئی عمارت بنائے اس کا ڈھادینا واجب ہے۔

ردالمحتار مطبع استنبول جلد ۳ص ۵۷۳ میں ہے:

نقل فی البحر قبله ولایوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه اھ قلت وبه علم حکم مایصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جدارہ فانه لایحل ولو دفع الاجرۃ[3]۔	یعنی بحرالرائق میں اس سے پہلے نقل فرمایا ہے کہ مسجد کی دیوار پر کڑی نہ رکھی جائے اگرچہ وہ کڑی خود مسجد ہی کی کسی وقفی مکان کی ہو اور یہیں سے معلوم ہوا کہ مسجد کے زیر سایہ رہنے والے بعض لوگ جو مسجد کی دیوار پر کڑیاں رکھ لیتے ہیں یہ حرام ہے اگرچہ وہ کرایہ بھی دیں جب بھی اجازت نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

مسئلہ ۱۵۹: مسئولہ مولوی صلاح الدین صاحب عرف حاجی داداساکن ضلع پشاور ۲۱صفر ۱۳۳۰ھ

مسجد میں درخت بونا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بولیا گیا تو وہ کس کی ملک شمار ہوگا؟

الجواب:

مسجد میں درخت بونا ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اگرچہ درخت پھلدار ہو (سوااس ضرورت کے کہ زمین مسجد سخت نمناک ہو جس کے باعث اس کی عمارت کو ضرر پہنچے ستون نہ ٹھہریں یا دیواریں پھولیں، اس لئے بوئے جائیں کہ ان کی جڑیں پھیل کر رطوبت کو جذب کرلیں) خلاصہ میں ہے:

غرس الاشجار فی المسجد لاباس به اذاکان فیه نفع للمسجد بان کان المسجد ذانزو الا سطوانات لا تستقر بدونها وبدون هذالایجوز اھ [1] ولفظ الامام ظهیر الدین بعد ذکر الحاجة المذکورة فحینئذ یجوز والا فلا [2] اھ قال فی منحة الخالق قوله والا فلا دلیل علی انه لایجوز احداث الغرس فی المسجد ولا القائه وفیه لغیر ذلك العذر ولو کان المسجد واسعا، و لوقصد به الاستغلال للمسجد [3] الخ۔	مسجد میں درخت لگانا جائز ہے جبکہ مسجد کے نفع کے لئے ہو جیسے زمین مسجد نمناک ہو اور درختوں کے بغیر اس کے ستون قرار نہ پکڑتے ہوں اور اس ضرورت کے بغیر درخت لگانا نا جائز ہیں اھ حاجت مذکور کے ذکر کرنے کے بعد امام ظہیر الدین نے یوں فرمایا کہ اگر یہ حاجت ہو تو جائز ورنہ ناجائز اھ منحۃ الخالق میں ہے فرمایا کہ امام ظہیر الدین کا قول والاا ورنہ ناجائز ہے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عذر مذکور کے بغیر مسجد میں ابتداً درخت لگانا بھی ناجائز اور لگے ہوئے درختوں کو باقی رکھنا بھی ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اور اگرچہ اس سے مسجد کے لئے کرایہ لینا مقصود ہو الخ (ت)

ہاں اگر درخت مسجد کے مسجد ہونے سے پہلے رکھا گیا تو عدم جواز مذکور کے تحت میں داخل نہیں کہ اس تقدیر پر یہ درخت مسجد میں نہ بویا گیا بلکہ مسجد زمین درخت میں بنائی گئی اس صورت میں اگر درخت بونے والا وہی مالک زمین و بانی مسجد ہے تو درخت مسجد پر وقف ہوگا، نہ کسی شخص کی ملک،

فی ردالمحتار یدخل فی وقف الارض	ردالمحتار میں ہے زمین کے وقف وہ درخت اور

[1] خلاصة الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۸

[2] بحر الرائق بحوالہ الظهیریه کتاب الصلٰوۃ فصل لما فرغ من بیان الکراهیة فی الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

[3] منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ فصل لما فرغ من بیان الکراهیة فی الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

مافیھامن الشجر والبناء [1] الخ۔	عمارت بھی داخل ہوگی جو اس زمین موقوفہ میں ہے۔(ت)

اور اگر درخت دوسرے کا ہے تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر مسجد پر اس کا وقف تسلیم کرلے گا تو وقف ہوجائے گا ورنہ تفریغ مسجد کا حکم کیا جائے گا۔ رہا یہ کہ مسجد میں درخت بو یا علماء نے فرمایا کہ درخت مسجد کے لئے ہوگا۔ ردالمحتار میں خانیہ سے ہے:

لوغرس فی المسجد یکون للمسجد لانه لایغرس فیه لنفسه [2]۔	اگر کسی نے مسجد میں درخت بویا تو وہ مسجد کا ہی ہوگا کیونکہ وہ اپنے لئے نہیں ہوسکتا ہے۔(ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

اذا غرس شجرا فی المسجد فالشجر للمسجد [3]۔	جب کسی نے مسجد میں درخت لگایا تو وہ درخت مسجد کے لئے ہوگا(ت)

اسی میں محیط سے ہے:

سئل نجم الدین عن رجل غرس قالة فی مسجد فکبرت بعد سنین فاراد متولی المسجدان یصرف ھذہ الشجرۃ الی عمارۃ بئر فی ھذہ السکۃ والغارس یقول ھی لی فانی ماوقفتھا علی المسجد، قال الظاہران الغارس جعلھا للمسجد فلایجوز صرفھا الی البئر ولا یجوز للغارس صرفھا الی حاجۃ نفسه [4]۔	نجم الدین سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے مسجد میں پودا لگایا جو چند برس میں بڑا درخت بن گیا، متولی مسجد کا ارادہ ہے کہ وہ اس درخت کو اسی کوچہ کے کنویں کی تعمیر میں صرف کرے، اور درخت لگانے والا کہتا ہے کہ یہ میرا ہے کیونکہ میں نے اس کو مسجد پر وقف نہیں کیا، تو امام نجم الدین نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ اگر درخت بونے والے نے مسجد کے لئے بویا تھا تو اس کو کنویں کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی بونے والا اپنی ضرورت میں اس کو صرف کرسکتا ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۷

درمختار میں ہے:

لوغرس فی المسجد اشجارا تثمر ان غرسها للسبیل فلکل مسلم الاکل والافتباع لمصالح المسجد[1]۔	واقف نے مسجد میں پھلدار درخت بوئے اگر تو اس نے فی سبیل اللہ وقف کے طور پر بوئے ہیں تو ہر مسلمان کو پھل کھانا جائز ہے ورنہ ان پھلوں کو مصالح مسجد کے لئے فروخت کیا جائے گا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای وان لم یغرسها للسبیل بان غرسها للمسجد او لم یعلم غرضه بحر عن الحاوی[2]۔	یعنی اگر اس نے فی سبیل اللہ وقف کے طور نہیں بوئے بایں طور کہ مسجد کے لئے ان کو بویا یا اس کی غرض معلوم نہیں ہوسکی، بحر بحوالہ حاوی۔(ت)

اصل یہ ہے کہ بنایا غرس زمین وقف میں اگر متولی کرے تو مطلقًا وقف کے لئے ہے مگر یہ کہ اپنے ذاتی مال سے کرے اور بناو غرس سے پہلے گواہ کرلے کہ اپنے نفس کے لئے کرتا ہوں یا یہ کہ متولی خود واقف ہو اور وقف کے لئے اس کی نیت نہ کرے اور مسجد میں بونا دلالۃً مسجد کے لئے بونا ہے کہ کوئی مسجد میں اپنے لئے نہیں بوتا، یہ اس فرع کی تاصیل ہے، درمختار میں ہے:

المتولی بناؤہ وغرسه للوقف مالم یشهد انه لنفسه قبله[3]۔	متولی کا زمین وقف میں عمارت بنانا یا درخت لگانا وقف کے لئے ہی ہوگا جب تک وہ عمارت بنانے یا درخت لگانے سے قبل اس پر گواہ نہ قائم کردے کہ میں اپنی ذات کے لئے کررہا ہوں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان کان البانی المتولی بمال الوقف فوقف، سواء بناہ للوقف او لنفسه او اطلق، وان من ماله للوقف او اطلق فوقف الا اذاکان	عمارت بنانے والا اگر خود متولی ہو اور مال وقف سے بنائے تو وہ وقف کے لئے ہے چاہے وقف کیلئے بنائے یا اپنے لئے بنائے یا مطلق رکھے،

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰
[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۵
[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۳

ھو الواقف واطلق فھولہ کمافی الذخیرۃ وان من مالہ لنفسہ واشھدانہ لہ فھو لہ کما فی القنیۃ والمجتبٰی، وان لم یکن متولیا فان بنی باذن المتولی لیرجع فوقف، والا فان بنی للوقف فوقف، وان لنفسہ واطلق فلہ رفعہ ان لم یضر[1]۔	اور اگراپنے مال سے وقف کے لئے بنائے یا مطلق رکھے تب بھی وقف کے لئے ہوگی ہاں اگر وہ خود واقف ہو اور مطلق رکھے تو وہ اس کے اپنے لئے ہوگی (ذخیرہ) اور اگر اس نے اپنے مال سے اپنی ذات کے لئے عمارت بنائی اور اس پر گواہ بھی قائم کرلئے کہ اپنی ذات کے لئے بنارہاہوں تو وہ اسی کی ہوگی جیسا کہ قنیہ ومجتبی میں ہے۔ اگر بانی خود متولی نہ ہو تو اگر اس نے متولی کی اجازت سے عمارت بنائی تاکہ متولی سے خرچہ کارجوع کرسکے تو وہ وقف کے لئے ہے ورنہ اگر وقف کے لئے بنائی تو پھر بھی وقف ہے اور اگر اپنے لئے بنائی یا مطلق رکھی تو اس کو اٹھانے کااختیار ہے جبکہ وقف کو نقصان نہ پہنچے (ت)

اشباہ میں ہے:

وان اضر فھو المضیع لمالہ فلیتربص الی خلاصہ[2]۔	اور اگر اس کو اٹھالے جانے میں وقف کو نقصان ہے تو نہ اٹھانے دیں گے کیونکہ اس نے اپنامال خود ضائع کیااب وہ انتظار کرے یہاں تک کہ وہ عمارت وقف سے خلاص ہوجائے۔ (ت)

اقول: مگر یہ بناوغرس جائز میں ہے ناجائز کے لئے حکم ہدم وقلع ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لیس لعرق ظالم حق[3] (عرق ظالم کا کوئی حق نہیں۔ت) درمختار میں ہے:

لوبنی فوقہ بیتاللامام لایضر لانہ من المصالح امالو تمت المسجدیۃ	اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن تمام

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۳۔۳۰۲

[3] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴، سنن ابوداؤد کتاب باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱، السنن الکبرٰی کتاب الغصب باب لیس لعرق ظالم حق دارصادر بیروت ۶/ ۹۹

ثم ارادالبناء منع، ولو قال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیۃ، فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ، فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد[1]۔	مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے روکا جائے گا اگرچہ وہ کہے کہ میرا شروع سے یہ ارادہ تھا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے لہٰذا ایسی عمارت کو گرادینا واجب ہے اگرچہ وہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی فتاوی قاری الھدایۃ استاجردارا وقفا، وجعلھا طاحونا ان لم یکن انفع ولااکثر ریعا الزم بھدم ماصنع[2] اھ مختصرًا۔	فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے کہ ایک شخص نے مکان وقف کو کرایہ پر لے کر اس میں آٹا پیسنے کی چکی بنادی اگر وہ وقف کے لئے زیادہ نفع وخوبی کا حامل نہیں تو جو کچھ اس نے بنایا اس کو گرانے پر مجبور کیا جائے گا اھ مختصرًا (ت)

اور ہم بیان کرچکے بلا ضرورت مذکورہ مسجد میں پیڑ بونا جائز نہیں لشغلہ موضع الصلٰوۃ ولشبہ البیع والکنائس (کیونکہ اسطرح نماز کی جگہ بھی مشغول ہوگی اور گرجا اور کلیسا سے مشابہت بھی ہوگی۔ ت) اور یہ کہ اس کا باقی رکھنا جائز نہیں تو یہ فروع خانیہ صورت جواز پر محمول ہوں گی۔

الاتری انہ ممنوع والوقف قربۃ وانہ مقلوع والوقف مؤبد فذٰلك برھانان انہ لایکون للسمجد۔	کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ممنوع ہے جبکہ وقف عبادت ہے اور اس کو اکھاڑنا لازم، جبکہ وقف کو ہمیشہ باقی رکھنا لازم ہے، یہ دونوں دلیلیں ہیں اس پر کہ وہ مسجد کے لئے نہیں (ت)

اور فرع مذکور بحر وحاوی ودرمختار فنائے مسجد میں غرس پر بھی محمول ہو سکتی ہے اور اگر ثابت ہو کہ فنائے مسجد میں بونا بھی دلالۃً مسجد میں بونا بتاتا ہے تو جملہ فروع مذکورہ کا یہ دوسرا عمدہ محمل ہے ھذا ماظھر لی (یہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۴

مسئلہ ۱۶۰: از میرٹھ ۸ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک رنڈی نے اپنے پیشہ کے ذریعہ سے کچھ دکانیں خریدیں، چندروز کے بعد وہ رنڈی مر گئی، بعد مرنے کے وہ دکانیں وراثۃً اس کی بہن کو پہنچیں جو اپنے پیشہ سے تائب اور کسی کے نکاح میں ہے، اب اس کی بہن اپنی طرف سے اس جائداد کو جو وراثۃً اس کو ملی ہے کسی مسجد کے نام وقف کرنا چاہتی ہے، اس صورت میں مہتممان مسجد کو ان دکانوں کا لینا اور ان کے کرایہ سے مسجد کے مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وہ دکانیں بعینہا رنڈی کو اجرت زنا یا غنا میں نہ ملی تھیں بلکہ اس نے خرید کیں، اگرچہ خریداری اسی زرِ خبیث سے ہو، تو ازانجا کہ عامہ عقود رائجہ میں یہ قاعدہ نہیں کہ روپیہ دکھا کر کہا جاتا ہو اس روپے کے عوض بیع کرے یا خریدے بلکہ مطلق بیع ہوتی ہے تو عقد و نقد زرِ حرام پر جمع نہیں ہوتی اور مذہب کرخی مفتی بہ پر ایسی حالت میں اس شے مشتری میں خباثت بھی نہیں آتی، تو وہ دکانیں خود اس رنڈی کے لئے اس صورت میں حرام نہ ہوں گی، نہ کہ بعد انتقالِ وراثت۔ لہٰذا وقف مذکور نہ فقط صحیح بلکہ جائز و مورث ثواب ہوگا اور متولیوں کو ان کا لینا اور ان کا کرایہ مسجد میں صرف و خرچ کرنا ہر طرح جائز ہوگا۔

والمسئلة قد فصلناها فی فتاوٰنا ثم ان کان خبث بالاجتماع لوفرض لم یکن فیه الا کراهة والوراثة ناقلة والوقف اخراج عن الملك والابحاث طویلة الاذیال وانما یفتی فی الوقف بما هوانفع له کیف و الصحة لاشك فیها قطعا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اس مسئلہ کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کردیا ہے، پھر اگر بالفرض عقد و نقد کے اجتماع سے خبث آئے بھی تو اس میں صرف کراہت آئے گی جبکہ وراثت نقل کرنے والی اور وقف ملک سے اخراج کا نام ہے اور اس میں طویل مباحث ہیں، اور بلاشبہ وقف میں فتوٰی اسی پر ہوتا ہے جو اس کے لئے زیادہ نفع بخش ہو تو یہاں کیونکر ایسا نہ ہوگا جبکہ اس کی صحت میں قطعًا شک نہیں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۱: از موضع ملکی پور تھانہ کٹرہ ضلع شاہجہان پور مسئولہ جملہ مسلمانان موضع ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عیدگاہ موضع ملکی پور میں ہے وہ بہت چھوٹی ہے اور عیدین میں بفضلہٖ تعالٰی اس قدر مسلمان جمع ہو جاتے ہیں کہ نماز پڑھنے اور کھڑے ہونے کی

جگہ نہیں رہتی عیدگاہ سے باہر نماز کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں اور عیدگاہ قبرستان میں واقع ہے اگر یہاں وسعت دی جائے تو قبریں اندر آنے کا احتمال ہے اور جگہ بھی تحفظ کی نہیں ہے، مویشی وغیرہ پیشاب وغیرہ کرتے ہیں، ایسی حالت میں عیدگاہ قدیمی چھوڑ کر دوسری جگہ اگر بہت بلند ہے اور فضا کی جگہ ہے اور ہر قسم کا تحفظ ہے، مویشی وغیرہ بھی وہاں نہیں جاسکتے، وسعت دے کر تعمیر کرائی جائے یا نہیں؟ اور عیدگاہ قدیمی میں بحالت چھوڑنے قبرستان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ از روئے شرع شریف معزز و ممتاز فرمایئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ موضع ایک گاؤں ہے، اور ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب میں گاؤں میں عیدین جائز نہیں تو وہاں عیدگاہ وقف نہیں ہوسکتی کہ محض بے حاجت و بے قربت بلکہ مخالف قربت ہے، تو وہ زمین و عمارت ملک بانیان ہیں انہیں اختیار ہے اس میں جو چاہیں کریں، خواہ اپنا مکان بنائیں یا زراعت کریں یا قبرستان کرائیں، اور اب وہاں دوسری عیدگاہ بنائیں گے اس کی بھی یہی حالت ہوگی۔ درمختار میں ہے:

فی القنیة صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای اشتغال بما لایصح[1]۔	قنیہ میں ہے کہ گاؤں میں نماز عید مکروہ تحریمی ہے یعنی ایسی چیز میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں (ت)

اسی کی کتاب الوقف میں ہے:

شرطه ان یکون قربة فی ذاته[2]۔	شرط وقف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت مقصودہ ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۲: از اسکول بنام اسلامی مرسلہ مولوی یعقوب علی ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا پیشہ ڈھولک فروخت کرنے کا ہے، مڑھے ہوئے اور بغیر مڑھے ہوئے دونوں قسم کے ڈھولک فروخت کرتا ہے۔ عمرو کو پیشہ حکمت طبابت بید حکیمی کا کرتا ہے اور قمار بازی بھی کرتا ہے اور دھوکا دہی کرکے مریضوں سے روپیہ لیتا ہے۔ زید و عمرو یہ لوگ کچھ روپیہ مسجد کی مرمت یا مسجد بنوانے میں دیں تو ان کا روپیہ لے کر مسجد میں صرف کیا جائے

[1] درمختار باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ یہ خاص روپیہ جو ہم کو دیتا ہے وجہ حرام سے ہے اس کا لینا اور مسجد میں صرف کرنا جائز ہے کچھ حرج نہیں،

به نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه [1] کما فی الهندیة عن الذخیرة عن الامام محمد۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	اور ہم اسی کو قبول کرتے ہیں جب تک کہ کسی معین شے کے حرام ہونے کا ہمیں علم نہ ہو، جیسا کہ ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۳تا۱۶۵: از شمس آباد ضلع کیمل پور پنجاب علاقہ مرسلہ مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۸رجب مرجب ۱۳۳۱ھ

الاستفتاء فی حضرت مجدد المائة الحاضرة الفاضل البریلوی غوث الانام مجمع العلم والحلم والاحترام امام العلماء ومقدام الفضلاء لازال بالافادة والافاضة والعزوالاکرام! کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک مسجد کاامام تھا بعد اس کی موت کے اس کا برادر حقیقی ایک مدت تک امام رہا جب وہ بھی انتقال کر گیا تو زید کا بیٹا بکر امام ہوا مگر چونکہ وہ دوسری مسجد میں امامت کرتا تھا اس مسجد میں اس نے برضائے مقتدیان اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اس کے لئے معلومات امامت سے ایک شے قلیل مقرر کی اور باقی کا خود لینا ٹھہرایا چنانچہ کئی برس تک جو خلیفہ یکے بعد دیگرے آیا اسی شرط کا پابند رہا یہاں تک کہ خالد نام مولوی زید کے شاگرد علمدینی نے اپنے استاد زادے بکر سے کہا کہ مجھ کو اس مسجد میں آپ امام مقرر کیجئے میں آپ کا خلیفہ رہوں گا اور آپ کے وظائف مقررہ معہودہ میں کوئی نقصان نہ کروں گا پس بکر نے خالد کو اس اقرار پر خلیفہ مقرر کیا اور تخمیناً سترہ اٹھارہ برس تک خالد یہ پابندی شرط مذکور امامتی کراتا رہا اور امور مقررہ میں کبھی چون وچرانہ کی، اب چونکہ بکر کا بیٹا بالغ ہوگیا ہے اور علم امامت سے بہرہ مند ہے لہٰذا بکر خالد کو برطرف کرکے اپنے بیٹے کو امام کرنا چاہتا ہے اور ابتدائے تقرر خالد کے وقت خالد نے تسلیم کرلیا تھا کہ آپ کے بیٹے جب بالغ قابل امامت ہوں یا اور کسی امر سے جب کبھی آپ مجھ کو موقوف کردیں گے تو مثل خلفائے سابقین کے مجھ کو عذر نہ ہوگا، اب خالد اپنے اقرار سے فرار کرکے کہتا ہے کہ میں تمہارا کوئی خلیفہ نہیں کیونکہ جب میں نماز فرض وتراویح وعید وغیرہ خدمات مسجد ومراعات اہل محلّہ ختم دعا، درود سب بذات خود کرتا رہا تو میں امام مستقل ہوگیا تم کو میرے عزل کا کوئی اختیار

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

نہیں اور قبل ہی سے جو کچھ میں نے تم کو دیا یا لینے دیا وہ شرم وحیا کی وجہ سے تھا ورنہ تمہارا کوئی استحقاق نہیں ہے کہ امامت تو میں کراؤں اور منافع تم لو، خلافت اور اصالت کے کیا معنی پس بکر نے علمائے اطراف کو جمع کیا تھا کہ خالد سے تحقیق کریں اور فہمائش کرکے اس کو برطرف ہونے کا حکم دیں مگر خالد ذرا چالاک آدمی ہے علماء سے کبھی امامت کی تعریف، کبھی خلیفہ کے معنی، کبھی وظیفہ امامت کے معنی دریافت کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ امام کی تعریف میرے پر صادق آتی ہے یا کہ بکر پر۔ غرض کہ ایسی باتوں میں وقت ٹال دیتا ہے، یہاں کے علماء کو یہ مسئلہ مصرحہ طور پر اور مفصل کسی کتاب میں نہیں ملتا اور ایسی طاقت نہیں کہ اجزائے مسئلہ کو ابواب مختلفہ ونظائر متفقہ سے استنباط کرکے فیصلہ کریں، چونکہ حضور پر نور بفضلہٖ تعالٰی مذہب مہذب حنفی کے بلکہ جمیع مذاہب حقہ کے مجتہد ہیں اور موافق ومخالف سب کے مسلم ہیں لہذا التماس کہ خالد باوجود دینے وظائف امامت کے بکر کو بہ اقرار خلافت سولہ سترہ برس تک مثل خلفائے پیشیں کے شرعًا مستقل امام متصور ہوگا۔ حالانکہ مقتدی لوگ کل سوا دوچار آدمیوں کے خالد کے اس فرار عن الاقرار سے سخت ناخوش ہیں یا مثل خلفائے پیشیں کے خالد بھی خلیفہ ہی ہوگا، واضح ہو کہ اس ملک میں کئی جگہ دستور ہے کہ ایک شخص ایک مسجد کا امام ہوتا ہے اور باقی مساجد میں خود امامت کا مباشر تو نہیں ہوتا مگر ایسا تصرف رکھتا ہے کہ ان مساجد کے عمدہ عمدہ منافع خود لے لیا کرتا ہے اور معمولی قسم کی آمدنی خلیفہ کو دیا کرتا ہے اور چاہتا ہے تو اسے موقوف کردیتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ قائم کردیتا ہے اور چونکہ اول ہی سے یہ بات قرار داد بین الاصل والخلیفہ ہوا کرتی ہے اور مقتدی لوگ بکر کے اس تصرف پر کسی طرح کے معترض نہیں ہوتے، کچہری انگریزی میں بھی ایک آدھ مقدمہ اس امر کا کیا گیا جس میں اصل ہی کامیاب ہوا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ مسئلہ تین مسائل پر مشتمل: **اول:** آیا امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے؟

دوم: اگر کرسکتا ہے تو وظائف امامت کا مستحق وہ اصل ہوگا اور نائب صرف اسی قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لئے بتایا ازانجا کہ فعل وخدمات امامت یہ نائب بجالاتا ہے، یہی جملہ معلومات کا مستحق ہوگا اور اصل معزول سمجھا جائے گا۔

سوم: اگر اصل معزول نہیں بلکہ وہی اصل امام اور یہ اس کا مقرر کیا ہوا نائب ہے تو آیا امام اصل کو اس نائب کے معزول کر دینے اور اس کی جگہ دوسرا نائب مقرر کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بحمداللہ** یہ تینوں مسائل واضح ومصرح ہیں۔

مسئلہ اولٰی: ہاں امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے، فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

الامام یجوز استخلافه بلااذن بخلاف القاضی وعلی هذالاتکون وظیفته شاغرة وتصح النیابة[1]۔	امام کے لئے بلااجازت نائب مقرر کرنا جائز ہے بخلاف قاضی کے، اسی بنیاد پر اس کا وظیفہ غیر مقرر ہوتا ہے اور نیابت صحیح ہے (ت)

مسئلہ ثانیہ: وظائف امامت کا مستحق اصل ہوگا اور نائب صرف اس قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لئے معین کیا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

یجب العمل بما علیه الناس وخصوصا مع العذر، وعلی ذٰلك جمیع المعلوم للمستنیب ولیس للنائب الا الاجرة التی استأجره بها[2]۔	اس پر عمل واجب ہے جو لوگوں میں معروف ہے خصوصًا عذر کی صورت میں، لہٰذا تمام معلومات اصل امام کے لئے ہوں گے نائب کے لئے فقط اتنی ہی اجرت ہوگی جس پر اصل نے اس کو رکھا ہے۔ (ت)

مسئلہ ثالثہ: صورت مذکورہ میں وہ نائب جبکہ اس کے لئے اصل کچھ مقرر کرے اصل کا اجیر ہوتا ہے پھر اگر وہ اجرت معینہ ہے تو اجارہ صحیحہ ورنہ فاسدہ، اور اگر کچھ مقرر نہ کرے نہ نصًانہ عرفاً، تو اجیر بھی نہیں محض بیگاری ہوتا ہے، صورت اخیرہ میں تو ظاہر ہے کہ نائب کوئی استحقاق اصلاً نہیں رکھتا اس کا کام اصل کی طرف سے ایک مفت ستخدام تھا اصل جس وقت چاہے اسے منع کرسکتا ہے نہ اس صورت میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے، ایسی ہی صورت پر قنیہ میں ہے:

ان النائب لایستحق شیئا من الوقف لان الاستحقاق بالتقریر ولم یوجد[3]۔	بیشک نائب وقف میں سے کسی شیئ کا مستحق نہیں ہوتا کیونکہ استحقاق تو مقرر کرنے سے ہوتا ہے جو پایا نہیں گیا۔ (ت)

اور صورت سابقہ میں وہ نائب اجیر ہے، بحر الرائق میں ہے: النائب وکیل بالاجرة[4] (نائب وکیل

[1] ردالمحتار بحوالہ خلاصہ کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۸، فتاوٰی خیریہ بحوالہ خلاصہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱

[2] فتاوٰی خیریہ بحوالہ خلاصہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱

[3] ردالمحتار بحوالہ القنیۃ کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۸، العقود الدریۃ بحوالہ بحر الرائق کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۵

[4] بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

بالاجرۃ ہوتا ہے۔ت) پس صورت ثانیہ میں کہ اجارہ فاسد ہے آپ ہی ہر وقت اختیار فسخ ہونا درکنار خود وجوب فسخ ہے کہ اجارہ فاسدہ معصیت ہے اور معصیت کا ازالہ فرض، یہاں تک کہ اصل و نائب باہم فسخ نہ کریں تو حاکم پر فرض ہے کہ جبرًا اسے فسخ کردے **کما عرف ذٰلك فی البیوع** (جیسا کہ بیوع میں معلوم ہوچکا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

ولذالایشترط فیه قضاء قاض لان الواجب شرعا لایحتاج للقضاء درر [1]۔	اسی واسطے اس میں قضا قاضی شرط نہیں کیونکہ جو شرعًا واجب ہو وہ قضاء کا محتاج نہیں ہوتا، درر۔(ت)

اور صورت اولٰی میں جبکہ عام رواج یہی ہے کہ کوئی مدت اجارہ معین نہیں کی جاتی کہ سال بھر کیلئے تجھے امام کیا یا چھ مہینے کے لئے بلکہ صرف امامت اور اس کے مقابل ماہوار اتنا پانے کا بیان ہوتا ہے تو اجارہ صرف پہلے مہینے کے لئے صحیح ہوا اور ہر سرماہ اجیر ومستاجر ہر ایک کو دوسرے کے سامنے اس کے فسخ کردینے کا اختیار ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

اجر حانوتا کل شهر بکذا اصح فی واحد فقط وفسد الباقی لجهالتها واذا مضی الشهر فلکل فسخها بشرط حضور الاخر لانتهاء العقد الصحیح [2]۔	دکان کرایہ پر دی کہ ہر ماہ اتنا کرایہ ہوگا تو فقط ایک ماہ کے لئے اجارہ صحیح ہوا باقی مہینوں میں بسبب جہالت کے فاسد ہے اور جب مہینہ پورا ہوگیا تو دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موجودگی میں اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہے کیونکہ عقد صحیح ختم ہوگیا(ت)

بہر حال اصل کو ہر سرماہ پر اس نائب کے معزول کردینے اور دوسرے کو اس کی جگہ نائب کرنے کا اختیار ہے۔ مسئلہ مسئولہ سائل کا تو جواب یہ ہے اور یہاں ایک امر ضروری اللحاظ یہ ہے کہ بعض جگہ معلومات ووظائف امامت ایسے مقرر ہوتے ہیں جو شرعًا جائز یا صحیح نہیں ان کا استحقاق نہ اصل کو ہوگا نہ نائب کو بلکہ صرف اجرت مثل کا، مگر نائب ان میں بھی اصل سے اپنے لئے منازعت نہیں کرسکتا کہ وہ اسے بھی حلال نہیں صرف اپنی اجرت مثل لے سکتا ہے۔ **فلیتنبه** (پس آگاہ رہنا چاہئے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

مسئلہ ۱۶۶: از نینی تال بڑا بازار مرسلہ فدا حسین صاحب سادہ کار ۶ رمضان مبارک ۱۳۳۱ھ

بعالی خدمت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب! جناب من! یہاں مسجد نینی تال میں گیس کی لالٹین روشن کی گئی ہے خاص اندرون مسجد، جس وقت وہ روشن کی جاتی ہے اسپرٹ شراب ڈال کر گرم کی جاتی ہے تب وہ روشن ہوتی ہے اور ایک ہندو ان کو جلانے کے واسطے اندر جا کر جلاتا ہے جس کے پیر دھلائے جاتے ہیں اور ناپاکی سے اس کی کچھ مطلب نہیں، یہ کام جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

اسپرٹ شراب ہے اور شراب ناپاک ہے اور ایسی ناپاک چیز مسجد میں لیجانا منع ہے ہر گز اجازت نہیں، ولہٰذا فتاوٰی عالمگیری ودرمختار وغیرہ معتبر کتابوں میں تصریح فرمائی کہ تیل کسی طرح ناپاک ہوگیا ہو تو مسجد میں اسے جلانا ہر گز جائز نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

یکرہ الوطی والبول والتغوط وادخال نجاسۃ فیہ فلایجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ[1]۔	اور کافر کا اس میں جانا بھی بے ادبی ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا بتوفیقہ تعالٰی (جیسا کہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کر دی ہے۔ت) وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۷: ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی سالار بخش نے محلّہ بانخانہ میں مسجد تعمیر کرائی اور اس کا فرش تھوڑا درست کرا کر چھوڑ دیا اور چہار دیواری وغیرہ بھی ٹھیک طور پر درست نہ کرائی، عرصہ قریب چھ سال کے گزر گیا مگر چند مرتبہ سالار بخش سے کہا گیا انہوں نے کچھ خیال نہ کیا اب اور چند لوگوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہ مسجد ہنوز ایسی نہیں ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے، چنانچہ اس کو درست کریں تاکہ نماز پڑھی جائے، مسمّٰی سالار بخش کو یہ بات ظاہر ہوئی کہ اور لوگ اس مسجد کو درست کرانا چاہتے ہیں فوراً ان لوگوں سے یہ لفظ کہا کہ اس کو میں خود درست کراؤں گا آپ لوگ اس میں ایک حبہ نہیں لگا سکتے ہیں اور نہ میں کسی کو روپیہ لگانے دوں گا جس وقت میرے پاس روپیہ

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

ہو جائیگا میں خود درست کرادوں گا، اب وہ مسجد اسی طرح پر ہے نہ تو کسی کو مرمت کرانے دیتے ہیں اور نہ خود درست کراتے ہیں، امیدوار کہ بعد ملاحظہ جو کچھ حکم شرع شریف ہو تحریر فرما کر مہر ثبت کر دی جائے۔

الجواب:

اگر سالار بخش نے مسجد کی بناڈالی ہے اور ابھی یہ نہ کہا کہ میں نے اسے مسجد کر دیا جب تو وہ ابھی وقف نہ ہوئی سالار بخش کی ملک ہے دوسروں کو اس میں دست اندازی نہیں پہنچتی اور اگر اسے وقف کر چکا یہ کہہ چکا ہے کہ میں نے اسے مسجد کر دیا جب بھی اس کے بنانے کا حق اسی کو ہے اسے چاہئے کہ خود بنائے ورنہ جو مسلمان بنانا چاہتے ہیں ان کو اجازت دے اور اگر باہم راضی ہوں تو یوں کریں کہ ان مسلمانوں سے کہے تم بناؤ اور جو کچھ اس میں صرف ہو وہ میرے ذمہ ہے اس کا حساب لکھتے رہو میں ادا کروں گا یوں مسجد بن بھی جائے گی اور وہ سب مسلمان بھی اس کے بنانے کا پورا ثواب پائیں گے اور ساری مسجد اسی کے روپے سے بنے گی سب مطلب حاصل ہو جائیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۸: از مارہرہ شریف سرکار خورد مرسلہ حضرت سید شاہ میاں صاحب ۹ رمضان مبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس کا صحن مسقف ہے اور اس سقف کے نیچے سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے اب اس سقف کو بالائی حصہ مسجد میں بطور صحن شامل کر لیا ہے ایسی حالت میں حسب مذہب اہلسنت وجماعت اس مسقف صحن میں نماز جائز ہے یا نہیں اور حصہ زیریں جو مرتب ومسقف ہے بدستور رکھا جائے یا بھراؤ ڈال کر صحن بنالیا جائے، ایسی صورت میں کہ سقف نہ رکھی جائے اور ایک بنی بنائی عمارت مسمار کر دی جائے شرعاً خلاف ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب وروایات جواب لکھا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سوال میں حصہ بالائی وحصہ زیریں کہنے سے ظاہر کہ مسجد دو طبقہ ہے: علو وسفل یعنی بالاخانہ ومنزل زیریں۔ اور یہ الفاظ کہ ایک مسجد جس کا صحن مسقف ہے اور اس سقف کے نیچے سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ سرے سے بانی مسجد نے طبقہ سفل کا کوئی صحن نہ رکھا بلکہ اس کے دونوں درجہ اندرونی وبیرونی مسقف ہی بنائے اور بعد کے الفاظ کہ اب اس وقف کے بالائی حصہ مسجد میں بطور صحن شامل کر لیا ہے یہ بھی سقف کا حدوث نہیں بناتے بلکہ اس کا پہلے سے ہونا اور اسے طبقہ علو کے لئے بجائے صحن قرار دینے کا حدوث۔ لیکن سفل جب اصل سے دو درجہ مسقف ہو اور درجہ اندرونی پر علو ہو تو درجہ بیرونی کی سقف خود ہی اس علو کے لئے بجائے صحن ہوگی، اب بطور صحن شامل کر لیا ہے

کا کیا محصل ہوگا یہ ظاہرًا حدوث سقف کی طرف ناظر ہے مگر یہ کہ اس وقف پر نماز پہلے نہ پڑھی جاتی ہو اب پڑھنے لگے بایں معنی شامل کرنے کا حدوث بتایا ہو، نیز صحن کا مسقف کہنا بھی حدوث سقف کا پتا دیتا ہے کہ صحن کبھی مسقف نہیں ہوتا نہ مسقف کو صحن کہیں مگر بایں معنے کہ پہلے جو صحن تھا بعد کو مسقف کرلیا ہے، اسی طرح عبارت سوال کہ اس مسقف صحن میں نماز جائز ہے یا نہیں نظر بالفاظ اسی درجہ بیرونی منزل زیریں سے سوال ہے کہ وہی صحن مسقف ہے اور اوپر اسی کو اس لفظ سے تعبیر کیا بھی تھا، مگر وہاں تو سودوسو برس سے نماز ہوتی ہے اور اس میں عدم جواز کا کوئی منشا بھی نہیں، ہاں سقف کو جو حصہ بالا میں اب شامل کیا گیا اسے صحن حادثات بتایا اور یہاں سوال کے لیے منشا بھی ہے شاید اسے مسقف بایں معنی کہا ہو کہ یہ درجہ زیریں کی سقف کیا گیا ہے نہ یہ کہ اس پر سقف بنائی گئی بہر حال ہم ہر احتمال پر کلام کریں۔ یہ سقف اگر حادثات ہے بانی مسجد نے منزل زیریں کے سامنے صحن رکھا تھا بعدہ کسی نے اسے بھی مسقف کردیا، جب تو ظاہر ہے کہ اس درجہ بیرونی میں جو پہلے صحن تھا اور اب مسقف ہے عدم جواز نماز کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ بدستور مسجد ہے سقف نے اسے مسجدیت سے خارج کیا، ہاں اس سقف پر بلاضرورت نماز کی اجازت نہیں کہ سقف مسجد پر بے ضرورت چڑھنا ممنوع وبے ادبی ہے اور گرمی کا عذر مسموع نہ ہوگا، ہاں کثرت جماعت کہ طبقہ زیریں کے دونوں درجے بھر جائیں اور لوگ باقی رہیں تو سقف پر اقامت نماز کی اجازت ہوگی، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولهذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علی سطحه للضرورۃ[1]۔	ہر مسجد چھت پر چڑھنا مکروہ ہے یہی وجہ ہے کہ شدید گرمی کے باوجود مسجد کی چھت پر باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر جب مسجد نمازیوں کے لئے تنگ پڑ گئی تو مجبورًا چھت پر چڑھنا مکروہ نہیں (ت)

اور اگر یہ سقف قدیم ہے خود بانی مسجد ہی نے طبقہ زیریں کے دونوں درجے مسقف بنائے تو اب نظر لازم ہے اگر ثابت اور تحقیقًا معلوم ہو کہ بانی نے اصل مسجد علو کو رکھا اور نیچے یہ دو درجے وقت ضرورت کے لئے بنادئے کہ اگر جماعت کثیر ہو تو ان میں قیام کریں تو اس صورت میں ظاہرًا سقف پر نماز مطلقًا جائز ہے کہ درجہ زیریں حسب نیت بانی اصل مسجد نہیں بلکہ تابع ومعین مسجد ہے اور زیر سقف تو مطلقًا جواز خود ظاہر ہے کہ وقت ضرورت کی نیت اس کے غیر میں ممانعت نہیں **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اور اگر ثابت ہو کہ بانی نے اصل مسجد طبقہ زیریں کو کیا اور طبقہ بالا وقت ضرورت یا وقت گرمی کے لئے بنایا دونوں کو اصل مسجد کیا مثلًا

---
[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

اختلاف موسم کے خیال سے طبقۂ زیریں بالکل مسقف اور طبقہ بالا مع صحن بنایا یا کچھ ثابت نہ ہوا تو ان تینوں صورتوں کا حکم مثل اس سب سے پہلی صورت حدوث سقف کے چاہئے کہ دو صورت پیشین میں تو طبقہ زیریں کا مسجد ہونا خود ہی ثابت و مراد ہے تو یہ سقف سقف مسجد ہوئی اور سقف مسجد پر بے ضرورت صعود ممنوع، اور صورت اخیرہ میں اگرچہ نصًا ثبوت نہ ہو عرفًا ثبوت ہے کہ منازل میں منزل زیریں ہی اصل ہے اور بالاخانہ تابع کہ اس کا قیام اس پر موقوف اور صحن نہ رکھنا عدم ارادہ اصالت کا موجب نہیں جیسے صورت لحاظ مواسم میں گزرا، بالجملہ زیر سقف نماز پڑھنا مطلقًا جائز ہے اور چھت پر بحال ضرورت تو مطلقًا اور بلاضرورت صرف اس صورت میں کہ بانی سے بتحقیق طور پر ثابت ہو کہ مسجد صرف علو کو کیا اور اسے تابع رکھا، باقی صورتوں میں چھت پر نماز سے احتراز ہو۔ رہا بھراؤ ڈال کر حصہ زیریں کو نیست ونابود کردینا یہ کسی صورت جائز نہیں جن صورتوں میں یہی مسجد یا یہ بھی مسجد ہے جب تو ظاہر کہ یہ مسجد کا اعدام اور معاذاللہ اس وعید شدید پر اقدام ہوگا،

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ"[1]	اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو لوگوں کو مساجد میں ذکر الٰہی سے منع کرے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ (ت)

اور اگر نہیں تو لااقل وقف صحیح تابع مسجد ہے اور وقف کی ہیئت بدلنا تو جائز نہیں، نہ کہ بالکل مسدود ومفقود کردینا۔ عالمگیریہ میں سراج وہاج سے ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن هیأته فلایجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا الا اذا جعل الواقف الی الناظر مایری فیه مصلحة الوقف[2] اھ هذا کله ماظهر لی۔ واللّٰہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا مکان کو باغ، سرائے کو حمام اور اصطبل کو دکان نہیں بنایا جائے گا ہاں اگر واقف نے خود متولی کو مصلحت وقف کے لئے تبدیلی کا اختیار دیا ہو تو جائز ہے اھ یہ تمام میرے لئے ظاہر ہوا۔ واللّٰہ سبحانه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۹: ۱۰ ذی القعدۃ الحرام ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک زمین مسجد کہ اس میں اور مسجد میں راہ وغیرہ کوئی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

فاصل نہیں، کثرت جماعت کے وقت اس میں نماز بھی ہوتی ہے اور ایسے وضو وغیرہ ضروریات مسجد کے لئے ہے کیا متولی یا دیگر مسلمین کو یہ جائز ہے کہ اسے مسجد سے توڑ کر شارع عام میں شامل کردیں یا بالعوض خواہ بلاعوض سڑک بنانے کے لئے دے دیں اور ایسا کرنا حقوق مسجد پر دست درازی کرنا ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک ایسا کرنا حرام قطعی اور ضرور حقوق مسجد پر تعدی اور وقف مسجد میں ناحق دست اندازی ہے شرع مطہر میں بلاشرط واقف کہ اسی وقف کی مصلحت کے لئے ہو وقف کی ہیأت بدلنا بھی ناجائز ہے اگرچہ اصل مقصود باقی رہے تو بالکل مقصد وقف باطل کرکے ایک دوسرے کام کے لئے دینا کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ سراج وہاج وفتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأته فلایجعل الدار بستانا ولاالخان حماما ولاالرباط دکانا الااذاجعل الواقف الی الناظر مایری فیه مصلحة الوقف[1]۔	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں، لہٰذا مکان کو باغ، سرائے کو حمام اور اصطبل کو دکان نہیں بنایا جائے گا مگر اس وقت یہ تبدیلی ناجائز نہ ہوگی جب واقف نے خود متولی کو اختیار دیا ہو کہ مصلحت کے لئے جو تبدیلی بہتر سمجھیں کرلیں۔ (ت)

فتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہ کتب میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه۔[2]	وقف کو اپنی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے (ت)

خصوصًا ایسی تبدیلی جس سے خاص مسلمانوں کا حق عام آدمیوں مسلم غیر مسلم سب کے لئے ہوجائے جب وہ سڑک ہوئی تو اس میں مسلم کافر سب کا حق ہوجائے گا اور پہلے وہ صرف حق مسلماناں تھی تو کیونکر جائز ہو کہ مسلمانوں کا حق چھین کر عام کردیا جائے، کیا کوئی ہندو گوارا کرسکتا ہے کہ اس کے شوالے یا مندر کا کچھ حصہ توڑ کر مسلمانوں کو اس میں حقدار کردیا جائے تو عجب اس مسلمان سے کہ اپنے دین پر ایسے ظلم کا مرتکب ہو، یا اگر کوئی مسلمان کسی زمین، مندر یا ہندو کسی زمین مسجد کے ساتھ ایسا کرے تو گورنمنٹ اسے روا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰، ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

رکھے گی ہر گز نہیں بلکہ ضرور اسے اس مسلم یا ہندو کی جبر و تعدی اور مذہبی دست اندازی قرار دے گی علی الخصوص ایسی زمین کہ اگر عین مسجد نہیں فنائے مسجد ہے۔ غنیہ میں ہے:

فناء المسجد هو المكان المتصل به ليس بينه طريق[1]۔	فنائے مسجد وہ مکان ہے جو مسجد کے متصل ہو اور درمیان میں راستہ نہ ہو۔ (ت)

اور فنائے مسجد کی حرمت مثل مسجد ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۱۱ میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قيم المسجد لايجوز له ان يبنى حوانيت فى حد المسجد اوفى فنائه لان المسجد اذاجعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته وهذالايجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد[2]۔	متولی کو مسجد کی حد یا مسجد کے فناء میں دکانیں بنانے کا اختیار نہیں کیونکہ مسجد کو جب دکان یا رہائش گاہ بنالیا جائے تو اس کا احترام ساقط ہو جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے اور فنائے مسجد چونکہ مسجد کے تابع ہے لہٰذا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو مسجد کا ہے۔ (ت)

جب فنائے مسجد میں خود مصلحت مسجد کے لئے دکان بنانا متولی مسجد کو حرام، اور مسجد کی بے ادبی اور اس کی حرمت کا ساقط کرنا ہے تو فنائے مسجد کو عام سڑک کے لئے دے دینا کس درجہ سخت حرام اور مسجد کی بے حرمتی اور اس کی عظمت کا منہدم کرنا ہوگا۔ وہ جو بعض کتب میں ہے کہ ضرورت و مجبوری کے وقت مسجد کو راستہ بنانا جائز ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ بضرورت مسجد میں ہو کر دوسری طرف کو نکل جانا جائز ہے کہ مسجد میں دوسری طرف جانے کے لئے چلنا حرام ہے مگر بضرورت کہ راستہ گھرا ہوا ہے اور مسجد ہی میں سے ہو کر جا سکتا ہے جیسے موسم حج میں مسجد الحرام شریف میں واقع ہوتا ہے اس کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی جنب یا حائض یا نفساء کو نہیں نیز گھوڑے یا بیل گاڑی کو نہیں، ہو کر نکل جانے کیلئے بھی ان کا جانا لے جانا ہر گز جائز نہیں، نہ یہ کہ معاذ اللہ اسے مسجدیت سے خارج کرکے گزر گاہ عام کر دیا جائے کہ مسلم کافر جانور پاک ناپاک سب کے لئے شارع عام ہو جائے یہ ہر گز حلال نہیں ہو سکتا۔ اشباہ والنظائر احکام المسجد میں ہے:

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی احکام المسجد سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۱۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

لایجوز اتخاذ طریق فیه للمرور الالعذر [1]۔	سوائے ضرورت کے مسجد میں سے گزرنے کیلئے راستہ بنانا ناجائز ہے(ت)

اس کی شرح غمز العیون والبصائر میں ہے:

قوله ولایجوز اتخاذ طریقه فیه للمرور یعنی بان یکون له بابان فاکثر فیدخل من هذا ویخرج من هذا [2]۔	ماتن کے قول کہ "مسجد سے گزرنے کے لئے راستہ بنانا ناجائز ہے" کا معنی یہ ہے کہ مسجد کے دو یا دو سے زیادہ دروازے ہوں تو ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائے(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ وفتاوٰی خلاصہ میں ہے:

رجل یمر فی المسجد ویتخذ طریقا ان کان بغیر عذر لایجوز وبعذر یجوز ثم اذا جاز یصلی فی کل یوم مرة لافی کل مرة [3]۔	ایک شخص مسجد سے گزرتا ہے اور اس کو راستہ بناتا ہے اگر عذر ہے تو جائز ہے بلا عذر ہے تو ناجائز ہے پھر اگر اس کو گزرنا جائز ہو تو ہر روز ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھے نہ کہ ہر بار جب بھی گزرے(ت)

تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق للامام الزیلعی وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا جعل فی المسجد ممرا فانه یجوز لتعارف اهل الامصار فی الجوامع جاز لکل واحدان یمرفیه حتی الکافر الا الجنب والحائض والنفساء ولیس لهم ان یدخلوافیه الدواب [4]۔	اگر مسجد میں سے کوئی حصہ مسلمانوں کے لئے عام راستہ گزرگاہ بنا دیا جائے تو جائز ہے کیونکہ شہروں کے لوگوں میں جامع مسجدوں میں ایسا متعارف ہے اور ہر ایک کو اس راہ گزر سے گزرنے کی اجازت ہوگی حتی کہ کافر کو بھی، مگر جنبی اور حیض ونفاس والی عورتوں کو گزرنے کی اجازت نہیں اور لوگوں کو یہ اختیار نہیں کہ اس راستے سے اپنے جانوروں کو لے کر جائیں۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

[3] خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلٰوۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۹

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

محیط امام برہان الدین و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان ارادوا ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذٰلك وانه صحیح[1]۔	اگر لوگوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لئے گزرگاہ بنادیں تو کہا گیا ہے کہ انہیں ایسا کرنے کا اختیار نہیں، اور بیشک یہی صحیح ہے (ت)

اسی طرح فتاوٰی امام فقیہ ابواللیث پھر فتاوٰی تاتارخانیہ وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۰: از محلّہ کوٹ پرگنہ سنبھل ضلع مرادآباد مکان مولوی لئیق احمد صاحب مرسلہ مطہر حسین صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

جلسہ چندہ واسطے مصارف خیر کے مساجد میں خصوصًا جامع مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ چپقلش نہ ہو اور کوئی بات خلاف ادب مسجد نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۱: از گونڈہ محلّہ گنج مکان مولوی نوازش احمد صاحب مرسلہ حافظ محمد اسحاق صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

مسجد قدیم کہنہ کو شہید کرکے اسی مقام پر یا کچھ فاصلہ سے ہٹ کر دوسری جگہ مسجد جدید کوئی بنوادے تو اس بارے میں شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:

مسجد کو اس لئے شہید کرنا کہ وہ جگہ ترک کردیں گے اور دوسری جگہ مسجد بنائیں گے مطلقًا حرام ہے قال تعالٰی:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ"[2]	اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ (ت)

اور اگر اس لئے شہید کی کہ یہیں از سر نو اس کی تعمیر کرائے تو اگر یہ امر بے حاجت و بلاوجہ صحیح شرعی ہے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

تو لغو وعبث وبے حرمتی مسجد وتضییع مال ہے اور یہ سب ناجائز ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی کرہ لکم ثلثا قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال [1]، وقال تعالٰی "وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ" [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند بنایا: قیل وقال، کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنا۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں(ت)

ہدایہ میں ہے: **العبث حرام** [3] (فضول خرچی کرنا حرام ہے۔ت) اور اگر بمصلحت شرعی ہے مثلاً اگر اس میں اور زمین شامل کرکے توسیع کیجائے گی یا بنا کمزور ہوگئی ہے محکم بنائی جائے گی تو اصل بانی مسجد ورنہ اہل محلّہ کو اس میں اختیار ہے **کما فی الھندیۃ والدر المختار وغیرہما** (جیسا کہ ہندیہ اور درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۲: از علی گڑھ سوسائٹی کارڈن مسئولہ حمید الدین خاں بی اے ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ معرفت سید برکت علی صاحب:

معظمی زاد عنایتہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ! تھوڑا عرصہ ہوا جب مجھے آپ کے ہمراہ جناب مولٰنا صاحب قبلہ سے شرف قدم بوسی حاصل ہوا تھا اس روز میں نے مولٰنا صاحب کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ ایک صاحب نے مسجد کے متعلق چند کتب احادیث کی اسناد پر یہ مواد جمع کیا ہے کہ راستہ کی فراخی کے لئے مسجد میں سے کچھ حصہ بشرط گنجائش لینا جائز ہے جس میں آنجناب مولٰنا صاحب قبلہ نے یہ فرمایا تھا کہ وہ غلطی پر ہیں بلکہ اس مسئلہ کا منشا بحالت ہجوم مسجد کے کسی حصہ میں سے گزرنے کا جواز ہے اس پر میں نے ان صاحب کو انکی غلطی پر بذریعہ خط متنبہ کیا عرصہ کے بعد ان کا جواب آیا افسوس ہے کہ وہ اپنی جائے قیام پر نہیں ہیں اس وجہ سے ان کے پاس وہ ان کا رسالہ اور وہ کتب جن سے مواد جمع کیا تھا موجود نہ تھیں مگر جو انہوں نے مجھے اپنی یادداشت سے لکھا بجنسہٖ نقل کرکے ارسال خدمت کررہا ہوں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب النہی عن کثرۃ المسائل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۶-۲۷

[3] الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۸

نام کتاب جس میں سے مواد حاصل کیا: اشباہ والنظائر مصنفہ امام ابراہیم باب فوائد شتی ص ۴۰۴ و ۴۰۵ مطبوعہ ۱۲۸۳ھ مطبع نظامی یا مصطفائی کانپور۔

عبارت خط: جو حوالہ میں نے آپ کو لکھا تھا وہ اس طرح ہے:

لو ضاق الطریق علی المارۃ والمسجد واسع فلھم ان یوسعوا الطریق من المسجد۔	اگر راستہ گزرنے والوں کے لئے تنگ ہو اور مسجد وسیع ہو تو انہیں مسجد کا کچھ حصہ لے کر راستہ میں توسیع کرنے کا اختیار ہے (ت)

اور دوسری جگہ:

ماضاق المرور ولوکان مسجدا واسعا یجوز انھدامہ۔	جب گزر ناد شوار ہو اور مسجد وسیع ہو تو اس کا انہدام جائز ہے۔ (ت)

قریب قریب ایسی ہی عبارت جو مجھے کل اور اچھی طرح یاد نہیں ہے، عبارت بالا اشباہ والنظائر میں صاف لکھی ہے اور صاحب رد المحتار نے اسی کو مرجح اور معتمد لکھا ہے حکم بالا میں مسجد کے متعلق ہے فناء مسجد یعنی وضو خانہ، حجرہ، غسل خانہ میں تو بحث ہی فضول ہے۔ یہ عبارت انہوں نے مجھے لکھ کر بھیجی ہے غالبًا یہ کتاب آنجناب مولانا صاحب کے وسیع کتب خانہ میں ضرور موجود گی ہوگی اور اس کو دیکھ کر آں جناب ضرور اس کی صحت اور موقع پر غور فرما سکیں گے **والسلام**۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ جناب مولانا صاحب قبلہ کے فیصلہ سے مجھے بھی مطلع فرمائیں تو باعث کمال عنایت ہوگا علاوہ اضافہ معلومات مجھے ان حضرت کو بھی لکھنے کا موقع مل سکے گا میرا پتہ حسب ذیل ہوگا:

محمد حمید الدین خاں بی اے، سوسائٹی کارڈن علی گڑھ

الجواب:

استغفر اللہ العظیم ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم الحکیم، نہ کتاب مستطاب اشباہ والنظائر کے مصنف امام ابراہیم نہ اشباہ میں **معاذاللہ** کہیں ان کا پتہ کہ **لوکان مسجدا واسعا یجوز انھدامہ** (اگر مسجد وسیع ہو تو اس کا انہدام جائز ہے۔ ت) نہ کوئی مسلمان ایسا کہہ سکے نہ کوئی

عربی دان ایسی عبارت لکھے نہ کہ علامہ زین بن نجیم مصری مصنف اشباہ ان کی نسبت یہ محض تہمت ہے یا نرا اشتباہ۔ کسی شخص کے اپنے تخیل میں یہ لفظ پیدا ہوئے ہوں گے جس کی عربیت فاسد اور معنی باطل، کوئی آدمی ابراہیم نامی وہاں موجود یا مخیل ہوگا اور کتاب اشباہ کہیں رکھی ہوگی سب تصورات جمع ہو کر یہ یاد رہا کہ امام ابراہیم نے اشباہ میں ایسا لکھا اگرچہ نظر بواقع وہی مثال ہے کہ۔

چہ خوش گفتست سعدی در زلیخا　　　　　　الا ایھا الساقی ادر کاسا وناولہا

(کیا خوب کہا سعدی نے زلیخا میں، خبردار اے ساقی! جام کو گردش دے اور عطا کر۔ ت)

بلکہ اس سے بھی ہزار درجہ بدتر ہے کہ اگرچہ نہ کتاب زلیخا شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالٰی کی تصنیف نہ مصرع دوم ان کا، نہ اس کتاب کا، مگر آخر ہے تو ایک عارف کا قول بخلاف اس کے کہ مسجد ڈھانے کی حلت اور اشباہ کی طرف اس کی نسبت، افسوس کہ ناقل نے جس کتاب کے صفحہ ۴۰۴ سے پہلی عبارت نقل کی اس سے گیارہ ہی ورق اوپر صفحہ ۳۸۱ میں اس کے معنی کی صریح تشریح نہ دیکھی کہ "لایجوز اتخاذ طریق فیہ للمرور یعنی بان یکون لہ بابان فاکثر فیدخل من ھذا ویخرج من ھذا" [1]

یعنی مسجد میں راستہ بنانا جو ناجائز ہے اور عذر کی صورت میں جس کی اجازت دی گئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ مسجد کے دو یا زیادہ دروازے ہوں ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائے۔ **بحمد اللہ تعالٰی** اس یعنی نے معنی کو صاف کر دیا اور جب خود اسی کتاب میں جو عبارت تھی نظر نہ آئی اور جو نہ تھی وہ متشکل ہو گئی تو اس کی کیا شکایت کہ خود انہیں امام مصنف اشباہ کی دوسری جلیل و عظیم کتاب بحر الرائق نہ دیکھی جس میں انہوں نے صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ مسجد کو راستہ بنانے سے یہی مراد ہے کہ مسجد بحال خود قائم و برقرار رہے اور کسی کام کے لئے اس میں ہو کر نکل جائے اور صریح تصریح فرمادی ہے کہ یہ ناپاک مرد یا عورت کے لئے حلال نہیں، نہ اس میں گھوڑا یا بیل وغیرہ جانور لے جاسکتے ہیں، عبارت یہ ہے بحر الرائق مطبع مصر جلد پنجم ص ۲۷۶:

ومعنی قولہ کعکسہ انہ اذاجعل فی المسجد ممرا فانہ یجوز لتعارف اھل الامصار فی الجوامع و جاز لکل واحد ان یمر فیہ حتی	یعنی مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں ہو کر مرور کے لئے جگہ ٹھہرالے تو روا ہے کہ شہروں کی جامع مسجدوں میں اس کا عام رواج ہو رہا ہے اور اس میں

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث. القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

الکافر الا الجنب والحائض والنفساء لماعرف فی موضعہ ولیس لھم ان یدخلوا فیہ الدواب[1]۔	ہو کر ہر شخص کو گزر جانے کی اجازت ہوگی یہاں تک کہ کافر کو مگر جنابت والے مرد و عورت اور حیض والی عورت اور نفاس والی ان میں کسی کو وہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہو سکتی کہ مسجد میں ان کا جانا حرام ہونا اپنی جگہ یعنی کتاب الطہارۃ میں معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی انہیں اختیار نہیں کہ اس جگہ جانور لے جائیں (ت)

بعینہٖ اسی طرح تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی و درر الحکام و در مختار و فتاوی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔اس ارشاد علماء کو ایمان کی نگاہ سے دیکھنے والے پر آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ مسجد کو راستہ بنانے کے معنی خود انہوں نے کیا ارشاد فرمائے اور کیا مراد بتائی،اور یہ کہ **معاذ اللہ** مسجد توڑ کر سڑک میں ڈال لو جس میں آدمی،جنب،حائض،نفسا،گھوڑے،گدھے،غلیظ کی گاڑیاں سب گزریں اور سب کا حق مساوی ہو اور کسی کو منع نہ کر سکو نہ وہاں منڈھی ڈال کر بیٹھ سکو کہ جو آدمی گزرے اس سے پوچھو تجھے نہانے کی حاجت تو نہیں،جو عورت گزرے اس سے دریافت کرو تجھے حیض تو نہیں،اور جو ایسا کرے بھی تو مجنون کہلائے اور فائدہ کچھ نہیں کہ کسی کو روک سکو اور روکو تو روز فساد ہو **استغفر اللہ** کیا ایسی بے معنی بیہودہ بات علماء نے اپنی مراد بتائی یا یہ کہ مسجد اپنے حال پر قائم و برقرار رہے اس کے تمام آداب بدستور فرض و مقرر ہیں نہ اسمیں کوئی جانور جاسکے،نہ جنب،نہ حائض،نہ نفاس والی،اور ان کے علاوہ اور آدمی ہو کر گزر جائے،یہ بھی پیش نظر رہے کہ وہ جس امر کی اجازت دے رہے ہیں اسے صاف بتا رہے ہیں کہ عام شہروں کی جامع مسجدوں میں اس کا رواج ہے،اب یہ دیکھ لیجئے کہ جامع مسجدوں کا عام دستور کیا ہے،آیا یہ کہ مسجدیں توڑ کر سڑک میں ڈال لی جاتی ہیں،حاشا کوئی اندھا بھی ایسا نہیں کہہ سکتا تو بس جتنی بات کا عام شہروں کی جامع مسجدوں میں رواج چلا آتا ہے اسی کی وہ اجازت دے رہے ہیں اور وہی ان کی مراد ہے اس سے زیادہ باطل و ایجاد ہے **واللہ یقول الحق ویھدی السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل** (اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے اور وہی مجھے کافی اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل لما اختص المسجد باحکام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۵

مسئلہ ۱۷۳ تا ۱۸۱: مسئولہ محمد علاؤالدین صاحب مالگذار رئیس تحصیل ملتائی ضلع بیتول ملک متوسط ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اس مختصر قصبہ ملتائی میں قریب سو سال سے ایک مسجد کمترین کے بزرگوں کی تعمیر کرائی ہوئی موجود ہے جس میں نماز پنجگانہ وجمعہ ہوا کرتا ہے یہاں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے قریب ستر پچھتّر مکان ہوں گے ان میں بھی صوم وصلوٰۃ کے پابند صرف معدودے چند اشخاص ہیں تاہم تفرقہ انداز نفوس موجود ہیں امسال رمضان شریف میں روزہ جلد افطار کرنے کی کٹ حجتی پر یعنی متولی مسجد کے یوم غیم میں کچھ دیر کرکے روزہ افطار کرنے کی تنبیہ پر زید وبکر وخالد وعمرو نے مسجد قدیمی سے کنارہ کشی اختیار کرکے اور دس بیس آدمیوں کو ورغلا کر مسجد میں تراویح پڑھنے وقرآن شریف سننے سے جو حافظ صاحب نماز تراویح میں پڑھتے تھے خود بھی باز رہے اور دیگر لوگوں کو بھی باز رکھا اور ترک جماعت کرکے ایک دوسری جگہ نماز پنجگانہ وتراویح ونماز جمعہ پڑھنے لگے اور اپنی ضد وتفرقہ اندازی کی غرض سے اور چند جاہل مسلمانوں کو اکسا و ورغلا کر اپنا ہم خیال بنا کر جابجا سے چندہ وصول کرکے ایک دوسری مسجد تعمیر کرنے کی فکر کر رہے ہیں بلکہ ایک ویرانی خانگی مسجد کو جو ایک خاندان کے لئے مخصوص تھی جس میں اب کوئی علامت مسجد کی باقی نہیں نہ دیوار ودر ثابت ہیں نہ منبر وغیرہ کا نشان نظر آتا ہے پچاس ساٹھ برس سے بالکل ویران پڑی ہوئی ہے اسی کو باجازت اس کے متولیوں کے از سر نو تعمیر کرا کر مسجد حال کو ویران کرنے کی نیت سے اس مسجد سے بالکل کنارہ کش ہو بیٹھے ہیں اور اس اپنی منافقانہ وکافرانہ حرکت وضد کو قرین ثواب وجائز قرار دے کر اسی پر اڑے ہوئے ہیں کہ ہم دوسری مسجد بنا کر رہیں گے حالانکہ سب کے سب علم دین سے محض نابلد وجاہل مطلق ہیں کہ آیہ کریمہ قرآن پاک پ ۱۱ رکوع ۲ میں جو اس قسم کی مسجد ضرار کے بارہ میں احکام الٰہی صاف روشن ہیں اس کا ترجمہ دیکھ کر اس کے معنی الٹے سمجھتے ہیں کہ یہ یہود ونصارٰی سے متعلق ہے انہیں کے لئے نازل ہوئی ہے لہٰذا ان کے منافقانہ تفرقہ اندازی سے باز رہنے کے لئے حسب ذیل امور کیلئے علمائے دین موجودہ حال لکھنؤ کے مواہیر سے مثبتہ فتوٰی درکار ہے اور رفع شر کے لئے ایسے فتوے کی اشد ضرورت ہے، اللہ جل شانہ نے آپ صاحبوں کو علمی فضیلت دی ہے، نہایت عاجزی سے ملتجی ہوں کہ براہ عنایت وتحصیل ثواب فتوٰی مسندہ جلد ارسال فرما کر عنداللہ وعندالناس مشکور ہوں گے۔

(۱) کیا مذکورہ بالا اشخاص ایک مسجد قدیمی کی ضد پر موجودہ حال وآبادی سے قریب ومتصل ہے اور اس میں پوری گنجائش نمازیوں کی کافی طور سے ہوتی ہے اور جس میں عرصہ قریب سو سال سے نماز پنجگانہ وجمعہ ادا ہوتی ہے بلکہ مذکورہ بالا اشخاص وبستی کے مسلمان صرف ایک مسجد کو بھی پورے طور سے آباد نہیں رکھ سکتے ہیں باہم نفاق ڈالنے کی نیت سے بلا ضرورت دوسری مسجد تعمیر کرانا اور چند

انجان مسلمانوں کو ترغیب دے کر اس قدیمی مسجد سے باز رکھنا اور اپنی ایک جداگانہ جماعت قائم کرنا یہ فعل ان کا منافقانہ داخل کفر و ناروا ہے یا نہیں؟

(۲) دیگر بے شر و بے لوث مسلمانوں کے لئے ان کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا کیا؟

(۳) ان سے راہ و رسم، سلام مسنون یا ان میں سے بطور قاضی کے کسی کا نکاح پڑھانا جائز یا کیا:

(۴) مسجد ضرار جو ایک مسجد کی ضد پر بنائے فساد قائم کی جائے اس کے گرادینے و منہدم کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟

(۵) کیا ایسا شخص مذکورہ بالا جو ایسے شر و نفاق کا بانی مبانی ہو امامت کے قابل ہو سکتا ہے؟ کیا اس کی امامت جائز ہے۔؟

(٦) کیا ایسی مسجد کی تعمیر کے لئے جس کی بنا ضد و نفاق پر ہو اور جو ضرار کی تعریف میں داخل ہو کچھ چندہ دینا یا دیگر طریقہ سے مدد دینا جائز ہے؟

(۷) کیا ذابح بقر و غنم کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یعنی جو شخص اجرت لے کر ذبیحہ کرتا ہو وہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۸) کیا نماز جمعہ ایسی جگہ جہاں مسلمانوں کے ستر پچھتّر مکان ہوں اور نمازی بمشکل تیس چالیس جمع ہوتے ہوں نماز جمعہ دو جگہ ہو سکتی ہے؟

(۹) جو شخص بستی و قوم میں ہر طرح معزز و رئیس ہو اور وہ متولی مسجد بھی ہو اس کے خلاف برگشتہ ہو کر معمولی حیثیت کے مسلمان کا ایسا شر پیدا کرنے کا طرز عمل جائز ہے؟ **بینوا توجروا یا اولی الابصار۔**

الجواب:

(۱) اگر فی الواقع ان کی نیت جماعت مسلمین کی تفریق اور مسجد قدیم کی تخریب ہو تو ضرور وہ مرتکب سخت کبیرہ ہیں اور اس تقریر پر ان کی مسجد مسجد ضرار ہو گی مگر اتنی بات پر حکم تکفیر ناممکن ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جب ان پر حکم کفر نہیں تو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کیوں نادرست ہو گا؟

(۳) جو لوگ اس تقدیر پر فساق و مرتکب کبائر ہیں ان سے ابتداء بہ سلام ناجائز ہے اور بغرض زجر و تنبیہ ترک راہ و رسم بہتر ہے اور جب راہ و رسم نہ ہو گی تو اپنی شادیوں میں بلانا اور نکاح پڑھوانا بھی نہ ہو گا لیکن اگر وہ نکاح پڑھائیں تو اس نکاح میں کوئی جرم لازم نہ آئے گا۔

(۴) ضرور ہے مگر جبکہ ضرار ہونا یقیناً ثابت ہو۔ دو جماعتوں میں رنجش ہوئی اور ایک جماعت دوسری کی

مسجد میں بخوف فتنہ آنا نہ چاہے اور مسجد میں نماز پڑھنا ضرور، لہٰذا وہ اپنی مسجد بنائے تو اسے مسجد ضرار نہیں کہہ سکتے، مسجد ضرار اسی صورت میں ہوگی کہ اس سے مقصود مسجد کو ضرر دینا اور جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا ہو، نیت امر باطن ہے محض قیاسات وقرائن کا لحاظ کرکے ایسی سخت بات کا حکم نہیں دے سکتے خصوصًا اس حالت میں جبکہ وہ جدا مسجد بنانا نہیں چاہتے بلکہ جو مسجد پہلے موجود تھی اس کا احیاء چاہتے ہیں۔

(۵) ایسے شخص کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، جبکہ صورت واقعہ یہ ہو جو سائل نے ذکر کی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۶) اگر امر مذکور ثابت ہو تو اس میں کسی طرح مدد دینا جائز نہیں۔

(۷) یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے ذبح بقر کوئی جرم نہیں، نہ اس پر اجرت لینا ممنوع، تو اس وجہ سے امامت میں کیا حرج ہوسکتا ہے۔

(۸) نماز جمعہ کے شرائط سے ایک شرط یہ ہے کہ خود سلطان اسلام پڑھائے یا اس کا نائب یا اس کا ماذون اور جہاں یہ نہ ہوں وہاں بضرورت مسلمانوں کا کسی کو امام مقرر کرلینا معتبر رکھا ہے ایسی بستی میں جبکہ جمعہ قائم ہے اور ایک امام مقرر کردہ مسلمین موجود ہے تو بلاوجہ شرعی چند شخصوں کا دوسرے کو امام جمعہ مقرر کرنا صحیح نہ ہوگا اور وہاں نماز جمعہ ادا نہ ہوسکے گی۔

(۹) شر پیدا کرنا کسی کو کسی کے مقابل جائز نہیں اور دینی معظم کی بلاوجہ شرعی مخالفت اور پر شر ہے ہاں جو فقط دنیوی وجاہت رکھتا ہو اسے معزز اور اس کے مقابل اور مسلمانوں کو معمولی مسلمان کہنا یہ بھی جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۲: مسئولہ سید کمال الدین احمد صاحب جعفری وکیل ہائیکورٹ الہ آباد ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

عیدگاہ یا مسجد میں وعظ یا چندہ اسلامی مذہبی کاموں کے لئے کرنا عام مسلمانوں کو جائز ہے اور متولی کو اس کے روکنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسجد میں کار خیر کے لئے چندہ کرنا جائز ہے جبکہ شور وچپقلش نہ ہو خود احادیث صحیحہ سے اس کا جواز ثابت ہے، مسجد میں وعظ کی بھی اجازت ہے جبکہ واعظ عالم دین سنی صحیح العقیدہ ہو اور نماز کا وقت نہ ہو، ان دونوں باتوں کو کہ منکرات سے خالی ہوں متولی یا کوئی منع نہیں کرسکتا ہے، ہاں اگر چندہ امر شر کے لئے ہو اگرچہ اسے کیسے ہی امر خیر کہا جائے جیسے نیچریوں کے کالج یا وہابیوں کے مدرسہ کے لئے یا اس میں شور وغل ہو

یاواعظ بدمذہب یا بے علم یا روایات موضوع کا بیان کرنے والا ہو یا لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور اس نے وعظ شروع کردیا کہ ان کی نماز میں خلل آتا ہو تو ایسی صورت میں متولی اور ہر مسلمان کو روک دینے کا اختیار ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۳: از موضع منصور پور متصل ڈاکخانہ قصبہ شیش گڈھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ محمد شاہ خاں ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دیوار شمال وجنوب کی ہے اس کی بنیاد سے ملا کر کسی قدر اونچائی مثل چبوترہ قائم کیا گیا اور اس دیوار پر چھپّر رکھوا کر وہ جگہ نماز کے واسطے مخصوص کردی گئی چنانچہ جگہ مذکور پر بلا ناغہ اذان ونماز ایک مدت سے ہو رہی ہے یہاں تک کہ نماز جمعہ بھی ہوتی ہے منبر لکڑی کا برائے خطبہ جگہ معینہ پر موجود ہے، بایں صورت فرمائے کہ اس کو مسجد کیا جائے یا کیا؟

الجواب:

مالک زمین نے اگر کہا کہ میں نے اس کو مسجد کردیا اور اس میں نماز پڑھ لی گئی تو وہ مسجد ہو گئی اگرچہ اس میں عمارت اصلا نہ ہو خالی ہو، یونہی اگر اس کے کلام سے مسجد کردینے پر دلالت پائی گئی مثلاً کہا میں نے یہ زمین مسلمانوں کی نماز کے لئے کردی کہ ہمیشہ اس میں نماز ہوا کرے جب بھی مسجد ہو جائیگی اور اگر ایک مدت خاص کی تحدید کی مثلاً سال دو سال نماز پڑھنے کے لئے دیتا ہوں تو مسجد نہ ہوگی، اور اگر زبان سے لفظ نہ ہمیشہ کا کہا نہ کسی وقت محدود کا تو دل میں اگر نیت ہمیشہ کی ہے مسجد ہو گئی ورنہ نہیں، عالمگیری میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فیها امر قوما ان یصلوافیها بجماعة، فهذاعلی ثلثة اوجه احدها اما ان امرهم بالصلٰوة فیها ابدا نصا بان قال صلوافیها ابدا، اوامرهم بالصلٰوة مطلقًا ونوی الابد، ففی هٰذین الوجهین صارت الساحة مسجدا لومات لایورث عنه،	ایک شخص کی خالی زمین پڑی ہوئی تھی جس میں کوئی عمارت نہیں اس نے لوگوں کو اس زمین میں باجماعت نماز پڑھنے کو کہا تو اس کی تین صورتیں ہیں (پہلی یہ کہ) اس نے امر نماز کی تابید کی تصریح کی ہو بایں طور کہ یوں کہا ہو کہ تم اس میں ہمیشہ نماز پڑھا کرو، یا (دوسری صورت یہ کہ) اس نے انہیں مطلقًا نماز پڑھنے کو کہا اور نیت ہمیشگی کی کرلی ان دونوں صورتوں میں وہ زمین مسجد ہو گئی اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری نہ ہوگی اور (تیسری

واما ان وقت الامر بالیوم او الشهر او السنة ففی هذا الوجه لایصیر الساحة مسجدا و لومات یورث عنه[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صورت یہ ہے کہ) اگر اس نے امر نماز کو دن، مہینے یا سال سے مقید کیا تو اس صورت میں وہ زمین مسجد نہ ہوگی اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۴: مسئولہ عبدالرحیم و کریم احمد صاحبان متولیان مسجد مچھلی بازار کانپور ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ مسجد مچھلی بازار کانپور فنڈ میں تین عنوانوں سے آیا ہے:

(۱) کچھ تو امداد مجروحین و مقتولین کے لئے۔

(۲) کچھ مقدمہ مسجد کے لئے۔

(۳) کچھ حفاظت اور تعمیر حصہ منہدمہ مسجد کی غرض سے۔

اب بعد ختم ہوجانے مقدمہ کے اس کا صحیح مصرف از روئے شرع شریف کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

امداد مجروحین و مقتولین مقدمہ ختم ہونے سے ختم نہیں ہوجاتی، امداد مقتولین سے ان کی بیواؤں اور یتیموں کی امداد مراد ہے اور وہ ہنوز باقی ہیں، مقدمہ اگر ختم ہوا تو ماخوذین کا نہ مسجد کا کہ اس کا جو فیصلہ مولوی صاحب کنندہ نے کیا محض باطل و خلاف شرع ہے مسلمانوں کو اس پر سکوت جائز نہیں، فرض ہے کہ اپنے تحفظ حقوق مذہبی کے لئے گورنمنٹ سے جائز چارہ جوئی کو انتہا تک پہنچائیں۔ اس کے مصارف میں یہ روپیہ اٹھائیں اس کا روشن بیان "**ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری**" میں ہے جو اصل رسالہ چھپ گیا اور زمیندار میں بھی شائع ہوچکا اور اس کا ذیل زیر طبع ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

رسالہ

ابانۃ عـــہ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری ١٣٣١ھ

(عبدالباری کی مصالحت میں چھپی ہوئی (خرابی) کا اظہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ ١٨٥: از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی سلامت اللہ صاحب نائب منصرم مجلس موید الاسلام ٣٠ ذیقعدہ ١٣٣١ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ________ گورنمنٹ کے حکام

عـــہ: مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوٰی، جس کا سوال لکھنؤ فرنگی محل سے آیا اور دارالافتاء نے جواب دیا اور بکمال وضوح ثابت کیاکہ مولوی صاحب نے جو فیصلہ مسجد مچھلی بازار کانپور کے متعلق دیا وہ سراسر مخالف احکام اسلام ہے، اس پر مسلمانوں کو مطمئن ہونا سخت گناہ وحرام ہے، ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ دربارہ حفظ حقوق مذہبی گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی سے نفع لیں اور اپنے اپنے منصب کے لائق جائز چارہ جوئی میں پوری کوشش کریں مولوی صاحب کی یہ شخصی کارروائی اگر مقبول ٹھہر گئی تو ہمیشہ کے لئے مساجد ہند پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا اور ہر مسلمان کہ جائز کوشش کرسکتا تھا اور نہ کی اس کے وبال میں ماخوذ ہوگا" مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" کا بھی اس میں رد بلیغ ہے۔

نوٹ: علامہ امجد علی صاحب اعظمی نے "**قامع الواھیات من جامع الجزئیات** ١٣٣١ھ" کے نام سے اس پر ایک عربی تذییل تحریر فرمائی ہے جو کہ مولوی صاحب فیصلہ کنندہ کی اس چھ ورقی عربی تحریر بنام" جامع جزئیات فقہ" جو اس نے اس فیصلہ کو مطابق شرع بنانے میں تحریر فرمائی تھی کے رد میں ہے اعلیحضرات احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے اس رسالہ میں پچاس دلائل قاہرہ پیش کئے جبکہ علامہ امجد علی صاحب اعظمی نے مزید دوسو ٢٠٠ دلائل پیش کرکے ثابت کیاہے کہ یہ فیصلہ مطابق شرع نہیں ہے اور نہ ہی مسجد توڑ کر راستہ بنالینا روا ہے۔

کا بیان ہے کہ جزء متنازعہ مسجد کانپور خارج از مسجد ہے اور اس کو بعض ٹرسٹیان نے ہم کو دے دیا تھا، اس بناء پر انہوں نے اس کو منہدم کردیا، اس کے چند دنوں کے بعد بغیر اجازت چند لوگوں نے اس زمین پر جس کو میونسپلٹی نے اپنے قبضہ میں کرلیا تھا تعمیر کرنا شروع کیا اس وجہ سے پولیس نے روکا اور فیما بین لڑائی ہوگئی کچھ مسلمان قتل کئے گئے کچھ مسلمان جن میں بے قصور بھی ہیں قید کئے گئے گورنمنٹ نے اپنے طرز عمل سے باور کرادیا کہ وہ کسی طرح قیدیوں کو نہ چھوڑے گی اور اس زمین کو جس پر میونسپلٹی نے قبضہ کرلیا ہے مسلمانوں کو واپس نہ دے گی، بعد چندے اس نے مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا اپنے ملکی فوائد کے اعتبار سے اس امر کی خواہش کی کہ تصفیہ ایسا ہوجائے کہ مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے اور اس زمین پر چھتا پاٹ کے مسجد میں شامل کردیا جائے اس کو چند معتبر حضرات کے روبرو اس نے پیش کیا ایک عالم نے اس امر کی کوشش کی کہ وہ زمین جس کو اکثر مسلمان جزء مسجد کہتے ہیں محفوظ مسجد کے کام میں رہ جائے ایک مخلص کی صورت یہ نکالی کہ ادھر ہی مسجد کا دروازہ کردیا جائے وہ زمین اس دروازہ مسجد کے کام آئے گورنمنٹ کے ممبران متعینہ نے اس امر کو نہیں مانا کہ زمین پر قبضہ مسلمانوں کا ہو بلکہ صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں، بعد ردوقدح کے اس عالم کی رائے سے یہ طے پایا کہ سردست ملک اس زمین پر کسی کی نہ ثابت کی جائے کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وقف ہے قبضہ زمین پر مسلمانوں کا دلا یا جائے حق آسائش حقیقۃً مسلمانوں کو حاصل ہے، اگر ظلماً یا تشدداً گورنمنٹ عام اجازت گزر کی دے تو ہم اس کی وجہ سے قطع مصالحت نہ کریں گے بلکہ صورت بنا اس کی میونسپلٹی کے سپرد کردیا جائے جس میں بہ غلبہ آرا قوی امید ہے کہ موافق قوانین اسلام تصفیہ ہوجائے، وائسرائے نے بھی تاکید کردی کہ بننے کے وقت مسلمانوں کی خوشی اور ان کے قواعد کا لحاظ کیا جائے۔ سوال طلب یہ امر ہے کہ جس عالم نے بدیں تفصیل مصالحت کی ممانعت نہیں کی اور منازعت کو قطع کردیا وہ خاطی ہے یا مصیب، اور مسلمانوں کو آئین امن عام کے اندر رہ کے استحقاق کی چارہ جوئی کرنی چاہئے اس عالم کی رائے ہے یا جوش وہنگامہ دکھانا اور خلل اندازی امن عامہ کرنا شرعاً ضروری ہے اور جو امر دوم کی کوشش کرے وہ حق پر ہے یا جو امر اول کے طرز کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھے۔ **بینوا توجروا۔**

جواب از دار الافتاء

سوال بہت مجمل ہے کچھ نہ بتایا کہ:

(۱) مصالحت کیا کی۔

(۲) وہ امر جس پر مصالحت کی تجویز گورنمنٹ تھا جسے عالم مذکور نے قبول کیا یا اس عالم نے پیش کیا اور اسے گورنمنٹ نے مان لیا۔
(۳) گورنمنٹ نے خود ہی مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا ملکی فوائد کے اعتبار سے قیدیوں کو آزاد کیا جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے اس کے بعد کی منازعت سوال میں مذکور نہیں کہ کیا تھی اور عالم مذکور نے کیا اور کس طرح قطع کی۔
(۴) بعد اس کے کہ ممبران متعینہ گورنمنٹ نے زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہر گز نہ مانا اور صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں جیسا کہ سائل کا بیان ہے پھر عالم مذکور کی رائے سے یہ کیونکہ طے پایا کہ قبضہ زمین پر مسلمانوں کو دلایا جائے، آیا صرف عالم مذکور کا اپنے خیال میں ایک مفہوم متخیل کرنا یا یہ کہ بعد ردوقدح عالم نے ممبران گورنمنٹ سے یہ امر طے کرالیا۔
(۵) نیز اس کی رائے سے طے پانا کہ سردست اس زمین پر کسی کی ملک ثابت نہ کی جائے مفہوم تھا کہ اس کے اپنے ذہن میں رہا یا گورنمنٹ نے عالم مذکور کی رائے سے اسے طے کیا۔
(۶) سردست کے معنی کیا لئے اور وہ بھی عالم مذکور کے خیال میں رہے یا گورنمنٹ سے طے کرلئے۔
(۷) عالم مذکور کو گورنمنٹ نے حکماً مجبور کیا تھا یا مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا تھا وہ بطور خود گیا تھا۔
جب تک ان سب باتوں کی تفصیل معلوم نہ ہو ایک نہایت مجمل گول بات کا جواب کیا دیا جائے۔ ہاں اتنا امر واضح وروشن ہے کہ فتنہ پردازی اور امن عام میں خلل اندازی اور مسلمانوں کو بلا اور اسلام کو توہین کے لئے پیش کرنا ہرگز نہ شرعاً جائز ہے نہ عقلاً ٹھیک۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ"[1] (فتنہ وفساد قتل سے بھی سخت ہے۔ت) اور فرماتا ہے: "لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ"[2] (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ت) نہ یہی کسی طرح روا ہے کہ کسی حکم مخالف شرع کو بلاجبر واکراہ خود ایک امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند کریں یا اس میں دشواری ڈالیں اور آئندہ کے لیے بھی اسے نظیر بنائیں بلکہ حدود سلامت روی کے اندر رہ کر گورنمنٹ پر اس امر کا خلاف قوانین اسلام ہونا ظاہر کریں اور ورنمنٹ کا مستمر قانون کہ مذہبی دست اندازی نہ کرے گی یاد دلا کر بلاضرر واضرار فائدہ پائیں جو اس طریق پر چلے مصیب ہے اور جو ان دو طریقوں میں سے کسی پر چلے وہ خاطی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: بار دوم از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی صاحب موصوف سوم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

مولٰنا المعظم دام بالمجد والکرم والسلام علیکم، استفتا موصول ہوا مشکور فرمایا، گو ہم کو اصل مسئلہ کے متعلق جناب کی رائے سے آگاہی ہو گئی مگر جناب کے استفسارات کے باعث ضرور ہوا کہ امور مستفسرہ کا جواب دیا جائے ان کو مفصل لکھ کر ارسال کرتا ہوں امید کہ اب جواب شافی عام لوگوں کے فائدہ کی غرض سے تحریر فرمایا جائے۔

امور مستفسرہ مع تصریح

س(۱) مصالحت کیا کی؟

ج(۱) عالم نے مصالحت یہ کی کہ گورنمنٹ مقدمات اٹھالے اور کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو، یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے، مسجد کی زمین پر گورنمنٹ اپنی ملکیت ثابت نہ کرے مسلمانوں کو اس پر قبضہ دلادے اگر جبراً گورنمنٹ اس کے مرور کو مشترک کرتی ہے تو وہ حاکم ہے خلاف احکام اسلامیہ ہے اس سے مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا اور موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے البتہ مقدمات دیگر امور کے متعلق در بارہ ہنگامہ کانپور مسلمان کچھ نہ کرینگے۔

س(۲) وہ امر جس پر مصالحت کی تجویز گورنمنٹ تھا جسے عالم مذکور نے قبول کیا یا اس عالم نے پیش کیا اور اسے گورنمنٹ نے مان لیا۔

ج(۲) گورنمنٹ نے خود مصالحت کی خواہش کی اس امر پر کہ مسلمانوں کے اوپر جو مقدمات ہیں گورنمنٹ کی طرف سے اور مسلمانوں کو جو گورنمنٹ سے دعاوی ہیں ان کے بارے میں کوئی سمجھوتا ہوجائے تاکہ گورنمنٹ کو مسلمانوں سے بدظنی اور مسلمانوں کو گورنمنٹ سے بے اعتباری نہ ہو اور بے چینی دفع ہو۔

س(۳) گورنمنٹ نے خود ہی مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا ملکی فوائد کے اعتبار سے قیدیوں کو آزاد کیا جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے اس کے بعد کی منازعت سوال میں مذکور نہیں کہ کیا تھی اور عالم مذکور نے کیا اور کس طرح قطع کی۔

ج(۳) گورنمنٹ نے لحاظ مراحم خسروانہ یا باعتبار فوائد ملکی خود خواہش تصفیہ کی کی نہ کہ قیدیوں کو بلامقابلہ کسی امر کے چھوڑ دینا چاہا کہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں اور مسجد کی

زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں، گورنمنٹ سے اور مسلمانوں سے مقدمات اور اس کے ضمن میں باہم کشیدگی ومنازعت تھی جس کو کہ عالم مذکور نے قطع کردیا۔

س(۴) بعد اس کے کہ ممبران متعینہ گورنمنٹ نے زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہرگز نہ مانا اور صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں جیسا کہ سائل کا بیان ہے پھر عالم مذکور کی رائے سے یہ کیونکر طے پایا کہ قبضہ زمین پر مسلمانوں کو دلایا جائے آیا صرف عالم مذکور کا اپنے خیال میں ایک مفہوم متخیل کرنا یا یہ کہ بعد ردو قدح عالم نے ممبران گورنمنٹ سے یہ امر طے کرالیا۔

ج(۴) گورنمنٹ کے متعینہ ممبروں نے ابتداءً مسجد کی زمین پر کسی قسم کا قبضہ دینے سے انکار کیا عالم کی انتہائی جدوجہد سے اس نے کہا کہ ہم عمارت کی اجازت دیں گے جو قانوناً وعرفاً قبضہ ہے اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں یہ عالم کا متخیلہ نہیں بلکہ ممبر متعینہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہی قبضہ ہے غرضکہ قبضہ خود ممبر متعینہ کی زبان سے طے کرالیا۔

س(۵) نیز اس کی رائے سے طے پانا کہ سردست اس زمین پر کسی کی ملک نہ ثابت کی جائے ایک مفہوم تھا کہ اس کے اپنے ذہن میں رہا یا گورنمنٹ نے عالم مذکور کی رائے سے اسے طے کیا۔

ج(۵) زمین کی ملکیت جو گورنمنٹ اپنی ہی سمجھتی تھی اس کے بارے میں صرف عالم کا تخیلہ نہ تھا بلکہ ممبر متعینہ سے اس نے صاف صاف کہہ دیا اور کہلوالیا تھا کہ ملک وقف میں کسی کے لئے ثابت نہیں ہوتی اس واسطے ہم اپنے لئے بھی ثابت کرنے کے درپے نہیں ہیں بلکہ مشیر قانونی نے بھی یہی کہا کہ ہماری ملک غصب سے چلی نہیں گئی کہ ہم اپنی ملک کے ثابت کرنے کو کہیں بلکہ ہم اسی قدر چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ اپنے لئے ملک ثابت نہ کرے چنانچہ گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔

س(۶) "سردست" کے معنی کیا لئے اور وہ بھی عالم مذکور کے خیال میں رہے یا گورنمنٹ سے طے کئے۔

ج(۶) سردست کے معنی ممبر متعینہ سے صاف کہہ دئے گئے کہ ہم تخلیص شراکت مرور کے لئے ہمیشہ چارہ جوئی کرتے رہیں گے اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوں گے جب تک کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی خواہش پوری نہ کردے بلکہ ممبر متعینہ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ جب قانون بن جائے گا تو خواہ نخواہ یہ مسئلہ بھی طے ہوجائے گا اس وقت جس قدر عالمگیر جوش ملک میں ہے اور اس سے اندیشہ فریقین کے لئے مشکلات کا ہے وہ دفع کردیا ہے، اور ہم اس وقت اس خواہش کو پورا نہیں کرسکتے ہیں ورنہ ہم کو اس میں بھی کوئی عذر نہ ہوتا۔

س(۷) عالم مذکور کو گورنمنٹ نے حکماً مجبور کیا تھا یا مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا تھا یا وہ بطور خود

گیا تھا۔

ج (۷) عالم مذکور کو عام مسلمانوں نے طلب نہیں کیا تھا، نہ وہ از خود گیا تھا بلکہ مقدمہ کے کارکنوں نے باصرار عالم مذکور کو خود بلایا تھا اور ممبر متعینہ نے اس سے اس معاملہ میں گفتگو شروع کی جس کے اثنا میں اس نے صاف کہہ دیا کہ میرا کام مسئلہ بتادینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں ہے جس طرح وہ چاہے اور اس کا حکم ہو بنا چاہئے نہ کہ جس طرح میں یا آپ چاہوں علماء کو جمع کرنا چاہئے مسلمانوں کو جس سے اطمینان ہو وہ صورت اختیار کرنا چاہئے مگر ممبر متعینہ نے کہا کہ ہم کو تمہاری رائے پر اعتماد ہے ہم علماء کی مجلس نہ جمع کریں گے تم اپنی رائے کہہ دو اور ہم بالکل گفتگو منقطع کرتے ہیں اور صرف ایک گھنٹہ کی مہلت ہے چنانچہ اس عالم نے بعد سخت گفتگو کے مشورہ دیا کہ ملک سے سروکار نہ رہنا چاہئے قبضہ مسلمانوں کا ثابت کردیا جائے حق مرور اگر مشترک ہو تو ہم اس کی وجہ سے اس وقت منازعت باقی رکھنا نہیں چاہتے اپنے قیدی چھڑائے لیتے ہیں اور اشتراک مرور کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے اور حسب قواعد میونسپلٹی بنوایا جائے تاکہ ہم اس سے بہترین تدبیر اپنے تحفظ جزء مسجد کی کراسکیں جس کی کامل توقع ہے، ان سب امور کا تصفیہ ممبر متعینہ سے کردیا گیا جو ایک مجمع میں مسلمانوں کے ہوا اور ان سب باتوں کی تصدیق وہ عالم کراسکتا ہے اس نے کسی حکم مخالف شرع کو بلا جبر واکراہ خود امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ جس کو جمہور علما ناجائز کہتے تھے اس کو اس نے بھی ناجائز قرار دیا اور صاف ظاہر کردیا کہ برابر اس کی چارہ جوئی جائز طور پر کی جائے گی کسی قسم کی دشواری نہیں پیدا کی کیونکہ بے قاعدہ حرکات کو کوئی نہیں روک سکتا اور باقاعدہ احکام اسلامیہ کی چارہ جائی ہر وقت ہوسکتی ہے دیوانی کے مقدمات ہر طرح کے دائر کئے جاسکتے ہیں اور آئندہ کے لئے نظیر تو درکنار ایک مختتم قانون تحفظ معابد کا بنایا جانا قرار دلوادیا گیا ہے جس سے خود حسب تصریح ممبر متعینہ اس متنازعہ فیہ حصہ کا بھی مسلمانوں کے موافق ہونا متوقع ہے اس عالم کی رائے ہے کہ یہ قبضہ وحق مشترک مرور قابل اطمینان نہیں بلکہ حدود وسلامت روی کے اندر رہ کر گورنمنٹ پر اس امر کا خلاف قوانین اسلامیہ ہونا ظاہر کریں اور گورنمنٹ کا مستمر قانون کہ مذہبی دست اندازی نہ کرے گی یاد دلاکر بلاضرر واضرار فائدہ پائیں اس صورت میں عالم مصیب ہے یا نہیں، امید ہے۔ برتقدیر صدق مستفتی جواب صاف عطا فرمایا جائے۔

جواب از دارالافتاء

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواب استفسارات باعث مشکوری ہے طرح وجرح منظور نہیں بلکہ انکشاف حق جس کے لئے ہر مسلمان کو مستعد رہنا چاہئے، لاسیما اہل علم، جوابات نہ تو کافی ہیں نہ مفید براءت اگرچہ مجھ سے صرف بر تقدیر صدق مستفتی جواب چاہا گیا اور منصب افتا کی اتنی ہی ذمہ داری تھی کہ صورت مستفسرہ پر جواب دے دیا جاتا مگر میں نے ایک مدت تک تعویق کی، اخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر بواقعات اس کارروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہوسکے مگر افسوس کہ جتنا خوض وتفتیش سے کام لیا اس کی شناعت ہی بڑھتی گئی، ناچار جواب خلاف احباب دینا پڑا کہ اظہار حق لازم تھا، عالم مذکور سے مراسم قدیم حفظ حرمت اسلام ورفع غلط فہمی عوام پر بحمد اللہ تعالٰی غالب نہ آسکتے تھے کہ ہمارے رب عزوجل نے فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ "[1]	اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو۔ (ت)

بلکہ حقیقۃً حق دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

اُنصُر اخاك ظالما او مظلوما قالوا یارسول اللہ وکیف ذٰلك قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یك ظالما فاردده عن ظلمه وان یك مظلوما فانصره[2]، رواہ الدارمی	اپنے بھائی کی مدد کر و چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم یہ کیسے۔ حضور نے فرمایا: ظالم ہونے کی صورت میں اسے ظلم سے روک دو اور مظلوم ہونے کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۵

[2] صحیح البخاری کتاب الاکراہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۲۷، صحیح مسلم، سنن الدارمی باب ۴۰ انصر اخاک الخ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۲۰، مختصر تاریخ دمشق ترجمہ ۲۹ حسن بن فرج دارالفکر بیروت ۷/ ۵۹، تہذیب تاریخ دمشق ترجمہ ۲۹ حسن بن فرج داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۱

وابن عساکر عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	صورت میں اس کی مدد کرو۔اسے دارمی اور ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

لہٰذا امید واثق ہے کہ جواب سوال میں اظہار حق سنگ راہ مراسم قدیمہ نہ ہوگااور زیادہ خوشی اس بات کی ہوئی کہ ہمارے قدیمی دوست عالم نے اسی معاملہ پرایک تقریر کی ابتداء میں (جو روزانہ زمیندار ۲۱ ذی الحجہ میں چھپی) یوں داد حق جوئی دی کہ "میں ان لوگوں کا دل سے اور خدا کی قسم دل سے مشکور ہوتا ہوں جو میرے عیوب مجھ سے خواہ لوگوں سے کہہ کر میرے اوپر مربیانہ شفقت کا احسان رکھتے ہیں، یہ لوگ میرے محسن ہیں "جب بیان عیوب اور وہ بھی ابتداءً اس درجہ موجب شکر گزاری ہے تو بیان مسئلہ شرعیہ میں اظہار حق اور وہ بھی بعد سوال مراسم قدیمہ میں کیا خلل انداز ہوسکتا ہے۔**وباللہ التوفیق۔**

جواب استفسار اول پر نظر

(۱) [ف: قبضہ زمین کی بحث] اس سوال کے جواب میں کہ عالم نے مصالحت کیا کی، تین باتوں پر صلح ہونی بتائی گئی ازانجملہ اصل معاملہ کی نسبت یہ ہے کہ مسجد کی زمین پر گورنمنٹ مسلمانوں کو قبضہ دلادے کسی بات پر مصالحت ہونا فریقین میں اس کا طے ہوکر قرار پانا ہے، اگر یہ امر قرار پاتا تو اسی کے مطابق وقوع میں آتا مگر ایسا نہ ہوا جو اب ایڈریس میں گورنمنٹ کے لفظ جو روزانہ ہمدرد ۱۶/اکتوبر میں چھپے صاف یہ ہیں: میں اس امر کو کچھ بھی وقیع اور اہم خیال نہیں کرتا کہ وہ زمین جس پر وہ دالان تعمیر ہوگا کس کے قبضہ میں رہے گی ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(یہ تفاوت دیکھ کہ راستہ کہاں ہے اور تو کہاں)

(۲) ہاں اس پر چھتا بنا کر چھت پر قبضہ اور زمین کو سڑک کردینا ٹھہرا ہے کیا چھت اور زمین دو مترادف لفظ ہیں یا چھت کا قبضہ زمین پر بھی قبضہ ہوتا ہے، علو وسفل کے مسائل جو عام کتب فقہیہ میں مذکور ہیں ملحوظ نظر رہیں جواب ایڈریس مذکور میں ہے کامل غور کے بعد میں اس فیصلہ پر پہنچا ہوں کہ آٹھ فٹ بلند ایک چھتا اور اس پر دالان تعمیر کردیا جائے نیچے ایک سڑک نکل آئے جس سے عمارت میں مداخلت نہ ہو۔

(۳) عالم نے اس مصالحت میں زمین پر قبضہ مسلمانان سے صرف مسلمانوں کا خالص قبضہ مراد لیا یا قبضہ عام خلائق کے ضمن میں عامہ کے ساتھ انہیں بھی ایک حق دیا جانا، بر تقدیر دوم یہ درخواست کتنی بیمعنے تھی

زمین سڑک میں ڈال لینے پر بھی عام کے ساتھ مسلمانوں کو حق مرور رہتا گورنمنٹ نے کس دن کہا تھا کہ یہ سڑک خاص کفار کے لئے بنے گی کوئی مسلمان اس پر نہ چل سکے گا۔ بر تقدیر اول کون سا خاص قبضہ مسلمانوں کو ملنا ٹھہرا کہ جبکہ جواب ایڈریس مذکور کے صاف لفظ یہ ہیں: یہ ضروری ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک استعمال کرنے کے مجاز ہوں۔

(۴) قبضہ زمین کا حال جواب استفسار میں خود ہی کھول دیا کہ قبضہ دلادے کے بعد متصلاً کہا اگر جبراً گورنمنٹ اس کے مرور کو مشترک کرتی ہے تو خلاف احکام اسلامیہ ہے اس سے مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے۔ صاف کھل گیا کہ قبضہ ہوا پر ٹھہرا ہے زمین مرور مشترک کے لئے چھوڑی ہے جسے دوسرے لفظوں میں شارع عام یا سڑک کہئے اس کا مطالبہ دور آئندہ پر اٹھار کھنا بتایا ہے حالانکہ یہی یہاں اہم مسئلہ بلکہ تمام اصل معاملہ تھا اسی کو نظر انداز کرنا اور عالم کی مصالحت سمجھنا کس قدر عجیب ہے مصالحت رفع نزاع ہے نہ کہ اصل مبناء و منشاء نزاع مہمل و معطل اور دور آیندہ کی امید موہوم پر محول نہ ایقائے نزاع ہے نہ قطع ورفع۔ ہاں اگر اس کے معنی یہ تھے کہ عالم نے مسجد سے دست بر داری دی جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی وغیرہ نے اس کارروائی سے سمجھا اور پسند کیا تو ضرور قطع نزاع ہوئی اگرچہ باز دعوی دینا شرعاً مفہوم صلح میں آنا دشوار ہو خیر ایں ہم بر علم۔ مگر بعد کے الفاظ کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے اس تاویل کو بھی نہیں چلنے دیتے تو اسے مصالحت مشہور کرنا مسلمانوں اور گورنمنٹ دونوں کو غلط بات باور کرانا ہوا۔

(۵) [ف: مصالحت خلاف حکم اسلام پر کی اور گورنمنٹ پر بھی بدگمانی کی] جب عالم کو اعتراف ہے کہ یہ کارروائی خلاف احکام اسلامیہ ہے تو اس پر مصالحت کرنا کیونکر روا ہو سکتا گورنمنٹ بر سر مصالحت و دلجوئی تھی نہ بر سر ضد و جبر و تعدی، اس وقت کیوں نہ دکھایا گیا کہ یہ طریقہ خلاف احکام اسلامیہ ہے اس میں مذہبی دست اندازی ہے جس سے گورنمنٹ ہمیشہ دور رہنا چاہتی ہے، طے ہوتا تو اس وقت بسہولت ہوتا، نہ ہوتا تو عالم بری الذمہ تھا، نہ یہ کہ اس وقت اصل معاملہ پس پشت ڈال کر بالائی باتوں پر صلح کرلیں اور اصل میں یہ دشواریاں ڈالیں کہ تم لوگ صلح کرکے پھرتے ہو تم نائب سلطنت کے فیصلہ سے اور ایسے بے بہا فیصلہ سے اب سرتابی کرتے ہو، تم شکریہ کے جلسے اور روشنیاں کرکے پھر شکایت و منازعت پر اترتے ہو، نادر شاہی زمانہ گزر چکا تھا کہ چہلی کا سا بم در کنار اینٹ پھینکنے پر بے شمار سر اڑ جاتے، مکانوں کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی نہ کہ بم چلے اور کار گر پڑے اور بے تحقیق کسی سے مواخذہ نہ ہو، آج حفظ حقوق مذہبی کا اس سے بہتر کیا موقع تھا، یہاں دلی کمزوری سے کام لینا موجودہ آزمودہ گورنمنٹ کو

خواہی نخواہی نادر شاہی ضد اور ہٹ کا پتلا سمجھ کر ایسی عظیم حرمت دینی کو پامالی کے لئے چھوڑ دینا کیونکر صواب ہوسکتا ہے۔
(۶) تمام دنیاوی سلطنتوں کا قاعدہ کہ اپنے قانون کی رو سے جس فعل کو جرم بغاوت سمجھیں اسے سب سے زیادہ سنگین بلکہ ناقابل معافی جانتی ہیں ان کے یہاں انتہائی رسوخ والاوہ ہے کہ جسے انہوں نے باغی سمجھ کر اسیر کیا ہو اس کی رہائی کی سفارش کرسکے نہ کہ ان جبروتی شرائط کے ساتھ کہ کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو، معافی مانگنی کیسی، خود یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے، یہ تو شائد شخصی سلطنتوں میں صرف محبوب خاص سلطان کی مجال ہو جو ایاز و محمود کی نسبت رکھے اگر ایسا درجہ اختصاص حاصل ہوا تھا تو اسے حفظ حرمت اسلام میں صرف کرنا تھا جس پر باقی اور متفرع ہوئے تھے نہ کہ قیدیوں کے بارے میں یہ فضول وزائد شرائط اور خاص حرمت دینی سے اغماض کیا، یہ

ہرچہ شاہ آں کہ او گوید حیف باشد کہ جز نکو گوید
(بادشاہ جس شخص کی بات مانتا ہے اگر وہ اچھی بات کے علاوہ کہے تو ظلم ہے)

کا مصداق نہ ہوگا۔
(۷) [ف: معاملہ میں پیچیدگیاں ڈال دی گئیں] اس اغماض نے اصل مقصد میں جو پیچیدگیاں دشواریاں پیدا کیں ان کی شرح طول چاہتی ہے ادنٰی بات یہ ہے کہ قوم کے قلوب اس پر مطمئن ہوگئے تو سرے سے دعوی ہی گیا، چارہ جوئی کون کرے اخباروں میں بکثرت مضامین اسپر اطمینان کے شائع ہوئے، ازاں جملہ نواب مشتاق حسین صاحب امروہی کی بسیط تحریر کہ روہیل کھنڈ گزٹ بریلی یکم نومبر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی جس میں وہ عالم موصوف ہی کی ایک تحریر کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں جناب کی اس تحریر کے بعد اس مسئلہ کے مذہبی پہلو کے تحفظ سے ہم کو بالکل مطمئن ہوجانا چاہئے، اسی کی ابتدا میں ہے مسلمان پبلک نے بھی اس فیصلہ کی نسبت اپنا اطمینان ظاہر کیا۔ اس پر ایڈیٹر اخبار مذکور نے لکھا مولانا قبلہ نے اپنی تحریر میں نہایت اچھی طرح ثابت کردیا کہ مذہبی نقطہ خیال سے شرائط تصفیہ نہایت مناسب ہیں روزانہ زمیندار ۱۵/ ذی القعدہ ۱۳۳۱ھ نے لکھا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسجد کے منہدم حصہ کا تصفیہ مسلمانوں کی منشا کے مطابق ہوگیا ہے۔ نیز لکھا وہ مسلمانوں کے لئے بالکل قابل اطمینان ہے۔ روہیلکھنڈ گزٹ کے پرچہ مذکور نے سکرٹری و نائب سکرٹری مسلم لیگ مراد آباد کی ایک مراسلت میں نقل کیا متشرع علمائے اسلام نے فقہ پر کامل غور کرکے یہ فتوی دے دیا کہ شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر بالخصوص عالم مذکور کا اطمینان دلانا لکھ کر کہا پس علمائے کرام کے اطمینان کے بعد مذہبی پہلو سے تصفیہ پر نکتہ چینی اور بے اطمینانی ظاہر کرنے کا کسی کو کوئی

حق نہیں۔ پھر نواب صاحب موصوف کی اسپیچ (SPEECH) سے نقل کیا ہمارے تمام اکابر قوم وعلمائے کرام اس پر اظہار مسرت کررہے ہیں۔اس قسم کے مضامین اگر جمع کئے جائیں ورقوں میں آئیں تمام اقطار ہند میں شہروں شہروں جو جو ریز ولیوشن (RESOLUTION) اظہار مسرت واطمینان کے پاس ہوئے روشنیاں ہوئیں ان کے بیانوں سے اخباروں کے کالم گونج رہے ہیں ان تمام واقعات کو اس سے کس قدر تناقض ہے کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے۔

(۸) جب عالم کا قول وہ ہے کہ یہ کارروائی خلاف احکام اسلامیہ ہے، اور اس عالم ہی کے اعتماد پر افراد قوم اسے بالکل بمطابق احکام اسلام سمجھ لئے اور وہ الفاظ شائع کررہے ہیں جن کا خفیف نمونہ گزرا تو عالم کا اس پر سکوت، معلوم نہیں کیا معنی رکھتا ہے۔

(۹) اس سے بھی زیادہ تعجب خیز وہ الفاظ ہیں جو خود عالم کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں تقریر مذکور نواب صاحب امروہی میں ہے: ۱۹/اکتوبر کو جو تار جناب ممدوح نے خود میرے نام ارسال کیا ہے اس میں تصفیہ کانپور کی بابت حسب ذیل الفاظ تحریر فرماتے ہیں: میں معاملات کانپور کے تصفیہ کو پسند کرتا ہوں۔ تقریر مذکور اراکین مسلم لیگ مراد آباد میں عالم مذکور کی نسبت ہے: حضرت مولانا قبلہ نے اس فیصلہ سے اطمینان بذریعہ اخبارات پبلک کو دلایا ہے۔ فیصلہ کو خلاف احکام اسلامیہ جاننا اور پھر اسے پسند کرنا اس پر اطمینان دلانا کیونکر جمع ہوا، اور اطمینان دلانا اور وہ بیان کہ اس پر اطمینان نہ ہوگا کس قدر متخالف ہیں۔

(۱۰) اوروں کی نقل ونسبت کو نہ دیکھئے، خود عالم کی تقریر جس کا عنوان یہ ہے: "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" جو ہمدرد ۱۹/اکتوبر اور زمیندار ۲۱ ذی القعدہ میں شائع ہوئی اس میں فرمایا ہے: یہ مجلس سرور ہے ہم کو نہایت مسرت سے یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمانان ہند کو اطمینان اور دل جمعی نصیب ہوئی اسی میں ہے: اول کے تینوں دفعات حسب دلخواہ طے ہوگئے۔ اسی میں ہے: ہمارے حسب دلخواہ مصالحت کرالی۔ اسی میں ہے: کل کا واقعہ نہایت مسرت خیز ہے اور اسلامی تاریخ کے زریں ایام سے کل کا روز ہے۔ اسی میں ہے: ہر طرح اسلام عــــہ کا احترام قائم رکھا۔

للہ انصاف عوام ان لفظوں کو سن کر کیوں نہ اطمینان کریں اور وہ بیانات وواقعات کہ نمبر ۴ میں گزرے کیوں نہ صادر ہوں اور وہ وعدہ بے اطمینانی کہ حسب بیان سائل نفس مصالحت میں تھا کیوں نہ نسیًا منسیًا ہو، گورنمنٹ نہ تو مسلمان ہے

عــــہ: پھر خدا جانے کون سی بات خلاف احکام اسلامیہ ہوئی ۱۲

نہ اسلامی شرع کی عالم، جب عالم خود ہی خلاف اسلامیہ کہہ کر پھر اسے حسب دلخواہ و موجب دلجمعی واطمینان ونہایت مسرت خیز اور اسلامی تاریخ کا زریں دن کہے تو گورنمنٹ کا کیا قصور اور عوام پر کیا الزام۔

(۱۱) ان تمام صاف الفاظ سے گزر کیجئے تو عالم مذکور کا تار ۱۶/اکتوبر جو ہمدرد و دبدبہ سکندری ۲۰/اکتوبر وغیرہ میں شائع ہوا، اس میں اولا فرما کر کہ یہ بات اگرچہ قابل تعریف نہیں ہے۔ اخیر میں یہی فرمایا ہے کہ یہ تصفیہ اصلی مفہوم کے لحاظ سے قابل اطمینان ہے۔ جب عالم کے نزدیک فیصلہ خلاف احکام اسلامیہ ہے تو احکام اسلامیہ سے بڑھ کر اور کون سا اصلی مفہوم ہے جس کے لحاظ سے قابل اطمینان ہے۔

(۱۲) بااین ہمہ عالم مذکور نے تحریر جمیع جزئیات میں کوئی دقیقہ دورازکار اس سعی بے سود کا اٹھانہ رکھا کہ اس کارروائی کو جیسے بنے کشاں کشاں مطابق احکام اسلامیہ کر دکھائیں، بہر حال تصویر کے دونوں رخ تاریک ہیں نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے فضل وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ ت)

[ف: روایت امام محمد مطابق مذہب جمہور ہے] خط کہ اس سوال کے ساتھ یہاں بھیجا اس میں روایت سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے اور یہ کہ اس عالم نے بضرورت اپنی رائے میں اسی کو اختیار کیا ہے گو بخیال تحفظ مساجد ہمیشہ اتباع جمہور رہا ہے یہ سخت غلط فہمی ہے یہاں روایت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر گز خلاف جمہور نہیں وہ وہی فرمارہے ہیں جو جمہور ائمہ نے فرمایا ہے انکی روایت میں ایک حرف بھی قول جمہور سے زائد نہیں۔ نہ ہر گز اس روایت خواہ کسی قول کسی روایت کا یہ مطلب ہے نہ ہو سکتا ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو سڑک میں ڈال لینا روا ہے، یہ تمام ائمہ کے اجماع سے حرام قطعی و مناقض ارشاد خدا ہے، روایات ائمہ درکنار اقوال مشائخ مذہب بھی نظر توفیق میں یہاں مختلف نہیں ہر ایک اپنے محمل پر صحیح و بجا ہے اور بالفرض اختلاف ہے تو نہایت خفیف جو قطعی تحفظ کلی ہر حصہ مسجد پر اجماع کے بعد صرف ایک زائد بات میں ہوا ہے جس سے حفظ جملہ اراضی مساجد پر معاذاللہ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا ہم بتوفیق اللہ تعالٰی ان مباحث جلیلہ کو ایک مستقل فتوے میں رنگ ایضاح دیں گے۔

[ف: فقاہت کے کیا معنی ہیں] فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ و ضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم و تنقیح مناط و لحاظ انضباط و مواضع یسر واحتیاط و تجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ و تمیز درآیات غامضہ وظاہر و منطوق و مفہوم و صریح و محتمل و قول بعض و جمہور و مرسل و معلل ووزن الفاظ مفتین و سیر مراتب

ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا و سلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسدین وعلم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام فہم مراد کانام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کاکام ہے، اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القافرماتا ہے:

"وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٣٥﴾ "[1]۔	اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔ (ت)

صدہا مسائل میں اضطراب شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحب توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامن ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہ تنقیح لیتا ہے توفیق ربانی ایک سر رشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے، الحمد للہ فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی وللہ الحمد تحدیثا بنعمۃ اللہ وما توفیقی الا باللہ، وصلی اللہ تعالٰی علی من امدنا بعلمہ وایدنا بنعمہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارك وسلم اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

(١٣) [ف: اس مصالحت کی تین نظیریں] کیا کوئی ہندو روا رکھے گا کہ اس کا شوالہ توڑ کر سڑک کردیا جائے جس پر عام مسلمانوں اور گوشت کے ٹکڑے لے کر قصاب گزرا کریں اور اس پر ایک چھجا یا چھتا بنے وہ ہندوؤں کے قبضے میں رہے کیا وہ اسے زمین شوالہ پر اپنا قبضہ سمجھے گا کیا وہ اس کارروائی کو حسب دلخواہ موجب اطمینان اور اس دن کو نہایت مسرت خیز اور ہندو دھرم کی تاریخ کا زریں دن اور ہر طرح اس کا احترام قائم رکھنا کہے گا، لیکن ایک اسلامی عالم نے مسجد کے ساتھ یہ کارروائی کی اور اس کی نسبت ان تمام الفاظ سے مدح سرائی کی فاعتبروا یااولی الابصار۔

(١٤) کیا اگر شوالہ کے ساتھ مسلمان ایسا کرتے تو گورنمنٹ ان پر مداخلت مذہبی اور توہین مذہب کا جرم قائم نہ کرتی ضرور کرتی، کیا گورنمنٹ اپنے لئے مذہبی دست اندازی و توہین مذہب جائز رکھتی ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۵

ہر گز نہیں، مگر جب اسلامی عالم ہی اسے نہایت مسرت خیز اور زریں دن اور احترام اسلام کا پورا قیام کہے تو گورنمنٹ کی کیا خطا ہے۔

(۵) کیا اگر عالم کے مکان سکونت کے ساتھ یہ طریقہ برتا جائے کہ مکان کھود کر مسلمان یا ہندو سڑک یا دنگل بنالیں اور اس پر چھت پاٹ کر ہوادار جھروکے عالم کے بسنے کو دیں تو عالم ان ہندو یا مسلمانوں پر نالشی نہ ہوگا کیا وہ اسے زمین مکان پر اپنا قبضہ قائم رہنا سمجھے گا کیا وہ اسے اپنے حق میں دست اندازی و تعدی نہ کہے گا۔ **فاعتبروا یااولی الابصار**۔

(۱۶) امور مصالحت میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے۔ لیکن اس مصالحت کے بعد جو ایڈریس پیش ہوا اس کے لفظ یہ ہیں: ہم ان لوگوں کی کارروائی کو ملامت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں جنہوں نے قانون کی خلاف ورزی کی۔ اگر قانون کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم نہیں تو اور کون ہے۔ پھر گورنمنٹ کا جواب روزانہ ہمدرد ۱۶/اکتوبر میں یہ ہے: اب میں ان لوگوں کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں جنہوں نے ۳اگست کو بلوہ کا ارتکاب کیا۔ اسی میں ہے: گورنمنٹ کا فرض تھا کہ قیدیوں پر مقدمہ چلائے اور انہیں سزادے مگر وہ کافی سزا بھگت چکے ہیں۔ اسی میں ہے: میں ان لوگوں پر بھی رحم کرتا ہوں جنہوں نے بلوے کی اشتعالک دی اور اس طرح سے اس نقصان رسانی کے مرتکب ہوئے جواب تک ہو چکا ہے اور اس لئے کسی خاص سلوک کے مستحق نہیں رہے۔ تو ضرور مجرم وسزا وار سزا ٹھہر کر کافی سزا بھگت کر رحم کئے گئے نہ یہ کہ ان کو مجرم قرار ہی نہ دیا جائے۔

(۱۷) [ف: مصالحت مسجد سے دست برداری پر کی] امور مصالحت میں تیسری بات یہ ہے: گورنمنٹ مقدمات اٹھالے مسلمان مرور کے لئے کوشاں رہیں گے البتہ مقدمات دیگر امور کے متعلق کچھ نہ کریں گے۔ اس کا حاصل طرفین سے ترک مقدمات ہے مگر مسلمانوں کے لئے دعوی مسجد کا استثنا۔ یہاں دو قسم کے دعوے تھے: دعوی دیوانی دربارہ زمین مسجد کہ مسلمان کرتے دعوی فوجداری دربارہ بلوی کہ گورنمنٹ کی طرف سے دائر تھا۔ مسلمانوں کو دعوی دوم میں اپنی ہی جان چھڑانی پڑی تھی نہ کہ وہ الٹے اس میں مدعی بنتے، تو ادھر سے نہ تھا مگر دعوی مسجد، اور مصالحت میں ضرور طرفین سے ترک مقدمات قرار پایا تو حاصل مصالحت صرف اتنا نکلا کہ گورنمنٹ قیدیوں کو چھوڑ دے مسلمان مسجد چھوڑتے ہیں، اس سے زیادہ محض الفاظ ہیں کہ یا تو مخیلہ سے باہر ہی نہ آئے یا زبان تک آکر نامقبول رہے، بہر حال ان کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان پر مصالحت کی، ولہذا بعد کی عملی کارروائیاں اطمینان کے جوش اور خود عالم کی تقریریں جن کا

بیان اوپر گزرا سب استثنائے مذکور کی غلطی پر دلیل ہیں اس پر صلح ہوئی ہوتی تو اپنی مجلس مؤید الاسلام کا جلسہ خالص مسرت اور نہایت مسرت کا جلسہ نہ ہوتا بلکہ مسرت ماتم آمیز کا ایک آنکھ ہنستی تو ایک روتی یہ نہ کہا جاتا کہ مسلمانان ہند کو اطمینان اور دلجمعی نصیب ہوئی۔ بلکہ یوں کہا جاتا کہ مسلمانو! فرع میں تمہاری فتح ہوئی اور اصل ہنوز باقی ہے اٹھو اور اس کے لئے انتہائی جائز کوششیں کرو۔

(۱۸) نیز اس کے غلط ہونے کی ایک کافی دلیل وہ ہے جو ہمارے سائل فاضل نے جواب استفتاء سوم میں لکھا کہ گورنمنٹ نے قیدیوں کو بلا مقابلہ کسی امر کے چھوڑ نا نہ چاہا بلکہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں۔ دیکھئے اس میں استثناء نہیں۔

(۱۹) آگے گورنمنٹ کی دوسری شرط بتائی کہ مسلمان مسجد کی زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں۔ یہاں نفی استثنا ہو گئی اگر مسلمانوں کو دعوی زمین کی اجازت رہتی اور ضرور ممکن کہ وہ ڈگری پاتے تو بعینہٖ اسی طریقے کی عمارت بنانے سے کیوں ممنوع ہوتے اس کے صاف یہی معنی ہیں کہ ایسی عمارت بنالو جس کی چھت سے کام لو اور زمین پر دعوی نہ کرو۔

(۲۰) [ف: گورنمنٹ نے اسلام کو فائدہ دینا چاہا مگر مصالحت والوں نے روک دیا] جواب ایڈریس میں ہے مجھے پورے طور پر بھروسا ہے کہ مسئلہ مسجد کا جو حل میں نے کیا ہے اس سے ہندوستان کی تمام مسلمان آبادی مطمئن ہو جائے گی۔ گورنمنٹ کے یہ الفاظ اور صلح میں اس قرارداد کا بیان کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا۔ دونوں ملا کر دیکھئے صاف کھل جائے گا کہ وہ استثناء نہاں خانہ خیال ہی میں تھا، یا کہا اور منظور نہ ہوا، لاجرم تمام زوائد چھنٹ کر اصل بات نکل آئی جتنے پر عالم نے مصالحت ٹھہرائی کہ گورنمنٹ ہمارے آدمی چھوڑ دے ہم نے مسجد چھوڑ دی یہ وہی دلی کمزوری اور دہلی کے بم کا تجربہ دیکھ کر بھی گورنمنٹ پر ضد اور جبر کی بدگمانی سے ناشئی ہوا حالانکہ یہ بالکل وسوسہ گورنمنٹ دونوں باتوں میں مسلمانوں کے صاف موافق تھی قیدیوں کی رہائی کے لئے جواب ایڈریس کے وہ لفظ دیکھئے: میں خاص شملہ سے اس غرض سے آیا ہوں تاکہ آپ کے واسطے پیغام امن لاؤں۔ آخر میں مکرر ہے: میں کانپور اسی لئے آیا ہوں تاکہ پیغام امن لاؤں۔ اور مسئلہ احترام مذہبی کے لئے وہ قیمتی الفاظ پڑھئے: میرے لئے یہ بالکل غیر ضروری ہے کہ جو یقین میں نے کونسل کے اجلاس میں اس بارے میں دلائے ہیں کہ رعایا کے مذہبی عقائد کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی میں کوئی تغیر نہ ہوا اس کو دہراؤں اس لئے کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ ایک واقعی بات ہے۔ یہ لفظ تو عام آزادی مذہبی کے متعلق تھے اور خاص مسئلہ مساجد کے متعلق سنئے: ممکن ہے کہ سڑکوں ریل نہروں کی تعمیر مذہبی عمارتوں کے ساتھ ٹکرائے لیکن آپ کو یقین رکھنا چاہئے کہ گورنمنٹ

کافی توجہ سے تمام مطالبات پر غور کرے گی اور ہمیشہ کوشش کرے گی کہ مسئلہ متنازعہ اس طور حل کرے جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہو۔ایسی صورت میں صرف امر اول سے فائدہ لینا اور امر دوم کہ وہی اصل مرام وخاص مسئلہ احترام اسلام تھا، یوں چھوڑ دینا کیونکر صواب ہوسکتا ہے، **نسأل الله العفو والعافیۃ۔**

جواب استفسار دوم پر نظر

(۲۱) استفسار تو یہ تھا کہ جس امر پر صلح ہوئی وہ کس کی تجویز تھا، اس کا یہ جواب کیا ہوا کہ گورنمنٹ نے خود مصالحت کی خواہش کی اس امر پر کہ مقدمات اور دعاوی کے بارے میں کوئی سمجھوتا ہوجائے، کس نے پوچھا تھا کہ خواہش صلح کدھر سے ہوئی اس سمجھوتے ہی کو پوچھا تھا کہ کس کی رائے کا ایجاد تھا اس کا کچھ جواب نہ ہوا۔

(۲۲) [ف: فیصلہ کانپور پر ایک نظر کارد بلیغ] سائل فاضل نے اگرچہ جواب استفسار نہ دیا مگر خود عالم کی تقریر کہ بعنوان "فیصلہ کانپور پر ایک نظر" ہمدرد وغیرہ میں چھپی وہ اس کے جواب کی کفیل ہے اس میں صاف اعتراف ہے کہ چھتا بنا کر اس پر قبضہ ملنے اور زمین پر سڑک چلنے کی تجویز خود عالم نے اپنی طرف سے پیش کی وہی منظور ہوئی اس تجویز کا حال اوپر معلوم ہوچکا، اور یہ بھی کہ خود عالم کو اس کا خلاف احکام اسلامیہ ہونا مسلم ہے مگر عالم کی تقریر مذکور اس تجویز کی حالت اور بھی واضح کرتی ہے۔

[ف: عالم کی پہلی تدبیر نامنظور شدہ اور اس کا صریح باطل وخلاف شرع ہونا] تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم نے پہلے تو یہ تدبیر نکالی کہ اس زمین کو مسجد کا ممر بنادیں اور اس کے لئے مسجد کا دروازہ اس طرف نکالیں کہ اصل ممر مسلمانوں کے لئے ہو پھر ضمناً کوئی دوسرا بھی اس طرف سے اس طرف گزر جائے تو ہم اس کو مانع نہیں ضرورت کے وقت اجازت ہوسکتی ہے بشرطیکہ احترام اس جز کا مثل احترام دیگر اجزائے مسجد کے قائم رہے، اور غالباً اسی تحفظ واحترام کے لئے یہ چاہا تھا کہ اس حصہ زمین کو سڑک سے مرتفع بنایا جائے یعنی تاکہ پیدل کے سوا اوروں کا گزر نہ ہو۔اس تدبیر میں عالم کی نظر اس مسئلہ پر تھی کہ راستہ جب پیدل پر تنگی کرے تو بضرورت مسجد میں ہو کر لوگ ادھر گزر سکتے ہیں یوں کہ مسجد بحال خود برقرار رہے اس میں کوئی فرق اصلًا نہ آئے ولہٰذا شرط ہے کہ یہ مسجد میں ہو کر نکل جانے والے جنب وحائض ونفسانہ ہوں نہ اس میں جانور لیجائیں کہ مسجد میں ان کا جانا اور ان کا لے جانا حرام ہے۔

[ف: مسئلہ ممر فی المسجد کی جلیل تحقیق اور یہ کہ وہ سلطنت اسلامیہ کے ساتھ خاص ہے] **اقول:**

یہ گزر اصالۃً مسلمانوں کے لئے ہے کہ مسجدوں سے کافروں کو کیا علاقہ،

الاتری الی تعلیلھم بانھما للمسلمین[1] کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔	ان کا یہ علت بیان کرنا آپ نے نہ دیکھا کہ یہ مسلمانوں کے لئے ہے، جیسا کہ درمختار وغیرہ معتبر کتب میں ہے(ت)

مگر جبکہ راستہ پیدل تنگ ہے اور گزر کی حاجت کافر کو بھی ہے اور کافر ذمی بلکہ مستامن بھی تابع مسلم ہے تو بالتبع ضمناً اسے بھی منع نہ کریں گے۔

وکم من شیئ یثبت ضمنا ولا یثبت قصدًا وھذا معنی قول العلماء حتی الکافر[2] فظھر الجواب عما اعتراض بہ العلامۃ الطحطاوی علی جعلہ غایۃ[3] وللہ الحمد ولا حاجۃ الی ما اجاب بہ العلامۃ الشامی وللہ الحمد وظھر الجواب عما ظن العلامۃ شیخی زادہ فی مجمع الانھر من التعارض بین تعلیلیھم بان کلیھما للمسلمین و بین قولھم حتی الکافر[4] وللہ الحمد۔	کئی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی اور قصداً ثابت نہیں ہوتیں اور علماء کے قول (حتی الکافر) حتی کہ کافر، کا یہی معنی ہے تو علامہ طحطاوی نے اس کو غایت قرار دے کر جو اعتراض کیا ہے، اس سے اس کا جواب ظاہر ہوگیا، للہ الحمد، اور علامہ شامی نے جو جواب دیا اس کی بھی حاجت نہ رہی، وللہ الحمد، نیز اس سے علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں اپنے خیال سے فقہاء کرام کی تعلیل کہ دونوں مسلمانوں کے لئے، اور فقہاء کرام کے قول "حتی الکافر" میں جو تعارض سمجھا اس کا جواب بھی ظاہر ہوگیا، وللہ الحمد (ت)

مسئلہ تو یہاں تک بجا و صحیح یا کم از کم ایک قول پر ٹھیک تھا مگر موقع سے اسے متعلق سمجھنے میں ایک دو نہیں بکثرت خطائیں ہوئیں جن میں تین خود عالم کے تین لفظوں سے ظاہر و مبین (۱) ضمناً (۲) احترام (۳) ضرورت ظاہر ہے کہ اگر یہ صورت ہوتی تو **اولاً:** کفار کا گزر ہر گز ضمناً نہ ہوتا بلکہ اصالۃً جس کا انکار صریح مکابرہ ہے اور وہ نہ صرف اس عالم کے اقرار بلکہ یقیناً مراد علماء کے خلاف ہے، زمانہ ائمہ میں مساجد تو مساجد دارالاسلام کی سڑک یا افتادہ زمین ہی پر چلنے والا کافر نہ ہوتا مگر ذمی کہ مطیع اسلام ہے یا مستامن کہ سلطان اسلام سے پناہ لے کر داخل ہوا، اور یہ دونوں تابع اسلام ہیں آخر نہ دیکھا کہ انہیں عبارات میں علماء نے مساجد کی طرح مطلق راستوں کو بھی مسلمانوں کے لئے بتایا کہ اور ہیں تو ضمنی و تابع ہیں۔

---

[1] درمختار، کتاب الوقف ۱/ ۳۸۲

[2] درمختار کتاب الوقف ۱/ ۳۸۲

[3] طحطاوی علی الدر المختار کتاب الوقف دار المعرفہ بیروت ۱/ ۵۴۳

[4] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الوقف فصل اذبنی مسجداً داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۷۴۸

ثانیاً: یہاں احترام ناممکن تھا جنب وحائض کی ممانعت پر اصلاً اختیار نہ ہوتا خصوصاً کفار کو اجازت ہو کر، اور اس ممانعت کو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص کرنا محض ظلم ہے، صحیح یہ ہے کہ کفار بھی مکلّف بالفروع ہیں۔ قال اللہ تعالٰی:

"یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىٕضِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴۶﴾"[1]	پوچھتے ہیں مجرموں سے تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی، وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے اور بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکریں کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے (ت)

اور بالفرض وہ مکلّف بالفروع نہ سہی ہم تو مکلّف ہیں بحال جنابت وحیض مسجد میں جانا ضرور بیت اللہ کی بیحرمتی اور دربار ملک الملوک عزوجلالہ کی بے ادبی ہے تو ہمیں کیونکر روا ہوا کہ ایسی شنیع تجویز خود پیش کریں اور بیت اللہ کی حرمت پامال کرائیں، جانور تو بالاجماع مکلّف نہیں، کیا مسلمان کو روا ہے کہ کتے یا سوئر بلکہ ناسمجھ بچے یا مجنون کو مسجد میں چلتا دیکھے اور چپکا بیٹھا رہے کہ وہ تو مکلّف ہی نہیں حاشا حفظ مسجد پر یہ تو مکلّف ہے اور ترک منع اس کا گناہ ہے کہ بے ادبی مسجد پر راضی ہوا یا کم از کم ساکت رہا، حدیث میں ارشاد ہوا:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم[2] رواہ ابن ماجۃ وعبدالرزاق عن واثلۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اپنی مسجدوں کو بچوں اور دیوانوں سے بچاؤ۔ (اسے ابن ماجہ اور عبدالرزاق نے واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

جب احتمال بے ادبی پر غیر مکلفوں کو نہ روکنا خلاف حکم حدیث ہے تو مساجد کو بیحرمتی یقینی کے لئے خود پیش کرنا کس درجہ جرم شنیع وخبیث ہے۔

ثالثاً: اس میں جانوروں کا نہ جانا بھی ہرگز نہ ہوتا اگرچہ کہہ دیا جاتا کہ یہ پیدل کے لئے ہے، معہود معروف یہ ہے کہ پختہ سڑک جسے گولا کہتے ہیں اصالۃً صرف بگھیوں ٹمٹموں کے لئے بنتی ہے اور اس کے پہلوؤں پر جو راہ پیادوں کے لئے چھوڑی جاتی ہے بیل گاڑیوں، چھکڑوں، گائے بیلوں، گدھوں

---

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۰تا۴۶

[2] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۵

کے لئے وہی ہوتی ہے، ولہذا ان میں سے جو چیز سڑک پر چل رہی ہے اور کوئی بگھی آجائے توان سب کو اسی پیادہ کی راہ میں ہٹنا ہوتا ہے ان کا استحقاق اسی میں سمجھا جاتا ہے اور معروف مثل مشروط ہے تو پیدل کے لئے کہنے کے یہ معنی ہیں کہ گھوڑا گاڑی کے سوا سب کے لئے ہے، آخر نہ دیکھا کہ جب آپ نے اس زمین کو سڑک سے کچھ مرتفع رکھنا چاہا یہ منظور نہ ہوا کہ اس میں گاڑیوں کی ممانعت تھی اور چھت آٹھ فٹ بلند ٹھہری کہ پیادہ کی حاجت سے بہت زائد ہے، لطف یہ کہ آپ اب بھی اسے زیر مسئلہ مذکورہ لانا چاہتے ہیں **فاعتبروا یااولی الابصار**۔

رابعًا: بفرض غلط اگر ممانعت ہوتی تو سواریوں کے لئے مگر گائے، بکری، بھیڑ کے گلے کوڑے اینٹوں کے گدھے نہ سوار ہیں نہ سواری، یہ قطعًا پیادہ ہی میں شامل رہتے۔

خامسًا: یہ بھی نہ سہی پیادہ گوروں اور جنٹلمینوں کے کتوں کا استثناء کیونکر ممکن تھا وہ تو ضرور پیادہ ہیں اور یہ ان کے دم کے ساتھ۔

سادسًا: جانے دو بھنگنیں کہ ٹوکرے لئے نکلتی ہیں وہ تو ہر طرح پیادہ آدمی ہیں ان کی ممانعت کس گھر سے آتی، تو آفتاب سے زیادہ روشن کہ یہ مسئلہ صرف اسلامی سلطنت کے ساتھ خاص ہے جہاں کفار تابع مسلمین ہوتے ہیں اور جہاں ہر طرح ہم احترام مساجد قائم رکھنے پر قادر ہیں غیر اسلامی عملداری میں اس کا اجراخود اصل مسئلہ کا ابطال اور مسجدوں کی صریح بیحرمتی وابتذال ہے۔

سابعًا: یہاں ایک نکتہ جلیلہ دقیقہ اور ہے جس پر مطلع نہیں ہوتے مگر اہل توفیق "**وَمَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ**﴿۴۳﴾ "[1] (اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔ت) وہ یہ کہ مسجد میں کسی امر کا جواز اور بات ہے اور اس کا استحقاق اور۔ صورت مذکورہ علماء میں حکم جواز ہے نہ حکم استحقاق کہ مساجد تو جمیع حقوق عباد سے ہمیشہ کے لئے منزہ ہیں، **قال اللہ تعالٰی** "**وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ**"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ت) تو حکم صرف سلطنت اسلامیہ میں چل سکتا ہے غیر اسلامی سلطنت میں جو ممر بنایا جائیگا ضرور اس میں کفار خصوصًا حکام کا مرور بطور دعوی واستحقاق ہوگا اور یہ قطعی ابطال مسجدیت وہتک حرمت اسلام وخلاف کلام ذی الجلال والاکرام ہے اگرچہ بفرض محال ہر طرح کا احترام قائم ہی رہے تو سلطنت غیر اسلامیہ کے لئے یہ مسئلہ قرار دینا صریح جہل وظلم عظیم ہے، انہیں سات وجوہ پر نظر فرمانے سے واضح ہو سکتا ہے کہ "مِن، الٰی، فی، علٰی،" کا ترجمہ جان لینا فقاہت نہیں فقاہت چیزے دیگر ست۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۹/ ۴۳

[2] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک عطافرمانے والا مالک عطانہ فرمائے)

ثامنًا: [ف: ضرورت کی بحث] رہی ضرورت تنگی، اس کا حال ظاہر ہے کہ پیدل تو پیدل گاڑیوں کے لئے وسیع سڑک موجود ہے، علماء نے یہاں یہی ضرورت تحریر فرمائی ہے اور یہی حکم جواز فی نفسہ کا کفیل ہے، ضرورت اکراہ شرعی نہ یہاں متحقق نہ اس میں یہ صورت صادق، اس سے جواز شے فی نفسہ نہیں ہوتا رفع اثم ہوتا ہے، وہ بھی صرف مکرہ سے، وہ بھی صرف وقت اکراہ، وہ بھی صرف اتنی بات پر جس پر اکراہ ہوا، اگر بعض اوہام الٹے چلے تو ان شاء اللہ الکریم اس وقت ان مباحث جلیلہ کی تفصیل کردی جائے گی جس سے روشن ہوگا کہ یہاں ادعائے ضرورت اکراہ کیسا جہل شدید تھا، بالجملہ یہ تدبیر بھی محض باطل و ناصواب تھی اور اتنا خود عالم کو اسی تقریر میں اقرار ہے کہ نہایت تنزل اور بقول ضعیف اور مخلص کے طور پر صورت مجوزہ ہے بہر حال وہ بھی ممبروں نے منظور نہ کی اس وقت عالم نے یہ دوسری تجویز نکالی جس پر تصفیہ ہوا کہ چھتا مسجد اور زمین سڑک۔ تقریر مذکور میں ہے: اس گفتگو میں تمام وقت صرف ہوگیا مصالحت کی امید منقطع ہوگئی اسوقت میں نے یہ صورت پیش کی کہ سردست ہم کو دالان کی چھت پر قبضہ دے دیں کہ ہم بنائیں۔ اس کے بعد ایک فقرہ دھوکا دینے والا ہے کہ اور زمین بھی دے دیں اس کو بھی ہم ہی بنائیں حسب قواعد میونسپلٹی جو تمام عمارات کے واسطے عام ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ زمین ہم کو واپس مل جائے ہم اس پر پہلی سی عمارت بنالیں، اس سے آسان تر کہ تدبیر اول میں تھا وہ تو ممبر نے مانا نہیں اس کے بعد اس کے کہنے کی کیا گنجائش ہوتی ہے اور کہا جاتا تو مانا کیوں جاتا اور یہ وہ کہا گیا جو مانا گیا کہ اس کی نسبت تقریر مذکور میں ہے: غرضیکہ تینوں دفعات حسب دلخواہ طے ہوگئے۔ پھر باریابی گورنمنٹ اور ہار پہنانے کا ذکر کرکے کہا: اس کے بعد موافق تجویز دی روزہ تینوں مقاصد ہمارے حاصل ہوئے۔ یعنی جواب ایڈریس ان کے مطابق ملا تو زمین دے دیں اس کو بھی ہم ہی بنائیں، کے وہ معنی ہیں جو جواب ایڈریس میں ہے کہ متولیوں کو ایک چھتادار محراب بنالینی چاہئے اور ان عمارات کے نیچے بھی ایک گزرگاہ تعمیر کرلینی چاہئے جو میونسپل بورڈ کی مجوزہ تجاویز کے عین مطابق ہے۔ غرض تجویز پیش کردہ عالم کا یہ حاصل تھا کہ ہم کو ایک چھتا بنالینے دیا جائے جو مسجد ٹھہر کر ہمارے قبضہ میں رہے اور اس کے نیچے سڑک چلے اور یہ سعادت بھی ہمیں کو بخشی جائے کہ زمین مسجد پر یہ سڑک ہم ہی تعمیر کریں جو بعینہٖ تجویز چونگی ہے۔

[ف: تجویز دوم کی شناعتیں] اس تجویز کا حال مجوز کا قال بتارہا ہے، تدبیر اول کہ نامنظور رہوئی اسے نہایت تنزل بتایا تھا اور نہایت کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا تو یہ تجویز کہ اس سے بدرجہا گری ہوئی ہے کسی تنزل پر بھی دائرہ حکم شرعی میں نہیں آسکتی بلکہ حکم کی صریح تبدیل ناقابل تاویل ہے،

تدبیر اول کو بقول ضعیف کہا تھا تو اس کے لئے کوئی ضعیف روایت بھی نہیں محض باطل وایجاد بندہ ہے تدبیر اول کو مخلص کے طور پر کہا تھا تو یہ مخلص بھی نہیں بلکہ مجلس ہے یعنی مسجد کو ہتک حرمت کے لئے پھنسانا۔ اور تقریر میں اقرار ہے کہ میں نے یہ صورت پیش کی۔ یہاں ہمارے استفسار دوم کا جواب کھلا، ایسی باطل وحرام وہتک اسلام صورت اگر ادھر سے پیش ہوتی اور عالم جبر واکراہ تام اسے تسلیم کرلیتا تو شرعاً سخت کبیرہ عظیمہ شدیدہ کا مرتکب تھا نہ کہ خود اپنی تجویز سے ایسی صورت نکالنا اور اسے پیش کرنا اس پر منظوری لینا اس کی شناعت کا کیا اندازہ ہو، **نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۳) پھر یہ نہیں کہ عالم نے اس وقت کم علمی یا نافہمی سے اس صورت کا باطل وخلاف شرع ہونا نہ سمجھا نادانی سے اس وقت مجوز ہو بیٹھا نہیں نہیں بلکہ اس وقت بھی حکم شرعی معلوم تھا تقریر مذکور میں اس تجویز کے پیش کرنے سے پہلے کا بیان ہے کہ مسجد کے دیکھنے اور وہاں کے احوال سننے سے تسلیم کرلینا پڑا کہ جز ومتنازعہ جزو مسجد ہے اس کے بعد مجھے مخلص نکالنا بہت دشوار ہو گیا میں ہرگز کسی طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں کو کسی جزو مسجد کو کسی دوسرے مصرف میں لانا جائز ہے تو دیدہ ودانستہ ارتکاب ہوا۔

(۲۴) پھر یہی نہیں کہ اسے صرف ابتدائی درجہ کا حرام جانا ہو بلکہ وہیں تصریح ہے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اس جزو کو اصل مسئلہ سے زیادہ اس کے طرز انہدام نے اہم کردیا اور یہ واقعہ ہائلہ ۳/اگست نے تو احترام اسلام کا سوال پیدا کردیا اور شعار اسلام کے ہتک ہونے میں کسی کو بھی شبہہ نہ رہا۔ یارب یہاں تک جان کر پھر ہتک اسلام کی آپ تجویز پیش کرنے کو کیا سمجھا چاہئے **فانا للہ وانا الیہ راجعون** اس قول عالم کے معنی یہ ہیں کہ ہتک حرمت مسجد ضرور ہتک شعار اسلام ہے خصوصاً بحکومت کہ اس کا ہتک حرمت اسلام ہونا خود ہی واضح تر ہے جسے واقعہ ۳اگست نے سب پر ظاہر کردیا۔ اس عبارت عالم کا یہ مطلب ہے ورنہ اگر عالم کے نزدیک اصل معاملہ میں ہتک حرمت اسلام نہ تھی تو واقعہ ۳/اگست کہ محض بربنائے قانون شکنی تھا اسے ہتک حرمت اسلام نہ کردیتا۔ خانہ جنگی وغیرہ میں کتنے مسلمان ماخوذ وسزایاب ہوتے ہیں اسے کوئی ہتک حرمت اسلام نہیں سمجھتا کہ اصل معاملہ حرمت اسلام کا نہ تھا۔ عالم کا یہ قول یادرکھنا چاہئے کہ خود اس کے منہ اس کی کارروائی کا حاصل کھلتا ہے **نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۵) پھر یہ نہیں کہ عالم اس وقت حالت اکراہ میں ہو کہ " اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ "[1] (مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ت) سے فائدہ لے سکے وہ ابھی ابھی تدبیر اول پیش کرکے زیادہ کے لئے صاف جواب دے چکا تھا تقریر مذکور میں ہے: میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ احکام مذہبی میں کوئی

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

کچھ دخل نہیں دے سکتا حقیقۃً جس طرح وہ حصہ لیا گیا ہے اسی طرح واپس کیا جائے نہایت تنزل صورت مجوزہ ہے اگر اس پر بھی رضامندی نہیں ہوتی پھر حکام کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ عالم کی اس تقریر کو ہمارے سائل فاضل نے جواب استفسار ہفتم میں یوں بیان کیا: گفتگو کے اثناء میں اس نے صاف کہہ دیا کہ میرا کام مسئلہ بتادینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں ہے جس طرح وہ چاہے اور اس کا حکم ہو بننا چاہئے نہ کہ جس طرح میں یا آپ چاہوں علماء کو جمع کرنا چاہئے مسلمانوں کو جس سے اطمینان ہو وہ کرنا چاہئے۔ یہ تمام کلمات حق تھے انہیں کہہ کر پھر حق سے ایسے شدید ناحق کی طرف عدول کیوں ہوا ممبر اگر نہ مانتے اتنے ہی پر ختم کرنا فرض تھا، نہ عالم پر الزام رہتا نہ معاملہ میں یہ سخت پیچ پڑتا، مگر مشیت آڑے آئی اور عالم سے جو نہ ہونا تھا ہوا، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

(۲۶) پھر اس سے بھی اشد ظلم یہ کہ اس حرام شرع کو حسب دلخواہ اور نہایت مسرت خیز و موجب اطمینان و دلجمعی مسلمانان اور مسئلہ شرعیہ کی صورت سے بھی بہتر اور اس کے دن کو اسلامی تاریخ کا زریں دن کہا گیا اور خود شعار اسلام کا ہتک بتا کر بقائے احترام اسلام کہا یہ باتیں بہت سخت تر ہیں **نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۷) پھر اس کا یہ شدید ضرر قاصر نہ رہا بلکہ عام عوام مسلمین تک متعدی ہوا انہوں نے اس عالم ہی کے بھروسے حرام کو حلال، ماتم کو مسرت، ہتک حرمت اسلام کو اسلام کا احترام سمجھا۔

(۲۸) ان وجوہ نے معاملہ کی گتھی بہت کری کردی اور اس نرے زبانی بیان کو کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع کو شاں رہیں گے، کہ محض برائے گفتن تھا حرف غلط کر دیا مریض جب مرض کو شفا سمجھے پھر ہوس علاج جنون ہے۔

(۲۹) پھر اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے نظیر ہو گیا اسلامی عالم جیسے قومی لیڈر اور گویا تمام مسلمانان ہند کا وکیل سمجھا گیا اس کی ایجاد کی ہوئی تجویز اس کی پیش کی ہوئی تجویز، پھر گورنر جنرل کی منظور، پھر تمام اسلامی حلقوں میں اس پر اظہار مسرت وخوشی، پھر عالم کا اسے اسلامی تاریخ میں زریں دن اور بقائے احترام اسلام اور موجب دلجمعی واطمینان و نہایت مسرت خیز کہنا اسے پتھر کی لکیر کر گیا، مسجدوں کا سڑکوں، ریلوں، نہروں سے تصادم نہ کوئی نئی بات نہ کبھی منتہی جیسا کہ خود جواب ایڈریس میں مذکور ہے مگر اس پر کتنے اطمینان بخش وہ الفاظ گورنمنٹ تھے کہ گورنمنٹ ہمیشہ کوشش کرے گی کہ مسئلہ متنازعہ کو اس طور پر حل کرے جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہو۔ عالم اور عوام کی ان کارروائیوں نے انہیں کتنے ہی برے معنی کی طرف پھیر دیا، انہوں نے چیخ وپکار اور جلسوں روشنیوں کی بھرمار سے بتادیا کہ یہ صورت

ہمارے لئے نہایت قابل اطمینان ہے جب تصادم ہو مسجدیں توڑ کر ہوا پر کردو اور نیچے سڑکیں ریلیں نہریں دوڑادو، بس مسئلہ اس طور پر حل ہوجائے گا جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہے، کیا عالم اور عوام کو کوئی منہ رہا ہے کہ اس وقت کچھ شکایت کریں یا چارہ جوئی کا نام لیں، کیا ان سے نہ کہا جائے گا کہ عقل کے ناخن لو یہ وہی تو نہایت مسرت خیز و موجب اطمینان واحترام اسلام اور اسلامی تاریخ کا زریں دن ہے جسے تم آپ پیش کرکے منظور کراچکے ہو۔

(۳۰) پھر نری نظیر ہی نہیں بلکہ جو قانون معابد بنتا بتایا جاتا ہے اس کے لئے کافی مادہ ہے احترام مساجد کو یہی دفعہ بس ہوگی کہ ان کا زمین پر رکھنا کچھ ادب نہیں بلکہ چھتوں پر اٹھا کر سروں سے اونچی کردی جائیں اور اصل مسجد یعنی زمین پر جو چاہیں بنائیں عالم وعوام اس اپنی ہی پیش کردہ پسندیدہ دفعہ کا دفع کہاں سے لائیں گے، افسوس کہ یہ شدید ہتک اسلام خود فرزندان اسلام کے ہاتھوں ہو **انا ﷲ وانا الیہ راجعون**، یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہ جو بہلاوے دئے جاتے ہیں کہ ایک مختتم قانون تحفظ معابد کا بنایا جانا قرار دلوادیا گیا ہے جس سے حسب تصریح ممبر اس متنازع فیہ حصے کا بھی مسلمانوں کو موافق ہونا متوقع ہے، اور فیصلہ پر ایک نظر میں یہ تاکیدی حکم سنا جانا بتایا کہ اس کی تعمیر میں احکام اسلامیہ کے احترام کو ہر طرح مدنظر رکھنا چاہئے۔ سب روغن قاز کی بھی وقعت نہیں رکھتے، مانا کہ قانون ضرور بنے، مانا کہ تاکیدی حکم بیشک ہوا مگر احترام کے معنی تو آپ نے بتادئے کہ ہم اسے احترام اسلام کہتے ہیں جسے خود اپنے منہ سے ہتک حرمت اسلام کہہ چکے ہیں، بس اسی پر قانون بنوالیجئے اور اسی کی نسبت تاکیدی حکم تصور کیجئے ع

خویشتن کردہ راعلاج مخواہ
(اپنے کئے کا کوئی علاج نہیں)

یارب ! معنی خود الٹے ٹھہرانا اور خالی لفظ پر عوام کو بہلانا کس لئے۔

(۳۱) [عذر بدتر از گناہ کے رد] طرفہ تر عذر بدتر از گناہ سنئے، تقریر مذکور میں ہے: میں نے اسلئے اس کو اپنی صورت مجوزہ (یعنی تدبیر اول نامنظور) سے بھی بہتر خیال کیا کہ قواعد میونسپلٹی سے ممکن ہے کہ ہم کو بہتر موقع اس کے حاصل کرلینے کا ہو۔ ایسے حرام وہتک اسلام کو اپنے منہ پیش کرکے منظور کرانا اور اس امید موہوم کو کہ ممکن ہے میونسپلٹی ہمیں واپس دے اس کے ارتکاب کی نہ صرف تجویز بلکہ تحسین کا موجب ٹھہرانا عجیب فہم بلکہ تازہ شرعیت ہے۔ کیا جیسا کہ کہا جاتا اور مراسلات کامرید وغیرہ میں بیان ہوا ہے، یہ میونسپلٹی وہ نہیں جس نے کثرت رائے کا بھی خیال نہ کیا اور مسجد کے خلاف ہی فیصلہ دیا۔

لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین [1]۔	مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا (ت)

خاص گورنمنٹ، کون گورنمنٹ، وہ وہ جس نے کہا میں تمہارے لئے پیام امن لایا ہوں وہ وہ جس نے کہا مذہبی باتوں کے متعلق وہی پالیسی ہے اس میں کوئی تغیر نہیں، وہ وہ جس نے کہا حقوق مساجد کا ہمیشہ لحاظ رکھا جائیگا اور سب مسلمانوں کے اطمینان کے قابل فیصلہ کیا جائے گا اسے چھوڑ کر میونسپلٹی کی رحمت پر بھروسا کرنا وہاں اپنے منہ حرمت اسلامیہ کو پامالی کے لئے خود پیش کرنا اور اس کے ازالہ کی امید چونگی سے رکھنا کس درجہ بدقسمتی ہے۔

(۳۲) میونسپلٹی اگر موافق بھی ہوتی تو فیصلہ خاص گورنمنٹ کے بعد اس سے نقض کی امید کتنی غلط امید ہے۔

(۳۳) بفرض غلط اگر میونسپلٹی آپ کو لکھ بھی دے کہ ہاں یہ زمین خاص مسجد کی ہے چونگی کا اس پر کچھ دعوی نہیں تو کیا وہ اس حکم حتمی گورنمنٹ کو بھی منسوخ کردے گی کہ یہ ضرور ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک کے استعمال کرنے کے مجاز ہوں اور جب یہ برقرار رہا تو وہ کیا ہے جسے آپ میونسپلٹی سے خاص کرلیں گے جس کے سبب اس اپنے اقرار اشد حرام وہتک اسلام کو زائل کرلیں گے۔

(۳۴) بفرض باطل یہ بھی ممکن سہی تو ایک امید موہوم کے لئے، جس کا نہ وقوع معلوم نہ سال دس سال مدت معلوم، اس وقت ایسا حرام وہتک اسلام کو ہتک کے لئے خود پیش کرنا کس شریعت نے جائز کیا ہے۔

(۳۵) موہوم ہونے کی یہ حالت ہے کہ خود بھی اس کے حصول پر اطمینان نہیں تقریر میں عبارت مذکورہ کے متصل ہے اگر نہ ملا تو ہم مجبور ہیں ویسا ہی تصور کرینگے جیسا کہ اس وقت دہلی کی جامع مسجد میں انگریزوں کو جوتا پہنے آنے سے روک نہیں سکتے مجبور کس نے کیا، آپ تجویز نکالو، آپ پیش کرو، آپ منظور کراؤ، آپ خوشیاں مناؤ، اور پھر مجبور کے مجبور۔ انگریزوں کا جوتا پہنے پھرنا اگر وہاں کے مسلمانوں کی خوشی سے ہے تو ان پر بھی الزام ہے اگرچہ آپ پر اشد ہے کہ کہاں نادرًا گاہے ماہے کسی انگریز کا آنا اور کہاں یہ شبانہ روز کی پامالی، گوبر لید متالی، اور اگر مسلمانوں نے اس کی اجازت نہ دی تو یہ آپ کی تو خود کردہ ہے اس کا اس پر قیاس کیسا!

(۳۶) سب جانے دیجئے امید و موہوم و مظنون سب سے گزر کر بفرض محال میونسپلٹی سے اس کا استحصال

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب لایلدغ المؤمن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۵، سنن الدارمی باب لایلدغ المومن من جحر مرتین نشر السنة ملتان ۲/ ۲۲۷

اور مرور واستعمال کا بالکلیہ زوال سب قطعی و یقینی ٹھہرا لیجئے پھر الزام کیا دفع ہوا، کیا کوئی گناہ حلال ہوسکتا ہے جبکہ ایک زمانہ کے بعد اس کا زوال یقینی ہو، یوں تو شراب وزنا بھی حلال ہوجائیں گے کہ ہمیشہ کے لئے نہ وہ مستقر نہ یہ مستمر، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ یہ ہے وہ تقریر "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" جس پر عوام کو وہ کچھ وثوق وہ کچھ ناز ہے **واستغفر اللہ العظیم**۔

الحمدللہ دو استفسار پیشین کے جواب میں یہی چھتیس نظریں کافی ووافی ہیں جن میں اس فیصلہ پر ایک نظر پر بھی پندرہ نظریں ہوگئیں، اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مسئلہ وفیصلہ کے پہلوؤں پر کافی روشنی پڑ گئی جس کے بعد عاقل کو امتیاز حق وباطل کے لئے ان شاء اللہ العظیم زیادہ کی حاجت نہ رہی جواب باقی استفسارات کا حال بھی یہیں سے کھل گیا لہٰذا ان پر بالاجمال دو چار لفظ لکھ کر کلام تمام کریں **وباللہ التوفیق**۔

متعلق جواب استفسار سوم

اس کے فقرے فقرے کا رد اوپر گزر چکا، گورنمنٹ نے خود خواہش تصفیہ کی، بہت اچھا کیا، مگر تصفیہ میں یہ تجویز جو خود عالم کے اقرار سے حرام اور بلاشبہہ ہتک حرمت اسلام ہے، عالم نے آپ ہی پیش کی بہت برا کیا، پھر اسے نہایت مسرت خیز وزریں روز وغیرہ وغیرہ کہا اور سخت برا کیا۔

(۳۷) [اس تجویز نے کیا دیا اور کیا لیا اس کا موازنہ] نہ کہ قیدیوں کو بلا مقابلہ کسی امر کے چھوڑ دینا چاہا، جواب ایڈریس میں کسی مقابلہ کا اشارہ تک نہیں، لکھنو کے ایک انگریزی اخبار میں ہے کہ بلا شرط چھوڑا گیا، ممکن ہے کہ باہم خفیہ گفتگو میں ذکر شرط آیا ہو، اب سوال یہ ہے وہ شرط کیا تھی اور جزا کے ساتھ ہم قیمت تھی یا بہت گراں، ہمارے سائل فاضل کا بیان ہے کہ بلکہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں، یعنی زمین مسجد سے دست بردار ہوجائیں (دیکھو ہمارے بیانات میں نمبر ۷ا تا ۲۰) اور مسجد کی زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں یعنی جس سے وہ مسجد کے لئے محفوظ رہے اور سڑک کے کام میں نہ آسکے ورنہ عمارت کی کسی ہیأت معینہ سے بحث کے کوئی معنی نہیں تو حاصل شرط مسجد کی مسجدیت کا ابطال اور اس کی زمین کا سڑک میں استعمال اور اس کی حرمت کا اسقاط وابتذال تھا، اسی کی پابندی سے عالم نے یہ اخیر ناشدنی تجویز نکالی جو منظور ہو کر نظیر ہوگئی اور جس نے ہمیشہ کے لئے تمام مساجد ہند کی حرمت بیچ ڈالی۔ اب اس کا اور جزا یعنی رہائی ملزمان کا موازنہ کرلیجئے خاص اشخاص کی قید ضرر خاص تھا اور وہ بھی جسمانی اور وہ بھی منقطع اور مساجد کی بیحرمتی وابطال مسجدیت اور اس کے خود پیش کرنے پھر منظور کرانے، پھر اس پر اظہار رضا ومسرت سے ہمیشہ کے لئے اس کا نظیر بننا کتنا سخت ضرر عام تھا اور وہ بھی دینی اور وہ بھی مستمر، اسی کو عالم نے خود کہا تھا

کہ شعار اسلام کے ہتک ہونے میں کسی کو شبہہ نہ رہا، ایک مسجد کا ضرر ضرر عام ہے کہ مسجد عام مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، نہ کسی خاص کی، اور ضرر عام ضرر خاص سے اقوی، اسی پر مبنی ہے فتح القدیر و بحر الرائق و درر و غرر و تنویر الابصار و در مختار وغیرہا معتمدات اسفار کا مسئلہ کہ **مسجد ضاق وبجنبہ ارض لرجل** [1]**الخ** (جب مسجد تنگ ہو جائے اور اس کے پہلو میں ایک شخص کی زمین ہو۔ت) جب صرف نمازیوں پر جگہ کی تنگی ایسا ضرر مہم سمجھی گئی تو مسجد کی مسجدیت کا ابطال شعار اسلام کا وہ ہتک وابتذال اور پھر نہ ایک مسجد کے بلکہ قاعدہ مستمرہ مساجد کیلئے کس درجہ اشد واشنع ضرر عام مسلمین وضرر نفس اسلام ودین ہے عقل ونقل وعرف وشرع کا قاعدہ تو وہ تھا کہ ضرر عام سے بچنے کو ضرر خاص کا تحمل کرتے ہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام [2]۔	عام ضرر سے بچنے کے لئے خاص ضرر کو اپنایا جاسکتا ہے۔ت)

یہاں چند روزہ خفیف ضرر خاص چند اشخاص سے بچنے کو اتنا عظیم ضرر عام واضرار اسلام مستمر ومدام گوارا کیا، اب سوا اس کے کیا کہئے کہ "**یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۲۶﴾**" [3] (کسی طرح میری قوم جانتی۔ت)

(۳۸) عموم وخصوص ضرر سے قطع نظر آخر اتنا تو عالم کو بھی اقرار ہے کہ اس میں ہتک حرمت اسلام ہے پھر کون سی شریعت ہے کہ بعض اشخاص کو قید سے چھڑانے کے لئے مسجدیں بھینٹ چڑھانا اور ان کی حرمتیں پامال کرانا اور اس پامالی کو نظیر مستمر بنانا حلال ہے، زید کا باپ بیمار تھا اور بھائی کو زکام، ایک بڑا ڈاکٹر جس کے ہاتھ میں اللہ عزوجل نے ان بیماریوں کا یقینی علاج رکھا تھا دور سے اسے سن کر آیا، اور آیا بھی کیسا، یہ کہتا آیا میں تمہارے لئے پیام شفالایا ہوں اور خاص تصریحًا برادر وپدر دونوں کا نام لے کر کہا کہ اسے بھی دوا دوں گا اور اس کا بھی خاص توجہ سے پورا اطمینان بخش معالجہ کروں گا، بااینہمہ زید نے اپنے وہم خواہ کسی کمپوڈر کے کہنے سے یہ خیال دل میں پکا لیا کہ باپ جب تک زندہ ہے بھائی کو دوا نہ دی جائیگی، لہٰذا بھائی کا زکام جانے کے لئے باپ کو قتل کر دیا، ایسی صورت کو کیا کہیں گے، یا نہ سہی یہی فرض کر لیجئے کہ ڈاکٹر نے وہ کچھ کہہ کر خود بھائی کے علاج کو باپ کی موت پر مشروط کر دیا، کیا اس صورت میں بھائی کا

---

[1] فتح القدیر کتاب الوقف فصل اختص المسجد باحکام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۵، بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۵، الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الوقف مطبعۃ احمد کامل ۲/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول تنبیہ یحتمل ضرر الخاص لاجل دفع ضرر العام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۲۱

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۲۶

زکام کھونے کو باپ کا قتل روا ہے۔

(۳۹) استفسار یہ نہ تھا کہ ملزم شرط پر چھوٹے یا بلا شرط، جس کا یہ جواب دیا گیا، بلکہ سوال یہ تھا کہ ان کی آزادی کے بعد اور کیا منازعت رہ گئی تھی جسے عالم نے قطع کیا اور کیونکر قطع کی، یہاں بھی بعض اصحاب نے استفسارات کو دیکھ کر کہا تھا کہ ان کی حکمت سمجھ میں نہ آئی کس کس غرض سے یہ امور دریافت کئے ہیں ہمارے استفسار دوم کی حکمت اوپر معلوم ہوچکی، اس سوم کا فائدہ یہ تھا کہ یہاں دو ہی نزاعیں تھیں، گورنمنٹ کا ملزموں پر دعوی، مسلمانوں کو زمین پر دعوی۔ گورنمنٹ نے عالم سے مصالحت کی، مصالحت یک طرفہ تو تھی نہیں اور رہائی ملزمان کوئی فعل مشترک نہ تھا کہ فریقین نے کیا، اور طرفین سے قطع نزاع متحقق ہوا، وہ تو تنہا فعل گورنمنٹ تھا کہ خود ہی وہ اسے بجالائی اور اپنی طرف سے قطع نزاع کی، اس کے بعد دوسری نزاع کیا تھی کہ ادھر سے قطع کی گئی، لاجرم اس کا جواب یہی تھا کہ گورنمنٹ نے قیدی چھوڑے مسلمانوں نے مسجد چھوڑی، ولہذا سائل فاضل نے استفسار دوم کی طرح سوم کے جواب سے بھی پہلو تہی کی اور وہ زائد بات لکھ کر اس گول مبہم پر قناعت فرمائی کہ گورنمنٹ اور مسلمانوں سے مقدمات اور اس کے ضمن میں باہم کشیدگی و منازعت تھی جس کو عالم نے قطع کردیا۔ سوال تھا منازعت کیا تھی کیونکر قطع کی؟ جواب ہوا کہ تھی اور قطع کی غرض یہاں کے بعض اصحاب فائدہ استفسارات نہ سمجھیں مگر سائل فاضل نے خوب سمجھا اور اپنی احتیاط کا حق ادا کیا۔

متعلق جواب استفسار چہارم

قبضہ کی کافی بحث اوپر گزری کہ زمین پر قبضہ دینا نہ ٹھہرا بلکہ ہوا پر۔

(۴۰) [زعم حصول قبضہ کارد] رہا ممبروں کا کہنا ہم عمارت کی اجازت دیں گے جو قانوناً وعرفاً قبضہ ہے اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں، شرعاً راستہ پر چھجا نکالنے چھتا پاٹنے کا ہر شخص کو اختیار ہے اگر کوچہ غیر نافذہ ہو تو سب اہل کوچہ کی اجازت سے، اور شارع عام ہو تو سلطان کی اجازت سے بلکہ بلااجازت سلطان بھی نکالنے سے گنہگار نہ ہوگا اگرچہ مزاحمت کے بعد تار دینا واجب ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

ان اراد احداث الظلة فی سکة غیر نافذة یعتبر فیه الاذن من اهل السکة وهل یباح احداث الظلة علی طریق العامة ذکر الطحاوی انه یباح ولایأثم قبل ان یخاصمه	اگر کوئی بند گلی میں چھتہ بنانا چاہے تو گلی والوں کی اجازت معتبر ہوگی، اور کیا شارع عام پر کوئی چھتہ بنا سکتا ہے، تو امام طحاوی نے مباح کہا ہے اور اس وقت تک گنہگار نہ ہوگا جب تک کوئی مخاصمت نہ کرے اور مخاصمت کے

احد وبعد المخاصمة لايباح الاحداث والانتفاع ويأثم بترك الظلة كذا في الفصول العمادية. وليس لاحد من اهل الدرب الذي هو غير نافذ ان يشرع كنيفا ولاميزابا باذن جميع اهل الدرب اضر ذلك بهم اولم يضر هكذا في الخلاصة[1]۔	بعد نہ بنانا مباح ہوگااور نہ ہی اس سے انتفاع جائز ہوگا اور اس کو باقی رکھنے سے گنہگار ہوگا، جیساکہ فصول عمادیہ میں ہے، اور کسی کو تنگ بند گلی میں کوڑا ڈالنا اور پر نالہ لگانا گلی والوں کی اجازت کے بغیر جائز نہیں خواہ گلی والوں کو ضرر ہو یا نہ ہو، خلاصہ میں یونہی ہے۔(ت)

اور غالبًا انگریزی قانون میں بھی چونگی اجازت سے ایسا ہوسکتا ہے اسے کوئی عاقل راہ یا سڑک کی زمین پر قبضہ نہ کہے گا اور دور کیوں جایئے لکھنو میں بام نشینان بازار کی کثرت سنی جاتی ہے شرعًا عرفًا قانونًا کسی طرح وہ دکانوں پر قابض نہیں۔

(۴۱) جواب ایڈریس کا وہ جملہ کہ میں اس کو کچھ وقیع والم نہیں خیال کرتا کہ زمین کس کے قبضہ میں رہے گی، اس کے سمجھنے میں بہت غلطی کی گئی بحث قبضہ وقیع نہیں یعنی فضول ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قبضہ کسی خاص کا ہو، اس سے ہمیں غرض نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم کسی خاص قبضہ کو ہرگز روانہ رکھیں گے، لہٰذا اس کی بحث فضول ہے، وہ بات کہ اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں معنی اول بتاتی ہے حالانکہ مراد قطعًا معنی ثانی میں ہے کہ اس کے متصل ہی، جواب ایڈریس میں ہے مگر یہ ضروری ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک کے استعمال کرنے کے مجاز ہوں یعنی قبضہ عام ہونا ضروری ہے خصوصیت کی بحث لایعنی ہے، تو ذکر نفی قبضہ کو نفی ذکر قبضہ پر حمل کرنا صریح مغالطہ یا کھلی غلطی ہے۔ ممبر متعینہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہی قبضہ ہے یعنی اور میں نے مان لیا کہ سالبہ مرادف موجبہ ہے ایسا قبضہ عالم صاحب یا کوئی مسلمان ممبر صاحب اپنے گھر کے لئے بھی گوارا کریں گے یا یہ خاص اللہ عزجلالہ کے گھر کے لئے ہے غرضکہ قبضہ خود ممبر متعینہ کی زبان سے طے کرالیا۔ جی نہیں بلکہ خود اپنی زبان سے قبضہ کا قضیہ طے کردیا کہ چھت ہماری اور مسجد کی زمین پر سڑک جاری، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الجنایات الباب الحادی عشر فی جنایۃ الحائط نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۰

متعلق جواب استفسار پنجم

(۴۲) [مصالحت اس پر کی کہ مسجد مسجد کیا بلکہ وقف بھی نہ ٹھہرے] عالم کی پیش کردہ دوسری تجویز جس پر فیصلہ ہوا تقریر مذکور عالم میں صرف ان لفظوں سے ہے: اس وقت میں نے یہ صورت پیش کی کہ سردست ہم کو دالان کی چھت پر قبضہ دے دیں الخ، اس میں کہیں کسی کی ملک نہ ہونے کا تذکرہ نہیں مگر سائل نے اسے ان لفظوں سے بیان کیا تھا کہ بعد رد وقدح عالم کی رائے سے طے پایا ہے کہ سردست ملک اس زمین پر کسی کی ثابت نہ کی جائے کیوں کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وقف ہے قبضہ زمین پر مسلمانوں کا دلایا جائے، اس پر یہ استفسار پنجم تھا کہ یہ کسی کی ملک ثابت نہ ہونے کی قرار داد صرف عالم کے متخیلہ میں رہا یا باتفاق فریقین طے ہوا اس کا یہ جواب ہے کہ زمین کی ملکیت گورنمنٹ اپنی ہی سمجھتی تھی ممبر سے عالم نے صاف کہہ دیا اور کہلوالیا کہ ملک وقف میں کسی کے لئے نہیں ہوتی اور اسی واسطے ہم اپنے لئے بھی ثابت کرنے کے درپے نہیں۔ اس جواب میں بہت خلط مبحث ہے۔ ملک کا اطلاق دو ۲ معنی پر آتا ہے اول اختصاص مانع کہ ابتداءً اس کے لئے قدرت تصرف شرعی ثابت کرے اور اس کے غیر کو بے اس کی اجازت کے تصرف سے مانع ہو جیسے زید کا مکان زید کی ملک ہے، فتح القدیر میں ہے:

الملك هو قدرة يثبتها الشارع ابتداء على التصرف فخرج نحو الوكيل[1]۔	ملکیت وہ قدرت ہے جسے شارع نے تصرف کے لئے ابتداءً ثابت کیا ہو تو وکیل جیسے تصرف خارج ہوگئے (ت)

اشباہ میں ہے:

وعرفه فی الحاوی القدسی بانه الاختصاص الحاجز[2]۔	اور حاوی قدسی نے اس کی تعریف یوں کی ہے وہ اختصاص جو دوسرے کی مداخلت سے مانع ہو۔ (ت)

بایںمعنی تمام اوقاف علی الصحیح المفتی بہ اور خصوصا مساجد باجماع امت اللہ عزوجل کے سوا کسی کی ملک نہیں، **قال اللہ تعالٰی** "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ت) ۲ دوم بمعنی قدرت تصرف شرعی، عنایہ میں ہے: **الملك هو القدرة علی**

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

التصرف فی المحل شرعا[1] (ملکیت، یہ محل تصرف شرعی کی قدرت ہے۔ت) بایں معنی متولی کو مالک او قاف کہہ سکتے ہیں۔ خزانۃ المفتین وفتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[2]۔	اگر پہلے محدود رقبہ کا دعوی اپنے لئے کیا پھر وقف ہونے کا دعوی کیا تو صحیح جواب یہ ہے کہ اگر وقف کا دعوی تولیت کی بناء پر کیا تو پھر اس کے دونوں دعووں میں موافقت پیدا کی جاسکتی ہے کیونکہ عادتًا وقف متولی کی طرف تصرف اور منازعت میں منسوب ہوتا ہے(ت)

یہ دونوں معنی خود اسی جواب استفسار میں موجود، اول کہا: ملک وقف میں کسی کے لئے نہیں ہوتی۔اس کے متصل ہی اپنے مشیر قانونی کا قول نقل کیا کہ ہماری ملک غصب سے نہیں چلی گئی۔ظاہر ہے کہ گورنمنٹ ہر گز کسی وقت اس حصہ مسجد میں اپنی ملک بمعنی اول کی مدعی نہ ہوئی اس پر یہ کبھی نہ کہا گیا کہ یہ گورنمنٹی زمین ہے تم نے اسے مسجد کرلیا تھا اب گورنمنٹ اسے واپس لیتی ہے بلکہ دعوی اگر تھا تو اختیار تصرف کا اس کی نفی امر طے شدہ میں نہ ہر گز عالم نے کی نہ ممبر سے کہلوائی نہ صاف ناصاف بلکہ صاف صاف اس کے اثبات پر فیصلہ ہوا کہ یہ امر ضروری ہے کہ عام پبلک الخ۔

(۴۳) ہر قوم اپنی اصطلاح پر کلام کرتی اور سمجھتی ہے قانون اور اہل قانون کی اصطلاح میں زمین مسجد یا وقف مسجد کو ملک مسجد کہتے ہیں بلکہ اس اصطلاح کا پتا شرع مطہر میں بھی ہے۔واقعات حسامیہ وخزانۃ المفتین وفتاوی ہندیہ میں ہے:

لایمکن تصحیحه تملیکا بالهبة للمسجد فاثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح[3]۔	مسجد کو ہبہ کرنے سے تملیک کی تصحیح ممکن نہیں جبکہ اس طریقہ سے مسجد کے لئے ملکیت کا اثبات صحیح ہے(ت)

تو یہ طے کرنا ملک اس زمین پر کسی کی نہ ثابت کی جائے یہ طے کرنا ہے اسے مسجد کی شے نہ مانا جائے

[1] العنایۃ علٰی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب السادس فی الدعوی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فے المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

اور اب یہ کہنا ضرور صحیح ہے کہ چنانچہ گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔

متعلق جواب استفسار ششم

(۴۴) یہاں "سردست" کے معنی جس حکمت کے لئے دریافت کئے تھے وہ کارگر ہوئی بتانا پڑا کہ سردست کے معنی ممبر متعینہ سے صاف کہہ دئے گئے کہ ہم تخلیص شرکت مرور کے لئے ہمیشہ چارہ جوئی کرتے رہیں گے، یعنی اس وقت ہماری یا مسجد کی ملک ثابت ہوجائے گی فی الحال کسی کی نہ رکھو تو صاف کھل گیا کہ ملک سے وہی معنی مراد لئے جو اصطلاح قانون ہے یا معنی دوم بہر حال مطلب یہ ہوا کہ فی الحال زمین مسجد کو وقف نہ ٹھہرایا جائے آئندہ ہم کوشش کرینگے کہ وقف قرار پائے ایک اسلامی عالم کہ الہی گھر کی حمایت کو چلا ہو اس کے لئے اس سے زیادہ شنیع بات اور کیا ہوگی کہ اپنے منہ سے مسجد درکنار سرے سے فی الحال اسے وقف ہی نہ ٹھہرانے کی تجویز پیش کرے۔ رہی آئندہ کی کوشش اس کا مفصل حال اوپر گزرا کہ یہ محض نہاں خانہ خیال میں رہا یا کہا اور منظور نہ ہوا اس کا قرارداد ہرگز نہ ہوا اور جو کچھ برائے گفتن تھا تصفیہ ہوتے ہی اسے خود ہی منسوخ و ممسوح کردیا اور اس کا خیال تک مسلمانوں کے دلوں سے چھیل ڈالنے کا پورا ذمہ لیا **فاعتبروا یاولی الابصار** ممبر متعینہ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ جب قانون بن جائے گا تو خواہ نخواہ یہ مسئلہ بھی طے ہوجائے گا۔ جی مسئلہ تو ابھی طے ہوگیا اور وہی قانون کے لئے مادہ ہوگیا دیکھو نمبر ۲۶ تا ۳۰ ہم اس وقت اس خواہش کو پورا نہیں کرسکتے یعنی مسجد کو مسجد بالائے طاق وقف بھی نہیں مان سکتے۔ یہ ہے جو عالم نے طے کیا ہے۔ **فانا للہ وانا الیہ رٰجعون۔**

متعلق جواب استفسار ہفتم

(۴۵) [یہ مصالحت ایک شخصی کارروائی ہے اور اس کے روشن ثبوت] یہاں تک بعض استفساروں کے منشا کو سائل فاضل نے سمجھ لیا اور جواب سے اعراض یا ابہام کی طرف عدول کیا جیسے استفسار دوم وسوم اور باقی میں جواب صحیح کی راہ ہی نہ تھی ان میں طریق اعتذار لیا اور بن نہ پڑا۔ اس ہفتم میں بظاہر منشاء سوال خیال میں نہ آیا، منشایہ تھا کہ عالم نے جس بات پر فیصلہ کیا قطعًا اسی کے اقرار سے خلاف احکام وہتک حرمت اسلام ہے۔ اب الزام کے لئے تین صورتیں ہیں: ایک معافی وہ صورت جبر واکراہ شرعی ہے، یہ استفسار کی شق اول تھی کہ عالم کو گورنمنٹ نے حکمًا مجبور کیا۔ دوم اشترک کہ الزام تام ہے مگر نہ صرف عالم بلکہ عام مسلمانان ذی تعلق پر جبکہ انہوں نے اس کارروائی کے لئے عالم کو وکیل بنا کر بھیجا ہو یہ دوسری شق تھی کہ یا

مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا اور اس میں عالم کا نفع یہ تھا کہ اگرچہ کبیرہ شدیدہ واقع ہوا مگر اوروں کو عالم پر سخت شنیع ملامتیں کرنے کا (جن کی شکایت اس سوال کے ساتھ خط میں آئی) موقع نہ ہوگا کہ وہ خود بھی اسی بلا میں مبتلا ہیں۔ سوم عالم ومن معہ کا انفراد اور اضرار اسلام میں استبداد، یہ تیسری شق تھی کہ یا وہ بطور خود گیا، اس کے جواب میں دو شق اخیر کی صراحۃً اور اول کی ضمناً نفی کی کہ عالم کو عام مسلمانوں نے طلب نہ کیا نہ وہ از خود گیا بلکہ مقدمہ کانپور کے کارکنوں نے باصرار بلایا، یہاں سے ظاہر کہ وہ کارکن عام مسلمانوں کے صحیح نائب مناب نہ تھے ورنہ ان کا بلانا عام مسلمانوں کا طلب کرنا کیوں نہ ہوتا اور جب ایسے نہ تھے اور معاملہ عام مسلمانوں کا تھا نہ کہ تنہا ان خاص کا، تو خاص کے بلائے پر جانا عام کا قائم مقام کیونکر کردے گا، تو مآل وہی ہوا کہ خود گیا۔

(٤٦) بالفرض وہ کارکن عام مسلمین کے صحیح قائم مقام تھے یا خود عام مسلمانوں نے عالم کو بھیجا تو کیا انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اصل معاملہ پر پانی پھیر دینا فیصلہ پر ایک نظر میں مسلمانوں سے گفتگو اور عالموں سے مشورہ تک تو صرف تدبیر اول تھی بھیجنے والوں نے اسی کے لئے بھیجا تھا جب ممبر نے اسے نامنظور کیا عالم کی وکالت ختم ہو چکی، اسے اپنی رائے سے ایسی تدبیر حرام وخلاف احکام وہتک اسلام نکالنے اور اسے مسلمانوں کے سر ڈالنے کا کیا اختیار تھا، لاجرم اشتراک ہرگز نہیں بلکہ اضرار اسلام میں استبداد ہے پھر ملامت مسلمانان کی شکایت کیوں۔

تنكى المحب وتشكو وهى ظالمة   كالقوس تصمى الرمايا وهى مرنان

(محب کو ہلاک کرتی ہے اور شکایت کرتی ہے حالانکہ خود ظالم ہے کمان کی طرح کہ تیر ہلاک کریں اور یہ جنبش دے)

(٤٧) عالم نے خود ممبر سے یہ کہہ کر کہ میرا کام مسئلہ بتا دینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں الخ اور تقریر عالم میں ہے احکام مذہبی میں کچھ نہیں دخل دے سکتا اگر رضامندی نہیں ہوتی حکام کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، اپنی وکالت کو ختم کردیا تھا، پھر خود رائی کا اسے کیا اختیار تھا اس کا عذر یہ بتایا ہے کہ مگر ممبر متعینہ نے کہا ہم کو تمہاری رائے پر اعتماد ہے ہم علماء کی مجلس جمع نہ کریں گے تم اپنی رائے کہہ دو۔ الحمدللہ ظاہر ہو گیا کہ اب یہاں سے عام مسلمانوں کا وکیل نہ تھا بلکہ فریق ثانی کا جس نے اس پر اعتماد کیا، تو اس کی یہ کارروائی ہرگز مسلمانوں کی نہیں ٹھہر سکتی بلکہ ایک وکیل گورنمنٹ بلکہ ایک وکیل ممبر کی کارروائی ہے جس کا اثر صرف ممبر کی ذات تک محدود ہے۔

(٤٨) علماء سے مشورہ نہ لینے کو ممبر کے سر رکھا جاتا ہے مگر فیصلہ پر ایک نظر کی تقریر تو صاف کہہ رہی ہے کہ عالم خود ہی اس سے باز رہا اور بالقصد اس سے انحراف اور اپنی رائے پر توکل کیا تقریر مذکور میں ہے

میں نے چاہاکہ عام طور پر علما سے مشورہ لوں مگر مجھے اخفائے راز کی ذمہ داری اس سے مانع ہوئی اپنا ذاتی خانگی معاملہ ہوتا تو ایک بات تھی عام مسلمانوں کا معاملہ اور انہیں سے اخفاء گورنمنٹ کا اگر کوئی راز تھا تو کیا ضرور تھا کہ گورنمنٹ کا نام لیا جاتا اس کا کوئی خفیہ ارادہ ظاہر کیا جاتا درباره مسئلہ علماء سے استشارہ کہ فلاں صورت کا کیا حکم ہے کون سا افشائے راز تھا شرعی مسئلہ اور خاص حرمت اسلام سے متعلق اور عام مسلمانوں سے اس کا تعلق اور راز کی کوٹھری میں بند۔ بحمداللہ یہ توصاف ہوگیا کہ ایک شخص کی شخصی کارروائی ہے جس میں نہ عام مسلمان شریک نہ علماء کو خبر، ایسی کارروائی جس قابل ہے ظاہر ہے۔

(۴۹) آگے ممبر کا قول لکھا ہم بالکل گفتگو منقطع کرتے ہیں اور صرف ایک گھنٹے کی مہلت ہے یہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ جلدی کی اور مہلت نہ دی اور گھبرالیا اس لئے ہم نے مسجد نہ ایک مسجد بلکہ ہندوستان کی سب مسجدیں نذر کردیں، اس عذر کی خوبی ظاہر ہے نزاع میں فریق ثانی سب کچھ کرتا ہے گھبرالینے پر گھبرا جانا کیوں ہوا مہلت کے جواب میں کیوں نہ انہیں سے مشورہ لینے کے لئے کافی مہلت ملنا ضرور ہے ورنہ گورنمنٹ کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، یہ کہہ کر دیکھا تو ہوتا کہ آشتی خواہ گورنمنٹ کیا کہتی، حرمت اسلام کیسی برقرار رہتی، حفظ حقوق مذہب میں گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی کیا کچھ نفع پہنچاتی، وہ امن جس کا پیام ہی لے کر گورنمنٹ کا آنا ہوا تھا کیسا کچھ مبارک رنگ دکھاتی، اسی لئے تو حدیث میں ارشاد ہوا:

التأنی من الرحمٰن والعجلة من الشیطان[1]۔ والعیاذ باللہ العزیز المستعان۔	تاخیر رحمان کی طرف سے ہوتی ہے اور عجلت شیطان کی طرف سے، اللہ تعالٰی غالب مددگار کی پناہ۔ (ت)

اس کے بعد جو کچھ کہا گیا اس کے فقرے فقرے کارد اوپر آگیا وباللہ التوفیق۔

(۵۰) غرض الزامات شرعیہ قطعیہ یقینا قائم ہیں اور بشدت قائم، کبائر شدیدہ عدیدہ کے ارتکاب قطعاً لازم ہیں اور بقوت لازم۔ اس سب پر ظلم بر ظلم برات کی فکر وکاوش اور اس کارروائی ہتک حرمت اسلام کو صحیح وصواب بنانے کی کوشش ہے حاشا حق طلبی کی یہ راہ نہیں ؎

دانم نرسی بکعبہ اے پشت براہ — کیں راہ کہ تو میروی بہ انگلستان ست

(اے مسافر مجھے معلوم ہے کہ تو کعبہ نہیں پہنچے گا کیونکہ جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ انگلستان کا ہے)

نسأل اللہ العفو والعافیة۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب البر باب ماجاء فی التأنی امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲، کنز العمال حدیث ۵۶۷۵ موسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۱۰۱

بلکہ سبیل نجات اس میں منحصر کہ

اوّلاً: عالم اور جو جو مسلم اس کارروائی میں شریک تھے سب اس شنیع وسخت فظیع کبیرہ خمیر صدہا حرام وہتک حرمت اسلام سے بصدق دل توبہ کریں رب المساجد جل جلالہ کے حضور خاک مذلت پر ناک رگڑیں، اپنے سروں پر خال اڑائیں، سربرہنہ بادل گریاں وچشم بریاں اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر دست ضراعت پھیلائیں اور ہر ایک کہے: اللّٰھم انی اتوب الیك منھا لاارجع الیھا ابدا الٰھی! میں ان تمام حرکات شنیعہ سے تیری طرف توبہ کرتا ہوں اب ایسا نہ کروں گا۔

ثانیاً: بکثرت اخباروں اشتہاروں میں صاف صاف بلا تاویل اپنے جرائم کا اعتراف اور اپنی توبہ اور اس کارروائی کی شناعت کی خوب اشاعت کریں کہ جس طرح عالم کے اعتماد پر عوام میں اسکی خوبی کا دند (شور) ہند کے گوشہ گوشہ میں مچا یوں ہی بچہ بچہ کے کان تک عالم کی توبہ اور اس کی شناعت کا اعلان پہنچے، حدیث میں ارشاد ہوا:

اذاعملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسرو العلانیة بالعلانیة[1]۔رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب بسند حسن جید عن معاذبن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	جب تو برائی کرے تو اسی وقت توبہ کر، مخفی کی مخفی اور علانیہ کی علانیہ۔اس کو امام احمد نے کتاب الزہد میں اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حسن جید سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا۔(ت)

ثالثاً: گورنمنٹ کو جو ایسا عظیم مسئلہ غلط باور کرایا ہے جس سے ہمیشہ کے لئے مسجدوں کو سخت خطرہ کا سامنا ہے اپنی تمام ہستی ساری حیثیت پوری کوشش ہمگین طاقت اس کے رفع میں صرف کریں اور شرعی دلائل، فقہی مسائل، ائمہ کے ارشاد، علماء کے فتاوٰی بیش از بیش جمع کرکے یقین دلاویں کہ وہ کارروائی جو پہلے ہم نے بتائی محض باطل وحرام وہتک حرمت اسلام تھی کسی مسجد کی کوئی زمین ہرگز ہرگز راستہ، سڑک، ریل نہر غرض کسی دوسرے کام کے لئے نہیں کی جاسکتی، مسجد حقیقۃً زمین کا نام ہے۔

[1] الزہد لامام احمد بن حنبل دارالدیان التراث القاہرۃ ص ۳۵

چھت اس کا بدل نہیں ہوسکتی نہ ہرگز کسی دوسری زمین یا دس ۱۰ لاکھ روپے گز قیمت خواہ کسی شے سے اس کا بدلنا روا ہوسکے، اگر ایسا نہ کیا تو یہ مسجد اور اس کے سوا جب کبھی کسی مسجد کو عالم اور اس کے ساتھی مسلمانوں کی اس کارروائی سے صدمہ پہنچے گا ہمیشہ ہمیشہ تابقائے دنیا اس کی ایک ایک بیحرمتی کا روزانہ گناہ عظیم ان کے نامہ اعمال میں ثبت ہوا کرے گا اللہ کی پناہ اس حالت سے کہ قبر میں ہڈیاں بھی نہ رہیں اور ہر ہر لمحہ پر،

"مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَاؕ" [1]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ (ت)

کا وبال عظیم دنیا سے قبر اور قبر سے حشر تک پیچھا نہ چھوڑے، اور یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ ہمیں اس کام کے لئے آدمی نہیں ملتے جیسا کہ یہاں خط میں لکھ کر بھیجا کام آپ کا بگاڑا ہوا ہے آپ پر اس کی تلافی فرض ہے اگرچہ کوئی ساتھ نہ دے، بگاڑنے کو آپ تھے بنانے کو کوئی اور آئے، اس وقت کا استبداد کہ نہ علماء سے پوچھنا نہ مسلمانوں سے کہنا اب بھی کام لایئے اور اپنی عاقبت بنایئے اور خدمت کعبہ کی الٹی بانگی مٹا کر سیدھی دکھایئے، راہ یہ ہے اور توفیق اللہ عزوجل کی طرف سے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ اس میں اپنی ذلت نہ سمجھئے اللہ عزوجل کے نزدیک عزت کہ اس کی طرف رجوع لائے اس کے گھر کی بیحرمتی کرانے سے باز آئے، وہ فرماتا ہے: "لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾" [2] (اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں۔ ت) مسلمانوں کے نزدیک عزت کہ ان کے دین پر تعدی چھوڑی حفظ حقوق مذہب کی طرف باگ موڑی، گورنمنٹ کے نزدیک عزت کہ ایسی عظیم حرمت اسلام کی پامالی جو اس کی نامبدل پالیسی کے بالکل خلاف اس کے مستمر وعدوں کے بالکل مناقض، سات کروڑ رعایا کا دل دکھانے والی روش برطانیہ کو مذہبی دست اندازی کا عیب لگانے والی تھی اٹھادی اور جو بات غلط باور کرائی تھی حق وانصاف سے بدلوادی، **والامر بیداللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ** (معاملہ اللہ تعالٰی کے دست قدرت میں ہے **لاحول ولاقوۃ الا باللہ**۔ ت) میں ان صاحبوں خصوصًا اپنے قدیمی دوست عالم کو اللہ عزجلالہ کی پناہ دیتا ہوں اس سے کہ انہیں بات کی پچ الٹی راہ دکھائے **معاذ اللہ** "اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ" [3] (اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ت) کی شامت آڑے آئے، اور اگر خدانا کردہ ایسا ہو تو علماء پر فرض ہے کہ اس کارروائی کا خلاف شرع و مضر اسلام ہونا دلائل ساطعہ سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۶

واضح کریں اوہام خلاف کا رد بالغ فرمائیں، اسلامی اخباروں پر فرض ہے کہ ان تحریرات علماء کو نہایت کثرت واہتمام سے شائع کریں، ایک ایک گوشہ میں ان کی آواز پہنچائیں، اسلامی انجمنوں پر فرض ہے کہ ان کی تائید میں جلسے کریں بکثرت ریزولیوشن پاس کریں گورنمنٹ کو ان کی اطلاعیں دیں، مسلمان امراء وحکام واہل وجاہت پر فرض ہے کہ گورنمنٹ کو اس طرف پے در پے توجہ دلائیں، مسلمان قانون پیشہ پر فرض ہے کہ اس کے استغاثے منتہی کو پہنچائیں غرض ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے منصب کے لائق اس میں سعی جمیل بجالائیں، اور بے تکان اتھک جائز کوششیں کرکے اپنی مساجد کو بے حرمتی سے بچائیں، ایسا کروگے تو ضرور حضرت عزت عزجلالہ سے ان شاء اللہ القدیر المستعان کامیاب ہوگے دنیا میں سرخرو آخرت میں مثاب ہوگے کہ وہ فرماتا ہے:

"وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾" [1] "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾" [2]	اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا، بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ت)

والحمد للہ رب العٰلمین، وصلی اللہ وبارك وسلم علٰی سیدنا ومولٰنا وملجأنا ومأوٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم، کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مسئلہ ۱۸۶:　مسئولہ مولوی نور احمد صاحب ہزاروی از کانپور مدرسۃ البنات

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد اہل محلّہ پر تنگ ہے اور اس کے گرداگرد جگہ نہیں مل سکتی یا مل سکتی ہے لیکن لوگوں میں اس قدر طاقت نہیں کہ وہ اتنا روپیہ دے سکیں اور پھر مسجد بنوادیں کیونکہ روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے اور وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ دوسری جگہ مسجد وسیع تیار کرسکتے ہیں بشرطیکہ پہلی مسجد کی لکڑی وغیرہ دوسری مسجد میں لگادیں وگرنہ دوسری بھی بمشکل تمام نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۳۰ /۴۷

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۰ و ۱۱/ ۱۱۵ و ۱۲/ ۹۰

ہو سکتی، کیا اس صورت میں اہل محلّہ دوسری جگہ نئی مسجد اپنے محلّہ میں پہلی مسجد کے سامان سے اور زوائد روپیہ لگا کر بنا سکتے ہیں یا نہ؟ اگر بنا سکتے ہیں تو پہلی مسجد کی جگہ کی کس طور سے حفاظت رکھی جائے؟ مدلل و مبرہن طور پر تحریر و بیان فرمایا جائے۔

الجواب: مسجد جب تک مسجد ہے قرآن عظیم کی نص قطعی، ہمارے ائمہ کرام کے اجماع سے اسے ویران کرنا سخت حرام و کبیرہ ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ "[1]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو ان میں جانا ہی نہ پہنچتا تھا مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

ہمارے ائمہ کرام نے بلاخلاف تصریح فرمائی کہ مسجد اگر تنگی کرے اور اس کے قریب اگر کسی شخص کی زمین ہو اور وہ دینے پر راضی نہ ہو تو بحکم سلطان بے اس کی مرضی کے لے کر مسجد میں داخل کرلی جائے اور مالک کو بازار کے بھاؤ سے قیمت دے دی جائے کما نص علیہ فی البزازیۃ والفتح والبحر والدر وغیرہا (جیسا کہ اس پر بزازیہ، فتح، بحر اور درو غیرہ میں نص فرمائی گئی۔ت) اگر تنگی کی وجہ سے یہ مسجد ویران کرکے دوسری جگہ بنالینا جائز ہوتا تو جبر ہرگز حلال نہ ہوتا اور وہ صورت کہ سوال میں فرض کی گئی اس کی بنا خود ہی متزلزل ہے جب وہ دوسری مسجد اس سے بڑی بنا سکتے ہیں اگرچہ اس میں اس کے عملے سے بھی مدد لینا چاہتے ہیں تو مہربانی فرماکر بڑی نہیں ایک چھوٹی مسجد دوسری بنالیں کہ دونوں مسجدیں مل کر حاجت پوری کردیں، کس نے واجب کیا ہے کہ سب ایک ہی مسجد میں نماز پڑھیں، غرض جو اللہ سے ڈرے اور اس کی حرمتوں کی تعظیم کرے اللہ اس کے لئے آسانی کی راہ نکال دیتا ہے اور جو بے پروائی کرے تو اللہ تمام جہان سے بے پروا ہے،

"وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ "[2]	جو اللہ تعالٰی سے ڈرے تو وہ اس کے لئے راہ بنادیتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

"وَمَنۡ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۴﴾ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جو منہ پھیرے تو اللہ تعالٰی ہی بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۷تا۱۸۹: مسئولہ قاضی سید احمد علی مدنی مہتمم مدرسہ اسلامیہ از بمبئی بھنڈی بازار ۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسی صورت میں کہ ایک درگاہ شریف کے قریب ایک مسجد واقع ہے، مسجد کے متولی صاحب نے درگاہ شریف کی زمین جبراً دبالی، اس کو شامل مسجد کرنا چاہتے ہیں، متولی درگاہ نے روکا کہ شرع شریف میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، مگر نہیں مانتے، سوایسا کرنا جائز ہے؟

(۲) کیا ایسی جبراً مغصوبہ زمین پر مسجد بنانا درست ہے اور کیا اس میں نماز درست ہوگی حالانکہ متولی صاحب درگاہ برابر معترض ہوا کئے ہیں۔

(۳) کیا ایسے متولی مسجد جو خلاف شرع زمین غصب کرکے اس پر مسجد بنادے تو وہ عندالشرع قابل تدارک و گنہگار ہیں یا نہیں؟ جواب صحیح ازروئے کتب فقہ صاف بخشا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سوال بہت مجمل ہے کچھ نہ لکھا کہ متولی اس زمین کو مسجد میں کس وجہ سے شامل کرنا چاہتے ہیں، آیا مسجد نمازیوں پر تنگ ہوئی ہے یہ ضرورت لاحق ہوئی ہے یا کچھ اور۔ نہ یہ لکھا کہ وہ زمین درگاہ پر وقف ہے یا نہیں، اور ہے تو کس طرح وقف ہے جسے وقف صحیح شرعی کہا جاسکے گا یا نہیں، نہ یہ لکھا کہ اس زمین کے شامل مسجد کرلینے سے درگاہ میں کیا نقصان ہوگا، اگر مسجد نے تنگی نہ کی تو متولیوں کو اس زمین کے لینے کا کوئی اختیار نہیں وہ غاصب ہوں گے اور اتنے پارہ زمین پر نماز ناجائز ہوگی، اور اگر مسجد تنگ ہوگئی ہے اور اس کے اپنے متعلقات کی زمینوں سے بڑھانے کی گنجائش نہیں، تو اگر وہ زمین درگاہ وقف صحیح شرعی نہیں یا اسکے لینے سے درگاہ کو ضرر نہیں پہنچتا تو بقیمت لے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۰تا۱۹۳: مسئولہ مولوی صابر علی صاحب از مدرسہ رفاہ المسلمین فرنگی محل لکھنؤ ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، ایک مسجد قدیم کسی شیعہ کی تھی

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۴

مگر کچھ عرصے سے ویران پڑی تھی، اسی حالت ویرانی میں چند قدم کے فاصلے پر ایک سنی نے دوسری مسجد بنوائی اور اس نئی سنی کی مسجد میں مسلمان سنی نماز پنج وقتہ پڑھنے لگے اس کے پانچ چھ برس کے بعد پرانی شیعہ کی مسجد کو ایک شخص نے ایک سنی کے ہاتھ فروخت کرڈالا تو اس سنی نے اس کی مرمت وغیرہ کراکے پنج وقتہ اذان وجماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کردئے۔ اس کو بھی پانچ چھ برس کا عرصہ گزر گیا اب اس سنی مشتری مذکور نے اپنا ایک مکان مسجد کے مدرسہ اسلامیہ کے لئے وقف کردیا ہے اور مسجد مذکور میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتا ہے، اور مسجد مذکور میں بہت سی زمین ایسی پڑی ہے جس پر جوتا پہن کے چلتے ہیں تو اس زمین پر مدرسہ کیلئے کمروں کے بنانے کی بھی اجازت دیتا ہے تو ایسی صورت میں حسب ذیل سوالات کے جوابات مرحمت ہوں:

اول: یہ دونوں مسجدیں حکم مسجد میں ہیں یانہ؟ اور مسلمانوں کو دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ثواب مسجد حاصل ہوگا یانہ؟ اور اگر نہ حاصل ہوگا تو پھر اس مسجد کو کس کام میں لاسکتے ہیں؟

دوم: طلبہ مدرسہ اسلامیہ کا اس مسجد کے اندر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے یانہ؟

سوم: احاطہ مسجد کے اندر جو زمین صحن مسجد کے علاوہ جہاں جوتا پہن کے چلتے ہیں اس پر مدرسہ کے روپیہ سے کوئی کمرہ وغیرہ طلبہ کی تعلیم کے لئے یا دفتر مدرسہ کے لئے یا طلبہ کے رہنے کے لئے بنانا جائز اور اس میں ان کاموں میں سے کوئی کام کرنا جائز ہے یانہ؟

چہارم: مشتری مسجد کی یہ بھی تجویز ہے کہ مسجد کے اندر سے جہاں جوتا پہن کے چلتے ہیں ایک راستہ مدرسہ کے اندر جانے کا نکالا جائے کہ طلبہ وملازمین مدرسہ کو مدرسہ میں جانا آسان ہوجائے ورنہ چکر کھاکے گلیوں میں سے جانا ہوگا تو آیا یہ جائز ہے یانہیں؟ جواب جلد اور مدلل فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ مسجد کہ سنی نے بنوائی تھی بلاشبہ مسجد ہے اور اس کا رکھنا فرض ہے اور اس میں نماز کا ثواب وہی ہے جو مسجد میں نماز کا ثواب ہے، روافض زمانہ مرتد ہیں **کما حققناہ فی ردالرفضۃ** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق ردالرفضہ میں بیان کی ہے۔ت) تو وہ مسجد بنانے کے اہل نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ شٰھِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ بِالْکُفْرِ ؕ" (الٰی قولہ تعالٰی) "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا مشرکوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالٰی کی مساجد تعمیر کریں اس حال میں کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت دینے والے ہیں (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک کہ) بیشک اللہ تعالٰی کی مسجدیں تو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی

الْاٰخِرِ" [1]۔الاٰیۃ	اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔(ت)

خصوصًا بعد موت کے مرتد کے سب اوقاف باطل ہوجاتے ہیں کمافی الدرالمختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت) تو وہ مسجد کہ سنی نے خریدی اسے مرمت وغیرہ کراکے اگر اس خیال سے نماز کے لئے دیا کہ یہ پہلے سے مسجد ہے تو وہ خیال باطل تھا اور وہ مسجد بدستور ایک مکان ہے جس میں ان تمام تصرفات مذکورہ فی السوال کا اختیار ہے، اور اگر سنی نے خرید کر از سرنو اپنی طرف سے اسے مسجد کردیا یعنی یہ سمجھ کر کہ یہ مسجد نہیں میں اسے مسجد کرتا ہوں، نہ یہ سمجھ کر کہ یہ مسجد تھی اسے کار مسجد کے لئے چھوڑتا ہوں، اس صورت میں اگر شرائے صحیح سے سنی کے لئے اس کی ملک ثابت ہوگئی تھی تو یہ بھی مسجد ہوگئی مگر یہ بہت بعید ہے اس کے لئے صرف ایک صورت ہے کہ غالبًا وہ واقع نہ ہوئی ہوگی، وہ صورت یہ کہ زمین جسے رافضی نے مسجد کیا اس کے زمانہ اسلام کی ملک تھی، اس کے بعد اس نے رفض اختیار کیا، یہ مسجد بنائی اور مرگیا اور اس کے قریب و بعید وارثوں میں کوئی شخص سنی مسلمان ہے کہ وہی اس کے کسب اسلام کا وارث ہو کر اس مکان کا مالک ہے اور اس نے اس سنی کے ہاتھ بیچ ڈالا تو یہ شراء صحیح ہوا اور یہ سنی اس مکان کا مالک ہوگیا اور اب جو اس نے اسے اپنی طرف سے مسجد کیا مسجد ہوگئی، اس صورت بعیدہ پر وہ تصرفات مذکورہ سب ناجائز ہوں گے فانہ لایجوز تغییر الوقف عما ھولہ (کہ وقف اپنی اصلی حالت سے تبدیل کرنا جائز نہیں۔ت) مگر طلبہ کا پڑھنا جائز جبکہ اطفال نہ ہوں اور نماز کے وقت نماز کی جگہ نہ گھیریں نہ ان کے پڑھنے سے نمازیوں کو تشویش ہو اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ وہ مکان اس کے زمانہ رفض ہی کی ملک تھا تو یہ بیع جس شخص نے کی ہرگز مثبت ملک مشتری نہیں کہ بائع خود ہی مالک نہ تھا مرتد کے زمانہ ارتداد کی ملک اسکی موت کے بعد فیئ للمسلمین ہوجاتی ہے اس کے کسی وارث کو نہیں پہنچ سکتی اگرچہ اس کا بیٹا ہو مسلم ہو خواہ اسی کی طرح مرتد یا اور قسم کا کافر، تو جب شراء صحیح نہ ہوا تو اس سنی کا اسے مسجد کرنا صحیح نہ ہوا بلکہ وہ بدستور ایک زمین عام مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں کی مرضی سے اس میں مسلمین کی منفعت کے تصرفات کرسکتے ہیں۔ فتاوٰی عالمگیری میں مبسوط سے ہے:

المرتد اذاقتل او مات او لحق بدار الحرب فما اکتسبه فی حال اسلامه هو میراث لورثة المسلمین اما ما اکتسبه فی حالة الردة یکون	مرتد جب قتل ہوجائے یا مرجائے یا دارالحرب سے ملحق ہوجائے تو جو کچھ اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان وارثوں کو بطور میراث ملے گا اور جو کچھ بحالت ارتداد کمایا وہ مال غنیمت ہے

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸،۱۷

فیئایوضع فی بیت المال [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جوبیت المال میں رکھا جائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۴تا۱۹۵: از علی گڑھ محلّہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

(۱) ایک مسجد ہے جو زمین سے ۳ گز اونچی ہے اور اونچائی ٹھوس ہے اور صحن مسجد کا کل چوڑائی میں ۱۳ فٹ ہے جس میں ۵ فٹ چوڑائی میں زینہ اور جوتیوں کی جگہ سقاوا اور غسل خانہ ہے اور ۸ فٹ جگہ میں نماز ہوتی ہے،اس مسجد میں کنواں نہیں ہے، سقّہ سقاوے میں پانی باجرت ڈالتا ہے،اور نہ کوئی آمدنی مسجد کی ہے جو تیل وغیرہ میں صرف ہو،اس مسجد سے ۴۷ قدم کے فاصلہ پر ایک اور مسجد ہے اس کے دس قدم پر ایک کنواں ہے گویا اس مسجد سے ۸۴ قدم پر ہوا۔زید کہتا ہے کہ صحن مسجد جو ٹھوس ہے اس کو شہید کافی کرکے اس میں دو دکانیں نکالی جائیں اس کی چھت صحن مسجد ہو جائے گا،اور وہ تیل بتی کو اس کی آمدنی کافی ہوگی۔عمرو کہتا ہے کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ صحن مسجد تحت الثرٰی تک حکم مسجد رکھتا ہے،اگر دکانیں سابق سے بنائی جاتیں تو درست تھیں،عمرو کی رائے ہے کہ ۵فٹ جگہ جس میں زینہ وغیرہ ہے اس میں کنواں وزینہ وغیرہ بن سکتا ہے اور ایک چھوٹی دکان بھی نکل آئے گی اور صحن بھی برقرار رہے گا اس میں مردہ کو زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ نمازیوں کو پانی کی تکلیف جاتی رہے گی۔کیا حکم شریعت ہے اور کیا کرنا چاہئے؟

(۲) کنواں بننے کی حالت میں زمین سے ۴ گز اونچا ہو کر مسجد میں ملے گا،زید کہتا ہے کہ زمین پر بھی ایک کھڑکی رکھی جائے جس سے عوام پانی بھریں اور مسجد کو اوپر سے پانی ملے۔عمرو کہتا ہے کہ اوپر ہی رکھنا چاہئے کیونکہ نیچے کھڑکی رکھنے سے ہندو بھی پانی بھریں گے شاید ہندو کا پانی بھرنا ناجائز ہو۔شریعت کا کیا حکم ہے اور کس میں زیادہ ثواب ہے؟

الجواب:

دکانیں بنانے کی اجازت نہیں ہے،اگر پہلے سے ہوتیں حرج نہ تھا اب نہیں بن سکتیں،

کما نص علیه فی النوازل والتجنیس والخانیة و المحیط السرخسی وتهذیب الواقعات والاسعاف و البحر والنهر والهندیة وغیرها۔	جیسا کہ اس پر نوازل،تجنیس،خانیہ،محیط سرخسی تہذیب الواقعات،اسعاف،بحر،نہر اور ہندیہ وغیرمیں نص فرمائی گئی (ت)

۸۴ قدم کا فاصلہ کچھ ایسا دور نہیں،اگر بغیر کنویں کے کارروائی چل سکے یونہی چلنے دیں اور اگر

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الفرائض نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۵

نہ چل سکے اور اس کی وجہ سے ویرانی مسجد کا احتمال قوی ہو تو اس پانچ فٹ میں ایک کنارہ کو کنواں بنالیں۔

(۲) نیچے کھڑکی نہ رکھیں کہ مسجد کے کنویں میں ہندو کی شرکت سخت معیوب ہے ان کی نجاست سے کنویں کی طہارت ہمیشہ معرض خطر شدید میں رہے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از شیر پور ڈاکخانہ خاص تحصیل پورن پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ ظہیر الدین **۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ**

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹے موضع میں ایک مسجد قدامت سے تھی اور عرصہ دس بارہ سال سے ایک دوسری مسجد اور تیار ہوگئی اور اب دونوں مسجدیں چھپّر پوش اور بوسیدہ حالت میں ہیں اب مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ بجائے دومسجدوں کے ایک مسجد پختہ چندہ سے تعمیر کرائی جائے اور ایک مدرسہ کے واسطے دے دی جائے۔ اس کی بابت شرع کیاحکم دیتی ہے؟ اور سرمایہ بہت قلیل ہے جس سے دونوں مسجدیں تیار نہیں ہوسکتی ہیں، لہٰذا آپ بموجب شرع احکام صادر فرمائے۔

الجواب:

مسجدوں کا پختہ کرنا فرض نہیں، اور ان کا آباد رکھنا فرض ہے، مسجد نہ مدرسہ کو دی جاسکتی ہے نہ دوسرے کام میں صرف ہوسکتی ہے، یہ سب ناجائز وحرام ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ہیأتہ[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم (ت)**

مسئلہ ۱۹۷: **۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ:**

علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسجد کا فرش اور لکڑیاں جو خراب ہوجاتی ہیں سوا مسجد کے اور کسی کام میں تصرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ آخر کیا کرنا چاہئے؟ تحریر فرماکر مشرف فرمائیں۔ **فقط**

الجواب:

فرش جو خراب ہوجائے کہ مسجد کے کام کا نہ رہے جس نے وہ فرش مسجد کو دیا تھا وہ اس کا مالک ہوجائے گا جو چاہے کرے اور اگر مسجد ہی کے مال سے تھا تو متولی بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹

لگادے اور مسجد کی لکڑیاں یعنی چوکھٹ، کواڑ، کڑی، تختہ، یہ بیچ کر خاص عمارت مسجد کے کام میں صرف ہو۔ لوٹے، رسی چراغ، بتی، فرش چٹائی کے کام میں نہیں لگا سکتے، پھر ان چیزوں کی بیع کافر کے ہاتھ نہ ہو بلکہ مسلمان کے ہاتھ۔ اور مسلمان ان کو بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۸ تا ۲۰۱: مرسلہ مولوی عبدالمطلب صاحب از بانٹوہ کاٹھیاوار ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ:

(۱) ایک شخص مر گیا اور اپنی عورت اور ایک لڑکی اور باقی وارث چھوڑے اور اس متوفی کی عورت نے وارثوں کے حق کو تلف کرکے ایک مسجد تعمیر کرائی اور جس زمین پر اس نے مسجد تعمیر کرائی ہے وہ زمین نیز وراثت میں داخل ہے تو اس میں نماز پڑھنا اور اس کو مسجد کہنا شرعاً درست ہے یا نہ؟

(۲) اور اگر اب بعضے وارث انہیں میں سے اپنے حق کو معاف کردیں اور بعضے نہ کریں تو نماز پڑھنا اس مسجد میں درست ہوجائے گا یا نہ؟

(۳) اور اگر وہ وارث جانتے ہیں کہ اب جو پیسہ تھا وہ مسجد میں خرچ ہوگیا اب ہمیں ملنے والا نہیں ہے اور لوگوں کی شرم سے معاف کردیں تو درست ہے؟

(۴) اور اگر شرع حکم دے کہ نماز اس میں درست نہیں ہے تو اس میں رہنا گھر بنا کر یا کرایہ وغیرہ پر دینا درست ہوگا؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب سے سرفراز کریں۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں باجماع مسلمین وہ ہرگز مسجد نہیں بلکہ ایک زمین ہے بدستور اپنے مالکوں کی ملک پر باقی، کہ جب یہ عورت تنہا اس کی مالک نہیں جیسا کہ بیان سائل ہے تو وہ ساری زمین اس کے وقف کئے سے وقف نہیں ہوسکتی، لان شرط الوقف الملك[1] کما فی الهندیة وغیرہا (کیونکہ شرط وقف یہ ہے کہ وہ واقف کی ملک ہو جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) نہ یہ ممکن کہ اس میں سے اس کے حصہ کو مسجد ٹھہرادیں باقی ملک دیگر ورثہ سمجھیں کہ جب وہ غیر منقسم ہے تو اس کا حصہ متعین نہیں اور مسجد بالاجماع مشاع نہیں ہوسکتی۔

لان من شرطه انقطاع حقوق العباد عن جمیع جوانبه فضلا عن نفسه[2] کما فی الهدایة وغیرہا۔	کیونکہ شرائط وقف میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی تمام جوانب حقوق العباد سے منقطع ہو چہ جائیکہ خود وقف جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ اللہ تعالٰی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۲۔۳۵۳

[2] الهدایة کتاب الوقف المکتبة العربیه کراچی ۲/ ۶۲۵

قال تعالٰی "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[1]۔	نے فرمایا کہ بیشک مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں (ت)

ہاں اگر باقی ورثہ سب عاقل بالغ ہوں اور سب بالاتفاق اس وقت مسجدیت کو جائز کردیں تو اب جائز ہو جائے گی اور کسی کی شرم سے ایسا کرنا مانع صحت نہ ہوگا فان الحیاء لیس باکراہ (کیونکہ حیاء جبر واکراہ نہیں ہے۔ت) جب تک ایسا نہ کریں کہ وہ ایک مکان ہے کہ مالکوں کو اس میں رہنا بسنا کرایہ پر دینا سب جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۲تا۲۰۳:

کیافرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ میں:

(۱) زید نے (مسلمان کہلائے جانے کی حالت میں) کچھ قطعہ زمین صحن مسجد اپنے مکان کی بنامس دبالیا، بعض لوگ مانع آئے مگر نہ مانا، ایسی صورت میں زید کے ساتھ کیا معاملہ شرعاً کیا جائے اور متولیان مسجد ودیگر اہل اسلام کو مواخذہ کا حق حاصل ہے یانہیں؟ اگر ہے تو ان پر یہ حق واجب، اور ضروری ہے جس کے ترک سے عاصی ہوں گے یا کیا؟ یازید بعوض زمین مغصوبہ بہ زر نقد بطور جرمانہ ادا کرے تو اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ دریں صورت زید مواخذہ عنداللہ سے بری ہوسکتا ہے؟

(۲) جو شخص ربوخوار معلن ہے زکوۃ بھی نہیں دیتا اس کا کیا حکم اور اس سے مخالطت ومرابطت ومواکلت مکروہ ہے کہ نہیں؟ للہ مصرح اور عامۃ الفہم عبارت میں جواب ارشاد فرماکر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

الجواب:

اس صورت میں زید سخت گناہ کبیرہ وظلم شدید کا مرتکب اور اس آیہ کریمہ کی وعید کا مستوجب ہے:

"وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ "[2]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں سعی کرے، انہیں روانہ تھا کہ اس میں قدم رکھیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

مسجد کا ہر ٹکڑا مسجد ہے تو جتنا پارہ زمین اس نے دبالیا اسے نماز سے روکا اور اس کی ویرانی میں

---

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

ساعی ہوا اور دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کا استحقاق لیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں فرمایا ہے کہ "جو بالشت بھر زمین ناحق دبالے گا قیامت کے دن اتنا حصہ زمین کے ساتوں طبقے توڑ کر اس کے گلے میں طوق ڈالے جائیں گے[1]"۔ ہر مسلمان خصوصًا متولیان مسجد کو اس پر حق مواخذہ حاصل ہے اور فرض ہے کہ ہر جائز چارہ جوئی اس سے زمین نکال کر شامل مسجد کرنے کے لئے حد کو پہنچائیں، جو باوصف قدرت اس سے باز رہے گا شریک عذاب ہوگا تا حد قدرت ہرگز حلال نہیں کہ اس سے کچھ روپیہ اس کے عوض لے کر چھوڑ دیں کہ یہ مسجد کا بیچنا ہوگا اور مسجد کی بیع باطل و حرام و ناممکن ہے **قال اللہ "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"**[2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مساجد اللہ عزوجل کی ہیں۔ت) اگر وہ لاکھ روپے ہر گز کے بدلے دے جب بھی لینا حرام ہے، نہ ہرگز زید کسی طرح عنداللہ مواخذہ سے بری ہوگا جب تک زمین مسجد مسجد کو واپس نہ دے۔ زید اگر ایسا نہ کرے تو مسلمان اس سے میل جول، سلام کلام، نشست برخاست قطع کردیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر قوم ظالمین کے ساتھ مت بیٹھ (ت)

یونہی ربوخوار معلن بھی اسی آیہ کریمہ کے حکم میں داخل ہے، تفسیر احمدی میں ہے: **والقعود مع کلھم ممتنع**[4] (ان سب کے ساتھ مجلس کرنا ممنوع ہے۔ت) اس سے بھی قطع علاقہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۴: مرسلہ حاجی سیٹھ یوسف بن ابراہیم بمقام گونڈل علاقہ کاٹھیاوار ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ چہار شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ بعض لوگوں نے مسجد بڑھانے یا پرانی کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کے لئے مسلمان جماعت کو روپے دئے ہیں اور کہا ہے کہ جس طور چاہیں مسجد میں خرچ کریں ______ مگر فی الحال مسجد میں خرچ کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ روپے امانۃً پڑے ہیں، اب مذکورہ روپیہ بیوپار کی کمپنی میں ڈال کر ان کا نفع بڑھا دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ مگر

---

[1] صحیح البخاری باب ماجاء فی سبع ارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۴

[2] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[4] التفسیرات الاحمدیۃ تحت ۶/ ۶۸ مطبع کریمی بمبئی انڈیا ص ۳۸۸

یہاں کی کمپنیوں میں لین دین سود کا ہوتا ہے تو ان کا کیا حکم ہے؟ اگر اس طور وہ روپیہ بڑھ نہ سکتا ہو تو اور کوئی طریقہ ان روپوں کے بڑھنے کا ہے اور بڑھ سکتے ہیں یا نہیں یا اسی طرح سے جماعت کسی امین شخص کے پاس امانت رہنے دے اور امانت رکھنے میں چوری ہونے کا خوف ہے کہ مبادا مسجد کے روپے ضائع ہو جائیں تو ان روپوں کا مکان خرید کرکے اس کے کرایہ سے نفع اٹھایا جائے اور وقت ضرورت روپیہ وہ مکان فروخت کیا جائے، مگر ان میں جماعت والوں کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ صورت نہ کرنی چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ اس طور کیا جائے تو ان کا حکم کیا ہے، وہ برائے مہربانی مفصل طور سے ارقام فرماکر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

الجواب:

چندہ کے روپے چندہ دینے والوں کی ملک پر رہتے ہیں ان سے اجازت لی جائے، جو جائز بات وہ بتائیں اس پر عمل کیا جائے، **وبیان المسئلة وتحقیقها فی کتاب الوقف من فتاوٰنا** (اس مسئلے کا بیان اور تحقیق ہمارے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں ہے۔ت) ایسی کمپنی میں کہ سود کا لین دین کرتی ہو شامل کرکے بڑھانا حرام ہے اگرچہ چندہ دہندہ اجازت دیں، **فلیس لاحد ان یحل ماحرم اللّٰه** (کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس چیز کو حلال قرار دے جسے اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے۔ت) **واللّٰه تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۵ تا ۲۰۶: مرسلہ محمد صابر مدرس مدرسہ دارالعلوم قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ ۱۸ صفر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ کئی سو برس سے آباد ہے وہاں کے مسلمانوں کی مردم شماری فی الحال تقریبًا آٹھ ہزار ہے اور وہاں مسجدیں تخمینًا اسی کے قریب آباد ہیں، ان کے علاوہ اور بھی مساجد ہیں، وہاں کے کل مسلمان بجز چند شیعہ کے ابتدا سے حنفی المذہب متفق الخیال متحد العقائد والمسائل باہم شیر وشکر کی طرح ملے جلے رہتے تھے ان میں کسی قسم کا مذہبی جنگ وجدال وتخالف نہ تھا مگر تقریبًا تیس بتیس برس سے چند لوگ (غالبًا فی الحال ان کی تعداد دوڈھائی سو ہوگی) منکر مذہب، غیر مقلد ہوگئے اور باہم سخت منافرت ومخالفت پیدا ہوگئی حتی کہ بارہا فوجداری اور عدالت کی نوبت پہنچ گئی، غیر مقلدین نے اپنی عیدگاہ اور جامع مسجد نئی بنوالی تھیں مگر بعض بعض ایسی ہی مسجدیں ہیں جن میں دونوں فریق نماز پڑھتے ہیں ایسی مسجدوں پر اکثر مذہبی جھگڑے ہوجایا کرتے ہیں چنانچہ ان دنوں موجودہ ۱۳۳۳ھ ۱۳ محرم کو ایک مسجد میں دونوں فریق جمع ہوگئے اور اسی میں مارپیٹ لٹھم لٹھا گھوسم گھوسا کر بیٹھے بلکہ ان کے ذریعہ سے دو فوجداریاں اور بھی ہوگئیں جس سے قصبہ میں ہلچل مچ گئی، پولیس اگر روک تھام نہ کرتی تو نہیں معلوم کیا ہوجاتا آئے دن کی مذہبی فوجداری سے دونوں فریق تنگ آگئے، اب فریقین اس امر پر راضی ہیں کہ باہم صلح کرکے جھگڑے کو

مٹادیں، چنانچہ برضامندی فریقین چند اشخاص حکم مقرر کئے گئے ہیں اور باتفاق فریقین اقرار نامہ ثالثی میں مضمون لکھا گیا ہے کہ ثالثان حسب شریعت و قانون و دیانتداری جو فیصلہ کردیں گے ہم فریقین کو منظور رہے، اب علمائے حقانی سے یہ استفسار ہے:

(۱) چونکہ تیسوں برس کے تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس قصبہ میں جب دونوں فریق ایک نزاعی مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں تو اکثر مذہبی شر و فساد کر بیٹھتے ہیں اگر اس شر و فساد و فتنہ وپرخاش کے مٹانے کے لئے ثالثین دونوں کو الگ کردیں اور فریقین کے لئے خاص خاص مسجدیں نامزد کریں تو کیا یہ فیصلہ خلاف شریعت ہوگا؟

(۲) اگر کسی نمازی کے ذریعہ سے حفظ امن میں خلل واقع ہوتا ہو اور شر و فساد کا اندیشہ ہو یا عام نمازیوں کو کسی قسم کی تکلیف اور اذیت پہنچتی ہو تو ایسے شخص کو بغرض حفظ امن وانسداد شر و فساد جماعت سے روک دینا کیا شرع کے خلاف ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) جو مساجد غیر مقلدوں کی بنائی ہوئی ہیں ان کے نامزد کردی جائیں مگر جو مساجد اہل سنت کی بنائی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی مسجد غیر مقلدوں کے لئے خاص کردینا اور اہلسنت کو ان سے ممنوع کرنا شرعاً محض ظلم وحرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مساجد میں اس کا نام لینے سے روکے۔(ت)

جبکہ وہ مسجدیں اہلسنت کی ہیں اور ان کی بنائی ہوئی ہیں تو ان پر قبضہ چاہنا اور اس کے لئے فتنہ اٹھانا غیر مقلدوں کا فساد ہوگا اور کوئی مجبور نہیں ہوسکتا کہ دوسرے کے شورش بے جا کے سبب اپنے حق سے دست بردار ہو فتنہ غیر مقلدوں کا انسداد اگر یوں نہ ہوسکتا ہو تو کچہریاں کھلی ہوئی ہیں اور وہ اسی واسطے رکھی گئی ہیں کہ فتنہ والوں کا دست تعدی کوتاہ کریں اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ کرنے دیں جو شخص یہ رائے یا فتوی دے کہ دفع فتنہ کے لئے اپنی مسجد چھوڑ دو۔ کل اگر غیر مقلدین اور مفسدین ان کی جائداد اموال متاع مکانوں پر قبضہ چاہیں، اور نہ دیجئے تو فساد اٹھائیں کیا دفع فتنہ کو وہ لوگ اپنے گھر بار مال متاع اسباب جائداد سے دستبردار ہوجائیں گے ہرگز نہیں، تو وجہ کیا ہے کہ یہ آنکھوں میں دنیا کی قدر ہے دل میں دنیا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

کی محبت ہے جگر میں دنیا کا درد ہے وہاں دفع فتنہ کو یہ تدبیر نہ سوجھے گی نہ آیات دفع فساد کے یہ معنی ذہن میں آئیں گے اور نہ دین کی قدر نہ محبت نہ درد، لہٰذا گھاس کی طرح کتر دیں گے کہ میاں ہاں اپنی مسجدیں چھوڑ دو اپنے دینی حقوق سے دست بردار ہو جاؤ کسی طرح جھگڑا تو مٹے حالانکہ اوروں کے فتنہ فساد پر اگر اپنی جائداد مکانات، مال، اسباب چھوڑ دو تو صرف دنیوی نقصان ہے اور یہاں علاوہ اپنی دینی حق تلفی کے اس آیہ کریمہ کی وعید شدید میں داخل ہونا اور حرام کا ارتکاب اور بحکم قرآن عظیم استحقاق رسوائی وخواری وعذاب ہے۔

قال اللہ تعالٰی " لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ "[1] والعیاذ باللہ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ اللہ تعالٰی کی پناہ۔ (ت)

(۲) ہاں شرعًا حکم ہے کہ ایسے لوگ مسجد سے باز رکھے جائیں،

قال اللہ تعالٰی " اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ انہیں مساجد میں داخل نہیں ہونا چاہئے مگر ڈرتے ہوئے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یمنع منه کل مؤذ ولو بلسانه[3]۔	ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے روکا جائیگا اگرچہ وہ ایذا زبان سے پہنچائیں (ت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث فلا یقربن مصلانا (وہ ہر گز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئیں۔ت) پھر ردالمحتار میں ہے:

والحق بالحدیث کل من اذی الناس بلسانه وبه افتی ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما وهو اصل فی نفی کل من یتاذی به[4]۔	اس حدیث کے ساتھ وہ شخص بھی ملحق ہے جو زبان سے لوگوں کو ایذاء پہنچاتا ہے اور حضرت عمر فاروق نے اسی پر فتوٰی دیا اور یہ اصل ہے ہر اس چیز کی نفی میں جس سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴
[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴
[4] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

مگر طرفہ تحفظ کا لحاظ ضروری ہے اگر خود منع کرنے میں اندیشہ فساد ہو چارہ جوئی کرکے بند کرادیں، **وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۷: مرسلہ نثار احمد زمیندار ساکن موضع پال نگر ڈاکخانہ امریہ ضلع پیلی بھیت ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں، ایک موضع جس میں پانچ چار گھر مسلمانوں کے اور پندرہ بیس گھر اہل ہنود کے ہیں، اور قدیم الایام سے ایک مسجد تعمیر خام خس پوش موجود ہے، کسی وقت میں یہ مسجد مسلمانوں کی آبادی کے اندر واقع تھی اور اس کے گرد ونواح میں مسلمان آباد تھے، رفتہ رفتہ تغیر وتبدل ہوتے ہوتے مسلمانوں کی آبادی اس مقام سے ہٹتی گئی اب صورت یہ ہے کہ مسجد کے گردونواح کوئی مسلمان کا گھر نہیں ہے اور وہ مسجد بالکل مسلمانوں کی آبادی سے ایک جانب ہنود کی آبادی کے ساتھ متصل ہے اور ہمیشہ خراب وخستہ اور ویران پڑی رہتی ہے اور عرصہ دس بیس سال سے نہ وہ آباد ہوئی اور نہ آبادی کی امید ہے، اب بفضلہٖ تعالٰی اہل اسلام میں سے ایک شخص کو خداوند تعالٰی نے توفیق عطافرمائی ہے وہ مسجد پختہ بنانا چاہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ مسجد پختہ اسی مسجد قدیم کی تعمیر کی جائے کہ جو ایک مدت دراز سے غیر آباد اور نہ آئندہ آبادی کی امید ہے، یا یہ کہ اس کو کسی طرح محفوظ محدود کرکے دوسری جگہ مسلمانوں کی آبادی کے درمیان میں مسجد پختہ تعمیر کی جائے کہ جس سے اس مسجد پختہ جدید میں نمازیوں کا پہنچنا بھی آسان ہو اور مسجد آباد رہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حتی الامکان مسجد کا آباد کرنا فرض ہے اور ویران کرنا حرام۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا[1]	اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے (ت)

ہندوستان کی آبادی کا قاعدہ یہ ہے شہر ہو یا گاؤں کہ مکانات قریب قریب ہوتے ہیں، بیس پچیس گھر کا گاؤں اتنے فاصلہ کی آبادی نہ رکھے گا کہ مسلمانوں کو مسجد قدیم تک جانا دشوار ہو، تو جو صاحب پختہ بنانا چاہتے ہیں اسی کو پختہ کریں اور آباد کریں جدا مسجد بنانے میں نفل کا ثواب پائیں گے اور اس مسجد کے آباد کرنے میں فرض کا ثواب

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

نفل کے ثواب کو فرض کے ثواب سے کچھ نسبت نہیں ہوسکتی، بڑے گاؤں میں جو لوگ رہتے آبادی میں ہیں اور ان کی کاشت کے نمبر گاؤں کے دھری پر ہیں روزانہ جوتنے، کاٹنے، کے لئے دو دو میل جاتے آتے ہیں اپنے رب کے فرض ادا کرنے کو دس قدم آگے جانا کیا دشواری ہے، اصل حکم یہ ہے، اگر عمل اس پر واقعی ناممکن ہو تو وجوہ دشواری سے مفصل اطلاع دیں اگر معقول ہوئیں تو چارہ کار بتایا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۹،۲۰۸: مسئولہ حاجی محمد رمضان وابراہیم پیر زادہ وغیرہما انصاری سکنہائے قصبہ پالی مارواڑ کیریہ محلّہ ناڈی ۴ذو القعدۃ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ پالی مارواڑ محلّہ ناڈی میں فقیر ٹونڈے شاہ نے اپنے مکان میں ایک چھوٹی سے مسجد خاص اپنے ہی واسطے نماز پڑھنے کے لئے بنوالی اور تازیست خود اسی میں وہ نماز پڑھتا رہا عام لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی۔ جب ٹونڈے شاہ لاوارث مر گیا تو اس مکان کا قبالہ یعنی پٹہ سرکار راج مارواڑی نے بصیغہ لاوارثی بنام حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم کردیا جس کا مضمون یہ ہے کہ ٹونڈے شاہ تو، نااولاد گیا لہذا اس کے مکان کا پٹہ یعنی قبالہ حاجی اعظم شاہ صاحب کے نام کردیا گیا ہے۔ سواب اس مکان پر قابض اور متصرف حاجی اعظم شاہ کی اولاد رہے گی کسی دوسرے کا کوئی حق اور ملکیت اس مکان پر نہیں ہے، چنانچہ تخمینًا سو برس عرصہ ہوا آج تک اولاد حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم اس مکان پر قابض اور متصرف ہے، تھوڑا عرصہ ہوا کہ چند اشخاص ناحق شناس نے عدالت میں مسجد کو اپنے قبضہ وتصرف میں لانے کی غرض سے دعوی کیا مگر بروئے پٹہ سرکار کے عدالت نے حق اور ملکیت اس مکان اور مسجد پر اولاد حاجی اعظم شاہ مرحوم ہی کا بدستور قدیم قائم رکھا، اب وہی اشخاص مذکورین اولاد حاجی اعظم شاہ مرحوم کو تنگ کرتے ہیں کہ یا تو مسجد کو چھوڑ دو اور نہیں تو تم کو اسلام سے خارج کرادیں گے۔ لہذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اس مسجد کو اولاد حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم سے جبرًا لے لی جائے تو اس مسجد میں نماز عندالشرع صحیح ودرست ہوگی یا کیا؟

دوم اگر اولاد حاجی اعظم صاحب مرحوم مسجد کو نہ چھوڑیں تو مخالفین ان کو اسلام سے خارج بحکم شرع شریف کرسکتے ہیں یا کیا؟

اور یہ امر بھی واضح رہے کہ مسجد متنازعہ عام مسلمانوں پر وقف نہ ہونے کی وجہ سے سرکار راج مارواڑ نے اس کا پٹہ بصیغہ لاوارثی بنام حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم کردیا ہے، اور جو مسجدیں کہ عام مسلمانوں پر وقف کی گئی ہیں ان کا یہ سرکار راج مارواڑ بصیغہ لاوارث نہیں کرتی ہیں، لہذا امیدوار کہ اس صورت میں جو امر حق ہو ارشاد فرمائیں اور عنداللہ وعندالناس ماجور ومشکور ہوں، فقط۔

الجواب:

اس سوال میں چند باتیں معلوم ہونے کی ضرورت ہے:

(۱) وہ مسجد مکان کے اندر کس حیثیت سے ہے؟

(۲) مسجد تک راستہ مکان کی زمین مملوک میں ہے یا کس طرح ہے؟

(۳) ٹونڈے شاہ کے وقت میں اور بھی لوگ اس میں نماز پڑھتے تھے یا تنہا وہ پڑھتے تھے اگر اور لوگ بھی پڑھتے تھے تو کون اس محلّہ کے یا عام راہ گیر یا کیا؟

(۴) اس مسجد کی ہیأت کیا ہے، اس میں محراب، منبر، برجیاں، منارے وغیرہ ہیں یا نہیں؟ بہتر ہو کہ اس مسجد اور مکان کا شارع عام تک پورا مفصل واضح نقشہ بنا کر بھیجئے۔

(۵) اس کا کیا ثبوت ہے کہ ٹونڈے شاہ نے وہ مسجد خاص اپنے لئے بنائی اور کسی کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی؟

ان باتوں کا مفصل جواب اسی ورق کی پشت پر مع نقشہ لکھ کر یہ ورق واپس کیجئے تو جواب دیا جائے ان شاء اللہ تعالٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: مسئولہ یعقوب علی نقشبندی قادری مقام کٹھری ضلع گوڑگاؤں ڈاکخانہ دھنیہ اسٹیشن مالوسانہ ۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یعنی مسجد میں تیل خرچ سے زائد قریب تیس آثار کے جو عرصہ سے جمع ہے اس تیل کو فروخت کرکے قیمت اس کی اخراجات مسجد میں لائی جائے یا یہ کہ اس کو محتاجوں میں تقسیم کیا جائے؟

الجواب: اگر مسجد کے لئے روزانہ تیل دوسری جگہ سے آتا ہے مسجد کو خریدنا نہیں ہوتا جس کے باعث یہ تیل مسجد میں کام آنے کی امید نہیں یا اس کی حفاظت میں وقت ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو اسے متولی و اکثر متدین اہل محلّہ امانت یا دیانت و اعلان کے ساتھ بیچ کر اخراجات مسجد میں صرف کردیں، محتاجوں میں تقسیم کرنا جائز نہیں۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۱ تا ۲۱۲: بروز سہ شنبہ ۸ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

اولا: ایک مسجد کے ایک پہلو میں فرش صحن کے نیچے دکانات کے آثار تھے، مگر ان کی چھت کی بلندی

صحن مسجد کی عام سطح سے کہیں ممتاز نہیں تھی یعنی دکانات کی چھت اور مسجد کا بقیہ صحن سب ایک سطح مستوی تھی اور یہ کل رقبہ ایک فصیل سے محاط تھا، اس فصیل کے اندر اندر کل اراضی مسجد اور مصلی تھی اب وہ دکانات دوبارہ تعمیر ہوئیں، فصل گرادی گئی، صحن مسجد کا وہ جز جو دکانات کی چھت بنا ہوا تھا دکانات میں ڈال دیا گیا، اور وہ اتنی اونچی پائی گئیں کہ بقیہ صحن سے ایک قد آدم سے زیادہ بلند ہیں۔ اس چھت کے پرنالے مکانات کے پچھیت پر یعنی صحن مسجد میں اتارے گئے اور صحن مسجد کے کنارے پر پچھیت کی جڑ میں ایک عرض محدود کردیا گیا جس پر وہ پرنالے گرتے ہیں اور اس نالے میں بھی لوگ وضو کرنے لگے، اس چھت سے ملحق ایک بالاخانہ اور چھت کل کو ایک مکان کی حیثیت سے کرایہ پر اٹھادیا گیا تاکہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو، سوال یہ ہے کہ اب یہ چھت مسجد کے حکم میں ہے یا خارج از مسجد؟ اور اس پر ایسے تصرفات جائز ہیں یا نہیں جو مسجد پر ناجائز ہوتے ہیں، مثلاً بود و باش رکھنا نجاست ڈالنا وغیرہ اور مذکورہ بالا پرنالے اور نالی قابل قائم رکھنے کے ہیں یا نہیں؟

ثانیاً: ایک مسجد کے صحن کا ایک جز مصلی کاٹ کر موڑ پر سے محدود کردیا گیا بدیں غرض کہ نمازی اس جگہ جوتا اتارا کریں، یہ تصرف اور اس جگہ جوتے اتارنا جائز ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ چھت مسجد ہے اسے مسجد سے توڑ کر دکان میں ڈال دینا ایک حرام اور اسے بالاخانہ حجرہ کا صحن و گزرگاہ کردینا دوسرا حرام، اور اسے کرایہ پر اٹھادینا تیسرا حرام، اور اس کی آبچک کے لئے مسجد کا ایک اور حصہ توڑ لیا محدود کردینا اور اس میں وضو ہونا چوتھا حرام۔ غرض یہ افعال حرام در حرام حرام در حرام ہیں۔ فرض ہے کہ ان تمام تصرفات باطلہ کو رد کرکے مسجد مثل سابق کردیں۔

درمختار میں ہے:

لوبنی فوقه بیتاللامام لایضر لانه من المصالح امالوتمت المسجدیة ثم اراده البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیه فاذاکان هذافی الواقف فکیف لغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجدولایجوز اخذالاجرةمنه ولاان	اگر واقف نے مسجد کی چھت پر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے مگر تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے منع کیا جائیگا اگرچہ وہ کہے کہ میں نے شروع سے اس کی نیت کی تھی اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تاتارخانیہ، تو جب خود واقف کا حکم یہ ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہوسکتا ہے چنانچہ اس عمارت کو گرانا واجب ہے اگرچہ وہ دیوار مسجد پر

یجعل شیئا منہ مستغلا ولا سکنی بزازیۃ [1]۔	بنائی گئی ہو اور اس کی اجرت لینا یا اس میں سے کسی حصہ کو ذریعہ آمدن یا رہائش گاہ بنانا جائز نہیں، بزازیہ (ت)

اسی طرح دوسرے سوال میں جو تصرف کیا گیا اور مسجد کے ایک حصہ کو مسجد سے خارج کردیا گیا اور اسے جوتا اتارنے کی جگہ بنایا یہ بھی تصرف باطل ومردود وحرام ہے، او قاف میں تبدیل وتغیر کی اجازت نہیں **لایجوز تغییر الوقف عن ہیأتہ** [2] (وقت کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ت) مسجد کے بجمیع جہات حقوق العباد سے منقطع ہے **قال اللہ تعالٰی "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"** [3] (اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ بیشک مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں۔ت) یہاں بھی وہی حکم ہے کہ فورًا فورًا اس ظلم کی منڈیر کو دور کرکے زمین مسجد شامل مسجد کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۳: مرسلہ سعید الرحمٰن ناظم اتحاد ومنتظم کمیٹی جامع مسجد پیلی بھیت ۸ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ چہار شنبہ

کیا حکم ہے شریعت غرا کا مسائل مندرجہ ذیل میں، جواب شافی سے مطمئن ومعزز فرمایا جائے:

(۱) مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا، کسی معذور، بیوہ یا کسی مسجد یا خاص اسی مسجد کی ضروریات کے لئے کسی قومی یا مذہبی ضرورت کے لئے چندہ وخیرات مسجد میں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو مکان و زمین وغیرہ کہ وقف ہے یعنی کسی مسجد ومدرسہ کی ضروریات کے لئے وقف کی گئی ہے مرور ایام یا کسی اور وجہ سے اس میں ایسا تغیر واقع ہوگیا ہے کہ اس کو رکھنے میں فی الجملہ نقصان ہے اس کو اس نیت سے کہ آئندہ اور نقصان ہوگا فروخت کرکے اس کی قیمت اس مسجد ومدرسہ میں داخل کرنا یا بجائے اس کے اس سے زیادہ نفع کی کوئی چیز اس مسجد ومدرسہ کے لئے خریدنا درست ہے یا نہیں؟ نیز مستعمل وبیکار چیزیں نیلام کرنا یا فروخت کرنا کیسا ہے؟

(۳) مقامی حالت کا اندازہ کرکے کسی مسجد وغیرہ کے انتظام ونگہداشت کے لئے چند مسلمانوں کو منتخب کرکے دوسرے لوگوں کو جو اس انتظام کے لئے مخصوص نہیں کئے گئے ہیں روکنا کہ وہ بطور خود مسجد میں دست اندازی نہ کریں جس سے مقررہ انتظام میں ابتری وبرہمی پیدا ہونے کا خیال ہے یا بغیر امتیاز کے

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

ہر شخص کو وعظ کہنے کی اجازت دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسجد میں اپنے لئے مانگنا جائز نہیں اور اسے دینے سے بھی علماء نے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ امام اسمٰعیل زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے اسے چاہئے کہ ستر پیسے اللہ تعالٰی کے نام پر اور دے کہ اس پیسہ کا کفارہ ہوں، اور کسی دوسرے کے لئے مانگا یا مسجد خواہ کسی اور ضرورت دینی کے لئے چندہ کرنا جائز اور سنت سے ثابت ہے۔

(۲) وقف کو بیع کی اجازت نہیں ہو سکتی جب تک واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، فی الجملہ نقصان یا آئندہ اس کا احتمال اس کی اجازت کا کفیل نہیں ہو سکتا، مسجد کی مستعمل چیزیں مثلاً چٹائیاں، دریاں، لوٹے صرف مستعمل ہونے کی وجہ سے بیچنے کے کوئی معنی نہیں، اور ایسی اشیاء میں سے جو بیکار ہو جائے وہ دینے والے کی طرف واپس ہو جاتی ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔

(۳) بغیر امتیاز وعظ کی اجازت دینا جائز نہیں اور روکنا واجب ہے، ان کا انتظام اگر صحیح ومطابق شرع وموافق مصالح مسجد ہو تو دوسروں کو اس میں دست اندازی کی وجہ نہیں اور وہ روکے جاسکتے ہیں اور اگر ان کا انتظام خلاف شرع ہو تو ہر مسلمان اس میں دست اندازی کر سکتا ہے اور اس کے روکنے کا حق کسی کو نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۶: آہود ملک مارواڑ متصل ایرپتوار پیر محمد امیر الدین روز یک شنبہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

پیش امام میں کون کون صفت ہونی چاہئے؟ آیا کہ مسجد کا تیل وہ گھڑے وروٹی وغیرہ فروخت کرنا جب ان لڑکوں سے مار پیٹ کر روٹی منگانا وہ روکھی لائیں تو ان کو مارنا اور جمعے کے روز بھی لڑکوں کو اسی واسط بلوانا کہ میری ریاض کی روٹیوں میں فرق نہ پڑ جائے اور مسافر بھوکا رہے تو رہے مگر روٹی شکر وہاں نافروخت ہوئے تو دوسری موضع جاکر فروخت کرنا اور پانی کے گھڑے جو مسجد میں وضو کے واسطے موہلے والے لے کر آئیں تو امام اپنے مکان پر پانی پہنچادے وضو والے تکلیف اٹھاتے اور مسافر وغیرہ سب تکلیف اٹھاتے تو ایسے امام کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہی ساتھ والے ہو کر یہ بات کرے تو جائز ہے؟

الجواب:

امام مسجد صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت، غیر فاسق معلن، عالم احکام نماز وطہارت ہونا چاہئے جس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے جماعت کی قلّت ونفرت پیدا ہو، مسجد کے گھڑے اپنے لئے فروخت کرنا حرام ہے اور مسجد کا تیل اگر دینے والوں کی اجازت ہو کہ جو خرچ سے بچے اسے

امام یامؤذن یامسجد کا خادم لے لیا کرے تو وہ بچا ہوا جمع کرکے بیچنا جائز ہے، مسجد کی روٹی دینے والے نے جسے دی تھی اگر بطور تملیک دی تھی تواس کو بیچنے کا اختیار ہے اور اگر بطور اباحت دی جیسے کھانا سامنے لاکر رکھتے ہیں کہ جتنا پیٹ میں آئے کھالو اسے صرف کھانا جائز ہے بیچنا یا دوسرے کو دینا حرام۔ جبراً روٹی منگانا حرام ہے مگر جب کہ وہی نوکری کی اجرت قرار پائی ہو، اور اس کے لئے لڑکوں کو مارنا جائز نہیں مگر جب کہ وہی اس واجب شدہ روٹی کے لانے میں قصور کرتے ہوں اور مارنا ہاتھ سے ہو نہ کہ لکڑی سے، اور تین بار سے زائد نہ ہو، اور منہ پر نہ ہو۔ اور جمعہ کو بھی روٹی منگا سکتا ہے جب کہ وہ اجرت میں ٹھہری ہو۔ اور روٹی کہ اس کی ملک ہوجائے اسے اس کے بیچنے کا اختیار ہے خواہ وہاں بیچے یا دوسری جگہ۔ جو پانی مسجد میں وضو کے لئے رکھا گیا اسے اپنے گھرلے جانا جائز نہیں اگرچہ کسی کو تکلیف نہ ہو اور تکلیف ہو تو دوہرا حرام۔ جو باتیں ان میں ناجائز بتائی گئی ہیں جو امام ان کا ارتکاب کرے اور باز نہ آئے اسے امام نہ رکھنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷ تا ۲۱۹: ابوتراب محمد اسمٰعیل موضع پنچم سینگ ڈاکخانہ جعفر گنج، چہار شنبہ ۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں کہ چار کنارہ پر چار مساجد مدت بیس بائیس برس سے جاری ہیں اور ہر مسجد میں تخمیناً بیس یا پچیس آدمی نماز جمعہ کی پڑھتے چلے آئے ہیں اور ان چار مساجد میں سے ایک قدیم ہے لیکن وہ بھی موضع کے ایک کنارہ پر واقع ہے اب کوئی عالم صاحب بنظر ہدایت واصلاح دین ودنیا ورضائے خدا ورسول اہل موضع کو بلاکر کہے کہ بحسب حدیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اتبعو السواد الاعظم ویداللہ فوق الجماعۃ[1]۔	سواد اعظم کی پیروی کرو اور اللہ تعالٰی کا دست رحمت جماعت پر ہوتا ہے (ت)

ان چاروں جماعت کو اکٹھا کرکے نماز جمعہ کی بطور اکمل واشرف ادا کیا کرو۔ اہل موضع بالاتفاق بایں شرط اس بات میں راضی ہوئے کہ گاؤں کے بیچا بیچ میں جامع مسجد ہو، بعدہ مسجد قدیم والے کچھ پس وپیش کرنے لگے کہ یہاں سب کیوں نہیں آتے مسجد قدیم کو کس طرح توڑوں مابقے تین مساجد والے بوجہ حرج مسافت وبعد مسجد قدیم کے اسمیں راضی نہیں۔ اس سوال میں یہ تین باتیں ضرورت طلب ہیں:

(۱) اول، عالم صاحب مذکورۃ الصدر کو ان چاروں مسجدوں کے ٹین وستونوں کو اکھیڑ کے موضع کے بیچ میں ایک مسجد جامع بناکر چاروں جماعت کو لے کے اس مسجد جامع میں نماز جمعہ کی پڑھنی جائز ہے

[1] المستدرک للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۵و۱۱۶

یا نہیں، اور وہ عالم اس امر میں مستحق ثواب ہوگا یا عذاب؟
(۲) دوم، ان چاروں مسجدوں کا متروکہ بیٹ یعنی جاگیوں کا کیا حکم؟
(۳) سوم، مسجد قدیم والے کا عذر مذکورہ مکتوبہ ازروئے شرع شریف ودین منیف مسموع یا غیر مسموع مستحسن یا غیر مستحسن؟
بینوا توجروا۔

الجواب:

سائل نے گاؤں کے لفظ سے تعبیر کیا، اگر وہ واقع میں گاؤں ہے شہر یا قصبہ نہیں جب تو سرے سے مبنائے سوال باطل ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، اور اگر گاؤں سے بستی مراد ہے اور وہ بستی کم از کم قصبہ ہے، جب یہ حرام ہے کہ اور مسجدوں کو برباد کرکے جامع مسجد بنائی جائے، نہ ان مسجدوں کے ٹین وستون اس کی طرف منتقل ہوسکتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لایجوز نقله ولانقل ماله الی مسجد اٰخر [1]۔	مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (ت)

نہ ان مسجدوں کی زمینوں کا کسی دوسرے تصرف میں لانا حلال ہوسکتا ہے، جو ایسا کرے گا سخت ظالم ومستحق سخت عذاب ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کرتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے (ت)

اور جب کہ بعد مسافت کی وجہ سے حرج ہے تو لوگ مجبور نہیں کئے جاسکتے کہ جمعہ ایک ہی جگہ پڑھیں کہ مذہب صحیح معتمد مفتی بہ میں شہر میں تعدد جمعہ مطلقاً جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۰: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ انوار ملوک ناگپور شہر ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مسجد کا جو پیسہ جمع ہے اسے کسی منفعت پر خرید وفروخت تجارت کرسکتے ہیں، مسجد کے جمع مال افزود کے لئے؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

الجواب:

تجارت میں نفع نقصان دونوں کا احتمال ہے اور کارکنوں میں امین و خائن دونوں طرح کے ہوتے ہیں اور مال وقف میں شرط واقف سے زیادت کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۱: از برٹس کائنا مرارا پتر س ہال وینچ ایسٹ بنک مسئولہ عبدالغفور ۲۴صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں عالم ہوں اور مجرد مسجد ہونے کے ایک مکان میں پنجوقتی نماز اور عید کی نماز اور جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے تو اس کا حکم کیا ہے، اور حال یہ ہے کہ اس مکان کے مالک نے عام اجازت دے دی ہے کہ جس کی خوشی ہو وہ آکر نماز پڑھے جمعہ اور عید اور پنجوقتی کی، آیا اس مکان کو پھر اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں، فقط۔

الجواب:

اگر اس نے اس مکان کو نماز کے لئے وقف کردیا تو وہ مسجد ہی ہے اسے اس میں رہنا جائز نہیں تمام آداب مسجد لازم ہیں اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں ہے اور اگر صرف اتنا کہا کہ نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں مگر وقف نہیں کرتا، تو اس میں نماز جائز ضرور ہے اگرچہ جمعہ و عیدین کی کہ ان کے لئے بھی مسجد شرط نہیں مگر بلا عذر شرعی عیدین میں ترک سنت اور فرائض میں ترک واجب ہے، یہ کہنا کہ میں عالم ہوں اگر کسی وقت کسی ضرورت و مصلحت شرعی کے سبب ہے تو حرج نہیں، قال سیدنا یوسف علی نبینا الکریم وعلیه: "اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾"[1] (بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔ت) اور اگر بلاضرورت ہے تو جہل اور خود نمائی ہے خود ستائی کے لئے ہے تو سخت گناہ ہے قال الله تعالٰی "فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اپنی پاکیزگی مت بیان کرو۔ت) حدیث میں ہے:

من قال انا عالم فھو جاھل[3]۔ والله تعالٰی اعلم۔	جو یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۲: از مدرسہ مظہر العلوم کچی باغ بنارس مسئولہ امان اللہ مدرس یکشنبہ ۲۵صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

زید نے چند مسلمانوں سے کچھ روپیہ بطور چندہ مجتمع کیا یہ کہہ کر کہ اس روپیہ سے زمین مسجد بنانے کو خرید

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

[3] المعجم الاوسط حدیث ۶۸۴۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۴۳۳

کی جائیگی، اس نیت سے لوگوں نے چندہ دیا اور اس روپیہ سے چندہ کے ایک زمین خریدی گئی، وقت بنائے مسجد قطب نماوغیرہ سے سمت قبلہ درست کرنے میں منجملہ زمین خرید شدہ چند ہاتھ زمین بسبب کجی کے احاطہ مسجد سے باہر رہ گئی مسجد بہمہ وجوہ تیار ہو گئی اس میں جمعہ جماعت جاری ہے لیکن کسی مسلمان نے نہ زبانی اب تک ایسا کہا کہ یہ سب زمین خرید شدہ ہم نے وقف کی نہ ایسی تحریر کسی منتظم مسجد یا چندہ دہندگان کیطرف سے ہوئی، ایسے حال میں علمائے دین سے سوال ہے کہ وہ زمین احاطہ مسجد سے باہر رہ گئی ہے زمین مسجد سمجھی جائے گی اور اس کا حکم مسجد کا ہوگا یا فقط زمین موقوفہ کہی جائے گی حکم مسجد میں نہ ہوگی، اور بہر حال اس زمین کا بیع وشراء یا اس میں تصرف مالکانہ کرنا جائز ہوگا یا ممنوع وناجائز؟ منتظم مسجد نے اس زمین کو خارج مسجد سمجھ کر ہمسایہ کے ایک مسلمان سے کچھ روپیہ لے کر اس کو دے دی اور اس روپیہ کو مسجد کے متعلق خرچ کیا اور اس مسلمان نے اس زمین سے زینہ اپنے مکان کی چھت کا بنایا اس سے عام مسلمان ناراض ہیں کہ زمین مسجد یا زمین وقف میں کیوں ایسا تصرف کیا گیا، اب اس صورت میں حکم شرع کیا ہے؟ آیا وہ زینہ تڑوا کر زمین واپس لے لی جائے یا اس کے عوض میں جو روپیہ وہ مسلمان دے چکا ہے اس سے وہ زمین اس کی مملوکہ ہوئی؟ زینہ تڑوانے اور زمین واپس لینے کا حق شرعاً مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے اور اگر وہ مسلمان بلانالش کرنے کے عدالت حاکم وقت میں زینہ توڑنا اور زمین واپس دینا نہ چاہے تو مصارف نالش ذمہ منتظم ہوگا جس نے روپیہ لے کر زینہ بنانے کی اجازت دی ہے یا عام مسلمانان کے ذریعہ وہ خرچ ہوگا۔ ہر شش سوال کا جواب عام فہم مفصل ہو دلائل ونقل عبارت مستندات درکار ہے۔ بدون اس کے تشفی عام مسلمانان وصورت رفع نزاع متصور نہیں، **فقط**

الجواب:

اگر چندہ دینے والے سب یا ان کا وکیل ماذون بعد خریداری زمین یہ کہہ دیتا کہ اس زمین کو مسجد کیا تو وہ کل مسجد ہو جاتی اور اس میں سے کسی جزو کی بیع یا کوئی تصرف مالکانہ مطلقاً حرام ہوتا لیکن ظاہراً یہاں ایسا واقع نہ ہوا بلکہ زمین خریدی گئی کہ اس میں مسجد بنائی جائے گی اور بنانے میں تصحیح سمت کے سبب ایک حصہ چھوٹ گیا، جس قدر بنی وہی مسجد سمجھی گئی اور اس میں نماز جاری ہوئی، حصہ متروکہ کو اگرچندہ دہندوں یا ان کے وکیل ماذون نے وقف علی المسجد کر دیا تو اب بھی اس کی بیع ناجائز ہوئی مگر سوال سے اس صورت کا وقوع بھی ظاہر نہیں ہوتا، صرف اتنا ہوا کہ وہ چندہ دے کر اس روپے اور زمین سے بے تعلق ہو گئے اور یہ ملک سے خارج ہونے کا موجب جب تک وقف شرع نہ پایا جائے یہ بیع اور اس روپے کا مسجد میں صرف کرنا اگر اجازت مالکان سے تھا یا بعد وقوع انہوں نے اجازت دے دی تو دونوں تصرف صحیح ہو گئے، اور اگر مشتری کی خریداری اور زینہ بنالینے کو ایک کافی زمانہ گزرا اور مالکوں نے تعرض نہ کیا تو یہ بھی

اجازت سمجھی جائے گی، فقط، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۳ تا ۲۲۵: از مقام قاضی کیری ڈاکخانہ نویسی ضلع بھاگلپور بمکان شیخ شمس الدین صاحب ۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز شنبہ۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد خام تخمیناً بیس ۲۰ برس سے تھی بمشورہ مسلمان موضع پختہ بنانے کی رائے ہوئی، جس وقت نیو دیوار کھودی گئی قبر نکلی، دریافت کرنے سے جو ضعیف موضع تھے معلوم ہوا ان سے کہ ہم نے اپنے والد وغیرہ سے سنا ہے کہ یہ سب قبرستان ہے بلکہ کل بستی قبرستان پر آباد ہے، اکثر مکانوں میں بھی قبر نکلتی ہے، نماز اس میں جائز ہے یانہیں؟ اور یہ مسجد کسی صرف میں آسکتی ہے یا پرتی میدان رہے گا، میدان رہنے میں ممکن ہے زمیندار کسی کو دے دے پھر اس کی حفاظت کی کیا صورت کی جائے؟

(۲) اس موضع کا مالک ایک کافر راجہ ہے وہ حتی الامکان دوسری جگہ مسجد بنانے سے مانع ہوگا اور یہاں رعیت کو اختیار بیع وفروخت ہے راجہ کچھ نہیں کرسکتا ہے صرف مالگزاری کا مستحق ہے اگر خلاف مرضی راجہ دوسری جگہ مسجد بنائی جائے تو مالگزاری جو مقرر ہے نہیں چھوڑے گا، پس اس صورت میں جبکہ مالگزاری برابر زمیندار لیتا رہا حکم میں مسجد کے ہوگا یانہیں؟ بصورت عدم جواز جو مسجد اس طرح بنی ہو کیا حکم ہے، منہدم کردیں یا کیا کریں؟

(۳) جب کہ کل موضع قبرستان پر آباد ہے توجو لوگ نماز گھر میں پڑھیں جائز ہوگی یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ خبر کہ یہ سب قبرستان ہے بلکہ کل بستی قبرستان پر آباد ہے بہت بعید وشنیع امر کی خبر، اور خود اپنے مخبروں کی بے اعتباری ورد شہادت پر دلیل روشن ہے، جن اشخاص نے ایسا بیان کیا اگر بے نمازی ہیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا فسق ورد شہادت درکار، اور اگر نمازی ہیں تو قبروں پر نماز حرام ہے، یہ حرام خصوصاً علی الدوام کرکے بھی فاسق ومردود الشہادۃ ہوئے بلکہ سب بستی قبروں پر آباد ہے تو مقابر پر چلنا پھرنا، سونا، بیٹھنا، پاخانہ پیشاب کرنا کس نے حلال کیا۔ دانستہ مدام ان کے ارتکاب سے بھی فسق ظاہر، بہرحال خبر مردود ونا مسموع ہے بلکہ بالفرض اگر یہ لوگ ان محرمات کے ارتکاب سے خود محفوظ بھی ہوتے تو اور مسلمان کو ان میں مبتلا دیکھ کر مدتوں یہ شہادت ادا نہ کرنا اور اب بتانا یہ خود کیا فسق کے لئے کافی نہیں۔ اشباہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

یجب الاداء بلا طلب لو الشہادۃ فی	بغیر طلب اداء شہادت واجب ہے اگر وہ شہادت

حقوق اللہ تعالٰی ومتی اخر شاھد الحسبۃ شھادتہ بلا عذر فسق فترد[1]۔	حقوق اللہ سے متعلق ہو اور شاہد حسبہ نے بلاعذر شہادت میں تاخیر کی تو وہ فاسق ہوگا اور اس کی گواہی مردود ہوگی (حسبہ وہ ہے جس سے ثواب آخرت کی توقع ہو)۔(ت)

غرض ان کے کہنے پر کچھ نظر نہ کی جائے، مسجد بنائی جائے اور اگر قبریں نکلیں تو وہ ضرور مسجد ہے اور اس میں نماز جائز اور اس کی حفاظت واجب۔ قبر جو نکلی ہے اور اس پر نماز نہ پڑھیں، نہ اس کی طرف پڑھیں، اس کے برابر آگے داہنے بائیں پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ اگر قبر کسی مقبول بندے کی ہے تو اس کی قربت سے نماز میں اور برکت آئے گی،

کما فی اللمعات ومجمع البحار وکثیر من الاسفار وقد بیناہ فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ لمعات، مجمع البحار اور متعدد کتب جلیلہ میں ہے اور تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو تفصیلاً بیان کردیا ہے۔ (ت)

قبر کے شرقی جانب آدھ گز بلند ایک اینٹ کا سترہ قائم رکھیں پھر اس طرف بھی نماز جائز ہوجائیگی، اور اگر ان لوگوں کا اس مسجد کی نسبت بیان صحیح نکلے کہ جابجا قبور برآمد ہوں تو وہ بیشک مسجد نہیں۔

فان الوقف لایوقف اخری ولایحل اتخاذ القبور مساجد ولاتباح الصلوٰۃ علیھا۔	وقف کو دوبارہ وقف نہیں کیا جاسکتا اور قبور کو مسجدیں بنانا حلال نہیں اور نہ ہی قبور پر نماز پڑھنا مباح ہے (ت)

اس صورت میں دوسری جگہ مسجد بنانی لازم، اور راجہ اگر مالگزاری نہ چھوڑے تو اس سے مسجد میں کچھ خلل نہ آئے گا فان غایتہ الظلم والظلم لایبطل الحق (کیونکہ نتیجۃً یہ ظلم ہے اور ظلم حق کو باطل نہیں کرتا۔ت) اور پچھلی صورت میں پہلی عمارت کہ حقیقۃً مسجد نہیں ضرور منہدم کردی جائے کہ بوجہ قبور اس میں نماز جائز نہیں اور صورت مسجد باقی رہے گی تو ناواقف کو دھوکا دے گی وہ اس میں نماز پڑھے گا نماز بھی خراب ہوگی اور قبور پر چڑھنے سے ان کی بھی بے حرمتی ہوگی۔ یہ دو سوالوں کا جواب ہوا۔ تیسرے کی بنا اس پر ہے کہ وہ کل موضع قبرستان پر آباد مان لیا جائے اور ہم اوپر ثابت کرچکے کہ یہ خبر مدفوع ونامسموع ہے۔ اگر تسلیم کی جائے تو نہ صرف نماز وہاں چلنا پھرنا، رہنا، بسنا، پاخانہ، پیشاب سب حرام ہوجائے گا کما بیناہ فی الامر باحترام المقابر (جیسا کہ ہم رسالہ "الامر باحترام المقابر" میں بیان کرچکے ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

مسئلہ ۲۲۶: از ڈھاکہ محلّہ مولوی بازار کوٹھی نمبر ۱۱ مسئولہ برکات احمد سوداگر ۱/ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندراس مسئلہ کے، مسجد پختہ چندہ جمع کرکے بنانا کیسا ہے اور چندہ دینے والوں کو اس کا اجر کیا ملے گا؟ والسلام سنت اسلام۔

الجواب:

صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من بنی للہ مسجدا زاد فی روایۃ ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[1] زاد فی روایۃ من در و یاقوت[2]۔	جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اگرچہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے گھونسلے کے برابر، اللہ عزوجل اس کے لئے جنت میں موتی اور یاقوت کا محل تیار فرمائے گا۔

اور اس میں ہر وہ شخص جو کسی قدر چندہ سے شریک ہوا، داخل ہے۔ ساری مسجد بنانے پر یہ ثواب موقوف نہیں۔ مدینہ طیبہ میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنائی، پھر امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس میں زیادت فرمائی، پھر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب اس کی تعمیر میں افزائش فرمائی، اس پر یہی حدیث روایت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۷: روز شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان خس پوش پیش مسجد وملکیت مسجد واقع ہے اس کو توڑ کر اراضی مسجد میں شامل کرلیا جائے اور امورات نیک مثل نماز جنازہ وغیرہ کے واسطے محدود کردیا جائے، دوسرے ہر شخص کو وقت آمد ورفت مسجد کواڑ دروازہ مسجد بھیڑ کر آنا جانا چاہئے یا نہیں؟ پس صورت مسئولہ میں حکم شرع شریف کا کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جائز ہے اگر خلاف شرط واقف نہ ہو، مسجد کے کواڑ کبھی نہ بھیڑے جائیں گے بعد فراغت نماز عشاء جبکہ کسی کے آنے کی امید نہ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۱، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب من بنی للہ مسجدا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۰۵۵ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۲۷

مسئلہ ۲۲۸: مسئولہ عبدالرب مرامجھلیا احاطہ امریا ضلع پیلی بھیت ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

گرد مسجد کس قدر زمین جنت ہے پیائش مہرے گز تین فٹ والے کی لکھی جائے، فقط۔

الجواب:

مسجد کی نسبت ایک حدیث روایت کی جاتی ہے روز قیامت تمام مساجد کی زمین جمع کرکے داخل جنت کی جائے گی،

تذھب الارضون کلھا یوم القیمۃ الاالمساجد فانھا ینضم بعضھا الی بعض [1] قال الشراح ای فتصیر بقعۃ فی الجنۃ [2]۔	قیامت کے دن تمام زمینیں ختم ہوجائینگی سوائے مساجد کی زمینوں کے کہ ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملادیا جائے گا یعنی اکٹھا کردیا جائے گا۔ شارحین حدیث نے فرمایا کہ وہ جنت کا حصہ بنادی جائیں گی۔ (ت)

اور یہ تو صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

اذامررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قیل وما ریاض الجنۃ یارسول اللہ قال المساجد قیل وما الرتع قال سبحٰن اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر [3]۔ رواہ الترمذی وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کی کیاریوں پر گزرو تو ان میں چرو ان کا میوہ کھاؤ، عرض کی گئی یا رسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا مسجدیں۔ عرض کی گئی وہ چرنا کیا ہے؟ فرمایا یہ کہنا "سبحان اللہ والحمد اللہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر" (اس کو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

مگر یہ حدیث محتمل تاویل ہے اور پہلی روایت میں سخت تعلیل ہے اور مسجد کے قریب اصلاً کسی حصہ کا جنت سے ہونا وارد نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: مرسلہ سید محمد حسین علی قاضی سید پور علاقہ اندور محلّہ جمال پورہ اورنگہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد پرانی ہے اور اس کو

[1] المعجم الاوسط حدیث ۴۰۲۱ مکتبۃ المعارف الریاض ۵/ ۱۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت مذکورہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۱/ ۴۴۶

[3] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۸۹

بنانے کے لئے اس کا پرانا سامان لکڑی وغیرہ نکالا کچھ سامان تو اس میں لگ گیا اور کچھ سامان لکڑی بچ رہے اب اس کو کس کام میں لانا چاہئے اور اس میں بہت سی لکڑی ایسی ہے کہ وہ جلانے کے سوا اور کچھ کام میں نہیں آسکتی ہے سو اس لکڑی کا جلانا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ اور باقی جو کہ اچھی لکڑی ہے اس کو دوسرے شخص معتبر کے ہاتھ فروخت کرنا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ خلاصہ جواب تحریر فرمائے گا۔

الجواب:

مسجد کا عملہ جو بچ رہے اگر کسی دوسرے وقت مسجد کے کام میں آنے کا ہو اور رکھنے سے بگڑے نہیں تو محفوظ رکھیں ورنہ بیع کردیں اور اس کے دام مسجد کی عمارت ہی میں لگائیں لوٹے، بوریہ، تیل بتی وغیرہ میں صرف نہیں ہوسکتا۔ یہ سب کام متولی اور دیانت دار اہل محلّہ کی زیر نگرانی ہو۔ بیع کسی ادب والے مسلمان کے ہاتھ ہو کہ وہ اسے کسی بے جا یا ناپاک جگہ نہ لگائے۔ لکڑی کہ جلنے کے سوا کسی کام کی نہ رہی سقایہ مسجد کے صرف میں لائیں اور اگر بیع کردیں تو خریدنے والا بھی اسکو جلاسکتا ہے مگر اپلے کی معیت سے بچائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۰: مرسلہ اسمٰعیل خاں کارندہ موضع ریونڈہ ڈاکخانہ مونڈہ تحصیل وضلع مرادآباد ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص گانے بجانے کا کام کرتا ہے اور فونو گراف باجا بھرنے پر بھی اجرت تنخواہ پاتا ہے اور کوئی ہندو جو زمیندار بھی ہے اور سود وغیرہ کی آمدنی بھی اس کو ہوتی ہے ایسے ایسے دونوں قسم کے اشخاص کے روپیہ سے مسجد کا وضوخانہ بنانا یا مسجد پر کلس چڑھانا شرعیہ قاعدہ سے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو مال بعینہٖ حرام ہو وہ ان کاموں کے لئے لینا بھی حرام ہے، اور جس کی نسبت یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص مال حرام ہے اس کے لینے میں مضائقہ نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱ تا ۲۳۳: از راندیر ضلع سورت مسئولہ محمد اعظم ناخدا بروز شنبہ ۱۷ رجب ۱۳۳۴ھ

ماقولکم اندریں صورت کہ مسجد کے نقد روپے پچیس ہزار ۲۵۰۰۰ جمع یعنی موجود تھے اور اسی روپے سے مسجد کی تعمیر کرنے والوں نے یعنی اہل محلّہ نے ٹھہراؤ یعنی مقرر کیا ہوا تھا مگر نصف کام ہو کر روپے تمام ہوگئے لہٰذا مسجد کی آمد کے لئے جو ملکیت واقف نے وقف کی ہوئی ہوں اس کی آمد سے دوسری ملکیت زیادہ کی ہوں یعنی آمد سے دوسری ملکیت خرید کی ہو ان کو متولی یعنی مہتمم مسجد اہل محلّہ کی صلاح سے فروخت کرکے مسجد کو تمام کردے یا بستی کے مسلمانوں کو بھی کمیٹی کرکے صلاح لے اور حاکم وقت کی منظوری درکار ہے کہ نہیں. بروقت نہ ہونے قاضی کے، اور واقف کی کوئی شرط یا لکھان ایسا نہیں ہے جسے کوئی بیچ سکے۔

دیگر سوال: مسجد کی تعمیر کی کوئی ضرورت نہ ہو اور مسجد کے خرچ واخراجات سے آمد بہت زائد ہو تو کیا متولی یعنی مہتمم مسجد اہل محلّہ سے اجازت لے کر کے مدرسہ اس فاضل آمدنی سے کھول سکتا ہے کہ نہیں؟ یا مہتمم مسجد اہل محلّہ سے اجازت لے کر یا اہل بستی کے مسلمانوں کی کمیٹی کرکے ان کی رائے لے کرکے مدرسہ کھولے اور حاکم وقف کے حکم کی منظوری ملانا ضروری ہے کہ نہیں؟ کیونکہ واقف کی نیت فقط یہ تھی کہ میرے وقف شدہ ملکیت کی آمدنی مسجد میں خرچ ہو اور کوئی دلیل نہیں کہ مدرسہ کھولیں تو اس وقت میں حاکم وقت کی منظوری کی ضرورت ہوگی کہ نہیں. بروقت نہ ہونے قاضی شرع کے، **فقط۔**

سوال سوم: بنابرازیں زائد آمدنی اس مسجد کی سے دوسری مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں کہ نہیں **فقط۔**

الجواب:

(۱) وہ کہ واقف نے مسجد پر وقف کیا ہے اسے کوئی نہیں بیچ سکتا، نہ متولی، نہ اہل محلّہ، نہ حاکم، نہ کوئی، ہاں اس کی آمدنی سے جو جائداد متولی نے وقف کے لئے خریدی وہ مسجد کے لئے بیع ہو سکتی ہے۔ متولی اور اہل محلّہ اور سنی دیندار عالم اور دیانتدار مسلمانوں کے مشورہ سے جس میں غبن اور تغلب کا احتمال نہ رہے۔

(۲) جب کہ واقف نے صرف مسجد کے لئے وقف کیا تو وہ مسجد ہی میں صرف ہوگا اس سے مدرسہ نہیں کھول سکتے، نہ خود، نہ باجازت حاکم۔

(۳) نہیں کر سکتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۴: مرسلہ محمد ابراہیم ڈاک خانہ کنکشیر ہائی اسکول ضلع فرید پور رجب ۱۳۳۴ھ

مسجد کے پرانے اسباب یعنی خام اور ٹین اور بانس وغیرہ اپنے گھر کے کاروبار میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر لگا سکے تو کس کام اور کس طور لگایا جائے؟

الجواب:

ستون اور ٹین کہ مثل سقف تھا اور بانس کہ سقف میں تھے اسی طرح کڑیاں اور اینٹیں، غرض جو اجزائے عمارت مسجد ہوں وہ اگر حاجت مسجد سے زائد ہو جائیں اور دوبارہ ان کے اعادہ کی امید نہ رہے تو متولی ومتدین اہل محلّہ کی اجتماعی رائے سے انہیں بیچ کر قیمت عمارت مسجد ہی کے کام میں صرف کی جائے مسجد کے بھی دوسرے کام میں صرف نہیں ہو سکتی، خریدنے والا انہیں اپنے صرف میں لا سکتا ہے مگر بے ادبی کی جگہ سے بچائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۵ تا ۲۴۱: از رائل ہوٹل لکھنؤ حبیب اللہ خاں بروز شنبہ ۲۵ رجب ۱۳۳۴ھ

(۱) جو شخص حافظ کسی مسجد میں واسطے امامت وحفاظت کے مقرر ہو وہ مسلمانان اہل محلّہ سے جو مسجد میں نماز کو آئیں ان سے ایسی کج خلقی کا برتاؤ کرے جس کی وجہ سے مسجد میں آنا ترک کردیں اور جماعت میں خلل پڑ جائے، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۲) وہ شخص حافظ جو امام ومحافظ مسجد کا ہو اور مسجد میں پنجگانہ اذان نہ خود کہے نہ کہلوائے، نہ روازنہ صفائی مسجد کی کرے، اور دوسرے نمازیوں کو جو صفائی مسجد میں کریں ان کو مسجد کی خدمت کرنے سے منع کرے اور یہ کہے کہ مسجد کی خدمت کرکے کیا مسجد میں قبضہ کرنا چاہتے ہو، اس مسجد میں ہم جو چاہیں کریں تم لوگ کچھ نہیں کرسکتے ہو۔ اس پر کیا حکم ہے؟

(۳) جو شخص حافظ امام مسجد ہو اس حق سے مسجد کے درخت اور گملے جو عرصہ دراز سے مسجد کی زیبائش ورونق کے واسطے لگائے ہوئے ہوں اٹھا کر اور اکھاڑ کر اپنے گھر کو لے جائے اور اپنا قبضہ ہر چیز پر جو مسجد میں ہو اس پر ظاہر کرے اس پر کیا حکم ہے؟

(۴) وہ حافظ جو امام مسجد ہو اور مسجد میں جو بمبا پانی کا نمازیوں کے آرام اور خرچ مسجد کے واسطے لگا ہوا ہو اس کو اکھڑوادے اور منع کرنے سے نہ مانے اور دوسرے مسلمان کو جو مسجد میں بمبا لگوانا چاہیں ان کو منع کرے اور نہ لگانے دے اور نمازیوں کی تکلیف پیش نظر رکھے اس پر کیا حکم ہے؟

(۵) مسجد میں مٹی کا تیل ٹین کی ڈبیہ میں جلائے جس سے مسجد میں بدبو اور سیاہی ہو اور چھت سیاہ ہوجائے اس پر کیا حکم ہے؟

(۶) موسم گرما میں نمازی صحن مسجد میں نماز پڑھنے کو چٹائی بچھانے کی خواہش کریں اور محافظ مسجد چٹائی حجرہ میں بند کردے بچھانے کو نہ دے اور نمازی باہم چندہ کرکے بخیال رفع تکلیف وآسائش نمازیوں کے چٹائی منگا کر بچھانا چاہیں تو ان کو نہ بچھانے دے اور کہے کہ جو کوئی اس مسجد میں چٹائی رکھے گا تو ہم اس چٹائی کو باہر مسجد کے پھینک دیں گے جس کی خوشی ہو اندر مسجد کے یا صحن مسجد میں بحالت موجودہ خواہ گرد اہو یا کچھ ہو نماز پڑھے یا نہ پڑھے اپنی چٹائی نہیں بچھا سکتا ہے، کیا مسجد میں چٹائی بچھا کر مسجد پر نمازی اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں جن کے بزرگوں کی مسجد بنوائی ہوئی ہے ان کی طرف سے ہم مقرر ہیں ہم چاہیں چٹائی مسجد میں ڈالیں یا نہ ڈالیں دوسروں کو ڈالنے کا اختیار ومجاز نہیں ہے، اس پر کیا حکم ہے۔؟

(۷) جو حافظ امام مسجد ہو اور اس طرح کا عمل مذکورہ بالا کرے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو اور

جماعت میں خلل پڑے اور ان کی وجہ سے مسجد میں آنا چھوڑدیں اور وہ شخص مسجد کو اپنا مقبوضہ خیال کرے وہ شخص امام رہنے کے قابل ہے یا نہیں؟اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟اور اس کو خطاب کرنا چاہئے؟اور اس پر حد شرع کیا ہے؟**فقط۔**

الجواب:

(۱) اس صورت میں وہ گنہگار و مستحق عذاب ہے کج خلقی وغیرہ توبڑی بات ہے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی مسجد میں ایک بار نماز عشاء کی قرأت طویل کی وہ ایک مقتدی کو ناگوار ہوئی،اس کا حال حضور میں عرض کیا گیا اس پر ایسا غضب فرمایا کہ ایسی شان جلال کم دیکھی گئی تھی اور معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

افتان انت یامعاذ،افتان انت یا معاذ،افتان انت یا معاذ[1]۔	اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو،کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو،کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو۔

(۲) اذان سنت مؤکدہ اور شعار اسلام ہے اور بغیر اس کے جماعت مکروہ،یہاں تک کہ اگر امام مسجد آہستہ اذان کہلوا کر جماعت پڑھ جائے وہ جماعت اولٰی نہ ہوگی،بعد کو جو لوگ آئیں انہیں حکم کہ اعلان کے ساتھ اذان کہیں اور پھر از سرنو جماعت کریں،اس کا تارک اور لوگوں کو اس سے منع کرنے والا صریح گمراہ وفاسق ہے،یونہی مسجد کی تنظیف کا بھی شرع میں حکم ہے۔سنن ابوداؤد میں ہے:

امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان تنظف وتطیب[2]۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گھروں میں مساجد بنانے اور انہیں پاک وصاف رکھنے کا حکم دیا ہے(ت)

جو نہ خود کرے اور نہ اوروں کو کرنے دے مسجد کا بدخواہ ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۲،صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب القراۃ فی العشاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷،سنن نسائی کتاب الامامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۳،سنن ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب تخفیف الصلٰوۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۱۵

[2] سنن ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب اتخاذ المساجد فی الدور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ٦٦

(۳) مسجد میں پیڑ بونا ممنوع ہے اور ان کا اکھاڑ ناجائز مگر اس کے لگائے ہوئے نہیں تو اپنے گھر لے جانے کا کوئی معنی نہیں۔ قبضہ اگر مسجد کی اشیاء پر متولیانہ ظاہر کرے تو حرج نہیں جبکہ متولی ہو اور مالکانہ ہو تو حرام۔

(۴) مسجد ہی کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ فنائے مسجد یعنی اس کے متعلق زمین اس کا بلاوجہ شرعی زائل کرنا اور نمازیوں کو تکلیف پہنچانا شرعاً ممنوع ہے، دوسرے یہ کہ عین مسجد میں اگر قبل تمام مسجدیت واقف نے لگایا تو باقی رکھا جائے گا اور اس کا ازالہ بھی ممنوع ہے اور اگر بعد تمام مسجدیت بانی نے خواہ اور کسی نے لگایا تو وہ لگانا حرام اور اکھاڑ دینا واجب۔

(۵) یہ حرام ہے اور اس کا ازالہ فرض، اور کرنے والا مسجد کا بدخواہ، اور دربارہ الٰہی کے ساتھ گستاخ۔

(۶) اس پر استحقاق لعنت ہے اور وہ خود ہی مسجد پر قبضہ مالکانہ کرنا چاہتا ہے دوسروں پر جھوٹا الزام رکھتا ہے۔

(۷) شنائع مذکورہ کے مرتکب فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی منع، اور پڑھ لی تو پھیرنا واجب، اور مسجد پر سے اس قبضہ ظالمانہ کا اٹھادینا لازم، اور شرعاً وہ ہر اس تعزیر کا مستحق ہے جو سلطان اسلام تجویز فرماتا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۲: مسئولہ سیٹھ آدم جی بر در دولت اعلیٰحضرت یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) مسجد میں چراغ تمام شب جلانا چاہئے یا یا جہاں تک نمازیوں کی آمد ورفت ہو وہاں تک؟

(۲) محراب مسجد کو یا دیوار قبلہ نقش ونگار اور سونے کا پانی چڑھانا اور رنگ دینا مکروہ ہے یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب:

(۱) وہاں کے عرف معہود پر عمل کیا جائے جہاں شب بھر روشن رہتا ہے جیسے مساجد طیبہ، مدینہ ومکہ معظّمہ وبیت المقدس وہاں شب بھر روشن رکھنا چاہئے ورنہ نصف شب کے قریب تک۔

(۲) مکروہ ہے کہ باعث شغل قلب نمازیان ہے مگر واقف نے کیا ہو تو ویسا ہی کیا جائے گا اور اس میں نیت تعظیم مسجد ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۴: از وزیر آباد ضلع گوجرانوالا مسجد شیخ لعل نور عالم امام مسجد یکشنبہ ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

بخدمت حامی سنت، قامع بدعت، عالم اہلسنت وجماعت، مرجع علمائے وفضلاء جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ۔

ہماری مسجد بسبب کہنہ ہونے کے شہید کرا کر از سر نو تعمیر کرائی جارہی ہے، بعض اصحاب کا خیال ہے

کہ نیچے دکانیں اور اوپر مسجد تعمیر ہو، تاکہ دکانوں کا کرایہ مسجد کے مصالح ومصارف پر وقتاً فوقتاً خرچ ہوتا رہے، اور بعض اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسجد کا احاطہ تحت الثرٰی سے عرش معلّٰی تک قابل احترام ہے دکانیں بنانے میں احترام نہیں رہتا کیونکہ مسجد کا گردا گردا بھی قابل احترام ہے۔ہاں اگر ابتداء بناء میں دکانیں بنائی جاتیں تو جائز تھا جیسا کہ لاہور میں مسجد وزیر خاں اور سنہری مسجد۔ مجوزین کہتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسجد کے اوپر امام کے لئے بالاخانہ جائز ہے، اور مسجد کا احترام جیسا کہ نیچے کے حصہ کا ویسا ہی اوپر کا، جب بالاخانہ بنانے سے احترام میں فرق نہیں آتا تو دکانیں بنانے میں کیا حرج ہے، حالانکہ فائدہ ہے۔ نیز مسجد تنگ ہو تو راہ کا کچھ حصہ اس میں ملالینا اور راہ تنگ ہو تو مسجد کا کچھ حصہ راہ میں ملا دینا جائز ہے، جب ضرورت کے وقت بلالحاظ احترام ایسا تغیر وتبدل جائز ہے تو دکانیں بنانے میں بھی چونکہ مسجد کے مصلحت کی ضرورت ہے کیوں جائز نہیں ہے اور عدم جواز کی کیا وجہ ہے؟ اور آج کل ضلع گوجرانوالا میں ایک مسجد شہید کرا کر نیچے دکانیں بنائی گئی ہیں اکثر علماء نے فتوی جواز کا دے دیا ہے حتی کہ فیصلہ عدالت حکام میں بطور نظیر رکھا گیا ہے، اور فتوی جواز عندالعلماء مسلم ہو چکا ہے۔ غیر مقلدین جواز کے قائل ہیں مگر ہمارا اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ کتابوں میں عدم جواز ہی دیکھا ہوا ہے البتہ تذبذب وتشتت ہو گیا ہے۔ لہٰذا خدمت میں گذارش ہے کہ خدا کے واسطے مطابق کتاب وسنت اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر جلد مرحمت فرمائیں تاکہ اس جھگڑے سے ہمیں نجات ملے، جواز یا عدم جواز جو حق ہو دلائل قاطعہ سے مدلل فرما کر جلد روانہ فرمائیں کیونکہ عمارت رکی ہوئی ہے اور دیر ہونے میں حرج ہوتا ہے۔ جزاکم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دکانیں قطعی حرام اور وہ بالاخانہ بھی قطعی حرام، ہاں وقت بنائے مسجد قبل تمام مسجدیت نیچے مسجد کے لئے دکانیں یا اوپر امام کے لئے بالاخانہ بانی بنائے اور اس کے بعد اسے مسجد کرے تو جائز ہے اور اگر مسجد بنا کر بنانا چاہے اگرچہ مسجد کی دیوار کا صرف اسارا اس میں لے اور کہے میری پہلے سے یہ نیت تھی ہرگز قبول نہ کریں گے اور اس عمارت کو ڈھادیں گے۔ درمختار میں ہے:

لو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدیة ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیة فاذاکان ھذا فی الواقف	اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کے لئے حجرہ بنادیا تو حرج نہیں کیونکہ وہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اس کو منع کیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ میرا شروع سے ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔ (تاتارخانیہ)

فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرۃ منہ ولان یجعل شیئا منہ مستغلا ولا سکنی بزازیۃ۔[1]	جب خود واقف کا حکم یہ ہے تو کسی اور کو یہ اختیار کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا ایسی عمارت کو گرانا واجب ہے اگرچہ صرف دیوار مسجد پر وہ استوار کی گئی ہو،اس کی اجرت لینا یا مسجد کا کوئی حصہ کرایہ کے لئے یا رہائش کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں (بزازیہ) (ت)

وقت ضرورت راہ کا حصہ مسجد میں ملالینے کے یہ معنی نہیں کہ راہ بدستور راہ ہے اور اسے مسجد کرلیا جائے جس سے مخالف احترام لازم آئے بلکہ اس پارہ راہ کو جب مسجد میں شامل کرلیا جائے گا وہ تمام احکام مسجد میں ہوجائے گا اور اسے گزرگاہ بنانا ناجائز ہوگا اور مسجد کو بایں معنی راہ بنانا کہ وہ مسجدیت سے خارج اور اس کا احترام ساقط اور راہ میں شامل ہوجائے ہرگز جائز نہیں۔مسئلہ کہ بعض کتب میں لکھا ہے اس کے معنٰی اور ہیں جس کی تفصیل و تحقیق دیکھنی ہو تو فقیر کا فتاوٰی یا ردالمحتار کا حاشیہ یا رسالہ مطبوعہ "قامع الواہیات لجامع الجزئیات" ملاحظہ ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۵: از راجپوتانہ ریاست کوٹہ مدرسہ انجمن اسلامیہ یوسف خاں مہتمم شنبہ ۱۸ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں معاملہ کہ یہاں پر قریب تین سو گز کے آبادی مسلمانوں کی ہے اور یہاں کی جامع مسجد میں علاوہ نماز جمعہ کے پنج وقتی نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہے اس میں مسافر لوگ باہر کے نمازی وغیر نمازی آکر ٹھہرا کرتے ہیں اور دن رات وہاں پر رہتے سوتے ہیں،یہ عمل قریب عرصہ تین چار سال سے جاری ہے،اور یہ بات مسلم ہے کہ حالت خواب میں انسان کو اپنے جسم کا خیال نہیں رہ سکتا،ایسے میں اگر احتلام بھی ہوجاتا ہو تو کیا عجب ہے اس کے دفع کے لئے بہت سے کوشش کی مگر ناکامی ہوئی حتی کہ ایسا عمل کرنے میں ان کے دیکھا دیکھی قصبہ کے مسلمانان بھی پورے طور پر عادی ہوگئے ہیں،ایسی حالت دیکھنے پر منع جو کیا گیا تو جواب ملا کہ بڑے بڑے شہروں میں یہ عمل ہوتا ہے اگر منع ہوتا تو وہاں پر لوگ ایسا نہ کرتے ہم نہیں مان سکتے جب تک کہ ہم کو کسی کتاب سے یا حدیث صحیح سے اس کے عدم جواز کے بارہ میں صاف طور آگاہ نہیں کردیا جائے،علاوہ ازیں ایک حافظ صاحب نابینا ٹونگ کے رہنے والے ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ صبح سے چار بجے تک حالت خواب میں رہتے ہیں،کبھی پیر قبلہ کی اور کبھی اوتر کی جانب رہتے ہیں۔گاہ بگاہ نماز جمعہ تک کے بھی ہاتھ نہیں آتے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

اور یہ صاحب طلبہ خورد سالہ کو جن کو اپنے پیروں کے ناپاکی سے بچانے کا خیال تک نہیں رہتا، جامع مسجد ہی میں درس دیتے ہیں، اور طلبہ صبح سے لے کر چار بجے تک وہاں پر ہی حاضر رہتے ہیں ان منع کیا گیا کہ آپ سمجھدار ہیں یہاں کا سونا اور بچوں کو اس جگہ تعلیم دینا بند کریں کیونکہ ان کے پیر ناپاکی میں آلودرہتے ہیں اور سونا مدرسہ اسلامیہ یا جس صاحب کے مکان پر رہتے ہیں یا جہاں پر علاوہ مسجد کے آپ پسند فرمائیں اختیار کریں جس سے نہایت غصہ میں آکر جواب دہ ہوئے کہ ہم نہیں مان سکتے تمہارا جو جی چاہے کرو، ایسی شکل میں ہمارے واسطے مسجد میں سونا درست ہے یا نہیں؟ اب قصبہ میں یہ مرض مسلمانوں میں دیکھا دیکھی زیادہ ترقی پر ہے، مسجد میں بخوبی رہتے ہیں، ایسی صور تہائے مذکورہ بالا میں ہمارے مذہب حنفی میں کیا حکم ہے؟ اس کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ بحوالہ حدیث صحیح کے نہایت شرح سے دیا جائے، **فقط**۔

الجواب:

صحیح راجح یہ ہے کہ معتکف کے سوا کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔ درمختار وغیرہ میں ہے:

کرہ النوم فیه الالمعتکف[1] الخ واستثنی بعضھم الغریب ولاحاجة الیه لانه یقدر علی ان ینوی الاعتکاف ویذکر اللہ تعالٰی قدر ماتیسر ثم یفعل ما یشاء[2]۔	مسجد میں غیر معتکف کے لئے سونا جائز نہیں الخ بعض نے مسافر کو اس حکم سے مستثنٰی کیا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اعتکاف کی نیت کرکے حسب استطاعت اللہ تعالٰی کا ذکر کرے اور پھر جو چاہے کرے (ت)

مسجد میں ناسمجھ بچوں کے لے جانے کی ممانعت ہے، حدیث میں ہے:

جنبوامساجدکم صبیانکم ومجانینکم[3]۔	اپنی مساجد کو اپنے ناسمجھ بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو۔ (ت)

خصوصًا اگر پڑھانے والا اجرت لے کر پڑھاتا ہو تو اور بھی زیادہ ناجائز ہے کہ اب کار دنیا ہو گیا اور دنیا کی بات کے لئے مسجد میں جانا حرام ہے نہ کہ طویل کار کے لئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الصلٰوۃ باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

مسئلہ ۲۴۶: از شہر مظفر پور محلّہ کلیانی حکیم ظہور الحق شنبہ ۱۸ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ ایک محلّہ میں شہر کے ایک مسجد پختہ مدت دراز سے قائم ہے اور کوئی معتبر شخص نہیں کہتا ہے کہ یہ مسجد زرحلال یا حرام سے کس طرح روپیہ سے بنی ہے اور بنانے والا کون ہے۔ مگر بعض اشخاص غیر معتبر کہتے ہیں کہ یہ مسجد ایک عورت کی بنوائی ہوئی ہے جس نے ایک ملازم سرکاری سے عقد کیا تھااور بعد عقد کے ظروف گلی کے بیچنے کا پیشہ کرتی تھی اور اپنی ظروف فروشی کے حلال روپیہ سے اس نے یہ مسجد بنوائی ہے چنانچہ قبر اس عورت کی صحن مسجد کے دالان میں موجود ہے اب مرمت وغیرہ مسجد مذکورہ کی مسلمانان محلّہ کے خرچ واہتمام سے ہوتی ہے اور برابر نماز پنجگانہ جماعت سے اس میں ہوتی ہے اور ایک شخص بمشورہ مسلمانان محلّہ ان دنوں اس کا متولی ہے اور اذان دیتا ہے اور نمازیں پڑھاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ مسجد ہماری نانی کی بنوائی ہوئی ہے مگر عندالناس یہ شخص شریف النسب نہیں ہے، پس اس صورت میں اس مسجد کو مسجد کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟اور نمازیں اس میں جائز ہوں گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد ضرور مسجد ہے اور اس میں نمازیں بے شک جائز اور بنانے والے کا شریف النسب نہ ہونا اگر ثابت بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بانی کی شرافت نسب کوئی شرط مسجد نہیں۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ "[1] الاٰیۃ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مسجدیں تو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (ت)

اور جب زر حرام سے ہونا معلوم نہیں تو شبہ ووہم کو دخل دینا بے معنی ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں فتاوٰی ذخیرہ سے ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

به ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں جب تک ہمیں کسی معین شیئ کے حرام ہونے کا یقین نہ ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی فی الهدایا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

مسئلہ ۲۴۷ تا ۲۵۰: از بریلی بازار صندل خاں مسئولہ نواب نثار احمد خاں صاحب یکشنبہ ۱۹ شوال ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان صورتوں میں کہ:

(۱) دو شخصوں نے ایک چاہ ومسجد بخیال آرام وآسائش ادائے نماز اپنی کے تعمیر کرائی اور وقف نہ کی، نیز دیگر مکانات بھی اس میں پہلے بنانے والے کے ملحق مسجد واقع تھے اور اب بھی ہیں، بنانے والے کے ورثاء ہمیشہ سے یکے بعد دیگرے انتظام مسجد کرتے چلے آئے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں مگر اس میں دیگر اشخاص نماز ادا کرنے لگے، اب چند اہل محلّہ ان مکانات وغیرہ کو متعلق مسجد خیال کرکے اس کی آمدنی اپنی رائے سے صرف وخرد برد کرنا چاہتے ہیں اور وارثان ہر دو اشخاص جن کے مورثوں نے مسجد و چاہ تعمیر کراکر وقف نہ کی وہ ان کے خرد برد سے آمدنی کو باز رکھنا چاہتے ہیں پس عندالشرع ایسے شخص غیر تعلقدار اپنی رائے سے آمدنی مسجد صرف وخرد برد کرسکتے ہیں یا نہیں؟ انتظام کس کی رائے سے ہونا چاہئے اور کس کی رائے سے نہ ہونا مناسب ہے، آیا غیر شخص کی رائے یا ان مورثوں کے ورثاء کے ہاتھ سے جنہوں نے مسجد وچاہ تعمیر کرایا ہے، اور اب بھی حسب ضرورت خرچ مسجد و امام وغیرہ ہی کرتے ہیں، صورت بالا میں مسجد بلاایماء بنوانے والے کے وقف سمجھی جائیگی یا نہیں اور بلاایماء بنوانے والے کے یا اس کے ورثاء کے غیر اشخاص کے ادائے نماز میں کوئی سقم واقع ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی شخص امام مسجد مثلاً طالب علم یا دیگر اہل محلّہ سے مسجد میں اگر جھگڑا کرے اور تحکمانہ برتاؤ کرے ایسی باتیں کرے جس میں کہ تمام اہل محلّہ وامام مسجد نالاں ہوکر مسجد میں آنا ترک کردیں تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے دیا جائے یا نہیں؟ باوجود مدد کرنے زر نقد وروٹی وغیرہ کے، اس پر اور اس کے ہم خیال وغیرہ پر کیا حکم شرع ہے؟

(۳) کانٹا ولوٹا ورسی وغیرہ سامان مسجد سوائے اپنے یا اپنے میل کے اشخاص کے کسی دوسرے شخص کو دینا پسند نہ کرے، اور اگر لیں تو جھگڑا کرے تو ایسے شخص پر کیا حکم شرع ہے؟

(۴) عالم پانی بھرنے والوں کو جو چاہ مسجد میں بھریں برا کہے اور روکے برخلاف اپنے میل کے اشخاص کے، تو ایسے شخص پر کیا حکم شرع ہے؟

الجواب:

(۱) مسجد اگر صورت مسجد پر بنائی اور راستہ اس کا شارع عام تک جدا کردیا اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بلاشبہ وہ مسجد ہوگئی اور اس کا یہ کہنا کہ بانی نے وقف نہ کی قابل قبول نہیں، یونہی اگر کنواں بناکر متعلق مسجد کردیا اس میں نماز وارثان بانی کی محتاج اجازت نہیں، ہاں اگر بہ ثبوت شرعی ثابت ہوکہ بانی نے کہا تھا یہ مسجد میں اپنے لئے بناتا ہوں وقف نہیں کرتا، یا اس کا راستہ اسی کی ملک میں ہوکر ہو

اور اس نے مسجد کے لئے راہ جدانہ کی تو وہ مسجد نہ ہوئی اگرچہ صورت اخیرہ میں اس نے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ میں نے اس کو وقف کیا، یوں اس میں نماز مسجد کا ثواب نہیں، نہ بے اجازت مالکان دوسرا پڑھ سکتا ہے، رہے دیگر املاک متصل مسجد ثبوت شرعی سے ان کا مسجد پر وقف ہونا درکار ہے بے اس کے کوئی ان میں تصرف نہیں کرسکتا وہ وارثوں کی ملک ہے ان کو اختیار ہے۔

(۲) جو شخص ناحق فتنہ اٹھاتا ہو اور اس کے سبب لوگ مسجد میں آنا ترک کردیں اسے مسجد سے روکنا جائز ہے جبکہ باعث اثارت فتنہ نہ ہو، درمختار میں ہے:

ویمنع منہ کل موذولو بلسانہ[1]۔	مسجد سے ہر موذی کو روکا جائے گا اگرچہ وہ زبانی ایذا پہنچاتا ہو۔ (ت)

اور اگر وہ کسی امر ضروری حق کی طرف بلاتا ہو اور لوگ اپنی جہالت کے سبب سے اس سے ناراض ہوں تو وبال انہیں پر ہے نہ کہ اس پر۔

(۳) مال وقف پر کوئی اپنا قبضہ نہیں کرسکتا، اگر ایسا کرے اور نمازیوں کو مسجد کی اشیاء سے انتفاع نہ کرنے دے تو وہ بھی موذی اور قابل اخراج۔

(۴) کنویں پر سے کسی مسلمان کے روکنے کا کسی کو حق نہیں، جب تک کوئی خاص وجہ شرعی نہ ہو اور جو ایسا فساد کرتا ہو بطرز مناسب اس کا انسداد واجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۱ تا ۲۵۳: ازالہ آباد مدرسہ سبحانیہ محمد نصیر الدین محلّہ سرائے گڈھا پنجشنبہ ۲۳ شوال ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد شاہی زمانہ کی لب سڑک تھی اس میں ایک درجہ پچھم جانب گنبد دار تھا اور مسجد کے پورب ودکھن جانب دکانات ہیں جن کی چھت مسجد کے فرش صحن سے، اب مسجد ہذا کی از سر نو تعمیر اس طور پر کی گئی کہ پچھم کی جانب بجائے ایک درجے قائم کئے گئے اور دکانات کی بھی چھت پر عمارت بنائی گئی جس کے ہر چہار طرف بڑے بڑے دروازے جواب بنائے گئے اور مسجد کی کرسی بھی اتنی بلند کی گئی کہ دکانوں کی چھت فرش مسجد سے برابر ہوگئی صرف چھ انگشت بمقدار درسہ دکانات کی چھت سے فرش مسجد اونچی ہے مسجد ہی کی طرف سے اس چھت پر آمد ورفت ہے، رمضان المبارک کے جمعوں میں اس قدر لوگوں کی کثرت ہوتی تھی کہ لوگ مسجد میں نہیں سماتے تھے سڑکوں پر صف قائم کرنے کی نوبت آتی تھی۔ اس ضرورت سے مسجد دومنزلہ بنائی گئی، مسجد کے اندر کے درجہ چھت پر ایک درجہ گنبدی بنایا گیا

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

اور اس برابر آگے کا درجہ اور تمام صحن مع عمارت بالائے سقف دکانات پاٹ دیا گیا گویا کہ نیچے اوپر دو مسجدیں ہوگئیں نیچے کی مسجد مع صحن و اپنے حوالی کے پٹی ہوئی ہوگئی اور اوپر ایک درجہ پٹا ہوا گنبدی اور اس کے ساتھ بہت بڑا صحن کھلا ہوا نکل آیا اور اوپر کے درجہ کے سامنے جو صحن ہے وہ محاذات مسجد سے دکھن جانب بڑھا ہوا ہے کیونکہ دکانات کی چھت کی عمارت کی سقف بھی شامل کرلی گئی ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اوپر کی مسجد کا جو صحن بغرض وسعت دکھن کی طرف بالائے سقف دکانات بڑھا ہوا ہے وہ مسجد ہے یا نہیں؟

۲دوم: یہ کہ دکانات مذکورہ کی چھت پر یا اس کے بالائے عمارت کے سقف پر معتکف جاسکتا ہے یا نہیں؟

۳سوم: یہ کہ اوپر کے مسجد پر صحن میں جب امام محراب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو دکھن کی جانب صف بڑھ جاتی ہے ایسی حالت میں امام کچھ ہٹ کر دکھن کی جانب کھڑا ہوتا ہے کہ دونوں جانب صف برابر رہے یا خود محراب کے سامنے کھڑا ہو اور مقتدیوں کو زائد حصہ میں دکھن کی جانب کھڑے ہونے سے روکے اور اپنے پیچھے دونوں طرف صف برابر قائم کرنے کا حکم دے کیونکہ امام کے پیچھے دور تک بہت جگہ باقی رہتی ہے، فقط

الجواب:

اگر وہ دکانیں متعلق مسجد اور اس پر وقف ہیں اور مسلمانوں نے ان کی سقف کو داخل کرلیا تو وہ سقف بھی مسجد ہوگئی،

ولا یضر کون الحوانیت تحتہ لکونہا وقفا علیہ وجاز اخذ ملك الناس کرھا بالقیمۃ عند ضیق المسجد فکیف بما ھو وقف علیہ[1] کما فی ردالمحتار۔	مسجد کے نیچے دکانوں کا ہونا مضر نہیں کیونکہ وہ مسجد پر وقف ہیں، اگر مسجد تنگ ہو تو لوگوں کی مملوکہ جگہ قیمت کے بدلے جبراً لے کر مسجد میں توسیع کرنا جائز ہے تو جو مسجد پر وقف ہو اس کو شامل مسجد کرنا کیونکر جائز نہ ہوگا، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے (ت)

ان دکانوں کی چھت پر اور ان کی بالائی عمارت کی سقف پر معتکف جاسکتا ہے،

لانہا کانت من فناء المسجد ولا طریق فاصل بینہما فکیف وقد صارت من المسجد۔	کیونکہ وہ فناء مسجد ہے اور درمیان میں کوئی راستہ جدائی ڈالنے والا نہیں اور کیسے ناجائز ہوگا جبکہ وہ مسجد ہی کا حصہ ہوگیا ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰ و ۳۸۴

اگرامام محراب کے سامنے کھڑا ہو اور اپنے توسط کے لئے صف پوری نہ کرنے دے تو گناہ و ناجائز ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ[1]۔	حضورانور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو صفوں کو ملائے اللہ تعالٰی اس کو وصل عطا فرماتا ہے اور جو صفوں کو قطع کرے اللہ تعالٰی اس کو منقطع فرماتا ہے (ت)

اور خود محراب کے سامنے کھڑا ہو اور صف پوری ہو کر ایک جانب بڑھ جائے تو مکروہ اور خلاف سنت ہے

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توسطوا الامام[2]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ امام درمیان میں ہو۔ (ت)

بلکہ یہ چاہئے کہ صف پوری کی جائے اور صف کا جہاں وسط ہو امام محراب چھوڑ کر وہاں کھڑا ہو اس بیرونی حصہ کے لئے یہی جگہ محراب ہے نص علیہ فی ردالمحتار التفصیل فی فتاوٰنا (ردالمحتار میں (علامہ شامی) نے اس پر نص فرمائی اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) مگر یہ معلوم رہے کہ مسجد کی چھت پر بلاضرورت جانا منع ہے اگر تنگی کے سبب کہ نیچے کا درجہ بھر گیا اوپر نماز پڑھیں جائز ہے اور بلاضرورت مثلاً گرمی کی وجہ سے پڑھنے کی اجازت نہیں کما نص علیہ فی الفتاوٰی عالمگیریۃ (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیریہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۴: مسئولہ شمس الدین از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف مسجد گودام چرم دوشنبہ ۷ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص ایک مسجد میں خلاف تہذیب و ناشائستہ حرکات کرتے ہوئے مثلاً کسی وقت اس میں لڑے، گالی گلوچ تک نوبت پہنچی اور بہت شور و شغب کیا، کسی وقت مسخرہ پن کیا، ایک نے دوسرے کا تہبند کھول دیا، بعض وقت کسی کی مقعد میں انگلی کردی، کبھی مؤذن کی آواز پر ہنسے قہقہے اڑائے۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر ایک شخص نے ناصحانہ حیثیت سے محض نصیحت اور سمجھانے کے طور کہا کہ بھائیو! مسجد خانہ خدا ہے اس کے اندر تم کو یہ افعال جائز نہیں ہیں، اور غور کرو کہ مسجد کی حرمت اور تعظیم ہم پر اور تم پر اور ہر مسلمان پر ہر وقت ضروری اور فرض ہے، تو ان لوگوں نے اس کی بات کو نصیحت اور خیر خواہی نہ سمجھ کر تعصب اور نفسانیت تصور کرکے خلاف منشاء ناصح کے جواب دیا، اس پر ناصح مذکور نے کہا کہ

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مقام الامام من الصف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۹، السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب مقام الامام من الصف دار صادر بیروت ۳/ ۱۰۴

مسجد نماز اور ذکر خدا کے لئے گئی ہے بیہودہ باتوں کے لئے نہیں ہے۔ مسخرہ پن کرنا چاہتے ہو تو دوسری مسجد تلاش کرو۔اس بات پر اکڑ گئے کہ تم نے مسجد پر مالکانہ دعوی کیا اور ہم کو مسجد سے نکال دیا اور اب دوسری مسجد بنانا چاہتے ہیں اور مسجد اول کی ویرانی اور جماعت کم ہوجانے کا کچھ خیال نہیں کرتے، کیا باوجود تخریب مسجد اول اور تقلیل جماعت ان کو مسجد ثانی بنانا جائز ہے؟ یا دوسری مسجد ضرار کہلائے گی؟ **فقط۔**

الجواب:

اگر یہ واقعی اسی طرح ہے اور ان کی نیت فاسد ہے تو ضرور دوسری مسجد بنانے کی ان کی اجازت نہیں، بوجہ فساد نیت وہ مسجد حکم ضرار میں ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵ تا ۲۵۶: مرسلہ عبدالغنی، حاجی کریم بخش صاحب از مقام کمپ ڈیسہ علاقہ ریاست پالن پور ۸ صفر ۱۳۳۵ھ

حضرات علمائے دین کی خدمت میں مسائل شرعی دریافت طلب پیش ہیں:

مسئلہ اول: قدیمی جامع مسجد کو ترک کرکے دوسری مسجد کو مسجد جامع قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور قدیمی جامع مسجد ترک کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کی نسبت یہ اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ میں خود بخود منہدم ہوجائے کیونکہ اس کے دو جانب برساتی نالے فراخ ہوتے جاتے ہیں اور مسلمان اس قدر مقدرت نہیں رکھتے کہ نالوں کو پٹوا کر مسجد کو محفوظ کرسکیں اور اس کے علاوہ ان نالوں کو سوائے سرکار انگریزی کے دوسرے شخص کو بند کرانے کا مجاز بھی نہیں، اور جس مسجد کو مسجد جامع قرار دینا چاہتے ہیں وہ جامع مسجد سے محکم اور فراخ بھی ہے، تو ایسی صورت میں دوسری مسجد کو جامع قرار دینا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ: کسی ایسے ہندو یا انگریز حاکم کا روپیہ جو اسلام کی طرف قلبی توجہ رکھتا ہو مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

(۱) جائز ہے، اور اس مسجد اول کی محافظت تاحد قدرت فرض ہے۔

(۲) ایسی ضرورت کی حالت میں جیسی اوپر مذکور ہوئی کہ مسجد شہید ہوجائیگی اور مسلمانوں میں طاقت نہیں جائز ہے **لان الضرورات تبیح المحظورات**[1] (کیونکہ مجبوریاں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

مسئلہ ۲۵۷: ازکالاکانکر ضلع پرتاب گڈھ ۲۲صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان نے ایک مسجد کی بناایسی جگہ ڈالی ہے جہاں کبھی مسجد نہ تھی اور وہاں کے ہنود باشندے مسجد کے بننے کو روکتے، لیکن زید مسلمان نے اپنی خوشامد سے مسجد کی بنیاد قائم کردی لیکن اسی مقام کا عمرو خود اس امر کی کوشش اہلکاروں زمینداروں سے کی اور ملازم زمیندار کو اس موقع پر لاحاضر کیا کہ اس مسجد کی بنیاد میرے گھر کی طرف چھ انگل بڑھی ہوئی ہے، اس مسجد کی دیوار چھ انگل ادھر بنانی چاہئے لیکن باقی مسجد زید نے اپنی خوشی سے اور خوشامد کے باعث اپنی منزل مقصود کو پہنچے اور جب عمرو مسلمان اپنے مقصد کو نہ پہنچا تو ایک ہندو کو ورغلا کر اس امر پر آمادہ کیا کہ مسجد کی دیوار تیرے مکان کی دیوار کی طرف بڑھا کر اٹھائی جارہی ہے تو روک دے ورنہ تجھ کو اس مسجد کی دیوار کی وجہ سے نقصان ہوگا لیکن زید مسلمان نے اپنی چالاکی سے بمقابلہ ہندو اور عمرو مسلمان قائم ہی کردی اور عمرو مسلمان کی کچھ نہ چلی، ایسے شخص کے ساتھ ازروئے حکم خدا اور سول کیا برتاؤ رکھا جائے اور اس کے یہاں کا کھانا پینا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل نے نہ بتایا کہ واقع زید نے چھ انگل ملک عمرو زمین میں شامل کرکے اسے مسجد کرنا چاہا ہے یا واقع میں ایسا نہیں اور عمرو کا دعوی جھوٹا ہے اگر فی الواقع صورت اولٰی ہے تو مسجد مسجد نہیں، اور عمرو نے جو کچھ برتاؤ برتے اس صورت میں اس پر الزام نہیں اور ایسا تو بلاشبہہ عمرو بدخواہ مسجد اور سخت سے سخت ظالموں میں ہے،

قال اللہ تعالٰی عزوجل: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾"[1]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں یاد الٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو نہیں پہنچتا تھا کہ اس میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

اس حالت میں اس کے ساتھ کھانا پینا، میل جول نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

مسئلہ ۲۵۸: مرسلہ محمد حسن فاروقی ضلع پورنیہ ڈاکخانہ اسلام پور بھوجاگاؤں ۲۲صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد زمانہ دراز سے قائم تھی جس کو زید نے توڑ کر جگہ سابق سے دوسری جگہ پر یعنی دس بارہ ہاتھ یاایک رسی کے فاصلہ پر بنادی ہے اور اس مسجد کی جو لکڑی پرانی ہوگئی تھی اسکو اپنا کھانا پکانے میں جلادی ہے توکیامسجد ایک جگہ سے توڑ کر دوسری جگہ بنادینااور اس کی لکڑی کو اپنے تصرف میں لانا درست ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ جس جگہ پر وہ مسجد پہلی قائم تھی بعد توڑدینے مسجد کے وہ جگہ جہاں پر وہ مسجد تھی ویسا ہی خالی پڑی رہے یاکہ اگر کوئی چیز پیدا ہو تو بوئی جائے۔

الجواب:

یہ فعل کہ زید نے کیاحرام محض ہے، مسجد نہ توڑی جاسکتی ہے نہ بدلی جاسکتی ہے، نہ اس کی لکڑی وغیرہ کوئی چیز اپنے مصرف میں لائی جاسکتی ہے،

قال اللہ تعالٰی: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾"[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں یاد الٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو نہیں پہنچتا کہ اس میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایجوز نقلہ ولانقل مالہ الی مسجد اٰخر[2]۔	مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں (ت)

نہ اس میں کچھ بونا یااور کوئی تصرف کسی طرح حلال ہوسکے بلکہ زید پر فرض ہے کہ اسے بدستور پہلی طرح بنادے۔

فان الضمان فی بناء الوقف باعادتہ	عمارت وقف میں ضمان یہ ہے کہ اس کو پہلے کی طرح

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

کما کان بخلاف سائر الابنیة[1] کما فی الدر وغیرہ۔	دوبارہ بنائے بخلاف دیگر عمارات کے ضمان کے، جیسا کہ درو غیرہ میں ہے (ت)

یہ دوسری مسجد جو اس نے بنائی اگر اپنی زمین میں بنائی اور اسے مسجد کردیا تو یہ بھی مسجد ہوگئی اس کا بھی باقی رکھنا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹: مرسلہ سعادت خاں نابینا مسجد ندی قصبہ مہد پور ریاست اندور ملک مالوہ یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

مسجد کے احاطہ کے اندر درختوں میں سے یا مسجد کی ملک کے درختوں میں سے کسی درخت کا پھل یا پھول بلاادائے قیمت کھانا یا لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ پیڑ مسجد پر وقف ہیں تو بلاادائے قیمت جائز نہیں ورنہ مالک کی اجازت درکار ہے اگرچہ اسی قدر کہ اس نے اسی غرض سے لگائے ہوں کہ جو مسجد میں ہوں ان سے تمتع کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۰: مرسلہ محمد نصیر الحق امام مسجد مالدہ محلّہ بی بی گاؤں ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قدیم جامع مسجد نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ میں اضافہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ایک قطعہ زمین اسی مسجد کی ملحق ایک مسلمان زمیندار کا تھا اور اس کو زمیندار نے ایک شخص کے ساتھ مدامی بندوبست کچھ خزانہ معینہ پر کردیا تھا خزانہ باقی رہنے کی وجہ سے زمیندار نے نالش کرکے اس زمین کو نیلام کرایا، اس کو ایک مسلمان نے خرید لیا، اور اس خریدار نے ایک حصہ اس زمین کا وقف کرکے مسجد کے ساتھ ملحق کردیا، کیا وہ حصہ ملحقہ مسجد کے حکم میں ہوا یا نہیں؟ یہاں کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوا حالانکہ خریدار اس زمین پر ہر قسم کے تصرف کرنے کا مجاز ہے، زمیندار کو بجز زر خزانہ معینہ کے نہ تو حق انتزاع رکھا ہے نہ اپنی حقیت زمینداری کے باعث اس زمین پر کسی قسم کا تصرف کرسکتا ہے، اگر زمیندار اسی قطعہ زمین میں مسجد یا کنواں یا مسافر خانہ بلامرضی خریدار کے بنانا چاہے تو بالکل نہیں بنا سکتا اور خریدار کو یہ سارے حقوق حاصل ہیں، ایسی صورت میں جو حکم شرع شریف ہو بحوالہ کتب وعبارت تحریر کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ وقف صحیح اور وہ قطعہ مسجد ہوگیا۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۷، ردالمحتار کتاب الغصب مطبوعہ بیروت ۵/ ۱۱۵

الصحیح الصحۃ ای اذاکانت الارض محتکرۃ کما علمت،وعن ھذا قال فی انفع الوسائل انہ لوبنی فی الارض الموقوفۃ المستاجرۃ مسجدا انہ یجوز،قال واذاجاز فعلی من یکون حکرہ،والظاہر انہ یکون علی المستاجر مادامت المدۃ باقیۃ،فاذاانقضت ینبغی ان یکون من بیت مال الخراج واخواتہ ومصالح المسلمین[1] اھ فاذا کان ھذافی ارض مستاجرۃ وما جعل مسجدا غیربناء مجرد فماظنک بارض مشتراۃ وقد جعلت ھی مسجدا فالحکراذا لم یمنع ثم فھھنا بالاولی۔واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	صحیح حکم صحت ہی ہے جبکہ زمین محتکرہ ہو(یعنی وہ زمین موقوف جس کی اجرت بطور ماہانہ یا سالانہ مقرر ہو گئی ہو) جیسا کہ تو جان چکا ہے اسی بنیاد پر انفع الوسائل میں فرمایا کہ اگر اجرت پر لی ہوئی زمین موقوف میں کسی نے مسجد بنادی تو جائز ہے اور جب جائز ہو گئی تو حکر کس پر ہو گی اور ظاہر یہ ہے کہ جب تک مدت اجارہ باقی ہے مستاجر پر ہو گی اور اختتام مدت کے بعد خراج وغیرہ مصالح مسلمین کے لئے بنائے ہوئے بیت المال پر ہو گی اھ توجب یہ حکم مستاجرہ زمین کا ہے اور اس میں بنائی گئی مسجد عمارت کے علاوہ کچھ نہیں تو خریدی ہوئی زمین کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے درانحالیکہ اسے مسجد بنادیا گیا ہو تو حکر جب وہاں مانع نہیں تو یہاں بدرجہ اولی مانع نہ ہوگا۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۱تا۲۶۲: مرسلہ حافظ عبدالستار صاحب مچھلی بازار کانپور ۱۲جمادی الاول ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کانپور کی ایک مسجد میں پاخانہ متعلق مسجد واقع ہے اور ایک کمرہ متعلق مسجد ہے اس کی نالیان پانی بہنے کی اور پاخانہ کی سنڈاس کمانے کا راستہ سرکاری گلی میں جانب پچھم ہمیشہ سے جاری تھا،میونسپل بورڈ نے جانب پچھم اور دکھن کے مکانات توسیع سڑک کے لئے لے کر راستہ بطور سڑک بنالیا اور وہ گلی جانب پچھم کی کالعدم کردی اور مسجد کے پچھم کی بقایا زمین بعد نکالے جانے سڑک کے فروخت کردی،اب میونسپل بورڈ متولی مسجد کو حکم دیتا ہے کہ جس قدر جگہ جانب پچھم پاخانہ سنڈاس کمانے کو اور نالیاں جاری رکھنے کو درکار ہے جانب دکھن میونسپل بورڈ دیتا ہے،متولی مسجد سنڈاس کارخ دوسری طرف پھیرے اور نالیاں بھی اس طرف سے جاری رکھی جائیں،اگر متولی کے پاس روپیہ مسجد کانہ موجود ہو تو صرف رضامندی دے دی جائے تاکہ میونسپل بورڈ اپنے صرفہ سے نالیاں اور سنڈاس بنادے اور کسی قسم کاحرج مسجد کانہ ہونے پائے۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

(۱) کیا متولی شرع کے مطابق ایسی رضامندی دے سکتا ہے کہ سرکار کی طرف سے بنائی جائے۔
(۲) کیا پچھم کی طرف سے جو نالیاں یا سنڈاس کمانے کا دروازہ ہے اس کے بدلے جانب دکھن سرکاری زمین لے کر مسجد کی آمدنی سے متولی اس کو درست کراسکتا ہے اگر مسجد کی آمدنی نہیں صرف کر سکتا ہے تو چندہ کرکے اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے زمین وقف میں کوئی تبدیل نہیں، صرف رخ پھیرنا ہے اور کمانے کا راستہ اور پانی کا نکاس پہلے بھی زمین وقف میں تھا اس تبدیل کا جواز جائے تامل نہیں، مگر مسجد کی آمدنی مصالح مسجد کے لئے ہوتی ہے اور یہ کام مصالح شارع عام کے لئے ہے مصلحت مسجد اس سے متعلق نہیں، لہٰذا آمدنی مسجد اس میں صرف نہیں ہو سکتی۔ چندہ کا اختیار ہے اور اس میں حرج نہیں کہ میونسپلٹی کی سڑکوں کے مصالح اس سے متعلق ہیں اپنے صرف سے بنا دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۳: مرسلہ منشی ابراہیم صاحب قصبہ گودھرہ ضلع پنچ محل مدرسہ فیض عام ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۳۵ھ

حضرت مولانا و مقتدانا مولوی احمد رضا خان صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ایک فتوی تصحیح کے لئے دو سوال جواب کے لئے خدمت والا میں بھیجے تھے ان کا جواب نہیں ملا، معلوم نہیں کہ یہ مرسلہ خطوط جناب تک پہنچے یا نہیں، صاحب تفسیر بیان القرآن نے "وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا"[1] کے تحت میں مسئلہ کرکے یہ لکھا ہے کہ بعض علمائے کہا جو فخر وریا سے مسجد بنائی جائے اس مسجد کو مسجد کہنا نہ چاہئے ان بعض علماء پر مجھ کو کلام ہے، بعض علماء سے مراد کشاف ومدارک واحمدی وغیرہ ہیں، اور اسی بناء پر یہ جواب لکھا گیا ہے جو مرسلہ خدمت والا ہے صاحب بیان کا اعتراض درست ہے یا نہیں؟ کیا صاحب کشاف وغیرہ کے قول پر انکے قول کو ترجیح دی جائے گی؟ جواب کا منتظر ہوں، مرسلہ سوال وجواب میں حضور کی کیا رائے ہے تحریر فرمائیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک محلّہ کی مسجد میں عرصہ پندرہ بیس سال سے ایک امام مقرر تھا بعض لوگوں نے بعض وجوہ سے اس کو برطرف کیا، بعض لوگوں کو امام قدیم کا برطرف کرنا ناگوار معلوم ہوا، ہر چند اس فریق نے یہ چاہا کہ امام قدیم کو قائم رکھا جائے، لیکن فریق اول نے جنہوں نے امام قدیم کو برطرف کیا تھا نہ مانا، بناء بریں جھگڑے نے ترقی پکڑی یہاں تک کہ فریق اول نے جھگڑے کے اندیشہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

کی وجہ سے مسجد کے دروازہ پر پولیس کو لاکے بٹھادیا تاکہ کسی قسم کا فتنہ نہ ہونے پائے۔فریق ثانی نے پولیس کے خوف کے مارے اس وقت نماز وہاں نہ پڑھی، دیگر مساجد میں پڑھی، اور بعد میں بھی وہ کچھ عرصہ تک دیگر مساجد میں پڑھتے رہے اس لئے کہ یہ فریق جدید امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے تھے، آخر کار ایک قدیم مسجد جو کہ ویران پڑی ہوئی تھی (اس میں کبھی کبھی نماز باجماعت ہوئی ہے) اور یہ مسجد اتنی بڑی تھی کہ جس میں سوسوا سوآدمی نماز پڑھ سکیں غرضیکہ مسجد مذکور کو آباد کیااور کچھ دنوں کے بعد اس مسجد کی قدیم بناء کو گراکر اور کچھ زمین گرد سے لے کر کچھ وسعت کے ساتھ تیار کی، اب اول فریق یہ کہتا ہے کہ مسجد مذکور ملک غیر میں بنی ہے اور حسد سے بنی ہے اس وجہ سے یہ مسجد ضرار ہے۔اور فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ یہ مسجد وقف ہے، پس کیا یہ مسجد ضرار ہوسکتی ہے؟اور اس کی بناء کو کھود کر پھینک دیا جائے؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت سوال ملاحظہ ہوئی، اس مسجد کو ضرار سے علاقہ ہونے کے کیا معنی، انہوں نے مسجد کا احداث بھی تو نہ کیا بلکہ مسجد قدیم کا احیاء کیا ہے اور مسجد قدیم **معاذاللہ** ویران ہوجائے حتی الوسع اس کا احیاء فرض ہے، کہاں فرض اور کہاں ضرار، اور اگر بالفرض نئی مسجد بناتے جب بھی اسے ضرار سے کوئی تعلق نہ ہوتا کہ مسجد اللہ ہی کے لئے بنائی اور نماز ہی پڑھنی مقصود ہے نہ کہ دوسری مسجد کو نقصان پہنچانا، اور جماعت المسلمین میں تفرقہ ڈالنا، اس کی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے، جو شخص بنام مسجد کوئی عمارت تیار کرے جس سے تقرب الی اللہ مقصود نہ ہو بلکہ محض ریا و تفاخر کی نیت ہو تو وہ بیشک مسجد نہیں ہوسکتی کہ مسجد وقف ہے اور اس کا قربت مقصودہ کے لئے ہونا ضرور، اور ریا و تفاخر قربت الی اللہ نہیں بلکہ بعد عن اللہ ہیں، امام نسفی صاحب مدارک نے ایسی ہی مسجد کو حکم ضرار میں فرمایا ہے، اور اگر مسجد بنائی اللہ ہی کے لئے اور وہی مقصود ہے اگرچہ اس کے ساتھ ریا و تفاخر کا خیال آگیا تو وہ ضرور مسجد ہے اگرچہ اس کے ثواب میں کمی ہو یا نہ ملے۔صاحب بیان القرآن کا شبہ اسی صورت پر محمول ہے **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ آیا مسجد کی دیواریں ہمسایوں کے ساتھ مشترک کرنا شرعًا جائز ہے(الف) نصف لاگت دیواروں کی ہمسائے لگائیں اور نصف لاگت مسجد کا خرچ ہو(ب) کل لاگت مسجد ہو۔مسجد قدیمی کی دیواروں پر ہمسایہ کی شہتیر رکھی ہوئی تھی اور (الف)اور نشانات اشتراک نہ تھے(ب)اور نشانات اشتراک تھے۔کہنہ مسجد کو مسجد کی لاگت پر گرایا گیااور مسجد کے

روپوں کا امین وہی ہمسایہ تھا جس کے شہتیر مسجد کی دیواروں پر تھے۔اس نے مسجد کی لاگت سے کل دیواریں اسی طرح بنوائیں جس سے بداہۃً اشتراک معلوم ہوتا ہے یعنی اپنی طرف جالی اور الماریاں حسب مرضی خود بلارضامندی دیگر مصلیان کے رکھوالئے، کیا یہ فعل لہابیہ کا شرعًا جائز ہے۔ بصورت (الف) وبصورت (ب) کیا ان دیواروں پر ہمسایہ مذکور بالاخانہ ہائے تیار کرسکتا ہے اور بطور ملکیت خود ان دیواروں کو استعمال کرسکتا ہے، بصورت (الف) وبصورت (ب) کیا بقول لھابیہ نصف دیوار اس کی ہے نصف دیوار کی تختہ زمین چھوڑ کر از سر نو دیواریں واحد ملکیت مسجد بلااشتراک تحریر چڑھانا جائز ہے یا ضروری ہے کیا ایسے مشترک دیوار والی مسجد پر "**الوقف لایملک**" صادق آتا ہے اور ایسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے ثواب جو مسجد میں ادا کرنے پر وارد ہوتا ہے ملتا ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[1] مسجدیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔مسجد ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی شش جہت میں جمیع حقوق عباد سے منزہ ہو اگر اس کے کسی حصہ میں بھی ملک عبد باقی ہے تو مسجد نہ ہوگی۔ہدایہ میں ہے:

من جعل مسجدا تحته سرداب، او فوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزله عن ملکه، فله ان یبیعه وان مات یورث عنه لانه لم یخلص لله تعالٰی لبقاء حق العبد متعلقا به[2]۔	جس شخص نے مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ یا اوپر کوئی مکان ہے اور مسجد کا دروازہ اس نے بڑے راستہ کی طرف کردیا اور اس کو اپنی ملک سے الگ کردیا تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اسے بیچ دے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی کیونکہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہیں ہوئی اس سے حق عبد متعلق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وکذٰلك ان اتخذ وسط دار مسجدا واذن للناس بالدخول فیه، یعنی	کسی نے اپنے گھر کے درمیان میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دے دی

---

[1] القرآن الکریم ۷۲ /۱۸

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲ /۶۲۴

له ان یبیعه ویورث عنه لان المسجد مالایکون لاحدفیه حق المنع(الی ان قال)فلم یصر مسجدا لانه ابقی الطریق لنفسه فلم یخلص للّٰه تعالٰی[1]۔	اگر تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو مذکور ہوا یعنی اسے فروخت کرسکتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث بھی جاری ہوگی کیونکہ مسجد وہ ہوتی ہے جس سے روکنے کا حق کسی کو نہ ہو (یہاں تک کہ فرمایا) پس) چونکہ اس نے راستہ اپنے لئے باقی رکھا ہے لہٰذا وہ مسجد نہ ہوئی اسلئے کہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہ ہوئی۔(ت)

پس اگر اس مسجد کی دیواریں واقع میں مشترک ہیں ان میں کچھ حصہ عبد کا بھی ہے تو وہ مسجد سرے سے مسجد ہی نہیں، نہ اسمیں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب، وہ بانی کی ملک ایک مکان ہے جسے وہ بیچ سکتا ہے اور مرجائے تو ترکہ میں تقسیم ہوگا **کما مر عن الهدایة** (جیسا کہ ہدایہ سے گزرا۔ت) اور اگر واقع میں مشترک نہیں، اس متولی نے غاصبانہ اشتراک کر رکھا ہے تو فرض ہے کہ اسے تولیت سے خارج کردیں اور وہ نشانات جو اس نے اپنے اشتراک کی علامت بنائے ہیں سب مٹادیں اور شہتیر وغیرہ جو کچھ اس کا مسجد کی دیوار پر رکھا ہے سب گرادیں، اور جتنے برسوں رکھا رہا اتنے کا کرایہ دیوار مسجد کا اس سے وصول کریں، اور اب اگر کوئی عمارت دیوار مسجد پر بنانا چاہے نہ بنانے دیں، اور اگر بنالی ہو بجبر حکومت فوراً منہدم کرادیں۔ درمختار میں ہے:

وبنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیة، فاذاکان هذافی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولوعلی جدار المسجد[2]۔	اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے، لیکن جب مسجد تام ہوگئی اب وہ حجرہ بنانا چاہے تو اس کو نہیں بنانے دیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ شروع سے میرا ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہیں کیجائیگی (تاتارخانیہ) جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کو گرانا واجب ہے اگرچہ فقط دیوار مسجد پر بنایا گیا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر لایوضع الجذع علی جدار المسجد	بحر میں ہے مسجد کی دیوار پر لکڑی نہیں رکھی جائیگی

[1] الهدایة کتاب الوقف المکتبة العربیه کراچی ۲/ ۶۲۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

وان کان من اوقافہ اھ قلت وبہ علم حکم مایصنعہ بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جدارہ فانہ لایحل ولو دفع الاجر [1]۔	اگرچہ وہ اوقاف مسجد میں سے ہو اھ میں کہتا ہوں اس سے مسجد کے بعض پڑوسیوں کے اس فعل کا حکم معلوم ہوگیا جو وہ دیوار مسجد پر کڑیاں رکھتے ہیں کہ یہ ان کے لئے حلال نہیں اگرچہ وہ اس کی اجرت دیں۔(ت)

مسئلہ ۲۶۵: از گونڈل کاٹھیاوار مرسلہ عبدالستار اسمٰعیل رضوی ۸صفر ۱۳۳۶ھ

ایک مسجد میں قریب ایک صدی سے فرش پتھر کا بچھا ہوا تھا جس کو اب لوگوں نے نکال کر دوسرا فرش بچھایا ہے، اب اس نکلے ہوئے فرش کے پتھر کو کسی اور کام میں لاسکتے ہیں یانہیں؟ یا کوئی اور مسجد کے کسی کام میں استعمال کرسکتے ہیں یانہیں؟ اگر اس پتھر کی ضرورت کسی اور مسجد میں بھی نہ ہو اور ان کو حفاظت سے رکھنے کے لئے جگہ کی بھی تنگی ہو یا ان کو سنبھال رکھنے میں اور اخراجات ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں ان کو فروخت کرکے ان کی قیمت اس مسجد کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب:

انہیں فروخت کرکے وہ قیمت خاص اسی مسجد کے خاص عمارت میں صرف کی جائے، تیل بتی وغیرہ میں نہیں اور اس وقت مسجد کو عمارت کی حاجت نہ ہو تو اس کی آئندہ ضرورت کے لئے محفوظ رکھی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۶ تا ۲۷۱: از رنگون مغل اسٹریٹ پوسٹ بکس ۲۴۲ مال کمپنی مرسلہ سید فضل اللہ ولد سید غلام رسول صاحب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک قصبہ میں مثلاً تین مسجد آباد ہیں اور نماز جمعہ وعیدین مسجد جامع میں ادا ہوتی ہیں اور اس جامع مسجد میں تمام ضروری اشیاء مثلاً فرش، دری، چٹائی، جھومر، قنادیل، لیمپ وغیرہ اہل قصبہ چندہ فراہم کرکے خاص مسجد کے لئے خرید کر جمع رکھتے ہیں اور اسی قصبہ کے بعض تجار دوسرے ملک سے مسجد کے لئے بھیجتے رہتے ہیں اور بھیجنے والوں کے حسب منشاء وہ چیز خرید کرکے مسجد میں رکھ دی جاتی ہے یا بعض وقت خاص مال مسجد سے مذکورہ بالا چیزیں خرید کی جاتی ہیں اور یہ کل چیزیں مسجد جامع ہی میں رہتی ہیں اور بوقت ضرورت رمضان المبارک وشب قدر وشبہائے متبرکہ میں استعمال ہوتا ہے اور فرش چٹائی وغیرہ کا عیدین میں اسی مسجد میں کام آتا ہے اور جملہ اسباب اسی جگہ پر رہتا ہے، نہ کرایہ پر دینے کے لئے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

ہے کیونکہ چندہ دینے اور لینے والوں نے خاص اس جامع مسجد ہی میں اشیائے مذکورہ کے لئے چندہ دیا ہے پس جس کو جو میسر آیا بلاقیدوشرط و بلاتصریح دے دیا، اب اہل قصبہ یا اور کوئی جس نے چندہ دیا ہو یا نہ دیا ہو خود اپنے کسی کام یا کسی تقریب میں مثلاً وعظ، مولود یا شادی وغیرہ میں مسجد کی کوئی شے مثل بتی، لیمپ وفرش، دری، چٹائی وغیرہ اپنے کام میں برتنے کے لئے کرایہ سے یا بے کرایہ سے لے جائے تو یہ مسجد کی چیزوں کا دوسری جگہ میں استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس قصبہ میں ۲۵ سال قبل عیداضحیٰ عیدگاہ میں ہوا کرتی تھی اس وقت تمام فرش ومنبر وغیرہ تمام حاجت کی چیزیں ریاست سچین سے نواب صاحب کی طرف سے آیا کرتی تھیں اور اختتام نماز پر وہ وہ کل چیزیں واپس ہمراہ لے جایا کرتے، امسال جدید عیدگاہ قائم ہوجانے سے عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھی اور جامع مسجد کی چٹائی وغیرہ لاکر بچھائی گئی، بعد نماز ختم جو چیز یہاں کی تھی وہاں بلانقص پہنچادی گئی تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسجد کے متصل مسجد ہی کی زمین ہے اس میں کوئی آدمی خود فائدہ اٹھانے کی غرض سے درخت لگائے اور جب وہ بڑے ہوں اور پھل پھول سے بارآور ہوں تو اس وقت یہ درخت زمین کے اعتبار سے مسجد کی ملکیت میں داخل ہوں گے یا لگانے والے کے، یا مسجد کا، اور مسجد کی زمین میں اس طرح درخت لگادینے کا غیر کو حق حاصل ہے؟

(۴) مسجد کے متصل مسجد کا بوسیدہ مکان یا حجرہ ہے اس پر کوئی شخص کم یا زیادہ اپنا روپیہ لگا کر کوئی تعمیر کرے اور بلاکرایہ اپنے تصرف اور قبضہ میں لائے تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اس مسجد جامع کے لئے امام ہے مگر اوقات کی پابندی سے آکر نماز نہیں پڑھاتے کبھی وقت بے وقت آجاتے ہیں، اور اکثر اور لوگ نماز پڑھادیتے ہیں، اس لئے امام سے مسجد کی آبادی بھی نہیں ہوتی بلکہ ان کے نہ ہونے سے مسجد کی زیادہ آبادی کی امید ہے، چونکہ دانت نہ ہونے کی وجہ سے مخارج صاف اور تلفظ سامع کی سمجھ میں نہیں آتے۔ امام صاحب غریب خود عاجز محض ہیں اور دیندار متقی بھی نہیں۔ علاوہ اس کے مسجد بھی غریب ہے اور ضروری تعمیر کی محتاج ہے اس لئے مسجد کے مال سے امام صاحب کو تنخواہ دینے پر بھی لوگ راضی نہیں مگر مجبوراً، اور رعایت امام صاحب کے بزرگوں کی قدر کی وجہ سے چون وچرا سے عاجز ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو غریب مسجد سے تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) مسجد میں بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے جس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے، تمام بچے ننگے پیر آتے جاتے ہیں، اس صورت میں بچوں کو تعلیم دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

استعمال مذکور حرام ہے، چندہ دہندہ کرے یا کوئی، مال وقف خود واقف کو حرام ہے کہ اپنے صرف لائے، یہاں تک کہ اگر نفس وقف غیر اہلی میں اس نے شرط کرلی ہو کہ اپنی حیات تک میں اپنے صرف میں لاسکوں گا، تو شرط باطل ہے اور تصرف حرام، فتاوٰی خلاصہ جلد دوم ص ۵۷۰:

رجل جعل فرسه للسبیل علی ان یمسکه مادام حیاان امسکه للجهادله ذٰلك لانه لولم یشترط کان له ذلك لان لجاعل السبیل ان یجاهد علیه وان ارادہ ان ینتفع به غیر ذلك لم یکن له ذلك وصح جعله للسبیل[1]۔	ایک شخص نے اپنا گھوڑا فی سبیل اللہ وقف کیا اس شرط پر کہ جب تک وہ زندہ ہے گھوڑے کو اپنے پاس روکے رکھے گا، اگر تو اس نے جہاد کے لئے روکا ہے تو جائز ہے کیونکہ اگر وہ یہ شرط نہ بھی کرتا تب بھی اسے یہ حق تھا اس لئے اس گھوڑے کو فی سبیل اللہ وقف کرنے والا بھی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کرے، اور اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ جہاد کے علاوہ کوئی اور نفع حاصل کرے گا تو اس کو یہ اختیار نہیں، تاہم گھوڑے کو فی سبیل اللہ وقف کرنا صحیح ہوگیا۔ (ت)

بتی کا کرایہ پر دینا تو مطلقاً حرام ہے اگرچہ بتی وقف نہ کی ہو خود اپنی ملک ہو، شرع مطہر نے عقد اجارہ اس لئے رکھا ہے کہ شیئ باقی رہے اور مستاجر اس کو برت کر ختم اجارہ پر واپس دے، نہ اس لئے کہ خود اس شیئ کو خرچ و فنا کرے، اور ظاہر ہے کہ بتی جب کام میں لائی جائے گی خود اس کے اجزا فنا ہوں گے، ایسا اجارہ حرام و باطل ہے۔ فتاوٰی خیریہ علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب در مختار رحمہما اللہ تعالٰی جلد دوم ص ۱۰۷:

الاجارۃ المذکورۃ باطلة غیر منتعقدۃ لما صرح به علماؤنا قاطبة من ان الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولاتفید شیئامن احکام الاجارۃ[2]۔	اجارہ مذکورہ باطل ہے منعقد نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اجارت جب قصداً اصل کے اتلاف پر واقع ہو منعقد نہیں ہوتا اور نہ ہی احکام اجارہ میں سے کسی حکم کا فائدہ دیتا ہے (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث فی صحۃ الوقف مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۸

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۷

باقی چیزیں مثلاً لیمپ، فرش، دری، چٹائی، اور یونہی بتی بھی، اگر اس سے مراد خالی شمعدان ہو اگرچہ اپنی ذات میں قابل اجارہ ہیں، مملوک ہوں تو مالک اجارہ پر دے سکتا ہے کرایہ پر دینے کے لئے وقف ہوں تو متولی دے سکتا ہے مگر وہ جو مسجد پر اس کے استعمال میں آنے کے لئے وقف ہیں انہیں کرایہ پر دینا لینا حرام کہ جو چیز جس غرض کے لئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا ناجائز ہے اگرچہ وہ غرض بھی وقف ہی کے لئے فائدہ کی ہو کہ شرط واقف مثل نص شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجب الاتباع ہے۔ درمختار کتاب الوقف:

فروع قولهم شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به[1]۔	واقف کی شرط شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح واجب العمل ہے (ت)

ولہٰذا خلاصہ میں تحریر فرمایا کہ جو گھوڑا قتال مخالفین کے لئے وقف ہوا ہو اسے کرایہ پر چلانا ممنوع و ناجائز ہے، ہاں اگر مسجد کو حاجت ہو مثلاً مرمت کی ضرورت ہے اور روپیہ نہیں تو بمجبوری اس کا مال اسباب اتنے دنوں کرایہ پر دے سکتے ہیں جس میں وہ ضرورت رفع ہو جائے، جب ضرورت نہ رہے پھر ناجائز ہو جائے گا۔ خلاصہ جلد ۲ ص ۵۷۰:

ولا یؤاجر فرس السبیل الا اذا احتیج الی النفقه فیؤاجر بقدر ماینفق وهذه المسألة دلیل علی ان المسجد اذا احتاج الی النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماینفق علیه[2]۔	فی سبیل اللہ وقف شدہ گھوڑا کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا ہاں اگر اس کے اخراجات کے لئے مجبوری ہو تو اتنے وقت کے لئے دیا جاسکتا ہے جس سے اخراجات پورے ہو سکیں اور یہ مسئلہ دلیل ہے اس پر کہ اگر اخراجات مسجد کے سلسلہ میں حاجت ہو تو ان اخراجات ضروریہ کی فراہمی کے لئے وقف کا کوئی حصہ کچھ وقت کے لئے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے (ت)

(۲) یہ فعل ناجائز و گناہ ہے، ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں بھی عاریۃً دینا جائز نہیں، نہ کہ عیدگاہ میں کہ اتصال صف کے سوا اور احکام میں وہ مسجد ہی نہیں، ولہٰذا جنب کو اس میں جانا منع نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ جلد پنجم ص ۱۲۲:

یجوز للقیم شراء المصلیات للصلاۃ علیها ولایجوز اعارتها لمسجد اٰخر[3] (ملخصًا)۔	مسجد کے ناظم کو مسجد کے لئے چٹائیاں خریدنا جائز ہے تاکہ ان پر نماز پڑھی جائے اور انہیں عاریۃً دوسری مسجد کے لئے دینا جائز نہیں (ت)

[1] درمختار فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲۔

درمختار علٰی ہامش ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ جلد اول ص ۶۸۷

المتخذ لصلاۃ جنازۃ او عید مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لافی حق غیرہ بہ یفتی نہایۃ فحل دخولہ لجنب وحائض کفناء مسجد ورباط ومدرسۃ[1]۔	جنازگاہ اور عیدگاہ جواز اقتداء کے حکم میں مسجد ہے اگرچہ صفوں میں فاصلہ ہو یہ حکم لوگوں کی سہولت کے لئے ہے دیگر احکام میں وہ مثل مسجد نہیں، اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے نہایۃ لہٰذا اس میں جنبی شخص اور حیض ونفاس والی عورتوں کا داخل ہونا حلال ہے جیسا کہ فناء مسجد، خانقاہ اور مدرسہ کا حکم ہے (ت)

(۳) مسجد کی زمین میں اپنے لئے درخت لگانا حرام ہے کہ وقف میں تصرف مالکانہ ہے، **والواقف لایملک**، پھر اگر یہ مال اس نے مسجد کے مال سے لگایا تو مسجد کا ہے اور اپنے مال سے لگایا اور یہ متولی ہے تو مسجد کا ہے مگر یہ کہ لگاتے وقت لوگوں کو گواہ کرلیا ہو کہ یہ میں اپنے لئے لگاتا ہوں، اور اگر غیر متولی ہے تو خود اس کا ہے مگر یہ کہ اقرار کرے کہ میں نے مسجد کے لئے لگایا، اب جس صورت میں پیڑ لگانے والے کا ٹھہرے اگر اس کے اکھیڑنے میں زمین وقف کا نقصان نہیں جبراً اکھڑوا دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[2] (عرق ظالم کا کوئی حق نہیں۔ت) اور اگر اس میں زمین وقف کا ضرر ہو تو درخت مسجد کی ملک کرلیا جائے گا اور اندازہ کریں گے کہ اس وقت اس درخت کی قیمت زیادہ ہے اکھیڑ کر بیچنے میں کم ہوجائے گی یا جدا کرکے بیچنے میں دام زیادہ اٹھیں گے اس وقت قیمت کم آئیگی دونوں حالتوں میں جس صورت پر کم قیمت اٹھے وہ کم قیمت مسجد کے مال سے لگانے والے کو دی جائے گی۔ فتاوٰی خلاصہ جلد ۲ ص ۴۲۰:

فی الحاوی سئل ابو القاسم عمن غرس الوقف من مالہ ومات قال ان غرس من غلۃ للوقف فہو للوقف وان لم یذکر شیئا فان غرس بمالہ ان ذکر انہ غرس للوقف فہو	حاوی میں ہے کہ ابوالقاسم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنے مال سے وقف زمین میں درخت بوئے اور پھر مر گیا تو ابوالقاسم نے فرمایا کہ اگر وقف کی آمدنی سے بوئے ہیں تب تو وقف کے لئے ہیں اگرچہ کسی شیئ کا ذکر نہ کیا ہو اور اگر اپنے مال سے

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[2] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعہ باب من احیا ارضامواتا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴، سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

له وان لم یذکر شیئاً فهو عنه میراث[1]۔	بوئے اور ذکر کیا کہ یہ وقف کیلئے ہے تو وقف کیلئے ہیں اور اگر کسی شے کا ذکر نہیں کیا تو وہ اس کی میراث ہے۔(ت)

ایضاً جلد مذکور ص ۳۷۵:

المتولی اذا بنی فی عرصة الوقف ان کان من مال الوقف یکون للوقف وکذا من مال نفسه لکن بنی للوقف فان بنی لنفسه ان اشهد کان له ذٰلك وان بنی ولم یذکر شیئاً کان للوقف بخلاف الاجنبی[2]۔	متولی نے مال وقف سے جب وقف زمین کے میدان میں عمارت بنادی تو وہ وقف کے لئے ہوگی یونہی اگر اس نے اپنے مال سے وقف کیلئے عمارت بنائی تب بھی وقف کے لئے ہوگی اور اگر اپنی ذات کے لئے بنائی اور اس پر گواہ کرلئے تو یہ عمارت اس کی ذات کے لئے ہوگی، اور اگر عمارت بنائی مگر کسی شے کا ذکر نہ کیا تو عمارت وقف کے لئے ہوگی بخلاف اجنبی شخص کے۔(ت)

عقود الدریہ جلد اول ص ۱۶۵:

حیث کان غرس عمر و المذکور لنفسه بلااذن الناظر فللناظر علی الوقف تکلیفه قلعه ان لم یضرفان اضر یتمبلکه الناظر باقل القیمتین للوقف منزوعا وغیر منزوع بمال الوقف[3]۔	اگر عمرو مذکور نے اپنی ذات کے لئے بغیر اذن متولی درخت لگائے تو متولی کو اختیار ہے کہ وہ اسے اکھاڑنے پر مجبور کرے جبکہ وقف کو ضرر نہ ہو اور اگر اکھاڑنا وقف کے لیے ضرر رساں ہے تو متولی دو قیمتوں میں سے اقل قیمت کے بدلے مال وقف سے وقف کیلئے ان درختوں کا مالک بن جائے گا، دو قیمتوں سے مراد زمین میں لگے ہوئے درختوں کی قیمت اور اکھاڑے ہوئے درختوں کی قیمت ہے۔(ت)

(۴) حرام ہے، اور جتنے دنوں اس نے اپنے تصرف میں رکھا اتنے دنوں کا کرایہ جو حصہ وقف کا نرخ بازار سے ہوا اتنا تاوان اس پر لازم ہوگا کہ وقف کے لئے ادا کرے اور اپنا روپیہ لگا کر جو کچھ اس نے بنایا اگر وہ کوئی مالیت نہیں رکھتا وہ وقف کا مفت قرار پائے گا۔ اور اگر مالیت ہے تو وہی حکم ہے کہ اگر اس کا

---

[1] خلاصة الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۹

[2] خلاصة الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۲۳

[3] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۸۹

اکھیڑنا وقف کو مضر نہیں جتنا اس نے زیادہ کیا اکھیڑ کر پھینک دیا جائے گا وہ اپنا عملہ اٹھا کر لے جائے اور اگر اس کے بنانے میں اس نے وقف کی کوئی دیوار منہدم کی تھی تو اس پر لازم ہوگا کہ اپنے صرف سے وہ دیوار ویسی ہی بنادے اور اگر ویسی نہ بن سکتی ہو، بنی ہوئی دیوار کی قیمت ادا کرے اور اگر اکھیڑنا وقف کو مضر ہے تو نظر کریں گے کہ اگر یہ عملہ اکھیڑا جاتا تو کس قیمت کا رہ جاتا، اتنی قیمت مال مسجد سے اسے دیں گے، اگر فی الحال اس درخت یا اس عملہ کی قیمت مسجد کے پاس نہیں تو یہ یا اور کوئی زمین متعلق مسجد یا دیگر اسباب مسجد کرایہ پر چلا کر اس کرایہ سے قیمت ادا کرینگے اس کے لئے اگر برس درکار ہوں اسے تقاضے کا اختیار نہیں کہ ظلم اس کی طرف سے ہے، یہ سب اس حال میں ہے کہ وہ عمارت اس شخص کی ٹھہرے یعنی متولی تھا تو بناتے وقت گواہ کرلئے تھے کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا غیر تھا تو یہ اقرار نہ کیا کہ مسجد کے لئے بناتا ہوں ورنہ وہ عمارت خود ہی ملک وقف ہے اور یہ جو ہم نے قیمت لگانے میں اکھڑے ہوئے عملہ کا لحاظ کرنا کہا اس بنا پر ہے کہ غالبًا بعد انہدام عملہ کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اور اگر حالت موجودہ ہی قیمت حالت ہدم سے کم ہو تو یہی کم لازم آئیگی۔ عقود الدریہ جلد اول ص ۱۵۶:

اذا ثبت کونه وقفا وجبت الاجرة له فی تلك المدة لان منافع الوقف مضمونة علی المفتی به[1]۔	جب اس کا وقف ہونا ثابت ہوگیا تو اس کی اجرت واجب ہے کیونکہ مفتی بہ قول کے مطابق منافع وقف پر ضمان لازم ہوتا ہے (ت)

اشباہ والنظائر مع الغمز صفحہ ۳۰۰:

من هدم حائط غیرہ یضمن نقصانها ولایؤمر بعمارتها الا فی حائط المسجد کما فی کراهة الخانیة[2]۔	جس نے غیر کی دیوار گرادی اس کے نقصان کا ضامن ہوگا مگر اس کی تعمیر کا حکم اس کو نہیں دیا جائے گا سوائے دیوار مسجد (کہ اس کی تعمیر کا حکم دیا جائیگا) جیسا کہ خانیہ میں کتاب الکراہۃ میں ہے (ت)

ردالمحتار جلد پنجم ص ۱۷۶:

فی شرح البیری اما الوقف فقد قال فی الذخیرة اذاغصب الدار	شرح بیری میں ہے لیکن وقف تو اس کے بارے میں ذخیرہ میں فرمایا کہ اگر کسی نے وقف شدہ گھر

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۷۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الغصب ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۷

الموقوفة فهدم بناء الدار للقیم ان یضمنه قیمه البناء اذا لم یقدر الغاصب علی ردها ویضمن قیمة البناء مبنیا،لان الغصب وردهکذااه ومقتضاه انه اذاامکنه ردالبناء کماکان وجب ولم یفصل فیه بین المسجد وغیره من الوقف،ولذاقال البیری فیما سبق وهذا فی غیرالوقف وفی فتاوی قاری الهدایة استاجر دارا وقفا فهدمها وجعلها طاحونا،الزم بهدمه واعادته الی الصفة الاولٰی اھ فظهران لافرق بین المسجد وغیره من الوقف بخلاف الملك اھ مختصرا[1]۔	غصب کیااور اس کی دیوار گرادی تو ناظر وقف کو اختیار ہے کہ وہ اس کو عمارت کی قیمت کا ضامن ٹھہرائے اگر غاصب اس کی تعمیر پر قادر نہ ہو اور تعمیر شدہ عمارت کی قیمت کا ضامن ٹھہرایا جائے گا کیونکہ غصب اسی پر واقع ہوا اھ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب غاصب سابقہ حالت پر عمارت بنانے پر قادر ہو تو ایسا کرنا واجب ہے اور اس حکم میں مسجد اور دوسرے وقف میں کوئی فرق نہیں اسی واسطے بیری نے ما قبل میں کہا کہ یہ غیر وقف کا حکم ہے، فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے کہ ایک شخص نے وقفی گھر کرایہ پر لیااور اس کو گراکر آٹا پیسنے کی چکی بنالی تو اس پر لازم قرار دیا جائے گا کہ وہ چکی کو گراکر مکان کو پہلی حالت پر لوٹائے اھ تو ظاہر ہوا کہ اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا چاہے وقف بصورت مسجد ہو یا غیر مسجد بخلاف ملک کے اھ اختصارًا (ت)

عقود الدریہ جلد ا ص ۱۵۹:

غصب ارض وقف وزاد فیها زیادة من عند نفسه وان کانت شیئا لیس بمال ولاله حکم المال تو خذمنه بلاشیئ،ان کانت مالا قائما نحوالغراس والبناء امرالقاضی الغاصب برفعه وقلعه،الااذاکان یضر بالوقف فانه یمنع عنه لواراد ان یفعل ویضمن	کسی نے وقف کا احاطہ غصب کرکے اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ کردیا، اگر تو وہ اضافہ مال یا حکم مال کے قبیلہ سے نہیں تو بلاعوض اس سے واپس لیا جائے گا اور اگر وہ اضافہ ایسا مال ہے جو زمین کے ساتھ قائم ہے جیسے درخت اور عمارت تو قاضی غاصب کو حکم دے گا کہ وہ اس کو اکھاڑے جبکہ اکھاڑنے سے وقف کو نقصان نہ پہنچتا ہو اور اگر نقصان پہنچتا ہے تو پھر اس کو کھاڑنے سے روکا

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۵

القیم اوالقاضی قیمۃ ذٰلك من غلۃ الواقف ان کانت والا یؤاجر الوقف ویؤتی من اجرتہ عمادیۃ[1] ومثلہ فی الفصولین من ۱۳	جائیگا اگر وہ اکھاڑنے کا ارادہ کرے، اور متولی یا قاضی اس اضافے کی قیمت کے ضامن ہوں گے اگر وقف کی کوئی آمدنی ہے تو اس سے ضمان دیں گے ورنہ وقف کو کرایہ پر دے کر اس کی اجرت سے ضمان ادا کرینگے، عمادیہ۔ اور اسی کی مثل فصولین میں ہے (ت)

(۵) جبکہ امام التزام امامت نہیں کرتا کبھی وقت بے وقت آجاتا ہے اور حرف بھی صاف مسموع نہیں ہوتے، اور مسائل کا بیان ہے کہ وہ دیندار متقی بھی نہیں، تو نہ خدمت پوری کرتا ہے نہ خدمت کے مناسب ہے، ضرور مستحق معزولی ہے، بلکہ دوامر اخیر اگر نہ بھی ہوتے تو صرف پہلی بات اسے تنخواہ مقرر لینا اور مال مسجد سے دینا دونوں کے حرام کرنے کو کافی ہے،

درمختار کتاب الوقف فروع فصل نہر الفائق سے:

فیجب علیہ خدمۃ وظیفۃ اوترکھا لمن یعمل والا اثم[2]۔	اپنے وظیفہ کی خدمت کرنا اس پر واجب ہے یا اس شخص کے لئے چھوڑ دے جو یہ خدمت کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔ (ت)

جتنی مدتوں وہ کبھی کبھی آیا اور تنخواہ پوری دی گئی حساب کرکے اوقات حاضری کی تنخواہ مجرا کرنا لازم ہے، اس پر فرض ہے کہ واپس دے، اور متولی پر فرض ہے کہ واپس لے۔ فتاوٰی خیریہ جلد ا صفحہ ۱۷۳:

سئل فی رجل بیدہ وظیفۃ امامۃ علی مسجد کل یوم بعثمانی وقد تناول جمیع المعلوم من قیم الوقف والحال انہ کان امر فی بعض الاوقات دون بعض فھل لایستحق المعلوم الابمقدار ماباشر والباقی یرجع علیہ بہ ویکون موفر الجھۃ الوقف اجاب الذی تحصل من کلام البحر ان مقتضی کلام الخصاف انہ لایستحق الابمقدار	ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے ہاتھ میں کسی مسجد کی امامت کا وظیفہ تھا بحساب ایک عثمانی (روپیہ) یومیہ، اور اس نے متولی سے تمام تنخواہ اکٹھی وصول کرلی جبکہ صورت حال یہ ہے کہ وہ بعض اوقات امامت کراتا رہا اور بعض اوقات غیر حاضر رہتا تو کیا وہ صرف انہی دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے جن میں اس نے امامت کرائی اور باقی دنوں کی تنخواہ متولی اس سے واپس لے گا اور اس طرح وہ جہت وقف کا پورا حق ادا کرنے والا ہوگا، تو جواب دیا کہ کلام بحر سے جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خصاف کے کلام کا تقاضا

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۸۳-۱۸۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

مَاباشر، وبہ صرح ابن وھبان فی المسافر للحج اوصلۃ الرحم حیث قال لاینعزل ولایستحق المعلوم مدۃ سفرہ مع انہا فرضان[1]۔	یہی ہے کہ جن دنوں کی امامت اس نے کرائی صرف انہی دنوں کی اجرت کا مستحق ہے۔ابن وھبان نے اسی کی تصریح فرمائی، حج یا صلہ رحمی کے لئے سفر میں جہاں انہوں نے فرمایا کہ وہ معزول نہ ہوگا اور نہ مدت سفر کی تنخواہ کا مستحق ہوگا باوجودیکہ یہ دونوں چیزیں فرض ہیں(ت)

بلکہ انصافاً وہ متولی یا مہتمم کہ اس حالت پر اسے پوری تنخواہ دیتا رہا وہ بھی مستحق عزل ہے کہ بلااستحقاق دینے سے مال مسجد پر متعدی ہے۔

(۲) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم[2]۔رواہ ابن ماجۃ عن واثلۃ بن الاسقع وعبدالرزاق فی مصنفہ بسند امثل منہ عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما۔	اپنی مسجدوں کو بچوں اور مجنونوں اور آوازیں بلند کرنے سے محفوظ رکھو۔(اس کو ابن ماجہ نے بروایت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس سے زیادہ بہتر سند کے ساتھ امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بروایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اگر نجاست کا ظن غالب ہو تو انہیں مسجد میں آنے دینا حرام اور حالت محتمل و مشکوک ہو تو مکروہ۔اشباہ مع الغمز صفحہ ۳۸۰ و در مختار اواخر مکروہات الصلوٰۃ:

یحرم ادخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسھم والافیکرہ[3]۔	اگر بچوں اور پاگلوں کے مسجد کو نجس کرنے کا گمان غالب ہو تو انہیں مسجد میں داخل کرنا حرام ورنہ مکروہ ہے۔(ت)

یونہی اگر بچے بلکہ بوڑھے بھی بے تمیز، نامہذب ہوں غل مچائیں، بے حرمتی کریں، مسجد میں نہ آنے دئے جائیں، در مختار محل مذکور:

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

یحرم فیه السوال ویکرہ الاعطاء و انشاد ضالة وشعر الامافیه ذکر ورفع صوت بذکر الالمتفقهة ویمنع منه کل مؤذ ولو بلسانه[1]۔	مسجد میں سوال کرنا حرام اور سائل کو مسجد میں دینا مکروہ ہے، اور اسی طرح گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا۔ اور ایسے اشعار پڑھنا جن میں ذکر نہ ہو، اور فقہ کی تعلیم و تعلم کے علاوہ آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اور کل ایذا دینے والے کو مسجد سے منع کیا جائیگا اگرچہ زبان سے ایذا پہنچاتا ہو۔ (ت)

اور اگر ایسے نہ ہوں تو انہیں مسجد میں غیر اوقات نماز میں پڑھانا مضائقہ نہیں رکھتا جب کہ معلم بلا تنخواہ محض لوجہ اللہ پڑھاتا ہو ورنہ ہرگز جائز نہیں اگرچہ جوان اور بوڑھے ہی پڑھیں کہ اب یہ اور پیشوں کی طرح دنیا کمانا ہے اور مسجد میں اس کی اجازت نہیں۔ فتاوٰی عالمگیری جلد ۵ ص ۱۲۲:

لوجلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسه فلاباس به لانه قربة وان کان بالاجرة یکرہ الاان تقع لهما الضرورة کذافی محیط السرخسی[2]۔	اگر معلم مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دیتا ہے اور کاتب مسجد میں بیٹھ کر لکھتا ہے اگر تو معلم ثواب کی نیت سے ایسا کرتا ہے اور کاتب اپنے لئے لکھتا ہے نہ کہ اجرت پر تو حرج نہیں کیونکہ یہ قربت و عبادت ہے، اور اگر اجرت کے لئے ہے تو بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، امام سرخسی کی محیط میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

اشباہ والنظائر صفحہ ۳۸۱:

تکرہ الصناعة فیه من خیاطة وکتابة باجر و تعلیم صبیان باجر لا بغیرہ الالحفظ المسجد فی روایة[3]۔	مسجد میں سلائی یا کتابت کا پیشہ اجرت پر کرنا اور اجرت لے کر بچوں کو پڑھانا مکروہ ہے جبکہ بلااجرت ہو تو حرج نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حفاظت مسجد کیلئے بغیر اجرت پر بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے (ت)

غمزالعیون ص ۳۸۱:

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳۔۹۴
[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۱
[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

فی الفتح معلم الصبیان القراٰن کالکاتب ان باجر لایجوز وحسبۃ لاباس بہ انتھی،وفی شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی لایجوز تعلیم الصبیان القراٰن فی المسجد للمروی جنبوامجانینکم وصبیانکم مساجد کم انتھی وھو صریح فی عدم الجواز سواء کان باجر اولا اھ[1] **اقول**: والتوفیق ماأشرنا الیہ ان لو کانوا غیرما مونین علی المسجد لم یجز مطلقًا و الاجاز حسبۃً لاباجر والدلیل علیہ استدلالہ بالحدیث وقد قرنوافیہ بالمجانین فالمراد فی الحدیث من لا یعقل اولایؤمن علیہ وفی فرع التمرتاشی غیر المأمونین خاصۃ اذمن لایعقل لایعلم. واللہ سبحٰنہ اعلم۔	قرآن کی تعلیم دینے والا کاتب کی طرح ہے اگر اجرت پر ہو تو ناجائز اور نیت ثواب سے ہو تو جائز ہے انتہی، تمر تاشی کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ بچوں کو مسجد میں تعلیم قرآن جائز نہیں کیونکہ مروی ہے کہ اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو انتہی، یہ عدم جواز میں صریح ہے چاہے اجرت پر ہو یا بلا اجرت اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) کہ تطبیق جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا یہ ہے کہ اگر مسجد (کی طہارت واحترام) کے سلسلہ میں ان پر بھروسا نہیں تو مطلقًا ناجائز ہے ورنہ بنیت اجر و ثواب جائز اور اجرت پر ناجائز ہے اور اس پر دلیل اس حدیث سے استدلال ہے کہ اس میں بچوں کے ذکر کے ساتھ پاگلوں کا ذکر ہے لہٰذا حدیث میں بچوں سے مراد وہ ہیں جو بے عقل ہو یا ان پر (آداب مسجد کے سلسلہ میں) بھروسا نہ کیا جاسکتا ہو۔فرع تمر تاشی میں بطور خاص غیر مامون (بے بھروسا) کا ذکر ہے (نہ کہ بے عقل کا) کیونکہ جسے عقل نہیں وہ تعلیم حاصل نہیں کرسکتا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد تحصیل حسن پور مرسلہ اشرف علی خاں ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

ایک شخص کے سپرد مسجد کی روشنی کا اہتمام ہے اور اس کو دوسرا شخص تیل کے لئے صرف دیتا ہے اب پہلے شخص نے جس کو روپیہ صرفہ کے لئے دیا جاتا ہے اس نے روشنی میں کمی کرکے یا زیادہ صرفہ لے کر اور کم صرف کیا اور کچھ دام بچا کر وہ اپنے ذاتی صرفہ میں لایا، اور اب وہ شخص جو اپنے صرفہ میں لایا ہے اس مقام سے چلا آیا اور دوسرے مقام پر موجود ہے اب اس کا خیال ہے کہ میں نے جو کچھ بچایا تھا اور صرف کیا وہ ادا کردوں اور میرا یہ گناہ معاف ہوجائے تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے آیا وہ اسی مسجد میں اسی تیل کو

[1] غمز العیون البصائر الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

روشنی کے کام دے یا وہ دوسری مسجد میں جہاں وہ اب موجود ہے وہاں پر کسی مسجد شکستہ یا قلعی وغیرہ کیلئے دے دے جس سے اس کا گناہ معاف ہو۔

الجواب:

اس پر توبہ فرض ہے اور تاوان ادا کرنا فرض ہے جتنے دام اپنے صرف میں لایا تھا اگر یہ اس مسجد کا متولی تھا تو اسی مسجد کے تیل بتی میں صرف کرے دوسری مسجد میں صرف کر دینے سے بری الذمہ نہ ہوگا، اور اگر متولی نہ تھا تو جس نے اسے دام دئے تھے اسے واپس کرے کہ تمہارے دئے ہوئے داموں سے اتنا خرچ ہوا اور اتنا باقی رہا تھا کہ تمہیں دیتا ہوں،

لانہ ان کان متولیاً فقد تم التسلیم والا بقی علی ملك المعطی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ اگر وہ متولی ہے تو تسلیم تام ہو گئی ورنہ معطی کی ملک پر باقی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۳: از کانپور مدرسہ امداد العلوم محلّہ بانس منڈی مرسلہ شمس الہدی ۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت نے ایک مسجد تیار کرائی حالانکہ وہ اور اولاد سب اس کی سود ورشوت کھاتے ہیں اور قبل ان افعال ناجائز کے وہ مفلس تھے اور ۱۸، ۱۷ آدمی جو پرہیزگار و متقی ہیں اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ مسجد حرام کے مال سے تیار کرائی گئی لیکن بانی مسجد اور اس کے دو چار متبع کہتے ہیں کہ حلال کے مال سے بنائی گئی، بنا بران صورتوں کے چند مسلمانوں نے اتفاق ہو کر دوسرے محلّہ میں ایک مسجد جدید بنائی ہے بناءً علیہ کہ اس میں نماز نہیں ہوگی، پس ان صورتوں میں کس میں نماز شرعًا ناجائز؟ اگر ناجائز تو کون سی ناجائز؟ اور کس میں شرعًا بہتر اولٰی؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اس بارے میں صاحب مال کا قول شرعًا معتبر ہے، اگر وہ کہے یہ مال مجھے وراثۃً ملا تھا یا میں نے قرض لے کر لگایا تو مانا جائے گا، اور اس سے کوئی دلیل اس پر طلب نہ کی جائے گی کما نص علیہ فی العالمگیریۃ وغیرہا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) ان سترہ اٹھارہ کا کہنا اگر صرف اس بناء پر ہے کہ ان لوگوں کے پاس مال حرام ہے تو وہی لگایا ہوگا جب تو محض بے دلیل ہے ان کے پاس صرف مال حرام کب ہے، سائل سود کھانا بتاتا ہے سود بلاشبہ حرام ہے مگر اس کیلئے اصل درکار ہے اصل نہ ہوگی تو سود کاہے پر لے گا، سود کے حرام ہونے سے اصل کیوں حرام ہونے لگی، اور بالفرض ان کے پاس صرف مال حرام ہی ہو تو کیا یہ لوگ شہادت دیں گے کہ انکے سامنے ان لوگوں نے

اپنامال حرام بائعوں کو دکھایا اور ان سے کہا کہ ان روپوں کے عوض ہم کو اینٹ کڑی تختہ دے دو جب انہوں نے دی وہی زر حرام انہوں نے ثمن میں دے دیا اور اس طرح کا اینٹ کڑی تختہ خریدا ہوا مسجد میں لگا یا یونہی مسجد کی زمین اپنامال حرام بائع کو دکھا کر خاص اس کے عوض خریدی اور وہی ثمن میں دیا اور ایسی خریدی ہوئی زمین کو مسجد کیا، ان سترہ اٹھارہ میں ایک بھی ایسی شہادت نہ دے سکے گا اور جب اس طرح خریداری نہ ہو تو ان کا مال حرام سہی اینٹ کڑی تختہ زمین جو کچھ خریدا حلال تھا،

کما حققه فی الطریقة المحمدیة والحدیقة الندیة بل رجح فوق ذٰلك وقد بیناه فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں اس کی تحقیق (مصنف کتاب نے) فرمائی بلکہ اس کو ترجیح دی اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔(ت)

لہٰذا اس مسجد کا آباد کرنا مسلمانوں پر لازم، اور وہ دوسری مسجد جو اللہ عزوجل کے لئے بنائی وہ بھی مسجد ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴:　　از شہر مرسلہ حافظ چھٹن محلّہ ذخیرہ　　۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو کے مبلغ لعہ ۹ روپیہ سود ہے ایک مسلمان پر چاہئے ہیں مسلمان روپیہ دینے سے انکار کرتا ہے کیونکہ اس کے پاس روپیہ نہیں ہے وہ ضامن طلب کرتا ہے ضامن بھی نادہند ہے کچھ مسلمانوں نے اس ہندو سے کہا کہ یہ روپیہ مسجد کے نام تو اگر کردے تو ہم وصول کرلیں گے، لہٰذا یہ روپیہ مسجد میں جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

جبکہ اس میں سود بھی شامل ہے تو اتنا تو حرام قطعی ہے اور اگر پہلے یہ کچھ سود میں دے چکا ہو تو اتنا اصل میں مجرا ہونا لازم ہے جتنا باقی رہا اتنا اگر وہ ہندو اپنی خوشی سے کسی مسلمان کو دے اور اسے وصول کرنے کا اختیار دے تو اب وہ روپیہ اس مسلمان کا ہے اسے مسجد میں لگادینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ کسی مسلمان کو نہ دے بلکہ یہی کہے کہ وہ وصول کرکے میری طرف سے مسجد میں لگادو تو نہ لیا جائے حدیث میں فرمایا: **انی نھیت عن زبد المشرکین**[1] (مجھے مشرکوں کی داد ودہش سے منع کردیا گیا ہے۔ت)

[1] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۱

نیز فرمایا: انا لانستعین بمشرک[1] (بیشک ہم کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۵: از موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ شیخ امیر علی صاحب قادری رضوی ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کنواں سر راہ ہے اس سے سب قوم پانی پیتی ہے، ہندو مسلمان۔ اور مسجد بھی قریب ہے، مسجد کے خرچ میں اسی کنویں کا پانی آتا ہے، اس وقت وہ کنواں مرمت کرنے کے لائق ہے، اگر ہندو اس کی مرمت کرائے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: سائل نے بیان کیا کہ وہ کنواں مسجد کا نہیں، نہ وہاں کوئی آبادی ہے، مسافر لوگ مسجد میں نماز پڑھتے، کنواں راہ گیروں کے لئے ہے، ہندو اس کی مرمت کرانا چاہتا ہے کرائے، جبکہ وہ اس کی وجہ سے کوئی استحقاق اپنا ایسا نہ کرے کہ وضو و غسل میں مزاحم ہوسکے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

فرق درمیان فضائل مسجد ومدارس کے کیا ہیں؟ حضور آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی کوئی مدرسہ تعمیر کیا تھا یا نہیں؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی مدرسہ تعمیر نہ فرمایا، نہ صدر اول میں کوئی عمارت بنام مدرسہ بنانے کا دستور تھا۔ ان کی مساجد ان کی مجالس یہی مدارس ہوتی تھیں۔ ہاں تعلیم علم دین ضرور فرض ہے اسی لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوتی ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما بعثت معلما[2]۔	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔ (ت)
وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں

[1] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المشرک یسھم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعانۃ بالمشرکین ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[2] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰

انالکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم [1]۔ وقال عزوجل "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" [2]۔	تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (ت) اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ان لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (ت)

مساجد کی تعمیر واجب ہے اور مدرسہ کے نام سے کسی عمارت کا بنانا واجب نہیں، ہاں تعلیم علم دین واجب ہے اور مدرسہ بنانا بدعت مستحبہ تعمیر مسجد کی فضیلت بیشمار ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنی للّٰہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ [3] وفی روایۃ من درو یاقوت [4]۔	جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اس کے لئے اللہ عزوجل جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے۔

مسئلہ ۲۷۷: از ویجیانگرم ضلع وزیگاپٹم مرسلہ حاجی علی محمد عثمان　۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

یہاں کی جامع مسجد میں اندر کے طاقوں والے ستونوں پر یہ تاریخ لکھی ہے:

از حکم مہاراج عالی لقب محمد علی حاجی خوش لقب باحداث مسجد سعی نمود، کزاں مومناں راشدہ صد طرب بتاریخ اوگشت الہام حق، کہ واسجد بدرگاہ رب واقترب، زلطف خداوند حی وصمن، محمد ابراہیم خوئے لقب بتعمیر مسجد چوں بنمود عزم، دوبارہ پئے قرب درگاہ رب۔ پے تاریخ آمد بگوش ۱۲۴۲ نگر حکم رب واسجد واقترب۔	مہاراج بلند لقب کے حکم سے اچھے لقب والے حاجی محمد علی نے مسجد بنانے کی کوشش کی جس سے مومنوں کو سیکڑوں خوشیاں حاصل ہوئیں، اس کی تاریخ کے بارے میں حق تعالٰی کی طرف سے یوں الہام ہوا کہ واسجد بدرگاہ واقترب (پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ کر اور قرب حاصل کر) زندہ وبے نیاز خداوند قدوس کی مہربانی سے پروردگار کا قرب حاصل کرنے کی خاطر محمد ابراہیم خوئے لقب نے دوبارہ مسجد کی تعمیر کا عزم کیا تو اس کی تاریخ کے لئے یہ صدا کان میں آئی کہ نگر حکم رب واسجد اقترب (پروردگار کا یہ حکم دیکھ کر سجدہ کر اور قریب ہوجا)۔ (ت)

[1] سنن ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۹

[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب من بنی للّٰہ مسجداً ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴، مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عباس دارالفکر بیروت ۱/ ۲۴۱

[4] المعجم الاوسط حدیث ۵۰۵۵ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۲۷

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ پہلی مرتبہ اس مسجد کی بنا حاجی محمد علی نے یہاں کے ہندو راجہ کے حکم سے کی اور حاجی محمد علی شیعہ مذہب کا تھا، بعد میں اس مسجد کو گرا کر دوسری مرتبہ اسی جگہ پر سنی مسلمانوں نے چندہ کرکے پھر نئے سرے سے تعمیر کی گئی جس چندہ میں زیادہ حصہ محمد ابراہیم خوئے لقب نے لیا جو شیعی مذہب کا ہے جس کا نام تاریخ میں لکھا ہے مگر اس مسجد میں شیعوں کا تصرف کسی قسم کا ہے نہ ان میں سے کوئی نماز کو آتا ہے، امام مؤذن کی تنخواہیں راجہ کے خزانہ سے ملتی ہیں جن سے مسجد کے چراغ بتی بھی ہوتی، اب ان کے احکام بیان فرمائیں کہ اس مسجد میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہ مسجد مسجد جامع کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟ ہندو راجہ کے پیسہ سے مسجد کے چراغ بتی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

نماز اس میں ہوسکتی ہے تو اصلا یہ محل اشتباہ نہیں۔ نماز ہر پاک جگہ ہوسکتی ہے جہاں کوئی ممانعت شرعی نہ اگرچہ کسی کا مکان یا افتادہ زمین ہو۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جعلت لی الارض مسجدا و طهورا فایما رجل من امتی ادرکته الصلوة فلیصل [1]۔	میرے لئے زمین کو جائے نماز اور پاک کرنے والی بنایا گیا ہے لہٰذا میری امت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو اس کو وہاں ہی نماز پڑھ لینی چاہئے۔ (ت)

اور جب وہ تقریبًا سو برس سے مسجد کہلاتی، مسجد سمجھی جاتی ہے اس میں جمعہ وجماعت واذان ہوتی ہے اس کے لئے امام ومؤذن مقرر ہیں تو اب اسے مسجد سمجھنے میں شبہ پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہندو راجہ کے حکم سے بننا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کی مملوک زمین میں اسی کی ملک پر بنی ہے کہ مسجد نہ ہوسکے بلکہ غالب یہی ہے کہ شہر کی زمین پر جس کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا ہے اور والیان ملک اس میں بطور خود تصرف کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں جو چاہتے ہیں بنواتے ہیں ایسی زمین پر باجازت راجہ بنی، ملک کی غیر مملوکہ زمین اللہ عزوجل کی ملک ہوتی ہے، بیت المال کی کہلاتی ہے، راجہ اس کا مالک نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: عادی الارض ﷲ ولرسوله [2] (زمین اللہ تعالٰی اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملک ہوتی ہے۔ ت) اور رافضی کے اہتمام سے بننا بھی اس کے مسجد ہونے میں مخل نہیں، اگر اس کا رفض حد کفر تک

---

[1] صحیح البخاری کتاب التیمم ۱/ ۴۸ و کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۶۲ قدیمی کتب خانہ کراچی

[2] السنن الکبرٰی احیاء الموات دار صادر بیروت ۶/ ۱۴۳

نہ تھا جب توظاہر، ورنہ غایت یہ کہ اس کے مسجد کرنے سے مسجد نہ ہوئی، مگر جب مسلمانوں نے اسے مسجد قرار دیا اس میں نمازیں مسجد سمجھ کر پڑھیں مسجد ہو گئی،

فان الارض ان کانت لبیت المال فجاز جعلھم ایاھا مسجدا، والبناء ان کان من مال المسلمین فبھا او من مال المرتد فاذا مات علی ارتدادہ فصار فیئا للمسلمین او من خزانۃ الوالی فالخزانۃ لبیت المال علی ان ماکان لکافر غیر ذمی ولا مستأمن وحصل للمسلمین بغیر عذر ونقض عھد صار لھم علی ان بیدنا دلیلا ظاہرا یثبت بہ الوقف شرعا وھی الشھرۃ فدعوی خلافہ یردھا الاحتمال[1] کما بیناہ فی فتاوٰنا بتوفیق اللہ۔	زمین جبکہ بیت المال کی ہو تو مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ اسے مسجد بنادیں، اور تعمیر اگر مسلمانوں کے مال سے ہو تو فبہا، یا تعمیر مرتد کے مال سے ہوئی اس کے ارتداد پر مرنے کے بعد اس کا مال مسلمانوں کے لئے فے ہو گیا، یا والی کے خزانہ سے تعمیر ہوئی تو خزانہ بیت المال کا ہے، اس بنیاد پر غیر ذمی اور غیر مستامن کافر کا مال اگر بغیر دھوکا اور بدعہدی کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہو تو وہ انہیں کا ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں ہمارے پاس جو دلیل ہے وہ ظاہر ہے جس سے شرعًا وقف ثابت ہو جاتا ہے اور وہ دلیل شہرت ہے پس اس کے خلاف دعوی کے احتمال کو رد کر دیتا ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے۔ (ت)

یہیں سے ظاہر ہوا کہ دوبارہ بنا میں کسی شیعی کا چندہ میں زیادہ حصہ لینا اس معنی پر ہے کہ تحصیل چندہ میں زیادہ کوشش کی جب تو ظاہر، اور اگر اسی معنی پر ہو کہ زیادہ چندہ اس نے خود اپنے مال سے دیا تو مسجدیت ثابت ہو کر قیامت تک زائل نہیں ہو سکتی،

الاتری ان لو انھدم مسجد فاعاد بنائہ کافر بمالہ لم یخرج عن المسجدیۃ وان لم یقبل بناء ہ لکونہ غیر اھل للوقف علی المسجد ھذا اذا لم یکن مرتدا اما ھو فیتوقف الامر علی ان یسلم فیصح کما فی رد المحتار عن البحر	کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی مسجد گر جائے اور اس کی عمارت کسی کافر نے دوبارہ اپنے مال سے بنادی تو وہ مسجدیت سے خارج نہ ہوئی اگرچہ کافر کا مسجد کو تعمیر کرنا مقبول نہیں کیونکہ وہ مسجد پر وقف کا اہل نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ کافر غیر مرتد ہو، اور اگر مرتد ہو تو یہ معاملہ موقوف رہے گا حتی کہ وہ مسلمان ہو جائے تو صحیح ہو جائے گا جیسا کہ بحر سے ردالمحتار میں ہے،

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی وقف المرتد والکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

اویموت علی ردته والعیاذ باللہ فیعود فیئا للمسلمین۔	یا وہ حالت ارتداد پر مرجائے، اللہ تعالٰی کی پناہ تو اب یہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن جائے گا(ت)

نامسلم کا عطیہ کہ اس کے اپنے مال سے ہو خصوصًا اپنے اسلامی کام میں نہ لانا چاہئے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انی نھیت عن زبد المشرکین[1] رواہ ابوداؤد و الترمذی عن عیاض بن حمار رضی اللہ تعالٰی عنه، وھو حدیث حسن صحیح۔	بیشک مجھے مشرکوں کے عطیہ سے منع کردیا گیا ہے۔(اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے عیاض بن حمار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انی لااقبل ھدیة مشرک[2]۔ رواہ الطبرانی الکبیر عن کعب بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح۔	بیشک میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔(اسے طبرانی نے کبیر میں کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا لانقبل شیئا من المشرکین[3] رواہ احمد والحاکم عن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بے شک ہم مشرکوں کی کوئی شے قبول نہیں کرتے۔(اسے احمد اور حاکم نے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا لانستعین بمشرک[4]۔ رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجة عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	بیشک ہم مشرکوں سے مدد طلب نہیں کرتے۔(اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۸، ۱۳۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۹/ ۷۰ و ۷۱

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از حکیم بن حزام دارالفکر بیروت ۳/ ۴۰۳

[4] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المشرک یسہم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب ف الاستعانة بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸

اور حدیثیں جواز واجازت میں بھی ہیں اور توفیق بتوفیق اللہ تعالٰی ہمارے فتوٰی میں ہے، مگر یہاں ضرور وہ خرچ خزانہ سے ملتا ہوگا نہ کہ راجہ کی جیب سے، اور خزانہ والی ملک کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا تو اس کے لینے میں حرج نہیں جبکہ کسی مصلحت شرعیہ کا خلاف نہ ہو، **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ وہ ہے جو میرے نزدیک ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۸: از پوکھر ایرارائے پور ضلع مظفر پور محلّہ نورالحلیم شاہ شریف آباد مرسلہ شریف الرحمٰن صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید سندی عالم ہے، مالدار ہے، پانچ سات ہزار روپے کی مالیت رکھتا ہے، چندہ یعنی مانگ کر مسجد بنواتا ہے۔ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے، امور خیر کے لئے چندہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، مالدار پر واجب نہیں کہ ساری مسجد اپنے مال سے بنائے، امر خیر میں چندہ کی تحریک دلالت خیر ہے۔

ومن دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ[1]۔	جو کار خیر کی راہنمائی کرے اس کو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا کار خیر کرنے والے کو۔(ت)

مسئلہ ۲۷۹تا۲۸۰: از اجمیر شریف درگار مقدس مرسلہ نذیر احمد خان صاحب رامپوری ۳رمضان ۱۳۳۶ھ

ایک وقفی جاگیر چند منتظمان کے سپرد کی گئی جس میں ایک شاہی مسجد اور اس کی جائداد بھی شامل ہے، منتظمان وقف خاص نے جائداد مسجد کی کافی آمدنی مجموعی سرمایہ وقف میں جمع کیا اور علاوہ اس مسجد کے جس کے لئے یہ جائداد وقف تھی دوسرے ابواب وقف میں صرف کردیا اور اس مسجد کو ویران رکھا۔ امام مؤذن نماز اذان پنجگانہ کا انتظام کیا نہ پانی روشنی کا اہتمام، حتی کہ مسجد کی ضروری مرمت وصفائی تک نہیں کرائی جاتی۔

اول: ایک وقف کی آمدنی باوجود اس کی ضروریات موجود ہونے کے غیر آباد رکھ کر دوسرے ابواب میں صرف کردینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو صرف شدہ مال مسجد کو ابواب مصروف فیہا (خواہ وقفی ہی ہوں) سے واپس لے کر اس مسجد میں صرف کرانے کا مسلمان کو حق حاصل

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب فضل اعانۃ الغازی فی سبیل اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۷

ہے یا نہیں؟
دوم: منتظمان وقف اس صورت میں شرعًا کسی تعزیر وسزا کے مستوجب ہیں اور واجب العزل ہیں یا نہیں؟

الجواب:

مسجد کی آمدنی دوسرے اوقاف میں صرف کرنا حرام ہے اگرچہ مسجد کو حاجت بھی نہ ہو نہ کہ بحال حاجت کہ حرام حرام اشد حرام ہے۔ مال مسجد اگر بعینہٖ موجود ہو واپس لیا جائے اگرچہ دوسرے وقف یا مسجد دیگر میں ہو اور جو صرف ہوگیا ان کا تاوان منتظمین پر لازم ہے ان سے وصول کیا جائے اور ان کا معزول کرنا واجب ہے کہ وہ غاصب وخائن ہیں اگر صورت مذکورہ واقعیہ ہے۔ درمختار میں ہے:

اتحدالواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاخر عليه وان اختلف احدهما بان بنى رجلان مسجدين اورجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما اوقافا لايجوز له ذٰلك[1]۔	واقف وجہت وقف متحد ہو اور بعض موقوف علیہ کے مشاہر میں کمی واقع ہوجائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی فاضل آمدنی میں سے کچھ اس پر صرف کرے اور اگر ان دونوں یعنی واقف وجہت میں سے کوئی ایک مختلف ہو جیسے دو شخصوں نے الگ الگ دو مسجدیں بنوائیں یا ایک ہی شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنوایا اور دونوں کے مصالح کے لئے الگ الگ اوقاف متعین کئے ہوں تو ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار حاکم کو نہیں۔ (ت)

اس میں ہے:

ينزع وجوبا بزازيه ولوالواقف درر فغيره بالاولى غير مأمون[2]۔ والله تعالٰى اعلم۔	متولی سے وجوبًا وقف واپس لیا جائیگا (بزازیہ) اگرچہ خود واقف ہو (درر) لہٰذا غیر واقف اگر متولی ہو تو بدرجہ اولٰی اس سے وقف واپس لیا جائیگا درانحالیکہ وہ امین نہ ہو (بلکہ خائن ہو)۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٨٠
[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٨٣

مسئلہ ۲۸۱: مسئولہ آفتاب الدین از مدرسہ منظر اسلام

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مسلمان چاہتے ہیں کہ زمین ہندو زمیندار سے مول لے کر مسجد کے لئے وقف کریں مگر وہ زمیندار مسلمانوں کے ہاتھ نہیں بیچتا ہے، تو اس صورت میں مسجد بنانے کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا کہ موروثی زمین پر مسجد بناکر نماز پڑھیں یا اپنے اپنے گھر نماز پڑھیں اور نماز جمعہ کے بابت کیا حکم ہے جب ہندو زمیندار اپنی زمین نہ بیچے؟

الجواب:

ہندو اگر بیچتا نہیں اس سے کوئی مسلمان اپنے نام ہبہ کرالے پھر یہ مسلمان اسے مسجد کردے، موروثی ہونے سے زمین ملک مزارعاں نہیں ہو جاتی، اور وقف کرنے کے لئے ملک ضرور ہے، اگر وہ ہبہ نہ بھی کرے تو گھروں میں یا جہاں مناسب تر ہو نماز پڑھیں اور جمعہ بھی اگر وہ جگہ شہر یا فناء شہر ہو۔ گاؤں میں جمعہ خود ہی جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۲: ایک مسجد نہایت تنگ ہے کہ اس میں بیس آدمی سے زائد نمازی نماز نہیں پڑھ سکتے، یہاں کا زمیندار ہندو ہے وہ عرض و طول میں گھٹانے بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا ہے ایسی صورت میں مسجد کو بحیثیت دو منزلہ تعمیر کرکے اور نیچے اس کے دکانیں بناکر اس کو کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کرایہ کو مسجد کی صرف میں لانے کا خیال ہے اور مسجد کو دکانوں کے اوپر بناسکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں اس وقت سجدہ گاہ نیچے ہے اور پھر دکانوں کے اوپر ہو اس کے واسطے جو حکم ہو مع حوالہ حدیث قوی و مستند کے دیا جائے۔

الجواب:

مسجد کو دکانیں کردینا حرام قطعی ہے، توسیع کے لئے یہ ہوسکتا ہے کہ دو منزلیں کردی جائیں وقت ضرورت بالاخانہ پر بھی نماز ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۳ تا ۲۸۴: از الہ آباد سرائے گڑھا دار الطلبہ مرسلہ محمد نصیر الدین صاحب ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

سوال اول: ایک مسجد کے متعلق کچھ دکانیں ہیں اور مسجد کے وقف نامہ کا کچھ پتا نہیں ہے البتہ اس کی آمدنی متولی سابق اپنے و مسجد کے ضروری اخراجات میں صرف کرتے تھے ان کے زمانہ میں زیر باری بہت ہوگئی تھی تاہم رمضان المبارک کی تراویح میں قرآن شریف ختم ہونے کے بعد شیرینی منگا کر تقسیم کرتے تھے اور ان سے پیشتر جو متولی تھے وہ علاوہ ان اخراجات کے رمضان شریف میں روزانہ افطاری بھی منگا کر نمازیوں کو تقسیم کرتے تھے

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسجد کی آمدنی سے اب مٹھائی اور افطاری منگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ھو الموفق والصواب

صورت مسئولہ میں ختم کی مٹھائی اور رمضان شریف میں افطاری منگانا جائز ہے اس لئے کہ مسجد کی آمدنی کے متعلق پیشتر وقف نامہ کے شرائط کے مطابق عملدرآمد کرنا چاہئے، اور اگر وقف نامہ موجود نہ ہو تو متولیان سابق کے تعامل کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اگر تعامل کا بھی حال معلوم نہ ہو تو جو مسجد کے ضروری اخراجات شرعًا ثابت ہوں اس میں خرچ کرنا چاہئے، جیسا کہ شامی کتاب الوقف میں مذکور ہے:

وفی الخیریۃ ان کان للوقف کتاب دیوان القضاۃ المسمی فی عرفنا بالسجل وھو فی ایدیھم اتبع ما فیہ استحسانًا اذا تنازع اھلہ فیہ، والا ینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف کانوا یعملون وان لم یعلم الحال فیما سبق رجعنا الی المقیاس الشرعی وھو ان من اثبت بالبرھان حقا حکم لہ بہ[1] اھ فقط واللہ تعالٰی اعلم کتبہ محمد عبدالکافی۔	فتاوی خیریہ میں ہے کہ اگر وقف کے لئے کوئی تحریر دفتر قضاۃ یعنی قاضی کے رجسٹر میں ہے جس کو ہمارے عرف میں سجل کہاجاتا ہے تو متولیان وقف میں اختلاف کی صورت میں استحسانًا اس تحریر کے مندرجات کی اتباع کی جائیگی ورنہ دیکھا جائے گا کہ زمانہ سابقہ سے اس وقف کاحال معہود و معروف کیا چلا آرہا ہے یعنی متولیان سابق کیسے کرتے تھے اگر یہ بھی معلوم نہ ہوسکے تو پھر ہم اس قیاس شرعی کی طرف رجوع کریں گے کہ جس نے برہان سے حق ثابت کردیا اس کے لئے اس حق کا فیصلہ کردیا جائے گا اھ فقط واللہ تعالٰی اعلم، اس کو محمد عبدالکافی نے لکھاہے۔(ت)

سوال دوم: ایک مسجد کے سابق متولی سید تھے، وہ بہت نیک وسادہ طبیعت تھے، ان کی سادگی سے کچھ لوگوں نے مسجد کو نقصانات پہنچادئے، ان وجھوں سے ان کی مسجد سے علیحدگی بھی ہوگئی، اب ان کی بے عنوانیوں کو پتھر پر کندہ کراکے مسجد میں نصب کرانا جس سے ان کو صدمہ روحی ہوگا جائز ہے یا نہیں؟ گوان کا نام مذکور نہیں ہے بلکہ بجائے نام متولی سابق لکھا گیا ہے جن کو اس لقب کے ساتھ شہر کے لوگ جانتے ہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴

الجواب:

جب کہ سید صاحب کی علیحدگی ہوگئی اور ان کو مسجد سے کوئی تعلق نہ رہا تو ان کی برائیوں کا کندہ کرکے نصب کرنا نہ چاہئے اس لئے کہ جو کچھ ان سے غفلت ہوئی اس کو عوض ان کو مل چکا اب ہمیشہ کے لئے علانیہ پتھر پر ان کے بے عنوانیاں کندہ کراکے نصب کرانا جائز نہیں بلکہ یہ غیبت میں داخل ہے، جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے:

فی کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع وکما تکون الغیبة باللسان صریحا تکون ایضا بالفعل وبالتعریض وبالکتابة وبالحرکة وبالرمز وبغمز العین والاشارة بالید وکل مایفهم منه المقصود فهو داخل فی الغیبة وهو حرام [1] الخ فقط واللّٰه تعالٰی اعلم بالصواب، کتبه محمد عبدالکافی۔	کتاب الحظر والاباحۃ میں بیع کے متعلق فصل کے تحت مذکور ہے کہ غیبت جس طرح صراحتاً زبان سے ہوتی ہے اسی طرح عمل، تعریض، تحریر، حرکت، رمز، آنکھ اور ہاتھ کے اشارے سے بھی ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ شے جس سے یہ مقصد حاصل ہوتا وہ غیبت میں داخل ہے اور غیبت حرام الخ فقط واللہ اعلم بالصواب، اس کو محمد عبدالکافی نے لکھا ہے (ت)

الجواب:

اللّٰھم ھدایة الحق والصواب۔

(۱) ایک دو شخص کے کرنے سے تعامل ثابت نہیں ہوتا، اگر یہ معلوم ہو کہ قدیم سے یہ مصارف متولیان مسجد مال مسجد سے کرتے آئے اب بھی کئے جائیں گے ورنہ نہیں جبکہ اور کوئی ذریعہ ثبوت شرعی نہ ہو۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذاوجد شرط الواقف فلا سبیل الی مخالفته واذا فقد عمل بالاستفاضة والاستیمارات العادیة المستمرة من تقادم الزمان و	اگر واقف کی طرف سے کوئی شرط موجود ہے تو اس کی مخالفت کی کوئی سبیل نہیں اور اگر یہ مفقود ہے تو پرانے زمانے سے اب تک اس وقف کے بارے میں جو معاملات مشہودہ تسلسل و

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

الٰی ھذاالوقت [1]۔	استمرار سے چلے آرہے ہیں ان پر عمل کیا جائیگا۔(ت)

ورنہ تمام مجہول الشرائط او قاف ہر متولی کے استعمال وتابع افعال ہو جائیں کہ ایک کے فعل سے تعامل ثابت اور سابق سے عدم ثبوت، ثبوت عدم نہیں۔وھذا لایتفوہ بہ من لہ ادنی ترعرع من العامیۃ کما لایخفی (یہ ایسی بات ہے جو ادنٰی سوجھ بوجھ رکھنے والاایک عام آدمی بھی نہیں کہہ سکتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

(۲) اگران باتوں میں ان کا قصور نہ تھابلکہ اور لوگوں نے نقصان پہنچائے توان افعال کی ان کی طرف نسبت بہتان وافترا ہے اور اس کی اشاعت اشاعت فاحشہ ہے اور وہ حرام ہے۔

قال تعالٰی "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک وہ لوگ جو مومنوں میں اشاعت فاحشہ چاہتے ہیں ان کیلئے دنیاوآخرت میں درد ناک عذاب ہے(ت)

اور اگر ان کا قصور تھا اور اس پر ان کی علیحدگی بھی ہوگئی اور اب ان بے اعتدالیوں کا پتھر پر کندہ کراکے نصب کرنا کوئی مہم مصلحت شرعیہ نہ رکھتا ہو تو اگرچہ اس حالت میں کہ وہ باتیں معروف ومشہور ہوچکی ہوں اہل شہر ان وقائع پر مطلع ہوں ان کا لکھ کر نصب کرنا غیبت نہیں ہوسکتا ہے خصوصًا منظر عامہ میں نصب کہ اشتہار چھاپ کر عام تقسیم کی طرح حد غیبت میں اس کا آنا دشوار نہ تاحیات متولی مذکور اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ جب کہ منجر بفتنہ نہ ہو ہاں بعد موت متولی اس پتھر کا معدوم کردینا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتذکروا موتاکم الابخیر [3]۔	اپنے مردوں کا ذکر بھلائی کے سوامت کرو(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانھم قد افضوا الٰی ماقدموا [4]۔	اپنے مردوں کو برانہ کہو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔(ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[3] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان، الآفۃ الثامنۃ اللعن دارالفکر بیروت ۷/ ۴۹۰، ۴۹۱

[4] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینھی عن سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷، سنن النسائی کتاب الجنائز، النھی عن سب الاموات، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۷۴

بایں ہمہ جب کہ بلا مصلحت شرعیہ ہے عبث ہے، اور عبث سے ویسے ہی بچنا چاہئے نہ کہ وہ جس سے کسی مسلمان کو تکلیف ہو اور اگر وہ افعال وقف میں خیانت واضرار تھے اور متولی کو پھر عود کی ہوس ہے اور اس کی قوت یا بعض کی حمایت سے عود کا اندیشہ ہے اور اس پتھر کا نصب کرنا مانع ہوگا غرض اس کے نصب میں اس کا عزل ہے یا اسی طرح اور کوئی مصلحت مہمہ شرعیہ ہے تو نصب میں حرج نہیں بلکہ حاجت ہو تو اجر ہے،

نظیر مافی الحدیث اترعون عن ذکر الفاجر کی یعرفه الناس اذکرو الفاجر بما فیه ویحذره الناس[1]۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث میں ہے کہ فاجر کا رد کرنے سے باز رہتے ہو تاکہ لوگ اسے پہچانتے رہیں، فاجر کی فجور اور اس کی بری خصلتوں کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۵: از موضع سیاکھ تھانہ چومکہ تحصیل میرپور ریاست جموں مسئولہ محمد ابراہیم ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایک قطعہ اراضی جو مسجد کے قریب واقع ہے آباء واجداد سے خادم آب مسجد اس کی کاشت کرتے ہیں اور ماحصل اس کا کھاتے ہیں اور خراج اس کا ادا کردیتے ہیں اگر خدمت ماء چھوڑدیں تو اہل دیہہ دوسرے خادم آب مسجد کو دیتے ہیں اسی طریق پر قبضہ اراضی مذکور کا بدلتا جاتا ہے معلوم نہیں ہوتا کہ آباواجداد اہل دیہہ نے کس طرح اراضی بالا کو مقرر کیا مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی وقف کیا یا بعدہ وقف کیا ہے یا بوجہ اعمال بطور خدمت مذکور دی گئی اور ملک خود باقی، اگر اب موجودہ اہل دیہہ اراضی مملوکہ مشترکہ سمجھ کر اس کے کئی گوشہ پر تعمیر مکان امام مسجد کرادیں اور یہ کہیں کہ یہ اراضی مشترکہ مملوکہ ہمارے آباواجداد کی ہے ہم کو اختیار ہے جو کریں خادم آب مسجد صرف مزدوری کا مالک ہے اس کی مزدوری نقد وغیرہ سے ادا کریں، بالاتفاق تعمیر مذکور کرادیں، آیا یہ عمارت اس قطعہ اراضی میں جائز ہے یا نہیں، چونکہ ہمارے ہاں لوگ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے شروط اور ارکان وقف سے واقف نہیں، پس یہ اراضی بالا کس امر پر محمول ہوگی، وقف سمجھی جائے گی یا مملوکہ اہل دیہہ متصور ہوگی یا کسی اور طریق پر محمول ہوگی ہر ایک قید قیود مد نظر فرما کر بالتعجیل جواب باصواب سے ممتاز فرمائیں ہمارے لوگ اکثر جوابہائے سوال دیوبندیوں سے

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۱۰

منگواتے ہیں چونکہ یہ فقیروں کی جانب سے بعض مسائل اعتقادی عمل میں گراں خاطر ہیں اس واسطے حضرت کوتکلیف دی گئی۔

الجواب: اگر وہ زمین بنام وقف مشہور ہوتو بلا شبہ وقف ہے کہ وقف شہرت سے ثابت ہو جاتا ہے اگرچہ پتانہ چلے کہ کب اور کس نے وقف کیا جیسے قدیم مساجد کہ بلاشبہ وقف ہیں اگرچہ نہیں بتا سکتے کہ کس نے کب بنائیں، درمختار میں ہے:

تقبل فیه الشهادة بالشهرة[1] (ملخصًا)	وقف میں شہرت کی بنیاد پر شہادت مقبول ہے (ملخصًا)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الاسعاف عن الخانیة وتصح دعوی الوقف و الشهادة به من غیر بیان الواقف[2]۔	اسعاف میں خانیہ سے منقول ہے وقف میں دعوی اور شہادت بیان واقف کے بغیر بھی صحیح ہے۔ (ت)

اور اگر بنام وقف مشہور نہ ہو نہ اور کسی ذریعہ شرعیہ سے اس کا وقف ہونا ثابت ہو اور یہ ثابت ہو کہ فلاں شخص کی ملک تھی اور یہ ثبوت گواہان عادل سے ہو تو وہ اس شخص کا ترکہ اور اس کے وارثوں کی ملک ہے جو چاہیں کریں، اور اگر اس کا بھی ثبوت نہ ہو تو جس طرح قدیم سے خادمان آپ کے قبضے میں چلی آتی ہے یونہی رہے گی، اہل دیہہ بلا ثبوت شرعی اس پر دعوی ملک یا کوئی تصرف جدید نہیں کرسکتے۔ امام ثانی مذہب سیدنا ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

لیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الابحق ثابت معروف[3]۔	امام کو جائز نہیں کہ بغیر حق ثابت ومعروف کے کسی کے قبضہ سے کوئی شے خارج کرے (ت)

بلکہ قدیم سے اس کا یونہی چلا آنا اور کسی کا دعوی ملک نہ کرنا حال کے لوگوں کے دعوی ملک کو ناقابل سماعت کرتا ہے۔ ردالمحتار مسائل شتی میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[3] کتاب الخراج فصل فی الارض فی الصلح والعنوۃ مطبع بولاق مصر ص ۷۰

فی الحامدیة من الولوالجیة رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اخریری الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ فتترك علی ید المتصرف[1]۔	حامدیہ میں بحوالہ ولوالجیہ ہے کہ ایک شخص کچھ عرصہ ایک زمین میں تصرف کرتا رہا اور دوسرا شخص اسے زمین میں تصرف کرتے دیکھتا رہا اور اس پر دعوی نہیں کیا پھر اسی حال میں مرگیا تو اس کے بعد اس کے بیٹے کا دعوی مسموع نہ ہوگا لہٰذا وہ زمین حسب سابق متصرف کے قبضے میں رہنے دینگے۔(ت)

اور جبکہ کسی کی ملک ثابت نہیں، نہ اب دعوی ملک سنا جائے اور متعلق مسجد ہونا قطعًا معلوم کہ اسی کے خادمان آب کے تصرف میں رہتی ہے اور وہ مسجد کے لئے اس کا خراج ادا کرتے ہیں تو مسجد پر وقف ہی سمجھی جائے گی اور یہ طریقہ کہ اجرت آب میں ان کو دی جاتی ہے کہ خراج دیں اور باقی محاصل اپنی مزدوری میں لیں حرام ہے کہ اجرت مجہولہ بلکہ غرر وخطر میں ہے اور مسلمانوں کا کام حتی الامکان صلاح پر محمول کرنا واجب، کما نصوا علیه قاطبة فی غیر ما مقام (جیسا کہ علماء نے متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی۔ت) تو یہ تعامل قدیم یوں سمجھا جائے گا کہ واقف ہی نے زمین اسی شرط پر وقف کی کہ خادمان آب مسجد اس کی کاشت کریں اور محاصل کھائیں اور خراج مسجد کو دیں تو اس طریقے کی تبدیل کسی کے اختیار میں نہیں،

فان شرط الواقف کنص الشارع صلی الله تعالٰی علیه وسلم[2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	واقف کی شرط شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۶: از ریاست گوالیار محلّہ چوک بازار جامع مسجد مرسلہ عبدالغفور صاحب ۳ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱۳۱۹ھ میں شہر گوالیار میں یہیں کے شرفاء ذی علم اور معزز حضرات کی ایک انجمن قائم ہوئی گوالیار کی جامع مسجد نہایت شکستہ حالت میں بکفالت سرکار تھی۔ اراکین انجمن نے واگذاشت کرانے کی کوشش کی، ریاست نے بکمال رعایا پروری جامع مسجد مع دکانات اور اراکین انجمن کے سپرد فرمادی، اراکین انجمن نے علاوہ انتظام

[1] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۳

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

جامع مسجد کے اور انتظام دینی خدمات کے بھی اپنے زمہ لئے ستائیس ہزار روپیہ جامع مسجد مذکور کی مرمت و تعمیر میں صرف کیا جس میں دس ہزار عطیہ ریاست ہے اراکین انجمن نے ایک امام مسمّٰی زید کو بمشاہرہ مبلغ ۱۰؍ماہوار مقرر کیا مگر زید نے اپنے فرائض منصبی یعنی نماز وغیرہ کی پابندی نہیں کی، علاوہ عدم پابندی نماز وغیرہ کے اور بہت سی بے عنوانیاں ظاہر ہوئیں جس پر اراکین انجمن نے بہت فہمائش کے بعد زید کو کئی برس کا عرصہ ہوا برخاست کردیا اور دوسرے امام صاحب کو بیس روپیہ ماہوار تنخواہ پر مقرر کیا۔

اول یہ ہے کہ ازروئے شرع شریف ایسے امام کو جیسا کہ زید تھا اور جس کو عہدہ امامت پر اراکین انجمن نے مقرر کیا تھا برخاست کرنے کا اختیار اراکین انجمن کو تھا یا نہیں؟ اور ایسی صورت جب کہ کل انتظام جامع مسجد کا اراکین انجمن کے اختیار میں سترہ اٹھارہ برس سے ہے، اراکین انجمن جس کو چاہیں امام بناسکتے ہیں یا نہیں؟ زید کا خیال ہے کہ منصب امامت ایک دائمی اور موروثی عہدہ ہے اور باوجود عدم پابندی نماز اور بہت سی بے عنوانیاں کے امام کسی حال میں معزول نہیں ہوسکتا، کیا درحقیقت شرعًا منصب امامت کوئی دائمی اور موروثی عہدہ ہے، زید یہ بھی کبھی کہتا ہے کہ عوام الناس سے مشورہ میری معزولی کے وقت میں نہیں لیا گیا لہٰذا میں معزول نہیں ہوا، کیا شرعًا اس کی معزولی کے لئے عوام الناس کا مشورہ ضروری تھا اور کیا بغیر عوام الناس کے مشورہ کے انجمن انتظامیہ جامع مسجد جو عرصہ سے جامع مسجد کی متولی اور منتظم ہے اور جس نے بغیر مشورہ عوام الناس کے زید کو دس روپیہ ماہوار پر امام مقرر کیا تھا اس کو معزول نہیں کرسکتی۔ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

امامت میں میراث جاری نہیں ورنہ امام متوفی کے بعد آٹھویں دن اس کی زوجہ امامت کرے، جو نماز کا پابند نہ ہو لائق امامت نہیں، اسے معزول کرنا واجب ہے، اگر معزول نہ کرتے گنہگار رہتے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقدوجب علیہم اھانتہ شرعًا[1]۔	فاسق امام کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے جب کہ لوگوں پر شرعًا اس کی توہین لازم ہے۔ (ت)

انجمن کو ایسے شخص کے معزول کرنے میں کسی سے کچھ مشورہ کی حاجت نہ تھی بلکہ بحالت مذکورہ اگر تمام عوام الناس اس کو بحال رکھنا چاہتے تو ان کا کہنا ماننا جائز نہ تھا اور معزول کرنا واجب تھا۔ رسول اللہ

[1] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[1]۔	اللہ تعالٰی کی معصیت میں کسی کی طاعت نہیں کی جائیگی۔ (ت)

زید کا یہ عذر عجیب ہے، انجمن کی کارروائی بے مشورہ عوام اس کے نزدیک صحیح ہے یا باطل؟ اگر صحیح ہے تو عذر کیا ہے اور اگر باطل ہے تو معزولی درکنار، اس کا تقرر ہی باطل تھا کہ وہ بھی انجمن نے بے مشورہ عوام کیا تھا اور جب تقرر باطل تھا تو جتنے دنوں مسجد کے مال سے ۱۰؍ ماہوار لیا واپس دے۔ اب کہے گا کہ وہ تقرر صحیح تھا تو یہ معزولی بھی کہ بوجہ شرع ہے صحیح ہوئی، ہاں بلاوجہ شرعی مقبول نہ ہوتی۔ بحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

واستفید من عدم عزل الناظر بلاجنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ناظر کو بلاجرم معزول کرنے کے صحیح نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کسی وقف میں کسی صاحب وظیفہ کو بلاجرم اور بغیر نااہلی کے معزول کرنا صحیح نہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۷: ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سرکاری عہدہ ممبری کے ملنے کے لئے جو لوگوں کی کوشش پر موقوف ہے مسلمانوں سے کوشش کرانا چاہتا ہے کہ کوشش کنندگان یہ کہتے ہیں تم تعمیر مسجد میں اس قدر روپیہ دو برتقدیر ممبر ہوجانے کے۔ تو ہم لوگ تیار کوشش پر ہیں۔ یہ رقم جو حق الاجرت ہے مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اسے حق الاجرۃ کہنا صحیح نہیں کہ ممبر کردینا ان کا کام نہیں اور کوشش مجہول القدر ہے اور وقت معین نہ کیا تو یہ کسی طرح اجارہ جائزہ میں نہیں آسکتا، ہاں اگر یوں کرے کہ وہ ان کو مہینے پندرہ روز کے لئے بتعیین تنخواہ وتعیین وقت مثلاً تم کو دس دن کے لئے ہر روز صبح کے آٹھ بجے سے شام کے چار بجے تک

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری دارالفکر بیروت ۵/ ۶۶،۶۷، کنز العمال بحوالہ ق۔د۔ن عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۱۴۸۷۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

اتنے معاوضہ پر اگرچہ وہ دس ہزار روپے ہوں نوکر رکھا پھر وقت مقرر میں جو کام چاہے لے ازاں جملہ یہ کوشش تو اس صورت میں اجارہ صحیح ہوجائے گا **وقد افادھذہ الحیلۃ فی الخانیۃ والخلاصۃ وغیرہما** (تحقیق اس حیلہ کا افادہ خلاصہ اور خانیہ وغیرہ میں فرمایا ہے۔ت) مگر اس صورت میں وہ بات کہ بر تقدیر ممبر ہوجانے کے ہے حاصل نہ ہوگی بلکہ یہ تنخواہ واجب الادا ہوگی اگرچہ ممبری نہ ملے، اور اگر یہ شرط کرلیں کہ ممبری ملنے پر یہ تنخواہ دی جائے گی تو پھر اجارہ فاسد وحرام ہوجائے گا، معہذا جب کہ یہ روپیہ ان کا حق الاجرۃ ہوگا ان کی ملک ہوگا اگر مسجد میں نہ دیں ان پر الزام نہ ہوگا۔ایک صورت یہ ہے کہ مسجد کی کوئی اینٹ یا لوٹا کپڑے میں سی کر مثلاً دو ہزار کو اس کے ہاتھ متولی مسجد بیع کرے اور وہ قیمت اور چیز کسی امین کے پاس رکھ دی جائیں اور یہ لوگ کوشش کریں اگر ممبری ہوجائے امین وہ چیز ممبر کو دے دے اور وہ روپیہ مسجد میں اور اگر ممبری نہ ہو تو یہ طالب ممبری اس چیز کو کھول کر اب دیکھے اور بحکم خیار رویت بیع رد کردے امین وہ چیز مسجد کو دے دے اور قیمت اس شخص کو پھیر دے، اس میں یہ بھی ہوگیا کہ روپیہ بر تقدیر ممبری دیا جائے گا ورنہ نہیں، اور جب دیا جائے گا تو مسجد ہی کی ملک ہوگا، دوسرا اس میں تصرف نہ کرسکے گا مگر اس میں یہ خامی ہے کہ ممبری ہوجانے پر بھی اسے اختیار ہوگا کہ چیز دیکھ کر بیع رد کردے تو ممبری بھی ہوگئی اور روپیہ بھی دینا نہ آیا۔اور اگر یوں ہو کہ طالب ممبری کہے میں اللہ کے لئے منت مانتا ہوں کہ اگر ممبر ہوگیا تو دو ہزار روپے فلاں مسجد کی تعمیر میں دوں گا تو یہ بھی اس کے اختیار پر رہے گا کہ تعمیر مسجد کی نذر صحیح ولازم نہیں، بدائع و ردالمحتار میں ہے:

من شروطه ان یکون قربة مقصودة فلا یصح النذر بالوضوء والاذان وبناء الرباطات والمساجد[1]۔	نذر کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ قربت مقصودہ ہو لہٰذا وضوء، اذان، خانقاہوں اور مسجدوں کی تعمیر کی نذر صحیح نہیں۔(ت)

اگر وہ یوں کہے کہ ممبری ملنے پر اسی دن دو ہزار فلاں مسجد کو دوں گا نہ دوں تو دس ہزار روپے فقرائے مسلمین کو دوں اگرچہ نذر مسجد لازم نہ ہوئی یہ نذر تو یقیناً نذر صحیح ہے اس کے خوف سے مسجد کو دو ہزار دے گا تو یہ بھی کافی نہیں کہ یہ نذر معنی میں قسم ہے، اگر مسجد کو روپیہ نہ دے تو اسے اختیار ہوگا کہ صرف قسم کا کفارہ دے دے اور بری الذمہ ہوگیا، درمختار میں ہے:

ان المعلق فیه تفصیل فان علقه	پھر نذر معلق میں تفصیل ہے اگر اس نے نذر کو

[1] ردالمحتار کتاب الایمان مطلب فی احکام النذر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۶۷

بشرط یریدہ کان قدم غائبی یوفی وجوبا ان وجد الشرط وان علقه بمالم یردہ کان زنیت بفلانة مثلاً فحنث وفی بنذرہ اوکفر لیمینه علی المذهب لانه نذر بظاهر ویمین بمعناہ فیخیر ضرورۃ[1]۔	ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا غائب شخص آجائے (تو مجھ پر اتنا صدقہ لازم ہے) اس صورت میں اگر شرط پائی جائے تو نذر کو وجوبًا پورا کرے گا اور اگر ایسی شرط کے ساتھ نذر کو معلق کیا جس کا وہ ارادہ نہیں رکھتا مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے زنا کروں (تو مجھ پر صدقہ لازم ہے) پھر حانث ہوا تو چاہے تو نذر کو پورا کرے چاہے تو قسم کا کفارہ دے دے کیونکہ یہ ظاہرًا نذر اور معنًا یمین ہے لہٰذا اس کو از راہ ضرورت اختیار دیا جائیگا۔ (ت)

اور اس کے بدلے یوں کہلوائیں کہ نہ دوں تو میرا مکان اور جائداد مسجد مذکور پر وقف ہے، تو یہ بھی بیکار ہے کہ وقف کسی شرط پر معلق نہیں ہوسکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

الوقف لایحتمل التعلیق بالحظر[2]۔	وقف قریب الہلاک شیئ کے ساتھ معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا (ت)

ہاں باندی غلام ہوتے تو یہ بندش پوری تھی کہ بشرط ممبری مثلاً ایک ہفتہ کے اندر اتنا روپیہ اگر فلاں مسجد کو نہ دوں تو میرے سب غلام وکنیز آزاد ہیں مگر یہاں باندی غلام کہاں، اور ایسی قسم طلاق کی نہ کھانی جائز نہ کھلانی جائز، اور حدیث میں ارشاد ہوا:

ماحلف بالطلاق مومن وما استحلف به الامنافق[3]۔	طلاق کی قسم نہیں کھاتا مسلمان، نہ اس کی قسم لے مگر منافق۔

بالجملہ ایسی صورت کہ ممبری نہ ہونے پر روپیہ نہ دینا ہو اور ہونے پر مجبورًا دینا پڑے اور وہ مسجد ہی کا حق ہو کوئی نظر نہیں آتی سوا اس کے کہ طالب ممبری وہ روپیہ کسی امین کو دے دے اور اسے وکیل کردے کہ اگر ممبری ہوجائے تو یہ روپیہ فلاں مسجد میں دے دینا۔ اب اگر ممبری نہ ہو تو وکیل اسے روپیہ واپس دے اور ہوجائے تو فورًا وہ روپیہ متولی مسجد کو دے دے قبل اس کے کہ موکل اسے معزول کرسکے اس صورت میں جب وکیل وہ روپیہ مسجد کو دے چکے گا موکل کو اس کی واپسی کا کچھ اختیار

[1] درمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۴و۲۹۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۸۹

نہ رہے گا فان الصدقۃ اذا تمت لزمت (اس لئے کہ صدقہ جب تام ہوجائے تو لازم ہوجاتا ہے۔ت) ہاں بعد ممبری وکیل ابھی روپیہ مسجد کو نہ دینے پایا کہ موکل نے منع کردیا اور اس ممانعت کی اطلاع وکیل کو ہوگئی تو وکالت سے معزول ہوجائے گا اور مسجد میں نہ دے سکے گا اور اگر اس نے منع کیا اور وکیل کو ابھی اطلاع نہ ہوئی اور روپیہ مسجد کو دے دیا تو دینا صحیح ہے اور موکل واپس نہیں کرسکتا لان الوکیل لاینعزل بالعزل مالم یعلمہ (کیونکہ وکیل معزول کردینے سے معزول نہیں ہوتا جب تک اسے علم نہ ہوجائے۔ت) لہٰذا بعد ممبری وکیل فورًا متولی کو دے دے یہ سب صورتیں شرعًا مجبور ہونے کے متعلق تھیں اور اگر اطمینان ہو تو عنداللہ وہ اتنے وعدہ ہی سے کہ ممبری ہوجائے تو اتنا روپیہ فلاں کو دوں گا دینے پر مجبور ہے کہ اللہ واحد قہار سے وعدہ کرکے پھرنا بہت سخت ہے اور اس پر شدید وعید، قال تعالٰی:

"فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝" [1]. والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تو اس کے پیچھے اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ تعالٰی سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ وہ جھوٹ بولتے تھے، اللہ تعالٰی کی پناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۸: از شہر علیگڑھ مرسلہ محمد اسمٰعیل و محمد یوسف سوداگران موتی مسجد ۱۰/رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ زمانہ سلف کی ایک مسجد جس کی کرسی اونچی ہے ایک محلّہ میں واقع ہے اس محلّہ میں متعدد آدمی نمازی ہیں اور وہ بھی ناداری کی وجہ سے مسجد کے کسی خرچ کے کفیل نہیں ہوسکتے ہیں، اس مسجد میں کنواں نہیں تھا کچھ عرصہ ہوا کہ ایک کنارے سے کنواں بنوایا گیا ہے جو زینہ سے اور صحن کے میل میں ہے رائے یہ ہوئی کہ اس کا زینہ کنویں کی طرف کردیا جائے اور زینہ کے نیچے ایک آدھ گز زمین فرش میں سے لے لی جائے اس آدھ گز زمین میں دیوار اٹھا کر بنوادی جائے اور بجائے زینہ کے دکانیں بنوادی جائیں جن کا کرایہ مسجد کے خرچ میں صرف کیا جائے آدھ گز زمین فرش میں سے لینے کے لئے دیوار کاٹی جارہی تھی کہ بجائے مٹی کے راکھ نکل پڑی اور یکایک جو حصہ صحن کا چھوڑا تھا وہ بھی آن پڑا اس طرح سے کل کرسی صحن مسجد کی آن پڑی صرف اندرونی مسجد باقی ہے، اب یہ رائے ہے کہ صحن مسجد

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

میں ایک صف کی جگہ ٹھوس کرادی جائے اور باقی صحن میں دکانات بنوادی جائیں اور ان دکانات کا کرایہ مسجد کے صرف میں لایا جائے اور ان دکانات کی چھت ہموار کرکے بیرون صف مسجد کے ساتھ جو ٹھوس ہوگی ملادی جائے۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ وجوہات مندرجہ بالا کے لحاظ سے جو دکانات کا تیار کرانا اور چھت کا ہموار کردینا اور بیرون صف سے ملادینا اس میں شرعًا تو کوئی امر مانع نہ ہوگا اور دکانات کی چھت جو ہموار ہو کر صحن مسجد ہوجائے گا اس میں نماز کی ادائیگی درست ہوگی اس کے متعلق جو اتفاق علماء کا ہو قطعی طور پر مفصل بتایا جائے اور شرعی مسئلہ کے موافق مشورہ موجودہ صورت میں تعمیر مسجد کا دیا جائے۔

الجواب:

جو زمین مسجد ہوچکی اس کے کسی حصہ کسی جز کا غیر مسجد کردینا اور اگرچہ متعلقات مسجد ہی سے کوئی چیز ہو حرام قطعی ہے **قال الله تعالٰی** "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں۔ت) پہلے جو ایک حصہ فرش کا زینہ میں شامل کرنا چاہا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام فرش گر گیا اب فرش مسجد کو دکانیں کرنا چاہتے ہیں، یہ حرام اور سخت حرام ہے، ان دکانوں میں بیٹھنا حرام ہوگا، ان سے کوئی چیز خریدنے کے لئے جانا حرام ہوگا، فنائے مسجد میں دکانیں کرنے کو تو علماء نے منع فرمایا نہ کہ **معاذاللہ** نفس مسجد میں۔ بزازیہ اور درمختار میں ہے:

لایجوز ان یتخذ شیئ منه مستغلا[2]۔	مسجد کے کسی حصہ کو کرایہ حاصل کرنے کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں۔(ت)

مبسوط السرخسی اور عالمگیریہ میں ہے:

قیم یرید ان یبنی حوانیت فی فناء المسجد لایجوز ذٰلك لانه یسقط حرمة المسجد لانه فناء المسجد له حکم المسجد[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی متولی فنائے مسجد میں دکانیں بنانا چاہتا ہے تو اسے ایسا کرنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ حرمت مسجد کو ساقط کردیتا ہے کیونکہ فنائے مسجد کا حکم وہی ہے جو خود مسجد کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

مسئلہ ۲۸۹: از سکندرہ راو ضلع علیگڈھ محلّہ نوخیل مرسلہ ایزد بخش ۱۳رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدود جامع مسجد میں فرش مسجد سے ملحق ایک درجہ وضوخانہ کے نام سے جس کے بیرونی دروازہ عام راہ پر اور اندرونی در جن کے فرش مسجد پر نصب ہیں اور نالی واسطے خارج ہونے پانی وضو درمیان فرش مسجد وصحن ووضوخانہ مسقف تعمیر ہے جس میں وقت بارش ودھوپ نمازی وضو کرتے ہیں اب ان کے در جو جانب فرش مسجد ہیں بند کرکے ایک ہندو وکیل کو جو پیشہ وکالت کرتا ہے واسطے کرنے وکالت کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

حرام حرام حرام، بوجوہ حرام، اگرچہ مسلمان کو جائز کار دنیوی کے لئے کرایہ پر دیتے۔

عالمگیری میں ہے: **لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ**[1] (وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از پدارس پور ضلع بریلی ڈاکخانہ صدر کیمپ مرسلہ سنو خاں ۲۲رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کالے خاں اس کی اینٹ تخمیناً قریب چار ہزار کے تھیں اس کو ایک ڈگری دار نے قرق کرایا اور بجائے چار ہزار کے ڈھائی ہزار کا تخمینہ کیا گیا اور ان اینٹوں کو بضرورت مسجد نیلام میں خرید کیں اور خرید بنام سنو خاں کے لیں بعد خرید نیلام کے جب اس کا شمار کیا گیا تو چار ہزار ہوئیں اور آپس میں یہ مشورہ ہوگیا کہ اس کے اوپر کوئی دام نہ بڑھائے یہ واسطے مسجد کے خرید کی جائیں تو اب مسجد میں ڈھائی ہزار دینا چاہئے یا کل دی جائیں اور اگر ڈھائی ہزار دی گئیں مسجد میں تو باقی ڈیڑھ ہزار تخمیناً بچیں تو اس کا مالک کالے خاں ہے یا مسجد کی ہوئیں؟

الجواب:

جو باقی بچیں ان کا مالک تو یقینا کالے خاں ہے اس کو دی جائیں، اور سائل نے بیان کیا کہ یہ نیلام ڈگری دار نے کرایا اور اس کا مطالبہ پورا بھی نہ ہوا نہ کہ کچھ بچتا اور کالے خان کو دیا جاتا اور وہ لیتا تو وہ ڈھائی ہزار بھی مسجد میں صرف کرنی جائز نہیں، ہاں اگر کالے خاں بخوشی مسجد کو ہبہ کردے تو جائز ہے چاہے یہ ڈیڑھ ہزار بھی ہبہ کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

مسئلہ ۲۹۱: از مقام فتح گڈھ ضلع فرخ آباد مرسلہ حسین خاں گھڑی ساز سابق متولی مسجد گولا ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس کے متعلق کچھ دکانات ہیں مگر بوجہ ناکارہ حالت میں ہونے کے آمدنی ضروریات مسجد کے لئے کافی نہ تھی اس لئے ایک شخص اس نیت سے مدت مدید تک جدوجہد کرتا رہا کہ دکانات اچھی حالت میں ہوجائیں تو بصورت اضافہ آمدنی مسجد اپنے اخراجات کی خود کفالت کرسکے اس کی سعی وحسن نیت سے یہ نتیجہ ہوا کہ مسجد کی آمدنی بجائے چار پانچ ۱۶؍ روپیہ ماہانہ ہوگئی اور جملہ اخراجات مثل شکست وریخت و تنخواہ پیش امام نیز بماہ صیام انتظام روزہ کشائی جو ۴؍ روزانہ کے حساب سے رہا ختم کلام اللہ پر تقسیم شیرینی وروشنی عرصہ دس بارہ سال سے برابر عمل میں آتی رہی لیکن چند سال سے بعض علماء جو ایک ہی دارالعلم کے سرچشمہ سے سیراب ہیں اور ایک مدرسے سے تعلق رکھنے کے باعث رونق افروز بمقام ہذا ہیں اور اس مسجد سے اس وجہ سے واسطے رکھتے ہیں کہ کچھ رقم پیش امام کے نام سے مدرسہ کے لئے بطور امداد لی جاتی ہے اور فرائض امامت مدرسہ ہی کے کوئی نہ کوئی مولوی صاحب ہی ادا کرتے رہتے ہیں یہ حضرات آمدنی مسجد سے روزہ کشائی کرانا اور ختم قرآن پر تقسیم شیرینی وروشنی وغیرہ کرنا ناجائز بتاتے ہیں چنانچہ گذشتہ چوتھے سال ختم قرآن مجید پر حسب طریق قدیم جب تقسیم شیرینی عمل میں نہ آئی جس کی بندش کی صورت ایسے طریقے پر کی گئی تھی جو شان عالم کے خلاف کیا بلکہ ایک دنیادار کے واسطے بھی موجب شرم تھی تو اہل اسلام میں اختلاف رونما ہو کر ایک فتنہ برپا ہونے کا احتمال ہوا، اگر مولوی صاحب علیحدہ نہ کردئے جاتے تو یقینا تباہ کن نتائج مرتب ہوتے امسال دوسرے مولوی صاحب نے آمدنی مسجد سے روزہ کشائی ناجائز قرار دے کر مغرب کے وقت مسجد کی رونق جو بوجہ کثرت نمازیاں ہوجایا کرتی تھی، اس میں اس قدر کمی پیدا کردی جو گزشتہ سال کی تعداد چالیس وپچاس کے بجائے آج کل دس بارہ ہوتی ہے کیونکہ ایک دو روز تک پابند صوم نمک کی ڈلی وپانی سے روزہ کشائی کرتے رہے بعدہ دیگر مسجد میں جہاں یہ اہتمام ہوتا ہے مکدر خاطر ہو کر چلے گئے، پس کیا امورات مرقومہ بالا آمدنی مسجد سے تکمیل کو پہنچانے جائز ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

ایضاً

مسئلہ ۲۹۲: از فتح گڈھ کمپ ضلع فرخ آباد محلّہ منگت مرسلہ محمد ایوب ومحمد یعقوب سوداگران پنجابی ۲۵؍ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا مال موقوفہ یعنی دکانیں جن کی آمدنی مسجد کے

اخراجات کو کافی نہیں ہوسکتی تھی لہٰذااخراجات کے پورا کرنے کے واسطے مسلمان شہر سے چندہ وصول کرکے ایک شخص کی زیر نگرانی عمارت جدید بنائے سابقہ پر تیار ہوئی بفضلہٖ تعالٰی ان کی آمدنی اخراجات مسجد کو کافی ہوتے ہوئے قدرے پس انداز ہوتا رہا بایں سبب بعض جاہل اور ناخواندہ مہتمموں نے رمضان المبارک میں ختم قرآن پاک شیرینی اور افطاری کا سامان اسی میں سے کیااب اس مسجد کی تولیت اور اہتمام کاکام ایسے لوگوں کے سپرد ہواجوان سے ذی علم ہیں چنانچہ ختم قرآن پاک کی شیرینی اور افطاری کا سامان اپنے پاس سے کیااور کررہے ہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ اس رقم کو جو پس انداز ہوتی رہی ہے اس کو زمین افتادہ موقوفہ زیر مسجد میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا جائے اوراس آمدنی کو اس میں صرف کیا جائے چنانچہ آج کل میں تعمیر شروع ہونے والی ہے امسال بوجہ اغوائے شیطانی وہ شخص جس کے زیر نگرانی کچھ عرصہ تک یہ مسجد رہ چکی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میری نگرانی کے زمانے میں توسیع آمدنی ہوئی ہے، لہٰذا مجھے حق حاصل ہے کہ ختم قرآن مجید کی شیرینی اور افطاری کا سامان اسی سے کروں، یہاں کی افطاری کی یہ صورت ہے کہ مختلف قسم کی مٹھائی اور مختلف قسم کی اشیاء نمکین جن کی تعداد دس بارہ سے کم نہیں ہوتی اس میں شرکت کرنے والے نصف روزہ دار اور نصف بے روزہ، روزہ داروں میں فیصدی پچھتّر مرفہ الحال تو پچیس غریب اس صورت میں ختم قرآن پاک کی شیرینی اور افطاری کا سامان مال موقوفہ سے اس صورت خاص میں بایں ہیئت کذائی کرسکتے ہیں یانہیں؟اور متولیان اور مہتممان سابق بعد علیحدہ ہوجانے تولیت اوراہتمام کے مال موقوفہ میں مجاز ہوسکتے ہیں یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دارالافتاء میں یہ سوال فریقین کی طرف سے آیا فریق اجازت خواہ ان مصارف کاآمدنی اوقاف مسجد سے ہونا ایک جگہ دس بارہ سال سے کہتا ہے دوسری جگہ طریق قدیم اور فریق منع طلب اسے محض احداث جدید اور فعل جہال کہتاہےاور اس کے بدلے زمین موقوفہ مسجد میں مدرسہ بناکر فاضل آمدنی مسجد اس میں صرف کرنا چاہتاہے، یہاں حکم شرعی یہ ہے کہ اوقاف میں پہلی نظر شرط واقف پر ہے یہ زمین ودکانیں اس نے جس غرض کے لئے مسجد پر وقف کی ہوں ان میں صرف کیا جائے گا اگرچہ وہ افطاری وشیرینی وروشنی ختم ہو اور اس کے سوا دوسری غرض میں اس کاصرف کرنا حرام حرام سخت حرام اگرچہ وہ بناء مدرسہ دینیہ ہو **فان شرط الواقف کنص الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** [1] (واقف کی شرط ایسے ہی واجب العمل ہے جیسے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص۔ت) حتی کہ اگراس نے

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

صرف تعمیر مسجد کے لئے وقف کی تو مرمت شکست وریخت کے سوا مسجد کے لوٹے چٹائی میں بھی صرف نہیں کر سکتے افطاری وغیرہ درکنار، اور اگر مسجد کے مصارف رائجہ فی المساجد کے لئے وقف ہے تو بقدر معہود وشیرینی وروشنی ختم میں صرف جائز افطاری ومدرسہ میں ناجائز۔ نہ اسے تنخواہ مدرسین وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں کہ یہ اشیاء مصارف مسجد سے نہیں **ولایجوز احداث مرتبۃ فی الواقف فضلا عن الاجنبی البحت** (جب خود واقف کے لئے کسی نئی چیز کا احداث وقف میں جائز نہیں تو محض اجنبی شخص کیلئے کیسے ہو سکتا ہے۔ت) اور اگر اس نے ان چیزوں کی بھی صراحۃً اجازت شرائط وقف میں رکھی یا مصارف خیر کی تعمیم کردی یا یوں کہا کہ دیگر مصارف خیر حسب صوابدید متولی، تو ان میں بھی مطلقًا یا حسب صوابدید متولی صرف ہو سکے گا۔ غرض ہر طرح اس کے شرائط کا اتباع کیا جائے گا اور اگر شرائط معلوم نہیں تو اس کے متولیوں کا قدیم سے جو عملدرآمد رہا اس پر نظر ہوگی اگر ہمیشہ سے افطاری وشیرینی وروشنی ختم کل یا بعض میں صرف ہوتا رہا اس میں اب بھی ہوگا ورنہ اصلًا نہیں اور احداث مدرسہ بالکل ناجائز۔ فتاوٰی خیریہ وغیرہ معتمدات میں ہے:

ان کان للوقف کتاب فی دیوان القضاۃ وھو فی ایدیھم اتبع مافیہ استحسانا، والاینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف کانوا یعملون[1] (ملخصًا)	اگر خود وقف کے لئے کوئی تحریر دیوان القضاۃ میں موجود ہے تو متولیوں کو اس کے مندرجات کے مطابق عمل کرنا مستحسن ہے ورنہ قدیم سے حال وقف میں متولیوں کا جو عملدرآمد چلا آرہا ہے اس پر نظر ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

قدیم سے ہونے کے یہ معنی کہ اس کا حدوث معلوم نہ ہو اور اگر معلوم ہے کہ یہ بلا شرط بعد کو حادث ہوا تو قدیم نہیں اگرچہ سو برس سے ہو اگرچہ نہ معلوم ہو کہ کب سے ہے، یہاں بحال عدم علم شرائط واقف زمین دکانیں اگر صورت حسب بیان فریق دوم ہے کہ چند سال سے بعض بے علموں نے افطاری وشیرینی وروشنی کا احداث کیا جسے حسب بیان فریق اول دس بارہ برس ہوئے تو ناجائز ہے اور مدرسہ بنانا اور اس میں صرف کرنا بھی حرام اور اگر بیان فریق اول کے یہ معنی کہ قدیم سے یہ مصارف ہوتے آئے بیچ میں بوقت قلّت آمدنی قطع ہوگئے تھے کہ بعد اضافہ دس بارہ سال سے پھر جاری ہوئے اور واقع اس کے مطابق ہو تو بلاشبہ اس سے افطاری وروشنی وشیرینی ختم جائز ہیں

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۶

اور افطاری میں غیر روزہ دار اگر روزہ دار بن کر شریک ہوتے ہیں متولیوں پر الزام نہیں۔ بہتیرے غنی فقیر بن کر بھیک مانگتے اور زکوٰۃ لیتے ہیں دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کہ ظاہر پر حکم ہے اور لینے والے کو حرام قطعی ہے یونہی یہاں ان غیر روزہ داروں کو اس کا کھانا حرام ہے۔ وقف کا مال مثل مال یتیم ہے جسے ناحق کھانے پر فرمایا:

"اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠" [1]	اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔

ہاں متولی دانستہ غیر روزہ دار کو شریک کریں تو وہ بھی عاصی و مجرم وخائن و مستحق عزل ہیں۔ رہا اکثر یا کل مرفہ الحال ہونا اس میں کوئی حرج نہیں۔ افطاری مطلق روزہ دار کے لئے ہے اگرچہ غنی ہو جیسے سقایہ مسجد کا پانی ہر نمازی کے غسل ووضو کو ہے اگرچہ بادشاہ ہو۔ انتظامات متولیوں کے ہاتھ سے ہوں گے جبکہ وہ صالح ہوں۔ متولی معزول معزول ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۳: از شہر جالندھر چوک حضرت امام ناصر الدین صاحب مرسلہ ملک محمد امین صاحب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بازاری عورت مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے چٹائی وغیرہ اور روزہ افطار کرنے کے لئے دودھ وغیرہ بھیجے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر وہ کہے کہ قرض لے کر اس سے یہ چٹائی یا افطاری خریدی ہے جب تو اصلاً جائے سخن نہیں **کما افادہ فی العالمگیریۃ من الحظر** (جیسا کہ عالمگیریہ کے **باب الحظر والاباحۃ** میں اس کا افادہ فرمایا۔ ت) ورنہ زر حرام کے عوض خریدی ہوئی چیز میں خباثت جب آتی ہے کہ عقد ونقد دونوں زر حرام پر جمع ہوں کہ حرام روپیہ دکھا کر کہے اس کے عوض دے دے پھر قیمت میں وہی زر حرام دے، ایسا بہت کم ہوتا ہے، تو عام خریداریوں میں خبث آنا معلوم نہیں تو منع حکم نہیں۔ سیدنا امام محمد فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حرام بعینہ [2]۔	ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین شیئ کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

حکم یہ ہے پھر بھی ان کے یہاں کے کھانے اور افطاری سے بچنا انسب کے باعث طعن وفتح باب غیبت ہے نیز نظر عوام میں ان کے حرام کی خفت، اور یہ وجہ چٹائی وغیرہ کو بھی شامل، مگر جہاں بذریعہ حلال مثل قرض وغیرہ ہونا بتادیا جائے یا عرفاً معہود ہو جیسے بناء مسجد میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۴ تا ۲۹۶: از بریلی شہر کہنہ مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰/ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے مسجد کے خرچ کے لئے لکڑی اینٹ وغیرہ دی ہے اور کام کے وقت کوئی شیئ صرف میں نہیں آتی رکھے رکھے سے احتمال خراب ہوجانے کا ہے، ایسی صورت میں جس شخص نے کہ وہ شے دی تھی واپس لے سکتا ہے یانہیں اور یا وہ شیئ فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد کے صرف میں ہوسکتی ہے یانہیں؟

(۲) مسجد کا مال جو فضول وبیکار جان کر فروخت کیا جائے، مسلمانوں کو خرید کرنا لازم ہے یانہیں؟ زید کا خیال ہے کہ مسجد کا کوئی مال خفیف ہو یا زیادہ اس کو قیمت یا بلا قیمت کسی صورت سے لینا نہیں چاہئے۔

(۳) مسجد کا روپیہ بمد امانت بغرض تعمیر وغیرہ کسی شخص کے پاس جمع ہو تو وقت ضرورت وہ شخص اپنے خرچ میں بطریق قرض لاسکتا ہے یانہیں اگر خرچ کرلیا ہو اور پھر دے دیا ہو تو اس کو اب کیا کرنا چاہئے یعنی وہ قصور وار ہوا یانہیں؟

الجواب:

(۱) وہ شخص واپس نہیں لے سکتا جبکہ مسجد کے لئے مہتممان مسجد کو سپرد کرچکا ہو بلکہ وہ اشیاء حاجت مسجد کے لئے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں دقت ہو تو بیچ کر قیمت خاص تعمیر ومرمت مسجد کے لئے محفوظ رکھیں۔ تیل، بتی، لوٹے، چٹائی میں اسے صرف نہیں کرسکتا۔ اسعاف پھر بحر الرائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

لوان قوما بنوا مسجدا وفضل من خشبھم شیئ قالوا یصرف الفاضل فی بناءہ ولایصرف الی الدھن والحصیر ھذا اذا اسلموا الی المتولی لیبنی بہ المسجد والایکون الفاضل لھم یصنعون بہ ماشاؤا۔[1]	اگر ایک قوم نے مسجد بنائی اور اس کی لکڑیوں میں سے کچھ بچ گئیں۔ مشائخ فرماتے ہیں ان کو مسجد کی تعمیر میں ہی صرف کیا جائے گا، مسجد کے لئے تیل اور چٹائی میں صرف نہیں کرسکتے، یہ اس وقت ہے جب انہوں نے متولی کے سپرد کردیا ہو کہ وہ اس سے مسجد بنوائے اگر سپرد نہیں کیا تو وہ انہی کا ہے جو چاہیں اس کے ساتھ کریں۔ (ت)

[1] فتاوی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۴

(۲) مسجد کا مال کہ مسجد کے کام کا نہ رہا ہو اور مہتممان مسجد جن کو اس کے بیچنے کی شرعًا اجازت ہے مسجد کے لئے بیچیں اس کا خریدنا ہر مسلمان کو جائز ہے،

فان اجازۃ البیع اجازۃ الشراء اذ لایتحقق البیع الابالشراء۔	اس لئے کہ اجازت بیع اجازت شراء ہے کیونکہ شراء کے بغیر بیع متحقق نہیں ہوسکتی (ت)

ہاں اسے بے تعظیمی کی جگہ نہ لگائے۔

(۳) مسجد خواہ غیر مسجد کسی کی امانت اپنے صرف میں لانا اگرچہ قرض سمجھ کر ہو حرام وخیانت ہے توبہ واستغفار فرض ہے اور تاوان لازم پھر دے دینے سے تاوان ادا ہوگیا، وہ گناہ نہ مٹا جب تک توبہ نہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۷: از جے پور مسئولہ محمد ہدایت علی خاں سید عبدالوکیل سید معشوق حسین صاحبان سکنائے شہر جے پور ۲۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو دکانیں لب سڑک بازار میں خرید کیں، دونوں کی درمیانی دیوار توڑ کر ایک کرلیا ان میں ایک منبر، ایک سقایہ بھی بنایا، ایک شخص مؤذن مقرر کردیا وہی امامت بھی کرتا رہا، سات برس سے زیادہ عرصہ تک پنجگانہ نماز باجماعت اذان واقامت سے ہوتی رہی، نمازیوں کی کثرت اور جگہ کی قلّت کے باعث زید نے پھر ان دکانوں کی پشت پر ایک اور زمین خرید کرکے اونچی کرسی کی جامع مسجد بنوائی اور ان دکانوں میں سے جامع مسجد میں جانے کے لئے زینہ نکالا، اس کے بعد راج سے حکم ہوا کہ ان دکانوں میں نماز نہ ہوا کرے اور ان دکانوں میں ہوکر زینہ نہ رہے جو زینہ پہلے سے بنا ہوا ہے اس میں سے بدستور راستہ مسجد کا رہے، اور دکانیں جیسی تھیں ویسی ہی تجارت کے کام کی کردی جائیں، جو شخص مؤذن وامام تھا وہ شہادت دیتا ہے کہ میں نے سات برس سے زیادہ عرصہ تک نماز باجماعت واقامت پڑھائی، پچیس تیس آدمی شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے ان دونوں دکانوں میں مسجد سمجھ کر نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد مشہور تھی اور سات آٹھ آدمی یہ شہادت دیتے ہیں کہ زید نے اپنی حیات میں ہم سے ان دکانات کا وقف ہونا ظاہر کیا تھا اور راج کے کاغذات نقشہ آبادی شہر اور خسرہ میں بھی مسجد درج ہے اور دونوں دکانوں کی یکجائی پیمائش ایک نمبر درج ہے، پس ان حالات میں یہ دکانیں زید کی ملک قرار پائیں گی یا بوجہ مسجد ہونے کے وقف متعلقہ مسجد قرار دی جائیں گی؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

حاش للہ (اللہ تعالٰی کی پناہ) نہ وہ زید یا کسی مخلوق کی ملک نہ وہ وقف متعلق مسجد بلکہ خود

مسجد ہیں۔

اولاً: پچیس تیس شہادتوں سے ثابت کہ وہ مسجد مشہور تھی اور وقف شہرت سے ثابت ہو جاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

تقبل فیه(ای فی الوقف)الشهادة بالشهرة لاثبات اصله[1]۔	اصل وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی بنیاد پر دی گئی شہادت مقبول ہے(ت)

عامہ مساجد واوقاف کو مسجد ووقف ماننے کا ذریعہ یہی شہرت ہے اگر یہ کافی نہ ہو وہ سب باطل ہو جائیں، جامع الفصولین میں ہے:

تقبل فی الوقف الشهادة بسماع ولو صرحا به اذ الشاهد ربما یکون سنه عشرین سنة وتاریخ الوقف مائة سنة[2]۔	وقف میں سمعی شہادت مقبول ہے اگرچہ دونوں گواہوں نے اس کی صراحت کردی ہو (کہ وہ شہادت بالسمع دے رہے ہیں) بسااوقات گواہ بیس سال کا ہوتا ہے اور تاریخ وقف سو سال پرانی ہوتی ہے۔(ت)

سات آٹھ شہادتیں واقف کے اقرار وقف کی ہیں اور دربارہ وقف یہ شہادت کہ ہمارے سامنے زید نے اسے وقف کیا اور یہ شہادت کہ ہمارے سامنے زید نے اس کے وقف کا اقرار کیا دونوں یکساں ہیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

شهدا انه اقر انه وقف جمیع حصته وقفا یصیر جمیع حصته وقفا[3]۔	گواہی دی گئی کہ واقف نے اپنا تمام حصہ وقف کرنے کا اقرار کیا ہے تو اس کا تمام حصہ وقف ہو جائے گا۔(ت)

اسی طرح ذخیرہ وظہیریہ وہندیہ وغیرہا میں ہے، اور سالہاسال تک اس میں منبر ومؤذن وامام وجماعت پنجگانہ جہت وقف یعنی مسجدیت کی تعیین کرتی ہے، بحرالرائق میں ہے:

بنی فی فنائه فی الرستاق دکانا لاجل الصلٰوة یصلون فیه بجماعة	متولی مسجد نے فنائے مسجد کی جانب میں نماز کیلئے ایک دکان بنائی لوگ اس میں ہمیشہ باجماعت

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث عشر فی دعوی الوقف الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۹

[3] جامع الفصولین الفصل الثالث عشر فی دعوی الوقف الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

کل وقت فله حکم المسجد[1]۔	نماز پڑھتے ہیں تو وہ دکان حکم مسجد میں ہوگی (ت)

ثانیًا راج کے سمجھنے کو اس کے کاغذات میں مسجد درج ہونا ہی بس ہے۔ شرح الاشباہ محقق ہبۃ اللہ البعلی میں ہے:

لو وجد فی الدفاتران المکان الفلانی وقف علی المدرسة الفلانیة مثلا یعمل به من غیر بینة و بذلك یفتی مشایخ الاسلامی کما هو مصرح به فی بهجة عبدالله افندی وغیرها فلیحفظ[2]۔	اگر رجسٹروں میں مندرج ہے کہ فلاں مکان فلاں مدرسہ پر وقف ہے تو گواہوں کے بغیر اس پر عمل کیا جائے گا، اسی پر مشائخ اسلام نے فتوٰی دیا جیسا کہ عبداللہ آفندی کی بہجہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے، اس کو محفوظ کرلینا چاہئے۔ (ت)

اس پر وارثان زید خواہ کسی کو کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا اور اسے دوبارہ دکان تجارت کردینا حرام حرام سخت حرام، اور مذہب اسلام میں دست اندازی ہے جسے راج وغیرہ کوئی روانہ رکھے گا۔ اس میں کسی کار دنیا کے لئے بیٹھنا یا اس کا کرایہ لینا دینا یا اس میں کوئی چیز بیچنا خریدنا یا بیچنے خریدنے کے لئے اس میں جانا سب حرام قطعی ہے۔ درمختار میں ہے:

لایجوز اخذ الاجرة منه ولاان یجعل شیئا منه مستغلا ولاسکنی، بزازیة[3]۔	اس سے اجرت لینا جائز نہیں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ کرایہ یا رہائش کے لئے مقرر کیا جائے، بزازیہ (ت)

اسی میں ہے:

یحرم فیه السوال ویکرہ کل عقد الالمعتکف بشرطه والکلام المباح وقیده فی الظهیریة بان یجلس لاجله[4]۔	حرام ہے مسجد میں سوال کرنا، اور مکروہ ہے مسجد میں ہر عقد، مگر معتکف کو اس کی مشروط اجازت ہے۔ مسجد میں مباح کلام مکروہ ہے، اور ظہیریہ میں یہ قید لگائی کہ مسجد میں بیٹھا ہی کلام مباح کیلئے ہو تب مکروہ ہے۔ (ت)

---

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۰

[2] شرح الاشباہ للمحقق ہبۃ اللہ البعلی

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[4] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳ و ۹۴

ردالمحتار میں ہے:

قوله كل عقد الظاهر ان المراد به عقد مبادلة، قوله بشرطه وهو ان لايكون للتجارة[1]۔	ماتن کے قول "کل عقد" سے بظاہر مراد عقد مبادلہ ہے اور قول ماتن "بشرطه" میں شرط سے مراد یہ ہے کہ معتکف کا عقد بیع وشراء بغرض تجارت نہ ہو (ت)

خود بانی نے کہ جامع مسجد بناکر اس مسجد کے ایک حصہ زمین میں اس کا زینہ بنایا یہ بھی ناجائز ہے کہ مسجد بعد تمامی مسجدیت کسی تبدیل کی متحمل نہیں۔ واجب ہے کہ اسے بھی زائل کرکے اسے خاص مسجد ہی رکھیں۔ درمختار میں ہے:

امالوتمت المسجدية ثم ارادالبناء منع ولو قال عنيت ذلك لايصدق تاتارخانية، فاذاكان هذافي الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد[2]۔	لیکن مسجدیت تام ہوگئی اب واقف اس پر (حجرہ امام) تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اس کو روکا جائیگا، اگر وہ کہے کہ شروع سے میری نیت ایسا کرنے کی تھی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی تاتارخانیہ، جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو اسکی اجازت کیسے ہوسکتی ہے لہٰذا ایسے مکان کو گرانا واجب ہے اگرچہ فقط دیوار مسجد پر ہو۔ (ت)

مسلمانوں پر اسے باقی رکھنا اور تاحد قدرت ہر جائز طریقہ سے اسے مسجد رہنے میں پوری کوشش کرنا فرض قطعی ہے جو اس میں کوتاہی کرے گا سخت عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ "[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں ذکر الٰہی ہونے سے، اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، انہیں روا نہ تھا کہ ان میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔ والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی کی پناہ) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

مسئلہ ۲۹۸: از شہر الہ آباد زیر مسجد جامع چوک مرسلہ مرزا واحد علی خوشبو ساز ۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد شاہی زمانہ کی بنی ہوئی تھی اس کے متعلق خام دکانیں بھی تھیں جن کے کرایہ کی آمدنی تیس چالیس روپے ماہوار تھی وہ آمدنی متولی سابق جو کہ اس مسجد میں امامت بھی کرتے تھے ان کے خرچ میں اور موذن و تیل بتی و پانی و ختم تراویح کی مٹھائی وغیرہ مصالح مسجد میں صرف ہوتی تھی چونکہ مسجد اور اس کی دکانیں بہت بوسیدہ ہوگئی تھیں، لہٰذا ایک صاحب نے بمشورہ اہالیان مسجد اپنے ذاتی روپے سے دکانیں پختہ کرائیں جس سے کرایہ قریب ڈیڑھ سو کے ہوگیا، اسی کرایہ سے وہ صاحب قسط وار اپنا روپیہ بھی وصول کرتے رہے اور مسجد بھی چندہ سے از سر نو تعمیر کرائی گئی اور انتظام مسجد کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی اور متولی سابق علیحدہ کئے گئے جن لوگوں کی کوشش سے دکانیں پختہ کرائی گئیں ان لوگوں میں نمازی مسجد اور اہل محلّہ بھی شریک ہیں ان سب کے اور ممبران کمیٹی کے مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ وہ اخراجات جو سابق میں مسجد کی آمدنی سے ہوتے تھے بدستور قائم رہیں، اس کے علاوہ کچھ افطاری رمضان شریف میں نمازیوں کے واسطے بھی دی جائے، دس بارہ برس ہوئے کہ اس پہ عملدرآمد چلا آرہاہے، زید کہتا ہے کہ جو اخراجات مصالح مسجد میں شامل ہیں وہ قائم رہنا چاہئے اور جو اخراجات مصالح مسجد میں نہیں ہیں، مثلاً شیرینی ختم تراویح افطاری رمضان شریف وہ جائز نہیں ہیں بند ہونا چاہئے۔ بکر کہتا ہے کہ جن اوقاف کا وقف نامہ موجود نہ ہو اور وقف کے شرائط معلوم نہ ہوں جیسے صورت مسئولہ میں، تو اس میں عملدرآمد سابق پر کاربند ہونا چاہئے، چونکہ شیرینی ختم قرآن شریف کی ہمیشہ متولیان سابق کے زمانے میں برابر آتی رہی لہٰذا اب بھی ویسا ہی آنا چاہئے اور بے تکلف جائز ہے، باقی رہا افطاری جو دس بارہ برس سے ممبران کمیٹی جو تمام مسلمانوں کی طرف سے قائم ہے ان کی تجویز سے آنے لگی ہے گو کہ یہ ایک امر جدید ہے لیکن اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہوتا کیونکہ جیسے بانی اول کو اوقاف کے اخراجات کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں ویسے ہی بانیان ثانی کہ جس میں نمازی مسجد واہل محلّہ روپیہ خرچ کرنے والے سب شریک ہیں اور انہوں نے کوشش کرکے آمدنی بڑھائی اور مسجد از سر نو بنوائی تو اس کو بھی اپنی بڑھائی ہوئی آمدنی میں ضرور اخراجات کے بڑھانے کا اختیار ہونا چاہئے کیونکہ اہل محلّہ و نمازیوں کے تصرفات بہت وسیع ہیں اور کمیٹی انہیں کی طرف سے قائم ہے تو کمیٹی کا فعل عین ان کا فعل ہے غرض اخراجات کے بڑھانے کا اختیار ثانی کو بھی ہونا چاہئے بالخصوص ایسے موقع میں کہ باوجود ان سب اخراجات بالا کے پھر بھی آمدنی مسجد میں بچت ہوتی ہے، پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

الجواب: جہاں شرط واقف معلوم نہ ہو عملدرآمد قدیم کا اعتبار ہے۔ خیریہ میں ہے:

ینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان ان قوامہ کیف کانوا یعملون[1]۔	دیکھا جائے گا کہ قدیم سے متولیوں کا عملدرآمد اس وقف کے بارے میں کیا چلا آرہا ہے (ت)

"**قدیم**" کے یہ معنی "جس کا حادث ہونا معلوم نہ ہو"۔ دس بارہ برس یا سو دوسو برس سے جو بات بعد واقف بے شرط واقف حادث ہوئی حادث ہی ہے، اس پر عمل ناجائز ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ اخری[2]۔	وقف کو بغیر کسی زیادتی کے سابقہ حالت پر باقی رکھنا واجب ہے۔ (ت)

شیرینی قدیم اگر اسی معنی پر قدیم ہے کہ اس کا حادث ہونا معلوم نہیں، وہ اب بھی دی جائے گی اور افطاری کہ دس بارہ برس سے نوایجاد ہے نہ ہوسکے گی۔ مسجد از سرنو بنوانے والوں کو تو دکانات وقف سے کچھ تعلق نہیں کہ ان کو اس میں اختیار ہو، اور دکانیں پختہ کرنا اسی وقف کی پختگی ہے نہ کہ وقف جدید خصوصًا جبکہ وہ اپنا لگایا ہوا روپیہ وصول بھی کررہا ہے تو قرض دینے والا ہے نہ کہ واقف۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۹۹: از احمد آباد مرسلہ حکیم مولوی عبدالرحیم صاحب ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم نے چندہ کرکے ہزار دو ہزار روپیہ جمع کئے ہیں اب اس کے بعد تدبیر یہ کی کہ اس مال سے کپڑا اسفید خریدتے ہیں اور اس کو ادھار نفع چڑھا کر بیچتے ہیں اور اس سے جو نفع پیدا ہوتا ہے اس کو بھی جمع کرتے جاتے ہیں اور مقصدان حضرات کا یہ ہے کہ یہ رقم چار پانچ ہزار روپیہ کی جمع ہوجائے اس سے مکان قریب مسجد کے خریدنا ہے اور مسجد کو بڑھانا ہے، اب اس مسجد کے چندہ سے اس قسم کی تجارت شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

جبکہ وہ روپیہ انہوں نے متولیان مسجد کو ابھی سپرد نہ کیا تو ان کی ملک ہے، اس میں تصرف جائز کا انہیں اختیار ہے قرضوں بیچنے میں نقد بیچنے سے دام زائد لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا، یہ باہمی تراضی بائع ومشتری پر ہے،

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۶

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

قال تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ تمہارے درمیان باہمی رضا مندی سے تجارت ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۰: از شہر بریلی مسئولہ شوکت علی فاروقی ۲۴صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں درخت بہی بیلا، گلاب وغیرہ ہو اور بوجہ تعمیر ہونے حجرہ وغسل خانہ کے ان درختوں کو کاٹا جائے تو کوئی شخص ان درختوں کو کھود کر اپنے مکان میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ پیال یا لرسی موسم سرما میں جو مسجدوں میں ڈالی جائے اور بعد گزر جانے موسم سرما کے اس کو نکال کر پھینک دیتے ہیں تو جو شخص اس پیال یا لرسی یا چٹائی کہنہ قابل پھینک دینے کے ہو اس کو اپنے صرف میں مثل پانی گرم کرنے کے لاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ کہ منڈیر یا فصیل مسجد جس پر وضو کرتے ہیں یا اذان دیتے ہیں وہ مسجد کے حکم میں داخل ہے، کیا مثل مسجد کے بات وغیرہ کرنے کی وہاں بھی ممانعت ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ان درختوں کو مسجد سے واجبی ومناسب قیمت پر مول لے کر لگا سکتا ہے۔ پیال یا چٹائی بیکار شدہ کہ پھینک دی جائے لے کر صرف کرسکتا ہے۔ فصیل مسجد بعض باتوں میں حکم مسجد میں ہے معتکف بلاضرورت اس پر جاسکتا ہے اس پر تھوکنے یا ناک صاف کرنے یا نجاست ڈالنے کی اجازت نہیں، بیہودہ باتیں، قہقہے سے ہنسنا وہاں بھی نہ چاہئے اور بعض باتوں میں حکم مسجد نہیں اس پر اذان دیں گے اس پر بیٹھ وضو کرسکتے ہیں جب تک مسجد میں جگہ باقی ہو اس پر نماز فرض میں مسجد کا ثواب نہیں، دنیا کی جائز قلیل بات جس میں چپقلش ہو نہ کسی نمازی یا ذاکر کی ایذا اس میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۱: ۲۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد نیاریاں شکستہ ہے چھت اس کی بالکل خارج ہے اور کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں اور بعض بعض خمیدہ ہوگئی ہیں، منارے جھری دے گئے ہیں، لہٰذا ہم اہل محلّہ یہ بات چاہتے ہیں کہ از سرنو تعمیر کریں۔ اراضی مسجد کی افتادہ اتر و پچھم کی بڑھانا منظور ہے۔ چنانچہ کچھ روپیہ جمع ہے اور باقی جو روپیہ زائد صرف ہوگا چندہ جمع کرکے انجام دیں گے اس واسطے کہ موسم بارش میں نمازیوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے موجودہ بنیاد کو نکال کر دوسری بنیاد قائم کریں۔

---
[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب

مسجد کی مرمت واجب ہے، بارش کی تکلیف کہ چھت ٹپکنے سے سائل نے بتائی اس سے دفع ہوجائے گی،اس قدر کے لئے اگر موجودہ روپیہ کافی نہ ہو چندہ کریں باقی اصل مسجد کی بنیادیں نکال کر شمال ومغرب کی زمین متعلق مسجد میں مسجد بڑھانے کے لیے جدید بنیادیں قائم کرنا اگر اس توسیع کی مسجد کو صحیح ضرورت ہے کریں ورنہ بے ضرورت بڑھانا اور مسلمانوں پر چندہ کا بار بلاوجہ بہت بڑھادینا کس لئے! ہر مسجد میں جمعہ وعیدین قائم کرنا کوئی شرعی ضرورت نہیں! فتح القدیر میں ہے:

انما امرنا بابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة اخری[1]۔	بیشک ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم وقف کو بغیر کسی زیادتی کے حال سابق پر قائم رکھیں (ت)

مسئلہ ۳۰۲: ۲ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کبیر محلّہ میں بوجہ ضعف اسلام وتسامح الناس قدرے گر پھوٹ گئی ہے اور بعد کو بعون خدا تعالٰی مرمت کاملہ کرادی گئی ہے اور پیش امام وغیرہ نیز بدستور مقرر کئے گئے ہیں اور صلٰوۃ خمسہ، جمعہ، اذان اس میں پڑھی جاتی ہے۔ پس بوقت غیر آبادی وشکستگی مسجد مذکور بالاکے ایک مرد مسلم نے ایک مسجد صغیر عنقریب ومتصل اس کے چار گز کے فاصلہ پر بنائی تھی جو کہ اب تک آباد ہے اور اس میں بھی اذان صلٰوۃ بالفعل ہورہے ہیں، کیا اس شخص کو مسجد جدید بنانی عندالشرع جائز تھی یانہ؟ اور اب اس کا گرانا جائز ہے یانہ؟

الجواب:

حاشا اس کا گرانا بھی جائز نہیں، دونوں کا آباد رکھنا واجب ہے، اسے مناسب یہ تھا کہ مسجد قدیم ہی کی تعمیر کرتا اور اتنے قریب دوسری مسجد نہ بناتا اب کہ بن گئی ہدم حلال نہیں۔ **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۳: از موضع سرولی ڈاکخانہ کچا ضلع نینی تال مرسلہ محمد حسین خورد ۱۵ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی صف دوسری مسجد میں لاکر نماز فرض یا واجب پڑھی جائے تو ہوسکتی ہے یانہیں؟ جیسے کہ نماز الوداع میں اکثر صفوں کی ضرورت ہوتی ہے، تو جس جگہ موضع میں دو مسجدیں ہوتی ہیں تو مسجد جامع میں دوسری مسجد کی صفیں لاکر نماز پڑھتے ہیں یا عید کی نماز پڑھی جائے تو ازروئے شرع شریف نماز دوسری مسجد کی صفوں پر ہوسکتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

الجواب:

ایک مسجد کی صفیں دوسری مسجد میں لے جانا ممنوع وناجائز ہے، نماز مکروہ وناقص ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۴: ازبریلی مسئولہ مولوی میر احمد صاحب بنگالی طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا پاخانہ پشت مسجد سے ملحق تھا اس کو بوجہ مسجد منہدم کرادیا اور کوئی عرصہ دو ماہ سے کچھ لوگ وہاں پر کوڑاوغیرہ ڈالنے لگے اب زید یہ چاہتا ہے کہ اس ملحق پشت مسجد زمین کی اپنی نشست گاہ بنوادے اور مسجد کے دو پرنالوں کا پانی اپنی چھت پر لے یا اس اراضی کو اپنی ڈیوڑھی بنالے اس صورت میں ایک پرنالہ اپنی ڈیوڑھی پر لے اور دوسرے پرنالے کا پانی باہر نکال دے، اور ساتھ ہی اس کے یہ واضح رہے کہ مسجد کا کوئی پشتہ نہیں اور نہ پشتہ اس جگہ ہے جہاں مسجد کے دو پرنالوں کا پانی گرتا ہے، اس صورت میں کیا حکم شرع ہے؟ نشست گاہ یا ڈیوڑھی وغیرہ بننے سے مسجد کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور پانی مسجد کا کسی صورت میں روکا نہیں جاتا۔

الجواب:

مسجد کا پشتہ نہ ہو آبچک کے لئے زمین مسجد نے چھوڑی ہوگی، اسے اپنے تصرف میں لانا حرام ہے، ہاں اگر ثابت ہو کہ مسجد کی کوئی زمین نہ چھوٹی تھی صرف پانی بہانے کا اس کی زمین میں حق تھا تو یہ اس میں عمارت بناسکتا ہے جبکہ مسجد کا پانی نہ روکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۵: ازالہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب آوردہ مولٰنا مولوی سید نذیر احمد صاحب ۱۸ جمادی اولٰی ۱۳۳۸ھ

سوال بعینہٖ مثل سوال ثانی ۲۹/ شوال ۱۳۳۷ھ مذکور **باب احکام المسجد۔**

الجواب:

اس سوال کا جواب جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ پھر رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ پھر شوال ۱۳۳۷ھ میں تین بار یہاں سے جاچکا، اس بار اس کے ساتھ ایک اور تحریر طویل بایں خلاصہ ہے کہ اس سوال میں زید مستفتی نے اخفائے حق کیا، حقیقت امر یہ ہے کہ ان لوگوں نے دکانات مسجد کی چھت پر ایک مدرسہ بلامعاوضہ قائم کرلیا اور کمیٹی سے اس کی بقا کا اقرار نامہ لکھالیا ہے، یہ حالت دیکھ کر تحفظ آئندہ کے لئے یہ پتھر لگایا گیا جس میں دکانات وحمام کے وقف علی المسجد ہونے کا تذکرہ ہے کہ آئندہ کوئی متولی سابق کی طرح ان دکانوں پر دعوٰی نہ کر بیٹھے۔ اعلان میں معلن کا نام ضرور ہے، گمنام اعلان ایسا نہیں ہوتا، لہٰذا بکر نے اپنا نام لکھا نہ بقصد ریاء نہ طلب دعا۔ یہ پتھر سجدہ کی جگہ سے دس فٹ بلند ہے تو نمازی کا سامنا

نہیں ہوگا اور اندر کے محراب پر نہیں بلکہ بیرونی محرابی دروں پر، وہی لوگ جن سے اندیشہ ہے اس پتھر کا انعدام چاہتے ہیں کہ اس کی بقاء میں تحفظ واستحکام وقف ہے انتہی ملخصًا۔

فریق ثانی کی طرف سے بھی سوال مع جواب آیا تھا کہ اس پتھر کا نصب جائز نہیں بلکہ غیبت میں داخل ہے اور اس کا جواب بھی رمضان مبارک عـــہ ۱۳۳۶ھ میں گیا کہ اگر وہ افعال متولی سابق سے صادر ہوئے اور اہل شہر ان وقائع پر مطلع ہوں تو ان کا لکھ کر نصب کرنا غیبت نہیں ہوسکتا، خصوصًا منظر عامہ میں نصب کہ اشتہار چھاپ کر عام تقسیم کی طرح حد غیبت میں اس کا آنا دشوار نہ تاحیات متولی مذکور اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ جب کہ منجر بفتنہ نہ ہو، ہاں اس کا نصب کوئی مہم مصلحت شرعیہ نہ رکھتا ہو تو بعد موت متولی اس پتھر کا معدوم کردینا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لاتذکروا امواتکم الابخیر**[1] (اپنے مردوں کا تذکرہ سوائے بھلائی کے مت کرو۔ت) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانھم قدافضوا الٰی ماقدموا[2]۔	اپنے مردوں کو برانہ کہو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔(ت)

بایں ہمہ جبکہ بلا مصلحت شرعیہ عبث ہے عبث سے ویسے ہی بچنا چاہئے نہ کہ وہ جس سے کسی مسلمان کو تکلیف ہو اگر وقف میں خیانت واضرار کا اندیشہ ہے اور اس پتھر کا نصب کرنا مانع ہوگا یا اسی طرح اور کوئی مصلحت مہمہ شرعیہ ہے تو نصب میں حرج نہیں بلکہ حاجت ہو تو اجر ہے، یہ اس جواب کا خلاصہ ہے جو فریق ثانی کو یہاں سے گیا، اب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ محض بلا مصلحت ہو تو جدا کردیں اور مصلحت شرعیہ ہے تو قائم رکھیں، پھر اگر موضع نظر سے اتنا بلند ہو کہ جب تک نظر اوپر کو اٹھا کر نہ دیکھیں نظر نہ آئے کسی طرح نقش دیوار قبلہ کی کراہت میں نہیں آتا، یہ خود اس نمازی کا قصور ہے، اسے نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کب جائز تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عـــہ: مندرجہ صفحہ ۴۷۲۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ اللعن دار الفکر بیروت ۷/ ۴۹۰۔۹۱

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینھی عن سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷، سنن النسائی کتاب النھی باب ماینھی عن سب الاموات نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۷۴

لینتھین اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی الصلوٰۃ اولتخطفن ابصارھم[1]۔ رواہ مسلم۔	وہ جو نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں یا تو وہ اپنی اس حرکت سے باز آئیں گے یا ان کی نگاہ اچک لی جائے گی (اسے مسلم نے روایت کیا۔ت)

اور اگر اتنا بلند نہیں تو ضرور موقع کراہت میں ہے اور اس میں اندرونی وبیرونی محراب کا تفرقہ نہیں مسجد کا درجہ مسقفہ وصحن دونوں مسجد ہیں اس حالت میں چاہئے کہ اس تحریر پر نمازوں کے اوقات میں غلاف ڈال دیں، ہم نے فتوٰی سابقہ میں سنن ابی داؤد کی حدیث نقل کی کہ دیوار غربی کعبہ معظّمہ میں (اس) مینڈھے کے (جو سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ ہوا) سینگ نصب تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خمرھما فانہ لاینبغی ان یکون فی قبلۃ البیت شیئ یلھی المصلی[2]۔	انہیں (سینگوں کو) ڈھانک دو کہ نمازی کے سامنے کوئی ایسی چیز نہ چاہئے جسے سے دل بٹے۔

نام کا جواب بھی فتوٰی سابقہ میں تھا کہ ریاء کو حرام مگر بلاوجہ شرعی مسلمان پر قصد ریا کی بدگمانی بھی حرام، اور بنظر دعا ہے تو حرج نہیں، نہ کفایت اجمال منافی طلب خصوص۔ اور یہ مصلحت کہ اس تحریر میں بتائی ضرور قابل لحاظ ہے جبکہ اس کا نام وجہ اعتبار اعلان یا زیادت اعتبار ہو،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[3]۔	اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

دکانات مسجد پر اقامت مدرسہ کے بارے میں بھی سوال آیا اور مفصل جواب جاچکا ہے مگر فریق ثانی کے سوال میں یہ تھا کہ مسجد میں ایک مدرسہ ہے جس میں تعلیم کلام مجید وتفسیر وفقہ وحدیث کی ہوتی ہے، بعض منتظمین نے چاہا کہ تعلیم مسجد سے اٹھادی جائے، اوران شرائط پر اس کے قیام کا فیصلہ ہوا، اس تحریر تازہ میں یہ ہے کہ بلا استحقاق وبلا معاوضہ سقف وقف پر مدرسہ کرلیا ہے، ایسا ہے تو بلاشبہ حرام ہے اور منتظمین مسجد کی اس پر رضامندی مردود، اور اب تک کا کرایہ مدرسہ قائم کرنیوالوں پر

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱

[2] سنن ابو داؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ فی الکعبہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۷۷، مسند احمد بن حنبل حدیث امرأۃ من بنی سلیم دارالفکر بیروت ۴/ ۶۸

[3] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ پشاور کراچی ۱/ ۲

بحق مسجد لازم، **کما ھو منصوص علیه فی عامة الکتب** (جیسا کہ عام کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۶: از بمبئی نشان پاڑا کراس روڈ بوساطت سید غوث پیران صاحب مرسلہ میمن آدم عبدالرحمٰن صاحب ۲ جمادی الاٰخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، ایک حنفی المذہب عورت نے انتقال کیا جس نے اپنی جائداد کے ساتھ ایک شوہر، دو بیٹیاں، ایک حقیقی بھائی اور ایک عم زاد بہن کا بیٹا چھوڑا اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ قبل از تقسیم ترکہ مرحومہ کی وفات کے دو سال بعد اس کے شوہر نے جائداد مذکورہ سے زمین کا ایک قطعہ مسجد بنانے کے لئے وقف کردیا جس پر بتوسل جماعت مسجد تعمیر کی گئی اور پنجوقتہ نماز بھی قائم ہوگئی، لیکن بعض لوگ اس میں عدم جواز نماز کے قائل ہیں کہ وقف صحیح نہ ہوا۔ مرحومہ کا شوہر یہ کہتا ہے کہ مجھ سے مرحومہ نے یہ وصیت کی تھی کہ مسجد کی عمارت کے لئے ایک قطعہ زمین وقف کرے اگر شرعًا یہ وقف صحیح نہ ہوگا تو میں اپنے حصہ رسدی سے اس وقف کو برقرار رکھوں گا۔ صورت مذکورہ میں وقف اول صحیح ہوکر نماز پڑھنا اس میں درست ہے یا نہیں؟ برصورت عدم جواز اپنے حصہ میراث سے وقف کا برقرار رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ترکہ متوفی حسب شرائط فرائض بارہ سہام ہوکر تین سہم شوہر، چار چار ہر دختر، ایک برادر کو ملے گا۔ عم زاد بہن کا بیٹا محروم ہے۔ اگر صحیح ہے کہ مورثہ نے یہ وصیت کی تھی اور یہ قطعہ (بعد ادائے دین اگر ذمہ مورثہ ہو) ثلث متروکہ سے زائد نہیں تو وقف صحیح و نافذ ہوگیا اور وہ قطعہ مسجد اور اس میں نماز مسجد میں نماز۔ یوہیں اگر ثلث متروکہ سے زائد ہو اور باقی ورثہ یعنی بیٹیاں اور بھائی سب عاقل بالغ اور سب اس وصیت کو قبول کیا اور جائز رکھا، جب بھی یہی حکم ہے۔ یونہی اگر وصیت ثابت نہ ہو اور شوہر نے ایک قطعہ معینہ جس میں باقی ورثہ کے بھی حصے تھے تعمیر مسجد کے لئے وقف کردیا اور باقی سب ورثہ نے بشرط عقل وبلوغ اسے جائز رکھا جب بھی یہی حکم ہے۔ ان سب صورتوں میں وہ مسجد ہوگیا،

وذٰلك لانه فی الاخیر فضولی فی حصصھم وقد صدر منه ماله مجیز حین صدورہ وقد اجازوا فنفذ ولم یمنع الشیوع لعدمه عند اجتماعھم علی تجویزہ	اور یہ اس لئے ہے کہ صورت اخیرہ میں وہ (شوہر) دیگر ورثاء کے حصص کو مسجد بنانے میں فضولی ہے اور یہ فعل اس سے اس حال میں صادر ہوا کہ صدور کے وقت اسکو جائز کرنے والا موجود ہے اور انہوں نے اس کی اجازت دے کر جائز کردیا اور شیوع

قال فی ردالمحتار لو بینھما ارض وقفاھا ودفعاھا معا الٰی قیم واحد جاز اتفاقا لان المانع من الجواز عند محمد ھو الشیوع وقت القبض لاوقت العقد ولم یوجد ھٰھنا[1]۔	یہاں مانع نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ تمام اس کے جائز رکھنے پر مجتمع ہوگئے تو شیوع رہا ہی نہیں، ردالمحتار میں ہے دو شخصوں کی اگر مشترکہ زمین ہو اور دونوں نے معًااس زمین کو وقف کرکے ایک ہی متولی کے حوالے کردیا تو بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک مانع جواز شیوع ہے جو وقت قبض ہو نہ کہ وقت عقد، اور یہاں وقت قبض شیوع نہیں پایا گیا (ت)

ہاں اگر کوئی وارث غیر عاقل یا نابالغ ہے یا ان بعض نے اس تصرف کو جائز نہ رکھا بے وصیت مطلقًا اور بحال وصیت جبکہ ثلث سے زائد ہو تو البتہ وہ مسجد مسجد نہیں اور اس سبب سے کہ اس میں ایسے کی ملک ہے جس کی اجازت نہیں یا جس کی اجازت شرعًا اجازت نہیں اس میں نماز ناجائز۔ یہ حکم بھی متفق علیہ ہے کہ مسجد میں شیوع بالاجماع ممنوع،

لان بقاء الشرکۃ یمنع الخلوص ﷲتعالٰی ش عن النھر والفتح[2]۔	کیونکہ بقاء شرکت اﷲ تعالٰی کے لئے شے کے خالص ہونے سے مانع ہے، ش نے نہر اور فتح سے واضح کیا۔ (ت)

ہاں اگر شوہر تقسیم صحیح شرعی کرائے اور یہ قطعہ اس کے حصہ میں آئے اس کے بعد اسے یہ مسجد کرے تو اب مسجد ہوجائے گا لزوال المانع (مانع ختم ہوجانے کی وجہ سے۔ت) واﷲ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۷: مسئولہ سید مصباح القیوم صاحب ساکن شہر رائے پور بیجناتھ پارہ مدرسہ اصلاح المسلمین صوبہ سی پی ۵ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے متعلق طہارت خانہ وغیرہ بنانے کی غرض سے مسجد کے روپیہ سے ایک قطعہ زمین کا مسجد سے علیحدہ مگر قریب میں خریدا کیونکہ زمین بہت ہے مسجد کی ضرورت کی چیزیں بن جانے پر بھی باقی رہ گئی اور مسجد کی کوئی منفعت مقصود نہیں اور اہلسنت نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لئے مکان کی ضرورت ہے تو کچھ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ زمین مذکور پر مدرسہ تعمیر کرادیں اور قیمت زمین کی مدرسہ کی آمدنی سے لے کر مسجد میں داخل کیا جائے تو شرعًا یہ جائز ہے کہ نہیں اور درصورت

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۴

عدم جواز کوئی حیلہ اس کے جواز کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے کہ وہ باقیماندہ حاجت مسجد سے زیادہ زمین (کہ سابق سے وقف نہ تھی بلکہ مسجد کے روپیہ سے مسجد کے لئے خریدی تھی) مدرسہ کے لئے بیع بقیمت مناسب کرکے رثمن داخل مسجد کیا جائے جبکہ احتیاط و امانت کاملہ سے کام لیا جائے۔ عالمگیری میں ہے:

متولی المسجد اذااشتری بمال المسجد حانوتا اودارا ثم باعها جاز اذاکانت له ولایة الشراء بناء علی ان هذه الدار والحانوت هل تلتحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد معناه هل تصیر وقفا، المختار انه لا کذا فی المضمرات[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ایک مسجد کے متولی نے مسجد کے مال سے دکان یا گھر خریدا پھر بیچ دیا تو جائز ہے جبکہ اس کو خریدنے کی ولایت حاصل ہو، یہ مبنی ہے اس بات پر کہ کیا یہ دکان اور گھر مسجد پر وقف شدہ دکانوں سے ملحق ہوگا، اس کا معنٰی یہ ہے کہ کیا یہ وقف ہو جائیگا، مختار یہ ہے کہ نہیں ہوگا۔ مضمرات میں ایسا ہی ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۸: ۱۴ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محلّہ قاضی ٹولہ پرانا شہر میں ایک مسجد قاضی زادوں کی تعمیر کردہ ہے اس دروازہ پہاڑ رخ قدیمی ہے اور اس میں کچھ قبریں پختہ قاضی زادوں کے آباواجداد کی تھیں، اور ایک کنواں بنجاروں کا بنایا ہوا مسجد سے پہلے کا ہے جس سے سوائے نمازیاں اور کئی محلوں کو اس کے پانی سے نفع پہنچتا ہے، اس مسجد میں کئی قوم کے لوگ نماز پڑھتے ہیں قصائی، نداف۔ ان کے مکان بھی وہیں ہیں، قصابوں نے مسجد میں جو قبریں تھیں انہیں کھود کر بالکل نیست و نابود کردیا، درخت موسری کا جس کے سایہ سے نمازیوں کو آرام ملتا تھا کاٹ ڈالا، گول در شمال کی جانب جس سے نمازیوں کو بارش سے آرام ملتا تھا بند کردیا، کنواں جس سے مخلوق کو نفع تھا اس کی ایک سیڑھی کا راستہ بند کردیا گیا گویا ایک رخ بالکل بند کردیا جس سے بہشتیوں کو از حد تکلیف ہے انہوں نے پانی بھرنا بند کردیا۔ دو دیواریں بناکر اس میں گھری لگادی ہے جس سے کچھ نفع نہیں۔ یہ لوگ کس سزا کے مستحق ہیں؟ یہ کام اچھے کئے یا برے کئے۔ ندافوں میں سے ایک شخص نے کسی سے پوچھا یہ کنویں پر در و دیوار کیا ہیں، اس نے اپنی جہالت سے کہا کہ یہ میرا۔۔۔۔۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۷۔۱۸

بنایا ہے لوگوں کے تکلیف دینے کو، توکیا یہ شخص کافر ہوگیا؟ حالانکہ ان دیواروں کو وہ مسجد نہیں سمجھتا ہے بلکہ یہ شرارت کی دیواریں سمجھتا ہے کس سزا کا مستحق ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیانات واقعی ہیں تو مسلمان کی قبروں کا کھود ڈالنا ہر گز جائز نہ تھا اس سے وہ توہین مسلمین کی سزا کے مستحق ہیں، سزا یہاں کون دے سکتا ہے، اور اگر یہ قبریں اس لئے کھودیں کہ اس جگہ پر نماز پڑھی جائے تو یہ نماز کو بھی خرابی میں ڈالنا ہے، قبور کی جگہ نماز جائز نہیں جب تک اندر تک کھود کر میت کے سب اجزاء نکال نہ دئے جائیں، اور مسلمان میت کے ساتھ ایسا کرنا حرام حرام سخت حرام۔ درخت جو قدیم سے تھا اس کے کاٹنے کی کوئی وجہ نہ تھی، بلاوجہ شرعی نمازیوں کو تکلیف دینا سخت بد ہے۔ شمالی دروازہ کہ قدیم سے تھا اور اس سے نمازیوں کو آرام ملتا تھا، اس کے بند کرنے کا بھی کوئی اختیار نہ تھا۔ کنوئیں کی ایسی روک جس سے پانی بھرنے والوں کو تکلیف ہو اور وہ بھرنا چھوڑ دیں ہر گز جائز نہیں، یہ سب برے کام ہوئے۔ اس نداف نے بیہودہ کہا، بر ایا اس کے سبب کافر نہیں ہو سکتا کہ اس میں مسجد کی کوئی توہین نہیں، نہ وہ دیواریں مسجد کی ہیں۔ اس کے لئے اتنی سزا کافی ہے کہ تونے بیہودہ بکا۔ آئندہ احتیاط کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۹: مسئولہ عظمت اللہ کوتوالی شہر بریلی شریف

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک مسجد شریف قدیم ٹھوس تھی اہل اسلام نے اس کو منہدم کراکر مغرب کی جانب میں مسجد بنوائی اور قدیم کو اس کا صحن قرار دیا اور مسجد جدید اور صحن یعنی مسجد قدیم ہر دو کی کرسی بلند کی اور نیچے تہہ خانے بنائے اور مسجد قدیم کے تہہ خانے کے حصے کو مسجد کی دکانوں میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس صحن میں نماز پڑھنے والوں کو ثواب مسجد کا ملے گا یا نہیں؟ اور اگر یہ جائز ہے تو اس طرح مسجد جدید کے تہہ خانے کو بھی کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد مسجد ہو جانے کے بعد دوسرے کام کے لئے کرنا حرام حرام سخت حرام ہے ان پر فرض ہے کہ مسجد قدیم کا تہہ خانہ بدستور سابق بند کردیں اور اب کہ مسجد جدید کرچکے اس کے تہ خانے کو بھی کرایہ پر دینا حرام ہے ہاں مسجد کردینے سے پہلے دکانیں وقف مسجد کے لئے بناتے اور اس کے بعد ان کی چھت کو مسجد کرتے تو جائز تھا، اب ہر گز حلال نہیں مسجد قدیم کو جدید کا صحن کرلیا اس میں حرج نہیں وہ بدستور مسجد ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۰: از شہر کہنہ محلّہ کوٹ مسئولہ شیخ انعام اللہ ۵ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ امام باڑہ متصل زیارت شاہ صاحب کے ایک گوشہ میں واقع ہے اور گزشتہ زمانے کے شیعہ مذہب کے لوگ جو لکھنؤ کے پیرو تھے ان کی تعمیر کردہ ہے۔ لیکن اب مسجد مذکور اہلسنت کے قبضہ میں ہے اور کنویں مذکور سے ۳۳/۳۴ گز کے فاصلہ پر ہے، کنویں اور مسجد کے درمیان بوجہ کوڑے اور گھاس کیڑے وغیرہ کا احتمال رہتا ہے، اسی لئے مسجد مذکور آباد نہیں ہوتی، اہل محلّہ چاہتے ہیں کہ مسجد مذکور کا ملبہ لب سڑک متصل کنواں اٹھالائیں اور یہاں مسجد تعمیر کرائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس مسجد کا بانی رافضی تبرائی روافض حال کا ہم عقیدہ تھا اور اسی مذہب پر مرا تو مسلمانوں کو جائز ہے کہ اس کا عملہ دوسری مسجد لے جائیں، نیز جائز ہے کہ اس مسجد کی زمین کو بیچ کر جدید مسجد میں لگائیں۔

فی الدرالمختار لو وقف المرتد فقتل اومات اوارتد المسلم بطل وقفه[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر مرتد نے وقف کیا پھر قتل کردیا گیا یا مرگیا یا مسلمان مرتد ہوگیا تو اس کا وقف باطل ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۱: مسئولہ حافظ عبدالمجید از ضلع مرادآباد قصبہ بچھرایوں محلّہ چودھریاں

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرے باپ جناب قبلہ وکعبہ حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے ۲جولائی ۱۸۹۹ء کو اپنی حقیت موضع کھادگوجر پرگنہ سانپور ضلع مرادآباد تعدادی مواضع چار بسوہ کو اور میرے بھائی حاجی عبداللطیف خان صاحب اور مجھ حافظ عبدالمجید خاں نے اپنی حقیت سواسوا بسوہ موضع کافورپور وچک کافورپور پرگنہ بانسٹہ ضلع بجنور کو بنابر صرف مسجد وچاہ وپیاؤ وقف کردیا مگر وہ جگہ جہاں مسجد وکنواں تیار کرانے کا خیال تھا وہ جگہ آبادی قصبہ بچھرایوں سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر جنگل میں جانب مشرق اور مسجد لب سڑک سے جو آبادی میں بنی ہوئی ہے دو سو گز کے فاصلہ پر ہے بعد وقف ہوجانے کے جو میری غیبت میں تکمیل ہوا تھا یہ خیال پیدا ہوا کہ اس جگہ مسجد کا بنانا کارآمد نہیں ہے کیونکہ اس موقع پر بوجہ نہ ہونے آبادی کے آباد نہیں رہ سکتی مگر یہ خیال جناب والد بزرگوں صاحب سے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

ظاہر نہ کرسکا تھا کہ میرٹھ اپنی ملازمت پر تشریف لے گئے وہاں سے ان کا والا نامہ صادر ہوا کہ فورًا مسجد کی تعمیر کرو میں نے بخوف ان کی ناراضی کے اپنا خیال تو ظاہر نہ کیا مگر بموجب ارشاد تعمیل یہ کردیا کہ دیہات سے چار ہیگاری جمع کرکے مسجد کی نیو معین بنیاد کندہ کرائی اور زمین برابر نیو چنوادی چونکہ موسم برسات آنے والا تھا والد بزرگوار قبلہ کو بطور عریضہ یہ عرض کیا کہ بنیاد بھروادی گئی اور تعمیر مسجد بعد برسات شروع کی جائے گی، اسکے بعد میں خود جناب والد صاحب قبلہ کے پاس پہنچا اور ان سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ مسجد تو بموجب ارشاد عالی بنادی جائے گی مگر اس کی آبادی کی کون سی صورت ہے، اول جناب والا وہاں پر اس کا زنانہ و مردانہ بنادیں اور میں وہاں محلّہ آباد کرلوں تب مسجد تیار ہونی چاہئے، انہوں نے اس بات کو بخوبی منظور فرمالیا، اس عرصہ میں ان کا انتقال ہوگیا مگر کنواں وپیاؤ تیار ہوگیا تھا اور بدستور جاری ہے نہ مکان تھا نہ وہ آباد ہوا۔ ہم دونوں بھائی آپس میں جدا ہوگئے اور اس وقف کا بعد جناب قبلہ کے میں متولی رہا۔ ایک مسجد درمیان آبادی منہدم ہوگئی تھی، میں نے اس روپیہ سے وہ مسجد از سر نو بنوائی، اور وہ بنیاد مسجد جو جنگل میں بیگاروں سے بھروادی تھی اکھڑوا کر اس کی اینٹیں بھی اس میں لگوا کر تیار کروادی، اب اس وقف کی رقم جمع ہے اور ایک مسجد محلّہ جو میرے مردانہ مکان کے پیش دروازہ ہے از حد مرمت طلب ہورہی ہے اور کوئی صاحب اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، میرا خیال ہے کہ اگر شرع شریف اجازت دے تو میں اس مسجد کی اس روپیہ سے مرمت کرادوں۔ دوسرے یہ کہ وہ مسجد جہاں جنگل میں پہلے بنیاد بھروادی تھی اور وہ اس وجہ سے کہ یہ کسی وقت کارآمد وآباد نہیں ہوسکتی اکھڑوا ڈالی گئی تھی، اس کا بنانا ضروری ہے یا اس مسجد کی مرمت کرادینا ضرور ہے؟

الجواب:

جبکہ یہ صحیح ہو کہ وہ جگہ آباد نہیں ہوسکتی اور وہ مسجد کام میں بھی نہ آئے گی تو وہ مسجد نہ ہوئی، ان اینٹوں اور روپے کو دوسری مسجد میں صرف کرسکتے ہیں، عالمگیری میں ہے:

رجل بنی مسجدا فی مفازۃ حیث لایسکنھا احد، وقل ما یمر بہ انسان لم یصر مسجدا لعدم الحاجۃ الی صیرورتہ مسجدا کذا فی الغرائب[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی شخص نے جنگل میں مسجد بنادی جہاں کوئی بھی نہیں رہتا اور بہت کم ہی کسی انسان کا وہاں سے گزر ہوتا ہے تو وہاں مسجد نہیں ہوئی کیونکہ اس کے مسجد ہونے کی ضرورت نہیں، غرائب میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۰

مسئلہ ۳۱۲تا۳۱۳: از شہر محلّہ باغ احمد علی خاں مسئولہ منشی فتح محمد صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک مسجد اہل سنت وجماعت کی تعمیر ہو رہی ہے اور اس کا چندہ جمع ہو رہا ہے، اس مسجد میں کس کس مذہب کا پیسہ لگانا جائز ہے اور کس کس مذہب کا ناجائز؟

(۲) ایک مسجد رافضی کی تیار کی ہوئی ہے جو اس وقت ایک گوشہ میں ویران پڑی ہے اس میں اہلسنت وجماعت کی یہ رائے ہے کہ اس مسجد کو شہید کرکے دوسری جگہ مسجد تعمیر کرائی جائے اس کی زمین کا پیسہ دوسری مسجد اہلسنت وجماعت میں لگایا جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس مسجد کا اب کوئی فساد کرنے والا نہیں۔

الجواب:

(۱) مسجد میں صرف اہلسنت کا پیسہ لیا جائے، کافروں یا مرتدوں کا ناپاک مال نہ لیا جائے۔

(۲) رافضی جو ایسا ہی مذہب رکھتا ہے جیسا کہ آج کل کے رافضیوں کا ہے اگر اس نے مسجد بنائی اور مرگیا تو اس کی مسجد کی زمین اور عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں لگاسکتے ہیں جبکہ فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۴: از حصار محمد عبدالرشید مدرسہ انجمن محاسن الاسلام احاطہ عبدالغفور خاں ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دکان مرہونہ مسجد کے نام کسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دکان کہ مسجد پر وقف کی گئی اور واقف نے شروط وقف میں اس کے بدلنے کی اجازت نہ لکھی وہ کسی طرح نہیں بک سکتی، مگر یہ کہ تباہ ویران ہوجائے اور کوئی صورت اس کی آبادی کی نہ رہے تو اسے بیچ کر دوسری جگہ دکان خرید کر متعلق مسجد کردے، یا دکان پر کسی ظالم کا قبضہ ہوگیا اور اسے کسی طرح رہائی نہیں ہوسکتی مگر دام دینے پر راضی ہے تو لیں اور دوسری دکان اس کی جگہ قائم کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۵: از شہر کہنہ درگاہ شاہ دانا صاحب قدس سرہ مسئولہ رحمت علی صاحب ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہ دانا صاحب کا مزار شریف ایک چھوٹے سے احاطہ

کے اندر نور افروز ہے اور اسی احاطہ میں ایک مسجد اور ایک خانقاہ جانب شمال دو تین گز کے فاصلہ سے واقع ہے خانقاہ قدیم الایام یعنی مزار شریف کی تعمیر کے زمانہ سے اب تک واسطے ٹھہرنے سیاحین زائرین مقرر ہے، چنانچہ اکثر اولیاء سابق درویش اور سالکین استقامت کیش جو وقتاً فوقتاً واسطے زیارت اور حاصل کرنے مراد اور برکات کے دور دراز سے سفر کرکے آتے ہیں تو اسی خانقاہ میں ٹھہرا کرتے ہیں اور جو کہ ایام عرس میں تخمیناً ایک ہزار مرد و عورت ولڑکی لڑکے جوان بڈھے مزار اقدس میں جمع ہوتے ہیں اور یہ بھیڑ بھاڑ تقریباً ایک ماہ تک رہتی ہے تو اس ہنگامہ میں سوا اس مکان کے دھوپ اور بارش وغیرہ کے بچاؤ کے لئے اور کوئی مکان مطلق نہیں ہے اگر وہ مکان نہ ہو تو زائرین کو از حد پریشانی اور تکلیف ہو، دوسرے یہ کہ اس خانقاہ کے اندر دو ایک قبریں بھی ہیں اور ایک قبر خلیفہ ولایت علی صاحب کی بھی ہے کہ اس قبر کو ہموار کرکے اس پر لڑکے پڑھتے ہیں، اب اس خانقاہ اور شرقی حصہ صحن مزار شریف کو عرصہ تقریباً دو ایک ماہ سے بلا اجازت متولی صاحب وبغیر منشا خادمین جو پشت ہا پشت سے اس پر بطور مالکانہ کے قبضہ رکھتے ہیں، چند اشخاص وہابی محلّہ شاہدانہ نے بتقریب تحکم مصلیان جدید اس میں جدید مدرسہ قائم کیا ہے، مدرسہ کے اکثر طلبہ جو خانقاہ میں قبریں ہیں ان پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور صحن مزار شریف میں سوئے ادبی اور بازی اور رسہ کشی کرتے ہیں اور چھوٹے لڑکے ساتھ مسجد میں جاکر فرش مسجد اور لوٹوں کو ناپاک کرتے ہیں اس صورت میں اسلامی قانون نبوی کے مطابق مقام مذکور پر مدرسہ رکھ سکتا ہے یا نہیں جبکہ بانی مبانی عمارت شریف کی یہ نیت اور منشاء نہ ہو اور متولی ان حرکات سے اور مدرسہ کے قیام سے قطعاً راضی نہ ہو اور مسافرین اور زائرین کی جگہ جبراً چھین لی ہو. اور لڑکے اس مقام متبرک پر گند باد سے بے ادبی کرتے ہوں اور قبروں کو نشست گاہ بنایا ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر خانقاہ میں عاقل، بالغ، باادب، باتمیز اور قریب بلوغ متأدب لڑکوں کے لئے درس دینے کی اجازت دی جاتی اور قبور کی بیحرمتی نہ کی جاتی اور حاضرین پر ٹھہرنے کی جگہ تنگ نہ ہوتی اور ایام عرس شریف میں خانقاہ ان کے لئے خالی رہتی اور یہ سب کچھ عاریۃً ہوتا نہ کہ خانقاہ یا مسجد پر مالکانہ قبضہ تو حرج نہ تھا مگر مسجد کی بے حرمتی حرام اور اس میں بچوں کا جانا ممنوع۔

ابن ماجہ کی حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم [1]۔	اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور اپنی آوازیں اونچی کرنے سے بچاؤ۔ (ت)

[1] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

اور مسلمان کی قبر پر بیٹھنا یا چلنا ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان اطأعلی جمرۃ حتی مخلص الی جلدی احب الی من ان اطأعلی قبر مسلم او ماھذا معناہ[1]۔	مجھے چنگاری پر پاؤں رکھنا یہاں تک کہ وہ جوتا توڑ کر کھال تک پہنچ جائے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

لان امشی علی سیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم[2]۔ او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	مجھے تلوار پر چلنا مسلمان کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے (جیساکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یکرہ القعود علی القبر لان سقف القبر حق المیت[3]۔	قبر پر بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔ (ت)

فتح القدیر و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام[4]۔	قبرستان میں جو نیا راستہ بنایا جائے اس میں چلنا حرام ہے۔ (ت)

اور مسلمان کی قبر کو ہموار کر دینا اور بھی سخت حرام۔ حاضرین کے لئے جگہ تنگ کرنا جنکی اصل وضع خانقاہ ہے وقف میں تصرف بے جا اور مخالفت غرض واقف ہے کہ شرعًا ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶تا۳۱۸: از ضلع بردوان مقام رانی گنج مسئولہ میر ضامن سیکریٹری مدرسہ دارالعلوم ۹ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۲، سنن ابوداؤد کتاب الجنائز باب کراہیۃ القبور علی القبر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۴، الترغیب والترہیب الترہیب من الجلوس علی القبر مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۷۴

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی النھی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل الاستنجاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۹

(۱) مسجد کی موقوفہ جائداد کا متولی مسجد یا مسجد کے متعلق مکان میں تنہا اپنی رائے سے کسی قسم کی ترمیم کرسکتا ہے یا نہیں ایسی صورت میں کہ مصلیان مسجد اس ترمیم کے سخت مخالف ہوں۔
(۲) مسجد کی کوٹھری یا حجرہ یا مسجد کا مدرسہ آیا متولی موصوف کی ملکیت ہے یا ان کا نظم ونسق وغیرہ۔ امام ومؤذن کی تقرری وبرخاستگی عام مصلیان مسجد کے اتفاق پر موقوف ہے مصلیان مسجد کو اس کے متعلق کوئی بازپرس کرنے کا اور جمع خرچ کے سمجھنے کا اختیار ہے یا نہیں؟
(۳) مصلیان مسجد کے خلاف میں اگر کسی مسجد کا متولی دوسری مسجد کے نمازیوں کو اپنے ساتھ ملا کر مخالفت سے اس مسجد میں کوئی ناپسندیدہ کام کرنا چاہے اور اس کی قابل مرمت چیزیں خراب ہورہی ہوں تو مصلیان مسجد کو اس پر رکاوٹ کا مجاز اور متولی کو ان کا متفق الرائے کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر اس ترمیم کا اختیار اسے واقف نے دیا تھا تو کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ یہ بات ملاحظہ شرائط وقف سے ظاہر ہوسکتی ہے۔
(۲) مسجد اور اس کے متصل کوئی شے نہ متولی کی ملک ہے نہ مصلیوں کی، نہ کسی غیر خدا کی، وہ سب خالص ملک الٰہی ہے، اوقاف مسجد کا انتظام متولی کے سپرد ہے اور امام ومؤذن کا نصب وعزل بانی مسجد یا اس کی اولاد پھر مصلیوں کے متعلق ہے متولی جو بات خلاف شرائط وقف کرے مصلی بلکہ عامہ مسلمین اس سے بازپرس کرسکتے ہیں۔ متولی امین ہے جب تک اس کی خیانت کا صحیح مظنہ نہ پیدا ہو وہ جمع خرچ سمجھانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ درمختار میں ہے:

سئل قارئ الهداية عمن طلب محاسبة شريكه فاجاب لایلزمه بالتفصیل ومثله المضارب والوصی والمتولی۔نهر [1]۔	قارئ الہدایہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنے شریک سے محاسبہ کا سوال کرے تو قارئ ہدایہ نے جواب دیا کہ شریک پر مفصل جواب دینا لازم نہیں، اس کی مثل ہے مضارب، وصی اور متولی، نہر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے: **یحمل اطلاقه علی غیر المتهم** [2] (اس کا اطلاق اس شخص پر محمول کیا جائیگا

---

[1] درمختار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۷

جس پر تہمت نہ لگائی جاتی ہو۔ت)

(٣) سائل نے ناپسندیدہ کام کی تفصیل نہ کی، ان کو ناپسندیدہ ہے یا شرعًا، جو شرعًا ناپسندیدہ ہے اس کا اختیار کسی کو نہیں، نہ وہ کسی کے متفق الرائے سے ہونے سے ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ٣١٩: مولوی غلام محی الدین صاحب راندیری ١٣ شعبان ١٣٣٩ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ جام نگر (علاقہ کاٹھیاوار) میں دو مسجدیں ایسی مسلمان بائیوں (عورتوں) کے نام سے بنی ہوئی ہیں کافر راجہ نے ان کو باوجود اسلام پر قائم رہنے کے اپنی ہی مجامعت میں ہمیشہ کے لئے قائم ودائم زبردستی کرکے رکھا ایک فاطمہ بائی کی مسجد راجہ سے مال کثیر لے کر اصل پرانی مسجد پر اپنے مسلمان ناظر نوکر کے مال حوالہ کرکے مسجد بنائی ہے۔ اسی طرح دوسری امرت بائی کی مسجد نو تعمیر ہوکر امرت بائی کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے راجہ کے وقت میں قصبہ ہذا میں سات مسجدیں سات بائیوں کے نام سے پچاس سال ہوئے ہیں بنائی ہیں:

ایک دھن بائی کی مسجد جو جامع مسجد دھن بائی کی مشہور ہے پرانی مسجد پر اس کی تعمیر ہوئی۔

دوسری ناتھی بائی کی مسجد رافضی پورہ محلّہ میں پرانی مسجد کو شہید کرکے نئی بنائی گئی ہے۔

تیسری جان بائی کی ٹاور کی مسجد، یہ بھی ایک پرانی مسجد شہید کرکے نئی بنائی گئی ہے۔

چوتھی دالبائی کی مسجد جو پرانی جیل کے قریب بالکل نئی تعمیر کی گئی ہے۔

پانچویں رتن بائی کی مسجد لنگھاواڑ میں نئے سرے سے بنائی گئی ہے، قبل ازیں یہاں کوئی مسجد نہ تھی۔

چھٹی ہنس بائی کی مسجد جو ملک لوگوں کی مسجد تھی اس کو شہید کرکے وسیع پیمانے پر بنائی گئی ہے۔

ساتویں چھوٹی دھن بائی کی مسجد جو گجراتی واڑ میں کہنہ خورد مسجد کو شہید کرکے اسی پر بنائی گئی ہے۔

یہ عورتیں مسلمان صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں اور کافر راجاؤں کے جبر سے مرتے دم تک ان کے مکان میں رہیں، اور راجاؤں سے ان عورتوں نے مال حاصل کرکے اپنے نوکر مسلمان ناظر کو مال حوالہ کردیا اور ان ناظروں نے مسجدیں بنواکر مسلمانوں کے قبضہ میں کردیں اور تاایں دم مسلمان کے قبضہ میں ہیں۔ یہ عورتیں مرچکی ہیں ان کی ہر ایک کی قبر ہر مسجد کے فنا میں بنی ہوئی ہے، اور ان میں سے جو مسجدیں سابق پرانی مسجدوں کو شہید کرکے تعمیر کی گئی ہیں، ان کے فنا میں اولیاء کے مزار بھی ہیں، ان مسجدوں کے ان بائیوں کے نام سے موسوم ہونے پر کافر کا روپیہ لگنے کے باعث اگرچہ ان عورتوں میں سے ہر ایک نے اپنے نوکر ناظر مسلمان کو حوالہ کرکے مسجد کی تعمیر کرائی ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں کردی گئی ہیں

باوجود اس کے مسلمانوں کے دو گروہ ازاں دم تا ایں دم چلے آتے ہیں، ایک گروہ ان مسجدوں میں نماز پڑھنا جائز سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ بوجوہ بالا ناجائز سمجھ کران میں نماز نہیں پڑھتا اور پڑھنے والے کو روکتا ہے، معترض گروہ نے اپنے استدلال میں ایک عربی رسالہ بھی لکھا ہے جو منسلک استفتاء ہذا ہے۔ قائلین جواز اکثر فتاوٰی کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ یہ مسجدیں اپنے مصارف کے لئے قطعًا کسی کی محتاج نہیں ہیں کیونکہ ہر مسجد اپنے تعلق میں دکانیں رکھتی ہے۔ موجودہ کافر راجہ کو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ ان مسجدوں میں بحکم شرع شریف نماز ناجائز ہے تو وہ ان کے انہدام میں ایک لمحہ دیر نہ لگائے اور مسجدیں دکانیں جن کی عمارت تقریبًا ۵ لاکھ بلکہ زائد ہوگی مسلمانوں کے قبضہ وتصرف سے نکل جائینگی اور مزارات اولیاء کرام جو ان مسجدوں کی فناء میں واقع ہیں مسمار کردئے جائینگے، آپ نہایت تفصیل سے عام فہم زبان میں ارشاد فرمائیں کہ حکم شرع شریف کیا ہے تاکہ مسلمانوں میں فساد مذکورہ بالا کی بیخ کنی ہوجائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ مسجدیں شرعًا مساجد ہیں اور ان میں نماز قطعًا جائز، اور ان کا ہدم ظلم شدید، اور ان نماز پڑھنے سے روکنا، ان کی ویرانی میں کوشش کرنا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کی۔

عربی رسالے میں اجرت زنا کی حرمت کا بیان ہے اس میں کسے کلام ہے مگر اسے یہاں سے کیا علاقہ، اور ان مسجدوں کی ابطال مسجدیت سے تو اسے اصلًا مس نہیں، یہاں نہ اجارہ ہوا نہ وہ مال کہ ان عورتوں نے پایا اجرت تھا، نہ ان کے لئے حکم حرمت تھا، اور بالفرض ہوتا تو ان مسجدوں کو مسجد نہ ماننا جہالت تھا،

اولًا: اجارہ کہ بیع منافع ہے مثل بیع محتاج ایجاب وقبول وتراضی طرفین ہے، اور سوال میں زبردستی کرکے رکھا، کافر راجاؤں کے جبر سے رہیں تو نہ کوئی اجارہ تھا نہ ایجاب وقبول، خود رسالہ عربیہ میں اقرار کیا ہے کہ صورت مبحوث عنہا میں عقد اجارہ نہیں تو مسئلہ اجرت زنا کی بحث بیکار تھی۔ رہا رسالہ کا یہ گمان کہ جب بے عقد ہے تو بدرجہ اولٰی حرام ہے کہ اب اس کی حرمت پر اتفاق ہے، ذخیرۃ العقبٰی میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

ماأخذته الزانية ان كان بعقد الاجارة فحرام عندهما وان كان بغير عقد فحرام اتفاقا لانها اخذته بغير حق كذا في المحيط[1]۔	جو کچھ زانیہ نے لیا اگر عقد اجارہ کے طور پر ہے صاحبین کے نزدیک حرام ہے اور اگر بلا عقد ہے تو بالاتفاق حرام ہے کیونکہ زانیہ نے اس کو ناحق لیا ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

اقول: یہ ہی وہ نافہمی ہے جس نے غلطی میں ڈالا، بلاوجہ کسی کا مال لے لینا کہ بالاتفاق حرام ہے مال معصوم میں ہے جو کہ مسلمان یا ذمی یا مستامن کا مال ہے ان کے غیر کا مال کہ بلاعذر ملے خصوصًا جو خود اس کی رضا سے ہو اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ بلاوجہ محض بلکہ بنام وجہ فاسد و ناجائز مثل ربا و قمار وغیرہما ہو۔ ہدایہ وفتح القدیر میں ہے:

(مالهم مباح) واطلاق النصوص في مال محظور وانما يحرم على المسلم اذا كان بطريق الغدر (فاذالم ياخذ غدرا فبای طریق یاخذه حل) بعد کونه برضا[2]۔	(ان کا مال مباح ہے) اور نصوص کا اطلاق مال ممنوع پر ہوتا ہے اور بیشک وہ (کافر حربی کا مال) مسلمان پر اسی صورت میں حرام ہوتا ہے جب بطور غدر لیا جائے، اور اگر غدر و دھوکے سے نہ لے تو جس طرح بھی حاصل کرے حلال ہے بشرطیکہ اس کافر کی رضامندی سے ہو۔ (ت)

مبسوط میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کفار مکہ سے نصرت مسلمین پر شرط باندھ کر مال لینا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے جائز رکھنا بلکہ خود بحکم حضور شرط میں اضافہ کرنا مذکور۔ محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں:

وهو القمار بعينه بين ابي بكر ومشركي مكة وكانت مكة دار شرك[3]۔	اور وہ سید صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور مشرکین کے درمیان بعینہٖ جوا تھا اور مکہ دار شرک تھا۔ (ت)

ثانیًا: جب ان کا رہنا بجبر واکراہ تھا تو عقد درکنار شرط زنا پر لینا بھی نہ ہوا تو رسالہ عربیہ کا

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدہ نولکشور کانپور ۳/ ۵۱۲
[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب الرباء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸
[3] فتح القدیر کتاب البیوع باب الرباء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

کہنا کہ:

ماتأخذہ الزانیة علی الزنا بغیر عقد الاجارۃ حرام اتفاقا وھو المبحوث عنه۔	جو کچھ زانیہ زنا پر بغیر عقد اجارہ کے لے وہ بالاتفاق حرام ہے اور یہ زیر بحث ہے (ت)

یوں بھی صحیح نہیں اور اب مال کافر کی بھی قید نہ رہی،

ففی الھندیة عن المحیط عن المنتقی ابراہیم عن محمد امرأۃ نائحة اوصاحب طبل او مزمار اکتسب مالا قال ان کان علی شرط ردہ علی اصحابه لانه اذا کان الاخذ علی الشرط کان المال بمقابلة المعصیة فکان الاخذ معصیة والسبیل فی المعاصی ردھا اما اذا لم یکن الاخذ علی الشرط لم یکن الاخذ معصیة والدفع حصل من المالك برضاہ فیکون له ویکون حلالاله[1]۔	پس ہندیہ میں محیط سے بحوالہ منتقی ابراہیم سے بروایت امام محمد منقول ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت، ڈھول بجانے والے اور سارنگی بجانے والے نے جو مال کمایا اگر وہ کسی شرط پر تھا تو وہ مالکوں کو واپس کریں کیونکہ جب اس کا لینا شرط پر ہوا تو وہ معصیت کے مقابلہ میں ہوا اور معاصی میں چھٹکارے کی سبیل اس کو مالکوں کی طرف لوٹانا ہے اور اگر وہ شرط کی بنیاد پر نہ تھا اس کا لینا معصیت نہ ہوا اور یہ دینا خود مالک کی طرف سے اس کی رضا کے ساتھ متحقق ہوا لہذا وہ اس کے لئے حلال ہوگا۔ (ت)

ثالثاً: حقیقت امر یہ ہے کہ نواب وراجہ جو عورتیں رکھتے اور انہیں اپنا پابند کرتے ہیں اپنے زعم مردود میں انہیں مثل ازواج وکنیزاں رکھتے ہیں اور جو کچھ ادرار وماہوار انہیں دیتے ہیں نہ بعوض زنا ہوتا ہے نہ بشرط زنا بلکہ نفقہ ازواج کی طرح جزاء احتباس سمجھ کر دیتے ہیں ولہذا اگر ان میں بعض کی صورت بھی مہینوں نہ دیکھنے میں آئی ادرار میں فرق نہیں آتا یہ حبس ضرور ظلم و حرام ہے، اور اگر برضائے زنا ہو تو قطعاً یہ بھی عاصیہ کہ رضا بالحرام حرام ہے لیکن جب بالجبر ہے تو اس کی طرف سے معصیت نہیں،

قال تعالٰی "وَمَنۡ یُّکۡرِهۡهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۳﴾"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو ان پر جبر واکراہ کرے تو اللہ تعالٰی ان عورتوں کے مجبور ہونے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیة الباب الخامس عشر فی الکسب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۳

تو وہ ان کے لئے کسی طرح مقابل معصیت نہیں اور امام محمد کا ارشاد بلا دقت صادق کہ مال برضاء مالک ملا تو ان کے لئے حرام نہیں۔علاوہ ماہوار بعض منظورات نظر کو اور اموال جو زائد دیتے ہیں مسلم کی طرف سے ہوتے تو ضرور حرام ہوتے کہ رشوت تھی،

والراشی والمرتشی کلاھما فی النار [1]۔	رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔(ت)

لینے والی مالک نہ ہوتی اور ان کا دینے والے کو واپس دینا فرض ہوتا۔ہندیہ میں قنیہ سے ہے:

المتعاشقان یدفع کل واحد منھما لصاحبه اشیاء فھی رشوة لایثبت الملك فیھا وللدافع استردادھا [2]۔	باہمی معاشقہ کرنے والوں میں سے ہر ایک نے جو دوسرے کو دیا وہ رشوت ہے اس سے ملک ثابت نہیں ہوتی اور دینے والے کو اختیار ہے کہ واپس لے لے۔(ت)

یہاں کہ دینے والا حربی غیر مستأمن ہے اور ان کی طرف سے غدر نہیں بلکہ برضائے مالک ہے تو بحکم استیلاء ان کی ملک ثابت اور ہدایہ کا ارشاد صادق کہ:

بای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذالم یکن فیه غدر [3]۔	مسلمان جس طرح بھی لے ایک مال مباح لیتا ہے جبکہ اس میں غدر نہ ہو۔

خصوصًا وہ روپیہ کہ راجہ سے مسجد کے لئے مانگ کرلیا اور اس نے بخوشی دیا اسے زبردستی زیر حرمت مان لینا کیا معنی۔

رابعًا: بالفرض یہ روپیہ حرام ہی ہوتا تو امام کرخی کے مذہب مفتی بہ پر مسجد کی طرف اس کی خباثت سرایت نہ کرسکتی جب تک اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوتے یعنی وہ روپیہ دکھا کر بائعوں سے اینٹ کڑیاں زمین وغیرہا خریدی جاتیں کہ اس روپے کے عوض میں دے پھر وہی زر حرام ثمن میں ادا کیا جاتا۔ظاہر ہے کہ عام خریداریاں اس طور پر نہیں ہوتیں تو اب بھی ان مسجدوں میں اثر حرام ماننا جزاف و باطل تھا۔تنویر الابصار میں ہے:

تصدق بالفلة لو تصرف فی المغصوب	اور باقیماندہ منفعت کو صدقہ کرے، اگر اس نے معضوب اور

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب ص عن ابن عمر حدیث ۱۵۰۷۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۳، الترغیب والترھیب ترھیب الراشی والمرتشی مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۸۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۳

[3] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

اوالودیعة وربح اذاکان متعینا بالاشارة اوبالشراء بدراہم الودیعة او الغصب ونقدھا،وان اشارالیھا و نقد غیرہا اوالٰی غیرہا اواطلق ونقدھالا،وبہ یفتی [1]۔	ودیعت میں تصرف کیااور اس سے نفع حاصل ہوا جبکہ وہ مغصوب یا ودیعت متعین ہو چاہے اشارہ سے متعین ہو یا غصب و ودیعت کے دراہم کے بدلے خریدنے اور انہی دراہم کو ادا کرنے سے متعین ہوااور اگراشارہ دراہم غصب و ودیعت کی طرف کیااور ادا دوسرے درھم کئے یااشارہ دراھم غصب وودیعت کے غیر کی طرف کیا اور ادا دراہم غصب و ودیعت کئے یاذکر مطلق دراہم کا کیا بلااشارہ کے اور ادا دراہم غصب وودیعت کئے تو ان تینوں صورتوں میں منفعت صدقہ نہ کرے،اسی پر فتوٰی دیا گیاہے۔(ت)

خامسًا: پورے تنزل کے بعد بالفرض سرایت خبث بھی سہی تو یہ خبث بوجہ فساد ملک ہوگا نہ بوجہ عدم ملک کہ بسبب استیلاء ملک زناں میں شبہ نہیں۔درمختار میں ہے:

دخل مسلم دارالحرب بامان حرم تعرضہ لشیئ منھم فلو اخرج شیئا ملکہ ملکا حراما للغدر فیتصدق بہ [2]۔	اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں امان لے کر داخل ہواتوان کی کسی چیز سے تعرض کرنا اس کو حرام ہے اگر وہ ان حربی کافروں کی کوئی چیز نکال لایا تو دغابازی کی وجہ سے اس کا مالک بہ ملک حرام ہوالہٰذااس کو صدقہ کردے۔(ت)

تواس صورت میں بھی صحت مسجدیت وجواز نماز کے لئے روایات کثیرہ جلیلہ موجود ہیں۔متفرقات وقف عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

لواشتری ارضا شراء فاسدا فقبضھا و اتخذھا مسجدا وصلی الناس فیہ ذکر ھلال رحمہ اللہ تعالٰی فی وقفہ انہ مسجد وعلی المشتری قیمتھا ولاترد الی البائع قال ھلال ھذا قول اصحابنا	اگر کسی نے شراء فاسد کے ساتھ کوئی زمین خریدی اور اس پر قبضہ کرکے اس کو مسجد بنادیا اور لوگوں نے اس میں نماز پڑھ لی تو ھلال رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے وقف میں فرمایا کہ وہ مسجد ہے اور اس کی قیمت مشتری کے ذمے ہے اس کو بائع کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا،ہلال رحمہ اللہ نے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶۔۲۰۵

[2] درمختار کتاب الجہاد باب المستأمن مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۶

فی المسجد والوقف علی قیاسه[1]۔	فرمایا کہ ہمارے اصحاب کا یہ قول مسجد کے بارے میں ہے اور وقف کو اسی پر قیاس کیا جائیگا(ت)

فتاوٰی قاضیخاں نیز ہندیہ اوائل الوقف میں ہے:

لواشتری رجل دارا شراء فاسدا وقبضها ثم وقفها علی الفقراء والمساکین جاز وتصیر وقفا علی ماوقفت وعلیه قیمتها[2]۔	اگر کسی نے شراء فاسد کے ساتھ گھر خریدا اور اس نے قبضہ کرلیا پھر اس کو فقراء ومساکین پر وقف کردیا تو جائز ہے اور وہ ان پر وقف ہوجائیگا جن پر اس نے وقف کیا اور اس کی قیمت اسی مشتری پر لازم ہوگی۔(ت)

تنویر الابصار احکام البیع الفاسد میں ہے:

فان وقفه وقفا صحیحا نفذ[3]۔	اگر اس کو وقف صحیح کے ساتھ وقف کیا تو نافذ ہوجائے گا۔(ت)

در مختار میں ہے:

لانه استهلکه حین وقفه واخرجه عن مبلکه ومافی جامع الفصولین علی خلاف هذا غیر صحیح کما بسطه المصنف[4]۔	اس لئے کہ اس نے وقف کرکے اس کو ہلاک کرڈالا اور اس کو اپنی ملک سے خارج کردیا، اور وہ جو جامع الفصولین میں اس کے خلاف آیا ہے وہ صحیح نہیں جیسا کہ مصنف نے اس کو تفصیل سے بیان کیا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی جامع الفصولین لو وقفه او جعله مسجدا لایبطل حق الفسخ مالم یبن اھ ای فالمانع من الفسخ هو البناء حمله فی	جامع الفصولین میں ہے کہ اگر مشتری نے اس کو وقف کیا یا مسجد بنایا تو جب تک عمارت نہ بنادے حق فسخ باطل نہیں ہوتا اھ یعنی مانع فسخ، عمارت ہے،

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۸۵۔۴۸۴

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الاول فی تعریفه نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۴

[3] درمختار شرح تنویر ابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

[4] درمختار شرح تنویر ابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

النهر على احدى روايتين وهو اولى من التغليط وحمله فى البحر على ما اذا لم يقض به.قلت لكن المسجد يلزم بدون القضاء اتفاقا[1]۔	صاحب نہر نے اس کو دو روایتوں میں سے ایک پر محمول کیا اور یہ اس کی تغلیط سے اولٰی ہے اور بحر میں اس کو اس پر محمول کیا کہ جب تک اس کے ساتھ قضاء واقع نہ ہو۔ میں کہتا ہوں لیکن مسجد تو بغیر قضاء قاضی کے لازم وثابت ہوجاتی ہے بالاتفاق۔(ت)

اسی کے اوائل وقف میں ہے:

صح وقف ما شراه فاسدا بعد القبض[2]۔	قبضہ کے بعد اس چیز کا وقف صحیح ہے جس کو شرا فاسد کے ساتھ خریدا ہو۔(ت)

نظر بحالت مذکورہ سوال انہیں پر فتوٰی واجب ہوتا اذ لا یفتی فی الوقف الا بما ھو انفع لہ (وقف میں صرف اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے جو اس کے حق میں زیادہ نافع ہو اس کے غیر پر فتوٰی نہیں دیا جاتا۔ت) نہ کہ ان مباحث عظیمہ کے ساتھ جو ہم نے ابتداءً ذکر کیں جن کے بعد شبہ کو اصلاً گنجائش نہیں، وللہ الحمد، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۰: از لکھنؤ جھوائی ٹولہ بادشاہ محل کی ڈیوڑھی مسئولہ منشی انور علی ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص موذن مسجد ہے اور اس شخص مؤذن نے حجرہ مسجد جو وقف تھا اس میں اپنا دخل اور تصرف مالکانہ کرکے ایک مکان اوپر اس حجرہ کے بنایا اور حجرہ وقف کو اپنے مالکانہ تصرف اور ماتحت میں لاتا اور اس میں خانہ داری وسکونت کرتا ہے، آیا عندالشرع الشریف یہ جائز ہے یا نہ اور اہل محلّہ اس کو خارج کرسکتے ہیں یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

حجرہ اگر سکونت مؤذن کے لئے واقف نے وقف کیا تھا اور اس نے اس کے اوپر کوئی عمارت اپنے روپے سے وقف کے لئے بنا کر اس میں سکونت کی تو اس پر الزام نہیں، نہ یہ کوئی تصرف مالکانہ ہے بلکہ مطابق شرط واقف ہے اور اگر حجرہ مسجد کے دیگر مصارف کے لئے وقف ہوا تھا جن میں سکونت مؤذن داخل نہیں، تو بیشک ناجائز ہے اور مہتممان مسجد اسے خارج کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۹

مسئلہ ۳۲۱: از گرواڑہ ریاست بڑودہ مسئولہ یوسف علی خاں بہادر ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عرصہ دس سال سے اپنی کتابیں جامع مسجد بڑودہ میں فی سبیل اللہ وقف کردی ہیں، عرصہ دس سال سے انجمن اصلاح اہلسنت وجماعت کے قبضے میں ہیں اب وہ شخص رافضی کی طرفداری میں ہوکر کتب خانہ موقوف کو واپس اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اس بات کا مستحق ہے کہ انجمن اہل سنت وجماعت کا قبضہ چھڑا کر اپنا قبضہ کرے یا کتابوں کو دوسری مسجد یا مدرسہ کی طرف منتقل کردے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگراس نے کتابیں مسجد جامع پر وقف کیں تو جائز نہیں کہ وہ کسی مدرسہ یا دوسری مسجد کی طرف منتقل کی جائیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ظاہرہ انہ یکون مقصورا علٰی ذٰلک المسجد وھذا ھو الظاہر حیث کان الواقف عین ذٰلک المسجد[1]۔	ظاہر اس کا یہی ہے کہ وہ اسی مسجد کے لئے مختص ہے اور یہی ظاہر ہے جبکہ خود واقف نے اسی مسجد کے لئے معین کردیا تھا۔ (ت)

قنیہ میں ہے:

سبل مصحفا فی مسجد بعینہ للقرائۃ لیس لہ بعد ذٰلک ان یدفعہ الٰی اٰخر من غیر اھل تلک المحلۃ للقرائۃ[2]۔	کسی شخص نے قرآن مجید ایک خاص مسجد میں تلاوت کے لئے صدقہ کیا تو اب اس کو اختیار نہیں کہ وہ اس مسجد کے اہل محلّہ کے علاوہ کسی دوسرے کو پڑھنے کے لئے دے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وبہ عرف حکم نقل کتب الاوقاف من محالھا للانتفاع بھا، والفقہاء بذٰلک مبتلون فان وقفھا علی مستحقی وقفہ لم یجز نقلھا و	اسی سے کتب اوقاف کے انتفاع کی غرض کا اپنے مکانات سے منتقل کرنے کا حکم معلوم ہوگیا اور فقہاء اس کے ساتھ مبتلی ہیں پس اگر تو واقف نے صرف اپنے وقف (یعنی اپنی مسجد و مدرسہ) کے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۶

[2] القنیۃ المنیۃ للتتمیم الغنیۃ کتاب الوقف کلکتہ انڈیا ص ۲۱۳

ان علی طلبۃ العلم وجعل مقرھا فی خزانتہ التی فی مکان کذا ففی جواز النقل تردد نہر[1]۔	مستحقوں کے لئے ان کتابوں کو وقف کیا ہے توان کو منتقل کرنا جائز نہیں اور اگر مطلقًا طالبان علم کیلئے وقف کیا اور ٹھکانا ان کتابوں کا اپنے اس خزانہ میں مقرر کیا جو فلاں مکان میں ہے تو منتقل کرنے کے جواز میں تردد ہے، نہر (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الذی تحصل من کلامہ انہ اذا وقف کتبا وعین موضعھا فان وقفھا علی اھل ذلك الموضع لم یجز نقلھا منہ لالھم ولا بغیرھم، وظاہرہ انہ لایحل لغیرھم الانتفاع بھا، وان وقفھا علی طلبۃ العلم فلکل طالب الانتفاع بھا فی محلھا وامانقلھا منہ ففیہ تردد ناشیئ مماقدمہ عن الخلاصۃ من حکایۃ القولین من انہ لو وقف المصحف علی المسجد ای بلاتعیین اھلہ قیل یقرأفیہ ای یختص باھلہ المترددین الیہ وقیل لایختص بہ ای فیجوز نقلہ الی غیرہ وقد علمت تقویۃ القول الاول بمامر عن القنیۃ[2]۔	اس کے کلام سے جو معنی حاصل ہورہا ہے وہ یہ ہے کہ اگر واقف نے کتابوں کو وقف کیا اور ان کے لئے مکان معین کردیا پھر اگر صرف اسی جگہ والوں کے لئے وقف کیا تو اب منتقل نہیں کرسکتا نہ ان لوگوں کے لئے نہ دوسروں کے لئے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں کے غیر کے لئے ان کتب موقوفہ سے انتفاع حلال نہیں اور اگر ان کتب کو طالبان علم پر وقف کیا تو ان کتب کے محل معین میں ان سے ہر طالب علم کو انتفاع کا حق ہے لیکن ان کتابوں کو اس محل معین سے منتقل کرنے میں تردد ہے جو خلاصہ کے حوالہ سے ان دو قولوں سے پیدا ہوا جن کی سابق میں حکایت کی جاچکی ہے یہ کہ اگر کسی شخص نے قرآن مجید کسی مسجد پر وقف کیا مگر اس مسجد والوں کی تعیین نہیں کی تو ایک قول یہ ہے کہ اس کے ساتھ مختص نہیں لہذا اس کو منتقل کرنا جائز ہے تو تحقیق تو قول اول کی تقویت قنیہ کی تائید سے پہلے ہی جان چکا ہے۔ (ت)

واقف کتب اگر کتابیں اسی مسجد میں رکھنا چاہتا اور قبضہ انجمن سے نکال کر اپنا قبضہ متولیانہ رکھتا تو اس کے جواز کی طرف راہ تھی، امام ابویوسف کے نزدیک جائز تھا، اشباہ میں فرمایا بہ یفتی (اس پر فتوٰی ہے۔ ت)، اور امام محمد کے نزدیک ناجائز تھا جب تک وقت وقف یہ شرط نہ کرلیتا کہ متولی کے

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۶

بدلنے کا مجھے اختیار ہے۔صاحب ہدایہ نے تجنیس میں فرمایا: **الفتوی علی قول محمد** (فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔ت) اور اسی پر علامہ قاسم نے تصحیح القدوری اور خود صاحب اشباہ نے اپنے رسائل میں جزم فرمایا کہ ناجائز ہے، لیکن اگر وہ قبضہ اس لئے چاہتا ہے کہ کتابیں دوسری جگہ منتقل کردے تو اس کی اجازت نہ دیں گے اور اگر رافضی کو متولی کرنے کے لئے یہ حیلہ کرتا ہے تو بالاتفاق ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ رافضی کا متولی کرنا حرام محض ہے **کما حققناہ فی الفتوی الاولی** (جیسا کہ پہلے فتوے میں ہم اس کی تحقیق کرچکے ہیں۔ت) اس صورت میں اگر واقف خود پہلے سے متولی ہوتا فوراً وہ خود نکال لیا جاتا کہ اس سے وقف کی بدخواہی ثابت ہوئی ہے **کما تقدم من الدر ینزع وجوبا ولو الواقف غیر مامون**[1] (جیسا کہ در کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ وقف متولی سے وجوباً لے لیا جائے گا اگرچہ خود واقف ہو جب وہ امانت دار نہ ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۲: از اودے پور میواڑ مہارانی ہائی اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب ۱۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کافر اگر اپنی خوشی سے زمین دے کہ اس زمین میں مسجد بنالو یا کوئی سامان دے کہ مسجد میں لگالو، یا روپیہ دے کہ اس کو بھی مسجد میں لگانا، تو اس کی یہ چیزیں مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کافر اگر زمین اپنی ملک رکھ کر مسلمانوں کو اس پر مسجد بنانے کی اجازت دے تو وہ مسجد مسجد ہی نہ ہوگی **فان الکافر لیس اھلا لوقف المسجد** (کیونکہ کافر وقف مسجد کی اہلیت نہیں رکھتا۔ت) ہاں اگر کافر کسی مسلمان کو اپنی زمین ہبہ کرکے قبضہ دے دے کہ مسلمان مالک ہوجائے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے اسے مسجد کرے تو صحیح ہے سامان اگر کافر نے ایسا دیا کہ بعینہٖ مسجد میں لگایا جائے گا جیسے کڑیاں یا اینٹیں تو جائز نہیں کہ وہ مسجد کے لئے وقف کا اہل نہیں وہ مال اسی کی ملک رہے گا اور مسجد میں ملک غیر کا خلط صحیح نہیں، ہاں یہاں بھی اگر مسلمان کو تملیک کردے اور مسلمان اپنی طرف سے لگائے تو حرج

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

نہیں، مسجد میں لگانے کو روپیہ اگراس طور پر دیتا ہے کہ مسجد یا مسلمانوں پر احسان رکھتا ہے یا اس کے سبب مسجد میں اس کی کوئی مداخلت رہے گی تو لینا جائز نہیں اور اگر نیاز مندانہ طور پر پیش کرتا ہے تو حرج نہیں جب کہ اس کے عوض کوئی چیز کافر کی طرف سے خرید کر مسجد میں نہ لگائی جائے بلکہ مسلمان بطور خود خریدیں یا راجوں مزدوروں کی اجرت میں دیں اور اس میں بھی اسلم وہی طریقہ ہے کہ کافر مسلمان کو ہبہ کردے مسلمان اپنی طرف سے لگائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۳تا۳۲۴: از بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رمضان علی بنگالی ۲۰صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک محلّہ میں دو مسجد ہیں اور دونوں مسجد کے متولی ایک ہی آدمی ہیں فی الحال محلّہ کے سب آدمی بالاتفاق دونوں مسجد کے اسباب سے ایک مسجد تیار کرنی چاہتے ہیں، شرعاً دونوں مسجد کو ایک مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کسی مسجد میں کڑی، چونا، اینٹ وغیرہ زائد ہے کسی کام میں صرف نہیں ہوتا اگر بہ رائے سب مصلی کے اس اسباب کو دوسری مسجد میں بھیجنے یا کوئی شخص اپنے کام کے لئے خرید کرلے جائے یا محلّہ کے آدمی تقسیم کرکے لے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر یہ چاہتے ہیں کہ دونوں مسجدوں کو معدوم کرکے تیسری جگہ مسجد بنائیں تو یہ حرام حرام سخت حرام اشد ظلم ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ایسوں کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب۔

اور اگر دونوں مسجدیں متصل ہیں یہ چاہتے ہیں کہ بیچ کی دیوار ہٹا کر دونوں کو ایک کرلیں تو یہ جائز ہے۔ اشباہ و درمختار میں ہے:

لاھل المحلة جعل المسجدین واحدا [2]۔	اہل محلّہ کو اختیار ہے کہ دو مسجدوں کو ایک کرلیں۔ (ت)

(۲) اہل محلّہ یا کوئی اسے اپنے تصرف میں کرلے یہ حرام، اسے دوسری مسجد میں دے دیں یہ حرام۔ اسے بیچ کر اس کی قیمت اسی مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے محفوظ رکھیں یہ جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

مسئلہ ۳۲۵: از ریاست گوالیار محلّہ حویلی پچھواڑہ مسئولہ نور محمد خاں ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں، کیا کسی مجبوری کی حالت میں بموجب شریعت یہ جائز ہے کہ عمارت مسجد پختہ یا خام دوسری جگہ منتقل کردی جائے اور زمین مسجد پر مکان یاراستہ وغیرہ بنالیا جائے اور اس کے عوض میں دوہری جگہ مناسب زمین لے کر اس پر مسجد بنوادی جائے اور اس کاملبہ وغیرہ سب اسی میں لگادیا جائے اور خوبصورت بنوادی جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا اور اس کی زمین پر راستہ یا مکان بنانا سب اشد حرام قطعی ہے اگرچہ اس کے عوض دوسری جگہ سونے کی مسجد بنوادی جائے، مجبوری کی تفصیل لکھی جائے کہ اس پر جواب ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۶: از بیلپور ضلع پیلی بھیت مرسلہ مولوی عرفان علی صاحب رضوی سلمہ ۱/ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوؤں کو مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے کی اجازت دینے کا کیا حکم ہے اور کیا شرعًا وہ مسجد کے کنویں سے پانی بھر سکتے ہیں؟ یہاں خلافت کمیٹی والوں نے ہندو مسلم اتحاد کی بناء پر کچہری کلکٹری کی مسجد کے کنویں سے ہندوؤں کو پانی بھرنے کی اجازت دی ہے، کنواں مسجد میں ہے تین طرف عین مسجد یعنی فرش مسجد ہے اور ایک جانب فصیل اور وضو کے پانی کی نالی ہے۔ خلافت کمیٹی والے کہتے ہیں کہ فناء مسجد یعنی نالی اور فصیل کی جانب سے داخل ہو کر ہندو پانی بھر سکتے ہیں اگرچہ آنکھوں سے دیکھا گیا کہ اہل ہنود برابر عین مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور پانی بھرتے ہیں، کیا مسلمانان شہر پر فرض ہے کہ حتی الامکان مسجد کو اہل ہنود کی دسترس سے بچائیں۔

الجواب:

بلاشبہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کو مشرکین کی بے حرمتی سے محفوظ کریں اور خلافت کمیٹی کی ہندوپرستی پر لحاظ نہ کریں۔ ان لوگوں نے مسجد میں جاکر پانی بھرنا در کنار بارہا مساجد میں ہندوؤں کو لے جاکر مسلمانوں کا واعظ بنایا ہے، فصیل مسجد بھی حکم مسجد میں ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی[1] **۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	فناء مسجد مسجد کے تابع ہوتا ہے لہٰذا اس کا حکم وہی ہے جو مسجد کا ہوتا ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

مسئلہ ۳۲۷تا۳۲۸: از محمد پور وڈہرہ والا تحصیل احمد پور ڈاکخانہ خاص مسئولہ مولوی غلام فرید ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک مسجد کہنہ مسقف جس کے یمین شمال مشرق میں میدان پڑا ہے جس کے جوانب محدود بدیوار ہائے پختہ ہیں گنبد ہائے مسجد گر گئے ہیں اور دیوار جنوبی بھی گر گئی ہے جس کی خشتہائے پختہ بہت عرصہ سے خراب ہورہی ہیں، کیا بموجب شرع شریف یہ خشتہا کسی دوسری مسجد پر یا ان کو بیچ کر اسی مسجد کہنہ کی تعمیر پر رقم صرف کرنا جائز ہے ورنہ مسجد میں بھی یوں ہی منہدم رہے گی اور خشتہا بھی ضائع ہوجائینگی۔

(۲) سامان مسجد شریف مثل خشتہائے پختہ وکڑی ہائے کہنہ وغیرہ آوارہ پڑی ہیں اور مسجد شریف بھی اس سامان سے مستغنی ہے تو کیا وہ سامان مسجد کا دوسری مسجد پر لگایا جائے یا نہیں؟ اگر لگایا جائے تو کسی کی اجازت سے قیمت لی جائے یا خیراتی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ان اینٹوں کا دوسری مسجد میں دینا حرام ہے اسی مسجد کی تعمیر میں صرف کی جائیں، اور اگر اس مسجد کی تعمیر میں ان کی حاجت نہ ہو مثلاً دیوار شکستہ بن چکی یا اور مضبوط اینٹوں یا پتھروں سے بنانے کا ارادہ ہے تو انہیں متولی یا متدین جماعت محلّہ بکمال امانت ودیانت بیچ کر اسی مسجد کی تعمیر ہی میں صرف کریں مسجد کے دوسرے کام میں اس قیمت کا خرچ کرنا حرام ہوگا **والتفصیل الکامل فی فتاٰونا** (تفصیل کامل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)

(۲) ان انقاض کا دوسری مسجد میں دے دینا حرام ہے کسی کی اجازت سے نہیں دے سکتے ہاں جب کہ یہ مسجد ان سے مستغنی ہے تو بیع کئے جائیں اور دوسری مسجد کے ہاتھ بیع کرنا اولٰی ہے کہ بدستور معظم رہیں گے وہ قیمت اسی مسجد کی تعمیر میں صرف ہو اور اس وقت تعمیر کی حاجت نہ ہو تو متولی امین متدین کے پاس اسی مسجد کی حاجت تعمیر کے لئے امانت رہے اور کام میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بیع متولی کرے اگر وہ نہ ہو تو امین متدین جماعت محلّہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۹: از سر شتہ اسلام کمیٹی آگرہ جامع مسجد مسئولہ عبدالرشید سر شتہ دار کمیٹی ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ نمازیان مسجد کی رائے ہے کہ صحن مسجد کی توسیع کے لئے دکانات متعلقہ مسجد کی چھت پر ایک کمرہ تعمیر کیا جائے تاکہ اوپر کی چھت پر مسجد کا صحن ہوجائے اور نیچے اس کے ایک کمرہ ہوجائے مسجد بہت اونچی ہے جب دکانوں پر کمرہ بنے گا تو کمرہ کی چھت صحن مسجد سے برابر ملے گی، اس طرح توسیع صحن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اور مسجد جب بھر جائے تو اس کمرے کی چھت پر پڑھنے والوں کو بھی مسجد ہی کا ثواب ملے گا اگرچہ وہ کمرہ صرف وقف علی المسجد رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۳۰: از دو کوہہ ڈاک خانہ چھاؤنی جالندھری مسئولہ سید حاجی منور شاہ ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں ایک مسجد تقریبًا پچاس برس سے موجود ہے جس کو اس گاؤں کے اہل سنت نے مل کر تعمیر کیا تھا جب سے اب تک ہر نماز اس میں ادا کرتے ہیں چند سال سے اس گاؤں میں چند لوگ رافضی ہوجانے کے سبب اہلسنت سے ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رکھتے ہیں کچھ عرصہ سے ان لوگوں نے اس بناپر کہ اس مسجد کی تعمیر میں ہمارے آباواجداد بھی شامل تھے اس لئے ہمیں بھی اذان و نماز کا حق حاصل ہے، قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد پر قبضہ کرلینا چاہتے ہیں اور سنیوں کو بے تعلق کرنا منظور ہے، جھگڑے فساد کا یقین کامل ہے، استفتاء یہ ہے کہ مسجد مذکور میں اہلسنت وروافض اذان و نماز ادا کرسکتے ہیں یا نہیں اور روافض کے سنی آباواجداد کے تعمیر مسجد میں شریک ہونے سے انہیں مسجد پر دخل وتصرف کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

روافض زمانہ علی العموم کفار مرتدین ہیں **کما حققناہ فی ردالرفضۃ بما لامزید علیہ** (جیسا کہ ہم اس کی تحقیق اپنے رسالہ "ردالرفضہ" میں اس انداز سے کرچکے ہیں جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ت) فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الرافضی اذاکان یسب الشیخین اویلعنھما والعیاذ باللہ فھو کافر[1]۔	رافضی جب شیخین کریمین (صدیق و عمر) رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالیاں بکے یا ان پر لعنت بھیجے تو وہ کافر ہے (ت)
قال اللہ تعالٰی "اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔ (ت)

نہ ان کی اذان اذان، نہ ان کی نماز نماز۔

قال اللہ تعالٰی "وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَاعَمِلُوْا مِنْ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۴

عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ "[1]	ہم نے قصد فرماکر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔ (ت)

اور ان کے باپ دادا جبکہ اہلسنت تھے اور انہوں نے مذہب رفض اختیار کیا تو نہ وہ ان کے باپ رہے نہ یہ ان کی اولاد، نہ ان کے ذریعہ سے انہیں کوئی دعوی پہنچتا ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۱: ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

عبدالکریم خاں نے جو وارث چھوڑے وہ حسب تفصیل ہیں: عبدالشکور خاں وعبدالحکیم خاں وعبدالنبی خاں وکالے خاں پسران ومسماۃ مندھو زوجہ اپنے کو چھوڑا۔ ایک منزل مکان عبدالکریم خان نے اپنے زوجہ کو بعوض دین مہر کے دیا اور اس کا بیعنامہ مسماۃ مندھو کے نام تحریر کردیا۔ مسماۃ مندھو نے اس مکان کو بدست فدا حسین خاں ولد کالے خاں کے بیع کردیا جس کا لادعوی مسماۃ مشہدی سے لکھوایا گیا۔ مسماۃ مندھو نے جو وارث چھوڑے حسب تفصیل ذیل ہیں: عبدالشکور خاں وعبدالحکیم خاں وعبدالنبی خاں وکالے خاں پسران عبدالنبی خان فوت ہوئے انکے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: عبدالنبی خان وعلی محمد خاں وولی محمد خاں پسران۔ عبدالنبی خاں ومسماۃ کناو مسماۃ اولیا بیگم زوجہ عبدالنبی خاں اور دختران عمراؤ واقبال کو چھوڑا۔ عبدالحکیم خان فوت ہوئے اس کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: حاجی عبدالرحمٰن وعبدالرحیم خان ننھے خان پسران عبدالحکیم خان ولایتی بیگم وچھوٹی بیگم دختران عبدالحکیم خان وزوجہ معلوم کو چھوڑا۔ کالے خان فوت ہوئے ان کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: فدا حسین خاں پسر کالے خان کو اپنا وارث چھوڑا۔ فدا حسین خاں فوت ہوئے ان کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: زوجہ اولٰی کا انتقال فدا حسین خان کے سامنے ہوگیا تھا، یہ نہیں معلوم کہ دین مہر ادا ہوا یا معاف ہوا اور زوجہ اولٰی کے فوت ہونے کے بعد زوجہ ثانی کے ساتھ عقد ہوا جس کا نام مشہدی بیگم ہے۔ مسماۃ مشہدی بیگم نے مہر معاف نہیں کیا ہے۔ زوجہ مشہدی بیگم لاولد اور زوجہ اولٰی بھی لاولد اور ایک چچا حقیقی عبدالشکور خان وعبدالمجید خاں وعبدالوحید خاں وعبدالعزیز خان پسران عبدالشکور خان اور چچازاد بھائی

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

عبدالغنی خان وعلی محمد خان وولی محمد خان پسران عبدالنبی خان مرحوم یہ وارث چھوڑے۔یہ جائداد جس قدر وقف ہوئی علاوہ مکان مسماۃ مندھو کے یہ کالے خان کی پیدا کی ہوئی تھی اور مکان جس کا بیعنامہ مسماۃ مندھو نے بنام فدا حسین خان کیا عبدالکریم خان کا پیدا کردہ ہے جس سے مسماۃ مشہدی بیگم سے لادعوی لکھوادیا ہے اقرار نامہ پیش کرتا ہوں۔

منکہ مسماۃ مشہدی بیگم زوجہ فدا حسین خان مرحوم وعبدالشکور خاں ولد عبدالکریم مرحوم وحاجی عبدالرحمان خاں وننھے خان وعبدالرحیم خاں پسران عبدالحکیم خان ساکن بریلی محلّہ بہار پور کے ہیں جو کہ جائداد مفصلہ ذیل مالیتی دوہزار روپے حاجی کالے خاں مرحوم مورث اعلیٰ ہمارے واقع محلّہ بہاری پور بریلی کے ہیں اس کا تصفیہ باہمی رضامندی ہم سب ورثائے کالے خاں کے یہ قرار پایا کہ جائداد مذکورالصدر تاحیات مسماۃ مشہدی بیگم زوجہ فدا حسین خاں کے قبضہ اور تصرف میں رہے گی اور اس کی آمدنی سے وہ تصرفات اپنے کرتی رہے اور علاوہ آمدنی کرایہ جائداد موقوفہ کے ایک روپیہ ماہواری تاحیات اپنی عبدالشکور خان وایک روپیہ ماہواری تاحیات مسماۃ حاجی عبدالرحمٰن دیا کریں اگر مسماۃ مشہدی بیگم دوسرا نکاح کرے یا عفت وعصمت سے گزربسر نہ کرے تو اس کو حق قبضہ اور آمدنی کرایہ جائداد مذکور اور وصول از ماہوار مقررہ عبدالشکور خان وحاجی عبدالرحمان خان باقی نہیں رہے گا اور بحال عقد ثانی اور فوت مسماۃ کے یہ جائداد واسطے مصرف مسجد بی بی جی صاحبہ واقع بریلی محلّہ بہاری پور وقف متصور ہوگی۔ مسماۃ خواہ دیگر ورثا کو حق وصول زر کرایہ دکانات ومکانات کا حاصل نہ ہوگا۔ جو شخص متولی مسجد ہے یا آئندہ کو ہوگا وہی متولی جائداد مذکور کا ہوگا، ہم مقران یا کسی متولی کو منصب انتقال جائداد بذریعہ بیع ورہن وغیرہ کے نہ ہوگا مرمت شکست ریخت دکانات ومکانات کے مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی اگر خدانخواستہ کوئی دکان ومکان بالکل منہدم ہوجائے تو اس کی تعمیر مسجد بی بی صاحبہ اپنے سرمایہ سے بذریعہ متولی مسجد کے کرے گی، مکان خام موروثی مسکونہ عبدالشکور خاں وعبدالرحیم خاں وننھے خاں وغیرہ میں مسماۃ مذکور کو کچھ تعلق اور دعوی نہ ہوگا لہٰذا ان سب مراتب پر اقرار لا کر یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ سند ہو۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فدا حسین خاں ولد کالے خاں نے زوجہ مشہدی بیگم اور چچا عبدالشکور چھوڑ کر انتقال کیا عبدالحکیم خاں کے دوسرے چچا تھے جو فدا حسین خان سے پہلے گزرگئے جائداد کہ فدا حسین خان کی پیدا کردہ ہے اور مکان کہ فدا حسین خان نے اپنی دادی مندھو سے خریدا جو اسے اس کے شوہر نے دین مہر میں دیا تھا ان متروکات فدا حسین خاں کے نسبت ایک اقرار نامہ مشہدی بیگم وعبدالشکور خان اور پسران عبدالحکیم خان حاجی عبدالرحمٰن خاں وعبدالرحیم خاں وننھے خاں

نے اس مضمون کا لکھا کہ جو کہ جائداد مفصلہ ذیل حاجی کالے خاں مرحوم ہمارے مورث عالی کی ہے اس کا تصفیہ برضامندی ہم سے ورثائے کالے خاں کے یہ قرار پایا کہ جائداد مذکور الصدر تاحیات مشہدی بیگم کے قبضہ وتصرف میں رہے گی اس کی آمدنی سے وہ اپنے تصرفات کرتی رہے اور علاوہ آمدنی کرایہ جائداد موقوفہ کے ایک روپیہ ماہوار تاحیات اپنی عبدالشکور خان اور ایک روپیہ ماہوار تاحیات مسماۃ حاجی عبدالرحمٰن خان دیا کریں اگر مشہدی بیگم دوسرا نکاح کرے یا عفت وعصمت سے گزر نہ کرے توان کو قبضہ اور آمدنی کرایہ جائداد مذکور اور وصول ماہوار مقررہ نہ رہے گا اور بحالت عقد ثانی اور فوت مسماۃ کے یہ جائداد واسطے مصارف مسجد بی بی جی صاحبہ کے وقف متصور ہوگی مسماۃ دیگر ورثا کو حق وصول زر کرایہ دکانات کا حاصل نہ ہوگا مرمت شکست ریخت مکانات دکانات کی مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی، اگر کوئی دکان مکان بالکل منہدم ہوجائے اس کی تعمیر مسجد اپنے سرمایہ سے کرے گی مکان خام موروثی مسکونہ عبدالشکور خاں وعبدالرحیم خاں وغیرہ میں مسماۃ کو کچھ دعوی نہ ہوگا فقط۔ اس صورت میں یہ دکان ومکان وقف ہوگئے یا نہیں؟ مشہدی بیگم کس چیز کی مستحق ہے اگر وہ نکاح ثانی کرے تو اس کا کیا اثر ہے؟ مکان خرید کردہ فدا حسین خاں جس سے لادعوی لکھایا گیا ہے وہ ہوا یا نہیں؟ مشہدی بیگم ماہوار مذکور عبدالشکور خان وحاجی عبدالرحمٰن خاں سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عبارت اقرار نامہ عجب مختل ہے صورت واقعہ اگر وہ ہے کہ سوال میں مذکور ہوئی تو وہ جائداد حاجی کالے خان کی ہے، نہ عبدالشکور وپسران عبدالحکیم خاں حاجی کالے خان کے وارث ہیں اس کا وارث تنہا فدا حسین خان تھا اور جائداد اس کی بھی نہیں فدا حسین خان کی ذاتی یا خرید کردہ ہے بہر حال اس کا مالک صرف فدا حسین خاں تھا جسکے وارث فقط مشہدی بیگم زوجہ اور عبدالشکور خان چچا ہیں، مگر اس کا اس اقرار میں شریک ہونا قضاءً ان پر حجت ہوگا اور جائداد متروکہ کالے خاں قرار پائے گی لیکن اس سے بھی پسران عبدالحکیم خاں کو اس سے تعلق ثابت نہ ہوگا کہ کالے خان کا بیٹا فدا حسین خاں موجود تھا اس کے ہوتے بھتیجوں کا وارث ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا پھر جائداد کی نسبت ابتداء میں بطور اشارۃ النص لفظ موقوفہ واقع ہوا مذہب مفتٰی بہ میں اگرچہ صرف اسی قدر سے وقف ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

اکتفی ابویوسف بلفظ موقوفۃ فقط قال الشھید ونحن نفتی	امام ابویوسف نے وقف کے لئے صرف لفظ موقوفہ پر اکتفاء فرمایا، شہید نے کہا کہ ہم عرف کی بناء پر

بہ للعرف[1]۔	اس کے ساتھ فتوٰی دیتے ہیں۔(ت)

مگر آگے عبارۃ النص یہ ہے کہ اگر مشہدی بیگم دوسرا نکاح کریں یا عفت سے گزر نہ کریں تو یہ جائداد وقف متصور ہوگی، یہ صراحۃً وقف کی تعلیق ہے اور دستاویز واحد کا اول وآخر کلام واحد ہے کما نص علیہ فی الخیریۃ(جیساکہ اس پر خیریہ میں نص کی گئی ہے۔ت) تو وہ لفظ موقوفہ کا اطلاق اس شرط سے مقید ہوا اور وقف کا کسی شرط پر تعلق کرنا اسے باطل کردیتا ہے۔

درمختار میں ہے:

شرطہ ان یکون منجزا لا معلقا الا بکائن[2]۔(ملتقطا)	وقف کی شرط یہ ہے کہ وہ منجز ہو معلق نہ ہو ہاں شرط موجود کے ساتھ معلق ہوسکتا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذاجاء غدا اواذاجاء راس الشھر اواذاکلمت فلانا او اذا تزوجت فلانۃ فارضی ھذہ صدقۃ موقوفۃ اوان شئت اواجبت یکون الوقف باطلا لان الوقف لا یحتمل التعلیق بالخطر[3] اھ من الوقف ومن اواخر البیوع۔	واقف نے کہا جب کل کا دن آئے یا جب میں فلاں سے کلام کروں یا فلاں عورت سے شادی کروں تو میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہوگی یا یوں کہا کہ اگر میں چاہوں یا پسند کروں، تو وقف باطل ہوجائیگا کیونکہ وقف قریب الہلاکت چیز سے معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا اھ وقف اور اواخر کتاب البیوع۔(ت)

لیکن آگے یہ عبارت ہے کہ مرمت مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی منہدم کی تعمیر مسجد کرے گی یہ اس صورت سے متعلق نہیں کہ مشہدی بیگم نکاح کرے یا مرجائے، موت کے بعد مرمت ناممکن اور بعد نکاح اسے جائداد سے بالکل بے تعلق ٹھہرایا گیا ہے اس کے ذمہ مرمت رکھنے کے کیا معنی، تو یہ ضرور اس کی حیات قبل نکاح کا ذکر ہے اور اس وقت کے لئے کہا کہ منہدم کی تعمیر مسجد اپنے سرمایہ سے کرے گی اگر مسجد پر وقف نہیں تو تعمیر منہدم ذمہ مسجد ہونے کے کیا معنی، تو بعد تنقیح تام اس مختل عبارت کا محصل یہ نکلا کہ مقرین نے یہ تمام جائداد فی الحال وقف کی اور مصارف میں یہ شرط لگائی کہ تاحیات مشہدی بیگم کے تصرف میں رہیں بشرطیکہ وہ بہ عفت بسر

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

کرے اور دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک آمدنی اس کے لئے ہے اور شکست ریخت کی مرمت اس کے ذمہ ہے منہدم کی تعمیر مسجد خود کرے، تو اگرچہ جائداد فی الحال وقف ہے مگر آمدنی سے حق مشہدی بیگم بشرط مذکور متعلق ہے اگر یہ شرط مفقود ہو یعنی مشہدی بیگم نکاح کرلے یا عفت سے بسر نہ کرے تو اس وقت یہ جائداد ذات و منافع دونوں کے لحاظ سے خالص مسجد پر وقف متصور ہوگی یعنی آمدنی سے بھی مشہدی بیگم کو کوئی تعلق نہ رہے گا، یہ اس اقرار نامہ کا محصل منقح ہے،

وتصحیح الکلام اولی من اھمالہ مھما امکن[1] کما نصوا علیہ فی الاشباہ وغیرہا۔	کلام کو حتی الامکان صحیح بنانا اس کو مہمل بنانے سے اولٰی ہے، جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں مشائخ نے اس پر نص فرمائی ہے (ت)

لہٰذا جائداد مذکور تمام وکمال مسجد بی جی صاحبہ پر وقف صحیح تمام نافذ ہوگئی مشہدی بیگم تاحیات و پابندی شرط مذکور صرف آمدنی کی مستحق ہے اور شرط مذکور کی پابندی نہ کرے تو آمدنی بھی خالص صرف مسجد کی ہوگی مشہدی بیگم کو اس سے تعلق نہ رہے گا، ماہوار کہ عبدالشکور خان وحاجی عبدالرحمٰن خان نے مقرر کیا وہ ایک وعدہ ہے جس کا نباہنا ان کو مناسب ہے مگر مشہدی بیگم اس پر مجبور نہیں کرسکتی اگرچہ وہ شرط مذکور کی پابند بھی رہے مکان سے لادعوی صحیح نہیں لان الابراء عن الاعیان باطلۃ (کیونکہ اعیان سے برائت باطل ہے۔ت) اگر وہ داخل وقف نہ تھا تو حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر وغیرہ اس کا چہارم مشہدی بیگم کا اور تین حصے عبدالشکور خاں کے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۲: ہدایت یار خاں از شاہ پور جہلم رسالہ چھاؤنی نمبر ۵ ڈاکخانہ چک نمبر ۳۸ رسالہ براہ ملک پنجاب ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یافتاح، بخدمت فضیلت پناہ، عالی دستگاہ، جناب فیض مآب پیر صاحب، دام اللہ تعالٰی فیضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیکم، واضح رائے عالی ہو کہ ایک مسجد شریف ایک آبادی میں تھی، اب وہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور وہ مسجد جنگل میں رہ گئی اس مسجد قدیم کا اسباب اٹھا کر دوسری مسجد جو بنائی جائے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ خدا تعالٰی سایہ رحمت تادیر برسر ماغریباں قائم رکھے، آمین ثم آمین!

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ التاسعۃ ادارۃ القرآن الکریم ۱/ ۱۶۸

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگر اس مسجد کے آباد رکھنے، حفاظت کرنے کا کوئی طریقہ نہ ہو اور یوں جنگل میں چھوڑ دی جائے گی تو چور اور متغلب لوگ اس کا مال لے جائیں گے تو جائز ہے کہ اس کا اسباب وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنائیں اور یہ کام ہوشیار اور دیانتدار مسلمانوں کی نگرانی میں ہو **وھو اعلم فقط۔**

مسئلہ ۳۳۳: ۱۳ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب میت کے واسطے دفن کرنے کے لے جاؤ، اور دفن کرو تو اجازت متولی قبرستان کی واسطے دفن کرنے میت کے لینا ضرور ہے اور عمرو کہتا ہے کہ قبرستان اور مسجد وقف ہیں وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتے ہیں اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں، اگر قبرستان میں اجازت کی ضرورت ہوگی تو مسجد میں بھی بلااجازت نماز پڑھنا درست نہ ہوگا، متولی صرف مسجد کے جھاڑو وغیرہ دینے کو ہوتا ہے ایسے ہی تکیہ میں واسطے صفائی کے ہوتا ہے جس کو تکیہ دار کے نام سے پکارتے ہیں تکیہ اور مسجد عام مسلمانوں پر وقف ہے جس کا دل چاہے جس مسجد میں نماز پڑھے اور جس قبرستان میں چاہے اپنا مردہ دفن کرے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید غلط کہتا ہے، اس کا قول شرع شریف پر محض افتراء ہے، مقبرہ عام مسلمانوں کے لئے وقف ہوتا ہے، ہر مسلمان کو اس میں دفن کا حق پہنچتا ہے، مقبرہ کا متولی کوئی چیز نہیں، نہ اس کی اجازت کی حاجت نہ ممانعت کی پرواہ ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لافرق فی الانتفاع فی مثل ھذہ الاشیاء بین الغنی و الفقیر حتی جازللکل النزول فی الخان والرباط و الشرب من السقایة والدفن فی المقبرة کذافی التبیین[1]۔	ان اشیاء سے انتفاع حاصل کرنے غنی وفقیر کے درمیان کوئی فرق نہیں یہاں تک کہ ہر شخص کو سرائے اور خانقاہ میں نزول کا حق ہے اسی طرح ہر شخص وقف سبیل سے پانی پی سکتا ہے اور قبرستان میں مردہ دفن کرسکتا ہے۔ یونہی تبیین میں ہے (ت)

اسی میں ہے:

لو بنی مسجدًا لاھل محلة وقال جعلت	اگر کسی نے ایک محلّہ والوں کے لئے مسجد بنائی اور

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۶

هذا المسجد لاهل هذا المحلة خاصة، كان لغير اهل تلك المحلة ان يصلي فيه هكذا في الذخيرة[1]۔	کہہ دیا کہ میں نے یہ مسجد خاص اس محلّہ والوں کے لئے بنائی ہے تو اس محلّہ والوں کے غیر کو بھی اس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہے، اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔(ت)

بلکہ مقبرہ کا عموم مسجد کے عموم سے بھی بہت زیادہ ہے بہت لوگ ہیں جنھیں مسجد سے روکنے کا حکم ہے مثلاً جذامی اور ابرص جس کا برص شائع ہو یا جس کے منہ یا بدن یا لباس میں بدبو ہو یا جس کے آنے سے فتنہ اٹھے جیسے غیر مقلد وہابی یا رافضی وغیرہم، درمختار میں ہے:

اکل نحو ثوم يمنع منه (اي من المسجد) وكذا اكل موذ ولو بلسانه[2]۔	تھوم کھانے والے کو مسجد سے روکا جائے گا اسی طرح ہر موذی کو روکا جائے گا اگرچہ وہ زبان سے ایذا پہنچاتا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الامام العيني في شرحه على صحيح البخاري يلحق بمانص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولا او غيره، وكذلك الحق بعضهم من بفيه بخراوبه جرح له رائحة وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والابرص اولى بالالحاق، وقال سحنون لااری الجمعة عليهما واحتج بالحديث و الحق بالحديث كل من اذى الناس بلسانه وبه افتى ابن عمر (رضي الله تعالٰى عنهما) وهو	امام عینی نے اپنی شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ حدیث کے ساتھ ہر اس شیئ کو ملحق کیا جائے گا جس میں ناگوار بدبو ہو چاہے کھانے کی چیز یا کوئی اور، اسی طرح بعض نے ملحق کیا اس شخص کو بھی جس کے منہ سے بدبو آتی ہو یا اس کو ایسا زخم ہو جس سے ناپسندیدہ بو آتی ہو، اسی طرح قصاب، مچھلی کا گوشت بیچنے والا اور جذام وبرص کا مریض۔ تو الحاق کے لئے اولٰی ہے۔ اور سحنون نے کہا کہ میں ان دونوں (مجذوم و ابرص) پر جمعہ فرض نہیں سمجھتا اور دلیل حدیث کو قرار دیا اور حدیث کے ساتھ زبان سے لوگوں کو ایذا دینے والے ہر شخص کو ملحق کیا گیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اس پر ہی فتوٰی دیا اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸۔۴۵۷

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

اصل فی نفی کل من یتأذی بہ[1] اھ بالاختصار۔	یہ اصل ہے ہر اس چیز کی نفی میں جس سے اذیت پہنچتی ہو اھ (اختصارا)۔(ت)

مگر مقبرہ اہلسنت میں کسی سنی مسلمان کو ممانعت نہیں ہو سکتی،

لعدم الوجہ وحصول الاذن من جہۃ الشرع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ممانعت کی کوئی وجہ نہیں اور شرع کی طرف سے اذن حاصل ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴: از بانٹوہ ملک کاٹھیاوار مرسلہ مولوی محمد عبدالمطلب ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ (کیافرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین کے مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ۔ت) ایک مرد نے مقبرہ بنایا یعنی گنبد پختہ سطح دار اور اس میں صندوقیں تیار کرائیں اور ایک مسجد نیز اس مقبرہ کے جوار میں بناء کی اور اب وہ چاہتا ہے کہ اس مقبرہ مذکور کو مسجد کے سطح کے ساتھ ملاکر برائے بانگ ونماز وقف کردیا جائے اور اب ایسے مقبرہ کی سطح پر نماز پڑھنا درست ہے کہ جس میں حالاً دو تین میت مدفون کی گئی ہیں اور آئندہ نیز ہوں گی اور اس کی سطح کو مسجد سے ملانا اور وقف کرنا برائے بانگ نماز شرعاً درست ہے یا نہ؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب سے مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب:

اگر زمین مقبرہ اس کی ملک ہے اور اب تک اس نے وقف نہ کی اگرچہ بعض اموات اس میں دفن ہوگئیں تو اگر صرف اس کی چھت کو وقف کرے گا اور زمین بدستور اپنی ملک رکھے گا تو وہ چھت وقف نہ ہوگی **لکونہ وقف منقول قصدا من دون تعارف** (کیونکہ یہ وقف منقول ہے قصداً بغیر تعارف کے۔ت) اور اگر زمین کو بھی مسجد کے لئے وقف کردے گا تو چھت کا وقف بھی صحیح ہوجائے گا اور اگر زمین کو مقبرہ کیلئے وقف کرچکا ہے تو عمارت مقبرہ قبل از وقف بنائی ہے یا بعد، اگر قبل از وقف بنائی ہے تو کچھ حرج نہیں، چھت کو اذان ونماز کے لئے وقف کردے ہوجائے گی

لحصول التابید بوقفیۃ الاخری وان کانت موقوفۃ علی جہۃ اخری علی ماھو الاصح ووقف البناء علی المقابر لایصح کمافی الخانیۃ والھندیۃ	کیونکہ دوسری مرتبہ وقف کرنے سے تابید ودوام حاصل ہوجائے گا اگرچہ وہ دوسری جہت پر موقوف تھی زیادہ صحیح قول کے مطابق اور عمارت کو قبرستان پر وقف کرنا صحیح نہیں جیسا کہ خانیہ وہندیہ

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

وغیرہما فھو علی ملکہ ولہ وقفہ علی مایشاء۔	وغیرہ میں ہے چنانچہ وہ اس کی ملک میں ہے اور اس کو اختیار ہے جس پر چاہے وقف کرے (ت)

اور اگر بعد وقف بنائی ہے تو یہ عمارت خود ہی ناجائز ہے کہ مقابر موقوفہ میں عمارت بنانے کی اجازت نہیں تو اس پر اذان وغیرہ کے لئے بھی چھت بنانا بھی نہیں ہوسکتا لانہ یستحق الازالۃ لاالادامۃ (کیونکہ وہ مستحق ہے اس بات کی کہ اس کو زائل کیا جائے نہ کہ اس کو دوام بخشا جائے۔ت) اسی طرح وہ زمین مقبرہ اس کی ملک نہ تھی بلکہ وہ قبرستان وقف تھا جس میں اس نے عمارت بنالی جب بھی حکم عدم جواز ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۵: مسئولہ سید مظفر علی صاحب مدرس مدرسہ کریمہ خانقاہ سلون ضلع رائے بریلی ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وواقفان شرع متین اس مسئلہ میں، قبرستان کہ جس میں بہت سی قبریں مومنین ومومنات کی ہیں ستون سے مسقف کرکے کہ سب قبریں چھت کے نیچے رہیں اس چھت پر چلے پھرے اور بیٹھے اٹھے اور دوسرے حوائج انسانی ادا کرے تو عندالشرع جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر وہ قبرستان وقف ہے جیسے کہ عام مقابر ہوتے ہیں تو زمین وقف میں اس کے خلاف تصرف کی اجازت نہیں ہوسکتی فی الھندیۃ لایجوز تغییرہ الوقف عن ھیأتہ[1] (ہندیہ میں ہے کہ وقف کو اس کی ہیأت سے متغیر کرنا جائز نہیں۔ت) اور اگر ملک غیر ہے تو اس میں بے اجازت مالک تصرف ناجائز ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس لعرق ظالم حق[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرق ظالم کا کوئی حق نہیں (ت)

اور اگر اس کی اپنی ملک ہے تو اس طرح مسقف کرنا کہ دیوار یا پایہ عین کسی قبر پر نصب ہو جائز نہیں کہ اس میں میت کی ایذاء ہے کما نطقت بہ احادیث اوردناھافی الامر باحترام المقابر (جیسا کہ متعدد حدیثیں اس پر ناطق ہیں جن کو ہم نے "الامر باحترام المقابر" میں ذکر کیا ہے۔ت) اور مسلمان کی ایذا حیًا ہو یا میتًا ہر طرح حرام ہے،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ باب من احیاء ارضا مواتا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴، سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب احیاء التراث العربی بیروت آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاصاحب القبر انزل من علی القبر لاتؤذی صاحب القبر ولایؤذیك [1] وفی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ انی اکرہ اذی المسلم فی مماتہ کما اکرہ اذاہ فی حیاتہ [2]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر سے اتر جا، نہ تو صاحب قبر کو ایذاء پہنچا نہ وہ تجھے ایذاء پہنچائے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں بعد از موت مسلمان کی ایذا کو اتنا ہی مکروہ جانتا ہوں جتنا حالت حیات میں اسے ایذاء دینا مکروہ خیال کرتا ہوں۔(ت)

مگر اس صورت میں کہ قبور بے اجازت کے غصبًا بنی ہوں تو اسے اختیار ہے کہ زمین خالی کرے یا صبر کرے یہاں تک کہ میت بالکل خاک ہو جائے اور اس کے لئے بہت زمانہ دراز درکار ہے اس وقت ان قبور پر عمارت بنا سکتا ہے،

کما فی الدر جاز زرعہ والبناء علیہ [3] وقد حققناہ فی اھلاك الوھابیین علی توھین قبور المسلمین۔	جیسا کہ در میں ہے کہ اس میں زراعت کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے اور بے شک ہم نے توہین قبور مسلمین کی تحقیق رسالہ "اھلاك الوھابیین علٰی قبور المسلمین" میں کردی ہے۔(ت)

اور اگر زمین اس کی ملک ہے اور قبور کے باہر باہر دیواریں یا ستون قائم کرکے مسقف کرتا ہے تو جائز ہے اور اس چھت پر چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا وغیرہا افعال کی بھی اجازت ہے کہ یہ سقف مکان ہے سقف قبر نہیں **کما نصوا بجواز الصعود علٰی سطح بیت فیہ مصحف کما فی الدر وغیرہ** (جیساکہ مشائخ نے اس پر نص کی ہے کہ اس مکان کی چھت پر چڑھنا جائز ہے جس میں قرآن مجید ہو، جیساکہ در وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۵تا ۳۳۷: از جاود ضلع نیمچ مرسلہ عبدالمجید خلف الرشید حافظ عبدالکریم صاحب مرحوم پیش امام مسجد چھیپان ۵رجب ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں:

---

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی الترھیب من الجلوس علی القبر مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۷۴، مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الطبرانی باب فی دفن المیت الفصل الاول مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹، مجمع الزوائد باب البناء علی القبور دار الکتاب بیروت ۳/ ۶۱

[2] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ سعید بن منصور، باب فی دفن المیت الفصل الاول مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹و۷۹

[3] الدر المختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

(١) مسلمان قصبہ جاود سکونت پذیر ہوئے اس وقت فرمانروائی قصبہ مذکور میں رانا صاحب والی ریاست اودے پور تھی مسلمانوں کے قبرستان کے واسطے دو سو بیگھ اراضی نسلاً بعد نسل از روئے سند کے مرحمت کی بعد حصول سند پختہ کے جملہ اقوام اہل اسلام نے بطور ملکیت کے اپنا قبضہ پاکر قبرستان تجویز کیا ہے اور مردے اپنے اس میں دفن کرتے رہے اور اسی سند کی رو سے اس وقت موتی دفن ہوتے ہیں اور بامید ثواب اس قبرستان میں درخت ثمری وغیر ثمری لگائے جاتے ہیں اور بارش میں گھاس اگتا ہے بعد خشک ہونے گھاس کے اور بیکار ہونے لکڑی قبرستان کے محافظ قبرستان یعنی فقیر کو صدقۃً دے دی گئی اور جملہ اہل اسلام کی اجازت سے یہ صدقہ قدیم سے لے رہا ہے، بعد حکومت رانا صاحب کے گورنمنٹ دور قائم ہوا، بعد ازاں سیندھیا صاحب بہادر کا تسلط ہوگیا لیکن موافق عطائے سند قبرستان میں عمل درآمد مسلمانوں کا چلا آتا ہے اور اسی طریق سے تمام ممالک ہند میں مسلمان قبرستان کی اراضی پر ملکیت کے زمرہ میں اپنا قبضہ حاصل کئے ہوئے ہیں کسی غیر مذہب کو اس میں دخل نہیں ہے، قصبہ جاود کے زمینداران ہنود نے چند عرصہ کے بعد اپنی حقیت وملکیت زمینداری قبرستان مسلموں میں اراضی بشمول موضع قرار دے کر لکڑی وگھاس قبرستان سے حاصل کرنے کے واسطے دعویدار ہوئے، بعہد راناصاحب یہ زمینداری قائم نہ تھی، اس عہد کے بعد ٹھیکہ ہوا ہے لیکن کبھی قبرستان کی لکڑی وگھاس غیر مذہب کو نہیں دیا گیا، اور نہ غیر مذہب اس کا مستحق ہے کیونکہ یہ شیئ بطور صدقہ کے ہے، اب زمینداروں کا یہ دعوی ہے کہ مسلمان اپنے مردے قبرستان میں دفن کرتے رہیں لکڑی وگھاس قبرستان سے ہم زمیندار لیں گے اور مویشی چرائیں گے، اسی صورت غیر مذہب کی مداخلت سے بے حرمتی قبرستان اور مویشیوں کے چرنے سے منہدم ہونا قبروں کا ظاہر ہے شرعاً اس بات میں کیا حکم ہے؟ اور ہنود کا قبرستان کی لکڑی وگھاس پر حقیت جدید قائم کرکے لینا کیسا ہے؟

(٢) بغرض رفع فساد یا ناواقفیت مسئلہ کے مابین تنازعہ کے فریقین نے اس امر کا اقرار نامہ لکھاکہ افتادہ زمین میں بلحاظ راستہ قبرستان کے کاشتکاری نہ کی جائے گی صرف اس اراضی میں مسلمان اپنے مردے دفن کرتے رہیں اور زمیندار اپنے مویشی چراتے رہیں اب وہ اراضی بھی افتادہ نہ رہی مردے دفن ہوگئے قبریں تعمیر ہوگئیں، اس ہیئت پر مویشی چرائے جائیں تو تمام قبریں منہدم ہوجائیں گی، اقرار نامہ قابل فسخ کے ہے یا اسی پر عملدرآمد ہوگا؟

الجواب:

جب وہ زمین مسلمانوں کو نسلاً بعد نسل ہمیشہ کے لئے دی گئی اور مسلمانوں نے اس پر بطور ملک قبضہ کرکے اسے قبرستان کردیا اور مردہ دفن ہوا وہ زمین ہمیشہ ہمیشہ قبرستان مسلمین کے لئے وقف ہوگئی،

کسی زمیندار کا اس پر کوئی حق و دعوی نہ رہا، ہندو ہو یا مسلمان۔ زمیندار اگر مسلمان ہو تو عام مسلمانوں کی طرح اتنا حق اسے بھی ہوگا کہ اپنے مردے دفن کرے، اس سے زیادہ اسے اپنی حقیت و ملکیت وہ بھی نہیں ٹھہرا سکتا، تمام جہان جانتا ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا خالص ملک الٰہی جل جلالہ ہوتا ہے **الوقف لایملک** (وقف کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ت) ایک عام زبان زد حکم ہے جسے بچے بھی جانتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

عندھما ھو حبسھا(ای العین علی حکم ملك الله تعالٰی وصرف منفعتھا علی من احب ولو غنیا فیلزم فلایجوزله ابطاله ولایورث عنه وعلیه الفتوی ابن الکمال وابن الشحنة[1]۔	اور صاحبین کے نزدیک وقف نام ہے عین کو اللہ تعالٰی کی ملکیت کے حکم پر حبس کرنے اور اس کی منفعت کو اس پر صرف کرنے کا جس پر واقف چاہے اگرچہ وہ موقوف علیہ غنی ہو پس وہ وقف لازم ہو جائیگا اور واقف اس کو باطل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس میں میراث جاری ہوگی اور اسی پر فتوی ہے (ابن کمال وابن شحنہ)۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

فی العیون والیتیمة ان الفتوی علی قولھما کذافی شرح الشیخ ابی المکارم للنقایة[2]۔	عیون اور یتیمہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ شیخ ابوالمکارم کی شرح نقایہ میں ہے۔(ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

عندھما الوقف لازم بغیر ھذہ التکلفات، والناس لم یأخذوا بقول ابی حنیفة رحمه الله فی ھذا للاثار المشھورة عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم والصحابة، وتعامل الناس باتخاذ الرباطات والخانات اولھا وقف	صاحبین کے نزدیک وقف ان تکلفات کے بغیر لازم ہو جاتا ہے اور لوگوں نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کو نہیں اپنایا کیونکہ متعدد آثار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے اور لوگوں کا تعامل خانقاہیں اور سرائیں بنانے کے بارے میں منقول ہے

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۰

الخلیل صلوات اللہ وسلامہ علیہ[1]۔	ان میں سے پہلا وقف حضرت خلیل علیہ الصلوات والسلام کا ہے۔(ت)

اور جب اس زمین میں زمینداروں کا اصلاً کوئی حق نہیں تو اس کی لکڑی اور گھاس پر ان کو کیا دعوی پہنچ سکتا ہے، زمین خالص خدا کی ملک ہے گھاس بھی، اور لکڑی کے مالک پیڑوں کے بونے والے ہیں جو انہوں نے فقیر پر تصدق کردئے، بہرحال زمینداروں کا ان میں کچھ دعوی نہیں۔ فتاوٰی قاضیخان میں ہے:

مقبرۃ فیھا اشجار ان علم غارسھا کانت للغارس اھ مختصرًا[2]۔	ایک قبرستان میں کچھ درخت ہیں اگر ان کا بونے والا معلوم ہے تو اسی کے ہیں اھ مختصرًا(ت)

قبرستان میں جو گھاس اگتی ہے جب تک سبز ہے اسے کاٹنے کی اجازت نہیں۔ جب سوکھ جائے تو کاٹ کر جانوروں کے لئے بھیج سکتے ہیں مگر جانوروں کا قبرستان میں چرانا کسی طرح جائز نہیں مطلقًا حرام ہے قبروں کی بے ادبی ہے، مذہب اسلام کی توہین ہے، کھلی مذہبی دست اندازی ہے، ردالمحتار میں بحرالرائق اور درر الحکام اور غنیہ اور امداد الفتاح اور فتاوٰی قاضیخان سے ہے:

یکرہ قطع النبات الرطب من المقبرۃ دون الیابس[3]۔	قبرستان سے تر گھاس کاٹنا مکروہ ہے خشک کاٹنا مکروہ نہیں۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان فیھا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیھا کذا فی البحر الرائق[4]۔	اگر قبرستان میں گھاس ہو تو کاٹ کر چوپاؤں کی طرف ڈالی جائے نہ کہ چوپاؤں کو اس کی طرف چھوڑا جائے، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے(ت)

زمینداروں سے معاہدہ افتادہ زمین کی بابت ہوا تھا جب وہاں قبریں ہوگئیں زمین افتادہ کب رہی، اور اگر کوئی غلط و باطل وخلاف شرع حق تلفی اموات مسلمین کا معاہدہ کسی نے اپنی جہالت

[1] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۹

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۱

سے خواہ دیدہ ودانستہ کرلیا تو وہ معاہدہ مردود ہے اس پر عملدرآمد ہرگز نہ ہوگا نہ اس کے فسخ کی ضرورت ہے، فسخ تو جب کیا جائے کہ وہ معاہدہ سمجھا بھی جائے وہ معاہدہ ہی نہیں ایک بیہودہ و بے معنی تحریر ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال اناس یشترطون شروطالیست فی کتاب اللہ، من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فلیس لہ(وفی روایۃ فھو باطل)وان شرط مائۃ مرۃ شرط اللہ احق و اوثق [1]،رواہ الشیخان عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی کتاب میں نہیں، جس نے ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں، تو وہ اس کے لئے نہ ہوگی، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ باطل ہے، اگر سو بار شرط لگائے اللہ تعالٰی کی شرط زیادہ حق والی اور زیادہ پختگی والی ہے۔اس کو شیخین نے ام المومنین (سیدہ عائشہ صدیقہ) رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۸: از قصبہ جائس ضلع رائے بریلی محلّہ غوریاں کلاں مرسلہ محمد حسن صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اہالیان جائس کا دستور قدیم رہا ہے کہ اپنے مقابر میں مساجد بھی بنادیا کرتے تھے جس پر مسافران وخود اہالیان قصبہ وقف بے وقف نماز ادا کیا کرتے تھے زمانہ کے دستبرد سے بعض ایسی مسجدیں تو دہ خشت بن کر رہ گئیں اور بعض اب بھی موجود ہیں ایسے تودہائے خاک وخشت کو فضیلت مسجد حاصل ہے یا نہیں اور وہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو آیا وہاں اینٹوں کو فروخت کرکے اپنے صرف میں لانا یا اس قطعہ زمین میں اپنا مسکن بنانا یا مزروعہ کرکے کاشت میں لانا درست ہے یا نہیں؟اور اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مقبرہ اگر وقف ہے اور مقابر عامہ غالبًا وقف ہی ہوتے ہیں تو جو مسجد واقف نے قبل وقف بنائی کہ اتنے حصہ کو مسجد اور باقی کو مقبرہ کیا وہ ابد الآباد تک مسجد ہے اگرچہ ویران ہوجائے **ھو الصحیح وبہ یفتی** (یہی درست ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت) اس حالت میں تو اس کا آباد کرنا واجب

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۷،صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان ان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۹۴

اور اس میں آداب مسجد لازم، اور اسے زراعت وغیرہ سے اپنے تصرف میں لانا حرام، اور اگر زمین مقبرہ کے لئے وقف ہوچکی تھی، اس کے بعد اس کے کسی حصہ کو مسجد کیا اگرچہ خود واقف نے تو وہ مسجد نہیں ہوسکتا، نہ آداب مسجد کا مستحق، مگر ذاتی تصرف زراعت وغیرہ اس میں بھی حرام کہ وہ مقبرہ کے لئے وقف ہے اور مقبرہ تصرفات سے آزاد، اور اگر وہ مقبرہ وقف نہیں جیسے دیہات میں مالکان دیہہ کی اجازت سے لوگ دفن ہوتے ہیں بے اسکے کوئی قطعہ مقابر کے لئے معین کرکے وقف کیا جائے اس میں اگر مالک نے مسجد بنائی یا دوسرے نے، اور مالک نے اسے جائز کیا تو وہ مسجد ہوگئی، اور اس کا وہی حکم ہے جو پہلے گزرا کہ اس کا ادب لازم، اور اس میں تصرف حرام، بشرطیکہ وہ زمین خالی میں بنائی گئی ہو، نہ قبور پر کہ قبروں کی زمین صالح مسجدیت نہیں اور اگر غیر مالک نے بنائی اور مالک نے جائز نہ کیا تو وہ مسجد نہیں، مالک کو اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۹: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ غلام ربانی صاحب ۴ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ت) کہ قبرستان کی آمدنی کا روپیہ مسجد میں صرف کرنا چاہئے یا نہیں اور قبرستان کی مالک مسجد ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ہماری شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

تفصیل آمدنی: (۱) میت کی چادروں کی قیمت **(۲)** چادر کے ہمراہ مالک میت نقد دیتا ہے۔ **(۳)** قبرستان میں جو درخت ہیں ان کی لکڑی کی قیمت۔

تفصیل خرچ: مسجد کے کسی حصہ کی تعمیر میں فرش، لوٹے، روغن، رسی، یا رمضان المبارک کے اخراجات میں یہ روپیہ لانا۔

الجواب:

نہ مسجد قبرستان کی مالک ہوسکتی ہے نہ قبرستان کسی مال کا مالک ہوتا ہے۔ سائل نے بیان کیا کہ اہل میت اہل محلّہ میں کسی کو چادریں اور کچھ نقد دیتے ہیں اور دینے والوں کو معلوم ہے کہ یہ مسجد کے لئے لیتے ہیں، اور درخت بہت قدیم ہے بونے والے کا پتا نہیں، جو لکڑی سوکھ جاتی ہے گر پڑتی ہے مسجد کے سقائے وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے، اس صورت میں ان سب چیزوں سے مسجد کے وہ سب صرف جائز ہیں کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۰: از مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ محلّہ الہ داد پورہ مسئولہ صابر حسین صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ قبرستان کا مسلمانوں کے کیا حکم ہے اور کیا کرنا چاہئے؟ کوئی شخص اس

پر کوئی کام دیدہ دانستہ دنیاوی کرے مثلاً تجارت، اور اصرار کرے کہ ہم قبرستان ہی پر کاروبار کرینگے دوسری جگہ نہیں کرینگے، یہ کسی کو برا معلوم ہو یا بھلا، اور ساتھ اس کے ہنود کو ملا کر زور دے کہ اس کو کھیت بنائیں اور کسی مصرف میں لے لیں اور مسلمانوں کو بے قبضہ کردیں اور وہاں کے اشجار پر بھی قبضہ کرلیں اور یہی کوشش کررہے ہوں اور بصورت انکار قبر کو عندالتحقیقات کھدوادیں وغیرہ وغیرہ تو اس شخص کے ایمان کا کیا حال ہے اور ایسے شخص کی ناحق پر تائید کرنا کیا ہے اور کس جرم کا مرتکب ہوگا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسلمانوں کا عام قبرستان وقف ہوتا ہے اور اس میں سوائے دفن کے اور تصرف کی اجازت نہیں اسے تجارت گاہ بنانا یا اس پر کھیت کرنا سب حرام ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن هیأته[1]۔	وقف کی ہیئت کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔(ت)

اشباہ وغیرہا میں ہے:

شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به[2]۔	واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص کی مثل ہے(ت)

اور مسلمان کی قبر کو کھودنا تو نہایت سخت شدید جرم ہے، اسلامی سلطنت ہو تو ایسا شخص سخت تعزیر کا مستحق ہے یہاں تک کہ سلطان اسلام کی اگر رائے ہو تو جو ایسی حرکات کا مرتکب ہوا کرتا ہو اسے سزائے قتل دے سکتا ہے، جو شخص ناحق پر اس کی تائید کرتے ہیں سب اسی کی طرح مرتکب جرم و مستحق سزا ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔(ت)

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خلع من عنقه ربقة الاسلام[4]۔	جو دانستہ کسی ظالم کی امداد کو چلے اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الوقف الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۵

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

[4] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷ وکنز العمال حدیث ۱۴۹۵۵ بیروت ۶/ ۸۵، والفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۷۰۹ دار الباز مکۃ المکرمۃ سعودی عرب ۳/ ۵۴۷

مسئلہ ۳۴۱تا۳۴۴: مسئولہ احمد نبی خاں صاحب از مراد آباد ۲۲صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین سوالات مفصلہ میں :

(۱) جزو جائداد اراضی موقوفہ کا روپیہ معاوضہ سرکار انگریزی سے متولی جائداد کو ملا، اس روپیہ کو متولی کو کیا کرنا چاہئے؟ آیا جائداد خرید کرکے شامل جائداد موقوفہ کرنا چاہئے یا کسی مصارف خاص میں یا عام مصارف جائز میں اس رقم کا صرف کرنا جائز ہے؟

(۲) متولی فوت ہوگیا اور اس نے اپنے زمانہ حیات میں اس روپیہ معاوضہ مذکور سے کوئی جائداد خرید کرکے شامل جائداد موقوفہ نہیں کی اور روپیہ معاوضہ مذکور کا کوئی مصرف جائز بھی کسی قسم کا اس کی حیات میں ظاہر نہیں ہوا اور اکثر اوقات متولی متوفی اور اس کے مختار عام اور سربراہ کار یہ ظاہر کرتے رہے کہ ہنوز کوئی جائداد متصل موقوفہ کے دستیاب نہیں ہوئی ہے کوشش کی جاتی ہے جس وقت کوئی جائداد فروخت ہوئی خرید کرکے شامل وقف کی جائے گی۔

(۳) متولی متوفی نے اپنی جائداد مملوکہ ومقبوضہ چھوڑی ہے جس پر اس کے وارثان قابض ودخیل ہیں۔

(۴) متولی حال کا بحالت موجودہ کیا فرض ہے، آیا وارثان متولی متوفی سے روپیہ مذکور طلب کرنے اور اس کی جائداد متروکہ سے وصول کرنے کا عندالشرع مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں متولی سابق پر اس زر معاوضہ کا تاوان لازم ہے جو اس کی جائداد متروکہ سے وصول کیا جائے گا متولی حال پر لازم ہے کہ اسے وصول کرے اور اس میں سستی کو راہ نہ دے بعد وصول جب کہ وہ روپیہ خود عین اراضی موقوفہ کا بدل ہے کسی مصرف میں صرف نہیں ہوسکتا بلکہ لازم ہے کہ اس سے ویسی ہی جائداد خرید کی جائے کہ جائداد رفتہ کی جگہ وقف ہو۔ درمختار وعقود الدریہ میں ہے:

الناظر لو مات مجھلا لمال البدل ضمنہ کما فی الاشباہ ای لثمن الارض المستبدلۃ[1]۔	ناظر اگر مرجائے مال بدل مجہول چھوڑ کر تو تبدیل شدہ زمین کے ثمن کا ضامن ہوگا جیسا کہ اشباہ میں ہے۔(ت)

نیز درمختار وردالمحتار میں ہے:

(لایجوز استبدال العامر الافی اربع)الاولی لوشرطہ الواقف،	زمین وقف کا بدلنا جائز نہیں سوائے چار صورتوں کے، پہلی صورت یہ کہ واقف نے اگر استبدال

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۱۸

الثانیة غصبه غاصب واجری علیه الماء حتی صار بحرا فیضمن القیمة ویشتری المتولی بها ارضا بدلا، الثالثة ان یجحده الغاصب ولابینه ای اراد دفع القیمة فللمتولی اخذها لیشتری بها بدلا الخ [1] والله تعالٰی اعلم۔	کی شرط کی ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے اس کو غصب کیا اور اس پر اتنا پانی بہایا کہ وہ دریا بن گئی تو متولی اس سے ضمان لے کر اس کے بدلے میں دوسری زمین خریدے۔ تیسری صورت یہ کہ زمین وقف کا غاصب انکاری ہے اور متولی کے پاس گواہ نہیں اور غاصب قیمت دینا چاہتا ہے تو غاصب سے قیمت لے کر اس کے عوض متولی دوسری زمین خریدلے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۵: مسئولہ مجید اللہ صاحب بتوسط عطا احمد صاحب مولوی محلّہ بدایوں ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک جائداد بلا تخصیص مقام ہر جگہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے وقف کی اور ایک خاص قصبہ مدرسہ بنانے کے لئے نامزد کردیا کہ اس قصبہ میں تعلیم گاہ بنائی جائے لیکن کوئی خاص اراضی تعمیر مدرسہ کے لئے وقف نہیں کی گئی اب کسی مجبوری ونیز اس وجہ سے کہ جو قصبہ مدرسہ بنانے کے لئے وقف نامہ میں معین کیا گیا تھا عام مسلمانوں کی تعلیم میں وہاں سہولت نہیں ہے دوسری جگہ اسی غرض تعلیمی کے لئے وہ مدرسہ بنانا چاہتا ہے جہاں عام مسلمانوں کے لئے سہولت ہو، پس یہ تبدیلی مقام شرعًا جائز ہے یا نہیں، یعنی اگر اس تبدیل شدہ جدید مقام پر مدرسہ بنا کر جائداد موقوفہ کی آمدنی اس پر خرچ کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

واقف کو ایسی تغییر جائز ہے جبکہ مصلحت وقف اس میں نہیں اس کے خلاف میں ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی فتاوٰی مؤید زاده اذالم یکونوا اصلح اوفی امرهم تهاون فیجوز للواقف الرجوع عن هذاالشرط اه و هکذا نقله عنها فی شرحه علی الملتقی	فتاوٰی مؤید زادہ میں ہے کہ اگر موقوف علیہ زیادہ صلاحیت والے لوگ نہ ہوں یا وہ اپنے معاملے میں غفلت کرتے ہوں تو واقف کو اس شرط سے رجوع کرلینا جائز ہے اھ اسی طرح ماتن نے فتاوٰی موید زادہ سے ملتقی پر اپنی شرح میں

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب لایستبدل العامر الافی اربع دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

ثم نقل عن الخلاصة لایجوز الرجوع عن الوقف اذاکان مسجلا ولکن یجوز الرجوع عن الموقوف علیه وتغییرہ وان کان مشروطاً کالمؤذن والامام و المعلم ان لم یکونوااصلح اوتہاونوافی امرھم فیجوز للواقف مخالفة الشرط [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	نقل کیا، پھر خلاصہ سے یوں نقل کیا کہ وقف جب رجسٹرڈ ہوتو اس سے رجوع جائز نہیں لیکن موقوف علیہ سے رجوع اور اسکو تبدیل کرنا جائز ہے اگرچہ مشروط ہو جیسے مؤذن، امام اور معلم، اگر وہ وقف کی زیادہ صلاحیت نہ رکھتے ہوں یا وہ اپنے معاملات میں غفلت اور سستی کا ارتکاب کرتے ہوں تو واقف کے لئے شرط کی مخالفت کرنا جائز ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۶تا ۳۴۷: از شیخ پور مرسلہ شیخ امین الدین حیدر رئیس ۲۹ جمادی اولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) وقف نامہ ہمرشتہ کے کسی شرط کو واقفان بذریعہ تتمہ دستاویز تبدیل یا ترمیم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر واقفان کسی مصلحت سے مدرسہ کا مقام رقبہ شیخ پور سے کسی دوسرے موضع یا شہر کے رقبہ میں تبدیل کردیں اور مصرف وغرض وقف فوت نہ ہو تو وقف میں نقصان نہ واقع ہوگا۔

الجواب:

(۱) وقف نامہ میں واقفوں نے اگر شرط کردی ہوتی کہ ہم کو تبدیل شرائط کا اختیار ہے تو اختیار ہوتا، اب کہ یہ شرط نہ کی بلاضرورت صحیحہ واجازت شرعیہ کسی تبدیل وترمیم کا اختیار نہیں۔ ردالمحتار میں حموی سے ہے:

الوقف اذالزم لزم مافی ضمنه من الشروط [2]۔	وقف جب لازم ہوتا ہے تو اس کے ضمن میں پائی جانے والی تمام شرطیں لازم ہوجاتی ہیں (ت)

(۲) اگر شیخ پور میں ہونا اغراض وقف کے لئے مفید نہ ہوا اور دوسری جگہ مصلحت شرعی ہو تو واقفوں کو اس تبدیل کی اجازت ہے، عالمگیریہ میں ہے:

اشتراط الاستبدال بارض من البصرة	اگر یہ شرط لگائی گئی کہ زمین وقف کو بصرہ زمین سے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۰

لیس له ان یستبدل من غیرہا.وینبغی ان کانت احسن ان یجوز.لانه خلاف الی خیرکذافی فتح القدیر[1]۔	بدلوں گا تو بصرہ کے ماسوا دوسری زمین سے بدلنے کا واقف کو اختیار نہ ہوگا مگر چاہئے یہ کہ کہ اگر دوسری جگہ کی زمین اس کے بدلے میں زیادہ بہتر ہے تو جائز ہو کیونکہ یہ خلاف کرنا بہتری کی طرف ہے فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں بحوالہ درمنتقی خلاصۃ الفتاوٰی سے ہے:

یجوز الرجوع عن الموقوف علیه وتغییرہ وانکان شروطاًکالمؤذن والامام والمعلم ان لم یکونوا اصلح اوتهاونوا فی امرهم فیجوز للواقف مخالفة الشرط[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	موقوف علیہ سے رجوع اور اس میں تبدیلی جائز ہے اگرچہ وہ مشروط ہو جیسے مؤذن، امام اور معلم اگر یہ لوگ وقف کے لئے زیادہ صلاحیت کے حامل نہ ہوں یا اپنے معاملات میں سستی کرتے ہوں تو واقف کے لئے جائز ہے کہ شرط کی مخالفت کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۳۴۸: مسئولہ بدرالدین صاحب ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس صورت میں کہ جامع مسجد بمبئی کے گیارہ مشاورین میں سے اکثرین نے یہ قرار داد منظور کی کہ مسجد کے اوقاف کی آمد سے مسجد کے احاطہ میں جو کھلی جگہ ہے وہاں باغیچہ قائم کیا جائے اور درخت اور کنڈیاں نصب کئے جائیں اور اس کے انتظام کے لئے ایک باغبان مشاہرہ سے رکھا جائے، اطلاعاً گزارش ہے کہ جس زمین پر باغیچہ تیار کرنا منظور ہے وہ جگہ پیش تر سے نماز پڑھنے کے لئے عیدین اور یوم الجمعہ میں استعمال کی جاتی ہے پس اس حالت میں مشاورین مسجد کو اوقاف مسجد سے ایساخرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جس زمین پر زمانہ قدیم سے نمازیں ہوتی تھیں اس پر باغیچہ بناکر لوگوں کو ادائے نماز سے روکنا مشاورین مسجد کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بناءً علی عدم جواز مرتکبین اس فعل کے اپنے عہدہ ہائے مفوضہ سے معزول ہونگے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں اگرچہ مقصود واحد ہو مثلاً کسی مسجد پر دکانیں وقف

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

ہیں کہ ان کا کرایہ مسجد میں صرف ہوتا ہے انہیں حمام کردیا جائے اور اس کا کرایہ مسجد کو دیا جائے یا حمام کا کرایہ مسجد پر وقف تھا اسے دکانیں کردیا جائے یہ ناجائز ہے حالانکہ مقصود یعنی کرایہ واحد ہے۔عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ فلایجعل الدکان خاناالخ[1]۔	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں لہذا دکان کو سرائے بنادینا جائز نہیں الخ (ت)

نہ کہ خلاف مقصود اور وہ بھی محض سود مردود، باغیچہ امراء کے مکانوں کی زینت ہوتا ہے، بیت اللہ کی زینت ذکر اللہ ہے، ولہذا علماء نے مساجد میں پیڑ لگانا منع فرمایا اور فرمایا کہ مساجد کو یہود و نصارٰی کے کنیسوں گرجوں سے مشابہ نہ کرو، پھر اس میں نمازیوں پر جمعہ و عیدین میں تنگی ہے اور جو مسلمانوں پر تنگی کرے گا اللہ اس پر تنگی کرے گا من ضیق ضیق اللہ علیہ (جس نے تنگی کی اللہ تعالٰی اس پر تنگی فرمائیگا۔ت) اس میں منع خیر ہے اور مناع للخیر کی مذمت کلام اللہ میں ہے، اس میں متعلق مسجد کو نماز سے روکنا ہے۔اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ "[2]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لئے جانے سے روکے اور انکی ویرانی میں کوشش کرے ان کو اس زمین میں قدم دھرنا نہ تھا مگر ڈرتے ہوئے ایسوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

ایسے مشاور اگر باز نہ آئیں واجب العزل ہیں من استرعی الذئب فقد ظلم جس نے بھیڑیئے کو چرواہا بنایا اس نے بکریوں پر ظلم کیا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۹: مسئولہ منشی خلیل الرحمٰن صاحب پارچہ فروش از نگینہ ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ایک محلّہ کے اندر واقع ہے کہ جس میں کچھ اراضی زائد فرش سے ہے اور اس اراضی میں ایک مزار شریف بھی ہے، اس مسجد کی خبر گیری اہل محلّہ جس میں چند قوم کے آدمی ہیں کرتے ہیں منجملہ چند اقوام کے ایک قوم ایک مدرسہ خاص قومی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

اس اراضی موقوفہ میں بنانا چاہتی ہے کہ جس میں دوسری قوم کا تعلیم نہیں پائے گا احیانا کسی وقف میں اس اراضی موقوفہ کی ضرورت مسجد کو ہوئے تو وہ تعمیر مدرسہ اٹھوا کر اپنے تصرف خواہ کسی قسم کا تصرف ہو لا سکتے ہیں یا نہیں، جس قوم کا مدرسہ تعمیر ہوتا ہے اس قوم کے چند لوگ مہتمم ومتولی ہیں وہ ایک اقرار نامہ بدیں مضمون لکھتے ہیں کہ اگر کسی وقت میں مسجد کو ضرورت اراضی کی ہو تو وہ نہیں لے سکتی یہ اقرار ان کا لکھنا جائز ہوگا یا نہیں، علاوہ اس قوم کے دیگر اقوام یا دیگر محلّہ یہ چاہیں کہ مدرسہ قومی خاص نہ رہے تو وہ اس عمارت میں مدرسہ ہذا رہنے دے سکتے ہیں یا نہیں، اور یہ مدرسہ خصوصیت قوم کے ساتھ تعمیر کیا جاتا ہے اور اسی قوم کے بچے مستفیض ہوں گے جواب خلاصہ ومشرح مرحمت فرمایا جائے، مکرر عرض ہے جواب کے ارسال میں دیر نہ فرمائی جائے، مکرر عرض ہے کسی وجہ سے کل کو وہاں مدرسہ نہ رکھا گیا تو اس تعمیر کی مالک قوم یا اہل مدرسہ ہوگا یا نہیں یا مسجد کی ہی ملکیت ہوجائے گی مدرسہ کو اختیار اس کے کرایہ پر دینے کا رہے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو زمین متعلق مسجد ہے وہ مسجد ہی کے کام لائی جاسکتی ہے اور اس کے بھی اسی کام میں جس کے لئے واقف نے وقف کی، وقف کو اس کے مقصد سے بدلنا جائز نہیں، **شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ**[1] (واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص کی مثل ہے۔ت) واقف نے اگر یہ مدرسہ بنانے کی اجازت نہ دی تو اس میں عام مدرسہ بھی نہیں بن سکتا نہ کہ خاص، اور اگر خلاف اجازت ایسا تصرف کرینگے غاصب ہوں گے اور وہ عمارت منہدم کرادینے کے قابل ہوگی اور بعد انہدام جو کچھ اینٹیں کڑیاں ہوں اس کے مالک وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے عمارت بنوائی تھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵۰: ازمارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ حافظ عبدالحمید امام مسجد کمبوہ ۲۱ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی زمینداری کے ایک قطعہ کو جوعہ ا بیگھ خام ہے اور اس کا سالانہ منافع ؏ ہے اس تصریح کے ساتھ کہ ۴؍ سالانہ اس محلّہ کی مسجد میں جس میں واقف رہتا ہے صرف ہوا کریں اور ۴؍ سالانہ غرباء ومساکین کے لڑکوں کی تعلیم جو قرآن شریف اور دینیات پڑھتے ہیں قرآن شریف یا متفرق پارہ اور کتب دینیہ خرید کر امداد کی جائے اور اس مصرف میں ہمیشہ صرف ہوتے رہیں اور ۴؍

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن الکریم ۱/ ۳۰۵

سالانہ یتیماں وبیوگاں کی تیاری پارچہ سرما وغیرہ صرف کئے جائیں، اپنے دل میں مذکورہ مصارف کی نیت کرکے وقف کردیا اور ایک سال سے اس کا منافع بھی کاشتکار سے وصول نہیں کیا اور وقف کی کوئی تحریر بھی نہیں لکھی، اب زید یہ چاہتا ہے کہ قطعہ اراضی مذکورہ بالا سے جس کے وقف کی نیت کی ہے بہتر اور عمدہ اور زیادہ منافع کی دیگر اراضی کو جو اس کی ملکیت ہے بجائے اس کے وقف کردے اور بموجب شرع شریف کے تحریر وتکمیل کردے اور متولی اس کا مقرر کرکے اس کے قبضہ میں اس زمین کو دے دے کہ منافع اس کا مصارف مذکور میں صرف کیا کرے اور آئندہ متولی اس کا زید کے رشتہ داران اور نمازیان مسجد محلّہ کے مشورہ سے مقرر ہوا کرے گا، اس صورت میں امید ہے کہ ۱۲ر سالانہ سے زیادہ منافع سالانہ وقف کا ہوگا صرف نیت وقف کرلینے سے جو خاص قطعہ اراضی کی نسبت کی ہے اور اس کی تحریر بھی نہیں لکھی اور اراضی جو اس سے بہتر اور عمدہ زیادہ منافع کی ہے وقف کرکے تحریر کردے شرع ممانعت تو نہیں کرتی؟

الجواب:

تحریر تو شرعًا کوئی ضروری چیز نہیں، نہ اس پر وقف موقوف، اگر اس نے زبان سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اس کو اللہ کے لئے وقف کردیا تو وقف ہوگئی اب اس سے رجوع نہیں کرسکتا مگر یہ کہ وقت وقف شرط استبدال کرلی ہو یعنی مجھے اختیار ہے کہ جب چاہوں اس زمین کے بدلے اور زمین وقف کردوں تو البتہ اس حالت میں تبدیل کا اختیار ہے، اگر زبان سے بھی نہیں کہا تھا صرف دل سے نیت کی تھی تو وہ زمین وقف نہ ہوئی، گر واقعی اس سے بہتر اور زیادہ منافع کی زمین وقف کرنا چاہتا ہے تو اس پر کچھ الزام نہیں، قال اللہ تعالٰی "مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ؕ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نیکی کرنے والوں پر (مواخذہ کی) کوئی راہ نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵۱: از شہر مسئولہ محمد خلیل اللہ صاحب ۱۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک موقع پر ایک جائداد موقوفہ متعلق مسجد واقع ہے تو علاوہ بیع کے جو ہر طرح ناجائز ہے آیا اس موقع پر جائداد مذکورہ سے تبادلہ کا جواز اسی قلیل قیمت اور حیثیت کی جائداد سے یا کسی دیگر نوع سے کسی صورت بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس خاص وقف کرتے وقت واقف نے استبدال کی شرط نہ کرلی ہو تو ہرگز کسی حال میں

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

جائز نہیں جب تک اس سے انتفاع ممکن ہے اگرچہ دوسری کی اس کے بدلے میں ملے اس سے قیمت حیثیت ومنفعت میں بہت زائد ہو،

فانا امرنا بابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة اخری[1]۔ کما حققه المحقق فی الفتح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم وقف کو سابقہ ہیأت پر باقی رکھیں نہ کہ دیگر زیادت کو، جیسا کہ محقق علیہ الرحمۃ نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق فرمائی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۵۲: ۱۰ جمادی الاخری ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ منشی کریم الدین کی دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہے، پہلی بیوی سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا، اور دوسری بیوی سے دو لڑکیاں تھیں، منشی صاحب مرحوم نے ایک باغ، ایک موضع، ایک مدرسہ اور کچھ دکانیں پہلی بیوی کے انتقال ہونے کے بعد وقف کیں اس طرح پر کہ میرے بعد میری زوجہ متولی رہے اور زوجہ کے بعد لڑکا جو کہ پہلی بیوی سے تھا اور لڑکے کے بعد ان کی اولاد، چونکہ لڑکا ان کی حیات میں فوت ہوگیا اور لڑکے کی اولاد میں ایک لڑکی تھی وہ لڑکی ناقابل انتظام تھی اور اس کا شوہر بوجہ بدچلنی کے ناقابل انتظام تھا اس وجہ سے منشی صاحب نے ایک اقرار نامہ وقف نامہ کی تحریر کے بارہ سال بعد اس طرح تحریر کردیا کہ میرے بعد میری دوسری زوجہ متولی رہے اور اس کے بعد اس کی بڑی لڑکی اور لڑکی کے بعد اس کی اولاد میں بڑا لڑکا جو لائق ہو متولی رہے اس طرح سلسلہ برابر جاری رہے اس اقرار نامہ کی تحریر کو عرصہ دو سال ہوگیا اور وقف نامہ کو چودہ سال، اس وقت منشی صاحب مرحوم کی دوسری زوجہ حیات ہے اور منشی صاحب نے جائداد مذکورہ مفصلہ ذیل اخراجات کے واسطے وقف کی ہے، مولود شریف، گیارھویں شریف، فاتحہ حسنین، خرچ مدرسہ وتکیہ وغیرہ چونکہ پہلی بیوی کی لڑکیاں اور منشی صاحب کے لڑکے کی لڑکی حیات ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ بروئے وقف نامہ کے جائداد مذکورہ کے ہم متولی ہیں اس لئے التماس ہے کہ شرعًا اس وقت جائداد مذکورہ کا متولی کون شخص قرار دیا جائے گا اور اس کے بعد کون، اقرار نامہ کا قانونًا بھی داخل خارج ہوگیا ہے بموجب حکم شرع شریف تحریر فرمایا جائے۔ **فقط**

الجواب:

تولیت کوئی ترکہ نہیں کہ ہر وارث کا اس میں حق ہو تولیت واقف کے اختیار کی ہے جسے متولی کردے

---

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

وہی ہوگا۔ درمختار میں ہے: ولایۃ نصب القیم الی الواقف[1] (متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو حاصل ہے۔ت) تواس میں شک نہیں کہ فی الحال وقف کی متولی صرف زوجہ ثانیہ ہے کہ وقف نامہ اور اقرار نامہ دونوں اپنے بعد اس کو متولی لکھا ہے اور جب زوجہ کا انتقال ہوتو حسب شرط اقرار نامہ اسی زوجہ کی بڑی لڑکی پھر اس کے بعد اس لڑکی کی اولاد میں جو بڑا لڑکا لائق ہو ورنہ جو لائق ہوں بہر حال پہلی بیوی کی لڑکیوں کا تو کوئی استحقاق تولیت میں سرے سے نہ تھا کہ وقف نامہ، اقرار نامہ کسی میں ان کی تولیت نہیں رہی پسر متوفی کی لڑکی اگرچہ وقفنامہ میں اپنے بعد پسر پھر اولاد پسر کی تولیت لکھی تھی مگر وہ واقف کے سامنے مرگیا اور اب اس نے ان شرائط کو تبدیل کردیا اور دوبارہ تولیت واقف کو تغیر و تبدل کا اختیار ہے تو اب عمل بموجب اقرار نامہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ من حکم سائر الشرائط لانہ لہ فیہا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط فی عقدۃ الوقف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	واقف کی تولیت تمام شرائط کے حکم سے خارج ہے کیونکہ واقف کو ان شرائط میں تبدیلی کا اختیار ہے جب بھی وہ مناسب سمجھے اگرچہ اس نے عقد وقف میں اس کی شرط نہ لگائی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۳:

QUESTION

Rangoon, The 19th May 1908.1908 ,

To

Moulvi Haji Ahmad Khan,

Esqur, Bareeilly,

United provinces.

Hunoured Sir

We desir to place prepare you a certain religious matter on which we solicit your valuable opinion. The facts are briefly these . there is a Chulian a

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

Mosque in Moung Taulay Street at this place. Thereare five duly elected trustees or mutawallis who manage the affairs of the said mosque according to a scheme framed by the chief court of Lower Burma. The trustees are given the power of discharging the Imam, Muazzin and Clerks of the mosque. In virtue of the said power. The trustess at a meeting discharged thier Imam. One Syed Muckbool for Irregularity misconduct and disbidience. After the discharge the trustees failed a suit in the chief court of lower Burma for declaration that the discharge of the Imam may be confirmed .The Imam now questions the authority of the trustees and maintains power badly . He may misconduct himself, they have no power to discharge him. Having placed the facts briefly we request you most humbly to give your Fatwa as to whether the trustees have the power to discharge the Imam when they find it necessary to do so. This a vital point which is at present engaging the attention of the leading member of the Chulian Sunni Mohmmadan community and we Shall thank you very much if you can send your fatwa before the Ist week of june thanking you in anticipation We beg to remain, honoured Sir, your most obedient and Humble followers in M Qadir Gani. President The Madras Muslim Association No37.tocckay Mq Tualay street.

Answer

from Brieilly,

The 28th of May, 1908.

To M .Qadir Gani.

President

The madras Muslim Association

Sir. With refrence to your letter datted 19th of May, 1908, I send my Fatwa for your perusal The trustees can discharge an Imam by their authority when such indifference is found in Him which be the sufficient reason of"Shara"for him to be dismissed. Vide lisanul Hukkam printed at Mier page No.123,

فی فتاوی قاضی خان اذا عرض للامام اوللمؤذن عذر منعه عن المباشرة مدة ستة اشهر فللمتولی ان یعزله ویولی غیره وانکان للمعزول نائب[1]۔

Translation:- there is in fatwa Qazi Khan when an Imam or Muazzin Has some certain Business which may be the cause of six months absence from the mosque, not with standing he may have given some person for him to act .At such opportunity the trustee can discharge him and may establish or Appoint another Imam in his place"(Tahtawi printed Misr and Shami printed Constantinople volume 3, page 639)

وتقدم مایدل علی جواز عزله اذا مضی شهر ،بیری[2]

Translation: -Allama Birizada has said that the books aforesaid style Shows that a trustee can discharge an Imam on account of a month absence from the mosque The Trustees had no need of taking sanntion of discharging the Imam from the Court or from any Higher Officer or Governor because the authority of trustees in these matters is over the powers of a Muhammadan governor although the same Mutawalis or trustees may have been fixed by the same Muhammadan Governor See Ashbahunnazair printed Lucknow page.179 copies from the Fatwa of Imam Rashiduddin.

لایملك القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظره ولو من قبله[3]۔

Translation:-"A Qazi can not interfere a Waqf in the Presence of a trustees although the trustees may have been fixed by the same Qazi Hamawi Sharah Asbah printed Lucknow page No.179 copies from Fatwa Imam Zahiruddin"

قاضی البلد اذا نصب رجلا متولیاً للوقف بعد ماقلده الحاکم الحکومة فلیس للحاکم علی الوقف سبیل حتی لایملك الاجارة ولاغیرها[4]۔

---

[1] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارته دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۲

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۲

Translation:-"A king appointed a Qazi and after it the Qazi fixed a trustee on a Waqf, now the King has no connection on with the Waqf nor has he any power of it contract etc. Another stlye from Lisanul Hukkam copies from fatwa Imam Sowri.

لاتدخل ولایۃ السلطان علی ولایۃ المتولی فی الوقف[1]۔

Translation:- Aking cannot interfere a Waqf against a trustee Authorities in this case the higher officers or governors are not Muhammadan ones and therefor they do not know the schemes of shara as a Muhammadan trustee knows The trustees can discharge an Imam when the Imam leave Sunnia Doctrine or Commets an open sin against Shara or there may be found in him something Which may be the cause of abhorrence which decreases the number of people at prayer or he may be disobedint against the managing rules of affairs of the mosques. Or assesmble of persons at prayers or there may be somthing such in him. Otherwise he will not be discharged without fault. See Raddul Muhtar printed Constantinople volume 3 page 597.

قال فی البحر واستفید من عدم صحۃ عزل الناظر بلاجنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ[2]۔

Translation:-It is said in Bahrur Raiq That as a Mutawali can not be dismissed without fault. From this it is manifest that any receiver of a salary of a Waqf can not be discharged until his fault be proved or he may be proved to be unfit for his duties.

امر برقمہ عبدہ احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطبع لایصح عزل صاحب وظیفۃ بلاجنحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

ترجمہ مسئلہ ۳۵۳: از رنگون مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۰۸ء

بخدمت جناب مولوی حاجی احمد رضا خاں صاحب محلّہ سوداگران بریلی، یوپی۔

مولانائے محترم ! ہم سب آپ کی خدمت میں چند مذہبی امور کے بارہ میں رائے عالی جاننے کے لئے یہ پیش کررہے ہیں اور مختصراً واقعہ کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔ یہاں ایک مسجد چولیان مونگ تلااسٹریٹ میں واقع ہے جس کے چنے ہوئے پانچ متولیان ہیں جو مسجد کا انتظام اس قانون کے تحت انجام دے رہے ہیں جس کو عدالت العالیہ برما نے مرتب کیا ہے جس کے مطابق متولیوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ امام، مؤذن اور عملہ کو برخاست کرسکیں، اس قانون کے مطابق متولیان نے ایک مجلس شورٰی کے اندر سید مقبول امام مسجد کو ان کی بیضابطگی، برے چال چلن اور حکم عدولی کے باعث برخاست کردیا، اس برخاستگی کے بعد متولیوں نے ایک مقدمہ استقرار یہ اس امر کا عدالت العالیہ برما میں دائر کیا کہ امام کی برخاستگی مستقل کردی جائے، اب امام نے یہ باز پرس متولیوں کی مجلس قانون سے کی ہے، قانون کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے، ان لوگوں کو برخاست کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس مختصر واقعہ کو پیش کرتے ہوئے نہایت ادب سے التجا کرتے ہیں کہ آپ اس کے متعلق اپنا فتوٰی مرحمت فرمائیں، کیا متولیان کو امام کی برخاستگی کا حق حاصل ہے کہ جب وہ چاہیں برخاست کردیں۔ یہ آج کل بہت بڑا مسئلہ ممبران چولیان سنی محمڈن کمیونٹی کا بنا ہوا ہے، ہم لوگ بیحد شکر گزار ہوں گے اگر آپ اپنا فتوٰی ماہ جون کے اوائل ہفتہ میں روانہ فرمادیں فقط۔

آپ کا فرمانبردار خاکسار معتقد

قادر غنی صدر مدرس مسلم ایسوسی ایشن، مونگ تلااسٹریٹ۔

الجواب:

بریلی مورخہ ۲۸/ مئی ۱۹۰۸ء

بخدمت جناب ایم قادر غنی صدر مدرس مسلم ایسوسی ایشن

محترم ! آپ کے مراسلہ مورخہ ۱۹/ مئی ۱۹۰۸ کے مطابق میں اپنا فتوٰی برائے ملاحظہ ارسال کررہا ہوں، متولیاں ایک امام کو برخاست کرسکتے ہیں جبکہ کوئی ایسا اختلاف اور وجہ معقول شرعی طور پر پائی جائے (لسان الحکام مطبوعہ مصر ص ۱۲۳)

ترجمہ: فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ جب امام یا مؤذن کے درمیان کوئی ایسی چیز عارض ہو جس کی وجہ سے وہ چھ ماہ تک مسجد سے غیر حاضر رہے اور اس نے اپنا کوئی بدل نہ دیا ہو تو اس وقت متولی اس کو برطرف کرسکتا ہے اور دوسرا امام اس کی جگہ مقرر کرسکتا ہے (طحطاوی مطبوعہ مصر اور شامی مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۳

ص ۶۳۹)

ترجمہ: "علامہ بیری زادہ کتاب مذکور میں فرماتے ہیں کہ متولی ایک امام کو مسجد سے ایک ماہ کی غیر حاضری پر برطرف کرسکتا ہے"، متولی کو کوئی ضرورت امام کی برطرفی کے لئے عدالت یا کسی افسر بالا یا گورنر سے اجازت لینے کی نہیں ہے کیونکہ متولی اپنے اختیار خصوصی سے ان معاملات میں خود اسلامی گورنر جیسا اختیار رکھتا ہے جبکہ متولیان خود ایک اسلامی گورنر کے مقرر کردہ ہوں (اشباہ والنظائر مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۷۹ منقولہ از فتاوٰی امام رشید الدین)

ترجمہ: ایک قاضی وقف کے کسی معاملہ میں متولی کی موجودگی میں دخل نہیں دے سکتا جبکہ اسی قاضی نے اس کو متولی بنایا ہو۔ (حموی شرح اشباہ مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۷۹ منقولہ از فتاوٰی امام ظہیر الدین)

ترجمہ: ایک بادشاہ نے ایک قاضی مقرر کیا اور اس کے بعد قاضی نے وقف کا ایک متولی مقرر کیا، اب بادشاہ کو کوئی تعلق اس وقف سے نہ رہا اور نہ کوئی اختیار اس کو ردوبدل کا باقی رہا۔ (لسان الحکام، منقولہ از فتاوی امام ثوری)

ترجمہ: ایک بادشاہ ایک متولی کے معاملہ میں دخیل نہیں ہوسکتا جبکہ حکام بالا یا گورنر جو کہ مسلمان نہیں اور جو اس قانون تولیت سے واقفیت بمقابلہ متولی نہیں رکھتے اس وقت متولی امام کو برخاست کرسکتا ہے جبکہ امام عقائد سنیہ کو ترک کردیتا ہے یا برملا شرع کی خلاف ورزی کرتا ہو یا کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہو جس سے نماز جماعت میں کمی واقع ہو یا کمیٹی کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہو جو مسجد سے متعلق ہو برخاست ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا۔ (ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ ج ۳ ص ۵۹۷)

ترجمہ: بحرالرائق میں ہے کہ ایک متولی بغیر امام کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک وقف سے تنخواہ پانے والا شخص بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا یا جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ وہ اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں قاصر ہے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

امر برقمہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدؐ المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مسئلہ ۳۵۴: از قصبہ حسن پور ضلع مرادآباد مرسلہ منشی ہدایت اللہ صاحب ۲۴ صفر ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ نواب غلام چشتی خان صاحب رئیس قصبہ حسن پور ضلع مرادآباد موضع عیسٰی پور بطریق زکوۃ ریاست وموضع بچی کھیرا بطور خیرات حقیت اپنی کو اول وقف کیا

سال ۱۲۸۴ھ میں اس حقیت موقوفہ کے بابت ایک وصیت نامہ سادہ تحریر کیا جس میں انتظام واہتمام تولیت جائداد موقوف اور مصارف خیر کی بابت شرائط درج کئے، چنانچہ تاحیات اپنی خود واقف ہر دو مواضعات مذکورہ کے مہتمم رہے اور بعض فوت ان کے نواب محمد عبدالکریم خان صاحب مرحوم یکے از واقف مہتمم مقرر ہوئے، وصیت نامہ میں واقف نے یہ شرط تحریر کی ہے اقرار یہ ہے کہ حین حیات اپنی آمدنی وپیداوار مواضعات مذکور جو لائق ہووے نسلاً بعد نسل اور بطنًا بعد بطن حسب دستور بطریقہ مستعملہ مجھ گنہگار کے صرف کرتا ہے، ۲۱/اکتوبر ۱۹۰۸ء کو مہتمم ثانی نے وفات پائی، اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ فقرہ نسلاً بعد نسل کے کیا معنی اور مطلب، اور نسل سے منشا واقف کا اپنی اولاد سے ہے یا مہتمم ثانی کی اولاد سے، اور شرعاً بعد فوت ہونے مہتمم ثانی کے اصل واقف کے اولاد میں سے مہتمم مقرر ہونا چاہئے یا مہتمم ثانی کی اولاد میں سے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب تک واقف کی اولاد صلبی سے کوئی مرد لائق باقی رہے گا اولاد اولاد کو تولیت نہ پہنچے گی، جب ان میں کوئی نہ رہے گا اس وقت اولاد اولاد سے کوئی لائق متولی کیا جائے گا اور ان میں جب تک کوئی رہا تیسرے درجہ سے مقرر نہ کیا جائے گا وعلی ھذا القیاس نسلاً بعد نسل اور بطنًا بعد بطن کے یہی معنی ہیں اس میں واقف کی اپنی اولاد واولاد اولاد واولاد اولاد اولاد، اولاد سب داخل ہیں مگر بترتیب کہ سب سے مقدم اولاد پھر اولاد اولاد، اولاد اولاد اولاد الٰی آخر الدہر۔ اسعاف میں ہے:

لایکون للبطن الاسفل شیئ مابقی من البطن الاعلی احد وھکذا الحکم فی کل بطن حتی تنتھی البطون موتا[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	بطن اسفل کو کچھ حق نہ ملے گا جب تک بطن اعلٰی میں سے کوئی ایک موجود ہے، اور یہی حکم تمام بطنوں کا ہے حتی کہ موت کے سبب بطون منتفی ہوجائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۵تا۳۵۶: مرسلہ حاجی محمد حسین صاحب رئیس از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

سوال اول: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد وقف کی اور دربارہ تولیت یہ شرط تحریر کی کہ بعد میرے میری اولاد سے ایک شخص از قسم ذکور جو لائق ہو

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۵۳

نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن حسب دستور مجھ گنہگار کے صرف کرتا رہے، آیا اس عبارت مذکورہ سے واقف کا منشا کسی خاص اولاد کی نسبتاً یعنی بیٹیوں کی پوتوں کی نسبت ہے یا اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

سوال دوم: جائداد موقوفہ کے اشخاص ذیل متولی ہو سکتے ہیں یا نہیں اور شرعاً لفظ لائق کن اشخاص سے مراد ہے؟

(۱) جو باوصف استطاعت بائیس سال سے نہ حج کرتا ہو نہ زکوٰۃ اور نہ عشر دے۔

(۲) جو علانیہ فسق وفجور مبتلا ہو۔

(۳) کیا تارک جماعت لائق متولی ہو سکتا ہے۔

(۴) جو طمع نفسانی سے متولی ہونا چاہے اور جس کو بیحد کوشش تولیت کی ہو۔

(۵) جو سود جائز سمجھ کر لیتا ہو۔

(۶) جو شطرنج اور تاش بازی میں مصروف رہتا ہو وہ قابل تولیت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

(۱) نہ اس میں ایسا خصوص ہے کہ بعضے طبقات اولاد کو اصلاً شامل نہ ہو، نہ ایسا عموم کہ ہر طبقہ کی اولاد معاً مستحق ہو بلکہ وہ جمیع طبقات کو بشرط ترتیب عام ہے یعنی جب تک خاص اولاد صلبی واقف سے کوئی مرد لائق تولیت باقی رہے گا پوتے اگرچہ لائق ہوں بلکہ الیق ہوں نہ پاسکیں گے لان الواقف انما شرط اللائق دون الالیق (واقف نے تولیت کے لئے لائق کی شرط لگائی ہے نہ کہ لائق ترین کی۔ت) اور جب اولاد صلبی سے کوئی مرد نہ ہو یا جتنے باقی ہوں ان میں کوئی لائق تولیت نہ ہو تو پوتوں میں جو لائق ہو اسے پہنچے گی اب ان میں کا جب تک کوئی لائق باقی رہے گا پر پوتوں کا استحقاق نہ ہوگا وعلی ھذاالقیاس الی انقراض النسل (اور اسی پر قیاس کرتے چلو یہاں تک کہ اس کی نسل ختم ہو جائے۔ت) اور نواسے بہر حال مستحق نہ ہوں گے جس نے نواسوں کو بھی شمول لکھ دیا خطا کی۔ فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

ان قال علی ولدی وولد ولدی یصرف الی اولادہ ابدا ماتناسلوا الاقرب والابعد فیہ سواء الا ان یذکر الاقرب	اگر واقف نے کہا کہ یہ چیز میری اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف ہے، تو یہ وقف اس کی اولاد کی طرف ہی پھیرا جائے گا جب تک اس کی اولاد کا سلسلہ جاری رہے گا۔ قریب وبعید والے

فالا قرب او یقول بطناً بعد بطن فیبدا بما بدأبه الواقف[1] (ملخصًا)	اس میں برابر ہوں گے یا اس نے یوں کہا یہ وقف ایک بطن کے بعد دوسرے بطن کے لئے ہے تو اسی سے ابتداء کریں گے جس سے واقف نے ابتداء کی ہے (ملخصًا)۔(ت)

اسی میں ہے:

ولدی لایدخل فیه ولدالبنت فی ظاھر الروایة وبه اخذھلال والصحیح ظاھر الروایة[2] (ملخصًا)	واقف کے کلام میں لفظ "ولدی" میں بیٹی کی اولاد داخل نہیں ظاہر الروایۃ کے مطابق اسی کو ھلال نے لیا ہے اور صحیح ظاہر الروایہ ہے (ملخصًا)۔(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

وقال ولدی وولد ولدی لایدخل فیه اولاد البنات فی ظاھر الروایة وعلیه الفتوی ھکذا فی محیط للسرخسی[3]	واقف نے اگر اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کا ذکر کیا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق بیٹی کی اولاد اس میں داخل نہیں، اور اسی پر فتوی ہے۔اور محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔(ت)

(۲) لائق وہ ہے کہ دیانت کار گزار ہوشیار ہو جس پر درباره حفاظت وخیر خواہی وقف اطمینان کافی ہو، فاسق نہ ہو جس سے بطمع نفسانی یا بے پروائی یا ناحفاظتی یا انہماک لہو ولعب وقف کو ضرر پہنچانے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو بدعقل یا عاجز یا کاہل نہ ہو کہ اپنی حماقت یا نادانی یا کام نہ کرسکنے یا محنت سے بچنے کے باعث وقف کو خراب کرے، فاسق اگرچہ کیسا ہی ہوشیار کار گزار مالدار ہو ہرگز لائق تولیت نہیں کہ جب وہ نافرمانی شرع کی پروا نہیں رکھتا کسی کار دینی میں اس پر کیا اطمینان ہو سکتا ہے، ولہٰذا حکم ہے کہ اگر خود واقف فسق کرے واجب ہے کہ وقف اس کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور کسی امین متدین کو سپرد کیا جائے پھر دوسرا تو دوسرا ہے۔ردالمحتار میں ہے:

قال فی الاسعاف ولا یولی الاامین قادربنفسه او بنائبه لان	اسعاف میں فرمایا ہے کہ متولی صرف اسی کو بنایا جائے گا جو امین ہو اور بذات خود یا اپنے نائب

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۹

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۲۹۔۷۲۸

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثالث فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۷۴

الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر تولیۃ الخائن لانہ یخل بالمقصود وکذا تولیۃ العاجزلان المقصود لایحصل بہ[1]۔	کے اعتبار سے وقف کی حفاظت پر قادر ہو کیونکہ ولایت نگرانی کی شرط سے مقید ہے اور خائن کو متولی بنانے میں نگرانی کا فقدان ہے کیونکہ خائن کی تولیت مخل مقصود ہے یہی حال عاجز کو متولی بنانے کا ہے کہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(وینزع وجوبا بزازیۃ(لو)الواقف درر فغیرہ بالاولی (غیر مامون)او عاجزا او ظھر بہ فسق کشرب خمر و نحوہ،فتح[2]۔	متولی سے ولایت وقف وجوبًا واپس لے لی جائیگی(بزازیہ اگرچہ وہ خود واقف ہو(درر)تو غیر واقف سے بدرجہ اولٰی واپس لے لی جائیگی جب کہ وہ امین نہ ہو یا عاجز ہو یا اس کا فسق شراب نوشی وغیرہ ظاہر ہوچکا ہو(فتح)۔(ت)

سود لینا گناہ کبیرہ ہے تو اس کا ارتکاب اگرچہ ایک ہی بار یقینا اجماعًا فاسق وبددیانت کردیگا جب کہ حرام جان کر کرے اور دارالاسلام میں جائز سمجھا تو فسق درکنار صریح کافر مرتد ہوجائے گا لاستحلالہ ماعلم حرمتہ ضرورۃ من الدین (اس چیز کو حلال جاننے کی وجہ سے جس کی حرمت ضروریات دین سے معلوم ہے۔ت) یونہی جو بلاعذر صحیح شرعی ترک جماعت کیا کرے فاسق ومردود الشہادۃ ہے۔غنیہ میں ہے:

تارکھا بلاعذر یعزر وترد شھادتہ[3]۔	بلاعذر ترک جماعت کرنے والے پر تعزیز لگائی جائے اور اس کی شہادت رد کردی جائے گی۔(ت)

نہرالفائق میں ہے:

ترکھا مرۃ بلاعذر یوجب اثما فی قول العراقیین والخرا سانیون علی انہ یاثم اذا اعتاد الترک کما فی القنیۃ[4]۔	بلاعذر ایک بار جماعت کو چھوڑنا عراقیوں کے قول کے مطابق موجب گناہ ہے اور خراسانی تب اس کو گناہگار قرار دیتے ہیں جب وہ ترک جماعت کو عادت بنالے، جیسا کہ قنیہ میں ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵
[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳
[3] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص۵۰۹
[4] بحوالہ الغنیۃ المنیۃ باب فی الجماعۃ مطبوعہ کلکتہ انڈیا ص۳۶

ردالمحتار صدر واجبات میں ہے:

الجماعة واجب کما فی البحر وصرحوا بفسق تارکھا[1]۔	راجح قول کے مطابق جماعت واجب ہے یا حکم واجب میں ہے جیسا کہ بحر میں ہے، اور مشائخ نے تصریح کی ہے کہ تارک جماعت فاسق ہے۔(ت)

مذہب صحیح ومعتمد پر زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے تو جو اس سال کی زکوٰۃ نہ دے یہاں تک کہ دوسرا سال گزر جائے گنہگار ہے، یونہی قول اصح وارجح پر حج کا وجوب، تو جس سال استطاعت ہو اسی سال جائے ورنہ گنہگار ہوگا، اور اگر زکوٰۃ یا حج بعد وجوب بلاعذر صحیح تین سال تک ادانہ کرے تو فاسق ہے نہ کہ بائیس سال۔ تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ میں ہے:

افتراضھا فوری وعلیه الفتوٰی فیأثم بتاخیرھا وترد شھادته[2]۔	زکوٰۃ کی فرضیت فوری ہوتی ہے اور اسی پر فتوی ہے تاخیر کرنے والا گنہگار ہے اور اس کی گواہی مردود ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع عن المنتقی بالنون اذا لم یؤد حتی مضی حولان فقد اساء واثم[3]۔	بدائع میں بحوالہ منتقی ہے کہ کسی نے زکوٰۃ ادا نہیں کی یہاں تک کہ اگلا سال ختم ہوگیا تو برا کیا اور گنہگار ہوا۔(ت)

درمختار کتاب الحج میں ہے:

فرض علی الفور فی العام الاول عند الثانی واصح الروایتین عن الامام ومالك واحمد فیفسق وترد شھادته بتاخیرہ ای سنینا لان تاخیرہ صغیرۃ و بارتکابه مرۃ لایفسق الابالاصرار، بحر[4]۔	حج کی فرضیت علی الفور ہوتی ہے اور پہلے ہی سال ادا کرنا چاہئے امام ابویوسف کے نزدیک، اور امام ابوحنیفہ سے منقول دو روایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق اور امام مالک واحمد کے مطابق چند سال مؤخر کرنے سے فاسق قرار دیا جائے گا اور اس کی شہادت مردود ہوگی کیونکہ تاخیر حج گناہ صغیرہ ہے اس کے مرتکب کو اس پر اصرار کے بغیر فاسق قرار نہیں دیا جائے گا، بحر۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۰۷

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۳

[4] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۰۔۱۵۹

عشر بھی ایک نوع زکوۃ ہے یا کم از کم اس کا حکم حکم زکوۃ ہے اور اسی طرح بعینہٖ اسی دلیل سے اس کا وجوب بھی فوری اور تین برس تک نہ دینے میں فسق۔ ردالمحتار میں ہے:

العشر ذکرہ فی الزکوٰۃ لانہ منہا قال فی الفتح لاشك انہ زکوٰۃ حتی یصرف مصارفہا اھ وایدہ الشیخ اسمٰعیل بانہ یجب فیما لایؤخذ منہ سواہ ولایجامع الزکوٰۃ بتسمیتہ فی الحدیث صدقۃ واختلافہم فی وجوبہ علی الفور اوالتراخی کما فی الزکوٰۃ[1]۔	عشر کو ماتن نے زکوۃ میں ذکر کیا کیونکہ یہ زکوۃ میں سے ہی ہے۔ فتح میں کہا کہ بے شک عشر زکوۃ ہے یہاں تک کہ اس کو مصارف زکوۃ پر صرف کیا جاتا ہے اھ اور شیخ اسمٰعیل نے اس کی تائید کی بایں طور کہ عشر انہی چیزوں میں واجب ہوتا ہے جن میں اس کے سوا کچھ نہیں لیا جاتا اور یہ زکوۃ کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، اور حدیث میں عشر کا نام صدقہ رکھنے اور زکوۃ کی طرح اس کے وجوب علی الفور اور وجوب علی التراخی میں فقہاء کے اختلاف سے بھی اس کا زکوۃ ہونا ہی معلوم ہوتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الامر بالصرف الی الفقیر معہ قرینۃ الفور وھی انہ لدفع حاجتہ وھی معجلۃ فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجہ التمام وتمامہ فی الفتح[2]۔	عشر کو فقیر پر صرف کرنے کا حکم قرینہ ہے اس کے وجوب علی الفور پر، کیونکہ یہ دفع حاجت کے لئے ہے اور حاجت معجّل ہے تو اگر اس کا وجوب علی الفور نہ ہو تو اس کے ایجاب کا مقصود پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتا اس کی تفصیل فتح میں ہے (ت)

شطرنج اگر ترک جماعت وغیرہ منکرات کی طرف مؤدی یا ان پر مشتمل ہو بالاتفاق حرام ہے اور اس کی عادت مطلقاً ممنوع اور بحکم تجربہ ضرور داعی معاصی، اور تاش اور اسی طرح گنجفہ بوجہ اشتمال واعزاز تصاویر مطلقاً بلاشرط ممنوع وناجائز ہے اور مصروف رہنا فسق۔ درمختار میں ہے:

کرہ کل لہولقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل لہو المسلم حرام الاثلثۃ	ہر کھیل مکروہ ہے حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناپر کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۱۔۱۳۰

ملاعبته اهله وتادیبه لفرسه ومناضلته بقوسه[1]۔	ہے سوائے تین کھیلوں کے: اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا اور اپنے گھوڑے کی تعلیم وتادیب کرنا اور سبقت کے لئے اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا۔(ت)

رہاوہ شخص کہ اپنے لئے تولیت کی کوشش کرے اگر ثابت ہو کہ یہ کوشش بطمع نفسانی ونیت فاسدہ ہے جب توظاہر ہے کہ اسے متولی بناناحرام لان الشرط کونه امینا والطالب لطمع غیر امین (تولیت کے لئے شرط ہے کہ متولی امین ہو اور حرص وہوا کے لئے تولیت کا مطالبہ کرنے والا غیر امین ہے۔ت) اور ایسا نہیں تو اگر اس کے لئے تولیت ثابت ہے صرف اس کا نفاذ چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں اگرچہ کسی قدر کوشش کرے کہ یہ کوشش حق کے لئے ہے اور حق کے لئے کوشش حق ہے مثلاً واقف نے شرط کی کہ میری اولاد ذکور سے جو لائق ہو متولی ہو، یہ شخص اس کی اولاد ذکور سے ہے اور جملہ شرائط مذکورہ لیاقت کا جامع ہے تو اس کی کوشش بے جانہیں، اور اگر اس کے لئے تولیت ثابت نہیں پھر تحصیل تولیت کے لئے کوشش کرتا ہے تو اسے متولی نہ کرنا چاہئے اگرچہ کیسا ہی لائق ہو۔ درمختار میں ہے:

طالب التولیة لایولی الاالمشروط له النظر لانه مولی فیرید التنفیذ، نهر[2]۔	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا سوائے اس کے جس کے لئے تولیت مشروط ہوچکی ہو کیونکہ وہ بسبب شرط کے متولی ہوچکا ہے اور اب اس کی تنفیذ چاہتا ہے، نہر۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انالن نستعمل علی عملنا من ارادہ[3]۔ رواہ احمد و البخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ہم ہر گز اپنے دینی کام پر اسے مقرر نہ کریں گے جو خود اس کی خواہش کرے (اس کو امام احمد بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے سیدنا حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

طالب التولیۃ لایولی کمن طلب القضاء لایقلد فتح وھل المراد انہ لاینبغی اولایحل استظھر فی البحر الاول تأمل[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا جیسا کہ طالب قضاء کا مطالبہ نہیں مانا جاتا، فتح، کیا اس سے مراد یہ ہے کہ مناسب نہیں یہ مراد ہے کہ حلال نہیں، بحر میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے، غور کر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۷: مرسلہ مولوی سلیمان صاحب اکبر آبادی ۲۳ شعبان ۱۳۲۸ھ

زید ایک انجمن اسلامیہ کا سکرٹری ہے اور پیشہ وکالت کرتا ہے اور لوگوں کو سود کی ڈگریاں دلواتا ہے اور خلاف حق مقدمات میں کوشش کرنے سے نہیں بچتا اور اکثر اوقات عقائد سرسید احمد خان کا مداح رہتا ہے ایسا شخص آیا منتظم امور اہل اسلام یعنی سکریٹری انجمن اسلامیہ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور جو اہل اسلام اس کو اپنا سکریٹری بنائیں ان کا کیا حکم؟

الجواب:

امور بالا سے تو یہ شخص فاسق فاجر ہوتا مگر عقائد کفریہ کافر کا مداح خود کافر و مرتد ہے اور کافر کسی طرح مسلمانوں کے کسی کام کا والی نہیں ہوسکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾"[2]۔	اور ہرگز اللہ تعالٰی کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہیں دے گا۔ (ت)

ان سے استعانت ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انالانستعین بمشرک**[3] (بیشک ہم کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔ ت) جو ایسے کی سپردگی میں مسلمانوں کا کام دے اس نے اللہ و رسول اور سب مسلمانوں کی خیانت کی۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل علی عصابۃ رجلا وفیھم من ھو ارضی منہ للہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین[4]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	جس نے کسی شخص کو ایسی جماعت مسلمین پر عامل بنایا جس جماعت میں اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی شخص موجود ہے تو اس نے اللہ تعالٰی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[3] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد الاستعانۃ بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸، المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۱۵۰۰۹ کتاب الجہاد ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[4] المستدرک للحاکم کتاب الاحکام الامارۃ اماتہ دارالفکر بیروت ۴/ ۹۳۔ ۹۲

سلم اور تمام مومنوں سے خیانت کی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۸: مرسلہ احمد نبی خان از مراد آباد ۲۶ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اہل اسلام عادل اور ثقہ نے بلا تحریر وقف نامہ کے ایک جائداد جس کو عرصہ زائد ایک سوسال کا ہوا، بدون مصارف کے وقف کیا اگرچہ وقف واقف کا کوئی گواہ زندہ نہیں ہے مگر بعد وفات واقف کے تمام مرد عورت عادل وصالح اہل خاندان واقف کے وقتاً فوقتاً متولی ہوتے رہے کبھی کوئی شخص غیر خاندان کا متولی نہیں ہوا اور باعتبار اس عملدرآمد کے منشائے واقف بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے اہل خاندان صالح اور عادل کے اور کوئی متولی نہ کیا جائے، اب ایک مسماۃ متولیہ اہل خاندان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک شخص غیر خاندان کے نام ایک وصیت نامہ لکھ دیا ہے کہ بعد میرے وہ متولی کیا جائے اہل خاندان واقف جن میں اکثر مرد صالح اور عادل ہیں یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ شخص جس کو متولی ہونا بیان کیا جاتا ہے فاسق اور غیر خاندان واقف سے ہے، اس کو بمقابلہ اہل خاندان صالح کے حق تولیت حسب وصیت حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:

جس وقف کے شرائط واقف معلوم نہ ہوں اور طول مدت کے سبب گواہان مشاہدہ نہ رہے ہوں اس میں عملدرآمد قدیم پر کارروائی کی جائے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قدصرح فی الذخیرۃ بانہ اذااشتبھت مصارف الوقف ینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان، فیبنی علی ذٰلک لان الظاھر انھم کانوا یفعلون ذٰلک علی موافقۃ شرط الواقف وھو المظنون بحال المسلمین فیعمل علی ذلک[1]۔	تحقیق ذخیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ اگر مصارف وقف میں اشتباہ ہو تو زمانہ قدیم سے اس وقف میں جاری معلوم کو دیکھا جائے گا اور اسی پر بناء کی جائے گی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ متولیان سابقہ شرط واقف کے مطابق ہی ایسا کرتے ہوں گے اور مسلمانوں کے حال کے بارے میں یہی گمان غالب ہے لہٰذا اسی پر عمل کیا جائیگا۔ (ت)

اسی میں کتاب الوقف للخصاف سے ہے:

اذاوجد شرط الواقف فلاسبیل	جب واقف کی شرط موجود ہو تو اس کی مخالفت کی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۔۱۲۲

الی مخالفته، واذافقد عمل بالاستفاضة والاستیمارات العامة المستمرة من تقادم الزمان[1]۔	کوئی راہ نہیں اور اگر شرط واقف مفقود ہو تو قدیم زمانوں سے متولیوں کا جو عملدرآمد اور معمول اس وقف کے بارے میں مشہور ومعروف چلاآرہاہے اسی پر عمل کیاجائے گا۔(ت)

علاوہ بریں خود حکم شرع ہے کہ جب تک اقربائے واقف میں کوئی شخص لائق تولیت ہو بیگانہ آدمی متولی نہ کیاجائے، درمختار میں ہے:

مادام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب، لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف الیهم[2]۔	جب تک واقف کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی صالح تولیت موجود ہو اجنبیوں میں سے کسی کو متولی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ یہ وقف کے معاملہ میں زیادہ شفیق واقع ہوگا اور اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وقف کی نسبت اس کے خاندان کی طرف قائم رہے۔(ت)

پھر اس شخص غیر کا فاسق ہونا سب پر طرہ ہے فسق کے بعد تو خود واقف اگر متولی ہو تو وہ بھی معزول کردیا جائے گا نہ کہ اجنبی فاسق کو متولی کیاجائے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیره بالاولی غیرمامون او عاجز او ظهر به فسق کشرب خمر ونحوه، فتح[3]۔	متولی سے ولایت وقف بطور وجوب واپس لی جائیگی اگرچہ خود واقف ہو جبکہ وہ امین نہ ہو یا عاجز ہو یا اس سے کوئی فسق شراب نوشی وغیرہ کی مانند ظاہر ہو (جب واقف کا حال یہ ہے) تو غیر واقف سے بدرجہ اولٰی ولایت وقف صورت مذکورہ میں واپس لیناواجب ہوگا، فتح۔(ت)

لہٰذا وصیت پر عمل نہیں بلکہ خاندان واقف سے کسی صالح متدین ہوشیار کار گزار کو متولی کیاجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۹: مولوی حشمت علی ساکن گڑھیا ۲/رجب المرجب ۱۳۳۱ھ

کیاہندو وغیرہ کفار متولی مسجد وغیرہ او قاف ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو عالمگیری کی اس عبارت

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۲۳

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ولایشترط الحریة والاسلام [1] الخ (اس میں حریت واسلام شرط نہیں الخ۔ت) کا کیا مطلب لیا جائیگا اور ایک ہندو مسجد کا حوض اپنے روپے سے بنانا چاہتا ہے۔بینوا توجروا۔

الجواب:

فقیر نے یہاں حاشیہ ردالمحتار میں لکھا:

اقول:وباللّٰہ التوفیق عدم اشتراط للصحة لایستلزم عدم اشتراطه للحل وقدتقدم فی کتاب الزکوٰۃ باب العاشر تحریم جعل کافر عاشر الان فیه تعظیمه وھو حرام وعن شرح السیر الکبیر ان امیر المؤمنین رضی اللّٰہ تعالٰی عنه کتب الی سعد بن ابی وقاص رضی اللّٰہ تعالٰی عنه لاتتخذ احدامن المشرکین کاتباعلی المسلمین قال وبه ناخذ لقوله تعالٰی لاتتخذوا بطانة من دونکم ویأتی فی الاضحیة کرہ ذبح الکتابی وتعلیله بانه لاینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین وقد صح عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم انالانستعین بمشرك وقدعلم تحریم تولیة الخائن وھذاربنا عزوجل یقول"لا یالونکم خبالا" واللّٰہ الموفق [2] اھ ما کتبت علیه۔	میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ صحت کے لئے شرط نہ ہونا حل کے لئے شرط نہ ہونے کو مستلزم نہیں اور کتاب الزکوٰۃ باب العاشر میں گزر چکا ہے کہ کافر کو عاشر مقرر کرنا حرام ہے کیونکہ اسے عاشر بنانے میں اس کی تعظیم ہے اور کافر کی تعظیم حرام ہے، سیر کبیر کی شرح سے منقول ہے کہ امیر المومنین (عمر) رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کو لکھا کہ مسلمانوں کے معاملات کیلئے کسی مشرک کو کاتب مت بنانا اور شارح سیر کبیر نے کہا کہ ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں بدلیل اس ارشاد الٰہی کہ "(اے ایمان والو!) غیروں کو اپناراز دار مت بناؤ"۔ کتاب الاضحیہ میں آرہا ہے کہ کتابی کا ذبیحہ مکروہ ہے اور اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ امور دینیہ میں کافر سے مدد نہیں مانگنی چاہئے،اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول یہ حدیث مرتبہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ بیشک ہم مشرک سے مدد نہیں طلب کرتے،اور تحقیق خائن کو متولی بنانے کی حرمت معلوم ہو چکی ہے اور ہمارا رب عزوجل یہ ارشاد فرماتا ہے کہ "وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے" اور اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ردالمحتار پر میرا حاشیہ ختم ہوا۔(ت)

اس سے حکم مسئلہ واضح ہو گیا کہ کافر کو متولی کیا جائے تو ہو جائے گا مگر اسے متولی کرنا، کوئی امر دینی

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الخامس فی ولایة الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۸

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

اس کو اختیار میں دینا حرام ہے اور اسے معزول کرنا واجب، نہ کہ خاص مسجد پر کہ اعظم او قاف دینیہ ہے۔

مؤذن گریباں گرفتش کہ ہین سگ و مسجد اے فارغ از عقل و دیں

(مؤذن نے اس (بے دین) کا گریبان پکڑا کہ خبر دار! کتے اور مسجد کا کیا تعلق اے عقل اور دین نہ رکھنے والے۔ت)

ہندو سے کسی کار دینی میں مدد نہ لی جائے گی وہ اس میں مسجد و مسلمانان پر اپنا احسان سمجھے گا۔**اللّٰھم لاتجعل لفاجر علی یدًا**[1] (اے اللہ! مجھ پر کسی فاجر کا احسان مت رکھ۔ت) دعائے ماثورہ ہے،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۶۰ تا ۳۶۵: از مراد آباد بتوسط حاجی امیر اللہ صاحب ۱۶/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید ایک مسجد کا جس کی آمدنی مستقل زائد از بیس روپے ماہوار ہے مدت سے متولی ہے، مسجد میں قطعی بندوبست نماز کا بغیر صلٰوۃ جمعہ نہیں، جس کا دل چاہا خواہ فاسق معلن ہو یا بے علم اس نے امامت کرلی، اور اکثر اوقات نزاع وفساد در بارہ امامت ووقت رہتا ہے، متولی مذکور صراحۃً و کنایۃً ان مکروہات کے انسداد کے واسطے فہمائش منجانب مصلیان ہوئی بھی تو قطعی خیال نہ کیا، زیادہ سے زیادہ مسجد کے خرچ میں درمیان پانچ یا چھ روپیہ ماہوار کے آتا ہے، علاوہ اس کے مسجد کی خدمت در بارہ صفائی بھی کماحقہ نہیں ہوتی بلکہ پانی سقایہ ونیز اس کا سرما میں گرم ہونا بیشتر چندہ سے ہوتا ہے۔ پس ایسی حالت میں متولی مذکور قابل رہنے کے ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کی آمدنی کا روپیہ کس شخص کو خواہ متولی ہو یا دیگر اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جس مسجد کی آمدنی اتنی معقول ہو اس میں اگر دوسرا شخص بطور چندہ یا اپنی طرف سے مسجد کی خدمت کرے تو وہ ماجور ہوگا یا نہیں اور مسجد اس چندہ کو شرعًا قبول کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۴) اگر متولی لطائف الحیل سے ضروریات مسجد کو ٹال دے یعنی نماز وامامت اور باوجود ضروریات دین اور نیز فہمائش کے مسجد کی خدمت کماحقہ ادا نہ کرے نہ خود امامت کرے بلکہ دن رات نفسانی ہوا وہوس میں مشغول رہے اور اسی بناء پر امامت سے اعراض کرے تو اس کا کیا حکم ہے و شرع شریف کے نزدیک ایسا متولی قابل رکھنے کے ہے یا نہیں؟

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب المحبۃ بیان حقیقۃ المحبۃ الخ دار الفکر بیروت ۹/ ۵۵۴

(۵) محض خالصًا لوجہ اللہ والناس جواب ہونا چاہئے انہیں صورتوں میں جب کہ امام مقتدیوں سے ضروریات شرعیہ میں ہر طرح سے کم ہے اور پھر بھی امام بنا ہے تو علاوہ نماز خراب ہونے کے متولی بھی اس گناہ میں ماخوذ ہوگا یا نہیں؟ اور اول مقتدیوں کی نماز جو اس امام سے علم و فضل میں زائد ہیں کس درجہ تک ناقص ہوگی یا قطعی نہ ہوگی؟

(۶) اگر کوئی شخص شرارتًا و باغوائے متولی قبروں پر مع جوتیاں چڑھتا ہو اور ہانڈی کا دھوون، پان کی اگال، استنجا قبروں پر کرتا ہو تاکہ اوروں کو جو اس شرارت سے روکتے ہیں ایذا ہو تو ایسے شخص اور متولی کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) جب کہ مسجد کی آمدنی بیس ۲۰ روپیہ ماہوار سے زائد ہے اور متولی صرف پانچ چھ روپے خرچ کرتا ہے باقی کا پتا نہیں دیتا اور مسجد کی ضروریات مثل صفائی وغیرہ معطل رہتے ہیں یا چندہ سے ہوتے ہیں تو اس کا ظاہر حال خیانت ہے اگر وجہ معقول و حساب صحیح پیش نہ کرے معزول کرنا لازم ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولوالواقف فغیرہ اولی لو غیر مأمون[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	متولی خائن سے ولایت وجوبًا واپس لے لی جائیگی اگر وہ خود واقف ہو لہٰذا غیر واقف سے تو بدرجہ اولٰی ولایت واپس لینا واجب ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

(۲) مسجد کی آمدنی کو کوئی شخص اپنے ذاتی صرف میں نہیں لاسکتا مگر متولی بقدر اجرت مثل یعنی اتنے کام پر عرف میں کیا ماہوار ہوتا ہے اتنا پاسکتا ہے۔

(۳) پاک مال نیک نیت سے مسجد کی خدمت کرنے والا ضرور ماجور ہے اور مسجد اسے قبول کرسکتی ہے اگرچہ مسجد کی آمدنی کثیر ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) امامت ذمہ متولی لازم نہیں اور ہوا و ہوس اگر تاحد فسق نہ ہو مانع تولیت نہیں اور ضروری خدمتوں میں تقصیر یا بربنائے عجز ہوگی یا بربنائے بے پروائی دونوں صورتوں میں لائق عزل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) مفضول فاضل کی امامت کرسکتا ہے جب کہ شرائط صحت وجواز امامت کا جامع ہو اس سے فاضل کی نفس نماز میں کوئی نقص آئے گا نہ متولی پر اس کا الزام ہے، ہاں اگر متولی دیدہ دانستہ افضل

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

کے ہوتے ہوئے مفضول کو امام کرے تو وہ اس حدیث کا مورد ہے کہ:

من استعمل علی عشرۃ من فیھم ارضی منہ للّٰہ تعالٰی فقد خان اللّٰہ ورسولہ والمؤمنین [1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کو افسر کیا کہ نظر شرع میں اس سے بہتر ان میں موجود تھا تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمان سب کی خیانت کی۔

(٦) قبر مسلم کا ادب واجب ہے اس پر استنجا کرنا حرام ہے اس پر اگال یا دھون ڈالنا توہین ہے، اس پر بلاضرورت و مجبوری شرعی پاؤں رکھنا ناجائز ہے، نہ کہ معاذاللہ اس پر جوتا پہنے چڑھنا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیرلہ من ان یجلس علی قبر [2]۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	بیشک تم میں کسی کا چنگاری پر بیٹھنا کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے اس کے حق میں قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔ (اس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لان امشی علی جمرۃ او سیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم [3]۔	بیشک مجھے آگ یا تلوار پر چلنا مسلمانوں کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔

اس میں بکثرت احادیث وروایات ہمارے رسالہ اھلاك الوھابیین [4] میں ایسا کرنے والا سب سے سخت عذاب کا مستحق ہے اور متولی کہ ایسے فعل کا اغوا کرتا ہے اس سے بھی بدتر ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ع عن حذیفہ حدیث ۱۴۶۵۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۹

کنز العمال میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ایما رجل استعمل رجلا علی عشرۃ انفس علم ان فی العشرۃ افضل ممن استعمل فقد غشی اللّٰہ وغشی رسولہ وغشی جماعۃ المسلمین جبکہ مستدرک حاکم میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: من استعمل رجلا من عصابۃ وفی تلک العصابۃ من ھو ارضی للّٰہ منہ فقد خان اللّٰہ وخان رسولہ وخان المومنین۔ ملاحظہ ہو جلد ۴ ص ۹۲ مطبع دار الفکر بیروت۔

[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی النھی عن الجلوس علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۲

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی النھی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[4] رسالہ ہذا (اھلاک الوھابیین) فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضافاؤنڈیشن جلد ۹ ص ۴۲۹ پر موجود ہے۔

مسئلہ ۳۶۶: از بریلی بہاری پور معماران مسئولہ رحیم بخش صاحب ۵ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص کی معرفت جو بہت معزز صاحب تھے کام مسجد کے واسطے خشت خریدی گئی اور وہ خشت مسجد کے کام میں آئی، روپیہ اسکا جو مسجد کے چندہ کا جمع تھا ان صاحب کو دے دیا گیا۔ اس شخص نے روپیہ مالک بھٹہ کو نہیں دیا اپنے پاس صرف کرلیا۔ مالک بھٹہ نے نالش مہتمم مسجد پر کردی آخر کار ڈگری مہتمم مسجد پر ہوگئی اور اس کا روپیہ جس قدر تھا وہ مہتمم مسجد نے فی الحال دیا اب مہتمم مسجد وہ روپیہ کس طرح سے وصول کرے اور وہ شخص کہ جس نے روپیہ اپنے پاس صرف کرلیا ہے۔ زیادہ حد ادب۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوتا ہے کہ نالش کا روپیہ اس نے اپنے مال سے دیا اس کا معاوضہ زر مسجد سے نہیں لے سکتا، وہ شخص جس نے روپیہ مار لیا اس سے حتی الامکان مسجد کا روپیہ وصول کرے وہ غاصب ہے، مرتکب غصب مستحق غضب ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۶۷ تا ۳۷۴: از سہسوان ضلع بدایوں مرسلہ مولوی سید پرورش علی صاحب ولد مولوی سید عبدالعزیز صاحب ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) متولی وقف کے مسکن وصندوق سے مال وقف چوری گیا تاوان لازم یا نہیں؟

(۲) مدرسین وقف کو دو چار چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ دینا روا یا ناروا؟

(۳) متولی کو مال وقف بطور قرض اپنے صرف میں لانا پھر ادا کرنا روا یا ناروا؟

(۴) مال وقف سے کسی مسلمان کو قرضہ دینا روا یا ناروا؟

(۵) کتب وقف ایک مدرسہ دوسری جگہ مستعار دینا روا یا ناروا؟

(۶) دو مدرسوں کے متولی کو ایک وقف کا مال دوسرے میں صرف کرنا بطور قرض روا یا ناروا؟ اور واقف دونوں وقف کے جدا جدا ہیں۔

(۷) زمین مشترک کا روپیہ ایک شریک وصول کرتا ہے قبل تقسیم اپنے صرف میں لانا یا کسی مسلمان کو اس میں سے قرض دینا جائز یا نہ؟

(۸) تعمیر مدرسہ کے واسطے بمشورہ مسلمین قرض لینا روا یا ناروا؟ حنفی کی معتمدات سے جواب عنایت ہو مع حوالہ کتاب۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر متولی نے کوئی بے احتیاطی نہ کی تو اس پر تاوان نہیں **لانہ کالوصی امین فالقول قولہ بیمین** (کیونکہ وہ (متولی) وصی کی طرح امین ہے تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔ت) اور اگر بے احتیاطی کی مثلاً صندوق کھلا چھوڑ دیا غیر محفوظ جگہ رکھا تو اس پر تاوان ہے **لان الامین بالتعدی ضمین** (کیونکہ تعدی کی وجہ سے امین پر ضمان لازم ہوتا ہے۔ت)

(۲) روا نہیں مگر جہاں اجازت واقف یا تعامل قدیم ہو **لانہ یحمل علی المعھود من عند الواقف** (کیونکہ یہ خود واقف کی طرف سے معہود پر محمول ہوگا۔ت)

(۳) حرام حرام **لانہ تعدی علی الوقف والقیم اقیم حافظ لامتلف** (کیونکہ یہ وقف پر تعدی ہے حالانکہ متولی کو بطور محافظ مقرر کیا جاتا ہے نہ کہ ضائع کرنے والا۔ت)

(۴) نہ، **لانہ صرف فی غیر المصرف** (کیونکہ یہ غیر مصرف میں صرف کرنا ہوا۔ت)

(۵) شرط واقف کا اتباع کیا جائے گا اگر منع کردیا ناجائز ہے، اور اگر یہ شرط کردی کہ کتاب جو عاریۃً لے جانا چاہے اتنا مال اس کے عوض گویا بطور گروی رکھا جائے تو یونہی کیا جائے گا بے اس کی اجازت نہیں اور اگر بلاشرط عاریۃً کی اجازت قوم یا اشخاص خاص کو دی تو انہیں کے لئے اجازت ہوگی اور عام تو عام **لقولھم شرط الواقف کنص الشارع**[1] **والمسألۃ فی الاشباہ والنھر والدر المختار ورد المحتار وھذا حاصل ماتقرر** (بسبب فقہاء کے اس قول کے کہ شرط واقف وجوب عمل میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح ہے اور یہ مسئلہ اشباہ، نہر، درمختار اور ردالمحتار میں ہے جو کچھ اس پر وہاں تقریر کی گئی یہ اس کا خلاصہ ہے۔ت) **(۶)** ناجائز ہے،

لان الاقراض تبرع والتبرع اتلاف فی الحال والناظر للنظر لاللاتلاف ومسألۃ اختلاف الواقف اوالجھۃ مذکورۃ فی التنویر والدر ودائرۃ فی الاسفار الغر۔	قرض دینا تبرع ہے اور تبرع فی الحال تلف کرنا ہے جبکہ متولی تو حفاظت کے لئے ہوتا ہے نہ کہ تلف کرنے کے لئے اور واقف وجہت وقف کے اختلاف کا مسئلہ تنویر، در اور جلیل القدر ضخیم کتابوں میں مذکور ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰، الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الاولی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۳ و کتاب التعریف ۱/ ۳۰۵

(۷) اپنے حق تک صرف کرسکتا ہے۔

(۸) متولی کو وقف پر قرض لینے کی دو شرط سے اجازت ہے ایک یہ کہ امر ضروری و مصالح لابدی وقف کے لئے باذن قاضی شرع قرض لے اگر وہاں قاضی نہ ہو خود لے سکتا ہے، دوسرا یہ کہ وہ حاجت سوائے قرض اور کسی سہل طریقہ سے پوری نہ ہوتی ہو مثلاً وقف کا کوئی ٹکڑا اجارہ پر دے کر کام نکال لینا۔ درمختار میں ہے:

لاتجوز الاستدانة علی الوقف الااذااحتیج الیھا لمصلحة الوقف کتعمیر وشراء بذر فیجوز بشرطین، الاول اذن القاضی فلو یبعد منه یستدین بنفسه، الثانی ان لاتتیسر اجارة العین والصرف من اجرتھا و الاستدانة القرض والشراء نسیئة [1]۔	وقف پر قرض لینا متولی کو جائز نہیں مگر اس وقت جائز ہے جبکہ اس کی حاجت ہو جیسے وقف کی مرمت یا زمین وقف میں کاشت کے لئے بیج خریدنا، تو اس صورت میں دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے شرط اول یہ ہے کہ اذن قاضی سے قرض لے اگر قاضی دور ہو تو متولی از خود قرض لے سکتا ہے، شرط ثانی یہ ہے کہ عین وقف کو اجارہ پر دینا اور اس کی اجرت سے خرچ کرنا ممکن نہ ہو۔ استدانت سے مراد قرض لینا اور شراء سے مرادادھار پر خریدنا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المختار انه اذالم یکن من الاستدانة بد تجوز بامرالقاضی ان لم یکن بعیداعنه،امامالہ منه بد کالصرف علی المستحقین فلا کما فی القنیة الاالامام و الخطیب والمؤذن فیما یظھر لقوله فی جامع الفصولین لضرورة مصالح المسجد اھ والا الحصیر والزیت بناء علی القول بانھما من المصالح وھو الراجح،ھذاخلاصة ما اطال فی البحر [2] اھ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	مختار یہ ہے کہ اگر قرض کرلینے سے چھٹکارا نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے جائز ہے جبکہ قاضی دور نہ ہو لیکن اگر اس سے چھٹکارا ہوسکتا ہے تو جائز نہیں جیسے مستحقین پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ مگر امام، خطیب اور مؤذن پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا جائز ہے جیسا کہ جامع الفصولین کے قول سے ظاہر ہے کیونکہ اس میں مسجد کی مصلحت ہے اھ اور اسی طرح مسجد کے لئے چٹائی اور تیل وغیرہ کے لئے قرض لینا بھی جائز اس قول کی بناء پر کہ یہ مصالح مسجد میں سے ہیں اور یہی راجح ہے، یہ بحر کی طویل بحث کا خلاصہ ہے اھ واللہ اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۹

مسئلہ ۳۷۵: مسئولہ فیض رسول خاں ساکن چاند پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ولی حسین خاں نے عرصہ اکتیس سال سے تحریر تولیت نامہ حقیت موضع پرتیت پور پرگنہ نواب گنج محلّہ باغ کے قابض کرکے متولی مقرر کردیا، بعدہ پندرہ برس کے ولی حسین خان فوت ہوئے اس کے بعد کو بھی متولی بدستور پندرہ سال تک اور کام تولیت کا انجام دیتا ہے اور اب تک قابل انجام وہی کام تولیت کے ہے۔اب تقی حسین خاں پسر ولی حسین خاں نے جبر ناجائز دے کر متولی سے دستبرداری لکھائی اور جائداد موقوفہ سے ایک باغ رد کراکر اپنے ملازم سے مشتری باغ ظاہر کرایااور آمدنی خیر کو مصارف ناجائز میں صرف کرنا شروع کیا۔جواب بالا میں متولی سابق برخاست ہوسکتا ہے اور تقی حسین خاں قابل تولیت کے ہوسکتا ہے اور تصرف ناجائز آمدنی خیر میں عنداللہ وعندالرسول کے کیا احکام ہیں؟

الجواب:

دستاویز دست برداری ملاحظہ ہوئی وہ دست برداری مطلق نہیں بلکہ بحق تقی حسین خاں ہے اور پیش قاضی بقبول قاضی نہیں بلکہ بطور خود ہے اور مرض الموت متولی میں نہیں بلکہ اس نے اپنی صحت میں کی ہے اور دستاویز وقف ملاحظہ ہوئی، اس میں واقف سے متولی کو کوئی اختیار اپنے عزل اور دوسرے کے نصب کا نہیں دیا۔پس دست برداری مذکور محض مردود و باطل ہے اس سے نہ فیض رسول خاں کی تولیت زائل نہ تقی حسین خاں کو اصلاً کوئی حق حاصل بلکہ فیض رسول خان بدستور متولی اور تقی حسین خان نرا اجنبی ہے اگرچہ وہ بددیانتی بھی نہ کرے اور بحال بددیانتی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خود واقف بھی اگر متولی ہوتا فوراً نکال دیا جاتا نہ کہ دوسرا شخص۔درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عاماصح والالایصح[1] (ملخصًا)	متولی نے اپنی زندگی میں کسی اور کو اپنی جگہ متولی بنانا چاہا اگر تو اس کو واقف کی طرف شرط کے تحت عام تفویض تولیت کی اجازت حاصل ہے تو صحیح ورنہ نہیں۔(ملخصًا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

معنی العموم کمافی انفع الوسائل انہ	عموم کا معنی جیسا کہ انفع الوسائل میں ہے یہ ہے

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

ولاہ واقامہ مقام نفسہ، وجعل لہ ان یسندہ الی من شاء ففی ھذہ الصورۃ یجوز التفویض منہ فی حال الحیوۃ[1]۔	کہ واقف نے اس کو متولی بنایا اور اس کو اپنے قائم مقام کردیا اور اسے اختیار دیا کہ وقف کو جس کی طرف چاہے منسوب کردے تو اس صورت میں اس کو اپنی زندگی میں تفویض تولیت جائز ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الفراغ مع التقریر من القاضی عزل لاتفویض ویدل علیہ قولہ فی البحر اذاعزل نفسہ عندالقاضی فانہ ینصب غیرہ وبہ ظھران قولھم لایصح اقامۃ المتولی غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ مقید بمااذالم یکن عند القاضی، ولایرد ان العزل یکفی فیہ مجرد علم القاضی لان الفراغ عزل خاص مشروط فانہ لم یرض بعزل نفسہ الا لتصیر الوظیفۃ لمن نزل لہ عنہا[2] اھ مختصرا۔	متولی کا فارغ ہونا جبکہ قاضی دوسرے کو مقرر کرے عزل ہے تفویض نہیں اسی پر دلالت کرتا ہے بحر میں اس کا قول کہ اگر متولی نے قاضی کے پاس خود کو معزول کرلیا تو قاضی کسی دوسرے کو مقرر کرے، اسی سے ظاہر ہوا کہ فقہاء کا یہ قول کہ متولی اپنی زندگی میں حالت صحت میں غیر کو اپنے قائم مقام نہیں کرسکتا مقید ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ قائم مقام کرنا قاضی کے پاس نہ ہو۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ عزل میں تو صرف قاضی کو علم ہونا کافی ہے عدم ورود کی وجہ یہ ہے کہ فراغ ایک خاص مشروط عزل ہے کیونکہ متولی اپنی معزولی پر صرف اس صورت میں رضامند ہوا کہ ولایت اسی کی طرف منتقل ہو جس کے لئے اس نے معزولی اختیار کی اھ اختصارًا (ت)

درمختار میں ہے:

وینزع وجوبًا بزازیۃ، لو الواقف درر، فغیرہ بالاولٰی غیر مامون[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خائن متولی سے وجوبًا ولایت لے لی جائے گی (بزازیہ) اگر وہ متولی خود واقف ہو (درر) تو خیانت کے سبب غیر واقف سے بدرجہ اولٰی ولایت لے لینا واجب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۲-۴۱۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۲-۴۱۱

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۳۷۶: مسئولہ فیض محمد صاحب محلّہ بہادر گنج شاہجہان پور ۳۰ شوال ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی تحویل کا روپیہ رشوت میں صرف کیا جائے اور اپنے تصرف میں لایا جائے توآیا ایسی صورت میں تحویل رکھنے والا یا مشورت میں شریک ہونے والا شرعاً کس تعزیر کا مستوجب ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کیا شرعی تعزیرات یہاں جاری ہیں، کیا کوئی دے سکتا ہے تحویل اس سے نکال لینی واجب ہے، اور جو اپنے صرف میں لایا یا خاص کار ضروری مسجد بحالت مجبوری محض کے سوا رشوت میں اٹھایا اس کا تاوان اس پر لازم ہے مسلمان اس سے توبہ لیں، نہ مانے تو اس سے میل جول چھوڑ دیں ہاں اگر نہ اپنے صرف میں لایا نہ اور کوئی تصرف بیجا کیا کسی معاملہ میں مسجد کو ضرر شدید پہنچا تھا اور بے کچھ دئے لئے کسی طرح نجات نہ تھی یوں صرف کیا تو مسجد کا اس پر کچھ الزام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷۷: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ اتوار ملوک ناگپور شہر ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

متولی مسجد کا کون شخص ہو سکتا ہے اور اس کے لئے کیا حقوق خدمات مسجد کے ہیں؟

الجواب:

متولی مسجد ایک قادر متدین ہونا چاہئے کہ ہوشیاری دیانتداری سے کام کرسکے اوقاف مسجد کا سب نظم ونسق اس کے سپرد ہوگا نیز مسجد کی نگہداشت غور پرداخت۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷۸: از سہسوان ضلع بدایوں عبداللطیف مدرس قرآن شریف ۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

محمود الاقران نعمان الزمان دامت برکاتہم السلام علیکم وعلٰی من لدیکم، متولی وقف کو مال وقف بطور قرض اپنے تصرف میں لانا یا کسی مسلمان کو قرض دینا روا یا ناروا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

متولی کو روا نہیں کہ مال وقف کسی کو قرض یا بطور قرض اپنے تصرف میں لائے۔

مسئلہ ۳۷۹ تا ۳۸۱: از شہر آگرہ محلّہ کھڑکی مسئولہ محمود حسن صاحب امام جامع مسجد سابق یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک شخص خانقاہ کی سجادگی حاصل کرکے اپنے بھائی کو ہبہ مشاع اس شرط پر کرے کہ موہوب لہ سجادہ نشین رہے اور واہب مسند نشین اور آمد ہر قسم سرکاری ونذر وفتوح وغیرہ سب بالتنصیف تقسیم رہے اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل چلا جائیگا مگر اس موہوب لہ سجادہ نشین کی اولاد اصل واہب کی اولاد کی منع مسند نشینی کے ساتھ نذر وفتوح وغیرہ کو بالتنصیف نہیں دیتی ہے کیا ایسی حالت میں

واہب موہوب لہ سے شے موہوب واپس لے سکتا ہے؟

(۲) جو اس سجادگی حاصلہ موہوبہ ومسند نشینی سے پہلے تھے ان کے حقوق وغیرہ معافیات بدستور قائم رہے اس میں کچھ رقم متعلق مرمت خانقاہ رہی موہوب لہ سجادہ نشین نے ان سوابق کو خانقاہ میں آنے اور خدمت کرنے سے منع کرادیا یا کردیا یاایسے اسباب ڈالے جس سے مجبورًا ممنوع ہوئے اور مرمت وغیرہ بھی ان کی جانب سے نہ ہونے دی اور نہ کرنے دی اب سوابق مستحقین کے اولاد سے وہ (رقم مرمت جو پاتے رہے ہیں اولاد سجادہ نشین (موہوب لہ) لینا چاہتی ہے، کیالے سکتی ہے یانہیں؟ باوجودیکہ وہ لوگ اپنی ذات سے خدمت اور مرمت کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) بعد نظر ڈالنے ہر دو قلم یہ بھی دریافت طلب ہے کہ شرعًا اس خانقاہ کا اصل راس یا مکھیا کس کو سمجھا جائے اور کون ہے اولاد سوابق مستحقین موہوب لہ کی اولاد، مسند نشین اصل واہب کی اولاد؟

الجواب:

نذر وفتوح جو جسے دے اس کی ملک ہیں واہب ہو یا موہوب لہ یا ان میں کسی کی اولاد، سجادہ نشین یاکسے باشد۔ رہا معاہدہ تنصیف وہ ایک وعدہ ہے جس کی وفا پر اصل وعدہ کنندہ بھی حکمًا مجبور نہ کیا جاتا نہ کہ اس کی اولاد۔ **فقد نصوا علی انہ لاجبر علی الوفاء بالوعد**[1] (مشائخ نے اس پر نص کی ہے وفاء عہد پر جبر نہیں کیا جاتا۔ت) مگر یہاں ایک دقیقہ ہے کہ آگے ظاہر ہوگا بیان سائل سے معلوم ہوا کہ شے موہوب ملک واہب نہ تھی بلکہ جائداد وقف خانقاہ تھی اور سجادہ نشین حسب دستور اس کا متولی، اس نے اپنے بھائی کو یہ نصف ہبہ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہبہ باطل محض ہوا کہ جائداد موقوف اس کی ملک نہ تھی جسے ہبہ کرسکتا اور حق تولیت قابل ہبہ نہیں، متولی اپنی صحت میں دوسرے کو قائم مقام نہیں کرسکتا مگر اس حالت میں کہ جہت واقف سے اسے اس کا اختیار عام دیا گیا ہو۔ درمختار میں ہے:

ارادالمتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی صحتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عاما صح والالا۔[2]	متولی نے اپنی زندگی میں حالت صحت میں کسی کو اپنا قائم مقام بنانے کا ارادہ کیا، اگر واقف کی طرف سے شرط کے سبب سے عام تفویض کا حق حاصل ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں (ت)

تو اگر واہب کے لئے اختیار حسب شرط واقف یا تعامل قدیم کی دلیل شرط واقف ہے حاصل نہ تھا تو اس کا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارہ الباب السابع فی الاجارۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

اپنے بھائی کو سجادہ نشین کرنا باطل محض ہوا بلکہ وہی واہب بدستور سجادہ نشین رہا،

فانه جعله مستقلا لا وکیلا عنه حتی یجوز ولا ینعزل بعزل نفسه الا عند قاضی الشرع ولا قاضی ثمه۔	اس لئے کہ اس نے اسے مستقل کیا ہے نہ کہ وکیل حتی کہ جائز ہوتا اور خود کو معزول کرلینے سے معزول نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ قاضی شرع کے پاس ایسا کرے اور یہاں قاضی شرع موجود نہیں (ت)

اس صورت میں جو نذور وفتوح موہوب لہ کو دی جائیں اگر دینے والا خود اس کی ذات کو دیتے وہ اس کی ملک تھیں اور اگر نذر سجادہ بحیثیت سجادہ نشینی دیتے تو اس کو ان کا لینا جائز نہ تھا کہ وہ واقع میں سجادہ نشین نہ ہوا،

ومن اعطی احدا بظن وصف ولم یکن فیه لم یحل له اخذه[1] کما حققه فی احیاء العلوم وغیره۔	اگر کوئی شخص کسی شخص میں کوئی وصف گمان کرکے عطیہ دے اور وہ وصف موہوب لہ میں نہ ہو تو اس کو یہ عطیہ لینا جائز نہیں، جیسا کہ احیاء العلوم وغیرہ میں اس کی تحقیق کی گئی ہے (ت)

اس صورت میں واپس لینے کے کوئی معنی نہیں کہ وہ دینا ہی صحیح نہ ہوا واپسی تو دینے کے بعد ہے۔ ہاں اگر واہب کو حسب شرط واقف اس کا اختیار بھی تھا تو بھائی کی شرکت صحیح ہوگئی اور واپسی کا اختیار نہیں مگر یہ کہ واقف نے یہ اختیار بھی دیا ہو۔ درمختار میں ہے:

ان کان التفویض له عاما صح ولا یملك عزله الا اذا کان الواقف جعل له التویض والعزل[2]۔	اگر اس کو تفویض عام حاصل ہے تو صحیح ہے اور وہ اس کو معزول نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ واقف نے اس متولی کو تفویض وعزل دونوں کا اختیار دیا ہو (ت)

(۲) جو بحکم واقف یا حسب عملدرآمد قدیم اوقاف میں کوئی حق شرعی رکھتے تھے وہ بلاوجہ شرعی کسی کے ممنوع کئے ممنوع نہیں ہوسکتے۔ بحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

استفید من عدم صحة عزل الناظر	متولی وقف کو بلاجرم معزول کرنے کی عدم صحت

---

[1] احیاء العلوم کتاب الزہد والفقر ۴/ ۲۰۸، کتاب الحلال والحرام ۲/ ۱۵۴، کتاب اسرار الزکوٰۃ ۱/ ۲۲۳ مطبعة المشهد الحسینی القاہرہ مصر

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

بلاجنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ[1]۔	سے معلوم ہوا کہ وقف میں کسی صاحب وظیفہ کو جرم اور عدم اہلیت کے بغیر معزول کرنا صحیح نہیں۔(ت)

(۳) مستحقین اپنے اپنے حقوق لینے تک کے مختار ہوتے ہیں اصل و راس وہی متولی او قاف ہے جس کا بیان جواب سوال اول میں گزرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۲: مرسلہ نقی احمد صاحب قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی محلّہ اشراف ۱۹صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں:

(۱) زید منتظم و بانی جائداد انجمن اسلامیہ جو کہ منجانب گروہ اسلام قائم ہوئی تھی تھااور عمروامین جائداد کا تھا۔

(۲) بکر وغیرہ جو کہ متولی گروہ اسلام تھے پانچ سال کے حساب فہمی کادعوی زید منتظم و عمروامین پر کیااور کاغذات طلب کئے۔

(۳) ہردومدعا علیہم نے جواب دیا کہ تم مستحق حساب فہمی نہیں ہو کیونکہ کل جائداد میرے اہتمام و کوشش سے حاصل ہوئی۔

(۴) عدالت سے کاغذات طلب ہوئے عمروامین روپوش ہوگیااور کاغذات نہیں دئے عدالت نے بہ ثبوت یک طرفہ مدعاعلیہم پر ڈگری کردی۔

(۵) بعد ڈگری اس ڈگری کی بابت ثالثی ہوئی جس میں زر ڈگری چوتھائی قائم رہااور زید منتظم نے بوجہ روپوش ہونے عمرو کے کل روپیہ مطابق فیصلہ ثالثی ادا کردیا۔

(۶) اب زید منتظم وعمروامین کا انتقال ہوگیااور جو کاغذات امین کے قبضہ میں تھے وہ برآمد ہوئے ان کاغذات کی رو سے بمقابلہ اداشدہ رقم کے بہت کم روپیہ مطالبہ مدعیان کا ذمہ منتظم وامین برآمد ہوتا ہے آیا شرعًا بروئے کاغذات بقدر مطالبہ ذمہ منتظم وامین نکلے تو رقم اداشدہ کے بعد جس قدر باقی رہے ان کے ورثہ سے جب کہ جائداد چھوڑی ہو مدعیان رقم پانے کے شرعًا مستحق ہیں یا نہیں؟اوراسی طرح اگر منتظم نے زائد روپیہ داخل کیا ہو توشرعاواپس پانے کا حق ورثاء منتظم کو ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔

الجواب:

جس قدر مطالبہ واجبی ثابت ہوا اگر اس سے کم ادا ہوتا ہے باقی ان کے ترکہ سے لیاجائے گااور اگر اول سے زیادہ لے لیا گیا ہے تو جتنا زیادہ ہو انہیں واپس دینا واجب ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تردھا [1]، وقال تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ" [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی، یہاں تک کہ وہ اس کو ادا کردے۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس لئے لے جاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناحق کھالو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

من دفع شیئا ظانا انہ علیہ کان لہ ان یستردہ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی شخص نے دوسرے کو کوئی شے دی یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس کو یہ شے دینا مجھ پر لازم ہے تو اس کو واپس لینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۸۳: مرسلہ حکیم محمد حیات خان صاحب آگرہ کوچہ حکیماں حیات منزل ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ منجملہ پانچ متولیان اوقاف کے جو بحیثیت ایک انجمن کے کثرت رائے پر کام کرتے ہوں اگرچہ ایک علانیہ سود کھاتے ہوں اور خلاف منشاء واقف خرچ کئے جانے پر مصر ہوں اس قابل ہیں کہ عندالشرع متولی رہ سکیں۔ متذکرہ بالا متولی صاحب کا جو علانیہ سود کھاتے ہیں یہ فعل کہ مسجد جامع وغیرہ میں جو ان کے زیر نگرانی ہیں حسب موقع اپنے خرچہ سے عام مسلمانوں کو برف وغیرہ پلواتے ہیں آیا عندالشرع اس قابل ہے کہ دیگر متولیان اسے روکیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ وہ شخص ہر گز متولی رہنے کے قابل نہیں اور اس کا معزول کرنا واجب۔ درمختار میں ہے:

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء ان العاریۃ موداۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب الشرکۃ ۱/ ۹۱ وکتاب الوقف ۱/ ۲۲۹، ۲۲۷ وکتاب المداینات ۲/ ۲۴۹ ارگ بازار قندھار افغانستان

ینزع وجوبا لو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون[1]۔	اس کو وجوبًا وقف سے نکال دیا جائے گا اگرچہ وہ خود واقف ہی ہو (درر) جبکہ وہ امین نہ ہو تو غیر واقف اگر خائن ہو تو بدرجہ اولیٰ اس کو نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

اپنے خرچ سے مسلمانوں کو برف پلانا کوئی امر معیوب نہیں بلکہ نیت حسن ہو تو مستحسن ہے مگر وقف کی آمدنی سے حرام ہے جبکہ شرائط وقف کے تحت میں داخل نہ ہو اور مسجد میں یہ مجمع نہ ہونا چاہئے کہ غل شور کا بھی احتمال ہے، اور مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا بھی نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۴: از موضع درؤ ضلع نینی تال تحصیل کچھا مسئولہ ثروت یارخاں صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ایک جائداد وقف کے متولی واحد کے انتقال پر تین متولیان بموجب شرط دستاویز وقف پیدا ہوئیں اور دیگر جائداد میں چھ وارث قائم ہوئے مقدمہ داخل خارج وقف پر منجملہ چھ وارثوں کے دو وارثوں نے جائداد وقف کو متروکہ قرار دیا اور وقف کے خلاف کوشش کی اور منجملہ انہیں چھ[6] وارثوں کے تین وارث جائداد وقف کے متولیان میں سے دو متولیان نے وقف قائم رکھنے کی کوشش کی اور وہ کامیاب ہوئے ایک متولی خاموش رہا جن وارثوں نے کوشش خلاف وقف متروکہ قائم ہونے کے لئے کی تھی وہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور ایک بھائی کے لڑکے کی وہ متولیہ جو کہ خاموش رہی وقت داخل خارج وقف مذکور منکوحہ تھی جس سے یہ اندیشہ دو[2] متولیان اور مسلمانان کو تھا اور ہے کہ اگر جائداد وقف متروکہ قرار پائی گئی تو متولیہ خاموش کو یہ نفع ذاتی پہنچے کہ اس کے دونوں خسر جو وارث ہیں حصہ دار جائداد وقف میں بن جائیں اور وقف کو نقصان پہنچے کہ اس وجہ سے آئندہ بھی نقصان کا خیال ہے اب دوسرا مقدمہ واسطے نمبرداری برائے تعمیل شرائط وقف چل رہا ہے تو ایسی صورت میں جوکہ اوپر ظاہر کی گئی ہے کون متولیہ نمبردار مقرر ہونے کے لائق ہے اور کون تولیت سے خارج ہونے کے قابل ہے اور وہ شخص جو خاموش متولیہ کی طرف سے سربراہ کار مقرر ہونا چاہتا ہے جو خسر اس کا ہے اور وقف کے خلاف متروکہ قائم ہونے کی کوشش کرچکا ہے سربراہ کار مقرر ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو خلاف وقف کوشش کرچکا وہ ہرگز سربراہ کار نہیں کیا جاسکتا یہاں تک کہ اگر خود متولی یا خود واقف ایسا کرتا واجب تھا کہ فورًا نکال دیا جاتا۔ درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ینزع وجوبا لوالواقف فغیرہ باولی غیر مامون[1]۔	متولی وقف اگرامین نہ ہو تواس کو ولایت سے نکال دیناواجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو، اگر متولی غیر واقف ہے توبدرجہ اولٰی نکالناواجب ہے (ت)

ایک متولیہ کاخاموش رہنا اگرثابت ہو کہ اس نیت فاسدہ سے تھاتواس کااخراج بھی واجب ہے، ہاں اگر بوجہ مجبوری ساکت رہی تو حرج نہیں، نمبرداری شرعی مسئلہ نہیں، ہاں جائز متولیوں سے باہر کوئی شخص نہ ہو۔ **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۵ تا ۳۸۸: از جبلپور او متی کاپل مرسلہ محمد نمیر خاں ۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) زید نے اپنی زمین مسجد کے لئے وقف کردی اور کچھ پتھر بھی برائے تعمیر مسجد دئے، زمین اور پتھروں کی قیمت تقریبًا ۲۰۰ مالہ / ہوں گے، اور عمرو نے اپنی ذات خاص سے بالکل مسجد باقاعدہ اور ایک حجرہ بھی تیار کرکے دونوں کو وقف کردیا جس میں غالبًا پانچ ہزار روپیہ صرف ہوا ہوگا بعدہ زید کے کہنے سے عمرو نے زید کے نام سے واسطے نگرانی مسجد ایک کاغذ جسٹری شدہ تحریر کردیا اور مسجد تیار ہوئے بارہ برس ہوئے جب سے ہر طرح کے خرچ کا کفیل مثل چراغ تنخواہ امام ومؤذن ورمضان شریف میں حافظ کی خدمت و تقسیم شیرینی اور بھی درمیان میں مسجد کے متعلق جو ضرورت ہوا کرتی ہے عمرو صرف اپنی ذات سے صرف کرتا ہے اور عمرو نہایت خلیق پابند صوم وصلوٰۃ باخدا شخص ہے اور عمرو زید کے افعال سے واقف نہ تھا کیونکہ زید بڑا فتنہ انگیز، حاسد، غیبت کنندہ، جماعت میں تفرقہ ڈالنے والا اور مسجد پر اپنی حکومت جتانے والا، ایک نہ ایک شرارت پیدا کرنے والا ہے، اس صورت میں متولی کس کو شرع شریف قرار دیتی ہے اور وہ رجسٹری زید کی بموجب شرع شریف کارآمد ہے حالانکہ اہل محلّہ اور اہل جماعت عمرو کا متولی ہونا پسند کرتی ہیں؟

(۲) صرف زید کے حکم سے پیش امام ومؤذن مقرر ہوسکتے ہیں یا برخاست ہوسکتے ہیں یا کل اہل جماعت کی رائے سے؟

(۳) پیش امام کے موجود ہوتے ہوئے زید شرارتًا امامت کرتا ہے زید کے پیچھے نماز درست ہوسکتی ہے؟

(۴) زید کی امامت درست ہے یا نمازی اپنی اپنی نماز بوجہ کراہت دہرالیا کریں؟

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

الجواب:

(۱) اگر یہ امر واقعی ہے کہ زید فتنہ گر، شریر، مفرق جماعت ہے تو وہ ہر گز تولیت مسجد کے قابل نہیں، اس کا معزول کرنا واجب ہے۔ در مختار میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف غیر مامون [1]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو۔ (ت)

(۲) مؤذن و امام جس کے مقرر کئے شرعًا ان منصوبوں کے لئے زیادہ لائق ہوں انہیں کو ترجیح ہوگی اور اگر یکساں ہوں تو زید کے مقرر کردہ مرجح ہیں کہ اصل مسجد یعنی زمین اسی کی وقف ہے، در مختار میں ہے:

البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الا اذا عین القوم اصلح ممن عینه البانی [2]۔	مسجد کا بانی مسجد کے امام و مؤذن کی تقرری میں باقی لوگوں کی بنسبت اولٰی ہے یہی قول مختار ہے مگر جب قوم کا مقرر کیا ہوا امام یا مؤذن بانی کے مقرر کئے ہوئے سے افضل اور زیادہ صلاحیت کا حامل ہو تو وہی بہتر ہے۔ (ت)

مگر جب کہ مؤذن و امام تنخواہ دار ہیں اور تنخواہ انہیں عمرو دیتا ہے تو استحقاق تنخواہ اسی کو ہوگا جسے عمرو مقرر کرے، اس پر لازم ہے کہ اسے پسند کرے جو شرعًا زیادہ مناسب ہو اور تنخواہ دار کی برخاستگی بھی عمرو کی رائے پر ہوگی، لانه هو المستاجر فلیس لثالث فسخها (کیونکہ وہی کرایہ پر لینے والا ہے تو تیسرے شخص کو فسخ اجارہ کا حق نہیں۔ ت)

(۳و۴) اگر زید سے علانیہ فسق ثابت ہو تو اس کی امامت اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ تبیین الحقائق میں ہے:

فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا [3]۔	فاسق کو امامت کے لئے مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شرعًا مسلمانوں پر فاسقوں کی توہین واجب ہے (ت)

اور اگر زید میں کوئی وجہ مانع امامت نہیں مگر امام مقرر کردہ اس سے افضل و اولٰی ہے اور اس وجہ سے

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

اہل جماعت امام کے ہوتے زید کی امامت مکروہ وناپسند رکھتے ہیں تو زید کو جائز نہیں کہ امامت کے لئے تقدم کرے **لانہ ممن ام قوما وھم لہ کارھون**[1] (کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے کسی قوم کی امامت کی حالانکہ وہ اس کی امامت کو ناپسند جانتے ہیں۔ت) مگر اس صورت میں نماز میں خلل نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۹: از گنگا جھدی ڈاکخانہ دونی واڑہ تحصیل گوندیا ضلع بھنڈارہ ملک متوسط مرسلہ محمد اسمٰعیل خان ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

متولی مسجد نے مسجد کے پیسہ میں خیانت کی ایسے شخص کو متولی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا متولی نے جھوٹی شہادت دی تو تولیت اسے دینا جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

جس نے جھوٹی شہادت کہی اس میں تو بہت احتمال ہیں کہ واقعی جھوٹی نہ ہو لوگ اسے جھوٹی سمجھیں یا واقع میں جھوٹی ہو مگر شہادت دینے والے نے اپنے نزدیک سچی سمجھ کر دی ہو یا کسی مصلحت اعظم کے لئے کوئی پہلودار بات کہی ہو یا راستی فتنہ انگیز سے بچنے کے لئے مرتکب ہوا ہو یا اس شہادت سے اسے حمایت وقف مقصود ہو، اسی طرح بہت احتمال نکل سکتے ہیں جن کے باعث وہ معزولی متولی کا سبب نہ ہوگی مگر پہلی بات بالکل صاف ہے جب اس نے مال وقف میں خیانت کی اس کا معزول کرنا واجب۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا لوالواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون بزازیۃ[2]۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	متولی اگر امین نہ ہو تو اس کو ولایت وقف سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو (درر) لہٰذا غیر واقف کو بدرجہ اولٰی نکال دینا واجب ہوگا (بزازیہ) **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۳۹۰: اجمیر شریف محلّہ خادمان چاہ ارٹھ مرسلہ سید امتیاز علی صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسمّٰی سید امیر علی متولی درگاہ تھا اور اس کی چار بیبیاں منکوحہ تھیں اول زوجہ اس کے چچا کی دختر تھی اور دوسری پٹھانی اور تیسری کاشت کار قوم چتیہ کی لڑکی چھوٹی قوم سے تھی، اول زوجہ سے ایک دختر اور دوسری سے ایک پسر مسمّٰی شریف حسین اور تیسری سے دو دختران، اور متولی مذکور کے ایک برادر علاتی پٹھانی بیوی سے ہیں جب کہ متولی مذکور الصدر نے انتقال کیا تو اولاد مندرجہ برادر علاتی کو چھوڑا اب برادر علاتی

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۱۷۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۲۸۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسمّٰی نثار احمد بمقابلہ پسر مسمّٰی شریف حسین کے دعویدار ہے کہ میں عہدہ تولیت کا مستحق ہوں، اب شرعًا لڑکا ہونا چاہئے یا برادر؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر مال کی کوئی وراثت ہو تو بیٹے کے آگے بھائی محروم ہے مگر وقف کی تولیت کوئی ترکہ نہیں، اس میں شرائط واقف پھر عملدرآمد سابق پھر صوابدید مسلمانان پر نظر ہوگی ان کے اعتبار سے جسے ترجیح ہوگی وہی متولی ہوگا بیٹا ہو یا بھائی یا غیر۔ ردالمحتار میں ہے:

(من جهلهم) قولهم خبز الاب لابنه[1]۔ والله تعالٰی اعلم	ان کی جہالت کی بناء پر ہے ان کا یہ قول کہ باپ کی روٹی بیٹے کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹۱ تا ۳۹۸: ازاودے پور میواڑ راجپوتانہ دہلی دروازہ مرسلہ سید ضامن علی صاحب ۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک شہر میں مسلمانوں نے باتفاق باہمی قومی سرمایہ سے ایک مدرسہ موسومہ مدرسہ حنفیّہ تعلیم دینیات جاری کیا اور اس پر انجمن اسلام کی نگرانی قائم کی گئی اور زید کو معمولی اختیاروں کے ساتھ بہ نفاذ ایک دستور العمل مہتمم مدرسہ مقرر کیا۔

(۲) زید نے بظاہر بصلہ حسن کارگزاری تیسرے سال مربیت اور پانچویں سال متولیت کا ادعا حاصل کیا۔

(۳) چھٹے سال بلا استصواب قوم مدرسہ حنفیّہ کو مدرسہ نظامیہ سے وابستہ کرکے روداد سالانہ میں بجائے حنفیّہ کے نظامیہ لکھنا شروع کیا تاکہ زید کے تعلقات خاندان نظامیہ سے مدرسہ مخصوص سمجھا جائے۔

(۴) اس کے بعد زید نے دستور العمل نظام مدرسہ کی پابندی سے انحراف کرنا شروع کیا اور ارباب انجمن کو یکے بعد دیگرے ممبرانہ حیثیت سے گرانا شروع کیا۔

(۵) نویں دسویں سال اسی قوم کے جذبات مذہبی کو بذریعہ تحریر صدمہ پہنچانے لگا یعنی کھلے لفظوں میں یہ لکھ کر اطراف ہندوستان میں شائع کردیا کہ فلاں شہر کے مسلمان کلمہ کی جگہ بتوں کا نام لیتے ہیں سجدہ کی جگہ دھوک دیتے ہیں، روزہ نماز کے وہ پابند نہیں، نہ ان لوگوں کو خوف خدا اور رسول ہے، یہ مذہب سے سراسر آزاد ہیں، میں نے ان کے لئے اسلام کی بنیاد کا پتھر رکھا ہے حالانکہ یہ بہتان عظیم ہے اور واقعات سراسر اس کے خلاف ہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

(۶) گیارھویں سال کی روداد میں حسب معمول زید نے لفظ انجمن نہیں لکھا تاکہ بادی النظر میں مدرسہ انجمن کی نگرانی میں نہ سمجھا جائے۔

(۷) تعلیم وتربیت کے اعتبار سے مدرسہ نے کچھ بھی ترقی نہ کی۔

(۸) حالات صدر کو محسوس کرکے جب قوم نے چند اشخاص کو کاروبار مدرسہ میں شریک کرنا چاہا تو زید نے انکار کردیا اور خدمت مہتممی سے علیحدہ کردئے جانے کے بعد زید نے کچہری میں مدرسہ پر قبضہ دلاپانے کا دعوٰی کیا لہٰذا واقعات اور حالات حاضرہ کی روسے زید کی نیت سے یہ ثابت ہوچکا کہ جو کچھ وہ کرتا رہا قومی نقطہ نظر کے خلاف کرتا رہا اس کو ترقی تعلیم وخدمت اسلام مد نظر نہ تھی بلکہ اس کو اس پردہ میں اپنی نام آوری اور مفاد ذاتی منظور تھا، پس زید کی نسبت شریعت حقہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو زید حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں میں گرفتار، اور شریعت مطہرہ کے نزدیک سخت سزا کا سزاوار ہے کہ اس نے مسلمانوں پر اتہام رکھے اور ان کی دینی حیثیت سے بدنام کیا اور مدرسہ وقفی کو اپنی ذاتی اغراض کا ذریعہ بنانا چاہا وہ جب ایک دستور العمل کی پابندی سے مشروط کرکے مہتمم کیا گیا تھا اور اس نے بلاوجہ شرعی اس کی پابندی نہ کی مہتممی سے خارج ہوگیا **اذا فات الشرط فات المشروط** (جب شرط فوت ہوئی تو مشروط فوت ہوگیا۔ت) اور اب کہ اسے اس بارے میں اتنی طمع ہے کہ کچہری میں نالشی ہوکر مدرسہ پر قبضہ کرنا چاہا تو ہرگز اس قابل نہیں کہ مدرسہ میں اس کو دخل دیا جائے، درمختار وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے: **طالب التولیۃ لایولی**[1] (تولیت کا طلبگار کو متولی نہیں بنایا جائے گا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انالن نستعمل علی عملنا من ارادہ[2]، رواہ الائمۃ احمد والبخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیشک ہم ہرگز اپنے معاملات کا عامل اس کو نہیں بناتے جو اس کی خواہش رکھتا ہو۔ (اس کو امام احمد، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

مسئلہ ۳۹۹: از جونا گڑھ محلّہ کتبانہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ محمد حسین ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص تقدیر اور وسیلہ پکڑنے کے خلاف ہو ایسا آزاد شخص حنفیوں کے مدرسہ کا خیر خواہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تقدیر کا منکر رافضی معتزلی گمراہ ہے اور محبوبان خدا سے توسل کا منکر نجدی وہابی بدراہ ہے جو شخص ایسا ہو اس سے مدرسہ اہلسنت کی خیر خواہی کی کیا امید ہو سکتی ہے، نہ اسے مدرسہ پر کسی قسم کا اختیار دیا جائے، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ خیر میں کہ اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور کفار ہر طرح ذلیل وخوار، ایک نصرانی کو کہ حساب وسیاق میں طاق تھا اور صوبہ یمن میں ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے محرری پر نوکر رکھنا چاہتے تھے امیر المومنین سے اجازت چاہی منع فرمایا انہوں نے پھر عرضی بھیجی، اس پر تحریر فرمایا: **مات النصرانی، والسلام**[1] (نصرانی ہلاک ہوا، والسلام۔ت) غرض کسی طرح اجازت نہ فرمائی، تو اس وقت ضعف اسلام میں کسی مخالف عقیدہ کو اختیار دینا کس درجہ مضر ہے کہ بوجہ کلمہ گوئی کافروں سے اس کا ضرر زائد ہوگا پھر اس زمانہ میں اس کی مغلوبی تھی اور اب مطلق العنانی۔ اور وہ ایک محرری کی خدمت تھی اور یہ افسری، جب وہ اس وقت میں قبول نہ فرمائی تو یہ اس وقت میں کیونکر مقبول ہو سکتی ہے، حدیث میں ہے:

من استعمل علی عشرۃ من فیھم ارضی للہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین[2]۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کو افسر کیا کہ نظر شرع میں اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی دوسرا موجود تھا تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کی خیانت کی، جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰۰ تا ۴۰۳: از بمبئی محلّہ شیخ بھائی بلڈنگ کھانڈ بازار جونا کولی مرسلہ یوسف عبدالرحمٰن مروڑھی ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) متولی مسجد کو یہ حق حاصل ہے کہ امام مسجد کو بغیر کسی عذر شرعی کے خارج کردے۔

---

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳۔۶۲

[2] کنز العمال بحوالہ عن حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۴۶۵۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۹، المستدرک للحاکم کتاب الاحکام الامامۃ امانۃ دار لفکر بیروت ۴/ ۹۳۔۹۲

(۲) امام مسجد نوکر مانا جائیگا یا سردار قوم؟ اور اس کو نمازیوں کی تابعداری کرنا چاہئے، یا نمازی اس کی تابعداری کریں، مثلاً اوقات صوم وصلوٰۃ سے بخوبی واقف ہے وہ برابر لوگوں کو وقت پر افطاری کراتا ہو اور امساک کا حکم کرتا ہو اور نمازوں میں بہت احتیاط اوقات میں کرتا ہو تو قوم اس کو کہے کہ ہم کو فلاں وقت جماعت ملنا چاہئے فلاں وقت اذان ہونا چاہئے اس میں امام کیا ان کی اطاعت کرے یا موافق مسائل شرعی کاربند رہے۔

(۳) نصارٰی کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی طرف سے مسجد کے متولی بنائے اور ان کو قوانین کا پابند کرے اگرچہ وہ قوانین خلاف مذہب اہلسنت وجماعت واحناف ہوں۔

(۴) اگر نصارٰی کا مقرر کردہ متولی اپنی نفسانیت سے امام کو اپنا نوکر قرار دے کر نکلوانا چاہے اور قوم اسکی مخالفت کرے اور مقدمہ کرے اس مقدمہ میں وہ متولی یہ کہے کہ میں مسائل شرعیہ کو مانتا ہوں میں قانون سے اس کو نکلواتا ہوں وہ میرا نوکر ہے یہ جملہ کہ "میں مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا" اس وقت کہے جب کہ اس کو مسئلہ بتلایا جائے کہ امام مسجد نوکر نہیں ہے یہ نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور بغیر کسی عذر شرعی کے نہیں جدا ہوسکتا تو اس کے مقابلہ میں یہ لفظ کہے ایسا متولی قابل ہے متولی بننے کے؟

الجواب:

بغیر عذر شرعی کے امام کو خارج کرنیکا متولی وغیرہ کسی کو حق نہیں۔ درمختار میں ہے:

لایجوز عزل صاحب وظیفۃ بغیر جنحۃ [1]۔	کسی صاحب وظیفہ کو بغیر جرم کے معزول کرنا جائز نہیں۔ (ت)

(۲) امام اگر کسی قوم کا تنخواہ دار ہے تو وہ ان کا نوکر ضرور ہے مگر نہ خدمت گار بلکہ مخدوم جیسے علماء وقضاۃ وسلاطین کہ بیت المال سے وظیفہ پاتے ہیں مگر وہ رعایا کے خدمت گار نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم [2]۔	اپنے افضلوں کو اپنا امام بناؤ کہ وہ تم میں اور تمہارے رب میں واسطہ عرضداشت ہیں۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱، ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶و ۴۱۹

[2] سنن الدار قطنی باب تخفیف القرأۃ لحاجۃ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۸۸

ہاں بایں معنٰے امام و علماء و قضاۃ وسلاطین سب خادم ہو سکتے ہیں کہ **سید القوم خادمھم** [1] قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے یعنی اسے قوم کے آرام و تربیت کی ہر وقت ایسی فکر چاہئے جیسے خادم کو مخدوم کے کام کی۔ امام جب کہ اوقات کا عالم ہے تو امساک و افطار میں اس کے حکم کا اتباع لازم ہے، رہی نماز اس کے اوقات میں امام پر تکثیر جماعت کی رعایت لازم ہے جہاں تک کراہت لازم نہ آئے وہ وقت مقرر کرے جس میں اس کے اہل مسجد زیادہ جمع ہو سکیں، خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب ملاحظہ فرماتے کہ لوگ جمع ہوگئے نماز میں جلدی فرماتے، ایسا ہی امام کو چاہئے کہ قوم کے واقعی اعذار کا لحاظ رکھے۔ ہاں بعض لوگ بلاوجہ ضد کرتے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں۔

(۳) قانون میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مذہب میں دست اندازی نہ کی جائے گی لہٰذا امر مذکور فی الحال متوقع نہیں اور اگر واقع ہو تو اس کی باضابطہ چارہ جوئی کی جائے کہ مساجد کے متولی حسب شرط بانی مقرر ہوں وہ نہ رہا ہو تو اسکی اولاد، ورنہ نمازیان مسجد کی صوابدید سے، اور یہ کہ امور مسجد میں کسی خلاف مذہب کو دخل دینے سے معاف رکھا جائے۔

(۴) جو شخص مسائل شرعیہ کے مقابلہ میں کہے کہ وہ مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہوگیا اور اسے امور اسلامی میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں رہا اسے تولیت سے جدا کرنا لازم ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۴: از دھام پور ضلع بجنور مرسلہ عبدالحفیظ ٹھیکہ دار ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص سود لیتا ہے آیا وہ متولی جائداد موقوفہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور کسی کو حساب نہ دیتا ہو اور خرچ ضروری مسجد بھی نہ کرتا ہو۔

الجواب:

جب ضروری خرچ مسجد کے نہیں کرتا اور مسجد کی آمدنی کافی ہو اور اس کے سود کھانے سے ظاہر کہ وہ حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتا، تو ظاہر حال یہی ہے کہ وہ تغلب کرتا ہے تو اس پر اطمینان نہ ہوا، اور جس متولی پر اطمینان نہ ہو اس کا اخراج واجب ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف بزازیۃ فغیرہ بالاولٰی درر غیر مأمون [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	خائن اور غیر امین متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا اگرچہ متولی واقف ہو لہٰذا غیر واقف اگر خائن ہو تو بدرجہ اولٰی نکالنا واجب ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۷۵۱۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۷۱۰

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۴۰۵ تا ۴۰۸: از پیلی بھیت مرسلہ عبدالعزیز صاحب ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

زید نے کسی جائداد کو اپنی ملکیت سے علیحدہ کرکے وقف کیا اور تاحیات اپنے کو متولی کیا اور بعد اپنے شخص غیر کو تولیت تحریر کردی اور اپنے پسر و نبیرہ کو حق تولیت میں شریک نہیں کیا لیکن وقف کنندہ نے یہ وقفی کارروائی حالت بیماری و ناتوانی وبدحواسی میں کی ہے بعد صحت اب واقف کہتا ہے کہ میں مضامین وقف نامہ کو نہیں سمجھا اور نہ مجھے سمجھنے کی اس وقت قابلیت تھی وقف کرنا میں نہیں چاہتا ہوں، کیا زید کی وقفی کارروائی از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بحالت غم وغصہ اپنے پسر کو تولیت سے محروم کرکے غیر شخص کو متولی مقرر کیا اب جب کہ غم وغصہ اس کا فرو ہوا اور اپنے پسر سے رضامند ہوا تو شخص غیر جس کو وہ غصہ میں متولی بناچکا تھا علیحدہ کرکے اپنے پسر کو کیا متولی مقرر کرسکتا ہے؟

(۳) اگر واقف بدحواسی کی حد کو نہیں پہنچا لیکن سفیہ ضرور ہے تو ایسی کارروائی وقف وتولیت کی جو سفاہت سے ہوئی ہے جائز رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) اگر درحقیقت زید کے حواس وقت وقف نامہ درست تھے اور قبل نفاذ وقف نامہ اس کی نیت خراب ہوئی اور وہ وقف نامہ کو منسوخ کرنا چاہتا ہے تو کیا وقف نامہ منسوخ ہوجائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر یہ وقف صحیح شرعی ہو تو سوالات سائل کا جواب یہ ہے کہ ناتوانی کچھ مانع صحت وقف نہیں، نہ بیماری کا کچھ اثر رہا جب کہ سائل لکھتا ہے کہ اس کے بعد تندرست ہوگیا، رہا بدحواسی کا دعوٰی وہ غیر بینہ عادلہ شاہدان ثقہ شرعی کی شہادت کے مقبول نہیں ہوسکتا ورنہ ہر شخص وقف، بیع، اجارہ، نکاح، طلاق تمام تصرفات کرکے یونہی پھر جائے اور کہہ دے کہ میں اس وقت بدحواس تھا رجسٹری بھی بدحواسی میں ہوئی، ہاں اگر معلوم ومعروف ہو کہ اس مرض میں اس کی عقل زائل ہوجاتی ہے، بدحواس ومجنون ہوجاتا ہے، پہلے بھی ایسا واقع ہوچکا ہے اور اب کہے کہ اس بار بھی میری یہی حالت ہوگئی تھی تو اس کا قول حلف کے ساتھ قبول کرلیں گے۔ ردالمحتار میں فتاوٰی خیریہ سے ہے:

سئل فیمن طلق وھو مغتاظ مدھوش فاجاب ان الدھش من اقسام الجنون فلا یقع، واذا کان	سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی جب غضبناک اور بدحواس تھا تو جواب دیا کہ بدحواسی جنون کی قسموں میں سے ہے

یعتادہ بان عرف منہ الدھش مرۃ یصدق بلا برھان[1] (ملخصًا)	لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اور جب بدحواسی اس کی عادت ہے بایں طور کہ پہلے بھی اس سے یہ بدحواسی دیکھنے میں آچکی ہے اور معروف ہے تو بغیر دلیل حلف کے ساتھ اس کے قول کی تصدیق کردی جائیگی (ملخصًا)۔(ت)

اسی میں ہے:

وکذا یقال فیمن اختل عقلہ لمرض او لمصیبۃ فاجأتہ[2]۔	اور یہی کہا جائے گا اس شخص کے بارے میں جس کی عقل میں کسی بیماری یا اچانک صدمہ کی وجہ سے خلل واقع ہوگیا ہو(ت)

(۲) یہ دوسرا سوال دوسرا پہلو ہے اور بدحواسی کو دفع کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ غصہ میں دوسرے کو متولی کیا تھا یا رضامندی میں بہرحال اسے اس کے معزول کرنے اور بیٹے پسر خواہ جس کو چاہے متولی کرنے کا اختیار ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ عن حکم سائر الشرائط لان لہ فیہا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط فی عقدۃ الوقف[3]۔	واقف کی تولیت تمام شرائط وقف کے حکم سے خارج ہیں کیونکہ واقف کو اس میں جب مناسب سمجھے تبدیلی وترمیم کا اختیار ہے اگرچہ عقد وقف میں اس کی شرط نہ کی ہو۔(ت)

(۳) یہ تیسرا پہلو ہے سائل نے سفیہ کہا اور یہ نہ بتایا کہ اس سے کیا مراد لی، لوگ احمق غبی کند ذہن کو سفیہ کہتے ہیں صرف اس قدر مانع صحت تصرف نہیں۔

(۴) وقف جب کہ صحیح واقع ہو واقف کو اس سے رجوع کا کوئی اختیار نہیں رہا کہ اب وہ اس کی ملک سے نکل گیا،

ویتم الوقف بمجرد القول عند الامام ابی یوسف سلمہ اللہ تعالٰی وعلیہ الفتوی وبہ یفتی۔	امام ابویوسف سلمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک محض زبانی کہہ دینے سے وقف تام ہوجاتا ہے اسی پر فتوی ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ وہ وقف صحیح شرعی ہو جیسا کہ عبارت سوال کا مفاد ہے ورنہ بحالت بطلان ان سوالات کا کوئی محل ہی نہ ہوگا **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۹ تا ۴۱۰: از قصبہ لاہر پور مکان شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ احمد حسین صاحب عثمانی ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک درگاہ صدہا سال سے ایک بزرگ کی ہے جن کی اولاد کے چند شاخوں میں پیری مریدی بسلسلہ صحیح و باجازت وخلافت جاری ہے مگر سجادگی اس درگاہ کی ایک بیٹے کی اولاد میں چلی آتی ہے، گو سلسلہ خلافت عن اب وجد صاحب درگاہ سے اس شاخ میں باقی نہیں رہا تھا مگر دوسرے خلفائے سلسلہ سے بھی صاحب سجادہ درگاہ نے اجازت وخلافت حاصل کرلی تھی اور اب دو پشتوں سے ہر باپ سے بیٹے کو اجازت وغیرہ حاصل ہوا کی، اس خلفائے سلسلہ سے بھی صاحب درگاہ کا سلسلہ جاری رہا، صاحب درگاہ کا خاندان طریقت قادریہ وچشتیہ ہے، اس سلسلہ کے شائق اور صاحب درگاہ کے موروثی معتقدین کو اس کا پورا موقع رہا ہے کہ اس سلسلہ میں داخل ہوسکیں، آخر صاحب سجادہ لاولد تھے انہوں نے اپنے حقیقی بھانجے کو اپنے بعد کے واسطے سجادگی تجویز کی جن کو اس خاندان میں بیعت وغیرہ حاصل ہے، دوران علالت میں ان کو دوسرے اعزائے خاندانی سے مشورہ کے واسطے ایک دوسرے دور دراز مقام پر بھیجا اور تیمارداری ان کی متعلق ان کے بعض اعزا کے تھی جو اخیافی بھانجے ہوتے ہیں وہ دو بھائی حقیقی ایک بہن ہے جن کے قبضہ میں وہ بحالت مرض تھے جب علالت زیادہ ہوئی تو اہالیان قصبہ کو جمع کرکے درگاہ کے اندر پھر اپنے حقیقی بھانجے مذکورہ بالا کی نسبت اظہار وصیت کیا ایسے مجمع میں ان اخیافی بھانجوں میں سے ایک نے بطور مغالطہ دہی کہا کہ والدین اس کے جس کے واسطے سجادگی تجویز کی جاتی ہے دودھ شریک بھائی بہن تھے اس لئے اس کا نکاح ناجائز ہوا وہ حرامی ہوئے ان کے پیچھے نماز مکروہ ہے صاحب سجادہ نے اس واقعہ رضاعت سے انکار کیا اور کہا کہ جھوٹ ہے بلکہ ضعف بیماری میں ان کو سخت صدمہ اس دروغ گوئی پر ہوا جس سے وہ کوئی مزید تقریر نہ کرسکے اور مجمع برخاست ہوگیا، جب علالت کا سلسلہ زیادہ طویل ہوا ان دونوں اخیافی بھانجوں کی جانب سے حصول سجادگی کی ایک بھائی کے واسطے مزید کوشش شروع ہوئی اور بعض موافقین کے مشورہ سے ایک بڑی درگاہ کے صاحب سجادہ کو طلب کیا جو ان صاحب سجادہ کے پیر کی درگاہ کے صاحب سجادہ ہیں اور ان سے کہا کہ منجملہ ان ہر دو بھائیوں کے بڑے بھائی کے پگڑی باندھ دیجئے انہوں نے کہا کہ ہم موجودہ صاحب سجادہ سے اجازت لے لیں جب ان سے دریافت کیا تب انہوں نے منہ پھیر لیا کوئی جواب نہ دیا کچھ دیر کے بعد جب پہلو بدلا پھر استفسار کیا اب بھی وہ جواب خود نہ سمجھے، مگر موافقین اشخاص نے ہر دو بھائیوں کے جو موجود تھے بالاتفاق

کہا کہ اجازت دے دی انہوں نے پگڑی باندھ دی، ایسی نازک حالت تیمارداری میں قبل واپس آنے ان کے حقیقی بھانجے نامزد شدہ سجادہ نشینی کے ان سجادہ نشین نے وفات پائی، معاملہ رضاعت کے عینی شہادت موجود نہیں ہے، جن لوگوں کے وقت میں عقد ہوا وہ مقدس ومکرم وعابد وزاہد اشخاص تھے بالخصوص سجادہ نشیں مذکور کے پدر حافظ قرآن صاحب سجادہ متوکل درویش، صاحب رشد وہدایت ومقدس تھے جن کی دختر و بھتیجے کا نکاح باہم انہیں کے زیر اہتمام ہوا تھا دیگر اکابر خاندان اہل اسلام معزز ومعتبر ونمازی شریک نکاح تھے، یہ الزام صرف نامزد شدگی کی نااہلی ثابت کرنے اور خود سجادگی حاصل کرنے کے ضرورت سے لگایا جاتا تھا اور چونکہ دونوں بھائیوں نے ایک اپنی ذاتی دکان درگاہ کے واسطے وقف کی ہے اس پر دوسرے سجادہ نشیں کا قبضہ نہ ہونے کے خیال سے اپنے واسطے سجادگی کی خواہش تھی حالانکہ واقف وقف کا خود متولی رہ سکتا ہے اور حیات میں دوسرا متولی مقرر کرنے کا اختیار ہے مگر غالبًا وہ مسئلہ کی ناواقفیت کی وجہ سے وہ پریشان ہوئے کہ شائد سجادگی کے ساتھ تولیت میری وقف کردہ جائداد کی بھی انہیں صاحب سجادہ کے متعلق ہو جائے ایسا اختیار کیا، ان کو اب تک کسی سے اجازت وخلافت بھی نہیں ہے اور صاحب درگاہ کی شاخ کے سلسلہ کے مشائخ سے غالبًا اب بھی اجازت وخلافت حاصل کرنے پر تیار نہیں ہیں: پس سوال یہ ہے کہ ایسی سجادگی جو اس طور سے حاصل کی گئی ہو جائز ہے یا نہیں، اور وہ سلسلہ صاحب درگاہ کے علاوہ کسی دوسرے خاندان سے بیعت واجازت وغیرہ حاصل کرلیں تو جائز ہوگی یا نہیں، مگر اس صورت میں صاحب درگاہ کا سلسلہ صاحب سجادہ سے جاری نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت سجادگی فوت ہو جائے گی صرف متولیانہ حیثیت ایسے شخص کی باقی رہے گی۔ مگر تولیت درگاہ ایسے متولی کی جس نے ترکیب مذکورہ بالا سے سجادگی وتولیت حاصل کی ہو کہاں تک جائز ہوگی، اور ایسی حالت میں خاندان صاحب درگاہ وصاحب طریقت سلسلہ صاحب درگاہ کو بقائے سلسلہ صاحب درگاہ کے واسطے کیا کرنا چاہئے، آیا منجملہ اولاد صاحب درگاہ جس سے سلسلہ جاری ہوا سے خلافت دلوا کر یا دیگر کوئی صاحب سجادہ ومتولی مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اول نامزد شدہ کو ترجیح ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایک احاطہ میں ایک بزرگ کا مزار اور ایک خانقاہ اور ایک مسجد واقع ہے خانقاہ میں مدرسہ اسلامیہ ایک وقف سے جاری ہے جس کے طلبہ بھی اس مسجد میں مثل دیگر اہل محلّہ پنجوقتہ نماز پڑھتے ہیں نماز جمعہ یہاں عرصہ سے نہیں ہوتی ہے، دوسری جامع مسجد میں ہوتی ہے، اس درگاہ کے صاحب سجادہ ہیں وہ مع دیگر اشخاص کے چند لوگ اس وقف کے متولی ہیں جس سے ضروریات مسجد ومدرسہ مذکورہ کا صرفہ ہوتا ہے، منجملہ ان کے زید بھی متولی ہے اور نیز ایک دوسرے وقف کا بھی

زید مذکور تنہا متولی ہے اس سے بھی مسجد مذکور کے آب وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے اور زید ہی کے ذمہ بوجہ حاضر باشی زائد اس مسجد کے اوقات نماز میں موسمی وضروری تغیرات مقامی کی وجہ سے تعین کرتا ہے اور اس مسجد کا موذن و امام معین ہیں ایام تشریق میں زیادہ تر لوگ بوجہ ادائے نماز جماعت مستحبہ التزامًا پنجوقتہ شریک ہونے کے عادی ہیں، انہیں ایام میں بعض اشخاص نے بلاانتظام امام معین ومقتدین قدیم بلااس کے کہ مؤذن و مکبّر معین تکبیر اقامت کہے معینہ مقام پر جماعت کرلی زید کو یہاں کا مقامی تجربہ ہے کہ عوام تہدید پسند ہیں اس خیال پر اس نے الفاظ ذیل تہدید کے لئے کہے اور مکرر جماعت مع ان قدیم مقتدیوں کے جو باقی تھے اسی مقام پر پھر ادا کی اس خیال سے کہ سابق پڑھنے والے غیر معین تھے اور کہا کہ جس کسی کو اس جماعت میں شریک ہونا نہ منظور ہو وہ ہماری مسجد میں نہ آئے، کیا استحقاق ان لوگوں کو ہے جنہوں نے بلاانتظار امام معین اور جماعت ومقتدین قدیم نماز پڑھ لی، پس لفظ "ہماری" کا جو مسجد کی طرف منسوب کیا حالانکہ وہ خانہ خدا ہے اور لفظ "نہ آنے" کا جو استعمال کیا حالانکہ مساجد میں اذن عام ہے اس سے زید کیا کرے صرف ندامت کافی ہے یا کوئی کفارہ اس پر لازم آیا اگر کفارہ ہے تو کیا؟ بلحاظ تجربہ زید یہ ہوا کہ بعد تہدید مذکور پھر جماعت اسی طور سے جیسی ہمیشہ سے چلی آتی تھی مسجد میں قائم ہے، اور جو لوگ بعد ادائے فرض عشاء جو سابقہ جماعت سے پڑھ چکے تھے مکرر جماعت میں زید کی تقریر کے بعد شریک ہوگئے ان کی یہ مکرر نماز کیا ہوئی اس دوسری جماعت کی نماز زید نے پڑھائی تھی اس میں ایک اور متولی وقف مذکور شریک تھے جن کو پہلے جماعت نہیں ملی تھی، مگر دوران نماز میں انہیں یہ خیال رہا کہ زید نے مسجد کی اپنی طرف نسبت کی اور اذن عام کے خلاف تقریر کی اگر میں اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتا تو اچھا تھا پس اس وقت گویا اس نے باستکراہ اقتدا کی اس لئے اس کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(ا) سجادہ نشینی خلافت خاصہ ہے جس میں اجرائے سلسلہ سجادہ وتولیت اوقاف درگاہ اور جملہ نظم ونسق ورتق وفتق وجمع وفرق ونصب وعزل عملہ میں صاحب سجادہ کی نیابت مطلقہ سب داخل، اور کوئی خاص بے عام متحقق نہیں ہوتا اور شرعًا معروف کا لمشروط ہے، معروف یہی ہے کہ سجادہ نشیں وہی ہوسکتا ہے جو اس سلسلہ میں ماذون ومجاز ہو کہ اس کا بڑا مقصد اس سلسلہ کا احیاء ہے نہ کہ مجرد تولیت، ولہٰذا جو سلسلہ صاحب درگاہ میں خلافت صحیحہ نہ رکھتا ہو کہیں سجادہ نشیں نہیں کیا جاتا اگرچہ دوسرے کسی سلسلہ کا مجاز ہو نہ کہ وہ جو راسًا مجاز ہی نہیں یوں تو سجادہ نشینی نری ممبری رہ جائے گی تو اخیافی بھانجہ غیر مجاز فی السلسلۃ بلکہ فی سلسلۃ سجادہ نشین نہیں ہوسکتا اور بعد کو اجازت لینی اس سجادہ نشینی کی تصحیح نہیں کرسکتی "**فان الشرط یتقدم و العام لایتأخر**" (کیونکہ شرط مقدم ہوتی ہے اور عام متاخر نہیں ہوتا۔ت) حضرت اسد العارفین سید ناشاہ حمزہ عینی

واسطی قدس سرہ فص الکلمات شریف میں فرماتے ہیں:

شیخے ازیں عالم نقل کرد وکسے راخلیفہ نگرفت قوم و قبیلہ وارثے یا مریدے کہ بخلافت وے تجویز نمایند ایں خلافت نزدیک مشائخ روانیست وایں نوع خلافت را خلافت افترائی گویند[1]۔	ایک شیخ نے اس جہاں سے انتقال فرمایا اور کسی کو خلیفہ نہ بنایا، قوم اور قبیلہ نے اس کے کسی وارث یا مرید کو خلیفہ تجویز کیا تو یہ خلافت مشائخ کے نزدیک جائز نہیں، خلافت کی اس قسم کو خلافت افترائی کہتے ہیں۔(ت)

رہی تولیت وہ بھی شرعًا حقیقی بھانجے کو حاصل کہ سجادہ نشین متولی نے اپنے مرض الموت میں اس کے لئے وصیت کی، اور دربارہ تولیت وصیت متولی ماخوذ و معتمد ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

انما صح اذافوض فی مرض موتہ وان لم یکن لہ التفویض عاما لما فی الخانیہ من انہ بمنزلۃ الوصی، وللوصی ان یوصی الی غیرہ[2]۔	تفویض تولیت صرف اس صورت میں صحیح ہوگی جب متولی اپنی مرض الموت میں تفویض کرے اگرچہ اس کو تفویض عام حاصل نہ ہو اس دلیل کی بنیاد پر جو خانیہ میں ہے کہ وہ بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو اختیار ہوتا ہے کہ دوسرے کو وصیت کرے۔

فتاوٰی تتمہ وغیرہا پھر اشباہ والنظائر پھر درمختار میں ہے:

اسناد الناظر النظر لغیرہ بلا شرط فی مرض الموت صحیح[3]۔	نگران وقف کا مرض الموت میں بلاشرط نگرانی کسی دوسرے کے سپرد کرنا صحیح ہے۔(ت)

یہاں تک کہ متولی نے جس کے لئے وصیت کی اس کے ہوتے ہوئے حاکم شرعی دوسرے کو متولی نہ کرے گا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

شرط فی المجتبی ان لایکون المتولی اوصی بہ لآخر عند موتہ فان اوصی لاینصب القاضی[4]۔	مجتبٰی میں شرط لگائی کہ متولی نے اپنی موت کے وقت کسی دوسرے کو متولی بنانے کی وصیت نہ کی ہو اور اگر اس نے وصیت کی ہے تو قاضی کسی اور کو مقرر نہ کرے۔(ت)

---

[1] فص الکلمات شاہ حمزہ عینی واسطی

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۱

[3] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۱

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

نہ کہ ایسے لوگ جن کو طلب تولیت میں یہ کچھ غلو ہو کہ اس کے لئے محصنات مومنات غافلات کو قذف کریں بلاوجہ مسلمان کو حرامی بنائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ[1]۔ رواہ البخاری و احمد وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک ہم ہر گز اپنے کسی کام پر اسے عامل نہ بنائیں گے جو اس کا طالب ہو (اس کو بخاری اور احمد اور ابوداؤد اور نسائی نے ابوموسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

طالب التولیۃ لایولی الاالمشروط لہ النظر لانہ مولی فیرید التنفیذ[2]۔	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا مگر اس وقت جب واقف نے اس کو متولی بنانے کی شرط کی ہو تو اس وقت اس کو متولی بنائیں گے کیونکہ وہ شرط کے سبب بن چکا ہے اور اب اس کے نفاذ کا طلب گار ہے۔ (ت)

رضاعت بے شہادت عادلہ مثل شہادت مال کے دو مرد یا ایک مرد و دو عورت سب ثقہ عادل اپنے معائنہ کی گواہی دیں ثابت نہیں ہوسکتی اور اگر مجرد کسی کا کہہ دینا کافی ہو تو آج زید نے عمرو کو کہا کل عمرو یا بکر زید کو کہہ دے گا کہ اس کے ماں باپ رضاعی باپ بیٹی تھے۔ درمختار میں ہے:

الرضاع حجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین او عدل وعدلتین[3]۔	حجت مال ہی حجت رضاعت ہے اور وہ دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت ہے (ت)

استفسار پر منہ پھیر لینا صریح دلیل انکار ہے دوبارہ پوچھنے پر کچھ کہنا اور مستفسر کا نہ سمجھنا اور ساعیوں کا کہہ دینا کہ اجازت دے دی معتبر نہیں تمام قرائن سابقہ عدم رضا پر صاف دال ہیں اور ساعی اپنے قول میں متہم۔ پس صورت مستفسرہ میں اخیافی کو نہ سجادگی ہے نہ تولیت، اور حقیقی بھانجہ ہی سجادہ نشین و متولی صحیح شرعی ہے، یہ صورت سوال کا حکم ہے اگر واقعہ اسی طرح ہو۔

[1] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۰۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۴

(۲) جماعت اولٰی امام وجماعت معینہ کا حق ہے ان سے پہلے اگر کچھ لوگ جماعت کر جائیں ان کو اعادہ جماعت کا حق ہے اور جماعت اولٰی یہی ہوگی جو انہوں نے کی جبکہ امام جامع شرائط جواز وحل امامت ہو۔ متن غرر اور اس کی شرح درر میں ہے:

لاتکرر الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الا اذا صلی فیہ اولًا غیر اھلہ لان حقھم لایسقط بفعل غیرھم [1]۔	مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت نہ کیا جائے مگر جب اہل محلّہ کے غیر نے پہلے جماعت کرالی ہو تو اہل محلّہ کو اذان واقامت کے ساتھ دوسری جماعت کرانے کا حق ہے جو دوسروں کے فعل سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

جن لوگوں نے بے انتظار امام ومؤذن وجماعت معین ومقام امام راتب پر جماعت کرلی اگر کسی صحیح ضرورت سے شرعی سے تھی مضائقہ نہ تھا مگر مقام امام پر قیام نہ چاہئے تھا، اور اگر بلاضرورت محض عجلت کے لئے ایسا کیا برا کیا تفریق جماعت کے مرتکب ہوئے اور وہ شرع مطہر کو سخت ناپسند ہے اور اگر خود اسی تفریق کی نیت سے اس کے مرتکب ہوئے تو ان پر اشد وبال اور **تفریقًا بین المومنین** کا صدق ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ بہر حال امام جماعت معینہ کو اعادہ جماعت کا ہر طرح حق تھا پھر اگر واقع دو صورت اخیرہ تھیں تو ضرور وہ پہلی جماعت مستحق ردو انکار تھی اور ازانجا کہ وقت وقت عشاء تھا کہ اس میں اور ظہر میں اعادہ نماز روا ہے تو اس پر رد کا یہ اچھا طریقہ تھا کہ جو پڑھ چکے تھے وہ بھی دوبارہ شریک کئے جائیں کہ آئندہ عوام اس تفریق میں شرکت سے باز رہیں اور ایسی جگہ تہدید کو کہنا کہ ہماری مسجد میں نہ آئے قابل مواخذہ نہیں بلکہ اصل شرعی رکھتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان لہ سعۃ ولم یضح فلایقربن مصلانا [2]۔ رواہ الامام احمد واسحٰق بن راھویۃ وابو بکر بن ابی شیبۃ وابن ماجۃ و ابویعلٰی والدار قطنی والحاکم و صححہ عن ابی ھریرۃ وفی الباب عن ابن عباس	جس کا ہاتھ پہنچتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہر گز ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔ (اس کو امام احمد، اسحٰق بن راہویہ، ابو بکر بن ابی شیبۃ، ابن ماجۃ، ابویعلٰی، دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا اور امام حاکم نے اس کو ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح قرار

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الصلوٰۃ فصل فی الامامۃ مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادۃ مصر ۱/ ۸۵

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲

رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	دیا ہے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ت)

وہی "ہماری مسجد" کا لفظ ہے اور وہی آنے سے ممانعت بلکہ "ہرگز" اور "پاس نہ آئے" دو لفظ زائد ارشاد ہوئے ہیں یہاں "ہماری" سے اضافت ملک مراد نہیں ہوتی، ہاں اگر صورت صورت اولٰی تھی یعنی ان لوگوں کا پہلے پڑھ لینا بضرورت صحیحہ شرعیہ تھا اور زید کو اس پر اطلاع نہ تھی اس نے ان پر تفریق جماعت کا گمان کرکے ایسا کہا تو زید پر اس کہنے کا مواخذہ نہیں بلکہ بلا تحقیق مسلمانوں پر بدگمانی کی جس سے توبہ لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو زیادہ گمان سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔(ت)

اور اگر ان پر بدگمانی نہ کی مگر یہ خیال کہ مبادا عوام حقیقت امر سے غافل ہو کر کہیں تفریق کے عادی نہ ہوجائیں تو یہ الزام بھی نہیں،

فانہ انما اراد تحفظھم، وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [2]۔	کیونکہ اس نے تو محض مسلمانوں کے تحفظ کا ارادہ کیا اور اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

اس جماعت میں جو پہلے پڑھ کر شریک ہوئے یہ ان کے نفل ہوئے اور وہ متولی جس نے بکراہت اقتدا کی اور یہ خیال رہا کہ نہ کرتا تو بہتر تھا اس کی بھی نماز ہوگئی جبکہ نہ ابتداءً فقط شرم ولحاظ سے ظاہراً بے نیت اقتدا شریک ہوا ہو نہ بعد کو قطع اقتدا کی نیت کرلی ہو،

وذٰلك لانہ فعل لا ترك فیعمل فیہ نیۃ القطع کالصلٰوۃ دون الصوم [3] کما یظھر بمراجعۃ الاشباہ وغیرہا۔	اور ایسا اس لئے ہے کہ بیشک یہ فعل ہے نہ کہ ترک تو اس میں نیت قطع عمل کرتی ہے جیسے نماز نہ کہ روزہ جیسا کہ اشباہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔(ت)

اس لئے کہ یہ لفظ کہ "نہ کرتا تو بہتر ہوتا" خود اس پر دلیل ہے کہ اقتدا کی اور اس پر مستمر رہا اگرچہ بکراہت جیسے فاسق کے پیچھے نماز کہ یہ اپنے زعم میں ان الفاظ کے سبب اسے مثل فاسق ہی سمجھتا تھا۔ احادیث کثیرہ صحیحہ میں ہے

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۷تا۵۰

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لاترفع صلاتهم فوق رؤسهم شبرا رجل ام قوما وهم له كارهون[1]۔ هذا لفظ ابن ماجة عن ابن عباس رضی الله عنهما بسند حسن۔	تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی، ایک وہ کہ کسی جماعت کی امامت کرے اور انہیں اس کی اقتدا ناگوار ہو (یہ لفظ امام ابن ماجہ کے ہیں انہوں نے اس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت فرمایا۔ ت)

تو باآنکہ مقتدیوں کے دل میں کراہت ہے اور ناگواری کے ساتھ اس کے مقتدی ہوئے ان کی نماز میں نقص نہ فرمایا بلکہ امام کی نماز میں جب کہ ان کی کراہت بوجہ شرعی ہو ورنہ وبال ان پر ہے کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ت)

اقول: وبالجملة النية هو القصد الجازم فاذا وجد وجدت وربما يقصد الانسان شيئا وهو له كاره وعن هذا نص علماؤنا ان الارادة ترجح احد المتساويين بل ربما ترجح المرجوح لمن عن له طريقان احدهما احسن فعمد الى الاخرى وقد قال الله تعالٰى "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ"[2]۔	اقول: (میں کہتا ہوں کہ) نیت قصد جازم کو کہتے ہیں، جب قصد جازم پایا گیا تو نیت پائی گئی بسا اوقات انسان کسی شیئ کا قصد کرتا ہے حالانکہ وہ اسے ناگوار ہوتی ہے، اس کی بنیاد پر ہمارے علماء نے نص فرمائی کہ ارادہ دو مساوی چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہے بلکہ بعض دفعہ مرجوح کو ترجیح دیتا ہے اس شخص کے لئے جس کو دو راستے در پیش ہیں جن میں سے ایک احسن ہے تو اس نے دوسرے کا ارادہ کرلیا اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ تم پر جہاد فرض کردیا گیا حالانکہ وہ تمہیں ناگوار ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۶: از اٹاوہ بازار ہوم گنج دکان حاجی عبداللہ خاں مرسلہ محمد خان صاحب ۷ اجمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد واقع میں محلّہ چوکر کنواں اٹاوہ میں پیش دروازہ ایک اراضی ملک مسجد ایسی ہے کہ جس پر ٹال لکڑی رکھی جاتی ہے دو شخص وارث علی وغیاث الدین اس کے متولی ہیں جنہوں نے اولاً چار سال کے واسطے مسمّٰی رحیم خاں کو ٹال رکھنے کے واسطے مبلغ ۱۰ماہوار کرایہ پر

[1] سنن ابن ماجه ابواب اقامة الصلوات باب من ام قوما وهم له کارهون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۶

دی تھی جس کی میعاد منقضی ہو گئی پھر کرایہ اضافہ کرنے کے بابت رحیم خاں مذکور سے کہا گیا اس نے اضافہ کرنے سے قطعی انکار کردیا اور کہا جو اس سے زیادہ دے اس کو اراضی کرایہ پر دے دو حسن اتفاق سے ایک دوسرا شخص مسمّٰی رحیم خان لہ عہ/ ماہواری پر لینے کو آمادہ ہوا، دونوں متولیوں نے رحیم خاں ثانی کو لہ عہ/ ماہوار پر دو سال کے لئے کرایہ نامہ لکھا کر رجسٹری کرادی مگر سابق کرایہ دار نے ہنوز زمین کو خالی نہیں کیا جو جدید کرایہ دار کو اس پر قبضہ دیا جائے، غیاث الدین متولی ثانی کرایہ دار سابق کا ہم خیال ہوگیا ہے اور اسکا دلی مقصد یہ ہے کہ اراضی اس کرایہ پر سابق کرایہ دار ہی کے پاس رہے وارث علی متولی اول نے کچہری دیوانی اٹاوہ میں خالی کرانے اراضی مسجد کی نالش رحیم خان سابق کرایہ دار پر دائر کردی ہے جس میں متولی ثانی نے شرکت سے قطعی انکار کردیا ایسی صورت میں غیاث الدین متولی ثانی مذکور قابل متولی رہنے کے ہے یا نہیں؟ اور وارث علی متولی اول کا یہ فعل موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں اور رحیم خان سابق قابل بے دخلی ہے یا نہیں؟ نیز مسجد کے نفع کے خیال سے لہ عہ/ ماہوار زمین اٹھانا متولی اول کی رائے کے موافق اولٰی ہے یا مے/ ماہوار پر حسب رائے متولی ثانی کی اور ایسی صورت میں کون کرایہ دار قابل ترجیح ہے مقدمہ چونکہ کچہری دیوانی میں زیر تجویز ہے، لہٰذا درخواست کی جاتی ہے جلد جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

جبکہ رحیم خاں ثانی نے تین روپے ماہوار اضافہ کرکے دو سال کے لئے رجسٹری کرالی ظاہر ہوا کہ وہ متعنت نہیں اور جبکہ غیاث الدین بھی اسے اجارہ دینے میں شریک تھا یہ اجارہ ضرور تام و نافذ ہوگیا اب غیاث الدین کو اس سے پھرنے کا کوئی استحقاق نہیں، رحیم خاں سابق کی بے دخلی واجب ہے غیاث الدین کے اب اس کا طرفدار ہو کر وقف کا نقصان اور اس کا فائدہ چاہتا اور خود اپنی تمام شدہ کارروائی کو باطل کرنے کا خواستگار ہے، تو اپنے ذاتی نفع کے لئے جو کچھ اضرار کرے تھوڑا ہے ایسا شخص امین نہ ہوگا بلکہ خائن اور خائن کا معزول کرنا واجب اگرچہ خود واقف ہو، درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا بزازیۃ ولو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیرمامون[1]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا (بزازیہ) اگرچہ وہ خود وقف کرنے والا ہو (درر) تو غیر واقف کو بصورت بدرجہ اولٰی نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ہاں اگر کوئی وجہ معقول قابل قبول بیان کرے کہ ثانی کو کرایہ پر دینے میں وقف کا یہ ضرر ہے اگر بظاہر معہ عہ/روپے کا نفع ہے مگر وہ ضرر شدید اس سے زیادہ ہے لہذا اب میں اس اجارہ کو فسخ کرنا چاہتا ہوں اور یہ امر ثابت ہوجائے تو اس پر الزام نہ رہے گا بلکہ اس کا خیال قابل پیروی ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۲: از علی گڑھ بازار موتی مسجد مرسلہ علی الدین سوداگر پارچہ ۲۹ رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا پردہ نشیں عورت کسی ایسے ولی کی درگاہ کی کہ جس کا سالانہ عرس اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے متولی ہوسکتی ہے؟ کیا پردہ نشیں عورت کسی ایسے قبرستان کو کہ جس میں چند مساجد ہوں اور اس میں نماز پنجگانہ ادا ہوتی ہو تو متولی ہوسکتی ہے؟

الجواب:

عورت بھی متولی او قاف ہوسکتی ہے ذکورت شرط تولیت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۳ تا ۴۱۶: از ہلدوانی نینی تال مرسلہ عزیز الرحمٰن صاحب ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

(۱) ناخواندہ شخص سود کے روپے سے روزگار کرنے والا اور ذاتی رنجش کی بناپر موقوفہ آمدنی کو بے جا بلا قاعدہ صرف کرنے والا اور اوقاف کی آمدنی کے روپے کو اپنی تجارت میں خلاف قاعدہ انجمن شامل کرکے ذاتی فائدہ حاصل کرنے والا انجمن اسلامیہ کوئی عہدہ دار یا منتظم یا امین ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) شخص مقروض معقول تعداد کا ہضم کرنے والا جو دیوالیہ ہوچکا ہے اور پابند صوم وصلوٰۃ بھی نہ ہو اور ضدی بھی امین یا اعلٰی عہدہ دار ہوسکتا ہے؟

(۳) انجمن اسلامیہ مذہبی خدمات کے واسطے کم از کم احتیاط کا شخص عہدیدار یا منتظم یا امین یا اہل ہوسکتا ہے؟

(۴) اکثر علمائے ہند کے فتووں کے خلاف اور مقامی مسلمانان کے خلاف اپنے ذاتی نفع ونمائش واغراض کے لحاظ سے معبد گاہ یعنی مسجد کو زیب وزینت دے کر دیگر مذاہب کے اشخاص کو مدعو کرکے فرش مسجد پر مستعمل جوتوں سے گزرتے ہوئے لے جا کر احاطہ مسجد میں جلسہ قرار دے کر اپنے مخالفوں کی حمد وثنا کرنا اور تالیاں بجا کر خوش وخرم ذکر کرنا اس قسم کے افعال کے اشخاص انجمن اسلامیہ کے عہدیدار ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

(۱) نہیں، درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ اولی لو	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا اگرچہ وہ خود وقف کرنے والا ہو تو غیر واقف کو

غیر مامون [1]۔	بصورت خیانت بدرجہ اولٰی نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

(۲) نہ رقم ہضم کرنے والا امین ہوسکے نہ غیر پابند صوم وصلوٰۃ کو افسری مل سکے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[2]۔	فاسق کو مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ مسلمانوں پر شرعًا اس کی توہین واجب ہے۔ (ت)

(۳) سنی، ذی علم، پرہیزگار، دیانتدار، ہوشیار، کارگزار۔

(۴) ایسے اشخاص ادنٰی عہدہ دار بھی نہیں ہوسکتے کہ فاسق مجاہر وبیباک ومبتلائے غضب رب الارباب ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامدح الفاسق غضب الرب واھتز لذٰلك العرش [3]۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔

مدح فاسق پر یہ حال ہے مخالفان اسلام مثل ہنود (جن کے مناقب آج لیڈر پکارتے ہیں اور ان کی جے بولتے ہیں اور وہی مساجد میں زینت مجلس بلکہ منبر پر واعظ مسلمین بنائے جارہے ہیں) ان کی جے پکارنے اور حمد گانے اور مسجد میں اس پر خوشی کی تالیاں بجانے پر اسلام بھی قائم رہنا دشوار ہے انجمن اسلامیہ کی عہدہ داری تو درکنار ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ و اشباہ والنظائر و مجمع الانہر و تنویر الابصار و درمختار وغیرہ میں ہے:

لو سلم علی الذمی تبجیلا کفر ولو قال لمجوسی یا استاذی تبجیلا کفر [4]۔	اگر ذمی کافر کو مسلمان بطور تعظیم سلام کہے تو کافر ہوجائے گا اور مجوسی کو تعظیمًا کہا اے میرے استاذ تو کافر ہوگیا۔ (ت)

ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی قرآن عظیم نے ناجائز فرمایا:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾" [5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۱/ ۲۵۱

[3] شعب الایمان باب فی حفظ اللسان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتاب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۱

[5] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۴۱۷: از بدایوں ۷ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک وقف عرصہ دراز سے چلا آتا ہے شرائط و حالات وقف کچھ معلوم نہیں ہیں بجز اس قدر کے تولیت ہمیشہ سے ایک خاندان خاص میں بلالحاظ وراثت چلی آتی ہے متولی حال نے اپنے ایک اہل خاندان کو اپنا خلیفہ اور سجادہ نشین بنایا اور بعد اپنے اپنا جانشین اور متولی قرار دیا، اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا باستحقاق وراثت دعویدار تولیت ہے، درانحالیکہ اس کا باپ حقیت موقوفہ سے برطرف کیا جاچکا ہے اور اقرار لکھ چکا ہے کہ کبھی معاملات وقف میں دست اندازی نہ کرے گا نیز بھتیجا مذکور متولی کو ضرر شدید پہنچانے میں سزا یاب ہوچکا ہے اور باہم متولی اور اس کے بھتیجے کے وقت وفات متولی ایک سخت دشمنی اور عداوت تھی، کیا شرعاً ایسا بھتیجا حقیت موقوفہ کا بمقابلہ جانشین نامزد شدہ کے متولی مقرر ہوگا یا متولی متوفی کا نامزد شدہ شخص مرجح ہوگا؟

الجواب:

تولیت میں توریث جاری نہیں محض بربنائے وراثت ادعائے تولیت باطل و مردود ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

واعتقادھم ان خبز الاب لابنه لایفید لما فیه من تغییر حکم الشرع[1]۔	اور ان کا یہ اعتقاد مفید نہیں کہ باپ کی روٹی بیٹے کی ہے کیونکہ اس میں حکم شرع کی تبدیلی ہے۔ (ت)

متولی حال نے جسے اپنے بعد متولی کیا متولی ہوگیا اگر یہ وصیت مرض موت میں کی جب تو ظاہر ہے کہ وہ جانشین بعد موت متولی ہوگیا اور بلاوجہ شرعی کسی کو اس سے منازعت اصلاً جائز نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

صح اذا فوض فی مرض موته وان لم یکن التفویض له عامًا لما فی الخانیة انه بمنزلة الوصی وللوصی ان یوصی الٰی غیرہ[2] اھ۔	متولی نے اپنی مرض موت میں کسی دوسرے کو ولایت سونپ دی تو صحیح ہے اگرچہ اس کے لئے تفویض عام نہ ہو اس دلیل کی بنیاد پر جو خانیہ میں ہے کہ متولی بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کو وصیت کرے۔ اھ (ت)

اور اگر اپنی حالت صحت میں کی اور قدیم سے اس وقف کے متولیوں میں اس کا دستور چلا آیا ہے کہ متولی

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۱

اپنی حیات وصحت میں اپنے جانشین کو اپنے بعد متولی بنالیتے ہیں اور وہ متولی ہوتا ہے جب بھی ظاہر ہے کہ یہی جانشین بشرط اہلیت شرعیہ متولی ہوگیا۔ دوسرا اس کی منازعت نہیں کرسکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرة سئل شیخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه، قال ینظر الی المعهود من حاله فیما سبق من الزمان من ان قوامه کیف یعملون فیه فیبنی علی ذٰلک[1]۔	ذخیرہ میں ہے شیخ الاسلام سے اس وقف مشہور کے بارے میں پوچھا گیا جس کے مصارف مشتبہ ہوگئے ہیں تو شیخ الاسلام نے فرمایا کہ قدیم زمانہ سے اس وقف کے بارے میں جو معمول چلا آرہا ہے اس پر نظر کی جائیگی کہ متولیان سابقہ اس میں کیا عملدرآمد کرتے تھے پس اسی پر بناء کی جائے گی۔ (ت)

اور اگر یہ معمول قدیم نہیں تو متولی اپنی صحت میں خود وقف سے جدا ہونا اور دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرنا ممنوع ہوتا کہ اس کے لئے اس کی اجازت جانب واقف سے بوجہ اشتباہ شرائط ثابت نہیں۔ درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامة غیره مقامه فی حیاته وصحته ان کانت التفویض له عاما صح والالا[2]۔	متولی نے ارادہ کیا کہ کسی اور شخص کو اپنی حیات وصحت میں اپنا قائم مقام کرے اگر اس کے لئے تفویض عام ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں (ت)

مگر یہاں ایسا نہیں بلکہ اپنے بعد اسکے لئے وصیت تولیت کی ہے تو یہ مطلقاً ہر صورت میں جائز وصحیح ہونا چاہئے جب تک مخالف شرع نہ ہو کہ بوجہ عدم علم شرائط مخالفت شرائط واقف سے محفوظ ہے وہی عبارت قاضیخان للوصی ان یوصی الی غیره[3] (وصی کو اختیار ہے کہ کسی اور شخص کو وصیت کرے۔ ت) اس کے لئے کافی ہے،

وترك السابقین لایدل علی شرط العدم بل علی عدم الشرط و المتبع العمل دون الترك الذی لیس من افعال المکلفین ولامقدورالهم[4]، کمافی	اور سابقین کا کسی چیز کو ترک کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کا نہ ہونا شرط ہے بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ہونا شرط نہیں اور اتباع عمل کی کی جاتی ہے نہ کہ ترک کی جو افعال مکلفین میں سے نہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی اجارة الاوقاف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۳۸

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الثانیة ادارة القرآن کراچی ۱/ ۴۷

غمز العیون وشتان ما الترك والکف ولم یثبت۔	اور نہ ہی ان کی قدرت میں ہے جیسا کہ غمز العیون میں ہے کف بمعنی روکنا ترک سے مختلف ہے اور کف ثابت نہیں ہوا (بلکہ ترک ثابت ہوا ہے۔(ت)

بالجملہ پہلی دو صورتوں میں جانشین مذکور کی صحت تولیت اصلاً محل شبہ نہیں جبکہ شرعًا اس کا اہل ہو، اور تیسری صورت میں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس کی تولیت صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱۸: از شہر محلّہ چڑھائی نیب مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب ۱۶ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک بزرگ نے اپنی حیات میں جائداد موقوفہ کا زید کو بذریعہ تملیک نامہ کے متولی کیا اور یہ لکھا کہ تاحیات یہ متولی رہے اور بعد اس کے جو متولی یا سجادہ نشین ہوئے اس کو بھی اسی تحریر کا کاربند رہنا چاہئے اور درصورت خلاف ورزی کے میرے مریدان سربرآوردہ جس کو مناسب سمجھیں مقرر کریں، ان بزرگ نے پردہ فرمایا اور بعد ایک زمانہ کے زید کا بھی کا انتقال ہوگیا اب زید کا لڑکا یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے باپ کا قائم مقام بنوں اور ان بزرگ کے وارثان شرعی یہ چاہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص ہونا چاہئے، تو ایسی صورت میں ازروئے شرع شریف کے وارثان متولی کا حق ہے یا وارثان بزرگ کا، اور فقیر کی گدی پر وراثت کسی کی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ جائداد پہلے زبانی وقف ہوچکی تھی اس کی توثیق کے لئے یہ وقف نامہ لکھا گیا ہے جسے غلطی یا ناواقفی سے تملیک نامہ لکھ دیا اس میں متولی مذکور کے بعد دربارہ تولیت کسی شرط کی تصریح نہیں ہے، ایسی صورت میں وارثان متولی مذکور کو تولیت پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا، تولیت ترکہ نہیں کہ وارثوں میں تقسیم ہو بلکہ حتی الامکان وارثان وقف میں سے جو لائق ہو متولی کیا جائے گا اگر ان میں کوئی نہ ہو تو اہل الرائے اہل علم مسلمانوں کے مشورہ سے کوئی دیندار ہوشیار کارگزار متولی کیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

(ومادام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لا یجعل المتولی من الاجانب) لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف الیھم[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب تک واقف کے اقارب میں سے کوئی ایک بھی تولیت کی صلاحیت والا موجود رہے گا اجنبی لوگوں میں سے کسی کو متولی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ واقف کا قریبی متولی وقف پر زیادہ شفقت کرنیوالا ہوگا کیونکہ اس کا مقصود یہ ہوگا کہ وقف کی نسبت اس کے خاندان کی طرف بنی رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

مسئلہ ۴۱۹: از ریاست رامپور شتر خانہ کہنہ احاطہ صابری مسئولہ واحد حسن صاحب ۶ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مزار کا زید متولی تھامزار کی جائداد اراضی بحق خدمت مزار موصوفہ معاف ہے، زید کا صاحب مزار سے کوئی سلسلہ نسبی وسلسلہ طریق کوئی تعلق نہیں تھا اب زید کا انتقال ہوگیا زید کا بیٹا عمرو جو بالکل خدمت مزار کا اہل نہیں ہے اور تمام جائداد کی آمدنی تغلب وتصرف کرلی ہے ایک حبہ صرف نہیں کیا تولیت کا خواستگار ہے۔ بکر یہ کہتا ہے کہ میں ان خدمات کا اہل ہوں اور صاحب مزار سلسلہ طریقت اور میرے خاندان کا مزار ہے، عمرو نے اکثر سامان تلف کردیا، عمرواخبث ہے اور خدمات انجام دینے کا اہل ہی نہیں ہے اور نہ مسلک درویشی عمرو کا ہے عندالقاضی صورت مسئولہ میں ہر دو فریق میں سے کون لائق تولیت نہیں اور کس کے نام جائداد کا اندراج ہونا چاہئے؟ عندالقاضی بکر کی اہلیت ثابت ہوچکی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیان مذکور اگر واقعی ہے تو عمرو تو کسی طرح متولی ہو ہی نہیں سکتا اگرچہ خود واقف نے اسے متولی کیا ہوتا بلکہ اگرچہ وہ خود ہی واقف ہوتا کہ وہ متغلب ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون[1]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا اگرچہ وہ خود واقف ہو تو غیر واقف بدرجہ اولٰی نکال دیا جائے گا۔ (ت)

اور بکر اگرچہ اہل ہو خواستگار تولیت ہے اور خواستگار تولیت کو متولی نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انالن نستعمل علی عملنا من ارادہ[2] رواہ احمد و الشیخان وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہم اپنے کام پر اس کے خواستگار کو ہرگز مقرر نہ کریں گے (اس کو امام احمد، شیخین وابوداؤد، اور نسائی نے حضرت ابوموسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

طالب التولیۃ لایولی الاالمشروط لہ	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا سوائے اس کے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

النظر لانہ مولی فیرید بہ التنفیذ [1]۔	کہ واقف نے اس کو متولی بنانے کی شرط کردی ہو کیونکہ وہ واقف کی شرط کی وجہ سے متولی بن چکا ہے اور اب اس کے نفاذ کا طلبگار ہے(ت)

لہٰذا کوئی اور کہ ہر طرح اہل ہو تلاش کرکے متولی کیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۰: از حیدرآباد دکن محلّہ سلطان پور مسئولہ سید فصیح اللہ صاحب ۵رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ کیا متولی اور منتظم مساجد مساجد کے مداخل ومخارج میں حسب خواہش بلاامتیاز طریق جائز وناجائز بذات خود بلا مشاورت، اہل اسلام دست تصرف دراز رکھ سکتے ہیں اور یقینی تغلب اور غبن فاحش کے باوجود مسلمانوں کی درخواست پر آمد وخرچ کے حساب کے عدم معاینہ کی بابت ان کا انکار واعراض جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

متولی اور منتظم پر اتباع شرع وشرائط ضروری ہے ان کے خلاف کسی فعل کا ان کو اختیار نہیں، اور اگر کریں تو مسلمانوں کو ان کی مزاحمت چاہئے، اور اگر خیانت یا ان کے باعث وقف پر ضرر ثابت ہو تو فوراً نکال دئے جائیں۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون [2]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائیگا اگرچہ خود واقف ہو اور غیر واقف ہو تو بدرجہ اولٰی نکال دیا جائے گا۔ (ت)

غبن وتغلب یقینی درکنار اگر مظنون بھی ہو تو مسلمانوں کو ان سے حساب سمجھنے کا حق پہنچتا ہے اور انکا اعراض سخت قابل اعتراض۔ درمختار میں ہے:

لاتلزم المحاسبۃ فی کل عام ویکتفی القاضی منہ بالاجمال لو معروفا بالامانۃ ولو متھما یجبرہ علی التعیین شیئا فشیئا [3]۔	متولی اگر امانت میں معروف ہو تو ہر سال تفصیلی محاسبہ اس پر لازم نہیں بلکہ قاضی اس سے اجمالی حساب طلب کرنے پر اکتفاء کرے گا اور اگر وہ متہم بالخیانت ہے تو قاضی اس کو ایک ایک شیئ کا تفصیلی حساب بتانے پر مجبور کرے گا۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۲

صورت مذکورہ میں وہ مجبور کئے جائیں گے تفصیلی حساب دکھائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۱ تا ۴۲۷: از لشکر گاہ بنگلور ملک میسور مسئولہ چودھری محمد حسین بکر قصاب صاحبان مسجد اعظم ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند آدمی مل کر ایک زمین خرید کر بالاتفاق بہ نیت وقف اس پر مسجد آباد کریں، امام مؤذن بھی مقرر کرلیں۔ بارہ سال سب واقفین باہم متفق رہے، نماز جماعت وجمعہ وغیرہ میں شریک رہے، مسجد کے لئے اوقاف واسطے آمدنی کے بھی خرید کر مسجد کے نام واسطے محاصل کے دے چکے، ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے بارہ سال بعد مسجد دور ہونے کے باعث ایک اور مسجد بھی فاصلہ بعید سے بنواڈالی اور دونوں مسجدوں میں شریک رہے، خدمات اور خرچ بھی محاصل اور ذات سے خرچ کرتے رہے وہ گروہ عرصہ ۲۵ سال سے ذاتی چندہ اس دوسری مسجد میں دیتے ہیں اور پہلی مسجد کے اوقاف بر حال خود جاری ہیں اب یہ لوگ جو جدا ہوئے ہیں ان کو پہلی مسجد والے حقوق وقف سے علیحدہ تصور کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم متولی اپنی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں اور دوسری مسجد والے کہتے ہیں ہمارا حق ہے کہ ہم سب واقف ہیں اور تولیت کا اختیار سب واقفین کو ہے، دوسرے گروہ والے کہتے ہیں کہ تمہارا حق بسبب جدا ہونے اور الگ بنوانے مسجد کے نہیں رہا، سوال یہ ہے کہ پہلے واقفین کا حق ساقط ہے یا باقی؟

(۲) متولی کا مقرر کرنا مسجد کے لئے ضروریات سے ہے یا نہیں؟

(۳) ایک سے زیادہ متولی مقرر کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) جب واقفین میں اختلاف ہو بعض زید کو متولی کریں بعض عمرو کو تو اکثر کو ترجیح ہے یا اقل کو، اور بر تقدیر مساوات کس کو اختیار نصب متولی کا ہے؟

(۵) واقف سے مراد سطح مسجد کا واقف مراد ہے یا آبادی کرنے والا اور عمارت بنوانے والا؟

(۶) قوم کو نصب امام و موذن وآبادی مسجد وغیرہ کا اختیار ہے یا واقفین کو؟

(۷) واقفین کے لئے ضرور ہے کہ ہمیشہ عملدرآمد اور قابض اپنے موقوف پر رہیں کیا قبضہ چھوڑنے سے حق واقفیت ساقط ہو جاتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) جب ان سب نے مل کر وہ مسجد بنائی سب اس کے واقف ہوئے جو حقوق کہ واقف کے ہیں سب کے لئے ہیں ایک فریق کے مسجد بنالینے سے پہلے کا حق زائل نہ ہوا یہ محض ظلم ہے۔

(۲) مسجد کے لئے متولی کا مقرر کرنا کچھ ضرور نہیں البتہ اوقاف کے لئے ضروری ہے۔

(۳) متولی متعدد بھی ہوسکتے ہیں وہ سب مل کر کام کریں گے ہر ایک مستقل نہ ہوگا۔

(۴) فقیر اس وقت کتابوں سے دور حالت سفر میں ہے جزئیہ پیش نظر نہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں زید وعمرو دونوں متولی ہو جائیں گے اور مل کر کام کرینگے کہ نصب متولی کی ولایت واقف کو ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

ولایۃ نصب القیم الی الواقف[1]۔	متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو ہے (ت)

اور وہ سب واقف ہیں اور نصب متولی متجزی نہیں تو ہر ایک کو اختیار کامل ہے تو دونوں متولی ہو جائیں گے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

ماثبت لجماعۃ فھو بینھم علی سبیل الاشتراك الافی مسائل الاولی ولایۃ الانکاح للصغیر والصغیرۃ ثابتۃ للاولیاء علی سبیل الکمال لکل (الی ان قال) والضابط ان الحق اذاکان ممالایتجزی فانہ یثبت لکل علی الکمال فالاستخدام فی المملوك ممالایتجزی[2]۔	جو چیز جماعت کے لئے ثابت ہو وہ ان سب میں مشترک طور پر ہوتی ہے سوائے چند مسائل کے جن میں سے پہلا مسئلہ نابالغ ونابالغہ کے نکاح کی ولایت کا ہے کہ وہ اولیاء میں سے ہر ایک کے لئے کامل طور پر ثابت ہوتی ہے (صاحب اشباہ کے اس قول تک کہ فرمایا) ضابطہ یہ ہے بیشک جو حق ناقابل تجزی ہو وہ ہر ایک کے لئے بطور کمال ثابت ہوتا ہے اور مملوک سے خدمت لینے کا حق ناقابل تجزی ہے۔ (ت)

(۵) اصل مسجد زمین ہے تو زمین کا واقف اصل مسجد کا واقف ہے اور جس نے اس میں عمارت بنا کر وقف کی وہ بنا کا واقف ہے اور بنا اگرچہ وصف ہے اس کے لیے حکم جز ہے تو وہ بھی وقف مسجد میں شریک ہے۔

(۶) عمارت ومرمت مسجد کا اختیار واقفین کو ہے اور انہیں کے امام ومؤذن مقرر کئے ہوئے اولٰی ہیں مگر یہ کہ جن کو قوم مقرر کرے وہ شرعاً مرجح ہوں تو انہیں کو ترجیح ہوگی۔ درمختار میں ہے:

البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الااذاعین القوم اصلح ممن عینہ البانی[3]۔	قول مختار کے مطابق مسجد کا بانی امام ومؤذن کے تقرر میں بنسبت قوم کے اولٰی ہے سوائے اس کے کہ قوم کا مقرر کردہ امام ومؤذن بانی کے مقرر کردہ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] الاشباہ والنظائر کتاب النکاح الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۴۴تا۲۴۶

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

(۷) واقف کے لئے وقف پر ہمیشہ قابض رہنا ضرور نہیں بارہا واقف دوسرے کو متولی کرتا ہے قبضہ متولی کا رہتا ہے مگر حق واقف ساقط نہیں ہوتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۸: از بڑودہ ناگروارہ گجرات مرسلہ یوسف علی خاں صاحب بہادر صدر انجمن اہلسنت وجماعت ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہلسنت وجماعت کو یہ جائز ہے کہ روافض کو جامع مسجد یا غیر مساجد کا متولی اور متصرف بنائیں اور ان کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کریں اور جو مسلمان ایسا کریں ان کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اہلسنت کی کسی مسجد خصوصًا مسجد جامع کا متولی رافضی کو کرنا شریعت مطہرہ وقرآن عظیم واحادیث صحیحہ وفقہ حنفی کی رو سے اصلًا کسی طرح جائز نہیں حرام قطعی ہے۔

(۱) یہ روافض نہ اہل قبلہ ہیں نہ مسلمان بلکہ بالیقین کفار مرتدین ہیں، ردالرفضہ میں بکثرت کتب معتمدہ حنفی وعقائد اہلسنت سے ان کے کافر مرتد ہونے کے روشن ثبوت دئے ہیں۔ بدائع امام ملک العلماء وفتاوٰے امام طاہر عبدالرشید وشرح الکنز امام فخر الدین زیلعی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

وھذا نصھا قال المرغینانی یجوز الصلاۃ خلف صاحب ھوی وبدعۃ ولاتجوز خلف الرافضی والجھمی والقدری والمشبھۃ ومن یقول بخلق القراٰن، وحاصلہ ان کان ھوی لایکفر بہ صاحبہ تجوز الصلٰوۃ خلفہ مع الکراھۃ والافلا ھکذا فی التبیین والخلاصۃ، وھو الصحیح ھکذا فی البدائع[1]۔	یعنی امام مرغینانی صاحب ہدایہ نے فرمایا: بدمذہب بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے اور رافضی وجہمی وقدری اور مشبہہ اور وہ جو قرآن عظیم کو مخلوق مانتے ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور حاصل یہ ہے کہ جس میں ایسی بدمذہبی ہو جس کے سبب اسے کافر نہ کہا جائے اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی مگر مکروہ ہوگی اور اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہے جیسے رافضی وغیرہ مذکورین کہ یہ سب کافر ہیں اس کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں، ایسا ہی تبیین الحقائق اور فتاوٰی خلاصہ میں ہے اور یہی صحیح ہے ایسا ہی بدائع میں ہے۔ (ت)

نیز فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۴

الرافضی اذاکان یسب الشیخین ویلعنهما العیاذ باللّٰه فهو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللّٰه تعالٰی وجهه علی ابی بکر رضی اللّٰه عنه لایکون کافرا الا انه مبتدع[1]۔	رافضی اگر صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی تعالٰی عنہما کو معاذاللہ برا کہتا اور تبرابکتا ہو تو وہ کافر ہے اور اگر صدیق اکبر سے مولٰی علی کو فقط افضل کہتا ہو تو کافر نہ ہوگا مگر گمراہ ہے۔ (ت)

فتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفارهم باکفارعثمٰن وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی اللّٰه عنهم[2]۔	یعنی جو لوگ حضرت عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں واجب ہے کہ ہم ان کافر کہنے والوں کو کافر کہیں۔

فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبقولهم فی خروج امام باطن (الٰی قوله) وهٰؤلاء قوم خارجون عن ملة الاسلام واحکام المرتدین[3]۔	یعنی رافضیوں کو کافر کہنا واجب ہے ان کے اس قول میں کہ اموات دنیا کی طرف لوٹیں گے اور اس قول میں کہ ایک چھپا ہوا امام نکلے گا اور یہ لوگ ملت اسلام سے خارج ہیں اور ان کے وہی حکم ہیں جو مرتدوں کے ہوتے ہیں۔

شرح مقاصد شرح تحریر الاصول و ردالمحتار علی الدرالمختار وغیرہا میں ہے:

اهل القبلة معناه الذین اتفقوا علی ماهو من ضروریات الاسلام واختلفوا فی اصول سواها والا فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات بصدور شیئ من موجبات الکفر عنه[4] اهمختصرًا۔	یعنی اہل قبلہ کے یہ معنی ہیں کہ جو تمام ضروریات دین کو مانتا ہو اور ان کے سوا بعض عقائد میں خلاف رکھتا ہو ورنہ اس میں کچھ خلاف نہیں کہ جس اہل قبلہ سے کوئی موجب کفر صادر ہو وہ کافر ہے اگرچہ تمام عبادتوں پر مداومت کرے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ٢/ ٢٦٤

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ٢/ ٢٦٤

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ٢/ ٢٦٤

[4] شرح المقاصد المبحث السابع فی مخالف الحق من اہل القبلة دارالمعارف النعمانیہ لاہور ٢/ ٢٦٩

شرح فقہ اکبر علی قاری میں ہے:

لایخفی ان المراد بقول علمائنا لاتجوز تکفیر اھل القبلۃ بذنب لیس مجرد التوجہ الی القبلۃ فان الغلاۃ من الروافض وان صلوا الی القبلۃ لیسوا بمؤمنین[1]۔	یعنی پوشیدہ نہیں کہ ہمارے علماء کے اس قول میں کہ اہل قبلہ کو کسی گناہ کے سبب کافر کہنا جائز نہیں فقط نماز میں قبلہ کو منہ کرلینا مراد نہیں کہ غالی رافضی اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں بلاشبہ کافر ہیں۔

اور مساجد اہلسنت خصوصًا مسجد جامع کا اسے متولی کرنا اور مسلمانوں کے ایسے عظیم دینی تصرفات اس کے ہاتھ میں رکھنا اس کی عظیم تعظیم ہے اور اس کی تعظیم سخت حرام ہے بلکہ بحکم فقہائے کرام کفر ہے۔ تبیین الحقائق وطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہما میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[2]۔	اس لئے کہ اسے گواہ بنانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شریعت میں اس کی توہین واجب ہے۔

فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر ودرمختار میں ہے: تبجیل الکافر کفر[3] کافر کی تعظیم کفر ہے۔

(۲) اس میں اسے مسلمانوں پر ایک افسری دینا ہے اور یہ حرام ہے۔ فتح القدیر ودرمختار وغیرہما میں ہے:

یمنع من استکتاب ومباشرۃ یکون بھا معظما عند المسلمین[4]۔	یعنی ذمی کافر کو بھی منشی بنانا یا اور کوئی ایسا عمل سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو جائز نہیں۔

حاوی قدسی وبحر الرائق ودرمختار میں ہے:

والنظم لہ ینبغی ان یلازم الصغار فیما یکون بینہ وبین المسلمین فی کل شیئ، وعلیہ فیمنع من القعود حال قیام المسلم عندہ بحر، ویحرم تعظیمہ[5]۔	یعنی کافر اور مسلمان کے ہر معاملہ میں کافر کو دبا ہوا ذلیل رکھنا چاہئے، مسلمان کھڑا ہو تو اسے بیٹھنے نہ دیں، ایسا ہی بحر میں ہے اور اس کی تعظیم حرام ہے۔

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر مطلب یجب معرفۃ لمکفرات الاجتناب بھا الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[4] درمختار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

[5] درمختار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

(۳) مساجد واوقاف کا متولی بنانا کیسے عظیم دینی کاموں میں ان سے استعانت ہے اور یہ ان تشریحات جلیلہ پر کہ **المحجة المؤتمنه** میں مذکور ہوئیں حرام ہے، قرآن عظیم فرماتا ہے:

"لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۙ ﴿۸۹﴾"[1]	غیروں میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ نہ مددگار۔

تفسیر ارشاد العقل السلیم علامہ ابوسعود عمادی وتفسیری فتوحات الٰہیہ میں ہے:

نهوا عن موالاتهم لقربة اوصداقة جاهلية ونحوهما من اسباب المصادقة والمعاشرة وعن الاستعانة بهم فى الغزو وسائر الامور الدينية[2]۔	یعنی مسلمان منع کئے گئے کافروں کی دوستی سے خواہ وہ رشتہ داری کے سبب ہو یا اسلام سے پہلے کے یارانے خواہ یاری اور میل جول کے اور کسی سبب سے اور منع کئے گئے اس سے کہ جہاد یا کسی دینی کام میں کافروں سے استعانت کریں۔

(۴) عقیلی وابن حبان وغیرہما کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

سيأتى قوم لهم نبز يقال الرافضة لايشهدون جمعة ولاجماعة ويطعنون على السلف فلاتجالسوا[3]۔	عنقریب کچھ لوگ آئیں گے ان کا بدلقب ہوگا انہیں رافضی کہا جائے گا نہ جمعہ میں حاضر ہوں گے نہ جماعت میں اور سلف صالح کو برا کہیں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ کھانا پینا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

اذمجالسة الاغيار تجر الى غاية البوار ونهاية الخسار[4]۔	اس لئے کہ غیروں کے پاس بیٹھنا حد درجہ کی بربادی اور انتہا درجہ کے نقصان کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

جب ان کے پاس بیٹھنا نری بربادی ہے تو انہیں مساجد واوقاف کا متولی کرنا کس درجہ کس قدر عظیم تباہی ہے۔

(۵) مسلمانوں کا ایسا عظیم کام اس کے سپرد کرنے میں اسے رازدار ودخیل کار بنانا ہے اور یہ حرام ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۹

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ ۳/ ۲۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳، الفتوحات الالٰھیۃ الشھیر بالجمل تحت آیۃ ۳/ ۲۸ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۷

[3] العلل المتناھیۃ حدیث ۲۵۷ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۶۱ والضعفاء الکبیر، حدیث ۱۵۳ ۱/ ۱۲۶

[4] مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان تحت حدیث ۱۰۸ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۳۰۹

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" [1]	کیا اس گھمنڈ میں ہو کہ یونہی چھوڑدئے جاؤگے اور ابھی وہ لوگ علانیہ ظاہر نہ ہوئے جو تم سے راہ خدا میں پوری کوشش کریں اور اللہ ورسول ومسلمین کے سوا کسی کو اپنا رازدار ودخیل کار نہ بنائیں اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

نهى الله تعالٰى المؤمنين ان يتخذوا بطانة من غير المؤمنين فيكون ذٰلك نهيا عن جميع الكفار، ومما يؤكد ذٰلك انه قيل لعمر رضى الله تعالٰى عنه هٰهنا رجل من اهل الحيرة نصرانى لايعرف اقوى حفظا ولا احسن خطا منه فان رأيت ان نتخذه كاتبا فامتنع عمر من ذٰلك وقال اذا اتخذت بطانة من غير المؤمنين [2]	یعنی اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ غیر مسلم کو اپنا رازدار نہ بناؤ تو یہ تمام کفار سے ممانعت ہے اور تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کہ شہر حیرہ میں ایک نصرانی ہے اس کا سا حافظہ اور عمدہ خط کسی کا معلوم نہیں حضور کی رائے ہو تو ہم اسے محرر بنالیں، امیر المومنین نے اسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ایسا ہو تو میں غیر مسلم کو رازدار بنانے والا ٹھہروں گا۔

تفسیر لباب التاویل وغیرہ پارہ ۶ میں ہے:

روى ان ابا موسٰى الاشعرى رضى الله تعالٰى عنه قال قلت لعمر بن خطاب رضى الله تعالٰى عنه ان لى كاتبا نصرانيا فقال مالك وله قاتلك الله الا اتخذت حنيفا يعنى مسلما اما سمعت قول الله	یعنی ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوا کہ میں نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے عرض کی میرا ایک محرر نصرانی ہے، فرمایا تمہیں اس سے کیا علاقہ خدا تم سے سمجھے کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر بنایا کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا کہ اے ایمان والو!

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۶

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۳/ ۱۱۸ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۸/ ۲۱۰

عزوجل "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ" قلت له دینه ولی کتابته قال لا اکرمهم اذا اهانهم الله ولا اعزهم اذا اذلهم الله ولا ادینهم اذا بعدهم الله قلت لایتم امر البصرة الا به فقال مات النصرانی والسلام یعنی هب انه مات فما تصنع بعد فما تعمل بعد موته فاعلمه الاٰن واستغن عنه بغیره من المسلمین[1]۔	یہود ونصارٰی کو یار نہ بناؤ، میں نے عرض کی اس کا دین اس کے لئے ہے مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے، فرمایا میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا جبکہ انہیں اللہ نے خوار کیا، نہ انہیں عزت دوں گا جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا، نہ ان کو قرب دوں گا جب کہ اللہ نے انہیں دور کیا۔ میں نے عرض کی بصرہ کا کام بے اس کے پورا نہ ہوگا۔ فرمایا مرگیا نصرانی، یعنی فرض کرلو کہ وہ مرگیا اس کے بعد کیا کروگے جو جب کروگے اب کرو اور کسی مسلمان کو مقرر کرکے اس سے بے پرواہو جاؤ۔

شرح سیر کبیر پھر ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

به ناخذ فان الوالی ممنوع من ان یتخذ کاتبا من غیر المسلمین لقوله تعالٰی "لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ"[2]۔	ہم امیر المومنین کے اسی ارشاد پر فتوٰی دیتے ہیں بیشک والی کو جائز نہیں کہ کسی کافر کو محرر بنائیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اپنے سوا اوروں کو رازدار نہ بناؤ۔

سبحٰن اللہ! جب ان کو محرر تک بنانا ناجائز وخلاف قرآن عظیم ہے تو مساجد مسلمین ان کے ہاتھ میں سپرد کرنا اور اتنا عظیم منصب دینا کس درجہ سخت حرام ہونا لازم۔

(۲) متولی کرنا حرام ہے مگر اسے کہ امین وخیر خواہ ہو، یہاں تک کہ خود واقف پر اگر اطمینان نہ ہو وقف سے اسے باہر نکال دینا واجب ہے۔ اسعاف فی حکم الاوقاف میں ہے:

لایولی الا امین لان الولایة مقیدة بشرط النظر و لیس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود[3]۔	متولی نہ کیا جائے مگر جس پر پورا اطمینان ہو کہ تولیت میں وقف کا فائدہ دیکھنے کی شرط ہے اور جس پر اطمینان نہ ہو اس کا متولی کرنا رعائت فائدہ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا کہ وہ اصل مقصود میں خلل ڈالتا ہے۔

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیة ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳۔۶۲

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰة باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[3] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف فی حکم الاوقاف کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

فتاوٰی بزازیہ و درر و غرر و تنویر الابصار و در مختار وغیرہا میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف فغیرہ اولٰی غیر مامون[1]۔	یعنی اگر خود واقف قابل اطمینان نہ ہو تو اسے نکال دینا واجب، پھر دوسرے کا کیا ذکر۔

اور قرآن عظیم شاہد ہے کہ غیر مسلم ہرگز کسی معاملہ کا خیر خواہ نہ ہوگا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۱۱۸﴾"[2]	اے ایمان والو! اپنے غیروں سے کسی کو راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے تمہارا مشقت میں پڑنا، دشمنی ان کے مونھوں سے ظاہر ہوچکی ہے اور جو ان کے سینوں میں دبی ہے وہ بڑی ہے، ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں صاف بیان فرمادیں اگر تمہیں عقل ہو۔

(۷) تنویر الابصار وغیرہ متون میں ہے: **العاشر حر مسلم**[3] (یعنی عشر تحصیل کرنیوالے کی تعریف میں آزاد اور مسلمان ہونا داخل ہے۔ غایۃ البیان امام اتقانی شرح ہدایہ و بحر الرائق شرح کنزالدقائق و ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

لایصح ان یکون کافرا لانہ لایلی علی مسلم بالاٰیۃ[4]۔	یعنی تحصیل عشر پر کسی کافر کو مقرر کرنا باطل محض ہے کہ بنص قرآن اسے کسی مسلم پر کوئی اختیار نہیں مل سکتا۔

عشر لینے والا راستوں پر مقرر کیا جاتا ہے کہ تاجروں سے عشر تحصیلے، راہ کی حفاظت کرے، جیسے بلاتشبیہ یہاں چونگی کا محرر اور راستوں کی چوکی کا پولیس مین۔ جب اتنی خفیف دنیوی خدمت پر انہیں مقرر کرنا اصلاً درست نہیں تو ایسے عظیم دینی کام پر تقرر کیونکر ممکن۔ (خاص تصریحاتِ مسئلہ) **(۸)** لاجرم صریح تصریحیں لیجئے۔ در مختار میں ہے:

بھذا یعلم حرمۃ تولیۃ الیھود علی الاعمال[5]۔	یہاں سے معلوم ہوا کہ اسلامی کاموں پر یہودی (یعنی کسی کافر کا متولی کرنا حرام ہے۔

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۶

[4] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[5] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۶

بحر الرائق ورد المحتار میں ہے:

لاشك فی حرمة ذٰلک [1]۔	اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔

شامی میں ہے:

ای لان فی ذٰلك تعظیمه وقد نصوا علی حرمة تعظیمه [2]۔	یعنی اس لئے کہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور بیشک ائمہ دین نے تصریحیں فرمائیں کہ کافر کی تعظیم حرام ہے۔

شرنبلالیہ علی الدرر پھر ردالمحتار میں ہے:

علم مماذکرناه حرمة تولیة الفسقة فضلا عن الیهود والکفرة [3]۔	یعنی جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ فاسقوں کو متولی کرنا حرام ہے چہ جائیکہ یہودی ودیگر کفار۔

(۹) تمام عبارات ودلائل کہ یہاں تک مذکور ہوئے مطلقاً ہر کافر میں ہیں اگرچہ کافر ذمی ہو جو سلطنت اسلامیہ میں فرمانبردار وجزیہ گزار ہوکر رہتا ہے اور اکثر معاملات میں اس کا حکم مسلمانوں کا سا رکھا گیا ہے نہ کہ حربی جس سے انقطاع کلی کا حکم ہے اور امان لے کر بھی دارالاسلام میں سال بھر تک رہ ہی نہیں سکتا کہ مرتد جسے سلطان اسلام فوراً قتل کرے گا اور اگر غور کے لئے مہلت مانگے تو تین دن کی مہلت دے گا اور ان میں بھی قید ہی رکھے گا، متولی کس وقت کرے گا۔ تنویر الابصار میں ہے:

لایمکن حربی مستأمن فینا سنة [4]۔	حربی مستامن ہمارے درمیان ایک سال نہیں ٹھہر سکتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

من ارتد عرض الحاکم علیه الاسلام وتکشف شبهته ویحبس وجوبا ثلثة ایام ان طلب المهلة والا قتله من ساعته الا اذا رجی	جو مرتد ہوجائے حاکم اس پر اسلام پیش کرے گا اور اس کے شبہ کا ازالہ کرے گا اگر وہ مہلت طلب کرے تو لازمی طور پر تین دن قید رکھا جائے گا ورنہ حاکم اسلام اسی وقت اس کو قتل کردے گا سوائے

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الجہاد فصل فی استیمان الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۶

(مطلب عبارات ردالمحتار)

اسلامہ بدائع[1]۔	اس کے کہ اس کے اسلام کی امید ہو، بدائع۔ (ت)

عبارت ردالمحتار یشترط للصحۃ بلوغہ وعقلہ لاحریتہ واسلامہ صراحۃ[2] (صحت تولیت کے لئے بلوغ اور عقل شرط ہے حریت اور صراحتًا مسلمان ہونا نہیں۔ت) خاص دربارہ ذمی ہے یعنی متولی بن سکنے کے لئے اسلام شرط نہیں کہ کافر ذمی بھی اگر متولی کیا جائے گا ہو جائے گا نہ یہ کہ کوئی کافر کیسا ہی ہو متولی ہو سکتا ہے، اس عبارت کے متصل ہی خود اس میں اس کی سند یہ لکھی:

لما فی الاسعاف لواوصی الی صبی تبطل فی القیاس مطلقًا وفی الاستحسان ھی باطلۃ مادام صغیرا ولوکان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا، ثم الذمی فی الحکم کالعبد فلواخرجھما القاضی ثم عتق العبد واسلم الذمی لاتعود الیھما اھ بحر ونحوہ فی النھر[3]۔	یعنی اسلام شرط نہ ہونے کی سند وہ ہے جو اسعاف میں فرمایا کہ اگر کسی نابالغ کو وصی کیا تو قیاس میں مطلقًا باطل ہے اور استحسان یہ ہے کہ اس کے نابالغ رہنے تک باطل ہے اور اگر غلام ہو تو قیاس واستحسان دونوں میں صحیح ہے اور حکم میں ذمی مثل غلام ہے، پھر اگر حاکم نے انہیں وصایت سے نکال دیا اور اس کے بعد غلام آزاد ہو اور ذمی اسلام لے آیا تو وصی نہ ہو جائینگے، یہ بحر میں ہے اور اسی کے مثل نہر میں۔

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لاتشترط الحریۃ والاسلام للصحۃ لما فی الاسعاف و لوکان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا والذمی فی الحکم کالعبد فلو اخرجھما القاضی ثم اعتق العبد واسلم الذمی لایعود الولایۃ الیھما کذا فی البحر الرائق[4]۔	یعنی متولی بن سکنے کے لئے آزادی واسلام اس سند سے شرط نہیں کہ اسعاف میں فرمایا کہ اگر غلام ہو تو قیاس واستحسان دونوں میں اس کی وصایت ممکن ہے اور حکم میں ذمی بھی غلام کے مثل ہے اور اگر قاضی نے انہیں نکال دیا پھر غلام آزاد اور ذمی مسلمان ہوا تو اس سے وصایت ان کی طرف عود نہ کر آئے گی، ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔

دیکھو صراحۃً کلام کافر ذمی میں ہے اور مرتد ہرگز اس کی مثل نہیں وہ سب کافروں سے بدتر ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۶-۳۵۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۸

اشباہ والنظائر میں ہے:

المرتد اقبح کفرا من الکافر الاصلی[1]۔	یعنی مرتد کفر میں کافر اصلی سے بدتر ہے۔

شرط اسلام نہ ہونے کے لئے ایک قسم کے کافر کا کسی ایک صورت میں متولی بن سکنا کافی ہے نہ کہ شرطیت اسلام جبھی نہ ہوگی کہ ہر قسم کا کافر متولی بن سکے مگر کم علمی و نافہمی عجب چیز ہے پھر صحت کے لئے شرط نہ ہونے سے اتنا ہی تو ہوا کہ بن سکنا محتمل ہے نہ یہ کہ اسے متولی بنانا جائز وحلال ہے۔ ابھی ابھی اسی ردالمحتار ودیگر معتمدات سے صاف تصریحیں گزریں کہ کسی کافر کو متولی بنانا مطلقاً حرام ہے اور اسی میں کلام ہے، جو امر ہمارے دین میں حرام ہے اسے روا رکھنا صریح مذہبی دست اندازی وبدخواہی اسلام ہے۔

(۱۰) پھر یہ بھی اس حالت میں ہے کہ اس کے ذمہ صرف نگہداشت یا ضروری اشیاء کی خرید وفروخت حساب کی لکھت پڑھت ہو کسی مسلمان پر اسے کوئی اختیار نہ دیا گیا ہو اس صورت میں متولی اگرچہ ہوسکے گا مگر کرنا حرام ہے۔ ردالمحتار کی عبارت مذکورہ اسی صورت میں متعلق ہے اور اگر اسے کوئی اختیار دیا جائے مثلاً امام یا مؤذن یا فراش یا اور کسی ملازم کی موقوفی یا بحال یا اضافہ یا کمی یا رخصت یا معطل میں کچھ دخل۔ جب تو اس کی تولیت نہ صرف حرام بلکہ باطل محض ہے ہو سکتی ہی نہیں جیسا کہ ابھی اسی ردالمحتار وبحر الرائق وغایۃ البیان سے گزرا اور انہیں کتابوں میں اس پر اس آیہ کریمہ سے دلیل لائے:

"لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾"[2]۔	یعنی شریعت الٰہیہ ہرگز کسی کافر کو کسی مسلمان پر کوئی اختیار نہ دے گی۔

(خلاصہ حکم مسئلہ) بالجملہ رافضی کو مسجد خواہ کسی وقف کا ذی اختیار متولی کرنا جس سے کسی مسلمان ملازم وغیرہ پر اسے کوئی اختیار ملے یہ تو ممکن ہی نہیں اگر کیا جائے نہ ہوسکے گا اور اس کی تولیت باطل محض ہوگی اور محض بے اختیار متولی کیا جائے یہ بھی کم از کم قطعاً حرام اور مذہبی دست اندازی وبدخواہی اسلام ہے۔ بفرض غلط اگر رافضی کافر نہ بھی ہوتا تو مجرد فاسق عملی سے تو یقیناً بدتر ہے کما نص علیہ فی الغنیہ شرح المنیہ، اور ابھی شرنبلالیہ وردالمحتار سے گزرا کہ فاسق کا متولی کرنا بھی حرام ہے۔ یہ ہے مسئلہ کی تحقیق وباللہ التوفیق۔

(۱۱) روافض کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کرنا ہرگز جائز نہیں کہ جب وہ شرعاً مسلمان ہی نہیں تو وہ نہ اہل عبادت ہیں نہ ان کی نماز نماز کہ عبادت کی پہلی شرط اسلام ہے اور جب ان کی نماز باطل محض ہے

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۱

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

تو انہیں شریک کرنا صف کا قطع کرنا ہوگا کہ غیر نمازی صف میں کھڑا ہے اور صف کا قطع کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قطع صفا قطعه الله[1]۔ رواه النسائی والحاکم عن ابن عمر رضی الله عنهما بسند صحیح۔	جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ اس کو امام نسائی اور امام حاکم نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

رافضیوں کے بارے میں حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بتخریج عقیلی وابن حبان گزری اس کی روایت ابن حبان میں ہے:

ولا تصلوا علیهم ولا تصلوا معهم[2]۔	نہ رافضیوں کے جنازے کی نماز پڑھو نہ رافضی کے ساتھ نماز پڑھو۔

(۱۲) جو لوگ ان احکام شرعیہ کی مخالفت کریں رافضی کو متولی بنائیں یا اسے نماز میں داخل کریں صراحۃً شریعت کے بدلنے والے اور احکام الٰہی کے خلاف چلنے والے اور مستحق تعزیر شدید وعذاب مدید ہیں یہ بھی جب کہ ان روافض کے عقائد پر مطلع ہو کر انہیں کافر جانیں اور براہ خباثت نفس اپنے کسی دنیوی علاقہ کے سبب ان امور کے مرتکب ہوں ورنہ ایسی حالت میں انہیں مسلمان جانیں تو خود ہرگز مسلمان نہ رہیں گے۔ بزازیہ وذخیرۃ العقبٰی ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہ میں ہے:

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر[3]۔	جو ان کے عذاب اور کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

تنبیہ: یہ احکام کہ ہم نے لکھے یعنی مسجد خواہ کسی وقف کا ادنی ذی اختیار متولی اصلاً نہ ہوسکنا اور غیر ذی اختیار متولی کرنا بھی حرام ہونا اور اسلامی کسی کام میں انہیں دخل دینا باطل ومردود ہونا اور نماز میں انہیں داخل کرنے کی تحریم اور یہ کہ ان کی نماز نماز نہیں، یونہی جملہ احکام ارتداد کے ان کے تمام اعمال حبط اور ان کے نکاح باطل وفسخ، اور یہ کہ جہاں بھر میں کسی سے ایسے عقیدہ کے مرد یا عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ مرتد سے، جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا، اور یہ کہ وہ اپنے کسی مورث کے اصلاً وارث نہیں ہوسکتے اگرچہ ان کا باپ یا بیٹا ہو اور یہ کہ انہیں کسی بالغ یا نابالغ

[1] سنن النسائی کتاب الامامۃ والجماعۃ باب من وصل صفا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۱
[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن انس الخ حدیث ۳۲۵۲۸_۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۴۰
[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

پر اگرچہ ان کی اولاد ہو کوئی ولایت نکاح وغیرہ کی نہیں ہو سکتی اور یہ کہ ان سے میل جول حرام اور یہ کہ ان کی حیات یا موت میں کوئی اسلامی برتاؤان سے حرام۔ یہ تمام احکام نہ صرف ان رافضیوں بلکہ ان جمیع فرق واشخاص کے لئے ہیں جو باوصف کلمہ گوئی اپنے کسی عقیدہ یا عمل میں کفر رکھتے ہیں جیسے ہر قسم کے وہابی اور نیچری اور قادیانی اور چکڑالوی اور حلول یا اتحاد بکنے والے جھوٹے صوفی اور اب سب سے نئے اکثر گاندھوی کہ یہ سب مرتدین ہیں اور ان سب پر وہی احکام جیسا کہ علمائے حرمین طیبین کے دونوں مشہور فتاوٰی الحرمین وحسام الحرمین وغیرہما اور **المحجة المؤتمنه** سے ظاہر ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی حق ارشاد فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے اور ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اوقاف کے اجارہ کا بیان

مسئلہ ۴۲۹: از پیلی بھیت مرسلہ جناب مولٰنا محدث سورتی دام فیضہ ۱۹ صفر ۱۳۲۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع وقفی پانچ برس کو ممبران انجمن اسلامیہ سے ایک توفیر معین پر ٹھیکہ لیا، علاوہ شرائط ٹھیکہ کے ایک درخواست ٹھیکہ دار نے بعد ایک سال کے اس مضمون کی دی کہ چونکہ انجمن کے ممبر وغیرہ زائد از پانچ سال کو ٹھیکہ شرعاً نہیں دے سکتے لہٰذا بغرض کارگزاری آئندہ مجھ سے معاہدہ تحریری کرالیا جائے کہ آئندہ پانچ برس کو بھی ٹھیکہ مجھی کو دیا جائے، چنانچہ معاہدی تحریری دستخطی کرلیا گیا کہ اگر اسامیان موضع کو ٹھیکہ دار رضامند رکھے اور باغ کی توفیر زیادہ کرے گا اور محافظت کرے گا تو آئندہ کو بھی اسی توفیر پر دیا جاسکتا ہے مگر توفیر باغ کو بدستور رہی اور اسامیان راضی نہیں، پس ایسی صورت میں اراکین انجمن کو پابندی لازم ہے یا نہیں؟ باینمہ کہ اور اشخاص کی درخواستیں ٹھیکہ جدید کی زائد از سابق موجود ہیں جس میں مسجد ومدرسہ کا نفع ظاہر ہے، علاوہ ازیں اگر ٹھیکہ والے سابق نے پابندی معاہدہ کی موافق کی ہو یعنی اسامیان دیہہ کو راضی رکھنے کا اہتمام کیا ہو اور باغ کی توفیر کی زیادتی میں سعی کی ہو مگر اتفاق سے ان کی رضامندی نہ ہو سکی اور توفیر میں ترقی نہ ہو سکی تو کیا ایسی صورت میں معاہدہ کی پابندی اراکین انجمن اسلامیہ کو لازم ہوگی اور اس کو اسی توفیر پر ٹھیکہ دینا جائز ہے گو مسجد مدرسہ کا نقصان ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اراکین پر اس معاہدہ کی پابندی نہ صرف غیر ضروری بلکہ محض ناجائز وممنوع وگناہ ہے وہ معاہدہ

محض باطل وشرعًا مردود ونارو ا تھااور باطل کا حق یہ ہے کہ مٹایا جائے نہ کہ پابندی ہو۔دیہات کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے باجماع مذاہب اربعہ باطل وناجائز ہے،اس ٹھیکہ میں زمین تو اجارہ مزارعین میں ہوتی ہے اور توفیر آئندہ کا ٹھیکہ دیا جاتا ہے اور یہ حرام ہے عقد اجارہ شرع نے منافع کے لئے رکھا ہے،نہ عین کے لئے،منفعت جیسے مکان میں رہنا گھوڑے پر چڑھنا اور عین جیسے روپیہ غلہ پھل وغیرہا،توجو اجارہ استہلاک عین پر واقع ہو مردود و باطل ہے،

الاماخصه الشرع کاجارۃ الضرع للارضاع فانها علی اللبن و اللبن عین لکن ورد الشرع بإباحتها علی خلاف الاصل فیقتصر علی مورده۔	مگر جس کو شرع نے مخصوص کردیا ہو جیسے دودھ پلانے کے لئے کوئی دودھ والا جانور اجرت پر لینا کیونکہ یہ اجارہ دودھ پر واقع ہوا اور دودھ عین ہے لیکن شرع خلاف قیاس اس کی اباحت پر وارد ہے لہٰذا یہ حکم اپنے مورد پر بند رہے گا(ت)

فتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ ودر مختار وردالمحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے اور فتاوٰی فقیر میں اس کی کامل تفصیل وتنقیح۔اور اگر اس سے قطع نظر ہی کریں تو **اولًا**: اراکین کی وہ تحریر صرف ایک وعدہ تھی اور وفائے وعدہ پر جبر نہیں **کما فی الاشباہ و الھندیۃ وغیرھما** (جیسا کہ اشباہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت)

ثانیًا: وہ وعدہ بھی لفظ ان شاء اللہ کے ساتھ تھا جو حلف کے اثر کو بھی باطل کردیتا ہے۔

ثالثًا: اراکین کو کوئی اختیار نہ تھا نہ ہے کہ وقف کے نقصان کا وعدہ کرلیں اور اپنے وعدہ کے نباہ کے لئے وقف کا نفع کھوئیں۔

بالجملہ وہ تحریر تو محض مہمل اور یہ رائج ٹھیکہ باطل وحرام ہے،اراکین کو چاہئے کہ دیہات میں جس وقت سال تمام ہوتا ہے اس وقت نظر کریں کہ بعض مزارعین سے پٹہ کی میعاد باقی ہے یا سب کی ختم ہوگئی یا کل یا بعض ایسے ہیں جن سے کسی میعاد معین کا معاہدہ نہ ہوا سال بسال زراعت کرتے اور اجرت دیتے ہیں،یہ تین صورتیں ہیں۔صورت دوم میں توظاہر ہے کہ زمین دیہہ اجارہ سے پاک وخالص ہوگئی،اور صورت سوم میں تمام مزارعوں کو اطلاع دے دیں کہ سال آئندہ زمین ہماری طرف سے تم کو اجارہ میں نہ دی جائے گی بلکہ ہم کل زمین دیہہ فلاں مستاجر کو اجارہ دیں گے اس کی طرف سے تم کو بدستور اجارہ ملے گی جس سے تمہارے معمول میں فرق نہ آئے گا یوں زمین دیہہ خالص ہوجائے گی،صورت اول میں البتہ دقت ہے اس کا علاج یہ ہے کہ جس جس کی میعاد باقی ہے اسے بلاکر سمجھایا جائے

کہ ہم صحت شرعی کے لئے یہ کارروائی کرتے ہیں جس کا کوئی اثر تمہارے خلاف نہ پڑے گا تم زبانی کہہ دو کہ ہم نے بقیہ میعاد کے اجارہ زمین سے دست برداری کی، اس سے تمہیں ضرر نہ ہوگا زمین بدستور تمہیں کو ملے گی کاغذی عملدرآمد میں تبدیل نہ ہوگی شرعی طور پر سال آئندہ سے ہمارے بدلے فلاں مستاجر سے تم کو زمین اجارہ میں ملے گی جب وہ اس پر راضی ہو کر فسخ اجارہ کردیں یوں تمام زمین خالص ہوجائے گی، بعد مستاجر سے کہا جائے کہ ہم نے اس تمام دیہہ کی زمین پانچ برس کے لئے فی سال اتنے روپے کے عوض تمہارے اجارہ میں دی وہ قبول کرے یہ عقد صحیح وجائز شرعی ہوگا اور زر ٹھیکہ وقف کے لئے حلال ہوگا جو بچا مستاجر کے لئے حلال ہوگا ورنہ طرفین گنہگار، اور نشست کم ہوئی تو اصل منافع موجودہ سے جتنا زائد آئے گا وقف کے لئے حرام ہوگا وہ ملک مستاجر ہے اور نشست زیادہ ہو تو جتنا بچا وہ مستاجر کے لئے حرام ہوگا وہ مال وقف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳۰: مسئولہ ظہور الدین صاحب وکیل بریلی محلّہ خواجہ قطب ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر زیر تجویز ہے جس کی اوپر کی منزل پر تعمیر ہونا قرار پایا ہے لیکن مسجد کو وسیع بنانے اور اس کا ٹھیک رخ قائم کرنے میں ایک جزو مکان دوسرے شخص کا بھی آتا ہے یہ جزو ایک چھوٹے مثلث کی شکل میں ہے یہ شخص مالک مکان اس مثلث کو وقف کرنے کو تیار ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ تعمیر مسجد جو اوپر بنے گی نیچے کے قطعہ مثلث کو اس کو دوامی طور پر کرایہ یا چانٹی پر دے دیا جائے تاکہ وہ شخص اس پر تعمیر نیچے نیچے کرلے اس کا یہ خیال ہے کہ میرا مکان جو مثلث قطعہ دینے سے کوٹھا ٹوٹ کر ناقص ہوجائے گا پھر نیچے نیچے کوٹھے کی تعمیر کرنے سے درست رہے زمین موقوفہ رہے گی اور اس کا کرایہ وہ ادا کیا کرے گا، ذیل میں ایک نقشہ بغرض سہولت فہم بنادیا گیا ہے جس میں ا، ب، ج سے اراضی استفتا طلب دکھائی ہے آیا بعد وقف کے اس کو اراضی اس طور سے کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں کرایہ ضرور مسجد میں صرف ہوگا، نقشہ یہ ہے:

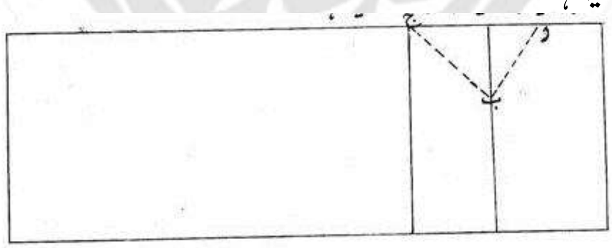

الجواب:

وہ شخص اپنا خاص جزو مکان اس مسجد کے نام وقف کردے اور وقف نامہ رجسٹری کرادے پھر مصارف مسجد کے لئے یہ خاص ٹکڑا اس شخص کو اجرت مثل پر اجارہ میں دے دیا جائے اور ہر تین سال کے بعد کرایہ نامہ کی تجدید کی جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ وقف کرتے وقت وقفنامہ میں متولی مسجد کو یہ اجازت لکھ دے کہ یہ خاص ٹکڑا زیادہ مدت کے لئے بھی مجھ کو اجارہ میں دیا جاسکے اس صورت میں تین سال کی قید نہ رہے گی مگر وقف کیلئے زیادہ احتیاط اسی پہلی صورت میں ہے، درمختار میں ہے:

یراعی شرط الواقف فی اجارتہ فلو اھمل الواقف مدتھا قیل تطلق الزیادۃ للقیم وقیل تقید بسنۃ مطلقًا، وبھا ای بالسنۃ یفتی فی الدار وبثلاث سنین فی الارض الا اذا کانت المصلحۃ بخلاف ذلک[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وقف کے اجارہ میں شرط واقف کو ملحوظ رکھا جائے گا اگر واقف نے مدت اجارہ کا تعین نہیں کیا تو ایک قول یہ ہے کہ متولی کے لئے زیادتی کی اجازت مطلق رکھی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سال کے ساتھ مقید ہوگی اور ایک سال کی مدت پر ہی فتوٰی دیا جائے گا، مکان کے بارے میں اور تین سال کی مدت پر فتوٰی دیا جائے گا زمین کے بارے میں سوائے اس کے کہ مصلحت اس کے خلاف میں ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳۱: از پیلی بھیت محلّہ کھکرا مرسلہ حمید الدین خان صاحب کارندہ اکبری بیگم ۶ رمضان مبارک ۱۳۲۶ھ

قبلہ دوجہاں وکعبہ دین وایماں دامت برکاتہم بعد تمنائے قدمبوسی عارضی، بی بی صاحبہ نے جائداد وقف کی ہے وارث سے اندیشہ ہے کہ بعد وفات منسوخ کراکر قبضہ مالکانہ کریں حضور سے دریافت کیا کہ یہ تحریر شرعًا درست ہے اگر اس میں کوئی شک ہے تو دوسرا کاغذ رجسٹری کرادیا جائے، وقف نامہ معہ صہ /کے اسٹامپ پر تحریر ہے اس کی نقل واسطے ملاحظہ اقدس ارسال خدمت ہے جس وقت حضور کا جواب آئے گا تب داخل خارج کی درخواست دی جائے گی بی بی صاحبہ نے اپنی دوسری جائداد سے حصہ وارثان کو دے دیا ہے، یہ جائداد وقف کی ہے۔ **(وقف نامہ)**

خلاصہ وقف نامہ: میں اکبری بیگم فارسی خواندہ بنت عبدالرشید خاں مرحوم ساکنہ پیلی بھیت محلّہ کھکرا بحالت صحت نفس وثبات عقل اپنی خوشی سے اس وقت اپنی جائداد حسبۃً للہ واسطے مصارف

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۶

خیر اطعام مساکین و پارچہائے سرماو گرمائے مساکین و تجہیز و تکفین غربائے اسلام و جہیز دختران مساکین وصرف خیر مساجد ومدارس دینی وحرمین شریفین زادہمااللہ شرفاً وتعظیماً وقف لوجہ اللہ کرتی ہوں تاحیات خود متولی رہوں گی بعد میرے فیاض الدین احمد خاں، بعد ان کے ان کی اولاد ذکور جو پابند شرع شریف ہو بمعیت حکیم خلیل الرحمٰن خاں و مولوی وصی احمد صاحب رہیں گے، متولیان سو روپے سال اصغری بیگم کو جو میری چھوٹی بہن ہے دیتے رہیں بعد ان کے ان کی اولاد ذکور کو جو پابند شرع شریف ہو دیتے رہیں نیز یہ بھی شرط ہے کہ میری رائے میں بحالت تولیت میری اس حقیت کا بیع یا رہن کرنا یا ٹھیکہ دینااور اس سے دوسری جائداد یا اور کوئی شے مفید واسطے منافع اغراض وقف کے خرید کرنا ضرور معلوم ہو تو ایسا کرنے کا حسب شرائط دستاویز ہذا مجھے اختیار ہوگااس لئے کہ موت کا وقت مقرر نہیں ہے لہذاانتظاماً واحتیاطاً یہ وقف نامہ لکھا گیاافضل خیرات شرعاً یہ ہے کہ جائداد مذکورہ کسی قیمت مناسب پر فروخت کرکے وقتاً فوقتاً خود اپنے ہاتھ سے خیرات کرتی، لہذاتاحیات اپنی مجھ کو اختیار ہوگا کہ جس وقت چاہوں فروخت کرکے حسب رائے خود خرچ کروں اور جو کچھ بعد میں باقی رہے گااس سے شرائط وقفنامہ ہذا متعلق ہوں گے اگر میری حیات میں متولیان سے کوئی فوت ہوجائے تو مجھ کو متولی مقرر کرنے کاخود اختیار ہوگا، متولیان کو چاہئے ۱/سال بطور خیرات تاحیات اس کے مسماۃ بنی کو جو اس وقت میرے پاس ہے بعد میرے دیا کریں گے بعد وفات اس کے یہ روپیہ دیگر خیرات میں شامل کیا جائے اگر خدانخواستہ ملک حجاز اپنی بدقسمتی سے نہ پہنچ سکوں تو میری قبر کسی بزرگ کے قریب بنوائی جائے اور محفوظ ممیّز کردی جائے اور ایصال ثواب قرآن شریف وکلمہ ودرود میں ۱۰ سال تک خرچ کیا جائے چونکہ آمدنی جائداد کی تعیین نہیں ہوسکتی میری رائے میں منہائے اخراجات متعلق جائداد کے ایک ثلث حرمین شریفین میں واسطے خیرات کے دیا جائے، اور ایک ثلث طلبائے علم دین ومصارف مساجد پیلی بھیت ومدرسہ عربی واقع پیلی بھیت، ایک ثلث فقراء ومساکین واطعام وغیرہ، اور واسطے ایصال ثواب شاہ محمد شیر صاحب کے ۱/روپے سالانہ یا جس قدر زائد گنجائش ہو کیا جائے مجھے حکام سے امید ہے کہ بوقت دورہ اس جائداد موقوفہ کی نگرانی فرمادیں، متولیان کے پاس رجسٹر حساب جمع خرچ باقاعدہ درست رہنا ضرور ہے، میرے وارث یا قائم مقام کو اس کے تبدیل تغییر کا اختیار نہ ہوگا۔ لہذا یہ وقف نامہ بتعین مالیت **معمہ ھما** روپیہ دیا کہ سند ہو۔ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۶ء رجسٹری شدہ ہے۔

الجواب:

یہ کاغذ باطل محض ہے اس میں انشائے وقف کے دو ۲ جملے ہیں:

اوّل: وقف لوجہ اللہ کرتی ہوں اور راس میں یہ شرط لگائی کہ اسے بیچ کر جائداد یا اور کوئی شے مفید اغراض وقف خرید کرنے کا مجھے اختیار ہوگا شرط استبدال اگرچہ جائز ہے مگر یوں کہ اس کے عوض دوسری جائداد ہی لی جائے جو انہیں مقاصد پر وقف ٹھہرے نہ کہ علاوہ جائداد مطلقاً جو شے چاہے جیسا کہ اس کاغذ میں تحریر ہے ایسی شرط سے وقف باطل ہو جاتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

اذا شرط فی اصل الوقف ان یستبدل بہ ارضا اخری اذا شاء فتکون وقفا مکانہا، فالوقف والشرط جائز ان عند ابی یوسف وکذالوشرط ان یبیعہا ویستبدل بثمنہا مکانہا، وفی واقعات القاضی الامام فخر الدین قول ہلال مع ابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی وعلیہ الفتوٰی کذافی الخلاصۃ، وان قال علی ان ابیعہا بما بدا لی من الثمن من قلیل اوکثیر او علی ان ابیعہا و اشتری بثمنہا عبدا او قال ابیعہا ولم یزد علی ذلک، قال ہلال ہذاالشرط فاسد یفسد بہ الوقف کذافی فتاوی قاضی خان، ولوشرط الاستبدال ولم یذکر ارضا ولادارا، لہ ان یستبدل بجنس العقار ماشاء	اگر واقف نے اصل وقف میں یہ شرط عائد کی کہ جب چاہے گا اس زمین کے بدلے دوسری زمین لے گا اور وہ اس پہلی زمین موقوفہ کی جگہ وقف ہوگی تو امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک وقف وشرط دونوں جائز ہیں، اور اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ اس کو فروخت کرکے اس کے ثمن کے بدلے دوسری زمین خریدے گا جو اس کی جگہ وقف ہوگی تو بھی جائز ہے اور واقعات قاضی امام فخر الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ابو یوسف کے قول کے ساتھ شیخ ہلال علیہ الرحمۃ کا قول بھی مذکور ہے اور اسی پر فتوٰی ہے یہ خلاصہ میں ہے، اور اگر واقف نے اصل وقف میں یوں کہا کہ اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ میں اس وقف کو اپنی رائے کے مطابق کثیر یا قلیل ثمن کے بدلے فروخت کروں گا یا یوں کہا کہ اس شرط پر میں اس کو فروخت کروں گا، اور اس کے ثمن کے بدلے غلام خریدوں گا یا یوں کہا کہ اس شرط پر کہ میں اس کو فروخت کروں گا اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو شیخ ھلال نے فرمایا کہ یہ شرط فاسد ہے اور اس سے وقف فاسد ہوگا یہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے، اور اگر اس نے فقط استبدال کی شرط کی اور یہ بیان نہ کیا اس کے بدلے زمین یا دار لے گا تو اس کو اختیار

من دار اوارض کذافی الخلاصة،واذاقال علی ان استبدل ارضاً اخری لیس له ان یجعل البدل داراً و کذا علی العکس کذافی فتح القدیر[1] وذکر الخصاف فی وقفه لو شرط ان یبیعها ویصرف ثمنها الی مارأی من ابواب الخیرفالوقف باطل کذافی الذخیرة[2]۔	ہوگا کہ جنس عقار سے جو چاہے اس کے بدلے میں لے لے چاہے زمین یا مکان، یوں ہی خلاصہ میں ہے۔اور اگراس نے کہا اس شرط پر کہ میں اس کے بدلے دوسری زمین لوں گا تو اب اس کے بدلے مکان نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسکا عکس کرسکتا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے،امام خصاف نے اپنی وقف میں ذکر فرمایا کہ اگر واقف نے یہ شرط کی کہ میں وقف کو فروخت کرکے ثمن کارہائے خیر میں جہاں چاہوں گا خرچ کروں گاتو وقف باطل ہوگا،ذخیرہ میں یونہی ہے۔(ت)

دوم: جوکچھ بعد میرے باقی رہے گااس سے شرائط وقفنامہ متعلق ہوں گے اس کا حاصل یہ ہے کہ فی الحال اس جائداد کا کوئی حصہ وقف نہیں میں جب چاہوں بیچوں اور جہاں چاہوں خرچ کروں میرے بعد اس بیع وخرچ سے کچھ باقی بچے تو وہ وقف ہو،ظاہر ہے کہ یہاں کچھ معلوم نہیں کہ بعد زندگی اس کے بیع وخرچ سے کوئی حصہ جائداد باقی رہے یا کچھ نہ رہے اور رہے تو کیا اور کس قدر،تو یہ ایک مجہول چیز کا وقف کرنا ہوا اور مجہول کا وقف باطل ہے پھر وہ بھی ایک احتمال بات پر معلق رہااور ایسی تعلیق کا وقف باطل ہے۔درمختار میں ہے:

شرطه ان یکون قربة فی ذاته معلوماً لامعلقاً الا بکائن[3]۔	شرط وقف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت ہواور معلوم ہو معلق نہ ہوہاں شرط موجود کے ساتھ معلق ہوسکتا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حتی لووقف شیئاً من ارضه ولم یسمه لایصح و لو بین بعدذٰلک[4]۔	یہاں تک کہ اگر کسی نے اپنی زمین کا کچھ حصہ وقف کیااور اس کو متعین نہ کیاتو وقف صحیح نہ ہوگا اگرچہ بعد میں بیان کردے(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۰۔۳۹۹

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۲

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

اسی میں اسعاف سے ہے:

الوقف لایحتمل التعلیق بالخطر [1]۔	وقف ایسی شیئ کے ساتھ معلق ہونے کااحتمال نہیں رکھتا جو محتمل الہلاک ہو(ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو قال اذا مت من مرضی ھذا فقد وقفت ارضی الٰی اٰخرہ فمات لم تصر وقفا [2]۔	جب کہاکہ اگر میں اپنی اس مرض میں مرگیاتو میں نے اپنی یہ زمین وقف کردی، پھر مرگیاتو زمین وقف نہ ہوئی(ت)

اس کے بعد جو لکھاکہ حکام سے امید ہے کہ اس جائداد موقوفہ کی نگرانی کریں اور اخیر میں کہاکہ یہ وقف نامہ لکھ دیااور متولیوں کو مصارف بتائے ان میں کسی سے انشائے وقف نہ مقصود ہے نہ مفہوم بلکہ یہ سب اپنے اسی خیال کی بناپر ہے کہ اسے وقف سمجھا حالانکہ وہ شرعاً ہنوز وقف نہ ہوئی اور غلط خیالی کی بناپر جو الفاظ کہے جائیں کچھ اثر نہیں رکھتے، اشباہ قاعدہ لاعبرۃ بالظن البین خطوہ میں ہے:

لواقر بطلاق زوجتہ ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمہ لم یقع کمافی القنیۃ [3]۔	اگر کسی نے مفتی کے فتوی دینے کی وجہ سے وقوع طلاق کا گمان کرتے ہوئے اپنی بیوی کی طلاق کااقرار کیا پھر اس کا عدم ظاہر ہوگیاتو طلاق واقع نہیں ہوئی جیساکہ قنیہ میں ہے(ت)

پس اس طالبہ ثواب کو چاہئے کہ اسے از سر نو وقف فرمائے اور بعد موت پر معلق نہ کرے کہ وہ اس میں اگر ثلث متروکہ سے زائد ہوتو پھر وارثوں کی اجازت کا جھگڑا ہے اور واقفہ استبدال کی شرط لگانا چاہے تواختیار ہے مگر صرف اس طرح کہ اسے دوسری جائداد سے بدل لیں خواہ بیچ کراس کے عوض دوسری جائداد خریدلیں، اور اب وہ دوسری فوراً انہیں شرائط پر وقف ہوجائے گی، اور ماورائے جائداد کسی اور چیز سے تبدیل کاذکر ہرگز نہ ہو ورنہ وقف جاتارہے گا، اور یہ خیال نہ کریں کہ اپنی حیات میں بیچ کرخرچ کردوں توثواب زیادہ ہے، نہیں بلکہ اپنی حیات میں وقف کامل کریں اور شرط کرلیں کہ زندگی بھر

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۲۳

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السابعہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۴

اس کے تمام مصارف میرے ہاتھ سے ہوں گے اور میری رائے واختیار پر رہیں گے میرے بعد فلاں فلاں متولی ہوں اور اتنا اتنا فلاں مصرف میں صرف کیا کریں یوں اپنی رائے سے زندگی بھر جیسا چاہے صرف کا اختیار رہا اور بعد کو بھی تابقائے جائداد ثواب پہنچا کیا۔ عالمگیری میں ہے:

رجل اراد ان یجعل ماله بوجه القربة فبناء الرباط للمسلمین افضل من عتق الرقاب لانه ادوم، وقیل التصدق علی المساکین وقلت قد کنا قلنا لمن اراد ذٰلك ان یشتری الکتب ویضع فی دار الکتب لیکتب العلم لانه ادوم، فکان افضل من غیره ولواراد ان یتخذ داراله وقفا علی الفقراء، فالتصدق بثمنها افضل ولوکان مکان الدار ضیعة فالوقف افضل کذا فی المضمرات[1]۔ (ملخصًا)	ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنا مال قرب الٰہی میں کردے تو اس کا مسلمانوں کے لئے رباط بنانا غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے کیونکہ رباط کو دوام زیادہ ہے، اور بعض نے کہا کہ اس کو مساکین پر صدقہ کرنا افضل ہے اور تحقیق ہم نے ایسا ارادہ کرنے والے کو کہا تھا کہ وہ کتابیں خرید کر لائبریری میں رکھے کیونکہ اس میں زیادہ دوام ہے لہٰذا یہ اپنے غیر سے افضل ہے اور اگر کسی نے ارادہ کیا کہ اپنا گھر فقیروں پر وقف کردے تو اس کے ثمن کو صدقہ کرنا افضل ہے اور اگر بجائے گھر کے زمین موقوف ہو تو وقف افضل ہے، ایسے ہی مضمرات میں ہے (ملخصًا)۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

رجل جاء الی المفتی واراد ان یتقرب الی الله تعالٰی بدارہ فسأل ابیعها واتصدق بثمنها اواشتری بثمنها عبیدا فاعتقهم او اجعلها دارالمسلمین ای ذٰلك یکون افضل، قالوا یقال له ان بنیت رباطا وتجعل لها وقفا ومستغلا لعمارتها فالرباط افضل فانه ادوم و اعم نفعا، وان لم تجعل للرباط مستغلا	ایک مفتی کے پاس ایسا شخص آیا جو اپنے گھر کے ذریعے اللہ تعالٰی کا تقرب حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس نے کہا کہ میں اس کو فروخت کرکے اس کے ثمن صدقہ کروں یا اس کے ثمنوں سے غلام خرید کر آزاد کروں یا اس کو مسلمانوں کے لئے گھر کردوں ان میں سے کیا افضل ہے تو مشائخ نے کہا کہ اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اگر تو رباط بنا کر اس کی آمدنی کے لئے کوئی شے وقف کردے تو رباط افضل

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۸۲۔۴۸۱

للعمارۃ فالافضل ان تبیع وتتصدق بثمنہ علی المساکین[1]۔	ہے کیونکہ اس میں دوام زیادہ اور اس کا نفع عام ہے اور اگر تو رباط کی آمدنی کے لئے کوئی چیز وقف نہ کرسکے تو پھر اس کو فروخت کرکے ثمن مسکینوں پر صدقہ کرنا افضل ہے(ت)

عالمگیریہ میں اسے نقل کرکے فرمایا:

ودون ذٰلك فی الفضل ان یشتری بثمنھا عبیدًا فیعتقھم کذافی الظھیریۃ[2]۔	اور اس سے کمتر فضیلت اس میں ہے کہ اس کے ثمنوں سے غلام خرید کر آزاد کردے۔ ظہیریہ میں ایسے ہی ہے۔(ت)

وجیز کردری پھر بحر الرائق پھر ہندیہ میں ہے:

وقف الضیعۃ اولی من بیعھا والتصدق بثمنھا[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قطعہ اراضی کو وقف کرنا اس کو بیچ کر ثمنوں کو صدقہ کرنے سے اولٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۴۳۲: از شہر چڑھائی نیب مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب ۲۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ دستاویز "ا" جائز ہے یانہیں؟ اور اگر ہے تو یہ تملیک نامہ میں شمار ہوگی یا وقف نامہ میں یا تولیت نامہ میں؟ دوسرے یہ کہ زید نے دستاویز "ب" اپنے پسر عمرو کو اسی مضمون کو پلٹ کر لکھ دی تو متولی یا مہتمم کو اختیار تھا یانہیں؟ اب چونکہ زید کا انتقال ہوگیا جس کی نسبت لکھا تھا کہ زید تاحیات متولی رہے گا بعد اس کے جو متولی یا سجادہ یا مہتمم ہوگا یکے بعد دیگرے اس کو بھی پابند اس تحریر کا رہنا ہوگا اب چونکہ دو دعویدار پیدا ہوئے ایک بکر خاندانی بزرگ جس کی عمر تخمیناً ۷۵ سال کی ہے اور مرید بھی کرتے ہیں دوسرا زید کالڑکا عمرو جو مرید نہیں کرتا ہے جس کی عمر ۱۹سال کی ہے جس کے حق میں دستاویز "ب" متولی نے تحریر کی ہے اب ان ہر دو میں ترجیح کس کو ہے اور کون مستحق جانشینی کا ہے اور متولی اور سجادہ نشیں جدا جدا ہونا چاہئے یا ایک ہی شخص مستحق ہے بموجب تحریر متذکرہ کے؟

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف باب الرجل یجعل دارہ مسجدًا الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ، پشاور ۲/ ۴۷۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ، پشاور ۲/ ۴۷۰

الجواب:

دونوں دستاویزیں سنیں اول وقفنامہ ہے اگرچہ غلطی سے اسے تملیک نامہ لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے: "میں نے بحالت صحت نفس وثبات عقل اراضی ومکان وغیرہ مذکورہ بالا کو اپنی ملکیت سے جدا کرکے واسطے امور واغراض مذہبی متذکرہ آئندہ کے تملیک کرکے اقرار کرتا ہوں کہ مجھ کو اور میرے کسی وارث شرعی کو نسبت جائداد مذکور کے دعوی نہ ہوگا ننھے خاں اپنی حیات تک متولی جائداد مذکور کے رہیں گے اور ان کے بعد جو شخص سجادہ نشیں یکے بعد دیگرے میرا ہوگا سجادہ نشین ومتولی جائداد مذکور کا رہے گا کسی متولی کو کسی وقت رہن وبیع کسی قسم کے انتقال کا اختیار نہ ہوگا یہ جائداد تملیک شدہ بطور وقف خاص مذہبی کام کے متصور ہوگی، اس میں کبھی وراثت جاری نہ ہوگی" تو شک نہیں کہ وقف نامہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دستاویز "ب" کے ملاحظہ سے ظاہر کہ زید نے جو اصل واقف کا مقرر شدہ متولی تھا اپنی حالت حیات وصحت میں تولیت سے دستکشی کرکے اپنے بیٹے کو جانشین ومتولی کیا شرعًا اسے کچھ اختیار نہ تھا،

اولًا: متولی کو جائز نہیں کہ اپنی حیات وصحت میں دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرے جب تک کہ واقف نے صراحۃً اسے اس کا اختیار نہ دیا ہو اور یہاں اسے اس کا اختیار نہ دیا تھا بلکہ عبارت وقف نامہ سے صاف ظاہر کہ واقف نے تاحیات زید اسی کا متولی رہنا لکھا اس کے بعد اوروں کی جانشینی تحریر کی، درمختار میں ہے:

ارادالمتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عاما صح، والافان فوض فی صحتہ لایصح[1]۔	متولی نے اپنی حیات وصحت میں دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانے کا ارادہ کیا تو اگر اس کو شرط واقف کے ذریعے تفویض عام حاصل ہے تب تو صحیح ہے ورنہ حالت صحت میں تفویض صحیح نہ ہوگی (ت)

ثانیًا: پسر زید کی جانشینی بھی خلاف شرط وقف نامہ عمل میں آئی جیسا کہ عبارت مذکورہ سے ظاہر ہے لہٰذا دستاویز "ب" محض مہمل وناقابل عملہ ہے تحریر وقف نامہ سے روشن ہے کہ متولی وسجادہ نشین ایک ہی شخص ہو اور اس کی نسبت واقف نے کوئی تعیین نہ کی تو مصالح شرعیہ دینیہ کے اعتبار سے اقربائے واقف میں سے جو شخص سنی پرہیزگار، دیندار، دیانتدار علماء وصلحائے اہلسنت کے اتفاق رائے سے اس کام کے لئے

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

زیادہ مناسب ہو وہی سجادہ نشین ومتولی کیا جائے، علم، تقوی ودیانت واہلیت کا لحاظ سب سے مقدم ہوگا اور جب تک اقارب واقف میں سے ایسا مل سکے اجنبیوں میں سے نہ کیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

ومادام احد یصالح للتولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب، ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیھم[1]۔	جب تک وقف کرنیوالے کے اقارب میں کوئی متولی بننے کی صلاحیت رکھنے والا موجود ہے کسی اجنبی کو متولی وقف نہیں بنایا جائے گا۔ واقف کے قریبی رشتہ دار متولی کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کے خاندان کی طرف منسوب رہے۔ (ت)

عرفًا اس سلسلے کا مجاز وماذون ہونا بھی ضرور ہے اگر ان سب باتوں میں مساوات ہو تو باعتبار سن ترجیح ہوگی،

کمانصوا ان الاحق بالامامۃ اعلمھم بالکتاب والسنۃ ثم وثم وثم اسنھم[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ مشائخ نے نص فرمائی کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم امامت کا زیادہ حقدار ہے پھر فلاں، پھر فلاں پھر ان میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نوٹ:

سولھویں جلد کتاب الشرکۃ وکتاب الوقف پر ختم ہوئی،

سترہویں جلد کا آغاز کتاب البیوع سے ہوگا۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۰۱، درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۷

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّه

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَايَا النَّبَوِيَّة فِي الْفَتَاوِى الرِّضْوِيَّةِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہفدہم (۱۷)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب ____________ فتاوی رضویہ جلد ۱۷

تصنیف ____________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج وتصحیح ____________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام وسرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ____________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ____________ ۷۱۵

اشاعت ____________ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ / فروری ۲۰۰۰ء

مطبع ____________

ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ____________

ملنے کے پتے

* جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً دس سال کے مختصر عرصہ میں سترہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکت اور کتاب الوقف پر مشتمل سولہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے :

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ـــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ـــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ـــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ـــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ـــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ـــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ـــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ـــــ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ـــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ـــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ـــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ـــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ـــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ـــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ـــــ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ـــــ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲

سترہویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہفتم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے شروع سے صفحہ ۲۹۰ تک ۲۹۸ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ رسالہ "**کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم**" کے علاوہ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے اس سے قبل گیارھویں، بارھویں، تیرھویں اور سولھویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں جبکہ "**کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم**" کا نہایت شاندار اور زوردار ترجمہ مصنف علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خان بریلوی نور اللہ مرقدہ، کا ہے۔

یاد رہے کہ رسالہ مبارکہ "**کفل الفقیہ الفاہم** "جو نوٹ سے متعلقہ تمام مسائل پر محیط ہے مصنف علیہ الرحمہ نے مکہ مکرمہ میں ایک دن اور چند گھنٹوں میں علماء مکہ کی طرف سے پیش کردہ بارہ سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا۔ رسالہ میں مذکور تحقیقات وتدقیقات کو دیکھ کر علماء مکہ بہت مسرور ومحظوظ ہوئے اور مصنف علیہ الرحمہ کو انتہائی شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش فرمایا، رسالہ مذکورہ کی تصنیف کے بعد جب آپ حرمین شریفین سے وطن واپس تشریف لائے تو مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی عبدالحہ لکھنوی صاحب کے نوٹ سے متعلق فتوے نظر سے گزرے جن کے رَد میں مصنف علیہ الرحمہ نے رسالہ "**کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم** "ملقب بلقب تاریخی "**الذیل المنوط لرسالۃ النوط**" تحریر فرمایا پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب البیوع، کتاب الکفالہ اور کتاب الحوالہ کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد **ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ** کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) **کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم** (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ کے بارے علماء مکرہ مکرمہ کے بارہ سوالوں کا تحقیقی جواب

(۲) **کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم ملقب بلقب تاریخی الذیل المنوط لرسالۃ النوط** (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ سے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحیّ لکھنوی کے فتووں کا تفصیلی رد۔

O

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

شوال المکرم ۱۴۲۰ھ
جنوری ۲۰۰۰ء

فہرست مضامین مفصّل

کسی شے کی چند در چند بیع فضولی ہو تو اصل مالک جس عقد کی اجازت دے گا صرف وہی جائز ہوگا۔	۱۰۵	ہاں اس معصیت میں اعانت کی نیت سے خریدا تو اس بُری نیت کا وبال ضرور مشتری پر ہوگا۔	۱۰۸
بیع فضولی میں مبیع کے اندر جو اضافہ ہوگا اگرچہ قبل اجازت کا ہو، بعد اجازت سب کا مالک مشتری ہوگا۔	۱۰۶	ڈگری میں بے رضا کے مالک جائداد کا نیلام بیع فضولی ہے۔	۱۰۹
بیع مغصوب میں بیع سے قبل کی ساری توقیر کا مغصوب منہ مالک ہوگا۔	۱۰۶	مجیز نہ ہو تو باطل وقت عقد مجیز ہو تو جائز۔	۱۰۹
مدیون کو دین کا ہبہ جائز اور غیر کو ناجائز، البتہ بطور قبضہ غیر کو ہبہ جائز ہے۔	۱۰۶	اجازت کی ایک صورت۔	۱۰۹
ہبہ میں رجوع کے حق سے دست برادری صحیح نہیں، ہاں کچھ لے کر دست برداری ہو تو یہ ہبہ بالعوض قرار دیا جائے گا۔	۱۰۶	شوہر نے قرض خواہوں کو تحریر دی کہ میں ادانہ کرسکوں تو میری جائداد سے وصول کیا جائے اور اپنی جائداد اپنی زندگی میں زوجہ کی مہر کے عوض لکھ دیا تو قرضخواہ اس جائداد سے اپنا قرض وصول نہیں کرسکتا۔	۱۰۹
عوام کی جائداد کا سرکاری نیلام مالک کی اجازت سے (سابقہ یالاحقہ) ہو تو جائز۔	۱۰۷	حقوق مجردہ صالح تملیک ومعاوضہ نہیں۔	۱۰۹
اجازت لاحق کی ایک صورت۔	۱۰۷	عقد جب اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا۔	۱۰۹
نیلاب بے اجازت عقد فضولی اور عقد موقوف ہے۔	۱۰۷	شوہر نے زوجہ کو مہر کے بدلہ جائداد دی یہ عقد تعبیر کے اعتبار سے تین طرح ہوسکتا ہے: (۱) صلح عن المہر (۲) زوج یا زوجہ کی طرف سے ہبہ بالعوض (۳) ہبہ بشرط العوض۔	۱۱۰
عقد موقوف میں اجازت سے قبل بیع میں مشتری کا تصرف حلال نہیں۔	۱۰۷	عاقد نے عین اور حق ایک ہی عقد میں جمع کیا تو یہ ہبہ بشرط العوض کی صورت میں ابتداءً ہبہ ہے اور عین کے ساتھ حق جمع کردینے میں ہبہ باطل نہ ہوگا۔ اور بقیہ دونوں صورتوں میں معنی بیع ہوگا اور بیع کا حکم مذہب مختار پر صحت وقبول ہے۔	۱۱۰
نابالغ کی ملک فضولی نے بیچ دی بیع باطل ہوگی۔	۱۰۷	حقوق کی بیع میں دو مذہب ہیں، صحت وفساد، اور دونوں باقوت ہیں۔	۱۱۱
کوئی چیز جب عقد صحیح شرعی سے خریدی گئی تو بائع کا ثمن کو کار معصیت میں خرچ کرنے کا وبال مشتری پر نہیں، نہ بیع میں کوئی خلل واقع ہوگا۔	۱۰۸	جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں (جیسے حق موصی لہ بالخدمۃ حق قصاص، حق نکاح، حق غلامی) ان کا عوض لینا جائز ہے۔	۱۱۱

جو حقوق اصالۃً ثابت نہ ہوں (جیسے حقوق شفعہ وقسم زوجہ وخیار مخیّرہ فی النکاح) ان کا عوض ناجائز ہے۔	۱۱۱	بیع میں ہبہ کی طرح قبضہ شرط نہیں ہے۔	۱۱۷
کم من یصح ضمناً ولایصح قصداً۔	۱۱۲	حالت صحت میں کسی وارث کے ہاتھ جائداد بیع کردی بیع صحیح ہو گئی دوسرے وارثوں کا جائداد میں کوئی حق نہیں، ہاں زر ثمن پانے یا معاف کرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو بقیہ ورثاء زر ثمن کا دعوی کرسکتے ہیں زر ثمن کی عدم ادائیگی کا ثبوت قرائن سے نہ ہوگا۔	۱۱۷
حق مرور، حق شرب، حق تعلق وغیرہ کی بیع اصالۃً جائز نہیں۔	۱۱۲	ادائے ثمن نہ تو شرائط صحت بیع میں داخل ہے نہ شرائط نفاذ بیع میں۔	۱۱۸
جن کے نزدیک حقوق کی بیع جائز نہیں وہ بھی بطلان کو مضموم الیہ تک ساری نہیں مانتے۔	۱۱۲	تکمیل عقد کے بعد بائع کل زر ثمن معاف کرسکتا ہے بیع میں خلل نہ ہوگا۔	۱۱۸
حر و میتہ کو عبد اور غلام کے ساتھ ملایا تو بھی بیع فاسد ہوتی ہے باطل نہیں۔	۱۱۲	المرء مواخذ باقرارہ۔	۱۱۸
اس مسئلہ میں تعبیرات علماء کا اختلاف اور ان میں تطبیق۔	۱۱۲	مال آنے جانے والی چیز ہے۔	۱۱۸
بیع فاسد کی مبیع قبضہ کے بعد مملوک ہوجاتی ہے۔	۱۱۵	مزروعہ زمین کی بیع میں زراعت کا مالک مشتری ہوگا۔	۱۱۹
بیع فاسد کی مبیع مشتری ثانی کے لئے حلال ہوجاتی ہے۔	۱۱۵	اس امر کا تفصیل بیان کہ بیع میں کب زمین کے تابع کھیتی ہے اور کب نہیں۔	۱۱۹
فالسہ کی ٹہنیوں کی بیع میں علماء کا اختلاف ہے اہل جواز کا مستدل تعامل یا مقام قطع کا ٹھیک ٹھیک معلوم ہونا ہے۔	۱۱۶	جن صورتوں میں زراعت بائع کی ہے مشتری چاہے تو بائع کو زمین خالی کرنا ہوگی، اور مشتری کی اجازت سے باقی رکھی تو مشتری حسب عرف کرایہ لے سکتا ہے۔	۱۲۰
مبیع قبضہ مشتری سے پہلے ہلاک ہوجائے تو بیع باطل ہے اور قیمت واپس کرنی واجب ہوتی ہے۔	۱۱۶	مورث نے اپنے وارث کے حصہ کو جو مورث کی موت کے بعد اسے ملے گا، ایک ایسی عورت کے مہر کے بدلہ میں لکھا جس کا نکاح ابھی وارث سے نہیں تو کیا حکم ہے۔	۱۲۰
مبیع کو بائع نے غصب کرلیا تب بھی بیع صحیح ہے اور مشتری کی ملک ثابت ہے۔	۱۱۷	مہر کے عوض جائداد دینا ابتداءً وانتہاءً بیع ہے۔	۱۲۱
غصب کی ایک صورت۔	۱۱۷	بیع مبادلہ مال بمال کا نام ہے۔	۱۲۱
عقار کا غصب متحقق نہیں۔	۱۱۷	مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین، تو یہ مال ہی نہیں۔	۱۲۱

بیع معدوم کی ایک اور شکل اور اس کا حکم۔	۱۶۱	المبنٰی علی الباطل باطل۔	۱۶۳
جتنے کامال کی بیع ہوئی بائع نے اس سے کم دیا تواب پورا کرے۔	۱۶۱	الباطل لاحکم لہ۔	۱۶۳
بائع نے اگر مال مبیعہ کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا تو سخت گنہگار ہوا، مال دوسرے مشتری کے پاس موجود ہو تو مشتری واپس لے اور موجود نہ ہو تو اتنے کا تاوان اس وقت کے بازار کے بھاؤ سے مشتری بائع سے وصول کرے۔	۱۶۱	ہبہ بعوض مہر مشروط بشرط الفاسد سے حاصل ہونے والے مکان کو کسی نے غصب کرلیا شوہر نے نالش کرکے اس پر قبضہ کرلیا تو مہر بعوض المہر والاعقد باطل ہوگیا اور شوہر اس کامالک ہوگیا۔	۱۶۳
مردار کی کھال پکا کر یا سکھا کر بیچنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔	۱۶۱	شوہر ہبہ جدیدکے ذریعہ عورت کو دے تو عورت مالک ہوجائے گی اور اس کا مہر بھی شوہر کے ذمہ رہے گا اور پہلے والے عقد کے تحت لوٹائے تو عورت مالک نہ ہوگی۔	۱۶۴
ہڈی پر چکنائی نہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔	۱۶۱	مسجد کے درخت سے جو سوکھی لکڑی گرے اس کے بدلے کمہار لوٹا دیتا رہے یہ عقد جہالت مقدار بدلین کی وجہ سے ناجائز ہے، دونوں کی تعیین ہونی چاہئے۔	۱۶۵
سور کی کھال یا ہڈی کی کسی حال میں بیع جائز نہیں۔	۱۶۲	مال مسروقہ کو جان کر خریدنا حرام ہے۔	۱۶۵
زندہ جانور کا گوشت خریدا اور کھال کااستثناء ہو یہ ناجائز ہے۔	۱۶۲	لاعلمی میں خریدناتو ناجائز ہے۔	۱۶۵
دین مہر کا عوض دینا ہبہ بالعوض ہے، جو فی الحقیقت بیع ہے اور صحت بیع کے لئے قبضہ ضروری نہیں۔	۱۶۳	خریدنے کے بعد مسروقہ ہونے کا علم ہو تو اس کا استعمال حرام مالک کو دیا جائے اس کا پتہ نہ چلے تو فقراء پر صرف کیا جائے۔	۱۶۵
آئندہ بھی جو جائداد پیدا ہو اسی دین مہر کے بدلہ میں دینے کی شرط لگائی تو یہ شرط باطل ہے، اور اس کی وجہ سے پہلا عقد بیع بھی فاسد ہوگیا۔	۱۶۳	اپنی جگہ کسی دوسرے کو نوکر رکھوا کر اس کا پیسہ لینے سے بچنا چاہئے۔	۱۶۵
آئندہ پیدا ہونے والی جائداد پر اسی شرط فاسد کی بنیاد پر بیوی کا قبضہ کرادیا تب بھی وہ اس کی مالک نہ ہوگی۔	۱۶۳	پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں کرتی یہ قرض مردہ ہے۔	۱۶۶
بیع فاسد کے ذریعہ حاصل ہونے والی چیز کو مشتری نے بیچ دیا، تو یہ بیع ثانی صحیح ہے لیکن باہم طے شدہ دام نہیں دلایا جائے گا بلکہ بازار کا بھاؤ۔	۱۶۳	قرض کی بیع خریدار کو قبضہ کے لئے مدیون پر مسلط کئے بغیر حرام وفاسد ہے۔	۱۶۶

ظاہر الروایۃ کے مطابق کفالت میں جو ابتدائے غایت مذکور نہ ہو تو کفالت تاریخ مذکور کے بعد شروع ہوتی ہے۔	۶۶۱	عقد کرنے والے، منت ماننے والے، قسم کھانے والے اور وقف کرنے والے سب کا کلام ان کے عرف پر محمول ہوگا۔	۶۶۹
تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوتا۔ اور متبوع معدوم ہو تو تابع بھی متحقق نہیں ہوتا۔	۶۶۳	ظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائر وسائر سے اصلا تعلق نہیں۔	۶۶۹
کفالت بالمال جب کفالت بالنفس کی تابع ہو، ثانی سے برائت ہو تو اول بھی مرتفع ہوجاتی ہے۔	۶۶۳	صورت مسئولہ میں ایک حکم دیانت کا بھی ہے۔	۶۷۰
مجلس کفالت میں ایجاب وقبول دونوں ہونا رکن کفالت ہے، تو مکفول لہ کی غیر حاضری بھی کفالت کو باطل کردے گی۔	۶۶۴	کفالت بالمال کفالت بالنفس کے تابع ہو تو اصل کے ختم ہوتے ہی تابع بھی ختم ہوجائی گی۔	۶۷۰
مکفول لہ مجلس ایجاب میں نہ ہو مگر اطلاع کے بعد کفالت قبول کرے پھر بھی کفالت باطل ہے۔	۶۶۴	کفالت بالمال کے ایک فیصلہ کے بارے میں ایک سوال۔	۶۷۰
مکفول لہ کی غیبت کے مسئلہ میں فتوی طرفین کے قول پر ہے۔	۶۶۵	سات گواہوں میں ۲۰ وجوہ نقائص کا تفصیلی بیان۔	۶۷۳
محبوبی اور نسفی اصحاب ترجیح سے نہیں۔	۶۶۵	اس حکم کی گواہی نامقبول اور کفالت بالمال ساقط۔	۶۷۶
فتوی مختلف ہو تو عدم اختلاف زمانہ کی صورت میں فتوی امام کے قول پر ہوتا ہے۔	۶۶۵	شہادت اور دعوی میں مطابقت ضروری ہے اختلاف کی صورت میں گواہی نامقبول ہوتی ہے۔	۶۷۶
راجح سے عدول جائز نہیں۔	۶۶۶	ظاہر مدعا علیہ کو مفید ہوتا ہے مدعی کو نہیں۔	۶۷۶
مکفول لہ مجلس ایجاب سے غائب ہو اور کوئی اس کی جانب سے قبول کرے تو یہ قبول مکفول لہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۶۶۶	کفالت کی ایک غیر شرعی صورت سے سوال۔	۶۷۷
صورت مسئولہ میں کفالت بالمال عدم قبول فی المجلس ایجاب کی وجہ سے باطل ہے۔	۶۶۷	کفالت بالمال شرعا جائز ہے۔	۶۷۷
کفالت بالنفس میں عرف حال یہی ہے کہ تاریخ انتہاء کے بعد کفالت ختم ہے۔	۶۶۷	کفالت بالمال کی تعریف۔	۶۷۷
مسئلہ مذکورہ پر نصوص کتب فقہیہ۔	۶۶۷	کفالت بالمال میں ایک ہی مطالبہ دائن اور کفیل دونوں پر ہوتا ہے۔	۶۷۷
ایک مہینہ، ایک مہینہ تک آج سے ایک مہینہ تک، یہ تینوں الفاظ ہم معنٰی ہیں۔	۶۶۸		

کفالت بالنفس کے الفاظ "کفلت بنفسہٖ علیّ الی"۔	۶۷۷	کفالت کا مقتضٰی حجر عن التصرفات نہیں۔	۶۸۱
کفالت بالمال کے الفاظ "کفلت بمالك علیه بما یدرلك فی ہذا البیع"۔	۶۷۷	اگر اس طرح شرط کی کہ میں اس مکان کی قیمت سے زر کفالت ادا کروں گا تب بھی گھر کا بیچنا ضروری نہیں۔	۶۸۱
کسی جائداد کو مال میں مکفول کرنا کہ جائداد قبضہ مالک میں رہتی ہے، مگر مالک کو اس میں بیع وہبہ وغیرہ تصرفات سے روک دیتے ہیں تاکہ دائن اس سے اپنا مطالبہ وصول کرسکے، یہ سب غیر شرعی طریقہ ہے۔	۶۷۷	جائداد مکفولہ کا دعوی شرعاً قابل سماعت نہیں۔	۶۸۱
شرع نے توثیق دین کے دو طریقے مقرر فرمائے: کفالت اور رہن۔	۶۷۷	زید کی خواہش کے بغیر عمرو نے اس کی کفالت کی اور زر کفالت ادا کردیا تو زید سے وہ رقم پانے کا حقدار نہیں۔	۶۸۱
رہن کے لئے شے مرہون پر مرتہن کا قبضہ ضروری ہے۔	۶۷۷	کفالت میں کفیل مطلوب سے مطالبہ وصول کرنے کا تب مجاز ہوگا کہ اس کے کہنے سے کفالت کی ہو یا مجلس ایجاب میں اس نے رضا ظاہر کردی ہو ورنہ نہیں۔	۶۸۲
کفالت کے لئے آدمی کا ہونا ضروری ہے جائداد کفیل نہیں ہوسکتی۔	۶۷۸	اگر طالب ومطلوب دونوں موجود ہوں اور کفیل نے از خود کفالت کا ایجاب کیا، اگر پہلے مطلوب نے رضا ظاہر کی، مطالبہ وصول کرنے کا کفیل مجاز ہوگا اور طالب نے پہلے منظوری دے دی تو نہیں۔	۶۸۲
جائداد کا استغراق اکثر اپنے قرض میں ہوتا ہے کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہوسکتا۔	۶۷۸	اوپر والا مسلک طرفین کا ہے، مفتٰی بہ قول پر کفالت صرف کفیل کے قول سے تام ہوجاتی ہے، البتہ رجوع مطالبہ کا حق مطلوب کے امر پر مبنی ہوگا۔	۶۸۳
جانوروں پر کوئی ذمہ داری نہیں۔	۶۷۹	ایسی کفالت جس میں مکان مکفول کیا جائے مدیون کے امر سے ہو تب بھی کفیل کو رجوع کا حق نہیں۔	۶۸۵
ذمہ کے لغوی معنی عہد کے اور شرعاً وہ عہد جو بندے اور خدا کے درمیان ہوا یا وہ وصف جس سے آدمی مکلّف ہو۔	۶۷۹	جو آدمی اس خیال سے کسی کو کچھ دے کہ یہ مجھ پر اس کا حق ہے تو خیال غلط ثابت ہونے پر اس کو واپس لے سکتا ہے۔	۶۸۵
کفالت میں پانچ امور کی تشریح۔	۶۸۰	کفالت صحیح وشرعی بامر مدیون ہو، اور کفیل نے اس میں جائداد فرق ہونے سے بچانے کے لئے نقد سے مطالبہ پورا کردیا، تو مدیون سے مطالبہ لے سکتا ہے۔	۶۸۵
جائداد کے مکفول کرنے کا رد اور دلائل کی تفصیل۔	۶۸۰		

فہرست ضمنی مسائل

عین کو دین کے بدلہ بیچا جاسکتا ہے۔	۶۳۱	ذمہ کے لغوی معنی عہد کے اور شرعا وہ عہد جو بندے اور خدا کے درمیان ہوا یا وہ وصف جس سے آدمی مکلّف ہو۔	۶۷۹
مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدراہم میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی ہے۔	۶۳۷	کفالت میں پانچ امور کی تشریح۔	۶۸۰
بیع تلجیہ کی تعریف اور اس کا حکم۔	۶۳۹	کفالت کی دو تعریفیں اور راجح کا بیان۔	۶۸۸
خدمت محضہ اور خدمت معلل بالغرض میں فرق کا بیان اور دونوں کا حکم۔	۶۵۰	شرط مالایقتضیہ العقد اور مایقتضیہ العقد کی تشریح۔	۶۹۱
کفالت کے لئے التزام کے الفاظ جیسے "کفلت و ضمنت، علی، الی" ضروری ہے۔	۶۵۴	ہبہ	
وعدہ جب تعلیق کی صورت میں ہو جیسے "زید نہ دے گا تو میں دوں گا" لازم ہو جاتا ہے۔	۶۵۴	مدیون کو دین کا ہبہ جائز اور غیر کو ناجائز، البتہ بطور قبضہ غیر کو ہبہ جائز ہے۔	۱۰۶
کفالت بالنفس میں عرف حال یہی ہے کہ تاریخ انتہاء کے بعد کفالت ختم ہے۔	۶۶۷	ہبہ میں رجوع کے حق سے دستبرداری صحیح نہیں، ہاں کچھ لے کر دست برداری ہو تو یہ ہبہ بالعوض قرار دیا جائے گا۔	۱۰۶
کفالت بالمال کی تعریف۔	۶۷۷	عاقد نے عین اور حق ایک ہی عقد میں جمع کیا تو یہ ہبہ بشرط العوض کی صورت میں ابتداءً ہبہ ہے اور عین کے ساتھ حق جمع کردینے میں ہبہ باطل نہ ہوگا۔ اور بقیہ دونوں صورتوں میں معنی بیع ہوگا اور بیع کا حکم مذہب مختار پر صحت و قبول ہے۔	۱۱۰
کفالت بالمال میں ایک ہی مطالبہ دائن اور کفیل دونوں پر ہوتا ہے۔	۶۷۷	زمین زبانی اپنے لئے خریدی بیع نامہ لڑکوں کے نام لکھایا، لڑکیوں کی نہ ہوئی، البتہ بیع نامہ ہبہ قرار دیا جائے گا اور مشاع ہونے کی وجہ سے ہبہ باطل ہوگا۔	۱۲۸
شرع نے توثیق دین کے دو طریقے مقرر فرمائے : کفالت اور رہن۔	۶۷۷	دین مہر کا عوض دینا واہب بالعوض ہے، جو فی الحقیقت بیع ہے اور صحت بیع کے لئے قبضہ ضروری نہیں۔ ہبہ بعوض مہر مشروط بشرط الفاسد سے حاصل ہونے والے مکان کو کسی نے غصب کرلیا شوہر نے نالش کرکے اس پر قبضہ کرلیا تو مہر بعوض المہر والاعقد باطل ہوگیا اور شوہر اس کا مالک ہوگیا۔	۱۶۳
جانوروں پر کوئی ذمہ داری نہیں۔	۶۷۹	شوہر ہبہ جدید کے ذریعہ عورت کو دے تو عورت مالک ہوجائے گی اور اس کا مہر بھی شوہر کے ذمہ رہے گا اور پہلے والے عقد کے تحت لوٹائے تو عورت مالک نہ ہوگی۔	۱۶۴

نوٹ کا تاوان نوٹ دیا جائے گا۔	۴۱۰	مشتری نے کل یا جز قیمت ادا کئے بغیر مبیع پر قبضہ کرلیا تو مبیع کا منافع اس کے لئے حلال ہے۔	۳۹
کسی نے یہ کہا "۱۸ تاریخ تک فلاں کا ضامن ہوں" تو ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ۱۸ تاریخ کے بعد بھی ضمانت باقی ہے اور اگر فلاں تاریخ سے فلان تاریخ تک تو بعد والی تاریخ کو ضمانت منتہی ہوگی۔	۶۵۶	سود کی ملک خبیث ہے۔	۹۰
"۱۸ تاریخ سے ضامن ہوں بھاگ گیا تو مطالبہ میں دوں گا" اگر ۱۸ تاریخ کے اندر بھاگ گیا مطالبہ دینا ہوگا۔	۶۵۶	بیع نہ ہونے کی شکل میں بیعانہ روک لینا ظلم ہے چاہے زیادتی مشتری کی ہی کیوں نہ ہو۔	۹۴
"۱۸ تاریخ تک میں مدعا علیہ کا حاضر ضامن ہوں اگر بھاگ گئے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں" اور مطالبہ کی ضمانت کو مدعیہ یا مدعی کے وکیل نے قبول نہ کیا تو نہ مال کے مطالبہ کا حق نہ ۱۸ کے بعد نفس کی ضمانت باقی۔	۶۵۸	وفائے وعدہ پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۹۵
عقائد وکلام		نقد اور ادھار کے بھاؤ میں تفاوت حرام اور ناجائز نہیں۔	۹۷
جنین ضرور مومن ہے۔	۲۱۳	عوام کی جائداد کا سرکاری نیلام مالک کی اجازت سے (سابقہ یالاحقہ) ہو تو جائز۔	۱۰۷
شرع مطہر عندیہ کا مذہب جنوں روا نہیں رکھتی۔	۵۲۲	عقد موقوف میں اجازت سے قبل بیع میں مشتری کا تصرف حلال نہیں۔	۱۰۷
توبہ واستغفار		کوئی چیز جب عقد صحیح شرعی سے خریدی گئی تو بائع کا ثمن کو کار معصیت میں خرچ کرنے کا وبال مشتری پر نہیں، نہ بیع میں کوئی خلل واقع ہوگا۔	۱۰۸
سود سے توبہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ندامت اور آئندہ نہ لینے کے عزم کے ساتھ ساتھ جو لیا ہے وہ واپس کرے۔	۳۰۴	جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں (جیسے موصی لہ بالحد، حق قصاص، حق نکاح، حق غلامی) انکا عوض لینا جائز ہے۔ ۱۱۱	
گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔	۳۰۴	آڑھت میں مال جمع کرکے اس کی قیمت پیشگی آڑھت دار سے لینا کہ جب مال بکے گا حساب ہوگا حرام ہے۔ البتہ قرض آڑھت دار کی مرضی سے لے سکتا ہے۔	۱۲۶
حظر واباحت			

مفلس کو قرض خواہ کی طرف سے تقاضا کا خطرہ نہ ہو تو صرف مواخذہ آخرت کے خیال سے سودی قرض لینا حرام ہے۔	۳۰۱	صدقہ مشاع جائز ہے۔	۳۲۲
مال مباح یا اپنا حق عقود فاسدہ کے ذریعہ بھی وصول کرسکتے ہیں۔	۳۰۷	جس طرح بُرے کام سے بچنا ضرور ہے برے نام سے بچنا بھی ضروری ہے۔	۳۲۵
ممنوعہ رقم مدرسہ اسلامیہ میں بھی صرف کرنا منع ہے۔	۳۰۷	کم وبیش پر نوٹ کی بیع ہندو مسلمان سب سے جائز ہے۔	۳۲۷
شربت بھی شراب سمجھ کر پینا حرام ہے۔	۳۰۹	شرعی مجبوری پر سودی قرض لے سکتے ہیں۔	۳۲۷
کسی حلال معاملہ کو کسی نے حرام یقین کیا اور حرام سمجھ کر ہی اسے برتا تو وہ اللہ تعالٰی کا مجرم ہوا۔	۳۱۱	معاملہ باطل کو ایمانداری کا نام دینا حرام ہے۔	۳۳۳
دور سے کسی کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر اس کو نظر بد سے دیکھا گنہگار ہوا۔	۳۱۱	پراویڈنٹ فنڈ میں کٹی ہوئی رقم پر جو زائد رقم بنام سود ملتی ہے غیر مسلم لوگوں سے مال مباح سمجھ کر لینے میں حرج نہیں۔	۳۳۹
بغیر کسی مصلحت کے کسی حلال چیز کا حرام نام رکھنا مکروہ ہے		کوآپریٹو بنک بنا کر سود پر چلانا حرام ہے۔	۳۴۰
مصلحت شرعی سے بیوی کو بہن کہنے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل سے سند۔	۳۱۲	کافر کو دھوکا دینا جائز نہیں۔	۳۴۲
مفتٰی بہ یہ ہے کہ مستحق اپنا حق بہر حال لے سکتا ہے جنس حق سے خواہ خلاف جنس سے۔	۳۱۴	مسلمانوں کے کوآپریٹو بنک کا سودی کاروبار حرام ہے اور ایسے بنک کا ممبر بننا اعانت علی الاثم ہے۔	۳۴۳
دارالحرب میں غدر اور ربا بالاتفاق حرام ہیں	۳۱۷	مسلم بنک سے زائد رقم نہ اپنے لئے وصول کرسکتے ہیں نہ کسی انجمن کے لئے۔	۳۴۴
شرمگاہ حلال ہونے کا شرع نے ایک مخصوص طریقہ بتایا ہے۔	۳۱۷	جس میں صرف منافع سے واسطہ رہے نقصان کی ذمہ داری نہ ہو جائز نہیں۔	۳۴۴
مال صاحب مال کی رضا سے حلال ہے۔	۳۱۷	کس کس کافر کا مال کس کس صورت میں مسلمان کو لینا جائز ہے۔	۳۴۸
مال مباح کا غصب وسرقہ جائز ہے۔	۳۱۹	غدر اور بدعہدی مطلقًا ہر کافر سے بھی حرام ہے۔	۳۴۸
قرض دیتے وقت زائد دینے کی شرط نہ ہو تو لفظًا نہ عرفًا، تو زائد دینا جائز ہے۔	۳۲۰	مال مباح کو عقد فاسد سے حاصل کرنے میں اگر بدنامی کا ڈر ہو کہ جاہل عوام سود خور مشہور کریں گے تو اس سے بچنا چاہئے۔	۳۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب البیوع

(خرید وفروخت کا بیان)

مسئلہ ۱:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے کہا میں اپنا مکان بھیجتا ہوں، عمرو نے کہا میں خریدوں گا، دونوں آپس میں راضی ہوئے قیمت قرار پاگئی، زید نے عمرو سے بیعانہ بھی لے لیا اور کاغذ واسطے تحریر بیعنامہ کے خرید کرلایا، اس صورت میں شرعا بیع تمام ہوگئی یا ناتمام رہی؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائے۔ت)

الجواب:

ہر چند صورت مستفسرہ میں الفاظ ایجاب وقبول نہ پائے گئے کہ خرید کروں گا صیغہ استقبال ہے اور یہاں درکار ماضی یا حال، لیکن اگر متعارف ان بلاد وامصار یوں یوں ہے کہ بعد گفتگوئے مساومت وقرار داد قیمت بیعانہ اور لینا مستلزم تمام بیع ٹھہرتا ہے اور بعد اس کے تنہا ایک عاقد عقد سے رجوع نہیں کرسکتا اگرچہ الفاظ ایجاب وقبول درمیان نہ آئے ہوں تو بیع تمام ہوگئی کہ مقصود ان عقود میں معنی ہیں نہ کہ لفظ، اور اصل مدار تراضی طرفین قولا ظاہر ہو خواہ فعلا، اس لیے تعاطی مثل ایجاب وقبول لزوم بیع کا سبب قرار پائی، گویا عاقدین زبان سے کچھ نہ کہیں کہ عادت محکم ہے اور تعارف معتبر، اور جو حکم عرف پر مبنی ہوتا ہے اس کے ساتھ دائر رہتا ہے، جب یہ فعل مثل الفاظ مظہر تراضی ہوا تو انھیں کی طرح موجب تمام بیع ہوگا۔

فی الھدایۃ والمعنی ھو المعتبر فی ھٰذہ العقود ولھذا ینعقد بالتعاطی	ہدایہ میں ہے کہ ان عقود میں معنی ہی کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بڑھیا اور گھٹیا چیزوں میں بیع تعاطی منعقد

فی النفیس والخسیس ھوالصحیح لتحقق المراضاۃ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم۔[1]	ہوجاتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ باہمی رضامندی متحقق ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم (ت)

مسئلہ ۲: از ریاست رامپور محلّہ سبزی منڈی مرسلہ سید مقبول حسین صاحب وکیل ۲۱ محرم ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے ایک مکان متروکہ چھوڑا، مسمّٰی عمرو اس کا پسر وارث مع الحصر مگروہ نابالغ تھا دیگر شخص غیر وارث نے بہ زمانہ نابالغی مسمّٰی عمرو مکان مذکور کو اپنی ملکیت قرار دے کر بدست بکر بیع کردیا بکر نے قبضہ کرلیا، بعد بلوغ مسمّٰی عمرو نے بحالت غیر قابض مکان مذکور بدست خالد بیع کردیا خالد بذریعہ دستاویز بیعنامہ اقراری عمرو بنام بکر ونیز عمرو دعویدار تخلیہ ودخلیابی مکان مذکور ہے عمرو کو بیع کردینا تسلیم ہے اور دعوی سے اقبال ہے بکر قابض مکان بیع موسومہ خود کو حجت گردان کر منکر دعوی ہے اور مسئلہ شرعی مقدورالتسلیم کا عذر کرتا ہے، کیاصورت مذکورہ بالا میں مسئلہ مقدورالتسلیم شرعاً متعلق ہوسکے گا اور مسئلہ مذکور کے حقیقی معنی اور اس کی مثال بھی تحریر فرمائے تاکہ عام فہم ہوجائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عمرو نے جس وقت خالد کے ہاتھ بیع کی اگر عمرو اس وقت گواہان عادل شرعی اس امر پر رکھتا تھا کہ یہ مکان میری ملک ہے بکر وبائع بکر غاصب ہے جبکہ تو بیع عمرو بدست خالد صحیح وتام ونافذ واقع ہوئی مکان ملک خالد ہوگیا، خالد کا دعوی صحیح ہے بوجہ وجود بینہ عادلہ، عمرو کو حکماً قدرۃً علی التسلیم حاصل تھی اور اسی قدر صحت ونفاذ بیع کے لئے کافی ہے حقیقۃً مقدورالتسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضرور نہیں، غلام کو کسی کام کے لئے ہزار کوس پر بھیجا اور یہاں اسے بیع کردیا، بیع صحیح ہوگئی کہ عادۃً اس کا واپس آنا مظنون ہے اگرچہ احتمال ہے کہ سرکشی کرے اور بھاگ جائے، کبوتر ہلے ہوئے کہ صبح اڑائے جاتے اور شام کو گھر پلٹ آتے ہیں، ان کی غیبت میں بیچے بیع صحیح ہے کہ رجوع مرجوع ہے تو قدرۃ علی التسلیم حکماً حاصل ہے یوں ہی جب بیّنہ عادلہ موجود ہے تو ڈگری ملنے کی امید قوی ہے تو یہاں بھی قدرۃ حکمیہ حاصل، اور یہی بس ہے، اسی طرح اگر غاصب مقر غصب وملک مالک ہوتا جب بھی بیع مالک صحیح ونافذ ہوتی کہ اقرار بھی حق مقر میں مثل بیّنہ حجت ملزمہ ہے بلکہ اس سے بھی اقوی، وللہذا اگر منکر بعد اقامت بیّنہ اقرار کردے حکم بربنائے اقرار ہوگا نہ کہ بربنائے بیّنہ، ہاں اگر وقت بیع عمرو نہ بکر مقر ملک عمرو تھا، نہ عمرو کے پاس بیّنہ شرعیہ، تو اب

---

[1] الھدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴، ۲۵

ضرور مسئلہ اشتراط قدرۃ علی التسلیم عائدہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں عمرو کو نہ حقیقۃ قدرۃ التسلیم ہے نہ حکماً کہ بے اقرار وبیّنہ ڈگری ملنا ہرگز مظنون نہیں، تو یہ غلام آبق کی مانند ہوا جو سرکشی کرکے بھاگ گیا اور غائب ہے، مالک اگر اسے بیع کرے گا ہرگز صحیح نہ ہوگی، یونہی نیا کبوتر کہ اڑ گیا وہ ہلہ ہوا نہیں کہ واپس مظنون ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں کہ قدرۃ التسلیم مفقود ہے، اگر یہ صورت تھی تو خالد کو دعوی کا کوئی حق نہیں، قدرۃ التسلیم میں ہمارے ائمہ کے دو۲ قول ہیں، دونوں باقوت، **اول** یہ کہ وہ شرط انعقاد ہے کہ بے اس کے بیع باطل محض ہے، **دوم** شرط صحت بیع ہے، کہ بے اس کے بیع فاسد ہے، پہلے قول پر تو ظاہر ہے کہ نہ خالد مشتری ہے نہ عمرو بائع، اجنبی محض کو دعوی کا کیا اختیار، اور قول ثانی پر جبکہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں مشتری بے قبضہ مالک نہیں ہوتا پھر جبکہ فساد بوجہ عدم قدرۃ التسلیم ہے اور بیع فاسد میں ارتفاع مفسد بیع کو صحیح کر دیتا ہے تو صحت بیع اس پر موقوف ہوئی کہ بکر مقر ہو جائے یا کوئی بیّنہ عادلہ ہاتھ آئے لہٰذا یہ بیع موقوف بھی ہوئی جیسے بیع مکرہ کہ فاسد بھی ہے اور موقوف بھی اور بیع موقوف بھی مفید ملک مشتری نہیں ہوتی تو بہر طور اس صورت میں خالد کے لئے مکان میں ملک نہیں، نہ اسے مکان پر دعوی پہنچے، عالمگیریہ میں ہے:

اذا باع المغصوب من غیر المغاصب فھو موقوف ھوا لصحیح فان اقر الغاصب تم البیع ولزمہ، وان جحدو للمغصوب منہ بینہ فکذلك کذا فی الغیاثیۃ وان لم یکن لہ بیّنۃ ولم یسلمہ حتی ھلك انتقض البیع کذا فی الذخیرۃ [1]۔	مالک نے مغصوب کو غاصب کے غیر کے ہاتھ بیچا تو صحیح یہ ہے کہ وہ بیع موقوف ہوگئی، اگر غاصب نے اقرار کیا تو بیع تام ولازم ہوگئی، اگر اس نے انکار کیا اور مغصوب منہ کے پاس گواہ موجود ہیں تب بھی یہی حکم ہے یونہی غیاثیہ میں ہے اگر اس کے پاس گواہ موجود نہیں اور وہ مبیع کو مشتری کے حوالے نہ کر سکا حتی کہ مبیع ہلاک ہوگیا تو بیع ٹوٹ گئی یونہی ذخیرہ میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

وقف بیع المالك المغصوب علی البیّنۃ اواقرار الغاصب [2]۔	مالک کا مغصوب کو فروخت کرنا غاصب کے اقرار یا گواہوں کے موجود ہونے پر موقوف ہوگا(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۱۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفصولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

خانیہ میں قبیل فصل شروط مفسدہ ہے:

باع المغصوب من غیر الغاصب ان کان الغاصب جاحدا یدعی انہ لہ ولم یکن للمغصوب منہ بینۃ لایجوز بیعہ وان کان لہ بینۃ جاز بیعہ [1]۔	مالک نے مغصوب کی بیع غیر غاصب کے ہاتھ کردی درانحالیکہ غاصب منکر غصب ہے اور اپنی ملکیت کا دعویدار ہے اور مغصوب منہ کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں تو بیع جائز نہیں اور اگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں تو بیع جائز ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسد بیع طیر فی الھواء لایرجع وان یطیر ویرجع صح [2]۔	ہواء میں اس پرندے کی بیع فاسد ہے جو واپس نہ آئے اور اگر وہ اڑتا ہے اور پھر واپس آجاتا ہے تو ہواء میں اس کی بیع جائز ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح لان المعلوم عادۃ کالواقع وتجویز کونھا لاتعود او عروض عدم عودھا لایمنع جواز البیع کتجویز ھلاك المبیع قبل القبض ثم اذا عرض الھلاك انفسخ کذا ھنا اھ وفی النھر فیہ نظر لان من شروط صحۃ البیع القدرۃ علی التسلیم عقبہ ولذا لم یجز بیع الاٰبق اھ قال ح فرق مابین الحمام والاٰبق فان العادۃ لم تقض بعودہ	فتح میں فرمایا اس لئے کہ معلوم عادی واقع کی مثل ہے محض اس بات کا امکان کہ وہ (پرندے) واپس نہ آئیں گے یا عدم رجوع کا انھیں عارض ہوجانا جواز بیع سے مانع نہیں جیساکہ قبضہ سے قبل ہلاک بیع کا امکان مانع بیع نہیں، پھر اگر مبیع کو ہلاکت عارض ہوگئی تو بیع فسخ ہوجائیگی، ایسا ہی یہاں بھی ہوگا، اھ اور نہر میں ہے کہ اس میں نظر ہے کیونکہ صحت بیع کی شرطوں میں سے ہے کہ بیع کے بعد تسلیم مبیع پر قدرت ہو، اسی لئے بھاگے ہوئے غلام کی بیع ناجائز ہے اھ، ح نے فرمایا کہ صاحب نہر نے کبوتر اور غلام میں فرق کیا ہے کہ عادت بھاگے ہوئے غلام کے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الباطل مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۲

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

غالبًا بخلاف الحمام، وما ادعاہ من اشتراط القدرۃ علی التسلیم عقبہ ان ارادبہ القدرۃ حقیقۃ فہو ممنوع والا لاشترط حضور المبیع مجلس العقد واحد لایقول بہ، وان ارادبہ القدرۃ حکما کما ذکرہ بعد ہذا فما نحن فیہ کذالك لحکم العادۃ بعودہ اھ قلت وہو وجیہ فہو نظیر العبد المرسل فی حاجۃ المولی فانہ یجوز بیعہ وعللوہ بانہ مقدور التسلیم وقت العقد حکما اذا الظاہر عودہ[1]۔	واپس آنے کا حکم غالبا نہیں کرتی۔ بخلا کبوتر کے، اور بیع کے بعد بیع کے مقدور التسلیم ہونے کے اشتراط کا جو دعوی صاحب نہر نے کیا ہے اس سے مراد اگر وقت تسلیم حقیقتاً ہے تو یہ ممنوع ہے ورنہ مبیع کا مجلس عقد میں حاضر کرنا ضروری ہوگا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اگر حکما ہے جیساکہ بعد خود انھوں نے ذکر کیا تو ہمارا زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ عادت کبوتر کے لوٹ آنے کا حکم کرتی ہے اھ میں کہتا ہوں یہ قوی ہے پس یہ اس غلام کی نظیر ہے جسے مالک کے کام کے لئے کہیں بھیجا گیا ہو کیونکہ اس کی بیع جائز ہے، اور فقہاء نے اس جواز کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ غلام بوقت بیع حکما مقدور التسلیم ہے کیونکہ ظاہر اس کا لوٹ آنا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو باعہ (ای الأبق) ثم عاد وسلمہ یتم البیع علی القول بفسادہ ورجحہ الکمال وقیل لایتم علی القول ببطلانہ من الروایۃ واختارہ فی الہدایۃ وغیرہا وبہ کان یفتی البلخی وغیرہ، بحر وابن کمال[2]۔	اگر بھاگے ہوئے غلام کو فروخت کیا پھر وہ لوٹ آیا اور اس کو مشتری کے حوالے کردیا تو اس قول کے مطابق بیع تام ہوجائے گی جس قول میں اس بیع کو فاسد قرار دیا گیا اور کمال نے اس کو ترجیح دی اور جس قول میں اس بیع کو باطل قرار دیا گیا اس کے مطابق بیع تمام نہ ہوگی اور یہی زیادہ ظاہر روایت ہے ہدایہ وغیرہ نے اس کو اختیار کیا اور بلخی وغیرہ اس پر ہی فتوی دیتے تھے، بحر، ابن کمال (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

وبہ اخذ جماعۃ من مشایخنا وبہ کان یفتی ابوعبداللہ البلخی وہکذا ذکر شیخ	اس کو اخذ کیا ہے ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے اور اس پر ابوعبداللہ بلخی فتوی دیتے تھے

[1] ردالمحتار، کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۰۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵

الاسلام [1]۔	شیخ الاسلام نے یونہی ذکر فرمایا ہے۔(ت)

نیز غیاثیہ میں ہے: قالوا اوالمختار ھذا[2] (مشائخ نے فرمایا یہی مختار ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح والحق ان الاختلاف فیہ بناء علی الاختلاف فی انہ باطل اوفاسد وانک علمت ان ارتفاع المفسد فی الفاسد یردہ صحیحا لان البیع قائم مع الفساد ومع البطلان لم یکن قائما بصفۃ البطلان بل معدوما، فوجہ البطلان عدم قدرۃ التسلیم، فوجہ البطلان عدم قدرۃ التسلیم، ووجہ الفساد قیام المالیۃ والملک، والوجہ عندی ان عدم القدرۃ علی التسلیم مفسد لا مبطل [3]۔	فتح میں فرمایا: حق یہ ہے کہ اس میں اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ یہ بیع باطل ہے یا فاسد، اور بیشک تو جانتا ہے کہ ازالہ مفسد سے بیع فاسد صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ فساد کے باوجود بیع قائم رہتی ہے جبکہ بطلان کے ساتھ بسبب صفت بطلان کے بیع قائم نہیں رہتی بلکہ معدوم ہو جاتی ہے، پس بطلان کی وجہ قدرت تسلیم کا نہ ہونا ہے جبکہ فساد کی وجہ سے مالیت وملک کا قیام ہے اور میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ تسلیم مبیع پر قادر نہ ہونا بیع کو فاسد کرنے والا ہے نہ کہ باطل کرنے والا۔ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

وبہ اخذ الکرخی وجماعۃ من مشایخنا وھکذا ذکر القاضی الاسبیجابی فی شرحہ [4]۔	اور اسی کو اخذ کیا ہے کرخی اور ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے اور قاضی اسبیجابی نے اپنی شرح میں یوں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

نیز اسی سے بحوالہ غیاثیہ گزرا:

ھو موقوف ھو الصحیح [5] اھ وھو تصحیح	وہ موقوف ہے یہی صحیح ہے اھ اور وہ قول فساد

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۱۲

[2] الفتاوٰی الغیاثیہ کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۴۳

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب بیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیعروت ۴/ ۱۱۳

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۱۲

[5] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۱۱

للقول بالفساد کما بینا علی ھامشھا ولاغرو جمع الفساد والتوقف ففی ردالمحتار عن البحر ان بیع المکرہ فاسد موقوف [1] الخ وتمامہ فیہ وبہ یحصل الجمع بین قول الخانیۃ فی مسالتنا لایجوز بیعہ وقول غیرہ موقوف، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عزشانہ احکم۔	کی تصحیح ہے جیسا کہ ہم نے اس کے حاشیہ پر بیان کیا اور فساد و توقف کے جمع ہونے میں کوئی تعجب نہیں، پس ردالمحتار میں بحر کے حوالے سے ہے کہ مکرہ کی بیع فاسد موقوف ہے الخ اور اس کی مکمل بحث اس میں ہے اور اسی سے ہمارے مسئلہ میں خانیہ کے قول کہ بیع ناجائز ہے اور اس کے غیر کے قول کہ بیع موقوف ہے کے درمیان تطبیق حاصل ہوگئی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عزشانہ احکم (ت)

مسئلہ ۳: از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شے کو فروخت کیا اس شرط پر کہ نصف روپیہ خریداری مال لیا اور نصف روپیہ وقت جانے مال کے کہ جو پہلی مرتبہ جائے گا ہم اپنا آدمی بھیج کر منگالیں گے، زید نے آدمی نہ بھیجا، خریدار نے وہ نصف روپیہ اپنے طور پر اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا، اب چونکہ نرخ اس مال کا بموجب فروخت حال کے دوچند ہوگیا لہٰذا زید کی اب یہ نیت ہے کہ یہ روپیہ جو نصف مال کی قیمت کا آیا ہے واپس کردے اور مال نہ دے، اور یہ بھی واضح ہو کہ جو مال زید سے لینا قرار پایا تھا وہ مال بھی نہ دیا اس سے کم قیمت کا دیا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے، اور جب بیع صحیح شرع واقع ہولے تو اس کے بعد بائع یا مشتری کسی کو بے رضامندی دوسرے کے اس سے یوں پھر جانا روا نہیں، نہ اس کے پھرنے سے وہ معاہدہ جو مکمل ہوچکا ٹوٹ سکتا ہے، زید پر لازم ہے کہ مال فروخت شدہ تمام وکمال خریدار کو دے، ہدایہ میں ہے:

اذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع والاخیار لو احد منھما الامن عیب وعدم رویۃ [2]۔	جب ایجاب وقبول حاصل ہوجائے تو بیع لازم ہوجاتی ہے اور بائع ومشتری میں سے کسی کو فسخ کا خیار حاصل نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ مبیع میں کوئی عیب ظاہر ہوجائے یا مشتری نے بوقت بیع اس کو دیکھا نہ ہو۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴

[2] الھدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵

مال ناقص جو خلاف قرار داد زید نے بھیجا مشتری اسے واپس پہنچا کر اپنی اصل خریداری کا مال لے سکتا ہے جب کہ مشتری سے کوئی امر مانع واپسی نہ ہوا ہو مثلاً اسے دیکھنے کے بعد وہ قول یا فعل جو اسی مال پر راضی ہوجانے کی دلیل ہو، درمختار میں ہے:

(له)ای للمشتری(ان یردہ اذا راٰہ)الا اذا حمله البائع لبیت المشتری فلا یردہ اذا راٰہ الا اذا اعادہ الی البائع اشباہ(ویثبت الخیار)للرؤیۃ(مطلقاً غیر موقت)بمدۃ ھو الاصح،عنایۃ،لاطلاق النص مالم یوجد مبطله و ھو مبطل خیار الشرط مطلقاً ومفید الرضا بعد الرؤیۃ لاقبلها،درر،[1] اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کو یعنی مشتری کو اختیار ہے کہ بیع کو رد کردے جب مبیع کو دیکھے مگر جب بائع مبیع کو مشتری کے گھر اٹھالایا ہو تو اب مشتری نے اسے دیکھنے پر رد نہ کیا ہو، ہاں اگر مشتری نے مبیع کو بائع کی طرف لوٹا دیا تو رد ہوجائے گا__(اشباہ) اور خیار رؤیت مطلقاً ثابت ہوتا ہے کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں ہوتا یہی زیادہ صحیح ہے(عنایہ) کیونکہ نص میں اطلاق ہے جب تک مبطل خیار رؤیت نہ پایا جائے اور اس کا مبطل وہی ہے جو خیار شرط کا مبطل ہے مطلقاً یعنی قولی ہو یا فعلی، اور وہ فعل یا قول بھی مبطل ہے جو مفید رضا ہو جبکہ وہ رؤیت کے بعد پایا جائے نہ کہ رؤیت سے پہلے، درر اھ (مختصراً) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴: مسئولہ عظیم الدین افسر مدرس مدرسہ مسعودیہ درگاہ شریف حضرت سید مسعود غازی صاحب سالار، بروز شنبہ، ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی اراضی کا بیع کامل کب ہوسکتا ہے جبکہ مشتری پورا زر ثمن ادا کردے اگر مشتری پورا نہ ادا کرے تو تا ادائے زر ثمن کے اس اراضی کا حاصلات مشتری کو حلال اور مباح ہے یا نہیں۔ اس صورت میں کہ اس نے زر ثمن پورا ادا نہیں کیا بائع سے کچھ روپیہ زر سود کا مشتری نے زر ثمن مجرا لیا ہے کچھ روپیہ مشتری بائع کو زائد زر ثمن دینا ظاہر کرتا ہے حالانکہ بائع کہتا ہے کہ یہ روپیہ بوجہ اقراری مجھے دیا گیا ہے یا بطور خیرات، پس یہ روپیہ زر سود میں جو مشتری نے بائع سے لیا ہے وضع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴

الجواب:

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے، چیز بائع کے ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے ہاں پہلے مشتری کو چاہئے کہ ثمن ادا کرے، بائع کو اختیار ہے کہ جب تک ثمن نہ لے مبیع سپرد نہ کرے لیکن اگر اس نے بعض یا کل ثمن لینے سے پہلے مبیع اس کے قبضہ میں دے دی تو اس سے جو کچھ منافع حاصل ہوں ملک مشتری ہیں مشتری کے لئے حلال ہیں مشتری نے بائع سے جو سود لیا وہ حرام قطعی ہے، اور بد اقراری کے معاوضہ میں کچھ روپیہ جرمانہ لینا بائع کو حرام ہے لیکن بائع یہ روپیہ اس سود میں مجرا لے سکتا ہے جو مشتری نے اس سے لیا تھا جبکہ اس کی مقدار سے زائد نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵: از شہر گونڈہ انجمن اسلامیہ مرسلہ جناب مرزا محمود بیگ صاحب وکیل وسکریٹری انجمن اسلامیہ گونڈہ ۳ رمضان ۱۳۳۲ھ

خدمت مبارک میں نقل دستاویزات مؤرخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء و ۱۲ جنوری ۱۹۰۹ء بھیج کر مستدعی ہوں کہ براہ مہربانی مطلع فرمایئے کہ آیا دستاویزات جائز ہے بموجب دستاویزات مذکور الصدر کے انجمن اسلامیہ گونڈہ نے مکانات سید مقبول احمد وسید منظور احمد بیع بالخیار لئے ہیں اور قبضہ انجمن کا اس طور پر ہے کہ علیحدہ سرخط کرایہ نامہ لکھا لیا ہے اور کرایہ مبلغ (عہ/عہ ماہ بماہ) انجمن وصول کرتی آئی ہے جو کرایہ وصول ہوتا ہے ہو مصارف انجمن پر خرچ ہوتا ہے، آیا یہ رقم کرایہ شرعاً جائز ہے اور انجمن اس کو جائز طور پر صرف کرسکتی ہے؟

الجواب:

دونوں دستاویزیں ملاحظہ ہوئیں دونوں باطل محض ہیں، دو برس کے لئے بیع بالخیار شریعت مطہر میں کہیں نہیں، کرایہ کہ الٹا مالکان مکان سے غیر مالکوں نے لیا سب حیلہ باطلہ اور نرا سود ہے انجمن پر فرض ہے کہ جتنا کرایہ اس وقت تک وصول کیا ہو مالکوں کو واپس دے یا اپنے دئے ہوئے قرض میں مجرا کرکے اتنی رسید مالکوں کو دے دے، حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1]۔	ہر قرض جو منفعت کو کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسستہ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

یہ صورت حقیقۃً رہن کی ہے خود بائعوں نے دوسری دستاویز میں اُسے جائداد مستغرقہ کہا اور میعاد دو سال اسے مکفول لکھا بس حقیقت اس قدر ہے باقی بیع کا بے معنی نام محض حیلہ خام ہے اور رہن بے قبضہ باطل ہے، **قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ت)

نیز مالکوں کا اپنی ملک غیر مالکوں سے کرایہ پر لینا شدید باطل ہے تو اس ماہورا کی اصل حقیقت سود ہے اور بنام اجارہ باطلہ لینا اتنا بھی اثر نہ دے گا جو سود مردود کی ملک خبیث سے ہوتا بلکہ مالکوں کو تمام وکمال واپس دینا فرض ہے **لعدم الملك فكان غصبا فوجب الرد والضمان هالكا** (ملک نہ ہونے کی وجہ سے لہٰذا وہ غصب ہوگا تو اس کا لوٹانا اور ہلاکت کی صورت میں ضمان واجب ہوگا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶ تا ۱۶۲: از قصبہ رسیون محلّہ میرزادگان بمقام مسجد میرزادگان ضلع اناؤ مرسلہ قادر علی صاحب ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسائل میں:

(۱) بیع خیار کی تعریف کیا ہے؟

(۲) کیا شرائط اس میں ضروری ہیں اور انتہائے مدت اس کی کیا ہے؟

(۳) کیا بیع خیار میں شیئ مبیعہ پر فورا قبضہ ہونا چاہئے؟

(۴) اگر شیئ مبیعہ پر قبضہ نہ ہوا تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں؟

(۵) اگر شے پر قبضہ تو نہیں ہوا بلکہ روپیہ کا منافع جس حساب سے باہمی ٹھہرا تھا وہ ملا کیا تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں؟

(۶) اگر بعد میعاد گزر جانے کے یہی مشتری بیع خیار طے شدہ منافع اپنا لیتا رہا جائداد پر قبضہ نہیں کیا تو یہ منافع سود ہوا یا نہیں، جاءز ہے یا ناجائز؟

(۷) کیا بائع اندر میعاد بیع خیار جائداد کو اسی شخص یا کسی غیر شخص سے بیع کرکے روپیہ واپس کرکے جائداد واپس لے سکتا ہے؟

(۸) کیا بعوض روپیہ واپس کرنے کے ایک جُزو اسی جائداد کا مشتری بیع خیار کو بیع قطع کرکے بقیہ اپنی جائداد واپس کرسکتا ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۸۳

(۹) کیا مشتری بیع خیار بخوشی خاطر ایک جزو جائداد کا بائع کو واپس کرکے بقیہ جائداد کو بیع قطعی کرتا ہے تو اس صورت میں کوئی ملزم شرعی ہوگا؟

(۱۰) اگر بعد انقضائے میعاد متعینہ بیع خیار کوئی کاروائی فیما بین بائع و مشتری نہیں ہوئی بلکہ تین سال اور زائد تک وہی عملدرآمد یعنی وہی طے شدہ منافع اسی روپیہ کا لیتا رہا تو اس صورت میں یہ رقم وصول شدہ مشتری سود ہے اور مشتری سود خور ہوا یا نہیں اس کا استقرار تاریخ تحریر دستاویز سے ہوگا یا انقضائے میعاد کے بعد سے؟

(۱۱) اس قسم کی دستاویز مع خیار جس کا شیئ مبیعہ پر قبضہ نہیں ہوا صرف روپیہ کا منافع طے شدہ ملتا رہا، بعد ختم میعاد بھی کوئی کاروائی نہیں ہوئی تو اس شکل میں دستاویز بیع قطع لکھانا بہتر ہے یا بدستور وہی دستاویز بیع خیار قائم رکھنا؟

الجواب:

بیع خیار شرع میں تو اسے کہتے ہیں کہ بائع ایک چیز اس شرط پر بیچے یا مشتری اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے کہ بیع قائم رکھوں یا نہیں خواہ دونوں اپنے لئے تین دن اختیار ہونے کی قید لگالیں، یہ اختیار تین دن سے زیادہ کا نہیں لگا سکتے اور کم میں ایک دین یا ایک گھنٹہ جو چاہیں مقرر کریں، اس مدت کے اندر ایک یا دونوں جس کا خیار شرط کیا گیا ہے اسے اختیار ہوگا کہ بیع نامنظور کردے وہ فسخ ہوجائے گی اور اگر مدت مقرر کردہ گزر گئی تو بیع لازم ہوجائے گی مگر سائل نے بیع بالوفاء کو بیع بالخیار کہا ہے، اس کی صورت یہ ہوئی کہ زید نے ایک چیز عمرو کے ہاتھ بیچی اور سال دو سال یا کم بیش باہم ایک مدت طے کرلی کہ اس مدت میں زید زرثمن نہ دے گا تو بیع قطعی ہوجائے گی اس صورت میں اکثر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ چیز قبضہ مشتری میں دے دیتے ہیں مشتری اس سے نفع حاصل کرتا رہتا ہے بذریعہ سکونت یا کرایہ یا زراعت وغیرہ یہ حرام ہے کہ صحیح و معتمد مذہب میں بیع وفاء بیع نہیں رہن ہے مشتری مرتہن کو رہن سے نفع حاصل کرنا حرام ہے، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ ھو ربٰو۔[1]	جو بھی قرض نفع دے وہ سود ہے (ت)

اور پورے بیباک یہ کرتے ہیں کہ چیز بھی بائع کے قبضہ میں رہتت ہے اور اس سے اپنے روپیہ کا نفع اٹھایا جاتا ہے یہ رہن بھی نہ ہوا کہ رہن بے قبضہ باطل ہے۔

[1] کنز العمال فصل فی لواحق کتاب الدین حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ت) یہ نفع جو اس پر ٹھہرا کھلا سود اور نرا حرام و مردود ہے۔

بالجملہ یہ بیع کسی صورت میں نہیں ہے، مشتری کا قبضہ نہ ہوا، جب تو اسے جائداد سے کوئی تعلق ہی نہیں، جتنا روپیہ دے اسے جب چاہے واپس لے سکتا ہے میعاد گزری ہو یا نہیں کہ بوجہ عدم رہن سادہ قرض رہ گیا اور قرض کے لئے شرعاً کوئی میعاد نہیں، اگر مقرر بھی کی ہے اس کی پابندی نہیں اس دئے ہوئے روپیہ سے ایک حبہ زائد اس کو حرام ہے، نہ میعاد گزرنے پر اس جائداد میں اس کا کوئی حق ہے، اور اگر مشتری کا قبضہ ہوگیا ہے تو وہ رہن ہے مشتری کو اس سے نفع لینا حرام ہے، اور بائع ہر وقت روپیہ دے کر جائداد واپس لے سکتا ہے اگرچہ میعاد گزر گئی ہو، اور یہ بھی کرسکتا ہے کہ اسی جائداد کا کوئی حصہ باہمی رضامندی سے مشتری کے ہاتھ بیع قطعی بعوض دین کردے اور باقی جائداد واپس لے لے، رہا بائع یا مشتری کا دوسرا کے ہاتھ جائداد کا کل یا بعض بیچنا، اگر قبضہ مشتری نہیں ہوا ہے جب تو بائع کو اس کا اختیار کامل ہے کہ وہ اس کی ملک خالص ہے، اور مشتری کو اصلا اختیار نہیں کہ اسے جائداد سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر قبضہ مشتری ہوگیا ہے تو اگر بائع بیچے تو یہ بیع مشتری کی اجازت پر موقوف رہے گی **کما ھو حکم بیع المرھون** (جیسا کہ مرہون کی بیع کا حکم ہے۔ت)

سوال اخیر کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں نہ بیع ہے نہ رہن ہے قائم کس چیز کو رکھا جائے اور بیع قطعی کرنا نہ کرنا بائع کو اختیار ہے مشتری کو اپنے روپیہ کے سوا کوئی دعوٰی اس پر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از شہر محلّہ سبزی منڈی بازار مرسلہ ولایت حسین صاحب مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

زید بکر کے پاس آیا اور یہ کہا کہ ایک صاحب کو کپڑا کی ضرورت ہے اور اس کو کچھ کپڑا سلوانا بھی ہے، بکر سلائی کا کام بھی کرتا ہے، بکر نے تین دکانات پر سے مختلف قسم کے پارچہ مالکان مال سے ان کی قیمت طے کرکے زید کے ساتھ صاحب کے یہاں چلا گیا، زید نے یہ کہا کہ میں ان صاحب کو کپڑا دکھانے جاتا ہوں اور وہ کپڑے کو لے کر چلا گیا، بکر نہ وہ شخص ملا نہ کپڑا ملا، اب مالکان مال کو شرعاً بکر سے اس پارچہ کی قیمت لینے کا حق ہے یا نہیں؟ **فقط**

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۸۳

الجواب:

بیچنے والے اپنے کپڑوں کا تاوان بکر سے لے سکتے ہیں،

لان المقبوض علی سوم الشراء مضمون، واللہ تعالٰی اعلم	جس چیز پر بھاؤ طے کرنے کے لئے قبضہ کیا جائے وہ قابل ضمان ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں کسی وارث کو بیعنامہ اپنی جائداد کا مثل باغ یا اراضی وتالاب وغیرہا کے لکھ دیا اس کی موت کے بعد دوسرا وارث اگر فسخ بیع چاہے تو اسے شرعاً اختیار ہے یا نہیں؟ اور بائع کو بوجہ خیار عیب یا رؤیت اختیار فسخ حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع اگر مرض موت میں نہیں تو بعد لزوم وتکمیل بائع اور اس کے ورثاء کو کسی طرح اختیار فسخ نہیں اور خیار رؤیت خاص مشتری کے لئے ہے اور خیار عیب اگر بائع کو حاصل بھی ہے تو صرف بایں معنی کہ ثمن ناقص جید سے بدل سکتا ہے نہ یہ کہ اس کی وجہ سے فسخ بیع کرسکے، پس خیار رؤیت مطلقاً اور خیار عیب کہ سبب فسخ ہے مشتری کے لئے خاص ہیں بائع کو ہرگز حاصل نہیں،

فی الدر المختار واذا وجدا لزم البیع بلا خیار الالعیب اورؤیۃ [1]. فی الھدایۃ ومن باع مالم یرہ فلا خیار لہ وکان ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول اولا لہ الخیار اعتبارا بخیار العیب وخیار الشرط [2]. فی العنایۃ اعتبارا بخیار العیب فانہ لایختص بجانب المشتری بل اذا وجد البائع الثمن زیفا	درمختار ہے جب ایجاب وقبول دونوں پائے گئے تو بیع بلا خیار لازم ہوگئی سوائے خیار عیب اور رؤیت کے، ہدایہ میں ہے جس نے ایسی چیز کو بیچا جسے اس نے دیکھا نہیں تو اسے خیار رؤیت نہیں، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پہلے کہا کرتے تھے کہ اسے خیار رؤیت ہے اور وہ اس کو خیار عیب اور خیار شرط پر قیاس کرتے تھے، عنایہ میں ہے کہ خیار عیب پر قیاس کرنا

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] الھدایہ کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۴۱۔۴۰

فھو بالخیار ان شاء جوز وان شاء ردہ کالمشتری اذا وجد المبیع معیبا لکن العقد لاینفسخ بردالثمن وینفسخ برد المبیع لانہ اصل دون الثمن[1] والعلم عند واھب العلوم عالم کل سر مکتوم۔	اس لئے درست ہے کہ وہ فقط مشتری کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اگر بائع ثمنوں کو کھوٹا پایا تو اسے اختیار ہے چاہے تو جائز قرار دے دے اور چاہے تو رد کردے جیسا کہ مبیع کو معیوب پاکر مشتری کو اختیار ہوتا ہے لیکن ثمن کو رد کرنے سے عقد فسخ نہیں ہوتا اور مبیع کو رد کرنے سے عقد فسخ ہوجاتا ہے کیونکہ مبیع اصل ہے نہ کہ ثمن، اور علم درحقیقت علم عطا فرمانے والے کے پاس ہے جو ہر چھپے راز کو جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: ۱۱ رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معاہدہ مابین زید و عمر کے قرار پایا اور زید نے عمرو کو عہ/ بیس روپے بطور بیعانہ کے دئے اب زید اپنی بدنیتی سے بلا قصور عمر کے معاہدہ مذکورہ سے منحرف ہوگیا تو اس صورت میں زید واپسی زر مذکور کا مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیشک واپس پائے گا، بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کرلینا جیسا کہ جاہلوں میں رواج ہے ظلم صریح ہے،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔ (ت)

ہاں اگر عقد بیع باہم تمام ہولیا تھا یعنی طرفین سے ایجاب و قبول واقع ہولیا اور کوئی موجب تنہا مشتری کے فسخ بیع کردینے کا نہ رہا، اب بلاوجہ شرعی زید مشتری عقد سے پھرتا ہے تو بیشک عمرو کو روا ہے کہ اس کا پھرنا نہ مانے اور بیع تمام شدہ کو تمام ولازم جانے، اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مبیع ملک زید اور ثمن حق عمرو، درمختار کے باب الاقالہ میں ہے:

من شرائطھا رضا المتعاقدین[3]۔	اقالہ کی شرطوں میں سے بائع و مشتری کا باہم رضامند ہونا ہے۔ (ت)

---

[1] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۵۳۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[3] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳

یہ کبھی نہ ہوگا کہ بیع کو فسخ ہو جامان کر مبیع زید کو نہ دے اور اس کے روپے اس جرم میں کہ تو کیوں پھر گیا ضبط کرے، **ھل ھذا الا ظلم صریح** (کیا یہ ظلم صریح نہیں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: از پیلی بھیت ۵ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت زینب کو بمواجہ چند عورات مستورات اور چند مرد مان کرکے کچھ روپیہ اس وعدہ پر دیا کہ ہم فلاں مکان یا زمین اسی عورت زینب کا اس قدر تعداد روپیہ لیں گے اور بقدر عہ / بیس روپیہ مثل بیعانہ دئے ہیں اور اس عورت زینب نے اس روپیہ کو لے کر صرف مایحتاج کرلیا اور سب گواہان کے سامنے اقرار کردیا بعد اقرار کے کچھ دنوں بعد زینب فوت ہوگئی لہٰذا شرعاً بیع ہوئی یا نہیں؟ اور از روئے شرع شریف کے زید اپنا قبضہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

"لیں گے" صرف وعدہ ہے اور وعدہ کوئی عقد نہیں، نہ وفائے وعدہ پر خود وعدہ کرنے والے کو جبر کیا جاسکتا ہے **کما نص علیہ فی الھندیۃ**[1] **والخیریۃ وغیرہما من الکتب الفقھیۃ** (جیسا کہ ہندیہ اور خیریہ وغیرہ کتب فقہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) تو اس کی موت کے بعد وارثوں پر کیا جبر ممکن ہے پس زید کو قبضہ کرنے کا اصلا اختیار نہیں وہ صرف ان روپوں کا مستحق رہا جو اس نے پیشگی دئے تھے ترکہ زینب سے قبل تقسیم ورثہ وصول کئے جائیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا حق حقوق ۲بسوانسی کچھ کچوانسی بکر کے ہاتھ فروخت کیا مبلغ (ماسہ مہ ۱۵۸) روپیہ کو اور بیع نامہ لکھ کر اپنے دستخط کئے اور بیعانہ لیا اور رجسٹری کرادینے کا معاہدہ کیا اور بعد کو خالد اپنے چچازاد بھائی کو (سامہ لعہ ۳۹۵) روپیہ کا بیعنامہ لکھ کر رجسٹری کرادی، اب بکر کہتا ہے کہ درحقیقت یہ بیعنامہ مصنوعی لکھا ہے شفیع کے ڈر سے اور یہ حقیقت اصل میں وہی (ما صہ مہ ۱۵۸) کو بموجب بیع بکر کے فروخت کی ہے، اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس میں شفیع ہوں کیونکہ میری پندرہ بستے ہیں، تو اس صورت میں بکر بموجب شرع شریف کے شفاعت سے اس حقیت کو اور نیز بموجب معاہدہ کے اس قیمت کو پاسکتا ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

بیع عقد لازم ہے بعد تمامی ہر گز بائع کو اختیار نہیں کہ دوسرے کے ہاتھ بیع کردے جب

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السابع فی اجارۃ المستاجر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷، العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

وہ بدست بکر بیچ چکا بیعنامہ لکھ دیا اس پر اپنے دستخط کردئے، تو تمامی عقد میں اصلا کوئی شبہ نہ رہا۔ رجسٹری نہ شرعاضروریہ نہ اسے تکمیل عقد میں اصلاکچھ دخل، بلکہ شرعاتو صرف ایجاب وقبول کانام بیع ہے اگرچہ بیعنامہ بھی نہ لکھا جائے تونہی تنہا بیعنامہ بطریق معروف ومعہود لکھ کر دستخط کرنا مشتری کااسے قبول کرلینا بھی عقد تام وکافی ہے، اگرچہ زبانی الفاظ مقررہ خریدم و فروختم (میں نے خریدا، میں نے بیچا۔ت) کاذکر نہ آیا ہو۔ اشباہ میں ہے:

الکتابۃ یصح البیع بھا قال فی الھدایۃ والکتاب کالخطاب[1]۔	تحریر سے بیع صحیح ہوجاتی ہے، ہدایہ میں ہے فرمایا تحریر کلام کی مثل ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

المعنی ھوالمعتبر فی ھذہ العقود ولھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھوالصحیح لتحقق المراضاۃ[2]۔	ان عقود میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بڑھیا اور گھٹیا چیزوں میں بیع تعاطی منعقد ہوجاتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ باہمی رضامندی متحقق ہوتی ہے۔(ت)

غرض حقیقت مذکورہ ملک زید سے خارج ہوکر ملک بکر میں داخل ہوگئی، زید بکر سے صرف (ماسہ مہ ۱۵۸) کا مطالبہ کرسکتا ہے بیع ثانی کہ بدست خالد کی، بے اجازت بکر مردود ہے، بکر کو اپنی ملک میں دعوی شفعہ کی کوئی حاجت نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۲: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں، اب زید اپنا حق حقوق ایک زوجہ کے نام بیع کرتا ہے، تو زید کو اپنی حیات میں بیع کرنے کااختیار ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ بیع زید سے قبل مرض موت کے بحالت صحت نفس وثبات عقل واقع ہوئی تو قطعاً نافذ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور ایک ہمشیرہ اور ایک بھتیجا وارث اور تین بسوہ جائداد متروکہ چھوڑ کرانتقال کیا زوجہ نے وہ کل حقیت اپنی طرف سے بدست خالد فروخت کی مگر وہ بیعنامہ سب ورثاء کی اطلاع سے لکھا گیا اور وہ سب بالغ ہیں اور سب نے اپنی گواہیاں

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۹۶

[2] الھدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۵۔۲۴

اس بیعنامہ پر لکھیں اور یہ کہہ دا کہ یہ بیع صحیح ہے اس میں کچھ دعوی مبیع نہیں ہے کل زر ثمن مشتری نے ادا کردیا اور سب ورثاء نے باہم تقسیم کرلیا، اب بعد نو دس برس کے ہمشیرہ زید مدعیہ ہے کہ یہ بیع میں نے نہیں کی فقط زوجہ زید نے بطور مالکانہ کل حقیت بیع کی حالانکہ وہ کل کی مستحق نہیں، اس صورت میں وہ بیع شرعا صحیح ونافذ، اور دعوی مدعیہ ناحق وباطل قرار پائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ بیع صحیح ونافذ ہے اور دعوی مدعیہ محض ناحق وباطل کہ اگرچہ زوجہ زید کل حقیت کی مالک نہ تھی اور اس نے ساری جائداد اپنی طرف سے بیع کی مگر یہ جبکہ یہ امر باطلاع ورثاء دیگر واقع ہوا اور انھوں نے پسند رکھا اور انکار نہ کیا یہاں تک کہ زر ثمن سے حصہ لیا اور وہ سب بالغ تھے تو اب وہ بیع ایسے ہی قرار پائے گی کہ گویا ان سب نے خود اپنا اپنا حصہ بیع کیا اور ثمن لیا اب کسی طرح سے انھیں محل دعوی واعتراض باقی نہیں

فی تنویر الابصار والدالمختار اخذ المالك الثمن اوطلبه من المشتری اجازة [1] اھ ملخصا واما ماوقع فی البحر ثم الدرر من البطلان ان باع الفضولی لنفسه موہم مخالف للفروع المذهبية ومضاد للظاہر الرواية کما حققه المولی خیرالملة والدین الرملی ثم العلامة الشامی أفندی فلیتنبه، واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ مالک کا مشتری سے ثمن وصول کرلینا یا اس سے ثمن مانگنا اجازت بیع ہے اھ ملخصا، اور وہ جو بحر پھر درر میں آیا ہے کہ بیع باطل ہے اگر فضولی نے اپنے لئے بیع کی وہ وہم ہے اور فروع مذہبیہ کے مخالف اور ظاہر الروایہ کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت مولانا خیرالدین رملی پھر علامہ شامی آفندی نے تحقیق فرمائی، پس اس سے باخبر ہونا چاہئے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب غلہ بازار میں نقدوں ١٦ سیر کا ہو تو قرضوں ١٥ یا ١٢ سیر کا بیچنا جائز ہے یا حرام یا مکروہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ فعل اگرچہ نرخ بازار سے کیسا ہی تفاوت ہو حرام یا ناجائز نہیں کہ وہ مشتری پر جبر نہیں کرتا

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ٣٢

نہ اسے دھوکا دیتا ہے اور اپنے مال کا ہر شخص کو اختیار ہے چاہے کوڑی کی چیز ہزار روپیہ کو دے، مشتری کو غرض ہو لے، نہ ہو نہ لے۔

فی ردالمحتار لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ خضروی و کریم اللہ و محمد بشارت و شاہ محمد چار بھائیوں نے ایک جائداد بشمول ہمد گر پیدا کی اور تادم مرگ خورد نوش ان کا یکجا رہا، بعدۃً خضری نے دو دختر فجو اور اجو اور ایک پسر محمد بخش جس کی وارث اس کی زوجہ امرین ہے، اور دوسری فجو جس کے ورثاء اس کے زوج کلو اور علی بخش و حسین بخش و سلیمن اولاد ہیں، اور شاہ محمد نے زوجہ نورن وابن محمد علی وبنت بلاقن اور کریم اللہ نے زوجہ منگو اور ابن یاد علی اور امیرن منیرن، بگا، بنات اور محمد بشارت نے زوجہ چھوڑی، اور محب اللہ و کلن پسران اور عمدہ دختر اپنے اپنے ورثاء چھوڑ کر وفات پائی، بعد ان کے انتقال کے ان سب وارثوں نے وہ جائداد مشترکی غیر منقسمہ ایک عقد میں ایک شخص کے ہاتھ بعوض آٹھ سو روپیہ کے بیع کی اور اسے قابض و متصرف کرادیا مگر کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمان وقت بیع نابالغ تھے کہ ان کی ماں کلو نے ولایۃً ان کی جانب سے بھی بیع کی اور یاد علی کی بی بی نے بے اجازت واطلاع یاد علی باختیار خود حصہ اس کا مالکانہ بیچ ڈالا، اب یہ پانچوں وارث دعوی کرتے ہیں اور نقض بیع چاہتے ہیں پس اس صورت میں بیع مذکور صحیح و نافذ اور حصہ ان ورثاء کا انھیں واپس ملے گا یا نہیں؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر یاد علی سے بعد از علم بالبیع کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا کہ دال اجازت و تسلیم بیع پر تھا تو وہ بیع صحیح و نافذ ہوگئی، اور دعوی اس کا ہر گز نہ سنا جائے گا، اور جو قولاً و فعلاً کوئی امر ایسا نہ ہوا کہ اجازت پر دلالت کرے اگرچہ بعد خبر پہنچنے بیع کے چپ رہا، اور کچھ نہ کہا تو اس صورت میں دعوی اس کا مسموع اور بیع بقدر اس کے حصہ کے ناجائز مشتری حصہ اس کا واپس کرے اور مابقے بقدر اس ثمن کے کہ مقابل اس کے ہے مقبول رکھے خواہ اسے بھی بالعین رد کردے اور اپنا کل ثمن پھیر لے اور اگر جائداد اولاد صغار بیع کردی گئی تو یہ بیع ہر گز صحیح نہ ہوگی اور مشتری اس کا

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ مطلب فی بیع العینۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۹

کسی طرح مالک نہیں ہوسکتا مشتری اس جائداد میں سے کلن و علی حسین و حسین بخش و سلیمن کو بقدر ان کے حصص کے واپس کردے اور ما بقی کی نسبت مختار ہے چاہے سب بیع ترک کردے اور کل ثمن واپس لے لے یا بیع نسبت ما بقی کے قائم رکھے اور اس قدر حصہ ثمن کا کہ مقابل جائداد ردشدہ کے تھا پھیرلے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

الجواب الثانی بالتفصیل: مال اولاد نابالغ میں ماں کو کسی طرح کی ولایت حاصل نہیں سوا اس کے کہ حفظ ونگہبانی کرے یا ضروری چیزیں انھیں خرید دے۔

فی الاشباہ والنظائر لاولایۃ للام فی مال الصغیر الا الحفظ وشراء مالا بدمنہ للصغیر [1] اھ وفی فتاوی قاضیخاں من کتاب الحظر والاباحۃ باب مایکرہ من النظر والمس للرجل ان یختن ولدہ الصغیر ویقبض لہ الھبہ ویشتری ویبیع ولایجوز ذٰلك لوصی العم الا انہ یقبض لہ الھبۃ وکذا الام [2] اھ ملخصاً۔	الاشباہ والنظائر میں ہے کہ نابالغ اولاد کے مال میں ماں کو سوائے حفاظت واشیاء ضروریہ کی خریداری کے کوئی ولایت حاصل نہیں اھ، فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ باب مایکرہ من النظر والمس، میں مذکور ہے کہ مرد کو اپنے نابالغ بیٹے کے ختنے کرنے، اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرنے اور اس کے لئے خرید وفروخت کا اختیار ہے اور چچا کے وصی کے لئے یہ جائز نہیں سوائے اس کہ اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرسکتا ہے اور یہی حکم ماں کا بھی ہے اھ (ت)

پس کلو نے کہ جائداد اور کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمن نابالغوں کی ان کی جانب سے بیچ ڈالی، بیع فضولی قرار پائے گی، اور اس سبب سے کہ حالت عقد کوئی مجیز یعنی قابل اجازت نہ تھا محض ناجائز وباطل ہوگی کہ اگر نابالغان مذکورین بعد از بلوغ اجازت دیتے تاہم صحیح نہ ہوتی کہ باطل کسی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا اور اس کی تصحیح غیر متصور۔

فی الدر المختار من فصل الفضولی کل تصرف صدر منہ ولہ مجیز ای لھذا التصرف من یقدر علی	درمختار میں فضولی میں ہے کہ جو تصرف فضولی سے صادر ہوا اور درانحالیکہ اس تصرف کے وقوع کے وقت کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس تصرف

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام المحارم ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۱۸۸

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فیمایکرہ من النظر والمس نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۸۳

اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا ومالا مجيز له حالة العقد لاينعقد اصلا[1] اھ ملخصا، وفيه وقف بيع مال الغير لو الغير بالغا عاقلا فلو صغيرا او مجنونا لم ينعقد اصلا كما في الزواهر معزيا للحاوی[2] اھ۔	کی اجازت دے سکتا ہو تو اکا انعقاد اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوجائے گا اور اگر بوقت تصرف فضولی کوئی ایسا اجازت دینے والا موجود نہ ہو تو یہ تصرف سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا اھ ملخصا۔ اسی میں ہے کہ مال غیر کی بیع موقوف ہوتی ہے اگر وہ غیر عاقل و بالغ ہو اور اگر وہ غیر نابالغ یا مجنون ہو تو بیع سرے سے منعقد نہ ہوگی جیسا کہ حاوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے زواہر میں ہے اھ (ت)

پس سہم نابالغان مذکورین کہ کل جائداد مبیعہ کے دسویں حصہ سے کچھ زائد ہے یعنی چہارم جائداد کہ متروکہ کہ شیخ خضری تھی اس ایک سو بانوے سہام سے ستتر سہام مشتری پر لازم ہے کہ ان نابالغوں کو واپس کردے اور (سہ ۴/۱۳ پے) زرِ ثمن ان سہام کا ان کی ماں کلو سے وصول کرلے اسی طرح حرمت زوجہ یاد علی نے کہ ان کا سہام بلا اذن اس کے اپنی جانب سے بطریق مالکانہ بیچ ڈالا حسب حکم بدائع و بحر الرائق و اشباہ و ظاہر متن تنویر الابصار بیع باطل و غیر صالح اجازت ہے۔

فی الدرالمختار بيعه لنفسه باطل كما فی البحر والاشباه عن البدائع وعبارة الاشباه بيع الفضولی موقوف الا اذا باع لنفسه فباطل بدائع[3] اھ مع التلخيص بالتغير وفيه ايضا وقف بيع مال الغير ان باعه على انه لما بلكه اما لو باعه على انه لنفسه فالبيع باطل اھ[4] ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ فضولی کی اپنی ذات کے لئے بیع باطل ہے جیسا کہ بحوالہ بدائع، بحر اور اشباہ میں ہے اشباہ کی عبارت یوں ہے کہ فضولی کی بیع موقوف ہوتی ہے مگر جب وہ اپنی ذات کے لئے بیع کرے تو باطل ہوگی (بدائع اھ مع تلخیص و تغییر) اسی میں ہے کہ غیر کے مال کی بیع موقوف ہوتی ہے جبکہ یہ سمجھ کر بیچے کہ وہ مالک کے لئے ہے اور اگر اپنے لئے تو بیع باطل ہے اھ تلخیص۔ (ت)

مگر مولٰنا محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار اس مذہب کی بوجہ مخالفت فروع مذہب تضعیف فرماتے ہیں فضولی اگر مال غیر کو اپنا ٹھہرا کر بیچے تو ظاہر الروایت یہی ہے کہ

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

مستحق کواختیار اجازت حاصل ہے یعنی بیع باطل نہ ہوگی اور اجازت مالک پر موقوف رہے گی۔

فی الدر المختار لکن ضعف المصنف الاولی(ای بطلان بیعه اذا باعه لنفسه)لمخالفتها لفروع المذهب لتصریحهم بان بیع الغاصب موقوف،وبان المبیع اذا استحق فللمستحق اجازته علی الظاهر مع ان البائع باع لنفسه لا للمالك الذی هو المستحق مع انه توقف علی الاجازة [1] اه،فی غمز العیون البصائر شرح الاشباه والنظائر للعلامة الحموی تحت قوله بیع الفضولی موقوف الا فی ثلث فباطل اذا شرط الخیار فیه المالك وهی فی التلقیح وفیما اذا باع لنفسه وهی فی البدائع اه قوله وفیما اذا باع لنفسه یعنی لایتوقف علی اجازة المالك لانه لم ینعقد اصلا قال بعض الفضلاء ویشکل علیه ماقالوا من ان المبیع اذا استحق لاینفسخ العقد فی ظاهر الروایة بقضاء القاضی بالاستحقاق وللمستحق اجازته اه،ووجه اشکاله ان البائع باعه لنفسه لاللمالك الذی هو المستحق اه [2]۔	درمختار میں ہے مگر مصنف نے صورت اولٰی (یعنی فضولی کی اپنے لئے بیع باطل ہے) کو فروع مذہب کے مخالف ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا، کیونکہ ائمہ نے تصریح کی کہ غاصب کی بیع موقوف ہے اور یہ کہ مبیع میں اگر استحقاق ثابت ہوجائے تو ظاہر الروایت پر مستحق کو اجازت کا اختیار حاصل ہے باوجودیکہ بائع نے اپنے لئے بیع کی نہ کہ اس مالک کے لئے جو کہ مستحق ہے اس کے باوجود اس کی اجازت پر موقوف ہوگئی اھ، غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر تصنیف علامہ حموی میں ماتن کے اس قول "فضولی کی بیع موقوف ہے مگر تین صورتوں میں باطل ہے،جب مالک کے لئے اس میں شرط خیار رکھے اور یہ تلقیح میں ہے،اور ج ب وہ اپنے لئے بیچے اور یہ بدائع میں ہے اھ "کے تحت مذکور ہے،ماتن کا قول کہ جب فضولی اپنے لئے بیع کرے (تو باطل ہے) یعنی مالک کی اجازت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوئی، بعض فضلاء نے کہا کہ اس پر مشائخ کے اس قول اشکال وارد ہوتا ہے کہ مبیع میں اگر استحقاق ثابت ہوجائے تو قاضی کے استحقاق کا فیصلہ کردینے کے باوجود بیع فسخ نہیں ہوتی اور مالک مستحق کو اسکی اجازت کا اختیار حاصل ہوتا ہے اھ، اشکال کی وجہ یہ ہے کہ بائع نے اپنی ذات کے لئے بیچا ہے

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] غمز العیون البصائر الفن الثالث کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۹

نہ کہ اس مالک کے لئے جو مستحق ہے اھ (ت)

پس اگر قبل اس دعوی کے یاد علی سے کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا ہو جو شرعا اجازت بیع قرار پائے مثلازر ثمن مشتری سے مانگا ہو یا اس کو ہبہ کردیا ہو یا اپنی عورت سے کہا ہو تو نے بُرا کیا یا اچھا کیا، **علی مذہب محمد وھو الاستحسان عالمگیری**[1] **وھو المختار فتح القدیر** (مذہب محمد پر اور یہی استحسان ہے، عالمگیری، اور یہی مختار ہے، فتح القدیر۔ت) تواب یہ دعوی اس کا نہ سنا جائے گا اور اس کے حصہ میں بیع، نافذ ہوچکی اس کے سہم کا زرثمن کہ (معہ) روپے ہیں اس کی زوجہ کے پاس امانت رہا بشرطیکہ بلا قصور اس کے پاس سے تلف نہ ہوگیا ہو اس سے وصول کرلے اور اگر زوجہ نے حفظ مبلغ میں کچھ تقصیر نہ کی نہ اپنے تصرف میں لائی اور کسی طرح تلف ہوگیا تو اس سے بھ نہیں لے سکتا کہ وہ امینہ تھی اور امین پر بلا تقصیر فی الحفظ ضمان نہیں۔

فی الدرالمختار ای بیع الفضولی قبول الاجازۃ من المالك اذا کان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا الثمن لوکان عرضا وغیر العرض ملك للمجیز امانۃ فی ید الفضولی ملتقی، وان اخذ المالك الثمن اوطلبه من المشتری یکون اجازۃ، عمادیۃ، وقوله اسأت نھر بئس ماصنعت اواحسنت اواصبت علی المختار، فتح، وھبۃ الثمن من المشتری والتصدیق علیه به اجازۃ[2] اھملخصا۔	درمختار میں اور فضولی کی بیع کا حکم مالک کی اجازت کو قبول کرنا ہے جبکہ بائع، مشتری اور مبیع قائم ہو اور اسی طرح ثمن بھی جبکہ بصورت سامان ہوں اور ثمن سامان نہ ہوں تو وہ مالک مجیز کی ملک ہیں اور فضولی کے قبضہ میں بطور امانت ہیں، ملتقی، اگر مالک ثمن وصول کرے یا مشتری سے ثمن طلب کرے تو یہ اجازت ہے، عمادیہ، اور مالک کا یہ کہنا کہ تو نے بُرا کیا، نہر، یا جو تو نے کیا برا ہے یا تو نے اچھا کیا یا تو نے درست کیا قول مختار کے مطابق، فتح القدیر، اور مشتری کو ثمن ہبہ کردینا یا اس پر صدقہ کردینا اجازت ہے اھ تلخیص (ت)

اور اگر قبل از دعوی کوئی قول یا فعل اس سے صادر نہ ہوا بلکہ بیع کی خبر بھی نہ ہوئی یا سن کر چپ رہا اور کچھ نہ کہا تو دعوی اس کا مسموع اور اسے اختیار استرداد حاصل کہ خبر بیع سن کر مالک کا خاموش رہنا شرعا اجازت نہیں۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی عشر فی احکام البیع الموقوف نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲، ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

فی الفتاوی الهندیة بلغ المالك ان فضولیا باع مبلکه فسکت لایکون اجازة [1] اھ۔	فتاوٰی ہندیہ میں مالک کو خبر پہنچی کہ فضولی نے تیری مملوک چیز فروخت کردی اور وہ خاموش رہا تو یہ اجازت نہ ہوگی اھ (ت)

اس صورت میں مشتری پر لازم ہے کہ مثل حصہ نابالغان یاد علی کا حصہ بھی یعنی چہارم جائداد کے چالیس سہام سے چودہ سہم یاد علی کو واپس کردے اور ثمن اس حصہ کا کہ (معہ) روپے ہے اس کی زوجہ سے وصول کرلے، رہا یہ کہ درصورت اولٰی بعد واپسی صرف نابالغان ودرصورت ثانیہ پس از ردہر دو سہم یاد علی ونابالغان جو باقی بچے اس کا کیا حکم ہے اس کی نسبت بوجہ اس بات کے کہ مبیع ذوات القیم سے اور استحقاق نسبت یاد علی بعد قبض کل واقع ہوا مشتری کو اختیار ہے خواہ عوض باقی زر ثمن کے کہ پہلی تقدیر پر (لعہ عہ /۱۲) ہے اور دوسری تقدیر پر (لعہ للعہ /۱۲) ہے اپنے پاس رکھے یا کل مبیع سب بالغوں کو واپس کردے اور اپنے پورے آٹھ سوان سے وصول کرلے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں تین شریک ہیں زید اور خالد اور زید کا بیٹا عمرو، عمرو پر کچہری انگریزی سے ایک معاملہ میں ہندہ کی بقدر آٹھ سو روپیہ کی ڈگری ہوئی ہندہ نے جائداد عمرو نیلام پر چڑھائی کچہری انگریزی سے پانچ بسوہ عمرو کے بتفریق اس طرح نیلام ہوئے کہ ۲۷ رمضان ۱۳۰۱ مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۸۴ء و ۱۳ ساون ۱۲۹۲ فصلی کو تین بسوہ پھر ۱۲ صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ نومبر ۸۴ء و ۱۷ اگہن (مگھر) سنہ ۹۲ فصلی کو ایک بسوہ پر ۴ جمادی الاولی ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۸۸۵ء و ۲۱ پھاگن ۱۲۹۲ فصلی کو ایک بسوہ اور یہ سب نیلام خود ہندہ ڈگری دار نے خرید لئے، بعدہ، ہفتم رجب ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۸۸۵ء و ۲۴ بیساکھ ۱۲۹۲ فصلی کو ہندہ نے یہ کل جائداد یعنی پانچوں بسوئے بنام خالد شریک سوم بیع کردئے، خالد نے باحتیاط بحکم شرع اصل مالک یعنی عمرو سے اپنے نام جو انتقال ہوا اس کی اجازت چاہی عمرو نے بخوشی اجازت دی پھر مزید وثوق کے لئے ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۸۸۶ء و ۳ پھاگن ۱۲۹۳ فصلی کو عمرو مذکور نے ایک دستاویز بدیں مضمون لکھ دی کہ یہ پانچوں بسوہ جو ہندہ مشتریہ نیلام نے بدست خالد بیع کئے میں نے یہ انتقال بخوشی جائز رکھا اور زر ثمن خالد کو معاف کیا اور روز نیلام سے کہ ابتدائے زراعت خریف ۱۲۹۲ فصلی تھی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۵۳

ربیع ۱۲۹۲اتک جس قدر توفیر ان پانچوں بسوں کے ہوئی اس کی نسبت صریحا لکھ دیا کہ وہ توفیران پانچوں بسووں کے میں نے خالد مذکور کو اس شرط پر کہ موہوب لہ میرے حق رجوع کے عوض مجھے دس من خادم گندم دے ہبہ کئے خالد اس توفیر کو قبض ووصول کرے اور میں نے گندم مذکور کو خالد سے وصول پالی، اب میرا کوئی حق اس توفیر میں نہیں اور نہ مجھے اس ہبہ سے رجوع کااختیار باقی رہا، اب شرع شریف سے سوال ہے کہ صورت مذکورہ میں اس تمام توفیر کااستحقاق خالد خریدار کو ہے یا زید پدر عمرو کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پدر عمرو کسی طرح توفیر کا مالک نہیں بلکہ وہ کل توفیر پانچوں بسوہ کی بابت سال تمام ۱۲۹۲ فصلی کی محض خالد کا حق ہے اور صرف اور صرف اسی کو ملنا چاہئے۔

والفقه فی ذٰلك ان بیع من یزید الصادر من حکام الزمان لیس بیع المالك وهو ظاهر ولاباذنه فانهم لایسألونه ولایسترضونه بل ربما باعوا مایساوی الفا بمائة اواقل ولا باذن الشرع المطهر کما لایخفی علی من له ادنی مسکة فلا یسوغ تفریعه علی قول الصاحبین فی بیع القضاة مال المدیون کرها علیه ان ابی ولابیع المکره حتی یجعل فاسدا لان المالك لایتولی الایجاب بل ربما لایشهد العقد وانماهم یبیعون بانفسهم جبرا علیه فاذن لیس الا کبیع الغاصب ینعقد موقوفا علی اجازة المالک	اس میں فقہ یہ ہے کہ بولی لگا کر بیع (نیلامی) جیسا کہ آج کل کے حکمران کرتے ہیں وہ مالک کی طرف سے بیع نہیں اور یہ ظاہر ہے اور نہ مالک کی اجازت سے ہے کیونکہ حکمران نہ تو مالک سے پوچھتے ہیں اورنہ ہی اس کی رضا معلوم کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ہزار کی مالیتی چیز سو یا اس سے بھی کم پر فروخت کردیتے ہیں، اورنہ ہی یہ بیع شرعا مطہر کے اذن سے ہوتی ہے جیسا کہ شریعت سے ادنی سا تعلق رکھنے والے پر مخفی نہیں، اور یہ بیع مذکور کو بیع مکرہ اور مدیون کے انکار کے باوجود حکام کی طرف سے جبرا اس کے مال کو فروخت کرنے سے متعلق قول صاحبین پر متفرع کرکے بیع فاسد قرار دینے کی گنجائش نہیں کیونکہ یہاں ملک کی طرف سے ایجاب نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو مالک بوقت عقد حاضر ہی نہیں ہوتا بلکہ حکام اس پر جبر کرتے ہوئے از خود بیع کردیتے ہیں للذا یہ تو محض بیع غاصب کی مثل ہے جس کاانعقاد مالک کی اجازت پر

فان اجاز جاز والابطل فی الدرالمختار وقف بیع الغاصب علی اجازۃ المالك اھ [1] واذا کان الامر کذٰلك فلم یثبت الملك فی المبیع لهندۃ المشتریة من احکام فبیعها من خالد ایضا بیع الفضولی لعدم الملك واذن المالك فیتوقف ایضا علی اجازته، فی رد المحتار بیع المشتری من الغاصب موقوف [2] اھ فایما عقد منها صادفته الاجازۃ نفذ بخصوصة، فی الحاشیة الشامیة عن جامع الفصولین عن المبسوط لوباعه المشتری من غاصب ثم وثم حتی تداولته الایدی فاجاز مالکه عقدا من العقود جاز ذٰلك العقد خاصة لتوقف کلها علی الاجازۃ فاذا اجاز عقدا منها جاز ذٰلك عقدا منها جاز ذٰلك خاصة [3] اھ وھٰهنا قد لحقت الاجازۃ العقد الاٰخر فنفذ وثبت	موقوف ہوتا ہے اگر اجازت دے دے تو نافذ ورنہ باطل ہوجائیگی، درمختار میں ہے کہ غاصب کی بیع اجازت مالک پر موقوف ہوتی اھ اور جب صورت حال یہ ہے تو حکام سے خریدنے والی ہندہ کی مبیع میں ملک ہی ثابت نہ ہوئی، چنانچہ اس کا خالد کے ہاتھ بیچنا بھی ملک اذن مالک کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع فضولی ہوا تو یہ بھی اجازت مالک پر موقوف ہوگا، ردالمحتار میں ہے کہ غاصب سے خریدار کی بیع موقوف ہوتی ہے اھ، تو ان دونوں عقدوں میں سے جس کو اجازت لاحق ہوگئی وہ بطور خاص نافذ ہوگیا۔ حاشیہ شامیہ بحوالہ مبسوط، جامع الفصولین سے منقول ہے کہ اگر غاصب سے خریدنے والے نے کسی کے ہاتھ فروخت کیا اس نے آگے پھر اس نے آگے فروخت کردیا حتی کہ وہ کئی جگہ فروخت ہوا، اب مالک نے ان عقود میں سے کسی ایک عقد کی اجازت دے دی تو خاص وہ عقد نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ تمام عقود مالک کی اجازت پر موقوف تھے تو جس کی اجازت اس نے دی وہی بطور خاص نافذ ہوگیا اھ، اور یہاں (صورت مسئولہ میں) اجازت آخری عقد کو لاحق ہوئی وہ نافذ ہوگیا، چنانچہ

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۲

[3] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۲

الملك لخالد فی المبیع و نمائه وغلاله منذ شری من الهندة، فی تنویر الابصار وشرحه کل مایحدث من البیع کالکسب والولد والعقر ولوقبل الاجازة یکون للمشتری لان الملك تم له من وقت الشراء بخلاف الغاصب [1] اھ واما ما تحصل من المزارع قبل شراء خالد فلا حق لخالد فیه و لالهندة بل لعمر وخاصة لانه بدل منافع مبلکه المعد للاستغلال وهبة الدین ممن لیس علیه باطلة الا ان یسلط علی القبض، فی شرح العلائی اما تملیك الدین من غیر من علیه الدین فان امره بقبضه صحت لرجوعها الی هبة العین [2] اھ وفی مسألتنا هذه قد وقع التسلیط کما ذکر فی السوال فصحت الهبة وصح التعویض، فی شرح التنویر عن الجواهر، لایصح الابراء عن الرجوع ولوصالحه	مبیع اور اس سے حاصل شدہ آمدنی میں اس دن سے خالد کی ملک ثابت ہوگئی جس دن اس نے ہندہ سے خریدا، تنویر الابصار اور اس کی شرح میں ہے کہ جو کچھ مبیع سے حاصل ہو جیسے کمائی، اولاد اور عقر، تو وہ مشتری کا ہے اگرچہ اجازت سے قبل ہو کیونکہ خریداری کے وقت سے ہی اس کو ملک تام حاصل ہوگئی، بخلاف غاصب کے اھ، اور جو کچھ خالد کی خریداری سے قبل کھیتوں سے حاصل ہوا اس میں خالد اور ہندہ کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ خاص عمرو کا ہے کیونکہ یہ اس کی ایسی ملک کے منافع کا بدل ہے جو غلہ حاصل کرنے کے قبل ہے، اور دین کا ہبہ اس شخص کو جس پر دین نہیں باطل ہے سوائے اس کے کہ اس کو قبضہ کا اختیار دے دے شرح علائی میں ہے کہ ایسے شخص کو دین کا مالک بنایا جس پر دین نہیں، اب اگر صاحب دین نے مدیون کو دین پر قبضہ کا حکم دے دیا تو یہ ہبہ صحیح ہوگیا کیونکہ یہ (ہبہ دین) ہبہ عین کی طرف راجع ہوگا اھ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں چونکہ قبضہ کا اختیار دے دیا ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے لہذا ہبہ صحیح ہوگیا اور عوض دینا بھی درست ہوگیا شرح تنویر میں بحوالہ جواہر منقول ہے کہ کسی کو حق شرع رجوع سے بری کردینا صحیح نہیں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[2] درمختار کتاب الهبة کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

من حق الرجوع علی شیئ صح وکان عوضاً عن الھبۃ[1] اھ۔	اور اگر حق رجوع کے عوض کسی شیئ پر صلح کرلی تو صحیح ہے اور یہ ہبہ کا عوض ہوجائے گا اھ (ت)

بالجملہ: جس روز سے خالد نے وہ جائداد ہندہ سے خریدی اس دن سے تو اس کی توفیر خود ملک خالد ہے اور اس سے پہلے جو توفیر روز نیلام سے اس وقت تک تھی وہ عمرو کے ہبہ کرنے سے اس کا حق ہوگئی اب پانچوں بسوں کی توفیر سال ۱۲۹۲ فصلی میں سوا خالد کے کسی کا حق نہیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم

(مہر مولوی عبدالقادر صاحب بدایونی) (مہر مولوی عبدالمقتدر صاحب بدایونی)

مسئلہ ۲۷: از ستار گنج ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر باغ وجائداد منقولہ وغیرہ منقولہ سرکار نیلام کرتی ہے اس کا خریدنا جائز ہے یا ناجائز ہے اور اشیاء روبرو ہے **فقط**۔

الجواب:

جو نیلام باجازت مالک ہو مطلقاً جائز ہے یا بعد بیع مالک اجازت دے دے مثلاً سو روپے قرض تھے ایک سو دس میں نیلام ہوا دس کہ زائد تھے مالک کو دئے گئے اس نے قبول کرلئے تو یہ اب جائز ہوگیا اگرچہ ابتداءً ناجائز تھا فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[2] (کیونکہ اجازت لاحقہ، وکالت سابقہ کی مثل ہے۔ت) اور جہاں یہ دونوں صورتیں نہ ہوں وہ عقد فضولی ہے اجازت مالک پر موقوف رہے گا اگر جائز کردے جائز ہوجائے گا رد کردے باطل ہوجائے گا، اور جب تک اجازت نہ دے اس شے میں مشتری کو تصرف حلال نہ ہوگا،

فان العقد الموقوف لایفید الحل، کما نص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ۔	کیونکہ بیع موقوف مفید حل نہیں ہوتی جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ (ت)

پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس عقد کے ہوتے وقت کوئی ایسا شخص قائم ہو جسے شرعاً اس کی اجازت کا اختیار ہے نہ دوسرے سے باطل ہوگا مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کا نیلام کیا گیا کہ اسے تمام دنیا میں اجات دینے والا کوئی نہیں تو ایسا عقد موقوف نہ رہے گا ابتداء باطل ومردود ہوگا،

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰-۱۳۹

فان تصرف الفضولی حیث لامجیز باطل اصلا[1] کما نص علیہ فی الدر وغیرہ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کیونکہ فضولی کا تصرف جہاں اس کی اجازت دینے کا اختیار رکھنے والا کوئی نہ ہو سرے سے باطل ہے جیسا کہ اس پر درو غیرہ میں نص کی گئی ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸: ۱۱ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس ڈگری میں اصل روپیہ اس کا سود بھی شامل ہے اس میں اگر کوئی جائداد حاکم ہندہ جو فی الحال ہے نیلام ہے بغرض ادائے دین وسود کرے تواس جائداد کو خریدنا شخص مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے توبقدر زراصل کے ہے یا بالکلیہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مشتری جب عقد صحیح شرعی سے کوئی شے خریدے تو بائع کے فعل کاکہ وہ اس زرثمن کو اطاعت میں خرچ کرے گا یا معصیت میں مشتری سے کچھ مطالبہ نہیں،

"لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[2]	کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں آٹھائے گا۔ (ت)

زرثمن کا **معاذاللہ** سود مس دیا جانا تمامی عقد بیع کے بعد ہوگا تو مشتری سے کیا تعلق اور اس وقت اگر ہے تو بائع کی نیت کہ ثمن لے کر وہاں دے گا، اس نیت کو بھی عقد سے علاقہ نہیں، بہر حال مشتری اس الزام سے بیر ہے **لتخلل فعل فاعل مختار** (کہ درمیان میں فاعل مختار کا فعل ہے۔ت) ہاں اگر کوئی صورت خاصہ ایسی ہو کہ بائع سود وغیرہ مصارف حرام میں صرف کرنے کے لئے بیچتا ہے اور مشتری شراء سے نیت کرے کہ اس امر حرام میں اس کی اعانت کرے تو فساد نیت کے باعث خود اپنے وپر الزام شرعی لے گا شمول ربا کا جواب تو یہ ہے کہ مگر یہاں محل نظر یہ امر ہے کہ نیلام ایک بیع ہے اور بیع بے رضائے مالک شرعا جائز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! آپس میں

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

لَاتَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔	ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمھارے درمیان باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔(ت)

پس اگر نیلام جائز صحیح شرعی خود مالک کرے یا باذن مالک ہو تو اس کے جواز میں کلام نہیں وہ بیع فضولی ہے کہ اگر اس وقت اس کا کوئی نافذ کرنیوالا نہیں مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام ہوا کہ اسے تمام جہاں میں کوئی نافذ نہیں کرسکتا جب تو وہ بیع سرے سے باطل و بے اثر ہے اور خریدار حرام اور اگر نافذ کرنے والا ہے مثلاً بالغ کا مال کتنی ہی کم قیمت کو نیلام ہوا تو عقد اس کی اجزت پر موقوف رہے گا، اگر رد کردیا یا باطل ہوگیا، اور اگر جائز کردیا نافذ ہوگیا، اور اجازت کی صورت میں ایک یہ بھی ہے کہ زرثمن قدر مطالبہ سے زائد قرار پایا مثلاً پانسو روپے کی ڈگری میں یا ہزار کا مال پانسو دس روپے کو نیلام ہوا پانسو دائن کو گئے دس مالک کو دئے اس نے لے لئے تو یہ لینا بیع کو نافذ کردینا ہوگا لان قبوله تنفیذ کما نصوا علیه (کیونکہ مالک کا قبول کرنا اس کی طرف سے نافذ کرنا متصور ہوتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہ سواروں میں نوکر تھا اس نے اپنے زوجہ ہندہ کے مہر میں بحالت صحت مکان اور اپنی اسامی دے دی اور دستاویز میں دونوں چیزون کا ذکر کرلکھ کر داخل خارج کرادیا، بعد ایک عرصہ کے زید کا انتقال ہوگیا، زوجہ زید نے مکان عمرو کے ہاتھ فروخت کیا، اب خالد جس کا زید پر کچھ قرض آتا تھا اس مکان کو مملوک زید قرار دے کر اپنا قرضہ اس سے وصول کرایا چاہتا ہے کہ زید نے اسے لکھ دیا تھا اگر میں ادانہ کروں میری جائداد سے وصول کرلے، آیا یہ اقرار شرعاً روا اور وہ دستاویز جس میں مکان کے ساتھ اسامی کا بھی ذکر ہے شرعاً صحیح اور یہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب عقد ہندہ مملوک عمرو ہوگیا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیشک وہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب بیع ہندہ مملوک عمرو ہوگیا، اب سوائے عمرو کسی کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ کوئی قرضخواہ زید اس سے اپنا قرضہ وصول کرسکتا ہے، محل تامل وامر تنقیح طلب یہاں اس قدر کہ زید نے عقدہ واحدہ میں عین یعنی مکان اور حق مجرد یعنی اسامی میں جمع کیا حالانکہ حقوق مجردہ صالح تملیک و معاوضہ نہیں، کلیہ فقہ ہے کہ جب عقد اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا مگر وقت نظر حاکم کہ وہ عقد جو درمیان زید وزوجہ زید واقع ہوا عام ازیں کہ صلح عن المہر ٹھہرے خواہ ہندہ یا زید کی طرف سے ہبہ اور ہبہ ہو تو بالعوض خواہ بشرط العوض اور یہ اختلاف سہ اختلاف عاقدین سے ناشئ ہوگا، بہر تقدیر امر مذکور نفس مکان کے تملیک پھر ہندہ کی صحت بیع میں ہر گز مخل نہیں کہ اگر صورت اخیرہ یعنی ہبہ بشرط العوض تو وہ توابتداء ہبہ ہے اور اسی کے احکام اس پر جاری، اگرچہ انتہاء بدستیاری معاوضہ جانب بیع منقلب ہوجائے اور ہبہ میں اگر شے صالح التملیک وغیر صالح یکجا کی جائیں تو اس کا فساد اسی پر مقتصر رہتا اور اس قدر میں ہبہ قطعاً صحیح ہوجاتا ہے،

فی الاشباہ والنظائر من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام قال ومنھا الھبۃ وھی لاتبطل بالشرط الفاسد فلا یتعدی الی الجائز [1] اھ	الاشباہ والنظائر میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال وحرام مجتمع ہوں تو حرام غالب ہوگا فرمایا کہ اسی میں سے ہبہ بھی ہے اور وہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا لہٰذا جائز کی طرف متعدی نہیں ہوگا اھ (ت)

اور صور باقیہ میں اگرچہ یہ عقد لباس ہبہ یا صلح میں ہو مگر معنی بیع وشراء ہے زید بائع ہندہ مشتریہ مکان واسامی مبیع مہر ثمن،

اما فی الھبۃ بالعوض فظاھر واما فی الصلح فکما فی العالمگیریۃ عن المحیط اذا وقع الصلح عن دین فحکمہ حکم الثمن فی البیع وان وقع علی عین فحکمہ حکم المبیع فمایصلح ثمنا فی البیع اومبیعا یصلح بدلا فی الصلح ومالا لا [2]۔	لیکن ہبہ بالعوض میں تو یہ ظاہر ہے اور صلح اس لئے جیسا کہ عالمگیریہ میں بحوالہ محیط آیا ہے کہ اگر صلح دین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں ثمن کا ہے اور اگر صلح عین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں مبیع کا ہے چنانچہ جو چیز بیع میں ثمن یا مبیع بن سکتی ہے وہ صلح میں بدل بھی بن سکتی ہے اور جو بیع میں ثمن یا مبیع نہیں بن سکتی وہ بدل صلح بھی نہیں بن سکتی۔ (ت)

اب یہ کلام مسئلہ اعتیاض عن الوضائف کے طرف مجر ہوگا وہاں ہر چند علماء کو اختلاف ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۳۱

اور یہ مبحث معرکۃ الآراء ہے مگر مرضی جماہیر فحول ونحاریر عدول صحت وقبول ہے اور وہی ہنگام اعتبار وملاحظہ نظائر ان شاء اللہ تعالٰی اظہر، اگرچہ دوسرا پلہ بھی بہت ثقیل وگراں ہے،

فی الدالمختار من الاشباہ المذہب عدم اعتبار العرف الخاص لکن افتٰی کثیر باعتبارہ وعلیہ فیفتی بجواز النزول من الوظائف بمال [1] الخ قال العلامۃ السید احمد الطحطاوی فی حاشیتہ وقد تعارف ذٰلك الفقہاء عرفا قدیما رضیہ العلماء والحکام الی ان قال عن ابی السعود عن السید احمد الحموی من بعض الفضلاء عن العلامۃ بدرالدین العینی ان النزول عن الوضائف صحیح قیاسا علی ترك المرأۃ قسمہا لصاحبتہا لان کل منہما مجرد اسقاط [2] الخ۔	درمختار میں بحوالہ اشباہ مذکور ہے کہ مذہب کہ عرف خاص کے عدم اعتبار کا ہے لیکن کثیر علماء نے اس کے اعتبار کرنے کا فتوٰی دیا اسی بنیاد پر مال کے بدلے وظائف سے دستبرداری کے جواز کا فتوٰی دیا گیا الخ علامہ سید احمد طحطاوی نے اپنے حاشیہ میں کہا کہ فقہاء نے اس کو عرف قدیم سمجھا اور علماء وحکام نے اس کو پسند کیا یہاں تک کہ علامہ طحطاوی نے کہا کہ ابوسعود نے بعض فضلاء کا قول بحوالہ علامہ بدرالدین عینی سید احمد حموی سے نقل کیا کہ وظائف سے دستبرداری صحیح ہے قیاس کرتے ہوئے عورت کے اپنی باری اپنی سوکن کے لئے چھوڑ دینے پر، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک محض اسقاط ہے، الخ (ت)

علامہ سید احمد حموی غمز عیون البصائر میں علامہ نورالدین علی مقدسی سے بعض فروع مبسوط سرخسی پر اس مسئلہ کا اعتبار اور صحت کا استظہار نقل کرکے فرماتے ہیں: فلیحفظ فانہ نفیس جدا [3] (اس کو یاد رکھنا چاہئے کیونکہ یہ بہت عمدہ ہے۔ت)
خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں کلام علامہ بیری شارح اشباہ سے اس کی تائید نقل اور حقوق موصی لہ بالخدمہ وقصاص ونکاح ورق کا حقوق شفعہ وقسم زوجہ وخیار مخیّرہ فی النکاح سے بدیں وجہ کہ صور اولٰی میں حق اصالۃً ثابت ہے توان سے اعتیاض جائز

---

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴
[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۳ /۹
[3] غمز عیون البصائر القاعدۃ الاولٰی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱ /۱۳۹

بخلاف اخیرہ کے کہ وہاں ثبوت حق صرف بربنائے ضرر ہے جب صاحب حق اعتیاض پر راضی ہوا معلوم ہوا مستقر نہ تھا راسا حق باطل ہوا یہ عوض کیسا فرق بیان کرکے فرماتے ہیں:

ولا یخفی ان صاحب الوظیفة ثبت له الحق فیه بتقریر القاضی علی وجه الاصالة لاعلی رفع الضرر (ینقل الی ماقال) وان کان الاظهر فیها ماقلنا [1]۔	اور مخفی نہ رہے کہ بیشک صاحب وظیفہ کے لئے حق قاضی کی تقریر سے بطور اصل ثابت ہوا نہ کہ رفع ضرر کے طور پر (نقل کرتے ہوئے یہاں تک کہا) اگرچہ اس میں زیادہ ظاہر وہی ہے جو ہم نے کہا۔(ت)

اس تقدیر پر یہ تو وہ شبہہ کو صفقہ واحدہ میں صالح وغیر صالح کو جمع کیا راسا مقلوع اور اگر مذہب آخر اختیار کیجئے تاہم فقیہ پر روشن کہ کم من شیئ یصح ضمناً ولایصح قصدا (بہت سی اشیاء ضمناً صحیح ہوتی ہے اور قصدا صحیح نہیں ہوتیں۔ت) آخر مرور وشرب و تعلی بھی تو حقوق مجردہ ہیں اگر بہ تبعیات رقبات طریق ونہر وعلو ان کی بیع بالاتفاق جائز، یہاں بھی اسامی بیچنا صرف اس حق مجرد کے بیع نہیں بلکہ اس کے ساتھ اسپ ولباس بھی ہے کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) پھر استقلال و محض کہا جو بطلان مقطوع ہو معہذا اگر ایک مذہب پر بیع اسامی مطلقاً باطل ہی مانی جائے، تاہم اس قدر تو یقینی کہ یہ بطلان مختلف فیہ ہے، پس صرف اتنا ثابت ہوگا کہ زید نے صفقہ واحدہ میں ایک شے صالح البیع بالاتفاق اور شے دوسری مختلف الصلاحیۃ کو ضم کیا اور ایسی صورت میں قائلین بالبطلان کے نزدیک اگرچہ اس مضمون کی بیع باطل، مگر اس کا فساد مضمون الیہ تک ساری نہیں ہوتا اس کی بیع بالاتفاق صحیح رہتی ہے، خلاصہ یہ کہ مانعین کے نزدیک بھی حل وظیفہ مثل اوقاف ہے نہ کہ مانند حرومیۃ کہ اس کے بطلان سے بیع مکان بھی فاسد ٹھہرے،

فی الدرالمختار وقیدوا سرایة الفساد فی باب البیع الفاسد بالفاسد القوی المجمع علیه فیسری کجمع بین حر وعبد بخلاف الضعیف المختلف فیقتصر علی محله ولایتعداه کجمع بین عبد ومدبر [2] الخ وفی الشامیة	درمختار میں ہے کہ فقہاء نے بیع فاسد کے باب میں سرایت فساد کو فساد قوی متفق علیہ کے ساتھ مقید کیا تو وہ فاسد تمام عقد میں سرایت کرے گا جیسے آزاد اور غلام کو عقد واحد میں جمع کرنا بخلاف فساد ضعیف اختلاف کے کہ وہ اپنے محل پر بند رہتا ہے اور اس سے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی النزول عن الوظائف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۵

[2] الدرالمختار کتاب الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۷

الفساد غیر قوی لعدم الاتفاق علیہ فلا یسری[1]۔	تجاوز نہیں کرتا جیسے غلام اور مدبر کو عقد واحد میں جمع کرنا الخ اور شامی میں ہے کہ یہ فساد غیر قوی ہے کیونکہ اس پر اتفاق نہیں لہٰذا یہ سرایت نہیں کریگا (ت)

اور بالفرض اگر اس سے بھی تنزل کیجئے اگرچہ یہ تنزل کے قابل نہیں لیکن تاہم غایت یہ ہے کہ اس سے بیع مکان میں فساد لازم آئے گا، نہ بطلان کہ وجہ فساد مسئلہ حرومیۃ میں قبول غیر صالح سے مشروط ہوتا ہے اور بیع شروط فاسدہ سے سے فاسد ہو جاتی ہے نہ کہ باطل،

اقول: وان کانت تعبیرات العلماء فی ذٰلك لم ترد علی نسق واحد فمنهم وهم بالفساد ومنهم من عبر بالبطلان والفساد هو المراد لانهما لفظان متعاوران یرد کل واحد منهما مشرب صاحبه کما لایخفی علی الناظر فی کلمات القوم وقال القهستانی فی بیان الباطل کثیرا مایطلق الفاسد علیه وبالعکس[2] اه،ومن اقوی الدلیل علی ذٰلك کلام الامام الهمام فقیه النفس فخر الدین خان القاضی اذاقال فی الخانیة البیع انواع باطل وفاسد و موقوف ولازم ومکروه[3] ثم عقد فصلا فی البیع الباطل	**میں کہتا ہوں** کہ اگرچہ اس میں علماء کی تعبیریں ایک طرز پر واقع نہیں ہوئیں، ان میں سے بعض نے اس کو فساد قرار دیا اور بعض نے بطلان سے تعبیر کیا جس سے مراد فساد ہی ہے کیونکہ ان دونوں لفظوں یعنی فساد و بطلان میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتا رہتا ہے جیسا کہ کلمات قوم کو مد نظر رکھنے والے پر مخفی نہیں اور قہستانی نے باطل کے بیان میں کہا کہ بسااوقات اس پر فاسد کا اطلاق ہوتا ہے او راسی طرح اس کے برعکس بھی یعنی فاسد پر باطل کا اطلاق ہوتا ہے اھ اس پر قوی ترین دلیل امام ہمام فقیہ النفس فخر الدین خان قاضی کا کلام ہے کیونکہ انھوں نے فتاوٰی خانیہ میں فرمایا بیع کی کئی قسمیں ہیں باطل، فاسد، موقوف، لازم اور مکروہ پر بیع باطل کے بارے میں فصل قائم کی اور اس میں بیع باطل کے

[1] ردالمحتار کتاب الاجارہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۵

[2] جامع الرموز کتاب البیوع فصل البیع الفاسد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۲

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۳۵

وذکر مسألة ثم قال باب البیع الفاسد المفسد للبیع انواع وھذا الباب یشتمل علی فضول، الفصل الاول فی فساد البیع الجھالة احد البدلین وفیه الجمع بین الموجود والمعدوم والجمع بین المال وغیر المال [1] اھ فھذا کما تری نص صریح لا یقبل صرفا و لاتاویلا قلت وبه اوضح عمدة المذھب امامنا المجتھد سیدنا محمد فی المحیط و المبسوط وغیرہ فی غیرھما کما فی جامع الرموز والکفایة وعلیه یدور کلام الامام البرھان الدین المرغینانی فی الھدایة والعلامة المحقق علی الاطلاق فی الفتح والفاضل زین الدین المصری فی الاشباہ والسید احمد الحموی فی غمز العیون والعلامة نوح آفندی والفاضل سید احمد الطحطاوی وغیرھم رحمة الله تعالٰی علیھم اجمعین فعلیه المعول وبه الاعتماد کما حققته فی فتاوی الملقبة بالعطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة خلافا لما فھم العلامة ابوعبدالله محمد بن عبدالله الغزی من وقوع لفظ البطلان فی

مسائل کوذکر کیا، بعد ازاں بیع فاسد کا باب قائم کرکے فرمایا کہ مفسدات بیع متعدد قسموں کے ہیں اور یہ باب کئی فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی قسم بدلین میں سے کسی ایک کی جہالت کی وجہ سے فساد بیع کے بارے میں ہے اور اس میں معدوم و موجود کو اور مال و غیر مال کو عقد واحد میں جمع کرنا داخل ہے الخ تو یہ جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے صریح نص ہے جو مجاز وتاویل کو قبول نہیں کرتی میں کہتا ہوں اور اسی کو واضح فرمایا ہے عمدۃ المذہب امام مجتہد ہمارے سردار امام محمد نے محیط اور مبسوط میں اور دیگر ائمہ نے دوسری کتابوں میں جیسا کہ جامع الرموز اور کفایہ میں ہے، اور اسی پر دائر ہے امام برہان الدین مرغینانی کا کلام ہدایہ میں، امام علامہ محقق علی الاطلاق کا کلام فتح میں، فاضل زین الدین مصری کا کلام الاشباہ میں، سید احمد حموی کا کلام غمز العیون میں، اور اسی پر دائر ہے علامہ نوح آفندی اور فاضل سید احمد طحطاوی وغیرہ ائمہ کا کلام، اللہ تعالٰی ان تمام پر رحمت نازل فرمائے، پس اسی پر بھروسہ اور اعتماد ہے جیسا کہ اس کی تحقیق میں نے "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے لقب سے ملقب فتاوی میں کردی ہے، برخلاف اس کے جو بعض کلمات قوم میں لفظ بطلان کے واقع ہونے سے علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۳۵

بعض کلمات القوم اواستظھرہ سیدی محمد امین الدین افندی امرا بالتامل فلا محیط الاالی المقام بعدما اتضح وتحقق ومن ارادفعلی ایرادالدلیل۔	نے سمجھا یا تامل کا حکم دے کہ سیدی محمد امین الدین آفندی نے احتیاط برتی، چنانچہ وضاحت و ثبوت کے بعد مقام تحقیق کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ نہیں اور جو اس کے خلاف کا ارادہ کرے اس کے ذمے پر دلیل پیش کرنا ہے۔(ت)

اور مبیع بالبیع الفاسد بعد القبض مملوک ہو جاتی ہے کما فی عامۃ الکتب (جیسا کہ عام کتابوں میں ہے۔ت) ہاں حق مشتری میں اس کی خباثت رہتی ہے لہٰذا انفساخ واجب ہے، مگر اس کی بیع کے بعد مشتری ثانی کے لئے وہ بھی نہیں رہتی،

فی الدرالمختار بخلاف بیع الفاسد فانہ لایطیب لہ لفساد عقدہ ویطیب للمشتری منہ لصحۃ عقدہ[1]۔	درمختار میں ہے بخلاف بیع فاسد کے کہ اس میں مشتری کو حلال نہیں اس عقد کے فساد کے سبب سے اور جس نے اس سے خریدا اسے حلال ہے بسبب اس کی صحت عقد کے،(ت)

پس بہر حال اب یہ مکان بالیقین مملوک عمرو ہے زید یا زوجہ زید یا قرضخواہان زید کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ قرضہ زید اس سے کوئی وصول کرسکتا ہے ھذا ینبغی التحیق واللہ ولی التوفیق، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ ہی توفیق کا مالک ہے، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے۔ ت)

مسئلہ ۳۰: از کیمپ لال کرتی مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان میں ایک درخت فالسہ کا تھا اور بکر کے ہاتھ فروخت کئے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا، بعدہ، زید کے مکان میں آگ لگ گئی، درخت مذکور جل گیا، قیمت اس کی بکر کو واپس دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

بعد استفسار واضح ہوا کہ گھنڈ ساریوں کے ہاتھ فالسہ کی ٹہنیاں بیچی جاتی ہے وہ انھیں کاٹ

[1] درمختار کتاب البیوع البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

لیتے ہیں اور پیڑ بدستور قائم رہتا ہے، یہ بیع بھی انھیں ٹہنیوں کی تھی اور مشتری ہنوز کاکاٹنے نہ پایا تھا کہ مکان میں آگ لگ گئی پیڑ جل گیا، اس صورت میں قطع نظر اس سے کہ صرف ٹہنیوں کی بیع جائز و صحیح ہونے میں بہت نزاع طویل ہے۔

وانما حکم من حکم بالجواز مستندا الی التعامل اوان کان موضع القطع معلوما بالعرف کما فصله فی الدر وحواشیه [1]۔	اور جس نے جواز کا حکم کیا اس نے تعامل کی بنیاد پر جواز کا حکم کیا یا اس بنیاد پر کہ از روئے عرف کاٹنے کی جگہ معلوم ہو جیسا کہ درر اور اس کے حواشی میں اس کی تفصیل ہے (ت)

جب شیئ مبیع قبل قبضہ مشتری دست بائع میں ہلاک ہو گئی بیع جاتی رہی اور جو قیمت لی تھ وہ واپس دینی واجب،

فی درالمختار عن الفتح والدرالمنتقی لوھلك المبیع بفعل البائع اوبفعل المبیع اوبامر سماوی بطل البیع و یرجع بالثمن لومقبوضا [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں بحوالہ فتح اور در منتقٰی ہے کہ اگر فعل مبیع یا فعل بائع یا کسی امر سماوی سے مبیع (بائع کے ہاتھ میں) ہلاک ہو جائے تو بیع باطل ہو جائے گی اور ثمنوں پر اگر بائع قبضہ کر چکا ہے تو لوٹائے جائیں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱: از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان مسکونہ بعوض دین مہر زوجہ کے ساتھ بیع کر دیا اور رجسٹری وغیرہ کی تکمیل کرادی، بعدہ، باجازت عورت تاحیات یعنی سوا برس اس مکان میں رہتا رہا پس بسبب رہنے زید کے اس مکان میں تکمیل بیعنامہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع مذکور تام وکامل ہے اور زید کا رہنا بے اجازت عورت ہوتا تاہم اصلا تمامی بیع میں خلل نہ لاتا

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲

فان غایته الغصب والبیع اذا تم افاد الملك والملك بالغصب لایزول علی ان الغصب لایتحقق فی العقار و البیع لیس کالهبة حتی یشترط فیه القبض و التخلیة وهذا ظاهر جدا ، والله تعالٰی اعلم۔	کیونکہ غایت اس کی غصب اور بیع جب تام ہو جائے تو مفید ملک ہوتی ہے اور غصب سے ملک زائل نہیں ہوتی، علاوہ ازیں غصب غیر منقولہ اشیاء میں متحقق نہیں ہوتا اور بیع ہبہ کی مثل نہیں حتی کہ اس میں قبضہ اور فارغ کرنا شرط قرار دیا جاتا اور یہ خوب ظاہر ہے، واللہ اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲: مرسلہ ابوالاشیم محمد ابراہیم بریلی خواجہ قطب ۱۱ محرم ۱۳۲۳ھ یوم دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا دو بھتیجے حقیقی اور ایک دختر چھوڑی اور بڑا بھتیجا اس لڑکی کا شوہر ہے لیکن باہم زوجین میں ایک مدت سے نااتفاقی ہے حتی کہ نان ونفقہ تک نہیں دیتے، زید نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد دوہزار روپیہ میں اپنی دختر کے ہاتھ بیع کردی لیکن قیمت جائداد تخمیناً چھ ہزار روپے ہے اور بیعنامہ بھی قانونی کردیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ مشتریہ نے بائع کو کچھ نہیں دیا وہ کہاں سے دیتی اس کا نان ونفقہ بھی باپ کے ذمے تھا، ایک مرتبہ زید نے کسی موقع پر اپنے چھوٹے بھتیجے سے کہا کہ تیری حق تلفی مجھ سے ہوگئ تیرے بڑے بھائی کی وجہ سے وہ میری زندگی میں تو اپنی زوجہ (یعنی میری لڑکی) کو کچھ دیتے نہیں ہیں بعد میرے مرنے کے کیا دیں گے، اس کے جواب میں بھتیجے نے یہ کہا کہ آپ میری حق تلفی کیوں کرتے ہیں، اس کے جواب میں زید نے یہ کہا کہ جو کچھ ہونا تھا ہوگیا، پس صورت مذکورہ میں اس جائداد و بیع کا کیا حکم ہے؟ آیا دونوں بھتیجوں کو بھی شرعی حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا مع الدلیل و البرہان توجروا عندالحنان المنان** (دلیل وبرہان کے ساتھ بیان کرو احسان ومہربانی فرمانے والے سے اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

یہ بیع صحیح وتام ونافذ ہوگئ جبکہ زید کی حالت صحت میں تھی،

کما ذکر لی السائل بلسانه وذلك لانه عقد صدر عن اهله فی محله فلا مرد له۔	جیسا کہ سائل نے مجھے زبانی بتایا اور یہ حکم اس لئے ہے کہ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو اہل سے صادر ہو کر محل میں واقع ہوا تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (ت)

ادائے ثمن شرائط صحت یا نفاذ بیع سے نہیں ولہذا اگر بائع بعد تمامی عقد زر ثمن تمام وکمال معاف کردے معاف ہو جائے گا اور بیع میں کوئی خلل نہ آئے گا **کما نص علی فی فتاوٰی الامام قاضی خاں وبینہ فی ردالمحتار وحققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ فتاوٰی امام قاضی خاں میں اس پر نص کی گئی اور ردالمحتار میں اس کو بیان کیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی۔ت) یہاں اگر معاف ثابت ہو فبہا اور اگر زید نے وصول پالینے کا اقرار کیا جب بھی مشتریہ پر ثمن کا دعوٰی اسے نہ رہا **لان المرء مواخذ باقرارہ** (کیونکہ شخص اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔ت) اور یہ قرائن کہ وہ کہاں سے دیتی اس کا نفقہ بھی تو باپ کے ذمہ تھا بینہ ابراء کے مقابل مسموع نہ ہوتا تو ظاہر اقرار وصول کے سامنے بھی قابل التفات نہیں،

لان المال غاد ورائح وقد یکون لبعض الناس لاسیما النساء مال خفی قل مایطلع علیہ الاخرون وعسی ان یکون لہا من حلی جہازہا وامتعۃ مایفی بذٰلک۔	کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے اور کبھی بعض لوگوں خصوصا عورتوں کے پاس کچھ پوشیدہ مال ہوتا ہے جس پر دوسرے لوگ بہت کم مطلع ہوتے ہیں، شاید اس عورت کے پاس جہیز کا کوئی زیور یا سامان ہو جس سے وہ ادائیگی کرتی ہو، (ت)

اور جب خود زید کا دعوٰی نہ سنا جاتا تو ورثاء کہ خلافۃً اسی طرف سے مدعی ہوں گے ان کا دعوٰی کیونکر مقبول ہوسکتا ہے زید کا ایک بھتیجے سے کہنا کہ مجھ سے تیری حق تلفی ہوگئی صحت بیع کا منافی نہیں بلکہ مؤکد ہے کہ اگر بیع صحیح نہ ہوتی تو حق تلفی کیونکر ہوتی باقی براہ دیانت حق تلفی حکم قضاء میں صحت بیع پر اثر نہیں ڈالتی بیع صحیح ہوگئی، بھتیجوں کا جائداد میں کچھ حق نہ رہا، ہاں ثمن کا دعوٰی ممکن ہے اگر زید نے معاف یا وصول پالینے کا اقرار نہ کیا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳: از پیگا مسئولہ مولوی حاجی نذیر احمد صاحب ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے نصف اراضی زمینداری عمرو کی جس میں اس کی سیر وخود کاشت کی کچھ زراعت تیار شدہ کچھ تخم ریزی شدہ بھی تھی بایں شرط خرید کی کہ جو اراضی عمرو کی کاشت میں ہے وہ بھی نصف کاشت سے چھوڑ دینا ہوگی، عمرو نے اس شرط کو قبول کرلیا تھا اور اس اراضی کی اس پیداوار موجودہ اور مزروعہ کا وقت بیع کے کچھ تذکرہ اور تصفیہ نہ ہوا تھا کہ آیا کُل عمرو کا ہوگا یا نصف زید کا بھی؟ اب زید نصف پیداوار بھی اس اراضی کی جو عمرو نے کاشت کرائی تھی طلب کرتا ہے کہ میرا تو عمرو کی ہر چیز میں نصف ٹھہرا ہے، عمرو کہتا ہے

میں نے اراضی زمینداری اور حقوق زمینداری بیع کئے ہیں، نہ حقوق کاشتکاری، پس حق زمینداری اس اراضی زراعت تیار شدہ اور مزروعہ کا چوتھائی حصہ ہے اس کا نصف لے لو جیسی کہ مخلوق میں اسامیان سے جو نصفی یا چوتھائی یا پنچیرو وغیرہ پر کاشت کرتے ہیں حصہ لیا جاتا ہے اسی طرح سے ورنہ تمھاری ہر چیز کے اعتبار سے تو میں اثاث البیت وغیرہ بھی دے کر نہ چھوٹوں گا، لہٰذا استفسار ہے کہ فریقین میں سے زید حق پر ہے یا عمرو؟ زید کا مطالبہ کرنا کیسا ہے اور عمرو کا نہ دینا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زراعت تیار شدہ تمام وکمال ملک عمرو ہے بلکہ اگر وقت بیع تک صرف اسی قدر اُگی ہوتی جسے جانور اپنے لبوں کے ذریعہ سے زمین سے لے سکے بھی اس پر زید کا دعوی بالاتفاق باطل تھا، ہاں اگر پیٹا بالکل باہر نہ آتا جسے جانور چر سکے نری رنگت ہی رنگت زمین پر ظاہر ہوئی ہوتی ایسی حالت میں زمین بیچی جاتی تو ایک قول پر نصف زراعت بھی ملک زید قرار پاتی تجنیس میں اسی کو صواب اور شرح المجمع ودر مختار میں اصح بتایا اور دوسرے قول پر اب بھی وہ تمام وکمال ملک عمرو رہتی، فتح القدیر میں اسی کو اوجہ ور سراج الوہاج میں صحیح فرمایا، اور اکثر کا رجحان رائے قول اول کی طرف ہے اور جس قدر میں تخم ریزی ہوئی ہے اسے دیکھا جائے گا کہ آیا ہنوز بیج تازہ پڑا ہے کہ زمین میں گل نہ گیا ہوگا تو اس صورت میں بھی بالاتفاق جو زراعت اس سے پیدا ہوگی تمام وکمال عمرو کی ہوگی اور اگر ایسے وقت بیع ہوئی کہ بیج گل چکا تھا زمین کھود کر اگر اسے نکالنا چاہتے تو کچھ نہ ملتا تو اس صورت میں بھی اختلاف علماء ہے، بعض نے کہا اب نصف زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی، اسی کو امام فضلی وصاحب ذخیرہ نے اختیار فرمایا اور بعض نے فرمایا اب بھی تمام وکمال بائع کی ہے اسی کو امام ابواللیث وامام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اختیار فرمایا اور اسی پر در مختار میں اعتماد کیا بلکہ امام فقیہ ابواللیث وامام برہان الدین صاحب ہدایہ کا مختار یہ ہے کہ مطلقاً چاروں صورتوں میں تمام وکمال زراعت بائع کی ہی ہے خواہ تھوڑی اُگی ہو یا بہت، بیج گل گیا ہو یا نہیں، اور یہی متون تنویر الابصار وغیرہ کا مفاد ہے، **بالجملہ** ان تمام صورتوں میں زراعت ملک عمرو ہے، زید کا دعوٰی نصف باطل ہے مگر صرف اس حالت میں کہ بیع کے وقت زمین سے کھیتی ظاہر تو ہوئی ہو اور اس قابل نہ ہو کہ جانور اپنے لب سے اسے نکال سکے کہ اس تقدیر پر قول راجح میں آدھی زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی پھر جن صورتوں میں زراعت صرف عمروں کی ٹھہری زید کو اختیار ہے کہ زمین تقسیم کراکر اپنا

حصہ زراعت عمرو سے خالی کرالے اسے فوراخالی کرنا ہوگا اگرچہ زراعت ہنوز قابل درو نہ ہوئی ہو اگر برضائے زید باقی رکھی تو حسب دستور زید کو حق زمینداری یعنی جو اتنی زمین کی اس قدر مدت تک استعمال رکھنے کی لگان وغیرہ ہوتی ہے ادا کرے، درمختار میں ہے:

(لایدخل الزرع فی بیع الارض بلا تسمیة)الااذا نبت ولاقیمة له فیدخل فی الاصح شرح المجمع، ویؤمر البائع بقطع الزرع وتسلیم الارض عند وجوب تسلیمھا فلولم ینقد الثمن لم یؤمر به خانیة، وما فی الفصولین الزرع للبائع باجر مثلھا محمول علی ما اذا رضی المشتری نھر اھ[1] ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	زمین کی بیع میں زراعت بغیر نام لئے داخل نہیں مگر جب کھیتی اُگی ہوئی ہو اور بے قیمت ہو تو بیع میں داخل ہوگی اصح قول کے مطابق (شرح المجمع)، بائع کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھیتی کو اکھاڑ کر زمین مشتری کے حوالے کرے جب زمین کی تسلیم واجب ہوچکی ہو اگر مشتری نے ثمن نقد نہ دئے ہوں تو بائع کو مذکورہ بالا حکم نہیں دیا جائے گا (خانیہ)، اور فصولین میں جو آیا ہے کہ کھیتی بائع کے لئے ہے زمین کی اُجرت مثلی کے ساتھ تو وہ اس صورت پر محمول ہے کہ مشتری اس پر راضی ہو، نہر اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۴ و ۳۵: از ریاست جاروہ، ڈونگر پور دروازہ مرسلہ ہدایت نور خان صاحب برادر نواب جاورہ، رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل ذیل میں:

(۱) زید وہندہ نے بروقت خواستگاری یعنی منگنی پسر خود مسمّٰی بکر کے ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں ایک تحریر بدیں مضمون لکھی کہ پندرہ روپیہ چار آنہ ماہوار کہ بعد مایان بحصہ برخوردار بکر رسید سے بعد وفات ہمارے جو حصہ بکر میں پہنچیں گے اور ایک منزل مکان بحدود اربعہ بعوض مبلغ پنجاہ ہزار روپیہ از جملہ مہرش کہ کفیل وضامن اس کے ہم ہیں مسماۃ ہاجرہ کو دیا ہم نے اور اس پر قابض ومتصرف کردیا ہم نے مگر اس تحریر کے ایک سال آٹھ ماہ کے بعد مئی ۱۹۰۴ میں نکاح ہاجرہ کا بکر کے ساتھ ہوا، جلسہ نکاح میں تکمیل تحریر مسطور بالا کی نہیں ہوئی ورنہ دستخط قاضی وقت کے کہ جس نے نکاح پڑھایا اس پر ہوئے ہیں، نہ تاریخ یوم نکاح ہی، نہ منظور شدہ زوج ہی، پس ایسی حالت میں اگر زوجہ بکر

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مالایدخل فی البیع تبعا الخ مجتبائی دہلی ۲/ ۹

اس تحریر کی رو سے زید وہندہ یا بکر پر دعوی کرے تو عندالشرع اس جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں ؟اور قبضہ بھی اس جائداد پر مسماۃ ہاجرہ کو مالکانہ نہ اصالتًا نہ وکالتًا دلایا گیا کیونکہ زید وہندہ ۱۹۰۲ء سے ابھی تک بقید حیات ہیں اسی جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر خود قابض ومتصرف ہیں پس ایسی حالت میں ہاجرہ شرعا اس جائداد مذکورہ کے پانے کی مستحق ہے یانہیں؟

(۲) زید نے تنخواہ عطیہ شاہی جو کہ آئندہ آنے والی ہے اس کو بنام مسماۃ ہاجرہ بالعوض مہر بیع وہبہ کی اور قبضہ بھی نہیں دیا تو ایسی آنے والی تنخواہ کا بیع وہبہ از روئے شرع شریف معتبر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ہاجرہ اس جائداد کا اصلا مطالبہ نہیں کر سکتی، ظاہر ہے کہ زید وہندہ کی طرف سے یہ تصرف مہر کے عوض ایک جائداد دینا ہے اور تملیک عین بالعوض، اگرچہ بلفظ ہبہ یا عطا ہوا بتداء وانتہاء ہر طرح بیع ہے۔

فی الدر المختار امالو قال وہبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتہاءً [1]۔	درمختار میں ہے اگر کہا میں نے تجھے اس چیز کے بدلے ہبہ کیا تو یہ ابتداء اور انتہاء بیع ہے۔ (ت)

اور بیع مبادلہ مال بمال ہے کما فی الکنز والملتقی وغیرہما (جیسا کہ کنز اور ملتقی وغیرہ میں ہے۔ت) اور مال عین ہے یا دین، اور مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین، تو اصلا مال ہی نہیں، تو اس کے عوض کسی شیئ کا دینا محض باطل ہے۔

وصار کالبیع بالدم اوالمیتۃ اوالتراب بل ادون لانہا اشیاء وان لم تکن اموالا وھذا لیس بشیئ اصلا۔	اور یہ خون یا مردار یا مٹی کے بدلے بیع کی مثل ہوگیا بلکہ اس سے بھی کمتر کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ مال تو نہیں مگر اشیاء تو ہیں جبکہ مہر قبل از نکاح توشیئ ہی نہیں۔ (ت)

انعقاد سبب وجوب سے پہلے ادا باطل ہے۔

فی فتح القدیر لایجوز تعجیلہ	فتح القدیر میں ہے کہ اس کی تعجیل جائز نہیں

[1] درمختار کتاب الھبتہ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

لانہ یکون قبل السبب [1]۔	کیونکہ اس طرح سبب پر اس کا مقدم ہونا لازم آئے گا۔(ت)

عنایہ میں ہے:

تقدیم الحکم علی السبب لایجوز [2]۔	حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں۔(ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دین معدوم کے بدلے رہن لینا بھی جائز نہیں۔

فی الھندیۃ الرہن بدین معدوم فلا یصح اذحکمہ ثبوت یدالاستیفاء والاستیفاء یتلو الوجوب کذا فی الکافی [3]۔	ہندیہ میں ہے کہ معدوم دین کے بدلے رہن لینا صحیح نہیں کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ دین وصول کرنے کی قدرت حاصل رہے اور وصول کرنا وجوب کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ کافی میں ہے(ت)

تو فی الحال اس کا ادا کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔

ولا یرد مااذا بعث الی المخطوبۃ اشیاء مھرا لھا فانھا تملکھا اذ تزوجت علیھا وذٰلك لان الملك انما یثبت فیما بعد التزوج والامھار اما قبلھا فلا ولذا تردھا ان ابت قائمۃ اوھالکۃ کمافی الدرالمختار وغیرہ [4] اماھٰھنا فالتزوج انما وقع علی الدراہم ثم لم یکن بعد ذٰلك من الکفیلین تعویض وماتقدم لایجدی کماتقدم۔	اور اس پر ان اشیاء کا اعتراض وارد نہیں ہوتا جو کسی نے اپنی منگیتر کو بطور مہر بھیجیں کیونکہ ان اشیاء پر نکاح ہونے کی صورت میں وہ عورت ان کی مالک ہو جاتی ہے______اور یہ اس لئے کہ یہاں ان اشیاء میں ثبوت ملک نکاح اور مہر مقرر کرنے کے بعد ہے نہ کہ اس سے پہلے اسی لئے عورت اگر نکاح سے انکاری ہو تو ان اشیاء کو واپس کرے گی چاہے وہ اشیاء موجود ہوں یا ضائع ہو گئی ہو جیسا کہ درو غیرہ میں ہے، مگر یہاں تو نکاح دراہم پر واقع ہوا پھر اس کے بعد دونوں کفیلو ں کی طرف سے عوض

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ فصل ولیس فی الفصلان الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۵۷

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ فصل ولیس فی الفصلان الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الرہن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۱

[4] درمختار کتاب النکاح باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

دینا بھی نہیں پایا گیا اور جو کچھ ہو چکا وہ نفع نہیں دے گا جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے۔(ت)

یہ حال تو مکان کا ہے، رہے وہ پندرہ روپے چار آنے ماہوار، اس سے اگر مراد اپنی کوئی جائداد اتنی توفیر کی ہو تو اس کا حال مثل حال مکان ہے کہ گزرا اور اگر کوئی تنخواہ مراد ہو جوان کو کسی نوکری کی اجرت میں ملتی ہے تو اس کا حال حال مکان سے بدتر ہے کہ وہ خود ہنوز معدوم ہے تو یہ بیع معدوم بالمعدوم ہوئی، اور اگر وہ تنخواہ محض عطیہ حاکم بطور منصب وجاگیر ہے تو اس سے بھی بدتر حالت ہے کہ وہ خود ان کے اختیار ہی کی نہیں، بہر حال یہ معاوضہ باطل محض ہے اور ہاجرہ کو اس کے ذریعہ سے کوئی استحقاق مطالبہ نہیں، دستاویز کہ زید وہندہ نے لکھی اس کی پوری نقل سائل نے نہ بھیجی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ انھوں مہر کی جو کفالت کی ہے وہ بھی شرعاً صحیح ہے یا نہیں، نہ اس سے سائل کا سوال ہے لہٰذا اس سے بحث کی حاجت نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) آئندہ تنخواہ کی بیع وہبہ دونوں کو باطل کہ وہ معدوم ہے اور معدوم نہ بیع ہو سکتا ہے نہ ہبہ، تنویر الابصار میں ہے: **بطل بیع المعدوم**[1] (معدوم کی بیع باطل ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا علم عدم صحۃ ہبۃ ماسیتحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاہر[2] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اور اس سے معلوم ہو گیا کہ دو قریوں کی آمدنی سے حاصل شدہ شیئ کا ہبہ بدرجہ اولٰی صحیح نہیں کیونکہ وہ خود واہب نے ابھی قبضہ نہیں کیا تو وہ اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے اللہ خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۶: از ریاست رامپور محلّہ راجدوارہ متصل مسجد مولوی حیدر علی صاحب مرحوم مرسلہ مظہر حسین خاں ولد مولوی عبدالعلی خان مرحوم ۶ رجب ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی تعدادی چوبیس درعہ جس کا طول جنوباً شمالاً چھ درعہ وعرض شرقاً غرباً چار درعہ اراضی مکسر مملوکہ خود جس کا طول شرقاً غرباً سولہ گز وعرض جنوباً شمالاً چھ گز ہے بقیمت مبلغ نو روپیہ کے بدست عمر بیع کرکے بیعنامہ تصدیق کرادیا بوقت تحریر بیعنامہ حد شرعی بجائے بقیہ اراضی بائع کے صریح غلط طور پر دروازہ مکان

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

خالد تحریر ہوگیا حالانکہ دروازہ مکان خالد محکم و صحیح کل قطعہ مملوکہ بائع کی بھی نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ منتہائے کل قطعہ اراضی مملوکہ بائع تعدادی چھیانوے ۹۶ درعہ کے حد پر بھی اراضی مرور مکانات ہے، دروازہ مکان خالد بعد اراضی مرور کے ہے اور حد شمالی میں بجائے مرور مکانات صریح طور پر بھی غلط پچھیت مکان خالد دروازہ مکانات ہندہ تحریر ہوگیا حالانکہ پچھیت مکان خالد بعد اراضی مرور کے اور دروازہ مکان ہندہ بہت فاصلہ پر واقع ہے اس غلطی تحریر حدود سے جبکہ بیعنامہ میں پیمائش وعرض وطول اراضی مبیعہ کی صراحت وتعین ہے اور شرح مقام اراضی موجودہ وقت اور اقرار یافتہ کے اس نو روپیہ قیمت صرف چوبیس درعہ کے ہوسکتی ہے نہ کہ چھیانوے درعہ کے اور حدود کے اعتبار سے علاوہ اراضی بائع کے راہ مرور مشترکہ محلّہ داران بھی داخل مبیعہ ہوا جاتا ہے جس کی بیع شرعا جائز نہیں ہے پس صورت بالا شرعا مبیعہ وہی چوبیش درعہ اراضی قرار پائے گی یا کہ کل قطعہ چھیانوے درعہ اراضی مملوکہ بائع مع اراضی مرور شرقی وشمالی محلّہ داران۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیعنامے اور عرضی دعوی وجواب ملاحظہ ہوئے، اگر بیعناموں پر نظر ہو تو ان میں حدود بالاتفاق یکساں صاف صاف مکتوب ہیں، اور ان میں شرح ۶ گز کا کہیں ذکر نہیں، ایسی حالت میں کل زمین مذکور کہ بائع اول کو اس کے ماموں سے وارثۃ پہنچی بیع سمجھی جائے گی، حدود میں اگر مکانات دیگر کے راستے بھی داخل ہوگئے ہیں مالکوں کی چارہ جوئی پر واگذاشت ہوجائیں گے بائع اس سے استدلال نہیں کرسکتا نہ بیعناموں میں مقدار مبیع ۲۴ گز اور اس کا طول ۶ گز عرض ۴ گز لکھا ہونا کچھ مفید ہوسکتا ہے جبکہ فی گز ۶ کی قید بیعنامہ میں کہیں نہیں، درمختار میں ہے:

ان باع المذروع علی انه مائة ذراع اخذ المشتری الاقل بکل الثمن اوترك واخذ الاکثر بلاخیار للبائع لان الذرع وصف لتعیبه بالتبعیض ضد القدر والوصف لایقابله شیئ من الثمن الا اذا کان مقصودا بالتناول کما افادہ بقوله وان قال کل ذراع بدرہم	اگر مذروع کو اس شرط پر بیچا کہ مثلا یہ سو گز ہے تو مشتری اقل کو پوری قیمت سے لے یا چھوڑدے اور اکثر بلاخیار بائع لے لے گا ذراع یعنی گز وصف ہے کیونکہ سالم نہ رکھنے پر وہ عیب قرار پاتا ہے یہ حکم کے مقابلے میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا مگر جبکہ وصف تناول سے مقصود ہو جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول سے اس کو بیان فرمایا کہ اگر بائع

اخذ کل ذراع بدرھم او فسخ[1] (ملتقطا)	نے یوں کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں ہے تو مشتری ہر گز درہم کے بدلے میں لے لے یا بیع فسخ کردے۔(ملتقطا) (ت)

مگر شرع مطہر میں عقد معتبر وہ ہے جو عاقدین نے باہم زبان سے کہا کاغذ میں اس کے خلاف کچھ لکھا جائے معتبر نہ ہوگا، فتاوی خیریہ میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لا لما کتب الکاتب[2]۔	اعتبار اس کا ہے جو واقف نے زبان سے کہا، نہ اس کا جو کاتب نے لکھا۔(ت)

تو اگر گواہان عادل سے ثابت ہوجائے کہ عقد زبانی میں فی گز ۲ کی تصریح تھی اور اسی حساب سے ۲۴ گز (۹لعہ) روپے کو بیع ہوئی تو اگر ۲۴ گز مبیع کی تعیین سمت بھی ہوگئی تھی جیسا کہ اب عرضی دعوی کے بعض بیانوں سے مستفاد ہے تو یہی ۲۴ گز جانب غربی سے بیع ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے اور اگر تعیین نہ تھی جیسا کہ بیان بیع میں کہ عرضی دعوی میں ہے اس وقت تک نہیں تو یہ بیع بوجہ جہالت فاسد ہوئی۔

لان الذراع انما یحل فی المعین فھو معین لکنہ مجھول الموضع لامشاع کما فی ردالمحتار[3]۔	اس لئے کہ زراع تو معین میں جاری ہوتا ہے اور مذروع معین ہے لیکن مجہول الموضع ہے نہ کہ غیر معین جیسا کہ ردالمحتار میں ہے(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسد بیع عشرۃ اذرع من مائۃ ذراع من دار[4]۔	گھر کے سو گز میں سے دس گز کی بیع فاسد ہے۔(ت)

ہاں اگر مجلس عقد کے اندر تعیین کردی تھی تو بیع صحیح ہوگئی لان المجلس یجمع الکلمات (کیونکہ مجلس جامع کلمات ہوتی ہے۔ت) اسی طرح اگر بعد مجلس اس عقد فاسد کو ترک کرکے ایک طرف سے ۲۴ گز معین بائع نے مشتری کو دئے اور اس نے لئے تو بھی صحیح ہوگئی، درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷ و ۸

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۴۰۔۱۳۹

[3] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۲۔۳۱

[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸

وینبغی انقلابه صحیحا لو فی المجلس ولو بعده فبیع بالمقاطی، نہر [1]۔	اور لائق ہے کہ بیع صحت کی طرف منقلب ہو جائے اگر تعیین مجلس عقد میں ہو اور اگر تعیین مجلس کے بعد ہو تو بیع بالتعاطی ہوگی۔ نہر (ت)

ان صورتوں میں بھی وہی ۲۴ گز معین ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے یہ سب یعنی بائع سے گواہ لینا اور ان کی گواہی پر اعتماد کرنا اس حالت میں ہے کہ بقیہ ۲۷ گز میں مشتری ثانی کے تصرفات مدت دراز سے بائع نے دیکھ کر سکوت نہ کیا ہو، اور اگر ایسا ہے جیسا مشتری ثانی کا بیان ہے کہ اسی وقت سے اس نے دالان اور کھپریل اور چبوترہ کل زمین میں بنوالیا اور بائعوں نے خود کھڑے ہو کر بنیاد وغیرہ قائم کرادی جس کو عرصہ قریب آٹھ سال کا ہوگیا تو اس صورت میں دعوی بائع اصلا قابل سماعت نہ ہوگا۔

لما افتی به العلماء قطعا للتزویر والاطماع الفاسدة کما فی العقود الدریة [2] ومعین المفتی وغیرہما، واللہ تعالٰی اعلم۔	علماء کے اس فتوی کی وجہ سے جو انھوں نے دھوکہ دہی اور فاسد خواہشوں کو منقطع کرنے کے لئے دیا ہے جیسا کہ عقود الدریہ اور معین المفتی وغیرہ میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷: از پیلی بھیت محلّہ محمد شیر مسئولہ جناب قمر الدین صاحب ۱۷ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا مال آڑھت میں دے کر دکان میں بیچنا چاہتا ہے اور اس سے روپیہ مال جمع شدہ کا پیشگی چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب فروخت ہو جائے گا تو اس وقت کا ہم اور تم حساب کئے لیں گے، یہ روپیہ پیشگی دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر علی الحساب بطور قرض لیتا ہے تو دکاندار کی مرضی سے لے سکتا ہے اس پر جبر نہیں کر سکتا اور اگر دکاندار سے اس مال کی قیمت لیتا اور یہ شرط کرتا کہ فروخت پر کمی بیشی کا حساب ہو جائے گا تو یہ حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸

[2] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیه کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳

مسئلہ ۳۸: مسئولہ نواب وزیر احمد خان صاحب بہاری پور بریلی ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شے کا بیعنامہ معمولی رواجی الفاظ کے ساتھ تحریر ہو کر آخر میں یہ فقرہ لکھ دیا جائے کہ نفاذ اس بیع نامہ کا فلاں مدت کے بعد عمل میں آئے گا مشتری کو قبضہ لینے اور داخل خارج کرنے کا مجاز بعد انقضائے مدت مذکورہ حاصل ہوگا اگر مشتری درمیان اس مدت کے قبضہ لے کر داخل خارج کرائے گا تو اس مدت کا ماحصل توفیر زرثمن کے علاوہ ادا کرنے کا مستوجب ہوگا تو درمیان دستاویز میں جو "بعت" لکھ چکا ہے وہ غالب رہے گا یا آخر کا یہ فقرہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دونوں جملے اپنا اپنا عمل کرینگے، "بعت" کا یہ عمل ہوا کہ بیع ہوگئی اور اس شرط فاسد کا یہ عمل ہوا کہ بیع فاسد وحرام ہوئی ان دونوں پر واجب ہے کہ اسے فسخ کریں اگر نہ کریں گے تو حاکم شرع جبراً فسخ کرادے گا، نہ مشتری مبیع لے سکتا ہے نہ بائع ثمن، اور اگر بائع کی رضا سے مشتری مبیع پر قبضہ کرلے تو بحکم جملہ اولٰی اس کا مالک ہوجائے گا، مگر بحکم جملہ ثانیہ وہ ملک خبیث ہوگی اور اب بھی اس پر واجب ہوگا کہ بیع فسخ کرے اور مبیع واپس کردے ہاں اگر مشتری بعد قبضہ برضائے مبیع کسی دوسرے کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ یا دین یا وقف یا وصیت کردے تو اگرچہ مشتری گنہگار ہوگا مگر اب وہ بیع نافذ ہوجائے گی اور اس کا فسخ نہ ہوسکے گا اور اب بھی مشتری اس سے مبیع کے ثمن کا مستحق نہ ہوگا یعنی جو معاوضہ باہم قرار پایا تھا بلکہ قیمت لے گا یعنی بازار کے بھاؤ سے وہ مال جتنے کا ہو مثلاً ایک شے ساڑھے پانچ ہزار کو خریدی اور بازار کے نرخ سے وہ چار ہزار کی ہے تو چار ہزار ہی دینا آئیں گے بائع اس سے زائد نہیں لے سکتا یہ سب اس صورت میں ہے کہ اصل بیع اسی شرط پر ہوئی ہو اور اگر پہلے فروختم خریدم زبانی ہولئے تھے اور اس میں یہ عدم نفاذ تا مدت مذکورہ کی شرط تھی بعد کو کاغذ بیعنامہ میں لکھی گئی ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں بیع صحیح ونافذ ولازم ہوگئی فوراً وقت عقد اس کا نفاذ ہوگیا اسی وقت سے مشتری کو اختیار ہوگیا کہ زرثمن جتنا باہم قرار پایا ہے دے کر مبیع پر قبضہ کرلے اگرچہ بائع کی رضا نہ ہو اور وہ شرط کہ اتنی مدت کی توفیر دینی آئے گی محض باطل ومردود ونامسموع ہے زرثمن سے زیادہ ایک کوڑی دینی نہ ہوگی، **واللہ اعلم**

مسئلہ ۳۹: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

سودا خریدنے میں حجت کرکے بھاؤ بڑھانا کیسا ہے؟

الجواب:

بھاؤکے لئے حجت کرنا بہتر ہے بلکہ سنت، سوااس چیز کے جو سفر حج کے لئے خریدی جائے اس میں بہتر یہ ہے کہ جو مانگے دے دے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان اپنے دولڑکوں عمرو وبکر کے نام سے بحصہ مساوی کیا اور اس کا بیعنامہ بھی انھیں دونوں کے ناموں سے ہے، ان میں عمرو بالغ ہے اور بکر نابالغ، بعد ازاں زید نے اسی مکان میں سے ایک ربع اپنے بھائی خالد کو اس طرح دلایا کہ عمرو سے بیعنامہ لکھادیا تو بقیہ مکان میں عمرو وبکر کا حصہ شرعاً کس طرح رہا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرع میں گفتگوئے خرید وفروخت کا اعتبار ہے اس کے آگے بیعنامہ کا اعتبار نہیں، اگر زبانی خریداری لڑکوں کے نام نہ ہوئی یعنی یہ نہ کہا کہ مکان عمرو بکر کے ہاتھ بیع کردے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کیا بلکہ صرف اپنے نام زبانی خریدا یا زبانی خریدم فروختم (میں خریدتا ہوں اور میں فروخت کرتا ہوں۔ت) میں کسی کا نام نہ آیا تو اس صورت میں شرعاً وہ مکان زید کا ہوا، پھر زید نے جو اپنے بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھا یا یہ ان کے نام ہبہ ہوا اور ہبہ مشاع بلا تقسیم ہے لہٰذا عمرو بکر اس کے مالک نہ ہوئے، بیعنامہ کہ بنام خالد جانب عمرو سے ہے لغو ہے کہ غیر مالک کی طرف سے ہے مگر یہ بیع اجازت زید پر موقوف رہی کہ اصل مالک زید ہے جبکہ زید نے اسے جائز رکھا تو بیع نافذ ہو گئی، چہارم مکان خالد کا ہوا تین ربع بدستور زید کے ہیں، ہاں اگر اصل خریداری زبانی ہی بنام عمرو بکر ہوئی یا زبانی خریدم فروختم کے الفاظ ان کے معنی ادا ہی نہ کئے گئے صرف قیمت کی گفتگو ہو کر یہ ٹھہرا کہ بیعنامہ بنام عمرو بکر کردو، تو یہ بیع بنام عمرو بکر ہوئی، تام ہو گئی اور دونوں لڑکے کے باپ کا قبول کافی تھا، عمرو نے بھی اسے مقبول رکھا تو اس کے نام بھی بیع تام ہو گئی، اور دونوں لڑکے اس مکان کے مالک ہو گئے، اب کہ اس کا ربع عمرو نے بیع کیا وہ نصف حصہ عمرو بیع ہوا باقی مکان میں ایک ثلث عمرو کا رہا دو ثلث بکر کے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱: از کمہر ڈاکخانہ گھٹیا مرسلہ وصی علی صاحب معرفت مولوی قاسم علی صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۲۸ عید الفطر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زانیہ نے زنا کے روپے سے کوئی چیز خریدی اب اس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہوگا کہ اگر اس چیز پر عقد ونقد جمع نہ ہوئے ہوں ورنہ خرید نا نہ چاہئے، مثلاً اس نے وہ حرام روپیہ مشتری کو دکھا کر کہا اس کے بدلے فلاں شے دے دے، اس نے دے دی، اس نے وہی حرام روپیہ قیمت میں دیا تو اب وہ شیئ خبیث ہے **کما ھو قول الامام الکرخی المفتی بہ کما فی التنویر وغیرہ**[1] (جیسا کہ امام کرخی کا مفتی بہ قول ہے جیسا کہ تنویر وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲: مسئولہ محمد حسین خان ولد امین خان ساکن ریاست رامپور محلّہ سٹن گنج ۷ جمادی الاولٰی یکشنبہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی جھاؤسنگ نے اپنا حصہ ۸ بسوئے بیگہ ۶ بسوانسی ۱۳ کچوانسی ۱۳ طنوانسی ۱۳ ننسوانسی کسر زائد یعنی بارھواں حصہ از کل ملک معافی لاخراجی تعدادی ۱۶ بسوہ لیا ہے جس کا کہ وہ مالک و قابض تھا بالعوض مبلغ دوسواڑسٹھ روپے کے بدست تھان سنگھ بیع قطعی کیا لیکن قبضہ تھان سنگ کا نہ ہوا اور جاؤسنگھ فوت ہوگیا جاؤسنگھ کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس پر قابض رہے بعد ازاں تھان سنگھ نے خرید شدہ اراضی بالعوض مبلغ چھ سو روپے کے بدست محمد حسین خاں بیع قطعی کردی، آیا تھان سنگھ کا بدست محمد حسین خاں بلاقبضہ کئے ہوئے بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور تھان سنگھ نے (مارمہ سہ) بابت قیمت اراضی جھاؤسنگھ کو دے دیئے ہیں **فقط**

الجواب:

جائز ہے تنویر الابصار میں ہے:

صح بیع عقار لایخشی ھلاکہ قبل قبضہ[2]**۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	جس مال غیر منقولہ کے تلف ہونے کا خطرہ نہ ہو اس کو قبضہ میں لینے سے پہلے اس کی بیع جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۴۳: مسئولہ شوکت علی صاحب محلّہ شاہ آباد بریلی ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیئ سربند بکس میں ہے جس کا وزن مثلاً

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی التصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۷

چار من معین ہے، زید نے خرید کی، بعد خریدنے کے جب کھولا گیا تو بھرا ہوا نہ تھا بلکہ قریب نصف کے نکلا، دیکھتے ہی فورا بائع کو اطلاع کی کہ یہ کم نکلا یا تو بقدر مال کے قیمت کر دیا واپس لو۔ اس صورت میں بائع پر اس شیئ کا پھیر لینا لازم ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ وزن معین ہے اور وہ شے نصف نکلی تو مشتری نصف قیمت دے اس سے زیادہ کا بائع کو اختیار نہیں، ردالمحتار میں ہے:

اذا کان طعاما فی حب فاذا نصفه تبن یأخذه بنصفه الثمن لان الحب دعاء یکال فیه فصار المبیع حنطة مقدرة وشمل ما اذا کان المسمی مشروطا بلفظ او بالعادة[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جب ایک گھڑا طعام خریدا اور نصف اس میں بھوسہ نکل آیا تو اب مشتری اس کو آدھی قیمت کے بدلے لے گا کیونکہ گھڑا ایک ایسا برتن ہے جس سے کیل کیا جاتا ہے چنانچہ مبیع ایک معین مقدار میں گندم ہو گیا اور یہ ضابطہ ان دونوں صورتوں کو شامل ہوگا یعنی چاہے تو مسمّٰی لفظ مشروط ہو یا عادتا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۴۴ تا ۴۵: مرسلہ حاجی مولا بخش صاحب جفت فروش از مین پوری ۲۱ صفر ۱۳۳۵ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے فصل پر غلہ خرید کیا اور یہ نیت کی کہ فلاں مہینہ میں اس کی کچھ نرخ ہو فروخت کر دوں گا تو اس صورت میں زید غلہ کی خریداری کر سکتا ہے یا نہیں، اور اس کے اوپر کوئی الزام شرعی تو عائد نہیں ہوتا ہے؟

(۲) زید نے بکر کو بضرورت بکر کچھ روپیہ نقد مال کے خریدنے کو دیا کہ تم اپنی مرضی کا مال دساور سے خرید کر لاؤ اور اس کو ہمارے نام روانہ کر دو، اور پھر ہماری دکان سے اس مال کو ایک آنہ روپیہ منافع دے کر خرید لو، اگر مال راستہ میں کل کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو زید ذمہ دار ہے اور اگر نقصان کچھ ہو جائے گا تو بقاعدہ دکانداری وہ نقصان اور خرچ راہ مال پر ڈال کر اور اس کے اوپر اپنا منافع لگا کر بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اگر نقصان نہ ہوا تو جو خرچ اس مال کے لانے میں بکر کا پڑ گیا وہ خرچ ہی اس مال پر ڈال دیا جائے گا تو ایسی بیع وشرائط زید کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

(۱) ایسی تجارت جائز ہے اور ایسی نیت ہی میں کوئی حرج نہیں اور اسے اپنے مال کا اختیار ہے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰

دفعۃً بیچے خواہ متفرق یا اس سے قبل خواہ بعد، لان الملك مطلق للمتصرف مالم ینه الشرع (کیونکہ ملک تو مطلق تصرف کے لئے ہوتا ہے جب تک شرع منع نہ کرے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) معمولی خرچ جو حسب عادت تجار مال پر ڈالا جاتا ہے اس کے ڈالے جانے میں تو شبہ نہیں رہا کچھ نقصان اس میں اگر عام عادت تجار مال پر ڈالنے کی ہے ڈالیں گے ورنہ نہیں، درمختار میں ہے:

کل مایزید فی المبیع او فی قیمته یضم، درر، واعتمد العینی وغیرہ عادۃ التجار بالضم ولایضم مایؤخذ فی الطریق من الظلم الا اذا جرت العادۃ بضمه ھذا ھوا الاصل کما علمت فلیکن المعمول علیه کما یفیدہ کلام الکمال [1] اھ(ملتقطا)، واللہ تعالٰی اعلم۔	جو چیز مبیع میں یا اس کی قیمت میں زیادہ ہو وہ ملائی جائے گی، درر، اور عینی وغیرہ نے تاجروں کے ملانے کی عادت پر اعتماد کیا ہے، اور نہیں ملایا جائے گا اس کو جو راستے میں ظلم سے لیا جاتا ہے مگر اس وقت ملایا جائے گا جب رواجب میں اس کے ملانے کی عادت ہو یہی اصل ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے لہٰذا اسی پر اعتماد ہونا چاہئے جیسا کہ کمال کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے اھ (ملتقطا) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۶: از لاہور مسجد سادھواں مرسلہ پیرجی عبدالغفار صاحب زید لطفہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو دو حقیقی اب وام بھائی ہیں، والدین کی حیات میں زید جو عمر میں بڑا ہے عمرو سے نسبتہً کم آمدنی رکھتا ہے اور عمرو زید سے کثیر الاولاد ہے، لیکن دونوں بھائی جو کچھ کماتے ہیں والدین کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور والدین اپنے اختیار سے جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، زید وعمرو کے کل اخراجات کے ان کے والدین ہی کفیل ہیں اور زید وعمرو کے اہل وعیال کا خرچ سب ان کے ماں باپ اٹھاتے ہیں، اور بچوں کو جو کچھ وہ خرچ کے واسطے دیتے ہیں تو بالسویہ دیتے ہیں یعنی اگر ایک بچے کو پانچ روپے دیں تو سب بچوں کو پانچ ہی پانچ دیتے ہیں، اور جو کوئی جائداد خرید کی جاتی ہے تو وہ بھی والدین کے اختیار سے، وہ جس کا نام چاہیں درج کرادیں، علاوہ ازیں زید نے بوجہ اپنی ضعیفی اور دوراندیشی کے والدین سے روپیہ لے کر ایک جائداد خرید کی اور

[1] درمختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵

اپنے چھوٹے بھائی عمرو کے نام درج رجسٹر کرادی لیکن عمرو نے دوسرے وقت والدین سے روپیہ لے کر اور جائداد خرید کی، اس کی رجسٹری اپنے اور زید کے نام کرادی اور ان سب جائدادوں کی جو آمدنی ہوئی وہ بھی والدین کے قبض وتصرف میں آتی رہی، خلاصہ کلام یہ ہے کہ دونوں بھائیوں کی تمام وکمال آمدنی والدین کے قبض وتصرف میں رہی اور اس آمدنی سے جو کچھ جائداد خرید کی گئی بعض کی رجسٹری والدین کے نام ہے اور بعض کی زید وعمرو کے نام ہے اور بعض کی صرف عمرو کے نام ہے اور جملہ آمدنی نقد ہر دو کی اور جملہ آمدنی جائداد خرید کہ وہ والدین کے ہاتھ میں رہی، بعد انتقال پدر مرحوم کے چھ سال اور بعد وفات مادر مشفقہ کے دو سال تک دونوں بھائی باتفاق حسب دستور زمانہ والدین خرچ کرتے رہے، اب بوجہ پیش آنے بعض امور نفسانی کے دونوں بھائی انقسام جائداد ومنقولہ وغیرہ منقولہ کا چاہتے ہیں اور سوائے ان دو بھائیوں کے اور کوئی وارث اور متخاصم نہیں ہے ان کا آپس میں ازروئے شرع شریف کیا حصہ ہوگا اور کے حصص پر کل جائداد کی تقسیم ہوگی؟ **بینوا بالکتاب و توجروا من ملك الوھاب** (کتاب اللہ سے بیان فرمائیں اور اللہ تعالٰی بہت زیادہ عطا کرنے والے بادشاہ سے اجر پائیں۔ت)

الجواب:

یہ مسئلہ بہت طویل الاذیاں کثیر الاشکال معرض الاشکال ہے ہم بتوفیقہ تعالٰی اسے ایسے طور پر بیان کریں کہ تمام اشکال کا جامع او رہر اشکال کا رافع ہو وباللہ التوفیق اس کے لئے دو بیان لکھیں:

بیان اول: اس کی تحقیق کہ جو جائدادیں زید یا عمرو یا ان کے والدین نے خریدیں اور ان کے نام ہوئیں ان میں کون سی بیع شرعا کس کے لئے واقع ہوئی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) خریداری تین طرح ہوتی ہے:

اول: بائع وطالب شرا میں زبانی گفتگو صرف فیصلہ قیمت وتصفیہ ودیگر زوائد کی ہو کر بیعنامہ لکھا جاتا ہے اس سے پہلے ایجاب وقبول اشتریت فروختم خریدم یعنی بر کہے میں نے بیچی وہ کہے میں نے خریدی اصلا درمیان میں نہیں آتا بہت ہوتا ہے تو یہ کہ کتنے کو دوگے اس نے کہا اتنے کو یا اس نے کہا یہ چیزیں تمھارے یہاں بکاؤ ہے کہا ہے، کہا کیا قیمت ہے، کہا یہ، یا میں فلاں چیز مول لینا چاہتا ہوں، کہا بہتر، کہا یہ دوں گا، کہا اچھا تو کاغذ کردو، یا اس نے کہا یہ چیز بکتی ہے تمھیں خریدنا ہو تو خریدلو، کہا لیتا ہوں، کہا تو اتنا دینا ہوگا، کہا دوں گا بیعنامہ لکھ دو، یہ الفاظ اور ان کے امثال ایجاب وقبول نہیں یا قرارداد ہو کر بیعنامہ دے دیا جاتا ہے وہ بھی ایجاب وقبول نہیں بلکہ اس اقرار کی توثیق کی شرا سے باز نہ رہے ورنہ جاہل اسے ضبط کرلیتے ہیں اور یہ حرام ہے حدیث میں اس سے نہی فرمائی۔

مالك واحمد وابوداؤد وابن ماجة عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما نهی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن بیع العُربان [1]۔	امام مالک، احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الایجاب والقبول عبارة عن كل لفظین ینبئان عن معنی التملك والتملیك ماضیین اوحالین اواحدهما ماض والاخر حال [2]۔	ایجاب وقبول ایسے دو لفظوں کا نام ہے جو تملک وتملیک کے معنی کی خبر دیتے ہیں چاہے دونوں ماضی ہوں یا دونوں حال ہوں یا ایک ماضی اور ایک حال ہو۔ (ت)

فتاوٰی امام بزازی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

قال لقصاب كم من هذا اللحم بدرهم فقال منوین قال زن فاعطی درهما فاخذه فهو بیع جائز ولا یعید الوزن وان وزنه فوجده انقص رجع بقدره من الدرهم لامن اللحم لان الانعقاد بقدر المبیع المعطی [3] اهفلم یجعل قوله كم بدرهم قال منوین قال زن بیعابل التعاطی	کسی نے قصاب کو کہا کہ یہ گوشت ایک درہم کا کتنا ہے، اس نے کہا دوسیر، اس شخص نے کہا تول دے، پھر ایک درہم قصاب کو دیا اور اس سے گوشت لے لیا تو یہ بیع جائز ہے دوبارہ وزن کرنا ضروری نہیں اور اگر وزن کرنے پر گوشت کو دوسیر سے کم پایا تو کمی کے برابر درہم میں سے واپس لے سکتا ہے گوشت میں سے نہیں لے سکتا کیونکہ بیع کا انعقاد اسی قدر پر ہوا جتنا اس نے دیا اھ، تو مشتری کے قول کہ ایک درہم کا کتنا

[1] سنن ابوداؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۸۔۱۳۹، سنن ابن ماجه ابواب التجارات باب بیع العربان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۵۹، مسند احمد بن حنبل از مسند عبدالله ابن عمرو رضی الله عنهما دارالفکر بیروت ۲/ ۱۸۳

[2] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۔۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰

ولذا لم یکن له ان یطلب مانقص من الحم۔وفی الهندیة عن التتارخانیة عن الیتیمة عن الحسن بن علی انه سئل عن رجل ساوم وکیل البائع السلعة باثنین وعشرین دینارا وابی الوکیل الابخمسة و عشرین فقال المشتری اترک لی هذه الثلثة الدنانیر ورضی بذٰلک من غیر ان یوجد منه قول وهناک شهود علی انه رضی فطابت نفسه بذٰلک هل یکون ذٰلک بیعا فقال هذا القدر لیس ببیع الا ان یوجد الایجاب والقبول اومایقوم مقامها من الفعل[1] اھ،وفیها عن المحیط عن المجرد عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه اذا قال للحام کیف تبیع اللحم قال کل ثلثة ارطال بدرهم قال قداخذت منک زن الی ثم بداللحام ان لایزن فله ذٰلک وان وزن فقبل قبض المشتری

گوشت ہے جواب میں قصاب کے قول دو سیر اور پھر مشتری کے قول کہ "تول دے" کو بیع نہیں بتایا گیا بلکہ تعاطی کو بیع قرار دیا گیا اسی لئے مشتری کو یہ حق نہیں کہ اتنا گوشت طلب کرے جتنا قصاب نے اسے کم دیا،اور ہندیہ میں بحوالہ تتارخانیہ فتاوٰی یتیمہ سے منقول ہے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے بائع کے وکیل سے کسی مال کا بائیس دینار بھاؤ لگایا وکیل نے کہا میں پچیس دینار سے کم پر نہیں دوں گا، مشتری نے کہا مجھے یہ تین دینار چھوڑ دے اس پر وکیل راضی ہوگیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا اور اس کے رضامند ہونے پر وہاں گواہ موجود تھے تو کیا بیع ہے، تو آپ نے جواب دیا محض اس قدر سے بیع نہیں ہوتی سوائے اس کے وہاں ایجاب وقبول یا اس کے قائم مقام کوئی فعل پایا جائے اھ اور اسی میں بحوالہ محیط مجرد سے منقول ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے قصاب کو کہا گوشت کیسے بیچتے ہو اس نے جواب دیا تین رطل ایک درہم کا، مشتری نے کہا میں نے تجھ سے لیا میرے لئے تول دے، پھر قصاب کی رائے ہوئی کہ وہ نہ تولے تو اس کو یہ حق ہے، اور اگر اس نے تول دیا، تو مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۶

كل لكل واحد منهما الرجوع فان قبضة المشترى اوجعله البائع فى وعاء المشترى بامرة ثم البيع وعليه درهم [1] اهوفيها عن السراجية قال الاخر بكم هذا الوقر من الحطب فقال بكذا فقال سق الحمار فساقه لم يكن بيعا الا اذا سلم الحطب وانتقد الثمن [2] اه **اقول**: وينتنى على اشتراط الاعطاء من الجانبين فى التعاطى والصحيح الاكتفاء لواحد نص عليه محمد كما فى النهر [3]۔	دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کا اختیار ہے اور اگر مشتری نے قبضہ کرلیا یا اس کے کہنے سے بائع نے اس کے برتن میں گوشت رکھ دیا تو بیع تام ہوگئی اور مشتری پر ایک درہم لازم ہوگیا اھ اور اسی میں سراجیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے لکڑی فروش کو کہا لکڑی کا یہ گٹھا کتنے کا ہے، اس نے کہا کہ اتنے کا، پھر مشتری نے کہا اپنا گدھا ہانکو، اس نے ہانک دیا، تو یہ بیع نہیں، مگر اس وقت بیع ہوجائیگی جب لکڑیاں سونپ کر ثمن وصول کرلے اھ، **اقول**: (میں کہتاہوں) یہ بیع تعاطی میں دونوں طرفوں پر قبضہ کرنے کے شرط ہونے پر مبنی ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ فقط ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اس پر امام محمد نے نص فرمائی ہے جیسا کہ نہر میں ہے۔ (ت)

ان صورتوں میں وہ بیعنامہ ہی خود بیع ہوتا ہے اور اس کی تسلیم شراء کہ اسی میں لکھا جاتا ہے میں نے فلاں شے فلاں کے ہاتھ اتنے کو بیچی، اشباہ وہندیہ میں ہے: **الکتاب کالخطاب** [4] (تحریر کلام کی طرح ہے۔ت) تو یہ بیع اسی کے ہاتھ ہوئی جس کا نام بیعنامہ میں ہے مثلاً خالد، پھر اگر اسی نے بیعنامہ لکھوادیا جب توظاہر ہے کہ بیع تام ونافذ ہے اور اگر دوسرے نے گفتگو کرکے اس کا نام لے کر اس کی بے اجازت کے کاغذ کردیا تو یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازت خالد پر موقوف رہا اگرچہ زبانی گفتگوئے خریداری میں نام خالد اصلانہ آیا ہو بلکہ گفتگو کرنے والے مثلاً بکر نے خود اپنا نام ظاہر کیا ہو کہ اپنے لئے خریدنا چاہتاہوں۔

وذٰلك لان ماجرى بينهما من كلام لم يكن عقدا وانما البيع بالكتاب	اور یہ اس لئے ہے کہ جو کلام ان دونوں کے درمیان جاری ہوا وہ عقد نہیں بیع تو تحریر کے ذریعے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۰۔۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۹

وفیہ الاضافۃ الی خالد۔	ہوئی اور اس میں خالد کی طرف اضافت موجود ہے۔(ت)

پس اگر خالد جائز کردے گا شیئ مبیع کا خود مالک ہوگا اور رد کردے گا تو بیع باطل ہوجائے گی بہرحال اس کا مالک نہ ہوگا۔

لان البیع لم یکن منہ ومن کان منہ لم یقبلہ وھذا الحکم مع ظھورہ قد صرح بہ الفتاوٰی الاسعدیۃ و سیأتی عن الخانیۃ۔	کیونکہ بیع اس سے نہیں ہوئی اور جس سے بیع ہوئی اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس حکم کے ظاہر ہونے کے باوجود فتاوٰی اسعدیہ میں اس کی تصریح کی گئی اور عنقریب خانیہ کے حوالے سے آرہا ہے۔(ت)

دوم: قبل تحریر بیعنامہ باہم عاقدین میں ایجاب وقبول واقع (جواب یہاں تک دستیاب ہوا۔ت)

مسئلہ ۴۷: از شہر بریلی محلّہ بازوران ۲صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جو ایک عرصہ سے بحالت پریشانی کرایہ کے مکانات میں رہ کر بسر کرتا رہتا ہے حال میں اس نے ایک اراضی واسطے اپنی سکونت کے خرید کی، بوقت ابتداء تعمیر کام چند صاحبان اہل محلّہ بسبب رنجش وبرائے کسی خاص فساد کے اس شخص پر بہ جبر اس کا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ اس اراضی کی قیمت جس کا کہ وہ لوگ چندہ سے بنام مسجد اہتمام کرنا چاہتے ہیں لے کر بیع کردے پس ایسی صورت میں مالک اراضی اس کی بیع کردینے پر مجبور ہے یا نہیں؟

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہوا کہ مسجد موجود ہے اور اسے بڑھانے کی ضرورت شدیدہ نہیں نہ اسے بڑھانے کے لئے وہ لوگ یہ زمین مانگتے ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسے کرایہ پر چلا کر مسجد میں اس کا کرایہ لگائیں، اگر صورت واقعہ یہ ہے تو مالک اراضی پر ہرگز لازم نہیں کہ اسے بیع کرے اور اسے مجبور کرنا ظلم ہے اور ظلم سے لیں گے تو اس کا کرایہ مسجد میں لگانا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۸: از شہر بازار شہامت گنج مسئولہ نقش علی ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپے دے اور کہا تم مال خرید لاؤ، عمرو نے خرید کر زید کو قبضہ کرادیا، بعد کو مال زید سے عمرو نے کچھ نفع دے کر خرید لیا نقد یا قرض بموجب شریعت کے

یہ حیلہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے نقد ہو خواہ قرض، اور کتنے ہیں نفع پر ہو سب رواہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۹: از کانپور مسٹن روڈ مرسلہ شیخ محمد عمر محمد عتیق صاحبان ۹ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید وبکر کی شرکت میں ایک تجارت تھی بعد شرت روپیہ اور مال تقسیم ہوا، اپنی اپنی ملک پر قابض ہوگئے، پھر بکر نے اپنا مال بیچنا چاہا، زید نے چار یا دس روپے کم پر لینا چاہا اور بوقت خریداری کہہ دیا کہ اگر منظور ہو تو دو ورنہ روپیہ دے کر مال واپس لے لو، بکر نے مال دے دیا روپیہ لے لیا، آیا یہ خریداری زید کو جائز ہے یا نہیں؟ زید کو خطاوار کہنا کیسا ہے؟

الجواب:

یہ خریداری جبکہ برضائے بائع ہو بیشک جائز ہے اگرچہ ہزار روپے کم کو خریدار ہوا سے اس وجہ سے خطاوار کہنے والا خطاوار ہے:

قال اللہ تعالٰی "لَاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1] ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: مگر ہو تجارت تمھاری باہمی رضا مندی سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۵۰: مسئولہ حاجی لعل خاں صاحب یکم صفر ۱۳۳۴ھ

تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ حسینبن بی بی و صبیحن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

سوال سوم، والدہ ماجدہ نے کچھ جائداد خاص اپنی رقم سے خریدی تھی اور کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپیہ سے، یہ دونوں جائداد والد صاحب کی ملک قرار پائیں گی یا کہ دوسری جائداد والدہ صاحبہ کی ملک کہی جائیں گی، اگر دونوں جائداد والد صاحب کی ملک قرار پائیں تو والدہ کے سونے کے کڑے جس کی قیمت مبلغ آٹھ سو روپیہ تھی اور اس سے والد صاحب نے جائداد خرید کی وہ بذمہ والد صاحب دین واجب الادا ہے یا نہیں؟ و نیز والدہ مرحومہ کی سونے کی بالیاں جس کی قیمت سو روپیہ تھی اور فروخت کرکے تجارت میں شامل کردی گئی اس کا عوض والد صاحب کے ذمہ باقی ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب:

مورث نے جو جائداد اپنے روپیہ سے خریدی وہ ظاہر ہے کہ اسی کی ہے اور جو دوسرے کے روپے سے خریدی وہ اگر اپنے لئے خریدی یعنی عقد بیع دوسرے کے نام نہ کرایا تو وہ بھی اسی مشتری کی ہے **لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ**[1] (اس لئے کہ خریداری جب مشتری پر نفاذ کے طور پر پائی جائے تو نافذ ہوجاتی ہے۔ت) پھر اس صورت میں اگر ثابت ہو کہ یہ روپیہ دوسرے نے اسے بطور تملیک دے دیا تھا تو روپیہ کا بھی مطالبہ اس پر نہ تھا ورنہ اگر باجازت تھا قرض تھا، بے اجازت تھا غصب تھا، بہر حال اس پر ضمان لازم ہے، یہ دوسرے کے روپے سے جائداد خریدنے کا حکم تھا، سائل کے لفظ یہ ہیں کہ "کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپے سے" اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ دین مہر ادا کردیا تھا اور بعد قبضہ زوجہ اس سے جائداد خریدی جب تو وہی صورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور اگر دین مہر ادا نہ کیا تھا تو اس کے روپے سے خریدنا یونہی ہوگا کہ وہ کہے کہ تیرا مہر جو کچھ مجھ پر آتا ہے اس کے عوض یہ جائداد خریدتا ہوں، یوں اگر خریدی تو وہ جائداد ملک زوجہ ہوئی، یا یوں ہوگا کہ عورت کہے میرا مہر تجھ پر آتا ہے اس کے عوض مجھے جائداد لے دے، اور اس نے خریدی تو یوں بھی جائداد ملک زوجہ ہوگی اور قبضہ زوجہ پر شرط نہ ہوگا نہ اصل بائع سے عقد بیع میں زوجہ کا نام لینا ضرور ہوگا کہ خرید کر اس کے مہر کا معاوضہ کردینا اس کی طرف سے بنام زوجہ بعوض مہر بیع ہوگی اور بیع میں قبضہ شرط ملک نہیں، یا یوں ہوگا کہ زوجہ نے اس سے کہا میرا مہر جو تم پر آتا ہے اس سے اپنے لئے جائداد خریدلو تو جائداد ملک شوہر ہوگی اور اس پر روپے کا مطالبہ بھی نہ رہا کہ وہ اجازت اقتضاءً **ھبۃ الدین ممن علیہ الدین** (مدیون کو دین کا اقتضاء ہبہ ہے۔ت) تھی اور یہ جائز ہے۔ اور اگر نہ مہر ادا کیا تھا نہ اس قسم کا کوئی تذکرہ مابین زوجین آیا تو اسے دین مہر کے روپے سے خریدنا کیونکر کہا جاسکتا ہے، سونے کے کڑوں سے جائداد خریدنا وہی زر غیر سے شراء ہے جس کا حکم اوپر گزرا اگر عورت کی طرف سے کوئی دلالت تملیک پائی گئی تو اس کا کوئی معاوضہ ذمہ شوہر نہیں ورنہ ہے، یوں ہی بالیاں کہ بیچ کر تجارت میں لگائی گئیں اگر دلالت تملیک پائی گئی شوہر پر عوض نہیں اور اگر تجارت میں شرکت کے لئے عورت نے دیں اور اس نے قبول کیا تو وہ شریک تجارت ہوئی ورنہ ادنٰی متعین ہے یعنی قرض اور عوض لازم، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل دکاندار عموماً ہر چیز کی قیمت بڑھا کر کہتے ہیں اور پھر اس سے کم پر بیچ ڈالتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہر ایک کا چار پیسے کی چیز کا دگنی یا تین گنی

---

[1] الاشباہ النظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۳، ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دونوں باتیں جائز ہیں جبکہ جھوٹ نہ بولے، فریب نہ دے، مثلاً کہا یہ چیز تین یا چار پیسے کی میری خرید ہے، اور خرید پونے چار کو تھی، یا کہا خرچ وغیرہ ملا کر مجھے سوا چار میں پڑی ہے اور پڑی تھی پونے چار کو، یا خریر وغیرہ ٹھیک بتائے مگر مال بدل دیا یہ دھوکا ہے، یہ صورتیں حرام ہیں اور نہ چیزں کے مول لگانے میں کمی بیشی حرج نہیں رکھتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب البیع الفاسد والباطل

(باطل اور فاسد بیع کا بیان)

مسئلہ ۵۲: عــــہ

الجواب:

جائز ہے قال اللہ تعالٰی "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ"[1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال فرمایا۔ت) بیع کا ناجائز و ممنوع ہونا تین صورتوں میں منحصر ہے، باطل وفاسد ومکروہ تحریمی، بحر الرائق میں ہے:

البیع النھی عنہ ثلثۃ باطل وفاسد ومکروہ تحریما[2] الخ. **اقول:** والمراد صورۃ البیع الحاصلۃ	جس بیع سے روکا گیا ہے وہ تین قسم پر ہے باطل، فاسد اور مکروہ تحریمی الخ، **اقول:** (میں کہتاہوں) اس بیع سے مراد بیع کی وہ صورت ہے

عــــہ: اصل میں سوال درج نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] البحر الرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۶۸

من بعت واشتریت اعم من ان تحقق معناہ الشرعی اولا وذٰلك لان الباطل لیس بیعا منھا عنه عندنا لان الباطل لیس بیعا اصلا فکیف یکون بیعا منھا عنه وقد تقرران النھی یقرر المشروعیة و به ذھبوا الی تقسیمھم البیع الی باطل وفاسد وصحیح ان لم یکن تقسیم البیع الصوری ففیه مسامحة ظاہرۃ۔	جو یہ کہنے سے حاصل ہوتی ہے کہ میں نے بیچا اور میں نے خریدا عام ازیں کہ بیع کا شرعی معنی متحقق ہو یا نہ ہو، اور یہ توجیہ اس لئے کی گئی کہ بیع باطل ہمارے نزدیک ممنوع بیع نہیں کیونکہ وہ سرے سے بیع ہی نہیں تو وہ ممنوع بیع کیسے ہو سکتی ہے، اور تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ نہی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے اس لئے فقہاء نے بیع کو باطل، فاسد اور صحیح کی طرف تقسیم کیا اگر اس سے مراد بیع صوری کی تقسیم نہ ہو تو یہ کھلی چشم پوشی ہے (ت)

باطل وہ ہے جس کے نفس عقد یا محل میں خلل ہو خلل عقد، مثل بیع وشراء مجنون کہ اس کا قول شرعا لا قول ہے تو اس کا بعت یا اشتریت نہ ایجاب ہوسکے نہ قبول، اور خلل محل مثل بیع بالمیتہ کہ میتہ مال نہیں، درمختار میں ہے:

کل ما اورث خللا فی رکن البیع فھو مبطل[1]۔	اور جو چیز بیع کے رکن میں خلل پیدا کرے وہ بیع کو باطل کرنے والی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھوالایجاب والقبول بان کان من مجنون اوصبی لایعقل وکان علیه ان یزید اوفی محله اعنی المبیع فان الخلل فیه مبطل بان کان المبیع میتة اودما اوحرا اوخمرا کما فی ط عن البدائع[2] اھ **اقول:** الایجاب حدث لابدل من محل	وہ (رکن) ایجاب وقبول ہے بایں طور کہ مجنون کی طرف سے ہو یا نہ سمجھ بچے کی طرف سے ہو، اور ماتن پر لازم تھا کہ وہ محل یعنی مبیع میں خلل کے ذکر کا اضافہ کرتے کیونکہ مبیع میں خلل بھی مبطل بیع ہے بایں طور کہ مبیع مردار، خون، حر یا شراب ہو جیسا کہ ط میں بحوالہ بدائع ہے الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ ایجاب حدث ہے جس کے وجود کے لئے محل کا

---
[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۰

کالضرب لاوجود لہ بدون مضروب فاذا العدم المحل بتطرق الخلل وجب انعدام الرکنین لانعدام ما یتعلقان بہ الاتری ان من قال بعتك نجوم السماء وامواج الھواء واشعۃ الضیاء وقال الاخر اشتریت لم یفھم ھذا ایجاب ولا قبولا فی الشرع فکذا قول القائل بعتك ھذا لحراواشتریت بھذ الدم اذا لا فاصل بعد انعدام المالیۃ والحاصل ان خلل المحل یوجب خلل الرکن فکان فیہ معنی من ذکرہ نعم لو ذکر لکان اظھر واوضح۔	موجود ہونا ضروری ہے جیسا کہ ضرب کا وجود مضروب کے بغیر نہیں ہوسکتا، چنانچہ جب خلل کے پائے جانے کی وجہ سے محل معدوم ہونا واجب ہے بسبب ان کے متعلق کے معدوم ہونے کے، کیا نہیں دیکھتا ہے تو کہ جس شخص نے کہا میں نے تجھ پر آسمان کے ستارے، ہوا کی موجیں اور روشنی کی شعاعیں فروخت کیں، دوسرے نے کہا میں نے خریدیں، تو اس کی شرعا ایجاب وقبول نہیں سمجھا گیا اور یونہی ہے کسی کا یہ کہنا کہ میں نے تجھ پر یہ آزاد شخص فروخت کیا اور دوسرے کا کہنا کہ میں نے اس کو خون کے بدلے میں خریدا کیونکہ مالیت کے منعدم ہونے اور محل کے منعدم ہونے میں کوئی فرق نہیں، خلاصہ یہ کہ محل کا خلل لازم کرتا ہے رکن خلل کو۔ تو گویا خلل رکن کے ذکر میں معنی کے اعتبار سے خلل مبیع بھی مذکور ہوا، ہاں اگر ماتن علیہ الرحمۃ اس کا ذکر کردیتے تو زیادہ ظاہر اور زیادہ واضح ہوجاتا (ت)

اور فاسد وہ جس کی اصل حقیقت خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی ان متعلقات میں خلل ہو جو قوام عقد میں داخل نہیں مثلا شروط فاسدہ اگر رکن ومحل سالم از خلل ہوں تو بیع شرعی قطعاً متحقق، پھر اگر وصف میں خلل ہے مثلا بیع مقدور التسلیم نہیں یا مجہول ہے یا کوئی شرط فاسد مفہوم، اصل یہ کہ بیع شرعی میں مبادلہ مال بمال کا نام ہے ایجاب وقبول اس کے رکن اور مال متقوم محل اور اجل وقدرت تسلیم وشرط وغیرہا اوصاف اور انتقال ملک حکم واثر ہے اپنے وجود شرعی میں صرف رکن ومحل کا محتاج ہے کہ بے ان کے اس کے (تحقق کی کوئی ضرورت نہیں) جو خلل کہ ان میں ہوگا مبطل بیع قرار پائے گا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ عندالشرع راسا بیع ہی نہیں خلل رکن مثل بیع عـــہ

عـــہ: یہاں تک جواب دستیاب ہوا۔

مسئلہ ۵۳: از تعلقہ پٹن ضلع اورنگ آباد علاقہ حیدر آباد دکن کچہری منصفی مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرکاری کاغذ ممہور ہوتے ہیں مہر میں اس کی قیمت بھی لکھی ہوتی ہے اور یہاں سرکاری قاعدہ یہ ہے کہ دعوی جب تک اسی کاغذ پر نہ لکھا جائے ہر گز مسموع نہیں ہوتا، اور بعد مسموع ہونے یہ ضرور نہیں کہ فیصلہ مدعی کے حسب دلخواہ ہو اس کاغذ میں سرکار کی منفعت ہے آٹھ روپے کا دعوی ہو تو (۸/) کا کاغذ ممہور لیا جاتا ہے (عہ) تک (عص۔للعہ) تک (عہ۔للعہ) تک (للعہ ماصہ) تک (مئۃ ِ)، وعلی ہذا القیاس او راس ممہور کے فروخت کرنے کے واسطے سرکار کی جانب سے جو شخص معین ہوتا ہے وہی فروخت کر سکتا ہے غیر کی مجال نہیں اور اس کے بائع کو ہر سو روپے میں پانچ روپیہ نفع ملتا ہے اس کاغذ ممہور کی بیع اور تجارت کا طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نسأل الله هداية الحق والصواب اللهم اغفر (ہم اللہ تعالٰی سے حق اور درستگی کی ہدایت مانگتے ہیں اے اللہ! مغفرت فرما۔ت) یہ تجارت اکثر صورتوں میں خالی از خباثت نہیں، اللہ عزوجل نے جواز تجارت کے لئے تراضی باہمی شرط فرمائی

قال تعالٰی عز من قائل "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طور پر مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمھارے آپس کی رضامندی سے۔

حدیث میں جناب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل مال امریئ مسلم الابطیب نفسه[2]۔ رواه الدارقطنی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کے جی کی خوشی سے، (اسے دارقطنی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل لمسلم ان یأخذ عصا اخیه	مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۹۱ نشر السنہ ملتان ۳/ ۲۶

بغیر طیب نفس منه قال ذٰلك لشدة ماحرم الله من مال المسلم علی المسلم [1]۔رواہ ابن حبان فی صحیحه عن ابی حمید الساعدی رضی الله تعالٰی عنه۔	چھڑی بے اس کی مرضی کے لے اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالٰی نے مسلمان کامال مسلمان پر سخت حرام کیا ہے(اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوحمید ساعدی سے رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ظاہر ہے کہ آدمی نالش اپنے استخراج کے لئے کرتا ہے جبکہ خود اس کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا اور کوئی شخص اپنے دل کی خوشی سے نہ چاہے گا کہ میرا حق جو غیر کے پاس ہے بے صرف کے میسر نہ ہو بلکہ جب اسے اپنا حق جانے گا قطعاً مفت ہی ہاتھ آنا چاہے گا، ہاں اگر دیکھے گا کہ یوں نہیں مل سکتا ناچار بحکم من ابتلی بلیتین اختار اھونھما [2] (جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ ان میں سے ہر کمتر کو اختیار کرے۔ت) صرف وخرچ گوارا کرلے گا کہ سارا دھن جاتا دیکھے تو آدھا دیجئے بانٹ، یہ معنی اگرچہ منافی اختیار نہیں کہ کسی نے اس پر اپنا حق لینے کا جبر نہ کیا تھا اسے اختیار تھا کہ بالکل خاموش رہتا تو یہ صرف نہ پڑتا مگر مفسد رضا بیشک ہے اگر بے اس کے وصول ممکن جانتا ہر گز خرچ اختیار نہ کرتا مثلاً عمرو نے زید کا سو روپے کامال دبالیا اور کہتا ہے دس روپے دے تو واپس کروں، زید اس کی زبردستی اور اپنا عجز جان کر دس دے آیا اور مال چھڑالیا یہ روپے اگرچہ فی الواقع زید نے باختیار خود دیے مگر عمرو کے لئے حلال نہ ہوجائیں گے کہ ہر گز برضائے خود نہ دئے، اختیار ورضا میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اور عقود بیع وشراء وہبہ وامثالہا صرف بے اختیاری ہی سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ عدم رضا بھی ان کے فساد کو بس ہے۔

کما مر فی قوله تعالٰی "عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ ۟" [3] وفی الحدیث الابطیب نفسه [4]۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں گزرا کہ کسی کامال مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے سودا ہو، اور حدیث میں گزرا کہ کسی مومن کی دلی خوشی کے بغیر اس کامال لینا حلال نہیں۔(ت)

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول بیان احکام من ابتلی ببلیتین ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۳

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[4] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۷

ردالمحتار میں ہے:

نفی الرضٰی اعم من افساد الاختیار و الرضی بازاء الکراھۃ والاختیار بازاء الجبر ففی الاکراہ بحبس اوضرب لاشك فی وجوب الکراھۃ وعدم الرضی وان تحقق الاختیار الصحیح اذفسادہ انما ھو بالتخریف باتلاف النفس او العضو [1]۔	رضاء کی نفی فساد اختیار سے عام ہے اور رضا کراہت کے مقابلے میں جبکہ اختیار جبر کے مقابلے میں آتا ہے، چنانچہ قید اور مار کے ذریعے اکراہ کی صورت میں کراہت وعدم رضا کے پائے جانے میں کوئی شک نہیں اگرچہ اختیار صحیح متحقق ہے کیونکہ فساد اختیار جان سے مار دینے یا عضو کے ضائع کردینے کی دھمکی دے حاصل ہوتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

الاکراہ الملجی وغیر الملجی یعدمان الرضاء والرضاء شرط لصحۃ ھذہ العقود وکذا لصحۃ الاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ والامضاء [2]۔	اکراہ ملجی وغیر ملجی یعنی اکراہ تام وناقص رضا کو ختم کردیتے ہیں حالانکہ ان عقود کی صحت کے لئے رضا شرط ہے اور اسی طرح صحت اقرار کے لئے بھی رضا شرط ہے، اسی لئے اس کو فسخ کرنے اور جاری رکھنے کا حق حاصل ہوا ہے۔(ت)

بعینہٖ یہی حال خریداری کاغذ مذکور کا ہے کوئی شخص بلاوجہ اپنا ایک پیسہ ضائع جانا گوارا نہیں کرتا مال کا سولھواں حصہ تو بہت ہوتا ہے مگر جب رئیس کا حکم ہے کہ بے اس کے کوئی نالش نہ سنی جائے تو آدمی یا تو اپنے حقوق واملاک سے یکدست ہاتھ دھو بیٹھے یہ ممکن نہیں کہ ظالم ناخداترس جس کے اس عزم پر آگاہ ہوجائیں اس کے تن کے کپڑے تک اتار کر بس نہ کریں کہ آخر یہ بخوف مصرف نالش تو کرے گا ہی نہیں پھر ڈر کا ہے یا، رہی عاقبت، وہ کس نے دیکھی ہے خدا کا سامنا ہوگا ہوگا، آج تو اپنی چلتی گئی نہ کریں، یہ ان کا حال ہے جو خدا کا سامنا ہونے پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے ان کا کیا کہنا، وہ تو پورے بے غم ہے یا بحالت قدرت بطور خود جبرا اپنے حقوق واپس کرلے تو الٹی ان کی طرف سے نالش ہو اور حکم کے نزدیک یہ خود مجرم ٹھہرے معہذا

---

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۰

[2] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۵

جوابدی نہ کرے تو وہی ظلم بے تحاشہ اور کرے تو اب کیا اس قسم کے صرف نہ ہوں گے پھر بھی ہماں آش درکاسہ غرض دنیا میں سب راہیں بند ہیں سوا اس کے کہ ریاست سے مدد لے اور ریاست علانیہ حکم دے چکی کہ ہماری امداد اسی شرط پر موقوف ہے ورنہ زنہار دار القضاء کے دروازے تک بار نہ ہوگا ناچار خریداری کاغذ مذکور گوارا کرے گا مگر یہ گوارش اسی طرح کی ہے کہ دل نہیں چاہتا بس چلے تو حق یہی ہے کہ اپنا حق بے کوڑی خرچ ہاتھ لگے مگر مجبوری کو کیا کیجئے، تو ثابت ہوا کہ یہ خریداری ہر گز بطیّب خاطر نہیں ہوتی اور جو روپیہ اس کے بدلے نذر فروشندگان ہوتا ہے زنہار رضائے قلب سے نہیں دیا جاتا تو بحکم قرآن وحدیث اسے مال حلال وطیب نہیں کہہ سکتے، ہاں اس قدر مسلم کہ بوجہ مرور زمان وعموم ابتلاء بہت لوگوں خصوصاً مقدمہ بازوں پر اس قسم کے مصارف میں آثار کراہت غالباً ظاہر نہیں ہوتے مگر حاشا یہ طیب نفس ورضائے دلی نہیں بلکہ یہ بات وہی ہے کہ عادت ہوگئی اور جب سب ایک حال میں ہیں تو مرگ انبوہ جشنے دارد (اجتماع کی موت میں اپنی موت جشن رکھتی ہے۔ت) آخر اور رقموں میں نہ دیکھئے جن میں اپنے کسی نفع کی توقع نہیں ہوتی اور رؤسا وسلاطین اموال ومزارع پر باندھ دیتے ہیں اول اول چند روز ایک عام واویلا رہتا ہے پھر کچھ نہیں کہ آخر دنیا اول دنیا پھر اظہار کراہت بے معنی جب زیادہ زمانہ گزرا چلئے وہ رفتہ رفتہ ایک امور عادیہ میں داخل ہوگیا مگر دل کی خواہش ہر گز اس کی مساعد نہیں ہوجاتی اس کا سہل سا ایک امتحان یہ ہے کہ مثلاً اسی کاغذ ہی کے نسبت ریاست کا حکم ہوجائے کہ ضروری نہیں سادے پر بھی دعوی سن لیں گے پر دیکھئے کتنے خریدنے جاتے ہیں، حاشا وکلا کوئی پاس بھی نہ پھٹکے گا کہ بلاوجہ اپنا خرچ کسے بھاتا ہے تو قطعاً عدم رضا دائمی ابدی ہے اور یہ شراء بالکل شرائے مکروہ کی حالت میں ہے **وبعد اللتیا واللتی** (اور بحث وتمحیص کے بعد۔ت) عدم رضا وفقدان طیب نفس میں کلام نہیں اور اسی قدر انعدام حلت میں کافی علماء فرماتے ہیں اگر بادشاہ وقت کا بھاؤ کاٹ دے مثلاً لوگ روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں بیچتے ہیں حاکم حکم دے کہ بیس سیر سے کم نہ بیچیں ورنہ سزا پائیں گے اسی صورت میں مشتری کے لئے یہ بھاؤ حلال نہ ہوگا کہ اگرچہ حاکم نے بائع کو بیع پر جبر نہ کیا کہ اصلاً نہ بیچے تو اپنے مال کا مالک ہے مگر یہ حکم تو کردیا ہے کہ بیچے تو اسی بھاؤ بیچے اور اس کی مخالفت میں حاکم کی طرف سے اندیشہ ہے تو اس نرخ پر اس کی رضا متحقق نہ ہوئی، اور مسلمان کا مال بے مرضی لینا حلال نہیں۔ درمختار میں ہے:

اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لایحل	اگر حاکم نرخ مقرر کردے اور بائع کو ضرب حاکم کا ڈر ہے اگر وہ اس نرخ میں کمی کرے تو

للمشتری[1]۔	ایسی صورت میں مشتری کے لئے حلال نہیں۔(ت)

شرح نقایہ میں ہے:

لوسعر فباع للخوف لم یحل للمشتری لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایحل مال امری مسلم الابطیب نفس منه[2]۔	اگر حاکم نے نرخ مقرر کردیا اور بائع اس کے خوف سے فروخت کیا تو مشتری کے لئے حلال نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی مسلمان کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر لینا حلال نہیں۔(ت)

اسی طرح اگرچہ رئیس نے نالش پر مجبور نہ کیا نہ کرے تو اپنے ترک حق کا مختار ہے مگر حکم دیا ہے کہ کرے تو کاغذ ضرور ہی دے اور اسی مقدار کا دے اور اس کی مخالفت میں تلف حق کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے تو اس شراء پر بھی رضا متحقق نہ ہوئی، فرق اس قدر ہے کہ حکم حاکم نہ ہوتا تو گیہوں والا گیہوں خود بھی بیچتا اگرچہ زیادہ کو، اور یہاں حکم نہ ہوتا تو نالش والا یہ کاغذ کوڑی کو بھی نہ پوچھتا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

بالجملہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ جہاں تک نظر کرتا ہے اس تجارت کے مطابق حلال وطیب ہونے کی راہ نہیں پاتا، ہاں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں مشتری بخوشی خود خریدیں مثلاً فروشندہ سے دوسرے نے قدرے نفع دے کر بیچنے کو مول لیا جیسے اونچے بزازوں سے گٹھری والے کپڑا لیتے ہیں یا نالش جس بات پر کرتا ہے وہ ایسی نہ تھی جس سے درگزر کرنی کچھ اس پر شاق ہوتی صرف ایذائے مخالف یا انتقام کے لئے نالش چاہتا ہے یہ بھی صورت حاجت کی نہ ہوئی، یا دائن کو یہ کاغذ درکا تھا مدیوں سے کہا میرے قرض لادے وہ لے آیا یہ خریداری بھی برضائے خود ہوئی کہ اس پر کاغذ دے کر قرض اتارنا لازم تھا، یا اپنے کسی بزرگ کو نالش کی حاجت ہوئی چھوٹے نے خوشنودی کے لئے اپنے پاس سے کاغذ خرید کر لگا یا خواہ کسی عزیز یا دوست یا محتاج کے کام میں صرف کیا کہ یہ سب حالتیں خریدار کی ضرورت کی نہیں ایسی صورت میں بیشک بیع صحیح وجائز اور زرثمن فروشندہ کے لئے حلال وطیب، اور صرف یہ بات کہ دمڑی کا کاغذ سو روپے کو کیونکر

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] جامع الرموز کتاب الکراھیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۲۴

جائے بعد ثبوت تراضی موثر نہیں، ہر شخص اپنے مال کا مختار ہے جتنے کو چاہے بیچے، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں ہے:

لو باع کاغذة بالف یجوز ولایکرہ[1]۔	اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار کے بدلے میں فروخت کیا تو یہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی لہ مسئلہ تجارت نوٹ میں اسے واضح کرچکا وباللہ التوفیق مگر ان صورتوں کا وقوع نادر ہے، انھیں پر قانع ہو کر تجارت نہ چل سکے گی، اور اگر کوئی قناعت کرے اور جب تک ہوسکتا ہے البتہ ایک صورت عدم اکراہ کثیر الوقوع ہے یعنی جھوٹی نالش کے لئے خریدنا کہ یہ لوگ مظلوم نہیں خود ظالم ہیں تو انھیں شراء پر کیا مجبوری ان کے ہاتھ بیچنے میں اگرچہ عدم حلت کی وہ وجہ نہ ہوئی، مگر اور وجوہ معصیت پیدا ہوں گی کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو بائع کو معلوم ہوگا کہ مشتری ظالم ہے اور خاص نالش ناحق کے لئے خریدتا ہے یا بے دلیل وعلم ٹھہرالے گا کہ اس مشتری کا ایسا ارادہ ہے۔ برتقدیر ثانی سوء ظن میں گرفتار ہوا اور بدگمانی حرام قطعی، پھر تراشیدہ خیال معصیت مال کی بناء پر کیونکر مال مسلم کا استحلال کرسکتا ہے۔ برتقدیر اول جبکہ یہ جانتا تھا کہ وہ نالش دروغ کے لئے کاغذ لیتا ہے تو اس سے اس کے ہاتھ بیچنا معصیت پر اعانت کرنا ہوا جس طرح اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار اور معصیت پر اعانت خود ممنوع ومعصیت،

قال عزوجل "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [2]۔ واللہ الهادی هذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ اور حد سے بڑھنے پر۔ اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا ہے یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۵۴: از کلکتہ فوجداری بالاخانہ نمبر ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں مصنوعی یعنی میل کا گھی بکتا ہے باوجود علم

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

ایسا گھی تجارت کے لئے خرید کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ مصنوعی جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے کہ ہر شخص اس کے جعل ہونے پر مطلع ہے اور باوجود اطلاع خریدتا ہے تو بشرطیکہ خریدار اسی بلد کا ہو، نہ غریب الوطن تازہ وارد ناواقف اور گھی میں اس قدر میل سے جتنا وہاں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے اپنی طرف سے اور زائد نہ کیا جائے نہ کسی طرح اس کا جعلی ہونا چھپایا جائے، خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور فریب ومغالطہ راہ نہ پائے تو اس کی تجارت جائز ہے، اخر گھی بیچنا بھی جائز اور جو چیز اس میں ملائی گئی اس کا بیچنا بھی، اور عدم جواز صرف بوجہ غش وفریب تھا، جب حال ظاہر ہے غش نہ ہوا، اور جواز رہا جیسے بازاری دودھ کہ سب جانتے ہیں کہ اس میں پانی ہے اور باوصف علم خریدتے یہ اس صورت میں ہے جبکہ بائع وقت بیع اصلی حالت خریدار پر ظاہر نہ کردے، اور اگر خود بتادے تو ظاہر الروایت ومذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مطلقًا جائز ہے خواہ کتنا ہی میل ہو اگرچہ خریدار غریب الوطن ہو کہ بعد بیان فریب نہ رہا، درمختار میں ہے:

لاباس ببیع المغشوش اذا بین غشه اوکان ظاهرا یری وکذاقال ابوحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه فی حنطة خلط فیها الشعیر والشعیریری لاباس ببیعه و ان طحنه لایبیع وقال الثانی فی رجل معه فضة نحاس لایبیعها حتی یبین [1]۔	ملاوٹ والی چیز کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب اس کی ملاوٹ کو بیان کردے یا ملاوٹ ایسی ظاہر ہو کہ دکھائی دیتی ہو اور یونہی فرمایا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایسی گندم کے بارے میں جس میں جو ملے ہوئے ہوں اس طور پر کہ جو نظر آتے ہوں تو ایسی گندم کی بیع کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس مخلوط گندم کو پیس لیا تو مت بیچئے، اور امام ابویوسف نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کے پاس تانبا ملی چاندی ہے کہ وہ اسے بتائے بغیر نہ بیچے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قول وان طحنه لایبیع ای	ماتن کا یہ فرمانا کہ جب اس نے مخلوط گندم کو پیش لیا

[1] درمختار باب المتفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۲

الاان یبین لانہ لایری [1]۔	تومت بیچے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیان کئے بغیر نہ بیچے کیونکہ اب اس میں ملاوٹ دکھائی نہیں دیتی۔(ت)

بالجملہ: مدار کا ظہور امر پر ہے خواہ خود ظاہر ہو جیسے گیہوں میں جو چنوں میں کسایا بجہت عرف واشتہار مشتری پر واضح ہو جیسے دودھ کا معمولی پانی خواہ یہ خود حالت واقعی تمام وکمال بیان کرے، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۵۵: ۸ شوال ۱۳۰۸ھ از لکھن

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جو زمانہ دراز سے بعارضہ آتشک سخت علیل ہے اپنی زمینداری غیر منقسمہ کو صرف حق تلفی زوجہ منکوحہ ذی مہر اور ورثاء ذوی الفروض مثل دختر اپنی کے بدست اپنے لڑکے نابالغ کے کہ جو عورت بازاری غیر نکاحی کے بطن سے ہے بیع شرعی کرکے زرثمن اس کا ہبہ کردینا (بایں عبارت کہ بعد ایجاب وقبول زرثمن حقیت مبیعہ کا بحق مشتری ہبہ کردیا) ظاہر کرتا ہے تو درحالیکہ مشتری نابالغ ہے توہبہ کردینا زرثمن کا بحق مشتری عندالشرع قابل تقسیم ہے یا نہیں اور یہ بیع شرعا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع شرعا محض باطل وناجائز ہے، وہ لڑکا جبکہ زنا سے ہے تو شرعا نہ وہ زید کا بیٹا نہ زید اس کا باپ،

قال رسول اللہ تعالٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاہر الحجر [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اولاد خاوند کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔(ت)

تو زید اس پر اصلا ولایت مالیہ نہیں رکھتا بلکہ محض اجنبی ہے ولایت مالیہ تو باپ دادا اور قاضی شرع اور ان کے اوصیاء کے سوا ماں بھائی چچا کو بھی نہیں ہوتی نہ کہ ایسا شخص جس سے کچھ علاقہ نہ ل، تنویر الابصار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم القاضی او	نابالغ کا ولی اس کا باپ ہے پھر باپ کا وصی پھر اس کا دادا، پھر دادا کا وصی پھر قاضی یا

[1] ردالمحتار باب المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۱

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب تفسیر المشبہات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۶

وصیہ دون الام او وصیھا [1] (ملتقطا)	اس کا وصی، نہ کہ ماں یا اس کا وصی (ملتقطا) (ت)

اولا: زید کو اس نابالغ کے لئے جائداد اور اپنے نفس سے خواہ کسی غیر سے اپنے روپے خواہ نابالغ کے روپیہ سے کسی طرح خریدنے کا اصلا اختیار نہ تھا کہ یہ اختیار ولی مال کے سوا کسی کو نہیں۔ درمختار میں ہے:

ام و اخ لایملکان بیع العقار مطلقًا و لاشراء غیر طعام و کسوۃ [2]۔	نابالغ کی ماں اور اس کا بھائی نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو کسی طرح فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی انھیں طعام ولباس کے سوا کچھ خریدنے کا اختیار ہے۔ (ت)

ثانیا: وہ اس خریداری میں فضولی ہے لعدم ولایۃ ولا وصایۃ (ولایت اور وصی نہ ہونے کی بناء پر۔ ت) اور وہ اس بیع میں طرفین ایجاب وقبول دونوں کا خود ہی متولی ہوا ایسی صورت میں جب یہ شخص کسی طرف سے فضولی ہو عقد باطل محض ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

لایتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح وبیع وغیرہما بل یبطل الایجاب ولاتلحقہ الاجازۃ اتفاقا [3]۔	ایجاب مجلس سے غائب شخص کے قبول پر موقوف نہیں ہوتا تمام عقود میں جیسے نکاح اور بیع وغیرہ بلکہ وہ ایجاب باطل ہوجاتا ہے اور بالاتفاق اس کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فاذا اوجب الحاضر وھو فضولی من جانب اومن الجانبین لایتوقف علی قبول الغائب بل یبطل وان قبل العاقد الحاضر بان یتکلم بکلامین کما یأتی [4]۔	جب حاضر ایجاب کیا اور آنحالیکہ وہ فضولی ہے ایک طرف سے یا دونوں طرفوں سے تو وہ ایجاب، غائب کے قبول پر موقوف نہیں رہے گا بلکہ باطل ہوجائے گا اگرچہ عاقد حاضر نے قبول کیا ہو بایں طور کہ دونوں کلاموں (ایجاب وقبول) سے تکلم کیا ہو جیسا کہ آرہا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۳

[3] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۶

[4] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۶

پس یہ بیع محض باطل وبے اثر ہے اور جائداد بدستور ملک زید پر باقی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶: ۱۵رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک درخت عمرو سے اس شرط پر خریدا کہ اس کا کٹوادینا عمرو کے ذمہ ہے اب عمرو اس کے کٹوانے میں حجت کرتا ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

درخت کاٹنے کے لئے بیچا جائے اس کا کاٹنا شرعاً مشتری کے ذمہ ہے **کما اوضحناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا** (جیسا کہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم اپنے فتاوٰی میں اسے واضح کرچکے ہیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البحر من الظھیریۃ اشتری شجرۃ للقلع یؤمر بقلعھا الخ[1]۔	بحر میں ظہیریہ کے حوالے سے ہے کہ کسی شخص نے اکھاڑنے کے لئے درخت خریدا تو خریدار کو اسے اکھاڑنے کا حکم دیا جائے گا الخ (ت)

یہاں کہ برخلاف حکم شرع اس کے کٹوانے کی شرط ذمہ بائع لگائی گئی بیع فاسد ہوئی، درمختار وردالمحتار میں ہے:

یقطعھا المشتری فی الحال (ای اذا طلب البائع تفریغ ملکہ) وان شرط ترکھا فسد البیع کشرط القطع علی البائع حاوی (وعلل فی البحر الفساد بانہ شرط لا یقتضیہ العقد وھو شغل ملك الغیر[2] اھ ملتقطا۔	مشتری اس درخت کو فی الحال کاٹے یعنی جب بائع اپنی ملکیت کی فراغت کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو زمین میں چھوڑے رکھنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگئی جیسا کہ کاٹنے کی ذمہ داری بائع پر عائد کرنے کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، حاوی بحر۔ میں فساد کی علت یوں بیان فرمائی کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا تقاضا عقد نہیں کرتا اور وہ شرط ملک غیر کو مشغول رکھنے کی ہے اھ ملتقطا (ت)

پس بائع ومشتری دونوں گنہگار ہوئے اور دونوں پر بحکم شرع واجب ہے کہ اپنے اس بیع

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹، درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً الخ مجتبائی دہلی ۲/ ۹

کو فسخ کریں ان میں جو کوئی نہ مانے دوسرا بے اس کی رضامندی کے کہہ دے میں نے اس بیع کو فسخ کو فسخ فوراً فسخ ہو جائے گی اور اگر دونوں فسخ کرنا چاہیں اور حاکم شرع کو خبر ہو تو وہ جبراً فسخ کردے کہ گناہ کا زائل کرنا فرض ہے، درمختار میں ہے:

یجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض او بعده ما دام المبیع بحاله اعداما للفساد لانه معصیة فیجب رفعها بحر ولذالایشترط فیه قضاء قاضی واذا اصر علی امساکه وعلم به القاضی فله فسخه جبرا علیهما حقاللشرع بزازیه[1]۔	بیع فاسد کو بائع ومشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے چاہے مبیع پر قبضہ سے پہلے ہو یا بعد، جب تک مبیع اپنے حال پر قائم ہے اور یہ فسخ فساد کو ختم کرنے کے لئے ہے کیونکہ یہ معصیت ہے۔ لہٰذا اس کا رفع واجب ہے، بحر، یہی وجہ ہے کہ اس میں قضاء قاضی کی شرط بھی نہیں اور اگر وہ اس بیع فاسد کے برقرار رکھنے پر اصرار کریں اور قاضی کو خبر ہو جائے تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں یعنی بائع ومشتری پر جبر کرکے فسخ کراسکتا ہے۔ بزازیہ اھ تلخیص (ت)

پھر جب اس بیع کو فسخ کرلیں اور باہم رضامندی ہو تو نئے سرے سے پھر بیع صحیح بغیر اس شرط مفسد کے کرسکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: ۴ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیشی قاروری فی سیکڑہ دس آنے کے حساب سے خرید کر بمنافع فی صدی دو آنہ سیکڑہ کے عمرو سے تعدادی آٹھ سو قاروری کے مبلغ چھ روپے وصول پاکر قاروریان واسطے دینے عمرو کے اپنی دکان پر لاکر رکھیں اور عمرو سے کہا کہ آپ شیشیاں اپنی لے جائے، عمرو نے جواب دیا کہ مجھ کو اس وقت فرصت نہیں ہے پیلی بھیت سے واپس آکر لوں گا، جب عمرو پیلی بھیت سے واپس آیا اس وقت قاروریاں شمار کی گئیں تو منجملہ آٹھ سو قاروری کے سو قاروری بوجہ نازکی کے ٹوٹی نکلیں تو اب اس سو قاروری شکستہ کی قیمت ۱۲ از زید کے ذمہ ہونا چاہئے یا عمرو کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ اس وقت بیع نہ ہوئی تھی بلکہ عمرو نے اس سے شیشیاں مانگیں اس کے پاس

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

نہ تھیں اس نے خرید کر دینا کہا اور قیمت فیصل کرلی کہ جس بھاؤ کو خریدوں گا فی صدی دو آنے کے نفع پر تجھے دوں گا۔ عمرو نے اسے پیشگی روپے دے دئے یہ صورت بیع کی نہ ہوئی صرف ایک وعدہ قرار داد ہوا اور اگر ایجاب وقبول ہو بھی جاتا تاہم باطل تھی کہ شیشیاں زید کے پاس نہ تھیں اور جو چیز ہنوز اپنی ملک ہی میں نہیں بیع سلم کے سوا اس کا بیچنا باطل ہے۔

فی الدرالمختار من البیع الباطل وبیع مالیس فی مبلکه لبطلان بیع المعدوم وماله خطرالعدم لا بطریق السلم لانه علیه الصلٰوۃ والسلام نهی عن بیع مالیس عندالانسان ورخص فی السلم [1] اھ قال فی ردالمحتار المراد بیع ماسیبلکه قبل مبلکه له [2]۔	درمختار میں ہے کہ بیع باطل کے قبیلہ سے ہے اس چیز کی بیع جا بائع کی ملک میں نہ ہو کیونکہ معدوم چیز اور وہ چیز جس کے عدم کا خطرہ ہو اس کی بیع باطل ہے مگر بطور سلم ان کی بیع باطل نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع سلم میں رخصت دی الخ ردالمحتار میں فرمایا کہ اس سے مراد اس چیز کی بیع ہے جو عنقریب اس کی ملک میں آئے گی اس کی ملک میں ہونے سے قبل۔ (ت) پس شیشیاں کہ زید نے خریدیں زید ہی کی ملک تھیں جتنی ٹوٹیں اس کی عمرو سے کچھ علاقہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۸: ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پھول پر انبہ خریدے اور کل روپیہ دینے کا فرداپر وعدہ کیا مگر کل کی قیمت وعدہ پر ادا نہ کی، وعدہ کو فسخ کیا، بیع جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پھل کا پھول پر بیچنا ہی سرے سے حرام وناجائز ہے وہ بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوئی بائع ومشتری دونوں پر اس سے دست کشی وتوبہ لازم ہے:

فی الدرالمختار باع ثمرۃ قبل الظهور لایصح	درمختار میں ہے کہ کسی نے پھل کو نمودار ہونے سے

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۰۵

اتفاقا[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	پہلے بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۹: مسئولہ محمد علی بخش ۹ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

جناب عالی! کیا فرماتے ہیں آپ اس مقدمہ میں کہ ایک جائداد بقیمت مبلغ تین ہزار روپیہ کو خرید کرتا ہوں اور یہ شرط ٹھہرتی ہے کہ جب اس کا جی چاہے اسی قیمت کو یا کچھ روپے زیادہ دے کر مجھ سے پھر خرید لیں میں بلاعذر ان کو دے دوں گا، اگر یہ جائز ہو تو حکم فرمائے۔

الجواب:

اندراج شرط مذکور الصدور بیعنامہ میں مفسد بیع ہے کیونکہ جو شروط زائد مفید بائع ہوں یا مشتری باطل کنندہ بیع میں فقط محمد یعقوب علی خاں

الجواب:

بیعنامہ کوئی چیز نہیں وہ گفتگو عقد کی جو زبانی عاقدین میں ہو شرعا اس کا اعتبار ہے اگر اس میں بائع نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے یہ چیزیں تین ہزار روپیہ کو بیچیں اور مشتری نے کہا میں نے قبول کیں، اور عقد ختم کردیا، اور دونوں نے اسے بیع صحیح شرعی لازم سمجھا تو بیع صحیح وجائز ہوگئی، مشتری جائداد اور بائع قیمت کا مالک ہوگیا پھر ختم عقد کے بعد عقد سے علاوہ عـــہ باہم یہ ٹھہرالیا کہ جب تو چاہنا مجھ سے خرید لینا میں تیرے ہاتھ بیچ ڈالوں گا، پھر اگر بیعنامہ میں اس وثوق سے کہ کہیں یہ اپنے وعدہ سے نہ پھر جائے یوں لکھا گیا کہ میں نے فلاں جائداد بکر کے ہاتھ بعوض سوا تین ہزار روپے کے بیع صحیح شرعی کی اور باہم یہ وعدہ قرار داد ہے کہ میں جب چاہوں اس قدر روپے کو یہ جائداد مشتری سے خرید لوں اسے میرے ہاتھ بیع میں عذر نہ ہوگا تو اس لکھے جانے سے بیع میں اصلا حرج نہیں کہ عقد تو وہی تھا جو ان میں باہم زبانی ہوا اس میں اس شرط کا اصلا ذکر نہ تھا بیعنامہ میں ایک ساتھ تحریر ہونا عقد شرعی کو جو صحیح واقع ہوا فاسد نہیں ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۰: از ضلع پربھنی صوبہ اورنگ آباد مرسلہ مولوی سید غلام رسول حسین صاحب وکیل ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مٹی کی بیع وشراء میں کہ جائز ہے یا ناجائز؟

عـــہ: یتعلق بہ مسئلۃ التحاق الشرط بعد العقد بالعقد وفیہا قولان مصححان ۱۲ منہ۔	عقد کے بعد شرط کو عقد کے ساتھ ملحق کرنے کا مسئلہ بھی اس سے متعلق ہے اور اس میں دو مصحح قول ہیں ۱۲ منہ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی ما یدخل فی البیع تبعا الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

درمختار کے بیع فاسد میں تحریر فرماتے ہیں:

بطل بیع مالیس بمال. المال مایمیل الیہ الطبع ویجری فیہ البذل والمنع درر فخرج التراب ونحوہ[1]۔	جو چیز مال نہیں اس کی بیع باطل ہے، اور مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس میں (بطور ہبہ وغیرہ) دینا اور (غیر کو اس میں تصرف سے) منع کرنا جاری ہوتا ہو (درر) چنانچہ مٹی وغیرہ اس تعریف سے خارج ہوگئی۔(ت)

اور بعض مقام میں جیسا کہ مقام پر بھنی میں مٹی کی طرف طبائع مائل ہیں اور اس میں بذل و منع جاری ہے اور بیع وشراء بھی جاری ہے اور یوما فیوما اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی جاتی ہے، اس صورت میں مٹی پر مال کی تعریف صادق آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کی بیع وشراء شرعاً جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مٹی کہ مال وصالح بیع نہیں، وہ تراب قلیل ہے جس میں بذل و منع نہیں جیسے ایک مٹھی خاک، ورنہ تراب کثیر خصوصاً بعد نقل بلاشبہ مال ہے اور عموماً اس کی بیع میں تعامل بلاد، مٹی کی گاٹھیا چھتوں پر ڈالنے یا کہگل کرنے یا استنجوں کے ڈھیلوں کے لئے جگہ بکتی ہے، ردالمحتار میں اسی عبارت درمختار پر لکھا:

قولہ فخرج التراب ای القلیل مادام فی محلہ والا فقد یعرض لہ بالنقل مایصیر بہ مالا معتبرا ومثلہ الماء[2]۔	ماتن کے اس قول کہ "مٹی تعریف مال سے خارج ہوگئی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ مٹی قلیل ہو اور ابھی تک اپنی جگہ پر پڑی ہو ورنہ وہاں سے نقل کرلینے کے بعد وہ مال معتبر بن جاتی ہے۔ اور پانی بھی اسی کی مثل ہے۔(ت)

بلکہ زمین خود مٹی ہے اور اس کی بیع قطعاً جائز، تو مناط وہی تحقق حد مال ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں متصل مسجد مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم تاجر لٹھ نے ایک روز قوم ہنود کے تعلقہ دار کے ساتھ بایں شرائط چوب فروش کی کہ جس نمونہ اور پیمائش کی لکڑی

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۱

بکر کو درکار ہوگی زید چرا کرا اپنے مصارف بار برداری سے بذریعہ ریل یا کشتی کے زید اس مال کو بکر کے مکان پر پہنچادے گا اور بکر نے یہ معاہدہ کیا کہ بعد پہنچ جانے اس مال کے تاریخ پہنچنے سے عرصہ تیس یوم میں قیمت اس لکڑی کی بشرح (۱۰اعہ) زید کو ادا کریں گے اور اگر اس عرصہ میں نہ ادا کریں تو قیمت اس کی تین روپیہ کے نرخ سے دیں گے، چنانچہ زید نے حسب پیمائش فرمائش بکر کی لکڑی تیار کرکے بکر کو اطلاع دی کہ لکڑی تیار ہے حسب معاہدہ سابق مستری بھیجو کہ پاس کرجائے، چنانچہ مستری آیا اور زید کے مکان پر اس لکڑی کو پاس کرکے اپنا نشان اور ٹانچ لگا گیا اور زید نے اس پاس شدہ لکڑی کو اپنے مصارف بار برداری سے بکر کے مکان پر پہنچادیا اور بعد پہنچادینے کے بکر کے ذی اختیار کارکنان کارندگان سے رسید دستخطی حاصل کرلی اس مابین جب تک وصولیابی روپیہ کا زمانہ آئے علاقہ بکر میں انتظاما تبدل و تغیر ہوا اور بجائے کارندگان سابق کے دوسرا کارندہ یوروپین سے قائم ہوا اس سے قیمت کا روپیہ طلب کیا گیا اول تو بوجہ ابتدائے انتظام کے اس نے لیت ولعل کیا پھر عرصہ تین چار مہینے بعد اس لکڑی مستری کی پاس شدہ میں سے بقدر ایک ثلث کے ناقص انتخاب کی اور اب کہ بجائے ۳۰ یوم کے معاہدہ کے عرصہ آٹھ سات ماہ کا منقضی ہوتا ہے ہنوز قیمت چوب کا روپیہ ادا نہیں ہوا اور طلب پر بکر خود اور نیز اس کا کارندہ جدید جواب دیتے ہیں کہ جس قدر لکڑی ہم نے ناقص برآمد کی ہے واپس لے جاؤ اور باقیماندہ عمدہ مال کی قیمت شرح (۱۰اعہ) کی دی جائے گی کیا ایسی صورت میں جائز ہوگا کہ زید بذریعہ نالش محکمہ جات حکام زمانہ کی امداد سے شرائط فی مابین کے پورے اس مال کی قیمت جس کو بکر کا مستری پاس کرکے نشان دے گیا تھا اور زید نے اس کو بکر کے مکان پر پہنچا کر رسید حاصل کی ہے بشرح (ے) روپیہ کے مع خرچ محکمہ کے وصول کرکے یا حسب خواہش بکر کے عمدہ لکڑی کی قیمت بہ نرخ (۱۰اعہ) کے وصول کرکے ناقص منتخب کی ہوئی لکڑی اپنا دوسرا مصارف خرچ کرکے واپس لائے، بیان فرمائیں ثواب پائیں۔ **فقط**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع ہی نہ ہوئی کہ یہ لکڑی وقت بیع معدوم وغیر مملوک بائع تھی اور ایسی چیز کہ بیع بے طریق سلم باطل محض ہے، درمختار میں ہے:

بطل بیع مالیس فی ملکه لبطلان بیع المعدوم و ماله خطر العدم الابطریق السلم	غیر مملوک کی بیع باطل ہے بسبب باطل ہونے اس چیز کی بیع کے جو معدوم ہو یا اس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو مگر بطور سلم اس کی بیع باطل نہیں

لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع مالیس عندالانسان ورخص فی السلم [1]۔	اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہوا اور بیع سلم میں رخصت دی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لم ینعقد بیع المعدوم ومالہ خطر العدم کالحمل واللبن فی الضرع ولابیع مالیس مملوکالہ وان مبلکہ بعدہ الا السلم [2] الخ۔	اس چیز کی بیع منعقد نہیں ہوتی جو معدوم ہو یا اس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو جیسے حمل اور تھنوں کے اندر دودھ، اور نہیں منعقد اس چیز کی بیع جو بائع کی ملک میں نہ ہوا گرچہ بعد میں اس کا مالک بن جائے سوائے بیع سلم کے الخ (ت)

توزید وبکر میں باہم کوئی معاہدہ ہی نہیں جس کی بناء پر ایک دوسرے سے کچھ مطالبہ کرسکے، زید اپنی لکڑی تمام وکمال واپس لے اور اپنے صرف سے جہاں چاہے لے جائے، ہاں اب از سرنو اس مال موجودہ کی بیع برضائے باہمی جس قیمت پر ہو جائے تو وہ جائز ہوگی اور اس کا مطالبہ ہوسکے گا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۲: از شاہجہان پور مرسلہ عنایت حسین خاں محلّہ ہاتھی تھان ۲۷ ربیع الاخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اوپر اس بات کے کہ زید نے پیداوار رس قبل تیار ہونے پیداوار کھیت نیشکر ازروئے تخمینہ واندازہ کے کہ جو بعد چہار ماہ کے اگر اللہ نے چاہا تو پیدا ہوگا اس مال رس کو زید نے بہ نفع مبلغ (مہ بہ ۱۲/) ایک سومن بوزن خام بدست بکر کے اس شرط سے فروخت کیا اور فورا زر قیمت پیشگی بیباک کرلیا شرط باہم یہ قرار پائی کہ اگر تخمینہ مذکورہ سے مال رس کم پیدا ہوگا اس وجہ سے کم دیا جائے گا تو فی من خام آدھ آنہ کے جس کے حساب سے ہے سومن خام پر ہوتے ہیں، بطریق منافع جس کو عوام الناس گٹے کہتے ہیں بوجہ پیشگی لینے روپیہ کے زید کو مع روپیہ باقی ماندہ کے بکر کو دینا ہوں گے لہذا یہ بیع اور کمی منافع دونوں شرعا مذہب حنفیّہ میں جائز ہیں یا کیا درجہ رکھتے ہیں، عنداللہ اجر وثواب ہوگا۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

الجواب:

یہ بیع بھی حرام اور یہ شرط بھی حرام، اور یہ دام جو اس کمی پر لئے جائیں نرے سود ہیں۔

فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع ما لیس عندہ وعن بیع وشرط والربٰو ھو الفضل المستحق بالعقد الخالی عن العوض کما فی الھدایۃ [1] والمسائل واضح، واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع اور شرط سے منع فرمایا اور سود عقد سے ثابت ہونے والی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اور یہ تمام مسائل واضح ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۳: از شہر کہنہ مرسلہ مولوی خدایار خاں صاحب ۱صفر ۱۳۱۹ھ

جناب مولانا معظم مکرم دام سالما، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک مسلمان شخص کے ہاتھ رس بیچا تھا بہ نرخ (صہ مہ /) فیصدی من یہ شرط ٹھہری تھی کہ بعد ختم بیل ڈیڑھ مہینہ کے اندر جو روپیہ باقی نکلے گا دیں گے اگر نہ دیں گے تو اس کا نرخ (معہ سہ /) کا دیں اور خدا یار کے اوپر ہمارا روپیہ باقی نکلے وہ بھی ڈیڑھ مہینہ کے اندر دیں اگر میعاد میں نہ دیں تو (مہ لہ /) کا نرخ لیں، سو روپیہ ہمارا نکلا تیرہ سو اور میعاد گزر گئی، اب نرخ (معہ سہ /) کا لینا سود تو نہیں ہے یا ہے چونکہ میں آپ سے اکثر اپنے معاملات پوچھ لیتا ہوں لہذا اب بھی تصدیعہ دیتا ہوں کہ مجھ کو صبح اس کی اطلاع ہو جائے۔ زیادہ نیاز خاکسار خدایار

تبیتہ اللہ بالتصدیق والاقرار

الجواب:

یہ شرط فاسد اور عقد حرام ہے دو [2] وجہ سے: **اولا:** اس شرط میں احداد العاقدین کی منفعت ہے،

وکل شرط کذا فاسد وکل شرط فاسد فھو یفسد البیع وکل بیع فاسد حرام واجب الفسخ علی کل من العاقدین فان لم یفسخا اثما جمیعا وفسخ القاضی بالجبر۔	ہر وہ شرط جو ایسی ہو فاسد ہے اور جو شرط فاسد ہو وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے اور ہر فاسد بیع حرام ہے جس کا فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے اگر وہ فسخ نہ کریں تو دونوں گنہگار ہوں گے اور قاضی جبرا اس بیع کو فسخ کرائے۔

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰

ثانیا: اس میں جہالت قدر ثمن لازم آئندہ اور خاصہ قمار ہے کہ بائع مشتری کے لئے ایک آئندہ نامعلوم صورت میں کہ خدا جانے کس طرح واقع ہوگی ہار جیت بدی گئی ہے اور قمار بنص قطعی قرآن حرام ہے، **واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ زید نے عمرو سے مبلغ (مالعہ لعہ/) لے کر ایک اقرار نامہ بدیں مضمون تحریر کیا کہ (۱۴۰) چٹے لکڑی پانچ اقساط میں دوں گا منجملہ ان کے صرف ۲۵ چٹے لکڑی دی اور اقرار نامہ مذکور الصدر میں یہ شرط تحریر کی کہ اگر کسی جانب سے لین دین لکڑی میں انحراف ہو تو پانچ روپیہ فی چٹہ ہرجہ لینے کا ایک دوسرے سے مستحق ہوگا، پس عمرو زید سے اس صورت سے ہرجہ تحریری لینے کا شرعاً مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر لکڑی زید کے پاس اس وقت موجود نہ تھی تو یہ بیع حرام و باطل ہوئی، عمرو پر لازم ہے کہ یہ ۲۵ چٹے بھی زید کو واپس دے اور زید پر لازم کہ پورے (مالعہ لعہ/) عمرو کو پھیر دے اور اگر لکڑی موجود معین بیچی اور پھر اس میں سے ۱۱۵ چٹے مشتری کو نہ دی تو زید پر فرض ہے کہ اب دے دے اور اگر وہ لکڑی دوسری جگہ بیچ ڈالی ہے تو زید سخت گنہگار ہوا اور عمرو اپنی لکڑی اس دوسرے مشتری سے واپس لے سکتا ہے اور اگر پتہ نہ چلے تو ۱۱۵ چٹے کے جو دام بازار کے بھاؤ سے ہوئے عمرو زید سے لے، بہر حال ہرجہ لینے کا کسی صورت میں اختیار نہیں، نہ وہ شرط اقرار نامہ اصلاً قابل قبول۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال مردہ کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہڈی بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض عالم کہتے ہیں جائز نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں جائز ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کھال اگر پکا کر یا دھوپ میں سکھا کر دباغت کرلی جائے تو بیچنا جائز ہے **لطھارتہ وحل الانتفاع** (بسبب اس کی طہارت کے اور حلال ہونے اس سے نفع حاصل کرنے کے۔ت) ورنہ حرام و باطل ہے **لانہ جزء میتۃ وبیع المیتۃ باطل** (اس لئے کہ وہ مردار کی جزء ہے اور مردار کی بیع باطل ہے۔ت) ہڈی پر اگر دسومت نہ ہو خشک ہو تو اس کی بیع جائز ہے **لما تقدم**

لان الحیاۃ لاتحله (اس وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے کیونکہ حیات اس میں سرایت نہیں کرتی۔ت) اوران احکام سے خنزیر مستثنٰی ہے اس کی کھال یا ہڈی کسی حال میں اصلاً خرید وفروخت یا کسی قسم کے انتفاع کے قابل نہیں لنجاسة عینها (اس کے نجس عین ہونے کی وجہ سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ٦٦: مرسلہ محمد بشیر الدین طالبعلم مدرسہ امداد العلوم محلّہ بانسمنڈی کانپور ٢٩ صفر ١٣٣٠ھ

کوئی شخص زندہ گائے یا بکری وغیرہ کی کھال چھوڑ کر صاف گوشت خریدے ذبح کرنے کے بعد دس بارہ آدمی مل کر تقسیم کرکے کھائیں اس صورت میں بیع کیسی ہے؟ اور گوشت کھانا حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع فاسد ہے اور وہ کھانا حرام۔

والوجه ظاہر فهو کجذع فی سقف بل اشد قال فی الدر فی السراج لوسلم الصوف واللبن بعد العقد لم ینقلب صحیحا وکذا کل ما اتصاله خلقی کجلد حیوان ونوی تمر وبزر بطیخ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی وجہ ظاہر ہے تو وہ چھت میں لگی ہوئی شہتیر کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی سخت تر، در میں فرمایا کہ سراج میں ہے اگر عقد کے بعد اون اور دودھ مشتری کو سونپ بھی دیا تب بھی بیع صحیح نہ ہوگی اور ایسے ہی ہے ہر وہ چیز جس کا اتصال پیدائشی طور پر ہے جیسے حیوان کی کھال، کھجور کی گٹھلی اور تربوز کا بیج، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ٦٧ تا ٦٨: از جاورہ ملک مالوہ مسئولہ جناب سید مقبول عیسٰی صاحب ١٤ جمادی الآخر ١٣١٠ھ

(ا) مسماۃ زینب سے زید نے اس شرط پر نکاح کیا اور ایک دستاویز کابین نامہ بھی اس مضمون کی لکھ دی کہ جو زینب کو بالعوض دین مہر مبلغ پچاس ہزار روپے اور دو اشرفی کے اپنے نکاح میں لایا ہوں اور بالعوض اس دین مہر جو دو قطعے مکانات نصف نصف حصہ خود مع حدود اربعہ ہیں زینب کو دین مہر میں دے دیئے اور جو آئندہ جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ میں اپنے قوت بازو سے پیدا کروں گا اس کی مالک بھی عوض اس دین مہر کے منکوحہ رہے گی اور بشرط نااتفاقی جمیع جائداد منقولہ و

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ٢٤

غیر منقولہ کی مالک منکوحہ ہے اس جائداد میں میرا اور میرے خویش واقارب کا کسی طرح سے دعوی نہ ہوگا بعد ازاں ایک مدت کے زید نے اور جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنے قوت بازو سے پیدا کی وہ بھی جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ بموجب شرائط کابین نامہ زینب کو دے کر نصف قبضہ کرادیا، اندریں صورت مالک جمیع جائداد کی زینب قرار پاسکتی ہے یا زید؟ اور جو شے دین مہر میں اس صورت سے دے دی جائے کیا قبضہ لازم ہوگا اور بلا قبضہ ہو تو کیا حکم ہے؟

(۲) بعد دو چار برس کے منجملہ جائداد مذکورہ ایک مکان میں کرایہ دار رہتا تھا وہ مالک بن گیا، زید نے اپنے نام نالش کرکے قبضہ لیا اور زینب کو دیا یا نہ دیا اور دیگر شخص نے زید پر نالش کرکے اس مکان کو حراج کرایا اب اس مکان کی دعویدار زینب ہوئی اور زید کو اقرار ہے کہ اندریں صورت اس مکان کی مالک زینب ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) دین مہر کے عوض دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض اور بیع میں قبضہ شرط نہیں۔

فی الدرالمختار لوقال وھبتك بكذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً [1]۔	درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے اتنے کے بدلے تجھے ہبہ کیا ہے تو یہ ابتداء اور انتہاء بیع ہے۔(ت)

مگر یہ کابین نامہ جو زید نے لکھا اس میں دو قطعہ مکان بعوض دین مہر دیئے ہیں اور یہ شرط کی ہے کہ آئندہ جو حاصل کرے وہ بھی بعوض دین مہر ملک زوجہ ہوا اور بحال نااتفاقی تمام وکمال کی مالک ہو، یہ دونوں شرطیں باطل ہیں، اس باطل کی بناء پر جو بعد کی جائداد زید نے زینب کو دی وہ زینب کی ملک نہ ہوئی اگرچہ ہزار قبضہ کرادیا ہو **فان المبنی علی الباطل باطل والباطل لا حکم له** (اس لئے کہ جو باطل پر مبنی ہو وہ باطل ہوتا ہے اور باطل کا کوئی حکم نہیں۔ت) وہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہے، زید وزینب پر واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کریں مکان زید کو واپس دئے جائیں مہر زینب کا ذمہ دار زید ہے جبکہ وہ مکان قبضہ وملک زینب میں ہنوز موجود ہیں اور اگر زینب ان کو کسی اور کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ واوقف یا وصیت یا رہن کرچکی تو اب مکانوں کی واپسی نہ ہوگی

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

مگر مہر میں سے اتناہی ساقط ہو جتنے کی مالیت وہ مکان بر نرخ بازار ہوں باقی مہر ذمہ زید رہا،
(۲) اگر وہ مکان بعد کی جائداد میں تھا جب تو ظاہر ہے کہ زینب اس کی مابلکہ ہی نہی تھی زید کا اقرار اپنے اسی شرط کی بناء پر ہے اور باطل کی بناء پر جو اقرار ہو باطل ہے **کما فی الاشباہ والدر وغیرھما** (جیسا کہ اشباہ اور درو غیرہ میں ہے۔ت) اور اگر وہ ان دونوں مکانوں میں سے تھا جو وقت نکاح مہر میں دیئے تو ہم بیان کر چکے کہ وہ بیع فاسد واجب الفسخ تھی اور زینب کا اسے کرایہ پر دینا مانع فسخ تھا۔

فی الدر المختار ان باعہ المشتری فاسدا بیعا صحیحا باتا لغیر بائعہ اووھبہ وسلم، او وقفہ وقفا صحیحا الفاسد فی جمیع مامروا امتنع الفسخ لتعلق حق العبد بہ وکذا کل تصرف قولی غیر اجازۃ ونکاح [1]۔	درمختار میں ہے اگر بیع فاسد کے مشتری نے مبیع فاسد کو غیر بائع کے ہاتھ بیع صحیح تام کے ساتھ فروخت کردیا یا ہبہ کرکے قبضہ دے دیا یا وقف صحیح کے ساتھ وقف کردیا یا اسی کو کسی کے پاس رہن رکھ دیا یا کسی کے لئے اس مبیع فاسد کی وصیت کردی یا صدقہ کردیا تو ان تمام تصرفات مذکورہ میں وہ بیع فاسد نافذ ہوجائے گی اور فسخ ممتنع ہوجائے گا بسبب حق عبد کے اس کے ساتھ متعلق ہونے کے، اور یہی حکم ہے تمام تصرفات قولی کا سوائے اجارہ اور نکاح کے۔(ملتقطا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان الاجارۃ تفسخ بالاعذار ورفع الفساد من الاعذار [2]۔	اس لئے کہ اجارہ عذروں کی وجہ سے فسخ ہوجاتا ہے اور فسخ فساد بھی عذروں میں سے ایک عذر ہے۔(ت)

اب کہ زید نے اسے اپنی ملک ٹھہرا کر دعوٰی کیا اور ڈگری پائی، یہ اس بیع فاسد کا فسخ ہوگیا مکان زید کو واپس آگیا اور زینب کا مہر اس پر رہا پھر زید اس اسے دے دینا اگر وہی بر بنائے سابق ہو جب تو باطل وبے سود ہے اور اب قبضہ زینب سے بھی ملک نہ ہوگی کہ اس وقت تک بیع فاسد تھی اب بعد فسخ باطل ہوگئی، ہاں اگر اس بناء پر نہ ہو بلکہ اپنی طرف سے ہبہ مستقل کرکے زینب کو قابض کردیا ہو تو زینب مالک ہوگئی جبکہ وہ نصف قطعہ مشاع نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹۔۲۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۷

مسئلہ ۶۹: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

عمرو کی مسجد میں یہ قاعدہ ہے کہ جو درخت مسجد میں ہیں ان کی سوکھی لکڑی گری ہوئی کمہار ہمیشہ خرچ میں لاتا ہے، ہمیشہ کے لئے لوٹے گھڑے کمہار کے خرچ کو دیتا ہے۔

الجواب:

یہ عقد بوجہ مجہول ہونے کے ناجائز ہے۔ نہیں معلوم کتنی لکڑی گرے گی، نہیں معلوم کتنے لوٹوں کی حاجت ہوگی، ہاں اگر یوں ہو کہ اتنی لکڑی کے عوض اتنے لوٹے، تو جائز ہوگا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰ تا ۷۱: مسئولہ حافظ محمد آمین صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ۲۵ محرم ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص کسی کا مال چوری کرکے لایا اور اس نے اس مال کو فروخت کرنا چاہا تو جس شخص کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مال چوری کا ہے پھر بھی اس کو خریدتا ہے تو اس کے لئے وہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص لاعلمی میں ایسا مال مسروقہ خریدلے تو کیا حکم ہے؟ اور بعد خرید لینے کے معلوم ہوجائے کہ یہ مال چوری کا تھا جب کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص پندرہ بیس برس سے کسی محکمہ میں ملازم ہے اور وہ نوکری کا استعفاء دے کر حج بیت اللہ شریف کا جاتا ہے دوسرا شخص یہ چاہتا ہے کہ تم استعفاء مت دو بلکہ بذریعہ درخواست بجائے اپنے مجھ کو قائم کردو اور مجھ سے پچاس روپے لے لو، تو یہ روپیہ لینا سابقہ ملازم کے واسطے درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے مثلاً کوئی جاہل شخص کو اس کے مورثین بھی جاہل تھے کوئی علمی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی ملک بتائے اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے، پھر اگر ثابت ہوجائے کہ یہ چوری کا مال ہے تو اس کا استعمال حرام ہے بلکہ ملاک کو دیا جائے اور وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو، اور ان کا بھی پتہ نہ چل سکے تو فقراء کو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ مسئلہ بہت مشتبہ ہے اور اختلاف کثیر ہیں اور نظائر متشابہ ہیں اور احتراز اولٰی ہے، **انظر ردالمحتار من اول البیوع** (ردالمحتار میں کتاب البیوع کے شروع میں دیکھئے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۲: از قصبہ نیٹھور ضلع بجنور محلّہ سادات مرسلہ سید شاہد حسین انسپکٹر پنشنر ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

جناب عالی! نہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے ذریعہ تحریر بابت پرامیسر نوٹ ۵ مسئلے دریافت کئے تو یہ جواب آیا جو ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں اور نیٹھور کے مدرسہ اسلامیہ کے حامد حسین مولوی صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ہدایہ کتاب الزکوۃ میں تحریر ہے کہ جو روپیہ ملک میں ہو یا کسی کو امانت یا قرض دے رکھا ہو اور اس کے ملنے کی امید ہو چاہے مدیون مقر ہو یا مفلس یا منکر، مگر منکر کی صورت میں داین کے پاس اپنے قرض کی پکی سند ہو مثلاً معتبر گواہ یا مدیون کا اقرار نامہ ہو تو ایسے قرض کی زکوۃ مالک کے ذمہ واجب ہے، مالک روپیہ مذکور مدیون یا امانت دار سے لے کر قبضہ کرے یا نہ کرے، اب عرض یہ ہے کہ پرامیسری نوٹ کا روپیہ مردہ نہیں ہے البتہ اس قدر ضرور بے قابو ہے کہ ضرورت کے وقت مالک کو نہیں مل سکتا جب گورنمنٹ کے اعلان پر کوئی جدید خریدار پیدا ہو اس وقت روپیہ مالک کو ملک جائے گا اب اس کے واسطے جس قدر زمانہ گزرے یہ قاعدہ گویا ایسا ہے جیسے کہ کسی کارخانہ یا کمپنی میں حصے فروخت ہوں اور کوئی شخص اول حصہ جات کو خرید لے اب اگر حصہ دار اپنا روپیہ کارخانہ یا کمپنی سے واپس لینا چاہے تو اس کو اس وقت تک روپیہ نہیں مل سکتا جب تک کہ ان حصوں کا خریدار پیدا نہ ہوں خواہ کسی قدر زمانہ گزر جائے البتہ منافع مقررہ ملتا رہے گا اب براہ کرم وبندہ نوازی کے جواب شافی مرحمت فرمائے ٦ پائی کا ٹکٹ جواب کے لئے ارسال ہے بحث صرف پرامیسری نوٹ کی بابت ہے سیونگ بنک کا جواب نہیں چاہتا۔ زیادہ حد ادب!

حاضر الوقت حسین احمد دست بستہ سلام عرض کرتا ہے یہ سید صاحب بہت ہی شش وپنج میں مبتلا ہیں ان کی تسلی فرما دیجئے گا از راہ کرم۔ فقط

الجواب:

پرامیسر نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں دیتی ہے خریدار پیدا ہونے پر اگر یہ بیع کرے گا تو خریدار سے روپیہ لے گا گورنمنٹ کے یہاں سود دینے کے لئے اس کے نام کی جگہ خریدار کا نام قائم ہو جائے گا، یہ اس قرض کا واپس ملنا نہ ہوا، قرض ملتا تو گورنمنٹ سے ملتا نہ کہ خریدار سے، تو وہ قرض یقیناً مردہ ہے، اور یہ کہ ملتا ہے غیر مدیوں کے ہاتھ دین کی بیع سے ملتا ہے، وہ بیع ناجائز وفاسد وحرام ہے، مگر جبکہ خریدار کو مدیون سے اس کا قبضہ لینے پر مسلط کرے، اشباہ میں ہے:

لایجوز بیع الدین ممن لیس علیه الدین الا	غیر مدیون کے ہاتھ دین فروخت کرنا جائز نہیں مگر اس وقت جائز ہے جب اس کو

اذا سلطه علی قبضة[1]۔	قبضہ پر مسلط کرے۔ (ت)

اور یہاں قبضہ پر مسلط کرنا ناممکن ہے کہ سو خریدار بدلیں گورنمنٹ وہ روپیہ کسی کو نہ دے گی سود دیتی رہے گی، تو یہ روپیہ قطعاً اجماعاً حرام محض بیچنا حرام روپیہ لینا حرام اور لے لیا ہو تو واپس دینا فرض ہے پھر اس روپیہ سے کون سے انتفاع کا امکان ہوا۔ اور یہی معنی قرض مردہ کے ہوں کہ ملک ہوا اور انتفاع پر قدرت نہ ہو، لہٰذا حکم وہی ہے جو فتوی اول میں لکھا گیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۳: از ریاست رامپور محلّہ گھیر پورن سنگھ متصل قبرستان مسجد ۱۲ع مرسلہ محمد عبدالقادر صفر ۱۳۳۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھذہ المسئلۃ (اس مسئلہ کے بارے میں تمھارا کیا ارشاد ہے اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔ ت) زید نے نو آنے قیمت کے ایک ٹکٹ نو ۹/ آنے سے لے کر سرکار میں داخل کیا بعد ازاں سرکار نے اسی زید سے سوا روپیہ لے کر اس کو چار ٹکٹ اور دے دئے، بعد اس کے زید نے وہی چار ٹکٹ وہی سوا روپیہ بیچ کر پھر سرکار میں داخل کیا، بعد روپیہ داخل کرنے کے سرکار نے اسی روپیہ کے دو فی قیمت کا ایک کپڑا زید کو دے دیا اب یہ معاملہ مطابق شرح شریعت کے جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کپڑا سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا بالدلائل وحوالۃ الکتب** (دلائل و حوالہ کتب کے ساتھ بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

یہ صورت شرعاً باطل وناجائز ہے کہ وہ ٹکٹ جو اس کے ہاتھ بیچا جاتا ہے اور یہ دوسروں کے ہاتھ بیچتا ہے اصلاً مال نہیں تو رکن بیع کہ مبادلۃ المال بالمال ہے اس میں متحقق نہیں اس کی حالت مٹی سے بھی بدتر ہے مٹی پر بھی کام آتی ہے، اور یہ کسی مصرف کا نہیں سوائے اس کے کہ احمق پہلے اپنا گلا پھانسے پھر اس کے چھڑانے کو اپنے سے چار احمق اور تلاش کرے اور ان میں ہر ایک کو چار چار ڈھونڈنا پڑیں اور یہ سلسلہ بڑھتا رہے یا بعض احمقوں کے خسارہ پر ختم ہو جائے، ہاں وہ کپڑا کہ اسے ملا وہ معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ بطور انعام دیا جاتا ہے تو وہ فی نفسہ اس کے لئے جائز اور اس سے نماز درست ہے[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴: مسئولہ محمد سلیمان شاہجہان پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شہر میں جس قدر افتادہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۱

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۱۳

زمین مکانات سے باہر گلیوں کوچوں میں ہے سب سرکار نے ضبط کرلی ہے پبلک کو مکان بنانا دیوار بنانی منع کردیا ہے، اب اگر دوسرا پڑوسی زمین مقبوضہ کو سرکار سے خرید کر مکان بنالے، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ افتادہ زمین غیر مملوکہ تھی جسے شرع میں "عادی الارض" عرف حال میں "سرکاری زمین" کہتے ہیں تو خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵: از اودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول مسئولہ وزیر احمد مدرس

مسلمان کو ہندو مردہ جلانے کے لئے لکڑیاں بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

لکڑیاں بیچنے میں حرج نہیں **لان المعصیة لاتقوم بعینھا** (کیونکہ معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم نہیں ہوتی۔ت) مگر جلانے میں اعانت کی نیت نہ کرے اپنا ایک مال بیچے اور دام لے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۶: از شہر محلّہ سوداگراں مسئولہ حافظ مولوی محمد حشمت علی صاحب رضوی مدرسہ منظر اسلام ۱۵ صفر ۱۳۳۹ھ

الی اعلیحضرت سیدنا وسید اھل السنت والجماعت مجدد المائة الحاضرة مدظلھم الاقدس السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ بعد لثم عتبتکم القدسیة ماتقول الشریعة الحنفیة الحنفاء فی ھذہ المسئلة ھل یجوز مبایعة الحشیش الذی یقال لہ فی الھندیة بھنگ	بخدمت جناب اعلحضرت، ہمارے اور اہلسنت وجماعت کے سردار، موجودہ صدی کے مجدد، جناب کا سایہ مقدس دراز ہو، آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت وبرکت ہو، جناب والا کی پاکیزہ چوکھٹ کے بوسہ کے بعد گزارش ہے کہ شریعت مطہر حنفیّہ اس مسئلہ میں کیا فرماتی ہے کہ کیا حشیش جس کو ہندی میں بھنگ کہا جاتا ہے، کی بیع جائز ہے؟

الجواب:

یجوز للدواء وان ظن انه یتعاطاہ للتفتیر لایحل البیع منه	دوا کے لئے جائز ہے اور اگر گمان غالب ہو کہ وہ اس کو نشہ کے لئے استعمال کرے گا تو ایسے

لقیام المعصیة به بعینه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شخص کے ہاتھ بیع کرنا حلال نہیں کیونکہ معصیت بعینہٖ اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۷: از ریاست رامپور یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حقیت اپنی زوجہ کے نام بعوض دس ہزار روپے اور حقوق زوجیت بیع قطعی کی جائداد پر عورت کا قبضہ ہے اور عاقدین میں کوئی نزاع نہیں شخص ثالث جو بائع کا ڈگری دار ہے اس بیع کو کالعدم قرار دیتا ہے کچہری سے تجویز ہوجانے پر جزو ثمن یعنی حقوق زوجیت ثمن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا بیع باطل ہے، سوال یہ ہے کہ حقوق زوجیت نان نفقہ قرار پاکر بھی مال ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ ایسی بیع باطل ہے یا صحیح یا فاسد؟ اور اگر کوئی بیع ایسی دو چیزوں کے معاوضہ میں ہو جن میں سے ایک پاک نہ ہوسکتی ہو تو بقیہ جز کے اعتبار سے بیع صحیح ہوسکتی ہے؟

الجواب:

حقوق زوجیت کہ ثمن قرار دئے گئے مال ہیں یعنی مہر و نفقہ و کسوت، درمختار میں ہے:

یسقط الخلع کل حق متعلق بذٰلك النکاح [1]۔	خلع ہر ایسے حق کو ساقط کردیتا ہے جو اس نکاح سے متعلق ہوتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شمل المهر والنفقة المفروضة و الماضية والکسوة کذٰلك [2]۔	یہ حکم شامل ہے مہر، نفقہ مقررہ، نفقہ گزشتہ اور اسی طرح لباس کو۔ (ت)

تو اس بیع کے انعقاد میں شک نہیں پھر اگر حقوق ثابتہ معلومہ ہیں تو بیع صحیح ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ آئندہ نفقہ سے بھی اس کے عوض برائت ہو تو بیع فاسد ہے لانه شرط فاسد فیه نفع احد العاقدین فیفسد البیع (کیونکہ یہ شرط فاسد ہے جس میں متعاقدین بائع و مشتری میں سے ایک کا نفع ہے لہٰذا بیع فاسد ہوگی۔ ت) اور بیع فاسد میں بھی بعد قبضہ ملک مشتری ثابت ہوجاتی ہے اگرچہ ملک خبیث ہے کما نصوا علیه قاطبة (جیسا کہ اس پر تمام فقہاء نے نص کی ہے۔ ت) دوسرے سوال کو یہاں سے تعلق نہ رہا کہ حقوق زوجیت مال ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الخلع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۵

مسئلہ ۷۸: از دھامن گاؤں ضلع امراوتی، برار معرفت حاجی محمد عثمان ٹمبر مرچنٹ مسئولہ ضیاء الدین ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ دو شخص آپس میں سودا کرتے ہیں مثلاً ایک دوسرے سے ایک قسم کی لکڑی خریدتا ہے کہ اس وقت اس لکڑی کی قیمت فی عدد تین روپے ہے، اب دونوں میں یہ شرط ٹھہری ہے کہ فلاں تاریخ اس قسم کی لکڑی کئی سو عدد ہونا اگراس قیمت معین پر لکڑی نہ دے گاتواس وقت کے بھاؤ کے موافق روپیہ لے لوں گا مہنگا ہو یا سستہ، اور بیچنے والا بھی راضی ہو کر قبول کرلیتا ہے اور لکڑی کے سب دام پہلے سے لیتا ہے اس بیع پر شرط مطہر کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع حرام ہے کہ نرخ وقت کے حساب سے روپیہ لے لینے کی شرط بوجہ جہالت شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہوتی ہے اور بیع فاسد حرام ومثل ربٰو ہے **کمافی الدرالمختار** وغیرہ (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹: از چوک لکھنو، مدرسہ فرقانیہ مرسلہ حافظ شیخ اکرام الدین رضوی ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

چہ می فرمایند علمائے دین در صحت بیع افیون وبنگ۔	کیافرماتے ہیں علمائے دین افیون اور بھنگ کی صحت کے بارے میں؟(ت)

الجواب:

صحت چیزے دیگر ست وجواز بمعنی حل دیگر اینہا اگرچہ تاحد سکر حرام است فاما ہمچو خمر وخنزیر از تقوم برنیفتادہ است و چوں بیع برمال متقوم مقدورالتسلیم وارد شود صحیح بود گو حرام باشد پس صحت دریںہا مطلق ست وگر برائے تداوی از بیرون بدن می خواہد میخواہد بمعنی حل نیز باشد وگر برائے معصیت میخواہد روانیست **قال تعالٰی** "وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ"[1] ۔**واللہ**	صحت اور چیز ہے اور جواز بمعنی حل دوسری چیز، مذکورہ اشیاء یعنی افیون اور بھنگ جب نشہ کی حد تک پہنچ جائیں تو اگرچہ حرام ہیں مگر متقوم ہونے سے خارج نہیں ہوتیں، جیسے شراب اور خنزیر متقوم ہونے سے خارج ہوتے ہیں تو بیع مال متقوم مقدورالتسلیم پر وارد ہو تو صحیح ہوتی ہے اگرچہ حرام ہو لہٰذا صحت توان میں مطلق ہے اور اگر بیرون بدن ان میں سے علاج معالجہ مطلوب ہو تو جواز بمعنی حل بھی ہوگا اور اگر معصیت کے لئے ان کی

[1] القرآن الکریم ۵/۲

تعالٰی اعلم۔	بیع مطلوب ہو تو جائز نہیں۔اللہ تعالٰی نے فرمایا گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۰: از ضلع سلہپور موضع سگوڈاکخانہ سگو، مولوی محمد حیات بروز یکشنبہ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جوکہ جانور حلال مرجائے اس کو مسلمان بکری کرکے اپنی ضرورت پوری کرنی جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

جو جانور مردار ہوگیا بغیر ذبح شرعی کے مرگیا اس کا بیچنا حرام ہے اور اس کے دام حرام **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۱: مسئولہ عبدالرحیم وخدا بخش بریلی محلّہ اعظم نگر ۱۵جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان جو ایک مدت سے ہندوؤں کے قبضے میں تھا حکیم مظاہر الاسلام کے والد نے اس کو بہ کوشش اہل محلّہ کچہری کے ذریعہ سے ہندوؤں سے واپس لیا بعد مرگ مظاہر الاسلام رحیم بخش بہشتی نے بہت کم قیمت کو زوجہ مظاہر الاسلام نے خرید لیا اور ایک بیعنامہ موروثی زمین قرار دے کر لکھالیا کسی اہل محلّہ کو معلوم بھی نہ ہوا رحیم بخش جانتا تھا کہ قبرستان ہے مگر نفع کے خیال سے خرید لیا، آیا یہ خرید وفروخت قبرستان جائز ہے یا حرام؟ اور اہل محلّہ اس قبرستان کو رحیم بخش کے ہاتھ سے قیمت دے کر چھڑائیں یا بغیر قیمت، اور اگر نہ چھڑائیں تو شرعی مواخذہ وپکڑ ہے یانہیں؟ اور رحیم بخش کو اصلی قیمت لینا چاہئے یا جو بیعنامہ میں لکھی ہے یا زیادہ، اور اگر قیمت لیں تو مواخذہ شرعی ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رحیم بخش پر فرض ہے کہ قبرستان کو فورًا فورًا بلا قیمت چھوڑ دے، اگر نہ چھوڑے گا تو روز قیامت اس کا عذاب یہ ہے کہ اسے تکلیف دی جائے گی کہ زمین کا اتنا ٹکڑا ساتوں طبقوں تک کھودے اور پھر وہ کروڑہا کروڑ من پہاڑ اس کے گلہ میں طوق ڈالے جائیں، اس پر اگر ایک کوڑی قیمت لے گا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے، اہل محلّہ پر فرض ہے کہ ہر جائز کوشش سے قبرستان کو بلا قیمت اس کے قبضہ ظلم سے چھڑائیں اگر مجبور ہوں اور بے قیمت نہ چھوٹ سکے تو یہ قیمت دے سکتے ہیں مگر اس کا لینا اسے سور کی مثل ہوگا اور خواہ اصلی لے یا بیعنامہ کی، کم یا زیادہ ہر طرح حرام قطعی ہے، ہاں اس نے جو قیمت زوجہ مظاہر الاسلام کو دی وہ اس عورت پر حرام قطعی ہے، وہ رحیم بخش کو واپس دے مگر رحیم بخش اس کی واپسی پر قبرستان کو روک نہیں سکتا اسے فورا بلا قیمت واگزاشت کردے خواہ اسے عورت سے واپس ملے یا

نہ ملے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲تا۸۴: از سورت محلّہ سید واڑہ سید عبدالقادر سید حسن واعظ بروز شنبہ بتاریخ ۶صفر المظفر ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ مسلمانوں میں دوفریق ہوگئے تھے اس پر سے شہر سورت میں سے دوتین شخص کو مذکورہ قصبہ والے لے گئے اور انھوں نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیااور جس کا قصور رپایاان سے کہاکہ تم مقابل فریق سے اپنا قصور معاف کراؤ، توانھوں نے مقابل فریق سے قصور کی معافی چاہی، بعد میں جو شخص سورت گئے تھے انھوں نے اپنے پیسے سے شیرینی منگواہی اور مجلس میں تقسیم کردی اس میں سے ایک شخص نے وہ شیرینی نہ لی اور کہا کہ تم بکری فروخت کرنے کے دلال ہو تو تمھارے مکان کا پانی، کھانا اور شیرینی چار مذہب میں حرام ہے، تو کہنے والا گنہگار ہے یانہیں،

(۱) سورت میں لوگ اپنی بکری وکیلوں پر روانہ کرتے ہیں اس شرط پر کہ تم اس کو بیچو اور اس کی قیمت ہم کو پوری اداکردو، نفع ونقصان وکیل کے ذمہ اور دلالی کا روپیہ فی صدی دوروپیہ لے لو، یہ درست ہے یانہیں؟

(۲) ایسی کمائی ہو مسلمان کی تواس کے گھر کا کھانا درست ہے یانہیں؟

(۳) بے پڑھا فتوٰی دے دے کہ چار مذہب میں حرام تواس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) اس عبارت سے یہ مفہوم ہتا ہے کہ وہ لوگ ایک قیمت معین کردیتے ہیں کہ اتنے دام ہم کو بھیج دو خواہ تم کم کو بیچو یازیادہ کو، اور ان داموں میں سے دوروپیہ فیصدی اپنی دلالی کے لے لو، اگر یہی صورت ہے تو بلاشبہ فریقین کو ناجائز ہے مؤکلوں کو بھی اور وکلاء کو بھی ایسی صورت میں اس شخص کا اعتراض بیجا نہ تھا اگرچہ لفظ زائد کہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اس میں تفصیل بہت ہے اور اجمال یہ ہے جو سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1] ھندیۃ عن الذخیرہ۔	ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین چیز کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہوجائے، ہندیہ بحوالہ ذخیرہ۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

یعنی جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ شے جو ہمارے پاس آئی خاص حرام ہے اس وقت تک اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) اس کا جواب اوپر گزرا کہ اگر صورت وہی تھی تو بلاشبہ حرام ہے، بے پڑھے کہ جو حکم شرعی سنا ہے بہ تحقیق معلوم ہے اس کے بیان میں حرج نہیں اگرچہ جرات نہ کرنا ہی اس کے لئے بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵: مسئولہ الہ داد خان صاحب محرر مدرسہ اہلسنت بروز جمعہ بتاریخ ۱۲ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان ایک ہزار روپیہ یا کچھ کم وبیش کا دو سو یا تین سو روپے میں عمرو کے ہاتھ فروکت کیا اور اسی وقت یا بعد کو عمرو سے ایک اقرار نامہ علیحدہ لکھوالیا کہ دو برس یا چار برس یا پانچ برس میں یہ مکان میرے ہاتھ فروخت کر دینا جس قیمت میں مجھ سے خریدا ہے، اور زید اس مکان میں خود رہا اور کچھ ماہواری باہم تصفیہ ہو کر زید نے مقرر کر دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر عقد بیع میں یہ شرط نہ تھی عقد صحیح بروجہ شرعی خالی عن الشروط الفاسدہ تھا نہ پہلے سے باہم یہ قرارداد ہو کر اسی بناء پر وہ بیع ہو سکتی تو بیع جائز ہے اور بائع کا بعد بیع اس میں مشتری سے کرایہ ٹھہرا کر کرایہ پر رہنا اور مشتری کو ماہوار مقرر شدہ دینا جائز ہے اور اگر عقد بیع میں یہ شرط کی یا بیع میں تو اس کا ذکر نہ تھا مگر پہلے سے باہم قرداد ہوئی تھی کہ یوں بیع کرینگے اور یہ شرط ہوگی پھر اسی قرارداد پر یہ بیع کی تو ان دونوں صورتوں میں حرام ہے، ردالمحتار میں ہے:

اشار بقولہ بشرط الی انہ لابد من کونہ مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قیل یلتحق عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقیل لا وھو الاصح کما فی جامع الفصولین (**تنبیہ**) فی جامع الفصولین ایضا لو شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا	ماتن نے اپنے قول "بشرط" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا عقد سے مقرن ہونا ضروری ہے اس لئے کہ شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عقد سے ملحق ہوتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ملحق نہیں ہوتی، اویہی زیاد صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے (تنبیہ) جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے عقد سے قبل کوئی شرط

لم یبطل العقد اھ قلت ینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقدعلیه کما صرحوا به فی بیع الهزل،وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقده وعقد البیع خالیا عن الشرط فاجاب بانه صرح فی الخلاصة والفیض والتتارخانیة وغیرہا بانه یکون علی ماتواضعا اھ[1] (ملتقطا)مافی الشامی وکتبت علی قوله یکون علی ماتواضعا اذا تصادقا علی ان العقد مبنی علی تلك الموضعة کما قید به فی الخیریة والخلاصة **اقول:**وھذا فی القضاء،اما فی الدیانة فاذا علم اللہ تعالٰی منهما النباء وعلیها یکون وان تکاذبا من بعد[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	فاسد لگائی پھر عقد کیا تو وہ عقد باطل نہ ہوگا الخ میں کہتا ہوں کہ فاسد ہونا چاہئے اگر وہ دونوں اس پر متفق ہوں کہ عقد اسی شرط پر مبنی ہے جیسا کہ فقہاء نے بیع ہزل میں اس کی تصریح کی خیر الدین رملی سے ان دو مردوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنھوں نے عقد سے پہلے بیع وفاء پر قرارداد کی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خلاصہ، فیض اور تتارخانیہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ بیع ان کی قرارداد پر مبنی ہوگی (شامی کے بیان کے آخر تک) میں نے شامی کے قول "علی ماتواضعا" پر لکھا کہ یہ حکم تب ہوگا جب وہ دونوں اس بات میں سچے ہوں کہ یہ عقد اس قرارداد پر مبنی ہے جیسا کہ خیریہ اور خلاصہ میں یہ قید لگائی گئی، میں کہتا ہوں کہ یہ حکم قضا میں ہے رہا دیانت میں تو جب اللہ تعالٰی کے علم میں ہے کہ انھوں نے عقد کی بناء اس قراداد پر کی ہے تو یہ عقد اسی پر مبنی ہوگا اگرچہ انھوں نے بعد میں جھوٹ کہا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**(ت)

مسئلہ ۸۶: مسئولہ ننھے میاں صاحب شہر بریلی محلّہ سوداگران از کرتوالی بروز شنبہ بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کھڑا کھیت خرید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کھیت اگر تیار ہوگیا اور ابھی کاٹ لیا جائے گا تو جائز ہے اور اگر ابھی نہ پکا اور پکنے تک

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱۔۱۲۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

کھیتی قائم رکھی جائے گی، توخرید وفروخت ناجائز ہے **بشرط ما فیه نفع عاقد بلا قضیة العقد** (اس چیز کی شرط لگانے کی وجہ سے جس میں کسی عاقد کا نفع ہے اور عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ت) اور اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مثلاً کھیتی دو مہینہ میں پکتی سمجھے تو کھیتی فی الحال خرید لے اور اس کے باقی رکھنے کی شرط نہ کرے اور اسی وقت معاوہ زمین جس مین کھیتی ہے اپنے کسی کام کے لئے دو مہینہ تک کو ایک معینہ کرایہ پر لے لے خریداری میں اس اجرت کا حساب دل میں سمجھ لے مثلاً بیس روپے قیمت کا کھیت ہے اور روپیہ مہینہ زمین کا کرایہ ہوگا اور دو مہینہ کو کرایہ لینا ہوا تو اٹھارہ روپے کو کھیت خریدے اور دو روپے کو زمین کرایہ پر لے، درمختار میں ہے:

والحیلة فی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدة معلومة یعلم فیها الادراك بباقی الثمن[1] ۔ **واللّٰه تعالٰی اعلم۔**	کھیتی اور گھاس کے باقی رکھنے کا حیلہ یہ ہے کہ جو موجود ہو اس کو بعض ثمن کے مقابل میں خریدلے اور باقی ثمن کے عوض زمین کو ایک معینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے جس میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو، **واللّٰه تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۸۷:　از کسیراں کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع بلند شہر مرسلہ احمد علی ولد حکم محمد امیر　۱۵صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عوام میں قدیم سے یہ دستور رائج ہے کہ جب فصل انبہ یا خربوزہ وغیرہ کی فروخت کرتے ہیں تو قیمت کے سوا کچھ جنس لیتے ہیں جو ڈالی کے نام سے مشہور ہے، انبہ کی جنس فی روپیہ ایک صد آم، اور خربوزہ پر فی روپیہ ۵ سیر لینے کا معمول ہے، اور بعض اوقات جنس بقدر تول طے پاتی ہے اور اکثر بلا تعین وقت کے فصل کی فروختگی کا معمول وقت پھول آنے یا پھل کے نمودار ہوجانے پر ہے۔ تو بایں صورت فصل انبہ وغیرہ کی بیع درست ہے یا نہیں اور جنس دستوری کا لینا اور اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو شرعاً وہ کیا فصل کی بیع کا طریقہ ہے کہ جس سے بیع بھی درست رہے اور جنس کا لینا بھی روا قرار پائے۔

الجواب:

بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے، اور جب پھل آجائیں اگرچہ جانور کے کھانے کے قابل ہوئے ہوں تو بیع جائز ہے مگر یوں کہ خریدار اسی وقت توڑ لے، اور اگر یہ ٹھہرا کر پھل تیار ہونے تک

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

لگے رہیں گے تو یہ ناجائز وحرام ہے اور اس میں اسے فی روپیہ آم یا پانچ سیر خربوزہ یا کم وبیش بائع کے لئے قرار دینا دوسرا حرام ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً آم میں جتنے کو بہار بیچی منظور ہو موجودہ پھل جس حالت کے ہیں اتنے کو خرید کئے جائیں پھر مشتری بائع سے کہے کہ میں نے یہ پیڑ بعقد معاملہ تجھ سے لئے کہ میں ان کی غور پرداخت کروں گا اور جو پھل پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ہزار میں ایک تیرا اور نو سو ننانوے میرے یا سو تیرے اور نو سو میرے جو قرار پاجائے، خربوزے، تربوز، ککڑی، بیگن کی جڑیں خریدے تاکہ جو پیدا ہوئے مشتری کی ملک ہو یہ خریداری ایک حصہ ثمن پر ہو جتنے پر بہار بیچنا اور خریدنا چاہتے ہوں باقی حصہ ثمن پر اس زمین کو ایک مدت معلوم تک اجارہ پر لے جس میں یہ سمجھے کہ فصل فارغ ہوجائے گی یہی طریقہ کھیتی میں بھی ہے مثلاً سو روپے پر معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو خربوزے وغیرہ کی جڑیں یا موجود کھیتی پچاس روپے کو خریدے اور چھ مہینے میں فارغ ہوتی سمجھیں تو باقی پچاس روپے کے بدلے میں چھ مہینے کے واسطے اجارہ پر لے لے، درمختار میں ہے:

من باع ثمرۃ بارزۃ اما قبل الظھور فلایصح اتفاقا ظھر صلاحھا اولا یصح فی ظاہر المذہب وصححہ السرخسی، ویقطعھا المشتری فی الحال جبرا علیہ وان شرط ترکھا علی الاشجار فسد البیع، والحیلۃ ان یاخذ الشجرۃ معاملۃ علی ان لہ جزء من الف جزئ وان یشتری اصول الرطبۃ کالباذنجان و اشجار البطیخ والخیار لیکون الحادث للمشتری وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدۃ معلومۃ یعلم فیھا الادراک بباقی الثمن [1] مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس شخص نے نمودار پھل بیچا چاہے اس کی صلاحیت ظاہر ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو اصح قول کے مطابق صحیح ہے اور اگر نمودار ہونے سے قبل پھل بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں، اور اگر کچھ پھل نمودار ہوا اور کچھ ابھی نمودار نہیں ہو تو ظاہر مذہب میں بیع صحیح نہیں سرخسی نے اس کو صحیح قرار دیا اور بیع کے بعد مشتری پھلوں کو فی الحال قطع کرے اس سلسلہ میں اس پر جبر کیا جائے گا اور اگر اس نے پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی اور اس میں حیلہ یہ ہے کہ مشتری بائع سے درخت بطور معاملہ لے کہ ہزار میں سے ایک جزء بائع کی ہوگی اور یہ کہ بینگن، تربوز اور ککڑی کی جڑیں خریدلے تاکہ نئے پیدا ہونے والے پھل مشتری کی ملک ہوں اور کھیتی اور گھاس میں موجود

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

بعض ثمن کے بدلے خرید لے اور باقی ثمن کے بدلے زمین کو مدت معینہ کے لئے کرایہ پر لے لے جس مدت میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو۔(ت)

مسئلہ ۸۸: ازکانپور مسجد جامع مرسلہ محمد ادریس صاحب پرتا بگڈھی ۲۹ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

پس از سلام مسنون حضرت سید ولد آدم وسید الانس والجان (روحی فداہ) معروض خدمت ولا ہے کہ خادم کو چند مسائل کے متعلق جناب سے استفسار مقصود ہے زید نے اپنے مکان کہ عمرو سے بیع کیا اور قیمت کے متعلق یہ قرار دیا کہ جو بکر قرار دے وہی قیمت ہے یعنی بیع تو اس وقت کی اور قیمت کی تقدیر وتعیین بکر کی رائے پر موقوف کردی یہ بیع صحیح ہوئی یا فاسد، پھر جبکہ بکر نے تخمینہ تین ماہ کے بعد قیمت معین کی تو بصورت فساد وہ فساد اُٹھ گیا یا نہیں؟ اور کون سا فساد بعد رفع علت فساد اٹھ جاتا ہے اور فساد کے صلب عقد میں ہونے کا کیا معنی ہے، اور تقرر بیع کی کیا صورتیں ہیں، امید کہ حضرت والا ان امور سے ضرور بالتفصیل مع حوالہ کتاب آگاہ فرمائیں گے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع فاسد ہے، عالمگیریہ میں ہے:

اما اشرائط الصحۃ فمنھا ان یکون البیع معلوما و الثمن معلوما علما یمنع من المنازعۃ فبیع المجھول جھالۃ تفضی الیھا غیر صحیح کبیع شاۃ من ھذا القطیع وبیع الشیئ بیقمتہ وبحکم فلان[1]۔	بیع کے صحیح ہونے کی شرط میں سے یہ ہے کہ مبیع معلوم ہو اور ثمن معلوم ہو اس طور پر کہ جھگڑا نہ پیدا ہو چنانچہ ایسی مجہول چیز کی بیع صحیح نہیں جس سے جھگڑا پیدا نہ ہو، جیسے کہا جائے کہ اس گلہ میں سے ایک بکری کی بیع یا اس شے کی بیع اس کی قیمت کے ساتھ یا فلاں کے فیصلے کے مطابق بیع۔(ت)

بکر نے جبکہ تعیین ثمن انقضائے مجلس بیع کے بعد کی وہ فساد بالاجماع متقرر ہوگیا اب نہیں اٹھ سکتا جب تک یہ بیع فسخ نہ کی جائے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی النھایۃ والفتح وغیرہما قال شمس الائمۃ الحلوانی وان علم بالرقم فی	نہایہ اور فتح وغیرہ میں ہے شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگرچہ مشتری کو مجلس کے اندر لکھی ہوئی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳

المجلس لاینقلب، ذٰلك العقد جائز اولکن ان کان البائع دائما علی الرضافرضی به المشتری ینعقد بینهاعقد بالتراضی اھوعبر فی الفتح بالتعاطی والمراد واحد [1] اھ	قیمت معلوم ہوگی ــــــ تو بھی عقد جائز نہیں ہوگا لیکن اگر بائع رضامندی پر قائم ہے اور مشتری بھی اس پر راضی ہوگیا تو دونوں کی باہمی رضامندی سے عقد ان کے درمیان منعقد ہوجائے گا الخ فتح میں اس کو تعاطی سے تعبیر کیا گیا اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے اھ (ت) قیمت معلوم ہوگی ــــــ تو بھی عقد جائز نہیں ہوگا لیکن اگر بائع رضامندی پر قائم ہے اور مشتری بھی اس پر راضی ہوگیا تو دونوں کی باہمی رضامندی سے عقد ان کے درمیان منعقد ہوجائے گا الخ فتح میں اس کو تعاطی سے تعبیر کیا گیا اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے اھ (ت)

اور لفظ فتح یہ ہیں:

وجواز اذا علم فی المجلس بعقد اٰخر هوالتعاطی کما قاله الحلوانی [2] اھ**اقول:** وهذا التعیین ان التعاطی بعد عقد فاسد اذا وقع فی المجلس لایحتاج الی سبقة متارکة ذٰلك الفاسد بخلافه بعد المجلس الاتری الی تقییده وبقوله اذا علم فی المجلس والا فحصول البیع بعقد جدید لا یتوقف علی کونه فی المجلس الاول فقد حصل التوفیق وان استبعده الشامی و استظهر انهماروایتان اعنی اشتراط المتارکة فی التعاطی بعد الفاسد وعدمه فافهم وبالله التوفیق۔	مجلس میں معلوم ہوجانے پر اس کا جواز دوسرے عقد کے ساتھ ہے جوکہ تعاطی ہے جیسا کہ حلوانی نے فرمایا اھ میں کہتا ہوں یہ امر کی تعیین کے لئے ہے کہ بیشک تعاطی جب عقد فاسد کے بعد مجلس میں واقع ہو تو وہ پہلے اس عقد فاسد کے متارکہ کی محتاج نہیں ہوتی بخلاف مجلس کے بعد تعاطی کے، کیا تونہیں دیکھتا کہ فتح نے اپنے اس قول کے ذریعے قید لگائی کہ "جب اس کو مجلس میں معلوم ہو" ورنہ عقد جدید کے ساتھ بیع کا حصول اس بات پر موقف نہیں کہ وہ مجلس اول میں ہو تحقیق (مختلف عبارتوں میں) توفیق و تطبیق حاصل ہوگئی اگرچہ شامی نے اس کو بعید جانا اور احتیاط برتتے ہوئے کہا کہ بیشک یہ دو روایتیں ہیں یعنی عقد فاسد کے بعد تعاطی میں متارکہ کا شرط ہونا اور شرط نہ ہونا پس سمجھ اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

پھر شامی نے فرمایا:

وجزم بخلاف فی الهندیة اٰخر باب	ہندیہ میں باب المرابحہ کے آخر میں اس کے خلاف

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۲

[2] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۷۴

المرابحة وذکر ان العلم فی المجلس یجعل کابتداء العقد ویصیر کتاخیر القبول الی اٰخر المجلس وبه جزم فی الفتح هناك ایضا اھ[1]۔

اقول اولا: لقد ابعد الحجة فقد قال فی الهدایة من باب خیار الشرط انه اسقط المفسد قبل تقرره فیعود جائزا کما اذا باع بالرقم واعلمه فی المجلس[2] اھ واقره الفتح و الشراح وقال فی الفتح صدر البیوع ممالا یجوز البیع به البیع بقیمته اوبما حل به اوبما ترید اوبما اشتراہ اوبمثل مااشتری فلان لایجوز فان علم المشتری بالقدر فی المجلس فرضیه عاد جائزا اھ[3]۔ وقال فی البدائع لو قال بعت هذا العبد بقیمته فالبیع فاسد لان قیمته تختلف باختلاف المقومین فکان الثمن مجهولا وکذا اذا باع بحکم المشتری اوبحکم فلان

پر جزم کیااور ذکر کیاکہ مجلس میں معلوم ہونے کو ابتداء عقد کی مانند بنایا جائے گااور یہ آخر مجلس تک قبول کومؤخر کرنے کی طرح ہوجائے گااور یہاں پر فتح نے بھی اسی پر جزم کیااھ

اقول: (میں کہتاہوں) **اولا:** علامہ شامی دلیل سے دور ہوگئے تحقیق ہدایہ کے باب خیار الشرط میں فرمایا کہ بیشک بائع نے مفسد کو فساد کے مستحکم ہونے سے قبل ساقط کردیا تو بیع جائز ہوگئی جیساکہ کسی نے لکھی ہوئی قیمت پر بیع کی اور مجلس کے اندر مشتری کو وہ قیمت بتادی الخ فتح اور شارحین نے اسے برقرار رکھا، فتح میں کتاب البیوع کے آغاز میں فرمایا جن چیزوں کے ساتھ بیع ناجائز ہے ان میں سے یہ ہے کہ کہ کسی چیز کی بیع اس کی قیمت کے بدلے میں یااس چیز کے بدلے جس سے بیع حلال ہو یا بائع مشتری کو یہ کہے کہ جتنی قیمت تو چاہے اس کے بدلے میں بیچتاہوں یا کہے جتنے پر اس نے خریدا ہے اس کے بدلے میں یا کہے جتنے پر فلاں نے خریدا اس کی مثل قیمت کے بدلے میں، توان تمام صورتوں میں بیع ناجائز ہے پھر اگر مشتری کو مجلس کے اندر قیمت کی مقدار معلوم ہوگئی اور وہ اس پر رضامند ہوا تو بیع جائز ہوجائے گی الخ۔ بدائع نے فرمایا کہ اگر بائع نے کہا میں نے غلام اس کی قیمت کے عوض بیچا

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲

[2] الهدایه کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۴

[3] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۶۷

لانہ لایدری بما اذا یحکم فلان وجھالۃ الثمن تمنع صحۃ البیع فاذا علم ورضی بہ جاز البیع لان الجھالۃ قد زالت فی المجلس ولہ حکم حالۃ العقد فصار کانہ کان معلوما عند العقد وان لم یعلم بہ حتی افترقا تقرر الفساد [1] اھ مختصرا وفیھا ایضا لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان جملۃ الثمن مجھولۃ حالۃ العقد جھالۃ مفضیۃ الی المنازعۃ فتوجب فساد العقد و عندنا اذا ارتفعت فی المجلس ینقلب العقد الی الجواز لان المجلس وان طال فلہ حکم ساعۃ العقد [2] اھ وفیھا ایضا اذا شتری ثوبا برقمہ ولم یعلم المشتری رقمہ حتی فسد البیع ثم	تو بیع فاسد ہے کیونکہ مختلف قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے اس غلام کی قیمت مختلف ہوگی تو اس طرح ثمن مجہول ہوگا اس طرح اگر غلام بیچا اس چیز کے بدلے میں جس کا فیصلہ مشتری یا فلاں شخص کرے گا تو بھی بیع فاسد ہوگی کیونکہ معلوم نہیں فلاں شخص کیا فیصلہ کریگا اور جہالت ثمن صحت بیع سے مانع ہے پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا اور وہ اس پر رضامند ہوگیا تو بیع جائز ہوجائے گی کیونکہ جہالت مجلس کے اندر ہی زائل ہوگئی تو یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے گویا کہ عقد کے وقت معلوم تھا اور اگر ثمن کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ بائع اور مشتری متفرق ہوگئے تو فساد مستحکم ہوگیا اھ مختصرا۔ اور اسی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ قول بھی ہے کہ اگر حالت عقد میں تمام ثمن اس طرح مجہول ہوں کہ جہالت جھگڑے تک پہنچائے تو یہ فساد عقد کا موجب بنے گی اور ہمارے نزدیک جب مجلس کے اندر جہالت رفع ہوجائے تو عقد جواز کی طرف پلٹ آتا ہے کیونکہ مجلس اگرچہ طویل ہو اس کا حکم ساعت عقد والا ہی ہوتا ہے اھ اور اسی میں یہ بھی ہے کہ جب کسی نے لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں کپڑا خریدا اور مشتری کو اس لکھی ہوئی قیمت کا علم نہیں ہے حتی کہ بیع فاسد ہوئی پھر

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۸

[2] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۹

علم رقمه فان علم قبل الافتراق واختار البيع جاز عندنا وان كان بعد الافتراق لايجوز بالاجماع [1] اھ.	اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا اگر چہ تو یہ علم افتراق سے قبل ہو اور اس نے بیع کو اختیار کرلیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگئی اور اگر افتراق کے بعد اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا تو بالاتفاق بیع جائز نہیں ہوگی الخ،
وثانیا: تتبعت جميع باب المرابحة من الهندية فلم ارفيها ماذكر من التعليل لافى النسخة المصرية ولا فى الهندية وانما قال فيهما اول باب المرابحة ان باعه بربح ده يازده لايجوز الا اذا علم الثمن فى المجلس فيجوز وله (اى للمشترى) الخيار فاذا اختار العقد يلزمه احد عشر استحسانه وكذا الوباعه تولية ولايعلم المشترى بكم يقوم عليه ولايجوز الا اذا علم الثمن فى المجلس فيجوز وله الخيار هكذا فى محيط السرخسى [2] اھ وقال الاخر الباب من ولى رجلا شيئا بما قام عليه ولم يعلم المشترى بكم قام عليه فسد البيع فان اعلمه البائع	**وثانیا:** میں نے ہندیہ کا تمام باب مرابحہ تلاش کیا تعلیل مذکورہ میں نے اس میں نہیں دیکھی نہ مصری نسخے میں اور نہ ہندی نسخے میں، ہاں بیشک اس کے اندر باب مرابحہ کے شروع میں یہ فرمایا اگر کسی نے دو یازدہ یعنی دس کی چیز بطور نفع گیارہ کے بدلے میں فروخت کی تو جائز نہیں مگر جب مجلس میں ہی مشتری کو ثمن کا علم ہوگیا تو بیع جائز ہوگئی اور مشتری کو اختیار ہے اگر اس نے عقد کو اختیار کیا تو بطور استحسان اس پر گیارہ لازم ہوں گے یونہی اگر وہ چیز بطور تولیہ بیچی اور مشتری نہیں جانتا کہ اسے کتنے میں پڑے گی تو بیع جائز نہیں مگر جب مجلس کے اندر اس کو ثمن معلوم ہوگئے تو جائز ہے اور مشتری کو اختیار ہوگا اس طرح محیط سرخسی میں ہے اھ اور باب کے آخر میں کہا کہ جس شخص نے کسی مرد پر بطور تولیہ کوئی شیئ اتنے میں بیچی جتنے میں بائع کو کتنے میں پڑی تو یہ فاسد ہوئی، پھر اگر بائع

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۰

فی المجلس صح البیع وللمشتری الخیار ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ کذا فی الکافی [1] اھ وقال قبیلہ عن الحاوی اذا باع الرجل المتاع بربح دہ یازدہ او ماشاکل ذلك فاذا علم المشتری بالثمن ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ، ان علم بالثمن قبل العقد فلیس لہ ان یرد [2] اھ **اقول**: والمراد العلم فی المجلس بدلیل ما تقدم وما تاخر۔	مجلس کے اندر مشتری کو بتادے تو بیع صحیح ہوگئی اور مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اسی طرح کافی میں ہے اھ اور اس سے تھوڑا پہلے حاوی کے حوالہ سے کہا کہ اگر کسی مرد نے کوئی سامان جودس کا خریدا ہوا تھا گیارہ کے بدلے بیچا اس سے ملتی جلتی کوئی صورت اختیار کی پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا تو اس کا اختیار ہے چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اور اگر مشتری کو عقد سے پہلے ثمن معلوم ہوں تو اسے رد کا اختیار نہ ہوگا الخ میں کہتا ہوں اس سے مراد مجلس کے اندر علم ہونا ہے اس دلیل کے ساتھ جو پہلے گزری اور جو اس کے بعد ہے۔
وثالثا: التعلیل المزکور کالمتناقض فان اٰخرہ یفید انہ بالعقد الاول واولہ انہ بعقد جدید۔	**وثالثا**: تعلیل مذکور متناقض کی مانند ہے اس لئے کہ اس کا آخر اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ عقد اول کے ساتھ ہے اور اس کا اول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ عقد جدید کے ساتھ ہے۔ (ت)

صلب عقد بدلین ہیں فتح القدیر میں اسی مسئلہ آجال مجہول میں ہے: **صلب العقد بدلان** [3] (صلب عقد دونوں بدل ہیں (یعنی ثمن ومبیع) ۔ت) یہ فساد کبھی مرتفع نہیں ہوسکتا جب تک اس عقد ہی کو فسخ نہ کریں یہاں نفس مجلس عقد میں اصلاح بھی کار آمد نہیں جیسے ایک روپیہ دو۲ روپے کو بیچے پھر قبل افتراق زائد روپیہ ساقط کردے، عقد صحت کی طرف عود نہ کرے گا۔ ہدایہ میں ہے:

لو باع الی ھذہ الاٰجال تراضیا باسقاط	اگر کسی نے ان اوقات مذکورہ کے وعدہ پر بیع کی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[3] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

الاجل قبل ان یاخذ الناس فی الحصاد و الدیاس وقبل قدوم الحاج جاز البیع، وقال زفر لایجوز لانه وقع فاسدا فلاینقلب جائزا، ولنا ان الفساد للمنازعة وقد ارتفع قبل تقرره وهذه الجهالة فی شرط زائد لافی صلب العقد فیمکن اسقاطه بخلاف ما اذا باع الدرہم بالدرہمین ثم اسقطا الدرهم الزائد لان الفساد فی صلب العقد[1]۔	پھر بائع اور مشتری اس مدت کو ساقط کرنے پر رضامند ہوگئے قبل اس کے لوگ کھیتی کاٹنے یا اس کو گاہنے کا آغاز کریں اور قبل اس کے کہ حاجی لوگ آئیں تو بیع جائز ہوگئی، امام زفر نے کہا جائز نہیں ہوگی کیونکہ یہ بیع فاسد واقع ہوئی لہٰذا جواز کی طرف نہیں پلٹے گی، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ فساد تو جھگڑے کے ڈر سے تھا درانحالیکہ وہ فساد مستحکم ہونے سے پہلے ہی دور ہوگیا اور یہ جہالت صلب عقد میں نہیں بلکہ ایک زائد شرط میں واقع ہوئی جس کو ساقط کرنا ممکن ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب ایک درہم دو درہموں کے عوض بیچا پھر بائع اور مشتری دونوں نے زائد درہم کو ساقط کردیا تب بھی یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ یہاں فساد صلب عقد میں ہے۔ (ت)

اور عدم شرط انعقاد کا فساد اس سے ملحق کیا گیا،

فان انعدامه یعدم العقد لا انه منعقد بصفة الفساد فیمکن اصلاحه فی المجلس۔	اس لئے کہ شرط کا معدوم ہونا عقد کو باطل کردیتا ہے ایسا نہیں کہ وہ عقد صفت فساد کے ساتھ منعقد ہوا کہ مجلس میں اس کی اصلاح ممکن ہو۔ (ت)

عنایہ امام کمال بابرتی محل مذکور میں ہے:

اعترض بانه اذا نکح بغیر شهود ثم اشهد بعد النکاح فانه لاینقلب جائزا ولیس الفساد فی صلب العقد واجیب بان الفساد فیه لعدم الشرط	اس پر اعتراض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بغیر گواہوں کے نکاح کرے پھر نکاح کے بعد اس پر گواہ قائم کردے تو وہ نکاح جواز کی طرف نہیں پلٹے گا حالانکہ اس صورت میں فساد صلب عقد میں نہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں فلاں عدم شرط کی

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۶۴

فھو قوی کما لوکان فی صلب العقد الاتری ان من صلی بغیر طھارۃ ثم تطھر لم تنقلب صلاتہ جائزۃ اھ [1] ملخصا۔	وجہ سے آیا ہے جو قوی ہے جیسا کہ صلب عقد میں فساد ہو تو قوی ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا طہارت نماز پڑھ لے پھر بعد میں طہارت کرلے تو اس کی نماز جواز کی طرف نہیں پلٹے گی اھ (ت)

اسی کے مثل فتح میں بھی ہے:

اقول: ویبتنی علی ان الشھود شرط الانعقاد فی النکاح وعلیہ ظاھر عامۃ کلماتھم وصرح فی الدر [2] وغیرہ انھم من شروط الصحۃ فیکون النکاح بلاشھود فاسدا لاباطلا واللہ تعالٰی اعلم۔ **ثم اقول:** بل الحق ان عدم شرط الانعقاد ومبطل لامفسد والکلام فی الفاسد فالسوال ساقط من اصلہ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ گواہ نکاح میں شرف انعقاد ہیں اور کلمات فقہاء کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور درو غیرہ میں تصریح کی گئی کہ گواہ شرط صحت ہیں لہٰذا بغیر گواہوں کے نکاح فاسد ہوگا نہ کہ باطل، **واللہ تعالٰی اعلم۔ ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ حق یہ ہے کہ شرط انعقاد کا نہ پایا جانا باطل کرنے والا ہے نہ کہ فاسد کرنے والا حالانکہ کلام فاسد ہونے میں ہے تو سرے سے سوال ہی ساقط ہے۔ (ت)

ان کے سوا جو فساد ہو اگر قوی ہے صرف مجلس بیع کے اندر اس کا ازالہ عقد کو صحیح کرسکے گا، بعد مجلس فساد متقرر ہوجائے گا اور اگرچہ مفسد زائل ہوجائے مرتفع نہ ہوگا جیسے ثمن کا آندھی چلنے یا مینہ برسنے پر مؤجل کرنا اور اگر ضعیف ہے تو بعد مجلس بھی اصلاح پذیر ہے جب تک وہ فساد اپنا عمل نہ کرلے کہ بعد عمل انتہا ہے نہ کہ انتفاء جیسے حاجیوں کے آنے یا ہوائیں چلنے پر ثمن کی تاجیل اگر آنے اور چلنے سے پہلے اس شرط کو ساقط کردیا تو بیع صحیح ہوگئی اگرچہ مجلس عقد کے مہینوں بعد ہوا، اور اگر حاجی آئے ہوائیں چلی گئی تو اب اسقاط شرط کے کوئی معنی نہیں فساد متقرر ہوگیا بے فسخ عقد مرتفع نہ ہوگا، ہدایہ کی عبارت گزری، فتح القدیر میں عبارت مذکورہ پر ہے:

---

[1] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

تقییدہ بھذہ الاٰجال الاخراج نحو التأجیل بھبوب الریح ونزول المطر فانہ لواجل بھاثم اسقطعہ لایعود صحیحہ اتفاقا[1]۔	ماتن کا ان مدتوں کی قید لگانا ہواؤں کے چلنے اور بارش برسنے کی میعاد کو خارج کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ اگر ان کے ساتھ میعاد مقرر کی پھر اسے ساقط کردیا تب بھی بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوگی۔(ت)

شرح الطحطاوی للامام الاسبیجابی پھر حقائق شرح منظومہ نسفیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

البیع باجل مجھول لایجوز اجماعا سواء کانت الجھالۃ متقاربۃ کالحصاد والدیاس اومتقاربۃ الریح وقدوم واحد من سفرہ فان ابطل المشتری المتقارب قبل محلہ وقبل فسخ العقد انقلب البیع جائزا عندنا ولو مضت المدۃ قبل ابطال الاجل تاکد الفساد ولاینقلب جائزا اجماعا،وان ابطل المشتری المتفاوت قبل التفرق ونقد الثمن انقلب جائزا عندنا ولوتفرقا قبل الابطال تاکد الفساد ولا ینقلب جائزا اجماعا[2] (مختصرا)	مدت مجہولہ کے ساتھ بیع بالاجماع ناجائز ہے چاہے جہالت متقاربہ ہو جیسے فصلوں کی کٹائی اور ان کو گاہنا،م یا جہالت متفاوتہ ہو جیسے ہواؤں کا چلنا اور کسی کا سفر سے واپس آنا،اگر مشتری نے جہالت متقاربہ والی میعاد کو مستحکم ہونے اور فسخ عقد سے پہلے ختم کردیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوجائیگی اور اگر میعاد کو ختم کرنے سے پہلے مدت گزر گئی تو فساد پختہ ہوگیا اور بیع بالاجماع جائز نہ ہوگی،اور اگر مشتری نے جہالت متفاوتہ کو جدا ہونے سے قبل ختم کردیا اور ثمن ادا کردئے تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگئی اور اگر جہالت کو ختم کرنے سے پہلے بائع اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہوگئے تو فساد مستحکم ہوگیا اوراب بالاجماع جائز نہ ہوگی۔(مختصرا)(ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

الاصل عندنا انہ ینظر الی الفساد فان کان قویا بان دخل فی صلب العقد وھو البدل والمبدل لایحتمل	ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ فساد کو دیکھا جائے گا اگر وہ قوی ہے یعنی صلب عقد میں ہے جو کہ بدل و مبدل ہے تو رفع مفسد کے ساتھ جائز ہونے کا

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

الجواز برفع المفسد کما قال زفر اذا باع عبدا بالف درہم ورطل من خمر فحط الخمر عن المشتری وان کان ضعیفا لم یدخل فی صلب العقد بل فی شرط جائز یحتمل برفع المفسد[1]۔	احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ امام زفر نے اس صورت کے بارے میں کہا کہ جب کوئی شخص ہزار درہم اور یک رطل شراب کے بدلے میں غلام فروخت کرے پھر مشتری سے شراب کو ساقط کردے اور اگر فساد وضعیف ہے یعنی صلب عقد میں داخل نہیں بلکہ شرط جائز میں پایا گیا تو اس صورت میں رفع مفسد کے ساتھ جواز عقد کا احتمال ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

منہا(ای من شرائط صحة البیع)ان یکون مقدور التسلیم من غیر ضرر یلحق البائع،فاذا باع جذعاله فی سقف اوآجرله فی حائط اوذرا عافی دیباج او کرباس لایجوز،فان نزعه البائع اوقطعه وسلمه الی المشتری قبل ان یفسخ المشتری البیع جاز البیع حتی یجبر المشتری علی الاخذ لان المانع من الجواز ضرر البائع بالتسلیم فاذا سلم باختیارہ ورضاہ فقد زال المانع فجاز البیع ولزم،فرق بین ھذا وبین بیع الالیة فی الشاة الحیة والنوی فی التمروالزیت فی الزیتون والدقیق فی الحنطة والبزر فی البطیخ ونحوھا انه لا ینعقد اصلا حتی لو سلم لم یجزاولا صل المحفوظ ان لایمکن تسلیمه الابضر ریرجع الی قطع	صحت کی بیع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو بغیر اس کے کہ بائع کو ضرر لاحق ہو،چنانچہ اگر کسی نے چھت میں لگی ہوئی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں یار شمی یااونی کپڑے میں سے ایک گز فروکت کیا تو جائز نہیں پھر اگر بائع نے مبیع کو اکھاڑ یا یا کاٹ دیا اور مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے پہلے مبیع مشتری کے حوالے کردیا تو بیع جائز ہوگئی یہاں تک کہ مشتری کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو لے کیونکہ مانع جواز تو تسلیم کے سبب سے بائع کو لاحق ہونے والا ضرور تھا جبکہ بائع نے اپنی رضامندی اور اختیار سے تسلیم مبیع کردیا تو وہ مانع زائل ہوگیا اور بیع جائز اور لازم ہوگئی،فرق کیا گیا ہے درمیان مذکورہ صورت کے اور درمیان اس کے کہ زندہ دنبہ کی چکی،کھجور میں موجود گٹھلی زیتون میں موجود روغن،گندم میں موجود آٹا،تربوز میں موجود بیج اور اس طرح کی دیگر اشیاء فروخت کی جائیں کیونکہ ان میں سرے سے بیع منعقد ہی نہیں ہوتی یہاں تک اگر بائع مبیع کو مشتری کے حوالے بھی کردے تب بھی جائز نہ ہوگی اور اصل محفوظ یہ ہے کہ اگر

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۷۸/۵

اتصال ثابت باصل الخلقة فبیعه باطل وما لایمکن تسلیمه الا بضرر یرجع الی قطع اتصال عارض فبیعه فاسد الا ان یقطع باختیارہ ویسلم فیجوز ولقیاس علی هذا الاصل ان یجوز بیع الصوف علی ظهر الغنم لانه یمکن تسلیمه من غیر ضرر یلزمه بالحز الاانهم استحسنوا عدم الجواز للنص وهو ماروی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولان الجزء من اصله لایخلو عن الاضرار بالحیوان وموضع الجز فیما فوق ذٰلك غیر معلوم فتجری فیه النازعة فلایجوز [1] اھ ملتقطا **اقول**: فکان هذا من باب عدم ارتفاع المفسد وقوله"جذ عاله فی مقف اواٰجر له فی حائط"یحتمل المعین فلا فساد الامن جهة لزوم الضرر۔	تسلیم مبیع بائع کو ایسا ضرر پہنچے بغیر ممکن نہ ہو جو ضرر اصل خلقت سے ثابت شدہ اتصال کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع باطل ہوگی اور اگر تسلیم مبیع ایسے ضرر کے بغیر ممکن نہ ہو جو اتصال عارضی کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع فاسد ہوگی مگر جب بائع اپنے اختیار سے قطع کرکے تسلیم مبیع کردے تو بیع جائز ہوجائیگی۔اور راس اصل پر قیاس کا تقاضا ہے کہ بکریوں کی پشت پر اگی ہوئی اون کی بیع جائز ہو کیونکر اس میں تسلیم ممکن ہے بائع کو ضرور لاحق ہوئے بغیر جو بسبب اون کاٹنے کے لازم آتا ہے مگر فقہاء نے اس کے جائز نہ ہونے کو مستحسن قرار دیا اس نص کی وجہ سے جس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا اور اس وجہ سے کہ اون کو جڑ سے کاٹنا حیوان کو ضرر پہنچانے سے خالی نہیں اور جڑ کے اوپر سے کاٹیں تو کاٹنے کی جگہ متعین نہیں لہٰذا اس میں جھگڑا پیدا ہوگا اس لئے ناجائز ہے الخ پس **میں کہتا ہوں** کہ یہ مفسد کے دور نہ ہونے کے باب سے ہوگیا اور صاحب بدائع کا قول کہ "بائع نے چھت میں لگی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں فروخت کیں" تو اس میں احتمال ہے کہ وہ شہتیر اور اینٹیں معین ہوں تو اس میں سوائے لزوم ضرر کے کسی اور جہت سے فساد نہ ہوگا۔(ت)

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واماشرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۶۷

بلکہ درمختار میں ہے:

(فسد) بیع (جذع) معین (فی سقف) اما غیر المعین فلا ینقلب صحیحا ابن کمال (وذراع من ثوب یضرہ التبعیض) فلو قطع وسلم قبل فسخ المشتری عاد صحیحا ولو لم یضرہ القطع ککرباس جاز لانتفاء المانع[1]۔	چھت میں لگی ہوئی معین شہتیر کی بیع فاسد ہے رہی غیر معین تو اس کی بیع نہیں ہوسکتی (ابن کمال) اور جس کپڑے کو تبعیض نقصان دے اس میں سے ایک گز کی بیع فاسد ہے پھر اگر مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے قبل بائع نے اس کپڑے کو کاٹ کر مشتری کے سپرد کردیا تو بیع جائز ہوگئی اور اگر کاٹنا اس کو نقصان نہیں پہنچاتا تو مانع کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہے۔ (ت)

مگر ردالمحتار میں ہے:

وھو ضعیف لانہ فی غیر المعین معلل بلزوم الضرر الجھالۃ فاذا تحمل البائع الضرر وسلمہ زال المفسد وارتفعت الجھالۃ ایضا ومن ثم جزم فی الفتح بانہ یعود صحیحا[2] عـــہ	اور وہ ضعیف ہے کیونکہ غیر معین میں فساد بیع کی علت لزوم ضرر اور جہالت کو قرار دیا گیا تو جب بائع نے ضرر کو برداشت کرلیا اور مبیع مشتری کے سپرد کردیا تو مفسد زائل ہوگیا اور جہالت بھی جاتی رہی، یہی وجہ ہے کہ فتح میں اس پر جزم کیا گیا کہ بیع صحت کی طرف پلٹ آئے گی۔ (ت)

عـــہ: جواب ناتمام ملا۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۸۔۹

باب البیع المکروہ
(بیع مکروہ کا بیان)

مسئلہ ۸۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلہ کو روک کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غلہ کو اس نظر سے روکنا کہ گرانی کے وقت بیچیں گے بشرطیکہ اسی جگہ یا اس کے قریب سے خریدا اور اس کا نہ بیچنا لوگوں کو مضر ہو مکروہ وممنوع ہے، اور اگر غلہ دور سے خرید کر لائے اور باتنظار گرانی نہ بیچے یا نہ بیچنا اس کا خلق کو مضر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں،

فی العالمگیریۃ الاحتکار مکروہ وذٰلك ان یشتری ذٰلك یضر بالناس کذا فی الحاوی وان اشتری فی ذٰلك المصر وحبسه ولایضر باھل المصر لاباس به کذا فی التتارخانیة ناقلاعن التجنیس واذا اشتری من مکان قریب من المصر فحمل طعاما الی المصر وحبسه و	عالمگیریہ میں ہے احتکار مکروہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شہر میں غلہ خرید لے اور اس کو فروخت کرنے سے روک رکھے اور یہ روکنا لوگوں کے لئے نقصان دہ ہو یہ حاوی میں ہے اور شہر میں خرید کر اس کے بیچنے سے روکا مگر اس سے لوگوں کو ضرر نہیں پہنچتا تو کوئی حرج نہیں یونہی تاتارخانیہ میں تجنیس سے نقل کیا گیا ہے، اور اگر شہر کے قریب سے خریدا اور شہر میں اٹھالایا اور فروخت سے روک رکھا جبکہ

ذٰلك یضر باھله فھو مکروہ ھذا قول محمد وھو احدی الروایتین عن ابی یوسف وھو المختار ھکذا فی الغیاثیة وھو الصحیح ھکذا فی جواھر الاخلاطی، وفی الجامع الجوامع فان جلب من کان بعید واحتکر لم یمنع کذا فی التاتارخانیة[1]۔	اس سے شہر والوں کو ضرر پہنچتا ہے تو یہ مکروہ ہے یہ امام محمد علیہ الرحمۃ کا قول ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے بھی دو روایتوں میں سے ایک میں یہی آیا ہے، یہی مختار ہے، اسی طرح غیاثیہ میں ہے، اور یہی صحیح ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں مذکور ہے اور جامع الجوامع میں ہے کہ اگر کہیں دور سے اناج خرید کر کھینچ لایا اور شہر میں فروخت سے روک رکھا تو ممنوع نہیں، تتارخانیہ میں یوں ہی ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۰: از شہر کہنہ ۱۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ پانسو روپے کے گیہوں خریدے فصل میں اور بقدر ضرورت اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ لئے، اور باقیماندہ ماہ اساڑھ میں فروخت کردئے اس شکل میں زید مواخذہ دار ہوا یا نہیں؟

الجواب:

بریلی میں پانسو بلکہ پانچ ہزار کے گیہوں فصل پر خریدنے اور بیچنے میں کوئی مواخذہ نہیں کہ ان دونوں زمانوں میں نرخ کا اختلاف معمولی طورپر ہمیشہ ہوتا ہے، ہاں اگر گرانی پڑنے کی خواہش کرے تو خلق اللہ کا بدخواہ اور ماخوذ گناہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۱ تا ۹۲: از بریلی محلّہ ذخیرہ جناب مقبول الرحمٰن خاں

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان مسکونہ کی بیع ایک مسلمان سے قرار پائی وہ معاملہ بیع طے ہوگیا اور قبضہ مکان پر مشتری کو بعد تحریر مسودہ بیعنامہ کردینے دستخط کے دے دیا گیا حسب قانون انگریزی ہنوز بیعنامہ تحریر ورجسٹری نہ ہوا تھا کہ ایک دوسرا مسلمان اسی محلّہ کا جو پہلے خریداری سے انکار کرچکا تھا اب ایک سو روپیہ بڑھا کر خریداری کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور قبضہ ہنوز اس شخص کا ہے جس سے پہلے بائعان کی گفتگو بیع کی طے ہوچکی ہے اور اس کے قبضہ میں مسودہ دستخط شدہ بھی موجود ہے، ایسی صورت میں کون سی بیع شرعاً جائز ہے اور جو بیع شرعی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع فصل فی الاحتکار نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۱۳

پر راضی نہ ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) تین ہفتہ سے مشتری سابق مع عیال واطفال اس مکان میں رہتا ہے جس پر بائعان بخوشی قبضہ دے چکے ہیں تو اب اس کو حق اہل محلّہ کے پڑوسی ہونے کا حاصل ہوگیا یا نہیں؟ اور اگر حاصل ہوگیا تو نئے مشتری کو جو پڑوسی ہے اس کو تکلیف دینا اور مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دوسرے کا اب بیع سے تعرض کرنا، قیمت بڑھانا، اپنی طرف پھیرنا سب حرام ہے۔

فقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن سوم الرجل علی سوم اخیہ[1] **فضلا عن الصورۃ المذکورۃ فی السوال۔**	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے سودا پر سودا کرے چہ جائیکہ سوال میں مذکورہ صورت ہو۔(ت)

مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا ظلم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الظلم ظلمات یوم القیمۃ**[2]۔ ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہو جائے گا۔

اور قرآن عظیم میں ظالموں پر لعنت فرمائی اور ہمسایہ ظلم اور بھی سخت اشد کبیرہ ہے، بائع پر فرض ہے کہ اپنی اگلی بیع پر قائم رہے شرعا بیع ہوچکی رجسٹری یا اسٹامپ پر لکھا جانا شرعا اصلا ضرور نہیں، اور اس دوسرے شخص پر فرض ہے اس ظلم سے باز آجائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۳: از چاند پور ضلع بجنور مرسلہ حکیم رضوی صاحب ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فصل اور موسم ارزانی میں غلہ خرید کیا جائے عندالموقع بشرح نرخ بازار فروخت کر دیا جائے اس کا منافع مسلم کے لئے حرام ہونا کہاں تک لغویت ہے مخالفین اس میں طعنہ زن ہوتے ہیں بغرض حجت حضور سے استصواب ہے۔

الجواب:

صورت مذکورہ پر غلہ کی تجارت بلاشبہ حلال وجائز ہے اسے حرام کہنے والا حلال شرعی کو

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۴۱۱

[2] مسند احمد بن حنبل عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۰۶

حرام کہتا ہے، حرام یہ ہے کہ بستی میں آنے والا غلہ خود خرید لے اور بند رکھے کہ جتنا مہنگا چاہے بیچے جس سے بستی پر تنگی ہو جائے، اور مکروہ یہ ہے کہ اس کے خریدنے سے بستی پر تنگی تو نہ ہو مگر اسے آرزو ہو کہ قحط پڑے کہ مجھے نفع بہت ملے، اور جب ان دونوں باتوں سے پاک ہے جیسا صورت سوال میں ہے تو اصلا کراہت بھی نہیں۔ درمختار میں ہے:

کرہ احتکار قوۃ البشر والبہائم فی بلد یضر باھلہ فان لم یضر لم یکرہ[1]۔	انسانوں اور چوپایوں کی خوراک مہنگا بیچنے کی غرض سے ایسے شہر میں روک رکھنا مکروہ ہے جس کے باشندوں کو اس روکنے سے ضرر پہنچے اور اگر ضرر نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اثم بانتظار الغلاء والقحط لنیۃ السوء للمسلمین[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مہنگائی اور قحط سالی کے انتظار میں غلہ کو روک رکھنے سے گنہگار ہوا کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے بدخواہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۴: از ضلع فرید پور مرسلہ حافظ عنایت علی وکفایت علی ۲۵ صفر ۱۳۱۹ھ

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بعد سلام علیکم مزاج شریف، احوال یہ ہے کہ ایک شخص گندم مبلغ بیس ۲۰ روپے کے ساڑھے نو سیر کے وعدہ پر چھ ماہ کو طلب کرتا ہے اور گندم کا نرخ بازار میں ساڑھے گیارہ سیر و بارہ سیر ہے، جو شخص گندم لیتا ہے اپنی ضرورت کو بازار میں ساڑھے گیارہ سیر و بارہ سیر فروخت کرکے اپنا کام نکال لیتا ہے اور جو شخص گندم ادھار دیتا ہے اس کے مکان پر گندم نہیں بازار سے خرید کر دیتا ہے، دوسرا شخص مبلغ دس روپے کے گندم آٹھ سیر کے بھاؤ سے مانگتا ہے اور مبلغ دس روپے نقد طلب کرتا ہے اسے جو دس روپے دئے جائیں گے اس روپیہ کو دس کے دس لئے جائیں گے جیسا کچھ ارشاد فرمائیں۔

الجواب:

یہ صورتیں حرام نہیں گناہ نہیں پھر بھی مکروہ ہیں ان سے بچنا بہتر ہے، کما فی الفتح وردالمحتار (جیسا کہ فتح اور رد المحتار میں ہے۔ ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۶

باب بیع الفضولی

(فضولی کی بیع کے احکام)

مسئلہ ۹۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زیور اپنی زوجہ ہندہ کا کہ اسے جہیز میں ملاتھا بلااجازت ہندہ بیع کیا اور اپنے صرف میں لایا، آیا یہ بیع نافذ اور ہندہ کو زید سے اختیار مطالبہ حاصل ہے یا نہیں؟ اور زیور وظروف وغیرہ اسباب جہیز جو والدین ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا ہے ملک ہندہ کی ہے یا زید کی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زیور وظروف وغیرہ اسباب جہیز کہ والدین ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا بلاوجہ ملک ہندہ ہے زید کو اس میں کچھ حق نہیں۔

فی الدرالمختار جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها، ولالورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به، وبه یفتی [1]۔	درمختار میں ہے کہ باپ نے بیٹی کو جہز دیا اور بیٹی کے قبضہ میں دے دیا تو اب نہ تو وہ خود واپس لے سکتا ہے نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء واپس لے سکتے ہیں جب کہ اس نے یہ جہیز حالت صحت میں دیا ہو بلکہ اس جہیز کی ملکیت بیٹی کے ساتھ مختص ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب النکاح باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

پس وہ بیع کہ زید نے کی بلااجازت ہندہ نافذ نہیں ہوسکتی، اور اگر ہندہ مطالبہ کرے تو وہ زیور مشتری سے پھر سکتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں ایک مکان اور ایک دکان کہ قریب سولہ سو روپے کے قیمت کے تھے چھ سو روپے کو اپنے شوہر اور دختر کے ہاتھ بیع کئے، بعد پندرہ روز کے بعد ہندہ مر گئی، اس صورت میں یہ بیع جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں بیع صحیح نہیں کہ بیع مرض موت میں کم قیمت کو باتفاق امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالٰی ناجائز ہے اور وارث کے ہاتھ توبرابر قیمت کو بھی بے اجازت دیگر ورثہ امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں

فی التلویح لوباع من احد الورثۃ عینا من اعیان الترکۃ بمثل القیمۃ فلایجوز عند ابی حنیفۃ [1] اھ ملخصا **واللہ تعالٰی اعلم۔**	تلویح میں ہے اگر اشیاء ترکہ میں سے کوئی خاص شیئ کسی نے اپنے وراث کے ہاتھ برابر قیمت پر فروخت کی تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اھ ملخصا، **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۹۷:

مثلا زید یک مکان بلااجازت عمرو خریدہ بیعنامہ آں بنام عمرو برادر خود تحریر کنانیدہ گرفت وزر ثمن آں نیز خود دادہ اقرار ہم کردہ ماند کہ ایں مکان عمرو ست بعد ازاں عمرو کہ وقت خرید مکان درسفر بود درانجا فوت کرد ورثہ عمرو مکان مذکورہ باعانت حاکم از زید بوجہ بیعنامہ واقرار مذکور در خواستند وزید بحکم حاکم تفویض وتسلیم	مثال کے طور پر زید نے ایک مکان اپنے بھائی عمرو کی اجازت کے بغیر خرید کر اس کا بیعنامہ عمرو کے نام لکھوادیا اور اس کا زر ثمن بھی خود ہی دے کر اقرار کیا کہ یہ مکان عمرو کا ہے، بعد میں جب عمرو جو مکان کی خریداری کے وقت سفر پر تھا وہیں فوت ہوگیا تو عمرو کے وارثوں نے بیعنامہ اور اقرار مذکورہ کی وجہ سے حاکم کی مدد کے ذریعے زید سے مکان کا مطالبہ کیا اور زید حاکم کے حکم پر

[1] التلویح مع التوضیح فصل فی الامور المعترضۃ علی الاھلیۃ منہا المرض نورانی کتب خانہ قصہ خانی پشاور ص ۶۶۳

ایشاں کرد پس الحال زید مستحق یافتن زر ثمن کہ درعدالت دادن زید ثابت گردید از ورثاء عمروہست یا بوجہ اقرار بر ملکیت عمرو بسبب مکان مذکور اقرار بریں امر ہم گردید کہ روپیہ دادہ شدہ زر ثمن مکان ازاں عمرو ست، **بینوا توجروا**	وہ مکان ان کے حوالے کردیا، تو کیا اب زید وہ زر ثمن عمرو کے وارثوں سے پانے کا حقدار ہے جس کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے یا مکان مذکور پر عمرو کی ملکیت کا اقرار کرنے کی وجہ سے اس بات کا بھی اقرار ہوگیا کہ مکان کہ زر ثمن میں دیا گیا روپیہ بھی اسی عمرو کی طرف سے ہے، بیان کرو اجر پاؤگے۔(ت)

الجواب:

شرعا درصورت مسؤل فیہا زید مستحق یافتن زر ثمن کہ در عدالت دادن زید ثابت گردیدہ از روثہ عمرو بعد تسلیم مکان بایشان است، واقرار زید بمکان برائے عمرو کہ ہمچوں صورت خرید درغیبت دادن ثمن از نزد خود بمعنی خریدہ شدن برائے عمرو است اقرار بملکیت ثمن برائے عمو عموما خصوص بحالیکہ زید بودن ثمن ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد چہ اقرار بریک چیز اقرار بچیز دیگر منفصل از مقربہ کہ جزء تابع آں نباشد نمے شود وزر ثمن کہ چیزے منفصل وعلیحدہ از مکان مقربہ است بجہت نبودن جزء مکان ومرکب نبودنش دراں تابع مکان نیست پس داخل دراقرار مکان عموما خصوص درحالیکہ زید بودنش ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد مانند اقرار بجاریہ مقبوضہ ذات	صورت مسئولہ میں عمرو کے ورثاء کو مکان سپرد کرنے کے بعد زید ان سے وہ زر ثمن حاصل کرنے کا شرعی طور پر مستحق ہے جس زر ثمن کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے، اور زید کا یہ اقرار کہ مکان عمرو کے لئے ہے جیسا کہ خریداری کی صورت میں عمرو کی عدم موجودگی میں اپنے پاس سے ثمن ادا کرنا بایں معنی کہ مکان کی خریداری عمرو کے لئے ہے اس بات کا اقرار عموما نہیں ہوسکتا کہ ثمن عمرو کی ملکیت تھے خصوصا اس حال میں کہ جب زید نے اپنے پاس سے ثمنوں کی ادائیگی کا کہا بھی ہو (تو بدرجہ اولی ثمنوں کا ملک عمرو ہونا ثابت نہ ہوگا) کیونکہ ایک چیز کا اقرار کسی دوسری ایسی چیز کا اقرار نہیں ہوسکتا جو اس چیز سے منفصل ہو جس کا اقرار کیا گیا ہے اور اس کی تابع جزء نہ ہو، اور ثمن اس مکان سے منفصل اور علیحدہ چیز ہے جس مکان کا اقرار زید نے عمرو کے لئے کیا ہے لہٰذا اس مکان کی جزء نہ ہونے اور اس کے ساتھ مرکب نہ ہونے کی وجہ سے زر ثمن مکان کے تابع نہیں چنانچہ بالعموم اقرار مکان میں داخل نہ ہوسکے گا

ولد واقرار بصندوق محمولہ متاع و اقرار بدار مقبوضہ مشمولہ بمتاع ودواب کہ اقرار بولد جاریہ ومتاع صندوق ومتاع دار ودواب از ہمیں علت جامعہ یعنی از جہت نبودن ہر یکے ازاں جزو تابع مقربہ نمے شود در فتاوٰی قاضیخان نوشتہ رجل فی یدیہ جاریۃ وولدہا فقال ان الجاریۃ لفلان لایدخل فیہ الولد[1] الخ۔ ودر محیط نوشتہ (عبارت منقول بر ہامش در مختار ص ۴۸۲) انتہی ملتقطا واگر نیک غور کردہ آید ہمیں مضموم یعنی داخل نبودن ثمن غیر مقربہ در اقرار مکان ولازم نبودنش بر مقران از ھدایہ وعینی وغیرہما بقیہ مااقربہ در عبارت لزمہ اقرارہ مجھولہ کان مااقربہ اومعلوما[2] والاقرار ملزم علی المقر مااقربہ[3]۔ واضح مے شود وچوں ثمن غیر مقربہ داخل در اقرار مکان نمی تواند شد

خصوصا اس حال میں کہ جب زید نے یہ کہہ بھی دیا ہے کہ ثمن میں اپنے پاس دے رہاہوں یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے کوئی شخص اولاد والی مقبوضہ لونڈی کے بارے میں اقرار کرے یا اس صندوق کے بارے میں اقرار کرے جس میں سامان ہو یا ایسے گھر کے بارے میں اقرار کرے جس میں سامان اور چوپائے ہوں تو یہ اقرار لونڈی کی اولاد، صندوق میں رکھے ہوئے سامان اور گھر میں موجود سامان اور چوپایوں کو شامل نہ ہوگا اسی علت جامعہ کی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ ان میں کوئی بھی ان چیزون کی جزء وتابع نہیں جن کے بارے میں اقرار کیا گیا، فتاوٰی قاضی خاں میں لکھا ہوا کہ ایک شخص کے قبضہ میں لونڈی اور اس کی اولاد ہوا اور وہ کہے کہ یہ لونڈی فلاں شخص کی ہے تو لونڈی کی اولاد اس اقرار میں داخل نہ ہوگی الخ۔ اور محیط میں مرقوم ہے (عبارت بر ہامش در مختار ص ۴۸۲) انتہی ملتقطا اور اگر خوب غور کیا جائے تو یہی مضمون یعنی غیر اقرار شدہ ثمنوں کا اقرار مکان میں داخل نہ ہونا اور مکان کا اقرار کرنیوالوں پر ثمن کا لازم نہ ہونا ہدایہ اور عینی وغیرہ میں مذکور مااقربہ (جس کا اس نے اقرار کیا) کی قید سے حاصل ہوتا ہے جو قید انھوں نے ان عبارتوں میں لگائی کہ مقر پر اس کا اقرار لازم ہو جاتا ہے چاہے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاقرار فصل فی الاستثناء نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۲۳

[2] الھدایہ کتاب الاقرار مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۲۹

[3] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الاقرار المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۳/ ۷۷ ۴، فتح القدیر کتاب الاقرار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/

پس زید کہ مکان مذکور آں بلااجازت عمرو بنام اوخریدہ زر ثمن آں از نزد خود بجہت مباشر بودن معاملہ خرید ومضطر بودن درادائے ثمن کہ دینے واجب الادا بود ببائع آں نمود ورثہ عمرو آں مکان را بعد حکم حاکم بر تسلیم زید در قبض خود درآورند بے شبہہ زید مستحق یافتن زر ثمن ادا کردہ خود از ورثہ عمرواست واحتمال تطوع وتبرع در ہمچوں حالت اضطرار ادائے ثمن مفقود کہ شرعا مضطر بادائے دین ذمگی کسے بہ نہجیکہ باشد ہرگز متطوع ومتبرع قرارداده نمی شود چنانچہ ازیں روایت معتبرہ شرح حموی ظاہر ست **لو قضی واحد من الورثۃ حق الغریم من مالہ علی ان لایرجع فی الترکۃ فالقاضی لاینقض القسمۃ بل یمضیھا اما اذا شرط الرجوع او سکت فالقسمۃ مردودۃ الاان یقضوا حق الوارث الذی قضی حق الغریم من مالہ وھذا الجواب**

وہ شے جس کا اس نے اقرار کیا معلوم ہو یا مجہول، مقر پر لزوم اس کے اقرار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب غیر اقرار شدہ ثمن مکان کے اقرار میں داخل نہیں ہوسکتے تو پھر زید نے جو مکان عمرو کی اجازت کے بغیر اس کے نام پر خریدا اور زر ثمن اپنے پاس سے اس لئے بائع کو دیا کہ ہو خریداری کے معاملہ میں مباشر تھا اور ثمن جو کہ واجب الادا دین ہے کی ادائیگی میں مجبور تھا اور حکم حاکم کے بعد زید کی سپردگی سے عمرو کے ورثاء نے وہ مکان اپنے قبضہ میں لے لیا تو اب زید بلا شبہ عمرو کے ورثاء سے اس زر ثمن کو وصول کرنے کا مستحق ہے جو اس نے اپنے پاس سے ادا کیا ہے اور اس طرح کی اضطراری حالت میں ثمن کی ادائیگی میں تطوع و تبرع (بطور احسان ادا کرنا) کا احتمال موجود نہیں کیونکہ کسی کے ذمے لازم قرض کی ادائیگی میں اگر کوئی شخص کسی طرح مجبور ہو تو شرعی طور پر اس قرض ادا کرنے والے شخص کو تطوع و تبرع کرنے والا ہرگز قرار نہیں دیا جاتا، جیسا کہ شرح حموی کی اس معتبر روایت سے ظاہر ہے اگر کسی وارث نے اپنے مال سے کسی قرض خواہ کا حق ادا کردیا اس شرط پر کہ وہ ترکہ میں سے قرض کا رجوع نہیں کرے گا تو قاضی تقسیم کو نہیں توڑے گا بلکہ اس کو قائم رکھے گا اور اگر اس نے ترکہ سے رجوع کی

ظاہر فیما اذا شرط الرجوع مشکل فیما اذا سکت، وینبغی ان یجعل متوطعا اذا سکت و الجواب انه لم یجعل متطوعا لانه مضطر فی القضاء[1] انتھی۔

وبرائے ثبوت استحقاق زید بہ نسبت یافتن زر ثمن از ورثہ عمرو کہ مکان خریدہ زید را بعد حکم حاکم بہ تسلیم زید باوصف ثبوت ادائے ثمن ازاں زید بقبضہ ایشاں در رسیدہ ایں روایت ہدایہ وعنایہ ونتائج وغیرہ کنایت میکند وھی ھذہ ومن قال الاخر بعنی (منقول ھامش الدر من باب الفضولی) الا ان یسلمه المشتری له ای الاان یسلمه المشتری له العبد المشتری لاجله الیه ویجوز ان یکون معناه الاان یسلم فلانا العبد المشتری لاجله وفاعل یسلم ضمیر یعود الی المشتری بناء علی الروایتین بکسر الراء وفتحها فیکون بیعا و علیه العهدة ای علی

شرط لگائی یا خاموش رہا تو تقسیم مردود ہوگی تاوقتیکہ ورثاء اس وارث کا حق ادا کردیں جس نے قرضخواہ کا حق اپنے مال سے ادا کیا، یہ حکم شرط رجوع والی صورت میں ظاہر اور سکوت والی صورت میں شکل ہے چنانچہ خاموش رہنے کی صورت میں اس وارث کو متطوع قرار دینا چاہئے،اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو متطوع اس لئے قرار نہیں دیا گیا کہ وہ قرض کی ادائیگی میں مجبور تھا انتھی، زید کا خریدا ہوا مکان حکم حاکم پر زید کے سپردگی کے بعد جب ورثاء عمرو کے قبضہ میں پہنچ گیا باوجودیکہ زید کی طرف سے زر ثمن کی ادائیگی ثابت ہے تو اب ورثاء عمرو سے زید کے زر ثمن کے مستحق ہونے کے ثبوت کے لئے ہدایہ، عنایہ اور نتائج کی یہ روایت کافی ہے جو کہ یہ ہے اور جس شخص نے دوسرے کو کہا کہ مجھ پر فروخت کر الخ (منقول از حاشیہ درمختار، باب الفضولی) مگر یہ کہ مشتری غلام اس کے حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدا یعنی سوائے اس کے بیع جائز نہ ہوگی کہ مشتری خریدا ہوا غلام اس کے حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدا اور ممکن ہے کہ معنٰی یوں ہو مگر اوقت بیع جائز ہوگی جب مشتری خریدا ہوا غلام اس فلاں کے سپرد کردے جس کی خاطر وہ غلام خریدا گیا اور یسلم کا فاعل ضمیر ہو جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے، یہ اختلاف دو روایتوں پر مبنی ہے مشتری کی راء پر کسرہ اور فتحہ

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب القسمة ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه کراچی ۲/ ۹۵۔۹۴

فلان عهدة الاخذ بتسليم الثمن لانه صار مشتريا بالتعاطی كالفضولی اذااشتری لشخص ثم سلمه المشتری لاجله، [1] عناية الا ان يسلم المشتری له روی لفظ المشتری بروايتين بكسر الراء وفتحها فعلى الكسر يكون المشتری فاعلا ،وقوله له ای لاجله ويكون المفعول الثانی محذوفا وهو اليه،فالمعنى الا ان يسلم الفضولی العبد الذی اشتراه لاجل فلان اليه،وعلى الفتح يكون المشتری له مفعولا ثانيا بدون حرف الجر وحو فلان،ويكون الفاعل مضمرا يعود الى المشتری فالمعنى الا ان يسلم الفضولی العبد الى المشتری له وهو فلان،ثم ان هذا الاستثناء من قوله لم يكن [2] الخ(منقوله هامش الدر من الفضولی)الخ

کے ساتھ تو اس طرح یہ نئی بیع ہوگی اور اس کی یعنی فلاں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ثمن ادا کرکے اس کو لے لے کیونکہ وہ تعاطی کے ساتھ مشتری ہوگیا ہے اس فضولی کی طرح جو کسی شخص کے لئے کچھ خریدے وہ چیز اس کے حوالے کردے جو اس کے لئے خریدی گئی (عنایہ) مگر یہ کہ مشتری وہ غلام اس کے حوالے کردے، لفظ مشتری دو طرح سے روایت کیا گیا راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، کسرہ کی صورت میں مشتری فاعل ہوگا اور ماتن کا قول له کا بمعنی لاجله ہوگا اور مفعول ثانی محذوف ہوگا جو کہ اليه ہے تو اس طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ فضولی (مشتری) وہ غلام جو فلاں کی وجہ سے اس نے خریدا وہ فلاں کے حوالے کردے، اور فتحہ کی صورت میں مشتری لہ بغیر حرف جر کے مفعول ثانی ہوگا اور مشتری لہ وہ فلاں ہی ہے اور يسلم کا فاعل وہ ضمیر ہوگی جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے تو اس طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ وہ فضولی (مشتری) غلام کو مشتری لہ (جس کے لئے خریدا گیا) کے حوالے کردے اور وہ یعنی مشتری لہ وہ فلاں ہی ہے، پھر یہ استثناء ماتن کے قول لم یکن الخ سے ہے (منقول از حاشیہ در

[1] العناية على هامش فتح القدير كتاب الوكالة باب الوكاله فی البيع والشراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۵۱و۵۲

[2] نتائج الافكار وهی تكمله فتح القدير كتاب الوكالة باب الوكاله فی البيع والشراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۵۱و۵۲

نتائج، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ احکم المجیب المدعو بمحمد فقیر اللہ الغنی عفی عنہ ارسلہ الی سید مولٰنا شاہ علی باھتمام تام للتصدیق لمنتصف جمادی الاولی ۱۲۹۵ھ۔

اقول: حاصل الجواب امران الاول انہ انما اقر بالدار دون الثمن وکان مضطر الی قضائہ فیرجع ولایجعل تبرعا، الثانی انہ لما سلم الدار الی ورثۃ عمرو صار بیعا مبتہ ابالتعاطی فکان عھدۃ الاخذ بتسلیم الثمن علیھم وانت تعلم ان بین الامرین تباینا وتنافیا وعندی الجواب لیس کما قال لان زیدا اما ان یکون قال عندالشراء اشتریتہ لفلان اوقال لی اولا ولا علی الاول کان فضولیا یتوقف نفاذ شرائۃ علی اجازۃ من اشتری لہ وقد مات قبل ان یجیز فبطل واستبان ان المبیع للبائع و الثمن للفضولی المشتری الذی اداہ من عندہ، فلا شیئ

باب الفضولی) نتائج، اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور اس کا علم بہت مضبوط ہے، مجیب فقیر محمد فقیر اللہ نے اس کو سید مولٰنا شاہ علی کے پاس پورے اہتمام کے ساتھ تصدیق کے لئے ارسال کیا نصف جمادی الاولٰی ۱۲۹۵ھ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) جواب کا حاصل دو امر ہیں: پہلا یہ کہ زید نے مکان کا اقرار کیا نہ کہ ثمن کا اور وہ ثمن کی ادائیگی میں مجبور تھا لہٰذا وہ رجوع کرے گا اور اس کو تبرع قرار نہیں دیا جائے گا، دوسرا امر یہ ہے کہ زید نے جب مکان ورثاء عمرو کے حوالے کر دیا اور یہ تعاطی کے ساتھ نئی بیع ہوئی تو اب ثمن ادا کرکے اس کو لینا عمرو کے ورثاء کی ذمہ داری ہے اور تو جانتا ہے کہ ان دونوں امروں میں مخالفت ومنافات ہے، اور میرے نزدیک اس کا جواب اس طرح نہیں جس طرح میرے مجیب نے کہا اس لئے کہ زید نے خریداری کے وقت یا تو یہ کہا ہے کہ میں نے یہ مکان فلاں کے لئے خریدا ہے یا یہ کہا کہ یہ میرے اپنے لئے ہوگا یا ایسا اس نے نہیں کیا، پہلی صورت میں وہ فضولی ہے اور اس کی خریداری کا نفاذ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا جس کے لئے اس نے یہ مکان خریدا حالانکہ وہ اجازت سے قبل مرگیا ہے تو بیع باطل ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ مبیع بائع کی ملک اور ثمن اس فضولی مشتری کی ملک ہے جس نے اپنے پاس سے ادا کیا، چنانچہ

لعمرو ولالورثته وحکم الحاکم لهم لایعتبر بل یرد ویفسخ لانه قضٰی لهم بمال الغیر والاقرار باطل لانه اقرار بملك الغیر نعم ان انتقل الیه بعد بوجه من الوجوه اخذ باقراره فاذا رفع الامر الی القاضی وجب ان یرد قضاؤه لظهور خطائه من جهة الشرع، وهذا التعاطی ایضاً لایجوز ان یکون بیعاً مبتداءً اذا لفضولی لاحق له فی المبیع وان کان کان بیع فضولی متوقفاً علی اجازة البائع الاول، فان اجاز کان الثمن له لاللفضولی والا یسترد الدار من الورثة ویرد الثمن علی الفضولی، وعلی الثانیین نفذ الشراء علی الفضولی لعدم الاضافة، الی من اشتراها لاجله، ثم انه مواخذه باقراره وقد قضی القاضی للورثه بالدار محتجین بالاقرار ففیم یرجع علیهم بالثمن و ان ثبت عندا لقاضی انه انما شراه بثمنه	عمرو اور اس کے وارثوں کے لئے کچھ بھی نہیں اور ان کے حق میں حاکم نے ان کے لئے ملک غیر کا حکم کیا ہے اور اقرار باطل ہے کیونکہ یہ ملک غیر کا اقرار ہے، ہاں اگر اس کے بعد کسی طرح وہ مکان زید کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ اس کے اقرار کے سبب سے لے لیا جائے گا، اور اگر یہ معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے تو اس پر پہلے فیصلے کو رد کر دینا واجب ہے کیونکہ شریعت کی جہت سے اس کی خطاء ظاہر ہو چکی ہے اور اس تعاطی کا نئی بیع ہونا بھی جائز نہیں کیونکہ فضولی کا مبیع میں کوئی حق نہیں اور اگر نئی ہوئی بھی تو ایسی بیع فضولی ہو گی جو بائع اول کی اجازت پر موقوف ہو گی اگر اس نے اجازت دے دی تو ثمن اس کے لئے ہوں گے نہ کے فضولی کے لئے، اور اگر اس نے بیع کو رد کر دیا تو مکان عمرو کے وارثوں سے واپس لے لیا جائے گا اور ثمن فضولی کو لوٹا دئے جائیں گے، دیگر دونوں صورتوں میں خریداری فضولی پر نافذ ہوئی کیونکہ اس نے اس شخص کی طرف اضافت نہیں کی جس کے لئے اس نے گھر خریدا پھر بسبب اس کے اقرار کے وہ ذمہ دار ہو گیا اور قاضی نے ورثاء عمرو کے حق میں فیصلہ دیا جو زید کے اقرار کو دلیل بنا رہے ہیں تو اب زید (فضولی) ثمن کے بارے میں ورثاء عمرو پر کس وجہ سے رجوع کرے گا اور اگر قاضی کے ہاں ثابت

لما وقع عندالشراء فی محکمة القضاء ولم لم یستلزم الاقرار بالدار الاقرار بالثمن اذلیس معنی المؤاخذة بالاقرار ان یقضی بالمقربه للمقرله ویرجع المقر بالثمن بناء علی انه کان اشتراه اذ فی الاقرار لاینظر الی الواقع انما یواخذ الرجل بزعمه لاحتمال انه کان اشتراه ثم حدث سبب فصار ملکا للمقرله وان ادعی انه انما اقر بنا علی زعمه ان اشراءه لاینفذ علیه فهذه کلمة هو قائلها لاتقبل منه لما فی الاشباہ اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطاء لم تقبل الا اذا اقر بالطلاق اذا اقر به بناء علی ماافتی به المفتی[1]۔ ثم ظهر ان الحکم لیس کذٰلك فادعی الخطاء بناء علی هذا قبل وکذا ان ادعی ان اقراره کان تملیکا وہبة وبطلت لموت عمرو	ہوجائے کہ زید نے وہ مکان عمرو کے ثمن سے خریدا ہے تو اہل شرع خریداروں کے نزدیک یہ معاملہ محکمہ قضاء کے تحت داخل نہ ہوگا اگرچہ کسی کے شے مکان کا اقرار کرنا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ مکان اس کے ثمن سے خریدا گیا ہے کیونکہ کسی شخص کو اس کے اقرار کے سبب پکڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ اقرار والی شے کا فیصلہ اس شخص کے لئے کیا جائے جس کے لئے اقرار کیا گیاہے اور پھر اقرار کرنے والا اس بناء پر مقرلہ سے ثمن کے بارے میں رجوع کرے کہ اس اقرار کرنے والے نے یہ شے خریدی تھی اس لئے کہ اقرار میں واقع کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اقرار کرنے ولا اپنے گمان / قول کے سبب سے پکڑا جاتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اقار کرنے والے نے اس شیئ کو خریدا ہو پھر کوئی ایسا سبب پیدا ہوگیا ہو جس سے وہ شے مقرلہ کی ملکیت منتقل ہوگئی ہو، اور اگر اقرار کرنے والا یہ دعوٰی کرے کہ اس نے یہ شیئ (مقربہ اس خیال سے خریدی تھی کہ اس کی خریداری مجھ پر نافذ نہ ہوگی تو یہ محض اس کا ایک قول ہے جس کو قبول نہیں کیا جائے گا، اس دلیل کی وجہ سے جو اشباہ میں کہ ایک شخص نے کسی چیز کا اقرار کیا پھر اس میں خطاء کا

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۱۔۲۰

قبل القبول والتسلیم فان الموت احدالعاقدین یبطل الهبة اذا کان قبل التسلیم فقبل القبول ـــــف ـــابی لم تقبل ایضا صرح به فی الاشباه ثم هذا التسلیم الواقع بامر القاضی انما وقع علی حکم الاقرار لاعلی وجه البیع والتسلیم لایکون بیع التعاطی الااذا وقع علی جهته قال فی الدر فی باب الوکالة بالبیع والشراء لان التسلیم علی وجه البیع بیع بالتعاطی [1] الخ۔ وایضا یعتمد البیع بالتراضی و ههنا التسلیم بامر القاضی ولا رضاء بعد القضاء هذا ماظهر لی من وجوہ الخلل فی الجواب فالحق فی الجواب ما	دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا سوائے طلاق کے کہ جب کسی شخص نے مفتی کے غلط فتویٰ کی بناء پر طلاق کا اقرار کرلیا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے چنانچہ اس وجہ سے اس نے خطاء کا دعوی کیا تو قبول کرلیا جائے گا اور یہی حکم ہوگا کہ اگر زید نے دعوی کیا کہ اس کا اقرار تو تملیک اور ہبہ تھا اور وہ قبول وتسلیم سے عمرو کے فوت ہوجانے کی وجہ سے باطل ہوگیا ہے کیونکہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے جبکہ تسلیم سے پہلے موت واقع ہوئی ہے .... پھر قاضی کے حکم سے واقع ہونے والے یہ تسلیم بطور بیع نہیں بلکہ اقرار کی بنیاد پر ہے اور تسلیم جب تک بطور بیع نہ ہو وہ بیع تعاطی نہیں ہوسکتی در میں بیع وشراء کی وکالت کے باب میں ہے کہ بیشک بیع کے طور پر ہونے والی تسلیم بیع تعاطی ہے الخ۔ نیز بیع کی بنیاد تو باہمی رضامندی پر ہوتی ہے جبکہ یہاں قاضی کے حکم سے تسلیم ہوئی اور قضاء کے بعد رضا نہیں ہوتی، یہ مجیب کے جواب میں واقع ہونے والے خلل کی وجوہات تھیں جو میرے لئے ظاہر ہوئیں اور جواب میں حق وہ ہے جو

[1] درمختار کتاب الوکالة باب الوکالة بالبیع الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۶

ف: یہاں اصل میں بیاض ہے۔

اقول: ان ثبت انه لم یکن اضاف الشراء الی عمرو حین اشتری ولو استکتب اسمه فی الصك بعد تمام العقد ووقوع الایجاب و القبول فلا شك ان الشراء ینفذ علیه فتصیر الدار ملکا له ثم یواخذه باقرارہ کما قضی القاضی ولایمکنه الرجوع علی الورثة بالثمن وان تثبت الاضافة اذ ذاك کان شراء متوقفا ثم بطل لموت عمر وقبل الاجازة قال فی الدر فی حق بیع الفضولی لاتجوز اجازة وارثه لبطلان بموته [1] وکذا فی عامة الکتب فکذا شراء ہ لاجرم ان قال فی الاشباہ الموقوف یبطل بموت الموقوف علی اجازته ولا یقوم الوارث لوارث مقامه الا فی القسمة کذا فی الولوالجیة [2] انتهی فلم یکن للورثة حق فی الدار ولا فی الثمن	**اقول:** (میں کہتاہوں) اگر ثابت ہوجائے کہ زید نے مکان خریدتے وقت خریداری کو عمرو کی طرف منسوب نہیں کیا اگرچہ ایجاب وقبول کے وقوع اور عقد کے انعقاد کے بعد بیعنامہ میں اس کا نام لکھوادیا ہے تو بیشک یہ شراء زید پر نافذ ہوگی اور مکان اس کی ملک ہوگا پھر اس کے اقرار کلی وجہ سے وہ مکان اس سے لے لیا جائے گا جیسا کہ قاضی نے فیصلہ کیا ہے اس صورت میں وہ ثمن کے بارے میں ورثاء عمرو سے رجوع نہیں کرسکتا اور اگر بوقت خریداری عمرو کی طرف نسبت کرنا ثابت ہوجائے تو یہ شراء موقوف ہوئی جو کہ عمرو کی قبول از اجازت موت کے سبب سے باطل ہوچکی، در میں فضولی کی بیع کے بارے میں فرمایا کہ اس کے وارث کی اجازت سے جائز نہ ہوگی کیونکہ وہ بیع اس (صاحب متاع) کی موت کی وجہ سے باطل ہوچکی ہے اور اسی طرح عام کتابوں میں ہے تو یقینا اسی طرح فضولی کی شراء کا حکم ہوگا، اشباہ میں کہا کہ موقوف بیع اس شخص کی موت سے باطل ہوتی ہے جس کی اجازت پر وہ موقوف تھی اور اس کا وارث اس کے قائم مقام نہیں ہوتا سوائے قسمت کے جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے انتہی، لہٰذا ورثاء عمرو کا نہ تو مکان میں کوئی حق ہے نہ ہی ثمن میں اور

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[2] الاشباہ والنظائر کتاب البیوع الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۰

فاذ ارفع الامرا الی القاضی وجب ان یرد قضاؤہ لما تبیین من خطائه بحکم الشرع فان ادعی البائع ردت الدار الیه والثمن الی المشتری ولا شیئ للورثة ھذا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم وحکمه احکم۔	جب قاضی کے پاس معاملہ لے جایا گیا تو اس کی قضا کو رد کرنا واجب ہے کیونکہ شرع کی جانب سے اس کی خطاء ظاہر ہوچکی ہے چنانچہ اگر بائع دعوٰی کرے تو مکان اس کو اور ثمن مشتری کو لوٹا دئے جائیں گے ورثاء عمرو کے لئے کوئی شیئ نہ ہوگی اسے خوب یاد رکھو واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۹۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو مکان اپنے روپیہ سے خرید کر ان کے بیعنامے اپنے چھوٹے بھائی خالد کے نام کہ وہ بھی بالغ تھا لکھادئے اور خریدتے وقت اپنے اہل خاندان کے روبرو کہا کہ یہ مکان میں نے اپنے بھائی خالد کے لئے خریدے ہیں ان کا کوئی مالک نہیں اور بعد خریداری خلاد کو قابض کرادیا اور دستاویز بھی اسے دے دی اور کرایہ نامے خالد ہی کے نام سے ہوتے رہے اور کرایہ دار اسی کی مرضی پر آباد ہوتے رہے اور کرایہ بھی وہی پاتا رہا اب دس برس کے بعد کو زید فوت ہوا اس کا تیسرا بھائی عمرو مدعی ہے، ان مکانوں کے میں اور زوجہ وپسر ودختر زید مالک ہیں کہ میرے اور زید کے روپے سے خرید کردہ ہیں حالانکہ واقع میں اس کا روپیہ اصلا نہ تھا اس صورت میں مالک مکانوں کا کون ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر خریدتے وقت عقد بیع وشراء مالکان مکان وزید سے بنام خالد وقع ہوا تھا تو شراء شرائے فضولی تھا اور اجازت خالد پر موقوف،

فی الدار المختار لو اضافه (یعنی اضاف المشتری الفضولی الشراء الی غیرہ) بان قال بع ھذا العبد لفلان فقال البائع بعته لفلان توقف بزازیة وغیرھا[1] اھ۔ فی ردالمحتار علی اجازۃ من شری له فان اجاز جازو عهدته علی المجیز لاعلی	درمختار میں ہے کہ اگر فضولی مشتری نے شراء کی نسبت کسی غیر کی بایں طور کہ یوں کہا یہ غلام فلاں کے لئے فروخت کر، بائع نے کہا میں نے فلاں کے لئے فروکت کیا، تو یہ شراء موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ اھ۔ ردالمحتار میں ہے کہ اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوگی جس کے لئے فضولی نے خریداری کی اگر وہ اجازت

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

العاقد[1]۔	دے گا تو یہ شراء جائز ہوجائے گی اور اس کی ذمہ داری اجازت دینے والے پر ہوگی نہ کہ عاقدین پر۔(ت)

جبکہ خالد نے مکانات پر قبضہ کیا وہ شراء جائز و نافذ ہوگیا۔

کما ان قبض الثمن اجازۃ لبیع الفضولی فی الدار المختار اخذ المالک الثمن اجازۃ[2] اھ ملخصا ثم قال وافاد کلامہ جواز الاجازۃ بالفعل والقول[3] اھ۔	جیسا کہ ثمن پر قبضہ کرنا بیع فضولی کی اجازت ہوتا ہے درمختار میں ہے کہ مالک کا ثمن وصول کرنا اجازت ہے اھ ملخص، پھر کہا ماتن کا قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ اجازت قول وفعل دونوں سے جائز ہے۔اھ (ت)

اور تقریر سوال سے ظاہر کہ ثمن زید نے بطور خود بے اذن وامر خالد اپنے مال سے ادا کیا تو وہ اس امر میں تبرع واحسان کرنیوالا تھا اور یہ بات خود گفتگو مذکور سوال سے واضح ہے پس مکانات بے شرکت غیرے خاص ملک خالد ہیں اور اس پر وارثان زید کا کوئی دعوٰی نہ دربارہ مکانات ہے نہ درباب ثمن،

فی الفتاوی الخیریۃ اذا دفع دینا لحق الاخر باذنہ فلہ الرجوع علیہ ولایکون متبرعا للاذن حتی اذالم یاذن لہ بہ کان متبرعاوبہ یعلم انہ اذادفع مہر زوجتہ عنہ باذنہ اوثمن الجاریۃ التی امرہ بشرائھا یرجع علیہ بما دفع والحال ھذہ[4] اھ۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے اگر کسی نے دوسرے کا قرض اس کی اجازت سے ادا کیا تو اس سے رجوع کرسکتا ہے اور متبرع نہ ہوگا کیونکہ اس کی اجازت سے ادائیگی کی ہے حتی کہ اگر مقروض نے اس کو ادائیگی قرض کا اذن نہ دیا ہوتا تو یہ احسان کرنے والا قرار پاتا (یعنی حق رجوع نہ رکھتا) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے شوہر کے اذن سے اس کی طرف سے اس کی بیوی کا مہر ادا کردیا یا کسی کی لونڈی کی قیمت ادا کردی جس کی خریداری کا اس نے حکم دیا تھا تو ادا کرنے والا شوہر اور لونڈی کے مالک سے رجوع کرسکتا ہے اور صورت حال یہی ہے اھ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع فصل فی الفضولی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۴

رہا عمرو اگر واقع میں کچھ روپیہ اس کا بھی ادائے ثمن میں صرف ہوا اور اس نے بھی مثل زید بطور خود دیا تھا تو وہ بھی متبرع ہے جس کا مطالبہ کسی سے نہیں کرسکتا، اور اگر زید نے اس سے مانگ کر ثمن میں صرف کیا تو غایت یہ ہے کہ یہ قرض عمرو کا زید پر ہوگا اس کے ترکہ سے لے، خالد پر کوئی دعوی اسے نہیں پہنچتا۔

فانہ ان اقرض فانما اقرض زیدا فعلیہ العھدۃ لاعلی خالد کما لایخفی۔	اس لئے کہ اگر اس نے قرض دیا تھا تو یہ قرض زید کو دیا تھا اس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے نہ کہ خالد پر، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

اور اگر عقد بیع وشراء بنام زید ہوا تھا اگرچہ بعد کو زید نے بیعناموں میں خالد کا نام لکھا دیا تو وہ مکان وقت خریداری مملوک زید ہوئے۔

لان الشراء اذا وجد نفاذا نفذ علی العاقد[1] کما نص علی فی الھدایۃ والدرالمختار وعامۃ الاسفار فی الدر لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ[2] الخ۔	کیونکہ شراء نفاذ کی گنجائش پائے تو عائد پر نفاذ ہوجاتی ہے جیسا کہ اس پر ہدایہ اور عام کتابوں میں نص کی گئی ہے، در میں ہے کہ اگر کسی غیر کے لئے خریداری کی تو خود اس پر نافذ ہوگی الخ (ت)

اور عمرو کا روپیہ ادائے ثمن میں دیا بھی گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکان خرید کردہ عمرو کے ٹھہریں یا ان میں اس کا حصہ قرار پایا جائے بلکہ تنہا زید ہی اس کا مالک ٹھہرے گا،

فی الفتاوی الخیریۃ لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی اذ لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب لانہ یحتمل القرض و الغصب[3]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ بیٹے کے یوں کہنے سے کہ میں نے گھر اپنے باپ کے مال سے خریدا ہے گھر باپ کے لئے ثابت نہ ہوگا کیونکہ باپ کے مال سے خریدنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو اس لئے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے باپ کا مال غصب کیا ہو یا قرض کیا ہو۔ (ت)

پھر بعد خریداری جو افعال واقوال زید سے واقع ہوئے اور اس نے وہ مکان خالد کا نام بیعنام میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰، فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع فصل فی الفضولی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

لکھا کر اسے سپرد کر دئے یہ صریح دلیل ہبہ ہے۔

فالھبۃ ایضا ینعقد بالتعاطی دل علیہ فروع جمۃ فی المذہب وفی الدرالمختار اتخذ لولدہ اولتلمیذہ ثیاباثم اراد دفعھا لغیرہ لیس لہ ذٰلک مالک یبین وقت الاتخاذ انھا عاریۃ [1] اھ وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ وفی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشتری ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملک الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ [2]۔	چنانچہ ہبہ بھی تعاطی (باہمی لین دین) سے منعقد ہو جاتا ہے اس پر مذہب میں واقع کثیر فروع دلالت کرتی ہے، در مختار میں ہے کہ بیٹے یا شاگرد کے لئے کسی نے کپڑے بنائے پھر غیر کو دینے کا ارادہ کیا تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں جب تک کہ بنانے کے وقت یہ وضاحت نہ کر دی ہو کہ یہ کپڑے عاریت ہیں اھ عقود الدریہ، فتاوٰی حامدیہ، ذخیرہ اور تجنیس میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے مال سے نابالغ بچے کے لئے جائداد خریدی تو شراء ماں کے لئے واقع ہوئی کیونکہ وہ بچے کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور وہ جائداد بچے کی ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی بن گئی۔ (ت)

پس اس صورت میں بھی بعد قبضہ خالد کے ملک تام ہو گئی اور ان مکانات میں کسی کا کچھ حق نہ رہا اور زر ثمن میں اگر عمرو نے کچھ دیا بھی تو اس کا وہی حال ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی بطور تطوع تھا تو کسی پر مطالبہ نہیں اور بطور قرض تھا تو وہ زید پر ہے خالد سے کچھ تعلق نہیں، ہاں اگر نفس عقد زید وعمرو دونوں کے لئے واقع ہوتا مثلاً بائع کہتا میں نے یہ مکان تم دونون کے ہاتھ بیچے، یہ کہتے ہم نے خریدے، یا عمرو زید کو اپنی طرف سے اپنے مکان کی خریداری کا وکیل کر دیتا تو البتہ وہ بحصہ مساوی زید وعمرو دونوں کے ملک ہوتے اگرچہ عمرو نے ثمن میں کچھ نہ دیا ہو اور اب یہ ہبہ بنام خالد کہ صرف زید نے کیا محض ناجائز رہتا،

لانہ مایملک الاھبہ مبلکہ وھو مشاع ولایکفی سکوت عمرو حتی یجعل ھبۃ لکل لان سکوت المالک ببیع الفضولی	کیونہ وہ تو صرف اپنی ملک کو ہبہ کرنے کا مالک ہے، اور اس کی ملک جزء غیر منقسم ہے جس کا ہب جائز نہیں) اور عمرو کا سکوت کافی نہیں کہ دونوں کا

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوصایۃ عبدالغفار کتبخانہ قندہار افغانستان ۲ /۳۳۷

لایکون رضا کما فی الاشباہ فکیف بالھبۃ [1]۔	ہبہ بنادیا جائے کیونکہ فضولی کی بیع کے وقت مالک کا سکوت اس کی رضا نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ میں ہے تو ہبہ میں ایسا کیسے ہوسکتا ہے (ت)

مسئلہ ۹۹: از پیلی بھیت مرسلہ مولوی عبدالاحد صاحب ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت مرض الموت ایک حقیت بحق وارث بیع کی بہ امورات خیر، تو یہ وقف رہا یا بیع؟ ایسی صورت میں یہ بیع بھی ایک ثلث میں بحق وارث رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ بیع ایسی حالت میں بیع جانی جائے گی یا ہبہ؟ **فقط بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ بیع کی ہے تو وہ عقد نہ وقف ہوسکتا ہے نہ ہبہ ہوسکتا ہے بلکہ بیع ہی ہوگا اگر واقعی اسی مرض میں ہے جسے شرعاً مرض الموت مانا جائے تو وارث کے ہاتھ بے اجازت دیگر ورثہ مطلقاً ناجائز ہے نہ ثلث میں نافذ ہوسکتی ہے ہزارویں حصے میں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰: از قصبہ فیروزآباد ضلع آگرہ مسئولہ سید بشارت علی وسرفراز علی سوداگران چوڑی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانے میں گورنمنٹ نے شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ، گاؤں بگاؤں مویشی خانے مقرر کررکھے ہیں اس میں لاوارثی گائے بیل بکری وغیرہ داخل کی جاتی ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ یوم مویشی خانہ میں اس وجہ سے رہتی ہے کہ جب مالک مویشی آئے گا اس وقت زرجرمانہ وزرخوراک وصول کرکے چھوڑ دیا جائے گا اور جب میعاد مقررہ تک مالک راس نہیں آیا تو اس جانور کو حاکم پرگنہ یا حاکم متعلقہ نیلام کردیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اس قسم کی گائے بیل وغیرہ نیلام میں سے خرید کرکے بقرہ عید پر قربانی کرنا اس جانور کا جائز ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسے جانور کو دوسرا شخص خریدے خواہ ہندو ہو یا مسلمان پھر اس سے ایک اور شخص خرید کرکے قربانی کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ قربانی کرنے والے کو اس کا علم ہے کہ اس نے مویشی خانے میں سے نیلام میں خریدی ہے زید وعمرو دونوں مولوی ہیں یہ دونوں کہتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی جائز ہے اور بکر ایک مولوی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ جانور حکم لقلیط میں ہے لہذا ایسے جانور کی قربانی بھی ناجائز ہے؟ **بینوا توجروا**۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۵

الجواب:

جو چیز بے اطلاع مالک بیچی جائے وہ بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے قبل از اجازت اگر سو بیعیں یکے بعد دیگرے ہوں سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو، نہ اس کی قربانی ہوسکے، لقطہ کا حکم تشہیر ہے اس کے بعد فقیر پر تصدق نہ کہ بلا تشہیر بیع، ہاں بعد اطلاع جس بیع کہ وہ نافذ کردے نافذ ہوجائیگی جبکہ بائع و مشتری و بیع قائم ہوں، فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

اذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالك ویشترط لصحۃ الاجازۃ قیام العاقدین و المعقود علیه[1]۔	جب کسی شخص نے غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اجازت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ عاقدین اور معقود علیہ قائم ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۱: از بنارس محلّہ کچی باغ علاقہ جیت پورہ مرسلہ خلیل الرحمٰن صاحب ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو کچھ از روئے کتب معتبرہ ہو بیان فرمائیں، بینوا توجروا واضح ہو کہ مسمّٰی حشام جب بیمار ہوئے تو حالت بیماری میں اپنا مکان اپنی زوجہ و اپنی دختر دونوں کے ہاتھ بیع کیا مگر گواہان سے ثابت ہوا کہ زر ثمن روبرو گواہوں کے مشتریاں مذکورہ نے ادا نہیں کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے مسمّٰی حشام ایسے نہ ہوئے کہ چارپائی سے اٹھ کر کام ضروری کرتے آخر بعد اکیس یوم کے قضا کرگئے، اور بعد قضا کرنے حشام کے ان کی دختر بھی ایک ہفتہ کے بعد مرگئی، اور پھر گزرنے مدت پانچ ماہ کے لڑکا حشام کا پیدا ہوا، اور بعد پیدا ہونے بیٹے کے مسماۃ جان بی بی زوجہ حشام بیمار ہوئیں اور بیماری کی حالت میں زوجہ حشام نے مکان مذکور کو ایک شخص کے ہاتھ بیع کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے چار روز بعد زوجہ حشام بھی قضا کرگئیں فقط۔

لڑکا حشام کا جو پیدا ہوا تھا وہ تنہا رہا، پھر وہ لڑکا بھی دو۲ مہینے بعد مرگیا، جب سب لوگ مرگئے کوئی نہ بچا مگر ایک برادر زادہ حشام کے مسمّٰی یار محمد ہیں، تو یار محمد سے اور جس کے ہاتھ زوجہ حشام نے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثالث عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲، فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

مکان بیع کیا تھا اس سے تنازع ہوئی، مشتری نے کہا کہ ہم نے خریدا ہے اور یار محمد نے کہا کہ ہمارا حق ہوتا ہے ہم مالک ہیں، غرضکہ جب جھگڑا زیادہ اہل محلّہ نے دیکھا تب پنچوں نے دونوں سے کہا کہ جھگڑو نہ ہم لوگ تمھارا جھگڑا طے کردیں گے، پنچ جمع ہوئے، مطلب سے آگاہ ہوئے یعنی مشتری نے کہا کہ حشام بعد بیع کرنے مکان کے تندرست ہوگئے تھے اور یار محمد بھتیجے حشام نے کہا کہ بیع کرنے کے بعد چچا اپنی چارپائی سے نہ اٹھے اور فوت ہوئے، اس بات میں پنچوں نے صلاح کیا کہ جو لوگ قریب مکان کے رہتے ہیں ان سے دریافت کرنا چاہئے تب دو ۲ آدمی پڑوسی کو بلایا ایسے کہ وہ لوگ حشام کے گھر جاتے رہتے تھے، وہ لوگ آئے یعنی مسمّٰی الٰہی بخش و مسمّٰی جان محمد، دونوں گواہوں سے پوچھا گیا تو جو گواہوں نے شہادت دی ہے وہ رقم ہوتا ہے فقط۔

بیان الٰہی بخش گواہ کا یہ ہے: الٰہی بخش از روئے حلف بمقابلہ پنچوں کے مسجد میں بیان کیا کہ میں گاہ گاہ ان کے گھر جاتا تھا تو حالت حشام کی ایسی تھی کہ سوائے چارپائی کے کہیں جانہیں سکتے تھے اور ضعف اس قدر تھا کہ واسطے حاجات ضروری کے مکان سے باہر نہیں جاسکتے تھے مکان کے اندر پاخانہ وپیشاب کرتے تھے اور بیعنامہ لکھنے کے تخمیناً ایک ماہ سے کمتر میں انتقال کرگئے،

بیان جان محمد گواہ کا یہ ہے: مسجد میں بیان کیا گیا کہ حشام نے جب بیعنامہ لکھا تو حالت ان کی یہ تھی کہ سوائے چاپائی کے کہیں جانہیں سکتے تھے، بیماری میں ضعف اس قدر تھا کہ واسطے پاخانہ وپیشاب کے مکان سے باہر نہیں جاسکتے تھے اندر ہی مکان کے حاجت ادا کرتے تھے میں گاہ گاہ ان کی حالت کو جاتا رہتا تھا تو اسی چارپائی پر جھک کر حقہ بھی بھرلیتے تھے، اور اسی بیماری میں تخمیناً ایک ماہ سے کمتر میں قضا کرگئے۔

الجواب:

بیع جو مرض الموت میں وارث کے نام کی جائے حکم وصیت میں ہے کہ بعد موت مورث، بے اجازت وارث باطل ہے، فتاوٰی امام قاضیخاں وغیرہ میں ہے:

من البیع الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جاز بیعه وان مات من ذلك المرض ولم یجز	موقوف بیوع میں سے ہے کہ جب مریض نے مرض موت میں اپنے مال میں سے جو معین چیز انے کسی وارث کے ہاتھ فروخت کی اب اگر وہ صحتیاب ہوگیا تو بیع جائز ہوجائے گی اور گر اسی بیماری میں مرگیا اور اس کے وارثوں نے

الورثة بطل البیع [1]۔	اس بیع کی اجازت بھی نہ دی تو بیع باطل ہوجائے گی۔ (ت)

او وقت اجازت متصل موت مورث ہے یہاں تک کہ حیات میں اجازت ورثہ معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے:

لامعتبر باجازتھم فی حال حیاتہ لانھا قبل ثبوت الحق، اذالحق یثبت عندالموت [2]۔	مریض کی زندگی میں وارثوں کی اجازت معتبر نہیں کیونکہ یہ اجازت ثبوت حق سے پہلے ہوئی اس لئے کہ واثوں کا حق تو مریض کی موت کے وقت ثابت ہوگا۔ (ت)

اور موت ہشام سے چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہونے سے ثابت ہوا کہ وقت موت یہ لڑکا بھی ایک وارث تھا اور اگرچہ کہ ہنوز پیٹ میں ہو ظاہر ہے کہ نہ تو خود اس کی اجازت متصور نہ اس کی طرف سے کسی کی اجازت ممکن کہ پیٹ کے بچے پر اللہ عـــہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی ولی یا وصی

عـــہ: اللہ جل جلالہ کا ولی ووالی جملہ عالم ہو ناظاہر اور اس کی خلافت سے حضور پر نور سید عالم خلیفہ اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت بھی ہر شیئ پر ہے اور خود جنین پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت فقیر قرآن عظیم وحدیث صحیح سے ثابت کرسکتا ہے، آیت تو قول الٰہی عزوجل النبی "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ" [3] جس میں ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مسلمان پر اس کی جان سے زیادہ ولی ووالی ومختار وصاحب تصرف واقتدار ہیں، اور شک نہیں کہ جنین بھی انسان ہے اور یقینا کافر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام [4]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ (ت) (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۳

[2] الھدایہ کتاب الوصایہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

[4] صحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱، صحیح مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یودل علی الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۶

یا حاکم یہاں تک کہ خود باپ کو بھی ولایت نہیں۔ ولوالجیہ پھر معین المفتی پھر غمز العیون القول فی الملک میں ہے:

لاولایة للاب علی الجنین [1]۔	جنین پر باپ کی ولایت حاصل نہیں۔ (ت)

ثالث میں ثانی سے ہے:

وفی التبیین ولاتصح الھبة للحمل لان الھبة من شرطھا القبول والقبض ولایتصور ذٰلك من الجنین ولایلی علیه احد حتی	تبیین میں ہے: حمل کے لئے ہبہ درست نہیں کیونکہ قبول وقبضہ ہبہ کی شرائط میں سے ہے جبکہ جنین سے یہ متصور نہیں اور نہ ہی اس پر کسی کو ولایت حاصل ہے کہ وہ اس کی طرف سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اللہ سبحانہ وتعالٰی فرماتا ہے:

"فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ" [2]	اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ (ت)

اہلسنت کے نزدیک ایمان وکفر میں واسطہ نہیں تو جنین ضرور مومن ہے اور بحکم آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مومن کے ولی ووالی ہیں، یہ ثبوت آیت سے ہوا اور حدیث سے یہ کہ ابھی فقہائے کرام کی تصریحیں سن چکے کہ جنین کا کوئی ولی نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ ورسوله مولٰی من لامولی له [3]۔ رواہ الترمذی وحسنه وابن ماجة عن امیر المومنین الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنه ۱۲منه غفرله (ت)	جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے ولی ووالی و مولٰی اللہ ورسول ہیں جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور ابن ماجہ نے اسے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت) ۱۲منہ غفرلہ

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۰

[3] سنن ابن ماجه ابواب الفرائض باب ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۱

یقبض عنه فصار کالبیع قلت فقد افاد رحمه الله تعالٰی انه لاولایة لاحد علی الجنین اصلا وبه ظهر خطأ من افتی ان الوصی یملك التصرف فی المال الموقوف للحمل[1].	قبضہ کرے چنانچہ یہ بیع کی طرح ہوگیا، میں کہتا ہوں کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس بات کافائدہ دیا کہ بیشک جنین پر کسی کو کسی قسم کی ولایت بالکل حاصل نہیں تواس سے اس شخص کی غلطی ظاہر ہوگئی جس نے یہ فتوٰی دیا کہ حمل کے لئے رکھے ہوئے مال میں وصی تصرف کرنے کامالک ہے۔(ت)

عقود الدریہ میں منح الغفار سے ہے:

لاولایة للاب علی الجنین فضلا عن الوصی لقول الزیلعی ولایلی علی الحمل اھ[2]۔	باپ کو جنین پر ولایت حاصل نہیں تو وصی کو کیسے حاصل ہوسکتی ہے بسبب زیلعی کے قول کے کہ اس کو حمل پر ولایت نہیں اھ(ت)

اور جو عقد جس وقت محتاج اجازت ہو اور اس وقت اس کا اجازت دینے والا کوئی نہ ہو وہ باطل محض ہوتا ہے کہ پھر آئندہ کوئی صالح اجازت پیدا ہو کر اجازت بھی دے تو جائز نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

مالامجیزله حالة العقد لاینعقد اصلا بیانه صبی باع مثلا ثم بلغ قبل اجازة ولیة فاجازه بنفسه جاز لان له ولیا یجیزه حالة العقد بخلاف مالوطلق مثلا ثم بلغ فاجازه بنفسه لم یجز لانه وقت العقد لامجیز له فیبطل[3]۔	جس بیع کا بوقت عقد کوئی اجازت دینے والانہ ہو وہ اصلا منعقد نہیں ہوتا اس کا بیان یہ ہے کہ نابالغ بچے نے بیع کی پھر ولی کی اجازت سے قبل بالغ ہوگیا اور بذات خود اس کی اجازت دے دی تو بیع جائز ہوگئی کیونکہ بوقت عقد اس بیع کی اجازت دینے والا اس کا ولی موجود تھا جو بیع کی اجازت دے سکتا تھا، بخلاف اس کے کہ اس نے نابالغی کی عمر میں طلاق دی پھر بالغ ہو کر بذات خود اس کی اجازت دی تو یہ طلاق جائز نہ ہوگی کیونکہ بوقت عقد اس کا کوئی اجازت دہندہ نہ تھا لہٰذا یہ باطل ہوگئی (ت)

توظاہر ہوا کہ صورت مستفسرہ میں یار محمد مومشتری کا اختلاف کہ ہشام نے وہ بیع صحت میں کی یا مرض الموت

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۳۰

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

میں در حقیقت اس بیع کی انعقاد و بطلان میں اختلاف ہے مشتری مدعی ہے کہ وہ بیع شرعا منعقد ہے اور یار محمد کہتا ہے منعقد نہیں بلکہ محض باطل وکالعدم ہے اور جب بیع کے بطلان وانعقاد میں اختلاف واقع ہو تو قول اس کا بحلف معتبر ہے جو قائل بطلان ہو، اشباہ والنظائر ودرالمختار میں ہے:

اختلف المتبایعان فی الصحۃ والبطلان فالقول المدعی البطلان وفی الصحۃ و الفساد لمدعی الصحۃ الافی مسئلۃ فی اقالۃ[1]۔	بائع اور مشتری کا بیع کی صحت وبطلان میں اختلاف واقع ہو تو بطلان کا دعوی کرنے والے کا قول معتبر ہوگا اور اگر صحت وفساد میں اِختلاف ہو تو صحت کا دعوی کرنے ولا کا قول معتبر ہوگا سوائے اقالہ کے (ت)

اسی طرح جب صحت مرض میں اختلاف ہو کہ مورث نے یہ عقد وارث کے ساتھ یا اس کے لئے فلاں اقرار اپنے مرض میں کیا یا صحت میں، تو قول اس کا معتبر ہے جو مرض میں ہونا بتاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

لواقر لوارث ثم مات فقال المقرلہ اقرفی صحتہ وقال بقیۃ الورثۃ فی مرضہ فالقول قول الورثۃ والبینۃ للمقرلہ وان لم یقم بینۃ وارادا استحلافھم لہ ذٰلک[2]۔	اگر کسی نے اپنے کسی وارث کے لئے کسی شے کا اقرار کیا پھر مرگیا اب مقرلہ، (جس کے لئے اقرار کیا گیا) کہتا ہے کہ یہ اقرار اس نے حالت صحت میں کیا جبکہ دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ اس نے یہ اقرار مرض الموت میں کیا تو دیگر وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور گواہ پیش کرنا مقرلہ، کے ذمے ہے اگر وہ گواہ پیش نہ کرے اور دیگر وارثوں سے قسم لینا چاہے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی الانقروی ادعی بعض الورثۃ ان المورث وہبہ شیئا معینا وقبضہ فی صحتہ وقالت	انقروی میں ہے کسی وارث نے دعوی کیا کہ مورث نے اپنی کوئی معین شے اس کو ہبہ کی اور مورث کی حالت صحت میں اس وارث نے موہوب شیئ

[1] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۴، اشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۷

البقیة کان فی المرض فالقول لهم و ان اقاموا البینة فالبینة لمدعی الصحة [1]۔	پر قبضہ کرلیا تھا جبکہ باقی ورثاء کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ مرض الموت میں ہوا تو باقی وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور اگر وہ گواہ پیش کریں تو گواہ اس کے معتبر ہوں گے جو حالت صحت کا دعوی کرنیوالا ہے۔(ت)

پس صورت سوال میں یار محمد کو حاجت گواہان نہ تھی بلکہ مشتری سے گواہ لئے جائیں اگر وہ گواہان عادلہ ثقہ متقی سے ثابت کردے کہ یہ بیع ہشام نے اپنی تندرستی میں کی یا اس بیع کے بعد وہ تندرست ہوگیا تھا، یا وہ گواہ نہ دے سکے اور یار محمد سے قسم چاہے، اور یار محمد پنچوں کے سامنے قسم کھانے سے انکار کرے تو ان دونوں صورتوں میں ثابت ہوجائے گا کہ ہشام نے جو بیع اپنی زوجہ و دختر کے ہاتھ کی ضرور صحیح و نافذ تھی عورتیں اس مکان کی مالک مستقل ہوگئیں اور اگر بیع میں تفصیل حصص نہ تھی تو دونوں نصفا نصف کی مالک ہوئیں، پھر جب دختر نے انتقال کیا اور اس کی موت سے چھ مہینے کے اندر اس کا بھائی پیدا ہوا تو ظاہر ہوا کہ یہ بھی بہن کا وارث ہے، اب کہ زوجہ ہشام نے اپنے مرض میں کل مکان مشتری کے ہاتھ بیع کردیا، اگر یہ مشتری بائعہ کا وارث نہیں تو بیع اس قدر میں صحیح ہوگئی جو ملک زوجہ مذکورہ تھا یعنی نصف مکان کہ بیع ہشام سے اس کی ملک ہوا اور نصف دیگر ملک دختر سے ایک ثلث جبکہ اسے ثلث سے کوئی حاجت نہ ہو، باقی دو ثلث نصف یعنی کل مکان کا ایک ثلث حق برادر نو پیدا ہوا، اگر مادر و برادر مذکور کے سوا دختر کا کوئی اور وارث نہ ہو، پھر جب لڑکا مرگیا اور یار محمد کے سوا اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ ثلث یار محمد کا ہوا اس قدر اسے واپس دے، اور گر مشتری گواہ نہ دے سکا یا گواہ عادل شرعی قابل قبول نہ تھے اور یار محمد نے پنچوں کے سامنے بطلب مشتری حلف کرلیا کہ ہشام نے یہ بیع اپنے مرض موت میں کی تو اس صورت میں وہ بیع باطل ہوئی، پھر بعد موت ہشام اگر اس کے وارث یہی زن و پسر و دختر ہیں عورت کا ایک ثمن اور دختر کے ۲۴ / ۷ ہوئے ان میں سے بشرط مذکور ایک ثلث یعنی ۷/۲ پھر زوجہ ہشام کو پہنچے تو وقت بیع زوجہ ہشام صرف ۲/۱۶ ۷ یعنی ۹/۲ کی مالک تھی اسی قدر میں بیع قائم رہ سکتی ہے مشتری باقی مکان بشرط مذکور یعنی مکان کے ۹ حصوں سے ۷ حصے یار محمد کو واپس دے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] ردالمحتار کتاب الشهادات باب القبول وعدمه دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۷

باب الاقالة
(بیع اقالہ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۲: از مراد آباد محلّہ باڑہ شاہ صفا مسئولہ حافظ عبدالمجید ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد عمرو کی چھ سو پچیس ۶۲۵ روپے پر اپنے دوست بکر کے ذریعہ خریدنے کے لئے طے کرائی، قیمت طے ہونے کے بعد سو روپیہ بطور بیعنامہ عمرو کو دے کر رسید لکھوائی، رسید میں بکر نے دھوکے سے اپنا نام بھی تحریر کرالیا اور دعوی کردیا کہ جائداد تو میری اور تمھاری دونوں کی مشترک طے ہوئی، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، یہ قصہ پنچایت میں ڈالا گیا، پنچوں نے دونوں سے پچاس پچاس روپے لے کر جمع کرائے اور کہا جو شخص یہ روپیہ لے گا اسے جائداد نہیں ملے گی اور جو جائداد لے گا یہ روپیہ نہیں لے سکتا۔ زید نے جائداد خریدنی منظور کی، بکر نے سو روپے اٹھالئے اور رسید لکھنی چاہی، ابھی لکھی نہ تھی کہ بکر کے محلّہ والے جو زید سے بغض وعداوت رکھتے ہیں زید سے بولے کہ یہ رسید بیعنامہ عمرو کو واپس کردو ہم تم کو یہ جائداد خریدنے نہ دیں گے بلکہ اسے مسجد کی آمدنی کے لئے خریدیں گے، زید نے مجبوری رسید عمرو کو واپس کردی، اب بے اجازت زید آمدنی مسجد کے لئے یہ جائداد خریدیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ بکر کے اہل محلّہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمھارا اس میں کچھ دخل نہیں نہ تمھاری رضامندی کی ضرورت ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کہ زید نے بکر کو ایک شے معین خریدنے کا وکیل کیا اسے کوئی اختیار نہ تھا کہ غیبت

زید میں اسے اپنے نفس کے لئے خریدے بلکہ اپنے نفس کے لئے خرید تاجب بھی زید موکل کے لئے ہو جب مخالفت نہ کی ہو،

ففی الدرالمختار لووکله بشراء شیئ بیعنه لایشتریه نفسه ولولمؤکل اٰخربالاولی عند غیبته حیث لم یکن مخالفا دفعاللضرر فلو اشتراه بغیر العقود او بخلاف ماسمی المؤکل له من الثمن وقع الشراء للوکیل لمخالفته امره وینعزل فی ضمن المخالفة عینی[1]۔	درمختار میں ہے کسی نے کسی شخص کو کسی معین شے کی خریداری کا وکیل بنایا تو وکیل اس شے کو مؤکل کی غیر موجودگی میں اپنے لئے نہ خریدے اور دوسرے مؤکل کے لئے تو بدرجہ اولٰی نہ خریدے تاکہ دھوکہ دہی نہ ہو، یہ حکم تب ہے جب وکیل امر مؤکل کی مخالفت نہ کرے، اور اگر وکیل نے اس شیئ کو غیر نقود سے خریدا اس ثمن کے خلاف خریدا جو مؤکل نے اس کو بتایا تھا تو یہ خریداری امر مؤکل کی مخالفت کی وجہ سے خود وکیل سے ہوگی اور اس مخالفت کے سبب سے وہ وکالت سے معزول ہوجائے گا۔ عینی (ت)

بکر نے کہ رسید بیعنامہ میں اپنا نام بھی لکھالیا ظلم وفریب وجہل وحماقت تھا، پنچوں نے جو فریقین سے پچاس جمع کرائے اور وہ بے معنی فیصلہ قرار دیا سخت باطل ومردود تھا وہ پچاس روپے بکر پر حرام ہیں اس پر فرض ہے کہ زید کو واپس کردے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"۔[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے پر مت کھاؤ۔ (ت)

عبارت سوال سے زید پر اہل محلّہ بکر کی جانب سے کوئی اکراہ شرعی نہ ہونا نہیں نکلتا لوگوں کے اصرار سے عرفی مجبوری اکراہ شرعی نہیں اس صورت میں جبکہ زید نے بیعنامہ واپس کردیا اور عمرو نے قبول کرلیا بیع اگر نہ ہوئی تھی ہونے نہ پائی اور اگر ہو چکی تھی فسخ ہوگئی بہر حال زید کو اس جائداد سے کوئی تعلق نہ رہا اہل محلّہ بکر اگر مسجد کے لئے خریدیں برضائے عمرو خرید کرسکتے ہیں رضائے زید کی کچھ حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع واالشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

باب المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۳: ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

زید نے عمرو سے کہا کہ تم عہ/ روپیہ کا مال اپنے روپے سے خرید لو بعد خرید نے تمھارے کے میں تم سے عہ اِایک روپیہ آنہ دے کر خرید لوں گا اور ایک ماہ میں دوں لگا کیونکہ میرے پاس روپیہ نہیں تو اس صورت میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے مگر یہ ثمن کی زیادتی اگر معمولی نرخ سے اس بناء پر بڑھائی گئی کہ زید قرض خرید تا ہے تو بہتر نہیں

لما فیه من الاعراض عن مبرة الاقراض کما افادہ فی الفتح وردالمحتار وغیرهما من الاسفار، والله تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اس میں قرض دینے کی نیکی اور مروت سے اعراض ہے جیسا کہ اس کا فائدہ فتح اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں نے دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از کاٹھیاوار دھوراجی محلّہ سیاہی گراں مسئولہ حاجی عیسٰی خاں محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

نوٹ کی بیع مرابحہ یعنی نوٹ بیچا اور کہا کہ فی روپیہ ایک آنہ لکھی ہوئی رقم سے زیادہ لوں گا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ مسئلہ تنقیح طلب ہے ہم **اولا:** عبارات کتب ذکر کریں پھر بتوفیق اللہ تعالٰی اپنے تحقیق پھر صورت مسئولہ کا حکم **وباللہ التوفیق،**

فاعلم ان ائمتنا رحمھم اللہ تعالٰی عرفوا المرابحۃ فی المتون بانھا نقل ماملکہ بالعقد الاول بالثمن الاول مع زیادۃ ربح کما فی الھدایۃ [1]۔واختصرہ فی الکنز فقال بیع بثمن سابق وزیادۃ [2] وکلام عامتھم تدور حول ذٰلك واعترضھم الشراح بانہ منتقض طردا وعکسا واطالوا فیہ بما افادوا احکام فروع وقد اجیب عن اکثر الایرادات بما یتم اولا کما بسطہ فی العنایۃ والفتح وغیرھا ولما کان منشأ اکثرھا العقد والثمن ترکھما فی الدرر وقال بیع ماملکہ بمثل ماقام علیہ بزیادۃ، [3] ولا یسلم ایضا من بعض النقوض،ولسنا ھھنا بصدد سردہا مع مالھا وعلیہ، وقام	توجان لے کہ ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے متون میں مرابحہ کی تعریف یوں کی ہے کہ مرابحہ وہ بیع ہے کہ عقد اول کے ساتھ جس چیز کامالک ہوا ہے اس کو ثمن اول مع کچھ نفع کی زیادتی کے دوسرے کو منتقل کرنا، جیساکہ ہدایہ میں ہے، کنز میں اس کو مختصر کرکے کہا کہ ثمن اول اور کچھ اضافے کے ساتھ فروخت کرنا، عام فقہاء کا کلام اسی تعریف کے گرد گھومتا ہے، شارحین نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ تعریف جامع اور مانع نہیں انھوں نے اس میں طویل کلام کیاجو کئی فروعی حکام کا مفید ہے، اور تحقیق ان میں سے اکثر اعتراضوں کے تام یا غیر تام جوابات دئے گئے، جیسا کہ عنایہ اور فتح وغیرہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے، چونکہ اکثر اعتراضات کامنشا لفظ عقد اور لفظ ثمن ہے، چنانچہ درر میں ان دونوں کو چھوڑ کر یوں کہا جس چیز کا مالک ہوا ہے وہ چیز جتنے میں اس کو پڑی ہے اس کی مثل اور کچھ زیادہ کے ساتھ اس کو منتقل کرنا، یہ تعریف بھی بعض اعتراضات سے

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۷۲
[2] کنز الدقائق باب التولیۃ والمرابحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲
[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب المرابحۃ والتولیۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

العلامة البحر فی البحر الرائق لیأتی بحد جامع مانع لا یرد علیه شیئ اصلا فاطال بالاستیعاب شروط الجواز ولم یتم ایضا کما ستعرفه ان شاء الله تعالٰی ووقع ھھنا فی نسخته المطبوعة نقل ما مبلکه بغیر عقد الصلح والھبة بشرط عوض بما یتعین بعین ماقام علیه اوبمثله اوبرقمه [1] الخ، قال محشیه العلامة الشامی فی المنحة قوله بما یتعین متعلق بما مبلکه [2] اھ وھذا یفید انه کذٰلك بالباء فی نسخته وقد یجنح الی تاییدہ قول البحر تحت قول الماتن شرطھما(ای التولیة و المرابحة کون الثمن الاول مثلیا مانصه عبارة المجمع اولی وھی ولایصح ذٰلك حتی یکون العوض مثلیا اومملوکا للمشتری،	محفوظ نہیں اور ہم ان اعتراضات کی تفصیل ان کے مالہ ،اور ماعلیہ کے درپے نہیں ہیں،علامہ صاحب البحر اس بات پر کمربستہ ہوئے کہ وہ بحرالرائق میں ایسی جامع مانع تعریف لائیں گے جس پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوتا ہو، چنانچہ انھوں نے شروط جواز کا احاطہ کرنے پر طویل کلام کیا مگر وہ بھی تام نہیں جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب تو جان لے گا، یہاں پر نسخہ مطبوعہ میں یوں واقع ہے کہ عقد صلح اور ہبہ بشرط عوض کے بغیر جس چیز کا متعین ثمن کے بدلے میں مالک ہواہے اس کو بعینہٖ اس ثمن کے بدلے میں جس میں اس کوپڑی یااس کی مثل کے بدلے میں یااس پر لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں منتقل کرناالخ اس کے محشٰی علامہ شامی نے منحہ میں فرمایا صاحب بحر کا قول "بمایتعین"اس کے قول "ما ملکه" سے متعلق ہے اھ اور یہ اس امر کا مفید ہے کہ محشٰی کے پیش نسخہ میں بھی عبارت اس طرح ہے یعنی "بما"پر باء کے ساتھ ،اوراس کی تائید کی طرف مائل ہے،ماتن کے قول "تولیہ ومرابحہ دونوں کے لئے ثمن اول کا مثلی ہونا شرط ہے" کے تحت وارد ہونے والا بحر کا قول جس میں اس نے نص کی کہ مجمع کی عبارت اولٰی ہے جو یہ ہے کہ تولیہ ومرابحہ صحیح نہیں ہوتا جب تک عوض مثلی یا مشتری کی

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷
[2] منحة الخالق علی البحرالرائق باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷

قال ولکن لابد من التقیید بالمعین للاحتراز عن الصرف فانه لایجوز ان فیهما [1] اھ فانه ھھنا فی بیان العوض فاوھم اشتراط ان یکون مبلکه بما یتعین۔	ملکیت میں نہ ہو، صاحب بحر نے کہا کہ لیکن عبارت مجمع کے لئے معین کی قید ضروری ہے تاکہ بیع صرف سے احتراز ہوجائے کیونکہ تولیہ ومرابحہ دونوں دراہم ودنانیر میں جائز نہیں اھ، کیونکہ اس عبارت میں یہ قید بیان عوض میں ہے لہٰذا اس سے وہم ہوتا ہے کہ وہ معین ثمن کے عوض مالک بنا ہو،
اقول: وھو ظاھر البطلان ولاقائل به احد من الناس والا لامتنعت المرابحة والتولیة فی البیاعات المطلقة عن اُخرھا لکون الاثمان فیها ممالا یتعین وقد قال الامام السمرقندی فی تحفة الفقھاء، وعنها فی غایة البیان اذا باع شیئا مرابحة علی الثمن الاول، فلا یخلو اما ان یکون الثمن من ذوات الامثال کالدراھم والدنانیر والمکیل والموزون والمعدد المتقارب، اویکون من الاعداد المتفاوتة، مثل العبید والدر والثیاب والرمان والبطاطیخ وغیرھما اما اذا کان الثمن الاول مثلیا فباعه مرابحة علی الثمن الاول وزیادة ربح فیجوز سواء کان الربح من جنس الثمن الاول اولم یکن بعد ان یکون شیئا مقدارا معلوما نحو الدرھم وثوب مشار الیه اودینار [2] الخ۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) کہ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے اور نہ ہی لوگوں میں اس کا کوئی قائل ہے ورنہ مرابحہ وتولیہ تمام بیانات مطلقہ میں ممنوع ہوجائیں گی کیونکہ ان میں ثمن غیر معین ہوتے ہیں، امام سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں کہا اور اسی کے حوالے سے غایۃ البیان میں ہے کہ جب کسی نے ثمن اول پر کچھ نفع کے ساتھ کوئی چیز فروخت کی تو وہ ثمن دو حال سے خالی نہیں کہ وہ ذوات الامثال میں سے ہے جیسے درہم، دینار، کیلی، وزنی اور عددی متقارب یا وہ عددی متفاوت میں سے ہے جیسے غلام، کپڑے، مکانات، تربوز اور انار وغیرہ، بہر حال اگر ثمن اول مثلی ہو اور اس نے ثمن اول پر کچھ نفع لگا کر بیع کی تو جائز ہے چاہے وہ نفع ثمن اول کی جنس سے ہو یا نہ ہو بعد اس کے وہ معین ومعلوم شے ہو جیسے درہم اور ایسا کپڑا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو یا دینار الخ، میرے نزدیک درست بات یہ ہے کہ "**بمایتعین**"

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۸

[2] تحفۃ الفقہاء کتاب البیوع باب الاقالة والمرابحة دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۰۶

فالصواب عندی ان الباء فی بما یتعین من خطاء النساخ وانما ھو ممایتیعن ای مامبلکه حال کونه من الاشیاء التی یتعین فی العقود فالتعین شرط فیما مبلکه وھو الذی یرید نقله مرابحة لافی عوضه وقال فی الکفایة"قوله نقل مامبلکه ای من السلع لانه اذا اشتری بالدراھم الدنانیر لایجوز بیع الدنانیر بعد ذٰلك مرابحة [1] اھ وقال فی العنایة بعد ذکر الایرادات علی حد المتن قیل فعلی ھذا الاولی ان یقال نقل مامبلکه من السلع بما قام عنده [2] اھ و قال سعدی اٰفندی فی حاشیتها المراد بما مامبلکه ھو المملوك المعھود الذی کان الکلام الی ھنافیه اعنی السلع [3] اھ.قال فی جامع الرموز التولیة ان یشترط فی البیع ای بیع العرض احتراز عن الصرف فالتولیة والمرابحة لم تکونا فی بیع الدراھم ودنانیر کما	پر "با" کا تبوں کی غلطی سے ہے (دراصل) وہ "ممایتعین" ہے یعنی جس چیز کا وہ مالک ہو اور انحالیکہ وہ ان اشیاء میں سے ہو جو عقود میں متعین ہوتی ہیں چنانچہ تعین اس مملوکہ شے میں شرط ہے جس کو وہ بطور مرابحہ منتقل کرنا چاہتا ہے عوض میں تعین شرط نہیں۔اور کفایہ میں کہا کہ ماتن کا قول کہ منتقل کرنا اس چیز کو جس کا وہ مالک ہوا،اس چیز شے سامان مراد ہے کیونکہ اگر درہموں کے بدلے دنانیر خریدے تو اس کے بعد ان دیناروں کی بیع بطور مرابحۃ جائز نہیں اھ عنایہ میں متن پر وارد ہونے والے اعتراضات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا، کہا گیا ہے کہ اس بناء پر بہتر تھا کہ وہ یوں کہا جاتا کہ اس سامان کو منتقل کرنا جس کا وہ مالک ہوا اس کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑا اھ اور سعدی آفندی نے اس کے حاشیہ میں کہا کہ اس چیز سے مراد جس کا وہ مالک ہوا وہی مملوک معہود ہے جس میں یہاں تک کلام ہو رہی ہے یعنی سامان اتنے کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑا اھ، جامع الرموز میں کہا تولیہ یہ ہے کہ شرط لگائی جائے بیع میں یعنی سامان کی بیع میں یہ بیع صرف سے احتراز ہے چنانچہ تولیہ و مرابحہ دونوں دراہم ودنانیر کی بیع میں نہیں ہوتے جیسا کہ

[1] الکفایة مع فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[3] حاشیہ چلپی کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۳

فی الکفایة [1] اھ وقال فی الدار لمختار المرابحة بیع ماملکه من العروض بما قام علیه وبفضل اھ [2]۔	کفایہ میں ہے اھ در مختار میں کہا کہ مرابحہ یہ ہے کہ سامان مملوک کو اتنے کے بدلے جتنے میں اس کو پڑا ہے اور کچھ زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا اھ، (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) جو چیز مرابحۃً بیچی جائے نہ تو اس کا عرض وسلع ومتاع وکیلا ہونا لازم بلکہ سونے چاندی پر بھی مرابحہ جائز ہے جبکہ سونا روپوں کو خریدا ہو یا چاندی اشرفیوں کو، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا اشتری ذھبا بعشرة دراہم فباعه بربح درھم جاز کذا فی الحاوی [3]۔	اگر دس درہم کا سونا خریدا اور ایک درہم نفع کے ساتھ فروخت کردیا تو جائز ہے، ایسا ہی حاوی میں ہے۔(ت)

اسی میں محیط سے ہے:

اذا باع قلب فضة وزنه عشرة دراھم بدینار وتقابضا ثم باعه بربح درھم اوبربح نصف دینار جاز اما اذا باعه بربح نصف دینار فلانه یصیر بائعا قلب فضة وزنه عشرة دراھم بدینار ونصف وزنه عشرة دراھم بدینار ونصف دینار لان الجنس مختلف فلا یظھر الربح، واما اذا باع بربح درھم فما ذکر من الجواب ظاھر الروایة لانه یصیر بائعا للقلب بدینار ودرھم، وانه جاز لانه یجعل بازاء الدرھم من القلب مثله والباقی من القلب بازاء الدینار، وعن	اگر دس درہم وزنی چاندی کا کنگن سونے کے ایک دینار کے بدلے میں خریدا پھر ایک درہم نفع پر (ایک دینار اور ایک درہم کے بدلے میں) یا نصف دینار نفع پر (یعنی ڈیڑھ دینار کے بدلے میں) فروخت کردیا تو جائز ہے، نصف دینار نفع پر بیچنا تو اس لئے جائز ہے کہ وہ چاندی کے ایک ایسے کنگن کو ڈیڑھ دینار میں فروخت کرنے والا ہے، جس کا وزن دس درہم ہے کیونکہ جنس مختلف ہے لہٰذا نفع ظاہر نہ ہوا، رہا ایک درہم نفع پر بیچنا تو حکم مذکور ظاہر الروایہ ہے کیونکہ ایک درہم کے عوض کنگن میں سے اس کی مثل یعنی ایک درہم ہوا اور

[1] جامع الرموز کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳ /۵۳

[2] درمختار کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۳۰

ابی یوسف انہ لایجوز[1] الخ	باقی کنگن دینار کے عوض ہوگیا امام ابویوسف سے مروی ہے کہ یہ جائز نہیں الخ۔(ت)

نہ بیع کا صرف ہونا مطلقًا اس کی ممانعت کو مستلزم، سونا کہ دس روپے کو خریدا تھا گیارہ روپے کو بیچا یا دس روپے بھر چاندی کا کنگن کہ ایک اشرفی کو مول لیا تھا ڈیڑھ اشرفی یا ایک اشرفی اور ایک روپے کو بیچنا، یہ سب صرف ہی ہے اور مرابحہ اور جائز، نہ صرف نہ ہونا مطلقًا جواز مرابحہ کو کافی، من بھر گیہوں من بھر گیہوں کو خریدے، ان کی بیع مرابحہ حرام ہے کہ سود ہے حالانکہ صرف نہیں۔ شرنبلالی علی الدرر میں ہے:

المثلی اذا غیبہ الغاصب وقضی علیہ بمثلہ مبلکہ ولا یجوز لہ بیعہ بأزید منہ لکونہ ربی[2]۔	غاصب نے مِثلی شے کو غائب کردیا، قاضی کی طرف سے اس پر اس کی مثل دینے کا فیصلہ صادر ہوا تو اب وہ معضوب کا مالک بن گیا اس کے لئے جائز نہیں کہ اس چیز کو اس سے زائد پر فروخت کرے کیونکہ یہ سود ہے۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

لواشتری مختوم حنطۃ بمختومی شعیر بغیر عینھما ثم تقا بضا فلابأس بان یبیع الحنطۃ مرابحۃ، وکذٰلک کل صنف من المکیل والموزون بصنف اٰخر اھ[3]، افاد بمفھوم قولہ بصنف اٰخر انہ لو قوبل الجنس بالجنس لم تجز المرابحۃ وسنعطیك دلیلہ ان شاء اللہ تعالٰی،	اگر کسی نے گندم کا ایک مختوم جو کے دو غیر معین مختوموں کے بدلے میں خریدا پھر باہمی قبضہ بھی کرلیا تو گندم کو بطور مرابحہ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ایسے ہی ہر کیلی اور وزنی چیزوں کی ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ بیچنے کا یہی حکم ہے اھ ہندیہ کے قول یصنف اٰخر (یعنی دوسری قسم کے ساتھ) کے مفہوم نے یہ فائدہ دیا کہ اگر جنس کا مقابلہ جنس سے ہو تو بیع مرابحہ ناجائز ہے، ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تجھے اس کی دلیل دیں گے۔(ت)

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ جو شے مرابحۃً بیچی جائے اس میں دو۲ شرطیں ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۳۱-۲۳۰

[2] غنیہ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الاحکام باب المرابحۃ والتولیۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب لرابی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۱

شرط اول: وہ شے معین ہو یعنی عقد معاوضہ اس کی ذات خاص سے متعلق ہوتا ہے نہ یہ کہ ایک مطلق چیز ذمہ پر لازم آتی ہو، ثمن جیسے روپیہ اشرفی عقود معاوضہ میں متعین نہیں ہوتے، ایک چیز سو روپے کو خریدی کچھ ضرور نہیں کہ یہی سو روپے جو اس وقت سامنے تھے ادا کرے بلکہ کوئی سو دے دے، اور اگر مثلاً سونے کے کنگن بیچے تو خاص یہی کنگن دینے ہوں گے، یہ نہیں کرسکتا کہ ان کو بدل کر دوسرے کنگن دے اگرچہ وزن ساخت میں ان کے مثل ہوں یہ شرط مرابحہ وتولیہ ووضیعہ تینوں میں ہے یعنی اول سے نفع پر بیچے یا برابر کو یا کمی پر، یہاں اس شیئ کا معین ہونا اس لئے ضرور ہے کہ یہ عقد اسی شیئ مملوک سابق پر وارد کا جاتا ہے اور جب وہ معین نہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی شی ہے، وللہذا اگر روپوں سے اشرفیاں خریدیں تو ان کو مرابحہ نہیں بیچ سکتے۔

کما نص علیه فی التبیین والفتح والعنایة والکفایة والبحر والنهر والظهیریة والخانیة وخزانة المفتین والهندیة وجامع الرموز وغیرها وان نقل ط عن حاشیة سری الدین علی الزیلعی نقل عن البدائع انه یجوز[1]۔	جیسا کہ تبیین، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، بحر، نہر، ظہیریہ، خانیہ، خزانۃ المفتین، ہندیہ اور جامع الرموز میں اس پر نص کی گئی ہے اگرچہ ط نے تبیین کے حاشیہ سری الدین سے بحوالہ بدائع نقل کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ (ت)

اس لئے کہ اشرفیاں معین نہیں ہوتیں، بیچنے والا ان اشرفیوں کے بدلے دوسری اسی طرح کی دے دیتا تو جائز تھا اور اب جو یہ بیچ رہا ہے اب بھی متعین نہ ہوں گی یہ اشرفیاں دے یا ان کے ساتھ کی دوسری، تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ جو اشرفیاں پہلے اس کی ملک میں آئی تھی وہی اتنے نفع پر بیچیں کہ بیع مرابحہ ہو، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل اشتری دنانیر بدراهم ثم باع الدنانیر مرابحة لایجوز لان الدنانیر لاتتعین فی البیع فلم یکن المقبوض بعقد الصرف مبیعا فی البیع الاول[2]۔	ایک شخص نے درہموں کے عوض دینار خریدے پھر ان دیناروں کو بطور مرابحہ بیچا تو یہ جائز نہیں کیونکہ دینار بیع متعین نہیں ہوا کرتے لہٰذا عقد صرف میں جن دیناروں پر قبضہ کیا گیا بعینہٖ وہی بیع اول کا مبیع قرار نہ پائے۔ (ت)

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۹۴

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی الاجل نولکشور لکھنو ۲ /۴۰۱

فتح القدیر میں ہے:

انما لم تجز المرابحة فی ذٰلك لان بدلی الصرف لا یتعینان فلم تکن عین هذه الدنانیر متعینة لتلزم مبیعا[1]۔	اس میں مرابحہ اسی لئے ناجائز ہے کہ بیع صرف کے بدلین متعین نہیں ہوتے تو بعینہٖ یہی دینار متعین نہ ہوئے کہ ان کا مبیع ہونا لازم ہوتا۔(ت)

اور اگر سونے کا گہنا روپوں کو خریدا تو اسے مرابحۃً بیچ سکتا ہے کہ وہ بیع میں متعین ہوگیا تو عقد سی مملوک اول پر واقع ہوگا۔

کما قدمناه وبه ظهر ان مرادهم هنا بالعرض والسلع کل مایتعین ولم من احد النقدین وبالصرف مالا یتین فیه البدل الذی حصل فی ملك من یرید بیعه مرابحة وان الاولی قول الفتح المراد نقل ماملکه مما هو ببیع متعین بدلا لة قوله بالثمن الاول فان کون مقابله ثمنا مطلقًا یفیدان ماملکه بالضرورة مبیع مطلقًا[2] اھ۔	جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ یہاں پر عرض اور سلع سے فقہاء کی مراد ہر وہ چیز ہے جو متعین ہو اگرچہ نقدین میں سے کوئی ایک ہو اور عقد صرف سے ان کی مراد وہ بیع ہے جس میں وہ بدل متعین نہ ہو جو اس شخص کی ملکیت میں حاصل ہو جو بطور مرابحہ اس کو بیچنے کا ارادہ کرے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح کا قول اولٰی ہے یعنی مراد یہ ہے کہ اس مبیع متعین کو منتقل کرنا جس کا وہ مالک ہوا ہے اس پر دلیل اس کا قول "ثمن اول" ہے اس لئے کہ اس کے مقابل ثمن مطلق ہونا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جس چیز کا وہ مالک ہوا وہ ضروری طور پر مبیع مطلق ہے اھ(ت)

فهذا هو تحقیق الشرط الاول (پس یہ ہے شرط اول کی تحقیق۔ت)

شرط دوم: وہ ایسا مال ربوی نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا ہو جیسے سونا سونے یا چاندی چاندی، یا گیہوں، گیہون، یا جو جو کو، عالمگیریہ میں ہے:

ان اشتری ذهبا بذهب اوفضة بفضة لم تجزمرابحة اصلا کذا فی التتارخانیة[3]۔	اگر سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے خریدا تو اس میں مرابحہ بالکل جائز نہیں۔یہ تتارخانیہ میں ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل الثانی فی المرابحة نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۳۱

یہ شرط مرابحۃ ووضیعہ اول کے اعتبار سے زیادہ یا کم بیچنے میں ہے تولیہ یعنی برابر بیچنے میں نہیں اقول: و باللہ التوفیق وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک ربوی مال جس میں کمی بیشی سے سود ہو جاتا ہے اپنی جنس کے بدلے اسے ملا ہے، اب جو یہ اسے مرابحۃ بیچے گا تو اس کی جنس سے بدلے گا یا غیر جنس سے، اگر جنس سے بدلے تو فرض ہوگا کہ دونوں پورے برابر ہوں، کمی بیشی کیونکر ممکن عین ربو ہے، اور اگر غیر جنس سے بدلے تو نہ مرابحۃ ہوئی، نہ جائز ہو سکتی ہے، مرابحۃ تو یہ تھی کہ جس عوض پر اسے پڑی ہے اسی کو مع کچھ نفع کے بیچے، یہاں عوض کی جنس بدل گئی،

وبه ظهر سقوط مااعترض به فی العناية علی تعريف الهداية و تبعه فی البحر اذ قال واللفظ للاکمل بالاختصار "اعترض عليه بانه مشتمل علی ابهام يجب عنه خلوا لتعريف لان قوله بالثمن الاول اما ان يراد به عين الثمن الاول اومثله لاسبيل لا الاول لان عين الثمن الاول صار ملکا للبائع الاول، ولا الی الثانی لانه لايخلوا ما ان يراد المثل من حيث الجنس او المقدار الاول ليس بشرط لما فی الايضاح والمحيط انه اذا باعه مرابحة فان کان مااشتراه به له مثل جاز سواء جعل الربح من جنس راس المال الدراهم من الدراهم اومن غير الدراهم من الدنانير اوعلی العکس اذا کان معلوما	اور اس سے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر ہوگیا جو ہدایہ کی تعریف پر عنایہ میں وارد کیا گیا اور بحر نے اس کی اتباع کی اختصار الفظ اکمل کے یہ ہیں کہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف، (تعریف ہدایہ) ابہام پر مشتمل ہے جس سے تعریف کا خالی ہونا واجب ہے اس لئے صاحب ہدایہ کے قول "ثمن اول" سے مراد ثمن اول کا عین ہے یا اس کی مثل، اول کی طرف کوئی راہ نہیں کیونکہ عین اول تو بائع اول کی ملک ہوگیا اور نہ ہی ثانی کی طرف کوئی راہ ہے کیونکہ ثانی (ثمن کی مثل) دوحال سے خالی نہیں یا تو اس سے مراد جنس کے اعتبار سے ثمن اول کا مثل ہونا ہے یا مقدار کے اعتبار سے جنس کے اعتبار سے مثلیت تو اس دلیل کی وجہ سے شرط نہیں جو ایضاح اور محیط میں ہے کہ جب اس نے بطور مرابحہ کسی چیز کی بیع کی اگر اس چیز کی مثل موجود ہے جس کے بدلے میں اس نے اس کو خریدا تھا تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے چاہے اس نے نفع راس المال یعنی دراہم کی جنس یعنی دراہم سے رکھا یا اس کے غیر بھی یعنی دیناروں سے رکھا ہو

یجوز به الشراء لان الکل ثمن والثانی یقتضی ان لایضم الی راس المال اجرة القصار والصباغ والطراز وغیرها [1] الخ والاکمل وان اجاب عنه فانما اختار الشق الاخیر والبحر لم یرضه بل رده بما لایفید الایراد الا بعدا۔**اقول:** والعجب ان المعترض حصر والبطل جمیع الشقق فکیف یعترض بالابھام لم لا یحکم بالبطلان ثم العجب اشد العجب الاستناد بمانقل عن الایضاح والمحیط فانه لامساس له بالمدعی کمانبه علیه العلامة سعدی أفندی حیث یقول"لایخفی علیك ان مانقله من ذینك الکتابین انمایدل علی عدم اشتراط مما ثلثة الریح لرأس المال جنسا لا علی عدم شرطیة مماثلة الثمن الثانی للاول فی الجنس [2] اھ.**اقول:**	یااس کے برعکس صورت ہو (یعنی راس المال بجائے درھموں کے دینار ہوں) جب یہ معین ہو تو اس کے بدلے خریداری جائز ہے کیونکہ یہ سب ثمن ہیں اور اگر مقدار کے اعتبار سے مثلیت مراد ہو تو یہ مقتضی ہے اس امر کو کہ راس المال کے ساتھ دھوبی، رنگریز اور نقش ونگار وغیرہ کی اُجرت نہ ملائی جائے الخ اکمل نے اگرچہ اس کا جواب دیتے ہوئے آخری شق کو اختیار کیا مگر صاحب بحر اس پر راضی نہیں بلکہ اس کو رد کردیا جو کہ اعتراض میں بعد کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) تعجب ہے معترض نے حصر کرتے ہوئے تمام شقوں کو باطل قرار دیا ہے تو اس پر ابہام کا اعتراض کیسے ہو ابطلان کا حکم کیوں نہیں لگایا گیا پھر شدید ترین تعجب اس استناد پر ہے جو ایضاح اور محیط سے منقول عبارت پر کیا گیا کیونکہ اس کا مدعا سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ علامہ سعدی آفندی نے یہ کہتے ہوئے اس پر تنبیہ فرمائی کہ اے مخاطب! تجھ پر پوشیدہ نہیں کہ اکمل نے ان دونوں کتابوں سے جو نقل کیا ہے وہ تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نفع کا اعتبار جنس کے راس المال کی مثل ہونا شرط نہیں، اس بات پر وہ دلالت نہیں کرتا کہ ثمن ثانی کا باعتبار جنس کے ثمن اول کی مثل ہونا شرط نہیں اھ۔**اقول:** (میں کہتا ہوں)

[1] العنایة علی ہامش فتح القدیر باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] حاشیہ سعدی آفندی علی ہامش فتح القدیر باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

ولانظر الی مایوھمه التصویر بالدراہم والدنانیر والتعلیل بان الکل ثمن فان الربح یجوز مطلقاً من ای جنس کان ثوبا اوعبدا اوارضا او غیر ذٰلك بعد ان یکون مقدارا معلوما کما قدمناہ عن العنایة عن التحفة ومثله فی عامة الکتب فھذا وجه۔ و **اقول ثانیا:** لئن قطعنا النظر عن ھذا لم یکن فیه مایمنع اشتراط المجانسة وینفیه فقد نصوا ان الدرھم والدینار جنس واحد فی بضع مواضع منھا المرابحة کما فی البحر والدر [1] وغیرھما۔ **اقول ثالثا:** وھوا القول الفصل وھادم الاعتراض من الاصل اطبقت الکتب قاطبة ان شرط صحة المرابحة والتولیة کون العوض الی الثمن الاول مثلیا وعلله المعللون کالھدایة و الشروح ومنھا العنایة و التبیین والبحر وغیرھما واللفظ للعنایة بان مبناہما علی الاحتراز عن الخیانة و	دراہم ودنانیر سے صورت بیان کرنا جس وہم کو پیدا کرتا ہے علامہ آفندی کو ملحوظ ہے نہ ہی وہ تعلیل جو اکمل نے یہ کہہ کر بیان کی کہ یہ سب ثمن ہیں اس لئے کہ نفع تو مطلقاً جائز ہے چاہے کسی بھی جنس سے ہو یعنی چاہے کپڑا ہو یا غلام ہو یا زمین وغیرہ ہو بشرطیکہ وہ مقدار معین ہو جیسا کہ ہم عنایہ سے بحوالہ تحفۃ الفقہاء پہلے بیان کرچکے ہیں اور اس کی مثل عام کتابوں میں ہے یہ توجیہ ہے **اقول ثانیا:** (میں دوبارہ کہتا ہوں) اگر ہم اس سے قطع نظر کرلیں تو بھی اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو شرط مجانست سے مانع ونافی ہو، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ چند جگہوں میں درہم اور دینار جنس واحد شمار ہوتے ہیں، ان میں سے مرابحہ بھی ہو، جیسا کہ بحر اور در وغیرہ میں ہے، **اقول ثالثا:** (میں سہ بارہ کہتا ہوں) جو قول فیصلہ کن اور اعتراض کو سرے سے منہدم کردینے والا ہے کہ تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ تولیہ ومرابحہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ عوض یعنی ثمن اول مثلی ہو اور علت بیان کرنے والوں جیسے ہدایہ اور اس کی شروحات عنایہ، تبیین اور بحر وغیرہ نے اس کی علت یوں بیان کی، لفظ عنایہ کے ہیں کہ ان دونوں (تولیہ ومرابحہ) کی بناء خیانت اور

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶، بحر الرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۸۳

شبهها والاحتراز عن الخيانة فی القيميات ان امكن، وقد لايمكن عن شبهها لان المشتری لا يشتری المبيع الابقيمة ماوقع فيه من الثمن اذ لايمكن دفع عينة حيث لم يملكه ولا دفع مثله اذ الفرض عدمه فتعيت القيمة وهی مجهولة تعرف بالخرص و الظن فيتمكن فيه شبهة الخيانة الااذا كان المشتری باعه مرابحة ممن ملك ذٰلك البدل من البائع الاول بسبب من الاسباب فانه يشتريه مرابحة بربح معلوم من دراہم او شیئ من المكيل والموزون الموصوف لاقتدارہ علی الوفاء بما التزمه [1] اھ۔ **اقول:** ولاتنس ماقدمنا ان الربح سائغ مطلقًا ولو ثوبا كما نص عليه فی التحفة وقال فی الفتح لوكان مااشتراه به وصل الی من يبيعه منه فرابحه عليه بربح	شبہ خیانت سے اجتناب پر ہے جبکہ قیمتی چیزوں میں اگرچہ خیانت سے اجتناب ممکن ہے مگر شبہ خیانت سے اجتناب کبھی ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مرابحہ میں مشتری مبیع کو اس قیمت کے بدلے ہی خرید سکتا ہے جس میں ثمن واقع ہوا نہ کہ عین ثمن کے بدلے کیونکہ جب وہ اس کا مالک ہی نہیں تو اس کا دینا اس کے لیے ناممکن ہے اور نہ ہی مثل ثمن کے بدلے کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے تو قیمت ہی متعین ہوئی اور وہ مجہول ہے جو کہ ظن و تخمینہ سے پہچانی جاتی ہے لہٰذا اس میں شبہ خیانت پایا جاتا ہے سوائے اس کے کہ جب مشتری اول مبیع کو اس شخص کے ہاتھ بطور مرابحہ بیچے جو اس بائع اول سے اس مبیع کے بدل کا کسی سبب سے مالک بن چکا ہے کیونکہ اس صورت میں مشتری ثانی اس مبیع کو دراہم یا کسی کیلی وزنی شے میں سے معین و معلوم نفع پر خرید رہا ہے یہ اس لئے ہے کہ مشتری ثانی نے جس چیز کا التزام کیا ہے وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) جو ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اس کو مت بھولیں کہ نفع مطلقًا جاری ہوتا ہے اگرچہ کپڑا ہو جیسا کہ فتح میں کہا کہ اگر کسی طرح مبیع کے ثمن اس شخص کے پاس پہنچ جائیں جس کے ہاتھ اب یہ بیع بطور مرابحہ بیچ رہا ہے اور

[1] العنایہ علی ہامش الفتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۴

معین کان یقول ابیعك مرابحة علی الثوب الذی بیدك وربح درهم او کر شعیرا وربح هذا الثوب جاز اھ [1] فالقصر علی المکیل والموزون لامفهوم له ومن البین ان اشتراط مثلیة الثمن الاول یوجب المماثلة بینه وبین الثمن الثانی فی الجنس اذا لاہ لعاد علی مقصوده بالنقص فان الشیئ ولومثلیا اذا بدل بخلاف جنسه خرج المثل من البین وآل الامر الی التقویم فهناك قلتم لایمکنه دفع مثله اذا الفرض عدمه وههنا نقول لایمکن دفعه مثله اذ الفرض ان البیع الثانی بخلاف جنسه وهذا کان شیئا واضحا فی غایة الوضوح فسبحان الذی اذ هل هؤلاء الاکابر من مثله ولاعصمة الالکلام الله وکلام الرسول جل جلاله وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	اس ثمن پر معین نفع لگائے مثلاً یوں کہے کہ میں یہ چیز بطور مرابحہ تجھ پر فروخت کرتاہوں اس کپڑے کے عوض جو تیرے قبضے میں ہے اور ایک درہم کے نفع پر یا ایک کُر جو کے نفع پر یا اس کپڑے کے نفع پر تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے اھ چنانچہ نفع کے کیلی اور وزنی اشیاء میں اقتصار کا کوئی مفہوم نہیں، اور ظاہر ہے ثمن اول کے مثل ہونے کی شرط اس بات کو واجب کرتی ہے کہ ثمن اول اور ثمن ثانی کے درمیان جنس کے اعتبار سے مماثلت ہو اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہو تو یہ امر مقصود پر بطور نقص لوٹے گا کیونکہ کوئی شے اگرچہ مثلی ہو جب غیر جنس سے بدلی جائے تو مماثلت درمیان سے نکل جاتی ہے اور معاملہ قیمت لگانے کی طرف لوٹ آتا ہے، وہاں تم نے کہا کہ ثمن اول کی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے تو یہاں ہم کہتے ہیں کہ اس کی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض یہ ہے کہ بیع ثانی اس کی جنس کے غیر بدلے میں ہے یہ انتہائی واضح چیز ہے، پاک ہے وہ جس نے ان اکابر کو اس جیسی ظاہر چیز بھلادی، خطا سے پاک تو صرف اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام ہے۔ (ت)

اور ناجائز یوں ہوئی جس کا بیان ابھی عنایہ وغیرہا کے حوالے سے گزرا کہ غیر جنس کا عوض اول کے مثل ومساوی ہونا محض تخمین واندازہ سے ہوگا اور تخمین میں غلطی کا احتمال ہے اور مرابحہ کی بناء کمال امانت پر ہے اس میں خیانت کا شبہ بھی حرام ہے پورا ٹھیک ثمن اول کا مساوی

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۴

بتا کر اس پر نفع باندھے، غیر جنس میں ٹھیک مساوات بتانا محال ہے لہٰذا مال ربوی جب اپنی جنس کے عوض کیا ہوا سے مرابحۃً بیچنا ناممکن وحرام ہے، یہ وہ شرط ثانی ضروری ولازمی وواجب تھی جس سے بحرالرائق میں باوصف استقصاء کے غفلت واقع ہوئی،

وھذا ما وعدناك من قبل بان الحد الذی اتی بہ لم یتم ایضا وکان علیہ ان یزید بعض قولہ "مما یتعین" غیر ربوی قوبل بجنسہ ثم العجب من العلامۃ المحقق ابی الاخلاص حسن الشرنبلالی رحمہ اللہ تعالٰی اذا ورد علی تعریف الدرر المذکور بیع ماملکہ بمثل ماقام علیہ بزیادۃ مسئلۃ المثلی اذا غیبہ الغاصب وضمن وملك ولا یرابح کما قدمنا عنہ، قال ولا یرد علی من قال بیع بمثل الثمن الاول[1]۔ **اقول**: صور بضمان الغصب فصدق ماقام علیہ ولم یصدق الثمن ولو صور بربوی ملکہ بجنسہ کبر ببر لعم الضمان والاثمان وورد علی الکل بالسویۃ فھذا تحقیق الشرط الثانی وقد تفضل علی المولٰی سبحانہ وتعالٰی بھذا المباحث فاتقنھا فانك لاتجدہ فی محل اٰخر وللہ الحمد علی تواتر الائہ والصلٰوۃ والسلام علی سید انبیائہ محمد واٰلہ واحبائہ۔	یہ وہ ہے جس کا ہم نے آپ کے ساتھ پہلے وعدہ کیا تھا کہ جو تعریف علامہ بحر نے بیان کی ہے وہ بھی تام نہیں، ان پر لازم تھا کہ وہ اپنے قول "مما یتعین" کے بعد یہ الفاظ بڑھاتے "غیر ربوی قوبل بجنسہ" یعنی وہ چیز مال ربوی کا غیر ہو جس کا مقابلہ اس کی جنس سے کیا گیا ہو، پھر علامہ محقق ابو الخلاص حس شرنبلالی رحمہ اللہ تعالٰی پر حیرت ہے کہ جب درر کی اس تعریف "وہ مملوک چیز کی بیع ہے اس کی مثل کے ساتھ جتنے میں اس کو پڑی مع کچھ زیادتی کے" پر اس مسئلہ کے ساتھ اعتراض وارد ہوا کہ غاصب دینے پر وہ اس شیئ کو غائب کر دیا اور اس کا ضمان دینے پر وہ اس شیئ مغصوب کا مالک بن گیا اس کے باوجود وہ اس میں بیع مرابحہ نہیں کر سکتا جیسا کہ اس سے نقل کر چکے ہیں، تو علامہ ابوالاخلاص حسن شرنبلالی نے فرمایا کہ یہ اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتا جس نے تعریف میں یوں کہا کہ "بیع بمثل الثمن الاول" یعنی ثمن اول کی مثل کے بدلے بیع کرنا، **اقول**: (میں کہتاہوں) ضمان غصب کے ساتھ صورت بیان کی گئی ہو جو "**ماقام علیہ**" پر صادق اور ثمن پر صادق نہیں اگر ایسے مال ربوی کے ساتھ صورت بیان کی جاتی جس کا وہ اس کی

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر الاحکام باب المرابحۃ والتولیۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

جنس کے بدلے میں مالک ہوا جیسے گندم کے بدلے گندم تو یہ صورت ضمان غصب اور ثمنوں کو شامل ہوتی اور سب پر اعتراض کا ورود برابر ہوتا۔ یہ شرط ثانی کی تحقیق ہے۔ بیشک مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے ان مباحث جلیلہ کے سبب محمد پر فضل فرمایا اور تو ان کو محفوظ کر کہ انھیں تو دوسری جگہ نہیں پائے گا۔ ان مسلسل نعمتوں کے عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے اور درود وسلام ہو نبیوں کے سردار محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل واحباب پر۔ (ت)

جب یہ اصل اصیل منقح ہولی اب جواب مسئلہ کی طرف چلئے **فاقول: وباللہ التوفیق** (تو میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ ت) نوٹ میں شرط دوم تو خو موجود ہے کہ وہ سرے سے مال ربوی ہی نہیں نہ وہ اور روپے یا اشرفی متحد الجنس۔ اور شرط اول اس کی نفس ذات میں تو متحقق ہے کہ وہ فی نفسہٖ ایک عرض ومتاع ہے نہ ثمن مگر بذریعہ اصطلاح اسے ثمنیت عارض ہے اور جب تک رائج رہے گا اور عاقدین بالقصد اسے متعین نہ کریں گے عقود معاوضہ متعین نہ ہوگا۔ اور اوپر معلوم ہولیا کہ یہاں تعین دونوں وقت درکار ہے ملک اول کے وقت اور اس بیع مرابحہ کے وقت تاکہ صادق آئے کہ وہی شے جو پہلے اس کی ملک میں آئی تھی اس نفع پر بیچی۔ وقت مرابحہ کا تعین بھی خود ہی ظاہر ہے کہ جب مرابحہ بے تعین ناممکن اور وہ قصد مرابحہ کررہے ہیں ضرور اسے متعین کرلیا جس طرح پیسوں کی بیع سلم میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے اور ایک پیسہ معین دو پیسے معین کو بیچنے میں ہمارے امام اعظم وامام ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک ہے جس کی تحقیق ہمارے رسالہ **کفل الفقیہ الفاہم** میں ہے۔

وقلت فی الوفاقیة ان المسلم فیه لایکون ثمنا قط فاقدامهما علی جعلها مسلما فیها دلیل علی الابطال[1] اھ ای ابطال الاصطلاح علی الثمینة القاضیة بعدم التعیین وفی الھدایة فی الخلافیة لهما ان الثمینة فی حقهما باصطلاحهما	میں نے اتفاقی اور اجماعی مسئلہ میں کہا کہ مسلم فیہ کبھی بھی ثمن نہیں ہوسکتا لہٰذا بائع اور مشتری کا پیسوں کو مسلم فیہ بنانے کا اقدام دلیل ابطال ہے اھ یعنی اصطلاح ثمنیت کا ابطال جو عدم تعیین کا تقاضا کرتی ہے اور ہدایہ میں اختلافی مسئلہ کے بارے میں شیخین کی دلیل یوں بیان کی کہ بائع اور مشتری کے حق میں ثمنیت ان دونوں کی

---

[1] کفل الفقیہ الفاہم امام العاشر نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور ص ۶۲۔۶۱، کفل الفقیہ الفاہم امام العاشر منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۷

فتبطل باصطلاحهما [1] اھ وقلت فیھا فی ہامش الکفل ان الحاجة الی تصحیح العقد تکفی قرینة علی ذٰلك ولایلزم کون ذٰلك ناشئا عن نفس ذات العقد کمن باع درہما ودینارین بدرہمین ودینار یحمل علی الجواز صرفا للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربٰو کتحققه فما الحامل علیه الاحاجة التصحیح وکم بله من نظیر [2]۔	اصطلاح کی وجہ سے ہے لہٰذا ان دونوں کی اصطلاح سے باطل ہوجائے گی۔اور میں نے اس مسئلہ اختلافیہ کے بارے میں کفل الفقیہ کے حاشیہ پر کہا ہے کہ عقد کو صحیح کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اس کا نفس عقد سے ناشی ہونا لازم نہیں جیسے کسی نے ایک درہم اور دو دینار کو دو درہموں اور ایک دینار کے عوض فروخت کیا۔تو جنس کو غیر جنس کی طرف پھیرتے ہوئے اس کو جواز پر محمول کریں گے باوجودیکہ خود ذات عقد جنس کا مقابلہ جنس سے کرنے سے انکار نہیں کرتی اور سود کا احتمال بھی حقیقت سود کی طرح ہے تو سوائے تصحیح عقد کی حاجت کے اس کا کوئی باعث نہیں اور اس کی متعدد نظیریں ہیں۔(ت)

اب نہ رہی مگر وقت میں نظر۔اگر یہ نوٹ کسی نے اسے ہبہ کیا تھا یا اس پر تصدق کیا یا بذریعہ وصیت یا مورث کے ترکہ میں اسے ملا یا اس نے کسی سے چھین لیا اور تاوان دے دیا یا کسی کا اس کے پاس امانت رکھا تھا اس سے منکر ہوکر تاوان دے کر بیچ لیا تو ان صورتوں میں اسے بیع مرابحہ کرسکتا ہے کہ اب سب وجوہ میں خود روپے اشرفی معین ہوتے ہیں جو ثمن خلقی ہیں نوٹ تو ثمن اصطلاحی ہے،پہلی چار صورتوں میں تو بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت بتاکر اس پر نفع لگائے مثلاً یہ نوٹ سو روپے کا ہے میں نے تیرے ہاتھ اتنی روپے کے نفع پر بیچا اور پچھلی دو صورتوں میں جو کچھ تاوان دینا پڑا ہو وہ بتاکر اس پر نفع رکھے کہ یہ نوٹ مجھے اتنے میں پڑا اور اتنے نفع پر میں نے تیرے ہاتھ بیع کیا،درمختار میں ہے:

المرابحة بیع ماملکه ولو بهبة او	مرابحہ اس چیز کی بیع ہے جس کا مالک بنا اگرچہ

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۹۴

[2] کفل الفقیۃ الفاہم امام العاشر حاشیہ نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور ص ۶۲،کفل الفقیہ الفاہم امام العاشر منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۸

ارث اووصیة اوغصب [1]۔	ہبہ، میراث، وصیت یا غصب کے سبب سے مالک بنا ہو۔ (ت)

بحر میں ہے:

الغصب اذا ضمنه جازله بیعه مرابحة وتولیة علی ماضمن ومامبلکه بهبة اوارث اووصیة اذا قومه فله المرابحة علی القیمة اذا کان صاد قافی التقویم اھ ملتقطا۔ [2]	غصب کا جب تاوان دے دیا تو اب اس تاوان پر غصب کی بیع بطور مرابحہ یا بطور تولیہ جائز ہے اور جس چیز کا ہبہ، میراث یا وصیت کے ذریعے مالک بنا جب اس کی قیمت مقرر کرے تو اس قیمت پر اس مملوک چیز کی بیع مرابحہ کرسکتا ہے بشرطیکہ قیمت مقرر کرنے میں سچا ہو اھ التقاط (ت)

اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے:

تتعین ای الدراهم والدنانیر فی الامانات والهبة والصدقة والشرکة والمضاربة والغصب [3]۔	امانتوں۔ ہبہ، صدقہ، شرکت، مضاربہ اور غصب میں دراہم ودنانیر متعین ہوجاتے ہیں (ت)

یونہی اگر یہ نوٹ بیع سلم سے مول لیا اس پر مرابحہ کرسکتا ہے مثلاً نوے روپے کے بدلے سو کی رقم کا نوٹ ایک مہینہ کے وعدہ پر خریدا یہ نوٹ معین ہوگیا **لما قدمنا**۔ (اس دلیل کی وجہ سے جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ت) اب نوے روپے اصل ثمن لگا کر اس پر نفع معین کرے سو روپے اصل قیمت کو ٹھہرا کر اس پر نفع لگانا حرام ہوگا یونہی اگر نوٹ اور خریدنے میں صاف تصریح کردی کہ خاص یہ نوٹ بعینہٖ اتنے کو بیچا کہ ایسی صریح تصریح سے ثمن اصطلاحی متعین ہوجاتا ہے تو جتنے کو لیا اتنے پر مرابحہ کرسکتا ہے اور صرف اس کے کہنے سے کہ یہ نوٹ اتنے کو بیچا معین نہ ہوگا جب تک عاقدین صاف تصریح نہ کریں کہ خاص اس کی ذات سے عقد بیع کا متعلق کرنا مقصود ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵

[2] البحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۹

صح البیع بالفلوس النافقة وان لم یعین لانها اموال معلومة صارت ثمنا بالاصطلاح فجاز بها البیع ووجب فی الذمة کالدراھم والدنانیر وان عینها لاتتعیین لانها صارت ثمنا باصطلاح الناس وله ان یعطیه غیرہما لان الثمنیة لاتبطل بتعیینها لان التعیین یحتمل ان یکون لبیان قدر الواجب ووصفه کما فی الدراھم،ویجوز ان یکون لتعلیق الحکم بعینها فلا یبطل الاصطلاح بالمحتمل مالم یصرحا بابطاله بان یقولا اردنا به تعلیق الحکم بعینها فحینئذ یتعلق العقد بعینها بخلاف ما اذا باع فلسا بفلسین باعیانهما حیث یتعین من غیر تصریح لانه لو لم یتعیین لفسد البیع علی مابینا من قبل فکان فیه ضرورة تحریا للجواز وھنا یجوز علی التقدیرین فلا حاجة الی ابطال اصطلاح الکافة[1]۔

رائج پیسوں کے ساتھ بیع جائز ہے اگرچہ متعین نہ ہوں کیونکہ وہ اموال معلومہ ہیں جو کہ اصطلاح کے سبب سے ثمن بنے ہیں تو ان کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور یہ ذمہ پر ہونگے جیسا کہ دراہم ودنانیر کا حکم ہے اگر ان کو متعین کرے تب بھی یہ متعین نہ ہونگے کیونکہ یہ لوگوں کے اصطلاح سے ثمنم بنے ہیں اور تعیین کے باوجود اس کو دوسرے پیسے دینے کا اختیار ہے کیونکہ ان کی تعیین سے ثمنیت باطل نہیں ہوتی کیونکہ تعیین میں احتمال ہے کہ وہ واجب کی مقدار اور وصف کو بیان کرنے کے لئے ہو اور یہ بھی ممکن ہے حکم کو ان معین پیسوں کی ذات سے معین کرنے کے لئے ہو چنانچہ محض احتمال سے اصطلاح باطل نہیں ہوتی جب تک بائع اور مشتری اس کو باطل کرنے کی تصریح نہ کریں بایں طور کہ وہ یوں کہیں کہ ہم نے خاص انہی پیسوں سے حکم کو مطلق کرنے کا ارادہ کیا ہے اس وقت خاص ان ہی معین پیسوں سے عقد متعلق ہوگا بخلاف اس صورت کے جب کسی نے دو معین پیسوں کے عوض ایک پیسہ فروخت کیا کیونکہ یہاں بغیر تصریح کے وہ متعین ہوجائیں گے اس لئے کہ اگر اس صورت میں وہ متعین نہ ہوں تو بیع فاسد ہوگی اس وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کردی ہے تو اس میں تلاش جواز کی ضرورت ہوئی اور یہاں دونوں صورتوں میں بیع جائز ہوگی لہٰذا تمام کی اصطلاح کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔(ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الصرف المطبعة الکبرٰی الامیریہ مصر ۴/ ۱۴۳

ہاں بغیر اس تصریح کے جس طرح عام طور پر نوٹ کی خرید وفروخت ہوتی ہے نوٹ معین نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر یہ نوٹ سو روپے کو بیچا بائع کو اختیار ہے کہ یہ خاص نوٹ نہ دے اس کے بدلے اور کوئی نوٹ کا سو کا دے دے جبکہ چلن میں اس کا مساوی ہو اور اگر ابھی یہ نوٹ مشتری کو نہ دینے پایا تھا کہ جل گیا، پھٹ گیا، تلف ہوگیا تو بیع باطل نہ ہوئی کہ خاص اس نوٹ کی ذات اسے متعین نہ تھی دوسرا دے تو اس عام طور کے خریدے ہوئے نوٹوں پر مرابحہ نہیں کرسکتا کہ وہ معین ہو کر اس کی ملکیت میں نہ آئے، کما بیناہ اٰنفا (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ت) اسی طرح اگر عورت کا مہر نوٹ قرار پائے تھے وہ اس نے شوہر سے اپنے مہر میں پائے انھیں مرابحۃً نہیں بیچ سکتی کہ اثمان مہر میں متعین نہیں ہوتے۔اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لایتعین فی المهر ولوبعد الطلاق قبل الدخول فتردمثل نصفه ولذا لزمها زکوٰته لونصابا حولیا عندها[1] اھ۔**اقول**: والوجه فیه ان المهر ایضا معاوضة والاثمان لایتعین فی المعاوضات وتتعین فیما وراء ها من التبرعات وفیها الهبة والصدقة ومن الامانات ومنها المضاربة والشرکة والوکالة والودیعة کلها بعد التسلیم اما قبله فلا مطالبة ولا استحقاق وانما النظر فی تعین النفقود وعدمه من	ثمن مہر میں متعین نہیں ہوتے اگرچہ دخول سے قبل طلاق کے بعد ہوں تو اس صورت میں مطلقہ نصف مہر کی مثل واپس کرے گی اسی وجہ سے اس عورت پر اس مہر کی زکوۃ واجب ہے اگر وہ نصاب کے برابر ہوں اور سال بھر عورت کے پاس رہے اھ، **اقول**: (میں کہتاہوں) وجہ اس میں یہ ہے کہ مہر معاوضہ ہے اور ثمن معاوضوں میں متعین نہیں ہوتے جبکہ معاوضوں کے ماسوا یعنی تبرعات، امانات اور غصبات میں متعین ہوجاتے ہیں، ہبہ اور صدقہ تبرعات میں سے ہیں جبکہ مضاربت، شرکت، وکالت اور ودیعت امانات میں سے ہیں۔ان سب میں تعین تسلیم کے بعد ہوتا رہاہے قبل از تسلیم تو اس صورت میں نہ مطالبہ نہ کوئی استحقاق، نقود کے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۹، الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۵۹

هذه الجهة كما فی احکام النقد من الاشباه [1] **اقول:** ولذا لم تتعین فی النذر اذ لیس مطالب الا بما فیه قربة ولاقربة فی خصوص نقد او وقت اوفقیر کما فی جامع الفصولین [2] من الفصل السابع عشر ومن الغصبیات ویلتحق بها المقبوض فی الصرف اذا فسد بالتفریق قبل قبض بدل و فی البیع اذا فسد علی ماهو الاصح لکونه واجب الرد وفی الدعوی اذا ادعی اٰخر مالافقضی له فقبض ثم اقرانه کان مبطلا فیها اما الدین المشترك اذا قبضه احدهما یؤمر برد حصة صاحبه من عین المقبوض۔ **اقول:** ان کان قبضه بحق فامین اولافغاصب فانحصر الامر فیما ابدیت من الضابط والله الحمد اتقنه فانك لاتجده فی غیر هذه	تعین اور عدم تعین میں نظر صرف اسی جہت (بعد از تسلیم) سے ہے جیسا کہ اشباہ کی فصل احکام النقد میں ہے۔ **اقول:** اسی لئے نقود نذر میں متعین نہیں ہوتے کیونکہ مطالبہ صرف اس چیز کا ہوتا ہے جس میں قربت ہو جبکہ نقد یا وقت یا فقیر کے خاص ہونے میں کوئی قربت نہیں جیسا کہ جامع الفصولین فصل ۱۷ میں ہے، اور بیع صرف میں جس چیز پر قبضہ کیا جائے وہ غصبیات کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے جبکہ بدل صرف پر قبضہ کرنے سے پہلے تفریق کی وجہ سے عقد صرف فاسد ہو جائے، اور مذہب اصح کے مطابق بیع فاسد میں بھی غصب سے ملحق ہے کیونکہ اس کا رد کرنا واجب ہے اور یوں ہی دعوٰی میں ہے اگر کسی نے دوسرے پر کچھ مال کا دعوٰی کیا پھر فیصلہ کے حق میں ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد اس نے اقرار کیا کہ وہ اس دعوٰی میں باطل پر تھا یعنی جھوٹا تھا۔ رہا دین مشترک تو اگر اس پر دو شریکوں میں سے ایک نے قبضہ کرلیا تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عین مقبوض میں سے اپنے شریک کا حصہ اس کو دے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اگر اس نے حق کے ساتھ قبضہ کیا تو امین ہے اور اگر ناحق قبضہ کیا ہے وغاصب ہے۔ چنانچہ جو ضابطہ میں نے بیان کیا ہے معاملہ اسی پر منحصر ہوا۔ اللہ تعالٰی

[1] الاشباه والنظائر احکام النقد ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه کراچی ۲/ ۵۹۔۱۵۸

[2] جامع الفصولین الفصل السابع عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰

السطور والحمد اللہ علی تواتر الائہ بالوفور۔	کے لئے ہی حمد ہے۔اسے محفوظ کرلو کہ اس کو تو ان سطور میں کے غیر میں نہ پائیگا۔اور مسلسل وافر نعمتوں کی عطا پر تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔(ت)

پھر جہاں نوٹ پر مرابحہ منع ہے اس کے یہ معنٰی ہیں کہ ملک اول کے لحاظ سے نفع مقرر نہیں کرسکتا ابتدائے بیع بے لحاظ سابق کرے جسے مساومہ کہتے ہیں۔تو اختیار ہے جتنے کو چاہے بیچے اگرچہ دس کا نوٹ ہزار کو۔بحر میں ہے:

قید بقولہ لم یرابح لانہ یصح مساومۃ لان منع المرابحۃ انماھی للشبھۃ فی حق العباد لافی حق الشرع وتمامہ فی البنایۃ[1]۔	ماتن نے یہ قید لگائی کہ وہ بیع مرابحہ نہیں کرسکتا کیونکہ بیع مساومہ اس میں صحیح ہے اس لئے کہ مرابحہ کی ممانعت حقوق العباد میں شبہ کی وجہ سے ہے نہ کہ حق شرعی میں۔اس کی پوری بحث بنایہ میں ہے۔(ت)

اور جہاں مرابحہ جائز ہے اور یوں مرابحہ کیا جس طرح سوال میں مزکور ہے کہ لکھی ہوئی رقم سے مثلًا فی روپیہ ایک آنہ زیادہ لوں گا تو اس کے لئے ضرور ہے کہ مشتری کو بھی اس کی رقم معلوم ہو اور جانے کہ مجموع یہ ہوا اور نہ اگر کسی ناخواندہ کے ہاتھ بیچا ہے معلوم نہیں کہ یہ نوٹ کتنے کا ہے اس صورت میں اگر اسی جلسہ بیع میں اسے علم ہوگیا کہ یہ مثلًا سو روپے کا ہے اور مجھے ایک سو چھ روپے چار آنے میں دیا جاتا ہے تو بعد علم اسے اختیار ہے کہ خریداری پر قائم رہے یا انکار کردے اور اگر ختم جلسہ بیع تک اسے علم نہ ہو تو بیع فاسد وحرام و واجب الفسخ ہوگئی اگرچہ بعد کو اسے علم ہوجائے۔ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر لو کان البدل مثلیا فباعہ بہ وبعشرۃ ای بعشر ذٰلک المثلی فان کان المشتری یعلم جملۃ ذٰلک صح والا فان علم فی المجلس خیر والا فسد[2]۔	نہر میں کہا کہ اگر بدل مثلی ہے اور اس نے اس مثلی بدل اور مزید اس کے عشر یعنی اس مثل کے دسویں حصہ کے عوض بیع کی،اس صورت میں اگر مشتری کو اس تمام کا علم ہے تو بیع صحیح ہے اور اگر علم نہیں تھا مگر اسی مجلس میں اس کو معلوم ہوگیا تو اسے اختیار ہے ورنہ فاسد ہوگی۔(ت)

[1] البحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۵۴

ہدایہ باب المرابحہ میں ہے:

اذ احصل العلم فی المجلس جعل کابتداء العقد وصار کتاخیر القبول الی اٰخر المجلس وبعد الافتراق قد تقرر فلا یقبل الاصلاح ونظیرہ بیع الشیئ برقمہ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب مشتری کو مجلس کے اندر ثمن کا علم ہوگیا تو اس کی ابتداء عقد کی طرح قرار دیا جائے گا اور یہ آخر مجلس تک قبول کو مؤخر کرنے کی مثل ہوگیا اور جدائی (تبدیلی مجلس) کے بعد اگر علم ہوا تو اب چونکہ فساد مستحکم ہوچکا ہے لہٰذا یہ بیع اصلاح کو قبول نہیں کرے گی اور اس کی نظیر کسی شے کو اس کی لکھی ہوئی قیمت کے عوض فروخت کرنا ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

---

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۷۷۔۷۶

باب التصرف فی المبیع والثمن
(مبیع اور ثمن میں تصرف کرنے کا بیان)

مسئلہ ۱۰۵: از بڑودہ پائگاہ قام حالہ مرسلہ سیدہ میاں حالہ ۱۹ ربیع الاخر شریف ۱۳۱۰ھ

قدوۃ العلماء عمدۃ الفضلاء اس مسئلہ کبیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ چند روز کے بعد عورت نے اپنا مہر طلب کیا، خاوند اس کا کہنے لگا کچھ روپیہ اس وقت نقد مجھ سے وصول کرلے باقی روپیہ جو رہا مکان اور زمین نرخ بازار سے خرید لے اور جو اس سے بھی باقی رہے قسط بقسط ماہ بماہ دیتا رہوں گا تیرا مہر بہر حال ادا کردوں گا۔ عورت اس بات پر راضی ہوئی، شرع شریف میں یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مع مہر، سند کتاب عبارت عربی و ترجمہ اردو خلاصہ تحریر فرمائے گا اس کا صلہ آپ کو اللہ تعالٰی جل شانہ، عطا کرے گا فقط۔ راقم سید و میاں حالہ از بڑودہ۔

الجواب:

یہاں تین باتیں ہیں: [۱] بعض مہر کا بالفعل زر نقد سے ادا کرنا۔ [۲] بعض کے عوض مکان و زمین نرخ بازار پر دینا۔ باقی ماندہ کی قسط بندی ہونا، یہ تینوں امر شرعا جائز ہیں۔ اول تو خود ظاہر ہے اگرچہ شرعا خواہ عرفا مہر مؤجل عدت وطلاق یا ایسی اجل پر موعود ہو جو ہنوز نہ آئی مثلا دس برس بعد دینا ٹھہرا تھا اس نے کُل یا بعض ابھی دے دیا عورت کو جبرا لینا ہوگا کہ اجل حق مدیون ہے۔ اور اسے

اس کے ساقط کرنے کا اختیار،

فی الزیلعی والخانیۃ والنہایۃ ثم الاشباہ ثم العقود الدریۃ الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حول الاجل یجبرا الطالب علی تسلیمہ لان الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ[1]۔	زیلعی، خانیہ، نہایہ پھر اشباہ پھر عقود الدریہ میں ہے کہ مدیون اگر دین مؤجل کی ادائیگی اجل گزرنے سے پہلے کرے تو طالب (قرض خواہ) پر اس کی وصولی کے لئے جبر کیا جائے گا کیونکہ اجل مدیون کا حق ہے جسے ساقط کرنے کا اسے اختیار ہے۔(ت)

اور ثانی ۲ بھی جائز کہ اگرچہ اصل مقتضائے دین یہی ہے کہ جس چیز کا مطالبہ ہے وہی دی جائے، مثلاً روپے کے روپے ہی ادا کئے جائیں، فی الاشباہ والدر وغیرہما الدیون تقضی بامثالہا[2] (اشباہ اور در وغیرہ میں ہے کہ قرضے ان کی مثل سے ادا کئے جائیں۔ت) مگر ماورائے سلم وصرف میں باہمی تراضی سے یہ بھی روا کہ دین کا معاوضہ دوسری چیز کرلیں۔

فی ردالمحتار طالب مدیونہ فبعث الیہ شعیر اقدرا معلوما وقال خذہ بسعر البلد والسعر لہما معلوم کان بیعا[3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ کسی نے اپنے مقروض سے قرضے کا مطالبہ کیا تو اس نے معین مقدار میں جو بھیجے اور کہا کہ شہر کے بھاؤ کے مطابق لے لو اگر شہر کا بھاؤ دونوں کو معلوم ہے تو بیع ہوگئی۔(ت)

اور ثالث ۳ کا بھی جواب واضح، اگرچہ اس وقت تک قسط بندی نہ تھی کہ برضامندی معجّل کو مؤجل، غیر منجم کو منجم کرسکتے ہیں۔ یعنی جس دین کی نسبت قرار پایا تھا کہ فوراً دیا جائے گا پھر یہ ٹھہرالیں کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا یا اب تک قسطیں نہ تھیں اب قرار دے لیں کہ ماہانہ یا سالانہ قسط سے ادا ہوا کرے گا۔

فی الکنز صح تاجیل کل دین غیر القرض[4]، وفی الاشباہ الحال یقبل التأجیل	کنز میں ہے کہ قرض کے سوا ہر دین میں میعاد مقرر کرنا صحیح ہے، اور اشباہ میں ہے دین حالی تاجیل

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۸

[2] تتمہ فی الفروق من الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۶

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲

[4] کنز الدقائق باب المرابحۃ والتولیۃ فصل صح بیع العقار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۲۵

الاماقدمناہ[1] اھ یعنی ماذکر فی قولہ لیس فی الشرع دین لا یکون الا حالا الا راس مال السلم وبدل الصرف والقرض و الثمن بعد الاقالۃ ودین المیت وما اخذبہ الشفیع العقار[2]۔	کو قبول کرتا ہے سوائے اس کے جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اھ، اس سے مراد وہ ہے جس کا ذکر مصنف نے اپنے اس قول میں کیا کہ شرع میں کوئی دین ایسا نہیں جو فقط حالی ہو سوائے بیع سلم میں راس المال، بدل صرف، قرض، اقالہ کے بعد ثمن اور دین میت کے اور وہ جس کے بدلے شفیع نے جائداد لی۔(ت)

مگر مکان زمین دینے میں اتنا لحاظ ضرور ہے کہ نرخ بازار مردوزن کا معلوم نہیں تو پہلے نرخ دریافت کرلیں، اس کے تعین کے ساتھ بیع واقع ہو کہ بازار کے بھاؤ سے یہ چیز ہزار روپے کی ہے تو شوہر عورت سے کہے میں نے اپنی یہ زمین ومکان تیرے ہزار روپے کے عوض میں تجھے دی۔ وہ کہے میں نے قبول کی، یہ نہ ہو کہ پہلے بیع ہولے اس کے بعد تحقیقات کرنے جائیں کہ بازار کا نرخ کیا ہے کہ اس صورت میں بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہوجائے گی اور زن ومرد دونوں بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہونگے پھر اس بیع کا فسخ بوجہ فساد واجب ہوگا ہاں اگر اسی جلسہ ایجاب وقبول میں نرخ بازار معلوم ہوجائے تو البتہ بیع صحیح ہوجائے گی۔ اور مشتری کو بعد علم قیمت اس شیئ کی لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا مگر یہ امر موہوم ومشکل ہے لہٰذا پہلے ہی دریافت کرکے بیع بطریق مذکور کریں۔

فی الدر فسد بیع ماسکت فیہ عن الثمن کبیعہ بقیمۃ[3] اھ ملخصا۔ وفی الھندیۃ اما اشرائط الصحۃ فمنہا ان یکون الثمن معلوما علما یمنع من المنازعہ فبیع المجھول جھالۃ تفضی الیھا غیر صحیح کبیع الشیئ	در میں ہے کہ جس بیع میں ثمن سے سکوت اختیار کیا وہ فاسد ہے جیسے کسی شے کی بیع اس کی قیمت کے بدلے میں اھ تلخیص، ہندیہ میں ہے کہ صحت بیع کی شرائط میں سے ثمن کا اس طرح معلوم ہونا ہے کہ جھگڑا پیدا نہ ہو لہٰذا مجہول کی بیع ایسی جہالت کے ساتھ جو جھگڑے کا باعث بنے صحیح نہیں جیسے کسی شیئ کو اس کی قیمت کے بدلے فروخت

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۱۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۱۲

[3] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

بقیمتہ اھ [1] مختصرا وفیھا من ولی رجلا شیئا بما قام علیہ ولم یعلم المشتری بکم قام علیہ فسد البیع فان اعلمہ البائع فی المجلس صح البیع وللمشری الخیار ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ کذافی الکافی انتھی [2] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کرنا اھ اختصار۔اور اسی میں ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کے ساتھ کسی شیئ کی تولیہ کی اتنے کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑی درانحالیکہ مشتری کو معلوم نہیں کہ بائع کو کتنے میں پڑی ہے تو بیع فاسد ہوگی، پھر اگر بائع نے مجلس کے اندر مشتری کو بتادیا تو بیع صحیح ہوجائے گی اور مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، یونہی کافی میں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک جائداد بیع کی جائے اور اسی مجلس خواہ دوسری مجلس میں بائع کا ثمن مشتری کو معاف کردے تو جائز ہے یانہیں؟ اور اس معاف کرنے کے سبب وہ بیع بیع رہے گی اور اس کے احکام اس پر جاری ہوں گے یا ہبہ ہوجائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیشک جائز ہے کہ بائع کوئی چیز بیچے اواس مجلس خواہ دوسری میں کل ثمن یا بعض مشتری کو معاف کردے اور اس معافی کے سبب وہ عقد عقد بیع ہی رہے گا اور اسی کے احکام اس پر جاری ہوں گے اس ابراء کے سبب ہبہ ٹھہر کر احکام ہبہ کا محل نہیں قرار پاسکتا کیونکہ ہبہ یا ابراء جو کچھ ہوا ثمن کا ہوا ہے نہ اس جائداد کا، اور لفظ ثمن خود تحقق بیع کو متقضی ہے کہ اگر وہ بیع نہ تھی تو یہ ثمن کاہے کہ تھا جو معاف کیا گیا،

فی الفتاوی العالمگیریۃ اذا حط کل الثمن اووھبہ او ابرأہ عنہ فان کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لایلتحق بأصل العقد وان کان بعد قبض الثمن صح الحط والھبۃ ولم یصح الابراء ھکذا فی المحیط [3]۔	فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے پورا ثمن گھٹا دیا یا ہبہ کردیا یا بری کردیا اگر قبضہ سے پہلے ایسا کیا تو سب صورتیں درست ہیں مگر یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا او اگر ثمن پر قبضہ کے بعد ایسا کیا ہے تو گھٹانا اور ہبہ کرنا درست ہوگا مگر بری کرنا درست نہ ہوگا محیط میں ایسا ہی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب المرابحۃ التولیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

قال غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فتلاحق بی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا علی ناضح لنا قد اعیا فلا یکاد یسیر فقال لی ما لبعیرك قال قلت اعیٰ، قال فتخلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فزجرہ ودعا لہ فما زال بین یدی الابل قدامھا یسیر فقال لی کیف تری بعیرك قال قلت بخیر قد اصابتہ برکتك قال افتبیعنیہ قال فاستحییت ولم یکن لنا ناضح غیرہ قال فقلت نعم قال فبعنی قال فبعتہ ایاہ علی ان لی فقار ظھرہ حتی بلغ المدینۃ فلما قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ غدوت علیہ بالبعیر فاعطانی ثمنہ وردہ علی[1] (ملتقطا)۔	انہوں نے کہا کہ میں ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ گیا تو آپ مجھ سے آملے درانحالیکہ میں پانی لانے والے ایک انٹ پر سوار تھا جو تھک چکا تھا اور چلنے سے تقریبًا عاجز ہوگیا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تیرے اونٹ کو کیا ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ تھک گیا ہے، آپ نے پیچھے مڑ کر اونٹ کو جھڑکا اور اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ مسلسل تمام اونٹوں کے آگے چلنے لگا پھر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اونٹ کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بہتر ہے اس کو آپ کی برکت پہنچی ہے، آپ نے فرمایا کیا تم اسکو میرے پاس فروخت کروگے تو میں نے انکار سے حیا کیا جبکہ ہمارے پاس اور اونٹ نہ تھا تو میں نے وہ اونٹ اس شرط پر آپ کے ہاتھ بیچ دیا کہ میں مدینہ منورہ تک اس کی پشت پر سواری کروں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں اونٹ لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اونٹ کے ثمن عطا فرمائے اور اونٹ بھی مجھے واپس کردیا (ملتقطا)۔ (ت)

دیکھو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اونٹ خرید کر قیمت بھی عطا فرمائی اور اونٹ بھی نہ لیا، یوں ہی بائع کو روا ہے کہ مبیع بھی سپرد کردے اور ثمن بھی نہ لے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب الاستیذان الرجل الامام الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۶، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ باب بیع البعیر و استثناء رکوبہ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۹

مسئلہ ۱۰۷: عــــہ

الجواب:

صورت مستفرہ میں چند امور قابل لحاظ ہیں:

(۱) شرع مطہر میں عاقدین کی نیات قلبیہ واغراض باطنیہ پر بائے کار نہیں بلکہ جو لفظ انہوں نے کہے ان کے معانی پر مدار ہے، صدہا مسائل شرع اس پر متفرع۔ اسی لئے اگر کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے دل میں عزم قطعی ہو کہ دو روز کے لئے نکاح کرتا ہوں تیسرے روز طلاق دے دوں گا تو وہ نکاح صحیح ونافذ رہتا ہے پھر اسے اختیار رہتا ہے چاہے طلاق دے یا نہ دے۔ اور اگر عقد نکاح ہی ان لفظوں سے واقع ہو تو باطل محض ہو جاتا ہے،

بنایۃ للعلامۃ العینی کتاب النکاح فصل المحرمات، قال شیخنا زین الدین العراقی فی شرح جامع الترمذی نکاح المتعۃ المحرم اذخرج بالتوقیت فیہ اما اذاکان فی تعیین الزوج انہ لایقیم معہا الاسنۃ او شہرا اونحو ذٰلك ولم یشترط ذٰلك فانہ نکاح صحیح[1]۔	علامہ عینی کی تصنیف بنایہ کتاب النکاح، فصل محرمات میں ہے کہ ہمارے شیخ زین الدین عراقی نے جامع ترمذی کی شرح میں فرمایا کہ نکاح متعہ حرام ہے بشرطیکہ اس میں معین مدت کا اظہار کرے، اور اگر زوج نے محض اپنی نیت میں تعیین کی ہو کہ وہ اس عورت کو ایک سال یا ایک مہینہ وغیرہ مدت تک اپنی زوجیت میں رکھے گا لیکن بوقت نکاح شرط نہیں لگائی تو بیشک یہ نکاح صحیح یہ ہے۔ (ت)

علٰی ہذا اگر کوئی شخص اپنا مکان زید کے ہاتھ بیچنا چاہے اور شفیع کے خوف سے لفظ بیع نہ کہے بلکہ یہ اس کو مکان ہبہ کردے اور وہ بقدر ثمن روپیہ اسے ہبہ کردے تو یہ ہبہ شرعًا ہبہ ہی رہے گا او شفیع کا حق ثابت نہ ہوگا اگرچہ ان کی نیت مبادلہ مال بالمال تھی۔

عالمگیریہ مطبع احمدی جلد ششم صفحہ ۱۴۹:

یھب البائع الدار من المشتری ویشھد	بائع مکان مشتری کو ہبہ کردے اور اس پر گواہ

عــــہ: اصل میں سوال درج نہیں۔ جواب سے سوال کی صورت سمجھی جاسکتی ہے۔

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب النکاح فصل فی نکاح المحرمات المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۲ /۶۷

علیه ثمن الشتری یهب الثمن من البائع ویشهد علیه وذکر فی حیل الاصل ثم المشتری یعوضه مقدار الثمن فاذا فعلا ذلك لاتجب الشفعة لان حق الشفعة یختص بالمعاوضات [1]۔	قائم کردے پھر مشتری ثمن بائع کو ہبہ کرے اور اس پر گواہ قائم کرے اور حیل اصل میں مذکور ہے کہ پھر مشتری اس پر ثمن کے برابر عوض مقرر کرے، جب بائع او مشتری نے ایسا کرلیا تو اب شفعہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حق شفعہ تو معاوضات کے ساتھ مختص ہے۔(ت)

اسی طرح اگر کسی شخص ایک شے مشاع ہبہ کرنا چاہے اور جانے کہ ہبہ بوجہ شیوع فاسد ہوجائیگا، تو علماء فرماتے ہیں اس مشاع کو اس کے ہاتھ بیع کرے ور ثمن معاف کرے کہ اس کی غرض یعنی تملیک بلاعوض بھی حاصل ہوجائے گی، اور بدیں وجہ کہ یہ عقد شرعاً بیع ہے فاسد بھی نہ ہوگا، ردالمحتار حاشیہ درمختار مطبوعہ دارالاسلام قسطنطنیہ جلد ۴ ص ۷۷۷:

(فائدۃ) من ارادان یهب نصف دار مشاعا یبیع منه نصف الدار بثمن معلومه ثم یبریه عن الثمن بزازیة [2]۔	**(فائدہ)** جو آدھا مکان غیر منقسم ہبہ کرنا چاہے تو وہ آدھا مکان موہوب لہ کے ہاتھ بیچ کر ثمن سے اس کو بری کردے، بزازیہ۔ (ت)

مدعیہ تسلیم کرتی ہے کہ صورت مقدمہ بعینہٖ یہی جزئیہ خاص ہے جس کا حکم فقہاء نے بالتصریح فرمادیا کیونکہ اس کی عرضی دعوی کا بیان ہے کہ یہ عقد ضعیف مشروط بشرائط تھا لہٰذا بیع کی طرف انتقال کیا گیا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۲) وکیل مدعیہ نے جو عبارت درمختار پیش کی کہ **بطل حط الکل** [3] (کل کا گھٹا دینا باطل ہے۔ت)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ردالمحتار میں اس کے معنی بیان فرمادئے کہ مراد یہ ہے کہ ہبہ ثمن بھی صحیح ہوگا اور عقد بھی صحیح رہے گا مگر یہ کہ بہ اصل عقد سے ملتحق نہ ہوگا یعنی یہ نہ قرار پائے گا کہ سرے سے عقد بلا ثمن ہوا تھا تاکہ فساد لازم آئے یا بیع ہبہ ہوجائے بخلاف حط بعض کے کہ وہ اصل

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحیل الفصل العشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع والثمن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۸

عقد سے ملتحق ہو جاتا ہے سو کو بیچا پھر پچیس حط کر دے تو یہ ٹھہرے گا گویا ابتداء پچھتّر کو بیچا تھا۔ شامی مطبوعہ استنبول ج ۴ ص ۲۵۹:

(قوله)فبطل حط الکل ای بطل التحاقه مع صحة العقد وسقوط الثمن عن المشتری خلافالماتوهمه بعضهم من ان البیع یفسد اخذا من تعلیل الزیلعی بقوله لان الالتحاق فیه یؤدی الی تبدیله لانه ینقلب هبة او بیع بلاثمن فیفسد وقد کان من قصدهما التجارة بعقد مشروع من کل وجه فالالتحاق فیه یؤدی الی تبدیله فلایلتحق به اھ فقوله فلا یلتحق صریح فی ان الکلام فی الالتحاق وان قوله فیفسد مفرع علی الالتحاق کما صرح به شرح الهدایة وقال فی الذخیرة اذا حط کل الثمن او وهب او ابرأعنه فان کان قبل قبضه صح الکل ولا یلتحق باصل العقد وفی البدائع من الشفعة ولو حط جمیع الثمن یاخذ الشفیع بجمیع الثمن ولا یسقط عنه شیئ لان حط کل الثمن لایلتحق

قولہ یعنی ماتن کا قول کہ "کل کو گھٹا دینا باطل ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو اصل عقد کے ساتھ لاحق کرنا باطل ہے اور باوجودیکہ عقد اور مشتری سے ثمن کا اسقاط دونوں صحیح ہیں، یہ حکم بعض لوگوں کے اس وہم کے خلاف ہے کہ بیع فاسد ہے، ان لوگوں نے زیلعی کی تعلیل سے استدلال کیا جو اس نے اپنے اس کلام میں بیان کی کہ یہ الحاق اصل عقد کی تبدیلی تک پہنچاتا ہے کیونکہ اس کے سبب سے بیع یا تو ہبہ بن جائے گی یا بیع بلا ثمن تو اس طرح وہ فاسد ہو جائے گی، حالانکہ ان دونوں کا ارادہ ایسے عقد کے ذریعے تجارت تھا جو ہر لحاظ سے مشروع ہو اور الحاق چونکہ اس میں تبدیلی کا موجب ہے لہٰذا یہ عقد کے ساتھ ملحق نہ ہوگا اھ اس کا قول "فلا یلتحق" صریح ہے اس بات میں کلام لاحق ہونے کے بارے میں ہے اور اس کا قول "فیفسد" اسی لحوق پر متفرع ہے جیسا کہ شرح ھدایہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے، اور ذخیرہ میں کہا کہ جب بائع تمام ثمن گھٹا دے یا ہبہ کرے یا مشتری کو ثمن سے بری کردے اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہے تو سب درست ہے اور یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا۔ بدائع میں شفعہ کی بحث میں ہے کہ اگر بائع نے تمام ثمن گھٹا دیئے تو شفیع تمام ثمن کے بدلے لے سکتا ہے اس سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ تمام ثمنوں کا

باصل العقد لانه لو التحق لبطل البیع لانه یکون بیعاً بلا ثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع وصح فی حق المشتری وکان ابراء له عن الثمن اھ زادفی المحیط لانه لاقی دیناً قائماً فی ذمته وتمامه فی فتاوی العلامة قاسم [1]۔	گھٹانا اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر یہ لاحق ہو تو بیع باطل ہوجائے گی کیونکہ یہ بیع بلا ثمن بن جائے گی، چنانچہ شفیع کے حق میں کل ثمن کا گھٹانا صحیح نہیں البتہ مشتری کے حق میں صحیح ہے اور یہ اس کو ثمن سے بری کرنا ہوا اھ۔ اور محیط میں زیادہ کیا کہ وہ اس دین کے مقابل ہوا جو اس کے ذمہ کے ساتھ قائم ہے، اس کی پوری بحث علامہ قاسم کے فتاوٰی میں ہے۔ (ت)

ملاحظہ کیا جائے کہ علامہ امین الملۃ والدین محمد بن عابدین آفندی شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو تحقیق انیق ارشاد فرمائی ہے کس قدر مدلل و مبرہن ہے اور وہ بھی صرف اپنی ایجاد نہیں بلکہ کتب ائمہ سے اس پر نصوص صریحہ نقل فرمائیں جن سے صاحب درمختار وغیرہ علمائے کبار سلفاً و خلفاً استناد کرتے آئے ہیں ___ ذخیرہ کہ ایک عمدہ مستند فتاوی ہے۔ بدائع تصنیف امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاشانی جس کی نسبت علماء فرماتے ہیں **ھذاالکتاب جلیل الشان لم ارله نظیر فی کتبنا** (یہ عظیم الشان کتاب ہے جس کی نظیر ہماری کتابوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ ت)، محیط جس کا اعتبار آفتاب نیمروز ہے، فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا تلمیذ رشید امام علامہ کمال الدین محمد بن الہمام، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق امام علامہ فقیہ محدث زیلعی، شرح الہدایۃ اور ان کے سوا اور کتابتوں میں بھی یہ مسئلہ یونہی لکھا ہے جیسا علامہ محقق نے تحقیق فرمایا، **مجمع الانہر** شرح ملتقی الابحر مطبوعہ استنبول جلد ۲ صفحہ ۷۵:

صح التصرف فی الثمن ببیع وھبة وتملیك ممن علیه بعوض وغیرعوض قبل قبضه، والحط منه ویثبت الحط فی الحال ویلتحق باصل العقد استناداً وفیه اشارة الی ان حط کل الثمن غیر ملتحق	ثمن میں قبض سے قبل تصرف صحیح ہے جیسے بیع، ہبہ، اور جس پر ثمن لازم ہے اس کو کچھ عوض کے ساتھ یا بلا عوض مالک بنانا، اور ثمن میں سے کچھ گھٹا دینا، اور یہ گھٹانا فی الحال ثابت ہوتا ہے اور اصل عقد کی طرف منسوب ہو کر اس کے ساتھ لاحق ہوتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ تمام ثمن کا گھٹانا

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

بالعقد اتفاقا[1] اھ ملتقطا۔	اصل عقد کے ساتھ بالاتفاق لاحق نہیں ہوتا اھ اختصار۔ (ت)

شرح نقایہ مطبوعہ لکھنؤ ج ۳ صفحہ ۳۳۰:

صح التصرف فی الثمن والحط عنه، ای صح للمشتری القاء کل المبیع او بعضه عن البائع، وللبائع القاء کل الثمن او بعضه عن المشتری وان لم یبق المبیع ولم یقبض الثمن فصح ان یقول حططت کله او بعضه عنك اووهبته منك او ابرأتك عنه(الی قوله)وان لم یلتحق باصل العقد[2]۔	ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا درست ہے یعنی مشتری کے لئے کل یا بعض مبیع بائع سے گھٹانا اور اسی طرح بائع کے لئے کل یا بعض ثمن مشتری سے ساقط کردینا درست ہے اگرچہ مبیع باقی نہ رہا ہو اور ثمن پر قبضہ نہ کیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں نے تجھ سے کل یا بعض گھٹادیا یا میں نے تجھ کو اس سے بری کردیا(اس کے اس قول تک)اگرچہ یہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔(ت)

خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع فصل ۱۳:

ولووهب کل الثمن لایلتحق باصل العقد ولو وهب بعض الثمن یلتحق[3]۔	اگر کل ثمن ہبہ کردیے تو اصل عد کے ساتھ ملحق نہ ہوں گے اور اگر بعض ثمن ہبہ کئے تو ملحق ہوجائیں گے۔(ت)

فتاوٰی ہندیہ مطبع احمدی جلد سوم صفحہ ۵۸:

اذاحط کل الثمن اووهبه او ابرأه عنه فان کان ذلك قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لایلتحق باصل العقد[4]۔	جب کسی نے کل ثمن گھٹادیئے یا ہبہ کردیے یا مشتری کو اس سے بری کردیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا تو سب صورتیں درست ہیں لیکن یہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔(ت)

اور ان سب کتابوں سے صاحب درمختار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسی درمختار میں صدہا جگہ استناد کیا ہے

---

[1] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب البیوع فصل فی بیان البیع قبل قبض المبیع، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۸۱۔۸۰

[2] شرح النقایه

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الثالث عشر فی الثمن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳ /۹۴

[4] فتاوٰی ہندیه کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

سوا فتاوٰی ہندیہ کے کہ اس کی تالیف تصنیف در مختار سے متاخر ہے تو اب کالشّمس فی النصف النہار روشن ہوگیا کہ طرف مقابل کا یہ عذر کہ بمقابلہ در مختار شامی کا کیا اعتبار، کتنی بے محل بات ہے، قطع نظر اس سے کہ جس نے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تحقیقات لائقہ اور تدقیقات فائقہ اس حاشیہ اور کتاب مستطاب عقود دریہ وغیرہما میں دیکھی ہیں وہ ایسا لفظ ہر گز نہیں کہہ سکتا، اور علاوہ اس سے کہ علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ در مختار ہر چند معتبر کتاب ہے مگر جب تک اس کے حواشی پاس نہ ہوں اس سے فتوٰی دینا جائز نہیں کیونکہ عبارت اس کی اکثر مقامات پر ایسی چیستاں ہے جس سے صحیح مطلب سمجھ لینا دشوار ہوتا ہے، ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے جب اس قدر اکابر ائمہ مستندین صاحب در مختار کی تحقیق علامہ شامی کے بالکل مطابق ہے تو اس لفظ کا کون سا موقع رہا۔

(۳) اگر تسلیم کیا جائے کہ عبارت در مختار سے ظاہرًا جو مطلب سمجھا گیا وہی صحیح ہے اور جماہیر ائمہ کی تحقیق کا کچھ اعتبار نہیں تاہم اس کے مفاد کو دعوٰی مدعیہ سے کیا علاقہ، اس سے اس قدر سمجھا گیا کہ ہبہ ثمن باطل ہے نہ یہ کہ بیع فاسد و قابل فسخ ہے جیسا کہ دعوٰی مدعیہ ہے کاش یہ عبارت کہیں سے پیدا کی جاتی کہ **بطل البیع بحط الکل** (کل ثمن گھٹا دینے سے بیع باطل ہوگئی۔ت) تو شاید قابل التفات ہوتی۔

(۴) وکیل مدعیہ نے جو عبارت عالمگیری پیش کی کہ اگر ہبہ ثمن قبل قبول واقعہ ہوا تو عقد صحیح نہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ فتاوٰی خلاصہ کتاب البیوع فصل ۲:

فی مجموع النوازل رجل قال بعت منك ھذاالعبد بعشرۃ دراہم ووھبت منك العشرۃ وقال الاٰخر اشتریت لایصح البیع کما لو باع بدون الثمن، وفی النوازل الشراء جائز ولم تجز الھبۃ[1]۔	مجموع النوازل میں ہے ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ یہ غلام میں نے تیرے ہاتھ دس درہم کے عوض بیچا اور میں نے تجھ دس درہم ہبہ کئے دوسرے نے جواب میں کہا کہ میں نے خریدا تو بیع صحیح نہ ہوگی جیسا کہ وہ بغیر ثمن کے بیچے، اور نوازل میں ہے کہ خریداری جائز ہے اور ہبہ ناجائز ہے۔(ت)

اور امام علامہ فقیہ النفس مالک التصحیح والترجیح فخر الملۃ والدین قاضی خان اوزجندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے فتاوٰی میں روایت صحت پر جزم کیا اور اسی کے ذکر پر اقتصار فرمایا دوسری روایت نقل ہی نہ فرمائی اور اسی روایت کو مدلل و مبرہن کیا۔ قاضیخاں مطبوعہ العلوم جلد ۲ ص ۲۴۹ و ۳۴۴:

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۴

نظیرہ مالو قال بعتك هذاالشیئ بعشرۃ دراہم ووہبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع،ولا یبرأ المشتری عن الثمن لان الثمن لا یجب الابعد قبول البیع فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابراء قبل السبب فلایصح[1]۔	اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ دس درہم کے بدلے فروخت کی اور میں نے تیرے لئے دس درہم ہبہ کئے، پھر مشتری نے بیع کو قبول کرلیا تو بیع جائز ہے اور مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا کیونکہ ثمن تو قبول بیع کے بعد ہی واجب ہوتے ہیں، اگر اس نے قبول سے پہلے مشتری کو ثمن سے بری کیا تو یہ سبب سے قبل بری کرنا ہوا لہٰذا صحیح نہ ہوگا۔(ت)

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول پر اقتصار کرنا اس کے اعتماد کی دلیل ہے۔ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ پنجم صفحہ ۶۵۲:

الاقتصار علیه یدل علی اعتمادہ[2]۔	اس پر اقتصار اس کے اعتماد پر دلالت کرتا ہے۔(ت)

طحطاوی حاشیہ در مختار مطبوعہ بولاق دار السلطنت مصر جلد ۴ ص ۳۲۱:

الاقتصار علیه یدل علی اعتمادہ[3]۔	اس پر اقتصار اس کے اعتماد پر دلالت کرتا ہے۔(ت)

اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول کو مدلل و مبرہن کرنا بھی اس کی ترجیح کی دلیل ہے، فتاوٰی حامدیہ مع التنقیح مطبوعہ مطبع سرکاری مصر جلد اول ص ۱۶:

التعلیل دلیل الترجیح [4] وفیها هوالمرجح اذ هو المحلی بالتعلیل[5]۔	کسی کی علت بیان کو نا اس کی ترجیح کی دلیل ہے، اور اسی میں ہے کہ وہی راجح ہے کیونکہ وہ بیان دلیل سے مزین ہے(ت)

پس دو وجہ سے ثابت ہوا کہ امام قاضی خاں نے صحت بیع پر اعتماد فرمایا اور اسی کو ترجیح دی اب علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس امام اجل کا ارشاد زیادہ اعتبار و اعتماد کے لائق اور ان کی تصحیح و ترجیح فائق ہے کہ انہیں رتبہ اجتہاد حاصل تھا، حاشیہ جامع الفصولین للعلامہ خیر الدین الرملی

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹

[2] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۵

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۲۱

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار کتب خانہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۷

[5] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار کتب خانہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۷

استاد صاحب الدر المختار:

علیك بما فی الخانیة فان قاضی خان اهل التصحیح الترجیح [1]۔	جو خانیہ میں ہے اس کو قبول کرنا تجھ پر لازم ہے کیونکہ امام قاضی خاں ترجیح و تصحیح والوں میں سے ہیں۔ (ت)

تصحیح القدوری للعلامہ قاسم:

مایصححه قاضی خان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححه غیرہ لانه کان فقیه النفس [2]۔	جن اقوال کی تصحیح قاضی خان کردیں وہ مقدم ہوتے ہیں ان اقوال پر جن کی تصحیح دوسرے کریں کیونکہ امام قاضی خاں فقیہ النفس ہیں (ت)

حاشیہ سید احمد طحطاوی علی الدر المختار مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۵:

الذی یظهر اعتماد مافی الخانیة قولهم ان قاضی خان من اجل مایعتمد علی تصحیحاته [3]۔	جو خانیہ میں ہے اس پر اعتماد ظاہر ہے فقہاء کے اس قول کی وجہ سے کہ قاضی خان ان جلیلہ القدر لوگوں میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ (ت)

غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر مطبوع مطبع مصطفائی دہلی ص ۲۷۵:

هذا القول صححه قاضی خان فینبغی اعتمادہ [4]۔	اس قول کو قاضی خان نے صحیح قرار دیا ہے لہٰذا اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔ (ت)

عقود الدریہ مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۵۷:

مایصححه قاضی خان مقدم علی مایصححه غیرہ [5]۔	جس کی تصحیح قاضی خان فرمادیں وہ اس پر مقدم ہے جس کی تصحیح کوئی دوسرا کرے۔ (ت)

---

[1] الآلی الدریة فی الفوائد الخیریة حشیة جلیلة جامع الفصولین الفصل الثامن عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۶

[2] غمز عیون البصائر بحوالہ تصحیح القدوری مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۵

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۵

[4] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۵

[5] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الاجارات حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب قندھار افغانستان ۲/ ۱۰۳

اور اسی طرح اور کتب میں بھی تصریح ہے، پس ثابت ہوا کہ مذہب راجح صحت بیع ہے اگرچہ ہبہ ثمن مابین الایجاب والقبول واقع ہوا ہو۔ لطف یہ ہے کہ وہی عالمگیری جس سے اس مسئلہ میں طرف مقابل کو استناد ہے، اسی کی جلد سوم ص ۷۴ پر بحوالہ خانیہ مرقوم:

لو قال بعت منك بكذا على ان حططت منك كذا اوقال على ان وهبت لك كذا جاز البيع [1]۔	اگر کسی نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ اتنے کے عوض بیع کرتا ہوں اس شرط پر کہ میں تجھ سے اتنے گھٹاؤں گا یا کہا اس شرط پر کہ میں تیرے لئے اتنا ہبہ کروں گا تو بیع جائز ہے (ت)

بالجملہ طرف مقابل کو کوئی محل استدلال نہیں رہا یہ کہ ہبہ بھی صحیح ہوا یا نہیں؟ یہ دعوی مدعیہ سے جدا بات ہے۔

(۵) بطریق تنزل عرض کیا جاتا ہے کہ اگر حکم عالمگیری ہی تسلیم کیا جائے تو حاصل اختلاف فریقین کا یہ ہوگا کہ آیا یہ ہبہ قبل قبول واقعہ ہوا یا بعد۔ اب یہ دیکھا چاہئے کہ ایسی صورت میں علماء کون سے وقت کا اعتبار رکھتے ہیں مگر ہم تصریح پاتے ہیں کہ اصل حوادث میں یہ ہے کہ وقت قریب کی طرف اضافت کئے جائیں اور جو بعدیت کا قائل ہے اسی کا قول معتبر رکھا جائے گا اور یہ بھی تصریح ہے کہ یہ دلیل مدعا علیہم کو مفید ہے نہ مدعیوں کو۔ اشباہ والنظائر مطبع مصطفائی صفحہ ۶۰:

الاصل اضافة الحادث الى اقرب اوقاته [2]۔	اصل یہ ہے کہ حادث کی اضافت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کی جائے۔ (ت)

فقہ میں بہت مسائل اس ضابطہ پر مبنی ہیں، تمثیلاً ایک عرض کیا جاتا ہے، ایک عورت نصرانیہ ایک مسلمان کے نکاح میں تھی، اس مسلمان کا انتقال ہوا عورت نے دار القضا میں آکر دعوی کیا کہ میں مسلمان ہوں اور مورث کا ہنوز دم نہ نکلا تھا کہ میں اسلام لے آئی تھی مجھے اسکا ترکہ ملنا چاہئے، ورثہ نے کہا تو اس وقت مسلمان ہوئی ہے جب اس کا دم نکل چکا تھا تجھے ترکہ نہیں پہنچتا، علماء فرماتے ہیں قول ورثہ کا معتبر رہے گا کیونکہ اسلام اس کا حادث ہے تو وقت قریب کی طرف اضافت کیا جائے گا جب تک اول کا ثبوت بینہ سے نہ ہو۔ ہدایہ مطبع مصفائی جلد دوم ص ۱۳۲:

[1] فتاوی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۴

لومات المسلم وله امرأة نصرانية فجاءت مسلمة بعد موته وقالت اسلمت قبل موته وقالت الورثه اسلمت بعد موته فالقول قولهم [1]۔	اگر کوئی مسلمان فوت ہوا اس حال میں کہ اس کی ایک نصرانی بیوی تھی جس اس کی موت کے بعد مسلمان تھی اور آئی اور کہا کہ میں اس کی موت سے پہلے اسلام لائی تھی جبکہ ورثاء میت کا کہنا ہے کہ یہ اسکی موت کے بعد اسلام لائی ہے تو ورثاء کا قول معتبر ہوگا۔(ت)

بنایۃ العلامۃ العینی میں ہے:

لان الاسلام حادث والحادث یضاف الی اقرب الاوقات [2]۔	ورثاء کا قول اس لئے معتبر ہے کہ اسلام حادث ہے اور حادث کی اضافت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کی جاتی ہے۔(ت)

تو یہاں بھی ثمن حادث ہے پس قول مدعا علیہم کا معتبر رہے گا کہ یہ ہبہ بعد تمامی بیع واقع ہوا، نہ مابین الایجاب والقبول۔

(۲) خود مسئلہ پیش کردہ مدعیہ سے ثابت کہ اگر ہبہ بطریق اشتراط فی نفس العقد ہو تو مفسد بیع ہے ورنہ نہیں، تو اب حاصل اختلاف یہ ہوا کہ مدعیہ وجود شرط مفسد کا دعوی کرتی ہے مدعا علیہم اس کا انکار کرتے ہیں اس خاص جزئیہ میں بھی علماء کی تصریح ہے کہ قول اسکا معتبر ہے جو شرط فاسد کا انکار کرتی ہے۔ خانیہ مطبوعہ العلوم جلد دوم ص ۲۵۱ میں ہے:

لوادعی عبدافی یدرجل انه اشتراه منه بألف درهم وقال البائع بعتك بألف دراهم و شرطت ان لاتبیع ولا تهب او ادعی المشتری ذلك وانکر البائع کان القول قول من ینکر الشرط الفاسد	اگر کسی شخص نے ایک غلام جو کہ دوسرے کے قبضہ میں ہے کہ بارے میں دعوی کیا کہ میں نے اس سے یہ غلام ہار درہم کے عوض خریدا ہے، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ غلام ہزار درہم کے عوض فروخت کیا اور یہ شرط لگائی کہ تو اس کو نہ تو بیچے گا اور نہ ہبہ کرے، یا مشتری نے اس شرط کا دعوی کیا اور بائع نے اس کا انکار کیا

[1] الهدایة شرح البدایة کتاب ادب القاضی فصل فی قضاء بالمواریث مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

[2] البنایة فی شرح الهدایة کتاب ادب القاضی فصل فی قضاء بالمواریث المکتبة الامدادیه مکہ مکرمہ ۳/ ۳۰۴

والبينة بينة الاٰخر، وكذٰلك لو كان مكان الشرط الفاسد شرط الخمر والخنزير[1]۔	تو اس کا قول معتبر ہوگا جو اس شرط فاسد کا منکر ہے اور گواہ دوسرے کے مقبول ہوں گے اور ایسا ہی حکم ہوگا اگر اس شرط فاسد کی جگہ خمر و خنزیر کی شرط ہو۔(ت)

(۷) یہ بھی تسلیم کیا کہ نفس ایجاب میں معاف ہونا مذکور تھا مگر علمائے محققین ایسی جگہ صیغہ ماضی و مستقبل میں فرق فرماتے ہیں کہ اگر بصیغہ مستقبل تھا تو ناجائز او بصیغہ ماضی تھا تو جائز، اور ظاہر ہے کہ دستاویز پیش کردہ مدعا علیہم میں لفظ ماضی مذکور ہے کہ ثمن بعوض حقوق فرزندی معاف کیا۔ فتاوٰی قاضیخاں جلد ۲ ص ۲۳۹ میں ہے:

لو قال على ان اهب لك من ثمنه كذا لا يجوز، ولو قال بعت منك بكذا على ان حططت عنك كذا وعلى ان وهبت لك كذا جاز البيع اھ ملخصا[2]۔	اگر کہا اس شرط پر تیرے ہاتھ بیع کی کہ تجھے اس کے ثمن سے اتنے ہبہ کروں گا تو بیع جائز نہ ہوگی وار اگر کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ کا تنے کو بیع کی اس شرط پر تجھ سے اتنا گھٹا دیا یا تجھے اتنا ہبہ کیا تو بیع جائز ہے اھ تلخیص۔(ت)

اور اسی طرح نوازل میں مذکور ہے اور اس سے خلاصہ میں یونہی نقل کیا اور خود عالمگیری مستند وکیل مدعیہ سا ی طرح روایت کرکے مقرر رکھا کما مر (جیسا کہ گزرا۔ت) اور سب میں بلا ذکر خلاف۔

(۸) علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی عقد کے صحت وعدم صحت سے سوال ہو تو اسے صحت پر حمل کیا جائیگا اور یہ مان لیا جائے گا کہ تمام شرائط صحت مجتمع تھیں تاوقتیکہ فساد دلیل روشن سے ثابت نہ ہو مجرد احتمال کفایت نہیں کرتا۔ فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ تصنیف امام خیر الملۃ والدین رملی استاذ صاحب درمختار مطبوعہ مطبع میری مصر دوم صفحہ ۹۴:

الاصل صحته ففی البزازية لو سئل عن صحته يفتی بصحته حملا علی استيفاء الشرائط اذ المطلق	اصل عقد کی صحت ہے چنانچہ بزازیہ میں ہے کہ اگر صحت عقد کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس بنیاد پر کہ اس میں تمام شرائط مجتمع تھیں

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع فاسد مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۰

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی الشروط المفسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۴

یحمل علی الکمال الخالی عن الموانع للصحة واللہ اعلم [1] وفیھا جلد دوم ص۳۵:اذا رفع السوال ببیع مال باعه ذوالمال جاز بلا مرأمع انه کان مجنونا فلا احدیقول بانه صح الشراء [2]۔وفیھا النظر الی العمل بعبارة المکلف اولی من اھدارھا والحاقه بالحیوانات وکلامه بجوارھا واللہ تعالٰی اعلم [3]۔	اس کی صحت کا فتوٰی دیا جائیگا کیونکہ مطلق کو موانع صحت سے خالی کمال پر محمول کیا جاتا ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اور اسی میں جلد دوم ص ۳۵ پر ہے: اگر ایسے مال کی بیع کے بارے میں سوال کیا جائے جس کو مال والے نے منعقد کیا ہے تو بلاشبہہ یہ جائز ہے اس کے باوجود کہ اگر وہ مجنون ہے تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خریداری درست ہے۔ اسی میں ہے کہ مکلّف کی عبارت کو قابل عمل بنانے پر نظر کرنا اس کو لغو قرار دینے اور مکلّف کو حیوانوں اور اس کے کلام کو حیوانوں کے ڈکارنے کے ساتھ لاحق کرنے سے اولٰی ہے، اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

ملاحظہ ہو کہ جب مفتی کے لئے یہ حکم ہے کہ اصل صحت پر عمل کرے اور شرائط صحت کا اجتماع مان کر فتوٰی دے تو قاضی جس کی نظر صرف ظاہر پر مقتصر ہے اور احتمالات بعیدہ کا لحاظ اس کے منصب سے جدا بات ہے وہاں تو اصل پر نظر رکھنا اولٰی واحق ہوگا، خصوصًا یہاں کہ بائع مرحوم عالم دین تھے اور ان کا قصد تملیک کا ہونا ظاہر، تو موانع صحت سے احتراز کرنا ہی ان سے متوقع۔

(۹) علماء تصریح فرماتے ہیں جب عاقدیم میں صحت وفساد کی اختلاف واقع ہو تو قول اس کا قول ہے جو مدعی صحت ہے۔ فتاوٰی قاضی خان جلد دوم ص۲۵۱:

اذا اختلف المتبائعان احدھما یدعی الصحة والاخر الفساد بشرط اسد اواجل فاسد کان القو قول مدعی الصحة والبینة بینة مدعی الفساد باتفاق الروایات، وان کان مدعی	جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہوان میں سے ایک صحت عقد کا جبکہ دوسرا کسی شرط فاسد کی وجہ سے فساد عقد کا دعوٰی کرے تو قول صحت کے مدعی کا بہتر ہوگا اور گواہ فساد کے مدعی کے معتبر ہوں گے، اس پر تمام روایات میں اتفاق ہے۔

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الصلح دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۰۳

[2] فتاوٰی خیریه کتاب الوکالة دار المعرفة بیروت ۲ /۳۹

[3] فتاوٰی خیریه کتاب الدعوی دار المعرفة بیروت ۲ /۷۷

الفساد یدعی الفساد لمعنی فی صلب العقد بان ادعی انه اشتراہ بالف درہم ورطل من خمر والاٰخر یدعی البیع بالف درہم ،فیه روایتان عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی فی ظاہر الروایة القول قول من یدعی الصحة ایضاً والبینة بینة الاٰخر کما فی الوجه الاول وفی روایة القول قول من یدعی الفساد[1]۔	اگر فساد کا دعوی کرنے والا اصل عقد میں پائی جانیوالی کسی خرابی کے سبب سے فساد کا دعوی کرے مثلاً اگر وہ دعوی کرے کہ اس نے یہ شے ہزار درہم اور ایک رطل شراب کے عوض خریدی ہے جبکہ دوسرا دعوی کرے کہ اس نے ہزار درہم کے عوض فروخت کی، تو اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے دو روایتیں منقول ہےں،ظاہر الروایۃ میں ہے کہ قول مدعی صحت کا اور گواہی دوسرے کے معتبر ہیں جیساکہ پہلی صورت میں بیان ہوا،اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فساد کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔(ت)

اور اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں نقل کیا جلد ۳ ص ۵۲۔خلاصہ کتاب البیوع فصل ۴:

لو ادعی احدھما فساد العقد والاخر الصحة القول قول من یدعی الصحة[2] الخ۔	فتاوٰی صغری میں ہے اگر بائع اور مشتری میں سے ایک نے فساد عقد کا جبکہ دوسرے نے صحت عقد کیا دعوی کیا تو صحت کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔(ت)

قابل لحاظ ہے کہ جب اصل بائع دعوی فساد کرتا تو اس کا قول تسلیم نہ ہوتا غیر کا کیونکر ہوگا۔

(۱۰) اتنی بات اور بھی لائق التفات ہے کہ مدعیہ کو اس کی گنجائش ہی نہیں کہ وہ ہبہ ثمن بر سبیل اشتراط یا بلا اشتراط مابین الایجاب والقبول خواہ بعد القبول واقع ہونا مانے، کیونکہ اس تقدیر پر مورث کا بیع وہبہ کرنا ثابت ہوتا ہے اگرچہ وہ کسی طور پر ہو اور یہ قول اس کی عرضی دعوی واظہار حلفی کے بالکل مناقض ہے،اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مناقض دعوی قابل تسلیم نہیں تو مدعا علیہم کا قول بلامعارض ولائق قبول ہے **واللہ تعالٰی اعلم وحکمہ جل مجدہ احکم**

مسئلہ ۱۰۸: ازریاست رامپور مرسلہ جناب سید نادر حسین صاحب ۵ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنا ایک مکان سلمی کے ہاتھ جس سے پسر ہندہ کی شادی قرار پائی تھی بیع صحیح شرعی کیا اور زر ثمن کے سلمی پر اس بیع سے واجب ہوا تھا سلمی کو بخوشی

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد مطبع نولکشور لکھنؤ ۲ /۳۵۰

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳ /۴۹،۴۸

معاف کردیا اس عقد کی دستاویز بدیں خلاصہ تحریر ہوکر رجسٹری ہوگئی منکہ سعادت النساء بیگم زوجی سید سعادت علی صاحب ساکن رام پور ہوں جو کہ ایک منزل مکان (چنیں وچناں) واقع رامپور محدودہ ذیل مقبوضہ مملوکہ میرا ہے وہاب میں نے بحالت صحت نفس و ثابت عقل بلااکراہ واجبار بطوع ورغبت اپنی سے جمیع حقوق ومرافق بعوض مبلغ آٹھ سو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ سلمٰی بیگم بنت سید نادر حسین صاحب ساکنہ بریلی جس کا نکاح حسب خواہش میری سید سکندر شاہ پسر بطنی میرے سے قرار پایا ہے بیچا اور بیع کیا میں نے،

اور مکان مبیعہ پر مشتریہ مذکورہ کو مثل اپنی ذات کے مالک و قابض کردیا میں نے، اور زر ثمن تمام کمال مشتریہ سے وصول پایا میں نے، یعنی ثمن اسکا بوجہ محبت فطری سید سکندر شاہ مذکور کے سلمٰی بیگم مشتریہ کو معاف کیا اور بخشا میں نے اب مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعوٰی زر ثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا تقابض بدلین واقع ہوا اب مجھ بائعہ کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکار نہ رہا، اگر کوئی سہیم یا شریک پیدا ہو تو جوابدہ میں بائعہ ہوں فقط، اس صورت میں یہ بیع شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہندہ خواہ اس کے قائم مقاموں کو اس بیع پر کوئی ردواعتراض ہے یا نہیں؟ اور یہ معافی ثمن بھی صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور ہندہ یا اسکے ورثہ کو اس معافی سے رجوع کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ بیع مکان و معافی دونوں میں صحیح وتام وکامل ہیں ہندہ خواہ اس کے کسی وارث قائم مقام کو نہ اس بیع و معافی پر اعتراض پہنچتا ہے نہ ہرگز رجوع کا اختیار مل سکتا ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذاحط کل الثمن اووھبہ اوابرأہ عنہ فان کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل[1]۔	اگر پورا ثمن گھٹا دیا یا ہبہ کردیا یا اس سے بری کردیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا تو سب جائز ہے (ت)

نقایہ وشرح نقایہ میں ہے:

صح التصرف فی الثمن والحط عنہ ای صح للمشتری القاء کل	ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا صحیح ہے یعنی مشتری کے لئے درست ہے کہ وہ بائع سے پورا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

المبیع او بعضہ عن البائع و للبائع القاء کل الثمن او بعضہ عن المشتری[1]۔	یا بعض مبیع ساقط کردے او بائع کیلئے درست ہے کہ وہ مشتری سے پورا یا بعض ثمن ساقط کردے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوحط جمیع الثمن صح فی حق المشتری وکان ابراء لہ عن الثمن اھ[2] بتلخیص۔	اگر بائع نے پورا ثمن گھٹادیا تو مشتری کے حق میں یہ صحیح ہوگا اور یہ **بائع کی** طرف سے مشتری کو ثمن سے بری کرنا قرار پائیگا اھ تلخیص(ت)

اشباہ والنظائر وغمز العیون میں ہے:

واللفظ لہ بخلاف الابراء فانہ لارجوع فیہ سواء وجد فیہ مانع من موانع الرجوع فی الھبۃ اولا[3]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	لفظ غمز کے ہیں بخلاف ابراء کے کیونکہ اس میں رجوع کا حق نہیں کوئی رجوع سے مانع ہو، جیسے ہبہ یا منع نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۰۹: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

بکر کمہار سے جس وقت لوٹے مول لیتا ہے کہتا ہے مسجد کے لئے لئے جاتے ہیں زیادہ دینا، کمہار دو چار لوٹے پر زیادہ کردیتا ہے، اور اگر مسجد کا نام نہ لیا جائے جب بھی اسی قدر ملتے، اور اگر بھاؤ سے زیادہ بھی دے تو زیادہ لوٹے کیسا ہے؟

الجواب:

اگر وہ اپنی خوشی سے زیادہ دے کوئی حرج نہیں، مگر کمہار اگر کافر ہے تو مسجد کے لئے اس سے مانگنا نہ چاہئے کہ گویا مسجد اور مسلمان پر احسان سمجھے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] شرح النقایۃ

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

[3] غمز عیون البصائر الفن الثالث ماافترق فیہ الھبۃ والابراء ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۴۸

مسئلہ ۱۱۰: آمدہ از دکان حمیدہ اللہ و عبدالرحمٰن جفت فروش دہلی بازار فتح پوری ۹ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ ہم لوگ تاجر کاریگروں سے جو مال خریدتے ہیں ایک پیسہ روپیہ کٹوتی کاٹ کر مال کی قیمت دیتے ہیں اور اس بات کا اعلان کاریگروں کو بیع سے پہلے کردیا گیا ہے اس صورت میں یہ بیع شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ صورت ثانی اگر بائع کٹوتی سے راضی ہو تو کیا حکم اور اگر ناراض ہو تو کیا حکم؟ صورت ثالث یہ ہے کہ پیشہ روپیہ کاٹ کر جو مال خرید کیا جاتی ہے بیوپاری کو پورا ایک روپیہ کا بتاکر نفع فی روپیہ لیا جاتا ہے یعنی بیوپاری کو کٹوتی مجرا نہیں دی جاتی، یہ امر جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناراضی کی حالت میں حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی " اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: مگر یہ کہ ہو وہ تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے۔ (ت)

اور رضا سے ہو یا ناراضی سے، مال جتنے کو اسے پڑا اس سے زیادہ کو بتانا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۱: از ریاست رام پور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ

مبیع میں زیادت ثمن بحسب آجال درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو بحسب اثمان وآجال مختلف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟

الجواب:

درست ہے مع الکراہۃ اور اختلاف تراضی عاقدین پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲: از شہر محلّہ عقب کوتوالی مرسلہ شیخ مقبول احمد صاحب پسر شیخ علی جان صاحب

کلکتہ سے میں نے ایک بیوپاری کو (مالص عہ /) مال روانہ کیا اور وہ اس کے پاس پہنچا لیکن روپیہ بھول سے ہمارے یہاں کھاتے میں درج کرنے سے رہ گیا قریب دو سال کے اس بیوپاری نے ہم سے اب کہا کہ قریب (مالص عہ /) کے ایک رقم فاضل تمہاری ہمارے کھاتے سے برآمد ہوئی ہے اور تمہارے یہاں یہ رقم جمع نہیں، اب خدا معلوم کہ تمہاری غلطی ہے یا ہماری، اس سے بہتر کہ روپیہ ہم سے لے مگر اس کو اپنے مصرف میں نہ لانا خدا کی راہ میں صرف کرنا چنانچہ بیوپاری سے ہم نے

---

[1] القرآن الکریم ۴ /۲۹

وعدہ کرلیا کہ یہ رقم ہم خیرات کردیں گے بیوپاری نے ہم سے قسم اس امر کی لی ہے کہ اگر اس رقم کی خیرات نہ کروگے تو تمہارے اوپر بوجھ رہے گا۔

الجواب:

اگراس رقم کاواجبی ہونا معلوم نہیں جب تواس کااپنے تصرف میں لاناہرگز جائز نہیں سب خیرات کردیا جائے اور اگر معلوم ہے کہ ہماری یہ رقم اس پر آئی تھی لکھنے سے رہ گئی تھی تو اگر وہ اس کا مال ہے اور اپنے صرف میں لانا حرام نہ ہوگا مگر جب اللہ کے لئے وعدہ کرچکا ہے تواس سے پھرنا سخت شامت کا موجب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تواللہ تعالٰی نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک جب وہ اس کو ملیں گے اس سبب سے کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اس وعدہ کی جو انہوں نے اللہ تعالٰی سے کیا تھا اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے ہاتھ ایک اراضی بقیمت مبلغ چار سو روپے کی فروخت کی اور ایک سو پچاس روپیہ کی بابت بیعانہ زید نے بکر سے لے کر رسید تحریر کردی اور وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کرادوں گا، سوال یہ ہے کہ آیا شرعًا بیع منعقد اور مختتم ہوگی اور بقیہ زر ثمن بکر کے ذمہ دین رہا یا بیع فاسد ہوئی بوجہ مجہول غیر معلوم ہونے مدت ادائے زر ثمن کے اور قرار داد مہلت ادائے ثمن بہرحال مفسد بیع ہے یا فقط صلب عقد میں مہلت کا شرط ہونا مفسد ہوتا ہے اور تجویز عدالت میں دو روایتیں کتاب بحرالرائق وفتاوٰی خیریہ کی بابت فاسد ہونے بیع کے بجہالت مدت ادائے ثمن کے درج ہوئی ہیں وہ یہ ہیں، بحرالرائق میں ہے:

صح بثمن حال وباجل معلوم قید بعلم الاجل لان جہالتہ تفضی الی النزاع فالبائع	بیع ثمن حالی کے بدلے اور میعاد معلوم کے ساتھ صحیح ہے ماتن نے اجل کے ساتھ معلوم ہونے کی قید لگائی اس لئے کہ اجل کی جہالت جھگڑے کا

[1] القرآن الکریم ۹ /۷۷

یطالبه فی مدة قریبة والمشتری یأباها فیفسد [1]۔	سبب بنتی ہے چنانچہ بائع قریبی مدت میں ثمن کا مطالبہ کرے گا اور مشتری اس سے انکار کریگا تو اس طرح فساد آئے گا۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل باع آخر جملا باثنین و ثلاثین غرشا مؤجلة علیه الی ثلث خیارات کل خیار ثلث الثمن فطلع الاخیار ودفع له ثلثه ویطالبه بثلثیه قبل طلوع الخیارین مدعیا ان الاجل المذکور غیر صحیح وانه یستوجب کل الثمن عاجلا فالحکم فی ذٰلك (اجاب) البیع المذکور فاسد [2]۔	ایک ایسے شخص کے بارے میں کیا گیا جس نے دوسرے کے ہاتھ بتیس ۳۲ غرش (دو آنے کے برابر ایک سکہ) کے عوض اونٹ بیچا اور اس پر تین خیاروں تک اجل مقرر کی ہر خیار میں تہائی ثمن دے گا پس ایک خیار کے طلوع ہونے پر اس نے بائع کو ثمن کا ایک تہائی دے دیا اور بائع دوسرے دو خیاروں کے طلوع سے قبل ہی باقی دو تہائی ثمن کا مطالبہ کرتا ہے درانحالیکہ وہ اس بات کا دعوٰی کرتا ہے کہ اجل مذکور درست نہیں اور اس بیع میں تمام ثمن معجّل طور پر لازم ہوتا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے (توجواب دیا کہ) بیع مذکور فاسد ہے۔(ت)

اور تجویز عدالت جو بقدر ضرورت درج ذیل ہے اس کا کیا جواب ہے:

عبارت تجویز عدالت بقدر ضرورت

بقواعد شرعیہ جہالت اجل ثمن موجب فساد بیوع ہے اس لئے کہ مدعی نے دعوٰی میں تحریر کیا ہے کہ مدعا علیہ نے بیعانہ لے کر یہ وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کردوں گا، پس وعدہ ادائے ثمن بقیہ کا جو درمیان سال کے حسب دعوٰی مدعی قرار داد ہوا وہ بقید تاریخ معین مخصوص و مقید نہیں ہے اس کا اطلاق عموماً علی السویہ آغاز وعدہ سے تا اختتام جزو آخر روز سال مابین فریقین متضمن نزاع ہوسکتا ہے تو یہ بیع فاسد ہے **فقط**۔

[1] البحرالرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۲۷۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد دارالمعرفۃ بیروت ۱ /۲۳۸

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع تام و صحیح ہے اور بقیہ ثمن ذمہ مشتری واجب۔ یہ قرار داد مہلت ادائے ثمن کسی طرح مفسد بیع نہیں، نہ بعد تمامی عقد، **وان قلنا بالتحاقہ باصل العقد** (اگرچہ ہم اس کے اصل عقد کے ساتھ لاحق ہونے کا قول کریں۔ ت) نہ نفس صلب عقد میں کہ یہ اجل معین ہے اور بیع اجل معین کے ساتھ صحیح ہے اس کے لئے خود وہی عبارت بحر الرائق منقولہ تجویز کافی ہے کہ **صح بثمن حال وباجل معلوم** [1] (بیع درست ہے ثمن حالی کے ساتھ اور معلوم میعاد کے ساتھ۔ ت) اسے اجل مجہول سمجھنا اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتا عرفاً لغۃً ہر طرح سال کے اندر اور ایک سال تک کا حاصل ایک ہے جس سے اجل کی تحدید ایک سال سے ہوتی ہے اور سال شے معین ہے نہ کہ مجہول، اسی بحر الرائق میں اسی بحث میں ہے:

وفی السراج الوھاج الاٰجال علی ضربین معلومۃ و مجھولۃ فالمعلومۃ السنون والشھور والایام [2] **الخ۔**	السراج الوہاج میں مذکور ہے کہ میعادیں دو طرح کی ہیں، معلوم اور مجہول۔ معلوم میعادیں سال، مہینے اور دن ہیں الخ (ت)

آغاز وعدہ سے اختتام سال تک مشتری کو اختیار ادا ہونا مضر نہیں بلکہ عین مقصود تاجیل ہے کہ اجل اسی کے رفاہ کے لئے ہے **کما فی الھدایۃ وغیرہ** (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور اگر یہ مقصود کہ اس کا اطلاق ان تمام اجزاء کو شامل تو بائع ہر جز میں طلب کرسکتا ہے اور یہ مفضی الی النزاع ہے تو یہ محض باطل ہے جب وہ مشتری کو سال کے اندر ادا کی اجازت کرچکا تو جب تک سال کے اندر ہے اسے اختیار مطالبہ نہیں کہ وہ اسی اجازت تاخیر کے اندر داخل ہے **وقد لزم التاجیل من جھتہ فلا یقدر ان یطالبہ** (تحقیق اس کی طرف سے میعاد لازم ہوچکی ہے اب وہ ثمن کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ت) ہاں جب سال سے باہر جائے اس وقت اسے اختیار مطالبہ ہوگا اور اب مشتری کو کوئی عذر نہیں ہوسکتا پھر نزاع کہاں، اور خود عبارت بحر الرائق منقولہ تجویز سے ظاہر کہ اجل وہی مفسد ہے جو مفضی نزاع ہو عبارت خیریہ کو یہاں سے کوئی تعلق نہیں کہ اس میں تین خیار تک بیع ہے اور خیار کوئی شے معین نہیں بخلاف سال۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۴: ازاردہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خان ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

ایک شخص غلہ اپنا نرخ بازار سے کم اس شرط پر دیتا ہے کہ قیمت کچھ عرصہ بعد لوں گا مثلاً بھاؤ

---

[1] البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۷۹

[2] البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۸۰

بازاری ۲۰ثار ہے اور لوگوں کو ۱۶ثار کے حساب سے دیتا ہے اس قرض دینے میں سود تو نہیں ہوتا؟ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

یہ سود نہیں، نہ اس میں کوئی حرج جبکہ برضائے مشتری ہو، اور اجل یعنی میعاد ادا معین کردی جائے،

قال اللہ تعالٰی " اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ " [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو وہ تمہارے درمیان تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے۔ (ت)

غرض یہ بیع بلاکراہت ہے، ہاں خلاف اولویت ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

لاکراھة الاخلاف الاولی فان الاجل قابله قسط من الثمن [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلاف اولٰی ہے کیونکہ اجل کے مقابل ثمن کاایک حصہ ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] فتح القدیر کتاب الکفالة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

باب القرض

(قرض کا بیان)

مسئلہ ۱۱۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص نے مبلغ سو روپیہ اس شرط پر قرض لیاکہ پچیس روپے سالانہ منافع مقررہ بلا نقصان کے دیتا رہوں گا اور جب جمع طلب کروگے تو تمہارا پورا روپیہ واپس کردوں گا، جس شخص نے اس شرط کو قبول کرکے روپیہ دے دیا اس پر خود سودخوری کا حکم ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگی یا ناجائز؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

قطعی سود اور یقینی حرام وگناہ کبیرہ خبیث ومردار ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃً فھو ربٰو [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے(ت)

ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی سخت مکروہ ہے جس کے پھیرنے کا حکم ہے اور اسے امام کرنا گناہ، **کمانص علیہ الامام الحلبی فی الغنیۃ** [2] (جیسا کہ اس پر امام حلبی نے غنیہ میں نص فرمائی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴-۵۱۳

مسئلہ ۱۱۶: ۵ شوال ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ملازم سے کہا پچاس روپلے مجھے کسی سے قرض لادے، ملازم ایک مہاجن سے پچاس وپے یہ کہہ کر قرض لایا کہ میرے آقا کو ضرورت روپے کی ہے مہاجن نے غائبانہ بلاتصدیق پچاس روپے دے دیئے اور ملازم نے اپنا رقعہ اسے لکھ دیا بعدہٗ روپیہ آقا کو ادا کردیا اور بیان کیا کہ میں فلاں مہاجن سے یہ روپیہ آپ کے نام سے قرض لایا ہوں اور رقعہ اپناد ستخطی لکھ کر دے آیا ہوں، بعد چندے زید نے وہ (م ۵۰/) اس ملازم کو دے دیئے، بعد بہت عرصہ کے تحقیق ہوا کہ روپیہ مہاجن کو نہیں پہنچا بلکہ ملازم نے خود اپنے تصرف میں کرلیا اور ملازم سے پوچھا تو وہ بھی اقرار کرتا ہے کہ روپیہ میں نے مہاجن کو نہیں دیا، اور کہتا ہے یہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا، اس صورت میں وہ (م ۵۰/) مکرر ذمہ زید کے واجب الادا ہیں یا نہیں؟ اور یہ (م ۵۰/) کہ نوکر نے تصرف کرلئے اسے دینا آئیں گے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر نوکر نے یوں قرض مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے قرض دے دے یا میرا آقا تجھ سے پچاس روپے قرض مانگتا ہے جب تو یہ قرض آقا کے ذمہ ہے اور اگر یوں مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے کی ضرورت ہے مجھے قرض دے یا میرے آقا کے لئے مجھے پچاس روپے قرض دے تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ ہوا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی جامع الفصولین بعث رجلا یستفرضه فاقرضه فضاع فی یدہ فلو قال اقرض للمرسل ضمن مرسله، ولو قال اقرضنی للمرسل ضمن رسوله، والحاصل ان التوکیل بالقراض جائز لابالاستقراض والرسالة بالاستقراض تجوز، ولواخرج وکیل الاستقراض کلامه مخرج الرسالة یقع القرض للاٰمر،	جامع الفصولین میں ہے کسی نے ایک شخص کو قرض لینے کے لئے بھیجا اس نے قرض لیا ور اس کے ہاتھ سے ضائع ہوگیا، اگر اس نے قرض لیتے وقت یوں کہا کہ بھیجتنے والے کے لئے قرض دے تو بھیجنے والا ضامن ہوگا، اور اگر کہا کہ بھیجنے والے کے لئے مجھے قرض دے تو اب قاصد ضامن ہوگا۔ حاصل یہ کہ قرض دینے کے لئے وکیل بنانا جائز نہ کہ قرض لینے کے لئے، اور قرض لینے کے لئے قاصد بھیجنا جائز ہے، اور اگر قرض لینے کے وکیل نے بطور قاصد کلام کیا تو قرض آمر کے لئے ہوگا اور

ولو مخرج الوکالة بان اضافه الی نفسه یقع للوکیل وله منعه عن آمره اھ۔ قلت والفرق انه اضاف العقد الی الموکل بان قال ان فلان یطلب منك ان تقرضه کذا صار رسولا و الرسول سفیر ومعبر بخلاف ماذا اضافه الی نفسه بان قال اقرضنی کذا اوقال اقرضنی لفلان کذا فانه یقع لنفسه ویکون قوله لفلان بمعنی لاجله، وقالوا انما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانه توکیل بالتکدی وھو لایصح۔ قلت ووجھه ان القرض صلة وتبرع ابتداء فیقع للمستقرض اذلا تصح النیابة فی ذلك فھو نوع من التکدی بمعنی الشحاذة ھذا ماظھر لی اھ[1]۔	اگر ساس نے بطور وکیل کلام کیا بایں اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا تو اس صورت میں قرض خود وکیل کے لئے واقع ہوگا اور اس کو اختیار ہوگا کہ وہ قرض آمر کو نہ دے اھ **میں کہتا ہوں** ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جب اس نے عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کیا مثلاً یوں کہا کہ فلاں تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو اس کو قرض دے تو اس صورت میں وہ قاصد ہوگیا اور قاصد محض سفیر اور معبر ہوتا ہے، بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے اپنی طرف نسبت کی اور کہا مجھے اتنا قرض دے یا کہ کہ مجھے فلاں کے لئے اتنا قرض دے تو یہ قرض خود اس کے لئے واقع ہوا اور اس کے قول "فلاں کے لئے" کا مطلب ہوگا کہ فلاں کی وجہ سے۔ اور علماء نے کہا کہ قرض لینے میں وکیل بنانا اس لئے صحیح نہیں کہ یہ گداگری میں وکیل بنانا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ابتداءً صلہ اور احسان ہے چنانچہ قرض مانگنے والے کے لئے واقع ہوگا کیونکہ اس میں نیابت درست نہیں تو اس طرح وہ تکد بمعنی گداگری کی ایک قسم ہوگا، یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اھ (ت)

پھر اس صور میں جبکہ نوکر نے وہ روپے جو حقیقۃً اس کی ملک ہوچکے تھے لاکر آقا کو دے دیے اور اس نے اپنے صرف میں کئے، اور ظاہر ہے کہ یہ دینا بروجہ ہبہ نہ تھا بلکہ بربنائے قرض ووجوب تقاضا وادائے مثل تھا تو نوکر کا دین آقا کے ذمہ رہا۔

لان الاستقراض لما نفذ علی الخادم لاضافته الی نفسه وقد اعطی علی وجه التقاضی	کیونکہ قرض لینا اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے خادم پر نافذ ہوگیا اور اس باہمی رضامندی سے وجوب تقاضا کے طور پر اپنے آقا کو

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۵

دون الھبۃ وبالتراضی صار کفضولی شری مضیفا الی نفسہ حتی نفذ علیہ ثم اعطاہ من اشتری لہ واخذمنہ الثمن حیث لایکون ھذا اجازۃ للعقد السابق لان الاجازۃ انما تلحق الموقوف دون النافذ بل یکون عقدا جدیدابینھما بالتعاطی[1] کما فی الھدایۃ والدر المختار وغیرہما من الاسفار وذٰلك لکون الدفع بجھۃ البیع دون الھبۃ۔	دے دیا نہ کہ ہبہ کے طور پر، تو اس طرح وہ نوکر اس فضولی کیہ طرح ہوگیا جس نے اپنی ذات کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی چیز خریدی یہاں تک کہ خریداری اس پر نافذ ہوگئی پھر وہ چیز نوکر نے اس شخص کو دے دی جس کے لئے اس نے خریدی اور اس سے ثمن وصول کرلئے، یہاں یہ عقد سابق کی اجازت نہ ہوگی اس لئے کہ اجازت تو عقد موقوف کو لاحق ہوتی ہے نہ کہ نافذ کو، بلکہ یہ باہمی لین دین سے ان دونوں کے درمیان ایک نیا عقد ہوگا جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہ کتاب میں ہے، ور یہ بطور بیع دینے کی وجہ سے ہے نہ کہ بطور ہبہ۔ (ت)

اور ظاہر کہ جب روپے مہاجن کو نہ پہنچے تو اس کا قرض کسی طرح ادا نہ ہوا،

لانہ مال ھلك قبل الوصول الی الطالب او الی وکیلہ فلامعنی للقضاء وبراءۃ الذمۃ۔	اس لئے کہ وہ مال طالب یا اس کے وکیل تک پہنچنے سے قبل ہی ہلاک ہوگیا تو اب قرض کی ادائیگی اور اس سے بری الذمہ ہونے کا کوئی معنی نہیں۔ (ت)

اب اگر واقع صورت اولٰی تھی مہاجن کا قرض زید پر رہا اور یہ روپے کہ زید نے نوکر کو ادائے دین کے لئے دئے اور اس نے اپنے صرف میں کرلئے اس کا تصرف بیجا ور حرام ہے اور نوکر پر اس تاوان لازم،

لکونہ امینا خان و اتلف وتعدی علیہ فیما تصرف فصار ضمینا بعدان کان امینا۔	کیونکہ وہ امین تھا اس نے خیانت کی اور امانت میں بیجا تصرف کرکے زیادتی کی تو اب وہ ضامن ہے جبکہ اس سے قبل وہ امین تھا۔ (ت)

اور اس کا یہ عذر کہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا محض نامقبول کہ جب آقا پر دین مہاجن کا تھا تو مہاجن کو پہنچنا چاہئے تھا یہ بیچ میں لے لینے والا کون تھا، اور اگر واقع صورت ثانیہ تھی تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ رہا زید سے کچھ تعلق نہیں اور یہ روپے کہ نوکر نے بربنائے مذکور اپنے

---

[1] بحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹

سمجھ کر اٹھالئے بجاکئے کہ فی الواقع زید پر نوکر ہی کا دین تھا اور زید سے اسی کو ملنا چاہئے تھا **فکان دائنا ظفر بجنس حقه** (وہ ایسا قرضخواہ ہوا و اپنے حق کی جنس کو وصول کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ت) اب زید نوکر کے مطالبہ سے بری ہوگیا **لانه استوفی ماکان له** (کیونکہ اس نے اپنا حق پورا وصول کرلیا۔ت) پس خلاصہ حکم یہ ہے کہ اگر نوکر یہ کہہ کر لایا تھا کہ میرے آقا کو قرض دے، تو مہاجن کے پچاس روپے زید پر قائم اور زید کے پچاس روپے نوکر پر لازم، اور اگر یہ کہہ کر لایا کہ مجھے آقا کے لئے قرض دے، تو مہاجن کے پچاس روپے نوکر پر واجب اور نوکر کے پچاس روپے جو آقا پر تھے ادا ہوگئے۔ غرض نوکر پر ہر طرح پچاس روپے کا مطالبہ ہے، پہلی صورت میں آقا دوسری میں مہاجن کا، اور زید پر پہلی صورتمیں مہاجن کا مطالبہ ہے دوسری میں کسی کا نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

بھاؤ بکتا زید سے اناج خرید کیا مگر ادھار فصل پر بھاؤ بکتا جتنا روپیہ ادھار تھا اس کا زید نے مول لیا۔

الجواب:

اگر زید نے بیچتے وقت شرط کرلی تھی کہ اس کی قیمت میں روپیہ نہ لوں گا بلکہ روپیہ کے عوض فصل کے بھاؤ سے ناج لوں گا، تو یہ ناجائز ہے اور اگر شرط نہ کی تھی اور فصل پر اس سے اپنا آتا ہوا روپیہ مانگا اس نے کہا روپیہ تو میرے پس نہیں اس کا اناج لے لو، تو یہ جائز ہے جبکہ وہی ناج نہ ہو جو زید سے خریدا تھا یا وہی ہو تو اتنے ہی بھاؤ کو دیا جائے جتنے کو خریدا تھا ورنہ ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۸: از دھوراجی ضلع کاٹھیاواڑ محلّہ سیاہی گراں مرسلہ جناب حاجی عیسی خان محمد صاحب رضوی یکم ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص کو ایک ہزار روپے کا نوٹ دس ماہ کے وعدہ سے گیارہ سو روپے کو دیا، قرضدار نے اپنے وعدہ پر قرض خواہ کو گیارہ سو روپے کے دوسرے نوٹ دئے (وہی نہیں دیئے) تو جائز یا کیا؟ جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب:

اگر ہزار روپے کا نوٹ قرض دیا اور پیسہ اوپر ہزار لینا ٹھہرا تو حرام ہے سود ہے ہاں اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے کو بیچا اور ادائے ثمن کا وعدہ مثلاً دس ماہ کا قرار پایا جب وعدہ کا دن آیا بائع نے زر ثمن کا مشتری سے مطالبہ کیا اس نے کہا میرے پاس روپیہ نہیں گیارہ سو روپے کے نوٹ

زر ثمن کے بدلے لے لو، اس نے قبول کیا اور نوٹ اس کے عوض میں دے دئے تو یہ جائز ہے **وھی مسئلة شراء القرض من المستقرض** (یہ مقروض سے قرض خریدنے کا مسئلہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۹: از پکسرانواں ڈاکخانہ رسول پور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب　　　۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے بکر نے ماہ کاتک میں بغرض تخم ریزی ایک من گیہوں لیااور فصل کٹنے پر ماہ چیت میں ایک من کاایک من گیہوں واپس دیا یعنی کچھ کمی بیشی نہیں ہوئی، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جائز ہے،

عملا بقول الامام ابی یوسف من اعتبار العرف فی الکیل والوزن مطلقًا وقد تعمل بہ الناس وشاع بینھم استقراض الحنطة وزنا، ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام ابویوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہ کیلی اور وزنی اشیاء میں مطلقًا عرف کا اعتبار ہے اور لوگوں کا اس پر عمل ہے اور گندم کو وزن کے اعتبار سے قرض لینا لوگوں میں رائج ہے، گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر بلند و عظمت والے معبود کی طرف سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ الف خان مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ قصبہ سانگوار یاست کوٹہ راجپوتانہ　بروز یکشنبہ ۳ شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) نوٹ قیمتی پچیس روپے کو ہمراہ یک صد یا پانصد روپے کے قریبًا پچاس روپے کی قیمت پر بدست کسی ہندو یا مسلمان کے کسی مدت کے وعدہ پر بیع کرنا شرعًا درست ہے کہ نہیں؟ اسی طرح زیور طلائی یا کوئی پارچہ کسی شیئ تجارت کو ہمراروپے ادھار میں زیادہ قیمت پر بیع کرنا اور تنہانوٹ کو بھی اصلی قیمت سے زیادہ ادھار میں بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟

(۲) غلہ تجارتی کو ادھار میں موجودہ نرخ سے زیادہ قیمت پر بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب:

(۱) قرض لینے والا بضرورت قرض قرض کے ساتھ کم مالیت کی شے زیادہ قیمت کو اس طرح خریدے کہ وہ بیع اس قرض پر مشروط ہو تو بالاتفاق حرام ہے،

لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع و شرط [1]۔	کیونکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیع ور شرط سے منع فرمایا ہے۔(ت)

خواہ یہ شرط نصا ہو یا دلالۃً لان المعروف کالمشروط [2] (کیونکہ معروف، مشروط کی طرح ہوتا ہے۔ت) اور اگر عقد قرض پہلے ہو اور یہ بیع اس میں نصًا یا دلالۃً مشروط نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے، بعض علماء اجازت دیتے ہیں کہ یہ بیع بشرط القرض نہیں بلکہ قرض بشرط البیع ہے اور قرض شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، اور راجح یہ ہے کہ یہ بھی ممنوع ہے کہ اگرچہ شرط مفسد قرض نہیں مگر یہ وہ قرض ہے جس کے ذریعہ سے ایک منفعت قرض دینے والے نے حاصل کی اور یہ ناجائز ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: کل قرض جر منفعۃ فھو ربو [3] (جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ت) لہٰذا ان سب صورتوں کو ترک کیا جائے وار قرض کا نام ہی نہ لیا جائے اور خالص بیع ایک وعدہ معینہ پر ہو، اب نوٹ کی بیع روپے کے عوض جائز ہوگی اگرچہ دس کا نوٹ سو کو بیچے، اور دونوں صورتوں میں فرق وہی ہے جو قرآن عظیم نے فرمایا:

"وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا" [4]۔	اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال وار سود کو حرام کیا۔(ت)

مگر چاندی سونے کی بیع اب بھی جائز نہ ہوگی اور نوٹ کی جائز ہوگی۔

قال النبی صلی اللہ تعالٰی اعلم وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [5]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بدلین مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہو بیع کرو۔(ت)

اور یہ زیادہ قیمت دینا اگرچہ بحالت قرض ہے بوجہ بیع جائز ہے اگرچہ اولٰی نہیں، درمختار میں ہے:

شراء شیئ بثمن غال لحاجۃ القرض	کسی چیز کو حاجت قرض کی وجہ سے مہنگے داموں

[1] نصب الرایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض ۴/ ۱۷

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحہ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۳۴

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[5] نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الریاض ۴/ ۴

یجوزویکرہ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	خرید ناجائز اور مکروہ ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) درست ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲: از چھاؤنی بانس بریلی بنگلہ ۲۴ ملازم میجر اسٹور صاحب سوئلہ جناب شکور محمد صاحب خانساماں ۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

میں ایک شخص کا کھیت مبلغ پچیس روپے میں گروی رکھتا ہوں اپنے پاس، عرصہ دوسال کے بعد وہ شخص اپنا کھیت مبلغ پچیس روپے ہم کو دے کر واپس لے گا اور دوسال تک اس کھیت میں جوت کر اور اس میں محنت کرکے جو ہماری طبیعت چاہے وہ ہم بوئیں گے مثلاً چنا، گیہوں اور مکا وغیرہ، توجو فصل اس میں ہوگی وہ ہماری ہے، اور سرکاری لگان بھی ہم دیں گے جو اس کی باقی ہے، اور بعد دو برس کے وہ پورے پورے مبلغ پچیس روپے واپس دے کر اپنا کھیت واپس لے لے گا، اب از راہ مہربانی اور عنایت پروری کے ساتھ یہ تحریر کریں کہ یہ بیاج تو نہیں ہوا؟ اگر بیان ہوگیا تو نہ رکھوں اور اگر بیاج نہ ہوا ہو تو رکھ لوں۔ خوب اچھی طرح سمجھا کر تحریر کردو کیونکہ ایک صاحب اس میں رائے دیتے ہیں کہ یہ بیاج ہوگیا، اب آپ کیہ رائے پر ہے یہ معاملہ، اگر بیاج ہوگیا تو ہم بھی اپنا کھیت دوسرے کے پاس نہ گروی رکھیں۔

الجواب:

یہ نہ شرعاً رہن ہے نہ کسی طرح سود رہنکے لئے ضرور یہ ہے کہ وہ شیئ رہن رکھنے والے کی ملک ہو یا مالک نے اسے رہن کی اجازت دی ہو گیر کی ملک بے اس کی اجازت کے رہن نہیں ہوسکتی، یہاں یہ دونوں صورتیں، ظاہر ہے کہ کھیت کاشتکار کی ملک نہیں زمیندار کی ملک ہے اور زمیندار نے اسکے رہن کی اجازت نہ دی کہ اسکی طرف سے وہ اجارہ میں ہے وہ اس کی اجرت یعنی لگان لے گا **والرھن والاجارۃ عقدان متنافیان لایجتمعان** (رہن اور اجارہ دو ایسے عقد ہیں جو ایک دوسرے کے منافی ہیں آپس میں جمع نہیں ہوسکتے۔ ت) تو اتنے زمانے کے لئے یہ زمیندار سے ذکر کردے کہ مثلاً دو برس تک یہ زمین میری کاشت میں رہے گی اور میں لگان دوں گا وہ اجازت دے دے گا اب یہ کاشت اور اس کا محاصل سب بلاشبہہ حلال ہوگا، پہلے کاشت کار کو جتنا روپیہ قرض دیا ہے اسی قدر اس سے واپس لے زائد نہ لے تو یہ صورت کسی طرح سود نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

مسئلہ ۱۲۳ تا ۱۲۴: از جائس ضلع رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

سوال اول: خراب اناج کھلانا اور فسل پر اچھا اناج لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال دوم: چاول یا گیہوں پر روپیہ دینا نرخ کاٹ کر کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے فصل نہ ہوئی تو اس روپیہ کو اسی بھاؤ سے جوڑ کر زیادہ کرکے یعنی جب اس بھاؤ کو جوڑا تو اب روپیہ زیادہ ہو دوسری فصل پر چھوڑ دینا یا گائے بیل لگالینا جائز یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

(۱) اگراس نے ناج ناقص کردیا اور یہ شرط نہ تھی کہ عمدہ لوں گا قرضدار نے اپنی خوشی سے عمدہ ناج دے دیا سای قدر جتنا قرض لیا تھا تو اس میں مضائقہ نہیں اور اگراسی شرط پر قرض دے کہ خراب دیتا ہوں اس کے برابر یا کم یا زائد عمدہ لوں گا، تو یہ ناجائز ہے،

لکونه خلاف حکم الشرع من ان الدیون تقضی بأمثالها ولم یجز التنقیص ایضا لان الشرط المساواة قدرا والجید والردی فیه سواء۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ شرع کے اس حکم کے خلاف ہے کہ قرضوں کی ادائیگی ان کی مثل کے ساتھ ہوتی ہے اور کمی بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں مقدار کے اعتبار سے مساوات شرط ہے، عمدہ اور گھٹیا اس میں برابر ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) ناج رپ روپیہ نرخ کاٹ کر دینا اگر انہیں لفظوں سے ہو کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے، تو نرا وعدہ ہے جس کا وفا کرنا ناج ولاے پر لازم نہیں اور اگر یوں ہے کہ اتنا ناج اس بھاؤ سے اتنے روپیہ کا خریدا تو یہ بیع سلم ہے اس کی سب شرطیں پائی گئیں تو جائز ہے ورنہ حرام۔ پھر بہرحال جب وہ ناج نہ دے سکے تو اس قرار داد بھاؤ کے حساب سے روپیہ یا اس کے بدلے گائے وغیرہ کوئی شے لینا قطعی حرام ہے،

لحدیث لاتأخذ الاسلمك او راس مالك [1]. واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔	اس حدیث کی وجہ سے بیع سلم کی مبیع یا راس المال کے علاوہ مت لے، واللہ تعالٰی علم وعلمہ اتم واحکم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۹، تبیین الحقائق کتاب البیوع باب السلم المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴ /۱۱۸

مسئلہ ۱۲۵: از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ شیخ شان الہٰی ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید عمرو کو دس روپے کا نوٹ قرض دے اور اس وقت یا کچھ دنوں کے بعد عمرو بارہ روپے نقد ادا کرے تو اس پر سود کا اطلاق ہو سکتا ہے نہیں اور زید و عمرو گنہگار ہوئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر قرض دینے میں یہ شرط ہوئی تھی تو بیشک سود و حرام قطعی و گناہ کبیرہ ہے، ایسا قرض دینے والا ملعون اور لینے والا بھی اسے کے مثل ملعون ہے اگر بے ضرورت شرعیہ قرض لیا ہو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعة فهو ربٰو [1]۔ رواه الحارث ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم الله تعالٰی وجهه الکریم۔	قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ سُود ہے۔ (اسے حارث بن اسامہ نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ ت)

متعدد احادیث صحیحہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن الله اٰکل الربو مؤکله وکاتبه وشاهده [2]۔ رواه احمد وابوداؤد و الترمذی وابن ماجة بسند صحیح عن ابی مسعود واحمد و النسائی بسند صحیح عن امیر المومنین علی رضی الله تعالٰی عنهما وهو عند مسلم عنه بلفظ لعن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	اللہ کی لعنت سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہ پر۔ (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابومسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رویات کیا، اور امام احمد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام احمد علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا مگر اس میں لفظ شاہد کے بدلے مانع صدقہ کے لفظ ہیں اور

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۱/ ۳۹۳، سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی اکل الربا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷، جامع الترمذی کتاب البیوع باب ماجاء فی اٰکل الربو امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۴۵

اٰکل الربا و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء [1]۔	یہ امام مسلم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔(ت)

اور اگر شرط نہ ٹھہری تھی بلکہ دس روپے کا قرض لیا کہ اس کے عوض دس ہی روپے کا نوٹ ادا کیا جائے گا، پھر عمرو کے دل میں خیال آیا کہ نوٹ کے بدلے دس اور دو روپے اپنی طرف سے احساناً بڑھا کر بارہ روپے دے دے تو یہ جائز و احسان ہے یا زید نے مثلاً اس سے اپنے قرض کا نوٹ مانگا اس کے پس نہ تھا بارہ روپے اس کے عوض دینے پر فیصلہ ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر نوٹ عمرو خرچ کرچکا تو بالاتفاق بال شبہہ جائز ہے جبکہ روپے اسی جلسہ میں دے دئے جائیں ورنہ ناجائز ہوجائے گا اور اگر وہی نوٹ اس کے پاس بدستور موجود ہے اور اسی نوٹ موجود کے عوض روپے دئے تو ہمارے امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے کہ عقد باطل ہے، زید پر لازم ہے کہ روپے عمرو کو پھیر دے، ہاں نوٹ موجود کے بدلے روپے نہ دے بلکہ قرض لینے کے باعث جو اس کے ذمہ پر نوٹ لازم ہوا ہے اس کے عوض دے تو دونوں امام ممدوح کے طور پر جائز ہے مگر یہ شکل اخیر عوام کے تصور و خیال میں نہیں ہوتی کہ باوصف بقائے نوٹ وہ عین و دین میں فرق کریں اور بجائے مافی الید مافی الذمہ کا عوض دینا لینا مراد رکھیں، درمختار میں ہے:

یملك المستقرض القرض بنفس القبض عندھما الامام ومحمد خلاف للثانی، فجاز شراء المستقرض القرض ولو قائما من المقرض بدراھم مقبوضۃ فلو تفرقا قبل قبضھا بطل لانہ افتراق عن دین بزازیۃ [2] اھ ملخصًا۔	مقروض محض قبضہ کرنے سے ان دونوں یعنی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک قرض کا مالک ہوجاتا ہے، بخلاف امام ابو یوسف کے، لہذا (طرفین کے نزدیک) مقروض کا دراہم مقبوضہ کے بدلے میں قرض دہندہ سے قرض کو خرید نا جائز ہے اگر قرض موجود ہو اگر وہ دونوں شخص دراہم مذکورہ پر قبضہ سے قبل جدا ہوگئے تو یہ خریداری باطل ہوگی کیونکہ یہ دین سے جدا ہونا ہے، بزازیہ، اھ تلخیص۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۰۔۳۹

ردالمحتار میں ہے:

بیان ذلك انه تارة یشتری مافی ذمته للمقرض وتارة مافی یده ای عین مااستقرضه فان کان الاول ففی الذخیرة اشتری من المقرض الکر الذی له علیه بمائة دینار جاز لانه دین علیه لابعقد صرف ولا سلم، فان کان مستهلکا وقت الشراء فالجواز قول الکل لانه ملکه بالاستهلاك وعلیه مثله فی ذمته بلا خلاف وان کان قائما فکذلك عندهما وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لایجو لانه لایملکه مالم یستهلکه فلم یجب مثله فی ذمته، فاذا اضاف الشراء الی الکر الذی فی ذمته فقد اضافه الی معدوم فلا یجوز اھ وهذا مافی الشرح وان کان الثانی ففی الذخیرة ایضا استقرض من رجل کرا و قبضه ثمن اشتری ذلك الکر بعینه من المقرض لایجوز علی قولهما لانه ملکه بنفس القبض فیصیر مشتریا	اس کا بیان یہ ہے کہ مقروض کبھی تو اس چیز کو خرید تا ہے جو قرض دہندہ کے لئے اس کے ذمہ پر ہے اور کبھی بعینہٖ اس قرض کو خریدتا ہے جو اس کے قبضہ میں موجود ہے، اگر پہلی صورت ہو تو اس کے بارے میں ذخیرہ میں ہے کہ مقروض نے قرض دہندہ سے سو دینار کے عوض کر (غلہ) خریدا قرض دہندہ کے لئے مقروض کے ذمہ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس پر دین ہے جو کہ عقد صرف اور عقد سلم کے سبب سے نہیں ہے پھر اگر مقروض نے بوقت شراء قرض ہلاک کردیا ہے تو اس صورت میں سب نے جواز شراء کا قول کیا ہے کیونکہ وہ ہلاک کرنے کے سبب سے قرض کا مالک ہوگیا اور بلااخلاف اس کی مثل اس کے ذمے لازم ہے اور اگر بوقت شراء قرض مقروض کے پاس موجود ہے تو بھی طرفین کے نزدیک یہی حکم (جواز) ہے جبکہ امام ابویوسف کے قول پر مناسب ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک جب تک وہ قرض کو ہلاک نہ کرے مالک نہیں ہوگا لہٰذا اس کی مثل مقروض کے ذمہ پر لازم نہ ہوگی اھ، یہ وہ ہے جو شرح میں ہے، اور اگر دوسری صورت میں ہے تو اس کے بارے میں بھی ذخیرہ میں ہے کہ کسی شخص نے ایک کر قرض لیا پھر اس پر قبضہ کرکے بعینہٖ وہی کر اس مقروض نے قرض دہندہ سے خرید لیا تو طرفین کے قول پر جائز نہیں کیونکہ وہ مقروض محض قبضہ کرنے سے قرض کا مالک ہوچکا ہے

ملك نفسه اما علی قول ابی یوسف فالکُر باقٍ علی المقرض فیصیر المستقرض مشتریا ملك غیره فیصح[1]۔	تو اب وہ اپنی ہی ملک کا خریدار ہوگیا لیکن امام ابویوسف کے قول پر چونکہ وہ کر قرض دہندہ کی ملک پر باقی ہے، چنانچہ مقروض ملک غیر کا خریدار ہوالہٰذا یہ خریداری صحیح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی البزازیة من اٰخر الصرف، اذاکان له علی اٰخر طعام او فلوس فاشتراہ من علیه بدرہم وتفرقا قبل قبض الدراہم بطل وھذا ممایحفظ[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بزازیہ باب الصرف کے آخر میں ہے کہ اگر کسی کا دوسرے کے ذمے اناج یا پیسے لازم ہیں پھر مقروض نے اس سے کچھ دراہم کے بدلے وہ اناج یا پیسے خرید لئے اور دراہم پر قبضہ سے پہلے ہی یہ دونوں شخص متفرق ہوگئے تو خریداری باطل ہے، یہ بات قابل حفظ ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶: ازالہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی برادر مولانا مفتی اسد اللہ خان صاحب مرحوم ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عوض قرضہ یا فتنی مورثکے منجملہ سے بری کردیا، مطابق شرع مذہب اہل سنت وجماعت دیگر وارثان کو وارث مذکور اس جو خریدار جائداد مدیون ہے بقدر حصہ رسدی زر قرضہ یا فتنی مورچ کے نقد دلایا جائے گا یا جائداد خریدہ وارث مذکور متروکہ متصور ہوکر دیگر وارثان کو بھی بقدر سہام مفروضہ حصہ جائداد دلایا جائیگا۔ بینوا مشرحا ومدللا مع سند الکتاب توجروا عنداللہ الملك العزیز الوھاب (تفصیل سے مدلل اور حوالہ کتب کے ساتھ بیان فرمائیں اللہ تعالٰی بادشاہ غالب بہت عطافرمانے والے کے ہاں اجر دئے جاؤگے۔ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۴

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ظاہر ہے کہ بائع مدیون کا مقصود یہی ہوگا کہ جائداد سب ورثہ کے حصص دین میں دے ان میں ہر ایک بقدر اپنے حصہ کے جائداد بعوض دین پالے کہ مدیون اسے دے کر دین سے بری ہو اور مشتری بھی جبکہ دین مشترک میں لیتا ہے تو دیانۃً اس سے بھی یہی امید کہ تنہا اپنے ہی لئے نہ خریدی ہو مگر واقع بارہا اس کے خلاف ہوتا ہے اور عبارت سوال سے کچھ نہیں کھلتا کہ بیع کس کے نام واقع ہوئی تنہا ایک شخص کا مشتری ہونا اسے مستلزم نہیں کہ مشتریٰ لہ بھی تنہا وہی ہو، یوں ہی ثمن کسی مال مشترک بشرکت ملک بلکہ خاص ملک غیر ہی کو قرار دینا اس کی دلیل نہیں کہ شرا مشترک یا غیر کے لئے ہو،

فی الخیریۃ لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب [1]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ باپ کے مال سے کسی شیئ کو خریدنے سے لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو۔(ت)

لہٰذا ہمیں ہر احتمال پر کلام لازم اگر اس عقد میں کام عاقدین مختلف واقع ہوا یعنی بائع نے اپنی براءت تامہ کے لئے سب ورثہ کی طرف اضافت کی اور مشتریہ نے اپنی منفعت کے واسطے صرف اپنی خصوصیت رکھی، مثلاً اس نے کہا میں نے یہ جائداد تم سب کے ہاتھ تمہارے دین میں بیع کی اس نے کہا میں نے اپنے لئے خریدی جب تو بیع ہی نہ ہوئی کہ ایجاب وقبول متخالف رہے،

فی البحر الرائق عن فروق الکرابیسی لو قال اشتریت لفلان بکذا و البائع یقول بعت منك بطل العقد فی اصح الروایتین والفرق انه خاطب المشتری والمشتری یسترد لغیرہ فلایکون جوابا فکان شطر العقد [2]۔	بحرالرائق میں فروق الکرابیسی سے منقول ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے اتنے کے عوض یہ شیئ فلاں کے لئے خریدی، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ فروخت کے لئے خریدی، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ فروخت کی، تو دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق عقد باطل ہوگا، فرق یہ ہے کہ بائع نے مشتری کو مخاطب بنایا جبکہ مشتری اس کو غیر کی طرف لوٹانا چاہتا ہے تو یہ مشتری کا جواب نہ ہوا تو اس طرح یہ آدھا عقد ہوا (یعنی دو ۲ میں سے صرف ایک رکن پایا گیا) (ت)

---

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب البیوع فصل فی القرض دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] بحرالرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹

اس صورت میں جائداد مدیون کو واپس اور ورثہ کا دین اس پر قائم، صرف مشتری کہ بری کرچکا، اگر اس کا ابرا اس عقد سے جدا واقع ہوا یعنی دین بطور خود معاف کردینا چاہا ہو، اور اگر اس کی طرف سے بھی کوئی ابرائے جداگانہ واقع نہ ہوا اسی شرائے جائداد بعوض دین کی بناء پر دعوی سے اسے بری کیا ہے تو اس کا بھی دین بدستور باقی رہا **وقد اوضحناہ وفصلناہ فی المداینات من فتاوٰنا** (اس کی وضاحت وتفصیل ہم اپنے فتاوٰی میں مداینات کی بحث میں بیان کرچکے ہیں۔ت) اور اگر مشتری نے اپنے ہی لئے خریدی اور بائع نے بھی اس کے ہاتھ بیچی سب ورثہ کی طرف اضافت نہ کی تو بیع اسی مشتری کے لئے تمام ہوگئی دیگر ورثہ کا جائداد میں کچھ حق نہیں، ہاں زرثمن میں اس دین کا محسوب ہونا ان کی اجازات جائزہ شرعیہ پر موقوف رہے گا، جو اجازت دے گا اس کے حصہ دین سے بائع بری، اور اس قدر روپیہ اجازت دہندہ کے لئے لازم بذمہ مشتری اور خود مشتری کے حصہ دین سے تو بائع بری ہو ہی چکا یہ اجازت دیگر ورثہ کہ یہاں درکار ہوئی اجازت نقد ہے نہ اجازت عقد، عقد تو بامشتری تام ونافذ ہولیا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے کچھ خریدے اور اس کا ثمن کسی غیر کا غلام یا مکان قرار دے تو وہاں بھی صرف اس بناء پر کہ یہ من وجہ شراء ہے اور شراء مشتری پر نافذ عقد بنام مشتری تمام ہوجاتا ہے حالانکہ وہ من وجہ بیع ہے اور بیع مال غیر غیر نافذ وموقوف، تو جہاں من کل وجہ شرا ہے اس کا مشتری پر نفاذ اوضح واجلی ہے،

فی البحر الرائق ان کان الثمن عرضاکان مملوکا للفضولی واجازۃ المالك اجازۃ نقدلا اجازۃ عقد لانه لما کان العوض متعینا کان شراء من وجه والشراء لایتوقف بل ینفذ علی المباشر ان وجد نفاذا، فیکون ملکا له وباجازۃ المالك لاینقل الیه، بل تاثیر اجازته فی النقد لافی العقد ثمن یجب علی الفضولی مثل المبیع ان کان مثلیا والافقیمته الخ[1]۔	البحرالرائق میں ہے ثمن اگر سامان ہو تو فضولی کا مملوک ہوگا اور مالک کی اجازت اجازت نقد ہے نہ کہ اجازت عقد، کیونکہ عوض جب متعین ہے تو یہ من وجہ شراء ہے اور شراء موقوف نہیں ہوتی بلکہ مباشر پر نافذ ہوجاتی ہے اگر وہ نفاذ کی راہ پائے تو یہ مشتری کی ملک ہوا اور مالک کی اجازت سے ت یہ مشتری کی ملک ہو اا ور الک کی اجازت سے یہ مالک کی طرف منتقل نہیں ہوگا بلکہ اس کی اجازت نقد میں اثر کرے گی نہ کہ عقد میں، پھر فضولی پر مبیع کی مثل واجب ہوگی اور اگر وہ مثلی ہے ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی الخ (ت)

[1] البحرالرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۸/۶

اور ورثہ سے جو اجازت نہ دے گا اسے اختیار ہے کہ اپنے تمام حصہ دین کا مطالبہ مدیون پر رکھے خواہ جس قدر حصہ دین مشتری نے بذریعہ شراء وصول پایا اسے جمیع سہام پر تقسیم کرکے بقدر اپنے سہم کے روپے کا مطالبہ مشتری اور باقی کا مدیون سے رکھے، مثلاً نوے روپے دین تھے، اور زید، عمرو، بکر تین بیٹے وارث زشید نے مدیون سے جائداد بعوض دین مورث اپنے نام خرید لی تو اس نے اپنے تیس روپے پالئے عمرو نے یہ تصرف جائز رکھا وہ اپنے پورے تیس روپے زید سے لے لے بکر نے اجازت نہ دی وہ چاہے تو کامل تیس روپے مدیون سے لے خواہ ازانجا کہ دین مشترک سبب واحد یعنی ارث سے ناشی تھا اور زید نے اپنا حصہ اس سے پالیا بقدر ثلث یعنی دس روپے زید سے لے باقی بیس کا مطالبہ مدیون پر رکھے جائداد پر دعوی نہیں کرسکتا مگر یہ کہ زید اپنی خوشی سے اسے حصہ رسد جائداد دے اور وہ قبول کرلے،

فی الدر المختار الدین المشترک بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احدھما شیئا منه شارکه الاٰخر فیه ان شاء او اتبع الغریم. فلو اشتری بنصفه شیئا ضمنه شریکه الربع لقبضه النصف بالمقاصة او اتبع غریمه لبقاء حقه فی ذمته [1] اھ مختصرا وفی الھندیة ولو اشتری بنصیبه ثوبا فللشریك ان یضمنه نصف ثمن الثوب ولا سبیل له علی الثوب فان اجتمعا جمیعا علی الشرکة فی الثوب فذلك جائز کذا فی السراج الوھاج [2]۔	درمختار میں مذکور ہے دو شخصوں میں سبب واحد سے مشترک دین ہو جیسے دین موروث ہو اور ان دونوں میں سے ایک نے اگر کچھ دین مشترک وصول کرلیا تو دوسرا اگر چاہے تو اس میں شریک ہوجائے یا پھر مدیون کا پیچھا کرے، اور دونوں میں سے ایک شریک نے نصف دین کے بدلے مدیون سے کوئی چیز خریدی تو یہ خریدنے والا شریک دوسرے کو دین کے چوتھائی کا تاوان دے کیونکہ اس نے نصف دین پر قبضہ کیا ہے دین کے ثمن میں مجرا ہونے کے سبب سے یا پھر دوسرا شریک مدیون کا پیچھا کرے کیونکہ اس کا حق مدیون کے ذمے پر باقی ہے اھ مختصرا۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر ایک شریک نے اپنے حصے کے بدلے میں مدیون سے کپڑا خریدا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کو آدھے کپڑے کے ثمن کا ضامن ٹھہرائے اور کپڑے پر اس کا کوئی حق نہ ہوگا اور اگر وہ دونوں کپڑے کی شرکت پر متفق ہوجائیں تو یہ جائز ہے السراج الوہاج میں یونہی ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۳۷

اور اگر یہ عقد شراء سب وارثوں کے لئے واقع ہوا مثلاً مدیون نے کہا میں نے تم سب ورثہ کو یہ جائداد دین میں دین مشتری نے کہا میں نے سب کی طرف سے خریدی یا سب کے لئے لی، یا اسی قدر کہا کہ میں نے قبول کی کہ مذہب صحیح پر ایک ہی کلام میں اضافت الی الغیر توقف عقد کے لئے بس ہے جبکہ کلام غیر میں اس کا خلاف نہ ہو،

فی البزازیۃ والبحر وغیرہما الصحیح انہ اذااضیف العقد فی احدالکلامین الی فلان یتوقف علی اجازتہ اھ[1] واماعدم التخالف فقد مناہ عن البحر عن الفروق ان الاصح عند التخالف البطلان قلت وھو مراد وجیز الکردری بقولہ لو قال اشتریت لفلان وقالا بائع بعت منك الاصح عدم التوقف[2] اھ وقد عرض ھھنا وھم للعلامۃ الشامی فی ردالمحتار نبھنا علیہ فیما علقنا علیہ وباللہ التوفیق۔	بزازیہ اور بحر وغیرہ میں مذکور ہے صحیح یہ ہے کہ جب دو کلاموں میں سے صرف ایک میں عقد کی اضافت فلان کی طرف کی گئی ہو تو عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، رہا مخالفت کا نہ ہونا تو ہم بحر سے بحوالہ فروق پہلے بیان کرچکے ہیں کہ بائع ومشتری کے کلاموں میں مخالفت کی صورت میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ عقد باطل ہوگا، میں کہتا ہوں کہ وجیز الکردری کے اس قول سے یہی مراد ہے کہ اگر مشتری نے کہا میں نے فلاں کے لئے خریدا اور بائع نے کہا میں نے تیرے ہاتھ بیچا تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ عقد موقوف نہیں ہوگا اھ یہاں پر علامہ شامی کو ردالمحتار میں ایک وہم عارض ہوا، ہم نے ردالمحتار پر اپنی تحریر کردہ تعلیقات میں اس پر تنبیہ کردی، اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

تو اس صورت میں اگر مشتری باقی سب ورثہ کی طرف سے وصایۃً یا ولایۃً یا وکالۃً اس شراء کا اختیار رکھتا تھا جب تو ظاہر کہ عقد تمام وکمال فوراً نافذ اور سب ورثہ حصہ رسد جائداد میں شریک اور مدیون سب کے دین سے بری لانہ تصرف من لہ التصرف فتم ونفذ من دون توقف (کیونکہ یہ اس کا تصرف ہے جس کو تصرف کا اختیار ہے تو بلا توقف تام و نافذ ہوگیا۔ت) ورنہ اگر ورثہ میں کوئی قاصد ایسا ہے جس پر کسی کو اس شراء کا اختیار شرعی نہیں جس طرح آج کل بہت یتیم ہوتے ہیں جن کے نہ باپ، نہ دادا نہ ان کا وصی، نہ وصی الوصی، نہ ان بلاد میں قاضی شرع، نہ سلطان اسلام، اور ان کے سوا

---

[1] البحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹

[2] الفتاوٰی البزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الهندیۃ کتاب البیوع، الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۸۳

ماں بھائی چچا وغیرہ یتیم کے لئے جائداد خریدنے کے مجاز نہیں تو اس کی طرف اس خریداری کی اجازت دینے والا کوئی نہیں اور فضولی سے وعقد ایسا صادر ہو کہ وقت عقد جس کا مجیز نہیں ہو باطل ہوتا ہے،

فی الدر کل تصرف صدر منه وله مجیز ای من یقدر علی اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا وما لا مجیزله حالة العقد لاینعقد اصلا[1]۔	در میں مذکور ہے ہر وہ تصرف جو فضولی سے صادر ہوا اور عقد کے وقت اس کا کوئی مجیز یعنی کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس کی اجازت دے سکتا ہے تو اس عقد کا انعقاد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جس تصرف کا بوقف عقد کوئی مجیز موجود نہ ہو وہ بالکل منعقد نہیں ہوگا۔(ت)

تو مشتری کا اس نابالغ کی طرف سے قبول، نہ قبول نافذ ہے نہ قبول موقوف بلکہ محض باطل ہے اور باطل معدوم، تو ایجاب سب کے لئے تھا اور قبول بعض کی طرف سے نہ پایا گیا، یا یوں کہئے کہ ایجاب کل مبیع کا تھا اور قبول بعض کا ہوا، بہر حال ایجاب و قبول مختلف ہو کر عقد راسًا باطل ہو گیا کل جائداد مدیون کو واپس اور دین بدستور مذکور صورت اولٰی قائم،

فی ردالمحتار عن البحر الرائق الموجب اذا اتحد وتعدد المخاطب لم یجز التفریق بقبول احدهما بائعا کان الموجب او مشتریا وعلی عکسه لم یجز القبول فی حصة احدهما[2] اھ وفیهما شرط العقد موافقة الایجاب للقبول فلو قبل غیرما او جبه او بعضه او بغیر ما او جبه او بعضه لم ینعقد الا فی الشفعة[3] الخ۔	ردالمحتار میں البحر الرائق کے حوالے سے مذکور ہے کہ ایجاب کرنے والا اگر ایک ہو اور مخاطب متعدد ہوں تو تفریق جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک قبول کرے، چاہے ایجاب کرنے والا بائع ہو یا مشتری ہو، اور اگر اس کے برعکس ہو تو ان دونوں میں سے ایک کے حصہ میں قبول جائز نہیں اھ انہی دونوں کتابوں میں مذکور ہے کہ قبول کا ایجاب کے موافق ہونا شرط ہے بایں طور کہ مشتری اسی چیز کو قبول کرے جس کا بائع نے ایجاب کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کو قبول کرے یا جو ثمن بائع نے

[1] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱
[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۹، بحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۶۷۔۶۸
[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵، بحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۸

ایجاب میں ذکر کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کے بدلے قبول کرے تو سوائے شفعہ کے منعقد نہیں ہوا الخ۔(ت)
اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں یعنی نہ سب ورثہ پر مشتری کا یہ تصرف نافذ نہ ان میں کوئی ایسا جس پر کسی کا ایسا تصرف نافذ، تو شرا بحق مشتری اور نیز اس کے حق میں جس کی طرف سے اس کا قبول نافذ ہے نافذ ولازم باقی ورثہ کے لئے خود ان کی خواہ ان کے وصی یا وصی مجاز کی اجازت پر موقوف جو اجازت دے گا وہ بھی بقدر حصہ اس جائداد کا مالک ہوگا اور جو رد کرے گا اس کے حق میں رد ہو جائیگا کما ھو شان عقد الفضولی (جیسا کہ عقد فضولی کی شان ہے۔ت) اب بحالت رد بعض صورت یہ ہوگی کہ جائداد جو بائع نے بصفقہ واحدہ بیع کی تھی اس کی بعض مبیع رہی اور بعض مبیع سے نکل گئی اس میں اس پر تفریق صفقہ قبل تمام ہوگی جس پر وہ مجبور نہیں ہوسکتا،

اما التفریق فظاھر وکذا کونه قبل التمام فکیف تتم صفقة موقوفة قبل الاجازة الاترى ان للمشتری له الرد بدون قضاء ولارضاء ولذاکان خیار الشرط مانعا تمامها کما نص علیه فی الفتح[1] وغیره. قال فی الدر المختار الاصل ان ردالبعض یوجب تفریق الصفقة وھو بعد التمام جائز لاقبله فخیار الشرط و الرؤیة یمنعان تمامها وخیار العیب یمنعه قبل القبض لابعده[2] الخ قلت والدین لازم بیعه ممن	لیکن تفریق ظاہر ہے یونہی اس کا قبل از تمام ہونا کیونکہ اجازت پر موقوف عقد اجازت سے قبل کیسے تمام ہوسکتا ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس کے لئے خریداری ہو اس کو قضاء ورضاء کے بغیر ہی رد کا اختیار ہے، اسی لئے خیار شرط تمامیت صفقہ سے مانع ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں منصوص ہے۔ درمختار میں ہے اصل یہ ہے کہ بعض کو رد کرنا تفریق صفقہ کا موجب ہے اور وہ تمامیت صفقہ کے بعد جائز ہے نہ کہ اس سے پہلے، چنانچہ خیار شرط اور خیار رؤیت تمامیت صفقہ سے مانع ہیں جبکہ خیار عیب قبضہ سے پہلے مانع ہے قبضہ کے بعد مانع نہیں الخ **میں کہتا ہوں**

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب خیار الرؤیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۵۴۳، ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الرؤیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۷۰

[2] درمختار کتاب البیوع باب خیار الرؤیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵

ھو اصیل وفضولی الردمن شری لہ بل تحتمل الاجازۃ فلم یتحقق من البائع الرضی بتفریق الصفقۃ والرد معیبابعیب الشرکۃ۔قال فی الھدایۃ اذا اشتری لرجلان غلاماعلی انھما بالخیار فرضی احدھما فلیس لاٰخر ان یردہ،لان المبیع خرج من مبلکہ غیر معیب بعیب الشرکہ فلوردہ احدھما ردہ معیبا بہ وفیہ الزام ضرر زائد ولیس من ضرورۃ اثبات الخیار لھما الرضا برد احدھما لتصورا اجتماعھما علی الرد [1] اھ مختصرا وفی الدر المختار لیس لاحدھما الانفراد اجازۃاو رد اختلافا لھما،مجمع [2]۔	لازم دین کو فروخت کرنا اس شخص سے جو اصیل ہے اور فضولی بھی،فضولی ہونے کی حیثیت سے جس کے لئے خریدا اس کو رد کرنے بلکہ جائز کرنے کا اکتیار ہے تو اندریں صورت بائع کی طرف سے سودے کے متفرق ہونے اور شرکت عیب کے ساتھ رد کرنے پر رضانہ پائی گئی،ہدایہ میں فرمایا کہ جب دو شخص نے ایک غلام خریدا اس شرط پر کہ دونوں کو خیار شرط حاصل ہوگا پھر ان میں سے ایک راضی ہوگیا تو دوسرے کو رد کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ غلام مبیع بائع ملک سے اس حال میں نکلا تھا کہ اس میں عیب شرکت نہیں تھا،اب اگر دونوں میں سے ایک اس کو واپس کرے تو اس حال میں واپس کریگا کہ اس میں شرکت کا عیب موجود ہے اور اس میں بائع پر ضرر زائد لازم کرنا ہوا،اور بائع کی طرف سے ان دونوں کو خیار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان میں سے ایک کے رد کرنے پر راضی ہو کیونکہ ان کے رد پر جمع ہونے کا احتمال موجود ہے اھ مختصر،درمختار میں ہے دونوں میں سے ایک کو انفرادی طور اجازت یا رد کا اختیار نہیں بخلاف صاحبین کے، مجمع۔(ت)

لہذا اسے اختیار ہوگا کہ کل جائداد واپس لے اور دین بدستور مذکور سابق اس پر لازم رہے خواہ اس ضرر تفریق کو گوارا کرکے جس نے رد کیا اس کا حصہ پھیر لے باقی میں بیع مقبول رکھے اس تقدیر پر جنہوں نے رد کیا انہیں وہی اختیار مذکور دیا جائے گا کہ خواہ اپنے اپنے حصص دین کا مطالبہ

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۴۰۔۳۹

[2] الدرالمختار کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳

مدیون سے رکھیں خواہ ان پانے والے شریکوں یعنی مشتری وغیرہ نے (جن جن کے لئے عقد بفعل مشتری خواہ ان کے یا ان کے اولیا یا اوصیا کی اجازت سے نافذ ہوا) جو کچھ دین بمعاوضہ جائداد وصول پالیا اس قدر روپے سے اپنا حصہ رسد مطالبہ ان پانیوالوں سے کریں باقی کا اصل مدیون سے رکھیں کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) مثلاً تصویر مسطور میں زید نے سب ورثہ کے لئے خریدی عمرو نے اجازت دی زید و عمرو بعوض دین دو ثلث جائداد کے مالک ہوئے بکر نے کہ اسے جائز نہ رکھا چاہے تو اپنے تیس پورے مدیون سے لے خواہ دس دس زید و عمرو سے لے جو اپنے ساٹھ وصول پا چکے ہیں باقی دس کا مطالبہ مدیون پر رکھے، **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۲۷: ازالہ آباد دائرہ اجمل شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

متعلقہ مسئلہ سابقہ

بعالی خدمت جناب مولٰنا المجد دام فضلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جو فتوٰی آپ نے مرحمت فرمایا اس میں عبارات ذیل ہیں، بسبب علالت طبیعت، میں استخراج عبارت مذکورہ من الکتب کی طرف متوجہ نہ ہوسکا اولڑکوں کی تلاش سے وہ عبارتیں کتاب میں نہ ملیں مجبورانہ خدمت گرامی بکمال تمنا ملتمس ہوں کو براہ عنایت کریمانہ تحریر فرمایئے کہ عبارت عبارات مذکور کس باب وفصل میں ہیں ممنون منت ہوں گا، **والتسلیم!**

فی الدر المختار الدین المشترک بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احدھما [1] الخ (ملخصا) فی الھندیۃ ولو اشتری بنصیبہ ثوبا فللشریک ان یضمنہ [2] الخ۔	درمختار میں ہے کہ دین مشترک جو سبب واحد کے ساتھ ہو جیسے دین موروث، پر دونوں میں سے ایک شریک جب قبضہ کرلے الخ ہندیہ میں ہے کہ جب ایک شرک نے مدیون سے اپنے حصہ کے بدلے میں کپڑا خریدا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سے ضمان لے الخ (ت)

الجواب:

مولانا المکرم اکرم اللہ تعالٰی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عبارت درمختار **کتاب الصلح**

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشرکۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۳۷

فصل فی دعوی الدین اور عبارت ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس فی المتفرقات میں ہے والسلام۔

مسئلہ ۱۲۸: ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فی روپیہ انیس سیر کے حساب سے روپے قرض لئے لیکن غلہ بہم نہ کرسکا تو دائن نے اس سے بجائے غلہ کے زر نقد بحساب نرخ بازار لے لیا تو یہ شرح بازار قرضہ پر جوافزود ہے آیا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناجائز اور حرام قطعی اور نرا سود ہے،

فی الحدیث قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قرض نفع کھینچے سود ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

بابُ الرّبٰو

(سُود کا بیان)

مسئلہ ۱۲۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس چیز کی جنس اور تول دونوں ایک نہ ہوں اس کو باختیار اپنے خلاف بازار نرخ کرنا اور وعدہ پر بیچنا درست ہے یانہیں؟ مثلاً چاندی سونا عوض سونے کے یا چونے یا غلے کے عوض بیچے تو اس میں ادھار دینا اور تھوڑے مال کو بہت کے عوض میں بیچنا درست ہے یانہیں؟ اور اگر وعدہ پر بیچے تو کس قدر مدت کا وعدہ شرعاً جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اندازہ شرعی جو دربارہ ربٰو معتبر ہے دو قسم ہے: کیل یعنی ناپ اور وزن بمعنی تول، اور حلت وحرمت کا قاعدہ کلیہ یہاں چار صورت میں بیان ہوتا ہے:

صورت اولٰی: جو دو چیزیں اندازہ میں مشترک ہیں یعنی ایک ہی قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر کی جاتی ہے مثلاً دونوں وزنی ہیں یا دونوں کیلی، اور دونوں ہیں بھی ایک جنس کے، مثلاً گیہوں گیہوں یا لوہا لوہا، تو ایسی دو[۲] چیزوں کی آپس میں بیع اسی وقت صحیح ہے جب دونوں اپنے اسی اندازہ میں جو شرعاً یا عرفاً ان کا مقرر ہے بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی ادھار بھی نہ ہو، اور اگر ایسی دو چیزیں ایک یا دونوں ادھار ہوں یا اپنے اس اندازہ مقرر میں برابر نہ کی گئیں، اب خواہ سرے سے اندازہ ہی نہ کیا گیا یا اندازہ کیا مگر کمی بیشی رہی یا برابری تو کی مگر دوسری قسم کے اندازہ سے کی مثلاً جو تول کی چیز تھی اسے ناپ کے برابر کیا

یا جو ناپ کی تھی اسے تول کر یکساں کیا تو یہ بیع محض ناجائز اور ربٰو قرار پائے گی۔

صورت ثانیہ: جو دو چیزیں ہم جنس تو ہیں مگر اندازہ میں مشترک نہیں خواہ دونوں طرف اندازہ معہودہ سے خارج ہیں جیسے گلبدن گلبدن، تنزیب تنزیب، گھوڑا گھوڑا کہ کیل ووزن سے ان کی تقدیر نہیں ہوتی، کپڑے گزوں سے بکتے ہیں اور گھوڑے شمار سے، یا ایک طرف فقط اندازہ ہو اور دوسری سمت خارج، جیسے تلوار لوہے کے ساتھ یا بکری کا گوشت زندہ بکری کے ساتھ کہ ہر چند ہم جنس ہیں مگر لوہے اور گوشت کی طرف اندازہ ہے کہ تل کر بکتے ہیں اور تلوار اور بکری کی طرف اندازہ نہیں کہ شمار کی چیزیں ہیں تو ان صورتوں میں تفاضل یعنی کمی بیشی تو جائز ہے مگر ایک دونوں کا دین ہونا جائز نہیں۔

صورت ثالثہ: جو دونوں چیزیں ایک قسم کے اندازہ میں تو شریک ہوں مثلاً دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی مگر ہم جنس نہیں، جیسے گیہوں جو کے ساتھ، یا لوہا تانبے کے ساتھ، تو یہاں بھی وہی حکم کہ تفاضل روا، اور نسیہ حرام سوا سونے چاندی کے کہ ہر چند وزن کی چیزیں ہیں مگر بیع سلم کے طور پر انہیں نقد دے کر اشیائے موزونہ لوہا تانبا چونا زعفران وغیرہ ادھار خریدنا بسبب حاجت کے بالاجماع جائز ہے اگرچہ ایک ہی قسم کے اندازہ میں شریک ہیں

صورت رابعہ: جو دو چیزیں نہ ہم جنس ہوں نہ ایک قسم کے اندازہ میں شریک، اب خواہ دونوں اصلاً داخل اندازہ کیل و وزن نہ ہوں جیسے گھوڑا کپڑا، یا ایک داخل ہو ایک خارج جیسے گھوڑا گیہوں، یا دونوں داخل ہوں مگر ایک قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر نہ ہوتی بلکہ ایک کیلی ہو دوسری وزنی جیسے چاول کھجوریں، تو ایسی صورتوں میں تفاضل ونسیہ دونوں حلال ہیں۔

فائدہ: سونے چاندی کا ادھار ہونا یونہی دفعہ ہوسکتا ہے کہ ان پر قبضہ کرلیا جائے مثلاً یہ سونا بعوض اس چاندی کے بیچا اور بائع نے چاندی اور مشتری نے سونے پر قبضہ نہ کیا اور جدا ہوگئے وہ بیع جائز نہیں اور ان کے سوا اور چیزوں میں فقط معلوم معین ہونا شرط ہے قبضہ ضرور نہیں مثلاً یہ گیہوں بعوض اس جو کے بیچے اور دونوں بے قبضہ کئے جدا ہوگئے بیع صحیح ہے اور یہ جو اور گیہوں ادھار نہ کہلائیں گے۔

فائدہ: چار چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیلی فرمایا ہے:

(۱) گیہوں **(۲)** جو **(۳)** چھوہارے **(۴)** نمک۔

یہ چاروں ہمیشہ کیلی رہیں گی اگرچہ لوگ انہیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گیہوں کے بدلے گیہوں برابر تول کر بیچے تو حرام ہوگا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہئے۔ اور دو کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

نے وزنی فرمایا ہے: (۱) سونا (۲) چاندی__ یہ ہمیشہ وزنی رہیں گے، ان چیزوں کے سوا بنائے کار عرف وعادت پر ہے، جو چیز عرف میں تل کر بکتی ہے وہ وزنی ہے اور جو گزوں یا گنتی سے بکتی ہے وہ اندازہ سے خارج عـــہ۔

مسئلہ ۱۳۰: ۲۱ رجب المرجب ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے بیان فرمایا کہ سود کھانا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے اور سود کاایک روپیہ لینا اتنی اتنی بار زنا کرنے سے سخت تر ہے، یہ امر صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک صحیح ہے، اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں:

حدیث (۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اکل درھما من ربٰو فھو مثل ثلث و ثلثین زنیۃ، ومن نبت لحمہ من السحت فالنار اولٰی بہ [1] رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر وصدرہ ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	ایک درہم سود کا کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے جس کا گوشت حرام سے بڑھے تو نار جہنم اس کی زیادہ مستحق ہے (اس کو طبرانی نے معجم اوسط اور صغیر میں اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

حدیث (۲و۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عنداللہ من ثلثۃ وثلثین زنیۃ یزینھا فی الاسلام [2]۔ رواہ الطبرانی	بیشک ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ عزوجل کے نزدیک سخت تر ہے تینتیس زنا سے کہ آدمی اسلام میں کرے۔ (اس کو طبرانی نے

عـــہ: جواب یہاں تک دستیاب ہوا۔

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۹۶۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۳ /۵۴۱

[2] الدرالمنثور بحوالہ طبرانی تحت آیۃ ۲/ ۲۷۹ منشورات قم ایران ۱/ ۳۶۷، الترغیب والترہیب عن عبداللہ بن سلام حدیث ۱۲ مصطفی البابی مصر ۳ /۶، مجمع الزوائد باب ماجاء فی الربا دارالکتاب بیروت ۴/ ۱۱۷

فی الکبیر عن عبداللّٰہ بن مسعود ایضا عن عبد اللّٰہ بن سلام رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما۔	معجم کبیر میں عبداللہ بن مسعود سے نیز عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۴) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

درھم ربا یأکلہ الرجل وھو یعلم اشھد عنداللّٰہ من ستۃ وثلثین زنیۃ [1]۔رواہ احمد بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر عن عبداللّٰہ بن حنظلۃ غسیل الملٰئکۃ۔	سود کا ایک درم کہ آدمی دانستہ کھائے اللہ تعالٰی کے نزدیک چھتیس زنا سے سخت تر ہے ت(اس کو امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ اور طبرانی نے معجم کبیر میں عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ تعالٰی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۵) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عنداللّٰہ فی الخطیئۃ من ست وثلثین زنیۃ یزنیھا الرجل [2]۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ والبیہقی عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ تعالٰی کے نزدیک مرد کے چھتیس بار زنا کرنے سے گناہ میں زیادہ ہے۔(اس کو ابن ابی الدنیا نے غیبت کی مذمت میں اور بیہقی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۶) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لدرھم ربا اشد جرما عنداللّٰہ من سبع وثلثین زنیۃ [3]۔رواہ الحاکم فی الکنی عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا۔	بیشک سود کا ایک درہم اللہ عزوجل کے یہاں سینتیس زنا سے بڑھ کر جرم ہے۔(اس کو حاکم نے کنیتوں کے باب میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۷) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا سبعون حوبا ایسرھا کالذی ینکح	سود ستر گناہ ہے جن میں سب سے آسان تر اس شخص

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۷۰۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۳ /۳۳۰، مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] الترغیب والترھیب بحوالہ ذم الغیبۃ، والبیہقی باب الترہیب من الربا مصطفی البابی مصر ۳ /۷

[3] کنز العمال بحوالہ الحاکم فی الکنی حدیث ۹۷۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۰۹

امه [1]، و فی روایة سبعون بابا ادناها کالذی یقع علی امه [2]. رواہ ابن ماجة وابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة وابن جریر ورواہ البیھقی بسند لاباس به باللفظ الثانی کلھم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	کی طرح ہے جو اپنی ماں سے نکاح کرے۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ سود کے ستر دروازے ہیں جن میں ادنٰی یہ ہے کہ وہ اپنی ماں پر پڑے۔ت) (اس کو ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں اور ابن جریر نے اور بیہقی نے اس کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں ساتھ لفظ ثانی کے تمام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

حدیث (۸) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الربا ابواب، الباب منه عدل سبعین حوبا ادناہ فجرۃ کاضطجاع الرجل مع امة [3]۔ رواہ ابن مندۃ وابونعیم عن الاسود بن وھب بن عبد مناف بن زھرۃ الزھری القرشی خال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنه۔	بیشک ربا کے کئی دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ برابر ستر گناہ کے ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ ہم بستر ہونا (اس کو ابن مندہ اور ابونعیم نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ماموں حضرت اسود بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ الزہری القرشی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۹) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا احد وسبعون بابا او قال ثلثة وسبعون حوبا ادناھا مثل اتیان الرجل امه [4]۔ رواہ عبدالرزاق عن رجل من الانصار	سود اکہتر دروازے ہے یا فرمایا تہتر گناہ ہے جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی کا اپنی ماں سے جماع کرنا (اس کو امام عبدالرزاق نے انصار کے

[1] سنن ابن ماجه باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۵، شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۹۴

[3] الاصابة فی تمیز الصحابة بحواله ابن مندہ ترجمہ ۱۷۲ اسود بن وہب دار صادر بیروت ۱/ ۴۶

[4] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۵ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴

رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	ایک مرد سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔(ت)

حدیث (۱۰) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل امه[1]۔رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنه۔	سود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کم تر ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا(اس کو طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ معجم اوسط میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان ابواب الربا اثنان وسبعون حوبا ادناھا کالذی یاتی امه فی الاسلام [2]۔رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بیشک سود کے دروازے بہتر گناہ ہیں سب میں کمتر ایسا ہے جیسے اسلام میں اپنی ماں سے زنا کرنا(اسی کو طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۲) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا ثلث وسبعون بابا ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امه[3] رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرطھا و البیھقی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه۔	سود کے تہتر دروازے ہیں سب میں ہلکا اپنی ماں سے زنا کے مثل ہے(اس کو حاکم نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام بیہقی نے اس کو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الربا نیف وسبعون بابا اھونھن بابا مثل من اتی امه فی الاسلام	سود کے کچھ اوپر ستر دروازے ہیں ان میں سب سے ہلکا ایسا ہے کہ مسلمان ہو کر اپنی ماں سے زنا کرنا

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۱۴۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۷۴

[2] کنز العمال بحوالہ طب عن عبداللہ بن سلام حدیث ۹۷۵۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۰۵

[3] المستدرك کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷، شعب الایمان للبیہقی حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۹۴

ودرہم من ربا اشد من خمس و ثلثین زنیۃ[1]۔ رواہ البیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور سود کا ایک درم پینتیس زنا سے سخت تر ہے۔ (اس کو بیہقی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۱۴) سیدنا امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الربا سبعون بابا اھونہا مثل نکاح الرجل امہ[2]۔ رواہ ابن عساکر بسند صحیح۔	سود ستر دروازے ہیں ان میں آسان تر اپنی ماں سے زنا کے مثل ہیں۔ (اس کو ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا۔ ت)

حدیث (۱۵) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الربا اثنان وسبعون حوبا اصغرھا حوبا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرہم من الربا اشد من بضع وثلثین زنیۃ[3]۔ رواہ ابن ابی الدنیا والبغوی وغیرہما وصدرہ عند عبدالرزاق بلفظ بضعۃ وسبعون[4]۔	سود بہتّر گناہ ہے سب سے چھوٹا بحالت اسلام اپنی ماں سے زنا کی طرح ہے اور سود کا ایک درہم کئی اوپر تیس زنا سے سخت تر ہے۔ (اس کو ابن ابی الدنیا اور بغوی وغیرہ نے روایت کیا، اور امام عبدالرزاق کے ہاں لفظ بضع وسبعون کے ساتھ ہے۔ ت)

حدیث (۱۶) سیدنا عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں:

الربا ثلث وسبعون حوبا ادناھا حوبا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرہم من الربا کبضع وثلثین زنیۃ[5]۔	سود میں تہتّر گناہ ہیں سب سے کم ایسا جیسے اسلام میں اپنی ماں سے جماع کرنا اور سود کا ایک درہم چند اور تیس زنا کی مانند ہے (اس کو

[1] الدر المنثور بحوالہ البیہقی فی الشعب تحت آیۃ ۲/ ۲۷۹ منشورات قم ایران ۱/ ۳۶۶، الترغیب والترہیب بحوالہ البیہقی فی الشعب الترھیب من الربا حدیث ۱۶ مصطفی البابی مصر ۳/ ۸

[2] المنتقی لابن الجارود عن ابی ہریرۃ حدیث ۶۳۷ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ص ۲۱۸

[3] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا والبغوی حدیث ۱۲ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۳/ ۷، شرح السنۃ للبغوی باب وعید آکل الربا حدیث ۲۰۵۴ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۵۴

[4] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۶ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴

[5] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۴ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴

رواہ عبدالرزاق۔	امام عبدالرزاق نے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۷) کعب احبار فرماتے ہیں:

لان ازنی ثلثا وثلثین زنیۃ احب الی من ان اٰکل درھما ربا یعلم اللہ انی اکلتہ حین اکلتہ ربا[1]۔رواہ الامام احمد عنہ بسند جید۔	بیشک مجھے اپنا تینتیس بار زنا کرنا اس سے زیادہ پسند ہے کہ سود کا ایک درہم کھاؤں جسے اللہ عزوجل جانے کہ میں نے سود کھایا ہے۔(اس کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی،اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۳۱: ۲۷ رجب روز دوشنبہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوت روز مرہ بھی بدشواری میسر آتا ہے چاہتا ہے کہ کچھ روپیہ سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تاکہ صورت ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے،پس یہ امر مباح ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ایسے اصل روپیہ کی ضمانت کرے گنہگار ہوگا یا نہیں؟**بینوا توجروا**۔

الجواب:

سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ اٰکل الربو وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ[2]۔رواہ احمد وابوداؤد	اللہ کی لعنت سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کی گواہی

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷،سنن ابوداؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷)

(جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵،سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۶۶،مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود دار الفکر بیروت ۱/ ۳۹۳ و ۴۰۲ و ۴۰۹ و ۴۵۳،مسند احمد بن حنبل عن علی کرم اللہ وجہہ دار الفکر بیروت ۱/ ۸۳ و ۱۰۷ و ۱۳۳ و ۱۵۰،سنن النسائی کتاب الزینۃ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۲۸۰

والترمذی وابن ماجة والطبرانی فی الکبیر وزادوھم یعلمون [1] کلھم عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه احمد والنسائی عن علی کرم الله تعالٰی وجھه سند اھما صحیحان وبمعناہ عند مسلم فی صحیحه وزادو ھم سواء [2]۔	کرنیوالے پر (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں یہ زیادہ کیا کہ وہ جانتے ہوں کہ یہ سود ہے ان تمام ائمہ نے اس کو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، امام احمد اور نسائی کے نزدیک اس کی مثل سیدنا حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی ہے اور ان دونوں کی سندیں صحیح ہیں اس کے ہم معنی امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ سب برابر ہیں۔ت)

مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ت) اسی لئے علماء فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے،

فی الاشباہ والنظائر وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح [3] اھ قال فی الغمز و ذلك نحو ان یقترض عشرۃ دنانیر مثلا ویجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا [4] اھ	الاشباہ والنظائر، قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج کے لئے سود پر قرض لینا جائز ہے اھ غمز میں فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ دس دینار قرض لے اور قرض دہندہ کے لئے یومیہ کچھ نفع مقرر کرے اھ (ت)

اقول: محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا نو سو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگادئے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کرسکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلٰی ہذا القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر، باب ماجاء فی الرباء، دار الکتاب بیروت ۴/ ۱۱۸

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ راچی ۲/ ۲۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسة ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

[4] غمز عیون البصائر الفن الاول القاعدۃ الخامسة ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

وللہذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پاسکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت، رہا ادائے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا، اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہوا تو قرضخواہ قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت وخواری علاوہ اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادا نہیں تو رخصت دی جائیگی کہ ضرورت متحقق ہولی حفظ نفس و تحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت عــہ ومطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت مہم سمجھا اور اس کے لئے بعض محظورات کو جائز فرمایا، مثلاً شریر شاعر جو امراء کے پاس قصائد مدح لکھ کر لیجاتے ہیں کہ خاطر خواہ انعام نہ پائیں تو ہجو سنائیں انہیں اگرچہ وہ انعام لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا جائز نہیں دینا بھی روا نہیں، پھر یہ لوگ کہ اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت صریح حرام، بایںہمہ شرع نے حفظ آبرو کے لئے انہیں دینا دینے والے کے حق میں روا فرمایا اگرچہ لینے والے کو بدستور حرام محض ہے،

فی الدرالمختار لاباس بالرشوۃ اذا خاف علی دینه (عبارۃ المجتبی لمن یخاف) والنبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان یعطی الشعراء ولمن یخاف لسانه (فقد روی الخطابی فی الغریب عن عکرمة مرسلا قال اتی شاعر النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فقال یا بلال اقطع لسانه عنی فاعطاہ اربعین درھما) ومن السحت ما یاخذہ شاعر	درمختار میں ہے کہ جب کسی کو اپنے دین کے بارے میں خوف ہو تو اس کے لئے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں (مجتبٰی کی عبارت میں ہے جسے خوف ہو) نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شاعروں کو اور جن کی زبان درازی کا خوف ہوتا ان کو عطا فرماتے تھے (خطابی نے غریب میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرسلاً روایت کیا عکرمہ نے کہا کہ ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا اے بلال! اس کی زبان مجھ سے قطع کرو۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کو چالیس درہم

عــــہ: ظاہر ہے کہ یہ ذلت پہنچے گی کہ مفلس کو مہلت دینی شرع نے واجب کی ۱۲ منہ۔

لشعر (لانه انما یدفع له عادة قطعاً للسانه فلو کان ممن یؤمن شره فالظاہر ان مایدفع له حلال بدلیل دفعه علیه السلام بردته للکعب لما امتدحه بقصیدته المشهورة تأمل[1]) اھ ملخصا مختلطا برد المحتار۔	دے دئے) حالانکہ شاعر جو کچھ شعر کی وجہ سے لیتا ہے وہ حرام ہے (کیونکہ عادتاً جو کچھ اس کو دیا جاتا ہے وہ اس کی زبان درازی روکنے کے لئے ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی شاعر ایسا ہو جس کے شر سے امن ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کو جو کچھ دیا جائے وہ حلال ہے اس پر دلیل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی چادر مبارک عطا فرمانا ہے جب حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ کی بارگاہ اقدس میں اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا) اھ تلخیص باختلاط ردالمحتار (ت)

اور اگر اس مفلس قرضدار کی قرضخواہ کی طرف اس قسم کے اندیشے نہیں بلکہ صرف حساب آخرت پاک کرنا چاہتا ہے تو ایسی حالت میں سودی قرض لینے کی اجازت مقاصد شرع سے سخت بعید ہے قرضدار جب مفلس ہو تو شرع قرضخواہ پر واجب کرتی ہے کہ انتظار کرے اور جب تک اسے استطاعت نہ ہو مہلت دے،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر قرضدار تنگدست ہو تو اس کی کشادگی اور آسانی مہیا ہونے تک مہلت دو۔ (ت)

اور قرضدار کو حکم دیتی ہے کہ حتی الامکان ادا میں کوشش کرے اور ہر وقت سچے دل سے ادا کی نیت رکھے مفلسی کو پروانہ معافی نہ ٹھہرالے کہ اب ہم سے کوئی کیا لے گا، جب ایسی سچی نیت رکھے گا اور اپنی چلتی فکر ادا میں جو بروجہ شرعی ہو گئی نہ کرے گا تو اس سے زیادت شرع اسے تکلیف نہیں دیتی،

قال اللہ تعالٰی "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ؕ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ (ت)

پھر اگر اسی حال پر مر گیا اور ادا نہ ہو سکا تو امید قوی ہے کہ ارحم الراحمین جل جلالہ در گزر فرما کر

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

قرضخواہ کے مطالبہ سے نجات بخشے گا۔ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ اموال الناس یرید اداء ھا ادی اللہ عنہ، و من اخذیرید اتلافھا اتلفہ اللہ[1]۔اخرجہ احمد و البخاری وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو لوگوں کے مال بہ نیت ادالے اللہ تعالٰی اس کی طرف سے ادا فرمادے اور جو تلف کردینے کے ارادے سے لے اللہ تعالٰی اسے ہلاک کردے۔(امام احمد، بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسکی تخریج فرمائی۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں:

من ادان دینا ینوی قضائہ اداہ اللہ یوم القیٰمۃ[2]۔ اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن میمونۃ بن الحارث رضی اللہ تعالٰی عنہا باسناد صحیح۔	جو کوئی دین لے کہ اسکے ادا کی نیت رکھتا ہو اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی طرف سے ادا فرمادے گا(طبرانی نے معجم کبیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کی تخریج فرمائی۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں:

من حمل من امتی دینا ثم جھد فی قضائہ ثم مات قبل ان یقضیہ فانا ولیہ[3]۔رواہ احمد باسناد جید و ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	میرا جو امتی کسی دین کا بار اٹھائے پھر اس کے ادا میں کوشش کرے پھر بے ادا کئے مرجائے تو میں اس کا ولی و کفیل کار ہوں (اس کو امام احمد نے اسناد جید کے ساتھ اور ابویعلی اور طبرانی نے معجم اوسط میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب من اخذ اموال الناس الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳/ ۴۳۲ وحدیث ۷۲، ۷۳ ۲۴/ ۲۸

[3] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۷۴، ۱۵۴، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۹۳۳۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۱۰/ ۱۵۸

من تداین بدین وفی نفسه وفاؤه ثم مات تجاوز الله عنه وارضی غریمه بماشاء [1]۔ الحدیث۔ رواه الحاکم و بنحوه الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه۔	جو کسی دین کا معاملہ کرے اور دل میں اس کے ادا کا ارادہ رکھے پھر مرجائے تو اللہ تعالٰی اس سے درگزر فرمائے اور اس کے قرضخواہ کو جیسے چاہے راضی کردے الحدیث (اس کو حاکم نے روایت کیا اور اس کی مثل طبرانی نے معجم کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

غرض بعد نیک نیتی کے پاکی حساب کی ویسے ہی امید ہے باقی شرع مطہر سے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ ادائے قرض کے لئے کسی ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہو اور بیشک سودی قرض لینا جائز طریقہ ہے بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ عورت اگر مارے سے بھی نماز نہ پڑھے طلاق دے دے اگرچہ اس کا مہر دینے پر قادر نہ ہو کہ اللہ تعالٰی سے اس حال پر ملنا کہ اس کا مطالبہ مہر اس کی گردن پر ہو اس سے بہتر ہے کہ ایک بے نمازی عورت سے صحبت کرے،

فی الغنیة الزوج له ان یضرب زوجته علی ترك الصلوۃ وان لم تنتته عن ترکها بالضرب یطلقها ولو لم یکن قادر اعلی مهرها ولان یلقی الله تعالٰی ومهرها فی ذمته خیرله من ان یطأ امرأة لاتصلی [2]۔	غنیہ میں ہے کہ شوہر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نماز چھوڑنے پر مارے اور اگر مارنے کے باوجود وہ نماز چھوڑنے سے باز نہیں آتی تو طلاق دے دے اگرچہ اس کو مہر کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو کیونکہ اللہ تعالٰی کو اس حال میں ملنا کہ اس کی بیوی کا مہر اسکے ذمہ پر ہو بہتر ہے اس سے کہ ایسی عورت سے صحبت کرے جو نماز نہیں پڑھتی۔ (ت)

دیکھو عورت کا نماز نہ پڑھنا اس کا کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اس کی ہدایت وتنبیہ کسی طرح نہیں مانتی بایںہمہ اسے گوارا نہ کیا گیا اور قرضدار مرنے کو اس سے آسان سمجھا، تو سودی قرض لینا کہ جو خود اس کا گناہ ہے کیونکر گوارا کیا جائے گا اور قرضدار مرنا اس کی نسبت آسان نہ ہوگ **اھذا کله ماظهر لی وارجو ان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی** (یہ سب وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا اور میں امید کرتا ہوں کہ **ان شاء الله تعالٰی** یہ درست ہوگا۔ ت) رہی ضمانت وہ درحقیقت قرض ملنے پر اعانت ہے اگر اس محتاج کو سودی قرض لینا شرعًا جائز تھا تو اصل روپے کی ضمانت میں کوئی حرج نہیں کہ جائز بات میں ایک مسلمان بھائی کی

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب البیوع باب من تداین بدین الخ دار الفکر بیروت ۲ / ۳۲

[2] غنیة المستملی احکام المساجد مسائل شتی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۲۱

مدد کرتا ہے اور ناجائز تھا تو ہرگز اصل کی بھی ضمانت نہ کرے کہ یہ معصیت پر اعانت ہوگی،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲: ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ روپیہ سودی نکلوایا دو شخص ضامن ہوئے اب گناہگار زیادہ کون ہے؟ وہ شخص جس نے سود پر دیا اب توبہ کرتا ہے اور سود کو واپس دینا چاہتا ہے تو یہ توبہ اسکی قبول ہوگی یا نہیں؟ اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بغیر سخت مجبوری کے جسے شرع بھی مجبور کہے سودی قرض لینا حرام ہے، اور اسی طرح اس کے کام میں کسی طرح کی شرکت ہو باعث گناہ ہے، اور حدیث صحیح میں: **ھم سواء** [2] فرمایا یعنی وہ سب نفس گناہ میں برابر ہیں، اور سود سے توبہ کے یہی معنی ہیں کہ جس قدر سود لیا واپس دے اور اللہ عزوجل سے آئندہ کے لئے سچے دل سے نادم ہو کر عہد کرے، جو ایسا کرے گا اس کی توبہ بیشک قبول ہوگی "هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ" [3] (وہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ت) اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہوجائے گا **التائب من الذنب کمن لاذنب له** [4] (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔**

مسئلہ ۱۳۳تا۱۳۸: از شاہجہان پور محلّہ خلیل مرسلہ محمد اعزاز حسین خاں مہتمم مدرسہ اسلامیہ ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ:

(۱) زید نے اپنی حیات میں کچھ روپیہ سود پر قرض دیا اور قبل وصول روپیہ کے زید مرگیا اب ورثا زید کو تاریخ وفات زید تک کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۵ /۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[3] القرآن الکریم ۴۲ /۲۵

[4] سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰ /۱۵۴، سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب ذکر التوبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

(۲) زید نے روپیہ قرض سود پر دے کر دیوانی سے مع سود ڈگری حاصل کی تھی اور حسب ضابطہ کچہری ۸ فیصدی سود تا ادائے روپیہ اور بھی ڈگری میں لکھا جاتا ہے بعد مرنے زید کے ورثاء اسکے دونوں قسم کا سود لے سکتے ہیں اور شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے پرامیسری نوٹ خریدے تھے اور گورنمنٹ سے ساڑھے چار روپیہ فیصدی سالانہ سود لیا کرتا تھا زید مرگیا ورثاء زید کو حسب ضابطہ کچہری اول سارٹیفکیٹ وراثت لینا ضرور ہے اور بغیر اس کے ورثاء نہ سود نوٹوں کا پاسکتے ہیں اور نہ ان کو فروخت کرسکتے ہیں اور سارٹیفکیٹ لینے میں قریب تین ہزار روپیہ کے کچہری میں صرف ہوگا ورثاء زید چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ نوٹوں تک سود لے کر سارٹیفکیٹ کے لینے میں خرچ کردیں یعنی گورنمنٹ سے لے کر پھر اسی کو واپس کردیں پس ورثاء زید تاریخ انتقال زید تک سود نوٹوں کا لے سکتے ہیں یا آئندہ کا بھی لے سکتے ہیں یا مطلق ناجائز ہے؟

(۴) عمرو نے پرامیسری نوٹ ایک لاکھ کے خریدے اور پرامیسری نوٹوں کا قاعدہ ہے کہ گورنمنٹ اصل روپیہ کبھی نہیں دیتی بلکہ ساڑھے چار روپیہ فی صدی سالانہ سود دیا کرتی ہے ہاں اگر مالک چاہے تو دوسرے خریداروں کے ہاتھ فروخت کرے اور نرخ نوٹوں کا بھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ جیسے آجکل سو روپیہ کا پرامیسری نوٹ ایک سو آٹھ روپیہ کو فروخت ہوتا ہے پس اگر عمرو بھی ایک لاکھ روپیہ کے پرامیسری فیصدی آٹھ روپیہ کے نفع سے فروخت کرے یا نرخ سے دو روپیہ زیادہ نفع پر بیچ ڈالے تو یہ بیع درست ہے یا نہیں؟

(۵) کسی شخص نے دوہزار کی ڈگری کچہری سے حاصل کی جس میں ایک ہزار اصل ہے اور ایک ہزار سود، وہ شخص کسی کے ہاتھ یا وارث اس کا بعوض بارہ سو کے وہ ڈگری فروخت کرڈالے تو کیسا ہے؟

(۶) اوپر کی صورتوں میں جو جو رقم کہ سود کی قرار دی گئی اگر اس میں سے کل یا بعض لے کر مدرسہ اسلامیہ میں دے دی جائے تو شرعًا کیا اس کی حالت ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) حرام قطعی ہے،

قال المولٰی سبحانہ وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ	مولا سبحانہ وتعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا ہے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو پھر جو ایسا نہ کرو تو خبردار ہو جاؤ خدا اور رسول کے لڑنے سے یا اعلان کردو

مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ"[1]	اللہ و رسول سے لڑائی کا۔

یہ اس بقیہ کی نسبت ارشاد ہوا جو تحریم سے پہلے کا رہ گیا تھا مسلمانوں نے خیال کیا یہ تو حرمت سے پیشتر ہے اسے لے لیں آئندہ سے باز رہیں گے اس پر یہ حکم آیا صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہا ہم میں خدا اور سول سے لڑنے کی طاقت نہیں، وہ بقیہ بھی چھوڑ دیا نہ کہ **معاذاللہ** یہ بقیہ شقیہ کے سرے سے بعد تحریم الٰہی کے لینا دینا ٹھہرا، اور اس کا لینے والا اللہ عزیز مقتدر قہار اور اس کے رسول جلیل جبار جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لڑائی کا پورا سامان کرلے اور قرآن پر ایمان رکھتا ہو تو یقین جانے کہ خدا اور رسول عزمجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لڑنے والا سخت ہلاکت میں پڑنے والا ہے، **والعیاذ باللہ رب العٰلمین** (اللہ کی پناہ جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ت) ورثہ اس چیز کے مستحق ہوتے ہیں جو مورث کی ملک اور اس کا ترکہ ہو یہ سود نا مسعود نہ ملک نہ ترکہ اس کا مطالبہ کس ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے **واللہ الھادی ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

(۲) کسی قسم کا نہیں لے سکتے، دونوں قطعی حرام ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: سود کے ستر، اور ایک حدیث میں بہتّر، اور دوسری میں تہتر دروازے ہیں، ان سب میں ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی ماں سے زنا کرے۔

الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الربا ثلث وسبعون بابا ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امہ[2]، الطبرانی فی الاوسط عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الربا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل	حاکم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ سود کے تہتر دروازے ہیں ان میں سے سب سے ہلکا ایسے ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔ طبرانی نے معجم اوسط میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کمترین ایسے ہے جو کوئی مرد اپنی ماں سے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹۔۲۷۸

[2] المستدرک للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷

امه [1]. ابن ماجة والبیهقی باسناد لاباس به واللفظ له عن ابی ہریرۃ رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الربا سبعون بابا ادناها کالذی یقع علی امه [2]۔	زنا کرے۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے ایسی اسناد کے ساتھ اس کو روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں اور لفظ بیہقی کے ہیں۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود کے ستر دروازے ہیں ان میں سے کمتر ایسا ہے جیسے کوئی مرد اپنی ماں سے زنا کرے (ت)

توجو شخص سود کا ایک پیسہ لینا چاہے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مانتا ہے تو ذرا گریبان میں منہ ڈال کر پہلے سوچ لے کہ اس پیسہ کا نہ ملنا قبول ہے یا اپنی ماں سے ستر ستر بار زنا کرنا، واللہ الهادی۔

(۳) سود لینا حرام قطعی وکبیرہ وعظیمہ ہے جس کا لینا کسی طرح روا نہیں ہوسکتا ہاں مال مباح شرعی یا اپنا دیا ہوا حق بقدر حق بہ نیت تحصیل مباح یا وصول حق نہ بہ نیت ربا وغیرہ امور محرمہ لینا جائز ہے اگرچہ کسی عذر کے سبب کسی ناجائز نام کو اس کے حصول کا ذریعہ کیا جائے،

وهذا مسألة جلیلة دقیقة لایتنبه الا بتوفیق الله تعالٰی وسنفصلها یوما ان شاء الملك العلام جل و علا۔	یہ بڑی جلالت وعظمت کا حامل دقیق مسئلہ ہے سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے اس پر آگاہی نہیں ہوسکتی، ہم ان شاء اللہ تعالٰی کسی دن اس کو مفصل بیان کریں گے۔ (ت)

(۴و۵) زائد، برابر کم کسی مقدار کو اصلاً بیع نہیں کرسکتا کہ ان دونوں صورت میں حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کا بیچنا ہے اور وہ شرعاً باطل ہے۔ اشباہ میں ہے:

بیع الدین لایجوز ولو باعه من الدین او وہبه جاز [3]۔ والله تعالٰی	دین کی بیع جائز نہیں اور اگر کوئی مدیون پر دین کو بیچے یا اس کو ہبہ کردے تو جائز ہے، واللہ تعالٰی

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۱۴۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۸ /۷۴

[2] سنن ابن ماجه باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۵، شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴ /۳۹۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

اعلم وحکمہ سبحانہ احکم۔	اعلم وحکمہ سبحانہ احکم (ت)

(۶) جوابات سابقہ سے واضح جہاں جس طرح لینا جائز دینا جائز جہاں نہیں نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹: ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے یہاں ہنود سے سود لینا جائز ہے مسلمانوں سے نہیں، یہ قول کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود لینا نہ مسلمان سے جائز نہ ہندو سے،

لاطلاق قولہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا[1]" اما یؤخذ من الحربی فی دار الحرب فمال مباح لیس بربا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس ارشاد باری تعالٰی کے اطلاق کی وجہ سے کہ "اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کردیا" لیکن جو کچھ دارالحرب میں حربی سے لیا جائے تو وہ مباح مال ہے سود نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۰: مرسلہ محمد عنایت حسین سررشتہ دار سابق شفاخانہ ضلع بریلی ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے اگر کسی بنئے نے کوئی رقم ناجائز مثل سود وغیرہ کے لی ہو جس کے وصول کرنے پر اسے قدرت نہ تھی اور وہ نہ بہ نیت سود بلکہ اس حق کو وصول کرنے کے لئے اس کی کوٹھی میں کچھ روپیہ اتنا جمع کرے اور جو رقم ماہوار اس پر ملے اسے اپنے آتے ہوئے میں مجرا سمجھتا جائے یہاں تک کہ وہ حق پورا نکل آئے، اس کے بعد اپنا روپیہ واپس لے لے، اسی طرح بادشاہ یا حاکم نے کوئی محصول یا ٹیکس یا مالگزاری یا اسٹام یا جرمانہ وغیرہ اس سے یا عام رعایا سے ایسے طریقہ پر لیا ہو جو شرعاً ناجائز یا حد شرع سے زیادہ ہو اور اس مقدار ناجائز تک وصول کرنے کے لئے اپنے ذاتی روپیہ یا عام مسلمانوں کے چندہ کا روپیہ شاہی بنک میں جمع کرکے حقدار مذکور اس سے نیت وصول حق کے ساتھ بے نیت سود حاصل کرے، اور پہلی صورت میں اسے اپنے صرف خاص اور چندہ کی صورت میں ان مصارف مسلمین میں جن کے لئے وہ چندہ وصول کیا گیا تھا صرف کردے تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اوراسے سود لینا کہیں گے یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

---
[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب:

سود حرام قطعی وکبیرہ عظیمہ ہے جس کا لینا کسی حال روا نہیں ہو سکتا مگر حقیقۃً سود لینا ہو یا سود لینے کی نیت کہ ایسا قصد معصیت بھی معصیت ہے اگرچہ فعل واقع میں معصیت نہ ہو جیسے شربت براہ غلط شراب سمجھ کر پینا کہ وہ حقیقۃً حلال سہی پر یہ تو اپنے نزدیک مرتکب گناہ ہوا، اور جہاں نہ حقیقت نہ نیت صرف نام ہی نام ہے وہ بھی بضرورت، تو اسے بالبداہۃ اس معصیت سے کچھ علاقہ نہ رہا **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) پس ریاست خواہ غیر ریاست جس شخص پر جس کا کوئی حق عام یا خاص ہو اور وہ بوجہ مجبوری قانون یا کسی وجہ سے اس طور پر وصول نہ ہو سکے مثلاً تمادی عارض ہے یا مدیون منکر اور گواہ نہیں یا گواہ دیئے کچہری نہ مانی ڈسمس کردی یا کسی نے کچھ رقمیں خلاف شرع اس سے لیں اور یہ انہیں واپس لینے پر قادر نہیں جیسے بنئے نے سود، قاضی نے رشوت وغیرہما اور وہ دوسرے طریقہ ناجائز شرعی کے نام سے ملتا ہو کہ اس میں ممانعت قانونی وغیر موانع نہ ہوں تو اس طریقہ ناجائزہ کے نام کو صرف اس مقدار تک جہاں تک اس کا حق ہے ذریعہ وصول بنانا جبکہ کسی امر ممنوع کی طرف منجر نہ ہو اور قصد ونیت میں اپنا حق لینا ہو نہ اس طریقہ ممنوعہ کا مرتکب ہونا، شرعاً جائز ہے کہ اس صورت میں نہ اس امر ناجائز کی حقیقت نہ اس کی نیت نہ قانونی ممانعت جس سے دنیوی تحفظ کیا جائے ربا وغیرہ امور محرمہ کے معانی ربا و محرمات ہیں، نہ مجرد الفاظ بے معنی، ولہٰذا علماء فرماتے ہیں:

لاربابین المولی وعبدہ لان العبد ومافی یدہ ملك لمولاہ فلا یتحقق الربا[1] وکذا لاربابین شریکی المفاوضۃ وکذا العنان[2] کما فی الھدایۃ والدر وغیرہما من الاسفار الغر۔	مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں ہوتا کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہو وہ مالک کی ملک ہوتا ہے لہٰذا سود متحقق نہیں ہوتا اسی طرح شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دو شریکوں کے درمیان بھی سود نہیں ہوتا جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہ روشن کتابوں میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

[1] الھدایۃ باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

الاصل ان المستحق بجهة اذا وصل الى المستحق بجهة اخرى اعتبر واصلا بجهة مستحقه ان وصل اليه من المستحق عليه[1]۔	قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ایک جہت سے مستحق ہو جب وہ شخص مستحق کو پہنچے دوسری جہت سے تو وہ جہت مستحقہ سے واصل سمجھی جائے گی بشرطیکہ وہ مستحق علیہ کی طرف سے مستحق کو پہنچی ہو (ت)

یہاں تک کہ علماء نے تحصیل مال مباح جس میں پہلے سے اس کا کوئی حق مستقر نہیں بحیلہ نام طرق ممنوعہ مثل ربا وقمار وغیرہما جائز رکھی بشرطیکہ وہ طریقہ صاحب مال کی رضامندی سے برتا گیا یعنی غدر سے پاک وجدا ہو،

كما نصوا عليه فى ربا المستامن و مقامرة الاسير فى ردالمحتار عن السير الكبير و شرحه اذادخل المسلم دار الحرب بامان فلا باس بان ياخذ منهم اموالهم بطيب انفسهم باى وجه كان لانه انما اخذ المباح على وجه عرى عن الغدر فيكون طيبا له والاسير و المستامن سواء حتى لو باعهم درهما بدرهمين او ميتة بدراهم او اخذمالا منهم بطريق القمار فذٰلك كله طيب له[2] اھ ملخصًا۔	جیسا کہ فقہاء نے مستامن کے سود اور قیدی کے جوا کے بارے میں اس پر نص فرمائی ہے، ردالمحتار میں سیر کبیر اور اس کی شرح کے حوالے سے مذکور ہے جب کوئی مسلمان امان لے کر دارالحرب میں داخل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ حربیوں کا مال ان کی رضامندی سے کسی بھی طریقے سے لے کیونکہ اس نے مال مباح ایسے طریقے سے لیا جو کہ دھوکہ سے خالی ہے لہٰذا یہ اس کے لئے حلال ہے، قیدی اور مستامن برابر ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی نے ان پر دو درہموں کے عوض ایک درہم بیچا یا کچھ درہموں کے عوض مردار بیچا یا جوئے کے ذریعے ان کا مال لے لیا تو یہ سب اس کے لئے حلال ہے اھ تلخیص۔ (ت)

اور حضرت امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کفار مکہ سے بنام شرط باجازت حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مال حاصل فرمانا حالانکہ شرط شرعًا روا نہیں، دلیل واضح ہے

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۸

کہ نام ناجائز امر جائز کو ناجائز نہیں کردیتا،

کما افادہ فی الفتح وغیرہ نقلاعن المبسوط مستند لالمذھبنا فی ھذا الباب۔	جیسا کہ مبسوط سے نقل کرتے ہوئے فتح وغیرہ میں اس کا فائدہ دیا ہے اس باب میں ہمارے مذہب سے استدلال کرتے ہوئے۔(ت)

تو احیائے حق ثابت مجرد کسی اسم بے مسمّٰی کے باعث کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے،

ھذا مایعرفہ کل فقیہ والمسئلۃ مسئلۃ الظفر المنصوص علیھا فی الوھبانیۃ والقنیۃ والدر وغیرہا۔	یہ وہ ہے جس کو ہر فقیہ جانتا ہے اور مسئلہ تو مسئلہ ظفر ہے جس پر وہبانیہ، قنیہ اور در وغیرہ میں نص کی گئی ہے(ت)

زیادت ایضاح مقام یہ ہے کہ اصل حکم حقائق پر ہے نہ کہ الفاظ پر، مثلاً اگر کوئی شخص زید سے اپنا آتا ہوا لے اور اس کا نام ربا رکھے تو وہ ربا یا حرام نہ ہوجائے گا یا دو قسم کے قرض ہوں ایک کی قسطوں کے ساتھ دوسرے کا بھی ایک حصہ برضائے مدیون خواہ بحالت انکار بلا رضا لے لیا کرے تو وہ بھی ہر گز ربا نہیں ہوسکتا اگرچہ بلفظ ربا تعبیر کرے کہ حقیقت ربا یعنی **فضل خالی عن العوض مستحق بالعقد** (وہ عوض جو ایسی زیادتی سے خالی ہو جس کا استحقاق بذریعہ عقد ہو۔ت) اس پر صادق نہیں، ہاں اگر یہ اپنی جہالت سے اسے حقیقت ربا سمجھے اور یہی جان کر اس کے لینے کا مرتکب ہو تو اگرچہ سود لینے کا اس پر گناہ نہیں کہ جو اس نے لیا وہ سود عنداللہ نہیں مگر بقصد مخالفت شرع کسی فعل کا کرنا ضرور اس کے حق میں معصیت جداگانہ ہوگا کہ یہ تو اپنے زعم میں حکم الٰہی کا خلاف ہی کررہا ہے، ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر دور سے کسی کپڑے کو زن اجنبیہ سمجھ کر بہ نگاہ بد اس کی طرف نظر کرے گا گنہگار ہوگا اگرچہ واقع میں وہ خالی کپڑا ہے کہ یہ تو اپنے نزدیک نافرمانی خدا پر اقدام کررہا ہے، **میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب البیوع باب مایجوز بیعہ ومالایجوز** میں ہے:

لو نظر انسان الی ثوب موضوع فی طاق علی ظن انہ امرأۃ اجنبیۃ فانہ یحرم علیہ[1]۔	اگر کسی انسان نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر نظر بد سے دیکھا تو یہ اس کے لئے حرام ہے(ت)

اور جب یہ دونوں نہ ہوں تو رہا نرا نام، تو وہ بھی جب بے ضرورت وحاجت محض بطور لہو ولعب وہزل

---

[1] میزان الکبرٰی کتاب البیوع باب مایجوز بیعہ ومالایجوز مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷

ہو مکروہ ہونا چاہئے جیسے اپنی عورت کو ماں یا بہن کہنا کہ اس کا نام رکھنے سے نہ وہ حقیقۃً اس کی ماں بہن ہو جائے گی،

"اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ" [1]	نہیں ہیں ان کی مائیں مگر وہ جنہوں نے ان کو جنا۔ (ت)

نہ اس کی مقاربت میں اس پر اصلاً کوئی مواخذہ کہ اس کہنے سے وہ اس پر حرام نہ ہو گئی،

ابوداؤد فی سننه عن ابی تمیمة الهجیمی ان رجلا قال لامرأته یا اختی فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اختك هی فکره ذٰلك ونهی عنه [2]. قال فی الفتح الحدیث افاد کونه لیس ظهارا حیث لم یبین فیه حکما سوی الکراهة والنهی [3]۔	امام ابوداود نے اپنی سنن میں ابوتمیمہ ہجیمی سے روایت کیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو کہا کہ اے میری بہن، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے، آپ نے اس کی اس بات کو ناپسند جانا اور اس سے منع فرمایا۔ فتح میں کہا کہ حدیث اس قول کے ظہار نہ ہونے کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اس میں ناپسندیدگی اور ممانعت کے سوا کوئی حکم بیان نہیں کیا گیا۔ (ت)

ہاں صرف اتنی قباحت ہو گی کہ اس نے بے کسی ضرورت و مصلحت کے ایک جائز حلال شے کو حرام نام سے تعبیر کیا،

کما قال الله تعالٰی "وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا" [4]۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بیشک وہ بری بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ (ت)

پھر اگر مصلحت ہو تو یہ قباحت بھی نہ رہے گی،

کقول سیدنا ابراهیم علٰی نبینا الکریم وعلیه وعلٰی سائر الانبیاء افضل الصلٰوة	جیسا کہ سیدتنا حضرت سارہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بارے میں سیدنا حضرت ابراہیم کا فرمانا

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] سنن ابوداود کتاب الطلاق باب فی الرجل یقول لامرأته یا اختی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۰۱

[3] فتح القدیر باب الظهار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۹۱

[4] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

والتسلیم لسیدتنا سارۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا انھا اختی [1]۔	کہ بیشک یہ میری بہن ہے، ہمارے نبی کریم، حضرت ابراہیم اور تمام انبیاء کرام پر بہترین درود وسلام ہو۔ (ت)

پھر علماء نے تو یہاں مصلحت اخذ مباح تک معتبر رکھی نہ کہ مصلحت احیائے حق وازالہ مظالم کے بالبداہۃ اس سے ازید واتم ہے اور بالفرض کوئی مصلحت نہ بھی ہو تاہم اس مال کے حل وطیب میں اصلاً شک نہیں،

کما علمت وقد انتظمہ اطلاق قولھم لاربا بین المولٰی وعبدہ ولا بین شریکی المفاوضۃ والعنان کما لا یخفی۔	جیسا کہ تو جان چکا ہے، اور تحقیق فقہاء کے اس قول کا اطلاق اس کو شامل ہے کہ مالک وغلام کے درمیان اور مفاوضہ و عنان کے دو شریکوں کے درمیان کوئی سود نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں ماخوذ منہ کا کافر حربی خواہ محل اخذ کا دارالحرب ہونا ضرور نہیں کما تشھد بہ مسائل المولی والشرکاء (جیسا کہ مالک اور شریکوں کے مسئلے اس پر گواہ ہیں۔ت) صرف انتفائے حقیقت وقصد ربا، درکار ہے کہ اس کے بعد نہ عنداللہ ارتکاب حرام نہ اپنے زعم میں مخالفت شرع پر اقدام، علماء نے کہ مسئلہ حربی میں قید دارالحرب ذکر فرمائی اس کا منشاء اخراج مستامن ہے کہ اس کا مال مباح نہ رہا۔ ردالمحتار میں ہے:

قولہ ثم ای فی دارالحرب قید بہ لانہ دخل دارنا بامان فباع منہ مسلم درھما بدرھمین لایجوز اتفاقا ط عن المسکین [2]۔	ماتن کا قول "وہاں یعنی دارالحرب، یہ قید اس لئے کہ اگر کوئی حربی ہمارے ملک میں امان لے کر داخل ہوا پھر کسی مسلمان نے اس کے ہاتھ ایک درہم دو درہموں کے عوض فروخت کیا تو بالاتفاق ناجائز ہے ط نے مسکین سے نقل کیا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب بخلاف المستامن منھم لان مالہ	مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں کوئی سود نہیں بخلاف حربی مستامن کے کیونکہ

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابو یعلی عن ابی سعید تحت آیہ بل فعلہ کبیرھم منشورات مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۴/ ۳۲۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۸

صار محظورا بعقد الامان اھ[1] ملخصاً۔	عقد امان کی وجہ سے اس کا مال ممنوع ہوگیا اھ تلخیص (ت)

فتح القدیر میں مبسوط سے ہے:

اطلاق النصوص فی المال المحظور وانما یحرم علی المسلم اذاکان بطریق الغدر فاذالم یاخذ غدر فبای طریق اخذہ حل بعد کونہ برضا بخلاف المستامن منھم عندنا لان مالہ صار محظورا بالامان فاذا اخذہ بغیر الطریق المشروعۃ یکون غدرا[2]۔	نصوص کااطلاق ممنوع مال میں ہے حربی کا مال مسلمان پر صرف اس صورت میں حرام ہوتا ہے جب وہ دھوکے سے لے، چنانچہ جب اس نے دھوکہ کے بغیر لیا چاہے جس طریقے سے لیا ہو تو اس کے لئے حلال ہے بشرطیکہ اس حربی کی رضامندی سے لیا ہو۔ بخلاف حربی مستامن کے دارالاسلام میں کیونکہ اس کا مال امان کی وجہ سے ممنوع ہوگیا للہذا اسکو اگر جائز طریقے کے علاوہ لیا ہو تو دھوکہ ہوگا۔ (ت)

بالجملہ حقیقت ربا اموال محظورہ میں متحقق ہوتی ہے کما سمعت انفا (جیسا کہ تو نے ابھی سنا ہے۔ ت) اور مال اصحاب دیون و مظالم بقدر دیون و مظالم محظور اگر جنس حق سے ہو جیسا کہ اکثر صور مستفسرہ میں ہے تو بالاجماع ورنہ علی المفتی بہ لفساد الزمان،

درمختار میں ہے:

لیس لذی الحق ان یاخذ غیر جنس حقہ وجوزہ الشافعی وھو الاوسع[3]۔	صاحب حق کے لئے روا نہیں کہ اپنے حق کی جنس کا غیر لے جبکہ امام شافعی رحمۃ تعالٰی علیہ نے اس کو جائز قرار دیا اور اس میں زیادہ وسعت ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وجوزہ الشافعی قدمنافی کتاب الحجر ان عدم الجواز کان فی زمانھم اما الیوم فالفتوی علی الجواز اھ[4] وفیہ من کتاب الحجر	ماتن کا قول کہ "امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا" ہم اس کو کتاب الحجر میں بیان کرچکے ہیں کہ عدم جوازانکے زمانے میں تھالیکن آج کل فتوٰی جواز پر ہے اھ، اور اسی میں کتاب الحجر

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷
[2] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸
[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳
[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۱

عن العلامة الحموی عن العلامة المقدسی عن جدہ الجمال الاشقر عن الامام الاخصب انہ قال فی شرح القدوری ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان لاسیما فی دیارنا لمداومتھم العقوق[1] اھ۔	میں علامہ حموی سے منقول ہے انہوں نے علامہ مقدسی سے انہوں نے اپنے دادا جمال اشقر سے انہوں نے امام اخصب سے نقل کیا انہوں نے شرح قدوری میں کہا کہ تحقیق غیر جنس سے حق لینے کا عدم جواز ان کے زمانے میں تھا حقوق میں ان کی پاسداری کی وجہ سے جبکہ آج کل فتوٰی جواز پر ہے جب کسی بھی مال سے لینے پر قادر ہو خصوصًا ہمارے شہروں میں بسبب ان کی دائمی نافرمانی کے اھ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

من لہ حظ فی بیت المال ظفر بما وجد لبیت المال فلہ اخذہ دیانۃ[2]۔	جس کا بیت المال میں حق ہو اور اس نے بیت المال کا مال پایا دیانت کے اعتبار سے اس کو لینا جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وللمودع صرف ودیعۃ مات ربھا ولاوارث لنفسہ او غیرہ من المصارف[3]۔	جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہے وہ ودیعت کو اپنی ذات یا دیگر مصارف میں صرف کر سکتا ہے جبکہ ودیعت رکھنے والا فوت ہو گیا ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

عن شرح الوھبانیۃ عن البزازیۃ عن الامام الحلوانی لانہ لو اعطاھا لبیت المال لضاع لانھم	شرح وہبانیہ میں بحوالہ بزازیہ امام حلوانی سے منقول ہے، اس لئے کہ اگر اس نے ودیعت بیت المال کو دے دی تو وہ ضائع ہو جائیگی

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب مسائل شتی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

لایصرفون مصارفه فاذا کان من اهله صرفه الی نفسه وان لم یکن من المصارف صرفه الی المصرف[1] اھ۔	کیونکہ بیت المال والے مصارف میں خرچ نہیں کرتے لہذا اگر وہ خود مصارف میں سے ہے تو اپنی ذات پر صرف کرے اور اگر وہ خود مصارف میں سے نہیں ہے تو کسی اور مصرف میں خرچ کرے اھ (ت)

ان تقریروں سے خوب روشن ہوگیا کہ حاش للہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ہرگز کسی صورت ربا کو حلال نہ ٹھہرایا یہ غیر مقلدوں کا محض افتراء ہے بلکہ ان مواقع میں کہ حکم جواز ہے وجہ یہ کہ وہ ربا ہی نہیں اپنا حق یا کوئی مال مباح ایک ذریعہ جائزہ سے حاصل کرنا ہے اگرچہ بضرورت و مصلحت اس شخص نے اسے کسی لفظ سے تعبیر کیا ہو، ولہذا علماء ان مسائل میں لاربا (کوئی سود نہیں۔ت) فرماتے ہیں نہ لایحل الربا (سود حلال ہے۔ت) **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

تنبیہ: اگرچہ ہمارے کلام سابق سے متبین ہوا کہ مسلم وحربی میں دارالحرب میں نفی ربا بربنائے انتفائے عصمت ووجود اباحت ہے نہ بربنائے انتفائے شرف دار مگر ہم تتمیم فائدہ کو اس مطلب کی مزید توضیح کرتے ہیں **فاقول: وباللہ التوفیق** (پس میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ہے۔ت) اگر اس سے یہ مقصود کہ تحریم محرمات بوجہ شرف دار تھی دارالحرب میں کہ یہ شرف مفقود حرمت مفقود، ولہذا وہاں غصب وربا حلال وموجب ملک ہے تو بداہۃً باطل، احکام الٰہیہ دارٍ دون دارٍ (ایک ملک سوائے دوسرے ملک کے۔ت) پر موقوف نہیں، نہ اختلاف زمین کسی حرام شیئ کو حلال کرسکتا ہے،

فان العباد للہ والبلاد للہ والحکم للہ والملك للہ، "تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ" [2]، وقال اللہ تعالٰی "وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	کیونکہ تمام بندے اور شہر اللہ تعالٰی کے ہیں، حکم اور بادشاہی اللہ تعالٰی کی ہے، برکت والا وہ ہے جس نے حق و باطل میں فرق کرنیوالی کتاب اپنے بندے پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرسنانے والا ہوجائے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جہاں کہیں تم ہو اپنے

[1] ردالمحتار کتاب الزکوۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۱

شَطْرَہٗ "[1] "وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ "[2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجدا و طھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلاۃ فلیصل[3]۔	چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیرلو۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک کرنیوالی بنادیا گیا ہے چنانچہ میری امت کے کسی شخص پر جب نماز کاوقت ہوجائے تو نماز پڑھے (جہاں بھی ہو)۔(ت)

یہاں تک کہ مذہب معتمد میں کفار خود بھی مخاطب بالفروع ہیں

حتی العبادات اداء واعتقادا فیعذبون علی ترک الاداء ایضا لقولہ تعالٰی قالوالم نک من المصلین الی قولہ تعالٰی وکنانکذب بیوم الدین[4]۔	یہاں تک کہ عبادات کی ادائیگی اور اعتقاد کے اعتبار سے چنانچہ ادائیگی چھوڑنے پر بھی ان کو عذاب دیا جائے گا بدلیل اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے کہ وہ کفار کہیں گے ہم نمازی نہیں تھے (اس لئے عذاب میں مبتلا ہیں) اللہ تعالٰی کے ارشاد " اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے "تک (ت)

آخر دارالحرب میں غدر بالاجماع حرام یونہی زنا لعدم جریان الاباحۃ فی الابضاع (کیونکہ شرمگاہوں میں اباحت جاری نہیں ہوتی۔ت) فتح میں مبسوط سے بعد عبارت مذکورہ منقول،

وبخلاف الزنا ان قیس علی الربا لان البضع لا یستباح بالاباحۃ بل بالطریق الخاص اما المال فیباح بطیب النفس بہ واباحتہ[5]۔	بخلاف زنا کے اگر اس کو سود پر قیاس کیا جائے کیونکہ فرج (شرمگاہ) اباحت سے مباح نہیں ہوتی بلکہ خاص طریقے (نکاح) سے، رہا مال تو وہ خوشدلی سے دینے کے سبب سے اور اباحت سے مباح ہوجاتا ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱ و ۴/ ۹۱

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلوٰۃ باب اینما ادرکتک الصلوٰۃ دار صادر بیروت ۲/ ۴۳۳

[4] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۳ تا ۴۶

[5] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

ولہذا مسلم مستامن سے عقد ربا قطعًا حرام اگرچہ شرف دار منتفی ہے **لوجود العصمۃ** (عصمت کے پائے جانے کی وجہ سے۔ت) اور مسلم غیر مہاجر سے حلال **لانعدام العصمۃ** (عصمت کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ت) درمختار میں ہے:

وحکم من اسلم فی دار الحرب ولم یھاجر کحربی فللمسلم الربٰو معہ خلافا لھما لان مالہ غیر معصوم فلو ھاجر الینا ثم عاد الیھم فلا ربا اتفاقا، جوھرۃ[1]۔	جو شخص دارالحرب میں اسلام لایا اور ہجرت نہ کی اس کا حکم حربی والا ہے یعنی مسلمان اس سے سود لے سکتا ہے بخلاف صاحبین کے، کیونکہ اس کا مال معصوم نہیں، اگر وہ ہجرت کرکے ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں آگیا پھر ان کی طرف یعنی دارالحرب میں لوٹ گیا تو اب بالاتفاق سود نہیں (یعنی سود جائز نہیں) جوہرہ (ت)

تو ہر زمین و بقعہ بالیقین محل جریان احکام الٰہیہ جل وعلا ہے ہاں احکام قضا دارالحرب بلکہ دار البغی میں بھی بسبب انقطاع ولایت نافذ نہیں ان کے عدم سے حلت وحرمت فی نفسہا مختلف نہیں ہو سکتی، ولہذا علماء نے جہاں حکم قضا کی نفی فرمائی اس کے ساتھ ہی حکم دیانت کا اثبات فرمایا،

فی الدر ادانہ حربی او بعکسہ او غصب احدھما صاحبہ وخرجا الینا لم نقض لاحد بشیئ ویفتی المسلم برد المغصوب دیانۃ لاقضاء لانہ غدر، وکذا الحکم فی حربیین فعلا ذٰلك ثم استامنا لما بینا اھ[2] ملخصا۔	درمختار میں ہے: حربی نے مستامن کو مدیون کیا یا اس کے برعکس یعنی مسلمان مستامن نے حربی کو مدیون کیا یا ان میں سے ایک نے دوسرے کا مال غصب کیا اور دونوں ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں نکل آئے تو ہم ان میں سے کسی کیلئے کسی شے کا حکم نہیں کرینگے اور مسلمان کو رد مغصوب کا فتوی دیا جائیگا دیانت کے اعتبار سے نہ کہ قضاء کے اعتبار سے، کیونکہ دین کی عدم ادائیگی دھوکہ ہے، اور یہی حکم ان دو حربیوں کا ہے جنہوں نے فعل مذکور کیا پھر (دارالاسلام میں داخل ہوکر) مستامن ہوگئے اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم نے بیان کیا اھ تلخیص (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لان القضاء یستدعی الولایۃ ویعتمدھا	کیونکہ قضاء ولایت کا تقاضا کرتی ہے اور اس پر

[1] درمختار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

[2] درمختار باب المستامن مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۶

ولاولایۃ وقت الادانۃ اصلا اذلا قدرۃ للقاضی فیہ علی من ھو فی دار الحرب [1] الخ۔	اعتماد کرتی ہے جبکہ ادانت (مدیون بناتے) وقت کی ولایت تو یہاں بالکل نہیں کیونکہ اس میں قاضی کو اس شخص پر قدرت نہیں جو دارالحرب میں ہے الخ (ت)

پس ثابت ہوا کہ کوئی حرام بوجہ انتفائے شرف دار حلال نہیں ہوسکتا اور دارالحرب میں کسی شے کی حلت فی نفسہ اس کی حلت ہے کہ باختلاف دار مختلف نہ ہوگی، رہا وہاں امور مذکورہ کا حلال ہونا وہ ہرگز اس بناء پر نہیں کہ یہ محرمات وہاں حلال ہیں بلکہ وجہ یہ کہ ان محرمات کی حقیقت عصمت ومحظوریت پر مبنی **کمانص علیہ فی المبسوط کما تقدم** (جیسا کہ اس پر مبسوط میں نص کی گئی ہے جیسے گزر چکا ہے۔ت) اور وہ وہاں معدوم تو حقیقۃً ان کی حقیقت ہی ان صورتوں میں منتفی اگرچہ مجرد صورت و اسم باقی ہو اور حکم حقیقت پر ہے نہ کہ اسم وصورت پر **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور اگر یہ مقصود کہ امور مذکورہ اگرچہ حقیقۃً محرمات نہیں مگر دارالاسلام میں بوجہ شرف دار ان کا صرف نام وصورت ہی حرام، تاہم بالیقین باطل کہ بداہۃً مدار احکام حقائق ہیں نہ کہ اسم بے مسمّٰی، ورنہ معاملہ مولی وعبد وشرکاء مفاوضہ وشرکاء عنان کہ اسم مجرد وہاں بھی موجود، ہرگز جائز نہ ہوتا، نہ مسئلہ ظفر بالحق میں اخذ بالجبر واخذ خفیۃ کی اجازت ہوتی کہ صورت غصب وسرقہ یقینا ہے گو حقیقت بوجہ عدم محظوریت منتفی صورت سرقہ کا جواز تو عبارات سابقہ میں گزرا اور صورت غصب کی حلت یہ ہے:

قال فی الدر وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ [2]۔	در میں کہا جواز کا حیلہ یہ ہے کہ دائن اپنے فقیر مدیون کو اپنی زکوٰۃ دے پھر دین کے عوض اس سے وہی دی ہوئی زکوٰۃ لے لے اگر مدیون رکاوٹ ڈالے تو اسکا ہاتھ پکڑے اور جبراً لے لے کیونکہ یہ اپنے حق کی جنس وصول کرنے پر کامیابی ہے۔ (ت)

وبالجملہ یہ دونوں مقدمے کہ دارالحرب حرام کو حلال نہیں کرتی اور دارالاسلام کسی ایسے اسم بے مسمّٰی کو حرام نہیں فرماتی، تصریحات بے شمار سے واضح آشکار، تو مانحن فیہ میں تفرقہ بین دار ودار کی طرف کوئی سبیل نہیں۔ یونہی صورت غصب و سرقہ ونام عقد فاسد سے فرق ناممکن کہ اگر مجرد العلم وصورت محرم ہو تو غصب وسرقہ کیوں محرم نہ ہوئے اور نہ ہو تو نام عقد فاسد کیوں حرام کرنے لگا بلکہ غصب وسرقہ تو عقد فاسد سے اشد واخبث ہیں کہ یہ بعد

---

[1] تبیین الحقائق باب المستامن المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۳/ ۲۶۶

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

قبض مفید ملک ہو جاتے ہیں اگرچہ بروجہ خبیث، اور وہ اصلاً مورث ملک نہیں، ھذاماعندی والعلم بالحق عند ربی (یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پرودگار کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۴۱: از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپے بکر سے مدت معینہ پر قرض لئے اور وقت روپیہ لینے کے کچھ ذکر سود وغیرہ کا نہ ہوا بلکہ زید نے صاف کہہ دیا کہ بلا سودی لیتا ہوں اور وقت دینے روپے کے کچھ اور روپے بدلے اس کے احسان کے زیادہ کردیئے، تو یہ روپے جو زیادہ دیئے یہ سود میں داخل ہیں یا طریقہ سنت کا ہے یا مستحب ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ زیادہ دینا نہ لفظاً موعود نہ عادۃً معہود، تو معنی ربا یقیناً مفقود خصوصاً جبکہ خود لفظوں میں نفی ربا کا ذکر موجود، بلکہ یہ صرف ایک نوع احسان وکرم ومروت ہے اور بیشک مستحب وثابت بہ سنت

لحدیث صحیح البخاری وصحیح مسلم وعن جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکان لی علیہ دین فقضانی وزادنی [1] (ملخصا) ولحدیثھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان لرجل علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سن من الابل فجاءہ یتقاضاہ فقال اعطوہ فطلبوا سنہ فلم یجدوا لہ الاسنا فوقھا	صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کی وجہ سے کہ سیدنا حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا میرا آپ پر کچھ قرض تھا آپ نے وہ ادا فرمادیا اور کچھ زیادہ بھی مجھے عنایت فرمایا۔ اور ان دونوں کی اس حدیث کی وجہ سے کہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص کا نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایک عمر کا اونٹ قرض تھا وہ شخص خدمت اقدس میں آیا اور قرض کا تقاضا کرنے لگا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو اونٹ دے دو،

[1] صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب حسن القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۲

فقال اعطوہ فقال اوفیتنی او فاك الله فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان خیارکم احسنکم قضاء [1] و لحدیث قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوزان زن و ارجح [2] رواہ احمد والاربعۃ وابن حبان والحاکم عن سوید بن قیس العبدی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال الترمذی حسن صحیح وقال الحاکم صحیح وھذا الوزان فی مکۃ و رواہ الطبرانی فی الاوسط [3] وابو یعلی فی المسند وابن عساکر عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وھذا الوزان فی المدینۃ۔	تلاش کرنے پر اس کے اونٹ جیسا اونٹ نہ ملا مگر اس سے بہتر عمر کا اونٹ ملا، تو آپ نے فرمایا کہ یہی اونٹ اس شخص کو دے دو، اس شخص نے کہا آپ نے مجھے بھرپور عطا فرمایا اللہ تعالٰی آپ کو بھرپور عطا فرمائے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو فرض کی ادائیگی میں تم سے بہتر ہے۔ اور اس حدیث کی وجہ سے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وزن کرنیوالے سے فرمایا کہ وزن کر اور ترازو کو جھکا (یعنی قدرے زیادہ دے) اس کو امام احمد، سنن اربعہ، ابن حبان اور حاکم نے سوید بن قیس عبدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، امام ترمذی نے کہا یہ حسن صحیح ہے۔ امام حاکم نے کہا یہ صحیح ہے اور یہ وزن کرنے والا مکہ مکرمہ میں تھا، اور اس کو طبرانی نے معجم اوسط میں، ابو یعلٰی نے مسند میں اور ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور یہ وزن کرنے والا مدینہ منورہ میں تھا۔ (ت)

مگر محل اس کا وہاں ہے کہ یا تو وہ زیادت قابل تقسیم نہ ہو مثلاً ساڑھے نو روپے آتے تھے دس پورے دیئے کہ اب بقدر نصف روپے کی زیادتی ہے اور ایک روپیہ دو پارہ کرنے کے لائق نہیں یا قابل تقسیم ہو تو جدا کرکے دے، مثلاً دس آتے تھے وہ دے کر ایک روپیہ احساناً الگ دیا ان صورتوں میں وہ زیادتی بکر کے لئے حلال ہوجائے گی، اور اگر قابل تقسیم تھی اور یوں ہی مخلوط و مشاع دی مثلاً دس آتے تھے گیارہ یکمشت دیئے دس آتے میں اور ایک احساناً تو نہ ہبہ صحیح ہوگا نہ بکر اس زیادت کا مالک۔ عالمگیری میں ہے:

رجل دفع الی رجل تسعۃ دراہم وقال	ایک مرد نے دوسرے کو نو درہم دیئے اور کہا

[1] صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب حسن القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سوید بن قیس رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۴/ ۳۵۲، جامع الترمذی ابواب البیوع ۱/ ۱۵۶ والمستدرك کتاب البیوع ۲/ ۳۰

[3] المعجم الاوسط حدیث ۶۵۹۰ المکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۳۰۷

ثلثة قضاء من حقك وثلثة ہبة لك وثلثة صدقة فضاع الكل يضمن ثلثة الهبة لانها ہبة فاسدة ولايضمن ثلثة الصدقة لان صدقة المشاع جائزة الا فی رواية كذا فی محيط السرخسی[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تین تیرے حق کی ادائیگی ہیں تین تیرے لئے ہبہ اور تین صدقہ ہیں، پھر سب ضائع ہوگئے تو ہبہ کے تین درہموں کا وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ فاسد ہبہ ہے اور صدقہ کے تین درہموں کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ صدقہ مشاع جائز ہے سوائے ایک روایت کے، محیط سرخسی میں یونہی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲ تا ۱۴۴: از موضع دیورنیاں

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سود دینا مسلمان کو درست ہے یانہیں؟

(۲) ہنود سے سود لینادرست ہے یانہیں؟

(۳) دستاویز میں سود تحریر کرانا اگرچہ اس کے لئے نیت نہ ہو جائز ہے یانہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

(۱) ہر گزدرست نہیں مگرجب کوئی خاص ضرورت شدیدہ ہو جسے شرع بھی ضرورت مانے اور بغیر سود دیئے چارہ نہ ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ہندو مسلمان کسی سے درست نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) نادرست کہ جھوٹی تہمت گناہ اپنے اوپر لگانی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۵: از شہر کہنہ ۲۹جمادی اولٰی ۱۳۱۴ھ

ایک موضع کے اسامیان کو کچھ غلہ بغرض تخم ریزی کے دیا گیااور اس غلہ کا بہ نرخ بازار روپیہ اسامی کے ذمہ قائم کردیاگیامگر اس وقت میں اسامی سے یہ امر طے نہ کیاگیاکہ کس نرخ سے بحساب فی روپیہ غلہ جوآئندہ پیدا ہوگا وہ اس اسامی سے لیا جائیگا، فصل پر وہ غلہ یعنی ساٹھی سترہ سیر کی فروخت ہوئی اور اب تیرہ سیر کی فروخت ہوتی ہے اور اسامی سے فصل پر بحساب ۲۵سیر فی روپیہ ساٹھی لی گئی،آیایہ کارروائی جائز ہوئی یاناجائز؟اگر ناجائز ہے توکیاطریقہ برتاجائے اور کس نرخ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۹

سے غلہ لیا جائے کہ وہ جائز ہو؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر اس وقت کوئی ناجائز عقد نہ ہوا تھا، نہ بعد کو کسی جبر وتعدی سے آسامی نے دیا بلکہ بخوشی سترہ سیر کے حساب سے غلہ ان روپوں کا دے دیا تو لینا جائز ہے ورنہ حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۴۶: ۸ رمضان المعظم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ کفار کے خزانہ میں جمع کیا جائے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

سود لینا قطعاً حرام ہے، اللہ عزوجل نے مطلقاً فرمایا:

"وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"[1]	اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

اس میں رب العزت جل جلالہ نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں سے سود لینا حرام اور فلاں سے حلال ہے بلکہ مطلقاً حرام فرمایا، اور وہ مطلقاً ہی حرام ہے کافر سے ہو خواہ مسلم سے۔ ہاں اپنا کسی پر آتا ہوا یا اور کوئی مال جائز شرعی کسی حیلہ شرعیہ سے حاصل کرنا دوسری بات ہے **والتفصیل فی فتاونا** (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۷: از مارہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ۱۴ رجب ۱۳۱۶ھ

بنک سے سود لینا جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب:

سود لینا مطلقاً حرام ہے، **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"**[2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۸: ۸/ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عہ ۱۰ روپے کا مال اپنے روپیہ سے عمرو کو دلوادیا اور کہا کہ میں تم سے لہ عہ ۱۱/ لوں گا اس میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب:

نرا سود اور حرام ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۹: ازاوجین مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خان صاحب ۲۴/ شعبان ۱۳۱۵ھ

جب جنس و قدر دونوں پائے جائیں تو امام اعظم کے نزدیک نسیہ و فضل دونوں حرام ہیں تو اگر کوئی ایک من گیہوں ایک من گیہوں سے دست بدست بیچے تو اس تجارت میں بائع و مشتری کو کیا فائدہ ہوا اور اس سے یہ بھی پایا گیا کہ کسی کو گیہوں یا جو یا جوار یا چنا وغیرہ کی ضرورت پڑی اور اس نے اس سے کہا کہ مجھ کو ایک من گیہوں وغیرہ بطریق ادھار دے دے میں تجھ کو چند روز میں دے دوں گا تو یہ بھی سود میں داخل ہوگیا اور یہ ضرورت ہر کس و ناکس کو پیش آتی ہے اس مسئلہ میں جو حکم تحقیق ہو بیان فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

قرض تو ایک دوسرا عقد ہے بیع کے سوا جسے شرع مطہر نے حاجات ناس کے لئے جائز فرمایا غلہ کیا، بڑا قرض تو روپے کا ہوتا ہے روپیہ خود اموال ربویہ سے ہے کہ روپے کے عوض روپیہ یا چاندی ہو تو قدر و جنس دونوں موجود اور فضل و نسیہ دونوں حرام مگر روپیہ قرض لینا جائز ہی ہے اور خود غلہ قرض لینا صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ" [1] الآیۃ۔	اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ (ت)

اور اموال ربویہ میں شرع مطہر نے وصف کا اعتبار ساقط فرمایا ہے ولہٰذا ان کا جید وردی یکساں ہے اور اختلاف اوصاف اختلاف اغراض وحاجات ناس کا باعث ہوسکتا ہے مثلاً ایک قسم کی چیز زید کو مطلوب ہے اس کے پاس اس قسم کی نہیں دوسری قسم کی ہے اور اس قسم کی شیئ عمرو کے پاس ہے اسے اس قسم کی مطلوب ہے جو زید کے پاس ہے تو باہم دست بدست یکساں برابر مبادلہ کرکے ہر ایک اپنے مطلوب کو پہنچ سکتا ہے معہذا یہ صورت بھی ہے کہ مثلاً زید کے منہ سے قسم نکل گئی کہ یہ گیہوں جو اپنے پاس ہیں نہ کھائے گا اب اگر وہ ان گیہوں کو عمرو کے گندم سے دست بدست برابر بدل لے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

توقسم بھی پوری ہوگی اور کوئی حرج بھی لازم نہ آئے گا۔علاوہ بریں شرع نے دست بدست برابر بیع کرنا واجب تو نہ کیا یہ فرمایا ہے کہ اگران چیزوں کی باہم بیع کرنی ہو تویوں کرو جسے نہ کرنی ہو نہ کرے کوئی شرعی ایجاب تو نہیں۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۰: ازلاہور مسجد بیگم شاہی مرسلہ مولوی احمد الدین صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ اس ملک میں اہل ہنود سے بیاج لینا جائز ہے یانہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ نصارٰی سے بوجہ اہل کتاب ہونے کے بیاج لینا نادرست ہے،ایسے خیال والوں کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود مطلقًا حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔(ت)

ہاں جومال غیر مسلم سے کہ نہ ذمی ہونہ مستامن بغیر اپنی طرف سے کسی غدر اور بدعہدی کے ملے اگرچہ عقود فاسدہ کے نام سے اسے اسی نیت سے نہ بہ نیت ربا وغیرہ محرمات سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ دینے والا کچھ کہے یا سمجھے کہ اسکے لئے اس کی نیت بہتر ہے نہ کہ دوسرے کی،**لکل امرئ مانوی** [2] (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) پھر بھی جس طرح برے کام سے بچنا ضرور ہے برے نام سے بچنا بھی مناسب ہے **ایاك وبالسوء الظن** (بدگمانی سے بچ۔ت)ان تمام احکام میں مشرک ومجوسی وکتابی سب برابر ہیں جبکہ نہ ذمی ومستامن ہوں نہ غدر کیا جائے بلکہ یہی شرط کافی ہے کہ ان دونوں کو بھی حاوی ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: ازقصبہ حسن پور ضلع مرادآباد مرسلہ محمد شیر علی خان مورخہ ۷ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بدیں امر کہ ہر دوفریق کہ باہمی رضامندی پر سود (بیاج) کہاں تک جائز ہے یانہیں،اور اگر نہیں تو کس صورت میں اور کیوں؟ مفصل تحریر فرمایئے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح البخاری کتاب الایمان باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

الجواب:

اگر باہمی رضامندی سے سود جائز ہوسکے گا تو زنا بھی جائز ہوسکے گا اور سور بھی جائز ہوسکے گا جبکہ سور کا مالک اس کے کھانے پر راضی ہو، اللہ ورسول کے غضب میں کسی کی رضامندی کو کیا دخل، صحیح حدیث میں ہے فرمایا کہ سود کھانا تہتر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ کیا باہمی رضامندی سے ماں کے ساتھ ۷۳ بار زنا جائز ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۲: از شہر بانس منڈی مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سود کیا چیز ہے اور کس کس صورت میں سود ہوجاتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق قرار پایا ہو سود ہے مثلاً سو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرالیا کہ پیسہ اوپر سولے گا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے لہذا سود حرام ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۳: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ اختر حسین طالبعلم ۵/صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی پنواڑی یا سرمہ فروش کو دس یا پانچ روپے کوئی شخص دے اور اس سے کہے کہ جب تک میرا روپیہ تمہارے ذمہ رہے مجھے پان بقدر خرچ روزانہ کے دیا کرو اور جب روپیہ واپس کردوگے تو مت دینا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو جواز کی کون سی صورت ہے؟

الجواب:

یہ صورت خاص سود اور حرام ہے، سود کے جواز کی کوئی شکل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۴ تا ۱۵۵: از بریلی مسئولہ عزیز الدین خاں سوداگر ۲۷/شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک مسلمان اور ایک ہندو کو دس روپیہ کا نوٹ دیا آیا ہندو مسلمان دونوں سے اس کا نفع جو قرار پایا ہے لیا جائے گا یا نہیں؟

(۲) ہندو سے نقد قرض سودی لینا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ یا کچھ زیور رکھ کر روپیہ سودی لینا مسلمان کو ہندو سے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) دس کا نوٹ اگر زیادہ کو بیچا تو ہندو مسلمان دونوں سے لینا جائز اور اگر قرض دیا اور زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے حرام قطعی اور ہندو سے جائز جبکہ اسے سود سمجھ کر نہ لے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) سود جس طرح لینا حرام ہے یونہی دینا بھی حرام جب تک سچی حقیقی مجبوری نہ ہو، زیور اگر اپنا ہے تو اسے رہن رکھ کر سودی روپیہ نکلوانا حرام کہ یہ مجبوری نہ ہوئی، زیور بیچ کیوں نہیں ڈالتا، اور اگر دوسرے سے رہن رکھنے کے لے مانگ کر لیا ہے اور پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے بیچ کر کام نکال سکے اور قرض لینے کی سچی ضرورت و مجبوری ہے تو جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۶: از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی صاحب ۵/ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ میں فصل پر گندم ۱۵ما/ دوں گا اور خالد نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ جو نرخ بازار فصل پر ہوگا اس نرخ سے دس روپیہ کے گندم دوں گا، بکر نے کہا میرے پاس اس وقت روپیہ نہیں ہے تم دونوں شخص دس دس روپیہ کے گندم جو اس وقت (۱۰ما/) کا نرخ لے جاؤ۔ دونوں شخص رضامندی سے گندم حسب شرائط بالا لے گئے اور فروخت کرکے دس دس روپے اپنے صرف میں لائے، اب زید کو فصل پر فی روپیہ (۱۵ما/) گندم حسب وعدہ اور خالد کو فی روپیہ (۱۲ما/) گندم نرخ بازار دیتے ہوئے یہ بیع جائز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر بکر خالد کو روپیہ حسب شرائط بالا یعنی جو فصل پر نرخ ہوگا دوں گا دیتا تو جائز ہوتا یا نہیں؟

الجواب:

یہ صورت حرام قطعی اور خالص سود ہے، ڈھائی من گیہوں جو اس نے دیئے ان سے زیادہ لینا حرام حرام حرام۔ اور اگر روپیہ دیتا تو اس میں دو صورتیں تھیں، روپیہ قرض دیتا اور یہ شرط ٹھہرالیتا کہ ادا کے وقت گیہوں دیں تو یہ شرط باطل تھی، زید و خالد پر صرف اتنا روپیہ ادا کرنا تھا اور اگر گیہوں کی خریداری کرتا اور روپیہ پیشگی دیتا تو یہ صورت بیع سلم کی تھی اگر اس کے شرائط پائے جاتے جائز ہوتی ورنہ حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از شاہجہاں پور محلّہ خلیل مرسلہ حاجی محمد اعزاز حسین خان صاحب ۱۶/ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اشتہار دیا ہے کہ میں ایک روپیہ میں تیس روپیہ کی گھڑی دیتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ جو شخص میرا ٹکٹ ایک روپیہ کو خریدے اس کے نام پانچ ٹکٹ میں بھیجوں گا جب وہ پانچ ٹکٹ پانچ روپیہ کو فروخت کرکے وہ پانچ روپیہ مع ان کے پانچ خریداروں کے

ناموں کے میرے پاس بھیج دے پھر میں ان پانچوں خریداروں کے پاس پانچ پانچ ٹکٹ بھیجوں گا جبکہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے مبلغ پچیس روپیہ میرے پاس بھیج دیں گے تو میں تیس روپیہ کی گھڑی اس مقدم الذکر شخص کے پاس بھیج دوں گا اور پھر وہ شخص اشتہار دینے والا ان پچھلے پچیس خریداروں میں سے ہر ایک کے نام پانچ پانچ ٹکٹ بھیج دے گا جبکہ یہ اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے روپیہ اس کے پاس بھیج دیں گے جب وہ ان پانچ شخصوں کے پاس تیس تیس روپیہ کی گھڑی بھیجے گا جنھوں نے مقدم الذکر شخص سے ٹکٹ خریدے تھے غرضکہ اسی سلسلہ میں جبکہ اس کے پاس تیس روپیہ پہنچتے جائیں گے تو وہ حسب ترتیب ایک شخص کو گھڑی بھیجتا رہے گا، تو ہر شخص کو گھڑی ایک روپیہ میں ملے گی مگر بایں شرط کہ اس کے ذریعہ سے تیس روپیہ کے ٹکٹ اس شخص کے فروخت ہو جائیں اور وہ ٹکٹ دراصل بطور ایک سند و وثیقہ خریداری کے ہیں کیونکہ اس ٹکٹ پر لفظ کوپن اس نے لکھا ہے جس کا ترجمہ سودی اقرار نامہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ ٹکٹ مبیعہ نہیں بلکہ اقرار نامہ ہے اس بات کا کہ بعوض ایک روپیہ تیس روپیہ کی شے اشیاء مبیعہ سے جس کی وہ خریدار درخواست کرے بلحاظ شرائط مذکورہ و مندرجہ اشتہار ملے گی، پس اس معاملہ مذکورہ سے کسی شے کا لینا شرعًا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو یہ عقد عقد بیع ہے یا کیا؟ اور اگر بیع ہے تو اس میں کوئی دوسرا عقد مثل توکیل و دلالی واخذ اجرت وغیرہ مندرج ہے یا نہیں، اور ثمن وہ ایک روپیہ ہے یا مع اس زیادتی مذکورہ کے، اگر مع زیادتی ہے تو یہ بیع بطریق بیع چھٹی مروجہ ممنوعہ شرعیہ کے معنی میں ہوگی گو ایک لخت سب چھٹی نہ ہوں متفرقا متفرقا ہوں یا اس معنی میں نہیں، پھر یہ بیع باندراج شرائط مذکورہ بالا جائز ہوگی یا نہیں بحوالہ شرعیہ دلائل معتبرہ جواب مرحمت فرمایا جائے اور نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ہمرشتہ سوال ہذا ہے بینوا اللہ توجروا عنداللہ۔

نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہے: قیمتی تیس روپیہ صرف ایک روپیہ کو لندن واچ کمپنی کمرشیل بلڈنگ لکھنؤ سونے چاندی یا دھات کی جیبی گھڑیاں کلاک اور زیور وغیرہ تم کو یہ سند ملے گی جس کے واسطے تم نے صرف ایک روپیہ خرچ کیا ہے اور ان ٹکٹوں کو جو کہ ان میں شامل ہیں ایمان کے ساتھ فی ٹکٹ ایک روپیہ فروخت کرو اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں میں ان میں سے ٹکٹ فروخت کرو جس قدر کہ تم سے ہوسکے، اور پھر جب تم اس سند کو مع اس روپیہ کے جو تم نے فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجوگے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم کو ایک چیز ان چیزوں میں سے جو کہ اوپر بیان کی گئیں جس کے تم مستحق ہوگے (ہماری فہرست نمونہ کی دیکھ لو) جبکہ شرائط مفصلہ ذیل پوری ہوں گی ہم بھیجیں گے، شرط اول تم ہمارے پاس نام اور پتہ صاف قلم سے ان شخصوں کے جسکے ہاتھ تم نے ٹکٹ

فروخت کئے ہیں بھیجو گے۔ شرط دوسری ان میں سے ہر ایک شخص سے ہم بذریعہ تحریر کے دریافت کریں گے اپنے اطمینان کے واسطے کہ آیا تم نے ان شخصوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے یا نہیں۔ تیسری شرط وہ شخص ہمارے پاس اپنی سند مع اس روپیہ کے جو کہ انہوں نے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجیں گے، اگر تم یا تمہارے دوست پانچوں ٹکٹ نہ فروخت کرسکیں تاہم تم ہماری ایک چیز کے عمدہ چیزوں میں سے مستحق ہوگے اگرچہ چار یا تین یا دو یا صرف ایک ہی ٹکٹ بموجب شرائط بالاکے فروخت ہوا ہو خوب غور کرلو کہ تم صرف ایک روپیہ اپنی جیب سے خرچ کرکے اس کے عوض میں بموجب شرائط بالاکے اپنے آپ کو مستحق کرتے ہو خالص سونے کی جیبی گھڑی کا یا کلاک کا جس کی قیمت تیس روپیہ ہوگی ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ ایمانداری کروگے ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں ہمارے مال میں سے جس چیز کو جی چاہے بموجب نمونہ کی فہرست کے ہندوستان، برما، سیلون میں جانچ کراکے اطمینان کرالو۔

ترجمہ اس ٹکٹ کا جو ایک روپیہ کو فروخت ہوتا ہے: تیس روپیہ کی قیمت کا مال صرف ایک روپیہ کو خریدنے والے کو اس ٹکٹ کے ایک سند مع پانچ ٹکٹوں کے ملے گی جن کو کہ فی ٹکٹ اس کو ایک روپیہ میں فروخت کرنا چاہئے بعدہ ہمارے پاس اس کی قیمت یعنی پانچ روپیہ وصول شدہ بذریعہ منی آرڈر یا چک کے بھیجنا چاہئے اور تقسیم کرنا چاہئے جیسا کہ سند پر لکھا ہے ٹکٹ کے لفظ کو کوپن لکھا ہے جس کا ترجمہ ڈکشنری میں سودی اقرار نامہ لکھا ہے، **فقط**۔

الجواب:

معاملہ مذکورہ محض حرام و قمار، ہزاراں ہزار محرمات بے شمار کا تودہ وانبار، بلکہ حراموں کا سلسلہ ناپیدا کنار، طرفہ اختراع ابلیس مکار ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے کچھ دشمن بنائے شیطان آدمی اور جن کہ ایک دوسرے کے دل میں جھوٹی بات ملمع کی ہوئی ڈالتے ہیں ایک تو فریب دینے کو (اور تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو تو چھوڑ دے انہیں اور ان کے باندھنے جھوٹ کو) دوسرے اس لئے کہ جھک آئیں اس باطل کی طرف ان کے دل

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾"[1]	جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور اس کے ذریعہ سے کمالیں جو انہیں کمانا ہے۔

آخرت میں وبال وعذاب اور دنیا میں، مثلاً صورت مسئولہ میں کوئی روپے اور کوئی گھڑی یا گہنا وغیرہ اور کوئی "خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ"[2] (دنیا وآخرت میں اس نے گھاٹا پایا۔ت) کہ روپیہ گیا اور کچھ نہ ملا،

"قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾"[3]	اے نبی! تو ان لوگوں سے فرما کیا اللہ نے تمہیں اس کی پروانگی دی ہے یا خدا پر بہتان اٹھاتے ہو۔

یعنی پروانگی تو ہے نہیں ضرور افتراء ہی ہے،

"اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ"[4]	کیاان کے لئے کچھ ساختہ خدا ہیں جنہوں نے ان کو وہ دین گھڑ دیا جس کی اجازت اللہ نے نہ دی۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو شیطان کے فریب سے بچائے، آمین! اس اجمال کی تفصیل مجمل یہ ہے کہ حقیقت دیکھئے تو معاملہ مذکورہ بنظر مقاصد ٹکٹ فروش وٹکٹ خراں ہر گز بیع وشرا وغیرہ کوئی عقد شرعی نہیں بلکہ صرف طمع کے جال میں لوگوں کو پھانسنا اور ایک امید موہوم پر پانسا ڈالنا ہے اور یہی قمار ہے، پر ظاہر کہ اس طمع دلائی ہوئی گھڑی یا گہنے وغیرہ کی خرید وفروخت کا تو اصلاً نہ ذکر نہ اس شیئ کی جنس ہی متعین، بلکہ تاجر کہتا ہے جب ایسا ہوگا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو ایک چیز ان چیزوں سے بھیجیں گے، یہ وعدہ ہے اور بیع عقد، اور وعدہ وعقد میں زمین وآسمان کا بعد۔ اب رہی سند اور ٹکٹ، سند تو خود مع قیمت واپس مانگتا ہے اور بیع میں مبیع مع قیمت واپس ہونے کے کوئی معنی نہیں علماء نے صبی لایعقل البیع والشراء (وہ بچہ جو بیع وشراء کی سمجھ نہیں رکھتا۔ت) کی پہچان لکھی کہ چیز لے کر پیسہ بھی واپس مانگنے لگے فیعلم انك لایعرف معنی المبادلة وما البیع الا المبادلة (پس معلوم ہوگیا کہ وہ مبادلہ کا معنی نہیں جانتا اور بیع تو ہے ہی مبادلہ۔ت) ہاں ٹکٹ کی بیع کا نام لیا مگر اس پر وہ عبارت چھاپی جس نے صاف بتادیا کہ یہ مبیع نہیں ایک

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۳-۱۱۲
[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱
[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹
[4] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۱

اقراری سند ہے جس کے ذریعہ سے ایک روپے والا بعد موجود شرائط تیس روپے کا مال تاجر سے لے سکے گا اگر ٹکٹ ہی بکتا تو خریدار کیا ایسے احمق تھے کہ روپیہ دے کر دوانگل کا محض بیکار پرچہ کاغذ مول لیتے جسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا، لاجرم بیع وغیرہ سب بالائے طاق ہے بلکہ تاجر تو یہ سمجھا کہ مفت گھر بیٹھے میرے مال کی نکاسی میں جان لڑا کر سعی کرنیوالے ملک بھر میں پھیل جائیں گے اور محض بے وقت منہ مانگے دام پے درپے آیا کرینگے نوکر دام لے کر کام کرتے ہیں اور غلام بے دام، مگر یہ ایسے پھنسیں گے کہ آپ دام دیں گے اور میرا کام کرینگے انسان کسی امر میں دو ہی وجہ سے سعی کرتا ہے خوف یا طمع، یہاں دونوں مجتمع ہوں گے، ایک کے تیس ملنے کی طمع میں جس نے ایک ٹکٹ لے لیا اس پر خواہی نخواہی لازم ہوگا کہ جہاں سے جانے پانچ احمق اور پھانسے چھ تو یہ نقد بلا معاوضہ آئے اب وہ نو گرفتار پانچ میں ہر ایک اسی تیس کی طمع اور اپنا روپیہ مفت مارے جانے کے خوف سے اور پانچ پانچ پر ڈورے ڈالے گا یونہی یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا اور ملک بھر کے بے عقل میرا مال نکلنے میں بجان ساعی ہو جائیں گے پھر جب تک سلسلہ چلا فبہا، گھر بیٹھے بے محنت دونے ڈیوڑھے چھنا چھن آرہے ہیں اور جہاں تھکا تو اپنا کیا گیا، ان ٹکٹ خروں کا گیا جنہوں نے روپے کو ہوا خریدی، ہمیں یوں بھی صدہا مفت بچ رہے، بہر حال اپنا احمق کہیں نہیں گیا تاجر کے تو یہ منصوبے تھے ادھر مشتری سمجھا کہ گیا تو ایک اور ملے تو تیس لاؤ قسمت آزما دیکھیں یہاں تک نری طمع تھی اب کہ روپیہ بھیج چکے مارے جانے کا خوف بھی عارض ہو گیا اور ہر طرح لازم ہوا کہ اوروں پر جال ڈالیں اپنا روپیہ ہرا ہو، دوسرے سوکھے گھاٹ اتریں تو اتریں، یونہی یہ امید و بیم کا سلسلہ قمار ترقی پکڑے گا، اول کے دو چار کچھ حرام مال کی جیت میں رہیں گے آخر میں بگڑے گا جس جس کا بگڑے گا یہی اکل مال بالباطل ہے جسے قرآن عظیم نے حرام فرمایا کہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [1]	اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور مت کھاؤ۔ (ت)

یہی غرر و خطر و ضرار و ضرر میں پڑنا اور ڈالنا ہے جس سے صحاح احادیث میں نہی ہے، یہ معاملہ چھٹی سے بدرجہا بدتر ہے وہاں ہر ایک بطور خود اس قمار و گناہ میں پڑتا ہے اور یہاں ہر پہلا اپنے نفع کیلئے دوسرے پانچ کا گلا پھانسے گا تو وہاں صرف خطر تھا یہاں خطر و ضرر و ضرار و غش سب کچھ ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

لیس منا من غشنا۔[1] رواہ مسلم، احمد وابوداؤد و ابن ماجۃ والحاکم عن ابی ہریرۃ والطبرانی فی الکبیر عن ضمیرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو مسلمانوں کے خلاف خیر خواہی معاملہ کرے وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں (اس کو امام مسلم، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور امام حاکم نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا حضرت ضمیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

لیس منا من غش مسلما اوضرہ او ماکرہ[2] رواہ الامام الرافعی عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔	ہم میں سے نہیں جو کسی مسلمان کی بدخواہی کرے یا اسے ضرر پہنچائے (اس کو امام رافعی نے سیدنا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے۔ ت)

احادیث اس باب میں حد تواتر پر ہیں اور خود ان امور کی حرمت ضروریات دین سے ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) حقیقت امر تو یہ تھی اور صورت الفاظ پر نظر کیجئے تو ٹکٹ کی خرید وفروخت ہے۔ اول تو اس کے مال ہونے میں کلام ہے کہ وہ جس کی طرف طبائع میل کریں اور وقت حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یہ ٹکٹ دونوں وصف سے خالی ہے، کشف الکبیر و بحر الرائق ورد المحتار میں ہے:

المراد بالمال مایمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ[3]۔	مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعتیں میلان کریں اور اس کو حاجت کے وقت کیلئے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔ (ت)

اس تقدیر پر تو یہ بیع سرے سے محض باطل ہوگی لانہ مبادلۃ مال

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰، مسند امام احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۱۷، سنن ابو داؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۳

[2] کنز العمال بحوالہ الرافعی عن علی حدیث ۹۵۰۲ موسسۃ الرسالہ بروت ۴/ ۶۰

[3] بحر الرائق کتاب البیوع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۶

بمال[1] کما فی الکنز والملتقی وغیرہما (اس لئے کہ بیع تو ایک مال کے بدلے دوسرا مال لینے کا نام ہے جیسا کہ کنز اور ملتقی وغیرہ میں ہے۔ت) اور بالفرض مال ہو تو متعدد شرائط فاسدہ پر مشتمل ہے،

وقد نهی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن بیع وشرط[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا۔(ت)

تو عقد بوجوہ فاسد ہوا اور ہر فساد جداگانہ حرام ہے پھر یہ سلسلہ غش و فساد وحرام، تو ادھر ٹکٹ خروں میں یکے بعد دیگر مستمر چلا، ادھر ایسے جو تمیں کی شے ملی اس کی جنس تک معین نہ تھی نہ صرف اس کے عمل پر ملی کہ اس کا کام تو پانچ ٹکٹ بکنے پر منتہی ہوگیا اور اس وعدہ طمع میں چیز کا مستوجب اس وقت ہوگا کہ پھر وہ بکیں اور پانچ ان کے اور پانچ پانچ ان پانچ کے وصول ہوں، یہ ہرگز اسی اول کا عمل نہیں تو اگر اجارہ ہوتا بوجوہ خود فاسدہ اور اپنی مشروط بیع کا مفسدہ ہوتا مگر حقیقۃً وہ صرف طمع دہی اور از قبیل رشوت ہے، غرض اس معاملہ حرام در حرام کے مفاسد بکثرت ہیں اور ان سب سے سخت تر وہ لفظ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں، ایسے شدید گناہوں اختراعی راہوں کو ایمانداری کا کام بتانا ان اصل گناہوں سے کتنے درجے زائد ہے جبکہ یہ اشتہار دینے والا کوئی مسلمان ہو کہ اب یہ تحصیل حرام بلکہ تحسین حرام ہے **والعیاذ باللہ رب العٰلمین ہذا واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۸ تا ۱۵۹: ازبدایوں سوتنہ محلّہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

جناب مولٰنا و مقتدانا حامی سنت دامت برکاتہم، بعد تمنائے حصول قدمبوسی مدعا نگار ہوں کہ سوالات مندرجہ ذیل کا جواب باصواب جو مطابق احکام شریعت ہو مرحمت فرمایئے تاکہ گمراہان کی رہبری ہووے:

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر دو شخصوں نے اپنا لعہ/ کا مملوکہ مال واسباب اتنے ہی حصص میں تقسیم کیا جس قدر کی مالیت کا وہ کل مال تھا اور فروخت کا یہ طریقہ رکھا کہ ہر شخص جو اس کی خریداری کے واسطے حصہ دار ہو چکا اس کو ایک چٹھی دے دی گئی او سب چٹھیاں جمع ہوجانے پر بروئے قرعہ اندازی سب سے اول چٹھی لکھنے والے کو عہ/ کا مال ایک روپیہ کے چٹھی پر ملا اور دوسرے شخص کو دس کا اور تیسرے کو صہ/ روپیہ اور چوتھے شخص کو دو روپیہ کا اور باقی ۶۶ چٹھی والے خریداروں کو آخر نمبر تک ۸/ کا مال فی ٹکٹ دیا گیا آیا یہ طریقہ بیع

---

[1] ملتقی الابحر کتاب البیوع موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۵

[2] نصب الرایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض الشیخ ۴/ ۱۷

موافق احکام شریعت ہے یا نہیں؟

(۲) ڈاک خانہ سرکاری کے سیونگ بنک میں یا دوسرے انگریزی تجارتی بنکوں میں زید نے کچھ روپیہ داخل کیا جس پر بہ شرح معینہ اس کو گورنمنٹ نے یا تاجر انگریز نے منافع ادا کیا تو جمع کرنے والا شخص مطابق احکام شریعت اس منافع کو لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) یہ صورت قطعی حرام ہے اور نرا قمار اور بائع و مشتری سب کے لئے استحقاق عذاب نار۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) سود مطلقاً حرام ہے **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"** [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) مگر جس کے یہاں روپیہ جمع کیا اگر اس پر کوئی مطالبہ شرعاً آتا تھا اور وہ اور طور پر نہ مل سکتا تھا اس نام سے وصول ہو جائیگا تو اپنے اس حق کی نیت سے قدر حق تک لے لینے کا استحقاق ہے اور اگر کچھ نہ آتا تھا مگر کوئی مال مباح بلا غدر و بلا ارتکاب جرم برضا مندی ہاتھ آتا ہو تو بہ نیت مباح اسے لے لینے والے کو مباح ہے اگرچہ دینے والا کسی نام سے تعبیر کرے اس مسئلہ کی تحقیق کامل بھی فتاوٰی فقیر میں ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰: از بریلی محلہ کنگھی ٹولہ مرسلہ محمد رضا علی ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپیہ اس شرط پر دیا کہ چار ماہ کے بعد تم سے روپیہ مذکور کے پچیس ما/ گندم لیں گے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر روپیہ قرض دیا اور یہ شرط کرلی کہ چار مہینے کے بعد ایک روپے کے پچیس (ما/) گیہوں لیں گے اور نرخ بازار پچیس سیر سے بہت کم ہے تو یہ محض سود اور سخت حرام ہے حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فھو ربٰو [2]۔	جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

اور اگر گیہوں خریدے اور قیمت پیشگی دی ہے تو بیع سلم ہے اگر سب شرائط بیع سلم کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

ادا کرلی ہیں تو جائز ہے اگرچہ روپے کے دس من گیہوں ٹھہر جائیں ورنہ حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۱: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات

زید نے کچھ روپے قرض واسطے تجارت کے عمرو کو دئے اور آپس میں یہ ٹھہرالیا کہ علاوہ قرض کے روپوں کے جس قدر منافع تجارت میں ہو اس میں سے نصف ہمارا اور نصف تمہارا، تو یہ سود ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ سود اور حرام قطعی ہے، ہاں اگر روپیہ اسے قرض نہ دے بلکہ تجارت کے لئے دے کہ روپیہ میرا اور محنت تیری اور منافع نصفا نصف، تو یہ جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۲: از پٹیالہ مارواڑ محمد عبدالرحمٰن سوداگر چرم ۲۱/ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا سرزمین ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمانوں کو اپنی دینی اور قومی حالت سنوارنے کی غرض سے سود کا لین دین غیر مسلم سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود لینا دینا مطلقاً حرام ہیں، **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط"** [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) حدیث صحیح میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ وقال ھم سواء [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر۔اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اللہ کی لعنت کے ساتھ دینی حالت سنورے گی یا اور بدتر ہوگی، اور قومی دنیوی حالت سنبھلنا بھی معلوم، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط" [3]	اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ کو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح مسلم باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۶

جسے اللہ تباہ وبرباد کرے وہ کیونکر بڑھ سکتا ہے، اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے گی۔

مبادا دل آن فرومایہ شاد　　　　که از بہر دنیا دہد دین بباد

(اس کمینے کا دل خوش نہ ہو جس نے دنیا کی خاطر دین کو برباد کیا۔ت)

اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقینا تباہی و خسران ہے۔ سائل لین دین پوچھتا ہے، مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے مالدار، انہیں آپ سے سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی، اور اگر ہو بھی تو ان کی قوم کے ہزاروں لینے دینے کو موجود ہیں اور سود دینے میں قوم کا نفع ہے یا کفار کا، سود دینے سے قومی حالت سنورتی تو لاکھوں مسلمان بنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائدادوں کو تباہ کرتے ہیں ہزار کا مال دو ڈھائی سو میں بہ جاتا ہے کیا اسی کو حالت سنورنا کہتے ہیں، نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں کچھ کا ذکر ہمارے فتاوٰی اور بہت کا ہمارے رسالہ نوٹ میں ہے کہ مع ترجمہ چھپ رہا ہے، مگر کسی کوٹھی کا کام فقط نفع لینے سے نہیں چلتا اسے دینا بھی ضرور پڑتا ہے، اور معاملہ جب کفار سے ہو تو ان تینوں صورتوں کی پابندی دشوار ہے جن پر جواز کا مدار ہے اور یوں سود دینا اگرچہ کافر کو ہو قطعًا حرام واستحقاق نار ہے، ہاں اگر نوٹ کا طریقہ جو ہم نے اس رسالہ میں لکھا تجار میں رائج ہوجائے تو بلاشبہہ سود لینے دینے کی آفت اٹھ جائے اور لین دین کا عام بازار شرعی جواز کے ساتھ کھل جائے، **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۳: از شہر بریلی محلّہ ملوک پور مسئولہ عبدالغنی صاحب تاجر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محبوب اللہ کی دکان ایک بقال کے پاس چار سو روپیہ میں رہن ہے اور محبوب اللہ فی صدی ایک روپیہ ماہوار سود کا ادا کرتے ہیں اب ایک شخص محبوب اللہ کی دوسری دکان میں مبلغ دس روپیہ کرایہ پر بیٹھتا ہے محبوب اللہ اس کرایہ دار سے کہتا ہے کہ مجھ کو تم چار سو روپیہ دے دو میں بقال کو ادا کردوں گا اور تم چار سو روپیہ کی دستاویز تحریر کرالو میں تم کو کرایہ میں کمی کردوں گا اس صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر ہمیشہ کے لئے کمی کردے اور صاف صاف قرض میں تحریر کردیں کہ کچھ نفع اس پر لیا دیا نہ جائیگا یہ کمی صرف اس احسان کے بدلے میں احسان ہو قرض کا منافع نہ ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۴: از ریودر براہ آبو مرسلہ ٹھیکیدار آنول موسی منشی صاحب ۱۴/ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اناج کا بدلنا بھی دوسرے اناج سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مکی ایک من دوماہ پہلے دی بعد میں دوماہ کے ایک من گندم لیتے ہیں، اس شرط سے لین دین یہاں کے مسلمان کرتے ہیں، یہ بدلنا بھی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایک ناج دوسرے ناج سے نقد بدلنے میں کوئی حرج نہیں اور جب جنس بدلی ہوئی ہے تو کمی بیشی جائز ہے اور ایک طرف سے اب دیا گیا اور دوسری طرف سے ایک مدت کے بعد دینا ٹھہرا تو یہ بیع سلم کے شرائط کا محتاج ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۵: از جوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ میفرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ نرخ بازار سہ پوئٹہ فی روپیہ است اکنوں شخصے بمیعاد تا ۳ سہ ماہ یا زیادہ کم از نرخ بازار دو پوئٹہ فی روپیہ فروخت میکند آیا جائز است یا مکروہ؟	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ بازار کا بھاؤ تین پوئٹہ فی روپیہ ہے، اب ایک شخص تین ماہ یا زیادہ کی میعاد پر بازار کے بھاؤ سے کم دو پوئٹہ فی روپیہ کے حساب سے فروخت کرتا ہے، کیا شرعاً جائز ہے یا مکروہ؟ (ت)

الجواب:

جائز است۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** جائز ہے۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۱۶۶: از سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مرسلہ آغا علی خاں صاحب مورخہ ۱۶/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

اگر ساہوکار اپنے مسلمان روزگاری سے سود نہ لے بلکہ کچھ اضافہ لفظ سود سے بدلنے اور مسلمان کو اس سے محفوظ کرنے کی غرض سے آڑھت پر کرلے تو مسلمان اس مسئلہ سود سے بچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود کا لفظ فقط حرام نہیں بلکہ سود کی حقیقت حرام ہے اسے اضافہ کے لفظ سے تعبیر کرنا نہ اسے سود ہونے سے بچالے گا، نہ حرمت میں فرق آئے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۷تا۱۷۰: عبدالحکیم خان دکاندار محلّہ کٹکور ریاست رامپور

(۱) زید نے بکر کے ہاتھ ۲۴روپیہ کی اشرفی فروخت کی ۱۲روپیہ تو بکر نے اسی وقت دے دئے ۱۲کا وعدہ کیا چنانچہ دوچار روز کے بعد وہ بھی دے دئے۔

(۲) زید نے بکر سے ایک روپیہ کے دام مانگے اور روپیہ دیا بکر نے آٹھ آنے پیسے اسی وقت دے دئے اور دو یوم کے بعد دو چونیاں دے دیں۔

(۳) زید نے بکر سے ایک روپیہ دے کر پیسے مانگے، بکر نے ایک اٹھنی اس وقت دے دی باقی کے بابت دو یوم کا وعدہ کیا چنانچہ تین یوم کے بعد ۸/ کے پیسے دے دئے۔

(۴) زید نے ایک آنہ کا سودا بکر سے لیا، بکر نے کہا کہ اسوقت باقی روپیہ کے پیسے نہیں ہیں پھر لے لینا، بکر کو زید نے روپیہ دے دیا اور دو روز کے بعد باقی کے پیسے لے لئے، ان سب صورتوں میں کوئی صورت ربا کی ہے یا نہیں ہے؟

الجواب:

(۱) یہ حرام ہے کہ سونے چاندی کے مبادلہ میں دست بدست ہونا شرط ہے۔

(۲) اگر زید نے روپے کے پیسے مانگے اور روپیہ دے دیا اس نے آٹھ آنے پیسے اب دے دئے اور باقی پیسوں کے بدلے دو دن کے بعد چونیاں اٹھنی دی تو جائز ہے کہ روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے **کما حققناہ فی کفل الفقیہ الفاھم** (جیسا کہ ہم نے **کفل الفقیہ الفاھم** میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور اگر زید ہی نے روپے کے ۸/ پیسے اور دو چونیاں مانگیں جو اس نے دوسرے وقت دیں یہ حرام ہے **لاشتراط الصرف یدا بید** (کیونکہ بیع صرف میں ہاتھوں ہاتھ لینا شرط ہے۔ت)

(۳) یہ صورت جائز ہے کہ پیسوں میں ایک طرف کا قبضہ ہوگیا اور اٹھنی میں دونوں طرف کا۔

(۴) یہ بھی بدلیل مذکور جائز ہے جبکہ باقی کے پیسے لینے ٹھہرے جیسا کہ سوال میں ہے۔

مسئلہ ۱۷۱: از صید پور ضلع رنگپور بنگال مرسلہ محمود خان صاحب پسنجر سپرنٹنڈنٹ ۹جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

فدوی ریلوے میں بعہدہ پسنجر سپرنٹنڈنٹ ملازم ہے اور ہر ماہ مشاہرہ سے کچھ روپیہ ریلوے کاٹ لیتی ہے اور وہ روپیہ بعد ترک ملازمت مع کچھ سود کے دیا جاتا ہے جو ریلوے کا سرکلر ہے لہذا یہ روپیہ اپنے صرف میں یا کسی کار خیر میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ مدرسہ دیوبند سے لاعلمی سے میں نے دریافت کیا تھا وہاں سے جائز قرار دیا گیا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں کا فتوی ہم لوگوں کے

واسطے قابل وثوق نہیں ہے لہٰذا حضور کی خدمت میں التماس ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جاؤں۔

الجواب:

اللہ عزوجل نے سود کو حرام فرمایا اور اس میں کوئی تخصیص مسلم وکافر کی نہیں رکھی، مطلق ارشاد ہوا ہے "**وَحَرَّمَ الرِّبٰوا**"[1] (اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کردیا۔ت) تو اسے سود قرار دے کر لینا جائز نہیں اور اگر کسی کمپنی میں کوئی مسلمان بھی حصہ دار ہو تو مطلقًا اس زیادہ روپیہ کا لینا حرام ہے اور اگر کوئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا ناجائز ہے بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح بلا غدر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے یوں اس کے لینے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اور اسے چاہے اپنے صرف میں لائے چاہے کار خیر میں لگائے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۲: سائل حافظ محمد نور الحق محلّہ پنجابیاں پیلی بھیت ۲۵ صفر ۱۳۳۱ھ

مخدومی ومکرمی جناب مولانا احمد رضاخان صاحب دام مجدہ بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ ایک شخص مسمّٰی وزیر نے انتقال کیا منجملہ اور وارثوں کے دو لڑکیاں نابالغ اس نے چھوڑیں، اس کے مال میں چار سو روپیہ نقد ان لڑکیوں کے حصہ میں ملا وہ کل روپیہ ایک شخص دیگر نے امانتًا اس سے اس وعدہ پر لیا کہ ہم تم کو پانچ روپیہ ماہوار اس روپیہ کا منافع دیتے رہیں گے، اور اس روپیہ کے اطمینان کی غرض سے اس شخص روپیہ لینے والے نے اپنا مکان اس روپیہ کے بالعوض رہن کردیا اور اس کا رہن نامہ لکھا گیا مگر رہن نامے میں مضمون یہ ہے کہ مبلغ چار سو روپے معرفت مسماۃ بنے بیگم ہمارے پاس امانتًا یا فتنہ ہر دو نابالغہ کے جمع ہوئے ہیں جو تابلوغ ہر دو نابالغہ کے ہمارے پاس جمع رہیں گے چونکہ زر امانت کی کوئی تحریر باضابطہ بغرض اطمینان کے منجانب ہمارے کہ مسماۃ کے پاس نہیں ہیں، لہٰذا ہم بموجب تحریر ہذا کے اقرار کرتے ہیں کہ زر مذکورہ تابلوغ ہر دو مذکور نابالغان کے جمع رہیں گے اور اس کا سود بشرح فیصدی (۴ عہ /) ماہواری کے حساب سے نابالغان کو ماہ بماہ بلا عذر وحیلہ کے ادا کرتے رہیں گے اور واسطے اطمینان زر مذکور کے ایک مکان مستغرق ومکفول دستاویز ہذا کرتے ہیں تا بیباق زر مذکور کے بجائے دیگر منتقل نہیں کریں گے، اگر کریں تو ناجائز ہو، لہٰذا یہ رہن نامہ سودی بحق نابالغان دختران وزیر کے لکھ دیں کہ سند ہو۔

تو اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ شخص مذکور جس نے روپیہ لیا تھا اس نے انتقال کیا اور ماہواری جو مقرر کیا تھا وہ نہیں دیا اب وہ نابالغان اپنا روپیہ اس مکان سے لیں گی مگر اصل کے چار سو روپیہ سے جو ایک سو روپیہ زائد اس وقت تک ہوگیا ہے وہ بھی لے سکتی ہیں یا نہیں کیونکہ ان نابالغان کو یا اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

اور کسی وارث کو یہ معلوم نہ تھا کہ دستاویز کے اندر وہ پانچ روپیہ ماہوار سود دیا گیا ہے وہ بھی سمجھی ہوئی تھیں کہ ہم کو پانچ روپیہ ماہوار کرایہ مکان یا اس روپیہ کے منافع میں سے دیا جائے گا اگر وہ سو روپیہ جو اصل سے زائد ہے لے لیں تو کوئی مواخذہ تو ان کے ذمہ میں نہ ہوگا اور وہ عنداللہ گنہگار تو نہ ہوں گی، اور یہ بھی امر قابل تحریر ہے کہ وہ نہایت ہی غریب ہیں اور کوئی معاش بھی ان کے پاس نہیں ہے اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ وہ اسے لے سکتی ہیں اور ان کے ذمہ کوئی مواخذہ اخروی نہ ہو تو نہایت ہی بہتر ہوگا کیونکہ ان کے بہت سے کام نکلیں گے۔

الجواب:

وہ روپیہ ہر طرح سود اور حرام ہے اس کا لینا کسی حال میں جائز نہیں ہوسکتا ہے، سود لکھا گیا تو حرام ہے، منافع سمجھا تو سود ہے۔ مکان کا کرایہ جانا تو باطل ہے، مالک مکان غیر مالک سے کرایہ پر لے اس کے کوئی معنی نہیں بہر حال وہ سود ہے، ہاں اگر وہ جس شخص نے یہ روپیہ امانتاً لیا اور اس پر پانچ روپے ماہوار دینا مقرر کیا ہندو وغیر اقوام سے ہو تو یہ سو روپیہ زائد اس کے قرار داد سے ملتے ہیں ایک مال مباح سمجھ کر لینا جائز ہے سود سمجھ کر لینا حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: از کتھیل ضلع کرنال مرسلہ فضل قدیر صاحب طالب علم مدرسہ اسلامیہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

گورنمنٹ کی نگرانی میں پنجاب و مدراس کے دیہات میں زرعی بنک کھولے جاتے ہیں زراعتی بنک کی غرض سے سود خوری نہیں ہوتی بلکہ سود خور مہاجنوں سے قطع متعلق ہوتا ہے سرکاری نام اس بنک کا انجمن امداد قرضہ ہے (ہیئت اس کی یہ ہے) کہ گاؤں کے لوگ بطور حصہ داری کے دس روپیہ سالانہ فی آدمی دس سال تک اس اپنی انجمن میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اسی انجمن سے حسب ضرورت سودی قرض بھی لیتے رہتے ہیں مگر قرض لینے کا حق محض حصہ داروں کو ہے غیر حصہ دار کو ہر گز ہر گز نہیں دیا جاتا مقروض جو کچھ رقم سود اس بنک کو دے گا وہ رقم بحصہ رسد اس مقروض کے حصہ میں بھی آئے گی گویا سود دہندہ سود گیرندہ بھی ہے اس انجمن کے پاس دس سال کے بعد کافی سرمایہ جمع ہو جاتا ہے تو سود بہت کم یا بالکل موقوف کر دیا جاتا ہے، یہ بنک زراعتی ہے یہ بنک جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرام، حرام، حرام قطعی یقینی حرام، دس برس تو بہت ہوتے ہیں سود ایک لمحہ ایک آن کو حلال نہیں ہوسکتا، احکام الٰہیہ کسی کی ترمیم سے بدل نہیں سکتے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [1]	اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانیوالے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنیوالوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں (ت)

یہاں تک کہ سود دہندہ ہی سود گیرندہ بھی ہے معنی یہ کہ ڈبل ملعون ہے جو براہ شامت نفس اس کا ارتکاب کریں اور حرام جانیں وہ فاسق فاجر ہیں اور جو حلال سمجھیں وہ مرتد کافر، والعیاذ باللہ تعالٰی، ہاں اگر اس میں بھی اسی طریقہ بیع نوٹ کا اجراء کریں جو ہم نے تحریر سابق میں ذکر کیا تو بلا دقت اس حرام قطعی سے بچ جائیں مگر حلال حرام کی آج فکر کسے ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾[2] (مگر وہی جس پر میرا رب رحم فرمائے، بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴: از نجیب آباد ضلع بجنور بازار چوک مرسلہ عبدالرزاق وعبدالغفور خیاطان ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان اہل السنۃ والجماعت پکا حنفی اگر یہ شخص مذکور کفار مثل نصارٰی وہنود ورافضی وخارجی سے سود لے اور کفار مذکور کی رضا سے لے بطور تجارت روپیہ کمانے کو اور نیز اس مسلمان سود گیرندہ کی یہ نیت ہو کہ کسی وقت میں کسی مسلمان سے سود نہ لیا جائے تو اس صورت میں اس مسلمان کو کفار مذکورہ سے سود لینا جائز ہے یا ناجائز جو حکم شرع شریف ہو بلاتاویل بلا خوف ملامت علمائے خاص وعام ارسال فرمایا جائے، فقط، بینوا توجروا۔

الجواب:

اللہ عزوجل نے مطلق فرمایا: "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[3] اللہ نے سود حرام کیا۔ اس میں تخصیص مسلم، کافر، سنی، بدمذہب کسی کی نہیں۔ سود لینا کسی سے حلال نہیں، جو حلال ہے وہ سود نہیں، اور جو سود ہے وہ حلال نہیں، کافر غیر ذمی کا مال بلاغدر جو حاصل ہو وہ مال مباح سمجھ کر لینا حلال ہے سود جان کر لینا حرام،

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۳

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

قصد معصیت خود معصیت ہے، مثلاً کافر سے کوئی مال سو روپیہ کو خرید ااور قیمت دبالی یا دھوکا دے کر کھوٹے دام دئے یہ ناجائز ہے کہ خلاف معاہدہ ہوا،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اپنے قول پورے کرو (ت)

اور اگر چاندی کا دو سو روپیہ بھر مال سو روپیہ کو مول لیا اور یہ سمجھا کہ سو روپیہ ہی کے بدلے سو روپے ہوگئے باقی کافر کا مال بلاغدر اس کی مرضی سے ملتا ہے تو جائز جبکہ وہ کافر ذمی مستامن نہ ہو، اس کی تفصیل ہمارے فتوی ۱۳۱۱ھ میں ہے جو آپ کے خوف ملامت سے بیس سال پہلے لکھا گیا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۷۵ تا ۱۷۶: از فتح آباد ضلع امرتسر تحصیل ترنتارن مسئولہ مولوی محمد عنایت اللہ صابری و محمد اسمٰعیل چشتی صابری قادری ۴ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک بنک سودی مسلمانان نے ان شرائط پر قائم کیا ہے کہ جو کوئی اس میں داخل ہو اور ممبر بنے اول ایک روپیہ داخلہ اور مبلغ (عہ/) پہلی قسط بعدہ دس روپے سالانہ داخل کرتا جائے بعد دس سال کے اپنا اصلی روپیہ مع سود فی صدی فی ماہ (۱۲/) کے حساب سے مل جائے گا اور ہر ایک ممبر کو جب ضرورت ہو اپنی حیثیت موجب (۱۲/) سیکڑہ سود پر روپیہ لے سکتا ہے پھر قسطوں سے ادا کرتا جائے، کہتے ہیں کہ یہ بنک غریب مسلمانوں کے لئے بنایا گیا ہے مگر ممبر کے سوا جو کہ داخلہ نہ دے روپیہ نہیں ملتا یعنی عام مسلمانوں کو نہیں ملتا ہماری مسجد کا امام بھی اس میں شامل و داخل ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے روپے کا سود نہ لوں گا مجھ پر حرام ہے ضرورت کے وقت سود دیا گیا چنانچہ ضرورت کے وقت ہم لوگ آگئے بھی تو اہل ہنود کو دیتے ہیں جیسا کہ لینا حرام ہے ایسا دینا بھی تو حرام ہے جب ہم لوگ دیتے ہیں تو لینے میں کیا قباحت لینا دینا برابر ہے، میں اب داخل ہو چکا ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔

(۲) کہتا ہے جو مسلمان ڈاکخانہ سرکاری میں روپیہ جمع کرا کر سود لیتے ہیں وہ کیوں کھاتے ہیں وہ جائز ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

الجواب:

وہ بنک حرام قطعی ہے، اور یہ قواعد سب شیطانی ہیں اور اس کا ممبر بننا حرام ہے، اور سود دینا اور لینا ضرور برابر ہیں، صحیح مسلم میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ھم سواء [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

تو امام مذکور کا اس بنک کی ممبری قبول کرنا گناہ وحرام ہوا،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔ (ت)

حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام [3]۔	جو دانستہ ظلم پر اعانت کرے اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی (ت)

اور شک نہیں کہ سود لینا ظلم شدید ہے اور اس کا ممبر بننا اور اسکے ان سود خوروں کو روپیہ دینا اس ظلم شدید پر اعانت ہے اور معین مثل فاعل ہے ولہٰذا کاتب پر بھی لعنت فرمائی، تو اس کا رکن بننے والا اور اس کے لئے روپیہ دینے والا ضرور کاتب سے بدرجہا زائد لعنت کا مستحق ہوگا اور امام مذکور کا اس پر اصرار حرام پر اصرار اور اعلانیہ فسق واستکبار ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ اور اسے معزول کرنا واجب اور جتنی اس کے پیچھے پڑھی ہوں ان کا پھیرنا لازم، پھر اگر بلا ضرورت شرعیہ محض جاہلانہ ضرورتوں کے لئے سودی قرض لے گا تو ضرور وہ بھی سود کھانے کے مثل ہوگا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[2] القرآن الکریم ۵ /۲

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱ /۲۲۷، شعب الایمان حدیث ۷۶۷۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶ /۱۲۲

اور یہ لعنت کا دوسرا حصہ ملے گا اور عوام کے فعل سے سند لانا اور حکم الٰہی کے مقابل اسے سنانا محض جہالت وضلالت ہے ہاں اگر محض مجبوری شرعی کے لئے سودی روپیہ بقدر ضرورت قرض لے تو وہ اس سے مستثنٰی ہے کہ مواضع ضرورت شرع نے خود استثنا فرمادئے ہیں،

قال اللہ تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ"[1]، وقال تعالٰی "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا"[2]۔	اللہ نے فرمایا: اور ڈرو اللہ تعالٰی سے جس قدر تم استطاعت رکھتے ہو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح[3]۔	محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔ (ت)

مگر اس کو سند بنا کر سود خوروں کی اعانت اور سودی کمپنی کی رکنیت نہ حرام ہونے سے بچ سکتی ہے نہ لعنت الٰہی سے بچا سکتی ہے لہٰذا امام مذکور کی نسبت حکم وہی ہے جو اوپر گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۷: از قصبہ بیلپور محلّہ درگاہ پرشاد از مکان فخر الدین صاحب رئیس وممبر چنگی مرسلہ حافظ شمس الدین ۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

سود لینا کسی قوم سے مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ اور سود کس کس قسم سے ہوتا ہے؟ مشرح بیان فرمایا جائے، کسی بنک میں روپیہ جمع کرکے ان سے سود وصول کرنا موجب اس کی شرح کے جائز ہے یا نہیں، یا کسی انجمن کا روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کرکے ان سے سود لے سکتا ہے یا نہیں، یا کوئی تجارت اس طرح کی کرے کہ جو اس قدر روپیہ جمع کرے اس کو اتنے سیکڑہ کا سود دینگے نقصان کا وہ شریک نہیں اور اس کو نقصان سے کچھ مطلب نہیں اور روپیہ جمع کرنے والا سود جان کر نہ لے اور نقصان بھی نہ دے تو وہ حلال ہے یا حرام یا کسی دکاندار کو کچھ روپیہ بموجب نفع کے دے نقصان کا شریک نہ ہوں وہ نفع حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود لینا مطلقًا حرام ہے مسلمان سے ہو یا کافر سے، بنک سے ہو یا تاجر سے جتنی صورتیں سوال میں بیان کیں سب ناجائز ہیں قرض دے کر اس پر کچھ نفع بڑھا لینا سود ہے یا ایک چیز کو اس کی جنس کے بدلے ادھار بیچنا یا دو چیزیں کہ دونوں تول سے بکتی ہوں یا دونوں ناپ سے، ان میں ایک کو دوسرے سے

---

[1] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

ادھار بدلنا یا ناپ خواہ تول کے چیز کو اس کی جنس سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا مثلاً سیر بھر کھرے گیہوں سوا سیر ناقص گیہوں کے عوض بیچنا یہ صورتیں سود کی ہیں اور جو شرعاً سود ہے، اس میں یہ نیت کرلینا کہ سود نہیں لیتا ہوں کچھ اور لیتا ہوں محض جہالت ہے، ہاں وہاں یہ نیت کام دے سکتی ہے جو واقع میں سود نہ ہو اگرچہ دینے والا اسے سود ہی سمجھ کر دے مثلاً یہاں کسی کافر کے پاس اس کی دکان یا کوٹھی یا بنک میں بشرطیکہ اس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو روپیہ جمع کردیا اور اس پر جو نفع کافر نے اپنے دستور کے موافق دیا اسے اپنے روپیہ کا نفع اور سود خیال کرکے نہ لیا بلکہ یہ سمجھ کر لیا کہ ایک مال مباح برضائے مالک ملتا ہے تو اسمیں حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۸: ولو اشتری مکیلا کیلا حرم بیعه واکله حتی یکیله (اگر کسی نے کیلی شے کیل کے طور پر خریدی تو جب تک کیل نہ کرے اس کی بیع اور اس کا کھانا حرام ہے۔ت) اس سے سمجھ میں یہ آتا ہے جو چیز مکیل خریدی جائے پھر گھر میں اگر اسے ناپ لے پھر صرف کرے اس بنا پر دودھ خرید کر پھر اپنے گھر میں اس کو ناپ کرلینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

یہ اس صورت میں ہے کہ چیز تول یا ناپ سے خریدی اور بائع نے اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے نہ تولی تو اسے تولنا لازم ہے اس کا تصرف ناجائز ہے اور اگر اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے تولی تو دوبارہ تولنے کی حاجت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۹: مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب مدرس مدرسہ اہل سنت بریلی ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۳۳ھ

حضور! ایک مسلمان زمیندار کے روپے سے اگر کوئی ہندو مثلاً پٹواری یا کٹوار یا تہنیت اسامیوں سے سود لے کر اپنے صرف میں کرے مگر زمیندار نہ اس سے اس پر کچھ کہے اور نہ خود اس میں سے کوئی پیسہ لے اور یہ لوگ زمیندار کے روپے سے اسامیوں سے یہ کہہ کر سود لیں کہ اگر تم زمیندار کا روپیہ بر فصل ادا نہ کیا کروگے تو تم سے اس کا سود لیا جائے گا، تو اس صورت میں زمیندار شرعاً کسی گناہ کا مستحق ہوگا یا نہیں، اور زمیندار کو اس حالت میں اپنے ملازم ہنود کو منع کرنا لازم ہوگا یا نہیں کہ اس زمیندار کا بھی اتنا نفع ہے کہ اس کا روپیہ ہر فصل پر وصول ہوجاتا ہے اور کوئی دقت اسے پیش نہیں آتی، سود کے خوف سے اسامی فوراً روپیہ وصول کردیتے ہیں ورنہ کئی کئی سال تک بقایا نہیں وصول کرتے حالانکہ ان کے پاس روپیہ ہوتا ہے مگر بعض سرکش زمیندار کے دق کرنے کو نہیں دیتے اور جب وہ نالش کرتا ہے تو فوراً کچہری میں روپیہ اسی روز داخل کردیتے ہیں اور زمیندار کا نقصان کرواتے ہیں، ان پریشانیوں سے بچنے کی کوئی

صورت حضور عطافرمائیں ورنہ ان سے بچنے کے واسطے اکثر مسلمان ظاہر ظہور میں مرتکب حرام ہوتے ہیں۔

الجواب:

اسامیان مسلمان ہیں تو یہ عمل قطعًا حرام ہے اور جبکہ زمیندار کو اس پر اطلاع ہے تو اسے سکوت حرام ہے ازالہ منکر فرض ہے خصوصًا جب اپنے نفع کے لئے خاموش ہو تو یوں راضی ہے اور رضا بالکبیرہ خود ہی کبیرہ ہے بلکہ کبھی اس سے بھی سخت تر، اور اگر اسامیان یہاں کے مشرکین ہیں کہ ذمی نہیں، نہ سلطنت اسلام سے مستامن، تو زمیندار خواہ ان سے یہ قاعدہ جاری کرے کہ جس پر بقایا ٹوٹے گی، اس پر ہر مہینہ اتنا حرجہ لیا جائیگا **وتحقیق الکلام فی فتاوٰنا** (تحقیق کلام ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) اسے بھی سود سمجھ کر لینا جائز نہیں **لقولہ تعالٰی** "**وَحَرَّمَ الرِّبٰوا**ؕ"[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ ت) بلکہ ان کی ایذارسانی کے معاوضہ میں ایک مال مباح سمجھ کرلے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: مسئولہ ولایت حسین صاحب جامع مسجد بریلی ۷/جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ نے انتقال کیا زید بعد فراغت خرچ تجہیز و تکفین کے، خرچ فاتحہ وسویم نہیں رکھتا ہے یا زید اپنی لڑکی کی شادی کرنا فرض سمجھتا ہے اور فرض ہے مگر اتنا خرچ نہیں ہے کہ فرض ادا کرے تو مجبور ہو کر زید نے اپنے دوست عمرو سے اس معاملہ کا تذکرہ کیا، عمرو نے کچھ زیور زید کو دیا اور یہ کہا کہ اس کو رہن کرکے تم اس فرض یا فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ، زید زیور لے کر برائے رہن چلا اور عمرو وہیں رہا، ایک دوست راستہ میں جو خالد تھا زید نے اس سے تمام معاملہ کی کیفیت بیان کی خالد سن کر خاموش ہو رہا، زید نے خالد سے کہا کہ جلد چلو اور یہ زیور رہن کرکے روپیہ لائیں، خالد زید کے ہمراہ چلا، زید کو ایک شخص اور ملا جس کا نام محمود ہے اور وہ اس معاملہ سے واقفیت رکھتا ہے اور محمود کو یہ نہیں معلوم کہ خالد اور زید کہاں جارہے ہیں، محمود بھی ہمراہ ہولیا، یہ تینوں شخص دکان مرتہن پر پہنچے اور زید نے وہ زیور رہن کرکے بشرح سود روپیہ لے کر واپس ہمراہ آئے اور اس روپیہ سے کاربرآری کی، کرسکتے تھے یا نہیں؟ میت کو ثواب پہنچا یا نہیں؟ یا اس لڑکی کی شادی میں کوئی نقص ہوا یا نہیں؟ اور ان چار اشخاص میں کون کون مرتکب عذاب کا ہوا؟

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب:

فاتحہ سوم یا لڑکی کی شادی کے لئے سودی قرض لینا حرام ہے، زید ضرور مرتکب گناہ کبیرہ و مستحق عذاب ہوا، یونہی عمرو بھی جس نے اس حرام کے لئے زیور دیا، یونہی خالد بھی جسے اس نے رہن رکھنے کے لئے کہہ کر اپنے ساتھ لیا، رہا محمود جبکہ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں جارہے ہیں ساتھ جانے میں اس پر گناہ نہ ہوا مگر وہاں جاکر معلوم ہونے پر اگر اس نے کسی طرح اس میں مدد دی یا تائید کی تو وہ بھی ویسا ہی مرتکب گناہ ہوا مگر اصل نکاح میں اس سے خلل نہیں آتا اور مال حرام لے کر فاتحہ کا ثواب پہنچنا مشکل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱ تا ۱۸۲: ازجلالپور دھئی ڈاکخانہ خاص ضلع رائے بریلی مرسلہ منشی علی حسین خان پوسٹ ماسٹر ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) تبادلہ گیہوں یا دھان یا جو یا چنا وغیرہ شکر قند یا آلو یا میوہ سے زیادتی یا کمی کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز؟ رواج اعتبار ہند شکر قند وآلو و میوہ من حیث قدر وزنی ہے، اعتبار عند الفقہاء کیا ہے، گیہوں وغیرہ باعتبار فقہاء من حیث قدر کیلی ہے تغایر جنس ظاہر ہے تغایر قدر میں نہیں معلوم کیا ہے؟

(۲) گیہوں کو گیہوں سے یا جو سے یا جو کو جو سے اور گیہوں سے مساوی یا کم زائد بدلنا اس طرح پر کہ خریف میں دے دے اور ربیع میں وصول کرے، کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) گیہوں جو، چنے سے آلو شکر قند، میووں کی خرید وفروخت کم بیش کو بلاشبہہ جائز ہے کہ جنس مختلف ہے اور گیہوں اور جو سے قدر بھی یقیناً مختلف، اور جو میوے مثلاً آم یا شکر قند جہاں عددی ہوں وہاں چنے سے بھی، اور قدر مختلف نہ بھی ہو تو فقط اختلاف جنس کمی بیشی کو مباح کرتا ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب "بدلین" دو مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہے فروخت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ کتاب البیوع مکتبہ اسلامیہ ریاض ۴/ ۴

(۲) گیہوں کی گیہوں یا جو کی جو سے تبدیل کمی بیشی کے ساتھ ہو تو حرام، اور ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو تو حرام، اور گیہوں کی جو سے تبدیل نقدوں کمی سے حلال اور ادھار مطلقًا حرام،

فان احدی العلتین من القدر والجنس تحرم النسئۃ واجتماعھما والتفاضل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ دو علتوں یعنی قدر و جنس میں سے ایک علت کا وجود ادھار کو اور دونوں کا پایا جانا زیادتی کو حرام کرتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۳تا۱۸۴: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ مسئولہ قاضی یعقوب محمد سب انسپکٹر پولیس ۸/ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام رحمہم اللہ مسائل ذیل میں کہ:

(۱) رافضی بوہرے کافر ہیں یا مرتد؟ بہر دو صورت اگر مسلمان ان کے ساتھ یا ہندو کافر کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرے مثلًا ہزار یا پانچ سو روپیہ تجارت کے لئے رافضی کو دے اس شرط پر کہ گڑ اور شکر میں نقصان کی صورت نہیں ہوا کرتی ہے الا شاذ ونادر تو میں تجھ سے ڈیڑھ یا دو روپیہ فیصد ماہوار کے حساب سے نفع نقصان کا اوسط نکال کر تیری دکان سے خواہ نقد یا سامان خوردنی لیتا رہوں گا، اور یہ مضمون بطور شرط کاغذ پر لکھوا کر اور عرصہ تک اسی طرح باہمی معاملہ آپس میں جاری رہے اور راس المال محفوظ سمجھ کر بعوض نفع حسب قرار داد و شرط باہمی اشیائے خوردنی و پوشیدنی لیتا رہے اور ما بقے نفع کا حساب کرکے نقد لے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہوگا تو سود ہوگا یا کیا؟

(۲) اسی طرح کافر کو اگر مال دو مہینہ کا وعدہ پر قرض فروخت کرے اور اس کے ہاتھ سے اپنے بھی کھاتے میں لکھوالے کہ دو مہینہ میں روپیہ نہ ادا کروں تو بوقت ادائے روپیہ فی صد (۸/ یا عہ /) ماہوار اس مال کے نفع کا زائد ادا کروں گا، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا بسند الکتاب وتوجروا عند اللہ یوم الحساب (کتاب کے حوالہ سے بیان کرو اللہ تعالٰی کی طرف سے یوم حساب کو اجر دئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

بوہرے رافضی مرتد ہیں اور ہر مرتد کافر ہے بلکہ کافروں کی بدتر قسم، یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے کہ سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام وجزیہ گزار ہو کر رہے، نہ مستامن ہیں کہ بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کے لئے امان لے کر دارالاسلام میں آئے، اور جو کافر نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر و بدعہدی کے کہ مطلقًا ہر کافر سے بھی حرام ہے باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے

نام سے ہو مسلمان کے لئے حلال ہے۔**وقد فصلناہ فی فتوٰنا بمالا مزید علیہ** (ہم اس کو اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کرچکے ہیں جس پر مزید اضافہ کی گنجائش نہیں۔ت) ہدایہ وفتح القدیر وغیرہما میں ہے:

ان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذالم یکن فیہ غدر[1]۔	کفار کا مال دار الحرب میں مباح ہے لہٰذا ان کا سوائے دھوکا کے جس طریقے سے بھی مسلمان نے لیا اس نے مال مباح لیا (ت)

دوسری صورت بھی جائز ہے جس کا جواز جواب اول سے واضح ہے البتہ ان سب صورتوں میں یہ لحاظ رہے کہ ذی عزت متقی آدمی جسے جاہل عوام اپنی نافہمی کے سبب ایسی صورتوں میں **معاذ اللہ** سود خور مشہور کریں اسے احتراز مناسب ہے کہ جیسے برے کام سے بچنا ہے یونہی برے نام سے بچنا چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۸۵ تا ۱۸۶: از اودے پور میواڑ بڑا بازار مسئولہ چھیپا بخشاجی محمود ۸/رمضان ۱۳۳۹ھ

بعالی خدمت فیضد رجت، غوث دوران، قطب زمان، مجدد ہذا الاوان، حضرت مولٰنا الحاج مولوی مفتی احمد رضاخان صاحب مدظلہ العالی! **ماقولکم ایھا العلماء الکرام رحمکم اللہ تعالٰی** (اے علماء کرام، اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کیا فرماتے ہیں۔ت)

(۱) کفار ہنود کو ہزار دوہزار یا کم زیادہ کا دو مہینہ کے وعدہ پر قرض کپڑا فروخت کیا، کپڑا دیتے وقت اس سے یہ ظاہر کردیا گیا کہ اگر دو مہینہ کے وعدہ پر روپیہ نہ ادا کیا تو میں تجھ سے فی صد ایک روپیہ نفع زیادہ لوں گا یا یوں کہہ دیا جائے کہ مثلاً دو مہینے کے وعدہ پر اس کپڑے کی قیمت سو روپے اور اگر اس وعدہ پر نہ آئے تو ایک سو ایک روپے ہوں گے یہ اسلئے کہ کفار مسلمانوں کے روپوں کا وعدہ پر ادا کرنے کی فکر نہیں رکھتے، جائز ہوگا ناجائز؟

(۲) نوٹ سو سو روپیہ کے مثلاً یا بارہ آنہ زیادتی پر یعنی ایک سو ایک یا ایک سو بارہ آنے پر ایک مہینہ کے بعد واپس روپیہ لینا کرکے دئے گئے، وہ نوٹ تو اس کے کام میں آ گئے مگر مہینہ ہونے پر وہ بدلے میں روپیہ نہ دے اور نوٹ دے تو لینا جائز ہے یا روپیہ ہی لیا جائے؟**بینوا توجروا**۔

---
[1] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۸۷

الجواب:

(۱) یہاں کے کفار سے ایسی شرط جائز ہے **لانھم غیر اھل ذمۃ ولامستامن** (کیونکہ نہ تو وہ ذمی ہیں نہ مستامن۔ت) مگر یہ زیادت جو ملے اسے سود سمجھ کر نہ لے بلکہ مال مباح۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہاں کے کفار سے جس طور ہو جائز ہے،

لان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذما لامباحا اذالم یکن فیہ غدر کما فی الھدایۃ[1] وغیرہا۔	اس لئے کہ کفار کا مال دارالحرب میں مباح ہے لہٰذا جس طریقے سے بھی مسلمان نے اس کو لیا تواس نے مباح مال لیا بشرطیکہ دھوکا بازی نہ ہو، جیساکہ ہدایہ وغیرہ میں ہے(ت)

اور مسلمان کو اگر سو روپیہ کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لوں گا تو حرام اور سود ہے،

لان کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[2]۔	کیونکہ جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے(ت)

اور اگر سو روپیہ کا نوٹ مسلمان کے ہاتھ اس کی مرضی سے ایک سو ایک یا ایک سو دس روپیہ کو مہینہ بھر کے وعدہ پر بیچا تو حلال ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[3]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو(ت)

پھر اگر وعدہ کے وقت اس کے پاس روپیہ نہیں اور وہ نوٹ اور ایک روپیہ یا دس روپے یا ایک نوٹ سو کا اور ایک ایک روپیہ یا دس روپیہ کا دے تو لینا جائز ہے بشرطیکہ یہ نوٹ وہی نہ ہو جو اس نے بیچا تھا **لان شراء ماباع باقل ماباع قبل نقد الثمن لایجوز** (کیونکہ اپنی ہی فروخت کی ہوئی شے کو ثمن کی ادائیگی سے قبل اس ثمن سے کم پر خریدنا جس پر پہلے فروخت کی ناجائز ہے۔ت) ہاں اگر مشتری نے اس کو خرچ کردیا تھا اور پھر جدید سبب سے مشتری کے پاس واپس آیا اور اب وہی نوٹ بائع کو دیتا ہے لینا جائز۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] نصب الرایہ لاحادیث الہدایۃ کتاب البیوع مکتبہ اسلامیہ ریاض ۴/ ۴

ولو خرج عن ملك المشتری ثم عاد الیہ بحکم ملك جدید کاقالۃ او شراء او ھبۃ او ارث فشراء البائع منه بالاقل جائز لاان عاد الیہ بما ھو فسخ بخیار رؤیۃ او شرط قبل القبض او بعدہ بحر عن السراج [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مبیع مشتری کی ملک سے خارج ہوگیا پھر جدید سبب سے مشتری کے پاس لوٹا جیسے اقالہ، خریداری، ہبہ یا میراث کے طور پر۔اب بائع کا اس سے پہلے ثمن سے کم پر خریدنا جائز ہے،اور اگر مبیع دوبارہ مشتری کی ملک میں خیار شرط یا خیار رؤیت کی وجہ سے بیع کے فسخ ہونے پر واپس آیا چاہے قبضہ سے پہلے یا بعد، تواب بائع کے لئے جائز نہیں کہ پہلے ثمن سے کم پر اس سے خریدے۔بحر نے سراج سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۸۷: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروزپور مطبع سرکاری مرسلہ محمد علی ۷ ۲صفر ۱۳۳۸ھ

شریعت غرا کا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس خالص بیاج کی آمدنی ہے اور ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بیاج کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص سود لیتا رہے تو اس کی اس خالص بیاج کی آمدنی کو صدقات خیرات بالخصوص تعمیر مساجد میں لگانا حلال وجائز ہے اور اس کے اس آمدنی کے ایسے مصارف میں لگانے کے لئے اس کا عقیدہ ہی بس ہے بیاج علانیہ لیا جارہا ہے آمدنی جس کا مسئلہ دریافت ہے خالص بیاج ہے۔

الجواب:

سود حرام قطعی ہے اور اس کی آمدنی حرام قطعی اور خبیث محض ہے۔اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ طیب لایقبل الاطیبا [2]۔	بیشک اللہ پاک ہے، پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔(ت)

حرام کے لئے فقط اس کی حرمت کا اعتقاد کافی نہیں ورنہ حرام خوری وحرام کاری میں کیا فرق ہے وہاں بھی صرف اعتقاد حرمت کافی ہو بلکہ ربٰو تو زنا سے بھی بدرجہا بدتر ہے، بکثرت صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا:

الربٰو ثلثۃ وسبعون بابا ایسرھا	ربٰو تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جس میں سب سے

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۴

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ان اسم الصدقۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

مثل ان ینکح الرجل امه [1]۔ رواہ الحاکم فی المستدرك بسند صحیح عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی ماں سے زنا کرے۔(اس کو امام حاکم نے مستدرک میں سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

بلکہ علماء نے یہاں تک فرمایا کہ مال حرام فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے، اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس نے مال حرام دیا ہے اور اس کے لئے دعا کرے اور وہ آمین کہے تو دونوں نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور تجدید نکاح کریں۔ محیط وعالمگیریہ وجامع الفصولین وغیرہا میں ہے:

تصدق علی الفقیر شیئا من المال الحرام ویرجو الثواب کفر ولو علم به الفقیر ودعاله وامن المعطی کفرا [2]۔	کسی نے مال حرام میں سے کچھ فقیر پر صدقہ کیا اس حال میں کہ وہ اس سے ثواب کی امید کرتا ہے تو کافر ہوگیا اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال حرام ہے اس کے باوجود اس نے دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے اس پر آمین کہی تو دونوں کافر ہوگئے۔(ت)

زرحرام والے کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس سے لیا اسے واپس دے وہ نہ رہا اس کے وارثوں کو دے پتہ نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ تصدق بطور تبرع واحسان وخیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مال خبیث میں اسے تصرف حرام ہے اور اس کا پتہ نہیں جسے واپس دیا جاتا لہٰذا دفع خبث وتکمیل توبہ کے کئے فقراء کو دینا ضرور ہوا اس غرض کے لئے جو مال دفع کیا جائے وہ مساجد وغیرہ امور خیر میں صرف کہ خبیث ہے اور یہ مواضع خبیث کا مصرف نہیں، ہاں فقیر اگر لے کر بعد قبول وقبضہ اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو مضائقہ نہیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھو لھا صدقة ولنا ھدیة [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس (حضرت بریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا) کیلئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] المستدرك علی الصحیحین کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۰۸

[3] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

مسئلہ ۱۸۸: ازورو ڈاکخانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ صاحب ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کے سترہ آنے یاساڑے سولہ آنے ٹھہرا کر دو چار روز میں لینا کیسا ہے؟

الجواب:

روپیہ قرض دیااور یہ ٹھہرالیاکہ سواسولہ آنے لیں گے، یہ سود وحرام قطعی ہے اور اگر روپیہ سترہ آنے یا سولہ آنے کابرضائے مشتری بیچااور قیمت چار دن یادودن یادس برس بعد دینی ٹھہری تو یہ جائز ہے جبکہ روپیہ اسی جلسہ میں دے دیاگیاورنہ بیع باطل ہوجائے گی،

لکونہ افتراقا عن دین بدین ویکفی قبض احد الجانبین کما حققناہ فی کفل الفقیہ۔	کیونکہ افتراق ہے دین سے دین کے بدلے میں اور ایک جانب سے قبضہ کا پایا جانا کافی ہے جیساکہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیہ میں کردی ہے۔(ت)

اور اگر روپے کے سترہ آنے یا سولہ آنے خریدے اور پیسے چار دن بعد دینے ٹھہرے تو یہ ناجائز ہے کہ یہ بیع سلم ہوئی اور بیع سلم میں ایک مہینے سے کم مدت مقرر کرنی جائز نہیں **بہ یفتی زیلعی ودر وھو المعتمد بحر وھو المذھب نھر** (اسی پر زیلعی اور درفتوی دیتے ہیں اور یہی معتمد ہے(بحر) اور یہی مذہب ہے(نہر)۔ت) ہاں ایک مہنے یازیادہ کی مدت مقرر کریں اور روپیہ اسی جلسہ میں دے دیں اور باقی سب شرائط بیع سلم کے پائے جائیں تو جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ محمد حسن خان صاحب ۲۳/ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو تجارت پارچہ کی کرتا ہے،اس کا پارچہ کا روپیہ زید کے ذمہ چاہئے تھا، عرصہ جس کو دوڈھائی برس کا ہوگیا تھا بلاسودی، عمرو سود نہیں کھاتا ہے، عمرو کو بے حد ضرورت لاحق ہوئی، عمرو نے زید سے طلب کیا، زید نے انکار کیااور وعدہ چار ماہ کا کیا، عمرو نے کہاکہ اگر آپ اب مجھے نہ دوگے تو میری ذات رسوائی ہوگی تب کیانتیجہ ہوگا۔ زید کابڑا بھائی خالد تھااس سے سفارش کرائی تب زید نے کہاکہ بکر جو میرا عزیز ہے اس سے میں نے ابھی تھوڑا زمانہ ہوا ۴۲۱ سو روپیہ دستاویز لکھ کر قرض لئے تھے وہ روپیہ میں نے اداکردیاحسب معاہدہ بلاسود رسیدات آگئی ہیں دستاویزات انہی کے پاس ہیں، اگر وہ دے دیں تو رسیدیں واپس دے دوں دستاویز وہی پھر برقرار رہے گی وہ تم کو روپیہ دے دیں عمرو خالد کو ہمراہ لے کر بکر کے پاس گیا بکر سے کہاوہ راضی نہ ہوا تب عمرو نے کہا

آپ دو سو مجھے کم دے دیں میری عزت جاتی رہے گی بغیر روپیہ کے ملنے کے، میں ۲۶ سو لے کر ۲۸ سو کی رسید لکھنے کو تیار ہوں، یہ آپ کو فائدہ ہو جائیگا، بکر نے کہا تم کہیں اور اسے لے لو میں ضمانت کردوں گا۔ عمرو نے ایک کافر سے کہا کہ تین ماہ کے واسطے ۲۶ سو روپے دے دے وہ سو روپیہ سود کے طلب کرتا تھا، عمرو نے بکر سے کہا کہ یہ سو بھی آپ لے لیں آپ ہی دے دیں ۲۵ سو روپے اور رسید ۲۸ سو کی لیں میری ضرورت بہت شدید ہے اور خوشامد درآمد کی، خالد نے کہا سنا بکر راضی ہوگیا مگر یہ کہا کہ زید ایک خط لکھ دے کہ یہ روپیہ تین ماہ میں واپس کروں گا اگر نہ دوں تو مع سود کے چار ماہ میں دوں گا، اور ایک رقعہ پانچ سو کا لکھ دیں کہ اگر چار ماہ میں بھی نہ ادا ہو تو پانچویں ماہ مجھ کو اس رقعہ کا مطالبہ وصول کرنے کا حق حاصل ہوگا اور سود دستاویز کا بھی۔ چنانچہ زید نے رقعہ تاوانی باضابطہ لکھ دیا بکر کو، اور خط معاہدہ کا بھی، اور رسیدات واپس دے دیں، بکر نے عمرو کو ۲۵ سو دیا ۲۸ سو کی رسید لی، دو سو کمی کے کاٹے اور سود سو روپے، جملہ تین سو اور چودہ سو نقد زید کو دے دئے یا کسی سے دلادیئے، اس نے پورے چودہ سو نقد دئے بلا کسی کاٹ چھانٹ کے ۲۸ سو کی رسید ۱۴ سو نقد، یوں ۴۲ سو ہوگئے۔ عمرو نے رسید لکھتے وقت یہ کہا بکر سے کہ میں بہت غریب ہوں یہ سو روپے تو سود کے میں نے کاٹ دیئے مگر یہ دو سو روپے کمی والے محض ان کی وجہ سے کہ انہوں نے (زید نے) نہ دیئے اور میری۔۔ بغیر اس کے ذلت ہے بمبوری کمی کرکے لئے ہیں کہ حضور بغیر اس کے نہ دیتے اگر زید تین ماہ میں نہ دیں اور چوتھے ماہ میں دیں تو حضور یہ سود دستاویز جو حضور کو وصول ہوگا یہ معاوضہ ان کمی والے دو سو روپے کے میرا حق ہوگا وہ مجھ کو ملے، جو دو سو سے زائد ہوگا وہ حضور لیں کیونکہ میں تو انہیں کے بالعوض دے رہا ہوں وہ حضور مجھ کو دیں، تین ماہ میں واپس ہو روپیہ تو حسب معاہدہ بلا سود ہے میری تقدیر سے وہ چار ماہ میں دیں تو سود کی رقم ضرور لے کر مجھے دیں سود کہ میرا حق ہے مجھ کو جائز ہے زید نے وہ روپیہ حسب معاہدہ ادا نہ کیا بلکہ پانچ ماہ بعد ادا کیا بکر نے سود تو دستاویز کا نہ لیا جو دو سو ڈھائی روپیہ ہوتا تھا زید کو چھوڑ دیا مگر رقعہ تاوانی پانسو کا وصول کرلیا یعنی ۴۲ سو کے ۴۷ سو وصول کرلئے بعد وصول کے عمرو طالب ہے بکر سے کہ مجھے ان پانچ سو میں سے دو سو دیجئے کیونکہ حضور نہ چھوڑتے تو وہ مجھے ملتے آپ نے چھوٹی رقم نہ لی بڑی لی لہٰذا مجھ کو دو سو دیجئے گا، بکر نے کہا کہ مجھ کو یاد نہیں یہ معاہدہ ہوا تھا، تب خالد نے یاد دلایا کہ ہوا تھا اب بکر نے عمرو سے کہا کہ اگر شرع شریف حکم خدا اور رسول سے مجھ کو وہ رقم دو سو کی تمہاری اور بلکہ سو روپے سود کے جو میں نے تم سے لئے ہیں جائز ہیں تو میں نہ دوں گا اور اگر مجھ کو وہ حرام ہیں تو میں تین سو کے تین سو دینے کو تیار

ہوں، بکر کبھی سود نہیں کھاتا ہے اور ہزاروں روپے اپنے عزیزوں کو، دوستوں کو قرض بلا سود دیتا ہے۔اس سبب سے بکر دریافت کرتا ہے مرقومہ بالا صورتوں میں کون سی رقم مجھ کو جائز ہے یا کل ناجائز ہے؟ عنداللہ مواخذہ کس رقم کا ہوگا اور کس کا نہ ہوگا؟ اور کونسی رقم سود ہوگی اور کونسی سود نہ ہوگی یا کل سود ہوگی؟ اور عنداللہ میں گنہگار ہوں گا؟ عمرو شریعت کے حکم کے موافق تین سو یا دو سو یا ایک سو کس رقم کے واپس لینے کا مستحق ہے یا کسی رقم کے واپس پانے کا مستحق نہیں ہے یا کل واپس پانے کا مستحق نہیں ہے؟

الجواب:

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا (۲۹)"[1]۔	اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال بلاوجہ شرعی نہ کھاؤ ہاں تجارت میں آپس کی رضا سے نفع اٹھانے کی ممانعت نہیں اور اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے(ت)

بکر نے جو وہ پانسو زید سے لئے حرام اور قطعی سود ہیں اور یہ جو عمرو کو ۲۵ سود دیئے اور عمرو نے ۲۸ سو کی رسید لکھ دی یہ تین سو بھی سود اور حرام قطعی ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[2]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

قرض پر جو کچھ زیادہ لیا جائے سود ہے، بکر پر فرض ہے کہ زید کے پانچسو واپس کرے اور عمرو سے صرف پچیس سولے ایک پیسہ زیادہ حرام ہے اور اگر لیا ہے تو اسے بھی واپس دے، عمرو کا ان پانسو میں سے دو سو مانگنا بھی حرام ہے کہ وہ مال حرام ہے اس کا کہنا کہ سود کی رقم اسے دو میرا حق ہے مجھے جائز ہے، بہت سخت اشد کلمہ ہے، عمرو پر لازم ہے کہ توبہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۰: از قصبہ چتوڑگڑہ میواڑ مرسلہ ڈاکٹر شیخ فضیلت حسین صاحب ۱۷ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عمر ساٹھ سال کی ہے مدۃ العمر میں بوقت افلاس جب نقد روپیہ کی ضرورت پڑتی تو سود پر قرض لے کر کام چلاتا رہا اگرچہ سود کا دینا بھی شرعاً ممنوع ہے مگر

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

قرض ملنے کی بجز اس کے دوسری صورت نہ تھی اب اس وقت زید کے پاس ایک ہزار روپیہ نقد ہے جس کی زکوۃ کے (ص عہ) سالانہ فرض ہوتے ہیں اگر تجارت وغیرہ کرکے صورت ترقی پیدانہ کرے تو چند ہی سال میں ۲۵ روپیہ سالانہ ادا کرتے کرتے اصل رقم ہی ختم ہوتی ہے، بباعث ضعیفی بذات خود تجارت وغیرہ کر نہیں سکتا زمانہ کی وہ حالت کہ نہ نوکر قابل اعتبار، نہ شریک امانت دار، بلکہ جوملا دغا باز یا مکار، تو زید چاہتا ہے کہ کافروں مشرکوں کے زیوارات طلائی و نقرئی بطور رہن رکھ کر روپیہ دے کر ماہانہ یا سالانہ بطور منافع ٹھہرالے تو شرعاً کیا قباحت ہے، بعض علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتاوٰی میں ارشاد فرماتے ہیں یا بعض علماء دارالحرب تو قرار نہیں دیتے مگر یہاں کے کافروں کو حربی سمجھ کر ان کے مال غیر محفوظ فرماتے ہیں، بہر دو صورت اگر کافروں سے ایسے معاملات کئے جائیں یا ہنڈوی لکھوا کر روپیہ دے کر فائدہ اٹھالے مثلاً (لعہ لعہ ۹۹) یا ساڑھے ننانوے روپیہ دے کر سو روپیہ کی ہنڈوی اس سے لکھوالے میعاد مقرر شدہ پر سو روپیہ لے کر اس کی تحریر کردہ ہنڈوی اسے واپس کردے کہ زکوۃ کا ادا کرنا بھی نہایت ہی ضروری فرض ہے، قرآن شریف میں جو اللہ عزوجل جلالہ نے ربا حرام فرمایا ہے اس میں ربا کی کیا تعریف ہے، زمانہ نزول آیہ شریفہ میں عربستان میں ربا کس قسم کے سود کو کہتے تھے، اسی طرح یہاں کے کافر و مشرک سوداگر غلہ وغیرہ ارزانی میں خرید کر بند رکھتے ہیں اور گرانی کے منتظر رہتے ہیں اور بحالت مجبوری مسلمانوں کو بھی انہیں سے خریدنا پڑتا ہے، تو اگر زید بھی ایسا ہی کیا کرے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

قدرتی طور پر ہے کہ غلہ فصل پر ارزاں اور بیچ پر گراں ہوتا ہے اس سے فائدہ اٹھانا منع نہیں، غلہ بند رکھنا وہ منع ہے جس سے شہر پر تنگی ہوجائے۔ ہندوستان بلاشبہہ دارالاسلام ہے اسے دارالحرب کہنا صحیح نہیں، جو کافر مطیع اسلام نہ ہو نہ سلطنت اسلام میں مستامن ہو بلا غدر و بدعہدی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا ممنوع نہیں مگر گروی اور ہنڈوی کا طریقہ صورت سود ہے اور اسے سود ہی کہتے ہیں اور حتی الوسع برے نام سے بھی بچنا چاہئے اس سے بہتر نوٹ کی بیع ہے دس کا نوٹ بارہ یا پندرہ یا جتنے پر باہم رضامندی ہو بیچنا جائز ہے تو دس کا نوٹ قرض دے اور پیسہ اوپر دس ٹھہرائے یہ سود ہے اور دس کا نوٹ سو کو بیچے یہ جائز ہے، اور اگر کوئی فرق پوچھے تو اس کا جواب قرآن عظیم نے دیا ہے: "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[1] اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔ سود

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کا یہی طریقہ عرب میں جاری تھا جسے حرام فرمایا گیا:

الربا فضل خال عن العوض مستحق بالعقد۔[1]	ربا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور اس کا استحقاق عقد سے ہوا ہو۔ (ت)

یعنی عقد میں کسی ایسی زیادت کے لے جانے کی شرط کی جائے جس کے مقابلہ میں شرعاً کوئی عوض نہ ہو، یہ زیادت جنس متحد میں ظاہر ہوتی ہے بحالت نسیہ اتحاد وقدر میں بھی جس کی تفصیل فقہ میں ہے اور جو زیادہ مفصل بیان چاہئے ہماری کتاب کفل الفقیہ الفاھم دیکھئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۱: مسئولہ عبداللہ احمد سوداگر امراؤتی برار　　شنبہ ۲۲/ شعبان ۱۳۳۴ھ

اللہ جل شانہ نے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں سود خوری کی سختی سے وعید فرمائی ہے اور بیشک قرآن حکیم کے اوامر ونواہی انسان کے لئے دارین میں سود مند ہیں اس کے ہر فرمان پر ہمارا سر تسلیم خم ہے مگر مزید اطمینان کے لئے استفتا کرنے کی ضرورت پڑی کہ سود دینا اور سود لینا دونوں قطعی حرام ہیں، میرے ناقص خیال میں ہزار میں سے ایک شخص بھی ایسا مشکل سے نکلے گا جو مقدم الذکر دو بلاؤں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہ ہوا، تجارت کے کاروبار شاید ہی بغیر سود کے انجام پائیں، یہ ایک قابل غور بات ہے کہ فی زمانہ شرح سود اس قدر کم ہے کہ دینے والا خوشی سے ادا کرتا ہے اس پر کسی طرح کا بار نہیں پڑتا ہے کیونکہ اس کو فی صدی آٹھ آنے دینا پڑتا ہے تو ان روپوں سے تجارت کرکے سیکڑے دس پیدا کرتا ہے اسلئے لینے والا اور دینے والا دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں، تو معروض یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے، ربا کے جواز وعدم جواز میں کیا راز مضمر ہے، اور اتنی سختی کے ساتھ ممانعت کی کیا باعث ہے، مفصل تحریر فرماکر کمترین کو مطمئن فرمائیں، بغیر سود کے آجکل بیوپار کرنا مشکل نہیں تو محال ضرور ہے، خاص کرکے ولایت کی تجارت کا دارومدار ہی سود پر ہے مثلاً بمبئی میں ولایت کی ہنڈوی کا بھاؤ آج پندرہ روپے ہے تو کل پونے پندرہ تو پرسوں ساڑھے پندرہ، تو پھر ایسی حالت میں سود سے بچنا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ لاکھوں کا لین دین ہوتا ہے چونکہ آج کل تجارت زیادہ تر غیر قوموں کے ہاتھ میں ہے تو ان کے ساتھ باہم خرید وفروخت میں بغیر لئے دئے کے چل نہیں سکتا، تو اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ مسلمان اعلٰی پیمانہ

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۶، الھدایۃ باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰، ملتقی الابحر باب الربٰو مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۷

پر تجارت نہ کریں صرف قوت بسری کے لئے کچھ تھوڑا بہت کرلیا کریں جس طرح بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور چربی وغیرہ حرام کردی گئی تھی، آج کل تجارت میں بڑا نقص یہ بھی ہے کہ مال زیادہ تر ادھار بکتا ہے، تو ایسی حالت میں اگر خریدار کے ذمہ سود نہ لگایا جائے تو شائد وہ مہینے میں دینے والا برس بھر میں مشکل سے ادا کرے، کافروں کے ذمہ جو سود عائد ہوتا وہ ان سے وصول کرکے غریب مسلمان کو جو تعلیمی اخراجات کے بار کے متحمل نہیں ہوسکتے اور بے علمی کی وجہ سے اکثر مسلمانوں کے لڑکے آوارہ ہوجاتے ہیں اور رذیل پیشہ اختیار کرکے بے عزتی کی زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نان شبینہ کے محتاج ہوجاتے ہیں ایسے محتاج مسلمانوں کے تعلیمی امدادی فنڈ میں دیا جائے تو کیا قباحت ہے کیونکہ تین دن کے فاقہ پر حرام بھی کھانا حلال ہوجاتا ہے۔ سود خور اور سود دینے والے کے لئے اس قدر عتاب انگیز کلمات لکھے گئے ہیں کہ اس کے یہاں کھانا تو درکنار اس کے سایہ میں بیٹھنا بھی ایک سخت گناہ ہے، پھر ایسی حالت میں جبکہ دنیا بھر میں ہزار میں سے ایک بھی اس دقت سے بری نہیں کیا حال ہوگا یہ ممالک اسلامیہ میں بھی بنک کھولے گئے ہیں اور برابر لین دین ہوتا ہے البتہ طبقہ علماء و مشائخ اس سے محترز ہے مگر جب وعظ نصیحت کے لئے نکلتے ہیں تو ان بیچاروں کو بھی سفر میں جن کے یہاں کھانے پینے کا اتفاق ہوتا ہے اکثر سود لینے یا دینے والے ہوتے ہیں پھر مجبوری سے کہو یا خوشی سے مگر میں نے کسی عالم یا مشائخ کو اس بارے میں کسی طرح کا اعتراض نکالتے نہیں دیکھا ہے ماسوا اس کے کہ مدرسوں اور دینی امورات کیلئے جو چندے وصول کئے جاتے ہیں ان میں سے شاید ہی کسی ایسے کا چندہ ہو جو اس بلا سے بچا ہوا ہو، مورخ خلکان نے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے حالات کے ضمن میں ایک حکایت لکھی ہے کہ امام صاحب سے شہاب الدین غوری نے ایک کثیر رقم قرض لی تھی جب اس کو ادا کیا تو صلہ کے طور پر بہت بڑی رقم اضافہ کرکے دی تھی تو اس زیادہ کی رقم کو کیا کہنا چاہئے اور اس طرح لینا بھی جائز ہے کیا؟ **فقط**

الجواب الملفوظ

سود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن واحادیث صحیحہ متواترہ میں وارد اور یہ کہ وہ کیوں حرام ہوا اور اس قدر اس پر سختی کیوں ہے اس کے جواب قرآن عظیم نے دو جواب عطا فرمائے، ایک عام اور ایک خاص عام تو یہ کہ:

"لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ "[1]	اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۳

"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ "[1] " لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؑ ۝۸۸ "[2] "وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶ "[3]	اور سب سے سوال ہوگا، حکم نہیں مگر اللہ کو اسی کی حکومت ہے، اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا، کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کچھ کہ جب اللہ اور رسول کسی بات میں کچھ حکم کریں تو انھیں کچھ اپنا اختیار باقی رہے اور جو اللہ ورسول کے حکم پر نہ چلے بیشک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا۔

اور خاص یہ کہ کافروں نے اعتراض کیا تھا "اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ "[4] (بے شک بیع سود کی مثل ہے۔ت) تم جو خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے بیع میں بھی تو نفع لینا ہوتا ہے، اس کا جواب ارشاد فرمایا:

"وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ "[5]	اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

تم ہوتے ہو کون، بندے ہو سر بندگی خم کرو، حکم سب کو دئے جاتے ہیں، حکمتیں بتانے کے لئے سب نہیں ہوتے، آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کسی دفعہ پر حرف گیری کرے کہ یہ بیجا ہے یہ کیوں ہے، یوں نہ چاہئے، یوں ہونا چاہئے تھا، جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چون وچرا کی مجال نہیں ہوتی تو اس ملک الملوک بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں، اور کس لئے کا دم بھرنا کیسی سخت نادانی ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ سود لینا مطلقًا عمومًا قطعًا سخت کبیرہ ہے اور سود دینا اگر بضرورت شرعی ومجبوری ہو تو جائز ہے، درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربٰو[6]۔	محتاج سود پر قرض لے سکتا ہے۔(ت)

ہاں بلا ضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی روپیہ لینا حرام ہے، سود خور کے یہاں کھانا نہ چاہئے مگر حرام و ناجائز نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمارے سامنے کھانے کو آئی بعینہٖ سود ہے مثلًا ان گیہوں کی روٹی جو اس نے سود میں لئے تھے یا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[6] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

سود کے روپے سے اس طرح خریدی گئی ہے کہ اس پر عقد و نقد جمع ہوگئے یعنی سود کا روپیہ دکھا کر اس کے عوض خریدی اور وہی روپیہ اسے دے دیا، جب تک یہ صورتیں تحقیق نہ ہوں وہ کھانا حرام ہے نہ ممنوع۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔	فتاوٰی ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد سے منقول ہے کہ ہم اسی (قول جواز) کو لیتے ہیں جب تک بعینہٖ کسی شے کا حرام ہونا معلوم نہ ہوجائے (ت)

تو نہ خلق پر تنگی ہے نہ علماء پر اعتراض، ہاں تجارت حرام کے دروازے آج کل بکثرت کھلے ہیں ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے وہ تو بیشک شرع مطہر نے ہمیشہ کیلئے بند کئے ہیں جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔ دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔ مسلمانوں سے کس نے کہا کہ کافروں کی اموال کی وسعت اور طریق تحصیل آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے، اے مسکین! تجھے تو کل کا دن سنوارنا ہے،

" یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ "[2]۔	جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد، مگر جو اللہ کے حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

اے مسکین! تیرے رب نے پہلے ہی تجھے فرمادیا ہے:

ولاتمدن عینیك الٰی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربك خیر وابقٰی[3]۔	اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیوی زندگی کی آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے کچھ مردوں و عورتوں کے برتنے کو دی تاکہ وہ اس کے فتنہ میں پڑے رہیں اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا۔

چندہ کا جواب اوپر آگیا کہ اگر ہم کو تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ روپیہ جو دے رہا ہے بعینہٖ سود کا ہے تو لینا حرام ورنہ جائز۔ رہا اس صورت میں متحقق ہوتا ہے کہ عقد میں مشروط ہو اگرچہ شرط نصًا نہ ہو یا عرفًا ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۲۶ /۸۸ و۸۹

[3] القرآن الکریم ۲۰ /۱۳۱

ورنہ احساناً قرار داد سے زائد دینا نہ ربا ہے نہ جرم۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک پاجامہ خریدا اور قیمت کی چاندی وزن کرنیوالے سے ارشاد فرمایا: زن وارجح[1] تول اور زیادہ دے۔ یہ احسان ہے، "مَاعَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ"[2]۔ (احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ت) پھر امام رازی پر کیا اعتراض ہے، سود لینا شرع نے مطلقاً حرام فرمایا ہے مسلم سے ہو یا کافر سے، قال تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"[3] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) اس میں کوئی تخصیص نہیں مگر مدار اعمال نیت پر ہے اگر کسی کافر کا مال کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن، بلاغدر و بدعہدی اور بغیر کسی نیت ناجائز کے حاصل ہو تو بہ نیت شے مباح اسے لینا ممنوع نہیں اگرچہ وہ دینے والا اپنے ذہن میں سود ہی سمجھ کر دے یہ مال مساجد و مدارس و مصارف یتامٰی میں بھی صرف ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲: از مقام کٹھور ضلع سورت حاجی محمد سلیمان کٹڑوا بروز یکشنبہ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناٹراموے وریلوے کمپنی و دیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹراموے یا ریلوے یا کارخانہ پارچہ بافی یا آہن سازی یا کسی تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کرکے اس کے حصص فروخت کئے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں اور ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں اور کچھ روپیہ نفع میں سے جمع بھی رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کرکے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ بھی لیا جاتا ہے اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے بڑھتی گھٹتی رہتی ہے حصہ داران اپنے حصہ کو اسی بھاؤ سے فروخت کردیتے ہیں لیکن فروخت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنی فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال کہتا ہے کہ آج

[1] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی الرجحان فی الوزن آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۸
[2] القرآن الکریم ۹/ ۹۱
[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کہہ دیتا ہے کہ بیچ دو، تو وہ کسی کو بیچ دیتا ہے، یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ صرف کمپنی والوں سے دلال بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کردے دیتا ہے، یہاں قابل غور یہ امر بھی ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی شے طلب کرے تو کمپنی والے وہ شیئ اسے نہیں دیتے اور نہ اسے اس کے دام واپس کرتے ہیں البتہ وہ جس وقت حصہ فروخت کرنا چاہے تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے، اور اسے اسی وقت روپیہ مل بھی جاتا ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے حصص خریدنے عندالشرع جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو یہ کس بیع میں داخل ہے اور اس میں زکوۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے یا منافع پر؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب الملفوظ

ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور وہ اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کم زائد کو بیچا گیا تو ربا اور حرام قطعی ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو صرف ہے جس میں تقابض بدلین نہ ہوا یوں حرام ہے، پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے، غرض یہ معاملہ حرام در حرام محض حرام ہے حصص کی قیمت شرعا کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں، یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا منفعت جائزہ غیر ربا میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکوۃ لازم آئیگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۳: از بہرائچ درگاہ شریف مسئولہ عظیم الدین مدرس افسر مدرسہ مسعودیہ، بروز پنجشنبہ ۲۲ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو کچھ روپیہ مختلف شرع سود پر بدفعات قرض دیا اور اس روپیہ میں کوئی جائداد مرہون نہیں تھی اس کے بعد خالد پسر زید نے عمرو کی جائداد بخیال اپنے وارث ہونے کے خرید کیا، کل زر قرض اصل معہ سود زر ثمن جائداد میں مجرا لیا، پس سوال یہ ہے کہ خالد وعمرو جو دونوں سنی المذہب ہیں اور حدود شرعیہ سے نکلنا نہیں چاہتے، ایسی صورت میں خالد کو رقم سود حلال ومباح ہے یا حرام وناجائز ہے اور خالد خیرات وصدقہ کر دینے کے عذر سے یا عمرو کے مبتلائے اسراف ہو جانے کے احتمال سے رقم سود واپس نہیں کرنا چاہتا، یہ عذر اس کا کیسا ہے؟ جواب مع دلائل، مہربانی فرما کر تحریر فرمائیے **فقط۔**

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ(۲۷۸) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۚ"[1]۔	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا چھوڑ دو پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ و رسول سے لڑائی کا اعلان کردو یعنی اللہ و رسول سے لڑنے کو تیار ہوجاؤ اگر سود نہیں چھوڑتے۔

خالد پر ایک حبہ سود کا لینا حرام ہے، حدیث میں فرمایا: "جس نے دانستہ ایک درہم سود کا لیا اس نے گویا چھتیس ۳۶ بار اپنی ماں سے زنا کیا"۔ بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے کہ سود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے **ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امه**[2] ان سب میں ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[3]۔	لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود لینے والے اور کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اور یہ عذر کہ خیرات کرے گا یا عمرو مسرف ہے محض اغوائے شیطانی ہے، اسراف اگر وہ کرے تو گناہ اس پر ہوگا اس کا مال ضائع ہوگا دوسرے کو گناہ سے بچانے کے لئے خود اللہ و رسول سے لڑائی مول لینا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی لعنت قبول کرنا عقل و دین سے کیا علاقہ رکھتا ہے اور خیرات کا عذر تو اور بھی بدتر ہے، خیرات کرنے کے لئے حرام مال لینا اس عورت کے مثل ہے جو تصدق کے لئے اجرت پر زنا کرائے کہ خیرات کرے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

کمطعمۃ الایتام من کد فرجھا لك الویل لاتزنی ولا تتصدقی[4]۔	جیسے وہ عورت کہ اپنی فرج کی کمائی سے یتیموں کو کھانا دے، تیری خرابی ہو نہ زنا کر نہ خیرات دے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹-۲۷۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷

[3] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[4] ردالمحتار

بلکہ خالد کی سعادت یہ ہے کہ اس کے باپ نے جس قدر سود لیا ہے وہ بھی واپس دے اگر اللہ تعالٰی سے ڈرتا اور حدود شرع میں رہنا چاہتا ہے تو راہ یہ ہے اور ہدایت اللہ تعالٰی کے ہاتھ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۴: از مقام بمبئی سیتارام بلڈنگ کوٹھی صاحب عبداللہ علی رضا صاحب مسئولہ سرور خان ۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

مصدر فیض وحسنات مکرم ومعظم بندہ اعلیحضرت مولانا قبلہ دام ظلکم، السلام علیکم!

برادرم محمد عبدالعزیز نے کلکتہ سے آنجناب سے جان کے بیمہ کی نسبت دریافت کیا تھا، آنجناب نے ناجائز کا فتوٰی دیا، مذکور فتوٰی کو انہوں نے میرے پاس بھیج دیا دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سوال ان کا ناقص ہے دوبارہ بغرض تحقیق مسئلہ مذکورہ مفصلاً پیش ہوتا ہے، امیدوار جواب باصواب ہوں۔ ایک بیمہ کمپنی میں جس کے مالک و مختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں علاوہ دریا و آگ کے بیمہ کے، جان کا بیمہ بھی ہوتا ہے، صورتیں اس کی متفرق ہیں:

[1] **پہلی صورت:** میں تمام عمر ایک مقررہ فی بیمہ اتارنے والا کمپنی مذکورہ کو تمام عمر ہر سال دیتا رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے مثلاً تیس سال کی عمر کے شخص نے ہزار روپیہ کی رقم کے لئے اپنا بیمہ اتارا تو سالانہ فیس اس کو اٹھائیس روپیہ دینا پڑے گا اور اس کے مرنے کے بعد کمپنی اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار دے دے گی مثلاً آج کسی شخص نے بیمہ کمپنی سے معاہدہ کیا اور پہلے سال کی فیس دی اس کے بعد دو مہینہ یا دو سال یا چار سال کے بعد مر گیا تو بیمہ کی پوری رقم ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

[2] **دوسری صورت:** یہ ہے کہ معدودفی فقط چند سال تک ہر سال کمپنی مذکور کو دیتا رہا اور اس کے مرنے پر اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم پوری ایک ہزار روپیہ دی جائیگی، یہ پہلی صورت سے اچھی ہے، چند سال فی بھرنے کے بعد بھرنا نہیں ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص کی عمر تیس سال ہے اور ساٹھ سال کی عمر تک کمپنی کو سالانہ ساڑھے تیس روپیہ فیس دیتا رہے اور پھر نہ دے تو اس کے وارثوں کو بعد موت بیمہ کی رقم دی جائے گی، اگر بیمہ اتارنے والا قبل مدت کے مر گیا تو بیمے کی طرف سے اسکے وارثوں کو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ دی جائے گی۔

[3] **تیسری صورت:** کوئی شخص جو بیمہ اتارتا ہے وہ آئندہ اپنے بڑھاپے میں مثلاً پچپیس سال یا ساٹھ سال یا باسٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیمہ کی ہوئی رقم خود وصول کرنا چاہتا ہے اس عمر تک بیمہ اتارنے والا زندہ رہا تو رقم مذکور اسی کو ملے گی ہر بڑھاپے عمر کی فیس جدا ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال

کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایک ہزار چاہتا ہے تو سالانہ اس کی فیس ساڑھے چونتیس روپے ہے، اگر وہ زندہ رہا تو سالانہ اس کو فیس مذکورہ دینا ہوگا، اور اس کو ساٹھ سال کی عمر میں بیمہ کی رقم ایک ہزار ملے گی اس درمیان میں بیمہ اتارنے والا مر گیا تو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

چوتھی صورت: یہ صورت تیسری صورت سے ملتی جلتی ہے، فرق یہ ہے کہ اس صورت میں بیمہ اتارنے والے کو فقط بیس سال تک فیس دینی پڑتی ہے اس کے بعد پھر دینا نہیں پڑتا اس کی فیس تیسری صورت سے ذرا زیادہ ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال میں ایک ہزار روپیہ چاہتا ہے تو اس کو سالانہ بیالیس روپیہ دینا ہوگا بیس سال کے بعد پھر دینا نہ ہوگا، جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے گا تو کمپنی اس کو بیمہ کی رقم دے دیگی یعنی مبلغ ایک ہزار روپیہ، اس اثناء میں وہ مر گیا تو اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار روپیہ مل جائے گا۔ کوئی شخص مذکورہ بالا صورتوں کا بیمہ لینے کے بعد چند سال بیمہ کی فیس دیتا رہا اس کے بعد دینا نہ چاہے یا دے نہ سکا اور کمپنی سے روپیہ جو بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم فیس ادا کردہ اس کو ملے گی، مثلاً دس سال تک دیتا رہا اندازاً اجملہ چار سو ہوا زیادہ ہوا یا کم ہوا اب وہ کمپنی سے اپنا معاہدہ منسوخ کرا کر جو روپیہ بھرا ہے واپس چاہتا ہے، تو فقط نصف رقم چار سو کی دو سو ملے گی اگر واپس نہ چاہا تو مدت مقررہ گزرنے پر جس کو وہ انتخاب کیا ہو بوقت معاہدہ بیمہ کی رقم بالمناسبۃ ملے گی مثلاً چوتھی صورت کا بیمہ کسی نے لیا پانچ سال تک فی دیتا رہا، اس کے بعد دے نہ سکا یا دینا نہ چاہا تو اس کو پاؤ رقم کی دئے کی رسید ملے گی یعنی ۲۵۰ روپیہ اس کو یا تو بشرط حیات ساٹھ سال کی عمر میں مذکور روپیہ ۲۵۰ ملے گا یا بعد موت اس کے وارثوں کو ملے گا، بیمہ کی فیس جدا جدا ہے جتنی عمر کم ہوگی اتنی فیس کم ہوگی، بڑی عمر کے لئے زیادہ فیس ہے، یہ حساب بیمی اتارنے کے وقت کیا جاتا ہے اور بیمہ اتارنے کے وقت جو عمر رہتی ہے اس کی فیس تمام عمر یا بڑھاپے کی عمر تک بھرنا ہوگا جس کو وہ پسند کرے۔ بالامذکور صورتوں سے روپیہ جمع کرنا اور بیمہ کمپنی سے معاہدہ کرنا اور کمپنی مذکورہ سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سائل حنفی المذہب ہے لہٰذا فتوٰی بھی اسی مذہب پر ہو۔ **والسلام**

الجواب:

یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں، ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہٰذا اجازت نہیں **کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر** (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: از موضع درؤ ضلع پیلی بھیت مرسلہ عبدالعزیز خان صاحب ۱۳/رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فروخت غلہ نسیہ ساتھ نقصان نرخ کے بشرط ادائیگی وقت خرمن گاہ جس طرح فی زمانہ زمیندار کیا کرتے ہیں مثلاً اسامی نے تخم واسطے کاشتکاری زمیندار سے طلب کیا اس نے نرخ سے دو تین سیر کم کرکے دے دیا اور اس کی قیمت اس کے ذمہ واجب الادا کرکے وقت بٹائی کے وصول کرلیا خواہ روپیہ لے لیا یا اناج جس کو ہندی میں بیج کھاد کہتے ہیں آیا اس قسم کی بیع جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قرضوں نرخ موجود سے کم بیچنے میں مضائقہ نہیں جبکہ باہم تراضی ہومگر یہ ضرور ہے کہ نرخ و قیمت و وعدہ ادائے قیمت سب وقت بیع معین کردئے جائیں اور غلے کے بدلے غلہ نہ بیچے، مثلاً بارہ سیر کا بک رہا ہے اس نے دس من غلہ دس سیر کے حساب سے دو مہینے کے وعدے پر چالیس روپے کو بیچا کوئی حرج نہیں، اور اگر یہ ٹھہرا کہ غلہ اتنے غلے کے عوض بیچا جو آج کے بھاؤ سے اتنے روپوں کا فصل پر ہو تو حرام اور سود ہے یونہی وقت خرمن گاہ کا وعدہ بیع میں جائز نہیں ہے اگر عقد بیع میں یہ میعاد مذکور ہوگی بیع فاسد وگناہ ہوگی، ہاں اگر نفس عقد میں قرضوں کا ذکر نہ تھا پھر قرار پایا کہ یہ روپے جو مشتری پر لازم آئے وقت خرمن ادا کئے جائیں گے تو جائز ہے۔

فی الدر المختار لایصح البیع بثمن مؤجل الی قدوم الحاج والحصاد للزرع والدیاس للحب والقطاف للعنب لانہا تتقدم وتتأخر ولو باع مطلقًا عن ہذہ الأجال ثم اجل الثمن الدین الیہا صح التاجیل کما لو کفل الی ہذہ الاوقات لان الجہالۃ الیسیرۃ متحملۃ فی الدین والکفالۃ اھ[1] مختصرًا۔	درمختار میں ہے کہ بیع اس ثمن کے بدلے صحیح نہیں جس کی میعاد حاجیوں کے آنے یا کھیت کاٹنے یا غلہ گاہنے یا انگور توڑنے کے ساتھ مقرر کی گئی ہو کیونکہ یہ اوقات مقدم ومؤخر ہوتے رہتے ہیں ہاں اگر ان اوقات کا ذکر کئے بغیر بیع کی پھر ثمن دین کو ان اوقات کے ساتھ مؤجل کردیا تو مدت مقرر کرنا صحیح ہے جیسا کہ کوئی شخص اوقات مذکورہ تک ضامن بنے کیونکہ تھوڑی سی جہالت دین اور ضمانت میں قابل برداشت ہے اھ مختصرًا (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

پھر بہر حال یہ اس سے انہیں قرار یافتہ روپوں کے لینے کا مستحق ہوگا وقت خرمن جبر نہیں کرسکتا کہ اب اس وقت کے بھاؤ سے اتنے روپوں کا جو غلہ ہو وہ دے یہاں تک کہ اگر عقد میں یہ شرط کرلی تھی کہ چالیس روپے زرِ ثمن کے عوض فصل پر جو بھاؤ ہوگا اس کے حساب سے غلہ لیا جائیگا تو بیع فاسد و حرام ہوجائے گی۔

لفساد الشرط وصفقتين فی صفقة والافتراق عن دين بدين فی ماشرط من معاوضة الثمن بالحب مع جهالة قدر المبيع فی هذه المعاوضة	کیوں کہ اس میں فساد شرط،ایک سودے میں دو سودوں کا اجتماع اور جدا ہونا ہے دین سے دین کے بدلے میں اس چیز میں جو اس نے وقت خرمن پر معاوضہ ثمن کی شرط لگائی باوجودیکہ اس معاوضہ میں مبیع کی مقدار مجہول ہے(ت)

ہاں اگر فصل پر مشتری کہے میرے پاس روپیہ نہیں آج کے نرخ بازار سے کہ فریقین کو معلوم ہے ان روپوں کے بدلے غلہ لے لو تو جائز ہے کما نص علیه العلماء و بیناه فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس پر علماء نے نص فرمائی ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔ت)

مسئلہ ۱۹۶: مرسلہ وحید الدین صاحب محلّہ اردو بازار بھاگلپور سٹی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب اور دونوں کی تعریفیں کیا ہیں، ہندوستان میں غیر اقوام سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ جو شخص سود لیتا ہے یا سود تمسکات کی تحریر کی اجرت سے اپنی اوقات گزاری کرتا ہو ایسے شخص کے یہاں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہندوستان دارالاسلام ہے دارالاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو، یا اب نہیں تو پہلے تھی،اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثل جمعہ و عیدین و اذان و اقامت وجماعت باقی رکھے اور اگر شعائر کفر جاری کئے اور شعائر اسلام یک لخت اٹھادئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا،اور وہ جگہ چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دارالحرب ہوجائے گا،جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوسکتا۔ سود لینا نہ مسلمان سے حلال ہے نہ کافر سے۔ سود خور اور تمسک لکھنے والا اور اس پر گواہی کرنیوالے سب ایک حکم میں ہیں[1] جو کھانا سامنے لایا اگر معلوم ہو کہ یہ بعینہٖ سود کا ہے تو اس کا کھانا حرام اور اگر سود کا روپیہ دکھا کر یا پہلے دے کر اسکے عوض کھانے کی چیز خریدی جب ناجائز ہے ورنہ ناجائز

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربوٰ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

نہیں مگر ایسے لوگوں سے اختلاط نا مناسب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۷: از گودنا ڈاکخانہ یولگنج ضلع سارن مدرسہ حمیدیہ مرسلہ منشی عبدالحمید صاحب ناظم مدرسہ مذکورہ ۱۸/ شوال ۱۳۳۱ھ

مایقول السادۃ الفضلاء ھل یجوز اخذ الربا عن اھل الحرب فی الھند سواء کانوا ھنودا ام نصرانیین او غیرہم ممن لاذمۃ لھم علینا۔	کیا فرماتے ہیں بزرگ فضلاء کہ کیا ہندوستان میں اہل حرب سے سود لینا جائز ہے؟ چاہے وہ ہندو ہوں یا نصرانی ہوں یا ان کے علاوہ جن کا ذمہ ہم پر لازم نہیں (یعنی ذمی نہیں)۔ (ت)

الجواب:

الھند بحمدہ تعالٰی دارالاسلام لبقاء کثیر من شعائر الاسلام ومابقی علقۃ منھا تبقی دارالاسلام دار الاسلام لان الاسلام یعلو ولا یعلی [1] اما اخذ الربا فانہ لایجوز مطلقًا لاطلاق نصوص التحریم وماذکروامن جواز اخذ الفضل فی دارالحرب فلیس من باب الربا فی شیئ،لان الربا انما یکون فی مال معصوم ومال اھل دارالحرب غیر معصوم حتی من اسلم منھم ثمہ ولم یھاجر الینا فاخذ ذٰلك اخذ مال مباح لااخذ ربا،ولذا یقول المحققون لاربا فی دارالحرب لاانہ یجوز اخذ الربا فیھا	ہندوستان الحمدللہ دارالاسلام ہے کیونکہ اس میں بہت سے شعائر اسلامی باقی ہیں اور جب تک ان شعائر اسلامیہ کا تعلق باقی رہے دارالاسلام دارالاسلام ہی رہتا ہے اس لئے کہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ رہا سود کا لینا تو وہ نصوص تحریم کے اطلاق کی وجہ سے مطلقًا حرام ہے اور فقہاء کرام نے جو دارالحرب میں زیادہ لینے کے جواز کا ذکر کیا ہے وہ سود کے قبیلہ سے نہیں ہے کیونکہ سود مال معصوم میں ہوتا ہے اور اہل حرب کا مال معصوم نہیں یہاں تک کہ اگر اہل حرب میں سے کوئی شخص وہاں ہی مسلمان ہوا اور ہجرت کرکے ہماری طرف دارالاسلام میں نہیں آیا تو اس کا مال لینا مال مباح کا لینا ہے نہ کہ سود کا لینا۔ اسی لئے محققین فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں کوئی سود نہیں، یوں نہیں فرماتے کہ وہاں سود

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

كما يقولون لاربا بين السيد وعبده لاانه يجوز للسيد اخذ الربا من عبده،فانما اطلق عليه اسم الربا نظر االى الصورة،وانما الاحكام للحقائق وهذا الحكم يعم كل حربي غير مستامن ولو فى دار الاسلام لان المناط عدم العصمة وهو يشملهم جميعا،فلا يحرم علينا معهم الاالغدر،فاذا جاوزته و اخذت منهم مااخذت باسم اى عقد اردت فقد اخذت مالا مباحا لاتبعة عليك فيه كما راهن الصديق الاكبر عليه الرضوان الاكبر كفار مكة فى غلبة الروم واخذ مالهم باذنه عليه وعلٰی اٰله افضل الصلوٰة والسلام،فانما جاز لعدم العصمة والالكان قمارامحرما،فهذا هوالاصل المطرد فى هذا الباب ومن اتقنه تيسر عليه استخراج الجزئيات وقد فصلنا القول فيه فى فتاوٰنا،نعم هنا دقيقتان يجب التنبه لهما [1] الاولى ينبغى التحرز عن مواقف التهم ممن جاهر باخذ الفضل منهم

لینا جائز ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں، نہ یہ کہ مالک کا غلام سے سود لینا جائز ہے، اس پر سود کا اطلاق محض صورت کے اعتبار سے ہے اور احکام تو حقائق کے لئے ہوتے ہیں (نہ کہ صورت کے لئے) اور یہ حکم مذکور ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے اگرچہ وہ دارالاسلام میں ہو کیونکہ اس حکم کا دارومدار مال کے معصوم نہ ہونے پر ہے اور وہ (عدم عصمت) تمام غیر مستامن حربیوں کو شامل ہے چنانچہ ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکا بازی کے کچھ حرام نہیں، اور جب تو دھوکا بازی سے اعراض کرتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو بیشک تو نے مال مباح لیا اس میں تجھ پر کوئی مواخذہ نہیں جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غلبہ روم کے بارے میں کفار مکہ سے شرط لگائی اور نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم کی اجازت سے اس شرط پر کفار مکہ کا مال لے لیا کیونکہ ان کا مال معصوم نہیں ورنہ تو یہ جوا ہے جو کہ حرام ہے۔ اس باب میں یہ قاعدہ کلیہ ہے جس نے اس کو مستحکم کرلیا اس پر جزئیات کا استخراج آسان ہوگیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے ہاں یہاں دو باریک باتیں ہیں جن پر متنبہ ہونا ضروری ہے، پہلی بات یہ ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہئے۔ جس شخص نے اعلانیہ طور پر حربیوں سے زیادتی مال وصول کی اور

بالنیة الصحیحة المذکورة انما یاخذ حلالا ولکن یتهمه العوام باکل الربا فینبغی التحرز عنه لذوی الهیأت فی الدین و [2] الثانیة ان من الصور المباحة ما یکون جرما فی القانون ففی اقتحامه تعریض النفس للاذی والاذلال وهو لایجوز فیجب التحرز عن مثله وما عدا ذٰلك مباح سائغ لاحجر فیه، نعم من اخذ منهم الفضل ونوی اخذ الربا فهو الذی قصد المعصیة، وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی [1]، کما نصوا علیه فی من تعمد النظر من بعید الی ثوب موضوع فی الطاق ظنا منه انها امرأة اجنبیة حیث یاثم بما قصد و ان کان النظر الی الثوب مباحا فی نفسه وھو سبحانه وتعالٰی اعلم۔	نیت اس کی صحیح ہے جس کا ذکر ہوا تو بیشک وہ حلال مال لیتا ہے لیکن عوام اس پر سود کھانے کی تہمت لگائیں گے لہذا دینی اعتبار سے صاحب حیثیت لوگوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ مباح صورتوں میں سے بعض قانونی طور پر جرم ہوتی ہیں ان میں ملوث ہونا اپنی ذات کو اذیت و ذلت کے لئے پیش کرنا ہے اور وہ ناجائز ہے، اس طرح کی صورتوں سے بچنا ضروری ہے اور اس کا ماسوا مباح و جائز ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں، ہاں جس نے حربیوں سے زیادہ مال بنیت سود لیا تو اس نے گناہ کا قصد کیا اور اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی، جیسا کہ فقہاء کرام نے اس شخص کے بارے میں اس پر نص کی ہے جس نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو دور سے غیر محرم عورت سمجھتے ہوئے قصداً اس کی طرف نظر کی کیونکہ اس نے اپنے قصد میں گناہ کیا اگرچہ کپڑے کو دیکھنا فی نفسہٖ مباح ہے۔ (ت) وھو سبحانه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: از لکھنؤ بازار جھاؤلال مکان ۷۳ مسئولہ سید عزیز الرحمان ۱۱/ رمضان ۱۳۳۹ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (آپ کا کیافرمان ہے اللہ آپ پر رحم کرے۔ت) ربا کی حرمت نصوص صریحہ سے ثابت ہے مگر قرآن مجید میں ربا کی کوئی تفسیر نہیں کی گئی، ایام جاہلیت میں جو ربا عام طور پر شائع تھا وہ یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے میعاد معینہ پر قرض لیتے تھے اور میعاد

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدأ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ١/ ٢

گزر جانے پر مدیون راس المال پر اضافہ گوارا کرتا یا پہلے ہی سے دونوں میں معاہدہ ہو جاتا تھا، اسی راس المال پر اس افزائش کو اضافہ کرکے پھر اس پر سود لگایا جاتا تھا جیسا کہ اس زمانے میں مہاجنی کا طریقہ ہے اس صورت کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر اب اس زمانے میں معاملات کی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں جیسے بنک یا لائف انشورنس کمپنی یا ریلوے اور ملوں کے حصے وغیرہ جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں ان میں جو شخص روپیہ جمع کرتا ہے وہ در حقیقت قرض نہیں دیتا اور جو نفع اس کو ملتا ہے وہ در حقیقت سود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس تجارت میں ایک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگرچہ وہ بلفظ سود ہو مگر در حقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ اس کاروبار کا نفع ہے جو منقح ہوتا ہے اور قرآن مجید میں کہیں منقح نفع کی حرمت وارد نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے، اس واسطے کہ جو شخص تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ وہ فیصدی تین یا پانچ روپیہ پہلے سے منقح کرکے لیا کرے خصوصًا اس زمانے میں جبکہ کروڑوں روپیہ کے شرکت سے تجارتی کاروبار کھولے جاتے ہیں اور شرکاء کی جانب سے ڈائرکٹروں کی جماعت کاروبار چلانے اور حساب وکتاب رکھنے اور منافع مشخص کرنے اور ریزروفنڈ (محفوظ) کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں جو در حقیقت ان شرکاء کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں توجو منافع بعد پس انداز کرنے ریزروفنڈ کے ان وکیلوں نے تجویز کیا ہو وہ سود نہیں ہو سکتا اور نہ ایسے کاروبار میں روپیہ داخل کرنے کو قرض کہا جاتا ہے، علاوہ اس کے ربا کی حرمت کی جو علت آیہ کریمہ "لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾"[1] (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ۔ت) میں بیان فرمائی گئی ہے وہ اس پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ ضرورت ہے کہ علمائے کرام اس پر غور فرما کر جواب تحریر فرمائیں تاکہ اس زمانہ میں مسلمان جس کشمکش میں مبتلا ہیں اس سے نجات پائیں۔

الجواب:

یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں، کام میں لگانے کے لئے یہ روپیہ دینے والا بغرض [1]شرکت دیتا ہے یا [2]بطور ہبہ یا [3]عاریةً یا [4]قرض۔ صورت ہبہ تو یہاں بداہةً نہیں اور شرکت کا بطلان اظہر من الشمس، شرکت ایک عقد ہے جس کا مقتضی دونوں شریکوں کا اصل و نفع دونوں میں اشتراک ہے ایک شریک کے لئے معین تعداد زر مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ اسی قدر نفع ہو تو کلی نفع کا یہی مالک ہو گیا، دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو ربح (نفع) میں شرکت کب ہوئی۔ جوہرہ نیرہ و تنویر الابصار میں ہے:

الشرکة عبارة من عقد بین	تنویر و شرح مدقق علائی۔ شرکت نام ہے اصل و نفع میں دو شریک ہونیوالوں

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

المتشارکین فی الاصل والربح،[1] تنویر و شرح مدقق علائی۔	کے درمیان عقد کا، تنویر و شرح مدقق علائی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرطھا ای شرکۃ العقد عدم مایقطعھا کشرط دراہم مسماۃ من الربح لاحدھما لانہ قد لایربح غیر المسمی وحکمھا الشرکۃ فی الربح[2]۔	شرکت عقد کی شرط اس چیز کا نہ پایا جانا ہے جو شرکت کو قطع کرے جیسے دو شریکوں میں سے ایک کے لئے نفع میں سے معین درہموں کی شرط کیونکہ کبھی ان معینہ درہموں کے علاوہ کوئی نفع ہی نہیں ہوتا اور شرکت عقد کا حکم نفع میں شرکت ہے۔ (ت)

اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوئی پھر اس میں سو حصہ دار اور شریک ہوئے اور ہر ایک کیلئے دس دس روپے نفع کے لینے ٹھہرے اور اس سال ایک ہی ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار تنہا یہی سو حصہ دار لیں گے یہ شرکت نہیں لوٹ ہے، شرکت کا متقضٰی یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کی قدر پڑے۔ ردالمحتار میں ہے:

ثم یقول فما کان من ربح فھو بینھما علی قدر رؤس اموالھما وماکان من وضیعۃ او تبعۃ فکذلک، ولا خلاف ان اشتراط الوضیعۃ بخلاف قدراس المال باطل واشتراط الربح متفاوتا صحیح فیما سیذکر[3]۔	پھر کہے، جو بھی نفع ہوگا وہ دونوں کے درمیان ان کے سرمائے کی مقدار کے حساب سے ہوگا یوں ہی حکم نقصان کا بھی ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سرمائے کی مقدار کے خلاف نقصان کی شرط لگانا باطل ہے اور نفع میں تفاوت کی شرط لگانا صحیح ہے اس کی دلیل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ (ت)

یہاں اگر نقصان ہوا جب بھی ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی وہ اپنے ہزار روپے لے چھوڑیں گے یہ شرکت ہوئی یا غصب، اصل مقتضاء شرکت عدل و مساوات ہے۔ قال اللہ تعالٰی "فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ"[4]

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰
[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۱
[3] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۷
[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: سب ترکہ کے تیسرے حصہ میں شریک ہیں۔ت) فرض کیجئے کہ اصل سرمایہ ان سو حصوں سے دو چند تھا اور اس سال پندرہ سو روپے کے نفع ہوئے تو یہ نصف والے ایک ہزار لیں گے اور دو چند والوں کو صرف پانسو ملیں گے، آدھے کو دونا اور دونے کو آدھا، یہ عدل ہوا یا صریح ظلم۔ بالجملہ اس عقد مخترعہ کو شرکت شرعیہ سے کوئی علاقہ نہیں، اب نہ رہے مگر عاریت یا قرض، عاریت ہے جب بھی قرض ہے کہ روپیہ صرف کرنے کو دیا، اور عاریت میں شے بعینہٖ قائم رہتی ہے۔ درمختار میں ہے:

عاریۃ الثمنین قرض ضرورۃ استھلاك عینھا[1]۔	ثمنوں (سونے اور چاندی) کی عاریت قرض ہے کیونکہ اس میں عین کو ہلاک کرنا لازم ہے۔(ت)

بہر حال یہاں نہیں مگر صورت قرض، اور اس پر نفع مقرر کیا گیا، یہی سود ہے اور یہی جاہلیت میں تھا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[2]۔	قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ ربا ہے۔

قرآن کریم اس نفع منقح کی تحریم سے ساکت نہیں خود سائل نے علت تحریم ربا تلاوت کی "لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ۝۲۷۹"[3] (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ۔ت) اور یہاں "تظلمون وتظلمون" دونوں ہیں، ان مذکور صورتوں میں کہ ہزار ہی نفع کے ہوئے اور سب ان سو حصہ داروں نے لئے یا نفع کے پندرہ سو ہوئے اور نصف والوں نے دونے لئے، یہ ظالم ہیں اور وہ مظلوم، اور اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں نے دونے لئے، یہ ظالم ہیں اور وہ مظوم، اور اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں کو پانچواں حصہ ملا اور ان دوچند ہی والوں کو چہار چند، یہ مظلوم ہوئے اور وہ ظالم، اور اگر یہ حصے سرمایہ سے تھے تو ظلم اشد ہے، اور دونے اور آدھے کو چار۔ اب ایک صورت اگر یہ خیال کی جائے کہ اصل سرمایہ ان حصوں سے جدا نہ ہوا نہیں حصوں سے تجارت شروع ہوئی، مثلاً سوا شخاص نے سو سو روپے ملا کر دس ہزار سے تجارت کی اور ہر شریک کے لئے دس دس روپے نفع منقح قرار پایا یہ صورت ظاہر کردے گی کہ وہ قرار داد ظلم وجبریت تھا یا محض جہل وحماقت۔ فرض کیجئے ایک سال پانچ ہی سو نفع کے ہوئے تو یہ سوپر دس دس کرکے کیسے بٹیں، کیا پانسو کہیں سے غصب کرکے ملائے جائیں گے یا پچاس ہی کو دے کر

---

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

پچاس کورے چھوڑ دئے جائیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو دیں گے ور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو محروم رکھیں گے۔فرض کیجئے دوہزار نفع کے ہوئے تو دس دس بانٹ کر ہزار بچیں گے یہ کسی راہ چلتے کو دئے جائیں گے یا اسی تجارت میں لگادئے جائیں گے، اگر اسی میں لگائیں گے تو سب کی طرف سے یا بعض کی طرف سے ثانی میں وہ بعض کون ہوں گے اور ان کو کیوں زیادہ ملا اور اول پر سب کو بیس بیس ملے اور ٹھہرے تھے دس دس خلاف قرار داد عقد کیونکر ہوا۔لاجرم عقل ہو تو یہی ماننا پڑے گا کہ جس سال ہزار نفع کے ہوں گے سب دس دس پائیں اور پانسو تو سب پانچ پانچ اور دو ہزار تو سب بیس بیس،اور کچھ نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں،اور نقصان ہو تو سب پر حصہ رسد۔یہی عدل ہے اور یہی مقتضائے شرکت،اور یہی شرکت شرعیہ،اور وہ نفع منقح رجمًا بالغیب ٹھہرالینا محض جہل وحماقت تھا،بالجملہ شرع مطہر سے آنکھ بند کرنا شر ہی لاتا ہے،خیر ہمہ تن خیر وہی ہے جو شرع مصطفٰی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مسئلہ ۱۹۹: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰/ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں،ایک شخص کو سرکاری بنک گھر سے اس کے روپوں کا سود آتا ہے آیا یہ شخص سرکار سے سود لے اور آپ نہ کھائے اور محتاج اور غریبوں کو تقسیم کردیا کرے یا کسی مفلس تنگدست کے گھر جس کو پانی کی قلّت ہو کنواں لگوادے آیا وہ شخص ازروئے شرع شریف سود خوروں اور گناہگاروں میں شمار تو نہ ہوگا،اور ان مفلسوں اور محتاج گھر والوں کے واسطے نقد وغیرہ اس سود سے لینی اور اس کو کنوئیں کا پانی پینا درست ہے یانہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں۔

الجواب:

سود لینا مطلقًا حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"،[1] وقال تعالٰی "وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ چھوڑ دو جو باقی رہا ہے سود سے (ت)

تو یہ شخص جس نے سود کی نیت سے لیا اپنی نیت فاسدہ پر گنہگار ہوا،ہاں جبکہ وہ روپیہ برضا مندی گورنمنٹ حاصل کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے یا اس سے لینے والوں کو کسی ضرر کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸

تو فقراء و غرباء اسے نہ یہ سمجھ کر کہ سود کا روپیہ ہے بلکہ یہ جان کر کہ از خزانہ برضائے حاکم وقت حاصل ہوا ہے لے سکتے ہیں ان کے لئے طیب وحلال ہے یونہی اس سے بنوایا ہوا کنواں،

کما فصلناہ فی فتاوٰنا المسألة الظفر المنصوص علیه من الدر وغیرہ من الاسفار الغر۔	جیسا کہ اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے، یہ مسئلہ اپنے حق کو کسی طریقے سے حاصل کرلینے میں کامیابی کا مسئلہ ہے جس پر در وغیرہ کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)۔

واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم حکمه احکم

مسئلہ ۲۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا مگر میرا ارادہ سود لینے کا نہ تھا بلکہ میں نے منع کیا کہ سودی نہ جمع کرنا بعد کو جب عرصہ ہوگیا تو میں روپیہ لینے کے واسطے ڈاکخانہ گیا تو اس نے مع سود روپیہ مجھ کو واپس دیا میں نے انکار کیا کہ میں سود نہ لوں گا، اس نے کہا کہ ہم بھی واپس نہیں کرسکتے سود تم کسی محتاج کو دے دینا اس میں عالموں کی کیا رائے ہے اور شرع کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ روپیہ محتاج کو دینا ثواب ہے یا نہیں؟ کیونکہ سرکار اس روپیہ کو واپس نہیں لیتی ہے اور ہمارے بھی کسی کام کا نہیں، اس حالت میں محتاج کو دیں یا کیا کریں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ اس نے نہ سود لینا چاہا نہ اصلاً اس کا قرار داد کیا بلکہ صراحۃً منع کردیا، نہ اب سود لینا مقصود تو فقراء کو پہنچانے کی نیت سے وہ روپیہ جو گورنمنٹ سے بلاغدر وعہد شکنی بلکہ بخوشی ملتا ہے لینا اور لے کر مساکین مستحقین کو پہنچا دینا ضرور موجب ثواب ہے،

لان فیه الاحسان بالمساکین، "وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾" [1]، وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [2]، وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیه	کیونکہ اس میں مسکینوں پر احسان اور مستحقین کو ان کا حق پہنچانا ہے، اور اللہ تعالٰی احسان کرنیوالوں سے محبت فرماتا ہے، اور بیشک اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۳

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدأ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

وسلم من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ [1]۔ رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کی اس نے نیت کی۔ اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔ (اس کو امام مسلم نے سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۰۱: از میر گنج مرسلہ ابوالحسن صاحب ۶ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سیونگ بنک یعنی ڈاکخانہ جات سرکار میں روپیہ جمع کرنا اور اس کو سود ۴/ فیصدی جو حسب قاعدہ سرکاری جمع کنندہ کو ملتا ہے لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود مطلقًا حرام ہے **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"** [2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: حرام کیا ہے اللہ تعالٰی نے سود کو۔ ت) ہاں اگر کسی کا اپنا مطالبہ واجبہ یا مباحہ جائزہ زید پر آتا ہو اور ویسے نہ ملے تو صرف بقدر مطالبہ جس طریقہ کے نام سے مل سکے لے سکتا ہے کہ اس صورت میں یہ اپنا حق لیتا ہے نہ کہ کوئی چیز ناجائز، دینے والے کا اسے ناجائز نام سے تعبیر کرنا یا سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جب کہ اس کی نیت صحیح اور حق جائز وواجبی ہے **واللہ یعلم السر واخفی** (اللہ تعالٰی رازوں اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ ت) اس امر میں مسلم وغیرہ مسلم سب کا حکم یکساں ہے بشرطیکہ غدر نہ کرے فتنہ نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی "وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ" [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: فتنہ قتل سے بڑا (گناہ) ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۲۰۲: مرسلہ شیخ علاء الدین صاحب از میرٹھ لال کرتی ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپیہ بنک میں جمع کیا اس کے بعد اس کے ورثہ سے عمرو نے اسے ناجائز جان کر بنک کو نوٹس دے دیا کہ میرا کل روپیہ دے دو۔ بنک والوں نے

---

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۷

اپنے ضابطہ کے موافق ایک سال میں دینے کا وعدہ کیا، عمرو کو روپیہ کی ضرورت ہوئی بنک سے منگایا، بنک والوں نے اسے قرض قرار دے کر دیا کہ عمرو کو عمرو کا روپیہ وہ ابھی نہیں دیتے اب بعد تمامی سال بنک والے اپنے اس قرض کا سود عمرو سے لیں گے اور عمرو کے روپیہ کا ابتداء سے سود اسے دیں گے وہ مقدار اس سے بہت زائد ہوگی جو وہ عمرو سے لیں گے تو بعد منہائی عمرو ہی کو زائد ملے گا لیکن عمرو قصد مصمم کرچکا ہے کہ نہ لونگا۔ اس صورت میں اسے کہنا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہم نہ سود لیں گے نہ دیں تم اپنے یہاں حساب کرلو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اللھم لك الحمد (اے اللہ! تیرے لیے ہی حمد ہے۔ت) شرع مطہر میں سود لینا مطلقًا اور بے ضرورت و مجبوری شرعی دینا بھی دونوں حرام ہیں مگر مال مباح جب بلا غدر و بے ارتکاب جرائم برضامندی ملتا ہو تو اسے نہ بہ نیت سود بلکہ اسی نیت مباح سے لینے میں حرج نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی،[1] وقد حققنا المسئلۃ بما لامزید علیہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس انداز سے کردی ہے کہ اس پر اضافہ کی ضرورت نہیں۔(ت)

دینے والے کا اسے اپنے زعم میں سود سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جبکہ وہ نہ واقع میں سود نہ لینے والے کو سود مقصود،

الاتری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکل امرئ مانوی[2]، فقد جعل کلا ونیۃ و قال تعالٰی لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم[3] وقال تعالٰی	کیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتا کہ ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ تحقیق حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر شخص کو اس کی نیت کے ساتھ چھوڑ دیا، اور اللہ تعالٰی

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بداء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بداء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

"قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ"[1]	نے فرمایا تمہیں نقصان نہیں پہنچاتا وہ جو گمراہ ہوا جبکہ تم خود ہدایت پر ہو۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے(میرے محبوب) آپ فرمادیں کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔(ت)

مگر یہ اس صورت میں ہے کہ بنک میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو،اور اگر مسلمان بھی حصہ دار ہوں تو ضرور ہے کہ یہ روپیہ جس قدر اسے زیادہ ملے گا اتنا یا اس سے زائد اس کا ان پر آتا ہو اس آتے ہوئے میں اس زیادت کو محسوب کرلے مثلاً اسی بنک سے پہلے بھی متعدد بار اس نے قرض لیا تھا جس کا سود سب بار کا پانسو روپے بنک کو پہنچ چکے ہیں اور اب اسے جو کچھ وہ بنام سود دینگے وہ اسی قدر یا اس سے کم ہے تو اسے لینا جائز ہے اور نیت اس آتے ہوئے کے واپسی کی کرکے جو قانوناً اس صورت کے سوا بلا رضامندی کے دوسری طرح واپس نہ لے سکتا تھا،اور اگر وہاں مسلمان شریک ہیں اور اس کا پہلے سے کچھ نہیں آتا یا اس رقم سے جو اسے ملے گی کم آتا ہے اور وہ خواہی نخواہی اسے یہ زیادت دیں گے تو اسے اور مسلمانوں کی جانب سے لے جن سے ان لوگوں نے سود لیا تھا،

لانھم مامورون شرعا برد ما اخذ وامنھم الیھم وھم لایردون والمسلمون لا یقدرون علی ان یستردوا فیکون ھذا عونا لاخوانہ۔	کیونکہ اہل حرب مسلمانوں سے لیا مال انہیں واپس کرنے کے مامور ہیں حالانکہ وہ واپس نہیں کرتے اور مسلمان ان سے واپس لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو اس طرح اسکے بھائیوں کی مدد ہوگی۔(ت)

پھر جس قدر اپنا آتا تھا خود لے سکتا تھا باقی واجب ہے کہ فقراء پر تصدق کردے،

لانہ سبیل کل مال صالح لایعلم مستحقہ کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ سبیل ہے ہر مال صالح میں جس کا مستحق معلوم نہ ہو جیسا کہ درمختار وغیرہ قابل اعتماد کتابوں میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۰۳: ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اول سود کھاتا تھا اب اس نے توبہ کرلی کہ اب میں سود نہیں لوں گا اور نہ سود لیا پہلا جو مال اس کے پاس سودی ہے اس کا خرچ کرنا اپنے حوائج میں جائز ہے یا نہیں اس کے ورثاؤں کو وہ مال حلال ہے یا حرام؟

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/۸۴

الجواب:

سود میں جو مال ملتا ہے وہ سود خور کے قبضہ میں آکر اگرچہ اس کی ملک ہو جاتا ہے،

لان ھذا ھو حکم العقود الفاسدۃ وذھل الفاضل الشامی فی العقود الدریۃ۔	کیونکہ عقود فاسدہ کا یہی حکم ہے اور علامہ فاضل شامی سے عقود دریہ میں بھول ہوئی۔(ت)

مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس پر فرض ہوتا ہے کہ ناپاک مال جن جن سے لیا ہے انہیں واپس دے وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے وہ بھی نہ ملیں تو تصدق کردے، بہرحال اپنے حوائج میں اسے خرچ کرنا حرام ہوتا ہے اگر اپنے خرچ میں لائے گا تو وہ اب بھی سود کھارہا ہے اور اس کی توبہ جھوٹی ہے،

لانہ لم یندم علی الماضی وما ترك فی الاٰتی ولم یمح الباقی فلم یوجد شیئ من ارکان التوبۃ۔	کیونکہ وہ گزشتہ پر نادم نہیں ہوا اور آئندہ کے لئے اس کو چھوڑا نہیں اور نہ ہی باقی کو مٹایا تو اس طرح ارکان توبہ میں سے کوئی بھی نہیں پایا گیا(ت)

وارث کو اگر معلوم ہو کہ اس کے مورث نے فلاں فلاں شخص سے اتنا اتنا حرام لیا تھا تو انہیں پہنچادے اور اگر سب معلوم ہو کہ بعینہ یہ روپیہ جو اس صندوق یا اس تھیلی میں ہے خالص مال حرام ہے تو اسے فقراء پر تصدق کردے اور اگر سب مخلوط ہے اور جن سے لیا وہ بھی معلوم نہیں تو وارث کے لئے جائز ہے اور بچنا افضل ہے۔ در مختار میں ہے:

الحرمۃ تتعدد مع العلم بھا الا فی حق الوارث وقیدہ فی الظھیریۃ بان لایعلم ارباب الاموال[1]۔	حرمت کا اگر علم ہو تو وہ منتقل ہوتی ہے سوائے وارث کے حق کے، اور ظہیریہ میں حق وارث کے ساتھ یہ قید لگائی کہ وہ وارث مال کے مالکوں کو نہ جانتا ہو (تب اس کے لئے حلال ہے)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیھم، والا فان علم عین الحرام لایحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ، وان کان مالا	حاصل یہ کہ اگر وارث مال کے اصل مالکوں کا علم رکھتا ہو تو ان کا مال انہیں لوٹانا اس پر واجب ہے ورنہ اگر اس مال کے بعینہ حرام ہونے کا اسے علم ہے تو اس کے لئے حلال نہیں بلکہ مالک کی طرف سے

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

مختلطا مجتمعا من الحرام ولا یعلم اربابہ ولا شیئا منہ بعینہ حل لہ حکما، والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ[1]۔	نیت کرتے ہوئے صدقہ کرے اور اگر مال حرام حلال سے مخلوط ہے اور وہ وارث اس کے مالکوں کو نہیں جانتا، نہ ہی بعینہٖ اس کے حرام ہونے کا اس کو علم ہے تو وہ حکماً اس کے لئے حلال ہے مگر دیانت کے اعتبار سے اس سے بچنا ہی زیادہ بہتر ہے۔(ت)

نیز درمختار میں ہے:

ولا یبطل حق الفسخ (ای فی البیع الفاسد) بموت احدھما (ای احد العاقدین) فیخلفہ الوارث بہ یفتی اھ[2] **اقول:** فافاد ان انتقال الملك فی الملك الخبیث لا یزیل الخبث ویجب علی الوارث فسخہ فان لم یفعل اجبرالقاضی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیع فاسد میں بائع یا مشتری کی موت کے سبب سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا، چنانچہ مرنے والے کا وارث اس کا قائم مقام ہوگا اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کلام نے اس بات کا فائدہ دیا کہ ملک خبیث میں ملک کا منتقل ہونا خبث کو زائل نہیں کرتا لہٰذا وارث پر واجب ہے کہ بیع فاسد کو فسخ کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو قاضی اس پر جبر کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰۴: ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سود خور کے ساتھ میل جول کرنا اور شادی اور پنچایت میں بلانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب وبادلیل جواب عنایت فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود خور کہ علانیہ سود کھائے اور توبہ نہ کرے، باز نہ آئے، اس کے ساتھ میل جول نہ چاہئے اسے شادی وغیرہ میں نہ بلایا جائے،

قال اللہ تعالٰی "وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ	اگر شیطان تجھے بھلادے:

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۰

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۵: از ریاست کشن گڈھ متصل اجمیر شریف مہاراجہ اسکول تھرڈ ماسٹر مسئولہ سید امانت علی صاحب ۷/ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

شادی وزندگی کا بیمہ کرنا یا کروانا جائز ہے یا ناجائز؟ آپ کے شاگرد رامپوری صاحب نے جو کہ اجمیر شریف میں عرصہ سے قیام پذیر ہیں دریافت کرنے پر یہ جواب دیا کہ میرے خیال سے تو یہ حرام نہیں ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میرے مولٰنا مولوی احمد رضاخان صاحب سے دریافت کرلینا چاہئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ بافادہ اہل اسلام بصورت فتوٰی ارسال فرماکر ممنون و مشکور فرمائیں گے۔ اس بیمہ کا قانون بھی گورنر جنرل کی کونسل سے ۱۳۱۲ھ میں پاس ہوگیا مگر ہنوز اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔ پراسپکٹس اردو سالانہ رپورٹ بزبان انگریزی جناب کے ملاحظہ کے لئے روانہ کرتا ہوں۔

الجواب:

یہ نرا قمار ہے اس میں ایک حد تک روپیہ ضائع بھی جاتا ہے اور وہ منافع موہوم جس کی امید پر دین اگر ملے بھی تو کمپنی بیوقوف نہیں کہ گرہ سے ہزار ڈیڑھ ہزار دے بلکہ وہ وہی روپیہ ہوگا جو اوروں کا ضائع گیا، اور ان میں مسلمان بھی ہوں گے تو کوئی وجہ اس کی حلت کی نہیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور مت کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶: کابلی علاوہ مسلمانوں کے غیر قوم سے جو سود لیتے ہیں ان کے یہاں کھانا پینا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا رسم رکھنا کیسا ہے؟

الجواب:

یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ ایسی شدت کا برتاؤ ان سے برتا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۷: از سید ایوب علی صاحب محلّہ بہاولپور کا سگرہ، بریلی

زید نے کچھ روپیہ بکر کو دس سال کی مدت پر سودی قرض دیا اور اس کا کاغذ رجسٹری ہوگیا۔ جب

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

اہل محلّہ کو اس کی خبر ہوئی اور تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ دو ایک مکان بھی زید کے پاس لوگوں کے رہن ہیں اور ان سے کرایہ وصول کرتا ہے اس پر اہل محلّہ نے زید سے پوچھا جس کا اقرار زید نے کیا اور کہا کہ میرا ارادہ سود لینے کا نہیں کاغذ میں یہ شرط سود کی بقواعد تعزیرات ہند لکھادی ہے پھر کہا اس کی مدت تو دس سال ہے جب وہ وقت آئے گا میں زر سود نہ لوں گا اور مکانوں کی نسبت کہا کہ اس کا روپیہ میں اپنی بیٹی کو دے دیتا ہوں اور بیٹی نے کہا کہ میں کرایہ مکان میں دیتی ہوں اپنے پاس نہیں رکھتی، اور یہ اقبال تمام واقعات کا جب کیا جب دیکھا کہ اہل محلّہ چھوڑنے پر آمادہ ہیں بلکہ بعض نے چھوڑ بھی دیا، ایسی صورت میں زید کے یہاں کھانے پینے سے احتراز کیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید ضرور سود خور ہے اس سے احتراز کیا جائے، اس سے میل جول ترک کیا جائے، اس کے بہانے جھوٹے ہیں، کرایہ کہ وہ لیتا ہے یقیناً سود ہے، اس نے سود لیا چاہے خود کھائے یا بیٹی کو دے، قانون کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے جو قرض میں سود لکھانا ضرور ہو یہ سود خور کذابوں کا جھوٹا عذر ہے اور یہ کہنا کہ لکھا لیا ہے لیں گے نہیں، ایسا ہے کہ کوئی یہ کہے غلیظ منہ میں لیا ہے نگلیں گے نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ حضرت سید برکات حسن صاحب ۲۴/رجب ۱۳۱۸ھ

ایک شخص چھ سو روپے قرض لیتا ہے اور جائداد روپیہ دینے والے کو دیتا اور اس کا حق الخدمت یا حق التحصیل مثلاً سو یا پچاس روپے مقرر کرتا ہے لفظ سود سے دونوں بچنا چاہتے ہیں یہ عقد رہن ہے قرض تو ہے نہیں، قرض میں عوض نہیں ہوتا ہے، الحاصل رہن صحیح ہوجائے اس کی شکل فرمادیجئے اور روپیہ لینے والا دینے والے کو جو کچھ دینا چاہتا ہے اس کو دینا اور اس کو لینا جائز ہوجائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ رہن نہیں ہوسکتا، گاؤں سے انتفاع بطریق اجارہ ہوتا ہے کہ زمین مزارعین کے پاس اجارے میں ہے اور اجارہ و رہن دو عقد منافی ہیں باہم جمع نہیں ہوسکتے، مزارعین کے اجارے میں ہونا زمین پر ان کا قبضہ چاہے گا **لاستحالۃ الانتفاع بدون القبض** (کیونکہ بغیر قبضہ کے نفع حاصل کرنا محال ہے۔ت) اور مرہون ہونا مرتہن کا قبضہ چاہے گا **لقولہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"**[1] (تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ت) اور دو مختلف قبضے شے واحد پر وقت واحد میں محال ہیں، ہاں زید مستقرض عمرو مقروض سے روپیہ قرض لے لے اور

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

عمرو کو اپنے گاؤں پر بطور کارندگی نوکر رکھ لے معمولی تنخواہ اگرچہ پانچ روپے ہوتی ہو اس کی دس بیس پچاس چالیس جس قدر ماہواری مناسب جانے اور باہم تراضی ہو مقرر کردے مگر اتنا لحاظ کرے کہ تنخواہ توفیر کو محیط نہ ہوجائے **کیلا یخرج من اجارات الناس** (تاکہ لوگوں کے اجاروں سے خارج نہ ہوجائے۔ت) اس قدر اسے لینا بہت اکابر کے نزدیک حلال ہوگا باقی توفیر کو مالک کردیا کرے جب دین ادا ہوجائے زید عمرو کو موقوف کردے،

فی الهندیة عن البزازیة استیجار المستقرض المقرض علی حفظ عین متقوم قیمته ازید من الاجارة کالسکین والمشط والمعلقة کل شهر بکذا، اختلف فیه الائمة المتأخرون فقیل یجوز بلا کراهة منهم الامام محمد بن سلمةؒ والامام الصاحب الکامل مولانا حسام الدین علیا بادی وجلال الدین ابو الفتح محمد بن علی وصاحب الهدایة وقد وقع علی الجواز اجلة الائمة [1]۔ واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں بزازیہ کے حوالے سے مذکور ہے، مقروض کا کسی ایسی قیمتی معین شیئ کی حفاظت کے لئے قرض دہندہ کو اجرت پر رکھنا جس شیئ کی قیمت اجرت سے زیادہ ہو جیسے چھری، کنگھی اور چمچہ کہ ہر ماہ اتنی اجرت دے گا، اس میں متاخرین ائمہ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ بلا کراہت جائز ہے ان میں امام محمد بن سلمہ، امام صاحب کامل مولانا حسام الدین علیا بادی، جلال الدین ابو الفتح محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں اور تحقیق جلیل القدر ائمہ کرام جواز پر متفق ہوئے۔ واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۹:　　۹/ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

زید عمرو سے ڈیڑھ سو روپیہ بے سودی لینا چاہتا ہے قرض، اور عمرو کو یہ منظور ہے کہ اسے کچھ نفع جائز شرعی طور پر مل جائے اور سود نہ ہو اس صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب:

علماء کرام نے اس کی متعدد صورتیں تحریر فرمائیں ہیں از انجملہ بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ زید جو قرض لینا چاہتا ہے عمرو کے ہاتھ کوئی مال مثلاً برتن یا کپڑا ڈیڑھ سو روپے کو بیچے عمرو خرید لے اور ڈیڑھ سو روپیہ زر ثمن کے زید کو دے دے بعدہ اسی جلسہ خواہ دوسرے جلسہ میں عمرو یہی مال زید کے ہاتھ دو سو روپیہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۲۲

کومثلاً بوعدہ ایک سال بیچے زید خرید لے اور اب اس زر ثمن کے عوض چاہے تو عمرو کے پاس رہن بھی رکھ دے اس صورت میں زید کی چیز زید کے پاس آگئی اور اسے ڈیڑھ سو روپیہ مل گئے اور اس پر عمرو کے دو سو روپے واجب ہوگئے عمرو اس رہن سے کچھ انتفاع نہ کرے ورنہ سود ہوجائے گا۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل له علی رجل عشرة دراهم فاراد ان یجعلها ثلثة عشر الی اجل قالو ایشتری من المدیون شیئا بتلك العشرة ویقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلثة عشر الی سنة فیقع التحرز عن الحرام، ومثل هذا مروی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه امر بذٰلك [1] الخ۔ والله تعالٰی اعلم۔	ایک شخص کے دوسرے پر دس درہم قرض ہیں وہ چاہتا ہے کہ ایک معینہ مدت تک یہ تیرہ درہم ہوجائیں۔ علماء نے فرمایا ہے وہ مقروض سے ان ہی دس درہم میں کوئی چیز خریدے اور مبیع پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز تیرہ درہم کے بدلے ایک سال کے ادھار پر مقروض کے ہاتھ فروخت کرے تو اس طرح سے حرام سے اجتناب ہوجائے گا، اور اسی کی مثل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۰: ایک شخص سو روپے قرض لیا چاہتا ہے دوسرا دیا چاہتا ہے، روپے کے دینے والے کو سود لینے سے انکار ہے اور روپیہ کے لینے والے کو سود دینے سے انکار ہے، کس طریقہ پر دستاویز تحریر کرائی جائے اور ہندو سے لینا نہیں چاہتے مگر روپیہ دینے والے کو بلا کسی نفع کے دینا منظور نہیں ہے۔

الجواب:

اس کی بہت سی صورتیں ہیں، ایک سہل صورت یہ ہے کہ دینے والا قرض نہ دے بلکہ اس کے ہاتھ نوٹ بیچے، مثلاً سو روپے یہ لینا چاہتا ہے اور سال بھر کا وعدہ ہے اور دینے والا نفع لینا چاہتا ہے تو سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر، مثلاً ایک سو بارہ روپے کو بیچے پھر اگر وہ سال کے اندر مثلاً چھ مہینے میں روپیہ دے دے تو صرف ایک سو چھ لے، اس سے زیادہ

---
[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیوع فصل فیما یکون فرارا عن الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

لینا حرام ہے یونہی اور کوئی چیز جو بازار کے عام بھاؤ سے سو روپے کی ہو ایک سو بارہ کو بیچے اس کا بھی یہی حکم ہے، درمختار میں ہے:

قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول لایأخذ من المرابحة التی جرت بینهما الابقدر مامضی من الایام[1]۔	مقروض نے میعادی قرضہ میعاد سے پہلے ادا کردیا تو قرض دہندہ اس سے وہ نفع نہ لے جوان کے درمیان طے پایا تھا مگر صرف اتنے دنوں کے حساب سے نفع لے سکتا ہے جتنے دن گزر چکے ہیں (ت)

دوسرے یہ کہ سو روپے اسے قرض دے اور قرض لینے والا دینے والے کے پاس اپنی کوئی چیز مثلاً چاقو یا تھالی امانت رکھے اور دینے والے سے کہے میری اس چیز کی حفاظت کر میں اس کی حفاظت پر ایک روپیہ یا ۴/ یا ۲/ یا دس روپے ماہوار جو ٹھہر جائے دوں گا مگر جو شے اسکے پاس رکھے اس کی قیمت اس اجرت سے زیادہ ہو روپے مہینہ پر رکھے تو روپے سے زیادہ قیمت کی چیز ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

استیجار المستقرض المقرض علی حفظ عین متقومة قیمته ازید من الاجرة کالسکین والمشط و المعلقة کل شهر بکذا، اختلف فیه الائمة المتأخرون فقیل یجوز بلا کراهة منهم الامام محمد بن سلمة و الامام الصاحب الکامل مولانا حسام الدین علیا بادی وجلال الدین ابو الفتح محمد بن علی وصاحب الهدایة وقد وقع علی الجواز اجلة الائمة[2]۔	مقروض کسی ایسی قیمتی معین شیئ کی حفاظت کے لئے قرض دہندہ کو معین ماہانہ اجرت پر مقرر کرے جس شیئ کی قیمت اجرت سے زیادہ ہے مثلاً چاقو، کنگھی اور چمچ وغیرہ، تو اس میں متاخرین ائمہ کے درمیان اختلاف ہوا، بعض نے بلا کراہت جواز کا قول کیا ان میں امام محمد بن سلمہ، امام صاحب کامل مولانا حسام الدین علیا بادی، جلال الدین ابوالفتح محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں، اور تحقیق جلیل القدر ائمہ کرام نے جواز پر اتفاق کیا ہے۔ (ت)

اور اس کے سوا اور صورتیں ہیں کہ ہم نے کفل الفقیہ میں ذکر کیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱: مسئولہ محمد حسین خان، بریلی شہر کہنہ ۱۳/ شوال المکرم

جناب مولوی صاحب قبلہ وکعبہ دارین مدظلہ اللہ آداب! بصد نیاز گزارش ہے کہ مجھ سے ایک

---

[1] درمختار باب مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارة الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۲۲

شخص قرضہ چاہتا ہے اور بالعوض اس کے اپنا مکان وہ شخص رہن کرنا چاہتا ہے مجھ کو روپے دینے میں اور دوسرے کی حاجت نکالنے میں کچھ عذر اور انکار نہیں ہے کیونکہ روپیہ اللہ نے جبکہ دیا ہے تو دوسرے کی حاجت براری ہوجانے پر امید ہے کہ اللہ بھی خوش ہوگا مگر اس قدر ہے کہ سود کھانا نہیں چاہتا ہوں، اب اس میں گزارش ہے وہ جائداد بالعوض روپیہ کے دخلی رہن کردیں یا کس طرح سے روپیہ دوں کہ سود سے بچوں کیونکہ میں اہل اسلام ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دخلی رہن بھی سود اور حرام ہے بلکہ سبیل یہ ہے کہ آپ محض بلاسود و بلارہن روپیہ قرض دیجئے پھر اس سے اپنا کوئی برتن مثلاً وہ مدیون آپ کو دے کہ اس کی حفاظت کرو حفاظت کا اتنا ماہوار مثلاً ایک روپیہ یا دس روپے تمہیں دی جائیگی یوں اس حفاظت کی اجرت کا روپیہ لینا حلال ہوگا، اور اگر مکان ہی چاہئے تو وہ کوئی برتن وغیرہ مثلاً دس روپے مہینے اجرت پر کو حفاظت کے لئے دے اور آپ اس کا مکان مثلاً دس روپے یا کم و بیش کو جتنا کہ قرار پائے اسی سے کرایہ پر لیجئے حفاظت کی اجرت ماہوار اس پر واجب ہوگی اور مکان کا کرایہ آپ پر، پھر اگر دونوں اجرتیں برابر ہیں تو باہم آپ دونوں کو معاملہ برابر ہوگیا، نہ آپ اسے روپیہ دیں نہ وہ آپ کو، آپ اس کی چیز کی حفاظت کریں اور اس کرایہ کے مکان میں رہیں اور اگر برابر نہیں تو جس پر زیادہ ہے وہ قدر زائد ادا کرتا رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲: ۱۱ شعبان ۱۳۳۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ حکام ریاست بہاولپور برائے مخلصی مسلمانان از قرض ہندوان درہر موضع و دہ بنک تجویز کردہ اند بایں طور کہ چند معتبران موضع را ممبر آں بنک نمودہ می گویند کہ از ہر کس حسب حیثیت روپیہ داخل بنک کنایندہ نزد خود جمع سازید وازاں روپیہ خاصۃ داخل کنندہ را و بدیگرے رابوقت حاجت ولے قرض میعادی بسود یسیر دادہ باشید و عندالمیعاد	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ریاست بہاولپور کے حکام نے ہندوؤں کے قرض سے مسلمانوں کو رہائی دلانے کے لئے ہر بستی اور گاؤں میں بنک تجویز کیا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس بستی کے چند معتبروں کو بنک کا ممبر ظاہر کرکے کہتے ہیں کہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق روپے بنک میں داخل کراکے اپنے پاس جمع رکھو، پھر انہیں خاص روپوں میں سے داخل کرنے والے کو یا دوسرے کو بوقت ضرورت تھوڑے سے سود پر میعادی قرض کے طور پر دیں اور

آں روپیہ مع سود از و وصول نمودہ بایں طرز دیگرے راہ و سیس اخیر رامی دہید از سود دادہ شماآن جائداد شماترقی پذیردو برآمدگی حاجات مسلماناں از مال خویش بسہولت گردد و ضرورت باستقراض از ہندوان نماند۔پس در شرع شریف روپیہ دادن یا گرفتن ازیں بنک چہ حکم دارد،چونکہ دریں امر عامہ مسلمانان از حکام ماورند و مجبور،ازآں اگر حیلہ جواز فعل ایشاں ایما فرمودہ شود امید کہ قرین ماجوریت عنداللہ و مشکوریت من خلق اللہ خواہد شد۔	میعاد گزرنے پر وہ روپے سود سمیت اس سے واپس لیں اور پھر اسی طرح کسی دوسرے شخص کو اسی طریقے سے قرض دیں اسی طرح یکے بعد دیگرے حاجتمندوں کو سود پر قرض دیتے جائیں تاکہ تمہارے ادا کردہ سود سے تمہاری جائداد ترقی اختیار کرے اور مسلمانوں کی حاجات ان کے اپنے مال سے بآسانی پوری ہوں اور ہندوؤں سے قرض لینے کی ضرورت نہ پڑے۔شرع شریف میں اس بنک کو روپیہ دینا اوراس سے لینا کیا حکم رکھتا ہے چونکہ اس معاملہ میں عام مسلمان حاکموں کی طرف سے مامور اور مجبور ہیں اس لئے اگر ان کے اس فعل کے جواز کی طرف کوئی اشارہ فرمایا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالٰی کے ہاں ماجور اور مخلوق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہوں گے۔(ت)

الجواب:

ربا گرفتن حرام قطعی بالاجماع وکبیرہ وشدیدہ است وربادادن محتاج بحاجت شرعیہ صحیحہ رارخصت کردہ اند فی الدر المختار **یجوز المحتاج الاستقراض بالربا**[1]۔حاصل ایں بنک آنست کہ حرامے کہ ہندوان می خورند بباید تا مسلمانان خورند ولاحول ولا قوۃ الا باللہ کارکنان ایں بنک اگر درد دین دارند صورتے مہیااست کہ بہ مقصد رسند واز حرام وار ہند ہر کہ مثلاً صدر وپیہ دام خواہدزرند ہند کاغذ زرکہ نوٹ نامند بدہندوآں ھم دام ندہند کہ بردام ہرچہ سودے گیرد ربا باشد	سود لینا بالاتفاق حرام قطعی اور سخت کبیرہ گناہ ہے اور سود دینے کی محتاج کو حاجت شرعیہ صحیحہ کے وقت اجازت دی گئی ہے۔درمختار میں ہے کہ محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے،اس بنک کا حاصل یہ ہے کہ جو حرام ہندو کھاتے ہیں وہ حاصل ہوجائے تاکہ اس کو مسلمان کھائیں۔گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے اس بنک کے کارکن اگر دین کا درد رکھتے ہیں تو ایک ایسی صورت مہیا ہے کہ وہ اپنے مقصد تک رسائی بھی حاصل کریں اور حرام سے خلاصی بھی پالیں،جو کوئی مثال کے طور پر سوروپیہ قرض چاہتا ہے اس کو زر نہ دیں بلکہ وہ کاغذ دیں جس کا نام نوٹ ہے

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

وحرام، **فی الحدیث عن علی کرم اللہ تعالٰی وجهه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل قرض جر منفعة فھو ربا**[1] بلکہ نوٹ صدروپیہ بہر رجے کہ باہم تراضی شود بمیعاد واجل مسمّٰی بدست او فروشند مثلاً بیک صد و دہ روپیہ بوعدہ یک سال ایں ربح ربح بیع باشد و ربح بیع حلال است و ربح قرض حرام **قال اللہ تعالٰی** " اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ "[2] ایں مسئلہ را در کتاب کفل الفقیہ الفاہم ہرچہ تمامتر رنگ تفصیل دادہ ایم بایں وجہ ہم ربح حلال بدست آید وہم آں مستقرض بمراد خود برسد۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اور وہ بھی بطور قرض مت دیں کیونکہ قرض پر جو بھی نفع لے گا وہ سود اور حرام ہوا۔ حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ بلکہ سو روپے کا نوٹ اس نفع کے لئے جس پر دونوں باہم رضامند ہوں مدت مقررہ تک اس کے ہاتھ فروخت کریں مثلاً وہ سو کا نوٹ ایک سال کے لئے ایک سو دس روپے کے بدلے فروخت کریں تو اس طرح یہ نفع بیع کا نفع ہوگا اور بیع کا نفع حلال ہے جبکہ قرض کا نفع حرام۔ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کہا ان لوگوں نے کہ بیع تو سود کی طرح ہی ہے جبکہ اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ اس مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب "**کفل الفقیه الفاہم**" میں مکمل طور پر تفصیلی رنگ دیا ہے، اس طریقے سے حلال نفع بھی ہاتھ آئیگا اور وہ قرض لینے والا بھی اپنے مقصد کو حاصل کرلے گا۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۳: مرسلہ احمد خان صاحب وکیل دربار مارواڑ متعینہ ریذیڈنسی اودیپور میواڑ　　۳ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ گورنمنٹ جو قرضہ کا منافع دے رہی ہے اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود کی نیت سے لینا جائز نہیں **لاطلاق قولہ وحرم الربٰو**[3] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا" مطلق ہے۔ ت) اور اگر کسی گورنمنٹ پر اس کی رعیت خواہ

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

اور شخص کا شرعًا کچھ آتا ہے اس میں وصول سمجھنا بلا شبہہ روا "لانہ ظفر بجنس حقہ کما فی ردالمحتار وغیرہ[1] (اس لئے کہ یہ اپنے حق کی جنس کو حاصل کرنے کی کامیابی ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) یونہی اگر بیت المال میں حقدار ہو تو اس میں لے سکتا ہے کما فی ردالمحتار عن السید السمھودی وغیرہ (جیسا کہ سید سمہودی وغیرہ سے ردالمحتار میں ہے۔ت) اور اگر کچھ نہ ہو اور اسے سود نہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز مال برضائے مالک بلا غدر و بدعہدی ملتا ہے تو وہ بھی روا ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ اصل حکم یہ ہے مگر اہل تقوٰی خصوصًا مقتداء کو ان دو صورتوں خصوصًا اخیرہ سے احتراز چاہئے کہ ناواقف اسے متہم نہ کریں، حدیث میں ہے: اتقوا مواضع التھم[2] (تہمت کی جگہوں سے بچو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴: از بریلی محلّہ چک مرسلہ محمد رضا قادری متصل چوکی چنگی رجب ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مراؤ کو کچھ روپیہ واسطے بونے چنا کے لئے دیا اور بروقت دینے روپیہ یہ اس مراؤ سے ٹھہرالیا کہ چنا فصل کاٹنے پر فی روپیہ تین سیر چنا زائد بازار کے نرخ سے تم سے لئے جائیں گے، فصل کاٹنے پر مراؤ نے بجائے چنے کے جتنا روپیہ زائد ہوا بالعوض چنے کے دیا۔ اب ایسی صورت میں اس روپیہ کا کیا کیا جائے اور روپیہ دینے والے کو اول اس کا علم نہ تھا، لہٰذا اب معلوم ہونے پر اس زائد روپیہ کو علیحدہ رکھ لیا گیا ہے جو حکم ہو اسکی تعمیل بسر و چشم کی جائے کیونکہ ایمان ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

ایسا عقد شرعًا ضرور ناجائز ہے مگر اگر وہ مراؤ کافر ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو یہ روپیہ کہ بغیر غدر اسے ملا اسے واپس دینا ضرور نہیں البتہ، اور بہتر یہ ہے کہ فقیر مسلمان پر تصدق کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۲

[2] کشف الخفاء حدیث ۸۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱ /۴۵

مسئلہ ۲۱۵: از لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ مرسلہ مولوی سید مظفر صاحب مدرس مدرسہ مذکور ۲۱/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے عمرو کو چھ سات ہزار روپیہ قرض دیا اور قرض دینے کے وقت زید کا ارادہ اشارۃً یا کنایۃً یا صراحۃً سود لینے کا نہ تھا اور وعدہ عمرو نے ادائیگی روپیہ کا دو ماہ کا کیا تھا، بعد میں رقعہ تحریر کیا گیا تو اس میں سود اس وجہ سے زید نے لکھوایا کہ قانون مروجہ گورنمنٹی کے رقعہ مذکورہ ناجائز نہ ہو اور ضرورت کے وقت بیکار نہ ہو عمرو نے دو ماہ کی جگہ پندرہ ماہ میں نصف روپیہ تو بمشکل تمام زید کو ادا کیا اور نصف نہیں حتی کہ قریب سال کے ہوگئے چونکہ میعاد رقعہ تین سال ہوتی ہے اس لئے زید کو عمرو کی نالش کرنی پڑی تو اس نالش کرنے میں زید کا روپیہ بہت سا خرچ ہوا اور زید کی ڈگری عمرو پر مع سود کچہری مجاز سے ہوگئی اور عمرو نے اصل روپیہ مع سود داخل کچہری بھی کردیا تو اب عندالشرع زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہے یا نہ؟ اگر کل سود سے پرہیز کرے تو بقدر اپنے خرچ نالش کے لینا جائز ہوگا یا نہ؟ اور روپیہ کچہری سے کل زید کو بلا سود واپس بھی نہیں مل سکتا تو ایسی مجبوری میں زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہوگا، اور اگر کچہری سے روپیہ اس کو مع سود ملا تو کیا طریقہ احتراز کا ہوگا؟ اور بقدر اپنے خرچ کچہری کے نکال کر باقی کو صدقہ کردے یا اصل مالک کو واپس؟ مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحی لکھنؤی میں عدم جواز کا فتوٰی لکھا ہوا ہے کہ مدعی مسبّب ہے نہ مباشر، اور ضمان مباشر پر ہوتا نہ کہ مسبّب پر، جیسا کہ واقف فقہ پر مخفی نہیں، جواب مع حوالہ کتب ودلائل کے تحریر ہو۔

جواب دیوبندی

اس صورت میں زید کو اپنا اصل روپیہ رکھ کر باقی جو سود کے نام سے وصول ہوا ہے عمرو کو واپس کردینا چاہئے کیونکہ خرچہ مقدمہ کا مدعی علیہ سے وصول کرنے نہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، ایک یہ ہے کہ قول جو مولانا عبدالحی صاحب نے لکھا ہے، اور دوسرا یہ کہ بصورت تعنت مدعا علیہ اور بلا نالش کسی طرح وصول نہ ہوسکنے کی صورت میں خرچہ مدعا علیہ سے لیا جائے تو صورت مذکورہ میں چونکہ مدعی نے محض قانونی قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر نالش کی ہے اور عمرو کا کوئی تعنت اور سرکشی و انکار ظاہر نہیں ہوا اس لئے زید کو مناسب نہیں کہ وہ عمرو مدعا علیہ سے خرچہ وصول کرے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

الجواب:

سود کا ایک حبہ لینا حرام قطعی کہ سود لینے والے پر اللہ ورسول کی لعنت ہے۔ صحیح حدیثوں

میں فرمایا:

الربٰا ثلثة وسبعون حوبا ایسر ھن کان یقع الرجل علٰی امه[1]۔	سود کھانا تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

من اکل درھم ربا وھو یعلم کان کمن زنی بامه ستا و ثلثین مرة[2]۔	جو دانستہ ایک درہم سود کھائے وہ اس کے مثل ہو جس نے چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔ (ت)

ایک درہم تقریبًا یہاں کے ۴/۱۰ کے برابر ہوتا ہے جس کے اٹھارہ پیسے ہوئے تو فی دھیلا ایک بار ماں سے زنا ہوا۔ اگر وہ اس بیان میں سچا ہے کہ کچہری سے بلا سود روپیہ اسے نہیں مل سکتا تھا تو روپیہ واپس لے اور اس میں سے صرف اپنا زر اصل اٹھالے باقی تمام وکمال عمرو کو واپس دے مدعا علیہ سے خرچہ لینا بھی مطلقًا حرام ہے اگرچہ اس نے تعنت کیا ہو، اسے مختلف فیہ بتانا دیوبندی مفتی کا کذب محض ہے ہرگز کسی کتاب میں اس کا جواب نہیں، خرچہ کہ اس سے کچہری نے لیا دو حال سے خالی نہیں اس کے نزدیک حقًا لیا یا ظلمًا لیا، اگر حقًا لیا تو اس کا معاوضہ دوسرے سے کیا چاہتا ہے اور اگر اس کے نزدیک ظلمًا لیا تو کونسی شریعت کا مسئلہ ہے کہ مظلوم دوسرے پر ظلم کرے، عقد نہیں وراثت نہیں مال مباح نہیں کوئی وجہ شرعی اس سے لینے کی نہیں تو نہ ہوا مگر باطل، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۠ ﴿۱۸۸﴾"[3]۔	آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور اس کو حاکموں کے پاس اس نیت سے مت لے جاؤ کہ تم لوگوں کا کچھ مال جان بوجھ کر گناہ کے ساتھ کھاجاؤ۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

---

[1] المستدرک کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷، شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۷۰۳ مکتبة المعارف الریاض ۳/ ۳۳۰، الترغیب والترہیب الترہیب من الربا حدیث ۱۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

رجل کفل اٰخر عن زید بدین معلوم ثم طالبه زید به والزمه به لدی القاضی فطلب الرجل من زید ان یمهله به فابی الاان یدفع له الرجل قدر ماصرفه فی کلفة الالزام فدفع له ثم دفع له المبلغ المکفول به ویرید الرجل مطالبة زید بما قبضه زید منه من کلفة الالزام فله ذٰلك [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص دوسرے شخص کا معین قرض کے بارے میں زید کے پاس ضامن بنا، پھر زید نے ضامن شخص سے اس قرض کا مطالبہ کیا اور قاضی کے پاس اس پر اس کا لزوم ثابت کیا اب اس شخص (ضامن) نے زید سے مہلت مانگی تو زید نے اس وقت مہلت دینے سے انکار کردیا جب تک وہ زید کو اس مقدمہ پر کیا ہوا خرچہ نہ دے چنانچہ اس نے زید کو وہ خرچہ دے دیا، پھر وہ قرض بھی زید کو اس نے ادا کردیا جس کا وہ ضامن بنا تھا، اب وہ ضامن شخص چاہتا ہے کہ زید نے جو مقدمہ کا خرچ اس سے لیا تھا زید سے اس کا مطالبہ کرے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۶: از بمبئی دکان ایس کریم نمبر ۹ مسئولہ مولوی عبدالعلیم صاحب میرٹھ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ مسجد کے کرایہ کے روپے ورثاء واقفہ مکان کے مقدمہ دائر کرنے کے سبب کورٹ کے رسیور یعنی محافظ کے پاس جمع ہیں آٹھ ہزار روپوں کی مذکور محافظ نے پرامیسری نوٹیں خریدیں، جب مقدمہ ورثاء واقفہ اور متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کرکے کورٹ سے (کننٹ ڈگری لی) یعنی مقدمہ اٹھالیا اس وقت محافظ مذکور کے پاس سے پرامیسری نوٹوں کا بیاج سالانہ سیکڑے ساڑھے تین ٹکے کے حساب سے ایک ہزار اٹھارہ روپے چودہ آنے دو پائی نقد اور چار ہزار ایک سو سینتالیس روپے نو آنے نقد بابت کرایہ متولیان مسجد کو دیئے متولیان مسجد کے قبضہ میں مذکور نوٹیں کئی مہینوں تک مسجد کی تجوری میں رہیں جن کے رہنے سے مذکور نوٹوں کا ایک سو باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ دس پائی بیاج بڑھا، اکثر متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کرکے یہ ٹھہراؤ کیا کہ موجودہ جنگ کے سبب آپس میں اطمینان نہ ہونے کی وجہ قیمت اس وقت کم ہوئی ہے اور آئندہ اس سے بھی کم ہونے کا خوف ہے اس وجہ سے مذکور نوٹوں کو جلد فروخت کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ان کی قیمت کم ہوئی ہے اس لئے فی الحال فروخت نہ کریں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد مذکور نوٹوں کی پوری قیمت آئے گی اس وقت فروخت کیا جائے کہ

---

[1] العقود الدریة کتاب الکفالة حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۸

مسجد کا نقصان بھی نہ ہوگا،اس ترمیم کی کسی نے تائید نہیں کی اور مذکورہ نوٹوں کو فروخت کرنے کے لئے ناظر مسجد کو اجازت دی اور اس وقت یہ بھی ٹھہراؤ کیا کہ مذکورہ بیاج کے روپیوں کو مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ جس تاریخ کو مذکورہ نوٹیں محافظ نے خرید کی ہیں اس تاریخ سے جس تاریخ کو بکیں ______ ______اس تاریخ تک مذکور نوٹوں کے بیاج کے روپے مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے جمع نہیں کئے جائیں بلکہ وہ رقم مذکور محافظ کے حوالے کئے جائیں (مذکور محافظ گبر پارسی ہے) مذکور ترمیم کی بھی کسی نے تائید نہیں کی، کیا متولیان مسجد مذکور بیاج کی رقم کو لینا اور مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کرنا شرعًا جائز ہے؟ دیگر ہماری گورنمنٹ عالیہ مذکورہ نوٹوں کی جو اصل قیمت ہے وہی سمجھتی ہے اور اسی کے موافق آج تک مذکور نوٹوں کا بیاج پورا دے رہی ہے کیا اس وجہ سے مذکور بیاج کی رقم کو مذکور نوٹوں کی پوری قیمت نہ ملنے کی وجہ سے مذکور نوٹوں کی گھٹی ہوئی رقم میں داخل کرسکتے ہیں؟ دیگر متولیان مسجد کو مذکور بیاج کے روپے مذکور محافظ سے مسجد کے لئے لینا یا ورثاء واقفہ کے شرعی حصہ میں بطور رضامندی باہمی کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ لہٰذا ازراہ ہمدردی ملی واحساس دینی مذکورہ بالا کی بابت شرعی حکم بصورت فتوٰی تحریر فرما کر مسلمانوں کو ورطہ گمراہی سے نجات دیں اور خداوند عالم سے دینی واخروی اجر حاصل فرمائیں وما علینا الا البلاغ خیر خواہ اسلام۔

الجواب:

سود حرام ہے قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) مسجد اسے قبول نہیں کرسکتی،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ طیب لایقبل الا طیبًا[2]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی پاک ہے اور وہ قبول نہیں فرماتا مگر پاک کو۔(ت)

مسجد کے دفتر میں سود کے نام سے جمع کرنا اسے نجاست سے آلودہ کرنا ہے، قیمت اگر گھٹ گئی تو گورنمنٹ نے کوئی مال مسجد کا نہ لے لیا جس کے تاوان میں یہ رقم لی جائے ملازم کورٹ کو اس کا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ کسی طرح اس روپے کا مستحق نہیں۔ سود سمجھ کر لینے کا جواب تو یہ ہے، ہاں اگر نہ اسے سود سمجھیں

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب صلوٰۃ الاستسقاء باب الخروج من المظالم الخ دار صادر بیروت ۳/ ۳۴۶، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

نہ سود کہیں، نہ سود کے نام سے دفتر مسجد میں جمع کریں بلکہ یہ جانیں کہ گورنمنٹ اپنی خوشی سے بغیر ہمارے غدر کے (کہ غدر شرعًا حرام ہے) ایک مال زائد ہمیں مسجد کے لئے دیتی ہے تو اس کے لینے اور مسجد میں صرف کرنے اور دفتر مسجد میں بنام "رقم زائد از گورنمنٹ" لکھنے میں کوئی حرج نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ٢/١

رسالہ

كِفْلُ الفقيهِ الفاهِم فی احكامِ قِرطاسِ الدِّراهِم ۱۳۲۴ھ

(کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصہ)

مسئلہ ۲۱۷:

ما قولكم دام طولكم فی هذا القرطاس المسكوك المسمى بالنوط والسؤال عنه فی مواضع **الاول** هل هو مال ام سند من قبيل الصك، **الثانی** هل تجب فيه الزكٰوة اذا بلغ نصابا فاضلا وحال عليه الحول ام لا، **الثالث** هل يصح مهرا، **الرابع** هل يجب القطع بسرقته من حرز، **الخامس** هل يضمن بالاتلاف بمثله او بالدراهم، **السادس** هل يجوز بيعه بدراهم او دنانير او فلوس، **السابع** اذا استبدل	آپ کا کیا ارشاد ہے آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں، اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں، ۱**اول** کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند، ۲**دوم** جب وہ بقدر نصاب ہوا اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، ۳**سوم** کیا اسے مہر مقرر سکتے ہیں، ۴**چہارم** اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں، ۵**پنجم** اگر اسے کوئی تلف کردے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا روپے، ۶**ششم** کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے، ۷**ہفتم** اگر مثلاً کسی کپڑے سے

بثوب مثلا یکون مقایضة او بیعا مطلقًا. **الثامن** هل یجوز اقراضه وان جاز فیقضی بالمثل او بالدراهم. **التاسع** هل یجوز بیعه بدراهم نسیئة الی اجل معلوم. **العاشر** هل یجوز السلم فیه بان تعطی الدراهم علٰی نوط معلوم نوعا وصفة یؤدی بعد شهر مثلًا **الحادی عشر** هل یجوز بیعه بازید مما کتب فیه من عدد الربابی کان یباع نوط عشرة باثنی عشر او عشرین او بانقص منه کذلک. **الثانی عشر** ان جاز هذا فهل یجوز اذا اراد زید استقراض عشرة ربابی من عمرو ان یقول عمرو لادراهم عندی ولکن ابیعك نوط عشرة باثنتی عشرة ربیة منجمة الٰی سنة تؤدی کل شهر ربیة وهل ینهی عن ذلك لانه احتیال فی الربا وان لم ینه فما الفرق بینه و بین الربا حتی یحل هذا و یحرم ذٰلك مع ان المال وهو حصول الفضل واحد فیهما افیدونا الجواب توجروا یوم الحساب۔	اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے) [۸] **ہشتم** کیا اسے قرض دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے، [۹] **نہم** کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں اس کا بیچنا جائز ہے، [۱۰] **دہم** کیا اس میں بیع سلم جائز ہے یوں کہ روپے پیشگی دئے جائیں کہ مثلًا ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا، [۱۱] **یازدہم** کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے مثلًا دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم، [۱۲] **دوازدہم** اگر یہ جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے روپے تو میرے پاس نہیں ہیں ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سود کا حیلہ ہے، اور اگر نہ منع کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا، ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے۔

الجواب:

اللهم لك الحمد یا وهاب صل وسلم علی السید الاوّاب وعلٰی اٰله و	الٰہی! تیرے ہی لئے حمد ہے، اے بہت عطا فرمانیوالے! درود و سلام بھیج ان سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع فرمانے والے ہیں اور ان کے

ازواجه والا صحاب اسئلك هداية الحق والصواب، اعلم وفقنی الله وایاك والصواب، وتولّی هدای و هداك ان النوط من احدث الاشياء واجدّهاان تجد له ذکرا ولا اثرا فی شیئ من مؤلفات العلماء حتی العلامة الشامی ومن ضاهاه من العلماء الماضین قریبا، ولکن الائمة شکرالله تعالٰی مساعیهم الجمیلة وافاض علینا من برکاتهم الجلیلة قد بینوا الملة الحنفیة بیانا شافیالیس دونه خفاء، وقد اضت بحمد الله تعالٰی غراء بیضاء لیلها کنهارها فاصلوا اصولا و فصلوا اتفصیلا، وذکر و اکلیات تنطبق علی ما لا یحصی من جزئیات، فالحوادث وان ابت النهایة لا تکاد تخرج عما افادونا من الدرایة ولن یخلو لوجود ان شاء الملك الودودعمن یقدره المولٰی سبحنه و تعالٰی علی استخراج تلك الخبایا و الاسترباح من تلك العطایا والمزایا نعم من الافهام بعید و قریب والانسان یخطی ویصیب، وما العلم الانور یقذفه الله فی قلب من یشاء من عبادہ، فلا حیلة الا التجاء الی توفیقه سبحٰنه وارشاده وحسبنا الله ونعم الوکیل	آل وازواج واصحاب پر میں تجھ سے حق وراستی کی رہنمائی چاہتا ہوں جان اللہ تعالٰی مجھے اور تجھے توفیق دے اور میری او رتیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پیدا چیز ہے تو تالیفات علماء میں اس کا اصلاً نام و نشان نہ پائیگا یہانتک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب گزرا لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے) اس دین حنیف کا شافی بیان فرمادیا جس میں اصلا پوشیدگی نہیں تو بحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے توانہوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا دکھادی اور ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بیشمار جزیوں پر منطبق آئیں تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگر ختم ہونا نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں اس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالٰی ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے ہاں فہم بعضے بعید ہوتے ہیں اور بعضے قریب، اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی، اور علم تو اسی نور کا نام ہے جو اللہ تعالٰی اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القافرماتا ہے تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل کی توفیق و ہدایت کی طرف التجا کی جائے اور اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کام

وعلیه ثم علی رسوله التعویل، جل وعلا وتکرم وصلی الله تعالٰی علیه وسلم، **فاقول:** وبالله التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق اول اسئلتك اصل اسئلتك واذا علمت حقیقة هذا القرطاس اتضحت الاحکام کلها من دون التباس، اما اصله فمعلوم انه قطعة کاغذ و الکاغذ مال متقوم و مازادته هذه السکة الارغبة للناس الیه وزیادة فی صلوح ادخاره للحاجات وهذا معنی المال ای مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره للحاجة کما فی البحر والشامی[1] وغیرهما، و معلوم ان الشرع لم یرد بحجر المسلم عن التصرف فی قطعة قرطاس کیفما کانت کما ورد به فی الخمر والخنزیر وهذا هو مناط التقوم کما فی ابن عابدین وفیه عن التلویح المال مامن شانه ان یدخر للانتفاع وقت الحاجة والتقویم یستلزم المالیة[2]، وفیه	بنانے والا اور اسی پر اور پھر اس کے رسول پر بھروسا، وہ بزرگی و بلندی و کرم والا، اور ان پر اس کے درود و سلام، **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا، آپ کا پہلا سوال آپ کے سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہو جائیگی تو سب احکام واضح ہو جائینگے جن میں کوئی شبہہ نہ رہے گا، اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے اٹھار کھنے کا زیادہ لائق ہو گیا اور مال کے یہی معنی ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لئے اٹھار کھنے کے قابل ہو، جیسا کہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ وہ اپنے پارہ کاغذ میں جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب و خوک کے بارے میں نہی وارد ہوئی اور مال کے قیمت والے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں تلویح سے نقل فرمایا مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقت حاجت اس سے نفع لینے کے لئے اٹھار کھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے، اور اسی میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳

عن البحر عن الحاوی القدسی المال اسم لغیر الاٰدمی خلق لمصالح الاٰدمی وامکن احرازہ والتصرف فیہ علی وجہ الاختیار اھ[1] وقد قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ [2] اھ وھذہ ان حققت جزئیۃ النوط اتی بھا ھذا الامام قبل حدوثہ بخمسمائۃ سنۃ،فانہ ھوا لکاغذ الذی یباع بالف ولا غرو فکم من مثل ھذہ الکرامات لعلمائنا الکرام نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم فی الدنیا و الاٰخرۃ اٰمین،فلا ریب ان النوط بنفسہ مال متقوم یباع ویشتری ویوھب ویورث ویجری فیہ جمیع مایجری فی الاموال،**اقول:** ومن الظن بل من ارد ء الشکوک توھم انہ سند من قبیل الصکوک ای ان السلطنۃ التی تروج ھذہ القراطیس تستدین من اٰخذیھا الدراہم و تعطیھم ھذہ تذکرۃ لدیونھم و لمقادیرھا فاذا	بحوالہ بحرالرائق حاوی قدسی سے ہے،مال آدمی کے سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اس میں تصرف کریں،اور بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر کوئی اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے انتہی،اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہٖ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اس کی پیدائش سے پانچسو برس پہلے فرمادیا کہ یہ وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ اچنبھا نہیں ایسی کرامتیں ہمارے علماء کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں اللہ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا وآخرت میں نفع پہنچائے،آمین! تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شک میں سے ہے یہ وہم کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے یعنی وہ سلطنت جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے ان کے لینے والوں سے روپے قرض لیتی ہے اور یہ ان کے قرضوں اور انکی مقداروں کی یادداشت ان کو دیتی ہے تو جب وہ لوگ

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

جاؤابها الى السلطنة قضتهم ديونهم واخذت قراطيسها وان اعطوها غير هم من الرعايا فهم يستدينون من اولئك الاخرين و يحيلونهم على السلطنة ويعطونهم تلك التذكرة علما على الاحالة كى يتوصلوا بها الى اخذ مثل ديونهم من السلطنة المديونة لمديينهم وهكذا كلما تداولت الايدى تكررت الادانات والحوالات هذا معنى كونه سندا، وكل طفل عاقل يعلم ان هذه المعانى مما لايخطر ببال احد من المتعاملين بها و لايقصدون قط بهذا التداول ادانه ولا استدانة ولا حوالة ولا يذهب خاطر هم الى شيئ من ذٰلك اصلا ولاترى احدهم قط يذكر فى دفتر ديونه على الناس من اخذ الدراہم منه باعطاء النوط ولا يقول له مدة عمره انك استدنت منى كذا فاقضنى وخذتذكرتك منى ولا فى دفتر ديون الناس عليه من اخذهو الدراہم منه واعطاه النوط ولايذكر لاحد فيه حياته ولا عند مماته

سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر آئیں ______ سلطنت ان کے قرض ادا کردیتی اور اپنے کاغذ واپس لیتی ہے اور اگر نوٹ لینے والے رعیت میں اوروں کو نوٹ دیں تو وہ ان دوسروں سے روپے قرض لیتی ہیں اور اپنا قرضہ سلطنت پر اتار دیتے ہیں اور اس حوالہ کی نشانی کو وہی یادداشت کا کاغذ ان کو دے دیتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے ان دوسروں نے جو قرض ان پہلوں کو دیا تھا اسے سلطنت سے وصول کرسکیں جو ان پہلوں کے مقروضوں کی مدیون ہے اور یونہی جتنے الٹ پھیر نوٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر ہوتے چلے جاتے ہیں اس کے سند ہونے کے یہ معنی ہیں اور ہر سمجھ وال بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ کا معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا خطرہ بھی نہیں گزرتا اور کبھی اس الٹ پھیر سے قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف ان کا خیال نہیں جاتا اور تو ان میں کبھی کسی کو نہ دیکھے گا کہ اپنے قرض کے بھی کھاتے میں اس کا نام لکھے جس نے نوٹ دے کر اس سے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر اس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے قرض لیا ہے، ادا کردے اور اپنی یادداشت مجھ سے لے لے اور جو اوروں کا اس پر دینا آتا ہے اس میں بھی اس کا نام کبھی نہیں لکھتا جسے نوٹ دے کر اس نے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں

ان لفلان علی کذا فاقضوہ وخذوا تذکرتی منه والظلمة المهتکة المعتادة باکل الربا جهارا لایدینون احدا درهما الابربا یوضع علیه کل شهرمالم یقض و تراهم یاخذون النوط و یعطون الدراہم ولایطلبون علیها فلسا واحدا لاعلی شهر ولا علی سنین ولو علموا انه ادانة لما ترکوہ قطعا.فالحق انهم جمیعا انما یقصدون المبادلة والبیع والشراء ومن اخذ النوط یعلم قطعًا انه مبلکه بالدراہم ومن اعطاہ یعلم قطعا انه اخرجه من مبلکه بالدراہم و صاحبه یعدہ من ماله و کنزہ کالنقدین والفلوس ویدخرہ ویهبه و یوصی به ویتصدق فلا یفهمون الاالبیع ولا یقصدون الا البیع والناس عند مقاصدہم وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [1].فمن المتیقن الذی لایحرم یحوم حومة شبهة انه عند الناس مال	کہتا کہ فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے اسے ادا کردینا اور میری یادداشت اس سے لے لینا اور وہ ظالم بیباک جو سود علانیہ کھانے کے عادی ہوئے ہیں ایک روپیہ کسی کو قرض نہ دیں گے جب تک تا ادائے دین اس پر ماہوار سود نہ مقرر کرلیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ نوٹ لے کر روپے دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی نہیں مانگتے نہ مہینے پیچھے نہ برسوں بعد،اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ چھوڑتے،تو حق یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس سے مبادلہ اور خرید وفروخت ہی کا قصد کرتے ہیں جو نوٹ لیتا ہے اور وہ یقینا جانتا ہے کہ میں روپے دے کر اس کا مالک ہوگیا اور جو نوٹ دیتا ہے وہ یقینا جانتا ہے کہ میں نے روپے لے کر نوٹ اپنی ملک سے خارج کردیا اور نوٹ لینے والا اسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے اور اسے جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے تو وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو ان کے مقصود ہیں اور اعمال کامدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد شبہہ کو اصلًا بار نہیں کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک

[1] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

متقوم محرز مدخر مرغوب فیه یباع ویشتری ویجری فیه کل مافی المال جری اما ماتری من علو اثمانه فقطعة بعشرة واخری بمائة واخری بالف، **فاقول:** قدمنا عن الفتح ان قطعة قرطاس تصلح ان تباع بالف و ذلك بالتراضی بین العاقدین فقط، فکیف اذا تراضی علیه امم من الناس وجعلو اھذہ القطعات بھذہ الاثمان اصطلاحا منھم علا ان الضرب السلطانی له قیمة عند الشرع ایضا، الاتری ان من سرق عشرة دراھم مضروبة قطع ومن سرق تبراغیر مضروب وزنه قدر عشرة ولا تبلغ قیمة عشرة مضروبة لم یقطع کما نص علیه فی الھدایة [1] وغیرھا عامة کتب المذھب والفلوس المضروبة المقدرة بربیة ان اخذت قدرھا وزن من النحاس لایساوی ربیة قطعا بل قد لایساوی نصفھا بل تری مثل ذٰلك فی الفضة فقد کانت فی قریب من الزمان فضة تساوی	قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا ہے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور جو مال میں جاری ہے سب اس میں جاری ہوتا ہے اور یہ جو تم اس کی بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا اور دوسرا سو کا اور تیسرا ہزار کا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم فتح القدیر سے بیان کر آئے کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے اور اس کے لئے صرف اتنا درکار ہے کہ بائع و مشتری دونوں راضی ہوں تو اس کا کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی ہوں اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھہرالیں، علاوہ بریں سکہ شاہی شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے کیا نہیں دیکھتا کہ جو شخص دس درہم سکہ کے چرائے ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ایسی چاندی بے سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو اور اس کی قیمت سکہ کے دس درہم تک نہ پہنچی اس کا ہاتھ نہ کٹے گا، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتب مذہب میں تصریح ہے اور ایک روپے کے سکہ دار پیسے جتنے آتے ہیں اگر تو ان کے وزن کا تانبا لے تو ہر گز ایک روپے کا نہ ہوگا بلکہ بعض وقت اٹھنی کا بھی نہ ہوگا بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی دیکھو گے ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ دو روپے بھر چاندی ہمارے ملک میں ایک روپے کو

[1] الھدایة کتاب السرقة المکتبة العربیة کراچی ۲ /۵۱۸

ربيتين وزنا بربية واحدة فى بلادنا وكانت الجهلة يشترون ولا يعلمون مافيه من وبال الربا فاذا حصل بالضرب التضعيف فالضعف والا ضعاف سواء ومن الجلى عند كل من ورد ولو عابر سبيل مشرع الشرع الجليل او منهل العقل السليم ان الشيئ التافة جدا ربما يعرض له ما يجعله اعلى من الوف امثاله وربما اشتريت جارية بمائتى الف واكثر، ولا يرغب فى اخرى بثلثين درهما مع ان الاوصاف لا قسط لها من الثمن حتى الاطراف مالم تصر مقصودة بالاتلاف فما هى الاثمن الذات زادته الاوصاف لزيادة الرغبات، ارأيتك ان كانت ورقة كاغذ فيها علم نفيس عجيب نادر غريب وكان رجل يطلبه ويعرف قدره فاشتراها بعشرة الاف هل فيه من خلاف كلا، بل حلال طيب بنص القراٰن والاجماع من دون نكير ولا نزاع، قال تعالٰى "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1] فهذه العشرة الالاٰف ماهى ثمن المكتوب فانه لا مالية له اصلا كما نص عليه فى الهداية وسائر الكتب المعللة وهذا

بکتی تھی اور جاہل لوگ خریدتے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ اس میں سود کا کیسا وبال ہے تو سکہ سے جب دونا دون قیمت ہوگئی تو دو چند ہزار چند سب یکساں، اور ہر شخص کہ شرع مطہر یا عقل سلیم کے گھاٹ گزرا ہے اگرچہ راہ چلتا ہوا، اس پر روشن ہے کہ ایک شیئ نہایت حقیر میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اسے اس جیسی ہزاروں سے بیش بہا کردیتا ہے اور بارہا ایک کنیز دولاکھ روپے اور اس سے زائد کو خریدی گئی اور دوسری کو کوئی تیس روپے کو نہیں پوچھتا حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں سے کوئی حصہ نہیں یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جب تک کہ بالقصد نہ ہلاک کئے جائیں وہ ثمن ذات ہی کا ہے جسے رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھا دیا بھلا بتاتو کہ ایک ورق کاغذ ہو جس میں ایک علم نفیس عجیب وغریب نادر ہو اور ایک شخص اس علم کا طلب گار ہو اور اس کی طلب جانتا ہو وہ اس ورق کو دس ہزار میں خرید لے تو کیا کوئی اس میں خلاف ہے ہر گز نہیں بلکہ حلال طیب ہے اس پر قرآن عظیم کا نص اور بلا انکار ومنازعت اجماع قائم ہے، رب عزوجل فرماتا ہے مگر یہ کہ کوئی سودا تمہارے آپس کی خوشی کا ہو اور یہ دس ہزار اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں جیسا کہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

نصها ولا قطع فی سرقة المصحف و ان کان علیه حلیة لانه لامالیة له علی اعتبار المکتوب واحرازہ لا جله لا للجلد والاوراق والحلیة وانما هی توابع،ولا فی الدفاتر کلها لان المقصود مافیها وذلك لیس بمال الادفاتر الحساب لان مافیها لایقصد بالاخذ فکان المقصود الکواغذ اھ [1] ملتقطا فتبین ان الورقة الواحدۃ هی التی بلغ ثمنها لما فیها عشرۃ اٰلاف فای غرو فی بلوغ قیمة نوط عشرۃ او اکثر لاجل ما کتب فیه مما استجلب رغبات الناس الیه وای حجر من الشرع علیه وبالجملة فالمسألة اوضح من ان تحتاج الی ایضاح والی کم تبتغی المصباح وقد اسفر الاصباح، **ثم اقول:** بل حقیقة الامر ان الاموال کما فی البحر و غیرہ اربعة اقسام ،الاول ثمن بکل حال وهو النقدان	مسائل مع دلائل مذکور ہیں اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر سونا چڑھا ہو اس لئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو وہ از قبیل مال ہی نہیں اور اس کا محفوظ رکھنا اس مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے یہ چیزیں تو تابع ہیں اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کہ ان سے مقصود وہ ہے کہ جو ان میں لکھا ہے اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ ان میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا جو اس کا لینا مقصود ہو تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوئے انتہی ملخصاً، تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اسکی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اسکی طرف کھیچ گئیں اور شرع سے اس پر کون سی روک ہے،خلاصہ یہ کہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ روشن کرنے کا حاجتمند یہ ہو اور کہاں تک تو چراغ مانگے جائے گا حالانکہ صبح روشن ہو گئی، **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) اصل بات یہ ہے کہ مال چار قسم ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے،اول وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے اور وہ سونا چاندی

[1] الهدایة کتاب السرقة باب مایقطع فیه وما لایقطع المکتبة العربیة بیروت ۲/ ۲۱-۵۲۰

فانهما اثمان ابدا صحبتهما الباء اولا وقوبلا بجنسهما اولا وعدهما العرف من الاثمان اولا کالمصوغ منهما فانه بسبب ما اتصل به من الصنعة لم یبق ثمنا صریحا ولهذا یتعین فی العقد ومع ذٰلك بیعه صرف یشترط فیه مایشترط فی الصرف لانهما خلقا للثمنیة ولا تبدیل لخلق الله، و۲الثانی مبیع بکل حال کالثیاب والدواب فانها وان صحبتها الباء وقوبلت بما تشاء لا تثبت دینا فی الذمة وهذا هو المعنی بالثمنیة فلا یرد ان فی المقایضة کلا من العرضین ثمن من وجه هکذا وجه ابن عابدین جوابا عن ایراد العلامة الطحطاوی، **اقول**: وفیه ان المصوغ من الحجرین ایضا لایثبت دینا فی الذمة بل یتعین فی العقود کما تقدم عن البحر فان سلم هذا ورد النقض علی ذٰلك فلیتأمل والاظهر عندی الجواب	ہے کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے خواہ انکے عوض کوئی چیز بیچی یا انکو کسی چیز کے عوض بیچنا کہیں خواہ اپنی جنس سے بدلے جائیں یا غیر جنس سے خواہ اہل عرف انہیں ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونے کے برتن کہ وہ اس گھڑت کے سبب جو ان میں ہوئی خالص ثمن نہ رہے ولہذا عقد بیع میں متعین ہو جائیں گے اور بایں ہمہ ان کی بیع شرعًا صرف ٹھہرے گی (یعنی ثمن سے ثمن کا بیچنا) اور جو شرائط صرف کے وہ سب اس کے مشروط ہوں گے اس لئے کہ چاندی سونا ثمن ہونے کے لئے ہی بنائے گئے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔ قسم دوم وہ جو ہر حال مبیع ہے جیسے کپڑے، چوپائے کہ اگر ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہیں اور ان کا مبادلہ کسی شیئ کے ساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہو کر لازم نہ ہوں گے، اور ثمن ہونے کے یہی معنی ہیں تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ (جس میں متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اس میں دونوں متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں، اعتراض علامہ طحطاوی کے جواب میں علامہ شامی نے اسی طرح توجیہ فرمائی، **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونے کی گھڑی ہوئی چیز مثلًا برتن یا گہنا یہ بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے بلکہ عقد میں متعین ہو جاتے ہیں جیسا کہ بحرالرائق سے گزرا، تو اگر یہ تقریر سالم رہے تو اس پر نقض وارد ہوگا، فتامل، اور میرے نزدیک صاف جواب

بان کل سلعة فی المقایضة مبیع ایضاولا یمکن ان تصیر ثمنا محضا وان کان لها وجهة الی الثمنیة من حیث ان البیع لایقوم الابالبدلین بخلاف القسم الاٰتی فانه تارة یصیر ثمنا بحتا و اخری مبیعا خالصا فمعنی القسمین انه لا ینفك عنه کونه ثمنا او کونه مبیعا بشیئ من الاحوال وان اعتراه وجهة اخری ایضا فی بعض الحال ثم قوله کالثیاب ارسلها ارسا لاواقره الشرح والحواشی والمراد المختلفة افرادها مالیة والاکانت من الثالث حیث امکن ضبطها بذکر جنس کقطن وکتان وصنعة کعمل الشام و مصر ورقة او غلظة وذرع طولا و عرضا ووزن ان بیعت به وبذا یجوز السلم فیها کما عرف فی محله و الثالث ما لوصف فی ذاته ثمن تارة و مبیع اخری ولا **اقول:** کقول التنویر ثمن من وجه مبیع من وجه [1] لیعود حدیث المقایضة. **اقول:** وانما زدت لو صف فی ذاته احترازا عن قسم الرابع فانه	یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع بھی ہے اور ثمن خالص نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کا ایک رخ ثمنیت کی طرف بھی سہی اس لئے کہ بیع بغیر ثمن و مبیع دونوں کے نہیں ہوسکتی بخلاف قسم آیندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص مبیع، تو ان دونوں قسموں کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثمن یا مبیع ہونا کسی حال اس سے جدا نہ ہو اگرچہ بعض اوقات اسے دوسرا رخ بھی عارض ہو پھر وہ جو کپڑوں کی مثال گزری مصنف نے اسے یونہی مطلق چھوڑا اور شرح وحواشی میں اسے برقرار رکھا اور مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہ ہوں، ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے جبکہ ان کا ضبط ہوسکے ذکر جنس سے جیسے روئی اور کتان، یاکارخانہ کے ذکر سے جیسے شام ومصر کا کام، یا پتل اور دبیز ہونے سے یا طول و عرض کی پیمائش سے یا وزن سے اگر تول کر بیچے جاتے ہوں اور اسی بنا پر ان میں بیع سلم یعنی بدلی جائز ہے جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہوچکا ہے۔، قسم سوم وہ جن کی ذات میں کوئی کاایسا وصف ہے جس کے سبب کبھی ثمن کبھی مبیع ہوتے ہیں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے، **اقول:** (میں کہتاہوں) میں نے یہ قید کہ اس کی ذات میں کوئی وصف ایسا ہو اس لئے بڑھادی کہ

[1] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

ایضًایصیر مرۃ ثمنا واخری لا ،لا لو صف فی ذاتہ بل للاصطلاح وعدمه وهذه هی المثلیات فانها اما ان تقابل باحد النقدین او لا علی الاول مبیعات مطلقًا سواء دخلتها الباء اولا وتعینت اولا کقولك بعتك هذا الذهب بکُرّ برّ او بهذ االکر فالکر مبیع مطلقًا والبیع فی صورۃ التعیین مطلق وفی غیرہ سلم یشترط فیه شرائطه وعلی الثانی اما ان تدخلها الباء اولا علی الاول اثمان مطلقًا تعینت اولا کبعتك هذا الثوب بکربر او بهذا الکر والبیع مطلق فی الوجهین والکر یثبت فی الذمة وعلی الثانی ان تعینت فاثمان کبعتك هذاالکر بهذا الثوب اولا فمبیعات کبعتك کرا بهذا العبد والبیع سلم بشروطه والحاصل ان المثلی ان قوبل بحجر فمبیع مطلقًا والا فان دخلته الباء فثمن مطلقًا والا فان تعین فثمن اولا

قسم چہارم نکل جائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں بلکہ اصطلاح وعدم اصطلاح کی بناپر۔اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں اب ان کا مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہوگا یااور چیز سے: پہلی صورت میں مطلقًا مبیع ہیں چاہے خرید وفروخت میں ان کو عوض ٹھہرایا ہو یا سونے چاندی کو اور یہ شیئ مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا تو گیہوں بہر حال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہے تو بیع مطلق ہے اور اگر غیر معین ہے تو سلم کہ اس کے شرائط لازم ہوں گے اور دوسری صورت میں ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہی یا ان کو کسی شے کے عوض بیچنا کہا پہلی تقدیر پر ہر حالت میں ثمن ہوں گے خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوؤں یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا اور بیع بہر حال مطلق ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہونگے بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں تو ثمن ہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے اور معین نہ ہوں تو مبیع ہیں جیسے یوں کہے کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے بدلے بیچے اور بیع سلم ہے اس کے شرائط کے ساتھ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو تو مطلقًا مبیع ہے ورنہ اگر اس کے عوض بیچنا کہیں

فمبیع وهذا ایضاح ماحرر الشامی مع احسن ضبط لا یوجد فیه والرابع ما هو سلعة بالاصل وثمن بالاصطلاح کالفلوس فما دام یروج فکثمن والا عاد لاصله ولا شك ان المصطلحین اذا ارادوا ان یجعلوا سلعة ثمنا لا بد لهم ان یرجعوا فی تقدیرها الی الثمن الخلقی فان ما بالعرض لا یتقوم الا بما بالذات فیجعلون اربعة وستین من الفلوس الهندیة او احدی وعشرین من الهللات العربیة بربیة وهکذا فی غیرها وهم فی ذٰلك بالخیار یصطلحون کیف یشاؤن اذلا مشاحة فی الاصطلاح، وقد کان قبل نحو عشرین سنة فی الدیار الهندیة قسمان من الفلوس یروجان احدهما مضروب و الاُخر قطعة نحاس مستطیلة الشکل نحو ضعف الفلس المضروب فی الوزن وکان من المضروب اربعة وستون بربیة لا تزید ولا تنقص ومن الاُخر یختلف السعر، وربما صار ثمانون منه بربیة الی ان کسد ونفد فکل ذٰلك راجع الی الاصطلاح ولا حجر فیه من جهة الشرع الشریف اذا علمت هذا فالنوط هو من القسم الرابع سلعة باصله لانه قرطاس وثمن بالاصطلاح لانه	تو مطلقاً ثمن ہے ورنہ اگر معین ہو تو ثمن ہے اور غیر معین ہو تو مبیع یہ اس کا ایضاح ہے جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں، قسم چہارم وہ یہ کہ حقیقۃً کوئی متاع ہو اور اصطلاحاً ثمن جیسے پیسے تو وہ جب تک چلتے ہیں ثمن ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے اور اصلاً شبہہ نہیں کہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں تو انہیں ان کے اندازہ میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنے ناگزیر ہے کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے ہوتا ہے تو ۶۴ ہندی پیسے یا ۲۱ عربی ہللے ایک روپے کے قرار دیتے ہیں یوں ہی اس کے ماسوا میں،اور اختیار ہے جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں، ۲۰ برس پہلے ہندوستان میں دو طرح کے پیسے رائج تھے ایک سکہ زدہ (ڈبل) دوسرے تانبے کے لمبے ٹکڑے وزن میں ڈبل پیسے سے قریب، دونے کے (منصوری) ڈبل پیسے روپیہ کے ۶۴ سے نہ زائد ہوتے ہیں نہ کم، اور منصوری کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور کبھی ایک روپے کے اسی ہو جاتے تھے یہاں تک کہ چلن نہ رہا اور جاتے رہے تو یہ سب اصطلاح کی جانب راجع ہے اور اس میں شرع مطہر کی طرف سے کوئی روک نہیں۔ جب یہ معلوم ہو لیا تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے، اصل میں یہ ایک متاع ہے اس لئے کہ ایک پرچہ کاغذ ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا

يعامل به معاملة الاثمان وهذه الرقوم المكتوبة عليه تقديرات ثمنية بالثمن الاصلی كما علمت، فهو اصطلاح لامضايقة فيه ولا يسأ ل له عن وجه و توجيه وقد تبين بهذا التقرير والحمد لله الفتاح القدير حقيقة النوط وانما سائر الاحكام بها منوط، فاذن لايعتری ان شاء الله تعالٰی فی ابانة شیئ من الاحكام اشكال والحمدلله المهيمن المتعال۔

اما السوال الاول: فقد بان الجواب مع المزيد ولا احتياج الی ان نزيد۔

واما الثانی

فاقول: نعم تجب فيه الزكٰوة بشروطها لما علمت انه مال متقوم بنفسه وليس سندا او تذكرة للدين حتی لايجب اداؤها مالم يقبض خمس نصاب ولا حاجة فيه الٰی نية التجارة لان الفتوی علی ان الثمن المصطلح تجب فيه الزكٰوة مادام رائجا بل لا انفكاك له عن نية التجارة لانه لا ينتفع به الا بالمبادلة كما لايخفی فی فتاوٰی قاری الهداية الفتوی علی وجوب الزكٰوة فی

معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہوچکا تو یہ ایک اصطلاح ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں نہ اس کی وجہ توجیہ دریافت کی جائیگی، **بحمد الله القدیر** اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہوگئی اور تمام احکام اسی پر مبنی تھے توان شاء اللہ تعالٰی اب کوئی دشواری کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئے گی، اور سب خوبیاں اللہ کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے بلندی والا۔

جواب سوال اول: مع شے زائد واضح ہولیا اور بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

جواب سوال دوم:

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے اس لئے کہ آپ نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز و رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں اسلئے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے بلکہ نوٹ کو نیت تجارت سے اصلاً جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے فتاوٰی علامہ قاری الہدایۃ میں ہے فتوٰی اس پر ہے کہ پیسے جب تک رائج ہیں ان پر زکوٰۃ واجب

الفلوس اذا تعومل بها اذا بلغت ماتساوی مائتی درہم من الفضۃ او عشرین مثقالا من الذہب اھ[1] و النوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الی نصاب من جنسه او من احد النقدین باعتبار القیمة کا موال التجارۃ۔	جبکہ دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں انتہی اور نوٹ جو سال زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے ملے وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملایا جائے گا جیسا تجارتی مال کا حکم ہے۔
واما الثالث	**جواب سوال سوم:**
فاقول: نعم یصح مہرا لما علمت اذا کانت قیمته وقت العقد سبع مثاقیل من فضة فان اقل یتم کما فی العروض۔	**فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) ہاں وہ مہر ہوسکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقت عقد اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔
واما الرابع	**جواب سوال چہارم:**
فاقول: یجب القطع بشروطه من تکلیف ونطق وبصر و حرز تام وغیرہا اذا بلغت قیمته کلا یومی السرقۃ والقطع عشرۃ دراہم مضروبة جیادا وذٰلك کله لما بینا انه مال متقوم بنفسه۔	**فاقول:** (میں کہتا ہوں) نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو، گونگا نہ ہو، اندھا نہ ہو، نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو، اور اس کے سوا جو شرائط ہیں اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اس کی قیمت دس درہم سکہ دار کھرے تک پہنچے اور یہ سب اسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کر آئے کہ وہ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے۔
واما الخامس	**جواب سوال پنجم:**
فاقول: نعم یضمن باتلاف بمثله ولا یجبر المتلف	**فاقول:** (میں کہتا ہوں ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کردے تو اسے تاوان میں نوٹ

[1] فتاوٰی قارئ الہدایۃ

على اداء الدراہم خاصة لان النوط عددی غير متفاوت اصلا اذا اتحد دار ضربه، نعم اذا اختلف ولو اتحدت السلطنة فربما تختلف القيمة وذٰلك ان النوط اٰله آباد او اٰله آباد و كلكتة يروج فی ممالك الهند المشرقية الشمالية اكثر مما يروج نوط بمبئی و بالعكس ربما يشتری نوط مكانٍ فی اخر بنقص عدة آنات من رقمه المكتوب عليه فلا يعد احدهما مثل الاٰخر الا اذا استويا رواجا۔

ہی دینا آئے گا اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ نوٹ وہ چیز ہے جس کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور دو نوٹوں میں اصلاً تفاوت نہیں سمجھا جاتا ہے جبکہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں ہاں ٹکسال جب مختلف ہو تو اگرچہ سلطنت ایک ہوا کثر قیمت مختلف ہو جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ نوٹ الہ آباد یا الہ آباد و کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالک ہند میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے و بالعکس اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں۔

واما السادس

فاقول: نعم يجوز نعم كما تعامله الناس فی عامة البلاد وقد علمت تحقيقه۔

جواب سوال ششم

فاقول: (پس میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عمل درآمد ہے اور تم اس کی تحقیق جان چکے۔

تنبيه: كنت قنعت فی الجواب بهذا القدر لوضوح الامر بما قررته فی الصدر فاذا نهيت الرسالة بلغنی عن بعض[عہ] الافاضل انه حفظه الله تعالٰی قال مذاكرة لا مجادلة ان العلامة ابن عابدين ذكر فی رد المحتار تفريعا على ان من شروط انعقاد البيع كون المعقود عليه مالا متقوما انه لم ينعقد بيع كسرة خبز لان ادنی القيمة التی تشترط

تنبیہ: میں نے جواب میں اسی پر اکتفاء کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گزری اس سے امر واضح ہو چکا تھا پھر جب میں رسالہ تمام کر چکا مجھے بعض علماء سلمہ اللہ تعالٰی سے خبر پہنچی کہ انہوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال متقوم ہونا ہے یہ تفریع ذکر کی کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل ہے کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت

عـــہ: یعنی فاضل حامد احمد محمد جدادی سلمہ ۱۲۔

لجواز البیع فلس اھ [1] ومعلوم ان ھذا القدر من القرطاس لایساوی فلسا ای فیکون البیع باطلا غیر منعقد اصلا فضلا عن الحرمۃ والکراھۃ۔ **اقول:** و باللہ التوفیق ھذا قالہ قبل ان یطالع رسالتی ولذلك وددت انہ سلمہ ربہ طالعھا واطلع علی مافیھا والجواب ظاھر بملاحظۃ قولہ لایساوی فلسا فبون بیّن بین لا یساوی ولم یکن یساوی لانہ الاٰن یساوی مائۃ و الفا ولنظر للحال لا للاصل الا تری ان بیع اوانی الخزف والطین کبارھا وصغارھا من الحب والجفنۃ الی نحو رأس الشیشۃ شائع ذائع بین عامۃ المسلمین ولم ینکرہ احد مع ان اصلہ تراب والتراب لیس بمال بل لو نظر للاصل لعادت مسألۃ الفلس المتمسك بھا علی نفسھا بالنقص لما علمت ان قطعۃ نحاس بوزن فلس لا تساوی فلسا قط بل لا تبلغ نصفہ ایضا، و لذا اولعت المجازفون باصطناع قوالب کقالب دار الضرب

ہونا شرط ہے انتھی، اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ کا ایک پیسہ کی قدر نہیں تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہئے کہ اصلاً ہوئی ہی نہیں، حرام یا مکروہ ہونا تو درکنار، **اقول:** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے) ان عالم نے یہ بات میرا رسالہ دیکھنے سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی کہ کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے اور اس کے مضامین پر مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود ان کے اس کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک پیسہ کا نہیں یا ایک پیسہ کا نہ تھا اس لئے کہ اب تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی، کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی مٹی کے برتن چھوٹے بڑے گولی اور کونڈے سے لے کر چلم تک ان کی بیع تمام مسلمانوں میں رائج و معروف ہے اور کوئی اس پر انکار نہیں کرتا حالانکہ ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں اگر اصل کو دیکھیں تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود اپنے ہی نفس کا ناقص ہوگا اس لئے کہ تمہیں معلوم ہوچکا کہ تانبے کا پتر جو وزن میں ایک پیسہ کے برابر ہو ہر گز ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا اور اسلئے بیباکوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی ہے ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبا گلا کر اس میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

یذیبون النحاس ویقلبونه فیها فیصیر فلو سا و یربحون به ضعف ماخسروا ویقولون انه انفع من ضرب الربابی فبا لنظر للاصل لایساوی الفلس نفسه فلسافلایکون مالامتقوما فکیف یکون قیمة وثمنا ومن تأمل حدیث ورقة علم الذی قدمنا علم ان الشیئ انما ینظر الیه بما هو علیه الاٰن لابما قد کان الاتری ان العالم معظم شرعا وعقلا وعرفا ولا نظر الی انه فی الاصل من الذین قال الله تعالٰی فیهم "وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـاۙ"[1] وما ذٰلك الا لانه بحدوث وصف فیه صار متقوما عند الله و عندالناس بعد ان لم یکن و کذٰلك ورقة العلم لما تجدد فیها من کتابة ذٰلك العلم و کذٰلك النوط لما حدث فیه بذاك الرقم و الطبع ما استجلب الرغبات الیه للنفع وصار یمیل الیه الطبع ویجری فیه البذل والمنع ولا قیمة للایراد بانه لایمشی فی کل البلاد فان هذالیس من لوازم المالیة عند احد

ڈالتے ہیں کہ پیسہ ہو جاتا ہے اور اس میں جتنا خرچ ہوتا ہے اس سے دونا نفع مل جاتا ہے اور اسے روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسے کا نہیں تو مال متقوم نہ ہوا تو کیونکر قیمت اور ثمن ہو سکتا ہے اور ورق کی بات کہ اوپر گزری جو اسے دیکھے گا یقین کریگا کہ شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ کہ حالت گزشتہ، کیا نہیں دیکھتے کہ شرع میں عقل میں عرف میں عالم کی تعظیم ہے اور اس پر نظر نہیں کہ وہ اصل میں ان لوگوں سے ہے جن کی نسبت رب عزوجل نے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے تو یہ اسی سبب سے ہے کہ اس میں ایک وصف ایسا پیدا ہو گیا جس کے سبب خالق و خلق سب کے نزدیک اس کو وہ عزت ہو گئی جو پہلے نہ تھی ایسے ہی وہ علم کا ورق اس وجہ سے کہ اس میں وہ علم لکھ دیا گیا اور ایسے ہی نوٹ جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو اس کی طرف کھینچ دیا اور طبیعتیں اس کی طرف میل کرنے لگیں اور اس میں دینا اور روکنا جاری ہوا اور یہ اعتراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۸

بل ھذا ھو حال اکثر العملة المضروبة الاترى ان الخمسات والعشرات والهللات الرائجة ھٰھنا لا تروج فی الهند اصلا وکذٰلك لاتمشی فلوس الهند ھنا بخلاف النوط فان نوط الهند نافق ھهنا بالمشاهدة وبعض النقصان لا یمنع المشی ولا یوجب الکساد بل قد اصطرفت انا فی ذی الحجة ھذا بهذا البلد الامین نوطا افرنجیا معلما برقم خمسمائة ربیة بثلثة وثلثین جنیها و خمس ربابی وھذا ثمنه سواء بسواء فالجنیهات بار بعمائة وخمس و تسعین وھی مع الخمس خمسمائة(ربیة)وقد قال فی الکفایة اوائل باب البیع الفاسد ان صفة المالیة للشیئ بتمول کل الناس او بتمول البعض [1] ایاه اھ ومثله فی فتح القدیر، وفی ردالمحتار عن البحر الرائق عن الکشف الکبیر المال مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة والمالیة تثبت بتمول الناس کافة او بعضهم [2] اھ فتبین ان الفرع المذکور المتمسك به لا مساس له بما نحن فیه ولکن العبد الضعیف	نہیں بلکہ سکہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے کیا نہیں دیکھتے کہ خمسے اور عشرے اور ہللے جو یہاں (عرب شریف میں) رائج ہے ہند میں اصلا نہیں چلتے اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے اور کچھ کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں، نہ اس سے بے رواجی لازم ہے بلکہ میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظّمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پر پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے کو بھنایا اور یہ اس کا پورا ثمن ہوا کہ وہ اشرفیاں چار سو پچانوے روپے کی ہوئیں اور وہ ان پانچ روپوں سے مل کر پورے پانسو ہوگئے اور بیشک کفایہ کی اوائل باب بیع فاسد میں فرمایا کہ شیئ کا مال ہونا یوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اسے مال بنائیں یا بعض انتہی، اور ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور ردالمحتار میں بحوالہ البحر الرائق کشف کبیر سے نقل کیا کہ مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھار کھنا ممکن ہو اور مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض اسے مال بتائیں انتھی، تو ظاہر ہوگیا کہ وہ پیسہ کا مسئلہ جس سے ان عالم نے تمسک کیا ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا مگر بندۂ ضعیف

[1] الکفایة مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

یحب ان یکشف الحجاب عن حاله ایضا کیلا یغتر به فی محل اُخر مع مافیه من تحجیر ماوسعه الشرع المطهر .**فاقول**: وبه استعین اصل الفرع للقنیة فرد المحتار نقله عن البحر والبحر نقله عنها وتبعه تلمیذه العلامة الغزی وبالغ حتی ادخله فی متنه فی متفرقات البیوع قبل الصرف مع خلو اصله اغنی الغرر والدرر عنه وقد رده شارحه العلامة العلائی الی القنیة بل اعترف به المصنف نفسه فی شرحه منح الغفار فقال بعد ایراده متنا نقله فی القنیة ایضا اھ[1] ای کما نقل المسألة قبله فیها وھی صح بیع خرء حمام کثیر وھبته،والقنیة مشهورة بضعف الروایة وصرحوا انها اذاخالفت المشاهیر لم تقبل بل قد نصوا انها اذا خالفت القواعد لم تقبل مالم یعضد ھا نقل معتمد من غیر ھا والعبرة بالمنقول عنه لا بالناقل وبکثرة	دوست رکھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حال بھی کھول دے تاکہ کہیں دوسری جگہ اس سے دھوکانہ کھائے باوصف اس دقت کے جو اس میں ہے کہ اس نے ایسی چیز کو تنگ کردیا جسے شرع مطہر نے وسیع فرمایا تھا،**اقول: وبہ استعین** (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں) اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے رد المحتار نے اسے بحر سے نقل کیااور بحر نے قنیہ سے اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے ان کی متابعت کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر وغرر اس سے خالی ہے اور اس کے شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اس کا اعتراف فرمایا متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا ہے انتہی یعنی جیسے اس سے پہلے مسئلہ بھی قنیہ میں منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو اس کی بیع وہبہ صحیح ہے اور قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں اور علماء نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے مقبول نہ ہوگی بلکہ نص فرمائی ہے کہ قنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا اور نقلوں

[1] منح الغفار شرح الدر المختار

النقول لاتندفع الغرابة اذالم یکن مستند هم الاواحدا کما بینت کل ذلك فی کتابی فی اٰداب المفتی سمیته فصل القضاء فی رسم الافتاء وحکم فی الظهیریة استحباب القیام بعد سجود التلاوة مثل ماقبله ونقله مافی التتارخانیة والغنیة والمضمرات وعنها فی البحر و مشی علیه فی الدر وغیره ومع ذٰلك حکم فی البحر انه غریب قال الشامی وجه غرابته انه انفرد بذکره صاحب الظهیریة ولذا عزه من بعده الیها فقط اھ [1] وانت تعلم ان فرع القنیة لم یرزق من النقول هذا القدر ایضا ولا القنیة کالظهیریة فانی تغرب عنه الغرابة ویالیته لم یکن الا غریبا فیکون کالشاذ لکنه کالمنکر لان کلتا الخالفتین نقد وقته مخالفة المشاهیر ومخالفة قواعد الشرع المنیر، اما الاولی فلقد کان ناهیك فیها قول الفتح والشرنبلالی والطحطاوی ورد المحتار وغیرها من معتمدات الاسفار لو باع کاغذة بالف یجوز [2] وجزاهم الله الحسنی وزیادة

کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوئی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتہی ہو جیسے کہ میں نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اس کتاب میں کردیا جو آداب مفتی میں لکھی جس کا نام میں نے فصل القضاء فی رسم الافتاء رکھا، اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدہ تلاوت کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے اور یہ مسئلہ اس سے تتارخانیہ اور قنیہ اور مضمرات نے نقل کیا اور ان سے بحر میں اور در وغیرہ میں اسی پر چلے باوصف اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ وہ غریب ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا: اس کی غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط اس کی طرف اسے نسبت کیا انتہی، اور تو جانتا ہے کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہ ہوئیں اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے تو غرابت اس سے کہاں جائیگی اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا مگر یہ تو مثل حدیث منکر کے ہے اس لئے کہ دونوں مخالفین اس کی نقد وقت ہیں کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت پہلے مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا کہ فتح القدیر اور شرنبلالی اور طحطاوی اور ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں فرمایا اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے تو اللہ تعالٰی انہیں بھلائی اور اس سے زیادہ

---

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۵

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

علٰی زیادۃ تاء الوحدۃ فی کاغذۃ لکن ھھنا شیئ اٰخر اجل واکبر لایرد ولا یرام ولا یمس غبارہ الاوھام وھو اجماع ائمتنا جمیعا فی الروایات الظاہرۃ عنھم و اطباق متون المذہب و شروحہ و فتاواہ علی جواز بیع تمرۃ بتمرتین و جوزۃ بجوزتین، وزاد فی الفتح و الدر ابرۃ بابرتین [1] وکل احد یعلم ان لیس شیئ منھا یسوی فلسا ففی بلادنا تکون عدۃ صالحۃ من التمر بفلس وھو ھٰھنا ارخص وکذٰلک الجوز وھو ارخص فی بلادنا وثمہ تجد الابر بفلس من ثمان الی خمس وعشرین فھذہ مخالفۃ بینۃ لجمیع المشاھیر بل لنصوص جمیع ائمۃ المذہب والمحقق حیث اطلق و ان رجح روایۃ المعلی عن محمد بکراھۃ تمرۃ بتمرتین لکنہ لاجل التفاضل لالان تمرۃ لایساوی فلسافلو باع تمرۃ من

جزادے کہ انہوں نے کاغذ میں تائے وحدت بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک اور چیز ہے نہایت جلیل وعظیم کہ نہ رد ہوسکے نہ اس پر کوئی آنکھ اٹھاسکے نہ اوہام اس کی گرد پائیں، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ نے ان روایات میں جوان سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے اور متون و شروح و فتاوٰی مذہب کا اتفاق ہے کہ ایک چھوہارہ دو چھوہاروں کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹوں کو بیچنا جائز ہے اور فتح القدیر و درمختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک سوئی، اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ایک پیسہ کی نہیں ہوتی ہمارے شہروں میں معقول گنتی کے چھوہارے ایک پیسہ کے ہوتے ہیں اور یہاں اور بھی سستے ہیں اور ایسے ہی اخروٹ اور ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں اور ہندوستان میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لے کر پچیس سوئیاں ملتی ہیں تو اس مسئلہ قنیہ کی یہ صریح مخالفت ہے تمام کتب مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب سے اور محقق علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد سے امام معلّٰی کی اس روایت کو ترجیح دی کہ دو چھوہاروں کے بدلے ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے مگر وہ کراہیت ایک زیادتی کے سبب سے ہے نہ اس لئے کہ چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا

[1] درمختار باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۱

البرنی بتمرۃ من الجنیب مثلا لم تمسه روایة المعلی ولا ترجیح المحقق ثم الروایة ایضاً لا تقول الا بالکراھة فاین البطلان و عدم الانعقاد الذی کنتم تدعون، و اما الثانیة **فاقول**: اکثر تعیش الفقراء فی مملکة الهند علی کبرها واتساعها(فان عمارتها عرضاً من ثمان درج شمالیة عن خط الاستواء الی خمس وثلثین درجة وطولامن ست و ستین درجة شرقیة عن قرینص الی اثنتین و تسعین درجة)انما هو بالمبایعات باجزاء فلس نصف وربع وثمن وغیرها فرب فقیر یشتری لادامه شیئا من البقول بنصف فلس ویصب فیه دهن الشیرج بنصف فلس والتوابل الثلث جمیعا بربع فلس والثوم والبصل معا بربع فلس وکذالملح بربع فلس فیتهیؤله الادام فی فلسین الا ربعا ویأکله غداء وعشاء، و یشتری لسراجه الدہن بنصف فلس یکفیه من المساء الی قریب نصف اللیل وقربة کبیرة من الماء العذب بنصف فلس وقد کانت قبیل ھذا بثلث فلس وتجدعلبة الکبریت بنصف فلس ویشتری لعیاله من الذفواکه

نہیں ہوتا تو اگر مثلاً ایک چھوہارہ قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک چھوہارے سے بیچے تو اس سے نہ روایت معلٰی کو کچھ تعلق ہوگا نہ ترجیح محقق کو، پھر وہ روایت بھی تو اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے بیع باطل اور اصلاً منعقد نہ ہونا جس کا تمہیں دعوٰی تھا وہ کہاں گیا، رہی دوسری مخالفت **اقول**: (میں کہتا ہوں) ملک ہند کہ اس قدر کبیر و وسیع ہے (جس کا عرض خط استواء سے شمال کی جانب آٹھ درجے سے پینتیس درجے تک ہے اور طول گرینچ سے (کہ لندن کی رصدگاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ درجے سے بانوے درجے تک ہے) اس میں اکثر فقراء کی معیشت اسی خرید و فروخت سے ہے جو پیسے کے حصے دھیلے چھدام دمڑی وغیرہ سے ہوتی ہے تو بہتیرے فقیر اپنے سالن کے لئے کوئی ساگ دھیلے کا خرید لیتے ہیں اور اس میں دھیلے کا تلوں کا تیل ڈالتے ہیں اور تینوں مسالے چھدام کے اور لہسن پیاز چھدام کے، اور یونہی چھدام کا نمک، تو پونے دو پیسے میں اس کی ہانڈی تیار ہوجاتی ہے اور اسے صبح وشام دو وقت کرکے کھالیتا ہے اور اپنے چراغ کے لئے دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام سے آدھی رات تک اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو، اور تھوڑا ہی زمانہ گزرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں، اور دیا سلائی کی ڈبیا تمہیں دھیلے کو مل جائے گی اور اپنے بال بچوں کے لئے ہندوستانی میووں میں سب سے

الھند المشھورۃ عندنا لعرب باسم العنب بفتح العین وسکون النون وبالفارسیۃ انبۃ وبالھندیۃ اٰم جملۃ کثیرۃ بنصف فلس وکذامن الجامون ومن التمر الھندی بربع فلس، وان کان متعودا بالتامول والتتن فیکفیہ لیوم بلیۃ الوق بنصف فلس والفوفل والکات والتنباك الماکول کل بربع ربع فتنقضی حاجۃ یومہ فی فلس وربع وان کان یشرب الدخان فیکفیہ التتن بنصف فلس وامثال ذٰلك اشیاء کثیرۃ تباع باجزاء الفلس حتی الثمن ونصف الثمن ولو لا ذٰلك لضاق الامور وثقل علی اخفاء ذات الید بحیث لا یطیقون ولو ابطلنا تلك البیاعات الشائعۃ فی الاٰلف مولفۃ من المسلمین والزمنا ھم ان لایشتروا شیئا باقل من فلس قط مع ان حاجاتھم تندفع بالربع وبالثمن لکان ھذا من وضع الاصر علیھم وما جاءت ھذہ الشریعۃ السمحۃ السھلۃ الغراء الا برفعہ، وربما لایجدون ھذا القدر من الفلوس فان الادام الذی کان تھیأفی فلس واحد وثلثۃ ارباع فلس الا ان لایتأتی الافی ثمانیۃ فلوس والتامول التام فی فلس و ربع لایتم الافی اربعۃ فلوس وقس علیہ فاذا لم یجد لادامہ الافلسین والزمتموہ بثمانیۃ	مزہ دار میوہ (جسے اہل عرب عنب بفتح عین وسکون نون) کہتے ہیں اور فارسی میں انبہ اور ہندی میں آم، بہت سے ایک دھیلے کو اور ایسے ہی جامن اور املیاں چھدام کو، اور اگر پان تمباکو کا عادی ہے تو اسے ایک رات دن کیلئے کفایت کرینگے دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا اور کھانے کا تمباکو چھدام چھدام کے تو اس کی ایک دن کی حاجت سوا پیسے میں نکل جائیگی اور اگر حقہ پیتا ہو تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے اور اسی طرح بہت چیزیں پیسہ کے حصوں سے بکتی ہیں یہاں تک کہ دمڑی اور آدھی اور ایسا نہ ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے اور کم استطاعت والوں پر ایسا گراں گزرے کہ اٹھانہ سکیں اور یہ بیعیں کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع ہیں اگر ہم باطل کردیں اور ان پر لازم کریں کہ کبھی کوئی چیز پیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ ان کی حاجتیں چھدام اور دمڑی میں پوری ہوجاتی ہیں تو یہ ان پر بھاری بوجھ ڈالنا ہوگا اور یہ روشن اور نرم وآسان شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے کو بلکہ اکثر اوقات اتنے پیسے انہیں ملیں گے بھی نہیں اس لئے کہ وہ سالن جو پونے دو پیسے میں تیار ہوتا تھا اب دو آنے سے کم میں نہیں تیار ہوگا، اور پان کہ سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا اب ایک آنہ میں ہوگا اور اسی پر قیاس کرو تو وہ جب اپنی ہانڈی کے لئے دو پیسے سے زائد نہ پائے اور تم اس پر دو آنے لازم کرو تو بتاؤ کیا کرے آیا روکھا

فماذا تأمرون ایکتفی بسف التدقیق او قضم خبز الشعیر وحدہ بدون ادام یصلحہ و یسیغہ ویعین علی ھضمہ،والمعتادون بالادام وھم الناس کلھم او جلھم لو اکتفوا بھذا لم یلائمھم واورث اسقاما فیھم فان ترك العادۃ عداوۃ مستفادۃ ام یتکفف و التکفف ذل وحرام ام یغصب وفی الغصب اشد الغضب و الانتقام ام یؤمر البیاعون والبقالون و السقاؤن ان یعطوہ جمیع حاجاتہ مجانا لانھا لا تساوی فلسا وما لا یساوی فلسا فلیس بمال ولا قیمۃ لہ فھم کیف یرضون بھذا وان رضوا فلا ترجیح لفقیر علی فقیر، فلیعطو اکلا حوائجہ فتذہب متاجرھم بلا شیئ فاذن لا سبیل الافتح باب البیع وقد فتحہ القراٰن بقولہ تعالٰی مطلقًا "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ"[1]،وقولہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[2]، و

آٹا پھانکے یا جو کی خشک روٹی چبائے جس کے ساتھ کوئی سالن ایسا نہ ہو کہ اس کی اصلاح کرے اور اسے نگلنے کے قابل بنائے اور اس کے ہضم پر اعانت کرے اور جنہیں سالن کی عادت پڑی ہوئی ہے اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر قناعت کریں تو انہیں راس نہ آئے اور ان میں بیماریاں پیدا کردے کہ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے اور بھیک مانگنا ذلت و حرام ہے یا دوسروں کا مال چھین لے اور چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے یا بیچنے والوں اور ترکاری فروشوں اور بہشتیوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کی تمام حاجت کی چیزیں انہیں مفت دے دیں اور اس لئے کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں اور جو ایک پیسہ کی نہیں وہ مال نہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت، تو بیچنے والے اس پر کیونکر راضی ہونگے،اور اگر راضی ہوجائیں تو ایک فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح نہیں تو چاہئے کہ ہر ایک کو اس کی ضروریات مفت دیں تو ان کی تجارتیں یونہی جاتی رہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ نہیں ہے سوا اس کے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے اور بیشك قرآن عظیم نے اسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے کہ "حلال کی اللہ تعالٰی نے بیع"،اور اس ارشاد سے "مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا"، اور

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

ماکان شرع البیع الادفع تلك الشنائع ففی تحجیرہ وقد وسعه الله اعادۃ لها وعود علی مقصود الشرع بالنقض۔قال المحقق فی الفتح لولم یشرع البیع سببا للتملیك فی البدلین لاحتاج ان یؤخذعلی التغالب والمقاھرۃ او السؤال و الشحاذۃ او یصبر حتی یموت وفی کل منها مالایخفی من الفساد وفی الثانی من الذل والصغار ما لایقدر علیه کل احد ویزری بصاحبه فکان فی شرعیته بقاء المکلفین المحتاجین و دفع حاجاتهم علی النظام الحسن اھ [1] ومعلوم ان الشرع لم یحد فی ھذا حدا انما احل البیع وھو مبادلة مال بمال الخ والمال کمامر مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخارہ لو قت الحاجة وھذاصادق قطعا علی ماقصصنا ممایساوی نصف فلس وربعه فایجاب ان لایکون الابفلس لایکون الاتحکما و زیادۃ فی الشرع فکیف یقبل ثم لعل لقائل ان یقول لم یات الشرع بتقدیر الفلس وھو مختلف باختلاف الزمان والمکان	بیع کا مشروع کرنا انہیں قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا تو اس کے تنگ کرنے میں حالانکہ اللہ تعالٰی اسے واسع فرماچکا ہے انہیں قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع پر اس کے توڑنے کے ساتھ عون کرنا ہے، محقق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب بناکر جائز نہ کی جاتی تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی یا دھینگا دھینگی لیتے یا بھیک مانگتے یا آدمی صبر کرتا یہاں تک کہ مرجائے اور ان سب باتوں میں کھلا ہوا فساد ہے بھیک میں وہ ذلت وخواری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں اور آدمی کو حقیر کرتی ہے تو بیع کی مشروع کرنے میں محتاج مکلفوں کی بقا ہے اور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے انتہی، اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے اس بارہ میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی بس بیع حلال کی ہے اور وہ ایک مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے الخ اور مال جیسا کہ گزرچکا وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور یہ تعریف یقینًا ان چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہوگا مگر زبردستی حکم اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو، پھر شاید کہنے والا کہہ سکے کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار مقرر فرمائی نہیں اور وہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵

ولا سبیل الی اعتبار کل فی محلة لماتقدم ان المالیة تثبت بتمول البعض فوجب الفحص کل حین عن اصغر فلس یروج فی الدنیا وفیه حرج والحرج مدفوع بالنص فافهم وقال فی الکفایة اول البیع الفاسد قد تثبت صفة التقوم بدون المالیة فان حبة من الحنطة لیست بمال حتی لایصح بیعها وان ابیح الانتفاع بها شرعا لعدم تمول الناس ایاه اھ[1] ومثله فی الکشف الکبیر والبحر الرائق وردالمحتار وقال فی الفتح مکان حبة حبات ولم نر احدا منهم ذکر ان ما دون مایساوی فلسا لیس بمال وکان مبنی الفرع علی انه لم یکن فی زمنه ثمن دون الفلس او لم یجده فی تقدیرات الشرع فحکم بان مادونه لیس بشیئ کما حکم فی الاسرار بان مادون الحبة من الذهب والفضة لاقیمة له[2] کما نقل عنها فی الفتح لانهم لم یعرفوا	بدلتا ہے اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ وہیں کا پیسہ معتبر ہو کہ اوپر گزر چکا کہ مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت ہوجاتی ہے تو واجب ہوا کہ ہر وقت اس کی تلاش کریں کہ تمام دنیا میں سب سے چھوٹا پیسہ کون سا ہے اور اس میں حرج ہے اور حرج کو نص نے دفع فرمایا ہے فافھم اور بیشک کفایہ کے شروع باب باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے میں باقیمت ہونے کی صفت بغیر مالیت بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں ہے یہاں تک کہ اس کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس سے نفع حاصل کرنا شرعًا جائز ہے اس لئے کہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے انتھی، اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے اور فتح القدیر میں ایک دانہ کی جگہ چند دانے فرمایا اور ہم نے ان میں سے کسی کو یہ فرماتے نہ دیکھا کہ ا یک پیسے سے کم کی چیز مال نہیں اور شاید اس مسئلہ قنیہ کی بناء اس پر ہو کہ ان کے زمانے میں پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا یا یہ کہ شرع مطہر نے جو اندازے مقرر فرمائے ان میں پیسے سے کم نہ پایا تو یہ حکم لگادیا کہ ایک پیسے سے کم کی جو چیز ہو وہ کچھ نہیں جیسے اسرار میں حکم فرمایا کہ جو چاندی یا سونا رتی بھر سے کم ہو اس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ ان سے فتح القدیر میں نقل فرمایا اس لئے کہ ان علماء نے چاندی سونے

[1] الکفایة مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۳

[2] ردالمحتار بحواله فتح القدیر باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۵۳۔۱۵۲

لها مقدارا دون الحبة وقد عرفت فی دیارنا الی ثمن حبة وقیمة ذهب یساوی ثمن حبة فی بلادنا الان فلسان ای نحو هللة واحدة ههنا وهو لا شك مال متقوم فکیف بما فوقه مما یساوی ربع حبة وکما حکم کثیرون بان مادون نصف صاع خارج عن المعیار فیجوز فیه التفاضل مع اتحاد الجنس وعلیه تتفرع مسألة حفنة بحفنتین وقدرده المحقق فی الفتح قائلا لا یسکن الخاطر الی هذا بل یجب بعد التعلیل بالقصد الی صیانة اموال الناس تحریم التفاحة بالتفاحتین والحفنة بالحفنتین اما ان کانت مکاییل اصغر منها کما فی دیارنا من وضع ربع القدح وثمن القدح المصری فلا شك وکون الشرع لم یقدر بعض المقدرات الشرعیة فی الواجبات المالیة کالکفارات وصدقة الفطر باقل منه لا یستلزم اهدار التفاوت المتیقّن[1] الخ واقره فی البحر والنهر	کے لئے رتی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور ہمارے شہروں میں اس کا اندازہ رتی کے آٹھویں حصہ (ایک چاول) تک معروف ہے اور آج کل ہمارے یہاں چاول بھر سونے کی قیمت دو پیسے ہے یعنی یہاں کے ایک ھللہ کے قریب وہ بلا شبہ قیمت والا مال ہے نہ کہ وہ جو اس سے بھی زیادہ ہے جو پاؤ رتی یا نصف رتی یا اس سے زائد کا ہو ایک رتی تک اور جیسے بہت علماء نے حکم فرمایا کہ نصف صاع سے جو کم ہو وہ اندازہ سے باہر ہے تو اس میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور وہ مسئلہ کہ ایک لپ گیہوں دو لپ کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی پر متفرع ہے اور محقق نے فتح القدیر میں اس کا رد کیا یہ فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ رکھنا ہے تو اس پر نظر کرکے واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب اور دو لپ کے بدلے ایک لپ کا بیچنا حرام ہو اگر نصف سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے دیار مصر میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ وصدقہ فطر میں اندازے سے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع سے کم کوئی اندازہ نہ رکھا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقینا معلوم ہے بے اثر کردیا جائے الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر

[1] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۳۔۱۵۲

والشرنبلالیة والدر والحواشی وغیرہا وھو حسن وجیه کذٰلك نقول ھٰهنا یجب بعد تعریف المال بمامر ان یکون کل ماذکرنا ممالایساوی فلسا ما لا متقوما اما ان کانت اثمان اصغر من فلس کما فی دیارنا من وضع ربع الفلس وثمن الفلس فلا شك، وکون الشرع لم یذکر مادون فلس لایستلزم اهدار المالیة المتیقنة.فهذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اور شرنبلالیہ اور درمختار اور حواشی وغیرہا میں مقرر رکھا اور وہ اچھا اور موجہ کلام ہے ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری جو اوپر گزری تو واجب ہے کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ تھیں سب قیمت والے مال ہونگے تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام اور دمڑی مقرر ہیں جب تو شک نہیں اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقینا معلوم ہے باطل کردی جائے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔
واما السابع	**جواب سوال ہفتم**
فاقول: قد اٰذناك انه ثمن اصطلاحی فاستبداله بالثوب لایکون مقایضة بل بیعا مطلقًا ولا یتعین النوط بل یلزم فی الذمة کالفلوس۔	**فاقول:** (میں کہتا ہوں) ہم تمہیں بتاچکے ہیں کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسہ کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔
واما الثامن	**جواب سوال ہشتم**
فاقول: نعم یجوز اقراضه لما تقدم انه مثلی ولا یقضی الا بالمثل لانه شان القرض بل کل دین لایقضی الا بمثله الا ان یتراضیا۔	**فاقول:** (پس میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لئے کہ اوپر گزرچکا کہ وہ مثلی ہے اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا کہ قرض کی یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنے مثل سے مگر یہ کہ طرفین (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر) راضی ہوجائیں۔

واما التاسع	جواب سوال نہم
فاقول: نعم یجوز اذا قبض النوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دین بدین و تحقیق ذٰلك ان بیع النوط بالدراہم کالفلوس بها لیس بصرف حتی یجب التقابض فان الصرف بیع ماخلق للثمنیة بما خلق لها[1] کما فسره به البحر والدروغیرہما ومعلوم ان النوط والفلوس لیست کذٰلك وانما عرض لها الثمنیة بالاصطلاح مادامت تروج والا فعروض وبعدم کونه صرفا صرح فی ردالمحتار عن البحر عن الذخیرة عن المشائخ فی باب الربا نعم لکونها اثمانا بالرواج لابدمن قبض احد الجانبین و الاحرم لنهیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ والمسئلة منصوص علیها فی مبسوط الامام محمد واعتمده فی المحیط عـــه والحاوی والبزازیة والبحر والنهر	**فاقول:** (تو میں کہتاہوں) ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کرلیاجائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جدانہ ہوں اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تاکہ دونوں طرف کی قبضہ شرط ہواس لئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیساکہ اسکی یہ تعریف بحر ودر وغیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہوگیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار باب ربا میں بحر،اس میں ذخیرہ،اس میں مشائخ سے تصریح فرمائی،ہاں اس لئے کہ وہ چلن کے سبب ثمن ہے دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور ہے ورنہ حرام ہوجائے گا اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کیا محیط اور حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر

عـــه: ای محیط الامام السرخسی انتهی منه۔

[1] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

وفتاوی الحانوتی والتنویر والهندیة وغیرہا وهو مفاد کلام الاسبیجابی کما نقله الشامی عن الزین عنه، ففی الهندیة عن المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراہم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز اھ[1] وفیها عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائة فلس بدرہم فقبض الدرہم ولم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا ولو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس اھ[2] وفیها عن محیط السرخسی نحوہ وفیها عن الذخیرة لو اشتری فلوسا او طعاما بدراهم حتی لم یکن العقد صرفا وتفرقا بعد قبض احد البدلین حقیقة یجوز اما اذا حصل الافتراق بعد قبض احد البدلین حکما لاغیر لایجوز سواء کان العقد صرفا اولم یکن بیانه فیما اذاکان له علیه فلوس او طعام فاشتری من علیه الفلوس او الطعام الفلوس او الطعام بدراہم وتفرقا	اور فتاوٰی حانوتی اور تنویر اور در اور ہندیہ وغیرہا میں، اور وہی مفاد ہے کلام امام اسبیجابی کا جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحرا ن سے نقل کیا، ہندیہ میں مبسوط سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے خریدے روپے تو اس نے دے دئے اور پیسے بائع کے پاس نہ تھے تو بیع جائز ہے انتہی، نیز عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک روپے کے سو پیسے خریدے روپے پر تو اس نے قبضہ کرلیا اور پیسوں پر اس کا قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ ان کا چلن جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ بیع باطل نہ ہو اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کرچکا تھا اس کے بعد چلن جاتا رہا تو نصف میں بیع باطل ہوجائیگی اور اگر چلن رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدنے والا باقی پیسے لے لے گا انتہی، نیز اس میں محیط سرخسی سے اسی کے مثل ہے اسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے بدلے پیسے یا غلہ خریدا یہاں تک کہ یہ عقد صرف نہ ہوا اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ ہو کر جدا ہوگئے تو جائز ہے ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ حقیقۃً نہ ہو صرف ایک طرف کا حکمًا ہوا تو جائز نہیں خواہ وہ عقد صرف ہو یا نہ ہو، بیان اس کا یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر پیسہ یا غلہ آتا تھا تو اس نے جس پر پیسہ یا غلہ آتا ہے انہی پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا اور روپے دینے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵۔۲۲۶

قبل نقد الدراہم کان العقد باطلا وھذا فصل یجب حفظه والناس عنه غافلون اھ [1] وفیھا عنھا اعطی رجلا درہما وقال اعطنی بنصفه کذا فلسا و بنصفه درہما صغیرا فھذا جائز فان تفرقا قبل قبض الدرہم الصغیر والفلوس فالعقد قائم فی الفلوس منتقض فی حصة الدرہم وان لم یکن دفع الدرہم الکبیر حتی افترقا بطل البیع فی الکل [2] اھ وفیھا عنھا اشتری بفلوس واعطی الفلوس وافترقا ثم وجد فیھا فلسا لاینفق فردہ فاستبدله ففی ھذہ الصورة اذاکانت الفلوس ثمن متاع لایبطل العقد سواء کان المردود قلیلا او کثیر ااستبدل او لم یستبدل وان کانت الفلوس ثمن الدراہم مقبوضة فرد الذی لاینفق و استبدل اولم یستبدل فالعقد باق علی الصحة وکذ لك لو وجد الکل فی ھذہ الصورة لاینفق وردھا و استبدل ویستبدل فالعقد باق علی الصحة وان لم تکن الدراہم مقبوضة ان وجد کل	سے پہلے جدا ہوگئے تو بیع باطل ہوگئی،اس مسئلہ کا یاد رکھنا واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں انتہی،اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ دیا اور کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دے دے اور آدھے کی اٹھنی تو یہ جائز ہے پھر اگر اٹھنی اور پیسوں پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہوگئے تو پیسوں میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہوگئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہوگئے تو اٹھنی اور پیسے سب میں باطل ہوگئی انتہی و نیز اسی میں اس سے ہے کوئی چیز پیسوں کو خریدی اور پیسے دے دئے اور دونوں جدا ہوگئے پھر بائع نے ان میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس دیا اور اس کے بدلے اور پیسہ لیا تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کے ثمن تھے تو عقد باطل نہ ہوا خواہ وہ جو واپس دئے تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ،اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے یا نہیں،اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن تھے اب اگر روپوں پر قبضہ ہوچکا تھا اس صورت میں کھوٹا پھیرا اور اس کے بدلے میں کھرا لیا یا نہ لیا تو عقد بدستور صحیح ہے اسی طرح اس صورت میں سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس دئے اور ان کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ لئے جب بھی بیع صحیح رہے گی،اور اگر روپوں پر قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

الفلوس لاینفق فردھا بطل العقد فی قول ابی حنیفة استبدل فی مجلس الرداو لم یستبدل، وقالا ان استبدل فی مجلس الرد فهو صحیح علی حاله وان لم یستبدل انتقض وان کان البعض لا ینفق فردھا فالقیاس ان ینتقض العقد بقدرہ لکن اباحنیفة رحمه الله تعالٰی استحسن فی القلیل اذا ردہ واستبدل فی مجلس الرد ان لا ینقض العقد اصلا واختلفت الروایات عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی فی تحدید القلیل ففی روایة اذا زاد علی النصف فکثیر وما دونه قلیل وفی روایة النصف کثیر وفی روایة اذ زاد علی الثلث [1] اھ کلها ملخصًا، وانما اکثر نا النقول عن الذخیرة لانه سیاتی عنها نقل خلاف فی بیع فلس بفلسین فلیکن علی ذکر منك انه جزم فی مسألتنا ھذہ اعنی بیع الفلوس بالدراھم فی غیر موضع بالجواز ولم یلم ھٰھنا بذکر خلاف اصلا، وفی تنویر الابصار والدرالمختار باع فلوسا بمثلها او بدراھم و بدنانیر	کھوٹے پائے اور واپس دئے تو بیع امام اعظم کے نزدیک باطل ہوگئی اگرچہ اسی مجلس میں کھرے بدل لئے ہوں یا نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسی مجلس میں کھرے بدل لئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی اور کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دئے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے میں بیع باطل ہوجائے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ استحساناً فرماتے ہیں کہ اگر واپس دئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی جلسے میں بدلے کے پیسے لے لئے جائیں تو عقد اصلاً نہ ٹوٹے گا اور یہ کہ تھوڑے کتنے کو کہیں اس میں امام صاحب سے روایتیں مختلف آئیں، ایک روایت میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نصف بھی زائد ہے، اور ایک روایت میں تہائی سے زیادہ ہو تو کثیر ہے انتہی ملخصًا۔ اور ہم نے ذخیرہ سے نقول بکثرت اس واسطے ذکر کیں کہ اس سے ایک نقل اس کے مخالف آنے والی ہے ایک پیسہ دو پیسے سے بیچنے کے مسئلہ میں تو یہ تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنی روپوں کے عوض پیسے بیچنے کے بارے میں متعدد جگہ جواز پر جزم فرمایا ہے اور یہاں اصلاً کسی ذکر خلاف کے قریب بھی نہ گئے اور تنویر الابصار و ردالمحتار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں یا اشرفیوں کے عوض پیسے بیچے اور ایک طرف کا

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب البیوع الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۶-۲۲۵

فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز اھ[1]۔وبالجملة فالمسئلة ظاہرة والنقول متوافرة وان خالفھا العلامة قاری الھدایة فی فتاواہ فشرط التقابض وحرم النسئة وھذا نصھا(سئل) ھل یجوز بیع مثقال من الذہب بقنطار من الفلوس نسئة ام لا(اجاب)لایجوز بیع الفلوس الی اجل بذھب او فضة لان علماء نا نصوا علی انه لایجوز اسلام موزون فی موزون الا اذاکان الموزون المسلم فیه مبیعا کزعفران او غیرہ والفلوس لیست من المبیعات بل صارت اثمانا[2] اھ وردہ العلامة الحانوتی حین سئل عن بیع الذہب بالفلوس نسئة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احدالبدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرہم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثله مالو باع فضة او ذھبا بفلوس

قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ دونوں جدا ہوگئے تو ناجائز ہے انتھی،الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں وافر ہیں اگرچہ علامہ قاریٔ الہدایہ نے اپنے فتاوٰی میں اس کی مخالفت فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا اور کسی طرف ادھار ہونے کو حرام ٹھہرایا اس کی عبارت یہ ہے (سوال ہوا) کہ آیا ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری سے ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟(جواب دیا) کہ پیسے سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیچنا ناجائز ہے اس لئے کہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا چاندی تانبا) ان میں ایک کی دوسرے سے بدلی جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ وہ موزون چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر یعنی ٹھہری ہے مبیع ہو قسم ثمن سے نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن ہوگئے ہیں انتہی،اور علامہ حانوتی نے اس کا رد فرمایا جبکہ ان سے پیسوں کے عوض سونا اور ادھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا،جواب دیا کہ جائز ہے، اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہوگیا اس لئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے،پھر فرمایا اگر اسی طرح چاندی یا سونا پیسوں کو بیچیں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی قاری الہدایہ کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

کما فی البحر عن المحیط قال فلا یغتر بما فی فتاوٰی قاری الھدایة [1] اھ واجاب عنه فی النھر بان مرادہ بالبیع السلم والفلوس لھا شبه بالثمن ولا یصح السلم فی الاثمان ومن حیث انھا عروض فی الاصل اکتفی بالقبض من احد الجانبین [2]۔**اقول**:وھذا ھو المستفاد من تعلیله بان علمائنا نصوا علی انه لا یجوز اسلام موزون فی موزون الخ لکن لم یقنع به العلامة ابن عابدین فی ردالمحتار واجاب بحمل مافی فتاوٰی قاری الھدایة علی مادل علیه کلام الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من الجانبین قال فلا یعترض علیه بما فی البزازیة المحمول علی مافی الاصل [3] یعنی المبسوط، و نقل قبیله عن البحر عن الذخیرة ان محمد اذکر مسئلة بیع فلس بفلسین باعیا نھما فی صرف الاصل ولم یشترط التقابض و ذکر فی الجامع مایدل علی انه	جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا تو وہ جو فتاوٰی قاری ہدایہ میں واقع ہوا اس سے دھوکا نہ کھایا جائے انتہی،اور اس اعتراض کا نہر میں یہ جواب دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بدلی ہے اور پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے اور ثمن کی ثمن سے بدلی صحیح نہیں اور اس حیثیت سے کہ پہلے اصل میں متاع ہیں ایک جانب کا قبضہ کافی سمجھا گیا۔**اقول**:(میں کہتا ہوں)یہی ان کی اس دلیل سے مستفاد ہے کہ ہمارے علماء نے نص فرمایا کہ دو چیزیں جو وزن سے بیچی جاتی ہوں ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس پر قناعت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا کہ علامہ قاری ہدایہ کا کلام اس مسئلہ پر محمول ہے جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے اور کہا تو اب اس مسئلہ بزازیہ سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ اس پر محمول ہے جو مبسوط امام محمد میں ہے اور اس سے پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسہ دو پیسے معین کے بدلے بیچے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا اور جامع صغیر میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ

[1] ردالمحتار بحوالہ الحانوتی کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] ردالمحتار بحوالہ النھر کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

شرط فمنهم من لم يصحح الثانی لان التقابض مع التعيين شرط فی الصرف وليس به ومنهم من صححه لان الفلوس لها حكم العروض من وجه وحكم الثمن من وجه فجاز التفاضل للاول واشترط التقابض للثانی [1] اھ **اقول**: وبالله التوفيق ماجنح اليه الشامی تبعاً للبحر تبعاً للذخيرة من دلالة كلام الجامع الصغير علی اشتراط التقابض فللعبد الضعيف فيه تأمل قوی وانی راجعت الجامع فوجدت نصه هكذا محمد عن يعقوب عن ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنهم رجل باع رطلين من شحم البطن برطل من الية او باع رطلين من لحم برطل من شحم البطن او بيضة ببيضتين او جوزة بجوزتين او فلسا بفلسين او تمرة بتمرتين يدا بيدا عيانها يجوز وهو قول ابی يوسف رحمه الله تعالٰی وقال محمد رحمة الله تعالٰی عليه لايجوز فلس بفلسين ويجوز تمرة بتمرتين [2] اھ.	شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح نہ کی کہ تعین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے اور یہ وہ نہیں اور بعض نے اس کی تصحیح کی اس لئے کہ پیسوں کے لئے ایک جہت سے متاع کا حکم ہے اور ایک جہت سے ثمن کا تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی اور دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا انتہی، **اقول**: وبالله التوفيق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے) وہ جس کی طرف شامی نے باتباع بحر اور بحر نے باتباع ذخیرہ میل کیا کہ جامع صغیر کا کلام قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے بندہ ضعیف کو اس میں تامل قوی ہے اور میں نے جامع کی طرف رجوع کی تو اس کی عبارت یوں پائی امام محمد روایت کرتے ہیں امام ابویوسف سے اور وہ امام اعظم سے رضی اللہ تعالٰی عنہم، ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکتی کو یا دو رطل گوشت ایک رطل چربی کو یا ایک انڈا دو انڈے یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو پیسے یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو دست بدست کہ دونوں معین ہوں تو جائز ہے اور یہی قول ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں اور ایک چھوہارا دو چھوہارے کو جائز ہے ختم ہوا ان کا

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۴

[2] الجامع الصغیر کتاب البیوع باب البیع فیما یکال اویوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

کلامه الشریف قدس سره المنیف فمحل الاستناد انما هو قوله رحمه الله تعالٰی یدا بید لکن قد علم من مارس الفقه ان ہذا اللفظ لیس نصا صریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علمائنا رحمهم الله تعالٰی فسروه فی الحدیث المعروف بالعینیة کما قال فی الهدایة ومعنی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یدا بید عینا بعین کذا رواه عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه [1] اھ کیف وقد قال اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ما سواه ممایجری فیه الربا فانما یعتبر فیه التعیین کما فی الهدایة [2] وغیرہا۔ وقال فی التنویر المعتبر تعیین الربوی فی غیر الصرف بلا شرط تقابض [3] قال فی الدر حتی لو باع بُرّا ببر بعینهما وتفرقا قبل القبض جاز اھ [4] فان	کلام شریف پاک کیا گیا ان کا سر معظم، تو موضع سند ان کا یہی قول ہے کہ دست بدست مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے ہوجائے کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور میں تعیین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعین ہوجائے (کسی طرف دین نہ رہے) جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا انتہی، اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اس کے سوا اور صورتیں جن میں ربا جاری ہوسکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے، اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے وہاں ماورائے صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے قبضہ طرفین شرط نہیں، درمختار میں فرمایا یہاں تک کہ

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳۔۸۲
[2] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۲
[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱
[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

حمل قوله هذا فی العبارة التی ذکرنا علی التقابض واستجلب منه اشتراط ذٰلك فی فلس بفلسین کان ایضا مشترطا فی تمرة بتمرتین وبیضة ببیضتین وجوزة بجوزتین عند من یقول ان القید راجع للمسائل جمیعا کالنهر والدر وغیرهما[1] فان المسائل کلها مسوقة سیاقا واحدا لا سیما فی عبارة الجامع فان القید مذکور فیه بعد تمرة بتمرتین وانما ذکر فلسا بفلسین قبله، وهذا لم یقل به ائمتنا فوجب حمله علی اشتراط التعیین وکان قوله رضی الله تعالٰی عنه باعیانها تفسیرا لقوله یدا بید والا لکان حشوا مستغنی عنه لاطائل تحته اصلا فان التقابض فیه التعین وازید فذکره بعده لغو ولذا لما نقل الامام برهان الدین صاحب الهدایة رحمه الله تعالٰی هذه المسئلة عن الجامع الصغیر اسقط عنها تلك الکلمة واقتصر علی ذکر العینیة حیث قال قال (ای محمد کما صرح به العلامة بدر العینی فی البنایة) یجوز بیع البیضة

اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور ان دونوں کو معین کر دیا اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہوگئے تو جائز ہے انتہی، تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے اور اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم بیع میں قبضہ طرفین شرط ہے تو خرموں اور انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا شرط ہونا لازم آئے گا انکے نزدیک جو کہتے ہیں کہ یہ قید ان تمام مسائل کی طرف راجع ہے جیسے نہر الفائق اور در مختار وغیرہما اس لئے کہ وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں خصوصًا عبارت جامع صغیر میں کہ اس میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے اور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں، تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لیں اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہو ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جس کا کچھ فائدہ نہیں کہ قبضہ طرفین میں تعین مع زیادت ہے تو اس کے بعد اس کا ذکر فضول ہے اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرما دیا اور صرف تعیین کا ذکر کیا جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی) ایک انڈا

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب البیوع باب الربوٰ المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۳ /۱۵۴

بالبیضتین والتمرة بالتمرتین والجوز بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما [1] اھ۔فظهر ظهور الشمس فی رابعة النهار ان لیس فی الجامع دلیل علی مافهم هٰؤلاء الاعلام وان فرض فمع احتمال الغیر احتمالا اظهر وازهر لایرد ولا یرام ولا حجة فی المحتمل بخلاف عبارة الاصل فانها نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما سمعت فعلیه فلیکن التعویل والتوفیق بالله الملك الجلیل.ثم لا یخفی علیك ان هذ اکله کان مما شاة منامع العلامة الشامی والمقصود ابانة مفادا لجامع والا فالحق ان فتوی العلامة سراج الدین مابها حاجة الی حمل کلام الجامع علٰی اشتراط التقابض ولا عـــہ۱ هو مدعاه ولا عـــہ۲ علیه توقف لما ادعاه فانه

دو انڈے اور ایک خرما دو خرمے اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے انتہی، تو پہروں چڑھے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے اور اگر فرض بھی کرلی جائے تو اس کے ساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے ظاہر تر روشن تر کہ نہ رد ہو نہ اس کی طرف کوئی برا قصد کرسکے اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی.بخلاف عبارت مبسوط کے کہ وہ قبضہ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سن چکے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے،اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے، پھر اتنا معلوم رہے کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ ان کی روش پر چلنا تھا اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتوی علامہ قاری الہدایہ کو اس کی طرف حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجئے اور نہ وہ ان کا مدعی ہے اور نہ اس پر ان کا دعوی موقوف

عـــہ۱: لانه سلمه سلما وانتم للصرف تصرفون اھ منه۔

عـــہ۲:لان السلم لا یجوز فی الثمن سواء کان فیما یشرط فیه التقابض کثمن فی ثمن اولا کمبیع فی ثمن اھ منه۔

عـــہ۱: کہ وہ تو اسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی طرف پھیرتے ہو ۱۲ منہ۔

عـــہ۲: کہ ثمن میں سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بدلی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بدلی ۱۲ منہ۔

[1] الهدایة کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۳

انما حرم النسیئۃ وحرمتھا لاتوجب عــہ۱ عینیۃ الجانبین ایضا فضلا عن التقابض الاتری ان بیع ثوب بدرھم حالا لیس بنسیئۃ ولا فیہ العینیتان نعم ایجاب العینیۃ من الجانبین یوجب تحریم النسیئۃ لان التاجیل للترفیۃ فی التحصیل والعین متحصلۃ بالفعل فلو استدل لہ بعبارۃ الجامع علی ھذ االوجہ لکان عــہ۲ لہ وجہ وسلم من الاعتراض المذکور،واذن **اقول**:وباللہ التوفیق لایخفی علیك ان اشتراط العینیۃ من الجانبین فی الربویات وھی المکیلات والموزونات دون المعدودات کما نص علیہ فی سلم الفتح وغیرہ حیث قال انما یمنع ذٰلك فی اموال الربا اذا قوبلت بجنسھا والمعدودلیس منھا اھ[1] کماقال فی البحر تحت

کہ وہ تو ادھار کو حرام بتارہے ہیں اور اس کی حرمت دونوں طرف عین ہونے کو بھی واجب نہیں کرتی نہ کہ قبضہ طرفین، کیا نہیں دیکھتے کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچنا نہ تو ادھار ہے نہ اس میں دونوں جانب عین، ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا ادھار کی حرمت لازم کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شیئ کے حاصل کرنے میں آسانی ہو اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے، تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کے اس طرز پر استدلال کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ ہوتی ہے اور اعتراض مذکور سے محافظت رہتی ہے۔ اور اب **میں کہتا ہوں** اور اللہ ہی سے توفیق ہے تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط اموال ربا میں ہے اور وہ وہ چیزیں ہیں جو ناپ یا تول سے بکتی ہیں نہ وہ کہ گنتی سے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے جہاں آیا کہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کے ساتھ بیچے جائیں اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں سے نہیں انتہی، جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں

عــہ۱: وانما کانت توجب لو کان انتفاء النسئۃ مستلزما لوجود العینین ولیس کذلك بل قد ینتفیان معا کما فی المثال المذکور اھ منہ۔

عــہ۲:لکونہ دلیلا علی الحکم الذی افتی

عــہ۱: واجب تو جب کرتی کہ ادھار نہ ہونے کو دونوں طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونوں باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہو نہ دونوں جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲منہ۔ عــہ۲: کہ وہ اس حکم پر دلیل ہوتا جس کا انہوں نے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فتح القدیر باب البیع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۰۸

قول الکنز "وحلا بعد مهما"ای الفضل والنسأ عند انعدام القدر و الجنس فیجوز بیع ثوب هروی بمر وییین نسیئةً والجوز بالبیض نسیئة [1]، و قال تحت قوله "یعتبر التعیین دون التقابض فی غیر الصرف من الربویات"	جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں بحر الرائق میں فرمایا یعنی جب قدر و جنس دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو مرو کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف کے اموال ربا میں تعین معتبر ہے نہ کہ قبضہ طرفین اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

به وهو عدم الجواز وان جاء من قبل الصرفية دون السلميه و من هذا الباب مافی الهندیة عن المحیط حیث ذکر مسائل شراء المستقرض الکر القرض من المقرض بمائة وانه یجوز اذا شری مافی ذمته و نقد الثمن فی المجلس والالا لافتراقهما عن دین بدین ثم قال کذٰلك الجواب فی کل مکیل و موزون غیر الدراهم والفلوس اذاکان قرضا [2] اھ فجعل الفلوس ما لا یجوز شراؤه دینا فی الذمة بثمن مفقود کما فی الحجرین والصحیح ماقدمنا عن الهندیة

فتوٰی دیا یعنی ناجائز ہونا اگرچہ یہاں صرف کے سبب ہوا نہ کہ سلم کی جہت سے، اور اسی باب سے ہے جو ہندیہ میں محیط سے ہے ولہذا جہاں انہوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں کہ غلہ قرض لینے والا اس قرض غلہ کو قرض دینے والے سے سو روپے کو مول لے اور یہ وہ جائز ہے جبکہ وہ غلہ خرید لے جو اس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے (نہ بعینہٖ وہ غلہ جو غلہ قرض آیا ہے) اور قیمت اسی جلسے میں ادا کردی ہو ورنہ حرام ہوگا کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جدا ہوگئے پھر فرمایا ہر ناپ تول کی چیز میں یہ حکم ہے سوائے روپے اشرفی پیسوں کے جب وہ قرض ہوں انتہی، تو پیسوں کو بھی روپوں، اشرفیوں کی طرف انہیں چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب وہ ذمہ پر قرض ہوں تو ان کا خریدنا ناجائز ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب الربوٰ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۲۹

[2] فتاوٰی ہندیة الباب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۰۵

بیانه ماذکره الاسبیجابی بقوله واذا تبایعا کیلیا بکیلی او وزنیا بوزنی کلاهما من جنس واحد او من جنسین مختلفین فان البیع لایجوز حتی یکون کلاهما عینا اضیف الیه العقد وهو حاضر او غائب بعد ان یکون موجودا فی مبلکه [1] الخ وانما عللوا وجوبها فی فلس بفلسین بان لو باع فلسا بعینه بفلسین بغیر عینهما امسك البائع الفلس المعین وطالبه بفلس اٰخر او سلم الفلس المعین وقبضه بعینه منه مع فلس اٰخر لاستحقاقه فلسین فی	کے نیچے بحر نے فرمایا بیان اس کاوہ ہے جوامام اسبیجابی نے اپنے اس قول میں ذکر کیاکہ جب ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی چیز تول کی چیز سے بیچی خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا دو جنس مختلف تو بیع جائز نہ ہوگی مگر اس شرط سے کہ وہ دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد کیا گیا خواہ وہیں حاضر ہوں یا غائب، ہاں اس کی ملک میں موجود ہونا چاہیئے الخ پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو واجب کیا اس کی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچے گا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے یا وہ معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسے کے اس سے واپس لے کیونکہ مشتری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن الذخیرة ان المنع فی غیر الصرف مختص بما اذا لم یقبض شیئ من البدلین قبضًا حقیقیا وان قبض حکما اما اذا قبض احدهما حقیقةً جاز و مثله فی ردالمحتار عن الوجیز و بالجملة جعله صرفا صرف له عما نص علیه عامة الاصحاب فی غیر ما کتاب، والله تعالٰی اعلم۔

اگرچہ قیمت اسی جلسے میں ادا ہوجائے اور صحیح وہ ہے جو ہم بحوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کرچکے کہ ماسوا صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقۃً قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو (جیسے ذمہ پر کا قرض کہ حکمًا مقبوض ہے) مگر جب ایک پر قبضہ ہوجائے تو جائز ہے اور ایسا ہی ردالمحتار میں وجیز سے ہے غرض یہ کہ اسے صرف ٹھہرانا اس سے پھیرنا ہے جس پر ہمارے عام علماء نے متعدد کتابوں میں نص فرمایا والله تعالٰی اعلم۔

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۳۰

ذمته فیرجع الیه عین ماله و یبقی الفلس الاٰخر خالیا عن العوض وکذا لوباع فلسین باعیانهما بفلس بغیر عینه قبض المشتری الفلسین و دفع الیه احدهما مکان ما استوجب علیه فیبقی الاٰخر فضلا بلا عوض استحق بعقد البیع کما فی الفتح[1] ونحوه فی العنایة وغیرها وهذه العلة لا جریان لها فی الدراهم بالفلوس نسیئة کما لا یخفی فضلا من النوط بالدراهم فعبارة قارئ الهدایة احسن محمل لها ماذکر فی النهر ویکون اذن مبنیا علی روایة نادرة عن محمد رحمة الله تعالٰی علیه کما سیأتی و ان لم یسلم فهی فتوی من دون سند ولاتعلم عـــه له سلفا فیها وهو لم یستند لنقل	کے ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اس کی طرف بعینہٖ لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا اور یونہی اگر دو معین پیسے ایک غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا اور اس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اس کی ادا کو انہیں میں سے ایک پیسہ بائع کو پھیر دے گا تو دوسرا پیسہ زائد رہ گیا بے ایسے معاوضہ کے جس کا استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے اور ادھار پیسوں کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت جاری نہیں ہوسکتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں، نہ کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنے میں، تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر محمل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا اور اس وقت وہ ایک روایت نادرہ پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے آئی اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتوٰی ہے جس کے ساتھ کوئی سند نہیں اور نہ اس میں ان سے پہلے ان کا کوئی مستند معلوم نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے

عـــه: ای بالوجه الذی ذکر وان صرف الی الصرف فقد علمت ماله من الضعف الصرف اه منه۔	یعنی اس طریقے سے جو انہوں نے ذکر کیا اور اگر صرف کی طرف پھیرو تو تمہیں معلوم ہوچکا جو اس میں نرا ضعف ہے ۱۲ منہ۔

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۶۲

وماتجشم له الشامی فقد علمت حاله فكيف يعارض به ماتطابقت عليه كلمات اولئك الاجلة الكرام الذين قصصتهم عليك وامامهم فيها نص محمد فی الاصل فهو القول۔ **ثم اقول:** علاان ما ذكر العلامة قاری الهداية ذهولين صريحين عن مسائل المذهب [1]ذهول عما نص عليه علماؤنا ان الفلوس بالاصطلاح خرجت عن الوزنية الى العددية و [2]ذهول عما نصّوا ليبيه ان ثمنيتها تبطل باصطلاح العاقدين وان بطلانها لايبطل الاصطلاح على العددية، وكل ذٰلك منصوص عليه فی الهداية وغيره وهذا نصها ولهما ان الثمنية فی حقهما تثبت باصطلاحهما واذا بطلت الثمنية تتعين بالتعيين ولا يعود وزنيا لبقاء الاصطلاح على العدّ [1]اھ وسنلقی عليك ان محمدا ايضا سلم فی السلم بطلان الثمنية وانما انكره فی البيع لعدم الدليل	اور وہ جو انکے لئے علامہ شامی نے تکلف کیا اس کا حال معلوم ہوچکا تو اس سے کیونکر معارضہ ہوسکتا ہے اس حکم کا جس پر ان اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن کے اسماء گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اس میں ان کا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے تو وہی قول فیصل ہے۔ **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) علاوہ بریں وہ جو امام قاری الہدایہ نے ذکر کیا اس میں مسائل مذہب سے صاف دو [2] ذہول ہیں [1] ایک ذہول تو اس سے جو ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی چیز ہوگئے، اور [2] دوسرا ذہول اس سے جو علماء نے نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہو جاتا ہے اور ثمنیت کے بطلان سے وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں باطل نہیں ہوتی، ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے، ہدایہ کی عبارت یہ ہے امام اعظم اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ اوروں کو ان پر کچھ ولایت نہیں تو وہ اپنی اصطلاح میں اسے باطل بھی کرسکتے ہیں اور جب ثمن ہونا باطل ہوگیا تو معین کئے سے معین ہوجائیں گے اور اس سے تول کی چیز نہ ہوجائیں گے کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے اھ اور عنقریب ہم تمہیں

[1] الهدایه کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ / ۸۳

فھو مجمع علیه بین ائمتنا فاذن اسلام احد النقدین فی الفلوس لیس سلما فی ثمن ولا اسلام موزون فی موزون بلا موزون فی عددی متقارب مثمن ولا باس به باجماع علمائنا رحمھم الله تعالٰی، وبالجملة فالعبد الضعیف لایعلم لھذہ الفتوی وجه صحة اصلا تأمل لعل لکلامه وجھا لست احصله بفھمی السخیف ولعلی انا الاولی بالخطأ من ھذا العلامة العریف رحمه الله تعالٰی، **ثم اقول:** ولئن سلمنا فلنا ان نقول ماذکر انما یتمشی فی الفلوس اما النوط فلیس بموزون اصلا فان الورقات لا توزن عرفا قط فلم یشملھا المعیار کحفنة من حب وذرة من ذھب فمسئلتنا ھذہ سالمة عن الخلاف علی کل حال و الحمد لله ذی الجلال ھکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق۔	بتائیں گے کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمالیا ہے ہاں بیع میں دلیل نہ ہونے کے سبب اس کا انکار کیا ہے تو اس پر ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے تو اس حالت میں روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدلی کرنا ثمن کی بدلی نہیں اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدلی بلکہ تول کی چیز کے عوض ایک متاع عددی کی بدلی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، الحاصل بندہ ضعیف اس فتوٰی کے لئے اصلاً کوئی وجہ صحت نہیں جانتا، تامل کر، شائد ان کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو کہ میں اپنی فہم سست سے اسے نہیں سمجھتا اور کیا عجب کہ بہ نسبت ان علامہ کثیر المعرفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔ **ثم اقول:** (تو میں کہتا ہوں) اگر تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں اس کہنے کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلاً وزن کی چیز نہیں اس لئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تو لے نہیں جاتے تو معیار انہیں شامل نہ ہوئی جیسے غلہ سے ایک ہتھیلی بھر اور سونے سے ایک ذرہ، تو ہمارا یہ مسئلہ بہر حال مخالفت سے محفوظ ہے اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے ایسی ہی تحقیق ہونی چاہیے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔

واما العاشر **فاقول:** نعم یجوز السلم فی النوط و قد یقال لایجوز فانه ثمن و لاسلم فی الاثمان کما تقدم عن النهر والتحقیق ان هذا انما یبتنی علی روایة نادرة عن محمد والا فالمنصوص علیه فی المتون جواز السلم فی الفلوس وانما لا یجوز فی الاثمان الخلقیة وهی النقدان لا غیر لعدم قدرة العاقدین علی ابطال ثمنیتهما بخلاف الاثمان الاصطلاحیة قال فی التنویر و الدر(یصح ای السلم فیما امکن ضبط صفته) کجودته و ردائته(ومعرفة قدره کمکیل و موزون و) خرج بقوله(مثمن)الدراھم و الدنانیر لانهما اثمان فلم یجز فیهما السلم خلافا لمالك (وعددی متقارب کجوز و بیض وفلس [1] الخ۔قال ابن عابدین قوله وفلس الاولی وفلوس لانه مفرد لا اسم جنس،قیل	**جواب سوال دہم** **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں)ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نوٹ ثمن ہے اور ثمن میں بدلی جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گزرا،اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایت نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بدلی جائز ہے ہاں جو ثمن ہونے کے لئے پیدا کئے گئے ان میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے وبس،اس لئے کہ بائع و مشتری ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔بخلاف ان چیزوں کے جو اصطلاحًا ثمن قرار پائی ہیں۔تنویر الابصار اور در مختار میں فرمایا سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہوسکے جیسے اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز،اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں تو ان میں بدلی جائز نہیں امام مالک کا اس میں خلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے الخ۔علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولٰی یہ ہے کہ پیسے کہیں اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے،اسم جنس نہیں،

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

وفیه خلاف محمد لمنعه بیع الفلس بالفلسین الا ان ظاہر الروایة عنه کقولها وبیان الفرق فی النهر وغیرہ اھ [1] فکان النهر انما ابداہ تاویلا لفتوی قاری الهدایة حتی یحصل له مستند ولو فی النوادر ولم یرد به تعویلا علیه، وفی الهدایة وکذا فی الفلوس عددا وقیل ھذا عند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما الله تعالٰی وعند محمد لا یجوز لانها اثمان ولهما ان الثمنیة فی حقهما باصطلاحهما فتبطل باصطلاحهما [2]۔ قال فی الفتح ای یجوز السلم فی الفلوس عددا ھکذا ذکرہ محمد رحمه الله تعالٰی فی الجامع من غیر ذکر خلاف فکان ھذا ظاہر الروایة عنه وقیل بل ھذا قول ابی حنیفة وابی یوسف اما عندہ فلا یجوز بدلیل منعه ببیع الفلس بالفلسین فی باب الربٰو لانها اثمان واذا کانت اثمانا لم یجز السلم فیها لکن ظاہر الروایة	بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اس لئے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول امام اعظم اور ابویوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں ہے انتہی تو گویا نہر نے یہ بات فتوی قاری الہدایہ کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ اس کے لئے کوئی سند ہوجائے اگرچہ نوادر میں اور اس سے اس پر اعتماد کرنا نہ چاہا، اور ہدایہ میں ہے یونہی پیسوں میں بدلی جائز ہے ان کی گنتی مقرر کرکے، اور کہا گیا کہ یہ امام اعظم اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ پیسے ثمن ہیں اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح کی بناء پر ہے تو ان کی اصطلاح سے باطل بھی ہوجائے گا، فتح القدیر میں فرمایا پیسوں میں گنتی سے بدلی جائز ہے، اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایا اور کسی خلاف کا نام نہ لیا، تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ ہوئی، اور بعض نے کہا یہ قول شیخین کا ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ سے بیچنا منع فرماتے ہیں کہ وہ ثمن ہیں اور جب وہ ثمن ہوئے تو ان میں بدلی جائز نہ ہوئی مگر روایت مشہورہ میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۰۳

[2] الهدایه کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۹۴

عنه الجواز و الفرق له بین البیع و السلم ان من ضرورة السلم کون المسلم فیه مثمنا فاذا اقدما علی السلم فقد تضمن ابطالهما اصطلاحهما علی الثمنیة ویصح السلم فیها علی الوجه الذی یتعامل فیها به وهو العد بخلاف البیع فانه یجوز وروده علی الثمن فلا موجب لخروجها فیه عن الثمنیة فلا یجوز التفاضل فامتنع بیع الفلس بالفلسین [1] اھ اقول: لکن فی الفرق نظر فان محمدا لایقول بخروجها عن الثمنیة بمجرد قصد العاقدین مع اتفاق سائر الناس علیها قال فی الهدایة یجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالٰی وقال محمد رحمه الله تعالٰی لایجوز لان الثمنیة تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحهما واذا بقیت اثمانا لا تتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانهما وکبیع الدرهم بالدرهمین ولهما ان الثمنیة فی حقهما تثبت باصطلاحهما [2] الٰی	امام محمد سے بھی جواز ہے اور بیع اور بدلی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدلی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو تو جب انہوں نے پیسوں کی بدلی پر اقدام کیا تو ضمناً ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کر دیا اور ان کی بدلی اسی طور پر جائز ہے جس طرح ان میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر۔ بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہو سکتی ہے تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسہ کی دو پیسے سے بیع منع ٹھہری انتہی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) مگر اس فرق میں اعتراض ہے اس لئے کہ امام محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہو جائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اس کے ثمن ہونے پر متفق ہیں ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم وامام ابو یوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا جائز نہیں اس لئے ان کا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۹-۲۰۸

[2] الهدایة کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

اخر ماتقدم و قد اقرہ المحقق فی الفتح وقررہ علی هذا النهج فکیف یقول محمد ههنا ان اقدامهما علی السلم ابطال منهما لاصطلاح الثمنیة الاان یقال ان هذا رجوع عن التعلیل الاول ولم یکن عن نص محمد وانما ابداہ المشایخ وظهر الاٰن بهذاالفرق ان الوجه لمحمد لم یکن ذٰلك بل هو ایضا قائل بان لهما ابطال الاصطلاح فی حقهما ولکن اذا ثبت هذا عنهما وقد ثبت فی السلم لان المسلم فیه لایکون ثمنا قط فاقدامهما علی جعلها مسلما فیها دلیل علی الابطال ولم یثبت فی البیع اذلیس من ضرورته ان لایکون المبیع ثمنا فلم یثبت منهما ابطال البیوع وهذا التقریر علی هذاالوجه ربما یمیل الٰی ترجیح قول محمد فی البیع فافهم عـــه واﷲ تعالٰی اعلم۔

ہوا تھا تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہو جائے گا اور جبکہ وہ ثمنیت پر باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے تو یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے ایک پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا اور جیسے ایک معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ تک اور بیشک محقق نے اسے فتح القدیر میں مقرر رکھا اور اسی طور پر اس کی تقریر کی تو امام محمد یہاں کس طرح فرمائیں گے کہ عاقدین کا ان کی بدلی پر اقدام کرنا ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل مان لینا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ پہلی تعلیل سے رجوع ہے اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی اور اب اس فرق سے ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی بلکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں ثمنیت باطل کرنے کا اختیار ہے مگر یہ جب ہے کہ عاقدین سے ابطال ثمنیت کا ارادہ ثابت ہو جائے اور وہ بدلی میں ضرور ثابت ہو گیا اس لئے کہ اس میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ کبھی ثمن نہیں ہو سکتی تو پیسوں میں بدلی پر ان کا اقدام ان کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے اور بیع میں ان کا یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اس میں بیع کا ثمن نہ ہونا کچھ ضرور نہیں تو عاقدین سے ابطال اصطلاح ثابت نہ ہوا تو پیسے بحال خود ثمن رہے تو متعین نہ ہوئے تو بیع باطل ہوئی، اور یہ تقریر اس طرز پر کبھی اس طرف جھکے گی کہ مسئلہ بیع میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی جائے، تو غور کرو، واﷲ تعالٰی اعلم۔

عـــه: یشیر الی الجواب بان الحاجة الی

یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح (باقی برصفحہ آئندہ)

واما الحادی عشر	جواب سوال یازدہم
فاقول: نعم یجوز بیعه بازید من رقمه بانقص منه کیفما تراضیا لم علمت ان تقدیرها بهذا المقادیر انما حدث باصطلاح الناس وهما لاولایة للغیر علیهما کما تقدم عن الهدایة والفتح فلهما ان یقدرا بما شاءا من نقص وزیادة وقد تم الجواب بهذا القدر عند کل من له سلامة الفکر وقد افتیت به مرارا و افتی علیه ناس من کبار علماء الهند کالفاضل الکامل محمد ارشاد حسین الرامفوری رحمه الله تعالٰی	**فاقول:** (تومیں کہتا ہوں) ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے اس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اوپر معلوم ہوچکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع و مشتری پر ان کے غیر کی کوئی ولایت نہیں، جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر سے گزرا تو ان دونوں کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کرلیں جو شخص فکر سلیم رکھتا ہے اس کے نزدیک جواب اتنے ہی سے پورا ہوگیا اور میں نے بارہا اس پر فتوٰی دیا اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں کا یہی فتوٰی ہوا جیسے فاضل کامل مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تصحیح العقد یکفی قرینة علی ذٰلك ولایلزم کون ذٰلك ناشیا عن نفس ذات العقد کمن باع درهما ودینارا بدرهمین ودینار یحمل علی الجواز صرف للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربا کتحققه فما الحامل علیه الا حاجة التصحیح وکم له من نظیر اهمنه۔

کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کی خود ذات عقد کی طرف سے ناشئی ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو اشرفیاں دو روپوں اور ایک اشرفی کو بیچے تو اسے صورت جواز پر حمل کرینگے جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ خود ذات عقد میں جنس کے مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سود کا شبہ مثل حقیقت کے ہے تو اس پر یہی حاجت تصحیح عقد کا باعث، اور اس کی نظیریں بکثرت ہیں ۱۲منہ۔

وغیرہ وما خالفنی فیھا الارجل عـــہ من لکنؤ ممن یعد من الاعیان ویشار الیه بالبنان ولم اطلع علی خلافه الابعد موته لماطبعت وریقات باسم فتاواہ ولو راجعته فی حیاته لرجوت ان یرجع لان الرجل کان اذا عرف عرف واذا عرف انصرف فالاٰن ازیدك بیانا بعد بیان لایبقی ان شاء الله للحق الا القبول والاذعان۔ **فاقول اولا:** نص علماؤنا قاطبة ان علة حرمة الربا القدر المعهود بکیل اووزن مع الجنس فان وجدا حرم الفضل والنسأ وان عدما حلاوان وجد احدهما حل الفضل و حرم النسأ وهذہ قاعدۃ غیر منخرمة وعلیها تدور جمیع فروع الباب ومعلوم ان لااشتراك فی النوط والدراهم فی جنس ولاقدر اما الجنس فلان هذا قرطاس و تلك فضة وما القدر فلان الدراهم

وغیرہ اور اس میں میرا خلاف نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک شخص نے جو عمائد سے گنے جاتے اور ان کی طرف انگلیاں اٹھتیں اور مجھے ان کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر ان کی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق ان کے فتاوٰی کے نام سے چھپے اور اگر میں ان کی زندگی میں اس بارے میں ان سے گفتگو کرتا تو امید تھی کہ وہ رجوع کرلیتے کہ ان صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے اور اب میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو ان شاء اللہ تعالٰی حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے، **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) **اولاً:** ہمارے جمیع علماء رحمہم اللہ تعالی نے تصریح فرمائی کہ حرمت ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی ناپ یا تول ہے اتحاد جنس کے ساتھ، تو اگر قدر و جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام ہیں، اور اگر وہ دونوں نہ پائی جائیں تو حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے تو بیشی حلال اور ادھار حرام ہے، اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں اور باب ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں اور معلوم ہے کہ نوٹ اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے نہ جنس میں، جنس میں تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی اور قدر میں اس لئے نہیں کہ روپے تول کی

عـــہ: یدعی المولوی عبدالحی اللکنوی اھ منه۔

عـــہ: جن کو مولوی عبدالحی صاحب کہا جاتا ہے ۱۲منہ

موزونۃ ولا قدر للنوط اصلا لامکیل و لاموزون فیجب ان یحل الفضل والنسأ جمیعا فاذن لیس النوط من الاموال الربویۃ اصلا وسنزیدك تحقیق الامر فی ذٰلك عن قریب ان شاء اللہ تعالٰی۔ **وثانیًا:** قال فی ردالمحتار وغیرہ کلما حرم الفضل حرم النسأ ولا عکس وکلما حل النسأ حل الفضل ولا عکس[1] اھ وقد اقمنا البرھان القاطع فی جواب التاسع علی حل النسأ ھٰھنا فوجب حل الفضل وانتظر مایأتی **وثالثًا:** ھذا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول اذا اختلف ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم[2] رواہ مسلم عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ فمن الحاجر بعد اذن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **ورابعًا:** ھذہ دلائل واضحۃ لاتخفی حتی علی الصبیان والاٰن اٰتیك بشیئ یکون لك فیہ مجال تکلم بحسب عقلك ثم اکشف الحجاب لابانۃ الصواب، **فاقول:** ارأیتك ھل لیس من المعلوم عندك

چیز ہیں اور نوٹ نہ تول کی نہ ناپ کی، تو واجب ہوا کہ بیشی او رادھار دونوں جائز ہوں، تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربا ہی سے نہیں اور ہم ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے، **ثانیًا:** ردالمحتار وغیرہ میں فرمایا جہاں بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اس کا عکس نہیں اھ، اور جہاں ادھار حلال ہو بیشی بھی حلال ہوتی ہے اور اس کا عکس نہیں انتہی اور ہم جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کرچکے ہیں کہ نوٹ میں ادھار جائز ہے تو واجب ہوا کہ بیشی بھی حلال ہو اور آئندہ تقریر کے منتظر رہو **ثالثًا:** یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ فرمارہے ہیں جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو یہ حدیث صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے، **رابعًا** یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں اور اب میں تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو پھر اظہار صواب کے لئے اس کا پردہ کھولوں، **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی عقل کو معلوم

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربوٰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۹۔۸۰

[2] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربوٰ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵

وعند کل من له عقل ان المال الذی یکون فی السعر العام المعروف المجمع علیه من الناس بعشرة دراہم یجوز لکل احد ان یبیعه برضا المشتری بمائة او یعطیه بفلس واحد ولاحجر فی شیئ من ذلك عن الشرع المطهر قال تعالٰی "اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ"[1]، وقد قال فی الفتح کما تقدم ان لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکرہ[2] وکل احد یعلم ان قطعة قرطاس لا تبلغ قیمته الفا ولا مائة ولا درهما واحدا قط فما ذلك الا لان القیمة والثمن متغایران ولا یجب علیهما التقید بها فیما ثامنا بل لهما ان یقدر الثمن باضعاف القیمة او بجزء من مائة جزء لها، **فان قلت** هذا فی السلعة اما النوط فثمن اصطلاحا **قلت اولا:** فکان ماذا وقد ابنت الجواب بقولك اصطلاحا فان اصطلاح غیرهما لیس مکرہا لهما فضاع الفرق وضاء الحق **وثانیا:** ان سلمنا انهما	نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اسے سو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دے دے اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا، اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا کہ اگر ایک کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے نہ سو تک نہ ایک روپے تک، تو اس کا یہی سبب ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو ان کے باہم قرار داد ہوا) بلکہ انہیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کرلیں یا اسکے سوویں حصہ پر، اب اگر تو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے اور نوٹ تو اصطلاح میں ثمن ہے میں کہوں گا **اولًا:** پھر کیا ہوا تو نے اصطلاحًا کہہ کر خود ہی جواب ظاہر کردیا کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی تو فرق ضائع ہوا اور حق واضح ہوگیا **ثانیًا:** ہم نے نہ مانا

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

لایقدر ان علی ابطال الثمنیة فمن این لك ان الا ثمان الاصطلاحیة لایمکن التغییر فیھا عن التقدیر المصطلح الاتری ان فلوس ربیة متعینة بتعیین العرف ابدا فکل صبی عاقل یعقل ان ربیة بست عشرة آنة لابخمس عشرة ولا بسبع عشرة ثم ھذا التعیین العرفی وکونھما اثمانا مصطلحة لایحرم علی العاقدین النقص والزیادة قال فی التنویر وشرحه للعلائی من اعطی صیر فیا درھما کبیرا فقال اعطنی به نصف درہم فلوسا ونصفا الاحبة صح ویکون النصف الاحبة بمثله وما بقی بالفلوس [1] اھ ولفظ الھدایة لوقال اعطنی بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا الاحبة جاز [2] **وثالثاً**: اعل عن الثمن الاصطلاحی ھذان حجر ان ثمنان خلقة ولا یقدر احد علی ابطال ثمنیتھا وقد عقل کل من عقل ان الدینار یساوی ابداعدة دراھم ولا یوجد دینار قط یقوم بدرھم واحد و مع ذلك نص ائمتنا	کہ عاقدین ابطال ثمنیت پر قادر نہ ہوں تو یہ تونے کہاں سے نکالا کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے تغییر جائز نہیں، کیا نہیں دیکھتا کہ ایک روپے کے پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں کہ ہر سمجھ والا بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہے، نہ پندرہ کا، نہ سترہ کا۔ پھر یہ عرفی تعین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع ومشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔ تنویر الابصار اور اس کی شرح در مختار میں فرمایا جس نے صراف کو ایک روپیہ دیا اور کہا اس کے عوض مجھے آٹھ آنے کے پیسے دے دے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر کم ہو تو ایسی بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو وہ تو اس سکہ کے عوض رہے گی اور باقی کے عوض پیسے انتہی، اور ہدایہ کی عبارت یوں ہے کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے دے دو اور رتی کم اٹھنی تو جائز ہے **ثالثاً**: ثمن اصطلاحی سے اوپر چل یہ ہیں سونا چاندی کی ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے اور ہر گز کوئی اشرفی نہ پائی جائے گی جو ایک روپے قیمت کی ہو اور باوصف اس کے ہمارے ائمہ نے

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] الھدایة کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۲

ان بیع دینار بدرھم صحیح لاربا فیه وما ذٰلك الالان الجنس اذا اختلف حل التفاضل واختلاف جنس النوط والربابی مما لایجهله الامجنون قال فی الهدایة والدر وعامة الاسفار الغر صح بیع درہمین و دینار بدرہم و دینارین بصرف الجنس بخلاف جنسه وكذا بیع احد عشر درهما بعشرة دراہم و دینار [1] اھ،قال ابن عابدین فتكون العشرة بالعشرة والدرهم بالدینار [2] اھ فاذا صح بیع ربیة بجنیة قیمته بالعرف العام خمس عشرة ربیة ولم یكن ربا فكیف یكون بیع نوط مرقوم علیه رقم عشرة باثنتی عشرة ربیة ربا ما هذا الا بهت بحت فانقلت ماذكرتم من المسائل وان صح البیع فیها لكنه مكروه والمكروه ممنوع فلا یحل وان صح كذا هذا قال فی الهدایة لو تبایعا فضة بفضة او ذهبا بذهب	تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپے کی بیچنا صحیح ہے اور اس میں اصلًا ربا نہیں اور اس کے سوااس کا کوئی سبب نہیں کہ جب جنس مختلف ہوں تو کمی بیشی جائز ہے اور نوٹ اور روپوں کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی مجنون ہی ناواقف ہو۔ہدایہ اور درمختار اور عام نورانی کتابوں میں فرمایا دوروپوں اور ایک اشرفی کوایک روپے اور دواشرفی کے عوض بیچنادرست ہے کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل کردی جائے گی اسی طرح گیارہ روپوں کو دس روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی،ردالمحتار میں فرمایا دس روپے تو دس روپے بدلے ہوجائیں گے اور گیارھویں روپے کے بدلے ایک اشرفی انتہی،توجب ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنادرست ہوا جس کی قیمت عام طور پر پندرہ روپے ہیں اور ربانہ ہواتو دس کانوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر سود ہوگا،یہ تونرا بہتان ہے،اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم نے ذکر کئے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہے مگر مکروہ ہے اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے توحلال نہ ہوگا اگرچہ صحیح ہو،ایسے ہی یہاں ہے۔ہدایہ میں فرمایااگر سونے کو سونے یاچاندی کو چاندی

---

[1] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸،۹الدرالمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۹

واحد هما اقل و مع اقلهما شيئ اٰخر تبلغ قيمته باقى الفضة جاز البيع من غير كراهية وان لم تبلغ فمع الكراهة وان لم يكن قيمة كالتراب لايجوز البيع لتحقق الربا اذا الزيادة لايقابلها عوض فيكون ربا اھ[1] واقره فى الفتح والشروح والبحر وردالمحتار وغيرها ومعلوم ان مطلق الكراهة ينصرف الى كراهة التحريم بل قال عبدالحليم على الدرر بعد نقل المسئلة واحالة تفصيلها على الفتح مانصه "اذا عرفت هذا فما يتداول فى الدولة العثمانية من بيع قرش واحد بثمانين درهما عثمانيا لم يجز لزيادة القرش ولو كان مع الدراهم نحو فلس جاز مع الكراهة فالواجب على المحتاط تسويتهما وزنا او يكون قيمة ماكان مع الدراہم قدر قيمة الزيادة حتى يخلص عن عهدة الكراهة[2] اھ فقد صرح

سے بیچا اور ایک طرف کم ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہے جب تو بیع بلا کراہت جائز ہے اور اگر اتنی قیمت کی نہیں تو کراہت کے ساتھ، اور اگر اس کی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی تو اب بیع جائز ہی نہ ہوگی کہ سود موجود ہے اس لئے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی اس کے مقابل دوسری طرف کچھ نہیں تو سود ہوگا انتہی، اور اس کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور رد المحتار وغیرہ میں برقرار رکھا اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ فاضل عبدالحلیم نے حاشیہ درر میں یہ مسئلہ نقل کیا اور اس کی تفصیل کو فتح القدیر پر حوالہ کرکے یوں کہا جب تجھے یہ معلوم ہو چکا تو وہ جو سلطنت عثمانیہ میں رائج ہے کہ ایک ایک قرش اسی روپے عثمانی کو بیچتے ہیں جائز نہیں اس لئے کہ قرش زائد ہے اور اگر روپوں کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے تو احتیاط والے پر واجب ہے کہ ان دونوں کا وزن برابر کرلے یا وہ چیز جو روپوں کے ساتھ ملائی جائے اتنی قیمت کو ہو جس قدر قرش میں روپوں پر زیادتی ہے تاکہ کراہت سے عہدہ برآ ہو انتہی، تو انہوں نے

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[2] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم

بالوجوب فکان فی خلافه کراهة تحریم وکفی بها للتأثیم، **قلت:** جئت لك بتقریر الاعتراض بمالو ابدیته من نصك لعلك لم تقدر علی احسن منه الاٰن اسمع الجواب بتوفیق الوهاب عزجلاله **اما اولا:** فلانه این ذهب عنك فرق الخلق والاصطلاح فان مالیة الذهب وکونه اعز من اضعاف وزنه من الفضة امر خلقی لامدخل فیه لفرض احد وتقدیره ففی مقابلة دینار بدرهم ینقدح رجحان المالیة فی کل ذہن بخلاف النوط فان تقدیره بعشرة مثلا انما هو مجرد اصطلاح من الناس والا فنفس القرطاس لا یساوی درهما ولو عشرة فان نظرت الی الاصل فبیع ماقدر بعشرة ایضا رجحان عظیم فی المالیة وان نظر الی الاصطلاح فاصطلاح غیر حاکم علی العاقدین کما اسمعناك نص الهدایة والفتح فاذا قدره الناس بعشرة وما هو فی اصله الابفلس مثلاً فما المانع لهما ان یقدراه باثنی عشر فصاعدااوثمانیة فما دونهما فلا مساس لهٰذه المسألة بما نحن فیه **واما ثانیا:** فلان کلامهم فی مقابلة الجنس بالجنس اذفیه یظهر الفضل الاتری الٰی قوله	وجوب کی تصریح کر دی تو اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور گناہ کے لئے کراہت تحریم کافی ہے، **میں کہوں گا** کہ تیرے لئے میں نے اس اعتراض کی اس طور پر تقریر کر دی کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید اس سے بہتر نہ کر سکتا اور اب وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب سن **اولاً:** پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے ذہن سے کدھر جاتا رہا کہ سونے کی مالیت اور اس کا چاندی سے کئی گنا ہونا ایک خلقی بات ہے جس میں کسی کے فرض وقرار داد کو دخل نہیں تو ایک اشرفی ایک روپے سے بدلنے میں مالیت کی زیادتی ہر ذہن میں آجائے گی بخلاف نوٹ کے کہ مثلاً اس کی قیمت دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپیہ کا ہے نہ روپے کے دسویں حصہ کا، تو اگر تو اصل کو دیکھے تو دس کا نوٹ دس کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح بائع و مشتری پر حاکم نہیں جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ و فتح القدیر کا نص سنا دیا تو جب لوگوں نے اسے دس کا قرار دے لیا اور وہ اپنی اصل میں مثلاً ایک ہی پیسے کا ہے تو بائع و مشتری کو اس سے کون منع کرتا ہے وہ اسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا ٹھہرا لیں تو اس مسئلہ کو ہماری مبحث سے کوئی علاقہ نہیں، **ثانیاً:** ان کا کلام اس صورت میں ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو کہ اسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے تو کیا تو نے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا

تبایعا فضۃ بفضۃ او ذھبا بذھب واحدھما اقل [1] ولم یقل تبایعا فضۃ بذھب واحدھما اقل مالیۃ بالسعر المعھود فاذا قوبل الذھب بالذھب المساوی لہ ظھر الفضل وحینئذ یمیز العقل ان المضاف ھل یبلغ مقدار ھذاالفضل اولا بخلاف النوط بالدراھم فانھما جنسان مختلفان فانی یظھر الفضل،ومتی یطابق الفرع الاصل قال فی الفتح الربا ھو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فی العقد،وعلمت ان الخلو فی المعاوضۃ لا یتحقق الاعند المقابلۃ بالجنس اھ [2]،وقد قال سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [3]،فھذا اطلاق منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو الشارع والیہ المرجع والیہ المفزع	جب چاندی چاندی سے یا سونا سونے سے بیچا اور ایک طرف کمی ہے،اوریوں نہ فرمایا کہ سونے چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنی برابر کے سونے کے برابر جب کیاجائے گا زیادتی ظاہر ہوجائیگی اور اس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادت کے قدر کو پہنچتی ہے یا نہیں.بخلاف اس کے کہ نوٹ روپوں کو بیچیں کہ وہ دو جنس مختلف ہیں تو زیادتی کدھر سے ظاہر ہوگی اور یہ فرع اس اصل کے کیونکر مطابق آئے گی،فتح القدیر میں فرمایا:ربا وہ زیادتی ہے کہ عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو اور تجھے معلوم ہوگیا کہ عوض سے خالی ہونا اسی وقت متحقق ہوگا جبکہ شے کا اس کے جنس سے مقابلہ کیا جائے انتہی۔اور بیشک ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی کی طرف سے اجازت ہے اور حضور ہی صاحب شرع ہیں اور حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور ہی کے یہاں پناہ،تو

[1] الھدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۰۹
[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۱۵۱
[3] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض ۴ /۴

فمن حجرہ بعدہ ما سوغہ فیرد علیہ ولایسمع، **واما ثالثا:** فان الکراھۃ فیما اذا لم یبلغ المضموم قیمۃ الفضل انما اثرت عن محمد اما الامام الاعظم والھمام الاقدم وصاحب المذہب الاکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد نص علی عدم الکراھۃ فیہ قال فی الفتح بعد ذکر المسألۃ قیل لمحمد کیف تجدہ فی قلبك قال مثل الجبل ولم ترو الکراھۃ عن ابی حنیفۃ بل صرح فی الایضاح انہ لاباس بہ عند ابی حنیفۃ[1] اھو سیأتی فی مثلہ عن البحر عن القنیۃ عن البقالی ان عدم الکراھۃ ھو مذہب ابی حنیفۃ وابی یوسف معا رضی اللہ تعالٰی عنہما وفی الھندیۃ قبیل الکفالۃ عن محیط السرخسی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال لو باع الدرہم بالدرہم وفی احدھما فضل من حیث الوزن وفی الاٰخر فلوس جاز ولکن اکرہہ لان الناس یعتادون التعامل بمثل ھذا ویستعملونہ فیما لا یجوز، وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی لاباس بہ لانہ	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی پر رد کردیا جائے گا اور مسموع نہ ہوگا، **ثالثًا** جس حالت میں کم کے ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ پہنچے حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم ہمام اقدم صاحب مذہب اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ اس میں کچھ کراہت نہیں، فتح القدیر میں اس مسئلہ کو ذکر کرکے فرمایا امام محمد سے عرض کی گئی کہ اس کو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا پہاڑ کی طرح گراں، اور امام اعظم سے کراہت مروی نہیں بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی کہ اس میں امام اعظم کے نزدیک کچھ حرج نہیں انتہی۔ اور اس صورت کے مثل میں عنقریب بحر سے بحوالہ قنیہ آتا ہے کہ امام بقالی نے فرمایا کہ اس میں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں کا مذہب ہے اور فتاوٰی عالمگیری میں کفالت سے کچھ پہلے بحوالہ محیط امام سرخسی امام محمد سے ہے کہ اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچا اور ایک وزن میں زیادہ ہے اور کم وزن والے کے ساتھ کچھ پیسے ہیں تو جائز ہے مگر میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ لوگ اس قسم کے معاملے کے عادی ہوجائیں گے پھر ناجائز جگہ بھی یہ کارروائی کرنے لگیں گے اور امام اعظم نے فرمایا اسمیں کچھ حرج نہیں اور اس واسطے کہ اسے یوں

[1] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

امکن تصحیحه بان یجعل الفضل بازاء الفلوس[1] وبالجملة النقل عن الامام فاش مستفیض و معلوم ان العمل والفتوی علی قول الامام علی الاطلاق الا لضرورة کتعامل بخلافه ونحوه وقد فصلناه فی کتاب النکاح من العطایا النبویة بما لامزید علیه، واما رابعا وهو الطراز المعلم فلان الحق ان هذه الکراهة عـــه لیست الا کراهة تنزیه	صحیح ٹھہرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی پیسوں کے مقابل ہو جائے، بالجملہ امام سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور معلوم ہے کہ عمل وفتوی ہمیشہ قول امام پر ہے مگر کسی ضرورت سے، جیسے کہ عمل در آمد مسلمانوں کا اس کے خلاف پر ہوگیا ہو، اور ایسی ہی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب النکاح میں ایسی مفصل بیان کی ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں۔ رابعًا اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے حق یہ کہ کراہت صرف کراہت تنزیہی ہے کراہت کے

عـــه: **اقول**: محمد وما ادرٰك ما محمد، محمد سید مسود محرر المذہب المسدد قال فی الجامع الکبیر الذی هو من کتب ظاہر الروایة اذا کانت هذه الدراہم صنوفا مختلفة منها ماثلثا ها فضة ومنها ما ثلثا ها صفر و منها نصفها فضة فلا باس ببیع احدها بالاٰخر متفاضلا ید ابید بصرف فضة هذا الی صفر ذٰلك وبالعکس کما لو باع صفرا او فضة بصفر وفضة ولا یجوز نسیئة لانه یجمعهما الوزن وهما ثمنان فیحرم النسأ واما اذا باع جنسا منها بذٰلك الجنس متفاضلا

اقول: (میں کہتا ہوں) محمد، اور تو نے کیا جانا کیا محمد، محمد سردار ہیں، سردار کئے گئے، مذہب مستقیم کی تحریر و تلخیص فرمانے والے، وہ جامع کبیر میں (کہ کتب ظاہر الروایۃ میں سے ہے) فرماتے ہیں کہ جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو، کسی میں دو تہائی پیتل، کسی میں آدھوں آدھ چاندی، تو ان میں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے روپے سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو اس لئے کہ اس کی چاندی اس کے پیتل سے بیچنا قرار دیں گے اور اسکی چاندی اس کے پیتل سے جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی، پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے، ہاں ادھار بیچنا روانہ ہوگا کہ دونوں کو وزن شامل ہے اور دونوں ثمن ہیں تو ادھار حرام ہے۔ رہا ان میں کسی قسم کا روپیہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۱

ولا تغتر بالاطلاق فانھم ربما یطلقون	مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا کہ فقہاء بارہا اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فلو الفضۃ غالبۃ لایجوز لان المغلوب ساقط الاعتبار فکان الکل فضۃ فلا یجوز الامثل بمثل ولو الصفر غالبا اوکانا سواء جاز متفاضلا صرفا للجنس الی خلاف جنسہ و یشترط کونہ ید ابید[1] نقلہ فی الفصل السادس من بیوع الذخیرۃ وقال وعلی ھذا قالو اذا باع من العدلیات التی فی زماننا واحد باثنین یجوز یدا بیداھ[2]۔ **اقول:** واباحۃ التفاضل یشمل واحدا باثنین و بمائۃ وبالوف فلیکن واحد مما ثلثاہ صفر فی الوزن ثلثۃ ارباع مانصفہ فضۃ فیکون ثلثا ذاك و نصف ھذا مساویین فی الوزن وبیع واحد من ذاك بعشرۃ الاٰف من ھذا یدا بید ولا بد من

اسی قسم کے روپوں سے کمی بیشی کو بیچنا اس میں اگر اس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہے تو گویا وہ نری چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی، اسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کے مقابلہ کریں گے اور دست بدست ہونا ضروری ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ باعیا نہا ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی اسے فتاوٰی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں ان میں ایک روپیہ دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے انتہی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور جب کمی بیشی روا ہوئی تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچنا ویسے ہی سو، ویسے ہی ہزاروں کو۔ اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جس میں دو تہائی پیتل ہے تول میں اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اسکا آدھا تول میں برابر ہونگے اور ان میں کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا اور یہ ضرور ہے کہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الجامع الکبیر
[2] فتاوٰی ذخیرۃ کتاب البیوع فصل ششم

ویریدون به ماهو اعم من التنزیه والتحریم وربما یطلقون ولا یریدون به الا کراهة تنزیه کما لایخفی من عاشر نفائس عرائس کلماتهم، وقد نصوا علیه فی غیر موضع قال فی ردالمحتار قبیل باب الشهید ماذکره غیره(ای غیر الامام الطحطاوی)من کراهة الوطء والقعود ای علی القبور الخ یرادبه کراهة التنزیه[عـــه] فی غیر قضاء الحاجة وغایة	مطلق چھوڑتے ہیں اور اس سے مراد وہ معنی ہوتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں اور بارہا مطلق بولتے ہیں اور اس سے صرف کراہت تنزیہیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اس پر پوشیدہ نہیں جس نے ان کے کلمات کی نفیس دلہنوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہے،اور علماء نے اس معنی کی متعدد مواضع میں تصریح فرمائی ردالمحتار میں باب شہید جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی ہے الخ قضائے حاجت کے سوااور صورتوں میں اس سے کراہت تنزیہ مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صرف الجنس الی خلافه فکانت عشرة اٰلاف من الفضة بواحد من الصفر وای ارباء فی المالیة ترید اکثر من هذا وهذا محرر المذهب محمد ناصا علی انه لاباس فوجب ان لاتکون الکراهة ان کانت الا کراهة تنزیه ولا کلام لاحد بعدنص صاحب المذهب فعلیك به وبالله التوفیق ۱۲منه۔

جنس کو خلاف جنس کے مقابل ٹھہرائیں تو چاندی کے دس ہزار پیتل کے ایک کو بکے اس سے زیادہ مالیت میں اور کیا بیشی چاہتا ہے اور یہ محرر مذہب ہیں کہ صاف فرمارہے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کراہت ہو تو صرف کراہت تنزیہ ہو اور خود صاحب مذہب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

عـــه: هذاما مال الیه هنا فالحق کراهة التحریم کما حققه فی رسالتی "الامر باحترام المقابر" وقد اعترف به

عـــه: یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ (باقی برصفحہ آیندہ)

مافیه اطلاق الکراهة علی مایشمل المعنیین وهذا کثیر فی کلامهم ومنه قولهم مکروهات الصلٰوة اه[1]، بل قال فی الدر المختار فی فصل الاستنجاء تحت قول الماتن یکره للمرأة امساك صغیر لبول نحو القبلة الخ هذه تعم التحریمیة والتنزیة[2] اه وقال الشامی فی مکروهات الوضوء لیست الکراهة مصروفة الی التحریم مطلقاً[3] اه،وقال قبله بقلیل تحت قوله و مکروهه هو ضد المحبوب قد یطلق علی الحرام وعلی المکروه تحریماً وعلی المکروه تنزیهاً ثم نقل عن البحر ان المکروه فی هذا الباب نوعان ما کره	اس متن میں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم و تنزیہ دونوں کو شامل ہے اور یہ ان کے کلام میں بکثرت ہے اسی باب سے ہے فقہاء کا مکروہات نماز فرمانا انتھی، بلکہ درمختار کی فصل استنجامیں مصنف کے اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا کہ کراہت تحریم و تنزیہ یہ دونوں کو عام ہے انتہی،اور شامی نے مکروہات وضو میں فرمایا کراہت مطلقاً تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی انتہی،اور اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ یہ ہیں یہ فرمایا کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی،اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے اور کبھی مکروہ تحریمی پر اور کبھی مکروہ تنزیہی پر،پھر بحر الرائق سے نقل کیا کہ مکروہ اس باب میں دو قسم ہیں ایک مکروہ تحریمی اور جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) هذا المحقق اعنی الشامی فی کتابه هذا فی فصل الاستنجاء اذ قال انهم نصوا علی ان المرور فی سکة حادثة فی المقابر حرام اه[4] منه ۱۲منه۔	"الامر باحترام المقابر ۱۲۹۸ھ" میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے ۱۲منہ۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۰

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل فی الاستنجا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۹

تحریما وھو المحمل عند اطلاقھم الکراھۃ والمکروہ تنزیھا وکثیر ا مایطلقونه کما فی شرح المنیۃ فحینئذ اذا ذکروا مکروہا فلا بد من النظر فی دلیله فان کان نھیا ظنیا یحکم بکراھۃ التحریم الا لصارف فان لم یکن نھیا بل مفید اللترك الغیر الجازم نھی تنزیھیۃ[1] اھملخصا۔

قلت: ومن الاخیر قول المتون کالتنویر وغیرہ یکرہ امامۃ عبد[2]، فی الدر تنزیھا[3]، قال ابن عابدین لقوله فی الاصل امامۃ غیرہم احب الی بحر عن المجتبٰی والمعراج[4] اھ اذا علمت ھذا وجب الفحص عن الدلیل انه الٰی ای الکراھتین یمیل کما افادہ البحر فی البحر فرأینا ھم یستدلون علی الکراھۃ المذکورۃ بوجھین لایفید شیئ منھما کراھۃ التحریم وانما

وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو اسی پر محمول ہوتی ہے، دوسرا مکروہ تنزیہی اور بکثرت اسے بھی مطلق چھوڑتے ہیں جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور جب بات یہ ہے تو جس وقت فقہاء کسی شیئ کو مکروہ کہیں تو اس کی دلیل پر نظر لازم ہوگی اگر وہ دلیل کوئی ظنی نہی ہے تو کراہت تحریم کا حکم دیں گے مگر کسی اور دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے، اور اگر وہ دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے تو وہ کراہت تنزیہی ہے انتہی ملخصًا، **میں کہتا ہوں** شکل اخیر سے ہے متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت مکروہ ہے، درمختار میں فرمایا تنزیہًا، شامی نے کہا اس کے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے مبسوط میں فرمایا ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے یہ بحر الرائق میں مجتبٰی اور معراج سے ہے انتہی، جب تجھے یہ معلوم ہولیا تو واجب ہوا کہ دلیل تلاش کریں کہ وہ دونوں کراہتوں میں کس طرف جھکتی ہے جیسا کہ دریائے علم نے بحر الرائق میں افادہ فرمایا، اب ہم نے علماء کو دیکھا کہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں اور ان میں کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی ان کی نہایت

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۹

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[4] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۶

قصارٰهما التنزيه قال فی العناية الكراهة اما لانه احتيال لسقوط الربا فيصير كبيع العينة فی اخذ الزيادة بالحيلة واما لانه يفضی الی ان يالف الناس فيستعملوا ذٰلك فيما لايجوز[1] اھ ونقل فی الفتح عن الايضاح الوجه الثانی ثم قال وهكذا ذكر فی المحيط ايضا ثم قال وقيل انما كرهه لانهما باشرا الحيلة الی اخر[2] مامر فی الوجه الاول، وصاحب العناية بعد ذكر الوجهين عاد فحصر فی الوجه الاول حيث قال الكراهة انما هی للاحتيال لسقوط ربا الفضل[3] اھ وعليه اقتصر فی الكفاية قال انما كره لانه احتيال لسقوط الربا لياخذ الزيادة بالحيلة فيكره كبيع العينه فانه مكروه لهذا اھ[4]، وانت تعلم ان فی الوجه الثانی ترك مالا بأس به حذرا ممابه باس فهو مقام الورع وترك الورع لايوجب كراهة تحريم وقد قال	صرف کراہت تنزیہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا کراہت یا تو اس لئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے تو بیع عینہ کے مثل ہو جائے گا کہ حیلہ کرکے زیادہ لیا اور یا اس لئے ہے کہ لوگ اسکے خوگر ہو جائینگے تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کارروائی کرنے لگیں گے انتہی، فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم نقل فرمائی، پھر فرمایا کہ اسی طرح محیط میں ذکر کیا، پھر فرمایا بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا کہ انہوں نے ایک حیلہ کیا وہی تقریر جو وجہ اول میں گزری اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں ذکر کرکے بالآخر وجہ اول میں حصر کردیا جہاں کہ فرمایا کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس سے زیادت ربا کے دفع کا حیلہ کیا انتہی، اور اس پر کفایہ میں اقتصار فرمایا کہ وہ صرف اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا ساقط کرنے کا حیلہ ہے تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے تو مکروہ ہوگا جیسے بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے انتہی، اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑے جس میں خرابی نہیں تو یہ مقام ورع کا ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی

[1] العناية علی ہامش فتح القدير كتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۲-۲۷۱

[2] فتح القدير كتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

[3] العناية علی ہامش فتح القدير كتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۲

[4] الكفاية مع فتح القدير كتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

يفضى الى ان يألفوه فيستعملوه فيما لا يجوز فأفاد ان هذا استعماله فيما يجوز انما كره خشية التجاوز الى ما لا يجوز واما الوجه الاول فابين واظهر فان الاحتيال لسقوط الربا فرار عنه وهو غير ممنوع بل الممنوع الوقوع فيه وقد علم علماؤنا رحمهم الله تعالٰى عدة حيل لتحصيل الفضل من دون حصول الربا وقد عقد لها الامام فقيه النفس قاضى خان فى فتاواه فصلا مستقلا فقال فصل فيما يكون فرارا عن الربا وقال فيه رجل له على رجل عشرة دراهم فاراد ان يجعلها ثلثة عشر الى اجل قالوا يشترى من المديون شيئا بتلك العشرة ويقبض المبيع ثم يبيع من المديون بثلثة عشر الى سنة فيقع التجوز عن الحرام ومثل هذا مروى عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم انه امر بذٰلك [1] اھ، ومثله فى البحر عن الخلاصة عن النوازل للامام الفقيه ابى الليث رحمه الله تعالٰى ثم قال فى الخانية	اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لیجائے گی کہ اسکے عادی ہوجائیں تو ناجائز جگہ بھی اسے برتنے لگیں تو صاف بتادیا کہ یہ کارروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت فقط اس خوف سے ہوئی کہ بڑھ کر ناجائز تک نہ پہنچ جائیں، رہی پہلی وجہ وہ اور بھی زیادہ واضح و روشن ہے کہ ربا ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے اور بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کے متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو، اور امام فقیہ النفس قاضی خان نے اپنے فتاوٰی میں اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع کی، فرمایا کہ یہ فصل ہے ان باتوں کے بیان میں جو سود سے گریز میں ہیں اور اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ میں دس کے تیرہ کرلوں ایک میعاد تک، علماء نے فرمایا کہ وہ مدیون سے ان دس کے عوض کوئی چیز خریدلے اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا اور اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا انتھی، اور اسی طرح بحرالرائق میں بحوالہ خلاصہ، نوازل امام فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے۔ پھر خانیہ میں **(دوسرا حیلہ)** یہ فرمایا

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۶

رجل طلب من رجل دراہم لیقرضه بدہ دوازدہ فوضع المستقرض متاعا بین یدی المقرض فیقول للمقرض بعت منك هذا المتاع بمائة درہم فیشتری المقرض ویدفع الیه الدراہم ویأخذ المتاع ثم یقول المستقرض بعنی هذا المتاع بمائة وعشرین فیبیعه لیحصل للمستقرض مائة درہم ویعود الیه متاعه ویجب للمقرض علیه مائة وعشرون درهما والاوثق والاحوط ان یقول المستقرض للمقرض بعد ماقرر المعاملة کل مقالة و شرط کان بیننا فقد ترکته ثم یعقدان بیع المتاع اھ [1]. ثم قال فان کان المتاع للمقرض ولیس للمستقرض شیئ ویرید ان یقرضه عشرة بثلثة عشر الی اجل فان المقرض یبیع من المستقرض سلعة بثلثة عشر ویسلم السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض یبیع السلعة من اجنبی بعشرة	ایک شخص نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے اس طور کہ دینے والے کو دس کے بارہ ملیں تو یوں چاہئے کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی متاع رکھے اور اس سے کہے میں نے یہ متاع تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی قرض دینے والا خرید لے اور روپے اسے دے دے اور متاع پر قبضہ کر لے پھر قرض لینے والا اس سے کہے یہ متاع میرے ہاتھ ایک سو بیس روپے کو بیچ ڈال وہ بیع کردے تاکہ قرض لینے والے کو سو روپے مل جائیں اور اس کی متاع بھی اس کے پاس واپس آئے اور قرض دینے والے کے اس پر ایک سو بیس لازم آئیں اور زیادہ اطمینان واحتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی قرار داد کرکے یوں کہہ دے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط ہمارے آپس میں ٹھہری تھی وہ میں نے چھوڑدی پھر متاع کی خرید وفروخت کریں انتہی۔ **تیسرا حیلہ** یہ فرمایا کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض لینے والے کے پاس کوئی متاع بھی نہیں اور دینے والا چاہتا ہے کہ دس روپے قرض دے اور کسی میعاد پر تیرہ روپے اس سے وصول کرے تو قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس [1]

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

ویدفع السلعة الی الاجنبی ثم الاجنبیة یبیع السلعة من المقرض بعشرة ویأخذ بعشرة منه ویدفعها الی المستقرض فیبرأ الاجنبی من الثمن الذی کان علیه للمستقرض و تصل السلعة الی المقرض بعشرة و للمقرض علی المستقرض ثلثة عشر الی اجل اھ[1]۔ثم قال **وحیلة اخری** ان یبیع المقرض سلعة بثلثة عشر الی اجل معلوم و یدفع السلعة الی المستقرض ثم یبیعه المستقرض من الاجنبی ثم ان المستقرض یقیل البیع مع الاجنبی قبل القبض اوبعدہ ثم یبیعها المستقرض من المقرض بعشرة و یاخذ العشرة فیحصل للمستقرض عشرة وعلیه للمقرض ثلثة عشر وتصل السلعة الی المقرض والمقرض وان صار مشتریا ماباع باقل مماباع قبل الثمن الا ان ذلك جائز لتخلل البیع الثانی وھو البیع الذی جری بین المستقرض والاجنبی[2]اھ۔ثم قال**وحیلة اخری**ان	روپے کو بیچے اور وہ متاع اس اجنبی کو دے دے وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس کو بیچ ڈالے اور وہ اجنبی اس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو دے دے تو اجنبی پر جو قرض لینے والے کا دین تھا وہ اتر جائے گا اور وہ متاع قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی اور قرض لینے والے پر اس کے تیرہ روپے ایک وعدہ پر لازم ہوجائیں گے انتہی۔ **چوتھا حیلہ** یہ فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے اور اس کے قبضہ میں دے دے اور قرض لینے والا اسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے پھر قرض لینے والا اس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرے خواہ متاع اس کے قبضہ میں دی ہو یا نہ دی ہو پھر قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اسے دس کو بیچے تو قرض لینے والے کو دس روپے ملیں گے اور دینے والے کے اس پر تیرہ لازم ہوں گے اور متاع دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی قرض دینے والے نے اس صورت میں اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز ادائے ثمن سے پہلے جس قدر کو بیچی تھی اس سے کم کو خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے اس واسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی وہ جو قرض لینے والے اور اجنبی میں ہوئی انتہی۔ پھر **ایک حیلہ** یہ فرمایا کہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

یبیع المقرض من المستقرض سلعة بثمن مؤجل ویدفع السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض یبیعها من غیرہ باقل مما اشتری ثم ذٰلك الغیر یبیعها من المقرض بما اشتری لتصل السلعة الیه بعینها ویأخذ الثمن ویدفعه الی المستقرض فیصل المستقرض الی القرض ویحصل الربح للمقرض اھ۔اقول:هذہ هی الحیلة الثالثة المارة قال "وهذہ الحیلة هی العینة التی ذکرها محمد رحمه اللّٰه تعالٰی و مشایخ بلخ بیع العینة فی زماننا خیر من البیوع التی تجری فی اسواقنا وعن ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی انه قال العینة جائزۃ ماجورۃ وقال اجرہ لمکان الفرار من الحرام [1]اھ۔**ثم قال** رجل له عشرۃ دراہم صحاح فاراد ان یبیعها باثنی عشر درهما مکسرۃ یجوز لانه ربا۔فان ارادالحیلة یستقرض من المشتری اثنی عشرۃ درهما مکسرۃ ثم یقضیه عشرۃ جیادا ثم ان	قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ادھار بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اور کے ہاتھ اتنے سے کم کو بیچے جتنے کو خریدی پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کے ہاتھ اتنے کو بیچے جتنے کو خود خریدی تاکہ وہ متاع بعینہا اسے پہنچ جائے اور اس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور دینے والے کو نفع حاصل ہوجائیگا انتہی۔**اقول**:(میں کہتا ہوں) یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گزر چکا،امام قاضیخان نے فرمایا کہ اس حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ ان بیعوں سے کہ ہمارے بازاروں میں آج کل رائج ہیں بہتر ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عینہ جائز ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے انتہی۔**پانچواں حیلہ** یہ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس روپے صحیح ہیں وہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ روپے پھوٹے ہوؤں سے بیچے تو جائز نہیں کہ سود ہے پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو یہ چاہئے کہ مشتری سے بارہ روپے پھوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے اس کو ادا کرے پھر وہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربا نولکشور لکھنؤ ۲ /۴۰۷

المقرض یبرئه من درهمین فیجوز ذلك اھ[1]. **ثم قال** ولوکان له علی رجل عشرة دراہم مکسرة الی اجل فلما حل الاجل جاء المدیون بتسعة صحاح فقال هذه التسعة بتلك العشرة لایجوز لانه ربا فان اراد الحیلة یأخذ التسعة بالتسعة ویبرئه عن الدرهم الباقی فان خاف المدیون ان لا یبرئه عن الدرہم الباقی یدفع الی صاحب الدین تسعة دراہم صحاحا وفلسا او شیئا یسیراعوضا من الدرہم الباقی جاز ذلك و یقع الامن[2] اھ وفیها فوائد لاتخفی علیك و سنمر علیها فیما یأتی ان شاء اللہ تعالٰی وکفانا تشبیهه فی الوجه الاول ببیع العینة وقولهم فانه مکروه لهذا و ذلك لانه لایکره الاتنزیها فکذا هذا ،ولا یهولنك قول محمد انه یجده مثل الجبل[3] فانه قال مثله بل اشد منه فی العینة وما ثبت لها الا کراهة

اسے باقی دو روپے معاف کردے تو یہ جائز ہے، **چھٹا حیلہ** یہ فرمایا اگر کسی شخص پر دس روپے پھوٹے ہوئے ایک وعدہ پر آتے تھے جب وعدہ کا وقت آیا مدیون نو روپے کھرے لایا اور کہا کہ ان دس کے بدلے یہ نو ہیں تو یوں جائز نہیں اس لئے کہ سود ہے، تو اگر حیلہ چاہے تو نو کے بدلے نو لے لے اور ایک معاف کردے پھر اگر مدیون کو اندیشہ ہو کہ وہ ایک جو باقی رہا یہ معاف نہ کرے گا تو قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور تھوڑی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دے دے تو اب جائز ہوگا اور وہ اندیشہ جاتا رہے گا انتہی اور اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر پوشیدہ نہ رہیں گے اور آئندہ تقریر میں ان شاء اللہ ہم اوپر گزر کریں گے اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ اول میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور علماء نے فرمایا وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے اور یہ اس لئے کہ بیع عینہ نہیں مگر مکروہ تنزیہی، تو ایسے ہی یہ بھی اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ انہوں نے ایسا ہی کہا بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے اور اس کے لئے

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

[3] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

التنزیه قال فی ردالمحتار عن الطحطاوی عن ابی یوسف العینة جائزة ماجور من عمل بها کذا فی مختار الفتاوی ہندیة وقال محمد هذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم اخترعه أكلة الربا وقال علیه الصلٰوة والسلام اذا تبایعتم بالعین واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهر علیکم عدوکم .قال فی الفتح ولا کراهة فیه الاخلاف الاولٰی لما فیه من الاعراض من مبرة القرض اھ [1] واقره علیه فی البحر والنهر والدر و الشرنبلالیه و غیرہا وقال ایضا فی فتح القدیر قال ابویوسف لایکره هذا البیع لانه فعله کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وحمدوا علی ذٰلك ولم یعدوه من الربا اھ [2]. **اقول:** قول ابی یوسف فعله کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم مرسل اصولی فانه عندنا مالم یتصل سنده مطلقًا	ثابت نہ ہوئی مگر کراہت تنزیہ، ردالمحتار میں طحطاوی اس میں عالمگیری اس میں مختار الفتوی اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے کہ عینہ جائز ہے اس کے کرنیوالے کو ثواب ملے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اس بیع کی برائی میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سود خوروں نے ایجاد کیا، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو اور بیلوں کی دم کے پیچھے چلو تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ فتح القدیر میں فرمایا عینہ میں کوئی کراہت نہیں سوا خلاف اولٰی کے، اس لئے کہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے انتہی۔ اور اسے بحرالرائق اور نہرالفائق اور درمختار اور شرنبلالیہ وغیرہا نے برقرار رکھا نیز فتح القدیر میں ہے امام ابویوسف نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں اسلئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اسے کیا اور اس کی تعریف کی اور اسے سود نہ ٹھہرایا انتہی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) امام ابویوسف کا فرمانا کہ اسے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کیا، اصول فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس

[1] ردالمحتار کتاب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۴

[2] فتح القدیر کتاب الکفالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

والفرق بین انواعه وتسمیتها مرسلا ومنقطعا ومقطوعا ومعضلا مجرد اصطلاح من المحدثین لافادة مایقع فیه من الصور، اما الحکم فمتحد عندنا وھو القبول اذاکان من ثقة کما حققناه فی کتابنا منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین ۱۳۱۳ھ ونص علیه فی مسلم الثبوت وغیرہ وای ثقة او ثق ترید من ابی یوسف فاذاصح عن کثیر من الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم فعله ومدحه لا یعدل عنه لان مذہب امامنا رضی اللہ تعالٰی عنه تقلیدھم رضی اللہ تعالٰی عنهم وقد امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم باقتدائهم اما الحدیث اذا اتبایعتم بالعینة[1]، رواہ احمد وابوداؤد والبزار وابو یعلی والبیهقی عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما قال ابن حجر سندہ ضعیف وله عند احمد اسنادآخر امثل من ھذا اھ[2]۔	کی سند متصل نہ ہو اور اس کے اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جداجدا نام مرسل ومنقطع ومقطوع ومعضل رکھنا یہ محدثین کی نری اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں، رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی اور امام ابویوسف سے بڑھ کر تجھے اور کون سا ثقہ درکار ہے، توجب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت ہوئی تو اس سے عدول نہ ہوگا اس لیے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقلید ہے اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا، رہی وہ حدیث کہ جب تم بطور عینہ خرید وفروخت کروگے اسے امام احمد وابوداؤد وبزار وابویعلٰی وبیہقی نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا امام ابن حجر نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے اس سے بہتر انتہی۔

[1] سنن ابوداؤد باب فی النهی عن العینه آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۸۴، ۴۲

[2] منیران الاعتدال

وفی سندہ ابوعبدالرحمٰن الخراسانی اسحٰق بن اسید الانصاری، قال ابن ابی حاتم لیس بالمشھور وقال ابوحاتم لا یشتغل بہ وقال الذھبی جائز الحدیث[1] ثم اعادہ فی الکنی فعد الحدیث من مناکیرہ[2] وقال فی التقریب فیہ ضعف[3] اھ وقد رمز الامام السیوطی فی الجامع الصغیر لحسنہ وجاء من طرق کثیرۃ عقد لھا البیھقی بابا فی سننہ وبین عللھا، **اقول**: وظاہر کلام الفتح ان محمدا احتج بھذا الحدیث فاذا ھو صحیح ولا شك لان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما افادہ المحقق حیث اطلق فی التحریر وغیرہ فی غیرہ وعلی کل فلیس فی الحدیث مایدل علی منعہ الا تری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معہ واخذتم اذناب البقر[4] ای حرثتم	اور ابوداؤد کی سند میں ابوعبدالرحمٰن خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں، ابن ابی حاتم نے کہا وہ کچھ ایسے مشہور نہیں، اور ابوحاتم نے کہا ان سے کام نہ رکھا جائے، اور ذہبی نے کہا وہ جائز الحدیث ہیں، پھر کنیتوں میں انہیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو ان کی احادیث منکرہ سے گنا اور تقریب میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے انتہی۔ بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں، اور بیشک امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی اور یہ حدیث بہت سندوں سے آئی جن کیلئے بیہقی نے اپنی سنن میں ایک فصل خاص وضع کی اور ان کی علتیں بیان کیں، **اقول**: کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو وہ ضرور صحیح ہے اس لئے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور ان کے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا بہر حال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں کیا اس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے کہ جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۷۳۷ اسحاق بن اسید دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۴ و ۴/ ۵۴۷

[2] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۱۰۳۷۸ اسحاق بن اسید دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۵۴۷

[3] تقریب التہذیب ترجمہ ۳۴۲ اسحاق بن اسید دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۷۹

[4] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النھی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴

وزرعتم کما فسرہ بہ فی الفتح قال لانھم حینئذ یترکون الجھاد وتألف النفس الجبن [1] اھ بل ھو فی نفس روایۃ بلفظ اخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع و ترکتم الجھاد [2] الحدیث و معلوم ان الزرع غیر منھی عنہ بل ھو افضل وجوہ الکسب بعد الجھاد عند الجمھور و قیل التجارۃ ثم الزراعۃ ثم الصناعۃ کما فی وجیز الکردری لاجرم لما احتج فی العنایۃ بالحدیث علی ذمہ قال العلامۃ سعدی اُفندی **اقول**: لوصح ذلك تکون الزراعۃ مذمومۃ ایضا اھ [3] ولم یعلل الکراھۃ فی الھدایۃ والتبیین و الدرر وغیرہا الابالاعراض عن مبرۃ الاقراض زاد فی الھدایۃ مطاوعۃ لمذموم البخل[4]۔وانت تعلم ان الاعراض عن المبرۃ لاتوجب کراھۃ تحریم	یعنی کھیتی کرو زراعت میں پڑو جیسا کہ اس کی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی، فرمایا اس لئے کہ وہ اس وقت جہاد چھوڑ دینگے اور طبیعت نامردی کی عادی ہوجائے گی انتہی بلکہ وہ نفس روایت ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے کہ جب تم بیلوں کی دمیں پکڑو اور کشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد چھوڑ دو آخر حدیث تک، اور معلوم ہے کہ کھیتی منع نہیں بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے، اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت، پھر زراعت، پھر حرفت، جیسا کہ وجیز کردری میں ہے۔ ولہٰذا جبکہ عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے، علامہ سعدی آفندی نے فرمایا کہ **میں کہتا ہوں** اگر یہ دلیل صحیح ہوجائے تو زراعت بھی مذموم ہوجائے گی اور ہدایہ و تبیین و درمختار وغیرہا میں اس کی کراہت کی صرف اتنی دلیل بتائی کہ اس میں قرض دینے کی نیک سلوک سے روگردانی ہے، ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کرکے، اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت تحریم کی

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴
[2] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النھی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴
[3] حاشیہ آفندی بہامش فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴
[4] الھدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۲۲-۱۲۳

ولذا قال فی الفتح لاباس فی هذا فان الاجل قابله قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیه دائما بل هو مندوب اھ [1] وقال فی العنایة الاعراض عن الاقراض لیس بمکروه والبخل الحاصل من طلب الربح فی التجارات کذالك والالکانت المرابحة مکروهة [2] اھ، **اقول:** بل لیست التجارة الاان تبغوافضلا من ربکم والمماکسة فی المبایعة مسنونة،وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم المغبون لامحمود ولا ماجور [3] رواه اصحاب السنن عن الحسین بن علی والطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی والخطیب عن سیدنا علی کرم الله تعالٰی وجوههم الکرام ،فغایة مافیه کراهة التنزیه والا فقد صح ان الصحابة فعلوه وحمدوه وفی حاشیة الفاضل عبدالحلیم معاصر العلامة الشرنبلالی رحمهما الله تعالٰی علی الدرر والمروی عن ابی یوسف انه قال العینة جائزة مأجورة لمکان الفرار فیها عن الحرام و	موجب نہیں، لہٰذا فتح القدیر میں فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصہ ہولیا اور آدمی پر واجب نہیں کہ ہمیشہ قرض دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک بات ہے **انتہی**، اور عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا انتہی، اقول: بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور خرید و فروخت میں قیمت کم کرانا سنت ہے، اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نہ ماموری نہ ثواب، یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجوھھم الکرام سے روایت کی تو اس میں انتہا درجہ کراہت تنزیہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہولیا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور تعریف فرمائی اور علامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالٰی حاشیہ درر میں لکھتے ہیں امام ابویوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لئے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۳

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۷۳۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۸۳

الاحتیال للفرار عن الحرام مندوب ولانہ فعلہ کثیر من الصحابۃ و حمدواذلک[1] اھ، وظاھر سیاقہ ان جملۃ "والاحتیال للفرار عن الحرام مندوب" من کلام الامام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم، ھذا احدالدلائل علیہ والثانی: تصریحھم قاطبۃ ان القدر والجنس اذاعدم احدھما حل الفضل و معلوم قطعًا ان الدینار والدرھم او الدینار و الفلس لایتجانسان فیجب الحل فمن این تأتی کراھۃ التحریم، وتحقیقہ ان للتفاضل اربع صور ۱ الاول: ان یکون الاکثر مالیۃ ھو الاکثر قدرًا و ۲ الثانی: ان یکون اقل ولکن مالیۃ بعد زائدۃ بل اضعاف مضاعفۃ کالجنیۃ مع الربیۃ و ۳ الثالث: ان یکون اقل الی حد تنقص مالیتہ ایضا البدل و ۴ الرابع: ان یقل الی ان یتساوی المالیتان وھم قاطبۃ قالوا عند اختلاف الجنس حل التفاضل و لم یقیدوہ بشیئ من الصور اصلا فیعمھا جمیعا ولو کانت ثم کراھۃ تحریم لم تحل الاصورۃ واحدۃ من الاربع وھی الرابعۃ ثم ھنا وجہ اٰخران یکون جنسان متحدی المالیۃ عند اتحاد القدر وھم قد حکموا بحل التفاضل	سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ بکثرت صحابہ نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی **انتھی**، اور ان کی روشن عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابویوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے واللہ تعالٰی اعلم، یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے، دلیل دوم: تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس میں کوئی معدوم ہو تو زیادتی حلال ہے اور یقینا معلوم ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں تو حلال ہونا واجب ہوا تو کراہت تحریمی کدھر سے آئیگی، اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی کی چار صورتیں ہیں: **اول**: یہ کہ جس کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار زیادہ ہو۔ **دوسری**: یہ کہ اسکی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ بلکہ کئی گنا بڑھ کر، جیسے روپے کے ساتھ اشرفی۔ **تیسری**: یہ کہ مقدار میں اتنی کم ہو کہ اس کی مالیت بھی اس کے مقابل سے گھٹ جائے، **چوتھی**: یہ کہ اسکی مقدار اس حد تک کم ہو کہ دونوں مالیت میں برابر ہوجائیں، اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ جب جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اسے کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہ کیا تو چاروں صورتوں کو شامل ہوگا اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چاروں صورتوں میں سے صرف ایک حلال ہوتی اور وہ چوتھی صورت ہے پھر یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں مقدار میں برابر ہوں تو ان کی مالیت بھی یکساں ہو اور علماء نے کمی بیشی

[1] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم کتاب البیوع

وھو یستلزم التفاضل فی المالیة فوجب حله،و ۳الثالث: قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [1]،فمن ذالذی یعدہ معصیة و مکروھا تحریما مع اذن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیه و ۴الرابع ماقدمنا انفا عن الخانیة انه یدفع فلسا عوضا عن الدرہم فیجوز ذٰلك ویقع الامن ای امن بعد حصول المعصیة،و ۵الخامس: لیس التفاضل بین درہم اودینار او فلس ودینار مثلا الابالمالیة فان کان ذلك موجبا لکراھة التحریم لانه حصل لاحد العاقدین اکثر واربح مما حصل لاٰخر فاربی ھذا علیه یجب ان یکون مساواۃ الجید والردی وزنا مکروھا تحریما اذااربی الجید علی الرد بمالایتغابن فیه الناس کأن تکون مالیته ضعف مالیته او اضعافها لان موجبها المذکور حاصل ھٰھنا ایضا قطعا،والشیئ لایتخلف عن موجبه مع ان المساواۃ ھو المامور به شرعا وکذٰلك مازاد بالصناعة حتی صارت

حلال ہونے کا حکم فرمایا اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو مستلزم ہے تو اس کا حلال ہونا واجب ہوا، دلیل سوم: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو تو وہ کون ہے جو اسے گناہ اور مکروہ تحریمی بتائے گا حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی اجازت فرما چکے۔ دلیل چہارم وہ جو ابھی ہم فتاوٰی قاضی خان سے بیان کر آئے کہ روپے کے بدلے ایک پیسہ دے دے تو یہ جائز ہو جائے گا اور امان حاصل ہو گی اور گناہ ہونے کے بعد کون سی امان ہے۔ دلیل پنجم: مثلاً اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی، تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم ہوتی اس بناء پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اس کو اس پر زیادتی رہی تو واجب ہوگا کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو جبکہ کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں جیسے اس کی مالیت اس کی مالیت سے دونی یا کئی گنا ہو اس لئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب یہاں بھی یقینا حاصل ہے اور حکم اپنے موجب سے پیچھے نہیں ہٹتا حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا اسی کا شرع نے حکم دیا ہے اور ایسے ہی وہ جو

---

[1] نصب الرایة لاحادیث الھدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیة لصاحبها الحاج ریاض الشیخ ۴/۴

قیمته اضعاف قیمة مایساویه وزنا من التبراو الدراہم یکون التساوی فیه موجب لما او جبتم به کراهة التحریم مع انه هو الواجب شرعا فاذن یکون الشرع قد اوجب ماهو معصیة فان المکروه تحریما منهی عنه وارتکابه اثم و معصیة وان کانت صغیرة کما نص علیه فی البحر والدروغیرہما وبالاعتاد یصیر کبیرة ولا شك ان الشرع متعال عن ان یامر بمعصیة و یوجب ارتکاب اثم بخلاف المکروه تنزیها فانه من المباح ولیس من المعصیة قطعا و ربما یتعمده الانبیاء علیهم الصلٰوة والسلام بیانا للجواز، وقد زلت قدم ذاك اللکنوی فی رسالته فی الدخان فجعل المکروه تنزیها من المعاصی والاصرار علیه من الکبائر وهذه مزلة فاحشة بینت عوارها فی رسالة مستقلة سمیتها "جمل مجلیة ان المکروه تنزیها لیس بمعصیة ۱۳۰۴ھ "والاعتذار بان الشرع اهدر اعتبار المالیة عند اتحاد الجنس لایجدی نفعا فان ذٰلك اول الکلام ان لوکان الاربا فی المالیة موجب المعصیة فی نظر الشرع فلم اهدر اعتبارها مع مافیه من ابطال مقصد نفسه اعنی الشرع وهو صیانة اموال	صناعی کے سبب بڑھائے یہاں تک کہ اسکی قیمت اس کے ہم وزن پتر یا روپوں سے کئی گنا ہوجائے تو اس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریم کی موجب ہوگی جو تم نے قرار دی ہے حالانکہ وہی شرعًا واجب ہے تو اس وقت یہ ہوگا کہ شرع نے وہ چیز واجب کی جو گناہ ہے اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اس کا کرنا گناہ اگرچہ صغیرہ ہے جیسا کہ بحر الرائق و در مختار وغیرہما نے تصریح کی اور عادت ڈالے سے کبیرہ ہوجائے گا، اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند و بالا ہے کہ معصیت کا حکم دے اور گناہ کرنا واجب کرے بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے ہے اور معصیت میں سے یقینا نہیں، کبھی انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام اسے قصدًا کرتے ہیں کہ اس کا جائز ہونا ظاہر ہوجائے اور انہیں لکھنوی کا حُقّہ کے رسالہ میں قدم پھسلا تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور اس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرادیا اور یہ فاحش غلطی ہے کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں بیان کیا اس کا نام "جمل مجلّیة ان المکروه تنزیها لیس بمعصیة ۱۳۰۴ھ " رکھا اور یہ عذر کرنا کہ ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت کا اعتبار ساقط فرمادیا ہے کچھ نفع نہ دے گا اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی تو کیوں اس کا اعتبار ساقط فرمادیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کا باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے لوگوں کا

الناس وانما الاموال بالمالیۃ وفیہ ایصال اکلۃ الربا الی قصدھم الفاسد فان غرضھم انما یتعلق بالمالیۃ فاذاربوا فیھا فقد فازوا بمرادھم ولا نظر لھم الی زیادۃ الوزن وقلتہ فتبین ان الاربا فی المالیۃ لانظر الیہ للشرع ولایمکن ان یوجب کراھۃ تحریم اصلا وھو المقصود، و۶ السادس: طفحت المتون قاطبۃ بجواز بیع فلس بفلسین وقال فی البحر لیس مرادھم خصوص بیع الفلس بالفلسین بل بیان حل التفاضل حتی لوباع فلسا بمائۃ علی التعیین جاز عندھما[1] ای عند الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھما وای نص ترید انص من ھذا علی حل التفاضل بالمالیۃ والحمدللہ، نعم الحل قد یجامع کراھۃ التنزیہ کما نصوا علیہ، ۷ السابع: العینۃ المذکورۃ فانما مبناھا علی التفاضل فی المالیۃ ولا یتقید بنحو عشرۃ باثنی عشر او ثلثۃ عشر کما فی الخانیۃ او خمسۃ عشر کما فی الفتح بل صورت بصورت الضعف ایضا قال فی الفتح من

مال بچانا اور مال کی حقیقت مالیت ہی ہے اور اس میں سود خوروں کو ان کے قصد فاسد تک پہنچانا ہوگا کہ ان کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق ہے جب انہوں نے مالیت زیادہ پالی تو اپنی مراد کو پہنچے اور وزن کی کمی بیشی کی طرف ان کی نظر نہیں تو ظاہر ہوگیا کہ مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ اصلاً کراہت تحریم واجب کرے اور یہی مقصود ہے۔ دلیل ششم: تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بیچنا جائز ہے اور بحرالرائق میں فرمایا کہ ان کی مراد خاص یہی نہیں ہے کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے یہاں تک کہ اگر ایک پیسہ سو معین پیسے کو بیچے تو امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک حلال ہے اور اس سے بڑھ کر تو اس پر اور کون سا روشن تر نص چاہتا ہے کہ مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمدللہ، ہاں حلال ہونا کبھی کراہت تنزیہ کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی۔ دلیل ہفتم: عینہ مذکورہ کہ اسکی بناء ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے، اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے بارہ یا تیرہ کریں جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے یا پندرہ جیسا کہ فتح القدیر میں بلکہ دو نادون کی صورت بھی اس میں بیان کی گئی ہے، فتح القدیر میں فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت

[1] بحرالرائق باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۲

صور العينة ان يبيع متاعه بالفين من المستقرض الى اجل ثم يبعث متوسطا يشتريه لنفسه بالف حالة ويقبضه ثم يبيعه من البائع الاول بالف ثم يحيل المتوسط بائعه على البائع الاول بالثمن الذى عليه وهو الف حالة فيدفعها الى المستقرض ويأخذ منه الفين عند الحلول [1] اھ واذجاز ضعف جازت الاضعاف. **اقول**:ولا يلزم المتوسط بل له ان يبيعه من المستقرض بالفين يبيعه المستقرض فى السوق بالف كيلا تعود العين الى المقرض فيكون مكروها تحريما فى بحث المحقق وان كان فيه للكلام مجال فان شراء ماباع باقل مما باع جائز عند توسط ثالث بالاجماع ولم يذكروا فيه تأثيما وقد تقدم عن فقيه النفس فى حيل الفرار عن الحرام وانى تتم الحيلة مع بقاء المعصية لاجرم قال العلامة عبد الحليم فى حواشى الدرر الظاہر كراهة تنزيه سواء	یہ ہے کہ اپنی متاع قرض لینے والے کے ہاتھ ایک وعدپر دو ہزار کو بیچے پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے ہزار نقد کو خرید کر قبضہ کرلے پھر یہ درمیانی شخص پہلے شخص سے اسے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وہ درمیانی اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اتار دے اور وہ ہزار روپے نقد ہیں تو پہلا بائع ہزار روپے قرض لینے والے کو دے دے اور وعدہ پر دو ہزار اس سے لے انتہی، اور جب دو نا جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے، **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس درمیانی شخص کا ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ قرض لینے والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے وہ بازار میں ہزار کو بیچ لے تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف عود نہ کرے کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوجائے گی، اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی چیز جتنے کو بیچی ہے اس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے اور علماء نے اس میں کوئی گناہ تحریر نہیں فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خان سے یہ امر اوپر گزر چکا جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے اور اگر معصیت باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہو، لاجرم علامہ عبدالحلیم نے حواشی درر میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے چاہے

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

کان فی صورۃ عود کل المدفوع او بعضہ الی الدافع اولا تدبر[1]،و۸ الثامن:شرطوا الجواز شراء الوصی مال الیتیم لنفسہ او بیعہ مال نفسہ لہ الخیریۃ للیتیم وجعلوھا فی العقار بالضعف وفی غیرہا بمثل ونصف[2] کما فی الخانیۃ والھندیہ وشرطوا الجواز بیعہ مال الیتیم من اجنبی ان لم تکن للصغیرہ حاجۃ الی ثمنہ ولا علی المیت دین لاوفاء لہ الابہ ان یبیعہ بضعف القیمۃ قال فی الھندیۃ عن محیط السرخسی وعلیہ الفتوی[3] فھذا تفاضل فی المالیۃ مأموربہ من جھۃ الشرع،و۹ التاسع: ماتقدم عن الفتح وغیرہ من المعتمدات من قولہ لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[4] و۱۰ العاشر:فی باب الربا من ردالمحتار عن الذخیرۃ اذادفع الحنطۃ الی خباز جملۃ واخذ الخبز مفر قا ینبغی ان یبیع صاحب الحنطۃ خاتما او سکینا من الخباز بالف من من	جو متاع دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کرآئے یااس کا حصہ یا کچھ نہیں،تدبر،دلیل ہشتم:وصی اگر یتیم کامال خود خریدنا یااپنامال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تواس کے جواز کے لئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید وفروخت میں یتیم کا نفع ہواور اس نفع کی مقدار جائداد غیر منقولہ میں دو چند رکھی اور منقولہ میں ڈیوڑھی،جیساکہ فتاوٰی قاضی خان اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے اور وصی اگر یتیم کامال کسی دوسرے کے ہاتھ میں بیچنا چاہے اور نابالغ کواس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی دین ہو کہ بغیر اس کے بیچے پورانہ ہو تواس صورت میں جواز بیع کی یہ شرط لگائی کہ دونی قیمت پر بیچے،ہندیہ میں محیط سرخسی سے نقل کیاکہ اسی پر فتوٰی ہے تو مالیت کی اس کمی بیشی کاخود شرع کی طرف سے حکم ہے،دلیل نہم:وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گزرا کہ اگرایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں ___ دلیل دہم:ردالمحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے جب نانبائی کو گیہوں اکٹھے دے دئے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کرکے لی تو یوں چاہئے کہ گیہوں والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلا ہزار من روٹی

[1] حاشیۃ الدرر لعبدالحلیم

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی بیع الاب الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی بیع الاب الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۶

[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

الخبز مثلا[1] الخ واین یقع سکین من الف من من الخبز ونظائر هذا الوسرد نا هالم نستطع احصاء ها و انما تنزلنا بعد السادس الی هنا لان کلامهم فی المضموم الاقل مطلق من ان یکون من الاثمان او الاعیان ومن الاموال الربویة او من غیرها فهذا غایة تحقیق المسألة، اما کلام الشیخ عبدالحلیم **فاقول**: **اولا**: لیس الوجوب للاحتیاط وجوب الشیئ فی نفسه ولا شك ان ترك مالاباس به حذر امما به باس من قبیل الاحتیاط فی الدین ولا یحصل ذٰلك الا بماذکر فکان من واجباته اذ الواجب للشیئ هو الذی لا تحصل له الابه **وثانیا**: ربما یطلق الواجب عرفا علی المندوب ومنه قول الدر لاباس به ای بالتکبیر عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم[2] اھ ونظرله الشامی فی موضع اٰخر بقولهم حقك واجب علی وفی کتاب	کو بیچے الخ اور بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من روٹی اور اس کے نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں تو ان کا احاطہ نہ کر سکیں گے اور دلیل ششم کے بعد جو ہم یہاں تک اتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء نے فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز ملادی جائے وہ ان کے کلام میں مطلق ہے خواہ ثمن ہو یا متاع اور اموال ربا سے ہو یا نہیں تو یہ تحقیق مسئلہ کی انتہا ہے، رہا فاضل عبدالحلیم رومی کا کلام **اقول: اولاً**: حصول احتیاط کیلئے کسی شیئ کا وجوب اس کا فی نفسہٖ وجوب نہیں اور شک نہیں کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی نہیں اسے چھوڑنا دین میں احتیاط کے قبیل سے ہے اور یہ اسی طور پر حاصل ہوگا جو انہوں نے ذکر کیا احتیاط کے واجبات سے ہوا کہ کسی شے کے لئے واجب وہی ہے جس کے بغیر شے حاصل نہ ہو، **ثانیاً**: اکثر عرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں اور اسی میں سے ہے درمختار کا یہ قول کہ نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آتا ہے تو ان کی پیروی واجب ہوئی انتہی، اور شامی نے دوسری جگہ اس کی ایک نظیر یہ بیان کی کہ عرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۶
[2] درمختار باب العیدین مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

ادب القاضی من الفتح تحت قوله "ویشهد (ای القاضی) الجنازة ویعود المریض" ذکر حدیث البخاری فی الادب المفرد عن ابی ایوب الانصاری رضی الله تعالٰی عنه قال سمعت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول ان للمسلم علی اخیه ست خصال واجبة ان ترك شیئا منها فقد ترك حقا واجبا علیه لاخیه یسلم علیه اذا لقیه ویجیبه اذا دعاه ویشمته اذا عطس ویعوده اذا مرض ویحضره اذا مات وینصحه اذا استنصحه ثم قال ولا بد من حمل الوجوب فیه علی الاعم من الوجوب فی اصطلاح الفقه الحادث فان ظاهره وجوب الابتداء بالسلام وکون الوجوب وجوب عین فی الجنازة فالمراد به امر ثابت علیه اعم من ان یکون ندبا او وجوبا بالاصطلاح اھ[1] ولا بد من الحمل علیه لما اقمنا من الادلة وان ابیت الاحمله علی ظاهره فهذا فهم من الشیخ عبدالحلیم لم یستند فیه

فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں اس قول ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کے پوچھنے کو جائے ادب المفرد میں بخاری کی یہ حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ذکر کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز ترک کرے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑ یگا جو اس کے لئے اس پر واجب تھا، ملاقات کے وقت اسے سلام کرے، اور وہ دعوت کرے تو قبول کرے یا وہ پکارے تو جواب دے اور، جب اسے چھینک آئے (اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو یہ اسے "یرحمك الله" کہے، اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جائے، اور اس کی موت میں حاضر ہو، اور اگر اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے۔ پھر محقق نے فرمایا ضرور ہے اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حمل کریں جو وجوب کے اس معنی سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو اصل کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتداء بہ سلام واجب ہو اور نماز جنازہ فرض عین ہو تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی انتہی، اور عبارت عبدالحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب ان دلیلوں کے جو ہم قائم کر چکے اور تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے تو یہ شیخ عبدالحلیم

[1] فتح القدیر کتاب الادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۷۳

لنقل وفهمه غير حجة فی الشرع لاسيما عند قيام البراهين علٰی خلافه. **وثالثاً:** ان لم يحمل علی ما قلنا يكون كلامه قد ناقض نفسه لانه ذكر بعد هذا بورقة واقعةً تحدث فی الدولة العثمانية من تبديل الدراہم العتيقة المغشوشة الغالبة فيها الفضة بدراہم جديدة جيدة و يمنع بظهور ها التعامل بالعتيقة و من ردائة العتيقة ان الدرہم الكبير الرومی وهو المسمی بالقرش يكون بمائة وعشرين درهما منها والدينار بمائتين واربعين فاذا ظهرت الجديدة ينزل القرش الی ثمانين من الجديدة والدينار الی مائة وعشرين فيقع بين الناس نزاع كثير فی ديونهم الواقعة فی زمن العتيقة قال فافتی اسلافنا من ساداتنا علماء قسطنطنية المحميّة بتنزيل ثلث الدين فبمقابلة دين مائة وعشرين درهما يعطی المديون الدائن ثمانين درهما جديدا او قرشا واحدا وبمقابلة مأتين واربعين دينارا او قرشين الی ان جاء زمن افتاء استاذنا المرحوم اسعد بن سعد الدين فافتی بان يعطی قيمة العتيقة فی زمن العقد من الدينار مثلاً لكل	کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انہوں نے کوئی نقلی سند پیش نہ کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصًا جبکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں۔ **ثالثًا:** اگر اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو ان کا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہوگا، اس لئے کہ انہوں نے اس کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے، پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی غالب ہوتی ہے انہیں نئے کھرے روپے سے بدلتے ہیں اور ان نیؤں کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع کردیا جاتا ہے اور پرانوں کا کھوٹا پن یہاں تک ہے کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے قرش کہتے ہیں ان پرانوں کے ایک سو بیس کے برابر ہوتا ہے اور اشرفی دو سو چالیس کے برابر، جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو قرش کی قیمت ان نیؤں سے اسی روپے رہ جاتی ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی، تو لوگوں کا وہ لین دین جو پرانے روپیوں کے زمانے میں ہوا تھا اس میں بڑا جھگڑا پڑجاتا ہے تو علمائے محرسہ قسطنطنیہ سے ہمارے اگلوں سرداروں سے یہ فتوٰی دیا کہ تہائی دین اتاردیں، تو ایک سو بیس پرانے روپے کی جگہ مدیون دائن کو نئے اسی روپے یا ایک قرش دے اور دو سو چالیس پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی یا دو قرش یہاں تک ہمارے استاذ مرحوم اسعد بن سعد الدین کے افتا کا وقت آیا تو انہوں نے یہ فتوٰی دیا کہ زمانہ عقد میں پرانے روپیوں کی جو قیمت تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں مثلًا ہر

مائتین و اربعین درھما یعطی دینارا ولم یجوز اعطاہ درھما جیدا اولا قرشا و صرح بان فی المسلك السابق حقیقۃ الربا او شبھتہ [1]،ثم قال یقول العبد ان ما افتی بہ اولاصحیح ایضا مع ان فیہ یسرا وتوسیع دائرۃ لاداء الدین اما صحتہ فان الدراہم العتیقۃ لما کانت رائجۃ کما یروج القرش والدینار من غیر فرق بینھن تقرر ان دین المدیون استقر فی ذمتہ علی ھذاالتفصیل وصرف الدین الی ماقدربہ فی الاداء من کل نوع ای نوع کان من العتیقۃ و القرش والدینار کماصرح الفقھاء بھذا فی صورۃ استواء رواج الاحادی و الثنائی والثلاثی فاذا منع تعاطی العتیقۃو القرش والدینار کما صرح الفقھاء بھذا فی صورۃ استواء رواج الاحادی والثنائی والثلاثی فاذا منع تعاطی العتیقۃ وظھر الجدیدۃ ورخص القرش و الدینار بالتنزیل الی ما سبق ذکرہ نزل الدین کذٰلك و فیہ توسیع دائرۃ ویسر تام اذ یؤدی المدیون من ای نوع قدر بخلاف ما افتی بہ ثانیًا اذقد لایکون للمدیون دینار وقد لایجد وقد یکون الدین او الباقی غیر بالغ الی قیمۃ الدینار فیعسر الاداء مع	دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دے اور یہ جائز نہ رکھا کہ اسے نیا روپیہ یا قرش دے اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سود ہے یا اس کا شبہہ۔ پھر شیخ عبدالحلیم نے کہا کہ وہ جو پہلوں نے فتوٰی دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس کے ساتھ اس میں آسانی ہے اور ادائے دین کے دائرہ میں وسعت، اس کی صحت تو اس سبب سے ہے کہ پرانے روپوں کا جب بعینہٖ ایسا ہی چلن تھا جیسے اشرفی اور قرش کا، تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین اسی تفصیل سے ٹھہرا اور دین کا حاصل اس طرف پھیرے گا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے کسی نوع میں سے ہو، پرانے روپے ہوں یا قرش یا اشرفی جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے جب کہ مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو، تو جب پرانوں کا چلن بند کردیا گیا اور نئے چلنے لگے اور قرش اور اشرفی کا بھاؤ اس مقدار پر کہ اوپر مذکور ہوئی اتر گیا دین بھی اتنا ہی اتر جائے گا اور اس میں دائرہ کی وسعت اور پوری آسانی ہے اس لئے کہ مدیون جس نوعیت پر قدرت پائیگا اس میں سے ادا کریگا، بخلاف دوسرے فتوٰی کے، اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں ہوتی اور نہ اسے ملتی ہے، اور کبھی کل دین یا باقی اتنا نہیں ہوتا کہ اشرفی کے مقدار کو پہنچے تو ادا دشوار

[1] حاشیۃ الدرر لعبدالحلیم

ان الاثمان الرائجة فی زمن العقد سوی العتیقة باقیة علی رواجها ولیس فیها کساد ولا منع سوی الترخیص بالنسبة الی الجیدة فمن این التکلیف للمدیون باداء الدین بالدینار فقط فظهر ان ماافتی به اولا صحیح علی وجه الیسر لا عسر فیه نعم لو سلم وجدان الربا اما حقیقة او حکما فی الاداء بالجدیدة او بالقرش بان لا مساواة بینهما وزنا اولا یعلم فانه یدفع بضم نحو فلس الی الجدیدة او القرش کما لایخفی[1] اھ ملخصًا، والمسئلة مذکورة فی الدر وغیرہ واختار العلائی ماافتی به سعدی افندی و هو الالزام بالذهب ومال ابن عابدین الٰی نحو ماماال الیه عبدالحلیم وحاصله اولامنع ان اللازم علی ذمة المدیون عین العتیقة حتی یکون الاداء بالجدیدة او القرش مع عدم مساواتها للعتیقة وزنًا ربا بل الازم تلك المالیة المقدرة بای الثلثة شاء فاذا کسد منها واحد جاز الاداء عن احد الباقین	ہوگی حالانکہ جو ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپیوں کے سوا بدستور رائج ہیں ان کا نہ چلن گھٹا نہ منع کیا گیا سوا اس کے کہ نئے روپیوں سے ان کا بھاؤ سستا ہوگیا تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دین ادا کرے تو ظاہر ہوا کہ وہ جو پہلا فتوٰی تھا صحیح اور آسان ہے اس میں کچھ دشواری نہیں، ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً ربا ہے یا حکمًا یوں کہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں تو وہ یوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلًا ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں انتہی ملخصًا، اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے اور صاحب درمختار نے اسی کو اختیار کیا جو سعدی آفندی کا فتوٰی ہے کہ مدیون پر سونے ہی سے ادا کرنا واجب ہے اور علامہ شامی نے اس طرف میل کیا جس طرف شیخ عبدالحلیم کی رائے جھکی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہی نہیں مانتے کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا واجب تھے تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنا جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہوں ربا ٹھہرے بلکہ اتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تینوں سکوں میں سے جس سے چاہے کرلے تو جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے

[1] حاشیة الدرر لعبدالحلیم

قلت وبه ظهر ان تعبیر هم بتنزیل ثلث الدین مسامحة نظرا الیٰ ظاہر التغیر فی عدد الدراہم حیث یعطی من الجدیدة ثمانین مکان مائة وعشرین والافلا تنزیل فی المالیة اصلا و ثانیا ان سلم لزوم العتیقة عینا فیدفع بضم نحو فلس الی الجدیدة اوالقرش وقد افتی هو به الناس و جعله یسرا تاما من دون عسر اتاما من دون عسر وای یسر بعد حصول کراهة التحریم فاذن لا محید عما ذکرنا وبالله التوفیق وبالجملة ماکانت امثال هذه الشبهات لتذکر و تسطر لو لا ما فی جوابها من فوائد تظهر و تزهر، **اقول**:وبه تبین والحمدلله ان لیس فیه اعنی فی بیع دینار بدرهم بل فلس فضلا عن بیع نوط عشرة باثنٰی عشر شبهة ربا ایضا فضلا عن الربا خلافا لما زعم اللکنوی اذ الشبهة فی المحرمات ملحقة بالیقین کما نص علیه فی الهدایة وغیرها فلو کانت لو جبت الحرمة فضلا عن کراهة التحریم وقد قامت الادلة ان لا کراهة تحریم ههنا فضلا عن الحرمة فظهر ان لاربا و لاشبهة هذا و انما جل

چاہے ادا کردے **اقول**: یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان کا یہ فرمانا کہ تہائی دین اتار دیا جائے مسامحہ ہے روپیوں کی گنتی می جو ظاہر تغیر ہوا اس پر نظر فرما کر ایسا کہا کہ ایک سو بیس کی جگہ نئے اسی دے گا ورنہ مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا، دوسرے یہ کہ اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے تو سودیوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپیوں یا قرش کے ساتھ مثلاً! ایک پیسہ ملا کر دے اور فاضل عبدالحلیم نے لوگوں کو اس کا فتوٰی دیا اور اسے پوری آسانی بلا دشواری بتایا اور کراہت تحریم ہونے کے بعد کون سی آسانی ہے تو وہ معنی جو ہم نے ذکر کئے ان سے مفر نہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے بالجملہ ایسے شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ ان کے جوابوں سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے، **اقول**: الحمدللہ اس تقریر سے روشن ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسہ کو بیچنے میں ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہیں برخلاف اس کے جو لکھنوی نے زعم کیا اس لئے کہ حرام چیزوں میں شبہہ بھی حکم یقین میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں منصوص ہے تو اگر یہاں شبہہ ہوتا تو حرمت واجب ہوتی چہ جائے کراہت تحریم، اور دلائل قائم ہوچکے کہ یہاں کراہت تحریم بھی نہیں چہ جائے حرمت، توظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ، یہ تو لیجئے اور آگے سنئے

ان منع کرنے والے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ	مایتشبث بہ ھذاالمانع ان النوط عــہ

عــــہ: بل زعم ذاك اللكنوی ان من باع نوطا معلما برقم مائة مثلا فانما یرید بیع مائة ربیة واخذ بدلها لا بدل النوط، **اقول: اولا** لوکان الامر کما زعمت لماصح بیع النوط بالربابی اصلا لانه اذن بیع مائة درهم افرنجی بمائة درهم افرنجی وهی لاتتفاوت فیما بینهما بشیئ فکان الاستبدال عبثا والشرع لا یشرع العبث فی الاشباه العقود تعتمد صحتها الفائدة فما لم یفد لم یصح فلا یصح بیع درهم بدرهم اذا تساویا وزنا و صفة کما فی الذخیرة [1] اھ **وثانیًا** قم یوما عن اریکتك واذهب الی البیاعین فاذا رأیت زیدا باع نوطا من عمرو فاسأله هل قلت له بعتك مائة ربیة فسیقول لا وانما قلت بعتك هذا النوط .فاسأله هل اردت ان تستبدل مائة ربیة لك بمائة ربیة لعمرو فسیقول لا وانما اردت استبدال

عــــہ: بلکہ اس مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپے بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے، **اقول**: (میں کہتا ہوں) **اولًا**: اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپیوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلًا جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو روپے انگریزی سو روپے انگریزی کو بیچنا ہوا اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے تو یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہوا اور شرع عبث کو مشروع نہیں فرماتی، اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہو جو محض بے فائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں تو ایک روپیہ ایک روپے کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن وحالت میں برابر ہوں جیسا کہ ذخیرہ میں ہے انتہی، **ثانیًا**: مولوی صاحب ذرا اپنی مسند سے اٹھ کر کسی دن بازار جائیے جب دیکھئے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پوچھئے کیا تو نے اس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے وہ ابھی ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا، اب اس سے پوچھئے کیا تو نے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپیوں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲۵

مغرق فی الربابی کانه هی من دون فرق	روپوں میں غرق ہے گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اور کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نوطی بربابیة فاسأله هل اخذت ثمن ربابیك فیسقول لابل ثمن نوطی فاسأله هل تنقد له مائة ربیة من کیسك فسیقول لابل اعطیه نوطی فعند ذلك یتمیز لك النهار من اللیل، **وثالثا:** لیتك تعرف المبیع من المعدوم فان البائع ربما لاتکون عنده الربابی بل ولاربیة واحدة وبیع المعدوم باطل وقد نهی عنه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، **ورابعًا:** من احتاج الی النوط لیر سله فی البوسطة فان ارساله فیها ایسر واقل مصروفا فباعه زید نوطه ثم اراده ان یعطیه مائة ربیة لایقبله المشتری ویقول انما اشتریت منك النوط وقد کانت الربابی عندی فماکان یحوجنی الٰی شرائها منك وعند ذلك تعرف

بدلے، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ اپنا نوٹ اس کے روپیوں سے بدلنا چاہا، اب اس سے پوچھئے کیا تو نے اپنے روپیوں کی قیمت لی وہ ابھی جواب دیگا نہ، بلکہ اپنے نوٹ کی۔ اب اس سے پوچھئے کیا تو اپنی تھیلی میں سے سو روپے اسے دے گا، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ بلکہ اسے اپنا نوٹ دوں گا اس وقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے، **ثالثًا:** کاش آپ کو مبیع و معدوم کا فرق معلوم ہوتا اس لئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک نہیں ہوتا تو اگر اسے سو روپے بیچنا مقصود ہوتے تو معدوم کی بیع کر رہا ہے، اور معدوم کی بیع باطل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ **رابعًا:** جسے ڈاک میں بھیجنے سے آسان بھی ہے اور خرچ بھی کم ہے اس کے ہاتھ جبکہ زید نوٹ بیچے اور پھر نوٹ نہ دے بلکہ اس کی جگہ سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہر گز نہ لے گا اور اس سے کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود میرے پاس موجود تھے مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت تھی اس وقت آپ کو معلوم (باقی اگلے صفحہ پر)

ولذا لایفرقون بینهما فی الاخذ والاعطاء	فرق نہیں اسی واسطے لوگ معاملات میں روپے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان نسبة ذٰلك القصد الیهم فریة علیهم، **وخامسًا**: بائع النوط اذا قبض دراہم الثمن واراد ردها یعد هذا عندهم اقالة البیع لاتسلیما للمبدل وهذا كله واضح جلی علی من یعرف الشمال من الیمین فسبحٰن الله من مبیع لم یعقد علیه ولا قصد الیه ولا نقد منه بل ان نقد لم یقبل ولم یعد نقد المبدل بل ربما لایكون عند من باع فهل سمعت بمثله مبیعا فی الدنیا ولا عقد ولا نقد ولا قصد ولا وجد ولكن قلة الفهم و التدبر یأتی بعجائب نسأل الله العفو والعافیة، وبه علم بطلان ماقصد به التفرقة بین الفلوس و النوط بان من اشتری شیئا بربیة او استقرض ربیة واراد ان یعطی بدلها فلوس ربیة فالدائن والبائع بالخیار فی قبولها و

ہو جائیگا کہ نوٹ بیچنے میں ان کا یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں ان پر افتراء ہے۔ **خامسًا**: نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لے کر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ ان کے نزدیک بیع کا فسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن وظاہر ہیں جسے دہنے بائیں میں تمیز ہو تو سبحان اللہ وہ سو روپے جو بیچنے ٹھہرائے عجب مبیع ہیں کہ نہ ان پر خرید و فروخت کا لفظ واقع ہو، نہ ان کے لینے دینے کا ارادہ ہوا، نہ بائع نے وہ دئے بلکہ وہ دے تو خریدار لے نہیں اور مبیع کا دینا نہ ٹھہرے بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں تو دنیا میں ایسی کوئی مبیع سنی ہے کہ بک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود، مگر ہے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت مانگتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر ایک روپیہ کے عوض کوئی چیز خریدے یا روپیہ کسی سے قرض لے اور بوقت ادا پیسے ایک روپیہ کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے لے یا (باقی اگلے صفحہ پر)

فی المعاملات فاذن کانها عشر ربابی بیعت باثنی عشرة ربیة وھو ربا قطعا فهذاان لم یکن ربا فبشبهه یلتحق به ویحرم۔**اقول:**وبالله التوفیق ھذا اردء واخنع ولا غرو اذ القوس فی ید غیر باریها قد علم کل من ترعرع عن الصبا ولو قلیلا ان الاثمان الاصطلاحیة انما تقدر بالحقیقة بل النقود کلها لها تقدیر بالدراھم دنانیر کانت او غیرہا ولا بدلها من نسبة الی الربابی فجنیه بخمسة عشر وقطعة صغیرة بثمن ربیة واخری بالربع واخری بالنصف و ست عشر انة بربیة و النوط الفلان بعشرة والفلان بمائة ھکذا واذا استوت رواجا ومالیة فاھل العرف لایفرقون	اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے تو گویا وہ یوں ہوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے اور وہ بلاشک ربا ہے تو یہ اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہو کر حرام ہوجائے گا۔**اقول:**وبالله التوفیق(میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت) یہ شبہہ تو اور بھی ردی اور بھونڈا ہے مگر کوئی تعجب نہیں کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں کے لئے روپیوں سے اندازہ ہے خواہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انہیں کچھ نہ کچھ روپیوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک ساورن پندرہ روپے کی اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی اور اٹھنی آدھا اور ایک روپے کے سولہ آنے اور فلاں نوٹ دس روپے کا فلاں سو کا، وعلٰی ھذا القیاس، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لا یجبرہ علیه القاضی بخلاف النوط و من این له ادعاء ھذا ومن قال به وسیأتیك و تحقیق الامر بعد اسطر و بالله التوفیق اھ منه۔

نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہوسکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے، اور یہ ادعا انہوں نے کہاں سے نکالا اور کون اس کا قائل ہے اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر میں جو حق ہے اس کا بیان آتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

بینها فی الاخذ والاعطاء فی معاملاتهم فمن شری ثوبا بجنية افرنجی وادی خمس عشر ربية او بالعکس لا یعد هذا تبدیلا ولا تحویلا ولا ینکره البائع ولا غیره وکذا القطعة الصغیرة وثمانية فلوسا افرنجية لا یفرقون بینهما فی اخذ ولااعطاء وکذا ربع الربية وستة عشر فلسا ومن اشتری شیئا بنصف ربية، فاما ان یودی النصف بعینه اوربیع ربية او رابعة اثمانه او ربع وثمنین او ربعا وثمنا و ثمانية فلوس او ثلثة اثمان وثمانية فلوس او ربعا وستة عشر فلسا او ثمنا واربع وعشرین فلسا اوالکل بالفلوس اثنین و ثلثین فلسا الصور ^ع^ التسع جمیعا سواء عندهم و لا یفرقون بینها اصلا لاستوائها جمیعا فی المالية و الرواج ولیس هذا فی العرف فقط بل الشرع ایضا خیر المشتری ان یؤدی ایها شاء ولو امتنع البائع من قبول بعضها و اراد الزام المشتری باحد الوجوه کان تعنتا منه ولم یقبل، قال ابن عابدین	ان کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے تو جو کوئی کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور دے پندرہ روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیل کہے گا نہ قرارداد کا پھیرنا اور نہ اس سے بائع انکار کرے گا نہ کوئی اور، یونہی دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی ان کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا، یونہی چونی اور سولہ پیسے اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کو خریدی وہ یا تو خود اٹھنی دے یا دو[۲] چونیاں یا چار دوانیاں یا ایک چوانی اور دو دوانیاں یا ایک چوانی اور ایک دوانی اور آٹھ پیسے یا ایک چوانی اور سولہ پیسے یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس[۳۲] پیسے، یہ نوکی نو صورتیں سب ان کے نزدیک برابر ہیں اور ان میں اصلاً فرق نہیں کرتے اس لئے کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہیں اور یہ کچھ عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اختیار دیا کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے ادا کرے اور اگر بیچنے والا ان میں سے کسی صورت کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے بیجاہٹ ہوگی اور مانی نہ جائے گی۔ تنویر الابصار میں جو

^ع^: والان اذقد راج تفریق جدید یسمی اٰنة صح اداء نصف ربية بستة وثلثین وجها والکل سواء کما لا یخفی اھ منه۔

^ع^: اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی ہے جسے اکنی کہتے ہیں تو اٹھنی کے دام چھتیس طرح ادا ہوسکتے ہیں اور سب برابر ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۱۲ منہ۔

تحت قول المتن ینصرف مطلقه (ای مطلق الثمن) الی غالب نقد البلد وان اختلف النقود مالیة فسد العقد مع الاستواء فی رواجها[1] مانصه اما اذا اختلف رواجا مع اختلاف مالیتها او بدونه فیصح وینصرف الی الاروج وکذا یصح لو استوت مالیة ورواجا لکن یخیر المشتری بین ان یؤدی ایهما شاء، ومثل فی الهدایة مسئلة الاستواء فی المالیة والرواج بالثنائی و الثلاثی واعترضه الشراح بان مالیة الثلثة اکثر من الاثنین واجاب فی البحر بان المراد بالثنائی ما قطعتان منه بدرهم وبالثلاثی ماثلثة منه بدرهم، قلت وحاصله انه اذا اشتری بدرهم فله دفع درهم کامل او درهم مکسر قطعتین او ثلثة حیث تساوی الکل فی المالیة والرواج، ومثله فی زماننا الذهب یکون کاملا ونصفین واربعة ارباع وکلها سواء فی المالیة والرواج ومنه یعلم حکم ماتعورف فی زماننا	فرمایا کہ مطلق ثمن شہر کے اس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا چلن زیادہ ہو اور اگر وہ سکے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائیگا اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن ایک سا نہ ہو مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد صحیح رہے گا اور جس کا چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہریگا یونہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں جب بھی عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے، اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی اور شارحوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے، اور بحر الرائق میں جواب دیا کہ ثنائی سے وہ مراد ہے جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں، اور ثلاثی وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں، میں کہتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کو خریدی تو چاہے ایک روپیہ پورا دے چاہے دو اٹھنیاں چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں۔ اسی طرح اشرفی ہمارے زمانے میں پوری اور دو نصف اور چار پاؤلی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں، اور اسی سے معلوم ہوگیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے زمانے میں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷

من الشراء بالقروش فان القرش فی الاصل قطعة مضروبة من الفضة تقوم باربعین قطعة من القطع المصریة المسماة فی مصر نصفا ثم ان انواع العلمة المضروبة فی امر تقوم بالقروش فمنها مایساوی عشرة قروش ومنها اقل ومنها اکثر فاذا اشتری بمائة قرش فالعادة انه یدفع ماارادامامن القروش اومما یساویها من بقیة انواع العلمة من ریال اوذهب ولا یفهم احدان الشراء وقع بنفس القطعة المسماة قرشًا بل ھی او مایساویها من انواع العملة متساویة فی الرواج المختلفة فی المالیة ولا یردان صورة الاختلاف فی المالیة مع التساوی فی الرواج ھی صورة الفساد لانه هنالم یحصل اختلاف مالیة الثمن حیث قدر بالقروش و انما یحصل الاختلاف اذالم یقدربها کمالو اشتری بمائة ذهب وکان الذهب انواعا کلها رائجة مع اختلاف مالیتها فقدصار التقدیر بالقروش فی حکم ما اذا استوت فی المالیة والرواج وقد مران المشتری یخیر فی دفع ایهما شاء۔ قال فی البحر فلو طلب البائع احدهما للمشتری دفع غیره لان امتناع	شائع کی ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے لئے سب کی قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے تو ان میں کوئی دس قرش کا کوئی کم کا کوئی زیادہ کا، تو جب کوئی چیز سو قرش کو خریدی تو عادت یہ ہے کہ وہ جو چاہے دے خواہ قرش ہی دے دیا اور سکے جو مالیت میں اس کے برابر ہوں ریال یا گنی، اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے پر واقع ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے بلکہ قرش یا اور سکوں سے جو مالیت سے مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اتنا کہ اس کی مالیت کے برابر ہو جائیں اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد عقد کی صورت ہے اسلئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا جب کہ اسکا اندازہ قرشوں سے کیا گیا، ہاں اختلاف جب ہوتا کہ ان سے اندازہ نہ کرتے جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں، چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف، اور جب قرشوں سے اندازہ کرلیا یہ ایسا ہوگیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں، اور اوپر گزر چکا کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جو چاہے دے۔ بحرالرائق میں فرمایا اگر بائع ان میں سے ایک سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے اس لئے کہ جو

البائع من قبول مادفعه المشتری ولا فضل تعنت[1] اھ(ملخصًا)وھذا کله واضح جلی وای تسویة وعدم تفرقة اعظم من ان یشتری المشتری بالقروش ثم یخیران یؤدی منها او من الریا ل او من الذھب الکامل اومن التفاریق وان لم یقبل البائع کان متعنتا ومع ھذا لا یتوھم عاقل ان القروش والریال والجنیة والتفاریق کلها صارت جنسا واحدالایحل فیها التفاضل اوان بعضها مغرق فی بعض کانه ھو من دون فرق فالتفاضل ان لم یکن ربا فبشبھه یلحق به ویحرم مع نصھم قاطبة اجمعین ان عند اختلاف الجنس یحل التفاضل بل مع قول رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[2]،وقد قدمنا تحقیق مسئلة دینار بدرھم وان لیس ربا و لاشبھة ربا بمالا مزید علیه فاذاکان ھذا فی القروش والریال

مشتری دے رہا ہے اس کے لینے سے بائع کا انکار بے جاہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت نہیں انتہی۔اور یہ سب ظاہر روشن باتیں ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے کہ مشتری خریدے تو قرشوں کو، پھر اسے اختیار دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے سونے کا پورا سکہ یا اس کی ریزگاری، اور بائع نہ مانے تو بے جاہٹ ٹھہرے، بایں ہمہ کوئی یہ وہم نہیں کرسکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور ریزگاری سب کے سب ایک جنس ہوگئے ان میں سے ایک دوسرے کو بیچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو یا ان میں ایک دوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہٖ بلافرق دونوں ایک ہیں تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہو کر حرام ہوجائے حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح فرمارہے ہیں کہ اختلاف جنس کے وقت کمی بیشی جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب نوعیں بدلیں تو جیسے چاہو بیچو،اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق کہ ایک روپے کو ایک اشرفی میں بیچنے میں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ، اوپر اس طرح بیان کی جس سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۶

[2] نصب الرایة لاحادیث الھدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیه،ریاض ۴ /۴

والجنية والتفاريق مع ان كلها اثمان خلقية وكلها تشملها احدى علتى الربا وهو الوزن فما ظنك بالنوط مع الربا بى مع ان النوط ليس الا ثمنا مصطلحا ولا تقدير ماليته الا بالاصطلاح الغير اللازم على العاقدين ولا يشمله شيئ من علة الربا لا الجنس ولا القدر فالحكم ھٰھنا لايتأتى الامن احد ثلثة رفع عنهم القلم صبى ونائم ومجنون،نسأل الله العفو و العافية هو تحقيق الجواب فى هذا الباب وارجو ان لا عطر بعد عروس ولكن ياهذا ان ابيت الاماا تيت من ان النوط مغرق فى الربا بى كانه هى فانا اسئلك أبهذاالاغراق وعدم الافتراق صارالنوط حقيقة دراهم فضة او حكما بان اجرى الشرع فى مبادلته بالدراهم ماهو حكم مبادلة الدراهم بالدراهم كما قلت كانها عشر ربابى بيعت باثنى عشر اولا ولا،على الثالث ماهذه الشقاشق الفارغة عن منشاء و معنى وعلى الاولين يعود الرباعليك انت اذا بعت نوط عشرة بعشرة وذٰلك لان حكم الدراهم بالدراهم لم يكن فى الشرع التساوى فى	اور اشرفی اور ریزگاری میں ہوا حالانکہ وہ سب کے سب خلقۃً ثمن ہیں اور ان سب میں ربا کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے تو روپیوں کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے اور اس کا مالیت کا اندازہ بھی ایک اصطلاح ہے جس کی پابندی بائع مشتری پر لازم نہیں اور اس میں ربا کی دو علتوں میں سے کوئی نہیں، نہ جنس نہ قدر، تو یہاں ناجوازی کا حکم تین ہی شخصوں میں سے کوئی کرسکے گا جن پر سے قلم شرع اٹھالیا گیا ہے، بچہ اور سوتا اور دیوانہ۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں، اس باب میں یہی تحقیق جواب ہے اور امید کرتا ہوں کہ دولھا کے بعد عطر نہیں ولیکن اے شخص! اگر تو کچھ نہ مانے سوا اپنی اسی بات کے کہ نوٹ روپیوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا وہ روپے کا عین ہے تو اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہوا یا حکمًا بایں معنی کہ روپیوں سے نوٹ کی بیع میں شرع نے وہی حکم جاری فرمایا جو روپیوں سے روپیوں کی بیع میں ہے جیسا کہ تونے کہا تھا کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے گئے یا حقیقۃً یا حکمًا کسی طرح نہیں، تیسری تقدیر پر یہ کیا بے منشا و معنی لفاظیاں ہیں اور پہلی دونوں صورتوں میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا جب کہ دس کا نوٹ دس کو بیچے اس لئے کہ روپیوں سے روپے کی بیع میں شرع کا حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں

المالية لاجماع الامة ان الجيد والردی ھٰھنا سواء وانما کان الحکم التساوی فی القدر فیجب علیك ان تضع النوط فی کفة والفضة من تفریق درھم اوغیرہ فی الکفة الاخری فلا تبیعه الابما ساواہ وزنا ولایکون ذٰلك الاقطعة صغیرة او قطعتین فان زدت علیه شیئا فقد اکلت الربا واحللت الربا وان زعمت ان الحکم الساری الی النوط من الربابی لاجل ھذا الاغراق وعدم الافتراق ھو التساوی فی المالیة فھذا جھل منك عظیم یساوی ھزلا ویتساوك ھزلا فان التسویة فی المالیة لم یکن حکم الربابی نفسھا فکیف یسری منھا الی شبھھا مالیس فیھا علا ان النوط ان اتحد مع الربابی حقیقة او حکما لایتحد مع الذھب لامتناع الاتحاد بین نوعین متباینین فاذن ان بیع نوط عشرة باثنی عشرة جنیھا لایلزم فیه مالزم ثمه لعدم الاتحاد فی الجنس حقیقة ولا حکمًا فحینئذ یرجع مآل فتواك الی ان من باع نوط عشرة باثنتی عشرة ربیة فھذا حرام لانه حصل فضلا بلا عوض وان باعه باثنی عشر جنیھا فھذا لاحرج علیه لانه لم یحصل فضلا یعتد به

برابر ہوں، تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا برابر ہے بلکہ حکم تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو تو تجھ پر واجب ہے کہ ایک پلہ میں نوٹ رکھے اور دوسرے پلہ میں روپے کی ریزگاری یا اور کوئی چاندی بس اتنے ہی کو اسے بیچے جتنی چاندی وزن میں نوٹ کے برابر ہو اور یہ دوانی یا چوانی بھر سے زائد نہ ہوگی اور اگر اس پر کچھ زیادہ لے تو تو نے سود کھایا اور سود حلال کیا اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی طرف آیا وہ یہ ہے کہ مالیت میں برابر کرلو تو یہ تیرہ بڑا جہل ہے جو ٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور دبلے پن سے لچک لچک ہو رہا ہے کہ مالیت میں برابر کرنا خود روپیوں کا حکم نہ تھا تو روپیوں سے ان کے مشابہ نوٹ کی طرف وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا جو خود ان میں نہیں، علاوہ بریں اگر نوٹ روپیوں کے ساتھ حقیقۃً یا حکمًا متحد ہو بھی جائے تو سونے کے ساتھ متحد نہ ہوگا کہ دو متباین نوعیں متحد نہیں ہوسکتیں تو اس تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفی کو بیچا جائے تو وہ حرج لازم نہ آئے گا جو بارہ روپے سے بیچنے میں تھا کہ یہاں نہ جنس حقیقۃً ایک ہے نہ حکمًا اب تیرے فتوٰی کا انجام یہ ٹھہرے گا کہ دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اسلئے کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی اور اگر بارہ اشرفی کو بیچے تو کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار

فسبحٰن اللہ من ھذہ الفتوی مادقھا نظرا و احقھا رعایة لمقصد الشرع الشریف من تحریم الربا وھو صیانة اموال الناس ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم و بالجملة کلام ھذا لامانع لایرجع الی اصل شرعی ولا برھان وما ھو الاکلمة ھو قائلھا ما انزل اللہ بھا من سلطٰن والحمد للہ وعلیه التکلان وھو المستعان۔	کیا جائے تو سبحان اللہ اس فتوٰی کا کیا کہنا، کس قدر اس کی نظر دقیق ہے اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کے جو مقصد تھا یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اس نے اس کی رعایت کی ہے ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم، خلاصہ یہ ہے کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب، وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری، سب خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد کی طلب۔
واما الثانی عشر	**جواب سوال دوازدہم**
فاقول: نعم یجوز اذا قصدا البیع حقیقة دون القرض و ذلك لان البیع جائز والتفاضل جائز والتاجیل جائز کما حققنا کل ذٰلك وما التنجیم الانوع من التاجیل نعم ان اقرض نوط عشرة و شرط ان یرد المستقرض اثنتی عشرة ربیة او احدی عشرة او عشرة وقطعة مثلا حالا اوما لامنجما او غیر منجم فھذا حرام وربا قطعا لانه قرض جر نفعا وقد قال سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل قرض جر منفعة فھو ربا[1]، رواہ	**فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقةً بیع کا ارادہ کریں نہ کہ قرض کا اس لئے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدت معین پر ادھار جائز، جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے، ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس، اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا، اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔ یہ حدیث

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسة الرسالة بیروت ۶/ ۲۳۸

الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم الله تعالٰی وجهه بخلاف ما اذااقرض ولم یشترط شیئا من الزیادة ولا کانت معهودة من تعاملهما لان المعروف کا لمشروط ثم ان المستقرض اوفاه وزاد من عند نفسه تکرما زیادة ممتازة منحازة کیلا تکون هبة مشاع فیما یقسم فهذا جائز لا بأس به بل هو من باب "هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ۚ" [1] و قد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم للوزان فی ثمن سراویل اشتراها زن وارجح [2] وکذا اذا تقاضاه المقرض فلم یکن عنده النوط اولم یرد رده فوقع الصلح علی اثنتی عشرة ربیة عوضا عن النوط الذی فی ذمته وقبضت الدراهم فی المجلس کیلا یکون افتراقا عن دین بدین فهذا ایضا جائز بالاتفاق ان کان النوط الذی استقرضه مستهلکا وعند الطرفین مطلقا	حارث بن ابی اسامہ نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی بخلاف اس کے جبکہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ان کے اگلے عمل در آمد سے زیادہ لینا معروف تھا (کیونکہ جو معروف ہے وہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کیا اور اپنی طرف سے احسانًا کچھ ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابل تقسیم شے میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے) تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا بدلہ کیا ہے سوا احسان کے۔ اور بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو ایک پاجامہ خریدا (اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی) تو لنے والے سے فرمایا کہ تول اور زیادہ دے، یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا اور قرض خواہ نے اس سے تقاضا کیا اس کے پاس ویسا نوٹ نہ تھا یا اس نے نوٹ دینا نہ چاہا عوض میں روپے دینے چاہے دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی اور اسی جلسے میں روپے ادا کردئے (تاکہ عاقدین یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی جائز ہے پھر اگر وہ نوٹ جو اس نے لیا تھا اس کے پاس نہ رہا جب تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر نوٹ اس کے پاس موجود ہے مگر خاص اس

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

[2] سنن النسائی کتاب البیوع المکتبة السلفیه لاہور ۲/ ۲۱۷، جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۶

وان کان باقیاً عندہ اذالم یورد العقد علیہ،نعم ان کان موجودا واشتراہ بعینہ باثنی عشر او بعشرۃ او بماشاء فھذا باطل لایجوز عندھما خلافا لابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھم لانہ قد ملکہ بالاستقراض فکیف یشتری ملك نفسہ من غیرہ فی وجیز الکردری اذاکان لہ علی اٰخر طعام وفلوس فاشتراہ من علیہ بدراھم وتفرقا قبل قبض الدراھم بطل و ھذا مما یحفظ [1] اھ۔وفی ردالمحتار عن الذخیرۃ اشتری من المقرض الکر الذی لہ علیہ بمائۃ دینار جاز لانہ دین علیہ لابعقد صرف و لاسلم فان کان مستھلکا وقت الشراء فالجواز قول الکل لانہ ملکہ بالاستھلاك وعلیہ مثلہ فی ذمتہ بلا خلاف وان کان قائما فکذلك عندھما وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لایجوز لانہ لایملکہ مالم یستھلکہ فلم یجب مثلہ	نوٹ کو روپوں سے نہ خریدا بلکہ ذمہ پر قرض تھا اسے خریدا تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہٖ اسی کو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہے اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم اسے جائز کہتے ہیں، باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ نوٹ قرض لیا تو قرض لیتے ہی اس کامالک ہوگیا تو خود اپنی مملوک چیز کو دوسرے سے کیونکر خریدے گا،وجیز کردری میں ہے جب اس کا کسی پر غلہ یا پیسے آتے ہوں مدیون نے وہ دین اس سے روپوں کو خرید لیا اور روپوں پر قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو یہ بیع باطل ہو گئی اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا یادرکھنا لازم ہے انتہی،اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے قرض دینے والے کا جو غلہ اس پر آتا تھا وہ اس نے اس سے سو اشرفی کو خرید لیا جائز ہے کہ یہ دین اس پر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم سے، پھر اگر وہ غلہ خریداری کے وقت خرچ ہوچکا تھا جب تو سب کے نزدیک جواز ہے اس لئے کہ وہ خرچ کردینے سے بالاتفاق اس کا مالک ہوگیا اور اس کے ذمہ پر اتنا غلہ واجب رہا اور اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم وامام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہے اور امام ابویوسف کے قول پر چاہئے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۵

فی ذمته فاذا اضاف الشراء الی الکر الذی فی ذمته فقد اضافه الی معدوم فلا یجوز [1] اھ وفیه عنها استقرض من رجل کرا وقبضه ثم اشتری ذٰلك الکر بعینه من المقرض لایجوز علی قولهما لانه مبلکه بنفس القبض فیصیر مشتریا ملك نفسه اما علی قول ابی یوسف فالکر باق علی ملك المقرض فیصیر المستقرض مشتریا ملك غیره فیصح [2] اھ. اما الاحتیال لدفع الربا فقد اسمعناك فیه مایکفی ویشفی وقد تقدم قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی ان العینة جائزة ما جور من عمل بها قال واجره لمکان الفرار من الحرام [3] اھ وتقدم قوله ان الصحابة فعلوا ذٰلك وحمدوه [4] و تقدم قول الخانیة ان مثل هذا	جب تک خرچ نہ کرلے اس کا مالک نہ ہوگا تو اس غلہ کا مثل اس کے ذمہ پر واجب نہیں، اب جو یہ کہا کہ وہ غلہ جو میرے ذمہ ہے میں نے خریدا تو معدوم چیز خریدی للذا ناجائز ہوا انتہی، نیز ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کسی سے ایک پیمانہ غلہ قرض لے کر قبضہ کرلیا پھر بعینہٖ وہی غلہ قرض دینے والے سے خریدا امام اعظم اور امام محمد کے قول پر جائز نہیں کہ وہ تو قبضہ کرتے ہی اس غلہ کا خود مالک ہوگیا تو اب اپنی ملک دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہے، ہاں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر وہ غلہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے تو یوں ہوگا کہ پرائی ملک اس سے خریدی تو صحیح ہوگی انتھی، رہا دفع ربا کے لئے حیلہ کرنا اس میں ہم تجھے وہ کچھ سنا چکے جو کافی وشافی ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گزر چکا کہ عینہ جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا فرمایا اس میں ثواب اس وجہ سے ہے کہ حرام سے بھاگنا ہے انتہی، اور ان کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ اور فتاوٰی قاضی خان کا قول گزرا کہ اس کا مثل

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳
[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳
[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷
[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

مروی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه امر بذٰلك اه[1] فمن بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم واصحابه وفی البحر عن القنیة لاباس بالبیوع التی یفعلها الناس للتحرز عن الربا ثم رقم اٰخر ھی مکروھة ذکر البقالی الکراھة من محمد وعندھما لاباس به قال الزرنجری خلاف محمد فی العقد بعد القرض اما اذا باع ثم دفع الدراہم لابأس بالاتفاق[2] اھ وکذلك حکی الاجماع الامام خواہر زادہ رحمه الله تعالٰی اذا لم یکن البیع مشروطا فی القرض فاذا ثبت عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم تعلیمه وصح عن الصحابة فعله وتمدیحه واجمع ائمتنا علی جوازہ فای محل بقی للارتیاب والله الھادی الصواب، **اقول:** ثم ھذا ایضا فی اجتماع البیع والقرض بان یقرضه دراہم ویبیعه شیئا یسیرا	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے اس کا حکم دیا انتہی، تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد اور کون ہے، اور بحر الرائق میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعین جو لوگ ربا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کچھ حرج نہیں پھر ایک اور عالم کے نام کی رمز لکھی کہ انہوں نے کہا مکروہ ہے، امام بقالی نے ان کی کراہت امام محمد سے روایت کی اور امام اعظم اور امام ابویوسف کے نزدیک ان میں کچھ حرج نہیں، امام شمس الدین زرنجری نے فرمایا امام محمد کے خلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر ایسی بیع کرے اور اگر بیع کردی پھر روپے دئے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہی، اور اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اس کے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگالی ہو، تو جب کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی تعلیم ثابت اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت اور ہمارے اماموں کا اسکے جواز پر اجماع قائم، تو اب شک کی کون سی جگہ باقی رہی اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں یوں کہ اسے کچھ روپے قرض دے اور

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

[2] بحر الرائق کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۲۶

بثمن کثیر فیقبله لحاجة القرض ففی هذا ان تقدم القرض قیل کرہ البیع لانه قرض جر نفعا وان تقدم البیع لم یکن به باس اتفاقا لانه بیع جر قرضا کما افادہ الامام شمس الائمة الحلوانی وبه افتی کما فی ردالمحتار اما مانحن فیه من مسألة النوط فبیع خالص لاقرض فیه اصلا لا بدأ ولا عودا فذا اولی واحری ان یحل بالاتفاق من دون نزاع ولا شقاق وان شئت الزیادة فی امر الحیل فهذا ربنا تبارك وتعالٰی قائلا لعبدہ ایوب علیه الصلٰوة والسلام "خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ"[1] وهذا سیدنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قد علم المخلص من الربا وطریق الوصول الی المرام مع التحرز عن الحرام روی الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال جاء بلال رضی الله تعالٰی عنه الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بتمر برنی	تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اس کے ہاتھ بیچے تو حاجت قرض کے سبب اسے قبول کرے گا تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا اس لئے کہ یہ وہ قرض ہوا جس نے ایک منفعت کھینچی اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا نفع لائی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا اور اسی پر فتوٰی دیا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور وہ مسئلہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے اس میں قرض اصلاً نہیں، نہ ابتدا میں نہ بعد کو، تو اس کا بالاتفاق بلاخلاف و بلا نزاع جائز ہونا زیادہ لائق و مناسب ہے، اور اگر تو مسئلہ حیلہ، میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک وتعالٰی اپنے بندہ ایوب علیہ الصلٰوۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ انہوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود حاصل ہو جائے اور حرام سے محافظت رہے تعلیم فرمایا اسے بخاری و مسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس خرمائے برنی

[1] القرآن الکریم ٣٨/ ٤٤

فقال له صلی الله تعالٰی علیه وسلم من این هذا،قال بلال کان عندنا تمرردی فبعت منه صاعین بصاع فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوه عین الربا عین الربا لا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتربه [1] و ایضا لهما عنه وعن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنهما ان رسول الله صلی اللهتعالٰی علیه وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاء ہ بتمر جنیب فقال له رسول اللهصلی الله تعالٰی علیه وسلم اکل تمر خیبر هکذا قال لا والله یارسول انا لناخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلٰث فقال رسول اللهصلی اللهتعالٰی علیه وسلم لاتفعل بع الجمع بالدراہم ثم ابتع بالدراہم جنیبا [2]۔ **اقول**: اما کراهة من کرہ کمحمد فانما کان کما تقدم عن الفتح والایضاح	لائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لئے، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم نے اس کے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع خریدا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اف خاص ربا ہے خاص ربا ہے ایسانہ کر۔ مگر جب ان کو خریدنا چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس شیئ کے بدلے ان کو خریدو نیز بخاری و مسلم نے ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل صوبہ کرکے بھیجا وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب لے کر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہیں، عرض کی نہیں خدا کی قسم یارسول اللہ! ہم اس میں ایک صاع دو صاع کو، دو صاع تین صاع کو لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ایسانہ کرو اپنے چھوہارے روپیوں سے بیچ کر روپیوں سے یہ چھوہارے خریدلو۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے امام محمد ان کا سمجھنا تو صرف اس بناپر تھا جیسا کہ فتح القدیر و

[1] صحیح البخاری کتاب الوکالة باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۱، صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا ارادبیع تمر بتمر خیر منه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۳، صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶

والمحیط کی لایألفه الناس فیقعوا فی المحظور وفی زماننا قد انعکست الامور وفشا الربا فی اهل الهند جهارا لایستحیون منه کانهم لایعد ونه عیبا ولا عارا فمن نزلهم عن هذا البلاء العظیم والکبیرة الشدیدة الی بعض هذا الحیل الجائزة کبیع نوط عشرة باثنتی عشرة منجما وغیر ذٰلك مما تقدم عن الامام فقیه النفس فلا شك انه ناصح للمسلمین و ما الدین الاالنصح لکل مسلم وهم ان جاهر و ابا لمعاصی فالا سلام باق بعد ولله الحمد، فاذاسمعوا ما یصلون به المرام مع النجاة عن الحرام فما لهم ان لایتوبوا فانهم غیر معاندین للشرع والاسلام، و قد قال مشایخ بلخ منهم محمد بن سلمة للتجار ان العینة التی جاءت فی الحدیث خیر من بیاعاتکم قال المحقق حیث اطلق وهو صحیح فلا شك ان البیع الفاسد بحکم الغصب المحرم فاین هو من بیع العینة الصحیح المختلف فی کراهته [1] اھ اما زعم الزاعم انه ان لم ینه عنه فما الفرق بینه وبین الربا مع حصول الفضل	الایضاح و محیط سے گزرا کہ لوگ اس کے خوگر ہو کر ناجائز بات میں نہ پڑیں اور ہمارے زمانے میں معاملہ الٹا ہوگیا اور ہندوستان میں سود علانیہ شائع ہوگیا کہ اس سے شرماتے نہیں، گویا وہ ان کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ عار، توجوان کو اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے ان جائز حیلوں میں کسی کی طرف اتار لائے جیسے دس کا نوٹ قسط بندی کرکے بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس قاضی خاں سے گزرے تو کچھ شبہہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور دین نام نہیں مگر ہر مسلمان کی خیر خواہی کا، اور لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کررہے ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے وللہ الحمد، توجب وہ ایسی بات سنیں جس سے اپنی مراد پائیں اور حرام سے بچیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں کہ ان کو شریعت اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں اور بیشک مشایخ بلخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے فرمایا وہ عینہ جس کا ذکر حدیث میں ہے تمہاری ان بیعوں سے بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا یہ ٹھیک بات ہے اس لئے کہ بلاشبہہ بیع فاسد غصب حرام کے حکم میں ہے تو کہاں وہ اور کہاں بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اس کی کراہت میں بھی اختلاف انتہی رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ ہو تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

فیهما **اقول**:هذا اعتراض اوردہ المشرکون وقد تکفل الجواب عنه ربنا تبارك وتعالٰی فی القراٰن العظیم، "قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[1]، الم یر المعترض انا انما احللنا الربح فی بیع جنسین متخالفین فان حرم هٰذا لانسد باب البیاعات ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰه العلی العظیم انتهی الجواب بتوفیق الوهاب والحمدللّٰه اولًا واٰخرًا وباطنًا و ظاهرًا وسمیته "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم ۱۳۲۴ھ" لیکون العلم علما علی عام التالیف، وقد ابتدأ فیه العبد الضعیف یوم السبت ثم عاودتنی الحمی یوم الاحد فانهیته ضحی یوم الاثنین لسبع بقین من المحرم الحرام ۱۳۲۴ھ وذٰلك فی بلد اللّٰه الحرام باقتراح الفاضل الصفی الوفی امام المقام الحنفی مولانا الشیخ عبداللّٰه بن شیخ الخطباء و سید الائمة العظماء العالم العامل الفاضل الکامل الزاهد الورع التقی النقی مجمع الفضائل و منبع الفواضل حضرۃ الشیخ احمد ابی الخیر حفظهما اللّٰه تعالٰی عن	دونوں میں حاصل ہوئی۔**اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب العزۃ تبارک و تعالٰی نے قرآن عظیم میں اس کا جواب دیا،کافر بولے بیع بھی تو ایسے ہی ہے جیسے ربا،اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود، کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا جہاں دو جنسوں کی بیع ہو تو اگر یہ حرام ہو تو خرید و فروخت کا دروازہ ہی بند ہو جائے **ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰه العلی العظیم**،وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں وعیاں، اور میں نے اس کا نام "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" رکھا تاکہ نام سال تصنیف کی علامت ہو اور بندہ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن بخار عود کرآیا تو پیر کے دن پہروں چڑھے میں نے اسے تمام کیا، محرم شریف کی تیئیس تاریخ ۱۳۲۴ھ اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے (مکہ معظّمہ) میں ہوئی ان کی خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی کے امام ہیں مولانا شیخ عبداللہ ان کے صاحبزادہ جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں یعنی عالم باعمل، فاضل کامل، زاہد، متورع، متقی، پاکیزہ، مجمع فضائل و منبع فواضل حضرت شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالٰی ہر ضرر سے ان دونوں کا نگہبان ہو

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کل ضیر ورزقھما من کل خیر و غفرلنا ذنوبنا وستر عیوبنا وخفف اثقالنا وحقق اٰمالنا ورزقنا العود بعد العود الیٰ ھذا البیت الکریم وبیت الحبیب الرؤف الرحیم علیہ وعلیٰ اٰلہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم بقبولہ ورضاہ حتی یجعل اٰخر ذٰلك موتنا علی الایمان فی المدینۃ المنورۃ والدفن بالبقیع والفوز بشفاعۃ الشفیع الرفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وبارك وکرم اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین۔ کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	اور ہر بھلائی سے ان کو حصہ دے اور ہمارے گناہ بخشے اور ہماری عیب چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری کرے اور ہمیں بار بار اس عزت والے گھر اور مزار نبی رؤف رحیم علی آلہٖ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کی طرف اپنے قبول ورضا کے ساتھ عَود کرنا نصیب فرمائے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے، اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام بھیجے اور ان کی آل واصحاب پر اور اپنی برکت وتکریم ان پر اتارے، آمین، والحمد للہ رب العالمین۔ کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

فتوٰی حامی سنت ماحی بدعت جناب مولٰنا مولوی شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمہ اللہ

مسئلہ ۲۱۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ جوآج کل رائج ہے ان کاخرید وفروخت زیادہ وکم پر جائز ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ھو الملھم للصواب

خرید وفروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے اس واسطے کہ حکام نے اس کو مال قرار دیا ہے اور جو شیئ کہ اصطلاح قوم میں مال قرار دی جائے خواہ فی اصلہ اس میں ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اس میں ثابت ہو جاتی ہے اور کم اور بیش پر اس کی

خرید وفروخت جائز ہے۔

قال فی الھدایۃ ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وقال محمد لا یجوز لان الثمنیۃ تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحھما واذا بقیت اثمانا لاتتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانھما وکبیع الدرہم بالدرھمین ولھما ان الثمنیۃ فی حقھما تثبت باصطلاحھما واذا بطلت الثمنیۃ تتعین بالتعین [1] اھ۔	ہدایہ میں فرمایا اور ایک پیسہ کی دو معین پیسوں سے امام اعظم ابوحنیفہ اورامام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بیع جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا جائز نہیں اس لئے کہ ان کی ثمنیت تمام لوگوں کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی، اور جب یہ ثمنیت تمام لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوئی تو ان دو بیع کرنے والوں کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی، اور جب یہ ثمنیت پر باقی ہیں تو متعین نہ ہوسکیں گے تو ایسے ہوئے جیسے غیر معین چیز ہو، اور ایک درہم کی بیع دو درہموں کے بدلے ہو، اور امام اعظم اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل یہ ہے کہ دنوں کی ثمنیت ان خرید و فروخت کرنے والوں کی اصطلاح سے ہوگی کیونکہ غیر کو ان پر ولایت نہیں تو ان کی اصطلاح سے باطل ہوجائے گی توجب ثمنیت جاتی رہی تو اب متعین کرنے سے متعین ہوجائیں گے اھ (ت)

پس جبکہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے مالیت ثابت ہوئی تو اس کا بھی خرید وفروخت ساتھ کمی اور بیشی کے جائز ہے۔

فی ردالمحتار فی باب العینۃ حتی لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ [2] انتھی۔	ردالمحتار کے باب العینہ میں ہے کہ، حتی اگر کاغذ کو ہزار روپے سے فروخت کرے جائز ہے اور کراہت نہیں ہے، انتھی۔ (ت)

واللہ اعلم وعلمہ اتم، العبد المجیب محمد ریاست علی [محمد ریاست علی خاں]

الجواب صواب	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صواب
احمدی	محمد اعجاز حسین	کتبہ	محمد حسن
محمد ارشاد حسین حامد		حسین عفی عنہ	

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۳

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۹

البتہ بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط
العبد محمد عبدالقادر عفی عنہ

بلاشبہہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے
اور بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط
العبد ابوالقاسم محمد مزمل عفی عنہ

حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے۔
العبد محمد عنایت اللہ عفی عنہ

الجواب ھو الجواب
(محمد نظر علی)

الجواب صواب

محمد عبدالجلیل بن محمد عبدالحق خان

رسالہ

کَاسِرُ السَّفِیْہِ الْوَاھِمْ فِیْ اَبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِمْ ۱۳۲۹ھ

(کاغذی نوٹ کے بدلنے سے متعلق بیوقوف وہمی کو شکست دینے والا)

کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی

اَلذَّیْلُ الْمَنُوْطِ لِرِسَالَۃِ النُّوْط ۱۳۲۹ھ

(رسالہ نوٹ کا معلق دامن)

مسئلہ ۲۱۹:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحمدللہ رسالہ مبارکہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ۱۳۲۴ھ نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی۔ یہ رسالہ مکہ معظّمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استفتاء پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا اس وقت تک رقم سے کم، زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحٔ صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا ان کا فتوٰی اگرچہ وہاں موجود نہ تھا مگر اس کا مضمون ذہن میں تھا بفضلہٖ تعالٰی گیارہویں مسئلہ میں اس کا وافی وشافی

رد گزرا کہ مصنف کو کافی اور اوہام کا نافی ہے **وللہ الحمد**، یہ معلوم بھی نہ تھا کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم و بیش در کنار برابر کو بھی اس کی خرید و فروخت ناجائز کرچکے ہیں تاہم بالہام الٰہی شروع کتاب میں اس پر بقدر کفایت بحث ہوئی جس نے حق کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور سفاہت سفا گھر تک پہنچائی **والحمد للہ**۔ حاجت نہ تھی کہ اباس وہم یا اس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو لیکن نفع برادران دینی کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کو ذکر کروں اور ان کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے س اس کا پتہ بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال میں آئیں اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام **کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم** ۱۳۲۹ھ رکھوں۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے، اور وہم سے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف۔ اول کے لحاظ سے لفظ ابدال بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہئے کہ ان کو نفس مبادلہ و بیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے اور دوم کے اعتبار سے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغہ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو جائز رکھتے ہیں اور در بارہ کم و بیش وہم ممانعت ہے **ھذا وباللہ التوفیق**۔

ردّ سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوی ص۱۶۹ میں ہے "نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور گر گم ہو جائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہر گز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدیں ان میں زکوۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوۃ ہو گی، اکثر لوگوں کو شبہہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوۃ نہیں دیتے کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں سخت غلطی ہے[1] **فقط**"۔ اور جلد اول ص۷۵ و۷۶ میں ہے: "نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا رباناجائز ہے یہ تفصیل اس کی ہے[2] **فقط**"۔ جناب

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الزکوٰۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص۳۵۶

[2] فتاوٰی رشیدیہ کتاب البیوع محمد سعید اینڈ سنز کراچی ۴۱۸

گنگوہی صاحب نے اول نوٹ کو تمسک بنایا اور آخر میں صرف اس جرم پر کہ وہ کاغذ ہے اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے وہ تو دریا کے پانی، نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے اس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی اس کی خرید و فروخت کو مطلقاً ناجائز ٹھہرایا اگرچہ برابر کو ہو، مگر خود ہی اسی جلد دوم کے ص ۱۳۷ پر فرمانے والے تھے کہ "روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ جو رجسٹری یا بیمہ کرادینا [1]" ۔اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید و فروخت تو میں حرام کرچکا ہوں نوٹ آئیں گے کس گھر سے کہ رجسٹری کراکر مرسل ہوں ناچار ادھر ادھر ٹٹولا حوالہ پر ہاتھ پڑا لہٰذا اس حیلہ حوالہ کی گھڑدی کہ "بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے" [2] یعنی زید نے عمرو سے پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے سے اسے دئے وہ اگرچہ خریدم وفروختم (میں نے خریدا اور میں نے بیچا۔ت) کہہ رہے ہیں مگر زبردستی ان کے سر یہ منڈھو کہ نہ بیچا نہ مول لیا نہ قیمت دی بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیے اور عمرو جو گورنمنٹی خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا ہو بھی قرض کا لین دین تھا، ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی اور اس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اس کے ہاتھ میں تھمادیا تھا کہ سند باشد وعند الحاجۃ بکار آید (کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ت) اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا اس نے زید سے پانچ روپے ادھار لئے اور وہی تمسک اب اسے پکڑادیا کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں جن کو برسیں گزریں اب تک گورنمنٹ نے ادانہ کئے ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر اتار دئے تم اس سے وصول کرلینا، یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حاصل ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ و ۱۲۸ و ۱۲۹ میں گزرا پھر بھی اس کی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں کہ اس ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت)

اول: تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہاں بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں زبردستی اس سے تڑاکر وہ عقد ان کے سر چپیٹیو جو ان کے خواب و خیال میں نہیں، گنگوہ کے کردہ سے اٹھ کر تمام دنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمہیں خرید و فروخت مقصود ہوتی ہے بیچا اور مول لیا کہتے ہو، بائع اپنی ملک سے نوٹ کا خارج ہو کر مشتری کی ملک میں داخل ہونا مشتری اس کے عوض روپے دے کر نوٹ اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے، یا یہ کہ نوٹ دینے والا اس سے قرض مانگتا ہے۔

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ باب الربا محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۳۱

[2] فتاوٰی رشیدیہ باب الربا محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۳۱

اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے ہدایہ میں ہے: **العبرۃ فی العقود للمعانی**[1] (عقود میں معانی کا اعتبار ہے، مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے، قصد بھی بیچنے خریدنے کا یہی مقصود یہی مراد، یہی مفہوم یہی مفاد، اور خواہی نخواہی جہان بھر کو پاگل بنا کر کہہ دیجئے کہ اگرچہ نہ تم کہتے ہو نہ قصد رکھتے ہو مگر تمہاری مراد ہے کچھ اور، اگر ایسی تصحیح ہو تو دنیا میں فاسد سے فاسد عقد ٹھیک ہو جائے گا مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ میں سیر بھر چاندی کو بیع کیا تو اگرچہ انہوں نے کہا یہی کہ بیچا خریدا اور ان کا قصد بھی یہی تھا مگر یوں ٹھہرائے کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں مگر یہ بیعنہ تھی بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا عمرو نے اس کی جزا میں سیر بھر چاندی اس کو ہبہ کر دی اس میں کیا حرج ہوا لہٰذا سود حلال طیب ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ ہدیہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں بلکہ سنت ہے کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہ عالم پناہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے عوض چھ ناقے جوان عطا فرمائے،

رواہ احمد والترمذی والنسائی بسند صحیح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان فلانا اھدی الی ناقۃ فعو ضتہ منہا ست بکرات[2]. الحدیث۔	اس کو امام احمد، ترمذی اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلاں شخص نے مجھے ایک اونٹنی ہدیہ بھیجی تو میں نے اس کے بدلے اس کو چھ جوان اونٹنیاں ہدیہ بھیجی ہیں، الحدیث (ت)

تو عقد ربا کو عاقدین کے لفظ و معنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لائیے اور سود حلال کر لیجئے ایسے حیلے حوالے کوے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سوجھتے ہوں گے مگر علم و عقل وبصر وبصیرت والے ان کو محض مضحکہ سمجھتے ہیں۔ ہدیہ میں ہے:

التصحیح انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ۔[3]	عقد کو صحیح بنانا اسی محل میں واجب ہے جس میں عاقدین نے عقد ٹھہرایا۔ (ت)

[1] الہدایۃ کتاب البیع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۳

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فی فضل العجم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۳۳، مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۹۲

[3] الہدایۃ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۳

فتح میں اس کی شرح میں فرمایا:

تصحیح العقد انما یکون فی المحل الذی اوجب المتعاقدان البیع فیه لافی غیرہ[1]۔	عقد کو صحیح بنانا صرف اسی محل میں متعاقدین (بائع ومشتری) نے بیع ٹھہرائی نہ کہ محل کے غیر میں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

التغییر لایجوز وان کان فیه تصحیح التصرف[2]۔	تغیر کرنا جائز نہن اگرچہ اس میں تصرف کو صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو۔(ت)

فتح میں شرح میں فرمایا:

تغییر تصرفهما لایجوز وان کان فیه تصحیح التصرف بدلیل الاجماع(الی ان قال)فهذاہ احکام اجماعیة کلها دالة علی ان تغییر التصرف لایجوز وان کان یتوصل به الی تصحیحه[3]۔	عاقدین کے تصرف میں تغیر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں تصرف کا صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو اس پر دلیل اجماع ہے (یہاں تک کہ شارح نے کہا) تو یہ اجماعی احکام ہیں جو تمام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تصرف میں تبدیلی کرنا جائز نہیں اگرچہ تبدیلی تصرف کے صحیح کرنے کا ذریعہ بنتی ہو۔(ت)

ہدایہ میں اسی کے متعلق ہے: فیه تغییر وصفه لا اصله[4] (اس میں وصف عقد کی تبدیلی ہے نہ کہ اصل عقد کی۔ت) عنایہ میں اس کی شرح میں فرمایا:

والجواب عن تغییر تصرفه ان یقال فیه تغییر وصف التصرف اواصله والاول مسلم ولا نسلم انه مانع عن الجواز والثانی ممنوع[5]۔	اس کے تصرف میں تبدیلی کا جواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے اس میں وصف تصرف کی تبدیلی ہے یا اصل عقد کی اول مسلم ہے مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ جواز سے مانع ہے اور ثانی ممنوع ہے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۰۶

[2] الهدایه کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸

[3] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۶۸

[4] الهدایه کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[5] العنایة علی الهدایه علی هامش فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۰

ہدایہ میں ہے:

اذاشتری قلبا بعشرۃ وثوبا بعشرۃ ثم باعھما مرابحۃ لایجوز وان امکن صرف الربح الی الثوب لانہ یصیر تولیۃ فی القلب بصرف الربح کلہ الی الثوب[1]۔	کسی شخص نے ایک کنگن دس درہم کے بدلے ایک کپڑا دس درہم کے بدلے خریدا پھر ان دونوں کو اکٹھا بطور مرابحہ بیچا تو جائز نہیں کیونکہ تمام نفع کو کپڑے کی طرف پھیرنے سے کنگن میں بیع تولیہ ہوجائیگی۔(ت)

فتح میں ہے:

امامسألۃ المرابحۃ فعدم الصرف لانہ یتغیر اصل العقد اذیصیر تولیۃ فی القلب۔[2]	لیکن مسئلہ مرابحہ میں عدم صرف اس لئے ہے کہ اس میں اصل عقد میں تبدیلی لازم آتی ہے کیونکہ کنگن میں بیع تولیہ ہوجاتی ہے(ت)

ان تصریحات ائمہ سے روشن ہوا کہ متعاقدین جو عقد کررہے ہیں وہ اگرچہ باطل وفاسد ہوا اور دوسرا عقد ٹھہرانے میں اسکی تصحیح ہوتی ہو ہر گز ایسی تصحیح جائز ہیں اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے جب کہ اس میں اصل عاقدین کی تغییر ہوتی ہے اور تصحیح فرمائی کہ بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی تغییر ہے کہ بالاجماع جائز نہیں حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی، تو بیع کی سرے سے کایا پلٹ کرکے حوالہ کردینا کیسے جاہل مخالف اجماع کاکام ہوگا آپ کے لکھے بیع نہ ہوئی افیونی کی ریوڑی ہوئی کہ گرتے ہی مزہ بدل گیاولاحول ولاقوۃ الاباللہ۔

دوم: ہر عاقل جانتاہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے کہ اگر زید عمرو کے دین سے منکر ہو تو عمرو بذریعہ تمسک اس سے وصول کرسکتے تمسک اس لئے نہیں ہوتا کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے اسکے دام وصول کرلے زید کے پاس عمرو، بکر، خالد، ولید دنیا بھر کا کوئی شخص اسے لے کر آئے یہ اسے دام پر کہادے بلکہ زید وعمرو ودائم ومدیون دونوں بالائے طاق رہیں، تیسرا شخص اجنبی، چوتھے شخص نرے بیگانے کو دے کر اس سے دام لے لے دنیا میں کوئی تمسک بھی ایسا سنا ہے اور نوٹ کی حالت یقینا یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو جبکہ یہاں کا سکہ اس سلطنت میں چلتا ہو جس شخص سے چاہے اس کے دام لے لے گا

---

[1] الھدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸۔۹

[2] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۰

یہ حالت یقینا مال کی ہے نہ کہ تمسک کی، تو اسے تمسک کہنا کیسا اندھا پن ہے بلکہ وہ بالیقین مال ہے سکہ ہے **ولکن العمیان لایبصرون** (لیکن اندھے نہیں دیکھتے۔ت)

سوم: ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود وعدم پر دین کا وجود وعدم موقوف نہیں ہوتا بلکہ جب دین ثابت مدیون پر دینا لازم آئے گا تمسک رہے یا نہ رہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دے کر خزانے سے ہزار ہزار روپے کے سو نوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرادئے۔ تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے روپے کے سو نوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرادئے، تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آتے ہوئے لاکھ روپے وصول کرلے اگرچہ نوٹ اس کے پاس جل گئے یا ریزہ ریزہ ہوگئے یا چوری ہوگئے یا اس نے کسی کو دے دئے کہ خزانہ آپ کے نزدیک اس کا مدیون ہے اور تمسک نہ رہنے سے دین ساقط نہیں ہوتا اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ہیں تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہوسکتا کہ مبادا نوٹ نہ جلے نہ پھٹے بلکہ اس کے پاس موجود ہوں یا اس نے کسی کو دے دئے ہوں تو جب وہ نوٹ یہ یا دوسرا لے کر آئے ہمیں دوبارہ دینا پڑے گا، دوبارہ کیونکہ دینا ہوگا، یہ لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ ہم نے جو روپیہ تجھ سے قرض لیا تھا تجھے ادا کردیا اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے، اور دوسرا لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ اس تمسک کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ کو دے چکے ہیں اب ہم پر مطالبہ نہیں مگر ایسا ہرگز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر کسی کو دے کر گورنمنٹ سے روپیہ مانگئے تو، اگر اس نے پاگل جانا تو اتوار کو کھیر دے گی ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائیگی، اس وقت آپ کی آنکھیں کھلیں گی کہ نوٹ کیسا تمسک تھا یہ حالت صراحۃً مال کی ہے کہ جو شخص کسی سے ایک مال خرید کر پھر اسے تلف کردے یا کسی کو دے دے اور اپنے روپے بائع سے واپس مانگے تو کم از کم پاگل ٹھہرتا ہے۔

چہارم: یہیں سے آپ کے شبہہ کا کشف ہوگیا کہ گم جائے یا نقصان آجائے تو بدلوا سکتے ہیں یہ مطلقًا ہرگز صحیح نہیں اور اگر تمسک ہوتا تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود ہلاک یا تلف کردینے سے دین پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور بعض صورتوں میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی تو اس سے تمسک ہونا لازم نہیں آتا، سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی کہ ہزاروں کیمیا کو اس سے کچھ نسبت نہیں چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کردیں دس ہزار کا کردیں ایسی سخت مہم بات عام میں مقبول ہونے کے لئے بعض رعایتوں کی ضرورت تھی ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائدار چیز ہے آگ میں جل جائے، پانی میں گل جائے، استعمال سے چاک ہو، گم جائے کیا ہو کیا ہو تو ہمارا مال یوں ہی برباد ہو اس کی تسکین کیلئے کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ ملک ہرگز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا، یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے اس قسم کے وعدہ سے اطمینان دلاتے ہیں برسوں کے لئے گھڑیوں کی گارنٹیاں

کرتے ہیں کہ اس مدت میں بگڑے یا بیکار یا بیکار ہو تو بنادیں گے یہاں بھی کہہ دینا کہ "بھلا دنیا میں کوئی بیع بھی ایسی ہے"[1] آپ ایک کوردہ میں رہ کر دنیا بھر کا ناحق ٹھیکہ لیں ہاں یہ کہئے کہ تاجروں کا یہ کہنا خلاف شرع ہے پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا۔

پنجم: سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اسے ہر قرض و دین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے یہاں تک کہ جو شخص سوتک بنک میں روپیہ جمع کرے یا وہ ملازم جن کی تنخواہ کا کچھ حصہ کٹ کر جمع ہوتا رہتا اور ختم ملازمت پر ان کو دیا جاتا ہے وہ مانگیں یا نہ مانگیں ساری مدت کا سود حساب لگا کر انہیں دیتی ہے بلکہ وہ کہے کہ میں سود نہ لوں گا جب بھی ماہوار سود اس کے نام سے درج ہوتا رہتا ہے، اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کرکے اس کا وثیقہ لینا ہوتا تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اس کے لئے سود لکھتی رہتی جب تک وہ نوٹ دے کر روپیہ واپس لیتا۔ اب آپ کو تو یہ حیلہ ہوگا کہ ہائیں ہم اور سود مانگیں اگرچہ اللہ عزوجل کی تکذیب، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین، ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروڑوں درجہ سود بلکہ سؤر کھانے سے بدتر ہے، خیر آپ نہ جایئے امتحان کے لے کسی بنئے کو بھیج دیکھئے کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے پھر سال بھر بعد وہ بنیا اپنے اس ہزار کا سود گورنمنٹ سے مانگنے جائے دیکھئے تو ابھی اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوجائے گا اور جتنی اس اس پر پڑیں گی حقیقۃً اس پر نہ ہوں گی بلکہ اس پر ہوں گی جس نے اسے یہ چکمہ دیا تھا کہ نوٹ کی خریداری نہیں بلکہ روپیہ قرض دے کر تمسک لینا ہے۔

ششم: زید عمرو سے وقتاً فوقتاً سو ''' اور دو سو ''' اور ہزار '''' قرض لیتا رہے اس تمام مدت وہ تمسکات لکھ کر عمرو کو دیتا رہے گا اور جس تمسک کی میعاد ختم ہونے آئے گی بدل دے گا یہاں تک کہ اس پر عمرو کے دس ہزار جمع ہوگئے اب اس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمرو کو دئے اسی وقت سے اس کا حساب بند ہوجائے گا عمرو سب تمسکات اسے پھیر دے گا اسے فارغ خطی لکھ دے گا زید اور خود عمرو اور سارا جہان سمجھے گا کہ قرضہ دام دام وصول ہوگیا، مگر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں دس ہزار کے نوٹ دئے تو کیا ہوا وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی، اس جہاں بھر سے نرالی مت کا کیا کہنا!

ہفتم: فرض کیجئے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لئے اور تمسک لکھ دیا کہ دس برس کے اندر ادا کیا جائے گا، تین برس گزرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دے دیئے تمام جہاں اور

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الزکوٰۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۳۵۶

بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھیں گے کہ قرض ادا ہوگیا، مگر گنگوہی صاحب سے پوچھئے کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے تو اس فضول کاورائی کا محصل کیا ہوا تمسک تو پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوئی، بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا کہ نوٹ کر اپنا قرض گورنمنٹ پر اتار دیا گورنمنٹ کو کیا نفع ہوا اس کا قرض اسی پر تو رہا اور بنک کی بیوقوفی تو دیکھئے نرے تمسک پر پھول کر حساب بند کر بیٹھا، ظاہرًا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی بند تو سب کی بند۔

ہشتم: حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اتارنے کو کہتے ہیں تو اگر زید پر عمرو کا قرض نہ آتا ہو بلکہ زید کا قرض بکر پر ہوا اور اس صورت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ حقیقۃً حوالہ نہ ہوگا بلکہ عمرو کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا، اور اگر نہ عمرو کا قرض زید پر آتا ہو نہ زید کا قرض بکر پر، اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ محض باطل وبے اثر ہے اگرچہ اس حوالہ کو قبول بھی کرلے کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اتارتا ہے نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کرتا ہے بلکہ بلاوجہ عمرو سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لے لے بکر کا قبول کرنا وہ نرا ایک وعدہ ہوا کہ میں اتنا مال عمرو کو بخش دوں گا اور محض وعدہ پر جبر نہیں، لہٰذا اس قول کا کچھ اثر نہیں، عالمگیری میں ہے:

اذا احال رجلا علی غریمه ولیس للمستحال له علی المحیل دین فهذه وکالة ولیست بحوالة کذا فی الخلاصة[1]۔	جب کسی شخص نے دوسرے کو اپنے مقروض پر حوالہ کیا (کہ اس سے قرض وصول کرے) حالانکہ جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض نہیں تو یہ سکالت ہے حوالہ نہیں، یونہی خلاصہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

احال علیه مائة من من حنطة ولم یکن للمحیل علی المحتال علیه شیئ ولا للمحتال له علی المحیل فقبل المحتال علیه ذلك لا شیئ علیه کذا	کسی شخص نے دوسرے پر سو من گندم کا حوالہ کیا حالانکہ جس پر حوالہ کیا اس پر حوالہ کرنیوالے کا کوئی قرض نہیں اور نہ ہی جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض ہے، اور جس پر حوالہ کیا گیا اس نے اس کو قبول کرلیا تب بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مشائل شتّٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۵

فی القنیة[1]۔	اس پر کوئی شیئ لازم نہیں، قنیہ میں یونہی ہے (ت)

اب فرض کیجئے کہ اب بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے نوٹ متفرق اوقات میں لئے تھے پھر گورنمنٹ کو قرض لینے کی حاجت ہوئی اس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے بنک نے وہی نوٹ دے دئے تو تمام دنیا یہی جانے گی کہ بنک نے ضرور قرض دیا مگر آہ اپنی کہئے اب نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا کہ گورنمنٹ کا بنک پر قرض نہ آتا تھا انتہا یہ کہ وکالت ہوگی جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اس سے قرض مانگا اس نے بیس لاکھ کے نوٹ جو نرے تمسک تھے دے کر برات عاشقاں بر شاخ آہو پر ٹال دیا یعنی گورنمنٹ کو وکیل کردیا کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کرو ہم کچھ نہ دیں گے لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض چاہتے ہیں، تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لے لو یہ کیا قرض دینا ہوا، زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں زید اس سے اور قرض لینے آئے، اس پر عمرو کہے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے اسی سے وصول کرلو، تو اس نے یہ قرض دیا یا ٹال دیا بلکہ اسے یوں ٹھہراؤ کہ دین معاف کیا اور تمسک واپس دیئے معاملہ ختم ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ لے لے اور کوڑی نہ دے سستے چھوٹے۔

نہم: فرض کرو گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے پھر ایک وقت پر اسے قرض مانگا اس نے وہی نوٹ دے دیئے دنیا جانے گی کہ گورنمنٹ پر اس کے بیس لاکھ قرض ہوگئے مگر گنگوہی صاحب کہیں گے ایک پیسہ بھی قرض نہ ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لے لے اور کچھ نہ دے اس لئے کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنے والے پر قرض آتا تھا نہ جس پر حوالہ کیا اس پر اس کا پہلے کوئی دین تھا تو کارروائی باطل ہوئی اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آئے گا **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**، غرض یہ آپ نے وہ گھڑی ہے کہ نہ گورنمنٹ کی خواب میں ہے نہ ملک بھر کے خیال میں آپ ہی اپنی ڈیڑھ چھٹانک کی الگ بگھار رہے ہیں۔

دہم: حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محتال، اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کرلینا اسے محتال علیہ یا حویل کہئے، یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے تو آپ کے طور پر زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا اور عمرو زید کا دائن اور محتال ہوا اور گورنمنٹ حویل، اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص حویل ہوسکتا ہے اگرچہ محیل کا اس پر کچھ نہ آتا ہو کہ اس نے جب حوالہ قبول کرلیا تو اس کا دین اپنے سر لیا اگرچہ اکا اس پر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جبکہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو اور محیل کا حوالہ مان کر اس کا دین محتال کو

---
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مشائل شتیٰ نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۳۰۵

ادا کردے تو اسی قدر محیل سے واپس لے گا کہ میں نے تیرے کہے سے تیرا دین ادا کیا ہے اور اگر محتال حویل کو دین ہبہ کردے یا کہے میں نے وہ دین تیرے لئے چھوڑ دیا جب بھی حویل محیل سے بھر والے گا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہو جانے کی مثل ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

شرائطها انواع بعضها يرجع الى المحتال عليه ومنه رجاه وقبول الحوالة سواء كان عليه دين اولم يكن عند علمائنا رحمهم الله تعالٰی كذا فی المحيط اھ[1] ملتقطا۔	حوالہ کی شرطیں کئی قسم کی ہیں، ان میں سے بعض محتال علیہ کی طرف لوٹتی ہیں جن میں سے محتال علیہ کی رضامندی اور حوالہ کو قبول کرنا ہے چاہے اس پر قرض ہو یا نہ ہو، یہ ہمارے علماء کے نزدیک ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، یوں ہی محیط میں ہے اھ التقاط (ت)

اسی میں ہے:

اذا ادى المحتال عليه الى المحتال له اووهبه له اوتصدق به عليه او مات المحتال له فورثه المحتال عليه يرجع فی ذلك كله على المحيل ولو ابرأ المحتال له المحتال برئ ولم يرجع على المحيل كذا فی الخلاصة واذا قال للمحتال عليه قد تركته لك كان للمحتال عليه ان يرجع على المحيل كذا فی خزانة الفتاوٰی[2]۔	جب محتال علیہ، محتال لہ کو قرض ادا کردے یا محتال لہ وہ قرض محتال علیہ کو ہبہ کردے یا اس پر وہ قرض صدقہ کردے یا محتال لہ مرجائے اور محتال علیہ اس کا وارث بن جائے تو ان تمام صورتوں میں محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرے گا اور اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو وہ بری ہو گیا اور اب محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔ یہ خلاصہ میں ہے۔ اور محتال لہ نے محتال علیہ سے کہا کہ میں نے وہ قرض تیرے لئے چھوڑ دیا ہے تو اس صورت میں محتال علیہ کو محیل کی طرف رجوع کا حق ہے جیسا کہ خزانۃ الفتاوٰی میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المحتال له لو ابرأ المحال عليه لم يرجع	اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو

---
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶۔۲۹۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ الباب الثانی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۸

علی المحیل وان کانت بامرہ کالکفالۃ ولو وہبہ رجع ان لم یکن للمحیل علیہ دین وتمامہ فی البحر[1]۔	محتال علیہ محیل کی طرف رجوع نہیں کرے گا اگرچہ اس کے امر سے ایسا ہوا ہو، اور اگر محتال لہ نے قرض محتال علیہ کو ہبہ کردیا تو محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرسکتا ہے بشرطیکہ محیل کا اس پر قرض نہ ہو، اس کی مکمل بحث بحر میں ہے۔(ت)

اب فرض کیجئے کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار روپے کا نوٹ آپ کو انعام دیا ایک بنئے نے روپے دے کر وہ نوٹ آپ سے خرید لیا پھر کسی موقوع پر اس نے گورنمنٹ کی نذر کردیا اب وہی صورت آگئی آپ بنئے کے محیل تھے اور بنیا محتال اور گورنمنٹ حویل۔ اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپ کی مدیون نہ تھی آپ بنئے کے مدیون تھے آپ نے اپنا دین نوٹ دے کر گورنمنٹ پر اتار دیا تھا اور گورنمنٹ نے اپنے قانون عام سے کہ جو نوٹ لائیگا روپیہ پائے گا حوالہ قبول کرچکی اور بنئے نے نوٹوں کا روپیہ یعنی وہ دین گورنمنٹ کو نذر کردیا ہبہ کردیا ترک کردیا تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھونک کر آپ سے دس ہزار وصول کرسکے اس سے آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا کہ نوٹ کے نوٹ غائب اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب، **بحمد اللہ** اس سفاہت کا بہت طرح رد ہوسکتا ہے مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو، "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ"[2] (یہ پورے دس ہیں۔ت) یہ پورے دس کیا کم ہیں **وباللہ التوفیق**۔

یازدہم: تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے آپ کو اس میں کیا دکھتی سوجھی ہے کہ وہ کچھ محالا تا اوڑھئے عالم بھر کی آنکھوں میں خاک جھونکئے مگر اسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی کہ جوامر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسائر محبوبان خدا جل وعلا کی تعظیم و محبت کا پہلو لئے ہوئے ہو اس میں اپنے حد کی تنگی دکھاؤ بنے نہ بنے شرک کفر حرام گاؤ، اور اپنے معتقدوں کے لئے ذرائع اکل و معاش میں خوب وسعت لاؤ، کو اکھانا حلال بلکہ ثواب[3] (دیکھو جلد ۲ ص ۱۷۹) بکرے کے خصیے کھانا حلال[4] (دیکھو جلد ۳ ص ۱۹۰) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا، کو اکالا کالا یہ گورے گورے، ان میں تو گنگوہی شریعت سے بڑا چمکتا ثواب چاہئے تھا، پاخانہ اٹھانے کی اجرت مباح خالص حلال طیب جس میں

[1] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

[3] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الحظر والاباحۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۹۳

4

کراہت در کنار کراہت کا شبہہ بھی نہیں بھنگی نے پاخانہ اٹھا کر جو مال کمایا ایسا مقدس ہے کہ اسے تعمیر مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے[1] (دیکھو جلد اول ص۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے کھانے پہننے اور آپ حضرات کی مساجد مولثہ بدعات توہین و تنقیص کی لائق ایسی ہی کمائی تھی ع

ہر شکم ولقمہ شایان او

(ہر پیٹ کہی شان کے مطابق لقمہ چاہئے۔ت)

غرض ذرائع دنیا میں اپنو کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی، نوٹ کی خرید و فروخت اور اسے مال سمجھن میں کون ساحصہ تعظیم و محبت محبوبان خدا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہوا وجہ تو بتائے کہ یہ تمام عالم کا اسے مال ماننا کیوں نہ مقبول ٹھہرا ثمن اصطلاحی ٹھہرانے میں اصطلاح قوم وملک پر کاربندی واجب ہوتی ہے یہاں جملہ اقوام و تمام ممالک عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر بتارہے ہیں اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ کوئی یہ تو پوچھے کہ آپ ہیں کون اصطلاح جملہ جہاں میں دخل دینے والے، نوٹ کی مالیت کا ثبوت رسالہ میں ص۱۲۶ سے ۱۳۲ تک سوجھئے۔

دوازدہم ۱۲: پیسوں میں نیت تجارت کی حاجت اس وقت ہے جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہر گز نیت تجارت کی حاجت نہیں اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو نہ خلقی، غنیہ ذوی الاحکام ورد المحتار وغیرہما میں ہے:

الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکٰوۃ فی قیمتہا والافلا[2]۔	پیسے اگر ثمن ہوں اور رائج ہوں یا سامان تجارت ہوں توان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔(ت)

درمختار و بحرالرائق و نہرالفائق میں ہے:

اغلب غشہ یقوم کالعروض ویشترط فیہ النیۃ الااذا کانت اثمانا رائجۃ[3]۔	جس میں ملاوٹ غالب ہو اس کی قیمت لگائی جائیگی جیسے سامان کی قیمت لگائی جاتی ہے اور اس میں نیت تجارت شرط ہے سوائے اس کے کہ وہ ثمن رائج ہوں۔(ت)

[1] فتاوٰی رشیدیہ کامل باب احکام المساجد محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص۴۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۵

شامی میں ہے:

ماکان ثمنا رائجا تجب زکاته سواء نوی التجارة اولا[1]۔	جو ثمن رائج ہو اس کی زکوۃ واجب ہے چاہے تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو (ت)

اسی میں ہے:

عین النقدین لایحتاج الٰی نیة التجارة و کذا ماکان ثمنا رائجا۔[2]	عین نقدین (سونا اور چاندی) میں تجارت کی نیت کی حاجت نہیں اسی طرح جو ثمن رائج ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں کتب کثیرہ سے ہے:

ان غلب الغش فلیس کالفضة کالستوقة فینظر ان کانت رائجة اونوی التجارة اعتبرت قیمتها فان بلغت نصابا وجبت فیها الزکٰوة والافلاء[3] ملخصًا۔	اگر ملاوٹ (کھوٹ) غالب ہو تو وہ چاندی کی طرح نہیں جیسے کھوٹے روپے، پھر دیکھا جائیگا کہ وہ رائج ہیں یا ان میں نیت تجارت ہے تو ان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر وہ نصاب کو پہنچے تو اس میں زکوۃ ہے ورنہ نہیں (ت)

ص ۱۳۷ دیکھئے کہ اسی پر فتوی ہے ایک آدھ روایت ٹٹول میں آجانا اور محل و محمل نہ دیکھنا اور راجح و مرجوح و شاذ و مشہور میں فرق نہ کرنا فقہات نہیں ہوتا مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں تو فقہات بحمداللہ نصیب دشمنان ہے۔ ان وجوہ قاہرہ کے علاوہ اس دوسطری تحریر گنگوہیت خمیر میں اور بھی مواخذات ہیں مثلًا:

(۱۳) نوٹ نقدین بتیا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے، اور پھر اسی منہ میں یہ کہ تمسک ہے۔

(۱۴) تمسک کہ کہنا کہ اس پر زکوۃ ہے حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں، نہ اس کے عدم و وجود کو زکوۃ کے وجوب و عدم میں کچھ دخل۔

(۱۵) نوٹ کے مبیع سمجھنے پر اس کی زکوۃ نہ دینے کی بنا سمجھنا، کیا مبیع پر زکوۃ نہیں ہوتی۔ ابھی تو آپ پیسوں کو مبیع کہہ کر بحال نیت تجارت زکوۃ واجب مان چکے ہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲

[3] بحرالرائق کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۸

(۱۶) کاغذ کے مبیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا شاید عمر بھر کاغذ خریدنے کا اتفاق نہ ہوا، نہ ان کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے۔

(۱۷) لطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے مبیع سمجھنا سخت غلطی تھا اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۱۷۳ پر خود فرماتے ہیں کہ "نوٹ خرید کر بھیج سکتا ہے [1]" اے سبحان اللہ! نوٹ تو بک سکتا ہی نہ تھا خرید اکیسے جائے گا مگر حضرت کی ان عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی ع

ماعلی مثلہ یعد الخطاء

(اس کی مثل پر خطاؤں کا شمار نہیں کیا جاتا۔ت)

نسأل اللہ العفو والعافیۃ، ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم۔	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں، اور گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔(ت)

(۱۸) آپ کی اجواب دیں گے اگر کوئی آپ کی پچھلی نزاکت پر کہے کہ جب آپ نے اس عقد کو کہ لفظ "میں "نیت میں قصد میں فہم میں قطعًا بیع تھا تمام جہاں کے فہم و ارادہ کے خلاف کا یا پلٹ کرکے حوالہ تراش لیا تو آپ اب کس منہ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا و ناجائز ہے زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھہراتے کہ زید نے جو عمرو کے سات سو روپے کا نوٹ سوا سو روپے کو بیچا ہے یہ بیع نہیں سوا سو کا سو سے بدلنا نہیں کہ ربا ناجائز ہو بلکہ زید نے عمرو سے سوا سو قرض لئے ہیں اور زید کے گورنمنٹ پر سو آتے تھے وہ اس پر اتار دیئے، رہے پچیس وہ عمرو نے زید کو چھوڑ دیئے اور اس میں کون سا رہا ہے، فتاوٰی امام قاضی خان سے رسالہ کے صفحہ ۱۷۳ میں گزرا:

فان ارادالحیلۃ یستقرض من المشتری اثنی عشر درہما مکسرۃ ثم یقضیہ عشرۃ جیادا ثم ان المقرض یبرءہ عن درھمین فیجوز ذٰلك [2]۔	اگر حیلہ کا ارادہ کرے تو مشتری سے بارہ درہم ٹوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے درہم اس کو واپس دے اور قرض دہندہ باقی دو درہموں سے اس کو بری کردے تو یہ جائز ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ باب الربوٰ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۳۱

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربو نولکشور لکھنؤ، انڈیا ۲/ ۴۰۷

نیز خانیہ سے اس کے متصل گزرا:

فان ارادہ الحیلۃ یاخذ التسعۃ بالتسعہ ویبرءہ عن الدرھم الباقی[1]۔	اگر حیلہ کرنا چاہے تو نو درہم نو درہموں کے بدلے میں لے لے اور باقی ایک درہم سے اس (مقروض) کو بری کردے۔ (ت)

اگر کہئے یہ قض بشرط ابراء عن البعض ہوا تو اولاً کیوں نہ کہئے کہ جب سرے سے سو کا نوٹ لے کر سوا سو دے رہا ہے تو قرض بعض وہبہ بعض ہوا پھر اگر زیاد تمتازہ یا تبعیض مضر ہو جب تو بلا خدشہ جائز و صحیح و روا ہے اور آپ کا حکم باطل و پادر ہوا ہے ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع ناتمام ہو، ربا کہاں سے آیا۔

ثانیاً: قرض شروط فاسدہ سے فاسد نہوتا بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے تو یہ کئے کہ زید پر پچیس روپے اور واجب رہے نہ کہ سود ہوا،

فافھم ان کنت تفھم لکنك تفھم انك لاتفھم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تو سمجھ لے اگر تو سمجھتا ہے لیکن تو سمجھتا ہے کہ بیشک تو نہیں سمجھے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

ردّ وہم

بحمد اللہ تعالٰی مولوی صاحب لکھنوی کے رد مین کلا مشبع گزرا مسئلہ یازدہم خاص انہیں کے رد میں تھا بلکہ کا اکثر حصہ ان کے رد میں ہے یہاں غالبًا ان کا پتا دینے پر اکتفا ہو، مولوی صاحب کی کی جلد دوم فتوی نمبر ۱۲۶: **قولہ ھو المصوب**[2] (وہ درست بنانے والا۔ت)

اقول: (میں کہتا ہوں مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے یہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ **اولاً:** اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں ہوتا۔

ثانیاً: معنی لغت بھی اس کے مساعد نہیں لغت میں مصوب وہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے، نہ وہ جو اس کی بات کو ٹھیک بنائے یعنی اسے توفیق صواب بخشے، تصویب بعد وقوع قول

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤانڈیا ۲/ ۴۰۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنوی، انڈیا ۲/ ۱۱۵

ہوتی ہے اور توفیق صواب اس سے مقدم۔

ثالثًا: اس کے اور معنی بھی ہیں کہ باری عزوجل پر محال ہیں، مصوب وہ جو سر جھکائے ہوئے ہو، مصوب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے۔ قاموس میں ہے:

صوبہ قال لہ اصبت وراسہ خفضہ[1]۔	صوبہ کسی کو کہا کہ تو نے ٹھیک بات کی، صوب راسہ اس نے سر جھکایا۔ (ت)

تاج العروس میں ہے:

صوبت الفرس اذا ارسلتہ فی الجری[2]۔	صوبت الفرس یعنی میں نے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ (ت)

ہاں مصوب وہ بھی ہے کہ دوسرے کا سر نیچا کرے یا بلندی سے پستی میں اتارے۔ تاج العروس میں ہے:

التصویب خلاف التصعید ومن قطع سدرۃ صوب اللہ راسہ فی النار ای نکسہ اھ[3] مختصرا۔	تصویب، تصعید کے خلاف ہے اور جس نے بیری کا درخت کاٹا اللہ تعالٰی نے اس کا سر آگ میں جھکا دیا اھ مختصراً (ت)

یہ اگر ہوتا تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا کما فی کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی (جیسا کہ امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے۔ت) پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں تو امثال مقام میں خود متکلم کی طرف اس کی اضافت مفہوم ہوتی ہے جیسے **ھو الھادی** (وہی ہدایت دینے والا ہے۔ت) سے شروع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے اس تقدیر پر یہ کیا دعا ہوئی کہ الٰہی! قائل کا سر نیچا کردے، الٰہی! اسے پستی میں ڈال دے۔ یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے جدا تھی مگر منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہے **وباللہ التوفیق**۔

قولہ: نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے[4]۔

---

[1] القاموس المحیط فصل الصاد من باب الباء مصطفی الحلبی مصر ۱/ ۹۷

[2] تاج العروس فصل الصاد من باب الباء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۱

[3] تاج العروس فصل الصاد من باب الباء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۱

[4] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

اقول اولاً: یونہی اکنیاں اور پیسے بھی، پھر اس سے کیا حاصل ہوا۔

ثانیاً: اگر یہ مراد کہ اہل عرف اس کے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں تو صریح غلط بلکہ عامہ اہل عرف ان احکام سے آگاہ بھی نہیں بلکہ یہ عرف مومنین وکافرین میں مشترک، اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہل عرف متعلق ہیں ان سب میں نوٹ کو اس کا قائم مقام سمجھتے ہیں جب بھی غلط۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزین ظروف وغیرہا میں تجمل ہے، اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں، اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تمول اور حوائج تک اس کے ذریعہ سے توسل میں نائب مناب جانتے ہیں تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہل عرف اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اسے مثل ثمن کام میں لائیں پھر اس سے جملہ احکام شرعیہ ثمن کا ثبوت کیونکر ہوگیا کیا ثمن خلقی واصطلاحی میں شرعاً فرق احکام نہیں۔

ثالثاً: حکم شیئ میں ہونا جنس وقدر شیئ میں شیئ سے اتحاد نہیں اور یہاں بتصریح حدیث وجملہ کتب فقہ اسی پر مدار ہے۔

قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے[1]۔

اقول اولاً: ثمن اصطلاحی سے عنیت مثل اتحاد خاص وعام مسلم مگر وہ آپ کو مفید نہیں او ثمن خلقی یعنی زر وسیم سے عینیت مسلم نہیں، کوئی سمجھ ولا بچہ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہٖ چاندی سونا ہوگیا، اگر کہئے مراد یہ ہے کہ لین دین میں اے ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے روپیہ اشرفی، تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں ہونا ہوا نہ کہ عین ثمن سمجھا جانا، تو "بلکہ" لغو بلکہ غلط ہوا۔

ثانیاً: نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے اور اصطلاحی و خلقی متباین اور متباینین میں عینیت محال اور اہل عرف مجانین نہیں اور تاویل مذکور "بلکہ" سے مہجور۔

ثالثاً: اگر بفرض غلط اہل عرف ایسا سمجھ بھی لیتے تو شرع مطہر توعندیہ کا مذہب جنون روا نہیں رکھتی کہ ان کے سمجھ لینے سے خود بھی اسے عین ثمن قرار دے کر جملہ احکام ثمن نافذ فرمادے۔

رابعاً: ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب وفضہ میں منحصر، اور نوٹ فی نفسہ ایک نوع مستقل ہے، اس کا عین مفہوم کلی معنی جنس سمجھا جانا تو بداہۃً باطل، اسی طرح انواع مباینہ ومتباینہ سے عینیت اور جنس سے اتحاد خاص وعام کی عینیت تثلیث کرے گی اور وہ شرعاً باطل ہونے کے علاوہ مقصود پر نص سے عود کرے گی کہ انواع مختلفہ ثمن میں بتصریح حدیث اجماع امت تفاضل حلال۔

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

قوله: اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کردے تو اصل مالک سو روپے تاوان لیتا ہے[1]۔

اقول اولاً: اگر کوئی سو روپے کا گھوڑا ہلاک کردے جب بھی مالک سو روپے تاوان لیتا ہے تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہوگئے اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہوجائے گا کہ عین کا عین ہے۔ اور لفظ اصل حشو ہے۔

ثانیاً: یہ تو ظاہر عبارت پر تھا اب حل سنئے "لیتا ہے" سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ وہی حکم شرع ہے کہ اس پر جبر ہوگا اول مسلم اور اس سے وہم عینیت مدفوع، اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگایئے جب بھی **لایغنی من جوع** کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کردے تو مالک بخوشی ایک روپیہ لے لے گا اور اس میں اور ۶۴ پیس لینے میں کچھ فرق نہ سمجھے گا اس سے روپیہ اور پیسے متحد نہ ہوگئے اور ثانی میں جبر متلف پر ہے یعنی اسے روپے ہی دینے پر مجبور کرینگے یا مالک پر کہ اسے قبول زر پر جبر کرینگے اول صراحۃً باطل، وہ سو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے اور مالک کو انکار کی کوئی وجہ نہیں بلکہ وہی حکم اصلی ہے کہ نوٹ مثلی ہے معہذا یہ مقصود پر نص کے ساتھ عائد ہوگا کہ اتلاف نوٹ میں ادائے دراہم پر جب ہو تو نوٹ قیمتی ٹھہرے اور روپیہ مثلی ہے اور قیمت و مثلی ایک نہیں سمجھے جاسکتے اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید عینیت نہیں کہ اثمان رائجہ میں بحال تساوی رواج و مالیت ادا کرنیوالا مخیّر ہوتا ہے اور انکار تعنت۔ اس کا بیان رسالہ کے ص ۱۸۵ سے ۱۹۰ تک دیکھئے۔

قوله: اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے کیونکہ پر ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اسکی قیمت لینا ہوتا ہے[2]۔

اقول: (۱۳ تا ۱۷) اسکے پانچ رد حاشیہ ص ۱۸۴ میں گزرے، اور (۱۸ تا ۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں اس کے بھی پانچ رد گزرے ۴ صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۲۹ پر، اول یہ کہ حسب تصریح علماء کاغذ کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے نہ یہ کہ یہاں لاکھوں آدمیوں کی اصطلاح۔، دوم سکہ قیمتی ہے، سوم حقیر شیئ کسی وصت کے سبب اپنے ہزاروں سے امثال سے گراں ہوجاتی ہے۔ چہارم ورق علم کا مسئلہ اور پانچوں رد صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹ پر کہ تقوم

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر۔

قولہ: اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے یا سو روپے دیوے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا ہے[1]۔

اقول اولاً: پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پندرہ روپے دے یا ایک ساورن دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے اور قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ سونا جب چاندی سے بیچیں دونوں کانٹے کی تول برابر کرلیں رتی بھر کمی وبیشی ہوئی تو سود حرام وگناہ کبیرہ واستحقاق نار جحیم وعاب الیم ہوگا یہ اجماع قطعی جمیع امت مرحومہ وتواتر قطعی وعقل جملہ عقلائے عالم سب کے خلاف ہے۔

ثانیاً: آٹھ آنے پیسے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پیسے ہی دیئے یا آٹھ اکنیاں یا ایک اٹھنی تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے و دائن نہیں لیتا تو چاندی اور تانبا بھی جنس واحد ہوئے اور چاندی اور سونا پہلے متحد ہوچکے ہیں تو تانبا او سونا بھی ایک جنس ہوئے کہ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے اور ان سب میں قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر سونا دو ہی پیسے کو بیچا جائے ایک چھدما بھی زیادہ ہوا تو سود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، اور تو کیا عرض کروں لیکن صراف اگر اس فتوے پر عمل کرلیں تو بازار تو ایک ہی دن میں پٹ جائے۔

ثالثاً: پندرہ روپے کے نوٹ اگر کوئی قرض لے ایکدس اور ایک پانچ کا، یا تینوں پانچ پانچ کے، تو وقت ادا خواہ پندرہ کے نوٹ دے یا ایک ساورن، دونوں مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو اب نوٹ اور سونا ایک جنس ہوئے اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کرچکے ہیں اور چاندی اور سونا قطعًا دو جنس متباین ہیں ولہٰذا باجماع امت وتواتر قطعی ان میں تفاضل روا ہے تو شیئ واحد دو نوع متباین سے کیونکر متحد ہوگئی۔ظاہر ہوا کہ اس عذر نہ ہونے کو مفید اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا بلکہ اس کی

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

وجہ وہی تساوی رواج ومالی تھے جس کا بیان صفحہ ۹۷ سے صفحہ ۱۰۱ تک گزرا۔

رابعًا: حل یہ ہے کہ بے عذری یعنی قبول ذی حق واتحاد جنس میں عموم خصوص من وجہ ہے کہیں اتحاد جنس ہے اور قبول نہیں جیسے سونے کا گہنا خریدنے والا اس کے بدلے اشرفیاں نہ لے گا اور کہیں قبول ہے اور اتحاد جنس نہیں جیسے پندرہ روپے اور اشرفی، روپے اور نوٹ نوٹ اور اشرفی، اٹھنی اور پیسے، اٹھنی اور اکنیاں اور مادہ اجتماع ظاہر ہے تو ایک کے وجود سے دوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے لہٰذا حیوان ہے کوا حیوان ہے لہٰذا ابیض ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔

خامسًا: یہ شبہہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی یہاں قرض سے بات ایک ہی ہے اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہہ کی جڑ ہے اس غرض کے لئے کہ کچھ تو شاندار ہوجائے اسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں ہاں بیان میں اتنا ضرور ہوا کہ پہلی عبارت نہایت ناقصہ قاصرہ تھی مگر پوری بات اب بھی ادانہ ہوئی عذر نہ ہونا عذر نہ ہوسکنے کو مستلزم نہیں اور ممکن کہ بوصف تغایر جنس کسی غرض ووجہ خاص کے سبب عذر نہ ہوں ہاں عذر نہ ہوسکنا کچھ وہم ڈالتا مگر ہم انہیں صفحات میں بحر الرائق وردالمحتار سے اس کا ازالہ کر آئے کہ شرعًا بھی باوجود مغایرت جنس ہنگام استوائے رواج و مالیت قبول پر جبر کیا جاتا ہے اور عذر تعنت قرار پاتا ہے تو اب جڑ کا شبہہ جڑ سے اکھڑ گیا **وللہ الحمد**۔

سادسًا: طرفہ مزہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بے قدر ٹھہرا کر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں اسے معاملہ سے جدا اور خود روپوں پر ورود عقد باین کرچکے ہیں اور یہ بلا فصل اس کے متصل ہی نوٹ پر ورود عقد اور اسکے عین جنس نقد بنادینے کی کوشش ہورہی ہے یہ تناقض کتنا بالطف ہے۔

سابعًا: میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سو روپے کا مال بتایا جس کا تاوان سو روپے آیا، دوسرے فقرہ میں اسے موارد عقد سے جلاوطن ہونے کا حکم فرمایا کہ حقیقۃً روپے بکتے ہیں وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں، تیسرے فقرہ میں وہی کاغذ جو کروٹ لے تو پھر سو روپے کا بلکہ سو روپے سے متحد الجنس ہوگیا۔

ثامنًا: لطف یہ کہ دعوٰی تو وہ فرمایا کہ نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہوگی، اور اس کے دلائل میں یہ کہ روپیوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے نہ اس کاغذ کا، اور ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا نہ کہ روپیوں کا تو دلیل مناقض دعوٰی ہے **فافھم** [عہ] (پس تو سمجھ)۔

عہ: اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر سے عذر خواہی کیلئے (باقی اگلے صفحہ پر)

قولہ: بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت ان کی نہیں، اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔

اقول اولاً: خلاف منصوص ہے جیسا کہ گزرا۔

ثانیاً: مشاہدہ کے خلاف یوں اعتبار نہ آئے تو اسکا عکس کر دیکھئے کہ ۶۴ پیسے قرض لئے یا ثمن قرار دیئے ہوں اور ایک روپیہ دے تو دائن و بائع کو ہر گز کچھ عذر نہیں ہوتا بے تکلف قبول کرلیتا ہے اور عذر کرے تو متعنت ہے اور متعنت کی بات مردود۔

ثالثاً: مولوی صاحب چوکے، سو روپے کی مثال لاتے تو بات نظر عوام میں لگتی ہوئی ہوتی، واقعی جو سو روپے قرض لے پھر ان کے بدلے چھ ہزار چار پیسے دینا چاہے تو دائن کہے گا کہ میں کہاں سیر بھر چاندی کی جگہ دو من پکے سے زیادہ تانبا لادتا پھروں صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں مگر ساتھ ہی دوانی، چوانی، اٹھنی سب نقص کو آموجود ہوتیں ہر شخص جانتا ہے کہ دوانی کا کچھ خرید کر دو آنے پیسے دیجئے تو اصلاً جائے انکار نہیں ہوتی اور جب ریزگاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے اور ریزگاری اور روپے ایک جنس ہیں تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھہرے کہ متحد کا متحد متحد ہے بلکہ بالواسطہ عینیت کیوں لیجئے اسی کا عکس دیکھئے ۶۴۰۰ پیسے قرض لئے ہوں اور ادا میں سو روپے دیئے ابھی دیکھے بلا عذر قبول ہوں گے اور نہ مانے تو خبطی ٹھہرے تو ظاہر ہوا کہ یہاں بنائے عذر امر خارجی ہے مثلاً منوں بوجھ وغیرہ۔

رابعاً: اگر ہم آپ کی ارخائے عنان کو مان بھی لیں کہ صحت عذر اگرچہ بعض صور میں ہو، نافی اتحاد جنس ہے، تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں ادائے قرض کے وقت عذر نہ ہو تسلیم مبیع کے وقت ضرور متصور، زید کو سو روپے کا نوٹ ڈاک میں بھیجنا ہے کہ (۲ ۰/) کی رجسٹری بس ہوگی اور منی آرڈر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شاید ایک تاویل گھڑتے کہ ہم نے اشارہ میں ذات من حیث المقدار مراد لی اور مع سائر الاوصاف اسی کو روپے جانا، مگر یہ گھڑت کے علاوہ بداہت سے صاف مکابرہ اور دعوٰی پر صریح مصادرہ ہے **کما لایخفی**، لہٰذا نہ قابل سماعت نہ بعد سماعت اعتراض سے نجات، بات بن جائے یہ بہر حال ناممکن ۱۲ منہ حفظ ربہ۔

روپے میں ہوگا خصوصًا اگر گنگوہی دھرم کجا ہوا تو وہ منی آرڈر کو حرام ہی جانے گا اس نے عمرو سے نوٹ خریدا عمرو تسلیم مبیع کے وقت روپے یا بیس بیس کی پانچ اشرفیاں دکھائے زید ہرگز نہ مانے گا تو معلوم ہوا کہ نوٹ اور ثمن ایک جنس نہیں،

قولہ: پیس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہو [1]۔

اقول اولاً: اس "پس" کا حل بھی وہی ہے جو پیشتر گزرا کہ قبول واتحاد جنس، عام خاص من وجہ ہیں تو جس طرح ایک کے وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل، یونہی عدم سے عدم پر، آپ کا پہلا استدلال اس طرز کا تھا کہ کوا حیوان ہے لہٰذا یہ بیض ہے یہ دوسرا رنگ کا ہوا کہ کوا ابیض نہیں لہٰذا حیوان نہیں۔

ثانیاً: آپ نے محنت بہت اٹھائی مگر افسوس کہ دعوی بے دلیل ہی رہا، آپ کو چاہئے تھا کہ اولاً عینیت عرفیہ کا مناط منقح کرتے نہ کہ ایسا جس پر اتنے نقض ہوں۔ ثانیًا اس مناط کا یہاں تحقق پایہ ثبوت کو پہنچاتے۔ ثالثاً کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں عینیت عرفیہ ہو شرع اس اتحاد جنس مان لیتی ہے اور جب یہ کچھ نہیں تو خرط القتاد سے کیا حاصل۔

ثالثاً: ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف تو مبذول فرمائی اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی نرے اتحاد جنس سے تفاضل حرام نہیں ہو جاتا اتحاد قدر بھی تو لازم ہے نوٹ کے سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ مکیل ہے نہ موزون بلکہ معدود ہے تو بہزار خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک رفو بھی ہو جائے تو اتحاد قدر کا پیوند کدھر سے آئے گا تفاضل تو اب بھی حلال رہا۔

رابعاً: رسالہ نے ص ۱۴۷ سے ص ۱۵۷ تک دلیل قاہرہ سے ثبوت دے دیا کہ نوٹ روپیوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی تو نسیہ حرام ہوتا تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں۔

قولہ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ بھی جائز ہو جائے کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت ثمنیت کی آگئی ہو [2]۔

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

اقول اولاً: یہ دوسری "پس" اسی پس پس رو ہے جسے پیشتر پسپا کردیا گیا **الشجرۃ تنبئی عن الثمرۃ** (درخت پھل کی خبر دیتا ہے۔ت)

ثانیاً: بعینہٖ یہی حال نوٹ کا ہے **ولکن لاتعلمون** (لیکن تم نہیں جانتے۔ت)

ثالثاً: روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے صفحہ ۱۶۳ دیکھئے ایک اشرفی کو ایک روپیہ بیچنا قطعًا درست ہے حالانکہ وہ تو دونوں یقینا جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، اگر کہئے وہ جس ثمن ضرور ہیں مگر باہم تو متباین نوعین ہیں **اقول:** یونہی نوٹ بھی، کون عاقل کہے گا کہ روپیہ اور اشرفی دو چیزیں جدا ہیں مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہی، خلقی، اصطلاحی، اصطلاحی کی نوعیں نوٹ، پیسے کوڑیاں، اور خلقی پھر ایک جنس ہے جس کے نیچے دو جنسین ہیں، سونا، چاندی۔ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں، ظاہر ہے کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور ہے، اور سونے چاندی کے گہنے کی اور، برتنوں کی اور، گوٹے پٹھے کندلے کی اور، تو نوٹ کہ نوع حقیقی ہے جس کے سبب افراد متفقۃ الاغراض ہیں کسی جنس کا بھی عین نہیں ہوسکتا کہ اتفاق واختلاف متباین ہیں نہ کہ جنس الجنس کا اودخول تحت الجنس کا حال اوپر گزرا۔

رابعًا: جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی تو دونوع متباین سے تو متحد نہیں ہوسکتا ورنہ مباین باہم متحد ہوجائیں گے اور شیئ اپنے نفس کی مباین ہوگی ناچار ایک سے اتحاد مانئے گا اور وہ نہیں مگر روپیہ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کررہے ہیں تو اشرفی سے یقینا متحد نہ ہوگا اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام، دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب فتوی ہوگا۔ دیکھئے رسالہ کا صفحہ ۱۸۸: قولہ پس ہر گاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا[1]۔

اقول اولاً: اغراض کہئے کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ احکام شرعیہ جو نہ ان کے ہاتھ میں ہیں نہ ان کے اکثر کو معلوم، نہ ان کی طرف انہیں التفات بلکہ اکثر کو ان پر ایمان بھی نہیں تو احکام شرعیہ میں اہل عرف کا اسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ میں اتحاد کو مستلزم نہیں اور بقیہ کلام رد قول اول میں گزرا۔

ثانیاً: جیسی عینیت آپ یہاں بتاسکتے ہیں بعینہا ویسی ہی اکنیوں اور پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

سے ہے وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا۔

ثالثاً: روپے اشرفیاں تو خود عین ثمن خلقی ہیں کسی کے سمجھنے پر موقوف نہیں ان میں کیونکہ درست ہوا۔

قولہ: باب تفاضل میں اسی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا[1]۔

اقول اولاً: یہاں آکر اس تیسری "پس" کا خاتمہ ہوا اور پہلی دلیل نے دم توڑا مگر یہ "پس" پسینہ تو سب پسائے پشمینہ سے علاقہ بہ عقل میں پس اور وضوح بطلان بطلان میں پیش ہے سب خرابیاں اوڑھ کر فرض کرلیجئے کہ ہاں تفاضل حرام ہوا تو وہ تفاضل تو حرام ہوگا جو ثمن خلقی میں حرام تھا جس کا اسے عین سمجھا گیا یا دلیل لاتے وقت تک عینیت تھی اور نتیجہ دیتے وقت غیریت کا یا پلٹ ہو کر کوئی نیا حکم نکالے گی جو ثمن خلقی میں اصلاً نہیں آخر اس بنا پر تو حکم لگاتے تھے کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے تو وہی حکم لازم ہوگا جو ثمن خلقی میں تھا، نہ اس کا غیر کہ حکم لازم شیئ ہوتا ہے اور تغیر لازم نافی عینیت ملزوم، اب دیکھ لیجئے کہ ثم خلقی میں کون سا تفاضل حرام ہے قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو، اب جو آپ سو روپے کا نوٹ سو روپے کو بیچنا حلال کررہے ہیں اپنے طور پر یقیناً سود حلال کررہے ہیں کہ سو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا، دیکھئے رسالہ ص ۱۹۰ تا ۱۹۲۔

ثانیاً (۴۸ تا ۵۷) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گزریں صفحہ ۱۷۵ تا ۱۸۰ ملاحظہ ہو۔

قولہ فانما الاعمال بالنیات[2] (اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔ت)

اقول: جناب گرامی نے صفحہ بھر کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا کوئی حرف سند نہ لائے اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یونہی من گھڑت پر گزر جائے اصلاً سند کا نام نہ آئے لہٰذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرمادی، اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت، تو جواب یہی ہوگا کہ کچھ نہیں مگر آخر حدیث صحیح ہے اس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو اسی نیت سے ہم نے لکھ دی وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی (اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے کہ نوٹ اہل عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے کچھ تفاوت

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

نہیں سمجھتے اور جو جمیع احکام میں بلاتفاوت عین ہو تفاضل میں بھی عین ہوگا کہ یہ بھی ایک حکم لہٰذا نوٹ میں تفاضل حرام، اس میں کبرٰی تو واضح ہے کہ محتاج استدلال نہیں، اور حدیث کا اس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری عرق ریزی ثبوت صغرٰی میں فرمائی ہے جس کی خدمت گزاری گزری کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں مگر یہ فرمایئے کہ حدیث اس کا کیا ثبوت دیتی ہے اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت اس سے کیا ثابت ہوا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہیں ہاں یہ کہئے کہ جب اہل عرف نے دیدہ و دانستہ کاغذ کو کاغذ، سیم وزر کو سیم وزر سمجھتے ہوئے نیت کرلی کہ یہ کاغذ جمیع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے تو ان کے حق میں عین ہوگیا کہ اعمال نیت پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت۔

اقول: نوٹ کا بعینہٖ سونا چاندی ہونا کوئی عمل نہیں، بیع و شراء وغیرہ معاملات عمل ہیں اور نوٹ ان کا محل اور محل تابع نیت نہیں ورنہ عندیہ کا مذہب لازم آئے زوجہ میں ماں ہونے کی نیت اسے حرام ابدی کردے حالانکہ بنص قطعی قرآن اسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی صرف یہ قول باطل وگناہ ہوتا ہے۔

قال تعالٰی "اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں وہ ان کی ماں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بیشک ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اور عکس کی نیت او بھی شنیع و ناپاک تر ہے یوں ہی اگر بفرض غلط تسلیم کرلیا جائے کہ اہل عرف نے نیت کرلی کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی اور بذاتہ سونا چاندی ہے تو ان کی نیت سے نہ وہ کاغذ سے سونا چاندی ہوجائے گا نہ اصطلاحی سے خلقی، ان کا اختیار اصطلاح تک ہے تو اس سے ثمن اصطلاحی ہوگا، نہ خلق وآفرینش پر کہ ثمن خلقی ہوجائے۔ "لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ" [2] (اللہ تعالٰی کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ت) پھر فرمایئے حدیث کو یہاں کیا علاقہ ہوا۔ **قولہ ولکل امرئ ما نوی** [3] (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۰

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

اقول: الحمدللہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کرلیں کہ اہل عرف نے وضو کرکے نیت باندھ لی ہے کہ نوٹ بعینہٖ سونا چاندی ہے دوسرا اس سے بڑھ کر اشد باطل ________ یہ مان لیں کہ دیدہ ودانستہ ان کی اس غلط نیت سے شرع نے بھی ان کے حق میں اسے سونا چاندی کردیا، تیسرا باطل یہ اوڑھ لیں کہ شرع نے اسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے نہ کہ مالیت میں، اس زبردستی کے سونے چاندی میں اسے بالکل پلٹ دیا کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے نہ کہ وزن میں، اب تو بالکل سب گھڑتیں آپ کی من مانتی مان لیں مگر **الحمد اللہ** یہ حدیث بتارہی ہے کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید وعمرو باہم سو روپے کو بچیں مول لیں خواہ ایک روپیہ کو سب حلال جناب من! جب یہاں تفاضل کا مبنی مالیت پر ٹھہرا اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے آپ خود فرماچکے ہیں کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں تو اہل عرف ہی کی اصطلاح ونیت نے اسے دس روپے کا کردیا اور ان کی اصطلاح ونیت ان دونوں عاقدوں پر حاکم نہیں انہیں اپنی جدا اصطلاح ونیت کا اختیار ہے آپ خود حدیث نقل کرتے ہیں: **لکل امرئ مانوی**[1] (اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) ہر شخص کے حق میں اس کی نیت کا اعتبار ہے، نیز رسالہ کا صفحہ ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۳۴ ملاحظہ ہو، تو جب زید وعمرو نے اپنے معاملہ میں اس اختیار کی بناء پر جو شرع مطہر نے ان کو دیا اصطلاح عام کی پیروی نہ کی بلکہ اس سے عدول کرکے جو نوٹ عرف عام نے دس روپے کا ٹھہرایا تھا سو روپے یا ایک ہی روپیہ کا قرار دیا ان پر اصلاً اس میں مواخذہ نہیں، نہ زنہار مالیت میں کچھ تفاضل ہوا کہ مالیت بربنائے اصطلاح تھی، ان کے حق میں وہی مالیت ہے جو انہوں نے باہم قرار دے لی اس لئے کہ **لکل امرئ مانوی**[2] (ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) ہر شخص اور اس کی نیت حدیث سے اچھا استدلال کرنے چلے کہ اور لینے کے دینے پڑگئے۔

لطیفہ جلیلہ: یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب ے گل سرسبد بنایا اور آخر میں **ھذا سنح لی**[3] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ت) فرمایا یعنی یہ وہ ہے جو اچانک میرے خیال

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

میں آیا مولوی صاحب کی انی سعی بازو نہیں بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر غفرلہ کے فتوی سے اخذ کی ہے تیس برس ہوئے فقیر کے پاس اس کاسوال آیا تھا کہ نوٹ پر بٹا لگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں، فقیر نے نظر فقہی کا مقتضٰی جواز بتایا اور تنویر الابصار و عامہ کتب سے اس پر استدلال کیا، میرا یہ فتوی مولوی صاحب کے یہاں پہنچا جسے انہوں نے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں درج کیا کہ اس کی جلد دوم میں میں فتوی حامی سنت جناب مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ طبع ہوا اور وہیں سے مجھے ملا کہ اس وقت تک مجھے اپنے فتاوے رکھنے کا التزام نہ تھا اور اسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتوی معلوم ہوا جس پر مجموعہ فتاوٰی مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے اور میر فتوی نمبر ۱۲۴ ہے، دونوں میں حکم جواز ہے، پھر ایک چار سطری فتوی بعض علمائے مدراس کا نمبری ۱۲۵ ہے اس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے اس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتوی ہے جس میں انہوں نے فتوی فقیر کے بعض کلموں سے تعرض کیا اور باقی کا کچھ جواب نہ دیا، میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کتب فقہیہ میں اس کا ذکر مصرح نہیں مگر تمام کتب کا ضابطہ کلیہ حکم جواز بتارہا ہے حکم لکھ کر اوہام کا جواب دے کر آخر میں **ماظھر لی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ہوا، اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت) مولوی صاحب نے اس بنا پر کہ میرا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے اپنے مخیلات پر عامل ہوئے آخر میں **ھذا ماسنح لی واللہ اعلم بالصواب**[1] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحنہ اللہ تعالٰی علیہ بہتر جانتا ہے۔ت) لکھا یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہوئی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتوی میں بنام وہم لکھ کر رد کردی تھی مولوی صاحب نے دلیل تو اٹھالی اور رد کے جواب سے عہدہ برآئی نہ کی میرے فتوی میں بعد بیان حکم و عبارت کتب تھا "مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہوگیا لیکن غیر فقیہ کو ایسی جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے مگر عرف واصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعوض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہہ نہیں تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریر دینا چاہئے"۔ دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اسی کو

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

صفحہ بھر میں پھیلایا مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہو سکا،

اولاً: مولوی صاحب نے ثمن خلقی سے عینیت لی جس کے تحت میں اجناس داخل، اور اس کے سبب جو اعتراضات ہوئے آپ نے سنے میں نے ابتداءً ہی روپے کی تخصیص کی کہ گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے۔

ثانیاً: مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی کہ بار بار فرمایا "عین ثمن سمجھا جاتا ہے" فرمایا "عین ثمن خلقی ہے" اس پر جو اعتراضات قاہرہ وارد ہوئے ناظرین کے پیش نظر ہیں فقیر نے انہیں کے انسداد کو لفظ گویا زائد کر دیا تھا "گویا بعینہٖ روپیہ ہے، گویا وہ سو روپے تھے"۔

ثالثاً: ولوی صاحب نے اہل عرف کے سر یہ تھوپا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا جس کا رد سن چکے، میں نے اسے ان لفظوں میں ادا کیا تھا کہ "عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے" جس سے وہ اعتراض کہ بربنائے لفظ احکام وارد ہے وارد نہ ہوا، ہاں میں نے غیر فقیہ کے لئے بی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نوٹ بیچنے میں اس کی قیمت لینی مقصود نہیں ہوتی بلکہ سو روپے بیچنا اور روپیوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے یہ خاص مولوی صاحب کا حصہ ہے اس کے اعتبار سے ان کا ماسخ لی فرمانا بجا ہے **لکل ساقطۃ لاقطۃ** (ہر گری پڑی شیئ کو کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔ت) اب جواب کی طرف چلئے، فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کر کے لکھا "مگر جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان ہے" (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے ص ۱۳۳ سے ۱۳۷ تک گزریں بیان کر کے لکھا "نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو غایت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا کہ اصل خلقت میں سلع ہے مگر بسبب تعارف ثمن ٹھہرا ہوا ہے اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا سیم وزر کے کچھ نہیں لہذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں تو ناچار اس کی تقدیر اثمان خلیقہ ہی سے کریں گے اس لئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں ٹھہرایا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا فلاں دو سو کا فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس وقدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلس سے چونسٹھ پیسے کا عین نہ ہوگئے یونہی اس قرار داد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہو جائے گا پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں، باقی رہا عرف واصطلاح اس کا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت انہوں نے ٹھہرادی ہے یہ اس سے کم وبیش نہ کرسکیں، یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں چاہے سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں یا ہزار اشرفی کو خریدلیں صرف تراضی درکار ہے وبس۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لو باع کاغذۃ بألف یجوز ولا یکرہ[1] الخ۔	اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار کا بیچا تو بلا کراہت جائز ہے۔ الخ (ت)

آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے بتعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہاء نے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا، (پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں لکھ کر کہا "جب یہاں تک شرعًا جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہوسکتا ہے کہ یہاں نہ تو قدر متحد نہ جنس واحد الی اٰخرہ"۔ یہ ہے **بحمد اللہ تعالٰی** وہ نفیس منیر تقریر کہ بنگاہ اولیں قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائض ہوئی تمام رسالہ گویا اسی کی شرح اسی کے اجمال کی تفصیل ہے والحمدللہ رب العالمین میرے بیان کا حاصل چند امر تھے:

(۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔

(۲) ان میں قدر مشترک نہیں۔

(۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اسے اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔

(۴) روپیوں سے اندازہ قیمت نے اسے روپے نہ کردیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے۔

(۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم و بیش کریں۔

(۶) علماء نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا۔

(۷) پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرمائی۔

(۸) خود ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔

مولوی صاحب نے اولاً یکم کے جواب کو وہی وہم سیکھا جسے لفظ گویا اڑا کر بالکل کھویا، مگر دوم سے کچھ تعرض نہ کیا یا شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہتے کہتے عینیت حقیقیہ فی الاجسام سمجھ لئے ہوں یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا کردیا پھر اتحاد قدر کیوں نہ ہوگا کہ شے اپنے نفس سے مختلف نہیں ہوسکتی۔

ثانیًا: ادعائے عینیت پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے کہ نوٹ عرفًا جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائیں گے کہ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

اسی کو میں نے ان صحیح و مختصر الفاظ سے تعبیر کیا کہ عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے میں نے امر سوم میں جو اس کا رد کیا تھا کہ اس سے ثمن اصطلاحی ہو نہ خلقی اس کا جواب غائب۔

ثالثاً: اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی لائے جسے بیگھیوں میں پھیلایا اور بات اتنی ہی ہے جو میں نے لکھی کہ لین دین میں سو کا نوٹ اور سو روپے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا اور میں نے امر چہارم میں جو اس کا رد کیا کہ عرف نے اسے ثمن بنایا اور اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوگا لہٰذا اس نوٹ کا اندازہ سو سے کیا اور سو روپے کی جگہ کام آیا جیسے سولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا اور روپے کی جگہ کام آئے نہ یہ کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہوگئے اس کا جواب غائب۔

رابعاً: امر پنجم میں جو میں نے ایک عظیم قاہر رد کی طرف اشارہ کیا تھا جو سب کچھ مسلم ٹھہر کر لگی نہ رکھی جس کا بیان ابھی صفحہ ۱۳۴ میں گزرا اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن عظیم واحادیث نبی کریم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم شاہد اس کا جواب غائب۔

خامساً: تین امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے نظائر دکھائے تھے ان میں بھی امر پنجم یعنی روپے اشرفی کی کری مثال کا جواب غائب، اور ہفتم کے جواب کی خدمت گزاری سن چکے اور ششم کا جو مزہ دار جواب سب میں آخر میں دیا ہے اس کا لطف ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب اٹھایئے گا، غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا اور تین کا جواب وہ دیا کہ نہ دینا اس سے ہزار جگہ بہتر تھا۔

الحمدللہ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ اجلہ اکابر فضلاء کہ ائمہ مجتہدین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اقوال کو پرکھنے کا ادعار کھیں کہ قال ابوحنیفۃ کذا والحق کذا (ابوحنیفہ نے یوں کہا اور حق یوں ہے) "استدلوا لابی حنیفۃ بوجوہ والکل باطل (ابوحنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے اور سب باطل ہیں) "ھھنا وھم اٰخر لصاحب الکتاب" (یہاں اس کتاب والے (یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کا ایک اور وہم ہے) ایسے گرانمایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ کے گدایان در کے غلامان غلام کے خاک پاکے زلہ رباؤں کے ادنٰی خوشہ چیں سے خلاف کریں تو اپنے لئے دلیل اسی سے سیکھ کر لکھیں اور وہ بھی جس روش پر اس نے ادا کی ادا نہ کرسکیں پھر اس نے جو اس کے جواب دیئے ان سے عہدہ بر آنہ ہوں، اس کے کلام کے مقاصد و فوائد تک نہ پہنچیں اکثر سے سکوت کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں، طولانی تقریر فرمائیں جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ت) کے گہرے رنگ میں رنگا ہوا ایک ایک لفظ ایک حرف پر ھٰھنا وھم آخر (یہاں ایک اور وہم ہے۔ت) کا ویرا پڑا ہو یہ امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ نائل العلم

من الثریا ابو حنیفہ اور ان کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ حاشا میں اس سے مولوی صاحب کی کسر شان نہیں چاہتا، وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل المقدار اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبی للغرباء (غریبوں کے لئے خوشخبری ہے۔ت) کا بلا استحقاق محض ان کے فضل سے امید وار، بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرامت عالیہ کا اظہار ہے وبس، الٰہی! تیری بے شمار رضائیں ابو حنیفہ پر اور ان سب پر جو عقائد میں ان کے موافق ہو کر اعمال میں ان کے مقلد ہیں، یونہی بقیہ ائمہ مجتہدین کرام اور ان کے ایسے ہی مقلدوں پر تا روز قیام وعلٰی حبیبنا وشفیعنا افضل الصلوٰۃ والسلام (ہمارے حبیب اور شفاعت فرمانے والے پر بہترین درود سلام ہو۔ت)

تنبیہ: اتنا ملحوظ رہے کہ میدان **بحمد اللہ تعالٰی** ہمارے ہاتھ ہے مقاصد بحث پر ہمارے سب اعتراض حق ولاجواب ہیں اور بعض کے بیان مولوی صاحب پر ہیں اگر اہل تاویل تبدیل وتحویل کریں تو بعد ورود اعتراض تسلیم اعتراض ہے، کاش مولوی صاحب اس شبہہ کا بیان ہم سے کرالیتے تو بہت بادی چھنٹ جاتی اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا کہ رد میں ایک مختصر سا کلام ہوتا اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کہہ نہ جانا مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی کہ یہاں تک نوبت آئی بہر حال ہمیں ہر طرح نفع ہے **وللہ الحمد**۔

تسجیل جلیل: چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جائیے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں آپ کے فتاوٰی کی تیسری جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کرکے انکے جواب لکھے اور ان میں دو جلدیں پیشین کے اغلاط کی جابجا اصلاح کی، جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں اسی کے باب الربا کا پہلا سوال وجواب دیکھئے جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی اور دل ہی دل میں انصاف کرلیجئے کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

سوال: ربا چیست؟ **جواب:** فضل احد المتجانسین کیلاً یا وزناً بر دیگرے در معاوضہ مالیہ بلا عوض، در بحر الرائق آورد **ولیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاسترباح وانما المراد فضل مخصوص**	**سوال:** سود کیا ہے؟ **جواب:** مالی معاوضہ میں دو ہم جنس چیزوں سے ایک کی کیل یا وزن کے اعتبار سے دوسری پر بلا عوض زیادتی۔ بحر الرائق میں وارد ہے کہ مطلق زیادتی بالاجماع مراد نہیں کیونکہ تمام مسلم ممالک میں بازاروں اور منڈیوں کا کھلنا زیادتی اور نفع کے حصول کے لئے ہوتا ہے بلکہ بیشک مخصوص زیادتی

وھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانس علی الاٰخر بالمعیار الشرعی ای الکیل والوزن[1]، **انتھی۔**	مراد ہے اور وہ مال کے عوض مال میں بلا عوض مالی اضافہ اور زیادتی ہے یعنی دو ہم جنس چیزوں میں سے ایک کی دوسری پر زیادتی معیار شرعی یعنی کیل ووزن کے ساتھ ،انتہی۔(ت)

دیکھئے کیسی کھلی تصریح ہے کہ ہر زیادت سود نہیں، بازار کھلے ہی اس لئے ہیں کہ زیادت ملے نفع ہاتھ لگے بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے کہ دو متحد الجنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں کہ تول یا ناپ سے بکتی ہوں ایک دوسری سے خاص اسی ناپ یا وزن میں زائد ہو اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا یہاں لحاظ نہیں، بیشک ہمارے علماء کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے شکر ہے کہ اس کے آپ مقر ہوئے اور **والکل باطل** (اور سب باطل ہے۔ت) نہ فرمادیا مگر اس اقرار نے اس تقریر کو **والکل باطل** (اور سب باطل ہے۔ت) بنادیا، نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں، بچہ بھی جانے گا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہوسکتے، اور بفرض باطل مجانست سہی تو نوٹ تول کر نہیں بکتا، اور اگر تول بھی موجود ہو تو سو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سود ہو کہ سو روپے بلا شبہ تول میں نوٹ سے کہیں زائد ہیں اور آپ اسی کو واجب کر رہے ہیں تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کردیا تو مفر د ہی ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں یا تول نہیں یا دونوں نہیں بہر حال آپ ہی کے اقرار سے کھل گیا کہ چاہے دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچیے یہاں ربا آہی نہیں سکتا کہ یہ اس کی تعریف ہی میں داخل نہیں، **وھو المقصود** (اور وہی مقصود ہے۔ت)

قولہ: اور اگر اسمیں ربا حقیقۃً نہ ہو تو شبہ ربا سے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے شبہہ ربا باعث حرمت ہے[2]۔

اقول اولاً: یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے، خود بھی سمجھے کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں آتی لہٰذا شبہہ کے ٹھیلے کی طرف جھکے مگر کیوں مفر نہیں اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو اولاً منقح کرنا تھا کہ شبہہ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے شبہہ متحقق ہوگا۔ ثانیاً ادھر ادھر خواب جھانک لینا تھا کہ تصریحات ائمہ سے اس پر نقض تو نہیں پڑتا کہ تنقیح کا تنقیہ کردے۔ ظاہر ہے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵، ۹۴

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

کہ نوٹ میں تحقق شبہہ منصوص نہیں کہ تقلیداً حکم مان لینا پڑے اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبہے ہوں ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منقد۔ بہت دلائل علمائے متاخرین **شکر اللہ تعالٰی سعیھم** نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں ان میں کسی دلیل کا تنزلزل حکم کا بطلان نہیں، ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو اور یہاں تو آپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے تو جب تک مناط کامل طور پر مضبوط اور تمام نقوض و شبہات سے منزہ نہ کرلیجئے نرا زبانی قیاس محض وسواس۔ ثالثا اس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھا کہ وہ مناط نوٹ میں متحقق، اس وقت آپ کا فرمانا قابل سماعت ہوتا اور خالی دعوٰی تو پادر ہوا

ثانیًا اپنی جلد سوم باب الربا کا فتوٰی یاد کیجئے کہ چھٹانک بھر گیہوں سوا سیر گیہوں کے عوض بیچنا آپ نے جائز مانا، یونہی ایک سیب دو سیب کو، یہاں تو جنس یقینا متحد تھی اور زیادتی بداہۃً معلوم، یہاں شبہہ ربا کیوں نہ جانا، آپ کی عبارت یہ ہے:

سوال: بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت گندم عوض دو مشت گندم جائز ست یا نہ؟ **جواب:** جائز ست چہ معیار شرعی نصف صاع ست نہ کم ازاں پس در کم از نصف صاع تفاضل درست ست، در عالمگیریہ می آرد یجوز بیع الحفنۃ بالحفنتین والتفاحۃ بالتفاحتین ومادون نصف الصاع فی حکم الحفنۃ[1] انتہی۔	**سوال:** ایک سیب کی بیع دو سیبوں کے بدلے میں یا ایک مٹھی گندم کی بیع دو مٹھی گندم کے بدلے میں جائز ہے یا نہیں؟ **جواب:** جائز ہے کیونکہ معیار شرعی نصف صاع ہے نہ کہ اس سے کم، لہٰذا نصف صاع سے کم میں زیادتی جائز ہے، عالمگیری میں آتا ہے کہ مٹھی بھر کی بیع دو مٹھی بھر سے ایک سیب کی بیع دو سیبوں سے جائز ہے اور نصف صاع سے کم ایک مٹھی کے حکم میں ہے۔ (ت)

ثالثًا: رسالہ صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰ پر بحر الرائق کا ارشاد دیکھئے کہ ایک پیسہ سو پیسے کو بیچنا جائز، یہاں بھی اتحاد جنس قطعی اور زیادت بدیہی، پھر شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

رابعًا: آپ کو اگر کاغذ اور چاندی کا دو جنس ہونا نہ معلوم ہو تو انہیں اہل عرف سے پوچھ دیکھئے جن پر آپ کے خیال کا سارا دار ومدار ہے کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے یہ بیس کی یہ پیسے اٹھنی کے ہیں یہ چوانی کے، یہ نہیں کہتے کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے یہ پیسے اٹھنی چوانی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵

ہیں اسی طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ نوٹ دس کا ہے یہ سو کا، یہ نہیں کہتے کہ یہ نوٹ دس روپے ہے، خود آپ نے فرمایا ہے کہ "نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کردے"، اور فرمایا "سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے"، اور فرمایا "نوٹ سو روپے کا دیوے" اتحاد جنس کا نشہ اس سے اتار کر، وہ مسائل یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے فرمائے کہ:

۱۔ ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سو اشرفیوں کو بیچنا جائز۔ ص ۱۶۳۔

۲۔ ایک پیسہ ایک روپیہ بلکہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ص ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۷۷۔

۳۔ ایک اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ ربا ہے نہ شبہہ ربا۔ ص ۱۸۳ و ۱۸۴۔

ان میں شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

خامسًا: بتصریح ائمہ یہاں شبہہ علت مثل علت اور حکم علت لازم علت، تو یہاں علت ہو یا شبہہ علت، بہر حال لزوم حکم علت اور حکم علت تحریم تفاضل فی القدر ہے تو سو کا نوٹ جو آپ سو کو بیچنا جائز کر رہے ہیں صراحۃً سود حلال کر رہے ہیں۔

قولہ: علاوہ ازیں جو بیع و شرائے نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا مقصود اس کو بجز اس کے کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہو جائیں اور کچھ نہ ہوگا مگر بطور حیلہ کے وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا اور پر ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کا نہیں ہوسکتا[1]۔

اقول اولًا: قصور معاف ع

مستی از بادہ شبانہ ہنوز

(جوانی کی مستی ابھی موجود ہے۔ت)

بعوض کم روپیہ کے کہنا باطل ہے نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے، روپیہ ایک بھی نہیں نہ کم نہ زائد۔ ہاں یوں کہے کہ کم روپیوں کا مال دے کر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے پھر اس میں کیا گناہ ہے دنیا بھر کی تجارتیں اسی لئے ہوتی ہیں آپ خود جلد ۳ میں بحرالرائق سے نقل کرچکے ہیں کہ مطلقًا زیادتی بالاجماع حرام نہیں، تمام جہاں میں بازار اسی لئے کھولے گئے ہیں کہ زیادتی ملے نفع حاصل ہو۔

ثانیًا: آپ کی "علاوہ ازیں" کہہ رہی ہے کہ اب ربا و شبہہ ربا دونوں سے قطع نظر فرماکر

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷-۹۸

یہ تیسرا پہلو لیا ہے کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہو، ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہ ہو، مگر اس نے زیادہ ملنے کا حیلہ کیا اس لئے (زبردستی) حرام ہے، اب فرمایئے اگر زید عمرو سے سو روپے قرض مانگے عمرو کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اس کے ہاتھ مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد پچیس روپے کو بیچے وہ قبول کرلے پھر عمرو سو روپے زید کو قرض دے اور قرض کے بدلے سو ہی لے پچیس اپنے اس کاغذ کے جدا لازم کرے تو اس میں حرمت کدھر سے آئے گی آیا اس لئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ پچیس روپے کو بیچا، تو آپ تو ابھی فرمانے والے ہیں کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے پچیس کو کیوں حرام ہوا، یا اس لئے کہ اس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا تو وہ صورت بتایئے کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے اور نفع لینا نہ ہو، یا اس لئے کہ قرض پر نفع لیتا ہے قرض میں تو وہ پورے سو کے سو لے رہا ہے اس پر نفع کہاں، یا اسلئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے تو قرض تو اس وقت تک دیا بھی نہیں سبب کہاں سے متحقق ہوا، یا اس لئے کہ ان کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے تو اس کا ثبوت شرع سے دیجئے کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونے والا ہو تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہو جائے وہ بیع کہ بلاشبہہ حلال تھی حکم تحریم پائے، حالانکہ یہاں تو آیندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں آئندہ غیب ہے اور غیب مجہول اور انسانی ارادہ ممکن التخلف نکاح میں کہے کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا تو ناجائز و حرام، اور اگر نکاح کرے اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو تو بیشک حلال۔

ثالثاً: صفحہ ۱۹۴ پر وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الائمہ حلوانی وامام شمس الائمہ زرنجری وامام بکر خواہر زادہ و بحر الرائق ورد المحتار وغیرہا یاد کیجئے کہ پہلے بیع کرکے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم، امام ابویوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق بلا کراہت جائز و حلال ہے کہئے یہ کیوں حلال ہوا، ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور حیلہ کیا۔

رابعاً: اپنی یاد کیجئے جلد دوم فتوٰی نمبری ۴۴ میں حکم تھا کہ گیہوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے، اس پر سائل نے شبہہ کیا تھا کہ یہاں ربا نہیں تو شبہہ تو ہے اور شبہہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اس کا آپ نے جواب فرمایا کہ "خدشہ ربا کا یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم ودنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے اور نہ شبہہ ربا، اگر دو سیر گیہوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے کوئی شخص بعوض ایک روپیہ نقد بیچے تو بھی درست ہے ایسے ہی اگر نسیہ میں قیمت بڑھائے اور مشتری راضی ہو جائے تب بھی درست ہے"[1]

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۱

اقول: یہ "اب بھی تب بھی" فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے یا بلا قید۔ بر تقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲ / کے گیہوں ایک روپے کو بیچنا حلال اور دو یا دس یا سو کو حرام۔ چو آب از سر گزشت چہ یک نیزہ چہ یک دست (جب پانی سر سے گزر گیا تو کیا ایک نیزہ اور کیا ایک ہاتھ، یعنی دونوں برابر ہیں۔ت) بر تقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گیہوں سو روپے بلکہ انصافاً ایک روپے کو بھی ہر گز خریدنے نہ بیٹھے گا جب تک کوئی دباؤ نہ ہو اور بیچنے والا ۲/ کا مال دے کر سو روپے لینے میں ضرور براہ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہے گا، پھر ربا و شبہہ ربا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا۔

خامسًا: (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے اور رسالہ ص ۱۷۰ سے ۱۷۴ تک گزرے یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا۔

سادسًا: یہی چھ کیا ہزار حیل ہیں جن کی تصریحات جلیلہ کلمات ائمہ میں مذکور اگر ان کو جمع کیجئے تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہونگے سر دست عالمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ وہ کہ ساری کتاب کی کتاب اسی میں ہے۔

سابعًا: آپ خود اپنی ہی نہ کہئے، سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤطا میں روایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "خرما خرما برابر کرکے بیچو"۔ اس پر عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! خیبر پر حضور کے صوبہ دار تو دو صاع کو ایک صاع لیتے ہیں، ارشاد ہوا: انہیں بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو جنیب کی ایک صاع بیچتے ہیں یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

بع الجمع بالدراہم ثم ابتع بالدراہم جنیبا[1]۔	یہ قسم (جمع) روپوں سے بیچ کر وہ قسم (جنیب) روپوں سے خرید لے۔

اس پر آپ حاشیہ لکھتے ہیں:

علمہ صورۃ لاتدخل فیہ الربا مع حصول المقصود[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو وہ صورت سکھا دی جس میں ربا نہ آنے پائے اور مطلب حاصل ہو جائے۔

[1] المؤطا للامام محمد باب الربوٰ فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۴-۳۵۳

[2] التعلیق الممجد علی مؤطا محمد باب الربوٰ فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۳

جناب من ! اسی کا نام تو حیلہ شرعیہ ہے پھر اس سے حکم حلت نہ ہو سکنا کیا معنی، کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ بات بتارہے ہیں جس سے حلت نہ حاصل ہو حرام کا حرام رہے، **والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔

ثامنًا: اس کے متصل امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو سعید خدری و ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ حدیث [1] روایت فرمائی جو رسالہ کے ص ۱۹۵و۱۹۶ پر گزری اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی حیلہ تعلیم فرمایا ہے جس پر آپ نے خود حاشیہ لکھا کہ:

اشار الیه بما یجتنب عن الربا مع حصول المقصود [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ایسی بات کا اشارہ فرمایا جس میں ربا سے بچ جائے اور مطلب ہاتھ آئے۔

سیدنا امام محمد نے یہ حدیثیں روایت کرکے فرمایا:

بهذا کله ناخذ وهو قول ابی حنیفة و العامة من فقهائنا [3]۔	یہ سب باتیں ہماری مختار ہیں اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ اور ہمارے سب فقہاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔

رہا حاشیہ میں آپ کا فرمانا کہ حنفیہ وغیرہم نے اس سے جواز حیلہ پر استدلال کیا اور حق یہ کہ ایسی جگہ اعتبار نیت کا ہے [4]۔

اقول اولا: یہاں کی کیا تخصیص ہے سبھی جگہ اعتبار نیت کا ہے بایں معنی کہ بدنیت فاسد ارادے سے جو کام کیا جائے گا ممنوع ہوگا، حیلہ تو حیلہ اگر بدنیت سے نماز پڑھے تو وہ بھی حرام ہو ؎

کلید در دوزخ ست آں نماز   کہ در چشم مردم گزاری دراز

(وہ نماز دوزخ کی چابی ہے جس کو تو لوگوں کے دکھلاوے کیلئے لمبا کرکے پڑھے)

ثانیًا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم فرمارہے ہیں جس کا خود آپ نے اقرار کیا، تمام

---

[1] الموطا للامام محمد باب الربوٰ فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[2] التعلیق الممجد علی موطا محمد باب الربوٰ فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[3] الموطا للامام محمد باب الربوٰ فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[4] التعلیق الممجد علی موطا محمد باب الربوٰ فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

ائمہ مذہب اس پر عمل فرمارہے ہیں جس کا امام محمد نے اظہار کیا، اب یہ آپ کی "**والحق**" اگر اس کے موافق ہے چشم ماروشن دل ماشاد (ہماری آنکھیں روشن اور ہمارا دل خوش ہے۔ت) اور اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اور ائمہ مذہب کے اتفاق کے خلاف کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چننی چاہتے ہیں جیسا کہ ظاہر عبارت ہے تو وہ آپ ہی کو مبارک رہے اہل حق کے نزدیک بجوئے نیرزد" (ایک جو کے لائق بھی نہیں۔ت)

ثالثاً: آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ کیانیت ہو تو حیلہ جائز ہے اور کیا ہو تو ناجائز، اگر یہ مقصود کہ بیچ میں مبادلہ دراہم صرف برائے نام ہو، نہ یہ قسم خرما دراہم سے بیچنی مقصود ہو نہ وہ قسم دراہم خریدنی، بلکہ منظور انہیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر دراہم بیع تلجیہ کے طور پر محض اسم فرضی تو یہ ضرور صحیح ہے، مگر امام اعظم وامام محمد وجملہ ائمہ مذہب نے معاذاللہ اسے کب جائز کیا تھا، حضرت وہ تو حیلہ شرعیہ کو جائز فرمارہے ہیں جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم دی یہ ناپاک حرکت "حیلہ شرعیہ ہی کب ہوئی" بلکہ قصداً شرع کی مخالفت اور صورۃً عالم الغیب کو دھوکا دینا، پھر آپ نے جملہ ائمہ مذہب کے مقابل اپنی "**والحق**" کی الگ چنائی کا ہے پر چنی۔ اور اگر یہ مقصود کہ اگرچہ یہ قسم روپیوں سے بیچ کر وہ قسم روپیوں سے خریدنی مقصود ہو مگر اس فعل پر باعث وہی غرض ہو کہ یہ قسم ہماری ملک سے خارج ہو کر وہ قسم داخل ہو جائے اسے ناجائز کہتے ہو تو قصور معاف، یہ معاذاللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اصلاح دینی ہے ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے، ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا، خود حدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری سے صفحہ ۱۹۵و۱۹۶پر گزرا کہ جب تو مول لینا چاہے تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنئے اپنی ہی، دونوں جگہ لفظ دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ صورت سکھادی جس میں ربا سے بچ جائے اور مقصود حاصل ہو جائے، کہئے تو وہ کیا مقصود تھا جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا، اس کے بعد جو آپ نے امام اعظم وامام محمد وائمہ مذہب کے رد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اس کے استاذ ابن تیمیہ بدمذہب سے ذکر کی ہے اس کا ایک ایک حرف حرف ہذیان یا مجنون کی بڑ ہے، آپ خود اس کے بعد اتنا لکھ گئے کہ یہاں طویل بحثیں ہیں کہ مبسوط کتابوں میں ملیں گی [1] جس سے آپ کو کہنے کی گنجائش رہی کہ میں نے اس نقل کو مقبول نہ رکھا لہٰذا ہم بھی اس کے رد سے تطویل نہ کریں کہ یہاں تو غرض آپ سے مکالمہ ہے۔

[1] التعلیق الممجد علٰی مؤطا امام محمد باب الربٰو فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۷

تاسکا جانے دیجئے گول ہی رہیں اور نیت کا پردہ نہ کھولیں اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہوا کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے، جناب من! پھر یہاں یہ مطلق جبروتی حکم کیسا کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت نہیں ہوسکتا[1]۔

قولہ: تہذیب الایمان میں ہے[2]۔

اقول: مولوی صاحب! عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اتنے اعلٰی پائے پر ہو کہ ائمہ مجتہدین کی جانچ پڑتال کرے ان کا حق و باطل نکالے وہ اور مسائل شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا گرے کہ مجاہیل و بے قدر و بے وقعت زید و عمرو سب سے استناد کرے کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں کہیں رسالہ اسلمی سے، اور اتر کر اربعین میاں اسحٰق دہلوی سے، کہیں اور گھٹ کر ان کے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے، کہیں سب سے بدتر صراط مستقیم اسمٰعیل دہلوی سے، انہیں مجاہیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہوگی جس پر بعض اصحاب نے کہا کہ آج تک تہذیب المنطق، تہذیب الکلام، تہذیب الاخلاق، تہذیب الآثار، تہذیب النحو سنی تھی، معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں کیا بے تہذیبی سوجھی کہ اس کی تہذیب لکھی آپ استناد کرتے وقت جب ایسوں کی تقلید تک اتر آتے ہیں تو مسئلہ نوٹ میں حضرت مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا فتوی آپ کے سامنے تھا اور وہ آپ کے ان اکثر مستندین سے ہر طرح اعلٰی و اعلم و افضل و اکمل تھے کاش اس میں ان کی تقلید فرمالیتے تو جھگڑا چکتا۔

قولہ: انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ماشرعھا اللہ لہ فیصیر مخادعا لدینہ کائدالشرعہ[3]۔	**قولہ:** بے شک حرام یہ ہے کہ عقود شرعیہ سے اس شے کا غیر مقصود ہونا جس کے لئے اللہ تعالٰی نے ان عقود کو مشروع فرمایا کیونکہ ایسا کرنیوالا اسکے دین سے دھوکا اور اسکی شرع سے مکر کرنیوالا ہوگا۔ (ت)

اقول: یہ بالکل ہمارے موافق ہے وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اس کا مقصود شرعی مراد نہ ہو، یہ وہی صورت ہوئی کہ بیچ میں بیع دراہم کا نام بلا قصد مبادلہ محض بطور اسم فرضی لے اس کی حرمت میں کیا کلام ہے، اور جب بیع سے حقیقۃً مبادلہ ملک کا قصد کیا تو یہی مقصود شرعی ہے جس کے لئے شرع نے اسے مشروع فرمایا تو جب آپ کی اسی سند کی رو سے اس کی حرمت ناممکن۔ پھر نوٹ میں تو اس کو کچھ دخل ہی نہیں، نوٹ بیچنے خریدنے والے یقینا یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی ملک سے

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

نوٹ خارج ہو کر مشتری کی ملک میں آئے اور مشتری کی ملک سے روپے خارج ہو کر بائع کی ملک میں آئیں، شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے تو اسی عبارت کے حکم سے اسکی حلت واجب۔ اگر کہئے مراد یہ ہے کہ اس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے چاہے، مگر روپے دے کر زیادہ روپے لیتا تو سود ہوتا اسی لئے نوٹ بیچ کر روپے لئے کہ جنس بدل جانے سے رباجاتا رہے۔

اقول: تو کیا گناہ کیا، اس نے گناہ سے بچنا ہی تو چاہا، گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو تو مفر کدھر، شرع نے بیع اس لئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیات شرعیہ سے بچ کر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کرلو، وہی اس نے چاہا تو مقصد شرعی کی نہ کہ مخالفت، پھر حرمت کدھر سے آئی۔

قوله فان مقصوده حصول الذی حرم الله بتلك الحیلة او اسقاط ما اوجبه[1] انتهی۔	**قولہ** کیونکہ اس حیلہ سے اس کا مقصد اس چیز کو حاصل کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا یا اس چیز کو ساقط کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے واجب کیا، انتہی۔ (ت)

اقول اولاً: حرام مراد لازم المحرمۃ ہے جس سے حرمت کبھی جدا نہ ہو یا وہ جسے حرمت عارض منفک ہے۔ برتقدیر اول اسی لازم المحرمۃ کو اختیار کرے گا یا اس سے کسی امر جائز کی طرف عدول وفرار پہلے صورت پر حیلہ ہی کب ہوا، صراحۃً حرام میں پڑنا ہوا، پھر اس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی، اور دوسری صورت میں شاید حرمت اس وجہ سے ہوگی کہ حرام سے کیوں بچا جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ برتقدیر ثانی شکل کو وہ اختیار کرتا ہے جس میں وہ عارض منفک منفک ہوجائے اور شے حلال محض رہ جائے یا وہ کہ عارض حرمت باقی رہے، صورت ثانیہ پھر حیلہ نہیں اور اولٰی پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

ثانیاً: دور کیوں جایئے خود اپنی سنئے، شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بہ نجاست غلیظہ ہے مسلمان کو اس کا بیچنا حرام، چھونا حرام، اس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام، اب فرض کیجئے کہ ایک مسلمان کی ملک میں ہزار مٹکے شراب آئی مثلاً یوں کہ اول نصرانی تھا اب مسلمان ہوگیا وہ نہیں چاہتا کہ اتنا مال کثیر ضائع ہوجائے، اس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کرلیا، آپ خود فرماتے ہیں کہ جائز وروا ہے اپنے رسالہ **نفع المفتی** میں دیکھئے:

الانتفاع بالمحرم لایجوز کذا قال البرجندی	حرام سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، یونہی برجندی

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

فان قلت یشکل ھذا بالسرقین فانه ینتفع بھا ؏ فی الایقاد قلت الانتفاع بالجنس بالاستھلاك جائز کاراقه الخمر و تخلیل الخمر وھذا کذٰلك فیجوز[1] اھ باختصار۔	میں کہا ہے اگر تو کہے اس پر گوبر کے سبب سے اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ اس سے جلانے میں نفع حاصل کیا جاتا ہے تو میں کہوں گا کہ نجس سے نفع حاصل کرنا نجس کو ہلاک کرکے جائز ہے جیسے شراب کو بہادینا اور شراب کو سرکہ بنانا اور یہ انہیں صورتوں جیسی ہے لہٰذا یہ جائز ہے اھ اختصار۔ (ت)

دیکھئے اس نے یہاں حرام خدا کو کام ہی میں لانا چاہا مگر یوں کہ حرام نہ رہا پھر اس میں کیا حرج ہوا۔

قولہ: پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہوگا[2]۔

اقول: عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے اور شرع مطہر سے یقینا معلوم ہوا کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اس پر لازم نہیں وہ سو کے نوٹ کو روپوں سے کم وبیش پر بیچے تو عند اللہ کسی طرح درست نہ ہو، اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین مانے اور اسے بعینہٖ چاندی سمجھے وہ یہ ماشہ دو ماشہ بھر چاندی سیر پکی چاندی کو بیچے اور سود نہ ہو حلال طیب رہے، اس زبردستی کی کوئی حد ہے، خیر یہ تو پہلے معروض ہوچکا مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اب مولوی صاحب ربا و شبہہ ربا سے قطعی گزر گئے، "علاوہ ازیں" کہہ کر تو ان کے لحاظ ہی سے گزرے تھے اب یہ صورت لیتے ہیں کہ کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جس میں ربا یا شبہہ ربا ہو ورنہ قضاءً جائز ہونا محال تھا اور اس سے ظاہر کہ حکم عینیت کا تسمہ لگا نہ رکھا ورنہ ربا یا شبہہ ربا ہو کر دیانۃً، قضاءً ہر طرح حرام ہونا لازم تھا تو عینیت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے محض اسم بے مسمّٰی ولفظ بے معنی ہوگا کہ اس کا حکم واثر شرعی منتفی ہے اور جب ایسا ہے تو حقیقۃً وشرعًا غیریت محضہ رہی اب خود ہی حاصل اسی قدر ٹھہرا دیا کہ کم روپیوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا، کہئے اس میں کون سا خلاف دیانت ہے۔

قولہ: اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع عینہ اور شراء باقل ماباع وغیرہ ذلک (کسی چیز

؏:الاصوب بہ ۱۲۔

[1] نفع المفتی والسائل مایتعلق بالانتفاع بالاشیاء النجسۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۳۶

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے وغیرہ ذلک۔ت) کی ممانعت مذکور ہے۔[1]

اقول اولا: الحمدﷲ! اب تو آپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں، جی ہاں یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے، کیا ممنوع، ناجائز، حرام، مکروہ تحریمی۔ حاشا ہر گز نہیں، یہ محض غلط و باطل ہے بلکہ جائز، حلال، روا، درست غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا کہ خلاف اولٰی بھی ہے یا نہیں، ہمارے امام اعظم بلا کراہت مانتے ہیں، امام ابویوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں، امام محمد احتیاط کیلئے صرف خلاف اولٰی ٹھہراتے، یہ تمام مباحث رسالہ میں صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰ و ۱۷۳ و ۱۷۶تا ۱۷۸ و ۱۷۹، ۱۸۰ بلکہ ۱۶۴تا ۱۶۶ میں گزرے، اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اٹھئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امام اعظم کے نزدیک جائز و مباح، امام ابویوسف کے نزدیک اجر و ثواب، امام محمد کے نزدیک صرف خلاف اولٰی۔

ثانیًا: وہ خلاف اولٰی بھی اس لئے تھا کہ اس وقت تک مسلمان سود کو سوئر سمجھتے تھے اس کے سایہ سے بھاگتے تھے تو اس امر کی جائز عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا کہ مبادا آگے بڑھ جائیں جیسا کہ اس کا بیان صفحہ ۱۷۹، ۱۷۰ وغیرہما پر گزرا، اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہوگیا جیتا نگلتے ہیں اور شرمانا درکنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے، تو انہیں ایک جائز بات بتانا جس سے ان کا مقصود حاصل ہو اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیر خواہی مسلمین ہے اور اس میں ناحق کے شاخسانے نکالنا مسلمانوں کی صریح بد خواہی، ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے، **والحمدﷲ رب العٰلمین۔**

ثالثًا: شراء ماباع باقل مما باع عند التحقیق ربح مالم یضمن (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے تحقیق کی رو سے اس لئے حرام ہے کہ اس میں اس چیز پر نفع لینا ہے جس کا ضامن نہیں بنا۔ت) کے سبب حرام ہے یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اس پر نفع لینا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادا نہ ہوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے ہلاک ہوجائے تو اس کی جائے مشتری پر اس کا اثر نہ ہو، ولہٰذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں **کما فی الدر وغیرہ** (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ت) حالانکہ باب ربا میں دو جنس ہیں **کما فی جمیع الکتب** (جیسا کہ تمام کتابوں میں ہے۔ت) ہاں ثمن اول و ثانی ایک ہی جنس ہو تو شبہہ ربا بھی ہے

---
[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی، یوں کہ اس نے ہزار کو بیچی اور ابھی قیمت وصول نہ ہوئی ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے اب کہ خود اس نے پانچ سو کو خرید لی، احتمال سقوط ساقط ہو گیا تو اس نے پانچ سو دے کر اپنے وہ ہزار پکے کر لئے یوں شبہہ ربا آیا بہر حال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ آپ خواہی نخواہی اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری جاریة بالف درہم حالة اونسئة فقبضها ثم باعها من البائع بخمسمائة قبل ان ینقد الثمن الاول لایجوز البیع الثانی، لان الثمن لم یدخل فی ضمانه فاذا وصل الیه المبیع ووقعت المقاصة بقی له فضل خمس مائة وذٰلك بلاعوض[1]۔	جس شخص نے ہزار درہم نقد یا ادھار کے بدلے لونڈی خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا پھر پہلے ثمن کی ادائیگی سے قبل وہی لونڈی پانچ سو درہم کے بدلے بائع کے ہاتھ فروخت کر دی، تو دوسری بیع جائز نہ ہو گی کیونکہ ثمن ابھی تک بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوئے تو جب مبیع دوبارہ اس کے پاس پہنچ گیا اور پانچ سو درہم اس کے بدلے میں ہو گئے تو باقی پانچ سو درہم اس کے زائد بچ گئے اور وہ بلاعوض ہیں۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الذی عقل من معنی النهی انه استربح مالیس فی ضمانه ونهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم عن ربح مالم یضمن وهذا لان الثمن لایدخل فی ضمانه قبل القبض[2]۔	وہ جو نہی کے معنی سے سمجھا گیا یہ ہے کہ اس نے اس چیز پر نفع لیا جو اس کی ضمان میں نہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز پر نفع سے منع فرمایا جو اس کے ضمان میں نہ ہو اور یہ اس لئے ہے کہ قبضہ سے پہلے ثمن بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتا۔ (ت)

اسی میں ہے:

وهذا احسن من تقریر قاضی خاں اعتبار الشبهة بان الالف	یہ قاضی خاں کی اس تقریر سے بہتر ہے جو شبہ ربا کا اعتبار کرتے ہوئے انہوں نے کی بایں طور

---

[1] الهدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ٦٠

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/ ٧٧

وھو الثمن الاول علی شرف السقوط لاحتمال ان یجد المشتری بھا عیبا فیردہ فیسقط الثمن عن المشتری وبالبیع الثانی یقع الامن عنہ فیکون البائع بالعقد الثانی مشتریا الفا بخمسمائۃ انتہی[1]۔	کہ ہزار درہم جو کہ ثمن اول تھا وہ ساقط ہوسکتا تھا اس احتمال کی بناپر مشتری اس لونڈی میں کوئی عیب پاکر واپس کردیتا تو اس طرح مشتری سے ثمن ساقط ہوجاتا اور بیع ثانی کی وجہ سے سقوط کا خوف جاتا رہا تو اس طرح بائع عقد ثانی کے ساتھ پانچ درہم کے عوض ہزار کو خریدنے والا ہوا۔انتہی۔(ت)

رابعًا: وجہ متحقق سے گزر کر دوسری ہی وجہ لیجئے اور یہاں اس کے عدم جریان سے بھی قطع نظر کیجئے جب بھی آپ کو مفید نہیں کہ اس وجہ پر علت حرمت شبہ ربا ہے آپ ربا وشبہ ربا سے اتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں تو جہاں شبہ ربا ہے اس سے اس پر استناد کیونکر کرسکتے ہیں۔

خامسًا: آپ "اسی وجہ سے" کہہ کر دونوں مسئلوں میں علت حکم ایک بتارہے ہیں تو واجب تھا کہ حکم بھی ایک ہوتا۔کیا **شراء ماباع باقل مماباع** (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے۔ت) بھی صرف دیانۃً حرام ہے قضاءً جائز،**فافھم**

سادسًا: آپ نے سنا ہو کہ یہ شراء باقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلاشبہ جائز ہے مثلاً ایک چیز زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی عمرو نے روپے ادا کردئے پھر زید نے وہی چیز عمرو سے پانچسو کو خرید لی کہ چیز کی چیز واپس آگئی اور پانچ سو مفت بچ رہے یہ جائز وحلال ہے۔ درمختار میں ہے:

فسد شراء ماباع بالاقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد[2] اھ ملتقطا۔	اپنی ہی فروخت کی ہوئی چیز پہلے ثمن سے کم کے بدلے خریدنا ادائیگی ثمن سے پہلے ہو تو جائز نہیں اور اگر ادائیگی کے بعد ہو تو جائز ہے۔اھ ملتقطا(ت)

آپ کی وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہوگیا کم روپے دے کر زیادہ حاصل کرنے کا مقصود بہر حال موجود، مولوی صاحب! مشکل یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی سے بیخبر ہیں ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں۔

---
[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۳

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶

قولہ: اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے[1]۔

اقول اولاً: احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے دو بلکہ تین حدیثیں رسالہ کے صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶میں گزریں اور ایک حدیث مؤطا یہاں مذکور ہوئی،

ثانیاً: خود آیہ کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰پر تلاوت ہوئی، فتاوٰی ذخیرہ، فتاوی ہندیہ میں ہے:

الاصل فی جواز هذا النوع من الحیل قول الله تعالٰی وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث وہذا تعلیم المخرج لایوب النبی علیه وعلی نبینا الصلوٰة والسلام عن یمینه التی حلف لیضربن امرأته مائة عود وعامة المشایخ علی ان حکمها لیس بمنسوخ وهو الصحیح من المذهب[2]۔	اس طرح کے حیلے جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر مارو اور قسم نہ توڑو، حضرت ایوب نبی اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ کی نسبت قسم کھالی تھی کہ سو لکڑیاں ماریں گے یہ اللہ عزوجل نے اس قسم سے عہدہ برآئی کا طریقہ تعلیم فرمایا (کہ قسم بھی پوری ہوجائے اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے۔

قولہ: اگر یہ شبہ ہو کہ نوٹ ہر گاہ ثمن خلقی نہیں ہے پس حکم اس کا بعینہٖ کیونکر ہوسکتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے لاجرم باب تفاضل میں اسی کا اعتبار ہوگا لاسیما دیانة فانها متعلقة بالمقاصد وان کانت خفیة[3] (خصوصاً دیانت کے اعتبار سے کیونکہ یہ مقاصد سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ وہ (مقاصد) پوشیدہ ہوں۔ت)

اقول اولاً: یہ ہرگاہ اور چونکہ سرگاہ میں گزرچکیں اگر پہلا بیان صحیح تھا تو یہ شبہ وہیں دفع

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳۹۰/۶

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

ہو چکا، پھر "اگر یہ شبہہ ہو" کا محل کیا اور غلط تھا تو اب تو وہی جواب دیا ہے اب کیوں صحیح ہو گیا بات وہی ہے کہ لے دے کر ایک یہی شبہہ آپ کے ہاتھ میں ہے بار بار بتکرار اس کا اعادہ فرماتے ہیں کہ معنی تو سہی عبارت تو وزنی ہو جائے، ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے جس کا صاف ابطال اوپر گزرا اور کشف شبہہ بھی بروجہ اتم کر دیا گیا اور یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ بہت اچھا باب تفاضل میں اسی کا اعتبار کیجئے تو تفاضل فی القدر حرام مانئے اور خود اپنی ذات گرامی کو سود حلال کرنے والی جانئے مگر جناب تو اپنی ایک دھن میں کسی کی سنتے ہیں نہیں۔

ثانیًا: ہاں ایک لاسیما یہاں اور بڑھائی ہے یعنی جب نوٹ سے تمام مقاصد ثمن متعلق ہیں اور دیانت میں نظر مقاصد ہی پر ہے اگرچہ خفی ہوں نہ صورت پر تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت سے نہ دیکھا جائیگا مقاصد میں دونوں ثمن خلقی ہیں اس پر نظر ہو گی اور حرمت لازم۔

اقول: بجاہے پھر ایک اشرفی کو ایک روپیہ کیسے حلال ہو گیا وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقی ہیں اور مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا۔

ثالثًا: حل کروں آپ مقاصد شرعیہ واغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے، مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت وفساد حلت وحرمت کا مدار ہے اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ انکے نزدیک انہیں حاصل ہوں مقاصد باختلاف عقود مختلف ہو جاتے ہیں اور نتائج بارہا عقود متباینہ میں متحد رہتے ہیں مثلاً زید اپنا نصف مکان قابل قسمت بلا تقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ کرکے اپنا قبضہ اٹھائے کہ سارا مکان قبض وتصرف شریک میں رہے یا اس کے ہاتھ بیچ کر ثمن اس کو معاف کر دے دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے انسانی غرض ان میں فرق نہیں کرتی مگر مقصد شرعی کا اختلاف شدید ہے کہ پہلی صورت فاسد وحرام اور دوسری صحیح وحلال، یونہی اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے اب دس روپوں کو خواہ پندرہ روپوں کے عوض بیچے خواہ ایک ساورن کے بدلے، اس کی غرض دونوں طرح بلاتفاوت حاصل ہے مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں کہ صورت اولٰی سود، ربا، گناہ کبیرہ، حرام قطعی موجب دخول نار، اور دوسری شکل درست، صحیح، حلال، روا، بے اعتراض، بلاانکار، نوٹ سے اگر اغراض انسانیہ ثمن خلقی کی طرح بلاتفاوت متعلق ہوں تو اس سے احکام ومقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے، احسان تو نہ مانئے گا کہ کیسے کیسے جواہر زواہر میرا قلم جناب کے قلب پر القاء کرتا ہے انصاف کیجئے تو ایک ہی نکتہ آپ کی ساری عرق ریزی کا علاج کافی ووافی ہے للہ الحمد۔

رابعًا: ایک ذرااور بھی انصاف کی سہی آپ تو کمال مقاصد شناسی دیانت پرور ہیں۔اسی جلد دوم کے فتوٰی نمبری ۹۷ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے "خرید کرنا مال کفار سے بایں طور کہ نقد روپیہ ادا کرے تو پوری قیمت معینہ دے اور بعد ایک یا دو یا تین مہینے کے ادا کرے تو فی سیکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اس قیمت معینہ سے دینا ہوگا۔یہ فی الحقیقت بیان ہے نرخ مال کا بھی نقد خریدے تو مثلاً سو روپے قیمت دے اور بعد ایک یا دو ماہ یا سہ ماہ کے ادا کرے تو قیمت ایک سو تین یا چھ سو نو دے پس یہ عقد حق خریدار میں جائز ہے اور زیادت ثمن کی فی سیکڑا تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعا کوئی قباحت نہیں اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے تو بائع کو اختیار ہے چاہے لے چاہے علی المیعاد لے،اس واسطے کہ رجوع اس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا اور ان دونوں میں شرعا کوئی قباحت نہیں،**صح الجواب واللہ اعلم۔حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ**[1]،ذرا فرمائے تو یہ تین روپے سیکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سوا سود کے کیا ہے خصوصا وہ بھی کفار کی طرف سے جو بغیر سود کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے اور سود کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا وہ سب برابر ہیں اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کردیا اور بلا دغدغہ صح الجواب جڑدیا،پھر ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے کہ اگرچہ قرضوں بیچنے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے "**والاجل یقابلہ قسط من الثمن**"مگر ایک بات قطع ہونا لازم،اس طور پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی اور بصورت فلاں میعاد اتنے پر یہ حرام وفاسد ہے،فتح القدیر میں ہے:

لابد ان یکون الاجل معلوما لان جہالتہ تفضی الی المنازعۃ فی التسلم والتسلیم وعلی کل ذٰلک انعقد الاجماع واما البطلان فیما اذا قال بعتکہ بالف حالا وبالفین الی سنۃ فلجہالۃ الثمن[2]۔	میعاد کا معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کی جہالت لینے اور دینے میں جھگڑے کا سبب بنتی ہے اس تمام پر ائمہ کرام کا اجماع منعقد ہے،رہا اس صورت کا بطلان کہ کسی نے کہا میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد ایک ہزار کی اور ایک سال کے ادھار پر دو ہزار کی فروخت کی تو یہ جہالت ثمن کی وجہ سے (باطل) ہے۔(ت)

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۵۔۳۹۴

[2] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۶۸۔۴۶۹

پھر اس سے بھی قطع نظر ہو تو خود اجل میں تردید ہے یہ خود مفسد ہے اگرچہ نقد و اجل کی تردید نہ ہو اور صرف دو ہی شقیں مفسد ہیں یہاں تو تین ہیں کہ ایک مہینہ میں دے تو قیمت اور دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل باع علی انه بالنقد بکذا و بالنسئیة بکذا اوالی شهر بکذا اوالی شهرین بکذا لم یجز [1]۔	ایک شخص نے کوئی چیز یوں بیچی کہ نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی، یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو یہ بیع جائز نہ ہوئی (ت)

عجب کہ آپ نے حرام در حرام طرح طرح حرام کو کیسے حلال کردیا، پھر بین المیعاد ثمن قبول کرلینے کو بائع کی طرف سے بعض ثمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے کم میعاد پر اتنا ہی ثمن ٹھہرا تھا اس نے کم کیا کیا، پھر اگر مشتری تین مہینے کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کرے جب تک پوری میعاد گزر کر سود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے سب سے عجیب تر ہے میعاد تو خالص حق مشتری ہے، کتب ائمہ میں تصریح ہے کہ مدیون میعاد سے پہلے دین ادا کرے تو دائن کو جبراً قبول کرنا ہوگا، اشباہ میں ہے:

الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلیمه لان الاجل حق المدیون فله ان یسقطه هکذا ذکر الزیلعی فی الکفالة وهی ایضاً فی الخانیة والنهایة [2]۔	اگر مقروض میعادی قرض کو میعاد پوری ہونے سے قبل ادا کرے تو قرض دہندہ کو اس کے وصول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ میعاد تو مقروض کا حق ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ اس کو ساقط کردے، زیلعی نے باب الکفالہ میں یونہی ذکر کیا، اور یہ خانیہ اور نہایہ میں بھی ہے۔ (ت)

خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے، اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں کہئے، ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے مگر وہ گرانمایہ اجتہاد پایہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پرکھنے کا ادعا رکھے، اس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جامد تقلید کیسا سخت نمونہ قیامت ہے، ولا حول ولاقوة الا باللّٰه العلی العظیم (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے۔ ت) اس کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ مولوی عالم علی صاحب مرادآبادی نے براہ خطاء صریح دودھ کے چچا کو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۸

بھتیجی حلال لکھ دی، خیر وہ تو لکھ گئے اب فتوی پہنچا دہلی، امام غیر مقلدان مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھ کر اس پر مہر چپکا دی اور اپنے اہالی موالی سب کی لگوادیں، فتوی یہاں آیا فقیر نے تحریم کا حکم دیا اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پرسی کی، اب غیر مقلدوں کے کل فی الکل کی آنکھیں کھلیں سونے سے جاگے، مجتہد جی کو بخاری و مسلم کی حدیثیں سجھائے سے سوجھیں اور دوسرا فتوی حرمت پر لکھا اور پہلے فتوی کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا کہ:

قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کی در حلت آں نوشتہ بودند بر اعتماد ایشاں بنظر سرسری مہر من کردہ باشد[1]۔	قبل ازیں مولوی محمد عالم صاحب جنھوں نے حلت لکھ دی تھی ان پر اعتماد کرتے ہوئے سرسری نظر سے مہر لگادی گئی۔ (ت)

حلال وحرام خصوصا معاملہ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرات وبیباکی کا کھلا اقرار ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار[2]۔	تم میں سے جو فتوی میں زیادہ بیباک ہیں وہ جھنم کی آگ پر زیادہ بیباک ہیں (ت)

خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے "مگر بر اعتماد ایشاں" نے ان کے اجتہاد کی پوری قیامت توڑ دی اے **سبحان اللہ**! مجتہدی کا دعوی اور ایک ادنی سے ادنی مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا، اور اس کردہ شد کے لطف کو تو دیکھئے کیا شرمایا ہوا صیغہ مجھول ہے گویا انھوں نے خود اس پر مہر نہ کی کوئی اور کرگیا، اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھاتا اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے **نسأل اللہ العفو والعافیۃ** (ہم اللہ تعالی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ت)

قولہ: باقی رہا فتح القدیر کالو **باع کاغذۃ بالف یجوز**[3] **انتھی** (اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار درہم پر بیچا تو جائز ہے **انتھی**۔ت)

اقول: انتھی نہیں اس کے بعد ولا یکرہ[4] (اور مکروہ نہیں ہے۔ت) بھی ہے اور خود میرا

---

[1] فتاوی نذیریہ

[2] سنن الدارمی باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۵۳

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

فتوی آپ کے پیش نظر ہے اس میں بھی منقول یعنی "کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلا کراہت بھی نہیں" اسے پردہ انتھی میں نہ چھپایئے یہ بہت کام کی چیز ہے آپ کو یہ "**لایکرہ**" مکروہ لگتا ہے تو محقق کی شان یہ تھی کہ اسے نقل کرکے رد فرماتے، آخر امام ابن ہمام اور ان کے ساتھ کے علمائے کرام جنھوں نے اس لایکرہ کی تصریح فرمائی امام الائمہ امام اعظم سے تو اعظم نہ تھے یہ نہ ہوسکا تھا اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا تو الی آخرہ لکھ دیا ہوتا یہ بھی نہ سہی "**یجوز**" تک لکھ کے یونہی چھوڑ دیا ہوتا کہ اخفائے ظاہر کا الزام تو نہ آتا انتھی نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی، یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی۔

قولہ: پس مراد اس کی یہ کاغذ نہیں کہ عین ثمنی خلقی سمجھا گیا کیونکہ اس کا وجود ان زمانوں میں نہ تھا بلکہ سادہ کاغذ[1]۔

اقول اولاً: عینیت تو بارہا گھر تک پہنچادی گئی اس کی آڑ تو چھوڑیئے اور اب فرمایئے کہ نوٹ اور اس پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو بک سکے مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ وہندسہ لکھ دیا وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہوجائے بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا کہ چھپتے ہی نوسو پچانوے اڑ گئے۔

ثانیاً: عینیت کے جو قاہر رد ہوئے انھیں جانے دیجئے تو آپ خود اپنے تنزل اخیر میں اس سے یکسر گزر چکے ہیں مہربانی فرماکر اپنی اس اخیر تقدیر پر فرق کی تقریر سنادیجئے، جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا اور کیسا کاغذ ناجائز ہے ذرا بتایئے۔

ثالثاً: صاف انصاف تو یہ ہے کہ علماء نے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو تو صرف اس بنا پر اسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقاہت ہے، ہزارہا حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں، اور تا قیامت ہوتے رہیں گے، ان کے احکام اطلاقاتِ ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں اس زمانے میں کب تھیں لہذا یہ ان کی مراد وزیر حکم نہیں۔

رابعاً: سنئے تو جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں بیچارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا، اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا یہاں کون سے روپے لایئے گا جن کا بیچنا مقصود بنایئے گا، ایک محقق عالم

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے، نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں **نسی ماقدمت یداہ** (بھول گیا وہ جو اسی کے ہاتھوں نے مقدم کیا۔ت)

خامسًا: جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ **یجوز ولایکرہ**[1] بلا کراہت جائز ہے کس بحث میں فرمایا ہے۔ بیع عینہ کی بحث میں، اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی یہ تو پانچ ہی سطر میں "**نسی ماقدمت یداہ**" ہوگیا، کیا اسی دن کے لئے جناب نے "**لایکرہ**" چھوڑ کر انتی لکھ دی تھی اب تو کہہ دیجئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں، آپ کی اسی انتی پر انتہا کروں کہ رد و اعتراض کا عدد بفضلہٖ تعالٰی ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا **وللہ الحمد**۔

قولہ: ھذا ماسنح لی[2] (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ت)

اقول: ای من دون دلیل و مایلی لاخفی ولاجلی۔	**میں کہتا ہوں** بغیر دلیل خفی اور دلیل جلی ہے۔(ت)

قولہ: واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب[3] (اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ت)

اقول: ھو المصوب سے یہاں تک فتوی بھر میں ایک یہ جملہ حق و بجا ہے بیشک اللہ عزوجل اعلم بالصواب ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب اور اسی ام الکتاب میں یہ پاک خطاب ہے جس سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز حجاب ہے،

"اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[4]۔ اللھم ربنا ارض عنا بکر مك و منك ورأفة حبیبك محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووفقنا لتجارۃ لن تبور یاعزیز	مگر یہ کہ ہو وہ تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے، اے اللہ ہمارے پروردگار! اپنے فضل واحسان کے صدقے سے اور اپنے محبوب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مہربانی کے طفیل ہم سے راضی ہوجا اور ہمیں ایسی تجارت کی توفیق عطا فرما جس

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[4] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

یا غفور اٰمین والحمد للہ رب العلمین وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی سیدالمرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین سبحنك اللھم وبحمدك اشھدان لا الہ الاانت استغفرك واتوب الیك سبحن ربك رب العزۃ عما یصفون و سلم علی المرسلین و الحمد للہ رب العلمین۔	میں خسارہ نہ ہو اے عزت والے اے بخشنے والے! ہماری دعا قبول فرما، تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بہترین درود اور کامل ترین سلام ہو رسولوں کے سردار محمد مصطفٰی اور آپ کی تمام آل واصحاب پر اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما، تو پاک ہے اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، تیرا رب رب العزت پاک ہے ان اوصاف سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

الحمدللہ! کلام اپنے منتہٰی کو پہنچا اور تحقیق مسئلہ ذروہ اعلٰی کو تیس سال ہوئے کہ اس کا سوال فقیر سے ہوا اور مسئلہ بالکل حادث تازہ اور اپنی بے بضاعتی کا خوف واندیشہ لہٰذا آغاز جواب ان لفظوں سے کیا، ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلا نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے، اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور انتہا ان لفظوں پر کہ **ھذا ماظھر لی واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت) پھر بفضل رب قدیر عزجلالہ برابر اس کے مؤیدات ظاہر ہوتے رہے:

مؤیداول: محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظّمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جداوی دواما بالاکرام نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضل وہاب عزجلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ **کفل الفقیہ** وہیں لکھ دیا، پہلا فتاوٰی ایک خفیف ساعت کی نظر تھا یہ رسالہ بفضلہٖ تعالٰی پہروں کا خوض کامل جہاں تک غور کیا وہی رنگ کھلتا گیا اور کوئی شک سد راہ نہ ہوا، یہ نظر اولین کا پہلا مؤید تھا۔

مؤید دوم: اس سے پہلے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب چھپ کر زیر نظر آچکا تھا، رسالہ میں اس پر بھی خوض تام کیا اور نظر انصاف نے وہی حکم صاف دیا، یہ دوسرا مؤید اقوی ہوا ایک ذکی طباع عالم کی دلیل خلاف آگے رکھ کر تنقیح کامل کی اور اس کی بے اثری ظاہر ہوئی۔

مؤید سوم: مکہ معظّمہ کے اجلہ علمائے کرام و مفتیان عظام نے کفل الفقیہ کو ملاحظہ فرمایا پڑھوا کر سنا اس کی نقلیں لیں اور **بحمد اللہ** سب نے یک زبان مدحیں کیں، جسے حضرت شیخ الائمہ والخطباء کبیر العلماء حضرت مولانا احمد ابوالخیر میر داد حنفی حضرت عالم العلماء مفتی سابق و قاضی حال علامہ مولٰنا شیخ صالح کمال حنفی، حضرت مولانا حافظ کتب الحرم فاضل سید اسمٰعیل خلیل حنفی، حضرت مولانا مفتی حنفیہّ عبداللہ صدیق حفظھم اللہ تعالٰی، ان فاضل جلیل نے کہ اس وقت یہی جانب سلطانی سے افتائے مذہب حنفی کے عہدہ جلیلہ پر ممتاز تھے، کتب خانہ حرم محترم میں کفل الفقیہ رکھا دیکھ کر بطور خود مطالعہ فرمانا شروع کیا فقیر بھی حاضر تھا، مگر ان سے کوئی تعارف نہ تھا، نہ اس سے پہلے میں نے ان کو نہ انہوں نے مجھ کو دیکھا، حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی اور ان کے بھائی سید مصطفٰی افندی وغیرہما بھی تشریف فرما تھے، حضرت مفتی حنفیہّ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً نہایت تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

این کان الشیخ جمال بن عبداللہ بن عمر من ہذا البیان او لفظا ہذا معناہ۔	شیخ جمال ابن عبداللہ ابن عمر اس بیان تک کیوں نہ پہنچ سکے یا اس کے ہم معنی لفظ کہے۔ (ت)

حضرت مفتی اعظم مکہ معظّمہ مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ سند حدیث وفقہ میں اس فقیر کے استاذ الاستاذ ہیں، اور اپنے زمانہ مبارک میں وہی مفتی حنفیہّ تھے اس جناب رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفتاء ہوا تھا حضرت ممدوح قدس سرہ نے علمائے ربانی کی جو شان ہے اس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرمادیا کہ "**العلم امانۃ فی اعناق العلماء واللہ تعالٰی اعلم۔** علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے واللہ تعالٰی اعلم یعنی کچھ جواب عطا نہ فرمایا، حنفیہّ کے مفتی حال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت ممدوح قدس سرہ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا جو اس رسالہ کا مصنف لکھ رہا ہے، حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی نے تعریف فرمائی کہ مصنف رسالہ یہ موجود ہے حضرت مفتی حنفیہّ نہایت کرم واکرام سے ملے اور بہت دیر تک بفضلہ تعالٰی علمی تذکروں کی مجلس گرم رہی، ان تمام حضرات علماء کے مدائح وقبول کیسے مؤید جلیل ہوئے، **والحمدللہ رب العلمین۔**

مؤید چہارم: اب کہ **کفل الفقیہ** دوبارہ مع ترجمہ چھپا، مولوی گنگوہی صاحب کا فتوٰی نظر پڑا اس کی طرف توجہ کی اور ساتھ ہی چاہا کہ فتوائے جناب مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر ہوجائے خیال تھا کہ مباحث

تو رسالے ہی میں تمام ہوچکے ہیں غایت درجہ چھ ورق بس ہوں گے، مگر فیض قدیر سے اضافہ مضامین کی لگاتار بارش ہوئی اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین جزء کا رسالہ ہوگیا جس نے دونوں کلام مخالف میں کوئی فقرہ لگانہ رکھا یہ بحمداللہ تعالٰی اور بھی قوی تر مؤید عظیم ہوا۔ رائیں ملنے سے علم پختگی پاتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ذی رائے اثر ثابت ہوں یہ پہلی صورت سے بھی اقوی ہے کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرق ریزی کرکے ناکام رہیں واضح ہوجاتا ہے کہ بحمداللہ تعالٰی مسئلہ حق ہے اور خلاف کی طرف راہ مسدود، بفضلہٖ تعالٰی اس مسئلہ نے دونوں قسم سے حظ وافی پایا بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے ہے آسمان فیض مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے **وللہ الحمد**، بایں ہمہ حاشا فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنٰی غلاموں کا پاسنگ ان کی خاک نعل کے برابر بھی منہ نہیں رکھتا۔ نہ معاذاللہ شرع الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اس فتوٰی اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جُہد المقل ہے یعنی ایک بے نوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش، اگر حق ہے تو محض میرے مولا پھر اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کرم ہے اور اسی کے وجہ کریم کے لئے حمد اور اس کے فضل سے امید ہے کہ ان شاء اللہ الکریم ضرور حق ہے اس کے گھر کی برکات دلکشا اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرم جانفزا نے اپنے گدائے بیقدر پر یہ فیضان کئے ہیں ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کردینا، پھر اس کے شہر کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ پسند فرمایا یہ بفضلہٖ عزوجل سب آثار قبول ہیں اور اگر شاید یہاں علم الٰہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی نہ ان علمائے کرام بلداللہ الحرام کی تو میں اپنے رب عزوجل کی طرف انابت کرتا اور ہر مسئلہ میں اس پر اعتقاد رکھتا ہوں جو اس کے نزدیک حق ہے اور وہ کہتا ہوں جو میرے امام اعظم حضور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

فان یك صوابا فمن الله تعالٰی وان یك خطأ فمنی ومن الشیطان والله ورسوله بریئان[1]۔ **واقول**: کما قال ابونا اٰدم علی نبینا	اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالٰی کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ (ت) اور میں کہتا ہوں جیسے ہمارے باپ آدم نے کہا

[1] سنن ابوداؤد کتاب النکاح باب فیمن تزوج آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۸

الکریم وعلیه افضل الصلٰوۃ والتسلیم اللھم انك تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم حاجتی فاعطنی سؤلی وتعلم مافی نفسی فاغفرلی ذنوبی وصلی الله تعالٰی علی سیدنا محمد واٰله وصحبه وابنه وحزبه وبارك وسلم ابدا ابدا واٰخردعوٰنا ان الحمدلله رب العلمین سبحنك اللھم وبحمدك اشھدان لااله الا انت استغفرك واتوب الیك قال الفقیر احمد رضا القادری البرکاتی البریلوی غفرالله تعالٰی له وحقق امله واصلح عمله والحمدلله والصلٰوۃ والسلام علی مصطفاہ اٰخرکل کلام واوله اٰمین۔	(اللہ تعالٰی ہمارے نبی کریم اور حضرت آدم پر بہترین درود و سلام نازل فرمائے) اے اللہ! تو میرے ظاہر و باطن کو جانتا ہے پس میری معذرت قبول فرما، اور تو میری حاجت کو جانتا ہے پس میری مراد مجھے عطا فرما، اور تو اس کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے پس میرے گناہ معاف فرما۔ اور اللہ تعالٰی ہمارے سردار اور آقا محمد مصطفٰی، آپ کی آل، اصحاب، اولاد اور جماعت پر ہمیشہ ہمیشہ درود، برکت اور سلام نازل فرمائے، اور ہماری دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے تو پاک ہے اے اللہ! اور تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتاہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتاہوں یہ بات فقیر احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے کہی، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے اور اس کی امید کو پورا فرمائے اور اس کے عمل کو درست رکھے، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور درود وسلام ہو اس کے منتخب نبی، (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پر ہر کلام کے اول وآخر میں، آمین۔ (ت)

باب الاستحقاق

(استحقاق کا بیان)

مسئلہ ۲۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین نے زوجہ نیازن اور ہمشیرہ بنی وارث اپنے اور دو مکان ایک پختہ اور ایک خام جن کی قیمت بقدر چھ سو روپے کے ہے ترکہ چھوڑ کر انتقال کیا، نیاز بی بی کا ایک ہزار روپیہ مہر ذمہ غلام حسین واجب الادا تھا۔ نیاز بی بی نے بذریعہ مہر دونوں مکانوں پر قبضہ کیا اور مکان پختہ بعوض ساڑھے چار سو روپیہ کے شیخ محمد وزیر کے ہاتھ بیع کیا اور بیعنامہ میں حسب معمول صرف اپنا مالک و قابض و متصرف ہونا لکھا اور مشتری کو قبضہ دلادیا بعدہ، بائعہ حج کو گئی اس کے پیچھے بنی نے بذریعہ وارثت تین ربع کا مکان پر دعوی کیا اور کچہری سے ڈگری پائی ایک ربع مشتری کے پاس رہا، نیاز بی بی حج سے واپس آکر انتقال کر گئی وارثان نیاز بی بی نے دعوی مہر کیا ثابت ہوا بنی پر ڈگری ہوئی تو تین ربع مکان پختہ اور کل مکاں خام مہر میں نیلام ہوگئے اب وارثان نیاز بی بی ایک ربع پر باقی ماندہ کو بھی مہر میں نیلام کرلینا چاہتے ہیں، اس صورت میں شرعا کیا حکم ہے آیا وہ بیع کہ نیاز بی بی نے کی تھی جائز ہے یا نہیں اور دعوی وارثان صحیح ہے یا باطل؟ اور تین ربع کہ مشتری سے نکل گئے اور یہ ربع باقی ماندہ بھی اگر بحکم شرع نکل جائے تو آیا وہ ثمن کہ مشتری نے نیاز بی بی کو دیا قابل واپسی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ یں نیاز بی بی نے جس کا مہر مال غلام حسین سے زائد تھا کل متروکہ پوجو بذریعہ مہر

قبضہ کیا صحیح تھااور اس مذہب پر جس پر اب علماء کا فتوی ہے نیاز بی بی ان مکانوں کی مالک مستقل ہو چکی اور وہ بیع کہ اس نے بدست محمد وزیر کی صحیح ونافذ تھی نہ بنی کو اپنا دعوی وارثت پہنچا تھا کہ ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے نہ وارثان نیاز بی بی دعوی مہر کر سکتے تھے کہ نیاز بی بی اپنی حیات میں اپنا مہر پا چکی آخر کل متروکہ پر اس کا قبضہ کرلینا بذریعہ مہری تھا تو اب دین اداشدہ کا دعوی کا یعنی نہ اس جائداد کا مہر میں نیلام ہونا چاہئے تھا بلکہ حکم یہ تھا کہ نیاز بی بی اپنا مہر پاچکی اور دونوں مکانوں کی وہی مالک ٹھہری ایک مکان وہ اپنی حیات میں بیع کرچکی وہ تمام مالک مشتری ہے دوسرا مکان خام کہ باقی رہا متروکہ نیاز بی بی ٹھہر کر وارثان نیاز بی بی پر تقسیم ہو جائے۔

فی الشامی والطحطاوی عن شرح الکنز العلامۃ الحموی عن الامام العلامۃ علی المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للامام الاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان[1]۔	شامی اور طحطاوی میں علامہ حموی کی شرح کنز سے بحوالہ امام علامہ علی مقدسی منقول ہے،انہوں نے اپنے دادا اشقر سے بحوالہ شرح قدوری از امام اخصب ذکر کیا کہ خلاف جنس سے وصول کرنے کا عدم جواز مشائخ کے زمانہ میں تھا کیونکہ وہ لوگ حقوق میں باہم متفق تھے آج کل فتوی اس پر ہے کہ جب اپنے کی وصولی پر قادر ہو چاہے کسی بھی مال سے ہو تو وصول کرلینا جائز ہے۔(ت)

اور بالفرض اگر اس فتوی کو ماخوذ نہ رکھیں تو متروکہ غلام حسین کسی وارث کی ملک نہ تھا نہ نیاز بی بی کی نہ بنی کی۔

فان الدین المحیط یمنع ملك الوارث[2]، کما فی الاشباہ وغیرہا	کیونکہ تمام مال کا احاطہ کرنے والا قرض وارث کی ملکیت سے مانع ہے جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

تو بیع کہ نیاز بی بی نے کی اس شے کی بیع تھی جس کی وہ مالک نہ تھی اور ثمن مشتری سے لے کر اپنے تصرف میں لائی اس صورت میں جبکہ ادائے مہر کے لئے بیع کو ناجائز ٹھہرا کر جائداد مشتری سے نکال لی جائے

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۴

قطعاً مشتری زر ثمن کی واپسی کا استحقاق رکھتا ہے وجہ کیا ہے کہ مبیع بھی اس سے لے لیں اور ثمن ادا کردہ بھی واپس نہ دیں پس جو کچھ روپیہ مہر نیاز بی بی سے حاصل ہوا یا اب ہو اس میں سے اول ساڑھے چار سو مشتری کو دیئے جائے جو بچے وارثان نیاز بی بی تقسیم کرلیں۔

فی الخانیہ وغیرہا اشتری شیئا فاستحسن من یدہ رجع المشتری علی البائع بالثمن [1] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خانیہ میں ہے کہ کسی نے کوئی شے خریدی پھر اس کے قبضہ میں اس شیئ میں استحقاق ثابت ہوگیا (تو وہ اس کے قبضہ سے نکل گئی) تو مشتری بائع سے ثمن واپس لے گا اھ التقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۱: از شہر کہنہ مرسلہ سید فرحت علی صاحب ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور تین پسر نابالغ اور ایک دختر نابالغہ چھوڑی تھی منجملہ ان ورثاء کے زوجہ اور دختر نے کل مکان متوفی اپنا قائم کرکے فروخت کردیا، اب پسران اپنے حصہ شرعی کے واپسی کے خواستگار ہیں اس اثناء میں مشتری نے کچھ مکان میں جدید تعمیر کیا اگر حصص پسران عدالت سے قابل واپسی قرار پائیں تو صرفہ تعمیر ومرمت جدید مذکورہ از روئے شرع ادا کرنے کے سزاوار ہیں جبکہ پسران استطاعت ادائے صرفہ نہیں رکھتے ہیں یا مشتری مستوجب اس امر کا ہے کہ وہ اپنی عمارت جدید توڑ لے جائے۔

الجواب:

اگر ثابت ہو کہ شرعا مدعیوں کا بھی بیع میں حصہ ہے تو بعد ثبوت حکم تقسیم کردیں گے اگر وہ جدید تعمیر جو مشتری نے کی خود مشتری کے حصہ میں پڑے فبہا ورنہ مدعیوں کو جائز ہوگا کہ مشتری سے کہیں اپنی تعمیر جدید ہماری زمین سے توڑ کرلے جا اور وہ کوئی خرچ عمارت ومرمت ان مدعیوں سے لینے کا مستحق نہ ہوگا اور رضامندی باہمی سے یہ بھی جائز ہوگا کہ مشتری مدعیوں سے عمارت جدید کے دام لے کر عمارت انہیں چھوڑ دے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۲: مرسلہ شاہزادہ میاں از ریاست رامپور مسئولہ علی بہادر خاں صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر نے زید کے ہاتھ ایک زمین معافی کی دو نمبروں پر مشتمل بایں الفاظ بیع کی کہ "موازی (۷ اللعہ) پختہ اراضی نمبری (۴۲۴ معہ ۵)، (۴۳۵ معہ ۱۲)، بعوض چار سو روپے بدست زید

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فی الاستحقاق مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۷۸

بیع شرعی کیا اگر کوئی سہیم وشریک پیدا ہو ضمان ذمہ بائع ہے مشتری سے تعلق نہیں فقط" بکر نے زر ثمن تمام وکمال وصول کر لیا مبیعہ پر مشتری کو قبضہ کرادیا جب زید نے داخل خارج چاہا حاکم ریاست کو معلوم ہوا کہ بائع کی ملک واقع میں صرف (۳للعہ) تھی ۱۴ بسوہ زائد پر اس نے دخل کیا ہے اور کاغذات تحصیل میں بھی اس کا اندراج بنام بکر ہوگیا ہے اور اس نے وہ مجموعہ (۷۱ للعہ) بیچ ڈالی جس میں ۱۴ بسوہ زمین سرکاری ہے لہذا حکم صادر ہوا کہ جتنا قطعہ زمین اس نے بڑھالیا ہے اس کے نام سے خارج کرکے ضبط سرکار ہو باقی (۳للعہ) کا داخل خارج بنام مشتری ہو چنانچہ حکم کا عملدرآمد ہوا اور اتنا ٹکڑا قبضہ مشتری سے نکال کر باقی کا داخل خارج اس کے نام ہوگیا اب مشتری اس چودہ بسوہ خارج شدہ کی رسدی قیمت بائع سے واپس لینا چاہتا ہے شرعاً اسے اس کا حق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بکر ایک زمین (۷اللعہ) بتا کر زید کے ہاتھ بیچتا اور وہ زمین جتنی بیچی تھی زید کو تمام وکمال ملتی مگر پیمائش میں ۱۴ بسوہ خواہ بیگھوں کم آئی تو زید کو بکر سے ایک پائی واپس لینے کا اختیار نہ ہوتا۔

لان المساحة وصف فی الممسوح ولم تصر مقصودہ کان یقول کل ذراع بکذا فلم یقابلہا الثمن	کیونکہ پیائش وصف ہے اس چیز میں جس کی پیائش کی جاتی ہے اور وہ مساحت مقصود نہیں ہوتی جیسے یوں کہے کہ ہر گز اتنے کا ہے تو اس کے مقابل ثمن نہیں ہوتے۔(ت)

بلکہ اس پر کم پر مشتری کی رضا ظاہر نہ ہوتی تو اسے یہ اختیار دیا جاتا کہ یا تو اس کو پوری قیمت پر قبول کر یا مبیع پھیر کر ثمن واپس لے **لانہ فات علیہ وصف مرغوب فیہ فیتخیر** (کیونکہ اس پر پسندیدہ وصف فوت ہوگیا ہے لہذا اس کو اختیار ملے گا۔ت)

درمختار میں ہے:

ان باع صبرۃ علی انہا مائۃ قفیز بمائۃ درہم وہی اقل او اکثر اخذ المشتری الاقل بحصتہ ان شاء او فسخ، وما زاد للبائع، وان باع المذروع علی انہ مائۃ ذراع مثلا اخذ المشتری الاقل بکل	اگر ڈھیر بیچا اس شرط پر کہ یہ سو بوری ہے سو درہم کے بدلے میں، حالانکہ وہ ڈھیر سو بوری سے کم یا زیادہ ہے تو مشتری کو اختیار ہے کہ کمتر کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے لے یا بیع کو فسخ کردے، اور جو سو بوری سے زائد ہے وہ بائع کا ہے، اور اگر مذروع کو مثل سابق بیچا کہ یہ مثال کے طور پر سو گز ہے سو درہم کے بدلے میں تو مشتری کو اختیار ہوگا

الثمن واترك واخذ الاكثر بلاخیار للبائع [1]۔	کہ وہ کمتر کو پورے ثمن کے عوض لے لے یا چھوڑ دے اور اکثر کو مشتری لے لے گا، بائع کو اس میں اختیار حاصل نہ ہوگا۔ (ت)

مگر یہاں یہ صورت نہیں مبیع بتمامہ قبضہ میں رہ کر پیمائش میں کم نہ آئی بلکہ مبیع سے ایک قطعہ ملک ریاست قرار پاکر قبضہ سے نکل گیا، یہ صورت استحقاق کی ہے اور استحقاق میں ضرور مشتری کو اتنے کی قیمت بائع سے واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے جتنا مستحق کے دعوے پر اس کے قبضہ سے نکل گیا اور اس میں مثلی وقیمی مذروع ومعدود وغیرہا سب برابر ہیں، عالمگیری میں ہے:

اذا کان المشتری شیئا واحدا کالثوب الواحد والعبد فاستحق بعضه قبل القبض اوبعده فللمشتری الخیار فی الباق ان شاء اخذه بالحصة وان اء ترك [2] الخ وعزاه للمحیط وظاهر ان الثوب قیمی مذروع قال فی ردالمحتار وان بع المذروع کثوب وارض در منتقی [3] اھ وقد حکم فی استحقاق بعضه باخذ الباقی بالحصه۔	جب خریدی ہوئی چیز ایک ہو جیسے ایک کپڑا یا غلام، پھر قبضہ سے پہلے یا بعد اس کے بعض میں استحقاق ثابت ہوگیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو باقی کو اس کے حصہ کی قیمت کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے الخ اور اس کو محیط کی طرف منسوب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ کپڑا قیمتی مذروع ہے، ردالمحتار میں کہا کہ اگر مذروع کو بیچا جیسے کپڑا اور زمین در منتقی اھ، بے شک اسکے بعض میں استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لنے کا حکم کیا گیا ہے۔ (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

استحق بعض المبیع فلم لو یمیز الابضرر کدار او کرم الارض وزوجی خف ومصراعی باب	بعض مبیع میں استحقاق ثابت ہوگیا تو (دیکھیں گے کہ) اگر وہ بلانقصان جدا نہیں ہوسکتا جیسے مکان، انگور کی بیل، زمین، موزوں کا جوڑا اور ایک

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۶۶

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۱

وفق یتخیر المشتری والا فلا، ثم لو اورث الاستحقاق عیبا فیما بقی یخیر المشتری کما مر ولولم یورث عیبا کثوبین استحق احدھما فالمشتری یاخذ الباقی بحصتہ بالاخیار [1]۔ ملتقطا	دروازے کے دو پٹ تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ملے گا ورنہ نہیں، پھر اگر استحقاق باقی مبیع میں عیب پیدا کردے تو مشتری کو اختیار ملے گا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اگر وہ عیب پیدا نہ کرے جیسے دو کپڑوں میں سے ایک میں استحقاق ثابت ہو جائے تو مشتری باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے گا اس صورت میں اس کو اختیار نہیں ملے گا۔ملتقطا۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں زید بکر سے ثمن کے ۱۴؍۷؍۹ یعنی ستاون روپے پونے بارہ آنے واپس لے سکتا ہے ایک خفیف مقدار کم جس کی مقدار نصف پائی تک بھی نہیں یعنی ۵ ۴؍۵ ۷؍۵ پائی، یہ سوال کا جواب تھا مگر ملاحظہ بیعنامہ سے واضح ہوا کہ یہ بیع فاسدہ واقع ہوئی کہ اس کے آخر میں شرائط فاسد مذکور ہیں مثلا یہ کہ اگر جز کل اراضی قبضہ مشتریان سے نکل جائے تو اس کا بار ہرجہ وخرد چہ ذمہ بایعان ہے اور جو درخت اراضی میں کھڑے ہیں ان کو آخر سال ۱۳۱۸ف تک قطع کرکے اراضی مکشوف کردیں گے ورنہ درخت بھی قیمت مذکورہ بالا میں بیع متصور ہوں گے اس کے دعوی چوب درختان نہ رہے گا، بیعنامہ میں شرط فاسد کے ذکر سے بیع پر حکم فساد ہوگا، درمختار میں ہے:

لوکتب فی الصك فما اتفق المشتری فیھا من نفقة اورم فیھا من مرمة فعلی البائع یفسد البیع [2]۔	اگر بیعنامہ میں لکھا گیا کہ جو کچھ مشتری مبیع پر خرچ کرے گا یا اس میں حرمت کرے گا وہ بائع کے ذمے ہوگا تو بیع فاسد ہو جائے گی۔(ت)

تو بائع ومشتری دونوں پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور اگر موانع فسخ سے کوئی مانع نہ پایا گیا ہو تو واجب ہے کہ بیع فسخ کردیں، زید زمین واپس دے اور بکر پوری قیمت پھیر دے، اگر وہ دونوں نہ مانیں حاکم جبرا فسخ کردے۔ درمختار میں ہے:

یجب علی کل واحد منھما فسخه	فساد کو ختم کرنے کے لئے قبضہ سے پہلے یا قبضہ

[1] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۔۲۱۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶

قبل القبض اوبعدہ مادام المبیع بحالہ فی ید المشتری اعداماً للفساد لانہ معصیۃ فیجب رفعھا بحر، و اذا اصر احدھما علی امساکہ وعلم بہ القاضی فلہ فسخہ جبرا علیھما حقاللشرع، بزازیۃ[1]۔	کے بعد جب تک مبیع مشتری کے پاس اپنے حال میں موجود ہے بیع فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے کیونکہ یہ معصیت ہے اس لئے اس کو دور کرنا واجب ہے بحر، اور اگران میں سے کوئی ایک اس کو برقرار رکھنے پر اصرار کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں پر جبر کرتے ہوئے فسخ کرسکتا ہے، بزازیہ۔ (ت)

اس کے بعد پھر چاہیں تو آپس میں صحیح بیع کرلیں جتنے ثمن پر تراضی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

باب البیع السلم

(بیع سلم کا بیان)

مسئلہ ۲۲۳: از فیروز پور ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنٹوتی کا روپیہ پیشگی دے دیا اور ناج فصل پر لینا ٹھہرا کن کن شرطوں سے جائز ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسے بیع سلم کہتے ہیں، یہ بارہ شرطوں سے جائز ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگی تو بالکل ناجائز اور سود ہو جائے گی:

(۱) اس شیئ کی جنس بیان کردی جائے مثلاً گیہوں یا چاول یا گھی یا تیل، اگر ایک عام بات کہی مثلاً غلہ میں لیں گے تو ناجائز ہے۔

(۲) وہ جنس اگر کئی قسم کی ہوتی ہے تو اس کی قسم معین کردی جائے جیسے چاول میں باسمتی ہنس راج، اگر نرے چاول کہے بیع صحیح نہ ہوگی۔

(۳) اس کی صفت بیان کردی جائے مثلاً عمدہ یا ناقص جیسے چنوں میں فردیا کسیلے

(۴) اس کی مقدار معین کردی جائے مثلاً اتنے من، اور یہ بات بھاؤ کاٹ دینے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے یعنی فی روپیہ اتنے سیر کہ روپوں کی گنتی معلوم ہونے سے کل مقدار خود معلوم ہو جائیگی۔

اور جہاں مختلف پسیروں کا رواج ہو وہاں پسیری کی تعیین بھی ضروری ہے کہ فلاں پسیری سے اتنے من اور جہاں کچا پکا دونوں من بولا جائے وہاں اس کی تعیین بھی لازم ہے غرض کوئی بات وہ نہ رہے جس میں آئندہ جھگڑا اٹھنے کی صورت ہو۔

(۵) میعاد معین کردی جائے جو یاک مہینہ سے کم نہ ہو اگر تعیین نہ کی مثلاً جب چاہیں گے لے لیں گے یا سفر کو جاتا ہوں جب پلٹ کر آؤں گا لے لوں گا تو ناجائز ہوگا۔

(۶) اگر وہ چیز بار برداری کی ہے جس کے یہاں سے وہاں لے جانے میں خرچ ہوگا تو وہ جگہ بھی معین کی جائے جہاں پہنچنا منظور ہے مثلاً فلاں شہر یا فلاں گاؤں میں پہنچتے ہوئے، اس میں بیچنے والے کو اختیار ہے گا کہ اس گاؤں یا شہر کے جس مقام و محلّہ میں چاہے پہنچادے وار جو مکان بھی خاص کردیا تو وہی پہنچنا پڑے گا۔

(۷) ثمن کی بھی تعیین ہو جائے مثلاً روپے یا اشرفی۔

(۸) اگر وہ ثمن چند قسم کا ہوتا ہے تو قسم بھی معین کردے مثلاً اشرفی محمد شاہی یا انگریزی۔

(۹) کھرے کھوٹے کا بیان بھی ہو جیسے لکھنؤ کا روپیہ یا انگریزی چہرہ دار یا جے پور کی چاندی یا اینٹ کا سونا۔

(۱۰) اگر ثمن اس قسم کا ہے کہ اس کے ہر ٹکڑے کے مقابل شے مبیع کا ٹکڑا ہوتے جیسے سونا، چاندی، روپیہ اشرفی کہ گیہوں روپیہ کے من بھر ہوئے تو اٹھنی کے بیس سیر، چونی کے دس سیر ہوں گے تو ایسی ثمن کی تعیین مقدار بھی ضرور ہے مثلاً اتنے تولہ چاندی یا اس قدر روپے اور اگر وہاں مختلف وزن کے سکے چلتے ہوں جیسے حیدرآباد میں نوابی وانگریزی روپیہ وہاں سکہ کی تعیین بھی چاہئے۔

یہ دسوں [۱] باتیں خاص عقد ایجاب وقبول میں بیان کرنی ضروری ہےں، مثال اس کی یہ ہے کہ زید وعمر سے کہے میں نے تجھ سے بریلی کی تول سے دس من پختہ چاول ہنسراج کھرے بالعوض سو روپے انگریزی چہرہ دار کے آج سے چار مہینے کے وعدہ پر بریلی پہنچتے ہوئے خریدے، وہ کہے میں نے بیچے یا میں نے تجھ سے بدایوں کے وزن سے چار من پکا گھی بھینس کا خالص آج سے دو مہینے کے دعدہ پر مرادآباد پہنچتا ہوا بالعوض چھ اشرفی محمد شاہی بیس بیس روپے والی کے خریدا، وہ کہے میں نے بیچا، یہ سب باتیں خوب خیال کرلی جائیں کہ لوگوں میں آج کل بیع سلم کا بہت رواج ہے، ان زبانی شرطوں کے ترک سے حلال کو ناحق اپنے لئے حرام کرلیتے اور خدا کے گناہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔

(۱۱) شرط یہ کہ اسی جلسہ میں ثمن ادا کردیا جائے ورنہ اگر یہ ساری گفتگو کرکے ثمن دیئے بغیر متفرق ہوگئے تو بنا بنایا عقد فاسد وناجائز ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہاں سے اٹھ کر گھر میں روپے لینے گیا اور

بیچنے والے کی نگاہ سے آڑ ہوگئی عقد فاسد ہوگیا۔

(۱۲) وہ چیز اس قسم کی ہو کہ روز عقد سے ختم میعاد تک ہر وقت بازار میں مل سکے ورنہ عقد ناجائز ہوگا اسی لئے اگر گیہوں کی کٹوتی میں یہ لفظ کہہ دیئے کہ نئے گیہوں لیں گے اور اس وقت نیا گیہوں بازار میں نہیں تو ناجائز وگناہ ہے اور اسی سبب سے رس کی کٹوتی جو ایکھوں کے وقت کرتے ہیں حرام ہوئی کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔

فی تنویر الابصار والدر المختار وردالمحتار بالتلفیق والاختصار، شرطه ای شروط صحته التی تذکر فی العقد سبعة (اجمالا والافالاربعة الاول منها تشترط فی کل من راس المال والمسلم فیه ثمانیة بالتفصیل، بحر) بیان جنس کبر او تمر، وبیان نوع کمسقی (ما سقته الماء، وفیه عن الخلاصة لایشترط بیان النوع ما لا نوع له وفیه عن المعراج انما یشترط بیان النوع فی رأس المال اذا کان فی البلد نقود مختلفه والا فلا) وصفة کجید اوردی، وقدر ککذا کیلا، واجل واقله شهر به یفتی، وقدر رأس المال ان تعلق العقد بمقداره (بان تنقسم اجزاء السلم فیه علی اجزاءه فتح ای بان یقابل النصف	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں مخلوط عبارت بطور اختصار یوں ہے کہ بیع سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں سات ہیں جن کا عقد میں ذکر کیا جانا (یہ تعداد اجمالی ہے ورنہ پہلی چار شرطیں راس المال (ثمن) اور مسلم فیہ (مبیع) دونوں میں پائی جاتی ہیں تو اس طرح تفصیلا یہ چار کے بجائے آٹھ ہوئیں، بحر) (۱) مسلم فیہ کی جنس کا بیان جیسے گندم یا کھجور (۲) نوع کا بیان جیسے نہری پانی سے اس کو سیراب کیا گیا ہے یا بارش کے پانی سے سیراب ہوئی ہے اور اس میں خلاصہ سے منقول ہے کہ جسمیں کوئی نوع نہ ہو اس میں نوع کا بیان شرط نہیں اور اس میں معراج سے منقول ہے کہ راس المال میں نوع کا بیان کرنا شرط ہے جبکہ شہر میں مختلف نقود رائج ہوں ورنہ نہیں۔ (۳) مسلم فیہ کی صفت کا بیان جیسے عمدہ یا ناقص (۴) مسلم فیہ کی مقدار کا بیان جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی (۵) مدت کا بیان اور سلم میں کم از کم مدت ایک ماہ ہے اسی پر فتوی ہے۔ (۶) راس المال کی مقدار کا بیان اگر عقد کا تعلق راس المال کی مقدار سے ہو بایں طور کہ مسلم فیہ کے اجزاء راس المال کے اجزاء پر منقسم ہوتے ہوں (فتح) اس تقسیم کی صورت یہ ہے

بالنصف والربع بالربع وھکذا وذٰلك انما یکون فی المثلی)،والسابع بیان مکان الایفاء للمسلم فیه فیماله حمل ومؤنة شرط الایفاء فی مدینة فکل محلاتھا سواء فیه حتی لو اوفاہ فی محلة منھا برئ ولیس له ان یطالبه فی محلة اخری بزازیة ولو عین مکانا تعین فی الاصح فتح،وبقی من الشروط قبض رأس المال ولو عینا قبل الافتراق بابدا نھما وان ناما او سارفرسخا او اکثر ولودخل لیخرج الدراھم ان تواری عن المسلم الیه بطل وان بحیث یراہ لا وھو شرط بقائه علی الصحة لاشرط انعقادہ بوصفھا فینعقد صحیحا ثم یبطل بالافتراق بلاقبض [1]۔	کہ نصف مسلم فیہ نصف راس المال کے بدلے میں اور چوتھائی چوتھائی کے بدلے میں ہو اسی طرح یہ سلسلہ چلتا جائے اور یہ صورت صرف مثلی چیزوں میں متحقق ہوسکتی ہے، (۷)اس جگہ کا بیان جہاں مسلم فیہ پہنچانا منظور ہے جبکہ مسلم فیہ میں باربرداری اور مشقت ہے، کسی شہر سے پہنچانے کی شرط لگائی تو اس شہر کے تمام محلے اس مسئلہ میں برابر ہیں اگر کسی محلّہ میں بائع نے مسلم فیہ کو پہنچادیا تو بری الذمہ ہوگیا مشتری کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے محلّہ میں پہنچانے کا مطالبہ کرے(بزازیہ)اور اگر کوئی مکان معین کردیا تو وہی معین ہوگا اصح مذہب پر (فتح)اور باقی رہا شرطوں میں سے راس المال پر قبضہ کرنا اگرچہ راس المال معین ہو،اور یہ قبضہ عاقدین کے بدنی طور پر جدا ہونے سے قبل شرط ہے اگرچہ وہ دونوں مجلس میں سوگئے ہوں یا ایک فرسخ یا اس سے کچھ زیادہ اکٹھے چلتے گئے ہوں (اس کے بعد قبضہ کیا ہو)اور اگر رب السلم(مشتری) درہم لینے گھر میں اس طرح داخل ہوا کہ مسلم الیہ (بائع) کی نظر سے اوجھل ہوگیا تو عقد باطل ہوگیا اور اگر وہ نظر آتا رہا تو عقد باطل نہیں ہوا اور راس المال پر مجلس میں قبضہ کرنا عقد سلم کے صحت پر باقی رہنے کی شرط ہے نہ کہ وصف صحت پر اس کے منعقد ہونے کی شرط ہے، تو بیع کا انعقاد صحیح ہوجائے گا پھر راس المال پر قبضہ کئے بغیر دونوں کے جدا ہونے سے باطل ہوجائے گی۔(ت)

اسی میں ہے:

لایصح فی منقطع لایوجد فی الاسراق من وقت العقد الی وقت الاستحقاق [2]۔	ایسی چیز میں عقد سلم صحیح نہیں جو وقت عقد سے وقت استحقاق یعنی ختم میعاد تک بازار میں موجود نہ رہے۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸، ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۲۰۶-۲۰۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

اسی میں ہے:

ولافی حنطة حدیثة قبل حدوثها لانها منقطعة فی الحال [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عقد سلم نئی گندم میں اسکے پیدا ہونے سے پہلے صحیح نہیں کیونکہ وہ فی الحال موجود نہیں۔(ت)

مسئلہ ۲۲۴: از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر گیہوں کی کٹوتی جسے بدنی بھی کہتے ہیں اس طور پر کریں کہ روپے دے دے اور بھاؤ معین نہ کیا بلکہ یہ ٹھہرا کہ فصل کا بھاؤ یا اس سے مثلاً دو سیر زائد لیں گے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: محض ناجائز ہے جب تک مقدار معین نہ کردی جائے۔

فی الدرالمختار شرط صحته بیان جنس وقدر ککذا کیلا [2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی شرط جنس کو بیان کرنا اور مقدار کو بیان کرنا ہے جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی ہے اھ تلخیص۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۲۵: از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رس کی خریداری اس طور پر کہ ابھی ایکھ کھڑی ہے اور اسے خرید لیا اور روپیہ دے دیا، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

محض ناجائز ہے کہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم انھیں چیزوں میں جائز ہے جو ہنگام عقد سے میعاد استحقاق تک ہر وقت بازار میں موجود ہیں، گھروں میں موجود ہونا کفایت نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔ ہدایہ میں ہے:

لایجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی	جب تک مسلم فیہ وقت عقد سے لے کر وقت استحقاق تک مسلسل بازار میں موجود نہ رہے بیع سلم

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷
[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸

حین المحل [1]۔	جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حد الانقطاع ان لا یوجد فی الاسواق وان کان فی البیوت کذا فی التبیین شرنبلالیہ ومثلہ فی الفتح والبحر والنھر [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نایاب ہونے کا معنی یہ ہے کہ چیز بازار میں موجود نہ ہو اگرچہ گھر میں موجود ہو تبیین شرنبلالیہ میں یونہی ہے اور اس کی مثل بحر، نہر اور فتح میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶: ۸رجب ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے یا غیر گاؤں کے اسامیوں کو روپیہ کٹوتی پر دیا اور نرخ کاٹ کر غلہ ٹھہرالیا اب اگر کسی آفت ارضی یا سماوی کی وجہ سے غلہ نہ پیدا ہو تو یہ شخص اسی نرخ معین کے حساب سے قیمت پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب عدم پیداوار وغیرہ کی وجہ سے بائع ومشتری اسی عقد کو فسخ کریں تو مشتری کو صرف اتنا ہی روپیہ لینا جائز ہے جس قدر اس نے دیا تھا اس سے زیادہ ایک حبہ لینا حرام اور سود ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتاخذ الاسلمك او رأس مالك [3] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی یا تو وہ چیز لے یا جتنا روپیہ دیا تھا وہ واپس کرلے اس کے سوا کچھ نہ لے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مسئلہ ۲۲۷: ۴رمضان المبارک

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسامیان کو بدنی پر روپیہ اور فی روپیہ ۲۰ ثاریا ۱۹ ثار گندم عمدہ ماہ فلاں میں لینے ٹھہرے لیکن اسامی کے یہاں پیداوار کم ہوئی اور غلہ مذکور ادانہ کرسکا تو اسے زر قیمت غلہ لینا جائز ہے یا ناجائز۔یا کہ جو روپیہ دیا ہے وہ لیا جائے اور اگر غلہ وقت معینہ پر لیا جائے تو آیا صاف

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۰۵

[3] درمختار باب السلم ۲/ ۴۹ و تبین الحقائق باب السلم ۴/ ۱۱۴

کرا کر عمدہ لیا جائے یا جیسا پیدا ہوا ہے کس طور پر اور اگر بحالت باقی آئندہ سال پر غلہ لیا جائے تو کس شرح سے یعنی کہ زر قیمت بقیہ غلہ کے گندم بحساب بدنی مذکور لئے جائیں یا کہ بقیہ زر دادہ کے گندم بحساب بدنی لئے جائیں **بینوا توجروا**

الجواب:

روپیہ دینے والے کو دو ہی بات کا اختیار ہے چاہے جو غلہ جتنا لینا ٹھہرا ہے اب خواہ آئندہ سال اسی قدر لے کر دانہ بڑھانے کا اختیار نہیں ہے اور چاہے تو اس صورت میں اپنا اتنا ہی روپیہ جس قدر دیا تھا پورا خواہ حساب سے کہ مثلاً سو روپے پچاس من گیہوں پر دئے تھے پچیس من ملے تو باقی پچاس روپے واپس لے ایک کوڑی زیادہ حلال نہیں اور یہ جو کرلیتے ہیں کہ جو باقی رہا اس وقت کے بھاؤ سے اس کے دام کاٹے اور بدنی کے حساب سے ان داموں کا غلہ اس کے ذمہ کردیا یہ نرا سود قطعی حرام بلکہ سود در سود ہے۔

فی الدرالمختار لو انقطع بعد الاستحقاق خیر رب السلم بین انتظار وجودہ والفسخ واخذ راس مالہ [1] اھ وفیہ لایجوز التصرف للمسلم الیہ فی رأس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشرکۃ ومرابحۃ وتولیۃ ولو ممن علیہ حتی لووھبہ منہ کان اقالۃ اذا قبل وفی الصغرٰی اقالۃ بعض السلم جائزۃ [2] الخ۔	درمختار میں ہے کہ اگر مسلم فیہ استحقاق کے بعد نایاب ہوگئی تو رب السلم کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اس کے دستیاب ہونے کا انتظار کرے یا عقد فسخ کرکے راس المال واپس لے لے اھ، اور اسی میں ہے قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ تصرف جیسے بیع، شرکت، مرابحہ اور تولیہ جائز نہیں اگرچہ یہ تصرفات اسی شخص سے کئے جائیں جس پر راس المال یا مسلم فیہ ہے یہاں تک کہ اگر رب السلم نے مسلم الیہ کو مسلم فیہ ہبہ کردیا تو یہ اقالہ ہوگا جبکہ مسلم الیہ اسی کو قبول کرے اور صغرٰی میں ہے کہ بعض سلم کا اقالہ جائز ہے الخ (ت)

اور گیہوں جیسے ٹھہرے تھے ویسے لینے کا مستحق ہے اگر عمدہ صاف کی شرط تو عمدہ صاف ہی لے گا۔

فی الھندیۃ اسلم فی کندم نیکو او	ہندیہ میں ہے اگر کسی نے نے گندم میں عقد سلم کیا اور

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم ۲ /۴۹۔۴۸

قال نیك او قال سرہ یجوز ھذا ھوالصحیح والماخوذ بہ کذا فی الغیاثیۃ [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کہا گندم نیکو یا کہا نیک یا کہا سرہ یعنی کھری تو جائز ہے اور یہی صحیح اور مختار ہے، یوں غیاثیہ میں ہے اھ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۸: غرہ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے یانہیں ایسی صورت میں کہ ابھی بیچنے والے نے صرف زمین اس نیت سے لی ہے کہ بعد چار ماہ کے اسی سے مٹی کھود کر اینٹ بنائی جائے گی، خالد نے ابھی سے دو روپیہ ہزار کا نرخ کاٹ کر چار ماہ کے وعدہ پر دو سو روپے اسے دے دئے یہ صورت شرعاً جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے جبکہ سانچا معین کر دیا گیا ہو اور باقی شرائط بیع سلم متحقق ہوں اور یہ شرط نہ کی گئی ہو کہ اس مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ لی جائے گی۔

لانہ منقطع فی الحال کحنطۃ جدیدہ قبل وجودھا وفی التنویر یصح فیما امکن ضبط صفتہ ومعرفۃ قدرہ کمکیل وموزون ومثمن وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس و لبن واٰجر بملبن معین [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وہ فی الحال نایاب ہے جیسے نئی گندم کی بیع اس کے وجود سے قبل اور تنویر میں ہے کہ جس چیز کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کی پہچان ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے جیسے کیلی چیز ایسی وزنی چیز جو مبیع ہو اور عددی متقارب اشیاء مثلاً اخروٹ، انڈے، پیسے اور معین سانچے کی بنی ہوئی کچی پکی اینٹیں، (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: از آنولہ شفاخانہ مرسلہ شیخ محمد بخش صاحب ڈاکٹر ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ فلوس سکہ رائج الوقت بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ۳۳ ٹکہ فروخت ہوتے ہیں اگر زید کسی قدر روپیہ عمرو کو دے اور عمرو سے بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ۳۳ ٹکہ بلا تعیین وقت روز یا ماہ کے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثامن عشر الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

کٹوتری کرلے اور عمرو بتدریج فلوس ادا کرے توکٹوتی فلوس اس صورت سے شرعادرست ہے یانہیں اور اگر عمرو فلوس کے ہمراہ دونی یاچونی زید کو دے تو دونی یاچونی ہمراہ فلوس کے عمرو سے لینا جائز ہے یانہیں اور اگر عمرو باجازت زید کے کسی قدر فلوس کٹوتری شدہ بہ نرخ رائج الوقت خود فروخت کرکے زید کو نقد روپیہ بعوض فلوس دے تودرست ہے یانہیں؟

الجواب:

پیسوں کی بیع سلم (یعنی کٹوتی) میں یہ تینوں صورتیں ناجائز وگناہ ہیں، بیع سلم کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ میعاد عقد میں معین کردی جائے جب یہاں تعین وقت نہ ہوا بیع حرام ہوگئی۔

فی الدرالمختار شروط صحته التی تذکر فی العقد بیان جنس ونوع وصفة وقدر واجل [1] اھملخصا۔	درمختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں جن کو عقد میں ذکر کیا جاتا ہے یہ ہیں: جنس، نوع، صفت، مقدار اور اجل کا بیان کرنا اھ تلخیص (ت)

پھر بیع سلم جس چیز کی ہو اسے بدل کر دوسری شے لینی جائز نہیں، توکل یا بعض پیسوں کے عوض میں دونی چونی اٹھنی وغیرہا نہیں لے سکتا بلکہ خاص پیسے ہی لئے جائیں گے۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام لاتاخذ الاسلمك او رأس مالك ای الا سلمك حال قیام العقد اور أس المال عند انفساخه فامتنع الاستبدال [2] اھدرمختار۔	کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوائے اپنے مسلم (مسلم فیہ) یاراس المال کے کچھ مت لے یعنی اگر عقد قائم رہے تو مسلم فیہ اور اگر عقد فسخ ہوجائے توراس المال لے لے، چنانچہ بدلے میں کوئی اور چیز لینا ممتنع ہو اھ درمختار (ت)

نہ یہ روا ہے کہ اپنے قبضہ میں آجانے سے پہلے اس میں کوئی تصرف مثل بیع وغیرہ کیا جائے توعمرو کا باجازت زید خواہ بلااجازت پیسے بیچ کر روپے وغیرہ ان کے بدلہ کی کوئی شے زید کو دینا درست نہیں نہ زید اسے لے سکتا ہے۔

فی الدالمختار لایجوز التصرف للمسلم الیه فی راس المال ولالرب السلم	درمختار میں ہے کہ قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۹

فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشرکۃ[1]۔	میں تصرف جیسے بیع اور شرکت ناجائز ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ میں کے مثلاً زید نے بکر کو دس رپے دیئے اس شرط پر کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گندم لوں گا خصوصی شرط مذکور زید نے فصل مقررہ پر گندم وصول کئے فصل معین میں گندم فی روپیہ (۵ ما/) فروخت ہوتے تھے تو زید کو پندرہ سیر گندم جو کہ خلاف نرخ مل رہے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ روپے زید نے بکر کو قرض دئے تھے اور شرط یہ کی کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گیہوں لیں گے تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور اگر روپیہ گیہوؤں کو قیمت قرار دے کر دئے تھے تو اس کہنے سے کہ بیس سیر گندم لوں گا بیع نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا اب جب گیہوں موجود ہوئے بکر اگر اس بھاؤ پر نہ دے تو اسے اختیار ہے زید جبر نہیں کرسکتا اور اپنی خوشی سے بکر دے تو حلال ہے اور اگر اس وقت گیہوں کی بیع کرلی کہ اس نے کہا بیچے اور اس نے کہا خریدے تو بیع سلم کی سب شرطیں" اگر کرلی ہیں اور وہ متحقق ہیں تو جائز ہے اور فی روپیہ دس من زیادہ ملے تو حلال (عہ) ہے ورنہ حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۱: از میرانپور کٹرہ ضلع شاہجہانپور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اسامی کو پانچ روپے دے دئے ہیں اور اس سے یہ قرار پایا ہے کہ بیساکھ میں ساڑھے چار روپے من فروچنے دیں گے یہ بیع کیسی ہے؟

الجواب:

یہ صورت بیع سلم کی ہے اور اس میں بارہ شرطیں ہیں جن کی تفصیل ف ہمارے فتاوٰی میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہو تو حرام ہے اور سب جمع ہوں تو جائز ہے اور اگر وہ آسامی مسلمان نہیں تو جو معاہدہ اس سے ٹھہر جائے حرج نہیں کما مر مرارا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

عـــہ: اصل میں اسی طرح ہے ہونا چاہئے "تو بھی حلال ہے"

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸

فـــ: تفصیل کے لیئے جلد ہذا میں مسئلہ ۲۲۳ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ ۲۳۲: از موضع خورد منوڈا کخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علیہ صاحب ۶ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ اس شرط پر کسی کو دینا اور مال لینا جائز ہے کہ فصل میں جو نرخ ہوگا ہم فلاں غلہ لیں گے۔

الجواب:

فلاں غلہ لیں گے، یہ تو ایک وعدہ ہے کوئی عقد نہیں ہے اس کی پابندی پر جبر نہیں ہو سکتا اسے اختیار ہے کہ وروپیہ پھیر دے اور غلہ نہ دے، اور اگر عقد بیع کیا تو یہ بیع سلم ہے اس کی بارہ **ف** شرطیں اگر جمع ہیں حلال ہیں ورنہ حرام، اور اس طور پر کہ فصل کے نرخ پر بیچا خرید امطلقاً حرام ہے کہ وہ مجہول ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۳: از شہر مرسلہ شوکت علی صاحب ۱۴ جمادی الآخرے ۱۳۳۳ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید کچھ روپیہ دہقانوں کو فصل سے پہلے اس شرط پر تقسیم کر دیتا ہے مثلاً جس وقت روپیہ یا اس وقت گندم خواہ کوئی غلہ (۱۰ امار) کا تھا اور اس نے (۱۴ مار) فی روپیہ نرخ ٹھہرا کر روپیہ دے دیا اب فصل پر خواہ کوئی نرخ کم و بیش (۱۴ امار) سے ہو لیکن وہ فی روپیہ (۱۴ امار) کے حساب سے غلہ لے لے گا۔ بکر کہتا ہے کہ تو نے سود لیا کیونکہ نرخ سے زیادہ ٹھہرالیا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کے سب شرائط پائے گئے تو بلا شبہ جائز ہے اور کسی طرح سود نہیں اگرچہ دس سیر کی جگہ دس من قرار دے، ہاں اگر جبر ہے تو حرام ہے اگر دس سیر کی جگہ سیر ہی بھرلے

لقولہ تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟"[1]	اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے، مگر یہ کہ ہو تمھارے درمیان تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے۔ (ت)

اور اگر بیع رضامندی سے ہوئی مگر کوئی شرط رہ گئی مثلاً غلہ کی جنس یا نوع یا صفت یا وزن کی تعیین نہ ہوئی یا وہ چیز ٹھہری جو اس وقت سے وقت وعدہ تک ہر وقت بازار میں موجود نہ رہے گی یا میعاد مجہول رکھی یا اسی جلسہ میں روپیہ تمام و کمال ادا نہ کر دیا تو ضرور حرام و سود ہے اگرچہ نرخ بازار سے کچھ زیادہ نہ ٹھہرا ہو اور اگر خرید و فروختم (میں نے خریدا میں نے فروخت کیا۔ ت) کا مضمون درمیان نہ آیا مثلاً اس نے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

ف: یہ بارہ شرطیں جلد ہٰذا کے مسئلہ ۲۲۳ کے تحت مندرج ہیں۔

کہا کہ روپیہ کے چودہ سیر لیں گے اس نے کہا دوں گا تو یہ نہ سود ہے نہ حرام، نہ اس کے لئے کسی وجہ شرط کی حاجت، نہ اسے اس پر مطالبہ پہنچے، اس کی خوشی پر ہے چاہے دے یا نہ دے کہ یہ سرے سے بیع ہی نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴تا۲۳۵: از گھٹنگاہ میوبند باغات ضلع جورہاٹ آسام مسئولہ عبید اللہ ۱۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) زید نے بکر کو دو روپے دئے اور غلہ کا دینا بروقت درو زراعت بہ تعیین وزن مثلاً فی روپیہ کا بیس سیر دھان، اور حال یہ ہے کہ اس وقت بازار کے نرخ سے دوچند ہوتا ہے اب یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے دس بیگھہ زمین خرید کر زراعت کار کو خزانہ پر دیا ہے مگر خزانہ کا روپیہ نقد نہیں وصول کیا یہ بندوبست کیا کہ جب خزانہ کا روپیہ کے ہر روپیہ میں بعد درو زراعت بیس روپے کرکے دھان لوں گا اب یہ بھی نرخ بازار سے دوچند ہوتا ہے۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کی سب شرطیں ادا ہولیں جائز ہے ورنہ حرام منجملہ ان شرائط کے میعاد معلوم ہو کہ ایک مہینہ سے کم نہ ہو اور وقت درو میعاد غیر معلوم ہو کہ آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے لہٰذا صورت مذکور ناجائز و حرام ہوئی، درمختار میں ہے:

لایصح البیع الی الحصاد والدیاس والقطاف لانہا تتقدم وتتاخر [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	فصل کاٹنے، گاہنے اور پھل چننے کی وجہ میعاد پر بیع کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں تقدم وتاخر ہوتا رہتا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) یہ صورت پہلی سے بھی زیادہ حرام ہے

لانہ بیع الکالئ بالکالئ وقد نہی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ ادھار کی ادھار سے بیع ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۷

[2] سنن الدار قطنی حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳ /۷۱

مسئلہ ۲۳۶: از موضع گھگورہ ڈاکخانہ سندر گنج ضلع رنگپور مرسلہ منشی سفیر الدین صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

زید نے بکر کے پاس ۲۳ من پٹوا دینے کی شرط پر (معہ/) روپے لئے جب موسم پٹوا آیا تو بکر نے اپنے دئے ہوئے روپے کے عوض پٹوانا مانگا اس وقت پٹوا دینے سے مجبور ہوا اور قرض ادا کرنے کے خیال سے اپنے دو بیل فروخت کرنے پر آمادہ ہو گیا یہاں تک کہ ایک بیل کو فروخت کر دیا قیمت اس کی پچاس روپے ہوئی اس بیل کی فروخت کی بات بکر نے سنتے ہی زید کو کہا اگر بیل کو فروخت کرنا چاہتے ہو تو وہ بیل ہم کو دو، تب زید نے فروخت کیا ہوا ۵۰ روپے قیمت والا بیل ۴۵ روپے قیمت مقرر کرکے اور دیگر ایک بیل ۲۵ روپے قیمت کیے ہوئے بیل کو ۲۰ روپے مقرر کرکے پہلے خریدار سے واپس لاکر بکر کو دے دیا اور بکر نے رسید بھی لے لی اور زید نے ۲۰ روپے نقد بھی دئے تھے جبکہ زید نے دو بیل دئے اور (عہ ۲۰) بھی دئے تو اب مبلغ (صہ لہ) روپے ہوئے اصل سے (مہ عہ/) روپے زیادہ ہوتے ہیں اب مطلب یہ ہے کہ بیع سلم صحیح ہوئی یا کہ نہیں اور اس زیادہ روپے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

بیع سلم صحیح تھی اگر سب شرائط جمع ہوئے تھے مگر جبکہ وہ پٹوا دینے سے عاجز آیا اور روپیہ واپس دینا قرار پایا تو بکر پر فرض تھا کہ صرف وہی (معہ ۷۰) روپے واپس لے ان کے عوض بیل لئے یہ حرام پندرہ روپے زیادہ لئے یہ حرام اور نرا سود۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتأخذ الاسلمك او رأس مالك[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے اس چیز کے جس میں تو نے عقد سلم کیا (مسلم فیہ) یا سوائے راس المال کے کچھ مت لے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷ و ۲۳۹: از کچھوچھہ شریف مرسلہ مولانا مولوی سید محمد صاحب سلمہ ۹ صفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید نے بکر کو ایک من گیہوں وایک آنہ پیسہ دے کر کہا کہ ایک من گیہوں تم کو بلا معاوضہ چیز دیتا ہوں اور ایک آنہ پیسہ کے عوض فلاں مہینہ میں گیہوں اوسط درجہ کا یا کہا کہ عمدہ ایک من بیس ثاء لوں گا۔

(۲) زید نے بکر کو ایک گنی دے کر کہا کہ فلاں مہینہ میں دو نوٹ دس دس روپے کا لوں گا یا بیس روپیہ کے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب البیوع باب السلم المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴ /۱۱۱، درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۹

پیسے لوں گا۔

(٣) زید نے بکر کو دس روپیہ قرض دیا کہ بعد ایک سال کے ادا کردے اور ایک آنہ پیسہ دیا کہ اس کے عوض بعد ایک سال کے دو روپیہ دے، یہ تینوں صورتیں شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(١) ایک من گیہوں دینا نہ دینا کچھ ضرور نہیں جملہ شرائط بیع کا تحقق ضرور ہے جن کی تفصیل و تمثیل ہمارے فتوٰی میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہے تو حرام ہے۔

لان بیع معدوم لم یرد الشرع بجوازہ وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع مالیس عندہ[1]۔	کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جس کے جواز پر شرع وارد نہیں ہوئی اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہو۔ (ت)

اور اگر شرائط مجتمع ہوں تو جائز ہے اگرچہ ایک پیسہ کو ہزار من گیہوں خریدے

قال اللہ عزوجل "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[2]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب بدلین مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرۃ اذا اخذ الخبز مفرقا ینبغی ان یبیع صاحب الحنطۃ خاتما اوسکینا من الخباز بالف من الخبز[4]۔	ذخیرہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص (گندم اکٹھی دے کر اس کے بدلے میں) روٹیاں متفرق طور پر لینا چاہے تو گندم والے کو چاہئے کہ وہ انگوٹھی یا چھری ہزار روٹیوں کے بدلے میں روٹیاں پکانے والے کے ہاتھ فروخت کرے (پھر روٹیوں والا گندم والے کے

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ٢٤

[2] القرآن الکریم ٤/ ٢٩

[3] نصب الرایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض ٤/ ٤

[4] ردالمحتار باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ٤/ ١٨٦

ہاتھ انگوٹھی یا چھری گندم کی مطلوبہ مقدار کے عوض بیچ کو گندم لے لے)۔(ت) غمز العیون والبصائر میں ہے:

جواز بیع المقرض من المستقرض مما یساوی طسوجا بعشرۃ دنانیر فانه علی وفاق الدلیل لانه بیع موجود مملوك له بالقاضی[1]۔	قرض دینے والے کو قرض مانگنے والے کے ہاتھ دو رتی برابر کوئی چیز دس دینار کے عوض فروخت کرنے کا جواز دلیل کے موافق ہے کیونکہ یہ اپنی موجود ملکیت کا قاضی کے حکم سے سودا ہے۔(ت)

یہ سب اس حالت میں ہے کہ بیع ہو "بعت اشتریت فروختم خریدم" (میں نے بیچا میں نے خریدا۔ت) کہیں، لوں گا دوں گا عقد نہیں وعدہ ہے اوراس کے لئے کوئی اثر نہیں کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کردیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) نوٹ ہوں یا پیسے دونوں کی بیع سلم جائز ہے کہ ثمن اصطلاحی ہیں نہ خلقی، تنویر الابصار و درمختار باب السلم میں ہے:

(یصح فیما امکن ضبط صفته ومعرفة قدرہ کمکیل وموزون) خرج بقوله (مثمن) الدراھم والدنانیر لانھا اثمان فلم یجز فیھا السلم (وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس[2]	عقد سلم اس چیز میں صحیح ہے جس کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کو پہچاننا ممکن ہو جیسے کیلی چیز اور ایسی وزنی چیز جو مثمن یعنی مبیع بنے، اس قید سے دراہم ودنانیر خارج ہوگئے کیونکہ وہ ثمن ہیں جن میں بیع سلم جائز نہیں، اور ایسی چیز جو عددی متقارب ہو جیسے اخروٹ، انڈے، اور پیسے (ت)

شرائط بیع سلم موجود ہوں اور ایجاب وقبول ہو لوں گا دوں گا کوئی چیز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) ایسی بیع حرام ہے کہ یہ روپے کی بیع سلم ہوگی اور وہ جائز نہیں کما تقدم انفا عن الدر المختار (جیسا کہ ابھی درمختار کے حوالہ سے گزرا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۰: از کرتولی ضلع بدایوں مرسلہ جناب مولوی محمد رضا خاں صاحب ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

بیع سلم بحساب فی روپیہ ۱۲ سیر ربیع گزشتہ میں ولید سے کہ کافر ہے قرار پائی اب خریف

[1] غمز العیون البصائر الفن الاول بیان ان المعتبر العرف العام لا الخاص ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

موجودہ ہیں عمرو کو جس کا روپیہ تھا وہ جنس طے شدہ نہیں دیتا عمرو اگر یہ کرے کہ جس قدر گیہوں ولید کافر اور زید مسلمان کے ذمہ چاہئے ہیں کسی دوسرے شخص کو اپنی ملکیت کے ہبہ کردے اور وہ شخص جس پر واجب الادا ہے عمرو کو خرید کر شخص موہوب لہ کو دے دے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

بیع سلم میں حکم ہے کہ جنس قرار یافتہ لے یا جتنا روپیہ دیا تھا واپس لے دوسری چیز عوض میں لینا حرام ہے ہاں اگر بائع کے پاس گیہوں نہیں اور مشتری اپنے پاس سے گیہوں ثالث کو ہبہ کردے پھر بائع اسی ثالث سے خرید کر مشتری کے مطالبہ میں دے تو جائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کھنڈساری نے ایک موضع کا رس وہاں کے اسامیوں سے ۲۵ روپیہ کے نرخ سے خریدا اور روپیہ دے دیا پھر اس کھنڈساری نے اپنے رس خریدے ہوئے کو وہاں کے زمیندار کے ہاتھ فروخت کردیا ۲۵ روپیہ کے حساب سے، اور کچھ نفع یا نقصان نہیں ہوا، پھر زمیندار نے کوشش کی کہ میرا رس کوئی شخص خریدلے اور دوسرے کھنڈساریوں نے ۲۸ روپے تک لگائے جب زمیندار نے دیکھا کہ مجھ کو ۲۸ روپیہ سے زائد نہیں ملتا تو اس نے اپنے اسامیوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے رس کا گڑ بنالو میرا روپیہ ۳۰ روپیہ کے نرخ حساب سے مجھ کو ادا کردینا پہلے بائع کو معلوم ہے کہ اس میں اختلاف ہے مگر یہ معاہدہ زمیندار کا اسامیوں سے کہ ۳۰ روپیہ کے حساب سے ادا کردینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا بالدلیل توجروا عندالجلیل** (دلیل کے ساتھ بیان کریں جلال والے اللہ تعالٰی کے ہاں اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

پہلی دوسری تیسری یہ سب بیعیں ناجائز وحرام ہوئیں جبکہ رس موجود ہونے سے پہلے عمل میں آئیں جیسا کہ یہاں دستور ہے، حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع مالیس عندہ[1] **اما مارخص فی السلم فلہ شرائط منھا عدم انقطاع المسلم فیہ یوم العقد الی یوم الوعد**	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہوں، بیع سلم میں جو رخصت دی گئی ہے تو اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مسلم فیہ عقد والے دن سے لے کر وعدہ والے دن تک بازار سے منقطع نہ ہو۔(ت)

[1] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

اور خاص تیسری بیع اگر رس کے باوجود پر بھی ہوئی تو ناجائز ہے۔

لان المشتری فاسد الایملك قبل القبض وبعدہ ایضالایرتفع الاثم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ بیع فاسد کے ساتھ خریدی ہوئی چیز مملوک نہیں بنتی قبضہ سے اور بعد بھی اس کا گناہ مرتفع نہیں ہوتا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۲: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد مرسلہ شیخ نادر حسین صاحب ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعی مبین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جیسارواج رس نیشکر کے فروخت کا ہے کہ ادھر کھیت میں درخت نمود ہوئے ادھر اس وقت کے نرخ بموجب پیشگی روپیہ دے دیا آیا کسی حیلہ شرعی سے یہ بات جائز ہے یانہیں؟ اور اگر وقت تیار ہونے نیشکر کے اس وقت کے نرخ بموجب رس خریدا جائے تو بھی جائز ہے یانہیں؟ اوراگر جائز نہیں ہے توضرورت کے لئے کوئی حیلہ شرعی بھی ہے یانہیں کیونکہ زمانہ کارواج بہت مجبور کررہاہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

نہ درختوں کے نمود پر جائز نہ نیشکر کی تیاری پر جائز نہ یہ جائز کہ جب رس موجود ہوجائے اور بکنے لگے اس آئندہ سال کے رس کی بیع کرلیں کہ بیع سلم میں شرط ہے کہ وہ شے عقد سے وقت قرار داد تک کس وقت بازار سے منقطع نہ ہو پہلی دو صورتوں میں تو اس وقت عقد منقطع تھا گنے کی تیاری سے رس بازار میں تو نہ آگیاجو شرط جواز متحقق ہو اور پچھلی صورت میں اگرچہ رس وقت عقد موجود ہے مگر وقت قرار داد یعنی آئندہ سال تک موجود نہ رہے گا چند روز بعد بازار سے ختم ہوجائے گا ہمارے تمام ائمہ مذہب کاان سب صورتوں کے ناجائز وحرام ہونے پر اجماع ہے متون وشروح وفتاوٰی ان کی تحریر سے مالا مال ہیں ہمیں خلاف مذہب فتوٰی دینے کی کسی طرح اجازت نہیں، ہاں اگر رس کہیں تیار ہوگیا کہیں ابھی ایکھ کھڑی ہے ایسے زمانہ میں جن کے یہاں ہنوز رس نہیں ان سے رس کی بیع سلم کرلینا بلاشبہہ جائز ہے جبکہ وعدہ اتنی قریب مدت تک کا کیا جائے جس میں اس سال کا رس بازار میں سے ختم نہ ہونے پائے، بحرالرائق ودرمختار میں ہے:

مایکتب فی وثیقة السلم من قولہ جدید عامہ مفسدلہ ای قبل وجود الجدید امابعد فیصح کمالا یخفی[1]۔	وہ جو عقد سلم کے وثیقہ میں لکھا جاتاہے کہ اس سال کی جدید (گندم) تو یہ جدید کے موجود ہونے سے مفسد عقد ہے لیکن اس کے موجود ہونے کے بعد صحیح ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸، بحرالرائق کتاب البیع باب السلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۶۰

اور اس تیاری وغیر تیاری میں کچھ گاؤں یا پرگنہ یا ضلع کا اتحاد بھی شرط نہیں بلکہ اگر اس ضلع بھر میں ابھی کہیں رس بلکہ گنا بھی تیار نہیں اور دوسرے ضلع میں رس بکنے لگا ہے تو جہاں ہنوز معدوم ہے وہاں والے بھی بیع سلم کرسکتے ہیں جبکہ ان دونوں ضلعوں میں اتنا بعد عظیم نہ ہو کہ ان کے یہاں کی ایکھ ماری جائے یا رس پر کوئی افت آئے تو وہاں سے رس منگا کر دینے میں سخت شدید مشقت ہو جیسے ہندوستان میں ابھی مفقود ہے اور مثلاً مصر یا برہما میں تیار ہوگیا تو ایسی تیاری پر ہندوستان میں اس کی بیع سلم حلال نہیں، درمختار میں ہے:

لو انقطع فی اقلیم دون آخر لم یجز فی المنقطع [1]۔	اگر ایک ملک میں مسلم فیہ نایاب ہے دوسرے میں نہیں ہے تو جہاں نایاب ہے وہاں سلم جائز نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای المنقطع فیہ لانہ لایمکن احضارہ الابمشقۃ عظیمۃ فیعجز عن التسلیم، بحر [2]۔	یعنی جس ملک میں نایاب ہے کیونکہ سوائے سخت مشقت کے وہاں سے لانا ممکن نہیں لہٰذا تسلیم سے عجز لازم آئے گا۔ بحر۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ واقع میں وہ عقد بیع شرعی ہو بعض دستاویزیں رس کی جو آج کل دیکھنے میں آئیں ان کا مضمون یہ ہے کہ (جو کہ مبلغ اس قدر یا فتنی فلان بن فلاں کے میرے ذمہ واجب الادا ہیں اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ بعض مبلغان مذکور کے مال اس کاشت ۱۳۰۰ ف جس کا پیداوار سنہ ۱۳۰۱ ف میں ہوگا وقت تیار ہوجانے بیل کے اس نرخ سے فلاں ماہ تک ادا کروں گا اپنے خرچ میں کسی طرح نہ لاؤں گا) اور سنا گیا کہ عام دستاویزاسی مضمون کی ہوتی ہیں اگر فی الواقع زبانی بھی کلمات بیع درمیان نہیں آتے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے رس تیرے ہاتھ بیچا، نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خریدا بلکہ اسی قسم کی گفتگو ہوتی ہے تو اسے بیع سے اصلا علاقہ نہیں، یہ تو ایک وعدہ واقرار ہے کہ زر مطالبہ اس راہ سے ادا کروں گا یہ صورت فی نفسہٖ اصلا جواز کی تھی، اگر کسی کا کسی پر کچھ قرض آتا ہو اور مدیون برضائے خود وعدہ کرلے کہ اس کے بدلے میں تجھے فلاں چیز اس نرخ سے دوں گا تو اس میں کوئی حرج نہیں جس وقت دے گا اس وقت بعوض اس قرض کے بیع ہوجائے گی اس طریقہ میں نہ پہلے سے کسی قرارداد کی حاجت ہوئی نہ کوئی شرط درکار، فقط اتنا چاہیے کہ دیتے وقت انہیں باہم معلوم ہو کہ اس بھاؤ پر دی گئی، فتاوٰی علامہ خیرالدین رملی میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۰۵

سئل فی رجل استلم من اٰخر الفی قرش دینادوعدہ ان یعطیہ بھازیتا بالسعر الواقع یوم کذا فلما جاء الیوم الموعود وکان سعر الزیت معلوما فیہ ارسل یطلبہ منہ فارسل بہ زیتا ہل یکون بیعا بالسعر المعلوم یومئذ ام لایکون بیعا وللمدیون طلب الزیت (اجاب)نعم یکون بیعانافذ والحال ہذا کما صرح بہ مجمع الفتاوٰی والقنیۃ والمجتبٰی معزیاالی النصاب وقد افتی بذلك المرحوم صاحب منح الغفار (الی قولہ)والاصل فی ذٰلك ان البیع عندنا یعقد بالتعاطی فافھم واللہ تعالٰی اعلم۔[1] ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ **اقول**:انما انعقد بالتعاطی لان الذی جری بینھما من قبل انما کان وعدا اما لوکان ذٰلك عقدا لماصح لعدم اجتماع شرائط السلم کمالا یخفی واذالم یصح ذٰلك لم یجز التعاطی المبنی علیہ کماصرح بہ فی البحر والدروغیرہما۔	اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس نے دوسرے سے دوہزار (ترکی سکے) قرش بطور قرض وصول کئے اور وعدہ کیا کہ اس کے بدلے فلاں دن روغن زیتون دوں گا اس بھاؤ پر جو اس دن ہوگا، پھر جب وعدے کا دن آگیا اور اس دن زیتوں کا بھاؤ معلوم تھا چنانچہ قرض دہندہ نے مدیون سے روغن زیتون مانگ بھیجا اور اس نے روغن زیتون بھیج دیا تو کیا یہ اس دن کے معلوم بھاؤ پر بیع ہوگی یا نہیں ہوگی اور مدیون کو روغن زیتون واپس مانگنے کا حق ہوگا؟ آپ نے جواب دیا ہاں بیع نافذ ہوگی اور حال یہی ہے جیسا کہ نصاب کی طرف منسوب کرتے ہوئے مجمع الفتاوی قنیہ اور مجتبٰی میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور تحقیق اسی پر مرحوم صاحب منح الغفار نے فتوی دیا، (اس کے اس قول تک کہ) اور اس میں اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعاطی (باہمی لین دین) کے ساتھ بیع منعقد ہوجاتی ہے پس سمجھ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اھ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس پر یوں حاشیہ لکھا میں لکھتاہوں کہ تعاطی سے صرف اس لئے بیع منعقد ہوئی کہ جو گفتگو اس سے پہلے ان کے درمیان ہوچکی تھی وہ وعدہ تھا لیکن اگر وہ عقد ہوتا تو صحیح نہ ہوتا کیونکہ اس میں عقد سلم کے شرائط جمع نہیں ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں تو جب عقد صحیح نہیں تو تعاطی بھی جائز نہیں جس کی بناء پر اسی عقد پر ہے جیسا کہ بحر اور در وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیع باب السلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۵

مگر یہاں اور دقت درپیش ہے یہ صورت یوں نہیں کہ پہلے سے بسبب قرض وغیرہ کسی پر کچھ دین آتا تھا جس کے عوض کوئی شے دیگر لینانہ قرار پایا تھااس کے بعد مدیون نے بطور خود وعدہ کرلیا کہ میں بعوض دین یہ شے دوں گا یہاں تو وہ روپیہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے عوض رس لیں گے اور اسی بناء پر لیتا ہے تو اگرچہ بیع نہ سہی مگر قرض کے ذریعہ سے نفع حاصل کرنا ہااور وہ سود ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جو منفعۃ فھو ربا [1]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

اب اس عقد کا حاصل یہ ہوا کہ اتنا روپیہ تجھے قرض دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اس کے عوض مجھے اتنا رس دے قرض اگرچہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے۔

علی مافی الدر ومتنہ عن الخانیۃ القرض لایتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منھا لا یبطلہ ولکنہ یلغو شرط ردشیئ اٰخر .فلو استقرض الدراھم المکسورۃ علی ان یؤدی صحیحا کان باطلا وکذا لو اقرضہ طعاما بشرط ردہ فی مکان اٰخر وکان علیہ مثل ماقبض [2] الخ	اس بنا پر جو در اور اس کے متن میں خانیہ سے منقول ہے کہ قرض جائز شرط کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا تو فاسد شرط قرض کو باطل نہیں کرتی لیکن دوسری شے لوٹانے کی شرط ہوجاتی ہے چنانچہ اگر کسی نے پھوٹے درہم قرض لئے اس شرط پر کہ صحیح درہم واپس کرے گا تو یہ شرط باطل ہے اور یوں ہی اگر کسی کو اناج قرض دیا اس شرط پر کہ دوسرے شہر میں واپس لوٹائے گا اس صورت میں مقروض پر واجب ہے کہ جیسی چیز اس نے قرض لی تھی ویسی ہی واپس لوٹائے الخ۔(ت)

مگر ایسا قرض خود ہی معصیت وحرام ہے۔

فی الدرعن الخلاصۃ القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتب بہ الی بلد کذا	در میں خلاصہ سے منقول ہے کہ شرط کرکے قرض دینا حرام ہے اور شرط لغو ہے جیسے کوئی شخص اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اس کو فلاں شہر کی طرف

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۶ /۲۳۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۰

لیوفی دینہ[1] الخ	لکھ دے تاکہ وہاں اس کا قرض ادا کیا جائے۔(ت)

اور یہاں صراحۃً شرط نہ بھی کریں تاہم بحکم عرف اس کا مشروط ہونا قرض دینے لینے والے دونوں پر ظاہر وآشکارہ ہوتا ہے۔

والمعہود عرفاً کالمشروط لفظاً فی ردالمحتار من اٰخر الحوالۃ عن الفتح عن الواقعات قالوا انما یحل ذٰلك عند عدم الشرط اذا لم یکن فیہ عرف ظاہر فان کان یعرف ان ذٰلك یفعل کذلك فلا[2]۔	جو عرف میں معہود ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے لفظ شرط لگائی گئی ہو ردالمحتار میں باب الحوالہ کے آخر میں فتح سے بحوالہ واقعات منقول ہے فقہاء نے کہا ہے کہ عدم شرط کے وقت یہ قرض اس وقت حلال ہے جب اس میں (دوسرے شہر کی طرف لکھنے کا) عرف ظاہر نہ ہو چنانچہ اگر معروف ہے کہ وہ ایسا کرے گا تو حلال نہیں۔(ت)

غرض یوں بھی جواز حاصل نہ ہوا، ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر کا رس خریدنا ہو اتنے روپوں کے عوض اپنی کوئی چیز اس کاشتکار کے ہاتھ ایک قریب وعدہ پر بیچے مثلاً کہے میں نے یہ شیئ تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی اس شرط پر کہ یہ روپے ایک گھنٹہ کے بعد ادا کئے جائیں گے وہ کہے میں نے خریدی اس سے زائد کوئی رس وغیرہ کا ان لفظوں می نہ ہو پھر وہ شیئ مبیع اس کاشتکار کے قبضہ میں دے دے اور اس سے زر ثمن نہ لے جب وہ قابض ہوجائے اسی چیز کو اب کاشت کار اس بائع کے ہاتھ سو روپے پر بیع کردے، اور اس میں کوئی میعاد ادائے ثمن مقرر نہ کرے یہ خریدے اور اس وقت کاشتکار کو روپے دے کر شیئ مبیع لے لے، یہ مبیع ثانی اور اس کے روپے ادا کرنے کی کاروائی اس مدت وعدہ سے پہلے ہولے جس مدت تک کاشتکار کے لئے بیع سابق میں ثمن مؤجل کیا ہے مثلاً وہاں ایک گھنٹہ کا وعدہ ٹھہرا تھا تو یہ کاروائی گھنٹہ گزرنے سے پہلے ہولے وعلٰی ہذا القیاس، اور بہت ضرور ہے کہ ان دونوں بیعوں سے حقیقۃً خرید وفروخت کا قصد کریں، فقط فرضی طور پر نہ ہوں اب اس کی چیز تو اس کے پاس واپس آئی اور کاشکار کو سو روپے مل گئے اور اس کے سو روپے اس کے ذمہ پر دین رہے، جب گھنٹہ یا میعاد جو قرار پائی تھی گزر جائے یہ اپنے اس دین کا کاشتکار سے مطالبہ کرے وہ کہے گھڑی بھر میں تیرا دین دیتا ہوں اگر نہ دوں گا تو معاہدہ کرتا ہوں کہ اس دین کے عوض فلاں مہینے میں اس نرخ سے اتنا رس ادا کروں گا بعدہ اسی

[1] درمختار کتاب البیوع باب القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۹۶

مضمون کا اقرار نامہ لکھا جائے جیسا کہ کھنڈ ساری میں رائج ہے جس کی نقل عبارت اوپر گزری اس طور پر نہ تو بیع سلم ہوئی جس میں اس شے کا بازار میں ہونا مشروط ہوتا نہ قرض ہوا جس سے انتفاع مشروط حرام ٹھہرتا بلکہ بذریعہ بیع صحیح ایک دین اس کاشتکار پر لازم ہوا بعدہ، اس دین کی نسبت یہ وعدہ و معاہدہ قرار پایا بیع سابق کے بعد جو یہ قرار داد ہوئی اس عقد کی شرط نہ ٹھہرے گی کہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہو کر پھر گناہ لازم آئے۔

فانہ لیس بشرط رأسا بل وعد مستأنف و قد قال فی ردالمحتار ذکر فی البحر انہ لو اخرجہ مخرج الوعد لم یفسد وصورتہ کما فی الولوالجیۃ قال اشترحتی ابنی الحوائط [1] اھ **قلت** والذی فی الھندیۃ عن الظھیریۃ اشتربصیغۃ[2] الامر فاذا کان ھذا فی الوعد لمقارن فکیف فی المفارق فھذا یوجب الصحۃ اجماعا و لوسلم فالشرط المتأخر لایلتحق باصل العقد عندھما، وفی روایۃ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنھم وفی اخری لہ یلتحق وقد صححتا فعند اختلاف التصحیح لک العمل بایتھما شئت لاسیما ماوافق علیہ الصاحبان رضی اللہ تعالٰی عن الجمیع قال فی ردالمحتار قولہ ولا بیع بشرط اشار بقولہ	کیونکہ یہ سرے سے شرط ہی نہیں بلکہ نیا وعدہ ہے تحقیق، رد المحتار میں بحوالہ بحر فرمایا کہ اگر اس نے بطور وعدہ اس کو ذکر کیا تو بیع فاسد نہ ہوگی اور اس کی صورت جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے یوں ہے کہ بائع نے کہا تو (انگور کے خوشے) خرید لے میں (باغ کی) دیواریں بنادوں گا اھ میں کہتا ہوں کہ ہندیہ میں بحوالہ ظہیریہ امر کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی "اشتر" (تو خرید) یہ اس وعدے کے بارے میں ہے جو عقد سے مقترن ہو اگر اس سے جدا ہو تو کیسے بیع فاسد ہو سکتی ہے تو یہ صحت بیع کو بالاجماع ثابت کرتی ہے اور اگر تسلیم کرلیا جائے (کہ یہ شرط ہے) تو شرط مؤخر صاحبین کے نزدیک اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوئی، اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ایک روایت یوں ہی ہے اور ان سے منقول دوسری روایت میں ہے کہ لاحق ہوتی ہے، تحقیق دونوں روایتوں کی تصحیح کی گئی ہے، اور جب تصحیحیں مختلف ہو جائیں تو تجھے اختیار ہے ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے خصوصا وہ تصحیح جس پر صاحبین بھی امام اعظم سے متفق ہوں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، ردالمحتار

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

بشرط الی انه لابد من کونه مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قیل یلتحق عند ابی حنیفة وقیل لا وھو الاصح کما فی جامع الفصولین فی فصل ۳۹ لکن فی الاصل انه یلتحق عند ابی حنیفة وان کان الالحاق بعد الافترق عن المجلس وتمامه فی البحر قلت ہذہ الروایة الاخری عن ابی حنیفة وقد علمت تصحیح مقابلها وہی ولهما ویؤیدہ ماقدمه المصنف تبعا للهدایة وغیرہا من انه لوباع مطلقًا عن ہذہ الاٰجال ثم اجل الثمن الیها صح فانه فی حکم الشرط الفاسد کما اشرنا الیه هناك[1] اھ۔	میں کہا کہ ماتن نے اپنے قول "ولابیع بالشرط" میں لفظ بشرط سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شرط کا عقد کے مقارن ہونا ضروری ہے کیونکہ شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی گئ تو ایک قول یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عقد کولاحق ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ لاحق نہیں ہوگی اوریہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین فصل ۳۹ میں ہے لیکن اصل میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک لاحق ہوگی اگرچہ اس کا الحاق مجلس سے عاقدین کے جدا ہونے کے بعد ہو اور اس کی پوری بحث بحر میں ہے، میں کہتاہوں یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دوسری روایت ہے حالانکہ اس کے مقابل روایت کی تصحیح تومعلوم کرچکاہے اور وہ صاحبین کا قول ہے اور اس کی تائید کرتا ہے وہ جو ہدایہ وغیرہ کی اتباع میں مصنف پہلے ذکر کر چکے ہیں وہ یہ کہ اگر کسی نے مذکورہ مدتوں کا عقد میں ذکر کیئے بغیر بیع کی پھر ثمن کو ان میعادوں کے ساتھ مؤجل کردیا تو بیع صحیح ہے کیونکہ یہ شرط فاسد کے حکم میں ہے جیسا کہ ہم نے وہاں اس کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ اھ (ت)

اس طریقہ سے ایک اور نفع عظیم کی امید ہے وہ دستاویز جو بطور مذکور لکھی جاتی ہیں نرا وعدہ ہی وعدہ ہوتی ہیں کہ اس شخص کو اس پر جبر کا اصلا اختیار نہیں ہوتا اگر وہ رس نہ دے تو یہ صرف اپنے روپے کا اس سے تقاضا کرسکتاہے رس کا مطالبہ نہیں پہنچتا کہ وعدہ کی وفا پر قضاء جبر نہیں **کما نصوا علیه قاطبة** (جیسا کہ اس پر تمام فقہاء نے نص کی ہے۔ ت) اور یہ صورت جو ہم نے لکھی علماء فرماتے ہیں ایسی شکل کا وعدہ وعدہ لازمہ ہو جاتا ہے کہ اس کے ایفاء پر جبر پہنچتاہے، جامع الفصولین میں ہے:

---

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد مطلب فی البیع بشرط فاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

لوذکر البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد اذ المواعید قد تکون لازمة فیجعل لازما لحاجة الناس [1]۔	اگر بائع اور مشتری نے بغیر شرط کے بیع کا ذکر کیا پھر بطور وعدہ شرط کا ذکر کیا تو بیع صحیح ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدہ کو پورا کرنا کبھی ضروری ہوتا ہے لہٰذا لوگوں کی حاجت کے لئے اس کے پورا کرنے کو ضروری قرار دیا جائے گا۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قد صرح علماؤنا بانهما لوذکرا البیع بلاشرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد [2]۔	ہمارے علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ اگر بائع اور مشتری نے بیع کو بلاشرط ذکر کیا پھر بعد میں شرط کا ذکر وعدہ کے طور پر کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوبعده علی وجه المیعاد جاز ولزم الوفاء به لان المواعید قد تکون لازمة لحاجة الناس وهو الصحیح کما فی الکافی والخانیة واقره خسرو هنا والمصنف فی باب الاکراه وابن المالك فی باب الاقالة الخ [3]۔	اگر عقد کے بعد شرط کا ذکر بطور وعدہ کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدوں کو پورا کرنا لوگوں کی حاجت کے پیش نظر کبھی لازم ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ خانیہ اور کافی میں ہے خسرو نے یہاں مصنف نے باب الاکراہ میں اور بن الملک نے باب الاقالہ میں اس کو برقرار رکھا الخ (ت)

بزازیہ میں ہے:

اذا قال معلقا بان قال ان لم یؤد فلان فانا ادفعه الیك ونحوه یکون کفالة لما علم ان	اگر کوئی بطور تعلیق ضامن بنایا بایں صورت کہ کہا اگر فلان نے قرض کی ادائیگی نہ کی تو میں تجھے ادا کروں گا یا اس جیسی کوئی اور صورت کی تو یہ کفالت درست ہے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ جامع الفصولین باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۸

[3] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۸، ۵۷

المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمة فان قوله انا احج لایلزم له شیئ ولو علق وقال ان دخلت الدار فانا احج یلزم الحج[1]۔	کیونکہ تجھے معلوم ہوچکا ہے کہ وعدے تعلیق کی صورت میں لازم ہوتے ہیں چنانچہ کسی کے یوں کہنے سے کہ میں حج کروں گا اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا اور اگر یوں کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوا تو حج کروں گا یعنی تعلیق کی تو اس صورت میں (دخول دار سے) اس پر حج لازم ہوگا (ت)

اہل اسلام اس نفیس طریقہ کے بجالانے میں کاہلی نہ کریں اس میں نہ کوئی خرچ ہے نہ حرج نہ وقت صرف زبانی دو تین لفظوں میں مطلب کامل مراد حاصل گناہ زائل، دستاویز تو لکھواتے ہی ہیں صرف اتنا زائد ہے کہ اس سے پہلے ایک چیز اس کے ہاتھ گھنٹہ بھر کے وعدے پر بیچ کر قبضہ میں دے کر فوراً خریدلے اور روپیہ دے دے اور گھنٹہ گزرنے کے بعد دین کی نسبت اس کا وہ وعدہ لے لے، اس الٹ پھیر میں نہ کچھ وقت و محنت ہوگی نہ کوئی پیسہ خرچ ہوگا اور معصیت الٰہی سے بچ کر مال حلال ہاتھ آئے گا اللہ عزوجل توفیق بخشے، آمین!

تنبیہ: یہ قیدیں جو ہم نے ذکر کیں کہ پہلی بیع میں ثمن مؤجل ہو دوسری میں معجّل اور دوسری میں بیع اور اس کے ثمن کا ادا کردینا پہلے ثمن کے میعاد مثلاً گھنٹہ گزرنے سے پیشتر ہولے اور دوسری بیع کاشتکار کی طرف سے شیئ بیع پر قبضہ کرلینے کے بعد ہو انھیں ضرور ملحوظ رکھیں زائد و بیکار تصور نہ کریں یہاں منظور تو یہ ہے کہ کاشکار کو روپیہ پہنچ جائے اور اس کا دین اس پر قائم رہے تاکہ اس کی نسبت وہ عدہ ہوسکے اگر دونوں ثمن معجّل ہوتے تو جیسے بیع ثانی میں سو روپے اس پر لازم ہوئے اور اس کے سو روپے اس پر لازم تھے دونوں پر سے برابر ہو کر اتر جاتے، یونہی اگر یہ بیع ثانی اور اس کے ثمن دے دینے کی کاروائی اس میعاد مقررہ سے پہلے نہ ہولیتی تو میعاد گزر کر وہ دین پر معجّل ہوجاتا اور دونوں بری الذمہ ہوجاتے اب کہ کاشتکار کا دین اس پر معجّل ہوا اور راس کا دین اس پر ہنوز مؤجل ہے کہ اس کی میعاد نہ آئی اور اس نے اس کے روپے دے دئے اس نے لے لئے تو اس کا دین اس پر قائم رہے گا۔

فی ردالمحتار عن الحلی عن البحر سائر الدیون ای ماسوی النفقة یقع التقاص فیها تقاصا اولا بشرط	ردالمحتار میں حلی سے بحوالہ بحر منقول ہے کہ نفقہ کے سوا تمام قرضوں میں ادلہ بدلہ ہوسکتا ہے چاہے فریقین خود ایسا کریں یا نہ کریں بشرطیکہ دونوں طرف کا

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۶

التساوی فلو اختلفا کما اذا کان احدہما جیدا وردیًا فلا بد من رضا صاحب الجید [1] وفی الاشباہ علیہ الف قرض فباع من مقرضہ شیئًا بالف مؤجلۃ ثم حلت فی مرضہ وعلیہ دین تقع المقاصۃ [2] الخ قال فی غمز العیون انما قید بالحلول لانہا لو لم تحل تقع المقاصۃ لاختلاف الوصف کالجید مع الردی [3]۔	قرض باہم برابر ہو، اور اگر مختلف ہو مثلاً ایک طرف عمدہ اور دوسری طرف ردی ہو تو عمدہ والے کی رضامندی ضروری ہے، اور اشباہ میں ہے کہ ایک شخص پر ہزار روپے قرض ہے اس نے قرض دہندہ کے ہاتھ کوئی چیز ہزار روپے کے بدلے میں ادھار فروخت کردی پھر مقروض کے مرض الموت میں ادھار کی مدت پوری ہوگئی درانحالیکہ ابھی تک اس پر قرض موجود ہے تو اب یہ قرض ثمن مؤجل کا بدلہ ہو کر اتر جائے گا الخ، غمز العیون میں کہا کہ اس کو مدت کے پورے ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا کیونکہ اگر مدت پوری نہ ہوئی تو ادلہ بدلہ نہ ہوگا کیونکہ وصف مختلف ہے جیسا کہ عمدہ اور ردی میں ہوتا ہے۔ (ت)

اور کاشتکار کی طرف سے بیع ثانی بعد قبضہ ہونے کے ضرورت یہ ہے کہ اگر پیش از قبضہ بائع کے ہاتھ بیع کردے گا تو بیع فاسد و ناجائز ہوگی غیر کے ہاتھ بیچنے میں تو صرف اشیائے منقولہ پر قبضہ شرط ہے مثلاً عمرو نے زید سے کوئی منقول چیز مول لی اور ہنوز اپنے قبضہ میں نہ آئی کہ بکر کے ہاتھ بیچ ڈالی یہ بیع فاسد ہوئی اور جائداد غیر منقولہ لے کر پیش از قبضہ غیر بائع کے ہاتھ بیع کردی تو جائز ہے مگر جس سے مول لی تھی اس کے ہاتھ قبضہ سے پہلے اشیائے غیر منقولہ کی بیع بھی جائز نہیں لہٰذا قبضہ لازم ہے۔

فی الدر المختار صح بیع عقار لایخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ (متعلق بقبض لاببیع لان بیعہ من بائعہ قبل قبضہ فاسد کما فی المنقول) ولا یصح	درمختار میں ہے غیر منقول جائداد کو اس کے بائع سے لے کر اپنے قبضہ میں کرنے سے پہلے فروخت کرنا صحیح ہے جبکہ اس جائداد کی ہلاکت کا خوف نہ ہو (من بائعہ کا تعلق قبض کے ساتھ ہے بیع کے ساتھ نہیں کیونکہ غیر منقول کو قبضہ سے پہلے اس کے بائع کے ہاتھ فروخت کرنا فاسد ہے جیسا کہ

[1] ردالمحتار

[2] الاشباہ والنظائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۴۷

[3] غمز عیون البصائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۴۷

اتفاقاً بیع منقول قبل قبضہ ولو من بائعہ بخلاف ھبتہ واقراضہ ورھنہ واعارتہ من غیر بائعہ فانہ صحیح علی الاصح [1] اھ ملخصاً مزیداً من ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مال منقول میں ہوتا ہے) اور مال منقول کی بیع قبضہ سے پہلے اگرچہ اس کے بائع کے ہاتھ ہو بالاتفاق صحیح نہیں بخلاف اس منقول کے غیر بائع کو ہبہ کرنے قرض دینے رہن رکھنے اور عاریت پر دینے کے کہ یہ اصح قول کے مطابق درست ہے۔ اھ تلخیص (مع ردالمحتار سے کچھ اضافہ کے)۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۳: ۲۹ شعبان ۱۳۳۳ھ مرسلہ حافظ ایاز نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پورہ

ماہ جون میں جو زراعت نیشکر پر کرلہو بدلی ہوتی ہے اور نرخ بال کی یہ شرط قرار داد ہوئی کہ شاہ نگر کے سے ایک روپیہ یا (۱۸) کم یا زیادہ طرفین کی رضامندی سے تحریر ہوجاتی ہے اور جو روپیہ اس وقت بوقت تحریر لینا ٹھہرتا ہے وہ دے دیا جاتا ہے باقی آئندہ مال آتا رہتا ہے اور روپیہ جاتا رہتا آخر اختتام پر کل مال کا حساب وکتاب ہوجاتا ہے اگر صورۃ مذکورہ جائز ہے وفیہا ورنہ اس کے جواز کے واسطے کیا حیلہ ہے کیونکہ اس کا عام رواج ہے۔

الجواب:

نیشکر کے بدلے جس طرح کہ رائج ہے محض بے اصل وبوجوہ ناجائز ہے اس وقت گنا بھی موجود نہیں ہوتا اور نہ رس، اس کے جواز کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ مثلاً سو روپیہ کے بدلی کرنی منظور ہے تو اس کی خرید وفروخت کا کچھ نام نہ لیں بلکہ اپنی کوئی چیز سو روپے کی اس کے ہاتھ ایک معین مدت مثلاً گھنٹے بھر کے وعدہ پر بیع کریں اور وہ شے اس کے قبضے میں دے دیں اور وہ ابھی گھنٹہ نہ گزرنے پائے کہ شخص مذکور وہی شے سو روپیہ نقد کو مالک اول کے ہاتھ بیع کردے اور یہ اسی وت سو روپیہ اس کے ادا کردے اب اس کی چیز اس کے پاس آگئی اور سو نقد اسے پہنچ گئے اور اس کے سو روپیہ اس پر دین رہے جب وہ وعدہ کا گھنٹہ گزرے یہ اپنے روپیوں کا اسے تقاضا کرے وہ کہے میں تیرے روپے دس منٹ میں دوں گا اگر نہ دوں تو وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے روپیوں کے عوض اس نرخ سے رس دوں گا اس کے دستاویز جیسے لکھی جاتی ہے لکھالیں اب اس کی خریداری جائز ہوگئی اس حیلہ شرعیہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۷، ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶۱

باب الاستصناع

(بیع استصناع کا بیان)

مسئلہ ۲۴۴: مسئولہ حافظ یعقوب خاں صاحب ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بڑھئی نے اقرار کیا کہ فلاں قسم کی کُرسیاں ایک درجن ایک ماہ کے اندر بقیمت مبلغ ؎ کو دوں گا اور جب تک تمھاری کُرسیاں تیار نہ کروں اور کسی کا یا اپنا مال نہ بناؤں گا اگر وعدہ خلافی کروں تو کُرسیاں مذکورہ بقیمت (للعہ عہ /) کو دوں گا، پس بڑھئی نے وعدہ خلافی کی یعنی اور کسی کا مال بنایا اور کُرسیاں بھی ایک ماہ کے بعد دیں پس اس صورت میں حسب اقرار (للعہ عہ /) کو درجن لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ کرسیاں اس عقد کی بناپر نہ (للعہ عہ /) درجن کو لینا جائز نہ ؎ کو بلکہ اس عقد کا فسخ کرنا واجب ہے کہ یہ عقد فاسد ہوا اور عقد فاسد گناہ ہے اور گناہ کا ازالہ فرض، ہاں اگر چاہیں تو عقد کو فسخ کرکے اب یہ کُرسیاں بعقد جدید باہمی رضامندی سے جتنے کو ٹھہر جائیں خرید لیں، وجہ یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز اس طرح بنوانا کہ وہ اپنے پاس سے اتنی قیمت کو بنادے یہ صورت استصناع کہلاتی ہے کہ اگر اس چیز کے یوں بنوانے کا عرف جاری ہے اور اس کی قسم وصفت وحال وپیمانہ وقیمت وغیرہا کی ایسی صاف تصریح ہو گئی ہے کہ کوئی جہالت آئندہ منازعت کے قابل نہ رہے اور اس میں کوئی میعاد

مہلت دینے کے لئے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعاً جائز ہوتا ہے اور اس میں بیع سلم کی شرطیں مثلاً روپیہ پیشگی اس جلسہ میں دے دینا یا اس کا بازار میں موجود رہنا یا مثلی ہونا کچھ ضرور نہیں ہوتا مگر جب اس میں میعاد ایک مہینہ یا زائد کی لگادی جائے تو وہ عقد بعینہٖ بیع سلم ہو جاتا ہے اور اس وقت تمام شرائط بیع سلم کا متحقق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ایک بھی رہ گئی عقد فاسد ہوگیا۔

فی رد المحتار عن البدائع من شروطہ بیان جنس المصنوع ونوعہ وقدرہ وصفتہ وان یکون مما فیہ تعامل وان لایکون مؤجلا والاکان سلما [1] الخ وفیہ المراد بالاجل ماتقدم وھو شھر فما فوقہ [2] الخ وفی الطحطاوی الاجل تارۃ یکون کاجل السلم بان کان شھرا فازید وھو عندہ سلم من غیر تفصیل [3] الخ، وفی الھندیۃ ان ضرب الاجل صار مسلما (حتی لایجوز الابشرائط السلم) ھذا اذا کان ضرب المدۃ علی وجہ الاستمھال بان قال شھرا اوما اشبہ ذٰلك امااذا ذکر علی وجہ الاستعجال بان قال علی ان تفرغ منہ غدا اوبعد غد لایصیر سلما کذا فی الصغرٰی [4] اھ ملخصا۔	ردالمحتار میں بحوالہ بدائع ہے استصناع کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ مصنوع (جو چیز بنوانا مطلوب ہے) کی جنس، نوع، صفت اور مقدار کو بیان کرنا اور یہ کہ اس میں لوگوں کا عرف جاری ہو اور یہ کہ اس کی کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے ورنہ وہ عقد سلم ہو جائے گا الخ اور اسی میں ہے کہ میعاد سے مراد وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یعنی ایک ماہ یا اس سے زیادہ الخ، طحطاوی میں ہے کہ میعاد کبھی سلم کی میعاد جیسی ہوتی ہے یعنی ایک ماہ یا اس سے زائد تو اس صورت میں بغیر کسی تفصیل کے یہ سلم ہے الخ، ہندیہ میں ہے کہ اگر میعاد مقرر کی تو یہ عقد سلم ہوگا جو کہ سلم کی شرطوں کے بغیر جائز نہیں) یہ اس وقت ہے جب بیان مدت مہلت طلب کرنے کے طور پر ہو مثلاً ایک ماہ یا اس کی مثل ذکر کیا اور اگر مدت کا بیان طلب عجلت کے طور پر ہو مثلاً کہا تجھ سے یہ چیز اس شرط پر بنواتا ہوں کہ تو کل یا پرسوں اس کو بنا کر فارغ ہو جائیں تو یہ عقد سلم نہ ہوگا یہ صغرٰی میں ہے اھ تلخیص (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۲

[3] الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع باب السلم دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۶

[4] فتاوٰی ہندیہ ابواب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲۰۸/۲

یہاں کہ میعاد ایک مہینہ یازائد ہی کی تھی عقد بیع سلم ہوگیااور بوجہ تردید کہ ایک مہینہ میں تیس اور زیادہ میں چوبیس نہ قیمت معین ہوگی نہ مدت، حالانکہ ان کی تعیین سلم میں ضرور ہے لہذا عقد فاسد ہوگیابلکہ عندالتحقیق استصناع ہر حال میں بیع ہی ہے۔

کما نص علیه فی المتون وصححه المحققون من الشراح ففی النقایة الاستصناع باجل سلم تعاملوا فیه او لا،وبلا اجل فیما یتعامل فیه بیع والمبیع العین لاالعمل اھ [1] ومثله فی الاصلاح والملتقی والتنویر وغیرها وفی الهدایة الصحیح انه یجوز بیعا لاعدة والمعدوم قد یعتبر موجودا حکما و المعقود علیه العین دون العمل هوالصحیح اھ مل[2] خصا ونحوه فی الایضاح والدر وغیرهما من الاسفار الغر و قد اوضحنا المقام مع ازالة الاوهام بتوفیق الملك العلام فیما علقناه علی ردالمحتار۔	جیسا کہ متون میں اس پر نص کی گئی اور محقق شارحین نے اس کی تصحیح فرمائی، چنانچہ نقایہ میں ہے استصناع میں اگر مدت مقرر کی جائے تو وہ سلم ہوجاتا ہے چاہے لوگوں کا عرف اس میں جاری ہو یا نہ ہو اور بغیر مدت مقرر کرنے کے اگر اس میں عرف جاری ہو وہ بیع ہے اور مبیع عین (مصنوع) ہے نہ کہ عمل اھ اور اصطلاح، ملتقی اور تنویر وغیرہ میں اس کی مثل ہے، ہدایہ میں ہے کہ یہ بطور بیع جائز ہے نہ کہ بطور وعدہ اور معدوم کو کبھی کبھی حکمی طور پر موجود اعتبار کرلیا جاتا ہے اور معقود علیہ (مبیع) عین ہے نہ کہ عمل، اور یہی صحیح ہے اھ تصحیح، اور اسی کی مثل ہے ایضاح اور در وغیرہ روشن کتابوں میں اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے تمام وہموں کا ازالہ کردیا ہے۔ (ت)

اور بیع ہرگز ایسی جہالت ثمن کا تحمل نہیں کرسکتی کہ اتنی مدت ہو تو یہ قیمت اور اتنی ہو تو وہ

فی الخلاصه رجل باع شیئا علی انه بالنقد بکذا وبالنسئة بکذا اوالی شهر بکذا اوالی شهرین بکذا لم یجز[3]۔	خلاصہ میں ہے ایک شخص نے کسی شیئ کی بیع اس طرح کی نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو جائز نہیں۔ (ت)

[1] مختصر الوقایة فی مسائل الهدایه کتاب البیع نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۳

[2] الهدایه کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۲

[3] خلاصه الفتاوٰی کتاب البیوع فصل فی خامس الجنس الاول فیما یتعلق بالثمن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۶۰

تو استصناع میں اگرچہ ایک مہینہ یا اس سے زائد نہ ہو جب ایسی تردید کی جائیگی عقد فاسد ہوگا اور فسخ واجب، **ھذا ماظھر لی، واللہ تعالٰی اعلم** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۴۵: زید کے دوست نے فرمائش لکھی کہ مجھ کو کحل الجواہر بھیج دو، زید عمرو کے دکان سے قرض خرید لایا، اور بعد دو ایک روز کے واپس کر دیا، اس کے یہاں جاکر اور خیال دل میں یہ تھا کہ شاید وہ دوست قیمت نہ بھیجے تو مجھ کو دینا ہوگی، غرض اس کے سامنے یعنی مالکان دکان کو دے دیا اور یہ اس سے کہا بھی مالک کحل الجواہر نے، میاں ذرا سی بات کے لئے پھر شرمندہ ہونا پڑا ہے، اور قیمت تو میری پڑیا کحل الجواہر پر لکھی ہوئی ہے وہ بھیج دیں گے تم کو قیمت، تم ان کو کحل الجواہر بھیج دو، پس بامر بائع دوبارہ زید نے اس کو لاکر بھیج دیا اپنے دوست کے پاس، سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مالک کحل الجواہر زید سے قیمت وصول کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ اب زید نے اس کے امر سے بھیجا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور وصول کرسکتا ہے کہ فرمائش دوست کا حاصل اگر فرمائش نہ بھی ہو جس میں حقیقۃً خود زید مشتری ٹھہرے تو غایت درجہ توکیل سہی،

والحقوق فی البیوع ترجع الی الوکیل بخلاف النکاح فلیس فیہ الامعبرا اوسفیرا کما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب۔	بیوع میں حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں بخلاف نکاح کے کہ اس میں وکیل محض تعبیر کرنے والا سفیر ہوتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے عام کتابوں میں اس کی تصریح کردی۔ (ت)

توکیل سے قیمت وصول کرنے کا یقینا اختیار ہے اور اس کے کہنے سے خریدنا اس کا مانع نہیں ہوسکتا۔

فانہ اشارۃ لااکراہ فالشراء انما وقع من زید برضاہ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم	کیونکہ یہ مشورہ ہے اکراہ نہیں ہے اور زید سے بیع اس کی رضامندی سے ہوئی ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور اس کا علم اتم و مستحکم ترین ہے۔ (ت)

باب الصرف

(بیع صرف کا بیان)

مسئلہ ۲۴۶: از شاہجہان پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ پر بٹہ لگانا مثلاً سو (ما/) روپے کا نوٹ ننانوے (لع لعہ) کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلا نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جُزیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی پر ظاہر کہ علت تحریم ربا قدر مع الجنس ہے یہ اگر دونوں متحقق ہوں تو فضل ونسیہ دونوں حرام اور ایک ہو تو فضل جائز نسیہ حرام اور دونوں نہ ہو تو دونوں حلال۔

کما فی عامة الاسفار وفی تنویر الابصار علته القدر مع الجنس فان وجدا حرم الفضل والنساء وان	جیسا کہ عام کتابوں میں ہے، اور تنویر الابصار میں ہے کہ زیادتی کے حرام ہونے کی علت قدر مع الجنس ہے اور یہ دونوں موجود ہوں تو زیادتی اور ادھار

عدما حلا وان وجد احدهما حل الفضل وحرم النساء [1]	دونوں حرام ہیں اور اگر ایک موجود ہو تو زیادتی حلال اور ادھار حرام ہے اور اگر دونوں معدوم ہو تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں۔ (ت)

اور ما نحن فیہ میں بالبداہۃ دونوں مفقود عدم مجانست اس لئے کہ یہ کاغذ ہے وہ چاندی، اور انعدام قدر اس طرح کہ یہ نہ مکیل ہے نہ موزون، پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل ونسیہ دونوں حلال ہونا چاہئے، مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہو گیا لیکن غیر فقیہ کو اس جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کا نام ہے مگر عرف واصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اسی لئے ہر جگہ روپیہ کا کام دیتا ہے لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپیہ نقد دینے میں ہر گز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہ نہیں تو صورت مسئولہ میں حکم تحریم دیا چاہئے۔

اقول: جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس کا وہم کا ازالہ نہایت آسان، نوٹ کے ساتھ تو معاملہ اثمان برتا جانا اسے حقیقۃً ثمن یعنی احد النقدین نہ کردے گا غایت یہ کہ اثمان مصطلحہ سے ٹھہرے یعنی وہ کہ اصل خلقت میں سلع وکالا ہیں مگر عرف واصطلاح نے انھیں ثمن ٹھہرالیا ہے جیسے پیسے یا بعض بلاد ہند میں کوڑیاں بھی، اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا زر وسیم کے کچھ نہیں تو اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں ناچار اس کی تقدیر اثمان خلقیہ سے کریں گے، اسی لئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازے میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں قرار دیا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا، فلاں دو سو کا، فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس وقدر ہر گز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلوس سے چونسٹھ پیسے روپے کا عین نہ ہوگئے یوں ہی اس قرارداد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہوجائے گا، پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں نہ عاقدین اتباع عرف واصطلاح پر مجبور کہ جو قیمت انہوں نے ٹھہرادی یہ اس سے کم وبیش نہ کرسکیں یہ اپنے معاملہ کے مختار ہیں چاہیں سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچیں یا ہزار اشرفی کو خریدیں صرف تراضی درکار ہے، آخر نہ دیکھا کہ ایک روپے کے پیسے بہ تعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا، اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہا نے ایک روپے

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

کے عوض ایک اشرفی خریدنا ناجائز ٹھہرایا تو یہ وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں

فی الدر المختار و من اعطی صیر فیا درہما کبیرا فقال اعطنی به نصف درہم فلوسا (بالنصف صفة نصف) ونصفا (من الفضة صغیرا) الاحبة صح (ویکون النصف الاحبة بمثله و ما بقی من الفلوس[1])	درمختار میں ہے کہ کسی نے صراف کو ایک بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ مجھے نصف درہم کے عوض ایک چھوٹا درہم جو بڑے درہم کے نصف سے ایک حبہ کم ہو دے دے تو یہ بیع صحیح ہے اور چھوٹا درہم جو بڑے کے نصف سے ایک حبہ کم ہو وہ اپنے مثل کے مقابل ہو جائیگا اور باقی پیسوں کے مقابل ہوگا۔ (ت)

اور اسی میں ہے:

صح بیع درہمین و دینار بدرہم و دینارین لصرف الجنس بخلاف جنسه[2]۔	دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دیناروں کے بدلے میں صحیح ہے کیونکہ ہر جنس کو اپنی جنس کے خلاف کے مقابل قرار دیا جائے گا۔ (ت)

جب یہاں تک شرعاً جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ یہاں تو نہ قدر متحد نہ جنس واحد، یہ حکم بیع و شراء کا ہے جہاں نفع و انتفاع شرعاً روا، البتہ قرض اس طرح پر دینا کہ ننانوے روپے دیتا ہوں اور ان کے بدلے سو روپے کا نوٹ لے گا بے شک ممنوع ہوگا

فان کل قرض جر منفعة فهو ربٰو نطق بذلك الحدیث و الفقه[3]۔	کیونکہ جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے حدیث اور فقہ اس پر ناطق ہیں (ت)

یہاں تک کہ علمانے تو منفعت سقوط خطر طریق کے سبب ہنڈوی کو ناجائز ٹھہرایا کما ذکروہ اٰخر کتاب الحوالة (جیسا کہ فقہا نے اس کا ذکر کتاب الحوالہ کے آخر میں کیا ہے۔ ت) اور اسی طرح بقال کے پاس اس شرط پر روپیہ پیشگی رکھ دینا کہ حسب حاجت وقتاً فوقتاً چیزیں خریدتے رہیں گے صرف اسی نفع کی وجہ سے مکروہ فرمایا

کما فی الکراہیة الہدایة وغیرہا قبیل مسائل متفرقة۔	جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں کتاب الکراہیۃ کے تحت مسائل متفرقہ سے تھوڑا پہلے مذکور ہے۔ (ت)

حالانکہ یہ منفعتین کوئی مال نہیں تو مالیت میں رجحان کیونکر درست ہوگا بیشک یہ امر مقصد شرع کے (کہ صیانت

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

اموال ناس ہے اور وہی علت تحریم ربا **کما فی الفتح** (جیسا کہ فتح میں ہے۔ت) بالکل خلاف ہے **ھذا ما ظھر لی** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷: مرسلہ شیخ حسین بخش صاحب رضوی فاروقی خیر آبادی ۲۹ رجب ۱۳۰۵ھ

چہ میفرمایند مسند آرایان شرع مبین و مولویان دین متین درباب کہ زید یک درم نزد بکر آورد گفت کہ این درم بر گیرد فلوس بدہ بکر منجملہ نرخ فلوس رائج الوقت زید راداد گفت کہ فلوسے چند بموجب نرخ کم اند باز آمد بر گیرید آید وقت دوم آمدہ باقی ماندہ فلوس بر گرفت بموجب شرع لطیف ایں عمل نامشروع ست یا جائز وفلوسہائے باقی ماندہ از روئے شرع شریف ربٰو باشد یا نہ؟ **بینوا توجروا بحوالہ کتاب والیہ المرجع والمآب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب**	مسند شریعت پر جلوہ افروز ہونے والے دین متین کے علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ زید ایک درہم بکر کے پاس لایا اور کہا یہ درہم لے لو اور اس کے پیسے دے دو، بکر نے بازار کے نرخ کے مطابق رائج الوقت پیسے زید کو دیتے ہوئے کہا کچھ پیسے کم ہیں پھر کسی وقت آکر لے جانا، چنانچہ زید بعد میں کسی وقت آیا اور باقی پیسے لے لئے شریعت لطیفہ کی رو سے یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ بقیہ پیسے جو بعد میں لئے گئے سود ہونگے یا نہیں؟ بحوالہ کتب بیان فرمائیں اور اجر پائیں، اللہ تعالٰی کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے۔(ت)

الجواب:

در بیع فلوس بدرہم برمذہب راجح تقابض شرط نیست ہمیں قبضہ یک جانب کافیست پس چوں زید درہم بہ بکر داد قبضہ از یک طرف متحقق شد، اگر زید آن دم یک پول ہم نگرفتے روابودے حالانکہ بعض آں وقت وبعض دیگر وقت دیگر گرفت وہنوز فلس رائج بودہ کاسد نشدہ ہم جائز ماند وہیچ احتمال ربٰو را نیافت **فی الھندیۃ عن المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراہم ونقد الثمن**	راجح مذہب کے مطابق پیسوں کی درہم کے ساتھ بیع میں دو طرفہ قبضہ شرط نہیں بلکہ صرف ایک طرف کا قبضہ کافی ہے لہٰذا جب زید نے بکر کو درہم دے دیا تو ایک طرف سے قبضہ متحقق ہوگیا، اگر زید اس وقت ایک پیسہ بھی نہ لیتا تب بھی جائز تھا حالانکہ یہاں تو کچھ پیسے اس وقت اور کچھ دوسرے وقت اس نے لئے اور دوسرے وقت تک وہ پیسے رائج تھے کھوٹے نہیں ہوئے تو یہ جائز ہے، اور سود کا اس میں کوئی احتمال نہیں، ہندیہ میں مبسوط کے حوالہ سے مذکور ہے کہ ایک شخص نے درہموں کے بدلے

ولم تکن الفلوس عندالبائع بالبیع جائز اھ [1] وفیھا عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائۃ فلس بدرہم فقبض الدرہم و قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولولم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس [2] اھ ملخصا واین مسئلہ رادر فتوائے دیگر ہرچہ تمامتر رنگ تفصیل دادہ ام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کردئے جبکہ بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تھے تو یہ بیع جائز ہے اھ، اسی میں حاوی وغیرہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے بائع نے درہم پر قبضہ کرلیااور مشتری نے پچاس پیسوں پر قبضہ کرلیااب پیسے کھوٹے ہوگئے تو نصف میں بیع فاسد ہوگئی اگروہ کھوٹے نہ ہوتے تو بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری کو باقی پیسے لینے کاحق ہوتا اھ تلخیص اس مسلہ کومیں نے دوسرے فتوی میں تمام تر تفصیل کارنگ دیا ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتاہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۸: از پکسرانوالہ ڈاکخانہ رسول پور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے ایک روپیہ کے پیسے بھنائے بکر نے روپیہ لے کر بارہ آنے اسی وقت زید کو دے دئے اور کہا چارآنے اس وقت نہیں کل یاپرسوں دے دوں گا اب بقیہ پیسہ زید کو دوسرے یا تیسرے دن لینا جائز ہے یار بالازم آئے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف کاقبضہ کافی ہے صورت مسطورہ میں کوئی ربانہ ہوگا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۹: از کانپور گورکھپور دکان مرسلہ محمد حی صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ مروجہ مبلغ یک صد روپیہ کاہے اس کاخوردہ نوٹ لیاجائے کم بیش پر جائز ہے یانہیں؟ خوردہ میں نقد روپیہ ہو یا چھوٹے نوٹ ہوں سوروپے نقد کے مقابلہ میں سوروپے کانوٹ لیاجائے یااس پر کچھ بٹہ لے کر کمی بیشی جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

الجواب

نوٹ کی بیع اور مبادلہ میں کمی بیشی برضامندی فریقین مطلقًا جائز ہے کہ وہ اموال ربویہ سے نہیں۔ ہاں سو روپے کا نوٹ قرض دیا جائے اور یہ ٹھہرالیا جائے کہ پیسہ اوپر سو لیں گے یہ سود اور حرام قطعی ہے، اور اس کے تمام مسائل کی تفصیل اگر درکار ہو تو ہمارے رسالہ **کفل الفقیہ الفاھم** میں ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۵۰: از گونڈل معرفت قاضی قاسم صاحب مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب راندیری ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موتی کے بیوپاری موتیوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں سو روپیہ اور بروقت قیمت لینے دینے کے فیصدی دس روپے کم کے حساب سے معاملہ طے ہوتا ہے پھر بھی اگر خریدنے والا نقد روپے ادا کرے تو فی صد پندرہ روپے کم سے معاملہ طے ہوتا ہے ورنہ مہینے کی میعاد کے بعد ادا کرے تو وہی فیصدی دس روپے کم لینے دینے کا رواج ہے، آیا اس طرح کا معاملہ طے کرنا اور خرید وفروخت کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

جبکہ باہمی تراضی سے ایک امر متعین منقطع ہو کوئی حرج نہیں

قال تعالٰی " اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو تمھارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۱: مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اندریں معاملہ کہ قصبہ سانگور کے مدرسہ انجمن اسلامیہ کا روپیہ عرصہ دراز سے جمع رہتا ہے اس سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں ہوتی ہے کہ جس سے روپے کی افزائش کی صورت ہو، لہذا اگر ان روپوں کی اشرفیاں کسی قدر کہ جن کا نرخ اس وقت کمی بیشی ہوجاتا ہے خرید کر ہمراہ روپیہ ان اشرفیوں کا نرخ اس وقت کے حساب سے زیادہ قیمت پر لگا کر ادھار میں بیع کی جائیں تو یہ عمل شرعا درست ہے کہ نہیں یاکہ۔ برائے اطمینان اس عمل کے ساتھ زیور رہن لیا جائے تو یہ طریقہ بیع اشرفیوں کا درست تو نہیں ہے جواب بطریق مذہب حنفی دیا جائے، آفریدگار عالم جزائے خیر عنایت فرمائے گا۔

بینوا توجروا

---

[1] القرآن الکریم ۴ /۲۹

الجواب:

صورت مذکورہ سوال حرام ہے

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاھاء وھاء [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مگر (یہ اس وقت جائز ہے) جب ہاتھوں ہاتھ ہو یعنی مجلس میں دونوں طرف سے قبضہ کرلیا جائے۔ (ت)

ہاں یہ جائز ہے کہ اشرفیاں وقت ارزانی خریدیں اور وقت گرانی بیچیں یا باجازت اہل چندہ نوٹ خرید کر ادھار زیادہ کو بیچیں مگر عقد ہو جس میں ثمن ایک مدت معینہ کے بعد دینا قرار پائے، یہ ہو کہ اس کا نوٹ دو مہینہ کے وعدے پر قرض دیا اور پیسہ اوپر لینا قرار پایا کہ یہ حرام ہے، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو [2]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

بخلاف بیع کہ اس پر نفع لینا جائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [4]۔	جب نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیع کرو۔ (ت) اور اس کی کامل تفصیل ہمارے رسالہ "کفل الفقیہ الفاھم" میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۲: از بیرم نگر ڈاکخانہ سرگدا مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پیسے کوڑی بیچنے کا پیشہ کرتا ہے جو وقت خریداری روپیہ قیمت کا دیتا ہے اس کو پونے سولہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور جو روپیہ قیمت کا اسی وقت نہیں دیتے ہیں دوسرے وقت کا وعدہ کرتے ہیں ان کو یازدہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور مدت وعدہ اور کمی بیشی نرخ کا جیسے سود کا شبہ پڑے کچھ حساب نہیں کرتا بطور نوٹ فروشی یہ بیع بھی صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۰

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[4] نصب الرایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۴

الجواب:

صراف کہ نقد روپیہ دینے والے کو پونے سولہ آنے دے یہ بیع بلا کراہت جائز ہے اور جو روپیہ اس وقت نہ دے دوسرے وقت کا وعدہ کرے اسے روپے کے عوض بارہ آنے دینا بھی جائز ہے، سود وحرام وگناہ نہیں، صرف مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولٰی ہے کہ نہ کرے تو بہتر ہے اور کرے تو حرج نہیں۔

فی فتح القدیر وردالمحتار وغیرہما من الاسفار لاکراھة فیہ الاخلاف الاولی لما فیہ من الاعراض عن مبرة القرض[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلاف اولٰی ہے کیونکہ اس میں یہ قرض دینے کے احسان سے اعراض ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۳ تا ۲۵۴: از بدایوں محلّہ سوتھنہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے دس روپیہ کا سرکاری نوٹ بکر کے ہاتھ بارہ روپے میں اس شرط سے بیچا کہ بکر اس کو ایک سال میں بارہ روپیہ باقساط یا کل یکشمت ادا کردے تو یہ بیع صحیح ہے اور سود تو نہیں ہے؟

(۲) زید نے مختلف دھات کے سکہ دس روپیہ کے جمع کرکے بکر کے ہاتھ (صہ عہ/) روپیہ میں بیع کئے اور یہ روپیہ چار ماہ کے بعد لینا چاہا تو یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ یا اس پندرہ روپیہ کا غلہ کسی قسم کا کسی نرخ پر ٹھہرالیا تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) نوٹ اگر قرض دیا جائے اور ایک پیسہ زیادہ لینا ٹھہرالیا جائے تو قطعی حرام ہے **قال اللہ تعالٰی** "**وَحَرَّمَ الرِّبٰوا**"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ ت) اور اگر نوٹ روپیہ کے عوض بیع کریں اور اس پر جو قیمت مکتوب ہے اس سے کم یا زیادہ برضائے باہمی معجّل خواہ موجل باجل معلوم ثمن قرار دیں تو ضرور حلال ہے **قال اللہ تعالٰی** "**وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ**"[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال کیا۔ ت) جس شخص نے یہ گمان کیا کہ نوٹ عرفاً چاندی کا عین ہورہا ہے تو

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۴۴

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۲ /۲۷۵

دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا گویا دس روپے بارہ روپیہ کو بیچنا ہے اور سود ہے یہ اس کی محض نافہمی اور قواعد شرعی سے بیگانگی بہ استیلائے وہمی ہے نوٹ اگر چاندی کا ہم جنس نہیں اور قطعاً نہیں جب تو کمی بیشی حرام ٹھہرانا کیا معنی کہ ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اجماع سے اختلاف جنس کی حالت میں تفاضل حلال ہے اور اگر بفرض غلط اسے چاندی کا عین سمجھ لیجئے تو اب دس کا نوٹ دس کو بیچنا عین سود اور حرام مردود ہوگا، اموال ربویہ میں شرع نے مالیت کا لحاظ نہیں فرمایا بلکہ وزن و کیل میں برابری کا حکم دیا ہے تمام کتب میں تصریح ہے کہ **جیدہ وردیہ سواء** (اس کا عمدہ اور ردی برابر ہیں۔ت) سادہ کاری کا زیور ایک ماشہ وزن کا ایک ایک روپیہ کی مالیت کا ہوتا ہے پھر کیا شرعاً ماشہ بھر چاندی کی انگوٹھی ایک روپے کی بیچنی حلال ہوگی، حاشا بلکہ قطعاً سود ہوگی واجب یہ کہ تول میں بلا تفاوت یکساں ہوں تو نوٹ بھی اگر چاندی ہی کا قرار پاگیا تو ہرگز اس کا لحاظ جائز نہیں کہ مالیت میں دس یا سو یا ہزار روپے کا ہے بلکہ وزن معتبر ہوگا کانٹے میں ایک طرف نوٹ دوسری طرف چاندی رکھئے دونی چونی جو کچھ چڑھے بس اتنے کو بیچنا حلال اور اس سے ایک پیسہ زیادہ لیا اور سود کا وبال تو ظاہر ہوا کہ نوٹ کو چاندی ٹھہرا کر جو لوگ دس کا نوٹ دس ہی کو بیچنا بتارہے ہیں اب اپنے منہ آپ سود کو حلال کرتے اور بندگان خدا کو حرام کا راستہ سکھا رہے ہیں، جانے دیں ان کی خاطر ہم نے تسلیم کرلیا کہ نوٹ بالکل چاندی ہے اور روپے سے بدلنے میں اس کی مالیت ہی کی برابر لازم ہے بہت اچھا، جب وہ چاندی ٹھہرا تو سونا تو نہ ہوسکے گا یا ایک ہی چیز یا سونے دونوں کی عین ہے اور جب سونا نہیں تو نوٹ اور اشرفی ضرور مختلف الجنس ہیں اور اب تفاضل یقیناً سود نہیں دو روپے اور ایک اشرفی کو دو اشرفیوں اور ایک روپے کے عوض بیچنے کا جزئیہ درمختار وغیرہ کتب مذہب میں مصرح ہے **صرفا للجنس الی خلاف الجنس**[1] (جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرتے ہوئے۔ت) یعنی یہ قرار دینگے کہ ایک اشرفی ایک روپے کو بیچی اور دو[۲] روپے دو[۲] اشرفیوں کے عوض بیع کئے اور یہ صحیح ہے کہ جنس مختلف ہے تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا تو سود نہ ہوگا اب اپنے اس مسئلہ کا اندازہ خود وہی کرسکیں گے کہ دس روپے کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا تو سود اور بارہ اشرفیوں کو بیچنا صحیح وغیر مردود۔

بالجملہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں جن پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں اور ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کی کرامت ہے کہ حدوث نوٹ سے صدہا سال پہلے اس کا جزئیہ ارشاد فرماگئے۔ فتح القدیر میں فرمایا:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ [1]۔	یعنی اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچا جائز ہے اور اصلا کراہت بھی نہیں۔

اس وقت کاغذ کا ٹکڑا ہزار کو بکتا کہاں تھا وہ یہی نوٹ کہ اب حادث ہوا اور علماء نے صدہا سال پیشتر اس کا حکم بتایا، یہ اجمال ہے اور اس مسئلہ کی باقی تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے اور اہل انصاف کو اسی قدر کافی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) غلہ کہ ابھی نہ لیا جائے گا اور وعدہ پر ٹھہرالیا گیا اس میں تو بیع سلم کی شرائط درکار ہیں جن کی تفصیل و تمثیل سب بتکمیل فتاوٰی فقیر میں مذکور، اور اگر ان دھاتوں میں سونا چاندی دونوں میں سے کچھ نہیں تو دس کی مالیت کی پندرہ روپے کو چار ماہ کے وعدہ پر بیچنا جائز جبکہ ایک طرف سے قبضہ ہوجائے اور اگر سونا یا چاندی بھی ہے تو وعدہ پر بیچنا حرام، ہاں نقد پندرہ روپے کو دس روپے کے مختلف دھاتوں کے سکے دے دینا صحیح ہے اور سود نہیں،

لما مر صرف الجنس الی خلاف الجنس [2] ای فیکون بالفضۃ مایساویہا وزنا من الدراہم وبالباق الباق، واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ گزرا کہ جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرا جائیگا یعنی چاندی کے بدلے درہم میں سے اس وزن کے برابر ہوگا اور باقی باقی کے بدلے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۵: از شہر کہنہ مرسلہ حمایت اللہ خاں صاحب ۲۹ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دس روپے کا نوٹ دے کر بارہ روپیہ عوض میں لینا حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع میں حلال ہے یعنی دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو برضائے مشتری بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں فتح القدیر وردالمحتار وغیرہما کتب معتمدہ میں ہے:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ [3]۔	اگر کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[3] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

اور اصطلاحی طور پر اس کی قیمت معین ہونا بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی کو نہیں روکتا، ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنا مال جو عام نرخ سے دس روپے کا ہو بر ضائے مشتری سو روپیہ کو بیچے یا ایک ہی پیسہ کو دے دے۔

قال الله تعالٰی " اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ " [1] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو تمھارے درمیان تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے۔ (ت)

نوٹ کا ثمن اصلاحی ہونا بھی اس کا مانع نہیں کہ اختلاف جنس کی حالت میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے تفاضل جائز ہے ایک روپے کے پیسے بہ تعین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں ہر بچہ جانتا ہے کہ روپے کے صرف سولہ آنہ آتے ہیں نہ پندرہ نہ سترہ، یہ عرفی تعیین اور اس کا ثمن مصطلح ہونا عاقدین پر کمی بیشی حرام نہیں کر سکتا۔ علماء نے تصریح فرمائی کہ اٹھنی سے زیادہ کے عوض آٹھ آنے پیسے بیچنا حلال ہے، درمختار میں ہے:

من اعطی صیر فیادرہما کبیرا فقال اعطنی بہ نصف درہم فلوسا ونصفا الاحبۃ صح ویکون النصف الاحبۃ بمثلہ ومابقی بالفلوس [2] ۔	کسی نے صراف کو ایک بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ نصف درہم کے پیسے دے دو اور نصف درہم دے دو جس میں سے ایک حبہ کم تر ہو تو بیع صحیح ہوگی نصف درہم ایک حبہ کم اپنی مثل کے مقابل ہو جائے گا اور باقی پیسوں کے مقابل ہوگا۔ (ت)

نوٹ اور پیسے تو اصطلاحی ثمن ہیں سونا چاندی ثمن خلقی ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے، مگر علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا صحیح ہے تو وجہ وہی ہے کہ اختلاف جنس کے بعد تفاضل جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

صح بیع درہمین ودینار بدرہم ودینارین بصرف الجنس بخلاف جنسہ [3] ۔	دو درہموں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کے بدلے فروخت کرنا صحیح ہے جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے۔ (ت)

عام اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپوں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس سے وہ روپے کے عین یا چاندی کی جنس نہیں ہو جاتیں اشرفیوں کا اندازہ بھی یونہی ہے کہ فلاں اشرفی سولہ روپے کی فلاں بیس کی فلاں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[3] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

پچیس کی پیسوں کا اندازہ بھی یہی ہے کہ روپے کے سولہ آنے چونسٹھ پیسے اس سے اگر پیسے یا اشرفی روپے کے عین یا چاندی کی جنس ہو جاتے تو ایک اشرفی ایک روپیہ کو کیونکر جائز ہوتی جبکہ بیس روپے کی اشرفی ایک روپے کو بیچنا یایوں کہئے کہ مشتری کی طرف سے ایک روپیہ پچیس روپے کی اشرفی کو بیچنا صحیح ہوا اور ربا نہ ٹھہرا تو دس کا نوٹ بارہ کو دینا کہاں سے ربا ہو جائیگا پچیس کے اشرفی کہنے نے جس طرح اشرفی کو چاندی نہ کر دیا تھا یونہی دس کا نوٹ کہنا کاغذ کو نقرہ نہ بنادے گا۔ عام کتب مذہب میں تصریح ہے کہ علت ربا اتحاد وقدر و جنس ہے اس کے بعد وزن میں برابری فرض ہے مالیت کا کچھ لحاظ نہیں مثلاً کھری چاندی کا عمدہ زیور کہ صناعی کے باعث اپنے وزن سے دوچند قیمت کا ہو گیا ہو جب چاندی کے عوض بیچیں تو فرض ہے کہ دونوں کانٹے کے تول برابر ہوں اختلاف مالیت پر نظر کرکے کمی بیشی کی تو حرام اور ربا ہو جائے گا یونہی عمدہ سونا پچیس روپے تولے والا خراب سونے دس روپے تولے والے سے بیچیں جب بھی فرض ہے کہ وزن بالکل یکساں ہو اس کا خیال نہ کریں گے کہ اس کی مالیت تو اس سے ڈھائی گئی ہے، ہدایہ ودر مختار میں ہے:

لایجوز بیع الجید بالردی ممافیه الربا الا مثلا بمثل لاهدار التفاوت فی الوصف۔[1]	اموال ربویہ میں عمدہ کی بیع ردی کے ساتھ صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ وہ برابر برابر ہوں کیونکہ یہاں وصف میں تفاوت معتبر نہیں (ت)

اگر نوٹ عرف میں بفرض غلط روپے کا عین ہی سمجھا جاتا ہو تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ شرعاً بھی اس پر روپے کی تمام احکام جاری ہونا ضروری ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ربا کدھر سے آیا، ابھی فتح القدیر وردالمحتار وغیرہا سے تصریح گزری کہ کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا جائز ہے اور جائز بھی ایسا جس میں نام کو کراہت تک نہیں، خدا انصاف دے تو یہ نوٹ کی بیع مذکور کا صریح جزئیہ ہے جسے علمائے کرام حدوث نوٹ سے صدہا سال پیشتر تحریر فرماگئے اور ثمنیت اصطلاحیہ سے فرق محض جہالت ہے جس کا بیان مشرح گزرا اور اگر آپ کے زعم میں شرعاً بھی نوٹ پر روپے ہی کے احکام ہیں تو اب الٹا ربا تم پر وارد ہوگا روپے کا حکم یہ نہ تھا کہ دوسرے روپے سے اسے بدلو تو مالیت برابر دیکھ لو بلکہ وزن برابر کرنے کا حکم تھا تو چاہئے کہ جو لوگ دس کا نوٹ دس کو بیچیں حرام قطعی اور سود ہو کہ ایک طرف ماشہ بھر وزن ہے اور دوسری طرف دس تولہ بلکہ واجب ہو کہ کانٹے میں نوٹ رکھ کر جتنی چاندی اس پر چڑھے اسی قدر کو بیچیں تو نوٹ میں برابری فرض کرنے والے خود ہی اپنے زعم کے رو سے سود حلال کر رہے ہیں اس سے بھی قطعی نظر سہی نوٹ اگر عین

---

[1] الهدایه کتاب البیوع باب الربو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۱

ہوگیا تو روپے کا ہوا اشرفی کا تو نہ ہوگا یا ایک ہی چیز سونے اور چاندی دونوں کا عین ہو جائے گی اور ابھی درمختار سے گزرا کہ ایک روپے کی بیع ایک اشرفی سے صحیح ہے اور ہرگز ربا نہیں۔ نوٹ جبکہ روپے کا عین ٹھہرا تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا قطعاً ربا نہ ہوگا اب یہ عجیب حکم پیدا ہوگا کہ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچو جب تو سود اور دس کے نوٹ پر بارہ اشرفیاں لے جاؤ تو اصلا سود نہیں، غرض ان لوگوں کی مخالفت اصلا کسی اصل شرعی کی طرف راجع نہیں محض اپنے تخیلات بے سروپا ہیں یہ حکم بیع کا تھا البتہ دس کا نوٹ قرض دینا اور یہ ٹھہرالینا کہ ادائے قرض کے وقت بارہ روپے یا پیسہ اوپر دس روپے لوں گا یہ حرام اور سود ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل قرض جر منفعة فھو ربا [1]۔ رواہ الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھه۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے، اس کو حارث بن ابواسامہ نے سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ (ت)

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ کو بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرالینا کیوں حرام ہوا تو دونوں ایک ہی سے ہیں یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا:

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔

فقیر ان مضامین عالیہ کی تفصیل میں بعونہ تعالٰی ایک رسالہ لکھ سکتا ہے مگر عاقل ذی انصاف کو یہی جملے بس ہیں مسلمان انھیں بغور وانصاف دیکھیں اور اہل حق پر جاہلانہ اعتراض سے احتراز کریں والھادی وولی الایادی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نوٹ قیمتی (عہ /) روپے کا زید نے عمرو کے ہاتھ مبلغ (ع عہ /) روپے کو اس شرط پر بیع کیا کہ ایک روپیہ ماہوار قسط کرکے بارہ مہینہ میں اس زر ثمن کو

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسة الرسالہ بیروت ۶ /۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۷۵

پورا کردے جو زید نے عمرو سے مقرر کی ہے اور اس کے اطمینان کے لئے عمرو نے اپنے مکان وغیرہ کو مستغرق کردیا کہ اگر روپیہ نہ ادا ہو تو اس سے وصول کرسکے۔ بینوا توجروا

الجواب:

جبکہ حقیقۃً بائع ومشتری دونوں کو فی الواقع بیع صحیح شرعی مقصود ہو اور فریقین کی سچی رضامندی سے عقد واقع ہو اور نوٹ اسی جلسہ میں مشتری کے قبضہ میں دے دیا جائے تو اختلاف جنس کی حالت میں شرع مطہر نے بازار کے بھاؤ پر کمی بیشی منع نہ کی، اور جہاں قرض دینا اور اس پر زیادہ لینا ہو وہ ضرور سود اور حرام ہے جہال اگر اس فرق کو نہ جانیں تو یہ وہی امر ہے جس کی خود قرآن عظیم میں تصریح ہے:

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔

اور خالی استغراق بے قبضہ شرعا کوئی چیز نہیں قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ "[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: پس رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت) اور بعد قبضہ اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں مثلاً زید کو اس مکان میں رہنا یا کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ لینا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: از مارہرہ مطہر ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ۱۴رجب ۱۳۲۶ھ

بیع الفلس بالفلسین جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب:

راجح یہ کہ ناجائز ہے،

کما حققه المحقق علی الاطلاق فی الفتح واقرہ علیه من بعدہ من المحققین کالبحر والنہر والغزی و المقدسی و الشرنبلالی وفی الدر المختار حرم الکل محمد وصحح[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں اس کی تحقیق فرمائی اور بعد میں آنے والے محققین نے اس کو برقرار رکھا جیسے بحر، نہر، غزی مقدسی اور شرنبلالی، اور درمختار میں ہے کہ امام محمد نے سب کو حرام کہا اور اس قول کو صحیح قرار دیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

مسئلہ ۲۵۷: از ملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دس روپے دے کر پندرہ روپے کا پیسہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع میں جائز ہے **قال اللہ تعالٰی** "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ" [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حلال کیا ہے اللہ تعالٰی نے بیع کو۔ ت) در مختار میں ہے:

صح بیع درہمین ودینار بدرہم ودینارین بصرف الجنس بخلاف الجنس ومثلہ بیع کُرّ بر و کر شعیر بکر بر و کر شعیر وکذا بیع احد عشر درہما بعشرۃ دراہم ودینار [2]	جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے دو درہموں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کے عوض بیچنا صحیح ہے، اور اسی کی مثل ہے ایک بوری گندم اور ایک بوری جو کو دو بوری گندم اور دو بوری جو کے عوض فروخت کرنا اور اسی طرح گیارہ درہموں کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض بیچنا۔ (ت)

اور قرض میں حرام **قال اللہ تعالٰی** وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس نے سود کو حرام کیا۔ ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا [4]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

یعنی اگر دس روپے دو سو چالیس آنے کو بیچے تو حلال اور اگر دس روپے قرض دئے اس شرط پر کہ دو سو چالیس یا ایک سو اکسٹھ ہی آنے لوں گا تو حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[4] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ ۲۵۹: مرسلہ مولوی احسان حسین ۲۳ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے بہ نیت تجارت ہزار پانسو کے نوٹ کچہری سے خرید کرکے دس روپے کانوٹ بارہ روپے کو قرض فروخت کرکے ایک روپیہ ماہوار سال بھرتک مدیون سے لے لینا مقرر کیااور اگر دونوٹ دس دس روپے کے فروخت کئے تو دو روپے ماہوار قسط ایک سال تک مقرر کیااور مدیون سے تمسک لکھاکہ شرط کرلیتے ہیں کہ سال بھر میں ادانہ کروگے تو نالش کرکے مع خرچہ کے مدیون کی جائداد سے یااس کے ضامن سے وصول کیاجائے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت ناجائز ہے کہ شرط فاسد مفسد بیع ہے اور بیع فاسد حرام وواجب الفسخ اور مدار اعمال کانیت پر ہے،

"**وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ**" [1] (اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ت) جو فعل سود کی نیت سے کیاجائے قطعاً موجب گناہ ہوگا اگرچہ فی نفسہ ربانہ اور قرض زیادہ کو بیچنا بھی کراہت سے خالی نہیں اور نوٹ کی خرید وفروخت پر کمی بیشی بلاشبہہ جائز ہے **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۰: ۸ رمضان المعظم ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ رائج الوقت سو روپیہ کاایک سو بیس روپیہ کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیاجائے اور دس روپے ماہوار مشتری سے وصول کیاجائے تو یہ فروخت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

نوٹ مثل اور اشیاء فروختنی کے ایک چیز ہے مالک کو اپنی ملک پر نفع لینے بیع وشراء شرعی میں اختیار ہے جبکہ مشتری کی رضامندی ہو دس روپے کا تھان مشتری کی رضامندی سے سو روپے کو بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں پھر وہ روپے چاہے نقد ٹھہریں خواہ قسط بندی سے، امام ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ [2]۔	اگر کاغذ کاایک ٹکڑا ہزار درہم کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کراہت نہیں ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

ہاں یوں کہ سو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرالیا کہ اس کے عوض ایک سو دس روپے کا نوٹ لوں گا یا سو روپے کا نوٹ ایک سو دس کو بیچا اور قرار داد کیا کہ یہ زر ثمن اگر بتدریج دو تو سال بھر تک دس روپے ماہوار یہ صورتیں قطعی سود و حرام ہیں، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فھو ربا [1]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرالینا کیوں حرام ہوا، دونوں ایک ہی سے ہیں، یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا:

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰواۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰواؕ" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسی ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بقال کو ایک روپیہ دیا کہ اس کے پیسے دے دے اس نے ۸/ دئے اور کہا کہ ۸/ کل دوں گا، یہ چھوڑ دینا گناہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت کے جواز میں روایات مختلف ہیں لیکن اکثر معتبرات مثل تنویر الابصار و در مختار و فتاوٰی بزازیہ و مبسوط و محیط و ذخیرہ و بحر الرائق و نہر الفائق و فتاوٰی علامہ حانوتی و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں جواز پر جزم فرمایا تو بہتر بچنا ہے **خروجا عن الخلاف** (اختلاف سے نکلنے کے لئے۔ ت) اور اگر ایسا کرے تو کچھ گناہ بھی نہیں **لجنوح عامة العلماء الی الجواز** (عام علماء کا جواز کی طرف بیان ہونے کی وجہ سے۔ ت) تنویر الابصار میں ہے:

باع فلوسا بمثلھا او بدراھم او بدنانیر فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز [3] انتھی۔	کسی نے پیسے فروخت کئے اپنی مثل کے عوض یا درہموں یا دیناروں کے عوض، اگر دونوں میں سے ایک نے نقد ادائیگی کی تو جائز ہے اور اگر قبضہ سے پہلے بائع اور مشتری دونوں جدا ہوگئے تو ناجائز ہے۔ انتھی۔ (ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا اشتری الرجل فلوسا بدراہم و نقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز کذا فی المبسوط وروی الحسن عن ابی حنیفة اذا اشتری فلوسا بدراہم ولیس عند ھذا فلوس ولا عند الاٰخر دراہم ثم ان احدہما دفع و تفرقاجازوان لم ینقد واحد منہما حتی تفرقا لم یجز کذا فی المحیط [1] اھملخصا۔	اگر کسی نے درہموں کے بدلے پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کردئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہ تھے تو بیع جائز ہے یونہی مبسوط میں ہے،اور حسن نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اگر کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے جبکہ نہ اس (بائع) کے پاس پیسے ہیں نہ دوسرے (مشتری) کے پاس درہم ہیں پھر اگر ان میں سے ایک نے ادائیگی کردی اور وہ جدا ہوگئے تو جائز اور اگر جدا ہونے تک دونوں میں سے کسی نے بھی ادائیگی نہ کی تو ناجائز ہے محیط میں یوں مذکور ہے اھ تلخیص۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سئل الحانوتی عن بیع الذہب بالفلوس نسئة فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرہم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ لو باع فضة اوذھبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط قال فلا یغتر بما فی فتاوی قاری الھدایة من انہ لایجوز بیع الفلوس الی اجل بذھب اوفضة اھ قلت	حانوتی سے سونے کے پیسوں کے عوض ادھار بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلیا گیا ہے تو جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے تو صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور اگر کوئی پیسوں کے بدلے سونا یا چاندی بیچے تو اس کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ محیط کے حوالے سے بحر میں مذکور ہے اور فرمایا کہ جو فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے اس سے دھوکہ مت کھانا یعنی یہ کہ پیسوں کی سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیع ناجائز ہے اھ میں کہتا ہوں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۲۴

والجواب حمل مافی فتاوی قاری الهدایة علی مادل علیه کلام الجامع الصغیر من اشتراط التقابض فی الجانبین فلا یعترض علیه بما فی البزازیة المحمول علی مافی الاصل[1] الخ اهملخصا۔	جواب یہ ہے کہ جو جو فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے وہ اس پر محمول کیا جائے گا جس پر جامع کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی ایک طرف سے قبضہ کرنا شرط ہے لہٰذا اس پر بزازیہ کی اس عبارت سے اعتراض نہیں کیا جائے گا جو کہ مبسوط کے بیان پر محمول ہے الخ تلخیص (ت)

اسی میں ہے:

لو باع فضة بفلوس فانه یشترط قبض احدا البدلین قبل الافتراق لاقبضهما کمافی البحر عن الذخیرة ونقل فی النهر عن فتاوی قاری الهدایة انه لایصح تاجیل احدهما ثم اجاب عنه[2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی چاندی کو پیسوں کے عوض بیچے تو اس میں افتراق سے پہلے بدلین میں سے صرف ایک پر قبضہ شرط ہے دونوں پر قبضہ شرط نہیں جیسا کہ بحر میں بحوالہ ذخیرہ مذکور ہے، نہر میں فتاوٰی قاری الہدایہ سے منقول ہے کہ بدلین میں سے ایک کو مؤجل کرنا صحیح نہیں، پھر صاحب نہر نے اس کا جواب دیا۔ الخ، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈبل پیسہ کہ وزن میں کم ہے منصوری پیسے سے بدلنا اور کُچھ کوڑیاں اوپر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ناجائز ہے اگرچہ کوڑیاں بھی نہ لے،

کما ہومذهب الامام محمد وهوالراجح والاقرب الی الصواب لتحقق العلة اعنی القدروالجنس ووجود التفاضل قطعا وورود الشرع بحرمته یقینا واما ما ذکر وامن حدیث التفرقة	جیسا کہ امام محمد کا مذہب ہے اور وہی راجح اور حق کے قریب ترین کیونکہ اس میں علت ربا یعنی قدر و جنس متحقق ہے اور قطعی طور پر تفاضل موجود ہے، اور اس کی یقینی حرمت پر شرع وارد ہے اور وہ جو فقہاء نے فرق والی بات ذکر کی ہے کہ اگر کوئی چیز

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] ردالمحتار باب الصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۵

بین ما اذا دخل تحت المعیار فلا یجوز واما اذا لم یدخل کفنة بحفنتین وفلس بفلسین فیجوز فقد زیفه العلامة المحقق علی الاطلاق فی الفتح [1] بما ترکن الیه البصائر وتسکن لدیه الخواطر فلیراجعه من شاء ،قال الشامی وقد نقل من بعده کلامه هذا و اقروه علیه کصاحب البحر والنهر والمنح والشرنبلالیة والمقدسی [2] انتهی قال العلائی وحرم الکل محمد و صححه کما نقله الکمال [3] انتهی فافهم، والله تعالٰی اعلم۔	معیار کے تحت داخل ہو تو بیع ناجائز اور اگر نہ داخل ہو جیسے ایک مٹھی دو مٹھی کے بدلے میں اور ایک پیسہ دو پیسوں کے بدلے میں تو جائز ہے اس کا رد علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں کیا ہے جس کی طرف نظریں مائل ہوتی ہیں اور دل سکون پاتے ہیں تو جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے، شامی نے کہا کہ اس کے بعد والوں نے اس کا یہ کلام نقل کیا ہے اور انہوں نے اس کو برقرار رکھا ہے جیسے صاحب البحر، نہر، منح، شرنبلالیہ اور مقدسی (انتہی) علائی نے کہا امام محمد نے اس سب کو حرام کہا اور ان کے قول کی تصحیح کی گئی جیسا کہ کمال نے اس کو نقل کیا (انتہی) پس سمجھ، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۳تا ۲۶۵: از کاٹھیاواڑ دھوراجی محلّہ سیاہی گران مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب　　۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو کے ہاتھ روپے سے نوٹ ایک وعدہ پر بیچا عمرو بوقت ادا نوٹ لایا اور اس نوٹ کے عوض زید سے روپے لے کر قبضہ کرلیا پھر روپے زید کو ادا کردئے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو کو آٹھ ماہ کے وعدہ پر بیچا اور عمرو سے تمسک لکھالیا پھر زید نے یہ تمسک بکر کو دے دیا کہ تم روپے وصول کرلو عمرو نے بجائے گیارہ سو روپوں کے گیارہ سو کا نوٹ دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے دلال سے کہا میں ہزار کا نوٹ گیارہ سو کو بیچتا ہوں تم خریدار تلاش کردو، دلال عمرو کے

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۱، فتح القدیر باب الربٰو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۶۳۔۱۶۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۱

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۱

پاس آیا عمرو نے دلال سے کہا میرے لئے خرید لاؤ دلال نے عمرو سے تمسک لکھوالیا اور زید سے نوٹ خرید کر تمسک دے دیا اور نوٹ لاکر عمرو کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(ا) جائز ہے مگر ایک صورت میں کہ وہی نوٹ لے کر آئے اور پہلی قیمت سے کم کو بیچے تو یہ ناجائز ہے،

لکونه شراء ماباع باقل مما باع فان قلت هو ثمن و الاثمان لاتتعین فی العقود فلا یحکم بانه یبیع ما شری قلت المناط ثمه ایراد العقد علی عین ما مبلکه سابقا وهذا منتف عند عدم التعین اما ههنا فالمناط ان یعود الیه عین مبلکه کما خرج قال فی التبیین فی تعلیل المسألة لان الثمن لم یدخل فی ضمان البائع قبل قبضه فاذا عاد الیه عین ماله بالصفة التی خرج من مبلکه وصار بعض الثمن قصاصا ببعض بقی له علیه فضل بلا عوض فکان ذٰلك ربح مالم یضمن وهو حرام بالنص اھ [1] وقال فی الفتح وهذا الان الثمن	کیونکہ یہ اپنی ہی فروخت کردہ شیئ کو اس قیمت سے کم پر خریدنا ہے جس پر اس نے فروخت کی تھی اور تو کہے کہ وہ ثمن ہے اور ثمن عقود میں متعین نہیں ہوتے چنانچہ یہ حکم نہیں لگایا جائے گا کہ وہ اسی چیز کو بیچ رہا ہے جس کو اس نے خریدا۔ **میں کہتا ہوں** کہ وہاں دارومدار عقد کے بعینہٖ اس چیز پر وارد کرنے پر ہے جس کا وہ سابق عقد میں مالک ہوا اور وہ عدم تعین کے وقت منتفی ہے لیکن یہاں دارومدار اس پر ہے کہ اس کا مملوک بعینہٖ اس کے پاس لوٹ آئے جیسے اس کی ملک سے خارج ہوا تھا، تبیین میں اس مسئلہ کی تعلیل یوں فرمائی کہ چونکہ ثمن قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوا اور جب اس کا مال بعینہٖ اس کے پاس لوٹ آیا اسی صفت کے ساتھ جس کے ساتھ اس کی ملک سے خارج ہوا تھا اور بعض ثمن بعض کا بدلہ ہوگئے تو اس کے لئے دوسرے پر کچھ زیادتی بلاعوض رہ گئی تو یہ نفع ہے اس چیز پر جو ابھی ضمان میں نہیں آئی، اور یہ نص سے حرام ہے اھ، فتح میں کہا یہ حکم اس لئے ہے کہ ثمن

[1] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۴

لایدخل فی ضمانہ قبل القبض فاذا عادالیہ الملك الذی زال عنہ بعینہ وبقی لہ بعض الثمن فھو ربح حصل لا علی ضمانہ من جھۃ من باعہ[1] اھ ومثلہ فی سائر الکتب المعللۃ ومعلوم ان الاثمان لاسیما الاصطلاحیۃ وان لم تتعین فی العقود متعینۃ فی الملك قطعاً فلیس للمودع ان یبدل دراہم الودیعۃ بدراہم من عندہ فعود ماملك کما خرج ثابت قطعاً وعلیہ تدور رحی المنع کما علمت ھذا ماظھر لی وارجوان یکون صواباً ان شاء اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی واعلم۔	قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتے پھر اس کی مملوک جو اس کی ملکیت سے زائل ہوئی تھی بعینہٖ اس کی طرف لوٹ آئی اور اس کے بعض ثمن باقی رہے تو یہ ایسا نفع ہے جو اس چیز پر حاصل ہوا جو اس کی ضمان میں نہیں اور اس شخص کی طرف سے حاصل ہوا جس کو اس نے یہ چیز بیچی تھی اھ اور اس کی مثل تمام تعلیل بیان کرنے والی کتابوں میں ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ثمن خصوصا اصطلاحی ثمن اگرچہ عقود میں متعین نہیں ہوتے مگر ملک میں قطعی طور پر متعین ہوتے ہیں لہٰذا جس کے پاس امانت کے طور پر درہم رکھے گئے ہوں وہ ان کو اپنے پاس سے دوسرے درہموں سے بدل نہیں سکتا چنانچہ مملوک کا لوٹ کر آنا جیسا کہ وہ ملک سے خارج ہوا تھا قطعی طور پر ثابت ہوگیا اور ممانعت کی چکی اس پر گھومتی ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالٰی یہ درست ہوگا، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۲) جائز ہے خواہ زید نے بکر کو صرف وصول کرنے کا وکیل کیا ہو یا اس دین کا مالک کرکے قبضہ کرنے کا حکم دیا ہو، غمز العیون میں ہے:

یفھم من فروع الواقعات الحسامیۃ ان لصاحب الدراہم الدین استبدال الدنانیر بھا وعکسہ وھو ظاہر وکثیر الوقوع وھی مسألۃ بیع الدین من المدیون[2]۔	فروع واقعات حسامیہ سے مفہوم ہوتا ہے دراہم کے قرض والے کو اختیار ہے کہ وہ اس کے بدلے دینار لے لے اور اسی طرح اس کا عکس، اور یہ ظاہر اور کثیر الوقوع ہے اور یہ دین کو مدیون کے ہاتھ بیچنے کا مسئلہ ہے۔ (ت)

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۱

[2] غمز العیون البصائر مع اشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۱۳

اشباہ میں ہے:

فی وکالۃ الواقعات الحسامیۃ لوقال وھبت منك الدراھم التی علی فلان فاقبضھا منه فقبض مکانھا دنانیر جاز لانه صار الحق للموھوب له فیملك الاستبدال[1]۔	واقعات حسامیہ کے باب الوکالۃ میں ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا میں نے تجھے وہ درہم ہبہ کردئے جو میرے فلاں پر ہیں تو ان پر قبضہ کرلے، پھر اس نے دراہم کے بدلے دنانیر وصول کرلئے تو جائز ہے کیونکہ یہ موہوب لہ کا حق بن گیا لہٰذا وہ تبدیل کرسکتا ہے۔(ت)

نیز یہاں اگر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا سو روپے کا نوٹ اپنے پاس سے ملا کر یوں گیارہ سو کے عوض دے تو یہ بھی دونوں صورتوں میں جائز ہے، اگر زید نے بکر کو اس دین کا مالک کردیا تھا جب تو ظاہر لان من باع لم یشرو من شری لم یبع (کیونکہ جس نے بیچا اس نے خریدا نہیں اور جس نے خریدا اس نے بیچا نہیں۔ت) اور اگر زید نے بکر کو وکیل کیا تو ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے کہ جو چیز کسی قیمت کو بیچی اور قیمت ہنوز ادا نہ ہوئی ہو کسی کو اپنا وکیل کرکے اس کے ذریعہ سے وہ چیز کم قیمت کو خریدے، ہاں اگر بکر وکیل نہ ہوتا صرف رسول ہوتا مثلاً زید بکر سے کہتا کہ یہ تمسک لے جاؤ اور عمرو سے میری طرف سے کہو کہ میرا روپیہ دے دے بکر آکر اس سے کہتا کہ زید تجھ سے اپنا روپیہ مانگتا ہے اس پر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا تھا سو کا نوٹ ملا کر بھیج دیتا تو یہ زید کو ناجائز ہوتا کہ یہ خود زید کا خریدنا ہوتا رسول تو بیچ میں نرا ایلچی تھا بخلاف وکیل کہ حقوق بیع اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں تو یوں ہوا کہ عمرو سے اس نے خریدا اور اس سے زید نے لیا بیچ میں ایک بیع کا توسط ہوگیا لہٰذا زید کو لینا حلال ہوا، غایۃ البیان علامہ اتقانی میں مختصر امام ابوالحسن کرخی سے ہے:

ان وکل البائع من یشتریه باقل من الثمن الاول فاشتراه فالشراء جائز عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنه وقال ابویوسف الشراء لازم للوکیل ولایلزم الاٰمر، وقال محمد للاٰمر بشراء	اگر بائع نے وکیل بنایا کہ وہ بائع کی فروخت کردہ چیز کو ثمن اول سے کم پر خریدے اور اس نے خرید لیا تو یہ خریداری امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ یہ خریداری وکیل کے لئے لازم ہوگی آمر کے لئے لازم نہ ہوگی، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

[1] اشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۱۳

فاسد الی هنالفظ الکرخی وجه قول محمد انه امره بمالو باشره بنفسه یکون فاسداووجه قول ابی یوسف العقد له زیادة فساد بدلیل ابطال الجهاد فلم یجز التوکیل به ولابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ان الموکل فی المعنی مشتری من الوکیل قاصدا کما اذا اشتری من غیرہ[1]۔	نے فرمایا یہ خریداری فاسد ہے، یہاں تک کرخی کے لفظ ہیں، امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس کام کا وکیل بنایا جس کو اگر یہ خود کرتا تو فاسد ہوتا، امام ابویوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد میں زیادہ فساد ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ اس پر ابطال جہاد کی وعید حدیث میں آئی ہے لہٰذا اس کی توکیل جائز نہیں، اور امام ابوحنیفہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مؤکل دراصل وکیل سے خریدتا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے وہ کسی غیر سے خریدے۔ (ت)

فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو باع ثم وکل اٰخر حتی یشتری باقل جاز عندہ[2]۔	اگر کسی نے کوئی چیز بیچی پھر کسی کو وکیل بنایا تاکہ وہ اس کو پہلے سے کم قیمت پر خریدے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لو اشتراہ الوکیل صح لانه ماباع ولابیع له ولو باع الوکیل ثم اشتراہ احدہما لایصح اما الوکیل فلانه باع واما المؤکل فلانه بیع له اھ مختصرا[3]۔	اگر وکیل نے اس کو خریدا تو درست ہے کیونکہ نہ تو وکیل نے اس چیز کو بیچا اور نہ ہی اس کے لئے بیچا گیا، اور اگر وکیل نے اس چیز کو بیچا پھر ان دونوں میں سے کسی ایک نے اس کو (ثمن اول سے کم پر) خریدا تو درست نہیں کیونکہ وکیل نے تو خود اسے بیچا اور مؤکل کے لئے وہ چیز بیچی گئی اھ اختصار (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو اشتری وکیل البائع باقل من الثمن	اگر بائع کے وکیل نے ثمن اول سے کم پر خریدا تو

[1] حاشیه الشلبی علی تبیین الحقائق بحواله مختصرا الکرخی باب البیع الفاسد المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۴

[2] فتاوٰی ہندیه کتاب البیوع الفصل العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۳

[3] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۵

الاول جاز عندہ خلافا لهما لان تصرف الوکیل عندہ یقع لنفسه [1] الخ **اقول**:وبالجملة النقل فی المسألة فاش مستفیض فما وقع فی ردالمحتار لواشتروا بالوکالة عن البائع لایجوز لوکانوا اجانب عنه کما فی قول المصنف اوبوکیله [2] اھسهو عظیم یجب التجنب عنه ومنشأہ ان المصنف قال فسد شراء ماباع بنفسه اوبوکیله [3] الخ والظرف کان متعلقا بباع وحدہ وتوھم العلامة رحمه الله تعالٰی تعلقه بکلا لفظی الشراء وباع علی سبیل التنازع حیث قال قوله بنفسه اووکیله تنازع فیه کل من شراء وباع الخ [4]، ثم نقل من البحر کلاما لایوھم مایتخیله اصلا انما فیه منع شراء البائع	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے۔بخلاف صاحبین کے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک وکیل کا تصرف اپنی ذات کے لئے واقع ہوتا ہے اھ۔**میں کہتاہوں** خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نقل عام تواتر کے ساتھ ہے اور جو ردالمحتار میں واقع ہوا ہے کہ اگر بائع کے وکیل ہوکر انہوں نے خریدا تو ناجائز ہے اگرچہ وہ بائع سے اجنبی ہوں ____ جیسا کہ مصنف کے قول "اوبوکیلہٖ"میں ہے اھ یہ بہت بڑا سہو ہے جس سے بچنا واجب ہے،اس سہو کا منشا یہ ہے کہ مصنف نے کہا اس چیز کو خریدنا فاسد ہے جس کو بائع نے بذات خود بیچا یا اس کے وکیل نے بیچا الخ اس عبارت میں ظرف (جار مجرور) صرف "باع" سے متعلق تھا جبکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے وہم کیا کہ یہ بطور تنازع "باع" اور "شراء" دونوں لفظوں سے متعلق ہے اسی لئے علامہ نے فرمایا کہ شراء اور باع میں سے ہر ایک نے مصنف کے قول "بنفسہٖ او وکیلہ" میں تنازع کیا الخ اس کے بعد علامہ شامی نے بحر سے ایسا کلام نقل فرمایا جو علامہ شامی کے تخیل کا وہم تک نہیں رکھتا کیونکہ اس میں تو بائع

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۸

[2] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۵

[3] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۲۶

[4] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۴

سواء باع لنفسه اولغیرہ ومن باع له وکیله وسواء کان شراء لنفسه اولغیرہ اماالذی لم یبع ولا بیع له فلا تعرض فیه لمنعه من الشراء اصلا سواء شری لنفسه او لغیرہ کوکیل البائع بالشراء اما مافی مختصرا لکرخی فی صدرالکلام المذکور لایجواز ان یشتری ذٰلك وکیل البائع فی قولهم جمیعا [1] (ملخصا) فمعناہ وکیله بالبیع کما قدمناہ عن التبیین وفیه لو وکل رجلا ببیع غیرہ فباع ثم ارادالوکیل ان یشتری باقل لنفسه اولغیرہ بامرہ لم یجز [2] اھ(ملخصا) ومثله فی الهندیة عن المحیط نعم وکیل البائع فی کلام الفتح المذکور بمعنی وکیله بالشراء فتثبت ولا تزل وبالله التوفیق والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	کی خریداری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے چاہے بائع نے بذات خود بیچا ہو یا اس کے وکیل نے اور چاہے اپنے لئے خریداری کرے یا غیر کے لئے لیکن وہ شخص جس نے نہ تو خود بیچا نہ ہی اس کے لئے اس چیز کو بیچا گیا اس کی خریداری کی ممانعت سے اس عبارت میں بالکل کوئی تعرض نہیں چاہے وہ اپنے لئے خریدے یا غیر کے لئے جیسے خریداری کے لئے مقرر کردہ وکیل اور وہ جو کلام مذکور کے شروع میں مختصر کرخی میں مذکور ہے کہ بائع کے وکیل کا اس چیز کو خریدنا تمام فقہاء کے قول میں ناجائز ہے اس کا معنی وہ وکیل جس کو بیع کے لئے مقرر کیا گیا تھا جیسا کہ تبیین کے حوالے سے ہم اس کا ذکر پہلے کرچکے ہیں، اسی میں ہے کہ کسی نے دوسرے کو کسی چیز کی بیع کا وکیل بنایا اور اس نے وہ چیز فروخت کردی پھر اسی وکیل کا ارادہ ہوا کہ اس چیز کو ثمن اول سے کمتر ثمن کے عوض اپنی ذات کے لئے یا کسی اور کے لئے اس کے حکم پر خریدے تو یہ ناجائز ہے اھ اور اس کی مثل ہندیہ میں بحوالہ محیط ہے، فتح کے کلام مذکور میں وکیل بائع سے مراد بائع کا وہ وکیل ہے جس کو خریداری کے لئے اس نے مقرر کیا چنانچہ ثابت قدم رہ مت ڈگمگا، اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے اور اللہ تعالٰی سبحنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۳) جائز ہے اگر عمرو نے کہا کہ خرید لاؤ اور اس نے زید سے خرید کر اس جلسہ میں قبضہ کرلیا اس صورت میں عمرو کا تمسک لکھ دینا خریداری نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ دلال زید سے خریدنے کے بعد روپے کے اطمینان کے لئے یہ تمسک اسے دے دے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ہاں اگر دلال نے آکر عمرو سے کہا اور عمرو نے جواب دیا کہ میں نے خریدا یعنی عقد بیع وشراء یہیں ہولیا اور تمسک لکھ گیا بعدہ دلال نے نوٹ زید سے

---

[1] حاشیه الشلبی تبیین الحقائق بحواله مختصر الکرخی باب بیع الفاسد الطبعة الکبرٰی مصر ۴/ ۵۴

[2] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۴

لا کر دیا تو حرام و باطل ہے کہ جلسہ بیع میں نہ نوٹ پر قبضہ ہوا نہ روپوں پر۔

فکان افتراقا عن دین بدین وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالئی بالکالئی [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	تو یہ دین سے دین کے بدلے جدائی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادھار کی ادھار کے بدلے بیع سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۶: از بنارس محلّہ کندی گرٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ حکیم عبدالغفور صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلابتوں کی بیع ادھار جائز ہے یا نہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز ہوگی کہ گو اس میں تین جز وشریک ہیں یعنی سونا چاندی ریشم لیکن چونکہ حصہ چاندی کا زیادہ ہے لہذا کلابتوں مذکور حکمًا چاندی قرار دیا جائے گا اب بوجہ اتحاد جنس یعنی چاندی درمیان کلابتوں اور روپیہ کے بیع ادھار ناجائز ہونا چاہئے، یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہزارہا بندہ خدا اس معاملہ میں مبتلا ہیں اگر واقعی بیع مرقومہ بالا ناجائز ہے اور اشخاص مرتکب فعل ہذا بیع مذکور سے روک دئے جائیں تو باب تجارت خصوصا اہالیان بنارس پارچہ فروش کا مسدود ہوجائے گا نوبت فاقہ کشی کی پہنچے گی، بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب:

کلابتوں میں سونے کا تو صرف رنگ ہی رنگ ہے اور نرے رنگ کا کچھ اعتبار نہیں جبکہ جلانے سے سونا اس میں سے جدا نہ ہوسکتا ہے۔

فان ح تمویہ والتمویہ لاعبرۃ بہ لانہ مستھلک کما صرحوا بہ قاطبۃ وفی کافی الامام الحاکم الشھید اذا اشتری لجاما مموہا بفضۃ بدراہم اقل مما فیہ او اکثر فھو جائز لان التمویہ	کیونکہ اس صورت میں یہ سونے کا پانی چڑھانا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ ہلاک ہونے والی چیز ہے جیسا کہ تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے امام حاکم شہید کی کافی میں مذکور ہے اگر کسی نے ایسا لگام خریدا جس پر چاندی کا پانی چڑھا یا گیا تھا کچھ درہموں کے بدلے میں جو اس چاندی سے کم

[1] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۷۱

لایخلص الا تری انه اذا اشتری الدار المموهة بالذهب بثمن مؤجل یجوز ذٰلك وان کان مافی سقوفها من التمویة بالذهب اکثر من الذهب فی الثمن [1]۔	ہوں جس کا پانی لگام پر چڑھا یا گیا یا اس سے زیادہ ہوں تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ پانی چڑھانے میں مستعمل چاندی لگام سے الگ نہیں ہوسکتی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی ثمن مؤجل کے بدلے ایسا مکان خریدے جس پر سونے کا پانی چڑھا یا گیا ہے تو یہ بیع جائز ہوگی اگرچہ پانی چڑھانے میں مستعمل سونا ثمن کے سونے سے زیادہ ہو اھ۔ (ت)

مگر چاندی کا خود عین مستقل طور پر اس میں قطعاً موجود کہ وہ چاندی اور ریشم یا سوت کے تار ہیں ایک دوسرے پر بٹے ہوئے تو اس کی بیع غایت یہ کہ چاندی اور اس کے ساتھ ایک اور چیز کی بیع ہوئی یہ اسے حکم صرف سے خارج نہ کرے گا جبکہ دوسری جانب بھی ثمن خلقی یعنی سونا یا چاندی یا روپیہ یا اشرفی ہو پس صورت اتحاد جنس کہ روپیہ یا چاندی کے عوض کلابتوں بیچیں تماثل و تقابض دونوں اور بحالت اختلاف کہ سونے یا اشرفی سے مبادلہ کریں صرف تقابض بدلین بلاشبہہ لازم ہوگا تماثل یہاں یوں کہ ثمن کی طرف چاندی ان تاروں کی چاندی سے جو کلابتوں میں ہیں وزن میں زیادہ ہو تاکہ اس میں سے ان کے مقابل اور باقی اس دوسری چیز ریشم یا سوت کے مقابل ہوجائے اگر ثمن کی طرف چاندی اس کلابتوں کی چاندی سے وزن میں کم یا برابر ہے یا کمی بیشی معلوم نہیں تو بیع حرام و باطل ہے، اور تقابض یوں کہ اس مجلس میں خریدنے والا کلابتوں اور بیچنے والا اس کی قیمت پر قبضہ کرلے اگر کسی طرف سے ایک لمحہ کے لئے بھی ادھار ہو تو بیع باطل و حرام ہے درمختار میں ہے:

الاصل انه متی بیع نقد مع غیرہ کمفضض ومزرکش بنقد من جنسه شرط زیادة الثمن فلو مثله اواقل اوجهل بطل ولو بغیر جنسه شرط التقابض [2] فقط۔	قاعدہ یہ ہے کہ جب نقد کو غیر کے ساتھ ملا کر بیچا جائے جیسے مفضض اور مزرکش (جن چیزوں پر سونے یا چاندی کے پتر چڑھائے گئے ہوں تو اگر نقد مبیع کے ہم جنس نقد کے بدلے بیچا جائے تو ثمن کا زیادہ ہونا شرط ہے اگر برابر ہو یا ثمن اس سے کم ہو یا کمی بیشی مجہول ہو تو بیع باطل ہے اور اگر غیر جنس کے نقد کے بدلے میں بیچا جائے تو فقط تقابض (دو طرفہ قبضہ) شرط ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ کافی الحاکم کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

احکام الٰہیہ جل وعلاکے اتباع وامتثال سے ہر گز باب رزق مسدود نہیں ہو سکتا جبکہ وہ رب کریم رؤف رحیم احکام نفس وشیطان کی پیروی اپنی شدید شنیع نافرمانی پر دروازہ رزق بند نہیں کرتا ع

گناہ بیند وناں برقرار میدارد

(وہ گناہ دیکھتا ہے اور اس کے باوجود روزی برقرار رکھتا ہے۔ت)

تواپنے احکام کریمہ کے اتباع پر کیوں بند فرمائے گا مگر ہمارے مسلمان بھائیوں کی حالت سخت قابل افسوس ہے جو شخص جس کام میں ہاتھ ڈالے اس پر فرض عین ہے کہ اس کے متعلق جو احکام شرع ہیں انہیں سیکھ لے تاکہ معصیت الٰہی میں نہ پڑے ہمارے بھائیوں نے یہ مسئلہ دنیاوی قانونی میں جاری کیا اور قانون ربانی میں چھوڑدیا اگر کوئی مقدمہ دوروپے کا دائر کریں گے پانچ وکیلوں سے پوچھیں گے کہ اس میں کوئی خامی نہ رہ جائے کسی طرح قانون انگریزی کی مخالفت نہ آئے کہ مقدمہ ہاتھ سے جائے مگر کسی دینی کام میں علماء سے دریافت کرنے کی اصلا حاجت نہیں کہ یہ کیونکر حلال ہے کس طرح حرام کس صورت میں صحیح، کس طور پر فاسد، توجہ کیا کہ دوروپے **استغفر اللہ** بلکہ دو[۲] پیسے کا نقصان گراں گزرتا ہے دین کی پرواہ کیا ہے، یہاں بھی اپنی ناواقفی سے یہ گناہ عظیم سرپر لیا ہے، اگر علم رکھیں یا علماء سے پوچھیں تو یہ کارخانہ بدستوریوں ہی جاری رہے اور خالص حلال وطیب ہو فقط اتنا کریں کہ قیمت میں سونے چاندی، روپیہ، اشرفی، اٹھنی، چونی، دونی نہ کہیں بلکہ جتنے روپوں کو بیچنا ہو اتنے کے پیسوں یا نوٹ کا نام لیں مثلا سو روپیہ کا کلابتوں بیچنا ہے تو یوں کہے کہ میں نے یہ کلابتوں تیرے ہاتھ ایک ہزار چھ سو آنے فلوس رائجۃ الوقت کو بیچا یا بعوض نوٹ احاطہ فلاں رقمی صدروپیہ کے بیع کیا اب نہ اتحاد جنس ہے کہ تماثل شرط ہو، ظاہر ہے کہ کلابتوں میں چاندی ہے اور یہاں پیسے یا کاغذ نہ یہ بیع صرف ہے کہ قرضوں مطلقاً حرام ہوتا، بنائے کاغذ اصل آفرینش میں ثمن نہیں اور صرف وہی کہ ثمن خلقی ثمن خلقی سے بیع کی جائے، یہ صرف سونا یا چاندی ہے وبس، ہاں ازانجا کہ فلوس ونوٹ اصطلاحا ثمن ہیں ایک جانب سے قبضہ ضرور ہے **کیلا یلزم الافتراق عن دین بدین** (تاکہ دین کے بدلے میں دین سے جدا ہونا لازم نہ آئے۔ت) لہٰذا اگر روپیہ کے پیسے خریدے روپیہ دے دیا اور پیسے پھر دئے جائیں گے تو مذہب راجح ومعتمد میں کچھ مضائقہ نہیں بعینہٖ یہی حال کلابتوں اور پیسوں یا نوٹ کی ہے کہ صرف ایک طرف سے قبضہ ہو جانا کافی اگرچہ دوسری جانب قرض ہو، درمختار میں ہے:

الصرف شرعا بیع الثمن بالثمن ای ماخلق للثمنیہ[1] اھ ملخصًا	صرف اصطلاح شرع میں ثمن کے بدلے ثمن کی بیع ہے یعنی جسے ثمنیت کے لئے پیدا کیا گیا اھ تلخیص۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

وفی رد المحتار عن البحر عن الذخیرۃ فی مسألۃ بیع فلس بفلسین باعیانھما ان محمداذکر ھا صرف الاصل ولم یشترط التقابض(وعللہ من اعتمد من المشائخ)بان التقابض مع التعیین شرط فی الصرف ولیس بہ [1] کمافیہ عنہ عنھما عنھم قلت وقد حققنا المسألۃ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ بمایتعین الوقوف علیہ فانہ بحمدہ تعالٰی نفیس لھم قال ابن عابدین سئل الحانوتی عن بیع الذھب بالفلوس نسیئۃ فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیۃ لواشتری مائۃ فلس بدرہم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ مالو باع فضۃ اوذھبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط [2] الخ۔	اور ردالمحتار میں ایک معین پیسے کی دو معین پیسوں کے عوض بیع کے مسئلہ کے ضمن میں بحوالہ بحر ذخیرہ سے منقول ہے کہ بیشک امام محمد نے اس کو اصل کے باب الصرف میں ذکر کیا اور تقابض کو شرط قرار نہیں دیا،اور معتمد مشائخ نے اس کی تعلیل یوں بیان کی تعیین کے ساتھ تقابض تو صرف میں شرط ہے حالانکہ یہ صرف نہیں، جیسا کہ اس میں امام ابوحنیفہ، صاحبین اور ان تمام سے منقول ہے **قلت**(میں کہتاہوں) بے شک ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے فتاوٰی "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ" میں اس انداز سے کردی ہے جس پر واقفیت حاصل کرنا متعین ہے کیونکہ بحمداللہ یہ ان کے لئے بہت عمدہ ہے،امام ابن عابدین نے کہاکہ حانوتی سے سونے کی پیسوں کے عوض ادھار بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جائز ہے بشرطیکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلیا گیا ہو اس دلیل کی وجہ سے جو بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی نے سو پیسے ایک درہم کے عوض خریدے تو صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور فرمایا کہ اگر کسی نے پیسوں کے عوض سونا یا چاندی بیچا تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے بحر میں محیط کے حوالے سے یونہی منقول ہے۔الخ(ت)

پھر لیتے وقت یہ ضرور نہ ہوگا کہ خاص پیسے یانوٹ ہی لیں بلکہ برضائے مشتری ان پیسوں یانوٹوں کے روپے بھی لے سکتے ہیں،

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

فانه بیع عین بدین کان علیه فیجوز برضاہ وقد علمت انه لیس بصرف ولا سلم قال فی الدر المختار لوباع ابلا بدراہم اوبکُرّ برجاز اخذ بدلھما شیئا اٰخر وکذا الحکم فی کل دین قبل قبضه کمهر واجرۃ و ضمان متلف وبدل خلع وعتق بمال وموروث و موصی به والحاصل جواز التصرف فی الاثمان و الدیون کلھا قبل قبضھا عینی سوی صرف وسلم فلا یجوز اخذ خلاف جنسه لفوات شرطه[1] اھ۔	کیونکہ عین کی اس دین کے بدلے میں بیع ہے جو بائع پر ہے تو اس کی رضامندی سے جائز ہے حالانکہ تو جان چکا ہے کہ یہ صرف اور سلم نہیں ہے، درمختار میں کہا گیا کہ اگر کسی نے درہموں کے بدلے یا ایک بوری گندم کے بدلے اونٹ بیچا تو ان دونوں کے بدلے کوئی اور شے بھی لے سکتا ہے اور یہی حکم ہے قبضہ سے پہلے دین کا، جیسے مہر، اجرت، ضائع شدہ شیئ کا تاوان، خلع کا بدل، مال کے بدلے آزاد کرنا، مال مورث اور وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام ثمنوں اور دینوں میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے (عینی) سوائے صرف اور سلم کے کہ ان میں خلاف جنس ثمن لینا ناجائز ہے بسبب فوت ہوجانے اس کی شرط کے اھ (ت)

ہاں یہ ضرور ہے کہ جس مجلس میں ان کے عوض روپیہ دینا ٹھہرے اسی مجلس میں تمام وکمال روپیہ ادا کردیا جائے ورنہ یہ معاوضہ یعنی پیسوں یا نوٹوں کے بدلے جو روپیہ دینا قرار پایا ہے ناجائز ہوجائیگا۔

للافتراق عن الکائی بالکائی فی ردالمحتار قوله جاز اخذ بدلھما شیئا اٰخر لکن بشرط ان لایکون افتراقا بدین کما یاتی فی القرض[2] اھ وقال فی قرض الدر جاز شراء المستقرض القرض ولوقائما من المقرض بدراہم مقبوضة فلو تفرقا قبل قبضھا بطل لانه افتراق عن دین بزازیة[3] فلیحفظ۔	دین کے بدلے دین کی بیع سے جدا ہونے کی وجہ سے ردالمحتار میں ہے کہ مصنف کا قول کہ ان دونوں کے بدلے کوئی شے لینا جائز ہے مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ دین کے ساتھ بائع اور مشتری میں جدائی نہ ہو جیسا کہ قرض کے باب میں آرہا ہے اھ اور در کے باب القرض میں فرمایا مستقرض کے لئے جائز ہے کہ قرض دہندہ سے درہم مقبوضہ کے عوض قرض کو خریدے اگر قائم ہو پھر اگر وہ دونوں ان دراہم مذکورہ پر قبضہ سے پہلے متفرق ہوگئے تو خریداری باطل ہوجائے گی کیونکہ یہ قرض سے افتراق ہے (بزازیہ) اس کو

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۸۔۳۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶۶

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۹۔۴۰

	محفوظ کرلینا چاہئے۔(ت)

تو دیکھئے صورت بعینہا وہی رہی جو ان بائعوں میں جاری ہے صرف ایک لفظ کے تغیر میں حرمت سے حلت ہو گئی اس مسئلہ کو خوب شائع کرنا چاہئے کہ اہل اسلام جو بلاوجہ گناہ میں مبتلا ہیں معصیت سے نجات پائیں، وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷: از بجنور در حدود ۱۳۰۰ھ مرسلہ مولوی غلام مصطفٰی صاحب تلمیذ حضرت والاعلام قدس سرہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع فلوس رائجہ کی جو حکم ثمن میں ہیں بمقابلہ روپیہ کے بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور اگر صراف کو روپیہ دیا اس کے پاس کل روپیہ کے پیسے نہ تھے موجود دئے باقی کا وعدہ کردیا تو یہ بیع جائز ہو گی یا نہیں؟ اور جبکہ یہ بیع صرف بسبب صدق تعریف کے کہ بیع الثمن بالثمن ہے قرار دی جائے گی تو اس میں شرائط بیع صرف کے کہ متحد الجنسین میں تماثل اور تقابض اور مختلف الجنسین میں تقابض ہے درصورت جواز کے پائے جائیں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع الفلوس بالدار ہم صرف نہیں نہ اس میں سب احکام صرف جاری۔

فان الصرف بیع ماخلق الثمنیۃ بماخلق لھا کما فسرہ بذٰلك فی البحر وتبعہ فی الدرالمختار [1] واقرہ الشامی وغیرہ و معلوم ان الفلوس لیست کذا وانما عرض لھاحکم الاثمان بالاصطلاح مادامت رائجۃ والافھی عروض کما فی اصل خلقتھا وبعدم کونہ صرفا صرح العلامۃ الشامی عن البحر وصاحب البحر عن الذخیرۃ عن المشائخ فی باب الربٰو من رد المحتار [2]۔	کیونکہ صرف تو خلقی ثمن کو خلقی ثمن کے عوض بیچنے کا نام ہے جیساکہ اس کی تفسیر بیان کی بحر نے اور درمختار میں اس کی اتباع ہے اور شامی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا اور یہ بات معلوم ہے کہ پیسے ثمن خلقی نہیں انہیں توجب تک وہ رائج ہیں اصطلاح میں ثمنوں کا حکم عارض ہے ورنہ تو یہ سامان ہیں جیسا کہ اصل خلقت میں تھے اور اسکے بیع صرف نہ ہونے کی تصریح علامہ شامی نے ردالمحتار کے باب الربٰو میں بحر کے حوالہ سے کی اور صاحب بحر نے بحوالہ ذخیرہ عن مشائخ نقل کیا۔(ت)

---

[1] بحر الرائق کتاب الصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۹۲، درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

مگراس قدر میں شک نہیں کہ جب تاعین رواج ان کے لئے حکم اثمان ہے تو احد الجانبین میں قبض بالید ہو نا ضروری ہے۔

والالکان افتراقاعن دین بدین و قد نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکائی بالکائی [1]۔	ورنہ یہ دین کے بدلے دین سے افتراق ہوگا حالانکہ رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادھار کے بدلے ادھار کی بیع سے منع فرمایا ہے۔(ت)

اختلاف اسی میں ہے کہ آیا یہ قبضہ جانبین سے مشروط یا ایک ہی جانب میں کافی جس نے اصل خلقت پر نظر کی کہا صرف نہیں پھر تقابض کی کیا حاجت۔

وھم الاکثرون وعلیہ نص محمد فی المبسوط و اعتمدہ فی المحیط والحاوی والبزازیۃ والبحر الرائق والنھر الفائق وفتاوی الحانوتی وتنویر الابصار و الدر المختار والفتاوی الھندیۃ وغیرہا من متون المذھب وشروحہ و فتاوٰہ وھو مفاد کلام الامام الاسبیجابی کمانقلہ الشامی عن الزین عن الامام	اور وہ اکثر ہیں اسی پر امام محمد نے مبسوط میں نص فرمائی اور اسی پر اعتماد کیا گیا ہے محیط، حاوی، بزازیہ، البحر الرائق، النہر الفائق، فتاوٰی حانوتی، تنویر الابصار، درمختار اور فتاوٰی ہندیہ وغیرہ مذہب کے متون، شروح اور فتاوٰی میں، اور یہی مفادہے امام اسبیجابی کے کلام کا جیساکہ اس کو شامی نے بحوالہ زین امام اعظم سے نقل کیا ہے۔(ت)

اور جس نے ثمنیت مصطلحہ پر لحاظ کیا تقابض شرط ٹھہرایا۔

کما افتی بہ العلامۃ قاری الھدایۃ واولہ الفاضل عمر بن نجیم بما یخرجہ عن الخلاف ونازعہ المحقق الشامی قائلا انہ محمول علی مادل علیہ کلام الامام محمد فی الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من الجانبین وکل ذٰلک مشرح فی ردالمحتار [2]	جیساکہ اس پر فتوٰی دیا علامہ قاری الہدایہ نے اور فاضل عمر بن نجیم نے اس کی ایسی تاویل کی جو اس کو خلاف سے نکالتی ہے اور محقق شامی نے یہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ منازعت کی کہ اس کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا جس پر جامع صغیر میں امام محمد کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی دونوں جانبوں سے تقابض شرط ہے اور اس تمام کی تفصیل ردالمحتار

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳ /۷۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

وغیرہ من الاسفار، قال العبد الضعیف غفر اللہ تعالٰی له وما جنح الیه الفاضل الشامی سیدی محمد بن امین الدین اُفندی ابن عابدین رحمة اللہ تعالٰی علیه من دلالة کلام الجامع الصغیر علی ذٰلك الاشتراط فقد تبع فیه صاحب البحر والعلامة زین الدین عول علی ماوقع فی الذخیرۃ کما ھو ایضا مذکور فی الحاشیة الشامیة ولکن لی فیه تأمل بعد فانی راجعت الجامع فوجدت نصه ھکذا محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنھم رجل باع رطلین من شحم البطن برطل من الیة اوباع رطلین من لحم برطل من شحم البطن اوبیضة ببیضتین اوجوزۃ بجوزتین اوفلسا بفلسین اوتمرۃ بتمرتین یدا بید باعیانھا یجوز وھو قول ابی یوسف رحمة اللہ تعالٰی علیه وقال محمد رحمة اللہ علیه لایجوز فلس بفلسین ویجوز تمرۃ بتمرتین [1] انتھی کلامه الشریف نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاته فی الدنیا والاٰخرۃ اٰمین۔	وغیرہ ضخیم کتابوں میں ہے، یہ عبد ضعیف (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) کہتا ہے کہ جس معنی کی طرف علامہ سید محمد امین الدین آفندی ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالٰی مائل ہوئے اس میں انہوں نے صاحب البحر کی پیروی کی اور علامہ زین الدین نے اس پر اعتماد کیا جو ذخیرہ میں واقع ہوا جیساکہ حاشیہ شامیہ میں بھی مذکور ہے لیکن ابھی تک مجھے اس میں تأمل ہے بیشک میں نے جامع صغیر کی طرف رجوع کیا تو اس کی نص کو یوں پایا کہ محمد نے یعقوب سے اور اس نے ابوحنیفہ سے روایت کیا (رضی اللہ تعالٰی عنہم) کہ ایک شخص نے دو رطل پیٹ کی چربی ایک رطل الیہ کی چربی کے عوض یا دو رطل گوشت ایک رطل پیٹ کی چربی کے عوض بیچا یا ایک انڈہ دو انڈوں کے عوض یا ایک اخروٹ دو اخروٹوں کے عوض یا ایک پیسہ دو پیسوں کے عوض یا ایک چھوہارا دو چھوہاروں کے عوض فروخت کیا اس طور پر کہ ان تمام چیزوں کا لین دین ہاتھوں ہاتھ ہوا اور یہ تمام چیزیں معین تھیں تو یہ بیع ہے اور یہی قول امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ایک پیسے کی بیع دو پیسوں کے عوض ناجائز اور ایک چھوہارے کی بیع دو چھوہاروں کے عوض جائز ہے، امام صاحب کا کلام شریف ختم ہوا، اللہ تعالٰی ہمیں دنیا وآخرت

[1] الجامع الصغیر کتاب البیوع باب البیع فیما یکال اویوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

فمحمل الاستنباط انما ھو قوله رضی الله تعالٰی عنه یدا بید ولکن قد دری من مارس الفقه ان ھذا اللفظ لیس نصاصریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علمائنا رحمھم الله تعالٰی فسروه فی الحدیث معروف بالعینیة کما قال فی الھدایة ومعنی قوله علیه الصلٰوة والسلام یدا بید عینا بعین کذا رواہ عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه [1] انتھی کیف وقد قال اصحابنا رضی الله تعالٰی عنھم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ماسواہ ممایجری فیه الربٰوا فانما یعتبر فیه التعین فان حمل قول ھذا فی العبارة التی ذکرنا علی التقابض واستجلب منه اشتراط ذٰلك فی فلس بفلسین کان ایضا مشترطا فی تمرة بتمرتین و بیضة ببیضتین وجوزة بجوزتین فان المسائل کلھا مسوقة بسیاق واحد وہذا لم یقل به ائمتنا فوجب حمله	میں اس کی برکات سے نفع عطا فرمائے آمین، تو محل استدلال امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول "یدا بید" (ہاتھ ہاتھ) ہے لیکن فقہی مہارت والا جانتا ہے کہ بیشک یہ لفظ انگلیوں کے پوروں کے ساتھ قبضہ کرنے میں نص صریح نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے حدیث معروف میں اس کی تفسیر عینیت کے ساتھ فرمائی ہے جیسا کہ ہدایہ میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول "یدا بید" "عینا بعین" ہے، یونہی روایت فرمایا ہے اس کو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے، انتہی، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا ہے کہ بے شک باہمی قبضہ تو فقط بیع صرف میں شرط ہے اس کے علاوہ جس میں ربا جاری ہوتا ہے وہاں فقط تعیین معتبر ہے، اگر ہمای ذکر کردہ عبارت میں اس کے قول کو تقابض (دو طرفہ قبضہ) پر محمول کیا جائے اور اس سے ایک پیسے کی دو پیسوں کے عوض بیع میں تقابض کا شرط ہونا اخذ کیا جائے تو پھر ایک کھجور کی دو کے عوض، ایک انڈے کی دو کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو کے عوض بیع میں بھی تقابض شرط ہوگا کیونکہ ان تمام مسائل کا سیاق ایک ہی ہے (لہذا حکم بھی ایک ہوگا) حالانکہ ہمارے ائمہ کرام اس کے قائل نہیں ہیں لہذا

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۳۔۸۲

علی اشتراط التعین وکان قوله رضی الله تعالٰی عنه باعیانها تفسیر القوله یدا بید و الا لکان حشوا مستغنی عنه فان التقابض فیه التعیین مع شیئ زائد فذکره بعده خال عن الفوائد ولذا لما نقل الامام صاحب الهدایة هذه المسئلة عن الجامع الصغیر اسقط عنها تلك الکلمة واقتصر علی ذکر العینیة حیث قال قال (ای محمد کما صرح به العلامة بدر العینی فی البنایة[1]) یجوز بیع البیضة بالبیضتین والتمرة بالتمرتین و الجوزة بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما[2] انتهی، فلیس فی الجامع ان شاء الله تعالٰی دلیل علی ماذکر ھٰؤلاء الاعلام وان کان فمع احتمال الغیر احتمالا بینا لایراد ولایرام بخلاف عبارة الاصل اعنی المبسوط فانها نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما ستری ان شاء الله تعالٰی فعلیه فلیکن التعویل والله تعالٰی ولی التوفیق ہذا ما سنح للعبد القاصر	اس کو اشتراط تعیین پر محمول کرنا واجب ہے اور امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول "باعیانهما" ان کے قول "یدا بید" کی تفسیر ہوگا ورنہ یہ قول لغو اور بلاضرورت ہوگا کیونکہ تقابض میں تعیین کچھ اضافے سمیت موجود ہے تو پھر اس (تعیین) کو تقابض کے بعد ذکر کرنا فائدہ سے خالی ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جب امام صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو جامع صغیر سے نقل کیا تو اس میں سے یہ کلمہ (یدا بید) ساقط کرکے فقط عینیت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے یعنی امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (بنایہ علامہ عینی) نے فرمایا کہ جائز ہے بیع ایک انڈے کی دو انڈوں کے عوض اور ایک کھجور، کی دو کھجوروں کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹوں کے عوض اور ایک معین پیسے کی دو معین پیسوں کے عوض، انتہی، چنانچہ جامع صغیر میں تو ان شاء اللہ اس پر کوئی دلیل نہ ہوگی جو ان بزرگوں نے فرمایا اور اگر ہو بھی تب بھی غیر کا احتمال بین ہوتے ہوئے اس کا ارادہ نہیں کیا جائے گا، بخلاف اصل یعنی مبسوط کی عبارت کے کہ وہ تقابض کے شرط نہ ہونے پر نص ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تو دیکھے گا چنانچہ اسی پر اعتماد کرنا چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی مالک توفیق ہے یہ وہ ہے جو اس قاصر بندے

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب البیوع باب الربٰو المکتبة الامدادیہ مکہ مکرمہ ۳/ ۱۵۴

[2] الهدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

فتامله فان وجدته حقا فعليك به والا فارم به الجدار۔	پر منکشف ہوا اس میں غور کر اگر تو اس کو حق پائے تو عمل کرنا تجھ پر لازم ہے ورنہ اس کو دیوار پر دے مار۔ (ت)

بالجملہ مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدراہم والدنانیر میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی، پس صورت مستفسرہ میں بیع بلاتردد صحیح اور صراف پر مشتری کے لئے باقی پیسے لازم،

فی المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراہم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عندالبائع فالبیع جائز اھ[1] کذا فی الھندیة و فیھا عن الحاوی وغیرہ لواشتری مائة فلس بدرہم فقبض الدرہم ولم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا ولو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل البیع فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس[2] اھ ملتقطا، وفی التنویر وشرحه باع فلوسا بمثلھا او بدراہم او بدنانیر فان نقد احدھما جازوان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز[3] اھ ومسئلة المقام یستدعی اکثر من ھذا وفیماذکرنا کفایة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مبسوط میں ہے کہ جب کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے اور ثمن نقدا ادا کردئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تو بیع جائز ہے اھ ہندیہ میں یونہی ہے، اسی میں حاوی وغیرہ سے منقول ہے اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے، بائع نے درہم پر قبضہ کرلیا مگر مشتری نے ابھی پیسوں پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ وہ کھوٹے ہوگئے تو قیاس کی رو سے بیع باطل نہیں ہوئی اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کیا تھا کہ وہ کھوٹے ہوگئے تو نصف میں بیع باطل ہوگئی اگر وہ کھوٹے نہ ہوتے بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری باقی پیسے لینے کا حقدار ہوتا اھ تلخیص، تنویر اور اس کی شرح میں ہے کہ کسی نے پیسوں کو ان کی مثل کے عوض یا درہموں کے عوض یا دیناروں کے عوض بیچا پس اگر دونوں میں سے ایک نے نقد ادائیگی کردی تو بیع جائز ہے اور اگر دونوں قبضہ کئے بغیر متفرق ہوگئے تو ناجائز ہے اھ اس مقام کا مسئلہ اس سے زیادہ تفصیل کا تقاضا کرتا ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس میں کفایت ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] المبسوط للسرخسی کتاب البیوع باب البیع بالفلوس دار المعرفۃ بیروت الجزء الرابع عشر ص ۲۴، فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

مسئلہ ۲۶۸: از دھوراجی ملک کاٹھیاوار کوچہ کھٹپچراسٹریٹ مسئولہ عبدالکریم ابن قاسم ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ

بخدمت شریف جناب مخدوم ومکرم مجدد مائۃ حاضرہ، تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ جو رسالہ کفل الفقیہ آپ کی جانب سے شائع ہوا ہے اس میں بعض لوگوں کو شک ہے کہ یہ رسالہ مولانا صاحب کے نام سے کسی دوسرے نے چھپوا کر شائع کردئے ہیں اس بات کا بہت چرچا ہورہا ہے کہ نوٹ کو مال قرار دیا ہے وہ کس طرح سے ہوسکتا ہے، ہمارا اعتماد آپ کے اوپر ہے، مطلب ہمارا یہ ہے کہ اگر حضور کی جانب سے کفل الفقیہ شائع ہوا ہو تو آپ اپنے دست مبارک سے ہم کو جواب دیں تاکہ ان پر عمل کریں اور شک دور ہوجائے اور جب تک آپ کی طرف سے جواب نہیں آئے گا وہاں تک لوگوں کو بحث بھی رہے گی اور ہم لوگوں کے دل پر شک رہے گا تو آپ برائے خدا جلد جواب تحریر کریں۔

الجواب:

رسالہ **کفل الفقیہ الفاھم** فقیر ہی کی تصنیف ہے مکہ معظّمہ میں وہاں کے ایک عالم جدہ نے فقیر سے اس کا سوال کیا اور فقیر نے وہیں تصنیف کیا اور متعدد علمائے کرام مکہ مکرمہ نے اس کی نقلیں لیں پھر بعد واپسی فقیر نے اسے طبع کرایا پھر حاجی عیسٰی خاں محمد صاحب نے مع ترجمہ چھپوایا، مدینہ طیبہ میں مصر کے دو جلیل عالموں مدرسین جامع ازہر نے اسے دیکھا اور فرمائش کی کہ اس کے نسخے ہم کو ضرور بھیج دو، ان کو بھیج دئے گئے، نوٹ کا مال ہونا اس رسالہ میں دلائل ساطعہ سے روشن کردیا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب بیع التلجیة
(دکھلاوے کی بیع کا بیان)

مسئلہ ۲۶۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان جس کا وہ مالک تھا بدست عمرو اپنی کسی مصلحت سے بلاوصول زرِ ثمن فرضی طریق سے بیعنامہ تصدیق کرادیا اور قبضہ اپنا مبیعہ پر نہیں دیا ہے، اور عمرو کی اب یہ خواہش ہے کہ میں اسی مکان کو زید کے فوت ہونے پر اس کے ورثہ کو ہبہ کردوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اسی مکان کو ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے یانہیں اور اگر ہبہ جائز ہے تو کن کن وجوہات میں واپس ہوسکتا ہے اور کس صورت سے واپس نہیں ہوسکتا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

عمرو کو اگر اقرار وتسلیم یا بینہ عادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ یہ بیع محض بطور فرضی کی گئی ہے جسے بیع تلجیہ کہتے ہیں تو بیع شرعاً منعقد ہوگئی ولہٰذا اگر عاقدین اسے جائز کردیں نافذ ہوجائیگی۔

فی الدر المختار انہ بیع منعقد غیر لازم کالبیع بالخیار[1] الخ وفی ردالمحتار	درمختار میں ہے کہ وہ بیع منعقد ہے مگر لازم نہیں جیسے خیار کے ساتھ بیع الخ، اور ردالمحتار میں

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

انهما لواجازاه جاز والباطل لاتلحقه الاجازة [1] الخ و قولهم باطل ای سیبطل ان لم یجز کما حققناه فیما علقناه علی ردالمحتار۔	ہے کہ اگر عاقدین نے اس کی اجازت دے دی تو جائز ہوگی حالانکہ باطل کو اجازت لاحق نہیں ہوتی الخ اور فقہاء کا قول کہ وہ بیع باطل ہے اس کا معنی یہ ہے کہ عنقریب باطل ہوجائے گی اگر اس کی اجازت نہ دی گئی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

مگر جبکہ قبل اجازت زید نے وفات پائی اب بیع باطل محض ہوگئی۔

فان البیع الموقوف یبطل بموت المالك بل والعاقد و ان لم یکن مالکا کالفضولی ولاتصح اجازة ورثته بعده فی الدرالمختار حکمه قبول الاجازة اذاکان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا یشترط قیام صاحب المتاع ایضا فلا تجوز اجازة وارثه لبطلانه بموته [2]۔ (ملخصاً)	کیونکہ موقوف بیع مالک کی موت سے باطل ہوجاتی ہے بلکہ عاقد اگرچہ وہ مالک نہ ہو اس کی موت سے بھی باطل ہوجاتی ہے جیسے فضولی کی موت سے، اور اس کی موت کے بعد اس کے وارث کی اجازت سے بیع صحیح نہیں ہوتی، درمختار میں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اجازت کو قبول کرتی ہے جبکہ بائع مشتری اور مبیع قائم ہوں اور اسی طرح مالک کا قائم ہونا بھی شرط ہے چنانچہ اسکی موت سے بیع کے باطل ہوجانے کی وجہ سے اس کے وارث کی اجازت نہیں۔(ت)

تو عمرو غیر مالک کا اس مکان کو وارثان زید خود مالکان کے نام ہبہ کرنا محض بے معنی ہے اور اگر براہ دیانت وامانت اپنے ورثہ یا آئندہ خود اپنی بریت کے اندیشہ سے چاہتا ہے کہ بیعنامہ مصدقہ جو محض فرضی تھا بے اثر ہوجائے تو اس کے لئے بھی اس ہبہ بے معنی کی ضرورت نہیں اعلان کردے اور گواہ کرالے یا اقرار نامہ تصدیق کرادے کہ میں اس مکان کا مالک نہیں میرے نام بیع صرف بیع فرضی تھی یہ اظہار ہبہ محکم تر بھی ہوگا کہ ہبہ کے لئے شروط ہیں پھر جب تک موانع ہبہ سے کوئی مانع نہ ہو اختیار رجوع بھی ہوتا ہے اور اگر صورت ہبہ ہی اختیار کرے اس کی شکلیں اس طور پر کردے کہ کوئی شرعی اعتراض نہ رہے نہ آئندہ اختیار رجوع ہو تو یہ

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

بھی ایک صورت اس مقصود محمود کے حصول کی ہے،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی[1].	بیشک عملوں کا دارومدار تو نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

جس طرح نظر خلق میں وہ بیع صحیح نافذ ظاہر کی گئی یونہی نظر خلق میں یہ ہبہ تامہ لازمہ ظاہر ہوگا تو اندیشہ سے تحفظ ہو جائے گا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مثلاً ایک قطعہ مکان وایک حصہ دکان بدست بکر کسی وجہ خاص سے بیع فرضی کرکے قبضہ تام واسطے بکر کے حاصل کرادیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا بکر بہ سبب اس عقد فرضی کے مالک مکان وحصہ دکان کا شرعاً ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

فی الواقع اگر بینہ شرعیہ یا اقرار بکر سے ثابت ہے کہ بیع فرضی طور پر کی گئی ہے تو بکر ہرگز مالک مبیع نہیں اگرچہ قبضہ برضائے بائع کیا ہو،

فانہ بیع منعقد موقوف علی اجازتھما الموقوف لایقدر الملك بالقبض کما حققناہ فیما علقناہ فی رد المحتار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ بیع منعقد عاقدین کی اجازت پر موقوف ہے اور موقوف میں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہو سکتی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کردی ہے، اوراللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتاہے۔(ت)

---

[1] صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

باب بیع الوفاء

(بیع وفاء کا بیان)

مسئلہ ۱۷۲: از ریاست رامپور بزریہ ملاظریف بنگلہ متصل مسجد مرسلہ مولوی محمد علیم الدین صاحب اسلام آبادی ۱۸ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

ما قولکم رحمکم اللّٰہ ربکم فی جواز بیع الوفاء و الانتفاع بہ ھل ھو جائز اما لا، بینوا بادلۃ الکتاب توجروا من الوہاب فی یوم الحساب	آپ کا کیا ارشاد ہے اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے بیع الوفاء کے جواز اور اس سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کتابوں کے حوالہ سے مدلل بیان فرمائیں، حساب والے دن بہت عطا فرمانے والے اللہ تعالٰی سے اجر دئے جاؤگے۔(ت)

الجواب:

المسئلۃ طویلۃ الاذیال کثیرۃ الاقوال وسیعۃ المجال بعیدۃ المنال وقد فصلنا ھا بتوفیق اللّٰہ تعالٰی فی بعض تحریراتنا والذی تقررو	یہ مسئلہ لمبے دامنوں والا، بہت زیادہ اقوال والا اور وسیع مباحث والا ہے، اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنی بعض تحریروں میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے اور وہ بات جو اس میں ثابت و

تحرر ان بیع الوفاء رهن لایزید علیه بشیئ ولا یخالفه فی شیئ قال العلامة خیر الدین رملی فی فتاواه الذی علیه الاکثر انه رهن لا یفترق عن الرهن فی حکم من الاحکام قال السید الامام قلت للامام الحسن الماتریدی قد فشا هذا البیع بین الناس وفیه مفسدة عظیمة و فتواك انه رهن وانا ایضا علی ذٰلك فالصواب ان نجمع الائمة ونتفق علی هذا و نظهره بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوٰنا وقد ظهر بین الناس ذٰلك فمن خالفنا فلیبرز نفسه ولیقم دلیله وفیه اقوال ثمانیة وعلی کونه رهنا اکثر الناس [1] اھ وفیها ایضا بیع الوفاء رهن [2] الخ، وفی العقود الدریة من کتاب النکاح باب الولی بیع الوفاء، منزل منزلة الرهن [3] الخ وفیها من الرهن بیع الوفاء منزل منزلة الرهن کما صرحوا به [4] ثم ذکر نصوصا تدل علیه فاذن لایجوز لهذا الذی	ثابت شدہ ہے یہ ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے نہ اس سے کچھ زائد اور نہ ہی کسی شیئ میں اس کے مخالف ہے، علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ اکثر فقہاء اسی پر ہیں کہ یہ رہن ہے اور کسی حکم میں رہن سے جدا نہیں ہے سید امام کا قول ہے کہ میں نے امام ابوالحسن ماتریدی سے کہا کہ یہ بیع لوگوں میں پھیل گئی اور اس میں فساد عظیم ہے جبکہ آپ کا فتوٰی ہے کہ یہ رہن ہے اور میں بھی اسی کا قائل ہوں تو بہتر ہے کہ ہم ائمہ کو جمع کرکے اس پر متفق کریں اور اس کو لوگوں میں ظاہر کریں تو انہوں نے فرمایا کہ آج ہمارا فتوٰی معتبر اور لوگوں میں ظاہر ہے لہٰذا جو ہماری مخالفت کرے اس کو چاہئے کہ وہ خود کو سامنے لائے اور دلیل قائم کرے بیع الوفاء میں آٹھ اقوال ہیں اور اس کے رہن ہونے پر لوگوں کی اکثریت متفق ہے اھ اور یہ بھی اسی میں ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے الخ، عقود الدریہ کتاب النکاح کے باب الولی میں ہے کہ بیع الوفاء بمنزلہ رہن کے ہے الخ اور اسی میں ہے کہ بیع الوفاء رہن کے بمنزلہ ہے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے پھر اس میں ایسی نصوص ذکر کی گئی ہیں جو اس کے رہن ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو ایسی صورت میں اس

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۵۔۲۲۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۶

[3] العقود الدریۃ کتاب النکاح ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۸

[4] العقود الدریۃ کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۴

هو مشترٍ صورةً مرتهن معنیً الانتفاع بمشریه المرهون مطلقًا علی ما هو الفتوی الاٰن للعلم بمقاصد اهل الزمان وقد علم شرعاً ان المعهود عرفاً کالمعهود شرطاً کما افاده هٰهنا العلامة السید الطحطاوی ثم العلامة السید الشامی فی حواشی الدر وقد افتیت به و هو الحق الواضح جهاراً، والله تعالٰی اعلم۔	اس شخص کے لئے جو بظاہر مشتری اور در حقیقت مرتہن ہے بالکل جائز نہیں کہ وہ اس خریدی ہوئی مرتہن شے سے نفع حاصل کرے اور اب اہل زمانہ کے مقاصد کو جانتے ہوئے اسی پر فتوی ہے، اور تحقیق یہ بات شرعاً معلوم ہے کہ جو چیز عرف میں طے شدہ ہو وہ ایسے ہی ہوتی ہے جیسے اس کی شرط لگائی گئی ہو جیسا کہ اس مقام پر علامہ سید طحطاوی نے پھر علامہ شامی نے در کے حواشی میں اس کا فائدہ دیا اور بیشک میں نے اسی پر فتوی دیا اور یہی واضح اور کھلا حق ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از قصبہ منڈوا ضلع فتحپور مرسلہ حافظ محی الدین صاحب ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کی کچھ جائداد اس طرح پر لیا کہ عمرو جب روپیہ زید کا ادا کر دے تو اپنی جائداد واپس لے اور جب تک روپیہ ادا نہ ہو تب تک زید اس جائداد کا لگان گورنمنٹی اسی جائداد سے ادا کرے اور جو روپیہ اس جائداد کا لگان گورنمنٹی سے بڑھے وہ روپیہ زید اپنے تصرف میں لا کر یا کرے تو روپیہ بڑھتی کا زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ سود ہوگا یا نہیں؟ اگر سود ہوگا تو ان لوگوں کی نماز جو سود لیتے نہیں ہیں صرف مہاجنوں کو سود دیتے ہیں زید کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

یہ صورت بیع بالوفاء کی ہے اور اس کا حکم مثل رہن کے ہے اور اس سے جو منفعت حاصل ہو حرام ہے، حدیث میں فرمایا:

کل قرض جر منفعة فهو ربٰو[1]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگرچہ مقتدی بھی سود لینے یا دینے والے ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۳: از ریاست چھتاری مدرسہ محمودیہ ضلع بلند شہر مرسلہ امیر حسن طالبعلم ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کوئی زمین یا مکان یا دکان عمرو کے ہاتھ

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

بعوض سو۱۰۰ روپے کے فروخت کی اور باقاعدہ بیعنامہ لکھ پڑھ دیا مگر بیعنامہ سے پہلے یا بعد بائع مشتری سے یہ وعدہ پختہ لے لیا کہ جب میں تجھے تیرا زرِ ثمن پورا پورا ادا کروں تو تو مجھے میری بیع واپس کر دینا اور تاواپسی تو مبیع سے فائدہ اٹھاتے جانا، مشتری نے اس بات کو بطیّبِ خاطر پسند کر لیا تو کیا یہ بیع جائز ہے اور مشتری کو تاواپسی مبیع سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا کیا؟

الجواب:

اگر واقع میں انھوں نے بیع قطعی کی ہے اور اس میں یہ شرط ملحوظ نہیں، بیع سے جدا یہ ایک وعدہ ہو لیا تھا بیع صحیح ہوئی اور اس سے انتفاع مشتری کو جائز، ورنہ تحقیق یہ ہے کہ وہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور مشتری کو اس سے انتفاع حرام، یہ بیع صحیح بلا دغدغہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ اگر یہ قرار داد عقد سے پہلے ہوا تھا تو عقد کرتے وقت یہ کہہ لیں کہ ہم اس قرار داد سے باز آئے اب بیع قطعی کرتے ہیں اور اگر عقد کے بعد یہ قرار داد ہو تو بصورت شرط نہ ہو بلکہ صرف ایک وعدہ، ردالمحتار میں ہے:

وفی جامع الفصولین ایضا لو ذکر البیع بلاشرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع[1]۔	جامع الفصولین میں ہے کہ اگر بیع کا ذکر بلا شرط کیا پھر شرط کو بطور وعدہ ذکر کیا تو بیع جائز ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی جامع الفصولین ایضا لوشرطا شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا لم یبطل العقد اھ **قلت** وینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیه کما صرحوا به فی بیع الهزل کما سیأتی اٰخر البیوع وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقده وعقدا البیع خالیا عن الشرط فاجاب بانه صرح	جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر عاقدین نے عقد سے پہلے کوئی شرط فاسد لگائی پھر عقد کیا تو عقد باطل نہ ہوگا۔اھ **میں کہتاہوں** کہ اگر وہ دونوں عقد کی بناء اس شرط فاسد پر کرنے پر متفق ہوئے تو عقد فاسد ہونا چاہئے جیسا کہ فقہاء نے بیع ہزل کے بارے میں تصریح کی ہے جیسا کہ عنقریب بیع کی بحث کے آخر میں آئے گا، علامہ خیر الدین رملی سے ان دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنھوں نے عقد سے پہلے بیع الوفاء کی شرط ٹھہرائی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو آپ نے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی الشرط الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱۔۱۲۰

فی الخلاصۃ والفیض والتتارخانیۃ وغیرہا بانہ یکون علی ماتواضعا[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	وہی جواب دیا جس کی تصریح خلاصہ، فیض اور تتارخانیہ وغیرہ میں کی گئی ہے یعنی یہ بیع اس شرط پر ہوگی جو انھوں نے ٹھہرائی تھی، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی الشرط الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

باب متفرقات البیع

(بیع کے متفرق احکام)

مسئلہ ۲۷۴: از موضع دیورنیاں: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت مقررہ اسٹامپ سے زیادہ لینا رشوت ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

یہ رشوت نہیں بلکہ اپنی خرید پر نفع لینا ہے مگر کلام اس میں ہے اسٹامپ بیچنا خود ہی کراہت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد بدست زید اپنے سوتیلے بیٹے کے فروخت کی اور قیمت اس کی وصول پاکر پھر زید کے پاس امانت رکھ دی زید نے مہ عہ/ماہوار مقرر کردی، ہندہ نے کہاکہ مشاہرہ مجھے کیونکر دیتے ہو، کہااسے آپ اس جائداد کی توفیر تصور فرمائے اس کاجواب ہندہ نے دیاکہ جب اس کی میں مالک نہ رہی تو توفیر کیسی، اس پر کہاکہ میں اپنے پاس سے یہ خدمت کرتاہوں، ہندہ نے کہایہ معلل بالغرض ہے اور میرے لئے ناجائز، آیاہندہ کے لئے یہ رقم لیناناجائز ہے یاجائز؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جائداد مبیعہ کی توفیر لینی تو صریح ناجائز جس سے ہندہ خود انکار کرتی ہے اور بطور خدمت اگر دینا واقعی ہو لینا جائز، اوراس کی واقعیت کی یہ نشانی ہے کہ زید اس سے پہلے بھی ہندہ کی اس قدر خدمت کرتا ہو یا اب ہندہ اپنا روپیہ واپس لے لے تو بھی بدستور خدمت کرتا رہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا یہ کہنا بطور خدمت دیتا ہوں زبانی کہنا ہے بلکہ اس صورت میں ہندہ کا خیال صحیح ہے کہ وہ اسی غرض سے دیتا ہے کہ ہندہ اپنی یہ رقم کثیر نہ مانگے اور تاحیات ہندہ اسی ماہوار پر ٹالے، اس نیت سے دینا دینے والے کو تو صریح ناجائز، اور ہندہ اسے اگر اپنے زر امانت میں مجرا کرکے لیتی رہے تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کا لینا بھی روا نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶: مرسلہ مولوی احسان صاحب از مسجد جامع ۹رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک تاجر کتب فروش نے دوسرے تاجر مشتری کو بقلم خود یہ عبارت تحریر کی کہ قرآن مجید مرتضوی مترجم کی اگر آپ سو جلد طلب فرمائیں گے تو بارہ آنے فی جلد کے حساب سے دیا جائے گا اور قرآن شریف مرتضوی کا نرخ تاجرانہ خاص آپ کو لکھا گیا ہے انتہی عبارتہ اور اس کارڈ پر اپنے دستخط کئے علاوہ اس کے اور کارڈوں پر بھی ان کے دستخط موجود ہیں، جب ان سے جلدیں قرآن شریف کی حسب التحریر ان کے طلب کیں تو اپنی تحریر سے صاف انکار کرگئے کہ نہ میں نے لکھا اور نہ دستخط کئے تو آیا شرع شریف میں ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے، اور ایفائے وعدہ واجب اور لازم ہے یا نہیں؟ اور معہود کو حق مطالبہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور فیما بین تجاروں کے ہزاروں روپیہ کا تبادلہ ہوا کرتا ہے اور اس سے کوئی منحرف نہیں ہوتا اور یہ فیما بین تجار کے قرارداد واثق ہوتا ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر واقع میں اس نے لکھا اور دستخط کئے تھے تو انکار کرنے سے جھوٹ بولنے کا گنہگار ہوا مگر وفائے وعدہ پر جبری مطالبہ نہیں پہنچتا، فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

ان انجز وعدہ کان حسنا والا فلا یلزم الوفاء بالمواعید[1]، **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اور اگر وعدہ کو پورا کرے تو بہتر ہے ورنہ وعدوں کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۵

مسئلہ ۲۷۷: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

اکثر لوگ ترکاری خریدنے کے بعد جھگڑا کرکے زیادہ لیتے ہیں۔

الجواب:

جھگڑا کی اجازت نہیں، اور زیادہ مانگنا بھی سوال میں داخل ہے، ہاں بطور خود اپنی خوشی سے زیادہ دے دے تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

کتاب الکفالۃ

(ضامن بننے کا بیان)

مسئلہ ۲۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قدر قرض بکر کا ذمہ عمرو کے ہے، زید نے کہا اسے میں ادا کردوں گا، عمرو نے بھی اسے قبول کرلیا، بکر نے کہا عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا، اس صورت میں بکر کو زید سے اس قرضہ کے مطالبہ کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید اس قرضہ بکر کا جس کے ادا کا اس نے وعدہ کیا اگر لفظ صرف اس قدر تھے کفیل نہ ہوا کہ یہ مجرد وعدہ ہے اور وعدہ بے تعلیق بشرط لازم نہیں ہوتا، اور بکر کا اس سے کہنا کہ عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا اور زید کا اس پر سکوت کرنا اول تو سکوت قول نہیں اور ہو بھی تو اس کی غایت اس قدر کہ زید نے قول بکر قبول کیا گویا اس نے کہا تو مجھ سے لینا یہ بھی ایک امر ہے جس کا حاصل وعدہ ہے کہ میں دوں گا اور اس قدر سے کفالت ثابت نہیں ہوتی۔ عالمگیری میں محیط سے ہے:

اذا قال انچہ ترا بر فلان ست من بدہم فھذا وعد لا کفالۃ[1]۔	اگر کہا جو کچھ تمہارا افلاں پر لازم ہے وہ میں دوں گا تو یہ وعدہ ہے کفالہ نہیں۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۶

اسی میں بنقل محیط فتاوٰی امام نسفی سے ہے:

من قال لغیرہ ان الدین الذی لك علی فلان انا ادفعه الیك انا اسلمه الیك انااقضیه لایصیر کفیلا مالم یتکلم بلفظ یدل علی الالتزام نحو قوله کفلت ضمنت علی الی وکان الشیخ الامام ظهیر الدین الحسن بن علی المرغینانی یقول اذا اتی بهذه الالفاظ منجز الا یکون کفالة واذا اتی بها معلقا بان قال ان لم یؤد فلان مالك علیه فانا اودی فانا ادفع یصیر کفیلا[1]۔	کسی نے دوسرے سے کہا تیرا وہ قرض جو فلاں پر ہے وہ میں دوں گا میں تیرے سپرد کروں گا، میں ادا کروں گا، وہ کفیل نہیں بنے گا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ کہے جو التزام پر دلالت کرتا ہو مثلاً میں کفیل ہوں میں ضامن ہوں، مجھ پر لازم ہے یا میرے ذمے ہے، امام ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی کہتے تھے اگر یہ الفاظ بطور تنجیز کہے تو کفیل نہ ہوگا اور اگر بطور تعلیق کہے مثلاً یوں کہے کہ تیرا جو دین فلاں پر ہے اگر اس نے نہ دیا تو میں ادا کروں گا یا میں دوں گا، تو کفیل ہو جائے گا۔ (ت)

ایسا ہی خزانۃ المفتین میں ہے اور اسی پر بزازیہ میں جزم فرمایا:

قائلا لما علم ان المواعید باکتساء صورۃ التعلیق تکون لازمة[2] اھ ونقله فی الحامدیة واقرہ فی العقود الدریة۔	یہ کہتے ہوئے، یہ بات معلوم ہے کہ وعدے جب تعلیق کی صورت اختیار کریں تو ان کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے اھ اس کو حامدیہ میں نقل کیا اور عقود دریہ میں برقرار رکھا۔ (ت)

ہاں اگر زید نے یہ کہا کہ یہ نہ دے تو میں ادا کروں گا تو بلاشبہ بکر اس قدر روپیہ کا زید سے مطالبہ کرسکتا ہے اور بکر کا عمرو کو مطالبہ سے بری کردینا زید کو بری نہ کردے گا اگر البتہ عمرو کو قرضہ سے بری کردیتا تو زید پر بھی مطالبہ نہ رہتا۔

فی الدر المختار من القنیة طالب الدائن الکفیل فقال له اصبر حتی یجیئ الاصیل فقال لاتعلق	درمختار میں قنیہ سے منقول ہے کہ قرض دہندہ نے کفیل سے قرض کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ صبر کرو تاکہ اصیل آجائے اس پر قرض دہندہ نے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳

لی علیه انما تعلق علیك هل یبرأ اجاب نعم وقیل لا وهو المختار [1]۔	کہا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں میرا تعلق تو تیرے ساتھ ہے، کیا اس صورت میں اصیل بری ہو جائے گا جواب دیا ہاں، اور ایک قول یہ ہے کہ بری نہیں ہوگا اور یہی مختار ہے۔(ت)

اور جبکہ وقت کفالت عمرو نے بھی اسے جائز رکھا تو اب زید اس سے اس قدر زر میں رجوع کرسکتا ہے گویہ کفالت بامر عمرو واقع نہ ہوئی

فی الدر المختار ولو کفل بامرہ رجع علیه بما ادی وان بغیرہ لایرجع لتبرعه الا اذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیة [2] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر مدیون کے امر سے کفیل بنا تو اس پر رجوع کرسکتا ہے اور اگر اس کے امر کے بغیر کفیل بنا تو رجوع نہیں کرسکتا تبرع اور احسان کی وجہ سے مگر جب مجلس کے اندر مدیون نے اجازت دے دی تو رجوع کرسکتا ہے عمادیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۹: از ریاست رام پور مرسلہ منشی محمد واحد علی صاحب پیشکار حاکم مال ریاست ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

مطاع و مخدوم عالم جناب معظم و محترم زید افضالہ بصد ادب تسلیم اوصاف حمیدہ جناب عالی مخدومنا جناب حافظ محمد عنایت اللہ صاحب سے سن کر عزم ہوا کہ خود ہی حاضر ہو کر اپنا ماجرا عرض کروں لیکن "ارادة اللّٰه غالبة علی ارادة العباد" اسی وقت ایک تار ضروری لکھنؤ سے آگیا جس نے اس وقت حاضری سے مجبور کردیا مجبوراً اپنے معتمد محمد رضا خاں صاحب کو خدمت عالی میں ضرورت حال کے لئے بھیجنا پڑا، ۶ فروری ۱۸۹۹ء کو ایک شخص کی حاضر ضمانت کرلی، ۱۸ فروری تک کے لئے جس کے الفاظ بعینہٖ سوال فتوٰی میں درج ہیں، ۱۸ فروری گزر گئی نہ عدالت نے مکفول عنہ کو مجھ سے کسی وقت ۱۸ یا ۱۸ کے اندر طلب کیا، نہ مدعی نے اس مدت میں کسی قسم کی اطلاع عدالت میں کی، اب ڈھائی مہینے کے بعد ہنگام اجراء ڈگری مدعی مجھ سے روپیہ طلب کرتا ہے اور شرعاً مدعی کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ چونکہ ضمانت نامہ میں لفظ "من" نہیں درج ہے لہٰذا بعد ۱۸ فروری بھی یہ ضمانت باقی رہی، حضور والا! اس زمانے میں ان قیود کے ساتھ الفاظ کسی جگہ ضمانت میں نہیں دیکھے گئے عرف کے مطابق یہ نیت خالص صرف ۱۸ فروری تک کے لئے ضمانت

---

[1] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۵

[2] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴

کی تھی مخدومی جناب حافظ عنایت اللہ صاحب کی خدمت میں ارادت ہے میں نے سچی کیفیت اپنی عرض کی فرمایا کہ جو کچھ یہاں ممکن ہے لکھا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں اگر کوئی قوت ان جزئیات کی کرسکتا ہے تو جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب ہیں، بنظر رحم حضور کی چشم کرم سے امید ہے کہ میری اس وقت کی پریشانی میں جو امداد ہو دریغ نہ فرمائیں گے تابعدار محمد واحد علی عبارت ضمانت نامہ بعینہٖ درج ذیل ہے جو کہ محمدی بیگم نے دعوی ال ماصہ عہ/ بنام سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہٰذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸ فروری سنہ حال تک کا حاضر ضامن ہوں ۱۸ تاریخ مدعا علیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں۔ ۶ فروری ۱۸۹۹ء

الجواب:

مکرمی محترمی منشی صاحب زید مجدھم بعد ادائے مراسم سنت ملتمس، فتوٰی نظر فقیر سے گزرا میں اس امر میں یکسر متفق ہوں کہ صورت مذکورہ میں ضمانت حاضری ۱۸ فروری تک منتہی ہوگئی اگرچہ جواب ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے مگر اب عرف ومقاصد ناس قطعاً اسی پر حاکم اور اتباع عرف واجب لازم، تو یہ حقیقۃً مخالفت ظاہر نہیں بلکہ زمان برکت نشان حضرات ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں عرف دائر وسائر یوں ہوتا تو ہم جزم کرتے ہیں کہ حکم ظاہر الروایۃ ضرور مطابق روایت امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ہوتا ولہٰذا ائمہ تصحیح نے اس روایت پر اسی وجہ سے فتوٰی دیا ہے کہ وہ اشبہ بعرف ناس ہے، اسی لئے علماء نے فرمایا:

من لم یعرف اہل زمانہ فھو جاھل[1]۔	جو اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ (ت)

علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی تحقیق بروجہ شافی وکافی فرمادی ہے مگر یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ دو کفالتیں ہیں، ایک کفالۃ بالنفس یعنی حاضری ضامنی، وہ ۱۸ فروری تک موقت ہے اور اس روایت وعرف کی رو سے بعد ۱۸ کے ختم ہوگئی، دوسری کفالت بالمال کہ اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں اس میں اگر توقیت بنظر ماسبق ہے تو جانب شرط میں ہے اگر ۱۸ فروری تک بھاگ گئے تو مال کا ضامن میں ہوں اور کفالت کی ایسی شرط کے ساتھ تعلیق جائز ہے۔

فی الھدایۃ الاصل انہ یصح تعلیقھا بشرط ملائم لھا مثل ان یکون شرطا لوجوب	ہدایہ میں مذکور ہے کہ کفالت کو اس کی مناسب شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے مثلاً وہ شرط وجوب حق

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

الحق کقوله اذا استحق المبیع اولامکان الاستیفاء مثل قوله اذا قدم زید وھو مکفول عنه اولتعذر الاستیفاء مثل قوله اذا غاب من البلدة[1]۔	کے لئے ہو جیسے اسکا کہنا کہ جب مبیع میں استحقاق ثابت ہوجائے یا وہ شرط وصولی کے امکان کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ جب زید آجائے جبکہ وہ زید ہی مکفول عنہ ہو یا وہ شرط وصولی کے تعذر کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ وہ شہر سے غائب ہوگیا۔(ت)

اور یہ صاحب جو آپ کا لطف نامہ لائے ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ مدت کے اندر ہی فرار ہوگئے اگر یہ حق ہے تو شرط متحقق ہولی، پس اگر مطالبہ سے مراد زر دعوی تھا تو اس صورت میں فقیر کے نزدیک مال لازم ہوگیا اگرچہ بعد ۱۸ فروری کے کفالت نفس زائل ہوجائے اگرچہ یہاں اصل وہی تھی اور کفالت بالمال اس کی تابع وتاکید تھی کہ جب بوجہ وجود شرط مال لازم ہوگیا تو اب اس کی سبیل ادا ہونا ہے یا طالب کی طرف سے معافی و گریج

فی البزازیة کفل بنفسه علی ان المکفول عنه اذا غاب فالمال علیه فغاب المکفول عنهم ثم رجع وسلمه الی الداین لایبرأ لان المال بحلول المشروط لزمه فلا یبرأ بالاداء اوالابراء[2] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص کفیل بالنفس بنا اس شرط پر کہ اگر مکفول عنہ غائب ہوگیا تو مال اس (کفیل) کے ذمے ہے بعد ازاں مکفول عنہ غائب ہوگیا پھر لوٹ آیا اور کفیل نے اس کو دائن کے حوالہ کردیا تب بھی بری نہ ہوگا کیونکہ مشروط کے پائے جانے سے مال اس پر لازم ہوگیا تو اب ادائیگی یا صاحب حق کی طرف سے معافی کے بغیر بری نہ ہوگا۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۰: از ریاست رامپور متصل موتی مسجد مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمہ مال غرہ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید پر محکمہ دیوانی میں الہ مامہ عہ/ کی نالش کی، حاکم نے بغرض امتحان زید سے حاضری ضامنی طلب کی، خالد نے ۶ فروری ۱۸۹۹ء کو ضمانت نامہ بآں عبارت

---

[1] الہدایۃ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۸

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸

لکھ دیا جو کہ محمدی بیگم نے دعوی ال ماصہ عہ /کا بنا سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے، لہٰذا اقرار کرتاہوں کہ ۱۸فروری سنہ حال تک میں ان کا حاضر ضامن ہوں ۱۸تاریخ تک مدعاعلیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کامیں ذمہ دار ہوں، بنابراں یہ حاضر ضامنی لکھ دی کہ سند ہو، المرقوم ۶فروری ۱۸۹۹ء/ مگر جس وقت خالد نے زید کی ضمانت حاضر کی اور کفالت نامہ مذکور لکھااور اس وقت نہ مدعیہ موجود تھی نہ اس کا کوئی وکیل نہ پیروکار بلکہ حاکم دیوانی بھی نہ تھے، خالد نے بمواجہ زید مکفول عنہ کفالت نامہ لکھاجس پر سرشتہ دار نے بہ حکم ضابطہ لکھ دیا کہ مقر نے بحاضری خود اصالۃً شناخت گواہان حاشیہ تصدیق کی حکم ہواکہ ناظر مدعاعلیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں ۶فروری ۱۸۹۹ء اس پر ناظر نے یہ کیفیت لکھی کہ منشی واحد علی صاحب ضمانت تصدیق کراکر محکمہ مال میں چلے گئے مدعاعلیہ بھی بعد داخل ہوجانے ضمانت کے عدالت سے چلاگیا لہٰذا تعمیل سپردگی سے معذور ہوں ۶فروری ۱۸۹۹ء اس پر حکم لکھاگیاکہ شامل مسل ہو، فروری ۱۸۹۹ء اس کے سوانہ کوئی قبول منجانب مدعیہ واقع ہوانہ اسے کوئی اطلاع اس کفالت کی دی گئی نہ ۱۸فروری تک مدعیہ خواہ حاکم کسی نے مدعاعلیہ کو کفیل سے طلب کیانہ اس سے کچھ تعرض واقع ہوا، ۱۸فروری کو حاکم نے مدعیہ سے بوجہ کمی اسٹامپ دعوی نامکمل قرار دے کر تکمیل اسٹامپ چاہی۔ جب مدعاعلیہ نے دیکھاکہ ۱۸فروری خالد کے منشائے کفالت تھی گزر گئی اور ضمانت ختم ہوگئی اوراس وت تک کوئی مطالبہ نہ ہوااپنے نفس کو قید ضمانت سے فارغ پاکر شہر سے فرار کیاایک مدت کے بعد جب مدعیہ نے دیکھا کہ مدعاعلیہ پر قابو نہ رہابحیلہ کفالت خالد سے مواخذہ شروع کیااب مدعیہ کی طرف سے اس اقرار پر زور دیا جاتاہے کہ ضمانت نامہ میں صرف انتہائے مدت کا ذکر ۱۸فروری تک میں ضامن ہوں ابتدائے مدت کانام نہیں کہ اب سے یاآج سے یافلاں تاریخ سے ۱۸تک میں ضامن ہوں ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ ضمانت اس تاریخ پر منتہی نہ ہوگی بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ضامن ہے لہٰذا ہمیں اس سے مطالبہ کرنا پہنچتاہے مدعیہ نے جو فتوٰی لکھوایااس میں بطور تقدم بالحفظ یہ بھی ذکر کیاہے کہ مدعاعلیہ ۱۸فروری سے پہلے فرار ہوگئے حالانکہ اس وقت تک کچہری میں اس کا کوئی ذکر نہ کیانہ ہرگز ۱۸سے پہلے فرار کا کوئی ثبوت ہے بلکہ حاکم بالا نے ۱۸کے بعد ایک حکم میں زید کی نسبت اب فرار ہونا لکھا ہے پس علمائے دین کی خدمت میں استفسار ہے کہ اس صورت میں بعد ۱۸فروری کے مدعیہ کو خالد پر حاضر ضامنی مدعاعلیہ کا یازر دعوی کا مطالبہ پہنچتاہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس بھی بعد ۱۸فروری کے زائل اور کفالت بالمال کا خالد سے مطالبہ بھی بے اصل وباطل، تحقیق مقام یہ کہ کفالت دو[۲] ہیں

(۱) کفالت بالنفس یعنی حاضر ضامنی جو اس کفالت نامہ کا اصل مفاد و مقصود مراد ہے۔

(۲) کفالت بالمال یعنی مال ضامنی جو اگر مستفاد ہو تو ان لفظوں سے کہ ۱۸ تک مدعاعلیہ شہر سے نہ بھاگیں گے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں

ہم یہاں دونوں کفالتوں پر کلام محققانہ کریں کہ بطور بعونہٖ تعالٰی حکم شرع واضح ہو **وباللّٰہ التوفیق**۔

کفالت بالمال کا مطالبہ ہندہ کو خالد پر اصلاً نہیں پہنچتا بوجوہ:

وجہ اول: خالد نے یہ نہ لکھا کہ اگر زید بھاگ جائے تو ہندہ کے دین یا مال یا زر دعوی یا اس قدر روپے کا میں ذمہ دار ہوں بلکہ مطالبہ کا ذمہ دار ہوا اور مطالبہ و دین میں فرق بدیہی ہے۔ بزازیہ میں فرمایا:

الکفالۃ فی اللغۃ الضم وذٰلك قد یکون فی المطالبۃ لا فی اصل الدین کما فی الوکیل مع المؤکل الدین للمؤکل و المطالبۃ للوکیل [1]۔	کفالہ لغت میں ملانے کو کہتے ہیں اور وہ کبھی مطالبہ میں ہوتا ہے اصل دین میں نہیں ہوتا جیسے مؤکل کے ساتھ وکیل کہ دین مؤکل کے لئے ہے اور مطالبہ وکیل کے لئے۔ (ت)

اور مطالبہ کے معنی حقیقی طلب و تقاضا اصل زبان عربی میں بھی اسی لئے وضع ہے اور فارسی و اردو میں بھی اس معنی حقیقی پر عام محاورات میں علی وجہ الاشتہار دائر وسائر، اگرچہ اردو میں مجازًا آتے ہوئے مال کو بھی کہتے ہوں، مطالبہ یعنی مال قابل مطالبہ مگر معنی حقیقی یقینا معروف و مشہور ہیں جن کی نسبت کسی جاہل کو بھی ہجر کا وہم تک نہیں ہوسکتا اور اصول فقہ میں مبرہن ہوچکا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مطلقًا اور ایسی جگہ باتفاق ائمہ کرام حقیقت مجاز پر واجب التقدیم ہے جب تک معنی اصلی بنیں مجاز پر حمل جائز نہیں تو حاصل کلام خالد صرف اس قدر ہوا کہ وہ ۱۸ تک شہر سے بھاگ گئے تو مدعیہ کے لئے ان سے طلب و تقاضے کا میں ذمہ دار ہوں اسے کفالت مال سے کچھ تعلق نہیں بلکہ صرف تقاضے کا وعدہ ہے خالد کو چاہئے زید سے تقاضا کرے نہ یہ کہ زید سے نہ ملے تو خالد اپنے پاس سے دے

فی الھندیۃ عن المحیط نوادر ابن سماعۃ عن الامام محمد رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ رجل لہ علی رجل	ہندیہ میں محیط کے حوالہ سے نوادر ابن سماعہ میں منقول امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ قول مذکور ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمے کچھ مال

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲

مال فقال رجل للطالب ضمنت لك ماعلی فلان انا اقبضه منه وادفعه الیك قال لیس علی ہذا ضمان المال ان یدفعه من عندہ انما ہذا علی ان یتقاضاہ و یدفعه الیه وعلی ہذا معانی کلام الناس [1] اھ ونحوہ فی الخلاصة وغیرہا۔	قرض تھا، ایک تیسرے شخص نے طالب قرض سے کہا جو تمھارا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہوں، میں اس سے وصول کروں گا اور تجھے دے دوں گا، امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس پر مال کا ضمان لازم نہ ہوگا کہ اپنے پاس سے دے بلکہ یہ مدیون سے طلب کرکے طالب کو دے گا اور انہی معانی پر لوگوں کا کلام جاری ہے اھ اور خلاصہ وغیرہ میں اسی کی مثل ہے۔ (ت)

امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

قال للطالب ضمنت لك ماعلی فلان ان اقبضه منه وادفعه الیك لیس بکفالة ومعناہ ان یتقاضاہ له ویدفع الیه اذا قبضه منه علی ہذا معانی کلام الناس [2]۔اھ	کسی شخص نے طالب دین سے کہا جو تیرا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہوں کہ اس سے وصول کرکے تجھے دوں گا تو یہ کفالہ نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مدیون سے مطالبہ کرے گا اور جب اس سے وصول کرلے گا تو طالب قرض کو دے دیگا اور یہی مطلب ہوتا ہے لوگوں کے کلام کا اھ (ت)

نیز اس میں اور فتاوی انقرویہ وغیرہ میں ہے:

قال رجل لصاحب المال من ضمان کردم و پذیر فتم که باغ ویرا فروشم وایں مال بتودہم اوقال ضمنت ان اخذ المال من ترکته واوفیك لاتصح الکفالة وان ضمن علی ان یبیع مال نفسه ویوفیه هذا المقدار صح ویجبر علی البیع وقضاء المقدار [3]۔	کسی شخص نے صاحب مال سے کہا میں ضامن ہوں اور میں اس بات کو قبول کرتا ہوں کہ میں مدیون کے باغ کو فروخت کروں گا اور یہ مال تجھے دوں گا، یا یوں کہا کہ میں اس کے ترکہ سے مال لے کر تجھ کو دوں گا، تو کفالہ صحیح نہیں اور اگر وہ ضامن بنا اس طور پر کہ اپنا مال بیچ کر قرض کی مقدار طالب قرض کو دے گا تو کفالہ صحیح ہے چنانچہ اس کو مال بیچنے اور قرض کی مقدار طالب کو دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۔۱۴

وجہ دوم: اگر بالفرض حکم متفق علیہ خواہی نخواہی معنی مجاز ہی پر حمل کیجئے تو یہ کفالت بالمال ۱۸ تک بھاگنے پر معلق تھی جب اس مدت میں فرار ثابت نہیں تو لزوم مال کی کوئی صورت نہیں کہ تعلیق کفالت کی ایسی شرط پر صحیح ہے اور **اذا فات الشرط فات المشروط اصل کلی صریح** (جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے، یہ واضح کلیہ ہے۔ت)

وجہ سوم: یہ بھی فرض کیجئے کہ مطالبہ سے مراد مال ہی تھا اور فرار ۱۸ سے پہلے ہی ہوا تو مدعیہ خود اپنے بیان و تسلیم سے کفالت بالمال کو باطل محض مان رہی ہے اسے اپنی ہی قرار دادہ باتوں سے مطالبہ مال کا کوئی استحقاق نہیں اس کی جانب سے یہاں عمل ظاہر الروایۃ پر زور دیا جاتا ہے اور ۱۸ سے پہلے فرار ظاہر کیا گیا جمہور ائمہ کرام کے نزدیک ظاہر الروایۃ کے یہ معنی ہیں کہ جب ابتدائے مدت مذکور نہ ہو صرف انتہا کا ذکر آئے تو کفالت اس وقت کے بعد محقق ہو کر تا حصول برات ہمیشہ رہے گی اور روز اقرار سے اس وقت تک اصلا کفالت نہ ہو گی بالجملہ ظاہر الروایۃ میں ایسی جگہ (تک) بمعنی بعد کے ہے ۱۸ فروری تک ضامن ہوں یعنی ۱۸ کے بعد ضمانت شروع ہو گی، فتاوٰی خانیہ و ظہیریہ و خزانۃ المفتین میں ہے:

الکفالۃ متی جعلت الی اجل فانما یصیر کفیلا بعد انقضاء الاجل[1]۔	کفالت جب کسی مدت تک ٹھہرائی جائے تو اس مدت کے گزرنے کے بعد کفیل بنے گا۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

کفل بنفسہ الی شھر یصیر کفیلا بعد شھر ھو الاصح[2]۔	اگر ایک ماہ تک کسی کا کفیلِ نفس بنا تو ماہ کے گزرنے کے بعد کفیل بنے گا اور وہی صحیح ہے(ت)۔

خانیہ میں ہے:

رجل کفل بنفس رجل الی ثلثۃ ایام ذکر فی الاصل انہ یصیر کفیلا بعد الایام الثلثۃ وقال الفقیہ ابو جعفر یصیر کفیلا فی الحال قال وذکر الایام الثلثۃ لتاخیر المطالبۃ الی ثلثۃ ایام،	ایک شخص دوسرے کے نفس کا تین دن تک ضامن ہوا تو اصل میں مذکور ہے کہ تین دن گزرنے کے بعد کفیل بنے گا، اور فقیہ ابو جعفر نے کہا کہ فی الحال کفیل بن جائے گا اور ایام ثلثہ کا ذکر تین دن تک مطالبہ کی تاخیر کے لئے ہے اور فقیہ ابو جعفر کے

[1] خزانۃ المفتین کتاب الکفالۃ الباب الثانی قلمی نسخہ ۲/ ۵۹

[2] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نولکشور لکھنو، ص ۱۲۹

وغیرہ من المشائخ اخذوابظاہر الکتاب وقالوا لا یصیر کفیلا فی الحال واذا مضت الایام الثلثۃ قبل تسلیم النفس یصیر کفیلا ابدالا یخرج عن الکفالۃ مالم یسلم [1] اھمختصرا	علاوہ بعض دوسرے مشائخ نے ظاہر کتاب کو اختیار کیا اور کہا فی الحال کفیل نہیں بنے گا پھر جب تین دن گزر گئے اور وہ مکفول لہ کے حوالے اس شخص کو نہ کرسکا جسکا ضامن بنا تھا تو اب ہمیشہ کے لئے کفیل بن جائے گااور جب تک اس شخص کو مکفول لہ کے حوالہ نہ کرے گا کفالت سے خارج نہ ہوگا اھ مختصرا(ت)

علامہ انقروی نے اپنے مجموعہ میں اسے نقل فرماکر وغیرہ من المشائخ اخذ وابظاھر الکتاب [2] (اوراس کے علاوہ دیگر مشائخ نے ظاہر کتاب کو اختیار کیا۔ت) یہ تحریر فرمایا: فی السراجیۃ وہوالاصح وبہ یفتی کذا فی السادس من التاتارخانیۃ وکذافی التتمۃ [3]۔اور سراجیہ میں ہے کہ وہی اصح ہے اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے تاتارخانیہ اور تتمہ میں یوں ہی ہے۔(ت) وجیز کردری میں ہے:

کفل الی شھر طالبہ بعد شھر ویصیر کفیلا فی الحال وبہ یفتی [4] اھملتقطا	ایک ماہ تک کفیل بناتو ایک ماہ کے بعد اس کا مطالبہ کرے اور فی الحال وہ کفیل بن جائے گا اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے اھ التقاط(ت)

جامع الفصولین اواخر فصل ثلثین میں ہے:

لوارادان یکفل بنفسہ ولایصیر کفیلا فالحیلۃ علی ظاہر الروایۃ ان یقول کفلت بنفسہ الی شھر علی ان ابرأہ بعدہ	اگر کوئی چاہے کہ دوسرے کا کفیل بالنفس اس طرح بنے کہ درحقیقت کفیل نہ بنے تو ظاہر الروایۃ پر اس کا حیلہ یہ ہے کہ یوں کہے میں اس کے نفس کا ایک ماہ تک کفیل بنتا ہوں اس شرط پر کہ بعد میں اس سے بری ہو جاؤں گا

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۵۸۳

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دارالاشاعۃ العربیۃ افغانستان ۱/ ۳۱۷

[3] حواشی انقرویہ فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دارالاشاعۃ العربیۃ افغانستان ۱/ ۳۱۷

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ نوع فی الفاظ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴

فلایصیر کفیلا اصلا للحال فی الظاہر اذ فیه یصیر کفیلا بعدہ فلما شرط ان یبرأ بعدہ بطل اصلا [1]۔	تو وہ بالکل فی الحال ہی کفیل نہ بنے گا کیونکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ایک ماہ کے بعد اس نے کفیل بننا تھا مگر جب یہ شرط لگائی کہ ایک ماہ بعد اس سے بری ہوجائیگا تو کفالت اصلا باطل ہوگئی۔(ت)

ہامش انقروی میں ہے:

وہذا الحیلۃ انما تمشی علی ماقال عامۃ المشائخ انه لایصیر کفیلا فی الحال وہو ظاہر الروایۃ علی ماقاله ابوجعفر [2]۔	اور یہ حیلہ اس بنیاد پر جاری ہے کہ جو عام مشائخ نے کہا وہ فی الحال کفیل نہ ہوگا اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، جیساکہ امام ابوجعفر نے کہا۔(ت)

اور پر ظاہر کہ یہاں اصل مقصود کفالۃ بالنفس تھی وہی مطلوب تھی وہی مکتوب ہوئی، خالد نے لکھا ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہٰذا میں حاضر ضامن ہوں، حکم لکھا گیا ناظر مدعا علیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں کفالت بالمال کا ذکر محض تبعا بغرض توثیق وتاکید اصل کفالت بالنفس واقع ہوا اور تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوسکتا کما فی الدر المختار [عہ] نہ بحال عدم متبوع موجود ہو لہٰذا ایسی صورت میں جب کفیل کفالت مقصودہ یعنی کفالت بالنفس سے بری ہو کفالت تابعہ یعنی کفالت بالمال سے بری ہوجاتا ہے، درمختار میں ہے:

ان قال ان لم اٰت به غدا فهو ضامن لما علیه من المال فلم یواف به مع قدرته علیه ضمن المال لانه علق الکفالۃ بالمال بشرط متعارف فصح ولایبرؤ	اگر کہا کہ اگر میں اس کو کل نہ لے کر آیا تو اس پر جو مال ہے میں اس کا ضامن ہوں گا اب قدرت کے باوجود اس نے مطلوب کو حاضر نہ کیا تو کفیل اس مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے کفالت بالمال کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جو لوگوں میں

عــــه: فی الاصل بیاض واظنه الدر المختار ۱۲۔	(اصل میں بیاض ہے اور میرے گمان میں یہاں درمختار ہے ۱۲۔ ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶

[2] حواشی فتاوٰی انقروی کتاب الکفالۃ دار الاشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

عن کفالۃ النفس لعدم التنافی فلو ابرأہ عنها فلم یواف بہ لم یجب المال لفقد شرطه [1] اھ باختصار	متعارف ہے، تو یہ صحیح ہے، اور وہ کفالت نفس سے بھی بری نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں اگر طالب نے اس کو کفالت نفس سے بری کر دیا حالانکہ اس نے مطلوب کو حاضر نہیں کیا، تو اب شرط فوت ہوجانے کی وجہ سے مال اس کے ذمہ واجب نہ رہااھ اختصار۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

شرطه هو بقاء الکفالۃ بالنفس [2]۔	اس کی شرط یہ ہے کہ کفالت نفس باقی رہے۔(ت)

توظاہر الروایۃ کے لحاظ سے ۱۸ فروری تک نہ کفالت بالنفس تھی نہ بالمال، تو اس فرار پر کہ حصول کفالت سے پہلے واقع ہوا ہو التزام مال محض خیال محال۔

وجہ چہارم: اس سے بھی تنزل کیجئے اور بفرض غلط یہ بھی مان لیجئے کہ یہاں کفالت بالمال کفالت مستقلہ غیر تابعہ ہے تو کفالت بالنفس بنظر ظاہر الروایۃ گو بعد ۱۸ کے محقق ہو کفالت بالمال اول تھی اور وہ اس کے حال ثبوت میں فرار واقع ہوا تو کیوں نہ موجب مال ہوگا مگر یہ خیال خیال اول سے زیادہ فاسد و باطل ہے، ہمارے امام اعظم وامام ثالث رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب مفتی بہ میں ایجاب وقبول دونوں رکن کفالت ہیں اگر مکفول لہ مجلس ایجاب میں حاضر نہ ہو اور اسی مجلس میں قبول نہ پایا جائے کفالت باطل محض وبے اثر ہوتی ہے کہ اس کے بعد اگر مکفول لہ کو خبر پہنچے اور وہ قبول بھی کرلے جب بھی اصلا مفید نہیں، مبسوط امام محمد سے خلاصہ میں ہے:

اذا کفل رجل لرجل والمکفول له غائب فهو باطل وقال ابو یوسف اخرا هو جائز [3]۔	اگر کوئی شخص دوسرے کے لئے کفیل بنا درانحالیکہ مکفول لہ غائب ہے تو یہ کفالت باطل ہے اور امام ابو یوسف نے دوسرے قول میں فرمایا کہ وہ جائز ہے۔(ت)

قدوری وہدایہ میں ہے:

لاتصح الکفالۃ الابقبول المکفول له	مکفول لہ کے مجلس میں قبول کئے بغیر کفالت

---

[1] درمختار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکفالۃ جنس آخر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۶۵

فی المجلس [1]	صحیح نہیں ہوتی۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

اذاکان المکفول لہ غائبا فھی باطلۃ خلافا للثانی [2]۔	جب مکفول لہ غائب ہو تو کفالت باطل ہے بخلاف امام ثانی (ابویوسف) کے۔(ت)

جامع الفصولین وانقرویہ میں ہے:

لاتصح الکفالۃ بلاقبول الطالب [3]۔	طالب کے قبول کئے بغیر کفالت صحیح نہیں۔(ت)

تنویر میں ہے:

لاتصح (الکفالۃ) بلا قبول الطالب فی مجلس العقد [4]	مجلس عقد میں طالب کے قبول کئے بغیر کفالت صحیح نہیں۔(ت)

منح الغفار میں امام طرطوسی سے ہے: الفتوی علی قولھما [5] (فتوی طرفین کے قول پر ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

واختارہ الشیخ قاسم حیث نقل اختیار ذٰلك عن اھل الترجیح کالمحبوبی والنسفی وغیرہما و اقرہ الرملی وظاھر الھدایۃ ترجیحہ لتاخیرہ دلیلھما و علیہ المتون [6] اھ ومن المتقرران الفتوی متی اختلف وجب المصیر الی قول الامام	اور شیخ قاسم نے اس کو اختیار کیا کیونکہ انہوں نے اہل ترجیح سے اس کا مختار ہونا نقل کیا جیسے محبوبی اور نسفی وغیرہ اور خیرالدین رملی نے اس کو برقرار رکھا۔اورظاہر ہدایہ سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ صاحب ہدایہ نے طرفین کی دلیل کو مؤخر کیا اور اسی پر متون وارد ہیں الخ اور یہ بات مسلم ہے کہ فتوی میں جب اختلاف ہو توامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] الھدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۲۱

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ نوع آخر نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۶

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[5] درمختار بحوالہ طرطوسی کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[6] ردالمحتار کتاب الکفالۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۹

مالم یکن الاختلاف اختلاف الزمان و ان المتون مقدمة علی غیرہا فترجح من وجھین ولیس من العلم .العدول عن الراجح الی المرجوح کماقد تبین فی محله	کے قول کے طرف رجوع لازم ہوتا ہے جبکہ وہ اختلاف اختلاف زمانہ کی وجہ سے نہ ہو،اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ متون غیر متون پر مقدم ہیں تو دو وجہوں سے اس کو ترجیح ہو گئی اور راجح سے مرجوح کی طرف عدول کرنا علم نہیں جیسا کہ اپنے محل میں واضح ہو چکا ہے۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

اذا قال لقوم اشھدواانی کفیل فلان بنفس فلان والمکفول به حاضر و الطالب غائب فالکفالة باطلة فان قبل انسان عنه توقف علی اجازته [1] ۔	جب کسی نے قوم سے کہا کہ گواہ ہو جاؤ میں فلاں کے لئے فلاں کے نفس کا کفیل ہوں درانحالیکہ مکفول بہ حاضر اور مکفول لہ غائب ہو تو کفالہ باطل ہے اگر کسی شخص نے مکفول لہ کی طرف سے قبول کیا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

رکنھا الایجاب والقبول عند ابی حنیفة ومحمد وہو قول ابی یوسف اولاحتی ان الکفالة لاتتم بالکفیل وحدہ سواء کفل بالمال اوبالنفس مالم یوجد قبول المکفول له اوقبول الاجنبی عنه فی المجلس العقد امااذا لم یوجد شیئ من ذلك فلا تقف علی ماوراء المجلس حتی لو بلغ الطالب فقبل لم تصح [2] اھ مختصرا	کفالہ کا رکن امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کا پہلا قول بھی یہی ہے یہاں تک کہ اکیلے کفیل سے کفالہ تام نہیں ہوتا چاہے مال کا کفیل ہے یا نفس کا جب تک کہ مجلس عقد میں مکفول لہ یا اس کی طرف سے کوئی اجنبی شخص قبول نہ کرے اور جب ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے قبول نہ پایا گیا تو کفالہ مجلس سے خارج پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر طالب (مکفول لہ) کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے قبول کر لیا تو صحیح نہ ہوگا اھ اختصار (ت)

یہاں کفالت بالنفس اگرچہ نائب حاکم نے قبول کرلی جس کے لئے اگر جانب ہندہ سے حاضر ضامنی لینے

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکفالة نولکشور لکھنؤ ص ۱۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۵۲

کی توکیل ثابت ہو تو نافذاً واقع ہوئی ورنہ اجازت ہندہ پر موقوف رہی مگر مجلس عقد میں کفالت بالمال کا قبول اصلاً کسی سے واقع نہ ہوا اور اسے قرار دیا مستقلہ کہ طے کفالت بالنفس من۔۔(عہ)۔۔۔لاجرم کفالت مال باطل محض ہوگئی اور کسی وجہ پر ایجاب مال کی صورت نہ رہی بالجملہ تحقیقاً والزاماً ہر طرح یہاں کفالت بالمال ممنوع ومدفوع ہی رہی کفالت بالنفس یہاں انظار ظاہرہ کا حصہ اس قدر کہ اگرچہ ظاہر الروایۃ وہ ہے مگر روایت امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ اوفق بالعرف ہے اور کلام کا عرف متکلم پر حمل واجب تو یہی مرجح ہے اور اسی پر حکم وافتا مناسب، خلاصہ وانقرویہ میں ہے:

قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس [1]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول عرف کے زیادہ مناسب ہے۔(ت)

تتمہ وصغری وانقرویہ میں ہے:

ھو اشبہ بعرفنا ونفتی انہ اذا مضت المدۃ المذکور فالقاضی یخرجہ عن الکفالۃ [2]۔	وہ ہمارے عرف کے زیادہ مناسب ہے اور ہم فتوٰی دیتے ہیں کہ جب مدت مذکورہ گزر جائے تو قاضی اس کو کفالہ سے خارج کردے۔(ت)

ذخیرہ میں ہے:

قال وکان القاضی الامام اجل ابوعلی النسفی یقول قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس اذا کفلوا الی مدۃ یفھمون بضرب المدۃ انھم یطالبون فی المدۃ لابعدھا [3] الخ	قاضی امام الاجل ابوعلی النسفی فرماتے تھے کہ امام ابویوسف کا قول لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ لوگ جب کسی مدت تک کفیل بنیں تو وہ بیان مدت سے ہی سمجھتے ہیں کہ مدت کے اندر ان سے مطالبہ کیا جائے گا نہ کہ اس کے بعد الخ۔(ت)

خانیہ میں ہے:

قال شمس الائمۃ الحلوانی فی قول ابی یوسف انہ یطالب الکفیل بتسلیم النفس فی	شمس الائمہ حلوانی نے کہا امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ کفیل سے تسلیم نفس کا مطالبہ تین دن کا

عـــہ: فی الاصل ھکذا واظنہ کہ کفالت بالنفس کے ضمن میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

---

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

[2] حواشی فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

[3] ردالمحتار بحوالہ ذخیرہ کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

الایام الثلثۃ ولایطالب بعدھا اشبہ بعرف الناس [1]۔	اندر کیا جائے گا بعد میں نہیں لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال شمس الائمۃ الحلوانی کان القاضی الامام الاستاذ ابو علی النسفی یقول کان الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل یعجبہ ھذہ الروایۃ وکان یقول لو قال بالفارسیۃ پذیرفتم تن فلاں را تادہ روز یصیر کفیلا فی الحال واذا مضت المدۃ لایبقی کفیلا ولوقال پذیرفتم تن فلاں رادہ روزیصیر کفیلا بعد عشرۃ ایام.و بعض المشائخ قالوا اذا قال پذیرفتم تن فلاں را تادہ روز ولم یسلم حتی مضت عشرۃ ایام یرفع الکفیل الامر الی القاضی حتی یخرجہ عن الکفالۃ وبہ کان یفتی الشیخ الامام الاجل ظھیرا لدین ویحکی ذٰلک عن جدی رحمھم اللہ تعالٰی [2]۔	شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا قاضی امام استاذ ابوعلی نسفی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل اس روایت کو پسند کرتے اور کہتے تھے کہ اگر کسی نے فارسی میں کہا کہ میں نے دس روز تک فلاں کے بدن کو قبول کیا تو وہ فی الحال کفیل بن جائے گا اور جب مدت گزر جائے گی تو دس دن کے بعد وہ بطور کفیل باقی نہ رہے گا،اور اگر کہا کہ میں نے دس روز فلاں کے بدن کو قبول کیا تو وہ دس دن کے بھی کفیل رہے گا،اور بعض مشائخ نے کہا اگر کسی نے یوں کہا کہ میں نے فلاں کے بدن کو دس دن تک قبول کیا پھر دس دن گزر گئے اور اس نے مطلوب کو طالب کے حوالہ نہ کیا تو اب کفیل یہ مطالبہ قاضی کے پاس لے جائے گا تاکہ وہ اس کو کفالت سے خارج کردے،اسی پر شیخ امام اجل ظہیر الدین فتوٰی دیتے تھے اور میرے جدامجد سے بھی یہی منقول ہے اللہ تعالٰی اب سب پر رحم فرمائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت وینبغی عدم الفرق بین الصور الثلث فی زماننا (ای ما اذا قال شھرا	**میں کہتا ہوں** ہمارے زمانے میں ان تینوں صورتوں میں فرق نہیں ہونا چاہئے (یعنی اگر کہے ایک مہینہ

---
[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۳

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۴

اوالٰی شھر اومن الیوم الی شھر) کما ھو قول ابی یوسف و الحسن لان الناس الیوم لایقصدون بذٰلك الا توقیت الکفالۃ بالمدۃ وانہ لاکفالۃ بعدہا وقد تقدم ان مبنی الفاظ الکفالۃ علی العرف والعادۃ ان لفظ عندی للامانۃ وصار فی العرف للکفالۃ بقرینۃ الدین وقالوا ان کلام کل عاقدوناذرٍ وحالف و واقف یحمل علی عرفہ سواء وافق عرف اللغۃ اولا[1] الخ	یا ایک مہینے تک یا آج سے ایک مہینے تک) جیسا کہ امام ابویوسف اور حسن کا قول ہے کیونکہ آج کل لوگ اس سے سوائے کفالت کی توقیت بالمدۃ کے کچھ ارادہ نہیں کرتے اور یہ کہ اس مدت کے بعد کفالہ نہیں اور تحقیق گزرچکا ہے کہ کفالہ کے الفاظ کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے۔ بیشك لفظ "عندی" امانت کے لئے ہے مگر عرف مین دین کے قرینہ کے ساتھ کفالہ کے لئے ہوگیا، اور فقہاء نے کہا کہ ہر عقد کرنے والے، نذر ماننے والے، قسم کھانے والے اور وقف کرنے والے کا کلام اس کے عرف پر محمول ہوگا چاہے اس کا عرف لغت کے موافق ہو یا نہ ہو الخ (ت)

وانا اقول: (اور میں کہتاہوں) حقیقت امر یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ کو ان واقعات سے اصلا تعلق نہیں ان میں بلاشبہہ روایت امام ابی یوسف ہی پر افتاء وحکم واجب ہے اور اس کا خلاف محض باطل، آخر اس قدر پر تو اجماع ہے کہ ایجاب رکن کفالت ہے اور جب عرف میں قطعاً یقینا دس روز تك یا فلاں تاریخ تك کفیل ہونے سے یہی معنی مقصود مراد مفہوم ومفاد ہوتے ہیں کہ کفالت اس وقت تك موقت کی جاتی ہے اس کے بعد کفالت نہیں تو بالیقین کفیل نے ہر گز ایجاب نہ کیا مگر کفالت موقتہ محدود کا، اب اگر بعد اس وقت وحد کے کفالت باقی مانیں تو یہ وہ کفالت ہے جس کا ایجاب ہر گز نہ ہوا، اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے محقق ہونا بالاجماع باطل ہے تو ظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائر سائر سے اصلا تعلق نہیں اور یہاں اس پر حکم سراسر مقاصد شرع سے جدا و ظلم ہوگا، و لہذا علامہ محقق نے فرمایا:

ماذکرہ الامام النسفی مبنی علی ان المذکور ظاہر الروایۃ انما ھو حیث لاعرف اذ لا وجہ للحکم علی المتعاقدین بمالم یقصد أفلیس قضاء بخلاف	امام نسفی نے جو ذکر فرمایا وہ اس بات پر مبنی ہے کہ مذکور ظاہر الروایۃ وہاں ہے جہاں کوئی عرف نہ ہو کیونکہ متعاقدین پر ان کے مقصود کے خلاف حکم کی کوئی وجہ نہیں چنانچہ یہ ظاہر الروایۃ کے

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

ظاہر الروایۃ[1]۔	خلاف قضاء نہ ہوئی۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں قطعاً حکم یہی ہے کہ ۱۸فروری کے بعد کفالت نہ رہی، بالجملہ اسی مسئلہ میں حق ناصح یہ ہے کہ کفالت بالنفس تو ۱۸فروری کو جزماً حتماً ختم ہو گئی اور اس کے بعد مطالبہ ظلم ہے اور لفظ مطالبہ سے کفالت بالمال کا ایجاب محض بے دلیل ہے اگرچہ ۱۸فروری سے پہلے فرار ثابت بھی ہو اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو جب تو مطالبہ مال کا معنی مجازی پر بھی اصلا احتمال ہی نہیں، غرض صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس یقینا زائل اور خالد پر مطالبہ مال کا بھی حکم باطل یہ حکم قضا ہے، رہی دیانت اگر فی الواقع خالد نے مطالبہ سے مال مراد لیا، اور یہی مقصود مفہوم ہوا اور ۱۸ سے پہلے فرار کی شرط محقق ہوئی اور ہندہ کا زید پر دین دین صحیح تھا تو عنداللہ خالد پر مال لازم آچکا اگرچہ قاضی بوجہ مذکورہ حکم نہیں کر سکتا اللہ سے ڈرے اور بیجا حیلہ وعذر نہ کرے اور اگر ان تینوں امر سے ایک بھی منتفی ہو تو عنداللہ بھی وہ مطالبہ مال سے بری ہے، **ھذا ھو التحقیق واللہ ولی التوفیق وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم** (یہی تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی مالک توفیق ہے اور وہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۸۱: ازرام پور مقام مذکور ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ دائنہ کے لئے ایک مدت معہودہ تک عمرو مدیون کا کفیل بالنفس ہوا اور حسب تعارف ومعنی مقصود ومفہوم بین الناس اس مدت کے گزرنے تک انتہائے کفالت قرار پایا زید نے اس کفالت کے ضمن میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر مدیون اس مدت تک شہر سے بھاگ جائے تو میں مطالبہ مدعیہ کا ذمہ دار ہوں، اب کہ مدت گزر گئی اور کفالت بالنفس ختم ہوچکی تو آیا وہ کفالت بالمال بھی جو اس کے ضمن میں ذکر کی تھی اس کے ختم سے منتہی ہو گئی یا وہ باقی رہے گی **بینوا توجروا**

الجواب:

ہاں صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس کے ختم ہوتے ہی کفالت بالمال بھی ختم ہو گئی کہ یہ اسی کی تاکید وتوثیق کے لئے اس کی تابع محض تھی جب اصل نہ رہی یہ بھی نہ رہی۔

کیف وان زوال الموقتۃ بمرور الوقت زوال من کل وجہ کالابراء فیعمل فی الاصل والفرع	کیسے کفالت بالمال ختم نہ ہوگی حالانکہ وقت گزرنے کے سبب سے کفالت موقتہ کا زوال ہر لحاظ سے اس کا زوال ہوتا ہے جیسے کہ بری کرنا لہٰذا وہ

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ مطلب فی الکفالۃ الموقتۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

جمیعا بخلاف موت المطلوب لعدم وضعه للفسخ کما بینه فی الفتح وغیرہ۔	اصل وفروع دونوں میں عمل کرے گا بخلاف مطلوب کی موت کے کیونکہ اس کی وضع فسخ کے لئے نہیں ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ (ت)

درمختار و ردالمحتار میں ہے:

لو ابراہ عنها فلم یواف به ولم یجب المال لفقد شرطه وھو بقاء الکفالة بالنفس [1]۔	اگر طالب نے کفیل کو کفالت نفس سے بری کر دیا اور اس نے ادائیگی نہیں کی تو کفیل پر مال دینا واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کی شرط یعنی کفالت نفس کی بقاء فوت ہو گئی ہے۔ (ت)

حواشی ہدایہ میں ہے:

الکفالة بالنفس اذا سقطت وجب ان یسقط ما یترتب علیها من الکفالة بالمال لکونها کالتاکید لها ولیست بمقصودة ولھذا لو ابرأ الکفیل الطالب عن الکفالة بالنفس قبل انقضاء المدة بطلت الکفالة بالمال [2]۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	جب کفالت بالنفس ساقط ہو جائے تو اس پر مرتب ہونے والی کفالۃ بالمال کا ساقط ہونا واجب ہے کیونکہ وہ تو کفالت نفس کی تاکید ہے مقصود نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر مدت گزرنے سے پہلے طالب نے کفیل کو کفالت نفس سے بری کر دیا کفالت بالمال باطل ہو جائے گی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۲: از ریاست رامپور مسئولہ حاجی نوشہ علی وشید اعلی وچھنو ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

(زید) ڈگری دار نے بصیغہ اجراء ڈگری (عمرو) اپنے کو گرفتار کرایا بکر وخالد وحامد عمرو مدیون کی حاضری عدالت کے بلا تعین تاریخ حاضر ضامن ہوئے اور ضمانت نامہ بایں شرائط لکھا گیا کہ جس تاریخ کو عدالت (عمرو) مدیون کو طلب کرے گی ضامنان اس کو حاضر کریں گے اگر نہ حاضر کریں گے تو زر ڈگری ذمگی مدیون مذکور ادا کریں گے ضمانت نامہ مذکورہ بعد تکمیل شامل مسل ہو کر مدیون سپرد ضامنان کیا گیا ہر سہ ضامنان

---

[1] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۱، ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۹

[2] حواشی ہدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۵

اپنی اپنی ضرورتوں سے حدود عدالت مذکور یعنی اپنے مسکنوں سے باہر دور دراز چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں عدالت سے ایک حکم اس مضمون کا جاری ہوا کہ تاریخ اطلاع یابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کریں، یہ حکم بوجہ عدم موجودگی ضامنان ان کے مکانوں پر آویزاں ہوا ہے کسی ضامن کی ذات پر حکم مذکور کی تعمیل نہیں ہوئی ہے میعاد ہفتہ مندرجہ حکم مذکور گزر جانے پر ڈگری دار نے عدالت سے درخواست کی ہے کہ ضامنان نے مدیون کو میعاد مقررہ عدالت کے اندر نہیں حاضر کیا ہے پس بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ ڈگری کا ایفاء ضامنان سے کرایا جائے اور بذریعہ قرقی ونیلامی جائداد ضامنان زرڈگری وصول کرایا جائے اور ضامنان کے قصور نہ حاضر کرنے مدیون کی تائید میں چند اشخاص کے بیانات عدالت میں کرائے ہیں جنھوں نے بحلف بیان کیا ہے کہ تاریخ تعمیل حکمنامہ مجریہ عدالت پر ہم نے ضامنان کو اسی شہر میں جو ان کا مسکن ہے دیکھا ہے اس شہادت کے پیش نظر ہونے پر عدالت سے حکم قرقی مال احدالضامن جاری ہوا ہے اور قرقی حسب قاعدہ عمل میں آئی ہے قرقی سے دوسرے روز ہر سہ ضامنان نے مدیون کو حاضر عدالت کیا ہے اور میعاد مندرجہ حکم مجریہ عدالت کے اندر نہ حاضر کرنے مدیون کی نسبت یہ عذر کیا ہے کہ ہم ضامنان اپنے مسکنوں پر اس شہر میں موجود نہیں تھے بلکہ اپنے مسکنوں سے باہر دور دراز گئے ہوئے تھے اس وجہ سے ہم کو اطلاع اجراء حکم عدالت کی نہیں ہوئی بہ یوم قرقی واپس آئے ہیں اور فعل قرقی سے علم اجرائے حکم عدالت کا ہوا ہے کہ بہ مجرد علم دوسرے ہی روز مدیون کو فوراً عدالت میں حاضر کردیا ہے علم طلبی مدیون کے بعد کوئی توقف منجانب ضامنان وقوع میں نہیں آیا ہے اور اپنے عذر عدم موجودگی شہر یعنی بہ مساکن خودہا موجودگی مقامات دیگر کی تائید میں ہر سہ ضامنان نے حلف نامہ جات اقراری خودہا عدالت میں داخل کئے ہیں کہ عدالت نے مدیون حاضر کردہ کو ضامنان سے لے کر جیل خانہ دیوانی میں بھیج کر ضمانت بالنفس سے تو ضامنان کو بری کردیا ہے مگر ضمانت بالمال کا مواخذہ ضمان پر قائم رکھا ہے پس سوال قابل تصفیہ یہ ہے کہ جبکہ عدالت سے ضمانت کے وقت یا ضمانت نامہ میں کوئی تاریخ حاضری مدیون کی معین ومقرر نہیں ہوئی تھی اور حکم مجریہ عدالت جس کے ذریعہ سے طلبی مدیون کی ضامنان سے ہوئی ہے ضامنان کی ذات پر تعمیل نہیں ہوا ہے اور اسی حکم مجریہ عدالت میں بھی حاضری مدیون کے لئے کوئی تاریخ معین ومقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ حکم مذکور کے یہ الفاظ ہیں (تاریخ اطلاع یابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کرو) اور ان کارروائیات کے مقابلہ میں ضامنان بذریعہ حلف نامجات تاریخ اجراء حکمنامہ عدالت اور اس میعاد ایک ہفتہ کے اندر جو اس میں نسبت حاضری مدیون مقرر تھی اپنی عدم موجودگی بمسکنہائے خودہا وموجودگی بمقامات دیگر جو بفاصلہ واقع ہیں ظاہر وثابت کرتے ہیں تو کیا ان حالات کی موجودگی میں بھی ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعاً عائد وقائم رہ سکتا ہے درحالیکہ مدیون کو بھی بمجرد علم طلبی عدالت حاضر عدالت کردیا اور وہ جیل خانہ دیوانی

میں بھی بھیج دیا گیا ہے اور قید بھگت رہا ہے یا یہ کہ بحالت مذکورہ بالا ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعاً قائم و باقی نہیں رہ سکتا ہے اور وہ سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

الجواب:

دارالافتاء نے بیان سائل پر اکتفانہ کرکے اظہارات گواہان کی نقول باضابطہ طلب کیں جو سال ۱۳ جمادی الاولیٰ کو حاضر لایا وہ سات گواہ ہیں جن میں ایک ہندو ہے اس کی شہادت تو مسلمانوں پر اصلا مسموع نہیں لہٰذا اس سے بحث فضول ہے باقی چھ کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) گمن خاں چپراسی مظہر نے بتاریخ ۱۸ دسمبر تین قطعہ نوٹس بمکان شیخ چھنو شیدا علی و نوشہ خان چسپاں کردئے اس لئے کہ گواہان کی زبانی مظہر کو معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں نہیں نوٹس کی خبر معلوم کرکے روپوش ہوگئے ہیں۔ ہنگام دریافت عورات ضامنان نے کہا تھا کہ ضامنان گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہیں۔

(۲) جلن خان گواہ تعمیل نوٹس ۴ جنوری عرصہ ۱۸ یا ۱۹ دن کا ہوا مظہر اپنے کھیتوں پر جارہا تھا چھنو خان کے مکان پر شیدا علی نوشہ خاں کھڑے تھے مظہر جنگل کو چلا گیا پھر جس وقت ادھر سے لوٹ کر آیا اس وقت گمن خاں نے کاغذ کچہری کے چھنو خاں کے مکان پر وہ لگادئے مظہر چھنو خاں اور شیدا علی کی ولدیت نہیں جانتا ان دونوں کو پہچانتا ہے بجواب سوال کچہری بیان کیا جس وقت کاغذ چسپاں ہوئے ہیں اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے کر گیا تھا اور چھنو خاں کی نسبت سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں

(۳) چھمن گواہ تعمیل نوٹس کوئی انتیس دن کا عرصہ ہوا جمعہ کے روز مظہر اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا وقت دن کے ۱۰، ۱۱ بجے کا تھا شیدا علی و چھنو پسران چھٹن اپنے گھر کے پاس کھڑے باتیں کر رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد اسی روز گمن خاں شیدا علی و چھنو مذکور کے مکان پر دو کاغذ لگا رہے تھے اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے گیا تھا اور چھنو کہیں گیا تھا۔

(۴) شرف الدین، عرصہ کوئی ۱۹ دن کا ہوا چھنو خاں شیدا علی خاں پسران چھٹن خاں نوشہ ولد بنن خان بیٹھے کنوین کے پاس جہاں چھنو خاں و شیدا علی خاں کا مکان ہے کھڑے باتیں کر رہے تھے بس مظہر نے اتنا ہی دیکھا۔

(۵) لڈن خاں، کوئی ۱۹ دن ہوئے گمن خاں سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس کھڑے تھے اور بھی کئی آدمی تھے مذکوری نے کہا نوشد خاں کے گھر پر چسپاں کرتا ہوں مذکوری نے نوشہ خاں ولد بنن خان کے گھر پر آواز دی کہ نوشہ خاں کہاں ہیں گھر میں سے ایک لڑکی نکلی اس نے کہا یا تو بابو جی کے یہاں

گئے ہوں گے یا قلعہ کو، مذکوری نے سمن نوشہ خاں کے گھر پر چسپاں کردیا مظہر چلا گیا

(٦) امجد حسین، چپراسی سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس ۱۹ روز ہوئے جمعہ کے دن پھر رہے تھے نوشہ خاں کو معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں مذکوری نے نوشہ خان کے مکان پر سمن چسپاں کردیا، مظہر چلا گیا۔ مظہر نوشہ خاں کی ولدیت نہیں جانتا ان کو پہچانتا ہے، یہ تمام شہادتیں بوجوہ کثیرہ محض ناکافی ہیں۔

اول: چپراسی ۱۸ دسمبر کو سمن چسپاں کرنا بتاتا ہے اور چھمن اور امجد حسین جمعہ کے دن ۱۸ دسمبر کو شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

ثانی: یہ شہادتیں چوتھی جنوری کو ہوئیں، حسب بیان چپراسی آویزانی سمن کو اس وقت تک سترہ دن ہوئے تھے، امجد حسین ۱۹ دن کہتا ہے لڈن اور شرف الدین کوئی ۱۹ دن، اور اظہار چھمن کے باضابطہ نقل میں صاف انتیس دن لکھے ہیں، جلن خاں ۱۸ یا ۱۹ کہتا ہے، یوں بھی کم از کم وہی جمعہ کا دن پڑتا ہے۔

ثالث: شہادت علی الغائب میں بیان ولدیت بالاتفاق لازم ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں تو بیان جد بھی ضرور ہے جبکہ صرف ولدیت موجب معرفت نہ ہو، اور یہی صحیح ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یحتاج فی الشھادۃ علی المیت اوالغائب الی تسمیۃ الشھود اسم المیت والغائب وابیھا وجدھا وعلی قول ابی یوسف ذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرۃ والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابدمنہ کذافی البحر الرائق [1] ۔	میت اور غائب پر گواہی کے لئے ضروری ہے کہ گواہ میت اور غائب کا نام ان کے باپ کا نام اور ان کے دادا کا نام ذکر کریں اور امام ابویوسف کے قول پر صرف باپ کا ذکر کافی ہے ذخیرہ میں یوں مذکور ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادا کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے، یونہی بحرالرائق میں ہے۔ (ت)

یہاں بیان ولدیت درکنار جلن خان، چھنو وشیدا علی کی نسبت، امجد حسین خاں نوشہ خاں کی نسبت ولدیت جاننے ہی سے منکر ہے، نہ مشہور علیہم کو ان کے سامنے لاکر شناخت کرائی گئی ایسی مجہول گواہی ناقص و مختل ہے۔

رابع: چپراسی کہتا ہے گواہان کی زبانی معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں ہیں یہ سماعی بیان ہے اور ان مستثنیات میں نہیں جن میں شہادت بالتسامع مقبول ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادت الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۵۹

خامس: وہ بھی مجہول، کون گواہ کس کی زبانی

سادس: کہتاہے کہ عورات ضامنان نے کہا تھا چپراسی نے کیونکر جانا کہ یہ کہنے والیاں عورات ضامنان ہیں

سابع: عورات کا کہنا ضامنوں کے شہر میں نہ ہونے کے کیا منافی، گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہر طرح صادق ہے۔

ثامن: جلن کا بیان کہ چھنو خان کی نسبت کہ بابو کے یہاں گئے ہیں سماعی ہے

تاسع: وہ بھی مجہول

عاشر: لڈن خان ایک لڑکی کے بیان کا حاکی ہے

حادی عشر: وہ بھی مجہولہ بلکہ بظاہر نابالغہ بھی

ثانی عشر: امجد حسین کا بیان بھی سماعی ہے

ثالث عشر: مجہول، نوشہ خاں کا معلوم ہوا کیونکر معلوم ہوا کس سے معلوم ہوا

رابع عشر: شرف الدین کا بیان محض خالی ہے اس سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ کوئی ۱۶ دسمبر کو ضامن شہر میں تھے خامس عشر ان چھ گواہیوں میں یہ بیس نقص ہیں، چپراسی کے بیان میں چار یعنی ۴، ۵، ۶، ۷، جلن خاں کے بیان میں چار ۲، ۳، ۸، ۹۔ چھمن کے بیان میں دو ۲، ۱، شرف الدین کے بیان میں دو ۱۴، ۲۔ لڈن خان کے بیان میں تین ۱۱، ۱۰، ۲۔ امجد حسین کے بیان میں پانچ ۱۳، ۱۲، ۳، ۲، ۱۔

ان سب سے قطع نظر کرکے ان میں ایک شہادت بھی موافق دعوی نہیں، سماعی ومجہول بیان چپراسی کی تائید میں جتنی گواہیاں گزریں سب مدعا کے اجنبی وبے علاقہ ہیں، مدعا یہ ہے کہ ضامنوں نے نوٹس دیکھا یا مضمون نوٹس پر اطلاع پائی اور وقت اطلاع سے سات دن کے اندر مدیون کو حاضر نہ کیا تاکہ حسب شرائط مطالبہ مال ان پر عائد ہو شہادتوں میں اس کا کون سا حرف ہے، دو دن پہلے ۱۶ دسمبر کو شہر میں ہونا جو بیان شرف الدین میں ہے یا ایک دن پہلے روز جمعہ کو شہر میں رہنا جو بیان چھمن وامجد حسین میں ہے اس سے تو خود اس دن بھی شہر میں ہونا لازم نہیں آتا باقی حاصل اس قدر کہ نوٹس آنے سے پہلے اس دن ضامن شہر میں دیکھے گئے جب نوٹس آئے اور مکان پر چسپاں ہوئے اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے گیا چھنو خان کو سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں، نوشہ خاں کو معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں ان سے زیادہ کوئی حرف بھی شہادتوں میں ہے اس میں اصل مقصود یعنی جنگل یا بابو کے پاس یا قلعہ سے ضامنوں کے لوٹ کر مکان پر آنے اور مضمون

نوٹس پر اطلاع ہونے پر شہادت کہاں ہے کیا قبل آویزانی نوٹس جنگل وغیرہ میں ہونا اسے وجوبا مستلزم ہے کہ پلٹ کر بھی آئیں اور مضمون پر اطلاع پائیں کیا ممکن نہیں کہ وہی وقت ضامنوں کے باہر جانے کا ہو، جاتے وقت چھنوں خان بابو سے ملا، نوشہ خاں قلعہ میں گیا، شیدا علی جنگل میں بھینس کسی کو سپرد کرنے گیا، اور ان کاموں سے فارغ ہو کر ویسے ہی باہر جہاں جہاں جانا تھا چلے گئے اور اس روز واپس آئے جس دن وہ اپنا آنا بتاتے ہیں، کیا ہزار بار ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی شہر سے جاتے وقت شہر میں کہیں ہوتا جائے، اور جب یہ یقینا ممکن ہے اور شہادتوں میں اس کے خلاف کوئی حرف نہیں تو شہادات موافق دعوی کب ہوئیں لہذا واجب الرد ہیں، **الشھادۃ ان وافقت الدعوی قبلت والالا** (شہادت اگر دعوی کے موافق ہو تو قبول کی جائے گی ورنہ نہیں۔ت) اگر یہ کہئے کہ اگرچہ اس دن ان کی واپسی واطلاع مضمون جو مدعا ہے شہادات سے ثابت نہیں مگر ظاہر تو ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو، ہوا ہو سے دعوی ثابت نہیں ہوتا اور اگر اس کا ظاہر ہونا تسلیم بھی کرلیں تو قاعدہ مستمرہ فقہیہ ہے کہ **الظاھر یصلح حجۃ للدفع لاللا ستحقاق** (ظاہر دفاع کے لئے حجت ہے نہ استحقاق کے لئے۔ت) پھر کس بناپر اسے استحقاق مال کی حجت بنا سکتے ہیں لاجرم حکم شرعی یہی ہے کہ ضامنین صورت مذکورہ میں ضمانت نفس وضمانت مال دونوں سے مطلقاً بری ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۳ تا ۲۸۶: از ریاست رام پور مرسلہ میر سید انوار حسین صاحب بذریعہ مرزا نظر بیگ سابق نائب تحصیلدار بریلی ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) کفالت بالمال یعنی کوئی شخص کسی کے مطالبہ میں اپنا مکان مکفول کرے تو یہ کفالت شرعا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نالش بربنائے کفالت بالمال یعنی اس بناء پر کہ کفیل نے اپنا مکان دوسرے کے مطالبہ میں مکفول کیا تو شرعا قابل سماعت ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے ٹھیکہ کسی حقیت کا لیا اور عمرو نے بلا استدعا خواہش زید کے اپنا مکان کفالت میں دے دیا تو اس صورت میں عمرو مستحق پانے رقم کا زید سے ہے یا نہیں یعنی اس رقم کی ضمانت تبرع اور احسان سمجھی جائے گی یا کیا؟

(۴) جب کفیل یعنی ضامن خلاف معاہدہ مندرجہ کفالت نامہ کے دیگر نہج پر روپیہ دائن کو ادا کرے تو وہ مستحق لینے رقم مذکور کا مدیون سے ہے یا نہیں؟ صورت کفالت یہ ہے کہ زید نے ایک موضع مستاجری میں لیا

اور عمرو نے اپنا مکان ضمانت میں مستغرق کرادیا اور ضمانت نامہ میں یہ لکھا کہ اگر زید کے ذمہ روپیہ باقی مالگزاری کا رہ جائے اور وہ ادانہ کرے تو جائداد مکفولہ سے نیلام جائداد مالک موضع وصول کرلے مجھ کو نیلام جائیداد مکفولہ میں کوئی عذر نہ ہوگا زید کے ذمہ کچھ باقی رہے مالک موضع نے بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ نیلام کرنے کا قصد کیا تو عمرو مالک مکان نے اپنے مکان کو خلاف شرط مندرجہ ضمانت کے نیلام نہ ہونے دیا بلکہ روپیہ باقیماندہ ذمگی زید عمرو نے قبل نیلام مالک موضع کو دے دیا اس وجہ سے اس روپیہ کا دینا خلاف دستاویز ضمانت کے وقوع میں آیا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) کفالت بالمال تو یقینا جائز ہے مگر شرعا اس کے معنی یہ ہیں کہ زید کا جو مطالبہ مالی عمرو پر ہوا سے اپنے ذمہ پر لے یوں کہ ایک مال کا مطالبہ عمرو و بکر دونوں کے ذمہ پر ہو، نقایہ میں ہے:

الکفالۃ اما بالنفس وینعقد بکفلت بنفسہ او علی اوالی واما بالمال فتصح وان جھل المکفول بہ اذ صح دینہ نحو کفلت بمالك علیہ او بما یدرکك فی ھذا البیع[1] (ملتقطا)	کفالت یا تو نفس کی ہوتی ہے اور وہ ان لفظوں سے منعقد ہوتی ہے کہ میں اس کے نفس کا کفیل بنا ہوں یا وہ میرے ذمے یا کفالت مال کی ہوتی ہے اور یہ مال مکفول کے مجہول ہونے کے باوجود صحیح ہوجاتی ہے جبکہ دین صحیح ہو مثلاً یوں کہے کہ جو تیرا مال فلاں پر ہے یا جو تجھے اس بیع میں حاصل ہوگا میں اس کا ضامن ہوں۔ (ملتقطا) (ت)

یہ جدید و محدث طریقہ کہ جہاں میں رائج ہے کہ کوئی مکان دکان زمین جائداد کسی کے مطالبہ میں کہ اپنے اوپر یا دوسرے پر ہو مستغرق کرتے ہیں کہ وہ اس سے اپنا مطالبہ وصول کرے، اور اس جائداد کو مکفول یا مستغرق کہتے ہیں اور بآنکہ جائداد قبضہ مالک ہی میں رہتی ہے اس وقت سے مالک کو اس میں تصرفات انتقالیہ بیع وہبہ سے ممنوع جانتے ہیں اور اگر کرے تو باطل سمجھتے اور دائن کو اس کے واپس لینے کا اختیار بتاتے ہیں یہ سب محض بدعت واختراع فی الشریعۃ وہوس باطل ومردود ہے شرعا اس جائداد سے کوئی حق دائن کا کسی وقت متعلق نہیں ہوتا، نہ مالک اس بیع وہبہ سے ممنوع ہوسکتا ہے شرع مطہر نے توثیق دین کے لئے صرف دو عقد رکھے ہیں، کفالت ورہن، اس کا رہن نہ ہونا تو بدیہی کہ رہن

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ (النقایہ) کتاب الکفالۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۲۴۔۱۲۳

کی شرط قبضہ مرتہن ہے رہن بے قبضہ کوئی شے نہیں قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ت) بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

وصف سبحنه وتعالٰی الرهن بکونه مقبوضه فیقتضی ان یکون القبض شرطا فیه صیانة لخبره تعالٰی عن الخلف ولانه عقد تبرع للحال فلا یفید الحکم بنفسه کسائر التبرعات ولو تعاقدا علی ان یکون الرهن فی ید صاحبه لایجوز الرهن حتی لو هلك فی یده ولایسقط الدین ولو اراد المرتهن ان یقبضه من یده لیحبسه رهنا لیس له ذلك[2]۔	اللہ سبحانہ وتعالٰی نے رھن کو مقبوض ہونے کے ساتھ موصوف فرمایا تو یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ قبضہ رھن میں شرط ہو تاکہ اللہ تعالٰی کی خبر خلاف واقع ہونے سے محفوظ رہے اور اس لئے بھی کہ یہ تبرع واحسان ہے لہٰذا باقی تبرعات کی طرح یہ خود مفید حکم نہ ہوگا، اور اگر وہ دونوں اس شرط پر عقد کرے کہ رہن مالک قبضہ میں رہے گا تو رہن جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ مالک کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا تو دین ساقط نہ ہوگا، اور اگر مرتہن ارادہ کرے کہ وہ اس کو مالک کے قبضہ سے لے کر بطور رہن محبوس رکھے تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں۔(ت)

یہ لوگ خود بھی اسے نہ رہن کہتے ہیں نہ رہن سمجھتے بلکہ کفالت اور اس کا کفالت ہونا رہن ٹھہرنے سے بھی باطل تر ہے کفالت بے کفیل محال اور س عقد مخترع میں نفس جائداد کفیل ٹھہرتی ہے نہ مالک جائداد اکثر یہ استغراقات صاحب جائداد ان دیون میں کرتا ہے جو خود اس پر ہیں اور کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہوسکتا کہ کفالت ہے۔

ضم الذمة الی الذمة[3] کما فی البدائع والهدایة وعامة الکتب۔	ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کے ساتھ ملانا جیسا کہ بدائع، ہدایہ اور عام کتابوں میں ہے۔(ت)

یہاں دو ذمہ کہاں ہیں کہ ایک دوسرے سے ضم ہو، ولہٰذا شرح جامع الصغیر لشیخ الاسلام علی الاسیجابی پھر فصول استروشی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا قال المطلوب للطالب ان لم اوافک	جب مطلوب طالب سے کہے کہ اگر میں کل اپنے آپ کو

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۸۳

[2] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل اما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۳۵

[3] الھدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۱۲

بنفسی غد افعلی المال الذی تدعی فلم یواف لا یلزمه شیئ[1]۔	تیرے پاس حاضر نہ کروں تو جس مال کا تو دعوی کررہا ہے وہ مجھ پر لازم ہوگا پھر وہ پانے آپ کو حاضر نہ کرے تو اس صورت میں اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔(ت)

اور خود یہ اختراع کرنے والے بھی اتنا سمجھتے ہیں کہ آدمی اپ اپنا ضامن نہیں ہوسکتا لاجرم جائداد کو ذمہ دار مانتے ہیں، اور شک نہیں کہ جو معنی استغراق یہاں سمجھتے ہیں وہی دوسرے خود اس مدیون کے عوض جائداد مستغرق کرنے میں ولہذا جائداد ہی پر مطالبہ عائد مانتے ہیں اور اس میں مالک کے تصرفات انتقال ناجائز جانتے ہیں لیکن جائداد جماد ہے اور ذمہ مکلفین کے ساتھ خاص جانور تو کوئی خاص ذمہ رکھتا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العجماء جبار[2] رواه مالك واحمد والستة عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جانوروں پر ضمان نہیں۔اس کا مالک، امام احمد اور ائمہ ستہ نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

نہ کہ سنگ وخشت، جامع الرموز میں ہے:

الذمة لغة العهد وشرعا محل عهد جری بینه وبین اللہ تعالٰی یوم المیثاق او وصف صار به الانسان مكلفا[3]۔	ذمہ لغت میں عہد کو کہتے ہیں اور شرع میں اس عہد کے محل کو کہتے ہیں جو یوم میثاق کو اللہ تعالٰی اس محل عہد کے درمیان جاری ہوا یا اس وصف کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ انسان مکلّف ہوا۔(ت)

تحریر امام ابن الہمام پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے:

الذمة وصف شرعی به الاهلیة لوجوب ماله وعلیه وفسرها فخر الاسلام	ذمہ میں وہ وصف شرعی ہے جس کے ساتھ مالہ، اور ماعلیہ کی اہلیت وجوب حاصل ہوتی ہے اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۲۰۳ و کتاب الدیات ۲/ ۱۰۲۱ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الحدود قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳، مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۲۸

[3] جامع الرموز کتاب الکفالۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۱۹۵

بالنفس والرقبۃ لھا عھد[1]۔	فخر الاسلام نے اس کی تفسیر یوں کی کہ وہ نفس یا وہ رقبہ جس کے لئے عہد ہے۔(ت)

تو جائداد کا ذمہ دار ہونا محال تو کفالت لغو و واجب الابطال، مخترعین اسے مکفول کہتے ہیں یہ بھی ان کا اختراع ہے ورنہ وہ بھی ان کے طور پر کفیل ہے کما بینا وایضا ______ یہاں پانچ چیزیں ہیں، کفیل، مکفول، مکفول عنہ، مکفول لہ، مکفول بہ، مکفول بمعنی مضمون بہ تو ذمہ کفیل ہے کما تقدم اٰنفا من کتب المذھب (جیسا کہ مذہب کی کتب کے حوالہ سے ابھی گزرا ہے۔ت) اور کفالت دیون میں مکفول منہ مدیون مکفول لہ دائن مکفول بہ وہ دین، در مختار میں ہے:

الدائن مکفول والمدیون مکفول عنه والنفس او المال مکفول به ومن لزمته المطالبة کفیل[2]۔	دائن کو مکفول لہ، مدیون کو مکفول عنہ، نفس یا مال کو مکفول بہ اور جس پر مطالبہ لازم ہے اس کو کفیل کہتے ہیں۔(ت)

ظاہر ہے کہ جائداد نہ دین ہے نہ دائن نہ مدیون نہ وہ وصف شرعی کہ انسان مکلّف کے لئے ہوتا ہے تو وہ اخیر کے چاروں سے کچھ نہیں، لاجرم کفیل ہے،، اور یہ باطل و مستحیل ہے، اگر کہیں کہ ہم صاحب جائداد کو کفیل مانیں گے اور جائداد زیادت اطمینان کے لئے ہے کہ دائن اس سے وصول کرے۔

اقول اولاً: یہ بداہۃ غلط ہے غالب استغراق صاحب جائداد مدیون کے دیون میں ہوتے ہیں اسے کیونکر اپنا کفیل کہا جاسکتا ہے کما تقدم (جیسے پہلے گزرا۔ت)

ثانیاً: ان استغراقوں میں جائداد ہی پر مطالبہ لکھا جاتا ہے، صاحب جائداد اپنا ذمہ اس سے مشغول نہیں کرتا، کوئی حرف ایسا نہیں ہوتا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو، تو وہ کفیل کیونکہ ہوسکتا ہے جامع الفصولین پھر بحر الرائق اور فتاوٰی ظہیریہ پھر خزانۃ المفتین اور فتاوٰی نسفی پھر محیط پھر ہندیہ میں ہے:

قال دینك الذی علی فلان انا ادفعه الیك انا اسلمه الیك انا اقبضه لایصیر کفیلا مالم یتکلم	کسی نے دوسرے کو کہا کہ تیرا جو فلاں پر دین ہے وہ میں تجھے دوں گا، میں تیرے حوالے کروں گا، میں اس کو وصول کروں گا، تو ان الفاظ کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۹

[2] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹

بلفظ یدل علی الالتزام [1]۔	ساتھ وہ کفیل نہ ہوگا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ بولے جو التزام پر دلالت کرتا ہو۔(ت)

ثالثًا: خود ان لوگوں کا مزعوم بھی یہی مقصود بھی یہی، جو شخص اپنے خواہ پرائے دین میں جائداد کا استغراق کردے اور دائن ڈگری پاکر مطالبہ میں اسے حبس کرانا چاہے ہرگز نہ سنیں گے، اور یہی جواب دیا جائے گا کہ جائداد ذمہ دار ہے، اس کی ذات ذمہ دار نہیں صاف تصریح ہوئی کہ وہ کفیل نہیں جائداد کفیل ہے ذمہ دار ہی کفیل ہوتا ہے۔

رابعًا: بالفرض اگر یوں ہی کہتا کہ تیرا دین عمرو پر آتا ہے اس کا میں کفیل ہوں میں ضامن ہوں میں ذمہ دار ہوں اور یہ جائداد اس میں مستغرق کرتا ہوں جب بھی جائداد بلاشبہ آزاد رہتی کفیل کا ذمہ مشغول ہوتا اور اسے جائداد کے بیع وہبہ سے کوئی نہ روک سکتا، کہ حجر عن التصرف مقتضائے کفالت نہیں **کما اوضحناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتوٰی میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ت) بلکہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اس شرط پر کہ کفالت کی کہ اپنے اس مکان کی قیمت سے زرکفالت ادا کروں گا جب بھی مکان آزاد ہے اور اس کا بیچنا کچھ لازم نہیں، وجیز امام کردری پھر بحرالرائق اور فتاوٰی ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

ضمن الفاعلی ان یؤدیھا من ثمن الدار ہذہ فلو یبیعا لاضمان علی الکفیل ولا یلزمہ بیع الدار [2]۔	کوئی شخص ہزار روپے کا ضامن بنا اس شرط پر کہ وہ اس گھر کے ثمن سے ہزار روپے ادا کرے گا پھر اس نے وہ گھر فروخت نہ کیا تو کفیل پر ضمان لازم نہیں اور نہ ہی گھر کو فروخت کرنا اس پر لازم ہے۔(ت)

بالجملہ یہ کفالت واستغراق سراسر بطلان میں مستغرق وباطل وبے اثر وخلاف حق ہیں ان سے اس جائداد پر کوئی مطالبہ اصلاً قائم نہیں ہوسکتا، اور اگر اپنی ذات کو ذمہ دار بنانے کا کوئی لفظ نہ کہا ہو جیسا کہ اکثر یہی ہے تو اس کی ذات وجائداد دونوں آزاد۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ہرگز قابل سماعت نہیں ہم جواب سوال اول میں تحقیق کر آئے کہ یہ کفالت باطل محض تو باطل بنیاد پر دعوی بھی باطل اور دعوی باطلہ مسموع نہیں، نہ مدعا علیہ پر اس کا جواب واجب،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] بحرالرائق کتاب الکفالۃ الباب الثانی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۱۸

درمختار میں ہے:

(یسأل القاضی المدعی علیہ)عن الدعوی فیقول انہ ادعی علیك کذا فما ذا تقول(بعد صحتھا والا)تصدر صحیحۃ(لا)یسأل لعدم وجوب جوابہ [1] واﷲ تعالٰی اعلم۔	قاضی مدعاعلیہ سے دعوی کے بارے یوں سوال کرے گا اور کہے گا کہ اس شخص نے تجھ پر یہ دعوی کیا ہے تو اس کے بارے میں کیا کہتا ہے بشرطیکہ دعوی صحیح ہوا ور اگر دعوی صحیح طوپر دائر نہ ہو تو قاضی سوال نہیں کریگا کیونکہ اس کا جواب دینامدعاعلیہ پر واجب نہیں، اور اﷲ تعالٰی بہتر جانتاہے۔ (ت)

(۳) ہم ثابت کرآئے کہ یہ کفالت ہی نہیں محض باطل ہے کفالت صحیحہ جبکہ بے اذن مکفول عنہ بطور خود ہو نہ اول اس نے اس سے کفالت کو کہا نہ اسی مجلس میں دائن کے قبول سے پہلے اس پر رضا دی اگرچہ بعد تبدیل مجلس اظہار رضا کیا یا مجلس ہی میں مگر کفول لہ پہلے رضا دے چکا تو ان سب صورتوں میں وہ تبرع محض ہے اور کفیل کو اصیل سے رقم ادا کردہ لینے کا اصلا استحقاق نہیں، ردالمحتار میں ہے:

لو کفل بأمر المطلوب بشرط قولہ عنی اوعلی انہ علی رجع علیہ بما ضمن وان ادی ارد أعینی وان بغیرہ لا یرجع لتبرعہ الااذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیۃ [2] (ملتقطا)	اگر مطلوب کے امر سے کفیل بنا بشرطیکہ مطلوب نے کہا ہو کہ تو میری طرف سے ضامن بن یا اس شرط پر کہ وہ مجھ پر لازم الادا ہے تو ادا کردہ دین کے بارے میں مطلوب مطلوب کی طرف رجوع کرے گا اگرچہ اس نے مکفول بہ سے بدتر ادا کیا ہو (عینی) اور اگر مطلوب کے امر کے بغیر کفیل بنا ہو تو رجوع نہیں کرے گا، کیونکہ یہ اس کی طرف سے تبرع واحسان ہے، مگر جب مجلس کے اندر ہی مطلوب نے اس کو کفالت کی اجازت دے دی ہو تو رجوع کرسکتاہے، (عمادیہ) (ملتقطا)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای قبل قبول الطالب فلو کفل بحضر تھما بلاامرہ فرضی	یعنی طالب کے قبول کرنے سے پہلے (مطلوب نے اجازت دی ہو) اگر وہ دونوں (طالب و

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶
[2] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴

المطلوب اولا رجع ولو رضی الطالب اولا لالتمام العقد به فلا یتغیر قهستانی عن الخانیة وقد منها ایضا عن السراج[1]۔	مطلوب) کی موجودگی میں بلاامر مطلوب کفیل بنا پھر مطلوب نے پہلے رضامندی ظاہر کردی تو کفیل اس کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اگر طالب نے پہلے رضامندی ظاہر کردی تو رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ طالب کی رضامندی کے ساتھ عقد تمام ہوگیا اب اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی (قہستانی بحوالہ خانیہ) ہم سراج کے حوالے سے بھی اس کا ذکر پہلے کرچکے ہیں۔(ت)

اقول: (میں کہتاہوں) ہمارے نزدیک یہ تفصیل بھی عندالتحقیق قول طرفین پر مبنی ہے کہ کفالت بے قبول طالب ناتمام مانتے ہیں قول مفتی بہ پر جبکہ کفالت صرف قول کفیل سے تمام ہوجاتی ہے اگرچہ طالب کی رضا نہ ہو تو مطلوب کی اجازت لاحقہ نہ ہوگی مگر بعد تمام عقد اور وہ تبرعا واقع ہولیا تواب متغیر نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

الکفالة رکنها الایجاب والقبول عند ابی حنیفة ومحمد وهو قول ابی یوسف اولا ثم رجع وقال تتم بالکفیل وحده کذا فی المحیط، ورضا الطالب لیس بشرط عنده وهو الاصح کذا فی الکافی وهو الاظهر کذا فی فتح القدیر وفی البزازیة وعلیه الفتوی کذا فی النهر الفائق، وهکذا فی البحر الرائق[2]۔	کفالت کا رکن طرفین کے نزدیک ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف کا پہلا قول بھی یہی ہے پھر آپ نے اس سے رجوع کرتے ہوئے کہا کہ اکیلے کفیل سے ہی کفالت تام ہوجاتی ہے یونہی محیط میں ہے، اور طالب کی رضامندی شرط نہیں ہے، امام ابویوسف کے نزدیک اور وہی اصح ہے (کافی) اور یہی اظہر ہے (فتح القدیر) اور بزازیہ میں ہے کہ اس پر فتوٰی ہے، اسی طرح النہر الفائق اور البحر الرائق میں ہے۔(ت)

توثابت ہوا کہ صرف وہی کفالت موجب رجوع ہوتی ہے جو امر وحکم مدیون کے بعد ہو ولہذا جملہ متون وعامہ شروح نے صرف امر پر بنائے کار رکھی اور تفصیل مذکور کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ متن ملتقٰی وغرر میں فرمایا:

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

وان کفل بلا امرہ لایرجع علیہ وان جازھا بعد العلم [1] اھ وھذا باطلاقہ یشمل العلم فی المجلس و بعدہ۔	اگر کوئی حکم مطلوب کے بغیر کفیل بنا تو وہ مطلوب کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اگرچہ مطلوب نے علم ہونے پر کفالت کی اجازت دے دی ہو اھ یہ عبارت اپنے اطلاق کے ساتھ دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی مجلس کے اندر علم ہوا ہو یا بعد میں۔(ت)

کافی امام نسفی میں ہے:

شل ما اذا اکفل بغیر امرہ ثم اجازھا لان الکفالۃ لزمتہ ونفذت علیہ غیر موجبۃ للرجوع فلا تنقلب موجبۃ لہ [2]۔	یہ حکم مطلوب کے بغیر کفیل بننے اور بعد میں مطلوب کے اجازت دینے کو شامل ہے کیونکہ کفالت اس حال میں لازم ونافذ ہوچکی ہے کہ وہ غیر موجب رجوع ہے لہٰذا اب موجب رجوع ہونے کی طرف منقلب نہیں ہوگی۔(ت)

اسی طرح درر میں غایہ سے ہے بلکہ خود فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل کفل عن رجل بمال بغیرہ امرہ ثم اجاز المکفول عنہ الکفالۃ فادی الکفیل شیئا لایرجع علی المکفول عنہ [3]۔	ایک شخص بغیر حکم مطلوب کے اس کی طرف سے کفیل بالمال بنا پھر مکفول عنہ یعنی مطلوب نے کفالت کی اجازت دے دی اور کفیل نے اس کی طرف سے قرض ادا کردیا تو مکفول عنہ کی طرف رجوع نہیں کریگا۔(ت)

بہرحال یہ حکم کفالت واقعیہ کا ہے یہاں کہ شرعا کفالت نہیں کچھ مہمل وباطل لفاظ ہیں جن کا نام کفالت واستغراق رکھا ہے یہاں اگر زید کا امر بھی ہوتا عمرو کو زید پر اس رقم کا دعوی نہ پہنچتا کہ اگر زید نے کفالت کا امر کیا تھا مثلاً فلاں کا جو مطالبہ مجھ پر ہے اس میں میرا کفیل ہوجا یا اس میں میری ضمانت کرلے، اور اسی نے یہ مکان مستغرق کردیا کوئی لفظ التزام کا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو نہ کہا جب تو ظاہر ہے کہ یہ اس نے یہ مکان مستغرق کردیا کوئی التزام کا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہوں نہ کہا جب تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے امر سے نہیں کہ اس نے کفالت کا امر کیا تھا اور یہ کفالت نہیں، اور اگر خود زید نے اس سے استغراق مکان ہی کو کہا تھا تو یہ ایک باطل کا حکم دیا نہ کہ اپنی طرف سے قضائے دین کا جس کے تضمن کے سبب کفالت بالامر کے سبب کفیل کو مکفول عنہ سے وصول کرنے کا اختیار ملتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

---

[1] غرر الاحکام متن الدرر الحکام کتاب الکفالۃ مطبعہ احمد کامل مصر ۲/ ۳۰۲

[2] بحر الرائق کتاب الکفالۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۲۴

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۷

ان کفل بامرہ رجع بما ادی علیہ لانہ قضی دینہ بامرہ[1]۔	اگر کوئی مکفول عنہ کے امر سے کفیل بنا تو اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے کیونکہ اس نے مکفول عنہ کا قرض اس کے حکم سے ادا کیا۔ (ت)

ایسے امر میں کفیل کو مکفول لہ یعنی دائن سے اپنی دی ہوئی رقم واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کفیل سمجھ کر ادا کی اور یہ خیال باطل تھا۔

ومن دفع شیئا ظانا انہ علیہ ولم یکن علیہ کان لہ ان یستردہ[2] کما فی العقود الدریۃ وغیرھا۔	اگر کسی نے دسرے کو یہ سمجھتے ہوئے کوئی شے دی کہ وہ دینا اس پر لازم ہے حالانکہ وہ لازم نہ تھی تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مدیون پر اس کو کوئی دعوی نہیں پہنچتا، فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ ولیس بخلط لہ ادفع لا یرجع الف درہم فدفع المامور لا یرجع بہ علی الامر لکن یرجع بہ علی القابض لانہ لم یدفع الیہ علی وجہ یجوز دفعہ[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص نے دوسرے کو جو اس کا شریک نہیں ہے کہا کہ فلاں کو ہزار روپے دے دو اور اس نے دے دئے تو آمر کی طرف رجوع نہیں کر سکتا البتہ قابض کی طرف رجوع کر سکتا ہے کیونکہ مامور نے اس کو ایسی وجہ سے ہزار روپے نہیں دئے جس وجہ سے دینے جائز ہوں اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۴) اگر یہ کفالت صحیح وجائز ہوتی اور بامر مکفول عنہ وقوع پاتی تو صورت مذکورہ میں ضرور عمرو اس رقم کو زید سے واپس لے سکتا ہے نیلام نہ ہونے دیتا، اور روپیہ ادا کردینا کوئی خلاف قضیہ کفالت نہیں بلکہ عین اس کا مقتضا ہے کفالت توثیق دین کے لئے ہوتی ہے وہ حاصل ہے نہ کہ نیلام جائداد کفیل کے لئے، رہن کے تو عین سے حق مرتہن متعلق ہوتا ہے، ولہذا اس میں اور سب دائنوں پر مقدم رہتا ہے اور رہن سے غرض یہی ہے کہ راہن سے دین وصول نہ ہو تو اس کی قیمت سے وصول ہوجائے پھر اگر دین کی میعاد

[1] الہدایہ کتاب الکفالہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۹

[2] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ۱/ ۹۱ وکتاب الوقف ۱/ ۲۲۷ وکتاب المداینات ۲/ ۲۴۹ ارگ بازار قندھار افغانستان

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ فصل فی الکفالۃ بالمال مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۸۹

گزر جائے اور مرتہن اس کی بیع چاہے راہن بادائے دین بلا شک فک رہن کراسکتا ہے کفیل کیوں ممنوع ہوگا مگر ہم بیان کرآئے کہ نہ یہ کفالت ہے نہ یہاں زید پر عمرو کو کسی قسم کا دعوی پہنچتا ہے تو اس سے بحث کی حاجت نہ رہی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۷: از شہر بریلی مرسلہ حافظ حضور احمد خاں منصرم نقل ساکن ریاست رام پور وارد حال بریلی

کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجری اپنی جائداد سے کرکے باضابطہ تصدیق کرادی زید نے پہلے سال میں بدنیتی سے سرکاری روپیہ ادانہیں کیااور جائدا دمکفولہ کے نیلام کی درخواست دے دی عمرو نے مجبور ہوکر بعذر داری منجملہ (الہ ما مل ۰۲) زر ضمانت کہ بموجب پر تہ (ماسہ عہ) داخل سرکار کرکے جائداد مکفولہ اپنے نیلام سے واگزاشت کرالی اور عمرو کے نام عدالت دیوانی میں زر ضمانت ادا کردہ (صمالہ /) کی بر بنائے ضمانت نامہ مصدقہ وداخلہ سرکاری کی نالش رجوع کردی زید مدعاعلیہ کو یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعا ناجائز ہے اور حکم دفعہ ۹۷ آئین حامدیہ قانون مجریہ اور عملدرآمد ریاست یہ ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اصل مستاجر پر دعوی رجوع کرکے زرمدخلہ اپنا وصول کرانے کا اختیار حاصل ہے پس ایسے حکم قانون مجریہ اور عمل درآمد ریاست کے مقابلہ میں وہ ضمانت نامہ شرعا جائز ہوسکتا ہے یا کیا؟ اور قاضی وقت حکم سلطان العصر کے خلاف تجویز فرمانے میں بموجب روایت درمختار:

ولو امر السلطان بعدم سماع الدعوی فلا تسمع الدعوی[1] الخ	اگر سلطان دعوی کی عدم سماعت کا حکم دے تو دعوی نہیں سنا جائے گا الخ۔ (ت) ممنوع ہے کیا؟

الجواب:

کفالت بالمال بلاشبہ شرعا جائز ہے مدعاعلیہ کا عذر باطل ہے یہاں تک کہ ناجائز مطالبوں کی کفالت صحیح ہے تو مستاجری رائجہ دیہات کا شرعا ناجائز ہونا صحت کفالت کا مانع نہیں، درمختار میں ہے:

صح ضمان الخراج وکذا النوائب ولوبغی حق کجبایات زماننا فانہا فی المطالبۃ کالدیون بل فوقہا حتی لواخذت	صحیح ہے ضمان اخراج کا اور اسی طرح نوائب (حکام کی طرف سے مقررہ کردہ اموال) کا اگرچہ وہ نوائب ناحق ہو۔ جیسے ہمارے زمانے کے مظالم سلطانی، کیونکہ یہ مطالبہ میں دیون کی مثل ہیں بلکہ اس سے

[1] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

من الاکار فله الرجوع علی مالك الارض و علیه الفتوی[1]۔	فوق ہیں یہاں تک کہ اگر کاشتکار سے ایسے اموال جبرا لئے جائیں تو وہ مالک زمین کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔(ت)

اور کفالت جبکہ بامر مطلوب ہو جیسا صورت سوال میں ہے تو بلاشبہہ کفیل کو اصیل سے وصول کرنے کا اختیار ہے تنویر الابصار میں ہے:

لو کفل بامرہ رجع بما ادی وان بغیرہ لاولا یطالب کفیل بمال قبل ان یؤدی عنه[2] (ملتقط)	اگر کوئی مطلوب کے حکم سے کفیل بنا تو قرض ادا کرکے مطلوب کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اگر اس کے حکم کے بغیر کفیل بنا تو رجوع نہیں کرسکتا اور مطلوب کی طرف سے قرض ادا کرنے سے پہلے کفیل اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔(ملتقطا)۔(ت)

اور یہی مطلب اس قانون کی عبارت منقولہ سوال کا ہے کہ اس کو مستاجر پر دعوی کرکے زرمدخلہ وصول کرنے کا اختیار ہے تو اصل منشأ سوال کہ حکم شرع وقانون کا اختلاف ہے یہاں منتفی ہے۔**واﷲ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۸: از مرادآباد محلہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ علاقہ ریاست پور میں حاکم وقت کا یہ حکم ہے کہ جو دیہات مستاجری سرکاری میں جائداد ضمانت میں مکفول کرے اسے بیع ورہن وہبہ نہیں کرسکتا زید نے اپنی جائداد کا جو ضمانت میں مکفول تھی ہبہ نامہ لکھ دیا اور قبضہ موھوب لہ کا کرادیا اور ہبہ نامہ میں یہ لکھ دیا کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موھوب لہ رہے سرکار نے بمنظوری اس امر کے کہ جائداد بدستور مکفول رہے اس ہبہ نامہ کو منظور کرلیا تو یہ ہبہ جائز رہا یا نہیں اور وہ جائداد یا موھوب لہ اس مطالبہ کے ذمہ دار ہوئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہبہ جائز ونافذ تام ہوگیا لصدورھا عن اھلھا فی محلھا وقد تمت بلحوق القبض (کیونکہ وہ ہبہ کے اہل سے ہبہ کے محل میں صادر ہوا اور قبضہ لاحق ہونے کے ساتھ وہ تام ہوگیا۔ت) اور وہ کفالت اس کے لئے مانع نہیں ہوسکتی کہ جائداد کی کفالت اصلا کوئی چیز نہیں جب تک جائداد کسی دین موجود کے مقابل قبضہ دین میں نہ دی جائے تو جائداد جسے لوگ آج کل مکفول یا مستغرق کہتے ہیں شرعاً آزاد محض ہوتی ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۶

[2] ردمختار شرح تنویر الابصار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴

مالک کو اس میں ہر گونہ تصرف کا اختیار ہوتا ہے پھر ہبہ نامہ میں جو یہ شرط لگائی کہ جائداد موھوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موھوب لہ رہے ظاہر ہے کہ شرط باطل ہے مگر شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرط باطل و بے اثر رہتی ہے اور موھوب لہ کا اس ہبہ کو قبول کرنا اسے اس شرط فاسد کا پابند نہیں کرتا نہ اس کا یہ قبول کسی طرح بطور خود قبول کفالت کا اثر رکھتا ہے پس صورت مستفسرہ میں ہبہ قطعاً صحیح وتام ہے اور جائداد موہوبہ اور ذات موھوب لہ دونوں مطالبہ ریاست بری وآزاد، تو صیح مقام یہ ہے کہ شرح میں کفالت کے معنی ہیں کسی کے ذمہ سے اپنا ذمہ ملا دینا دین میں جیسے بعض کا قول ہے یا مطالبہ میں جیسا کہ قول اصح ہے، ہدایہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

قیل ھی ضم الذمۃ الی الذمۃ فی المطالبۃ و قیل فی الدین والاول اصح [1] انتھی، اقول والمراد اعم عن مطالبۃ حاضرۃ کما علی مدیون اومتوقعۃ کما فی ضمان الدرك وغیرہ ففی الھندیۃ عن محیط السرخسی لو قال لرجل مابایعت فلانا فھو علی جاز لانہ اضاف الکفالۃ الی سبب وھو مبایعۃ والکفالۃ المضافۃ الی وقت فی المستقبل جائزۃ لتعامل الناس فی ذلك [2] اھ وفیھا عن الکافی یصح تعلیق الکفالۃ بالشروط کمالو قال مابایعت فلانا فعلی وما ذاب لك علیہ فعلی وماغصبك فلان فعلی [3]۔	ایک قول یہ ہے کہ کفالت دین میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مطالبہ میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور قول اول زیادہ صحیح ہے انتہی میں کہتا ہوں مطالبہ سے مراد عام ہے چاہے حاضر ہو جیسے مدیون پر یا متوقع ہو جیسے ضمان درک وغیرہ میں، ہندیہ میں محیط سرخسی کے حوالے سے ہے کہ اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا جو تم فلان پر بیچوں وہ مجھ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ کفالہ کی سبب وجوب یعنی مبایعت کی طرف اضافت ہے اور وہ کفالہ جس کو مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب کیا جائے جائز ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کا تعامل جاری ہے اھ، اور اسی میں کافی سے منقول ہے کہ کفالہ کو شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے جیسے کہا کہ جو تم فلاں کے ساتھ بیع کرو وہ مجھ پر لازم ہے اور تیرا جو حق اس پر ثابت ہو وہ مجھ پر لازم ہے اور جو فلاں نے تجھ سے غصب کیا وہ مجھ پر لازم ہے۔ (ت)

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۶

[3] فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۷۱

اور ظاہر ہے کہ جائداد کوئی صاحب ذمہ نہیں تو زید پر کے مطالبہ میں عمرو کا اپنی جائداد کو مکفول یا مستغرق کردینا بے معنی ہے عمرو خود اس مطالبہ کا کفیل بنتا ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو وہ کون سا ذمہ ہے کہ ذمہ زید کے ساتھ ضم ہوا اور اگر ہاں تو مطالبہ ذمہ عمرو پر ہوا نہ کہ جائداد پر ولہذا اگر کفیل کی کلی جائداد تلف ہوجائے کفیل مطالبہ سے بری نہیں ہوتا جب اس کے پاس مال آئے گا مطالبہ ممکن ہوگا بخلاف رہن اس میں حق مرتہن خاص شے مرہون سے متعلق ہوجاتا ہے حتی کہ اگر مرہون اس کے پاس ہلاک ہوجائے تو بقدر اس کی قیمت کے دین ساقط ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اگر روز قبضہ مرتہن مرہون دین کے برابر یا اس سے اکثر تھی اور شے مرہون اس کے پاس تلف ہوگئی تو کل دین جاتا رہا، ذخیرہ وہندیہ میں ہے:

اذا هلك المرهون فی يد المرتهن او فی يد العدل ينظر الی قيمته يوم القبض والی الدين فان كانت قيمته مثل الدين سقط الدين بهلاكه وان كانت قيمته اكثر من الدين سقط الدين وهو فی الفضل امين وان كانت قيمته اقل من من الدين سقط من الدين قدر قيمة الرهن ويرجع المرتهن علی الراهن بفضل الدين[1] ۔	اگر مرہون شے مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی یا عادل کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو قبضہ والے دین اس شی کی قیمت اور قرض کو دیکھا جائے گا اگر اس شے کی قیمت قض کی مثل ہے تو قرض ساقط ہوجائے گا اور اگر قیمت زیادہ ہے تو قرض ساقط ہوجائے گا جو زائد ہے اس میں مرتہن امین ہوگا، اور قیمت قرض سے کم ہے مرہون کی قیمت کے برابر ساقط ہوجائے گا اور باقی قرض کے سلسلہ میں مرتہن راہن کی طرف رجوع کرے گا۔ (ت)

مگر یہ اس حالت میں ہے کہ وہ شے دائن کے قبضہ میں دے دی جائے اور دین موجود و متحقق ہو نہ کہ موہوم و متوقع،

قال الله تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[2]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت)

کافی وہندیہ میں ہے:

لایصح الرہن الابدین واجب ظاهرا وباطنا او ظاهرا، فامابدين معدوم فلايصح[3] ۔	نہیں صحیح ہے رہن مگر دین واجب کے بدلے میں، چاہے ظاہر ہو یا باطن لیکن دین موہوم کے بدلے میں صحیح نہیں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرھن الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۴۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرھن الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۱

اس کفالت واستغراق مخترع میں کہ جائداد اس کے قبضہ میں نہیں دی جاتی اور بارہا کوئی دین بالفصل موجود بھی نہیں ہوتا جائداد کیونکہ اس کے حق میں محبوس ہوسکتی ہے۔ اس کا حاصل تو یہ ہوگا کہ کفیل کو اس کے اس مال مملوک میں تصرفات مالکانہ سے مجور وممنوع کردیں حالانکہ خود وہ مدیون بھی نہیں بلکہ بہت جگہ ابھی دین کا اصلا وجود ہی نہیں اور شرعا خود مدیون بھی، اور وہ بھی ایسا کہ دیون اس کے تمام املاک کو مستغرق ومحیط ہوں اپنی ملک میں کسی تصرف مالکانہ سے ممنوع نہیں ہوتا حتی کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اگر قرضخواہ نالشی ہو (کہ یہ اپنی جائداد تلف کئے ڈالتا ہے حاکم اسے تصرفات سے روک دے) اور قاضی ان کی نالش قبول کرکے ممانعت کا حکم قطعی صادر کردے جب بھی وہ اصلاً ممنوع نہ ہوگا جس مال کو ہبہ کرے گا ہبہ ہوجائے گا بیع کرے گا بک جائے گا، وقف کرے گا وقف ہوجائے گا، قرضخواہوں کو جو حق حبس وملازمت کا دیا گیا وہ اپنے ان طریقوں سے چارہ جوئی کریں اس کے تصرفات کہ اس کی اہلیت سے ناشئ ہیں کسی کے روکے نہ رکیں گے، اور صاحبین کے نزدیک اگرچہ وہ صرف اپنے مال موجود میں بعض تصرفات سے ممنوع ہوسکتا ہے جبکہ دین اس کے اموال کو محیط ہوجائے مگر کب؟ جبکہ بعد نالش قرضخواہان قاضی اس کے ممنوع ہونے کی قضا کردے اور اسے اس قضا کی اطلاع بھی پہنچ پائے اس سے قبل بالاجماع وہ بھی کسی طرح سے ممنوع نہیں۔ محیط وعالمگیری میں ہے:

الحجر بسبب الدین ان یرکب الرجل دیون تستغرق امواله اوتزید علی مواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی لایهب ماله ولا یتصدق به ولا یقربه لغریم آخر فالقاضی یحجر علی عندهما، وعند ابی حنیفة لا یحجر علیه ولا یعمل حجره حتی تصح منه هذا التصرفات کذا فی المحیط. ویصح هذا الحجر عندهما و ان کان المحجور المدیون غائب ولکن یشترط علم	قرض کی وجہ سے تصرفات سے روک دینا اس طرح ہے کہ کسی شخص پر اتنے قرض ہوگئے جو اس کے تمام اموال کو محیط ہوگئے یا اس سے زیادہ ہوگئے اور قرضخواہوں نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ وہ اس پر پابندی لگائے تاکہ وہ اپنے مال کو نہ تو ہبہ کرے، نہ اس کو صدقہ کرے اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی اور قرضخواہ کا اقرار کرے تو صاحبین کے نزدیک قاضی اس پر پابندی عائد کردے گا جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پابندی عائد نہیں کرے گا اور نہ اس پر پابندی نافذ ہوگی یہاں تک کہ اس کے تصرفات مذکورہ صحیح ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک اس پر یہ پابندی صحیح ہوگی اگرچہ وہ مدیون جس پر پابندی لگائی گئی غائب ہو بشرطیکہ پابندی کے بعد اس کو

المحجور علیہ بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشرہ بعد الحجر قبل العلم بہ یکون صحیحا عندہما[1]۔	پابندی کا علم ہوجائے یہاں تک پابندی کے بعد اس کا علم ہونے سے پہلے جو تصرف اس نے کیا وہ صاحبین کے نزدیک صحیح ہوگا۔(ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

انما یحجر بعد الحکم لا قبلہ[2]۔	بیشک مدیون قاضی کے فیصلہ کے بعد ہی تصرفات سے پابند ہوگا اس سے پہلے نہیں۔(ت)

یہاں دین محیط ہونا درکنار یہ شخص خود مدیون بھی نہیں بلکہ ہنوز سرے سے دین ہی نہیں، نہ نالش نہ قضاء، اور اپنی جائداد میں اس کے تصرفات ناروا، یہ محض باطل وبے اصل وبے معنی ہے پھر یہ کلام بھی اس صورت میں تھا کہ زید پر مطالبہ ہو یا ہوگا، اور عمرو نے اپنی جائداد مکفول کی یہاں تو اس پر بھی طرہ یہ ہے کہ خود زید ہی کا معاملہ اور وہ آپ ہی اپنی جائداد مکفول کررہا ہے یہاں کون سا دوسرا ذمہ اس کے ذمہ کے ساتھ ملایا گیا ایسی مخترع باتیں شرع مطہر کے نزدیک اصلا قابل التفات نہیں ہوسکتی، اس مسئلہ کو خوب سمجھ لینا چاہئے، کہ آج کل یہ نئی وضع کی کفالت بہت شائع ہوگئی ہے حالانکہ وہ صرف ایجاد قانون ہے شرع مطہر میں اس کا کہیں نشان نہیں، پس روشن ہوا کہ زید کا وہ جائداد دوسرے کو ہبہ کردینا قطعاً صحیح ونافذ تھا اور مکفول ہونے سے اس پر اصلا کوئی اثر نہ آسکتا تھا، رہی ہبہ نامہ کی وہ شرط کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے،

اولاً: شرط فاسد ہے کہ نہ مقتضائے عقد ہبہ ہے کہ بلاشرط خود لازم ہوجاتی ہے نہ اس کے ملائم ہے کہ موجب ہبہ یعنی ملک موہوب لہ کی تاکید کرتی اور اس میں احد العاقدین یعنی واہب کا نفع ہے، ایسی شرط فاسد ہوتی ہے اور ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی خود باطل ہوجاتی ہے۔ درمختار میں ہے:

الاصل الجامع فی فساد العقد شرط لایقتضیہ العقد ولایلائمہ وفیہ نفع لاحدہما الخ[3]۔	فساد عقد میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو جس کا تقاضہ عقد نہیں کرتا اور نہ ہی وہ عقد کے ملائم ہے اور اس میں عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو الخ(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحجر مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۹۱۸

[3] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

قال فی البحر معنی کون الشرط یقتضیه العقد ان یجب بالعقد من غیر شرط و معنی کونه ملائما ان یؤکد موجب العقد کذا فی الذخیرة[1]۔	بحر میں کہا کہ شرط کے مقتضائے عقد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو کہ شرط لگائے بغیر ہی عقد کے ساتھ واجب ہو اور اس کے ملائم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ موجب عقد کی تاکید کرے، یوں ہی ذخیرہ میں ہے۔(ت)

تنویر البصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

مایصح ولایبطل باالشرط الفاسد و یلغواالشرط القرض والھبة والصدقة[2] الخ۔	وہ جو صحیح ہوتی ہے اور شرط فاسد کے ساتھ باطل نہیں ہوتی بلکہ خود شرط لغو ہوجاتی ہے وہ قرض، ہبہ اور صدقہ ہے۔ الخ۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

الھبه والصدقة والکتابة بشرط متعارف وغیر متعارف یصح ویبطل الشرط[3]۔	ہبہ، صدقہ اور کتابت شرط متعارف اور غیر متعارف کے ساتھ صحیح ہوجاتے ہیں اور شرط باطل ہوجاتی ہے۔(ت)

موہوب لہ کا اس ہبہ نامہ کو قبول کرنا اس شرط کا پابند نہ کرے گا ورنہ شرط باطل نہ ہوئی بلکہ موثر ٹھہری حالانکہ باطل ولغو تھی، شرح اسیجابی وفتاوٰی تاتار خانیہ وفتاوٰی عالمگیرہ میں ہے:

رجل وھب لرجل ھبة اوتصدق علیه بصدقة علی ان یرد علی ثلثھا اوربعھا اوبعضھا فالھبة جائزة ولایرد علیه ولایعوضه بشیئ[4]۔	کسی شخص نے دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کی یا صدقہ دیا اس شرط پر کہ وہ اس کا تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ یا بعض حصہ اس کو لوٹا دے گا تو ہبہ جائز ہے اور موہوب لہ واہب کو واپس نہیں لوٹائے گا اور نہ ہی اسکے عوض کوئی شے دے گا۔(ت)

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۸، درمختار شرح تنویر الابصار باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبه الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۶

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبه الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۶

ثانیاً: اس سب سے قطع نظر ہو تو اس نے قبول ہبہ نامہ سے کیا شرط قبول کی ہے وہ مطالبہ کہ جائداد پر برآمد ہوا اپنے ذمہ لینا اور ہم سب ثابت کر آئے کہ ایسی صورت میں جائداد پر کوئی مطالبہ برآمد ہو ہی نہیں سکتا تو اس نے ایک امر محال کو قبول کیا قبول نامہ سے جدا اگر بطور خود وہ ایسی مہمل و باطل بات کو قبول کرتا تو باطل ہی ہوتا کہ باطل کسی کے قبول کئے سے حق نہیں ہو جاتا تو صورت مستفسرہ میں اس کی ذات وجائداد دونوں ایسے مطالبہ باطلہ سے قطعاً بری ہیں کہ بلکہ اگر فرض کرلیں کہ اس نے (نہ وہ مطالبہ باطلہ کہ جائداد پر برآمد ہو بلکہ) خود وہ مطالبہ کہ واہب پر نکلے (نہ جائداد موہوبہ کے ذمہ باطلہ پر بلکہ) خود اپنے ذمہ پر (نہ قبول ہبہ نامہ میں بلکہ) خود مستقل طور پر قبول کیا ہوتا جب بھی صورت مذکورہ میں وہ کفالت محض باطل وبے اثر رہتی، ہم اگرچہ ایسے مطالبہ کی کفالت جائز مانیں حالانکہ یہ مطالبہ اس مستاجر سے بھی بارہا محض باطل طور پر ہوتا ہے اس لئے کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے کہ زمین اجارہ مزارعان میں رہتی ہے اور توفیر ٹھیکہ میں دی جاتی ہے قطعہ باطل محض ہے جس کے بطلان کا روشن بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی استھلاك الاعیان قصدا وقعت باطلۃ فعقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخراج المؤظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا[1]۔	اجارہ جب اعیان کو قصدا ہلاک کرنے پر واقع ہو تو وہ باطل واقع ہوتا ہے چنانچہ اجارہ مذکورہ جب کھیتی سے انتفاع پر واقع نہیں ہوا بلکہ اخراج کی دونوں نوعوں یعنی مؤظف ومقاسمہ سے حاصل ہونے والی پیداوار لینے اور کچھ درختوں پر ہے بصورت رائج درہموں کے اس کی اجرت لینے پر واقع ہوا ہے اور یہ ہمارے ائمہ کے اجماع سے باطل ہے اور ہمارے علماء اس پر متفق ہیں کہ باطل کا کوئی حکم نہیں۔ (ت)

تو جس سال جس قدر نشتت ہو اسی قدر تمام وکمال حق مالک ہے زیادہ حاصل ہو تو مستاجر کا اس میں کوئی پیسہ نہیں اور کمی پڑے تو مستاجر پر ہرگز اپنے گھر سے اس کا پورا کرنا نہیں اور یہ کفالتیں اسی وقت کے لئے رکھی جاتی ہے جب مستاجر سے پوری رقم مقررہ شدہ وصول نہ ہوا گر مستاجر خود نہ کھا گیا بلکہ فی الواقع کمی ہوئی تو اس سے پوری رقم لینی حرام ہے اور مطالبہ باطل، مگر از انجا کہ مطالبہ ضرور ہوتا ہے، اور قانونی طور

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۳-۱۳۵

سے اس پر جبر پہنچتا ہے اور بزور کچہری حاصل کرلیتے ہیں تو اس کی کفالت کی گنجائش ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

مالیس بحق کالجبایات الموظفة فی زماننا علی الخیاط والصباغ وغیرھما للسلطانی فی کل یوم اوشھر فانما ظلم، اختلف المشائخ فی صحة الکفالة بھا کذا فی فتح القدیر، والفتوی علی الصحة کذا فی شرح الوقایه، وممن یمیل الی الصحة الشیخ الامام علی البزدوی کذا فی الھدایة، وقال النسفی وشمس الائمه قاضیخاں مثل قول فخر الاسلام لانھا فی حق توجه المطالبة فوق سائر الدیون والعبرة فی باب الکفالة للمطالبة لانھا شرعت لالتزامھا ولھذا قلنا ان من قام بتوزیع ھذہ النوائب بالقسط یؤجر وان کان الاٰخذ فی الاخذ ظالما کذا فی المعراج الدرایة[1]۔	وہ جو ناحق ہے جیسے ہمارے زمانے میں بادشاہ کے لئے درزی اور رنگساز وغیرہ پر یومیہ ماہانہ مقرر کردہ ٹیکس یہ ظلم ہے، ان کی کفالت صحیح ہونے کے بارے میں ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے، فتح القدیر میں یوں ہی ہے اور فتوٰی صحیح ہونے پر ہے، شرح وقایہ میں یونہی ہے اور صحت کی طرف میلان کرنے والوں میں سے شیخ الاسلام علی البزدوی ہیں یونہی ہدایہ میں ہے نسفی، شمس الائمہ اور قاضی خاں نے فخر الاسلام کے قول کی مثل کہا کیونکہ یہ توجہ مطالبہ میں تمام دیون سے فوق ہے اور کفالہ کے باب میں اعتبار مطالبہ کا ہے کیونکہ یہ اس کے التزام کے لئے مشروع ہوا اسی وسطے ہم نے کہا کہ جو کوئی ان ٹیکسوں کی عادلانہ تقسیم کے لئے کمر بستہ ہوا ماجور ہوگا اگرچہ لینے والا ان کو لینے میں ظالم ہو معراج الدرایہ میں یوں ہی ہے۔ (ت)

تو اس مطالبہ مشتبہ کی جو کبھی صحیح کبھی باطل طور پر ہوتا ہے کفالت بدرجہ اولٰی صحیح ہوگی لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ایجاب وقبول دونوں رکن کفالت میں تنہا کفیل کے قبول والتزام مطالبہ سے وہ کفیل نہیں ہوجاتا جب تک اس کے ساتھ مکفول لہ کا اسے قبول کرنا بھی نہ ہو خواہ وہ خود قبول کرے یا اس کی طرف سے دوسرا اگرچہ فضولی، ولہٰذا اگر اس مجلس میں قبول نہ پایا جائے تو کفالت باطل ہوجاتی ہے پھر بعد مجلس اگر مکفول لہ سو بار قبول کرے کچھ مفید نہیں۔ فتوٰی یہاں مختلف ہے اور فتوٰی جب مختلف ہو تو قول امام پر عمل واجب،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالة مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۱

کما نص علیه فی البحر الرائق والخیریة و غیرہما و قدبیناہ فی النکاح من فتاوٰنا	جیسا کہ بحرالرائق اور خیریہ وغیرہ میں ہے اور اہم اس کو اپنے فتاوٰی کی کتاب النکاح میں بیان کرچکے ہیں۔(ت)

محیط وہندیہ میں ہے:

امار کنها فالا یجاب والقبول عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالٰی وھو قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی اولاحتی ان الکفالة لاتتم بالکفیل وحدہ سواء کفل بالمال اوبالنفس مالم یوجد قبول المکفول له او قبول اجنبی عنه فی مجلس العقد اوخطاب المکفول له اوخطاب اجنبی عنه اما اذالم یوجد شیئ من ذٰلك فانها لاتقف علی ماوراء المجلس حتی لو بلغ الطالب فقبل لم تصح [1]۔	امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے نزدیک کفالہ کا رکن ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا پہلا قول بھی یہاں تک اکیلے کفیل سے کفالہ تام نہیں ہونا چاہئے وہ مال کی کفالت کرے یا نفس کی جب تک مکفول لہ یا اس کی جانب سے کسی اجنبی شخص کا قبول یا خطاب نہ پایا جائے اگر ان میں سے کچھ بھی نہ پایا گیا تو یہ ماورائے مجلس پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر طالب تک خبر پہنچی اور اس نے قبول کرلیا تو کفالہ صحیح نہ ہوگا۔(ت)

منح الغفار میں امام طرطوسی ہے: الفتوی علی قولهما [2] (فتوٰی طرفین کے قول پر ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی الدرر والبزازیة وبقول الثانی یفتی و فی انفع الوسائل وغیرہ الفتوی علی قولهما [3]۔	درر اور بزازیہ میں ہے کہ امام ثانی (ابویوسف) کے قول پر فتوٰی دیا جاتا ہے اور انفع الوسائل وغیرہ میں ہے کہ فتوٰی طرفین کے قول پر ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ قبول ہبہ یا اخذ ہبہ نامہ کے وقت رئیس کی طرف سے کوئی قبول کرنے والا نہ تھا اور ہبہ نامہ کے لفظ اس کے ایجاب نہیں ہوسکتے کہ اس میں مطالبہ باطلہ ذمگی جائداد کا ذکر ہے نہ کہ مطالبہ ذمگی واہب کا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

[2] درمختار بحوالہ الطرطوسی کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[3] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۱

اور اگر فرض کیجئے کہ جانب ریاست سے اس وقت اس کفالت جائزہ کا ایجاب یا قبول واہب خواہ کسی شخص اجنبی نے کیا تو اب ایک رکن کفالت جانب فضولی سے پایا گیا کفالت منعقد ہو کر اجازت ریاست پر موقوف رہی، محیط وہندیہ میں ہے:

قال اجنبی لغیرہ اکفل بنفس فلان اوبمال عن فلان لفلان فیقول ذٰلك الغیر کفلت تصح الکفالۃ و تقف علی ماوراء المجلس علی اجازۃ المکفول له و للکفیل ان یخرج عن الکفالۃ قبل ان یجیز الغائب کفالته[1]۔	اجنبی نے غیر سے کہا کہ تو فلاں کے نفس کا یا فلاں کے لئے فلاں کے مال کا کفیل بن جاؤں اور وہ غیر کہے کہ میں کفیل بن گیا تو کفالہ صحیح ہوگا اور مجلس کے بعد مکفول لہ، کی اجازت پر موقوف رہے گا اور کفیل کو اختیار ہوگا کہ مکفول لہ کے کفالہ کی اجازت دینے سے پہلے خود کو کفالہ سے خارج کرلے۔(ت)

مگر ریاست کو اس امر جائز کی اطلاع نہ دی گئی نہ اس کی جانب سے اس کی منظوری ہوئی بلکہ منظوری اسی امر باطل کی ہوئی کہ جائداد بدستور مکفول رہے پھر یہ کفالت بے اثر رہی، **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق** (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹: مرسلہ سید مقبول عیسٰی صاحب سادات نومحلّہ از ریاست جاورہ ملک مالوہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان جو تابع شریعت محمدی ہے جس کا نام جمعہ ہے اس نے مسماۃ بنت پیاری سے مہر شرعی پر عقد بر ضامندی خود بہ اقرار کہ علاوہ نان ونفقہ زوجہ کے میں جمعہ اپنی خوشدامن کو بھی بوجہ عسرت خوردونوش کے تکلیف ہوگی تو میں ان کے خوردونوش کا صرفہ بھی اپنے ذمہ لوں گا اور گھر میں صفر خورد ونوش خوشدامن یعنی مسماۃ پیاری کانہ دوں تو خدا بخش ضامن جس کے اقرار نامہ ہذا پر دستخط ہیں دے گا اب مسماۃ پیاری کو خوردونوش واقعہ ہوئے تو جمعہ اور اس کا ضامن بالاصالہ مضمون دستاویز سے اقراری ہیں مگر صرفہ خوردونوش دینے سے حجت وحیلہ حوالہ کرتے ہیں، چنانچہ نقل دستاویز بھی بناپر ملاحظہ مفتیان کرام ارسال ہے ازروئے احادیث جواب مرحمت فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

الجواب:

پیاری کا نفقہ شرعاً ذمہ جمعہ واجب نہ تھا اور اس کا یہ لکھ دینا کہ اگر میری خوشدامن کو کبھی خوردونوش کی تکلیف ہوگی تو ان کے خوردونوش کا بھی صرفہ اپنے پاس سے دوں گا محض ایک احسان کا وعدہ تھا اور احسان پر جبر نہیں پہنچتا۔

فقد صرحوا قاطبۃ ان لاجبر علی المتبرع وقال اللہ تعالٰی "مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ"[1]۔	تحقیق تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی کہ احسان کرنے والے پر کوئی جبر نہیں ہوگا اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ (ت)

اور وہ جب خود جمعہ پر واجب نہ تھا تو خدا بخش جس نے ضمانت کی اور اقرار نامہ پر یوں دستخط کئے کہ بموجب اقرار نامہ نوشتہ جمعہ جی میں خدا بخش ضامن ہوں مجھ کو یہ ضمانت منظور ہے یہ ضمانت بھی محض باطل وبے اثر ہوئی کہ جب اصل ہی پر مطالبہ نہیں ضامن پر کیا ہوگا۔

کما ھو فی ردالمحتار عن البحر عن البدائع اما شرائط المکفول بہ فالاول ان یکون مضمونا علی الاصل الخ[2]۔	جیسا کہ ردالمحتار میں بحر سے بحوالہ بدائع منقول ہے کہ مکفول بہ کی شرطوں میں سے پہلی یہ کہ وہ اصل پر قابل ضمان ہو۔ الخ (ت)

درمختار میں ہے:

شرطھا فی الدین کونہ صحیحا لاضعیفا کبدل کتابۃ فمالیس دینا بالاولی نھر[3]۔	دین میں کفالہ کی شرط یہ ہے کہ وہ دین صحیح ہو ضعیف نہ ہو جیسے بدل کتابت اور جو دین ہی نہیں اسکی کفالت بدرجہ اولٰی صحیح نہیں نہر (ت)

البتہ جمعہ کے حق میں اولٰی یہ ہے کہ اگر کوئی عذر صحیح نہ ہو تو اپنا وعدہ پورا کرے **فان الوفاء من مکارم الاخلاق** (کیونکہ وعدہ کو پورا کرنا اعلٰی خلاق کریمانہ میں سے ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از ریاست رام پور مرسلہ سید محمد انوار حسین متوطن قدیم قصبہ کندرکی حال مقیم ریاست رام پور ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، بحضرت اقدس علامہ محقق وفہامہ مدقق فاضل بریلی فیضھم العالی

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۱

[3] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹

علی کافۃ المسلمین، السلام علیکم، بصد ادب حضور والا میں عرض پرداز ہوں کہ حضور نے تین فتوے متعلق استغراق جائداد عطافرمائے جو عدالت دیوانی ریاست رام پور میں پیش کئے گئے جن کی بنیاد پر جناب مفتی صاحب عدالت دیوانی ریاست رام پور نے بحوالہ فتووں حضور کے ڈگری بحق مدعا علیہ کے صادر فرمائی اور یہ تجویز فرمایا (یہ مقدمہ بربنائے کفالت مستاجری دائر ہے کہ مدعی نے مدعا علیہ کی مستاجری میں اپنی جائداد مکفول کی تھی لہٰذا سب سے پہلے اس امر کا انفصال ضروری ہے مدعا علیہ نے جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی کے چند فتوے پیش کئے ہیں فاضل بریلوی نے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ ایسی کفالت بالمال جو اس مقدمہ میں زیر بحث ہے شرعاً ناجائز ہے منجانب مدعی ان کی تردید میں کوئی شرعی استدلال یا حکم ریاست پیش نہیں کیا، عدالت نے مسائل شرعیہ پر غور کیا تو فتوی پیش کردہ مدعا علیہ صحیح ولائق پابندی ہیں پس ایسی حالت میں جبلہ کفالت مذکورہ بھی جائز نہیں تو مدعی نے جو روپیہ بوجہ کفالت مذکور داخل سرکار کیا ہے اس کا دین دار مدعا علیہ شرعاً نہیں ہوسکتا اور دفعہ ۷۱، ۷۹، قانون حامدیہ مفید مدعی نہیں ہے بلکہ صورت مقدمہ سے غیر متعلق ہے) چھمی نرائن مدعی ناکامیاب نے بناراضی تجویز مفتی صاحب دیوانی اپیل دائر کیا اور عدالت اپیل میں ایک فتوی حضور والا کا اس تائید میں پیش کیا کہ ایسی کفالت شرعاً جائز ہے اور اپنے سوال میں چند واقعات غیر صحیح تحریر کرکے جناب والا سے فتوی حاصل کیا سوال مذکور میں جو امور خلاف واقعہ درج کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) دفعہ ۷۹ آئین حامدیہ کا یہ مضمون تحریر کیا ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اس اصل مستاجر پر دعوی رجوع کرکے زر مدخلہ اپنا وصول کرنے کا اختیار حاصل ہے یہ مضمون دفعہ ۷۹ آئین حامدی کا ہر گز نہیں ہے بلکہ دفعہ مذکور تابع دفعہ ۷۷، ۷۸ کے ہے، دفعہ ۷۷ کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی جائداد مستاجر مکفول کرے تو مالک جائداد کو حق عذر داری مابین میعاد پندرہ روز حاصل ہے اور جب استغراق منظور ہو جائے تو حسب منشا دفعہ ۷۹ بعد منظوری ضمانت کے استغراق کی نسبت کسی شخص کی عذر داری بار جاع نالش کسی عدالت میں قابل سماعت نہ ہوگی البتہ بمقابلہ مالگزاری کے عذر دار مجازی دعوی ہرجہ کا عدالت دیوانی میں حسب ضابطہ ہو سکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مستاجر کسی شخص کی جائداد بلا اسکی مرضی کے خود مکفول کردے تو مالک جائداد بعد منظوری واگذاشت کی نالش نہیں کرسکتا بلکہ ہرجہ کی نالش کرسکتا ہے یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ مالک جائداد نے خود اپنی جائداد مکفول کرائی ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ دفعہ ۷۹ آئین حامدیہ متعلق نہیں۔

(۲) سائل نے اپنے سوال میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ عمرو نے ضمانت اپنی جائداد سے کی جس کا مفہوم ہوتا ہے کہ عمرو نے ضمانت کی حالانکہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ اپنی جائداد کو مکفول کرایا ہے کفالت نامہ

کی نقل شامل عرضداشت ہذا ہے اس کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ جائداد کو مکفول کرایا ہے،
(۳) تیسرا مضمون سوال میں یہ غلط ظاہر کیا ہے کہ زید کا یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعاً ناجائز ہے مجھ مدعا علیہ کا ہر گز عذر نہیں ہے بلکہ میرا عذر یہ ہے کہ کسی مطالبہ کی بابت جائداد کو مکفول کرانا شرعاً ناجائز ہے یعنی ضمانت میں جائداد کا استغراق کرانا شرعاً ناجائز ہے۔
(۴) چوتھا مضمون سوال میں یہ بھی خلاف درج کیا ہے کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجری اپنی جائداد سے کی، یہ واقعہ بالکل غلط ہے، مفتی صاحب نے اس واقعہ کو ثابت شدہ نہیں قرار دیا ہے اس غلط اور غیر مطابق سوال کی بنیاد پر حضور نے یہ تجویز فرمایا ہے کہ کفالت بالمال شرعاً ناجائز ہے لہٰذا حضور والا! میں نقول ہر سہ فتوٰی حضور جو سادہ کاغذ پر ہے اور نقل فیصلہ جناب مفتی صاحب دیوانی اور نقل فتوٰی آخر جو باضابطہ عدالت سے حاصل کیا گیا ہے اور نقل اقرار نامہ کفالت اور قانون آئین حامدیہ معطوفہ عرضہ داشت ہذا درگاہ والا میں پیش کرکے امیدوار ہوں کہ حضور ہر سہ فتوٰی سابق وفتوٰی مابعد نظر ثانی فرما کر اور فیصلہ مفتی صاحب دیوانی اور نقل اقرار نامہ کفالت ودفعہ ۷۷ لغایت ۷۹ قانون مذکورہ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں کہ ہر سہ فتاوٰی سابق پیش کردہ انوار حسین مدعا علیہ مطابق نالش مدعی ہیں یا فتوٰی آخر پیش کردہ چھمی نرائن مدعی متعلق مقدمہ ہے اور عذر مدعا علیہ کا شرعاً قابل منظوری ہے یا عذر مدعی کا؟ زیادہ حد ادب

الجواب:

دارالافتادہ دارالقضاء نہیں یہاں کوئی تحقیق واقعہ نہیں ہوتی، صورت سوال پر جواب دیا جاتا ہے، سوال اخیر کے حضور احمد خاں رامپوری ملازم کچہری بریلی منصرم نقل نے پیش کیا (جسے اس سوال حال وملاحظہ تجویز مفتی صاحب ودیگر کاغذات مدخلہ سائل نے بتایا کہ ہندو مدعی کا سوال تھا اور اسی مقدمہ سے متعلق جس کی نسبت کئی سوال منشی سید انوار حسین مدعی رامپوری نے بوساطت مرزا نظیر بیگ صاحب سابق نائب تحصیلدار بریلی دارالافتاء میں پیش کئے اور ۹ ربیع الاخر ۱۳۳۶ھ کو جواب دئے گئے تھے) اس میں یہ تھا کہ زید وعمرو سے درخواست ضمانت کی اور عمرو نے اس کی درخواست پر اس کی ضمانت کی اور زید کفالت بالمال کو ناجائز کہتا ہے اس میں حکم کیا ہے، اس کا جواب یہی تھا کہ کفالت بالمال یقیناً صحیح ہے اور جبکہ کفیل حسب درخواست مکفول عنہ ضامن ہوا تو بلا شبہ مطالبہ زر ادا کردہ کر سکتا ہے اپنی جائداد سے دو لفظ سوال میں فضول تھا کہ جب عمرو زید کی درخواست پر ضامن ہوا یعنی اپنا ذمہ زید سے ضم کیا ضمانت مکمل ہو گئی خواہ زر نقد سے کی ہو یا جائداد سے یا صرف زبانی، تینوں طریقے رائج ہیں، اور اصل وہی ضم ذمہ ہے اس کے

بعد نہ زر نقد داخل کرنے کی ضرورت نہ جائداد کی ضرورت نہ ان کے ہونے سے ضمانت میں کوئی خلل کہ یہ ایک امر زائد غیر متعلق ہیں، ہندو مدعی نے سائل ایک مسلمان کو ٹھہرایا اور اصلا پتہ نہ دیا کہ سوال اس مقدمہ سے متعلق ہے کہ سال گزشتہ کی نسبت دارالافتاء سے فتوٰی جاچکا ہے نہ سوالات سابقہ وسوال مدعی میں مفصل صورت واقعہ یکساں بتائی گئی تھی جس سے دونوں کا خصومت واحدہ سے تعلق ظاہر ہوتا اور علمائے کرام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جس عقد کا سوال ذکر ہو اسے صحت پر محمول کرکے جواب دیا جائے، وجیز امام کردری میں ہے:

لوسئل عن صحته یفتی بصحته حملا علی استیفاء الشرائط اذالمطلق یحمل علی الکمال الخالی عن موانع الصحة[1]۔	اگر کسی عقد کی صحت سے متعلق سوال کیا جائے تو تمام شرائط کے پائے جانے پر محمول کرتے ہوئے اس کی صحت کافتوٰی دیا جائے گا کیونکہ مطلق کو ایسے کمال پر محمولکیا جاتاہے جو موانع صحت سے خالی ہو۔ (ت)

دو سوالوں میں ایسا اختلاف ہونے سے جواب مختلف ہوجانا لازم ہے جس کی ذمہ داری اس پر ہے جس نے سوال مجمل یا غلط پیش کیا، فتاوٰی خیریہ میں ایسے ہی اختلاف سوال کے بارے میں کہ علامہ رملی سے ایک بار سوال ایک طور پر ہوا دوبارہ اس کے خلاف تھا ارشاد فرمایا:

لاشك فی ان المفتی انما یفتی بما الیه السائل ینھٰی[2]۔	اس میں کوئی شک نہیں کہ مفتی اسی پر فتوٰی، دیتاہے جو خبر سائل اس کے پاس پہنچائے۔ (ت)

نیز دوبارہ ایسے ہی واقعہ میں فرمایا:

السوال الاول لم یذکر لنا فیه ان الاجارہ وقعت علی تناول الخراج ونحوہ من الاعیاب ومسئلتنا فیه عن الاجارۃ مطلقًا فانصرفت الی تملك المنفعة وقسمنا الاحکام علی الصحیحة والفاسدۃ	پہلے سوال میں ہمارے لئے اس بات کا ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ اجارہ اخراج یا اس کی مثلی اعیان کے حصول پر موقوف ہے بلکہ اجارہ مطلقہ کے بارے میں سوال کیا تھا تو وہ تملک منفعت کی طرف لوٹا اور ہم نے احکام کو دو قسموں یعنی صحیح اور فاسد پر تقسیم کیا۔

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ البزازیہ کتاب الصلح دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۳، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلح الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۵۲۔۵۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوکالۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۹

اما حیث کان الواقع انہا علی اتلاف الاعیان فھی باطلة[1]۔	مگر جب وہ اعیان کے اتلاف پرواقع ہوا ہے تو وہ باطل ہے۔(ت)

اسی کے ایک تیسرے واقعہ میں ہے:

قدیختلف الجواب باختلاف المرضوع المرفوع لاہل الفتوٰی فلا اعتراض علی المجیب فی الجواب[2]۔	کبھی فتوٰی پوچھنے والوں کو موضوع مرفوع میں اختلاف کی وجہ سے جواب مختلف ہوجاتاہے اس لئے اس جواب میں مجیب پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔(ت)

اسی میں ایک چوتھے واقعہ پر ہے۔

قد استفتی فی ہذہ الحادثة بماہو مختلف الموضوع فی السوال فاختلف الجواب بسبب ذٰلك فلا یتوھم معارضة الافتاء فیه[3]۔	تحقیق اسی حادثہ میں سوال میں مذکور موضوع سے مختلف صورت میں فتوٰی پوچھا گیا تھا لہٰذا اسی سبب سے جواب مختلف ہوا چنانچہ اس میں افتاء کے معارضہ کا وہم نہ کیا جائے۔(ت)

ان سب ارشاد شریفہ کاحاصل یہ ہے کہ پہلے اور طرح سوال کئے گئے تھے پچھلے سوال ان کی خلاف تھے لہٰذا جواب مختلف ہوئے کہ مفتی اسی پر فتوٰی دے گا جو اس کے سامنے پیش کیاجائے گا اس سے کوئی فتووں میں تعارض کاوہم نہ کرے، ہاں اگر اسی وقت معلوم ہوتاکہ یہ سوال مدعی اس مقدمہ سوالات سابقہ سے متعلق ہے جس میں اس نے صورت واقعہ غلط لکھی ہے توہر گز جواب نہ دیا جاتا کہ جب مفتی کو سوال کاخلاف واقع ہونا معلوم ہو جائے تو حکم ہے کہ جواب نہ دے۔ عقود الدریہ میں ہے:

اذاعلم المفتی حقیقة الامر ینبغی له ان لایکتب للسائل لئلایکون معیناله علی الباطل[4]۔	جب مفتی کو معاملہ کی حقیت معلوم ہو تواس کو چاہئے کہ وہ (جھوٹے) سائل کے لئے فتوٰی نہ لکھے تاکہ وہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔(ت)

ملاحظہ کفالت نامہ تجویز سے ظاہر ہے کہ سوال مدعی محض غلط وفریب ہے اس میں ضمانت اپنی جائداد

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۳۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۵۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۸۳

[4] العقود الدریة فوائد فی آداب المفتی قبل کتاب الطھارۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۱/ ۳

سے کرنے کے یہ معنی نہیں کہ عمرو ضامن ہوااور زیادت وثوق کو اپنی جائداد پیش کی جس کاحکم وہ تھا کہ ضمانت جب زید کی درخواست پر ہے بلاشبہ صحیح ہو گئی کہ ذکر جائداد نہ ہو نافضولی ہے بلکہ یہ معنی ہے کہ آپ ضمانت نہ کی جو اپنا ذمہ مشغول نہ کیا خود نفس جائداد کو کفیل بنایا یہ قطعاً باطل محض ہے جیسا کہ جوابات سابقہ میں روشن کر دیا گیامدعی نے کفالت بالمال کو پوچھااس کا جواب قطعاً یہی تھا کہ صحیح ہے،اب ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوا کہ اس کی غلط بیانی ہے یہاں صورت واقعہ کفالت بالمال نہ تھی جسے شرع میں کفالت بالمال کہتے ہیں اور اس سے جو معنی خادمان شرع سمجھتے ہیں کہ مامکفول بہ ہو یعنی وہ چیز جس کا مطالبہ کفیل نے اپنے ذمہ لیا بلکہ یہاں کفالت المال باضافت الی الفاعل تھی یعنی خود مال وجائداد کسی مطالبہ کی کفیل ہو یہ قطعاً باطل ہے اور وہ قطعاً صحیح،لاجرم فتوی کہ مدعی نے غلط بیانیوں سے حاصل کیاہر گز متعلق مقدمہ نہیں، متعلق مقدمہ وہی فتاوٰی سابقہ مدخلہ مدعاعلیہ ہیں اور عذر مدعی باطل محض اور عذر مدعاعلیہ صحیح وواجب القبول۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب الحوالہ

(حوالہ کا بیان)

مسئلہ ۲۹۱: از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میانسرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ سید فخر الحسن صاحب اوائل رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید سنی و حنفی المذہب ہے اور نسبت حرام وناجائز ہونے لین دین سودی وجملہ کاروائی متعلقہ معاملہ سود کے اپنے ملت کے موافق عقیدہ رکھتا ہے کہ اتفاق زمانہ سے ایک ضرورت نے زید کو ایسا مجبور کیا کہ باوجود عقیدت وحرمت معاملہ سودی مبلغ پانچ ہزار روپیہ بحساب ۱۲ فیصدی ماہواری سود زید نے مسمّٰی منوسنگھ مہاجن سے قرض لئے بوجہ حاجتمندی زید کے مہاجن مذکور نے دستاویز میں یہ شرط تحریر کرائی کہ ڈیڑھ سال کے وعدہ پر روپیہ دیا جاتا ہے ششماہی وار سود ادا کرنا ہوگا بصورت عدم ادائے ششماہی وہ زر سود شامل اصل ہو کر سود در سود دینا پڑے گا اگر زید اندر ڈیڑھ سال زر اصل دینا چاہے گا تو سود پورے ڈیڑھ سلا کا لیا جاوے گا تحریر دستاویز کے ایک ماہ بعد زید کو اس قدر روپیہ مل گیا کہ پانچ ہزار روپیہ زر اصل وچھ سونواسی روپیہ ایک آنہ زر سود ڈیڑھ سال جملہ (صمہ سمالعہ لہ /) اصل وسود دے کر منوسنگھ مہاجن سے دستاویز واپس لے لے مگر زید کو یہ پریشانی لاحق ہے کہ مہاجن کا روپیہ صرف ایک ماہ میرے پاس رہا ہے جس کا سود صرف (مہ سہ ۴./) ہوتے ہیں بجائے اس کے (سمالعہ لہ ا/) دے کر (سمامہ ۱۲./) کا تاوان اٹھانا پڑتا ہے زید نے اپنی

پریشانی کی کیفیت مسمیان محمود قوم سید وبدری پرشاد کھتری مہاجن سے بیان کی، مسمّٰی محمود نے یہ صلاح دی کہ بالفعل اس روپیہ سے ٹھیکہ داری یا تجارت کی جائے اور بعد انقضائے ایک سال وپانچ ماہ بقیہ مدت مندرجہ دستاویز سلسلہ ٹھیکہ داری وغیرہ منقطع کرکے اور منوسنگھ مہاجن کا قرضہ ادا کرکے دستاویز واپس کرلی جائے امید ہے کہ ٹھیکہ داری یا تجارت کے ذریعہ سے مقدار تاوان (سماعہ۱۲) سے زائد منفعت حاصل ہوجائے گی مسمّٰی بدری پرشاد مہاجن یہ مشورہ دیتاہے کہ سلسلہ ٹھیکہ داری یا تجارت قائم کرنے میں احتمال نفع ونقصان دونوں قسم کا ہے نقصان کی صورت میں جائداد موجود کے جو ظاہری ذریعہ ہے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہے پس اگر شریعت اجازت دے تو مبلغ پانچ ہزار زراصل اور (معہ۴۰) زرسود یکماہہ جملہ (صمہ معہ ۰) جواس وقت آپ کے واجب الادا ہیں مجھ کو دے کر قرضہ کی اتروائی مجھ پر کرادیجئے اب منوسنگھ میرے ذمہ عائد ہوجائے گا میں شخص مہاجنی پیشہ ہوں مبلغ (صمہ معہ۴۰) جوآپ سے ملیں گے اس کو سودی قرضہ میں لگاکر تھوڑے عرصہ میں کل روپیہ (صمہ سمالعہ) پوراکرکے اور منوسنگھ کو دے کر دستاویز واپس کرلوں گا یہ ایسی تدبیر ہے جس سے آپ کو قرضہ سے سبکدوشی بھی ہوجائے گی اور جائداد موجودہ کا بھی کچھ نقصان نہ ہوگا بلکہ اس حیلہ میں یہ نفع ہوگا کہ آپ جس قدر دینے (سماعہ۱۲) زرسود کے مواخذہ میں مبتلا ہوتے اس سے محفوظ رہیں گے بظاہر مشورت مسمّٰی بدری پرشاد مناسب اور موجب منفعت دینی ودنیوی معلوم ہوتی ہے لہٰذا استصواب ہے کہ مسمّٰی زید کو بروئے ملت حنفیّہ وشریعت غرا مشورہ بدری پرشاد پر عمل کرناجائز ہے یااس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے کے مواخذہ سودخوری مبتلا ہوناہوگا، جواب تفصیلی بحوالہ کتب ملت حنفیّہ بہت جلد ارقام فرمایاجائے کہ اس مسئلہ کے دریافت ہونے کی سخت ضرورت درپیش ہے نیز یہ بھی ہدایت فرمایاجائے کہ اگرزید کوصرف دوہزار روپیہ مل جائے اور موافق مشورہ بدری پرشاد کے بقدر مبلغ دوہزار روپیہ کے قرضہ کی اُترائی بدری پرشاد پر کردی جائے تواس صورت میں وہی حکم ہوگاجو کل قرضہ کہ اُترائی میں ہوگا یااس کے علاوہ کچھ دوسرا حکم ہوگا؟

الجواب:

قرض تحویل کرادینے کی رائے بالکل خیر ہے زید اس دوسرے ہندو کو پانچ ہزار اڑتیس خالص قرض کی نیت سے دے پانچ ہزار سے جتنازیادہ دیتاہے اس میں پہلے ہندو کے سود کی نیت نہ کرے پھر پہلے ہندو سے کہہ کر اس کا قرضہ دوسرے پر اتروادے اور اس میں قانونی احتیاط کرلے کہ دھوکا نہ پائے یوں بالکل سود دینے سے زید بچ جائے گا چالیس بچاس روپیہ جو زیادہ جائے گا وہ یوں ہوگا کہ قرض دیا تھا اور مارا گیا یا قرض دار پر چھوڑ دیا سود دینے میں محسوب نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ وہ دوسرا ہندو اس روپے کو سود پر چلائے گا یہ اس کا فعل ہے بلکہ تنہا اس کا بھی فعل نہیں جب تک اسے کوئی قرض لینے والا نہ لے تو اس کاالزام زید پر نہیں

آسکتا ہے،

قال تعالٰی "لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ج"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

انما المعصیة بفعل المستاجر وھو مختار فیه فقطع نسبته عنه[2]۔	بیشک گناہ تو مستاجر کے فعل سے ہے اور وہ مختار ہے (مکروہ نہیں) لہٰذا اس کی نسبت مالک مکان سے منقطع ہوگئی۔ (ت)

یوں ہی اگر بعض قرض کے ساتھ ایسا کرسکے تو بعض ہی سے سہی کہ جتنی معصیت سے بچے یا جتنا مال حرام میں دینے سے محفوظ رہ سکے اس قدر کی تدبیر واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۲: از خیرآباد مقام مذکور مرسلہ مولوی سید فخرالحسن صاحب ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

شریعت بے استعدادی کو مجبوری میں جائے پناہ اگر نظر آتی ہے تو صرف ذات بابرکات قدسی صفات عالی ہے لہٰذا باوجود وقوف عدم الفرصتی تکلیف دہی والا پر مجبور ہوکر نہایت ادب سے معافی کا مترصد ہوں استفتاء منسلک عریضہ ہذا والا حضور اقدس میں بھیجا تھا دیر رسی جواب کی وجہ سے اس کی نقل رامپور بھی بھیجی تھی پیش گاہ والا سے جواز صورت مسئولہ کا حکم پاکر سائل کو ہدایت تدبیر فراہمی روپیہ کی گئی تھی کہ ؎

قسمت کو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جاکمند
دوچار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

پورے روپے کی تدبیر نہ ہونے پائی تھی کہ رامپور سے جواب خلاف حکم والاملا، یہ امر میرے عرض کرنے کا محتاج نہیں ہے کہ امور خیر واصلاح کار میں بھی کچھ وساوس وابلیس آدم رو وموانع پیش آتے ہیں صاحب معاملہ کے خیالات وجوابات رامپور سے ایسے تبدیل کئے گئے کہ وہ کہتا ہے کہ جب تک رامپور کی تردید میں براہین قاطعہ ودلائل مستحکم ازروئے ملت حنفیّہ نہ دیکھوں گا کسی طرح جواز تحویل کو تسلیم نہیں کرسکتا مجھ ہیچمدان کو بجز اس کے کہ ذات بندگان عالی سے پناہ چاہوں کوئی چارہ کار نہیں ہے لہٰذا نقل جوابات مرسلہ علمائے رامپور

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] الهدایة کتاب الکراہیة فصل فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۷۰

ارسال خدمت کرکے گزارش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو کمترین کو اس ضغطہ سے نجات دیجئے۔

پناہ جو بدرت آمدم بعجز و نیاز　　　　که آستانِ تو حاجت روائے من باشد

(پناہ ڈھونڈتے ہوئے عجز و نیاز کے ساتھ تیرے دروازے پر آیا ہوں تاکہ تیرا آستانہ میرا حاجت روا بن جائے۔ت)

زیادہ بجز تمنائے حصول قدمبوسی کے کیا عرض کروں، عریضہ ادب کمترین فخر الحسن عفاعنہ از خیر آباد ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

(جواب علمائے ریاست رامپور)

الجواب:

واللّٰہ سبحٰنہ موفق للصدق والصواب (اللہ سبحانہ، وتعالٰی سچائی اور درستگی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ت) ایسی صورت میں زید کو بروئے ملت حنفیہ مشورہ بدری پرشاد عمل ناجائز وحرام ہے بیشک اس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے سے مواخذہ سود خوری میں مبتلا ہونا ہے، تفصیل یہ ہے کہ زید کا مبلغ (صمہ معہ) بدری پرشاد کو دے کے منوسنگھ کے قرضہ کی اترائی بدری پرشاد پر کردینے کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ زید مبلغ (صمہ معہ ۴؍۰) بدری پرشاد کو اس شرط پر قرض دے کہ وہ منوسنگھ والے قرض مبلغ (صمہ سالعہ لہ ۱؍) ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کرکے دستاویز واپس لے لے اور منوسنگھ کے دین کو بدری پرشاد پر حوالہ کردے،

قال فی تنویر الابصار فی تفسیر الحوالۃ ھی نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ[1] **انتھی۔**	تنویر الابصار میں حوالہ کی تفسیر میں کہا کہ وہ دین کو محیل کے ذمہ سے محیل علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنا ہے انتہی۔ (ت)

تو بدری پرشاد کا (صمہ معہ ۴؍۰) لے کے اور (سامہ ۱۲؍۰) بڑھاکے (صمہ سالعہ لہ) ادا کرنا زید کو (سا ۱۲؍۰) سود دینا ہے کیونکہ یہ (سامہ ۱۲؍۰) جو بدری پرشاد زید کی طرف سے منور سنگھ کو ادا کرے گا یہ رقم کسی مال کے عوض میں ثابت نہیں ہوئی تو بالضرور زید کے (صمہ معہ ۴؍۰) قرض دئے ہوئے روپوں کا نفع ہوگا،

وفی الاشباہ کل قرض جر نفعا حرام انتھی در مختار[2] **فی جواھر الفتاوی اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ**	اشباہ میں ہے کہ جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے انتھی (درمختار) جواہر الفتاوی میں ہے کہ اگر وہ مشروط ہو تو ایسا قرض ہوگا جس میں نفع ہو اور

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۵

وھو ربا انتھی شامی[1]۔ قال فی الکفایۃ الربٰو فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لایقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال[2] انتھی۔	وہ سود ہے انتہی (شامی)، کفایہ میں کہا سود شرع میں اس مالی زیادتی کو کہتے ہیں جس کے مقابل کوئی عوض نہ ہو جبکہ یہ مالی معاوضات میں ہو انتہی (ت)

اور اس صورت میں سود دینے کا مواخذہ توظاہر ہے کیونکہ (سالعہ ۱/) جو منجانب زید منو سنگھ کو پہنچیں گے یہ رقم سود ہے جو زید نے اپنے ذمہ دین تسلیم کرکے بدری پرشاد پر حوالہ کئے، غایت یہ ہے کہ زید نے خود نہیں دیئے دلوائے اور چونکہ برتقدیر صرف دوہزار کی اترائی کے موافق شرط مذکور بقدر دوہزار کے سود بھی بدری پرشاد اپنے پاس سے ادا کرے گا تو اس صورت میں وہی وجہ عدم جواز کی ہے جو پہلی صورت میں تھی لہٰذا یہ اور وہ دونوں ناجائز ہیں، ھذہ صورۃ الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

المجیب فقیہ الدین عفاعنہ

اصاب من اجاب	ذٰلك كذٰلك	ذلك كذالك
محمد معزاللہ مدرس مدرسہ عالیہ رامپور	محمد منور علی (مہر)	محمد عنایت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح والرای نجیح واللہ تعالٰی اعلم	الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب
محمد لطف اللہ مہر	ابوالافضال محمد فضل حق

بیشک صورت مذکورہ میں دونوں صورتیں ناجائز ہیں فقط

ہدایت اللہ خاں ولد حافظ عنایت اللہ خاں

استفتاء: برضمیر معدلت پیرائے ارباب شریعت غرامخفی مباد کہ ایک سوال کے دو جواب متضاد موصول ہوئے یعنی حضرات دارالافتاء اہل سنت وجماعت بریلی نے جواز صورت مسئولہ کا حکم دے کر بنظر عمل بالخیر ہونے کے اس امر کو واجب العمل فرمایا اور حضرات علمائے رامپور نے اس امر واجب العمل کو ناجائز وحرام تحریر فرمایا ہے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ جس ضرورت کے واسطے استفتاء کیا گیا تھا اس کا کچھ چارہ کار نہیں بتلایا حالانکہ بفحوائے الدین یسر پیرو ملت اسلام کے واسطے آسانی کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اب نہایت ضرور ہوا کہ منجملہ ہر دو جوابات کے ایک جواب غلط ہو کر اس کی غلطیاں براہین قاطعہ

---

[1] ردالمحتار فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۴

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر باب الربٰو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۴۷

سے ثابت کی جائیں اور بعد قائم ہوجانے امر حق کے اس کی تعمیل کی ہدایت فرمائی جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایة الحق والصواب، بملاحظہ مولانا المکرم جناب مولوی سید محمد فخر الحسن صاحب اکرمکم **اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ**،

نوازش نامہ اس وقت تشریف لایا اہالی دارالافتاء بعزم آرہ شاہ آباد جلسہ مدرسہ فیض الغربا پابرکاب ہیں اجمالی جواب فوری گزارش ہے کہ تکلیف انتظار بھی نہ ہو اور ایک مسلمان کہ سود کی بلا سے بچتا ہے مبادا تاخیر میں وہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے اگر ضرورت ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی اور تفصیل کردی جائے گی وباللہ التوفیق۔

مولٰنا آپ نے بنظر عجلت سوال وہاں ارسال فرمایا اگر یہ جواب لکھ کر بھیجتے تو ماموں تھا کہ ان صاحبوں کی نظر لغزش نہ کرتی بطور خود زلت نظر بعید نہیں مگر بعد علم بالحق مخالفت مظنون نہیں ہوتی الامن عَنَدَ وھواہ عَبَدَ (سوائے اس شخص کے جو عناد اختیار کرے اور اپنی نفسانی خواہش کی پرستش کرے۔ت) ان صاحبوں کا بڑا منشاء غلط یہ ہے کہ بعد اس حوالہ کے بھی زید ہی کو مدیون سمجھے ہوئے ہیں اور وہ دوسرا ہندو جو ادا کرے گا اسے زید کی طرف سے ادا کرنا گمان کررہے ہیں کہ لکھتے ہیں بدری پرشاد منوسنگھ والے قرضہ ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کرکے دستاویز واپس لے نیز لکھتے ہیں یہ (سامعہ ۱۲/۰) بدری پرشاد زید کی طرف سے منوسنگھ کو ادا کرے گا نیز لکھتے ہیں (سالعہ ۱/۱) منجانب زید منوسنگھ کو پہنچیں گے ان کے سارے خیالات کا منبع بلکہ سراپا تحریر کا محصل یہی زعم ہے اور وہ اصلاً صحیح نہیں حوالہ میں (جسے قرضہ کی اترائی کہتے ہیں) اصل مدیون (جسے محیل کہتے ہیں) دَین سے بری ہوجاتا ہے دَین اس پر نہیں رہتا اس دوسرے پر ہوجاتا ہے جس نے اپنے اوپر کا دین دائن کو (جسے محتال علیہ کہتے ہیں) محتال علیہ وہ دین محیل کی طرف سے ادا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر کا دین دائن کو جسے محتال ومحتال لہ کہتے ہیں دیتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

الحوالة نقل الدین من ذمة المحیل الی ذمة المحتال علیه[1]۔	حوالہ محیل کے ذمہ سے دین کو محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنے کا نام ہے۔(ت)

نہر الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے: **ھو الصحیح**[2]

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ النہر الفائق نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۵

تنویر میں ہے:

برئ المحیل من الدین بالقبول[1]۔	محتال علیہ کی طرف سے قبول کے بعد محیل قرض سے بری ہو جاتا ہے۔ (ت)

فتح القدیر و درمختار میں ہے:

ھل توجب البرأۃ من الدین المصحح نعم[2]۔	کیا حوالہ دَین صحیح سے براءت کا موجب ہے، جواب ہاں۔ (ت)

محیط سرخسی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اما احکامھا فمنھا برأۃ المحیل عن الدین[3]۔	حوالہ کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ محیل قرض سے بری ہو جاتا ہے۔ (ت)

یہاں تک کہ اب اگر دائن اصل مدیون کو دَین بخش دے یا معاف کرے تو باطل ہے کہ جو دَین اس پر رہا ہی نہیں اس کی بخشش یا معافی کیا معنی، اور اگر محتال علیہ کو معاف کردے معاف ہو جائے گا۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

فلو ابرأ المحتال المحیل عن الدین او وھبہ لہ لا یصح علیہ الفتوی[4]۔	اگر محیل کو محتال علیہ قرض سے بری کرے یا قرض اس کو ہبہ کرے تو صحیح نہیں، اسی پر فتوٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اجماع علی ان المحتال لو ابرأ المحتال علیہ من الدین او وھبہ منہ صح ولو ابرأ المحال علیہ من الدین او وھبہ منہ صح ولو ابرأ المحیل او وھبہ لم یصح۔[5]	اس پر اجماع ہے کہ اگر محتال، محتال علیہ کو قرض سے بری کردے یا اس کو قرض سے بری کردے یا اس کو قرض ہبہ کردے تو صحیح ہے اور اگر محیل کو بری کیا یا اس کو قرض ہبہ کیا تو صحیح نہیں۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] درمختار بحوالہ فتح القدیر کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۶۹

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظہیریہ کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۹۶

[5] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۸

وللہذا اب اگر اصل مدیون اس اترے ہوئے دَین کے بدلے کوئی چیز دائن کے پاس رہن رکھے صحیح نہیں کہ دَین اس پر رہا ہی نہیں یہ رہن کاہے کے عوض رکھتا ہے، کافی شرح وافی پھر عالمگیریہ میں ہے:

لواحال بدینہ فرھن لایصح[1]	اگر محیل نے قرض پر کسی کا حوالہ کردیا پھر دائن کے پاس کچھ رہن رکھا تو صحیح نہیں۔(ت)

اور اگر پہلے سے اس دَین کے بدلے کوئی رہن دائن کے پاس رکھا ہوا تھا حوالہ ہوتے ہی دائن سے واپس لے لے گا کہ اب دَین اس پر نہ رہا محیط امام شمس الائمہ سرخسی پھر ہندیہ میں ہے:

اذا احال الراھن المرتھن بالدین علی غیرہ یسترد الرھن[2]۔	جب راہن نے مرتہن کا قرض کسی اور پر حوالہ کردیا تو اب رہن واپس لے سکتا ہے۔(ت)

حوالہ کے بعد دائن کو اصلًا اختیار نہیں رہتا کہ اصل مدیون سے اپنے دَین کا مطالبہ کرے، ہاں اگر محتال علیہ حوالہ ہونے سے مکر جائے اور قسم کھالے اور محیل ومحتال کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس مرجائے کہ جائداد یا مال نقد یا قرض نہ چھوڑے، نہ کوئی اس کی طرف سے ضامن ہو تو صرف اس صورت میں حوالہ باطل ہو کر دَین پھر اصل مدیون پر عود کرتا ہے، عود کرنے کے معنی ہی خود یہ ہیں کہ اس سے پہلے اس پر دَین نہ رہا تھا، تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق للامام الزیلعی میں ہے:

لم یرجع المحتال علی المحیل الا ان یتوی حقہ فاذا توی علیہ عاد الدین الی ذمۃ المحیل والتوی عندابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ احدالامرین اما ان یجحد المحتال علیہ الحوالۃ ویخلف ولابینۃ للمحیل ولاللمحتال لہ اویموت مفلسا بان لم یترک مالا عینا لادینا ولا کفیلا[3]۔(ملخصا)	محتال محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا مگر اس وقت کرسکتا ہے جب اس کا حق ہلاک ہوجائے، ہلاکت کی صورت میں دَین محیل کے ذمہ کی طرف لوٹ آتا ہے، اور ہلاکت کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دوصورتیں ہیں یا یہ کہ محتال علیہ حوالہ کا انکار کرے اور قسم کھاجائے جبکہ محیل اور محتال لہ کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس ہو کر مرجائے نہ کوئی عین چھوڑے نہ دَین اور نہ ہی کوئی کفیل۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الکافی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶

[3] تبیین الحقائق کتاب الحوالہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۴/ ۱۷۲۔۱۷۳

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لایرجع المحتال علی المحیل الابالتوی و هو باحد امرین ان یجحد المحال علیه الحوالة و یحلف ولا بینة له او یموت مفلسا بغیر عین ودین و کفیل وقالا بهما وبان فلسه الحاکم[1]۔	ہلاکت کی صورت کے علاوہ محتال محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اور ہلاکت دو میں سے ایک امر کے ساتھ ہوتی ہے یا محتال علیہ حوالہ کاانکار کرکے قسم کھاجائے اور محتال لہ، کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس ہو کر مرجائے اور کوئی عین، دَین یا کفیل نہ چھوڑے، اور صاحبین نے کہا ان دو صورتوں سے بھی اور ہلاکت متحقق ہوتی اور حاکم کے اس (محتال علیہ) کو مفلس قرار دینے سے بھی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ظاهر کلامهم متوناوشروحا تصحیح قول الامام ونقل تصحیحه العلامة قاسم ولم ارمن صحح قولهما[2]۔	متون وشروح میں فقہاء کے کلام سے ظاہر امام ابوحنیفہ کے قول کی تصحیح ہے اور علامہ قاسم نے امام صاحب کے قول کی تصحیح کو نقل کیا، میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے صاحبین کے قول کی تصحیح کی ہو (ت)

ان تصریحات و تصحیحات وھوا لصحیح وعلیہ الفتوی (وہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت) کے بعد پھر یہ گمان کرنا کہ بدری پرشاد زید کی طرف سے ادا کرے گا وہ سود زید کی طرف سے منو سنگھ کو دیا جائے گا کیسی فاحش غلطی ہے، سبحان اللہ! جب نہ یہ مدیون رہا نہ اس پر مطالبہ، نہ یہ دیتا ہے نہ دائن اب اس سے لے سکتا ہے تو یہ سود دینے والا کس حساب سے ٹھہرا، طرفہ یہ کہ تنویر الابصار کی عبارت خود نقل کی کہ حوالہ اس کے ذمہ دَین سے مشغول ہے یا اس کی طرف سے ادا کرے گا جس کے ذمہ پر دَین نہیں اور اس صورت میں زید کو سود خور ٹھہرانا اور بھی عجیب تر ہے، بفرض غلط ہوتا تو اتنا ہوتا جس کا خود ان صاحبوں نے اعتراف کیا کہ زید نے خود نہیں دئے دلوائے، نہ یہ کہ معاذ اللہ اس نے خود سود لیا، تفصیل کے لئے عرض کرچکا ہوں کہ ضرورت ہوئی تو پھر گزارش ہوگی، ذی انصاف کے لئے اسی قدر کافی ہے وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۳

مسئلہ ۲۹۳تا۲۹۷: از کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو سے کہا میرے بکر پر روپے آتے ہیں تم وصول کرکے اپنے پاس جمع اور تصرف کا تمہیں اس میں اختیار ہے جب مجھے ضرورت ہوگی لے لوں گا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار کانوٹ بارہ سو کو چار مہینے کے وعدہ پر بیچا اور تمسک لکھالیا پھر زید نے بکر سے گیارہ سو کانوٹ بارہ سو کو خریدا اور کہہ دیا کہ عمرو پر میرے بارہ سو آتے ہیں وصول کرلو اور اطمینان کے لئے وہ تمسک کہ عمرو نے لکھا تھا بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے ہزار کانوٹ گیارہ سو کو عمرو کے ہاتھ وعدہ پر بیچا اور یہ شرط کرلی کہ سو روپے نقدا بھی لوں گا اور باقی ہزار روپے میعاد پر اور ہزار کا تمسک لکھالیا پھر زید نے بکر سے ہزار کانوٹ ساڑھے دس سو کو خریدا اور پچاس فوراً ادا کردیئے اور ہزار کا عمرو پر حوالہ کردیا اور اطمینان کے لئے وہی عمرو کا لکھا ہوا تمسک بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ہنڈی کی کیا تعریف ہے؟

(۵) جبکہ ہنڈی حرام ہے تو کوئی صورت شرعاً ایسی ممکن ہے کہ جائز طور پر ہنڈی کا مطلب اس سے حاصل ہوجائے۔

الجواب:

(۱) جائز ہے **فانہ توکیل بالقبض وتسویغ للقرض** (کیونکہ یہ قبض کے لئے وکیل بنانا اور قرض دینا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جائز ہے، **لانہ حوالۃ ومقابلۃ الاجل بقسط من الثمن والکل یجوز کما فی فتح القدیر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

کیونکہ یہ حوالہ ہے اور اجل کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ ہے اور یہ سب جائز ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) جائز ہے، یہ وہی صورت سابقہ ہے فقط اتنا فرق ہے کہ اس میں بعض ثمن معجّل اور باقی مؤجل ہے اور اس میں کل مؤجل اور بحال اختلاف جنس وقدر یہ سب جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں، اس کا نام ہنڈی ہے، یہ ناجائز وگناہ ہے اور اس پر جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے متی کہتے ہیں وہ نِرا سود حرام قطعی ہے اور بطور قرض دینے سے

یہ مراد نہیں کہ قرض کہہ کر دے بلکہ جب معاملہ یوں ہوا کہ اگر یہ روپیہ عمر کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے چوری ہوجائے کسی طرح جاتا رہے جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے بھروالے تو اسی کا نام قرض ہے اگرچہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو جمع کرنا کہا ہو جو امانت کو بھی شامل ہے اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمرو کو ہر طرح اس روپے کا دیندار جانیں گے اور کسی طرح ضائع ہوبے تاوان لئے نہ مانیں گے تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے امانت ہوتی تو بے اس کے قصور کے اگر روپیہ جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا معہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس کا عوض لینا یہ خود ہی حاصل قرض ہے امانت تو بعینہا واپس لی جاتی ہے نہ اس کا عوض، اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ اگر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا تو راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا عمرو کو بطور قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہا تو یہ ایک نفع ہے کہ زید نے قرض دے کر حاصل کیا اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سود اور نرا حرام ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1]۔	قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

لہٰذا ہنڈی ناجائز ہوئی۔ ردالمحتار میں ہے:

صورتھا ان یدفع الی تاجر مالا قرضا لیدفعه الی دیقه وانما یدفعه قرضا لا امانة لیستفید به سقوط خطر الطریق وقیل ھی ان یقرض انسانا لیقضیه المستقرض فی بلد یریدہ المقرض لیستفید به سقوط خطر الطریق کفایة[2]۔	اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص تاجر کو کچھ مال قرض دے تاکہ وہی اس کے دوست کو دے دے تو بلاشبہ یہ مال اس کو بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض دیتا ہے اور اس سے راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے، اور ایک قول میں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض دے تاکہ مقروض وہی قرض اس شہر میں قرض دہندہ کو واپس کرے جس شہر میں وہ لینا چاہتا ہے تو اس سے وہ راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ (کفایہ)۔ (ت)

(۵) ہاں ممکن ہے روپیہ نہ دے بلکہ نوٹ اور قرض نہ دے بلکہ بیع کرے اس شرط پر کہ خریدار اس کی قیمت کا حوالہ فلاں شہر کے فلاں تاجر پر کردے کہ ہم خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ سے وہاں وصول

---

[1] کنزالعمال حدیث ۱۵۵۱۶ فصل فی لواحق کتاب الدین موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۵

کرلیں یہ جائز ہے اور مطلب پورا حاصل ہے اور اب کمی بیشی بھی روا ہے سوکانوٹ ننانوے کو بیچیں خواہ ایک سو ایک کو۔ کما حققناہ فی کفل الفقیہ (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیہ میں کردی ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

باع بشرط ان یحیل علی المشتری بالثمن غریماله ای للبائع بطل ولو باع بشرط ان یحتال بالثمن صح لانه شرط ملائم کشرط الجودة بخلاف الاول[1]۔	اگر کسی نے کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی ثمن کے بدلے میں بائع اپنے کسی قرضخواہ کا حوالہ مشتری پر کرے گا تو بیع باطل ہے اور اگر اس شرط پر بیع کی مشتری ثمن کا حوالہ کسی اور شخص پر کرے گا تو جائز ہے کیونکہ یہ شرط عقد کے مناسب و ملائم ہے جیسے کہ جودت کی شرط بخلاف پہلی صورت کے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لانه شرط ملائم لانه یؤکد موجب العقد اذا الحوالة فی العادة تکون علی الاملاء والاحسن قضاء فصار کشرط الجودة درر[2]۔	ماتن کا قول کہ بیشک یہ شرط عقد کے ملائم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ موجب عقد کو پکا کرتی ہے کیونکہ حوالہ عام طور پر صاحب ثروت اور بہتر ادائیگی کرنے والوں پر کیا جاتا ہے، تو یہ شرطِ جودت کی مثل ہوگیا، درر۔ (ت)

ہاں اس شرط پر بیچنا کہ تو اس کی قیمت فلاں شہر میں مجھے دینا، یہ ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ومنه (ای الشروط الفاسدة للبیع) ان یدفع الثمن فی بلد اٰخر او یھب البائع منه کذا بخلاف ان یحط من ثمنه کذا. لان الحط ملحق بما قبل العقد بحر[3] اھ مختصراً۔	بیع کو فاسد کرنے والی شروط فاسدہ میں سے یہ ہے کہ شرط لگائی جائے کہ مشتری کسی دوسرے شہر میں ثمن ادا کرے گا یا بائع ثمن میں سے اتنے مشتری کو ہبہ کرے گا بخلاف اس کے کہ بائع ثمن سے اتنے گھٹائے گا کیونکہ گھٹانا عقد کے ماقبل کو لاحق ہوتا ہے، بحر اھ مختصراً (ت)

---

[1] درمختار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۰

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۹۵۔۲۹۴

[3] ردالمحتار باب بیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

یہ فرق خوب یاد رہے کہ غلطی ہو کر حرام میں وقوع نہ ہوجائے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔**

مسئلہ ۲۹۸: از چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ، مسئولہ عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ شنبہ

زید نے پانچ سو روپے بکر کے پاس اس غرض سے جمع کئے کہ بذریعہ ہنڈی کے سالم کے نام بمبئی پہنچ جائے اور بکر نے ہنڈی کو سالم کے پاس بمبئی روانہ بھی کردیا اور سالم کو مل بھی گیا اور سالم اس ہنڈی کو خالد ساہوکار کے پاس لے گیا اور کہا کہ اس ہنڈی کے روپے دیجئے، خالد ساہوکار نے روپے دینے سے انکار کیا للذا سالم نے ہنڈی مذکور کو واپس کیا اور واپس آنے میں پندرہ یوم کی دیر بھی ہوئی، اور ساہوکاروں کا قاعدہ ہے کہ جتنے روز میں ہنڈی واپس آتی ہے اتنے روز کا ہرجا جمع کنندہ کو دیا جاتا ہے تو آیا اس ہرجا کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو زید کو بہت نقصان پہنچے گا کیونکہ کافر تاجر مسلمان تاجر سے اپنے مذہب کے موافق ہرجانہ ضرور لے گا اور مسلمان اس سے باز رہے گا، اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان تجارت کو چھوڑ دیں، تجارت تو کتاب وسنت سے ثابت ہے، علاوہ اس کے تمام علماء ودانشمند اہل اسلام اس وقت مسلمانوں کو تجارت کرنے پر زور دے رہے ہیں تو اگر یہ ہرجانہ مذکور ناجائز رہے رکھا جائے گا تو مسلمانوں کو دوطرفہ نقصان ہوگا ایک تو دینے کی وجہ سے اور دوسرے نہ لینے کی وجہ سے **فقط۔**

الجواب:

ہنڈی سرے سے خود ہی ناجائز ہے متون میں **السفنجۃ حرام** (ہنڈی حرام ہے۔ت) حدیث میں ہے: **کل قرض جر منفعۃ فھو ربا**[1] (جو قرض نفع حاصل کرے وہ سود ہے۔ت) اور پھر اس پر جرمانہ دوسرا ناجائز ہے مگر یہ عمل اگر محض کفار سے ہے کہ اس دکان میں اصالۃً یا بالواسطہ کسی مسلمان کی شرکت نہیں تو نہ بنیت اس عقد فاسد کے بلکہ اسی نیت سے کیہ یہی مسلمان سے لیتے ہیں اور غیر مسلم کا بلاغدر ملتا ہے لینے میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

نوٹ:

سترھویں جلد کتاب الحوالہ پر ختم ہوئی،

اٹھارھویں جلد کا آغاز کتاب الشھادۃ سے ہوگا۔

---

[1] کنزالعمال فصل فی لواحق کتاب الدین حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۸

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡہُ فِیۡ الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہجدہم ۱۸

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ______ فتاوٰی رضویہ جلد ہجدہم

تصنیف ______ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ______ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام و سرپرستی ______ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ______ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ______ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ______ ۷۳۸

اشاعت ______ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ/جولائی ۲۰۰۰ء

مطبع ______

ناشر ______ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ______

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامع نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ" سال کے مختصر عرصہ میں اٹھارھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب الزکوٰۃ، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ اور کتاب الکفالہ پر مشتمل سترہ ۱۷ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
١	کتاب الطہارۃ	٢٢	١١	شعبان المعظم ١٤١٠ھ ____ مارچ ١٩٩٠ء	٨٣٨
٢	کتاب الطہارۃ	٣٣	٧	ربیع الثانی ١٤١٢ ____ نومبر ١٩٩١ء	٧١٠
٣	کتاب الطہارۃ	٥٩	٦	شعبان المعظم ١٤١٢ ____ فروری ١٩٩٢	٧٥٦
٤	کتاب الطہارۃ	١٣٢	٥	رجب المرجب ١٤١٣ ____ جنوری ١٩٩٣	٧٦٠
٥	کتاب الصّلوٰۃ	١٤٠	٦	ربیع الاوّل ١٤١٤ ____ ستمبر ١٩٩٣	٦٩٢
٦	کتاب الصّلوٰۃ	٤٥٧	٤	ربیع الاوّل ١٤١٥ ____ اگست ١٩٩٤	٧٣٦
٧	کتاب الصّلوٰۃ	٢٦٩	٧	رجب المرجب ١٤١٥ ____ دسمبر ١٩٩٤	٧٢٠
٨	کتاب الصّلوٰۃ	٣٣٧	٦	محرم الحرام ١٤١٦ ____ جُون ١٩٩٥	٦٦٤
٩	کتاب الجنائز	٢٧٣	١٣	ذیقعدہ ١٤١٦ ____ اپریل ١٩٩٦	٩٤٦
١٠	کتاب زکوٰۃ،صوم، حج	٣١٦	١٦	ربیع الاوّل ١٤١٧ ____ اگست ١٩٩٦	٨٣٢
١١	کتاب النکاح	٤٥٩	٦	محرم الحرام ١٤١٨ ____ مئی ١٩٩٧	٧٣٦
١٢	کتاب نکاح، طلاق	٣٢٨	٣	رجب المرجب ١٤١٨ ____ نومبر ١٩٩٧	٦٨٨
١٣	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	٢٩٣	٢	ذیقعدہ ١٤١٨ ____ مارچ ١٩٩٨	٦٨٨
١٤	کتاب السیر (ا)	٣٣٩	٧	جمادی الاخریٰ ١٤١٩ ____ ستمبر ١٩٩٨	٧١٢
١٥	کتاب السیر (ب)	٨١	١٥	محرم الحرام ١٤٢٠ ____ اپریل ١٩٩٩	٧٤٤
١٦	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	٤٣٢	٣	جمادی الاولیٰ ١٤٢٠ ____ ستمبر ١٩٩٩	٦٣٢
١٧	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	١٥٣	٢	ذیقعد ١٤٢٠ ____ فروری ٢٠٠٠	٧٢٦

اٹھارھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہفتم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڈھ بھارت کے صفحہ ٢٩١ سے آخر تک ١٥٢ سوالوں کے جوابات اور ٧٣٨ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے، اس سے قبل گیارھویں، باھویں، تیرھویں، سولھویں اور سترھویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں، پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشہادۃ اور کتاب القضاء والدعاوی

کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ (۱۳۲۱ھ)

شرکت اور میرث کے اُلجھے ہوئے ایک مسئلہ کا انتہائی شاندار فیصلہ

(۲) الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ (۱۳۳۳ھ)

دینی اور دنیاوی ولایت وحکومت کی مجتہدانہ تحقیق اور اس بارے میں ایک غلط فتوے کا رد بلیغ۔

O

ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

جولائی ۲۰۰۰ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فہرست مضامین مفصل

شرکت ملک میں شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوتا ہے۔	۱۶۰	باپ نے بیٹے کو کچھ دینے کے لئے کہا اور نہیں دیا تو باپ پر جبر نہیں ہوسکتا۔	۱۶۷
شرکت کی تعریف۔	۱۶۰	بیٹے نے باپ کی مزدوری کی، یہ جائز نہیں۔	۱۶۸
شیوع کی صورت میں مملوک کے ہر ذرے پر شریک کا حق ہوتا ہے۔	۱۶۱	میراث کا حق اللہ تعالٰی کا مقرر کردہ ہے اس کو نہ باپ باطل کرسکتا ہے نہ بیٹا رد کرسکتا ہے۔	۱۶۸
تنقیح کی روشنی میں جائداد کی حقیت کا فیصلہ۔	۱۶۱	باپ حالت صحت میں اپنی ملک زائل کردے تو حق وراثت ختم ہوجائے گا۔	۱۶۹
ہندوستان کا یہ عرف ہے کہ شوہر عورت کو زیور کا مالک نہیں کرتا۔	۱۶۳	وارث کو حق میراث سے محروم کرنیوالے کے لئے حدیث میں وعید شدید۔	۱۶۹
زیور کے عورت کی ملک ہونے کے لئے شوہر کی جانب سے تصریح ضروری ہے۔	۱۶۳	دو بیویوں میں عدم مساوات پر وبال۔	۱۶۹
شوہر نے زیور کو مہر میں دینے کی تصریح کی تو مہر میں محسوب ہوگا۔ اور احسان اور ہبہ کے طور پر دیا تو محسوب نہ ہوگا۔	۱۶۳	چار دفعات پر مشتمل ایک استفتاء۔	۱۶۹
شوہر نے زیور کا صرف مالک بنایا، جہت کی تصریح نہ کی، عورت مہر سے الگ کہتی ہے۔ اور دیگر ورثہ مہر میں دینے کا دعوی کرتے ہیں۔ تو ورثہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۶۴	جو شخص کسی قسم کا قہر وتسلط رکھتا ہو اس کو کسی قسم کا تحفہ اور دعوت خاصہ قبول کرنے کا اختیار نہیں۔	۱۷۰
عورت کے پاس شوہر نے کچھ بھیجا عورت اس کو تحفہ کہتی ہے اور شوہر مہر قرار دیتا ہے اور چیز سڑنے گلنے والی ہو تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۶۴	ان اشخاص کی تفصیل جو اصحاب قہر وتسلط میں آتے ہیں۔	۱۷۰
مذبذب کا بیان مسموع نہیں۔	۱۶۵	ماتحت اپنے افسروں کی دعوت قبول کرسکتا ہے جس پر اس کا دباؤ نہ ہو۔	۱۷۰
تنہا عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔	۱۶۵	ایسے شخص سے ہدیہ ودعوت بھی قبول کرسکتا ہے جو اس منصب سے پہلے بھی اس قسم کا معاملہ رکھتا تھا۔	۱۷۰
وارث کے لئے وصیت درست نہیں۔	۱۶۵	اپنے قریبی محارم کا ہدیہ قبول کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔	۱۷۰
لڑکا باپ کے عیال میں ہوا اور باپ کی اعانت کے طور پر جو کمائے وہ باپ کا ہے۔	۱۶۶	کام پڑنے کے وقت مذکورہ بالا اصحاب سے بھی ہدیہ ودعوت نہیں قبول کرسکتا۔	۱۷۱
لڑکے نے باپ کے عیال سے الگ ہو کر کمایا یا ذاتی مال سے کوئی تجارت کی، یا باپ کے کسب سے الگ کوئی کسب کیا یہ سب بیٹے کا ہوگا۔	۱۶۷		

دعوت نہ قبول کرنے کی علت تہمت رعایت ہے اس لئے دعوت کے بعد بھی رعایت نہ کرنے کی عادت سے دعوت جائز نہیں ہوسکتی۔	۱۷۱	اعلم علماء البلد عالم دین کی اتباع من حیث العلم اور من حیث الحکم ہر طرح واجب ہے۔	۱۷۷
منصب کی وجہ سے ہدیہ کی ممانعت کا حکم حدیث شریف میں ہے۔	۱۷۱	نکاح خواں قاضی جو گاؤں میں مقرر ہوئے ہیں یہ کچھ نہیں ہیں۔	۱۷۷
مذکورہ بالا مسائل کے نصوص فقہیہ	۱۷۱	جو شخص کسی دوسرے کے لئے اس کی اجازت کے بغیر اور کسی مجبوری کے بغیر خرچ کرے اس کا معاوضہ کسی سے نہیں لے سکتا۔	۱۷۸
اسلامی ریاستیں جو کفار کے غلبہ میں ہوں ان کے مسلمان والیوں کی طرف سے جو حکام مقدمات فیصل کرنے پر مقرر ہیں وہ شرعا قاضی ہیں اور انہیں جو جائز اختیار تفویض ہوں وہ اختیارات شرعی ہیں۔	۱۷۴	جو چیز عاریۃً دی یا اس کے عاریۃ دینے کا رواج ہو وہ باقی ہو تو لے سکتا ہے اور باقی نہ ہو تو کسی سے مطالبہ نہیں۔	۱۷۸
جاہل قاضی شرع ہوسکتا ہے۔	۱۷۵	عاریت کی چیز کسی نے خرچ کی یا تلف کردی اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے۔	۱۷۸
فاسق قاضی بنادیا جائے تو قاضی ہوجائے گا لیکن اس کا قاضی بنانا گناہ ہے۔	۱۷۵	بھائی کی کفن دفن میں جتنا بطریق سنت خرچ کیا وہ مجرا کرسکتا ہے۔	۱۷۸
فاسق کو بعض احکام شرع کے اجراء کا مجاز نہیں کیا اور جن کا مجاز کیا ان میں اتباع شرع سے نہ روکا تو ایسی تحقیق جائز ہے اور قضا متحقق ہے۔	۱۷۶	مسلمانوں پر کافر کو کوئی حکومت نہیں۔	۱۷۹
بعض احکام میں اتباع شرع سے روکا تب بھی قضا متحقق ہے۔ البتہ ایسی قضاء کا قبول کرنا حرام ہے۔	۱۷۶	مسلمانوں کا کافروں کے طریقے پر نکاح کرنا جائز نہیں۔	۱۷۹
مسلمانوں کے معاملہ میں قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے۔	۱۷۶	کافروں سے دینی کام میں مدد لینی جائز نہیں۔	۱۷۹
جہاں اسلامی ریاست نہ ہو وہاں تراضی اہل اسلام سے قاضی بنایا جاسکتا ہے۔	۱۷۶	جو مسلمان ایسے ناجائز کاموں کے طرفدار ہوں شرعا تعزیر کے مستحق ہیں اور ان پر توبہ لازم ہے۔	۱۷۹
ایسا بھی نہ ہو تو اعلم علماء بلد جو عالم دین ہو قاضی ہے۔	۱۷۷	صرف قبالہ سے شرعا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔	۱۸۰
		آج کل عام طور سے عرف یہی ہے کہ باپ بیٹے کو کوئی جائداد ہبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو خرید کر قبالہ لڑکے کے نام کرادیتا ہے تو یہ لڑکے کا نام خریدای نہ ہوئی ہبہ ہوا۔	۱۸۱

مہر معجّل ہے تو جائداد موجود عورت کو دے دے یا اس کے پاس بعوض مہر رہن رکھ دے اور جو باقی بچے اس کو آئندہ شوہر دے تو اس کی رضا سے لیتی جائے، نہ دے تو نالش کے ذریعہ نیلام کرائے، اور جو مقدار مہر سے زائد ہو اس کو واپس کردے۔	۲۳۲	قضا کو زمان ومکان، خصومت اور دیگر شرائط کے ساتھ مقید کرنا جائز ہے۔	۲۳۶
آج کل خلاف جنس پر قابو پائے تو اپنا حق وصول کرسکتا ہے۔	۲۳۲	باہر جانے کے لفظ سے فرار ثابت نہیں ہوتا۔	۲۳۶
جب کل مہر کے عوض جائداد ہبہ ہو کل مہر ساقط ہوگیا چاہے کتنا بھی ہو۔	۲۳۳	بھاگ جانے میں باہر جانے سے ایک امر زائد ہے۔	۲۳۷
ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً بیع ہے۔	۲۳۳	زیادت بے ثبوت زائد ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی۔	۳۳۷
مشتری کے لئے ثمن میں کچھ ملک باقی نہیں رہتی۔	۲۳۳	اقل متیقن ہوتا ہے۔	۲۳۷
جہاں مقاصہ ہو وہاں مقدار کا بیان بلکہ معلوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔	۲۳۳	مدیون کے مدیون پر دعوی صحیح نہیں۔	۲۳۷
مسلمانوں پر کسی بھی معاملہ میں ہنود کی گواہی معتبر نہیں۔	۲۳۴	موت کے بعد ملک منتقل ہوجاتی ہے۔	۲۳۸
تنہا عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوتی۔	۲۳۴	دائن میت اور مدیون میت اگر میت کے وارث ہوں تو مدیون کے مدیون پر دعوی صحیح ہے۔	۲۳۸
گواہی نہ ہونے کی صورت میں شوہر کی قسم کھلائی جائے، قسم کھاکر طلاق کا انکار کردے گا تو عورت کا دعوی رد ہوجائے گا اور قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہوگی۔	۲۳۴	تحقیق مقام۔	۲۳۸
نصاب شہادت برائے طلاق۔	۲۳۵	میت کے مدیون پر میت کا وارث یا وصی دعوی کرسکتا ہے میت کا قرضدار نہیں۔	۲۳۸
زمانہ طلاق کے بارے میں گواہوں کا اختلاف کچھ مضر شہادت نہیں۔	۲۳۵	میت پر دعوی ثابت کرنے کے لئے بھی وصی یا وارث کا حضور شروط ہے۔	۲۳۸
بادشاہ اسلام یا قاضی قضاۃ نے جسے قاضیوں کے مقرر کرنے کا حق ہے جس شخص کو جن قواعد وشرائط کے ساتھ حکم کیا، پوری ریاست کے لئے جو قواعد وضوابط بنائے ان کی پابندی متعلقہ افراد کے لئے ضروری ہے۔ عدم پابندی کی صورت میں فیصلہ کالعدم ہوگا۔	۲۳۵	میت کے مدیون پر دین اور خود میت پر دین اگر کسی اور طریقہ سے ثابت ہوجائے تو مدیون کے مدیون پر دعوی ہوسکے گا۔	۲۳۸

دادی نے اپنے لڑکوں کو روپیہ دیا کہ اس سے اپنے نام مکان خرید لو، اب پوتی کا یہ کہنا ہے کہ دادی کی نیت یہ تھی کہ اس مکان میں میں اور میری والدہ رہیں اس لیے مکان ہمارا ہے۔ یہ دعوی غلط ہے اعتبار لفظ کا ہے نیت کا نہیں۔	۶۱۵	نصاب کے بعد گواہ اس وقت نہیں لئے جاتے جب ان کی گواہی سے دعوی ثابت ہو جائے ثبوت نہ ہو تو مزید گواہوں کا سننا قاضی پر فرض ہے۔	۶۲۱
میاں بیوی ایک ساتھ رہتے ہیں شوہر کل آمدنی لاکر بیوی کو دے دیتا ہے۔ عورت گھر کے تمام مصارف اسی سے پورے کرتی ہے۔ اس کو شرع میں تموین کہتے ہیں۔ اس صورت میں روپیہ کل شوہر کا ہی رہتا ہے۔	۶۱۵	عدم ثبوت قضاء نہیں۔	۶۲۱
رہائش مشترکہ نہ ہو اور شوہر اپنے عورت کے حصہ کا نفقہ اس کو الگ دے تو اس کی مالک عورت ہو گی۔ جو بچائے گی اس کا ہو گا۔	۶۱۵	ایسے قاضی کا حکم ماننا حرام ہے۔	۶۲۲
اولاد کے لئے جو نفقہ ہے وہ دفع حاجت کے لئے ہے تو اس میں جو بچا ملک شوہر پر رہے گا۔	۶۱۶	ایسا قاضی سزائے قتل کا مستحق ہے لیکن یہاں سزا دینے والا بادشاہ اسلام نہیں۔	۶۲۲
عورت اور دیگر محارم کے نفقہ کا فرق۔	۶۱۶	جب باپ نے طلاق کے بغیر لڑکی کا دوسرا نکاح پڑھایا، وہ دیوث ہے۔	۶۲۲
بحر الرائق کے سبقت قلمی کی تصحیح۔	۶۱۷	لڑکی بدستور اپنے شوہر کی بیوی ہے۔	۶۲۲
عورت اور بچوں کا نفقہ ایک ساتھ عورت کو دیا تو عورت اس کی مالک نہ ہو گی۔	۶۱۷	مدعی کے دعوی کے بغیر گواہی نہیں۔	۶۲۲
مشاع اور مجہول کا ہبہ صحیح نہیں۔	۶۱۸	نکاح خواں نے اپنے نکاح پڑھانے کی گواہی دی تو وہ مقبول نہیں۔	۶۲۳
عورت نے شوہر کو روپیہ دیا اور تقاضا نہیں کیا یہ دلیل تملیک نہیں۔	۶۱۸	زنا کی تہمت لگائی اور گواہ نہ پیش کئے تو حد قذف کے لائق ہیں۔	۶۲۳
ساکت کی طرف قول منسوب نہیں کیا جاتا۔	۶۱۸	ہندوستان میں بادشاہ اسلام نہیں اس لئے حد قذف نافذ نہیں ہو سکتی۔	۶۲۳
لڑکی نے باپ سے کہا آپ نے میرے روپے سے مکان خریدا لہٰذا مکان میرا گواہوں سے روپیہ کی معینہ مقدار ثابت کر دے گی تو باپ اتنے روپیہ کا مقروض ہو گا، مکان پھر بھی باپ کی ہی ملک رہے گا۔	۶۱۸	جو جھوٹے مشہور ہوں ان کی گواہی کبھی مقبول نہ ہو گی۔	۶۲۳
ایک بدطینت قاضی کی تلبیس پر سخت تنبیہ۔	۶۲۱	فاسق معلن کی امامت مکروہ ہے۔	۶۲۴

۴۔ موجود پر شہادت دی، تو مدعی، مدعا علیہ اور مدعو بہ کی طرف اشارہ ضروری ہے۔	۶۸۲	کسی چیز کے بارے میں دعوی کیا" میری ہے" پھر کہا وقف ہے، دعوی مسموع ہوگا۔	۶۸۸
غائب میں باپ کے ساتھ دادا کا نام بھی ضروری ہے۔	۶۸۲	قرآن عظیم میں یتیم کے مال کو اولیاء کا مال کہنا علت اصلاح ونگرانی ہے۔	۶۸۹
شاہد کا حاضر کو پہچاننا ضروری،	۶۸۳	قرآن عظیم نے حضرت خدیجہ الکبرٰی رضی اللہ عنہا کی مالداری کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مالداری کہا۔	۶۹۰
گواہ مدعی، مدعی علیہا اور مدعو بہ کا نام ونسب بیان کریں اور اس کو نہ پہچانیں، تو گواہی نامقبول ہے۔	۶۸۴	پردہ نشینوں کا روپیہ ان کے شوہروں کو ہی دیا جائے گا اور وہی رسید دیں گے۔	۶۹۰
۵۔ شہادت میں حاضر پر اشارہ کا مطلب ایسا لفظ ہے کہ حاضر کی طرف اس سے اشارہ ہو، اعضاء کا اشارہ جب کلام سے متعلق ہو تو یہ بھی کلام کے معنی ہو جاتا ہے۔	۶۸۴	خاص خاص گواہان مدعی پر الگ الگ تنقیدیں شاہدوں کے اٹھارہ اختلاف۔	۶۹۱
۶۔ متبنٰی کی ولدیت گود لینے والے کی طرف کرنا ازروئے قرآن غلط ہے۔	۶۸۵	زمان ومکان میں اختلاف شہادت کو مضر نہیں مگر یہ کہ دونوں گواہ کہیں کہ ہم دونوں مدعی کے ساتھ ایک دن اور ایک ہی جگہ تھے۔	۶۹۲
شہادت میں تعریف کا مطلب معہود ذہنی نہیں ہوتا بلکہ الفاظ سے تعین ضروری ہے۔	۶۸۶	شہادت میں مجاز مقبول نہیں۔	۶۹۵
۷۔ دعوی یہ ہو کہ بیعنامہ اور کرایہ نامہ میں زوجہ کا نام فرضی ہے حقیقۃً یہ معاملہ شوہر سے ہے، اور گواہی میں نہ اپنے علم کا ذکر نہ مدعا علیہ کے اقرار کا گواہوں کا صرف یہ بیان کہ مدعی نے ہم سے کہا باطل اور مردود ہے۔	۶۸۶	جب گواہ قابل اطمینان نہ ہوں تو زائد باتوں میں اختلاف بھی مضر شہادت ہے۔	۶۹۶
زوجہ کی ملک کو اپنی طرف منسوب کرنا شائع وذائع ہے۔	۶۸۶	شاہد کے بیان میں تعارض۔	۶۹۶
میاں بیوی میں یہ انبساط ہی ہے کہ ایک دوسرے کو اپنی زکوۃ نہیں دے سکتے۔	۶۸۷	شاہد کو جب شہادت یاد نہ ہو تو لکھی یادداشت پر گواہی باطل ہے۔	۶۹۶
وکیل موکل کی ملک کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے یہی حال تو نوکر کا آقا کی ملک میں ہے، وصی کا یتیم کی ملک میں متولی کا مال وقف میں ہے۔	۶۸۸	امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک تحریر سے گواہی اس وقت مقبول ہے کہ گواہ اس کا اظہار نہ کرے۔	۶۹۷
		جو علم مقدار فرض کفایہ نہ سیکھے فاسق مردود الشہادۃ ہے۔	۶۹۸

جب گواہوں کی حالت مشتبہ ہو تو تحری صدق ضروری ہے۔	۶۹۹	اصل واقعہ کو صحیح ماننا، اور صرف رجسٹری نہ ہونے سے اعتبار نہ کرنا غلط ہے۔	۷۰۶
وجوہ اشتباہ۔	۷۰۰	یہ کہنا کہ مرتہن نے شیئ مرہونہ کو کرایہ پر دیا لہٰذا کرایہ اور مرہون کے جملہ محاصل حق راہن نہیں غلط ہے۔	۷۰۶
تجویز اور فیصلہ پر تنقید۔	۷۰۱	صحیح حکم یہ ہے کہ مرتہن مرہون کو بے اجازت راہن کرایہ پر دے تو کرایہ مرتہن کی ملک خبیث ہے صدقہ کرے یا راہن کو دے۔	۷۰۶
دعوی صحیح نہیں تو آگے کی کارروائی بیکار ہے۔	۷۰۱	ایسی رقم کو اصل قرض میں مجرائی کے لائق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔	۷۰۷
گواہی باطل ہو اور مدعا علیہ اقرار یا انکار کچھ نہ کرے تو طریقہ حکم مسدود ہے۔	۷۰۱	ساتویں تنقیح بحق مدعا علیہا ثابت ہے۔	۷۰۷
تنقیح نمبر ا گواہوں سے ثابت نہیں۔	۷۰۲	قبضہ مرتہن کا اقرار خود کشتی وارث مدعی نے کیا ہے۔	۷۰۸
رسید بہی ثابت نہیں۔	۷۰۲	نویں تنقیح بے فائدہ اور قابل قیام تھی ہی نہیں۔	۷۰۹
تجویز کا تناقص۔	۷۰۲	دوسرے کے پیسہ سے کوئی چیز خریدی بیع مشتری کے حق میں ثابت ہے۔	۷۰۹
رسید پر دستخط کرنا معاملہ کے سود ہونے کی دلیل نہیں بلکہ سود نہ ہونے کی دلیل ہے اور اس سے تنقیح ۲۔ ۳ باطل ہو جاتی ہے۔	۷۰۲	بقیہ تنقیحیں غیر متعلق اور غیر مفید ہیں۔	۷۱۰
تجویز کا شہادتوں کو رد اور تحریر یعنی رسید سے اس کی تائید ماننا باطل ہے۔	۷۰۳	حکم شرع یہ ہے کہ ججی کا فیصلہ باطل ہے اور مدعا علیہ و دعوی باطلہ مدعیان سے بری۔	۷۱۰
مجوز نے رسید بہی کی ایک اور بری غلطی ظاہر کی۔	۷۰۳	مشتری کہتا ہے آٹھ آنہ قیمت طے ہوئی تھی بائع نے ساڑھے چار روپیہ بتایا، ایسی صورت میں جو اپنا دعوی گواہوں سے ثابت کرے اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔	۷۱۰
خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں۔	۷۰۳	دونوں طرف گواہان عادل ہوں تو بائع کے گواہ معتبر ہوں گے۔	۷۱۰
مظنون در مظنون پر فیصلہ کی بنیاد غلط ہے۔	۷۰۵	دونوں گواہ پیش نہ کرسکیں تو مشتری سے قسم طلب ہوگی انکار پر بائع کے حق میں فیصلہ ہوگا اور قسم کھالے تو بائع سے بھی قسم لی جائیگی وہ انکار کرے تو فیصلہ بحق مشتری، اور وہ بھی انکار کرے تو بیع کے فسخ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔	۷۰۱
فیصلہ میں شہادت مردودہ پر اعتبار کیا۔	۷۰۶		

شفعہ کا ایک معاملہ	۷۱۱	وارثان بائع اگر اس مضمون کی گواہی پیش کریں مقبول ہوگی ورنہ نہیں کہ بعد بیع بائع اور مشتری دونوں نے اقرار کیا تھا کہ ہم نے بیع فرضی کیا۔	۷۱۵
دعوی تام وعام ہے۔	۷۱۲	مشتری بیع قطعی کا مدعی ہو اور مدعا علیہ بیع تلجئہ کا گواہ بائع پیش کرنا ہوں گے۔ مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۷۱۶
طلب شفعہ کی حکایت کو دعوی سمجھنے کی غلطی۔	۷۱۳	مشتری سے گواہ مانگنا اور ان سے بحث خلاف ضابطہ ہے۔	۷۱۶
تعین کی دو قسمیں۔	۷۱۳	تلجئہ کے مدعیوں کو صرف یہ گواہی پیش کرنا ہوگی کہ مشتری نے بعد بیع اس کے فرضی ہونے کا اقرار کیا۔	۷۱۶
مشاع اشیاء میں تعین سے مراد تعین مقدار ہے۔	۷۱۳	بائع اس مکان میں مرتے دم تک رہا، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشتری کا قبضہ نہ ہوا، یہ صحت بیع کے منافی نہیں۔	۷۲۰
مشاع کی بیع بالاجماع بیع جائز ہے۔	۷۱۳	بائع مرجائے تو گواہوں کا یہ کہنا کہ مکان بائع کا ہے غلط ہے، مردہ کسی چیز کا مالک نہیں۔ "مکان بائع کا تھا" یہ کہنے سے نہیں ثابت ہوتا کہ انہوں نے بیع نہیں کیا۔	۷۲۱
عرضی دعوی اور بیان شاہدین میں تطبیق کا بیان۔	۷۱۳	استصحاب حال کی گواہی حادث گواہی کے خلاف معتبر نہیں۔	۷۲۱
یہ اعتراض بے معنی ہے کہ مدعی نے عرضی دعوی میں طلب عندالمشتری کیا اور گواہ کے بیان میں طلب عندالمبیع بھی ہے۔	۷۱۳	بائع اور اس کی بیوی میں اختلاف ہونے سے بھی بیع کا فرضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔	۷۲۱
دس حصوں میں سے ایک کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہر حصہ میں سے ایک ایک حصہ۔	۷۱۴	بائع بیع کے فرضی ہونے کا اقرار کرے تو بھی فرضی نہیں قرار پائے گی۔	۷۲۲
قرآن شریف کی آیت بین احد من رسلہ کا مطلب بین احد واحد من رسلہ ہے۔	۷۱۴	بائع کا مبیع کے فرضی ہونے کا قول متناقض ہے اور تناقض دعوی مردود ہے۔	۷۲۲
جب مدعی کا حق شفعہ صرف بعض مبیع میں ہو تو شفعہ کے صفقہ میں تفریق جائز ہے۔	۷۱۴	مجمل گواہی معتبر نہیں۔	۷۲۳
مشتری بیع کی واقعیت کا مدعی ہے اور بائع کے وارثان فرضی ہوں گے، وارثوں سے گواہ مانگے جائیں گے، اور وہ گواہ پیش نہ کریں تو قسم سے مشتری کا قول معتبر ہوگا، قسم سے انکار کرے تو بیع فرضی ہونے کا حکم ہوگا۔	۷۱۵	فاسق معلن کی گواہی معتبر نہیں۔	۷۲۳

فہرست ضمنی مسائل

آج کل عام طور سے عرف یہی ہے کہ باپ بیٹے کو کوئی جائداد ہبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو خرید کر قبالہ لڑکے کے نام کرادیتا ہے تو یہ لڑکے کا نام خریدای نہ ہوئی ہبہ ہوا۔	۱۸۱	مرض موت کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے۔	۳۸۴
اگر ہبہ پر موہوب لہ کا قبضہ ہو ملک ثابت ہوگی قبضہ نہ ہو ملک ثابت نہ ہوگی۔	۱۸۱	اعتراضات مفتی (۱) قبضہ ناقصہ اعتراضات مفتی (۲) قبضہ ناقصہ اعتراضات مفتی (۳) قبضہ ناقصہ اور اختلاف شہادت اعتراضات مفتی (۴) اختلاف شہادت اعتراضات مفتی (۵) ہبہ میں ایجاب کے ساتھ قبول ضروری قبضہ قبول کے قائم مقام نہ ہوگا۔	۳۹۱
واہب اور موہوب لہ میں سے کوئی بھی قبضہ سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا۔	۱۸۲	راجح معتمد ومفتی بہ یہی ہے کہ قبول ہبہ رکن نہیں۔	۳۹۳
استحقاق شیوع مقارن ہے ہبہ کو باطل کردے گا۔	۲۱۴	تحقیق یہی ہے کہ ہبہ میں قبضہ سے ملک اور قبول دونوں ثابت ہوتے ہیں۔	۳۹۳
والدین اپنے روپے سے جائداد خرید کر بیعنامہ اپنے بچوں کے نام لکھاتے ہیں یہ تملیک وہبہ ہے۔	۲۱۹	قبضہ بلااذن یا بہ اذن اسی مجلس ہبہ میں ضروری نہیں۔ بعد کو بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ قبضہ سے پہلے رد نہ ہو۔	۳۹۳
ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً بیع ہے۔	۲۳۳	قبول ہبہ کے رکن نہ ہونے کی دلیل اور اس کی نظیر۔	۳۹۴
ہبہ بے قبضہ تمام نہیں۔	۲۸۵	واہب نے موہوبہ کو فارغ نہ کیا اور کہا کہ قبضہ دلادیا، تو کذب ہوگا۔	۳۹۶
زوجیت مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۸۵	بے اجرت لوگوں کو مکان دے رکھا ہے اس مکان کو اپنے چھوٹے لڑکوں کو ہبہ کیا ہبہ صحیح ہے رہنے والوں کا تخلیہ ضروری نہیں۔	۳۹۶
مرض الموت کا ہبہ رضائے ورثہ پر موقوف ہوتا ہے۔	۳۱۶	موہوب لہ کا غیر واہب کے املاک و اسباب سے خالی ہونا ضروری نہیں۔	۴۰۰
شرکت طاریہ مفر ہبہ نہیں۔	۳۱۶	مرتہن، اجیر عاریۃ مقیمین کے علاوہ کوئی مکان میں ہو وہ مکان کا قابض نہیں۔ نہ اس کے رہنے سے موہوب لہ کے قبضہ میں فرق آئے۔	۴۰۱
عام طور سے باپ بیٹے کے نام کوئی چیز خریدتا ہے تو مقصد ہبہ کرنا ہوتا ہے۔	۳۱۷	موہوب لہ کا ہبہ کے وقت ملک واہب سے خالی ہونا ضروری نہیں قبضہ کے وقت خلو ضروری ہے۔	۴۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الشھادۃ

(گواہی کا بیان)

مسئلہ ۱: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خان صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

از روئے شرع شریف کے شاہد کی کیا تعریف ہے اور کون سی شہادت شرع شریف میں مانی جاتی ہے بتفصیل ارقام فرمائیں۔

الجواب:

شاہد وہ جو مجلس قضا میں بلفظ اشہد یا گواہی مید ہم (میں گواہی دیتا ہوں۔ت) یا گواہی دیتا ہوں کسی حق کے ثابت کرنے کی خبر دے، اور قبول شہادت کے لئے شاہد کا عاقل، بالغ صحیح یاد والا، انکھیارا اور مدعا علیہ پر اپنی گواہی سے الزام قائم کرنے کی لیاقت والا ہونا لازم ہے، اور یہ کہ اسی شہادت میں بوجہ قرابت ولادت یا زوجیت یا عداوت وغیرہا اس پر تہمت نہ ہو، اور فاسق کی گواہی بھی مردود ہے اور قبول کرنے والا گنہگار، اور تفصیل تام کتب فقہ میں ہے، درمختار میں ہے:

اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشھادۃ فی مجلس القاضی شرطھا العقل الکامل والضبط والولایۃ فیشترط	کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے مجلس قاضی میں لفظ شہادت کے ساتھ سچی خبر دینا (شہادت شرعی ہے) شہادت کی شرطیں یہ ہیں شاہد کا عاقل، بالغ صحیح یادداشت والا اور مدعا علیہ پر ولایت رکھنے والا

الاسلام لوالمدعی علیه مسلما وعدم قرابة ولاد او زوجية اوعداوة دنيوية اودفع مغرم اوجرمغنم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہونا چنانچہ اگر مدعا علیہ مسلمان ہو تو شاہد کا مسلمان ہونا شرط ہوگا (نیز یہ بھی شرط ہے کہ) شاہد کو مشہود لہ کے ساتھ ولادت یا زوجیت کے اعتبار سے قرابت حاصل نہ ہو اور نہ ہی کوئی دنیوی عداوت ہو، اور شاہد کو اس گواہی سے دفع تاوان یا حصول منفعت جیسی سہولت بھی حاصل نہ ہوتی ہو۔ (ت)

مسئلہ ۲: از رامپور مرسلہ مولانا ظہور الحسن صاحب و مولوی ارشد علی صاحب ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳۱۹ھ

سوال از حضرت مولونا مولوی احمد رضاخان صاحب، فتوی محررہ مولوی منور علی صاحب دربارہ مقدمہ فردوس بیگم مدعیہ میں جو جناب والانے یہ لفظ تحریر فرماکر مہر کی ہے: اگر شہادت شہود مندرجہ سوال جامع شرائط شہادت ہے توفیصلہ بحق مدعیہ ہونا چاہئے، آیا شرائط شہادت میں سے تعیین مشہود بہ ساتھ حدود بیان کرنے کے اگر مشہود بہ اراضی یا مکان ہو ہے یا نہیں؟ اور صرف مکان متنازعہ بول دینا بلا بیان حدود صحت شہادت کے واسطے کافی ہے یا نہیں؟ اور تعیین مشہود علیہ و مشہور لہ ساتھ ذکر اسم اب وجد کے اگر مشہورین میں سے نہ ہوں شرط شہادت ہے یا نہیں؟ اور لفظ **اشھد** شہادت کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟ اگر یوں شہادت لی جاتی ہو کہ گواہ سے اول یوں حلف لیا **اشھد باللہ** سچ کہوں گا بعدہ اس سے دریافت کیا فلاں مقدمہ میں کیا جانتے ہو اس نے بیان شروع کردیا اور اس بیان میں اشھد یا شہادت دیتا ہوں یا گواہی دیتا ہوں کہ ایسا ہے نہ کہا تو یہ شہادت قابل قبول ہے یا نہیں؟ اور ایسی شہادت کی بناپر اگر قاضی فیصلہ کردے تو وہ فیصلہ قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اور اجر دئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس فتوی پر اپنی تحریر جداگانہ لکھی ہے اور اس میں بحکم احتیاط جس کا لحاظ فتوی میں خصوصًا اس زمانہ شیوع جہل میں اہم ضروریات سے ہے صراحۃً یہ قید ذکر کی کہ دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں اور ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسب شرائط ہولیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے اس میں تمام شرائط تحمل شہادت و جملہ شرائط ادائے شہادت و جمیع شرائط صحت دعوی سب کی طرف اشارہ تھا کہ حقوق العباد میں تقدم دعوی خود شرط شہادت ہے تو بے صحت دعوی شہادت ہرگز مسموع نہیں، فقیر کو معلوم تھا کہ جہل شائع ہے اور اجتماع شرائط کم متوقع و**من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاہل** [2]

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

(اور جو اپنے زمانہ والوں کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ت) لہٰذا تصریحًا بالقصد یہ قیود ذکر کردیں اور اس فتوی کی تصدیق و تصحیح پسند نہ کی۔ مشہود بہ جب عقار مثلًا ارض یا دار ہو تو شہادت میں کم از کم تین حدوں کا ذکر واجب ہے اس کے بغیر شہادت ہر گز قبول نہیں مگر یہ کہ شہود دار کے پاس حاضر ہو کر بمواجہ مدعی ومدعا علیہ خود قاضی یا اس کے دو[۲] امینوں کے سامنے اشارہ سے تعیین حدود کی حاجت نہیں فان تعیین الحاضر بالاشارۃ (کیونکہ حاضر شے کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے۔ت) یا اگر دار ایسی معروف و مشہور ہے کہ اس کا نام لینا ہی علم کو بس ہے تو صاحبین کے نزدیک تحدید ضرور نہیں امام اب بھی مانتے ہیں اور یہی صحیح ہے مگر اگر قاضی کہ خاص مذہب امام یا مذہب مصحح پر قضا کے ساتھ مقید نہ کیا گیا ہو بلکہ اسے قاضی کرنے والے نے اختیار دیا ہو وہ اگر ایسی مشہور دار میں بے تحدید قبول شہادت کرکے قضا کردے گا نافذ ہوجائے گی لوقوعه فی مجتهد فیه (بسبب واقع ہونے اس کے مجتہد فیہ میں۔ت) ورنہ باطل ہوگی لکونه معزولا فیه کما فی البحر والاشباه والدر وغیرها (کیونکہ اس میں وہ معزول ہے جیسا کہ بحر، اشباہ اور درو غیرہ میں ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یشترط التحدید فی دعوی العقار کما یشترط فی الشهادة علیه ولو کان العقار مشهورا خلافا لهما الا اذ عرف الشهود الدار بعینها فلا یحتاج الی ذکر حدودها۔[1]	عقار (غیر منقول جائداد) کے دعوی میں حدود کو بیان کرنا شرط ہے جیسا کہ اس پر گواہی میں بیان شرط ہے اگرچہ وہ عقار مشہور ہو بخلاف صاحبین کے مگر گواہان جب دار کو خصوصی طور پر پہچانتے ہوں تو بیان حدود کی حاجت نہیں۔ (ت)

جامع الفصولین وفتاوٰی ہندیہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

شهدا بدار وقالا نعرف حدوده اذا مشینا الیه لکن لانعرف اسماء الحدود فان القاضی یقبل ذلك منهما اذا عدلا ویبعثهما مع المدعی والمدعی علیه وامینین له لیقف الشهود علی	دو گواہوں نے کسی کے لئے دار کی گواہی دی اور کہا کہ ہم اگر گھر کی طرف جائیں تو اس کی حدوں کو پہچانتے ہیں مگر اس کی حدوں کے نام نہیں جانتے تو قاضی ان کی گواہی کو قبول کرے گا بشرطیکہ ان دونوں گواہوں کی تعدیل ہوگئی۔ قاضی دونوں گواہوں کو مدعی، مدعا علیہ اور اپنے دو امینوں کے ساتھ بھیجے گا تاکہ وہ گواہ

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۵۔۱۱۶

الحدود بحضرة امینی القاضی فاذا وقفا علیها فقالا هذه حدود دار شهدنا به لهذا المدعی یرجعون الی القاضی ویشهد الامینان انهما وقفا وشهدا باسماء الحدود فحینئذ یقضی بالدار وکذاالقریة والحانوت وجمیع الضیاعات[1]۔	قاضی کے امینوں کی موجودگی میں گھر کی حدوں کی شناخت کرائیں جب وہ گواہ گھر کی حدوں پر واقف ہوئے اور کہا کہ یہی حدیں ہیں اس گھر کی جس کی گواہی ہم نے اس مدعی کے لئے دی ہے، اب یہ قاضی کے پاس لوٹ آئیں گے اور دونوں امین اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان گواہوں نے گھر اور اس کی حدوں پر ہم کو واقف کیا ہے تو قاضی اس گھر کا فیصلہ مدعی کے حق میں کردے گا اور یہی حکم ہے گاؤں، دکانوں اور تمام غیر منقول جائدادوں کا۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

فیه رمز الٰی انه یحدولو مشهورا وهذا عنده خلافا لهما فلو لم یحد وقضی بصحة ذٰلك نفذ[2]۔	اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مدعی کی جانب سے حدود کو بیان کیا جائے گا اگرچہ (حدود) مشہور ہو، یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے، بخلاف صاحبین کے، چنانچہ اگر بیان حدود کے بغیر قاضی نے صحت دعوٰی کا فیصلہ دے دیا تو (صاحبین کے نزدیک) نافذ ہوجائے گا۔(ت)

مگر صرف جامع الفصولین میں اپنی رائے یہ تحریر فرمائی کہ اگر شاہدین ملک متنازع فیہ کی شہادت دیں اور مدعی ومدعا علیہ کا اتفاق ہو کہ جس دار کی انہوں نے شہادت دی ہے وہی متنازع فیہ ہے تو اصل دار میں شہادت قبول ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے اولا برمزف ش فتاوٰی امام رشید الدین سے نقل کیا **شهادتهم بالملك بلا ذکر الحدود لاتقبل**[3] (حدود کو بیان کئے بغیر ملکیت پر ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ت) پھر اپنی بحث ذکر کی کہ:

اقول: الغرض هو التمیز عند القاضی، فینبغی ان یصح حکمه بحسب ماتمیز	**میں کہتا ہوں** غرض تو یہ ہے کہ وہ (دار) قاضی کے نزدیک ممتاز ہوجائے لہٰذا اس کا فیصلہ ممتاز شے کی حد تک صحیح ہونا چاہئے، چنانچہ

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۲

[2] جامع الرموز کتاب الدعوٰی مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۴۶۷

[3] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۱

فلو شهدا بملك المتنازع فيه والخصمان تصادقا على ان المشهود به هو المتنازع فيه، ينبغي ان تقبل الشهادة فى اصل الدار وان لم يذكرا الحدود لعدم الجهالة المفضية الى النزاع فى اصل الدار فلو وقع النزاع فى حدوده بعد الحكم باصله فذلك الامر اٰخر تسمع فيه الخصومة براسه كما ان الجارين لوتنازعا فى حدود داريهما لافى اصليهما يسلم لكل منهما اصل داره وتسمع الخصومة فى الحد، والله تعالٰی اعلم۔[1]	اگر دو گواہوں نے متنازع فیہ گھر کے بارے میں کسی کی ملکیت کی گواہی دی اور مدعی اور مدعاعلیہ دونوں نے تصدیق کردی کہ متنازع فیہ گھر وہی ہے جس کے بارے میں شہادت دی گئی تو اصل گھر کے بارے میں ان کی گواہی مقبول ہونی چاہئے اگرچہ حدود کو انہوں نے بیان نہ کیا ہو کیونکہ یہاں ایسی جہالت معدوم ہے جو اصل گھر میں جھگڑے کا باعث بنے، اگر اصل گھر کے فیصلہ کے بعد اس کی حدوں میں نزاع واقع ہو تو یہ الگ معاملہ ہے جس میں نئے سرے سے خصومت مسموع ہوگی جیسا کہ دو پڑوسیوں میں ان کے گھروں کی حدود کے بارے میں نزاع واقع ہوا نہ کہ اصل گھروں کے بارے میں، تو ہر ایک کا اصل گھر اس کے حوالے کیا جائے گا اور اس کی حدوں کے بارے میں خصومت مسموع ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

ظاہر ہے کہ اعتبار منقول فی المذہب کا ہے نہ کہ بحث کا، حتی کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ منقول کے مقابل امام ابن ہمام کی ابحاث بھی مقبول نہیں حالانکہ وہ بالغ درجہ اجتہاد مانے جاتے ہیں۔ ردالمحتار کتاب الحج میں ہے:

قد قال تلميذه العلامة قاسم ان ابحاثه المخالفة للمذهب لاتعتبر فافهم۔[2]	ابن ھمام کے شاگرد علامہ قاسم نے کہا کہ ان کی جو ابحاث خلاف مذہب ہیں ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا، پس غور کرو۔ (ت)

طحطاوی کتاب الطلاق فصل ثبوت النسب میں ہے:

النص هو المتبع فلايعول على	اتباع تو نص کی ہی کی جائے گی اس کے

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۰۲-۱۰۱

[2] ردالمحتار کتاب الحج باب الجنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۰۶

البحث معه[1]۔	ہوتے ہوئے بحث پر اعتماد نہیں کیا جائیگا۔(ت)

اقول: وبالله التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) ظاہرًا ان کی نظر اس طرف گئی کہ ذکر حدود کی حاجت تمیز ذات مشہود بہ کے لئے ولہٰذا فرمایا کہ بعد تصادق خصمین اصل دار میں شہادت مقبول ہوجانی چاہئے حدود میں تنازع پڑے تو اس کا مقدمہ جدا ہولے گا حالانکہ ذکر حدود کی ضرورت علم مقدار مشہود بہ کے لئے ہے، درر وغرر وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے:

ان قدرها لایصیر معلومًا الا بالتحدید[2]۔	گھر کی مقدار کا تعین اس کی حدوں کو بیان کئے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔(ت)

تو اصل دار بلا تعیین مقدار کیا چیز ہے جس کا قاضی حکم کرے یہ تو ایسا ہے کہ زید عمرو پر ہزار روپے کا دعوٰی کرے شہود شہادت دیں کہ اس کا اس پر کچھ آتا ہے کیا یہ گواہی اصل دین کے اثبات میں مقبول ہوجائے گی ہرگز نہیں،

ولم یقل به احد وبه ظهر الجواب عن قیاسه علی مسالة الجارین فان ثمه لم یختلفا فی اصل داریهما فالتسلیم لعدم النزاع علی جهة القضاء وانما یحتاج القاضی الی علم المقدار فیما یدعی به عنده فیرید القضاء به علی المنکر۔	اس کا قائل کوئی بھی نہیں اور اسی سے مسئلہ جارین پر اس کے قیاس کا جواب ظاہر ہوگیا کیونکہ وہاں دونوں پڑوسیوں میں ان کے اصل گھروں کے بارے میں اختلاف واقع نہیں ہوا چنانچہ وہاں قضاء کی جہت سے نزاع معدوم ہونے کی وجہ سے تسلیم متحقق ہوئی، بیشک قاضی اس بات کا محتاج ہے کہ اس گھر کی مقدار اسے معلوم ہو جس کا دعوٰی اس کے پاس کیا گیا ہے اور وہ منکر کے خلاف اس کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔(ت)

اگر ایسی شہادت مقبول ہو تو لازم کہ دعوٰی بھی بلا تعیین حدود قبول ہوجائے وہی وجہ وہاں بھی جاری ہے کہ اصل دین اس وقت حکم چاہتا ہے حدود میں نزاع پڑے تو یہ مقدمہ جدا ہولے گا حالانکہ یہ جملہ کتب مذہب کے خلاف ہے، خود جامع الفصولین میں ہے:

لوادعی عقارا فلابد من ذکر بلدة	اگر عقار (غیر منقول) کا کہا تو اس شہر کا ذکر ضروری

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۴۱

[2] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۱

فیما المدعی ثم من ذکر المحلة ثم السکة ثم حدودہ فلو ذکر حدین لایکفی ولو ذکر الثلثة کفی وکل جواب عرفتہ فی الدعوی فھو الجواب فی الشھادۃ اھ[1] مختصرا۔	ہے جس میں مدعی ہے پھر محلّہ گلی اور عقار کی حدوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، اگر اس نے دو حدوں کا ذکر کیا تو کافی نہیں اور اگر تین کا ذکر کیا تو کافی ہے اور جو حکم تو نے دعوی میں پہچانا وہی حکم شہادت میں ہے مختصراً۔ (ت)

بالجملہ نظر حاضر میں یہ بحث قابل اعتماد نہیں مشہود لہ وعلیہ کی تعیین ضرور ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ وہاں مقصود صرف رفع التباس ہے جس طرح ہو یہاں تک کہ اگر صرف نام یا تنہا لقب یا مجرد صفت ہی سے رفع اشتباہ ہو جائے بس ہے ورنہ ذکر نام و نام پدر بالاتفاق اور نام جد امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ضرور ہے اور یہی صحیح ہے ہاں اگر قاضی ماذون صرف نام و نام پدر پر قبول کرکے قضا کردے نافذ ہو جائے گی عورت کے لئے نام وزوجیت کافی ہے، درمختار میں ہے:

فلو قضی بلاذکر الجد نفذ فالمعتبر التعریف لا تکثیر الحروف حتی لو عرف باسمه فقط او بلقبه وحدہ کفی[2]۔	اگر دادا کا ذکر کئے بغیر قاضی نے قضا کردی تو نافذ ہوگی اس میں معتبر تو صرف پہچان کرانا ہے نہ کہ گفتگو میں زیادہ الفاظ استعمال کرنا یہاں تک کہ اگر محض نام سے اس کی پہچان ہو جائے یا تنہا لقب سے شناخت ہو جائے تو کافی ہے۔ (ت)

جامع الفصولین، ملتقط و فصول عمادیہ وہندیہ ومنح الغفار و تنقیح الحامدیہ میں ہے:

والحاصل ان المعتبر انما ھو حصول المعرفة وارتفاع الاشتراك[3]۔	خلاصہ یہ کہ اعتبار تو صرف شناخت کے حصول اور اشتراک واشتباہ کے خاتمے کا ہے (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

المعتبر ھو حصول المعرفة وارتفاع الالتباس بای شیئ کان[4]۔	اعتبار اس بات کا ہے کہ شناخت حاصل ہو جائے اور اشتباہ دور ہو جائے چاہے کسی بھی شے سے ہو۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۳

[2] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[4] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰

ردالمحتار میں ہے:

قوله او بلقبه وكذا بصفته كما افتى به فى الحامدية فيمن يشهد ان المرأة التى قتلت فى سوق كذا فى يوم كذا فى وقت كذا قتلها فلان تقبل بلا بيان اسمها و اسم ابيها حيث كانت معروفة لم يشاركها فى ذٰلك غيرها[1]۔	صاحب درمختار کا قول او بلقبہ (یا اس کے لقب سے شناخت ہوجائے) ایسا ہی حکم ہے اس کی صفت کے ساتھ شناخت کا، جیسا کہ فتاوٰی حامدیہ میں اس پر فتوٰی دیا گیا ہے اس شخص کے بارے میں جو گواہی دے کہ فلاں دن، فلاں وقت، فلاں بازار میں جو عورت قتل کی گئی اس کو فلاں نے قتل کیا ہے تو اس عورت اور اس کے باپ کا نام بیان کئے بغیر شہادت قبول کرلی جائے گی جبکہ وہ مقتولہ عورت مشہور ہو اور اس وصف میں اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہ ہو۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

قالوا فى ثبوت هلال رمضان شهدوا انه شهد عند قاض مصر كذا شاهدان برؤية الهلال وقضى القاضى بها، ووجد استجماع شرائط الدعوٰى قضى القاضى بشهادتهما فانظروا حفظكم الله تعالٰى الى قولهم قاضى بلدة كذا ولم يذكروا اشتراط اسم ابيه وجده لانه لايلتبس بغيره اذ القاضى فى ذٰلك الوقت واحد لا اثنان كما هو المعلوم[2]	ہلال رمضان کے ثبوت کے بارے میں فقہاء نے کہا، گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے چاند دیکھنے کی شہادت دی اور قاضی نے ان کی شہادت پر فیصلہ دیا اور تمام شرائط دعوٰی پائی گئیں تو قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ کردے گا تو دیکھو اللہ تعالٰی تمہاری حفاظت فرمائے ان کے اس قول کی طرف کہ انہوں نے کہا "فلاں شہر کا قاضی" اور اس کے باپ اور دادا کے نام کو ذکر کرنے کی شرط کا تذکرہ انہوں نے نہیں کیا کیونکہ اس وقت شہر کا قاضی ایک ہی ہے نہ کہ دو جیسا کہ معلوم ہے۔(ت)

اشباہ میں ہے:

تكفى النسبة الى الزوج لان المقصود	عورت کی نسبت زوج کی طرف کرنا کافی ہے کیونکہ

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۷۲

[2] العقود الدریۃ کتاب الشہادات ارگ بازار قندھار افغانستان ۱ /۳۴۶

الاعلام [1] اھ۔	مقصود تو شناخت کرانا ہے اھ (ت)

لفظ اشھد قطعًا رکن شہادت ہے بے اس کے شہادت شہادت ہی نہیں قبول وعدم قبول تو دوسرا درجہ ہے، تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

رکنہا لفظ اشھد لاغیر الی قولہ فتعین [2]۔	شہادت کا رکن لفظ اشہد (میں گواہی دیتا ہوں) ہے نہ کہ اس کا غیر (ماتن کے قول فتعین تک)۔ (ت)

انہیں میں ہے:

لزم فی الکل من المراتب الاربع لفظ اشھد بلفظ المضارع بالاجماع وکل مالا یشترط فیہ ھذا اللفظ کطھارۃ ماء ورؤیۃ ھلال فھو اخبار لاشھادۃ [3]۔	چاروں مراتب میں سے ہر ایک میں لفظ اشہد بصیغہ مضارع بالاجماع لازم ہے، اور جس جگہ یہ لفظ شرط نہیں جیسے پانی کی طہارت اور چاند کی رؤیت تو وہ خبر دینا ہے نہ کہ شہادت۔ (ت)

شروع شہادت سے پہلے یہ کہلوالینا کہ "اشھد باللہ" سچ کہوں گا، ہر گز کافی نہیں کہ وہ حلف ہے نہ کہ شہادت، اور "اشھد" کلام شہادت پر داخل ہونا لازم نہ کہ حلف پر، شاہدوں سے حلف لینا تو شرعًا جائز بھی نہیں کما فی الدر وغیرہ لانا امرنا باکرامھم (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے کیونکہ ہمیں گواہوں کے احترام کا حکم دیا گیا ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ حکام وشہود خصوم وتمام حضار ان الفاظ کو حلف ہی سمجھتے حلف ہی کہتے حلف ہی کی نیت کرتے ہیں اور رکن شہادت وہ اشھد ہے جو بمعنی خبر ہو نہ وہ کہ بمعنی حلف وقسم ہے، تبیین الحقائق وعالمگیریہ میں ہے:

رکنہا لفظ اشھد بمعنی الخبر دون القسم [4]۔	رکن شہادت لفظ اشھد ہے جبکہ خبر کی نیت سے ہو نہ کہ قسم کی نیت سے (ت)

اشھد باللہ سچ کہوں گا ایک قسم ہو گئی جس کا کفارہ بہت آسان ہے کلام شہادت پر اشھد داخل نہ ہوا جس میں غلط گوئی موجبِ ہلاکت ہوتی،

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الشہادات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۸۶
[2] درمختار شرح تنویر الابصار الفن الثانی کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰
[3] درمختار شرح تنویر الابصار الفن الثانی کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱
[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ تبیین الحقائق کتاب الشہادات نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۰

کمانص علیه العلماء الکرام فی حکمة عدم تحلیف الشاهد و وضع هذا اللفظ عوضه ان شاهد الزور لما اراداهلاك مال المشهود علیه عوض باهلاك ذاته بخلاف مالو حلف اذکان یسیرا علیه کفارته۔	جیسا کہ گواہوں سے حلف نہ لینے اور اس کے بجائے لفظ اشہد رکھنے کی حکمت کے بارے میں علماء کرام نے نص فرمائی ہے کہ جھوٹا گواہ جب مشہود علیہ کے مال کی ہلاکت کا ارادہ کرے تو اس کا بدلہ اسے ہلاکت ذات کی صورت میں ملتا ہے۔بخلاف قسم کے گواہ پر اس کا کفارہ ادا کر دینا آسان ہوتا ہے (ت)

غرض ایسی شہادت ہر گز شہادت نہیں اور اس پر جو قضا ہو اصلاً نافذ نہیں۔

لانتفاء احد اطراف القضاء وهو الطریق فان القاضی انما یقضی بالبینة اوالنکول اوالاقرار فاذاانعدمت انعدم القضاء۔	اطرافِ قضاء میں سے ایک یعنی طریق کے منتفی ہونے کی وجہ سے کیونکہ قاضی گواہوں یا انکار مدعا علیہ یا اقرار مدعی علیہ کے ذریعے ہی فیصلہ کرتا ہے جب یہ معدوم ہوں تو قضاء بھی معدوم ہوگی (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے: ومما نظمه ابن الغرس فی الفواکه البدریة (ابن الغرس نے فواکہ بدریہ میں نظم کیا۔ت)

اطراف کل قضیة حکمیة   ست یلوح بعدها التحقیق
حکم ومحکوم به وله   ومحکوم علیه وحاکم وطریق [1]

(ہر قضاء کے چھ اطراف ہوتے ہیں جن کے بعد تحقیق ظاہر ہوتی ہے: ۱حکم، ۲محکوم بہ، ۳محکوم لہ، ۴محکوم علیہ، ۵حاکم اور ۶طریق۔ت)

وبفقد واحد من اطراف القضیة یفقد الحکم وبذٰلك یعرف بطلان المحضر المذکور۔ والله تعالٰی اعلم۔	اطراف قضاء میں سے ایک کے مفقود ہونے کی وجہ سے حکم مفقود ہو جاتا ہے اور اسی سے مذکورہ دستاویز کا بطلان بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۹

مسئلہ ۹: ۳ شوال ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو دوسرے ضلع سے اپنے مکان کو روانہ کیا، اثنائے راہ میں بکر بہ نیت فاسد بھگا کر اپنے یہاں لے گیا، زید نے نالش فرار کی، ہندہ نے بیان کیا زید مجھے جائداد لکھ دینے کو کہتا تھا میں نے نہ لکھی اس نے تین بار کہا میں نے تجھے طلاق دی اور شہادت میں اپنا حقیقی بھائی اور رشتہ کا چچا اور ایک عورت کے روٹی پکانے پر ہندہ کے یہاں نوکر ہے پیش کرتی ہے، اور یہ تینوں شخص جاہل وغیر پابند نماز ہیں، اس صورت میں طلاق ثابت ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

طلاق ونکاح ہم مسلمانوں کے شرعی ودینی معاملے ہیں ان کا ثبوت اسی طور پر ہونا لازم جس طرح شریعت مطہرہ میں مقرر کیا گیا ہے، شریعت مطہرہ میں پابند نماز نہ ہونا تو **معاذ اللہ** حد درجہ کا فسق ہے تارک جماعت کی گواہی سے بھی طلاق ثابت نہیں ہوتی۔ عالمگیری میں ہے:

کل فرض له وقت معین کالصلٰوۃ والصوم اذا اخر من غیر عذر سقطت عدالته[1]۔	جس فرض کا وقت معین ہے جیسے نماز اور روزہ اگر کوئی بلاعذر اس میں تاخیر کرے تو اس کا عادل ہونا ساقط ہوجاتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا ترک الرجل الصلٰوۃ استخفافا بالجماعة بان لا یستعظم تفویة الجماعة کما یفعله العوام او مجانة او فسقا لاتجوز شهادته[2]۔	اگر کوئی شخص بطور تحقیر باجماعت نماز نہ پڑھے بایں طور کہ جماعت کے فوت ہوجانے کو کوئی بڑی بات نہ سمجھے جیسا کہ عوام الناس کرتے ہیں یا بلاوجہ یا بطور فسق وفجور جماعت کو ترک کرے تو اس کی گواہی ناجائز ہے۔ (ت)

اور ان کا جاہل ہونا دوسری وجہ ان کی رد شہادت کی ہے، درمختار میں ہے:

لاتقبل شهادة الجاہل علی العالم لفسقه بترک مایجب تعلمه شرعًا	جاہل کی گواہی عالم کے خلاف قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ جن احکام شرعیہ کا سیکھنا اس پر واجب ہے

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۶

فحینئذ لاتقبل شھادتہ علی مثلہ ولاعلی غیرہ و للحاکم تعزیرہ علی ترکہ ذٰلك ثم قال والعالم من یستخرج المعنی من الترکیب کمایحق وینبغی[1]۔	اس کو ترک کرنے کی وجہ سے وہ فاسق ہوگیا، تو اس صورت میں یعنی فاسق ہونے کی صورت میں تو اس کی گواہی نہ اپنے جیسے جاہل اور نہ ہی غیر جاہل پر قبول کی جائے گی، اور اس ترک تعلم پر حاکم اس کو بطور تعزیر سزادے سکتا ہے، پھر کہا کہ عالم وہ ہے جو تراکیب الفاظ سے معنی کا استخراج کرسکے جیسا کہ ثابت اور مناسب ہے۔(ت)

پھر عورت میں تیسری وجہ اور ہے کہ وہ ہندہ کی نوکر ہے اور نوکر کی گواہی آقا کے حق میں مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

لاتقبل شھادۃ الاجیر الخاص لمستاجرہ مستانھۃ او مشاھرۃ اوالخادم[2] الخ۔	اجیر خاص (مزدور یانوکر) کی گواہی اپنے مستاجر کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی چاہے اجرت سالانہ ہو یا ماہانہ، یا اجیر خاص سے مراد خادم (تابع یا شاگرد خاص ہے)۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں طلاق ثابت نہیں زید ہندہ بدستور زوج وزوجہ مانے جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴: از ریاست ٹونک محلّہ مئوخیل وزیر گنج مرسلہ حسن رضاخاں ۲۸/ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسماۃ ہندہ مدعیہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس نے خسر ضامن مہر و نیز مدعاعلیہ ثانی ضامن چڑھاوا و جہیز پر تین دعوے عدالت شریعت میں پیش کئے۔ ثبوت ہر سہ دعوی میں ہشت مع قاضی شہادتین شرعیہ بمواجہہ مدعاعلیہم پیش ہوئیں کہ عدالت شرعی میں پذیرا و تسلیم ہوچکیں وحصر بھی فریقین سے کرچکی تھی و نیز مدعاعلیہم کے بیانات سے بھی اقرار ثابت ہے، ادخال ثبوت سے بعد پانچ ماہ کے ایک مدعاعلیہ نے درخواست خلاف شرع پیش کی کہ اب گواہان مدعیہ پر جرح ہے تزکیہ کرادیا جائے، وکیل مدعیہ نے بھی عرض بدیں خلاصہ پیش کی کہ اب جرح کرنا مدعاعلیہ کا اور درخواست تزکیہ کی شرعًا ناجائز ہے، پس تزکیہ ایسے وقت میں ایسے معاملہ دادوستد میں جس کا مذکورہ بالا ہو چکاہے بعد پانچ ماہ کے درست ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] درمختار کتاب الشھادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

[2] درمختار کتاب الشھادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵۔۹۴

الجواب:

اگر بیان مدعا علیہم سے دعوٰی مدعیہ کا اقرار ثابت ہولیا جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے جب تو خود واضح کہ یہ درخواست جرح گواہان اصلًا قابل سماعت نہیں خود ان کا اقرار ان پر ڈگری ہونے کو کافی

فانہ حجۃ شرعیۃ یکفی للقضاء علی صاحبہ فکما ان المدعی لایکلف باقامۃ بینۃ بعد اقرار المدعا علیہ و کذٰلک لایکلف باثبات عدالتھم اذکل ذلک صار مستغنی عنہ بعدہ۔	اس لئے کہ اقرار حجت شرعیہ ہے جو اقرار کرنیوالے پر قضاء کے لئے کافی ہے، تو جس طرح مدعا علیہ کے اقرار کے بعد مدعی گواہ پیش کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جاتا اسی طرح وہ گواہوں کی عدالت ثابت کرنے کا مکلّف بھی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ اقرار کے بعد ان تمام چیزوں کی حاجت نہیں رہتی۔(ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر بعد اقامت بینہ مدعا علیہ نے اقرار کردیا تو اس پر ڈگری بوجہ اقرار ہوگی نہ کہ بوجہ بینہ۔

فی ردالمحتار عن البحر الرائق لواقر بعد البینۃ یقضی بہ لابہا[1]۔	البحرالرائق کے حوالے سے ردالمحتار میں مذکور ہے کہ اگر مدعا علیہ نے مدعی کی طرف سے گواہ پیش کرنے کے بعد اقرار کرلیا تو فیصلہ اقرار کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ گواہوں کی بنیاد پر۔ (ت)

تو اب گواہوں کی عدالت وعدم عدالت سے کیا بحث رہی بلکہ خود بوجہ اقرار مدعا علیہم پر ڈگری ثابت، اور اگر بروجہ کافی ان کے بیان سے ثابت نہ ہو تو دیکھا جائے کہ قاضی نے گواہوں کا تزکیہ کرلیا یعنی اگر خود ان کی عدالت سے آگاہ تھا تو مزکی معتمد سے ان کے عدل جائز الشادۃ ہونے کی تنقیح کرلی تھی یا نہیں، اگر کرچکا تھا تو اس حالت میں بھی یہ جرح مجرد کی درخواست ناقابل شنوائی ہے کہ بعد تزکیہ جرح مجرد پر گواہی گزری تو وہ بھی نامقبول ہے نہ کہ مدعا علیہ کا نرا بیان۔ درمختار میں ہے:

لاتقبل الشھادۃ علی جرح مجرد بعد التعدیل[2] (ملخصًا)	تزکیہ کے بعد جرح مجرد پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی (ملخصًا)۔(ت)

اور اگر ہنوز تزکیہ نہ ہوا تھا کہ مدعا علیہم نے یہ درخواست دی تو بلاشبہ قاضی پر واجب کہ یہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الدعوی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲۳

[2] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۷

درخواست سنے اور عدالت شہود کی تحقیقات کرے اگرچہ ادائے شہادت کو مہینے گزرچکے ہوں کہ مرورمدت مانع سوال تزکیہ نہیں اور مذہب مفتی بہ پر یہ تنقیح اس زمانہ میں مطلقاً لازم اور بعد طلب وطعن مدعاعلیہ تو بالاتفاق کی جائے گی، درمختار میں ہے:

لایسأل عن شاھد بلاطعن من الخصم الافی حدوقود وعندھما یسأل فی الکل ان جھل بحالھم، بحر، بہ یفتی[1]۔	حدود وقصاص کے علاوہ دیگر مقدمات میں مدعاعلیہ کی طرف سے طعن کے بغیر قاضی گواہوں کاحال دریافت نہ کرے، صاحبین کے نزدیک ہرصورت میں دریافت کرے جبکہ قاضی کوان کاحال معلوم نہ ہو، بحر، اسی پرفتوی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ یسأل ای وجوبا، قال فی البحر والحاصل انہ ان طعن الخصم سأل عنھم فی الکل والاسئل فی الحدود والقصاص وفی غیرہا محل الاختلاف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول کہ "سوال کرے" یعنی قاضی پر گواہوں کا حال دریافت کرنا واجب ہے۔ بحر میں فرمایا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مدعاعلیہ کی طرف سے طعن ہو تو تمام مقدمات میں گواہوں کاحال دریافت کرے ورنہ حدود وقصاص میں دریافت کرے جبکہ باقی مقدمات میں محل اختلاف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵: ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کواپنی زندگی وصحت میں بعوض دین مہرکے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ قیمتی تخمیناً چارسوروپیہ کے دی اور قبضہ کرادیا، اب زید مرگیا ورثہ نے اپنے حصہ کا دعوی کیا اور کہا کہ یہ جائداد متروکہ ہے ہندہ نے بیان کیا میرامہر پانچسوروپیہ کا تھا اور میراخاوند زید بعوض دین مہر کے گواہوں کے روبرو مجھے قبضہ دے گیا ہے اور شہادت معتبر سے یعنی دو گواہوں سے ثابت ہوگیا ہے کہ زید نے ہمارے سامنے بعوض دین مہر کے ہندہ کو جائداد دی اور قبضہ کرادیا لیکن تعداد دین مہر کی یاد نہیں کہ کس قدر تھا تواس صورت میں مہر ہندہ کاوہی سمجھا جائے گا جو زید اپنی زندگی میں دے مرایامہر مثل لازم آئے گا یاکم ازکم مہر دس درہم سمجھا جائے گااور ورثہ بھی اس جائداد میں حصہ پائیں گے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۲

الجواب:

جبکہ دو گواہان عادل شرعی شہادت شرعیہ کاملہ ادا کریں کہ ان کے سامنے یہ مال اور فلاں جائداد اس عورت کو اس کے فلاں شوہر نے بعوض دین مہر دی تو یہ گواہی کامل ہے عورت کی ملک بذریعہ خریداری بعوض مہر اس مال وجائداد میں ثابت ہوگئی، وارثوں کا دعوی ساقط ہوا گواہی میں بیان مقدار مہر کی کچھ حاجت نہ تھی کہ اس وجہ سے شہادت میں قصور سمجھا جائے نہ اب اس بحث کی کوئی ضرورت کہ مہر کتنا تھا یا کس قدر سمجھا جائے آخر وہ کتنا ہی تھا ذمہ زید سے ساقط ہوگیا اور اس کے بدلے یہ مال وجائداد ملک ہندہ میں آگیا۔ ردالمحتار میں ہے:

اشار الی انھما لو شھدا بالشراء ولم یبینا الثمن لم تقبل وتمامه فی البحر وقال الخیر الرملی فی حاشیته علیه المفھوم من کلامھم فی ھذا المواضع وغیرہ انه فیما یحتاج فیه الی القضاء بالثمن لابد من ذکرہ وذکر قدرہ وصفته ومالایحتاج فیه الی القضاء به لاحاجة الی ذکرہ[1]۔	ماتن نے اشارہ کیا ہے اس بات کی طرف کہ گواہ اگر خریداری کی گواہی دیں اور ثمن نہ بیان کریں تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی، اس کا مکمل بحث بحر میں ہے، امام خیر الدین رملی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا کہ اس مقام پر اور دیگر مقامات پر فقہاء کی کلام سے یہ مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ یہ حکم مذکور تب ہے جب ثمن کے ذریعے قضاء کی حاجت ہو اس صورت میں ثمن، اس کی مقدار اور اس کی صفت کا ذکر ضروری ہے اور جہاں ثمن کے ذریعے قضاء کی حاجت نہیں وہاں ثمن کو ذکر کرنا ضروری نہیں۔ (ت)

اسی میں مبسوط سے ہے:

وان قالا اقر عندنا انه باعھا منه واستوفی الثمن ولم یسمیا الثمن فھو جائز لان الحاجة الی القضاء بالملك للمدعی دون القضاء بالعقد فقد انتھی حکم العقد باستیفاء الثمن[2]۔	اور اگر گواہوں نے کہا اس نے ہمارے پاس اقرار کیا کہ اس نے فلاں شخص کے ہاتھ گھر فروخت کیا اور ثمن وصول کرلیے گواہوں نے ثمن کو بیان نہیں کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہاں حاجت ملک مدعی کی قضا کی ہے نہ کہ عقد کے بارے میں قضا کی تو بلاشبہ ثمن کی وصولی سے حکم عقد انتہاء کو پہنچ گیا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۰

منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں کلام مذکور کے بعد فرمایا:

ولان الجھالۃ انما تؤثر لانھا تفضی الی منازعۃ مانعۃ من التسلیم والتسلم الاتری ان مالایحتاج الی قبضہ فجھالتہ لاتضر وھو المصالح عنہ بخلاف ما یحتاج الی قبضہ وھو المصالح علیہ فاذا اقر باستیفاء الثمن فلا حاجۃ ھنا الی تسلیم الثمن فجھالتہ لا تمنع القاضی من القضاء بحکم الاقرار[1] اھ ومن تامل ھذہ الکلمٰت ظھر لہ الحکم فی مسألتنا ھذہ ظھورا بینا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ بیشک جہالت یہاں مؤثر ہے کیونکہ وہ ایسے نزاع کا باعث ہے جو تسلیم و تسلم سے مانع ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ جہاں قبضہ کی حاجت نہ ہو اس کی جہالت مضر نہیں اور وہ مصالح عنہ ہے (جس شے پر نزاع واقع ہوا)۔ بخلاف اس چیز کے جس پر قبضہ کی حاجت ہے اور وہ مصالح علیہ ہے (جس شے پر صلح ہوئی)۔ اور جب بائع نے ثمن وصول کرلینے کا اقرار کرلیا تو یہاں تسلیم ثمن کی حاجت نہ رہی لہٰذا ثمن کی جہالت قاضی کو بوجہ اقرار قضاء سے مانع نہیں ہوگی اھ جو شخص ان کلمات میں غور کرے اس پر ہمارے زیر بحث مسئلہ کا حکم خوب واضح ہوجائیگا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عورت قوم طوائف بوجہ آشنائی کسی مرد کے پاس عرصہ دراز تک بغیر ہونے نکاح کے ہمخانہ اور ہم صحبت رہی اور پھر اس مرد نے بوجہ مذکور جو ہبہ نامہ جائداد مشترک کا بنام ہذا عوض دین مہر کے اس عورت کے نام لکھ دیا اور اس میں لکھا ہو کہ نکاح میرا ساتھ اس کے ہوگیا ہے تو یہ اقرار مرد کا بمقابلہ حقدار شرعی شخص ثالث کے شرعًا ثبوت ہونے نکاح کا کافی ہے یا نہیں؟ اور شہادت سماعی یا کسی شخص واحد کی کافی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور شرعًا شہادت کیسی اور کن آدمیوں کے واسطے ثابت ہونے نکاح کے جائز اور معتبر ہوگی؟ اور ایسا ہبہ نامہ بھی جائداد مشترک کا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شہادت شخص واحد کی ثبوت نکاح کے لئے کافی نہیں، دو مرد یا ایک مرد و دو عورت عادل ہونا چاہئے۔

فی الدر المختار ونصابھا لغیرھا من الحقوق سواء کان الحق مالا او	درمختار میں ہے: امور مذکورکے سوا دیگر حقوق میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادات ۷/ ۱۱۶

غیرہ کنکاح وطلاق ووکالۃ ووصیۃ واستلال صبی ولو للارث رجلان او رجل وامرأتان ولزم فی الکل لفظ اشھد لقبولھا والعدالۃ لوجوبہ[1] اھ ملخصًا۔	چاہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت اور بچے کا آواز نکالنا اگرچہ گواہی وراثت کے لئے ہو، اور تمام مراتب میں قبول شہادت کے لئے لفظ اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) لازم ہے اور وجوب قبول کے لئے شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے اھ تلخیص (ت)

اور شہادت سماعی ثبوت نکاح کے لئے کافی ہے جب گواہ یہ کہیں کہ یہ امر ہمارے نزدیک مشہور ہے۔

فیہ ایضا بل فی العزمیۃ عن الخانیۃ معنی التفسیر ان یقولا شھدنا لانا سمعنا من الناس اما لو قالا لم نعاین ذٰلک، ولکنہ اشتھر عندنا جازت فی الکل وصححہ شارح الوھبانیۃ وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم[2]۔	یہ بھی اسی میں ہے بلکہ عزمیہ (حاشیہ درر) میں خانیہ سے منقول ہے کہ تفسیر شہادت (بالتسامع) کا معنی یہ ہے کہ گواہ یوں کہیں ہم اس لئے شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے، لیکن اگر وہ یوں کہیں کہ ہم نے اس کا معائنہ نہیں کیا لیکن وہ ہمارے نزدیک مشہور ہے تو سب میں شہادت جائز ہے۔ شارح وہبانیہ وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

اور مرد وزن کا عرصہ دراز تک مثل زن و شوہمخانہ و ہم صحبت رہنا عمدہ علامات مثبتہ نکاح سے ہے۔

فی فتاوی قاضی خان ولورأی رجلا وامرأۃ یسکنان فی منزل وینبسط کل واحد منھما علی صاحبہ کما یکون بین الازواج حل لہ ان یشھد علی نکاحھما[3]، وفی الھدایۃ وکذا لورأی انسانا جلس مجلس القضاء یدخل علیہ الخصوم حل لہ ان یشھد	فتاوٰی قاضیخان میں ہے اگر کسی نے ایک مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہائش پذیر اور ایک دوسرے سے میاں بیوی کی طرح بے تکلف ہوتے دیکھا تو اس کے لئے حلال ہے کہ وہ ان دونوں کے نکاح کی گواہی دے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ یوں اگر کسی نے ایک شخص کو مسند قضا پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ لوگ اس کے پاس مقدمات لارہے ہیں

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب النکاح فصل فی دعوی النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۵

علی کونہ قاضیا وکذا اذا رأی رجلا وامرأۃ یسکنان بیتا وینبسط کل واحد الی الاٰخر انبساط الازواج[1]۔	تو حلال ہے کہ وہ اس کے قاضی ہونے کی گواہی دے یوں اگر مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہائش پذیر اور ایک دوسرے سے میاں بیوی کی طرح بے تکلفی کرتے دیکھا تو ان کے نکاح کی گواہی دے سکتا ہے(ت)

اور صرف اقرار مرد بھی ثبوت نکاح کے لئے کافی ہے بلکہ بعد اقرار کے منکر ہو اور عورت اس کی حیات میں یا بعد موت کے تصدیق نکاح کرے تاہم نکاح ثابت اور زن مستحق ارث ومہر ہے،

فی العالمگیریۃ رجل اقرانہ تزوج فلانۃ بألف درہم فی صحۃ او مرض ثم جحدہ وصدقتہ فی حیاتہ او بعد موتہ فھو جائز ولھا المیراث والمھر[2] الخ۔	عالمگیریہ میں ہے: اگر کسی مرد نے حالت مرض یا صحت میں اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت سے ہزار درہم کے عوض نکاح کیا ہے پھر اس اقرار سے انکار کیا حالانکہ عورت نے اس مرد کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی تصدیق کی تو نکاح جائز ہوگا اور عورت میراث اور مہر کی مستحق ہوگی الخ(ت)

اور ہبہ بالعوض حکم بیع میں ہے مشاع ومشترک ہونا موہوب کا اس کی صحت کو مضر نہیں بلکہ حصہ واہب میں ہبہ صحیح ونافذ رہے گا،

فی الدرالمختار اما لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء وانتھاء[3] وفیہ ایضا وبطل بیع قن ضم الی حربخلاف قن ضم الی قن غیرہ فیصح بحصتہ فی عبدہ اھ[4] ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے یہ چیز اتنے کے بدلے تجھے ہبہ کی تو یہ ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے اور یہ بھی اسی میں ہے کہ اس غلام کی بیع باطل ہے جس کو آزاد کے ساتھ ملا کر فروخت کیا جائے بخلاف اس غلام کے جس کو دوسرے کے غلام کے ساتھ ملا کر بیچا جائے کیونکہ یہاں بائع کے حصہ کی بیع اس کے غلام میں صحیح ہوگی اھ التقاط، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] الھدایۃ کتاب الشہادت مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۰۶

[3] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

مسئلہ ۷: ازبیلپور مرسلہ قاضی فراست علی صاحب ۲۳/جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

مسماۃ کا بیان ہے کہ میرے نکاح کو تخمیناً اٹھارہ برس ہوئے مسمّٰی عبدالرحیم کے ساتھ ہوا، عرصہ دو ڈھائی ماہ کا ہوا کہ میرے خاوند نے یہ دو مرتبہ کہا کہ تجھ کو طلاق ہے کہ جو تو اس بات کو صحیح نہ کرادے بعد اس کے چند شخصوں نے طرفین کو سمجھا کر جھگڑا دور کرادیا پھر دوبارہ کہ عرصہ بارہ روز کا ہوا صندوق مجھ سے میرے خاوند نے مانگا میں نے ان کو منع کیا وہ صندوق مجھ سے لیتے تھے اور میں نہیں دیتی تھی میرے شوہر نے یہ لفظ کہا کہ تجھ کو طلاق جو تو کچھ کرنہ گزارے، پھر مجھ سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے تجھ کو طلاق ہے تجھ کو طلاق ہے، اس وقت میاں محمد امین اور میری والدہ موجود تھیں اور زوجہ حسین بخش کہ میرے اور ان کے درمیان میں ایک دیوار ہے اس پر کھڑی ہوئی تھیں سوائے اسکے اور کوئی موجود نہ تھا محمد امین میرے ماموں کا لڑکا ہے اور یہ جھگڑا میری والدہ کے مکان میں ہوا فقط۔

بیان مسمّٰی عبدالرحیم شوہر مسماۃ کا یہ ہے کہ میرے نکاح کو عرصہ تخمیناً سترہ اٹھارہ برس کا ہوا، دس گیارہ ماہ سے میں اپنی خسرال میں ہوں میری خوشدامن نے کئی مرتبہ کہا کہ تم علیحدہ چلے جاؤ، پھر عرصہ بارہ روز کا ہوا میں نے کہا کہ میری چیز بست نکال کر باہر رکھ دو، میں نے صدوق کو ہاتھ لگایا تو ساس ہماری بولی کہ تجھ کو صندوق سے کیا تعلق ہے وہ تو اس کے باپ نے اس کو دیا ہے میرے کوئی نہیں ہے جو تمہارا مقابلہ کرے اتنے میں محمد امین دوڑ آیا اس نے کہا ہٹ جاؤ صندوق کو مت چھوؤ اچھا نہیں ہے تمہارے لئے میں نے کہا کہ کیا تم مجھے مارو گے تو کہا پٹ کر ذلیل ہو کر یہاں سے جاؤ گے، پھر میں نے گھر میں اپنے کہا کہ تو ہٹ جا، ماں ان کی بولی تو ہٹ جا تیرے چوٹ نہ لگ جائے، وہ ہٹ گئی اور چارپائی پر علیحدہ جا بیٹھی، پھر میں نے امین سے کہا کہ کھایا پیا تم کو حرام ہے اور طلاق ہے کہ جو تم اب مجھ کو نہ مارو، امین نے کہا کہ یہی بات ہے، پھر میں نے کہا یہی بات ہے کہ تجھ کو کھایا پیا حرام ہے اور طلاق کہ تم مجھ کو نہ مارو، چچی سے میں نے کہا کہ اب جو کچھ تم کو کرانا ہے کرواؤ، پھر انھوں نے کہا کہ ان کے بہنوئی قادر بخش کو اور بھائی محمد بخش کو اور بھائی محمد ظہور کو بلاوانہوں نے طلاق دی ہے میں کھڑا رہا اتنے میں کلن اپنے گھر میں سے آئے انہوں نے کہا کہ میں نے بھی سنا ہے یہاں تک آواز آرہا تھا کہ تم نے طلاق دی پھر میں نے کہا کہ اور کوئی الزام پکڑو کہ میں کھڑا ہوا ہوں لوگوں کو آنے دو، پھر میں نے کہا کہ کس کے سامنے طلاق دی مقابلہ میرا اور تمہارا اور چچی کا ہو رہا تھا یہ طوفان باندھنا اچھا نہیں ہے، اتنے میں قادر بخش پہلے آئے انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا واہیات مچائی ہے، میں نے کہا کچھ واہیات نہیں میں اپنی چیز علیحدہ کررہا تھا، امین میرے مقابلہ کو آیا تو میں اس سے یہ لفظ کہہ رہا تھا انہوں نے اس کا طومار باندھا ہے اور لڑائی کے وقت حبو بہشتی

دروازہ پر کھڑے تھے اور حسین بخش مجھ کو بلانے کو گئے تھے اور جو بھی بلاتے رہے میں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میری کوئی لڑائی اور جھگڑا نہیں ہے آتا ہوں کلن مجھ سے عداوت رکھتے ہیں اس کو چار آدمیوں سے دریافت کرلو فقط۔

بیان والدہ مسماۃ کا یہ ہے کہ میں اپنا کام کرتی تھی دونوں میاں بی بی میں صندوق پر جھگڑا ہورہا تھا اس کے شوہر نے کہا کہ تجھ کو طلاق جو تو کچھ کرنگزارے، بعد اس کے اسی وقت تین مرتبہ یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے، اس وقت یہاں محمد امین موجود تھا اور حسین بخش کی زوجہ کو میں نے دیوار پر کھڑے ہوئے نہیں دیکھا وہ کہتی تھی کہ میں دیوار پر کھڑی تھی اور میرے بھائی کلن کی زوجہ ایک لفظ سن کر آئیں فقط طلاق کا۔

بیان زوجہ حسین بخش کا یہ ہے کہ ان کے گھر میں دونوں میں بہت دیر سے رنج ہورہا تھا مجھ کو یہ نہیں معلوم کہ کس بات پر ہورہا تھا میں اس وقت دیوار پر کھڑی تھی صندوق دونوں کے ہاتھ میں تھا زوجہ یہ کہتی کہ صندوق نہ لے جاؤ یہیں کیونکر کھول کر دیکھ لو، اور خاوند اس کا یہ کہتا تھا کہ میں صندوق لیجاؤں گا، اسی پر اس کے خاوند نے کہا کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی، اور اس وقت محمد امین اور والدہ مسماۃ کی موجود تھی فقط بقلم محمد یعقوب علی۔

العبد قاضی فراست علی بقلم خود یہ بیان کیا اور دوبارہ پوچھا گیا تو لفظ "میں" کی جگہ "تجھ" کو بیان کیا، میں نے زوجہ حسین بخش کو اول ہی مرتبہ جب سوال کیا کہ بیان کرو تو بجواب اس کے کہا کہ میں نے سنا اور یہ کہا کہ میں کم سنتی ہوں بقلم خود قاضی محمد فراست علی بقلم محمد یعقوب علی، تحریر تاریخ ۷/ماہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

بیان محمد امین کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ دونوں میں لڑائی ہونے لگی میں نے جاکر ان سے کہا آہستگی سے بات کرو جو تم کہو میں دلوادوں بعد اسکے صندوق پر چھینا جھپٹی ہونے لگی انہوں نے مارا اس کی ناک میں سے خون نکلا تو صندوق انکو دیدیا گیا پھر لوٹ پھیر ہونے لگی اسی صندوق پر انہوں نے یہ کہا کہ جو کچھ کرنہ گزارے تجھ کو طلاق ہے ایک زبان میں تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق ہے ایک زبان میں تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق ہے اس کے بعد میرے والد آگئے ان سے کہا کہ باہر جاؤ، وہاں پر میں تھا اور جو اس وقت کوئی موجود نہ تھا میری پھوپھی تھی اور پھوپھی کی لڑکی تھی فقط۔

بیان کلن پڑوسی کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ میں باہر سے اپنے گھر میں سنا کہ شور وغوغا بہت سے مچا ہوا تھا میرے گھر میں ذکر کیا کہ آج عبدالرحیم نے اپنے گھر میں بہت مارا میں نے کہا اس سے مجھے کیا ہے میں روٹی کھانے کو بیٹھ گیا صندوق کے لئے دونوں میں کھینچاتانی ہورہی تھی میں نے اپنے گھر میں سنا کہ تجھے طلاق ہے کرنہ گزارے بعد کو تین مرتبہ کہا تجھے طلاق تجھے طلاق بعد کو میں گیا میں نے کہا کہ اب

نکلو باہر ہو، انہوں نے کہا کہ مجھے مارو گے، میں نے کہا کہ مجھے کیا مطلب ہے۔

بیان محمد بخش میرے مکان پر امین گئے اور کہا کہ پھوپھی نے تجھ کو بلایا ہے کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی دریافت کیا آن کرکے توزبانی محمد امین کے اور ان کی والدہ یعنی مسماۃ کے، اور مسماۃ سے معلوم ہوا کہ طلاق دی اور کسی کی زبانی نہیں معلوم ہوا۔

بیان ظہورالدین میرے پاس پہلے پہلے واسطے بلانے کے امین آئے دوبارہ حسین بخش بلانے کو آئے بعد کو پھر امین آئے اور بیان کیا کہ وہاں سب لوگ جمع ہیں میں گیا تو یہ سب لوگ وہاں موجود تھے وہ دونوں ماں بیٹے مجھے کچھ کہنے لگے لیکن میں نے ان کو جھڑک دیا ان کا حال کچھ سنا نہیں یہ کہہ دیا کہ جو کچھ ہوا وہ ہوا دو چار روز میں اور مکان لے کر جارہیں گے لیکن یہ لوگ جو اول میں مجھ کو بلانے آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ طلاق دی ہے۔

بیان قادر بخش میں مسماۃ کے مکان پر گیا تو وہاں پر محمد امین نے اور عبدالرحیم کی خوشدامن نے کہا کہ عبدالرحیم نے طلاق دے دی میں وہاں خاموش بیٹھا رہا جس وقت کہ بھائی محمد بخش و ظہورالدین آئے تو انہوں نے کہا طلاق کا قصہ اچھا نہیں ہے تم اپنا کنارہ کرلو اور عرصہ چہار روز میں مکان لے لو یہاں سے سب چیز خوشی بخوشی اٹھالو۔

بیان شیخ ننھے یہ سب صاحب بیٹھے تھے محمد بخش و قادر بخش و ظہورالدین ان کے بھائی صاحب محمد بخش کہہ رہے تھے کہ اپنا مکان لے لو اور اپنی چیز بست نکال کرلے جاؤ۔

بیان حسین بخش گواہ عبدالرحیم میں یہاں شیخ ظہورالدین کے مکان میں کام کررہا تھا حبو بہشتی نے مجھے آن کر کہا کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں مارا ہے تم جاکر بچادو، میں گیا کہا بھائی! یہاں آؤ بات سن جاؤ، یہ نہیں آئے میں لوٹ آیا، اس کے تھوڑی دیر میں نے یہ سنا کہ عبدالرحیم نے طلاق دی، میں نے طلاق کا لفظ اپنے بڑے لڑکے سے سنا اور راستہ میں امین مجھ کو ملے کہا بھائی شیخ ظہورالدین کو بلانے جاتا ہوں عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی ہے۔

بیان حبو بہشتی عبدالرحیم میں اور گھر میں لڑائی ہوتی تھی میں عبدالرحیم کو بلاتا رہا کہ عورتوں سے کیا لڑائی لڑتے ہو عبدالرحیم میرے بلانے سے نہیں آئے اور نہ میں نے کوئی لفظ طلاق کا سنا فقط۔

یہ بیانات میرے روبرو تحریر ہوئے العبد قاضی فراست علی بقلم خود

بعد سلام مسنون التماس ہے کاغذ ہذا واسطے طلب فتوٰی کے ارسال خدمت ہوتا ہے تصدیع خدمت ہے کہ کل مراتب مندرجہ بالا ملاحظہ فرماکر فتوٰی طلاق خواہ عدم طلاق کا تحریر فرماکر ابلاغ فرمائیے، عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں گے فقط۔ راقم قاضی محمد فراست علی از بیلپور

الجواب:

صورت مستفسرہ میں گواہیاں محض ناکافی ہیں ان سے طلاق ہر گز ثابت نہیں ہوسکتی ننھے وجبو کے بیان میں تو طلاق سننے کا ذکر ہی نہیں اور محمد بخش وظہور الدین وقادر بخش وحسین بخش اوروں کی زبانی سننا بیان کرتے ہیں اور طلاق ان چیزوں سے نہیں جن میں سنی سنائی پر گواہی مقبول ہوسکے۔ درمختار میں ہے:

لایشھد احد بمالم یعاینه بالاجماع الا فی اعشرة منھا العتق والولاء عند الثانی والمھر علی الاصح والنسب والموت والنکاح والدخول وولایة القاضی واصل الوقف، وقیل وشرائطه علی المختار کمامر، فله الشھادة اذااخبره بھذه الاشیاء من یثق الشاھد به من خبر جماعة لایتصور تواطؤھم علی الکذب بلا شرط عدالة او شھادة عدلین الافی الموت فیکفی العدل ولو انثی وھو المختار، ومن فی یده شیئ سوی رقیق یعبر عن نفسه فلك ان تشھد انه له ان وقع فی قلبك انه ملکه والالا[1] (ملتقطا)۔	اور بغیر معائنہ کے کوئی شخص بالاجماع گواہی نہیں دے سکتا سوائے ان چیزوں کے عتق، امام ابویوسف کے نزدیک ولاء، اصح قول کے مطابق مہر، نسب، موت، نکاح، دخول، ولایت قاضی، اصل وقف اور کہا گیا کہ قول مختار کے مطابق شرائط وقف جیسا کہ گزرچکا ہے، توان دس اشیاء مذکورہ کی گواہی سن کر دینا بھی جائز ہے جبکہ شاہد کو ایسا شخص خبر دے جس پر شاہد اعتماد کرتا ہو، یعنی ایسی جماعت کی خبر سے شاہد کو تسامع حاصل ہو جس جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا متصور نہیں یہاں مخبرین کی عدالت شرط نہیں، یا دو عادل مردوں کی شہادت سے سوائے موت کے اس میں ایک ہی عادل کی خبر کافی ہے اگرچہ خبر دینے والی عورت ہو اور یہی مختار ہے اور جس شخص کے قبضہ میں کوئی شیئ ہو سوائے اپنا حال بیان کرسکنے والے غلام کے تو تجھے اختیار ہے کہ تو قابض کے لئے اس مقبوض شیئ کی ملکیت کی گواہی دے بشرطیکہ تیرے دل میں یہ بات واقع ہو کہ یہ قابض کی ملک ہے ورنہ نہیں (ملتقطا)۔ (ت)

اور والدہ مسماۃ کی گواہی یوں مردود ہے کہ وہ مدعیہ کی ماں ہے اور ماں باپ، دادادادی، نانانانی کی گواہی بیٹے بیٹی، پوتے پوتی، نواسے نواسی کے لئے اور ان کی ان کے لئے مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

اتقبل من الفرع لاصلہ وان علا وبالعکس للتہمۃ[1] (ملخصًا)	تہمت کی وجہ سے فرع کی گواہی اصل کے حق میں مقبول نہیں اگرچہ اصول اوپر تک چلے جائیں اور یونہی اس کے برعکس (یعنی اصل کی گواہی فرع کے حق میں قبول نہ ہوگی) (ملخصًا)۔ (ت)

کلن کی گواہی یوں مردود ہے کہ وہ صاف کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے گھر میں سے عبدالرحیم کو طلاق دیتے سنا اور آڑ میں سے سننے پر گواہی بعض صورتوں کے سوا ہرگز مقبول نہیں کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے خصوصًا جب گواہ بیان کردے کہ میں نے آڑ میں سے سنا تو مطلقًا مردود ہے، درمختار میں ہے:

لا یشھد علی محجب بسماعہ منہ الا اذا تبین القائل بان لم یکن فی البیت غیرہ لکن لو فسر لاتقبل درر الخ۔[2]	نہ گواہی دے اس شخص پر جو آڑ کے پیچھے پوشیدہ ہے اس کی آواز کو سن کر سوائے اس کے کہ ظاہر وواضح ہو جائے کہ اس مکان میں قائل کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں، لیکن اگر شاہد آڑ کی سماعت کو بیان کردے تو اس کی گواہی نہ ہوگی درر الخ (ت)

اب نہ رہے مگر محمد امین وزوجہ حسین بخش قطع نظر اس سے کہ ان کی شہادتوں میں کتنے خلل شرعی ہیں خصوصا زوجہ حسین بخش کا بیان مضطرب ہے اگر کوئی خلل نہ بھی ہوتا تو صرف ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوسکتی، دو مرد عادل یا ایک مرد و دو عورتیں ثقہ درکار ہیں۔ درمختار میں ہے:

نصابھا لغیرہ من الحقوق کنکاح وطلاق رجلان او رجل وامرأتان[3]۔(ملتقطًا)	امور مذکورہ کے سوا دیگر حقوق میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے جیسے نکاح و طلاق وغیرہ میں (ملتقطا)۔ (ت)

مگر یہ ثبوت وعدم ثبوت قاضی ودیگر خلائق کے نزدیک واقع میں اگر عورت سچی ہے اس کے سامنے اسے تین طلاق دی ہیں تو عورت پر فرض ہے کہ جس طرح جانے اس سے جدا ہو جائے پھر اگر جدا نہ ہوسکے تو وبال مرد پر ہے یہ الزام سے بری رہے گی جب تک اس کے پاس رہے ہاتھ لگانے پر سچے دل سے ناراض ہو اور اپنی حد قدرت تک اس سے بچنے میں ہمیشہ کوشش کرتی رہے **والمسئلۃ منصوص**

---

[1] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

[2] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲۔۹۱

[3] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

علیہا فی الدر المختار ورد المحتار وغیرھما من الاسفار (اس مسئلہ پر در مختار اور ردالمحتار وغیرہ ضخیم کتابوں میں نص کی گئی ہے۔ت) اور اگر واقع میں بھی عورت جھوٹی ہے اور یہ حیلہ کرکے اس سے جدا ہوجائے گی تو عمر بھر گرفتار گناہ عظیم رہے گی اور معاذاللہ لعنت الٰہی ولعنت ملائکہ کی مستحق ہوگی کما تفیدہ صحاح الاحادیث (جیسا کہ احادیث صحیحہ اس کا فائدہ دیتی ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸: از ریاست رامپور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور زید وعمرو میں ایک زمیں کے بابت تخالف ہے، ہندہ کا قول ہے کہ یہ زمیں مملوک ومقبوض ہندہ ہے۔ زید وعمرو کہتے ہیں کہ یہ زمیں بکر کی تھی اس نے عرصہ تخمینا ۵۵ سال کا گزرا کہ واسطے قبرستان کے وقف کردی تھی مگر کسی کو اس کا متولی نہیں کیا تھا اور یہ زمین موروثی بکر کی ہے وقف وموروثی ہونے کی سماعی شہادت زید وعمرو کی ہے قابل تحقیق ودریافت یہ امر ہے کہ زید وعمرو کی صرف اس قدر سماعی شہادت سے کہ یہ زمین موروثی بکر کی ہے یہ زمین ملک بکر شرعاً قرار دی جائے گی یا نہیں؟ بعدہ زید وعمرو کی سماعی اس شہادت سے کہ وہ زمین بکر نے وقف کردی ہے شرعاً موقوفہ قرار دی جائے گی یا نہیں؟ جواب اس کا بحوالہ کتاب ومسائل مفتی بہ درج ہو، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر زید وعمرو شرائط شہادت کے جامع اور ان کا بیان جملہ شرائط عامہ وخاصہ کو مستجمع واقع ہوا تو زمین متنازعہ فیہا کا قبرستان کے لئے وقف ہونا ثابت ہوجائے گا کہ اصل وقف میں شہادت سماعی ضرور مقبول ہے اور صحت وقف مالکیت واقف پر موقوف، تو قبل وقف زمین کا مملوک بکر ہونا ضمن ثبوت میں رنگِ ثبوت پائے گا اگرچہ ابتداء اثبات ملک کے لئے شہادت سماعی کافی نہیں،

وکم من شیئ یثبت ضمنا ولایثبت قصدا کاخبار مجوسی اتی بلحم ان فلانا المسلم ارسلہ الیك بھذا ھدیۃ لك فانہ یقبل قولہ فی المعاملات والھدایا منھا، ثم یثبت الحل ضمنا	بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں قصداً ثابت نہیں ہوتیں جیسے کسی شخص کے پاس کھانا لانے والے مجوسی کا خبر دینا کہ اس کو فلاں مسلمان نے یہ کھانا تیرے لئے بطور ہدیہ دے کر تیرے پاس بھیجا ہے، بیشک مجوسی کا قول معاملات میں مقبول ہوتا ہے اور تحائف بھیجنا معاملات میں سے ہے، پھر اس

وان کان قول الکافر لایقبل فی الدیانات ومنها الحل والحرمة اصلا،ثم رأیت بحمد الله التعلیل بعین هذا فی تبیین الحقائق للامام الزیلعی حیث قال رحمه الله تعالٰی عاین ملکا بحدوده ینسب الی فلان بن فلان الفلانی وهو لم یعرفه بوجهه ونسبه ثم جاء الذی نسب الیه الملك وادعی ان المحدود ملکه علی شخص حل له ان یشهد استحسانا لان النسب یثبت بالتسامع،فصار المالك معلوما بالتسامع و الملك بالمعاینة،ولولم یسمع مثل هذا الضاع حقوق الناس لان فیهم الحجوب ومن لایبرز اصلا و لا یتصور ان یراه متصرفا فیه ولیس هذا اثبات الملك بالتسامع وانما هو اثبات النسب بالتسامع وفی ضمنه اثبات الملك به وهو لایمتنع وانما یمتنع اثباته قصدا[1]۔	کھانے کا حلال ہونا ضمناً ثابت ہو جائے گا اگرچہ امور دینیہ میں کافر کا قول بالکل مقبول نہیں ہوتا اور حلال وحرام ہونا امور دینیہ میں سے ہے، پھر میں نے بحمداللہ یہی تعلیل بعینہٖ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق میں دیکھی جہاں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ملک کو اس کی حدود کے ساتھ دیکھا کہ فلاں ابن فلاں کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ اس نے مالک کو نہ تو چہرے سے پہچانا اور نہ ہی اس کے نسب کو جانا پھر وہ شخص آیا جس کی طرف ملک محدود کی نسبت کی جاتی ہے اور خاص اسی ملک محدود کے مالک ہونے کا دعوی کیا تو شاہد کو اس کی ملک پر گواہی دینا بطور استحسان حلال ہے کیونکہ نسب سماع سے ثابت ہو جاتا ہے لہذا مالک لوگوں سے سن کر اور ملک دیکھ کر معلوم ہوگیا، اور اگر اس طرح کی گواہی مسموع نہ ہو تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے کیونکہ لوگوں میں کچھ نقاب پوش ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں بالکل سامنے نہیں آتے تو ایسے شخص کو ملک میں تصرف کرتے ہوئے دیکھنا شاہد کے لئے متصور نہیں، اور یہ تسامع سے ملک کو ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو تسامع سے نسب کا اثبات ہے اور اس کے ساتھ ضمن میں ملک کا اثبات ہے اور یہ ممتنع نہیں، ممتنع تو قصداً تسامع سے ملک کا اثبات ہے۔(ت)

مسئلہ کتب میں دوار اور متون وشروح وفتاوٰی میں مستفیض وآشکار ہے، تنویر میں ہے:

تقبل فیه الشهادة بدون الدعوی و	وقف میں بلادعوی شہادت قبول کی جاتی ہے اور

[1] تبیین الحقائق کتاب الشهادة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۲۱۷

الشھادة بالشھرة لاثبات اصله وان صرحوا به لا لشرائطه[1]۔	اصل وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی گواہی مقبول ہے اگرچہ گواہ اس کی صراحت کردیں اور شرائط وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی المنح کل مایتعلق بصحة الوقف ویتوقف علیه فھو من اصله ومالایتوقف علیه فھو من الشرائط[2]۔	منح میں ہے ہر وہ چیز جس کا تعلق صحت وقف کے ساتھ ہے اور وقف کی صحت اس پر موقوف ہے وہ اصل وقف سے ہے اور جس پر صحت وقف موقوف نہیں وہ شرائط وقف سے ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

بیان الجھة ھو بیان المصرف ویأتی انه من الاصل لا من الشرائط فالمراد من الشرائط مایشرطه الواقف فی کتاب وقفه لاالشرائط التی یتوقف علیھا صحة الوقف کالملك والافرازوالتسلیم عند القائل به و نحو ذٰلك مما مر اول الباب[3]۔	بیان جہت مصرف کا بیان ہے اور آگے آئے گا کہ وہ اصل وقف سے ہے نہ کہ شرائط سے، تو وہاں شرائط سے مراد وہ شرطیں ہیں جو واقف نے اپنے وقف نامے میں ذکر کی ہیں وہ شرطیں مراد نہیں جن پر صحت وقف موقوف ہے جیسے ملک، جدا کرنا اور تسلیم اس کے نزدیک جو اس کے شرط ہونے کا قائل ہے اور دیگر شرائط جو باب کے شروع میں گزر چکی ہیں۔(ت)

یہاں واجب اللحاظ بات یہ ہے کہ وقف پر شہادت شہادت لوجہ اللہ ہے جسے شہادت حسبہ کہتے ہیں اور شاہد حسبہ اگر بلاعذر شرعی ادائے شہادت میں تاخیر کرے مثلاً وقف پر ناجائز قبضہ ناروا تصرفات دیکھا کرے اور خاموش رہے پھر کھڑا ہو اور گواہی دے کہ یہ وقف ہے تو اس کی شہادت مردود ہے کہ وہ اتنے دنوں باطل پر سکوت کرنے اور وقف پر ظلم روا رکھنے سے فاسق ہوگیا اور فاسق کی گواہی قبول نہیں تو اس کی شہادت کا ماننا ہی اس کی شہادت نہ ماننے کو مستلزم ہے ہاں اگر قاضی ایسی گواہی

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۷۔۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[3] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴

مان کر قضا کردے تو نافذ ہوجائے گی جبکہ اسے ایسی قضا کا اختیار ہو اور اگر مقید و پابند کیا گیا ہے کہ مذہب حنفی صحیح ومفتی بہ کے موافق فیصلہ کرے تو ایسی شہادت کی بناء پر قضائے قاضی بھی مردود، اور فیصلہ واجب الرد ہے کہ خلاف تقیید میں وہ قاضی نہیں بلکہ احد من الرعایا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

شاھد الحسبة اذا اخرھا بغیر عذر لاتقبل لفسقه اشباہ من القنیة وقال ابن نجیم فی رسالة المؤلفة فیما تسمع فیه الشھادة حسبة ومقتضاہ ان الشاھد فی الوقف کذالک[1]۔	شاہد حسبہ (لوجہ اللہ شہادت دینے والا) اگر بلا عذر شہادت میں تاخیر کرے تو فسق کی وجہ سے اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی (اشباہ بحوالہ قنیہ)، ابن نجیم نے ان امور کے بارے میں جن میں شہادت حسبہ مسموع ہوتی ہے تالیف کردہ اپنے رسالے میں فرمایا کہ اس کا مقتضایہ ہے کہ وقف میں گواہی دینے والے کا حکم بھی ایسا ہی ہو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فیما اذا باع زید عقارہ المعلوم من عمرو و تصرف به عمر و مدة مدیدة ورجلان معاینان مشاھدان لذلك کله ومطلعان علیه ویریدان الآن ان یشھدا حسبة بان العقار وقف کذا وقد اخرا شھادتھما بلا عذر شرعی ولا تاویل فھل حیث کان الامر کما ذکر لا تقبل شھادتھما **الجواب** شاھد الحسبة اذا اخر شھادته بلا عذر شرعی مع تمکنه من ادائھا لا تقبل شھادته کما فی الاشباہ وغیرھا[2]۔	**سوال:** کیا گیا کہ زید نے اپنی مشہور و معروف زمین عمرو کے ہاتھ فروخت کی اور عمرو عرصہ دراز تک اس میں تصرف کرتا رہا جبکہ دو مرد اس سب کچھ کو دیکھتے رہے اور اس پر مطلع رہے اب وہ دونوں لوجہ اللہ گواہی دینا چاہتے ہیں کہ یہ زمین وقف شدہ ہے اور ان دونوں نے بغیر کسی عذر شرعی اور بغیر کسی تاویل کے گواہی میں تاخیر کی تو کیا یہاں بھی معاملہ وہی ہے جو مذکور ہوا کہ ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کیجائیگی، **جواب:** شاہد حسبہ اگر بلا عذر شرعی شہادت میں تاخیر کرے باوجودیکہ وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہو تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

(لو قضی بشھادة فاسق	اگر قاضی فاسق کی شہادت پر فیصلہ کردے تو

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[2] العقود الدریة کتاب الشھادة ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۴۶

نفذ)واثم فتح(الاان یمنع منه)ای من القضاء بشهادة الفاسق(الامام فلا)ینفذ لمامرانه یتأقت ویتقید بزمان و مکان وحادثة وقول معتمد حتی لاینفذ قضاؤه باقوال ضعیفة[1]۔	نافذ ہوگا اور قاضی گنہگار ہوگا(فتح) لیکن اگر حاکم نے قاضی کو فاسق کی شہادت پر فیصلہ کرنے سے منع کیا تو نافذ نہ ہوگا کیونکہ قاضی کو مخصوص زمانے مخصوص جگہ، مخصوص حادثے اور معتمد قول پر فیصلہ کرنے کے ساتھ مقید کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ اقوال ضعیفہ کی بنیاد پر کیا ہوا اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔(ت) ان سب امور کا لحاظ ضرور ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹ تا ۱۲: ازدولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خاں صاحب ۵/ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) اگر کچھ طمع ناجائز سے کوئی شخص شہادت دے تو اس کی شہادت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

(۲) جو شخص پابند صوم صلوٰۃ نہ ہو اور مسکرات کا پابند ہو ایسے شخص کی شہادت شرعًا مانی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) حواس سالم کے کیا علامات ہیں از روئے شرع شریف کے؟

(۴) شہادت شاہد کے واسطے عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس عمر سے کس عمر تک ناقابل شہادت مانا جاتا ہے؟

الجواب:

(۱) اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد رشوت ہے، ایسی شہادت باطل محض مردود ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الراشی والمرتشی فی النار[2]۔رواه الطبرانی فی الصغیر عن عبداللّٰه بن عمرو رضی اللّٰه تعالٰی عنهما۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔	رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا جہنمی ہیں اس کو طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱، المعجم الصغیر دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۰۴۷ مکتبۃ المعارف الریاض ۳/ ۲۹

(۲) ہر گز نہیں کہ وہ فاسق ہے اور فاسق کی شہادت مردود ہے،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو چھان بین کرلو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) باتیں مطابق عقل کے ہوں کام عاقلانہ ہوں، کبھی عاقلوں کبھی پاگل کے سے قول فعل نہ کرے یہ تصرفات کے لئے ہے، اور اگر امثال شہادت وروایت وقضاوافتا کے لئے سلامت حواس مقصود ہو تو یہ بھی ضرور ہے کہ شاہد وراوی کی یاد صحیح ہو سخت بھولنے والانہ ہواور قاضی ومفتی کی فہم وفکر ٹھیک ہو۔ درمختار میں ہے:

الشھادۃ شرطھا العقل الکامل والضبط[2]۔	شہادت کے لئے کامل عقل اور یادداشت شرط ہے۔ (ت)

اسی کی کتاب القضا میں ہے:

ینبغی ان یکون موثوقا بہ فی عفافہ وعقلہ وصلاحہ وفھمہ وعلمہ، ومثلہ فیما ذکر المفتی[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی معتمد علیہ ہونا چاہئے پاکدامنی، عقل وصلاح فہم اور علم میں۔ اور مذکورہ امور میں مفتی بھی قاضی کی مثل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۴) ادائے شہادت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ کی گواہی معتبر نہیں، نہ اتنا بوڑھا ہو کہ بوجہ پیرانہ سالی دماغ صحیح نہ رہا بات یاد نہ رہے کچھ کا کچھ کہے۔ درمختار میں ہے:

لاتقبل من اعمی مطلقاً ومرتد ومملوك وصبی ومغفل ومجنون الا ان یتحملا فی الرق والتمییز، وادیا بعد الحریۃ والبلوغ[4]۔	اندھے کی گواہی مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی مرتد، غلام، بچے، غافل اور پاگل کی مگر جب غلام اور بچہ غلامی اور تمیز کی حالت میں تحمل شہادت کریں اور آزادی وبلوغ کے بعد شہادت ادا کریں تو قبول ہوگی۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۶

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[3] درمختار کتب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳۔۷۲

[4] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

اسی میں ہے: شرائط الاداء الضبط[1] الخ (ادائے شہادت کی شرطوں میں سے یادداشت کا ہونا ہے الخ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳: از رامپور محلّہ مسجد ملا فقیر اخون صاحب مرسلہ نثار اللہ خان ۲۱/شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم ڈاکٹر نے ایک سرٹیفکیٹ بلوغ عمر عمرو کو اس امر کا دیا ہے کہ عمرو کی اس وقت ۱۸، اور ۱۹ سال کے درمیان میں عمر معلوم ہوتی ہے میری رائے میں عمرو کے چہرہ وغیرہ سے اس کی عمر ایسی نہیں معلوم ہوتی اب مونچھوں کا آغاز ہوا ہے پس سرٹیفکیٹ ڈاکٹر جو بمنزلہ شہادت کے ہے ایسے زمانہ کی بابت جس میں ڈاکٹر نے مشاہدہ نہیں کیا ہے محض اپنے قیاس اور رائے سے اظہار عمر کرتا ہے ہیں نسبت اپنی رائے کے ظاہر کرتا ہے کہ رائے کی غلطی ممکن ہے تو ایسی صورت میں یہ شہادت قابل قبول عدالت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اسے شہادت سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس پر شہادت کی تعریف صادق آتی ہے، یہ ایک رائے اور قیاس و تخمینہ ہے جس پر اسے خود وثوق نہیں اور اس میں غلطی کا احتمال بتاتا ہے شہادت کی تو شان یہ ہے کہ اگر شاہد اپنی آنکھ کی دیکھی ہوئی بات پر گواہی دے اور اس میں فیما اعلم یا فیما احسب کا لفظ ملادے یعنی میرے خیال میں ایسا ہوا تھا یا میرے علم ویقین میں ایسا ہے تو گواہی رد کردیجائیگی کہ گواہ سے اس کا مشاہدہ پوچھا جاتا ہے اس کا علم ویقین نہیں پوچھا جاتا، نہ کہ جہاں نہ علم نہ یقین بلکہ خود غلطی کا اقرار، درمختار جلد ۴ ص ۵۷۳:

حتی لو زاد فیما اعلم بطل للشک[2]۔	یہاں تک کہ اگر شاہد یہ لفظ بڑھادے کہ میرے علم میں ایسا ہے تو شک کی بنیاد پر گواہی باطل ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

لو قال لفلان علی الف درھم فیما اعلم لایصح الاقرار ولو قال المعدل ھو عدل فیما اعلم	اگر کہے کہ میرے علم کے مطابق فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں تو یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا، اور اگر تعدیل کرنیوالے نے کہا میرے علم کے مطابق وہ عادل

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

لایکون تعدیلا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے تو یہ تعدیل نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴و۱۵: مسئولہ سراج الدین جج بہاولپور (پنجاب) ۱۵/ شعبان المکرم شنبہ ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بعالی خدمت جناب مولوی احمد رضاخان صاحب مدفیوضکم کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا مسلمان مرد عورت کے نکاح اثبات میں غیر مسلم کی شہادت پر حصر کرنا جائز ہے، حسب ذیل صورتوں میں کس طرح حکم دینا چاہئے:

(ا) ایک مسلم مرد کا نکاح ایک مسلمہ عورت کے ساتھ ہوا، گواہان ایجاب وقبول میں ایک گواہ یا دونوں گواہ غیر مسلم ہیں، آیا نکاح ثابت قرار دیا جاسکتا ہے؟

(ب) انعقاد نکاح کے وقت کی کئی شہادات ہیں لیکن غیر مسلم گواہ بروئے شہرت عامہ اس مسلم کا مسلمہ کے ساتھ نکاح سننا بیان کرتے ہیں، آیا ایسی صورت میں نکاح ثابت قرار دیا جاسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: نہ پہلی صورت میں نکاح ثابت ہوسکتا ہے، درمختار میں ہے:

شرط حضور شاہدین مسلمین لنکاح مسلمۃ [2]۔	مسلمان عورت کے نکاح کے لئے دو مسلمان گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے (ت)

نہ دوسری صورت میں مانا جاسکتا ہے، درمختار میں ہے:

الشھادۃ شرطھا الولایۃ فیشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلما [3]۔	شہادت کی شرط ولایت ہے چنانچہ مدعی علیہ اگر مسلمان ہو تو شاہد کا مسلمان ہونا شرط ہوگا۔ (ت)

اور قاعدہ کلیہ کہ کسی مسلمان مرد خواہ عورت پر نکاح، طلاق، بیع، ہبہ، اجارہ، وصیت، جہاں بھر کے کسی معاملہ میں کافر کی شہادت اصلاً کسی طرح مسموع نہیں،

قال اللہ تعالٰی "وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾" [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کافروں کیلئے مومنوں پر ہرگز کوئی سبیل نہ بنائیگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشھادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶۔۱۸۷

[3] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[4] القرآن الکریم ۴ / ۱۴۱

مسئلہ ۱۶: از ریاست رامپور مرسلہ جناب امداد حسین صاحب مورخہ ۱۳/ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بشیر نے اپنی زوجہ مسماۃ اکبری کی رخصت کا دعوٰی کچہری دیوانی میں مسماۃ اکبری اور اس کی دادی مسماۃ عجوبہ پر کہ جس نے مسماۃ اکبری کو روک لیا تھا کیا، مسماۃ اکبری نے باوجود اطلاع کچہری کے جواب دہی نہیں کی بلکہ سکوت کیا مسماۃ عجوبہ کچہری میں جوابدہ ہوئی اور منکر نکاح ہوئی، بشیر سے ثبوت نکاح طلب کیا گیا، اس نے پانچ گواہ پیش کئے تین گواہوں نے کہ جن کے نام عبدالعزیز، میر نجی، ننھے ہیں اس امر کی شہادت ادا کی مسماۃ اکبری نے ہمارے سامنے جھنا چودھری کو اپنے نکاح کے واسطے وکیل کیا، جھنا چودھری نے نکاح بشیر کے ساتھ پڑھوادیا نکاح ہوگیا اور چندہ میاں اور احسان ہر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ جھنا چودھری نے ہمارے سامنے مسماۃ اکبری بنت علی حسین کا نکاح بشیر ولد منا کے ساتھ پڑھوایا اور بشیر نے قبول کیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ گواہان مذکور میں یہ اختلاف ہیں کہ ایک نے بیان کیا ہے کہ مسماۃ اکبری پستہ قد ہے دوسرے نے لانبا قد بیان کیا ہے ایک نے دالان میں ایک نے آنگن میں جو ملے ہوئے نکاح ہونا بیان کیا ہے، ایک نے عمر دس بارہ سال اور باقیوں نے عمر بیس اور پچیس سال بیان کی ہے، آیا ان اختلافات کی وجہ سے شہادت قابل قبول ہے یا نہیں؟ اور باوجود سکوت مسماۃ اکبری اور مسماۃ عجوبہ نسبت عمر قابل قبول شرعاً ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ باتیں زائد ہیں ان میں اختلاف سے شہادت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ شہود ثقات وعدول وقابل قبول ہوں، اور اگر ایسے نہیں اور حاکم نے انہیں متہم سمجھا اور ایسے اختلافوں کی بنا پر ان کی شہادتیں رد کردیں تو اسے اس کا اختیار ہے۔ عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

فی نوادر ابن سماعۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا اتھمت الشھود فرقت بینھم ولاالتفت الٰی اختلافھم فی لبس الثیاب وعددمن کان معھم من الرجال والنساء ولاالی اختلاف المواضع بعد ان تکون الشھادۃ علی الاقوال، وان کان الشھادۃ	نوادر ابن سماعہ میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر گواہوں پر تہمت پاؤں تو ان میں تفریق کردوں گا اور ایسے اختلاف کی طرف التفات نہیں کروں گا کہ ان کا لباس کیا تھا اور ان کے ساتھ کتنے مرد اور عورتیں تھیں اور نہ ہی جگہوں کے اختلاف کی طرف التفات کروں گا بشرطیکہ شہادت اقوال پر ہو، اور اگر شہادت افعال پر ہو تو جگہوں کا

علی الافعال فالاختلاف فی المواضع اختلاف فی الشھادۃ قال ابو یوسف اذا اتھمتھم و رأیت الریبۃ فظننت انھم شھود الزور افرق بینھم واسألھم عن المواضع والثیاب ومن کان معھم ،فاذا اختلفوا فی ذٰلک فھذا عندی اختلاف ابطل بہ الشھادۃ کذافی المحیط[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اختلاف شہادت میں قرار پائے گا۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا کہ اگر گواہوں کے بارے میں میرے دل میں کوئی تہمت اور شک آئے اور میرا گمان ہو کہ یہ جھوٹے گواہ ہیں تو میں ان کو جدا جدا کروں گا اور ان سے لباس، جگہ اور ان کے ساتھ موجود افراد کے بارے میں پوچھوں گا اگر اس میں ان کے بیان مختلف ہوئے تو میرے نزدیک یہ گواہی میں اختلاف ہے جس کی بنیاد پر میں گواہی مسترد کردوں گا، محیط۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷: از ملک بنگال معرفت محمد شجاعت علی خان طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

برائے شہادت طلاق نادانستی چیست؟ **بینوا توجروا۔**

شہادت طلاق میں تاخیر اور کوتاہی کا کیا حکم ہے؟ بیان کرو اجر پاؤگے۔(ت)

الجواب:

اگر طلاق رجعت است بتاخیر شہادت آثم نشود مگر آنکہ بداند کہ رجعت نکرد وعدت گزشت و باز بے نکاح تصرف میخواہد آنگاہ تاخیر روانیست، ہمچناں اگر طلاق بائن است وبے تجدید نکاح دست از تصرف ندارد یا مغلظہ است، بے تحلیل بحبالہ نکاح آوردن خواہد ادائے شہادت بے دعوی ہیچ مدعی فرض ست واگر بے عذر تاخیر کند مردود الشہادۃ بود در اشباہ است شاھد الحسبۃ اذا اخر شھادتہ بلا عذر یفسق ولا تقبل شھادتہ[2]	اگر طلاق رجعی ہے تو گواہی میں تاخیر کرنے سے گنہگار نہ ہوگا مگر وہ شخص جو جانتا ہے کہ خاوند نے رجوع نہیں کیا اور عدت گزر چکی ہے اور وہ بغیر نکاح جدید اس عورت کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے تو اس صورت میں تاخیر شہادت جائز نہیں، اسی طرح طلاق بائن کی صورت میں اگر خاوند تجدید نکاح کے بغیر تصرف سے دستبردار نہیں ہوتا یا طلاق مغلظہ دی ہے اور حلالہ کے بغیر دوبارہ اس کو نکاح میں لانا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں کسی مدعی کے دعوی کے بغیر ہی شہادت کی ادائیگی فرض ہے اگر بلاعذر تاخیر کرے گا تو مردود الشہادۃ ہوجائیگا،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۴

کما فی القنیۃ درقنیہ قولے آوردہ است کہ مدتش پنج روز ست وصواب آنست کہ مدار بر تاخیر از وقت حاجت ست کم باش یا بیش کما بینہ فی غمز العیون۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اشباہ میں ہے کہ شاہد حسبہ (لوجہ اللہ گواہی دینے والا) اور بلاعذر گواہی میں تاخیر کرے تو فاسق ہوجانے کی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی جیسا کہ قنیہ میں ہے، ور قنیہ میں یہ قول مذکور ہے کہ اس تاخیر کی مدت پانچ دن ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حکم مذکور کا مدار بوقت ضرورت گواہی میں تاخیر پر ہے چاہے مدت کم ہو یا زیادہ، جیسا کہ غمز العیون میں بیان کیا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۸: از ریاست رامپور کٹے باز خاں مسئولہ غلام حبیب خاں ۸ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد سات سو روپے میں بیع کیا اور واسطے اتلاف حق شفعہ بکر بیعنامہ میں بجائے سات سو روپے کے دوہزار لکھا لے گئے سات سو روپے نقد روبروئے رجسٹرار بائع کو دئے گئے اور نسبت تیرہ سو روپے قیمت غیر واقعی کے یہ تحریر کیا گیا کہ میں نے مشتری کو معاف کئے جس کا ثبوت بابت سات سو روپے قیمت واقعی کے بیانات گواہان بکر سے بھی ظاہر ہے۔ پس ایسی صورت میں شرعًا کیا ہونا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس میں تین شہادتیں ہیں اگر ان کے بیان شرائط کو جامع بھی ہوں تو ان میں دو باقرار خود داڑھی خشخاش کراتے ہیں اور یہ فسق ہے اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں،

قال تعالٰی "ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ" [1] **وقال تعالٰی "مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ"** [2]**۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں سے دو عادل گواہ۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان میں سے جنہیں گواہوں میں سے تم پسند کرتے ہو، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے (ت)

مسئلہ ۱۸تا۱۹: از رامپور محلّہ گنج مرسلہ محمد یونس صاحب ۹/ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ شرع متین میں کہ زید کی اور ہندہ کی آپس میں نااتفاقی ہوئی اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

دو تین روز کے بعد ہندہ نے مشہور کیا کہ مجھے طلاق ہو گئی، زید نے پوچھا کیسے؟جواب دیا عرصہ تین ماہ کا ہوا میں بوجہ شراب خوری پردہ کرتی تھی اور کہتی تھی کہ سامنے جب آؤں گی شراب چھوڑدو گے، آخر ایک روز آیا اور یہ کہا کہ سامنے کردو میں قسم کھا چکا ہوں، دریافت کیا کیا قسم کھائی؟تو یہ کہا شراب پیوں تو جورو کو طلاق ہے اور تین مرتبہ کہا، اور اس تین ماہ کے عرصہ میں سیکڑوں مرتبہ شراب پی اور تین ماہ تک ہندہ زید کے پاس رہی اور روز ماں باپ کے پاس جاتی رہی، اس تین ماہ کے عرصہ میں کچھ نہیں کہا، جب نااتفاقی ہوئی تو یہ بات مشہور کی، ہندہ سے دریافت کیا گیا تم تین ماہ تک زید کے پاس رہیں جب سے تم نے کیوں نہیں کہا، ہندہ جواب نہ دے سکی، ہندہ کی ماں نے کہا کہ اسے یاد نہ رہی، گواہ ایک ہندہ کی ماں اور ایک ہندہ کا بھتیجا عمر ۱۳ یا ۱۴ برس اور ایک لڑکا خدمت گار عمر دس سال ہے اور اس حالت میں طلاق ثابت ہے یا نہیں؟اور زید قطعی انکار کرتا ہے نہ میں نے قسم کھائی ہے نہ میں اس بات سے خبردار ہوں۔

الجواب:

اگر یہی گواہ ہیں تو طلاق ثابت نہیں کہ نہ ماں کی گواہی بیٹی کے لئے معتبر نہ نابالغ کی گواہی مسموع، ہندہ کا بھتیجا بھی اگر نابالغ ہے جب تو ایک گواہ بھی نہ ہوا اور اگر وہ بالغ ہے تو ایک ہی گواہ ہوا، بہر حال ثبوت نہیں، مگر اللہ عزوجل ہر غیب کا جاننے والا ہے، اگر واقع میں اس شخص نے وہ کلمات کہے اور پھر شراب پی تو اللہ کے نزدیک ضرور عورت پر طلاق ہو گئی اور تین بار کہا تو بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اللہ تعالٰی سے ڈرے اور عورت سے جدا ہو جائے اگر وہ نہ مانے اور عورت کو تحقیق صحیح طور پر معلوم ہے کہ زید نے وہ کلمات تین بار کہنے کے بعد پھر شراب پی تو عورت پر فرض ہے کہ جیسے جانے اس سے دور بھاگے اسے اپنے اوپر قابو نہ دے، اگر ہندہ اپنی سی کوشش پوری کرے اور اس سے بھاگنے پر قدرت نہ پائے تو گناہ زید پر رہے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: ازدار جلنگ ملٹری کلب گھر مرسلہ شمس الدین بیرا ۲۵/رجب مرجب ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا صاحب حامی دین متین دام اقبالکم بعد ادائے آداب حضور والا کی خدمت میں عرض کرتا ہوں انجمن اسلامیہ دار جلنگ نے یہ فیصلہ کیا ہے حضور کے دولت خانہ کا انصاف ہونا چاہئے انجمن نے زبردستی طلاق لکھ دیا اور میرے اوپر ڈگری کردیا نقل جو میں نے مانگی تو نقل کا مجھ سے پانچ روپیہ لیا از روئے شرع شریف انصاف فرمائیں۔

الجواب:

فیصلہ انجمن ملاحظہ ہوا، اس صورت میں ہر گز طلاق ثابت نہیں انجمن نے محض غلط و باطل وخلاف شرع

فیصلہ کیا۔

(۱) اس نے بنائے طلاق بیان زن پر رکھی شمس الدین نے اپنی زوجہ حبیبن پر انجمن میں درخواست دی تھی کہ اس کے افعال ایسے ہیں میرا انتظام کردیا جائے، عورت نے جواب میں طلاق دینا بیان کیا، مجوزوں نے فیصلہ میں لکھا مدعا علیہا کے بیان سے ثابت ہے کہ مدعی نے اپنی بی بی مدعا علیہا کے سامنے اور اختر علی آبدار و پیر محمد گواہان مدعا علیہا کے روبرو طلاق مختلف اوقات میں تین دفعہ دے دی ہے انجمن نے جسے مدعا علیہا کہا وہ شرع میں مدعیہ ہے کہ طلاق دئے جانے کا دعوی کرتی ہے آج تک کسی نے مدعی کے بیان کو اس کے لئے سند مانا ہے، خانگی مثل مشہور ہے: باطل است آنچہ مدعی گوید (باطل ہے وہ جو مدعی کہتا ہے۔ت) یہ بالکل شرع مطہر کے خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم[1]۔	اگر لوگوں کو ان کے دعوی کے مطابق دیا جائے تو البتہ کچھ لوگ دوسروں کے خون اور مال کا دعوی کردیں گے۔(ت)

(۲) اس بنائے باطل پر فیصلہ لکھا حکم شریعت ہے کہ جب طلاق کے متعلق ایک ذرا بھی ثبوت پہنچ جائے تو پھر کسی صورت میں بھی شریعت زن و شوہر کو باہم زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ محض غلط ہے شریعت نے ایک سے دو طلاق رجعی تک بلا تکلف زن و شوہر کو زندگی بسر کرنے کی اجازت دی ہے۔ اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ"[2]۔	طلاق دو مرتبہ ہے پھر اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے(ت)

بلکہ تین طلاق میں بھی یہ کہنا غلط ہے کہ اس کی اجازت کسی صورت میں نہیں، صورت حلالہ میں ضرور اجازت ہے، قرآن عظیم میں ہے:

"فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ ؕ"[3]۔	پھر اگر تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس (خاوند سابق) کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ پشاور ۲/ ۷۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

پھر یہاں تین طلاقوں کا ثبوت مان لینا بھی محض ناواقفی ہے دو گواہ اگر طلاق پر گواہی دیں اور وقت مختلف بتائیں تو اگرچہ یہ اختلاف طلاق میں کہ قول ہے موجب رد شہادت نہیں مگر اس کے یہ معنی ہیں کہ دونوں کی مجموعہ شہادت سے ایک طلاق ثابت ہو گی نہ یہ کہ جداجدا دو طلاقیں ثابت ہوں گی اور تین گواہ ہوں تو تین طلاقیں ثابت ہو جائیں یہ نرا بے اصل ہے کہ ان میں سے جداجدا کسی طلاق پر نصاب شہادت کامل نہ ہوئی اور کوئی طلاق تنہا ایک کی گواہی سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ درمختار میں ہے:

نصابہا لغیرہا من الحقوق سواء کان الحق مالا اوغیرہ کنکاح وطلاق رجلان اورجل وامرأتان[1]۔	حقوق مذکورہ کے سوادیگر حقوق کے لئے نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے چاہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح وطلاق (ت)

(۳) انجمن کے سامنے صرف دو گواہ گزرے ایک پیر محمد خدمتگار ہوٹل اوڈلینڈ دوسرا اختر علی اسی ہوٹل کا آبدار، خدمتگار ان ہوٹل جن کے متعلق شراب وخنزیر وغیرہا حرام ونجس اشیاء کا خریدنا بنانا پکانا کھلانا رہتا ہے ہر گز عادل شرعی نہیں ہو سکتے اور اگر بالفرض یہ لوگ ثقہ بھی ہوں تو اختر علی خود حبیبین مدعیہ کا باپ ہے اور باپ کی گواہی اولاد کے حق میں مقبول نہیں تو پیر محمد اکیلا رہ گیا اور ایک کی گواہی مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

لاتقبل(ای الشہادۃ)من الفرع لاصلہ وبالعکس للتہمۃ[2]۔	تہمت کی وجہ سے فرع کی گواہی اصل اور اس کے برعکس یعنی اصل کی گواہی فرع کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔ (ت)

بحر الرائق میں ولوالجیہ سے ہے:

تجوز شہادۃ الابن علی ابیہ بطلاق امرأتہ اذالم تکن لامہ اولضرتہا لانہا شہادۃ علی ابیہ وان کان لامہ او لضرتہالاتجوز لانہا شہادۃ	بیٹے کی گواہی باپ کے خلاف کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے جائز ہے بشرطیکہ وہ گواہی اس کے بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں نہ ہو کیونکہ یہ گواہی باپ کے خلاف ہے (نہ کہ اس کے حق میں جو ناجائز ہے) اور اگر وہ

---

[1] درمختار کتاب الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] درمختار کتاب الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

لامہ[1] الخ وقد بسط الکلام ویظهر بهذا ان هذا هو اصح مایعتمد علیه لشهادة مسائل کثیرة منقولة عن الجامع الکبیر۔	گواہی بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں ہو تو ناجائز ہے کیونکہ یہ شاہد کی شہادت اس کی ماں کے لئے ہوئی الخ۔ صاحب بحر نے اس پر مفصل کلام کیا اور اس سے ظاہر ہوا کہ یہی اصح اور شہادت کے بارے میں ان مسائل کثیرہ کے لئے معتمد علیہ ہے جو جامع کبیر سے منقول ہے۔(ت)

بالجملہ فیصلہ محض بے بنیاد ہے اور طلاق ہر گز ثابت نہ ہوگی ڈگری غلط دی گئی، ہاں اگر واقع میں شمس الدین نے حبیبین کو تین طلاقیں دی ہیں تو عورت اس پر حرام ہو گئی بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا، اللہ عزوجل جانتا ہے ہر ظاہر و پوشیدہ کو۔ اللہ سے ڈرے اور حق نہ چھپائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از ریاست رامپور کوچہ لنگر خانہ مرسلہ سراج الدین صاحب آہنگر ۱۰/ رجب مرجب ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اہل اسلام بیچ اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے جو بذات خود اپنے شوہر سے ناراض نہیں ہے اس کا باپ اس کے شوہر سے ناراض ہے اور اس کا باپ چاہتا ہے کہ شوہر اول سے چھڑا کر بجائے دیگر مالدار اس کا عقد کرادے۔ عورت اپنے باپ کے پاس اور اس کے قبضہ میں ہے اس کے باپ نے اس عورت کی طرف سے وکالتًا دعوی باطلہ اثبات طلاق کا عدالت میں دائر کر دیا، اس مقدمہ میں بذات خود عورت کا بیان یا اظہار نہیں ہوا ہے، شوہر کو دینے طلاق سے قطعاً انکار ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو ہر گز ہر گز طلاق نہیں دی ہے، عورت کی طرف سے جو گواہان مسموع ہوئے ہیں وہ سب غیر ثقہ اور رشتہ دار اس کے باپ کے ہیں ان کی شہادت مصنوعی اور تعلیمی معلوم ہوتی ہے جس کے بابت عدالت نے جس کے روبروان کے اظہارات ہوئے ہیں تحریر کیا ہے کہ ان کے بیان میں وہم صدق بھی نہیں بلکہ گمان غالب کذب ہے، شوہر کے طرف سے جو گواہان بطلان دعوی طلاق میں پیش ہوئے ہیں وہ آدمی نیک و نمازی اور حاجی اور معززین اپنی قوم کے چودھری ہیں انہوں نے جو بیانات گفتگوئے صلح باہمی عورت اور اس کے پدر کی زبان کا بہت عرصہ بعد طلاق مبینہ کے لکھ لیا ہے اس سے وقوعہ طلاق غلط اور بے وجود ثابت ہوتا ہے اس لحاظ سے حاکم عدالت نے وقوعہ طلاق کو غیر ثابت قرار دیا ہے اب زوجہ کی طرف سے بناراضی اس حکم کے مرافعہ کیا گیا ہے ــــــــــ

[1] بحر الرائق کتاب الشهادات باب من تقبل شهادته الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۸۱۔۸۰

______ چونکہ یہ معاملہ نہایت نازک حلت وحرمت کا ہے لہٰذا حاکم عدالت کو بحال رکھنا فیصلہ حاکم عدالت اول کا اولٰی ہے یا واقعہ طلاق کو حسب پیروکاران عورت ثابت قرار دینا اولٰی ہے شرعًا اولویت ہر دو امر سے کس میں ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس مقدمہ میں نقول تجویزات ابتدائی واپیل نظر سے گزری جلیل القدر مفتی ذی علم مجوز اول نے اس بنا پر کہ گواہان طلاق عادل نہیں اور حاکم کو ان کی تحری صدق نہ ہوئی بلکہ وہم صدق بھی نہ ہوا اور ان کے کذب کا ظن غالب ہوا اور ایسے گواہوں میں تاوقتیکہ تحری صدق نہ ہو ان کی شہادت پر عمل حرام ہے اگر قاضی عمل کرے خود آثم وفاسق ومستحق عزل ہوگا دعوی طلاق باطل فرمادیا، محکمہ اپیل نے وہ حکم اس بنا پر منسوخ کیا کہ شہادتیں حلفیہ تھیں اور روبکار ریاست سے ثابت ہے کہ محض اس وجہ پر کہ گواہ مستور ہیں ان کی شہادت کو مسترد نہ کیا جائے گا کہ گواہ کا تزکیہ صرف بذریعہ حلف کافی ہے نیز اس کی یہ تائید پیش کی کہ پدر مدعیہ نے قسم ایسی بحوالہ قرآن شریف لرز کر کھائی کہ مدعا علیہ کچھ بول نہ سکا، یہ دونوں تجویزوں کا خلاصہ ہے، دارالافتاء شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت گار ہے حکم اللہ ورسول کے لئے ہے "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[1] (نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔ت) کسی شخص کو جب کہ مسلمان ہو، رعیت ہو خواہ حاکم وافسر، والی ملک ہو خواہ سلطان ہفت کشور، حکم خدا اور سول کے حضور اصلًا مجال دم زدن نہیں، الاسلام گردن نہادن نہ کہ گردن کشیدن (اسلام گردن جھکانے کا نام ہے نہ کہ گردن کھینچنے کا۔ت) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾"[2]	کسی مسلمان مرد یا عورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ ورسول کوئی حکم فرمادیں تو انہیں اپنا ذاتی کوئی اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑا۔

شریعت محمدیہ علٰی صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ شریعت ابدیہ غیر منسوخہ ہے قیامت تک جس کا کوئی حکم بدلا نہیں جاسکتا، سلطان بلکہ سلطان سے بھی بڑھ کر خلیفہ روئے زمین کو اصلًا اختیار نہیں کہ روبکار یا دستور العمل اس کے کسی حکم کے خلاف نافذ کریں، نہ ہرگز حکام کو حلال ہے کہ ایسے روبکار وغیرہ پر

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

عمل کریں، نہ ہرگز حاکمان مرافعہ کو جائز ہوسکتا ہے کہ ایسے کسی حکم کو برقرار رکھیں، مسلمان حاکم یا رئیس یا سلطان کیونکر ان سخت جانگزا وعیدوں کو سہو و محو کرسکتے ہیں، جو واحد قہار عزجلالہ نے قرآن عظیم میں "مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ"[1] (جو اللہ تعالٰی کے نازل کئے ہوئے پر فیصلہ نہ کرے۔ت) پر فرمائی ہیں، شریعت مطہرہ کے حکم سے **اولا** مفتی محکمہ ابتدائی کا وہ حکم سرے سے قابل اپیل ہی نہ تھا محکمہ ججی پر لازم تھا اپیل سنتا ہی نہیں کہ وہ حکم ایک عام حاکم عالم عادل نے کیا تھا اور ایسے حکم کا مرافعہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اس سے یقینا حکم میں خطائے بین واضح ظاہر واقع ہوئی ہو جس میں اصلاً جائے تردد نہیں یہاں تک کہ اگر اس کا حکم خطا ہونا محتمل و مشکوک ہو جب بھی اپیل مسموع نہیں کہ احتمال خطا ظہور خطا نہیں نہ کہ حکم صاف صواب مطابق شرع واقع ہو پھر اپیل کی جائے ایسی اپیل زنہار قابل سماعت نہیں، معین الحکام میں ہے:

القاضی نظرہ فی احکام غیرہ مختلف، فاما العالم العدل فلا یعترض لاحکامہ بوجہ قال ابوحامد علی القاضی ان لایتعرض لقضیۃ امضاھا الاول الاعلی وجہ التجویز لھا ان عرض فیھا عارض بوجہ خصومۃ، فاما علی وجہ الکشف لھا والتعقیب فلا وان سألہ الخصم ذٰلک، وھذا فیما جھل حالہ من احکامہ ھل وافق الحق اوخالفہ فھذا الوجہ الذی نفی عنہ الکشف والتعقیب الا ان یظہر لہ خطابین ظاھر لم یختلف فیہ وثبت ذٰلك عندہ فیردہ ویفسخہ عن المحکوم بہ علیہ[2]۔	قاضی کا دوسرے قاضی کے فیصلوں پر نظر کرنا مختلف فیہ ہے لیکن عالم عادل قاضی کے فیصلوں میں کسی طرح تعرض نہیں کیا جائیگا۔ ابوحامد نے کہا قاضی پر واجب ہے کہ وہ کسی ایسے فیصلہ کا تعرض نہ کرے جسے قاضی اول نافذ کرچکا ہے، ہاں اس فیصلہ کو جائز قرار دینے کے لئے تعرض کرے گا جبکہ بطور خصومت اس فیصلہ کو کوئی عارضہ لاحق ہو، لیکن بطور تفتیش و مواخذہ اس کا تعرض نہیں کرسکتا اگرچہ فریق مخالف اس کا مطالبہ کرے، اور یہ اس صورت میں ہے جب قاضی اول کے فیصلے کا حال مجہول ہو کہ وہ حق کے موافق ہے یا مخالف اور تفتیش و مواخذہ کی نفی کا تعلق بھی اسی صورت کے ساتھ ہے مگر جب قاضی اول کے فیصلہ میں کھلم کھلا خطا ہو جس میں کسی کو اختلاف نہ ہو اور قاضی ثانی کے ہاں وہ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ قاضی اول کے فیصلہ کو منسوخ اور محکوم بہ سے اسے رد کرسکتا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵ /۴۴

[2] معین الحکام کتاب القضاۃ فصل فی نقض القاضی احکام غیرہ مصطفی البابی مصر ص ۳۰

اسی میں ہے:

قیام المحکوم علیه بطلب الحکم عنه ان کان قیامه علی القاضی العالم العادل لم تسمع دعواه[1]۔	محکوم علیہ اگر اپنے خلاف فیصلہ کی منسوخی کا مطالبہ کرے تو عالم عادل قاضی کے خلاف اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

فواکہ بدریہ پھر غمز العیون قاعدہ اولٰی نوع ثانی میں ہے:

قضاء القاضی العدل لایتعقب و یحمل حاله علی السداد بخلاف غیره[2]۔	عادل قاضی کے فیصلہ پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور اس کے حال کو درستگی پر محمول کیا جائے گا بخلاف غیر عادل قاضی کے۔ (ت)

ثانیًا: گواہوں پر حلف رکھنا **اول:** تو خود ہی باطل ہے یہاں تک کہ ہمارے علمائے کرام نے فرمایا اگر سلطان قاضیوں کو گواہوں سے حلف لینے کا حکم دے علماء پر فرض ہے کہ اسے نصیحت کریں کہ اے بادشاہ! وہ حکم نہ دے کہ نہ مانیں تو تیرا غضب ہو اور مانیں تو اللہ عزوجل کا غضب۔ اشباہ والنظائر و در مختار میں ہے:

وهذا نظم الدر، امر السلطان انما ینفذ اذا وافق الشرع والافلا، اشباه من القاعدة الخامسة وفوائد شتی، فلو امر قضاته بتحلیف الشهود وجب علی العلماء ان ینصحوه یقولوا له لاتکلف قضاتك الی امر یلزم منه سخطك او سخط الخالق تعالٰی[3]۔	یہ در کی عبارت ہے کہ امر سلطان اسی وقت نافذ ہوگا جب موافق شرع ہو ورنہ نہیں، اشباہ کے پانچویں قاعدے اور فوائد متفرقہ میں ہے کہ اگر سلطان اپنے قاضیوں کو گواہوں سے حلف لینے کا حکم دے تو علماء پر واجب ہے کہ اس کو نصیحت کریں اور کہیں کہ تو اپنے قاضیوں کو ایسی چیز کا مکلّف مت بنا جس سے تیری (بصورت ترک) یا اللہ تعالٰی کی (بصورت عمل) ناراضگی لازم آئے۔ (ت)

ولہٰذا علامہ محقق علی مقدسی نے تہذیب کا کلام آئندہ نقل کرکے رد فرمایا۔ منحۃ الخالق

---

[1] معین الحکام کتاب القضاۃ فصل فی قیام المحکوم علیه بطلب فسخ الحکم عنه مصطفی البابی مصر ص ۳۴

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۲

[3] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

میں ہے:

قال العلامة المقدسی بعد ذکر مافی التھذیب لا یخفی انه مخالف لمافی الکتب المعتمدة[1]۔	علامہ مقدسی نے تہذیب کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا مخفی نہ رہے کہ یہ کتب معتمدہ کی تصریحات کے مخالف ہے۔ (ت)

دوم بعض متاخرین کہ برخلاف مذہب اس طرف گئے وہ اسے قاضی مجتہد کی رائے پر رکھتے ہیں اور اب صدہا سال سے کوئی قاضی مجتہد نہیں، ابوالسعود ازہری پھر طحطاوی علی الدر پھر ردالمحتار میں ہے:

نقل عن الصیر فیة جواز التحلیف وھو مقید بما اذارأہ القاضی جائزا ای بان کان ذارأی اما اذالم یکن له رأی فلا[2]۔	صیرفیہ سے منقول ہے کہ گواہوں سے حلف لینا جائز ہے، یہ جواز مقید ہے اس صورت کے ساتھ کہ قاضی اس کو جائز سمجھے جبکہ قاضی اہل رائے ہو اور اگر وہ اہل رائے نہ ہو تو حلف مذکور جائز نہ ہوگا۔ (ت)

شامی میں ہے:

والمراد بالرأی الاجتھاد[3]۔	رائے سے مراد اجتہاد ہے۔ (ت)

سوم اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان بعض کا برخلاف مذہب اس طرف میل اس ضرورت سے تھا کہ حلف کے سبب حاکم کو ان کے صدق پر غلبہ ظن حاصل ہو، بحر میں تہذیب قلانسی سے ہے:

فی زماننا لما تعذرت التزکیة بغلبة الفسق اختار القضاة کما اختار ابن ابی لیلی استحلاف الشھود لغلبة الظن[4]۔	ہمارے زمانے میں چونکہ فسق کے غلبہ کی وجہ سے گواہوں کا تزکیہ متعذر ہوگیا ہے لہٰذا غلبہ ظن کے حصول کے لئے قاضیوں نے گواہوں سے حلف لینے کو اختیار کیا جیسا کہ ابن ابی لیلٰی کا مختار ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ ان متاخرین کے زمانے تک تھا جب تک جھوٹے حلف سے مستور لوگ پرہیز کرتے تھے

---

[1] منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الشھادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۶۳

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴

[4] بحر الرائق کتاب الشھادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۶۳

خصوصًا پرائے لئے، اور اس زمانے میں جھوٹے حلف ایک بات ہوگئے لاکھوں کی گنتی پر ہوں گے جو روپے دو روپے بلکہ اس سے بھی کم پر بلکہ نری خاطر دوستی یا فریق ثانی سے ادنٰی رنجش یا کسی خفیف بے معنی غرض کے لئے حلف کے پھنکے اڑاتے ہیں تو وہ ضرورت جس کے لئے مذہب سے عدول ہوتا ہو اصلاً مندفع نہیں، اب یہیں دیکھئے کہ یہ گواہیاں حلفی تھیں اور تجربہ کار دانا ذی علم مجوز کو غلبہ وظن صدق درکنار وہم صدق بھی نہ ہوا بلکہ غلبہ ظن کذب ہی رہا، ہر عاقل جانتا ہے کہ اب اگر صرف حلف گواہان کو قائم مقام تزکیہ مانا جائے تو ہزاراں ہزار دروازہ ظلم کھل جائیں لوگ چار چار آنے کے دو گواہ حلفی گزار کر مخلوق کی جائدادیں لے جائیں جورُوئیں چھین لیں وہ فساد اٹھے جس کا بیان ناممکن ہو تو اب اس قول مرجوح بلکہ مخالف اجماع مذہب کے طرف میل باطل محض وخرق اجماع وجہل صرف تو تھا ہی کہ درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1]۔	قول مرجوح پر فیصلہ اور فتوٰی دینا جہل اور خلاف اجماع ہے۔ (ت)

فتح ابواب ظلم وقطع گردن مظلومان بھی ہوگا ولایرضاہ من لہ عقل ودین (کوئی عاقل اور دیندار اس کو پسند نہیں کرتا۔ت) سائل اولیت پوچھتا ہے کہ فیصلہ اول بحال رکھنا اولٰی ہے یا طلاق ثابت قرار دینا، اولویت کیسی، حاکم مرافعہ اولٰی کہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اطاعت چاہے اور احکم الحاکمین جل جلالہ کے دربار میں اپنی حاضری وبازپرس سے ڈرے اس پر لازم فرض ہوگا کہ حکم ججی کو منسوخ اور فیصلہ اولٰی کو بحال کرے۔ رہی وہ تائید کہ پدر مدعیہ نے لرز کر حلف کیا اور مدعا علیہ نہ بولا ایسی بات ہے جسے نہ شرع سے تعلق نہ علم سے لگاؤ۔ پدر مدعیہ یہاں خود مدعی مخاصم ہے مدعی کا حلف اگر سن لیا جائے تو ہر جھوٹا جیتے اور حق وانصاف کے گلے کا تسمہ نہ لگا رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال و اموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ[2] رواہ الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔	اگر لوگوں کو ان کے دعوی کے سبب سے دیا جائے تو کچھ لوگ دوسروں کے خون اور مال کا دعوی کرینگے لیکن قسم مدعی علیہ پر ہے۔ اس کو شیخین نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۷۴، صحیح البخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالٰی ان الذین یشترون بعھداللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۶۵۳

ریاست اسلامی کے حکام پر لازم ہے کہ احکام اسلام ہی کا اتباع کریں اللہ تعالٰی توفیق دے، آمین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲: مسئولہ ابو محمد یوسف حسین متعلّم مدرسہ اسلامیہ ساپور ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی اور بھائی عمرو موجود ہیں، ہندہ نے جائداد کا دعوٰی کیا ہے، عمرو یہ ثابت کرتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا، ہندہ کی طرف سے ناکح نے شہادت دی ہے کہ میں نے نکاح پڑھا ہے، اور ہندہ کی بہن فاطمہ نے بھی شہادت دی ہے کہ نکاح ہوا، شاہدین انکار کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے ملازم ہیں، مگر بہت سے لوگ جن سے زید نے اپنے نکاح کا اقرار کیا ہے شہادت دیتے ہیں کہ ہم سے زید نے نکاح کا اقرار کیا ہے، ایسی صورت میں ہندہ مستحق جائداد ہے یا نہیں؟ فتح القدیر میں ایک صورت درج ہے جو تحریر کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائی جائے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شہادت علی اقرار الزوج معتبر ہے:

واذاجحد احد الزوجین النکاح فاما اصلہ او شرطہ ففی اصلہ لوجحد الزوج فاقامت بینۃ بہ اوعلی اقرارہ قبلت ولایکون جحودہ طلاقا[1]۔ فتح القدیر ص ۱۵اس ۱۳ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔	اگر زوجین میں سے کوئی اصل نکاح یا شرط نکاح کا انکار کردے تو اصل کی صورت میں اگر زوج منکر ہے اور زوجہ نے نکاح پر یا شوہر کے اقرار پر گواہ قائم کردئے تو ان کی گواہی قبول کرلی جائے گی اور شوہر کا انکار طلاق نہ ہوگا۔ (ت)

امید کہ جواب براہ کرم جلد مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

نکاح پڑھانے والے کی گواہی مذکور معتبر نہیں لانہا شہادۃ علی فعل نفسہ وشہادۃ المرء علی فعل نفسہ لاتقبل[2] کما فی خزانۃ وغیرہا (کیونکہ یہ اپنے ہی فعل پر گواہی ہے اور کسی شخص کی گواہی اس کے اپنے فعل سے قبول نہیں کی جاتی جیسا کہ خزانہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور بہن تنہا شاہد ہے بلکہ نصف، البتہ اقرار زوج پر اگر دو شاہد قابل قبول گواہی دیتے ہیں تو کافی ہے کہ وارثان زوج قائم مقام زوج ہیں اور اقرار زوج زوج پر حجت اور اس کے لئے عبارت مذکور فتح القدیر کفایت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۱۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشہادات فصل ومن الشہادۃ الباطلۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۳

مسئلہ ۲۳: از احمد آباد گجرات محلّہ چھیپان پانچ پیپلی مکان چھیپان سلطان جی علی جی کوڑے والے مسئولہ پیر زادہ غلام نبی صاحب ۱۷/ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ ان دنوں شہر ناگور ضلع جودھپور مارواڑ میں ایک انجمن کمیٹی مدرسہ اسلامیہ حمیدیہ کے نام سے مقرر ہوئی جس میں ممبران ومنتظمان بازار کے بیٹھنے والے مثل دکاندار کفن وخوشبوفروش برائے مردہ ودلال ہیں ان کی شہادت شرع شریف کے نزدیک مقبول یا باطل، اور ایسے اشخاص قابل ممبر مدرسہ ہوسکتے ہیں یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ہمارے بلاد میں کوئی پیشہ ور صرف کفن فروشی پر قناعت نہیں کرتا بزاز کپڑا بیچتا ہے اسی سے کفن بھی لیا جاتا ہے اسی سے شادی کے کپڑے اسی سے روزانہ پہننے کے۔ یونہی کوئی خاص حنوط فروش بھی نہیں کافور وغیرہ عام کاموں کے لئے جن دکانوں سے ملتے ہیں انہیں سے اس کے لئے بھی حاصل کئے جاتے ہیں اس کی وجہ سے ان کی شہادت میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہاں دلال کاکام وکلاء کی طرح جھوٹ سچ ملانا ہے اور ان کی گواہی ضرور مردود، اور انہیں کسی جلسہ دینیہ کا منتظم بنانا نہ چاہئے۔ اسی طرح وکلاء مختار وغیرہم تمام ان لوگوں کو جن کے پیشے یادیگر افعال علانیہ فسق ہوں جیسے داڑھی منڈانا وغیرہ۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لانہ فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اہانتہ شرعا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے جبکہ مسلمانوں پر ان کی توہین شرعًا واجب ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدیث فی الصلوٰۃ مطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

کتاب القضاء والدعاوی

(قضاء اور دعوی کا بیان)

مسئلہ ۲۴: از رام پور ۱۳/ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ لاولد فوت ہوئی، بعد وفات ہندہ کے زید اجنبی اپنے آپ کو شوہر ہندہ ظاہر کرتا ہے اور ثبوت دعوی میں دو مرد اور دو عورتیں پیش کرتا ہے، مردوں کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے جو ہم سے پردہ کرتی تھی پردے کے اندر سے نکاح خواہ کو جو باہر بیٹھا تھا اجازت دی کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھادو، مسماۃ مکان کے اندر اور ہم سب لوگ صحن میں باہر بیٹھے تھے، عورتوں کا بیان ہے کہ ہم مسماۃ ہندہ کے قریب بیٹھے تھے مسماۃ متوفیہ نے نکاح کا خود اقرار کیا تھا، اس صورت میں دعوی زید کا ثابت ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر گواہان مذکور کا بیان صرف اسی قدر ہے جو سائل نے تحریر کیا تو وہ شہادتیں محض ناکافی وبیکار ہیں قطع نظر بہت وجوہ خلل ونقصان کے دونوں مردوں کی گواہی اثبات زوجیت سے متعلق ہی نہیں، نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا نہ یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ اس کی زوجہ تھی بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ہندہ نے فلاں کو اپنے نکاح کا وکیل کیا اس سے اگر ثابت ہوگی تو اس کی وکالت، اور وکالت مستلزم وقوع تزویج نہیں **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) تو دعوائے مدعی وبیان گواہان اصلاً مطابق

نہیں، اور قاعدہ کلیہ ہے کہ ایسی شہادت محض مہمل ہوتی ہے۔

فی الفتاوی الھندیۃ والخیریۃ وغیرھما الشھادۃ ان وافقت الدعوی قبلت والالا[1]۔	فتاوٰی ہندیہ وخیریہ وغیرہما میں ہے شہادت جب دعوی کے موافق ہو قبول ہے ورنہ نہیں۔(ت)

رہیں دونوں عورتیں ان کا بیان بھی اگر اور وجوہ سے سالم مان لیا جائے تو یوں نامقبول ہے کہ نصاب کامل نہیں تنہا عورتوں کی گواہی ہر گز مثبت نکاح نہیں ہوسکتی،

فی الدرالمختار نصابھا لغیرھا من الحقوق کنکاح رجلان اورجل وامرأتان ولم تقبل شھادۃ اربع بلا رجل اھ[2] ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: شہادت کا نصاب حقوق وغیرہ مثلاً نکاح میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، اور مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت مقبول نہیں اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۵: ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹا سا کوچہ غیر نافذہ چند قدم کی مسافت کا جس میں گنتی کے گھر ہیں، شارع عام سے مغرب کی طرف جاکر شمال پھر مغرب پھر شمال کو گیا اور سربستہ ہوگیا اس کوچہ کے سرے پر زید کا مکان واقع ہے جس کی شرقی دیوار میں شرق رویہ دروازہ شارع عام کے قریب ہے اور اس کے آگے چند گز کا صحن جس سے اترتے ہی شارع عام کا کنارہ ہے اس مکان کی جنوبی و مغربی دیواریں اس کوچہ غیر نافذہ میں ہیں زید نے دیوار جنوبی میں ایک جدید دروازہ کوچہ سربستہ کی طرف نکالا اور اس کے آگے خاص اس راستے کی زمین میں ایک سیڑھی دروازہ پر جانے کو بنائی بعض ساکنان کوچہ اس فعل پر ناراض ہیں آیا یہ دروازہ نکالنا اور سیڑھی بنانا اسے جائز تھا یا ناجائز، اور وہ اس فعل سے گنہگار ہوا یا نہیں اور اس نے حق غیر میں ناحق تصرف کرکے ظلم کیا یا نہیں اور اس سیڑھی کا کھود ڈالنا اور دروازے کا بند کردینا شرعًا اس پر واجب ہے یا نہیں؟ اور ایسے تصرف کے جائز ہونے کے لئے تمام ساکنان کوچہ کی رضامندی چاہئے یا اکثر کی رضا کافی ہے اگرچہ بعض ناراض ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب السابع فی الاختلاف نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۹۴

[2] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

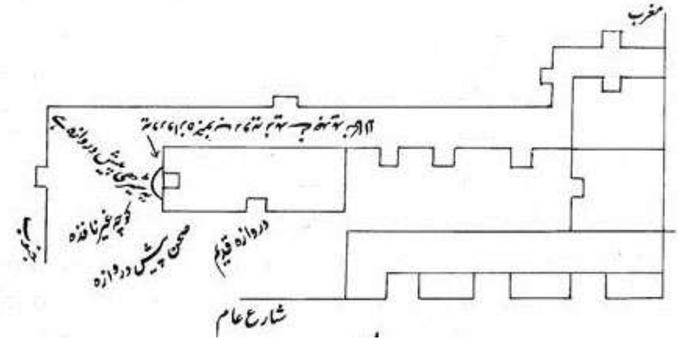

الجواب:

بیشک صورت مستفسرہ میں زید نے ظلم کیا اور سخت گناہ میں مبتلا ہوا،اس کی جنوبی دیوار سے ختم کوچہ تک جو راستہ گیا ہے وہ صرف ان لوگوں کا حق خاص ہے جو اندر رہتے ہیں زید کا اس میں کچھ دعوی نہیں اس کا حق مرور فقط اس کی شرقی دیوار سے اوپر اوپر یعنی شارع عام کی طرف ہے اس کے نیچے یعنی اپنے دروازہ وصحن دروازہ کی حد سے اندر اتر کر نیا دروازہ نکالنے کا اسے کوئی استحقاق نہیں۔فتاوٰی امام قاضیخان میں ہے:

رجل له دار فی سکۃ غیر نافذۃ لها باب اراد ان یفتح لها بابا اٰخر اسفل من بابها اختلفوا فیه والصحیح انه لیس له ذٰلک[1]۔	کسی شخص کا بند گلی میں مکان ہو اور اس کا دروازہ بھی اس میں ہو اگر وہ دوسرا دروازہ نچلی طرف کھولنا چاہے تو فقہائے کرام نے اس میں اختلاف کیا اور صحیح یہ ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے۔(ت)

امام خیر الدین رملی استاد صاحب در مختار اپنے فتاوٰی خیریہ میں یہ عبارت نقل کرکے فرماتے ہیں: **مثله فی کثیر من کتب المذہب**[2] (بہت سی کتب میں حکم ایسے ہی ہے۔ت) اسی میں ہے:

ونقل فی التتارخانیة عن الفتاوٰی العتابیة انه لیس له ذٰلك وعلیه الفتوی[3]۔	اور تاتارخانیہ میں فتاوٰی عتابیہ سے منقول ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الصلح باب فی الحیطان نولکشور لکھنؤ ۳/ ٦١١

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۳

اسی میں ہے:

المتون علی المنع وھو ظاہر الروایۃ کما صرح بہ فی جامع الفصولین فلیکن المعول علیہ[1]۔	متون منع پر وارد ہیں اور یہی ظاہر روایت ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں اس کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد چاہئے۔ (ت)

اور خاص راستے کی زمین میں سیڑھی بنانا اور زیادہ ظلم اشد وگناہ عظیم ہے جب دروازہ نکالنا ناجائز ہوا حالانکہ وہ اپنی دیوار میں ایک عمارت تھی راستے کی زمین اس میں نہ دبتی تھی تو خاص پرائے حق کی زمین میں تعمیر کیونکر حلال ہوسکتی ہے یہاں تک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں اگر اس فعل سے اس کوچے والوں کا کوئی حرج بھی نہ ہو جب بھی ناجائز ہے، ہدایہ میں ہے:

لیس لاحد من اھل الدرب الذی لیس بنافذ ان یشرع کنیفا ولا میزابا الا باذنھم لانھا مملوکۃ لھم ولھذا وجبت الشفعۃ لھم علٰی کل حال فلا یجوز التصرف اضربھم اولم یضر الا باذنھم[2]۔	بند گلی والوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بیت الخلاء یا پرنالہ گلی والوں کی مرضی کے بغیر باہر نکالے کیونکہ یہ گلی ان سب کی مشترکہ ملکیت ہے اسی اشتراک کی بنا پر ان سب کو ہر حال میں شفعہ کا حق ہے لہٰذا کوئی ضرر رساں تصرف ان کی مرضی کے بغیر وہاں جائز نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فی غیر النافذ لایجوز ان یتصرف باحداث مطلقًا اضربھم اولا الا باذنھم[3]۔	بند کوچہ والوں میں سے کسی کو باقیوں کی اجازت کے بغیر ایسا تصرف کرنے کا مطلقًا حق نہیں جو ان کے لئے ضرر رساں ہو یا نہ ہو (ت)

اور اس قسم کا تصرف جائز ہونے کو ایک ایک ساکن کوچہ کی رضامندی درکار ہے اکثر کی رضا ہر گز کافی نہیں یہاں تک کہ اگر سو میں ایک بھی ناراض ہے تو ہر گز جواز نہیں حتی کہ اگر سب نے راضی ہو کر اجازت دے دی پھر ان میں ایک نے اپنا مکان بیچ ڈالا تو اب مشتری کو اختیار ہے کہ مزاحمت کرے اور ازالہ کرادے اگرچہ پہلے سب اہل کوچہ راضی ہو چکے تھے، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۳

[2] الہدایۃ کتاب الدیات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۹۷

[3] درمختار کتاب الدیات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹۹

قولہ الا باذنھم ای کلھم حتی المشتری من احدھم بعد الاذن لما فی الخانیۃ رجل احدث بناء او غرفۃ علی سکۃ غیر نافذۃ ورضی بھا اھل السکۃ فجاء رجل من غیر اھلھا واشتری دارا منھا کان للمشتری ان یامر صاحب الغرفۃ برفعھا اھ سائحانی [1]۔	ماتن کا قول "ان کی اجازت کے بغیر" یعنی سب کی اجازت حتی کہ اجازت کے بعد اگر کسی نے وہاں مکان خریدا تو اس کی اجازت بھی ضروری ہے، خانیہ میں ہے کسی نے بند کوچہ میں کوئی تعمیر یا کھڑکی بنائی اور کوچہ والوں نے رضامندی ظاہر کردی ہو تو باہر سے آئے ہوئے ایک آدمی نے اس کوچہ میں کوئی مکان خریدا تو خریدار کو اب حق ہے کہ وہ کھڑکی والے کو بند کرنے پر مجبور کرے اھ سائحانی (ت)

بالجملہ زید پر شرعاً واجب ہے کہ فوراً اس دروازے کو بند کرکے بطور قدیم دیوار کرلے اور سیڑھی کا نام ونشان باقی نہ رکھے ورنہ سخت وعید شدید کا مستحق ہوگا، صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیمۃ الی سبع ارضین [2]۔	جو کسی قدر زمین ناحق لے لے قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسا دیا جائے گا۔

حکم بن حارث سلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ من طریق المسلمین شبرا جاء یوم القیمۃ یحملہ من سبع ارضین [3]۔ اخرجہ الضیاء والطبرانی باسناد حسن۔	یعنی جو شخص مسلمانوں کے راستے میں سے ایک بالشت بھر دبالے قیامت کے دن وہ زمین وہاں سے لے کر ساتویں طبقے تک اٹھا کر اسکی گردن پر رکھی جائے گی اور اسی طرح خداتعالٰی کے حضور حاضر ہوگا **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اسے ضیاء اور طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

زید کو چاہئے من دو من ڈھیلے گردن پر چنوا کر دیکھے اگر نہ اٹھ سکیں تو سمجھ لے کہ ساتوں طبقے کا اتنا بڑا ٹکڑا کیونکر اٹھا کر چلا جائے گا۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو نیک توفیق عطا فرمائے۔ آمین! واللہ سبحانہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الدیات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۸۱

[2] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب اثم من ظلم شیئا من الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۲

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۳۱۷۲ المتکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳ /۲۱۵

وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (اللہ تعالٰی بڑے علم والا ہے اور اس جل مجدہ کا علم اتم واحکم ہے۔ت)

مسئلہ ۲۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین زادھم اللہ شرفا اس صورت میں کہ مسماۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خان کی میر ارشد علی کے نکاح میں اور مسماۃ مہر النساء ہمشیرہ میر ارشد علی کی محمد عیوض علی خان کے نکاح میں تھی ہر دو زوج وزوجات نے بدون ادائے دین مہر کے وفات پائی اب ورثہ ہر دو زوجات دین مہران کا ان کے شوہروں کے متروکہ سے طلب کرتے ہیں ورثہ مسماۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خان فریق مقابل سے کہتے ہیں کہ دین مہر ہماری مورثہ کا تمہارے مورث پر اور تمہاری مورثہ کا ہمارے مورثہ پر ہے اول ان دونوں مہروں کا باہم معاوضہ اور مبادلہ کرلیا جائے بعد معاوضہ اور مبادلہ کے جس فریق کے جس قدر باقی نکلے وہ نقدًا ادا کی جائے اور جو نقدًا ادا نہ ہوسکے تو جائداد باقی دار سے مطالبہ کیا جائے، درجواب اس کے ورثہ مسماۃ مہر النساء ہمشیرہ میر ارشد علی کہتے ہیں کہ جو جائداد محمد عیوض علی خان پر بعوض دین مہر اپنے موروثہ کی ہم نے قبضہ کرلیا ہے ہم وہی جائداد دیں گے اور مقابلہ اور معاوضہ دین بالدین نہیں کریں گے دریں صورت از روئے شرع شریف حق بجانب کس فریق کے ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس حالت میں مہر زر نقد ہے اور جائداد اس کی جنس سے نہیں پس ورثہ مہر النساء جائداد پر قابض ہونے سے بے رضائے ورثہ راحت النساء اس کے مالک نہ ہوگئے ہر دو مہر باہم مقاص ہو کر اگر ایک کا مہر زائد ہو ما بقے کی نسبت دوسری عورت کے ورثہ کو اختیار ہے خواہ زر نقد دیں یا جائداد سے ادا کریں،

فی بحث الدین من الاشباہ والنظائر وایفاؤہ و استیفاؤہ لایکون الابطریق المقاصۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ [1] الخ وفی مبحث الملك منہ وللوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا [2] قال العلامۃ حموی	اشباہ ونظائر کے دین کے باب میں ہے کہ اس کا پورا لین دین سوائے ادل بدل کے جائز نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں الخ، اور اس پر ملک العلماء کی بحث میں ہے وارث کو حق ہے کہ وہ قرضہ ادا کرکے ترکہ کی خلاصی کرائے اگرچہ وہ تمام ترکہ قرضے میں بند ہو۔علامہ حموی نے اس پر

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۵

تحت قولہ ولاینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین وانما یبیعہ القاضی اقول: ینبغی ان یکون البیع بحضرۃ الورثۃ لما لھم من حق امساکھا وقضاء الدین من مالھم [1] الخ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب و الیہ تعالٰی المرجع والمآب۔	فرمایا: اور وارث کا ایسے ترکہ کو فروخت کرنا جو تمام کا تمام قرض میں بند ہے جائز نہیں اس کو صرف قاضی فروخت کرے گا۔ میں کہتا ہوں وارثوں کی موجودگی میں فروخت کرنا مناسب ہوگا کیونکہ ان کو حق ہے کہ وہ ترکہ کو روک لیں اور قرض خود ادا کریں الخ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ تعالٰی المرجع والمآب۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے آپ کو بنت لیلٰی اور دختر زید کہا کہ اور تمام کاغذات میں اور دستاویزات میں ہمیشہ اپنا حسب یونہی لکھا اور زینب باوجود سکونت یک شہر ویک محلّہ وموافقت سالہا سال ہندہ کی کہ دونوں اسی حال پر سن رسیدہ ہوگئیں، اپنے آپ کو مجہول النسب کہتی اور کاغذات میں بنت نامعلوم لکھتی، اس بناء پر جب زینب نے سمجھا کہ اب موت قریب آئی اور میرے کوئی وارث شرعی نہیں چہارم نومبر ۱۸۶۸ء کو ہندہ واولاد ہندہ کے روبرو اپنی کل جائداد کی وصیت اپنی دختر منی اور مختار سربراہ کار کے نام کردی اور لکھ دیا کہ یہی دونوں بعد میرے میری کل جائداد کے مالک وارث ہوں گے، اس وصیت وتکمیل وصیت کے چند عرصہ بعد زینب نے بتاریخ ۱۹ فروری ۱۸۷۰ء قضاء کی، اس کے انتقال کرتے ہی ایک شخص اجنبی نے براہ غصب اس تمام جائداد پر قبضہ کرلیا موصی لہا نے بربنائے وصیت دعوٰی کیا کہ بعد تنقیح تمام وہ وصیت بحکم شرع فتوائے علماء سے صحیح ونافذ وتام ولازم قرار پاکر ۱۱/ جنوری ۱۸۷۲ء کو حکام وقت کے یہاں سے وہ جائداد موصی لہا کو مل گئی یہ سب واقعات ہندہ واولاد ہندہ کے روبرو ہوئے لیکن کسی نے ترکہ زینب پر دعوٰی نہ کیا نہ اپنا کچھ استحقاق بتایا اور اس سے پہلے ماہ جون ۱۸۷۲ میں حکام وقت کی طرف سے جائداد کو لاوارثی قرار دے کر دعوٰی یہی ہوا کہ محکمہ بالا سے اسی بناپر کہ پہلے سے کیوں نہ کہا تھا خارج ہوگیا، اس تحقیق وتنقیح اور لاوارثی ٹھہرانے اور دعوٰی دائر ہونے کے وقت بھی ہندہ اور اولاد ہندہ نے خبر نہ لی نہ اپنی وراثت کا ادعا کیا، جب موصی لہا کو جائداد ملی انہوں نے فوراً اس میں تصرفات مالکانہ شروع کردئے، نصف جائداد تو اسی وقت ایک شخص کو پیروی مقدمہ کے عوض میں دی کہ اس نے اوروں کے ہاتھ بیچ کر سب برابر کردی، نصف باقیماندہ پر بلامنازعت منازع خود

[1] غمز عیون البصائر الفن الثالث، القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۵

قابض ومتصرف رہی بلامزاحم اس کے تحصیل تشخیص کرتے اور اپنے صرف خاص میں لاتے اور ان سب امور پر بھی ہندہ واولاد ہندہ کو خوب اطلاع تھی کہ وہ سب اسی شہر میں حاضر موجود تھے نہ کہ غائب ومفقود، بلکہ اسی عرصہ میں موصی لہانے اس نصب باقیماندہ سے بھی چند دیہات بیچ ڈالے کہ اب معدود باقی ہیں اور جب سے مشتریان تصرفات مالکانہ کرتے ہیں ہندہ واولاد ہندہ نے تصرف بیع وانتقال کے وقت بھی کبھی دعوی نہ کیا یہاں تک کہ ۱۳/اکتوبر ۱۸۷۹ء کو ہندہ فوت ہو گئی ورثہ ہندہ اس کے مرے پر بھی دو سال سے زیادہ تک محض ساکت رہے اب باغوائے بعض مردان ۱۹فروری ۱۸۸۲ کو موصی لہاپر بریں بنا دعوی دائر کیا کہ زینب موصیہ اور مدعیوں کی ماں ہندہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں ہندہ زینب کی وارث ہوئی اور ہم ہندہ کے ورثاء ہیں اور اظہار کرتے ہیں کہ ہندہ زینب کو اپنی بہن کہتی ہے اور شاید بعض دستاویزیں بتائیں کہ ان میں ہندہ بہن اور ہم ہمشیرزادہ لکھے گئے، آیا یہ دعوی ان کا شرعًا قابل سماعت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دعوی مدعیان ہرگز قابل سماعت نہیں، نہ کوئی ٹکڑا جائداد کا موصی لہا سے انہیں دلایا جائے نہ اب اس وصیت کے نفاذ ولزوم میں کلام ہوسکے، ہندہ اور ورثائے ہندہ کا اس مدت مدید تک سکوت اور باوصف ان واقعات مختلفہ وگیرو داد وکشمکش سالہاسال وتصرفات وبیع وانتقال کے مطلق تعرض نہ کرنا وقرینہ واضحہ ہے کہ یہ دعوی ان کا محض مکروتزویر وتلبیس وفریب ہے، ہمارے ائمہ اصحاب متون وشروح وفتاوی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرف مالکانہ کرتے رہے یا وہ بیع خواہ ہبہ خواہ اور طرح سے دوسرے کو تملیک کردے اور وہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی عاقل بالغ جو اسی شہر میں موجود اور ان حالات پر مطلع ہو اور اب تک ارجاع دعوی سے کوئی عذر معقول قابل قبول اسے مانع نہ ہو، دعوی کرنے لگے یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعوی بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہرگز نہ سنا جائے گا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی جہت اور متصرف کے مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا۔

فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبداللہ الغزی التمر تاشی مصنف تنویر الابصار سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ مزیدۃ علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل	سیدی محمد بن عبداللہ الغزی مرحوم مصنف تنویر الابصار کے فتوی میں ہے آپ سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس کا ایک حویلی میں مکان ہے وہ اس میں تین سال سے زائد مدت سے رہائش پذیر چلا آرہا ہے اور وہ پڑوس والے کے علم اور اطلاع کے

المذکور یتصرف فی البیت المزبورۃ ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت اوبعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدماوبناء فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ امر لا، اجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی انتھی[1]،وفی فتاوی الفاضل المحقق خیر الملۃ و الدین الرملی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سئل فی رجل اشتری من اٰخر ستۃ اذرع من ارض بید البائع وبنی بھا بناء و تصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکوران لہ ثلثۃ قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امہ ویرید ھدمہ والحال ان امہ تنظرہ یتصرف بالبناء والا نتفاع المذکورین ھل لہ ذٰلك امر لا وھل تسمع دعواہ مع تصرف المشتری و رؤیۃ امہ لہ واطلاعھا علی الشراء المذکوروالتصرف المزبور مدۃ مدیدۃ امر لا، اجاب لاتسمع دعواہ و الحال ماذکر اعلاہ لان علمائنا نصوافی متونھم و شروحھم وفتاوٰھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا	باوجود اس مکان میں گرانے بنانے کے تصرفات مدت مذکورہ میں کرتا چلاآرہا ہے، تو مدت مذکورہ میں تصرفات مذکورہ کے باوجود پڑوسی اس کے کل یا بعض مکان پر بعد میں دعوی کرے تو کیا یہ دعوی مسموع ہوگا یا نہیں، تو انہوں نے جواب میں فرمایا نہیں سنا جائے گا، اسی پر فتوی ہے اھ، فاضل محقق الملۃ والدین الرملی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فتاوٰی میں ہے کہ ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے دوسرے شخص کی مقبوضہ زمین میں سے چھ گز زمین خریدی اور وہاں تعمیر کی اور تصرفات کئے پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس خرید کردہ زمین میں سے ساڑھے تین قیراط پر دعوی کردیا کہ یہ حصہ مجھے میری ماں سے میراث میں ملا ہے اور وہ اس تعمیر کو گرانا چاہتا ہے حالانکہ اس کی ماں خریدار کی تعمیر اور تصرفات کو زندگی میں دیکھتی رہی ہے تو کیا اس دعوی کا اس کو حق ہے یا نہیں ________________ حالانکہ ماں کو اس زمین کی خرید و فروخت اور اس پر خریدار کے تصرفات کی اطلاع مدت بھر رہی، کیا یہ دعوی مسموع ہوگا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا جب کہ مذکورہ بالاحالات تھے، کیونکہ ہمارے علماء نے اپنے متون، شروح اور فتاوٰی میں تصریح کی ہے کہ خریدار کا مبیع چیز پر، فریق مخالف اگرچہ اجنبی ہو،

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوٰی غزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

بنحوالبناء والغرس والزرع يمنعه من سماع الدعوى قال صاحب المنظومة اتفق اساتيذنا على انه لا تسمع دعواه ويجعل سكوته رضى للبيع قطعا للتزوير والاطماع والحيل والتلبيس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرار بانه ملك البائع، وقال فى جامع الفتاوٰى وذكر فى منية الفقهاء راى غيره يبيع عروضا فقبضها المشترى وهو ساكت وترك منازعة، فهو اقرار منه بانه ملك البائع انتهى[1]، وفيها سئل فى رجل تلقى بيتا عن والده وتصرف فيه كما كان والده من غير منازع ولامدافع مدة تنوف عن خمسين سنة والاٰن برزجماعة يدعون البيت لجدهم الاعلىٰ، فهل تسمع دعوٰهم مع اطلاعهم على التصرف المذكور واطلاع اٰبائهم وعدم مانع يمنعهم عن الدعوى، اجاب لاتسمع هذه الدعوى[2]،	کی اطلاع کی موجودگی میں، تعمیر، زراعت اور پودوں کی کاشت جیسے تصرفات کرنا اس فریق کے دعوی کے مسموع ہونے کے لئے مانع ہے، اور صاحب منظوم نے فرمایا کہ ہمارے اساتذہ ایسے دعوی کے نامسموع ہونے پر متفق ہیں اور جھوٹ، لالچ، حیلہ سازی اور تلبیس کے خاتمہ کے لئے مخالف فریق کے سکوت کو بیع پر رضامندی اور اس کی موجودگی اور عدم تنازع کو یہ اقرار تصور کیا جائے گا کہ زمین فروخت کرنیوالے کی ملکیت تھی، اور جامع الفتاوٰی میں فرمایا منیۃ الفقہاء میں مذکور ہے کہ دوسرے کو سامان فروخت کرتے ہوئے دیکھا اور خریدار نے قبضہ کیا تو بھی خاموش رہا اور کوئی اعتراض نہ کیا تو یہ اس کا اقرار متصور ہوگا کہ یہ سامان فروخت کرنیوالے کی ملک ہے اھ، اور اس میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے والد سے مکان حاصل کیا اور اس میں اسی طرح تصرف کرتا رہا جس طرح اس کا والد اس میں بغیر روک ٹوک پچاس سال سے زائد تک تصرف کرتا رہا اور اب ایک گروہ نے اپنا دعوی کرنا شروع کردیا کہ یہ مکان اس کے جد اعلیٰ کی ملک ہے تو کیا ان کی تصرفات مذکورہ پر اطلاع اور ان کے باپ کو اطلاع اور دعوی سے کوئی مانع نہ ہونے کی باوجود اب ان کا یہ دعوی مسموع ہوگا، تو جواب میں فرمایا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا،

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۸۸۔۸۷

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۵۵

وفیها عن البزازیة علیه الفتوی قطعاً للاطماع الفاسدة [1] وفی الولوالجیة ثم الخیریة والحامدیة و غیرہما رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اخر رای الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ فتترك علی ید المتصرف لان الحال شاہد [2] انتہی، وفی الخیریة وبه افتی شیخ الاسلام شہاب الدین احمد الحلبی المصری [3]، وفی الدر المختار اذاسکت الجار وقت البیع التسلیم و تصرف المشتری فیه زرعًا وبناءً فحینئذ لاتسمع دعواہ علی ماعلیه الفتوی قطعا للاطماع الفاسدة [4] انتہی، قال خاتمة المحققین مولانا السید محمد عابدین رحمة اللہ تعالٰی علیه فی الحاشیة قوله اذا سکت الجار وغیرہ من الاجانب بالاولٰی فتخصیص الجار بالذکر لانه مظنة انه فی حکم القریب و الزوجة، قوله وقت البیع والتسلیم ای	اسی میں ہے بزازیہ کے حوالہ سے کہ اسی پر فتوٰی ہے تاکہ فاسد لالچ وغیرہ کا خاتمہ ہوسکے، ولوالجیہ، پھر خیریہ اور حامدیہ وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص زمانہ بھر زمین میں تصرف کرتا رہا اور دوسرا شخص اس زمین اور اس میں ان تصرفات کو دیکھتا رہا اور کوئی دعوٰی نہ کیا اور فوت ہوگیا تو اس کے بعد اس کی اولاد کا اس زمین پر دعوٰی مسموع نہ ہوگا تو اس زمین کو قابض کے تصرف میں باقی رکھاجائیگا کیونکہ حال اس کا شاہد ہے، اور خیریہ میں ہے کہ اسی پر شیخ الاسلام شہاب الدین احمد حلبی مصری نے فتوٰی دیا ہے، درمختار میں ہے جب پڑوسی خرید وفروخت اور قبضہ دینے اور خریدار کے تعمیر وزراعت کے تصرفات کو دیکھتے ہوئے خاموش رہے تو مفتی بہ قول کے مطابق اب اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا تاکہ فساد طمع کو ختم کیاجاسکے اھ، حاشیہ میں خاتم المحققین مولانا سید محمد عابدین رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: ماتن کا قول جب پڑوسی خاموش رہے، تو دوسرے اجنبی لوگ بالاولٰی، پڑوسی کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا کہ قرب والصاق کی وجہ سے گمان دعوٰی کا مقام ہے، اس کا قول "قبضہ اور بیع کے وقت" یعنی جب ان

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۲/ ۵۹
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۲/ ۵۵
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۲/ ۵۹
[4] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۷

وقت علمه بهما كما افاده كلام الرملى السابق وقد علمت ان البيع غير قيد بل مجرد السكوت عند الاطلاع على التصرف مانع من الدعوى، قوله زرعا و بناء المراد به كل تصرف لايطلق الاللمالك فهما من قبل التمثيل، قوله لاتسمع دعواه اى دعوى الاجنبى ولوجارا، رملى [1] وفى الخيرية وقد كثر افتاء الحنفية عن علماء مصر يتساوى الجار مع الاجنبى فى الحكم المذكور لاشتراكها فى العلم والعلة الموجبة بعدم سماع دعوى الجار بعد تصرف المشترى زرعا وبناء على ماعليه الفتوى قطع الاطماع الفاسدة سدباب التزوير والتلبيس وهذاالقدر مشترك بين الجارو الاجنبى [2] الخ۔ وفى العقود الدرية فى تنقيح الفتاوٰى الحامدية ثم ان مافى الخلاصة والولوالجية يدل على ان البيع غير قيد بالنسبة الى الاجنبى ولو جارا بل مجرد الاطلاع على التصرف مانع من الدعوى [3] الخ، وفيهما بعد نقل فتوى العلامة الغزى كما ذكرناها، فانظر كيف افتى بمنع سماعهامن غير القريب بمجرد

چیزوں کا پڑوسی کو علم ہوجائے جیساکہ رملی کے کلام سے معلوم ہوا، آپ کو معلوم ہے کہ بیع کاذکر بطور قید نہیں بلکہ مشتری کے تصرفات پر اطلاع سے خاموشی اس کے دعوی سے مانع ہے، اس کا قول "زراعت وتعمیر" تو اس سے مراد ہر وہ تصرف جو صرف مالک ہی کرسکتا ہے ان دونوں کا ذکر بطور تمثیل ہے۔ اس کا قول "اس کا دعوی غیر مسموع ہوگا" سے مراد یہ ہے ہر اجنبی خواہ پڑوسی ہو، کادعوی غیر مسموع ہوگا، بحوالہ رملی، اور خیریہ میں ہے: مصر کے حنفی علماء کے فتاوٰی میں اکثر طور پر پڑوسی کو اجنبی کے مساوی حکم دیاگیا ہے کیونکہ مشتری کے زراعت وتعمیر کے تصرفات پر اطلاع کے بعد دونوں علم اور عدم سماعت دعوی کی علت میں مساوی ہیں حالانکہ فتوٰی کی بنیاد فاسد لالچ اور جھوٹ اور دھوکہ کو ختم کرنا اور وہ دونوں میں مشترک ہے اجنبی ہو یاپڑوسی ہو، الخ، عقود الدریہ وتنقیح الفتاوی میں ہے، کہ، پھر خلاصہ اور ولوالجیہ کے بیان میں اس بات پر دلالت ہے کہ بیع کا ذکر بطور قید نہیں کسی بھی اجنبی کے لئے خواہ وہ پڑوسی ہو بلکہ صرف تصرف پر اطلاع ہی دعوی سے مانع ہے الخ۔ ان دونوں کتب میں علامہ غزی کے فتوی کو جسے ہم نے ذکر کیا ہے نقل کرنے کے بعد، فرمایا: دیکھو انہوں نے پہلے بیع کا دعوی نہ ہونے اور پندرہ سال یازائد

---

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۶۰

[3] العقود الدریہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

التصرف مع عدم سبق البیع وبدون مضی خمس عشرة سنة او اکثر [1]، وفیھا لم یقیدوہ بمدة ولا بموت کما تری [2]، وفیھا ولیس ایضا مبنیا علی المنع السلطانی کما فی المسئلة الاٰتیة (قال الفقیر المجیب یعنی مسئلة عدم سماع الدعوی خمس عشرة سنة وھو مثال للمنفی لا للنفی) ثم قال بل ھو حکم اجتھادی نص علیہ الفقھاء کما رأیت فاغتنم تحریر ھذہ المسئلة فانہ مفردات ھذا الکتاب والحمدﷲ المنعم الوھاب [3] انتھی، وفی ردالمحتار من مسائل شتی مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع وان لم یسبقہ بیع [4] وفیہ من کتاب القضاء امادعوی الاجنبی ولو جارا فلابدفی منعھا من السکوت بعد الاطلاع علی تصرف المشتری ولم یقیدوہ بمدة [5] الخ وفیہ من اٰخر کتاب الوقف لیس لھذا مدة محدودة	عرصہ کے ذکر نہ ہونے کے باوجود کسی بھی اجنبی کے دعوی کے غیر مسموع ہونے کو کیسے ذکر فرمایا ہے، اس میں مذکور ہے کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کسی مدت یا موت سے فقہاء کرام نے مقید نہیں کیا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ کسی حاکم کے منع پر نہیں ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ میں آرہا ہے، مجیب کہتا ہے کہ پندرہ سال کی مدت کا ذکر عدم سماع دعوی میں منفی کی مثال ہے نفی کی نہیں، پھر فرمایا: بلکہ اجتہادی حکم ہے جیسے کہ تم فقہاء کرام کی اس پر تصریح کو دیکھ رہے ہو، اس مسئلہ کے بیان کو غنیمت سمجھو کیونکہ یہ اس کتاب کے منفرد مسائل میں سے ہے، الحمد ﷲ المنعم الوھاب اھ، اور ردالمحتار کے مسائل مختلفہ میں ہے: مشتری کے تصرفات پر مطلقاً اطلاع دعوی کے مانع ہے اگرچہ پہلے بیع کی اطلاع نہ پائی ہو اور اسی کتاب میں کتاب القضاء سے ہے کہ مشتری کے تصرفات پر اطلاع کے وقت سکوت کرنا اگرچہ بیع کا علم پہلے نہ ہو اہو اجنبی خواہ پڑوسی کے دعوی کے لئے مانع ہے، اسکو انہوں نے کسی مدت سے مقید نہیں کیا الخ، اور اسی میں کتاب الوقف کے آخر میں ہے کہ اس کے لئے کسی مدت کی حد نہیں ہے،

[1] العقود الدریة کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[2] العقود الدریة کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[3] العقود الدریة کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[4] ردالمحتار مسائل شتّٰی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۳

[5] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴

واما عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرة سنة اذا ترکت بلا عذر فذاك فی غیر هذہ الصورة[1] الخ۔ قال الفقیر المجیب غفراللّٰه تعالٰی له وانما اکثرنا من النقول فی هذہ المسئلة لان منهم من وضعها فی البیع خاصة کالعلائی فی الدرالمختار والزاهدی فی الفتیة عــــہ وابن نجیم فی الاشباہ وآخرین فی آخرو منهم من قید تصرف المشتری بالزرع والبناء کالفاضل الدمشقی فی الدر والعلامة الغزی فی التنویر اوالغرس ونحوہ ایضا کالمحقق الرملی فی الفتاوٰی ومنهم صورها بموت المتصرف ودعوی المدعی علی ورثة کما فی فتاوٰی الخلاصة ومنهم من قررهافی عکس ذٰلك اعنی موت غیر المتصرف ودعوی ورثته علی المتصرف علی مافی الولوالجیة ومنهم من ادرج فی التصویر سکوته هذامدة تنوف عن کذاوکذاسنة کالخیریة وغیرہ ومنهم قصرالحکم علی الجارو

لیکن پندرہ سال کے بعد دعوی کا غیر مسموع ہونا جبکہ بلاعذر دعوی ترک کیا ہو، تو اس کا تعلق اس صورت سے نہیں ہے الخ۔ مجیب غفراللہ تعالٰی کہتا ہے ہم نے اس مسئلہ میں کثیر نقول اس لئے پیش کی ہیں کہ بعض نے اس مسئلہ کو بیع میں خاص کیا ہے جیسا کہ علامہ علائی نے درمختار میں اور علامہ زاہدی نے قنیہ اور ابن نجیم نے الاشباہ میں اور دیگر حضرات نے اپنی کتب میں بیان کیا، اور بعض حضرات نے مشتری کے خاص تعمیر اور زراعت کے تصرفات میں اس کو وضع کیا جیسا کہ فاضل دمشقی نے در میں اور علامہ غزی نے تنویر اور بعض نے پودے لگانے کو بھی شامل کیا ہے جیسا کہ محقق رملی نے اپنے فتاوٰی میں اور بعض نے اسکی صورت تصرف کرنیوالے کی موت کے بعد اس کے وارثوں پر مدعی کے دعوی کو بنایا ہے جیسا کہ خلاصۃ الفتاوی میں، اور بعض نے اس کی صورت بالعکس بیان کی یعنی غیر قابض کی موت کے بعد اس کے وارثوں کا قابض متصرف پر دعوی، جیسا کہ ولوالجیہ میں اور بعض نے اس میں اجنبی کی خاموشی اتنے یا اتنے سال سے زائد کو صورت میں شامل کیا ہے جیسا کہ علامہ خیر الدین وغیرہ نے، اور بعض نے اس حکم کو صرف پڑوسی تک محدود کیا اور

عــــہ: فی الاصل هکذا واظنه انه "قنیة" ۱۲عبد۔

اصل میں اس طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق یہ لفظ قنیہ ہے ۱۲عبد (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۴۶

لم یفصح انه فی غیره جار حتی اشتبه ذٰلك علی بعض الفضلا کالسید الحموی والشیخ صالح بن عبدالله الغزی الی ان دفعه العلامة الرملی فی ماسرد نامن جواهر نصوص الفتح ان کل ذٰلك محض تصویر للمسئلة وتقریر للاسئلة من دون حصر ولاقصر وان لاتقدیر بمدة ولاتقیید بموت ولا تخصیص بجوار ولابتصرف دون تصرف بعد ان کان ممالایطلق الا للملاك ولا امتناع عن السماع قطعا للاطماع الا للسکوت وترك النزاع مع الوقف والاطلاع علی تصرف واختراع ولئلا یشتبه مانحن فیه بمسئلة عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرة سنة فانها تعم ما اذاوقع التصرف اولاحصل الاطلاع ام لا وهی مسئلة تلاحمت فیها الآراء والاحلام و تشاجرت الظنون والافهام ومن قال فیها بعدم السماع فانما بنی الامر علی النهی السلطانی ثم اضطربت کلما تهم فی مجاریها فمن تارك لها علی الاطلاق ومن مستثن لاشیاء ثم لم یتفقوا فی المستثنیات علی کلمة واحدة ومنهم من عمم باخراج کل مافیه عذر للمدعی وهو اجمع واصوب	یہ ذکر نہ کیا کہ غیر میں بھی یہ حکم جاری ہے حتی کہ بعض فضلاء کو اشتباہ ہوگیا جیسے سید حموی اور شیخ صالح بن عبداللہ الغزی حتی کہ علامہ رملی کو اس کا دفاع کرنا پڑا، اور ہم نے فتح کے نصوص کے جواہر ذکر کئے کہ یہ تمام بیانات مسئلہ کی محض صورتیں ہیں اور سوالات کی تقریر ہے اس میں کوئی حصر، مدت کی تحدید، موت کی قید، پڑوسی کی تخصیص نہیں ہے اور نہ ہی کسی تصرف کا تعین ہے سوائے اس کے کہ یہ تصرف مالکانہ ہو اور مشتری کے تصرفات واختراعات پر اطلاع کے بعد سکوت ہو اور نزاع نہ پایا جائے تو فساد ولالچ کو ختم کرنے کے لئے دعوی کی سماعت ممتنع ہوگی اور اس لئے بھی کثیر نقول ذکر کی ہیں تاکہ اس مسئلہ کا پندرہ سال کے بعد عدم سماع والے مسئلہ سے اشتباہ نہ رہے، کیونکہ اس مسئلہ کا دائرہ عام ہے مشتری کا تصرف ہو یا نہ ہو پھر اس کی اطلاع اجنبی کو ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور اس مسئلہ میں آراء اور دلائل، ظنون اور افہام کا ٹکراؤ ہے جنہوں نے وہاں دعوی غیر مسموع کہا ہے انہوں نے سرکاری ممانعت کی بنا پر کہا ہے پھر سرکاری ممانعت کو جاری کرنے میں فقہاء کرام کے کلام میں اختلاف ہے بعض نے علی الاطلاق اس کو جاری مانا ہے اور بعض نے بعض وجوہ سے استثناء کیا ہے پھر مستثنیات میں کسی ضابطہ پر اتفاق نہ کیا بعض نے جہاں مدعی کا عذر ہو وہاں سرکاری حکم سے علی العموم استثناء مانا ہے یہی موقف جامع اور درست ہے

ثم عظم الاعتراف فی دعوی المیراث فقوم یسمعون واٰخرون یمنعون کما فصله الفاضل المحقق العلامة سیدی امین الدین الشامی فی العقود الدریة ومنسوۃ عـــه وردامر الامارۃ مع استثنائها واٰخرهی بدونه کما ذکرہ ایضا فی ردالمحتار بخلاف مانحن فیه فلا یقدر بمدۃ ولایبتنی علی نهی وانما هی حکم من الفقهاء الکرام قطعا لمادۃ الزور والتلبیس کما قد سمعت وهذا مما یستوی فیه دعوی الارث وغیرہ ولذا رأیتهم مطلقین القول ههنا من دون تخصیص ولا استثناء و لاجرم ان افتی به الرملی فی مسئلتین مسوقتین فی دعوی الارث کما قرأنا علیك فافهم و تثبت فان المقام مزلة الاقدام۔	پھر بڑی معرکہ آرائی میراث کے دعوی میں ہوئی بعض نے اس دعوی کو قابل سماعت قرار دیا اور بعض نے غیر مسموع قرار دیا جیسا کہ اس کی تفصیل فاضل محقق علامہ سیدی امین الدین شامی نے عقود الدریۃ میں فرمائی اس اختلاف کا منشاء اور وجہ امیر کا حکم ہونا ہے کہ یہ حکم قابل استثناء ہے یا نہیں، جیسا کہ یہ بھی ردالمحتار میں مذکور ہے، اس تفصیل کے برخلاف ہمارے زیر بحث مسئلہ میں تو نہ کوئی مدت مقررہ ہے اور نہ ہی یہ سرکاری حکم منع پر مبنی ہے بلکہ یہ فقہاء کرام کا اجتہادی حکم ہے جو کہ جھوٹ اور جعل سازی کے خاتمہ کے لئے ہے جیسا کہ آپ نے سنا، اور اس میں وراثت اور غیر وراثت کا دعوی مساوی ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں فقہاء نے مطلق قول فرمایا ہے جسے تم نے دیکھا ہے کہ وہ یہاں نہ تخصیص کرتے ہیں اور نہ ہی استثناء کرتے ہیں، بہر حال رملی نے دعوی وراثت کے دو مسئلوں میں یہی فتوی دیا ہے جیسا کہ ہم نے آپ کو بیان کیا ہے، سمجھو اور ثابت قدم رہو کیونکہ پھسلنے کا مقام ہے۔

پس صورت مستفسرہ میں جبکہ موصی لہما نے جائداد میں اس قدر تصرفات کئے نصف ملتے ہی دے ڈالی اور لینے والے نے اوروں کے ہاتھ بیچی ادھر وہ آئی گئی فصل ہوئی ادھر جو باقی رہی اس میں موصی لہما تحصیل تشخیص کرتے رہے اور کچھ اس میں سے بھی جدا کی جس پر خریدار قابض متصرف ہوئے اس عرصہ تک یہ مدعی کیونکر اپنا حق چھوڑے بیٹھے رہے اور اپنی اس قدر جائداد کثیر کا زید و عمرو من و تو کے ہاتھوں میں لوٹ پھیر جبکہ دیکھا، اگر فی الواقع یہ صاحب حق ہوتے تو کیونکر اس قدر مدت تک صبر کرتے، آخر نہ دیکھا کہ امام علامہ

عـــه: فی الاصل هکذا واظنه انه منشؤہ وردامر الامارۃ مع استثنائها ۱۲ "عبد"۔

محمد بن عبداللہ غزی قدس سرہ الشریف نے توکچھ اوپر تین برس گزرنے میں دعوی نامسموع ٹھہرایا یہاں توچھ سال سے اونچے ہوچکے، بالجملہ اگرایسی حالت میں ہندہ زندہ ہوتی اور وہ خود دعوی کرتی تواس کی بھی نہ سنی جاتی اب کہ اس کے مرنے کے بھی کئی سال بعد ان مدعیوں کو یاد آیا کہ ہندہ توزینب کی بہن تھی اور ہم اس کے ہمشیرہ زاد اور وہ خواہر کہلائی جاتی، ان کی بات پر کوئی بھی التفات نہ کیاجائے گااور جائداد بدستور موصی لہماکے قبضہ میں رکھی جائے گی،

فی الفتاوی الخیریۃ فعلم بذلك ان الام لوکانت حیۃ ثم ادعت بعد ذٰلك لاتسمع دعوٰھا وما منع المورث فی مثلہ منع الوارث بالاولٰی [1] وفی الحاشیۃ الشامیۃ من لاتسمع دعواہ لمانع لاتسمع دعوی وارثہ بعدہ کما فی البزازیۃ وغیرھا انتہی [2]. واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے: تواس سے معلوم ہواکہ ماں اگرزندہ ہوتی پھر بعد میں دعوی کرتی تواس کادعوی مسموع نہ ہوگااور جہاں مورث کا دعوی مسموع نہ ہوگاتو وہاں وارث کادعوی بطریق اولی نہ سناجائے گا، اور حاشیہ شامی میں ہے: جب مانع کی وجہ سے کسی کادعوی مسموع نہ ہو تواس کے بعد اس کے وارث کا دعوی وہاں مسموع نہ ہوگا اھ جیساکہ بزازیہ وغیرہ میں ہے انتہی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸: ۲۲/ربیع الثانی شریف ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسمیان وجیہ الدین وکریم الدین پسران نظام الدین مالک مشترک بحصہ مساوی ۱۰بسوہ حقیت زمینداری موضع رچھاپر گنہ فرید پور کے تھے ۵/اپریل ۱۸۴۹ء کو وجیہ الدین احد الشریک نے وفات پائی نجم النساء زوجہ صدق النساء مادر ونظام النسا ہمشیرہ حقیقی ذوی الفروض وکریم الدین برادر علاتی عصبہ، جملہ چاروارث شرعی چھوڑے، تاریخ ۱۵/ماہ مذکور کو صدق النساء مادر وجیہ الدین فوت ہوئی اس کی وارث مسماۃ نظام النساء دختر ہوئی اور ۱۱/ستمبر ۱۸۵۳ء کو کریم الدین نے قضاکی، مسماۃ بیگم زوجہ مسماۃ کنیز شیریں دختر ذوی الفروض ومسماۃ نظام النساء ہمشیرہ علاتی عصبہ وارث فوت ہوئے مگر تمام حقیت دیہہ مذکور پر قبضہ بطور خود بعوض دین مہر بیوگان مورثان کارہاکہ ۱۸۷۳ء میں ۶بسوہ حسب نالش نجم النساء کی تقسیماً علیحدہ ہوگئے اور ۵بسوہ مسماۃ کنیز شیریں وبیگم نے بدست قربان علی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۴۶

فروخت کرڈالے اور ۱۸۷۶ء میں اول مسماۃ بیگم مری، اس کی وارث صرف مسماۃ کنیز شیریں دختر ہوئی، بعدہا مسماۃ نظام النساء اعلٰی درجہ کی حصہ دار اور جو بانتظار بیباقی دین مہر میں بیوگان کے قبضہ جائداد سے دست کش تھی فوت ہوئی، اس کے وارث محض عوض وکریم بخش نبیرگان ثناء اللہ عم حقیقی متوفیہ بحق عصوبت ہوئے دین مہر مسماۃ نجم النساء کا ۱۸۷۸ء میں اور دین مہر مسماۃ بیگم کا ۱۸۸۲ء تک آمدنی جائداد سے ادا ہوگیا باوجود بیباق ہوجانے دین مہر کے نجم النساء نے منجملہ ۵ بسوہ بدست مسماۃ بیگم زوجہ قربان علی مذکور اور بھاگی رتھ کے فروخت کرڈالے اور ۲ بسوہ تمسک موسومہ مولچند میں مکفول کی کہ وہ بسوات مکفولہ بعلت ڈگری مطالبہ مذکور تاریخ ۲۰/مارچ ۱۸۸۸ء کو بخریداری ممتاز حسین پسر قربان علی نیلام ہوگئی یکم اگست ۱۸۸۶ء کو محمد عوض وکریم بخش وارثان نظام النساء نے کل حق حقوق اپنا واقع ۱۰ بسوہ مذکور بدست مسماۃ الٰہی بیگم بیع کیا کہ بوجہ خریداری کے مشتریہ نے نالشات دیوانی میں دائر کرکے ڈگریات اثبات حق ودخل بقدر ۰۳/ بسوہ کے بمقابلہ مسماۃ نجم النساء ونیز مشتریان اس کی کے علیحدہ علیحدہ حصہ دار حاصل کیں، بعد اسکے مسماۃ کنیز شیریں مہاجرہ حسب اتفاق بریلی آئی، ممتاز حسین مدعا علیہ نے ایک مختار نامہ عام مسماۃ کنیز شیریں سے اپنے حقیقی بھائی عاشق علی کے نام تحریر کرالیا، چنانچہ عاشق علی مذکور نے بعد چلے جانے مسماۃ کنیز شیریں کے نالش منجانب کنیز شیریں بدیں بیان رجوع کی ہے کہ ۰۳ بسوہ ڈگری شدہ الٰہی بیگم پر بذریعہ وراثت وجیہ الدین کے مسماۃ کنیز شیریں کو رسدی حصہ ملے، مدعاعلیہا کو یہ عذر ہے کہ ۱۰ بسوہ متروکہ مورثان میں مسماۃ نجم النساء کو ۱ بسوہ ۵ بسوانسی اور مسماۃ کنیز شیریں کو مع مسماۃ بیگم کے ۳ بسوہ ۷ بسوانسی اور محمد عوض وکریم بخش مدعا علیہما کو ۵ بسوہ ۷ بسوانسی پہنچے تو جملہ حصہ داران نے کل حقوق اپنے فروخت کرڈالے بقائم مقامی ان کے مشتریان مالک ہیں، اور بوجہ عدم شمول مسماۃ نظام النساء کے تقسیم ونیز بیع منجانب نجم النساء ونیز مسماۃ کنیز شیریں کے جہاں تک حصہ شرعی مشتریہ مدعاعلیہا ہے کالعدم ہے اور بیع مستلزم تفریق حصص بائع ہے فقط بوجوہات معروضہ بالا کے شرعًا دعوٰی اجرائے توریث مدعیہ نسبت ۰۳ بسوہ مقبوضہ الٰہی بیگم مدعاعلیہا کے قابل قبول ہے یانہیں اور عذر مدعاعلیہا کس قدر قابل لحاظ ہے؟ بحوالہ کتب **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کنیز شیریں کا دعوٰی محض باطل وبے بنیاد ہے، اس مسئلہ کی تحقیق میں چند امور تنقیح طلب کا جن کا حکم معلوم ہونے کے بعد باذن اللہ تعالٰی خود ہی منکشف ہوجائے گا:

(۱) پانچ پانچ بسوہ کی تقسیم کہ نجم النساء نے کرائی صحیح ہے جس کے سبب ترکہ وجیہ الدین میں حصہ کنیز شیریں صرف اسی پٹی سے متعلق ہے جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھی یا باطل اور اس کا حق دونوں پٹیوں میں شائع۔

(۲) بائعان وغیر بائعان جملہ ورثہ کے حصص متروکات میں کس کس قدر ہیں۔

(۳) بیعین کہ نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں ونیلام کنندگان نے کیں کہاں تک اثر رکھتی ہیں جس سے ظاہر ہو کہ مشتریوں کے ہاتھ میں کتنی حقیتیں اثر بیع سے محفوظ و قابل دعوی وارثان ہیں۔

(۴) ان محفوظ حقیتوں میں رسدی حصے کے حساب سے کنیز شیریں والٰہی بیگم کا حق کس نسبت سے ہے۔

(۵) شرکت ملک میں ایک شریک کو دوسرے کے حق سے کتنا تعلق ہے، باقی رہا یہ کہ نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں کی بیعیں کیاحالت رکھتی ہیں اور مشتریوں کو بوجہ تفریق صفقہ کیا کیا اختیار حاصل اور اس کے سوااور امور متعلقہ معاملہ سے تعرض نہ کروں گا کہ یہ باتیں اس مسئلہ میں زیر بحث نہیں۔اب بتوفیق اللہ تعالٰی ہر امر کا جواب لیجئے۔

تقسیم مذکور محض باطل وبے اثر ہے، **اولاً:** نظام النساء اس میں شریک نہ کی گئی، ہدایہ میں ہے:

ظھر شریك ثالث لھما والقسمۃ بدون رضاہ باطلۃ [1]۔	جب دو کے ساتھ تیسرا شریک ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے بغیر تقسیم باطل قرار پائے گی۔(ت)

ثانیاً: ظاہر ہے کہ نظام النساء کا حق وجیہ الدین وکریم الدین دونوں کے ترکہ میں بروجہ شیوع تھا توالٰہی بیگم کہ بوجہ شراء اس کے ورثہ کے قائم مقام ہوئی دونوں حصص میں استحقاق شائع رکھتی ہے اور ایسا استحقاق بالاجماع باعث انتقاض تقسیم ہوتا ہے، عالمگیری میں ہے:

ان استحق جزء شائع من النصیبین انتقضت القسمۃ [2]۔	اگر دو حصوں کا استحقاق شائع جز یعنی ناقابل انقسام ہو تو وہ تقسیم ختم ہوجائے گی(ت)

پس ظاہر ہوا کہ یہ پٹیاں محض نامعتبر ہیں اور ترکہ میں وراثۃً خواہ شراء جتنے حقدار ہیں سب کا حق بدستور مجموع ۱۰بسوہ میں شائع یہاں تک کہ جو ذرہ زمین لیجئے اس میں سب کا استحقاق حصہ رسد میں ہے فان ھذا ھو معنی الشیوع کما نصوا علیہ قاطبۃ (کیونکہ شیوع کا معنی یہی ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے۔ت)

تفصیل حصص: وجیہ الدین جس کا ترکہ صورت مذکورہ میں ۹۶ سے منقسم ہو کریوں بٹا:

نجم النساء: ۲۴، نظام النساء: ۶۷، کنیز شیریں: ۵ **کما یظھر بالتخریج** (جیسا کہ مسئلہ کی تخریج سے ظاہر ہے) اس کے پانچ بسوہ کی تقسیم یہ ہوئی: نجم النساء: ۱ بسوہ ۵ بسوانسی، نظام النساء: ۳بسوہ ۹ بسوانسی ۱۵-۶/۵ کچوانسی،

---

[1] الھدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب العاشر فی القسمۃ یستحق الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۲۵

کنیز شیریں: ۵بسوانسی ۴-۶/۱ کچوانسی۔

اور کریم الدین جس کا ترکہ آٹھ سے تقسیم پاکریوں پہنچا: بیگم: ۱، کنیز شیریں: ۴، نظام النساء: ۳ اس کے پانچ بسوہ یوں منقسم ہوئے:

بیگم: ۱۲بسوانسی ۱۰کچوانسی، کنیز شیریں: ۲بسوہ ۱۰بسوانسی، نظام النساء: ابسوہ ۱۷ بسوانسی ۱۰کچوانسی۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ ترکہ وجیہ الدین میں حصہ نظام النساء ۳بسوہ ۱۰بسوانسی گمان کرنا غلط تھا جس میں اس کے حق شرعی سے ۴-۶/۱ کچوانسی کی زیادتی اور کنیز شیریں کے حق میں اسی قدر کی کمی کی گئی۔ بیع ہر شخص کی اپنی ہی ملک میں نافذ ہوتی ہے اور بیع ملک غیر بے اذن غیر، اجازت پر موقوف رہتی ہے اگر نہ جائز رکھے باطل ہوجائے فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اذاباع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالک[1]۔	جب بغیر اجازت کسی کے مال کو فروخت کیا ہو تو ہمارے نزدیک وہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی(ت)

اور مجرد سکوت یعنی بیع کی خبر پانا اور خاموش رہنا اجازت نہیں، عالمگیری میں ہے:

بلغ المالك ان فضولیا باع ملکه فسکت لایکون اجازۃ[2]۔	مالک کو اطلاع ملی کہ ایک اجنبی نے اس کی ملکیت فروخت کردی ہے مالک خاموش رہا تو یہ اجازت نہ ہوگی۔(ت)

اور بعد موت مالک اس کے ورثہ جائز نہیں کرسکتے، فتاوٰی خانیہ میں ہے:

اذامات المالك لاینفذ باجازۃ الوارث[3]۔	جب مالک فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کی اجازت سے بیع نافذ نہ ہوگی۔

بس نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں کی بیعیں اگر نافذ ہوئیں تو صرف انہیں کے حصوں یعنی ابسوہ ۵بسوانسی ۱۲نسوانسی ۱۰کچوانسی ۲بسوا۱۰بسوانسی میں ہوئیں۔ عالمگیری میں ہے:

عبدبین رجلین غصبه احدھما	ایک عبد دو مالکوں کی مشترکہ ملک تھا ان میں

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۳

[3] فتاوٰی قاضیخان کتب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

من صاحبه فباعه بالف درہم ودفعه الی المشتری جاز البیع فی حصته[1]۔	سے ایک نے غصب کرکے فروخت کردیا او مشتری سے ہزار درہم لے کر اس کو قبضہ دے دیا تو فروخت کرنیوالے کے اپنے حصہ میں بیع جائز ہوگی (ت)

اور بیع نیلام کا غیر نافذ ہونا تو اظہر من الشمس کہ جب نجم النساء اپنا حصہ بدست بیگم زوجہ قربان علی بیچ چکی تھی تو اب جائداد میں اس کا کیا باقی تھا جو اس کے قرضہ میں نیلام کیا جاتا بہر حال نفاذ بیع انہیں تین حصوں یعنی مجموع ١٠ بسوہ سے ۴ بسوہ ٧ بسوانسی ١٠ کچوانسی تک محدود ہے باقی ۵ بسوہ ١٢ بسوانسی ١٠ کچوانسی نفاذ بیع سے محفوظ ہیں، دونوں ترکوں میں حصہ نظام النساء کی محفوظی تو ظاہر خواہ بیعیں اس کی حیات میں ہوئیں یا بعد کہ بر تقدیر اول اس کے بے اجازت دئے انتقال کرنے اور بر تقدیر ثانی اس بیع نے جو مالکوں یعنی محمد عوض و کریم بخش نے بدست الٰہی بیگم کی اگلی سب بیعوں کو جہاں تک ان کے حصوں سے متعلق نہیں باطل کر دیا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البزازیة من القاعدی طروالبات یبطل الموقوف اذاحدث لغیر من باشر الموقوف کما اذاباع المالك ماباعه الفضولی من غیر الفضولی ولو ممن اشتری من الفضولی[2] اھملخصاً۔	بزازیہ میں قاعدی سے منقول ہے کہ قطعی فیصلے کا طاری ہونا موقوف بیع کو باطل کردیگا جب موقوف عمل کرنے والے کے غیر سے جدید بیع ہوجائے مثلاً فضولی نے جس چیز کو فروخت کیا اسی کو مالک نے کسی غیر فضولی کے پاس فروخت کردیا ہو اگرچہ یہ غیر وہی ہو جس کو فضولی نے فروخت کیا تھا اھ ملخصاً (ت)

تو مجموع ١٠ بسوہ سے ۵ بسوہ ٧ بسوانسی ۵-٦/۵ کچوانسی ملک الٰہی بیگم ہوئیں۔ رہی کنیز شیریں اس نے اور اس کی ماں بیگم نے اگرچہ اپنی مقدار حصص سے بہت زائد یعنی ۵ بسوہ کی بیع کی مگر یہ بیع ان کے صرف انہی حصوں پر مقتصر رہی جو کہ ترکہ ذاتی کریم الدین سے انہیں ملی تھی نہ بدیں سبب کہ انہوں نے بعد تقسیم یہی پانچ بسوہ سے بیع کئے جو بالتعیین ترکہ کریم الدین فرض کرلئے گئے تھے کہ یہ فرض وتعین تو شرعاً محض بیہودہ وبے معنی تھی کما اسلفنا (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ ت) بلکہ اس وجہ سے کہ انہیں صرف انہی حصص کی بیع مقصود تھی اور اسی قدر پر عقد وارد کیا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) تو ۵ بسوانسی ۴-١/١٦ کچوانسی کہ ترکہ وجیہ الدین سے انہیں پہنچیں ان کی بیع میں داخل نہ ہوئیں بلکہ غیر مالک یعنی نجم النساء خواہ نیلام کنندگان نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ٢/ ٣٤٦

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ١۴٢

بے اذن مالکان بیچیں تو بیع اگر حیات بیگم میں واقع ہوئی تو بوجہ موت بلااجازت اس کے حصے یعنی ابسوانسی ۶/۵ کچوانسی میں باطل محض ہوگئی جسے کنیز شیریں بھی نافذ نہیں کرسکتی **کما قدمنا عن الھندیۃ** (جیسا کہ ہم پہلے ہندیہ سے نقل کرچکے ہیں۔ت) اور اس کے بعد ہوئی تو مثل حصہ کنیز شیریں اجازت کنیز شیریں پر موقوف رہی جس کی تنفیذ وابطال کا اختیار کنیز شیریں کو اب تک حاصل ہے۔

ولا تکون دعوٰھا مسقطۃ لخیارہا ومعینۃ لابطال البیع کما حققہ المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر شرح الھدایۃ۔	اس کا دعوی اس کے خیار کو ساقط کرے گا نہ بطلان بیع کے لئے معاون ہوگا جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔(ت)

بہر طور مجموع ۱۰بسوہ سے ۵بسوانسی ۴-۶/۱ کچوانسی پر کنیز شیریں کو ہر طرح دعوی پہنچتا ہے۔

نسبت حصص: ہماری تقریر سے واضح ہوگیا کہ ۱۰بسوہ کس قدر حقیت کنیز شیریں والٰہی بیگم کے لئے محفوظ، اور اس میں ہر ایک کا حق کتنا ہے، اب ان دونوں کے حصوں میں نسبت دریافت کرنے کے لئے بغرض تیسیر طریق سب کسور کو کسر اصغر یعنی سدس ۶/۱ کچوانسی کا ہمجنس کیجئے تو حصہ الٰہی بیگم (۱،۸۷۵) ہے اور نصیب کنیز شیریں ۶۲۵ یہ دونوں توافق بجنس خمس خمس بجزء من مائۃ وخمسۃ وعشرین رکھتے ہیں اول کا وفق ۱۰۳ دوم کا پانچ تو حصہ کنیز شیریں کو حق الٰہی بیگم سے وہی نسبت ہوئی جو پانچ کو ۱۰۳ سے ہوتی ہے اسی سے ہر جزو جائداد میں ان کا رسدی حصہ معلوم ہوجائے گا یعنی بوجہ بطلان تقسیم وبقائے شیوع جائداد محفوظ ۵بسوہ ۱۲بسوانسی ۱۰کچوانسی کا جو ٹکڑا جو ذرہ جہاں کہیں ہوگا اسکے ۱۰۸ سہام سے ۵ سہم کنیز شیریں اور ۱۰۳ الٰہی بیگم کے ہیں۔

شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے محض اجنبی ہوتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

شرکۃ ملك ان یتملك رجلان شیئا من غیر عقد الشرکۃ بینھما نحو ان یرثا مالا او یوھب لھما او یملکا بالشراء اوالصدقۃ لایجوز لاحدھما ان یتصرف فی نصیب الاٰخر الا بامرہ وکل واحد منھما کالاجنبی فی نصیب صاحبہ ویجوز بیع احدھما نصیبہ بغیر اذنہ[1] **اھ ملتقطا۔**	شرکت ملک یہ ہے کہ دو شخص کسی ایک چیز کے عقد شرکت کے بغیر مالک ہوجائیں مثلاً دونوں ایک چیز کے وارث ہیں یا ایک چیز دونوں کو ہبہ ہوئی یا خریداری یا صدقہ کے ذریعہ ایک چیز کے مالک بنے، تو اس میں دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا اور اپنے حصہ میں دونوں ایک دوسرے سے اجنبی ہیں لہٰذا ہر ایک اپنے حصہ میں دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرسکتا ہے اھ ملتقطا (ت)

---

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۰۱

تنویر الابصار میں ہے:

شرکة ملك وھی ان یملك متعدد عینا اودینا بارث اوبیع اوغیرھما وکل اجنبی فی مال صاحبه الخ[1]۔	شرکت ملک یہ ہے کہ متعدد اشخاص عین یا دین میں وراثت یا بیع یا کسی اور طرح مشترکہ مالک ہوجائیں اور ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوگا الخ۔(ت)

توظاہر ہے کہ اگر ان میں ایک کسی غاصب پر دعوی کرکے اپنے مقدار حصہ میں اپنا اثبات ملک واستقرار حق کرائے تواس ثبوت واستقراء میں دوسرے شریک کاہر گز کوئی استحقاق نہیں آسکتا کہ جو سہام ایک کو پہنچتے ہیں دوسرے کااس میں کیا حق ہے اس کے لئے اس کے سہام جدا ہیں پس ایک کے تقرر حق میں مزاحم ہونا گویا بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ تواپنے سہام میں مجھے شریک کرلے اور اپنے خاص حق سے مجھے کچھ دے دے اس کے کوئی معنی نہیں، نہ ایسا دعوی قابل سماعت، ہاں اگر ایک شریک بے تقسیم شرعی ملک مشاع سے کسی معین ٹکڑے پر قبضہ کرلے تو بیشک دوسرے کااس پر دعوی پہنچتا ہے کہ جب شیوع ہے ہر ہر ذرہ میں دونوں کااستحقاق ہے۔

فلایقبض شیئا معینا الاوقد قبض ملك صاحبه مخلوطا مع ملك نفسه کمانص علیه فی الکتب جمیعا۔	توکسی معین چیز کا قبضہ دوسرے کے حصہ پر مخلوط قبضہ کے بغیر اپنے حصہ پر نہ ہوسکے گا جیسا کہ تمام کتب میں اس پر تصریح ہے۔(ت)

یاایک شریک جھوٹا دعوی کرکے اپنے حق سے زیادہ میں اپنے لئے اثبات ملک کرالے تو بھی دوسرے کی مزاحمت بجاہے کہ اس نے اس کے حق میں دست اندازی کی یدل علی کل ذٰلک فروع جمۃ مذکورۃ فی کتب المذھب (اس پر کتب مذہب میں مذکور کثیر فروعات دال ہیں۔ت) غرض ان دو صورتوں کے سوا مجرد اثبات ملک واستقرار حق میں دوسرے شریک کی مزاحمت محض بیہودہ ونامسموع ہے۔ جب یہ امور منقح ہولئے اور پر ظاہر کہ یہاں احتمال صحت دعوی کی صورت اولٰی یعنی قبض شے معین مفرز تو واقع نہ ہوئی کہ الٰہی بیگم نے ان ۳بسوہ ۱۰بسوانسی کا پٹی بانٹ کرا کر کوئی مستقل قبضہ بالتعین نہ کیا تو صرف صورت ثانیہ یعنی حق سے زیادہ اثبات ملک کرالینے کا دیکھنا باقی رہا اگر یہ ۳ بسوہ ۱۰بسوانسی حق الٰہی بیگم سے زائد ہیں تو بیشک کنیز شیریں کو صرف قدر زائد میں اختیار مزاحمت ہے ورنہ اصلاً نہیں، مگر ہم تحقیق کر آئے کہ ترکہ وجیہ الدین کو کریم الدین کی جدائی جو اس تقسیم باطل کاحاصل تھی محض غلط ہے بلکہ وہ ساری جائداد جس طرح حیات ہر دو برادر میں مختلط وغیر منقسم تھی اب تک بدستور

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

اسی حالت پر ہے تو صرف ان ۵ بسوں میں جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھے کنیز شیریں کا حق جاننا اور دوسری پٹی میں نہ ماننا محض غلطی ہے بلکہ حکم شیوع جو ٹکڑا جہاں کہیں ہے ہر ایک میں کنیز شیریں والٰہی بیگم حصہ رسد شریک ہیں اب اگر اس فرضی جدائی کو اصلًا نظر سے ساقط کیجئے جب تو نہایت ظاہر کہ الٰہی بیگم نے اپنے حق سے بہت کم میں اثبات ملک کرایا حق اس کا ۵ بسوہ ۵-۶/۵ کچوانسی تھا اور ڈگری صرف ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی کی حاصل کی پھر کنیز شیریں اس کے حق خاص میں سے کس چیز کا صلہ مانگتی ہے۔ اور اگر یہ خیال کیجئے کہ گو تقسیم شرعی نہیں مگر دو ٹکڑے جدا جدا ہو لئے جن میں ایک پر قربان علی دوسرے پر اس کی زوجہ وپسر قابض ہوئے اور الٰہی بیگم نے بھی صرف ایک فریق پر دعوی کیا، تو اس نظر سے بھی دعوی الٰہی بیگم اس کے حصہ رسد سے کم ہے کہ اس پٹی میں بعد استثنائے حصہ نجم النساء کہ بدست بیگم زوجہ قربان علی بیع ہوا ۳ بسوہ ۵ بسوانسی حق الٰہی بیگم وکنیز شیریں ہیں انہیں بلحاظ نسبت مذکورہ ۱۰۸ پر تقسیم کیجئے تو حاصل قسمت ۱۳-۹/۸ کچوانسی ہے جسے ۵ میں ضرب دینے سے ۳ بسوانسی ۹-۹/۴ کچوانسی ہوتی ہیں اسی قدر رسدی حصہ کنیز شیریں ہے اور باقی ۳ بسوہ ۱۱ بسوانسی ۱۰-۹/۵ کچوانسی حق الٰہی بیگم تھے جس میں اس نے تین بسوہ دس بسوانسی میں اپنی ملک ثابت کرائی تو کنیز شریں کے حق میں کون سی مزاحمت کے دعوی کنیز شیریں کا حاصل یہ ہے کہ اس قدر بھی تیری ملک نہیں یا اگرچہ تیری ملک ہے مگر اس میں سے کچھ مجھے واپس دے حالانکہ اس سے زائد اس کی ملک ہے کہ اور ملک غیر پر دعوی کرنا محض بے معنی اور اگر ان سب تحقیقات نفیسہ سے قطع نظر کیجئے اور خواہی نخواہی مان ہی لیجئے کہ تقسیم مذکور صحیح تھی اور یہی ۵ بسوہ بالتعین ترکہ وجیہ الدین تھے اور خاص انہیں میں استحقاق کنیز شیریں ہے تاہم اس تقدیر باطل پر بھی دعوی کنیز شیریں کہ حصہ رسدی پاؤں کوئی معنٰی نہیں رکھتا رسدی حصہ کا تو یہ حاصل کہ جس قدر پر الٰہی بیگم نے ڈگری پائی یہ اور وہ ۵ بسوانسی کہ باقی رہیں دونوں ٹکڑوں میں الٰہی بیگم وکنیز شیریں اپنے اپنے حصوں کی نسبت سے شریک ہیں بحساب اربعہ متناسبہ اس مقدار ڈگری شدہ میں جو کچھ حصہ کنیز شیریں نکلے اب ملے باقی حصہ الٰہی بیگم ہو اور ۵ بسوانسی میں دونوں کا دعوی رہے حالانکہ اس تقدیر باطل پر الٰہی بیگم جس قدر ترکہ وجیہ الدین سے استحقاق رکھتی تھی اس سے ۴-۶/۱ کچوانسی زیادہ کی ڈگری پاچکی **کمایظھر مما اسلفنا بیانہ** (جیسا کہ ہمارے پہلے بیان سے ظاہر ہے۔ت) تو رسدی حصہ مانگنے کے کیا معنی، بلکہ قدر زائد یعنی ۴-۶/۱ کچوانسی کا دعوی کرنا تھا، غرض ساری غلطی کا منشا یہ ہے کہ کنیز شیریں یعنی اس کے مختار عام نے اثبات ملک واستقرار حق کرانے کو بالتعیین ایک پارہ معینہ مفرزہ منقسم پر قبضہ کرلینا سمجھتا ہے حالانکہ ان کا بدیہی فرق ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہے، پس بہ نہایت پارہئ معینہ مفرزہ منقسم پر قبضہ کرلینا سمجھتا ہے حالانکہ ان کا بدیہی فرق ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہے، پس بہ نہایت وضوح روشن ہوگیا کہ کنیز شیریں کا دعوی اصلًا وجہ صحت وقابلیت سماعت نہیں رکھتا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰلہٖ وصحبہ وبارك وسلم۔

مسئلہ ۲۹: ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ذی مقدور تھا اس نے اپنی بیوی کو اپنی حیات میں زیور طلائی اور نقرئی بنادیا وہ اس کے مہر میں متصور کیا جائے گا یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عرف عام وشائع ہمارے بلاد میں یہ ہے کہ عورتوں کا مالک کردینا نہیں ہوتا بلکہ شوہر ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے جب تک صراحۃً یا دلالۃً شوہر کی جانب سے تملیک ظاہر نہ ہو۔

ومعلوم ان الدفع الیھن یحتمل التملیك والعاریۃ والعاریۃ اولی فھی الثابتۃ مالم یدل علٰی خلافھا۔	یہ واضح بات ہے کہ ان کو دینے میں تملیک اور عاریۃ دونوں احتمال ہیں تو جب تک عاریۃ کے خلاف دلیل موجود نہ ہو تو عاریۃ ہونا ثابت ہوگا۔(ت)

البتہ وہ استعمال میں عورتوں ہی کے رہتا ہے مگر اس سے ملک زناں ثابت نہیں ہوتی۔ بحر الرائق پھر ردالمحتار وعقود الدریہ میں ہے:

لایکون استمتاعھا بمشریہ ورضاہ بذلك دلیلا علی انہ ملکھا ذٰلك کما تفھمہ النساء والعوام وقد افتیت بذٰلك مرارا۔[1]	خاوند کی خریدی ہوئی چیز سے فوائد حاصل کرنا اور اس پر خاوند کا راضی ہونا بیوی کی ملکیت کی دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ عورتیں اور عوام سمجھے ہوئے ہیں، میں نے متعدد بار اس پر فتوٰی دیا ہے۔(ت)

پس اگر گواہان عادل شرعی سے عورت کو اس زیور کا مالک کردینا نہ ثابت ہو تو وہ بدستور ملک شوہر پر ہے اس کا متروکہ ٹھہر کر سب ورثہ پر حسب فرائض منقسم ہوگا اور اگر ثابت ہو کہ شوہر نے عورت کو اس زیور کا مالک کردیا تھا تو بیشک وہ تنہا عورت کی ملک ہے، اب اس صورت میں اگر شوہر نے تصریح کی تھی کہ یہ تیرے مہر میں دیتا ہوں تو اس قدر مہر سے مجرا ہوگا اور اگر مہر کے سوا اور کسی جہت کی تصریح کی تھی مثلاً کہا یہ زیور میں نے تجھے احساناً دیا یا ہبہ کیا تو ہرگز مہر میں محسوب نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

بعث الی امرأتہ شیئا ولم یذکر جھۃ عند الدفع غیر جھۃ المھر کقولہ شمع او حنا ثم قال انہ من المھر	خاوند نے بیوی کو کوئی چیز دیتے ہوئے مہر یا کوئی اور وجہ ذکر نہ کی مثلاً اس نے چراغ یا مہندی کے لئے کہا اور پھر کہا کہ یہ مہر کے طور پر دی ہے، تو

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵

لم یقبل قنیة،لو قوعه هدیة فلاینقلب مهراا ه ملخصًا۔[1]	خاوند کی بات نہ مانی جائیگی،قنیہ،کیونکہ وہ ہدیہ بن چکا ہے تو اب مہر میں تبدیل نہ ہوسکے گااھ ملخصًا(ت)

اور اگر صرف تملیک معلوم ہوئی اور یہ کچھ نہ ثابت ہوا کہ مہر میں دیا تھا یا مہر سے جدا اور زوجہ کو مہر سے الگ دینے کا دعوی ہے اور دیگر ورثہ مہر میں دینا بیان کرتے ہیں تو دیگر ورثہ کا قول ان کی قسم کے ساتھ مقبول ہوگا جب تک عورت گواہان عادل سے نہ ثابت کرادے کہ مجھے مہر سے جدا اس کا مالک کیا وہ زیور مہر ہی ٹھہرے گا۔تنویر الابصار و در مختار ورد المحتار میں ہے:

لو بعث الی امرأته شیئا ولم یذکر المهر ولاغیره فقالت هو هدیة وقال هو من المهر او عاریة فالقول له بیمینه والبینة لها فی غیر المهیاء للاکل[2] اهملخصة۔	جب خاوند نے بیوی کو کوئی چیز بھیجی اور مہر وغیرہ کا کوئی ذکر نہ کیا تو بیوی کہتی ہے یہ ہدیہ ہے اور خاوند کہتا ہے یہ مہر تھا یا عاریتًا تھا،تو خاوند کی بات قسم لے کر مان لی جائے گی اور عورت کی بات گواہی کے ساتھ مانی جائے گی،یہ صورت کھانے پینے والی چیزوں میں نہ ہوگی اھ ملخصًا(ت)

خیریہ میں ہے:

سئل فیما اذا بعث شیئا من جنس النقدین او مما لایستسارع الیه الفساد ثم اختلفا فقال الزوج انما بعثته لیحسب من المهر وقال هو هدیة هل القول قوله ام قولها اجاب القول قوله کما صرح به قاضیخان وغیره یعنی بیمینه معللا بانه المملك وهو اعرف بجهة التملیك[3] اهملخصا۔	سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو نقد درہم ودینار یا ایسی چیز جو جلد خراب نہ ونے والی ہو،بھیجی،پھر دونوں کا اختلاف ہوا۔خاوند کہتا ہے کہ یہ مہر کے حساب میں تھی اور بیوی کہتی ہے کہ یہ ہدیہ ہے،تو کیا خاوند کی بات مانی جائے گیا یا بیوی کی؟تو جواب دیا کہ خاوند کی بات قسم لے کر مانی جائے گی جیسا کہ قاضیخان نے یہ تصریح کی ہے اس وجہ سے کہ خاوند دینے والا ہے تو وہی تملیک کی وجہ بہتر جانتا ہے اھ ملخصا(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

[1] درمختار کتاب النکاح باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

[2] درمختار کتاب النکاح باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳،ردالمحتار کتاب النکاح باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح باب المهر دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹

الوارث لقیامہ مقام مورثہ فیصدق فی جھة التملیک، فصولین، مما یکون القول فیه للمملك[1] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔	وارث چونکہ مورث کے قائم مقام ہے اس لئے جہت تملیک کے بیان میں اس کی تصدیق کی جائے گی، جامع الفصولین، وہاں جہاں مالک بنانے والے کی بات مانی جاتی ہو اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰: ۸/ شعبان ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے مسماۃ ہندہ میری زوجہ نے مرتے وقت مجھے اپنا مہر بمواجہہ چار عورتوں کے معاف کردیا وارثان ہندہ نے جو ان عورتوں سے دریافت کیا ان میں سے دو نے محض انکار کیا، ایک کا بیان مذبذب رہا، چوتھی سے ابھی پوچھنے کی نوبت نہ آئی، ایسی حالت میں شرع شریف ایسی گواہیوں پر معافی مہر کا حکم دیتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

نہ مذبذب بیان مسموع اذلا شھادۃ الا عن علم (کیونکہ شہادت بغیر علم نہیں ہوتی۔ت) نہ یہاں ایک کی گواہی معتبر اگرچہ مرد ہو لاشتراط العدد نصا (گواہوں کی تعداد مشروط ہونے پر نص ہے۔ت) نہ تنہا عورتوں کی شہادت مقبول اگرچہ دو چار ہوں کما نص علیه القراٰن العزیز (جیسا کہ اس پر قرآن عزیز نے نص فرمائی ہے۔ت) نہ وارث کے لئے مرض موت کی معافی بے اجازت دیگر ورثہ نافذ ہوسکے،

لانه فی حکم الوصیة ولاوصیة لوارث الا ان یجیزھا الورثة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وارث کے لئے وصیت نہیں مگر جہاں باقی ورثاء جائز تسلیم کرلیں، کیونکہ یہ معاملہ وصیت کے حکم میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: از کلانور ضلع گورداسپور مرسلہ شیخ مراد علی خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ ۲۵/ شوال ۱۳۱۰ھ

حضرت من مولٰنا فیاض دارین جناب مولوی محمد احمد رضاخاں صاحب خاص مقیم بریلی زاداللہ فیضانہ۔ بعد السلام علیکم و تمنائے زیارت قدمین شریف کے التماس ہے کہ ایک صورت مسئلہ کی عرض کیا چاہتا ہے، جناب اس کے مقابلہ میں تحریر مسئلہ کی فرمائیں، ایک شخص کا ایک قبیلہ یعنی عورت زوجہ اور ایک اس زوجہ کا فرزند ہے س کے سوا اس شخص کا دوسرا زوجہ ہے اس کا بھی ایک فرزند ہے اور دو دختر ہیں اس شخص نے بخاطر زوجہ ثانی کے اول قبیلہ کے فرزند کو محروم الارث کرنا چاہتا ہے اور اس کی والدہ کو اخراجات

---

[1] العقود الدریہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۸ و ۱۹

دینے سے دست بردار ہے اور جس فرزند اول قبیلہ کو محروم کرنا چاہتا ہے بالغ اور جوان ہے ابتدا میں یہ اپنے باپ کے ساتھ کمانے میں بصورت تجارت کے شامل رہا اور پورا مددگار، پھر کچھ عرصہ علیحدہ ہو کر چند سال نوکری میں مصروف رہا بحالت نوکری اس کے باپ نے بہت خواہش سے نوکری سے جدا کردیا، وجہ اس کا یہ ہے کہ اس شخص کے باپ کے زراعت کا کام بہت ہے اور ماسوا اس کے تنازعات اس کے لوگوں کے ساتھ بہت رہتے ہیں، جب وہ نوکری سے بموجب خواہش باپ کے الگ ہوا تو مقابلہ بھی لوگوں سے کرتا رہا، غرض اس نے کل کارروائی باپ کی کو بخوبی انجام دیا، باپ الگ ایک جگہ دوسرے شہر میں دکانداری کرتا رہا، باپ نے پیداوار زمینداری سے جو زیر اہتمام اس فرزند کے تھا چہارم حصہ پیداوار کا بلاخرچہ (خرچہ اپنے ذمہ رکھ کر) دیتا گیا، کچھ عرصہ تک وفا کیا اب بالکل بپاس خاطر زوجہ دوسری کے اور اس زوجہ کے فرزندان اور دختران کے پہلے قبیلہ اور اس کے فرزند بالغ کو جواب دے دیا اور اپنی خدمات سے الگ کردیا، اب اس کے پاس کوئی اثاثہ نہیں ہے اور نہ توفیق ہے کہ باہر جا کر تلاش نوکری کی کرے، باپ کے قبضہ میں دو قسم کی جائداد ہے ایک وہ جو جدی ہے دوسری وہ جو بشمولیت اس فرزند بالغ کے خود پیدا کیا ہے، اس کے بارہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے کہ آیا فرزند بالغ کچھ لے سکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر باپ محروم کرنا چاہے تو ہو سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

تجارت زراعت وغیرہا جس کام میں فرزند نے اپنے باپ کی اعانت ومددگاری کے طور پر کچھ کمایا وہ صرف ملک پدر ہے یعنی جب تک اس کا خورد ونوش ذمہ پدر تھا اور اپنا کوئی ذاتی مال وکسب جداگانہ نہ رکھتا تھا بلکہ اسے حرفت وکسب پدری میں جس طرح سعید بیٹے اپنے باپ کی اعانت کرتے اور اسے کام کی تکلیف سے محفوظ رکھتے ہیں اس کا معین ومددگار تھا تو جو کچھ ایسی وجہ وحالت میں کمایا سب باپ کا ہے جس میں بیٹے کے لئے کوئی حق ملک نہیں، فتاوٰی خیریہ پھر عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان من جملة عیاله والمعینین له فی اموره واحواله فجمیع ماحصله بکده وتعبه فهو ملك خاص لابیه لاشیئ له فیه حیث لم یکن له مال ولو اجتمع له بالکسب جملة اموال لانه فی ذٰلك لابیه معین حتی لو غرس	جب وہ والد کی عیال میں ہے اور والد کے معاونین میں سے ہے تو ایسی صورت میں والد کے امور اور احوال میں جو بھی اس کی محنت وکاوش سے حاصل ہوگا وہ خاص والد کی ملکیت ہوگا اس میں اس کے بیٹے کا مال نہ ہونے کی صورت میں کوئی ملکیت نہ ہوگی اگرچہ اس بیٹے کی محنت سے بہت سے اموال جمع ہوئے ہوں کیونکہ وہ اس میں والد کا معاون ہے

شجرۃ فی ھذہ الحالۃ فھی لابیه نص علیه علماؤنا رحمھم اللہ تعالٰی[1]۔	حتی کہ اگر وہ کوئی پودا لگائے تو اس حالت میں پودا والد کا ہوگا، اس پر ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

اور جو کچھ مال اس کے سوا پیدا کیا یعنی اس زمانہ میں کہ اس کا خورد و نوش باپ سے جدا تھا یا اپنے ذاتی مال سے کوئی تجارت کی یا کسب پدری سے الگ کوئی کسب خاص مستقل اپنا کیا جیسے صورت مستفسرہ میں نوکری کا روپیہ یہ اموال خاص بیٹے کے ٹھہریں گے، خیریہ وعقود میں ہے:

سئل فی ابن کبیر ذی زوجۃ وعیال له کسب مستقل حصل بسببه اموالا ھل ھی لوالدہ اجاب ھی للابن حیث له کسب مستقل واما قول علمائنا یکون کله للاب فمشروط کما یعلم من عبارتھم بشروط منھا اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لھما وکون الابن فی عیال ابیه فاذا عدم واحد منھا لایکون کسب الابن للاب وانظر الی ما عللوا به المسألۃ ان الابن اذا کان فی عیال الاب یکون معینا له فمدار الحکم علی ثبوت کونه معینا له فیه فاعلم ذٰلك[2] اھ ملخصًا۔	ایسے جوان شادی شدہ عیالدار بیٹے جس کا اپنا مستقل کاروبار ہے اور کاروبار میں اموال حاصل ہوئے، کے متعلق سوال ہوا کہ کیا یہ اموال اس بیٹے کی ملک ہوں گے یا والد کے ہوں گے، جواب دیا کہ بیٹے کی ملک ہیں جبکہ یہ بیٹے کا اپنا مستقل کاروبار ہے ہمارے علماء کرام کا یہ ارشاد کہ وہ تمام والد کا ہے ان کا یہ ارشاد چند شرطوں سے مشروط ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے معلوم ہے ان شرائط میں سے بعض یہ ہیں کہ باپ بیٹے کا کام ایک ہو، بیٹے کا پہلے سے اپنا مال نہ ہو، بیٹا باپ کے عیال میں شامل ہو تو ان شرائط میں سے جب کوئی شرط مفقود ہو تو بیٹے کی کمائی والد کے لئے نہ ہوگی، مسئلہ کے بیان میں علماء کی ذکر کردہ علت پر غور کرنا چاہئے انہوں نے فرمایا: جب بیٹا باپ کی عیال میں شامل ہو اور اس کا معاون ہو تو حکم کا مدار اس پر ہے کہ وہ اس میں باپ کا معاون ہو، یہ معلوم ہونا ضروری ہے اھ ملخصا۔ (ت)

مگر جو چہارم حصہ پیداوار میں باپ نے اسے دینا کہا تھا اس کا دعوٰی اسے کسی حالت میں نہیں پہنچتا کہ اگر وہ کہنا محض بطور وعدہ واحسان تھا اور غالب یہی ہے جب تو پر ظاہر کہ لاجبر فی التبرع (تبرع میں جبر نہیں۔ت) اور اگر بروجہ معاوضہ محنت وعقد اجارہ تھا تو جہالت اجر و فساد اجارہ سے قطع نظر بیٹے کو

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۷

[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۷

اپنے کام کی اجرت باپ سے لینی جائز نہیں، نہ اس کی خدمت پر اجیر بن سکتا ہے کہ خدمت پدری طاعت الٰہی ہے اور طاعات پر اجارہ ناجائز، علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں کتاب الفرائض میں فرماتے ہیں:

الولد اذا اٰجر نفسه لوالده ليخدمه وكذا المرأة اجرت نفسها من زوجها لتخدمه لم يجز لان خدمتها تقع صلة للزوج فصارت مستحقة فلم تجز الاجارة [1] اھ ملخصًا۔	جب بیٹے نے اپنے آپ کو والد کا یا بیوی نے اپنے آپ کو خاوند کا مزدور بنایا تاکہ یہ ان کی خدمت کرسکیں تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ خدمت خاوند کے لئے صلہ ہے لہٰذا وہ اس خدمت کا حقدار ہے تو اجارہ جائز نہ ہوگا اھ ملخصًا (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوی امام قاضیخان سے ہے:

الاب اذا استاجر ابنه البالغ فعمل الابن لا اجر له [2]۔	باپ جب اپنے بالغ بیٹے کو اجیر بنائے اور بیٹا کام کرے تو بیٹے کو اجرت نہ ملے گی۔ (ت)

رہا باپ کا اسے اپنی میراث سے محروم کرنا وہ اگر یوں ہو کہ زبان سے لاکھ بار کہے کہ میں نے اسے محروم الارث کیا یا میرے مال میں اس کا کچھ حق نہیں یا میرے ترکہ سے اسے حصہ نہ دیا جائے یا خیال جہال کا وہ لفظ بے اصل کہ میں نے اسے عاق کیا یا انہیں مضامین کی لاکھ تحریریں لکھے رجسٹریاں کرائے یا اپنا کل مال اپنے فلاں وارث یا کسی غیر کو ملنے کی وصیت کرجائے ایسی ہزار تدبیریں ہوں کچھ کارگر نہیں نہ ہرگز وہ ان وجوہ سے محجوب الارث ہوسکے کہ میراث حق مقرر فرمودہ رب العزۃ جل وعلا ہے جو خود لینے والے کے اسقاط سے ساقط نہیں ہوسکتا بلکہ جبرًا دلایا جائے گا اگرچہ وہ لاکھ کہتا رہے مجھے اپنی وراثت منظور نہیں میں حصہ کا مالک نہیں بنتا میں نے اپنا حق ساقط کیا پھر دوسرا کیونکر ساقط کرسکتا ہے،

قال اللہ تعالٰی "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی تمہیں اولاد کے متعلق وصیت فرماتا ہے بیٹے کو دو بیٹیوں کا حصہ ہے۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دار المعرفۃ بیروت ۴ /٣٦٧

[2] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ قلمی نسخہ ٢ /١٦٢

[3] القرآن الکریم ۴ /١١

لو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه[1]۔	اگر وارث کہے میں نے اپنا حصہ چھوڑا تو اس سے اس کا حق باطل نہ ہوگا۔(ت)

غرض بالقصد محروم کرنے کی کوئی سبیل نہیں، ہاں اگر حالت صحت میں اپنا مال اپنی ملک سے زائل کردے تو وارث کچھ نہ پائے گا کہ جب ترکہ ہی نہیں تو میراث کاہے میں جاری ہو مگر اس قصد ناپاک سے جو فعل کریگا عنداللہ گنہگار وماخوذ رہے گا۔ حدیث میں ہے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیٰمة۔رواه ابن ماجة[2] عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	جو اپنے وارث کو اپنا ترکہ پہنچنے سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے۔(اسے ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔(ت)

یونہی ایک زوجہ کے پیچھے دوسری کی خبرگیری نہ کرنی دوہرا گناہ اور بنص قرآن حرام قطعی ہے۔حدیث میں ہے حضور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاکانت عنده امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیٰمة وشقه ساقط[3]۔رواه الترمذی وابوداود و النسائی وابن ماجة وابن حبان والحاکم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جس کے دو بیبیاں ہوں اور وہ انہیں برابر نہ رکھے قیامت کے دن اس حال پر آئے کہ اس کی ایک طرف کی کروٹ گری ہوئی ہو(اسے ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مسئلہ ۳۲ تا ۳۵: از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلّہ سلھڑہ مرسلہ سید محمد زاہد صاحب　　۴ جمادی الآخر ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید کہ ایک علاقہ کا حاکم وقت کی جانب سے مہتمم مقرر ہے بذات خود حاکم نہیں ہے کہ کوئی حکم یا فیصلہ قطعی کرسکتا ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر جو اسی علاقہ میں رہتا ہے بغیر کسی خواہش ودباؤ کے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۶۰

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی التسویة بین الضرائر امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۶

بموجب رواج یا اخلاق انسانی کے زید کی دعوت کرے یا کوئی تحفہ کسی قسم کا پیش کرے تو اس کا لینا داخل رشوت ہے یا نہیں اور جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) زید بحکم حاکم وقت کے تحقیقات کے واسطے اسی علاقہ میں جس کا وہ مہتمم ہے کسی فریق کے مکان پر جائے یا بصورت نہ ہونے فریق ثانی بمقابلہ حاکم کے تحقیقات بکر کو جائے اس وقت کھانا کھلانا بکر کا یا معمولی تحفہ پیش کرنا اور زید کو اس کا قبول کرنا داخل رشوت و ناجائز ہوگا یا جائز درحالیکہ بغیر خدمت گزاری بکر کے بھی زید کا طریق عمل یکساں ہے۔

(۳) بخلاف ہر دو دفعات کے اگر زید حاکم مختار و فیصلہ قطعی کرسکتا ہے تو زید کو اپنے حدود علاقہ کے اندر دعوت و تحفہ کا قبول کرنا کیسا ہے، جائز یا ناجائز؟

(۴) جس حالت میں زید کے طریق عمل سے بکر واقف ہو جائے کہ دعوت و تحفہ سے زید میرے حق میں کچھ رعایت نہ کرے گا اپنے طریق عمل پر پورا قائم رہے گا اور باوجود اس عمل کے نمبر ا و ۲ کا برتاؤ کرے تو جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

جو شخص بذات خود خواہ از جانب حاکم کسی طرح کا قہر و تسلط رکھتا ہو جس کے سبب لوگوں پر اس کا کچھ بھی دباؤ ہو اگرچہ وہ فی نفسہ ان پر جبر و تعدی نہ کرے دباؤ نہ ڈالے اگرچہ وہ کسی فیصلہ قطعی بلکہ غیر قطعی کا بھی مجاز نہ ہو جیسے کوتوال، تھانہ دار، جمعدار یا دہقانیوں کے لئے زمیندار مقدم پٹواری یہاں تک کہ پنچایتی قوموں یا پیشوں کے لئے ان کا چودھری، ان سب کو کسی قسم کے تحفہ لینے یا دعوت خاصہ (یعنی وہ دعوت کہ خاص اسی کی غرض سے کی گئی ہو کہ اگر یہ شریک نہ ہو تو دعوت ہی نہ ہو) قبول کرنے کی اصلاً اجازت نہیں مگر تین صورتوں میں، اول اپنے افسر سے جس پر اس کا دباؤ نہیں، نہ وہاں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی طرف سے یہ ہدیہ و دعوت اپنے معاملات میں رعایت کرانے کے لئے ہو۔ دوم ایسے شخص سے جو اس کے منصب سے پہلے بھی اسے ہدیہ دیتا یا دعوت کرتا تھا بشرطیکہ اب سے اسی مقدار پر ہے ورنہ زیادت روا نہ ہوگی مثلاً پہلے ہدیہ و دعوت میں جس قیمت کی چیز ہوتی تھی اب اس سے گراں قیمت پر تکلف ہوتی ہے یا تعداد میں بڑھ گئی یا جلد جلد ہونے لگی کہ ان سب صورتوں میں زیادت موجود اور جواز مفقود، مگر جبکہ اس شخص کا مال پہلے سے اس زیادت کے مناسب سب زائد ہو گیا ہو جس سے سمجھا جائے کہ یہ زیادت اس شخص کے منصب کے سبب نہیں بلکہ اپنی ثروت بڑھنے کے باعث ہے۔ سوم اپنے قریب محارم سے، جیسے ماں باپ اولاد بہن بھائی نہ چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹے کہ یہ محارم نہیں اگرچہ عرفاً انہیں بھی بھائی کہیں۔ محارم سے مطلقاً اجازت ظاہر عبارت قدوری پر ہے ورنہ امام سغناقی نے نہایہ

پھر امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اسے بھی صورت دوم ہی میں داخل فرمایا کہ محارم سے بھی ہدیہ ودعوت کا قبول اسی شرط سے مشروط کہ پیش از حصول منصب بھی وہ اس کے ساتھ یہ برتاؤ برتتے ہوں مگر یہ کہ اسے یہ منصب ملنے سے پہلے وہ فقرا تھے اب صاحب مال ہوگئے کہ اس تقدیر پر پیش از منصب عدم ہدیہ ودعوت بربنائے فقر سمجھا جائے گا اور فی الواقع اظہر من حیث الدلیل یہی نظر آتا ہے کہ جب باوصف قدرت پیش از منصب عدم یا قلّت وبعد منصب شروع یا کثرت بربنائے منصب ہی سمجھی جائے گی اس تقدیر پر صرف دو ہی صورتیں مستثنٰی رہیں پھر بہر حال جو صورت مستثنٰی ہوگی وہ اسی حال میں حکم جواز پاسکتی ہے جب اس وقت اس شخص کا کوئی کام اس سے متعلق نہیں ورنہ خاص کام پڑنے غرض متعلق ہونے کے وقت اصلاً اجازت نہیں خواہ وہ افسر ہو یا بھائی یا پہلے سے ہدیہ وغیرہا دینے والا بلکہ ایسے وقت عام دعوت میں شریک ہونا بھی نہ چاہئے نہ کہ خاص، پھر جہاں جہاں مانعت ہے اس کی بنا صرف تہمت واندیشہ رعایت پر ہے حقیقۃً وجود رعایت ضرور نہیں کہ اس کا اپنے عمل میں کچھ تغیر نہ کرنا یا اس کا اس کی عادت بے لوثی سے آگاہ ہونا مفید جواز ہوسکے۔ دنیا کے کام امید ہی پر چلتے ہیں، جب یہ دعوت وہدایا قبول کیا کرے گا تو ضرور خیال جائے گا کہ شاید اب کی بار کچھ اثر پڑے کہ مفت مال دینے کی تاثیر مجرب ومشاہد ہے اس بار نہ ہوئی اس بار ہوگی، اس بار نہ ہوئی پھر کبھی ہوگی، اور یہ حیلہ کہ اس کا ہدیہ ودعوت بربنائے اخلاق انسانیت ہے نہ بلحاظ منصب، اس کا رد حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماچکے ہیں، جب ایک صاحب کو تحصیل زکوٰۃ پر مقرر فرما کر بھیجا تھا انہوں نے اموال زکوٰۃ حاضر کئے اور کچھ مال جدا رکھے کہ یہ مجھے ملے ہیں فرمایا اپنی ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھا ہوتا کہ اب کتنے تحفے ملتے ہیں یعنی یہ ہدایا صرف اسی منصب کی بنا پر ہیں اگر گھر بیٹھا ہوتا تو کون آکر دے جاتا، اس مسئلہ کی تفاصیل میں اگرچہ کلام بہت طویل ہے مگر یہاں جو کچھ مذکور ہوا بعونہ تعالٰی خلاصہ تنقیح وصالح تحویل ہے،

فی الدر المختار ویرد ھدیۃ التنکیر للتقلیل وھی ما یعطی بلاشرط اعانۃ بخلاف الرشوۃ الامن اربع السلطان والباشا وقریبہ المحرم او ممن جرت عادتہ بذٰلک بقدر عادتہ ولاخصومۃ لھما ویرد دعوۃ خاصۃ	درمختار میں ہے وہ ہدیہ کو رد کردے، ہدیہ کی تنکیر قلّت کے لئے، اور یہ وہ ہے کہ اس کو اعانت کی شرط کے بغیر دیا جائے بخلاف رشوت کہ اس میں اعانت کی شرط ہوتی ہے۔ قاضی صرف چار حضرات سے ہدیہ وصول کرسکتا ہے بادشاہ، گورنر، اپنے قریبی محارم، اور جس سے پہلے وصول کی عادت جاری تھی وہ بھی عادت کے مطابق، بشرطیکہ آخری دونوں کا

وھی التی لایتخذ ھا صاحبھا لو لاحضور القاضی ولا یجیب دعوۃ خصم ولوعامۃ للتھمۃ اھ[1] ملخصا، وفی ردالمحتار الاصل فی ذٰلك مافی البخاری عن ابی حمید الساعدی قال استعمل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا علی الصدقۃ فلما قدم قال ھذا لکم وھذا لی قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھلاجلس فی بیت ابیہ او بیت امہ فینظر ایھدی لہ ام لاوتعلیل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلیل علی تحریم الھدیۃ التی سببھا الولایۃ فتح۔قال فی النھر الظاھر ان المراد بالعمل ولایۃ ناشئۃ عن الامام اونائبہ کالساعی والعاشر اھ **قلت** ومثلھم مشائخ القری و الحرف وغیرھم ممن لہ قھروتسلط علی من دونھم فانہ یھدی الیھم خوفامن شرھم اولیروج عندھم ورأیت فی حاشیۃ شرح المنھج للعلامۃ محمد الداودی الشافعی الفقیہ قال ع ش ومن العمال مشائخ

مقدمہ اس کے ہاں نہ ہو،اور وہ خاص دعوت کو رد کردے، خاص دعوت وہ ہے جس میں اگر قاضی نہ ہو تو دعوت نہ ہو، اور مقدمہ کے کسی فریق کی دعوت قبول نہ کرے اگرچہ یہ دعوت عام ہو کیونکہ مقام تہمت ہے اھ ملخصًا۔اور ردالمحتار میں ہے:اس میں اصل یہ ہے کہ بخاری شریف میں ابوحمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو صدقہ پر عامل بنایا تو جب وہ واپس آیا تو اس نے صدقات پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ یہ مال آپ کے بیت المال کا ہے اور یہ میرا ہے،تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ اپنے باپ یا ماں کے گھر بیٹھ کر کیوں نہیں دیکھتا کہ اس کو ہدیہ ملتا ہے یا نہیں،تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ وجہ ایسے ہدیہ کی حرمت کی دلیل جو کسی عہدہ کی بناپر ملے،فتح۔اور نہر میں فرمایا:ظاہر ہے کہ ولایت وعہدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ امام یا نائب امام کی طرف سے سونپا گیا ہو جیسا کہ زکوٰۃ یا عشر وصول کرنے والا،اھ۔**میں کہتا ہوں** اسی طرح دیہاتوں اور حرفتوں کے نگران وغیرہ جن کو اپنے ماتحتوں پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے کیونکہ ان کے شر کاخوف یا ان سے طمع ہوتا ہے،میں نے علامہ محمد داؤدی شافعی فقیہ کی شرح منہج میں دیکھا ہے انہوں نے ع ش کے حوالہ سے فرمایا عاملین میں سے بازاروں، شہروں کے نگران اور

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۵۔۷۴

الاسواق والبلدان ومباشر الاوقاف وکل من یتعاطی امر ایتعلق بالمسلمین انتھی،وعبارۃ القلانسی ولا یقبل الھدیۃ الا من ذی رحم محرم او وال مقدم علیہ فی الرتبۃ ووجھہ ان منع قبولھا انما ھو للخوف من مراعاتہ لاجلھا وھوان راعی الملك ونائبہ لم یراعہ لاجلھا قولہ المحرم ھذاالقید لابدمنہ لیخرج ابن العم نھر قولہ ولاخصومۃ لھما قال فی البحر والحاصل ان من لہ خصومۃ لایقبلھا مطلقًا ومن لاخصومۃ لہ فان کان لہ عادۃ قبل القضاء قبل المعتاد والا لااھ ای سواء کان محرما او غیرہ علی مامرعن شیخ الاسلام،قال فی البحر فلوکان من عادتہ الدعوۃ فی کل شھر مرۃ فدعاہ کل اسبوع بعد القضاء لایجیبہ ولواتخذلہ طعاما اکثر من الاول لایجیبہ الاان یکون مالہ قد زاد کذافی التاتارخانیۃ[1] اھ اھملتقطا	اوقاف کے ذمہ دار اور تمام ایسے لوگ جن کو مسلمانوں کے امور سے متعلق کیا گیا ہو اھ،اور قلانسی کی عبارت یوں ہے کہ وہ صرف اپنے ذی رحم محرم یا اپنے سے بڑے مرتبہ والے کسی والی کا ہدیہ قبول کرسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ کہیں ہدیہ کی وجہ سے ہدیہ والے کی رعایت نہ کرے تو اگر وہ بادشاہ یا اس کے نائب کی رعایت کرے گا تو وہ اس کی رعایت نہ کرینگے،اور اگر کرے گا تو ہدیہ کی وجہ سے نہ کرے گا۔ماتن کا قول "محرم" تو یہ قید ضروری ہے تاکہ چچازاد اس اجازت سے خارج ہو جائے، نہر۔اور اس کا قول کی خصومت نہ ہو (یعنی ان کا مقدمہ نہ ہو) تو بحر میں فرمایا حاصل یہ کہ ان کا ہدیہ مطلقًا قبول نہ کرے اور جس کا مقدمہ نہ ہو تو اگر قضاء سے قبل اس سے ہدیہ وصول کرنے کی عادت تھی تو عادت سے زائد قبول کرنے کی ممانعت ہے،اگر وہ ایسا نہیں تو پھر قبول نہ کرے اھ، یعنی محرم ہو یا نہ ہو جیسا کہ شیخ الاسلام سے منقول گزار،بحر میں فرمایا: اگر قضا سے قبل ایک ماہ پر دعوت کی عادت تھی تو اب قضاء کے بعد ہر ہفتہ دعوت شروع کردی تو قبول نہ کرے اور اگر اب کھانا زیادہ پر تکلف ہو تو قبول نہ کرے،ہاں دعوت قبول کرنے والا پہلے سے زیادہ مالدار ہو گیا تو قبول کرے جیسا کہ تاتارخانیہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۱۰تا۳۱۲

وفی الهندیة یقبل الهدیة من الوالی الذی ولاہ ولوکان للخلیفة خصومة لم یقبل هدیته الابعد الحکم کذافی العتابیة [1] اھ۔وفی فتح القدیر قال شیخ الاسلام قالواماذکر فی الضیافة فمحمول علی ماذاکان المحرم لم یجری بینهما الدعوۃ والمهاداۃ وصلة القرابة واحدث بعد القضاء ذٰلك فاذاکانت الحالة هذہ فهو کالاجنبی سواء ومافی الهدیة محمول علی انه کان جری بینهما المهاداۃ وصلة القرابة قبل القضاء فاذااهدی بعد القضاء لاباس بقبوله انتهی فقداٰل الحال الی انه لافرق بین القریب والغریب فی الهدیة والضیافة [2] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ہے اھ ملتقطا،اور ہندیہ میں ہے کہ قاضی اپنے والی کی دعوت قبول کرے جس نے اس کی تقرری کی ہے اور خلیفہ کا کوئی مقدمہ اس کے پاس ہو تو پھر فیصلہ کرنے کے بعد اس کی دعوت قبول کرے، جیسا کہ عتابیہ میں ہے اھ،اور فتح القدیر میں فرمایا: شیخ الاسلام نے فرمایا: فقہاء کرام نے کہا ہے کہ ضیافت کے متعلق جو مذکور ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ محرم کی عادت اگر پہلے سے ہدیہ، دعوت اور قرابت کا صلہ جاری نہ ہو اور اب قضاء کے بعد ہدیہ دے تو ایسی حالت میں وہ محرم اور اجنبی مساوی ہیں،اور جو ہدیہ سے متعلق مذکور ہے وہ پہلے سے جاری ہدیہ اور صلہ قرابت پر محمول ہے اگر یہ قضاء کے بعد بھی ہدیہ دے تو قبول کرنے میں قباحت نہیں ہے اھ تو حال کا مآل یہ ہوا کہ ضیافت اور ہدیہ کے معاملہ میں قریبی اور غیر قریبی کا کوئی فرق نہیں الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں ۱۳/رمضان مبارک ۱۳۱۱ھ

اکمل کامل وافضل افاضل مولانا احمد رضاخان صاحب بعد ابراز مراسم سلام مصدع خدمت ہے کہ اب بادشاہی اسلام کا ہندوستان میں نشان باقی نہیں اور جو بعض بعض ملک میں نواب اسلام ہیں وہ بھی اجرائے تمام احکام شرعی کے مجاز نہیں اور عہدہ قضا توجب سے مفقود ہے برائے نام قاضی ہیں ملبوس علم سے مبرا اور ان میں بھی ثقہ چیدہ چیدہ، باوجود ان وجوہات کے وہ قاضی وحکام ہنود وغیرہ ولایت عامہ کا خاصہ رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو قاضی شرع کسے قرار دیا جائے کہ اسے ولایت صبی وصبیہ کی ہو۔ زیادہ نیاز۔

الجواب:

اسلامی ریاستوں میں والیان مسلمین جن حکام کو مقدمات فیصل کرنے پر مقرر کرتے ہیں وہ شرعًا قاضی ہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب القضاء الباب التاسع فی رزق القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۰

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۷۲

والی کی طرف سے جو اختیارات جائز انہیں سپرد ہوں گے وہ اختیار شرعی ہیں اگرچہ یہ ریاستیں زیر غلبہ کفار ہوں۔

فی جامع الفصولین کل مصر فیہ وال مسلم من جھۃ الکفار تجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامٰی لاستیلاء المسلم علیھم واما طاعۃ الکفرۃ فھی موادعۃ ومخادعۃ[1] الخ ویأتی تمامہ ونحوہ فی ردالمحتار عن التتارخانیۃ وعن معراج الدرایۃ عن المبسوط وعن شرح مسکین عن الاصل۔	جامع الفصولین میں ہے جس شہر میں کفار کی طرف سے مقرر کردہ مسلمان والی ہو تو وہاں جمعہ، عیدین، خراج وصول کرنا، قاضی حضرات کو مقرر کرنا اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کردینا جائز ہے کیونکہ مسلمانوں کا وہاں غلبہ ہے، رہا یہ کہ کفار کی اطاعت ہے تو یہ عارضی معاملہ اور دکھاوا ہے الخ اس کی مکمل بحث عنقریب آئے گی، اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ایسا ہی منقول ہے اور اس میں معراج الدرایہ بحوالہ مبسوط اور شرح مسکین بحوالہ اصل، سے بھی منقول ہے۔ (ت)

اور ان کا جاہل ہونا مذہب اصح پر منافی قضا نہیں کہ جاہل عالم سے فتوٰی لے کر کام کرسکتا ہے،

فی جامع الفصولین کونہ عالما او مجتھدا لیس بشرط[2]۔	جامع الفصولین میں ہے کہ قاضی کا عالم یا مجتہد ہونا شرط نہیں ہے۔ (ت)

یونہی غیر ثقہ بلکہ فاسق ہونا بھی، اگرچہ فاسق کو قاضی کرنا گناہ ہے،

فی الفتح والوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکۃ وان کان جاھلا فاسقا وھو ظاھر المذھب عندنا فیحکم بفتوی غیرہ[3] اھ، وفی الدرالمختار الفاسق اھلھا فیکون اھلہ لکنہ لایقلد وجوبا ویأثم مقلدہ کقابل شھادتہ بہ یفتی[4]۔	فتح میں ہے کہ صحیح وجہ یہ ہے کہ جس کو صاحب شوکت سلطان قاضی مقرر کردے اگرچہ وہ جاہل فاسق ہو اس کی قضا ہمارے ہاں نافذ ہوجائے گی یہی ظاہر مذہب ہے اور ایسی صورت میں وہ قاضی دوسرے کے فتوے پر عمل کرے گا اھ، اور درمختار میں ہے فاسق شہادت کا اہل ہے تو قضا کا اہل ہوگا لیکن لازم ہے کہ ایسے کو مقرر نہ کیا جائے اور مقرر کرنے والا گنہگار ہوگا جیسا کہ ایسے کی شہادت قبول کرنے والا گنہگار ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء ومایتصل بہ المطبعۃ الازہریہ مصر ۱/ ۱۴
[2] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء ومایتصل بہ المطبعۃ الازہریہ مصر ۱/ ۱۴
[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷
[4] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

اسی طرح بعض احکام مثل حدود میں اجرائے حکم شرع سے ممنوع ہونا بھی کہ اگر یہ ممانعت یوں ہے کہ وہ مد جس میں شرع سے مخالفت کرتے ہیں اس قاضی کی حد سماعت ہی سے خارج رکھی اور اسے جن مقدمات کے سننے کے اختیار دیا ان میں اتباع شرع سے منع نہ کیا جب تو ظاہر کہ قضا ہر طرح صالح تخصیص ہے **کما نص علیہ فی الاشباہ وغیرہا** (جیسا کہ اس پر اشباہ وغیرہ میں تصریح ہے۔ت) اور اگر یوں کہ بعض امور مفوضہ میں مطابق شرع حکم دینے سے منع کیا تاہم قضا متحقق ہے اگرچہ ایسی جگہ اس کا اختیار کرنے والا فاسق ہے،

فی الدرالمختار یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم[1]۔	درمختار میں ہے کہ سلطان عادل ہو یا ظالم اس کا قاضی مقرر کرنا جائز ہے اور اگر کافر ہو تو بھی جائز ہے اس کو مسکین وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ہاں اگر کافر قاضی کو حق کے فیصلوں سے منع کرے تو پھر اس کی طرف سے تقرری حرام ہوگی۔(ت)

ہاں مسلمانوں کے معاملات اور اطفال مسلمین کے ولایات میں قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے ہندو وغیرہ کفار کو مسلمان پر اصلاً ولایت نہیں ہوسکتی،

قال اللہ تعالٰی "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ؑ﴿۱۴۱﴾"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی کافروں کو مسلمانوں پر کوئی ولایت نہ دے گا۔(ت)

غرض اسلامی ریاستوں میں قاضیان ذی اختیار شرعی کا موجود ہونا واضح، اور جہاں اسلامی ریاست اصلاً نہیں وہاں اگر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے کسی مسلمان کو اپنے فصل مقدمات کے لئے مقرر کرلیا تو وہی قاضی شرعی ہے،

فی جامع الفصولین بعد مامر عنہ اولا، واما فی بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین[3] **الخ ونحوہ فیما مر معہ من الکتاب۔**	جامع الفصولین میں اولاً مذکور کے بعد ذکر کیا کہ لیکن وہ شہر جہاں کافر والی ہوں تو وہاں مسلمانوں کی رضا واتفاق سے جمعہ، عیدین کا قیام اور قاضی کا تقرر جائز ہوگا الخ اور ایسا ہی اس کے ساتھ کتاب میں بھی مذکور ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[3] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

اور اگر ایسا نہ ہو تو شہر کا عالم کہ عالم دین وفقیہ ہو اور اگر وہاں چند علماء ہیں تو جو ان سب میں زیادہ علم دین رکھتا ہو وہی حاکم شرع ووالی دین اسلام و قاضی وذوی اختیار شرعی ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے کاموں میں اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے حکم پر چلیں، یتیمان بے ولی پر وصی اس سے مقرر کرائیں نابالغان بے وصی کا نکاح اس کی رائے پر رکھیں ایسی حالت میں اس کی اطاعت من حیث العلم واجب ہونے کے علاوہ من حیث الحکم بھی واجب،

فی الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة وفی العتابی اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایة فالامور موکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیهم و یصیرون ولاة فاذا عسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بینهم وقال السمهودی وهذا من حیث انعقاد الولایة الخاصة فلاینافی وجوب طاعة العلماء مطلقاً[1] الخ۔	حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے کہ عتابی میں ہے کہ جب سلطان اسلام سے زمانہ خالی ہو تو پھر امور علماء کے سپرد ہوں گے اور وہی والی قرار پائیں گے اور امت پر لازم ہوگا کہ ان کی طرف رجوع کریں اور ایک عالم پر اجتماع سب کے لئے دشوار ہو تو ہر علاقہ اپنے اپنے علماء کی اتباع کرے، اور اگر ایک علاقہ میں علماء کثیر ہوں تو بڑے عالم کی اتباع ہوگی، تو اگر وہ سب مساوی ہوں تو ایک کو قرعہ اندازی کے ذریعہ متعین کریں۔ سمہودی نے فرمایا: یہ بیان ولایت خاصہ کے متعلق ہے تو علماء کی مطلقاً اطاعت کے وجوب کے منافی نہ ہوگا الخ۔ (ت)

رہے یہ نکاح خوانی کے قاضی جو گاؤں گاؤں مقرر ہوتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں، نہ انہیں کچھ ولایت، **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷: یکم صفر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک بھائی نے چھوٹے بھائی کی شادی کی، بعد انتقال والدین کے، اپنے پاس سے رسومات شادی میں مثل زیور اور پارچہ وغیرہ میں صرف کیا، بعدہ اولاد ہونے میں صرف کیا، اور جب اس بھائی کا انتقال ہوا تو صرف تجہیز و تکفین اور چہلم وغیرہ کا کیا، پس اس صورت میں زوجہ اور دختر کے حصہ سے کس قدر ملنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ چھوٹا بھائی وقت شادی بالغ تھا، قریب بیس برس کے عمر ہوگی، اور اس کا اپنا کچھ

---

[1] الحدیقة الندیة النوع الثالث من الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

مال نہ تھا، نہ بڑے بھائی نے مال مشترک سے اس کی شادی کا صرف کیا بلکہ خاص اپنا ذاتی مال اٹھایا اور اس صرف کی نہ چھوٹے بھائی نے درخواست کی تھی نہ بڑے نے اس سے اجازت لی، بلکہ بطور خود جیسے والدین اپنے بچوں اور ان کے نہ ہونے کی حالت میں بڑے بھائی اپنے چھوٹوں کی شادیاں کرتے ہیں شادی کردی، پس صورت مستفسرہ میں بڑا بھائی ان مصارف کو کسی سے مجرا نہیں لے سکتا،

فان من انفق فی امر غیرہ بغیر امرہ ولا مضطرا الیہ فانہ یعد متبرعا فلا یرجع بشیئ۔	کیونکہ جس نے غیر کے معاملہ میں اس کے حکم اور کسی مجبوری کے بغیر خرچ کیا تو وہ خرچہ بطور نیکی ہوگا لہٰذا اس خرچہ کی وصولی کے لئے رجوع نہ کرسکے گا۔(ت)

ہاں اگر رسم ورواج عام ظاہر سے کسی شیئ کی نسبت ثابت ہو کہ یہ چیز سامان شادی میں اس قوم میں محض بطور عاریت دی جاتی ہے دے ڈالنا مقصود نہیں ہوتا تو صرف اس شے کا استحقاق بڑے بھائی کو ہے اگر وہ شے موجود ہے لے لے اور تلف ہوگئی تو کسی سے مطالبہ نہیں کرسکتا فان العواری امانات لاتضمن الابالتعدی (کہ عاریتًا لی ہوئی چیزیں امانت ہوتی ہیں ضائع کئے بغیر ان کا ضمان نہ ہوگا۔ت) اور اگر چھوٹے بھائی یا اس کی زوجہ نے خود خرچ کردی تلف کرڈالی تو جس نے کی اس سے اس کا تاوان لے سکتا ہے، اسی طرح بھائی کے اولاد ہونے میں جو اٹھایا اس کا بھی مطالبہ کسی سے نہیں جبکہ بنظر عرف صرف احسان وسلوک منظور ہوتا ہو، اور اگر عرف سے یہ ثابت ہو کہ اس تقریب میں جو کچھ بڑا بھائی چھوٹے کے یہاں دیتا ہے وہ بطور قرض ہوتا ہے کہ جب اس کے یہاں تقریب ہو تو اسے معاوضہ دینا پڑتا ہے تو اس صورت میں وہ قرض ہے اس کا عوض ترکہ برادر سے پائے گا کما یستفاد ذٰلک من نص الفتاوی الخیریۃ (جیسا کہ فتاوٰی خیریہ کی تصریح سے یہ مستفاد ہے۔ت) اور صورت مسئولہ میں جب کہ بڑا بھائی چھوٹے کا وارث ہے کہ زوجہ ودختر کے ساتھ بھائی بھی حصہ پاتا ہے تو جو کچھ اس نے چھوٹے بھائی کے کفن ودفن بقدر سنت میں لگایا اسی قدر مجرا لے سکتا ہے اس سے زائد جو کچھ فاتحہ وسوم وچہلم میں اٹھایا وہ بھی نرا احسان تھا جسے کسی سے مجرا نہ پائے گا کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی فی فرائض حاشیۃ علی الدر المختار (جیسا کہ علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی صاحب غرہ ۲ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایام سابق میں قصبہ بڑوانی میں حاکم ہنود تھا اس کو بادشاہ اسلام نے مشرف باسلام کرکے عہدہ قضاء پر مقرر کیا تھا بعد معدود الایام کے وہ راہی سوئے جناں ہوا اس کی اولاد سے ورثہ مسلم نہ تھا اولاد ہنود اس کی اس کے قائم مقام ہوئی اور دفتر قضا بھی اس کے قبضہ میں رہا ان ایام میں

مسلمان وہاں کے مذہب سے واقف نہ تھے موافق حکم حکام ہنود نکاح ہوتا رہا اب جماعت اہل اسلام اپنا قاضی مسلم مقرر کیا چاہتی ہے، درست ہے یا کہ وہی حکام ہنود عہدہ قضاء پر قائم رہے اور چند ملازم مسلم اس کے طرفدار کس سزا کے مستحق ہیں، ان مسائل میں جو حکم مصدق بالتصدیق ہو بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہ اجمعین۔

الجواب:

شریعت مطہرہ میں مسلمانوں پر کوئی عہدہ حکومت کسی کافر کو دینا روا نہیں،

قال تعالٰی لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہر گز کافروں کو مومنین پر ولایت نہ دے گا۔ (ت)

نہ مسلمان کے نکاح بر طریقہ کفار کرنے روا ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شیطانوں کے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ (ت)

نہ مسلمانوں کو دینی کام میں کافر سے مدد لی جاسکتی ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انالا نستعین بمشرک[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے۔ (ت)

جو مسلمان اس ہندو کے طرفدار اور مددگار ہیں شرعًا مستحق تعزیر و گنہگار ہیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مومن کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں مومنین کے علاوہ۔ (ت)

ان پر اس ناجائز طرفداری سے توبہ لازم ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪"[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور عداوت میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد حدیث ۱۵۰۰۹ ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۴

[5] القرآن الکریم ۵/ ۲

مسئلہ ۳۹: از بنارس کندیگر ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب غرہ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاند محمد کے چار پسر تھے: تاج محمد، لطف اللہ، کریم اللہ، عبدالواحد۔اور ایک دختر جان بی بی۔ چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اپنے روپے سے تاج محمد کے نام نیلام میں خرید کیا، کچھ روز بعد چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اور تھوڑی سی زمین تاج محمد مذکور اور لطف اللہ پسر ثانی کے نام اپنے روپے سے خرید کیا، بوقت خرید دونوں پسر بالغ تھے، چونکہ واقعہ ستر برس کا ہے لہٰذا یہ نہیں معلوم کہ الفاظ بیع وشراء کے کس کی جانب مضاف تھے لیکن قبالہ مکان وزمین چاند محمد نے تاج محمد ولطف اللہ کے نام کیا مگر قبضہ کسی کو نہ دیا کرایہ مکان ہمیشہ آپ لیتے رہے، بعد چند سال کے تاج محمد ایک پسر فیض اللہ کو چھوڑ کر اپنے والد وبرادران وخواہر کی حیات میں قضا کیا بعدہ چاند محمد نے دونوں مکان توڑ کر مع زمین کے اس پر مکان پختہ اپنے روپے خاص سے تیار کیا، بعد ازاں لطف اللہ نے انتقال کیا، غرض دونوں پسر جن کے نام مکان زمین خرید کی گئی انتقال کرگئے، بعدہ چاند محمد کو اتفاق سفر حج کا ہوا بوقت سفر حج کریم اللہ وعبدالواحد وغیرہ نے اپنے والد سے کہا کہ فیض اللہ تو محجوب ہوگئے لیکن ان کو کچھ دینا چاہئے بوجہ کہنے پسران کے چاند محمد نے کہا کہ فلاں مکان دیا جائے، چنانچہ سادہ کاغذ پر لکھ بھی دیا لیکن قبضہ نہ دیا چونکہ کاغذ گم ہوگیا لہٰذا مجبوری ہے ورنہ اس کے مضمون سے اطلاع دی جاتی، بعد واپسی سفر حج کے چاند محمد نے فیض اللہ محجوب اور ایک اپنے پسر عبدالواحد کو لے کر مکان تحریر میں قیام کیا، بعد ازاں چاند محمد کریم اللہ وعبدالواحد وجان بی بی کو چھوڑ کر انتقال کرگیا، اس وقت مکان مذکور میں فیض اللہ محجوب اور عبدالطیف مقیم ہیں، خلاصہ سوال یہ ہے کہ فیض اللہ اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا وہ مکان پائیں گے جو ان کے نام چاند محمد نے بوقت سفر حج کے لکھا تھا یا کچھ نہ پائیں گے، اگر مکان متنازع فیہ میں سے حصہ پائیں گے تو اس قدر مالیت دی جائے گی جو ان کے والد تاج محمد کے نام خرید ہوئی تھی یا جس قدر عمارت چاند محمد نے بعد انتقال تاج محمد کے بنوائی تھی سب فیض اللہ کو مع اس زمین سابق کے ملے گی، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مجرد قبالہ کوئی حجت شرعیہ نہیں، نہ صرف اس کی بناء پر کچھ حکم ہوسکتا ہے نہ کوئی اپنا استحقاق ثابت کرسکتا ہے، فتاوٰی امام قاضی خاں واشباہ والنظائر وفتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للرملی اماالثبوت بمجرد اظهار الحجة بلا بينة شرعية فلاقائل به من ائمة الحنفية المعتمد علی	رملی کے الفاظ ہیں: محض خط کو حجت ظاہر کرنا ثبوت کے لئے بغیر گواہی کے، تو ائمہ احناف میں سے جن کے قول پر اعتماد ہے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے

قولھم لان الخط رسم مجرد خارج عن حجج الشرع الثلث التی ھی البینۃ والاقرار والنکول وھذا لاتوقف فیہ لاحد[1]۔	کیونکہ خط محض تحریر ہے جو شرعی تین دلائل سے خارج ہے شرعی دلائل گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہیں، اس میں کسی کو توقف نہیں ہے۔(ت)

خصوصًا صورت مستفسرہ کا قبالہ تو بنظر عرف غالب بھی قابل لحاظ نہیں، ایسی صورت میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ باپ بطور خود خرید کر بغرض تخفیف خرچ و ثقیل مسافت قبالہ اولاد کے نام کرادیتا ہے مقصود اولاد کو تملیک کرنا ہوتا ہے نہ کہ فضولی بن کر کوئی عقد از جانب اولاد کرنا جس کا نفاذ اجازت اولاد بائعین پر موقوف ہے **یعلم ذٰلك کل من عرف العرف الشائع بینھم** (جو آپس کے مشہور عرف کو جانتا ہے اسے یہ معلوم ہے۔ت) ولہٰذا اس عقد کے بعد بائعین کو بلاتامل تحریر قبالہ وغیرہ تکمیلات عرفیہ کرادیتے ہیں اولاد کے منتظر نہیں رہتے۔ یہ قبالہ ان کے نام کرانا بحکم عرف جانب مشتری سے دلیل تملیک وہبہ ہوتا ہے، چاند محمد کا بعد تحریر قبالات مکانات پر اپنا قبضہ رکھنا شکست وریخت بنائے عمارت پختہ وغیرہا تصرفات مالکانہ کرتے رہنا فیض اللہ کو محجوب الارث مان کر اس کے لئے کسی جائداد لکھنے کی ذکر کرنا یہ سب معاملات دلیل واضح ہیں کہ وہ خریداریاں چاند محمد نے اسی عرف غالب کے طور پر کی تھیں اور از انجا کہ تاج محمد و لطف اللہ پیش از قبضہ مکانات انتقال کر گئے وہ ہبہ عرفی باطل ہوگیا اور مکانات بدستور ملک چاند محمد پر رہے اگر بعقد شرعی اس کی ملک میں آگئے تھے، ورنہ اکثر یہ نیلام کہ ڈگریوں میں ہوا کرتے ہیں ہرگز بیع نافذ شرعی نہیں، نہ ان کے سبب وہ شے ملک مشتری میں داخل ہو جب تک اصل مالک اس بیع کو جائز ونافذ نہ کریں **کما بیناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰینا** (جیسا کہ اس کو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیھا موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[2] اھ ملتقطا۔	عقد کرنے والے دونوں فریقوں میں سے ایک کی موت ہبہ میں رجوع کے لئے مانع ہے جب ہبہ پر قبضہ کے بعد موت واقع ہوئی ہو اور اگر قبضہ سے قبل موت واقع ہوئی تو ہبہ باطل ہوجائیگا اھ ملتقطا (ت)

پس فیض اللہ کا اس مکان میں اصلًا حق نہیں، ہاں اگر شہادت مقبولہ شرعیہ سے ثابت کرتا کہ خاص عقد بیع بنام تاج محمد واقع ہوا چاند محمد اس ایجاب وقبول میں محض فضولی تھا، پھر تاج محمد نے اس شراء فضولی کو جائز

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی ۲/ ۱۲، باب خلل المحاضر والسجلات ۲/ ۱۹، کتاب الوقف ۱/ ۲۰۳ و ۲۲۸، کتاب الدعوی ۲/ ۷۴ اشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشھادۃ ۱/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

کیااور مالک مکان ہوا تو البتہ جو مکان ملک تاج محمد تھااس سے بقدر اپنے سہم شرعی کے فیض اللہ کو ملتااور اس کے عملہ قدیم کا تاوان بھی بقدر اپنے حصہ کے ترکہ چاند محمد سے پاتا جسے اس نے توڑڈالا تھا، مگر یہ عمارت پختہ کہ چاند محمد نے اپنے روپے سے بنائی اس میں فیض اللہ کا یوں بھی حق نہ ہوتا جب تک شہادت شرعیہ سے ثابت نہ کرتا کہ یہ تعمیر چاند محمد نے بطور خود تاج محمد ہی کے لئے بنائی یا تاج محمد نے اس سے درخواست کرکے بنوائی،

فی الدرعمردار زوجته بماله باذنها فالعمارة لها و النفقة دین علیها ولو لنفسه بلااذنها فالعمارة له ولها بلااذنها فالعمارة لهاوھو متطوع فی البناء، ولو اختلفا فی الاذن وعدمه ولابینة فالقول لمنکره بیمینه، وفی ان العمارة لها اوله فالقول له[1] اھ ملخصًا۔	در میں ہے اگر خاوند نے اپنے مال سے بیوی کا مکان تعمیر کیا اگر بیوی کی اجازت سے کیا تو مکان بیوی کا ہوگا خرچہ بیوی پر قرض ہوگا اور اگر بیوی کی اجازت کے بغیر اپنے لئے تعمیر کیا تو عمارت خاوند کی ہوگی، اگر بیوی کے لئے اس کی اجازت کے بغیر بنایا تو عمارت بیوی کی ہوگی اور تعمیر خاوند کی طرف سے مفت ہوگی، اور اگر اذن اور عدم اذن دونوں کا اختلاف ہو اور گواہی نہ ہو تو منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اور عمارت کی ملکیت میں اختلاف ہو کہ بیوی کا ہے یا خاوند کا ہے تو خاوند کا قول معتبر ہوگا اھ ملخصًا (ت)

یوں ہی وہ مکان کہ وقت سفر حج چاند محمد نے فیض اللہ کو دیا اور قبضہ دینے سے پہلے انتقال کیا اس میں بھی فیض اللہ کا کوئی حق نہ رہا،

لما علمت ان موت احدھما قبل القبض یبطل الھبة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ قبضہ سے قبل ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۰ تا ۴۱:　۱۵ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کہتی ہے کہ میرا مہر پانسو روپیہ تھا اور گواہ کہتے ہیں کہ نکاح تو ہمارے سامنے ہوا لیکن مہر یاد نہیں تو ہندہ کو کس قدر مہر بموجب شرع شریف کے ملنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

(۲) ہندہ کہتی ہے کہ مہر میرا مبلغ پانسو روپیہ کا تھا اور گواہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے مہر پانسو روپے کا باندھا گیا تھا اور ہم گواہ تھے لیکن مجوزان گواہوں پر اطمینان نہیں کرتے ہیں تو بموجب شرع شریف کے کس قدر مہر ہونا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

---

[1] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

الجواب:

(۱) اگر یہ پانسو روپے ہندہ کا مہر مثل یا مہر مثل سے کم ہے تو پورے پانسو دلائے جائیں گے گواہوں کی کچھ حاجت نہیں، اور اگر زیادہ ہے تو جتنا مہر مثل ہے اس قدر ضرور دلایا جائے، باقی زیادتی بے شہادت شرعی یا بے قبول زوج کے نہ دلائیں گے، فتاوٰی قاضیخان وعالمگیری میں ہے:

ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مھر مثلھا یدفع ذلك الیھا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر نکاح مشہور ومعروف ہے تو مہر مثل تک بیوی کا دعوٰی قبول ہوگا اور اسے دے دیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) اگر وہ گواہ شرعًا قابل اطمینان نہیں تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اس صورت میں مہر مثل تک ہندہ کی بات بے گواہ مان لی جائے گی اس سے زیادتی مقبول نہ ہوگی جب تک شوہر یا اس کے وارث تسلیم نہ کریں یا عورت گواہان شرعی سے ثبوت نہ دے۔

مسئلہ ۴۲ تا ۴۳: از الہ آباد محلّہ دوندے پور مکان صوبہ دار مرحوم مرسلہ مولوی محمد عبیداللہ صاحب ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

جامع الکمالات العلمیہ والعملیۃ حاوی الفنون الاصلیۃ والفرعیۃ مخدوعی المعظم ومطاع مفخم والاشان جناب مولوی کا احمد رضا خان صاحب دام مجدہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ استفتاء پنجاب سے آیا ہے اصل مستفتی صاحب ذی علم کی عبارت بعینہا درج استفتاء ہے۔

سوال اول: چہ میفرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے روبروئے چند اشخاص اقرار نمود کہ باوالدہ منکوحہ خود زنا نمودم بعد از چہار پنج ماہ مثلًا منکوحہ خود را درخانہ خود آورد وآباد شد ندگرفت مرد مان طعن کردند از اقرار سابق رجوع نمود حکومت ایں امر پیش عالم شہر برد شہود براقرار ش بحضور آں پیش قاضی شہادت ادانمودند عالم موصوف بموجب شہادت حکم بحرمت آں منکوحہ کرد، براں حکم راضی شدہ ہموں وقت	**سوال اول:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے چند اشخاص کے روبرو یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنی منکوحہ کی والدہ سے زنا کیا ہے، اس کے چند ماہ بعد وہ اپنی منکوحہ کو اپنے گھر لایا اور آباد کرلیا، لوگوں نے اس پر طعن کیا تو وہ اپنے سابقہ اقرار سے پھر گیا، یہ فیصلہ شہر کے عالم کے پاس گیا تو گواہوں نے اس کے اقرار پر قاضی کے سامنے شہادت دی تو عالم مذکور نے بموجب شہادت اس پر منکوحہ کے حرام ہونے کا حکم دیا

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

زوجہ خود را والد آں نمود واز خانہ بیروں کرد آیا در صورت مزبورہ منکوحہ برآں مقر حرام میشود یانہ وبعد گزشتن عدت نکاحش با شخص دیگر جائز یانہ؟ **بینوا توجروا**۔	تو وہ شخص اس حکم پر راضی ہوگیا اسی وقت اس نے زوجہ کو اس کے والد کے حوالے کردیا اور اپنے گھر سے نکال دیا، کیا مذکورہ صورت میں اقرار کرنے والے پر اس کی بیوی حرام ہوگئی ہے یانہیں؟ اور عدت گزارنے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یانہیں **بینوا توجروا**۔(ت)

سوال دوم: ایک اور مسئلہ بھی جناب محرر تحریر دام مجدہم نے جناب والا سے دریافت فرمایا ہے اس کے سوال کو بھی انہیں کی عبارت سے عرض کرتا ہوں:

"مسئلہ دیگر از فاضل علامہ بریلوی دام فیضہم پرسش فرمایند کہ حاکمان وقت کہ مقدمہ برضائے فریقین حوالہ عالمے مے نمایند واز اں عالم استدعائے فیصلہ مے نمایند عالم موصوف دراں مقدمہ حکم قاضی دارد یا حکم ست واگر فریقین یاکہ یک فریق بلا امر حاکم آنرا معزول کند معزول می شود کہ بسبب حوالہ کردن حاکم وقت حکم قاضی گرفت بغیر عزل حاکم معزول نمی گردد بتفصیل جواب ایں سوالات از علامہ موصوف استدعا کنند"۔**انتہت بالفاظہا**۔	"دوسرا مسئلہ علامہ فاضل بریلوی دام فیضہم سے پوچھیں کہ حاکمان وقت نے فریقین کی رضامندی سے مقدمہ ایک عالم کے سپرد کیا اور اس سے فیصلہ طلب کیا، تو عالم مذکور کو اس مقدمہ میں قاضی کی حیثیت حاصل ہوگی یا ثالث کی اور اگر دونوں یا ایک فریق حاکم کی اجازت کے بغیر اس کو معزول کردیں تو وہ معزول قرار پائے گا یا حاکم وقت کے سپرد کرنے کی وجہ سے اس کا حکم قاضی والا ہوگا کہ حاکم کے معزول کئے بغیر معزول نہ ہوگا، اس سوال کا جواب علامہ صاحب سے بالتفصیل حاصل کریں"۔سائل کے الفاظ ختم۔(ت)

الجواب:

(۱) سائل فاضل بعد استکشاف وانمودند کہ مراد بقاضی مذکور فی السوال ہماں عالم ست غیر او عالمے جید دراں بلدہ نیست اہالی بلدہ وقت حاجت بمرضی خود رجوع باومی نمایند آں اعلم اہل بلد گاہے فیصلہ نزاع مے نماید وگاہے جواب می دہد قاضی شرع آنجا کسے نیست مردمان شہر	وضاحت طلب کرنے کے بعد سائل نے یہ ظاہر کیا ہے کہ سوال میں مذکور قاضی سے مراد عالم ہے جس سے بڑا کوئی عالم شہر میں نہیں ہے شہر والے لوگ اپنی ضروریات پر اپنی مرضی سے اس عالم سے رجوع کرتے ہیں تو شہر کا یہ بڑا عالم کبھی تنازع میں فیصلہ سناتا ہے اور کبھی جواب دے دیتا ہے، اس شہر میں کوئی قاضی شرع

کہ شخصے مذکور روبروئے ایشاں چندیں بار بمجالس متفرقہ اقرار زنا بمادر زنش کردو بازرہ انکار وجحود اقرار نورد حسب معمول ماجراپیش عالم موصوف بردند وتصفیہ ایں امر باستماع شہود خواستند آں کس نیز پیش عالم رفتہ گفت کہ ایناں بر من دروغ بستہ اند گاہے اقرار ایں کار نہ کردہ ام ازروئے شرع شریف فیصلہ ایں امر فرمایند اگر اقرار من بموجب شریعت ثابت شود زوجہ مراازمن تفریق نمایند عالم موصوف باستدعائے اہالی بلد وآں مقر شہود راطلب نمود اقرار پیش مردمان بسیار کردہ بود مگر چار اشخاص راکہ نزداو معتبر بودند پیش خواند گواہان نزد عالم بحضورآں مقر بغیبت زنش ادائے شہادت کردند، بعد ثبوت عالم بثبوت اقرار زنا حرمت زن حکم کرد مقر را فرمود کہ زن را فی الحال حوالہ والدش کن والد منکوحہ بمجلس حکم حاضر بود مقر تسلیم نمود وگفت اینک ہمچناں کنم مجلس برخاست مقر ہموں وقت زن راحوالہ پدرش نمود زوجہ رادریں باب دخلے نہ بود محض زوج واہالی بلدہ درخواست ایں فیصلہ نمودند لکن زوجہ بریں قضاوحکم راضی گشت انتہی ودرسوال افزودند کہ اگر زن رادریں صورت بشخصے دیگر نکاح رواست بسبب تفریق عالم ست یا بسبب حوالت کردن زوج ومحکم رااختیار تفریق مثل قاضی ہست یانے انتہی، درصورت مستفسرہ کہ بلاد بوجہ استیلائے نامسلمانان از قاضی شرع خالی ست اگر ہمہ از تصریح علماء کرام کہ در ہیچو مقام

نہیں ہے وہ لوگ جن کے روبرو مذکور شخص نے مختلف مجلسوں میں متعدد بار اپنی منکوحہ کی والدہ سے زنا کا اقرار کیا بعد ازاں اس نے اپنے اقرار سے انکار کیا تو ان لوگوں نے حسب معمول ماجراعالم موصوف کے ہاں پیش کیا اور گواہوں کی شہادت پر اس ماجرا کا فیصلہ طلب کیا اور وہ مذکور شخص بھی عالم کے پاس گیا اور کہا کہ ان لوگوں نے مجھ پر افتراء باندھا ہے میں نے اس کام کا اقرار نہیں کیا لہٰذا آپ ازروئے شرع شریف اس معاملہ کا فیصلہ فرمادیں اگر بموجب شرع میرا اقرار ثابت ہوجائے تو میری بیوی کو مجھ سے جدا کردیں، تو عالم موصوف نے شہر والوں اور اس اقرار کرنے کے مطالبہ پر گواہ طلب کئے اگرچہ متعدد لوگوں کے سامنے اس نے اقرار کیا ہے مگر صرف چار گواہ جو عالم مذکور کے نزدیک معتبر تھے طلب کئے اور گواہوں نے اقرار کرنے والے کی موجودگی اور اس کی بیوی کی غیر موجودگی میں گواہی دی تو عالم مذکور نے اقرار کے ثابت ہوجانے پر اس شخص پر اس کی بیوی کے حرام ہونے کا فیصلہ فرمایا، اور مقر کو حکم دیا کہ عورت کو فوراً اس کے والد کے حوالے کردو جبکہ منکوحہ کا والد فیصلہ کی مجلس میں موجود تھا، مقر نے اس فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ میں ایسے ہی کروں گا، مجلس ختم ہوگئی، اور مقر نے اسی وقت عورت کو اس کے والد کے سپرد کردیا، عورت کا اس میں کوئی دخل نہ ہوا، اور محض شہر والوں اور خاوند کی درخواست پر یہ فیصلہ ہوا، لیکن بیوی نے اس فیصلہ کو راضی خوشی قبول کیا، وضاحت ختم ہوئی،

عالم دین کہ اعلم اہل بلد باشد قاضی و والی شرع میشود،فی النوع الثالث من الفصل الثانی من الباب الثانی من الحدیقۃ الندیۃ الطریقۃ المحمدیۃ للعلامۃ العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی عن الفتاوی العتابیۃ للامام الاجل ابی نصر احمد بن محمد بن عمر البخاری العتابی المتوفی ۵۸۶ھ اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیہم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعہم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثر وافالمتبع اعلمہم فان استووااقرع بینہم[1] الخ، قطع نظر کنیم تارجوع مسلمین بلد بسوئے او در خصومات وترافع باودر قضا باو رضا بحکمش در فیصلہا	سوال میں انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے اگر اس صورت میں عورت کو دوسرے شخص سے نکاح جائز ہو تو یہ جواز عالم کی تفریق سے ہوگا یا خاوند کی طرف سے بیوی کو اس کے والد کے سپرد کرنے کی وجہ سے ہوگا،اور کیا ثالث کو قاضی کی طرح تفریق کا اختیار ہے یا نہیں(اضافہ ختم ہوا) مسئولہ صورت میں حکم یہ ہے کہ جو علاقے کفار کے غلبے کی وجہ سے قاضی سے خالی ہوں تمام علماء کرام کی تصریح کے مطابق ایسے مقامات میں جو شہر کا بڑا عالم ہو وہ قاضی قرار پاتا ہے اور شرعًا والی بن جاتا ہے، طریقہ محمدیہ کی شرح حدیقہ ندیہ کی نوع ثالث کے باب ثانی کی فصل ثانی مصنفہ علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی (قدس سرہ القدسی) میں فتاوٰی عتابیہ مصنفہ امام اجل ابو نصر احمد بن محمد بن عمر بخاری عتابی متوفی ۵۸۶ھ کے حوالے سے منقول ہے کہ جب زمانہ شرعی سلطان سے خالی ہو تو امور علماء کے سپرد ہو جاتے ہیں اور امت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان علماء کی طرف رجوع کرے اور یہ علماء والی بن جاتے ہیں تو جب تمام لوگوں کا ایک عالم پر اجتماع دشوار ہے تو ہر علاقہ اپنے علماء کی اتباع کرے اور اگر علاقہ میں علماء کثیر ہوں تو پھر سب سے بڑے عالم کی اتباع ہوگی اور اگر سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی سے متعین کیا جائے الخ،اس سے قطع نظر شہر کے مسلمانوں کا اپنے تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرکے فیصلے لینا اور اسکے فیصلوں کو

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث من الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

برائے قضائے شرعی او بسند ست کہ بہمچو حالت تراضی مسلمین نائب مناب تقلید وتولیہ سلطان دین ست فی جمعۃ ردالمحتار عن معراج الدرایۃ عن المبسوط لوالولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ[1]۔ وفی قضائہ عن التتارخانیۃ امابلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ قال وعزاہ مسکین فی شرحہ الی الاصل ونحوہ فی جامع الفصولین[2] اھ ای فی الفصل الاول منہ مثلہ بحروفہ وعنہ نقل فی البحر و اینجا شہادت شنودن وحکم نمودن را ہیچ حاجت بتقدیم دعوی از جانب زن نبود زیرا کہ حرمت فرج از حقوق رب العزۃ عزوعلا است و اثبات مصاہرت ازابواب شہادت حسبہ فی وقف ردالمحتار تحت قولہ والذی تقبل فیہ الشہادۃ حسبۃ بدون الدعوی اربعۃ عشرۃ مانصہ وھی الوقف

رضامندی سے قبول کرنا یہ بھی اس عالم کی شرعی قضاء کے لئے خود سند ہے کیونکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کا متفق ہونا سرکاری ولایت اور تقرری کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ رد المحتار کے جمعہ کے باب میں معراج الدرایہ سے بحوالہ مبسوط منقول ہے اگر والی کافر ہوں تو مسلمانوں کو جمعہ کا قیام اور قاضی کا تقرر جائز ہے وہ مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوجاتا ہے اھ، اسی کے باب القضاء میں تاتارخانیہ سے منقول ہے وہ علاقے جن پر کفار والی ہیں وہاں مسلمانوں کو جمعہ، عیدین قائم کرنا جائز ہے اور ان کا باہمی رضامندی سے مقرر کردہ قاضی، قاضی قرار پائے گا، فرمایا اس کو مسکین نے اپنی شرح میں مبسوط کی طرف منسوب کیا ہے، اور جامع الفصولین میں بھی اس طرح ہے یعنی اس کی پہلی فصل میں انہی حروف کے ساتھ ایسے مذکور ہے اور اسی سے بحر میں منقول ہے، یہاں شہادت کی سماعت اور فیصلہ کرنے کے لئے عورت کی طرف سے دعوی کی حاجت نہیں ہے کیونکہ شرمگاہ کی حرمت حقوق اللہ میں سے ہے اور حرمت مصاہرت کا اثبات شہادت حسبہ (یعنی حقوق اللہ کے تحفظ کے لئے) کے باب سے ہے، ردالمحتار کے باب الوقف میں ماتن کے قول، وہ مقام جہاں حسبہ شہادت بغیر دعوی قبول ہوتی ہے وہ چودہ مقام ہیں، اس کی عبارت یوں ہے، وہ مقام،

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۰۔۵۴۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

وطلاق الزوجة(الیٰ قوله)وحرمة المصاهرة[1] الخ پس حکم تفریق کہ از عالم مذکور صادر شد قضائے شرعی تام ونافذ وواجب الاتباع ست از ہموں وقت مدت عدت بشمار آید واگر ازیں ہم در گزریم وحضور پدرزن نیز از جانب اوبروجہ وکالت فی الخصومۃ درخواست حکم نبودہ باشد تاتبرافع خصمین معنی تحکیم پدید آمدے واورااختیار تفریق ہمچو قاضی بحکم تحکیم حاصل شدے فان الحکم له الحکم فی کل مالیس بحد ولا قود ولادیة علی عاقلة فی التنویر حکما رجلا فحکم بینهما ببینة اواقرار اونکول صح لوفی غیرحد وقود ودیة علی عاقلة[2]، ونیز زن را از خانہ برآوردن وحوالت بہ پدرش کردن کہ از زوج صادر شد ایں راہم بجائے متارکہ نتہیم جائیکہ زن مدخولہ باشد وشوئے چیزے از الفاظ متارکہ برزبان نیاورد ہمچناں دستش گرفتہ بدست پدر داد بناء علی ظاهر مافی البحر وغیرہ واللفظ له لاتحقق للمتارکة الابالقول ان کانت مدخولا بها کقوله تارکتك اوتارکتها اوخلیت سبیلک،

وقف، طلاق زوجہ، اسکے قول، حرمت مصاہرت الخ، تو عالم مذکور کا حکم تفریق شرعی قضا کے طور تام اور نافذ اور واجب الاتباع ہے اور اسی وقت سے عدت شمار ہوگی، اگر ہم اس حیثیت کو درگزر بھی کرلیں تو عورت کی طرف سے اس کے والد کا بطور وکیل مقدمہ حاضر ہونا بھی فیصلہ کا مطالبہ قرار پاکر دونوں فریقوں کی طرف سے مقدمہ کی پیشی سے عالم مذکور کے لئے ثالثی کا حکم ظاہر کرتا ہے جس سے بحیثیت ثالث قاضی کی طرح اس کو تفریق کے فیصلہ کا اختیار حاصل ہوتا ہے کیونکہ ثالث کو حدود، قصاص، دیت کے ماسوا فیصلہ کرنا جائز ہے۔ تنویر میں ہے کہ دونوں فریقوں نے ایک شخص کو ثالث بنایا تو اس نے گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار کی بناء پر فیصلہ کیا تو صحیح ہے بشرطیکہ حدود، قصاص اور عاقلہ پر دیت کا معاملہ نہ ہو اھ۔ نیز بیوی کو گھر سے نکال کر اس کے باپ کے سپرد کرنا خاوند کا یہ عمل متارکہ کے قائم مقام ہوسکتا ہے جہاں پر بیوی مدخولہ ہو اور خاوند نے متارکہ کا لفظ زبان سے ادا نہ کیا ہو، اور یوں ہی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے والد کے سپرد اس کو کردیا ہو، بحر وغیرہ کے ظاہر بیان کے مطابق۔ بحر کے الفاظ ہیں کہ متارکہ کا تحقق خاوند کے قول کے بغیر نہ ہوگا جبکہ بیوی مدخولہ ہو، مثلاً قول یوں ہو کہ میں نے تجھے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

اوخلیت سبیلها اوخلیتها [1] الخ وان کان لایبعدان یقوم الفعل الدال علیه مقام القول وانما المراد نفی التحقق بمجرد الترك علی عزم ان لایعود کما یستبین بمقابلته به تاہم گفتن زوج مر عالم راکہ اگر اقرار من ثبوت یابد زن مرا از من جداکن توکیل بتفریق ست وتوکیل تعلیق رامے پذیرد فی بیوع ردالمحتار عن البزازیة تعلیق الوکالة بالشرط جائز [2]، پس تفریق عالم بحکم توکیل متارکہ از جانب شوئے شدو حکم فرقت وعدت وملک نفس بعد ازاں بروئے کار آمد واگر ازیں جملہ وجوہ پنجگانہ دامن نظر برچنیم وہمچناں گیریم کہ عالم بے قضاوبے تحکیم وبے توکیل برستم فضولی حکم تفریق نمودہ است نیز رنگ نفاذ یافت زیراکہ حکم فضولی نزد ما باطل نیست بلکہ بر تنفیذ متخاصمین موقوف ایجاکہ زن وشوہر ہر دو براں حکم راضی شدند وبراں بستہ تنفیذش کردند بنفاذ انجامید وتسلیم لاحق ہمچو تحکیم سابق گردید کما نص علیه فی ردالمحتار	چھوڑا، یا اس کو چھوڑا، یا میں نے تیرا راستہ کھول دیا، یا اس کا راستہ کھول دیا، کہے، الخ۔ اور اگر کوئی ایسا فعل جو قول کے قائم مقام بن سکتا ہو تو اس فعل کو قول پر دال قرار دینا بعید نہیں ہے۔ بحر کے قول میں صرف دوبارہ عود نہ کرنے کے عزم کے طور پر بیوی کو ترک کرنے پر متارکہ کا عدم تحقق مراد ہے جیسا کہ مقابلہ کے طور پر اس کو ذکر کرنے سے ظاہر ہو رہا ہے، تاہم خاوند کا عالم مذکور کو یہ کہنا اگر میرے اقرار کا ثبوت ہوجائے تو میری بیوی کو مجھ سے جدا کردو، یہ عالم کو اپنی طرف تفریق کا وکیل بنانا ہے جبکہ توکیل میں تعلیق ہوسکتی ہے، ردالمحتار کے بیوع کے باب میں بزازیہ سے منقول کہ توکیل کو کسی شرط سے معلق کرنا جائز ہے، پس اس صورت میں عالم کا تفریق کرنا خاوند کی طرف سے اس کو متارکہ کی توکیل کی بناء پر ہے، اس تفریق پر حکم فرقت، عدت اور بیوی کا خود مختار ہونا، مرتب ہو کر نافذ ہوا ہے، اگر ہم پانچ مذکورہ وجوہ سے صرف نظر کر بھی لیں (یہ قرار دیں کہ عالم مذکور نے بغیر قضاء، بغیر تحکیم (ثالثی) اور بغیر توکیل یہ تفریق کی ہے اور بطور فضولی یہ کارروائی کی ہے، تب بھی یہ تفریق نافذ ہوجائے گی کیونکہ ہمارے نزدیک فضولی کا عمل باطل قرار نہیں پاتا بلکہ فریقین کی تنفیذ پر موقوف رہتا ہے جبکہ یہاں مرد اور عورت دونوں نے

[1] بحر الرائق کتاب النکاح باب المهر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۷۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۰

عن الطحطاوی عن الھندیۃ عن المحیط، وفی البحر لو حکم بغیر رضاھمالم یجز الاان یجیزا بعد الحکم اھ[1] مختصرا وفیہ عن المحیط لوامر القاضی رجلا ان یحکم بین رجلین لم یجز اذالم یکن ماذونا بالاستخلاف الاان یجیزہ القاضی بعد الحکم اویتراضی علیہ الخصمان[2] اھ۔ **بالجملہ کیفما کان** فرقت میان ایں زن و شو حاصل شد و در فتوائے سابقہ روشن کردہ ایم کہ اقرار زنا بمادر زن مثبت حرمت مصاہرت ست واصرار برآں نامشروط ورجوع ازاں نامقبول پس بعد عدت عناں زن ھم بدست زن باشد جزیں کس باہر کہ خواہد عقد زنا شوئی بندد۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	اس عالم کے عمل پر رضامندی ظاہر کردی ہے اور اس کے عمل کے نفاذ کو پختہ کردیا تو وہ عمل نافذ ہوگیا اگرچہ عالم کے عمل کے بعد راضی ہوئے لیکن بعد کا تسلیم کرنا بھی تحکیم سابق کی طرح ہے یعنی گویا انہوں نے اس کو پہلے ثالث بنایا اور تسلیم کرلیا جسا کہ اس پر ردالمحتار میں طحطاوی سے بحوالہ ہندیہ تصریح منقول ہے کہ محیط میں ایسے ہے۔ اور بحر میں ہے اگر کسی نے فریقین کی اجازت کے بغیر ثالثی فیصلہ دیا تو جائز نہ ہوگا الایہ کہ فریقین فیصلہ کے بعد اس کو تسلیم کرلیں اھ مختصرا۔ اور اسی میں محیط سے منقول ہے اگر قاضی نے کسی شخص کو فریقین میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا تو قاضی کا حکم جائز نہ ہوگا بشرطیکہ قاضی کو اپنا خلیفہ بنانے کی اجازت نہ ہو، مگر اس صورت میں کہ اس شخص کے فیصلہ کے بعد قاضی اس کی توثیق کردے یا فریقین اس شخص کے فیصلہ کو باہمی رضامندی سے تسلیم کرلیں، تو وہ فیصلہ نافذ ہوجائیگا اھ، **خلاصہ** یہ کہ اس مرد و عورت کے درمیان متارکہ اور فرقت ہوچکی ہے، اور پہلے ہم اپنے فتوٰی میں واضح کرچکے ہیں کہ اپنی بیوی کی والدہ سے زنا کے اقرار سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوجاتی ہے اور یہ کہ حرمت کے لئے اس اقرار پر اصرار کرنا شرط نہیں ہے اور اس اقرار سے رجوع بھی صحیح نہیں ہے، پس عدت گزر جانے کے بعد یہ عورت خود مختار ہے وہ اس مرد کے سوا جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] بحرالرائق کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۹

[2] بحرالرائق بحوالہ محیط کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۵

(۲) والیے کہ تفویض خصومتے بعالمے مستجمع شرائط صلوح للقضاء کند اگر او خود مسلمان ست ہمچو نوابان ریاستہائے اسلامیہ اگرچہ زیر دست سلطان کافر باشد سپردنش بلاریب معتبر بود وعالم درخصوص آں خصومت مثل قاضی شدہ کہ بعزل ہیچ یک از فریقین از قضا نرود زیرا کہ والی راچوں اختیار تقلید قضادرجملہ امورست در امرے خاص بالاولٰی باشد والقضاء ممایختص بکل ما خصه المقلد کما نصوا علیه وفی جامع الفصولین والبحر والتتارخانیة والمبسوط والمعراج وغیرہا کل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه (ولفظ الاخیر من یجوز له[1]) اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم[2] اھ وفی البحر عن المحیط الامام الذی استعمل القاضی امر رجلا ممن یجوز شهادته ان یحکم بین رجلین وھو

(۲) قضا کی اہلیت والی شرط کا جامع عالم ہو تو اس کو کسی والی نے کوئی مقدمہ سپرد کیا ہو اگر وہ والی خود مسلمان ہے جیسا کہ اسلامی ریاستوں کے نواب حضرات اگرچہ وہ کافر سلطان کے ماتحت ہیں تو یہ سپرد داری بلاشک معتبر ہوگی، اور اس خاص مقدمہ میں وہ عالم قاضی کی مثل ہوگا کہ فریقین میں سے کسی کے معزول کرنے سے وہ معزول نہ ہوگا کیونکہ جب ایسے والی کو جملہ اختیار والے قاضی کی تقرری کا اختیار ہے تو خاص ایک اختیار والے قاضی کی تقرری کا اختیار بطریق اولٰی ہوگا اور قضاء ان امور میں سے ہے کہ تقرری کرنے والے کی تخصیص کی وجہ سے خاص ہوجاتی ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے۔ جامع الفصولین، بحر، تاتارخانیہ، مبسوط اور معراج وغیرہ میں ہے وہ تمام شہر جن میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہوں وہاں اقامت جمعہ، عیدین، خراج کی وصولی، قاضیوں کا تقرر اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کرنا جائز ہے، آخری کے الفاظ میں (جن کو جائز ہے) کیونکہ ان پر مسلمان والی ہے اھ، بحر میں محیط سے منقول ہے کہ جو امام قاضی کی تقرری کرتا ہے وہ ایسے شخص کو فیصلہ کرنے کا حکم دے جو شہادت کی اہلیت رکھتا ہو تو جائز ہوگا اور وہ شخص

---

[1] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۰

[2] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴، بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۲

بمنزلة القاضی المولی اھ[1] واگر مفوض کافرست مفوض الیہ بتفویض او برمذہب معتمد مؤید بدلائل شرعیہ وقواعد ملیہ قاضی نشود ووجھه **اقول**:ان الکافر لایلی فکیف یولی قال تعالٰی "لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا" [2]،المولی بالفتح انما یستفید نفاذ القول من المولی بالکسر قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح اذالم یکن سلطان ولامن یجوز التقلد منه کما ھو فی بلاد المسلمین غلب علیھم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الاٰن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منھم[3] اھ مختصرا،قال فی النھر ھذا ھو الذی تطمئن النفس الیه فلیعتمد[4] اھ قال الشامی الاشارة بقوله وھذا الٰی ماافادہ کلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من کافر[5] الخ **اقول**:	قاضی کے قائم مقام ہوگا اھ،اور اگر تقرر کرنے والا خود کافر ہوتو شرعی دلائل اور دینی قواعد سے مؤید قول کے مطابق مقرر کردہ شخص قاضی نہ ہوگا،میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر خود مسلمانوں کا ولی نہیں تو دوسرے کو کیسے ولی بناسکتا ہے،اللہ تعالٰی نے فرمایا:اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر راہ نہ دے گا۔مولٰی(فتح کے ساتھ)کے قول کا نفاذ مولی(کسرہ کے ساتھ)سے مستفاد ہوتا ہے۔محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا جب مسلمانوں کا نہ کوئی سلطان ہو نہ ہی کوئی ایسا والی جو قاضیوں کا تقرر کرسکے جیسا کہ مسلمانوں کے بعض علاقوں پر کفار کا غلبہ مغرب میں ہوا ہے مثلاً قرطبہ آج کل،تو مسلمانوں پر وہاں واجب ہے کہ وہ اپنے اتفاق سے کسی ایک پر راضی ہوجائیں اھ مختصراً۔نہر میں فرمایا:اسی پر طبیعت مطمئن ہے لہٰذا اسی پر اعتماد چاہئے اھ،علامہ شامی نے فرمایا:ھذا کے ساتھ ان کا اشارہ فتح کے اس کلام کی طرف ہے جس میں کافر کی طرف سے تقرری قضا کو نادرست کہا گیا ہے الخ۔**میں کہتا ہوں** کہ پہلے

[1] بحر الرائق کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵

[4] ردالمحتار بحوالہ نہر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[5] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

ویؤیده ماقد منافی مسألة الاولی عن المبسوط والمعراج وجامع الفصولین وغیرہا ثم رأیت العلامة البحرایده به فی البحرحیث قال بعد نقل کلام الکمال ویؤیده مافی جامع الفصولین[1] الخ. وظاهراً حکم نیز نشود اگر رفتن متخاصمین پیش او ہمیں بربنائے تفویض حاکم ست قال فی ردالمحتار فی البحر عن البزازیة قال بعض علمائنا اکثر قضاة عهد نافی بلادنا مصالحون لانهم تقلدواالقضاء بالرشوة ویجوز ان یجعل حاکما بترافع القضیة واعترض بان الرفع لیس علی وجه التحکیم بل علی اعتقاد انه ماضی الحکم الاتری ان البیع ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمه بیع باطل او فاسد وترتب علیه التعاطی لاینعقد البیع لکونه ترتب علی سبب اٰخر فکذاهنا[2] اھ باختصار آرے اگر خصمین برضائے خود	مسئلہ میں ہم نے جو مبسوط، معراج، جامع الفصولین وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے پھر میں نے علامہ بحر کو اسی سے اس کی تائید بحر میں کرتے ہوئے دیکھا جہاں انہوں نے کمال کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جامع الفصولین کا بیان اس کی تائید کررہا ہے الخ۔ ظاہر یہ ہے کہ کافر کا مقرر کردہ قاضی ثالث بھی نہیں بن سکتا بشرطیکہ فریقین اس نظریہ سے اس کے ہاں پیش ہوں کہ یہ حاکم کا مقرر کردہ ہے، ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں بزازیہ سے منقول ہے کہ ہمارے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر قاضی ثالث ہیں کیونکہ انہوں نے رشوت سے قضاء حاصل کی ہے تو قاضی نہ ہوئے، تاہم اگر مقدمہ پیش ہو تو وہ ثالث کی حیثیت سے فیصلہ کرسکتے ہیں، اس پر اعتراض ہوا کہ ان کے ہاں مقدمہ بطور ثالث پیش نہیں ہوا بلکہ فریقین نے اس اعتقاد پر پیش کیا کہ وہ قاضی نافذ الحکم ہے، تو یہ فیصلہ درست نہ ہوگا، کیا دیکھتے نہیں کہ ابتداء بیع لین دین سے منعقد ہوجاتی ہے لیکن وہی بیع پہلے باطل یا فاسد ہوچکی ہو تو اب لین دین کے تبادلہ سے وہ بیع منعقد نہ ہوگی کیونکہ یہ دستی لین دین کا تبادلہ اب پہلے فاسد سبب پر مرتب ہے (تو یہاں بھی اگرچہ ابتداء ثالث ہوسکتا تھا لیکن اب فاسد عمل پر مرتب ہونے کی وجہ سے وہ ثالث قرار نہ پائیگا)

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۴

[2] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۸۔۳۴۷

سوئے او ترافع کنند حکم می شود وپیش از حکم بعزل ہر یکے متعزل گردد کما ھو حکم الحکم وھو ظاہر .واللّٰہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔	اھ مختصراً۔ہاں اگر فریقین اپنی مرضی سے ثالث سمجھ کر اس کے ہاں پیشی کریں تو وہ ثالث ہوسکے گا اور فیصلہ سے قبل فریقین میں سے ہر ایک کی معزولی سے معزول قرار پائے گا جیسا کہ ثالثی کا حکم و قانون ہے اور یہ واضح بات ہے۔واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴: علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں،زید نے زوجہ اول کو کل جائداد اپنی بالعوض مہر بیع کردی اور قبضہ و دخل مثل نفس خاص اپنے کے کرادیا۔اب زوجہ ثانی کہتی ہے کہ میرا بھی مہر ادا کرو ورنہ میں نالش کرکے نصف جائداد بالعوض اپنے مہر کے تقسیم کرالوں گی،آیا زوجہ ثانی تقسیم کرالینے نصف جائداکی مستحق ہے یا نہیں؟زید کہتا ہے کہ ابھی مہر تجھ کو بذریعہ نالش وصول نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ طلاق نہ ہوجائے میں محنت مزدوری کرکے ادا کروں گا،آیا یہ قول زید کا درست ہے یاغلط؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں جب زید نے وہ جائداد زوجہ اولٰی کے ہاتھ بیع کردی زوجہ ثانیہ کو اس سے نصف جائداد عوض مہر لینے کا اختیار نہیں اور دربارہ مہر جب شرط تعجیل وتاجیل سے عاری ہو اعتبار عرف کا ہے ان دیار کا عرف نہیں کہ قبل از فرق مہر ادا کیا جائے پس مطالبہ زوجہ ثانیہ محض نامسموع،البتہ اس کا مہر ذمہ زید واجب الادا ہے یہ حکم قضاءً صحیح ہے مگر دیانۃً اگر اس کا اس بیع سے زوجہ ثانیہ کو محروم رکھنا ہے تو اپنی اس نیت فاسد اور اس بیع پر کہ مبنی اس نیت پر ہے عنداللہ ماخوذ ہے **واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید فوت ہوا اور ترکہ زید متوفی کا عوض دین مہر زوجہ ہندہ کے مکفول تھا عمرو نے نالش انفکاک رہن بادائے ایک سوتریسٹھ روپیہ دین مہر کے عدالت میں دائر کرکے ڈگری حاصل کی اور بحکم عدالت کل دین مہر ہندہ کو عمرو نے ادا کردیا بعدہ ہندہ نے اپنا حصہ بدست حسینی دختر اپنی کے بیع کردیا اب حسینی حصہ ہندہ کا چاہتی ہے اس صورت میں حسینی بلاادائے دین مہر اس کے جو کل عمرو نے ادا کردیا ہے حصہ ہندہ کا تقسیم کراسکتی ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر ہے کہ وہ ادا کرنا جانب عمرو سے بطریق تبرع نہ تھا اور یہ دین ترکہ سے کم ہے اور سوا اس کے میت پر اور دین نہیں، پس تصرف ہندہ کا اپنے حصہ میں بیع کے ساتھ صحیح ہوا کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں مگر باوجود اس کے بوجہ تعلق حق دائن یا مرہون کے لئے محبوس رہے گا،اور دائن اگر

بیع کو جائز نہ رکھے تو بیع مذہب راجح پر نفاذ نہ پائے گی،

قال العلامة السید الطحطاوی فی حاشیة الدر من کتاب الفرائض حکم الترکة قبل قضاء الدیون کحکم المرھون بدین علی المیت فلا تنفذ تصرفات الورثة فیھا ھذا اذا کانت الترکة اقل من الدین او مساویة له واما اذا کان فیھا زیادة علیه ففی نفوذ تصرفات الورثة وجھان احدھما النفوذ الی ان یبقی قدر الدین واظھرھما عدم النفوذ علی قیاس المرھون اھ عجم زادہ[عـــہ]۔[1]	علامہ سید طحطاوی نے در کے حاشیہ میں کتاب الفرائض میں فرمایا: میت پر قرض کی ادائیگی سے قبل اس کا ترکہ قرض میں رہن کے حکم میں ہوگا تو اس ترکہ میں ورثاء کے تصرفات نافذ نہ ہوں گے جبکہ ترکہ قرض سے کم یا مساوی ہو لیکن اگر ترکہ قرض سے زائد ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زائد میں ورثا کا تصرف نافذ ہوگا یہاں تک کہ مقدار دین باقی رہ جائے، دوسری یہ کہ ان کا تصرف نہ ہوگا مرہون چیز پر قیاس کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں یہ دوسری زیادہ ظاہر ہے اھ عجم زادہ۔ (ت)

پس مشتریہ تاوقتیکہ ترکہ ایفا یا ابرادین سے نہ ہو جائے حصہ ہندہ پر قبضہ نہیں کر سکتی اور صرف اس کا بقدر حصہ رسدی اپنے کے ادا کر دینا کافی نہ ہوگا جب تک کل دین ادا نہ ہو جائے،

کما ذکرنا من ان الدین ولو لم یکن محیطا یمنع نفاذ تصرفات الورثة۔	جیسے ہم نے ذکر کیا کہ دین اگرچہ وراثت کو محیط نہ ہو وہ ورثاء کے تصرفات کے نفاذ سے مانع ہے۔ (ت)

ہاں اگر دائن روا رکھے اور اس امر پر راضی ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ جس اس کے حق کے لئے تھا پس حسینی اس تقدیر پر قابض ہو سکتی ہے اور حصہ ہندہ کے عوض ان کے ثمن حق دائن میں محبوس رہیں گے کما ھو حکم المرھون المصرح به فی المتون (جیسا کہ متون میں مرہون چیز کا حکم تصریح شدہ ہے۔ ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں، چالیس برس کا عرصہ ہوا

عـــہ: لفظ عجم زادہ کے بعد اصل میں بیاض ہے۔

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۷

مسمّٰی زید فوت ہوا، بعد وفات شوہر بموجودگی دیگر ورثاء شرعی کل متروکہ زید پر مسماۃ ہندہ زوجہ بعوض دین مہر قابض ودخیل ومتصرف مالکانہ ہوئی اور تین لڑکیاں بھی زید کی تھیں، گو دین مہر کثیر التعداد تھا اور اس قدر جائداد مورث نہ تھی کہ مکتفی دین مہر کو ہو اور منجملہ جائداد متروکہ شوہری مسماۃ نے ایک قطعہ زمین بعد وفات شوہر بعوض مبلغ (صہ/) روپیہ رہن رکھا اور اس میں یہ لفظ تحریر ہے کہ مالکانہ قابض ودخیل ومتصرف ہوں اور اس فعل مالکانہ کو ورثہ تسلیم کرتے رہے اور بھی افعال مالکانہ بلا شرکت احدے ہوتے رہے، چنانچہ اس متروکہ شوہری سے اپنے بھتیجوں کو ایک مکان پختہ اراضی شوہری میں بنوایا اور بعلم وآگاہی واطلاع اور موجودگی ورثا ایک مدت تک تعمیر ہوتا رہا، کوئی مزاحم ومعترض نہ ہوا، اور یہ سب افعال ملکیتی تسلیم ہوتے رہے، اور لڑکیاں جو شوہر نے چھوڑی تھیں کبھی ہارج ومزاحم نہ ہوئیں، نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ معین ہوا، بالکلیہ زوجہ مالک و قابض ومتصرف رہی اور جمیع افعال ملکیت پر عملدرآمد ہوتا رہا کوئی مخالفت نہ کی، اور اس کے بعد بجیات مسماۃ ہندہ کے ہوتے رہے کسی لڑکی نے نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ طلب کیا، مجرد اپنی والدہ ہندہ کے پاس آتی جاتی رہیں اور شفقت مادرانہ ہوتی رہی اب عرصہ پندرہ سولہ سال کا ہوا کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور اس کے ورثاء میں سے دو لڑکیاں اور دو بھتیجے ہیں بموجب فرائض شریف کے دو دو لڑکیوں کے اور ایک ایک برادر زادہ کا حصہ ہوتا ہے اور ٦ سے مسئلہ قرار پاتا ہے چونکہ اب لڑکیوں نے کہ حصہ قلیل ہوا جاتا ہے اور برادر زادگان مستحق حصہ شرعی ہیں محض اتلاف حق کے لئے چالیس برس کے بعد یہ امر بیان ہوتا ہے کہ آج تک کبھی اس امر کا تذکرہ بھی نہیں آیا تھا کہ مسماۃ ہندہ کل ترکہ پر قابض بوجہ ترکہ ہو گئی ہوگی اور کبھی یہ حیلہ پیش ہوتا ہے کہ جنازہ اٹھتے وقت اکثر مہر معاف بھی ہو جاتا ہے، رواجاً معاف کر دیا ہوگا، اور کبھی یہ بیان کہ معاف کر دیا اس امر کا بیان کنندہ سوائے ان دو لڑکیوں متوفیہ کے کہ وہ خود اپنی کمی ترکہ کے سبب سے اور باغوائے اپنے اہل وعیال کے اس وقت بیان کرتی ہیں کبھی سابق بیان بھی نہیں کیا ابطال وکمی حق برادر زادگان مسماۃ متوفیہ کے لئے باوجود عملدرآمد ہونے افعال ملکیت مسماۃ ہندہ کے ۲۵، ۳۰ سال تک اور اظہار قبضہ دین مہر اور عدم اظہار معافی مہر سوائے بیان سال حال مجرد بیان خیالی دو لڑکیوں کا بغیر علم وآگاہی دیگر بزرگان خاندان کے اور نہ ہونے کسی وثیقہ تحریری کے بلکہ برخلاف اس کے عمل درآمد ہوتا رہا اور کسی وارث نے یہ ذکر نہ کیا اور انتقالات تحریری اور زبانی مسماۃ ہندہ ہمیشہ مسلّم کئے پس ایسی حالتوں میں یہ مہر معاف سمجھا جائے گا یا کیا؟ اور تقسیم ترکہ اب مسماۃ ہندہ کی ہوگی یا شوہر ہندہ کی قرار دینا چاہئے اور یہ عملدرآمد کیسا سمجھا جائے گا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دعوی دختران ہرگز قابل سماعت نہیں، نہ اب وہ ترکہ ترکہ شوہر ٹھہرسکے، نہ مجردان کے بیان سے مہر کی معافی سمجھی جائے اور بیان بھی کیسا مضطرب کہ کبھی تو بربنائے رواج یہ احتمالی حکم کہ جنازہ اٹھتے وقت مہر معاف ہوجاتا ہے یہاں بھی ہوگیا ہوگا، حالانکہ یہ کلیہ بھی غلط ہے، کوئی معاف کردیتا ہے کوئی نہیں کرتا، اور سب معاف کردیا کرتے تو کیا تھا، خاص ہندہ کی معافی ثابت ہونا چاہئے تھی اور کبھی کچھ سمجھ کر یہ قطعی دعوی کہ معاف کردیا اگر معاف کردیا تھا تو تم نے بربنائے مہر کل جائداد پر ہندہ کو کیوں قبضہ کرنے دیا تھا اور چوبیس پچیس برس تک اس کے تصرفات مالکانہ دیکھ کر کیوں خاموش رہیں اور اس کے انتقال پر بھی پندرہ سولہ برس کا سکوت کس کے لئے تھا یہ خاموشی چہل سالہ شرعًا قرینہ واضحہ ہے کہ دعوی بربنائے زور و تلبیس واتلاف حق برادرزادگان ہے، ہمارے ائمہ اصحاب متون و شروح و فتاوٰی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرفات مالکانہ کرتا رہے یا بیع خواہ ہبہ خواہ کسی اور طرح دوسرے کو تملیک کرے اور وہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی جو اس شہر میں موجود ہو اور ان حالات پر مطلع ہو دعوی کرنے لگے کہ یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعوی بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہرگز ہرگز نہ سنا جائے گا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی اجنبیت اور متصرف کی مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا،

فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار سئل عن رجل لہ بیت فی داریسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جاربجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدماوعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذاادعی البیت اوبعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدما و بناء فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ ام لااجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی [1]، وفتاوی الامام	سیدی علامہ محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مرحوم مصنف تنویر الابصار کے فتاوٰی میں ہے کہ ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جو ایک حویلی کے کمرہ میں عرصہ زائد از تین سال سے رہائش پذیر ہے اور وہ اپنے کمرہ میں توڑ پھوڑ و مرمت کرتا رہا اس کا پڑوسی اس کے یہ تصرفات دیکھتا رہا تو اب اس پڑوسی کو مذکورہ تصرفات پر اطلاع کے باوجود اس کمرہ کے کل یا بعض پر دعوی کا حق ہے اور کیا اس کا دعوی قابل سماعت ہوگا یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا اس پر ہی فتوی ہے، اور امام علامہ

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوٰی غزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

العلامة خیر الملة والدین الرملی سئل فی رجل اشتری من اٰخر ستة اذرع من ارض بیدالبائع وبنی بہا بناء وتصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکوران لہ ثلثة قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکورارثا عن امہ ویرید ھدمہ والحال ان امہ تنظرہ یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذلك ام لا، اجاب لاتسمع دعواہ لان علمائنا نصوا فی متونھم وشروحھم وفتاوٰھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا بنحوالبناء والغرس والزرع یمنعہ من سماع الدعوی قال صاحب المنظومة اتفق اساتیذنا علی انہ لاتسمع دعواہ ویجعل سکوتہ رضاللبیع قطعاللتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرارابانہ ملك البائع [1] اھ ملخصا وفیہا ایضا سئل فی رجل تلقی بیتا عن والدہ وتصرف فیہ کما کان والدہ من غیر منازع ولا مدافع مدة تنوف	خیر الدین رملی کے فتاوٰی میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے دوسرے سے چھ ذراع زمین خریدی جو کہ بائع کے قبضہ میں تھی جس کو خریدنے کے بعد خریدار نے اس پر تعمیر کی اور دیگر تصرفات کیئے پھر بعد میں ایک اور شخص نے اس خریدار مذکور پر دعوٰی کردیا کہ مبیع زمین میں ساڑھے تین قیراط میری ملکیت ہے جو مجھے والدہ سے وراثت میں ملی ہے اور وہ تعمیر کو گرانے کا مطالبہ کررہا ہے حالانکہ مدعی کی والدہ خریدار کو تعمیر وغیرہ تصرفات کرتے ہوئے دیکھتی رہی ہے تو اس مدعی شخص کو اس دعوٰی کا حق ہے یا نہیں، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا کیونکہ ہمارے علماء نے متون، شروح اور فتاوٰی میں نص فرمائی ہے کہ مبیع میں خریدار کے تصرفات پر مخالف کو اطلاع ہونے کے باوجود کہ وہ تعمیر، پودے اور زراعت جیسے تصرفات کررہا ہے اتنی مدت خاموش رہنا اس کے دعوٰی کی سماعت کے لئے مانع ہے اگرچہ ایسا مدعی اجنبی کیوں نہ ہو۔ صاحب منظومہ نے فرمایا کہ ہمارے اساتذہ نے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کا دعوٰی قابل سماعت نہ ہوگا اور اس کی خاموشی کو اس بیع پر رضامندی قرار دیا جائیگا تاکہ فریب لالچ، حیلہ سازی اور تلبیس کا دروازہ بند ہوسکے اور موجودگی کے باوجود اس کا منازعت نہ کرنا یہ اس بات کا اقرار ہے کہ یہ چیز بائع کی ملکیت تھی اھ ملخصًا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے اپنے والد سے مکان حاصل

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دارالمعرفۃ بیروت ۲ / ۸۷و ۸۸

عن خمسین سنة والآن برز جماعة یدعون ان البیت لجدهم الاعلی فهل تسمع دعوٰهم مع اطلاعهم علی التصرف المذکور واطلاع اٰبائهم وعدم مانع یمنعهم من الدعوی، اجاب لا تسمع هذه الدعوی[1] وفیها عن البزازیة علیه الفتوی قطعاً للاطماع الفاسدة[2] وفی الولوالجیة ثم الخیریة ثم الحامدیة وغیرہما رجل تصرف زماناً فی ارض ورجل اٰخر رأی الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعدذٰلك دعوی ولده فتترك علی ید المتصرف لان الحال شاهد[3] وفی الخیریة وبه افتی شیخ الاسلام شهاب الدین احمد المصری[4]، وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی[5] و	کیا اور اپنے والد کی طرح اس میں بغیر رکاوٹ وممانعت تقریبًا پچاس سال کی مدت تک تصرفات کرتا رہا اور اب ایک جماعت نے دعوی شروع کردیا کہ یہ مکان ہمارے جدِاعلیٰ کا ہے تصرفات مذکورہ پر ان کو اور ان کے آباء کو اطلاع ہونے کے باوجود ان کا منع نہ کرنا حالانکہ رکاوٹ نہ تھی، تو کیا اس گروہ کا دعوی قابل سماعت ہے، توانہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا اور اس میں بزازیہ سے منقول ہے کہ اسی پر فتوی ہے تاکہ طمع فاسد کا سد باب ہوسکے۔ ولوالجیہ پھر خیریہ پھر حامدیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص زمانہ بھر زمین میں تصرف کرتا ہے اور دوسرا شخص زمین اور اس میں تصرفات دیکھتا رہا اور کوئی دعوی نہ کیا اسی حال میں وہ فوت ہو گیا تو اب اس کے بیٹے کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا بلکہ زمین کو قابض کے پاس رہنے دیا جائے گا کیونکہ اس پر حال شاہد ہے، اور خیریہ میں ہے کہ شہاب الدین شیخ الاسلام احمد حلبی مصری نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ میں ہے کہ تصرفات پر اطلاع ہونا ہی دعوی کے لئے مانع ہے اور

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۹

[3] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی الولوالجی کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۵

[4] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی الولوالجی کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۹

[5] العقود الدریہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

فیھا لم یقیدوہ بموت ولابمدۃ کما تری[1]، وفی ردالمحتار من مسائل شتی مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع وان لم یسبقہ بیع[2]، وفی الدرالمختار باع عقارااوحیوانا اوثوبا وابنہ وامرأتہ اوغیرھما من اقاربہ حاضریعلم بہ ثم ادعی الابن مثلًا انہ مبلکہ لاتسمع دعواہ کذااطلقہ فی الکنز والملتقی وجعل سکوتہ کالافصاح قطعا للتزویرو الحیل[3]عــــہ۔	اس میں ہے کہ فقہاء نے اس حکم کو موت اور مدت سے مقید نہیں فرمایا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، اور ردالمحتار کے مسائل شتی میں ہے کہ اطلاع ہوجانے پر سکوت ہی دعوی کے لئے مانع ہوگا اگرچہ بیع نہ ہو ــــ اور درمختار میں ہے ایک شخص نے زمین یا جانور یا کپڑا فروخت کیا جبکہ اس کا بیٹا یا بیوی یا دیگر اقارب حاضر تھے اور جانتے تھے پھر مثلًا بیٹے نے دعوی کردیا کہ فروخت شدہ چیز میری ہے تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔ اس کو کنز اور ملتقی میں یوں ہی مطلق ذکر کیا اور اس موقعہ پر سکوت کو اقرار کی طرح قرار دیا تاکہ حیلہ سازی اور فریب کاری کا سدباب ہوسکے۔(ت)

مسئلہ ۴۷: از رامپور مرسلہ سید محمد منور علی صاحب تحصیلدار بھوپال ۲۲ شعبان معظم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنا ایک مکان جس کا جار ملاصق زید ہے غیبت زید میں جبکہ وہ اپنی نوکری پر بھوپال میں تھا عمرو کے ہاتھ بیع کیا اور بیعنامہ بعبارت معمولی لکھا اس مکان کے جانب شمال جو دیوار مکان مبیع ومکان شفیع میں حد فاصل ہے اصل الفاظ بیع کے ذکر میں اس دیوار پر ایراد عقد کا کچھ تذکرہ نہیں، نہ تفصیل عملہ مبیعہ میں، باآنکہ ایک ایک چیز مفصلا لکھی ہے اس کا نام ہے، حدود مبیع جہاں لکھے ہیں وہاں زیر حد شمالی یہ لفظ ہیں (شمالی مکان میاں منور علی و پاکھ کلاں شامل میاں منور علی و دیوار سراسر ودخل مبیعہ ہذا) زید جب بھوپال سے آیا اور بیع پر اطلاع پائی مدعی شفعہ ہوا اور عرضی میں بنائے شفعہ ثابت کرنے کو یہ الفاظ لکھے (امراؤبیگم مدعا علیہا بائعہ نے مکان مدعا بہا

عــــہ: اصل میں ایک صفحہ کی بیاض ہے شاید جواب مکمل دستیاب نہ ہوا۔

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

[2] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۳

[3] درمختار مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۶

معلومہ مقبوضہ اپنا عوض مبلغ ماصہ عہ / قیمت اصل بموجب بیعنامہ رجسٹری شدہ ۲۲/اگست ۱۸۸۹ء بغیبت مدعی بدست مدعا علیہ بیع صحیح شرعی کیا) دیوار مذکور جس پر ہمیشہ سے زید و مورث زید کا قبضہ تھا اور رہے مکان زید کی کھپر یلیں اوران کی ترکیبیں اس پر پڑی ہیں اور ہندہ وعمرو کا کوئی قبضہ اس پر نہ تھا، نہ ہے، نہ ان کے مکان کی کوئی کڑی یا ترک وغیرہ اس دیوار پر ہے، اب عمرو مدعی ہوا کہ یہ دیوار مکان مبیع ہندہ کی ہے اور میں بحکم بیع اس کا مالک ہوں زید سے دلادی جائے مگر کوئی ثبوت اس دیوار میں اپنی ملک کا نہ دے سکا سوا اس کے کہ زید نے دعوی شفعہ میں بوجہ عبارت مذکورہ امراؤبیگم نے اپنا مکان مقبوضہ بیع صحیح شرعی کیا اس بیعنامہ کو مسلم رکھا اور اس کے حوالہ دینے سے زید کا بیعنامہ دیکھنا ظاہر ہے اور اس میں دیوار مذکور بھی داخل بیع تھی تو زید کا بذریعہ شفعہ اسے طلب کرنا صریح اقرار ہوچکا کہ دیوار ملک عمرو مشتری ہے حالانکہ زید نے ہرگز بیعنامہ نہ دیکھا نہ اس کے سامنے لکھا گیا نہ وہ اس وقت اس شہر میں تھا اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے عرضی دعوی میں ذکر بیعنامہ کیا تھا۔ اس صورت میں علمائے شرع مطہر سے استفسار ہے کہ زید کا وہ الفاظ لکھنا دیوار ملک عمرو ہونے کا شرعًا اقرار قرار پائے گا یا نہیں؟ اور اس بناء پر عمرو کا استحقاق اس دیوار پر ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دعوی عمرو محض بے ثبوت ہے، نہ اس بناء پر دیوار اسے دلائی جاسکتی ہے **اولًا** جبکہ دیوار حسب تحریر سوال زید کے استعمال میں ہے اور عمرو وہندہ کا کوئی عملہ اس پر نہیں جس سے ان کا استعمال ثابت ہو تو بحکم ظاہر دیوار ملک خاص زید ہے۔ تنویر الابصار ودرمختار وغیرہما میں ہے:

الحائط لمن جذوعه علیه[1]۔	دیوار اس کی ہے جس کا اس پر شہتیر ہے۔(ت)

معین الحکام میں ہے:

ان لاحدهما علیه جذوع ولاشیئ علیه للاٰخر یقضی به لرب الجذوع لانه مستعمله[2]۔	ایک فریق کا اس پر شہتیر ہے اور دوسرے کا کچھ نہیں ہے تو دیوار کا فیصلہ شہتیر والے کے حق میں ہوگا کیونکہ وہ اس کو استعمال کررہا ہے۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۲۷

[2] معین الحکام الباب التاسع والاربعون مصطفی البابی مصر ص ۱۶۳

اور خود عمرو جبکہ تخلیہ دیوار کا نالشی ہوا تو اپنا خارج اور زید کا ذوالید و قابض ہونا تسلیم کرلیا بہر حال عمرو اس مقدمہ میں شرعًا مدعی ہے پس تاوقتیکہ ثبوت مقبول شرعی سے اپنا دعوی ملک منور نہ کرے مقبول نہیں ہوسکتا دعوی شفعہ میں زید کا حوالہ بیعنامہ دینا کون سی دلیل شرعی ہے کہ اس نے بیعنامہ دیکھا اور اس کا لفظ لفظ تسلیم کرلیا بیان سائل کہ اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے ذکر بیعنامہ کیا گیا ہرگز قابل التفات نہیں۔

ثانیًا اگر فرض کریں کہ بیان مذکور سائل بعید از قیاس نہ ہے تو غایت یہ کہ یہ ایک قرینہ ظاہرہ ہوگا اور ظاہر مدعی کو کام نہیں دیتا، نہ اس کی بناء پر ثبوت ملک ہوسکتا ہے۔ درمختار وغیرہ عامہ کتب فقہیہ میں ہے:

الظاہر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق [1]۔	ظاہر دفع کی صلاحیت رکھتا ہے نہ کہ ثبوت استحقاق کی۔(ت)

ثالثًا: تسلیم ہی کیجئے کہ اس سے نہ صرف ظاہرًا بلکہ قطعًا ویقینًا زید کا بیعنامہ کو دیکھ کر دینا اور عبارت مذکورہ لکھنا ثابت ہے تاہم اس سے کس قدر ثبوت ہوا یہ کہ زید مکان مبیع کو مملوک ومقبوض ہندہ جانتا اور بیع کو صحیح مانتا اور بذریعہ شفعہ لینا چاہتا ہے اس سے اب کب زید کو انکار ہوا وہ اب بھی کہے گا کہ واقعی ہندہ نے اپنا ہی مکان مملوک ومقبوض بیع کیا اور یہ بیع صحیح بھی ہے اور میں بذریعہ شفعہ اس کا خواستگار بھی ہوا، رہی یہ دیوار، نہ یہ مملوک ومقبوض ہندہ تھی نہ اس پر بیع وارد ہوئی، نہ میں نے شفعہ میں مانگی، الفاظ عقد بیع میں مکان ہندہ کا ذکر ہے مکان ہندہ جس قدر تھا وہی ایجاب وقبول میں داخل ہوا، اسی کو بذریعہ شفعہ طلب کیا گیا ذکر حدود عقد بیع نہیں، نہ وہ حاکی ایجاب وقبول ہے، تو تسلیم صحت بیع سے تسلیم صحت جملہ الفاظ زائدہ مندرجہ بیعنامہ کیونکر لازم ہوسکتی ہے، علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بیعنامہ پر خود اپنی گواہی لکھ کر مہر کردی تاہم یہ اسکا اقرار نہ قرار پائے گا کہ شے مبیع ملک بائع ہے میری ملک نہیں وہ اس گواہی کردینے کے بعد بھی مکان مبیع پر دعوی ملک کرسکتا ہے جبکہ اس کے الفاظ سے صراحۃً اس کا خلاف نہ ثابت ہو۔ درمختار میں ہے:

یؤیدہ مسألۃ کتابتہ وختمہ علی صك البیع فانہ لیس باقرار	اس کی تائید اس مسئلہ سے ہوتی ہے فروختگی کی رسید پر گواہ کے دستخط اور مہر ہونے کے باوجود

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶

بعدم ملکہ[1]۔	یہ اس کے مالک نہ ہونے کا اقرار نہیں

رابعاً: ان سب سے قطع نظر کرکے مان ہی لیں کہ نفس عقد دیوار پر بھی وارد ہوا اور وہ بھی طلب شفعہ میں داخل تھی تاہم اس سے زید کا اس قدر اقرار حاصل ہوگا کہ یہ دیوار میری ملک نہیں، نہ یہ کہ عمرو کی ملک ہے ہمارے مذہب راجح میں کہ ظاہر الروایہ ہے اور اکثر تصحیحات ائمہ اسی جانب ہیں، اگر زید عمرو سے کوئی چیز مانگے کہ مجھے ہبہ کردے یا عاریۃً دے دے یا میرے ہاتھ بیچ ڈال یا اس کے مثل اور اقوال، تو ان سے صرف اپنی ملک نہ ہونے کا اقرار ثابت ہوتا ہے عمرو کی ملک ہونے کا اقرار نہیں نکلتا زیادات وصغری وینابیع وعمادیہ وتتارخانیہ وسراجیہ ومنیہ ووہبانیہ وغیرہا میں اسی کی تصحیح کی، امام اجل قاضیخان نے افادہ فرمایا کہ یہ اقرار ہو بھی تو بحسب ظاہر ہے اور ظاہر حجت استحقاق نہیں تو مدعی اس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔ ردالمحتار میں منح الغفار سے ہے:

الحاصل روایۃ الجامع ان الاستیام والاستیجار والاستعارۃ ونحوھا اقرار بالملك للمساوم منه والمستاجر منه وروایۃ الزیادات انه لایکون ذلك اقرار بالملکیۃ وھو الصحیح کذا فی العمادیۃ وحکی فیھا اتفاق الروایات علی انه لاملك للمساوم ونحوه فیه[2]۔	جامع الصغیر کی روایت کے مطابق سودا لگانا، اجارہ پر طلب کرنا اور عاریتًا مانگنا یہ قابض جس سے چیز لی یا مانگی جارہی ہے، کی ملکیت کا اقرار ہے اور زیادات کی روایت کے مطابق یہ اس کی ملکیت کا اقرار نہ ہوگا، یہی صحیح ہے جیسا کہ عمادیہ میں ہے اور اس میں مذکورہ صورت میں ملک نہ ہونے پر روایات کا اتفاق بیان کیا گیا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال الانقروی والاکثر علی تصحیح مافی الزیادات و انه ظاہر الروایۃ[3]۔	انقروی نے کہا کہ اکثریت کا مؤقف زیادات کی تصحیح ہے، اور یہ ظاہر الروایۃ میں ہے۔ (ت)

انقرویہ میں ہے:

فی الصغری عین فی ید رجل	صغری میں ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کے قبضہ سے

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۲

[2] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵۳

[3] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵۳

اقدم اٰخر علی الشراء منه یکون اقرارا بملکیة العین للبائع علی روایة الجامع وعلی روایة الزیادات لاوھو الصحیح اھ.وکذافی التاتارخانیة من الصغری والنابیع وفی السراجیة الاقدام علی الاستیام لایکون اقرارا بملکیة ذلك لذی الیدعلی روایة الزیادات وعلی روایة الجامع یکون اقراراوالاول اصح وکذا فی المنیة فظهران فیه اختلاف التصحیح والاکثر علی تصحیح ما فی الزیادات وانه ظاہر الروایة وقال قاضیخان روی ھشام عن محمد ان المساومة اقرارمنه له بالملك والصحیح ماذکر فی ظاہر الروایة انه اقرار من حیث الظاہر فلا یصلح حجة للاستحقاق اھ[1] مختصرًا۔	خریدنا چاہتا ہے تو یہ اس چیز پر بائع کی ملکیت کا اقرار ہے جامع کی روایت کے مطابق۔ جبکہ زیادات کی روایت کے مطابق ایسا نہیں اوریہی صحیح ہے اھ،اور تاتارخانیہ میں صغری اور ینابیع سے ایسے منقول ہے،اور سراجیہ میں ہے کہ کسی سے چیز کو خریدنے کا اقدام یہ قابض کی ملکیت کا اقرار نہیں ہے زیادات کی روایت پر جبکہ جامع کی روایت کے مطابق یہ اقرار ہے اوراول صحیح ہے،اور منیہ میں بھی ایسے ہی ہے توظاہر ہوا کہ اس مسئلہ کی تصحیح میں اختلاف ہے اور اکثریت زیادات کی تصحیح پر ہے اور یہ کہ ظاہر الروایت ہے،اور قاضی خان نے فرمایا کہ ہشام نے امام محمد سے روایت کیا ہے کہ خریدنے کا اقدام قابض کی ملکیت کا اقرار ہے،اور صحیح وہ ہے جو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ یہ ظاہر میں اقرار ہے تو یہ ظاہری معاملہ استحقاق کے لئے حجت نہیں بن سکتا اھ مختصرًا(ت)

عقودالدریہ میں ہے:

القاعدةان العمل بما علیه الاکثر[2]۔	قاعدہ کے مطابق اکثریت کی رائے پر عمل ہے۔(ت)

قرۃالعیون میں ہے:

قلت فیفتی به لترجحه بکونه ظاہر الروایة وان اختلف التصحیح[3]۔	**میں کہتا ہوں** کہ،تواس پر فتوٰی دیا جائے کیونکہ اکثریت اور ظاہر الروایت کی وجہ سے یہی راجح ہے اگرچہ تصحیح میں اختلاف ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الدعوی الباب الثانی عشر دارالاشاعة العربیہ قندھار افغانستان ۲ /۱۴۸

[2] العقود الدریة مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحة حاجی عبدالغفار وپسران دارالاشاعة العربیه قندھار افغانستان ۲ /۳۵۶،ردالمحتار باب صلوٰة المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ /۵۱۰

[3] قرة عیون الاخیار کتاب الاقرار مصطفی البابی مصر ۲ /۹۸

غمز عیون البصائر میں ہے:

فی تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم ان مایصححہ قاضیخان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس[1]۔	علامہ قاسم کی قدوری میں ہے کہ اقوال میں سے جس کو قاضیخان صحیح قرار دیں وہ دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ یہ فقیہ النفس ہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کن علی ذکر مماقالوالایعدل عن تصحیح قاضیخان فانہ فقیہ النفس[2]۔	تو فقہاء کے قول کے مطابق عمل کر جو کہتے ہیں قاضیخان کے قول سے اعراض نہ کیا جائے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں (ت)

تو یہ اقرار حق عمرو میں کچھ نافع نہ ہوا، مانا کہ دیوار حسب اقرار زید ملک زید نہیں مگر ملک عمرو ہونے کا اقرار بھی تو نہیں، تو مدعی بے بینہ عادلہ شرعیہ یا اقرار مدعاعلیہ یا نکول محض اپنے زعم پر کوئی چیز کسی سے کیونکر لے سکتا ہے اور قاضی کیونکر دلاسکتا ہے، فتاوی خیریہ میں ہے:

القاضی انما یقضی بالبینۃ اوالاقرار او النکول[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار پر فیصلہ دے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۸: ۳/ شوال المکرم ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جبکہ کسی شخص کا گاؤں بلا قید آمدنی ہو یعنی جب پیداوار اچھا ہو آمدنی معقول ہو اور خراب تو کم اور یہ گاؤں اس کے والدین نے ایام نابالغی میں اس کے نام کیا بعد بلوغ باہم ایک پنچایت نامہ ۸۵ء میں بخیال زمانہ نازک ہوا پنچ نے والدین کے نام چھ سو روپے سالانہ اس کے گاؤں کی آمدنی سے دینا اس کے ذمہ قرار دے اور کوئی تفرق حصص والدین نہ کی بلکہ لکھا کہ یہ جملہ آمدنی بدست والد رہے گی وہ جس قدر چاہیں گے خود لیں گے اور جس قدر چاہیں گے اس کی والدہ کو دیں گے اس کا باپ ۸۶ء میں فوت ہوگیا اب اس کی ماں علیحدہ ہو کر پچاس روپے ماہوار کل بیٹے سے لینا چاہتی ہے تو شرعاً چھ سو روپے سالانہ سے کس قدر والدہ کو چاہئے کس قدر لڑکے کو؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] غمز عیون البصائر کتاب الاجارات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۵۵

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالفکر بیروت ۲/ ۶۷

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ گاؤں اس کے والد کا تھا اس نے اپنی زوجہ کو مہر میں دیا پھر زوجہ سے اس پسر نابالغ کے نام ہبہ کرالیا پھر بعد بلوغ اس بناء پر کہ آمدنی جائداد کا تحفظ چاہتے ہیں یہ پنچایت نامہ ہوا، والدہ صاحب مال وزیور ہے محتاج نفقہ نہیں، اس صورت میں لڑکا گاؤں کا مالک مستقل ہوگیا اور یہ پنچایت محض بے معنی تھی جس کی پابندی ہرگز لازم نہیں ہوسکتی کہ شرط حکم صحت دعوی ہے اور دعوی طلب حق، اور یہاں والدین کا کوئی حق جائداد و توفیر میں نہ رہا تھا کہ ان کا دعوی صحیح ہوسکتا اور یہ پنچایت پنچایت ٹھہرتی، غایت یہ کہ اس کا قبول کرلینا لڑکے کی طرف سے ایک وعدہ قرار دیا جائے گا اور وعدہ کی وفا پر جبر نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایلزمہ الوفاء بالمواعید[1]۔	وعدوں کا ایفاء ضروری نہیں ہے۔(ت)

ہاں ماں کی خدمت دارین کی سعادت ہے جس قدر ہو بہتر ہے یہ امر دیگر ہے اور انسان کی اپنی مرضی پر ہے جب حالت یہ ہے کہ ماں محتاج نفقہ نہیں ورنہ بقدر نفقہ دینا واجب۔ عالمگیری میں ہے:

یجبر الولد الموسر علی نفقۃ الابوین المعسرین مسلمین کانا او ذمیین قدرا علی الکسب اولم یقدرا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	والدین تنگ دست ہوں تو امیر بیٹے کو بہر صورت ان کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا، والدین مسلمان ہوں یا ذمی، وہ کسب پر قادر ہوں یا نہ ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۹: از ریاست رامپور بزریا ملا ظریف گھر منشی عبدالرحمان خاں مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خان ۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان زید نے خریدا، وقت خرید کے حد رابع کوچہ تھا، جب زید نے دعوی بنام عمرو کیا تو اسی حد رابع میں جو بیعنامہ میں کوچہ نافذہ لکھا تھا بموجب حد مندرج بیعنامہ کوچہ نافذہ لکھا گیا عمرو نے بھی اس کو مان لیا دوران مقدمہ میں زید کو معلوم ہوا کہ قبل رجوع دعوی ہذا سے بکر نے کوچہ نافذہ کو بند کرلیا اپنا مکان بجائے حد مذکور بنالیا ہے زید نے ایک سوال پیش قاضی اسی مضمون کا باظہار اس کے کہ پہلے وقت شراکے کوچہ تھا قبل رجوع دعوی سے بکر نے اسی حد میں کوچہ بند کرکے اپنا مکان بنالیا ہے وقت رجوع دعوی کے میں نے نہ دیکھا تھا اب دیکھا تو تبدیل حد مذکور کی ہوگئی ہے بصورت مذکورہ توفیق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

[2] کتاب الطلاق الباب السابع عشر الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۶۴

ہو گی یا نہیں اور اس توفیق سے دعوی زید قابل سماعت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

ہاں اور دعوی میں کچھ خلل نہ رہا،

فی جامع الفصولین برمز شیخ الاسلام شمس الائمۃ السرخسی ان الشاھد لواخطاء فی بعض الحدثم تدارك واعادالشھادۃ واصاب قبلت شھادتہ لو امکن التوفیق سواء تدارك فی المجلس اوفی مجلس اٰخر ومعنی امکان التوفیق ان یقول کان صاحب الحد فلانا الاانہ باع دارہ من فلان اٰخر وما علمنا بہ او یقول کان صاحب الحد بھذا الاسم الاانہ سمی بعد ذٰلك بھٰذا الاسم الاٰخر وما علمنا بہ وعلی ھذا القیاس فافھم ھذااذا ترك الشاھد احدالحدود او غلط فیہ ولو ترك المدعی احد الحدود او غلط فیہ فحکمہ کالشاھد جملۃ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جامع الفصولین میں شیخ الاسلام سرخسی کی علامت دے کر کہا کہ اگر حد بندی کے بیان میں گواہ خطا کرے اور پھر خطا کاازالہ کرکے شہادت دے اور درستی کردے تو یہ شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ دونوں بیانوں میں موافقت ہوسکے خطا کا ازالہ اسی مجلس میں کردے یا کسی دوسری مجلس میں کر دے، موافقت کا معنی یوں کہ حد بندی والا فلاں ہے، کہہ کر، پھر کہے، مگراس نے اپنا مکان دوسرے کو فروخت کیا جو فلاں ہے اور اس کا مجھے علم نہیں یوں کہ، حدود والے کا نام یہ ہے، پھر کہے، بعد میں اس کا یہ دوسرا نام بتایا گیا ہے اور مجھے علم نہیں ہے علٰی ہذاالقیاس، اس کو سمجھو، یہ گواہ کے متعلق ہے کہ وہ حدود میں سے کسی حد کا ذکر چھوڑدے یا غلطی کرے تو اگر مدعی حد بندی کے بیان میں ایسا کرے تو اس کا حکم بعینہٖ گواہ کی طرح کا ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۰: ازریاست رامپور مرسلہ منا بھائی ۱۷/ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

صورت یہ ہے کہ زید کے مکان کے بالاخانوں کے ایک ہی سمت اور سلسلے میں بہت دریچے ہیں جن میں سے دو[۲] دریچے جدید ہیں اور باقی تمام قدیم، ہندہ کا مکان زید کے مکان کے مقابل کوئی ستر قدم کے فاصلے پر ہے اور ان دونوں مکانوں کے درمیان ایک وسیع شارع عام اور ایک کھنڈر واقع ہے۔

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۹۵

ہندہ نے اس بناء پر کہ اس کے مکان کی بے پردگی ہوتی ہے منجملہ تمام دریچوں کے پانچ دریچے بند کرادینے یا ان کے سامنے دیوار قائم کرادینے کی نالش دائر کردی ان پانچ دریچوں میں سے دو جدید ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا اور باقی قدیم چنانچہ فریقین کی شہادت سے یہ بات ثابت ہے اور درحقیقت اس بے پردگی کا باعث یہ ہے کہ ہندہ کاایک مکان جو مانع بے پردگی تھا باختیار ہندہ منہدم ہوگیا اور اب بے پردگی میں دریچہائے متنازع فیہا اور زید کے مکان کے دوسرے دریچے اور وہ لوگ جو بہ سواری اسپ وفیل وشتر وغیرہ شارع عام سے گزرتے ہیں سب برابر ہیں۔ زید ہندہ سے کہتا ہے کہ دریچے بند ہوجانے سے میرے ہزارہا روپے کے مکانات غارت ہوجائیں گے اور تمہارا ہر طرح سے صرف دس بارہ گرہ دیوار بلند کرلینے سے پردہ ہوسکتا ہے اور اگر تمہیں بار ہو تو صرف بھی میں ہی دوں گا، اس صورت میں علمائے کرام سے سوال یہ ہے کہ آیا مطابق مذہب ائمہ حنفیہ ہندہ زید کو اپنی ملک میں تصرف سے مانع ہوسکتی ہے اور ہندہ دریچے بند کرادینے کی مستحق ہے۔ جواب مدلل بنقل وروایات ہو۔ **واللہ لایضیع اجر المحسنین** (اللہ تعالٰی نیکی والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دعوی ہندہ باطل ونامسموع ہے، ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب وظاہر الروایۃ ومرجح ومصحح ومفتی بہ یہ ہے کہ انسان اپنی ملک میں تصرف کا مطلقاً اختیار رکھتا ہے دوسرا اپنے کسی نفع نقصان کی وجہ سے مالک کو اپنی ملک خاص مستقل میں کسی تصرف سے منع نہیں کرسکتا، خود محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مبسوط میں کہ کتب ستہ ظاہر الروایۃ سے ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

ان کف عما یوذی جارہ فھو احسن، ولایجبر علی ذٰلك ولو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ بابا او کوۃ لم یکن لصاحب الساحۃ منعہ ولصاحب الساحۃ ان یبنی فی مبلکہ مایستر جھتہ[1]۔	اپنے پڑوسی کو تکلیف دہ امور نہ کرے تو اچھا ہے جبکہ اس پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا، اگر مکان والے نے مکان کے اوپر دروازہ یا کھڑکی کسی کے صحن کی طرف کھولی تو صحن والے کو منع کا حق نہیں ہے تاہم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں عمارت بناکر اس کی کھڑکی کو بند کردے۔ (ت)

وجیز امام شمس الائمہ کردری میں ہے:

[1] فتح القدیر بحوالہ مبسوط لامام محمد کتاب القضاء مسائل شتی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۱۴، خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الحیطان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۲۶۳

الامام ظهیر الدین کان یفتی بجواب الروایة[1]۔	امام ظہیر الدین اس روایت پر فتوی دیا کرتے تھے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال فی الفتاوی عن استاذنا انه یفتی علی قول الامام[2]۔	انہوں نے اپنے فتاوی میں فرمایا کہ ہمارے استاذ سے مروی ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے اس قول پر فتوی دیا کرتے تھے۔(ت)

محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں: الوجه لظاہر الروایة[3] (فتوی کی وجہ ظاہر الروایۃ ہے۔ت) شرح تنویر الابصار میں ہے:

جواب ظاہر الروایة عدم المنع مطلقًا وبه افتی طائفة کالامام ظهیر الدین وابن الشحنة ووالدہ ورجحه فی الفتح وفی قسمة المجتبی وبه یفتی واعتمدہ المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایة[4]۔	ظاہر الروایۃ میں جواب کہ مطلقًا منع نہیں ہے، اسی پر ایک جماعت کا فتوی ہے، جیسا کہ امام ظہیر الدین، ابن شحنہ اور ان کے والد، اسی کو فتح میں ترجیح دی ہے، اور مجتبٰی کے باب القسمۃ میں ہے اور اس پر فتوی دیا جائے اور مصنف نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے وہاں فرمایا فتووں میں اختلاف ہے جبکہ ظاہر روایت پر اعتماد چاہئے۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

ذکر العلامة ابن الشحنة ان فی حفظه ان المنقول عن ائمتنا الخمسة ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد و زفر والحسن بن	علامہ ابن شحنہ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ ہمارے پانچوں ائمہ ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد، زفر اور حسن بن زیاد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول ہے کہ اپنی ملکیت

[1] فتاوی بزازیة علی ہامش الفتاوی الهندیة کتاب الحیطان نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۱۴

[2] فتاوی بزازیة علی ہامش الفتاوی الهندیة کتاب الحیطان نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۱۸

[3] فتح القدیر کتاب القضاء مسائل شتی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۱۴

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۶

زیاد رضی اللہ تعالٰی عنہم انہ لایمنع عن التصرف فی ملکہ وان اضر بجارہ قال وھوالذی امیل الیہ واعتمدہ وافتی بہ تبعا لوالدی شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالٰی [1]۔	میں تصرف سے منع نہ کیا جائے اگرچہ پڑوسی کو اس سے تکلیف ہو، اور فرمایا مجھے یہی پسند ہے اسی پر اعتماد کرتا ہوں اور فتوٰی دیتا ہوں یہ اپنے والد شیخ الاسلام کی پیروی میں کرتا ہوں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔ (ت)

اور فقہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ جب فتوٰی مختلف ہو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع ہے اور اس سے عدول ناجائز، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے مرجوع عنہ ہے اور ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں،

صرح بکل ذٰلک فی الخیریۃ والبحر والدر ورد المحتار وغیرہا من معتمدات الاسفار وقد سردنا نصوصھم فی کتاب النکاح وغیرہ من فتاوٰنا۔	اس تمام کی تصریح خیریہ، بحر، در اور ردالمحتار وغیرہا قابل اعتماد کتب میں ہے، ان کی نصوص کو ہم نے اپنے فتاوٰی کے باب النکاح میں جمع کردیا ہے۔ (ت)

متاخرین نے کہ برخلاف مذہب جملہ ائمہ مذہب بنظر "لاضرر ولاضرار فی الاسلام [2]" منع پر فتوٰی دیا صاف تصریح فرمائی کہ اس کا محل وہاں ہے کہ مالک کا وہ تصرف دوسرے کو ضرر شدید صریح پہنچاتا ہو جس کی وجہ سے اس کا مکان گر جائے یا اصلاً قابل انتفاع نہ رہے ورنہ بالاجماع ممانعت نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

لایمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ الااذاکان الضرر بینا [3]۔	کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف سے منع نہ کیا جائیگا الایہ کہ اس سے واضح ضرر پیدا ہو۔ (ت)

بحر میں ہے:

صحح النسفی فی الحمام ان الضرر ان کان فاحشا یمنع والافلا والحاصل ان الذی علیہ غالب المشائخ من	امام نسفی نے تصحیح فرمائی ہے کہ اگر حمام کی وجہ سے فحش ضرر ہو تو منع کیا جائے ورنہ نہیں، حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں متاخرین کی غالب اکثریت

[1] بحر الرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۳۳

[2] نصب الرایۃ کتاب الجنایات باب مایحدث الرجل فی الطریق الخ مکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴ /۳۸۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۵

المتاخرين الاستحسان فی اجناس هذه المسائل وافتی طائفة بجواب القياس المروی واختار فی العمادية المنع اذاكان الضرر بينا وظاهر الرواية خلافه[1]۔	نے استحسان پر عمل کیا اور ایک گروہ نے قیاس کے مطابق جواب دیا ہے اور عمادیہ میں منع مذکور ہے جب ضرر واضح ہو، اور ظاہر روایت اس کے خلاف ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

ترك القياس فی موضع يتعدی ضرره الی غيره ضرر افاحشا وهو المراد بالبين وهو مايكون سببا للهدم او يخرج عن الانتفاع بالكلية وهو مايمنع الحوائج الاصلية كسد الضوء بالكلية واختاروا الفتوی عليه فاما التوسع الی منع كل ضررما فيسد باب انتفاع الانسان بملكه كماذكرناقريبا[2]۔	جہاں غیر کو اس کا ضرر فاحش پہنچے وہاں قیاس کو ترک کیا جائے گا اور واضح ضرر سے یہی مراد ہے کہ دوسرے کی عمارت کے انہدام کا سبب بنے یا انتفاع کلی طور پر ختم ہو جائے وہ یہ کہ حوائج اصلیہ مثلاً روشنی کو مکمل ختم کردے اسی پر فتوٰی ہے لیکن ہر قسم کے ضرر کی وجہ سے منع کرنا وسیع ہو تو پھر انسان اپنی ملکیت میں تصرف وانتفاع سے محروم ہو جائیگا جیسا کہ قریب ذکر ہوا۔ (ت)

یہاں اگر فرض کیا جائے کہ اب ہندہ کا ایسا ہی ضرر ہے جس کے سبب اس کا مکان اصلاً قابل انتفاع نہ رہا تو یہ ضرر دریچوں نے نہ پہنچایا کہ وہ تو قدیم سے ہیں اب تک ہندہ نے اپنے مکان سے کیونکر انتفاع کیا بلکہ یہ نقصان اس دیوار ہندہ کے انہدام سے پیدا ہوا جو حسب بیان سائل خود باختیار ہندہ منہدم ہوئی اور کوئی شخص خود اپنے لئے سبب ضرر پیدا کرکے دوسرے کا گریبان گیر نہیں ہو سکتا ورنہ کل کو ہندہ اپنی دیوار پردہ سے گزدو گز اور اتار کر شارع عام بند کرنے کی خواستگار ہوگی لوگوں کے گزرنے سے میری بے پردگی ہے، ایسے مہمل دعوے اگر سن لئے جائیں تو ایک عورت کہ محلّہ کے وسط میں رہتی ہو اہل محلّہ کی عافیت تنگ کر سکتی ہے اپنے کچے جھونپڑے کی چاروں دیواریں گرا کر چار طرف کی نشست گاہوں پر دعوی کردے کہ ان سے میری بے پردگی ہے سب تیغا کرادی جائیں یا ان کے سامنے دیواریں کھنچوادی جائیں گراتے وقت کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا کہ وہ کہے گی میں اپنی ملک خاص میں تصرف کرتی ہوں تم کون، اور جب

[1] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۳۳

[2] ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۱

گرا چکی تو اب لوگوں کی نشستگاہوں سے اس کا ضرر ظاہر ہے، انصافاً اس وقت مفتی کیا فتوی اور قاضی کیا حکم دے گا، کیا ہندہ کے اپنے پیدا کئے ہوئے ضرر کے سبب اس کا لایعنی دعوی سن لیا جائے گا یا اسی کو اپنا پردہ بدستور درست کرلینے کا حکم کردیا جائے گا خصوصًا جس حالت میں کہ زید محض تبرع واحسان یہ بھی کہتا ہے کہ میں اپنے صرف سے دیوار اونچی کردوں، پھر ہندہ کا نہ ماننا سوا تعنت وایذارسانی کے کس امر پر محمول ہوسکتا ہے **ولاضرر ولاضرار فی الاسلام**[1] (اسلام میں ضرر رسانی جائز نہیں ہے۔ت) بالجملہ صورت مستفسرہ میں ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ عنہم کے اصل مذہب مفتی بہ پر تو دعوی ہندہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں، انصافاً مختار متاخرین بھی اس صورت سے بیگانہ ہے کہ اضرار جانب زید سے نہیں **فعلیك بترك الاعتساف والانصاف خیر الاوصاف** (کج روی کو ترک کرنا لازم ہے اور انصاف بہترین خوبی ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۱: از ملک اپر برہما مانڈلہ زیجو بازار مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب **۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ**

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد اپنی زوجہ ہندہ کے قبضہ میں چھوڑی، بعد ازیں انتقال کیا، اور اپنی بہن کا نواسہ عمرو اور زوجہ ہندہ کو چھوڑا بعد وفات زید کے جائداد متروکہ پر ہندہ قابض رہی، اب ہندہ نے وہ جائداد جو اس کے قبضہ میں تھی اس میں سے کچھ بنام خالد اپنے بھتیجے کو ہبہ کرکے دستاویز رجسٹری کرادی اور کچھ اپنی بہن زینب وفاطمہ اور کچھ کلثوم اپنی بہن متوفاۃ کی بیٹی کو اور دو بھتیجوں کو تقسیم کرکے ان کے نام رجسٹری کرادی، بعد اس کے ہندہ نے انتقال کیا، اب عمرو جائداد مذکورہ کا دعوی کرتا ہے شرعًا جائداد کس کو ملنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر عمرو عاقل بالغ اسی شہر میں موجود ہندہ کے ان تصرفات پر مطلع تھا اور دعوی نہ کیا اب بعد انتقال ہندہ مدعی ہوا تو یہ دعوی اصلًا قابل سماعت نہیں کہ ان تصرفوں پر مطلع ہو کر ساکت رہنا صریح دلیل ہے کہ عمرو کا جائداد میں کوئی حق نہ تھا، خلاصہ میں ہے:

رجل تصرف فی ارض زمانا ورجل اٰخر یری تصرفہ فیہا ثم مات المتصرف ولم یدع الرجل	ایک شخص ایک زمانہ سے زمین میں تصرف کررہا ہے اور دوسرا شخص زمین میں اس کے تصرفات کو دیکھ رہا ہے پھر تصرف کرنے والا فوت ہوا تو اب وفات

[1] نصب الرایۃ کتاب الجنایات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴ /۳۸۴

حال حیاته لاتسمع دعواه بعد وفاته[1]۔	کے بعد دوسرے نے زمین پر دعوی کیا تواس کادعوی مسموع نہ ہوگا کیونکہ اس کی زندگی میں دوسرے نے دعوی نہ کیا۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

فی فتاوی المرحوم العلامة الغزی صاحب التنویر سئل عن رجل له بیت فی دار یسکنه مدة تزید علی ثلث سنواة وله جار بجانبه والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور هدما وعمارة مع اطلاع جاره علی تصرف فی المدة المذکورة فهل اذاادعی البیت اوبعضه تسمع دعواه ام لا اجاب لاتسمع دعواه علی ماعلیه الفتوی[2]۔	علامہ غزی صاحب تنویر کے فتاوٰی میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص کا حویلی میں مکان ہے وہاں وہ تین سال سے زائد عرصہ رہائش پذیر ہے اور وہ اپنے مکان میں توڑ پھوڑ اور مرمت کاکام کرتا رہا اس کے پڑوس والا شخص اس کے ان تصرفات کو دیکھتا رہا اور مدت مذکورہ میں خاموش رہنے کے باوجود اب اس مکان کے کل یا بعض پر دعوی کرے تو اس کا دعوی مسموع ہوگا یا نہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ فتوی کے مطابق اب اس کادعوی مسموع نہ ہوگا۔(ت)

اور اگراس وقت تک بچہ یا مجنون یا غائب تھا اب عاقل بالغ ہوا یا اطلاع پائی تو اگر ثابت ہو کہ زید کی جائداد قبضہ ہندہ میں بطور ہبہ یا بعوض دین مہر تھا جب بھی دعوی عمرو نامقبول ہونا خود ظاہر، اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو تو دیکھیں گے کہ دین مہر ہندہ ترکہ کو مستغرق یعنی اس کی قیمت سے زائد مساوی ہے یا نہیں، اگر مستغرق ثابت ہو جب بھی عمرو کا اصل مبنائے دعوی عن ملک بذریعہ وراثت حاصل ہی تھا کہ دین جب ترکہ کو محیط ہو تو وارث اس کے مالک نہیں ہوتے نہ وہ اسے لے سکتے ہیں کل جائداد ادائے دین میں صرف کی جائیگی، اشباہ میں ہے:

الدین المستغرق للترکة یمنع ملك الوارث[3]۔	میت پر قرضہ اس کے ترکہ کے برابر یا زائد ہو تو وارث کی ملکیت کے لئے مانع ہے(ت)

[1] العقود الدریة بحوالہ الخلاصہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳

[2] العقود الدریة کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۴

ہاں اگر عمرو کہے کہ میں تمام وکمال دین مہر اپنے پاس سے ادا کئے دیتا ہوں تو بیشک اسے اختیار ہوگا کہ دین ادا کرکے ترکہ چھڑالے۔ اشباہ میں ہے:

للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[1]۔	وارث کو قرضہ ادا کرکے ترکہ کو حاصل کرلینے کا حق ہے اگرچہ وہ ترکہ قرضہ میں مستغرق ہو۔(ت)

اس صورت میں اور نیز جبکہ دین مستغرق نہ ہو بعد ادائے دین جو باقی بچے اس کے ثلث میں زید کی وصیت اگر اس نے کچھ کی ہو نافذ کرکے ما بقی بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین چار سہم ہو کر ایک سہم ہندہ اور تین سہام عمرو کو ملیں گے ان تقدیرات پر جن میں کل جائداد مملوک ہندہ نہ ٹھہری جتنے ہبہ ہندہ نے جس جس کے نام کئے سب باطل ہو جائیں گے چہارم حصہ جو ہندہ کو پہنچا اس کے وارثان شرعی پر حسب فرائض تقسیم ہو جائیگا۔ درمختار میں ہے:

الاستحقاق شیوع مقارن لاطارئ فیفسد الکل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر منقسم حصوں کا استحقاق ابتداء سے مقارن ہو طاری نہ ہو تو تمام حصوں کو فاسد کردے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۲: از ریاست رامپور مرسلہ احمد خان صاحب ۶/ جمادی الآخرہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدعی ہوا کہ میں نے آٹھ ہزار روپے یافتنی عمرو کے میرے ذمے تھے عمرو کو پہنچادئے اور چند گواہ متفق اللفظ والمعنی حاکم کے حضور گزرائے جنہوں نے بالاتفاق رقم مذکور کی نسبت عمرو کے اقرار وصول کرنے پر شہادت دی زید نے اس رقم کی رسیدیں بھی پیش کیں جن کی تحریر سے بھی عمرو کو اقرار ہے، عمرو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ان میں ایک رسید تین سو کی تو میں نے دی ہی نہیں اور دو رسیدیں ایک تین سو اور ایک دو سو چالیس کی زید نے چالاکی سے بڑھالی ہیں وہ سو اور یہ صرف چالیس کی میں نے دی تھی، اس مضمون پر عمرو نے چند گواہ دئے کہ یہ رسیدیں سو اور چالیس کی عمرو نے لکھی تھیں، اس صورت میں دفع دعوٰی زید کے لئے یہ گواہ مقبول ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں نہ عمرو کا یہ جواب مقبول نہ اس میں اس مضمون کی شہادت مسموع۔ شرع میں

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

ایسی جگہ اقرار حجت شرعیہ ہے اور اس پر شہادت ثبوت دعوی کے لئے کافیہ وافیہ، جامع الفصولین فصل حادی عشر میں ہے:

لو ادعی قضاء دینه اشهدا انه اقر باستیفائه تقبل[1]۔	اگر مدعی نے قرض ادا کرنے کا دعوی کیا ہو دو گواہوں نے یہ شہادت دی کہ مدعی نے قرض وصول کرلینے کا اقرار کیا ہے، تو شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

بخلاف رسیدات کہ یہ کوئی حجت نہیں حاصل انکار عمرو یہ ہوگا کہ منجملہ آٹھ ہزار کے سات سو مجھے نہ ملے کہ اس قدر کی رسید میری لکھی ہوئی نہیں، ایسا فضول جواب بعد ثبوت اقرار کیا قابل التفات ہوسکتا ہے، بالفرض اگر ایک رسید کو بھی عمرو نہ مانتا یا اصلاً کوئی رسید ہوتی ہی نہیں تو ثبوت اقرار ثبوت ایصال کو بس تھا اور جب یہ جواب خود مہمل ہے تو اس پر شہادت بھی قطع نظر اس سے کہ معنی نفی پر شہادت ہے جس کا حاصل یہ کہ اتنے روپے نہ پہنچے خود فضول و مہمل ہے کہ یہ شہادت ایسی ہی چیز ہے جس کا وجود وعدم یکساں، تو بعد ثبوت حجت شرعیہ ایک امر غیر حجت میں خلل ہو بھی تو کیا۔ فتاوٰی قاضیخان واشباہ والنظائر وفتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

واللفظ للعلامة الرملی فی فتاوی المقرر عند علماء الحنفیة انه لااعتبار بمجرد الخط ولاالتفات الیه حجج الشرع ثلثة وهی البینة او الاقرار او النکول کما صرح به فی الاقرار الخانیة[2]۔	فتاوٰی میں علامہ رملی کے الفاظ ہیں کہ علماء احناف کے ہاں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ محض خط کا کوئی کااعتبار ہے نہ وہ قابل توجہ ہے کیونکہ شرعی دلائل تین ہیں: گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار، جیسا کہ خانیہ کے باب الاقرار میں تصریح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجة وهی البینة اوالاقرار او النکول کما فی اقرار الخانیة وقد نقله الشیخ زین فی اشباهه ونظائره فی	قاضی صرف حجت پر فیصلہ دے گا اور وہ صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کے باب الاقرار میں ہے اور اس کو شیخ زین الدین نے اپنی اشباہ ونظائر میں کتاب القضاء کے شروع

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱٦۷
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب القضاء دار الفکر بیروت ۲/ ۱۲

اول کتاب القضاء [1]۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	میں ذکر کیا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۳: از ریاست رامپور محلّہ مدرسہ مولوی حکیم نجم الغنی خاں صاحب طبیب شفاخانہ فوجی ریاست رامپور ۱۶/رجب ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یعقوب علی خاں نے اپنے برادر عینی عبدالغنی خاں اور ان کی زوجہ وپسر محمدی بیگم ونجم الغنی خاں پر حاکم شرع کے حضور نسبت مکان مسکونہ مدعا علیہم دعوی دخلیابی بریں بنادائر کیا کہ یہ مکان عبدالغنی خان نے ۱۹/مئی ۱۸۹۷ء کو علی محمد خان کے ہاتھ بیع کیا پھر یکم جون ۱۸۹۷ء کو اس سے کرایہ پر لیا بعدہ علی محمد خان مالک مشتری نے ۱۳/جولائی ۱۸۹۸ء کو میرے ہاتھ بیچا عبدالغنی خان اصالۃً اور انکی زوجہ وپسر بالتبع بذریعہ کرایہ قابض اب تخلیہ نہیں کرتے عبدالغنی خان نے دعوی مدعی قبول کیا اور علی محمد خان نے بھی اس کی تصدیق کی محمد بیگم ونجم الغنی خان نے جواب دیا کہ دعوی بہ سازش عبدالغنی خاں برادر حقیقی مدعی دائر ہوا ہے عبدالغنی خاں نے یہ مکان یکم جنوری ۹۷ء کو مجھ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچ کر بیعنامہ مہری اپنا مرتب بگواہی گواہان کرکے مجھے حوالہ کردیا اور زرثمن میرے مہر میں مجرا کیا مجھے مالک مستقل بنا کر قابض کرادیا جب مجھے معلوم ہوا کہ بیعنامہ غیر مصدقہ رجسٹری ہے تو میرے اعتراض پر رجسٹری کرادینے کا وعدہ کیا اور لطائف الحیل میں رکھا پھر کہہ دیا ہمارا تمہارا معاملہ زن وشو کا ہے تصدیق کی کیا ضرورت، پھر خارجًا اس بیع فرضی کی کارروائی کی، محمدی بیگم نے اپنے ثبوت میں بیعنامہ مذکور مہری عبدالغنی خان اور آٹھ مرد دو عورتیں گواہ پیش کئے حاکم مجوز نے حسب سرکلر مجریہ نواب خالد آشیاں کے جس کاغذ بے رجسٹری کے ثبوت پر وجہ وجیہہ گزر جائے تو اسے ثبوت میں لینے اور باضابطہ تحقیقات کرنے کی نسبت حکام بالا سے اجازت لے کر بعد تحقیقات فیس اسٹامپ وتاوان رجسٹری لے کر مثل کاغذات مصدقہ سمجھا جائے حاکم مجوز نے بعد سماع ثبوت اجازت تحقیقات مزید حاصل کی پھر بعد مزید تحقیقات فیس اور تاوان لے لیا، یہ ثبوت وتحقیقات انہیں گواہان پیش کردہ محمدی بیگم سے ہوئے ان میں سید حشمت علی ویوسف علی خاں صاحبان شہود ایجاب وقبول ہیں کہ ہمارے سامنے عبدالغنی خاں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم سے کہا یہ مکان میں نے تمہارے ہاتھ تین سو روپے کو بیچا اور زرثمن تمہارے مہر میں مجرا کیا بیعنامہ دو چار روز میں لکھادوں گا محمدی بیگم نے کہا میں نے سید اشرف علی کاتب بیعنامہ اور شمس الدین خاں غلام محی الدین خاں نثار علی شاہ عبدالرزاق خان پانچوں گواہان حاشیہ بیعنامہ ہیں،ان میں کاتب کا بیان ہے میں نے یہ بیعنامہ عبدالغنی خان کے کہنے سے لکھا، عبارت عبدالغنی خاں بتاتے گئے مہر اپنی انہوں نے اپنے ہاتھ سے لگائی، عبدالرزاق خان نے کہا میں مولوی عبدالغنی خان کے بیٹے سے ملنے گیا مولوی عبدالغنی خان نے مکان متنازعہ کا کاغذ نکالا اور کہا کہ یہ مکان

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب القضاء دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹

میں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچا ہے تم اس پر اپنی گواہی لکھ دو میں نے لکھ دی ان کے علاوہ باقر حسین ومنور بیگم وفرخندہ بیگم وفرزندہ بیگم نے شہادت دی۔ حاکم مجوز نے اس پر یہ تجویز صادر فرمائی کہ بیع بنام محمدی بیگم اس بیع نامہ سادہ سے ثابت نہیں، نہ شرعًا نہ ضابطۃً نہ عقلًا۔

شرعًا بدیں وجہ کہ مدار ثبوت بیع قولی مجلس واحد میں وجود ایجاب وقبول پر ہے عدالت نے خود اظہار محمدی بیگم لیا جس میں اس نے بیان کیا کہ یہ مکان شوہر مظہرہ نے بمعاوضہ سہ صد روپیہ منجملہ مہر مظہرہ بیع کرکے کاغذ میرے حوالہ کیا کاغذ بعد گفتگوئے بیع لکھا گیا گفتگوئے بیع یہ ہوئی تھی بائع نے کہا میں کاغذ بیعنامہ تمہیں لکھوائے دیتا ہوں، میں نے کہا آمین، وقت گفتگوئے بیع اور لانے بیعنامہ کے کوئی نہ تھا صرف میرا خاوند اور میں تھی، اولًا صرف یہ کہنا بائع کا کہ بیعنامہ لکھوائے دیتا ہوں، وعدہ ہے نہ ایجاب، بالفرض ایجاب بھی ہوتا تو تعیین ثمن ایجاب وقبول میں ضرور ہے وہ یہاں مفقود۔ دوم گواہی یوسف علی خان وسید حشمت علی صریح زوری ومصنوعی خلاف بیان مدعاعلیہا ہے یہ صاف صاف اپنے سامنے ایجاب وقبول ہونا بیان کرتے ہیں اور مدعاعلیہا لکھا چکی کہ وقت گفتگوئے بیع کوئی نہ تھا اور گفتگوئے بیع وہ تھی، غلام محی الدین خان لکھاتا ہے بائع نے سقف مکان مبیعہ پر مجھ سے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان بقیمت سہ صد روپیہ بدست محمدی بیگم بیچا ہے میں نے زیر سقف نزد محمدی بیگم آکر دریافت کیا تو مسماۃ نے کہا میں نے یہ مکان بقیمت سا/خریدا ہے تم گواہی کردو، اگر عدالت کلام بائع کو جو بالائے سقف کہا ایجاب قرار دیتی ہے تو قبول مدعاعلیہا نے زیر سقف ظاہر کیا ہے مجلس مغائر ہے اور وہ موجب بطلان وعدم انعقاد بیع ہے۔ شمس الدین خاں لکھاتا ہے بائع نے بالائے سقف کہا میں نے یہ مکان بدست محمدی بیگم فروخت کیا ہے تم بھی گواہی کردو، پھر مظہر محمدی بیگم کے پاس آیا اور مبارکی دی، محمدی بیگم نے کہا ہاں پرسوں میرے زوج نے یہ مکان میرے ہاتھ بیچا ہے اگر قول بائع کو ایجاب مان لیا جائے تو قبول ندارد کہ محمدی بیگم نے اپنے خریدنے سے خبر دی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ بیع پہلے ہوئی، شرف علی کاتب نے صرف کتابت بیعنامہ یعنی اپنے فعل پر گواہی دی ہے ایسی گواہی جائز نہیں۔ باقر حسین گواہ صرف اقرار کا ہے بوجہ واحد ہونے کے نصاب نہیں، علاوہ برآں جملہ گواہ رجال غیر ثقہ غیر معتمد ہیں کوئی قرینہ صداقت شہادت نہیں، نہ بیعنامہ رجسٹر، نہ بر کاغذ اشٹام، نہ محررہ بقلم بائع، نہ دستخط اس کے، نہ گواہی کسی اہل محلّہ کی۔ فرخندہ بیگم نواسی مدعاعلیہا کی گواہی بحق نانی غیر مقبول کہے، نثار علی شاہ صریح نامقبول الشہادۃ کہ باقرار خود داڑھی مونچھ چودہ سال سے صفار کھتا ہے۔

ضابطۃً: اس بناء پر کہ اس زمانہ فتنہ میں بلحاظ سد باب زور سرکار نے دستور العمل مرتب فرمادیا ہے جس میں پیش از تقرر کونسل زیادہ دس روپے سے ہونا رجسٹری انتقالات قطعی جائداد غیر منقول لازمی تھا

زمانہ کونسل میں زائد از پنجاہ روپیہ لازمی رکھ کر بہت سے قیود اسٹامپ وغیرہ بڑھادئے گئے بلحاظ پابندی دستور العمل وجدید بیعنامہ سادہ عندالعدالت ساقط الاعتبار ہے خاصۃً ایسے محل پر کہ حسب تحریر مدعاعلیہا بائع آدم فریبی وجعلساز ہے، مانا کہ عدالت نے اسٹامپ وفیس لے لیا ہے مگر مقصود سوا اس کے نہ تھا کہ عدالت انکشاف اصلیت معاملہ کرکے عذر کسی کا باقی نہ رکھے۔

عقلاً: حالت اشتباہی بیعنامہ ظاہر ہے بائع لکھا پڑھا آدمی ہے، نہ اس کے قلم کی تحریر، نہ دستخط، نہ اہل محلّہ یا عزیز واقارب کی شہادت، نہ اسٹامپ، نہ وثائق نویس رجسٹری کا لکھا ہوا، حدود جنوبی وشمالی مشکوک، مہر عرفاً محفوظ نہیں رہتی جس کا دستیاب ہونا اہل خانہ کو دشوار ہو، جس حالت میں بیع مدعاعلیہا ثبوت کو نہ پہنچی اس بناء پر اول مدعاعلیہا کو کوئی منصب اعتراض کا بیعنامہ رجسٹری شدہ موسومہ مدعی وبائع مدعی پر نہیں۔ دوم ہر دو بیعنامہ مدخلہ مدعی رجسٹری شدہ وباضابطہ نہیں۔ سوم بائع کو ہر دو بیع مظہرہ مدعی مسلم ومقبول ہیں۔ لہٰذا حکم ہوا کہ فیصلہ بحق مدعی ہوکر خرچہ مدعی ذمہ محمدی بیگم ونجم الغنی خاں عائد ہو فقط۔ اب علمائے شرع سے استفسار ہے کہ شرعاً اس صورت میں حکم کیا ہے شہادات پیش کردہ محمدی بیگم بوجوہ مذکورہ مردود ہیں یا نہیں، شہود پر نہ کوئی جرح لی گئی نہ وہ مجروح ہیں، ایسی حالت میں انہیں بلاثبوت غیر ثقہ وغیر معتمد قرار دینا کیسا ہے۔ عبدالرزاق خاں کا ذکر تجویز میں اصلاً نہ فرمایا گیا جس کے ملاحظہ کے بعد باقر حسین تنہا گواہ اقرار نہیں ثبوت بیع کیلئے خاص ایجاب وقبول پر شہادت گزرنا ضرور ہے یا اقرار بائع کا ثبوت بھی کافی، اور بر تقدیر ثبوت اقرار یہاں فیصلہ شرعاً بحق یعقوب علی خاں ہونا چاہئے یا بحق محمدی بیگم؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ طالب حق یہاں چند امر ملحوظ رکھے کہ باذنہ تعالٰی وضوح حکم میں دقت نہ رہے،

اول: ثبوت بیع کے دو معنی ہیں: ثبوت فی نفسہ یعنی بیع فی الواقع کا موجود ومنعقد ہونا، اور ثبوت عندالقاضی یعنی حاکم کے نزدیک اس کا پایہ ثبوت کو پہنچنا۔ ثبوت فی نفسہ نہ صرف بیع قولی بلکہ ہر بیع کا قولی ہو یا فعلی وجوہ ایجاب وقبول پر موقوف ہے کہ وہ ارکان عقد ہیں اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے متحقق نہیں ہوسکتا ہاں ایجاب وقبول اس سے عام ہیں کہ قولاً ہوں یا فعلاً، صراحۃً ہوں یا دلالۃً عبارۃً ہوں یا اقتضاءً ہوں خطاباً یا کتاباً، غرض کوئی قول کوئی فعل طرفین سے ایسا ہونا چاہئے جو باہم مبادلہ مال بالمال کی تراضی پر دلیل ہو کہ ان عقود میں معنی ہی اعتبار کا ہے زبانی تلفظ پر مدار نہیں، ولہٰذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بیع جس طرح "**بعت اشتریت**" کہنے سے ہوجاتی ہے یونہی تحریر سے بھی کہ قلم بھی ایک زبان ہے۔ اشباہ

میں ہے:

الکتابة یصح البیع بھا قال فی الهدایة والکتاب کالخطاب[1]۔	تحریری بیع صحیح ہے جس کو ہدایہ نے بیان کیا، اور تحریر زبانی خطاب کی طرح ہے(ت)

ولہٰذا فرماتے ہیں تعاطی سے بھی ہوجاتی ہے جہاں نہ تقریر نہ تحریر، ایک تھان رکھا ہے بزاز سے پوچھا قیمت کیا ہے؟ کہا دس روپے، اس نے روپے رکھ کر تھان اٹھالیا، اس نے روپے لے لئے بیع ہوگئی اگرچہ نہ بزاز نے فروختم کہا نہ اس نے خریدم۔ ہدایہ میں ہے:

المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود لھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھو الصحیح لتحقق المراضاة[2]۔	ان عقود میں معنٰی معتبر ہوتا ہے لہٰذا دستی ادل بدل سے اعلٰی اور ادنٰی چیز میں بیع منعقد ہوجاتی ہے کیونکہ فریقین کی رضامندی پائی گئی ہے۔(ت)

اور شک نہیں دستاویز بیعنامہ بطور مرسوم و معہود لکھ کر گواہیاں کراکر مشتری کو حوالہ کرنا اور اس کا بخوشی لے لینا قطعاً دلیل تراضی ہے۔ عندالانصاف اسی قدر تحقق ایجاب وقبول کے لئے کافی ہے اگرچہ اس سے پہلے زبانی گفتگو صرف اسی قدر آئی ہو کہ اس نے کہا میں بیعنامہ تمہیں لکھوا کر دیتا ہوں، اس نے کہا آمین کہ یہاں تک اگرچہ صرف وعدو پسند تھا مگر بیعنامہ بطور مذکور لکھوا کر دینا لینا دلیل تراضی ہو کر ایجاب و قبول ہوگیا جس طرح شائع وذائع ہے کہ والدین کوئی جائداد اپنے روپے سے خرید کر بیعنامہ اپنے کسی بچے کے نام لکھواتے ہیں تمام عالم جانتا ہے کہ اس سے مقصود اس کی تملیک ہی ہوتی ہے اور وہ جائداد اسی بچے کی ٹھہرتی ہے اگرچہ زبان پر ہبہ کا حرف بھی نہ آیا۔ احکام الصغار استروشنی میں ذخیرہ و تجنیس سے ہے:

امرأة اشترت ضیعة لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملك الشراء للولد وتکون الضیعة للولد لانھا تصیر واھبة والام تملك ذٰلك ویقع قبضھا عنه[3]۔	ایک عورت نے اپنے مال سے نابالغ بیٹے کے لئے زمین خریدی، یہ خریداری والدہ کی ہوگی کیونکہ وہ نابالغ بیٹے کے لئے خریدار نہیں ہوسکتی اور یہ زمین بیٹے کی ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوئی کیونکہ ماں کو ہبہ کا حق ہے اور پھر بیٹے کی طرف سے قبضہ لیا ہے۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابة ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۶

[2] الہدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵۔ ۲۴

[3] احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین باب فی مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷

دوم: ثبوت عند القاضی جس طرح شہادت اصل عقد سے ہوتا ہے یعنی گواہ کہیں ان دونوں نے ہمارے سامنے خریدم وفروختم کہا، یونہی شہادت اقرار سے بھی کہ گواہ کہیں ہمارے سامنے اس نے اقرار بیع کیا، جامع الفصولین فصل ۱۱ میں برمز "می "منتقی الامام الحاکم الشہید سے ہے:

ادعی بیعا و شھدا انہ اقر بالبیع تقبل[1]۔ (ملتقطا)	ایک شخص نے بیع کا دعوی کیا اور دو گواہوں نے اس کے بیع کے اقرار پر شہادت دی تو شہادت قبول ہوگی۔ (ملتقطا)۔ (ت)

یوں ہی شہادت مختلط سے بھی یعنی ایک گواہ عقد بیع پر شہادت دے اور دوسرا اقرار بیع پر، بیع ثابت ہو جائے گی، جامع الفصولین میں برمز فقظ فتاوٰی امام قاضی ظہیر سے ہے:

فی البیع والاجارۃ والصلح لو شھد احدھما بعقد والاٰخر باقرارہ بہ لایضر[2]۔	بیع، اجارہ اور صلح کے معاملات میں ایک نے شہادت دی کہ عقد کیا ہے دوسرے نے اقرار کی شہادت دی تو یہ اختلاف مضر نہیں۔ (ت)

اسی میں برمز لبس مبسوط سے ہے:

ادعی شراء وشھد احدھما بہ والاٰخر انہ اقربہ تقبل[3]۔	مدعی نے خریداری کا دعوی کیا، ایک گواہ نے خریدنے کی اور دوسرے نے خرید کرنے کے اقرار کی شہادت دی تو مقبول ہوگی۔ (ت)

اسی میں برمز لط لطائف الاشارات سے ہے:

شھد بنحو بیع والاٰخر باقرارہ بہ تقبل[4]۔	ایک نے بیع کی اور دوسرے نے اس بیع کے اقرار کی شہادت دی تو مقبول ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

ادعی الشراء وشھد احدھما ببیع	مدعی نے خریداری کا دعوی کیا، ایک نے فروخت

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۴

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۳

[3] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۴

[4] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۴

وشھدالاٰخر "کہ بائع ازومہ ثمنش طلب کرد" تقبل لان طلب الثمن اقرار منہ بالبیع[1]۔	کرنے اور دوسرے نے یہ شہادت دی کہ بائع نے اس مشتری سے قیمت طلب کی ہے شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قیمت طلب کرنا فروخت کرنے کا اقرار ہے۔(ت)

یہاں سے ثابت ہوا کہ شہادت اقرار کے بعد شہادت ایجاب وقبول کی اصلاً حاجت نہیں ولہذا تنہا اقرار کی گواہی کافی ہو جاتی ہے ولہذا ایک گواہ اقرار کے ساتھ ایجاب وقبول کی ایک ہی شہادت کافی ہے حالانکہ نفس عقد پر صورت اولیٰ میں شہادت اصلاً نہیں، اور صورت ثانیہ میں نصاب ناتمام اور جب شہادت اقرار کے ساتھ نفس عقد کی تفتیش ہی نہ رہی تو آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ اس کے ہوتے حاکم کو اس بحث کی کچھ گنجائش نہیں کہ مشتری کے لفظ تو معلوم ہی نہ ہوئے یا بیان اس مجلس میں نہ تھا یا اس کا کلام انشائے قبول نہ تھا اخبار تھا، یہ تحقیقات تو نفس ایجاب وقبول سے متعلق تھی جب شہادت اقرار بائع کی نسبت سے بیع ثابت ہو گئی الفاظ مشتری یا اتحاد وتعدد مجلس سے کیا بحث رہی۔

سوم: املایعنی عبارت بتاتے جانا اور دوسرے سے لکھوانا اپنے لکھنے سے کسی طرح کم نہیں بلکہ اس سے اقوی ہے، علماء فرماتے ہیں کتابت تین قسم ہے: ایک نامعلوم جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا، یہ محض باطل ہے دوسری مرسوم یعنی طریقہ معہودہ معروفہ پر لکھنا، جس طرح خطوط میں القاب وآداب سے آغاز یا تمسکات میں منکہ فلاں بن فلاں سے شروع، یہ ضرور معتبر ہے۔ تیسری معلوم غیر مرسوم جیسے کاغذ پر وہ تحریر کہ طریقہ معہودہ پر نہ ہو اس کے ساتھ جب تک نیت یا دلیل نیت نہ پائی جائے معتبر نہیں، دلیل نیت مثلاً لکھ کر گواہ کرنا یا عبارت بتابتا کر دوسرے سے لکھوانا کہ قول راجح میں اس کے بعد گواہ کرنے کی حاجت نہیں تو ثابت ہوا کہ عبارت بتا کر لکھوانا اپنے لکھنے سے قوی تر ہے کہ غیر مرسوم طور پر خود لکھے اور گواہ نہ کرے تو معتبر نہیں اور دوسرے سے لکھوائے تو بے گواہ کئے معتبر ہے۔ عقود الدریہ میں ہے:

فی الزیلعی والملتقی اٰخر الکتاب فی مسائل شتی قالوا الکتاب علیٰ ثلث مراتب، مستبین مرسوم وھو ان یکون معنوناای مصدرابالعنوان وھو ان یکتب فی صدرہ من فلان الیٰ فلان علی	زیلعی اور ملتقی مسائل شتی کے آخر میں ہے، فقہاء کرام نے فرمایا تحریر تین مراتب پر ہے، ایک یہ کہ واضح معنون ہو وہ یہ کہ اس کے شروع میں یہ عنوان ہو کہ فلاں سے فلاں کی طرف جیسا کہ چٹھی میں طریقہ مروجہ ہے، یہ چٹھی بالکل زبانی گفتگو

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ١/ ١٦٦

ماجرت به العادة فهذا کالنطق فلزم حجة، ومستبین غیر مرسوم کالکتابة علی الجدران واوراق الاشجار وعلی الکاغذ لاعلی الوجه المعتاد فلایکون حجة الا بانضمام شیئ اٰخر الیه کالنیة والاشهاد علیه و الاملاء علی الغیر حتی یکتبه لان الکتابة قد تکون للتجربة ونحوها وبهذه الاشیاء تتعین الجهة وقیل الاملاء بلااشهاد لایکون حجة والاول اظهر، و غیر مستبین کالکتابة علی الهواء والماء وهو بمنزلة کلام غیر مسموع ولایثبت به شیئ من الاحکام وان نوی اھ ومثله فی الهدایة وفتاوی قاضی خان[1]۔	کی طرح حجت ہے، دوسری واضح غیر معنون جیسا کہ کسی دیوار پر، درخت کے پتوں یا عام کاغذ پر غیر مروجہ طریقہ پر لکھی گئی ہو یہ کسی دوسری چیز کی مدد کے بغیر حجت نہ ہوگی مثلاً نیت یا گواہی یا دوسرے کو املاء کئے بغیر حجت نہ بنے گی کیونکہ ایسی تحریر کبھی تجربہ کے لئے ہوتی ہے لہٰذا مذکور قرائن سے اس کی وجہ متعین ہوسکے گی، بعض نے کہا ہے کہ املاء کی صورت میں جب تک گواہی نہ ہو حجت نہ بنے گی لیکن اول قول درست اور اظہر ہے تیسری وہ کہ واضح نہ ہو جیسا کہ ہوا اور پانی پر تحریر ہو تو اس کی حیثیت غیر مسموع کلام جیسی ہے اس سے کوئی حکم ثابت نہ ہوسکے گا اگرچہ نیت بھی کی ہو اھ، ھدایہ اور فتاوی قاضی خان میں بھی ایسے ہی ہے۔(ت)

چہارم: بیع نام ایجاب وقبول کا ہے اور وہ جب الفاظ میں ہو خود گفتگو ہے اور کسی شے کی گفتگو بمعنی اس چیز کی بات چیت اور مشورے اور قرار کے بھی مستعمل مثلاً کسی کے نکاح کا مشہور ہوا ہو تو اس سے کہیں آج تمہارے بیاہ کی گفتگو تھی اس کے یہ معنی نہیں کہ ایجاب قبول ہوگیا بلکہ وہ مشورہ اور بات چیت مراد ہے تو لفظ گفتگوئے بیع دو معنی کو محتمل، اول اضافت بیانیہ یعنی وہ گفتگو کہ بیع ہے، اس تقدیر پر اس سے مقصود نفس ایجاب وقبول ہوگا۔ دوم اضافت لامیہ یعنی بیع کا مشورہ اور اس کی بات چیت، اس تقدیر پر ہرگز اس کے معنی ایجاب وقبول نہیں بلکہ پیش از عقد اس کے باب میں مکالمہ باہمی، **وھذا ظاھر جدا** (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت)

پنجم: جب کسی معاملے کے متعلق کوئی شہادت پیش ہو اور حاکم اسے ایک امر میں قبول کرلے تو اسی مقدمہ کے متعلق کسی دوسرے امر میں بھی اسے رد نہیں کرسکتا سوا بعض صورت استثناء کے،

---

[1] العقود الدریة کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

نہ کہ خاص اسی امر میں کہ یہ تو حاکم کا صریح تناقض ہوگا۔ درمختار میں ہے:

الشهادة اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل الافی عبد بین مسلم ونصرانی فشهد نصرانیان علیهما بالعتق قبلت فی حق النصرانی فقط اشباہ **قلت** وزاد محشیها خمسة اخری معزیة للبزازیة[1]۔	شہادت جب بعض حصہ میں باطل ہو تو کل میں باطل قرار پاتی ہے مگر ایک صورت میں کہ مسلمان اور نصرانی کا مشترکہ غلام ہو تو دو نصرانیوں نے شہادت دی کہ دونوں مالکوں نے اسے آزاد کردیا ہے، یہ شہادت صرف نصرانی مالک کے حصہ میں مقبول ہے، **میں کہتا ہوں** کہ محشی نے ایسی مزید پانچ صورتوں کا اضافہ کیا ہے اور یہ بزازیہ کی طرف منسوب ہیں۔ (ت)

ردالمحتار وغیرہ میں ان صور استثناء کا مفصل بیان ہے جنہیں اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں،

اقول: واذا ثبت ان الشهادة اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل لزمه انها اذا قبلت فی البعض قبلت فی الکل والا لبطلت فی البعض فبطلت فی الکل مع انها قد قبلت فی البعض هذا خلف فاحفظه فانه فائدة جلیلة مهمة۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) جب ثابت ہے کہ بعض میں باطل کل میں باطل ہو جاتی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ شہادت بعض میں مقبول ہو تو کل میں مقبول ہو جائے ورنہ بعض میں باطل ہونے سے کل میں باطل ہو جائے گی حالانکہ بعض میں مقبول ہو چکی ہے تو کل میں باطل ہونا متحقق نہ ہوا، یہ مفروض کے خلاف ہے، اس کو محفوظ کرلو کیونکہ یہ فائدہ جلیلہ ہے۔ (ت)

ششم: غیر ثقہ اہل شہادت ہے اور شہادت فاسق مقبول نہ ہونے کے یہ معنی کہ اس کی شہادت کا قبول واجب نہیں، نہ یہ کہ صحیح ہی نہیں، یہاں تک کہ اگر حاکم صریح فاسقوں کی شہادت قبول کرلے تو وہ بھی مقبول ہو جائے گی اگرچہ حاکم اس قبول کے باعث آثم ہو۔ بحرالرائق ودرمختار میں ہے:

والنظم للدر باب القبول وعدمه ای من یجب علی القاضی قبول شهادته ومن لایجب لامن یصح قبولها اولایصح لصحة الفاسق مثلا کما حققه المصنف تبعا لیعقوب باشا	الفاظ در کے ہیں، باب القبول وعدمہ، یعنی کس کی شہادت کو قبول کرنا قاضی پر واجب ہے اور کس کو قبول کرنا واجب نہیں، یہ مطلب نہیں کہ کس کو قبول کرنا صحیح ہے یا نہیں، کیونکہ مثلاً فاسق کی شہادت قبول کرنا صحیح ہے جیسا کہ مصنف نے یعقوب پاشا

[1] درمختار کتاب الشهادة باب القبول وعدمه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

وغیرہ[1]۔	وغیرہ کی اتباع میں محقق کیا ہے۔(ت)

درروغرر میں ہے:

لو قبل القاضی وحکم بھا کان اٰثما لکنہ ینفذ وفی الفتاوی القاعدیۃ ھذا اذا غلب علی ظنہ صدقہ وھو مما یحفظ[2]۔	اگر قاضی نے فاسق کی شہادت قبول کرکے فیصلہ دے دیا تو نافذ ہوجائے گا لیکن قاضی گنہگار ہوگا۔ فتاوٰی قاعدیہ میں ہے یہ تب ہوگا جب قاضی کو ظن غالب ہو کہ فاسق سچا ہے، یہ محفوظ کرنے کے قابل ہے۔(ت)

تنویر الابصار وجامع البحار وشرح علائی کتاب القضاء میں ہے:

اھلہ اھل الشھادۃ والفاسق اھلھا فیکون اھلہ لکنہ لایقلد وجوبا ویاثم مقلدہ کقابل شھادتہ، بہ یفتی وقیدہ فی القاعدیۃ بما اذاغلب علی ظنہ صدقہ فلیحفظ درر[3] اھ ملتقطا۔	قضاء کا اہل وہی ہے جو شہادت کا اہل ہو اور فاسق شہادت کا اہل ہے لہٰذا وہ قضاء کا اہل ہے لیکن اس کو قضاء پر مقرر نہ کیا جائے اس کو قضاء پر مقرر کرنے والا گنہگار ہوگا، جیساکہ اس کی شہادت قبول کرنے والا گنہ گار ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے، اور فتاوٰی قاعدیہ میں اس کو قاضی کے ظن غالب سے مقید کیا ہے کہ فاسق کی شہادت صدق پر مبنی ہے، اس کو محفوظ کرو، درر، اھ ملتقطا۔(ت)

ہفتم: اگر زید مثلاً کسی مکان پر دعوٰی کرے کہ یہ میرا ہے میں نے بکر سے خریدا ہے اور عمرو مدعا علیہ جس کے قبضے میں وہ مکان ہے جواب دے کہ بلکہ مکان میرا ہے میں نے بکر مذکور سے خریدا ہے تو اس صورت میں وہ مدعا علیہ مدعی اور یہ مقدمہ باب دعوی الرجلین سے ہوجائے گا دونوں طرف سے شہادت مسموع ہوگی اور اب یہ دیکھیں گے کہ ان میں ایک نے اپنی خریداری کی تاریخ بیان کی ہے یا دونوں نے یا کسی نے نہیں، اور اگر دونوں نے بیان کی ہے تو تاریخ ذوالید کی مقدم ہے یعنی عمرو جس کے قبضے میں مکان ہے یا خارج کی یعنی زید جس کے قبضے میں نہیں ان سب صورتوں میں ڈگری صاحب قبضہ کی ہوگی مگر جبکہ خارج کی تاریخ مقدم ہو، غرض یہاں اول ترجیح تقدم تاریخ سے ہے کہ اس کے بعد قبضہ ہونے نہ ہونے پر بھی لحاظ نہیں ہوتا اس کے بعد ترجیح قبضے سے ہے کہ دوسرے کی تاریخ مقدم نہ ہو تو ہر طرح اسی کو ترجیح رہتی ہے۔ فتاوٰی

[1] درمختار کتاب الشہادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

[2] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب القضاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۴۰۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

عالمگیریہ میں ہے:

ان ادعیا الشراء من واحد وکانت العین فی ید احدھما فھی لذی الید سواء ارخ ام لم یؤرخ اذا ارخا وتاریخ الخارج اسبق فیقضی بھا للخارج کذا فی الکافی اھ ملتقطا۔[1]	اگر دو شخص ایک شخص سے کسی چیز کی خریداری کے مدعی ہوں تو جس کا قبضہ ہوگا وہی مالک قرار دیا جائے گا وہ تاریخ بیان کرے یا نہ کرے۔ برابر ہے اور دونوں نے تاریخ بیان کی تو غیر قابض مدعی کی تاریخ پہلے ہو غیر قابض کو مالک قرار دیا جائیگا، کافی میں یونہی ہے اھ ملتقطا (ت)

فصول عمادی پھر فتاوی ہندیہ باب فیماتدفع بہ دعوی المدعی میں ہے:

اذاادعی عینا فی یدی رجل انی اشتریتہ من فلاں منذسبعۃ ایام وقال ذوالید لابل ھو ملکی اشتریتہ من ذٰلك الذی تدعی الشراء منہ منذ عشرۃ ایام وقام البینۃ یکون لاسبقھما تاریخا[2]۔	ایک شخص کسی چیز کے متعلق جو کہ دوسرے کے قبضہ میں ہے دعوی کیا کہ میں نے یہ چیز فلاں شخص سے ایک ہفتہ قبل خریدی ہے قابض نے کہا یہ غلط ہے بلکہ یہ چیز میری ملک ہے میں نے اسی فلاں شخص سے ایک عشرہ قبل خریدی ہے اور قابض نے اپنے دعوی پر گواہی پیش کردی تو یہ چیز پہلی تاریخ والے یعنی قابض کی ملک قرار دی جائے گی (ت)

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہاں محمدی بیگم کے مدعیہ ہوجانے پر بھی بحث کی گئی ہے حالانکہ یہ تو بہت واضح بات ہے جب اس نے اپنی خریداری کا دعوی کیا مدعیہ ہوجانے میں کیا شبہ رہا کما ذکرنا (جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں۔ت) علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر زید عمرو پر دعوی کرے کہ یہ مال جو اس کے قبض میں ہے میرا ہے، عمرو جواب دے کہ بلکہ بکر کا ہے اس نے ودیعۃً مجھے سپرد کیا ہے تو عمرو مدعی ہوگیا حالانکہ اس نے اپنی ملک کا دعوی بھی نہ کیا تو دعوی شراء میں مدعیہ نہ ہوجانے کے کیا معنی، جامع الفصولین فصل ۱۰ میں برمز فش فتاوی امام رشید الدین سے ہے:

اذاطلب المدعی یمین ذی الید انہ ودیعۃ لیس لہ ذلك لانہ جعل نفسہ مدعیا فی انہ ودیعۃ ولایمین	مدعی نے قابض سے قسم کا مطالبہ کیا کہ یہ چیز اس کے قبضہ میں بطور امانت ہے تو مدعی کو قابض سے قسم لینے کا حق نہیں کیونکہ قابض نے یہ ظاہر کرکے کہ میرے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوے الباب السادس فیما تدفع بہ دعوی المدعی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۱

علی المدعی[1]۔	پاس یہ فلاں کی امانت ہے امانت کا مدعی بن گیا ہے جبکہ مدعی سے قسم کا مطالبہ درست نہیں ہے (ت)

ہشتم: فرق ہے اس میں کہ مدعی بعد صدور شہادت اپنے شہود کی نسبت اقرار کرے کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی یا یہ حاضر واقعہ نہ تھے کہ اس تقدیر پر وہ اپنے اقرار پر مواخذ ہوگا **کما افادہ فی البحر والشامیۃ وغیرھما** (جیسا کہ بحر اور فتاوٰی شامی میں اس کا افادہ کیا ہے۔ت) اور اس میں کہ مدعی پیش از شہادت کہے میرا کوئی گواہ نہیں یا کہے میں جو شہادت لاؤں محض جھوٹی اور جعلی ہوگی یا کہے فلاں و فلاں جو کچھ گواہی میرے لئے دیں وہ جھوٹ ہے، اس کے بعد وہ گواہ پیش کرے اور فلاں فلاں اس کے واسطے شہادت دیں تو مذہب صحیح میں یہ شہادت مان لی جائے گی اور مدعی کے وہ پہلے اظہار و اقرار اس کے قبول میں خلل انداز نہ ہوں گے کہ یہاں توفیق ممکن ہے انسان نسیان کے لئے ہے ممکن کہ مدعی کو اس وقت یہی یاد تھا کہ کوئی شخص حاضر واقعہ نہ تھا یا خاص فلاں و فلاں موجود نہ تھے لہٰذا اس وقت یہ اظہار کیا اور بعد کو یاد آیا اور گواہ حاضر لایا، درمختار میں ہے:

تقبل البینۃ لو اقامھا المدعی وان قال قبل الیمین لا بینۃ لی، سراج، خلافا لما فی شرح المجمع عن المحیط[2]۔	اگر مدعی نے مدعی علیہ کی قسم سے پہلے گواہی پیش کردی تو قبول کرلی جائے گی اگرچہ وہ قبل ازیں کہہ چکا ہو کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں، سراج۔ اور وہ جو کہ محیط سے شرح المجمع میں منقول ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ (ت)

حاشیہ علامہ ابرساہیم حلبی پھر ردالمحتار میں ہے:

(قولہ خلافا لما فی شرح المجمع) لیس فیہ ماینافی ذٰلک بل حکی قولین[3]۔	اس کے قول (شرح المجمع کے خلاف) کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کے منافی ہے بلکہ انہوں نے دو قول نقل کئے ہیں۔ (ت)

تنویر الابصار و شرح مدقق دمشقی میں ہے:

(قال لا بینۃ لی وطلب یمینہ فحلفہ	ایک نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں لہٰذا مدعی علیہ

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۳

[2] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۔۱۱۷

[3] ردالمحتار کتاب الدعوٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲۴

القاضی ثم برھن)علی دعواہ بعد الیمین(قبل ذٰلک البرھان عند الامام(منہ)وکذالو قال المدعی کل بینۃ اٰتی بھا فھی شھود زور،ثم برھن علی الحق قبل خانیۃ وبہ جزم فی السراج کما مر(وقیل لا) یقبل والاصح القبول لجواز النسیان ثم التذکر کما فی الدرر واقرہ المصنف [1] اھ مختصرا۔	سے قسم لی جائے،تو قاضی نے قسم لے لی،پھر مدعی نے گواہی پیش کردی تو اس کی گواہ قبول کی جائے گی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک،اور یونہی اگر مدعی نے کہا ہو کہ میں جو بھی گواہ پیش کرونگا وہ گواہ جھوٹے ہوں گے،پھر بعد میں مدعی نے اپنے حق میں گواہی پیش کردی تو مقبول ہوگی،خانیہ،اور اسی پر سراج میں جزم کیا ہے جیسا کہ گزرا ہے،بعض نے کہا یہ گواہی قبول نہ ہوگی،اور اصح یہ ہے کہ قبول ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بھول جانے کے بعد یاد آئی ہو یا پہلے علم نہ تھا اب گواہی کا علم ہوگیا ہو،جیسا کہ درر میں ہے،اور مصنف نے اسے ثابت مانا ہے اھ مختصرا۔(ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

لان الشھادۃ تتعلق بالشھود ویجب علیھم اداؤھا ویاثم کاتمھا وھذاالقول منہ لایثبت زور العدل لانہ قبل الشھادۃ [2] الخ۔	کیونکہ گواہی کا تعلق گواہوں سے ہے اور ان پر شہادت کا ادا کرنا واجب اور گواہی چھپانے والا گنہگار ہے،مدعی کے کہنے سے وہ جھوٹے نہ ہوگئے کیونکہ مدعی کی یہ بات شہادت کی ادائیگی سے قبل ہے الخ۔(ت)

غرر میں ہے: لاصح القبول [3] (اصح قبول کرنا ہے۔ت) درر میں ہے:

لجواز ان یکون لہ بینۃ او شھادۃ فنسیھا ثم ذکرھا اوکان لایعلمھا ثم علمھا [4]۔	ہوسکتا ہے کہ فی الواقع گواہی تھی تو وہ بھول گیا اور اب یاد آگئی،یا علم نہ تھا اب معلوم ہوگیا(ت)

جامع الفصولین برمز فقط ہے:

وکذالو قال کل بینۃ اٰتی بھا	یونہی اگر مدعی نے کہہ دیا کہ جو بھی شہادت پیش کروں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۰۰

[3] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۷

[4] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۷

فھی زور ثم اتی او قال کل شھادۃ یشھد لی فلان و فلان فھی کذب ثم شھدا[1]۔	یونہی اگر مدعی نے کہہ دیا کہ جو بھی شہادت پیش کروں وہ جھوٹی ہے یا یوں کہا فلاں فلاں کی ہر شہادت میرے حق میں جھوٹ ہے اس کے گواہوں نے شہادت دی مقبول ہوگی۔(ت)

جب یہ مقدمات ثمانیہ ممہد ہو لئے بفضلہ تعالٰی حکم مسئلہ واضح ہو گیا اور چند مفید بحثوں نے رنگ انجلا پایا:

بحث اول: سید اشرف علی شمس الدین خاں، غلام محی الدین خاں، عبدالرزاق خاں، باقر حسین کی گواہی میں اصلًا کوئی غبار نہیں وہ صاف صاف شاہد اقرار عبدالغنی خاں ہیں نہ شاہدان مجلس ایجاب وقبول تو غلام محی الدین خاں و شمس الدین خاں کے بیانات پر یہ اعتراض کہ اگر کلام بائع کو ایجاب قرار دیں تو قبول اس مجلس میں نہیں یا محمدی بیگم کا بیان قبول نہیں اخبار ہے محض بے محل ہے، نہ ان شاہدوں نے دعوی کیا کہ ہم حاضر مجلس ایجاب وقبول تھے نہ ان کے بیان کئے ہوئے الفاظ حکایت ایجاب وقبول ہیں وہ صراحۃً اقرار عبدالغنی خاں بیان کر رہے ہیں جن کے بعد محمدی بیگم کا کلام زیر سقف ہونا یا خبر محض ہونا یا اصلًا کچھ نہ ہونا کچھ بھی مضر نہیں، نہ اس پر لحاظ، **کما بیناہ فی الامر الثانی** (جیسا کہ اسے امر ثانی میں بیان کیا گیا ہے۔ت)

بحث دوم: سید اشرف علی نے صرف اپنے فعل پر شہادت ہرگز نہ دی بلکہ اس گواہی میں صراحۃً عبدالغنی خاں کا کتابت بیعنامہ کے لئے حکم کرنا اور خود عبارت بتاتے جانا اور اپنے ہاتھ سے مہر لگانا مذکور ہے، یہ افعال واقوال عبدالغنی خان کے ہیں یا سید اشرف علی کے، ان کے ساتھ اگر اپنا لکھنا بیان ہوا تو ان سب پر شہادت کیوں صرف اپنے فعل پر شہادت قرار پا گئی۔

فی الھندیۃ عن المحیط عن النوادر عن الامام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا شھد شاھدان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انہ قد وکلہ ببیع عبدہ وقد اعلمناہ او امرنا ان نبلغ امرأتہ انہ جعل امرھا	ہندیہ میں محیط سے منقول کہ نوادر روایات میں سے امام ابویوسف سے منقول ہے کہ جب دو گواہ شہادت دیں کہ فلاں شخص نے ہمیں کہا کہ ہم فلاں کو یہ اطلاع دے دیں کہ اس نے اس کو وکیل بنایا ہے کہ اس کے غلام کو فروخت کردے تو ہم نے اس فلاں کو اطلاع پہنچا دی یا گواہوں نے یہ شہادت دی کہ اس شخص

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۶

بیدھا فبلغناھا وقد طلقت نفسھا جازت شھادتھما[1]۔	نے ہمیں کہا کہ ہم اسکی بیوی کو مطلع کردیں کہ اس نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے تو ہم نے اس کی بیوی کو مطلع کردیا ہے اور اس کی بیوی نے اپنے نفس کو طلاق دے دی ہے، تو یہ شہادت جائز ہوگی۔ (ت)

بحث سوم: ظاہر ہوا کہ باقر حسین تنہا گواہ اقرار نہیں بلکہ اس کے پانچ گواہ ہیں اور ایسی جگہ یہ بحث کہ ثبوت بیع ایجاب وقبول بمجلس واحد سے ہوتا ہے معنی ثبوت میں تفرقہ نہ کرنے سے ناشی وثبوت فی نفسہ ہے ثبوت عندالقاضی کے لئے صرف ثبوت اقرار کافی ہے۔

بحث چہارم: اظہار محمدی بیگم میں کہیں ایجاب وقبول کی نفی نہیں، نہ اس کے بیان مذکور تجویز میں کوئی لفظ حصر ہے کہ اس کے سوازن وشو میں دربارہ بیع کوئی کلام نہ آیا نہ باوصف شہادت اقرار حاکم کے حضور تذکرہ ایجاب وقبول آنا کچھ ضرور، محمدی بیگم نے وقوع عقد والفاظ ایجاب وقبول کو ان لفظوں میں ادا کردیا کہ یہ مکان شوہر نے بیع کرکے کاغذ میرے حوالہ کیا اور وہ گفتگوئے بیع جو اس نے بیان کی کہ میں بیعنامہ تمہیں لکھوائے دیتا ہوں، میں نے کہا آمین، بیان ایجاب وقبول نہ تھی بلکہ وہ گفتگو بمعنی قرار داد ومشورہ بیع تھی جیسا کہ صراحۃً اس کے لفظ سے ظاہر ہے اگر کہئے ممکن کہ اس کے مراد گفتگوئے بیع سے یہی ایجاب وقبول تو ہم کہیں گے ممکن کہ اس کی مراد وہی قرار داد ومشورہ ہو غیب پر حکم کردینا اور امر محتمل سے ایک معنی بطور خود سمجھ لینا کیونکر صحیح ہوا بلکہ جب لفظ صراحۃً مشورے ہی کے ہیں تو اسی پر حمل واضح، ہاں اگر اس کے کلام میں تصریح ہوتی کہ اس کے سوا بیع کوئی بیع کا کوئی مکالمہ عبدالغنی خاں نے مجھ سے نہ کیا تو یہ معنی ٹھیک ہوتے اور جب ایسا نہیں تو عقلاً ونقلاً احتمال قاطع استدلال۔

بحث پنجم: یہیں سے ظاہر ہوا کہ یوسف علی خاں وسید حشمت علی کے بیانوں کو اظہار محمدی بیگم سے اصلاً تنافی نہیں، وہ دو وقت کسی اور کے ہونے کا انکار کرتی ہے، وقت مشورہ اور وقت دادن بیعنامہ وقت ایجاب وقبول کسی کے موجود ہونے نہ ہونے کا اس کے اظہار میں کچھ ذکر نہیں اور یہ دونوں وقت ایجاب وقبول اپنا ہونا بیان کرتے ہیں وقت قرار داد ووقت عطائے بیعنامہ سے کچھ بحث نہیں تو منافات کہاں ہوئی اور ایسی محتمل بات پر مسلمانوں کی گواہی محض زوری وجعلی کیونکر ٹھہر سکی۔

بحث ششم: اگر فرض ہی کیجئے کہ گفتگوئے بیع سے محمدی بیگم کی مراد ایجاب وقبول ہی ہے جب بھی بربنائے مذہب صحیح کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اس کے اظہار سے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۷۲

شاہدین ایجاب وقبول کی شہادت پر اصلاً آنچ نہیں آتی، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ محمدی بیگم کا اظہار سید حشمت علی ویوسف علی خاں بلکہ تمام شہود کے اظہار سے پہلے ہوا اور امر ہشتم میں واضح ہوچکا کہ اگر محمدی بیگم صراحۃً اپنے اظہار میں یوں لکھاتی کہ ایجاب وقبول کی جو شہادت دی محض جھوٹا ہے نری بناوٹ کرتا ہے اور اس کے بعد شہادت گزرتی اظہار مدعیہ یعنی محمدی بیگم سے اسے کچھ مضرت نہ تھی جب مردوں کے حق میں یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعی بھول گیا تو عورات خصوصًا اس عمر میں زیادہ مستحق اس عذر کی ہیں خلاف مذہب مصحح امام مسلمانوں کی شہادت کو مصنوعی بتادینے کا کوئی حق نہ تھا۔

بحث ہفتم: ان ابحاث سے روشن ہوا کہ یہ سات شہادتیں فی نفسہا ہر غبار واعتراض سے پاک وصاف ہیں رہا شہود کو غیر ثقہ نامعتمد بتانا قطع نظر اس کہ اگر بے دلیل شرعی صرف اس بنا پر ہو کہ ان کی تحقیقات نہ کی گئی تو یہ کمی خود حاکم کی طرف سے ہے حاکم پر واجب ہے کہ احوال شہود سے خود بروجہ کافی آگاہ نہ ہو تو خفیہ تحقیقات کرے جس سے معلوم ہو کہ ان کی شہادت قابل اعتبار شرع ہے یا نہیں، اگرچہ فریق ثانی کی طرف سے اس کی تحریک نہ بھی ہو بے تحقیقات کے جزافاً ثقہ غیر ثقہ کہہ دینے کے کوئی معنی نہیں، درمختار میں ہے:

عندهما يسأل في الكل اذا جهل بحالهم به يفتى[1]۔	صاحبین کے نزدیک قاضی جب گواہوں کے حالات کو نہ جانتا ہو تو اسے تمام قسم کے گواہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا حق ہے، اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے: یسأل ای وجوبا[2] (قاضی پر واجب ہے کہ معلومات حاصل کرے۔ت) منحۃ الخالق میں علامہ خیر رملی سے ہے:

مقتضاه ان القاضي يأثم بترك السوال[3]۔	اس کا مطلب یہ ہوا کہ معلومات حاصل نہ کرنے پر قاضی گنہگار ہوگا۔(ت)

بحر میں ہے:

في السراجية والفتوٰى على انه يسأل في السر[4]۔	اور سراجیہ میں ہے کہ فتوٰی یہ ہے کہ قاضی انکے متعلق خفیہ طریقہ سے معلومات حاصل کرے(ت)

---

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الشھادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۲

[3] منحۃ الخالق علی البحرالرائق کتاب الشھادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۶۳

[4] بحرالرائق کتاب الشھادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۴

یہاں محل نظر یہ ہے کہ اسی بیعنامہ محمدی بیگم کے تحقیقات میں حاکم نے انہیں شہود کی شہادت پر اعتماد کیا اور اسی کی بنا پر یہ پابندی سرکلر بیعنامہ کو ثابت مان کر فیس اسٹامپ وتاوان رجسٹری لیا تو اب انہیں شہادتوں کا اسی ثبوت میں معتبر ومردود بتانے کا کوئی محل نہ رہا جیسا کہ امر پنجم میں واضح ہوچکا وہ غیر ثقہ نہیں فرضًا کھلے فساق ہوتے جب حاکم خود انہیں قبول کرکے حکم کرچکا شہادت نافذ ہوگئی، امر ششم میں واضح ہوا کہ فاسق بھی اہل شہادت ہے پھر بعد قبول رد کے کیا معنی، سائل نے نہ عبارت سرکار پیش کی جس کی تعمیل پر حاکم کی یہ کارروائی تھی نہ اس امر کے متعلق تجویز حاکم کی یہ کارروائی تھی نہ اس امر کے متعلق تجویز حاکم کی نقل نظر سے گزری کہ اس قبول وتنفیذ شہادت کا حال کما ینبغی منکشف ہوتا پھر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ یہ امر بہت قابل لحاظ ہے اور مخالفت ضابطہ کا جواب تو اس سے بداہۃً واضح اگرچہ خدام شرع کو بحمد اللہ تعالٰی ضوابط شرع مطہر کے سوا کسی ضابطے سے بحث نہیں، جب خود صاحبان ضابطہ ہی نے وہ سرکلر جاری کیا اور اسی کے مطابق اب بعد ظہور وجہ وجیہ واجازت وحصول تحقیقات مزید وہ کاغذ مثل کاغذات رجسٹری ٹھہر گیا تو مخالفت ضابطہ کہاں رہی، فیس وتاوان رجسٹری لینے کے بعد بھی سادہ وساقط الاعتبار بتانا یعنی چہ، کیا سرکلر اس لئے وضع ہوا تھا کہ اسٹامپ کے دام رجسٹری کا تاوان سب کچھ لے لیجئے اور پھر کہہ دیجئے کہ کاغذ سادہ ہے ساقط الاعتبار ہے یہ کہنا تو پہلے ہی حاصل فیس وتاوان کس بات کے لئے اور اس میں کون سا رفع عذر ہوا جسے مقصود عدالت بتایا جاتا ہے کیا قبل ظہور وجہ وجیہ وتحقیقات مزید کاغذ سادہ کو سادہ کہا جاتا تو شکایت ہوتی اب کے بعد ان تمام مراتب کے فیس وتاوان لے کر مصدقہ بناکر سادہ ساقط الاعتبار کہہ دینے سے کوئی عذر باقی نہ رہا۔

بحث ہشتم: قرائن صدق شہادات کی یوں نفی کہ نہ بیعنامے پر رجسٹری، نہ کاغذ اسٹامپ کا، نہ بائع کے ہاتھ کا لکھا، نہ دستخط، نہ اہل محلّہ واقارب کی شہادت کہ انہیں سے بعض کے بے ثبوتی بیعنامہ کا دلیل عقلی بنایا گیا ہے اصلًا قابل التفات نہیں۔

اولًا: یہ اعتراض خود اپنے حکم پر ہے کہ انہیں شہادات کو ذریعہ ثبوت وجہ وجیہ مان کر فیس وتاوان لیا گیا۔

ثانیًا: رجسٹری واسٹامپ نہ ہونا اگر دلیل عقلی بطلان شہادات ہو تو انہیں کی بناپر فیس وتاوان لے کر کاغذ کو مصدقہ رجسٹری واسٹامی بنانا طرفہ دورکارنگ ہوگا کہ مصدقہ ماننا تو موقوف ہوا قبول شہادات پر قبول شہادات مصدقہ ہونے پر۔

ثالثًا: امر سوم میں واضح ہوچکا کہ اپنے لکھنے سے دوسرے پر املا اقوی ہے۔

رابعًا: یہ سب زوائد وفضول باتیں ہیں شرع مطہر مس قبول شہادات کو وجودًا وعدمًا ان باتوں سے

علاقہ نہیں شہود اگر معتبر شرعی ہیں ان کی شہادت کا قبول واجب اگرچہ یہ امور سب منتفی ہوں ورنہ نہیں اگرچہ یہ امور سب موجود ہوں، یہ سرسری نگاہ سے اتنے ابحاث ہیں، اور ہنوز بہت امور باقی ہیں کہ بخیال تطویل ترک کئے۔

بالجملہ تجویز بوجہ کثیرہ غیر صحیح ہے اور اس مسئلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر ان سات شاہدوں میں دو گواہ بھی معتبر شرعی ہیں خواہ وہ صرف اقرار عبدالغنی خاں کے گواہ ہوں یا صرف ایجاب وقبول کے یا ایک اقرار کا ایک ایجاب وقبول کا، تو از انجا کہ یہاں محمدی بیگم دونوں وجوہ ترجیح کی جامع ہے تاریخ بیع بھی اسی کی پہلی ہے اور قبضہ بھی اسی کا ہے لہٰذا ہر طرح فیصلہ بحق محمدی بیگم ہونا لازم، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۴:　　　　ازرامپور　　　　۱۸/ رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کا نکاح ہوا مہر مؤجل ومعجّل کے ساتھ زید نے جائداد مملوکہ وموجودہ خود مہر معجّل ہندہ میں مستغرق کردی اور یہ بھی اقرار کیا کہ آئندہ جو جائداد مجھ کو کسی ذریعہ سے حاصل ہو، تا مقدار مہر معجّل ہندہ مستغرق ومکفول سمجھی جائے اگر یہ تحریر واقرار زید شرعاً صحیح ہے فھو المراد، ورنہ جو شرعاً قابل قبول قضاء ہو وہ الفاظ بتائے جائیں جو کہ لکھے جائیں جو شرعاً نافذ وجاری ہوں فقط

الجواب:

شرعاً استغراق جائداد بلا قبضہ جس طرح آجکل رائج ہے محض مہمل وبے معنی ہے، ہاں رہن مع قبضہ مرتہن ضرور عقد شرعی ہے مگر وہ دخلی حرام اور اس سے نفع لینا حرام اور زید کا وعدہ نسبت جائداد آئندہ اور بھی مہمل تر ہے معدوم کی نسبت اقرار کیا معنی، مہر معجّل کا دعوٰی عورت کو پیش از وقوع وطی ہر وقت پہنچتا ہے اور بعد وطی بھی لان کل وطأۃ معقود علیہا (کیونکہ ہر وطی پر عقد ہے۔ت) تو جائداد موجود مہر میں دے دے یا عورت کے پاس رہن شرعی کردے اور باقی جو جائداد پیدا ہو عورت برضائے شوہر یونہی لیتی جائے نہ دے تو نالش وسوال امتناعی ونیلام سے کاربرآری آج کل رائج ہے کہ جس میں دو صورتیں شرعی بھی نکل سکتی ہیں، ایک دیانۃً صرف مقدار دین کو خود نیلام میں لے کر زائد کو واپس دینا **بناء علی ما افتی بہ الاٰن من اخذ الحق من خلاف الجنس** (اب موجودہ فتوٰی کی بناء پر صاحب حق اپنا حق خلاف جنس میں حاصل کرسکتا ہے۔ت)، دوسرے نیلام مقدار مطالبہ سے زائد پر ہونا اور مقدار زیادت کو مدیون کا لے لینا **فانہ یکون تنفیذ اللبیع کما نصوا علیہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا** (تو یہ بیع کو نافذ کرنا قرار پائے گا جیسا کہ فقہاء کی اس پر تصریح ہے، اور جو اللہ تعالٰی سے ڈرے وہ اس لئے راستہ بنادیتا ہے۔ت)

مسئلہ ۵۵: مرسلہ محمد اللہ یار خان مقیم ریاست رامپور محلّہ بزریا ملا ظریف گھر منشی عبدالرحمٰن مرحوم ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اوپر مہر تیس ہزار تیس اشرفی رائج الوقت عقد کیا اس کے بعد زید نے دو دکانیں مملوکہ اپنی بعوض کل دین مہر ہندہ کو ہبہ کردیں اور کاغذ ہبہ نامہ رجسٹری شدہ سرکاری بھی مسماۃ ہندہ نے برضا و رغبت بشہادت مردمان ثقات کے اپنے کل دین مہر کا ادا ہونا اور ایک حبہ زید کے ذمہ نہ رہنا قبول کرلیا یہاں تک کہ زید کی زندگی میں دس روپیہ ماہوار کرایہ دکانوں کا گیارہ برس آٹھ مہینے سے لیتی رہی اور اب زید مرگیا اب بھی لیتی ہے اور اپنی تمام عمر لے گی، اب سائل سوال کرتا ہے کہ زید نے ہبہ نامہ میں تفصیل تیس ہزار تیس اشرفی کی نہیں لکھی ہے اور جو قرار پایا تھا تو اب زید نے یوں لکھا دیا کہ مسماۃ ہندہ کے کل دین مہر کے ادا ہونے کے بدلے یہ دکانیں مجھ زید نے لکھ دیں اب ایک حبہ میرے ذمہ دین مہر مسماۃ ہندہ کا دینا باقی نہ رہا، پس لفظ کل کے تحریر کرنے سے زید بری الذمہ ہوگیا یا نہیں، اب زید مرگیا، مسماۃ ہندہ نے دو ہزار روپیہ کے بابت مہر کی پھر نالش کردی ہے، یہ دعوی مسماۃ ہندہ کو عدالت میں پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

دعوی مذکورہ محض باطل ونامسموع ہے، جب ہبہ کل مہر کے عوض ہندہ نے قبول کرلیا کل مہر بحکم مقاصہ ساقط ہوگیا اب اس میں سے کسی جز کا دعوی صریح ظلم ہے،

فان الھبۃ بالعوض بیع ابتداء وانتھاء کما فی الدر المختار[1] والمشتری لایبقی لہ ملك فی شیئ من الثمن وامثال المقام لاتحتاج الی التسمیۃ بل ولاالی علم المقدار لعدم الحاجۃ الی التسلیم والتسلم فی الھندیۃ ھذا بیع لایحتاج فیہ الی التسلیم وبیع ما لم یعلم البائع والمشتری مقدارہ اذاکان لایحتاج فیہ	تو بیشک ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً بیع ہے جیسا کہ درمختار میں ہے اور خریدار کی ادا کردہ ثمن میں ملکیت ختم ہوجائے گی، ایسے مقامات پر مبیع و بیع کا ذکر بلکہ مقدار مبیع کا علم بھی ضروری نہیں کیونکہ یہاں لینا دینا کچھ نہیں ہوتا، ہندیہ میں ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں کچھ سونپنے کی ضرورت ہے نہ ہی مبیع کی مقدار کا جاننا بائع یا مشتری کو ضروری ہے تو جس بیع میں سونپنا اور قبضہ دینا نہ ہو تو وہاں مقدار

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

الی التسلیم جائز الایری ان من اقرانه غصب من فلان شیئا اواقر ان فلانا اودعه شیئا ثم ان المقر اشتری ذٰلك الشیئ من المقرله جاز وان کان لا یعرفان مقدارہ۔ واللہ اعلم۔	کے علم کے بغیر بیع جائز ہے، کیا دیکھا نہیں کہ کوئی شخص اقرار کرے کہ میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے یا یہ اقرار کرے اس نے میرے پاس امانت رکھی پھر اقرار کرنیوالا مقرلہ سے وہ چیز خرید لے تو جائز ہے اگرچہ دونوں کو چیز کی مقدار کا علم نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۶: از لشکر گوالیار محلّہ یکہ مرسلہ محمد بخش ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس معاملے میں کہ مسماۃ حرہ نے اپنے شوہر پر اس بیان سے طلاق کا دعوی پیش کیا ہے کہ میرے شوہر نے بموجودگی چار عورتوں کے ایک جلسہ میں مجھ کو تین بار طلاق دی اور اس کو عرصہ دو مہینے کا ہوا اب ان چار عورتوں میں ایک عورت زمانہ طلاق کا تخمیناً ڈیڑھ سال بیان کرتی ہے اور دوسری عورت سوایا ڈیڑھ سال کہتی ہے اور باقی دو عورتوں کی نسبت مسماۃ کا یہ بیان ہے کہ مجھ کو ان کی شہادت دلانا منظور نہیں، علاوہ ان کے دو مرد مسلمان اور تین مرد ہندو جن کی نسبت مسماۃ سننے نہ سننے کی لاعلمی بیان کرتی ہے، ان میں ایک گواہ زمانہ طلاق کا چودہ پندرہ ماہ کا بیان کرتا ہے اور دوسرا قریب دوسال بیان کرتا ہے اور تین ہندو کوئی سوا برس کوئی ڈیڑھ برس اور مسماۃ زمانہ طلاق کا دو مہینے کا بتاتی ہے اور شوہر کو طلاق دینے سے انکار ہے، پس اس صورت میں مسماۃ کا دعوی طلاق کا شہادت مذکور سے شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسلمانوں پر کسی معاملے میں ہنود کی گواہی اصلاً معتبر نہیں، نہ تنہا عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوسکے کم سے کم دو مسلمان مرد عاقل بالغ متقی پرہیزگار یا ایک مرد دو عورتیں سب مسلمان عاقل بالغ متقی پرہیزگار درکار ہیں، اگر ایسے گواہ نہیں تو شوہر سے قسم لی جائے اگر وہ قسم کھا کر طلاق ہونے سے انکار کردے دعوی حرہ رد ہوجائے گا اور اگر شوہر قسم نہ کھائے تو طلاق ثابت ہوجائے گی اور اگر ویسے گواہ شرعی موجود ہیں تو دعوی طلاق آپ ہی ثابت ہے اور مدعیہ و گواہان اور نیز باہم گواہوں کا زمانہ طلاق میں اختلاف کچھ مضر شہادت نہیں، درمختار میں ہے:

یشترط الاسلام لو المدعی علیه مسلما[1]۔	اگر مدعی علیہ مسلمان ہو تو گواہوں کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

اسی میں ہے:

ونصابھا لنکاح وطلاق رجلان اورجل وامرأتان ولاتقبل شھادۃ اربع بلارجل [1] اھ مختصرًا۔	نکاح وطلاق کے لئے نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی اھ مختصرًا(ت)

عالمگیری میں ہے:

اختلفا فی الوقت اوالمکان فان کان المشھود بہ قولا محضا کالبیع والاجارۃ والطلاق والعتاق جازت شھادتھما [2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر دونوں گواہوں کا وقت یا مکان میں اختلاف ہو اور شہادت والا معاملہ گفتگو سے متعلق ہو مثلًا بیع، اجارہ، طلاق اور عتاق، تو یہ شہادت جائز ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۵۷تا۵۸: از ریاست رامپور مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمہ مال ۱۹/ربیع الآخر شریف ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) جو ضوابط واحکام واسطے فیصلہ خصومات اور رجوع نالش کے خلیفہ یا قاضی وقت نے مقرر کئے ہیں ان کی پابندی حاکم کو شرعًا لازم وواجب ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(۲) زید نے اپنی تحریر میں یہ لکھا ہے کہ (عمرو شہر سے باہر گئے ہیں) از روئے احکام شرعی الفاظ مذکورہ سے فرار عمرو ثابت ہے یانہیں بلکہ صرف معمولی طور پر جانا پایا جاتا ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) والی ملک حاکم اسلام یا اس کے یہاں کے افسر بالا دست مثل قاضی القضاۃ نے جسے اس نے لوگوں کو عہدہ قضا پر اپنے دستخطوں سے مقرر کردینے کا اختیار دیا ہو، بالجملہ جس کے نصب سے حاکم شرعًا حاکم ہوجاتا ہے اور بے رضائے فریقین فیصلہ کرنے کا اختیار پاتا ہے ایسے شخص نے جس کے نصب میں جو شرائط حکم قضا کے لئے لگائے ہوں یا سلطان خواہ اس کے ماذون مجاز نے جسے وضع ضوابط کا اختیار ہو جو ضابطے فیصلہ خصومات ورجوع مقدمات کے واسطے مقرر کئے ہوں ان کی پابندی صورت اولٰی میں اس خاص حاکم اور ثانیہ میں اس ریاست کے تمام حکام پر خواہی نخواہی ضرور ہے، ان کے خلاف جو فیصلہ

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ کراچی ۳/ ۸-۵۰۷

ہوگا سراسر مردود بے اثر و نامعتبر ہوگا جیسے کسی راہ چلے کا کوئی فیصلہ بطور خود کردینا۔ درمختار میں ہے:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومۃ حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشر سنۃ فسمعھا لم ینفذ[1]۔	قضا کو مکان، زمان اور مقدمہ سے مختص کیا جاسکتا ہے حتی کہ اگر سلطان نے حکم دیا کہ پندرہ سال گزر جانے کے بعد دعوی کی سماعت نہ ہوگی تو کسی قاضی نے یہ سماعت کی تو فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

عزاہ فی الاشباہ الی الخلاصۃ وقال فی الفتح الولایۃ تقبل التقلید والتعلیق بالشرط[2]۔	اشباہ میں اس کو خلاصہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فتح میں فرمایا کہ ولایت شرط کے ساتھ مقید اور معلق ہوسکتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فیکون القاضی معزولا عن سماعھا لما علمت من ان القضاء یتخصص[3]۔	قاضی اس کے سماعت سے بے اختیار ہوگا کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ قضا کو خاص کیا جاسکتا ہے۔(ت)

ہاں اگر ان دو صورتوں کے سوا کسی قاضی غیر مجاز نے بے اذن والی بطور خود کچھ ضوابط مقرر کئے ہوں تو ان کی پابندی کسی پر لازم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ **(۲)** الفاظ مذکورہ سے فرار عمرو ہرگز ثابت نہیں، "باہر جانا" ترجمہ خروج کا ہے اور فرار کا ترجمہ "بھاگ جانا"۔ خروج سے "فرار" ہرگز لازم نہیں۔ اللہ عزوجل زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرماتا ہے:

"فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ"[4]۔	اپنی قوم پر محراب سے باہر آئے۔

اللہ تعالٰی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

"وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"[5]۔	باہر جاؤ تو اپنا منہ کعبے کی طرف کرو۔

---

[1] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

[4] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۱

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۹

صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرماتا ہے:

"اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ"[1]	اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری مرضی چاہنے تو کافروں سے دوستی نہ کرو۔

ظاہر ہے کہ بھاگ جانے میں باہر جانے سے ایک امر زائد ہے اور زیادت بے ثبوت زائد ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی، ہدایہ وغیرہا کتب مذہب میں جابجا ہے **الاقل ھو المتیقن** (قلیل یقینی امر ہوتا ہے لک۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از ریاست ٹونک محلّہ قافلہ مرسلہ مولوی سید ظہور اللہ صاحب ۱۷/ شوال ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بلاوصول دین مہر خود، درنگی بکر زوج اپنے کے فوت ہوگئی اس نے ایک بکر زوج خود اور دو پسر ایک عمرو او دوسرا زید وارث چھوڑے، بعد تخمیناً آٹھ سال کے عمرو بھی فوت ہوگیا اور اس نے ایک زوجہ اور دو پسر اور دو دختر وارث چھوڑے، اب زوجہ عمرو نسبت بکر خود کے اس طرح دعویدار ہوئی کہ میرا دین مہر میرے زوج عمرو کے ذمہ چاہئے اور عمرو کی والدہ ہندہ کا مہر ذمہ بکر خسر میرے کے واجب ہے جس میں عمرو کا بھی حصہ ہے پس اس کے حصہ میں سے اول یہ دین مہر مجھ کو وصول کرایا جاکر مابقے اس کا مجھ کو اور دو پسر اور دو دختر اولاد عمرو پر موافق فرائض اللہ تقسیم کیاجائے، بجواب مطالبہ ہذا بکر پدر عمرو کو یہ عذر ہے کہ دعوی زوجہ عمرو کا دو طرح سے مجھ پر نہیں پہنچتا اولا تو یہ کہ زوجہ عمرو وارثہ ہندہ کی نہیں دوسرے بقول اس کے اس کا دین مہر اپنے زوج عمرو پر ہے اور عمرو کی والدہ ہندہ کا دین مہر مجھ بکر پر بقول اس کے باقی ہے تو گویا دعوی اس کا مدیون کے مدیون پر ہوا جو عند الشرع قابل سماعت نہیں بموجب اس روایت کے:

لواقام البینۃ علی مدیون مدیونہ لایقبل ولایملك اخذ الدین[2] کذافی الخلاصۃ۔	اگر کسی نے اپنے مقروض کے مقروض پر گواہی پیش کی تو مقبول نہ ہوگی وہ قرض حاصل کرنے کا حقدار نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے (ت)

صورت مسئولہ میں اگر جواب بکر کا موافق کتاب کے ہے تو اس استفتاء پر مواہیر ثبت فرمائی جائیں اور اگر خلاف شرع بکر کا جواب ہے تو اس کا حکم مع روایت ذیل میں قلمبند فرمایا جاکر مواہیر ثبت فرمائی جائیں،

---
[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۸

بینوا توجروا (بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زوجہ عمرو کا دعوٰی صحیح ومسموع اور بکر کے عذرات باطل ومدفوع ہیں، زوجہ عمرو ضرور وارثہ ہندہ نہیں مگر اب وہ دین بھی دین ہندہ نہیں **فان الموت ناقل للملك** (کیونکہ موت ملکیت کو منتقل کرتی ہے۔ت) بعد موت ہندہ بقدر حصہ عمرو دین عمرو ہوا اور زوجہ عمرو وارثہ عمرو بھی ہے اور دائنہ بھی مہر زوجہ وغیرہ دیون کہ ذمہ عمرو ہوں جبکہ محیط ترکہ نہ ہوں تو مابقے بعد انفاذ وصایا علٰی حسب الفرائض خود ملک ورثہ ہے جن میں زوجہ بھی ہے تو اس قدر میں بکر خود مدیون زوجہ عمرو ہے نہ مدیون مدیون اور قدر دیون مہر وغیرہ میں اگرچہ ترکہ ملک عمرو پر باقی رکھا جائے **لانصرافها الٰی حاجة المیت** (میت کی اپنی حاجت کیلئے ترکہ منتقل ہونے کی وجہ سے) مگر دائن میت ومدیون میت جبکہ دونوں وارثان میت ہوں تو ایسے دائن کا ایسے مدیون مدیون پر دعوٰی قطعًا مسموع ومقبول ہے، عدم سماع یا عدم قضا اس صورت میں ہے کہ وہ دونوں یا ان میں ایک میت سے اجنبی ہو۔ تحقیق مقام کہ یہ دائن میت کو مدیون میت پر دعوٰی کرکے وصول پاسکنے کے لئے دو باتوں کی حاجت ہے:

اولًا: میت کا دین اس پر ثابت کرے اور جب یہ میت سے اجنبی ہے اسے ملک میت مدیون میت پر ثابت کرنے کا کیا استحقاق ہے فانه لایصلح خصماعنه (کیونکہ وہ اس کا فریق بننے کا صلاحیت نہیں رکھتا) اس کے لئے میت کے وصی یا وارث کا دعوٰی درکار ہے۔

ثانیًا: اپنا دین میت پر ثابت کرے اور جب مدعا علیہ میت سے اجنبی ہے میت پر اثبات دین کے لئے اس کا حضور کافی نہیں **فانه لایقدم خصماعنه** (کیونکہ بطور فریق اسکی طرف سے پیش نہیں ہوسکتا) میت کا جو کوئی وصی یا وارث ہو تو میت پر دین ثابت کرنے کے لئے ان میں کسی کا حاضر ہونا ضرور ہے غرض عدم سماع کی وجہ عدم امکان ثابت ہے اگر دونوں امر کا ثبوت کسی طرح ہوجائے تو دعوٰی ضرور قابل قبول ہے ولہٰذا اگر دین دائن ذمہ میت نزد قاضی ثابت ہو اور مدیون میت مدیون میت ہونے کا اقرار کرے تو قاضی مدیون میت سے دائن میت کو دین دلادے گا، خلاصہ وہندیہ میں ہے:

لو اقام البینة علٰی مدیون مدیونه لاتقبل ولایملك اخذ الدین منه اما اذا ثبت الدین فی ترکته عند القاضی واقر رجل عند القاضی ان	اگر اپنے مقروض کے مقروض پر گواہی پیش کی تو مقبول نہ ہوگی اور وہ قرض وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا، لیکن جب میت کے ترکہ میں قرض (کسی پر) قاضی کے ہاں ثابت ہوجائے اور قرضدار شخص یہ اقرار کرے

للمیت علیه دینا قدرہ کذا یأمرہ بالدفع الی رب الدین[1]۔	کہ مجھ پر میت کا قرض ہے جس کی مقدار یہ ہے تو قاضی اس کو ادائیگی کا حکم دے گا کہ میت پر جس کا قرض ہے اس کو دے دے۔(ت)

ولہٰذا اگر دائن میت وارث میت ہو اور مدیون میت اجنبی اور دوسرا وارث حاضر نہیں تو مدیون میت پر دین میت ثابت کرنے کے حق میں اس دائن وارث کا دعوٰی مسموع ہوگا اور بوجہ اول اس مدیون پر دین میت کی ڈگری کردینگے مگر بوجہ ثانی وہ دین اس مدعی کو ابھی نہ دلائیں گے کہ مدیون اجنبی ہے اور دوسرا وارث غائب۔ محیط وعالمگیریہ میں ہے:

رجل مات وله ابنان احدهما غائب فادعی الحاضران له علی ابیه الف درهم دینا و لامال لمیت غیر الف درهم علی رجل فانی اقبل بینة الابن الحاضر فی اثبات الدین علی الاجنبی ولااسمع بینته علی ابیه بدینه ولااقضی له من الالف التی قضیت علی الاجنبی بشیئ فاوقف الالف حتی یجیئ الاخ کذافی المحیط[2] ۔	ایک شخص فوت ہوا اس کے وارث دو بیٹے تھے جن میں سے ایک غائب ہے تو حاضر بیٹے نے اپنے باپ پر ایک ہزار درہم قرض کا دعوٰی کیا جبکہ میت (باپ) کا ایک غیر شخص پر ایک ہزار قرض کے بغیر کوئی ترکہ نہ ہو، تو اس صورت میں حاضر بیٹے کی گواہی کہ غیر شخص پر باپ کا قرض ہے، میں قبول کر لوں گا، اور اس کی اپنے باپ پر قرض کی گواہی کو نہ سنوں گا، اور نہ ہی غیر پر ثابت قرض میں سے حاضر بیٹے کو کچھ دلاؤں گا، اور میں غیر پر باپ کے ثابت شدہ قرض ہزار درہم کو موقوف رکھوں گا تاوقتیکہ اس کا غائب بھائی نہ آجائے، ایسے ہی محیط میں ہے۔(ت)

اور جب دائن ومدیون دونوں وارثان میت ہیں جس طرح یہاں بکر وزوجہ عمرو تو اب سماع وقبول کی تمام وجوہ متحقق ہیں زوجہ عمرو اپنی وراثت کے سبب بکر کے دین میت کا دعوٰی کرسکتی ہے اور وراثت بکر کے سبب اس کے موجہ میں میت پر اپنے دین کا دعوٰی۔ واقعات پھر جامع الفصولین میں ہے:

احدالورثة ینتصب خصما عن المورث فیما له وعلیه الخ[3]۔	ورثا میں سے ایک کو مورث کی طرف سے لین دین کے لئے فریق مقرر کیا جائے گا الخ(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۸
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب الخامس کتب خانہ کراچی ۴/ ۳۹
[3] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴

خزانۃ المفتین میں ہے:

لوادعی علی المیت دینا بحضرۃ احد الورثۃ یثبت الدین فی حق الکل وکذالوادعی احد الورثۃ دینا علی انسان للمیت واقام بینۃ یثبت الدین فی حق الکل ویدفع الی الحاضر نصیبہ مشاعا[1] الخ۔	اگر کسی نے میت پر قرض کا دعوٰی کرکے ورثاء میں سے ایک کی موجودگی میں ثابت کردیا تو وہ قرض تمام ورثاء پر ثابت ہوجائے گا اور یونہی ورثاء میں سے ایک نے اپنے والد کا قرض کسی شخص پر ثابت کردیا اور گواہ بھی پیش کردئے تو یہ قرض تمام ورثاء کے حق میں ثابت ہوجائے گا اور ثابت کرنے والے موجود وارث کو غیر منقسم حصہ کے طور پر بطور حصہ اس کو دے دیا جائیگا الخ(ت)

لاجرم جامع الفصولین میں فتاوٰی امام رشید الدین سے نقل کیا:

لایملك الدائن اثبات الدین علی مدیون المیت ولا علی الموصی له ولو اثبت علی من یصح اثباته علیه کوصی ووارث ثبت له حق الاستیفاء منهما ولو انکر وارثه وجود ترکة بیده فللدائن اثباتها لا لواجنبیا فلا تقبل علیه بینة الدائن اذلیس بخصم فی اثبات الملك للمیت[2]۔	میت کے قرضخواہ کو میت کے مقروض یا موصیٰ لہ پر قرض ثابت کرنے کا اختیار نہیں اور اگر اس نے ایسے شخص پر قرض ثابت کردیا جس پر اثبات سے وصی اور وارث کے لئے حق ثابت ہوجاتا ہے تو اس کو وصی اور وارث سے اپنا قرض وصول کرنے کا حق ہوگا اور اگر وارث میت کا ترکہ اپنے قبضہ میں ہونے سے انکار کردے تو قرض خواہ کو قبضہ کے اثبات کا حق ہوگا اگر اجنبی شخص انکار کرے تو اس کے خلاف قرض خواہ کی گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ وہ اجنبی میت کی ملکیت کے اثبات میں فرق نہیں ہے(ت)

پس صورت مسئولہ میں زوجہ عمرو کا دعوٰی ضرور صحیح ہے مگر مہر ہندہ سے جس قدر حصہ عمرو ہو اس میں سے وہ مقدار کہ ترکہ عمرو سے خود حصہ بکر ہوئی چھوڑ کر باقی پر دعوٰی پہنچے گا،

لانها لادعوی لها ولا فی الذی لزوجها وماکان لزوجها قدسقط منه ماورثه منه ابوہ کما	کیونکہ اس میں خود بیوی کو اور نہ ہی اسکے خاوند کے حصہ میں دعوٰی ہے اور جو خاوند کا حصہ تھا اس میں سے والد جتنے کا وارث بنا ساقط ہوجائیگا

[1] خزانۃ المفتین کتاب الدعوٰی فصل دعوی المیراث قلمی نسخہ ۲/ ۸۲

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵

سقط اولاالربع من مھر ھندۃ لصیرورتہ حق المدیون بنفسہ وھو الزوج۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جس طرح اولاً اس میں سے چوتھائی حصہ ہندہ کے مہر کا ساقط ہوگیا ہے اس وجہ سے کہ وہ خود مدیون کا حق بن گیا اور وہ خود خاوند ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۰: از بریلی محلّہ گندہ نالہ مرسلہ ظہور حسن ۱۶/ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

زید وہندہ نے جو حقیقی بہن زید کی ہے خالد کو ایک دستاویز لکھ دی ہندہ کی طرف سے جو ناخواندہ ہے اور پردہ نشین ہے زید اس کے حقیقی بھائی نے دستخط کی بایں عبارت (ہندہ بقلم زید) اس دستاویز میں لکھا کہ زر مندرجہ دستاویز ہم نے وصول پالیا ایسا ہی زید نے لکھا بلا تفریق مقدار روپیہ کے اور دونوں نے جائداد غیر منقولہ مکفول کی وقت رجسٹری کے ہندہ نے اقرار تحریر دستاویز اور وصولیابی زر مندرجہ دستاویز سے اقرار کیا، اور چونکہ ہندہ ناخواندہ اور پردہ نشین ہے زید نے ہندہ کی طرف سے حسب بالا دستخط کردی اب خالد نے دونوں سے مطالبہ دستاویز کیا اور شناخت ہندہ کی اس کے دوسرے بھائی حقیقی اور بھتیجا نے کی کہ مسماۃ مقرہ ونویسندہ دستاویز ہندہ ہے جس نے اقرار کیا ہے خالد مطالبہ دستاویز کا دونوں مدیون سے کرتا ہے ہندہ یہ عذر کرتی ہے کہ میں نے روپیہ نہیں لیا اور دستاویز پر نہ میرے دستخط ہیں اور نہ نشانی ہے زید میرا بھائی میری دستخط کرنے کا مجاز نہ تھا اور ہندہ ایک نظیر ہائی کورٹ کی پیش کرتی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ صرف اقرار وصولیابی زر کافی نہیں ہے جب تک کہ مدیون کے دستخط یا نشانی نہ ہو۔

سوال: آیا اقرار تحریر دستاویز واقرار وصولیابی زر مندرجہ دستاویز جو سامنے مصدق دستاویز کے ہندہ نے کیا ہے شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو رائے حکام انگلشیہ ہائیکورٹ عدالت انگریزی کو بمقابلہ حکم شرعی کے فوقیت دی جائے گی یا نہیں اور ہندہ پر پابندی اپنے اقرار کی شرعًا لازم ہے اور یا یہ کہ پابندی حکم ہائیکورٹ کی اور دائن ومدیون یعنی دونوں فریق تابع شریعت اسلام ہیں اور کوئی فریق منکر شرع شریف کا نہیں ہے۔

الجواب:

حکم اللہ ورسول کے لیے ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ"[1] (حکم نہیں مگر اللہ کا۔ت) جب ہندہ منکر ہے تو شہادت عادلہ شرعیہ دو مرد یا ایک مرد دو عورت ثقہ کی درکار ہے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

کہ ہندہ نے ہمارے سامنے روپیہ لیا ہمارے سامنے اقرار کیا فقط دستاویزا گرچہ خود ہندہ کے دستخط بقلم خود اس پر لکھے ہوتے یا اہلکار رجسٹری کی تحریر کہ میرے سامنے اقرار کیا اصلاً کافی نہیں۔ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجة والحجة ھی البینة او لاقرار اما الصك فلا یصلح حجة[1]۔	قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرسکتا ہے اور حجت، گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے اور رسید کسی طرح حجت نہیں بن سکتی۔ (ت)

رہا یہ کہ ہندہ کس چیز کی پابندی کرے ہندہ اپنے معاملہ کو خوب جانتی ہے اگر واقعی اس پر روپیہ عنداللہ چاہئے تو اسے انکار کرنا سخت حرام ہے اس پر فرض ہے کہ حق کو قبول کرے اور عنداللہ نہ چاہئے تو اگرچہ اس نے کسی دباؤ سے یا ناواقفی سے یا کسی وجہ سے اقرار غلط کردیا ہو اس کی پابندی اس پر اصلاً لازم نہیں، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱ تا ۶۲: از رامپور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ حافظ مولوی عنایت اللہ خاں صاحب ۱۶/ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

سوال اول: زید اور عمرو نوعیت طرز عمل تزکیہ شہود میں مختلف الاقوال ہیں، زید کہتا ہے کہ تین طرح سے قاضی شاہد کے چال چلن کے بابت تحقیق و دریافت کرسکتا ہے: رسول بھیج کر یا رقعہ مزکی کے نام بھیج کر یا خود قاضی موقع پر جاکر مصلیان مسجد محلّہ یا دیگر اشخاص اہل محلّہ سے، اور اس تیسری صورت میں قاضی پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس شخص کو کہ وہ جانتا ہو مخصوص اسی سے دریافت حال شاہد کرے بلکہ نمازی صورت ہو شخص غیر معلوم سے بھی وہ دریافت حال کرسکتا ہے اور اس شخص مجہول الحال کے نام دریافت کرنے یا اس کا نام دفتر قضاء میں برائے علم آئندہ درج کرنے کی قاضی کو کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ تحقیقات قاضی بر سر موقع قاضی کے اطمینان اور مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے لئے رائے قائم کرنے کو شرعاً کافی ہے **انتہی کلامہ** (عمرو کا یہ بیان ہے کہ شرعی اصول پر بقول صاحبین تزکیہ شہود کا دو طرح سے ہوسکتا ہے سرًا وعلانیۃً جو کتاب الشہادۃ غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار و دیگر کتب فقہیہ میں بصراحت مذکور ہے، یہ بھی بیان عمرو کا ہے مزکی ایسا شخص ہو جو لوگوں کے احوال سے خوب واقف ہو اور ان سے اختلاط رکھتا ہو اور بنفسہٖ عادل ہو، اور جرح وغیر جرح میں

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الدعوٰی والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

فرق کرسکتا ہو نا یجی اور مفلس نہ ہو۔ قاضی علی الخصوص ایسے ہی شخص کو جو بصفات مذکورہ متصف ہو مزکی مقرر کرسکتا ہے، پس اس امر میں دو قسم کی واقفیت ضرور ہے ایک بذاتہ علم قاضی بصفات منتسبہ الی المزکی۔ دوسرے اطلاع مزکی نسبت احوال شہود مطلوبۃ التزکیۃ بعد تشریح اقوال زید وعمرو مفتیان شرع شریف سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ ازروئے شرع زید کا قول صحیح اور قابل عمل ہے یا عمرو کا جواب صاف بحوالہ روایات مستندہ کتب فقہیہ عنایت ہو۔

سوال دوم: زید کا قول ہے کہ اگر کسی ضرورت سے قاضی برسر موقع تحقیقات کرے تو جو گواہ موقع پر جمع ہوں وہ علیحدہ بٹھلائے جائیں اور ان میں سے ایک ایک شخص کو قاضی اپنے روبرو طلب کرکے ضرور سوالات کرے۔ اور فریقین یا وکلاء فریقین کو بھی موقع سوالات وجرح کا دیا جاوے، سب اہل محلّہ کو ایک جلسہ میں ان سے قاضی کے دریافت حال کرنے میں یہ نقص ہے کہ سب لوگ حال مستفسرہ کو یک زبان ہو کر کہیں گے اور اس صورت میں اصلی واقعہ کا انکشاف قابل اطمینان نہ ہوگا بکر کہتا ہے کہ جیسا زید کہتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ قاضی ایک ہی جلسہ میں کل گواہان سے دریافت حال کرکے قلم بند کرکے قاضی کا ایسا کرنا خلاف شرع نہیں ہے۔ یہ تحقیقات قاضی کے اطمینان کے واسطے ہے، مفتیان شرع شریف سے یہ التماس ہے کہ ازروئے شرع مبارک زید کا قول قابل عمل ہے یا بکر کا؟ بحوالہ کتب وعبارت جواب عنایت ہو۔

الجواب:

(۱) زید کا قول باطل ہے، مزکی کا عادل ہونا ضروری ہے، مجہول الحال خود محتاج تزکیہ ہے وہ دوسرے کا تزکیہ کیا کرسکتا ہے۔

معین الحکام میں ہے:

ینبغی للقاضی ان یختار للمسألۃ عن الشھود من ھو اوثق الناس واورعھم دیانۃ واعظمھم درایۃ واکثرھم خبرۃ واعلمھم بالتمییز فطنۃ فیولیہ المسألۃ لان القاضی مامور بالتفحص عن العدالۃ فیجب علیہ المبالغۃ والاحتیاط فیہ [1] اھ۔	گواہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے قاضی ایسے حضرات کو مقرر کرے جو مناسب ترین دیانت میں متقی سمجھداری میں بڑے، خبرداری میں کثیر، اور پرکھنے کا زیادہ علم رکھتے ہوں تو ایسے لوگوں کو یہ معاملہ سپرد کرے کیونکہ قاضی گواہوں کے عدل کو معلوم کرنے کا پابند ہے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس معاملہ میں مبالغہ اور احتیاط سے کام لے اھ

[1] معین الحکام الفصل السادس فصل فی المسئلۃ عن الشھود مصطفی البابی مصر ص۸۵و۸۶

ردالمحتار مسئلہ تعدیل الخصم للشھود بیان مذہب امام میں ہے:

تزکیۃ الکاذب الفاسق لاتصح[1]۔	جھوٹے اور فاسق کو گواہوں کا تزکیہ درست نہیں۔(ت)

نیز مذہب صاحبین میں ہے:

تصح ان کان من اھلہ(ای اھل التعدیل)بان کان عدلا[2]۔	تزکیہ کرنے والا اہل ہو تو صحیح ہے یعنی تزکیہ گواہوں کو عادل ثابت کرنا تب صحیح ہوگا جب وہ خود عادل ہو۔(ت)

ظاہر ہوا کہ مزکی میں عدالت باتفاق ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم شرط ہے، تہذیب پھر بحر الرائق پھر درمختار میں ہے:

المجھول لایعرف المجھول[3]۔	مجہول الحال کسی مجہول کو معلوم نہیں کرسکتا۔(ت)

خانیہ وہندیہ میں ہے:

ان کان فاسقا او مستورا لایصح تعدیلہ[4]۔	مزکی اگر فاسق یا مستور الحال ہو تو اسے عادل قرار دینا صحیح نہیں۔(ت)

اگر شاہد کے ہمسایگان مسکن و بازار واہل محلّہ میں کوئی ثقہ نہ ملے نہ اس کے بارے میں کوئی تواتر صحیح شرعی ہو تو قاضی اہل محلّہ کے بیان پر دو شرط سے اعتماد کرسکتا ہے، ایک یہ کہ وہ سب بالاتفاق یکزبان ایک ہی بات کہتے ہوں سب اسے عادل کہیں یا سب مجروح ہی بتاتے ہوں، دوسرے یہ کہ قاضی کے قلب میں آئے کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں تو اس وقت ان کا اتفاق مع اس تحری کے قائم مقام تواتر ہوجائے گا اور تواتر میں عدالت کی حاجت نہیں، نہ یہ کہ جس نمازی صورت محلے والے مجہول الحال سے چاہیں پوچھ لے اور یہی کافی ہو یہ محض افتراء زید ہے۔ محیط وعالمگیریہ میں ہے:

ان لم یجد فی جیرانہ واھل سوقہ من یصلح للتعدیل بل یسأل اھل محلتہ،وان وجد کلھم غیر ثقات یعتمد فی ذٰلک علی تواتر الاخبار،و	اگر پڑوس اور بازاروں میں کسی کو تعدیل کا اہل نہ پائے تو پھر قاضی اہل محلّہ کے متعلق سوال واستفسار کرے اگر ان میں سے کسی کو بھی اہل نہ پائے تو پھر گواہوں کے متعلق متواتر خبروں پر اعتماد کرے

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادت احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الشہادت احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۳

[3] درمختار بحوالہ البحر عن التہذیب کتاب الشہادت مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ قاضیخان کتاب الشہادت الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۷

کذٰلك اذا سأل جیرانه واھل محلته وھم غیر ثقات فاتفقوا علی تعدیله او جرحه ووقع فی قلبه انھم صدقوا کان ذٰلك بمنزلة تواتر الاخبار [1]۔	اور یوں ہی جب گواہوں کے پڑوس اور اہل محلّہ سے پوچھا حالانکہ یہ تمام لوگ خود غیر ثقہ ہیں، اور وہ تمام گواہوں کو عادل بتاتے ہیں یا مجروح بتاتے ہیں تو قاضی اگر ان کو سچا سمجھتا ہے تو ان کے قول پر عمل کرلے یہ بھی متواتر خبروں کی طرح ہے(ت)

عمرو نے جو صفات مزکی میں بیان کیں قاضی کو مناسب ہے کہ ایسے ہی شخص کو مزکی مقرر کرے طامع و مفلس نہ ہونا اور لوگوں سے اختلاط شرائط اولویت ہیں جبکہ ان سے ارجح وصف مثل علم فقہ ان کے معارض نہ ہو مثلاً اور اس میں زیادہ حاجت ہے، گوشہ گزیں اپنے معتمدین سے پوچھ کر تزکیہ کرسکتا ہے اور جاہل کے اسباب جرح و تعدیل میں امتیاز دشوار۔ محیط و ہندیہ میں ہے:

ینبغی للقاضی ان یختار للمسألة عن الشھود من کان عدلا صاحب خبرة بالناس و ان لایکون طماعا و ینبغی ان یکون فقھیا یعرف اسباب الجرح و التعدیل وان یکون غنیا وان وجد عالما فقیرا وغنیا ثقة غیر عالم او عالما ثقة لایخالط الناس وثقة غیر عالم یخالط الناس اختار العالم [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی کو مناسب ہے کہ گواہوں کی تعدیل کیلئے ایسے لوگوں کو مقرر کرے جو خود عادل او رخبردار ہوں اور وہ لالچی نہ ہوں، بہتر ہے کہ وہ فقہ والے ہوں تاکہ جرح و تعدیل کے اسباب کو پہچانتے ہوں اگر وہ غنی ہوں تو بہتر ہے اگر عالم فقیر ہو اور غنی ثقہ ہو اور عالم نہ ہو یا عالم ثقہ ہو لیکن لوگوں سے میل جول نہیں اور غیر عالم ثقہ ہے اور لوگوں سے میل جول رکھتا ہے تو ان حالات میں عالم کو ترجیح دے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۲) حق یہ کہ یہ امر رائے قاضی پر مفوض ہے اگر گواہوں پر کوئی بدگمانی ہو تو قاضی پر واجب ہے کہ انہیں جدا جدا ادائے شہادت کا حکم دے مگر دو عورتوں کہ ان کی شہادت مل کر شرعاً بجائے شہادت واحدہ ہے ان میں تفریق نہیں **لقولہ تعالٰی** "اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰىهُمَا الۡاُخۡرٰى" [3] (اللہ تعالٰی کے ارشاد کے مطابق کہ عورتوں میں سے ایک غلطی کرے تو دوسری یاد دلائے۔ت) اور اگر قاضی کو اطمینان کافی ہو کہ یہ لوگ اہل صدق و

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادت الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادت الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

دیانت ہیں ہر ایک اپنے علم کے مطابق شہادت دے گا نہ کہ دوسرے کی سنی سیکھی پر تو تفریق کی حاجت نہیں مگر اس زمانے میں ایسا اطمینان شاذ ونادر ہے۔ مبسوط امام محمد پھر محیط عالمگیریہ میں ہے:

اذا ارتاب القاضی فی امر الشھود فرق بینھم ولایسعہ غیر ذٰلک[1]۔	قاضی کو گواہوں کے متعلق شک ہو تو جدا جدا کرکے شہادت لے، اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(ورجل وامرأتان) ولایفرق بینھما لقولہ تعالٰی "فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى"[2]۔	ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو عورتوں کو جدا جدا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ دونوں ایک دوسری کو یاد دلائیں (ت)

رہے وکلاء کے سوالات جرح جس کا حاصل چار طرف سے گھیر کر گھبرا لینا اور سچے کو خواہی نخواہی جھوٹا بنا چھوڑنا ہے یہ سخت بدعت شنیعہ مردودہ ہے اس سے احتراز فرض ہے کہ ہمیں اکرام شہود کا حکم ہے اور یہ خاص اہانت، خطیب وابن عساکر اور مالک نے اپنے جزء میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اکرمواالشھود فان اللہ یستخرج بھم الحقوق ویدفع بھم الظلم[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	گواہوں کا احترام کرو کیونکہ ان کے ذریعے اللہ تعالٰی بندوں کے حقوق ظاہر فرماتا ہے اور ظلم کو دفع فرماتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳: از رامپور راج دوارہ مرسلہ عبدالرحمٰن خاں ۱۸/ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید وعمرو نے دعوی حصہ موروثی مکانات کا باستثنائے بعض عملہ مکانات کے دائر کیا اور گواہان نے بلا استثنائے عملہ کے مکانات بحیثیت موجودہ کو مملوکہ مورث قرار دیا پس یہ شہادت شہادت علی الزیادۃ ہے یانہیں۔ دوم یہ کہ جب مدعی نے استثناء کیا اور لکھ دیا کہ فلاں عملہ فلاں کا ہے پس اس کا دعوی مدعی کر سکتا ہے یانہیں۔ سوم یہ کہ شہادت شاہد کی جب بعض مدعا بہا میں مردود عندالقاضی قرار پائے تو باقی میں قابل قبول ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] تاریخ بغداد ترجمہ ۱۲۱۷ ابراہیم بن عبدالصمد دارالکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۳۸، تہذیب تاریخ ابن عساکر ترجمہ احمد بن محمد الکلبی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۵۳

الجواب:

اظہار سائل وملاحظہ فیصلہ متعلقہ مقدمہ سے واضح ہوا کہ مدعیان نے حصہ مکان مدعابہا بذریعہ وراثت سے بعض عملہ اس لئے استثناء کیا کہ وہ خود بنا کردہ مدعیان ہے اور بعض اسلئے کہ بعض مدعا علیہم نے بعد موت مورث بنوایا ہے اور اس کے ایک قطعہ سے ۱۲ گز زمین کو بھی استثناء کیا اس لئے کہ وہ خاص احد المدعیین ہے باقی بعد الاستثناء ملک مورثان قرار دے کر اس میں سے اپنے سہام کا دعوی کیا شہود نے جملۃً بلا استثناء مجموع مکان ملک مورثان ہونے کی شہادت دی یہ شہادت ضرور شہادت علی الزیادۃ ہے اور اصلاً قابل قبول نہیں، مدعیان بعض عملہ میں اپنا حق نہیں بتاتے کہ وہ معمول مدعا علیہم ہے اور شہود بلا استثناء جمیع اجزائے مکان میں ان کا حق ثابت کرتے ہیں شہادۃ علی الزیادۃ ہمیشہ مردود ہوتی ہے مگر جبکہ مدعی اپنے دعوی اور شہود کے بیان میں توفیق و تطبیق کردے مثلاً مدعی نے مکان سے ایک کوٹھری کا استثناء کیا تھا شہود نے بلا استثناء شہادت دی مدعی نے تطبیق کی کہ وہ کوٹھری بھی پہلے میری ہی تھی شاہدوں کو اسی وقت کا حال معلوم تھا بعد کو میں نے وہ کوٹھری بیچ ڈالی لہٰذا دعوی سے استثناء کردیا، یہاں بھی اگرچہ توفیق ممکن تھی کہ بعد موت مورث وہ مکان گر گیا اور بعض مدعا علیہم نے اپنے روپے سے تعمیر کیا مگر استحساناً امکان توفیق کافی نہیں بالفعل توفیق کردینا ضرور ہے اور وہ مدعیوں سے واقع نہ ہوا لہٰذا شہادت ناقابل قبول رہی بلکہ یہاں صرف زبانی دعوی توفیق بھی کافی نہ ہوتا اس پر گواہ دینے ضرور تھے کہ یہ توفیق ایسے امر سے تھی جو صرف ان کی زبان سے ادا ہوسکتا لہٰذا جب شہادت شرعیہ سے توفیق کا ثبوت نہ دیتے مقبول نہ ہوتی اور وہ اصلاً نہ ہوا تو شہادت مذکورہ ضرور مردود ہے، درمختار میں ہے:

الشهادة باکثر من المدعی باطلة بخلاف الاقل للاتفاق فيه[1]۔	دعوی سے زائد شہادت باطل ہے جبکہ بالاتفاق دعوی سے کم ہو جائز ہے۔ (ت)

فتح القدیر و بحر الرائق میں ہے:

المراد بالموافقة المطابقة اوکون المشهود به اقل من المدعی به بخلاف ماذا کان اکثر[2]۔	موافق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شہادت مطابق ہو یا مدعٰی سے کم ہو بخلاف جبکہ زائد ہو (ت)

انہیں میں ہے:

من المخالفة المانعة ماذا شهدت باکثر، ومن فروعها دار فی	قبولیت کے لئے مانع وہ مخالفت ہے جو کہ شہادت دعوی سے زائد ہو، اور اس کی تفریعات میں ایک

[1] درمختار باب الاختلاف فی الشهادة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

[2] بحر الرائق بحوالہ فتح القدیر باب الاختلاف فی الشهادة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۳

یدرجلین اقتسماھا وغاب احدھما فادعی رجل علی الحاضران له نصف ھذہ الدار مشاعا فشھدوا ان له النصف الذی فی یدالحاضر فھی باطلة لانھا باکثر من المدعی به ولوادعی دارا و استثنی طریق الدخول و حقوقھا ومرافقھا فشھدواانھا له ولم یستثنوا شیئا لاتقبل،وکذالو استثنی بیتا ولم یستثنوہ الا اذاوافق فقال کنت بعت ذٰلك البیت منھافتقبل[1]۔	یہ ہے کہ ایک مکان دو حضرات کے قبضہ میں ہے دونوں نے تقسیم کیا اور ایک غائب تھا تو اس نے موجود حاضر فریق پر دعوی کردیا میرا اس مکان میں غیر منقسم حصہ ہے تو گواہوں نے شہادت دیتے ہوئے کہ اس کا نصف وہ ہے جو حاضر موجود کے قبضہ میں ہے تو یہ شہادت باطل ہے کیونکہ مدعی سے زائد ہے(یوں ہی) دعوی مکان ہواور اس دعوی میں داخلہ کے راستہ او دیگر حقوق وسہولیات کا استثناء کیا تو گواہوں نے مکان کی شہادت اس کے حق میں دیتے ہوئے راستہ حقوق اور سہولیات کا استثناء نہ کیا،شہادت مقبول نہ ہوگی اور یونہی مدعی نے حویلی میں سے ایک کمرہ کا استثناء کیا اور گواہوں نے نہ کیامگر مدعی ان کی موافقت میں کہہ دے کہ وہ کمرہ میں نے فروخت کردیا تھاتو قبول ہوگی۔(ت)

نیز بحر میں ہے:

والحاصل انھم اذاشھد واباقل مما ادعی تقبل بلا توفیق وان کان باکثر لم تقبل الااذا وفق،فلوادعی الفافشھدابالف وخمسمائة فقال المدعی کان لی علیه الف وخمسمائة الاانی ابرأته من خمس مائة او قال استوفیت منه خمس مائة ولم یعلم به الشھود تقبل وکذافی الالف والالفین ولایحتاج الی اثبات التوفیق	حاصل یہ کہ جب گواہوں نے دعوی سے کم چیز کی شہادت دی تو قبول ہوگی اور موافقت بنانے کی ضرورت نہ ہوگی او راگر زیادہ کی شہادت ہو تو پھر موافقت بنائے بغیر قبول نہ ہوگی مثلاً مدعی نے ہزار کا دعوی کیا گواہوں نے ڈیڑھ ہزار کی شہادت دی مدعی کہہ دے میرا قرضہ اس پر ڈیڑھ ہزار تھا لیکن میں نے اس کو پانچسو معاف کردئے یامیں نے پانچ صد پہلے وصول کرلئے یہ گواہوں کو معلوم نہیں ہوا،تو اب شہادت مقبول ہوگی،ہزار اور دو ہزار میں بھی ایسے ہوگا، موافق بنانے میں گواہی کی

[1] بحرالرائق بحوالہ فتح القدیر باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۳

بالبینة لان الشیئ انما یحتاج الی اثباته بالبینة اذا کان سببا لایتم بدونه ولا ینفرد باثباته کما اذا ادعی الملك بالشراء فشهد الشهود بالهبة فان ثمة یحتاج الی اثباته بالبینة. امّاالابراء فیتم به وحده ولو اقربا لاستیفاء یصح اقراره ولا یحتاج الی اثباته لکن لابدمن دعوی التوفیق هنا استحسانا والقیاس ان التوفیق اذاکان ممکنا یحمل علیه وان لم یدع التوفیق تصحیحا للشهادة وصیانة لکلامه وجه الاستحسان ان المخالفة بین الدعوی والشهادة ثابتة صورة فاذاکان التوفیق مرادا تزول المخالفة و ان لم یکن مرادا لاتزول بالشك فاذاادعی التوفیق ثبت التوفیق وزالت المخالفة وذکر الشیخ الامام المعروف بخواہر زادہ ان محمدا شرط فی بعض المواضع دعوی التوفیق ولم یشترط فی البعض وذاك محمول علی ما اذا ادعی التوفیق اوذاك جواب القیاس فلابدمن دعوی التوفیق[1]۔	ضرورت نہیں کیونکہ کسی چیز کو گواہی سے ثابت کرنے کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ وہ ایسا سبب ہو جس کے بغیر چیز تام نہ ہو اور وہ اکیلے ثابت نہ ہوسکے جیسا کہ مدعی نے خریداری کے ذریعے ملک کا دعوی کیا اور گواہوں نے ہبہ کے ذریعے ملک ثابت کی تو ایسی صورت میں اس کے اثبات کے لیے گواہی کی ضرورت ہے لیکن بری کرنا ایسی چیز ہے جو اکیلے بغیر سبب تام ہو جاتی ہے اور اگر وصولی کا اقرار کرتا ہے تو اقرار صحیح ہے اس کے اثبات کی ضرورت نہیں ہے تاہم اس کے ساتھ موافقت کا دعوی بطور استحسان ضروری ہے جبکہ قیاس میں یہی ہے کہ اگر توفیق ممکن ہو تو اس پر محمول کرینگے اگرچہ توفیق کا دعوی نہ بھی ہو تاکہ شہادت صحیح ہوسکے اور کلام غلط نہ ہوسکے استحسان کی وجہ یہ ہے کہ دعوی اور شہادت میں صورتًا مخالفت ثابت ہے تو اگر توفیق مراد بنے تو مخالفت زائل ہوگی، اور اگر وہ مراد نہ ہو تو مخالفت زائل نہ ہوگی، مراد ہونے نہ ہونے میں شک کی وجہ سے مخالفت ختم نہ ہوگی تو جب موافقت کا دعوی ہوگا تو مخالفت ختم ہوجائے گی اور توفیق ثابت ہوجائے گی، اور شیخ امام المعروف خواہر زادہ نے ذکر فرمایا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے بعض جگہ پر موافقت کے دعوی کو بیان فرمایا ہے اور بعض جگہ اس کو بیان نہیں کیا اور اس کو دعوی موافقت پر محمول کیا جائے گا یا اس کو قیاس کا جواب قرار دیا جائیگا لہٰذا دعوی موافقت ضروری ہے۔

[1] بحرالرائق باب الاختلاف الشهادة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۴

مدعی جب ایک چیز کا دوسرے کے لئے اقرار کر چکا اب اپنے لئے دعوی نہیں کر سکتا لاجل التناقض (تناقض کی وجہ سے۔ت) شہادت جب بعض میں مردود ہو کل میں مردود ہے مگر آٹھ مسائل مذکورہ شروح اشباہ میں **اقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ان کا محصل یہ کہ شہادت کو اگر دو چیزوں سے تعلق ہے ایک میں وہ نصاب کامل ہے دوسرے میں نہیں یا ایک میں تہمت سے دوری ہے دوسرے میں نہیں یا ایک پر شاہدوں کو ولایت شہادت ہے دوسرے پر نہیں تو جہاں نصاب کامل ولایت حاصل تہمت زائل ہے اتنے میں مقبول ہوگی دوسرے میں مردود۔ درمختار میں ہے:

الشھادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل الافی عبد بین مسلم ونصرانی فشھد نصرانیان علیھما بالعتق قبلت فی حق النصرانی فقط اشباہ. قلت وزاد محشیھا خمسۃ اخری معزیۃ للبزازیۃ [1] اھ وراجع للسبع البواقی ردالمحتار وما علقنا علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	جب بعض چیز میں شہادت باطل ہو تو کل چیز میں باطل ہو جائے گی مگر ایک صورت میں کہ غلام مسلمان اور نصرانی کا مشترکہ ہو تو دو نصرانیوں نے گواہی دی کہ انہوں نے غلام آزاد کردیا ہے تو ان کی شہادت فقط نصرانی کے متعلق قبول ہوگی، اور اس کے محشی نے پانچ صورتوں کا اس پر اضافہ کیا ہے جن کو انہوں نے بزازیہ کی طرف منسوب کیا ہے اھ، اور باقی صورتوں کے لئے ردالمحتار اور اس پر ہمارے حاشیہ کی طرف رجوع کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۴: از رامپور مرسلہ نظام علی خان ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

فردوس بیگم مدعیہ کا دعوی ہے کہ مکان محدودہ مندرجہ عرضی دعوی سعیدی بیگم نے بدست مدعیہ عوضی اماصہ/ کے بتاریخ یکم فروری ۱۹۰۰ء بیع قطعی کیا مدعیہ نے بہ قبول بیع صہ/ بیعانے کے مدعاعلیہا مذکور کو دئے اور باقی روپے کا دینا یکم مارچ ۱۹۰۰ء کو وقت تصدیق و تکمیل بیعنامہ ٹھہرا بعدہ مہ عہ ۲/ مدعی علیہا نے بعد کو مدعیہ سے لے کر مطالبہ سرکاری میں ۲۰/فروری ۱۹۰۰ء کو داخل عدالت کئے، مدعی علیہا نے حسب وعدہ تکمیل بیعنامہ نہیں کرایا اور بلا بزادی قیمت مکان مذکور بدست عباسی عباسی بیگم وغلام محمد خاں فروخت کرڈالا بدہانید اماصہ عہ ۱۴/ بقیہ زرثمن تکمیل و تصدیق بیعنامہ مدعاعلیہا سے کرادی جائے اور دخل مدعیہ کا مکان متنازعہ پر کرادیا جائے سعیدی بیگم مدعاعلیہا کو بیع کرنے مکان اور لینے صہ/ بیعنامہ اور مہ عہ ۲/

---

[1] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

مندرجہ دعوی سے قطعی انکار ہے منجانب مدعیہ جو گواہ ثبوت دعوی میں گزرے ہیں ان میں سے نظام علی خاں گواہ نے بیان کیا کہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا بوقت چار گھڑی دن رہے سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں مدعا علیہا نے مکان متنازعہ کہ متصل مکان مظہر کے ہے بدست فردوس بیگم مدعیہ ائما صہ / کا بیع کیا مدعا علیہا نے کہا میں نے اماصہ / کو فردوس بیگم کے ہاتھ مکان بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اسی وقت صہ / بیعانہ کے بذریعہ بھورے میاں مدعیہ نے مدعا علیہا کو دیئے اور باقی روپے کے نسبت وقت رجسٹری دستاویز بمدت یک ماہ دینا قرار پایا تھا یہ واقعہ پہلی تاریخ انگریزی مہینے کے ہوا تھا اس کے کوئی ۲۵ دن کے بعد مدعا علیہا مذکور نے اپنے ماموں مسمّٰی ابراہیم خاں کو بمکان مظہر بھیجا مدعیہ اس وقت میرے مکان پر مہمان تھی ابراہیم خان نے مدعیہ سے میری معرفت کہلا بھیجا کہ سعیدی بیگم نے تم کو بلایا ہے چلو اور (☆☆۲/) بھی لے چلو کہ وہ عدالت میں بابت کورس داخل کرینگی چار پانچ دن میں بیعنامہ تصدیق ہوگا تو یہ (☆☆۲/صہ /) بیعانہ زر ثمن میں محسوب ہونگے چنانچہ فردوس بیگم گئی اور (☆☆۲/) لے گئی تھی مجھ کو اپنے بھانجے احمدینی عرف پیارے کے ہمراہ لے گئی تھیں چنانچہ بمواجہہ پیارے مدعیہ نے وہ (☆☆۲/) حسب الطلب سعیدی بیگم کو دے دئے اور مدعا علیہا نے داخل عدالت کردئے نشان دہی مکان متنازعہ کی کردوں گا، مولوی ارشد علی گواہ عرف بھورے میاں کا بیان ہے کہ مجھے تخمیناً یاد ہے کہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا ہے کہ صبح کے وقت نظام علی خان میرے پاس آئے تھے کہ فردوسی بیگم کی طرف سے یا ہاجرہ فردوسی بیگم دونوں کی طرف سے اس قدر بھول گیا ہوں بیعنامہ مکان کا دینا چاہتا ہوں مظہر کو اول سے علم تھا کہ مکان کی یعنی مکان متنازعہ کی بیع ہوتی ہے چنانچہ بمکان سعیدی بیگم مظہر نظام علی خان علی احمد خاں گئے عورتیں اندر مکان کوٹھے میں ہوگئیں ہم جاکر چارپائیوں پر بیٹھ گئے مظہر نے آواز دے کر کہا کہ نظام علی خاں فردوسی بیگم کی طرف سے بیعنامہ دیا چاہتے ہیں چونکہ سعیدی بیگم اندر کوٹھے کے تھیں اور سعیدی بیگم کی بہن اور ماں بھی تھیں اس وجہ سے میں نے اپنے ذہن میں سعیدی بیگم سے مخاطب ہو کر کہا کہ مکان بیچتی ہو اندر سے آواز آئی بیچتی ہوں، یہ نہیں یاد کہ کس نے جواب دیا، میں نے اندر ہاتھ بڑھا کہ صہ دے دئے، نہیں معلوم کس نے اپنے ہاتھ میں بیعانہ لیا اور عورات اندر تھیں مگر مجھے معلوم نہیں کون تھیں، علی احمد خاں جس کی موجودگی وقت ایجاب وقبول نظام علی خاں گواہ نے بیان کی ہے وہ اپنے مکان میں نسبت ایجاب وقبول یا بیع مکان متنازعہ کچھ بیان نہیں کرتا، احمد نبی خاں گواہ مدعیہ لکھتا ہے کہ عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا کہ سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں نے مکان متنازعہ بدست فردوس بیگم مدعیہ بقیمت (ائما☆) بیچا تھا اور مدعا علیہا مذکور نے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان (ائما☆/) کو فردوس بیگم کے ہاتھ بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور پانچ روپے بیعانہ کے

بھورے میاں کے ہاتھ سے سعیدی بیگم کو مدعیہ نے دئے تھے اور جس وقت علی احمد خاں و بھورے میاں آئے تھے تو سعیدی بیگم دالان میں بیٹھی رہی تھیں اور مدعیہ کوٹھری میں ہو گئی تھیں بھورے میاں کے سامنے گفتگو بیع وشراء کی ہو کر (صہ/) بیعانہ کے دئے گئے اور دو مرتبہ گفتگو بیع وشراء ہوئی تھی مدعیہ نے کہا تھا کہ بھورے میاں کے ہاتھ میں بیعانہ دلوادوں گی اور گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ سوال علمائے دین ومفتیان شرع متین سے یہ ہے کہ بیانات گواہان مندرجہ بالا سے بموجودگی اپنے وقت بیع وشراء کے درمیں متعاقدین ظاہر کرتے ہیں آیا بیع وشرا مکان متنازعہ کی باہم متعاقدین شرعًا واقع ہو گئی کہ قابل نفاذ ہے یا نہیں ہوئی، موافق مسائل شرعی کے حسبۃً للہ جواب عنایت فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نظام علی خاں واحمد نبی خاں عرف پیارے خاں گواہان مدعیہ کا بیان ذکر ایجاب وقبول متعاقدین پر بھی شامل ہے اور سعیدی بیگم کے اقرار بالبیع پر بھی ان دونوں سے جو بات ہوئی شہادت میں لئے جانے کے لئے کافی ہے بیعانہ وغیرہ امر فضول ہے جسے بیع سے کچھ تعلق نہیں، بھورے میاں گواہ مدعا علیہا کا بیان محض مختل مہمل ہے، دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسب شرائط ہولیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے، باقی روداد مقدمہ مذکورہ سوال بھی مدعیہ کی مؤید ہے، میری رائے میں بصورت مذکورہ فیصلہ بحق مدعیہ ہونا لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: از رام پور بازار نصر اللہ خاں مرسلہ فدا علی خان صاحب ۱۳/ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان کے کوچہ غیر نافذہ میں دروازہ جدید دوسرا عمرو کے حق مرور کی طرف منجانب اسفل جس طرف زید کے واسطے شرعًا حق مرور نہ تھا برآمد کیا ہے اور عمرو اس فتح باب کا مانع ہے پس وہ احداث شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور عمرو کو منع کرنا پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں قول معتمدہ وظاہر الروایۃ مفتی بہا واجب العمل یہی ہے کہ زید کو اس دروازہ جدید کا احداث جائز نہیں عمرو کو حق منع حاصل ہے،

فی ردالمحتار لواراد فتح باب اسفل من بابہ والسکۃ غیر نافذۃ	ردالمحتار میں ہے کہ اگر کوئی شخص بند گلی میں اپنے دروازہ سے نچلی جانب دروازہ یا کھڑکی کھولنا چاہے

یمنع منه وقیل لا،وفی کل من القولین اختلاف التصحیح والفتوی قال فی الخیریة والمتون علی المنع فلیکن المعول علیه [1] اھ ورأیتنی کتبت علی ھامشه مانصه فقد نقل فی جامع الفصولین ان له ذلك مطلقًا وعلیه الفتوی ونقل فی الخیریة عن التتارخانیة عن العتابیة انه لیس له ذٰلك وعلیه الفتوی وھو الذی صححه فی الخانیة قال فی الخیریة ومثله فی کثیر من کتب المذھب قال وھو ظاھر الروایة کما صرح به فی جامع الفصولین فلیکن المعول علیه اھ قلت کیف لاوقد نصوا ان الفتوی متی اختلف رجح ظاھر الروایة کما فی البحر الرائق وغیرھا وصرحوا ان قاضی خان فقیه النفس لایعدل عن تصحیحه کما فی غمز العیون وغیرہ واطبقوا ان التقدیم للمتون لانها الموضوعة لنقل المذھب کما فی الدر وغیرہ فقد ترجح بوجوہ [2]،واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	تو اس کو منع کیا جائے اور بعض نے کہا منع نہ کیا جائے اور دونوں اقوال میں فتوٰی اور تصحیح کا اختلاف ہے، خیریہ میں کہا کہ متون منع پر وارد ہیں اور اس پر ہی اعتماد چاہئے اھ مجھے اس پر اپنا حاشیہ یاد ہے کہ جس کی عبارت یہ ہے کہ جامع الفصولین میں منقول ہے کہ اس کو مطلقًا یہ اختیار ہے اور اسی پر فتوٰی ہے،اور خیریہ میں تاتارخانیہ سے اور وہاں عتابیہ سے منقول ہے کہ اس کو اختیار نہیں ہے اور اس پر فتوٰی ہے اور اسی خانیہ میں ترجیح ہے خیریہ میں فرمایا کہ اکثر کتب میں اسی طرح ہے اور کہا یہ ظاہر الروایۃ ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے تو اس پر اعتماد چاہئے، میں کہتا ہوں یہ کیونکر نہ ہو کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب فتوٰی میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایہ کو ترجیح ہوتی ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے،اور یہ بھی انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ چونکہ قاضی خان فقیہ النفس ہیں لہٰذا اس کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے گا جیسا کہ غمز العیون وغیرہ میں ہے،اور سب کا اتفاق ہے کہ متون کو اولیت ہے کیونکہ وہ مذہب کو بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں جیسا کہ در وغیرہ میں ہے تو یہ کئی وجوہ سے ترجیح یافتہ ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ ۱۳۲۱ھ

(جھگڑا ختم کرنے کے لئے خالص ترین فیصلہ)

مسئلہ ۶۶: فیصلہ نالش تجویز حکیم عبدالعزیز بیگ پنچ مقبول متخاصمین ازروئے اقرار نامہ مورخہ ۵/ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴/فروری ۱۹۰۳ء

سید محمد افضل صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم ساکن بریلی متصل جامع مسجد بریلی مدعی سید محمد احسن صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم وسید افضال حسین صاحب ولد سید محمد افضل صاحب مذکور ساکنان محلّہ مذکورہ مدعا علیہما دعوی توفیر موضع جگت پور پرگنہ تحصیل وضلع بریلی محال زردو معافی واقع جگت پور مذکور محال سبز وسفید ومفروقہ واقعہ جگت پور محال سفید وکھنڈ سار موضع جگت پور مذکور مع منافع کھنڈ سار مذکور از اپریل ۱۸۹۸ء لغایت دسمبر ۱۹۰۲ء وبقایائے توفیر مذکور وکھنڈسار مذکور ذمہ اسامیان بابت مدت مذکور لغایت مارچ ۱۹۰۳ء بصیغہ قرض دادنی دامود رداس وغیرہ وتقسیم پنج قطعہ مکانات محدودہ ذیل واقعہ محلّہ مذکور وسرمایہ مکان محدود ذیل نمبرا بابت مدت مذکور واثاث البیت متروکہ پدری،

نمبر ۱	نمبر ۲	نمبر ۳	نمبر ۴	نمبر ۵
مکان مسکونہ شرقی غربی مکان مکان عبدالکریم خاں بدست فریقین جنوبی کوچہ نافذہ شمالی اراضی منسوبہ بنام سید احمد حسین ابن سید نثار الدین حسین	مکان مبیعہ محمد یسین وغیرہ بدست والدہ فریقین و اشخاص دیگر و مبیع باقی شرکاء بدست فریقین شرقی غربی مکان مکان جنوبی مکان سید اکرام علی ولد سید کرامت علی شمالی اراضی مذکور سید رضا حسین پربھودیال	مکان تین ربع مرہون سید غازی الدین بنام فریقین و یک ربع مبیع سید احمد حسین بنام سید امیر حسن و سید افضال پسران مدعی احمدی بیگم زوجہ مدعا علیہ شرقی غربی مکان پربھودیال مکان جنوبی شمالی مکان اراضی سید اکرام علی پربھودیال سید کرامت علی و سید نظام علی	مکان مرہون عبدالکریم خاں زد محمد احسن مدعا علیہ و پسران مدعی شرقی غربی مکان شاہراہ جنوبی شمالی کوچہ نافذہ مکان و مکان منسوبہ بنام مدار طوائف	مکان مبیعہ احمد حسین صاحب بنام سید محمد احسن و پسران مدعی شرقی غربی مکان احمد حسین شاہراہ معروف بنام مدار طوائف جنوبی شمالی مکان مرور این مکان و مکان مدار طوائف مذکور

ہر سہ فریق مذکورین نے بروئے اقرار نامہ مورخہ ۵/ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴/فروری ۱۹۰۳ء کو واسطے تصفیہ نزاعات مسطورہ بالاکے برضائے خود ہا پنچ مجاز وماذون مقرر کیا مقدمہ بحاضری ہر سہ فریق مذکورین ہمارے سامنے پیش ہوا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور نے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ مسطور پر دعوی کیا کہ موضع جگت پور ومعافی ومفروقہ مذکوران اور کھنڈ سار موضع جگت پور مع جملہ اسباب بیل وغیرہ مثل کرہا آہنی وغیرہ میرے اور ان سید محمد احسن مدعا علیہ کے شرکت بالمناصفہ میں ہے اوائل ۱۸۹۸ء تک میں اور مدعا علیہ مذکور بشرکت اکجائی کام کرتے رہے اپریل ۱۸۹۸ء سے میں پیلی بھیت چلاگیا جب سے مجھے توفیرات مذکورہ ومنافع کھنڈ سار مذکور نہ ملی بروئے حساب مجھے ان سید محمد احسن مدعا علیہ سے دلائی جائے اور جو بقایا ذمہ اسامیان وغیرہ ہے بابت توفیر جگت پور معافی و مقروضہ کھنڈ سار جگت پور مذکورات ہوا اس کے نصف میں میرے استقرار حق کا حکم کیا جائے اور اثاث البیت متروکہ والد جس کی فہرست پیش کرتا ہوں ان سید محمد احسن کے قبضہ میں ہے نصف اس سے مجھ کو دلایا جائے

مکانات محدودہ بالا میں بذریعہ وراثت پدری ومادری وبیع ورہن میرا اور ان سید محمد احسن کا بالمناصفہ چاہئے دستاویزوں میں سید افضال حسین وسید امیر حسن مرحوم پسران مدعی واختری بیگم زوجہ محمد احسن مذکور کا نام فرضی ہے سوامکان نمبر اکے کہ اس میں اراضی کا کچھ حصہ خرید کردہ والد ہے اور زیادہ حصہ میری نانی صاحبہ ولایتی بیگم کے والد میر سید محمد صاحب کا خرید کردہ ہے ان کے تین وارث ہوئے: سید نثار الدین حسین پسر اور ولایتی بیگم ولالہ بیگم دختران، اس میں سے نانی صاحبہ ولایتی بیگم نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میری والدہ سردار بیگم کے نام لکھ دیا اور سید نثار الدین حسن صاحب نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میرے اور سید محمد احسن کے نام لکھا لالہ بیگم دختران کا جس قدر حصہ اراضی میں تھا اس کا ہبہ نامہ سید محمد احسن کے نام لکھا گیا اور تعمیر اس کی کل والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے کی ہے مکانات مذکورہ تقسیم یکجائی کردی جائیں کہ نزاع نہ رہے کمی بیشی بجائے قسمت روپیہ سے پوری کردی جائے مکان نمبر ۵ کرایہ پر رہا جس قدر زر کرایہ حاصل ہوا اس کا حساب ان سید محمد احسن سے لے کر میرا نصف ان سید محمد احسن سے مجھے دلایا جائے، سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ کھنڈ سار جگت پور تنہا میں نے کی ان سید محمد افضل کی اس میں کوئی شرکت نہیں مکان نمبر ا کا ہبہ نامہ میرے نام ہے اس کا تنہا مالک میں ہوں، مکان نمبر ۲ میں ان سید محمد افضل صاحب کی شرکت تسلیم ہے نیز یہ مکان نمبر ۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک ہیں مکان نمبر ۴ وہ میری خرید کئے اور بنائے ہوئے ہیں مگر نام افضال حسین وامیر حسن کا بھی درج ہے تقسیم مکانات یکجائی بروئے معاوضہ کمی بیشی جس طرح مجوز کی رائے میں مناسب ہو مجھے منظور ہے اثاث البیت متروکہ پدری جو میرے پاس ہے اس کا نصف ان سید محمد افضل صاحب کو دے دیا جائے اور جو کچھ ان سید محمد افضل صاحب کے پاس ہے اس کا نصف مجھے دلایا جائے، سید افضال حسین مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ مکان نمبر ۴ کے سوا کل مکانات متنازعہ میرے دادا سید اکبر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے خریدے ہیں اور رہن لئے ہیں اور جس جس کو جتنا دینا منظور تھا اس کا نام بیعنامہ ورہن نامہ میں درج کرادیا، مکان نمبر ۴ میرے حصہ کے قدر میرا مرہونہ ہے کہ بعد انتقال سید امیر علی صاحب رہن لیا، مکان نمبدر ۳ کی نسبت دونوں مدعا علیہما نے بیان کیا کہ یہ مکان سید امیر علی صاحب نے ہماری خالہ زاد بہن، پھوپھی قادری بیگم بنت سید نجم الدین احمد زوجہ سید وارث علی کو ہبہ کردیا تھا اس میں جگت پور کی کھنڈ سار ہوتی تھی اور اب بھی مکان خالی کرکے قبضہ نہ دلایا مگر چالیس روپیہ مجھ سید محمد احسن نے قادری بیگم مذکورہ کو دئے سید محمد احسن صاحب مذکور نے توفیر ومنافع کھنڈ سار وکرایہ مکان وبقایان مذکور ان کا حساب مطلوب من ابتدائے یکم نومبر ۱۸۹۸ء لغایت ۳۰/نومبر ۱۹۰۲ء جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اور قرضہ داموودرداس ہم فریقین پر تمام وکمال بالمناصفہ تھا اور ہے اگرچہ پانچسو روپیہ کا رقعہ بنام داموودرداس تنہا میرے نام سے تحریر ہوا سید محمد احسن اب اس سے انکار کرکے مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، انصافاً بعد تحقیقات اس کا نصف بھی

ان سید محمد احسن صاحب پر ڈالا جائے۔

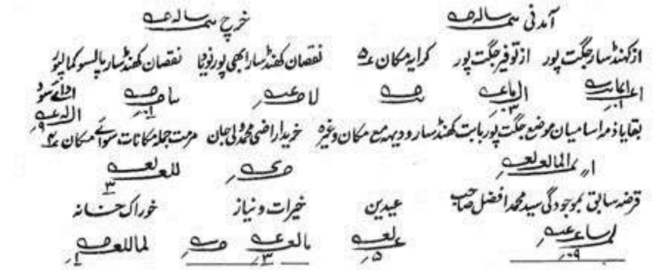

نیز سید محمد احسن صاحب نے بیان کیا کہ مبلغ (☆/) معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور (☆☆/) معرفت سید فرحت علی صاحب اور تخمیناً دس پندرہ متفرق اس پانچ سال میں میرے پاس سے ان سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں جو اسی گوشوارہ خرچ میں کہ پیش کیا گیا ہے مندرج ہیں فقط ہر حساب سید محمد افضل صاحب کو دکھایا گیا انہوں نے (☆/) معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور (☆☆/) معرفت سید فرحت علی صاحب پانا قبول کیا اور باقی متفرق کو فرمایا مجھ کو یاد نہیں اور گوشوارہ مذکورہ کے رقوم کی نسبت سید محمد احسن صاحب سے حلف چاہا اور وجوہ خرچ میں عذر کیا کہ انصافاً جو اس میں میرے ذمہ ہونا چاہئے میرے یافتی سے مجرا ہو جائے باقی سے میں بری کیا جاؤں ان سید محمد احسن صاحب حسب الطلب جملہ رقوم آمد و خرچ گوشوارہ پر حلف کرلیا سید محمد احسن صاحب و سید افضال حسین صاحب مدعا علیہما مذکورین نے دفع دعوی سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور میں نسبت مکانات سات دستاویزیں مفصلہ ذیل سنداً پیش کیں:

متعلق مکان ۱	بیعنامہ اراضی از سید اکرام علی وغیرہ
ہبہ نامہ از لالہ بیگم زوجہ سید برکات علی و سید محمد شاہ ولد میر بادشاہ بنام سید محمد احسن مذکور	بنام فریقین
مورخہ ۲۸ جون ۱۸۸۰ء	مورخہ ۳۰ جون ۱۸۷۷ء
متعلق مکان ۲	متعلق مکان ۳
بیعنامہ اراضی و دروازہ از محمد حسین ولد خیراتی بنام سردار بیگم والدہ فریقین و سید اکرام علی وغیرہ	رہن نامہ رجسٹری شدہ میعادی ۲۵ سال بطور بیع الوفاء از سید غازی الدین حسین ولد سید نثار الدین حسین بنام فریقین بابت سہ ربع مکان مذکور
مورخہ ۱۰ جون ۱۸۶۷ء	مورخہ ۲۲ جون ۱۸۸۱ء

[5]بیعنامہ از سید احمد حسن ولد سید نثار الدین حسین بنام سید امیر حسن وسید افضال حسین پسران سید محمد افضل مدعی واحمدی بیگم زوجہ سید محمد احسن مدعا علیہ بابت کل ربع باقی مکان مذکور مورخہ ۱۰/جون ۱۸۸۴ء متعلق مکان نمبر ۴ [6]رہن نامہ بعوض (ما ☆) از عبدالکریم خاں کنبوہ نصف مکان بدست سید محمد احسن مذکور	ونصف بدست سید امیر حسن وسید افضال حسین مذکوران مورخہ ۴/جون ۱۸۹۴ء متعلق مکان نمبر ۵ بیعنامہ اراضی مع خشب وبناء عـــہ نصف بنام سید محمد احسن مذکور نصف بنام سید امیر حسن وسید افضال حسین مذکوران مورخہ ۱۰/نومبر ۱۸۸۴ء

یہ سب دستاویزیں سید محمد افضل مدعی کو دکھائی گئیں سید محمد افضل سید محمد مدعی نے ان کی تصدیق فرمائی مگر دستاویز نمبر ۵ و نمبر ۶ و نمبر ۷ متعلقہ مکان نمبر ۳ و نمبر ۴ و نمبر ۵ میں سید امیر حسین وسید افضال حسین واحمدی بیگم کے نام فرضی بتائے اور کہا کہ ایک ربع مکان نمبر ۳ واراضی مکان نمبر ۵ سید امیر علی صاحب والد فریقین نے خرید کیں اور مکان نمبر ۵ کی تعمیر بھی انہیں کی دستاویزوں میں اور ناموں کے اندراج سے ان کا مقصود ایک نہیں دونوں بھائیوں کو دینا تھا جسے مختلف صورتوں میں ظاہر کیا کبھی ہم دونوں بھائیوں کے نام درج فرمائے جیسے دستاویز نمبر ۳ و نمبر ۴ میں کبھی میری جگہ میرے بیٹوں کے جیسے دستاویز نمبر ۷ میں ولہذا نصف میں سید محمد احسن کا نام ہوا اور نصف میں میرے دونوں بیٹوں کا کہ حقیقتاً ہم دونوں بھائیوں کو بالمناصفہ کرنا مقصود تھا کبھی میری جگہ میرے بیٹوں سے اور سید محمد احسن کی جگہ ان کی زوجہ احمدی بیگم کا جیسا دستاویز نمبر ۵ میں دستاویز نمبر ۶ بعد انتقال والد صاحب مرحوم تحریر ہوئی اور اسی طریقہ جاریہ پر میری جگہ میرے بیٹوں کے نام لکھے گئے زر رہن خالص میرا اور سید محمد احسن کا تھا امیر حسن اور افضال حسین کا اس میں کچھ نہ تھا اس کی تعمیر میرے اور محمد احسن کے مشترک روپیہ سے ہوئی۔ مکان نمبر ۱ کی دستاویز ہبہ نامہ کل مکان مذکور سے متعلق نہیں لہذا واہبان نے خود حقوق کا لفظ لکھا ہے اس کے متعلق دو ہبہ نامہ اور ہیں ایک از جانب ولایتی بیگم بنام سردار بیگم والدہ فریقین دوسرا از جانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین یہ دونوں کاغذ سید محمد احسن کے پاس ہیں اس مکان کی عمارت بھی والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے بنوائی ہے۔

عـــہ: اصل میں صاف پڑھا نہ گیا اندازہ سے بنادیا۔

تنقیحات ذیل قائم

(۱) آیا مکان نمبر ا میں بذریعہ ترکہ مادری یا تعمیر پدری یا ہبہ نامہ سید نثار الدین حسین بنام فریقین سید محمد افضل صاحب مدعی کا کون حق ہے؟

(۲) آیا مکان نمبر ۳ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم مذکور کو ہبہ کیا اور اگر کیا تو اس کا کیا اثر ہے؟

(۳) آیا مکان نمبر ۳ و نمبر ۴ و نمبر ۵ میں سید افضال حسین ایک فریق مقدمہ کا کوئی حق ہے؟

(۴) ان تینوں مکانوں میں سید محمد افضل صاحب کو حق مرتہنی حاصل ہے، اگر ہے تو کس قدر؟

(۵) آیا کھنڈ سار جگت پور خالس سید محمد احسن صاحب کی ہے سید محمد افضل صاحب کی اس میں شرکت نہیں؟

(۶) مدات خرچ پیش کردہ مدعا علیہا کیا کیا رقم ذمہ سید محمد افضل صاحب ہونا چاہئے؟

(۷) اثاث البیت متروکہ سید امیر علی صاحب مرحوم فریقین کے قبضہ میں کیا کیا ہے اور اس کی تقسیم کیونکر چاہئے؟

(۸) مکانات کی تقسیم یکجائی کس طرح ہونا مناسب ہے؟

(۹) آیا (صما ۵۰۰/) قرضہ دامودر داس بابت رقعہ محررہ سید محمد افضل تنہا ذمہ سید محمد افضل صاحب ہے اور باقی قرضہ فریقین پر کس قدر ہے؟

(۱۰) بقایا مندرجہ گوشوارہ مذکورہ میں سید محمد افضل صاحب کا حصہ کس قدر ہے؟

تجویز: (۱) مکان نمبر ا کی نسبت سید محمد افضل صاحب مدعی کا دعوی قطع نظر اس سے کہ محض غیر معین تھا مدعی مذکور نے کوئی شہادت خواہ کوئی دستاویز اپنے مفید پیش نہ کی سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کو کوئی ہبہ نامہ اس مکان کے کسی جز کا از جانب ولایتی بیگم بنام سردار بیگم والدہ فریقین یا از جانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین لکھا جانا تسلیم ہے مدعی مذکور نے صرف اپنے ماموں سید محمد شاہ صاحب خلف سید میر بادشاہ صاحب کے بیان پر (کہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے ماموں اور خسر بھی ہیں) حصر رکھا۔ سید محمد شاہ صاحب مذکور بوجہ امراض معذور ہیں اور اس مکان نمبر ا میں اپنی دختر و داماد سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے پاس رہتے ہیں مجوز نے مکان مذکور میں جاکر ان کا اظہار لیا، سید محمد شاہ [عــــہ]

عــــہ: تحریر نمبر ۸ شامل مسل ہے ۱۲۔

صاحب مذکور نے بیان کیا کہ یہ مکان جس میں اس وقت موجود ہوں میرے نانا میر سید محمد صاحب کا تھا ان کے صرف تین وارث ہوئے: میری والدہ ولایتی بیگم اور خالہ لالہ بیگم اور ماموں سید نثار الدین حسین، ان ماموں صاحب نے اپنا حصہ یعنی نصف مکان مذکور اپنی دونوں بہنوں میری والدہ وخالہ کو ہبہ بلا تقسیم کردیا ان ماموں صاحب کے بیٹوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین نے اب تک کوئی تعرض نہ کیا میری تینوں بہنوں سردار بیگم والدہ سید محمد افضل وسید محمد احسن اور برکاتی بیگم وآبادی بیگم نے اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے وفات پائی، ولایتی بیگم مذکور کا میں تنہا وارث ہوں، بعد انتقال والدہ میں اور میری خالہ لالہ بیگم نصف نصف اس تمام مکان کے مالک ہوئے ہم دونوں مالکان مکان مذکور نے یہ مکان تمام وکمال ان سید محمد احسن کو ہبہ کردیا تعمیر کی نسبت کہا میں اس وقت یہاں نہ تھا میری والدہ زندہ تھیں یہ میرے علم میں نہیں کہ میری والدہ کے روپے سے بنا، یا سید امیر علی کے روپے سے تعمیر ہوا، ظاہر ہے کہ ان گواہ کے بیان میں کوئی لفظ مفید مدعی نہیں البتہ دستاویز مذکورہ کے تینوں فریق مقدمہ کے مصدقہ ومسلمہ ہیں اس میں سے دستاویز نمبر ۲ میں مکان نمبر ۲ کی حد غربی میں کہ یہی مکان نمبر ایک ہے سردار بیگم زوجہ سید امیر علی کا نام لکھا ہے اور دستاویز نمبر ۶ میں مکان نمبر ۴ کی حد شرقی میں کہ یہی مکان نمبر ا ہے مکان محمد احسن مرتہن ومحمد افضل بیگ پر ایک قرینہ ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۱۸۶۷ء تک یہ مکان نمبر ا سردار بیگم والدہ فریقین کی طرف منسوب تھا اور ۱۸۹۴ء میں فریقین کی طرف مضاف ہوا مگر قطع نظر اس سے کہ مجرد نسبت واضافت خواہی نخواہی دلیل ملک نہیں اور وہ بھی ایسی کہ مدعی کے ثبوت استحقاق میں بکار آمد ہو خود سید افضل صاحب مدعی نے اپنی نیک نیتی سے صاف اقرار کیا کہ ولایتی بیگم کا سردار بیگم یا سید نثار الدین حسین صاحب کا فریقین کو اپنے اپنے حصص واقعہ مکان مذکور ہبہ کرنا بلا تقسیم تھا اور اب تک کہ سردار بیگم وسید نثار الدین حسین کی وفات ہوچکی مکان بدستور نامقسم ہے غالبًا بیان مدعی نسبت ہبہ نامجات مذکورہ صحیح ہے اور انہیں کی بناء پر ۶۷ء تک مکان ملک سردار بیگم اور ۱۸۹۴ء میں مکان ملک فریقین تصور کیا جاتا ہو لیکن قابل قسمت شے میں ہبہ شرعًا ناجائز ہے اور جبکہ تقسیم سے پہلے موہوب لہ یا وارث انتقال کر جائے جیسا کہ بیان ہوا وہ ہبہ محض باطل وکالعدم ہوجاتا ہے عالمگیری جلد ۴ ص ۱۳۱:

لاتصح فی مشاع یقسم[1]۔	تقسیم سے قبل مشاع چیز کا ہبہ صحیح نہیں۔(ت)

درمختار صفحہ ۵۱۲:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۶

الہبۃ موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔	ہبہ کے فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد میم سے مراد ہے اگر قبضہ سے پہلے ہو تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔ (ت)

توان دونوں ہبہ کی نسبت کسی بحث وتفتش کی حاجت نہیں کہ خود باقرار مدعی ان کا باطل ہونا ثابت ہے اور اگرچہ بعینہٖ یہی وجہ اس مکان میں سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے حق کو بھی باطل کرے گی کہ جب مکان بالاتفاق موروثی اور ہنوز نامقسم ہے تو سید نثار الدین حسین صاحب کا اپنا حصہ اپنی بہنوں ولایتی بیگم ولالہ بیگم کو ہبہ کرنا باطل ہوا اور نصف میں ان کے بیٹوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین کا حق ملک رہا اور اب جو سید محمد شاہ صاحب ولالہ بیگم نے اپنی مشاع ونامقسم حصے سید محمد احسن صاحب کو بذریعہ ہبہ نامہ نمبر ایک ہبہ کئے یہ ہبہ بھی ناجائز ہوا اور لالہ بیگم کی وفات سے ان کے حصہ کا ہبہ محض باطل ہو کر ان کے بھتیجوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین کا حق قرار پایا سید محمد شاہ صاحب زندہ ہیں اگر اپنا حصہ کہ ترکہ ولایتی بیگم سے انہیں پہنچا جدا تقسیم کراکر سید محمد احسن صاحب کو قبضہ دے دیں ہبہ صحیح ہوجائیگا ورنہ باطل، مگر ان وجوہ کا نفع ان اشخاص کی طرف راجع ہے جو فریقین مقدمہ نہیں اور اس ہبہ کے بطلان سے مدعی کو کوئی فائدہ نہیں کہ سردار بیگم والدہ مدعی کا اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے انتقال کرنا بالاتفاق ویقین ثابت ہے لہٰذا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور کا دعوٰی اس مکان نمبر ایر کسی وجہ سے قابل سماعت نہیں۔

(۲) تنقیح دوم کی نسبت اس قدر کہنا بس ہے کہ یہ ہبہ اگر ثابت بھی ہو تو محض بے معنی ہے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اولًا اپنے بیان میں عـــہ صاف تسلیم کیا کہ سید محمد افضل صاحب مدعی مکان نمبر ۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک میں بعدہ اظہار میں مدعا علیہانے اس تمام مکان کا بنام قادری بیگم ہبہ ہونا ظاہر ہو کیاحسب طلب مدعا علیہا سید محمد افضل صاحب مدعی سے بھی اس ہبہ کی نسبت سوال ہوا انہوں نے اتنا اقرار کیا کہ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم سے کہا تھا کہ اگر تم یہاں رہو تو یہ مکان تمہیں دیتا ہوں مگر وہ نہ رہیں ان سب سے قطع نظر کیجئے بالفرض سید امیر علی صاحب مرحوم نے تمام مکان کے تین ربع نامنقسم ہنوز رہن ہیں اور رہن ملک مرتہن نہیں ہوتا کہ اسے ہبہ کردینے کا اختیار ہو ایک ربع باقی اگر ملک سید امیر علی صاحب ہو بھی تو رہن مشاع ہے کہ بعد انتقال سید امیر علی اور کا ہبہ باطل ہوگیا۔

عـــہ: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

(۳) تنقیح سوم ایک ظاہر بات تھی دستاویزات نمبر۵ و نمبر۶ و نمبر۷ میں سید افضال حسین کا نام زمرہ مشتریان و مرتہنان میں موجود ہے دستاویز سب فریقوں کے مصدقہ مسلمہ ہیں سید محمد افضال حسین صاحب یا سید محمد احسن صاحب کا باوجود تسلیم صحت دستاویزات یہ ادعا کہ سید افضال حسین صاحب کا نام فرضی ہے بے ثبوت کافی ہر گز مسموع نہ ہوگا نہ دونوں فریق مذکور نے اس کا کوئی ثبوت پیش کیا مگر سید افضال حسین صاحب نے نیک نیتی سے اپنے اظہاروں میں صاف اقرار کر دیا[عہ] کہ مکان نمبر ۴ عبدالکریم خان والا میرے چچا صاحب نے رہن لیا میرا اس میں کچھ روپیہ نہ تھا تو صاف ظاہر ہوا کہ رہن نامہ میں سید افضال کا نام محض فرضی ہے اگر یہ کہئے کہ اصل دائن نے اپنا روپیہ راہن کو قرض دے کر سید افضال حسین کا نام اس غرض سے درج دستاویز کرایا کہ وہ دین ان کا قرار پائے اور ضرور عرف و رواج سے یہی ظاہر ہے بزرگ اپنے روپے سے کوئی عقد کرتے اور اپنے کسی خورد کا نام اسی غرض سے درج دستاویز کراتے ہیں کہ وہ ملک یا حق ان کے لئے قرار پائے مگر شرعًا یہ ارادہ رہن میں محض بے اثر ہے کہ یہ غیر مدیون کو دین کا ملک کرنا ہوگا اور وہ صحیح نہیں۔ درمختار ص ۵۱۵:

تملیك الدین ممن لیس علیه باطل[1]۔	غیر مدیون کو دین کا مالک بنانا باطل ہے۔(ت)

نیز سید افضال حسین صاحب نے اپنے اس اظہار میں کہ اپنی طرف سے اصالۃً اور اپنے چچا سید محمد احسن صاحب کی طرف سے بذریعہ مختار نامہ عام ہے صاف اقرار فرمایا کہ مکان نمبر ۴ کی تمام بیع و رہن حقیقۃً سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے اپنے لئے بیع و رہن لئے اور اپنی طرف سے جس جس کو جس جس قدر کا مالک یا مستحق کرنا چاہا ان کا نام بیعنامہ و رہن نامہ میں درج کرا دیا، اور واقعی عادات ناس سے معہود یہی ہے بائع سے گفتگوئے بیع و شراء خود کرتے ہیں ایجاب و قبول میں یہ لفظ نہیں ہوتے کہ بائع کہے کہ میں نے فلاں شے تیرے فلاں فلاں عزیز کے ہاتھ بیچی یہ کہے میں نے اپنے فلاں فلاں عزیزوں کی طرف سے قبول کی بلکہ گفتگو باہم ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد دستاویز میں اپنے جس عزیز کا نام چاہتے ہیں لکھوا دیتے ہیں یہ بیع حقیقۃً خود انہیں اشخاص عاقدین کے لئے منعقد ہو کر دستاویز میں اندراج نام عزیزاں ان عزیزوں کے نام ہبہ ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

عہ: تحریر نمبر ۴ شامل مسل ۱۲۔

[1] درمختار کتاب العلم فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵، کتاب الھبۃ الفصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

الاب اشتری لھا فی صغرھا او بعد ما کبرت وسلم الیھا وذٰلك فی صحته ولا سبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصةاھ[1] منح۔	باپ نے اپنی صحت و تندرستی میں بیٹی کے لئے کوئی چیز خرید کر اس کے قبضہ میں دے دی وہ چیز خاص بیٹی کے لئے ہوگی خوہ بالغہ ہو یا نابالغہ ہو دیگر ورثاء کا اس چیز پر کوئی حق نہ ہوگا۔اھ منح (ت)

عقود الدریہ جلد ۲ ص ۲۸۱:

امرأة اشترت لو لدھا الصغیر بما لھا علی ان لا ترجع بالثمن علی الولد جاز استحساناوتکون مشتریة لنفسھاثم تصیر ھبة منھا للصغیر[2]۔	کسی عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اس عہد پر کہ بیٹے سے رقم نہ لوں گی تو استحساناً جائز ہے اور وہ خریداری عورت کی اپنے لئے ہوگی پھر عورت کی طرف سے بیٹے کو ہبہ قرار پائے گی۔(ت)

اور جب حسب اقرار سید افضال حسین صاحب بیع مکان نمبر ۵ میں ان کا نام بذریعہ ہے اور ہبہ مشاع بعد انتقال واہب باطل ہو جاتا ہے تو ثابت ہوا کہ ہر سہ مکانات مذکور نمبر ۳ و ۴ و ۵ میں سید افضال حسین صاحب کا کوئی حق ملک ورہن اصلاً نہیں۔

(۴) مکان نمبر ۳ کی نسبت بالاتفاق اظہارات عــہ ہر سہ فریق ثابت ہوا کہ اس کی بیع و رہن نامہ سب حقیقۃً بنام سید امیر علی صاحب مرحوم تھی اندراج نام دیگراں اسی قاعدہ معہودہ بزرگان کی بناء پر تھا بالخصوص مدعا علیہ کا بیان کہ یہ تمام و کمال مکان سید امیر علی صاحب مرحوم نے فریقین کے خالہ زاد ہمشیر قادری بیگم کو ہبہ کردیا صراحۃً اس کے متروکہ امیر علی صاحب ہونے کا اقرار ہے۔ سید امیر علی نے انتقال فرمایا اور ان کے وارث یہی دو صاحبزادے سید محمد افضل صاحب و سید محمد احسن صاحب ہوئے تو مکان کے متروکہ مورث ہونے کا اقرار نصف مکان بذریعہ وراثت ملک سید محمد افضل صاحب ہونے کا اقرار ہوا لیکن یہ اقرار حق راہن پر کہ نہ حاضر ہے نہ فریق مقدمہ ہے مؤثر نہ ہوگا تو ایک ربع مکان مذکور باقرار

عــہ: تحریر نمبر ۱ و نمبر ۴ شامل مسل ۱۲۔

---

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[2] العقود الدریہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

سید محمد احسن متروکہ سید امیر علی صاحب تین ربع مرہونہ سید امیر علی صاحب قرار پائیں گے یہ رہن اگرچہ بوجہ مشاع ہونے کے فاسد اور بوجہ دخلی ہونے کے شرعاً حرام ہے مگر تا وصول دین اس پر قبضہ رکھنے کا اختیار ضرور حاصل، اس بارے میں رہن صحیح وفاسد کا حکم ایک ہی ہے۔عہ در مختار صفحہ ۶۱۶:

لایصح رہن مشاع مطلقاًثم الصحیح انہ فاسد[1]۔	غیر منقسم چیز کا رہن مطلقاً صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ رہن فاسد ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے: ص ۶۲۸:

کل حکم عرف فی الرہن الصحیح فھو الحکم فی الرھن الفاسد کرھن المشاع[2] (ملخصًا)	جو حکم صحیح رہن کا ہے وہ حکم فاسد رہن، مثلاً غیر منقسم رہن چیز، کا ہے۔(ت)

اور بعد انتقال مرتہن اس کے ورثہ اس کی جگہ مرتہن ہوجاتے ہیں، در مختار ص ۶۲۳:

لایبطل الرہن بموت الراھن ولا بموت المرتھن ولا بموتھما ویبقی الرھن رھنا عند الورثۃ[3]۔	راہن یا مرتہن یا دونوں کی موت سے رہن باطل نہیں ہوتا بلکہ ان کے ورثاء میں رہن باقی رہے گا۔(ت)

تو اس مکان کے تین ربع کی مرتہنی بنام فریقین اگرچہ حسب اقرار فریقین بطور اسم فرضی تھی مگر بعد انتقال مرتہن اصلی واقعی وحقیقی ہوگئی اور اس میں کسی فریق کو نزاع بھی نہیں ایک ربع باقی کے بیعنامہ میں تین نام مندرج ہوئے سید امیر حسن مرحوم وسید افضال حسین پسران مدعی واحمدی بیگم زوجہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ ان میں سید افضال حسین صاحب تو اپنے اقرار مذکور تنقیح سوم کے رو سے جدا ہوگئے لیکن ہر سہ فریق کا اتفاق سید امیر حسن واحمدی بیگم پر اثر نہیں ڈال سکتا کہ اقرار حجت قاصرہ ہے اثر صرف مقر کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے ہم صدر تنقیح سوم میں بیان کرآئے کہ دستاویزات مصدقہ مسلمہ ہر سہ فریق میں ان کاموں کا اندراج دفع دعوی دیگران کے لئے بس ہے جب تک وہ بینہ سے ان اسماء کا فرضی ہونا ثابت کریں جس کا ثبوت اصلاً فریقین سے کسی نے نہ دیا تو اس ربع میں اقرارات کا اثر صرف ایک ثلث موسوم سید افضال حسین پر پڑے گا، اور وہ باقرار ہر سہ فریق متروکہ سید امیر علی صاحب قرار پاکر سید محمد افضل صاحب سید محمد احسن صاحب میں نصف نصف ہوا سید امیر حسن مرحوم واحمدی بیگم

عــــہ: تحریر نمبر او نمبر ۱۴ شامل مسل ۱۲۔

---

[1] درمختار کتاب الرہن باب مایجوز ارتھانہ ومالایجوز مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

[2] درمختار کتاب الرہن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۹

[3] درمختار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

نہ فریق مقدمہ ہیں نہ ان کے ابطال حق پر فریقین سے کسی نے کوئی ثبوت دیا لہٰذا اس قدر میں کسی کا دعوی مسموع نہیں سید امیر حسن مرحوم کے وارث صرف ان کے والد سید محمد افضل صاحب مدعی ہیں تو اس ربع کا ایک ثلث کہ شرعًا ملک سید امیر حسن مرحوم تھا وراثۃً ملک سید محمد افضل صاحب ہوا سید محمد افضل صاحب کو بھی اگرچہ اقرار تھا کہ یہ مکان متروکہ پدری ہے جس کے روسے اگرچہ اقرارات ہر سہ فریق حق سید امیر حسن مرحوم پر موثر نہ ہوا مگر جب ثلث بدعوی ارث سید محمد افضل صاحب کو پہنچے سید محمد احسن صاحب ان کے اقرار پر مواخذہ کرکے اس ثلث میں نصف کے مدعی ہو سکتے تھے لیکن سید محمد احسن صاحب بعد اقرار مذکور ہر سہ فریق کے صراحۃً تحریر کرچکے کہ امیر حسن کے حق کی بابت گزارش ہے کہ روپیہ والد صاحب کا تھا اور اس سے بیع ورہن کیا گیا اگر شرعًا اس میں میرا حق ہے تو مجھ کو دعوی ہے اور نہیں ہے تو دعوی نہیں ہے فقط اور اوپر معلوم ہوتا ہے کہ شرعًا سید امیر حسن مرحوم کے حق میں سید محمد احسن کا کوئی حق نہیں، نہ خریداری میں روپیہ والد کا ہونا، ملک والد کو مستلزم۔ فتاوٰی خیریہ ص ۲۰۱:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[1]۔	والد کے مال سے خرید کردہ چیز ضروری نہیں کہ والد کے لئے ہو۔ (ت)

اور لادعوی کسی شرط واقعی پر معلق کرنا بلا شرط لادعوی ہے، درمختار ص ۴۰۷:

علقه بأمر کائن کان اعطیته شریکی عــــه فقد ابرأتك وقد اعطاه صح[2]۔	برأت کو معلق کیا کسی امر ماضی محقق پر جیسے طالب کا مدیون سے کہنا کہ اگر تونے فلاں چیز میرے شریک کو دی تو میں نے تجھ کو بری الذمہ کیا حالانکہ مدیون وہ چیز اس کے شریک کو دے چکا تو یہ تعلیق صحیح ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار جلد ۲ ص ۳۴۹:

لانه علقه بشرط کائن فتنجز۔[3]	کیونکہ اس نے پائی جانیوالی شرط پر معلق کیا ہے تو فورًا نافذ ہوگیا۔ (ت)

تو سید محمد افضل صاحب کا اقرار حصہ سید امیر حسن مرحوم کے بارے میں سید محمد احسن صاحب کے لادعوے

عــــه: شریکی کی جگہ اصل میں بیاض ہے۔

[1] فتاوی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ مکتبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

سے رد ہو گیا، اشباہ ص ۲۵۵ :

المقرلہ اذا ردالاقرار ثم عادالی التصدیق فلاشیئ لہ[1]۔	مقرلہ نے جب اقرار کو رد کر دیا اور بعد میں اقرار کی تصدیق کر دی تو بھی محروم رہے گا (ت)

ایضاً صفحہ ۲۵۳:

المقرلہ اذا کذب المقر بطل اقرارہ[2] الخ۔	مقرلہ نے جب اقرار کرنے والے کو جھوٹا قرار دیا تو اقرار باطل ہو جائے گا الخ (ت)

تو یہ ثلث کہ ملک سید امیر حسن مرحوم تھا خاص ملک سید محمد افضل صاحب ہوا اور نصف اس ثلث اسمی سید افضال حسین صاحب کا ان کی ملک قرار پایا تھا مجموع ڈیڑھ ثلث یعنی اس رابع مبیع کا نصف مملوکہ سید محمد افضل صاحب ہوا مکان نمبر ۴ کی اگرچہ سید محمد احسن صاحب مدعاعلیہ کا اپنے اظہار میں بیان کہ وہ میرا خرید کیا ہوا ہے صریح سہو ہے وہ مکان بیع نہیں رہن ہے مگر سید محمد احسن صاحب مذکور نے اپنے اظہار میں نیک نیتی سے تسلیم فرمالیا کہ اس مکان میں نصف ان کا حصہ ہے جو انہوں نے خواجہ محمد حسن صاحب کے قبضہ میں مع نصف مکان نمبر ۵ مستغرق کیا ہے انھوں نے اپنی تحریر عـــہ۱ میں صراحتاً اقرار کرلیا کہ یہ رہن کھنڈسار مشترک کی آمدنی سے لیا گیا اور تحریر کر دیا کہ جب سید محمد افضل صاحب شریک کھنڈسار ہیں تو نصف ان کا اور نصف میرا ہے فقط، لاجرم یہ نصف بحق سید محمد افضل صاحب ہے، یہی حالت ہے اس کی نسبت اگرچہ بیان واظہار سید محمد احسن صاحب بہت مختلف واقع ہوئے مگر ہر شخص کا بیان اس قدر کہ اس کی ذات کے لئے نافع ہو بلادلیل قابل قبول نہیں ہو سکتا اور جس قدر فریق دیگر کے لیے نافع ہے اس کے حق میں حجت ہو جاتا ہے سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں صاف فرمایا ہے کہ نصف مکان نمبر ۴ کے ساتھ مکان نمبر ۵ پھاٹک والا احمد حسین والا کہ اس کا بھی نصف میرا ہے اسی قرضہ خواجہ عـــہ۲ صاحب میں مستغرق ہے نیز سید محمد احسن صاحب کے مختار عام سید افضال حسین صاحب نے اپنے اظہار عـــہ۳ اور اپنے بیان عـــہ۴ دونوں میں صاف فرمایا ہے کہ مکان نمبر ۴ کے سوا کہ

عـــہ۱: خط کشیدہ عبارت اندازہ سے بنائی گئی ہے۔ عـــہ۲: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲۔

عـــہ۳: تحریر نمبر ۳ شامل مسل ۱۲۔ عـــہ۴: تحریر نمبر ۱۴ شامل مسل ۱۲۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹

وہ تو سید امیر علی صاحب مرحوم کے بعد رہن لیا گیا باقی سب مکانات ان کے دادا سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے بیع ورہن لئے ہیں اور اپنی طرف سے جس جس کو جتنا دینا منظور تھا اس اس کا نام بیعنامہ اور رہن نامہ میں درج کرادیا، اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں فرمایا ہے کہ سید افضال حسین میرا مختار عام ہے اس مقدمہ دائرہ میں جو بیان سید محمد افضال حسین صاحب نے کئے مجھ کو قبول ومنظور ہیں اور سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر عہ۱ میں خود صاف لکھا کہ یہ بیع ورہن والد صاحب کے روپے سے تھے تو اپنے اگلے بیانوں کو صراحۃً رد فرمایا بالجملہ باقرار مدعاعلیہا ثابت ہوا، نیز اس کی تعمیر کی نسبت سید محمد احسن صاحب مجوز سے زبانی فرمادیا گیا تھا کہ کھنڈ سار جگت پور کے روپے سے ہوئی اور یہ کہ اس وقت سوا اس کے ہماری کوئی آمدنی نہ تھی بعدہ اظہار میں اس عمارت کی نسبت بہت تفصیل بیان فرمائی ہے جس سے اس کی کچھ متفرق ہے مشرک کچھ خاص ان کے ثابت ہوتے ہیں اور تحریر فرمایا ہے پہلے جو میں نے مکان نمبر ۵ کی نسبت تعمیر عملہ کی مجوز صاحب سے عرض کیا تھا کہ کھنڈ سار جگت پور کی آمدنی سے کہ وہ میرا سہو تھا صحیح یہ عہ۲ ہے جو میں نے مفصل لکھا مگر کوئی مقر اپنے اقرار سے بدعوی سہو ولغزش پھر نہیں سکتا، اشباہ ص ۲۵۴:

اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطاء لم تقبل[1]۔	جب کسی چیز کا اقرار کرکے پھر خطا کا دعوی کرے تو یہ دعوی قبول نہ ہوگا۔(ت)

تو میں اس امر میں شک کی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ تمام وکمال مکان نمبر ۵ بھی نصف ملک سید محمد افضل صاحب ہے اور اس پر ایک قرینہ واضحہ یہ بھی ہے کہ سید محمد احسن صاحب اپنے اظہار عہ۳ میں فرماتے ہیں کہ یہ مکان نمبر ۵ تمام وکمال میں نے اور سید محمد افضل نے بالمناصفہ دامودر داس کی دستاویز میں ہزار والی میں مستغرق کیا ہے۔

(۵) سید محمد احسن صاحب نے بکمال نیک نیتی اپنے بیان واظہار میں جابجا صاف تسلیم کرلیا کہ کھنڈ سار جگت پور ان کی اور سید محمد افضل صاحب کی مشترک ہے خود ابتدائی بیان جس میں اس کھنڈ سار کو تنہا اپنی فرمایا ہے اسی کے آخر میں آمد وخرچ پیش کردہ سید افضال حسین کو صراحۃً لکھ دیا کہ میرا اور سید محمد افضل صاحب کا بشرکت ہے اس آمد میں آمدنی کھنڈ سار مذکور شامل ہے بلکہ حساب طلب بھی اس آمدنی کا ہوا تھا

عہ۱: تحریر نمبر ۲۲ شامل مسل ۱۲۔ عہ۲: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲۔ عہ۳: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

جو فریقین کی مشترک ہے تو اس میں آمدنی کھنڈ سار مذکور کا درج فرمانا ہے صراحۃً دلیل شرکت تھا نہ کہ جب بیان شرکت کی تصریح بھی کردی نہ کہ جب تحریر میں صاف لکھ دیا کہ یہ کھنڈ سار میری اور سید محمد افضل صاحب کی شرکت میں ہے، لہٰذا مجموعہ آمدنی (☆☆☆/) سے نصف یعنی (☆☆☆) حق افضل صاحب ہیں۔

(٦) مدات خرچ میں اراضی محمد ولی جان فریقین کا مشترک ہونا اور اس کی قیمت کی (☆☆/) فریقین کے ذمے بالمناصفہ ہونا فریقین کو تسلیم ہے اور (☆☆) کہ قرضخواہ کو رقم خلاف شرع یعنی سود میں سید احسن صاحب کے ہاتھ سے گئی ان کے حلف کے بعد سید محمد افضل صاحب نے مشترک ہونا قبول کرلئے مرمت مکانات کی (☆☆) جن کی تفصیل فریقین سے کوئی نہ بتاسکا نہ ان کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ کہ کس قدر کس مکان کی مرمت میں صرف ہوا مکان نمبر ۴ کے سوا باقی چاروں مکانوں پر بحصہ مساوی قابل انقسام وہی مکان نمبرا میں جب کہ سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق ثابت نہ ہوا اور سید محمد احسن صاحب اسے تنہا اپنی ملک بتاتے ہیں تو اس رقم کا ایک ربع (☆☆) پائی خاص سید محمد احسن صاحب پر اور باقی ربع کا نصف (☆☆☆) پائی ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوا عیدین و خیرات و نیاز وخوراک خانہ وغیرہ سب کی نسبت سید محمد احسن صاحب کو اپنے بیان تحریری[عہ۱] میں اقرار ہے کہ یہ بعد جانے سید محمد افضل صاحب کے خود سید محمد احسن صاحب نے صرف کئے البتہ کنبے داری کے خرچ شادی وغمی کو فریقین نے مشترک تسلیم کیا اس پر ہم مجوز نے سید محمد احسن صاحب سے اس رقم کی فہرست طلب کی مگر سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اس رقم کا حصہ ذمہ سید محمد افضل صاحب ڈالنے سے دستبرداری کی اور قبول فرمایا کہ یہ خفیف رقم بھی میرے ہی ذمے رکھی جائے کھنڈ سارا بھی پوڑنو دیا کی نسبت خود محمد احسن صاحب اپنے تحریری[عہ۲] بیان میں اقرار فرماتے ہیں کہ وہ میں نے خود کی تھی محمد افضل کی کوئی شرکت نہیں تھی فقط نیز اپنے اظہار[عہ۳] میں اس کھنڈ سار بالی بور کمال پور سب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ سید محمد افضل صاحب کے پیلی بھیت جانے کے ایک دو سال بعد میں نے سید محمد افضل صاحب سے کوئی اجازت نہیں لی تھی تو یہاں سے ظاہر ہوا کہ ان میں سے کسی کھنڈ سار میں سید محمد افضل صاحب کی شرکت نہ تھی نہ سید محمد افضل صاحب کو ان میں شرکت تسلیم ہے اور سید محمد احسن صاحب کا لکھنا کہ نہ سید محمد افضل صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں ان کھنڈ ساروں میں شریک نہیں ہوں ان کو علم تھا کہ یہ کھنڈ ساریں کی گئی ہیں اور کسی کام کی بابت بھی کوئی خاص اجازت نہ لی جاتی تھی ہمیشہ ان کے شریک پیلی بھیت سے آیا کرتے اور یہ بھی آتے وہ سب خرچ اس کھنڈ ساری آمدنی سے ہوتا تھا فقط کچھ انہیں

عــــہ۱: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔ عــــہ۲: تحریر نمبر ۳ شامل مسل ۱۲۔ عــــہ۳: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲

مفید نہیں سید محمد افضل صاحب نے انہیں شرکت کی نفی نہ کی تو اقرار بھی نہ کیا اور علم ہونا شریک ہونے کو مستلزم نہیں کھنڈساروں کی مخلوط آمدنی جن میں مشترک کھنڈسار جگت پور بھی تھی مہمانداری سے سید محمد افضل صاحب وغیرہ میں خرچ ہونا بھی ان کھنڈساروں میں دلیل شرکت نہیں جوان کے جانے کے سال دو سال بعد سید محمد احسن صاحب نے بطور خود بے اجازت لئے کیں، آخر خود سید محمد احسن صاحب صراحۃً لکھ چکے ہیں[عہ۱] کہ ابھی پوڑ ونودیا کی کھنڈساروں میں سید محمد افضل صاحب کی شرکت نہیں اگرچہ دلائل موجب شرکت ہوتے تو ان میں بھی شرکت ثابت ہوئی جس سے خود مدعا علیہ کو انکار ہے توثابت ہوا کہ ان سب کھنڈساروں میں نقصانات سید محمد افضل صاحب پر ڈالنے کی کوئی وجہ نہیں پس مدات خرچ میں صرف تین مدیں ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوئیں، نصف قیمت اراضی ولی محمد خان و نصف رقم ناجائز سود کہ قرض خواہ کو گئی و بابت مرمت مکان کل (☆☆ ۱۳/ ۲-۸/۵) کل صمالہ معہ ۲-۸/۵) پائی کہ نصف آمدنی ان کی یافتنی (☆☆☆۱۰/ ۲) پائی سے منہا ہو کر (☆☆۳/۳-۸) پائی رہے لیکن سید محمود حسن صاحب نے دعوی کیا کہ مبلغ (☆/) معرفت شیخ تصدق حسین اور (☆☆) معرفت سید فرصت علی اور تخمیناً دس پندرہ روپے متفرق سید محمد افضل صاحب کے پاس پہنچے جو اسی گوشوارہ خرچ میں مندرج ہیں پہلی دو رقموں کا سید محمد افضل صاحب نے اقرار کیا تو یہ (☆☆) اور مجرا ہو کر (☆☆☆) پائی سید محمد افضل کی یافتنی ذمہ سید محمد احسن صاحب پر رہے یہ حساب ظاہراً اسید افضال حسین صاحب مختار عام سید محمد احسن صاحب بہت جلدی میں تحریر فرمایا ہے رقم خرچ رقم آمدنی کے برابر (☆☆☆) قائم کی اور تتمہ ندارد لکھ دیا اور مدات خرچ کی جو تفصیل فرمائی ان کا جوڑ صرف (☆☆) آتا ہے اسی روپے کا فرق ہے اور ایسی ہی سو روپے کی غلطی رقم بقایا میں ہے جس کا خود اقرار تحریر فرمایا مگر از انجا کہ ذمہ مدعی ان تین مدوں کے سوا باقی سے بری ہے اس تحقیقات کی کچھ حاجت نہیں کہ یہ اسی (☆/) کی غلطی کہاں گئی۔

(۷) اثاث البیت کے دعوی سے فریقین نے دست[عہ۲] برداری لکھ دی۔

(۸) مکان نمبرا میں تو کوئی سید محمد افضل صاحب کا ثابت نہ ہوا اور مکان نمبر ۴ فریقین کے پاس رہن ہے نمبر ۳ کے بھی تین ربع فریقین کے پاس رہن ہیں رہن مملوک مرتہن نہیں ہوتا اس مکان کا ربع اگرچہ مملوک ہے مگر بوجہ اختلاط رہن وہ یکجائی نہ ہوسکے گا تو صرف دو مکان قابل تقسیم یکجائی ہے مکان نمبر ۲ جس کا نصفاً نصف ہونا ابتداء سے مسلم[عہ۳] فریقین تھا اور مکان نمبر ۵ کے اب نصفا نصف ثابت ہوا ان دونوں مکانوں کا مفصل تخمینہ

عہ۱: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔ عہ۲: تحریر نمبر ۱۵ و نمبر ۱۶ شامل مسل ۱۲۔ عہ۳: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔

معتبر راجوں نے بمواجہ سید محمد احسن صاحب کیا مکان نمبر ۲ کی قیمت [عہ۱] (☆۱۹۰ /) قرار پائی اور مکان نمبر ۵ کی [عہ۲] (☆☆۹۴۴۹) یہاں اتفاقاً قرعہ برداری درکار تھی مگر سید محمد احسن صاحب نے کہا کہ مکان نمبر ۵ میرے والد کو بہت پسند تھا وہ اس میں سوتے تھے یہ مجھے مل جائے اور زیادت کا معاوضہ مجھ سے دلایا جائے سید محمد افضل صاحب پہلے فرما چکے تھے کہ جو مکان وہ پسند کرلیں لے لیں اور کمی بیشی کا معاوضہ ہوجائے بعد اس پسند کے بھی سید محمد افضل صاحب نے اسے منظور رکھا لہٰذا مکان نمبر ۲ خالص سید محمد افضل صاحب اور مکان نمبر ۵ خالص سید محمد احسن صاحب کا قرار پایا اور بابت کمی حصہ سید محمد افضل صاحب میں آئی (☆☆۸/) سید محمد احسن صاحب پر سید محمد افضل صاحب کی واجب الادا ہوئی کہ رقم سابق سے مل کر مجموع (☆☆۲/۳/۸) پائی ہوئی۔

(۹) (صما/) قرض داموردراس کو سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں بکمال نیک نیتی صاف تسلیم فرمالیا کہ یہ قرضہ ان پر اور سید محمد افضل صاحب مشترکہ ہے، باقی قرضہ کی نسبت تحقیقات درپیش تھی کہ ۶ / مئی ۱۹۰۳ء کو جناب سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے ایک درخواست بدیں مضمون پیش کی کہ مبلغ (☆☆۹/ ۵) پائی جو سید محمد افضل صاحب کی بھی ہیں ان کے قلم کی تحریر کی ہوئی ان کے تحویل میں باقی ہیں مجھ کو مجرا دلائی جائیں عریضہ شامل مسل فرمایا جائے، یہ دعوی جدید کئی مہینے بعد جناب سید محمد احسن صاحب کو یاد بیان تحریری مورخہ ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۰۳ء میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں تھا ولہٰذا اس کی نسبت کوئی تنقیح قائم نہ ہوئی تھی نہ ایسے جدید دعوی کا کسی فریق کو اختیار تھا مگر جناب سید محمد احسن صاحب کے اصرار پر درخواست شامل مسل کی گئی اور سید محمد افضل صاحب سے جواب طلب ہوا انہوں نے اس رقم کے اپنے پاس رہنے سے صاف انکار کیا سید محمد احسن صاحب نے شہادتیں پیش کیں جن میں اس رقم کی نسبت سید محمد افضل صاحب کے پاس رہنا کسی شاہد نے اصلاً بیان نہ کیا بلکہ سید محمد حسین صاحب برادر عمہ زاد فریقین نے اتنا کہا یہ میں نے نہ سنا کہ محمد افضل اپنے ساتھ کچھ نہ لے گئے نہ میں نے سنا کہ کچھ روپیہ تحویل میں ہے یا محمد افضل لے گئے ہیں بلکہ یہ سنا کہ پیلی بھیت میں محمد افضل نے کچھ زیور گرور کھا کچھ روپیہ مقبول حسین خاں نے دیا، مرزا ہدایت بیگ نے بیان کیا میں نے کبھی نہ سنا کہ کچھ روپیہ محمد افضل پیلی بھیت لے گئے نہ محمد احسن نے بیان کیا نہ کسی نے، یہ تو نا اتفاقی

عہ۱: تحریر نمبر ۱۲ شامل مسل ۱۲۔ عہ۲: تحریر نمبر ۱۱ شامل مسل ۱۲

بیان کیا، باقی گواہوں کے بیان میں اصلاً کچھ تذکرہ نہیں، سید محمد احسن صاحب نے یہ شہادتیں اس غرض سے پیش کیں کہ تمام آمدنی کی تحویل سید محمد افضل صاحب کے پاس ہونا ثابت کریں یہ شہادتیں اس امر کے اثبات میں بھی ناتمام ہیں سید مہدی حسن صاحب و سید ممتاز علی صاحب و مرزا ہدایت بیگ صرف شیرے کی آمدنی سید محمد افضل صاحب کے پاس آنا بیان کرتے ہیں، سید محمد احسن صاحب صاف کہتے ہیں کہ یہ میرے علم میں کچھ نہیں کہ تحویل ان دونوں بھائیوں میں کس کے پاس ہوتی تھی سید محمد افضل صاحب کے بھی دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ اوپر سے دادنی و یافتنی کی رقمیں جدا جدا لکھتے آئے ہیں اور یافتنی کی مجموع رقوم کو تتمہ قرار دیتے ہیں اگرچہ بعد مجرائی دادنی و تتمہ جو تحویل میں باقی نہیں قرار پاسکتا بارہ سو سے قدرے زائد ایک رقم اختر حسین خاں کے دادنی اور بارہ سوان سے یافتنی دونوں مدوں میں تھی یہ یافتنی ملا کر رقم تتمہ (☆☆) لکھی گئی تھی اس کے بعد کے حساب میں وہ رقم دادنی و یافتنی دونوں میں سے چھوڑ دی ہے اور یوں (☆☆) دادنی اور (☆☆۰۹/) یافتنی لکھے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حساب برابر ہے تتمہ کچھ نہیں ایسی رقم و تحویل میں باقی ٹھہرانا سخت عجیبہ ہے ولہذا آج تک سید محمد احسن صاحب نے اس کا کوئی ذکر نہ فرمایا نہ وہ ان کے خیال میں تھا بلکہ بیان تحریر میں صراحۃً اس کے خلاف تحریر تھا کہ سید محمد افضل صاحب کو شاید بیس پچیس روپے گئے ہوں گے اگر یہ پندرہ سولہ سو کی رقم بھی پیلی بھیت جانے کے وقت ان کے پاس ہی ہوتی تو اتنی بڑی رقم کثیر چھوڑ کر صرف بیس پچیس روپے کے ذکر پر کیوں قناعت فرمائی جاتی اور وہ بھی لفظ شاید کے ساتھ، پھر اس درخواست کے دو روز بعد یعنی ۸/ مئی کو جو تفصیل قرضہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے پیش کی اس میں تو اس نزاع کو یک سر طے فرمادیا اور یہی ان کی نیک نیتی سے متوقع تھا اس کے آخر میں صراحۃً تحریر فرمایا کہ اس کے سوا کوئی مطالبہ سید محمد احسن صاحب وغیرہ کا ذمہ سید محمد افضل صاحب نہیں ہے سوائے (☆☆☆) کے کہ معرفت شیخ تصدق حسین صاحب و سید فرحت علی صاحب کے سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں، الحمدللہ کہ حق واضح فرمادیا، اس دعوی کے جواب میں ۱۱ مئی کو سید محمد افضل صاحب نے بھی ایک جدید دعوی (☆☆☆) کا پیش کیا محاسبات میں سید افضال حسین صاحب مختار عام نے یہ رقم نقد آمدنی کھنڈسار کی بتائی تھی کہ آسامیوں سے علاوہ اسکے آئی تھی مگر شرائط پیش کردہ میں اس کا کچھ ذکر نہ تھا، سید افضال حسین صاحب نے بعد استفسار بیان کیا کہ یہ رقم ادھر سے آئی ادھر گئی یعنی یافتنی میں آئی دادنی میں گئی لہذا قائم نہ کی گئی اس پر سید محمد افضل صاحب نے استفسار کیا کہ کس دادنی میں گئی انہوں نے خالص اپنے قرضے میں دی یا مشترک میں اس کا جواب ۱۲/ مئی کو سید محمد احسن صاحب نے لکھا کہ یہ رقم تحویل میں نہیں رہی بلکہ قرضے میں الٹ پھیر میں گئی صرف میرے ذمے پر تنہا قرضہ کوئی نہ تھا بلکہ مشترک قرضہ متعلق کھنڈسار کے تھا اس میں گئی، شرعاً شریک کا حلفی بیان ایسے امور میں مقبول ہے اگرچہ اصلاً تفصیل نہ بتائے۔

درمختار صفحہ ۳۳۴:

سئل قاری الھدایۃ عمن طلب محاسبۃ شریکہ فاجاب لانلزمہ بالتفصیل ومثلہ المضارب والوصی والمتولی،نہر[1]۔	قاری الہدایہ سے سوال ہوا کہ کوئی شخص اپنے شریک سے حساب کا مطالبہ کرے تو جواب دیا کہ ہم تفصیلی حساب لازم نہیں کریں گے۔اسی طرح مضارب، وصی اور متولی کا معاملہ ہے، نہر۔(ت)

توان سولہ سو کی طرح یہ دوہزار بھی ناقابل سماعت ہیں،اس جملہ معترضہ کے بعد اصل تنقیح بقیہ قرضہ کی طرف عطف عنان کریں(☆☆☆) کہ قرضے کے دکھائے گئے اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں فرمایا کہ وہی قرضہ اب تک چلاآتا ہے اس میں سے (☆صما) قرضہ دستاویز واقعہ دامودرداس تو یقینا اب تک چلاآتا ہے باقی رقوم کی تفصیل جو سید محمد احسن صاحب نے بابت ۱۳۰۶ھ فصلی جبکہ سید محمد افضل صاحب پیلی بھیت گئے تھے اور اب بابت شرع ۱۳۱۰ھ فصلی اپنی بہی سے لکھائی اور وہ شامل مسل ہے،اس کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ اس قرضے میں ایک حبہ قرضہ سید فرحت علی صاحب کے کچھ باقی نہیں۱۳۱۰ھ میں سب رقوم جدید ہیں سید فرحت علی صاحب کے ۱۳۰۶ھ میں (☆☆☆) لکھے تھے اور بابت ۱۳۱۰ھ میں (صمالہ) تحریر ہیں سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر میں ذکر فرمایا ہے کہ اب یہ (لہ ☆) بھی ادا ہوگئے ان کے فقط (صما) باقی ہیں تو دامودرداس کے (☆☆) اور سید فرحت علی صاحب کے (صما) جملہ (☆☆) نکال کر (☆☆☆۰۹/) سید محمد احسن صاحب نے ادا کئے اور یہ قرضہ مشترک تھا تو سید محمد احسن صاحب کا حاصل دعوی یہ ہوا کہ اس کا نصف یعنی (☆☆☆۰۴/) کہ سید محمد احسن صاحب نے از جانب سید محمد افضل صاحب ادا کئے ہیں سید محمد افضل صاحب سے ان کو دلائے جائیں قرضہ اگر بابت کھنڈسار مشترک ہوتا تو یہ امر دیکھنا کہ قرضہ مذکور سید محمد احسن صاحب نے کس مال سے ادا کیا اگر آمدنی مشترک کھنڈسار سے ادا ہوا تو کوئی وجہ مطالبہ نہیں کہ مشترک مال سے ادا ہوا اور اب سید محمد احسن صاحب کا وہ بیان مورخہ ۱۲/ مئی وارد ہوتا کہ (☆☆☆۰۱۳/) نقد آمدنی کھنڈسار اور ہوئے تھے جو قرضہ مشترکہ کے ادا میں گئے مگر سید محمد احسن صاحب اپنے بیان تحریری میں صاف لکھ چکے ہیں کہ یہ قرضہ سابق میں جبکہ خرچ ان کے یعنی سید محمد افضل صاحب کے تعلق تھا ہوا تھا بابت خرچ خانگی کے جوان کے بہی سے ثابت ہے اور اخیر تحریر مورخہ ۸/جون ۱۹۰۳ء میں لکھا قرضہ (☆☆☆) میں (☆☆) قرضہ دامودرداس کے ہیں اور (☆☆۰۹/) جو دیگر صاحبان کا متفرق چاہئے یہ بات خرچ خانگی ہے کھنڈسار جگت پور میں کبھی نقصان نہ ہوا نہ اس کو اس سے کچھ

[1] درمختار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۳

تعلق ہے ان دونوں بیانوں سے صاف روشن ہوا کہ اس قرضہ کو عقد شرکت کے مال یعنی کھنڈسار سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ خانگی ہیں جو قرضہ دونوں صاحبوں پر تھا وہ سید محمد احسن صاحب نے ادا کیا ہے اب اگر اس کی ادا مال مشترک سے ہوئی (جیسا کہ اس بیان اخیر سے پتا چلتا ہے کہ کھنڈسار کسی وقت محتاج قرضہ نہ ہوئی تھی اور یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس (☆☆☆) کا قرضہ کھنڈسار کے ادا میں صرف ہونا غالبًا سہو بیان تھا) جب تو ظاہر ہے کہ سید محمد احسن صاحب کو اس قرضہ کی بابت کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا اور اگر فرض ہی کرلیا جائے کہ یہ قرض سید محمد احسن صاحب نے خاص اپنے مال سے خواہ کسی سے قرض لے کر ادا کیا تو یہ ایک قرض ہے کہ ایک بھائی پر آتا تھا دوسرے نے بطور خود ادا کردیا بھائی کے ساتھ حسن سلوک ہوا اور نیک سلوک پر ثواب کی امید ہے مگر معاوضہ ملنے کا استحقاق نہیں کہ کوئی شخص نیک سلوک واحسان کرکے عوض جبرًا نہیں مانگ سکتا ولہذا کتابوں میں تصریح ہے کہ جو شخص دوسرے کا قرضہ بے اس کے امر کے ادا کردے وہ اس سے واپس نہ پائے گا۔ عقود الدریہ جلد ۲ ص ۲۰۷:

المتبرع لایرجع بما تبرع بہ علی غیرہ کما لوقضی دین غیرہ بغیرہ امرہ[1]۔	غیر پر نیکی کرنے والا نیکی میں دی ہوئی چیز واپس نہ پائیگا جیسے غیر کی طرف سے اس کے امر کے بغیر قرض ادا کردے۔ (ت)

اسی طرح جامع الفصولین وغیرہ میں ہے، تو ثابت ہوا کہ سید محمد احسن صاحب کو کوئی مطالبہ بابت قرضہ سید محمد افضل پر نہیں پہنچتا دستاویز ورقعہ کا مطالبہ ہے تو دامودر داس کا ہے کا اور ان (صما/) کا نصب ہے تو سید فرحت علی صاحب کا ہے اس میں سید محمد افضل صاحب کو عذر بھی ہے کہ سید فرحت علی صاحب کے پانسو باقی ہیں کہ مجموع اڑھائی سو ہوں گے مگر اس کی تحقیقات کی یہاں ضرورت نہیں یہ دعوٰی سید محمد احسن صاحب کا نہیں اس میں مدعی ہوں تو سید فرحت علی صاحب ہونگے جن کو اس مقدمہ سے تعلق نہیں۔

(۱۰) سید محمد احسن صاحب نے بقایا ذمہ آسامیان (☆☆) لکھی ہے جو پہلے براہ سہو (☆☆) لکھی گئی اور بعد کو اس کی تصحیح فرمادی ہے اس رقم میں بقایا بابت مکان عبدالکریم خاں والا اور بقایا رس جگت پور ذمہ آسامیاں اور بقایا توفیر ذمہ آسامیاں دیہ شامل ہے اور اس کی اور تفصیل وہی ہے کہ اس میں اس قدر وصولی یعنی متوقع الوصول اور اس قدر غیر وصولی ہے جس کے وصول کی امید

[1] العقود الدریہ کتاب المداینات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۴۸

نہیں اور اپنے رقعہ مورخہ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ میں اقرار فرمایا کہ بقایا رس سے تخمیناً (☆☆) کا رس اور وصول ہو گیا اور اس تخمینہ کو ان کے مختار عام سید افضال حسین صاحب نے بعد بہت محاسبات کے یوں ظاہر فرمایا کہ (☆☆) کا رس حقیقتاً وصول ہوا ہے تو اس قدر تو بقایا میں نہ رہا اور اسکا نصف (صما☆☆) ذمہ سید محمد احسن صاحب یا فتنی سید محمد افضل صاحب اور واجب الادا ہو کر اس وقت تک مجموع رقم ان کے ذمے (☆☆☆۷/ ۳-۳/ ۸) پائی ہوئی بقایا رقم (☆☆☆) کی نسبت اگرچہ محمد احسن صاحب کی یہ خواہش ہو کہ کمی وصولی کا کچھ کم کرکے باقی کی تنصیف کردی جائے خواہ دستاویز میں بانٹ دی جائیں خواہ ایک سے دوسرے کو ان کا معاوضہ دلا کر جملہ بقایا ایک فریق کی کردی جائے کہ اب کھنڈسار میں شرکت رکھنا منظور نہیں اور سید محمد افضل صاحب بھی قطعی شرکت پر راضی نہیں مگر تحصیل بقایا سے اپنے آپ کو معذور محض بتاتے ہیں کہ میں اسامیوں کو جانتا بھی نہیں ہمیشہ کام سید محمد احسن صاحب نے کیا اور اسامیان انہیں کے قبضے میں ہیں مجھے کچھ وصول نہ ہوسکے گا مگر شرعاً دودائن مدیون کو تقسیم نہیں کرسکتے نہ غیر مدیون سے دین و تبادلہ ممکن، لہٰذا اس بقایا کو خواہ وصولی ہو یا غیر وصولی بدستور اس کے حال پر چھوڑنا لازم اور جس فریق کو جس قدر ان میں سے وصول ہوتا جائے اس کا نصف دوسرے کو ادا کرنا واجب، البتہ اگر کسی مد میں بقایا اس قدر سے کم ثابت ہو جو سید محمد احسن صاحب نے بتائی ہے تو ظاہر ہوگا کہ اس قدر اور ان کو وصولی ہو گیا تھا لہٰذا اس کمی کا نصف بحق سید محمد افضل صاحب ادا کرنا ان کے ذمے لازم ہوگا سید محمد احسن صاحب نے بقایا بابت رس ذمہ اسامیان جگت پور (☆☆۰۲/) لکھائی ہے کہ (☆☆) بعد کو وصول ہو کر (سما☆☆) رہے بعد کو یہ عذر کہ اس میں سہو ہو اان میں (لہ☆☆) بابت خرید جائداد نیلام ہیں باقی اس جگت پور کے ہیں قابل رقم نہیں کہ وہ کاغذ حلفی تھا اور یہ رقم خرید نیلام ایک غیر وصولی رقم ہے جسے سید محمد احسن صاحب غیر وصولی نقصان میں ڈال چکے ہیں اور کوئی اقرار کنندہ آئندہ اپنے اقرار میں اپنی مفید غلطی و سہو بتانے کا مجاز نہیں خصوصاً اس حالت میں کہ یہ غلطی انہوں نے تقریباً دو مہینے بعد ظاہر کی حلفی کاغذ ۱۶/ذی الحجہ کو پیش کیا تھا اور یہ غلطی ۸/صفر کو بتائی ہے مع ہذا خواہ ان کی بہی کے ملاحظہ سے ظاہر ہوا کہ یہ رقم اس میں بھی سہو ہوتی رہی بعد کو بڑھائی گئی ہے جو اوپر لکھے ہوئے جوڑ سے بڑھتی ہے اور اس کی تحریر بھی صاف جدا قلم و سیاہی سے نظر آتی ہے ۱۳۰۸ف اور ۱۳۰۹ف کا جمع خرچ بھی سید محمد احسن صاحب کے ملاحظہ سے یہ امر ظاہر ہے لہٰذا کسی طرح یہ استثناء قابل قبول نہیں اسی قطع شرکت کی غرض سے فریقین نے یہ بھی چاہا کہ کھنڈسار جگت پور کے کڑھاؤ (جس میں سید محمد افضل صاحب نے نو بیان کیا تھا اور سید محمد احسن صاحب نے سات تسلیم کئے) قیمت لگا کر ایک فریق کو دلادئے جائیں سید محمد احسن صاحب نے ان کی مجموعی قیمت

(☆☆☆) تجویز کی اور لکھا کہ سید محمد افضل صاحب اس قدر قیمت میں خود لے لیں یا ہم کو دے دیں۔ سید محمد افضل صاحب نے خود لینا پسند کیا پس حصہ سید محمد احسن صاحب کے (☆☆) ان کی یافتنی مذکور سے کم ہو کر (☆☆☆۲ / ۳-۳/ ۸) پائی ان کے لئے محمد احسن صاحب پر رہے اور کڑھاؤ ساتوں سید محمد افضل صاحب کے ہوئے لہٰذا حسب ذیل حکم ہوا:

(۱) جملہ مکانات متنازعہ میں سید افضال حسین صاحب کا دعوٰی نہیں۔

(۲) مکان مسکونہ نمبر ا میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق نہیں۔

(۳) مکان نمبر ۳ کے تین ربع مبیع سے نصف ملک سید محمد افضل صاحب اور ایک ربع مرہون سے نصف ان کا مرہون ہے۔

(۴) مکان نمبر ۴ عبدالکریم خاں والا بالمناصفہ سید محمد افضل و محمد احسن صاحبان کے مرتہنی میں ہے۔

(۵) مکان نمبر ۱۵ احمد حسین خاں والا خالص ملک سید محمد احسن صاحب قرار پایا اس میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق نہ رہا۔

(۶) مکان نمبر ۲ محمد بخش والا خالص ملک سید محمد افضل صاحب قرار پایا اس میں سید محمد احسن صاحب کا کوئی حق نہ رہا۔

(۷) اثاث میں کسی فریق کا دوسرے پر دعوٰی نہ رہا۔

(۸) بقایا بدیں تفصیل بابت رس ذمہ اسامیان جگت پور (سما☆☆)، بابت توفیر ذمہ اسامیان دیہہ لغایت (۹۰ ف ☆☆،) بقایا بابت مان پور و پرسا کھیڑا (☆☆ ۱۲؍۰/) مطالبہ مرتہنان بابت مکان مرہون عبدالکریم خان والا (☆☆) مجموع (☆☆) آخر ۱۳۰۹ف تک سید محمد افضل صاحب و سید محمد احسن صاحب کے بالمناصفہ ہیں ان میں جو کچھ جس فریق کو وصول ہوا اس کا نصف دوسرے کو ادا کرے اگر کسی مد میں اس مقدار سے کمی ظاہر ہو تو سید محمد احسن صاحب پر لازم ہوگا کہ اس کمی کا نصف سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں۔

(۹) کھنڈسار جگت پور میں شروع ۱۰ سے سید محمد افضل صاحب کی شرکت رہی اس کے ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے قرار پائے سید محمد احسن صاحب وہ ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے مکان پر پہنچوادیں، سید محمد افضل صاحب کرایہ و باربرداری ادا کرینگے۔

(۱۰) قرضہ دامودر داس بابت دستاویز (☆☆ واقعہ صما/) دونوں فریق سید محمد افضل و سید محمد احسن صاحبان پر نصف نصف ہے اس کی وجہ سے جو کچھ بار یا مطالبہ آئے گا دونوں فریق پر بحصہ مساوی

ہوگا شروع ۱۳۰۶ھ ف تک جبکہ سید محمد افضل صاحب پیلی بھیت گئے ہیں جو رقم سید فرحت علی صاحب کی یافتنی ذمہ فریقین تھی اس میں سے بعد ادا آخر ۱۳۰۹ھ ف تک جو کچھ باقی رہا جو حسب بیان سید محمد احسن صاحب مجموع (صماء) روپے اور حسب بیان سید محمد افضل صاحب مجموعی دوسو (مال) یا ڈھائی سو (مال ☆) یہ قرضہ بھی پانسو کی مقدار تک جتنا ثابت ہو سید محمد افضل وسید محمد احسن صاحبان پر نصفا نصف ہے ان تینوں مدات مذکورہ کے سو باقی قرضے سے فریقین بری ہیں۔

(۱۱) آخر ۱۳۰۹ھ ف تک بابت جملہ حساب کتاب فریقین میں ایک کے دوسرے پر یافتنی محسوب و مجرا ہو کر ایک ہزار سات سواٹھانوے روپے دو آنے تین پائی اور ایک پائی کے آٹھ حصوں سے تین حصے سید محمد احسن صاحب پر سید محمد افضل کے یافتنی نکلے یہ سید محمد احسن صاحب رقم مذکور ان سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں ۱۳۱۰ھ فصلی کا حساب بابت توفیر دیہہ علیحدہ ہے فقط ۹/ ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۶/ جون ۱۹۰۳ء

مسئلہ ۶۷: از پیلی بھیت محلّہ بھورے خاں مرسلہ امیر حسن خان صاحب ۲۲/ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اسلام و شرع متین اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی حافظ محمد میر خان نے منجملہ ۱۰بسوہ ۱۳بسوانسی ۶ کچوانسی ۱۳انوانسی ۷ تنوانسی کے ۵ بسوہ حقیت زمینداری موضع منڈریا پرگنہ پیلی بھیت وایک منزل مکان مسکونہ واقع پیلی بھیت قیمتی (معمہ ۷۰۰۰ /) اپنی زوجہ مسماۃ اشرف بیگم کو بالعوض دین مہر تعدادی (☆۵۰۰۰") روپے کے دے کر داخل خارج کراکر قبضہ مستقل دے دیا اس کے بعد محمد میر خاں ساڑھے چار برس زندہ رہے بعد انتقال محمد میر خاں کے جو ۵بسوہ ۱۳بسوانسی ۶ کچوانسی ۱۳ انسوانسی ۷ تنوانسی ودیگر جائداد معافیات وغیرہا بنام محمد میر خان کے تھی اس میں سے حق چہارم مسماۃ اشرف بیگم کو ملا اور بقیہ ورثائے محمد میر خان پر تقسیم ہو گئی مسماۃ اشرف بیگم کل جائداد مذکورہ بالا پر ساڑھے انیس برس مالکانہ قابض ودخیل رہی بعد اس کے جائداد مذکور کو مسماۃ مذکور نے مختلف ایام میں اپنی حیات میں بدست امیر حسن خان بالعوض مبلغ (معہ ۷۰۰۰) روپے کے فروخت کرکے داخل خارج وغیرہ اپنی موجودگی میں بنام امیر حسن خان کرادیا وقت بیع سے اس وقت تک امیر حسن خان مشتری برابر قابض ودخیل ہے تحریر بیعنامہ سے ایک سال تک مسماۃ زندہ رہی اب انتقال مسماۃ کو عرصہ ڈیڑھ برس کا ہوا جس وقت مسماۃ نے جائداد بیع کی تھی اس وقت وارثان محمد میر خان عاقل وبالغ تھے اور اسی محلّہ کے ساکن بلکہ قریب مکان مبیعہ کے سکونت رکھتے تھے اور رکھتے ہیں اور جس وقت داخل خارج بنام امیر حسن خان مسماۃ نے کرایا تو اس کے اشتہار وغیرہ موضع میں آویزاں کئے گئے اور اسی موضع میں وارثان محمد میر خاں

کی حقیت علیحدہ تھی اور اب ہے کوئی عذر کسی قسم کا نہیں کیا بعد اس کے امیر حسن خان نے ۵ بسوانسی منجملہ ۵ بسوہ خرید کردہ اپنے کے ایک مسجد کے نام وقف کردیں، کسی نے کوئی عذر نہیں کیا ان سب کارروائیوں سے وارثان محمد میر خاں بخوبی آگاہ اور واقف تھے اب وارثان محمد میر خاں نے دعوی کیا ہے کہ یہ جائداد بالعوض دین مہر کے دی گئی مگر حین حیات یعنی مسماۃ اپنی حیات تک اس کی مالک تھی اور بعد وفات مسماۃ کے جائداد مذکور بالا وارثان محمد میر خاں کو پہنچی، آیا اس حالت میں یہ جائداد ورثائے شوہر مسماۃ کو شرعاً واپس ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ جائداد ہرگز ورثائے شوہر کو واپس نہیں ہوسکتی، نہ ان کا دعوی اصلاً سنا جائے گا کہ وہ صریح حیلہ وفریب ہے اور بعوض دین مہر جو کچھ جائداد دی جائے وہ بیع ہے اور بیع کا مشتری کے حین حیات تک ہونا کیا معنی، یہ محض مہمل و بیہودہ عذر ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قال صاحب المنظومة اتفق اساتیذنا علی انه لاتسمع دعواه ویجعل سکوته رضی للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرار بانه ملك البائع، وقال فی جامع الفتاوٰی وذکر فی منیة الفقهاء رأی غیره یبیع عروضا فقبضها المشتری وهو ساکت وترك منازعته فهو اقرار منه بانه ملك البائع انتهی[1]۔ واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔	صاحب منظومہ نے فرمایا ہمارے اساتذہ کا اتفاق ہے کہ اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا اور اس کے سکوت کو بیع پر رضامندی قرار دیا جائے گا تاکہ جعل سازی اور لالچ، دھوکہ دہی اور حیلے ختم کئے جاسکیں اور اس کی موجودگی اور منازعت نہ کرنا اس بات کا اقرار قرار دیا جائے گا کہ یہ بائع کی ملکیت تھا، اور جامع الفتاوٰی میں فرمایا اور منیۃ الفقہاء میں مذکور ہے کہ ایک شخص دوسرے کو سامان فروخت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہو تو مشتری کے قبضہ کرنے پر وہ خاموش رہا اور منازعت نہ کی تو وہ اس بات کا اقرار ہے کہ یہ بائع کی ملکیت ہے اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۸: ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو میں باہم نزاع تھی دونوں نے برضائے خود پنچایت کی پنچوں نے فیصلہ کردیا مگر انگریزی طور پر اس کا نفاذ نہ ہوا فریقین پھر متنازعہ کرتے رہے دوبارہ پھر پنچایت برضائے فریقین ہوئی نفاذ اس کا بھی قانونی طور پر نہ ہوا تھا لہذا فریقین کو گنجائش انحراف رہی یہاں تک کہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۸۸۔۸۷

نوبت کچہری میں نالش کی پہنچی اب پھر سہ بار پنچایت قرار پائی اس صورت میں ان پنچوں کو اگلے فیصلوں کی نسبت کیا کرنا چاہئے انہیں بحال رکھیں یا وہ منسوخ ہوگئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کسی کو پنچ کرکے جب تک وہ فیصلہ نہ کرے ہر فریق کو اس کی پنچایت سے عدول کا اختیار ہوتا ہے مگر جب اس نے حکم کردیا اب وہ فریقین کو لازم ہوگیا اس سے پھرنے کا دونوں میں سے کسی کو اختیار نہیں ہوتا قانونی نفاذ ہونا کچھ ضرور نہیں تو صرف بربنائے انحراف فریقین وہ فیصلے منسوخ نہیں ہوسکتے ان پنچوں کو چاہئے ان فیصلوں کو دیکھیں ان میں جو فیصلہ مطابق شریعت موافق مذہب حنفی ہو، پنچوں پر لازم ہے کہ اسے نافذ کریں بحال رکھیں کہ موافق شرع کا خلاف مخالف شرع ہوگا اور مخالف شرع فیصلہ دینے کا کسی کو اختیار نہیں، اور اگر دونوں فیصلے خلاف مذہب تھے تو پنچوں پر لازم ہے کہ انہیں کرکے موافق شرع فیصلہ کریں،

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار ینفرد احدھما بنقض التحکیم بعد وقوعه (قبل الحکم) فان حکم لزمھما ولا یبطل حکمه بعزلھما لصدورہ عن ولایة شرعیة [1] اھ ملتقطا وفی ردالمحتار عن بحرالرائق لو رفع حکمه الی حکم اخر حکماہ بعد فالثانی کالقاضی یمضیه ان وافق رأیه والا ابطله [2] اھ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ثالث کے فیصلہ سے قبل فریقین میں سے ہر ایک کو ثالثی ختم کرنے کا اختیار ہے اور ثالث نے فیصلہ سنادیا تو دونوں فریقوں پر لازم ہوجائیگا اور اب وہ حکم فریقین کے کالعدم کرنے سے باطل نہ ہوگا کیونکہ وہ فیصلہ شرعی ولایت کی بنیاد پر صادر ہوا ہے اھ ملتقطا، اور ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ اگر فریقین ثالثی فیصلہ کو بعد میں اپنے بنائے ہوئے کسی دوسرے ثالث کے پاس پیش کریں تو وہ اس فیصلہ کو نافذ کرنے میں قاضی کی طرح ہوگا اگر اس کی رائے کے موافق ہو تو نافذ کردے ورنہ باطل کردے اھ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲، ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۹۔۵۰

مسئلہ ۶۹: از جالندھر محلّہ راستہ دروازہ پھگواڑہ مرسلہ محمد احمد صاحب ۱۴/جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی آبادی سے سالہا پہلے عمرو کے گھر کا تمام برساتی پانی اور روزمرہ کا پانی چلاآیا ہے جب زید نے اس حویلی کو خریدااور از سر نو بنائی تو زید نے اپنے گھر میں سے عمرو کے پانی گزرنے کا حق ثابت کرکے اپنی دیوار میں ایک بدرو رکھ کر اپنے گھر کے صحن میں ایک پختہ نالی بناکر اس میں اپنا تمام پانی اور عمرو کے گھر کا تمام پانی ڈال کر باہر کو نکال دی جس کو عرصہ ۳۴ سال کا ہوچکا ہے کہ عمرو کے گھر کا ہر ایک قسم کا پانی مثل دستور سابقہ زید کے گھر سے گزر کر شارع عام میں جا گرتا ہے، زید کی وفات کے بارہ سال بعد ماشکیوں کے بے وقت پانی دینے کی وجہ سے عمرو نے اپنے گھر میں ایک کنواں لگوالیا ہے اب زید متوفی کی زوجہ سوائے برساتی پانی کے روزمرہ کے پانی کو بند کرتی ہے اور عمرو کی طرف سے پانی نکلنے کو کوئی راستہ نہیں بجز زید کی طرف سے، اور یہ بھی واضح ہو کہ زید نے حسن سلوک کی وجہ سے عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری نہیں کیا بلکہ استحقاق پچھلا ثابت کرکے عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری رکھا ہے، اب علمائے کرام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ حسب شریعت صورت مندرجہ بالا میں عمرو کو اپنے گھر کا پانی گزارنا زید متوفی کے گھر سے بلارضامندی زوجہ زید متوفی کے جائز ہے یانہیں؟ اور زید متوفی کی زوجہ بوجوہات بالا عمرو کے پانی کو شریعۃً بند کرسکتی ہے یانہیں؟ **بینوا بالصواب جزاکم اللہ تعالٰی یوم الحساب۔**

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہی ہے کہ عمرو کا ہر قسم کا پانی بارانی وغیر بارانی بالاستحقاق مکان زید سے گزر کر جاتا ہے تو زوجہ زید کو عمرو کے کسی پانی کو روکنے کا ہرگز اختیار نہیں لان الحق لایرد والمسیل لایسد (کیونکہ حق رد نہیں ہوسکتا اور پانی کے بہاؤ کو روکا نہیں جاسکتا۔ت) یہاں زوجہ زید کو بھی عمرو کے مطلق استحقاق سے انکار نہیں، نزاع اس میں ہے کہ برسات کے سوا روزمرہ کے پانی بہانے کا بھی عمرو کو حق ہے یانہیں، اس کے لئے زمین عمرو کا ڈھال مکان زید کی طرف ہونا مکان زید میں عمرو کی طرف سے آنے والے پانی کے لئے بدرو ہونا اس کے ثبوت کو کافی نہیں کہ یہ استحقاق ہر قسم کے پانی کو عام ہے بلکہ اس کا ثبوت صرف تین طور پر ہے یا تو وارثان زید اقرار کریں کہ واقعی عمرو کو استحقاق عام حاصل ہے یا عمرو گواہان عادل سے اپنا عموم استحقاق ثابت کرادے یعنی گواہ شہادت دیں کہ عمرو کو ہر قسم کے پانی بہانے کا حق اس مکان میں حاصل ہے یا گواہی دیں کہ زید یا وارثان زید نے اس کے عموم استحقاق کا ہمارے سامنے اقرار کیا اور اگر فقط اتنی ہی گواہی دیں گے کہ ہم نے مدتوں سے عمرو کا ہر قسم کا مکان زید میں جاتے دیکھا تو اس سے کچھ ثابت نہ ہوگا۔

لانہ لایدل علی الاستحقاق لجواز ان	یہ استحقاق پر دلالت نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زید کی

یکون برضازید ان یتصرف عمرو فی حق زید من دون ان یکون لعمرو فیه حق یجبر علیه۔	مرضی سے عمرو نے اس کے حق میں تصرف کیا ہوا اور وہ عمرو کی ملک نہ ہو جس پر مجبور کیا جاسکے۔(ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو زوجہ زید سے قسم لی جائے کہ عمرو کو غیر بارانی پانی اس مکان زید میں بہانے کا حق نہیں اگر وہ قسم کھانے سے حاکم کے حضور انکار کرے گی عمرو کا حق ثابت ہوجائے گا۔

فی الهندية ادعی علی اٰخر حق المرور ورقبة الطریق فی دارہ فالقول قول صاحب الدار ولو اقام المدعی البینة انه کان یمر فی هذہ الدار لم یستحق بهذا شیئا کذافی الخلاصة [1] فان اقام البینة علی ان له حق المسیل وبینوا انه لماء المطر من هذاالمیزاب فهو لماء المطر ولیس له ان یسیل ماء الاغتسال والوضوء فیه وان بینوا انه لماء الاغتسال والوضوء فهو کذٰلك ولیس له ان یسیل ماء المطر فیه وان قالوا له فیها حق مسیل ماء ولم یبینو الماء المطر او غیرہ صح والقول لرب الدار مع یمینه انه لماء المطر اولماء الوضوء والغسالة کذافی محیط السرخسی [2]، ولو لم تکن للمدعی بینة اصلا استحلف صاحب الدار و یقضی فیه بالنکول کذافی الحاوی [3] ولو اراد اهل الداران یبنوا حائطا لیسدوا مسیله لم یکن لهم ذلك کذافی البدائع [4] اھ ملتقطا واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے ایک شخص نے دوسرے پر دعوی کیا کہ مجھے یہاں سے گزرنے کا حق ہے حالانکہ راستہ مدعی علیہ کی حویلی میں ہے تو حویلی والے کی بات معتبر ہوگی اور اگر مدعی یہ گواہی بھی پیش کردے کہ وہ یہاں سے گزرتا تھا تو اس کا حق ثابت نہ ہوگا خلاصہ میں یوں ہے اگر وہ گواہی پیش کردے کہ مجھے یہاں سے پانی بہالیجانے کا حق ہے تو گواہوں نے اگر کہا کہ اس پر نالہ سے بارش کا پانی یہاں بہتا ہے تو صرف بارش کا ثابت ہوگا اس کو غسل ووضو کا پانی وہاں بہالیجانے کا حق نہ ہوگا اور اگر گواہوں نے غسل ووضو کے پانی کے متعلق بیان کیا تو بارش کا پانی گزارنے کا حق نہ ہوگا اور اگر انہوں نے مطلقًا پانی بہنے کی بات کی ہو بارش یا غسل وغیرہ کا ذکر نہ کیا تو بیان صحیح ہوگا جبکہ اس صورت میں حویلی والے کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کہ وہ پانی بارش کا ہے یا غسالہ کا پانی ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے، اگر مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو حویلی والے سے قسم لی جائیگی اور اگر وہ قسم سے انکار کرے تو اس پر فیصلہ دیا جائیگا، حاوی میں یوں ہے، اگر حویلی والے چاہیں کہ پانی روکنے کے لئے دیوار بنادیں تو ان کو یہ اختیار نہ ہوگا، بدائع میں یوں ہے اھ ملتقطا واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۶

مسئلہ ۷۰: از ریاست رام پور متصل مسجد جامع مرسلہ بیچے خان ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تخمیناً تین سال کا ہوا کہ مسمّٰی زید نے چند قطعہ مکانات واقع شہر رام پور بنام مسماۃ ہندہ زوجہ خود بعوض دین مہر بیع کرکے بیعنامہ بنام ہندہ تحریر کردیا اور حسب قاعدہ رجسٹری کرادی اور قبضہ بھی مکانات پر ہندہ کا کرادیا اور زید خود ایک موضع میں رہنے لگا بعد ازاں زید کی زوجہ متوفیہ اولٰی کے بطن سے جو اولاد ہے اس نے بابت حق وحصہ شرعی منجملہ دین مہر یافتنی والدہ خود ذمگی زید کے زید پر کچہری میں نالش کرکے کچہری سے ڈگری حاصل کی اور ڈگری مذکور جاری کراکے صیغہ اجرائے ڈگری میں مکانات مذکورہ کو قرق کرایا، قاعدہ مروجہ کچہری یہ ہے کہ اگر کوئی جائداد صیغہ اجراء ڈگری میں قرق کی جائے اور کوئی شخص بربنائے قبضہ مستقلانہ اس کی بابت عذر کرے تو بشرط ثبوت قبضہ مستقلانہ عذر دار کی وہ جائداد قرقی سے واگزاشت ہوجاتی ہے، اب مسماۃ ہندہ نے نسبت قرقی مکانات اپنے کے کچہری میں عذر داری کی کہ یہ مکانات مملوکہ ومقبوضہ میرے ہیں، قرقی سے واگزاشت فرمائے جائیں ثبوت میں بیعنامہ اقراری زید اور بہت سے گواہان پیش کئے کہ جن کی شہادت سے مالک وقابض ہونا ہندہ کا بموجب بیعنامہ بذریعہ سکونت ومرمت مکانات ووصول کرایہ اور حسب اقرار زید کے ثابت ہے، سوالات جرح میں گواہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زید گاؤں میں رہتا ہے، کبھی کبھی رامپور میں آتا ہے تو اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ اور اپنی اولاد کے پاس انہیں مکانات میں ٹھہرتا ہے دوچار روز رہ کر پھر گاؤں کو چلاجاتا ہے ڈگری داران حجت پیش کرتے ہیں کہ حسب روایات فقہ مندرجہ ذیل قبضہ ہندہ کا نہیں ہے شرعاً زوجہ مع متاع خود بقبضہ شوہر ہے لہٰذا مکانات بھی مقبوضہ شوہر ہیں **روایات:**

لان المرأۃ ومافی یدھا فی ید الزوج[1] ۱۲ بحرالرائق۔ وفی الاشباہ ھبۃ المشغول لایجوز الااذا وھب الاب لطفلہ[2] **قلت** وکذا الدار المعارۃ والتی وھبتھا لزوجھا علی المذہب لان المرأۃ ومتاعھا فی ید الزوج فصحت التسلیم	کیونکہ عورت اور اس کے زیر قبضہ تمام خاوند کے قبضہ میں ہے، بحرالرائق۔ اور اشباہ میں ہے کہ مشغول چیز کا ہبہ ناجائز ہے مگر وہ کہ والد نے نابالغ لڑکے کے لئے کیا ہو، اور **میں کہتا ہوں** یوں ہی جب مکان عاریتاً ہو اور وہ مکان جو بیوی نے خاوند کو ہبہ کیا ہو، یہ مذہب ہے کیونکہ عورت اور سامان خاوند کے قبضہ میں ہے تو ہبہ پر قبضہ صحیح ہوجائیگا،

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی باب التحالف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۲۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الھبۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۰

اذاوھب لرجل دارا والواھب ساکن فیھا لاتصح الھبة بخلاف مااذا وھبت الزوجة لزوجھا وھی ساکنة فیھا لانھا ومافی یدھا فی یدہ [1] ۱۲خزانة۔	اور جب ایک شخص نے اپنامکان دوسرے کو ہبہ کیا حالانکہ واہب خود اس میں رہائش پذیر ہے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا بخلاف جبکہ عورت اپنا رہائشی مکان خاوند کو ہبہ کرے تو صحیح ہے کیونکہ خود عورت اور اس کا سامان خاوند کے قبضہ میں ہے ۱۲خزانہ (ت)

کیا روایات مذکورہ صورت مقدمہ مذکورہ سے متعلق ہیں اور از روئے روایات مذکورہ مکانات مقبوضہ ہندہ نہیں متصور ہوں گے؟ یا روایات مذکورہ معاملہ ہبہ سے متعلق ہیں جس میں قبضہ ضرور ہے اور اسی صورت سے متعلق ہیں کہ جہاں کوئی شہادت قبضہ کی نہ گزرے اس مقدمہ میں بیعنامہ اقرار شوہر اور شہادت قبضہ زوجہ زید کی موجود ہے، تو روایات مذکورہ اس مقدمہ سے غیر متعلق ہیں یا کیا؟ جوابات بحوالہ روایات معتبرہ تحریر فرمائیے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مکانات مملوکہ ہندہ کا واگزاشت کرنا حاکم پر واجب ہے اور ان کا نیلام سخت حرام ڈگری داروں کی حجت محض باطل وصریح جہالت،

اولاً: جب بیع بنام ہندہ گواہوں سے ثابت ہے تو ملک ہندہ ثابت ہے اور قبضے کی بحث سرے سے لغو وبے معنی کہ بیع صحیح میں قبضہ شرط ملک نہیں نفس عقد سے شے ملک بائع سے نکل کر ملک مشتری میں داخل ہوجاتی ہے اذالم یکن توقف ولاخیار (جب بیع میں اختیار اور وقف نہ ہو۔ت) یہ تو صراحۃً بیعنامہ بعوض مہر تھا اگر ہبہ نامہ بعوض مہر ہوتا جب بھی قبضے کی اصلاً حاجت نہ تھی حالانکہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور وجہ یہ کہ ہبہ بالعوض (نہ بشرط العوض) اگرچہ صورۃً واسماً ہبہ ہے مگر نظراً بمعنی حقیقۃً وحکماً ہے تو محتاج قبضہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

الھبة بشرط العوض المعین ھبة ابتداء فیشترط التقابض فی العوضین و یبطل بالشیوع بیع انتھاء فترد بالعیب وخیار الرؤیة وتوخذ	معین چیز کے عوض ہبہ ابتداءً ہبہ ہے اس لئے عوضین میں قبضہ شرط ہے اور غیر منقسم ہوجانے پر باطل ہوجائے گا اور یہ بشرط العوض ہبہ انتہاءً بیع ہے اس لئے عیب اور خیار الرؤیۃ کی بناء پر واپس

[1] خزانۃ المفتین کتاب الھبہ قلمی نسخہ ۲/ ۱۵۳

بالشفعة هذااذاقال وهبتك علی ان تعوضنی کذا اما لو قال وهبتك بکذا فهو بیع ابتداء وانتهاء [1] اھ اختصار۔	ہوسکتا ہے اور شفعہ کے دعوی پر لیا جاسکتا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ہبہ دینے والا، کہے یہ چیز میں تمہیں فلاں چیز کے عوض ہبہ کرتا ہوں اور اس نے اگریوں کہا ہو کہ میں تجھے ہبہ کرتا ہوں، تو یہ ابتداءً وانتہاءً بیع ہے اھ اختصار (ت)

ثانیًا: اگر بفرض باطل قبضہ کی حاجت بھی ہو تو جبکہ شہادت شرعیہ کافیہ سے قبضہ ہندہ رنگ ثبوت پائے اس پر ان عبارات سے ایراد محض جہل وعناد، مستدلوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ علماء مافی یدھا فی یدہ فرمارہے ہیں یعنی جو کچھ عورت کے قبضے میں ہے وہ ازانجا کہ عورت خود قبضہ شوہر میں ہے بالواسطہ قبضہ شوہر میں ہے کہ "**مقبوض المقبوض مقبوض**" اس میں صراحةً قبضہ زن کا اثبات اور اس کے ذریعہ سے قبضہ شوہر کا اقرار داد ہے نہ کہ قبضہ زن کی راسًا نفی۔ علماء نے "**مافی یدھا**" فرمایا ہے نہ کہ "**لیس فی یدھا**"۔

ثالثًا: ایسا ہو تو خود قبضہ شوہر بھی منتفی ہوجائے گا اور کلام اپنے مقصود پر نقص کرتا پلٹ آئے گا کہ قبضہ شوہر بواسطہ قبضہ زن مانا تھا بقیاس مساوات کے "**قابض القابض قابض**" جب سرے سے قبضہ زن منفی ہوجائیگا قبضہ شوہر کہ اس کے واسطے سے تھا کہاں سے آئیگا هل هذاالاجهل مبین (یہ کھلی جہالت ہے۔ت) تو خود یہی روایات کہ ڈگری داروں نے پیش کیں ان کا صریح رد ہیں۔

رابعًا: کلام علماء باب حدیث **انت ومالك لابیك** [2] سے ہے جیسے بیٹے کے لئے ارشاد ہوا کہ وہ اور اس کا مال سب اس کے باپ کا ہے کوئی عاقل اس سے یہ وہم نہیں کرسکتا کہ بیٹے کی ملک کی نفی فرمائی ہے ایسا ہو تو باپ بیٹے کا وارث نہ ہوسکے، اور آیہ کریمہ "**لِاَبَوَیۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ**" [3] (ورمیت کے ماں باپ ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا۔ت) کا **معاذاللہ** صاف انکار لازم آئے کہ ارث ترکہ مورث میں جاری ہوگی اور ترکہ مثبت ملک جب ملک منتفی تو ارث کہاں، یونہی علماء کے اس کلام سے کہ زن ومقبوضات زن سب مقبوض شوہر ہیں قبضہ زن کے نفی کی طرف کسی ذی عقل کا گمان نہیں جاسکتا بلکہ وہ حقیقی بالذات ہے اور یہ حکمی بالواسطہ۔

---

[1] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالٰی عنه دار الفکر بیروت ۲/ ۲۰۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

خامسًا: اگران عبارات کا یہی مطلب باطل قرار دیا جائے کہ عورت کا قبضہ سرے سے معدوم ہے اس کا ہاتھ شرعًا ہاتھ نہیں جیسے صبی **لایعقل** کا ہاتھ، تو تمام کتب مذہب متون وشروح وفتاوٰی سب کے اجماعی مسائل مردود و باطل ہو جائیں، کتب مذہب کا اجماع قطعی ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہو سکتا نیز اجماع قطعی ہے کہ زوجیت مانع رجوع ہے شوہر نے اگر اپنی زوجہ کو کوئی شیئ ہبہ کی اور قبضہ کرادیا کہ تکمیل ہو گئی، اب اسے رجوع کا اختیار نہیں، مذہب کی جو کتاب اٹھالیجئے اس میں ان دونوں مسئلوں کی تصریح پایئے، مگر اس مطلب باطل کی تقدیر پر ان دونوں میں ایک مسئلہ ضرور باطل ہے کہ جب عورت کا قبضہ شرعًا قبضہ ہی نہیں بلکہ اس کے شوہر ہی کا قبضہ ہے تو اب وہ چیز جو شوہر نے ہبہ کرکے اس کے قبضہ میں دی ہبہ تمام اور عورت مالک ہوئی یا نہیں، اگر کہئے ہوئی تو پہلا مسئلہ باطل ہوا کہ یہ ہبہ بے قبضہ تمام وکامل ہوگیا، اور اگر کہئے نہ، تو دوسرا مسئلہ باطل ہوگیا کہ جب عورت کے لئے ہبہ ہو ہی نہیں سکتا تو رجوع ناجائز ماننا کیا معنی، غرض یہ ایسی بدیہی البطلان بات ہے جسے کوئی جاہل بھی گوارا نہ کرسکے، اور یہیں سے واضح ہوا کہ عبارات مذکورہ سوال کو صورت بیع سے متعلق ہونا درکنار وہ مطلقًا ہر صورت ہبہ سے بھی متعلق نہیں، آخر نہ دیکھا کہ ہبہ شوہر برائے زن میں ان کا اجراء محض باطل ہے بلکہ وہ صرف ہبہ زن برائے شوہر میں ہیں کہ یہاں موہوب کا متاع زن سے مشغول ہونا مانع تمام نہیں ہے کہ یہ شغل مانع قبضہ شوہر نہیں کہ زن و متاع زن سب مقبوض شوہر ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۱: مرسلہ لال محمد صاحب احسن منزل مرزاپور ۲۶/صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کے مکان میں ہندہ عرصہ چالیس سال سے ہے زید نے لاولد ہندہ کو اپنے مکان میں چھوڑ کر وفات پائی اور اپنے زمانہ حیات میں زید نے بذریعہ چند دستاویزات کے ہندہ کو اپنی زوجہ منکوحہ لکھا ہے اور اپنے جملہ جائداد میں سے بعض جائداد ایک جز ودین مہر کے دیا بھی ہے اب ہندہ کے دعوی زوجیت کے لئے بمقابلہ زید متوفی کے دوسرے شرعی ورثا کے جو منکر زوجیت ہندہ کے ہیں زید کی تحریر وتسلیم زوجیت ہندہ جو بذریعہ اس کے دستاویزات رجسٹری شدہ کے ہوئے، اگر ہندہ کو اپنے نکاح کے شہود وغیرہ نہ ملیں شرعًا ثبوت کافی ہے یا نہیں، اور ہندہ اس جائداد کے پانے کی جو زید نے اس کو بعوض ایک جز ودین مہر کے دی اور باقی حصہ دین مہر کے پانے کی باقی متروکہ زید سے مستحق ہے یا نہیں، اور زید کے متروکہ سے وراثتًا کس قدر حصہ ہندہ کا ہے؟ بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب:

اگر ان دستاویزات پر گواہ شرعی موجود ہیں کہ ہمارے سامنے زید نے لکھوائیں اور ہندہ کو اپنی زوجہ بتایا کہ ہمارے سامنے جز جائداد ہندہ کو مہر میں دیا تھا اقرار زید کے گواہ ہوں کہ وہ ہندہ کو اپنی زوجہ کہتا تھا یا کچھ نہ سہی وہ لوگ جو اس مدت مدید تک زید و ہندہ کو باہم ایک مکان میں مثل زن و شو رہتے دیکھا کئے اور وہ اس بناء پر شہادت شرعیہ دیں کہ ہندہ زوجہ زید ہے یا عام طور پر ہندہ کا زوجہ زید ہونا مشہور ہو بعض شاہدان شرعی اسی شہرت کے اعتماد پر زوجیت ہندہ کی گواہی دیں تو زوجیت ثابت ہوجائیگی اور خاص گواہان نکاح پیش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہندہ اپنا مہر وحصہ پانے کی مستحق ہوگی اور اس کا حصہ بعد ادائے مہر ودیگر دیون ووصایا چہارم متروکہ ہے اور اگر ان صورتوں میں کچھ نہ پائی جائے تو نری دستاویزیں اگرچہ ہزار رجسٹری شدہ ہوں بے شہادت معتبرہ کے کوئی چیز نہیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

ادعت نکاحه فشهد احدهما انها امرأته والاخر انها کانت امرأته تقبل وکذالو شهد احدهما انه اقر انها امرأته والاخر انه اقر انها کانت امرأته لان الشهادة باقرارہ بنکاح کان شهادة باقرارہ بنکاح حالی [1]۔	عورت نے ایک مرد پر اپنے نکاح کا دعوی کیا، ایک گواہ نے کہا کہ یہ اس کی بیوی ہے، دوسرے نے کہا یہ اس کی بیوی تھی، تو یہ گواہی مقبول ہوگی، اسی طرح شہادت میں ایک گواہ کہے کہ مرد نے اقرار کیا ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے، دوسرا گواہ کہے کہ اس نے اقرار کیا کہ یہ اس کی بیوی تھی، یہ گواہی مقبول ہوگی، کیونکہ گزشتہ نکاح کی شہادت یہ موجودہ نکاح کی شہادت ہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

الشهادة بالشهرة والتسامع تقبل فی اربعة اشیاء بالاجماع وھی النکاح والنسب والموت والقضاء کذا فی محیط السرخسی [2]۔	شہرت اور سماع کی بناء پر چار چیزوں میں بالاجماع شہادت مقبول ہے وہ چار، نکاح، نسب، موت اور قضاء ہیں، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایعمل بمجرد الدفتر ولا بمجرد الحجة	محض خط اور محض رجسٹر پر بغیر حجت عمل نہ ہوگا کیونکہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۷

لما صرح به علماؤنا من عدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل به [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ نہ خط پر اعتماد ہے نہ اس پر عمل کیا جائے اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۲: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں مرسلہ جناب شیخ عبدالعزیز صاحب ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ورثاء میں سے شوہر دعوی کرے کہ فلاں زیور میں نے اس کو کل یا جز بنواکر استعمال کے واسطے دیا تھااور اسی طرح سے اس کے والدین وغیرہ دعوی کریں کہ فلاں فلاں زیور اور دیگر اشیاء ہم نے اس کے جہیز میں دی تھیں اس کے استعمال کے واسطے، وہ ہم کو واپس ملنی چاہئیں، کیا یہ دعویدار اپنے دعوے کے موافق مستوجب واپسی کے ہوسکتے ہیں اور عنداللہ استحقاق واپسی ان کو حاصل ہے یانہیں؟ بیان فرمائیے ثواب پایئے۔

الجواب:

والدین کا دعوی کہ ہم نے فلاں شیئ جہیز میں عاریۃً دی تھی بے شہادت عادلہ مسموع نہیں کہ خلاف عرف ظاہر وناشی ہے، شوہر کا قول سن لیاجائیگا، جوزیور اس نے بنواکر دیا جب وہ تملیک کردینے کا مقر نہیں توبغیر شہادت عادلہ ملک ہندہ ثابت نہ ہوگی، لان الدافع ادری بجھۃ الدفع ولاعرف قاضیا ھٰھنا۔ کیونکہ دینے والا بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس طرح دیا ہے جبکہ یہاں واضح عرف نہیں جس پر فیصلہ دیا جائے۔(ت) درمختار میں ہے:

جھزابنته بجھاز وسلمھا ذٰلك لیس له الاسترداد منھا وبه یفتی والحیلة ان یشھد عندالتسلیم الیھا انه انما سلمه عاریة [2]۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	بیٹی کو جہیز دیا اور اس کو سونپ دیا تو اب والد کو واپسی کا حق نہیں ہے، فتوی اسی پر ہے، اور واپسی کا حیلہ یہ ہے جہیز دیتے ہوئے گواہ بنالے کہ میں نے یہ عاریتًا دیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] درمختار کتاب النکاح باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

مسئلہ ۷۳: مرسلہ صفدر علی صاحب ۱۴/شوال ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علماء ومفتیان دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع شراکت زید اور عمرو چلاآتا تھااور زید بوجہ نمبرداری اس پر قابض اور دخیل تھا زید نے بلااجازت عمرو کے ایک باغ جو واقعہ موضع مذکور تھافروخت کرکے قیمت اپنے تصرف میں لایااور عمرو کو بابت حصہ اس کے کچھ نہ دیاجواب عمرو نے تقسیم موضع مذکور کی کرائی تو یہ امر معلوم ہواجب عمرو نے اپنے حصہ کامطالبہ زید سے طلب کیاتو زید نے عذر تمادی کا پیش کیا، صورت ہذا میں حقوق عمرو کا عنداللہ ذمہ زید کے ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے ثواب پائے۔ت)

الجواب:

بیشک ہےاور عذر تمادی محض باطل و مہمل،

فی الاشباہ الحق لایسقط بتقادم الزمان [1]۔	اشباہ میں ہے کہ زمانہ قدیم ہوجانے پر حق ساقط نہ ہوگا۔(ت)

زید سخت گناہ کبیرہ کامرتکب ہواکہ عمرو کاحصہ بے اس کی اجازت کے بیچ کر کھاگیا،

قال اللہ تعالٰی "لَاتَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔(ت)

اب دوسرا گناہ عظیم یہ جھوٹا عذر مردود پیش کرتا ہے اللہ عزوجل سے ڈرے اور روز قیامت کی سخت شدتیں نار دوزخ کے قہر عذاب اپنے سر نہ لے۔

مسئلہ ۷۴: ۱۰/ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

زید نے عمرو سے ایک شے ایک روپے کو خریدی، زید نے پوچھا یہ شیئ کتنے کو دوگے، اس نے کہاایک روپے کو، مشتری اس کو خرید کے گھرلے آیابطور قرض، دوسرے روز جب دام دینے گیاتو بائع نے کہا میاں! میں نے تو اس کے دو روپے کہے تھے، مشتری کواس امر میں کہ بائع نے اس کے دریافت پر وقت بیع کے ایک روپیہ کہاذرا بھی شک نہیں، اب شے مبیعہ یاہلاک ہوگئی ہے بلکہ نہیں معیب بعیب فاحش ہے زرثمن یااصل مبیعہ کا کس طرح فیصلہ ہے بائع ومشتری دونوں نمازی اور ایکدوسرے کے نزدیک موتمن بھی ہیں۔ **بینوا توجروا بالروایۃ الصحیحۃ وھی لکم عندالحساب اجر وذخیرۃ** (بیان کرو اجر پاؤ، صحیح روایت سے ہو اور وہ تمہارے لئے روز حساب اجر اور ذخیرہ ہے۔ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۵۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ مبیع ہلاک یا معیب بعیب فاحش ہو گئی ہے تحالف نہیں بلکہ بائع سے گواہ لئے جائیں گے اگر اس نے بینہ شرعیہ سے ثابت کردیا کہ دو روپے ثمن ٹھہرے تھے تو وہی دینے ہوں گے اور اگر نہ دے سکا تو مشتری سے قسم لی جائیگی، اگر اس نے حلف کرلیا کہ ایک ہی روپیہ قرار پایا تھا تو ایک ہی دینا آئے گا اور حلف سے نکول وانکار کیا تو دو روپے کی ڈگری کی جائیگی،

فی الدر المختار لاتحالف اذا اختلفا بعد هلاك المبیع اوخروجه عن مبلكه او تعیبه بما لایرد به وحلف المشتری[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے مبیع کے ہلاک ہوجانے یا مشتری کی ملکیت سے نکل جانے کے بعد یا ایسے عیب پیدا ہونے کے بعد جس کی وجہ سے واپس نہ ہوسکے اختلاف ہو تو دونوں سے قسم جائز نہیں اور مشتری سے قسم لی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۵: از ہلدوانی مرسلہ منشی ولایت حسین صاحب ٹھیکہ دار ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس امر میں کہ زید نے اپنا مال بکر کے پاس امانت رکھا، جب بکر سے طلب کیا تو بکر نے مال دینے سے انکار کیا بوجہ مال نقد اور زیور ہونے سے زید نے حاکم وقت کے یہاں دعوٰی دائر کیا اور گواہان ثبوت حاکم کے روبرو حاضر کئے بکر بوجہ کرنے انکار کے قسم شرعی کھانے کو موجود ہے، جب ثبوت مدعی موجود ہووے تو بموجب حکم شرع شریف کے بکر قسم کھاسکتا ہے یا نہیں یا موجودگی شہادت مدعی کے فقط۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں اگر بکر بطور خود قسم کھانا چاہتا ہے تو محض نامسموع، اگر کھا بھی لے گا دعوی مدعی کو نقصان نہ پہنچے گا، اور اگر بکر سے زید قسم لیتا ہے تو اسے بھی اس کا اختیار نہیں اور اس حالت میں بھی یہ قسم ناقابل سماعت، قسم مدعا علیہ کا وقت جب ہے کہ مدعی نے شہادت مقبولہ نہ پیش کی ہو۔ درمختار میں ہے:

اصطلحا علی ان یحلف عند غیر قاض ویکون بریئًا فهو باطل لان الیمین	مقدمہ کے فریقین نے اتفاق کرلیا کہ کسی غیر قاضی کے سامنے قسم کھاکر بری ہوجائے تو یہ باطل ہے کہ فریق

[1] درمختار کتاب الدعوی باب التحالف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۱

حق القاضی مع طلب الخصم ولاعبرة لیمین ولا نکول عند غیر القاضی[1]۔	مخالف کے مطالبہ پر قسم صرف قاضی کا حق ہے غیر قاضی کے پاس قسم یا قسم سے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الیمین کالخلف عن البینة فاذاجاء الاصل انتھی حکم الخلف[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	قسم گویا گواہی کا خلف ہے تو جب اصل آجائے تو خلیفہ کا حکم ختم ہوجاتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۷۶: ازریاست رامپور مرسلہ سید نصیر الدین صاحب ۱۴/شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو پر بلا تحریر دستاویز بر بنائے شہادت گواہان دس روپے کی نالش دائر کی اور تاریخ موعود پر گواہان ثبوت دعوی کو بذریعہ کچہری کے طلب کرایا اس تاریخ پر کسی وجہ سے سماعت بیان گواہان کی نہ ہوئی اور تاریخ دوسری کچہری نے واسطے حاضر کرنے انہیں گواہان ثبوت کے مقرر کئے اور عمرو مدعاعلیہ کو دعوی مدعی سے قطعی انکار ہے جب کہ تاریخ ثانی ادخال شہادت کے واسطے مقرر ہوئی تو مدعی نے اس تاریخ پر ایک درخواست کچہری میں پیش کی کہ مدعاعلیہ کا حلف لیا جائے گواہ اپنے سنوانا نہیں چاہتا،تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں مدعاعلیہ حلف اٹھانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر گواہ شہر میں موجود ہیں تو مدعاعلیہ سے حلف نہیں لے سکتا بلکہ مدعی ہی سے گواہ لئے جائیں گے اور اگر دور ہیں تو حلف مانگ سکتا ہے،

فی الدرالمختار قال المدعی لی بینة حاضرة فی المصرو طلب یمین خصمہ لم یحلف ولو غائبة عن المصر حلف وقدر فی المجتبٰی الغیبة بمدة	درمختار میں ہے مدعی نے کہا میرے گواہ شہر میں ہیں،اس کے بعد اس نے مدعٰی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو قسم نہ لی جائیگی،ہاں اگر شہر میں موجود نہ ہوں تو قسم لے لی جائیگی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر،بعض نے فرمایا کہ گواہوں کا مسافت سفر تک غائب

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۸

السفر [1] اھ **اقول**: عبارۃ المجتبی علی مافی قرۃ العیون قال بینتی غائبۃ عن المصر حلف عندابی حنیفۃ وقیل قدر الغیبۃ بمسیرۃ سفراھ [2] وقد قالوا کمافی البحر وغیرہ ان لو بعد مکان القاضی بحیث ان حضر للشھادۃ لم یؤوہ اللیل الی اھلہ لم یلزمہ الحضور، فافھم، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہونا معیار ہے جیسا کہ مجتبٰی میں ہے۔ **میں کہتا ہوں** قرۃ العیون میں مجتبٰی کی عبارت یوں ہے مدعی نے کہا میرے گواہ شہر سے غائب ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قسم لی جائیگی، بعض نے فرمایا مسافت سفر پر ہونا گواہوں کا غائب ہونا مراد ہے اھ، حالانکہ فقہاء کرام نے فرمایا جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے کہ اگر قاضی کا مقام اتنی دور ہے کہ گواہ شہادت کیلئے حاضر ہوں تو واپس رات گھر نہیں پہنچ سکتے تو ایسی صورت میں مدعی کو گواہوں کا حاضر کرنا لازم نہ ہوگا، اس کو سمجھو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۷: از ریاست رامپور مکان حافظ محمد عنایت اللہ خاں صاحب متصل مرزا شاہ ولی اللہ صاحب صاحبزادہ امجد علی خان صاحب ۱۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقدمہ میں عدالت سے جانب مدعا علیہ حسب درخواست مدعی حلف متوجہ ہوا اور حلف لینے کے لئے دوسرے محکمہ کے نام عدالت نے حکم دیا جس مضمون کے ساتھ واسطے لینے حلف کے ہدایت اور ایما ہوا وہ حسب یادداشت عدالت دیوانی معطوفہ سوال ہذا ہے محکمہ حلف گیرندہ نے ہر ہر چیز انکاری واقراری کی بابت جدا جدا حلف لیا لیکن عدالت دیوانی کی یادداشت کے جواب میں جو یادداشت جوابی لکھی ہے وہ معطوفہ سوال ہذا ہے اور یہ امر بھی لائق اظہار ہے کہ جن الفاظ اور مضمون کے ساتھ حلف لیا گیا وہ حسب منشاء وکیل مدعی لیا گیا اب مدعی کو یہ عذر ہے کہ حسب منشاء تحریر عدالت حلف نہیں لیا گیا کیونکہ منشاء حکم عدالت کا یہ تھا کہ مدعا علیہا سے اس طرح پر حلف لیا جائے تاکہ اشیائے مندرجہ فرد میں سے کل یا جزو یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی اس قیمت اور اس وزن کی یا اس سے کم قیمت اور کم وزن کی بابت متروکہ ضیاالنساء بیگم کے مدعٰی علیہا کے پاس نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئے اور عدالت گیرندہ حلف نے مضمون انکاری کے ساتھ نہ قید متروکہ ضیاء النساء بیگم کی لگائی نہ حلف کل یا جزو یعنی اس قیمت اور وزن کے اشیاء پر جو مندرجہ فرد ہیں یا اس سے کم قیمت اور کم وزن پر لیا گیا لہٰذا امور ذیل کے بابت جواب مطلوب ہے:

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۹

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الدعوٰی مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۵۰

اوّل: جو یادداشت عدالت گیرندہ حلف نے بجواب یادداشت عدالت دیوانی تحریر کی ہے اس سے پورے طور پر تعمیل حکم عدالت دیوانی ہوگئی یا نہیں۔

دوم: یادداشت عدالت دیوانی میں جو یہ مضمون تحریر ہے (کہ اشیائے مندرجہ فرد منسلکہ حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کل یا جز و یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعاعلیہاکے نہیں ہے اھ) اس کا منشا یہ ہے کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد میں کل چیزیں یا بعض چیزیں اس قیمت اور وزن کی جو مندرجہ فرد ہیں مدعاعلیہاکے پاس نہیں ہیں نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعٰی علیہاکے قبضہ میں آئیں یا منشاء حکم عدالت یہ ہے کہ کل یا جز و اشیائے مندرجہ بہ تعداد قیمت مندرجہ یعنی اسی قیمت اور وزن کے اشیاء یا اس سے کم وزن اور قیمت کے اشیاء بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم مدعاعلیہاکے پاس نہیں ہیں نہ مسماۃ مذکور کے مرنے کے بعد مدعاعلیہاکے قبضہ میں آئیں یعنی لفظ کل اور جزو کا اطلاق تعداد اشیاء پر ہے یعنی کل اور جزو اشیاء کا مراد ہے۔

سوم: یادداشت میں محکمہ گیرندہ حلف نے جو لفظ متروکہ ضیاء النساء بیگم تحریر نہیں کیا اس سے حلف کی تعمیل میں کوئی نقصان تو پیدا نہیں ہوا اس لئے کہ پیشتر مدعاعلیہا سے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کرکے حلف لیا گیا ہے دوسرے اس محل پر نفی مطلق سے نفی مقید ہوگئی یا نہیں۔

چہارم: ایک مرتبہ جن الفاظ کے ساتھ وکیل مدعی نے جس کو حق حلف لینے کا حاصل تھا چاہا اسکے موافق حلف لیا گیا اب دوبارہ مدعی کو یا عدالت کو دوسرے طور پر پھر حق حلف لینے کا حاصل ہے یا نہیں۔

پنجم: اشیاء متدعویہ کے انکار پر حلف لیا جاتا ہے نہ غیر متدعویہ پر، پس یہ بات لائق دریافت ہے کہ جب مدعی نے ایک عدد زیور وغیرہ کے وزن اور قیمت کے ساتھ مقید کرکے دعوی کیا تو اس وزن اور قیمت سے کم مقدار اور وزن کے وہ شے متدعویہ قرار پائے گی یا نہیں۔

نقل یادداشت عدالت دیوانی بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ بنام امیر النساء بیگم بنت صاحبزادہ محمد باقر علی خاں زوجہ صاحبزادہ محمد ہادی علی خاں صاحب مرحوم مدعاعلیہا ساکن محلّہ قریب گھیر عثمان خاں دعوی دہانیدگی حصہ فرائض از جائداد متروکہ مسماۃ ضیاء النساء بیگم مدعاعلیہا نے نسبت جائداد مدعاعلیہا اکثر کی نسبت انکار ترکہ ضیاء النساء بیگم سے کیا ہے اور مدعیہ نے نسبت جائداد منقولہ بحالت انکار حلف مدعاعلیہا پر کیا ہے اور مدعاعلیہا کو ادائے حلف میں انکار نہیں ہے اور فریقین اہل خاندان سے ہیں اس لئے تعمیل حلف کو نسل خاندان کے ذریعہ سے ہونا مناسب ہے لہٰذا بذریعہ یادداشت ہذا نقل حکم و نقل فرد اشیاء مرسل ہو کر گزارش ہے کہ کاغذات ہذا بنابر تعمیل حلف کو نسل خاندان میں ارسال

فرمائے جائیں کہ مدعا علیہا سے اسی طرح حلف لیا جائے کہ اشیائے مندرجہ فرد منسلکہ حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کل یا جز و یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئی اشیاء مندرجہ کی قیمت اور وزن اور تعداد اول مدعا علیہا کو سنا کر بمواجہہ وکلاء فریقین حلف لیا جائے۔ دستخط حاکم **نقل یادداشت محکمہ گیرندہ حلف** حسب صدور حکم اجلاس اعلیٰ مثبتہ ناصیہ یادداشت حاکم عدالت دیوانی ضلع بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ موسومہ امیر النساء بیگم مدعا علیہا بدعوی دہایند گی سہ سہام منجملہ ۱۸سہام مالیتی مبلغ (ماع صما) روپیہ از کل جائداد منقولہ متروکہ مسماۃ ضیاء النسابیگم واقع شہر رام پور قیمتی (صہ عؑ) روپیہ فہرست منسلکہ زیور و ظروف وغیرہ حرفاً حرفاً مدعا علیہا کو بمواجھہ وکلاء فریقین بشناخت صاحبزادہ فرخ طور خاں بہادر مدعیہ سنائے گئے اور قرآن شریف ہاتھ میں دیگر بموجب منشاء مضمون یادداشت عدالت دیوانی متوجہ بحلف کیا گیا مدعا علیہا نے ہر ایک عدد زیور طلائی و نقرئی و دیگر سامان نقرئی مندرجہ فہرست معہ تعداد وزن و قیمت سن کر بحلف بیان کیا کہ کل اشیائے زیور طلائی و نقرئی و دیگر سامان نقرئی اس قیمت اور اس تعداد اور اس وزن کا میرے پاس نہیں ہے اور کل پارچہائے پوشیدنی قسم گوٹہ وغیرہ ہر ایک تفصیل وار سن کر بحلف کہا کہ میرے پاس اس تعداد اور اس قیمت کے نہیں ہیں جملہ سامان فروش تفصیل وار سن کر دو غلیچہ رنگ سیاہ قیمتی (ـعہ) روپیہ کی نسبت حلفاً کہا کہ میرے پاس ہیں لیکن اس قیمت کے نہیں ہیں باقی کل قسم فرش کے بابت حلف مذہبی نسبت عدم موجودگی کیا سامان چوبی مفصلاً مدعا علیہا کو سنایا گیا منجملہ کل سامان کے بیس عدد چوکیاں چوب سار قیمتی مبلغ تیس روپے کی نسبت حلف سے انکار کیا اور دو پلنگ نواڑ کلاں قیمتی مبلغ بیس روپے کی نسبت مدعا علیہا نے بحلف کہا کہ میرے پاس ہیں لیکن قیمت کا حال معلوم نہیں ما بقے کل سامان چوبی کی عدم موجودگی پر حلف لیا چونکہ کارروائی حلف کی بہ تعمیل حکم اجلاس اعلیٰ حسب منشاء عدالت دیوانی ہوگئی لہٰذا جملہ کاغذات ذریعہ یادداشت ہذا باجلاس اعلیٰ نواب مدار المہام صاحب بہادر مرسل ہیں فقط دستخط حاکم بینوا توجروا۔

الجواب:

کل یا جز سے مراد یہی ہے کہ اشیائے مدعی بہا جمیع یا بعض نہ یہ کہ خود وہ اشیاء یا ان سے کم وزن و قیمت کی چیزیں خود عبارت حاکم دیوانی میں تفسیر موجود تھی کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد سے کل یا جز یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی اور یہی طریقہ مقررہ استحلاف ہے کہ احتیاط بعض دعوی بھی شامل حلف کرلیتے ہیں۔

ہندیہ میں ہے:

یحلف باللہ ماھذا العین لفلان بن فلان ولاشیئ منہ یجمع بین الکل والبعض احتیاطا کذافی المحیط[1]۔	حلف یوں دے گا خدا کی قسم یہ خاص چیز یا اس کا کچھ حصہ فلاں بن فلاں کا نہیں ہے قسم میں اس چیز کے کل اور بعض کو ذکر کرے احتیاطًا، محیط میں ایسے ہے۔(ت)

عامہ کتب میں تمام امثلہ دیکھی جائیں یہی بڑھاتے ہیں کہ ولاشیئ اٰخر اقل منہ قیمۃ و وزناً (نہ کسی اور چیز کو جو اس سے قیمت اور وزن میں کم ہے۔ت) اس میں یہ ہے کہ حلف دعوی پر لیا جاتا ہے نہ کہ امر خارج عن الدعوی پر۔ ہدایہ میں ہے:

وان عجز عن ذٰلك وطلب یمین خصمہ استحلفہ علیھا[2]۔	مدعی اگر گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو اور مخالف کی قسم کا مطالبہ کرے تو قسم لی جائے(ت)

غایۃ البیان میں ہے:

ای ان عجز المدعی عن اقامۃ البینۃ وطلب یمین المدعی علیہ استحلفہ القاضی حینئذ علی دعواہ[3]۔	یعنی اگر مدعی گواہی پیش کرنے سے عاجز ہو اور مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس پر قاضی مدعی علیہ سے دعوی کے متعلق قسم لے(ت)

یمین دعوی صحیحہ کے سوا فاسدہ پر مترتب ہوتی نہیں، معدومہ پر کیونکر مترتب ہوسکتی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

الاستحلاف یجری فی الدعاوی الصحیحۃ دون فاسدتھا کذافی الفصول العمادیۃ[4]۔	قسم صحیح دعووں پر جاری ہوگی فاسد دعووں پر نہ ہوگی، فصول العمادیہ میں یونہی ہے۔(ت)

اور بعض دعوی داخل دعوی ہے ولہذا اگر شاہدین یا ایک بعض دعوی پر شہادت دیں قدر بعض

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷

[2] ہدایہ کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۱

[3] غایۃ البیان

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳

میں قبول کرلیں گے۔ خانیہ میں ہے:

اذا ادعی کل الدار فشھد والہ بنصف الدار جازت شھادتھم ویقضی بالنصف من غیر توفیق[1]۔	مدعی نے کل مکان کا دعوی کیا تو گواہوں نے نصف مکان کی شہادت دی فیصلہ نصف مکان پر ہوگا بغیر موافقت پیدا کئے (ت)

بخلاف دیگر اشیاء مخالفۃ الوزن والقیمۃ کہ وہ غیر مدعی بہا ہیں اور وزن وقیمت میں کم ہونا بعضیت نہیں ہر عاقل جانتا ہے کہ مثلاً دو تولے سونے کے دو بالے قیمتی ساٹھ روپے اور دو بالے ایک تولے سونے کے تیس روپے قیمت کے ہوں، یہ بالے ان کے بعض وجز نہیں بلکہ غیر وجدا چیز ہیں، شیئ غیر حاضر میں ذکر وزن وقیمت اس کی تعریف وتعیین ہی کے لئے ہے تو اس کا غیر معین کا غیر ہے نہ جز۔ ہدایہ میں ہے:

لایقبل الدعوٰی حتی یذکر شیئا معلوما فی جنسه وقدرہ لان فائدۃ الدعوی الالزام بواسطۃ اقامۃ الحجۃ والالزام فی المجھول لایتحقق فان کان عینا فی ید المدعی علیه کلف احضارھا لیشیر الیھا بالدعوی وکذا فی الشھادۃ والاستحلاف لان الاعلام باقصی ما یمکن شرط وذٰلك بالاشارۃ فی المنقول، وان لم تکن حاضرۃ ذکر قیمتھا لیصیر المدعی معلوما لان العین لاتعرف بالوصف والقیمۃ تعرف به[2]۔	جنس اور قدر میں معلوم چیز کے ذکر کے بغیر دعوی قبول نہ ہوگا کیونکہ دعوی کا فائدہ حجت کے ذریعہ الزام قائم کرنا ہے اور مجہول کا الزام متحقق نہیں ہوسکتا اور اگر وہ چیز مدعٰی علیہ کے قبضہ میں ہو تو اس کو حاضر کرنے کا پابند بنایا جائے گا تاکہ مدعی اس کی طرف دعوی کرتے ہوئے اشارہ کرسکے، اور شہادت اور قسم میں بھی ایسے کیا جائے کیونکہ تمام مراحل میں ہر ممکن حد تک تعارف ضروری ہے اور یہ منقول چیز میں اشارہ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے اگر وہ چیز حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت ذکر کرے تاکہ مدعا واضح ہوسکے کیونکہ خاص چیز کا تعارف اس کے وصف سے نہیں بلکہ اس کی قیمت سے ہوتا ہے (ت)

ہندیہ میں ہے:

اذاادعی جوھرا لابد من ذکر الوزن اذاکان غائبا وکان المدعی علیه	اگر کسی جوہری چیز کا دعوی ہو تو اس کے وزن کا ذکر ضروری ہے اگر وہ غائب ہو اور مدعا علیہ اس کے قبضہ

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشھادات باب من الشھادۃ التی یکذب المدعی مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۶

[2] الھدایہ کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۰

منکرا کون ذٰلك فی یدہ کذافی السراجیۃ وفی اللؤلؤ یذکر دورہ وضوءہ ووزنہ کذافی خزانۃ المفتین [1]۔	سے انکاری ہو، سراجیہ میں یوں ہے اور موتیوں کے دعوی میں اس کی گولائی، چمک اور وزن کو ذکر کرے جیساکہ خزانۃ المفتین میں ہے (ت)

وجیز امام کردری نوع اخیر فصل خامس عشر من الدعوی میں ہے:

فی دعوی الدیباج والجوہر یشترط ذکر الوزن اذالم یکن حاضرا وان حاضرا فلا لتفوت القیمۃ بتفاوت الوزن [2]۔	ریشمی کپڑے اور جواہر میں وزن کا ذکر شرط ہے جب حاضر نہ ہو اور اگر حاضر ہو تو ضروری نہیں کیونکہ وزن کے اختلاف سے قیمت میں اختلاف ہوتا ہے (ت)

اسی کی نوع مذکور میں ہے:

ذکر الوتار، ادعی زندنیجا طولہ بذرعان خوارزم کذا وشھد وابذلك کذٰلك بحضرۃ الزندنیجی فذرع فاذا ھو ازید اوانقص بطلت الشھادۃ والدعوی کما اذا خالف سن الدابۃ الدعوی او الشھادۃ وقولھم الذرع وصف فیلغوفی الحاضر ذٰلك فی الایمان والبیع لافی الدعوٰی والشھادۃ فانھما اذاشھدابوصف فظھر خلافہ لایقبل وذکر ایضا ادعی حدیدامشاراالیہ و ذکر انہ عشرۃ امناء فاذاھو عشرون او ثمانیۃ تقبل الدعوی والشھادۃ لان الوزن فی مشار الیہ لغوا [3] اھ قلت وقولاہ علی اختلافھما مجمعان	زندنیجا کا دعوی کیا اس کی پیائش خوارزمی گزوں سے بتائی کہ اتنی ہے اور گواہوں نے بھی یہی گواہی دی زندنیجی حاضر کی گئی اور پیائش کرنے پر مذکورہ پیائش سے کم یا زیادہ ہوئی تو دعوی اور شہادت دونوں باطل ہوجائیں گی جیساکہ دعوی اور شہادت میں جانور کی عمر کا معاملہ ہے، باقی رہا فقہاء کا یہ ارشاد کہ پیائش وصف ہے تو حاضر میں اس کا ذکر لغو ہوتا ہے تو یہ ضابطہ قسم اور بیع میں ہے دعوی اور شہادت میں نہیں کیونکہ ان دونوں میں جب وصف کو ذکر کیا تو اس کا خلاف ظاہر ہونے پر مقبول نہ ہونگے، اور یہ بھی ذکر کیا کہ موجود لوہے پر اشارہ کرتے ہوئے دعوی کیا اور بتایا کہ اس کا وزن دس من ہے تو وہ بیس یا آٹھ من نکلا تو دعوی اور شہادت مقبول ہوگی کیونکہ مشار الیہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الدعوی نوع من الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۲۵

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الدعوی نوع من الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۲۱

علی اعتبار الوزن فی الغائب اما الاول فظاہر فانہ اذا اعتبر الوصف فی الحاضر فاعتبار العین فی الغیب اولی بدرجتین اما عرف فی موضعہ ان الذراع وصف و القدر عین واما الثانی فلان الالغاء للاشارۃ فاذا انتفی انتفی۔	میں وزن کاذکر لغو ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) اس کے دونوں متخالف قول غائب چیز میں وزن کے اعتبار میں جمع ہوسکتے ہیں پس اول ظاہر ہے اس لئے کہ جب حاضر میں وصف کا اعتبار ہوگا تو غائب میں بطریق اولیٰ دو درجہ ہوگا کیا معلوم نہیں کہ ذراع وصف اور قدر عینی چیز ہے اور دوسرا اس لئے کہ لغو ہونا اشارہ کی وجہ سے ہے تو جب اشارہ معدوم ہوجائے تو لغو ہونا معدوم ہوجائیگا (ت)

غرض وکیل مدعیہ کا یہ عذر مسموع نہیں اب باقی امور کی طرف چلئے پیش از حلف جو مکالمہ محکمہ حلف گیرندہ وحالفہ میں آیا وہ نہ یادداشت میں مسطور نہ سوال میں مذکور جس پر بالخصوص رائے قائم کی جائے مگر ملاحظہ یادداشت محکمہ حلف سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرد اشیائے مدعی بہا بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم امیر النساء بیگم کو سنا کر اسے متوجہ حلف کیا گیا یعنی اس سے کہا گیا کہ ان اشیاء کی نسبت بحلف بیان کرو اس نے کلام مذکور یادداشت کہا جو ہر طرح سخن مستقل ہے اور اس میں ترکہ ضیاء النساء بیگم کا کہیں ذکر نہیں ہوسکتا تو عبارت حلف سے پیشتر کسی کلام میں ذکر متروکہ آجانا نفس حلف میں ذکر نہیں ہوسکتا جس نے ان معاملات میں علمائے کرام کی احتیاطیں دیکھی ہیں وہ اس کا ناکافی ہونا جانے گا جہاں آہستہ سے کسی لفظ کے بڑھا لینے کا احتمال پاتے ہیں وہاں اس کے قطع کی ہدایت فرماتے ہیں مثلاً شاہد کہے یہ چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق یوں نہ مانیں گے کہ شاید حق کے بعد آہستہ سے نہیں کہہ لے بلکہ یوں کہلوائیں گے کہ اور اس کا حق ہے، یوں ہی مدعی سے' تو جہاں کچھ بڑھانے کی بھی حاجت نہیں صرف قطع نیت وصرف ارادت سے کام چلتا ہے وہاں کیونکر پسند کریں گے، ہندیہ میں ہے:

فی فتاوی النسفی ینبغی للشاہد ان یقول فی شہادتہ ایں عین ملک ایں مدعی است وحق وی است حتی لایمکن ان یلحق بہ وحق وے نے بنفی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقول اذا قال المدعی فلاں چیز ملك من ست وحق من لایکتفی بہ وینبغی ان یقول وحق من ست ویقول فی قولہ	فتاوٰی نسفی میں ہے گواہ کو چاہئے کہ وہ اپنی شہادت میں یوں کہے یہ عین چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق ہے تاکہ نفی کے لاحق ہونے کا احتمال نہ رہے اور امام شیخ فخر الاسلام علی بزدوی فرماتے ہیں جب مدعی کہے یہ چیز میری ملک ہے اور میرا حق، تو کافی نہ ہوگا، بلکہ یوں کہے اور میرا حق ہے، اور اپنے قول میں، فلاں کے قبضہ میں ناحق، کی بجائے، فلاں کا قبضہ ناحق ہے،

وبدست فلاں بناحق بدست فلاں بناحق است و کذٰلك فی نظائرہ حتی لایلحق بہ کلمۃ النفی قال الاحتیاط فی ھذا ولکن ھذا الاحتیاط فی موضع یطالب بالتسلیم کذافی الذخیرۃ[1]۔	اور اس قسم کے بیان میں، ایسا چاہئے تاکہ نفی کے احق ہونے کا احتمال نہ رہے، اور فرمایا احتیاط یہی ہے، لیکن یہ احتیاط وہاں ضروری ہے جہاں قبضہ لینے کا مطالبہ ہو، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر پیشتر بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کرکے حلف لئے جانے کے یہ معنی ہوں کہ اول امیر النساء بیگم سے کہلوالیا گیا کہ وہ دربارہ متروکہ ضیاء النساء بیگم حلف سے کہے گی یاواللہ اس باب میں جو کہے گی حق کہے گی کماھو رائج فی زماننا (جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رائج ہے۔ت) تو یہ محض مردود و باطل ہے جو حلف شرع مطہر نے مدعا علیہ پر لازم کیا ہے اس سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا کہ یہ دربارہ مستقل یمین منعقدہ ہے جس کا کفارہ بہت آسان اور یہاں مقصود وہ یمین ہے کہ اگر کاذب ہو تو غموس ہو جس کا انجام معاذاللہ ہلاکت ہے اور اس کے لئے کوئی کفارہ ہی نہیں، شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی صدر باب الاستحلاف میں ہے:

الیمین الکاذبۃ مھلکۃ فالمدعی علیہ متی اتوی حق المدعی فالشرع جعل الیمین الکاذبۃ حقالہ حتی تصیر مھلکۃ ایاہ بازاء ماا ھلك من المال اھلا کا بازاء اھلاک[2]۔	جھوٹی قسم ہلاکت ہے، تو مدعی علیہ جب مدعی کے حق کو ضائع کرتا ہے تو شریعت نے مدعی کے لئے جھوٹی قسم کو حق قرار دیا ہے تاکہ وہ مدعٰی علیہ کے لئے مال کو ہلاک کے عوض ہلاکت بن جائے (ت)

اسی طرح کافی ونتائج الافکار وغیرہا اسفار میں ہے کلام مذکور امیر النساء بیگم کا اولاً نفی مطلق ہونا محل نظر ہے پاس بمعنی ملک بھی مستعمل ہے کسی سے کوئی کتاب عاریۃً مانگے اور وہ اس کے کتب خانہ میں نہ ہو تو کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس نہیں اگرچہ دور رکھی ہے اول متروکہ ضیاء النساء بیگم سے مباین ہے اور دوم خاص من وجہ بہر حال اس کی نفی اس کی نفی کو مستلزم نہیں اور عموم ہی مانئے تاہم بے ضابطگی واضح، یہ استلزام نکتہ بعد الوقوع سہی مگر شرعاً یمین اس طور پر لینی چاہئے کہ نکول کرے تو دعوی کا بذل یا اقرار ظاہر ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰ و ۴۶۱

[2] غایۃ البیان

یہاں ہر گز ایسا نہیں اگر بے تقید متروکہ مطلقاً قسم لیتے کہ فلاں فلاں اشیاء اس قیمت و وزن کی تیرے پاس نہیں وہ قسم کھانے سے انکار کرتی تو مطلق کا اقرار ہوتا جو مقید کا اقرار قرار نہ دیا جا سکتا تو نکول مہمل و فضول رہتا، جامع الفصولین میں ہے:

لایفید تحلیفه لانه لنکول هو کاقرار[1]۔	اس کو قسم دینا مفید نہیں کیونکہ اس کے انکار پر وہ اقرار قرار پائے گا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

فائدة التحلیف القضاء بالنکول فاذالم یجز القضاء بالنکول عما ذکر فکیف یجوز التحلیف به لان التحلیف انما یقصد لنتیجته واذا لم یقضی بالنکول فلا ینبغی الاشتغال به وکلام العقلاء یصان عن اللغو کما اشار لذلك فی البحر المنح اھ[2] باختصار	قسم کھلانے کا فائدہ انکار قسم پر فیصلہ کرنا مقصود ہے تو جہاں قسم کے انکار پر فیصلہ جائز نہ ہو قسم کھلانا کیونکر جائز ہوگا، کیونکہ مقصود نتیجہ خیز قسم ہے اور جب قسم کے انکار پر فیصلہ نہ کیا جا سکے تو قسم کا شغل نہ کیا جائے حالانکہ عقلاء کے کلام کو لغو ہونے سے بچایا جاتا ہے جیسا کہ اسکی طرف بحر اور منح میں اشارہ ہے اھ باختصار (ت)

ان امور میں زیادہ نظر کی حاجت نہیں جبکہ بالبداہۃ آشکارا ہے کہ حلف مذکور محض ناکافی و مہمل واقع ہوا اور حکم حاکم دیوانی کی اصلاً تعمیل نہ ہوئی حاکم نے یادداشت میں صراحۃً یہ الفاظ لکھے تھے کہ کوئی چیز اس فہرست میں کے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم پاس مدعاعلیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعاعلیہا کے قبضے میں آئی اس دوسرے فقرے پر مطلق لحاظ نہ ہوا صرف پاس نہیں موجود نہیں پر حلف لیا گیا جس نے حلف کو محض ناقص و ناقابل قبول کردیا ممکن کہ بعد انتقال ضیاء النساء بیگم اشیائے دعوی کل یا بعض قبضہ امیر النساء بیگم میں آئی ہوں اور اب موجود نہ ہوں اب اس کے قبضے میں نہ ہوں صرف کردی ہوں تلف کردی ہوں ہبہ کردی ہوں تو قبضہ موجودہ و وجود فی الحال کی نفی سے کیا کام نکلا لاجرم حلف میں مدعیہ کے لئے نظر یکسر متروک ہوئی اور اس کے حق تلفی صاف محتمل رہی۔ جامع الفصولین میں ہے:

ذکر الخصاف فی دعوی الودیعة اذا لم تکن حاضرة یحلفه بالله ماله هذا المال الذی ادعاه فی یدك ودیعة	خصاف نے ذکر کیا ہے کہ امانت کے دعوی میں اگر چیز حاضر نہ ہو تو مدعٰی علیہ سے یوں قسم لی جائے کہ خدا کی قسم وہ مال جو تیرے قبضہ میں بطور امانت ہونے

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۲

[2] العقود الدریۃ تنقیح فتاوٰی حامدیہ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۹

ولاشیئ منه ولاله قبلك حق منه لانه متی اتلفه اودل انسانا علیه لم یکن فی یدہ فیکون علیه قیمته فلایکتفی بقوله فی یدك بل یضم الیه ولاله قبلك حق منه احتیاطا[1]۔	کا دعوی کرتا ہے وہ اس کا حق نہیں اور نہ اس میں سے کچھ اس کا حق ہے اور نہ ہی تیری طرف اس کا کوئی حق ہے کیونکہ جب اس نے امانت کو تلف کردیا ہو یا کسی اور کو دے دی اور اپنے قبضہ میں نہ ہو، تو اس صورت میں اس پر قیمت لازم ہوگی، تو تیرے قبضہ والی بات کافی نہ ہوگی بلکہ اس کے ساتھ، اور تیری طرف کوئی حق اس کے لئے نہیں ہے، شامل کرنا بطور احتیاط ضروری ہے۔(ت)

حلف دینا مدعی یا وکیل مدعی کا حق نہیں حق حاکم ہے حق مدعی حلف لینا یعنی طلب حلف ہے وبس، ولہٰذا اگر مدعی خود حاکم کے سامنے دارالقضاء میں بطور خود مدعاعلیہ کو حلف دے لے مقبول نہیں اگرچہ وہ حلف بروجہ کافی ہی دیا گیا ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوحلف بطلب المدعی یمینه بین یدی القاضی من غیر استحالف القاضی فھذا لیس بتحلیف لان التحلیف حق القاضی کذافی القنیة وھکذا فی البحر الرائق[2]۔	اگر مدعی از خود قاضی کی موجودگی میں مدعی علیہ سے قسم طلب کرے تو قاضی کی طلب کے بغیر قسم کھلانا جائز نہیں کیونکہ قسم کا مطالبہ اور قسم کھلانا قاضی کا حق ہے قنیہ اور بحر الرائق میں یوں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

المدعی لواسقطه ای الیمین قصدا بان قال برئت من الحلف اوترکته علیه اووھبته لایصح وله التحلیف بخلاف البرائة عن المال لان التحلیف للحاکم، بزازیة[3]۔	مدعی نے اگر مدعی علیہ سے قسم کو ساقط کرتے ہوئے کہا میں نے تجھے قسم سے بری کیا، یا، تجھ سے قسم لینا میں نے ترک کیا یا میں نے تجھے یہ حق ہبہ کردیا تو مدعی کا قصداً قسم کو ساقط کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ قسم کھلانا قاضی وحاکم کا حق ہے، اس کے برخلاف اگر مدعی اس کو مال سے بری کردے تو جائز ہے۔ بزازیہ۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳

[3] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۰

الیمین حق القاضی مع طلب الخصم [1]۔	فریق مخالف کے مطالبہ پر قسم قاضی کا حق ہے (ت)

اسی میں ہے:

ونقل المصنف عن القنیة ان التحلیف حق القاضی فمالم یکن باستحلافه لم یعتبر [2]۔	مصنف نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ قسم کھلانا قاضی کا حق ہے توجو قسم قاضی کی جانب سے نہ ہو وہ معتبر نہیں۔(ت)

توہدایت صاحب حق یعنی حاکم کے خلاف جو ناکافی و ناتمام حلف رکھا گیا اگرچہ خود وکیل مدعیہ یا مدعیہ نے آپ ہی رکھا ہو کیا معتبر ہوسکتا ہے بلکہ ناکافی حلف تو خود حاکم کا رکھا ہوا بھی مقبول نہیں اسے بیکار ٹھہرا کر دوبارہ حلف دینا ہوگا۔ محیط وجامع الفصولین و تبیین الحقائق وعالمگیریہ و دررالحکام ودرمختار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے:

فی کل موضع وجبت الیمین فیه علی البتات فحلف علی العلم (ولفظ جامع الفصولین عن المحیط فحلفه القاضی علی العلم) لاتکون معتبرۃ حتی لایقضی علیه بالنکول و لاتسقط الیمین عنه [3]۔	جس مقام پر قطعیت پر قسم چاہئے تو وہاں علم کی قسم کھائی، (اور جامع الفصولین میں محیط سے منقول الفاظ یہ ہیں) تو قاضی نے وہاں اس سے علم کی قسم لی، تو یہ معتبر نہ ہوگی حتی کہ ایسی قسم کے انکار پر فیصلہ نہ کرسکے گا اور نہ ہی قسم ساقط ہوگی (ت)

وجیز امام کردری نوع ثالث فصل سابع کتاب القضاء میں ہے:

من له حق الحلف علی البتات اذاحلف القاضی خصمه علی العلم یبقی لخصمه حق البتات [4]۔	جہاں پر صاحب حق کو قطعیت پر قسم مطلوب ہو وہاں قاضی مدعی علیہ سے علم کی قسم لے تو دوسرے فریق یعنی مدعی کو قطعیت پر قسم کا حق باقی ہے۔(ت)

ان عبارات سے واضح کہ حلف جب فی نفسہٖ ناکافی ہو تو اگرچہ دونوں صاحب حق اعنی مدعی و قاضی کی مرضی مجتمع ہوجائے جب بھی مقبول و مسقط حلف نہ ہوگا اور بہ طلب مدعی دوبارہ حلف دینا لازم آئے گا۔

فافهم رتبواعدم اعتبارہ علی وقوعه	جس طور قسم واجب تھی اس کے خلاف قسم پر فقہاء نے

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۶

[2] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۶

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ التبیین کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۲۴، جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۴

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب القضاء فصل سابع نوع ثالث اسلامی کتب خانہ کراچی ۵ /۲۰۵

لاعلی الوجہ الذی وجب لوکان بلا تحلیف القاضی لم یعتبر قط وان وقع علی الوجہ الواجب کما سلف وکذا لوکان بلا طلب المدعی۔فی جامع الفصولین اواخر الفصل الخامس عشر عن فتاوی رشید الدین القاضی لو حلف بغیر طلب المدعی ثم طلب المدعی تحلیفہ فلہ ان یحلفہ ثانیا [1] اھ فعلم ان وقوعہ لا علی الوجہ الواجب مستقل بالرد وان وقع بطلب المدعی وتحلیف القاضی۔	عدم اعتبار کو مرتب کیا ہے کہ قاضی کی طرف سے قسم طلب کئے بغیر صحیح طور بھی قسم ہوئی تو ہر گز معتبر نہ ہوگی جیسا کہ گزرا ہے اور یونہی اگر وہ قسم مدعی کے مطالبہ کے بغیر ہوئی ہو، جامع الفصولین کی پندرہویں فصل میں فتاوٰی رشید الدین سے منقول ہے کہ قاضی نے اگر مدعی کے مطالبہ کے بغیر قسم لے لی، اور اس کے بعد مدعی نے قسم کا مطالبہ کیا ہو تو اس کو دوبارہ قسم کھلانے کا حق ہوگا اھ، تو معلوم ہوا کہ واجبی طور کے خلاف ہونا یہ نااعتباری کی مستقل وجہ ہے اگرچہ یہ مدعی کے مطالبہ اور قاضی کے قسم لینے پر ہو۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں لازم کہ حاکم امیر النساء بیگم سے دوبارہ حلف تام شرعیہ بروجہ صحیح وکافی لے۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ وجل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۷۸: از ریاست رام پور تھانہ حجیانے متصل زیارت نعیم شاہ صاحب مرسلہ سید چھٹن میاں صاحب غرہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک منزل مکان اپنا وقف کرکے زید کو متولی اس کا کردیا، زید قابض مکان مذکور ہے، اب زید پر بکر نے دعوی ایک دیوار پچھیت وپاکھے مکان اپنے کا دائر کچہری کیا، زید نے بکر کی دیوار پچھیت وپاکھے سے انکار کیا، بکر نے حصر دعوی اپنے کا حلف زید پر کیا، زید کہتا ہے کہ میں مالک مکان موقوفہ نہیں ہوں مجھ پر شرعًا حلف متوجہ نہیں ہوتا ہے، پس دریافت کیا جاتا ہے کہ زید پر حلف شرعًا نسبت دعوی بکر آتا ہے یا بوجہ متولی اور غیر مالک مکان ہونے کے حلف متوجہ نہیں ہوتا۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع صورت مستفسرہ میں زید متولی پر حلف متوجہ نہیں متولی پر حلف صرف اس وقت میں آتا ہے جب خود اس پر کسی عقد کا دعوی کیا جائے مثلًا کوئی مدعی ہو کہ فلاں زمین وقفی اس نے میرے اجارے میں دی عقد تمام ہوگیا اور اب قبضہ نہیں دیتا یا اس کے مثل اور دعوی۔ تنویر الابصار میں ہے:

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۰۵

الوصی والمتولی وابوالصغیر یملك الاستحلاف ولا یحلف[1]۔	وصی، متولی، نابالغ کا باپ قسم لے سکتے ہیں اور ان سے قسم نہیں لی جاسکتی۔(ت)

درمختار و تنویرالابصار و بحرالرائق میں ہے:

لایستحلف الاب فی مال الصبی ولا الوصی فی مال الیتیم ولا المتولی للمسجد والاوقاف الااذاادعی علیھم العقد[2]۔	والد سے نابالغ بیٹے کے مال سے متعلق ولی سے یتیم کے مال اور متولی سے مسجد واوقاف کے متعلق قسم نہ لی جائے گی ان سے قسم صرف اس صورت میں لی جائیگی جب ان پر کسی عقد کا دعوی ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لایستحلف الاب اھ ای لوجنی الصبی جنایة فانکر ابوہ اووصیه او ادعی احد جدارالمسجد او الدار الموقوفة اوانه انفق علی الوقف شیئا باذن المتولی السابق[3]۔واﷲسبحانه وتعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول کہ "باپ سے قسم نہ لی جائے گی الخ" یعنی بچے کی جنایت کا دعوی ہو اور باپ اس کا انکار کرے یا اس بچے کے لئے وصی ہو وہ انکار کرے یا کوئی متولی پر مسجد یا وقف شدہ مکان اور اس کی دیوار کا دعوی کرے یا یہ کہ اس نے پہلے متولی کی اجازت سے وقف پر اپنا مال خرچ کرنے کا دعوی کیا ہو تو ان پر قسم نہ ہوگی۔واﷲسبحانه وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۷۹: از شہر مدرسہ اہل سنت مسئولہ مولوی عبدالرحیم متعلّم مدرسہ مذکور جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

ماقولکم رحمکم اللہ(اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیافرمان ہے۔ت) کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا اور اس سے ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا بالقضائے الٰہی زید فوت ہوا والد زید خالد موجود ہے جو دادا عمرو کا ہوتا ہے اب بوجہ نزاع جائداد کے خالد دادا عمرو کا یہ قول ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے نہیں ہوا تھا اور نیز قاضی جس نے نکاح پڑھایا تھا اس سے اس امر میں جھوٹ بلوانا چاہتا ہے کہ جھوٹی گواہی

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۴۰۱، بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۰۹

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۴۹

دے دو کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا کفارہ ادا کر دیا جائے گا، آیا جائز ہے کہ قاضی نکاح کچہری میں کہہ دے کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا یا سچ بولے اور شہادت کاذبہ میں کفارہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

جھوٹی قسم جو آئندہ کی بابت کھائی جائے اس کا کفارہ ہے اور جھوٹی گواہی کا کچھ کفارہ نہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جھوٹ گواہی دینے والا گواہی دینے کی جگہ سے اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالٰی اس کے لئے جہنم واجب کر دیتا ہے"۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۰: از نباہٹرہ علاقہ ریاست ٹونک مرسلہ خدا بخش ابراہیم　　۳۰/رمضان ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحکم شرع شریف میں دعوی کیا مبلغ (☆☆☆) کا مدعا علیہ نے (☆☆) کا اقرار کیا باقی رقم مذکور سے انکار کیا تو عدالت شریعت نے مدعی کے پاس سے ثبوت طلب کیا اس میں مدعی نے پانچ گواہ پیش کئے گواہ مذکور عدالت شریعت میں قابل التفات کے نہیں اس وجہ سے کہ گواہوں میں اختلاف بہت اور مجہول گواہی دینے سے عدالت شریعت نے گواہی نامنظور فرمائی اور از روئے حدیث شریف کے مدعا علیہ پر قسم کا حکم دیا وہ حدیث شریف یہ ہے:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر [1]۔	گواہی مدعی پر اور قسم منکر پر لازم ہے (ت)

آیا اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب یہی ہے کہ گواہ پیش ہونے پر بھی مدعا علیہ پر بھی قسم عائد ہوتی ہے یا نہیں، جواب استفتاء بحوالہ کتب وعبارت عنایت فرمائیں اس لئے کہ میرے مقدمہ کی پیشی ۴/ شوال ۱۳۳۸ھ ہے۔ براہ کرم جواب جلد عنایت ہو۔

الجواب:

شہادت کے موجود ہوتے مدعی مدعا علیہ کا حلف طلب نہیں کر سکتا مگر شہادت وہ ہے کہ مفید مدعا ہے ورنہ نام شہادت ہے حقیقۃً شہادت معدوم ہے ایسی صورت میں مدعا علیہ پر حلف عائد ہو سکتا ہے مگر حاکم بطور خود اس پر حلف نہیں رکھ سکتا بلکہ مدعی کا طلب کرنا شرط ہے وہ چاہے کہ مدعا علیہ سے حلف لیا جائے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوٰی باب البینۃ علی المدعی الخ دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲، صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ما جاء ان البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰

تو قاضی اس سے حلف لے اس لئے کہ حلف حق مدعی ہے جس طرح حلف لینا حق قاضی ہے بالجملہ جب مدعی شہادت اصلاً نہ دے یا جو گواہ پیش کرے ان سے ثبوت دعوی نہ ہو تو اگر مدعی مدعا علیہ کا حلف نہ مانگے مقدمہ خارج کر دیا جائے،

لانہ ادعی ولم ینور دعواہ بالبینۃ والمدعی علیہ منکر وھذا لایطلب حلفہ فانسدت طرق القضاء۔	کیونکہ دعوی کرکے گواہی پیش نہ کرے اور مدعی علیہ منکر ہے مدعی اس سے قسم بھی طلب نہ کرے تو فیصلہ کے راستے بند ہوگئے۔(ت)

اور اگر مدعی حلف مانگے تو بطور خود مدعا علیہ پر قسم نہیں رکھ سکتا اگر رکھے گا اور وہ حلف سے انکار کردے یہ انکار معتبر نہ ہوگا کہ حلف لینا حق قاضی ہے حاکم بر طلب مدعی مدعا علیہ پر حلف رکھے اب اگر مدعا علیہ حلف سے انکار کردے تو دعوی ڈگری کیا جائے اور حلف کرلے تو ڈسمس۔ ہدایہ میں ہے:

اذاصحت الدعوٰی سأل القاضی المدعی علیہ عنھا لینکشف وجہ الحکم فان اعترف قضی علیہ بھا،وان انکر سأل المدعی البینۃ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الك بینۃ فقال لافقال لك یمینہ سأل و رتب الیمین عما فقد البینۃ فلا بد من السوال لیمکنہ الاستحلاف وان احضرھا قضی بھا لانتفاء التھمۃ عنھا،وان عجز عن ذلك وطلب یمین خصمہ استحلفہ علیھا لماروینا ولا بد من طلبہ لان الیمین حقہ الا تری انہ کیف اضیف الیہ بحرف اللام فلا بد	جب دعوی صحیح ہو تو قاضی مدعا علیہا سے دعوی کے متعلق سوال کرے تاکہ فیصلہ کا طریقہ واضح ہوسکے تو اگر مدعٰی علیہ دعوی کو مان لے تو اس کے خلاف دعوی کا فیصلہ کردے اور اگر وہ انکار کرے تو اب قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مدعی کو فرمایا کیا تیرے پس گواہی ہے تو اس نے کہا نہیں ہے،تو آپ نے فرمایا اب تجھے مدعی علیہ کی قسم کا حق ہے پس حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مدعی سے پوچھا اور قسم کو گواہی نہ ہونے پر مرتب فرمایا تو گواہی کا سوال ضروری ہے تاکہ موجود نہ ہونے پر قسم لی جاسکے،اور اگر مدعی نے گواہی پیش کردی تو قاضی اس پر فیصلہ کردے کیونکہ کوئی اعتراض نہ رہا اور اگر گواہی پیش کرنے سے معذور ہے اور وہ مدعی علیہ سے قسم طلب کرے تو قاضی قسم لے جیسا کہ ہم نے روایت کیا مدعی کا قسم طلب کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے،دیکھا نہیں کہ

من طلبه [1] اھ فانظر الی قوله ان احضرها قضی بها فانما اراد البینة المثبتة للدعوی والیها الاشارة فی قوله وان عجز عن ذٰلک، فمن اتی ببینة لم تفت فقد عجز عن اقامتها علی دعواہ۔	حدیث کے الفاظ میں قسم کو مدعی کی طرف حرف لام سے مضاف کیا ہے تو مدعی کا طلب کرنا ضروری ہے،اھ مصنف کے قول "اگر گواہی پیش کردے تو فیصلہ دے دے" پر غور کرو، تو یہ گواہی صرف وہی ہوسکتی ہے جو دعوی کے لئے مثبت ہو اور ایسی ہی گواہی کے متعلق اشارہ فرمایا، اگر اس سے عاجز ہو، تو اگر مدعی گواہی پیش کرے جو مفید نہ ہو تو وہ اپنے دعوی پر گواہی سے عاجز ہوا(ت)

غایۃ البیان میں ہے:

اذاقال المدعی لی بینة حاضرة وطلب الیمین لم یستحلف عند ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه احتج بماروی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه قال للمدعی الك بینة قال لا قال لك یمینه فالنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم رتب الیمین علی البینة فدل علی ان الیمین انما تکون حجة عندعدم البینة ولان الیمین الکاذبة مهلکة فالمدعی علیه متی اتوی حق المدعی فالشرع جعل الیمین الکاذبة حقاله حتی تصیر مهلکة ایاہ بازاء ما اهلك من المال اهلاکا بازاء اهلاك وانما یستحق اتواء الحق علی المدعی اذالم تکن بینة فاما اذاکان له بینة لایتوی حقه بل	جب مدعی نے بتایا کہ میرے گواہ موجود ہیں،اس کے باوجود قسم کا مطالبہ کرے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قاضی قسم نہ لے گا،ان کی دلیل، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مدعی سے یہ استفسار کہ کیا تیری گواہی ہے اس نے جواب میں عرض کیا نہیں ہے، تو اس کو فرمایا تجھے قسم کا حق ہے، تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قسم کو گواہی پر مرتب فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ قسم تب حجت ہوگی جب گواہی نہ ہو،اور اس لئے بھی کہ جھوٹی قسم ہلاکت ہے مدعٰی علیہ جب مدعی کا مال ضائع کرے تو شریعت نے مدعی کو اس کی جھوٹی قسم کا حق دیا ہے تاکہ جھوٹی قسم مدعی علیہ کے لئے ہلاکت بن جائے تاکہ مدعی کا مال ہلاک کرنے کے بدلے اس کو ہلاکت ملے، تو اس وجہ میں مدعٰی علیہ مدعی کے حق کو نقصان تب پہنچاسکے گا جب مدعی کے پاس گواہی نہ ہو تو جب تک گواہی ہے

[1] الهدایة کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۱

یمکنه اثبات حقه بالبینة فلا یجعل الیمین المهلکة حقاله فی هذه الحال لانه فی غیر وقته[1] اھ ومعلوم ان الاتواء حاصل مع بینة لم تثبت دعواه فکانت کلا بینة بناءً علی ان البینة اذالم توافق الدعوی و منه الشهادة بالمجهول بقیت بلا دعوی والدعوی شرط الشهادة فی حقوق العباد وانتفاء الشرط انتفاء المشروط فظهر انه عجز من البینة فله طلب حلف المدعی علیه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا حق ضائع نہ کرسکے گا بلکہ مدعی اپنے حق کو گواہی کے ذریعے ثابت کرلے گا لہٰذا اس حال میں ہلاک کرنیوالی قسم مدعی کا حق نہ بنے گی کیونکہ وہ وقت نہیں ہے اھ اور یہ بات واضح ہے کہ ایسی گواہی جو دعوی کو ثابت نہ کرسکے تو وہ کالعدم قرار پائے گی اس بناء پر کہ وہ گواہی دعوی کے موافق نہ ہوئی، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ شہادت مجہول ہو تو گویا دعوی ثابت نہ ہوا، حالانکہ شہادت کے لئے دعوی ضروری شرط ہے تو جب شرط نہ ہوئی تو مشروط نہ ہوا، توظاہر ہوگیا کہ دعوی پر گواہی سے عاجز ہے تو اسے قسم طلب کرنے کا حق ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۱: از شہر مسئولہ غلام رسول ۲۷/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک پنچایت قائم ہوئی اور ایک شخص پر ایک امر میں حلف قائم کیا اور سب پنچوں نے اسے منظور کیا اس شخص نے حلف سے بیان کیا وہ معاملہ فیصل ہوگیا بعد کو چند اشخاص نے پنچ سے علیحدہ ہو کر یہ کہا کہ حلف کو نہیں جانتے اور ہمارے یہاں حلف نہیں ہے ہم حلف کو نہیں جانتے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں یہ قول قائل کا کہ ہم حلف کو نہیں جانتے ہمارے یہاں حلف نہیں ہے اگر وہ شخص اہل اسلام سے ہے اور بوجہ جہالت و نادانی یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع ہے اور تکذیب کرتا ہے یا اہانت کرتا ہے تو حکم کفر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ یہ حکم حدیث مشہور **البینة للمدعی والیمین علی من انکر**[2] (گواہی مدعی کو لازم اور قسم مدعی علیہ منکر پر ہے۔ت) سے ثابت ہے

---

[1] غایۃ البیان

[2] صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتہن قدیمی کتب کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان البینة علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الدار قطنی باب فی المرأۃ تقتل اذا ارتدت نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۱۸، السنن الکبرٰی کتاب الدعوی باب البینة علی المدعی الخ دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

اور اجماع تمام امت مرحومہ کا اس پر ہے، ھذا صورت الجواب واللہ اعلم بالصواب فقط

بیشک حلف حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ الجواب صحیح — العبد المجیب محمد عبدالغفار خاں عفی عنہ

العبد محمد ہدایت اللہ عفی عنہ — محمد عبدالجبار خاں عفی عنہ — مہر

الجواب:

سائل غلام رسول ترہ فروش پوری نے واقعہ بیان کیا کہ ان کی برادری کا کوئی شخص بدایوں سے آیا تھا حسب رواج قوم اسے دعوت دینی تھی، ایک برادر اسے دعوت دینے گیا وہ نہ ملا پھر پنچایت میں دعوت نہ دئے جانے کا شاکی ہوا اس پر اس برادر سے کہا گیا تم حلف سے کہہ دو کہ تم دعوت دینے گئے تھے اس نے حلف سے کہہ دیا اس پر چند اشخاص نے وہ لفظ کہے، نیز غلام رسول نے بیان کیا کہ وہ اور حافظ علاء الدین اور جماتین شخص مجیب کے پاس گئے اور واقعہ مذکورہ ہمارے سامنے حافظ مذکور نے مجیب سے کہا

اور نشان انگوٹھا غلام رسول

انگوٹھے کا نشان جلد ۱۸ ص ۳۰۸

فتوٰی طلب کیا جس پر یہ جواب لکھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو یہاں ہر گز نہ کوئی شرعی دعوی تھا نہ کوئی مدعی نہ مدعا علیہ نہ کسی پر حلف عائد، اسے حدیث **البینۃ للمدعی والیمین علی من انکر**[1] (گواہی مدعی کو لازم اور قسم مدعی علیہ منکر پر ہے۔ت) کے تحت میں داخل کرنا صریح جہل وظلم ہے، اور بفرض باطل اگر اس کا کہنا کہ میں دعوت دینے گیا تھا دعوی ہوتا تو منکر تو بدایوں والا تھا اس پر حلف آتا نہ کہ مدعی پر، یہ دوسری جہالت شدیدہ ہے، بلاشبہہ ایسا حلف شریعت میں نہیں اور اس نے ٹھیک کہا تو اس پر حکم گناہگاری وتوبہ تیسری جہالت ہے اور سب سے سخت تراشد وہ کہ اس باطل محض کو معاذاللہ حکم شرع ٹھہرا کر اس کی تکذیب کے سبب مسلمان پر حکم کفر عائد کرنا، حالانکہ اگر عقل سے کام لینا ہو تو باطل محض کو حکم شرع قرار دینے ہی پر یہ کہنا لازم کہ یہ قرار دینے والا اگرچہ بوجہ جہالت و نادانی یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع نہیں اور قصداً اللہ ورسول پر جھوٹی شریعت کا افتراء کرتا ہے تو حکم کفر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن عظیم میں ہے:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتھن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الدار قطنی باب فی المرأۃ تقتل اذا ارتدت نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۱۸، السنن الکبری للبیھقی کتاب الدعوٰی والبینات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

" اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ " [1]	جھوٹ کا افتراء وہ لوگ کرتے ہیں جو مومن نہ ہوں (ت)

اور فرماتا ہے:

" اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ " [2]	جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء باندھتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔ (ت)

ظاہر صورت اولٰی ہے کہ بوجوہ جہالت ایسا کہا ہے جس پر "هذا صورت الجواب" بتائے کشیدہ قرینہ ہے مگر یہ فقط اس قول باطل ہی کا گناہ نہیں جاہل کو فتوی دینا کس نے حلال کیا، حدیث میں ہے:

من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السٰمٰوت والارض [3] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	جو بے علم فتوٰی دے آسمانوں اور زمین کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں (یا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ت) والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اور بالفرض اگر سائل کا بیان غلط ہے اور مجیب سے واقعہ بیان نہ کیا گیا جب بھی اتنے بیان سوال سے مجیب کا یہ ٹھہرالینا کہ ترہ فروشوں کی قومی پنچایت میں کوئی شرعی دعوی پیش ہوا اور یہ کہ انہوں نے منکر پر حلف رکھا جہالت ہے قومی پنچائتوں کو کون نہیں جانتا و من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل [4] (جو اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ت) اور مدعی و منکر کی شناخت ہزاروں جگہ علماء کو تو سخت دشوار ہوتی ہے نہ کہ جہال، مگر مجیب نے اپنے شہر کے ترہ فروشوں کو شاید امام مجتہد فرض کرلیا، مسلمان پر حکم معصیت بلکہ ایک وجہ پر حکم کفر لگانے کے لئے تنقیح ضرور تھی کہ کیا معاملہ کیسا حلف، مگر اسے تو وہ جانے جسے علم و دین سے حصہ عطا ہوا، بہر حال جواب رام پور جہل و ظلم ضرور، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۶: از عظیم آباد پٹنہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا اور شوہر اور ایک شیر خوار بچہ اور ایک نانی اور دو بھائی حقیقی چھوڑے، بعد وفات ہندہ آپس میں من حیث ترکہ پانے کے نزاع واقع ہوئی، ہندہ کے بھائیوں نے ہندہ کے شوہر سے دین مہر خالدہ اخت ہندہ کا جو قبل شوہر ہندہ کے نکاح میں تھی اور بعد لاولد فوت ہونے اس کے ہندہ نکاح میں

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۹۰۱۸ موسسة الرسالة بیروت ۱۰/ ۱۹۳، الفقیه والمتفقه باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷

[4] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

آئی تھی اداکاری کا مطالبہ کیا اور چونکہ خالدہ اخت ہندہ کا دین مہر واقعی واجب الادا تھا تو جو حصہ ۸/ متروکہ کہ شوہر نے پایا وہ شوہر ہندہ نے محض دیانتداری سے بعوض دین مہر چھوڑ دیا، مگر ازانجا کہ برادراں ہندہ کی جس نے اپنا دین مہر معاف کردیا تھا نیت صاف نہ تھی چہارم حصہ متروکہ ہندہ کو ابھی اسی دین مہر سابق میں ملاکر ہضم کرنا چاہا اور ہندہ کی نانی کو بھی نالش پر ابھارا تو شوہر ہندہ نے محض بغرض استحفاظ حصہ چہارم اپنے مصلحتًہ یہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہندہ نے مرض الموت مس اپنی کل جائداد اپنے شیر خوار بچہ کو ہبہ کردی جس کا کوئی گواہ بجز شوہر ہندہ کے نہ تھا اور بعض مقامات میں بذریعہ تحریری شوہر ہندہ نے اس وقت تک ہبہ کا اقرار کیا کہ وہ ششم حصہ بھی خود اپنے مال سے اسم فرضی اپنے پسر کے خرید لیا اور زرمن بعد برابر کا غذات وغیرہ پر خود اپنے اور اپنے شیر خوار لڑکے کی طرف سے بحیثیت ولایت کے دستخط کرتا رہا اور برابر وہ جائداد پسر ہندہ کے قبضہ میں حسب حصہ رسد کے رہی تاآنکہ وہ لڑکا عاقل و بالغ ہوا پھر اس کی شادی بھی ہوئی تو اب وہ لڑکا کل متروکہ اپنے مادر متوفیہ ہندہ پر دعوی کرتا ہے اور چہارم حصہ پدری اور اس حصہ پر جو اس کے باپ شوہر ہندہ نے اپنے پسر کے نام سے اسم فرضی ہندہ کی نانی سے خریدا تھا دونوں کو ہضم کرنا چاہتا ہے اور کچہری میں مقدمہ دائر کیا ہے اور اپنے پدر کے اقرار ہبہ کو جو مثل خریداری ششم حصہ کو وہ مصلحتًہ بیان کرتا رہا استدلال میں پیش کرتا ہے اور کسی حال میں باوجود فہمائش بلیغ منازعت سے باز نہیں آتا اور باپ کی تعظیم و تکریم تو درکنار ماں و پدر کو غلط اور لغو جانتا ہے اور حقوق پدر کا مطلق خیال نہیں کرتا تو ایسی صورت میں علمائے دین کا اس مصلحتی اقرار پدر متعلق ہبہ کے کیا ارشاد ہے اور اس پسر کے اس تکرار و فساد کو صحیح و درست جانتے ہیں یا بالعکس؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

اولاد کو حقوق پدری کا خیال نہ کرنا اس کے ساتھ تمرد و مخالفت سے پیش آنا اپنے لئے عذاب شدید نار و غضب رب قہار کا واجب کرتا ہے، اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں فرض کیا کہ والدین کے ساتھ احسان کرو، انہیں ہُوں نہ کہو، ان سے اعزاز و اکرام کا کلام کرو، ان کے لئے خاص محبت سے تذلل کا بازو بچھاؤ، ان کے لئے دعا کرو کہ الٰہی! ان پر رحم فرما جیسا انہوں نے مجھے چھٹپن میں پالا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث و الرجلة من النساء[1]۔ رواہ	تین شخص ہیں کہ جنت میں نہ جائیں گے، ماں باپ کو ستانے والا اور دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت

[1] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۵۷، کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب البر والصلہ باب العقوق مطبع موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۷۲

النسائی والبزار باسنادین نظیفین والحاکم فی صحیحه المستدرك عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔	(اس کو نسائی اور بزار نے صاف سندوں سے اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ مستدرک میں حضرت ابن عمر و رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلثة لایقبل الله عزوجل منهم صرفا ولا عدلا عاق ومنان ومكذب بقدر[1]۔ رواه ابن ابی عاصم فی کتاب السنة باسناد حسن عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه۔	تین شخص ہیں کہ اللہ تعالٰی نہ ان کے نفل قبول کرے نہ فرض: ماں باپ کو ایذا دینے والا اور صدقہ دے کر فقیر پر احسان رکھنے والا اور تقدیر کا جھٹلانے والا (اس کو ابن ابی عاصم نے سند حسن کے ساتھ کتاب السنۃ میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ملعون من عق والدیه ملعون من عق والدیه ملعون من عق والدیه[2]۔ رواه الطبرانی والحاکم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے۔ ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے (اس کو طبرانی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رضا الله فی رضا الوالد وسخط الله فی سخط الوالد[3]۔ رواه الترمذی و	اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ ناراضی والد کی ناراضی میں (اس کو ترمذی اور حاکم نے

---

[1] العلل المتناہیه حدیث ۱۲۳۹ دار نشر الکتب الاسلامیه لاہور ۲/ ۱۵۱، مجمع الزوائد باب ماجاء فیمن یکذب بالقدر الخ دار الکتاب بیروت ۷/ ۲۰۶

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۴۹۲ مکتبه المعارف ریاض ۹/ ۲۲۶، الترغیب والترہیب بحواله الطبرانی والحاکم الحدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۷

[3] المستدرك للحاکم کتاب البر والصلة دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۲، جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۲

الحاکم بسند صحیح عن عبداللہ بن عمرو والبزار عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عمرو اور بزار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل الذنوب یوخر اللہ تعالٰی منہا ماشاء الی یوم القیٰمۃ الاعقوق الوالدین فان اللہ یعجلہ لصاحبہ فی الحیات قبل الممات[1] رواہ الحاکم والاصبھانی والطبرانی فی الکبیر عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سب گناہوں کی سزا اللہ تعالٰی چاہے تو قیامت کیلئے اٹھار کھتا ہے مگر ماں باپ کو ستانا کہ اس کی سزا مرنے سے پہلے زندگی میں پہنچاتا ہے (اس کو حاکم، اصبہانی اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ماں کے لئے ماں باپ سے مخاصمت کتنی بے حیائی بیباکی کافر نعمتی ناپاکی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتعقن والدیك وان امراك ان یخرج من اھلك و مالک[2]۔ رواہ الامام احمد بسند صحیح علی اصولنا والطبرانی فی الکبیر۔	خبردار ماں باپ کی نافرمانی نہ کہ اگرچہ وہ تجھے حکم دیں کہ اپنے جورو بچوں مال و متاع سب سے نکل جا (اس کو امام احمد نے ہمارے اصول پر صحیح سند کے ساتھ اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔ ت)

دوسری روایت میں ہے:

اطع والدیك وان اخرجاك من مالك ومن کل شیئ ھولک[3]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند صالح کلاھما عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اپنے ماں باپ کا حکم مان اگرچہ وہ تجھے تیرے مال اور تیری سب چیزوں سے تجھے باہر کردیں (اسے طبرانی نے اوسط میں، اسے اور مذکورہ بالا حدیث (دونوں) کو معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

او ناشکر، خدا ناترس! مال لایا کہاں سے، تیرا گوشت پوست استخوان سب تیرے ماں باپ

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب البر والصلۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۵۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۳۸

[3] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۹۵۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۳۶۰

کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انت ومالك لابيك** (تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا)

یہ اس وقت ارشاد ہوا کہ ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! مال وعیال رکھتا ہوں اور میرے ماں باپ میرا سب مال لینا چاہتے ہیں یعنی پھر میں اور میرے بال بچے کیا کھائیں گے، فرمایا: "تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے تجھے اس سے انکار نہیں پہنچتا"

رواه ابن ماجة[1] **بسند صحيح عن جابر والطبراني في الكبير عن سمرة بن جندب وعبدالله بن مسعود رضي الله تعالٰی عنهم۔**	اس کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر اور طبرانی نے کبیر میں حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ (ت)

حدیث میں ہے ایک شخص حاضر خدمت ہو کر عرض رساں ہوئے:

ان ابيه يريد ان ياخذ ماله۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ میرا مال لے لینا چاہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **ادعه لي** انہیں ہمارے حضور میں حاضر لاؤ۔ جب حاضر ہوئے ان سے ارشاد ہوا تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے تم اس کا مال لینا چاہتے ہو، عرض کی حضور اس سے پوچھ دیکھیں کہ میں وہ مال لے کر کیا کرتا ہوں، یہی اس کی مہمانی اور اس کی قرابتی میں، یا میرا اور میرے بال بچوں کا خرچ، اتنے میں جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اس مرد پیر نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کئے ہیں جو ابھی خود اس کے کان نے نہیں سنے یعنی ہنوز زبان تک نہ لایا، حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کئے ہیں جو ابھی تمہارے کان نے بھی نہ سنے وہ سناؤ۔ ان صاحب نے عرض کی: اللہ ہمیشہ حضور کے معجزات سے ہمارے دل کی نگاہ ہمارا یقین بڑھاتا ہے، پھر یہ اشعار عرض کرنے لگے:

غذوتك مولودا و منتك يافعا　　تعل بما اجني عليك وتنهل

اذا ليلة ضاقتك بالسقم لم ابت　　لسقمك الاساهر اَتَمَلْمَلُ

تخاف الردى نفسي عليك وانها لتعلم ان الموت حتم موكل

[1] سنن ابن ماجه ابواب التجارات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۷، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۹۶۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۷/ ۲۳۰

کانی انا المطروق دونك بالذی	طرقت بہ دونی فعینی تھمل
فلما بلغت السن والغایۃ التی	الیك مدی ما کنت فیك اومل
جعلت جزائی غلظۃ وفظاظۃ	کانك انت المنعم المتفضل
فلیتك اذلم ترع حق ابوتی	فعلت کما الجار المجاور یفعل
واولیتنی حق الجوار ولم تکن	علی بمالی دون مالك تبخل

میں نے تجھے غذا پہنچائی جب سے تو پیدا ہوا اور تیرا بار اٹھایا جب سے تو ننھا ہوا میری کمائی سے تو بار بار مکرر سیراب کیا جاتا، جب کوئی رات بیماری کا غم لے کر تجھ پر اترتی میں تیری ناسازی کے باعث جاگ کر لوٹ کر صبح کرتا میرا جی تیرے مرنے سے ڈرتا حالانکہ اسے خوب معلوم تھا کہ موت یقینی ہے اور سب پر مسلط کی گئی ہے میری آنکھیں یوں بہتیں کہ گویا وہ مرض جو شب کو تجھے ہوا تھا نہ مجھے، مجھے ہوا تھا نہ تجھے، میں نے تجھے یوں پالا اور جب تو پروان چڑھا اور اس حد کو پہنچا جس میں مجھے امید لگی ہوئی تھی کہ اس عمر کا ہو کر تو میرے کام آئے گا تو تو نے میرا بدلہ سختی و درشت خوئی کیا گویا تیرا ہی مجھ پر فضل واحسان ہے، اے کاش جب تو نے حق پدری کا لحاظ نہ کیا تھا تو ایسا ہی کرتا جیسا پاس کا ہمسایہ کرتا ہے ہمسایہ میں کا حق تو مجھے دیا ہوتا اور مجھ پر اس مال سے کہ اصل میں تیرا نہیں میرا ہی تھا بخل نہ کرتا۔ان اشعار کو استماع فرما کر حضور پر نور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گریہ کیا اور بیٹے کا گریبان پکڑ کر ارشاد فرمایا:

اذھب انت ومالك لابیک[1]۔رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر والبیھقی فی دلائل النبوۃ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جاتو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے (اس کو طبرانی نے معجم صغیر اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

حکم سعادت تو یہ ہے مگر باینہمہ قضاءً باپ بیٹے کی ملک جدا ہے۔باپ اگر محتاج ہو تو بقدر حاجت بیٹے کے فاضل مال سے بے اس کی رضاواجازت کے لے سکتا ہے زیادہ نہیں اور یہ لینا بھی

[1] المعجم الصغیر للطبرانی باب من اسمہ محمد ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۶۳، دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی اخبارہ من قال فی نفسہ شعرًا الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶ /۵۔۳۰۴

کھانے پینے، پہننے، رہنے کے لئے، اور حاجت ہو تو خادم کے واسطے بھی، بیٹے کے روپے پیسے سونے چاندی ناج کپڑے یا قابل سکونت پدر مکان سے ہو، ہاں یہ اشیاء نہ ملیں تو انہیں اغراض ضروریہ کے لئے اس کے اور اموال سے جو خلاف جنس حاجت ہوں بحکم حاکم یا حاکم نہ ہو تو علی المفتی بہ بطور خود بھی لے سکتا ہے مثلاً کھانے کی ضرورت ہے اناج یا روپیہ نہ پایا تو کپڑے، برتن لے سکتا ہے یا کپڑوں کی ضرورت ہے اور دام یا کپڑے نہ ملے تو ناج وغیرہ بیچ کر بنا سکتا ہے نہ یہ کہ اس کی جائداد ہی سرے سے اپنی ٹھہرالے۔ درمختار میں ہے:

فی المبتغی للفقیر ان یسرق من ابنه الموسر مایکفیه ان ابی ولاقاضی ثمة والا اثم [1]۔	مبتغی للفقیر میں ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے انکار پر اس کا اتنا مال چوری کرلے جتنا اس کو نفقہ کے لئے ضرورت ہے جبکہ وہاں قاضی نہ ہو ورنہ گنہگار ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

سیاتی قریبا لو انفق الابوان ماعندهما للغائب من ما له علی انفسهما وهو من جنس النفقة لایضمنان لوجوب نفقة الابوین والزوجة قبل القضاء حتی لو ظفر بجنس حقه فله اخذه ولذافرضت فی مال الغائب بخلاف بقیة الاقارب ونحوه فی المنح و الزیلعی وفی زکاة الجوهرة الدائن اذاظفر بجنس حقه له اخذه بلا قضاء ولارضاء وفی الفتح عند قوله و یحلفها بالله ماعطاها النفقة وفی کل موضع جازا القضاء بالدفع کان لها ان تأخذ بغیر قضاء	عنقریب آئے گا کہ اگر غائب بیٹے کا مال پاس ہو تو والدین ضرورت نفقہ کے لئے اسے صرف کرلیں درانحالیکہ وہ مال جنس نفقہ ہو تو والدین ضامن نہ ہوں گے کیونکہ والدین اور بیوی کا نفقہ قضاء کے بغیر بھی واجب ہے لہٰذا وہ اپنے حق والی جنس پر قابو پالیں تو قبضہ کرسکتے ہیں، اسی وجہ سے غائب کے مال میں ان کا نفقہ بقدر ضرورت نافذ ہوتا ہے بخلاف باقی اقارب کے۔ اسی طرح کا بیان منح، زیلعی اور جوہرہ کے باب زکوۃ میں ہے، قرض خواہ اپنے حق والی جنس پر قابو پانے پر لے سکتا ہے خواہ رضا اور قضا نہ ہو۔ اور فتح میں اس کے قول کہ "بیوی سے قاضی قسم لے گا کہ خاوند نے مجھے نفقہ نہیں دیا" کے تحت ہے جہاں قاضی کو بیوی کے لئے نفقہ نافذ

[1] درمختار کتاب الطلاق باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۴

من ماله شرعا اھ فیقول المبتغی ولا قاضی ثمة محمول علی ما اذاکان یاخذہ من خلاف جنس النفقة، فلاحاجة فیھا الی القاضی وتمامه فی حاشیة الرحمتی وقد اطال واطاب[1]۔	کرنے کا اختیار ہے وہاں بیوی کو یہ جائز ہے کہ شرعًا وہ بغیر قضاء خاوند کے مال سے حاصل کرلے اھ، تو مبتغی کا یہ قول کہ "وہاں قاضی نہ ہو" یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ غیر جنس نفقہ سے لے، تو جنس نفقہ کی صورت میں قاضی کی ضرورت نہیں، یہ تمام بیان رحمتی کے حاشیہ میں ہے انہوں نے اچھی طوالت سے بیان کیا ہے۔(ت)

یہاں کہ شوہر ہندہ نے کل متروکہ اپنے پسر کے نام جانب ہندہ سے ہبہ بتایا اور اسی پر کارروائی کی وہ شرعًا اپنے اقرار پر مواخذ ہے اور اس کا دعوی کہ اس وقت اپنی چہارم بچانے کے لئے ایسا مصلحۃً محض غلط کہہ دیا تھا ہرگز یوں مسموع نہیں جب وہ خود اتنی مدت تک چہارم کے لئے جھوٹ ظاہر کرتے رہنے کا مقر ہے تو کیا اعتبار ہے کہ اس کے وہی بیانات ممتدہ سچے ہوں اور اب بیٹے کی حرکات کے باعث ناراض ہوکر اس کے اضرار کے لئے یہ اظہار کرتا ہو، غرض کوئی مقر صرف اپنے اقرار سے پھر کر نفع نہیں پاسکتا، مرض الموت کا ہبہ جبکہ وارث کے نام ہوا گرچہ تمام وکمال اجازت دے کر ورثہ پر موقوف رہتا ہے اور بعض نہ مانیں تو ان کے حق میں باطل ہوجاتا ہے مگر ماننے والے کے حق پر ضرور نافذ رہتا ہے اور یہ شیوع کہ بعد کو عارض ہوا تمامی ہبہ کو مضر نہیں ہوتا، تنویر میں ہے:

المانع شیوع مقارن لاطارئ[2]۔	غیر منقسم حصہ ہونا ابتداءً مانع ہے بعد والا طاری ہو تو مانع نہیں ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

لایمنع الشیوع صحة الاجازة[3]۔	غیر منقسم ہونا صحتِ اجازت کے لئے مانع نہیں ہے۔(ت)

تو وہ اجازت شوہر ہندہ اس کے اپنے حق چہارم پر ضرور اثر انداز ہوئی اور اسے محض دعوی چہارم پانے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ رہا نانی کا ششم کہ اس کے عدم تسلیم کے باعث محفوظ رہا تھا جبکہ اسے اپنے پسر کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۷-۶۷۸

[2] درمختار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] فتاوٰی ہندیة

نام خریدا وہ بھی اس کا ہوگیا اگر اصل خریداری اسی کی طرف سے اسی کے نام سے ہوئی جب توظاہر ہے کہ ابتداءً لڑکا ہی اس کا مالک ہوا اور اگر خود خریدا اور بیعنامے میں لڑکے کا نام لکھا دیا تو اب یہ نہ ٹھہرائیں گے کہ خریداری سے اصل مالک یہ خود ہوا،

لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ[1] کما فی الدر وغیرہ۔	کیونکہ خریداری کا جب نفاذ مشتری (خریدار) پر ہو تو بیع نافذ ہوجائے گی، جیسا کہ درو غیرہ میں ہے۔(ت)

اور پھر لڑکے کے نام بیعنامہ لکھانا اس کی طرف سے پسر کو ہبہ ہوا لانہ دلالۃ التملیك وقد بیناہ فی فتاوٰنا (کیونکہ یہ مالک بنانے پر دلالت ہے،اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) تاکہ وہم گزرے کہ جب ماورائے ششم کا بوجہ ہبہ ہندہ حسب اقرار شوہر ہوچکا اور یہ ششم بذریعہ شراء اس شخص کی ملک ہوا اور ہنوز منقسم ہے تو بیٹے کے نام لکھا دینا شیئ مشاع کا اپنے شریک کو ہبہ کرنا ہوا اور وہ علی المذہب المعتمد جائز نہیں۔در مختار میں ہے:

تم بالقبض فی مقسوم ومشاع لایقسم الافی ما یقسم ولو لشریکه کما فی عامة الکتب فکان ھو المذھب[2] الخ مختصرا۔	تقسیم شدہ اور ناقابل تقسیم کے قبضہ سے ہبہ تام ہوجاتا ہے مگر اس غیر منقسم کا ہبہ جو قابل تقسیم ہو قبضہ سے تام نہ ہوگا اگرچہ یہ ہبہ شریک کو ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ عام کتب میں ہے تو وہی مذہب ہے الخ مختصرًا (ت)

بلکہ جب وہ مال اس کے قبضہ میں پہنچا اور یہ اقرار کرچکا تھا کہ وہ تمام وکمال بذریعہ ہبہ ملک پسر ہے تو اپنے اسی اقرار پر مواخذ ہو کر یہ ششم بھی سپرد پسر کرنا ہوگا اور وہ بیعنامہ میں اس کا نام لکھانا اس کی تکمیل ٹھہرے گا، بالجملہ اقرار کے باعث اب یہ دعوی ایسا نہ رہا جیسا کہ ایک وارث ثابت الوراثت کا دعوی صاف وآسان ہوتا۔اب حکم یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں اگر مہر ہندہ واقعی معاف ہوگیا اور اس کے بھائی اسے ناحق دباتے تھے اور اس کے کوئی ذریعہ تحفظ سوائے اس اقرار کے نہ تھا جسے اب وہ غلط و بربنائے مصلحت بتاتا ہے تو اولًا اس سے گواہ مانگے جائیں گے اگر گواہان شرعی سے ثبوت دے دے کہ یہ اقرار محض کاذب و فرضی تھا فبہا ورنہ بیٹے سے حلف لیا جائے کہ واللہ میرے باپ کا اقرار مذکور

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

[2] درمختار کتاب الھبه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

سچا تھا اور فرضی نہ تھا اگر وہ حلف سے انکار کرے تو اس کے باپ کا دعوی ثابت مانا جائے گا اور حلف کرلے تو رد ہو جائے گا۔ در مختار میں ہے:

اقر رجل بمال فی صك واشهد علیه به ثم ادعی ان بعض هذا المال المقر به قرض وبعضه ربا علیه فان اقام علی ذٰلك بینة تقبل وان کان متناقضا لانا نعلم انه مضطر الی هذا الاقرار شرح وهبانیه[1]۔	ایک شخص نے رسید میں درج مال کا دوسرے کیلئے اقرار کیا اور مدعی نے اس پر شہادت پیش کی پھر مقر نے کہا کہ اس مال میں سے کچھ قرض ہے اور کچھ سود ہے اس پر مقر نے گواہ پیش کردئے تو یہ گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ یہ بات پہلے اقرار کے مناقض ہے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ وہ اس اقرار پر مجبور تھا، شرح وہبانیہ۔(ت)

اسی میں ہے:

اقر ثم ادعی المقر انه کاذب فی الاقرار یحلف المقرله ان المقر لم یکن کاذبا فی اقراره عند الثانی وبه یفتی درر[2]۔	اقرار کرکے پھر کہتا ہے میں نے جھوٹا اقرار کیا ہے تو مقرلہ (جس کے حق میں اقرار کیا) سے قسم لی جائیگی کہ اقرار کرنیوالے نے سچا اقرار کیا ہے نہ کہ جھوٹا، یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے، اور اسی پر فتوی دیا جائے گا، درر۔(ت)

یہ فیصلہ قضا ہے اور فیصلہ سعادت وہ تھا انت ومالك لابیك[3] تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اپنے دونوں جہان کی بھلائی چاہتا ہے تو اسی فیصلہ پر سر رکھ دے کہ یہ فیصلہ اس کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے، اور مسلمان وہی ہے جو ان کا فیصلہ دل سے مان لے، اللہ عزوجل فرماتا ہے "تیرے رب کی قسم مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تجھے حکم نہ بنائیں پھر تیرے فیصلہ سے اپنے دلوں میں اصلاً تنگی نہ پائیں گے اور قبول کرلیں مان کر"[4]۔ اللہ عزوجل توفیق عطا فرمائے، آمین! واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۳

[3] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ عمرو بن شعیب دار الفکر بیروت ۲/ ۲۰۴

[4] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

مسئلہ ۸۳: از ریاست رام پور محلّہ متصل دروازہ انگوری باغ مرسلہ علی رضا خان ۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کی خدمت میں بعد ادائے آداب بزرگاں گزارش ہے کہ ہندہ شب کو اپنے باپ کے مکان سے نکل کر زید کے مکان پر آئی اور زید سے برضائے خود نکاح کرلیا، ہندہ کے باپ نے استغاثہ فراری دختر کا کیا، اور ہندہ بحکم سرکار اپنے باپ کے سپرد کردی گئی اور زید نے نالش مفتی کے یہاں کی، مفتی صاحب نے دعوی فسخ کردیا، عرضی دعوی اور جواب دعوی اور جواب وتنقیح عدالت وثبوت مدعی وصفائی مدعا علیہا واظہارات گواہان وفیصلہ عدالت سب کی نقلیں حاضر ملاحظہ ہیں اس ثبوت پر دعوی مفتی نے خارج کردیا ہے، اب علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ بعد ملاحظہ کاغذات حکم شرعی سے معزز فرمائیں۔ عرضی علی رضا خاں برادر حسن رضا خاں ساکن رام پور۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب اللہ عزوجل تبارک وتعالٰی احکم الحاکمین عزجلالہ نے خادمان علم سے عہد لیا ہے کہ جب تم سے کسی مسئلہ شرعیہ کا استفسار ہو بے رورعایت حق کا اظہار ہو ورنہ **معاذ اللہ** مستحق لجام نار ہو، فیصلہ مع جملہ کاغذات مرسلہ نظر سے گزرا بنگاہ اولین واضح ہوا کہ معزز ذی علم مجوز کی نظر کو یہاں بوجوہ کثیر سخت لغزشوں کا سامنا ہوا محض نامکمل مقدمہ پر فیصلہ دے دیا گیا جو کسی طرح جائز نہ تھا، ذی علم مجوز نے بناء فیصلہ چند امور پر رکھی ہے:

(۱) ابطال مبنائے ثبوت دعوی

(۲) قرائن سے ظہور غلطی دعوی

مگر افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی وجہ قوانین شرع مطہر کی معیار مبارک پر صحیح نہ اتری تفصیل موجب تطویل لہذا مختصر وجوہ غلطی فیصلہ پر اقتصار کریں **وباللہ التوفیق۔**

بنائے دعوی

(۱) ذی علم مجوز نے اس دعوی کا اصلی مبنٰی اس امر کا ثابت ہونا قرار دیا ہے کہ عصمت جہاں بیگم نے حسن رضا خاں کے ساتھ اپنے نکاح کا وکیل بوستاں خاں کو کیا ہے کیونکہ بذریعہ ولی جائز کے نکاح ہونے کا دعوی نہیں ہے بلکہ بوستاں خاں شخص اجنب کے اور مدعا علیہا بوستاں خاں کی توکیل سے منکر ہے یہاں تک کہ فرمایا صحت نکاح موقوف توکیل ہے جب توکیل غیر ثابت ہے تو اگر نکاح ہو بھی گیا تو بوجہ عدم صحت توکیل کے نکاح ثابت نہیں، یہاں تمام کتب مذہب کی روشن تصریحوں سے سخت ذہول

واقع ہوا، صحت نکاح ہر گز تقدم توکیل پر موقوف نہیں، نہ ثبوت نکاح ثبوت توکیل سابق علی النکاح پر۔ اگر کوئی فضولی راہ چلتا محض بلا اجازت و بلا اطلاع ہندہ کا نکاح زید سے خواہ زید کی طرف سے فضولی ہو کر اس کا نکاح ہندہ سے کردے اور طرف ثانی یعنی پہلی صورت میں زید اور دوسری صورت میں ہندہ خود یا اس کا وکیل یا ولی یا اس کی طرف سے بھی کوئی راہ چلتا اسی مجلس میں دو گواہوں کے سامنے کے سنتے سمجھتے ہوں قبول کرلے نکاح ضرور صحیح و منعقد ہوجائے گا جبکہ کوئی اس قابل ہو کہ اسے خبر پہنچے اور وہ اس فعل فضول کو روا رکھے تو جائز ہوسکے گا ہاں اس کا نفاذ خود منکوحہ یا ناکح یا دونوں یا ان کے اولیا کی اجازت پر موقوف رہے گا یعنی منکوحہ یا ناکح صرف ایک کی طرف سے کوئی فضولی تھا تو اس کی اپنی اجازت چاہئے اگر بالغ ہو ورنہ ولی کی اور دونوں کی طرف سے فضولیوں نے ایجاب و قبول کیا تو دونوں کی اپنی اجازت پر توقف ہوگا اگر بالغ ہوں یا اولیا کی اگر نابالغ ہوں یا ایک کی اپنی اور دوسرے کے ولی کی اگر ایک بالغ دوسرا نابالغ ہو بہر حال صحت نکاح میں شبہہ نہیں، ایسا نکاح اگر حاکم کے سامنے ثابت ہو تو ہر گز اس بناء پر رد نہ کرے گا کہ توکیل تو ہوئی ہی نہ تھی لہٰذا نکاح ثابت نہیں بلکہ اس وقت تنقیح اس کی لازم ہوگی کہ آیا اجازت پائی گئی یا نہیں، اگر بعد نکاح اجازت قولاً خواہ فعلاً کسی طرح ثابت ہو ضرور ثبوت نکاح کا حکم کرے گا ورنہ نہیں۔ در مختار فصل فضولی میں ہے:

کل تصرف صدر منه کبیع وتزویج وطلاق واعتاق وله مجیز حال وقوعه العقد موقوفا[1]۔	فضولی شخص کا ایسا تصرف کہ اس کے تصرف کے وقت کوئی جائز کرنے والا موجود ہو مثلاً بیع، نکاح کرنا، طلاق و اعتقاق، تو یہ تصرفات موقوف طور پر منعقد ہوں گے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الموقوف من قسم الصحیح وھو احد طریقین للمشائخ وھو الحق[2]۔	موقوف تصرف صحیح اقسام میں سے ہے، یہ مشائخ کے دو طریقوں میں سے ایک ہے اور یہی حق ہے (ت)

فتاوٰی خیریہ و بحر الرائق و ردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[1]۔	بعد کی اجازت سابق وکالت کی طرح ہے۔(ت)

تو وکالت بوستاں خاں کو صحت نکاح کا موقوف علیہ اور ثبوت توکیل بوستاں خاں کو ثبوت دعوی کا اصل مبنی ماننا دونوں باتیں ناقابل قبول ہیں۔

(۲) جلال خاں وامجدی بیگم وسروری بیگم گواہان توکیل ہیں، ذی علم مجوز نے صحت دعوی کا دوسرا مبنی گواہوں کا مقرہ کو پہچاننا قرار دیا اور اس پر اعتراض کیا کہ جلال خاں کو عدم شناخت مقرہ کی تسلیم ہے اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ عصمت جہاں بیگم پردہ نشین ہے جس وقت گواہی دریافت کرنے کے لئے میں گیا تھا اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہیں دیکھا تھا میں نے عصمت جہاں بیگم کو ایسے پہچانا کہ اس نے اپنا نام مجھے بتایا اور عورات نے بھی مجھ کو بتایا یہ شناخت کافی نہیں اول تو وہ عورات غیر معین ان کا نام گواہ نے نہ لیا کہ ان کی حیثیت کا اندازہ ہوتا نہ صراحت کی کہ کس طرح اس کو بتایا ان سے قطع نظر تعریف اناث بلا شمول مردے نیک اصلاً قابل قبول نہیں پس بوجہ عدم شناخت مقرہ شہادت جلال خاں کی کالعدم ہے، سروری بیگم وامجدی بیگم کی شہادتوں میں نقصان نہ بھی ہوں تو بلا شمول شہادت مرد حجت نہیں پس شناخت و توکیل دونوں مفقود ہیں، ذی علم معزز مجوز نے لحاظ نہ فرمایا کہ جلال خاں کو فی الحال عصمت جہاں بیگم کی شناخت نہ ہونی تسلیم ہے یا یہ کہ اس وقت سے پہلے نہ پہچانتا تھا گواہ کو وقت شہادت مشہود علیہ کا پہچاننا چاہئے یا پہلے سے جان پہچان ہونا ضروری ہے، جلال خاں نے یہ کہا کہ اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہ دیکھا تھا یا یہ کہ اس وقت بھی میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہ دیکھا تھا اور جب صراحۃً وہ اس وقت عصمت جہاں بیگم کو دیکھنا بیان کررہا ہے تو کسی مرد یا عورت کی تعریف کی کیا ضرورت تھی اگر کوئی عورت بھی اس سے نہ کہتی کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے جب وقت اقرار اس نے خود اپنی آنکھ سے اسے دیکھا اور اس کا منہ دیکھ کر پہچانی ہوئی عورت کے اقرار پر گواہ ہوا تو اس قدر صحت شہادت کے لئے یقیناً کافی ووافی تھا لاکھوں مردوں پر ایسی ہی شہادتیں تحمل کی جاتی ہیں کہ شاہدین نے اس وقت سے پہلے انہیں کبھی نہ دیکھا تھا کیا یہ شہادتیں مردود ہیں یا شاہدوں کو لازم ہے کہ کہیں سے اپنی جان پہچان سے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پکڑ کرلائیں اور پہلے انہیں دکھا کر مشہود علیہ کی تعریف کرالیں اس کے بعد تحمل شہادت کریں کوئی عاقل اس کا قائل نہیں خود وہ عبارات کہ ذی علم مجوز نے فیصلہ کے ساتھ اپنی تجویز کی سند میں پیش کیں تجویز کی رد پر گواہ عادل ہیں کیا ذی علم مجوز نے درمختار کی یہ عبارت نقل نہ کی:

اویری شخصہا ای القائلۃ مع شہادۃ	یا یہ کہنے والی عورت کہ میں فلانی بنت فلاں بن فلاں ہوں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

اثنتین بانها فلانة بنت فلان بن فلان [1]۔	اس پر اس کے ساتھ دو گواہ بھی ہوں، کے تشخص کو دیکھا جارہا ہو۔ (ت)

کیا اسکی شرح میں ردالمحتار کی یہ عبارت نقل نہ کی:

احترز برؤیة شخصها عن رؤیة وجهها قال فی جامع الفصولین حسرت عن وجهها وقالت انا فلانة بنت فلاں بن فلاں وهبت لزوجی مهری فلایحتاج الشهود الی شهادة عدلین انها فلانة بنت فلاں ما دامت حیة اذیمکن للشاهد ان یشیر الیها [2]۔	شخصیت کو دیکھنے کے قول نے چہرے کو دیکھنے سے بچادیا، جامع الفصولین میں فرمایا: عورت نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور کہا کہ میں فلانہ بنت فلاں بن فلاں نے اپنا مہر اپنے خاوند کو دیا تو گواہوں کو یہ کہنے والے دو عادل گواہوں کی ضرورت نہیں کہ وہ فلانہ بنت فلاں بن فلاں ہے کیونکہ اس کی زندگی میں گواہ کو اشارہ سے بتانا ممکن ہے (ت)

کیاشامی کی یہ عبارت نقل نہ کی:

کذا اذا وکلت بالتزویج فهو علی هذا اه ای ان رأوها او کانت وحدها فی البیت یجوز ان یشهدوا علیها بالتوکیل [3]۔	یوں ہی جب عورت نے اپنے نکاح کے لئے وکیل بنایا اور عورت کو گواہ دیکھ سکتے ہوں یا وہ مکان میں اکیلی ہو تو گواہوں کو اس کی وکالت پر شہادت جائز ہے۔ (ت)

کیاان عبارتوں میں صاف تصریح نہ تھی کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورات کی تعریف اس وقت ضرور ہے جب مقرہ شاہد کے سامنے نقاب یا برقع میں ہو کہ اس کے قد و قامت و بدن و جسامت کا اندازہ کپڑوں میں چھپا نظر آتا ہے چہرہ نہیں دکھائی دیتا او اگر منہ کھول کر کہے کہ میں فلانہ بنت فلاں بن فلاں ہوں، توجب تک عورت زندہ ہے گواہ کو اصلاً تعریف کی حاجت نہیں، غرض بربنائے عدم تعریف شہادت جلال خاں کا کالعدم قرار پانا اور اس کی بناء پر سروری بیگم وامجدی بیگم کی گواہیوں کا شہادت مرد سے خالی رہ جانا اور اس کی بناء پر توکیل بوستاں خاں کا ثابت نہ ہونا اور اسکی بناء پر دعوی نکاح کا بے ثبوت رہنا یہ سب بنائے فاسد علی الفاسد ہے، ہاں یہاں ضرور قصور رہا کہ شاہد جبکہ عصمت جہاں بیگم کو پہلے سے نہ پہچانتا تھا کہ وقت توکیل اسے دیکھ کر خود ہی پہچان لیتا اور وقت شہادت اپنے علم ذاتی سے گواہی دیتا کہ وہ عورت جس نے میرے سامنے توکیل کی عصمت جہاں بیگم

[1] درمختار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الشهادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۷۳

[3] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۲۷۲

ہی تھی بلکہ اس نے اسی وقت مقرہ کو دیکھا اور اسی کی زبانی یا اور عورات کے بیان سے بھی جانا تھا کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے تو احتمال تھا کہ واقع میں وہ کوئی اور عورت تھی جس نے بفریب اپنے آپ کو عصمت جہاں بیگم ظاہر کیا اس شبہ کے رفع کو حاکم پر لازم تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو وقت شہادت جلال خاں کے سامنے کرتا اور اس کا منہ کھلوا کر شاہد سے گواہی لیتا کہ یہ وہی عورت ہے جسے تو نے وقت توکیل دیکھا تھا اگر جلال خاں شناخت کرتا تو اس کی گواہی کامل تھی ورنہ باطل، مگر یہ قصور شاہد کا نہیں، شاہد کا کیا زور تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو جو اس وقت اپنی توکیل سے منکر اور بر سر خلاف ہے بالجبر حاضر لاتا اور اس کا منہ کھول کر دیکھ کر گواہی دیتا یہ کام تو حاکم کا تھا جو متروک رہا اور محض بے ترتیب و نامکمل مقدمہ پر فیصلہ دے دیا گیا مجوز کا فرمانا کہ شناخت کرانا مقرہ کا گواہ مذکور کو شرط تھا جو متروک ہے نہایت حق و بجا ہے واقعی شناخت کرنا گواہ کا کام تھا وہ اس نے متروک نہ کیا کہ نہ وہ اس کے اختیار میں تھا نہ اس سے چاہا گیا ہاں شناخت کرنا حاکم کا کام تھا وہ ضرور متروک رہا مگر ترتیب مقدمہ میں مجوز کا خود قصور رکھنا اور اپنے فعل کا الزام گواہ کو دے کر بلاوجہ شہادت و دعوی رد فرمادینا ایک سخت تعجب انگیز بات ہے۔

(۳) اختلافات: ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب میں اختلاف وہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر اثر انداز ہے زائد و فضول باتیں کہ یوں ہوں تو ضرر نہیں محض نظر انداز ہیں ان میں اختلافات ہزار ہوں اصلاً قابل لحاظ نہیں یہاں دعوی صرف اس قدر ہے کہ عصمت جہاں بیگم سے میرا نکاح ہوا ہے وہ مجھے دلادی جائے مہر وغیرہ کچھ زیر بحث نہیں تو شاہدوں یا شہود و دعوی میں مقدار مہر یا جنس مہر کا اختلاف اصل دعوی میں کچھ مخل نہیں، کیا اگر مہر میں دس اشرفیاں ٹھہری ہوں تو نکاح ہوگا بیس ٹھہری ہوں تو نہ ہوگا اور جب مہر در بارہ نکاح ایک امر زائد ہے تو محض بالائی لغو باتیں کہ بوستاں خاں کے جاتے وقت جلال خاں دروازہ میں کھڑا تھا یا اس کے پیچھے پیچھے گیا تھا، عصمت جہاں بیگم نے تین بار اجازت دی یا ایک بار کہا تھا، جلال خاں نے عصمت جہاں بیگم سے سوال کیا یا اس نے خود بے سوال کہا تھا، عصمت جہاں بیگم نے شمسن بیگم کے کہنے پر بوستان خاں سے خطاب کیا یا وہ کہنے نہ پائی تھی کہ اس نے کہہ دیا، نکاح میں بتاشے بٹے تھے یا چھوہارے یا مٹھائی۔ محمد حسین خاں اپنے بیٹے کے ساتھ آیا یا بعد وغیرہ وغیرہ لغویات کا کیا ذکر، میں بعونہ تعالٰی ان تمام امور پر تفصیلاً بحث کیا چاہتا ہوں یہاں اس عام وجامع مہم و نافع قاعدہ کو خوب سمجھ لیا جائے کہ فیصلوں میں بار بار ایسی بیکار بحثیں پیش آتی ہیں اور ان کے سبب مسلمانوں کے حقوق پر برا اثر پڑتا ہے، بہت ادب سے تاکیدی گزارش کی جاتی ہے کہ اسلامی عدالتیں توجہ تام سے ان احکام شرعیہ کو سنیں اور ان پر کار بند رہیں کہ حقوق مسلمین ضائع نہ ہوں صفر ۱۳۱۶ھ

میں اسی ریاست سے مقدمہ بگابیگم بنام عباس علی خاں کا فیصلہ بغرض استصواب یہاں آیا تھا اس میں بھی ایسے ہی زائد و لغو اختلافات کی بناپر ذی علم مجوز نے دعوی مدعیہ رد فرمایا تھا جس کا جواب مظہر صواب بہ تفصیل تام یہاں سے بھیج دیا گیا انہیں جواہر زواہر چند کلمات کا التقاط پھر کیا جاتا ہے زائد و فضول و بیکار باتوں میں تفاوت اصلًا لائق التفات نہیں۔ وجیز امام کردری میں ہے:

التناقض فیما لایحتاج الیه لایضر، اصله فی الجامع الصغیر اھ[1]۔	غیر ضروری چیز میں تناقض ہو تو اصل واقعہ کے ثبوت میں مضر نہیں ہے اس کی اصل جامع صغیر میں ہے اھ(ت)

جامع الفصولین کی فصل ۱۱ میں ہے:

القاضی لوسأل الشهود قبل الدعوی عن لون الدابة فقالوا کذا ثم عندالدعوٰی شهدا بخلاف ذٰلك اللون تقبل لانه سأل عما لایکلف الشاهد بیانه فاستوٰی ذکره وترکه ویخرج منه مسائل کثیرة[2]۔	قاضی نے اگر دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا تو انہوں نے کوئی رنگ بتایا اور دعوی کے ساتھ گواہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو ان کی گواہی مقبول ہوگی کیونکہ اس نے ایسی چیزوں کا سوال کیا جن کے بیان کا شاہد پابند نہیں تھا تو ان چیزوں کا ذکر اور عدم ذکر برابر ہے اور اس قاعدہ سے بہت سے مسائل کی تخریج ہے۔(ت)

خلاصہ اور ہندیہ میں ہے:

لو سأل القاضی الشهود عن لون الدابة و ذکروا ثم شهدوا عند الدعوی وذکروا الصفة علی خلافه تقبل والتناقض فیما لایحتاج الیه لایضر[3]، کذا فی الخلاصة۔	اگر قاضی نے دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا انہوں نے کوئی بتایا اور دعوی کے ساتھ انہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو دعوی مقبول ہوگا اور یہ تناقض غیر ضروری چیزوں میں ہے لہٰذا مضر نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ (ت)

خانیہ و بحر الرائق و ظہیریہ و عالمگیریہ میں ہے:

لو اختلفا فی الثیاب التی کانت علی الطالب	اگر گواہوں نے ان کپڑوں میں جو طالب، مطلوب

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندیہ کتاب الشهادات نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۵۱

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۶۰

اوالمطلوب او المرکب اوقال احدھما کان معنا فلان وقال الاخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذہ الشھادۃ[1]۔	یاسواری پر تھے کہ متعلق مختلف بیان دیا، یا ایک نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا نہیں تھا تو امام محمد نے اصل (مبسوط) میں فرمایا کہ یہ شہادت جائز ہوگی باطل نہ ہوگی (ت)

فتاوٰی قاعدیہ وفتاوٰی انقرویہ میں ہے:

قال الشھادۃ لو خالفت الدعوٰی بزیادۃ لایحتاج الی اثباتھا او بنقصان کذالك فان ذالك لایمنع قبولھا مثالہ لو شھدا علی اقرارہ بمال فقال اقر فی یوم کذا والمدعی لم یذکر الیوم او شھدا ولم یؤرخا والمدعی ارخ اوشھدا انہ اقر فی بلد کذاوقد اطلق المدعی او ذکر المدعی المکان ولم یذکراہ او ذکر المدعی مکانا وھما سمیا غیر ذٰلك المکان او قال المدعی اقر وھو راکب فرس او لابس عمامۃ وقال اقروھو راجل او راکب حمارا و لا بس قلنسوۃ واشباہ ذٰلك فانہ لا یمنع القبول لان ہذہ الاشیاء لایحتاج الی اثباتھا فذکرہا والسکوت عنھا سواء کذا لو وقع مثلا ھذا التفوت فی الشھادتین لایضر[2]۔	انہوں نے فرمایا اگر دعوی سے زائد کسی ایسے امر میں جو دعوی کے اثبات میں ضروری نہیں یا یوں ہی کسی کی جس سے دعوی میں کوئی اثر نہیں پڑتا، میں گواہوں نے اختلاف کیا تو اس سے دعوی کو قبول کرنے میں کوئی ممانعت نہیں، مثلاً گواہوں نے بیان دیا کہ فلاں نے میرے پاس مال کا اقرار کیا گواہوں نے کہا فلاں روز اس نے اقرار کیا حالانکہ مدعی نے دعوی میں کسی دن کو ذکر نہ کیا، یوں ہی گواہوں نے اقرار کی تاریخ بیان نہ کی جبکہ دعوی میں تاریخ کا ذکر ہے، یایوں کہ گواہوں نے کہافلاں شہر میں اقرار کیا جبکہ مدعی نے کسی شہر کو ذکر نہ کیا ہو یا مدعی نے جگہ ذکر کی اور گواہوں نے جگہ کو ذکر نہ کیا، یامدعی نے دعوی میں ایک جگہ ذکر کی گواہوں نے دوسری جگہ کو ذکر کیا، یامدعی نے کہااس نے گھوڑے پر سواری یا عمامہ پہنے ہوئے اقرار کیا جبکہ گواہوں نے پیدل یا گدھے پر سواری یا ٹوپی پہنے اقرار کا ذکر کیا، توایسے اختلاف سے دعوی کے مقبول ہونے میں ممانعت نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ

[1] بحرالرائق کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۱۱۳

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الشھادات الثامن فی الاختلاف الخ دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۵۔۳۹۴

اشیاء دعوی کے اثبات کے لئے ضروری نہیں ہیں اسلئے ان کا ذکر اور عدم ذکر برابر ہے یونہی ان چیزوں میں اگر گواہوں نے بھی اپنے بیانوں میں اختلاف کیا تو دعوی کے لئے مضر نہیں ہے (ت)

اصل شہادت میں اتفاق شافی ووافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے ناموثر ہلکے آسان اختلافوں کو دستاویز بنا کر شہادات متفقہ کو رد کردینے کا اگر فتح باب ہو تو عامہ حقوق ضائع ہوجائیں ظالمین اموال وفروج پر دسترس پائیں مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں، کچہریاں صرف اعانت ظلم کے صیغے نظر آئیں، کہ انسان نسیان کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداءً التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً ان کا اہتمام، ایسی کسی بات میں اختلاف ہوجانا درست نہیں بلکہ غالب ہے خصوصًا اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آج کل کے وکلا نے اتلاف حقوق وتکذیب صدوق کے لئے تراشی اور قضات نے اس پر تقریر کی کہ محض براہ مغالطہ شہود کا بیان متزلزل کردینے کے لئے صدہا سوالات فضول ومہملات سو سو طرح کے پیچ دے کر کرتے اور شرع نے جن کے اکرام کا حکم دیا جنہیں ذریعہ دادرسی مظلوم بنایا ان کے اغواء وتضلیل وازلال وتذلیل میں کوئی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن میں آدمی کے آئے حواس جاتے ہیں خصوصًا نساء وضعفاء وارباب سلامت صدور اور وہ لوگ جنہیں کچہریوں کا اتفاق کم ہو یہ تو ان حضرت کے سخرہ ودستمال ہیں، جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے ہیں برائے تفاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے مسلمان ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راست باز جھوٹا ٹھہرتا ہے اور جھوٹا فسوں ساز سچا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المؤمن غر کریم والفاجر خب لئیم[1]، رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم بسند جید عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مومن کریم ہونے پر دھوکہ کھاتا ہے اور فاجر شخص شاطر ہونے کی بناء پر دھوکہ ساز ہوتا ہے۔ اس کو ابوداؤد ترمذی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلاً واقع نہ ہونا ہی تعجب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا اضاعت حقوق واعانت عقوق کے اور کیا قرار پاسکتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی پر ظاہر کہ اس میں حرج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع، جامع الفصولین میں ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی حسن المعاشرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۰۴

عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج و التضییق و تضییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لا بعسر و الحرج مدفوع شرعا[1]۔	ایسی صورتوں میں دعوی کا غیر مقبول ہونا، حرج اور تنگی اور کثیر حقوق کے ضیاع کا باعث ہو سکتا ہے حالانکہ ہمیں آسانی کا حکم ہے مشکل کا نہیں حالانکہ حرج شرعاً مدفوع ہے۔(ت)

روایت نادرہ ابی یوسف کو مذہب امام ابی یوسف کہنا کس قدر خلاف فقاہت ہے، نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل کی اجازت، جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحرالرائق واشباہ والنظائر وزواہر الجواہر و درمختار وفتاوی صغری وفصول عمادی وخزانۃ المفتین وجامع الفصولین وغایۃ البیان و فتاوٰی انقرویہ وردالمحتار وفتاوی خلاصہ وکافی ولسان الحکام و معین الحکام وعقود دریہ ووجیز کردری وفتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی قاعدیہ وغیرہ کتب معتمدہ مذہب کی عبارات کثیرہ اوپر گزریں کہ اس روایت نادرہ کے سراسر خلاف ہیں اور انہیں پر انحصار نہیں عامہ کتب مذہب میں اس کا خلاف موجود، نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے۔ برخلاف امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو جماہیر کے خلاف امام کے خلاف ظاہر الروایۃ کے خلاف دلیل کے خلاف بے تصحیح صریح وترجیح رجیح ائمہ افتاء ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیونکر روا۔ ائمہ و علماء کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے، قول مرجوح پر افتاو قضا جہل وخرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے سے قول ہی نہ رہا، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کر دینے کا حکم فرمایا، ردالمحتار میں ہے:

قد صرحوا بان العمل بما علیہ الاکثر[2]۔	فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اکثریت کے قول پر عمل ہوگا(ت)

بحرالرائق میں ہے:

یجب علینا الافتاء بقول الامام[3]۔	ہم پر امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی ضروری ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

المقرر ایضا عندنا انہ لایفتی و	ہمارے ہاں یہ بھی مسلم ہے کہ فتوٰی اور عمل صرف

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر فی الاختلاف بین الدعوٰی اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

[2] ردالمحتار فصل فی البئر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۵۱

[3] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹۔۷۰

لایعمل الا بقول الامام الاعظم اھ[1]۔	امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے قول پر ہوگا اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماخالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبا لاصحابنا[2]۔	جو ظاہر روایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے (ت)

بحر الرائق میں ہے:

ما خرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ و المرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[3]۔	جو قول ظاہر روایت سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہوتا ہے اور جو مرجوع عنہ ہو وہ امام صاحب کا قول نہیں رہتا۔ (ت)

تصحیح القدوری و در مختار میں ہے:

الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[4]۔	فتوی اور حکم مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

حواشی ثلثہ سادات ثلثہ ابراہیم حلبی واحمد مصری ومحمد شامی میں ہے:

اولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاہر الروایۃ اذالم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ[5]۔	ظاہر روایت جس کی تصحیح نہ ہوئی ہو کے خلاف فتوی دینا اور مرجوع عنہ پر فتوی دینا اس سے بھی زیادہ باطل ہے (ت)

تنویر و شرح علائی میں ہے:

لایخیر الا اذاکان مجتھدا، بل المقلد (لایخیر اذالم یکن مجتھدا کذافی بعض النسخ) متی خالف معتمد مذھبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھو المختار	خیار نہیں ہوگا مگر جبکہ وہ مجتہد ہو بلکہ قاضی مقلد بھی جب اپنے قابل اعتماد مذہب کے خلاف کرے تو جائز نہیں اس کا حکم نافذ نہ ہوگا اور کالعدم قرار پائے گا،

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دار الفکر بیروت ۲ /۳۳

[2] ردالمحتار کتاب احیاء الموات دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۷۸

[3] بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۲۷۰

[4] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۵

[5] ردالمحتار خطبۃ الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ /۵۱

للفتوٰی[1]۔	یہی فتوی کے لئے مختار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذاحکم بغیرہ لم یصح[2]۔	قاضی، امام صاحب کے اصح اقوال پر حکم کا پابند ہے اگر غیر اصح پر حکم دیا تو صحیح نہ ہوگا۔(ت)

(۴) تفصیلی اختلافات کی طرف چلئے، جلال خاں کے بیان سے اس کا وقت آنے بوستاں خاں کے کھڑا ہونا بیرونی دروازہ میں پہلے سے اور مسماتوں کے بیان سے جلال خاں وکالے خاں کا ان کے پیچھے پیچھے آنا ثابت ہے یہاں اظہاروں کی عبارات پر قدرے بے غوری واقع ہوئی، جلال خاں کا بیان یہ ہے جب بوستاں خاں اندر مکان کے چبوترے پر گئے ہیں تو میں دروازہ اندرونی میں مکان کے اندر کھڑا تھا مجھ میں اور بوستاں خاں میں تخمیناً فاصلہ ۴ گز کا تھا اور امجدی بیگم سروری بیگم کہتی ہیں پھر محمد رضا خاں اور بوستاں خاں گھر میں آئے اور پیچھے پیچھے کالے خاں وجلال خاں بھی آئے، عورتیں ان گواہوں کے گھر میں آتے وقت کا حال بیان کرتی ہیں کہ آگے آگے بوستاں خاں اور پیچھے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے اور جلال خاں گھر میں داخل ہونے کے بعد اس وقت کا حال کہتا ہے جب بوستاں اندر مکان کے چبوترے پر گیا تھا، ان میں کیا اختلاف ہوا بوستاں خاں اور اس کے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے جلال خاں دروازہ اندرونی پر رک رہا بوستاں خاں چبوترہ پر گیا دونوں بیان صادق ہیں، ذی علم مجوز کی نظر نے اس لفظ میں لغزش فرمائی ہے کہ جلال خاں کے بیان سے وقت آنے بوستاں خاں کے، حالانکہ اس کا یہ بیان مکان کے اندر چبوترہ پر بوستاں خاں کے جانے کے وقت کا ہے، کہاں بوستاں خاں کا مکان میں آنا اور کہاں اس کا اندرونی مکان چبوترہ پر جانا۔

(۵) جلال خاں نے بیان کیا میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تم کیا کہتی ہو تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار حسن رضا خاں کے ساتھ نکاح پڑھوانے کے لئے بوستاں خاں کو دیا، مسماتان مذکور دریافت کرنا جلال خاں کا عصمت جہاں بیگم سے، بیان نہیں کرتیں، سروری بیگم وامجدی بیگم نے اگر عصمت جہاں بیگم سے جلال خاں کا دریافت کرنا بیان نہ کیا تو یہ بھی تو نہ کہا کہ جلال خاں نے دریافت نہ کیا، بے اس کے پوچھے خود ہی عصمت جہاں بیگم نے بتایا تھا، پھر یہ اختلاف کیا ہوا کیا عدم ذکر ذکر عدم ہوتا ہے، بھلا یہ تو لغو وفضول بات ہے خاص متعلق اصل معاملہ میں تصریح علماء ہے کہ شاہدین میں جب ایک ایک بات بیان کرے دوسرا نہ بیان کرے

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۷

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

تو جتنی بات میں دونوں متفق ہیں شہادت مقبول ہوگی اور جتنی بات صرف ایک کے بیان میں ہے وہ بوجہ عدم نصاب شہادت ثابت نہ ہوگی مثلاً زید وعمرو نے گواہی دی کہ بکر نے خالد کو وکیل کیا زید نے اپنی شہادت میں اتنا اور بڑھایا کہ پھر معزول کردیا عمرو نے عزل کا ذکر نہ کیا تو وکالت ثابت ہوجائے گی اور معزولی ثابت نہ ہوگی، فصول عمادیہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لو شهدا بالوکالة و زاد احدهما انه عزله جازت شهادتهما علی الوکالة ولم تجز علی العزل[1]۔	اگر گواہوں نے وکالت کی گواہی دی اور ایک نے یہ بات زائد کہی کہ وہ معزول ہوچکا ہے تو نفس وکالت پر دونوں کی شہادت مقبول ہوگی، معزول کی زائد بات معتبر نہ ہوگی۔ (ت)

(۲) مسماتان مذکور کہتی ہیں عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ کلمات اجازت کہے جلال خاں تین مرتبہ اجازت دینا بیان نہیں کرتا، یہ بھی وہی عدم ذکر وذکر عدم میں فرق نہ کرنا ہے جلال خاں یہ بھی تو نہیں کہتا کہ عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ نہ کہا صرف ایک ہی بار کہا تھا، اس مقدمہ بگا بیگم بنام عباس علی خاں میں بھی اس قسم کے اختلافات تجویز فرمائے گئے تھے جنہیں فقیر نے اپنے فتوٰی میں لکھا، رب العزت جلا وعلا نے سورہ نمل میں فرمایا:

"یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ ۟ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰"[2]	اے موسٰی (علیہ السلام)! آپ خوف نہ کریں میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں ہوتا (ت)

اور سورہ قصص میں فرمایا:

"یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۟ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝۳۱"[3]	اے موسٰی (علیہ السلام)! آگے بڑھو خوف نہ کرو آپ بیشک امن والوں میں ہیں (ت)

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا:

"قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ۫ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ۝۲۱"[4]	فرمایا اسے پکڑ لو اور خوف نہ کرو ہم اسے عنقریب پہلی حالت پر پھیر دیں گے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۷

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۱

[4] القرآن الکریم ۲۰/ ۲۱

ان دونوں سورتوں میں ذکر ندا ہے یہاں نہیں بلکہ جملہ لاتخف کے سواہر جگہ نیا کلام نقل فرمایاہے، کیامعاذاللہ یہ قرآن مجید کااختلاف ٹھہرے گا، ہماری رائے میں ایک بڑااختلاف ذکر سے رہ گیا،اظہارات کی نقلیں کہ یہاں آئی ہیں ان میں سروری بیگم وامجدی بیگم کے بیان میں جتنی جگہ عصمت جہاں بیگم کا نام آیاہے سب جگہ مع لفظ بیگم ہےاور جلال خاں کے بیان میں ایک جگہ لفظ بیگم نہیں توارشاد فرمانا تھاکہ عورتیں عصمت جہاں بیگم کہتی ہیں اور جلال خاں نے ایک جگہ بے لفظ بیگم کہا لہٰذا گواہیاں بوجہ اختلاف مردود ہیں۔

(۷) جلال خاں نے بیان کیاکہ جب بوستاں خاں اندر مکان کے گئے توحسن رضاخاں کی ہمشیرہ سے کہاکہ تم اس عورت سے میرے روبرو کہلوادو، چنانچہ انہوں نے اس عورت سے کہاکہ تم خود اپنے منہ سے کہو، تواس نے کہاکہ میں نے اپنے نفس کا اختیار الخ، مسماتوں نے یہ کہاہے کہ بوستاں خاں نے میری بڑی نند سے کہاکہ بیگم اب لڑکی سے کہوکہ کیا کہتی ہے جومیں بھی سنوں، میری نند کہنے بھی نہ پائی کہ عصمت جہاں بیگم نے کہاکہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم میں نے حسن رضاکے ساتھ الخ۔

سارے اختلافوں میں یہ بڑا بھاری اختلاف ہے کہ ظاہراً نفی واثبات کافرق ہے، جلال خاں کہتاہے شمسن بیگم کے کہنے پر عصمت جہاں بیگم نے کہا عورتیں کہتی ہیں شمسن بیگم کہنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے کہہ دیامگر انصاف کیجئے تو یہ اعتراض بھی مہمل ہے۔

اولاً: اظہار جلال خاں کی نقل جو یہاں آئی اس کی عبارت یہ ہے بوستاں خاں اندر مکان کے گئے حسن رضا کی ہمشیرہ سے جاکر کہا کہ تم میرے روبرو کہلوادو، چنانچہ انہوں نے اس عورت سے کہاکہ کہہ دو، تب اس عورت نے اپنی زبان سے کہاکہ میں نے اپنے نفس کااختیار کہہ دو، ایک چار حرفی کلمہ ہے، شمسن بیگم عصمت جہاں بیگم کے پاس بیٹھی تھی اس نے آہستہ سے کہا کہہ دو سروری بیگم وامجدی بیگم نے نہ سنا سروری بیگم کے بیان میں کہیں نہیں کہ وہ اس وقت شمسن بیگم یا عصمت جہاں بیگم کے پاس ہی زانوں سے زانو ملائے بیٹھی تھی اور خصوصًا امجدی بیگم نے توصاف بیان کیاہے کہ جوان عورت ہوں میرا تینوں سے پردہ ہے میں اس وقت اوٹ میں ہوگئی تھی دولائی اوڑھ کراوٹ کرکے ذرا آڑ سے بیٹھی تھی خصوصًا ایسے وقت لوگوں کے کان دلہن کے بیان کی طرف لگے ہوتے ہیں بالائی لوگوں کے ایں وآں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

ثانیًا: محتمل کہ ادھر توشمسن بیگم نے اس سے کہاکہہ دو یایہی کہ تم خود اپنے منہ سے کہوادھر عصمت جہاں بیگم نے بوستاں خاں سے خطاب شروع کردیا، دونوں بیان ایسے متصل معًا واقع ہوئے کہ سامع کو اشتباہ ہوکہ یہ عصمت جہاں بیگم نے بطور خود کہا یا شمسن بیگم کے کہنے سے کہاجلال خاں غیر آدمی اس نے حسب عادت زنان دوشیزہ نیک گمان کیاکہ شمسن بیگم کے کہنے ہی سے کہا ہوگاسروری بیگم عصمت جہاں بیگم کی بھانجی ہے

وہ اپنی خالہ کے طلاقت لسانی سے خوب آگاہ تھی جس کا اظہار عصمت جہاں بیگم کے اظہاروں میں ہوا ہے جن کا بیان ان شاء اللہ تعالٰی آگے آتا ہے اس نے جانا کہ اس کی نچلی طبیعت کا گرم توسن کیا محتاج مہمیز ہوتا شمسن بیگم کے منہ سے پوری بات بھی نہ نکلی تھی کہ اس نے توکیل کا خطبہ پڑھنا شروع کردیا، ذرا غور سے سروری بیگم کے لفظ دیکھئے وہ یہ نہیں کہتی کہ میری نند کچھ نہ بولی بلکہ کہتی ہے میری نند کہنے بھی نہیں پائی کہ عصمت جہاں بیگم نے کہا یعنی اس کا کہنا ختم نہ ہوا تھا کہ عصمت جہاں بیگم نے خطاب آغاز کیا، اہل زبان جانتے ہیں کہ کسی فعل کا ہو پانا اس کے تمام واختتام پر ہوتا ہے نہ کہ وسط وآغاز میں، مثلاً امام قعدہ اولٰی بھول کر تیسری رکعت کو کھڑا ہوا سیدھا نہ ہوا تھا کہ مقتدی نے تسبیح کی امام نے بعد سلام کہا تم نے بیجا بتایا تمہاری نماز نہ ہوئی کہ قعدہ اولٰی سے کھڑے ہوکر عود کا محل نہیں تو مقتدی کہے گا آپ ابھی اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ میں نے بتایا یعنی قیام ہنوز تمام نہ ہوا تھا۔

(۸) مسماتوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بوستاں خاں کو لڑکی پہلے نہ جانتی تھی آگے بڑھ کر لکھا یا کہ اجازت دیتے وقت کہا بوستاں خاں بھائی تم کو وکیل کیا جب مدعاعلیہا بوستاں خاں کو پہلے نہ جانتی تھی تو بوستاں خاں کا نام کیسے جانا کیونکہ مسماتوں نے کسی جگہ نہ لکھا، یا کہ کس نے اس کا نام بتایا تھا، یہ اعتراض بھی سخت حیرت انگیز ہے۔

اولاً: تو کسی شخص کو جاننا اس کے ساتھ شناسائی وتعارف کو کہتے ہیں اجنبی آدمی جسے کبھی نہ دیکھا ہو اس وقت اس کا نام کسی کی زبان سے سن لینے سے یہ نہ کہا جائیگا کہ ہم اسے جانتے ہیں۔

ثانیاً: بالفرض کہا بھی جائے تو امجدی بیگم وسروری بیگم نے جاننے کی مطلقاً نفی کب کی وہ تو صاف کہہ رہی ہیں کہ پہلے سے نہ جانتی تھی کیا کسی کا نام معلوم کرنے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ پہلے سے اسے جانے ورنہ نام معلوم نہیں ہوسکتا، عورتوں کو اس بیان کی کیا ضرورت تھی کہ عصمت جہاں بیگم نے بوستاں خاں کا نام کس سے سنا، ایسے مواقع کے عام معمولی واقعات پر نظر فرمائی جاتی تو خود معلوم ہوجاتا کہ عصمت جہاں بیگم کو اس کا نام کیونکر معلوم ہوا، ذی علم مجوز نے خود فرمایا ہے کہ بوستاں خاں اجنبی شخص تھا سروری بیگم کے اظہار میں ہے کہ جو مرد اس وقت مکان میں آئے جلسے کی نصف عورتوں کا ان سے پردہ تھا امجدی بیگم نے خود اپنا بیان کیا کہ میرا کوئی رشتہ بوستاں خاں سے نہیں ہمارے خاندان میں پردہ کا رواج ہے ایسے جلسے میں غیر مرد ہرگز بلااطلاع نہیں جاتے ضرور اول سے کہا گیا کہ بوستاں خاں اذن لینے کو آتے ہیں اور جب وہ آیا اور اس نے شمسن بیگم سے کہا کہ بیگم میرے سامنے کہلوادو ضرور عصمت جہاں بیگم نے معلوم کیا کہ یہی بوستاں خاں ہے پھر نام معلوم کرنے کو بعید از عقل بتانا کیونکر قرین عقل ہوا۔

ثالثاً: واقعات رائجہ کو جانے دیجئے ذرا اظہارات جلال خاں وبوستاں خاں وامجدی بیگم وسروری بیگم پر

نظر فرمایئے یہ سب بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ بوستاں خاں کے گھر میں جانے سے پہلے عصمت جہاں بیگم سے بوستاں کے نام کی توکیل کرالی گئی تھی دوبارہ بوستاں خاں اپنے سامنے توکیل کرانے کو گھر میں گیا تو عصمت جہاں بیگم کو اس کے جانے سے پہلے ضرور اس کا نام معلوم ہو چکا تھا آگے جو بیباکی وبیحیائی کا اعتراض فرمایا ہے اس کا حال بعونہ تعالٰی ذکر قرائن میں آتا ہے۔

(۹) بوستاں خاں نے اول بیان کیا ہے کہ جب میں اندر گیا تو عصمت جہاں دالان پشت پھیرے بیٹھی تھی پھر آخر قول میں لکھایا کہ جب میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا پردہ کیا تھا کہ میں نصف چہرہ دیکھ سکتا تھا اور اوپر کے حصے پر گھونگھٹ تھا یہ دونوں قول متناقض ہیں جب پشت بیٹھی تھی تو نصف چہرہ دکھائی دینا محالات سے ہے،

اوّلاً: یہ محال سہی کیا پیٹھ پھیرے بیٹھنے والے کو وقت خطاب ادھر منہ کرنا بھی محال ہے بوستاں خاں نے اول بیان میں یہ کہا ہے کہ میں مکان میں گیا تو پشت پھیرے عصمت جہاں بیگم بیٹھی تھی، یہ نہیں کہا کہ اخیر تک وہ پشت ہی پھیرے بیٹھی تھی، آخر بیان میں یہ کہا ہے کہ وقت نکاح میں عصمت جہاں کو ناک کے نیچے سے دیکھا تھا نصف اوپر کی ناک پر گھونگھٹ تھا، یہ نہیں کہا کہ جس وقت میں مکان میں گیا اسی وقت عصمت جہاں کو اس طرح اپنے سامنے بیٹھا پایا پھر دونوں میں تنافی کیا ہوئی، یہاں جو نقل اظہار آئی اس کے الفاظ یہ تھے اور اگر بالفرض بیان آخر میں وہی لفظ ہوں کہ جب میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا پردہ کیا تھا کہ میں نصف چہرہ الخ جب بھی بات صریح ظاہر ہے وہ مکان میں جاتے وقت کا ابتدائی حال ہے اور یہ وقت خطاب پردہ وحجاب کا یہاں بھی یہ نہ کہا کہ جب میں گیا تو وہ ایسی بیٹھی تھی کہ میں نصف چہرہ الخ۔

ثانیاً: ممکن کہ عصمت جہاں بیگم اول تا آخر پشت پھیرے ہی بیٹھی رہی ہو مگر بیان میں یہ کہیں نہیں آیا کہ وہ دیوار سے ملی بیٹھی تھی وہ وسط دالان میں ہوگی بوستاں خاں مزید وثوق کے لئے خود اندر گیا تھا کہ میرے سامنے عصمت جہاں بیگم اقرار توکیل کرے اس نے اقرار سن لیا مگر سمجھا کہ مقرہ کی معرفت چہرہ چاہئے کہ طریق توثیق جو اس کا مقصود خاص تھا اس میں ہے لہذا وہ آگے بڑھا اور سامنے سے عصمت جہاں بیگم کو دیکھا، کیا یہ بھی محال ہے غرض مثبت اختلاف مستدل ہے اور احتمال قاطع استدلال ہے۔

(۱۰) شفیع حیدر خاں کی خاص متعلق معاملہ گواہی کو جس طرح محض بے علاقہ خیال فرمایا گیا اس کا ذکر تو بعونہ تعالٰی دیگر اعتراضات کے جواب میں آئے گا یہاں بھاری اختلاف یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جلسے میں شریک ہی نہ تھا اس لئے کہ بوستاں خاں بعد نکاح کے تقسیم ہونا بتاشوں کا اور صاحبزادے نظام الدین خاں چھوہاروں کا اور یہ گواہ خلاف ان کے تقسیم ہونا شیرینی کا بیان کرتا ہے واقعی

شفیع حیدر خاں سے یہ بھاری غلطی ہوئی کہ اس نے بتاشوں کو شیرینی کہا اسے کیا معلوم تھا کہ بتاشے کھٹے ہوتے ہیں،

اولاً: ذی علم مجوز نے سنا ہوگا کہ حسب رسم قدیم نکاح میں چھوہارے ضرور ہوتے ہیں پھر کہیں ان کے ساتھ شکر بھی ہوتی ہے، کہیں بتاشے چھوٹے کہیں بڑے، کہیں اور قسم کی مٹھائی اور شیرینی کا لفظ ان سب کو عام ہے، یہاں اگر چھوہارے اور بتاشے تقسیم ہوئے اور ایک گواہ نے ایک شے دوسرے نے دوسری کا خاص نام تیسرے نے عام ذکر کیا، کیا گناہ ہوا!

ثانیاً: بعض لوگ نکاح ختم ہوتے ہی معًا اٹھ جاتے ہیں اور خرموں کی تقسیم معًا ہوتی ہے ممکن کہ نظام الدین خاں بھی فورًا اٹھ گیا ہو اسکے سامنے خرما ہی تقسیم ہوئے تھے بعد کو بتاشے بٹے، وہ اس نے نہ دیکھے کہ انہیں بیان کرتا، بوستاں خاں شفیع حیدر خاں نے خرموں کی تقسیم کا ذکر ضروری جانا کہ وہ تو عادۃً تقسیم ہوتے ہی ہیں دوسری چیز جو تقسیم ہوئی اس کا بیان کیا اگرچہ وہ بھی محض بے ضرورت وزائد تھا۔

(۱۱) مہر میں بوستاں خاں نے قسم اشرفی نادر شاہی اور اس گواہ نے محمد شاہی بیان کی ہے حالانکہ شہادت ایک وقت اور جلسے کی ہے یہ دلیل ہے کہ گواہ مذکور شریک جلسہ نہ تھا۔

(۱۲) نیز گواہ نے تعداد اشرفی کی خلاف دعوی مدعی کے بیان کی ہے مدعی نے اپنے بیان میں دس لکھایا ہے گواہ نے بیس، پس یہ شہادت کالعدم ہے، تمام اختلافات میں یہی دو اصل معاملہ نکاح سے کچھ متعلق ہیں کہ مہر بدل نکاح ہے مگر اگر کتب فقہ پر نظر فرمائی جاتی تو ظاہر ہوتا کہ مہر نکاح میں مقصود نہیں وہ محض تابع وزائد ہے، یہاں تک کہ عقد نکاح میں اگر نفی مہر کی شرط کرلی جائے نکاح صحیح ہوجائے گا اور مہر مثل لازم آئے گا تو ایسی چیز جس کا سرے سے ہونا نہ ہونا ہی اصل نکاح پر کچھ اثر نہیں ڈالتا اس کی کمی بیشی یا سکہ کے تفاوت سے کیا ضرر ہوسکتا ہے، لاجرم ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ ایک گواہ ہزار روپے مہر بتائے اور دوسرا پندرہ سو، یا گواہ سو اشرفی مہر کہتے ہوں اور مدعی ڈیڑھ سو، یا مدعی ہزار دینار بتاتا ہو اور گواہ دو ہزار، سب صورتوں میں نکاح ثابت ہے، اور ان اختلافات سے گواہیوں یا دعوی پر کوئی برا اثر نہ پڑے گا۔ ہدایہ وکافی و تبیین الحقائق وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لها فی النکاح یصح باقل المالین عند ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه سواء کانت الدعوی من الزوج اومن المرأة، ویستوی	الفاظ عالمگیری کے ہیں نکاح کے باب میں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں دو مذکور رقموں میں سے کم رقم پر نکاح درست قرار پائیگا دعوی مرد کا ہو یا عورت کا اس میں بڑی رقم کا

فیه دعوی اقل المالین او اکثرهما فی الصحیح[1]۔	دعوی ہو یا کم کا ہو کوئی فرق نہیں صحیح مذہب میں۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

اختلفا فی قدر البدل لا تقبل الا فی النکاح[2]۔	کسی بدل میں گواہوں کا اختلاف ہو تو نکاح کے علاوہ کسی اور معاملہ میں قبول نہ ہوگی(ت)

درمختار میں ہے:

شهد واحد بشراء عبد او کتابته علی الف و آخر بالف وخمس مائة ردت وصح النکاح بالف مطلقاً استحسانا[3] (ملتقطا)	گواہوں میں سے ایک نے عبد خریدنے یا اس کی کتابت میں ہزار اور دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کا ذکر کیا تو شہادت مردود ہوگی اور اگر نکاح میں یہ اختلاف ہو تو استحساناً ایک ہزار پر شہادت قبول ہوگی (ملتقطا)۔(ت)

تبیین الحقائق پھر قرۃ العیون میں ہے:

ویستوی فیه دعوی اقل المالین فی الصحیح لا تفاقهما فی الاصل وهو العقد فالاختلاف فی التبع لا یوجب خللا فیه[4]۔	کم مقدار میں دونوں کی گواہی متفق ہو پائیگی کیونکہ اس اصل مقدار میں دونوں متفق ہیں اور اصل سے زائد میں اختلاف خلل کا موجب نہیں ہے(ت)

جب کتب مذہب میں روشن تصریحیں تھیں کہ مہر کے اختلافات خواہ باہم گواہوں میں ہوں خواہ گواہ مدعی میں ہوں دعوی نکاح اور شہادتوں سے ثبوت نکاح کو مطلقاً کچھ ضرر نہیں دیتے یہی مذہب امام ہے یہی استحسان ہے یہی صحیح ہے تو حاکم یا مفتی کو اس سے عدول کیونکر حلال ہوا۔

(۱۳) حسن رضا خاں مدعی نے اپنے اظہار ۱۹/اکتوبر میں بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے نکاح میں اپنے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۶، الہدایۃ کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۸

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۹

[4] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۲

پھوپھی زاد بھائی محمد حسین خاں کو شریک کیا تھا محمد حسین خاں گواہ اپنی شرکت جلسہ نکاح میں بیان نہیں کرتا اس گواہ کو بروز خانہ تلاشی زبانی والدہ مدعی کے نکاح کا علم ہوا جس سے بے اصلیت دعوی کی معلوم ہوتی ہے محمد حسین خاں کو گواہی وکالت یا عقد نکاح سے متعلق نہیں بلکہ وہ صرف عصمت جہاں بیگم کے جواب دعوی کی تکذیب کرتی ہے مگر سخت قابل افسوس یہ بات ہے کہ اظہار حسن خاں کی نقل جو یہاں آئی اس میں صاف یہ لفظ لکھے ہیں میں نے کسی کو نہیں بلایا میری شہر میں رشتہ داری ہے محمد حسین خاں میرے پھوپی زاد بھائی ہیں میں نے ان کو نہیں بلایا تھا اور محمد حسین خاں کی زوجہ کو بھی نہیں بلایا تھا میں نے بار بار بہ تکرار سائل سے دریافت کیا کہ اس نقل میں کوئی تفاوت تو نہ ہوا اس نے بوثوق تمام کہا کہ ایک حرف کا ہرگز فرق نہیں میں نے کئی بار کہا کہ فیصلے میں تو یہ لکھا ہے، سائل نے باصرار کہا کہ اظہار میں وہی تھا کہ نہیں بلایا فیصلے میں اس کا عکس نقل کیا ہے اب اس کو کیا کہا جائے میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسی حالت میں بے اصلی دعوی کی معلوم ہوتی ہے یا فیصلے کی۔

(۱۴) نکاح نامہ جو ثبوت میں پیش کیا گیا اس میں تاریخ نکاح ۲۵ اپریل ہے دعوی اس نکاح کی بابت ہے جس کا وقوع بقول مدعی ۲۴/اپریل کو ہوا ہے یہ وجہ بھی واسطے بے اصلیت دعوی کے ظاہر ہے۔ ذی علم مجوز نے نکاح نامہ کو وجہ ثبوت میں لیا اور بوجہ اختلاف تاریخ بے اصلی دعوی کے دلیل قرار دیا، یہاں اولاً جو فقہی مباحث ہیں خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں مگر اتنی بات تو عام فہم ہے کہ عوام رات کو روز گزشتہ کا تابع ٹھہراتے ہیں شب آئندہ کے بارہ بجے جو آنے والا ہوا سے آج دن میں کہیں گے کہ آج رات کے بارہ بجے آئے گا اور اہل علم باتباع شرع رات کو روز آئندہ کا تابع مانتے ہیں شب جمعہ اس رات کو کہیں گے جس کی صبح کو جمعہ ہو نہ کہ وہ جو بعدہ جمعہ آئی سوالیالی حج کے کہ وہ حج میں تابع روزہائے گزشتہ ہیں لہٰذا اگر دسویں شب میں طلوع صبح سے پہلے وقوف عرفہ کرلیا حج ہوگیا کہ وہ رات عرفہ ہی کی رات ہے یہ نکاح آدھی رات کو یا اس کے قریب اپریل کی پچیسویں شب میں ہوا جس کی صبح کو ۲۵ تھی مدعی نے عرف عام عوام کے طور پر ۲۴/اپریل کہی کہ رات تابع روز گزشتہ سمجھی نکاح نامہ میں ذی علم قاضی نے ۲۵/اپریل لکھی کہ شب تابع روز آئندہ تھی۔

ثانیاً: جب انگریزی تاریخ انگریزی مہینہ تحریر میں آیا اور انگریزی میں تاریخ میں رات آدھی رات سے بدلتی ہے ولہٰذا ریل و تار کے دفاتر میں آدھی رات سے آدھی رات تک پورے ۲۴ گھنٹے شمار ہوتے ہیں فلاں ریل گاڑی ۱۴ بجے چلے گی یعنی دن کے دو بجے، یہ تار بیس بجے دیا گیا یعنی شام کے ۸ بجے۔ ممکن کہ نکاح کہ نکاح خواں نے ۱۲ بجے جانا سمجھ کر خیال کیا ہو کہ انگریزی تاریخ بدل گئی لہٰذا ۲۵/اپریل لکھی۔

(۱۵) نکاح نامہ میں سکونت مدعا علیہا کی محلّہ مدرسہ تحریر ہے قاضی نکاح خوان جس سے ترتیب وخانہ پری نقشہ کے متعلق ہے اس نے اپنی گواہی میں تحریر کرایا ہے کہ میں نے اس کی سکونت کی بابت دریافت

نہ کیا تھا پس بلادریافت نقشہ میں سکونت اندراج یہ کارروائی برادر مدعی کی ہے جیسا کہ نکاح خوان نے بیان کیا ہے کہ یادداشت نکاح نامہ برادر حسن رضاخاں سے میں نے لکھائی تھی، **اولاً:** مقدمہ موجودہ میں نکاح خواں کی شہادت کہ اس عہدہ سے استعفا کے بعد اپنے فعل پر ہے حاکم کو اس کا لینا سننا ہی ممنوع تھا لانہ اشتغال بما لایصح کما سیأتی (کیونکہ یہ غیر صحیح کام میں مشغولیت ہے جیسا کہ آئیگا۔ت) اور جب وہ شہادت شرعاً کوئی چیز نہیں تو اس کے اختلاف سے دعوی پر اثر ڈالنا یعنی چہ۔

ثانیاً: قاضی کے اظہار میں یہ ہے کہ حسن رضاخاں کے بھائی سے کاغذ لکھوایا تھا میں نے یہ دریافت نہیں کیا کہ لڑکی کی عمر کس قدر ہے میں نے اور کچھ نہیں پوچھا کہ لڑکی کون سے مکاں میں رہتی ہے اور کوئی بات میں نے نہیں دریافت کی، یہاں اس دریافت کی نفی ہے کہ لڑکی کس مکان میں رہتی ہے، نہ اس دریافت کی کہ کس محلّہ میں رہتی ہے، ظاہر ہے کہ مکان محلّہ سے خاص ہے اس سے سوال کی نفی محلّہ سے سوال کی نفی نہیں کرسکتی جبکہ سوق عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ محلّہ سے سوال کیا کہ وہ کہتا ہے اور کچھ نہیں پوچھا اور کوئی بات دریافت نہ کی، یہ اور کا لفظ بڑھانا ہی صاف کہہ رہا ہے کہ اسی قدر پوچھا اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھا اگر اس نے اتنا بھی نہ پوچھا ہوتا تو یہ نہ کہتا کہ اور کچھ نہ پوچھا بلکہ یوں کہتا کہ میں نے کچھ نہ پوچھا ان دونوں محاوروں کا فرق اہل زبان پر ظاہر ہے، رہا یہ کہ آخر کیا پوچھا اس کا پتہ مظہر نے ان لفظوں سے دیا کہ اس نے برادر حسن رضاخاں سے کاغذ لکھوایا تھا یعنی خانہ پری نقشہ کے لئے جتنی ضرورت ہے بس اسی قدر پوچھا اور محمد رضاخاں سے خانہ پری کو کہا اور کچھ نہ پوچھا کہ عمر کتنی ہے کس مکان میں رہتی ہے۔

ثالثاً: اندراج نقشہ کے لئے واقفیت درکار ہے خواہ بعد سوال ہو یا بلاسوال تو نفی سوال نفی علم کو مستلزم نہیں وقت نکاح کی گفتگو دن میں لوگوں کے تذکرہ سے اس نے بے دریافت کے سن لیا ہوگا کہ عصمت جہاں بیگم محلّہ مدرسہ میں رہتی ہے بلکہ انصافاً تذکرہ مردمان کی بھی حاجت نہیں پیشہ نکاح خوانی والے کو اکثر اہل شہر سے واقفیت ہوجاتی ہے اور عصمت جہاں بیگم کا باپ خود ایک مشہور آدمی تھا اس کا نام اس وقت ضرور لیا گیا تھا کہ مسعود خاں کی بیٹی کا نکاح ہے جیسا کہ خود قاضی کے اظہار میں موجود ہے وہ جانتا تھا کہ مسعود خاں ساکن محلّہ مدرسہ ہے لہٰذا عصمت جہاں بیگم کی سکونت مدرسہ اسے بلادریافت معلوم ہوگئی۔ محمد رضاخاں نے جب بحکم قاضی خانہ پری کی جس کا قاضی کو اعتراف ہے تو وہ خود قاضی کی خانہ پری تھی اور یہ کارروائی قاضی کی کارروائی ہوئی نہ کہ محمد رضاخاں کی،

فان فعل المامور یرجع الی الأمر لاسیما فیما لاتتعلق الحقوق	کیونکہ مامور کا فعل آمر کی طرف راجع ہوتا ہے خصوصًا ان امور میں جہاں حقوق کا تعلق مامور سے نہیں ہوتا

بالمامور کما ھٰھنا۔	جیسا کہ یہاں ہے۔(ت)

(۱۶) تعداد مہر مندرج نکاح نامہ اس کا جواب نمبر ۱۲ میں گزرا، نکاح نامہ اگر ہو تو ایک گواہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور گواہ مدعی کے بیان میں اختلاف تعداد مہر دعوی نکاح کو اصلاً مضر نہیں **کما علمت**۔

(۱۷) محمد حسین خاں نے اپنا آنا بمکان حسن رضا خاں بروز خانہ تلاشی بہمراہی اپنے پسر محمد حسن خاں کے بیان کیا ہے محمد حسین خاں لکھاتا ہے کہ میرے والد جب آئے تھے کہ اظہار ہوچکا تھا اپنے بعد آنا اپنے باپ کا بیان کیا ہے **اولاً:** محمد حسین خان کے بیان میں یہ ہے کہ میں آیا اور میرا لڑکا آیا، اس میں ہمراہی کا لفظ کہیں نہیں لفظ (اور) حرف (و) کا ترجمہ ہے جس سے نہ معیت مفہوم ہو نہ ترتیب ہو نہ تراخی نہ تعقیب، صرف اشتراک پر دلیل ہے کما صرح بہ جمیع کتب الاصول (جیسا کہ تمام کتب اصول میں اس کی تصریح ہے۔ت) یہاں تو محمد حسین خاں نے اپنے اور اپنے لڑکے کے لئے دو فعل جدا جدا ذکر کئے کہ میں آیا اور میرا لڑکا آیا، اگر ایک ہی فعل میں لفظ "اور" کے ساتھ جمع کرتا ہر گز معیت مفہوم نہ ہوتی، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ﴿۹﴾" [1]	فرعون آیا اور اس سے پہلے والے اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے۔(ت)

ایک کلمہ جاء میں سب کو جمع فرمایا یہاں اس بیان کی کیا ضرورت کہ فرعون و قوم لوط میں تقریباً دو ہزار برس کا فاصلہ تھا کہ خود من قبلہ فرعون پر واؤ کے ساتھ معطوف ہے قبلیت و معیت کیونکر جمع ہوئیں۔

ثانیاً: بالفرض محمد حسین خاں یہی کہتا کہ میں اپنے لڑکے کے ساتھ آیا تھا اور محمد حسن خاں کہتا میرے بعد آئے تو اس اختلاف کا بھی کچھ اثر نہ پڑتا، فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما کی عبارت نمبر ۳ میں گزری کہ

لوقال احدھما کان معنا فلان وقال الاٰخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذہ الشھادۃ [2]۔	ایک گواہ نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہیں تھا تو اصل میں ذکر فرمایا کہ یہ گواہی جائز ہے باطل نہ ہوگی (ت)

ایک گواہ نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہیں تھا تو اصل میں ذکر فرمایا کہ یہ گواہی جائز ہے باطل نہ ہوگی (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶۹/ ۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

(۱۸) جو واقعات محمد حسن خاں نے لکھائے محمد حسین خاں نہیں لکھاتا کیونکر لکھاتا حالانکہ وہ اظہار عصمت جہاں بیگم کے بعد آیا تھا جیسا کہ محمد حسن خاں نے بیان کیا محمد حسین خاں اگر وہ سب واقعات لکھاتا تو اس بیان محمد حسن کی تکذیب کہ اظہار ہو چکا تھا کچھ باقی تھا جب میرے والد آئے، یہ طرفہ بات ہے کہ دلیل کذب نہ پائے جانے کو دلیل کذب قرار دیا جاتا ہے، ـــــــ معہذا پر واضح ہو چکا کہ اگر دونوں معاً آتے اور ایک کچھ واقعات بیان کرتا کہ دوسرے کے بیان میں نہ آتے ہر گز اختلاف نہ تھا کہ عدم ذکر ذکر عدم نہیں، یہ تھے وہ تمام بے اصل وبے اثر اختلافات جن کی بناء پر ذی علم مجوز نے شہادتوں کو رد فرمادیا اب شہادات پر دیگر اعتراضات کی طرف چلئے۔

دیگر اعتراضات

(۱۹) جلال خاں نے تمام اظہار میں مدعاعلیہا کا نام نہ لیا اس کا اظہار نسبت ایک عورت غیر معین کے قلمبندی ہوا ہے بعد پورا لکھا دینے اظہار کے اس نے کہا اور کچھ نہ لکھاؤں گا بعد سننے اظہار اور کرنے انکار کے اس نے بیان کیا کہ جس کا یہ نکاح ہوا تھا اس عورت نے اپنا نام عصمت جہاں بنت مولوی مسعود خاں بتایا تھا،

اولاً: یہاں جو نقل اظہار جلال خاں آئی اس میں شروع سے یہ لفظ ہیں، محمد رضا خاں نے مجھ سے کہا یہ عورت عصمت جہاں بیگم حسن رضا خاں کے ساتھ نکاح کرتی ہے تم گواہی دو۔ پھر یہ لفظ ہیں میں گھر میں اندر گیا تو والدہ حسن رضا خاں نے عصمت جہاں کو مجھ کو دکھادیا، تو کیونکر صحیح ہو کہ اظہار میں مدعاعلیہا کا نام نہ لیا۔

ثانیاً: کچہریوں کا ضابطہ یہ ہے کہ گواہ بیان کرتا ہے اور اہلکار لکھتا جاتا ہے ظاہر ہے کہ کہنے اور لکھنے میں بڑا فرق ہے کچھ الفاظ کا رہ جانا مستبعد نہیں ولہذا یہ امر لازم رکھا گیا ہے کہ اظہار لکھ کر گواہ کو سنالیا جائے کہ کہیں کچھ فرق کچھ کمی بیشی ہو تو صحیح ہو جائے اظہار اس وقت مکمل سمجھا جاتا ہے جب بعد سنانے کے تطبیق ہو جائے اب اگر کچھ لفظ لکھنے سے رہ جائیں تو فرمایئے گواہ کیا کرے اگر سکوت کرتا ہے تو اظہار ناقص رہتا ہے بتاتا ہے تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو بیان سننے کے بعد کہتا ہے اگر واقع ابتدائی اظہار جلال خاں میں وہ فقرے کہ ہم نے اوپر نقل کئے مکتوب نہیں تو ذی علم مجوز نے بہت مناسب تحریر فرمایا کہ اظہار ایک غیر معین عورت کی نسبت قلمبند ہوا ہے قلمبند یونہی ہوا ہوگا جس کی تصحیح جلال خاں نے سناتے وقت کردی۔

ثالثاً: یہی سہی کہ گواہ نے اولاً تمام اظہار میں عصمت جہاں بیگم کا نام نہ لیا مگر ابھی کہ مجلس اظہار ختم نہ ہوئی گواہ نے وہاں سے قدم نہ ہٹایا اگر ایک امر کہ اگلے بیان کے کسی حرف سے اصلاً مخالف نہ تھا زائد کیا کیا گناہ ہوا خصوصاً وہ بھی کہ شاہد کو اس کا بیان نہایت ضرور تھا، ادائے شہادت کہ اللہ عزوجل نے اس پر فرض کیا بے اس کے ناقص رہا جاتا تھا، بھلا یہاں تو ابھی مجلس نہ بدلی تھی شاہد وہاں سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا، علماء کرام یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر شاہد عدل مجلس شہادت بدلنے کے بعد دوسری مجلس میں آکر کہے کہ جس کے باب میں میں نے گواہی دی اس مدعی کا یہ نام ہے یا مدعاعلیہا کا نام مجھ سے چھوٹ

گیا تھا اس کا یہ نام ہے جب بھی قبول کرلیں گے اور شہادت میں اصلاً نقص نہ جانیں گے کہ ان ناموں کا بیان سے رہ جانا کوئی محل تہمت نہیں اور اگر مجلس ہنوز نہ بدلی جب تو موضع شبہہ و تہمت کی تبدیلیں بھی قبول کرلیں گے مثلاً گواہی دی کہ اس مدعی کے اس مدعا علیہا پر ہزار روپے آتے ہیں، ختم شہادت کے بعد کہا میں بھول گیا تھا پانسو آتے ہیں یا مجھے یاد نہ رہا تھا دو ہزار آتے ہیں ان تبدیلیوں سے قبول شہادت میں کچھ فرق نہ آئے گا جبکہ مجلس ہنوز نہ بدلی ہو اور شاہد شاہد شرعی ہو یہاں کہ نہ مجلس بدلی نہ شاہد نے کوئی تبدیلی کی صرف ایسی بات بیان کرتا ہے جس میں بتصریح علماء تہمت نہیں اور اس کا تدارک ادائے فریضہ شہادت کے لئے اس پر لازم تھا بعد سماع اظہار اس کے بڑھانے کو وجہ نقص قرار دینا اصلاً صحیح نہیں ہوسکتا، کافی و بحر الرائق وعنایہ وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ لہذہ ان کان عدلا قبلت شہادتہ فی غیر موضع الشبھۃ مثل ان یدع لفظۃ الشہادۃ او یترك ذکر اسم المدعی او المدعی علیہ اوالاشارۃ الی احدھما سواء کان فی مجلس القضاء اوفی غیرہ اما فی موضع شبھۃ التلبیس کما اذا شھد بالف ثم قال غلطت بل ھی خمسمائۃ او بالعکس تقبل اذا قال فی المجلس، وبعد ماقام عن المجلس فلم تقبل[1] اھ باختصار۔	الفاظ عالمگیری کے ہیں، اگر گواہ عادل ہو تو موضع شبہہ کے غیر میں اس کی یہ شہادت کہ لفظ شہادۃ یا مدعی یا مدعی علیہ کا نام یا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ چھوٹ گیا مقبول ہوگی خواہ مجلس قضاء ہو یا غیر ہو لیکن مقام شبہہ میں مثلاً پہلے اس نے ہزار کی شہادت دی اب کہتا ہے یہ غلطی ہوئی بلکہ پانچ سو ہے یا اس کا عکس کرتا ہے تو مجلس قضاء میں قبول کی جائیگی اور مجلس قضاء ختم ہونے کے بعد قبول نہ ہوگی اھ اختصاراً (ت)

رابعاً: بفرض غلط یہ بھی سہی کہ جلال خاں کا پچھلا الحاق نہ مانا جائے گا پھر کیا ہوا اسی قدر نا کہ عصمت جہاں بیگم کا نام اس نے نہ لیا مگر اس سے غیر معین عورت پر شہادت کہاں سے لازم آئی وہ صراحۃً کہہ رہا ہے کہ میں نے اس عورت کا منہ دیکھا تھا، نام سے تو وہ تعیین ہو بھی نہیں سکتی جو منہ دیکھنے سے ہوتی ہے تو وہ ضرور ایک معین عورت پر گواہی دے رہا ہے جو اس کی دیکھی ہوئی ہے ہاں مجوز کو معلوم نہ ہوا کہ عصمت جہاں بیگم ہی وہ عورت ہے جسے گواہ نے دیکھا اور اس پر گواہی ادا کی یا وہ کوئی اور عورت تھی ہم اوپر بیان کرآئے کہ اس کا چارہ کار مجوز کے ہاتھ میں تھا نہ کہ گواہ کے، مجوز نے عصمت جہاں بیگم کو کیوں نہ بلوایا شاہد کے سامنے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۶۳

اس کامنہ کیوں نہ کھلوایا کہ وہ شناخت کرتا عصمت جہاں بیگم اگر ذی عزت خاندان سے پردہ نشین مخدرہ تھی کہ کچہری میں اس کا آنا مناسب نہ تھا حاکم نے اپنے امین کے ساتھ جلال خاں کو عصمت جہاں بیگم کے مکان پر بھیج کر تکمیل شہادت کرائی ہوتی، خود شہادت کامل نہ ہونے دینا اور شاہد پر اعتراض کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بالجملہ کچھ خاص اسم ونسب ہی کے ساتھ معرفت لازم نہیں بلکہ یا یہ ہو یا معرفت چہرہ۔ جامع الفصولین میں ہے:

المعرفۃ بالوجہ او بالنسب لابد منہا لاداء الشہادۃ[1]۔	شہادت کی ادائیگی میں چہرے یا نسب کی شناخت ضروری ہے(ت)

اس اظہار میں اگر قسم اول متروک تھی، ثانی مذکور تھی اور اس کی تکمیل بدست حاکم تھی **فافہم**۔

(۲۰) سروری بیگم وامجدی بیگم کی شہادتوں پر اعتراض فرمایا کہ مدت واقعہ کی بلاایراد حرف یاکے اس طرح بیان کی ہے کہ عرصہ سات آٹھ ماہ کا ہوا جو محمول دو مدت پر ہے ایسی شہادت بوجہ جہالت شرعًا قابل قبول نہیں، بلاایراد حرف یا کا ذکر تو بیکار ہے حرف یاکے ساتھ ہوتا جب بھی تعیین نہ ہوتا بلکہ جب تعیین نہ ہونا اوراظہر تھا مگر ذی علم مجوز نے اتنا خیال نہ فرمایا کہ ثبوت نکاح تعیین زمان پر موقوف نہیں، نہ جہالت زمانہ اس کو مضر، تردد تردید سے آخر اسی قدر تو مفہوم ہوگا کہ گواہ کو تاریخ یاد نہیں پھر کیا حرج ہوا۔ علماء تو فرماتے ہیں اگر حاکم گواہ سے وقت پوچھے اور وہ صراحۃً اپنی بے علمی بیان کرے کچھ مضر نہیں کہ یہ لغو وزائد بات ہے جس کی تعیین کی ضرورت نہیں، وجیز کردری پھر قرۃ العیون میں ہے:

لوسألہما القاضی عن الزمان اوالمکان فقال لا نعلم تقبل لہما لم یکلفا بہ[2] اھ وفیہا عن الدر المنتقی عن الفتح وغیرہ لایکلف الشاھد الی بیان الوقت والمکان[3] اھ **اقول:** وبون بین بین اختلافہما فی المکان او الزمان وبین تردد احدہما فی احدہما فان کلا	اگر قاضی جگہ یازمانہ کے متعلق گواہوں سے سوال کرے اور وہ لاعلمی ظاہر کریں تو گواہی قبول ہوگی کیونکہ وہ اسکے پابند نہیں ہیں اھ۔ اسی میں الدر المنتقی سے فتح وغیرہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ گواہ کو مکان یا زمان کے بیان کا پابند نہیں کیاجائے اھ، **میں کہتا ہوں** گواہوں کازمان یا مکان کے بیان میں اختلاف اور دونوں میں سے ایک کا بیان میں تردد کرنا، ان دو صورتوں میں واضح فرق ہے، اختلاف کی

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۱

[3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۱

المختلفین قاطع بمقاله وباختلاف الزمان والمکان یختلف الفعل وما الحق به اما المردد فلم یقطع بشیئ فلم یکن الا کعدم البیان فلا خلف فلا محذور۔	صورت میں دونوں کی بات ایک دوسرے کی بات کیلئے قاطع ہے جبکہ تردد کرنیوالا دوسرے کی بات کا قاطع نہیں ہے تو یہ عدم بیان کی طرح ہے جس سے دوسرے کا خلاف نہ ہوا تو خرابی نہ ہوئی۔(ت)

(۲۱) بوستاں خان کی شہادت غیر معتبر کہ وکیل نکاح ہے بذریعہ وکالت خود عقد کرانا مدعاعلیہا کا بیان کیا ہے اور وکیل کی شہادت جس امر میں وہ وکیل ہونا جائز ہے۔یہ اعتراض اگر کچھ اصلیت رکھتا تو نہ فقط شہادت بوستاں خاں بلکہ خود حاکم مجوز پر بھی تھا، بیان مدعی و تنقیحات مجوز سے ظاہر ہے کہ پیش از شہادت علم مجوز میں آچکا تھا کہ اسے وکیل بتایا گیا ہے اور یہ اپنی وکالت سے وقوع تزویج کی شہادت دے گا تو اسی وقت مجوز پر لازم تھا کہ اسے ہرگز شہود میں نہ لیں اور نہ اتنی طویل دیر تک سماع شہادت وجرح وغیرہ میں اپنا اور اس کا اور وکلائے فریقین کا وقت ضائع نہ فرمائیں کہ جو امر اصلاً صحیح نہیں اس سے اشتغال تضییع وقت کے علاوہ ممنوع وناجائز وگناہ ہے، قنیہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

تکره تحریما لانه اشتغال بما لا یصح[1]۔	مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ یہ غیر صحیح امر میں اشتغال ہے۔(ت)

مگر بحمد اللہ نہ ذی علم مجوز کا وقت ضائع ہوا نہ گواہ کا، نہ اس سماع شہادت میں مجوز نے کوئی شرعی گناہ کیا کہ شرعاً بوستاں خاں کی شہادت اس مقدمہ میں ضرور قابل سماعت و قبول تھی وکیل کی شہادت جس امر میں وہ وکیل ہو اس وقت ناجائز ہے کہ مشہود بہ یعنی امر مقصود بالشہادت خود اس وکیل کا فعل ہو کہ انسان کی شہادت اپنے فعل پر مقبول نہیں، خود عبارات منسلکہ فیصلہ میں قرۃ العیون سے ہے:

قوله والوکیل ای بالنکاح قوله لو باثبات النکاح ای لا تقبل باثبات النکاح لانها شهادة علی فعله[2]۔	اس کا قول، اور وکیل یعنی نکاح کا۔اس کا قول اگر نکاح کے اثبات میں ہو، یعنی اثبات نکاح میں قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ اپنے فعل پر شہادت ہے۔(ت)

نیز یہی علت درمختار سے نقل فرمائی مگر یہاں ایسا نہیں، یہاں فعل و مشہود بہ دو ہیں نکاح کی اجازت دینی

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۱۱

کہ عصمت جہاں بیگم کا فعل تھا اور تولی عقد یعنی ایجاب یا قبول کرنا کہ قاضی نکاح خوان کا فعل تھا ان دونوں میں بوستاں خاں کا کوئی فعل نہیں وہ بیچ میں صرف مبلغ اجازت تھا جیسا کہ ان بلاد کے عرف عام میں ہر وکیل نکاح کا حال ہے کہ نکاح پڑھوانا قاضی سے مقصود ہوتا ہے اور یہ وکیل صرف مبلّغ اجازت، نہ یہ کہ آپ تولی عقد کرے"**والمعھود عرفاکالمشروط لفظاً کما نصوا علیہ قاطبۃ**" (عرف میں معینہ چیز لفظوں میں مشروط کی طرح ہے جیسا کہ اس پر سب نے نص کی ہے۔ت) ولہٰذا ذی علم مجوز نے بھی عقد کرانا کہا نہ کہ عقد کرنا، اور مبلغ کی شہادت مقبول ہے اگرچہ وہ اپنا فعل تبلیغ بھی شہادت میں بیان کرے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

عن ابی یوسف فی النوادر اذا شھد شاھدان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انہ قد وکلہ ببیع عبدہ وقد اعلمناہ او امرنا ان نبلغ امرأتہ انہ جعل امرھا بیدھا فبلغناھا وقد طلقت نفسھا جازت شہادتھما ولو قال نشھد انہ قال لنا خیرا امرأتی فخیرناھا فاختارت نفسھا لاتقبل شہادتھما کذا فی المحیط[1]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے نوادر میں مروی ہے کہ جب کوئی گواہ یہ شہادت دے کہ مجھے فلاں نے حکم دیا ہے کہ ہم فلاں کو یہ بات پہنچادیں کہ اس نے اس فلاں کو بیع کا وکیل بنایا ہے او ہم نے اس تک وہ بات پہنچادی، یا یہ شہادت دی کہ ہمیں حکم دیا کہ ہم اس کی بیوی کو اطلاع دیں کہ اس نے طلاق کا اختیار اسے تفویض کیا ہے تو ہم نے بیوی کو اطلاع کردی ہے اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے، یہ گواہی جائز ہے اور اگر گواہوں نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار سونپا ہے اور ہم نے اس کی بیوی کو اختیار دے دیا اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے تو یہ شہادت قبول نہ ہوگی، محیط میں ایسا ہی ہے۔(ت)

(۲۲) سید فضل علی شاہ قاضی نکاح خواں اگرچہ نیک آدمی اور بہت اچھا ہے لیکن شہادت بوجہ جہالت غیر مفید ہے کہ شہادت مذکور سے نہ تعین تاریخ ثابت ہے نہ مہینہ نہ اسمائے گوہان نہ وکالت نہ اسم منکوحہ جو شرط ہے اس مقدمہ میں، سید صاحب موصوف کی شہادت ضرور محض نامسموع ہے اور یہی وہ شہادت ہے جس کا سننا اور اس میں اپنا اور شاہد و وکلائے فریقین کا وقت ضائع کرنا مجوز کا ہر گز جائز نہ تھا کہ جب وہ پیش از شہادت ہر گز صحیح نہیں اور اس کا سننا سنانا سب ناجائز و تضییع وقت تھا۔اس شہادت پر اعتراض

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۶۲

یہ ہے نہ یہ کہ تعین تاریخ وماہ وذکر اسماء گواہان ووکالت سے خالی ہونے کے باعث بوجہ جہالت غیر مفید ہے شہادت نکاح میں ان اشیاء سے کسی کا ذکر اصلاً لازم نہیں، تاریخ وماہ کی نسبت عبارات نمبر ۲۰ میں گزریں اور وکالت واسمائے گواہان کا ذکر اس سے بھی زیادہ لغو وغیر ضروری، کیا ذی علم مجوز کسی کتاب سے ثبوت دے سکتے ہیں کہ شہادت نکاح جب تک اسماء گواہان و وکالت کا ذکر نہ ہو مردود ہے؟ ہر گز نہیں، رہا اسم منکوحہ اگرچہ قاضی صاحب نے عصمت جہاں بیگم کا نام زبانی نہ لیا صرف اتنا کہا کہ نام رجسٹر میں لکھا ہے مگر یہ ضرور کہا کہ مسعود خاں کی دختر نے اپنے نفس کا اختیار دیا مسعود خان کی دختر جو اپنے نفس کا اختیار دینے کے قابل ہو ایک یہی عصمت جہاں بیگم ہے، اس کی دو چھوٹی بہنیں بہت صغیر سن ہیں کہ کسی تصرف کی اجازت دینے کے قابل نہیں اور مقصود منکوحہ کا تعین ہے اگرچہ کسی طرح ہو کچھ نام لینے ہی کی ضرورت نہیں مثلاً گواہ گواہی دیں کہ زید نے اپنی بڑی لڑکی کا نکاح کیا شہادت مقبول ہے یہاں تک کہ اگر گواہ یہ بھی کہیں کہ مگر ہم نہیں جانتے کہ یہ مدعا علیہا زید کی بڑی لڑکی ہے جب بھی گواہی مقبول ہوگی اور مدعی سے اس پر گواہ لئے جائیں گے کہ یہی مدعی علیہا اسکی دختر کلاں ہے،

عالمگیریہ میں ہے:

فی الخزانۃ قال زوج الکبری لکن لاندری الکبری یکلفہ باقامۃ البینۃ ان الکبری ھذہ[1]۔	خزانہ میں ہے کہ گواہوں نے بڑی لڑکی کا ذکر کیا اور ساتھ ہی کہا لیکن ہمیں بڑی لڑکی کا تعارف نہیں ہے تو گواہوں کو پابند کیا جائیگا کہ بیان کریں کہ بڑی لڑکی یہ ہے۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

شھدا انہ زوج بنتہ منہ ولا نعرفھا بوجھھا فلو لم تکن لہ الابنت واحدۃ تقبل لزوال الجھالۃ[2]۔	گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے اپنی لڑکی کا فلاں سے نکاح کیا ہے لیکن ہم لڑکی کو چہرہ سے نہیں پہچانتے تو اگر اس شخص کی ایک ہی لڑکی ہو تو شہادت قبول کی جائیگی کیونکہ جہالت نہ رہی(ت)

(۲۳) محمد جان کی شہادت ضرور لغو و مہمل ہے کہ وہ صراحۃً کہتا ہے میں نے نہ سنا کیا نام مسماۃ کا لیا تھا اور نام کے علاوہ بھی کوئی پتہ اصلاً نہیں بتایا مگر علی حسین کی گواہی اگرچہ لغو رہی کہ ناکح ومنکوحہ کسی کا نام نشان نہیں لیکن انصافاً، وہ لغو رکھی گئی شاہد جب ایسی گول مجمل بات کہے تو حاکم کو حکم ہے کہ اس سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۳

[2] جامع الفصولین الفصل العشرون فی دعوی النکاح الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۷

استفسار کرے تاکہ بات صاف ہوجائے ناتمام بات کہے تواس سے پوچھے کہ بات پوری ہوجائے۔ معین الحکام میں ہے:

ینبغی ان یسهل اذن البینات ولا یمطلهم فاذا حضروا انسهم وقر بهم وبسطهم و سالهم عن شهادتهم فان کانت تامة قیدها وان کانت ناقصة سألهم عن بقیتها وان کانت مجملة سألهم عن تفسیرها[1]۔	گواہوں کی اجازت کا معاملہ آسان بنانا مناسب ہے اس معاملہ میں گواہوں کو تاخیر میں مبتلا نہیں کرنا ہوگا جب وہ حاضر ہوجائیں تو قاضی ان کو انس، قرب اور فراخی دے کر ان سے شہادت لے اگر شہادت مکمل ہو تو نوٹ کرلے ورنہ ناقص ہو تو بقیہ امور پوچھے اور اگر شہادت مجمل ہو ان سے تفسیر پوچھے۔(ت)

اور یہ تلقین نہیں بلکہ نظر ہے جس کے لئے قاضی مقرر ہوا، اکثر ابنائے زمانہ جاہل ہیں وہ نہیں جانتے کہ شہادت میں شرعًا کیا کیا ضرور ہے اگر انہیں کے بیان پر چھوڑا جائے عام شہادتیں ناقص و ناتمام اتریں گی اور حقوق مسلمین ضائع ہوں گے ولہذا اگر حاکم جانے کہ مدعی دعوی بروجہ صحیح ادانہ کرسکے گاتو اسے اجازت ہے مدعی کو دعوی کرنے کا طریق سکھادے ورنہ وہی حاصل ہوگا کہ صاحب حق حق سے محروم رہے گا، عالمگیریہ میں ہے:

رجل لایحسن الدعوٰی والخصومة فامر القاضی رجلین فعلماہ الدعوی الخصومة ثم شهدا علی تلك الدعوی جازت شهادتهما ان کانا عدلین ولاباس بذٰلك علی القاضی بل هو جائز فیمن لایقدر علی الخصومة ولا یحسن الدعوی خصوصا علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی کذا فی الظهیریة[2]۔	اگر کوئی شہادت یا بحث کا طریقہ نہیں جانتا قاضی دوآدمیوں کو حکم دے کہ وہ اس کو شہادت اور بحث سکھائیں پھر وہی دو شخص اگر اس دعوی کے گواہ ہوں تو ان کی شہادت جائز ہوگی بشرطیکہ وہ دونوں شخص عادل ہوں اس میں قاضی پر کوئی اعتراض نہ ہوگا بلکہ یہ جائز ہوگا جبکہ مدعی شخص دعوی اور بحث بہتر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا خصوصًا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ظہیریہ میں یوں ہے۔(ت)

---

[1] معین الحکام الفصل السادس فی سیرته مع الخصوم مصطفی البابی مصر ص ۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۸۵

(۲۴) شفیع حیدر خاں کی شہادت پر اعتراض کہ وہ گواہ نہ توکیل کا ہے نہ شناخت کا، جو الفاظ نکاح کے بابت گواہی دی ہے اس میں نہ نام ناکح کا لیا نہ منکوحہ کا، سخت تعجب خیز ہے نقل اظہار کہ یہاں آئی اس کا شروع ان لفظوں سے ہے، عرصہ کم و بیش سات ماہ کا ہوا کہ حسن رضا خاں کا نکاح مسماۃ عصمت جہاں بیگم مولوی مسعود خاں کی بیٹی سے ہوا میرے روبرو میں اس جلسہ نکاح میں شریک تھا، اب اسے کیا کہا جائے یہ تو کھلا گواہ نکاح ہے اور ناکح و منکوحہ دونوں کا نام لے رہا ہے، ہاں اخیر میں یہ لکھایا ہے کہ بوستاں خاں باہر آئے اور کہا کہ چندامیاں نکاح پڑھاؤ تب قاضی صاحب نے خطبہ پڑھا بعد ایجاب و قبول نکاح پڑھایا، یہاں بیشک زوجین کا نام نہ لیا پھر کیا ضرور تھا جبکہ اول صراحۃً بتا چکا۔

(۲۵) نظام الدین خاں کی گواہی کا وہی حال ہے جو نمبر ۲۳ میں علی حسین کی نسبت گزرا۔

(۲۶) جلال خاں کا حصہ بیان بابت انعقاد نکاح اس وجہ سے قابل لحاظ نہیں کہ جبکہ اس کی شہادت نسبت ثبوت توکیل جو اصل بنا و موقوف علیہ صحت دعوی ہے کالعدم ہے تو اس بارے میں اس کا حصہ بیان کیا معتبر ہو سکتا ہے،

اوّلاً: بیانات سابقہ میں واضح ہو گیا کہ نہ ثبوت توکیل موقوف علیہ صحت دعوی تھا نہ جلال کی گواہی نسبت توکیل کالعدم، دونوں باتیں غلط ہیں۔

ثانیاً: بالفرض اگر ایک حصہ بیان بوجہ عدم تعریف مقبول نہ ہو تو دوسرا حصہ بیان کہ امر جداگانہ کے متعلق ہے کیوں مردود ہونے لگا، نمبر ۵ میں فصول عمادیہ و فتاوی عالمگیریہ سے گزرا کہ ایک گواہ نے صرف وکالت پر گواہی دی دوسرے نے وکالت وعزل دونوں پر یعنی وکیل بھی کیا پھر معزول بھی کردیا تو دوسرے کی گواہی دربارہ عزل مردود ہے کہ نصاب تام نہیں اور دربارہ وکالت مقبول کہ اس پر نصاب کامل ہے، درمختار میں ہے:

شهدا بألف وقال احدهما قضى خمس مائة قبلت بألف الا اذا شهد معه اٰخر[1]۔	دونوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس نے پانچ سوادا کر دئے ہیں تو ایک ہزار میں گواہی درست ہوگی مگر جب پانچ سو کی ادائیگی میں کوئی دوسرا ساتھ گواہی دے۔ (ت)

دیکھو یہاں بھی ایک گواہ کا یہ حصہ شہادت کہ مدعی علیہ پر ہزار روپے آتے تھے مقبول ہوا اور دوسرا حصہ کہ ان میں سے پانسو ادا کر چکا ہے نہ سنا گیا کتب فقہ میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی،

[1] درمختار کتاب الشهادات باب الاختلاف فی الشهادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۰

اماقول الدر الشھادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل [1] فقد حققنا فیما علقنا علی ردالمحتار ان معناہ ان المشھود بہ الواحد لایقبل مرۃ ویرد اخری بل اذارد مطلقًا ابدا الااذاکان لہ تعلق بامرین وقام بہ وجہ الرد نظر االی احدھمادون الاٰخر کما فی صور الاستثناء الثمان منھا شرب الخمر الثابت بشھادۃ رجل وامرأتین یقبل فی حق العتق والطلاق المعلقین بہ لا فی حق الحد اذلا شھادۃ للنساء فی الحدود وھکذا فی البواقی ولیس المراد ان الشاھد بعدۃ امور فردت شھادتہ فی احدھما لا یختص بہ لانقدح فی الشاھد ردت فی الامور الباقیۃ ایضا فان ھذا باطل قطعا [2] ثم ذکرت الفرعین المذکورین۔	لیکن در کا یہ قول کہ جب بعض شہادت باطل ہوئی تو کل باطل ہوجائے گی، تو اس کی تحقیق ہم نے ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں کردی ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ ایک مشہود بہ (جس بات کی شہادت دی جارہی ہو) کو ایک دفعہ رد کرنے پر دوبارہ قبول کرنا جائز نہیں، جب کردیا تو رد ہی ہوگا دوبارہ قبول کرنا جائز نہ ہوگا بشرطیکہ اس ایک مشہود بہ کا تعلق دو مختلف صورتوں سے نہ ہو اور اگر اس کا تعلق دو مختلف صورتوں سے ہے اور ایک صورت رد کی ہے دوسری نہیں ہے، جیسا کہ آٹھ استثناؤں میں سے ایک یہ کہ شراب خوری جب ایک مرد اور دو ۲ عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو تو یہ شہادت شراب خوری سے معلق کردہ امور عتق اور طلاق میں مقبول ہے اور یہی شہادت شراب خوری پر حد کے لئے مقبول نہ ہے کیونکہ حد میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں، یوں ہی باقی امور میں بھی۔ ردالمحتار کی عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ گواہ جب متعدد امور کی شہادت دے اور ایک میں شہادت اس کی خصوصیت کی بناء پر مردود ہوجائے تو باقی امور میں بھی شہادت مردود ہوجائے کیونکہ یہ بات قطعًا باطل ہے، پھر میں نے اس پر مذکور دو ۲ فرعیں ذکر کی ہیں۔ (ت)

(۲۷) محمد حسن خاں کی شہادت اس وجہ سے لغو ہے کہ اس تمام بیان میں کہیں تذکرہ نام مدعا علیہا کا نہیں، نہ کوئی ثبوت اس کی شناخت کا ہے بلکہ ایک حکایت ہے کہ کوٹھری میں سے جو آواز آرہی تھی اس کا اعادہ کیا ہے، یہ اعتراض بھی تمام شبہات پر نظر نہ فرمانے سے ناشی ہے،

اولًا: محمد حسن خاں نے جہاں یہ کہا ہے کہ ایک کوٹھری جس میں کواڑ نہیں ہیں پردہ پڑا تھا اس میں سے یہ آواز آرہی تھی کہ میں اپنی خوشی سے آئی ہوں میری سوتیلی ماں سے ہمیشہ رنج رہتا تھا میرے والد مولوی مسعود خاں شہر میں نہیں ہیں حسن رضا کے ساتھ میرا بیڑا بھی ہوچکا تھا اس وجہ سے میں یہاں چلی گئی اور ان سے آکر کہا میرا آج ہی نکاح کردو نہیں تو میں جیسے پہلے چلی گئی تھی ویسے ہی چلی جاؤں گی، وہاں یہ بھی کہا ہے کہ

[1] درمختار کتاب الشھادات باب قبول الشھادۃ وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

پردہ سے منہ بھی نکالا تھا میں نے منہ بھی دیکھا تھا پھر ثبوت شناخت کی کیا ضرورت، یہاں بھی وہ مباحث پیش آئیں گے جو امر ۱۹ و ۲ میں نسبت شہادت جلال خاں گزرے محمد حسن خاں صرف کوٹھری کی آواز کا حاکی نہیں بلکہ آواز والی کو اسی وقت منہ دیکھ کر پہچانے ہوئے ہے۔

ثانیاً: دربارہ نام مدعاعلیہاوہ بحث جو زیر امر ۲۲ گزری عائد ہے مولوی مسعود خاں کی بیٹی جو اس اظہار کے قابل ہو صرف عصمت جہاں بیگم ہے رفع جہالت کو اس قدر بس ہے اگرچہ نام نہ لیا گیا، یہ اور اس کو باپ کی گواہی ثبوت نکاح کے لئے نہ تھی بلکہ اس سے بیان عصمت جہان بیگم کی تکذیب مقصود ہے کہ وہ برضائے خود آئی ہے نہ کہ دوسری طرح۔

(۲۸) محمد حسن خاں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ تھانہ دار نے نہال الدین خاں او محمود خاں سے کہا تم نے اس کوٹھری میں یہ بھی دیکھ لیا کہ کوئی اور تو نہیں انہوں نے کہا اس میں ہماری ہی بھانجی ہے اور کوئی نہیں یہ قول بھی محمد حسن خاں کا غلط ہے اس لئے کہ مسماۃ نہال الدین کی بہن اور محمود خاں کی بھتیجی ہے نہ کہ بھانجی۔

اولاً: کسی امر عظیم میں اشغال کے وقت کی زبان ایک آدھ لفظ میں بہک جانا کچھ مستبعد نہیں ہوتا محمود خاں کے لئے اس واقعہ کا سخت امر عظیم ہونا باتفاق فریقین ثابت ہے فریق عصمت جہاں بیگم کے طور پر تو ظاہر حتی کہ ایک فیصلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مسعود خاں اسی صدمہ سے دوران مقدمہ مر گیا محمود خان ان کا حقیقی بھائی ہے اگر بھتیجی کا بھانجی شدت صدمہ میں زبان سے نکل جائے کیا جائے تعجب ہے اور فریق حسن رضا خاں کے طور پر یوں کہ **معاذ اللہ** حقیقی بھتیجی نوجوان کنواری باپ کے یہاں سے بھاگ کر ایک شخص کے یہاں چلی گئی اور خود نکاح کر لیا اور باپ بالجبر بلانا چاہتا ہے تو چچا اور بھائی کے سامنے یہ صاف صاف اظہار میں تھانے دار کو کہہ رہی ہے میں نہیں جانتی کون سے پیڑ پر رہتے ہیں کس باغ کی مولی ہیں **عیاذاً باللہ** یہ کیا تھوڑے صدمہ کا مقام ہے، پھر اتنی زبان بہکنا کیا محال، اور جب یہ ممکن اور ضرور ممکن تو مجوز ذی علم نے کیونکر یقین کر لیا کہ یہ محمد حسن خاں کی غلطی ہے، کیا متحمل نہیں کہ محمود خاں ہی کی غلطی ہو اسی نے گھبراہٹ اور سخت رنج کی حالت میں بھانجی کہا محمد حسن خاں نے جو اس سے سنا وہی نقل کر دیا اسے اپنی طرف سے تصرف کا کیا اختیار تھا مع ہذا کیا محال ہے کہ عصمت جہاں بیگم کی ماں محمود خاں کی رشتہ کی بہن ہو تو بھانجی کہنے میں کوئی غلطی بھی نہیں۔

ثانیاً: بالفرض اگر یہ لغزش محمد حسن خاں ہی نے کی تو کیا الزام ہے کیا یہاں عصمت جہاں بیگم کی نسبت وقرابت کا کوئی مقدمہ پیش تھا کہ بھتیجی کی جگہ بھانجی کہنے میں فرق پڑ گیا یا شاید خواہ مدعی کا اس کے بھانجے ہونے

میں کوئی نفع بھتیجی ہونے میں کوئی نقصان تھا پھر ایسے لغو وفضول امر سے جس کے لئے مقدمہ میں کوئی اثر نہیں اعتراض یعنی چہ۔

(۲۹) یہ بھی لغویت قول گواہ مذکور ہے کہ اس نے واقعہ کی مدت قطعی آٹھ ماہ کی بیان کی ہے اور بروئے حساب کہ تاریخ عقد ۲۴/اپریل ۱۹۰۴ء ہے تاروزادائے شہادت کہ ۴/دسمبر ۱۹۱۴ء ہے مدت سات ماہ نو دن ہوتے ہیں تو یہ شہادت متعلق کسی واقعہ مقابل کے ہے،

اولاً: سخت حیرت ہے کہ یہاں جو نقل اظہار آئی اس میں صاف یہ لفظ ہیں عرصہ تخمیناً آٹھ ماہ کا ہوا کہاں تخمیناً کہاں قطعاً۔

ثانیاً: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ"[1]	زمانہ حج چند ماہ معلوم ہیں۔

اشھر بصیغہ جمع فرمایا جس کا اقل تین ہے حالانکہ وہ صرف یکم شوال سے دہم ذی الحجہ تک دو مہینے دس دن اور امام شافعی کے نزدیک نہم تک دو مہینے نو دن ہیں۔ ردالمحتار میں علامہ مصطفیٰ رحمتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے حاشیہ درمختار میں سے ہے:

اطلق اشھر فی قولہ تعالٰی الحج اشھر معلومٰت علی شھرین وبعض الثالث[2]۔	اشھر جمع کا اطلاق، اللہ تعالٰی کے قول "اشھر معلومات" میں دوماہ اور ایک ماہ کے کچھ حصے پر کیا گیا ہے (ت)

جب دو مہینے نو دن کو تین مہینے کہنا جائز ٹھہرا تو سات مہینے نو دن کو آٹھ مہینے کہنے میں کیا گناہ ہوا، ہاں اگر محمد حسن خاں قید لگاتا کہ پورے آٹھ مہینے ہوئے یا بے کم وبیش یا کامل تو ضرور اعتراض کا محل تھا، معالم التنزیل میں ہے:

شوال وذوالقعدۃ وتسع من ذی الحجۃ وانما قال اشھر بلفظ الجمع لان العرب تسمی الوقت تاما بقلیلہ وکثیرہ فیقول اتیتك یوم الخمیس	شوال، ذوالقعدہ اور نو دن ذی الحجہ ہیں، اس کے باوجود اشھر جمع کا لفظ فرمایا، کیونکہ عرب لوگ کچھ وقت کا تمام وقت پر اطلاق کرتے ہیں، وہ کہتا ہے میں جمعرات کو تیرے پاس آیا حالانکہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۷

[2] ردالمحتار

وانما اتاہ فی ساعة منه ویقولون زرتك العام وانما زارہ فی بعضه اھ[1] مختصرًا۔	آنا صرف ایک ساعت میں ہوا، یوں ہی کہتے ہیں میں نے اس سال تیری زیارت کی حالانکہ زیارت کچھ حصہ میں کی ہے اھ مختصرًا (ت)

ولہٰذا احتمال مجاز رفع کرنا چاہا قرآن عظیم نے قید کمال بڑھا کر "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ"[2] (یہ دس کامل ہیں۔ت) فرمایا کشاف میں زیر قولہ تعالٰی حولین کاملین (دو سال کامل۔ت) لکھا تو کید کقولہ تعالٰی:

تلك عشرة کاملة لانه ممایتسامح فیه فتقول اقمت عند فلان حولین ولم تستکملهما[3]۔	یہ دس کامل ہیں، کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں تسامح سے کام لیا جاتا ہے، تو کہتا ہے میں نے فلاں کے پاس دو سال قیام کیا حالانکہ تو نے پورے دو سال نہ کیا۔ (ت)

شہادتوں پر دیگر اعتراضات کا بھی خاتمہ ہوگیا، اب قرائن سنئے:

قرائن: (۳۰) واقعہ حیرت خیز خلاف عقل ہے، عورت پردہ نشین ناکتخدا معزز نامی شخص کی بیٹی کا پاپیادہ تنہا شب میں بلا اعانت شخص دیگر کے محلّہ مدرسہ سے باغ انگوری تک آنا پھر خواہش نکاح کی کرنا اور بلا علم وشرکت اعزاو معززین محلّہ بوکالت اجنب نا آشنا و شہادت اشخاص غیر شناسا نکاح ہونا اصلا قابل باور ہونے کے نہیں اور اس سے پہلے توکیل بوستاں خاں کی نسبت فرمایا مدعا علیہا پردہ نشین شریف زادہ ہے اس بیباکی وبے حیائی کے ساتھ ایک شخص اجنب سے ایسے شرم کے وقت جو ذلیل ترین عورت بھی ایسی باتیں نہیں کرسکتی بلحاظ رسم ورواج شرفاء اصلاً عقل سلیم اس کو باور نہیں کرسکتی یہ جملہ کارسازی مصلحتی وصنعتی ہے۔

اولًا: صریح شہادتوں کے خلاف قرائن پر حکم ناممکن۔ علماء فرماتے ہیں:

ان البینة کاسمها مبینة والثابت بالشهادة کالثابت بالمشاهدة۔	البینۃ اپنے نام کی بناء پر واضح کرنے والا ہوتا ہے، شہادت سے ثابت شدہ چیز مشاہدہ سے ثابت شدہ کی طرح ہے (ت)

---

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفیسر الخازن تحت آیۃ الحج اشھر المصطفی البابی مصر ۱/۱۸۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

[3] الکشاف للزمخشری تحت آیۃ حولین کاملین انتشارات آفتاب قم ایران ۱/ ۷۰۔۳۶۹

آدمی جس طرح آنکھوں دیکھی بات کو محض اس بنا پر رد نہیں کرسکتا کہ قرینہ اس کے خلاف ہے یوں ہی ثابت بالشاہدۃ کو، قرائن سے غایت درجہ اگر ہوگا تو یہ کہ بیان شہود میں ریب و تہمت پیدا ہو اور محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاصل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ریب و تہمت کے سبب گواہیاں رد نہیں ہوسکتیں،

فی الھندیۃ عن المحیط عن الاصل القاضی وان کان یتھمھم فالشھادۃ لاترد بمجرد التھمۃ[1]۔	ہندیہ میں محیط سے اصل (مبسوط) کے حوالہ سے ہے کہ اگر قاضی گواہوں کو متہم بھی کرے تب بھی محض تہمت کی بناپر شہادت مردود نہ ہوگی (ت)

شریف زادیوں کا مکان سے جاکر باختیار خود نکاح کرلینا اگرچہ رسم عام نہیں مگر شرعاً ممنوع وحرام نہیں، اگر تلاش کیجئے تو رامپور ہی میں اس کی بیس نظیریں ملیں گی اور رات کو پیادہ گلی کوچوں پھرنا تو وہاں بکثرت شائع ہے جس طرح لکھنؤ میں، بریلی میں شریف خاندان اسے ضرور عیب سمجھتے ہیں مگر رام پور میں اگر یہ عیب ہے تو برائے گفتن ہے عملی طور پر اکثر خاندانوں میں عیب نہیں بلکہ وہاں بہت جگہ منگنی وغیرہ کی تقریبوں میں شب کو آپ ڈھول بجاتی ہوئی نکلنے کی رسم ہے ان میں کنواریاں بیاہیاں جوان بڑھیاں سب طرح کی ہوتی ہیں اور بعض بیاہیاں تو مردانہ لباس پہن کر تینچے کی جوڑی لگا کر نکلتی سنی گئی ہیں یہاں تک مسموع ہوا کہ بعض اونچے گھروالیاں اسی وضع میں سڑک پر مقتول ملیں **والعیاذ باللہ رب العٰلمین** مفتی وحاکم دونوں پر لازم کہ جہاں کی نسبت حکم یا فتوٰی دیں خاص وہاں کے رسم ورواج پر لحاظ کریں دوسرا رواج اگرچہ کیسا ہی عام ہو وہاں کے اپنے رواج کا معارض نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: رسم ورواج کے قرائن تو اس وقت ڈھونڈھئے کہ خود اصل شخص مبحوث عنہ کے افعال واقوال، حرکات واعمال پر اطلاع نہ ہو جب خود اس کی حالت معلوم، پھر دوسروں کے رواج سے اس پر حکم کیا معنی، یہاں دو باتیں حیرت خیز و تعجب انگیز اور عقل سلیم سے بعید سمجھی گئیں ایک تو عصمت جہاں بیگم کا پاپیادہ گھر سے تنہا چلا جانا، دوسرے اجنبی شخص بوستاں خاں سے بیباکانہ یہ گفتگو کہ بھائی بوستاں خان میں نے تمہیں اپنے نکاح کا وکیل کیا۔ ان دونوں باتوں کی زندہ نظریں بدرجہاان سے زائد خود عصمت جہاں بیگم کے افعال واقوال میں موجود، یہی عصمت جہاں بیگم مدعا علیہا یہی عورت پردہ نشین ناکتخدا یہی معزز نامی شخص کی بیٹی یہی نوجوان کنواری شریف زادی ابھی قریب زمانہ ہوا اس نکاح سے دو ہی مہینے پہلے اپنے مکان

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۳۴۵

سے بلااطلاع غائب ہو کر اسٹیشن ریلوے رامپور تک جاچکی ہے اس کا بہنوئی پھوپھی زاد بہن کا شوہر تلاش کرتا گیااور منا لایا، سید مراد علی سب انسپکٹر اسٹیشن رامپور نے لکھایا ۲۵ فروری ۱۹۰۴ء میں زبانی ضامن شاہ خاں ولد عادل شاہ خاں کے معلوم ہوا کہ میری حقیقی سالی اچھن بیگم مکان سے ناخوش ہو کر چلی آئی ہے، زنانے کمرہ میں تلاش کرلی جائے، میں نے تلاش کرایا زنانہ کمرے میں موجود ملی، ہمراہ لے کر واپس مکان خود ہوا، سروری بیگم جس کے مکان پر نکاح ہوا عصمت جہاں بیگم کی بھانجی ہے، اپنی بھانجی کے یہاں آنا آخر اسٹیشن تک پہنچنے سے کچھ کم ہی ہوگا، اچھن بیگم جس کاذکر اظہار مذکور میں ہے یہی عصمت جہاں بیگم ہے جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں کہتی ہے کہ میرے چچا کبھی اچھی کہتے ہیں کبھی اچھن صاحب کبھی اچھن، ضامن شاہ خاں مذکور اسی کا بہنوئی ہے، جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں کہتی ہے کہ ضامن شاہ خاں میرے داماد جن کے باپ کا نام عادل شاہ خاں ہے عصمت جہاں بیگم کے اس خفیہ چلے جانے کے ذی علم مجوز جج ریاست نے بھی اپنے فیصلہ میں اخذ کیا اور اس سے عصمت جہاں بیگم کے باب میں وہ نتیجہ نکالا جسے فتوی میں ذکر کرنا مناسب نہیں، اس کا چند روز تک حسن رضاخاں کے مکان پر رہنا اس کے حقیقی بھائی کا وہیں اس سے ملنے کو جانا اور اس کے باپ کے بمبئی سے آنے تک اس کے حقیقی بھائی حقیقی چچا سب کا چپ رہنا استغاثہ درکنار اطلاع بھی نہ کرنا پھر بمبئی سے آنے کے بعد بھی کئی دن کی خاموشی ہو کر کارروائی چلنا اور عصمت جہاں بیگم کا بجبر پولیس حسن رضاخاں کے مکان سے نکلنا یہ واقعات تو ایسے ہیں جن میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، ہاں فریقین اس میں مختلف ہیں کہ یہ جانا بجبر تھا یا بخوشی، عصمت جہاں بیگم جبر بتاتی ہے اور وہ شرعاً اس میں مدعی ہے بار ثبوت اس کے ذمے تھا اور وہ اس میں محض ناکام رہی، اس کے اور اس کے باپ اور اس کے گواہوں کے اظہار سب عجب عجب تناقضوں اور خلاف عقل وبعید از قیاس باتوں پر مشتمل ہیں جن کو دیکھ کر صاف مترشح ہوتا ہے کہ صنعتی و مصلحتی کہنا انہیں بیانوں کو شایاں ہے ان کے نقائض وقبائح کی تفصیل آسان تھی مگر اس کے ذکر سے حاجت تطویل نہیں کہ خود ذی علم مجوز نے ان پر اعتبار نہ کیا اور عصمت جہاں بیگم کا بالجبر اپنے باپ کے مکان سے لایا جانا مسلم نہ رکھا، آخر فیصلہ میں فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدعاعلیہا حسب رسم ورواج زمانہ اپنی بھانجی کے گھر کسی ضرورت سے گئی مگر جبر نہ مان کر بیان مدعی و گواہان مدعی مردود ہونے پر قرائن عقلیہ کی کوئی کافی شہادت نہیں، جب عصمت جہاں بیگم کا اس کے یہاں بخوشی جانا مسلم تو مدعی کا اس میں کیا نفع تھا کہ اس کارات کو پاپیادہ مردانہ لباس میں آنا بیان کرتا کیا اگر ڈولی میں آنا بتاتا تو ثبوت نکاح میں اشکال ہوتا نہیں نہیں بلکہ بظاہر اسی بیان میں شکل اشتباہ تھی جیسا کہ ذی علم مجوز کو واقع ہوا کہ اس کا یوں آنا بعید از عقل سمجھا تو خلاف واقع ایسی بات کہ اپنے دعوی میں شبہہ پیدا کرے بیان کرنا اور مطابق واقع صاف صاف

بے اشتباہ کو چھوڑ دینا اصلاً کوئی وجہ نہ رکھتا تھا۔لاجرم قرین قیاس یہی ہے کہ جیسا وہ کہتا ہے وہی واقع ہوا اور اس نے اپنی دیانت خواہ سادگی سے بیان واقعہ میں کوئی تصنع نہ کیا جو گزرا تھا بے کم و بیش وہی بیان کردیا ورنہ وہ بناوٹ چاہتا تو اسے یہ کہنا بہت آسانیاں دیتا کہ عصمت جہاں بیگم ڈولی میں اپنی بھانجی کے پاس آئی اور نکاح کی خواستگار ہوئی، ہم نے دیوانی و ججی دونوں مقدموں کے کاغذات فریقین و گواہان فریقین کے اظہارات بتفصیل دیکھے اصلاً کسی حرف سے نہ تو عصمت جہاں بیگم کے دامن عصمت میں کوئی لوث والتباس نظر آتا ہے نہ بیان حسن رضا خاں میں کوئی امر بعید از قیاس، غیب کا علم عالم الغیب عزجلالہ کو ہے مگر رودادوں کا ملاحظہ بے رو رعایت حالت واقعہ یہ بتاتا ہے کہ عصمت جہاں بیگم ضرور اپنے نام کی عصمت جہاں ہے حاشا اس پر کسی بدوضعی کا ثبوت نہیں مگر اس کی طبیعت خلقۃً خوش باش وآزادی پسند و لطیف وظریف واقع ہوئی ہے وہ صدموں کا تحمل درکنار محکومی و دست نگری سے بھی بیزار ہے حبیب النساء بیگم اس کی سوتیلی ماں ہے حسب عادت زنان بلکہ رواج عام ہر زمان اس عداوت کے رشتے سے عصمت جہاں بیگم کو اذیت پہنچتی تھی اور کچھ نہ ہو تو کم از کم وہ محض محکوم و دست نگر رکھی گئی تھی اس کی آزاد طبیعت اس قید و بند سے بھاگتی تھی جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں درپردہ شاکی ہے کہ میرے پاس روپیہ علیحدہ نہیں رہتا ہے چچا ماں بھائی سے کہہ کر چیز منگا سکتی ہوں ایسی چیز جس کو میرا جی چاہے اور یہ لوگ منع کریں نہیں منگا سکتی ہوں، انہیں وجوہ سے وہ ایک بار تنگ آکر اسٹیشن تک فرار کرچکی اس بار پکڑی گئی اور پھر اس کو اسی قید کا سامنا ہوا اور مظنون ہے کہ اب بوجہ فرار قید و تشدد میں اور اضافہ ہوا ہو، وہ وقت کی منتظر تھی اس کا باپ بمبئی گیا ادھر سوتیلی ماں کو ستانے کا زیادہ موقع ملا ہوگا ادھر اس نے اپنی آزادی قائم کرنے کا اچھا وقت پایا سوچی کہ اب کی بار بھی پہلا ہی سا فرار ہوا تو اسی طرح بیکار جائے گا وہ تدبیر کیجئے کہ ہمیشہ کو آزاد ہوجائیے۔ حسن رضا خاں سے اس کا بیڑا ہوچکا تھا جیسا کہ خود اس کی ماں نے اپنے ایک اظہار میں اقرار کیا ہے اسے سب کے ظاہر ڈولی منگا کر حسن رضا خاں کے یہاں جانے کا حسب رسم زمانہ کوئی موقع نہ تھا لہٰذا اس کا پاؤں ایک بار کھل چکا تھا رات آنے کی منتظر تھی اس کے یہاں معمولاً آٹھ یا نو بجے رات کو سوجاتے ہیں جیسا کہ خود اس نے اپنے اظہار میں لکھایا ہے باپ گھر میں نہ تھا ماں بھائی نو بجے سوگئے اس نے دس بجے راہ مقصود لی اس کے بھائی نے سوتے وقت اچکن ٹوپی اتار کر رکھ دی تھی یہ سمجھی کہ چاندنی رات ہے کہ صفر کی آٹھویں شب تھی اور ابھی راستہ چل رہا ہے جیسا کہ خود اس کی طرف کے اظہاروں میں ہے کہ راہ میں اس کے چچا وغیرہ لوگ ملے تھے اپنے لباس میں کہیں پہچانی نہ جائے لہٰذا بھائی کی شکر گزاری کے ساتھ اس کی اچکن ٹوپی زیب بدن کی اور وہی ہوا جو وہ سمجھتی تھی کہ

اب کسی نے نہ پہچانا یہاں تک کہ وہ اپنی بھانجی کے گھر میں آ گئی، یہاں کی عورتیں اجنبی جوان کو آتے دیکھ کر ضرور گھبرائی ہوں گی مگر یہ محل اس کے کھل جانے کا تھا اس کے اتنے کہنے پر کہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم، وہ گھبراہٹ اب اس تعجب سے بدل گئی ہوگی کہ تم اس وقت اس وضع میں کہاں، اور اس کا اس نے وہی جواب دیا ہوگا جو اپنی خود مختاری کے اظہار میں کہہ چکی تھی کہ میری سوتیلی ماں مجھے زہر دئے دیتی ہے میرا نکاح کردو ورنہ پہلے کی طرح پھر چلی جاؤں گی وہ خوب سمجھ لی تھی کہ اس کی آزادی قائم کرنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو یہی نکاح ہے کہ اس کے بعد وہ لوگ مجبور ہو جائیں گے، شوہر کا گھر اسٹیشن کا کمرہ نہ ہوگا جہاں سے ضامن شاہ خاں پکڑلے جائیں اس نکاح کے لئے ضرور تھا کہ اس کے اعزہ واقارب واہل محلّہ نہ بلائے جائیں کہ یہ تو بالکل برعکس مراد ہوتا تو اس کو یہاں قرینہ بے اصل دعوی ٹھہرانا اصل مطلب سے غفلت پر مبنی ہے۔ تلاشی کے وقت اچکن ٹوپی کا مدعی کے یہاں سے برآمدن ہونا بھی اسی کا مؤید ہے کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ لوگ ڈاکہ ڈالنے جائیں اور فقط روپے آٹھ آنے کے دو استعمالی کپڑے لے کر چلے آئیں پھر انہیں اپنے یہاں رکھ چھوڑیں یہاں تک کہ کئی دن بعد تلاشی میں نکلیں حالانکہ کپڑا فورًا پہچانے جانے کی چیز ہے، لاجرم وہ اسی طرح آلئے جس طرح مدعی بیان کرتا ہے اور انہیں گھر میں رکھنے سے احتراز نہ کیا کہ خود پہننے والی ہی موجود تھی اور اس نے اپنی خوشی سے نکاح کیا تھا مدعی مطمئن تھا کہ فساد نہ اٹھے گا آخر کئی روز تک اس کے چچا، بھائی خاموش رہے۔ تھانے میں بھی خبر نہ کی بلکہ چچا اور بھائی اور بہنوئی خود یہاں آکر اس سے مل گئے جیسا کہ حبیب النساء بیگم و عصمت جہاں بیگم و نہال الدین خاں کے اظہار سے ثابت ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ محمد رضا خاں مجھ کو اندر مکان کے لے گئے تھے اور دوسرے اظہار میں یہ بھی لکھایا ہے کہ محمد رضا خاں نے لڑکی سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے بھائی آتے ہیں، کیا جو کوئی بھگا کر لاتا ہے اس کے بھائی کو یوں مکان کے اندر لے جاتا ہے، آگے نہال الدین خاں کا کہنا کہ بعد لے جانے کے محمد رضا خاں نے مجھ سے کہا کہ تم کیوں آئے ہو چلے جاؤ ہم تم کو ماریں گے، محض نامقبول ہے، ان لوگوں کو نامنظور ہوتا تو پہلے ہی مکان میں کیوں جانے دیتے، ہاں شاید اس نے اندر جا کر اپنی بہن کو کچھ بھکانا یا دھمکانا شروع کیا ہو، اس پر محمد رضا خاں نے ایسا کہا ہو، نیز مدعی کو اطمینان تھا کہ کسی نے فساد چاہا بھی تو عصمت جہاں بیگم جوان عورت خود مختار ہے، اس پر کسی کی ولایت جبر یہ نہیں وہ اپنی عصمت پر تہمت نہ رکھے گی، اور ہوا بھی ایسا ہی، وہاں جو اس کا اظہار ہوا ہے اس میں سارا واقعہ کہہ سنایا مگر جب بالجبر باپ کے یہاں بھیج دی گئی یہاں اسے پڑھایا ہوا سبق پڑھنا پڑا، اس سلسلہ وار قرین قیاس واقعہ کو دیکھ کر کچھ بھی اس کا تعجب نہیں رہتا کہ عصمت جہاں بیگم نے کیونکر بوستاں خاں سے خطاب تو کیل

کیا ہوگا مگر زیادہ تعجب تو اس کا ہے کہ عصمت جہاں بیگم نے اظہارات جو اس نے اجنبی مردوں حکام وغیر ہم کے سامنے دھڑلے کی صفائی سے آٹھ دس صفحہ مطول پر لکھائے ہیں جن میں وہ عندلیب ہزار داستان بن کر چہکی ہے جن میں کہیں نہ تو اس کی تیوری پر میل آیا نہ اس کی آنکھ جھپکی نہ اس کی زبان بہکی ہے انہیں ملاحظہ فرما کر اتنی بات کو بعید از عقل سلیم کہا جاتا ہے کہ بھائی بوستاں خاں میں نے تمہیں اپنے نکاح کا وکیل کیا، ان اظہاروں کا دیکھنے والا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کمسن نوجوان پردہ نشین شریف زادی جسے غیر مردوں سے بات کرنے کا اتفاق تو بالائے طاق بقول اس کے یہ بھی نہیں جانتی کہ میرے مکان کے دروازہ کے سامنے کس کا مکان ہے وہ اور خاص اہلکاران حکومت کے سامنے چالاک وکیلوں کے پیچ در پیچ جرحوں کے مقابل یہ کچھ طرار یں دکھانا یوں صفائی سے نکل جانا سچ پوچھئے تو بعید از عقل سلیم اسے کہئے اس کے ابتدائی اظہار پر لچھے دار بیان کا تسلسل دیکھ کر وکلائے مدعی کو گمان ہوا تھا کہ شاید اس کے قانون دان باپ نے اسے اظہار لکھ کر دے دیا ہے جسے پڑھ کر سنا رہی ہے جس کا جواب اس نے وہ چمک کر دیا کہ کاغذ دیکھنے والے پر لعنت ہے، کتنا پہلو دار جواب ہے، معلوم نہیں اس کاغذ کو کہتی ہے جس کی نسبت وکیل مدعی نے شبہہ کیا یا اس کاغذ کو جس پر اظہار لکھا جارہا ہے اور وکیل وغیرہ کے پیش نظر ہے، خیر یہاں تو شبہہ صحیح تھا خواہ بے اصل، مگر جرحوں کے جواب تو وہ لکھوا کر نہ لاسکتی تھی وہاں اس کی تیز زبانیاں شیوابیانیاں قابل تماشہ ہیں اس کے باپ کی نسبت کوتوال ریاست نے لکھایا ہے کہ تجربہ کار قانون دان مشہور ہے مگر موازنہ تو صاف کہہ رہا ہے کہ عصمت جہاں بیگم کا اظہار اس کے باپ کے اظہار سے کہیں زیادہ چاق وباطمطراق ہے وہ ان اجنبی مردوں نہ صرف اجنبی بلکہ حاکمانہ اظہار لینے والوں اور مخالفانہ جرحیں کرنے والوں کے مجمع میں اپنی ظریف طبیعت کے رنگ کو بھی نہ بھولی زہر یا دھتورے کے لڈو جنہیں کھلا کر اسے اور اس کے سارے کو بیہوش کردینا بتایا گیا ہے ان کی تعداد و وزن تخمینی سے وکلا نے سوال کیا تھا جس کا جواب لکھاتی ہے کتنے نہیں بتاسکتی نہ یہ بتاسکتی ہوں کہ پانچ تھے یا پانچ سے زیادہ تھے، آٹھ تھے یا آٹھ سے زیادہ تھے، تخمینہ سے بھی نہیں بتاسکتی کہ دس تھے یا اس سے زیادہ تھے، چار یا پانچ تخمیناً تھے، ان چار پانچ کا وزن نہیں بتاسکتی، نہ ایک لڈو کا وزن تخمیناً بتاسکتی ہوں کہ ماشہ بھر یا تولہ بھر یا چھٹانک بھر تھا یا سیر بھر تھا یا من بھر تھا۔ سوال تھا کہ ایک لڈو کتنے نوالوں میں کھالیتی تھیں، جواب دیا نہیں بتاسکتی، نہ یہ کہہ سکتی ہوں کہ ایک لڈو کے آٹھ یا دس یا بیس یا پچاس نوالے ہوتے تھے۔ سوال تھا کہ لڈو کھانے کے کتنی دیر بعد یہاں سے روانہ ہوئی، کہا تخمیناً بھی نہیں بتاسکتی۔ وکیل نے پوچھا ایک گھنٹے بعد یا ڈیڑھ گھنٹے بعد۔ کہا میں کچھ

نہیں کہہ سکتی سب گھنٹے بعد، پھر ایک سوال کے جواب میں کہاآنے میں اور کھانا کھانے کے وقت تک چار پانچ گھنٹے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتی مجھ کو متشابہ تھا، وکیل نے پوچھا متشابہ آپ کو کیوں تھا، اس پر بولی آپ نے لفظ "ہ" زیادہ کردیا مجھ کو کتاب سے بتلا دو یہ میری سمجھ میں نہیں آتا، زہر کے لڈو کھانے کے آثار سے سوال ہوا، اس کا جواب دیتی ہے ہم کو یاد نہیں کہ کلیجے پر جلن تھی یا نہیں ہم کو یاد نہیں کہ پیٹ میں درد ہوا تھا یا نہیں، یہ بھی یاد نہیں کہ گلے میں سوزش ہوئی تھی یا نہیں، آئینہ ہمارے ہاتھ میں نہ تھا کہ میں دیکھتی کہ آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں یا کیا، مجھے یاد نہیں کہ میرے گلے میں خشکی تھی یا نہیں، تین مہینے سے اونچا عرصہ ہوا۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ کسی کو پیاس تھی کہ نہیں، میں نہیں کہہ سکتی میرے سر میں درد ہوا یا نہیں، میں نہیں کہہ سکتی کہ چکا چوند ہوا یا نہیں، نہ میں نے پاگل دیکھا، نہ میں جانوں، نہ کودنا، اچھلنا، جنون لڑکھڑانا، پاؤں کا پھدکنا ناچنا، واہی تباہی، ہوامیں ہاتھ مارنا، ان سب باتوں کو میں نہیں جانتی، یہاں تک کہ لکھاتی ہے کسی مرد نے کہا پلنگ پر لیٹ جاؤ میں لیٹ گئی پلنگ پر لیٹنے کے بعد صبح تک ہوش نہ ہوا صبح کو اٹھی جب معلوم ہوا کہ مجھے خراب وبے عزت کیا پاجامے کی کلیوں پر خون لگا تھا یہ نہیں معلوم کس نے خراب کیا، جب تک مظہرہ ملزمان کے قبضہ میں رہی مظہرہ سے برابر کام حسن رضاخاں ڈرادھمکا کر کرتا رہا، کچہریوں کے اظہار اور وکلاء کی چھتاڑ میں بڑے بڑے مرد گھبرا جاتے ہیں نہ کہ عورت نہ کہ کمسن نہ کہ پردہ نشین نہ کہ ناکتخدا نہ کہ ایسے بھنورے کی پلی جسے یہ بھی خبر نہیں کہ اس کے دروازے کے سامنے کس کا مکان ہے نہ کہ ایسی گلفشانیاں یہ حرف گیریاں نہ کہ کلیوں کے خون تک کا صفائی سے بیان، یہ سب اس کی آزاد بیباک طبیعت کے چھچھے تھے، پھر اسے اتنا کہنا کیا محال تھا کہ بھائی بوستاں خاں! میں نے تمہیں وکیل نکاح کیا غرض یہاں مدعائے مدعی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں بلکہ قرائن بھی اس کی طرف ہیں۔

تنقیحات

فیصلے کے تمام اعتراضات متعلق دعوی و شہادات سے فروغ پایا اتنے مختصر لفظ تنقیحات کی نسبت بھی گذارش ہیں کہ ذی علم مجوز نے تین تنقیحیں کیں:

(۱) عصمت جہاں بیگم بالغہ کا نکاح اس کی رضاو توکیل سے ہوا یا نکاح نہ ہوا اور وہ نابالغہ تھی اور حسن رضاخاں اس کا کفو نہ تھا۔

(۲) آیا پیش از نکاح بیڑا ہوا۔

(۳) آیا مدعاعلیہا اپنے باپ کے گھر سے تنہا پیدل رات کو آئی یا بالجبر بھگالی گئی۔ پچھلی دو تنقیحوں پر تجویز

دی ہے کہ سوا محمد حسن خاں کے کوئی شہادت نسبت امر دوم نہ گزری شہادت مذکورہ صحیح ہوتی تو بوجہ عدم کفایت کالعدم تھی پس امر دوم بھی غیر ثابت ہے اور امر سوم بھی کوئی ثبوت سوا ایک حصہ بیان شفیع حیدر خاں کے پیش نہ ہوا وہ بھی غیر ثابت ہے اگر شہادت صحیح بھی گزرتی تو بوجہ عدم کفایت کالعدم ہوتی، ہماری رائے میں اولاً امر اخیر کی تنقیح قائم کرنی اور اس پر تجویز دینی ہی محض فضول تھی، اس محکمہ میں حسن رضا خاں کی طرف سے دعوی نکاح ورخصت تھا نہ کہ عصمت جہاں بیگم کی طرف سے دعوی جرم، تو آنا بخوشی ہوا یا بالجبر اس کی بحث یہاں محض بیکار تھی، آنا در کنار خود نکاح اگر بالجبر ہو صحیح و نافذ ہے کہ نکاح و طلاق میں اکراہ ان کی صحت میں مخل نہیں۔ درمختار کتاب الاکراہ میں ہے:

صح نکاحه وطلاقه وعتقه[1] الخ۔	اس کا نکاح، طلاق اور عتق صحیح ہے الخ (ت)

ثانیاً: تنقیح دوم اس سے زیادہ عبث ولغو تھی کہ نکاح میں بیڑا ہونے نہ ہونے کو تو اصلاً دخل ہی نہیں کیا اگر بیڑا پہلے ہو جاتا تو نکاح صحیح وجائز تھا۔ نہ ہوتا تو نہ تھا پھر اسے معرض بحث میں لانا اور اس پر تجویز سنانا یعنی چہ۔

ثالثاً: ان دو بیکار تنقیحوں کی جگہ پہلی تنقیح کے ہی دو جز اخیر کو یعنی عصمت جہاں بیگم کا نابالغہ ہونا، حسن رضا خاں کا اس کے لئے کفو نہ ہونا مستقل تنقیحیں کرنا تھا کہ نفس حکم میں شرعاً ان باتوں کو دخل عظیم تھا مگر وہ ایک بے التفاتی کے ساتھ پہلی تنقیح میں ضمناً ذکر کر دی گئیں اور مطلقاً ان کی نسبت تحریر فرمادیا کہ ثبوت ذمہ مدعی وتردید ذمہ مدعا علیہا، حالانکہ ان میں جزء اخیر یعنی عدم کفائت کا بار ثبوت ذمہ مدعا علیہا تھا وہ اس میں مدعیہ تھی کہ اصل کفاءت ہے لان الناس بنو اب وام (کیونکہ تمام لوگ باپ اور ماں کی اولاد ہیں۔ ت)

رابعاً: فیصلہ میں ان دونوں ضروری جزء تنقیح کی نسبت کسی تجویز کا ذکر نہیں عدم کفاءت کا تو کوئی ثبوت عصمت جہاں بیگم کی طرف سے نہ گزرا وہ قابل ثبوت تھی بلکہ وہ کاغذات دیکھنے میں آئے ہیں جن سے معاملہ عدم کفاءت بالعکس معلوم ہوتا ہے یعنی عصمت جہاں بیگم بہ نسبت حسن رضا خاں کے بہت کم قوم ہے اور ضرور ذی علم مجوز نے بھی اس کی یہ مہمل بات ناقابل التفات جانی اور خود اس کی طرف سے اس کی بحث سے مطلق سکوت نے ظاہر کر دیا کہ وہ صرف برائے گفتن کچھ الفاظ تھے جن کے نیچے معنی نہ تھی بلوغ کے بارے میں مسل میں نظیرن ومحبوبن دائیوں کے اظہار ہیں جن میں وہ لکھاتی ہیں کہ عصمت جہاں بیگم جس کو ہم نے

[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۷

ابھی دیکھا ہے عرصہ ڈھائی تین سال سے بالغ ہے مجوز نے سوال فرمایا کہ بلوغ کے آثار بتاؤ، اس پر جواب دیا کہ جوان عورت کی چھاتیاں پوری ہوتی ہیں چنانچہ اس کی چھاتیاں پوری ہیں عارضہ جو عورات کو ہوتا ہے وہ عارضہ بھی اس کو موجود ہے، اور اسی قسم کا ایک بیان بوستاں خاں نے اپنے اظہار میں کیا ہے وہ کہتا ہے علامات بلوغ کے میں نے دیکھے ہیں کیونکہ وہ میرے سامنے آئی تھی اس وجہ سے میں کہتا ہوں کہ وہ بالغ ہے وہ جسیم عورت تھی اور سینہ کی چوڑائی وغیرہ اور جسم اس کا معمولی عورت سے زیادہ تھا اور چھاتیاں اس کی مثل انار بڑے کے تھیں نکاح ہونے کے بعد دیکھی تھی یہاں اعتراض کو گنجائش تھی کہ جب ذی علم مجوز نے دائیوں کے اس بیان پر کہ وہ ڈھائی تین سال سے بالغہ ہے قناعت نہ کی تھی تو انہوں نے جو علامات بتائیں بدرجہ اولیٰ قابل قناعت نہ تھیں پستان کا ابھار شرعاً مثبت بلوغ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانة ولااللحية واما نهود الثدی فذكر الحموی انه لايحكم به فی ظاهر الرواية وكذا ثقل الصوت كما فی شرح النظم الهاملی ابوالسعود وكذا شعر الساق والابط والشارب[1]۔	زیر ناف بالوں یا داڑھی اگنے کا اعتبار نہیں لیکن پستانوں کا ابھرنا، تو حموی نے ذکر کیا ہے کہ اس سے بلوغ کا حکم نہ کیا جائے گا ظاہر روایت میں، یوں آواز کا ثقل بھی جیسا کہ شرح نظم الہاملی ابوسعود میں ہے اور یوں ہی پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بال کا حکم ہے (ت)

اور عورتوں کا عارضہ نہیں معلوم انہوں نے حیض کو کہا یا کسی اور عارضہ نسائی کو، شہادت میں ایسی گول بات نہیں لی جاتی، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس کا بالغہ ہونا ذی علم مجوز کو تسلیم ہے جب تو اس کی توکیل پر صحت نکاح کو موقوف فرمایا ورنہ نابالغہ کی توکیل وعدم توکیل یکساں ہے اور جب یہ دونوں بحثیں ذی علم مجوز کے نزدیک طے شدہ تھیں اور بیشک ثبوت نکاح وتوکیل پر کافی شہادتیں گزر گئیں، صرف شہادت توکیل میں اتنا قصور خود منجانب مجوز باقی رہا کہ عصمت جہاں بیگم کو جلال خاں کے سامنے لاکر منہ دکھا کر شناخت کرائی جاتی، اگر وہ شناخت کر دیتا مقدمہ اس روش پر جو آج کل اسلامی ریاستوں اور خود رام پور میں شائع ہو رہی ہے بہمہ وجوہ مکمل ہو جاتا اور فیصلہ بحق مدعی لازم تھا۔ بالجملہ فیصلہ ناتمام وناقص اور سراسر پیش از وقت ہے، اور جتنی وجوہ شہادات مدعی وثبوت دعوی پر اعتراض فرمائے ہیں سب بے اصل ہیں، مقدمہ اس تکمیل کا محتاج ہے جس کا ہم نے ذکر کیا اور اس کے بعد فیصلہ بحق مدعی ہونا لازم۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر فصل ببلوغ الغلام بالاحتلام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۷

مسئلہ ۸۴: ازلاہور محلّہ بازار حکیماں مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۳/شعبان ۱۳۲۳ھ

سوال اول: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ جس قاضی کو تقلید قضاازجانب سلطان وقت یاازجانب عام رعایا حاصل ہوااور وہ ازجانب مقلد خود ماذون بخلافت ونیابت بھی ہو وہ قاضی حاکم عدالت شریعت کو کسی مقدمہ خاص میں یہ تحریر لکھیں حال یہ کہ وہ حاکم عدالت شریعت بھی قاضی کے ماتحتوں میں سے ایک حاکم ہے (کہ اگر ہمشیرگان زید کا حصہ مال زید میں ہو توبعد تحقیق دلایاجائے) اور بعد چند روز حاکم مذکور کو یہ تحریر بھیجے کہ فلاں مقدمہ کافیصلہ بہت جلدی کرکے حکمنامہ بعجلت میرے حضور میں پیش کریں پس حاکم شریعت نے بعد تحقیقات شرعی باتفاق مفتیان عدالت کل عذرات مدعا علیہ دفع کرکے ہمشیرگان زید کو متروکہ زید میں ڈگری دلائی، اب یہ امر دریافت ہے کہ اس ڈگری دلانے کو حکم قاضی کہنا چاہئے یانہ، اور اس حکم مجمع علیہ کوتاوقتیکہ خلاف کتاب اللہ وسنت مشہورہ واجماع نہ ہو خود حاکم شریعت مذکور یاقاضی دیگراس کا نقض کرسکتا ہے شرعًا بعد ایک زمانہ کے یانہیں، اور اگر حاکم مذکور نے حکم مذکور نقض کرکے خلاف حکم اول حکم دے دیا تو قابل اجراء شرعًا حکم اول رہے گا یاثانی۔

سوال دوم: ایک شخص رئیس ریاست اسلام ہے جس کو عزل ونصب اہلکار وعمالان ریاست کااختیار حاصل ہے اور اس کو قاضی ماذون بالخلافت بھی کہہ سکتے ہیں اس رئیس نے کسی ایسے شخص کو جو اس رئیس کانائب فی التحریر ہے یہ حکم دیا کہ یہ شخص فلاں مقدمہ کافیصلہ شرعی کردے اس حکم کے بعد اس نائب نے اس مقدمہ میں فیصلہ شرعی کردیا پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نائب، رئیس کے اس حکم دینے کے بعد نیابت فی القضا کا مصداق ہوسکتا ہے یانہیں اور اس نائب کاحکم شرعی دیا ہوابجائے حکم رئیس کے ہے یانہیں؟ نقض اس حکم کا رئیس یاوہ خود نائب کرسکتا ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) والی ملک رئیس خود مختار حاکم اسلام یابحال حسب روایات جامع الفصولین وتتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا اتفاق رعایا سے قاضی مطلق بنایا ہوا یاان کامقلد قاضی ماذون بالاستخلاف جس مقدمہ میں کسی اہل قضا کے فیصلہ کاحکم دے وہ فیصلہ فیصلہ قاضی شرع ہے کسی کو اس کے نقض کااختیار نہیں مگر جبکہ اپنے مذہب معتمد مفتی بہ کے خلاف واقع ہوا ہو تومنقوض ہوگا بلکہ راسًا صحیح نہ ہوا اگرچہ خلاف اجماع نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذاحکم بغیرہ لم یصح[1]۔	قاضی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے صحیح ترین قول پر حکم کا مامور ہے اگر اس کے بغیر حکم کیا تووہ حکم صحیح نہ ہوگا۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

در مختار میں ہے:

لایخیر الا اذا کان مجتھدا بل المقلد متی خالف معتمد مذہبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھوالمختار للفتوی کما بسطہ المصنف فی فتاواہ وغیرہ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اختیار نہ ہوگا مگر مجتہد کو بلکہ مقلد جب اپنے قابل اعتماد مذہب کے خلاف حکم کرے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا اور اس کو کالعدم قرار دیا جائے گا، یہی فتوی کیلئے مختار ہے جیسا کہ مصنف وغیرہ نے اس کو اپنے فتاوٰی میں مبسوط کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) فی الواقع وہ حکم میں استجماع شرائط صحت منقوض نہیں ہو سکتا ہاں اگر خلاف مذہب معتمد ہو رد کر دیا جائے گا اور نفاذ نہ پائے گا فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا میں ہے:

لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف ولو حکم لاینفذ[2] اھ مختصرا وتمامہ فی فتاوٰنا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مقلد قاضی کو جائز نہیں کہ وہ ضعیف قول پر حکم دے اور اگر اس نے ایسا کیا تو نافذ نہ ہوگا اھ مختصراً،اور اس کی مکمل بحث ہمارے فتاوٰی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۶: از ریاست رام پور محلّہ ٹھوٹر مرسلہ محمد رفیق خاں ۱۱/ شوال ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بمقدمہ عبدالعلی خاں ولد محمد عمر خان بنام محمد رفیق خاں ولد محمد سعید خاں حاکم دیوانی نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ مع نقول اظہارات گواہان فریقین حاضر ملاحظہ ہے یہ فیصلہ شرعاً صحیح و قابل بحالی ہے یا باطل و قابل منسوخی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کاغذات نظر سے گزرے یہ فیصلہ محض مہمل و مختل واقع ہوا، عبدالعلی خاں نے وقت رجسٹری عندالبائع والمشتری طلب مواثبت واشہاد کا دعوی کیا رفیق خاں کا جو بیان مندرج فیصلہ ہے اس میں اس طلب کا نہ انکار نہ اقرار بلکہ جواب دعوی اس امر پر مبتنی ہے کہ مدعی کو قبل رجسٹری علم بالبیع ہو چکا اور اس نے نہ فقط تسلیم کیا بلکہ صراحۃً لینے سے انکار کر دیا یہاں جو مسئلہ اسناد الی الماضی فیصلہ میں مذکور ہوا اور اس میں شفیع کا مدعی ہونا ذکر کیا اس مسئلہ کے فہم میں سخت لغزش واقع ہوئی طلب خصومت سے پیشتر کی طرف

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

اسناد علم وہ اسناد الی الماضی نہیں کہ اس قدر سے تو شفیع کو چارہ نہیں، اگر عین وقت خصومت عندالقاضی اپنا علم بالبیع بیان کرے اور شفعہ کا مدعی باطل ہو جائے گا کہ اس نے طلب مواثبت واشہاد دونوں چھوڑ کر طلب خصومت سے آغاز کیا اور طلب واحد کو تینوں طلب کے قائم مقام کیا چاہتا ہے یہ باطل ومبطل شفعہ ہے **کما بینہ المولی خیر الدین الرملی فی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ**[1] (جیسا کہ اس کا آقا خیر الدین الرملی نے فتاوٰی خیریہ لنفع البریۃ میں ذکر کیا ہے۔ت) بلکہ وہ اسناد الی ما قبل الاشہاد ہے اگر شفیع کہے کہ اشہاد سے پہلے مجھے علم نہ ہوا تھا تو یمین کے ساتھ مصدق ہوگا اور مشتری پر بینہ، اور اگر کہے کہ اس سے پہلے مجھے علم ہوا اور میں نے طلب مواثبت کی تو شفیع پر بینہ **کما حققناہ فیما علقناہ علی رد المحتار** (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر یہاں یہ مسئلہ اصلاً زیر بحث نہیں کہ طلب مواثبت واشہاد عند البائع والمشتری کا اقرار انکار مدعا علیہ نے کچھ نہ کیا یہ سکوت ہے اور مذہب اصح میں سکوت بے آفت بھی انکار ہے، درمختار میں ہے:

لوسکت کان انکارا فتسمع البینۃ علیہ الا ان یکون اخرس، اختیار[2]۔	اگر خاموش ہوا تو انکار ہوگا جس پر گواہی سنی جائیگی لیکن اگر گونگا ہو تو پھر انکار نہیں، الاختیار۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

وبہ افتیت لما ان الفتوٰی علی قول الثانی فیما یتعلق بالقضاء[3]۔	میں نے اسی پر فتوٰی دیا کیونکہ قضاء کے متعلق امام ابویوسف کے قول پر فتوٰی ہوتا ہے (ت)

تو صورت دائرہ میں مدعی علی حالہ مدعی رہا اور بار ثبوت اسی پر ہوا اور اتنا خود مجوز کو بھی تسلیم ہے اگرچہ اس کی وجہ دوسری سمجھی تو مدار مقدمہ بینہ مدعی سے ثبوت دعوی پر رہا اب اس کے گواہوں پر نظر ڈالئے تو ایک گواہی بھی اصلا اس کے مفید نہیں، سید عطاء الحق و محمد علی خان تو بالکل خلاف دعوی وخلاف واقع شہادت دے رہے ہیں زمین بے عمارت بیع ہوئی اور اسی پر شفیع نے دعوی کیا مکان مشتری نے بعد شراء بنایا اور یہ دونوں گواہ شفیع کی طلب اس لفظ سے بیان کر رہے ہیں کہ مکان

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشفعۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۵۴

[2] درمختار کتاب الدعوی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۵

[3] بحر الرائق کتاب الشفعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۰۳

محمد توفیق خاں نے جو لیا ہے میں نے اپنے شفعہ میں لیا اس مکان کا میں شفیع ہوں۔ فیاض خاں کہتا ہے کہ اسد علی خاں یعنی بائع نے کاغذ رجسٹرار کے سامنے پیش کیا رجسٹرار صاحب نے کاغذ پڑھ کر سنایا تو عبدالعلی خاں نے کہا کہ رفیق خاں نے جو زمین بیچی ہے میں نے اپنے شفعہ میں لی، اور بیان کرتا ہے کہ کاغذ رجسٹرار صاحب نے اول سے آخر تک مدعی مدعا علیہ کو سنایا تھا یہاں طلب شفیع کو سنانے پر مرتب کرتا ہے اور سنانا اول سے آخر تک کہتا ہے تو مواثبت کا ثبوت درکنار ظاہرًا مواثبت فوت ہوئی غالبًا انہیں وجوہ سے ذی علم مجوز نے بھی ان تین گواہوں کو نظر انداز کیا اگرچہ نہایت قابل افسوس یہ بات ہے کہ یہ گواہان مدعی ہو کر خود ان کے مقر اور بیان مدعا علیہ کے موافق شہادت دے رہے ہیں اسے نظر انداز کرنا قرین انصاف نہ تھا کچھ بیان اس کا عنقریب آئیگا ان شاء اللہ تعالٰی، رہے تین گواہ اور فیصلہ کا سارا دار ومدار انہیں پر ہے ان میں رجسٹرار صاحب کی گواہی تو محض کالعدم ہے وہ طلب مدعی کے وقت بائع ومشتری کا موجود ہونا ضرور بیان کرتے ہیں مگر ان لفظوں کا نہ کہ ان کے مصداق کا۔ شہادت وہ ہے جو اپنے علم سے ناشی ہو اور وہ اتنا بھی نہیں کہتے کہ بائع ومشتری اگر میرے سامنے آئیں تو ان کو شناخت کرلوں گا بلکہ اسے بھی اس شرط پر مشروط کرتے ہیں کہ اگر یاد آگئے تو شناخت کرلوں گا پھر مدعی نے نہ ان سے شناخت کرانے کی کوشش کی نہ ظاہر ہوا کہ انہیں یاد آئے یا نہیں تو ایسی گواہی محض پادر ہوا ہے وقت رجسٹری نسبت حاضری تسلیم مشتری ہر گز اس کا اقرار نہیں کرتا کہ شفیع نے میرے سامنے طلب کی رجسٹری امر آنی نہیں امر ممتد زمانی ہے، اس ناقص گواہی کی تکمیل ذمہ مدعی تھی وکلائے مدعا علیہ پر کیا ضرور تھا کہ گواہی مدعی کے رفع نقصان کی درخواست کرتے تو فیصلہ کی یہ تحریر کہ رجسٹرار صاحب کی بابت نسبت شناخت عاقدین کے وکیل مدعا علیہ نے کوئی درخواست پیش نہیں کی اور سکوت کیا تو یہ سکوت دلیل تسلیم کی ہے، نہایت عجیب ہے جب گواہی مخالف میں صریح نقص موجود ہے تو سکوت کیا تو سکوت اس بنا پر ہوگا کہ وہ خود ہی ناقص و نامکمل ہے ہمیں اس گفتگو کی کیا حاجت، نہ یہ کہ سکوت کیجئے تو ناقص کو کامل مان لیجئے یہ کون سا قاعدہ عقل یا نقل کا ہے، نہیں نہیں بلکہ یوں کہئے کہ گواہی محض نامکمل تھی اور اس کی تکمیل اپنے نفع کے لئے مدعی پر لازم تھی تو مدعی کا سکوت صاف دلیل ہے کہ وہ اس کی تکمیل سے عاجز تھا یا کم از کم اس کو مکمل کرنا نہ چاہا اور ناقابل اسناد رکھا بلکہ غور کیجئے تو غالبًا صاف ثابت ماننا پڑے کہ رجسٹرار صاحب کو نہ عاقدین یاد آئے نہ ان کی شناخت کرسکے، اظہارات سے ظاہر ہے کہ وہ بمواجہہ عاقدین لئے گئے متعدد گواہوں نے ان حاضرین کو اشارہ سے بتایا رجسٹرار صاحب اگر پہچان سکتے تو صاف کہتے کہ وہ دونوں یہ ہیں مولوی نعمت اللہ نے اتنا بھی نہ کہا کہ طلب مدعی کے وقت بائع ومشتری موجود تھے صرف اس قدر کہا کہ یہ یاد نہیں کہ سوا ملازمین رجسٹری اور بائع ومشتری اور عبدالعلی خاں کے کوئی اور اس وقت تھا یا نہیں،

قطع نظر اس سے کہ یہاں بائع ومشتری مستثنٰی میں ہیں اور جمہور حنفیہ کے نزدیک مستثنی سکوت عنہ ہوتا ہے اور سکوت بیان نہیں تو بائع ومشتری کی نسبت گواہ کو کچھ یاد ہونا اصلاً ثابت نہ ہوا یہاں جب گواہ نے یہ کہا کہ یاد نہیں کہ کوئی اور تھا یا نہیں، تو اس "یانہیں" نے حکم کو مردود کردیا اور یہ استثناء حکم مردود سے ٹھہرا جس کا حاصل یہ ہوا کہ مستثنے لوگوں کی نسبت احد الامرین یاد ہے، ہونا یا نہ ہونا، نہ یہ کہ خاص ہونا یاد ہے، اس کی توزیع یوں ہوسکتی ہے کہ ملازمین رجسٹری کی نسبت ہونا یاد ہو اور بائع ومشتری کی نسبت نہ ہونا پس دونوں مذہب پر یہ شہادت بالاتفاق مہمل وناکافی ہے معہذا مولوی نعمت اللہ کا بیان صراحۃً مدعی ودیگر گواہان مدعی کی تکذیب کرتا ہے وہ لفظ طلب یہ بیان کرتا ہے کہ صاحبو تم گواہ رہنا کہ یہ بیعہ میں نے اپنے شفعہ میں لیا اور صاف تصریح کرتا ہے کہ یہ لفظ کہے تھے یعنی نقل بالمعنٰی نہیں نقل باللفظ ہے، اور اسی پر قناعت نہ کی بلکہ صریح حصر کردیا کہ یہی لفظ کہے تھے حالانکہ مدعی ودیگر گواہان سب کے بیان میں لفظ طلب ان کے غیر اور ان سے زائد ہیں، نیاز علی خاں کی گواہی اگر صاف بھی ہوتی تو ایک تنہا کیا قابل سماعت تھی مگر اس نے صرف عبدالعلی خاں کہا ہے مجرد اسم کے سوا کوئی تعیین تمیز کا بیان نہ کیا نہ وقت اظہار اس کو اشارہ سے بتایا یہ اعتراض نہ تنہا اس پر بلکہ باقی سب گواہوں پر بھی ہے فریقین میں کسی نہ کسی کی تعیین ہر ایک کے اظہار میں متروک ہوئی ہے اور شرعاً ایسی نامعین گواہی معتبر نہیں، ائمہ کرام تو حاضر پر اشارہ شرط بتاتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے:

یحتاج فی الشهادة علی الحاضر الی الاشارة الی المدعی علیه والمدعی الخ[1]۔	کسی حاضر پر شہادت میں مدعی یا مدعی علیہ کی طرف اشارہ ضروری ہے الخ (ت)۔

اور آج کل عامیانہ روش میں جو توصیف بلفظ مدعی ومدعا علیہ پر قناعت کی جاتی ہے ان شہود نے یہ لفظ بھی بعض فریقین کی نسبت نہ کہے تو صرف نام کیا کافی ہوسکتا ہے عبدالعلی خاں ہزاروں ہیں بالجملہ گواہان مدعی میں اصلاً کوئی گواہی قابل التفات نہیں، تو یہاں اس مسئلہ سے استناد کہ بینہ مشتری سے بینہ شفیع اولٰی ہے محض باطل وبے معنی ہے پہلے بینہ ہو بھی تو لے جب تو اولویت وعدم اولویت میں بحث کی جائے۔ علاوہ بریں روایات منقولہ فیصلہ اس صورت میں ہیں کہ جب یہ دعوی طلب کرے اور وہ انکار کہ اس کو علم ہوا اور طلب نہ کی فیصلہ میں درمختار سے منقول کیا:

انکر المشتری طلب المواثبة فانه یحلف علی العلم وان انکر طلب	مشتری نے مواثبہ کے طلب سے انکار کیا تو علم کے متعلق حلف لیا جائے اور اگر گواہی کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

الاشھاد حلف علی البینات ولو برھن فبینۃ الشفیع احق۔[1]	طلب سے انکار کرے تو بینہ پر حلف لیاجائے اور اگر بینہ پیش کریں تو شفیع کا بینہ اولی ہوگا۔(ت)

نیز نقل کیا:

مشتری میگوید کہ تو روز پنجشنبہ دانستہ وطلب نکردہ قول قول مشتری بود لانہ ینکر الطلب والبینۃ علی الشفیع[2]۔	مشتری کہتا ہے تو نے جمعرات جان لیا اور مطالبہ نہ کیا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ طلب کا منکر ہے اور بینہ شفیع پر ہے۔(ت)

نیز عالمگیری سے لکھا:

اقام المشتری بینۃ ان الشفیع علم بالبیع ولم یطلب الشفعۃ واقام الشفیع البینۃ انہ طلب حین علم فالبینۃ بینۃ الشفیع[3]۔	مشتری نے گواہی پیش کی کہ شفیع نے بیع کا علم ہونے کے باوجود شفعہ کا مطالبہ نہ کیا اور شفیع نے گواہی پیش کردی کہ اس نے علم ہوجانے پر شفعہ کا مطالبہ کیا ہے تو شفیع کی گواہی معتبر ہے۔(ت)

اسی طرح بقیہ عبارت میں تصویر مسئلہ دعوی طلب وانکار طلب میں ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نفی مجرد پر گواہی مقبول نہیں فان البینات للاثبات کما اثبتہ الائمۃ الاثبات (توبیشک شہادت اثبات کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ ائمہ نے اسکو ثابت کرنا ہے) مگر یہاں مشتری یا اسکے گواہوں نے صرف انکار طلب پر قناعت نہ کی بلکہ صاف یہ کہا کہ بعد بیع شفیع کو اطلاع دی گئی اور اس نے لینے سے صریح انکار کیا یہ شہادت نفی نہیں شہادت اثبات ہے اور اس کی تاریخ مقدم ہے اور گواہان شفیع اس کے معارض نہیں ہوسکتی ان کا علم اس قدر کو محیط ہے جتنا شفیع سے وقت رجسٹری صادر ہوا انہوں نے ہرگز نہ کہا کہ اس سے پہلے شفیع نے لینے سے انکار نہ کیا تھا یا شفیع کو اس سے پہلے علم بالبیع نہ ہوا تھا اور نہ وہ ایسا کہہ سکتے تھے اور اگر کہتے تو مقبول نہ ہوتا کہ اب انکی شہادت شہادت

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۷

[2]

[3] فتاوی ہندیہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

علی النفی ہوتی **وانما البینات للاثبات** (حالانکہ گواہی اثبات کیلئے ہوتی ہے۔ت) یہاں اگرچہ کلام بروجہ دیگر ممکن مگر مقصود یہ ہے کہ روایات منقولہ فیصلہ یوں بھی صورت مقدمہ سے جدا ہیں نظر بروئداد ظاہر یہی ہے کہ واقع میں شفیع کو پہلے سے علم ہو چکا تھا اب کہ نگاہ عوام میں وقعت دعوی پیدا کرنے کے لئے اس کا منتظر رہا کہ جب بیعنامہ رجسٹری میں پیش ہو تو رجسٹرار کے سامنے طلب بجالائے تاکہ ایک قیمتی گواہ طلب کامل جائے ولہذا وہ خاص اسی دن اسی وقت محکمہ رجسٹری میں پہنچا جبکہ بیعنامہ رجسٹری ہونے کو تھا اگر اسے پہلے سے کچھ علم نہ تھا تو خالص اس دن تاریخ وقت کی تعیین کسی الہام کے ذریعہ سے ہوئی یا خواب سے اور خود اس کے گواہوں سے دو گواہ صاف بتارہے ہیں کہ پیش از طلب اسے علم ہو لیا تھا، سید عطاء الحق نے کہا کہ عبدالعلی خاں قبل پیش ہونے بیعنامہ کے گھنٹہ بھر اول یہ کہہ گئے تھے کہ میں طلب شفعہ کروں گا، مشفوعہ کا کاغذ آج تصدیق ہوگا ایسی صریح باتوں کو جن سے خود گواہان مدعی بطلان شفعہ کی شہادت دے رہے ہیں نظر انداز کرنا بہت نامناسب تھا اس فیصلہ کے بطلان پر اور بھی وجوہ ہیں مگر جس قدر مذکور ہوا اظہار حق کے لئے ان شاء اللہ کافی و وافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۷: از ریاست رامپور محلّہ گھیر فتح محمد خاں مرسلہ سعید الرحمٰن خاں ۲۰ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین پیچ اس مسئلہ کے کہ مسمّٰی زید نے جو مسلمان ہے مسمّٰی بکر کے پاس جو ہندو ہے زیور نقرئی وزنی دو صدر روپیہ بھر بالعوض ایک سو پندرہ روپیہ کے بشرح سود فیصدی دو روپیہ ماہوار رہن کیا، بکر نے جانچ وزن زیور کا کرکے نقرئی سمجھ کر رکھ لیا اور زر سود زید بکر کو ماہ بماہ ادا کرتا رہا، اب جو زید نے بکر پر عدالت میں دعوی انفکاک رہن باد ائے ایک سو پندرہ روپیہ زر رہن کے کیا تو بکر یہ عذر کرتا ہے کہ وہ زیور مرہونہ نقرئی نہیں تھا بلکہ قسم جرمن سلور کا تھا جو نہایت کم قیمت جنس بمقابلہ نقرہ کے ہے مگر بکر نے کوئی شہادت اس بارہ میں پیش نہیں کی زید کی طرف سے جو گواہ گزرے ہیں وہ متفق اللفظ زیور کا نقرئی ہونا بیان کرتے ہیں البتہ تفصیل زیور میں کچھ اختلاف بیانی ہے جو اس وجہ سے قابل لحاظ نہیں ہے کہ حسب دعوی زید زیور کا وزنی دو صدر روپیہ ہونا مسلمہ بکر ہے۔ بکر کو صرف عذر قسم زیور یعنی نقرہ وجرمن سلور ہونے میں ہے عدالت نے بلا کسی شہادت کے قول مرتہن کو تسلیم کرکے فیصلہ دیا ہے جس کی نقل شامل استفتاء ہذا ہے اور زید نے بناراضی اس فیصلہ عدالت کے مرافعہ بعدالت بالادست کیا ہے نقل وجوہات اپیل بھی منسلکہ استفتاء ہذا ہے، بعد ملاحظہ فیصلہ عدالت و وجوہات اپیل حسبۃً للہ فتوٰی تحریر فرمائیے عدالت جو بحوالہ ایک روایت فقہ کی ہے صحیح و درست ہے یا غیر صحیح اور قابل منسوخی ہے یہ ملحوظ فرمایا جائے کہ مرتہن ہندو اور راہن

مسلمان ہے اور حسب رواج بازار جو کوئی زیور رہن رکھتا ہے اول جانچ اس کی بخوبی کرلیتا ہے کہ وہ کس قسم کا ہے اور کس مالیت کا ہے، بوقت رہن مرتہن نے جانچ کرکے اور اس کو قسم نقرہ تسلیم کرکے رہن کیا تھا فقط۔

الجواب:

فیصلہ نظر سے گزرا، سخت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ باستثناء اتنی بات کے کہ ذی علم فاضل مجوز نے اس میں دو تنقیحیں قائم فرماکر تنقیح دوم خلاف مدعا علیہ تجویز فرمائی، باقی وہ سرتاپا باطل وخلاف شرع واقع ہوا، تنقیحیں یہ ہیں:

(۱) آیا مدعی نے زیور نقرہ مندرجہ عرض دعوی بعوض (ماصہ عہ/) مدعا علیہ کے پاس رہن رکھتا تھا کہ اب تک بہ قبضہ مدعا علیہ ہے، اب مدعی بہ ادائے (ماصہ عہ/) زیور طلب کرتا ہے باوجود اقرار فک نہیں کرتا ثبوت ذمہ مدعی۔

(۲) آیا زیور جرمن سلور کا تھا نقرہ کہہ کر مدعا علیہ کو دھوکا دے کر (ماصہ عہ/) لے لئے ثبوت ذمہ مدعا علیہ۔ تنقیح اول کو فاضل مجوز نے تین وجہ سے خلاف مدعی فیصل کیا:

وجہ اول: جہالت شہادت کہ کسی شہادت سے تفصیل زیور مطابق عرضی دعوی بقید وزن وقیمت ثابت نہیں جس کا اظہار وتعین ضروری ہے۔

وجہ دوم: اختلاف باہمی شہود، اور وہ دو ہیں:

(۱) پہلے گواہ نے مدعی کا دکان مدعا علیہ پر بہمراہی شفیع خاں آنا نہیں بیان کیا، گواہ نمبر ۲ نے دکان مدعا علیہ کا آنا بہمراہی شفیع خاں بیان کیا ہے، حالانکہ جلسہ واحد کے گواہ ہیں۔

(۲) گواہ نمبر ۱ نے ایک کاغذ مدعی کا لکھنا اور نمبر ۲ نے اس کے خلاف مدعا علیہ کا ایک رقعہ فارسی میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر مدعی کو دینا تحریر کرایا ہے حالانکہ مدعا علیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا، نہ مدعی نے مدعا علیہ کا رقعہ لکھنا عرضی دعوی نہ اظہار میں لکھایا بلکہ مدعی نے اپنے اظہار میں ایک شخص غیر سے رقعہ لکھانا مدعا علیہ کا اقراری اپنا بیان کیا ہے حالانکہ توافق درمیان شہادت کے شرط ہے۔

وجہ سوم: تناقض دعوی کہ مدعی نے جو تفصیل زیور عرضی دعوی میں تحریر کی اس کو مالیتی دو سو روپیہ تحریر کی اور جو وزن ہر عدد کا تحریر کیا از روئے میزان کل زیور (مااصہ۔عہ) بھر ہوتا ہے اور جو

بیان مدعی عدالت میں تحریر ہوااس نے وزن زیور دو سورو پیہ بھر ہونا لکھایا ہے لغو بیانی مدعی بداہۃً واضح ہے کہ فی زمانناز یور نقرہ دوسوروپیہ بھر قیمتی دو سوروپے کا کسی عنوان نہیں ہو سکتا۔یوہیں تنقیح دوم کو خلاف مدعا علیہ فیصل فرمایااور تصریح کی کہ امر مذکور بحق مدعا علیہ غیر ثابت ہے کہ اس قول کی کہ مدعی زیور جرمن سلور نقرئی ظاہر کرکے رہن رکھا کوئی شہادت منجانب مدعا علیہ نہ گزری نہ مثل آمدہ فوجداری میں کوئی ثبوت قول مدعا علیہ کا ہے اس وجہ سے کہ مسل مذکور بربنائے عدم پیروی خارج ہوئی ہے۔ تنقیحوں کی نسبت یہ تجویزیں دیکھ کر فرمایا لیکن چونکہ مدعا علیہ کو اقبال ہے کہ مدعی زیور وزنی دو سوروپیہ بعوض (ماصہ عہ/) رہن رکھ کر وپیہ لے گیا مگر زیور مرہونہ جرمن سلور کا ہے اور مدعی کو دعوی ہے کہ میں نے زیور چاندی کا رکھا یعنی غیر اس کے جو عدالت میں مدعا علیہ نے پیش کیا تو لائق تصفیہ یہ ہے کہ بصورت عدم ثبوت قول فریقین بحالت اقبال فریقین بصراحت مذکورہ کس کا قول لائق اعتبار ہے، مسئلہ یہ ہے کہ جس ایسے دعوی میں کہ راہن کہے میں نے زیور اس کا غیر رہن رکھا ہے اور مرتہن کہے یہی رکھا ہے، قول مرتہن معتبر ہے کہ وہ قابض ہے (ترجمہ درمختار جلد رابع ص ۴۸۰) چونکہ نفس رہن و تعداد زر رہن میں اختلاف نہیں پس جبکہ قول مرتہن معتبر ہے مگر بحلف، لیکن یہاں استدعا مدعا علیہ کی نسبت اخذ حلف مدعی کے نہیں تو قابل نفاذ حکم حسب قول مدعا علیہ زیور مرہونہ یہی جرمن سلور کا رہا جو بادائے (ماصہ عہ/) دعوی مدعی لائق ڈگری ہے بنابراں حکم ہوا کہ دعوی مدعی واسطے دلائے جانے اسی زیور موجودہ کے بادائے (ماصہ عہ/) کے بحق مدعی ڈگری ہوا انتہی تمام تجویز و فیصلہ کا حاصل اس قدر ہے، اس میں تنقیح دوم خلاف مدعی علیہ تجویز ہونا ضرور حق و بجا ہے باقی تمام تجویز میں براہ بشریت غلطی ہوئی تنقیح اول کو خلاف مدعی تجویز فرمانے کی تینوں وجہیں محض ناکافی۔ **تناقض دعوی** جس کا ضرر خود جانب مدعی عائد ہو ہرگز مانع صحت دعوی نہیں، پہلے وہ زیور نقرہ وزنی مال (ماصہ عہ/) کا مدعی تھا پھر صرف وزنی مال بیان کیا اس میں اپنے ہی لئے (صہ۔عہ/) بھر چاندی کی کمی کرلی اسے جزء متروک کہتے ہیں نہ کہ تناقض

جس کا حاصل یہ کہ اب اس کا دعوی صرف دوسو روپے بھر زیور نقرئی کی نسبت رہا زیادہ کا دعوی متروک ہوگیا نہ کہ تمام و کمال باطل ٹھہرا۔ جامع الفصولین جلد اول ص ۱۳۵ میں ہے:

التناقض علی نفسه لایمنع صحة الدعوی لانه ادعی اولا کل المال لنفسه ثم ادعی بعضه فقد ادعی انقص من الاول فتسمع[1]۔	اپنے معاملہ میں تناقض صحت دعوی کے لئے مانع نہیں ہے اس لئے کہ پہلے کل مال کا دعوی اپنے لئے کیا پھر بعض مال کا، تو یہ پہلے مال سے کم ہے تو قابل سماعت ہوگا۔ (ت)

ایضًا ص ۱۲۷:

ادعاہ مطلقًا فقال المدعی علیه فی دفعه انه کان ادعاہ بسبب فقال المدعی انا ادعیه الاٰن بذٰلك السبب وترکت دعوی الملك المطلق تسمع دعواہ ثانیا ویبطل الدفع[2]۔	کسی نے مطلقًا دعوی کیا تو مدعی علیہ نے دفاع میں کہا اس نے تو سبب سے متعلق دعوی کیا تھا اس پر مدعی نے کہا میں اسی سبب کے متعلق دعوی کررہا ہوں اور پہلا مطلق دعوی ترک کرتا ہوں تو سماعت دوبارہ ہوگی اور مدعی علیہ کا دفاع باطل ہوجائیگا۔ (ت)

ایضًا ص ۱۴۵:

ادعی علیه اربعة اشیاء سماھا فانکر فحلف ثم قال المدعی کنت اخذت الاثنین من الاربعة وبرھن علی الاثنین تقبل[3]۔	ایک نے دوسرے پر چار چیزوں کا دعوی کیا مدعا علیہ نے انکار کردیا اور قسم اٹھالی، پھر مدعی نے دعوی میں کہا کہ میں نے دو چیزیں چار میں سے لے لی تھیں اور باقیماندہ پر دو گواہ پیش کئے تو گواہی قبول ہوگی (ت)

ایضًا ص ۱۲۵:

التناقض انما یمنع اذا تضمن ابطال حق علی احد[4]۔	تناقض اس وقت مانع ہوگا جب اس سے کسی کا کسی پر حق باطل ہوتا ہو۔ (ت)

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۳

[2] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۷

[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۵

[4] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۵

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

ادعی علی آخر نصف دار معین ثم ادعی بعدذلك جمیع الدار لایسمع عـــہ وعلی القلب یسمع[1]۔	ایک نے دوسرے پر کسی معین دار کے نصف کا دعوی کیا پھر کل دار کا دعوی کردیا تو یہ دعوی قابل سماعت نہیں، گر اس کا عکس ہو تو قابل سماعت ہوگا۔(ت)

عالمگیری جلد چہارم ص ۲۵۰:

لوادعی انھا له ورثھا من ابیه ثم ادعی ھو مع اٰخر انھما ورثاھا من المیت و	کسی نے ایک حویلی کے متعلق دعوی کیا یہ میری ہے اور مجھے والد کی وراثت میں ملی ہے، پھر اس نے

عـــہ: والصواب انه یسمع فی الوجھین جمیعا الا اذاکان قال وقت دعوی النصف لاحق لی فیھا سوی النصف فحینئذ لاتسمع دعویاہ جمیعا کذافی المحیط[2] اھ ھندیة، اقول: وذلك للتناقض الصریح بین قولیه وقد عادیدعی اکثر مما ادعی اولا فبطل القولان بخلاف مااذاادعی اولا جمیع الدار ثم ادعی نصفھا وقال لاحق لی فیھا سوی النصف حیث تقبل الدعوی الثانیة لانه من باب ترك بعض الدعوی و التناقض علی نفسه لایضر صحة الدعوی کمااسمعناك من جامع الفصولین ۱۲ منه۔

عـــہ: درست یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں قابل سماعت ہے ہاں اگر نصف کے دعوی کے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ باقی میں میرا حق نہیں تو اس صورت میں دونوں دعوے قابل سماعت نہ ہوں گے، جیسا کہ محیط میں ہے اھ ہندیہ۔ **میں کہتا ہوں** یہ اس لئے کہ اس صورت میں اس کے دونوں قول میں تناقض ظاہر ہے کہ پہلے دعوی کے مقابلہ میں دوسرے میں زیادہ کا مدعی ہے لہذا دونوں قول باطل ہوں گے اس کے برخلاف جب پہلے کل دار کا مدعی ہو اور بعد میں نصف کا، اور ساتھ ہی کہہ دیا ہو کہ باقی میں میرا حق نہیں ہے تو دوسرا قبول کیا جائے گا کیونکہ پہلے دعوی کے بعض کو اس نے ترک کردیا جبکہ اپنے حق میں تناقض صحت دعوی کو مضر نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم نے آپ کو جامع الفصولین سے سنایا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الدعوٰی الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۸۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۰

اقاما البینۃ علٰی ذٰلك تقبل کذافی الخلاصۃ[1]۔	کسی دوسرے کے اشتراک سے دعوی کیا کہ یہ حویلی ان دونوں کو میت سے وراثت میں ملی ہے اور اس پر انہوں نے گواہی پیش کردی تو گواہی مقبول ہوگی۔ خلاصہ میں اسی طرح ہے۔ (ت)

مدعی کی لغو بیانی کبھی ہر گز ثابت نہیں، چاندی کا نرخ کم ہونا اسے مستلزم نہیں کہ دو سو روپے کا قیمتی نہ ہوسکے، کیا صنعت کوئی چیز نہیں، کیا اس سے شے کی مالیت "اضعافا مضاعفہ" نہیں ہوجاتی دہلی کے سادہ کاری کے چھلے، انگوٹھیاں، نونگے، تعویذ، وزن میں حباب کے مثل ہوتے ہیں اور قیمت کس درجہ زیادہ۔ ولہٰذا شرعًا حکم ہے کہ ان کی زکوٰۃ خلاف جنس سے دی جائے تو قیمت صناعی کا اعتبار ہوگا نہ کہ وزن کا، معراج الدرایہ و نہر الفائق ورد المحتار وغیرہا میں:

له ابریق فضة وزنه مائتان وقیمته ثلثمائة[2]۔	کسی کا چاندی کا کوزہ جس کا وزن دو سو درہم ہے اور اس کی قیمت تین سو درہم ہے۔ (ت)

نیز جامع الرموز و شامی وغیرہما میں:

ابریق فضة وزنه مائة درہم وقیمته بصناعته مائتان[3]۔	چاندی کا کوزہ وزن سو درہم اور اس کی بناوٹی قیمت دو سو درہم ہے۔ (ت)

وغیرہ ذلک تصریحات فقہائے کرام دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سو روپے بھر زیور کی بھی قیمت دو سو روپے بلکہ زائد ہوسکتی ہے نہ کہ دو سو روپے بھر کی قیمت دو سو روپے ہونا محال ٹھہرے، **اختلاف گواہان** کی وجہ اول تو سخت عجیب ہے، شفیع خاں کا اس وقت ہمراہ مدعی ہونا اگر ایک گواہ نے بیان کیا تو دوسرے نے اس سے انکار تو نہ کیا کہ باہم اختلاف گمان کیا جائے اسے اصل مقدمہ سے کیا تعلق تھا جس کا بیان ہر گواہ پر لازم ہوتا ہے اور بفرض باطل اگر لازم ہوتا بھی تو دوسرے کا بیان بوجہ ترک امر ضروری ناقص ٹھہرتا اختلاف شہادت اس وقت بھی نہ کہہ سکتے کہ ذکر وعدم ذکر تخالف نہیں بلکہ ذکر و ذکر عدم، ہم بارہا فیصلہات ریاست کے ایسے خود قرار دادہ اختلاف پر بحث کرچکے اور آیات قرآنیہ سنا چکے ہیں کہ ایک ہی قصے کے بیان میں رب عزوجل نے ایک جگہ ایک بات ذکر فرمائی دوسری جگہ ترک فرمائی کیا **معاذاللہ** اسے قرآن عظیم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۷۱

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۰

[3] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲ /۳۱۱، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۰

کا اختلاف قرار دیا جائے گا حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

" اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (۸۲) " [1]	کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں کثیر اختلاف پاتے۔(ت)

اور اسکی تو لاکھوں مثالیں ملیں گی کہ بہت باتیں جو قرآن عظیم نے ذکر قصص میں ترک فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام نے بیان فرمائیں، کیا یہ اللہ ورسول کا اختلاف بیان ٹھہرے گا والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اختلاف دوم کی بھی حالت اسی کے قریب ہے گواہ اول نے مدعی کا ایک کاغذ لکھنا بیان کرکے صاف کہہ دیا کہ یاد نہیں کس نے لکھا تھا تو وہ اس کے کلام میں ذکر تحریر کالعدم ہوگیا، ایک شخص کہے زید نے فلاں کام کیا دوسرا کہے یاد نہیں کس نے کیا تو اس میں کیا اختلاف بیان ہوا، معہذا اگر اس کا وہی قول لیجئے کہ مدعی نے ایک کاغذ لکھا تو اس کے کلام میں یہ کہاں ہے کہ مدعا علیہ نے کچھ نہ لکھا اسکا ترک ذکر ہے نہ ذکر نفی اور گواہ دوم مدعا علیہ کا ایک رقعہ لکھنا بیان کرکے کہتا ہے اور کوئی رقعہ نہیں لکھا گیا تھا یہ بظاہر اس تقدیر پر کہ گواہ اول کے بیان میں مدعی کا کاغذ لکھنا بالجزم فرض کرلیں اختلاف مذکورہ فیصلہ سے زیادہ اختلاف موہوم ہوسکتا ہے کہ وہاں اثبات تھا اس میں نفی ہے مگر ذی علم فاضل مجوز نے اسے قلم انداز فرمایا اور وجوہ اختلاف میں نہ لیا اور ایسا ہی چاہئے تھا کہ یہاں اثبات و نفی ایک شیئ پر وارد نہیں جس سے اختلاف پیدا ہو عرف ناس سے آگاہ اول نے لفظ رقعہ نہ کہا کاغذ کہا وہ رقعہ سے عام ہے اور خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں ممکن کہ عام دوسرے فرد کے ضمن میں متحقق ہو یعنی مدعی نے کوئی رقعہ لکھا ہو بلکہ اور کوئی کاغذ مثل یادداشت فہرست زیور وغیرہ تحریر کیا ہو، اس میں کیا تناقض ہوا، ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ حالانکہ مدعا علیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا معلوم نہیں کس بنا پر ہے کیا مدعا علیہ کا زبانی انکار ہوا وہ مان لیا، یا اس کی نفی پر کوئی شہادت گزری حالانکہ ایسی نفی پر شہادت اصلاً مسموع نہیں۔ شخص غیر اور خود مدعا علیہ کے لکھنے میں کیا منافات ہے اگر اظہار گواہ دوم میں یہ لفظ کہ اپنے ہاتھ سے لکھا نہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ لکھوانے کو لکھنا برابر عرف شائع ہے خود اسی فیصلہ میں مجوز نے فرمایا کہ مدعی نے تفصیل زیور عرضی دعوی میں تحریر کی وزن ہر عدد کا تحریر کیا حالانکہ عرضی دعوی غالباً وکلاء لکھتے ہیں نہ کہ خود مدعی۔ اور اگر اظہار میں اپنے ہاتھ سے لکھنے کا ذکر ہے جب بھی کیا دونوں کا لکھنا جمع نہیں ہوسکتا۔ کیا اکثر ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی خود مسودہ کرکے جس کے متعلق ہے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۲

اسے دکھا کر پسند کرا کر دوسرے سے صاف کرادیتا ہے خصوصًا وہ کہ بدخط ہو۔کیا ممکن نہیں کہ اس نے جو لکھ کردیا کہیں مشکوک تھا مدعی نے تبدیل چاہی اس نے دوسرے سے لکھوادیا اور اصل یہ ہے کہ ایسی فضول باتوں میں اختلاف پر نظر نامعتبر،اگراس نے خود لکھاتو کیا فائدہ دوسرے سے لکھوایا تو کیا نقصان،مدعی نے لکھاتو کیا نفع،مدعی علیہ نے لکھاتو کیا ضرر،اور اگر دونوں نے لکھایا کسی نے نہ لکھاتو اس سے معاملہ پر کیا اثر۔ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب مہذب وظاہر الروایۃ وقول امام ومعتمد جماہیر کتب مستندہ میں اختلاف صرف وہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر خلل انداز ہو،زائد وفضول باتیں کہ یوں ہوں تو دعوٰی میں خلل نہیں،یوں ہوں تو ضرر نہیں،محض نظر انداز ہیں ان میں اختلاف اصلًا قابل لحاظ نہیں،ہم نے اپنے فتاوٰی میں ریاست رامپور ہی کے ایک فیصلہ پر اس مسئلہ کے متعلق کتب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لے کر بحرالرائق وغیرہ کتب معتمدہ متأخرین تک بائیس کتابوں کی سند پیش کی ہے یہاں اسی قدر کافی کہ فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں تصریح ہے کہ:

التناقض فیمالا یحتاج الیہ لایضر [1]۔	اگر غیر ضروری چیز میں تناقض ہو تو مضر نہیں ہے۔(ت)

ذی علم مجوز نے تو ایک کا ہمراہی شفیع خاں بیان کرنا دوسرے کا اسے ذکر نہ کرنا اختلاف مضر قرار دیا اور فتاوٰی امام قاضی خاں و بحرالرائق وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں اور نص صریح امام محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تصریح ہے کہ اگر ایک نے کہا فلاں شخص اس وقت ساتھ تھا دوسرے نے صاف انکار کیا کہ وہ ساتھ نہ تھا جب بھی شہادت میں خلل نہیں کہ مطلب سے زیادہ باتوں میں اختلاف ناقابل التفات ہے،عبارت یہ ہے:

قال احدھما کان معنا فلان وقال الاٰخر لم یکن معنا فلان ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذہ الشھادۃ [2]۔	ایک نے کہا وہ فلاں ہمارے ساتھ تھا،دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہ تھا،تو اصل میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ شہادت باطل نہ ہوگی۔(ت)

جہالت شہادت بھی وہ مضر ہوتی ہے جس سے طریق حکم مسدود ہو ورنہ تصریح ائمہ ہے کہ مذہب اصح وارجح ومعتمد میں ہرگز مضر نہیں،فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل ادعی فی دار رجل طریقاو	ایک شخص نے دوسرے کی حویلی میں اپنے راستہ کا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

اقام البینۃ فشھدا الشھود بان لہ طریقا فی ھذہ الدار جازت شھادتھم وان لم یجدوا الطریق لان الجھالۃ انما تمنع قبول الشھادۃ اذا تعذر القضاء بھا وھٰھنا لایتعذر فان عرض الباب العظمی یجعل حکما لمعرفۃ الطریق[1] اھ مختصرا۔	دعوی کیا اور اس پر گواہ پیش کئے تو گواہوں نے گواہی دے دی کہ اس حویلی میں اس کا راستہ ہے تو یہ شہادت جائز ہے اگر حویلی میں راستہ موجود نہیں پاتے، کیونکہ جہالت وہاں شہادت کی قبولیت میں مانع ہوتی ہے جب وہ قضا کو متعذر بنادے جبکہ یہاں متعذر نہیں ہے کیونکہ بڑے دروازے کی چوڑائی سے راستے کا فاصلہ معلوم ہوسکتا ہے اھ مختصرًا۔(ت)

اسی میں ہے:

قدمت ماھو الاظھر الاشھر[2]۔	میں مشہور اور اظہر کو پہلے لاتا ہوں (ت)

طحطاوی و ردالمحتار میں ہے:

قدمہ قاضی خاں فکان ھو المعتمد[3]۔	قاضی نے اس مسئلے کو پہلے ذکر کیا ہے لہٰذا یہی قابل اعتماد ہے۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

الاصح ان ھذہ الشھادۃ مقبولۃ علی کل حال کذافی المحیط[4]۔	یہ شہادت بہر صورت مقبول ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

اور یہاں طریق حکم واضح ہے جسے عنقریب بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی ظاہر ہے کہ شہادت اس امر کے لئے درکار ہوتی ہے جس میں فریقین مختلف ہوں نہ کہ اس کے لئے جس میں اتفاق ہو ایک سو پندرہ روپے کے عوض زیور رہن رکھا جانا اور اس کا دو سو روپے بھر وزن میں ہونا مرتہن کو خود قبول ہے تو وزن پر شہادت کی اصلاً حاجت نہ تھی، اختلاف اس میں تھا کہ زیور چاندی کا تھا یا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوٰی باب الیمین رجل ادعی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۱۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں مقدمۃ الکتاب نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

جرمن سلور کا، اس کی نسبت دونوں گواہوں نے بالاتفاق موافق دعوی شہادت ادا کی تو یہ بینہ اس اقرار مرتہن سے مل کر ثبوت دیتی ہے کہ چاندی کا زیور وزن میں دو سو روپے بھر (ما☆☆) کے عوض مرہون تھا اب طریق حکم میں کیا خفا ہے شہادتیں جب کہ موانع قبول نہ رکھیں مجوز پر لازم ہوا کہ دو سو روپے بھر نقرئی زیور (ما☆☆) لے کر راہن کو واپس دینا مرتہن پر لازم کرے اور اعداد زیور کا شہادت سے تحقیق نہ ہونا مانع حکم نہ ہوگا کہ جنس شیئ مدعی مع وزن وقدر زر رہن معلوم ہولی اسی قدر اس پر الزام حق کے لئے کافی ووافی ہے، معین الحکام ص ۱۴۴ میں ہے:

لو قالوا نشهد ان له علیه دراهم لانعرف عددها فهی ثلثة. وکذالو شهدوا ان علیه دریهمات جعلت ثلثة ثم حلف علی شهادتهم لان الشهود قد بینوا بشهادتهم شیئا معلومًا وهی الدراهم ویحلف مع شهادتهم لجواز ان یکون اکثر من ذلک[1]۔	اگر گواہوں نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس کے دوسرے پر دراہم ہیں جن کی مقدار معلوم نہیں تو تین درہم کا حکم ہوگا اور یونہی اگر انہوں نے دراہم کی جگہ دریہمات کہا یعنی جمع کی تصغیر بتائی تو بھی تین ہی ہونگے، پھر قاضی اس شہادت کے ساتھ ساتھ مدعاعلیہ سے قسم لے گا (کہ اس سے زائد نہیں) کیونکہ گواہوں نے ایک معلوم چیز کی شہادت دی یعنی دراہم جس کی تعداد معلوم نہیں، قسم اس لئے لی جائے گی کہ ہوسکتا ہے تعداد تین سے زیادہ ہو، زائد کے انکار پر قسم ہوگی۔ (ت)

دیکھو فقط اتنی شہادت پر کہ مدعاعلیہ پر مدعی کے کچھ روپے ہیں یا تھوڑے سے درم ہیں حالانکہ گواہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمیں گنتی نہیں معلوم کہ کتنے روپے آتے ہیں شرع نے گواہی مقبول رکھی اور اقل درجہ یعنی تین روپے لازم کئے اور اسے ایک شے معلوم پر شہادت دینا فرمایا یعنی روپے جس سے فقط جنس مدعٰی بہ کا علم ہوا نہ کہ عدد وزن مجموع کا جس کے علم سے گواہوں نے صاف انکار کردیا، تو یہاں کہ شاہدوں نے جنس بھی بتائی کہ چاندی کا تھا اور مجموعی وزن بھی بتایا کہ دو سو روپے بھر تھا اور خود یہ مجموعی وزن فریقین کو تسلیم بھی ہے، یہ کیونکر شہادت مجہولہ قرار پاکر رد ہوسکتی ہے۔ غرض تنقیح اول کی تجویز سراسر غلط واقع ہوئی، اس کے بعد فیصلے میں اور سخت بھاری غلطیاں ہوئیں جن کا اندازہ بھی دشوار ہے، ذی علم فاضل مجوز نے یہاں مدعی اور مدعاعلیہ کی شناخت میں غور نہ کیا عوام کا خیال یا عرف یہ ہے کہ جو کچہری میں پہلے آکر نالشی ہو مطلقًا وہی مدعی ہے اور جواب دینے والا مدعاعلیہ۔ مگر شرع مطہر میں ہزار بار

[1] معین الحکام الباب الحادی والعشرون مصطفی البابی الحلبی مصر ص ۱۱۶

اس کا عکس ہو جاتا ہے جو نالش لے کر آیا مدعا علیہ ٹھہرتا اور جواب دہندہ مدعی قرار پاتا ہے۔ ولہٰذا علماء فرماتے ہیں کہ مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز کرنی ایک سخت مہم ودشوار کام ہے جس میں غور کامل حاکم پر فرض تام ہے مثلاً زید عمرو پر مدعی ہوا کہ اس پر میرے ہزار روپے قرض آتے ہیں، عمرو نے جواب دیا میں ادا کرچکا ہوں اب عمرو مدعی ہے کہ ادائے دین کا دعوی کرتا ہے اور زید مدعی علیہ کہ انکار کرتا ہے، ذی علم پر اس کے نظائر کا وفور مخفی نہیں یہاں جب کہ مرتہن نے دو سو روپے بھر وزن کا زیور رہن لے کر (☆☆) قرض دینے کا اقرار اور ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی دنیا دار علی الخصوص داد ستد والا ہندو ہر گز دو روپے کا مال رہن لے کر (ما☆☆) قرض نہ دے گا، ہندوؤں کا تو عام قاعدہ ہے کہ برابر قیمت کا زیور بھی ہر گز قبول نہیں کرتے جب تک مقدار دین سے ڈیوڑھا دونانہ ہو، توظاہر یہی ہے کہ وہ زیور ضرور چاندی کا تھا اور ضرور (☆☆) سے زیادہ قیمت کا تھا جب تو ہندو نے اس پر (ما☆☆) دے دئے۔ اب اس کا یہ ادعا کہ راہن نے مجھے دھوکا دے کر جرمن سلور کا زیور چاندی کا بتا کر (☆☆) مجھ سے لے لئے محض خلاف ظاہر ہے جو بے شہادت صحیحہ ہر گز قابل قبول نہیں ورنہ ہر شخص ہمیشہ ایسے ہی دھوکے کا ادعا کرکے لوگوں کا مال ہضم کرلیا کرے کہ آج کل شہادتوں کا معیار شرع پر ٹھیک اترنا بہت دشوار ہے خصوصاً جہاں فضول وزوائد محض باتوں کے ذکر وعدم ذکر پر گواہیاں رد ہوتی ہوں تو معاملہ خود ان کی قسم پر آکر پڑے گا جو ایسے پیچ کریں انہیں قسم کھاتے کیا لگتا ہے اور اس فیصلہ موجودہ کا سا فیصلہ ہوا تو قسم کی بھی حاجت نہیں یوں ہی مال ہضم ہے، کیا شرع مطہر اسے گوارا کرسکتی ہے حاشا وکلا، سخت عجب ہے کہ فاضل مجوز کو خود معلوم تھا کہ جرمن سلور کا زیور بتانے میں مرتہن ہی شرعاً مدعی ہوگیا اور راہن اس بارہ میں مدعا علیہ ہے جب تو اس تنقیح دوم کا بار ثبوت مرتہن پر رکھا تھا، ثبوت مدعی پر ہوتا ہے یا منکر پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر[1]۔	گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر پر ہے۔ (ت)

توقطعاً مانا کہ مرتہن مدعی ہے اور قطعاً جانا کہ اس کا ثبوت دینا اس پر ہے اور صاف تصریح فرمائی کہ وہ اصلاً ثبوت نہ دے سکا اور ظاہر ہے کہ راہن نے جرمن سلور ہونے کا اقرار نہ کیا نہ وہ اس پر قسم کھانے

[1] صحیح البخاری کتاب الرھن ۱/ ۳۴۲ و جامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰، سنن الدار قطنی باب فی المرأۃ تقتل اذا ارتدت نشتر السنۃ ملتان ۴/ ۲۱۸، السنن الکبرٰی کتاب الدعوٰی والبینات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

سے منکر ہوا تو بینہ اقرار نکول تینوں طریقے معدوم، اور محض اس مدعی یعنی مرتہن کے زبانی بیان جرمن سلور ہونا مقبول، یوں ہو تو لوگوں کے جان و مال ہلاک و تلف ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعوٰھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ[1]۔	لوگ اگر اپنے دعوٰی پر دے دئے جائیں تو لوگوں کے خون اور مال کا دعوٰی کر بیٹھیں ہاں یوں ہے کہ مدعا علیہ پر قسم ہے۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ روایت درمختار کو اس سے علاقہ نہیں وہ وہاں ہے کہ مرتہن خلاف ظاہر کا مدعی نہ ہو تو آپ ہی اس کا قول معتبر ہوگا کہ وہ قابض ہے یہاں خود مجوز کو اعتراف ہے کہ مرتہن امر خلاف ظاہر کا مدعی ہے جب تو تنقیح دوم میں لکھا تھا کہ ثبوت ذمہ مدعا علیہ ہے، کیا جس کی بات ظاہر کے خلاف ہے، اگر ادعائے خلاف ظاہر کی حالت کو بھی یہ روایت شامل ہو تو بنیوں کی ایک ایک دیاسلائی لاکھ لاکھ روپے کی ہو جائے، زید نے کسی بنئے سے کچھ رہن رکھ کر لاکھ روپے قرض لئے جب وہ قرض ادا کرنے آئے بنیاد یاسلائی کی ایک ڈبیا دکھائے کہ یہ رہن رکھ کر لاکھ روپے مجھ سے لے گئے تھے مدیون گواہ پیش کرے ان میں کسی لفظ زائد و بیکار کے ذکر و ترک کا اختلاف پڑ جائے جس سے عام شہادتوں کا خالی ہونا سخت ہی دشوار ہے گواہیاں تو یوں رد ہو گئیں اور اب قول مرتہن کا معتبر ہے، حکم ہو جائے کہ راہن کو ڈگری دی گئی مگر کیسی، یوں کہ یہی دیاسلائی قابل نفاذ حکم ہے لاکھ روپے ادا کرکے دیاسلائی گھر کو لے جائے، اس صورت کو باطل مانئے تو کیوں، حالانکہ روایت درمختار کا اطلاق اسے بھی شامل ہے اس میں اسی قدر تو ہے کہ:

قال الراھن الرھن غیر ھذا وقال المرتھن بل ھذا ھو الذی رھنتہ عندی فالقول للمرتھن لانہ القابض[2]۔	یعنی راہن نے کہا مرہون اور چیز تھی، مرتہن نے کہا بلکہ یہی تھی، تو قول راہن کا معتبر ہے کہ وہ قابض ہے۔

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴

[2] درمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

اس سے لاکھ روپے اور دیا سلائی کی ڈبیہ کا مسئلہ کیونکر خارج کیجئے گا۔ رہن یہی تھی یا اور چیز تھی یہاں بھی صادق۔ لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہ اس صورت کو شامل نہیں جس میں مرتہن خلاف ظاہر ادعا کرے تو بعینہٖ یہی علت یہاں بھی ہے، مرتہن خلاف ظاہر ہی کا مدعی ہوا ہے جب تو اس تنقیح کا بار ثبوت اس پر تھا، لاجرم عالمگیریہ میں فرمایا:

الظاہر یکذبہ (ای المرتھن) فیما قال فلا یقبل قولہ اذا جحد الراھن ذٰلک کذا فی المحیط[1]۔	ظاہر حال اس کو یعنی مرتہن کو جھوٹا قرار دیتا ہے لہٰذا اس کا قول معتبر نہ ہوگا جبکہ راہن اس کا انکار کررہا ہے محیط میں یونہی ہے۔ (ت)

پھر اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ اس روایت غیر متعلقہ کے بھی خلاف کیا گیا روایت میں قول مرتہن کیلئے مانا ہے اور قول کسی کا معتبر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے حلف لیا جائے گا اگر حلف کرے اس کا قول مقبول ہو، خود فاضل مجوز کو اقرار ہے کہ قول مرتہن معتبر ہے مگر بحلف، صورت دائرہ میں بے حلف ہی اسی کا قول معتبر ہوگیا اور اس کا عذر یہ تحریر فرمایا کہ مدعی نے اس کے حلف کی استدعا نہ کی، سبحان اللہ اگر مدعی گواہ نہ دے سکے اور حلف مدعا علیہ کی خود استدعا بھی نہ کرے کہ ان کچہریوں میں یہ معمول کالمنسوخ ہورہا ہے تو اب قاضی کو حکم ہے کہ بلا گواہ و بلا حلف خود بخود قول مدعا علیہ خلاف مدعی قبول کرکے فیصلہ دے دے، فتاوٰی امام قاضیخاں و اشباہ والنظائر و فتاوٰی خیریہ میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار والنکول[2]۔	قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرے گا اور وہ حجت گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے (ت)

پھر لطف یہ کہ ساری بلا تو مدعی بیچارے کے سر پڑی کہ (☆☆) چہرہ دار دے کر دو روپے کا کھلونا لے لے اور نام یہ فرمایا گیا کہ مدعی کی ڈگری ہوئی۔ بالجملہ اس فیصلہ کا منسوخ کرنا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی دعوٰی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۴۲، فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۵۱، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۳۳۸

لازم ہے بلکہ اسے تو منسوخ کرنا بھی کیا کہئے منسوخ تو وہ ہو جو کچھ وجود بھی رکھتا ہو نہ یہ کہ تجویز کہ اصلاً کسی اصل شرعی، عقلی، عرفی سے لگاؤ نہیں رکھتی جس میں مرتہن کو کہ مدعی ہو لیا، مقبول القول مانا گیا اور وہ بھی ایسا کہ اس کی نری زبان بلاحلف مقبول، **نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ انصافاً** (ہم اللہ تعالٰی سے عفو ومعافی کا سوال کرتے ہیں انصاف کے طور پر) یہاں طریق حکم یہ ہے کہ اگر گواہان راہن کی وہ دونوں شہادتیں بروجہ شرعی گزرچکی ہیں تو ان سے زیور نقرئی وزنی دو سوروپے بھر ہونا ضرور ثابت ہے۔ مرتہن پر لازم کیا جائے کہ چاندی کا زیور اتنے وزن کا پیش کرے اگر وہ لے آئے اور اسی تفصیل کے مطابق ہو جو راہن نے بیان کی فبہا، اور اگر راہن کہے کہ یہ وہ زیور نہیں تو اب روایت درمختار اس مسئلہ سے متعلق ہوگی راہن تفصیل پر گواہ نہ لایا تو مرتہن سے حلف لے، اگر وہ حلف کرے تو نقرئی دو سوروپے بھر کا زیور کہ مرتہن پیش کرے مرہون قرار پائے راہن (ماصہ عہ/) دے کر وہ چاندی کا زیور لے لے، اور اگر مرتہن زیور نقرہ سے منکر ہی رہے تو یہ ٹھہرے گا کہ زیور اس نے تلف کردیا ایک سو پندرہ روپے بھر کے عوض تو مرتہن کا دین ساقط ہوگیا باقی (پچاسی صہ لہ) روپے بھر چاندی راہن کو واپس دے۔ عالمگیری باب رہن الفضۃ بالفضۃ میں ہے:

یجوز رہن الدراہم والدنانیر فان رہنت بجنسہا فہلکت ہلکت بمثلہا من الدین وان اختلفا فی الجودۃ وہذا عند ابی حنیفۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ[1] الخ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	دراہم ودیناروں کا رہن رکھنا جائز ہے تو اگر یہ بجنسہا رہن رکھے گئے ہوں تو ہلاک ہوجانے پر ان کی مثل لازم ہوگی اگرچہ دونوں فریق جید اور ردی ہونے میں اختلاف بھی کریں اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں ہے۔ الخ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۸۸ تا ۸۹: از ریاست رام پور محلّہ گھیر مردان خاں مرسلہ ضیاء الدین صاحب ۸ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

سوال اول: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ دعویدار مہر کی پدر اپنے سے بقدر حصہ فرائض کے ہے اور پدر اس کا ابراء دین مہر کا مجیب ہے ثبوت ابراء دین مہر میں دو مرد اور دو عورتیں پدر ہندہ نے گزرانے ہیں جن کا حرف بحرف بیان نقل کرکے گزارش ہے کہ بروایات فقہیہ بیان شہود مشمولہ فتوٰی ثبوت ابراء دین مہر میں کافی ہے یا نہیں؟

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الرہن الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۷۳

سوال دوم: ہندہ دعویدار اس امر کی ہے کہ میری ماں کا نکاح بتعداد مہر پچاس ہزار روپیہ بکر کے ساتھ ہوا ہے بکر سے بقدر حصہ فرائض دلادیا جائے بکر مجیب ہے کہ تعداد مہر مجھے یاد نہیں مگر والدہ ہندہ نے مہر مجھے معاف کردیا ابراء مہر کی شہادت بھی پیش کی لیکن شہادت مذکور عندالعدالت کافی ومثبت نہ ہوئی ہندہ ثبوت تعداد مہر میں یہ کہتی ہے کہ مجھے ثبوت تعداد مہر کا اس وقت دینا تھا جب کہ مدعا علیہ یعنی بکر کمی بیشی تعداد مہر میں کلام کرتا بکر کو تعداد متدعویہ سے اقرار وانکار نہیں بلکہ سکوت ہے صرف ابراء کا دعوٰی تھا جس کو ثابت نہ کرسکا، اب عندالشرع عدالت کو درصورت عدم ثبوت ابراء دین مہر ڈگری بحق مدعیہ باوجود نہ ثابت کرنے تعداد دین مہر کے دینی چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

بیانات متعلق سوال

بیان مرد اول کا: گواہی اللہ کے واسطے دیتا ہوں کہ میں بکر کے یہاں بیٹھا تھا کہ عمرو بغرض فاتحہ پڑھنے کے آئے بعد فاتحہ کے عمرو نے زید برادر بکر سے دریافت کیا کہ بکر کی بی بی نے اپنا مہر بخش دیا یا نہیں میرے سامنے زید برادر بکر نے کہا کہ میرے اور کریم کے سامنے بخش دیا اور عمرو سے کہا کہ تم سب لوگ گواہ رہنا وقت ۱۲ بجے دن کے بعد کا تھا بکر کی بی بی کے مرنے کے دوسرے یا تیسرے روز کا یہ ذکر ہے خوب یاد نہیں، سوال: عمرو نے دریافت کیا تھا کہ بکر کی بی بی نے مہر بخش دیا یا لڈن کی ماں نے؟ مجھے یاد نہیں کہ کیا کہا تھا جس کے جواب میں زید نے کہا کہ مہر بخش دیا، زید نے اور بھی چند مرتبہ ہمارے روبرو بیان کیا کہ لڈن کی ماں نے مہر بخش دیا۔ سوال: بکر کی بی بی کے انتقال کو کس قدر مدت گزری؟ تخمیناً اٹھارہ بیس سال ہوئے۔ سوال **منجانب بکر:** کریم مسماۃ کے حقیقی بھائی تھے؟ جواب: میں جہاں تک خیال کرتا ہوں حقیقی تھے۔

بیان دوسرے مرد کا: اللہ کو حاضر ناظر جان کر گواہی دیتا ہوں اللہ کے واسطے یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں بعد مرنے محمد شفیع یعنی بکر کی بی بی کے میاں فیض اللہ شاہ کی بیٹی کی فاتحہ کو گیا تھا میں نے زید برادر بکر سے دریافت کیا کہ کریم کی بہن، لڈن کی ماں نے مہر بکر کو بخش دیا زید اور کریم دونوں نے کہا لڈن کی ماں نے مہر معاف کردیا اور یہ کہا کہ اس بات پر گواہ رہنا اٹھارہ انیس سال کا عرصہ گزرا وقت دوپہر کا تھا یہ واقعہ مرنے سے دوسرے دن کا ہے۔

بیان عورت کا: عرصہ تخمیناً بیس سال کا گزرا کہ بکر کی بی بی نے اپنے خاوند بکر کو مہر بخش دیا تھا تین مرتبہ سوال کیا کہ کس کو بخشا، جواب دیا بکر کو سوال مہر کی تعداد معلوم نہیں تعداد مہر کی بابت اس وقت ذکر میرے سامنے نہیں ہوا زبیدہ بکر کی بی بی تھیں مہر بخشنے سے دوروز بعد انتقال ہوگیا دق میں مبتلا تھیں

دو گھڑی رات گئی تھی عورتیں تھیں، مرد کوئی نہیں، فقط ان کے بھائی موجود تھے، خالد نے منجانب بکر دریافت کیا کہ زید اس وقت کہاں تھے؟ کیا گھر میں موجود تھے؟

دوسری عورت کا بیان: گواہی دیتی ہوں اللہ کے واسطے میں بکر کے گھر ان کی بی بی کی دریافت حال کے واسطے گئی تھی بکر کی بیٹی نے ان سے کہا مہر کی بابت کیا کہتی ہو، انہوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان سے بخشوا دیجیو، دو گھڑی رات گئی تھی، کس قدر مرد تھے؟ کوئی نہیں صرف عورتیں تھیں، جس نے پہلے گواہی دی ہے یہ تھیں؟ کہا موجود تھی، مہر کے معاف کرنے سے دو روز بعد مر گئیں جس وقت مہر معاف کیا ہے اس وقت ہوش و حواس باقی تھے۔

الجواب:

(ا) بیانات شہود اربعہ نظر سے گزرے ان میں ایک بیان بھی اس قابل نہیں کہ اس کی جانب کچھ بھی التفات کیا جائے محض مہمل و مختل ہیں۔ شہادت شہود و مشاہدہ و حضور معاینہ سے ہے دونوں مردوں میں کوئی خود اپنے سامنے زوجہ مدعا علیہ کا مہر معاف کرنا نہیں بیان کرتا بلکہ برادران زن و شو یا صرف برادر شوہر سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں اور معافی مہران مسائل استثناء سے نہیں جن میں سماعی بات پر شہادت دینی جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

لایجوز للشاهدان یشهد بشیئ لم یعاینه الا النسب والموت والنکاح والدخول و ولایة القاضی، و هذا استحسان والقیاس ان لاتجوز لان الشهادة مشتقة من المشاهدة وذٰلك بالمعاینة ولم یحصل فصار کالبیع، وجه الاستحسان ان هذه الامور تختص بمعاینة اسبابها خواص من الناس ویتعلق بها احکام تبقی علی انقضاء القرون فلو لم یقبل فیها الشهادة بالتسامع	گواہوں کو جائز نہیں کہ بغیر دیکھے کوئی گواہی دیں ماسوائے نسب، موت، نکاح، دخول یعنی جماع اور قاضی کی ولایت کے، یہ استحسان ہے جبکہ قیاس یہ ہے کہ ان امور میں بھی جائز نہ ہو کیونکہ لفظ شہادت مشاہدہ سے مشتق ہے اور یہ معاینہ سے ہی ہو سکتا ہے جبکہ یہاں معاینہ نہیں ہے لہٰذا یہ امور بھی دیگر معاملات بیع وغیرہ کی طرح ہوتے ہیں، لیکن استحسان اس لئے کہ یہ امور اپنے اسباب کے معاینہ سے مختص ہوتے ہیں جن کا معاینہ خاص لوگ کرتے ہیں انہی اسباب کی بناء پر ان امور کے احکام زمانہ بھر باقی رہتے ہیں تو اگر ان میں سننے سنانے پر شہادت

ادی الی الحرج وتعطیل الاحکام بخلاف البیع لانہ یسمعہ کل واحد[1]۔	قبول نہ کی جائے تو حرج اور احکام کی تعطیل تک معاملہ پہنچ جائے بخلاف بیع وغیرہ امور کہ ان کو ہر ایک سنتا ہے۔(ت)

بزازیہ میں کہ دربارہ مہر شہادت سماعی کی اجازت دی اس کے معنی یہ ہیں کہ مقدار مہر پر حاضران جلسہ نکاح سے جماعت عظیم یا ثقہ عادل دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کے بیان سن کر گواہی دینی جائز ہے کہ جب نکاح پر شہادت بالتسامع روا ہوئی تو مہر بھی اس کا تابع ہے نہ یہ کہ سنی سنائی معافی مہر پر شہادت جائز ہو، علما نے مہر کو گنا ہے نہ کہ معافی مہر کو، اور ان دونوں میں فرق بدیہی ہے، درمختار میں ہے:

لایشھد احدبما لم یعاینہ بالاجماع الافی عشرۃ منھا العتق والولاء عند الثانی والمھر علی الاصح بزازیۃ[2] الخ۔	کوئی بھی بغیر معاینہ شہادت نہ دے گا بالاجماع، مگر صرف دس چیزوں میں جن میں عتق، ولاء اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں مہر بھی اصح قول کے مطابق شامل ہے، بزازیہ الخ۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

لان المھر تبع للنکاح ذکرہ عبدالبر[3]۔	کیونکہ مہر نکاح کے تابع ہے، اس کو امام عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

لانہ من توابع النکاح فکان کاصلہ[4]۔	کیونکہ یہ نکاح کے توابع میں سے ہے لہٰذا اس کا وہی حکم ہے جو اصل کا ہے۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

الشھادۃ بالسماع من الخارجین من بین جماعۃ حاضرین فی البیت عند النکاح	نکاح والے کمرے سے نکلنے والے لوگوں سے سن کر ہی یہ شہادت جائز ومقبول ہے کہ مہر اتنا ہے دوسرے

---

[1] الھدایۃ کتاب الشھادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[2] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الشھادات دارالمعرفہ بیروت ۳/ ۲۳۶

[4] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشھادات مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۹

بان المھر کذا تقبل لا ممن سمع من غیرھم[1] (بالمعنی)۔	لوگوں سے سن کر یہ شہادت جائز نہیں، (بالمعنی) (ت)

بفرض باطل اگر یہاں شہادت بالسماع جائز بھی ہوتی تو جبکہ شاہدوں نے اپنی شہادت میں سماع ہونے کی تصریح کردی قابل قبول نہ رہی، ہدایہ میں ہے:

وینبغی ان یطلق اداء الشھادۃ ولایفسر، اما اذا فسر للقاضی انہ یشھد بالتسامع لم تقبل شھادتہ کما ان معاینۃ الید فی الاملاک مطلق للشھادۃ، ثم اذا فسر لاتقبل کذا ھذا۔[2]	مناسب ہے کہ گواہ شہادت کو مطلق رکھیں اور تفسیر نہ کریں اور اگر قاضی کے ہاں تفسیر کردی کہ میں سن کر شہادت دے رہاہوں تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی جیسا کہ قبضہ کا بیان املاک میں مطلق ہے پھر اگر کوئی اس کو بیان کردے کہ صرف قبضہ معلوم ہے ملکیت معلوم نہیں تو ملکیت میں یہ شہادت قبول نہ ہوگی، اسی طرح یہاں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وان فسر الشاھد للقاضی ان شھادتہ بالتسامع او بمعاینۃ الید ردت علی الصحیح الا فی الوقف والموت[3]۔	اگر قاضی کے ہاں گواہ نے تفسیر کردی میری شہادت سماع یا قبضہ پر مبنی ہے تو رد کردی جائے گی صحیح قول پر، ماسوائے موت اور وقف کے۔ (ت)

ان دونوں شہادتوں کی حقیقت تو اس قدر ہے مگر شاہدین نے یہ چاہا کہ اپنی سماعی گواہی کو شہادۃ علی الشہادۃ کے دائرہ میں لے آئیں اور غالبًا اسی لئے بیان اصول میں یہ لفظ ذکر کئے کہ تم لوگ گواہ رہنا تاکہ شرط تحمیل کریں لیکن ان سے بہت باتیں رہ گئیں جن کے سبب یہ مقصد بھی پورا نہ ہوا اور شہادت بدستور ناکارہ رہی،

اولاً: اصول یعنی برادران زن شو کا بیان شہادت نہیں، حکایت ہے کہ ان کے بیانوں میں "گواہی دیتا ہوں" کا لفظ نہیں تو یہ شہادت علی الحکایۃ ہوئی جس کا حاصل وہی شہادت بالتسامع ہے نہ کہ شہادۃ علی الشہادۃ۔ درمختار میں ہے:

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثانی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۲

[2] الھدایۃ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[3] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲ و ۹۳

کیفیتھا ان یقول الاصل مخاطبا للفرع اشھد علی شھادتی انی اشھد بکذا[1]۔	اس کی کیفیت یہ ہے کہ اصل گواہ فرع کو خطاب کرتے ہوئے کہے کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں تو میری اس گواہی پر گواہ بن جا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ انی اشھد بکذا قید بقولہ اشھد لانہ بدونہ لایسعہ ان یشھد علی شھادتہ[2]۔	اس کا قول "انی اشھد بکذا" یہ س کے قول "اشھد" کے لئے قید ہے کیونکہ اس قید کے بغیر وہ اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنا سکتا۔(ت)

ہدایہ وطحطاوی میں ہے:

لابد ان یشھد عندہ کما یشھد عند القاضی لینقلہ الی مجلس القاضی وھو بالشین الثالثۃ[3]۔	اصل کے لئے ضروری ہے کہ فرع کے سامنے اس طرح شہادت دے جس طرح قاضی کے ہاں شہادت دیتا تاکہ فرع اسی کو مجلس قضاء میں نقل کرسکے اس طرح کے تیسرے شین یعنی اصل کی شہادت کو دہرائے(ت)

ثانیاً: اصل کافرع سے یہ کہنا ضروری ہے کہ میری شہادت کا شاہد رہنا بر دران زن و شو دونوں کے کلام میں شہادت پر اشہاد نہیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ تم سب لوگ گواہ رہنا یا یہ کہ اس بات پر گواہ رہنا یہ اس قدر کافی نہیں اور اس کی بناء پر جو شہادت علی الشہادت دی جائے مردود ہے۔ردالمحتار میں ہے:

قید بقولہ اشھد علی شھادتی لانہ لو قال اشھد علیّ بذلك لم یجز لاحتمال ان یکون الاشھاد علی نفس الحق المشھود بہ فیکون امرا بالکذب وبعلی لانہ لو قال بشھادتی لم یجز لاحتمال ان یکون امرا بان یشھد	اشھد بشھادتی (میری شہادت پر شہادت دے) کے ساتھ اس لئے مقید کیا کیونکہ اگر اس کی بجائے بذٰلک (اس امر کی) کہے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں احتمال رہے گا کہ اصل واقعہ پر گواہ بنارہاہے جو جھوٹ کہنے کا حکم قرار پائے گا،اور علی شھادتی (میری شہادت پر) سے مقید اس لئے

---

[1] درمختار کتاب الشھادات باب الشھادۃ علی الشھادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۰

[2] ردالمحتار کتاب الشھادات باب الشھادۃ علی الشھادۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۹۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الشھادات باب الشھادۃ علی الشھادۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳ /۲۵۹

مثل شہادتہ بالکذب[1]۔	کیا کہ اگر "علی" کی بجائے "لشہادتی" لام کے ساتھ دے تو جائز نہیں کیونکہ احتمال رہے گا کہ اس کی شہادت جیسی شہادت دے جو کہ جھوٹ کا حکم قرار پائے گا۔ (ت)

اسی طرح حموی وطحطاوی وغیرہما میں ہے۔

ثالثاً: شاہد دوم کا بیان یہ ہے کہ زید اور کریم دونوں نے یہ کہا کہ لڈن کی ماں نے مہر معاف کردیا اور یہ کہا کہ اس بات پر گواہ رہنا۔ اس عبارت سے کچھ نہ کھلا اور یہ کہا کہ عطف "معاف کردیا" پر ہے یا "دونوں نے کہا" پر، بلکہ اول ہی قریب ہے، اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ عورت نے مہر معاف کیا اور لوگوں سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ رہنا، تو شاہد دوم کا بیان اس ٹوٹے پھوٹے بیان تحمیل سے بھی خالی ہے۔

بالجملہ وہ شہادتیں محض نامسموع ہیں۔ رہیں عورتیں، اول تو وہ تنہا رہ گئیں اور تنہا دو عورتوں کی گواہی بالاجماع مقبول نہیں، پھر ان کے بیانوں میں خود جو تخالف اور مردوں کے بیان کی مخالفت ہے، اس سب سے قطع نظر کیجئے تو ان کی شہادت صاف کہہ رہی ہے کہ یہ معافی مرض الموت میں ہوئی عورت دق میں مبتلا تھی یہ اس کی عیادت کو گئی تھیں اخیر وقت کی حالت تھی بیٹی نے پوچھا مہر کی بابت کیا کہتی ہو، انہوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان سے بخشوادیجو، دو روز کے بعد انتقال ہوگیا اور مرض الموت میں معافی وصیت ہے کہ وارث کیلئے بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

یعتبر حال العقد فی تصرف منجز فان کان فی الصحة فمن کل مالہ والافمن ثلثہ، والمراد التصرف الذی ھو انشاء ویکون فیہ معنی التبرع وھبتہ ووصیتہ[2] اھ مختصرا۔	فوری نافذ ہونے والے معاملہ میں اس کے اجراء کا حال معتبر ہے اگر یہ صحت میں ہو تو تمام مال میں نافذ ہوگا ورنہ تو ثلث میں نافذ ہوگا اور مراد وہ تصرف ہے جو بطور انشاء ہو اور اس میں تبرع، ہبہ یا وصیت کا معنی ہو، اھ، مختصراً (ت)

طحطاوی میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۹۳

[2] درمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

والابراء والصدقة مثل ماذکر قهستانی[1]۔	اپنے حق سے کسی کو بری کرنا اور صدقہ بھی مذکور کی مثل ہوگا، قہستانی۔ (ت)

تو عورتوں کی شہادت بجائے نافع ہونے کے مدعی ابراء کو اور مضر ہے کہ وہ ابراء ہوا بھی تو ایسے وقت ہوا کہ بے اجازت مدعیہ مدعا علیہ کو مفید نہیں، کلام یہاں ہنوز اور باقی ہے مگر اس قدر بھی وضوح میں کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جبکہ بکر اثبات ابراء نہ کر سکا حاکم ہندہ سے حلف لے اگر وہ حلف سے انکار کرے ابراء ثابت ہو جائیگا اور دعوی مدعیہ رد کر دیا جائیگا، اور اگر حلف کرلے تو دعوی ابراء باطل ہوگیا، اب ہندہ کا دعوی مہر باقی ہے حاکم نظر کرے کہ پچاس ہزار کا مہر جس کا ہندہ دعوی کرتی ہے آیا مادر ہندہ کے مہر مثل سے زائد تو نہیں، اگر زائد نہ ہو تو ہندہ ہر گز محتاج گواہان نہیں کہ مقدار مہر مثل تک زن و وارثان زن کا بیان بے حاجت شہادت مقبول ہے کہ بوجہ موافقت مہر مثل ان کا قول موافق ظاہر ہے اور جس کا قول موافق ظاہر ہو وہ مدعا علیہ ہے اور جو مدعا علیہ ہے بار ثبوت اس پر نہیں اس کے مخالف پر ہے یہاں تک کہ اگر مہر مثل یا اس کے ورثہ کا شاہد ہو یعنی ان کے دعوی سے مساوی یا زائد ہو اور مرد کمی کا دعوی کرے اور فریقین گواہ دے دیں تو عورت کے گواہ مسموع بھی نہ ہوں گے کہ شہادت اثبات خفی کے لئے ہے نہ کہ اظہار ظاہر کے واسطے، یہاں اگر بکر پچاس ہزار سے کم کسی مقدار کا تعین بتاتا تو وہ مدعی تھا اس سے گواہ مانگے جاتے اگر گواہان عادل سے مقدار اقل کا ثبوت دے دیتا تو ہندہ کو اسی قدر کا حصہ دلایا جاتا اور گواہ نہ دے سکتا تو ہندہ سے قسم لے کر اس کا دعوی ڈگری کر دیا جاتا اس صورت میں پچاس ہزار کے گواہ نہ دے دیتی تو سن لئے جاتے کہ مدعی کی جانب گواہ نہ تھے اور اگر کوئی گواہ نہ دیتی اور قسم کھانے سے بھی انکار کرتی تو اسی مقدار اقل کا حصہ پاتی جس کا بکر مدعی ہوتا اب کہ بکر کمی کا دعوی بھی نہیں کرتا نہ اسے پچاس ہزار کے مقدار سے انکار ہے، تو بیان ہندہ کہ شہادت مہر مثل سے روشن ہے صاف بے مزاحم ہے اور اسے پوری ڈگری پانے کا استحقاق ہے، اور اگر مہر مثلاً پچاس ہزار سے کم تھا تو اب ہندہ دربارہ زیادت ضرور مدعیہ ہوگی، اور بکر کا کہنا کہ مجھے تعداد مہر یاد نہیں ہر گز جواب کافی و صحیح نہیں اسے یوں نہ چھوڑا جائے گا بلکہ حاکم اس سے سوال کرے آیا مہر پچاس ہزار کا بندھا تھا، اگر وہ کہے اتنا تھا تو کچھ کم کرکے پوچھے جو مقدار مہر مثل سے ہنوز زائد ہو اگر وہ اس کی بھی نفی کرے تو اور گھٹا کر دریافت کرے یہاں تک کہ مقدار مہر مثل تک پہنچے اگر وہ اس کی بھی نفی کرے تو حاکم اس سے قسم لے اگر وہ قسم

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض دار المعرفة بیروت ۴/ ۳۲۸

کھالے اور ہندہ اپنے دعوی کے گواہ نہ دے سکے تو حاکم صرف بقدر حصہ مہر مثل کے ہندہ کو ڈگری دے مثلاً مہر مثل تیس ہزار ہے اور بکر نے اس کی بھی نفی کی اور قسم کھالی اور ہندہ نے پچاس ہزار کے گواہ نہ دئے تو ہندہ کو تیس ہزار کا حصہ دلایا جائے اور بکر قسم کھانے سے انکار کرے تو پورے پچاس ہزار کا۔ اور اگر بکر سوال حاکم پر انکار اقرار کچھ نہ کرے یہی کہتا رہے کہ مجھے یاد نہیں تو حاکم اسے جبر کرے کہ مقدار مہر بتائے اگر نہ مانے قید کرے یہاں تک کہ کسی مقدار کی تعیین کا مقر ہو اب اگر یہی پچاس ہزار قبول کئے تو ہندہ پوری ڈگری پائے اور اب بھی اسے اثبات مقدار کی حاجت نہ رہی اور اگر کم مانے تو حاکم نظر کرے کہ جو مقدار اس نے مانی عورت کے مہر مثل سے تو کم نہیں اگر کم نہ ہو تو اب مہر مثل بکر کا شاہد ہوگا او وہ خالص مدعا علیہ رہے گا اور بار ثبوت ہندہ پر آئے گا اگر گواہان عادل دے دے گی پورے دعوی کی ڈگری پائے گی اور اس صورت میں اگر بکر اقل کے گواہ بھی دے گا تو اسی وجہ سے جو اوپر جانب ہندہ میں مذکور ہوئی شاہد ان ہندہ کے مقابل مسموع نہ ہونگے ہاں اگر ہندہ گواہ نہ لاسکی تو بکر کے گواہ سن لئے جائیں گے اور ہندہ مقدار اقل کا حصہ پائے گی اور دونوں گواہ نہ دے سکے تو بکر سے قسم لی جائے اگر قسم کھالے تو مقدار اقل کا حصہ ہندہ کو دلایا جائے قسم سے انکار کرے تو پھر بے حاجت گواہان پورا دعوی ڈگری ہو اور اگر یہ مقدار کہ بکر نے مانی مہر مثل سے بھی کم ہے تو اب مہر مثل کسی کا شاہد نہیں اس لئے کہ دعوی بکر سے زائد اور دعوی ہندہ سے کم ہے اب ان میں جو گواہ دے دے گا اسی کا قول ثابت ہوگا اور دونوں گواہ دے دیں تو مہر مثل کے حصہ کی ڈگری دی جائے گی اور کوئی نہ دے سکے تو بکر سے قسم لی جائے اگر انکار کرے تو ہندہ کا پورا دعوی ڈگری ہو اور قسم کھالے تو ہندہ سے قسم لی جائے اگر انکار کرے تو حصہ اقل دلایا جائے اور وہ بھی قسم کھالے تو مہر مثلا کے حصہ کی ڈگری ہو۔ یہ سب تفصیل اس صورت میں کہے کہ مادر ہندہ کا مہر مثل معلوم ہو اور اگر نہ معلوم ہو تو حاکم کو اختیار ہے چاہے ہندہ سے پچاس ہزار کے گواہ طلب کرے چاہے اپنے معتمدوں کے ذریعہ سے عورت کا مہر مثل تحقیق کرکے کارروائی بالا عمل میں لائے۔ جامع الفصولین میں مختلفات امام ابی اللیث سے ہے:

ادعت الفامن مهرها علی ورثة زوجها تصدق الی تمام مهر مثلها عندح لان مهر المثل یحکم عنده فمن شهد له فله القول [1]۔	اگر عورت نے خاوند کے ورثاء پر ایک ہزار مہر کا دعوی کیا تو مہر مثل کی مقدار تک عورت کی تصدیق کی جائیگی امام صاحب رحمہ اللہ تعالی کے ہاں، کیونکہ ان کے ہاں مہر مثل فیصل ہوتا ہے، تو مہر مثل جس کی تائید کرے اس کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

[1] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۹

اسی میں عدہ سے ہے:

ادعت مهرا علی وارث الزوج وانكر وارثه يوقف قدر مهر مثلها ويقول القاضی لورثه كان مهرها كذا ام اعلی من ذٰلك لو قال لا قال كان كذادون ماقاله فی المرة الاولی الی ان ينتهی الی مقدار مهر مثلها[1]۔	عورت نے خاوند کے وارث پر مہر کا دعوی کیا اور وارث انکار کرتا ہے تو مہر مثل معلوم کرکے قاضی وارث سے مہر مثل سے زائد مقدار دوارث سے پوچھے گا کہ اس کا اتنا مہر ہے یا اس سے زائد ہے اگر وارث انکار کرے تو پھر قاضی پہلے سے کم مقدار پوچھے حتی کہ مہر مثل تک پہنچ کر وارث سے سوال ختم کردے۔(ت)

درمختار میں ہے:

اختلفافی قدرہ حال قيام النكاح فالقول لمن شهد له مهر المثل بيمينه وای اقام بينة قبلت سواء شهد مهر المثل له اولها اولا ولا، وان اقاما البينة فبينتها مقدمة ان شهد مهر المثل لها لان البينات لاثبات خلاف الظاہر وان كان مهر المثل بينهما تحالفا فان حلفا اوبرهنا قضی به وان برهن احدهما قبل برهانه لانه نور دعواه وموت احدهما كحياتهما فی الحكم[2]۔	نکاح کی موجودگی میں خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا تو اس کی بات معتبر ہوگی جس کی تائید مہر مثل کریگا ساتھ قسم لیجائیگی، جس نے گواہ پیش کئے اسکی بات تو مقبول ہوگی خواہ مہر مثل اس کا یا بیوی یا دونوں کا موید بنے یا کسی کا نہ بنے اگر خاوند اور بیوی دونوں گواہی پیش کریں تو بیوی کی گواہی کو ترجیح ہوگی اگر مہر مثل مرد کی تائید کرے، اور مرد کی گواہی کو ترجیح ہوگی اگر مہر مثل بیوی کی تائید کرے کیونکہ گواہی سے ظاہر کا خلاف ثابت کیا جاتا ہے اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں سے اپنے اپنے دعوی پر قسم لی جائے گی، اگر دونوں نے قسم کھائی یا دونوں نے گواہی پیش کی تو قاضی مہر مثل پر فیصلہ کردے اور اگر صرف ایک نے اپنے دعوی پر گواہی پیش کی تو اسکی گواہی قبول کی جائے کیونکہ اس نے اپنے دعوی کو واضح کردیا اور دونوں میں سے ایک کی موت ہو تو دونوں کی حیات والا ہی حکم ہوگا۔(ت)

[1] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۵۹

[2] درمختار کتاب النکاح باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳۔۲۰۲

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لمن شھد لہ مھر المثل ای فیکون القول لھا ان کان مھر مثلھا کما قالت او اکثر، ولہ ان کان کما قال اواقل وان کان بینھما ای اکثر مما قال واقل مما قالت ولابینۃ تحالفا ولزم مھر المثل کذا فی الملتقی وشرحہ قولہ وان کان، ھذا بیان لثالث الاقسام، فانہ اذا لم یقیما البینۃ او اقاماھا قد یشھد مھر المثل لہ اولھا او یکون بینھما فقدم بیان القسمین الاولین فی المسألتین، وھذا بیان الثالث، وقولہ فان حلفا راجع الی المسألۃ الاولی وقولہ اوبرھنا راجع الی الثانیۃ لکن کان علیہ حذف قولہ تحالفا لانہ اذبرھنا لاتحلف، قولہ تحالفا فان نکلت المرأۃ وجب الف، و اذا نکل یقضی بالفین ماعرف ان ایھما نکل لزمہ دعوی الاخر اھ وصورۃ المسألۃ فیما اذاادعت الالفین وادعی ھو الالف و کان مھر المثل الفا و خمسائۃ، قولہ قضی بہ ای بمھر المثل اھ[1] مختصرا۔	ماتن کا قول "مہر مثل جس کی شہادت" یعنی بیوی کی بات مانی جائے گی جب مہر مثل اتنا ہو یازائد ہو اور خاوند کی بات مانی جائے گی جب مہر مثل اس کے قول برابر ہو یا کم ہو، اگر دونوں کے درمیان ہو یعنی مرد کے دعوی سے زائد اور بیوی کے دعوی سے کم ہو، تو گواہی نہ ہونے کی صورت میں دونوں سے قسم ہوگی اور مہر مثل لازم ہوگا۔ ملتقی اور اس کی شرح میں یوں ہے ماتن کا قول "ان کان" یہ تیسری قسم کا بیان ہے، تین قسمیں یہ ہیں: (۱) دونوں نے گواہی پیش نہ کی (۲) یا دونوں نے پیش کی اور مہر مثل کسی ایک کی تائید کرے (۳) یا مہر مثل دونوں کے دعووں کے بین بین ہو، تو ماتن نے پہلے دونوں مسئلوں میں پہلی دونوں قسموں کا بیان بتایا اور اب یہ تیسرے کا بیان ہے، اس کا قول "دونوں نے اگر قسم کھائی" یہ پہلے مسئلہ کا بیان اور اس کا قول "دونوں نے گواہی پیش کی" یہ دوسرے کا بیان ہے لیکن "دونوں قسم دیں" والے قول کو حذف کرنا مناسب تھا کیونکہ جب گواہی پیش کردیں تو قسم نہیں ہوگی، اس کا قول "دونوں قسم دیں" تو عورت قسم سے انکار کرے تو خاوند کا دعوی ہزار کا واجب ہوگا اور اگر خاوند قسم سے انکار کرے تو عورت کا دوہزار فیصلہ کن ہوگا جیساکہ معلوم ہوچکا کہ جب ایک قسم سے انکار کرے تو دوسرے کا دعوی ثابت ہوجاتا ہے، یہاں مسئلہ کی صورت یہ ہے، عورت کا دعوی دوہزار، مرد کا ایک ہزار جبکہ مہر مثل ڈیڑھ ہزار ہو، اس کا قول "اس پر فیصلہ دے" یعنی مہر مثل پر، اھ مختصراً۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۶۱-۳۶۲

فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا ادعت مهرها علی وارث زوجها اکثر من مهر مثلها ان کان الوارث مقر بالنکاح یقول له القاضی أکان مهرها کذا اکثر من مهر مثلها فان قال الوارث لا، یقول القاضی أکان کذا یذکر مهر دون الاول لکنه اکثر من مهر مثلها ان قال لا،یقول له القاضی أکان کذا الی ان یاتی القاضی علی مقدار مهر المثل،فبعد ذٰلك اذا قال الوارث لا،الزمه القاضی مقدار مهر المثل ویحلفه علی الزیادة هذا اذاکان القاضی یعرف مقدار مهر مثلها فان کان لایعرف یامر امناء بالسوال ممن یعلم او یکلفها اقامة البینة علی ما تدعی[1]۔	جب عورت خاوند کے وارث پر مہر مثل سے زائد مہر کا دعوٰی کرے تو اگر وارث نکاح کا اقرار کرتا ہے تو قاضی کو چاہئے کہ وہ مہر مثل سے زائد کا وارث سے اقرار کرائے اگر وہ انکار کرے تو پھر پہلے سے کم کا اقرار کرائے اگر وہ انکار کرے تو اور نیچے آئے اور جب قاضی مہر مثل پر آجائے اور اس پر بھی وارث انکار کردے تو قاضی مہر مثل کو اس پر واجب کردے اور زیادہ سے انکار پر اس سے قسم لے، یہ جب ہے کہ قاضی مہر مثل معلوم کرچکا ہو اور اگر اسے مہر مثل کی مقدار معلوم نہیں تو قاضی کو چاہئے کہ وہ اہل کاروں کو حکم دے کہ وہ اس شخص سے پوچھیں جو اس عورت کے مہر مثل کی مقدار کو جانتا ہو، یا پھر عورت کو پابند بنائے کہ وہ اپنا مہر مثل ثابت کرنے کیلئے گواہ پیش کرے جو مقدار ثابت کریں (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

مات فادعت امرأته المسمی فقالت ورثته نعلم ان لك مهرا ولا نعلم قدره یجبرون علی البیان ومعنی الجبر ان یحبسواحتی یقر وابمقدارالمهر بقیام الورثة مقام الزوج[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	خاوند فوت ہوا تو بیوی نے مقررہ مہر کا دعوٰی کیا تو ورثاء نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ تیرا مہر ہے لیکن ہمیں مقدار کا علم نہیں تو ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مقدار بتائیں، اور جبر کا مطلب یہ ہے کہ ان کو مہر کی مقدار کے اقرار تک محبوس کیا جائے، کیونکہ ورثاء خاوند کے قائم مقام ہیں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوٰی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۶

[2] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۲

مسئلہ ۹۰ تا ۹۱: از ریاست جورہ ملک مالوہ محلّہ شاہ گنج ڈاکخانہ کہنہ مرسلہ حضرت سید مقبول عیسٰی میاں صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

سوال اول: کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص متمول وصاحب ازواج واولاد واملاک تھااس کے انتقال کے بعد باہم بعد چند برس کے بابت تقسیم ایک مکان کے جس میں مرتے دم تک زید متوفی مع سب اولاد وازواج کے رہتا تھااور اسی مکان میں انتقال کیا تکرار پیدا ہوئی تاآنکہ ایک پسر نے بقدر اپنے حصہ کے تقسیم کراپانے نالش کی ایک سوتیلی بہن عذر دار جوابدہ ہوئی کہ یہ مکان میرے باپ زید نے اپنی زندگی میں میری ماں فرید بیگم کو ہبہ کیا ہے ہبہ نامہ ضائع ہوگیااور قبضہ میری ماں کاوقت ہبہ ہوگیااور بعد ماں کے میں قابض ہوں اور تین گواہ قبضہ کے پیش کئے جن کے بیان میں اختلاف کثیر ہے ایک کہتا ہے سات برس اور دوسرے کہتے ہیں بارہ تیرہ برس ہوئے اور پسر خواہندہ تقسیم کو ہبہ سے لاعلمی وانکار ہے اور گواہان پسر خواہندہ تقسیم کے بیان بمضمون واحد نسبت عدم ہبہ اور ہونے قبضہ جمیع ورثاء انتقال مورث سے آج تک مؤید دعوی خواندہ تقسیم ہے حالانکہ مکان مذکور میں دیگر ورثاء بھی اب تک سکونت رکھتے ہیں اور مستدعی تقسیم کا بھی کسی قدر اسباب اس مکان کی ایک کوٹھری میں اب تک رکھا تھاپس ایسی صورت میں قبضہ مشکور میں ازروئے شرع شریف ہبہ بحق مادر دختر بقول دختر بطور جائز متصور ہوسکتی ہے یاحالات صورت قبضہ سے ہبہ ناجائز ہوئی۔ **بینواتوجروافقط۔**

ملخص گواہی سید امیر شاہ: مکان متنازعہ کو رسول خاں مسماۃ صنوبر بیگم مدعاعلیہا کو ہبہ کیا ہے جس کو عرصہ بہت ہوا یعنی چھ سات سال کا ہوا ہبہ کی تکمیل میرے روبرو ہوئی اور اس وقت دوسری زوجہ کو جوشامل رہتی تھی علیحدہ کرکے مسماۃ صنوبر بیگم مدعاعلیہا کا تنہا قبضہ کرادیا تھااور دوسری زوجہ کو پٹھان ٹولی کے مکان میں بودوباش کرادی گئی تھی بعد نوشت ہبہ نامہ۔

ملخص گواہی سلطان ولد نذر محمد خاں: رسول خاں جمعدار نے اپنی حیات میں مکان متنازعہ کو صنوبر بیگم کو ہبہ کیا تھا ہبہ تحریری ہوا تھااور جمعداری صاحب کے دستخط بھی ہوئے تھے ہبہ نامہ تحریر ہونے کے بعد قبضہ دلادیا گیا تھا جمعدار نے قبضہ دلانے سے اول جوکچھ ان کامال واسباب تھاچوکی میں بھیج دیا تھا۔ مدعاعلیہا نمبر ۱ کو مدعاعلیہا نمبر ۲ نے اس مکان میں رکھا ہے خوشحال خاں مدعاعلیہا نمبر ۲ ان کی والدہ کی اجازت سے رہتے ہیں مکان کو ہبہ ہوئے تیرہ سال ہوئے ہوں گے جمعدار نے اپنے مرنے سے چھ سات اول ہبہ نامہ لکھا تھا تاریخ یاد نہیں مکان متنازعہ کا کوئی حصہ مدعی کے قبضہ میں نہیں ہے مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علیحدہ کردیا میرے سامنے علیحدہ کردیا تھا بعد کو ہم نے دستخط ہبہ نامہ پر کئے تھے۔

ملخص گواہی عبدالمجید خاں: مدعاعلیہا نمبر ۲ کو جمعدار نے مکان متنازعہ ہبہ کردیا تھااندازًا بارہ سال کا عرصہ ہوا جب ہبہ نامہ لکھا گیا تھااس پر میری شہادت ہوئی تھی اس وقت مدعاعلیہ نمبر۲ کا قبضہ بھی مکان متنازعہ پر کرادیا تھا جمعدار نے اس مکان کو خالی کرکے اپنا کل اسباب دوسرے مکان میں رکھوادیا اور مستورات کو بھی اس مکان سے علیحدہ کردیا اور ہمارے سامنے جمعدار مذکور نے کہا کہ میں نے مدعاعلیہا کا قبضہ دلادیا ہے اور یہ مکان آپ کو دیا مدعاعلیہ نمبر ۲اس وقت موجود تھیں اور ان سے یہ سب جمعدار نے کہہ دیا تھا مدعاعلیہا کو ہبہ نامہ سپرد کردیا تھا مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعاعلیہاکے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھ کو معلوم نہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ سوائے زوجہ خوشحال خاں وخوشحال خاں مدعاعلیہا نمبر ۲اور کون کون مکان مذکور میں رہتا ہے مدعاعلیہا نمبر ۲ کو جب دستاویز سنائی گئی تو اس وقت مضمون سنا تھا مضمون ہبہ نامہ کا یہ یاد ہے کہ یہ لکھا ہوا تھا کہ اور سب کو تو حصہ دے دیا ہے تم کو اب یہ مکان ہبہ کیا جاتا ہے تم قبضہ کرلو جمعدار نے اردو میں اپنا نام لکھا تھا مجھے نہیں معلوم کہ زوجہ خوشحال خاں وخوشحال خاں مکان متنازعہ میں کس کی اجازت سے رہتے ہیں آیا مدعاعلیہا نمبر ۲ نے اجازت دی ہے یا نہیں۔

اعتراضات مفتی

سید امیر شاہ کی شہادت: معاینہ قبضہ مدعاعلیہا نمبر ۲: اوپر مکان متنازعہ فیہ وقت ہبہ کرنے رسول خاں جمعدار کے مکان مذکورہ کو یوں بیان کیا ہے کہ دوسرے زوجہ کو جو شامل رہتی تھی علیحدہ کرکے مسماۃ صنوبر بیگم کو تنہا قبضہ دلادیا ہے اور رسول خاں کے اسباب سے مکان کو خالی کرنا نہیں بیان کیا ہے اور نہ رسول خاں کا خود علیحدہ ہونا اس مکان سے بیان کیا ہے حالانکہ تمامیت قبضہ کے لیے واھب کے اسباب مقبوضہ جو اس مکان موہوبہ میں رکھا ہوا ہو اور خود ذات واہب سے اس مکان موہوبہ کا خالی ہونا ضروری ہے ہبہ میں وقت قبضہ کے۔ اور رسول خاں کا اسباب مقبوضہ اس مکان میں ہونا وقت ہبہ گواہوں کی گواہی سے ثابت ہے اور خود رہنا ان کا اس مکان میں سب کو ظاہر ہے اور بہرام خاں کی گواہی سے ثابت ہے کہ جمعدار مرنے تک اس مکان میں رہے، سید امیر شاہ کی گواہی ہوئی اوپر معاینہ قبضہ ناقصہ کے، لہٰذا انکی شہادت معتبر نہیں ہے۔

سلطان کی گواہی میں اوپر معاینہ قبضہ کے خود نکلنا رسول خاں کا مکان مذکورہ سے واسطے قبضہ دلانے کے بیان نہیں کیا اور یہ بیان کیا ہے کہ مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علیحدہ کردیا تھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ مدعی کی والدہ کا سامان قبضہ دلانے کے وقت اس مکان میں رکھا تھا بعد کو علیحدہ کیا گیا اور قبضہ کے وقت مکان موہوبہ مدعی کی والدہ کے سامان مقبوضہ کے ساتھ مشغول تھا، تو یہ بیان بھی

قبضہ ناقصہ کا ہوا لہذا یہ گواہی بھی معتبر نہیں۔
عبدالحمید خاں کی گواہی جو اوپر معاینہ قبضہ کی ہے اس میں یہ نقصان ہے کہ ذات رسول خاں سے خلو اس مکان کا نہیں بیان کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعا علیہا کے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھے معلوم نہیں، اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمجید خاں کو پورا علم مکان کے خالی ہونے کا نہ تھا تو یہ گواہی بھی قبضہ ناقصہ کی ہوئی۔ جائز ہے کہ اس مکان میں اور کوئی ہو سوائے موہوب لہا کے اس کے ہونے کے سبب سے قبضہ موہوب لہا کا تام نہ ہوا اور عبدالمجید خاں کی گواہی جو اقرار واہب پر ہے اور ہمارے سامنے جمعدار مذکور نے کہا کہ میں نے مدعا علیہا نمبر ۲ کو قبضہ دلا دیا تو یہ گواہی اوپر اقرار قبضہ کے اور دونوں گواہوں سابق کی گواہی ہے اوپر معاینہ قبضہ کے اس اختلاف کے سبب سے یہ گواہی عبدالمجید خاں کی مقبول نہیں ہے۔ مثل اور خارجی تحقیقات سے ثابت ہے کہ مدعا علیہا اول اور ان کے شوہر بہرام خاں قدیم سے اس مکان میں رہتے ہیں اور اپنے اموال اور اسباب کے قابض اور متصرف ہیں اس مکان میں اب بھی قبل بھی قابض اور متصرف تھے اور مکان موہوب کا مشغول ہونا قبضہ موہوب لہا کے وقت ایسے اسباب کے ساتھ کہ موہوب لہا کے قبضہ میں نہ ہو دوسرے شخص کے قبضہ میں ہو مانع تمامیت قبضہ ہے اور کسی گواہ نے خلو مکان کا مدعا علیہ نمبر ا اور اس کے شوہر اور دونوں کے اسباب سے بیان نہیں کیا اس صورت میں بھی مشاہدہ قبضہ ناقصہ کا ہوا کہ مانع ہے تمامیت قبضہ کا، مکان موہوب اگر قبل از ہبہ موہوب لہا کے قبضہ تامہ میں فرض کیا جائے تو انعقاد عقد ہبہ کے لیے صراحۃً قبول کرنا موہوب لہ کا ایجاب ہبہ کو چاہئے فقط قبضہ قائم مقام قبول نہ ہوگا اور عقد ہبہ منعقد نہ ہوگی اس صورت میں سب گواہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول خاں نے ہمارے سامنے مکان متنازعہ کو مدعا علیہا نمبر ۲ کو ہبہ کیا یہ تو ایجاب ہی ہے اور یہ کسی نے نہیں بیان کیا کہ مدعا علیہا نمبر ۲ نے اس ہبہ کو قبول کیا یا نہیں، کیا تو ایجاب ہوئی بغیر قبول صریح کے، تو اس صورت میں عقد ہبہ منعقد نہ ہوا تو وہ مکان ہبہ کے سبب سے مملوک موہوب لہا کا نہ ہوا، گواہان مذکورہ کی گواہی کے نقصانات سے اور مدعی کے متعدد گواہوں کے بیان سے کہ جمعدار کے اکثر اہل وعیال اور زوجات اس مکان متنازعہ فیہ حین حیات رسول خاں اور بعد ممات رسول خاں سب مشترک رہتے تھے اور اس مکان میں سب قابض تھے اور قبضہ تامہ جو شرط ہبہ ہے وہ متحقق نہیں ہوا تھا مسماۃ صنوبر بیگم کے واسطے، لہذا میری رائے میں یہ آتا ہے کہ بابت مکان متنازعہ فیہ کا ہبہ مدعا علیہا نمبر ۲ کو ثابت نہیں ہے۔ مکان مذکور میراث کے طور پر وارثان رسول خاں پر تقسیم کیا جائے فقط دستخط مولوی محمد جمل۔

سوال دوم: زید نے مکان کا ہبہ بنام مسماۃ آفریدہ بیگم اپنی ایک زوجہ کے منجملہ ازواج لکھا ہبہ نامہ

کی تحریر کے بعد مکان موہوبہ پر بدستور قبضہ واہب کاتاحیات واہب رہا یعنی واہب مع اپنے اطفال و ازواج کے مع اس زوجہ کے جس کے نام ہبہ لکھامرتے وقت تک اس مکان میں رہا بعد وفات زید ورثائے زید بالاجمال و بالاشتراک اس مکان پر قابض رہے اب وقت درخواست ہونے تقسیم مکان کے باہم شرکاکے وہ ہبہ ظاہر ہو کر ازروئے شرع شریف جائز ہوگی یا ناجائز قرار پائے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

(ا) اس مقدمہ میں تحقیق حکم شرعی تنقیح چند مسائل پر موقوف **فنقول وباللہ التوفیق** (تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ت)

مسئلہ اولٰی: ہمارے مشائخ مذاہب رحمہم اللہ تعالٰی کو اختلاف ہے کہ قبول بھی مثل ایجاب رکن ہبہ ہے یا نہیں،

مشی علی الاول فی الکافی والکفایۃ والتنویر والدروھبۃ الھدایۃ وقال الاتقانی انه قول الامام علاء الدین فی تحفۃ الفقھاء ومشی علی الثانی فی الحصر والمختلف و النھایۃ والدرایۃ والعنایۃ و العینی و عامۃ الشروح قال الاتقانی انه قول الامام شیخ الاسلام خواھر زادہ فی مبسوطه وبه جزم فی کتاب الایمان من الھدایۃ و الکرمانی والتاویلات و محیط السرخسی۔	کافی، کفایہ، تنویر، در اور ہدایہ کے ہبہ میں اول کو اختیار کیا، اور اتقانی نے کہا کہ تحفۃ الفقہاء میں امام علاء الدین نے یہی فرمایا ہے اور حصر، مختلف، نہایہ، درایہ، عنایہ، عینی اور عام شروح میں ثانی کو اختیار کیا۔ اتقانی نے کہا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے مبسوط میں یہ فرمایا اور اسی پر ہدایہ کے کتاب الایمان میں اور کرمانی اور تاویلات اور محیط سرخسی نے اعتماد کیا ہے۔ (ت)

اور راجح ومعتمد ومفتی بہ یہ ہے کہ قبول رکن نہیں غایت یہ کہ شرط ثبوت ملک ہو پھر قبضہ کہ مجلس میں ہو اگرچہ بے اذن صریح واہب یا باذن واہب ہو اگرچہ بعد مدت وہ اس قول کا قائم مقام ہوجائیگا قول حق اور تحقیق یہ ہے کہ قبضہ بنفسہ شرط ثبوت ملک ہے اور وہی دلالت قبول بھی ہوجائے گا، رہا پیش از قبضہ حاجت اس قدر ہے کہ قبول کامنافی یعنی رد و امتناع نہ پایا جائے، امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی نے بدائع میں تصریح فرمائی کہ رکنیت قبول قول امام زفر وقیاس ہے اور استحسان عدم رکنیت ہے[1]، اور معلوم ہے کہ عمل ہمیشہ استحسان پر ہے **الافی مسائل عدیدۃ لیست ھذہ**

[1] بدائع الصنائع کتاب الھبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۵، فتح القدیر بحوالہ البدائع کتاب الھبہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۸۰

منہا (مگر متعدد مسائل میں، جن میں سے یہ نہیں ہے۔ت) اور فتاوٰی قاضی خاں و نیز حاوی الفتاوٰی میں قبضۂ موہوب لہ بعد مجلس کو جب کہ باذن واہب ہو مثبت ملک ٹھہرایا اگرچہ موہوب لہ نے قبول کردم نہ کہا ہو اور صراحۃً فرمایا: **بہ ناخذ**[1] (ہم یہی اختیار کرتے ہیں۔ت) یہ لفظ اعاظم الفاظ افتا سے ہے **کما فی الدر وغیرہا**[2] (جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے۔ت) قبضہ اگرچہ قائم مقام قبول ہے مگر قبول رکن ہوتا تو ماورائے مجلس پر موقوف نہ رہ سکتا:

لان الایجاب لفظ واللفظ عرض والعرض لایبقی زمانین فلایکن ارتباط القبول بہ الااذا تحقق فی مجلسہ لان الشرع جعل المجلس جامعاللکلمات۔	کیونکہ ایجاب لفظ ہے اور لفظ عرض ہے اور عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا لہٰذا قبول کا اس سے ربط نہ ہوگا مگر جبکہ وہ اسی مجلس میں متحقق ہو کیونکہ شریعت نے مجلس کو متفرقات کا جامع قرار دیا ہے۔(ت)

خود ہدایہ و درمختار وغیرہما عامہ کتب میں تصریح فرمائی کہ اگر زید نے قسم کھائی ہبہ نہ کروں گا پھر عمرو سے کہا یہ شیئ میں نے تجھے ہبہ کی اور عمرو نے ہبہ قبول نہ کیا قسم ٹوٹ گئی کہ ہبہ فقط اس کے ایجاب سے متحقق ہوگیا اگرچہ عمرو نے قبول نہ کیا اور اگر قسم کھائی کہ نہ بیچے گا پھر عمرو سے کہا میں نے یہ شے تیرے ہاتھ بیچی اور عمرو نے قبول نہ کیا قسم نہ ٹوٹی کہ بیع بے ایجاب و قبول دونوں کے متحقق نہ ہوگی تو بے قبول مشتری بیچنا صادق نہ آیا۔ یہ تیسری وجہ اس قول کی ترجیح کی ہے کہ عام کتب معتمدہ حتی کہ ان میں بھی جو رکنیت کی تصریح کرتی تھیں یہ مسئلہ یونہی مسطور ہے جس سے عدم رکنیت روشن و منصور ہے،

اما تعلیل الکفایۃ والکافی الحنث فی الھبۃ بانہ اتی بما ھو مقدورھا والیمین انما تنسحب علی ماھو فعلہ و لیس الا الایجاب فمنقوض بعدم الحنث فی البیع کمالایخفی فانہ ثمہ ایضالایقدر	ہبہ کی حنث کی بحث میں کفایہ اور کافی کا یہ علت بیان کرنا کہ وہ اپنا مقدور ہی بجالاسکتا ہے جبکہ قسم اس کے فعل پر ہی مرتب ہوتی ہے اور صرف ایجاب ہی اس کا فعل ہے، یہ علت بیع میں عدم حنث کی وجہ سے سالم نہیں رہے گی جیسا کہ مخفی

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ حاوی الفتاوی کتاب الھبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۳۷۷، فتاوٰی قاضی خاں کتاب الھبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۲

[2] درمختار مقدمہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

الا علی الایجاب ولا یحنث به فیه وفاقا [1]۔	نہیں، کیونکہ یہاں بھی وہ صرف ایجاب پر قادر ہے حالانکہ اس میں بالاتفاق ایجاب سے حنث نہیں ہے(ت)

نتائج الافکار میں ہے:

فی البدائع اما رکن الهبة فهو الایجاب من الواهب فاما القبول من الموهوب له فلیس برکن استحسانا والقیاس ان یکون رکنا وهو قول زفر وفی قول قال القبض ایضا رکن [2] الخ۔	بدائع میں ہے لیکن ہبہ میں رکن وہ واہب کا ایجاب ہے جبکہ موہوب لہ کا قبول کرنا استحساناً رکن نہیں ہے حالانکہ قیاس اس کے رکن ہونے کا مقتضی ہے امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول میں ہے کہ قبضہ بھی رکن ہے الخ۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لو قال وهبت منك هذاالعبد والعبد حاضر فقبضه جازت الهبة وان لم یقل قبلت کذافی الملتقط۔ولو کان العبد غائبا فقال له وهبت منك عبدی فلانا فاذهب واقبضه فقبضه جاز وان لم یقل قبلت وبه ناخذ کذافی الحاوی للفتاوٰی [3]۔	اگر کسی نے کہا میں نے تجھے یہ، عبد حاضر ہبہ کیا تو اس نے قبضہ کرلیا تو ہبہ جائز ہوجائیگا اگرچہ موہوب لہ نے قبول کرنے کا قول نہ کیا ہو،ملتقط میں یوں ہے اور اگر عبد غائب ہوتو یوں کہا کہ میں نے اپنا فلاں عبد تجھے ہبہ کیا تو جاکر قبضہ کرلے اس نے قبضہ کرلیاتو ہبہ جائز ہوگا اگرچہ موہب لہ نے "میں نے قبول کیا" نہ کہا ہو،ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے حاوی للفتاوٰی میں یونہی ہے۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی امام اجل قاضی خاں [4] میں ہے۔

اقول: وبما قررنا ظهر ما فی	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم نے جو تقریر کی اس سے

---

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار کتاب الهبه مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷ /۴۸۰

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار کتاب الهبه مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷ /۴۸۰

[3] فتاوٰی ہندیه الباب الثانی فیما یجوز من الهبة ومالا یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۷

[4] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الهبه نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۹۶

المحیط من انه لایشترط فی الھبة القبول وان استشکله فی البحر وذٰلك لانه ان ارید خصوص القبول بالقول فغیر لازم قطعا وان اکتفی بالقبول دلالة فاشتراط القبض مغن عنه فانه یدل علیه فلا یکون شرطا بحیاله نعم یشترط ان لایوجد منافیه کما اشرنا الیه۔	محیط میں بیان کردہ یہ بات واضح ہوگئی کہ ہبہ میں قبول کرنا شرط نہیں ہے اگرچہ بحر میں اس پر اشکال کیا ہے، یہ اس لئے کہ اگر قبول سے مراد خاص زبانی قبول کا لفظ کہنا مراد ہو تو یہ قطعًا ضروری نہیں ہے اور اگر دلالۃً قبول کرنا مراد ہے تو قبضہ کی شرط اس کو کافی ہے کیونکہ قبضہ قبول کرنے پر دال ہے لہٰذا ہبہ میں قبول کرنا کسی طرح شرط نہ ہوگا، ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ وہاں قبولیت کے منافی کوئی چیز نہ پائی جائے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔(ت)

شرعًا وعقلًا وعرفًا جب تک مالک مکان خود مکان میں ہو اسی کا قبضہ ہے اس کا مال اسباب رکھا ہو تو اسی کا قبضہ ہے اس کے اہل وعیال رہتے ہوں تو اسی کا قبضہ ہے ولہٰذا اگر مکان ہبہ کیا اور ہنوز خود واہب یا اس کا اسباب یا اہل وعیال مکان میں ہیں ان سے تخلیہ نہ کیا اور موہوب لہ سے کہتا ہے میں نے تجھے قبضہ دیا تو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایصح قوله اقبضها او سلمت اذاکان الواھب فیه او اھله او متاعه کذا فی التاتارخانیة[1]۔	جب واہب خود یا اس کے اہل وعیال یا اس کا سامان مکان میں موجود ہو تو واہب کا یہ کہنا کہ قبضہ کرلو میں نے سپرد کردیا، مکان کے قبضہ کیلئے صحیح نہ ہوگا، تاتارخانیہ میں یوں ہے(ت)

اسی طرح اگر کوئی شخص مالک کی اجازت سے عاریۃً یعنی بے اجرت رہتا ہے تو جب بھی مکان قبضہ مالک ہی میں ٹھہرے گا کہ مرتہن یا مستاجر کی طرح اس کا قبضہ مستقلہ نہیں بلکہ قبضہ مالک ہی کی فرع اور اسی سے مستفاد ہے تو اس کا نافی نہ ہوگا بلکہ اس کی تقریر وتاکید کرے گا ولہٰذا اگر مکان جس میں بلا اجرت اور لوگوں کو سکونت دے رکھی ہے مالک نے اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کیا ہبہ کرتے ہی ملک پسر ہوگیا ان لوگوں سے تخلیہ درکار نہیں کہ ان کا قبضہ خود قبضہ واہب ہے اور اپنے ولد صغیر کو ہبہ کو ہبہ کرنے میں خود اپنا ہی قبضہ مطلوب ہے، امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

لووهب من ابنه الصغير دارا و الاب ساكنها ومتاعه فيها جازت الهبة، وملكها الابن بمجرد قوله وهبتها له لانها فی یده و سكناه ومتاعه فيها لاينافی يده بل يقررها فتكون هی فی قبضه وهو الشرط، ولوكان يسكنها غيره باجر لا يجوز لماذكرنا(ای فی الغاصب والمرتهن والمستاجران كل واحد منهم قابض لنفسه وعامل لنفسه بخلاف المودع لان يده يد المالك)وان كان بغير اجر جازت الهبة وملكها الابن بمجرد العقد ذكره محمد رضی الله تعالٰی عنه فی المنتقی[1]۔	اگر باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کو مکان ہبہ کیا حالانکہ باپ اس میں سکونت پذیر ہے یا باپ کا سامان اس میں موجود ہے تو ہبہ جائز ہوگا اور یہ کہہ دینے سے کہ میں نے بیٹے کو یہ مکان ہبہ کیا بیٹا مالک ہوجائیگا کیونکہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ ہی کافی ہونے کی وجہ سے مکان میں باپ کی رہائش اور سامان قبضہ کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ قبضہ کا ثبوت ہے لہٰذا یہ بیٹے کے قبضہ میں ہے یہی قبضہ شرط ہے اور اگر اس مکان میں باپ کا غیر کوئی کرایہ دار ہو تو یہ قبضہ ہبہ کے لئے صحیح نہ ہوگا، اس کی وجہ ہم نے ذکر کردی ہے یعنی غاصب، رہن لینے والے، اجرت پر لینے والے، کے بارے میں ذکر کیا کہ یہ لوگ اپنی ذات کے لئے قابض اور عامل ہوتے ہیں، اس کے بخلاف امانت پاس رکھنے والا، کہ اس کا قبضہ امانت کے طور پر مالک کا قبضہ قرار پاتا ہے، اور اگر باپ کے ہبہ کردہ مکان میں کوئی دوسرا بغیر کرایہ رہائش پذیر ہے تو مذکورہ صورت میں ہبہ جائز اور ہبہ کردینے سے نابالغ بیٹا مالک قرار پائے گا۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کو منتقی میں ذکر فرمایا ہے (ت)

اور قبضہ دلانے کے معنی شرعًا وعقلًا وعرفًا یہی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر اس کا قبضہ کرادیا جائے ورنہ جب تک اپنا قبضہ موجود ہے اس کا قبضہ کیونکر ہوگا کہ شیئ اپنے منافی کے ساتھ جمع نہیں آخر نہ دیکھا کہ جب تک تخلیہ تامہ نہ ہو واہب کے اس قول کو کہ میں نے تجھے قابض کردیا صحیح نہ مانا اور کلام مدعی کا ہو خواہ شاہد خواہ کسی عاقل کا، وہ معنی صحیح ہی پر محمول ہوگا، جامع الفصولین فصل اربعین میں ہے:

مطلق كلام العاقل او تصرفه يحمل على الصحة بقضية الاصل وكذا	عاقل کے کلام اور تصرف کو اصل قاعدہ کے مطابق صحت پر محمول کیا جائے گا اور یوں ہی اس کی

[1] تبیین الحقائق کتاب الهبه المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۵ /۹۶، ۹۵

الشہادۃ علی ھذا [1] ۔	شہادت کو بھی۔(ت)

تو گواہ جب شہادت دیں کہ واہب نے ہبہ کیا اور قبضہ کرادیا اس کے یہی معنی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر موہوب لہ کو قابض کردیا اور اوپر معلوم ہوچکا کہ جب تک وہ خود یا اس کا اسباب یا اہل وعیال یا کوئی ساکن جو بلااجر اس کی اجازت سے رہتا ہو مکان میں موجود ہے واہب کا قبضہ نہ اٹھا تو قبضہ دلانا صادق نہ ہوا حالانکہ شہود قبضہ دلانے کی گواہی دے رہے ہیں تو بالضرورت اس شہادت کے یہی معنی ہیں کہ تخلیہ تام ہولیا اور واہب و متاع واہب واہل وعیال واہب وغیرہم جملہ مذکورین جن کی بقاء قبضہ واہب کی بقا ہو اس وقت مکان میں نہ تھے بالجملہ قبضہ دلانے کی شہادت بعینہٖ تخلیہ وفراغ کی شہادت ہے جس کے بعد اس کے ذکر صریح کی اصلاً حاجت نہیں جس طرح حاکم کے حضور نکاح کی گواہی میں شہود کا اتنا کہنا کافی ہے کہ فلاں مدعی نے فلاں مدعا علیہا سے نکاح کیا تمام شرائط کی تفصیل کہ اس وقت دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ سامع فاہم موجود تھے اور مجلس واحد میں انہوں نے ایجاب وقبول سنے وغیر ذلک بیان کرنے کی حاجت نہیں لان الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ (کیونکہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے لوازمات سمیت ثابت ہوتی ہے۔ت) ولہٰذا شہادت ہبہ خواہ دعوی ہبہ کی تصویروں میں جہاں دیکھئے علماء کرام قدست اسرار ہم نے اسی قدر پر قناعت فرمایا ہے کہ ہبہ کیا اور قبضہ دے دیا اس کے ساتھ یہ نہیں بڑھاتے کہ اور واہب خود بھی مکان سے الگ ہوگیا اور اپنا مال واسباب بھی نکال لیا اور اپنے اہل وعیال کو بھی جدا کردیا اور جو لوگ بلااجارہ اجازۃً رہتے تھے ان کو بھی ہٹادیا اس کے بعد قبضہ کرایا، توجہ وہی ہے کہ یہ سارا بیان اتنے کہنے میں آگیا کہ قبضہ کرادیا جیسے جملہ شرائط نکاح اس لفظ میں آگئے کہ نکاح کیا جامع الفصولین آخر فصل ۱۱ میں ہے:

شھد احدھما کہ ایں بخواست ایں زن راو شھد الاخر کہ ایں زن خود را بایں داد تقبل [2] ۔	ایک نے شہادت دی کہ اس نے عورت کو نکاح کی پیشکش کی ہے اور دوسرے نے یوں شہادت دی کہ عورت نے خود اپنے آپ کو اس کے نکاح میں دیا تو یہ شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

قال ھذہ امرأتی اوقال ھذہ منکوحتی وشھدوا انہ کان تزوجھا تقبل	مرد نے کہا یہ میری بیوی ہے، یا کہا میری منکوحہ ہے، اور گواہوں نے شہادت میں کہا کہ اس نے اس

[1] جامع الفصولین الفصل الاربعون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۳۲

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۶۸

ھذہ الشہادۃ[1]۔	سے نکاح کیا تو یہ شہادت قبول ہوگی۔(ت)

بلکہ عالمگیری میں اسی سے ہے:

شھدوا انھا امرأتہ وحلالہ ولم یذکروا العقد المختار انہ یجوز[2]۔	گواہوں نے کہا یہ اس کی بیوی ہے اور اس کے لئے حلال ہے، اور نکاح کا ذکر نہ کیا تو مختار مذہب ہے کہ یہ شہادت جائز ہے۔(ت)

خانیہ پھر ہندیہ ج ۳ص ۵۰۱ میں ہے:

ادعی دارا فی ید رجل انھا لہ فجاء بشاھدین وشھدا ان فلانا وھبھا لہ وقبضھا منہ وھو یملکھا الخ[3]۔	کسی شخص کے مقبوضہ مکان کے متعلق ایک شخص نے دعوی کیا کہ یہ میرا ہے اور اس پر دو گواہ پیش کئے جنہوں نے شہادت دی کہ یہ مکان مدعی کو فلاں شخص نے ہبہ کیا اور اس نے اس سے قبضہ لیا تو مدعی مالک ہوگا الخ۔(ت)

ایضًا صفحہ ۵۱۱:

شھد احدھما ان المدعی اقرانہ وھبہ للذی فی یدیہ وقبضہ منہ وشھد الاٰخر انہ اقرانہ نحلہ للذی فی یدیہ وقبضہ[4] (ای تقبل)	ایک گواہ نے کہا کہ مدعی نے اقرار کیا کہ قابض نے یہ مکان اسے ہبہ کیا ہے اور اس نے قبضہ لیا ہے جبکہ دوسرے گواہ نے کہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس نے یہ مکان قابض کو عطیہ دے کر قبضہ دیا ہے تو شہادت قبول کی جائیگی۔(ت)

ایضًا ج ۴ ص ۸۷:

ادعی الھبۃ مع القبض[5] الخ ایضا ادعی ان فلانا وھبھا لہ وقبضھا منہ[6]	ہبہ مع قبضہ کا دعوی کیا الخ، نیز دعوی کیا کہ فلان نے اسے ہبہ کیا اور قبضہ اس نے لے لیا،

[1] خزانۃ المفتین کتاب الشہادات باب الاختلاف بین الدعوی والشہادۃ قلمی نسخہ ۲ /۱۱۳
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۰۳
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۱
[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۱۱
[5] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۸۷
[6] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۸۷

ایضادعوی الھبة والصدقة مع القبض فیھما مستویان[1]۔	نیز ہبہ اور صدقہ کے دعوی کے ساتھ قبضہ لینے کا دعوی ہو تو دونوں کا حکم مساوی ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں:

دار فی ید رجل فاقام رجل البینة انه اشتراھا من فلان غیر ذی الید بالف درہم وھو یملکھا ونقدہ الثمن واقام اٰخر البینةان فلانا اٰخر وھبھا منه و قبضھا[2]۔	ایک شخص کے مقبوضہ مکان کے متعلق دوسرے نے گواہ پیش کئے کہ یہ مکان میں نے قابض شخص کے غیر سے ہزار روپے کے عوض خریدا ہے جس کا وہ مالک ہے اور اس کی قیمت نقدادا کی ہے اور دوسرے ایک شخص نے اسی مکان کے متعلق گواہ پیش کئے کہ فلاں دوسرے شخص نے یہ مکان مجھے ہبہ کیا اور قبضہ دیا ہے(ت)

پس صورت مستفسرہ میں سید امیر شاہ عبدالمجید خاں کی شہادتیں کہ ہبہ ومعاینہ قبضہ کی ہیں قبضہ تامہ بتارہی ہیں اور ان پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتے کہ رسول خاں کی ذات ومتاع سے تخلیہ نہ بیان کیا بیشک بیان کیا کہ قبضہ دلانے کے خود یہی معنی ہیں، یونہی بہرام خاں اور اس کی زوجہ اور ان کے اسباب سے بھی تخلیہ اسی میں آگیا کہ جو باجازت مالک بلااجرت رہتا ہو اس کا قبضہ بھی قبضہ مالک ہے تو قبضہ دلانا اس سے تخلیہ کو مستلزم کما حققنا اٰنفا(جیسا کہ ابھی ہم نے تحقیق کی ہے۔ت) بلکہ زیادات صاحب محیط وفصول عمادی وبحر الرائق ومنح الغفار ودرمختار وعالمگیری وغیرہا معتمدات میں تو یہاں تک تصریح ہے کہ غیر واہب کے ملک واسباب سے موہوب کا مشغول ہونا تمامی ہبہ کا سرے سے مانع ہی نہیں، فصول وہندیہ میں ہے:

اشتغال الموھوب یملك غیر الواھب ھل یمنع تمام الھبة ذکر صاحب المحیط فی الباب الاول من ھبة الزیادات انه لایمنع[3]۔	کسی موہوب چیز کا واہب کے غیر کی ملکیت میں مصروف ہونا کیا ہبہ کے تمام ہونے سے مانع ہے، صاحب محیط نے زیادات کے ہبہ کے باب اول میں ذکر کیا کہ مانع نہیں ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۷

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الدعوی فصل فی دعوٰی الملك السبب نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۸۷

[3] فتاوٰی ہندیة بحوالہ الفصول العمادیة کتاب الھبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

درمختار میں ہے:

شغلہ بغیر ملك واھبہ لایمنع تمامھا[1]۔	واہب کی ملکیت کے غیر میں مصروف ہونا مانع نہیں ہے۔ (ت)

اور جب کہ کلام شاہد اس حکم سے کہ ہم بیان کرچکے جملہ موانع صحت ارتفاع پر محمول اور وقت قبضہ مجرد کسی شخص غیر موہوب لہ کا مکان میں موجود ہونا مانع تمامی قبضہ نہیں جب کہ نہ وہ قبضہ مستقلہ رکھتا ہو جیسے مرتہن ومستاجر، نہ اس کا قبضہ قبضہ مالک ہو جیسے اہل وعیال ومودع ومستعیر کہ مانع قبضہ غیر ہے نہ کہ مجرد وجود غیر، اور ہر شخص کہ مکان میں ایک ساعت کے لئے موجود ہو مکان کا قابض نہیں کہلاتا، کیا سائل کہ سوال کے لیے آنے یا نوکر یا ملاقات کے لیے آنے والا دوست وغیرھم قابضان مکان گنے جاتے ہیں، ہر گز نہیں، عبدالمجید خاں کا کہنا کہ اس وقت سوا مدعا علیہا کے اور کوئی نہ تھا اور کوئی ہو تو مجھے معلوم نہیں ہر گز شہادت قبضہ تامہ میں خلل انداز نہیں، ہاں اگر وہ یہ کہتا کہ اس وقت اور کسی کا بھی قبضہ ہو تو مجھے معلوم نہیں تو بیشک بیان اول کے منافی ہوتا۔ قبضہ صنوبر بیگم کی شہادت تو وہ صاف ادا کرچکا جس کے یہی معنی ہیں کہ اور کوئی قابض نہ تھا پھر کسی غیر قابض کا ہونا نہ ہونا اگر اسے معلوم نہ ہو، بلکہ پچاس اشخاص غیر قابضین کا ہونا معلوم ہو تو کیا ضرر ہے، کیا موہوب لہ کے قبضہ لیتے وقت اگر اس کے نوکر چاکر یا عزیز اقربا یا تحمل شہادت کے لئے بعض اہل محلّہ وغیرہم ساتھ ہوں تو قبضہ تامہ نہ ہوگا کس نے لازم کیا ہے کہ موہوب لہ اس وقت تنہا مکان میں چھوڑ دیا جائے کوئی فرد بشر اس کے پاس نہ جانے پائے، اور جب یہ دونوں شہادتیں معاینہ قبضہ کی ہیں اور معاملہ ہبہ کا ہے تو مدت میں اختلاف کہ ایک چھ سات سال دوسرا بارہ سال بتاتا ہے کچھ مضر نہیں۔ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان اختلفوا فی عقد لایثبت حکمہ الابفعل القبض کالھبۃ والصدقۃ والرھن فان شھدوا علی معاینۃ القبض واختلفوا فی الایام والبلدان جازت شھادتھم فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما ولو شھدوا علی	ایسا عقد جس میں قبضہ کے عمل کے بغیر حکم ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہبہ، صدقہ اور رہن تو اس میں اگر گواہوں نے قبضہ دیکھنے کی شہادت دی اور وقت اور مقام میں گواہوں کا اختلاف ہوا ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ شہادت قبول کی جائے گی اور گواہوں نے

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

اقرار الراھن والمتصدق والواھب بالقبض جازت الشھادۃ فی قولھم [1]۔	واہب، صدقہ کرنے والے اور راہن کے اس اقرار پر کہ قبضہ دے دیا تو بالاتفاق سب کے قول میں یہ شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

فتاوٰی صغرٰی میں ہے:

لو شھدا برھن واختلفا زمانہ اومکانہ وھما یشھدان علی معاینۃ القبض تقبل وکذا شراء وھبۃ وصدقۃ [2]۔	اگر دونوں گواہوں نے رہن رکھنے کی شہادت دی اور مکان وزمان میں اختلاف کیا تو قبضہ دیکھنے کی گواہی دی تو شہادت مقبول ہوگی اور یونہی خریداری، صدقہ اور ہبہ کا حکم ہے۔(ت)

بالجملہ یہ دونوں شہادتیں ہبہ ہونا اور صنوبر بیگم کا قبضہ تامہ ہوجانا بروجہ کافی بیان کررہی ہیں ان کے مقابل جانب مدعی کی شہادت کہ واہب کا اسباب مقبوضہ وقت ہبہ اس مکان میں تھا یہ تو اصلاً وارد نہیں کہ موہوب کا وقت ہبہ ملک واہب سے خلو ضرور نہیں وقت قبضہ موہوب لہ ضرور ہے اور وقت ہبہ وقت قبضہ سے مقدم ہے تو اس شہادت کو ان شہادات سے کچھ مس نہیں اور یہ شہادتیں کہ واہب تادم مرگ اس مکان میں رہا یا بہرام خاں اور اس کی زوجہ ہمیشہ سے اس میں رہتی ہیں، ان کا حاصل اگر ہے تو اتنا کہ تخلیہ نہ ہوا صنوبر بیگم کا قبضہ تامہ نہ ہوا تو یہ سب شہادتیں نفی پر ہیں اور نفی پر شہادت مقبول نہیں جب تک متواتر نہ ہو جسے شہر کا ہر چھوٹا بڑا ہر عالم جاہل جانتا ہو اور عام لوگوں کی گواہیاں اس پر گزر جائیں۔ فتاوٰی صغرٰی وجامع الفصولین ومعین الحکام میں ہے:

لاتقبل لانھا قامت علی النفی لان قولھما کان فی مکان کذا نفی معنی ولو کان اثباتا صورۃ اذ الغرض نفی ما قامت علیہ البینۃ الاولٰی [3]۔	شہادت قبول نہ کی جائیگی کیونکہ یہ نفی پر شہادت ہے کیونکہ گواہوں کا کہنا کہ فلاں مکان میں تھا، اگرچہ یہ صورۃً اثبات ہے مگر معنیً غرض یہ ہے کہ پہلی گواہی سے جو چیز ثابت ہوئی ہے اس کی نفی کی جائے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

[2] فتاوٰی صغرٰی

[3] جامع الفصولین بحوالہ فتاوٰی صغرٰی الفصل الثانی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۲

عالمگیری میں ذخیرہ سے ہے:

الا ان تاتی العامۃ وتشھد بذلك فیؤخذ بشھادتھم[1]۔	مگر عام لوگ بتائیں تواس پر لی گئی شہادت قبول ہوگی۔(ت)

نیز ان دونوں میں ہے:

الا ان تکون ظاہر امستفیضا یعرفه کل صغیر وکبیر وکل عالم وجاہل[2]۔	مگر ظاہر مشہور کہ ہر چھوٹا بڑا، عالم وجاہل اسے جانتا ہو۔(ت)

اور یہاں مستفیض متواتر شہادتیں خاص اس امر پر گزرنی درکار تھیں کہ وقت قبضہ صنوبر بیگم رسول خاں یا اس کا اسباب اس مکان میں موجود تھا یا فلاں لوگوں کا قبضہ تھا ورنہ یہ مجمل بات کہ فلاں ہمیشہ سے اس میں رہتے ہیں یا مرتے دم تک رہے اصلاً کافی نہیں کہ ان شہادتوں کی بنا استصحاب حال پر ہوگی اور موہوب لہا کہ شہادتیں خاص اس وقت تخلیہ تامہ بتارہی ہیں تو وہ شہادات ان کے معارض نہیں ہوسکتیں کہ تخلیہ صرف ایک ساعت خفیفہ وقت قبضہ ضرور تھا اس کے بعد عمر بھر خود رسول خاں کا قبضہ باجازت صنوبر بیگم خواہ بلا اجازت غصبًا رہے تو جو ملک کہ صنوبر بیگم کے لئے بعد ہبہ قبضہ تام سے ثابت ہولی زائل نہیں ہوسکتی کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) جامع الفصولین اواخر فصل عاشر میں ہے:

ادعی دارا انی اشتریته من ابیك وبرھن ذوالید انه ملك ابیه الی یوم موته ومات وترکه میراثا لاتقبل بینته لانھم شھدوا باستصحاب الحال والمدعی اثبت الزوال[3]۔	کسی نے ایک شخص کے مقبوضہ مکان پر دعوی کیا یہ مکان میں نے تیرے والد سے خریدا ہے جبکہ قابض کہتا اور شہادت پیش کرتا ہے کہ یہ موت تک میرے والد کی ملکیت رہا اور اس نے اپنی موت پر اس کو بطور ترکہ میراث چھوڑا ہے، تو قابض کی یہ شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ سابقہ حال پر شہادت ہے جبکہ مدعی ملکیت کے زوال کو ثابت کررہا ہے۔(ت)

اور جب کہ شہادتیں صنوبر بیگم کو بعد ہبہ قبضہ دلانا بیان کررہی ہیں تو قبول صنوبر بیگم اصلاً ضرور نہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۱۶

[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

شہادتوں میں اس کا عدم بیان در کنار اگر بیان عدم ہوتا جب بھی مضر نہ تھا کہ قبضہ جو مجلس ہبہ میں ہوا اگرچہ بے اذن واہب یا باذن واہب ہو اگرچہ مجلس ہبہ کے بعد وہ مطلقاً مثبت ملک موہوب لہ ہو اور یہی دلیل قبول ہے اگرچہ موہوب لہ نے صراحۃً قبول ہبہ نہ کیا ہو۔ شلبی علی التبیین میں امام قاضی خاں سے اور حاوی الفتاوٰی و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

وهذا نص الهندية لو قال وهبت منك هذا العبد والعبد حاضر فقبضه جازت الهبة وان لم يقل قبلت كذا في الملتقط، ولو كان العبد غائبا فقال له وهبت منك عبدي فلانا فاذهب واقبضه فقبضه جاز وان قبلت وبه ناخذ كذا في الحاوي للفتاوي[1]۔	یہ ہندیہ کی عبارت ہے، اگر کسی نے کہا یہ عبد میں نے تجھے ہبہ کیا، عبد حاضر تھا موہوب لہ نے اسی وقت عبد کو قبضہ میں لے لیا تو ہبہ صحیح ہوجائیگا اگرچہ زبانی "میں نے قبول کیا" نہ کہا ہو جیسا کہ ملتقط میں ہے، اور اگر عبد غائب اور کہا فلاں عبد میں نے تجھے ہبہ کیا جاکر قبضہ کرلو، پس اس نے قبضہ کرلیا تو اگرچہ زبانی قبول کرنے کی بات نہ کی ہو تو بھی ہبہ جائز ہے، ہمارا یہی مختار ہے، الحاوی للفتاوٰی میں یوں ہے۔ (ت)

اسی طرح امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اسے بہ ناخذ[2] (ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔ت) فرمایا، سوال میں بیان گواہان کا خلاصہ لکھا ممکن کہ پورا بیان دیکھنے سے کوئی اور بات پیدا ہو مگر جس قدر خلاصہ ہمارے سامنے پیش ہوا اس میں سید امیر شاہ وعبدالمجید خاں کی شہادتیں اعتراضات سے پاک ہیں اگر بیان کامل میں کوئی بات مضر شہادات نہیں اور یہ دو گواہیاں قابل قبول شرع اور بروجہ شرعی گزر گئی ہوں تو ضرور ہبہ مکان بحق صنوبر بیگم ثابت ہے اور مکان تقسیم سے بری۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) سائل کو تحریر ہبہ نامہ سے اعتراف ہے قبضہ موہوب لہ میں کلام ہے اور قاضی ریاست نے مدعیہ ہبہ و قبضہ کا دعوٰی سماعت کیا اور اس پر گواہ لئے جیسا کہ سوال اول سے ظاہر ہے اور ہم اس کے جواب میں واضح کر آئے کہ ان میں دو شہادتیں اگر بروجہ مقبول شرعی گزری ہوں تو ہبہ تام وثابت ہے اور ساعت قبضہ موہوب لہا سے پہلے اور بعد آج تک اور دن کا اس میں رہنا بسنا قابض

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۶

ہونا مخل صحت ہبہ نہیں تواس تقدیر پر اس سوال دوم کے لئے کوئی منشا باقی نہیں، ہاں اگر یہ گواہیاں شرعاً مخدوش و نامقبول ہوں توان گواہیوں پر کہ اب تک واہب کا قبضہ رہااب بھی التفات نہ ہوگا کہ شہادت علی النفی معتبر نہیں بلکہ مدعیہ ہبہ کی درخواست پر خواہندہ تقسیم سے حلف لیا جائے گا کہ اس کے علم میں واہب نے کبھی موہوب لہا کو قبضہ نہ دلایا اگر وہ حلف سے انکار کرے گا ہبہ ثابت ہوجائے گااور حلف کرے گاتو ہبہ غیر ثابت قرار پاکر مکان میں سے اس خواستگار تقسیم کا حصہ جدا کردیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲: از ریاست رامپور بنگلہ آزاد خاں مرسلہ مفتی لطف اللہ صاحب خلف مفتی محمد سعد اللہ صاحب ۱۴ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

بخدمت مبارک جناب مولانا مخدوم ومکرم ذی المجد والکرم جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب دام مجد کم ! بعد سلام مسنون التماس ہے کہ ایک شخص نے دعوی عاریت زیور کا کیا ہے اس میں صفت وزن اور قیمت کا اظہار کیا ہے شہود نے مطابق گواہی دی ہے لیکن وزن نہیں بیان کیا ہے اسی نقصان کے نظر سے شہادت مقبول نہیں ہوئی ہے مدعی عذر دار نے روایت ذیل فتاوٰی عالمگیری میں پیش کی ہے:

ان وقعت الدعوی فی عین غائب لایدری مکانه بان ادعی رجل علی رجل انه غصب منه ثوبااو جاریة و لایدری انه قائم او هالك ان بین الجنس والصفة والقیمة فدعواه مسموعة وبینته مقبولة[1]۔	اگر کسی ایسی چیز کے متعلق دعوی ہو جو غائب ہو اور معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے یوں کہ کسی نے دوسرے کے خلاف دعوی کیا کہ اس نے میرا کپڑا یا لونڈی غصب کر رکھی ہے معلوم نہیں کہ موجود ہے یا ضائع ہوگئی ہے اور مدعی نے اس پر شہادت میں جنس، صفت اور قیمت بیان کی ہو تو اس کا دعوی مسموع اور گواہی مقبول ہوگی۔(ت)

ظاہر ہے کہ روایت ہذا متعلق بہ غصب ہے کیا یہی حکم عاریت میں بھی جاری ہوسکتا ہے یعنی مثل غصب کے عاریت میں بھی اگر شہود وزن کا ذکر نہ کرینگے جب بھی شہادت مقبول ہوگی چونکہ نظر عالی نہایت وسیع ہے اور محققانہ مسلک ہے لہذا آپ کی خدمت باعظمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ جواب باصواب سے آگاہ فرمایا جائے، مقدمہ کی تاریخ ۱۱/دسمبر ۱۹۰۸ء مقرر ہے، امید کہ ورود جواب سے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵

قبل میعاد شرف حاصل ہوگا۔

خاکسار نیاز مند دیرین از ریاست رام پور ۸/ دسمبر ۱۹۰۸ء

الجواب:

اللھم لك الحمد (یااللہ! تمام حمدیں تیرے لئے ہیں۔ت) اصل مقصود دعوی و شہادت دونوں میں تعین مدعی بہ ہے کہ قضا ممکن ہو **فان القضاء بمجھول غیر معقول** (مجہول چیز کا فیصلہ عقل کے خلاف ہے۔ت) درمختار میں ہے:

شرطھا ای شرط جواز الدعوی معلومیة المال المدعی اذلایقضی بمجھول[1]۔	اس کی شرط یعنی دعوی کی شرط یہ ہے کہ وہ مال معلوم ہو جس کا دعوی کیا گیا ہے کیونکہ مجہول چیز کا فیصلہ نہیں ہوتا۔(ت)

پھر جو شیئ حاضر ہو اس کی طرف اشارہ تعیین کے لئے کافی ہے۔جامع الفصولین میں ہے:

تسمع الدعوی بحضرته عند الاشارة الیه وحینئذ یستغن عن ذکر الاوصاف والوزن والنوع[2]۔	مدعٰی کے حاضر ہونے پر اس کی طرف اشارہ سے دعوی مسموع ہوگا اور اس صورت میں دعوی میں چیز کے اوصاف، وزن اور اس کی نوعیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔(ت)

اسی میں ہے:

لوکان عینا حاضرا لایشترط ذکر اوصافه[3]۔	اگر کسی موجود حاضر چیز سے متعلق دعوی ہو تو اس کے اوصاف کو ذکر کرنا شرط نہیں(ت)

یہاں تک کہ وزن بیان نہ کرنا درکنار اگر غلط و خلاف واقع بیان کیا ضرر نہ کرے گا **لان التسمیة تلغو عن الاشارة** (کیونکہ اشارہ کی وجہ سے اوصاف کا ذکر لغو ہوجاتا ہے۔ت) بزازیہ میں ہے:

ادعی حدیدا وذکر انه عشرة امناء فاذا ھو عشرون او ثمانیة تقبل الدعوی	حاضر لوہے کو اشارہ کرکے دعوی کیا اور بیان کیا کہ یہ دس من ہے جبکہ وہ بیس من یا آٹھ من نکلا تو

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۵

[2] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۷۷

[3] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۷۹

والشھادۃ لان الوزن فی المشار الیہ لغو [1]۔	دعوی اور شہادت دونوں مقبول ہیں کیونکہ مشار الیہ چیز میں وزن کا بیان لغو ہوتا ہے۔(ت)

اور جو شیئ حاضر نہ ہو اس میں جنس وقدر، بالجملہ اس قدر اشیاء کا بیان ضروری ہے جن سے اس کی پوری تعیین بقدر امکان واحتیاج حاصل ہو، کنزالدقائق و تبیین الحقائق میں ہے:

(لایصح الدعوی حتی یذکر شیئا علم جنسہ وقدرہ) لان فائدتھا الالزام بواسطۃ الاشھاد ولا یتحقق الاشھاد ولاالزام فی المجھول فلا یصح [2]۔	کوئی دعوی صحیح نہیں ہوتا جب تک شیئ کو ذکر کرکے اس کی جنس اور قدر کو بیان نہ کیا جائے کیونکہ دعوے کا مفاد گواہی کے ذریعے الزام ثابت کرنا ہے جبکہ الزام اور گواہی مجہول چیز میں متحقق نہیں ہوسکتے اس لئے دعوی صحیح نہ ہوگا۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

معلومیۃ المال المدعی ای ببیان جنسہ وقدرہ بالاجماع لان الغرض الزام المدعی علیہ عند اقامۃ البینۃ ولا الزام فیما لایعلم جنسہ وقدرہ [3]۔	جس مال کا دعوی ہو اس کا جنس اور مقدار بیان سے معلوم ہونا بالاجماع ضروری ہے کیونکہ غرض یہ ہے کہ مدعٰی علیہ کو گواہی کے وقت الزام دیا جائے جبکہ جنس اور قدر معلوم ہوئے بغیر الزام متحقق نہیں ہوگا۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ سونے چاندی میں قدر وہی وزن ہے، جامع الفصولین میں ہے:

فی الذھب والفضۃ المقدر ھوالوزن [4]۔	سونے اور چاندی کے دعوی میں ضروری بیان وزن کا ہے۔(ت)

تو بیان وزن ضروری ہے اور بغیر اس کے دعوی ہو یا شہادت صحیح نہیں، بحرالرائق میں ہے:

اشار باشتراط معلومیۃ الجنس و	جنس اور قدر کے معلوم ہونے کی شرط میں انہوں

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الدعوٰی الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۲۱

[2] تبیین الحقائق کتاب الدعوٰی المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۲۹۱

[3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الدعوٰی مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۱۶

[4] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۵

القدر الی انه لابد من بیان الوزن فی الموزونات[1]۔	نے اشارہ کیا ہے کہ وزنی چیز میں وزن کا بیان ضروری ہے۔ (ت)

عبارت عالمگیری سے اس مقدمہ میں استناد صحیح نہیں **اولا** غصب وعاریت میں فرق ظاہر ہے کہ غصب ان مستثنٰی اشیاء سے جن کے دعوی میں قدرے جہالت تحمل کی جاتی ہے، ردالمحتار میں ہے:

یستثنی من فساد الدعوی بالمجھول دعوی الرھن والغصب لما فی الخانیة معزیا الی رھن الاصل اذا شھدوا انه رھن عندہ ثوبا ولم یسموا الثوب ولم یعرفوا عینه جازت شھادتھم والقول للمرتھن فی ای ثوب کان وکذلك فی الغصب اھ فالدعوی بالاولی اھ بحر[2]۔	مجہول چیز کے دعوی کے حکم سے رہن اور غصب کا دعوی مستثنٰی ہے کیونکہ خانیہ میں اصل (مبسوط) کے رہن کے حوالہ سے ہے کہ جب گواہوں نے شہادت میں کہا کہ اس شخص نے فلاں کے پاس کپڑا رہن رکھا ہے اور کپڑے کا نام ذکر نہ کیا اور نہ ہی گواہ کپڑے کو جانتے ہیں تو یہ شہادت جائز ہوگی اور کپڑے کے تعین میں مرتھن کا قول معتبر ہوگا کہ وہ کون سا کپڑا ہے اور غصب میں بھی حکم یہی ہے اھ (شہادت میں جہالت جب قابل اعتبار ہے) تو یہاں دعوی میں بطریق اولٰی جائز ہوگی اھ بحر (ت)

ولہٰذا اس میں ذکر قیمت کی بھی حاجت نہیں، خود اسی عبارت عالمگیری میں کلام منقول سوال کے متصل ہی تھا،

وان لم یبین القیمة اشار فی عامة الکتب انھا مسموعة کذا فی الظھیریة[3]۔	دعوی میں اگر قیمت کا بیان نہ ہو تو عام کتب میں دعوی کے مسموع ہونے کا اشارہ ہے، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے (ت)

ثانیًا: روایت مذکورہ کہ بعض ائمہ اس صورت پر محمول کرتے ہیں کہ مدعاعلیہ غصب کا مقر ہوا اور عامہ مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اگرچہ یہ تخصیص نہیں کرتے مگر ان کے نزدیک وہ قبول دعوی وشہادت صرف

---

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۱۹۵

[2] ردالمحتار کتاب الدعوٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۲۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۵

حق حبس مدعا علیہ میں ہے یعنی تاکہ حاکم اسے حبس کرے کہ شیئ مدعی حاضر لائے نہ کہ ابتداً اسی قدر شہادت پر ڈگری دی جائے۔ جامع الفصولین میں ہے:

لوادعی عینا غائبا لایعرف مکانه بان ادعی انه غصب منه ثوبا او قنا ولایدری قیامه او هلاکه فلو بین الجنس والصفة والقیمة تقبل دعواه، ولولم یبین قیمته اشار فی عامة الکتب الی انها تقبل فانه ذکر فی کتاب الرہن لو ادعی انه رهن عنده ثوبا وهو ینکر تسمع دعواه، وذکر فی کتاب الغصب ادعی انه غصب منه امة و برهن یسمع وبعض مشایخنا قالوا انما تسمع دعواه لو ذکر القیمة وهذاهو تاویل ماذکر فی الکتاب و قال فقیه الاعمش رحمه الله تاویل ماذکر فی الکتاب ان الشهود شهد واعلی اقرار المدعی علیه بالغصب فثبت غصب القن باقراره فی حق الحبس والحکم جمیعا، وعامة المشایخ علی ان هذه الدعوٰی والبینةتقبل ولکن فی حق الحبس واطلاق م رحمه الله تعالٰی فی الکتاب یدل علیه ومعنی الحبس	کسی ایسی موجود غائب چیز کا دعوی کیا جس کے مقام کا علم نہیں جیسا کہ کسی دوسرے پر کپڑے یا غلام کو غصب کرنے کا دعوی کیا اور کہا معلوم نہیں کہ وہ مغصوب قائم ہے یا ہلاک ہوگیا ہے، تو ایسی صورت میں اگر مدعی نے اس چیز کی جنس، صفت اور قیمت کو بیان کیا تو دعوی مقبول ہوگا اور اگر قیمت کا ذکر نہ کیا تو عام کتب میں مقبول ہونے کا اشارہ ہے، کیونکہ انہوں نے کتاب الرہن میں ذکر کیا کہ ایک نے اگر کپڑے کے رہن کا دعوی کیا تو مدعی علیہ نے انکار کیا تو مدعی کا دعوی مسموع ہوگا، اور انہوں نے کتاب الغصب میں یوں ذکر کیا ہے ایک شخص نے دعوی کیا کہ فلاں نے میری لونڈی غصب کی ہے اور گواہ پیش کردئے تو یہ دعوی مسموع ہوگا اور بعض مشائخ نے ذکر کیا کہ اگر قیمت ذکر کی تو دعوی مسموع ہوگا یہ کتاب میں مذکور کی تاویل ہے اور فقیہ ابوامش رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ کتاب الغصب میں مذکور کی تاویل یہ ہے کہ گواہوں نے مدعٰی علیہ کے غصب کے اقرار پر شہادت دی ہو تو اقرار کی بنا پر غلام کا غصب قید اور حکم دونوں میں ثابت ہوگا جبکہ عام مشائخ نے یوں ذکر کیا کہ یہ دعوی اور گواہی قبول ہوگی لیکن صرف حبس میں، جبکہ کتاب میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا مطلق بیان اس کی تائید پر دلالت کرتا ہے اور حبس کا معنٰی یہ ہے کہ مدعٰی علیہ

ان یحبسه حتی یحضرہ لیعید البینة علی عینه فلو قال لا اقدر علیه حبس قدر مالو قدر احضرہ ثم یقضی علیه بقیمته[1]۔	کو قید میں اس وقت تک رکھا جائے جب تک وہ غلام کو حاضر نہ کردے تاکہ حاضر ہوجانے پر گواہوں سے دوبارہ غلام کی تعیین پر شہادت لی جائے اگر اس دوران قیدی کہے کہ میں اس کو حاضر کرنے پر قادر نہیں ہوں تو اس وقت تک قید رکھا جائے کہ اگر قدرت ہوتی تو وہ ضرور حاضر کردیتا اس اندازے کے بعد تیسرے مرحلہ پر قاضی اس پر قیمت کا حکم دے گا(ت)

ثالثًا اگر ان سب سے قطع نظر ہو تو اس عبارت میں صورت ثوب وکنیز فرض کی ہے اور وہ موزونات سے نہیں ان میں جنس و صفت و قیمت ہی تعیین کرنے والے تھے اس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ زیور میں بھی ذکر وزن ضروری نہ ہو حالانکہ وہ موزون ہے اور کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بیان قدر وکیل ووزن ضروری ہے کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ت) آخر نہ دیکھا کہ اگر دعوٰی ایسے ریشمیں کپڑے کا ہو جو وزن سے بکتا ہے بیان وزن لازم ہے، اسی عالمگیریہ میں ہے:

اذا ادعی دیباجا فان کان عینا یشترط الاشارة الیه وعند ذٰلك لاحاجة الی بیان الوزن وسائر اوصافه وان کان دینا ففیه اختلاف المشایخ هل یشترط ذکر الوزن فعامتهم یشترط وهو الصحیح ذخیرہ[2] اھ مختصرا۔	اگر دیباج کپڑے کا دعوٰی ہو تو اگر سامنے حاضر ہو تو اس کی طرف اشارہ کرنا دعوٰی میں شرط ہے اس صورت میں وزن اور دیگر اوصاف کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ دیباج حاضر نہیں تو اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ کیا وزن کا بیان ضروری ہے جبکہ تمام فقہاء نے اس کو شرط قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے، ذخیرہ، مختصرًا۔(ت)

اسی میں ہے:

اذا ادعی جوہرا لابد من ذکر الوزن اذا کان غائبا وکان المدعی علیه منکرا کون ذلك فی یدہ کذا فی السراجیة[3]۔	جب جواہر کا دعوٰی ہو تو وزن کا ذکر ضروری ہے جب وہ جواہر غائب ہو اور مدعی علیہ اپنے قبضہ ہونے کا انکار کرتا ہو، سراجیہ میں یوں ہے۔(ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷

جامع الفصولین میں ہے:

فی دعوی الدیباج ھل یشترط ذکر الوزن الصحیح انہ یشترط وذکر فی "جف" انہ فی دعوی الدیباج والجوہر یشترط ذکر الوزن [1]۔	دیباج کے دعوی میں کیا وزن کا ذکر شرط ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ شرط ہے جامع الفتاوی میں ذکر کیا کہ دعوی دیباج اور جوہر میں وزن کا ذکر شرط ہے۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ دعوی استرداد عاریت کا ہو اگر دعوی استہلاک کا تھا یعنی اتنا زیور اسے عاریۃً دیا تھا اس نے تلف کر دیا تو اب یہ بعینہٖ دعوی غصب ہے اور اس کا حکم وہ ہے کہ اوپر مذکور ہوا،

وذٰلك لان الامانات تنقلب مضمونات بالتعدی والامین یعود بہ غاصبا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے کہ امانتیں دخل اندازی کی بناء پر مضمون ہو جاتی ہیں اور امانت رکھنے والا غاصب قرار دیا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۳: از ریاست رامپور مرسلہ سید مسعود شاہ صاحب تحویلدار باورچی خانہ انگریزی ریاست رامپور ۶/ ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّی زید نے ایک منزل مکان منہدمہ (یعنی ہر چہار جانب دیوار ہائے شکستہ بقدر ساڑھے تین درعہ بلند موجود تھیں) چار سو پچیس درعہ اراضی مسمّٰی بکر سے خرید کرکے مکان پختہ تعمیر کیا اور پس پشت مکان نو تعمیر کے ۱۲ گرہ عریض اور سراسر طویل اراضی برائے آبچک چھوڑی۔ مسمّٰی عمرو نے جس کا مکان پس پشت پر سے جزو اراضی آبچک میں مداخلت ناجائز کیا اس کے تخلیہ کا زید نے عمرو پر دعوی کیا عمرو نے یہ جوابدہی کی اراضی مدعا بہ ملکیت مدعی نہیں بلکہ میری مملوکہ ہے اور دستاویز پر میری گواہی نہیں ہے مگر عمرو نے کوئی ثبوت اپنی ملکیت کا اور باطل ہونے دستاویز بیعنامہ کا پیش نہیں کیا عدالت نے جو پیائش اراضی کی کرائی تو بموجب تعداد مندرجہ بیعنامہ کے اراضی مدعیہ آبچک مکان مدعی پائی گئی مگر عدالت نے دعوی مدعی کو اس بناء پر نامنظور فرمایا کہ اس مقدمہ میں شہادت بالبینہ یا اقبال یا نکول نہیں ہے جس پر مدار فیصلہ ہونا چاہئے زید نے شہادت دستاویز بیعنامہ کو کافی تصور کرکے شہادت بالبینہ پیش نہیں کیا ورنہ وہ بہت سی شہادتیں بالبینہ پیش کرسکتا تھا اور اب بھی پیش کرسکتا ہے اس صورت میں عدالت کو دعوی نامسموع فرمانا چاہئے تھا

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۹

یا زید کو ہدایت واسطے پیش کرنے شہادت بالبینہ کے فرمانی لازم تھی؟ اور اب عدالت مرافعہ میں شہادت بالبینہ مدعی کہ جس کو اس نے عدالت ابتدائی میں پیش نہیں کیا ہے پیش کرسکتا ہے یا نہیں؟ جو واسطے حق رسی وانصاف کے ضروری ہے نقل فیصلہ ہمراہ اس استفتاکے پیش کی جاتی ہے۔

الجواب:

تجویز ملاحظہ ہوئی، ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ "ثبوت دعوی کا بینہ سے ہوتا ہے یا اقرار مدعا علیہ سے یا نکول عن الحلف سے یہاں ان تین وجوہ شرعیہ سے کوئی نہیں۔" بہت صحیح ہے مگر ساتھ ہی یہ لحاظ بھی ضرور تھا کہ جس طرح ثبوت دعوی بغیر ان تین کے نہیں ہوسکتا یوں ہی قضائے قاضی بھی بغیر ان تین اور چوتھی یمین کے ناممکن ہے ان تین سے کوئی ہو تو مدعی کو ڈگری دے اور ان کے بدلے مدعا علیہ کی یمین ہو تو ڈسمس (Dismiss) کرے اور چاروں نہ ہوں تو حاکم ڈگری، ڈسمس کچھ نہیں کرسکتا اصلاً فیصلہ نہیں دے سکتا اور دے گا تو وہ فیصلہ بھی باطل ونامسموع ہوگا کہ حکم کے چھ ارکان ہیں ان میں سے جو رکن مفقود ہو حکم باطل ومردود ہے ان چھ میں ایک طریق حکم ہے اور وہ حقوق العباد میں انہیں چار اشیاء میں منحصر، تو جہاں ان میں سے کچھ نہ ہو طریق مسدود اور فیصلہ غلط ومردود۔ درمختار میں ہے:

ارکانہ ستۃ علی نظمہ ابن الغرس بقولہ۔ اطراف کل قضیۃ حکمیۃ ست یلوح بعدھا التحقیق حکم ومحکوم بہ ولہ ومحکوم علیہ وحاکم وطریق[1]	قاضی کے فیصلہ کے چھ رکن ہیں جن کو ابن الغرس نے اپنی نظم میں یوں بیان کیا۔ ہر فیصلہ کے معاملہ میں چھ پہلو ہیں جن کے بعد تحقیق واضح ہوگی حکم، محکوم بہ، محکوم لہ، محکوم علیہ، حاکم اور وجہ حکم

ردالمحتار میں ہے:

ای لاتکون محلا لثبوت حق المدعی فیھا وعدمہ الا بالاستجماع ھذہ الشروط الستۃ، والطریق فیما یرجع الی حقوق العباد المحضۃ عبارۃ عن الدعوی والحجۃ وھی اما البینۃ اوالاقرار اوالیمین اوالنکول عنہ[2] اھ ملتقطا۔	یعنی کسی محل میں مدعی کے حق یا عدم حق کا ثبوت ان چھ شرطوں کے پائے جانے کے بغیر نہیں ہوسکتا اور خالص حقوق العباد میں فیصلے کا طریقہ، دعوی اور حجت یعنی گواہی یا اقرار یا قسم یا انکار قسم ہے، اھ (ت)

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۹۸۔۲۹۷

فتاوی قاضی خاں پھر بحر الرائق پھر فتاوی خیریہ میں ہے:

انما ینفذ القضاء عند شرائطه من الخصومة وغیرہا فاذالم توجد لم ینفذ[1]۔	کسی مقدمہ وغیرہ میں فیصلہ اپنی شرائط پائے جانے پر نافذ ہوگا، جب تمام شرائط نہ پائے جائیں تو نافذ نہ ہوگا(ت)

نیز فتاوی علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

صرح فی البحر فی مواضع متعددة انه لایعمل بالتنافیذ الواقعة فی زماننا لعدم استیفائها الشرائط الحکمیة التی نص علیها ابن الغرس فی الفواکه البدریة بقوله حکم ومحکوم به وله ومحکوم علیه وحاکم وطریق[2]	بحر میں متعدد مواضع پر تصریح ہے کہ ہمارے زمانہ میں نافذ اکثر فیصلے قابل عمل نہیں کیونکہ ان میں فیصلہ کی تمام شرطیں جمع نہیں جن کو ابن الغرس نے فواکہ البدریہ میں یوں بیان کیا ہے: حکم، محکوم بہ، لہ و محکوم علیہ و حاکم وطریق۔

یہاں تین چیزوں یعنی بینہ، اقرار، نکول کا نہ ہونا خود مجوز کو تسلیم اور چوتھی یعنی یمین کا نہ ہونا بھی واضح۔ نہ مدعی نے طلب حلف کیا نہ حاکم نے مدعا علیہ سے حلف مانگا نہ مدعا علیہ نے حلف کیا تو بغیر اصلا کسی طریق شرعی کے مجوز کو فیصلہ کر دینے کا کیا اختیار تھا ایسا ہی اختیار فرض کیا جائے تو دعوی پیش ہوتے ہی تحریر فرمادینا تھا کہ حکم ہوا کہ دعوی مدعی نامسموع ہوآخر اس پر یہی تو الزام ہوتا کہ بلاوجہ شرعی دعوی نامسموع کیا وہ الزام اب بھی حاصل ہے تو زمین پیمائش کرانے اور مدعا علیہ کے دس گواہ سننے سے سوا تطویل لاطائل کے کچھ مفاد نہ ہوا جب شرعًا بیعنامہ میں گزوں کی تعداد لکھی کوئی حجت شرعیہ نہ تھی اور فی الواقع وہ اصلاً حجت نہیں تو پیمائش کرانی محض فضول ہوئی، شرع مطہر نے گواہ مدعی پر رکھے ہیں اور قسم مدعا علیہ پر تو مدعا علیہ یعنی منکر سے ثبوت انکار پر گواہ لینا کوئی معنی نہ رکھتا تھا حدیث میں ارشاد ہوا:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر[3]۔	گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر کے ذمہ ہے(ت)

[1] فتاوی خیریہ بحوالہ فتاوی قاضیخاں کتاب ادب القاضی دار المعرفة بیروت ۲/ ۹

[2] فتاوی خیریہ بحوالہ فتاوی قاضیخاں کتاب ادب القاضی دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۴۔۲۳

[3] صحیح البخاری کتاب الرہن ۱/ ۳۴۲ وجامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰ وسنن الدار قطنی نشر السنة ملتان ۴/ ۲۱۸، نصب الرایہ کتاب الدعوی باب الیمین المکتبة الاسلامیہ ریاض ۴/ ۹۵

ہدایہ و بحرالرائق میں ہے:

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم البینة علی المدعی والیمین علی من انکر قسم والقسمة تنافی الشرکة[1]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق، گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم انکار کرنے والے کے ذمہ، یہ تقسیم ہے اور تقسیم اشتراک کے منافی ہے۔(ت)

پھر تجویز میں فرمانا کہ "ان کے اظہارات کے ملاحظہ سے ثابت ہے کہ دروازہ مدعا علیہ بدستور جائے قدیم پر ہے اور مدعی نے جو دیوار خود تعمیر کی ہے بجائے بنیاد قدیمی تعمیر کی ہے" صراحۃً شہادت علی النفی کا قبول کرنا ہے، دروازہ مدعا علیہ جائے قدیم پر ہونے کا اسی قدر حاصل کہ مدعا علیہ نے ملک مدعی میں کوئی تصرف نہ کیا، یونہی دیوار مدعی بجائے بنیاد قدیم تعمیر ہونے کا اسی قدر محصل کہ مدعی نے کوئی آنچ نہ چھوڑی جس میں مدعا علیہ تصرف کرتا، تو یہ صاف صاف نفی پر شہادتیں تھیں کہ اعتبار معنی کا ہے نہ کہ لفظ کا۔ ہدایہ وکافی وبحر وغیرہا میں ہے:

الاعتبار للمعانی دون الصور فان المودع اذا قال رددت الودیعة فالقول قوله مع الیمین وان کان مدعیا للرد صورة لانه ینکر الضمان[2]۔	معانی کا اعتبار ہے صورتوں کا نہیں، کیونکہ جب امانت رکھنے والا کہے کہ میں نے امانت واپس کردی ہے تو اس کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی اگرچہ صورتاً وہ واپس کرنے کا دعوی کررہا ہے، وجہ یہ ہے کہ واپسی کا دعوی کرکے اپنے ذمہ سے ضمان کا انکار کررہا ہے۔(ت)

بلکہ یہاں معنیً وصورۃً ہر طرح نفی ہے کہ قدم خود مفہوم سلبی ہے یعنی حادث وجدید نہ ہونا۔ **بالجملہ** جس قدر کارروائی اس مقدمہ میں واقع ہوئی سب محض بیکار وبے اثر وبیگانہ وبے ثمر ہوئی۔ میں نہیں کہتا کہ غلط فیصلہ ہوا، یہ تو جب کہا جائے کہ فیصلہ ہوا ہو اور اس میں خطا ہو۔ یہاں تو سرے سے فیصلہ ہوا ہی نہیں، یہ تجویز جس کا نام عوام میں فیصلہ رکھا جائے ہرگز فیصلہ ہی نہیں، ایک کاغذ سادہ ہے کہ فیصلہ کے چھ رکن شرع مطہر نے مقرر فرمائے اور یہاں رکن ششم معدوم ہے اور بغیر رکن کے وجود شیئ محال جس کی تصریحیں ابھی کتب معتمدہ سے گزریں تو مقدمہ ہنوز روز اول پر ہے مدعی بلاشبہہ

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۰۴

[2] بحرالرائق بحوالہ الھدایہ کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۹۳

گواہ دے سکتا ہے اور ان کا سننا حاکم پر فرض ہے اگر وہ نہ سنے تو دوسرے محکمہ میں اس کے گواہ سنے جائیں۔ معین الحکام میں ہے:

المواضع التی تصرفات الحکام فیھا لیست بحکم ولغیر ھم من الحکام تغییرھا والنظر فیھا علی انواع کثیرۃ وانا اذکر عشرین نوعا[1] (الی ان قال) النوع التاسع التصرف فی انواع الحجاج بان یقول لااسمع البینۃ لانك حلفت قبلھا مع علمك بھا وقدرتك علی احجارھا فلغیرہ من الحکام ان یفعل ماترکہ[2]۔	وہ مقامات جہاں حکام کے تصرفات، حکم وفیصلہ نہیں بنتے اور دوسرے حکام کو ان میں تبدیل اور غور کا اختیار ہے، یہ کثیر اقسام ہیں اور میں بیس اقسام ذکر کر رہا ہوں، اور آگے فرمایا، نویں قسم، بحث کی انواع میں تصرف ہے، یوں کہ قاضی کہے کہ میں تیرے گواہوں کی شہادت نہ سنوں گا کیونکہ قبل ازیں تو گواہوں کے جاننے اور ان کو پیش کرنے پر قدرت کے باوجود قسم دے چکا ہے، تو اس حکم کو تبدیل کرنے کا دوسرے حکام کو اختیار ہے۔ (ت)

حاکم اپیل کو اختیار ہے کہ خود گواہ سنے اور مقدمہ حسب شرع ترتیب دے یا محکمہ ابتدائی کو واپس بھیجے کہ بعد تکمیل شرعی واسماع گواہان مدعی وہاں فیصل ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴: از ریاست بہاولپور پنجاب تحصیل منچن آباد ڈاکخانہ صادق پور موضع واڑہ سراج الدین مرسلہ پیر نور محمد صاحب ولد پیر قمر الدین صاحب ذات چشتی ۱۳/ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیر صدر الدین نے ۱۲۸۶ھ میں ایک طوائف مسماۃ رنگ بھری سے نکاح کیا اس وقت رنگ بھری کے دو نابالغ بیٹے اللہ بخش والٰہی بخش موجود تھے اور تیسرا جوان بیٹا اللہ دتا تھا صدر الدین نے وقت نکاح مذکور سے رنگ بھری کو مثل ازواج کے پردے میں رکھا جب تک وہ بے پردہ اپنے پیشہ حرام میں تھی، یہ دونوں بچے کہ خورد سال تھے ماں کے ساتھ پیر مرحوم کے یہاں رہے جن میں ایک کی شادی بھی پیر موصوف نے کردی رنگ بھری کا بڑا بیٹا اب تک الگ اور اپنے پیشہ حرام میں ہے صدر الدین مرحوم کے دو بیٹے زوجہ خاندانی مسماۃ نور سائن

[1] معین الحکام الرکن السادس مصطفی البابی مصر ص ۳۸

[2] معین الحکام الرکن السادس مصطفی البابی مصر ص ۴۰

سے تھے بدرالدین وسراج الدین پیر مرحوم کی کچھ جائداد علاقہ ریاست بہاولپور اور کچھ پاکپٹن شریف علاقہ انگریزی میں حسب تفصیل ذیل تھی:

علاقہ ریاست: واڑہ پیران کل، چک قمرالدین نمبر ۳۴۴ حصہ سوم، بلاڑہ پیر نبی بخش حصہ سوم، بلاڑہ صدر الدین کل۔

علاقہ انگریزی: واڑہ پیران کلاں، بلاڑہ پیران حصہ سوم، شیخوپورہ ملکیت ایک چاہ۔

صدر الدین نے ۱۳/شوال ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۱/مئی ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا اللہ بخش والٰہی بخش نے اپنے آپ کو پسران متوفی قرار دے کر ضلع منٹگمری میں بعض جائداد واقع علاقہ انگیزی کا داخل خارج چاہا، جون ۱۸۹۲ء میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدرالدین وفریق دوم کے بیانات ہوئے جن میں بدرالدین نے ان کے پسران صدر الدین ہونے سے انکار اور انہوں نے اس کا اظہار کیا شیخ لطافت علی نائب تحصیلدار نے ۲۷ ستمبر ۱۸۹۲ء کو ایک نقل رواج عام اقوام چشتی کے بناء پر جو بغرض ملاحظہ حاضر ہے چاروں کو فرزند صدر الدین قرار دے کر اندراج نام کا حکم دیا بدرالدین نے منشی عزیز الدین اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے یہاں اپیل کی بالآخر تنہا بدرالدین نے کسی دباؤ یا مصلحت سے راضی نامہ کرلیا جس میں کل جائداہر دو علاقہ کا ذکر ہے مگر جب مجوز نے بدرالدین کا بیان لیا تو اس نے صرف جائداد علاقہ انگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا بیان کیا اور فریق دوم نے بھی اس کا یہ بیان سن کر تسلیم کیا اس بناء پر ۲۵/فروری ۱۸۹۳ء کو وہ مقدمہ وہاں فیصل ہوگیا جائداد واقع علاقہ انگریزی کے ۵/۲ نام اللہ بخش والٰہی بخش اور ۵/۳ میں نام سراج الدین وبدرالدین مندرج ہوا، سراج الدین اس راضی نامہ میں شریک نہ تھا، نہ وہ وہاں موجود تھا مگر بدرالدین نے اس اظہار سے کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہے میرا اس کا نفع نقصان مشترک ہے اس کی طرف سے راضی نامہ کرلیا، اس صلح نامہ کی بناء پر فریق ثانی نے یکم جون ۱۸۹۳ء کو جائداد واقع ریاست کے داخل خارج کی بھی درخواست تحصیل منچن آباد میں دی جس کی کارروائی ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوگی جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ بدرالدین و سراج الدین نے ۲۲/اگست ۱۸۹۳ء کو دعوی اللہ بخش والٰہی بخش تسلیم کیا اور ۳/اکتوبر ۱۸۹۳ء کو کاردار نے حکم دیا کہ محکمہ بندوبست میں درخواست دے کر اندراج نام کرالیں لیکن انہوں نے کوئی درخواست نہ دی نہ اندراج نام ہوا اس وقت کا بندوبست جاری تھا بلکہ دسمبر ۱۸۹۲ء میں ختم ہوچکا تھا بجائے اس کے ۲۹/دسمبر ۱۸۹۸ء کو فریق ثانی نے پھر اسی تحصیل منچن آباد میں درخواست اندراج نام دی جو ۲۳/مارچ ۱۸۹۹ء کو بوجہ عدم پیروی خارج ہوئی جب ۱۹۰۶ء میں بندوبست جدید ہوا مدعیوں نے یہاں چارہ جوئی کی ۲۵/جون ۱۹۰۶ء کو داخل خارج منظور ہو کر ۶ جنوری ۱۹۰۷ کو محکمہ مشیرت مال سے منسوخ ہوگیا ناچار ۲/مئی ۱۹۰۷ء کو مدعیان نے نظامت بہاولپور میں نالش دخلیابی

دائر کی جو شیخ حسین بخش صاحب ناظم کے یہاں سے ۳۱/مارچ ۱۹۰۸ء کو ڈسمس ہوئی مدعیان نے افسر مال کے یہاں اپیل کی ۱۹/ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو یہاں سے بربنائے فتوائے ثالثان کامیابی پائی جس کی حالت یہ ہے کہ بحکم مولوی عبدالمالک صاحب افسر مال فریقین نے ثالثی کی طرف رجوع کی، چار ذی علم ثالث قرار پائے مولوی عطا محمد صاحب مدرس پھوگانوالہ، مولوی عبدالرحیم صاحب اول مدرس عربی خانقاہ مہاران شریف مولوی اللہ بخش چک نادر شاہی، مولوی جمال الدین ساکن ماڑی میاں صاحب۔، اور شرط تحریر ہوئی کہ اگر روداد مسل سے مدعیوں کا اولاد پیر صدر الدین ہونا شرعاً ثابت ہو تو ان کی وراثت کے باب میں فتوائے ثالثان ناطق ہوگا۔ ثالث اول الذکر نے نسب ثابت نہ مانا باقیوں نے اثبات کیا، افسر مال نے کثرت رائے پر فیصلہ دیا مدعا علیہم نے اخبئ میں نگرانی کی جس پر مولوی رحیم بخش صاحب رزیڈنٹ جوڈیشنل ممبر نے تحریر فرمایا کہ (جو عذرات واقعات پر ہیں ہم ان کو زیر بحث لانا نہیں چاہتے کیونکہ ڈگری بر بنائے فیصلہ ثالثی ہوئی ہے) لہٰذا ہر دو فتوائے ثالثان وفیصلہ نظامت وفیصلہ افسر مال واظہارات گواہان فریقین وجملہ کاغذات متعلقہ کے نقول باضابطہ خدمت علمائے دین میں حاضر کرکے امیدوار کہ خالصاً لوجہ اللہ حکم شریعت مطہرہ سے آگاہ فرمائیں کہ تین ثالث صاحبوں کا پہلا فتوٰی اور ثالث چہارم کا فتوائے دوم ان میں کون سا مطابق شرع شریف ہے اور فتوائے اول میں جن جن وجوہ سے مدعیان کو ثابت النسب مانا ہے وہ شرعاً صحیح ہیں یا غلط، نیز ازروئے اقرار نامہ ثالثی مدعا علیہم اس فتوائے ثالثان کے پابند ہوئے یا نہیں، اور بالجملہ روداد مسل موجود سے بحکم شرع شریف دعوائے مدعیان ڈگری ہونا چاہئے یا ڈسمس، کاغذات متعلقہ کی مکمل نقول تو حاضر خدمت ہیں مگر آسانی ملاحظہ کے لئے واقع استثناء کا خلاصہ یہاں گزارش:

(۱) علاقہ آنروئے آب میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدرالدین وغیرہا کا بیان رپورٹ حکم، آج زبانی بدرالدین پسر متوفی کے معلوم ہوا کہ مسمّٰی صدرالدین والد مظہر فوت ہوگیا، مظہر وسراج الدین ہر دو پسر وارث وقابض ہیں نیز ظاہر کیا حسب تفصیل ذیل والد مظہر رنگ بھری کنجنی کو لے کر اس جگہ واڑہ پیران سے چلا گیا اور دیہات پار علاقہ ریاست بہاولپور میں بہت عرصہ تک رہا کیونکہ اس وقت چچا ہمارا محمد بخش برادر خورد والد مظہر زندہ تھا اس کے خوف سے اپنے دیہہ میں نہ آیا ان دنوں میں یہ دو تولد ہیں، جب چچا ہمارا مر گیا تب نکاح اس کے ساتھ کیا اور اس جگہ آکر آباد ہوا یہ ہر دو بجھلگ والد مظہر کے ہیں اللہ بخش و الٰہی بخش نے ظاہر کیا کہ

والد ہمارے نے ہم کو بطور دوسرے فرزندان کے پرورش کی ہے کچھ فرق نہیں کیا، چاہتے ہیں کہ ہم چاروں کا نام بحصہ برابر درج کیا جائے لہٰذا کھاتہ ہذا بمراد حکم مناسب پیش کرتا ہوں، ۹/جون ۱۸۹۲ء عنایت اللہ پٹواری۔

(۲) رواج عام اقوام چشتی پرگنہ پاک پٹن ضلع منٹگمری کتاب جلد ۲، ۱۸۷۲ء موجودہ دفتر فارسی محافظ خانہ مندرجہ ص۸۸ لغایت ۹۰، ہمراہ عورت کمین مثل کنجری و موچیانی و ترکھانی و مچھانی کے نکاح بموجب شرع شریف کے جائز ہے اگر کوئی صاحب جائداد ہمراہ ایسی عورت کے نکاح کرلے تو اولاد اس کی مثل عورت ہم کف کے مالک ہوتی ہے۔ اگر ایسی عورت بدون نکاح رہے اور اس سے اولاد پیدا ہو تو ایسی اولاد حرام کی ہوتی ہے ان کو وراثت سے کچھ حصہ نہیں ملتا (نظائر) موضع واڑہ پیران مسمّٰی صدر الدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کرلیا اولاد اس کی بعد وفات صاحب جائداد کے مالک ہوگی۔

(۳) راضی نامہ مدخلہ کچہری اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر ضلع منٹگمری مایانکہ بدر الدین وسراج الدین واللہ بخش والٰہی بخش پسران پیر صدر الدین ہیں حسب ذیل مواضعات واقع علاقہ انگریزی وواقع ریاست بہاولپور خاص ملکیت پیر صدر الدین صاحب والد مظہران کی ہے ہم فریقین کل جائداد زرعی پر وقت وفات والد صاحب سے قابض ہیں اس لئے ہم فریقین نے برضامندی خود آپس میں اس طرح تصفیہ کیا ہے کہ کل جائداد مندرجہ بالا علاقہ انگریزی وریاست کے پانچ حصے کئے، تین حصے بدر الدین وسراج الدین کو دیں گے اور دو حصے کل جائداد زرعی سے اللہ بخش والٰہی بخش کو دیں گے، جس قدر زیادہ نصف سے بدر الدین وسراج الدین کو دیا گیا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ بسبب سرداری کے بڑے ہیں، سراج الدین اس وقت موجود نہیں اس کی طرف سے مجھ بدر الدین ذمہ دار ہے کہ وہ اور میں بدر الدین حقیقی بھائی ہیں ۲۵فروری ۱۸۹۲ء

(۴) بیان بدر الدین وتصدیق مدعیان نسبت راضی نامہ مذکورہ، استفسار بدر الدین ولد صدر الدین باقرار صالح ۲۵/ فروری ۱۸۹۳ء صدر الدین متوفی ہمارے والد کی جائداد زرعی علاقہ تحصیل پاکپٹن میں حسب ذیل ہے، واڑہ پیران کلاں سالم بلاڑہ پیران سوم حصہ شیخوپور میں ایک چاہ کی اراضی، والد مرگیا جب سے میرا اور سراج الدین میرے اور برادر حقیقی اللہ بخش والٰہی بخش برادران سوتیلی والدہ ہماری کا قبضہ جائداد پر علی الحساب بہ سبب تنازع رہا ہے اب برضامندی یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل پانچ حصے کرکے تین پانچویں مجھے اور سراج الدین کو ملے اور دو پانچویں اللہ بخش والٰہی بخش کو، جو زیادہ حصہ نصف سے مجھے اور سراج الدین کو دیا ہے وہ بوجہ اس کے ہے کہ میں اور سراج الدین بڑے بھائی ہیں، سراج الدین پار ریاست میں ہے اور میرا اور اس کا نفع نقصان مشترکہ ہے لہٰذا میں اس کی جانب سے

ذمہ دار ہوں۔ بدر الدین بقلم خود۔ دستخط عزیز الدین اسٹنٹ کلکٹر درجہ اول۔ استفتاء اللہ بخش والٰہی بخش پسران صدر الدین باقرار صالح ۲۵/ فروری ۱۸۹۳ء۔ بدر الدین برادر کلاں اپنے کا بیان ہم نے سنا یہ صحیح اور منظور ہے۔ اللہ بخش والٰہی بخش بقلم خود۔

(۵) شجرہ نسب وحقوق مالکان موضع واڑہ پیران کلاں تحصیل پاکپٹن ضلع منٹگمری مرتبہ ۱۸۹۴ء شیخ قریشی المعروف چشتی

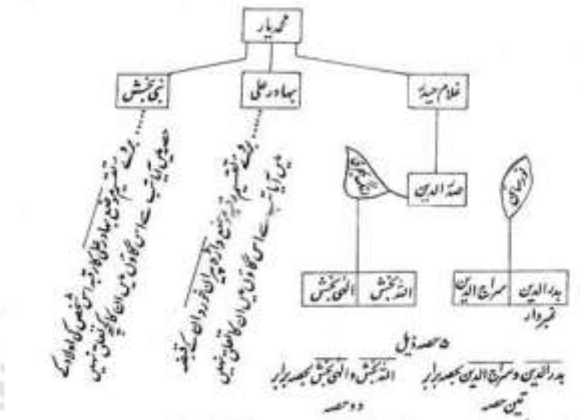

بموجب حکم ۲۵/فروری ۱۸۹۳ء حصص ملکیت برخلاف حصہ جدی کے رسمی قرار پائے۔

(۶) درخواست ابتدائی مشمولہ مسل نمبری ۲۳ موضع بلاڑہ صدر الدین تحصیل منچن آباد بابت داخل خارج مظہران برادر حقیقی وسراج الدین وبدر الدین برادران سوتیلے ہمارے کا راضی نامہ ہوا۔ نقل فیصلہ پیش کرکے ملتمس کہ موضع مذکور کا ۲/ ۵ حصہ ہمارے نام داخل خارج فرمایا جائے۔ یکم جون ۱۸۹۳ء العبد اللہ بخش والٰہی بخش پسران صدر الدین، اللہ بخش بقلم خود۔ بیان سائل لیا جائے بمراد تکمیل مسل حوالہ قانون گو ہو۔ یکم جون ۱۸۹۳ء ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

(۷) بیان اللہ بخش مشمولہ مسل نمبری ۲۳۔ نام اپنا اللہ بخش باپ کا نام صدر الدین عمر تخمیناً (؛؛) سال حاضر آکر لکھوایا کہ مظہر اور الٰہی بخش برادر مظہر وبدر الدین وسراج الدین پسران شیخ صدر الدین ہر چہار وارث بحصہ برابر ہیں بدر الدین و سراج الدین نے ملکیت موضع بلاڑہ صدر الدین میں ہمارا نام درج نہیں کرایا اس باعث تکرار تھا برادری میں تصفیہ ہمارا ہوچکا ہے بموجب راضی نامہ ۲/ ۵ حصہ بنام مظہر والٰہی بخش داخل خارج فرمایا جائے، اللہ بخش بقلم خود۔ بعد تصدیق حکم ہوا کہ باجرائے پروانہ بدر الدین و سراج الدین والٰہی بخش بنابر قلمبندی بیان طلب کیا جائے، یکم جون ۱۸۹۳ء، آج مسل پیش ہوئی حکم ہوا کہ فریقین مقدمہ طلب ہو کر بیان ان کا قلمبند کیا جائے، ۱۳/جون سنہ ۹۳ء مسل پیش ہوئی آج تک نہ فریقین مقدمہ حاضر ہوتے ہیں نہ رپورٹ پیشکار شامل مسل ہوئی لہٰذا حکم ہوا کہ مقرر پیشکار کو لکھا جائے کہ جلد مطلوبگان کو بھجوادیں، ۲۹/اگست ۱۸۹۳ء۔

(۸) پروانہ بنام پیشکار صادق پور مشمولہ مسل نمبری ۲۳۔ اندریں مقدمہ ۱۳جون کو طلبی فریقین بمراد قلمبندی بیانات کی گئی تھی، آج تک ان کی جانب سے نہ رپورٹ شامل مسل ہوئی نہ فریقین حاضر آئے ہیں لہٰذا مکرر قلمی ہے کہ آپ فی الفور فریقین کو بھجوادیں، ۲۹اگست ۱۸۹۳ء فریقین کو باخذ مچلکہ روانہ کارداری میں کیا جائے ۶/ستمبر ۱۸۹۳ء حکم سے اطلاع پائی سراج الدین بیمار ہے بروقت صحتیابی اس کے حاضر ہوجائیں گے ۷ ستمبر ۱۸۹۳ء العبد بدر الدین العبد اللہ بخش، جناب عالی مطلوبگان کو ہدایت احضار کی گئی اور العبد کرائے گئے ہیں سراج الدین سخت بیمار ہے بعد شفا حاضر ہوگا ۸/ستمبر ۱۸۹۳ء

(۹) بیان بدر الدین وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۲۳ واقع ۲۲/اگست ۱۸۹۳ء، سوال اللہ بخش والٰہی بخش پسران صدر الدین نے لکھوایا ہے کہ تم نے کل ملکیت صدر الدین کی محکمہ بندوبست میں اپنے نام درج کاغذات موضع بلاڑہ صدر الدین کرالی ہے حالانکہ مظہران بھی وارث ہیں منٹگمیر سے فیصلہ ہوچکا درج کاغذات موضع بلاڑہ صدر الدین کرالی ہے حالانکہ مظہران بھی وارث ہیں منٹگمری سے فیصلہ ہوچکا ہے کہ ۲/ ۵ حصہ ما مظہران اور ۵/۳ حصہ تمہارا اقرار پایا ہے نام مظہران درج کاغذات فرمایا جائے تم کو اس ایزادی میں کیا عذر ہے؟

(جواب) مظہران کو کسی طرح کا عذر اس ایزادی میں نہیں ۲/ ۵ حصہ میں نام اللہ بخش والٰہی بخش کا ایزاد فرمایا جائے، العبد بدر الدین بقلم خود، العبد سراج الدین چونکہ اس ایزادی میں فریقین کو کچھ عذر نہیں لیکن یہ مسل بصیغہ وراثت دائر ہے وراثت کا فیصلہ محکمہ بندوبست میں ہوچکا ہے فریقین کو ہدایت ہو کہ درخواست ایزدی نام گذران کر حسب ضابطہ ایزادی کرادیں مسل پیشی سے خارج ہو کر داخل دفتر ہو۔ مورخہ ۲۳/اکتوبر ۱۸۹۳ء۔ چونکہ یہ مسل ماہ اکتوبر میں داخل دفتر نہ ہوئی

اب داخل دفتر ہو ۲۳/نومبر ۱۸۹۳ء

(۱۰) سند مولوی نور الدین توگیروی نکاح خواں شیخ صدر الدین و رنگ بھری پیش کردہ مدعا علیہم برحکام واضح باد کہ بتاریخ ۱۲۸۶ ہجری مقدس ایں خادم الشرع عقد نکاح پیر صدر الدین چشتی ولد پیر غلام حیدر چشتی در موضع کلاچی روبروئے گواہان قمر الدین نمبر دار کلاچی واکبر علی ساکن کلاچی و مولوی غلام قادر ساکن جمن شاہ بارنگ بھری کنجری ولد نامعلوم بستہ اللہ بخش والٰہی بخش قبل ازیں نکاح پیدا بودند۔ تحریر ۲۲/ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ العبد نور الدین توگیروی گواہ شد غلام قادر ساکن جمن شاہ

(۱۱) سند مولوی مذکور پیش کردہ مدعیان۔ برعلماء وحکام واضح باد کہ صدر الدین ولد پیر غلام حیدر چشتی رابطور نصیحت چند سال قبل از نکاح مشہورہ گفتہ کہ بارنگ بھری نکاح کردہ یا نے، صدر الدین گفت من خفیہ از برادری روبروئے دو کس گواہان مسماۃ مذکورہ نکاح کردہ بودم گفتم آریں شمار اکہ ایں کار بہتر کردہ۔ تحریر ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ خادم الشرع نور الدین توگیروی۔ حشمت علی اقرار المقر۔	مدعی حضرت کی پیش کردہ سند از مولوی مذکور علماء وحکام پر واضح ہو کہ صدر الدین ولد پیر غلام حیدر چشتی کو نکاح مذکورہ سے قبل چند سال بطور نصیحت کہا تھا کہ تم نے رنگ بھری سے نکاح کیا ہے یا نہیں کیا، صدر الدین نے جواب میں کہا میں نے برادری سے خفیہ دو گواہوں کی موجودگی میں مسماۃ مذکورہ سے نکاح کیا ہے تو میں نے کہا کہ تمہیں آفرین ہے کہ تم نے یہ کام بہت اچھا کیا۔ تحریر ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ خادم شرع نور الدین توگیروی وحشمت علی۔

(۱۲) بیان مولوی غلام قادر مسل نمبری افیصلہ ۶/ جولائی ۱۹۰۶ء تحصیل منچن آباد غلطی بندوبست باقرار صالح نام اپنا غلام قادر ولد مولوی جان محمد عمر (صہ) ال سکنہ جمن شاہ تحصیل پاکپٹن، عرصہ تخمیناً اڑتیس سال کا گزرا ہوگا کہ پیر صدر الدین کا نکاح اللہ بخش والٰہی بخش کی والدہ رنگ بھری سے مولوی نور الدین صاحب نے روبروئے مظہر، قمر دین، اکبر علی شاہ پڑھا تھا اس وقت اللہ بخش سات آٹھ سال کا تھا قرآن شریف مولوی صاحب مذکور سے پڑھا کرتا تھا الٰہی بخش تخمیناً چار سال کا تھا۔ یہ ہر دو شخص اللہ بخش الٰہی بخش اس نکاح سے پہلے موجود تھے جب بدر الدین و قاسم علی کو اس شہادت کی ضرورت پیش آئی کہ یہ دونوں لڑکے قبل از نکاح موجود تھے اور مولوی صاحب مذکور سے انہوں نے تحریر حاصل کی تو شہادت کے دستخط میں نے کردیئے میرے دستخط اس کاغذ پر موجود ہیں مظہر کو بھی حال معلوم ہے العبد مولوی غلام قادر۔

(۱۳) درباره درخواست ابتدائی مدعیان در تحصیل منچن آباد مشمول مسل نمبری ۴ گزارش ہے کہ ۱۵/شوال ۱۸۹۲ء میں پیر صدر الدین پدر فریقین کا انتقال ہوگیا ہم چہار برادران کا بابت تقسیم ترکہ پدر تنازع ہوکر نالش کی نوبت پہنچی جو بتاریخ ۳/فروری ۱۸۹۳ء فیصلہ اکسٹرااسسٹنٹ ضلع منٹگمری داخل خارج حسب ذیل املاک آنروئے آب وریاست بہاولپور بدر الدین و سراج الدین اللہ بخش والٰہی بخش ہوکر عملدرآمد ہوا ان املاک ریاست ہذا میں قبضہ ادائے مالگزاری (۲/ ۵) وکاشت پر داشت ۲/ ۵ حصہ موقع پر موجود ہے لہٰذا عارض کو ۲/ ۵ بلاڑہ بدر الدین بنام مظہران داخل خارج فرمایا جائے ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء اللہ بخش والٰہی بخش بقلم خود، بمراد تکمیل حوالہ قانون گوہو اور بذریعہ پروانہ اسامیاں طلب کی جائیں، ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء۔

(۱۴) حکم ظہری پرچہ کھتونی مشمولہ مسل نمبری ۱۴۔ آج مسل پیش ہوئی۔ پایا گیا کہ فریقین نے بعد دینے درخواست باوصف اجرائے احکامات کے پیروی نہیں کی حکم ہوا کہ مسل مقدمہ بعد پیروی خارج ہو ۲۳/مارچ ۱۸۹۹ء۔

(۱۵) درخواست در بندوبست جدید۔ درخواست غلطی بندوبست، بموجب فیصلہ شیخ عزیزالدین کلکٹر ضلع منٹگمری، اگرچہ حقیقت پر از وقت وفات پدرم قبضہ مالگزار بموجب فیصلہ مذکور الصدر ہمارا چلا آتا ہے بموجہ غلطی بندوبست داخل خارج کاغذات سرکاری نہ ہوا چونکہ اب دوران بندوبست ہے لہٰذا مستدعی کہ داخل خارج ہمارے نام بموجب فیصلہ انگریزی وپرچہ مالگزاری ۲/ ۵ حصہ فرمایا جائے۔ نقل فیصلہ وپرچہ ملکیت شامل درخواست ہے، یکم جنوری ۱۹۰۶ء مستدعی اللہ بخش ولد پیر صدر الدین۔

(۱۶) بیان اللہ بخش بعد درخواست مذکور نام اپنا اللہ بخش ولد پیر صدر الدین ذات چشتی عمرو (عہ للعہ) سال بتاکر بیان کیا والد مظہر فوت ہوچکا ہے اس کے چار پسر تھے بدر الدین سراج الدین فوت ہوچکے ہیں غلطی بندوبست سے بعد فوت صدر الدین کے بدر الدین سراج الدین کا داخل خارج وراثت ہوکر عملدرآمد ہوگیا اور مظہر والٰہی بخش کے نام اندراج نہ ہوا ضلع انگریزی میں مقدمہ دائر ہوا جس سے یہ قرار پایا کہ ۲/ ۵ حصہ مظہر والٰہی بخش کے لئے جائیں جس کی نقل شامل درخواست ہے چاہتا ہوں ۲/ ۵ حصہ پر داخلخارج فرمایا جائے۔ اللہ بخش ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ۲/جنوری ۱۹۰۶ء

(۱۷) درخواست تقرر ثالثان مشمولہ مسل ۱۶امر جوعہ ۲۷/ اپریل ۱۹۰۸ء۔ کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی ورواجی چھوڑ دئے گئے ہیں لکھ دیتے ہیں کہ اگر موجودہ روئداد مسل سے مدعیان کا اولاد صحیح النسب ہونا پیر صدر الدین موصوف سے ثابت ہوجائے تو مجھ مدعاعلیہ کو واپسی جائداد سے

کچھ انکار نہ ہوگا اگر انکا شرعًا نسب ثابت نہ ہو تو پھر ان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد صحیح النسب ہونے کے فتوائے ثالثان ناطق ہوگا اور ہمیں کچھ عذر نہ ہوگا،۱۸جون ۱۹۰۸ء ، بمقام صادق پور روبرو افسر صاحب مال مولوی عبدالمالک۔ العبد بخش مدعی بقلم خود، العبد الٰہی بخش مدعی بقلم خود، العبد احمد شاہ مدعا علیہ بقلم خود۔ تحریر ہوا کہ مولوی صاحبان تمام موضع چک بھوگانوالہ میں جمع ہوکر بموجب روائداد مسل کے فتوی دیں۔ امور تنقیح بحث طلب یہ ہیں کہ آیا مدعیان پیر صدرالدین کی اولاد صحیح النسب ہے یا نہیں۔ دوسرا اراضی نامہ مصدقہ ضلع منٹگمری کا شرعًا کیا اثر ہے۔ فیصلہ کثرت رائے ثالثان پر کیا جائے گا فتوی چار یوم کے اندر داخل ہو، ۱۸/جون ۱۹۰۸ء دستخط افسر مال۔

(۱۸) فتوی مولوی عبدالرحیم وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۱۶۔ مدعیان نے ایک صلحنامہ از جانب والد و چچا مدعا علیہما پیش کیا جس میں صریح لکھا ہے کہ مدعیان پیر صدرالدین کے بیٹے ہیں۔ علاوہ بریں معتبر شہادت سے ثابت ہے کہ پیر صدرالدین مورث مدعیان کو اپنا بیٹا تسلیم کرتا تھا بدرالدین وسراج الدین نے تحصیل میں بھی مدعیان کو اپنے بھائی پیر صدرالدین کے بیٹے قرار دے کر لکھوایا ہے کہ بیشک حسب مضمون صلحنامہ ریاست میں بھی ملکیت کا عملدرآمد ہونا چاہئے۔ علاقہ آنروے آب میں بھی پٹواری کے سامنے سراج الدین وبدرالدین نے مدعیان کو اپنے بھائی لکھوائے ہیں۔ رواج عام اقوام چشتی اور شجرہ نسب جو ضلع منٹگمری میں لکھا ہے مدعیان پیر صدرالدین کی اولاد اور وارث لکھے ہیں اور اس پر پیر صدرالدین اور بعض شاہدان نفی نسب کے ثبوت نسب پر مواہیر موجود ہیں شہادت مدعا علیہما نفی پر مشتمل ہیں اور شہادت نفی مقبول نہیں ہوتے۔ پس بوجہ اقرار پیر صدرالدین بولدیت مدعیان اور تسلیم بدرالدین وسراج الدین اخوت مدعیان کو فتوی شرعی یہ ہے کہ مدعیان کا نسب پیر صدرالدین سے ثابت ہے۔

اذا اقر وارث واحد بوارث کمن ترك ابنا فاقر باخ لا یثبت نسبه عندهما وقال ابو یوسف یثبت وبه اخذ الکرخی لانه لما قبل فی المیراث قبل فی النسب وان کان اکثر من واحد بان کان رجلین	جب ایک وارث دوسرے کے وارث ہونے کا اقرار کرے جیسا کہ میت کا بیٹا اپنے بھائی کا اقرار کرے تو شیخین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بھائی کا نسب ثابت نہ ہوگا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ نسب ثابت ہوجائے گا اور امام کرخی نے اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ ایک کے اقرار سے جب وارث ہونا ثابت ہوجاتا ہے تو نسب میں اس کا قول تسلیم کیا جائے گا اور

اورجلا وامرأتین فصاعدایثبت النسب باقرار ھم بالاجماع لکمال النصاب و یستحق حظه من نصیب المقر [1] اھ حموی ۱۲ اقرۃ العیون۔	ایک سے زائد ورثاء مثلاً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کسی کے وارث ہونے کا اقرار کریں تو اس اقرار سے نسب بالا جماع ثابت ہو جائے گا کیونکہ شہادت کا نصاب کامل ہے اور اقرار کرنے والوں کے حصہ میں یہ بھی شریک ہوگا اھ ۱۲ حموی قرۃ العیون (ت)

مولوی نور الدین صاحب نکاح خوان کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت نکاح ثانی مدعیان موجود تھے اور دوسری تحریر میں ہے کہ نکاح مشہور سے پہلے پیر صدر الدین کا نکاح مخفی والدہ مدعیان کے ساتھ تھا ہر نکاح مخفی جو روبروئے گواہان کے ہو معلن ہو جاتا ہے اور شرعاً جائز نافذ ہے باپ نے جب اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ماں اس کی آزاد ہے تو یہ اقرار فرزندی اقرار ہوگا اس عورت کے منکوحہ ہونے پر۔ در مختار، طحطاوی، قنیہ ۱۲ نور الھدایہ العبد عبدالرحیم اول مدرس عربی خانقاہ مہاران شریف، اللہ بخش چک نادر شاہی، احقر العباد جمال الدین بقلم خود۔

(۱۹) فتوٰی مولوی عطا محمد مشمولہ مسل نمبر ۱۶۔ ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعیان نے بابت اثبات نسب وورا ثت تین امر پیش کئے، ایک شہادت، دوسرا اقرار پیر صدر الدین بذریعہ نقل رواج عام جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد موجودہ صدر الدین از رنگ بھری وارث ہوں گے اس رواج عام پر مہر صدر الدین بھی ہے گو اس میں نام اللہ بخش والٰہی بخش نہیں لیکن اولاد بحسب الظاہر رنگ بھری و صدر الدین بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں لہٰذا ضرورۃً یہی تصور کئے جائیں گے، تیسرا صلحنامہ جس میں بدر الدین کی طرف سے اقرار صریح ہے لیکن اقرار سراج الدین نہیں ثابت ہوتا کہ سراج الدین موقع پر نہ تھا۔ ایسا ہی کسی اور جگہ مسل مقدمہ سے اقرار سراج الدین ثابت نہیں جس وقت تحصیلدار منچین آباد نے مخاطب ہو کر فرمایا تم کو اس ایزادی میں کوئی عذر ہے تو سراج الدین نے بیان کیا کہ کوئی عذر نہیں، اس سے تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ثابت ہوتا ہے نہ بحق ثبوت نسب جیسا کہ استفہام تحصیلدار و جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن احقر کو بہ نسبت ہر ایک امر ان تینوں میں سے بحق ثبوت نسب اعتراض ہے۔ امر اول شہادت۔ رکن شہادت شرع شریف میں لفظ اشھد یا اس کا ہم معنی چنانچہ گواہی میدہم ہے۔ در مختار:

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۹

رکنہا لفظ اشھد لاغیر لتضمنہ معنی مشاہدۃ وقسم واخبار للحال فکانہ یقول اقسم باللہ لقد اطلعت علی ذٰلك وان اخبربہ وھذہ المعانی مفقودۃ فی غیرہ فتعین[1]۔	شہادت کا رکن لفظ شہادت ہے دوسرا کوئی لفظ رکن نہیں کیونکہ یہ لفظ مشاہدہ کے معنی اور قسم اور حال کی خبر کو متضمن ہے گویا کہ گواہ نے یوں کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اس واقعہ پر اطلاع پائی میں اس کی خبر دیتا ہوں کہ جبکہ یہ معانی کسی دوسرے لفظ میں نہیں پائے جاتے لہٰذا یہی لفظ شہادت متعین ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولایخلو عن معنی لتعبد اذلم ینقل غیرہ[2]۔	اور شہادت عبادت سے خالی نہیں جبکہ شارع کی طرف سے دوسرا کوئی لفظ اس عبارت میں منقول نہیں ہوا(ت)

تنویر الابصار:

لزم فی الکل لفظ اشھد بلفظ المضارع بالاجماع لقبولہا والعدالۃ لوجوبہ[3]۔	تمام گواہیوں میں اشھد کا لفظ مضارع بالاجماع لازم ہے قبولیت کے لئے اور گواہوں کی عدالت وجوب کی بناء پر ضروری ہے(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

حتی لو قال اعلم او اتیقن لاتقبل شہادتہ لان النصوص ناطقۃ بلفظ الشھادۃ فلا یقوم غیرہا مقامہا[4]۔	حتی کہ اگر گواہ نے "میں جانتا ہوں" یا "یقین رکھتا ہوں" کہہ دیا تو قبول نہ ہوگا کیونکہ تمام نصوص لفظ الشہادۃ کو بیان کررہی ہیں اس کی جگہ دوسرا لفظ قائم مقام نہ بنے گا(ت)

مولوی اسحٰق دہلوی کا غیر ضروری کہنا اشھد کو مخالف نصوص فقہاء وماثور ہے اور بس

---
[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[4] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶

ظاہر ہے کہ شہادات مندرجہ مسل میں لفظ اشھد یا اس کے ہم معنی کا کہیں نام ونشان نہیں لہذا یہ شہادات قبول کرنا شرعًا ناجائز ہے۔امر ثانی اقرار صدر الدین مع نقل رواج عام میں یہ اعتراض ہے کہ دفاتر سلطانیہ سجلات محاضر کے امور مندرجہ تب حجت ہوتے ہیں کہ ان کے یا محافظ دفتروں کے ہاتھ محفوظ رہیں۔اگر فریقین مقدمہ یا اجنبی کے ہاتھ میں آجائیں تو حجت نہیں ہوتے۔شامی جلد ۴ ص ۳۲۱:

سجل القاضی لایزور عادۃ حیث کان محفوظاً عند الامناء بخلاف ماکان بید الخصم [1]۔	قاضی کے دفتری امور کے کاغذات جعل سازی سے عادۃً اس وقت محفوظ ہوتے ہیں جب وہ امین لوگوں کے پاس محفوظ ہوں، بخلاف جب وہ مخالف فریق کے ہاتھ میں ہوں۔(ت)

چونکہ نقل رواج عام بذریعہ مدعیان پہنچی اور اصل سجل کا ملاحظہ نہ ہوا حجت شرعی نہ ہوگی۔امر ثالث صلحنامہ میں یہ اعتراض ہے کہ فقط اقرار بدر الدین بہ ثبوت نسب ثابت ہوتا ہے سراج الدین کا اقرار بہ نسب کسی جگہ سے ثابت نہیں، پس اقرار ایک بدر الدین بموجودگی سراج الدین مثبت نسب نہیں ہوسکتا۔تنویر الابصار:

لو اقر رجل بنسب فیه تحمیل علی غیرہ لا یصح الاقرار، ومن مات ابوہ فاقر باخ شارکه فی الارث ولم یثبت نسبه [2]۔(ملخصًا)	اگر ایک شخص کسی کے نسب کا اقرار کرے جس سے دوسرے کے حصہ پر زد پڑے تو یہ اقرار صحیح نہ مانا جائے گا، اگر کسی کا والد فوت ہوا اور اپنے بھائی کا اقرار کرے تو یہ بھائی اس کے ساتھ وراثت میں شریک ہوگا لیکن اس ایک کے اقرار سے والد سے نسب ثابت نہ ہوگا(ملخصا)۔(ت)

عبارت قرۃ العیون سے مطلب مولوی صاحبان ثابت نہیں، عبارت مذکورہ سے مقصود بیان اس صورت کا ہے کہ مقر وارث واحد ہو کہ اس کے ساتھ کوئی وارث نہ ہوا، اگر وارث دیگر ہو تو ثبوت نسب اقرار واحد شخص سے بموجب روایت امام ابویوسف بھی نہیں ہوسکتا۔خود قرۃ العیون کی اس سطر سے پہلے ملاحظہ فرمائیے:

قال فی البدائع ان الوارث لو کان کثیرا	بدائع میں فرمایا اگر ورثاء کثیر ہوں تو ایک کے کسی

[1] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۸

فاقر واحد منهم بأخ اٰخر ونحوه لايثبت نسبه ولا يرث معهم ولو اقرمنهم رجلان اورجل وامرأتان يثبت نسبه بالاتفاق،ولو كان الوارث واحدا فاقر به يثبت عند ابي يوسف خلافا لابي حنيفة ومحمد وبقول ابي يوسف اخذ الكرخي اھ وظاہر المتون على ترجيح قولهما كما لايخفى اھ قرة العيون[1] ج ۲ص۱۳۱۔	بھائی کے متعلق اقرار کرنے سے اس بھائی کی نسب ثابت نہ ہوگی اور باقی ورثاء کے حصوں میں شریک نہ ہوگا اور اگر ان ورثاء میں سے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اقرار کریں تو پھر باتفاق نسب ثابت ہوجائے گا اور اگر ایک ہی وارث اقرار کرے تو امام ابویوسف کے نزدیک نسب ثابت ہوگا،بخلاف امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ،امام ابویوسف کے قول کو امام کرخی نے لیا ہے جبکہ ظاہر متون نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔قرۃ العیون جلد ۲ص ۱۳۱(ت)

چونکہ صورت مقدمہ میں بدر الدین کے ساتھ دوسرا وارث سراج الدین ہے تو اقرار بدر الدین اکیلے کا بموجب روایت امام ابویوسف بھی مثبت نسب نہ ہوگا،ہر دو تحریرات مولوی نور الدین قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان تحریرات سے نہیں جو شرعًا حجت ہو،باقی رہا اقرار بحق جائداد تو اقرار بدرالدین سے ضرور شرکت فی الوراثۃ اس کے حق میں ثابت ہے سراج الدین کا قول روبروئے تحصیلدار بظاہر تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ہے وبلحاظ استقلال کلام وعدم ضمیر راجع کلام مستانف ہوگی مبنی بر اقرار نہ ہوگی،بہر حال شرکت فی الوراثت در کل جائداد یا در حصہ بدر الدین بموجب ضمانت وثابت ہوگی اور بموجب صلحنامہ اقرار بدر الدین مستحق وراثت علی حسب صلحنامہ ہوں گے۔خادم الشرع عطا محمد مدرس پھوگانوالا بقلم خود فقط۔

(۲۰) رپورٹ ثالثان مشمولہ مسل نمبر ۱۶۔ گزارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے مظہران فیصلہ نہیں کرسکتے اور اب تحقیقات جدید کا موقع نہیں رہا کہ احمد شاہ مدعاعلیہ نے محکمہ پریذیڈنٹی میں واسطے منسوخی ثالثان کے عرضی دی ہے اور بیان کیا ہے کہ مسل واسطے ملاحظہ کے محکمہ مذکور الصدر میں طلب کی گئی ہے اس واسطے تحقیقات جدید ملتوی کی گئی پھر جب حکم ہو تحقیقات کی جائیگی ۲۱/ جون ۱۹۰۸ء العبد اللہ بخش چک نادر شاہی،العبد عطا محمد مدرس عربیہ پھوگانوالا،العبد عبدالرحیم اول مدرس عربیہ مہاران شریف۔

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۷

(۲۱) نقل عرضی منسوخی ثالثان مشمولہ مسل نمبری۱۶ جناب عالی افسر صاحب مال نے من مدعا علیہ کو ثالث مقرر کرنے کو ارشاد فرمایا تھا لیکن سائل نے انکار کیا تھا اور اس میں رضامند نہیں تھا عدالت موصوف نے مجھ سے جبراً اقرار نامہ ثالثی داخل کرالیا ہے جس میں سائل بالکل رضامند نہیں جیسا کہ پہلے سے رضامند نہیں تھا لہٰذا التماس ہے کہ تقرر ثالثی منسوخ فرمایا جائے اور جیسی کارروائی قبل از تقرر ثالثی تھی ویسی ہی جاری کی جائے ۲۱/جون ۱۹۰۸ء فدوی احمد شاہ ولد سراج الدین بقلم خود۔

نقل حکم پریذیڈنٹ: مسل کا ملاحظہ کیا گیا درخواست تقرر ثالثان دستخطی شاکی ہے، ایک اعلٰی افسر کی نسبت بدظنی کی کوئی وجہ ہے اس لئے ناقابل التفات قرار دے کر مسل بمراد کارروائی ضابطہ واپس جائے۔ دستخط پریذیڈنٹ صاحب۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (یاالله! حق اور درستی عطا فرما۔ت) قبل اس کے کہ ہم بتوفیق الٰہی یہاں حکم شرعی بیان کریں اتنی گزارش فریقین مقدمہ وحکام سب سے ضرور کہ معاملہ اہل اسلام کا ہے ریاست مسلمانوں کی ہے، ابتداءً ہی ہر فریق پر فرض تھا کہ حکم شرع پر گردن رکھتا، حکام پر فرض تھا کہ شرع مطہر کے موافق فیصلہ کرتے۔

قال الله تعالٰی "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝" [1]	(الله تعالٰی نے فرمایا) اے نبی! تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنی باہمی نزاع میں تجھے حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تو حکم فرمائے اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔
وقال تعالٰی "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝" [2]۔	(اور الله تعالٰی نے فرمایا:) کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعوی ہے کہ وہ ایمان لائے قرآن مجید اور اگلی کتابوں پر، پھر یہ چاہتے ہیں کہ مخالفان خدا اور رسول کی بات پر فیصلہ رکھیں حالانکہ انہیں تو ان سے منکر ہونے کا حکم تھا اور شیطان چاہتا ہے انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

وقال تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝۲۰۸" [1]۔ وقال تعالٰی وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝۴۷ " [2]۔ وقال تعالٰی "فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۴۵ " [3]۔	(اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے آجاؤ یعنی ہر بات میں احکام اسلام ہی کی پیروی کرو اور شیطانی راہ کے پیچھے نہ جاؤ بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا) جو شریعت مطہرہ کے مطابق حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا) وہی لوگ ظالم ہیں۔

اب کہ معاملہ ثالثی تک پہنچا اور اہل علم ثالث کئے گئے اور ان سے فتوی طلب ہوا تو خود ہی تمام بادی چھنٹ گئی اور صرف شرع مطہر پر بنائے کار رہی ولہذا اقرار نامہ میں فریقین نے لکھ دیا تھا کہ "کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی اور رواجی چھوڑ دئے گئے ہیں" اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ فتوائے ثالثان صحیح ومطابق قواعد شرعیہ ہے یا نہیں، اور اس جانچ میں صرف قواعد شریعت مطہرہ پر نظر لازم، قانونی یا رواجی جھگڑوں کی طرف اصلاً التفات نہیں، نہ یہ کہ **معاذاللہ** شرعی احکام کو تاویلات دور از کار کرکے قانون ورواج کی طرف ڈھالنا کہ یہ ان تمام آیات کریمہ کے صریح مخالف ہوگا، **واللہ الھادی**۔

اب ہم بیان حکم شرعی کی طرف توجہ ہوتے ہیں وباللہ التوفیق، کاغذات ملاحظہ ہوئے یہ فیصلہ کہ ثالثوں نے کیا اور اسی پر افسر مال نے مدار حکم رکھا شرعاً محض باطل ہے اس کا بطلان بہت وجہ سے ہے، **ایک** یہ کہ فیصلہ کرنے والے شرعاً ثالث ہی نہ تھے، نہ ان کو اصلاً فیصلہ کا اختیار تھا نہ ان کا فیصہ کسی راہ چلتے اجنبی کی بات سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

دوم: اگر وہ ثالث فرض بھی کئے جائیں جب بھی انہیں خاص اس فیصلہ کا اختیار نہ تھا جو انہوں نے دیا۔

سوم: اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان کا فیصلہ بوجہ باہمی اختلاف رائے کے نامعتبر ہے۔

چہارم: ان سب سے در گزریے اور نفس فیصلہ کو دیکھئے جو تین ثالثوں نے کیا تو وہ خود ہی یکسر مخالف شرع واقع ہوا ____ اب ان سب وجوہ کو بتوفیق اللہ تعالٰی بیان کرتے ہیں:

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۵

وجہ اول: پنچوں کو فیصلہ کا اختیار اس وقت ہوتا ہے کہ ان کے حکم دینے تک فریقین ان کے پنچ ہونے پر راضی رہیں، اگر ایک فریق بھی پنچ کے حکم دینے سے ایک آن پہلے اس کی ثالثی پر ناراضی ظاہر کرے فوراً وہ ثالثی سے نکل جائے گا اور اسے حکم دینے کا کچھ اختیار نہ رہے گا اور حکم دے تو اصلاً نہ سنا جائیگا یہاں تک کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں اگر تمام ترتیب و تکمیل مقدمہ کے بعد جب صرف حکم دینے کی دیر رہی تھی ثالث نے ایک فریق سے کہا میرے نزدیک حجت تجھ پر قائم ہو گئی میں تجھ پر حکم دیا چاہتا ہوں اس نے کہا میں تیرے ثالثی سے راضی نہیں، بس یہ کہتے ہی ثالث کو اختیار جاتا رہا اب وہ کچھ حکم نہیں کر سکتا۔ در مختار جلد ۴ صفحہ ۵۲۰ میں ہے:

(ینفرد احدھما بنقضه) ای التحکیم بعد وقوعه[1]۔	ثالث بننے والے کے فیصلہ کو ایک فریق بھی رد کر سکتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار جلد ۴ صفحہ ۵۴۲ میں ہے:

لکل منهما عزله قبل الحکم[2]۔	ثالث کے فیصلہ سے قبل کوئی ایک فریق بھی ثالث کو معزول کر سکتا ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری جلد ۳ ص ۱۲۱ میں محیط سے ہے:

لو وجه الحکم القضاء علی احدهما یرید به ان الحکم قال لاحد الخصمین قامت عندی الحجة بما ادعی علیك من الحق ثم ان الذی توجه علیه الحکم عزله ثم حکم علیه بعد ذٰلك لاینفذ حکمه علیه[3]۔	اگر حکم کسی ایک فریق پر فیصلہ متوجہ کرے، سے مراد یہ ہے کہ حکم ایک فریق کو کہے کہ دعوی کرنیوالے کی حجت میں تجھ پر قائم سمجھتا ہوں کہ حق ہے پھر یہ فریق اس کو معزول کردے اور اس کے باوجود حکم اس فریق کے خلاف فیصلہ دے دے تو وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

یہاں کہ احمد شاہ نے قبل حکم ثالثان ثالثی سے اپنی ناراضی بذریعہ عرضی ظاہر کی ثالثی فوراً منسوخ ہو گئی اور ثالثوں کا فیصلہ ایسا ہی ہو گیا جیسے راہ چلتا کوئی اجنبی کچھ کہہ جائے اور اس کی نسبت یہ عذر کہ

[1] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

[2] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء باب التحکیم الباب الرابعون والعشرون نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ۳/ ۳۹۸

درخواست تقرر ثالثان احمد شاہ کی دستخطی ہے کچھ بکار آمد نہیں، احمد شاہ نے عرضی میں فقط یہی بیان نہ کیا کہ مجھ سے جبرًا تقرر ثالثان کرالیا ہے میں رضامند نہ تھا بلکہ صاف لکھ دیا ہے کہ "سائل بالکل رضامند نہیں جیسا کہ پہلے رضامند نہ تھا" اس کا اس قدر لکھنا منسوخی ثالثی کے لئے کافی ہے پس ثالثی باطل محض ہوگئی اور یہ فیصلہ اصلًا قابل التفات نہیں۔

وجہ دوم: بالفرض اگر ثالثی باقی بھی رہتی تو ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعا علیہم میں ایک لڑکا خدابخش نابالغ بھی ہے اور جب کہ فیصلہ بحق مدعیان دیا گیا تو اس کا ضرر اسے بھی پہنچے گا اور ثالثوں کو کوئی اختیار نہیں کہ ایسا فیصلہ دیں جس کا اثر نابالغ پر پڑے۔ ردالمحتار میں جلد ۴ص ۵۴۲ میں ہے:

لایصح حکمه بما فیه ضرر علی الصغیر بخلاف القاضی[1]۔	نابالغ کے خلاف ضرر رساں فیصلہ حکم نہیں دے سکتا بخلاف قاضی کہ وہ ایسا کرسکتا ہے۔(ت)

اور وجہ اس کی ظاہر کہ ثالثی کا حاصل فریقین کا باہمی ایک صلح کرلینا ہے احمد شاہ کو کیا اختیار کہ ایسی صلح کرے جس سے اس کے نابالغ بھائی کو نقصان پہنچے۔ درمختار صفحہ ۳۵۳ میں ہے:

(التحکیم) صلح معنی فلا یصح تعلیقه ولا اضافته عند الثانی وعلیه الفتوی کمافی قضاء الخانیة[2]۔	تحکیم یعنی کسی کو ثالث بنانا معنًی صلح ہے لہٰذا اس کی تعلیق واضافت جائز نہیں، یہ امام ثانی یعنی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، جیسا کہ خانیہ کی قضا میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الدرر فانه تولیة صورة وصلح معنی اذلا یصار الیه الا بتراضیهما لقطع الخصومة بینهما[3]۔	درر میں فرمایا: یہ صورتًا تولیت ہے اور معنًا صلح ہے کیونکہ اس سے دونوں فریقوں کی رضامندی سے ان کے جھگڑے کو ختم کرنا مطلوب ہوتا ہے۔(ت)

وجہ سوم: ہم پہلے کہہ چکے ہیں اور خود فریقین نے تسلیم کیا کہ قانونی ورواجی باتیں سب بالائے طاق رکھی گئیں معاملہ صرف شریعت مطہرہ کے سپرد ہے اور یہی فرض تھا، اب شرع مطہر کا حکم سنئے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۸

ثالثی جب متعدد اشخاص کے سپرد کی جائے تو ان کا وہی حکم مسلم و قابل اعتبار ہوگا جو وہ سب باتفاق رائے فیصلہ کریں اور اختلاف پڑے تو ان میں کسی کا حکم قابل لحاظ نہیں ایسے مقامات میں کثرت رائے پر نظر نہیں ہو سکتی جہاں کوئی اختیار متعدد اشخاص کو سپرد کیا گیا ہو مثلاً چند شخصوں کو وکیل کیا تو ان سب کی رائے متفق ہونا ضرور ہے یا متعدد اشخاص کو اپنے مال کا وصی کیا تو جو تصرف ہوگا سب کی مجموعی رائے سے ہوسکے گا یا چند اشخاص کو وقف کا متولی کیا تو اس میں بھی بعض یا اکثر کی رائے سے کچھ نہ ہوسکے گا جب تک سب کی رائے متفق نہ ہو بعینہٖ یہی حالت ثالثوں کی ہے اور ان سب کی وجہ یہی ہے کہ اختیار دینے والا مجموع کی رائے پر راضی ہوا تھا نہ کہ بعض کی۔ اشباہ والنظائر صفحہ ۲۵۱ میں ہے:

الشیئ المفوض الی اثنین لایملکه احدهما کالو کیلین والوصیین والناظرین والقاضیین والحکمین [1]۔	جو چیز دو کو تفویض کی جائے ایک واحد مالک نہ ہوگا جیسا کہ دو وکیل، دو وصی، دو منتظم دو قاضی اور دو ثالث۔ (ت)

ہدایہ جلد دوم ص ۱۳۲ میں ہے:

اذاوکل وکیلین فلیس لاحدهما ان یتصرف فیما وکلا به دون الاٰخر وهذا فی تصرف یحتاج فیه الی الرأی کالبیع والخلع وغیر ذلك لان الموکل رضی برأیهما لابرأی احدهما [2]۔	جب کسی نے دو وکیل بنائے تو جس معاملہ میں دونوں وکیل ہیں، ایک وکیل دوسرے کے بغیر اس میں تصرف نہیں کرسکتا، یہ ان امور میں ہے جن میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بیع اور خلع وغیرہ، کیونکہ موکل دونوں کی رائے پر راضی ہے ایک کی رائے پر نہیں (ت)

اسی کے صفحہ ۵۶۷ میں ہے:

الولایة ثبتت بالتفویض فیراعی وصف التفویض وهو وصف الاجتماع اذهو شرط مفید [3]۔	ولایت تفویض سے ثابت ہوتی ہے لہٰذا تفویض کے وصف کی رعایت ضروری ہے اور یہ دونوں کی اجتماعی رائے کا وصف ہے (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶تا۱۸

[2] الھدایۃ کتاب الوکالۃ فصل فی تصرف الوکیلین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۹۱

[3] الھدایہ کتاب الوصایا باب الوصی وما یملکہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۹۰

اسی کے صفحہ ۹۲ میں ہے:

لو حکما رجلین لا بد من اجتماعھما لانه امر یحتاج فیه الی الرأی[1]۔	اگر دونوں فریقوں نے دو ثالث بنائے تو دونوں کی اجتماعی ثالثی ضرور ہے کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے۔(ت)

ان عبارات میں دو کا ذکر صرف تصویر مسئلہ ہے قید حکم نہیں کہ دلیل مذکور ہدایہ دو اور دس سب کو شامل ہے، لاجرم ادب الاوصیاء ہامش جامع الفصولین جلد دوم صفحہ ۳۴۵ میں ہے:

فی الخانیة وغیرہا ان حکم ھذا الفصل انه لایتمکن احد الوصیین اوالاوصیاء من التصرف بدون حضور رأی الباقی الافیما لابدمنه اولا یکون فیه مدخل للرأی وھو اشیاء معدودة[2] الخ۔	خانیہ وغیرہ میں ہے کہ اس معاملہ کا حکم یہ ہے کہ دو یا زیادہ وصی میں سے کسی ایک کو باقیوں کے بغیر تصرف کا حق نہیں مگر جب کوئی اہم مجبوری ہو یا معاملہ ایسا ہو جس میں مشورہ کی ضرورت نہ ہو جبکہ یہ چند امور ہی ہیں الخ۔(ت)

اسی کے صفحہ ۳۵۲ میں ہدایہ سے ہے:

اقر الوصیان بان معھما ثالثا یملك القاضی نصب الثلث معھما اعترافا بالعجز عن التصرف[3]۔	دو وصیوں نے اپنے ساتھ تیسرے وصی کا بھی اقرار کیا ہو تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی تیسرے کو ان کے ساتھ مقرر کرے کیونکہ ان دونوں نے تصرف سے اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے۔ (ت)

یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الشہادۃ صفحہ ۱۰۹ میں ہے:

ونصھا الوصیان اذا اقرا ان معھما ثالثا یملك القاضی نصب ثالث معھما لعجزھما عن التصرف باعترافھما[4]۔	اس کی عبارت یہ ہے دو وصیوں نے اقرار کیا کہ ان کے ساتھ تیسرا بھی ہے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ کسی تیسرے کو ان دونوں کے ساتھ مقرر کرے کیونکہ انہوں نے خود اپنے اعتراف سے تصرف سے عجز ظاہر کیا ہے۔(ت)

[1] الھدایة کتاب القضاۃ باب التحکیم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۴۴

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی تعدد الاوصیاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۴۵

[3] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی تعدد الاوصیاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۵۳

[4] الھدایة کتاب الشھادات باب من یقبل شھادته ومن لایقبل مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۶۴

عنایہ ہامش الفتح ج ۶ ص ۴۶ میں ہے:

شهادتهما بثالث معهما اعتراف بعجزهما عن التصرف لعدم استقلالهما به[1]۔	اپنے ساتھ تیسرے کے بارے میں ان کی شہادت اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ تصرف میں عاجز ہیں کیونکہ وہ اس میں استقلال نہیں رکھتے۔(ت)

فتح القدیر جلد مذکور صفحہ ۷۴ میں ہے:

وصیاالمیت لما شهدابالثالث فقد اعترفا بعجز شرعی منهما عن التصرف الاان یکون هو معهما[2]۔	میت کے دو وصی ہیں انہوں نے جب اعتراف کیا کہ ہمارے ساتھ تیسرا ہے تو انہوں نے اپنے شرعی عجز کا اظہار کردیا کہ تیسرے کے بغیر ہم تصرف نہیں کرسکتے۔(ت)

نیز اشباہ صفحہ ۱۴۸ میں ہے:

ماثبت لجماعة فهو بینهم علی سبیل الاشتراك الا فی مسائل[3]۔ الٰی اٰخرہ وعد ثلثالیس هذہ منها۔	جو امر جماعت کے لئے ثابت ہو تو وہ پوری جماعت اس میں شریک ہوگی ماسوائے چند مسائل کے جن کا عدد تین ہے یہ مسئلہ ان میں سے نہیں۔(ت)

تو یہاں کہ اختلاف رائے واقع ہوا ثالثوں میں کسی کا فیصلہ معتبر نہ رہا۔

وجہ چہارم: اگر یہ وجوہ کچھ بھی نہ ہوتے تو فیصلہ خود اصول شرعی کے بالکل خلاف ہوا ہے روئداد مسل اثبات نسب اللہ بخش والٰہی بخش میں شرعًا محض ناکافی ہے ثالثوں نے اسکے لئے سات چیزوں سے استناد کیا چھ ثبوت تحریری یعنی کاغذات نمبر ۱، ۲، ۳، ۵، ۹، ۱۱ جن کا خلاصہ سوال میں گزرا اور ساتواں ثبوت زبانی یعنی شہادات مگر بہت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک بھی میزان شرع پر کامل وکافی نہیں۔

کاغذ اول رپورٹ پٹواری

(۱) فتوائے ثالثان کا بیان کہ "پٹواری کے سامنے سراج الدین وبدرالدین نے مدعیان کو اپنے بھائی

---

[1] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب الشهادات باب من یقبل شهادته ومن لایقبل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹۳

[2] فتح القدیر کتاب الشهادات باب من یقبل شهادته ومن لایقبل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب النکاح ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۴۴

لکھوائے ہیں" سخت عجب ہے اولاً وہ اگر ہے تو صرف بدرالدین کا بیان جس میں اظہار سراج الدین کا نام نہ نشان۔

(۲) اس کے کس لفظ کس حرف میں بدرالدین نے اللہ بخش والٰہی بخش کو اپنا بھائی کہا اس نے تو صاف اس کے خلاف یہ بیان کیا کہ وہ دونوں قبل از نکاح پیدا ہوئے ہیں اس سے اتنا بھی نہ کھلا کہ نطفہ پیر صدرالدین سے پیدا ہوئے۔ کنچنیان جو بلا نکاح رکھی جاتی ہیں مقید نہیں ہوتیں کیا خبر ان کی اولاد کس سے ہے، نہ ہر گز اس بیان میں پیر بدرالدین نے معاذاللہ صراحۃً اپنے باپ کو زنا کی طرف نسبت کیا کنچنی کو لے کر چلا جانا گانا ناچ دیکھنے سننے کے لئے بھی ہو سکتا ہے کچھ زنا ہی ضرور نہیں، اور بفرض غلط اگر بدرالدین کی یہی مراد مانی جائے تو بھی ان کے بھائی ہونے کا اقرار کہاں ہوا، ایسی اولاد بے نکاح کو شرع اس صاحب نطفہ کی اولاد کب مانتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر[1]۔	بچہ اس کا جس کا نکاح ہے اور زانی کیلئے پتھر۔

(۳) بالفرض اس میں اگر سراج الدین کا بھی نام ہوتا اور بھائی ماننے کی صریح تصریح بھی کیا حجت ہو سکتا ہے کہ یہ نہ سراج الدین کا بیان ہے نہ بدرالدین کا، بلکہ ایک پٹواری کا قول ہے کہ انہوں نے ایسا بیان کیا جس کی عدالت بھی معلوم نہیں، کیا شرع میں کسی کا اقرار ایک شخص واحد مجہول العدالۃ کے بیان سے ثابت ہو سکتا ہے' ہر گز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے میں سے دو عادل گواہ بناؤ۔ (ت)

پٹواریوں کی سیکڑوں رپورٹیں اپنے تھوڑے سے فائدے کے لئے خلاف واقع گزرا کرتی ہیں ہر شخص جسے زمین داری سے تعلق رہا ہے اسے اپنے تجربے سے جانتا ہے میں نہیں کہتا کہ عنایت اللہ نے ایسا کیا مگر تحسین ظن اور چیز ہے اور حجت شرعیہ دوسری چیز۔

کاغذ دوم رواج عام

(۴) رواج کی نسبت ثالثوں کا فرمانا کہ اس میں مدعیوں کو پیر صدرالدین نے وارث لکھا ہے

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع وکتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۶ و ۳۸۳، مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دار الفکر و بیروت ۱/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

بہت سخت عجب ہے رواج عام کی عبارت سامنے موجود ہے اس میں نہ مدعیوں کا نام ہے نہ مدعیوں کی ماں کا نام صرف اس قدر ہے کہ "صدر الدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کرلیا ہے اولاد اس کی بعد وفات صاحب جائداد کے مالک ہوگی" اس سے کیا ثابت ہوا کہ کون عورت اور کس کی اولاد یہ اقرار اگر ہے تو محض مجہول کے لئے ہے جس کی جہالت سخت فاحشہ ہے بیوہ عورت قوم پیرنی لاکھوں ہیں اور ایسے مجہول کے لئے اقرار بالاتفاق باطل ہے۔ ہدایہ جلد دوم صفحہ ۱۶۵ میں ہے:

جهالة المقربه لایمنع صحة الاقرار لان الحق قدیلزمه مجهولا بان اتلف مالایدری قیمته بخلاف الجهالة فی المقرله لان المجهول لایصح مستحقا[1]۔	جس چیز کا اقرار کیا جائے وہ مجہول ہو تو مانع اقرار نہیں کیونکہ حق مجہول ہوتے ہوئے بھی لازم ہو جاتا ہے یوں کہ اقرار کیا کہ چیز تلف کی ہے جس کی قیمت معلوم نہیں۔ بخلاف مقرلہ یعنی جس کے حق میں اقرار کیا ہو کیونکہ مجہول شخص مستحق نہیں بن سکتا۔ (ت)

بحر الرائق جلد ہفتم ص ۲۷۲ میں ہے:

جهالة المقر له مانعة من صحته ان تفاحشت کل واحد من الناس علی کذا[2]۔	مقرلہ کی جہالت فاحشہ اقرار کی صحت کے لئے مانع ہے اس میں تمام لوگ شامل ہیں۔ (ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد پنجم ص ۴ میں ہے:

لوکان المقربه مجهولا لایمنع صحة الاقرار بخلاف الجهالة فی المقرله سواء تفاحشت اولا لان المجهول لایصلح مستحقا هکذا ذکر شمس الائمة وذکر شیخ الاسلام فی مبسوطه والناطفی فی واقعاته انها اذا تفاحشت لایجوز وان لم تتفاحش جاز[3]۔	اگر مقربہ یعنی جس چیز کا اقرار ہو، مجہول ہو تو وہ اقرار کی صحت کے لئے مانع نہیں۔ بخلاف مقرلہ کے خواہ یہ جہالت وسیع ہو یا نہ ہو کیونکہ مجہول شخص مستحق نہیں ہو سکتا، شمس الائمہ نے یوں ذکر کیا ہے جبکہ شیخ الاسلام نے اپنی مبسوط میں اور ناطفی نے اپنی واقعات میں فرمایا کہ اگر جہالت فحش ہو تو مانع ہے اور یہ جہالت کھلی نہ ہو تو اقرار جائز ہے۔ (ت)

[1] الہدایہ کتاب الاقرار مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۳۰

[2] بحر الرائق کتاب الاقرار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۵۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الاقرار المطبعة الکبری الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۴

اسی طرح فتاوٰی عالمگیریہ جلد چہارم ص ۵۹ میں ہے: اشباہ والنظائر صفحہ ۲۵۴ میں ہے الاقرار للمجهول باطل[1] الخ (مجہول شخص کے لئے اقرار باطل ہے الخ۔ت) اس پر ثالث چہارم یعنی مولوی عطا محمد صاحب نے جو یہ خیال کیا کہ " گو اس میں نام اللہ بخش والٰہی بخش نہیں ہے لیکن چونکہ اولاد بحسب الظاہر رنگ بھری وصدر الدین کی بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں، لہٰذا ضرورۃ یہی تصور کئے جائیں گے، میں اس کے لئے بھی شرع میں کوئی اصل نہیں پاتا، **اولًا:** کیا اگر کوئی اقرار کرے کہ ایک شخص ساکن ہندوستان کے ہزار روپے مجھ پر قرض آتے ہیں توجو کوئی ہندوستانی اس پر دعویدار ہو کر کھڑا ہوگا ہم باور کرلیں گے کہ وہ یہی ہے جسکی نسبت اقرار کیا تھا نہیں بلکہ ضرور اسے ثبوت دینا ہوگا اس قدر شدید جہالت درکنار زید اگر کہے خالد کے مجھ پر سو روپے آتے ہیں پھر خالد نامی ایک شخص مدعی ہو کہ میں خالد ہوں میرے روپے آتے ہیں ہرگز اس قدر سے ثبوت دعوی نہ ہوگا اور مقر کا اس کے حق میں انکار کرنا حلف کے ساتھ مان لیا جائے گا۔ وجیز امام کردری پھر ردالمحتار میں جلد دوم صفحہ ۵۵۷ میں ہے:

اذا اقر بمال لمسمی فادعی رجل انه هو وانکر یصدق بالحلف ماله علی هذا المال[2]۔	جب ایک نے کسی مسمّٰی شخص کے حق میں مال کا اقرار کیا اور دوسرے نے دعوی کیا وہ مسمٰی میں ہوں لیکن اقرار کرنے والا اس کا انکار کرتا ہے تو انکار کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی مدعی کا اس پر یہ مال نہیں ہے۔(ت)

توجب صراحۃً نام لے دینے سے بھی ثبوت نہ ہوگیا کہ ایک نام کے ہزاروں ہوتے ہیں تو اتنی سخت مجہول بات کہ بیوہ پیرنی کیا مفید ثبوت ہوسکتی ہے اگر کہئے یہاں ثبوت کا پتہ یوں چلتا ہے کہ آخر رنگ بھری سے پیر صدر الدین نے نکاح کیا ہے اور وہ قوم کی پیرنی ہے یوں ہم نے سمجھ لیا وہ عورت یہی ہے، ہم کہیں گے کیا ثبوت ہے کہ تحریر رواج عام کے وقت رنگ بھری نکاح صدر الدین میں تھی اور ہو بھی تو غایت درجہ ایک قرینہ ہے جسے مفتی نے خود ظاہر کیا اور ہدایہ وغیرہ تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ:

الظاہر یصلح حجۃ للدفع	ظاہر حال دفاع کی دلیل ہوسکتا ہے۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

[2] ردالمحتار

لاللاستحقاق [1]۔	استحقاق کی نہیں۔(ت)

یعنی ظاہر سے سند لانا مدعا علیہ کو مفید ہوسکتا ہے مدعی کو اصلاً مفید نہیں اور یہاں اللہ بخش والٰہی بخش مدعی ہیں تو ظاہر انہیں کیا بکار آمد ہوسکتا ہے اگر کہئے رواج عام کی تاریخ ۱۸۷۲ء اور نکاح کی تاریخ ۱۲۸۶ھ کہ مولوی نورالدین نکاح خوان نے اپنی تحریر میں لکھائی دونوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت تحریر رواج رنگ بھری نکاح پیر صدرالدین میں تھی تو اس کا جواب عنقریب آتا ہے کہ تحریر مولوی نورالدین اصلاً شہادت میں لئے جانے کے قابل نہیں نہ اس پر کوئی التفات ہوسکتا ہے اور یہ امر خود مفتی موصوف کو بھی مسلم ہے۔

(۵) ثانیاً: رواج عام کی عبارت تو یہ کہہ رہی ہے کہ وہ عورت جس کی نسبت اقرار تھا رنگ بھری نہ تھی کوئی اور تھی اس میں عورت کو بیوہ لکھا ہے اور بیوہ وہ جس کا شوہر مر گیا ہو، رنگ بھری کنچنی تھی پیر صدرالدین سے نکاح کے ہونے تک اسی اپنے پیشہ ناجائز میں تھی ایسی عورت کو بیوہ نہیں کہتے۔ حسن اتفاق سے ۱۵/ شعبان معظم ۲۷ سنہ روز چہار شنبہ کو فریق دوم شیخ اللہ بخش بھی منچین آباد سے ہمارے پاس آئے ہم نے اس خیال پر کہ شاید اہل پنجاب میں بیوہ کا کوئی اور محاورہ ہو فریق اول ان کے ہمراہی سے پہلے ہی دریافت کرلیا تھا مزید اطمینان کے لئے ان فریق دوم سے بھی استفسار کیا انہوں نے بھی جواب دیا کہ بیوہ اسی کو کہتے ہیں جس کا پہلا خاوند مر گیا ہو، ہم نے پوچھا تمہاری والدہ کا پیر صدرالدین سے پہلے کسی اور شخص سے نکاح ہوا تھا، کہا کوئی نہیں، تو صاف ظاہر ہوا کہ رواج عام کی تحریر رنگ بھری سے متعلق نہیں، اس کا جواب فریق دوم کو کچھ بن نہ آیا مگر احمد شاہ فریق اول کی طرف اشارہ کرکے کہا یہی بتادے کہ پیر صدرالدین نے اور کسی عورت سے نکاح کیا تھا، اس کا جواب ان کو دے دیا گیا کہ تم مدعی ہو تمہاری دلیل کی تصحیح تمہارے ذمہ ہے مدعا علیہ پر اس کا کوئی بار ثبوت نہیں، ہو گئی کوئی عورت بیوہ جس سے پیر صدرالدین نے نکاح کیا اور لاولد مر گئی ہو۔

(۶) فرض کیجئے کہ رواج عام میں رنگ بھری کا صاف نام اور پورا پتہ لکھا ہوتا پھر بھی کیا کام آتا، یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا تھا کہ رنگ بھری کی جو اولاد ہو مطلقاً پیر صدرالدین کی وارث ہوگی اگرچہ نطفہ پیر صدرالدین سے نہ ہو، آخر رنگ بھری کا بیٹا اللہ دتا بھی تو ہے اسے کیوں نہیں وارث

---

[1] الہدایہ کتاب القضاء فصل فی القضاء بالمواریث مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷، ردالمحتار باب القسامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۰۵

ٹھہراتے، تو بالضرورۃ مطلب یہ ہے کہ رنگ بھری کی جو اولاد نطفہ پیر صدر الدین سے ہو وہ پیر موصوف کی وارث ہو گی، اب یہ بیان ایک شرطیہ کی حیثیت میں آگیا جس سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ پیر صدر الدین کے رنگ بھری سے کوئی اولاد ہے بھی یا نہیں، اگر فرض کیجئے کہ رنگ بھری کے بچہ سرے سے ہوتا ہی نہیں جب بھی واجب العرض میں یہ لکھا سکتے تھے کہ نطفہ پیر صدر الدین سے اس کی اولاد پیر موصوف کی وارث ہو گی جس کا مطلب وہی ہوتا ہے کہ اگر ہو، اور اس میں سر یہ ہے کہ رواج عام وواجب العرض ایک قاعدہ و قانون وضع کرنا ہوتا ہے جس پر آئندہ جزئیات کی بنا ہو جیسا کہ خود صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۱۲ میں فرمایا کہ "یہ ایک رواج عام مثال قرار دی گئی جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کا مدار ہے" اور ظاہر ہے کہ ایسی عام باتیں حکم شرطیہ میں ہوتی ہیں یعنی ایسا ہو تو یہ ہوگا نہ کہ کسی واقعہ کی خبر دینا کہ ایسا ہوگیا مثلاً درمختار جلد سوم صفحہ ۴۶۲ میں ہے:

مایکون کفراا تفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولادزنا[1]۔	یعنی جو بات بالاتفاق کفر ہے وہ اعمال و نکاح سب کو باطل کر دیتی ہے اور اس کی اولاد والد الزنا ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ جس سے کلمہ کفر صادر ہو خواہی نخواہی اس کے لئے کوئی منکوحہ واولاد ہے بلکہ وہی مطلب ہے کہ اگر اس کے کوئی منکوحہ ہو تو نکاح جاتا رہے گا اگر اس سے بعد اس سے اولاد ہو گی تو ولد الزنا ہو گی بعینہٖ یہاں بھی یہی معنی ہیں۔ نظیر کے لئے بیان واقعہ تو وہ کہ پیر صدر الدین نے ایسی عورت سے نکاح کر لیا ہے پھر وہی قانونی حکم پر تفریع ہے کہ پیر صدر الدین سے اگر اس کے اولاد ہوئی تو وارث ہو گی ظاہر ہے کہ اس قدر محصل رواج تسلیم کرنے بھی کچھ ثابت نہ ہوا کہ اللہ بخش والٰہی بخش کس کے نطفہ سے ہیں، عبارت رواج عام بر تقدیر تصریح نام بھی اتنا بتاتی کہ اولاد رنگ بھری جو نطفہ پیر صدر الدین سے وارث ہو گی یہ کس نے بتایا کہ یہ دونوں نطفہ پیر صدر الدین سے ہیں تو تحریر رواج عام سے استناد محض بے معنی ہے۔

(۷) یہاں سخت استعجاب اس کا ہے کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۱۲ میں عبارت رواج عام سے ایک فقرہ یہ نقل ہوا ہے کہ "اس کی اولاد نرینہ موجود ہے" اور یہی فقرہ لطافت علی صاحب تحصیلدار انگریزی کے فیصلہ میں ہے ہمارے سامنے رواج عام کی دو نقلیں باضابطہ موجود ہیں ایک ضلع منٹگمری سے

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

آئی ہوئی اور دوسری ریاست سے لیکن دونوں میں اس فقرے کا اصلاً پتہ نہیں اب اصل عبارت رواج عام اگر فی الواقع اس فقرے سے خالی ہے جب تو امر ظاہر ہے ورنہ اس کا ہونا ان وجوہ کا سبب جو اوپر گزریں اور آئندہ آتی ہیں ثبوت نسب مدعیان میں تو بکار آمد نہیں مگر ایسی تحریرات کے نامعتبر وساقط ہونے کے لیے جس کی بحث ہم ابھی کیا چاہتے ہیں ایک کافی نظیر قابل یادداشت ہے۔

(۸) یہ سب اس وقت ہے کہ وہ نقل جو مدعیوں نے پیش کی شرعاً سند میں لے لینے کے قابل فرض کرلی جائے ورنہ در حقیقت وہ محض لاشیئ ہے، مولوی عطا محمد صاحب کا اس پر اعتراض بہت ٹھیک ہے فی الواقع محاضرہ سجلات جہاں قابل اعتبار ہوتے بھی ہیں تو اسی قدر کہ حاکم مجوزا پنے دفتر پر جو اس کے حفظ میں اس کے مہر ونشان کے ساتھ زیر نگہبانی ہے اعتماد کرسکتا ہے مدعی مدعا علیہ جو کاغذ پیش کریں بے شہادت مقبولہ شرعیہ اصلاً قابل التفات نہیں، ردالمحتار جلد ۴ ص ۸۷ ۴ میں ہے:

الدیوان وضع لیکون حجۃ عند الحاجۃ فیجعل فی ید من لہ ولایۃ القضاء وما فی ید الخصم لایؤمن علیہ التغییر بزیادۃ او نقصان[1]۔	کاغذی ریکارڈ حاجت کے وقت دلیل بنانے کے لئے تیار کیا جاتا ہے اس لئے ایسے شخص کے قبضہ میں ہونا چاہئے جو قضاء کی ولایت والا ہو اور جو مخالف فریق کے قبضہ میں ہو وہ کمی بیشی سے محفوظ نہیں۔(ت)

نیز صفحہ مذکورہ میں ہے:

قال ابو العباس یجوز الرجوع فی الحکم الٰی دواوین من کان قبلہ من الامناء اھ ای لان سجل القاضی لایزور عادۃ حیث کان محفوظا عند الامناء، بخلاف ماکان بید الخصم[2]۔	ابو العباس نے فرمایا: سابق امین لوگوں کے ریکارڈ کی طرف کسی حکم میں رجوع کیا جاسکتا ہے اھ، یعنی اس لئے کہ قاضی کا دفتری ریکارڈ جعل سازی سے عادتاً محفوظ ہے جب وہ امین لوگوں کے پاس محفوظ ہو بخلاف جب وہ مخالف فریق کے قبضہ میں ہو۔(ت)

اسی کی جلد مذکور صفحہ ۵۴۹ میں ہے:

ویجب تقییدہ ایضا بما اذا کان	یہ قید بھی ضروری ہے کہ جب وہ ریکارڈ قاضی کے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

دفترہ محفوظاً عندہ فلو کانت کتابتہ فیما علیہ فی دفتر خصمہ فالظاہر انہ لایعمل بہ خلاف لما بحثہ ط لان الخط مما یزور وکذا لوکان لہ کاتب والدفاتر عند الکاتب لاحتمال کون الکاتب کتب ذٰلک علیہ بلا علمہ[1]۔	پاس محفوظ ہو، تو اگر ایک کے خلاف تحریر ریکارڈ اس کے مخالف کے پاس ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس پر عمل نہ ہوگا۔ طحطاوی کی بحث اس کے خلاف ہے کیونکہ خط میں جعلسازی ہوسکتی ہے اور یوں ہی اگر قاضی کا کاتب ہو اور ریکارڈ کاتب کے پاس ہو تو احتمال ہے کہ کاتب نے قاضی کے علم کے بغیر دوسرے کے خلاف لکھ دیا ہو۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۷ میں ہے:

والخط یعتمد علیہ ولا یعمل بہ ولا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضیین لان القاضی لایقضی الابحجۃ وھی البینۃ والاقرار و النکول کمافی الاقرار الخانیۃ[2]۔	خط پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے اور گزشتہ قاضیوں کے خط سے لکھا ہوا وقف نامہ قابل عمل نہیں کیونکہ فیصلہ حجت کی بناء پر ہی قاضی کرسکتا ہے اور شرعی حجت صرف گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کی بحث اقرار میں ہے (ت)

بعینہٖ اسی طرح اشباہ والنظائر صفحہ ۲۰۵ میں ہے، ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۴ میں ہے:

انما الخلاف فیما اذاوجد القاضی شہادتہ فی دیوانہ او قضیتہ لان مایکون فی قنطرۃ فھو تحت ختمہ ویومن علیہ من الزیادۃ والنقصان فحصل لہ العلم بذلک، ولاکذٰلک الشہادۃ فی الصك لانہ فی ید غیرہ[3]۔	اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ جب قاضی ریکارڈ یا فیصلہ میں کسی شہادت کو پائے اور اگر ریکارڈ قاضی کے خاص مہر والے بکس میں ہو تو کمی بیشی سے محفوظ سمجھا جائے گا تو اس سے قاضی کو علم ہوجائیگا، کسی کاغذ پر لکھی ہوئی شہادت کا معاملہ ایسا نہیں کیونکہ وہ غیر کے تصرف میں ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۴

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب القضاء باب التحکم دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹

[3] الھدایۃ کتاب الشہادات فصل مایتحملہ الشاہد علی ضربین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

اسی طرح ردالمحتار جلد ۴ ص ۵۸۰ میں ہے۔ فتح القدیر جلد ۵ ص ۱۹ میں ہے:

انی اری انه اذاکان محفوظا ما مونا علیه من التغیر کان یکون تحت ختمه فی خریطته المحفوظة عنده ان یترجح العمل بها بخلاف ما اذاکان عند غیرہ لان الخط یشبه الخط[1]۔	میری رائے ہے کہ یہ جب محفوظ اور تغیر سے اطمینان ہو کہ اس کے پاس محفوظ بیگ مہر زدہ میں ہو تو اس پر عمل کو ترجیح ہے بخلاف جبکہ وہ غیر کے پاس ہو، کیونکہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہو سکتا ہے (ت)

(۹) یہیں سے ظاہر ہوا کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۲۵ میں جو اس کاغذ کے اعتبار پر قول شیخ ابوالعباس سے استناد کیا بجائے خود نہیں شیخ ابوالعباس کے کلام میں کلرکوں یعنی کاتبوں محرروں کا ذکر نہیں بلکہ امناء فرمایا ہے اور اس سے مراد قضاۃ ہیں جس پر قبلہ کا لفظ دال ہے یعنی قاضی اپنے سے پہلے امناء کے دفتروں پر عمل کر سکتا ہے جب کہ وہ ان کے پاس محفوظ رہا ہو، ولہٰذا درمختار میں اس کے بعد خیریہ سے نقل کیا:

ان کان للوقف کتاب فی سجل القضاة وهو فی ایدیهم اتبع ما فیه استحسانا[2]۔	جب وقف کی کتاب قاضی کے ریکارڈ میں ہو اور اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہو تو استحساناً اس کے مندرجات کی اتباع کی جائیگی (ت)

اور اگر امین سے عام بھی مراد ہو تو دفاتر زمانہ کچھ امنائے شرعیہ ہی کے ہاتھ میں محفوظ نہیں رہتے بلکہ محافظ دفتر وغیرہم اکثر نا مسلم بھی ہوتے ہیں جو شرعاً کسی طرح امین نہیں ہو سکتے، نہ ان کی حفاظت پر اعتماد، نہ ان کے قول یا فعل پر اعتبار، یہی حالت نقل نویسوں اور قاریوں اور سامعون کی ہے اور جو کوئی کچہریوں کی کارروائی سے آگاہ ہے وہ ایسے کاغذات پر دستخط حکام کی بھی حقیقت جانتا ہے، کارکن لوگ عام ازیں کہ مسلم ہوں یا کافر، ثقہ ہوں یا فاسق، انہوں نے کام کیا اور کاغذات کا ایک انبار حاکموں کے سامنے دستخطوں کے لئے رکھ دیا، حاکم کو ایک اجمالی حالت کے سوا تفصیل پر بھی پوری اطلاع نہیں ہوتی، نہ کہ نقول کے ایک ایک حرف کا خود مقابلہ کرنا یہ تو قطعاً نہیں ہوتا، نہ وہ ایسے متفرقات کی طرف توجہ کی فرصت پا سکتے ہیں پھر دستخط حاکم ہونے نے کیا فائدہ دیا، اب یہیں دیکھئے

[1] فتح القدیر کتاب الشهادات فصل فی کیفیة الاداء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۶۵

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

صاحب افسر مال عبارت رواج عام سے یہ فقرہ نقل کرتے ہیں کہ "اس کی اولاد نرینہ موجود ہے" اور ہمارے سامنے دو نقلیں باضابطہ حاضر ہیں، ایک میں بھی ان لفظوں کا پتہ نہیں تو معلوم ہوا کہ نقول میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور وہ صالح اعتماد نہیں۔

(۱۰) علامہ شامی نے جہاں شیخ ابو العباس کا یہ کلام نقل کیا اس کے متصل ہی یہ افادہ فرمایا کہ دفتر جب بروجہ کامل زیر نگہداشت حاکم محفوظ ہو اس کا اعتبار بھی صرف بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ مدید گزر چکا، شاہدوں کا انتقال ہو گیا، تازہ معاملہ ان میں داخل نہیں، وہ شرع کی اسی اصل کلی کے نیچے ہے کہ "**لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ**" (خط پر اعتماد اور عمل نہ کیا جائیگا۔ (ت) نرے کاغذ پر نہ اعتماد ہو نہ اس پر اعتماد ہو سکے، عبارت شیخ ابو العباس کے متصل کلام فتاوٰی خیریہ جو ابھی ہم نے ذکر کیا نقل کرکے فرماتے ہیں:

والظاھر ان وجہ الاستحسان ضرورۃ احیاء الاوقاف ونحوھا عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجدید لامکان الوقوف علی حقیقۃ مافیہ باقرار الخصم او البینۃ فلذا لایعتمد علیہ[1]۔	استحسان کی وجہ ظاہری طور پر یہ ہے کہ قدیم اوقاف اور اس جیسے امور کو زندہ رکھنے کے لئے ضرورت ہے۔ برخلاف جدید ریکارڈ کے کہ اس میں حقیقت پر اطلاع فریق کے اقرار یا گواہی سے ممکن ہے اس لئے اس پر اعتماد نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

(۱۱) صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۲۵ میں ایسے کاغذات کو کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے مان کر معتبر ٹھہرانا چاہاہے، یہ فقرہ بہت قابل قدر ہے، ہم بخوبی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے کاغذات جو کچہریوں سے آئیں کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے ٹھہرائے جائیں مگر اب یہ دیکھنا رہا کہ کتاب القاضی القاضی کن شرائط سے مقبول ہو سکتی ہے، تمام کتب میں تصریح ہے کہ اس کا قبول صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے مثلاً کوئی شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سنادے یا اس کا مضمون بتادے او خط بند کرکے ان کے سامنے سر بمہر کردے، اور اول یہ کہ اس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچہ پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اسے یاد کرتے رہیں یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سر بمہر خط اس قاضی کے حوالے کریں یہ زیادہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ خیر اسی قدر کافی ہے کہ دو ۲ مردوں یا ایک مرد دو ۲ عورتوں عادل کے خط سپرد کرکے گواہ کرلے اور وہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وہ خط اسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور محکمہ قضا کی مہر بھی لگی ہو اور اس کے سوا اور شرائط بھی ہیں کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الصوم میں ذکر کیں۔ درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی وان لم یحکم کتب الشهادة لیحکم المکتوب الیه بها علی رأیه وقرأ الکتاب علیهم اواعلمهم بما فیه وختم عندهم وسلم الیهم بعد کتابة عنوانه وهوان یکتب فیه اسمه واسم المکتوب الیه وشهرتهما واکتفی الثانی بان یشهد هم انه کتابه و علیه الفتوی ولا یقبل کتاب من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام [1] (ملخصًا)۔	ایک قاضی اپنے فیصلہ کو نفاذ کیلئے دوسرے قاضی کی طرف بھیجے گا، اور فیصلہ نہ کیا ہو تو شہاد لکھ بھیجے گا تاکہ مکتوب الیہ قاضی شہادت پر اپنی رائے سے فیصلہ دے، بھیجتے وقت قاضی گواہوں کو خط سنائے گا یا اس کا مضمون بتاکر مہر لگائے گا، عنوان اور پتہ لکھ کر گواہوں کے سپرد کردے گا، چٹھی میں اپنا او مکتوب الیہ قاضی کا نام اور گواہوں کی شہادت قلمبند کرے گا جبکہ دوسرا (مکتوب الیہ) قاضی گواہوں سے شہادت لینے پر اکتفاء کرے گا کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے فتوی اسی پر ہے صرف باقاعدہ سرکاری قاضی کی چٹھی قبول ہوگی ثالث کی چٹھی قبول نہ ہوگی (ملخصا)۔ (ت)

درر وغرر میں ہے:

لایقلبه ایضاً الابشهادة رجلین اورجل وامرأتین لان الکتاب	مکتوب الیہ قاضی چٹھی کو دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر قبول نہ کرے گا

[1] درمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۴۔۸۳

قد یزور اذ الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم فلا یثبت الابحجۃ تامۃ[1]۔	کیونکہ چٹھی میں جعل سازی ہو سکتی ہے بوجہ اس کے کہ خط خط کے اور مہر مہر کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا چٹھی کامل شہادت کے بغیر پایہ ثبوت کو نہ پہنچے گی۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہ کاغذات اصلاً ان شرائط پر نہیں آتے توان کا رد واجب ہوا اور ان کا قبول کرنا محض خلاف شریعت، نمبر ۱ کاغذات کے متعلق یہ بیان ہم نے ان چار نمبروں میں کئے ان تمام کاغذات کے رد کو کافی ووافی ہیں جن سے ثالثوں نے استناد کیا ہے لہٰذا ہمیں آئندہ کاغذات کے متعلق زیادہ بحث کی ضرورت نہ ہوگی ان چار نمبروں کے بیانات سمجھ لینے والا بے تکلف جان سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کاغذ اس پیمانے پر نہیں جو شریعت مطہرہ میں درکار ہے تو وہ کاغذ بادی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کی طرف کے جو کاغذ ہیں انہیں کی یہ حالت ہے بلکہ فریقین کے کاغذی ثبوت کی یہی کیفیت ہے کہ شریعت مطہرہ کے دربار میں وہ ایک کاغذی ناؤ سے زیادہ نہیں، ہم اگر اپنے بیان میں کسی کاغذ سے استناد کریں گے تو وہ الزاماً ہوگا نہ کہ تحقیقاً۔

(۱۲) مجھے رواج عام کی نسبت زیادہ تحریر کی ضرورت نہیں البتہ صرف افسر مال کے اس فقرہ نمبر ۱۲ کے متعلق کہ "اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ کل مالکان کی موجودگی میں یہ واقعہ قلمبند ہوا اور اللہ بخش والٰہی بخش کا صحیح النسب ہونا امر محقق تھا اور کسی کو شک وشبہ نہیں تھا یہاں تک کہ یہ ایک رواج عام مثال قرار دئے گئے جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کا مدار ہے، لطافت علی صاحب تحصیلدار کی ایک تحقیقات کا بیان کردینا مناسب ہے وہ اپنے فیصلہ ۷/۱۲ ستمبر ۱۹۲۱ء فقسر پنجم میں لکھتے ہیں کہ عام تحقیقات اور موقع سے ظاہر ہے کہ بدرالدین کو خصوصاً اور اقوام چشتی گردونواح کو عموماً بلحاظ اپنی شرافت کے یہ امر نہایت ناگوار ہے کہ پیرنی زادگان یعنی عذر داران کو جائداد میں حصہ دیا جائے"۔اس تحقیقات کو بیان موصوف صاحب افسر مال سے ملا کر دیکھنا اس خیال کی ایک واضح راہ دیتا ہے کہ مدعیان وہ نہیں جن کی نسبت معززان قوم حصہ دار ہونے پر راضی ہوچکے اور خاندان کے لئے اسے ایک نظیر بناچکے یہ وہی معززان قوم تو ہیں جن میں ان کو حصہ دئے جانے پر عام ناراضی ہے تو ضرور ہے کہ وہ مدعیان کو صرف پیرنی زادہ سمجھتے تھے نہ کہ پیرزادہ، اور رواج عام میں اس اولاد پیرنی کی نسبت رضامندی دی گئی ہے جو پیرزادہ یعنی نطفہ پیر صدرالدین سے ہو۔

---

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب القضاء باب کتاب القاضی میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۴

(۱۳) احمد شاہ کااس کتاب پر اعتراض نہ کرنا جس سے صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۲۵ میں استناد کیا ہے بالبداہۃ اس بناء پر نہیں کہ وہ اپنے علم ویقین سے جانتا ہے کہ پیر صدر الدین نے یہ تحریر لکھی یااس پر مہر کی وہ تحریر احمد شاہ کی ولادت سے بھی پہلے کی ہے اس کاسکوت اس عام غلطی کی بناء پر ہے جو آج کل لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے کہ ایسے کاغذات کو جو کچہریوں سے بے شرائط کتاب القاضی الی القاضی آتے ہیں رواجًا و قانونًا مستند سمجھے جاتے ہیں اس کے ذہن میں بھی وہی رواج قانون تھا یہ شرعی مسئلہ کہ فتوٰی دینے والے عالموں اور فیصلہ کرنے والے حاکموں پر بھی مخفی رہا، احمد شاہ اسے کیونکر جان سکتا تھا بلکہ اگر اسے معلوم بھی ہوتا جب بھی وہ کچہری میں ایسے اعتراض کا موقع نہ پاتا کہ قانونی بات کی مخالفت پر کیونکر کھڑا ہو سکتا تھا اب کہ بالاتفاق فریقین تمام رواجی و قانونی باتیں ترک کردی گئیں اور معاملہ شریعت مطہرہ کے سپرد ہوا وہ مبنی جس کی بناء پر احمد شاہ معترض نہ ہوا تھا زائل و باطل ہو گیا یہ تو اعتراض سے اس کاسکوت ہے اگر وہ اسی عام غلط فہمی پر بنا کرکے اس کاغذ کے مستند ہونے کی تصریح بھی کردیتا جب بھی وہ اقرار کہ بنائے باطل پر مبنی تھا شرعًا باطل ہوتا، جامع الفصولین واشباہ والنظائر صفحہ ۱۱۹ میں ہے:

اقر بالطلاق بناء علی ما افتی بہ المفتی ثم تبین عدم الوقوع فانہ لایقع[1]۔	کسی شخص نے مفتی کے فتوٰی کی بناء پر طلاق کا اقرار کیا پھر واضح ہوا کہ طلاق کا وقوع نہیں ہوا تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ (ت)

یہ بحث یاد رکھنے کی ہے کہ اور کاغذات کی نسبت بھی اگر احمد شاہ کے عدم اعتراض سے استناد ہو تو سب کا یہی جواب شافی وکافی ہے۔

کاغذ سوم صلحنامہ پیر بدر الدین

(۱۴) یہ کاغذ مدعیوں کا سب سے زیادہ مابہ الاستناد ہے ہر محکمہ میں اپنے دعوٰی کی بناء اسی پر رکھی ہے اور عمومًا فیصلہ کرنے والوں نے بھی اسے کوئی بڑی چیز سمجھا یہاں تک کہ اگر خلاف بھی کیا تو نہ بربنائے اعتباری بلکہ اور وجوہ سے، اس سب کا منشاء وہی ہے کہ آج کل ہندیوں کے ذہن میں رواج قانون کے باعث قانونی باتیں اصول مسلمہ کے طور پر جمی ہوئی ہیں اگرچہ شرع مطہر میں ان کی کچھ اصل نہ ہو مدعیان و قانونی حکام سے تعجب، عجب تو ان اہل علم سے ہے جن سے شرعی سوال ہوا اور شریعت کا حکم

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

دریافت کیا گیا اور ان سے جن کو شرعی فیصلہ کے لئے مقدمہ سپرد ہوا اور جن سے فریقین نے صاف کہہ دیا کہ قانونی رواجی باتیں چھوڑ دی گئیں محض احکام شرعیہ سے فیصلہ کرو تاہم ان صاحبوں نے توجہ نہ فرمائی اور اپنے فتوی اور اپنے فیصلہ میں ایسی چیز معتبر مانی جو شرعًا محض بے بنیاد ہے ہم نمبر ۸ میں فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی خیریہ واشباہ والنظائر سے لکھ آئے کہ قاضی صرف تین طور پر حکم دے سکتا ہے یا تو گواہان شرعی قائم ہوں یا مدعا علیہ دعوی تسلیم کرلے یا اس پر حلف رکھا جائے اور وہ قسم سے انکار کردے ان کے سوا نرا کاغذ کوئی چیز نہیں، نہ اس پر عمل ہوسکے۔ نیز فتاوٰی خیریہ جلد ۲ ص ۱۱ میں ہے:

المقرعند علماء الحنفیة انه لااعتبار بمجرد الخط ولا التفات الیه اذحجج الشرع ثلاثة وھی البینة اوالاقرار والنکول کماصرح به فی اقرار الخانیة فلا اعتبار بمجرد المحضر المذکور ولا التفات الیه الااذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعی اعنی باحدی الحجج الشرعیة المشار الیها[1]۔	علماء احناف کے ہاں طے شدہ ہے کہ محض خط قابل التفات ہے اور نہ ہی قابل اعتبار ہے کیونکہ شرعی دلائل صرف تین ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار، جیسا کہ خانیہ نے اقرار کی بحث میں تصریح کی ہے لہٰذا محضر نامہ مذکور قابل اعتبار اور قابل التفات نہ ہوگا سوائے اس کے کہ اس کا مضمون شرعی طریقہ یعنی مذکور شرعی دلائل سے ثابت ہوجائے (ت)

نیز اسی کے صفحہ ۲۲ جلد ۲ میں ہے:

ابرز کتاب من السجل فوجد فیه کذا و کذا ولیس الموجود فیه سوی خط فی ورق لیس من حجج الشرعی فی شیئ[2] (ملتقطا)	قاضی نے پہلے ریکارڈ میں سے چٹھی نکالی اس میں کوئی مضمون لکھا ورق پایا تو وہ شرعی دلیل کے بغیر حجت نہ بنے گا۔ (ملتقطا)۔ (ت)

جوہرہ نیرہ ج ۳ ص ۲۴۵ میں ہے:

ولا یقبل الکتاب الابشهادة رجلین او رجل وامرأتین لان الکتاب یشبه الکتاب فلا یثبت الا بحجة	کوئی مکتوب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر مقبول نہ ہوگا کیونکہ مکتوب دوسرے مکتوب کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا شرعی حجت

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۲

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی باب خلل المحاضر والسجلات ۲/ ۲۴

تامّة[1] اھ۔	کے بغیر پایہ ثبوت کو نہ پہنچے گا اھ (ت)

دیکھو کیسی صاف تصریحیں ہیں کہ ایسی جملہ تحریرات نرے کاغذ ہیں جن میں سیاہی سے نقش بنے ہوئے ہیں اور وہ شرع میں حجت ہونا درکنار اصلاً التفات کے قابل نہیں۔

(۱۵) دواوین قضاۃ یعنی دفتر حکام لیجئے تو ہم نمبر ۸،۹ میں ردالمحتار وہدایہ وفتح القدیر وخیریہ سے بیان کر آئے کہ دفتر حکام وہی معتبر ہے جو خاص ان کی حفاظت میں ان کے مہر ونشان کے نیچے ہو اور یہ کہ آج کل کے محافظ دفتری مسلمانوں کے ساتھ بھی خاص نہیں نہ کہ ثقہ عادل کے ساتھ اور نہ کہ جو نقل فریق کے ہاتھ میں ہو ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

(۱۶) نمبر ۸ میں یہ بھی گزرا کہ دفتر حکام کا اعتبار بھی بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ دراز گزرا اور ان پر ثبوت شرعی نہیں مل سکتا جہاں کا معاملہ تازہ ہے حاکم خود اپنے دفتر پر کارروائی نہ کرے گا بلکہ انہیں طرق شرعیہ بینہ واقرار ونکول کی طرف رجوع ضروری ہوگی اس پر ردالمحتار کی عبارت گزری، نیز اسی میں ہے:

لابد من تقییدہ بتقادم العهد کما قلنا توفیقا بین کلامهم[2]۔	قدیم زمانہ کی قید ضروری ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے فقہاء کرام کے کلام میں تطبیق دیتے ہوئے۔(ت)

(۱۷) خود صاحب افسر مال نے ان کاغذات کا بہت اچھا فیصلہ کردیا کہ انہیں کتاب القاضی الی القاضی کے باب سے سمجھا جائے واقعی کچہری سے آئی ہوئی نقلیں اگر محمول ہوسکتی ہیں تو اسی پر اور تمام کتب مذہب کا اتفاق ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی بے شہادت عادلہ کاملہ ہرگز معتبر نہیں اگرچہ اس پر قاضی کے دستخط اور دارالقضاء کی مہر بھی ہو،اس پر عبارات کتب نمبر ۱۱ میں گزریں۔

(۱۸) بلکہ انصافاً صلحنامہ کی عبارت کتاب القاضی الی القاضی کی حد تک پہنچ ہی نہیں سکتی،شہادت ہونا نہ ہونا بالائے طاق، صلحنامہ نہ حاکم نے خود لکھا،نہ اسکے سامنے لکھا گیا،نہ مسل میں یہی بیان ہے کہ پیر بدرالدین نے حاکم کے سامنے اس کے لکھنے یا اس پر دستخط کرنے سے اقرار کیا بلکہ حاکم کے سامنے استفسار پر جو اس کا بیان ہونا ذکر کیا جاتا ہے اور جس پر فریق کی تصدیق بھی موجود ہے وہ بیان تحریر صلحنامہ سے قاصر ہے صلحنامہ میں کل جائداد ریاست وانگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا مذکور ہے اور بیان استفسار میں صرف جائداد وعلاقہ انگریزی ذکر ہے جسے شبہ کیا جاسکتا ہے کہ پیر بدرالدین نے قطع نزاع ورفع فساد

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب آداب القاضی مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۴۵

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

کے لئے جائداد علاقہ انگریزی میں مدعیوں کو دو خمس دینا گوارا کرلیا کہ وہ قلیل وکم حیثیت ہے بڑا حصہ اس کا اور ریاست کی وافر جائداد اپنے اور اپنے بھائی کے لئے کافی سمجھی، راضی نامہ میں کاتب نے خود فریق کی تحریک سے تمام جائداد ذکر کردیا ہو تو وہ کچھ مؤثر نہیں ہوسکتا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اعتبار اس کا ہے جو تمسک لکھانے والے نے اپنی زبان سے کہا اس کا کچھ اعتبار نہیں جو کاتب نے لکھا، فتاوٰی خیریہ جلد ا صفحہ ۱۲۸ میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لالما کتب الکاتب فمن عبارات علمائنا العبرۃ لماھو الواقع فی نفس الامر [1] اھ	واقف کے تلفظ کا اعتبار ہے نہ کہ کاتب کی لکھائی کا جیسا کہ ہمارے علماء کرام کی عبارات میں ہے کہ صرف نفس الامر میں واقعہ کا اعتبار ہے۔(ت)

بدر الدین کا لکھا ہوا نام کوئی دلیل شرعی نہیں کہ اسی کے قلم سے ہے، نہ نشان خط ملنے کا کوئی اعتبار، ہدایہ وعالمگیری وغیرہا صدہا کتب مذہب میں تصریح ہے کہ الخط یشبہ الخط [2] (خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ت) اس کی کچھ عبارتیں اوپر بھی گزریں، نیز اشباہ والنظائر صفحہ ۳۶۱ وغیرہا میں ہے:

فاستکتب وکان بین الخطین مشابھۃ ظاہرۃ دالۃ علی انھما خط کاتب واحد لایحکم علیہ بالمال فی الصحیح [3]	اس نے کچھ لکھوایا اور دو خطوں میں واضح مشابہت ہے کہ ایک ہی کاتب کے معلوم ہوتے ہیں تو مالی معاملات میں اس لکھائی پر فیصلہ نہ دیا جائے گا صحیح قول میں۔(ت)

اور بالفرض دستخط اسی نے کئے جب بھی کچھ بعید نہیں کہ اس نے صرف جائداد انگریزی کی نسبت کہا اور کاتب نے عمداً یا غلطاً کل کی نسبت لکھ دیا اور اس نے اس اعتماد پر کہ جو میں نے کہا وہی لکھا ہوگا خاص نظر نہ کی اور دستخط کردئے ایسا ہونا کچھ دور نہیں۔ ہدایہ جلد دوم ص ۱۷۵ میں ہے:

اذا کتب کتاب الشراء علی وصی کتب کتاب الوصیۃ علی حدۃ وکتاب الشراء علی حدۃ لان ذٰلك احوط، ولو	کوئی شخص جب وصی کا تقرر کرکے اس کو خریداری کا اختیار لکھوانا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وصیت نامہ اور اس کا اختیار نامہ علیحدہ علیحدہ لکھوائے کیونکہ اس میں

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دار الفکر بیروت ۱/ ۴۰۔۱۳۹

[2] الہدایۃ کتاب الشھادۃ فصل مایتحملہ الشاہد علی ضربین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

کتب جملۃ عسی ان یکتب الشاھد شھادتہ فی اٰخرہ من غیر تفصیل فیصیر ذٰلک حملا علی الکذب[1]۔	احتیاط ہے، اگر دونوں کو اکٹھا لکھوایا تو ہوسکتا ہے کہ گواہ اپنی شہادت آخر میں بغیر تفصیل درج کرے جس کی بناپر وہ تحریر جھوٹ پر محمول ہوجائے۔(ت)

اسی کے ہامش پر کافی امام نسفی سے ہے:

کتب اشتری من فلان وصی فلان واشھد علیہ قوما وفیھم من لم یشھد علی الایصاء فربما یشھد بالکل فیکون حملالہ علی الکذب[2]۔	کاتب نے یوں لکھا کہ فلاں نے فلاں سے چیز خریدی اور کچھ لوگوں کی گواہی بھی لکھی اور ان گواہوں میں کوئی ایسا شخص بھی تھا جو وصیت کے وقت موجود نہ تھا تو ہوسکتا ہے کہ وہ خریداری کی شہادت میں وصیت کی شہادت بھی کہہ دے تو اس سے گواہ کو جھوٹ پر آمادہ کرنالازم آتا ہے۔(ت)

کیا ہم علانیہ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس نے مجوزکے سامنے صرف جائداد انگریزی کااقرار کیا ہے تحریر صلحنامہ کے بعد حاکم کے سامنے بیان اس کی تصدیق وتحقیق کے لئے ہوتا ہے نہ یہ کہ فیصلہ توقرار پایا ہو ایک ہزار پر اور بیان میں اقرار کرے پانچ سو کا پھر فریق بھی سن کر تصدیق کرے کہ یہ بیان صحیح ہے،

(۱۹) ان سب امور سے اگر قطع نظر بھی کی جائے تواس کا حاصل کتنا، صرف اس قدر کہ پیر بدرالدین نے مدعیوں کو اپنا بھائی تسلیم کیا مولوی عطا محمد صاحب کااس پر اعتراض بہت صحیح ہے کہ جب وارث متعدد ہوں توایک کے اقرار سے مورث پر نسب نہیں ثابت ہوسکتا یہ اگرچہ خود اپنے اقرار پر ماخوذ ہو جبکہ اس پر قائم رہے مگر دوسروں پر اس کااثر کچھ نہیں پڑسکتا امام ابویوسف کی روایت **اول:** توخلاف مذہب امام اعظم مختار ہونی مسلم نہیں، نہ بہ اخذ الکرخی کہنے سے اس کا مفتی بہ ہونا ثابت، اور یہ ایک لفظ دیکھنااوظاہر المتون علی ترجیح قولہما چھوڑ دینابس عجیب ہے۔

ثانیاً: وہ روایت صراحۃً اس صورت میں ہے کہ ایک ہی وارث ہو اور وہ دوسرے کی نسبت وراثت کااقرار کرے اور دو یا زیادہ وارثوں میں سے ایک نے اقرار کیا تو بالاتفاق نسب ثابت نہ ہوگا، ثالثوں کی نظر نے یہاں کوتاہی کی، اسی قرۃ العیون کو اگر ایک ورق پہلے دیکھتے تو یہ دھوکا نہ ہوتا، وہ عبارت مولوی عطا محمد کے فیصلہ میں گزری، اور جامع الفصولین جلد ۲ صفحہ ۴۵

---

[1] الہدایہ کتاب الوصایا باب الوصی ومایملکہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۹۴

[2] حواشی الہدایۃ مع الہدایہ کتاب الوصایا باب الوصی ومایملکہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۹۴

میں ہے:

الوارث لو واحدا فاقر بابن اخر للمیت لایثبت نسبه من المیت خلافاً لابی یوسف والشافعی واجمعوا انه یشارکه فی الارث لنا ان مجرد تحمیل النسب علی الغیر لایقبل کما لو اقر به فی حیاته او علی انسان اٰخر اوکان فی الورثة غیره[1] اھ۔	اگر ایک وارث نے میت کے لئے کسی اور بیٹے کا اقرار کیا تو اس کے ایک اقرار سے اس کا نسب میت سے ثابت نہ ہوگا اس میں امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالٰی کا خلاف ہے تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ مقرلہ وراثت میں شریک ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر کی طرف نسب منسوب کرنا بغیر دلیل معتبر اور مقبول نہیں جیسا کہ زندہ شخص کی طرف یا دوسرے شخص کا نسب یا وارثوں میں کوئی دوسرا بھی ہو اھ (ت)

ملاحظہ مسل سے واضح ہے کہ اس اقرار میں پیر سراج الدین شریک نہ تھا بلکہ وہ اس تحریر کے وقت موجود بھی نہ تھا اس کی طرف سے اگر اس اقرار کا رد ثابت نہیں تو اس کی تسلیم کا بھی پتہ نہیں غایت درجہ سکوت ہے، اور شرع کا قاعدہ مقرر ہے کہ **لاینسب الی ساکت قول** (کسی ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہ ہوگا۔ت) جامع الفصولین واشباہ والنظائر ورد المحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے یعنی سکوت کرنے والے کو کسی بات کا قائل نہیں ٹھہرایا جاتا مستثنٰی صورتیں جو ان کتابوں اور ان کے شروح وحواشی میں ذکر کی ہیں یہ مسئلہ ان میں داخل نہیں۔اظہار تحصیل منچن آباد سے جو صاحب افسر مال نے پیر سراج الدین کا بھی اس اقرار کو تسلیم کرنا نکالا ہے اس کا حال ان شاء اللہ عنقریب آتا ہے۔

(۲۰) شرع مطہر میں ایسے رشتے کا اقرار جس میں اپنے غیر پر نسب لازم کرنا ہو جیسے کسی کو اپنا بھائی بتانا کہ اس میں باپ پر نسب لازم کیا گیا خود اس مقر کے مال میں بھی اتنا ضعیف و کمزور مانا گیا ہے کہ جب تک کوئی دور کے رشتہ کا ضعیف سا ضعیف وارث موجود ہو بلکہ کوئی رشتہ دار بھی نہیں صرف مولی الموالاۃ ہو اس وقت تک یہ شخص جس کے نسب کا اقرار کیا ہے خود مقر کے ترکہ میں سے کچھ نہیں پاسکتا تمام کتب میں اس کی تصریح ہے ایسے واضح اور مشہور مسئلہ کو چھوڑ کر روایت امام ابویوسف کے وہ معنی قرار دینا اور اسے مفتی بہ ٹھہرانا سخت عجیب ہے، طحطاوی ج ۴ ص ۳۷۳ میں ہے:

ان کان للمقر وارث معلوم غیر الزوجین	اگر اقرار کرنے والے کے اپنے قریب بعید کوئی بھی

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۵

قریب او بعید فھو اولی بالمیراث من المقر لہ لانہ لما لم یثبت نسبہ منہ لایزاحم الوارث المعروف ولا مزاحمۃ اذاکان الوارث احد الزوجین وان لم یکن لہ وارث مزاحم استحق المقر لہ میراثہ لان للمقر ولایۃ التصرف فی مال نفسہ عدم الوارث[1]۔	زوجین کے علاوہ معروف وارث موجود ہوں تو مقرلہ کی نسبت وہ معروف وارث وراثت کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ جب مقرلہ کا نسب ثابت نہیں ہے تو وہ معروف ورثاء کے مقابل نہیں آسکتا، اور جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث ہو تو وہاں کوئی مزاحمت نہ ہوگی، اور اگر ان مقرلہ کے مقابل کوئی بھی معروف وارث نہ ہو تو پھر مقرلہ مقر کی وراثت کا حقدار ہے کیونکہ مقر کو اپنے مال میں تصرف کی ولایت ہے۔ (ت)

جامع الرموز صفحہ ۶۱۳ میں ہے:

ولو اقر رجل بنسب من غیر ولاد قریب بینھما کالاخ والعم والجد وابن الابن لایصح اقرارہ بالنسب[2]۔	اگر مقر (اقرار کرنیوالے) نے ولادت کے علاوہ کسی قریبی رشتہ کا اقرار کیا جیسے بھائی، چچا، دادا پوتا ہونے کا۔ تو یہ اقرار نسب صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

ایضاح شرح اصلاح للعلامۃ ابن کمال پاشا قلمی ص ۴۲۶ میں ہے:

لایصح لما فیہ من تحمیل النسب علی غیر فلا یرث الاعند عدم وارث معروف قریبا کان او بعیدا[3]۔	صحیح اس لئے نہیں کہ اس میں غیر پر نسب ٹھونسنا ہے تو کسی قریب یا بعید معروف وارث کی عدم موجودگی میں ہی مقرلہ وارث ہوسکے گا

اگر ایک اس کے اقرار سے نسب ثابت ہو جاتا تو وارث قوی کا ضعیف تر وارث سے محروم کر دینا کیا معنی رکھتا بلکہ واجب ہوتا کہ اس سے نیچے درجے کے جتنے ورثاء ہوں سب اس کے آگے محروم ہوں لیکن ایسا قطعًا نہیں تو ثابت ہوا کہ نسب ثابت نہ ہوا۔

(۲۱) ایسے نسب کا اقرار اگرچہ مقر کے مال پر نافذ ہو مگر یہ ایک فقہی فتوی ہے اور حکم یا قاضی کو مطلقًا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ صورت میں جو حکم مسئلہ پائیں اس پر فیصلہ کر دیں ان کا حکم اس حد

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۷۳

[2] جامع الرموز کتاب الاقرار مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۴۵۸

[3] ایضاح شرح اصلاح

تک محدود رہتا ہے جس قدر انہیں قاضی یا حکم کرنے والے نے اختیار دیا ہے مثلاً تقلید قضا میں سلطان نے یہ قید لگادی کہ تجھے فلاں روز قضا کا اختیار دیا تو اسی دن اس کا حکم حکم قاضی ٹھہرے گا دوسرے دن کچھ نہیں، یا یہ تخصیص کردی کہ تجھے فلاں مکان میں اختیار قضا ہے تو وہ اس مکان کے اندر ہی قاضی رہے گا اس سے باہر کچھ اختیار نہیں رکھتا، یا یہ شرط لگادی کہ تجھے فلاں فلاں قبیلے یا فلاں فلاں اشخاص پر قاضی کیا تو وہ انہیں کا فیصلہ کرسکتا ہے ان کے ماوراء میں مثل اور رعایا کے ہے علٰی ہذا القیاس جو قید لگادی جائے اس کے ساتھ مقید رہے گا کہ وہ بذات خود والی نہیں بلکہ دوسرے کے ولایت دینے سے ولایت پاتا ہے تو وہ جس شرط کے ساتھ اختیار دے گا اسی کے ساتھ مختص رہے گا بعینہٖ یہی حال حکم کا ہے قاضی کی تولیت جانب فریقین سے تو فریقین ثالثوں کو جن شرائط کا پابند کرینگے اسی قدر انہیں اختیار فیصلہ ہوگا باقی میں وہ ایک راہ چلتے اجنبی کے مثل ہیں، اشباہ ص ۲۲۳ میں ہے:

القضاء یجوز تخصیصه وتقییده بالزمان والمکان واستثناء بعض الخصومات کما فی الخلاصة[1]۔	قضا کو کسی زمانہ، مکان اور بعض خصومات سے مقید اور مخصوص کرنا جائز ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔(ت)

درمختار جلد چہارم ص ۵۳ میں ہے:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومة حتی لو امر السلطان لعدم سماع الدعوی بعد خمسة عشر سنة فسمعها لم ینفذ[2]۔	قضاء کو کسی زمانہ مکان اور خصومت سے مختص کرنا جائز ہے حتی کہ اگر سلطان نے پندرہ سال بعد دعوی کی سماعت سے روک دیا ہو اور قاضی نے اس مقررہ مدت کے بعد سماعت کی تو نافذ نہ ہوگی۔(ت)

ردالمحتار صفحہ مذکور میں ہے:

قال فی الفتح الولایة تقبل التقیید والتعلیق بالشرط کقوله اذا وصلت الی بلدة کذا فانت قاضیها والاضافة کجعلتك قاضیا فی راس الشهر و	فتح میں فرمایا کہ ولایت شرط سے تعلیق وتقیید کو قبول کرسکتی ہے مثلاً سلطان کا یہ کہنا کہ جب تم فلاں شہر پہنچ جاؤ تو تم وہاں کے قاضی ہوجاؤ گے، اور اضافت ونسبت کو بھی قبول کرسکتی ہے کہ میں نے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۹

[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

والا ستثناء کجعلتك قاضیا الافی قضیة فلان ولا تنظر فی قضیة کذا[1]۔(ملخصًا)	تجھے فلاں ماہ کے شروع سے قاضی بنایا، اور ولایت استثناء کو بھی قبول کرسکتی ہے مثلًا یوں کہہ جائے کہ میں نے تجھے فلاں کیس کے ماسوا میں قاضی بنایا یوں کہ فلاں کیس کو زیر غور نہ لانا۔(ت)

نیز صفحہ ۵۳۱ میں ہے:

یکون القاضی معزولا عنہا لما علمت ان القضاء یتخصص[2]۔	قاضی کی قضاء خاص ہوسکتی ہے اس لئے وہ اس تخصیص کی بناء پر معزول ہوتا ہے(ت)

درمختار صفحہ ۵۳۹ جلد ۴ میں ہے:

التحکیم تولیۃ الخصمین حاکما یحکم بینہما[3]۔	ثالثی دو فریقوں کا کسی کو حاکم بنانا کہ وہ ان دونوں میں فیصلہ کرے۔(ت)

یہاں فریقین نے اقرار نامہ ثالث میں یہ قید لگادی تھی کہ اگر ان کا شرعًا نسب ثابت نہ ہو تو ان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد صحیح النسب ہونے کے فتوٰی ثالثان ناطق ہوگا جس کا صاف حاصل یہ تھا کہ نسب ثابت نہ ہو تو در بارہ وراثت انہیں حکم کا اختیار نہیں، ثالث چہارم نے کہ ثبوت نسب نہ مانا اور وراثت مال کی نسبت فیصلہ دیا معلوم نہیں یہ کس اختیار سے تھا یہیں سے ظاہر ہوا کہ صاحب افسر مال کا فقرہ نمبر ۲۵ میں فیصلہ ثالث چہارم سے یہ استناد کہ اصل مطلب کی بات یعنی وراثت مال انہوں نے بھی مان لی ہے اسی قدر کافی ہے، ایک محض بے اثر چیز سے استناد ہے۔

کاغذ چہارم[۴] شجرہ نسب

(۲۲) شجرہ نسب جو منٹگمری سے آیا اس کی نسبت علاوہ ان اعتراضوں کے جو ایسے کاغذات کی نسبت مکرر گزر چکے اور ثابت کردیا گیا کہ وہ شرعًا استناد در کنار التفات کے بھی قابل نہیں یہ شجرہ حاکم کی کسی اپنی تحقیقات پر مبنی نہیں بلکہ اسی صلحنامہ بدرالدین پر اس کی بناء ہے اور ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کر آئے کہ وہ اپنی ذاتی نامعتبری کے علاوہ ثبوت نسب کے بارہ میں محض مہمل ہے تو یہ شجرہ کہ اس پر مبنی تھا

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[3] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

اسی کی طرح باطل وبے عمل ہے ہاں جائداد انگریزی میں بدر الدین کی طرف سے قطع نزاع کے لئے اس کے یہ الفاظ قابل لحاظ ہیں کہ "حصہ ملکیت برخلاف حصہ جدی کے "رسمی قرار پایا۔

کاغذ پنجم نمبر ۹ اظہار منچن آباد

(۲۳) کاغذات کے متعلق جو نفیس جلیل ابحاث شرعیہ ہم بار بار لکھ آئے اور ثابت کر آئے کہ شرع مطہر ایسے نرے کاغذی جمع خرچ پر اصلاً لحاظ نہیں فرماتی وہی بحثیں اس کاغذ کے بھی مہمل وبیکار ہونے کے لئے کافی تھیں مگر اس کاغذ کی حالت نے ان عظیم بحثوں کی اور بھی تائید وتصدیق کردی اور خود ہی ایک واضح نظیر ہو زبان حال سے صاف بتادیا کہ دیکھو شرع مطہر حکیم ہے وہ ایسی وجوہ سے نری کاغذی بات کو نامعتبر فرماتی ہے یکم جون ۱۸۹۳ء کو اللہ بخش نے تحصیل منچن آباد میں درخواست دی کاردار صاحب نے طلبی فریقین کا حکم دیا ۱۳/ جون کو پھر پیشی ہوئی اب مکرر حکم طلبی تحریر ہوا ۲۹/ اگست کو پیشی ہوئی اور کاردار صاحب نے لکھا کہ اب تک نہ فریقین آئے نہ کوئی رپورٹ پیش کار کی شامل ہوئی اب حکم تاکیدی طلبی کا بھیجا گیا ۶/ ستمبر کو باخذ مچلکہ طلبی ہوئی ۷/ ستمبر کو فریقین کی اطلاع یابی اور سراج الدین کی بیماری کا عذر تحریر ہوا ۱۸/ ستمبر کو پیش کار نے اسی مضمون کی رپورٹ تحصیل میں بھیجی ادھر تو یہ کارروائی ہورہی ہے ادھر ۲۲ اگست کو بدر الدین اور سراج الدین حاضر ہوگئے اظہار بھی دے گئے حکم بھی ہوچکا مقدمہ ختم چکا مقدمہ ختم بھی ہوگیا مسل داخل دفتر بھی ہوگئی اور ۲۹ اگست کو پھر کاردار صاحب شاکی ہیں کہ ۱۳/ جون سے اب تک کوئی نہیں آیا اس خواب پریشان کی کیا تعبیر کہی جائے ۲۲ سے ۲۹ تک ایسی مدت بھی تو طویل نہ گزری تھی کہ کاردار صاحب اور تمام اہل محکمہ کسی کو یاد نہ رہا کہ ابھی فریقین حاضر ہو کر اظہار دے چکے ہیں مقدمہ ختم ہوچکا ہے اب یہ دوبارہ پیشی کیسی اور مکرر طلبی کس لئے، او مچلکوں کی شدت کس بناپر، ناچار صاحب افسر مال کو بھی فقرہ ۱۰ میں تسلیم کرنا پڑا کہ اہلمد ایسی بدعنوانیاں بطور خود کرلیتے ہیں حاکم کو اطلاع بھی نہیں ہوتی اور احکام جاری کردیتے ہیں اور خود ہی حکم اخیر بھی لکھ دیتے ہیں کبھی یہ کہ داخل دفتر ہو کبھی یہ کہ بندوبست میں پیروی کرو اور یہ بھی تصریح فرمائی کہ دفتر والوں سے سازش ہو کر بھی ایسی کارروائیوں ہوجاتی ہیں اور یہ بھی کہ یہ میدان اہلمدوں کی سبز چراگاہ ہے جب یہ سب کچھ ثابت ہے تو کون سی دلیل قائم ہے کہ یہ دوبارہ طلبی اور بار بار کی پیشیوں کے احکام بھی اہلمدوں کے بطور خود لکھے ہوئے ہیں اور ۲۲ / اگست کا اظہار و حکم ان کی سبز چراگاہ سے دور و محفوظ ہے حاکم دستخطوں کو دیکھا جائے تو وہ ان احکام پر بھی ہیں نہ نرے دستخط شرع میں کوئی حجت کہ سیکڑوں بن سکتے ہیں،

اوپر متعدد کتابوں سے اس کی تصریح گزری غرض دفتر والوں کو خود مختاریاں ماننے بغیر چارہ نہیں اور انہیں پیش خویش کچھ تحریروں سے خاص کرلینے اور فلاں کو ان سے محفوظ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، یہی شناعتیں تو ہیں جن کے سبب شرع مطہر نے ان کادر باہی جلادیا اور سبز چراگاہوں کا راستہ یک قلم بند فرمایا۔

(۲۴) پھر اس پر کاردار صاحب کا جو حکم بتایا جاتا ہے کتنے مزہ کا ہے ایک فریق داخل خارج کی درخواست کرتا ہے دوسرے کو کہتے ہو کہ وہ بلا عذر کررہا ہے پھر بندوبست میں درخواست دینے پر اسے ملتوی کرنا کیا معنی رکھتا ہے یہ اظہار اگر واقعی ہوتا تو کاردار صاحب فوراً حکم انتقال دیتے اور اسی کا موقع تھا جیسا کہ خود صاحب افسر مال کو فقرہ نمبر ۱۰ میں تسلیم ہے کہ "کاردار کو انتقال کا حکم دینا تھا" غرض یہ حکم اگرچہ فریقین راضی ہوں مگر انتقال ابھی نہ ہونا چاہئے بلکہ بندوبست جاری ہے اس میں درخواست دو ایک ایسا عجیب حکم ہے جس کی نظیر انہیں سبز چراگاہوں میں مل سکتی ہے جاہلوں تک میں تو مثل مشہور ہے کہ دودل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ لہٰذا اقرین قیاس یہی ہے کہ ۸/ ستمبر تک فریقین کی حاضری نہ ہوئی جیسا کہ مسل سے واضح ہے اور یہ ۲۲/ اگست کا اظہار اور بے معنی حکم اسی دفتری سازشوں اور سبز چراگاہوں کی سیاہ کاری ہے۔

(۲۵) لطف یہ کہ بندوبست اس تاریخ سے پہلے کبھی کا ختم ہوچکا تھا اور کاردار صاحب یہ ہدایت کریں کہ بندوبست جاری ہے اس میں درخواست دو، دیکھو فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۴ پھر اگر یہاں تسلیم کیا جائے کہ بندوبست اس وقت جاری تو مدعیوں کا اس میں درخواست نہ دینا کیا معنی، بدرالدین و سراج الدین کی رضامندی کو وہ ایک بار آزما چکے تھے کہ بقول ان کے راضی نامہ کرکے کاربند نہ ہوئے اور ان کا اندراج نام نہ کرایا جس پر انہیں تحصیل میں عرضی دینی پڑی کیا انہوں نے نہ سنا تھا کہ آزمودہ را آزمودن جہل ست (آزمائے ہوئے کو آزمانا جہالت ہے۔ت) اب دونوں بھائی اقرار لکھا چلے اور بندوبست جاری تھا تو مدعی ہر گز اپنا کام پختہ کرلینے سے نہ بیٹھتے، پھر خوبی یہ کہ جب چھ سال بعد بندوبست جدید میں غلطی کی اصلاح چاہی تو اس درخواست میں بھی مدعیوں نے اس اقرار و تسلیم ہر دو برادران کا کوئی ذکر نہ کیا بلکہ صلحنامہ منٹگمری ہی کو دستاویز بنایا اگر تحصیل منچین آباد میں دونوں بھائیوں نے یوں بلا عذر ان کے نام انتقال تسلیم کرلیا ہو تو سب سے زیادہ بنائے کار اسی پر رکھنی تھی نہ یہ کہ درخواست میں اس کا نام تک نہیں۔

(۲۶) صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۱۰ میں اپنے یہاں کے محکموں کے سخت شاکی ہیں اور وہاں کے انتقالات کو بہت سنگلاخ دشوار گزار راہ بتاتے ہیں مگر سختیاں وہیں پیش آتی ہیں جہاں منازعت ہو مزاحمت ہو، کیا اس کی کوئی نظیر بتائی جاسکتی ہے کہ فریقین راضی نامہ کرلیں ایک فریق

اس کا اجرا چاہے دوسرا بلا عذر قبول کرلے بایںہمہ بار بار کی تحریکوں کے بعد سولہ سال تک معاملہ ہنوز روز اول رہے یہ اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر واقع ہو تو اس قدر ہوگا کہ پیر بدر الدین نے جھگڑا کاٹنے کے لئے علاقہ انگریزی کی تھوڑی جائداد سے چھوٹا حصہ رسمی طور کا جیسا مصالحتوں میں ہوتا ہے، نہ جدی حصہ جیسا برابر کے بھائیوں کو دیا جاتا ہے مدعیوں کو دینا گوارا کیا، پیر سراج الدین نے بھی اس پر سکوت کیا مگر ریاست کی جائداد نہ کبھی دینی چاہی نہ اس میں مزاحمت ترک کی نہ مدعیوں کے پاس کوئی کافی ثبوت تھا وہ ارادہ کرتے تھے اور بیٹھ رہتے تھے تحصیل منچن آباد میں درخواست دی اور حاضر نہ ہوئے، بقول مدعیان محکمہ بندوبست کی ہدایت ہوئی اور وہاں نہ گئے اس کے بعد تحصیل میں پھر درخواست دی اور پیروی کو نہ آئے یہ سب قرائن ان کے بے اصلی دعوی کے ہیں اور کچھ بھی قرینہ نہ ہوتا تو بار ثبوت ان کے ذمہ تھا جس سے وہ آج تک سبکدوش نہ ہوئے بالجملہ اس کاغذ پنجم کی حالت سب سے زیادہ ردی ہے ثبوت میں اس کا نام لینا شرع تو شرع عقل عرفی سے بھی میل نہیں رکھتا۔

کاغذ ششم نمبر ۱۱ تحریری نور الدین

(۲۷) نرے کاغذ کی بے اعتباری تو دلائل قاہرہ سے بار بار ہم ثابت کر آئے مگر یہ کاغذ ایک شہادت ہے کوئی فیصلہ نہیں کسی کاغذ محکمہ کی نقل نہیں کوئی تمسک نہیں جن میں کاغذی ثبوت برخلاف اصول شرع آجکل قابل توجہ سمجھے گئے ہیں جو کسی واقعہ کی شہادت ادا کرنا چاہے وہ ایک پرچہ پر لکھ کر کسی فریق کو دے دے اور فریق اسے محکمہ میں پیش کرے کہ یہ فلاں کا بیان ہے جس کے ساتھ اتنی شہادت بھی نہ ہو کہ فلاں نے ہمارے سامنے یہ کاغذ لکھا یہ دستخط اسی کے ہیں اس نے ہمارے سامنے کئے محض فریق کے زبانی بیان پر وہ کاغذ شہادت میں لے لیا جائے ایسا تو شاید قانون و رواج میں بھی نہ ہوگا شرع کا حکم تو پہلے ہی سن چکے کہ بجوئے نخرند۔

(۲۸) صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۹ میں مولوی نور الدین پیش کردہ مدعا علیہ کو یوں مشکوک ٹھہرایا کہ اس میں اہتمام کیا گیا ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھائی گئی حالانکہ فریق مقدمہ جسے رواجًا اپنی سند سمجھے اس میں رواجی استحکام کی کوشش کوئی منشاء شک نہیں ہو سکتی شاید اگر سادہ پرچہ لکھا ہوتا تو اس پر یہ شک ہوتا کہ کچے کاغذ کا کیا اعتبار، مگر انصافًا اگر شک جاتا ہے تو تحریر پیش کردہ مدعیان زیادہ محل ریب ہے نور الدین کی اپنے دل کی لکھی ہوئی اتنی ہی بات ہے جو اس نے تحریر اول میں لکھی کہ نکاح میں نے پڑھایا اور یہ دونوں وقت نکاح موجود تھے اگر اس وقت اس کے ذہن میں یہ ہوتا کہ میرے پڑھائے ہوئے نکاح

سے پہلے خفیہ نکاح ہولیا تھا تو وہ ضرور اسے ذکر کرتا یا کم از کم ایسا لفظ نہ لکھتا جو اس کے علم کے خلاف مدعیوں پر ناحق برا اثر ڈالتا مگر جب وہ تحریر دے چکا اور مدعیوں کو اس سے اپنا ضرر ظاہر ہوا تو تیسرے دن یہ دوسری تحریر پیدا کی گئی یا جس طرح ممکن ہوا ایک عاجز مولوی سے لی گئی۔

(۲۹) نرے کاغذی ثبوت ماننے والوں کو یہ کہنا پڑے گا کہ دونوں تحریریں مولوی نور الدین کی ہیں اواس نے یا تو پہلی تحریر میں اخفائے حق کیا او مدعا علیہ کی خاطر یا کسی طمع سے مدعیوں کو ضرر پہنچانا چاہا یا دوسری تحریر میں خلاف حق بات بنائی اور مدعیوں کے لحاظ خواہ کسی لالچ سے مدعا علیہ کو نقصان رسانی چاہی بہر حال اس کی شاہدت ساقط ہوگئی اور اس کی بات قابل التفات نہ رہی۔

(۳۰) بالجملہ مدعیوں کا یہ کاغذ پیش کرنا ان کو نافع تو کچھ نہ ہوا مگر ان کے ضرر کا دروازہ کھول گیا اسی کاغذ سے ظاہر ہوگیا کہ وہ اپنی ماں کے نکاح مشہور کے وقت اپنا موجود ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اس لاعلاج مرض کا یوں مداوا چاہتے ہیں کہ نور الدین کہتا تھا کہ پیر صدر الدین نے کہا تھا کہ ایک نکاح خفیہ دعو گواہوں کے سامنے پہلے ہولیا تھا نکاح مشہور کے وقت ان کا موجود نہ ہونا تو یہ خودمان چکے، رہا یہ کہ پہلے کوئی خفیہ نکاح ہوا تھا اس کا ثبوت دینا ان پر عائد ہوا جس سے وہ آج تک عہدہ برآنہ ہوئے، عہدہ برآنہ ہونا درکنار س کی طرف رخ بھی نہ کیا اور کیونکر رخ رکھتے، وہ جانتے تھے کہ اس کا چارہ ان کی قدرت میں نہیں، کیا فقط نور الدین کا بیان نکاح کو ثابت کردے گا کیا شرع میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ صرف ایک شاہد کے بیان اقرار سے نکاح ثابت ہو جائے تمام کتب اور خود قرآن عظیم میں تصریح ہے کہ کم از کم دو گواہوں کی ضرورت ہے ومدعیان نہ نکاح مشہور سے پیدا ہوئے نہ نکاح خفیہ ثابت کرسکے پھر کس بنا پر وارث بن بیٹھے۔

(۳۱) فرض کیجئے کہ نکاح خفیہ مان بھی لیا جائے تو اس کی کوئی مدت بیان میں نہ آئی کہ کب اور نکاح مشہور سے کتنا پہلے ہوا نور الدین نے صرف چند سال کہا جس کا صدق تین بلکہ اردو کا چند دو سال پر بھی ممکن، اور گواہ نکاح مولوی غلام قادر کا بیان ہے کہ نکاح مشہور کے وقت اللہ بخش آٹھ سال اور الٰہی بخش چار برس کا تھا غرض اس قدر میں شک نہیں کہ حالت مبہم ہے اور تحریر مولوی نور الدین سے کچھ نہیں ثابت ہوسکتا کہ ان کی ولادت بعد نکاح خفیہ ہوئی، نہ اقرار پیر صدر الدین میں اس کا کچھ تذکرہ، صدر الدین نے اتنا ہی تو کہا کہ پہلے نکاح خفیہ کرچکا ہو، یہ کب کہا کہ مدعی اسی نکاح خفیہ سے پیدا ہیں، مدعی درکنار اس نے نکاح خفیہ و مشہور کے بیچ میں اپنی کوئی اولاد ہونے کا اصلاً ذکر نہ کیا پھر خفیہ نکاح سے مدعیوں کا پیر صدر الدین کی اولاد ہونا کیونکر ثابت ہوا عجب ہے کہ صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۹ میں ایسے مہمل کاغذ کو جواب دندان شکن فرمایا جو انصافاً خود اپنے پیش کرنے والے ہی کو ضرر رساں ہے۔

(۳۲) ثالث صاحبان او صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۹و۲۱ میں یہ تو لکھا کہ صحت نکاح کے لئے دو گواہ کافی ہیں اس قدر سے اعلان ہو جاتا ہے، بیشک ہو جاتا ہے اور ضرور کافی ہیں مگر اس طرف کسی صاحب نے توجہ نہ فرمائی کہ دو گواہوں کے سامنے ہونے کا ثبوت بھی تو درکار ہے یا بلاثبوت رجمًا بالغیب مان لیا جائے گا کیا ان گواہوں نے خود آکر ثالثوں یا صاحب افسر مال کے سامنے شہادت دی، کیا انہوں نے اپنی شہادت پر دو شاہد عدل اپنے نائب کرکے بھیجے اور انہوں نے بمراعات شرائط شرعیہ شہادۃ علی الشہادۃ ادا کی یا کیا ہوا کچھ بھی نہ ہوا دو گواہ ہونے کا ثبوت کیا ہے پیر صدر الدین کا اقرار، ان کے اقرار کا ثبوت کا ہے؟ مولوی نورالدین کا بیان، ان کے بیان کا ثبوت کیا ہے؟ ایک کاغذ میں کچھ حرف لکھے ہوئے ہیں، اس کاغذ کا ثبوت کیا ہے؟ صرف مدعیوں کا بیان، تو حاصل یہ ٹھہرا کہ نری مدعیوں کی زبان نکاح خفیہ کی گواہ ہے اور اسی کی بناء پر اسے مانا گیا ہے حالانکہ ؎

باطل ست آنچہ مدعی گوید

(جو کچھ مدعی نے کہا ہے وہ باطل ہے۔ت)

ایسا ثبوت اگر مان لیا جائے تو نرے عرضی دعوی ہی پر کیوں نہ مدعیوں کو ڈگری دیا جایا کرے آخر وہ اس میں بھی تو کہا کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں ہمارا بیان سچا ہے غرض اس کاغذ کا سند میں نام لینا بھی شرعًا عقلاً عرفاً کسی طرح کوئی معنی نہیں رکھتا۔ الحمدللہ تمام کاغذی سندوں کے جواب سے فراغ پایا اور واضح ہو گیا کہ ان میں ایک پرچہ بھی قابل استناد نہیں۔ اب امر ہفتم کی طرف چلئے۔

سند ہفتم شہادات

(۳۳) شہادتوں پر مولوی عطا محمد صاحب کا اعتراض بہت حق و بجا ہے فی الواقع شرع مطہر نے حقوق العباد میں لفظ اشھد یا اس کا ترجمہ کہ گواہی می دہم یا گواہی دیتا ہوں رکن شہادت قرار دیا ہے بغیر اس کے ہر گز شہادت متحقق نہیں ہو سکتی، خالی خبر ہوگی جو یہاں اصلاً قابل التفات نہیں، تمام کتب مذہب میں اس کی تصریح ہے، ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۱ میں ہے:

ولابد فی ذٰلك كله من العدالة ولفظة الشهادة فان لم يذكر الشاهد لفظة الشهادة وقال اعلم او اتيقن لم تقبل شهادته[1]۔	ان سب میں عدالت اور لفظ شہادت ضروری ہے اگر گواہ نے لفظ شہادت نہ کہا اور میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے کہا تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

[1] الهداية كتاب الشهادة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۵

اسی میں ہے:

امالفظة الشهادة فلان النصوص نطقت باشتراطها اذا الامر فيها بهذه اللفظة ولان فيها زيادة توكيد فان قوله اشهد من الفاظ اليمين (كقوله اشهد بالله) فكان الامتناع عن الكذب بهذه اللفظة اشد[1]۔	لفظ شہادت تو اس لئے کہ تمام نصوص نے اسکو شرط کہا ہے کیونکہ شہادت کا حکم اسی لفظ سے بیان ہوا ہے اور اس لئے کہ اس لفظ میں تاکید زیادہ ہے کیونکہ شاہد کا اشھد کہنا، یہ قسم کے الفاظ میں سے ہے (جیسے اشھد باللہ قسم ہے) لہٰذا اس لفظ میں جھوٹ سے امتناع زیادہ قوی ہے۔ (ت)

فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۰ میں ہے:

وقد وقع الامر بلفظ الشهادة فی قوله تعالٰی واقيموا الشهادة لله وقوله عليه الصلوة والسلام اذا رأيت مثل الشمس فاشهد فلزم لذلك لفظ الشهادة[2]۔	اللہ تعالٰی کے ارشاد اقيموا الشهادة (شہادت قائم کرو) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد اذا رأيت مثل الشمس فاشهد (یعنی جب سورج کی مثل دیکھ لے تو شہادت دے) تو اس سے لفظ شہادت لازم ہوا کیونکہ یہاں لفظ شہادت سے حکم دیا گیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ جلد ۳ صفحہ ۴۵۰ میں ہے:

واما ركنها فلفظ اشهد بمعنى الخبر دون القسم هكذا فی التبيين[3]۔	لیکن شہادت کا رکن، تو لفظ اشھد بمعنی خبر ہے بمعنی قسم نہیں ہے، تبیین میں یونہی ہے (ت)

اسی طرح بحر الرائق جلد ہفتم ص ۶۱ میں ہے، درمختار ورد المحتار وقرۃ العیون کی عبارتیں فتوائے مولوی عطا محمد صاحب میں گزریں اور خود تکثیر عبارات کی کیا حاجت جبکہ علماء نے قرآن عظیم ہی کا نص اس پر ذکر فرمایا۔

(۳۴) صاحب افسر مال کا فقرہ نمبر ۲۵ میں اس ناممکن الجواب اعتراض پر یہ اعتذار پیش کرنا کہ فقہاء نے لفظ اشھد کی شرط تو ضرور لگائی مگر اس کی علت یہی ہے کہ اشھد میں معنی قسم ہیں تو معنی قسم جس لفظ سے پورے کرلئے جائیں شرط حاصل ہو جائے گی سخت عجیب ہے جس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ نماز

---

[1] الہدایۃ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی ۳/ ۱۵۵

[2] فتح القدیر کتاب الشہادات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۵۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۰

کے لئے شرع میں ہیئت تو ضرور مقرر ہے جس میں قیام ورکوع و سجود و قعود وغیرہا ارکان ہیں مگران سب سے مقصود تعظیم الٰہی ہے تو وہ جس طرح حاصل ہو نماز ادا ہوجائے گی کچھ ان ارکان کی ضرورنہیں، شہادت میں لفظ **اشھد** شرط نہیں بلکہ فقہاء نے اسے رکن شہادت لکھا ہے جیسا کہ تبیین الحقائق و بحر الرائق و عالمگیریہ سے گزرا اور کوئی شے بغیر اپنے رکن کے متحق نہیں ہوسکتی۔

(۳۵) سخت عجب یہ ہے کہ کتابیں صاف تصریحیں کررہی ہیں اور کوئی لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، درمختار سے گزرا:

ھذہ المعانی مفقودۃ فی غیرہ فتعین[1]۔	یہ معنی اس کے غیر میں مفقود ہے تو یہ متعین ہے۔(ت)

اسی طرح بحر الرائق جلد ۷ ص ۶۱ میں قرۃ العیون سے گزرا: **لایقوم غیرھا مقامھا**[2] (دوسرا اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے۔ت) بحر الرائق جلد ۷ ص ۶۸ میں ہے:

شرط لجمیع انواعھا لفظ اشھد بالمضارع فلا یقوم غیرہ مقامہ وقدمنا ان لفظھا رکن[3]۔	تمام اقسام شہادت میں لفظ اشھد مضارع ہے لہٰذا دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا جبکہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ یہی لفظ رکن ہے۔(ت)

پھر اس کا مطلب یہ ٹھہرا کہ کچھ اس لفظ کی خصوصیت نہیں بالکل دن کو رات سے تفسیر کرنا ہوگا

(۳۶) یہ بھی محض غلط ہے کہ اس کی علت معنی قسم ہے بلکہ معانی کثیرہ کا اجتماع جن میں سے ایک معنی قسم بھی ہے، درمختار کی عبارت گزری:

لتضمنہ معنی مشاھدۃ وقسم واخبار للحال[4]۔	کہ مشاہدہ قسم اور حال کے معنی کو متضمن ہے۔(ت)

فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۱ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶

[3] بحر الرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۲

[4] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

لفظۃ الشھادۃ اقوی فی افادۃ تاکید متعلقھا من غیرھا من الالفاظ کاعلم و اتیقن لما فیھا من اقتضاء معنی المشاھدۃ والمعاینۃ التی مرجعھا الحس [1]۔	شہادت کا لفظ اپنے متعلق کی تاکید میں دوسرے ہم معنٰی الفاظ کی نسبت اقوی ہے جیسے کہ لفظ، میں جانتا ہوں مجھے یقین ہے، کہ مقابلہ میں، کیونکہ شہادت کا لفظ مشاہدہ اور معاینہ جس کا مرجع حس ہے، کو چاہتا ہے۔(ت)

بلکہ عالمگیری سے گزرا کہ اشھد بمعنی خبر رکن ہے نہ بمعنی قسم۔

(۳۷) یہ بھی ہرگز مسلم نہیں کہ کچہریوں میں حلف کے معنی پورے کرا لئے جاتے ہیں کہیں یہ کہلوایا جاتا ہے سچ کہوں گا خدا میری مدد کرے، کہیں یوں کہ خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہوں گا ان الفاظ کو یمین سے کچھ تعلق نہیں اور اگر وہی لفظ کہلوائے جائیں جو صاحب افسر مال نے لکھے کہ خدا کی قسم میں سچ کہوں گا تو یہ یمین منعقدہ ہوئی یعنی آئندہ کی نسبت جس کے خلاف کرنے پر پندرہ سیر گیہوں یا تین روزوں میں کام نکل سکتا ہے بخلاف اشھد کہ اس میں یمین غموس ہے کہ سلطنت ہفت اقلیم یا لاکھ روزے بھی اس کا کفارہ نہیں ہوسکتے تو اس میں اس کے معنی کا ادا ہوجانا کیونکر ممکن۔

(۳۸) دوسرا لفظ صاحب افسر مال نے یہ لکھا کہ خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر شہادت دوں گا یہ بھی ایک وعدہ ہے جو کسی اشھد کے معنی پورے نہیں کرسکتا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ شہادت بلفظ مضارع بمعنی حال لازم ہے درمختار سے ابھی گزرا واخبار للحال [2] (حال کی خبر دینا ہے۔ت) ردالمحتار ج ۴ ص ۳۷۵ میں ہے:

فلو قال شھدت لایجوز لان الماضی موضوع للاخبار عما وقع فیکون غیر مخبر فی الحال [3]۔	اگر اس نے "شھدت" بلفظ ماضی کہا تو ناجائز ہے کیونکہ ماضی گزشتہ واقعہ کی خبر کے لئے وضع کیا گیا ہے تو یہ ماضی، حال کی خبر نہ دے گا۔(ت)

جب صیغہ ماضی معتبر نہ ہوا جو یمین میں مثل صیغہ حال ہے حلفت باللہ اور احلف باللہ کا ایک ہی حکم ہے تو شہادت دوں گا صیغہ استقبال کیا حیثیت رکھتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ قسم کھاؤں گا

[1] فتح القدیر کتاب الشہادات المکتبۃ النوریۃ الرضویہ سکھر ۶/ ۴۵۶

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[3] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

کیا اس کہنے سے قسم ہوجاتی ہے یا جھوٹ سے باز رہ سکتا ہے۔

(۳۹) اور اصل حقیقت امر یہ ہے کہ تعین لفظ **اشہد** میں جو علتیں توجیہیں بیان میں آئیں از قبیل نکات ولطائف ہیں وہ ایک حکم تعبدی ہے یعنی شرع مطہر نے خاص اسی لفظ کو معین فرمادیا تو اب اس سے تجاوز جائز نہیں، ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۵ و بحر الرائق جلد ۷ ص ۶۰۔۶۱ میں ہے:

اقتصر علیه اتباعا للماثور ولایخلو عن معنی التعبد اذلم ینقل غیرہ[1]۔	اس نے اس پر اقتصار کیا، منقول وماثور کی پیروی کرتے ہوئے جبکہ یہ تعبد کے معنی سے خالی نہیں، اور اس کا غیر منقول نہیں۔ (ت)

تو اس کی علت تلاش کرنا اور اس کا دوسری جگہ اجرا چاہنا سرے سے باطل ہوگیا، ان تقریرات سے آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ ہندہ کچہریوں میں جہاں لفظ اشہد نہیں کہلواتے اور ان بے معنی الفاظ مذکورہ یا ان کے امثال سے حلف لیتے ہیں وہ زنہار اصول شرع سے مطابقت نہیں کھاسکتا ہے، شیئ اگر اپنی ضد سے مکمل ہوسکتی ہو، دن کی اگر رات سے تکمیل ہوسکتی ہو توان الفاظ میں اصول شرع کو مکمل سمجھ سکیں، انگریزی وہندی کچہریوں میں مثبت سمجھے ہوئے دعوے اگر شرعاً غیر مثبت ٹھہریں تو کیا استحالہ ہے بلکہ اصول شرع کے اتباع نہ کرنے سے شرعاً ان کا غیر مثبت ہونا خود ہی لازم، نہ یہ کہ ان کو مثبت بنانے کے لئے اصول شرع تبدیل کردیئے جائیں، یہاں کی کچہریوں میں کفار کی گواہیاں مسلمانوں پر عموماً سنی جاتی ہے اور ان پر فیصلے ہوتے ہیں اور وہ دعوے مثبت ٹھہرائے جاتے ہیں اسے کون سے اصول شرع سے تطبیق دی جائے گی حالانکہ رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

"لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾ "[2]۔	اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔ (ت)

خود صاحب افسر اپنے اسی فیصلہ فقرہ نمبر ۱۳ میں فرماتے ہیں: "قبضہ کی بابت ریلارام پیشکار اور غلام حیدر خاں پیشکار کی شہادت شامل مسل ہے اور ان کی شہادت سے ثابت ہے کہ قبضہ رہا پس دو معزز راہلکاروں کی شہادت معتبر شہادت ہے ہمارا فرض ہے کہ اس کو قبول کریں اور یقین کے ساتھ قبول کریں" حالانکہ شرع مطہر اسے حرام بتاتی ہے فاسق کی نسبت تو ارشاد ہوا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِیۡبُوۡا قَوۡمًۢا	اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا

[1] ردالمحتار بحوالہ البحر الرائق کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۝ "[1]	نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔(ت)

نہ کہ کفار والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔

(۴۰) صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۸ میں اس شہادت مدعیان کو متواتر حقیقی بناتے ہیں کہ "یہ شہادت تواتر تک پہنچ چکی ہے جس کے خلاف ہونے کا احتمال نہیں" اور عجب یہ کہ مدعیوں کے تیس گواہ کے مقابل مدعا علیہ کے پینتالیس گواہوں کو لفظ "چند کس" سے تعبیر فرماتے ہیں جس کی انتہا نوتک ہے یہ مجمل جرح کہ وہ یا اجیر ہیں یا اس فریق کے جتھے والے، ہر طرف کے گواہوں پر ہو سکتی ہے جو ان میں معزز ہوئے ان پر طرفداری اور باقیوں کو اجورہ داری کا الزام لگا دینا کیا دشوار ہے، ان الزامات کی راہ تو شرع مطہر نے گواہوں میں عادل ہونے کی شرط لگا کر بند فرمائی تھی جب یہ شرط اٹھ گئی بلکہ گواہ کے مسلمان ہونے کی بھی قید نہ رہی تو ہر گونہ الزام آسان ہے جس میں دونوں فریق کی حالت یکساں ہے بلکہ اس نوٹ کی بناء پر جو صاحب افسر مال نے اپنے آخر فیصلہ میں دیا جس میں مدعیوں کو اخلاقاً وعادۃً مدعا علیہ سے بہت بہتر بتایا اور مدعا علیہ کو چلباز کمینہ کا آدمی شریر وغیرہا الفاظ سخیف، سے یاد فرمایا احتمال طرفداری گواہان مدعیان کی طرف زیادہ قائم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ خوش اخلاق ونکوسیر آدمی کا جتھا بھاری ہوتا ہے، مکار شریر چالباز سے لوگ نفرت کرتے ہیں اگرچہ لطافت علی صاحب تحصیلدار نے جو تحقیقات موقع لکھی وہ اس کا عکس ظاہر کرتے ہیں اور عمزز خاندان چشتیاں کو مدعیوں سے نفرت بتاتے ہیں بہر حال یہ زائد وخارج از بحث باتیں ہیں، کلام اس میں ہے کہ وہ تواتر جس میں خلاف کا احتمال بھی نہ رہے اس کے یہ معنی نہیں جسمیں فریقین کے انتخاب کو کوئی دخل ہو ہر فریق اپنی مرضی کے گواہ چھانٹ چھانٹ کر اسم نویسی کرائے یہ تیس بتائے وہ پینتالیس لے آئے بلکہ تواتر کے یہ معنی ہیں کہ وہاں کے تمام لوگ چھوٹے بڑے عالم جاہل سب اس امر سے واقف ہوں، عام لوگ یک زبان ومتفق اللسان ایک ہی بات کہیں۔ فتاوٰی عالمگیری جلد ۳ ص ۱۵۲ میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ:

ان تأتی العامۃ وتشهد بذٰلك فیؤخذ بشهادتهم کذا فی الذخیرۃ[2]۔	اگر عام لوگ یہی بات کہیں اور یہی شہادت دیں تو یہ شہادت قبول کرلی جائے گی جیسا کہ ذخیرہ میں ہے(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۴

نیز اسی کے صفحہ ۱۵۳ پر اس کی تشریح یوں فرمائی:

کونہ ظاھرا مستفیضا یعرفہ کل صغیر و کبیر وکل عالم و جاھل کذافی الذخیرۃ[1]۔	اس کے ظاہر مستفیض ہونے کی وجہ سے کہ اس کو ہر بڑا چھوٹا، عالم اور جاہل جانتا ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہاں ایسا نہیں، فہرست گواہان کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ ایک ہی خاندان کے لوگ مدعی کے گواہ ہیں کچھ لوگ مدعا علیہ کے، ایک ہی بستی کہ کچھ لوگ ادھر کے شاہد ہیں کچھ لوگ ادھر کے، ایک بھائی ادھر کا گواہ تو دوسرا حقیقی بھائی دوسری طرف کا۔ بھانجا مدعیوں کا گواہ ہے تو ماموں مدعا علیہ کا۔ تواتر حقیقی کی صورت ہوتی تو معاملہ بدیہیات سے ہوجاتا کہ متواترات اقسام بدیہی سے ہیں اور بدیہی پر دلیل قائم کرنا بے معنی، تو صاحب افسر مال کو اپنا فیصلہ میں ۷ نمبر ابتدائی کے علاوہ کہ متعلق واقعات ہیں اکیس نمبر بحث کے کیوں لکھنے پڑتے یا ادھر تواتر ہوجاتا تو ہم کو ۲۱ کے مقابل ۴۲ نمبر لکھنے کی کیا ضرورت ہوتی۔ بزازیہ اور قرۃ العیون ج ۴ ص ۶۰۰ میں ہے:

فی المحیط ان تواتر عندالناس وعلم الکل یقضی بفراغ ذمتہ لانہ یلزم تکذیب الثابت بالضرورۃ والضروریات ممالم یدخلھا شك[2] اھ۔	محیط میں ہے اگر لوگوں میں تواتر ہے اور سب جانتے ہیں تو اس کے ذمہ کی فراغت کا حکم کردیا جائے گا کیونکہ یہ بدیہی طور پر ثابت ہے اور اسے نہ ماننے پر ضروری معلوم شدہ کی تکذیب لازم آئے گی جبکہ ضروری بدیہی امور میں شک کا دخل نہیں ہوسکتا۔(ت)

(۴۱) اگر ۳۰ گواہ ہونے کے سبب شہادت مدعیان متواتر ہوگئی تو شہادت مدعا علیہ بدرجہ اولٰی متواتر ہوگی کہ اس کے ۴۵ گواہ ہیں اور اب وہ اعتراض جو ثالثوں اور مجوز نے فقرہ نمبر ۲۲ میں اس پر کیا کہ وہ شہادت نفی ہے اور نفی پر شہادت مقبول نہیں باطل ہوجائے گا کہ شہادت جب متواتر ہو یقینا مقبول ہے اگرچہ نفی پر ہو۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی بزازیہ و اشباہ والنظائر صفحہ ۲۱۴ میں ہے: **تقبل بینۃ النفی المتواتر**[3] (نفی پر متواترات کو بطور دلیل قبول کیا جائیگا۔ت) درمختار جلد ۲ ص ۶۰۰ میں ہے:

شہادۃ النفی المتواتر مقبول[4]۔	متواتر نفی کو شہادت کے طور قبول کیا جائے گا۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۵

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۱

[3] الاشباہ والنظائر بحوالہ ظہیریہ وبزازیہ الفن الثانی کتاب القضاء والشہادۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۲

[4] درمختار کتاب الشہادات باب الفضول عدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

(۴۲) بحمد اللہ تعالٰی آفتاب سے زیادہ روشن ہوا کہ ثالثوں نے جتنی سندوں پر بنائے فیصلہ رکھی سب محض ناکارہ وبے اعتبار ہیں، روئداد مسل مدعیوں کا نسب اصلاً ثابت نہیں کرتی سخت محل افسوس یہ ہے کہ ثالث صاحبوں نے خود یہ سمجھ لیا تھا کہ مسل کے موجودہ کاغذات وشہادات ناکافی ہیں اور بے تحقیقات مزید کے حقیقت معاملہ سمجھ میں نہیں آسکتی، ملاحظہ ہو رپورٹ ثالثان کاغذ نمبر ۲۰ گزارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے مظہران فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں،، یہاں ثالثوں نے روئداد مسل پر فیصلہ کرنے سے صاف صاف استعفاء دے دیا یا باوصف اس کے بلا تحقیق جدید فیصلہ کیا اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ صاحب افسر مال خود موقع پر تحقیقات کے لئے تشریف لے گئے اور علاقہ کے تمام سربرآوردہ اشخاص اور چشتیوں کو طلب کیا مگر بے تحیقیقات جدید کہ اسی کی شرعاً ضرورت تھی معاملہ بربنائے روئداد ناکافی مسل سپرد ثالثان کرادیا۔ دیکھو فیصلہ افسر فقرہ نمبر ۲۴، میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کا اولاد پیر صدر الدین نہ ہونا ثابت ہے غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ان کا اولاد پیر صدر الدین ہو ثابت نہیں تمام کاغذات وشہادات موجودہ مسل ان کا نسب ثابت کرنے میں عاجز وقاصر ہیں، ان کا دعوی نامسموع ہونے کے لئے ثبوت عدم درکار نہیں عدم ثبوت کافی ہے اور وہ بلاشبہہ حاصل، لہٰذا دعوی مدعیان باطل، یہاں اور ابحاث فقہیہ بھی باقی ہیں مگر جس قدر گزارش ہوا ذی انصاف متبع شرع کے لئے اس قدر بہت ہے۔ **وباللہ التوفیق، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۵ تا ۱۰۱: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خان صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں میں زر مہر کا جھگڑا ہے ان دونوں شخصوں نے اہل اسلام کے دو شخصوں کو پنچ اور ایک کو سرپنچ اس جھگڑے کے فیصلے کے واسطے باقاعدہ بنادیا، پنچان وسرپنچ صاحب نے بالاتفاق اپنی اور نیز اپنی جماعت کثیر اہل اسلام پابند صوم وصلوٰۃ سے ایک فیصلہ تجویز کردیا، فیصلہ سنانے کے قبل پنچان وسرپنچ ونیز دیگر شریک رائے اہل اسلام نے ہر دو فریق کو کہ جن کی جانب سے پنچ وسرپنچ بنائے گئے تھے یہ تجویز سنادی کہ جو فیصلہ ہم دو فریق کو سنادیں گے وہ تم دونوں کو بخوشی خاطر قبول ومنظور ہوگا یا نہیں، اور اس فیصلہ میں خواہ کسی فریق کا کیسا ہی نقصان کثیر ہو وہ برداشت کرنا ہوگا ہر دو فریق نے نہایت رضامندی سے اس تجویز کو قبول اور منظور کا کیا اس کے بعد پنچان وسرپنچ صاحب نے بآواز بلند مجمع کثیر میں اس فیصلہ کو جو باہم نزاعی تھا سنایا ایک فرقہ نے اس کو منظور کرلیا اور ایک فرقہ نے اس کو نامنظور کیا، اب جس فرقہ نے اس کو نامنظور کیا تو ازروئے شرع شریف کے اس معاہدہ کی تکمیل جو بروقت فیصلہ سنانے کے ہر دو فریق سے منظور کرالی تھی اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) دو شخصوں میں تبادلہ جائداد پر جھگڑا تھا ان دونوں شخصوں نے اس کے فیصلہ کے واسطے دو پنچ اور

ایک سر پنچ بنائے، پنچ و سر پنچ صاحبان نے دونوں شخصوں سے چار چار ہزار روپیہ جمع کرالیا اور ایک جماعت کثیر اہل اسلام کے رو برو حلف شرعی وخدا و رسول کو درمیان و کلام مجید درمیان کرکے یہ وعدہ ہر دو شخصوں سے کرالیا کہ جو تم دونوں شخصوں میں سے ہمارا فیصلہ کیا ہوا نہ مانے گا ہم اس کا روپیہ ضرور دوسرے کو دے دیں گے ان دونوں شخصوں نے جن کی جائداد کا جھگڑا تھا اس بات کو قبول و منظور کرلیا اور پختہ عہد و پیمان شرعی کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ اگر ہم میں سے جو کوئی فیصلہ کئے ہوئے کو نہ مانے اس کا روپیہ آپ دوسرے کو دینا، ہم کو یہ بات قبول و منظور ہے، اب پنچان وسر پنچ صاحبان نے اپنا فیصلہ کیا ہوا دونوں شخصوں کو سنایا، ایک نے منظور کرلیا اور ایک نے نہیں منظور کیا، جس نے کہ نہیں منظور کیا اس کا روپیہ حسب وعدہ نیز پنچ یا سر پنچ صاحبان کے دوسرے کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کسی شخص کو پنچ یا سر پنچ کسی فیصلہ کے لیے بنایا جائے تو وہ صرف یکطرفی ء شہادت و ثبوت خفیہ پر اپنی تجویز لکھ سکتا ہے یا نہیں اور ایسی تجویز جائز ہے یا نہیں؟

(۴) اگر پنچ سر پنچ نے ایک فریق سے جو بوجہ طمع ناجائز کے ساز و اتفاق کرکے فریق دعوم کے خلاف فیصلہ دیا ہو تو ایسے شخصوں کا فیصلہ کیا ہوا ازروئے شرع جائز ہوگا یا ناجائز؟

(۵) اگر کوئی شخص قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائے اور پھر اس قسم کے خلاف کرے تو ایسا شخص قابل قاضی وحاکم بنانے کے ہے یا نہیں اور اس کا فیصلہ مانا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۶) حاکم و قاضی کو شہادت لینا باقاعدہ ضرور ہے یا نہیں یا صرف اس کا ذاتی علم فیصلہ کرنے کے واسطے جائز ہے یا ناجائز؟

(۷) ازروئے شرع شریف کے رشوت لینا کیسا گناہ ہے اور رشوت لینے والا حاکم و قاضی وشاہد معتبر ہے یا غیر معتبر، اس کا فیصلہ کیا ہوا قابل تسلیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر فیصلہ مطابق شرع ہو ہر فریق کو ماننا لازم ہے اور باطل وخلاف شرع ہو تو کسی پر اس کی پابندی نہیں،

قال اللہ تعالٰی "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: حکم صرف اللہ تعالٰی کا ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۶ / ۵۷

اور ماننے نہ ماننے پر کوئی خاص معاہدہ کرلیا ہو تو اس کی پابندی ضروری نہیں کہ ایک مہمل شرط ہے کوئی عقد شرعی نہیں۔

شرط اللہ احق واوثق [1] قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کی شرط کردہ زیادہ پختہ اور قوی حق ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) وہ شرط حرام باطل تھی اور وہ روپیہ ہر ایک کو اس کا واپس دینا فرض اور دوسرے کو دینا حرام،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طور پر مت کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) شہادت شرع میں صرف مدعی سے لیجاتی ہے مدعا علیہ سے گواہ لینا کچھ ضرور نہیں اور گواہان قبول شرعی کے ساتھ اگر کسی خفیہ تحقیقات سے اطمینان کرلیا تو اس میں بھی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر [3]۔ رواہ الدار قطنی والبیھقی وابن عساکر عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال النووی سند البیھقی حسن وصحیح۔	گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر پر ہے۔ اس کو دار قطنی بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام نووی نے فرمایا: بیہقی کی سند حسن اور صحیح ہے۔ (ت)

ہاں اگر حاکم نے خلاف شرع ناجائز بے ضابطہ کارروائی کی تو وہ جس حد کی ناجائز ہو گی اس کے قابل اس پر حکم ہوگا سائل نے کوئی تفصیل نہ بیان کی کہ صورت خاصہ کا حکم دیا جاتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد کچھ لے کر فیصلہ دینا ہے ایسا فیصلہ مطلقاً مردود

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] صحیح البخاری کتاب الرہن ۱/ ۳۴۲ و جامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰ وسنن الدار قطنی ۴/ ۲۱۸، السنن الکبری للبیہقی کتاب الدعوی البینات دار الفکر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

وبے اعتبار ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اجمعوا انه اذاارتشی لاینفذ قضاؤه فیما ارتشی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فقہاء نے اجماع کیا ہے کہ قاضی نے جس فیصلہ میں رشوت لی ہے وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۵) حلف کا حکم جواب چہارم میں گزرا، اگر شرعًا اس قسم کا خلاف اسے کرنا چاہئے تھا تو اس پر کچھ الزام نہیں اور وہ حاکم وقاضی بنائے جانے میں مخل نہیں اور اگر ناجائز تھا تو ایسے کو قاضی وحاکم نہ بنایا جائے اور اگر بنایا گیا تو اس کا فیصلہ اب بھی مانا جائے گا اگر مطابق شرع ہو، فتح القدیر میں ہے:

ان الفسق لایوجب العزل فولایته قائمة وقضائه بحق فلم لاینفذ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی کا فسق موجب عزل نہیں تو اس کی ولایت قائم اور فیصلہ حق ہے تو کیونکر نافذ نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۶) فتوٰی اس پر ہے کہ قاضی وحاکم کا ذاتی علم فیصلہ کے واسطے کافی نہیں، نہ اسے اس پر فیصلہ دینا جائز، اشباہ میں ہے:

الفتوی علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے زمانہ میں آج فتوٰی یہ ہے کہ قاضی کے علم پر مبنی فیصلہ پر عمل جائز نہیں ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۷) رشوت لینا مطلقًا گناہ کبیرہ ہے لینے والا حرامخوار ہے مستحق سخت عذاب نار ہے، دینا اگر بمجبوری اپنے اوپر سے دفع ظلم کو ہو تو حرج نہیں اور اپنا آتا وصول کرنے کو ہو تو حرام ہے اور لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں اور دوسرے کا حق دبانے یا اور کسی طرح ظلم کرنے کے لئے دے تو سخت تر حرام اور مستحق اشد غضب وانتقام ہے،

فی وصایا الھندیة عن فتاوی الامام قاضیخاں ان بذل المال لاستخراج	ہندیہ کے وصایا میں امام قاضی خاں کے فتاوٰی سے منقول ہے کہ دوسرے پر اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الدعوٰی والبینات نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۶۰

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی المکتبۃ النوریۃ الرضویہ سکھر ۶/ ۳۵۸

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۳

حق له علی اٰخر رشوة وان بذل لدفع الظلم عن نفسه وما له لایکون رشوة اھ [1] والمسألة تحتاج الی زیادة تقریر وتحریر وتنقیح وتنقیر لاتفرغ له الاٰن وباللہ التوفیق۔	مال خرچ کرے تو رشوت ہے اور اگر اپنے پر ہونے والے ظلم یا اپنے مال پر ناجائز دخل کو ختم کرنے کے لئے مال خرچ کرے تو یہ رشوت نہ ہوگی اھ، اور یہ مسئلہ تقریر، چھان بین، تنقیح اور تحقیق کو چاہتا ہے جس کی فی الحال فرصت نہیں۔ وباللہ التوفیق (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینھما [2]۔ رواہ الامام احمد عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اللہ کی لعنت رشوت دینے والے اور لینے والے اور ان کے دلال پر۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت) قاضی و شاہد کا مسئلہ جواب ششم و ہفتم میں گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲: از رامپور چوک حیدر علی خاں مرسلہ محمد ایاز صاحب ٹھیکیدار ۱۱/رمضان ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوی زر قرضہ اپنے کا بنام بکر دائر کیا حاکم نے ڈگری زر قرضہ بنام بکر صادر فرمایا مگر اپنی تجویز میں قسط بندی کردی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعًا حاکم کو بدون رضامندی مدعی اختیار قسط بندی کا حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:

حاکم کو نہ ہرگز اپنی طرف سے قسط بندی بے رضائے مدعی کردینے کا اختیار نہ اس کی اس قسط بندی کا کوئی اعتبار، بلکہ وہ ایک لغو بات محض ناقابل التفات ہے، حاکم کا فرض ہے کہ جب دعوی اس کے نزدیک ثابت ہوجائے فورًا مطابق دعوی حکم دے اگر تاخیر کرے گا فاسق و معزول و مستحق تعزیر ہوگا۔

الاولی لرجاء الصلح بین الاقارب الثانیة اذا استھل المدعی کما	مہلت دینا اقارب میں صلح ہے یا مدعی جب اس کا اظہار کرے، جیسا کہ الاشباہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۰

[2] مسند احمد ترجمہ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۷۹

فی الاشباہ [1] ولاحاجۃ الی استثناء ثالثۃ ذکرھا وھو ما اذاکان عندہ فیہ ریبۃ لان الکلام اذا اثبت الامر۔	میں ہے، اور تیسرے کے استثناء کی حاجت نہیں ہے اور وہ یہ کہ جب قاضی کو اس میں شک ہو، کیونکہ یہ کلام اس صورت میں ہے جب قاضی کے ہاں معاملہ ثابت ہو جائے۔ (ت)

نہ کہ برخلاف دعوٰی اپنی طرف سے کوئی بات بڑھادے۔ غمز العیون میں ہے:

یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوی عند قیام البینۃ علی سبیل الفور فلو اخر اثم ویعزل ویعزر کما فی جامع الفصولین [2]۔	قاضی پر لازم ہے کہ دعوٰی پر گواہی مل جانے پر اس کے مطابق فیصلہ فوراً کردے اگر تاخیر کریگا تو گنہگار ہوگا اور معزولی اور تعزیر کا مستحق ہوگا جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔ (ت)

قسط بندی ایک قسم اجل ہے اور اجل حق مدیون ہے۔ ہدایہ وخانیہ واشباہ وغیرہا میں ہے:

الأجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ [3]۔	مہلت مقروض ومدیون کا حق ہے تو اسی کو ساقط کرنے کا حق ہے۔ (ت)

تو یہ مدیون کے لئے ایک ایسے حق کا ثابت کرنا ہے جس کا کوئی ثبوت نہ تھا، نہ بینہ نہ اقرار نہ نکول، تو بلا ثبوت اثبات محض باطل و نامقبول، خانیہ واشباہ وخیریہ وغیرہا میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار او النکول [4]۔	قاضی صرف دلیل پر فیصلہ کرسکتا ہے اور وہ صرف گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہے۔ (ت)

طرفہ یہ کہ ثبوت درکنار خود مدیون جس کے لئے حاکم نے یہ حق ثابت کرنا چاہا اس حق کا اپنے لئے مدعی نہ تھا مدعا علیہ نے کب کہا تھا کہ یہ مطالبہ مجھ پر قسط بندی سے واجب ہے اور ظاہر ہے کہ دعوٰی شرط قضا ہے لادعوی خود قضاء کر بیٹھنے کا حاکم کو کیا اختیار ہے اور اگر مراد انشاء تنجیم ہو یعنی دین تو مؤجل باقساط نہ تھا مگر میں اس کی قسط بندی کرتا ہوں تو یہ منصب قضاء سے محض بیگانہ ایک مشورہ ہے جس کا قبول کرنا کسی پر واجب نہیں، نہ اسے پرائے مال پر کچھ اختیار ہے، نہ یہ کہ جبر پہنچتا ہے کہ مال تو تیرا واجب ہے مگر ابھی نہ لے، غایت

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۰

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۸

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

یہ کہ مدیون کو بزعم خود کم استطاعت سمجھا ہو مگر یہ سمجھ بھی محض بے اصل ہے، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ دین ایک عقد بیع کا ثمن تھا اور ایسے حالت میں اسے بلا بینہ نا قابل ادا مان لینا صحیح نہیں۔ خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

ان کان الدین واجبًا بدلًا عما هو مال کالقرض وثمن المبیع القول قول مدعی الیسار مروی ذٰلك عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه وعلیه الفتوٰی لان قدرته کانت ثابتة بالمبدل فلا یقبل قوله فی زوال تلك القدرة[1]۔	اگر وصولی کسی مالی بدل کی وجہ سے ضرورت ہو مثلاً قرض یا مبیع کا ثمن ہے تو قابل ادائیگی ہونے کی بات مانی جائے گی، یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اور اسی پر فتوی ہے کہ کیونکہ مبدل حاصل کر لینے سے مدیون کی قدرت ادائیگی ثابت ہے لہٰذا اس قدرت کے زوال کی بات نہ سنی جائیگی۔ (ت)

اس انشائے تاجیل کا حاصل اگر دائن کو منع کرنا ہے تو یکمشت اپنا دین نہ لے تو یہ حر مکلّف پر حجر بلا وجہ شرعی ہے اور وہ باطل ہے اور اگر اس کا حاصل مدیون سے یہ کہنا ہے کہ تو مثلاً مہینہ پیچھے اتنا ادا کیا کر، تو ایسا دائن خود کہے تو تاجیل نہ ہوگی اور جس وقت چاہے یکمشت لے سکے گا نہ کہ غیر دائن جسے دین سے کوئی تعلق نہیں پرائے دین کو مؤجل کردے۔ اشباہ میں ہے:

قال الدائن للمدیون اذهب واعطنی کل شهر کذا فلیس بتاجیل لانه امر بالاعطاء[2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	اگر وصولی کرنے والا مدیون سے کہے کہ جا ماہانہ اتنی قسط دے دیا کر، تو یہ مہلت کا بیان نہیں ہے کیونکہ یہ ادائیگی کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از شہر بریلی محلّہ روہیلے ٹولہ مسئولہ جناب ملک اعجاز ولی خاں صاحب زید مجدہم ۱۱/ رمضان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بنام بکر بابت غلہ قیمتی (صہ۷/) بایں دعویدار ہے کہ میرا غلہ ناجائز طور پر لے لیا ہے دلایا جائے، بکر کو لینے غلہ سے اقبال ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میرا قرضہ بذمہ زید چاہئیے تھا میں نے یہ غلہ قیمتی (صہ۷/) مذکورہ بالا اپنے قرضہ میں لیا ہے اس قسم کا بیان بکر انکار دعوی مدعی ہے یا نہیں، وار زید ثبوت نہ پیش کرکے خواستگار حلف بکر کہے تو بکر پر شرعاً حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب (کتاب یعنی قرآن کریم

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ قاضی خاں کتاب ادب القاضی الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ کراچی ۳/ ۴۱۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

سے بیان کیجئے روز حساب اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بکر دعوٰی زید یعنی غلہ لے لینے کا مقر اور اپنے قرضہ کا مدعی ہے یہاں نہ زید کے ذمہ کوئی ثبوت دینا رہا نہ بکر پر حلف آسکتا ہے،

لانہ مقر و مدع وکلاھما لاحلف علھما واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کیونکہ یہ اقرار کرنے یا دعوٰی کرنے والا ہے جبکہ ان دونوں پر قسم نہیں ہے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از قصبہ شاہ آباد ضلع ریاست رامپور مرسلہ قمر علی خاں عرف چنداخاں ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید وعمرو وبکر نے چند دیہات سرکاری اجارہ پر لئے بعد کو باہم شرکاء میں تقسیم دیہات آپس میں ہوگئی جس کے حصہ میں جو دیہہ آیا وہ اس کی ادائے جمع سرکاری کا ذمہ دار رہا اقرار نامہ تقسیم لکھ کر تصدیق ہوگئی، اس اقرار نامہ میں زید نے یہ لکھا کہ میں ایک ہزار روپے کی قرعہ یعنی توفیر کے بکر کو باقساط ادا کروں گا، اب بکر اس ایک ہزار روپے کا دعویدار ہے، زید عذر کرتا ہے کہ ایک رقم مبہم کا مجھ سے اقرار کرالیا ہے ہر شخص اپنے حصہ کے دیہات پر قابض ہے، یہ ہزار مجھ پر کیسے چاہئیں، جو دیہات مدعی کے لئے نامزد ہوئے وہ بقبضہ مدعی ہیں بعد تقسیم میرے قبضہ میں نہ آئے نہ ان کی توفیر مجھے ملی ان کی توفیر بکر مدعی پاتا ہے لہٰذا زر توفیر بذمہ مدعا علیہ کیسے چاہئے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعًا ایسا اقرار مقر پر لازم الوفاء ہے یا نہیں؟ نقل اقرار نامہ ہمرشتہ سوال ہے۔

الجواب:

ملاحظہ اقرار نامہ وبیان سائل سے واضح ہوا کہ یہ دیہات ریاست سے ان تین شخصوں نے مستاجرانہ لئے تھے ریاست نے زر منافع ۱۵ ہزار پیشگی ان سے لیا اس میں سے قریب نصف زید نے دے دیا اور بکر نے کہ ہندو ہے کچھ نہ دیا مگر ریاست زر مستاجری پر ضمانت لیتی ہے یہ کفالت تنہا جائداد بکر سے ہوئی لہٰذا اسے شریک کیا گیا وقت تقسیم ۱۱/ کا حصہ زید کا قرار پایا اور ۴/۔ ۱۴/ کا باقی شریکوں کا۔ جو دیہات بکر کو دئے گئے ان کی چونی میں کہ بکر کو ملتی بقدر ایک ہزار روپے کی تھی لہٰذا زید نے یہ اقرار نامہ لکھ دیا، یہ نہ کوئی عقد شرعی ہے نہ اقرار شرعی نہ بکر کا زید پر کچھ آتا ہے نہ زید کہتا ہے کہ اس کا مجھ پر اتنا آتا ہے نہ کسی ثالث کا دین کہ بکر پر آتا ہو زید اسکی کفالت کرتا ہے محض ایک مہمل تحریر ہے جس کا حاصل ایک وعدہ بے معنی سے زائد نہیں ایسے وعدہ کی وفا پر جبر نہیں ہوسکتا نہ بکر کو اصلاً مطالبہ کا استحقاق ہے۔ ہندیہ واشباہ

وبزازیہ وغیرہما میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وعدہ وفائی پر جبر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: ازرامپور محلّہ بارہ دری محمود خاں مسئولہ جناب عبداللہ خان صاحب ۲۹/جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درمیان اس مسئلہ کے کہ ہندہ تین نابالغ لڑکے لڑکیوں کی نانی ہے اور زید ان نابالغ بچوں کا باپ ہے، سعیدہ ان نابالغ بچوں کی ماں، زوجہ فوت ہوگئی، ان نابالغ بچوں کی جائداد غیر منقولہ علاقہ انگریزی میں واقع ہے۔ ہندہ نے اس جائداد کی نگرانی وغیرہ کے لئے برضامندی زید سرٹیفکیٹ ولایت حاصل کرلیا ہے۔ اب ہندہ نے بولایت انہیں نابالغان اور باستدلال حصول سرٹیفکیٹ از علاقہ انگریزی زید پر نابالغان کی طرف سے مہر کی نالش کی ہے۔ زید نے عدالت ججی ریاست رامپور میں ان نابالغ بچوں کی ولی دوران مقدمہ ہونے کی درخواست کی ہے، اور بکر باپ زید کا یعنی دادا نابالغان درخواست کرتا ہے کہ شرعًا مجھے حق ولایت نابالغان حاصل ہے لہٰذا دوران مقدمہ کے لئے ولی نابالغان مقرر کردیا جاؤں۔ یہ تینوں درخواستیں متضاد ہیں۔ مفتیان شرع متین سے یہ دریافت طلب امر ہے کہ مسماۃ ہندہ جو سرٹیفکیٹ ولایت باجازت باپ نابالغان علاقہ انگریزی میں حاصل کرچکی اس کی ولایت ریاست ہٰذا کے مقدمات میں مقابل زید مدعا علیہ قائم وبرقرار رہے گی یا زید مدعا علیہ ولی دوران مقدمہ ان نابالغ بچوں کا مقرر ہوسکتا ہے، یا بکر دادا ولی دوران مقدمہ مقرر ہوسکتا ہے اس کی نسبت دو صورتیں ہیں اگر زید ولی مقرر نہ ہو تب یہ ولی قائم ہوسکے گا یا زید کے ولی قائم ہونے کی حالت میں اس کو حق ولایت نابالغان حاصل ہے بصراحت روایات کتب فقہ جواب عنایت ہو۔ فقط المرقوم ۱۱ جون ۱۹۱۲ء

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نہ نانی کوئی شے ہے نہ وہ سرٹیفکیٹ کوئی چیز، نہ زید اپنی ولایت منتقل کرسکتا تھا نہ باپ کے ہوتے دادا کو استحقاق ولایت ہے۔ یہ کارروائیاں سب مہمل وبے معنی ہیں ہاں اگر زید پر سعیدہ کا مہر آتا ہو اور انکار کرے تو قاضی شرع اپنی طرف سے جسے چاہے نابالغوں پر وصی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحہ دارالقرآن کراچی ۲ /۱۱۰، العقود الدریۃ مسائل و فوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۵۳

کرے یہ وصی دعوی کرسکے گا، اور اگر زید مہر کا مقر ہے جب تو اس پر نابالغوں کی طرف سے دعوی مہر نانی کرے خواہ دادا خواہ کوئی اصلاً قابل سماعت نہیں۔ جامع الصغار فصل النکاح میں ہے:

ماتت عن زوج واولاد صغار وعلی الزوج المھر فان اقر الزوج بالمھر لم یؤخذ منہ لان الاب یملك حفظ مال صغیرہ وان انکر ینصب القاضی وصیا فیثبت علیہ المھر ویؤخذ منہ ویدفع الی الوصی فانہ بانکارہ تظھر خیانتہ و عند ظھور الخیانۃ یکون للقاضی ولایۃ دفع مال الصغیر الی وصی غیرہ[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	بیوی نے خاوند اور نابالغ بچے وارث چھوڑے اور خاوند کے ذمہ مہر باقی ہے اگر خاوند مہر کا اقرار کرتا ہے تو خاوند سے مہر وصول نہ کیا جائے کیونکہ اپنے نابالغ بچوں کے مال کا وہی محافظ ہے او اگر خاوند اپنے ذمہ مہر کا انکار کرے تو قاضی بچوں کے حق میں کسی کو وصی بناکر مہر وثابت کردے تو خاوند سے مہر وصول کرکے وصی کے سپرد کرے کیونکہ خاوند کے انکار سے اس کی خیانت واضح ہوگئی جبکہ خیانت کے ظاہر ہوجانے پر قاضی اختیار مل جاتا ہے کہ بچوں کا مال وصیہ کے سپر کر دے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶: از ریاست رامپور متصل اصطبل سرکاری عیدگاہ دروازہ مرسلہ حسن جہاں بیگم ۱۵/رجب ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نانی نابالغین نے نابالغین کی طرف سے بر فاقت ابن زید نابالغان کے باپ پر نابالغین کی والدہ متوفیہ کے دین مہر کی نالش کی ہے اور زید دین مہر سے منکر ہے اور چاہتا ہے کہ میں ولی دوران مقدمہ مقرر کیا جاؤں اور نیز والد زید بھی خواستگار ہے حالانکہ دادا کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے اور خوف تلف جائداد نابالغین کا پورا اندیشہ ہے اور نانی مشفقہ امینہ ہے اور مصلحہ ہے پس استفسار اس امر کا ہے کہ ان تینوں میں سے ولی دوران مقدمہ کون ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ زید مہر کا منکر ہے تو وہ اس مقدمہ میں ہرگز ولی نہیں ہوسکتا بلکہ حاکم پر لازم ہے کہ کسی دوسرے امین متدین کار گزار کو نابالغوں پر وصی کرے اگر دادا ٹھیک نہیں اور اس سے

[1] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین آداب الاوصیاء فصل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۱۴

ضرر نابالغان کااندیشہ ہےاور نانی امکینہ مصلحہ مشفقہ ہے تو وہی باپ دادا سے احق ہے ورنہ قاضی شرع جس کو مناسب جانے۔
جامع احکام الصغار میں ہے:

ماتت عن زوج واولاد صغار وعلی الزوج المهر فانکر ینصب القاضی وصیا فیثبت علیه المهر ویؤخذ منه ویدفع الی الوصی فانه بانکارہ تظهر خیانته وعند ظهور الخیانة یکون للقاضی ولایة دفع مال الصغیرہ الی وصی غیرہ[1]۔	بیوی نے خاوند اور نابالغ بچے وارث چھوڑے او خاوند کے ذمہ مہرباقی ہے اور خاوند انکار کرتا ہے تو قاضی کسی کو وصی مقررکرے جو مہر کو ثابت کرکے وصول کرے کیونکہ مہر کا انکار کرکے خاوند نے خیانت کردی جبکہ خیاسنت کے ظہور پر قاضی کومال وصول کرکے کسی وصی کو دینے کااکتیار مل جاتا ہے۔ (ت)

اسی عبارت سے واضح ہوا کہ اگر قاضی کے نزدیک ثابت ہوجائے کہ مہر آتا تھااور زید م،نکر کھوا تو نہ فقط اس مقدمہ یا مہر کے بارہ میں بلکہ تمام اموال نابالغان سے زید کی ولایت اٹھادی جائے گی لظهور خیانته وانعدام صیانته فخرج عن امانته (خیانت ظاہر ہونے اور حفاظت معدوم ہوجانے پر امانت سے محروم ہوگیا۔ت) اور جملہ اموال نابالگان نانی مصلحہ امینہ کو سپرد کئے جائیں گے یا جورائے قاضی میں اصلح وانسب ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷: از ریاست رامپور محلّہ گھیر شرف الدین خاں متصل فیل خانہ کہنہ مسئولہ غلام جعفر خان صاحب ۱۸/ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مدخولہ بہا کو طلاق مغلظہ دی بعد ازاں منکوحہ زید بدیں بیان دعویدار ہوئی کہ بوقت عقد نکاح مبلغ سوالاکھ روپیہ اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی تعداد دین مہر مقرر ہوئے تھے اور یہ کل دین مہر بذمہ زید اس وقت تک واجب الادا ہے بناء بریں میرا کل دین مہر زید سے دلایا جائے زید مدعاعلیہ مجیب ہوا کہ تعداد دین مہر یاد نہیں کہ بوقت عقد نکاح کس قدر مسمّٰی ہوا تھا مگر نکاح ہو اور مدعیہ نے کل دین مہر یا فتنی اپنا بزمانہ حلالت مدعاعلیہ اللہ کے واسطے معاف وابرا کردیا مدعیہ نے چندع کس گواہ پیش کئے اور سب نے بیان کیا کہ بوقت عقد نکاح سوالاکھ روپیہ اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی دین مہر کے مقرر ہوئے تھے اور

[1] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین آداب الاوصیاء فصل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۴

کسی گواہ نے یہ بیان نہیں کیا کہ دین مہر اب تک بذمہ زید مدعا علیہ واجب الاداد ہے صرف گواہان مدعیہ نے اسی قدر بیان کیا کہ سوالاکھ روپے اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی وقت عقد نکاح کے دین مہر مقرر ہوا تھا تو ایسی حالت میں گواہی گوہان مدعیہ کے معتبر ہوں گی یا نہیں اور مدعیہ دلاپانے مہر مذکورہ کے مستحق ہوگی یا نہیں، اور اگر عورت ثبوت مہر پر گواہ پیش کرے اور مرد ابراء مہر پر گواہ پیش کرے تو شرعاً کس کے گواہ اولٰی بالقبول ہوتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں موافق روایت مفتٰی بہاکے شرعاً شہادت گواہان مدعیہ معتبر اور مقبول نہیں اور مدعیہ دلاپانے مہر کے مستحق نہیں،

قال فی درر الاحکام ناقلا عن العنایۃ ادعت المرأۃ الف المهر بانها واجبۃ علی الزوج الی یومنا هذا وقال الزوج انك قد ابرأتنی منها فاقامت المرأۃ شهودا و شهدوا بالف المهر ولم یبینوا انها واجبۃ علیه الی یومنا هذالم تقبل شهادتهم علی الاصح[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ العبد المجیب محمد شجاعت علی مدرس مدرسہ ارشاد العلوم۔	درر الحکام میں عنایہ سے منقول ہے عورت نے خاوند پر مہر کے ہزار کا دعوی کیا کہ آج اس کے ذمہ ہے اور خاوند کہتا ہے کہ تونے اس میں کچھ سے مجھے بری کر دیا ہے تو عورت نے گواہ پیش کئے جنہوں نے ہزار مہر کی گواہی دی اور بیان میں انہوں نے آج تک باقی ہونے کی بات نہ کی تو صحیح قول کے مطابق یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ واللّٰه تعالٰی اعلم العبد المجیب محمد شجاعت علی مدرس مدرسہ ارشاد العلوم (ت)

الجواب صحیح محمد عبدالغفار خاں، الجواب صواب ابوالافضال محمد فضل حق۔

فی الواقع صورت مسئولہ عنہ شہادت شہود مدعیہ ناکافی اور بروقت تعارض شہود اثبات مہر وابراء کے شہود ابراء اولی بالقبول ہیں۔ واللّٰه سبحٰنہ وتعالٰی اعلم محمد منور العلی

الجواب:

صورت مذکورہ میں گواہان زن کی شہادت دربارہ مقدار مہر مسمّٰی مقبول و معتبر ہے جس مقدار کا وہ دعوی کرتی ہے اگر اسکے مہر مثل سے زائد ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دربارہ زیادت مدعیہ ہے اور یہ شہادت

[1] الدرر الحکام

اسکے دعوی کے مطابق گزری تو بحال استجماع شرائط معروفہ ضرور واجب القبول ہے،

لانها نورت دعويها بالبينة والبينة كا سمها مبينة والثابت بشهادة عدلين كالثابت بمشاهدة العين۔	کیونکہ بیوی نے اپنا دعوی گواہوں سے واضح کردیا، اور بینہ اپنے نام کی طرح روشن کرنے والا ہوتا ہے اور دو گواہوں عادلوں کی شہادت سے ثابت شدہ چیز ایسے ہے جیسے آنکھ کے مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہے۔(ت)

اور اگر مہر مثل کے برابر یا اس سے کم ہے کجب بھی شہادت مفید و مقبول ہے اگرچہ عورت اس صورت میں صرف مدعاعلیہا ہے کہ اگر گواہ نہ دیتی اسے حلف کرنا پڑتا اور ایسی جگہ حلف سے بچنے کے لئے مدعا علیہ کے گواہ مسموع ہیں، درر الاحکام باب المہر میں ہے:

ان اقامت بينة قبلت وان اقامها الزوج قبلت ايضا لان البينة تقبل لرد اليمين كما اذا اقامه المودع بينة على رد الوديعة الى المالك تقبل[1]۔	اگر بیوی نے گواہی پیش کردی تو مقبول ہوگی اگر خاوند نے پیش کی تو وہ بھی قبول ہوگی کیونکہ قسم کو رد کرنے کے لئے گواہی مقبول ہوگی ہے جیسے امین امانت مالک کو واپس کرنے پر شہادت پیش کرے تو قبول کی جائیگی۔(ت)

بلکہ اگر مہر مثل معلوم نہ ہو اور شوہر اس مقدار کو مہر مثل نہ مانے تو عورت کو آپ ہی گواہ دینے کی حاجت ہوئی کہ اتنا مہر تھا یہ وہی شہادت ہے جو اس سے شرع طلب فرماتی تو عدم قبول کی وجہ کیا ہے یا یہ گواہ دیتی کہ اس کا مہر مثل اس قدر یا اس سے زائد ہے، پھر اسے حلف کرنا پڑتا کہ اس قدر مہر مقرر ہوا تھا اس شہادت نے اس شہادت اور حلف دونوں سے غنی کردیا، بہر حال مفید و واجب القبول ہوئی، فتاوٰی امام قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

هذا اذا كان القاضى يعرف مقدار مهر مثلها فان كان لايعرف يأمر امناءه بالسوال ممن يعلم او يكلفها اقامة البينة على ماتدعى[2]۔	یہ اس صورت میں جب قاضی مہر مثل کی مقدار جانتا ہو تو اگر اسے معلوم نہ ہو چاہئے کہ وہ اپنے قابل اعتماد عملہ کو کہے کہ وہ معلومات والوں کو پوچھیں یا قاضی عورت کو پابند کرے کہ وہ اپنے مہر مثل کے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرے۔(ت)

[1] درر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب النکاح باب المہر میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۷

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الدعوٰی والبینات فصل فیما یتعلق بالنکاح الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۹۵

در مختار میں ہے:

يشترط فى ثبوت مهر المثل اخبار رجلين اورجل وامرأتين ولفظ الشهادة فان لم يوجد شهود عدول فالقول للزوج بيمينه[1]۔	مہر مثل ثابت کرنے کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی اس میں لفظ شہادت شرط ہے اور اگر عادل گواہ نہ ملیں تو خاوند کا قول قسم لے کر تسلیم کیا جائے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

من تزوج امرأة ثم اختلفا فى المهر فالقول قول المرأة الى تمام مهر مثلها[2]۔	اگر زوجین مہر میں اختلاف کریں تو مہر مثل کی حد تک بیوی کی بات معتبر ہے(ت)

عبارت منسوبہ درر الحکام وعنایہ کہ:

ادعت المراة الف المهر بانها واجبة على الزوج الى يومنا هذا وقال الزوج انك قد ابرأتنى منها فاقامت المرأة شهودا وشهدوا بالف المهر ولم يبينوا انها واجبة عليه الى يومنا هذا لم تقبل شهادتهم على الاصح[3]۔	عورت نے ہزار مہر کا دعوی کیا کہ یہ آج تک خاوند کے ذمہ واجب ہے اور خاوند کہتا ہے کہ تونے کچھ سے مجھے بری کردیا ہے تو عورت نے گواہی پیش کی تو گواہوں نے ہزار کی گواہی دی اور آج تک ذمہ واجب ہونے کو بیان نہ کیا تو صحیح قول پر وہ گواہی قبول نہ ہوگی۔(ت)

اگر ان میں اسی طرح ہو جب بھی مسئلہ دائرہ سے متعلق نہیں وہاں کلام اس صورت میں ہے کہ عورت جس مقدار مہر کا دعوی کرتی ہے شوہر کو وہ مقدار تسلیم ہے اور معافی کا مدعی ہے شہود نے اب تک مہر ذمہ شوہر پر واجب ہونے کا ذکر نہ کیا تو ان کی شہادت کو دعوی زوج سے تو کچھ مس نہ ہوا، رہی مقدار مہر زوج کو خود اس کا اقرار تھا اور مقر پر شہادت مسموع نہیں،

الا فى اربع ليس هذا منها كما فى البحر بل فى كل موضع	مگر چار میں کہ یہ ان میں سے نہیں ہے جیسا کہ بحر میں ہے بلکہ ہر ایسے مقام میں جہاں اگر گواہی نہ ہو

[1] در مختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] الهدایہ کتاب النکاح باب المہر المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۳۱۴

[3] الدرالحکام

یتوقع ضرر من غیر المقر لولاھا فیکون ھذا اصل کما فیه ایضا **اقول**: والوجه فیه ان الاقرار حجة ملزمة بنفسه من دون حاجة الی قضاء القاضی ولذا یصح فی غیر مجلس القضاء ونصوا ان القضاء علی المقر قضاء مجازا و الشهادة انما ھی یسمعھا القاضی فیلزم فاقامتھا علی المقر سعی فی تحصیل الحاصل وھو باطل بخلاف ما اذا افادت فائدۃ لم یفدھا الاقرار وھی التعدیة لان الاقرار حجة قاصرۃ[1]۔	تو وہاں غیر مقر کی طرف سے ضرر کا خطرہ ہو، تو یہ قاعدہ ہوگا جیسا کہ یہ بھی اسی میں ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں وجہ یہ ہے کہ اقرار ایسی حجت ہے جو معاملہ کو خود لازم کرتی ہے بغیر قاضی کی قضاء کے، اسی لئے یہ اقرار مجلس قضاء کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے او فقہاء نے نص کی ہے اقرار پر قاضی کی کارروائی کو مجازًا قضاء کہا جاتا ہے جبکہ شہادت کو قاضی سن کر حکم کو لازم کرتا ہے تو مقر پر گواہی کو پیش کرنا تحصیل حاصل ہے جو کہ باطل ہے۔ بخلاف اس صورت کے جس میں شہادت سے ایسا فائدہ حاصل ہو جو اقرار سے نہ ہوتا ہوا اور وہ فائدہ حکم کو متعدی بنانا ہے کیونکہ اقرار ناقص حجت ہے (ت)

یہاں تک کہ بعد شہادت اگر مدعا علیہ اقرار کردے تو حاکم بربنائے اقرار حکم کرے گا نہ کہ بربنائے شہادت۔ بحر الرائق میں ہے:

لو برھن المدعی ثم اقر المدعی علیه بالملك له یقضی له باقرار لاببینة اذ البینة انما تقبل علی المنکر لا علی المقر انتھی[2] **اقول**: ووجھه ظاہر لما قدمنا لانه لما اقر قبل القضاء لزم الحق من دون الزام فلم یبق مساغ لالزام والقضاء بالشهادۃ الزام۔	جب مدعی گواہی پیش کرچکا ہو اور اس کے بعد مدعاعلیہ مدعی کی ملکیت کا اقرار کرے تو قاضی اقرار کی بناء پر فیصلہ دے گا کیونکہ گواہی صرف منکر کے خلاف قبول کی جاتی ہے اقرار پر نہیں اھ۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس کی وجہ ظاہر ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے کہ جب قضاء سے قبل اقرار کردے گا تو حق خود بغیر الزام کے لازم ہوجائے گا تو اقرار کے بعد قاضی کی طرف سے لازم کرنے کا جواز نہیں رہتا جبکہ شہادت کی بناپر فیصلہ الزام ہوتا ہے۔ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۳

[2] بحر الرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۳

اس وجہ سے وہاں شہادت زن نامقبول تھی،بخلاف مسئلہ دائرہ کے یہاں شوہر اس مقدار مہر کا مقر نہیں تو گواہان سزن ضرور قابل قبول ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسی قدر پر عورت کو ڈگری دی جائیگی بلکہ شوہر سے ابراء پر گواہ طلب کئے جائیں گے اگر اس نے گوہان شرعی سے ابراء ثابت کردیا اور عورت کی طرف سے اس کا کوئی دفع صحیح نہ پایا گیا یا وہ گواہ نہ دے سکا اور عورت کا حلف چاہا اور عورت نے حلف سے انکار کردیا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کا مطالبہ رد کردیا جائے گا اور اگر عورت نے عدم ابراء پر حلف کرلیا تو اپنے پورے مطالبہ کی ڈگری پائے گی جس قدر اس نے شہادت سے ثابت کردیا اب وہ گواہی اس کے کام آئے گی۔ عقود الدریہ میں ہے:

بینۃ البرائۃ اولی من البینۃ علی المال ان لم یؤرخا او أرخ احدھما فقط اوأرخا سواء، بینۃ المطلوب علی انك اقررت بالبراءۃ اولی من بینۃ الطالب علی انك اقررت بالمال بعد اقراری بالبراءۃ وبینۃ الطالب اولی ان قال انك اقررت بالمال بعد دعواك اقراری بالبراءۃ[1]۔	برائۃ پر گواہی مال پر گواہی سے اولٰی ہے جب دونوں فریق یا ایک فریق نے تاریخ نہ بیان کی ہو یا دونوں نے ایک ہی تاریخ نہ بیان کی ہو مطلوب شخص کی گواہی کہ تونے براءت کا اقرار کیا ہے اولٰی ہے طالب کی اس گواہی سے کہ تونے مال کا اقرار میرے براءت کے اقرار کے بعد کیا ہے اور طالب کی یہ گواہی اولٰی ہے کہ تونے مال کا اقرار اپنے اس دعوی کے بعد کیا کہ میں نے تیرے لئے براءت کا اقرار کیا ہے۔(ت)

جامع الفصولین فصل عاشر میں ہے:

بینۃ الابراء اولی من بینۃ ان لہ علیہ کذا فی الحال[2]۔	براءت کی گواہی اولٰی ہے اس گواہی سے کہ اس کے ذمہ فی الحال اتنا مال ہے(ت)

اسی میں وہیں ہے:

الاصل ان الموجب والمسقط اذا تعارضا یؤخر المسقط اذا السقط یکون بعد الوجوب[3]۔	قاعدہ یہ ہے کہ جب موجب اور مسقط کا مقابلہ ہوجائے تو مسقط کو مؤخر قرار دیا جائے گا کیونکہ سقوط بعد از وجوب ہوتا ہے۔(ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الشھادۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۵۸

[2] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۴۳

[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۴۷

یہاں سوال دوم کا جواب بھی واضح ہوگیا کہ بینہ ابراء بینہ وجوب پر مرجح ہے اگرچہ گواہان زن یہ تصریح بھی کردیتے کہ آج تک مہر واجب الادا ہے۔

فانهم انما یقولون بالاستصحاب فمعناها نفی الابراء والایفاء ولا شهادة علی النفی بل انما یرجع نفیهم الی علمهم وعدم العلم لیس علما بالعدم۔ واللّٰه وسبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	کہ وہ استصحاب کا قول کرتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ براءت اور ادائیگی نہ ہوئی ہے جبکہ کسی نفی پر شہادت جائز نہیں بلکہ انکی یہ بات ان کے علم کی نفی کی طرف راجع ہوتی ہے جبکہ علم نہ ہونا نہ ہونے کا علم نہیں ہے۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از رامپور محلّہ گنج از جانب سبزہ فروشاں معرفت سدن کنجڑا ۴ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی اللہ دین کے ذمہ مسمّٰی بھورے چودھری کی دو اشرفیاں مبلغ تیس روپیہ کی واجب الادا ہیں جب اس نے طلب کیں تب جواب دیا کہ میں بھورے چودھر کو عبدالکریم اور نور محمد اور نسوہ کے سامنے دے چکا جب اس نے دریافت کیا تو انہوں نے بالاتفاق کہا کہ ہمارے سامنے ہرگز تم نے نہیں دیں تم غلط کہتے ہو جب دیکھا کہ سب نے انکار کیا اور میرا جھوٹ کھلا تو اللہ دین نے کہا اچھا میں ان اشرفیوں کے مبلغ تیس روپیہ بروقف حساب کتاب کے مجرا دوں گا اور یہ اقرار چند آدمیوں کے سامنے کیا کہ جس میں چھدا اور کلن اور اشخاص مذکورین موجود تھے پھر جب وقت حساب کا ہوا تو پھر انکار کردیا اور اس اقرار سے رجوع کیا اور قسم کا کر کہتا ہے کہ میں تو تینوں شخصوں مذکورین کے سامنے ادا کرچکا میں نہیں دوں گا، تو اب ایسی صورت میں جب اقرار گواہوں کے سامنے اشرفیوں کے تیس روپیہ ادا کرنے کی بابت کرچکا اور پھر انکار کیا تو یہ انکار بعد الاقرار معتبر ہوگا یا وہی اقرار مقدم کہ جس کا ثبوت گواہوں سے ہے قائم رہے گا اور اللہ دین کے ذمہ تیس روپیہ اشرفیوں کے بھورے چودھری کے واجب الادا ہوں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ امر دین ہے اور معاملہ حقوق العباد کا ہے احتیاط لازم ہے یہاں جو بھورے چودھری نے آکر بیان کیا اس میں یہ سوال تھا کہ اللہ دین قسم کھاتا ہے اس کی قسم معتبر ہے یا نہیں اور اس کا جواب دیا گیا تھا کہ جب وہ ادا کردینا بتاتا ہے کہ دین کا اقرار کرچکا اور ادا کا دعوٰی کیا تو اب وہ مدعی ہے اور چودھری مدعا علیہ۔ اور مدعی کی قسم معتبر نہیں بلکہ وہ گواہوں سے ثبوت دے کہ ادا کرچکا اگر ثبوت نہ دے سکے اور

چودھری کا حلف مانگے تو چودھری پر حلف آئے گا کہ مجھے ادانہ کئے میرا مطالبہ اس پر اب تک ہے اگر چودھری قسم سے انکار کرے تو کچھ نہ پائے اور قسم کھالے تو ڈگری دیا جائے۔ رہے چودھری کے گواہ کہ تو نے نہیں دئے اصلاً معتبر نہیں کہ شہادت نفی ہے اور نفی پر گواہی مقبول نہیں اور یہاں یہ ٹھہرانا کہ گواہ کے ہوتے حلف کی ضرورت نہیں محض بے معنی ہے، نہ چودھری پر گواہ ہیں نہ اللہ دین پر حلف۔

وھذاکلہ ظاھر لمن لہ ادنی المام بخدمۃ الفقہ الشریف فلم یکن لیقع فیہ الارتیاب ولکن لاحول ولاقوۃ الابتوفیق العزیز الوھاب۔	یہ تمام ظاہر ہے اس شخص پر جس کو فقہ شریف کی خدمت میں ادنی حصہ بھی ہے تو اس میں شک نہیں ہونا چاہئے، لیکن اقدام اور قوت اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہیں۔ (ت)

اس قدر صورت کا تو حکم یہ تھا اور سال میں اکثر عبارات سائلین اپنے فہم کے لائق بالمعنی نقل کرتے ہیں اور جہاں اختلاف لفظ سے حکم بدلتا ہے وہاں ان کے سبب دقت واقع ہوتی ہے اور حق رسی دشوار ہوجاتی ہے خصوصًا بہت خدا ناترس وکلائے مفتعلہ ساختہ الفاظ تعلیم کرتے ہیں جن سے کمی پوری ہوجائے اور یہ سخت مزلہ اقدام ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، پس اگر شہادت عادلہ شرعیہ متفقہ سے ثابت ہوا کہ اللہ دین نے وہ لفظ کہے کہ اچھا میں ان اشرفیوں کے تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا، یہ تو ضرور اقرار ہے کہ اسی زر مدعٰی کا دینا مانتا ہے اور اقرار کے بعد انکار مسموع نہیں، روپے دینا ہوں گے، اور اگر اتنا کہنا ثابت ہو کہ اچھا میں تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا تو اسے اقرار ٹھہرانا محل تامل ہے، ظاہر عبارت سوال یہ ہے کہ یہ کلام مبتداء ہے اور مجرا دوں گا وعدہ ہے اور وعدہ کہ کلام مبتدا میں ہو اقرار نہیں اور اچھا کہ بعد منازعت کہا معنی قبول عطا قطعاًللنزاع کا احتمال رکھتا ہے اور قبول عطا قبول وجوب نہیں اور اقرار قبول وجوب ہے اور اب زر مدعی کی طرف اشارہ اور مجرا دینا دادنی ہونا چاہتا ہے اور کلام مبتداء میں کوئی مال دادنی ماننا بھی اقرار نہیں فلیثبت فیہ۔ فتاوٰی قاضی خان میں ہے:

الاصل فیہ ان الکلام اذاخرج علی وجہ الکنایۃ عن المال الذی ادعاہ المدعی یکون اقرارا، رجل قال لغیرہ اقض الالف التی لی علیك فقال ساعطیکھا اوغدا اعطیکھا اوفاتزنھا اوانتقدھا	قاعدہ یہ ہے کہ مدعی علیہ کی ایسی کلام جس سے مدعی کے دعوی مال کا کنایہ بنتا ہو تو وہ اقرار ہوگا ایک شخص دوسرے کو کہے کہ وہ ہزار جو میرا تیرے ذمہ ہے اس کو ادا کر، تو وہ جواب میں کہے یہ دوں گا یا یہ کل دوں گا، یا ان کو وزن کر، یا انکو گنتی کر، تو یہ مدعی کی

کان اقرارا بالملک، ولو قال اتزن او انتقد لایکون اقرارا[1]۔	ملکیت کا اقرار ہوگا، اور اگریوں کہے میں وزن کرتا ہوں یا گنتی کرتا ہوں تو یہ اقرار نہ ہوگا (ت)

فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا قال مرا بفلان دہ درم دادنی ست قال لایلزمہ شئی مالم یقل ھو علی اوفی رقبتی اوذمتی او ھو دین واجب او حق لازم کذافی الظھیریۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے یوں کہا مجھے فلاں کے دس درہم دینے ہیں، تو اس سے کچھ لازم نہ ہوگا جب تک میرے ذمہ یا مجھ پر، یا میری گردن پر، یا وہ قرض واجب یا حق لازم، کے الفاظ نہ کہے، ظہیریہ میں یونہی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹: مسئولہ محمد عبدالقیوم صاحب زمیندار قادر پور پرگنہ سرونج ریست دارالاسلام ٹونک ۲۳/ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید کی بیوی ہندہ اپنے شوہر کی تیرہ چودہ برس بعد ایک دستاویز جو کہ بحیثیت ہبہ کے ہے پیش کرتی ہے اور بیان کرتی ہے کہ میرے شوہر نے اپنی حیات میں یہ دستاویز مجھے لکھ دی تھی اس پر ایک مفتی کے دستخط بھی ہیں لیکن باضابطہ اس کی تصدیق سرکاری دفتر میں نہیں ہوئی ہے نہ وہ اصل دستاویز یا اس کی نقل سرکاری دفتر میں رکھی گئی ہے البتہ مفی صاحب کے دستخط بحیثیت تصدیق کے ہیں ونیز اس جائداد کا جھگڑا بعد انتقال زید کے ہوا تھا لیکن اس وقت اس نے اس تحریر کو پیش نہیں کیا ایسی صورت میں وہ دستاویز مانی جانے کے قابل ہو سکتی ہے اور شریعت پاک اس تصدیق شدہ دستاویز ونیز متذکرہ کو جس کی نقل یا اصل سرکاری دفتر میں نہیں رکھی گئی ہے صحیح تسلیم فرما کر ہندہ کو فائدہ بخش سکتے ہیں۔ بیان کروتم اور اجر پاؤتم فقط۔

الجواب:

کوئی دستاویز ثبوت میں پیش نہیں کی جاسکتی جب تک اس کے ساتھ شہادت نہ ہو۔ علماء فرماتے ہیں:

لایعمل بالکتاب لان الخط یشبہ	لکھائی پر عمل واجب نہیں کیونکہ خط ایک دوسرے

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الاقرار فصل فیما یکون الاقرار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۵۷

الخط والخاتم یشبہ الخاتم کما فی الاشباہ والھدایۃ والھندیۃ وغیرہا[1]۔	کے مشابہ ہوتا ہے اور مہر دوسری مہر کے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ اشباہ، ہدایہ اور ہندیہ وغیرہا میں ہے۔(ت)

خصوصًا اس حالت میں کہ بعد موت جھگڑا بھی ہوا اور اس نے دستاویز پیش نہ کی اب اتنی برسوں کے بعد ظاہر کرتی ہے دستاویز درکنار ایسا دعوی ہی قابل سماعت نہیں،

بہ یفتی قطعا للتزویر والتلبیس کما فی الخیریۃ[2] والعقود الدریۃ وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسی پر فتوی ہے تاکہ جعلسازی اور تلبیس کا خاتمہ ہوسکے جیسا کہ خیریہ، عقود الدریہ وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۱۰: مرسلہ قاضی حسام الدین صاحب از تعلقہ راویر ضلع مشرقی خاندیس ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

ایک شخص فوت ہوا اور اس کے تین لڑکے عاقل و بالغ ہیں اور لیاقت میں تینوں مساوی ہیں تو ایسی حالت میں قضاۃ کا کون مستحق ہے، خلف اکبر کا رتبہ وحق برادران خورد سے کم ہے یا زیادہ؟

الجواب:

کوئی منصب نہ میراث ہے، نہ بڑے چھوٹے پر موقوف، جو لائق تر ہو وہ کیا جائے، اور سب مساوی ہوں تو منصب دینے والا جسے چاہے دے، اور اگر ان سب سے کوئی اجنبی زیادہ لائق ہے تو وہی مستحق ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۱: مرسلہ میاں جان شاہ خلیفہ وجانشین حضرت حاجی غلام احمد صاحب مرید میاں احمد علی شاہ صاحب سکینہ ریاست رامپور محلّہ بذریہ ہمت خاں ۱۸/ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید لاوارث نے اپنے مکان مملوکہ ومقبوضہ کی نسبت اپنے مریدوں سے ایک مرید بکر نامی کو جو دس سال کی عمر سے اس کی اطاعت وخدمت گزاری شبانہ روز بسر کرتا تھا خرقہ خلافت وتبرکات وغیرہ عطافرما کر اس کو اپنی سجادہ نشینی

---

[1] الاشباہ والنظائر مع غمز عیون البصائر کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸، الہدایہ کتاب القاضی الی القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۹ و ۱۵۷، فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۴۸

کی خدمت تفویض کی اور ساتھ ہی اس کو یہ وصیت کی کہ یہ مکان تجھ کو ہبہ کرتا ہوں میرے انتقال کے بعد تم اس مکان میں اپنی سکونت رکھ کر مکان مذکورہ میں میرا اور میرے پیر ومرشد نیز دیگر اولیاء و پیران عظام کی علی الدوام فاتحہ عرس بطریق فقراء اپنے اہتمام سے سال بسال کرتے رہنا، اور میرے مرید بغرض شرکت عرس بیر ونجات وغیرہ سے آئیں ان کو مکان مسطور میں مقیم کرکے ان کے خورد نوش کا بھی انتظام کرنا اور جس طرح کہ میں اوراد واشغال وچلہ کشی وغیرہ خود کرتا اور اپنے مریدوں وغیرہ کو تلقین اور سلسلہ وطریقہ پیری ومریدی وغیرہ کی تعلیم دیتا رہتا ہوں یہی معمول رکھنا، اور زید نے بخیال کم استطاعتی وبے بضاعتی اپنے سجادہ نشین بکر کے مکان مذکور کی نسبت بیع کی ممانعت کرکے رہن کی اجازت دی، بعد اس وصیت کے زید نے مکان مذکورہ پر بکر کا قبضہ کامل طور سے کرادیا، بکر ایک تارک الدنیا فقیر ہے، وصیت پیر ومرشد کو بجان ودل قبول ومنظور کرلیا اور زید نے اس وصیت کے کئی سال بعد سفر آخرت اختیار کا بکر زید کی وصیت کے موافق زمانہ اٹھارہ سال سے مکان مذکور پر بلاشرکت غیرے قابض ومتصرف ہے اور جملہ خدمات کی بجاآوری میں مامور ومشغول ہے بلکہ بسبب انہدام مکان مذبور ونیز برائے سرانجام فاتحہ عرس بباعث تنگدستی مکان مسطور کو رہن کرکے حسب وصیت زید جمیع امورات مفوضہ کو بجالانا مقدم سمجھا ہے ان امور متذکرہ بالا کے اکثر وبیشتر لوگ واہل محلّہ بخوبی واقف وشاہد ہیں، اب ایک عمرو نامی شخص دینا دار جو اپنے کو متولی زید کے پیر ومرشد کے مزار کا قرار دیتا ہے بوجہ طمع نفسانی وبحرص مفاد دنیاوی اس وصیت زید کو اٹھارہ سال کے بعد کالعدم ظاہر کرکے یہ کہتا ہے کہ زید مجھ کو یہ وصیت کرگیا ہے کہ مکان مسطور فروخت کرکے میرے پیر ومرشد کے مزار کی مرمت وروشنی وغیرہ کرنا، پس صورت مذکورہ بالا میں مکان مقبوضہ اٹھارہ سالہ مواہبہ شرعًا قبضہ بکر سے علیحدہ ہو کر فروخت ہوسکتا ہے یا نہیں اور خواہش نفسانی عمرو دنیادار کی موافق شرع شریف کے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

سائل مظہر ہے کہ عمرو وہیں کا ساکن ہے اور مدت دراز سے زید کو اس مکان پر قبضہ کے تصرفات مالکانہ مثل ہدم وتعمیر وغیرہ کرتے دیکھ رہا ہے اور اب تک ساکت رہا اب ۱۸ سال کے بعد اس وصیت کا مدعی ہوا، پس صورت مستفسرہ میں عمرو کا دعوٰی اصلًا قابل سماعت نہیں۔ فتاوٰی امام شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ عزی تمرتاشی میں ہے:

سئل عن عجل له بيت في دار يسكنه مدة تزيد على ثلث سنوات	سوال ہوا ایسے شخص کے متعلق کہ ایک حویلی کے کمرہ میں تین سال سے زائد مدت سے مقیم ہے۔

وله جار بجانبه والرجل المذكور فی البیت متصرف فی البیت المزبور هدما وعمارة مع اطلاع جاره علی تصرفه فی المدة فهل اذا ادعی البیت اوبعضه بعد ماذكر من تصرف الرجل المذكور فی البیت هدمًا وبناءً فی المدة المذكورة تسمع دعواه ام الاجاب، لاتسمع دعواه علی ماعلیه الفتوی [1]۔	اور شخص مذکور اس کمرہ میں ہر طرف کا تصرف گرانا، بنانا کرتا چلاآرہا ہے اس کے پڑوس میں دوسرا شخص ہے جو مذکورہ مدت سے اس کے تصرفات مذکور کو دیکھ رہا ہے، تو کیا اس پڑوسی کو اس کمرہ کے کل یا بعض پر دعوی کا حق ہے باوجودیکہ وہ سب کچھ تصرفات دیکھتا رہا ہو۔جواب دیا کہ اس دعوی سماعت نہ ہوگی مفتی بہ قول کے مطابق (ت)

وجیز کردری میں ہے: علیه الفتوی قطعا للاطماع الفاسدة [2] (اس پر فتوٰی فاسد طمع کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ت) رد المحتار میں ہے:

مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی، قوله زرعا وبناء المراد به کل تصرف لایطلق الاللمالك فهما من قبیل التمثل، قوله لاتسمع دعواه ای دعوی الاجنبی ولو جارا [3]۔	تصرفات مذکورہ پر اطلاع کے باوجود خاموشی دعوی کے لئے مانع ہے، ماتن کا قول "زراعت و تعمیر" سے مراد تمام ایسے تصرفات جو صرف مالک کے لئے جائز ہیں یہ دونوں بطور تمثیل ذکر کئے، اس کا قول اس کا دعوی نہ سنا جائے گا یعنی ہر اجنبی کا خواہ پڑوسی ہو۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی، ولم یقیدوه بمدة ولابموت، ولیس مبنیا علی المنع السلطانی بل هو حکم اجتهادی نص علیه الفقهاء [4] ملتقطا، والله تعالٰی اعلم۔	تصرفات پر اطلاع ہی دعوی سے مانع ہے کسی مدت یا موت کی قید کے بغیر یہ بات فقہاء نے ذکر ہے، یہ حکم سرکاری پابندی کی بناء پر نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی حکم ہے جس کو فقہاء نے بالاتفاق بیان کیا ہے ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] العقود الدریہ بحوالہ فتاوٰی غزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب النکاح الفصل التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۱۲۶

[3] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴

[4] العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

مسئلہ ۱۱۲: ازانجمن نعمانیہ لاہور ۱۳/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

امیر یاامام یاصدر قوم کو شرعًا مسلمانوں کا مشورہ لین کے بعد کثرت رائے کااتباع لازمی ہے یااس کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی رائے پر ع اور کاموں میں ان سے مشورہ ارجو کسی بات کاارادہ پکا کرلو تواللہ پر بھروسہ کرو۔(ت) مل کرے خواہ وہ رائے کثرت رائے کے خلاف ہی ہو مثلًاانجمن یا مجلس کی صورت میں اس کے متعلقہ کاموں کے لئے ماتحت مجلسین ہر فن کے ماہرین کی بنادی گئی ہوں اور کل اس عام مجلس کاایک صدر یاامام یاامیر بھی منظور کرلیا گیا ہو تو خاص فن کی مجلس کے فیصلہ کے خلاف صدر مجلس مذکور کو ان کی رائے حاصل کرلینے کے بعد یہ اختیار ہوگا کہ ان کے فیصلہ کے خلاف حکم دے دے اور وہ قابل اتباع ہو یا نہیں، یعنی زید جواس دعوی کاحامی ہے کہ صدر کو کثرت رائے کااتباع لازمی نہیں وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں فخر کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثاہل پیش کرتا ہے کہ بعض اوقات صحابہ علیہم الرضوان سے مشورہ لینے کے بعد بھی اپنی ذاتی رائے پر عمل کیااور کلام قدیم میں بھی انہیں الفاظ میں حکم آیا کہ:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ"[1]	اور کاموں میں ان سے مشورہ ارجو کسی بات کاارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔(ت)

یعنی اپنی عزیمت پر عمل کرنے کااختیار دے دیا زید یہ بھی کہتا ہے کہ آج کل مجلسوں میں کثرت رائے کااتباع ایک زمانہ حال کے غیر مذاہب کے رویہ کااتباع ہے جو درحقیقت مضر ہوتا ہے مثلًا کثرت رائے آج کل کے ایسے مسلمان کی جو مذہبی اتباع میں نہایت کمزور ہوتے ہیں کسی شرع معاملہ میں بوجہ آرام طلبی ومصلحت زمانہ کے خلاف ہوجائے تو کیااس شرعی مسئلہ کے خلاف کرنا جائز ہوجائے گا، عمرو بکر وغیرہ زید کے مقابل میں یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ خاصہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے تھا بعد میں امت مرحومہ کو اتباع سواد اعظم کاحکم دیا گیااور **من شذ شذ فی النار**[2] (جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔ت) کاوعید سنایا گیااور **لاتجتمع امتی علی الضلالۃ**[3] (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ت) کہ کسوٹی دی گئی اجماع ادلہ شرعی میں قرار پایا جس پر اہل سنت وجماع کے مذاہب

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

[2] المستدرك للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

[3] المستدرك للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۵۔۱۱۴،الدرالمنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ حدیث ۴۵۹ المکتبۃ الاسلامی بیروت ص ۱۹۰

اربعہ کی بنیاد ہے، نیز زید کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک امر کے متعلق اس کے اہل فن کی مجلسیں مقرر کردی گئی ہوں تو ان کا فیصلہ کیوں اجماع کا حکم نہ رکھے گا اور اس کے خلاف صدر کو عمل کرنے کا کیوں اختیار ہونا چاہئے کیونکہ صدر آخر ایک شخص ہے اس کو ایک مجلس کے متفقہ فیصلہ توڑدینے کا اختیار دینا خالی از خطر نہیں ہوسکے گا اس کے مفسدہ اور مصلحت پر بھی نظر رہنا چاہئے، براہ کرم ان کے جواب سے بادلہ شرعی بہت جلد مطلع فرمادیں۔

المستفتی
سلیم اللہ خاں جنرل سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

المستفتی
تاج الدین احمد سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

المستفتی
نور بخش فنانشل سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

الجواب:

دلیل کہ زید نے بیان کی، بجائے خود صحیح ہے۔ خصائص بے دلیل صحیح اختصاص ثابت نہیں ہوتے، مواہب شریف میں ہے:

الخصائص لا تثبت الابدلیل صحیح قالہ فی شرح تقریب الاسانید[1]۔	خصائص صحیح دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتے، یہ بات انہوں نے تقریب الاسانید کی شرح میں ذکر کی ہے۔(ت)

اسی طرح فتح الباری وغیرہ میں ہے، یوں تو ہر فضل عطائی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی سے خاص ہے کہ وہی اصل و منبع ومبدء ومرجع ہر فضل ہیں ؎

وکل آی اتی الرسل الکرام بہا　　فانما اتصلت من نورہ بہم[2]

انما مثلوا صفاتك للناس　　کما مثل النجوم الماء[3]

(جو معجزات مرسلین لائے ہیں وہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور سے ان تک پہنچے وہ لوگوں کے لئے آپ کی صفات مظہر بنے جس طرح ستاروں کیلئے پانی مظہر بنتا ہے۔ت)

---

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۶۰۰

[2] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۵۸۲

[3] المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ حرف الہمزہ دار المعرفت بیروت ۱ /۷۷

مگر حقائق عطایائے محمدیہ میں یہ فضل کہ بعد مشورہ بھی اپنی رائے پر اعتماد جائز ہو علمائے کرام نے خصائص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نہ گنا البتہ وجوب مشورہ کو خصائص والا سے شمار کیا کما فی انموذج اللبیب للامام السیوطی والمواھب للامام القسطلانی (جس طرح کہ امام سیوطی کی انموذج اللبیب اور امام قسطلانی کی مواہب میں ہے۔ت) بلکہ ہمارے علمائے کرام نے ہر حاکم ذی رائے کے لئے اس کے عموم کی تصریح فرمائی کہ مشورہ کرے پھر عمل اپنی ہی رائے پر کرے اگرچہ سب رائے دہندوں کے خلاف ہو یعنی جبکہ مشورہ سے اپنی رائے کی غلطی ظاہر نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو محتاج مشورہ نہیں بلکہ ہر امر میں اپنے رب کے سوا تمام جہان سے غنی وبے نیاز ہیں حضور کا مشورہ فرمانا غلاموں کے اعزاز بڑھانے اور انہیں طریقہ اجتہاد سکھانے امت کے لئے سنت قائم فرمانے کے لئے تھا وہ خود فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اما ان اللہ ورسولہ لغنیان عنہا ولکن جعلہا اللہ رحمۃ لامتی فمن استشار منہم لم یعدم رشدا ومن ترکہا لم یعدم غیا [1]۔ رواہ ابن عدی والبیہقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	واضح ہو کہ اللہ تعالٰی اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالٰی نے مشورہ کو میری امت کیلئے رحمت بنایا ہے تو جو مشورہ کرے گا وہ رہنمائی کو معدوم نہ پائے گا اور جو نہ کرے گا وہ خطا کو معدوم نہ پائے گا۔ اس کو ابن عدی اور بیہقی نے شعب میں سند حسن کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

امام حسن بصری فرماتے ہیں:

قد علم اللہ انہ مابہ الیہم من حاجۃ، ولکنہ اراد ان یستن بہ من بعدہ [2] رواہ سعید بن منصور فی سننہ وابن المنذر وابی حاتم والبیہقی۔	اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کے مشورہ کی حاجت نہیں لیکن ارادہ فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی سنت جاری کی جائے، اس کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور ابن منذر، بیہقی اور ابوحاتم نے روایات کیا ہے۔ (ت)

---

[1] شعب الایمان للبیہقی حدیث ۷۵۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۷۶، درمنثور بحوالہ البیہقی وابن عدی وشاورھم فی الامر کے تحت مکتبۃ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۲/ ۹۰

[2] المواہب الدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۶۰۱

امت کے لئے فائدہ مشورہ یہ ہے کہ تلاحق انظار وافکار سے بارہا وہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صاحب رائے کی نظر میں نہ تھی س کا انتظار ہے اور بعد مشورہ بھی کوئی جدید امر کہ اپنی رائے میں ترمیم کرنا واضح نہ ہوا تو رائے روشن مشورہ بے ضیاء سے احق بالا تباع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

استفت قلبك وان افتاك المفتون [1] رواہ البخاری و احمد فی التاریخ عن وابصة بن معبد الجهنی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اپنے دل سے فتوی لے اگرچہ مفتی حضرات تجھے فتوی دیں۔ اس کو بخاری نے تاریخ اور احمد نے حضرت وابصہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کے حق میں کثرت رائے کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ ذی رائے ہے تو اپنی ہی رائے کا اتباع کرے اگرچہ تمام رائے دہندہ خلاف پر ہوں اور غیر کے لئے بھی یہ ہے کہ جو ان میں اعلٰی وافقہ واورع ہے اس کی رائے پر چلے اگرچہ وہ اکیلا اور اس کے خلاف پر کثیر ہوں۔ معین الحکام میں ہے:

ان کان فی المصر قوم من اهل الفقه شاورهم لان اللہ تعالٰی امر رسوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بذٰلك، فان اتفقوا علی شیئ وکان رأیة کرأیهم فصل الحکم، وان اختلفوا نظر الی اقرب الاقوال من الحق وامضی ذٰلك وان کان من اهل الاجتهاد، ولا یعتبر السن ولا کثرة العدد لان الاصغر والواحد قد یوفق للصواب فی حادثة مالا یوفق الاکبر والجماعة [2]۔	اگر شہر میں اہل فقہ ہوں تو ان سے مشورہ کرے کیونکہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرمایا ہے پس اگر ان کا کسی معاملہ پر اتفاق ہو اور اس کی رائے انکی رائے کے مطابق ہو تو حکم حاصل ہوگیا اور اگر ان کا اختلاف ہو تو اقرب الی الحق قول کو پاکر اس پر عمل کرے اگرچہ وہ اہل اجتہاد میں سے ہو، عمر اور عدد کی کثرت کا اعتبار نہیں کیونکہ کبھی کم عمر اور واحد شخص کسی حادثہ میں درستگی کو پالیتا جس کو بڑا اور جماعت نہیں پاتے(ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ تخ حدیث ۲۹۳۴۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۲۵۰، مسند احمد بن حنبل مروی از وابصہ بن معبد المکتب الاسلامیہ بیروت ۴/ ۲۲۸

[2] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقتضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۷

اسی طرح محیط پھر ہندیہ میں ہے:

(وزاد)وینبغی ان یکون ھذاعلی قول ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه اما علی قول محمد رحمه اللہ تعالٰی فتعتبر کثرة العدد ثم قال وان لم یکن القاضی من اھل الاجتھاد وقد وقع الاختلاف بین اھل الفقه اخذ بقول من ھو افقه واورع عندہ[1]۔	اور انہوں نے یہ زائد بات کی کہ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہونا مناسب ہے لیکن امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر کثرت عدد کا اعتبار ہے، اور پھر فرمایا اگر قاضی اہل اجتہاد میں سے نہ ہو تو فقہاء کرام کے اختلاف کی صورت میں زیادہ فقیہ اور پرہیزگار کے قول کو اپنائے۔(ت)

نیز معین الحکام میں ہے:

وان اختلفوا علی الامیر فرأی بعضھم رأیا، ورأی بعضھم رأیا غیرہ لم یمل مع اکثرھم ولکن ینظر فیما اختلفوا فیه، فمارأہ صوابا قضی به وانفذہ، و کذٰلك ینبغی للقاضی ان یفعل ذٰلك اختلف علیه المشاورون من الفقھاء[2]۔	اگر مشورہ دینے والوں میں اختلاف ہو کسی کی رائے کچھ اور کسی کی رائے کچھ ہو تو اکثریت کی رائے پر عمل نہ کرے بلکہ غور کرکے درست رائے قائم کرے اور اس پر عمل کرتے ہوئے فیصلہ دے کر نافذ کردے، اور قاضی کو بھی یہی کرنا چاہئیے جب مشورہ دینے میں فقیہ لوگوں میں اختلاف پایا جائے۔(ت)

عمرو بکر وغیرہما کے استدلال محض باطل ہیں اتباع سواد اعظم کا حکم اور من شذ شذ فی النار[3] (جو جدا ہوا وہ جہنم میں گیا۔ ت) کی وعید صرف در بارہ عقائد ہے مسائل فرعیہ فقہیہ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں، صحابہ کرام سے ائمہ اربعہ تک رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کوئی مجتہد ایسا نہ ہوگا جس کے بعض اقوال خلاف جمہور نہ ہوں، سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مطلقًا جمع زر کو حرام ٹھہرانا، ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نوم کو اصلا حدث نہ جاننا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مسئلہ ربا، امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ مدت رضاع، امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ متروک التسمیہ عمدًا،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۳۱۴

[2] معین الحکام فصل فی جمع الفقھاء للنظر فی حکم القاضی مصطفی البابی مصر ص ۳۳

[3] مستدرک للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱ /۱۱۵

امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ طہارت سؤر کلب و تعبد غسلات سبع، امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ نقض وضو بلحم جزور وغیرہ ذلک مسائل کثیرہ کو جو اس وعید کا مورد جانے خود شذ فی النار[1] (جو جدا ہو جہنم میں ڈالا گیا۔ت) کا مستحق بلکہ اجماع امت کا مخالف اور "نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝۱۱۵" [2] (اس کو پھیر دیں گے جب وہ پھر، ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ت) کا مستوجب ہوگا اور حدیث اجماع اور بھی بعید تر۔ اجماع میں ایک وقت کے تمام مجتہدین کا اتفاق درکار ہے ایک کے خلاف سے بھی اجماع نہیں رہتا اور کسی مجلس کے فیصلہ کو اجماع ٹھہرانا سخت سے سخت نادانی ہے، شہر بھر کے فقہاء کا اتفاق تو اجماع درکنار فقیہ کے مقابل اصلاً حجت نہیں ہوتا، نہ کہ اراکین مجلس کا فیصلہ جن میں اکثر بے علم ہوتے ہیں بلکہ بہت جگہ کل۔ بدائع میں ہے:

ان اشکل علیه حکم الحادثة استعمل رأیه فی ذٰلك وعمل به والافضل ان یشاور اهل الفقه فان اختلفوا اخذ بما یؤدی الی الحق ظاهرا و ان اتفقوا علی رأی یخالف رأیه عمل برأی نفسه ایضا لکن لاینبغی ان یعجل الخ[3] (ملخصًا)	اگر کسی حادثہ میں مشکل پیش آئے اپنی رائے کو عمل میں لائے اور افضل یہ ہے کہ اس معاملہ میں اہل فقہ سے مشورہ کرے، اگر ان میں اختلاف ہو تو جو ظاہر طور پر حق کے قریب ہو اسے اختیار کرے اور اگر وہ اس کی رائے کے خلاف کسی رائے پر اتفاق کریں تو اس کو اپنی رائے کا ترک جائز نہیں لیکن عجلت مناسب نہیں الخ (ت)

محیط میں ہے:

اتفقوا علی شیئ ورأی القاضی بخلاف رأیهم لاینبغی ان یترك رأی نفسه[4]۔	اگر ان کا اتفاق قاضی کی رائے کے خلاف ہو تو قاضی کو اپنی رائے ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ (ت)

معین الحکام میں ہے:

فاذا اجتمع فقهاء البلد علی شیئ	جب شہر کے فقہاء کا کسی رائے پر اتفاق ہو اور

[1] المستدرك للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

[3] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کتاب ادب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۵

[4] محیط

وکان رأیه خلاف ذٰلك فلاینبغی ان یجعل بالحکم حتی یکتب فیه الی غیرهم ویشاورهم ثم ینظر الی احسن ذلك فیعمل به،لان المشورة بالکتاب من الغائب بمنزلة المشورة بالخطاب من الحاضر،فان خالف رأیه رأیهم قضی برأی نفسه،لان رأیه اصوب عنده ورأی غیر لیس بصواب[1]۔	قاضی کی رائے کے خلاف ہو تو قاضی کو جلد مناسب نہیں حتی کہ دوسروں سے خط وکتابت اور مشورہ کرے پھر ان آراء میں غور کرکے بہتر رائے کو عمل میں لائے کیونکہ خط وکتابت کے ذریعہ غائب شخص سے مشورہ ایسے ہی ہے جیسے خطاب کے ذریعہ حاضر شخص سے مشورہ ہے اس کے باوجود اگر اس کی رائے ان کی رائے سے مختلف ہو تو اپنی رائے پر عمل کرے اور فیصلہ دے کیونکہ اس کے لئے اپنی رائے پر عمل درست ہے او دوسرے کی رائے اس کے ہاں درست نہیں ہے۔(ت)

یہ دلائل پر کلام تھا،رہا حکم **فاقول: وباﷲ التوفیق**،اس میں تفصیل کثیر ہے،معاملہ دائرہ دو قسم ہے:شرعی یا اس کا غیر۔ یہاں شرعی سے مراد وہ امر ہے جس سے حکم وتحدید شرعی متعلق ہو اختیار مکلّف پر نہ چھوڑا گیا ہو،اور غیر سے وہ جسے شرع نے ہمارے اختیار پر رکھا ہے مثلاً چاندی چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات لازم فرمادی ہے کمی بیشی کا اختیار نہیں اور سونا چاندی کے عوض بیچنے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی،عاقدین کو اختیار ہے کہ پندرہ کی اشرفی ہزار روپیہ کو لیں دیں خواہ ایک پیسے کو،

لقوله صلی اﷲ تعالٰی علیه وسلم اذااختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی وجہ سے کہ جب دو مختلف جنس ہوں تو پھر جیسے چاہو فروخت کرو۔(ت)

تو پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہونا حکم شرعی نہیں لیکن روپے کو بدلے سواگیارہ ہی ماشے چاندی ہونا حکم شرعی ہے۔**قسم اول** میں پھر دو۲ صورتیں ہیں،کتب میں اس کا حکم مصرح ہے یا حادثہ جدیدہ ہے کہ اس کا حکم نصوص فقہی سے نکالنا محتاج نظر تفقہ ہے پھر جس کا حکم مصرح ہے وہ ایک ہی حکم ہے جس سے تجاوز ناجائز یا دونوں طرح کے حکم ہیں اور مکلّف کو روا ہے ان میں جس چاہے عمل کرے،پہلی صورت یہ کہ حکم واحد متفق علیہ ہو،یا اگرچہ اختلاف ہے مگر قول راجح ومعتمد ایک ہی ہے خواہ یوں کہ فتوٰی ایک ہی

---

[1] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۸،۲۷

[2] نصب الرایہ لاحادیث الهدایہ کتاب البیوع المکتبة اسلامیہ ریاض ۴/ ۴

جانب دیا گیا یا دوسرے جانب کی ترجیح ان وجوہ پر کہ خادم فقہ جانتا ہے ضعیف و مضمحل ہے بہر حال دوسرا قول نا قابل اخذ ہے،

فان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع [1] درمختار عن تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم۔	تو بالتحقیق فتوٰی اور فیصلہ مرجوح قول پر کرنا جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے، یہ درمختار میں علامہ قاسم کی تصحیح القدوری کے حوالہ سے ہے۔(ت)

اس صورت میں اسی حکم کا اتباع واجب ہے خواہ وہ رائے صدر ہو یا رائے ارا کین کل یا بعض ہو یا سب کے خلاف ہو اذ لا حکم لاحد مع الشرع المطھر (شریعت مطہرہ کے مقابلہ میں کوئی حکم معتبر نہیں۔ت) اور دوسری صورت یہ کہ دونوں قول بلا ترجیح آراء ہوں یا ترجیح دونوں طرف متکافی ہو یہ صورت قسم دوم سے ملتصق ہے کہ ایسی حالت میں مکلّف مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے۔ درمختار میں ہے:

فی وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسألۃ قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما [2]۔	بحر وغیرہ وقف میں ہے، جب کسی مسئلہ میں دو مختلف قول ہوں اور وہ صحیح قرار دئے گئے ہوں تو ان میں ایک پر فتوٰی اور قضا جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار کتاب القضاء میں ہے:

ومثلہ یقال فی المقلدین فیما لم یصرحوا فی الکتب بترجیحہ واعتمادہ [3]	کتب میں جس مسئلہ پر ترجیح نہ ہو تو دو مقلدوں کے متعلق یہی بات کہی جائے گی(ت)

اور جس کا حکم کتب میں نہیں تو اب چار صورتیں ہیں یا تو صدر وارا کین سب فقیہ متفقہ صاحب نظر و تصرفات صحیحہ ہیں یا صرف صدر یا صرف ارا کین کل یا بعض کوئی نہیں، بہر حال اس میں جو ایسا نہ ہو اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں صدر ہو یا رکن تو شکل چہارم میں صدر وارا کین سب کی رائے امر شرعی میں مہمل و معطل ہے اگرچہ ایک ہی رائے پر متفق ہوں بلکہ ان پر فرض ہے کہ اہل علم فقیہ متفقہ کی طرف رجوع

---

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۳

اور اس کے ارشاد پر عمل کریں۔

قال اللہ تعالٰی "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝" [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ولا یخلوا الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لاظنا وعلی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبراءۃ ذمتہ۔ [2]	ظنی نہیں حقیقی علم والوں سے وجود خالی نہیں علاوہ ازیں اگر خود تمیز نہ کرسکے تو براءت ذمہ کے لئے تمیز والوں کی طرف رجوع کرے۔ (ت)

اور شکل دوم میں جبکہ صدر متفقہ اور اراکین خالی ہیں تو اس پر واجب ہے کہ جو حکم وہ کتب معتمدہ سے بعد غور کامل اور فحص بالغ سمجھا اس پر حکم دے رائے اراکین کی کثرت بلکہ اجماع کا بھی اصلا لحاظ نہ کرے اور خود اراکین کو روا نہیں کہ اس کا خلاف کریں کہ یہ علم کا مقابلہ جہل سے ہوگا اور وہ جہل مرکب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ"۔ [3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مجھ سے اس معاملہ میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں ہے (ت)

اور شکل سوم میں صدر کی رائے کوئی چیز نہیں پھر اگر اراکین میں جو متفقہ ہیں ایک رائے پر متفق ہیں اسی پر حکم کرے اور مختلف ہیں تو جسے ان میں افقہ و اورع سمجھے اس کا اتباع کرے کما قدمناہ عن المحیط و الھندیۃ (جیسا کہ ہم نے پہلے محیط اور ہندیہ سے بیان کیا ہے ت) سراجیہ پھر تنویر و در میں ہے:

اذا اختلف مفتیان فی جواب حادثۃ اخذ بقول افقھھما بعد ان یکون اورعھما۔ [4]	جب کسی حادثہ میں دو مفتیوں میں اختلاف ہو تو ان میں افقہ اور پرہیزگار کے قول کو اختیار کرے (ت)

اور اگر تفقہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرت رائے کی طرف میل کرے فان مظنۃ

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۷

[2] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۳/ ۶۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

الاصابة فیھا اکثر عند من لایعلم وھو اعذر لہ عند ربہ عزوجل (کیونکہ اکثریت کی رائے میں درستگی کا احتمال زیادہ ہے یہ چیز نہ جاننے والے کے لئے عنداللہ بڑا عذر ہے۔ت) اور اگر کثرت بھی کسی طرف نہ ہو مثلاً چار متفقہ ہیں دو ایک طرف دو ایک طرف، توجس طرف دل گواہی دے کہ یہ احسن یا احوط فی الدین ہے اس طرف میل اولٰی ہے۔ ورنہ مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے اوراب یہ صورت قسم دوم کی طرف راجع ہو جائے گی۔ معین الحکام میں ہے:

ذکر الحسن بن زیاد فی ادب القاضی لہ الجاھل بالعلم اذا استفتی فقیھا فافتاہ بقول احد اخذ بقولہ ولا یسعہ ان یتعدی الی غیرہ، وان کان فی المصر فقیھان کلاھما رضا یأخذ عنھما، فان اختلفا علیہ فلینظر ایھما یقع فی قلبہ انہ اصوبھما وسعہ ان یاخذ بہ، فان کانوا ثلثة فقھاء واتفق اثنان اخذ بقولھما ولا یسعہ ان یتعدی الی قول الثالث۔[1]	حسن بن زیاد نے اپنی ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ کوئی جاہل جب کسی فقیہ سے سوال کرے اور وہ اسے کسی ایک قول پر فتوی دے تو وہ اس فتوی کو اپنائے اور غیر کی طرف جانے کی اس کو اجازت نہیں۔ اگر شہر میں دو مساوی فقیہ ہوں تو دونوں سے چاہے رجوع کرے، اگر دونوں میں اختلاف ہو تو اسے چاہئے کہ غور کرے جس کی بات دل میں درست سمجھے اس کو اپنائے تو یہ جائز ہے اور اگر شہر میں تین فقیہ ہوں اور دو کی رائے متفق ہو تو ان کی بات کو اپنائے اور تیسرے کی طرف رجوع کی گنجائش اسے نہ ہوگی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح وعندی انہ لواخذ بقول الذی لایمیل الیہ قلبہ جاز لان ذلك المیل وعدمہ سواء[2] الخ۔ **اقول:** عارضہ ماذکر الامام الحسن بن زیاد وھو من ائمتنا المجتھدین	فتح میں کہا ہے کہ اگر اس قول کو اپنایا جس کی طرف قلبی میلان نہیں تو میرے نزدیک جائز ہے کیونکہ اس کا میلان اور عدم میلان برابر ہیں۔ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں امام حسن بن زیاد کا ذکر کردہ قول اس کے معارض ہے جبکہ وہ ہمارے امام اعظم

---

[1] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۷

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۳

تلامذۃ امامنا الاعظم فالاخذبہ اولی من بحث المحقق۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مجتہد تلامذہ میں سے ایک امام ہیں تو محقق صاحب کے قول کے مقابلہ میں اس امام کے قول کو اپنانا بہتر ہے۔(ت)

شکل اول میں صدر متفقہ کو اپنی رائے پر عمل چاہئے کثرت رائے خلاف پر نظر نہیں **کما قدمناہ عن معین الاحکام والمحیط والعالمگیریۃ** (جیسا کہ ہم پہلے معین الحکام، محیط اور عالمگیریہ سے اس کا ذکر کر آئے ہیں۔ت) ہاں اگر ارا کین میں کوئی اس سے افقہ واعلم ہے اور اس کے خلاف کے سبب اس کی رائے میں تنزلزل آگیا تو روا ہے کہ اس افقہ کا اتباع کرے خواہ اب بھی اپنی ہی رائے پر قائم رہے، یہ صورت بھی قسم دوم سے ملتحق ہو جائے گی، محیط وہندیہ میں ہے:

ان اشار ذٰلك الرجل الی شیئ ورأی القاضی بخلاف رأیہ فالقاضی لایترك رأی نفسہ فان اھتم القاضی برأیہ لما ان ذٰلك الرجل افضل وافقہ عندہ لو قضی برأی ذٰلك الرجل ارجو ان یکون فی سعۃ من ذٰلك وان لم یھتم القاضی برأیہ لاینبغی لہ ان یترك رأی نفسہ[1]۔	اگر یہ شخص قاضی کو کسی چیز کا مشورہ دے اور قاضی کی رائے اس کے خلاف ہو تو قاضی اپنی رائے کو ترک نہ کرے اور اگر قاضی اپنی رائے کو اس بنا پر اہم نہ سمجھے کہ وہ شخص اس سے افقہ اور افضل ہے تو اس بنا پر اگر اس شخص کی رائے پر عمل کرلے تو مجھے امید ہے قاضی کو یہ گنجائش ہے اور اگر قاضی اس شخص کی رائے کو اہم نہیں سمجھتا تو اسے اپنی رائے کا ترک مناسب نہیں ہے۔(ت)

درمختار میں ملتقط سے ہے:

قضی بما راٰہ صوابالابغیرہ الا ان یکون غیرہ اقوی فی الفقہ ووجوہ الاجتہاد فیجوز ترك رأیہ برأیہ[2]۔	اپنی رائے پر قاضی فیصلہ دے مگر جب غیر کی رائے کو فقہ اور وجوہ اجتہاد میں اقوی قرار دے تو اس کے مقابلہ میں اپنی رائے کا ترک قاضی کو جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب آداب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۱۴

[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

لکن هذا اذا اتهم رأی نفسه ففی الهندیة عن المحیط ونقل ماذکرناه بمعناه۔[1]	لیکن یہ تب جائز ہے کہ اپنی رائے کو اس کے مقابلہ میں اہم نہ جانے، تو ہندیہ میں محیط سے معنًا وہ نقل کیا جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔(ت)

یہ احکام قسم اول کے تھے۔

قسم دوم: میں یعنی جہاں جہاں شرعًا اسے اختیار دیا گیا ہے تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ انجمن کسی وقف سے متعلق ہو اور یہ امر دائر شروط واقف میں داخل۔ اس صورت میں جو شرط واقف کا مقتضٰی ہو اس پر عمل کیا جائے خواہ رائے صدر یا ارا کین یا بعض کے موافق ہو یا سب کے خلاف کہ شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہے **کما نصوا علیه الا فیما استثنی وهو مفصل فی الاشباه والغمز وحواشی الدر وغیرها** (جیسا کہ انہوں نے کا اس پر نص فرمائی ماسوائے ان استثنائی صورتوں کے جن کی تفصیل اشباہ غمز اور حواشی الدر وغیرہا میں ہے۔ت) دوم چندہ سے اس کی کارروائی ہو اور امر دائر متعلق بمال، اس صورت میں چندہ دہندوں کی رائے کا اتباع ہے صدر وارا کین ان کے خلاف اجازت صرف مال کے مختار نہیں **لان المال فی هذه الصورة لایخرج عن ملك المعطین کما حققناه فی کتاب الوقف من فتاوٰنا** (کیونکہ عطیہ دینے والوں کی ملکیت سے اس صورت میں مال خارج نہ ہوگا جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) جیسے قسم اول سے دو صورتیں ملتحق بقسم دوم ہوئی تھیں یونہیں قسم دوم سے یہ صورتیں راجع بہ قسم اول ہیں کہ معارض وقف وملک غیر ان میں جانب شرع سے تحدید ہوگئی تخییر نہ رہی۔ سوم ان دونوں کے علاوہ یعنی وقف ہو تو امر دائر کو کسی شرط واقف سے تعلق نہ ہو یا چندہ کا کام ہو تو امر دائر متعلق بمال نہ ہو یا چندہ دہندوں کی طرف سے انجمن کو اذن عام ہو حقیقتًا یہی صورتیں قسم دوم ہیں یہاں اگر اس امر میں صدر ذی راء نہیں اور ارا کین جیسا کہ سوال میں ہے ماہر فن، جب تو ظاہر کہ وہاں سے اپنی رائے پر وثوق بے معنی ہے غایت یہ کہ کسی خاص معاملہ میں کسی وجہ سے رائے ارا کین میں اسے کوئی شبہ ہے تو اور متدین ماہروں سے تفتیش کرکے اطمینان کرلے، بالجملہ یہ صورت شکل سوم کے مقارب اور اصالۃً یہاں ویسی ہی طرز عمل مناسب، یونہیں اگر صدر خود بھی اس امر کا ماہر ذی رائے ہے تو یہ صورت شکل اول کے مشابہ ہوگی مگر از انجا کسی طرف کوئی مطالبہ شرعی نہیں، بہر صورت یہاں مصلحۃً صدر کو یہی مناسب ہے کہ کثرت رائے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۳

پر عمل کرے کہ باعث وحشت و بددلی ارکین وبدانتظامی مجلس نہ ہو، علماء نے تشریع مشورہ و نزول کریمہ "وَشَاوِرۡهُمۡ فِي ٱلۡأَمۡرِ"[1] کی ایک مصلحت یہ بھی لکھی ہے عـــہ۔ معالم میں ہے:

قال قتادۃ و مقاتل فان ساداۃ العرب کانوا اذالم تشاور فی الامر شق ذٰلك علیھم فامر اللہ تعالٰی نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یشاورھم فان ذٰلك اعطف لھم واذھب لاضغانھم واطیب لنفوسھم[2]۔	حضرت قتادہ اور مقاتل نے فرمایا: عرب سرداروں سے جب مشورہ نہ ہوا تو ان کی یہ بات گراں گزری اس لئے اللہ تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان سے مشورہ کا حکم فرمایا کیونکہ اس سے ان پر شفقت کا اظہار اور ان کے دل کی خلش دور، اور ان کے نفوس مطمئن ہونے کا سامان ہوگا۔ (ت)

اور شک نہیں کہ ابتداءً ترک مشورہ میں وہ ایحاش نہیں جو بعد مشورہ رائے اکثر پر عمل نہ کرنے میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: بشروا ولا تنفروا[3] (خوشخبری دو اور نفرت پیدا نہ کرو۔ ت) ہاں اگر خلاف میں کوئی مصلحت اس مصلحت سے اعظم اور اس کے ترک میں کوئی مفسدہ اس مفسدہ سے اشد ہو تو من ابتلی بلیتین اختار اھو نھما[4] (جو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو تو آسان کو اپنائے۔ ت) پر عمل کرے۔

ھذا کلہ ماظھر لی اخذا من کلماتھم وارجو ان یکون منتھی المقال فی ھذا المقام وباللہ التوفیق۔	یہ تمام بحث وہ ہے جو میں نے ان کے کلام سے ظاہر پا کر حاصل کی، تو مجھے امید ہے کہ اس مقام میں یہ بحث کی انتہا ہے، اور توفیق صرف اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ (ت)

عـــہ: اصل کی عبارت پڑھی نہ جاسکی پھر بھی مطلب میں خلل نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ وشاورھم فی الامر مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۳۹

[3] صحیح مسلم کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲، صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[4] الاسرار المرفوعۃ حدیث ۸۵۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۱۵

تنبیہ: کسی امر کو قسم دوم سے ٹھہرانے میں احتیاط بلیغ و نظر غائر درکار ہے، مسلمانوں کے کم کام ایسے نکلیں گے جن میں شرع مطہر کی طرف سے ابتداءً خواہ بوجہ عارض کوئی تحدید نہ ہو، اب یہیں دیکھئے کہ خالص قسم دوم میں طبائع اکثر اہل زمانہ کے سبب تنفیر کا اندیشہ پیدا ہو کر ایک تحدید شرعی نکل آئی تو حکم کے لئے علم و فہم کامل سے چارہ نہیں اور حق یہ کہ مسلمان بے علم دین ایک قدم نہیں چل سکتا اللہ عزوجل علم دے اس پر عمل دے اس کو قبول فرمائے **بجاہ حبیبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۳: از ریاست رامپور محلّہ پیپلا تالاب مرسلہ مولوی ہدایت الرسول صاحب ۲۰/ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، عمرو نے پختہ مکان بنایا جس کا دروازہ شارع عام پر واقع ہوا، اس مکان پر بالاخانے بھی تعمیر کئے، ان بالاخانوں میں اسی شارع عام کی طرف چار چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی ضرورۃً رکھی ہیں، اسی سمت میں شارع عام سے فاصلہ پر بکر کا مکان واقع ہے، ان کھڑکیوں کی وجہ سے بکر کو اپنی بے پردگی کی شکایت واقع ہوئی اور اہل محلّہ سے کہا کہ ان کھڑکیوں کے سامنے آڑ کرادینا چاہئے جس سے ہمارے مکان کا سامنا نہ رہے۔ عمرو نے اہل محلّہ کے کہنے سے ان روشندانوں پر جستی چادر سے ایسا سائبان ڈال دیا کہ سوا نیچے کی سڑک کے اور کچھ نظر نہیں آتا پھر روشندانوں میں لوہے کی سلاخیں لگادیں اور اڑنگوں سے خوب مضبوط جڑوادیا کہ کسی طرح وہ چادر اٹھ نہ سکے، اب بحالت موجودہ ان سے کسی کے مکان کا سامنا مطلقاً نہ رہا، یہ سب کچھ کرکے بکر کو دکھایا گیا جس کو اچھی طرح جانچ کر بکر نے اہل محلّہ کے سامنے اپنی رضامندی ظاہر کی اور بتراضی طرفین وہ کھڑکی نما روشندان قائم ہو گئے جو عرصہ ۳ برس سے بدستور قائم ہیں فی الحال بکر نے ایک رنجش تازہ کی وجہ سے ان سہ سالہ قائم شدہ روشندانوں کی مسدودی کا دعوی اس بے اصل اور خلاف واقعہ اظہار پر کیا ہے کہ مذکورہ کھڑکیوں کے سائبان اٹھا کر اس کے مکان کی بے پردگی کی جاتی ہے حالانکہ وہ سائبان مطابق بیان بالا نہایت مضبوط جڑے ہوئے ہیں جن کا اٹھانا ناممکن ہے، چنانچہ اس کا معائنہ حاکم عدالت کو بھی کرادیا گیا ہے اور نیز اگر موجودہ استحکام سے اور کوئی زیادہ استحکامی حالت تجویز کیجائے تو عمرو اس کے لئے بھی تیار ہے۔ عرض یہ ہے کہ بکر اندر سے سائبان اٹھا کر جھانکنے کا وہم بے اصل رفع کرلے۔ اس واقعہ صحیحہ کو عرض کرکے امیدوار حکم شرعی کا ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جب صورت واقعہ یہ ہے کہ سوال میں مذکور ہوئی تو اس صورت میں بکر کا دعوی باطل و نامسموع اور ہمارے ائمہ متقدمین و متاخرین کے اجماع سے مردود و مدفوع ہے، ہمارے جمیع ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ملک خاص میں جس سے دوسرے کا حق متعلق نہ ہو ہر قسم تصرف کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ اس سے بالتبع دوسرے کا ضرر لازم آتا ہو، بہت اکابر نے اسی پر فتوی دیا۔ درمختار میں ہے:

ظاہر الروایۃ عدم المنع مطلقًا وبہ افتی طائفۃ کالامام ظہیرالدین و ابن الشحنۃ ووالدہ ورجحہ فی الفتح وفی قسمۃ المجتبٰی وبہ یفتی واعتمدہ المصنف ثمہ فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ[1]۔	ظاہر روایت مطلقًا عدم منع پر ہے اسی پر ایک جماعت مثلًا امام ظہیر الدین، ابن شحنہ اور ان کے والد کا فتوی ہے اور فتح میں اسی کو ترجیح دی ہے اور مجتبٰی کی قسمت کی بحث میں "بہ یفتی یعنی اس پر فتوی ہے" فرمایا، اور مصنف نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے وہاں فرمایا کہ فتوی مختلف ہے اور مناسب یہی ہے کہ ظاہر روایت پر اعتماد کیا جائے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

وذکر العلامۃ ابن الشحنۃ ان فی حفظہ ان المنقول عن ائمتنا الخمسۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد و زفر والحسن بن زیاد انہ لایمنع عن التصرف فی ملکہ وان اضر بجارہ قال وھو الذی امیل الیہ و اعتمدہ وافتی بہ تبعا لوالدی شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالٰی[2]۔	علامہ ابن شحنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہے کہ ہمارے پانچوں ائمہ ابو حنیفہ، ابویوسف، محمد زفر اور حسن بن زیاد رحمہم اللہ تعالٰی سے ثابت ہے کہ کسی کو ذاتی ملکیت میں تصرف منع نہیں کیا جائے گا اگرچہ پڑوسی کو ضرر ہو۔ اور فرمایا اسی کی طرف میرا میلان ہے اور اعتماد ہے اور اپنے والد شیخ الاسلام کی اتباع میں میرا یہی فتوی ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶

[2] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۳

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: **والوجه لظاہر الروایة**[1] (معتبر وجہ ظاہر روایت کے لئے ہے۔ت) اور معلوم ہے کہ فتوٰی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب ہے۔

کما فی البحر والخیریة وردالمحتار وغیرہا عامة الاسفار۔	جیسا کہ بحر، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہا عام کتب میں ہے۔(ت)

اس تقدیر پر تو دعوٰی سرے سے بے بنیاد ہے مگر متاخرین نے بنظر مصلحت وحدیث:

لاضرر ولاضرار[2]۔ رواہ احمد عن عباس وابن ماجة عنه وعن عبادة رضی اللہ تعالٰی عنهم بسند حسن۔	ضرر رسانی جائز نہیں۔ اس کو احمد نے عباس سے اور ابن ماجہ نے ان سے اور عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بسند حسن روایت کیا(ت)

بطور استحسان دفع ضرر بین پر نظر کی ہے **اقول:** غیر فقیہ اس سے یہ گمان کرتا ہے کہ بین کے معنی ہیں ظاہر وواضح، تو کیسا ہی ضرر کسی حالت میں ہو جبکہ مخفی نہ ہو مالک کو اپنی ملک میں تصرف سے باز رکھنے کا پروانہ ہے حالانکہ یہ محض وہم وسوئے فہم ہے۔ شرع مطہر نے ملک کی وضع اطلاق تصرف کے لئے فرمائی ہے مالک کو اس کی ملک میں تصرف سے روکنا کیا ضرر نہیں، اور حدیث فرماتی ہے: **لاضرر ولاضرار**[3] (ضرر رسانی جائز نہیں۔ت) تو کیا وجہ ہے کہ مطلقاً دوسرے کے ضرر کو خود مالک کے ضرر پر ترجیح دی جائے حالانکہ یہ ترجیح بلا مرجح بلکہ بارہا ترجیح مرجوح ہے کہ مالک صاحب حق ہے اور صورت یہ مفروض ہے کہ دوسرے کا اس ملک سے حق متعلق نہیں **کما فی السفل لرجل والعلو لاٰخر** (جیسے نچلا حصہ ایک کا ہو اور بالائی حصہ دوسرے کا۔ت) ایک شخص کے مکان میں نہایت وسیع سایہ دار گنجان درخت ہے اس کے برابر ایک محتاج کا گھر ہے جس پر سایہ اس درخت ہی کا ہے بلاشبہہ اس کے قطع میں جار کا اضرار ہے مگر ہرگز مالک اس سے ممنوع نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر وجامع الفصولین میں فرمایا:

واللفظ للجامع رجل له شجرة یستظل بها جارہ اراد قلعها لایمنع منه ولو تضرربه جارہ اذرب الشجرة بالقلع یمنعه عن الانتفاع	کسی شخص کا درخت ہو اور اس کا پڑوسی اس سے سایہ حاصل کرتا ہے اور مالک درخت اکھاڑنا چاہتا ہے تو پڑوسی کے ضرر کی وجہ سے مالک کو اکھاڑنے سے نہ روکا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ درخت

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۱/ ۳۱۳

[3] مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۱/ ۳۱۳

بملکہ[1]	کا مالک اپنی ملکیت سے پڑوسی کو انتفاع سے روکنا چاہتا ہو۔ (ت)

خادم فقہ سمجھتا ہے کہ یہاں چار شرطیں ہیں جن کے اجتماع سے وہ ضرر بین متحقق ہوگا:

شرط اول: وہ ضرر کثیر فاحش ہو یعنی دار جار کو گرادے یا بالکل قابل انتفاع نہ رکھے دیوار کمزور کرنا اول میں داخل ہے اور حاجت اصلیہ سے باز رکھنا دوم۔ محقق نے فتح میں فرمایا:

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاضرر ولاضرار لا شك انہ عام مخصوص للقطع بعدم امتناع کثیر من الضرر کالتعازیر والحدود ومواظبۃ طبخ ینتشر بہ دخان قد ینجس فی خصوص اماکن فیتضرر بہ جیران لایطبخون لفقرہم خصوصا اذاکان فیہم مریض یتضرر بہ وکما اریناك من التضرر بقطع الشجرۃ المملوکۃ للقاطع فلا بد ان یحمل علی خصوص من الضرر وھو مایؤدی الی ھدم بیت الجار ونحوہ من الضرر البین الفاحش والحاصل ان القیاس ان یفعل صاحب الملك مابدالہ مطلقًا لانہ یتصرف فی خالص ملکہ وان کان یلحق الضرر بغیرہ لکن یترك القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررًا فاحشا، وھو المراد	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد لاضرر ولاضرار (یعنی ضرر رسانی جائز نہیں) عام مخصوص البعض ہے کیونکہ بہت سے ضرر ایسے ہیں جن سے یقینا ممانعت نہیں ہے مثلا! تعزیرات اور حدود اور مسلسل آگ سے کچھ پکانا جس سے دھوئیں کا پھیلاؤ بعض جگہ گھٹن پیدا کرتا ہے تو اس سے ایسے پڑوسیوں کو ضرر ہوتا ہے جو اپنے فقر کی وجہ سے کھانا نہیں پکاتے خصوصًا جبکہ پڑوسیوں میں مریض جسے اسکی وجہ سے ضرر پہنچتا ہو، جیساکہ ہم آپ کو مالک کا اپنے درخت کو کاٹنے پر ضرر بتارہے ہیں، تو ضروری ہے کہ مذکور حدیث میں ضرر سے خاص ضرر مراد لیا جائے اور وہ جس سے پڑوسی کے مکان گرنے کا خدشہ ہو، یا اس طرح کا جو کوئی واضح ضرر ہو۔ حاصل یہ ہے کہ قانون کے مطابق ملکیت والا اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے کیونکہ وہ خالص اپنی ملکیت میں تصرف کررہا ہے اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر بھی ہو، تاہم یہ قیاس و قانون ایسی جگہ نافذ نہ ہوگا جہاں پڑوسی کو واضح طور پر ضرر پہنچتا ہو، یہی ضرر جس سے دوسرے کے مکان

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۶۶

بالبین وھو مایکون سببا للھدم وما یوھن البناء سبب له اویخرج عن الانتفاع بالکلیة وھو مایمنع من الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة، واختار واالفتوی علیه واما التوسع الی منع کل ضرر ما فیسد باب الانتفاع بملك الانسان کماذکرنا قریبا[1] (ملتقط)	گرنے یا کمزور ہونے کا خطرہ ہو، مراد ہے یاایسا ضرر کہ دوسرے کو اپنی ملکیت کے انتفاع سے بالکل محروم کردے وہ یہ کہ اس کو اپنی حوائج اصلیہ سے روک دے، مثلاً بالکل روشنی کا ختم ہوجانا فقہاء کرام نے اسی پر فتوی کو مختار قرار دیا ہے لیکن یہ کہ ہر ضرر کو ممنوع قرار دینے تک توسیع تو انسان کو اپنی ملکیت سے انتفاع سے محروم کردیگی جیسا کہ قریب ہی ہم نے ذکر کیا ہے (ملتقطا)۔ (ت) اسی طرح عقود دریہ میں حواشی اشباہ علامہ بیری زادہ سے ہے۔

شرط دوم: اس ضرر میں اس کا فعل مستقل ہو فعل جار کو اس میں دخل نہ ہو ورنہ اصلاً لحاظ نہ ہوگا مثلاً اس کی چھت سے جار کے زنانہ کا سامنا نہیں مگر زنانہ کے پاس کوئی باغیچہ اور مکان ہے اس کا سامنا ہے یا اس کی چھت سے جار کی چھت ملی ہوئی ہے اور آڑ نہیں کہ عورتیں اس باغیچہ یا اپنی چھت پر آئیں اور یہ اپنی سقف پہ جائے تو بے پردگی ہو یہ ضرر میں محسوب نہیں کہ زنانہ کا سامنا نہیں عورتیں ایسی جگہ کیوں آئیں یہ جار کا فعل ہوا۔ تنقیح الحامدیہ میں ہے:

لزید طبقة فیھا طاقة قدیمة مقابلة لقصر ورواق حادثین فی دار جارہ عمر وفقام عمرو ویکلفه سد الطاقة زاعما انھا تشرف علی القصر والرواق المذکورین والحال انھما لیسا محل قرار نسائه و جلوسھن بل محله سفل الدار، فھل لیس له تکلیفه بذٰلك[2]۔	زید کے مکان کی دوسری منزل ہے جس میں قدیم کھڑکی ہے اور کھڑکی مقابل پڑوسی عمرو کی حویلی میں جدید برآمدہ اور باغیچہ ہے عمرو ضد کرکے کھڑکی کو بند کرانے پر اس خیال سے مجبور کرے کہ کھڑکی والا باغیچہ اور برآمدہ مذکورہ کو جھانکتا ہے حالانکہ وہ باغیچہ اور برآمدہ کی مستورات کی آرام گاہ اور نشستگاہ نہیں بلکہ مستورات کی اصل وہ جگہ مکان کی پست جگہ میں ہے تو ایسی صورت میں عمرو کو یہ حق نہیں کہ وہ کھڑکی والے کو بند کرنے پر مجبور کرے۔ (ت)

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۶ /۱۵۔ ۴۱۴

[2] العقود الدریہ کتاب القضاء باب الحبس مسائل شتی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۳۰

فتاوی امام فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی پھر فتح القدیر و جامع الفصولین میں ہے:

واللفظ لہ لو لا یقع بصرہ فی دار جارہ ولکن یقع بصرہ علیہم لو کانوا علی السطح لایمنعہ اذا استویا فی الضرر لانہ این کان یقع بصرہ علیہم یقع بصرھم علیہم ایضا فی السطح کذا[1]۔	لفظ جامع الفصولین کے ہیں، اگر مکان والے کی نظر پڑوسی کے گھر میں نہیں پڑتی لیکن اگر پڑوس والے چھت پر اور کھلی جگہ ہوں تو نظر پڑتی ہے تو ایسی صورت میں پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے جبکہ دونوں اس ضرر میں برابر ہیں کیونکہ جب ایک کی نظر پڑے گی تو دوسرے کی بھی ان پر نظر پڑے گی جب چھت پر ہوں گے۔(ت) اسی طرح وجیز کردری میں ہے۔

شرط سوم: وہ ضرر ثابت و متحقق ہو محتمل و متوقع معتبر نہیں مثلاً چھت کے قریب بلند دیوار میں تابدان ہیں کہ اگر سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ کر جھانکے تو ہمسایہ کے زنانے کا سامنا ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور وہ روشندان بند نہ کئے جائیں گے۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل لہ قاعۃ رفیعۃ البناء ملاصقۃ لدار جارہ ففتح فی اعلاھا بالقرب من سقفہا قمریتین للضوء فقط لیس فیہما اشراف علی حریم الجار الابالصعود الیہما بسلم عال قام جارہ الاٰن یکلفہ سدھما بدون وجہ شرعی فھل یمنع الجار من ذٰلک، الجواب نعم[2]۔	ان سے ایک شخص کے متعلق سوال ہوا کہ اس کا بڑا بلند مکان ہو اس کے ساتھ ملا ہوا پڑوسی کا مکان ہے تو بلند محل والے اس شخص نے روشنی کے لئے چھت کے قریب اپنے مکان میں دو روشندان پڑوسی کی طرف نکالے جبکہ ان روشندانوں سے پڑوس کے اہل خانہ کو جھانکنے کا کوئی ذریعہ نہیں ماسوائے اس کے کہ بلند سیڑھی لگا کر ان سے جھانکا جائے تو اب پڑوسی ضد کرکے ان روشندانوں کو کسی شرعی وجہ کے بغیر بند کرائے تو کیا پڑوسی کو اس سے روکا جائیگا جواب دیا کہ ہاں پڑوسی کو اس مطالبہ سے منع کیا جائے گا۔(ت)

شرط چہارم: وہ ضرر ناممکن الاحتراز ہو یعنی جس تصرف سے پیدا ہوا بے اس کے ازالہ کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو ورنہ منع تصرف لازم نہ ہوگا۔ بحرالرائق میں کتاب الاستحسان امام ابوبکر رازی

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

[2] العقود الدریہ کتاب القضاء باب الحبس، مسائل شتی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۳۰

سے ہے:

الدار اذاکانت مجاورۃ للدور فارادصاحبھا ان یبنی فیھا تنورا للخبز الدائم کما یکون فی الدکاکین او رحی للطحین او مدقات للقصارین لم یجز لان ذلك یضر بجیرانہ ضررافاحشا لایمکن التحرز عنه، فانه یاتی منه الدخان الکثیر الشدید، و رحی الطحن ودق القصارین یوھم النباء بخلاف الحمام فانه لا یضر الا بالنداوۃ ویمکن التحرز عنه بان یبنی حائطا وبین جارہ وبخلاف التنور الصغیر المعتاد فی البیوت[1]۔	ایک مکان دوسرے مکان سے ملا ہوا ہو تو ایک مکان والا اپنے مکان میں دائمی کاروباری تنور روٹیوں کے لئے یا آٹا پیسنے کے لئے چکی یا دھوبی گھاٹ بنائے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس سے پڑوس کو کھلا ضرر ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے کیونکہ کثیر وشدید دھواں وہاں سے آئے گا اور چکی اور دھوبی گھاٹ سے پڑوس والے مکان کی عمارت کمزور ہوتی ہے اس کے برخلاف حمام ہو تو جائز ہے کیونکہ اس سے رطوبت کا نقصان ہے لیکن اس سے بچنا ممکن ہے کہ اپنے اور پڑوس کے درمیان دیوار بنادے، اسی طرح گھریلو تنور جو کہ عادتاً گھروں میں ہوتا ہے وہ بھی جائز ہے (ت)

جب یہ اصل منقح ہولی مسئلہ دائرہ کی طرف چلئے، یہ تو پہلے معلوم ہولیا کہ ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب مہذب مصحح مرجح پر تو دعوٰی بکر سرے سے بے بنیاد ہے اور بہت اکابر اس صورت کو فتوائے متاخرین سے بھی جدا مانتے ہیں اور اس پر وہی اصل حکم ائمہ جانتے ہیں کہ بالاخانے میں دروازہ ودریچہ نکالنے سے اصلاً منع نہ کیا جائے گا جس کی بے پردگی ہو وہ اپنا پردہ بنالے اپنی دیوار اونچی کرلے۔ امام عمادالدین نے فصول میں باآنکہ قول متاخرین اختیار کیا، اس مسئلہ میں عدم منع ہی کو موید فرمایا اور محقق علی الاطلاق نے اسے مقرر رکھا، فتح میں بعد نقل مسئلہ مذکور فتاوٰی امام سمرقندی میں فرمایا:

قال فی فصول العمادی وعلی قیاس المسألۃ المتقدمۃ وھی ان لایمنع صاحب الساحۃ من ان یفتح صاحب العلو کوۃ	فصول عمادی میں فرمایا: پہلے مسئلہ پر قیاس کے طور اور وہ یہ کہ صحن والا بالاخانے والے کو روشندان اور کھڑکی نکالنے سے منع نہیں کرسکتا

[1] بحرالرائق کتب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۳۲، ۳۳

ینبغی ان یقال فی ھذہ لیس للجار حق المنع من الصعود وان کان بصرہ یقع فی دار جارہ، الاتری ان محمد ارحمہ اللہ تعالٰی لم یجعل لصاحب الساحۃ حق منع صاحب البناء عن فتح الکوۃ فی علوہ مع ان بصرہ یقع فی الساحۃ[1]۔	اس بناء پر یہ حکم مناسب ہے کہ پڑوسی کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کو اپنے مکان پر چڑھنے سے منع کرے اگرچہ چھت پر جانے سے پڑوسی کے گھر نظر پڑتی ہو، آپ دیکھتے نہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ وہ بالاخانہ والے کو کھڑکی نکالنے سے منع کرے حالانکہ ظاہر ہے کہ اوپر کھڑکی سے صحن میں نظر پڑتی ہے۔ (ت)

کتاب الحیطان امام حسام شہید وبحر الرائق وخلاصہ ووجیز کردری وانقرویہ وغیرہا میں ہے:

لو فتح صاحب البناء فی علوبنائہ بابا او کوۃ لایلی صاحب الساحۃ منعہ بل لہ ان یبنی مایستر جھتہ[2]۔	اگر عمارت والا اپنے بالاخانے سے کھڑکی یا دروازہ نکالے تو صحن والے کو حق نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی طرف کوئی پردہ لگائے (ت)

ارباب الفتوی میں ہے:

رجل وکل وکیلا عن زوجتہ باع لھا قطعۃ ارض لجارہ لہ ان یفتح طیاقا مطلۃ علی حوش الموکلۃ المذکورۃ ولیس لھا ان تمنعہ فان استضرت منہ تبنی جدارا فی ارضھا[3] اھ ملخصا۔	ایک شخص نے اپنی بیوی کی طرف سے وکیل بنایا تاکہ بیوی کی زمین کا کچھ حصہ پڑوسی کو فروخت کرے، اگر پڑوسی نے وہاں سے کھڑکی نکالی جس سے مؤکلہ عورت کی چار دیواری میں نظر پڑتی ہو تو عورت اسے منع کرنے کا حق نہیں رکھتی اگر وہ اس سے ضرر محسوس کرتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی زمین میں پردہ کے لئے دیوار بنالے اھ (ت)

ان کے حکم سے بھی بکر کو کچھ اختیار دعوی نہیں۔ رہا قول مضمرات وغیرہا جس میں اس صورت کو داخل فتوائے متاخرین مانا اور بیشک ہمارے بلاد میں یہی اوفق وارفق ہے اس قول پر بھی بکر کو اصلاً راہ دعوی نہیں کہ جب ان پر جست کے سائبان جڑوادئے جن کے بعد صرف سڑک کا سامنا رہا تو ضرر کثیر فاحش درکنار

---

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۵

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب القضاء مسائل الحیطان ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۶۶، فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الحیطان الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۱۴

[3] ارباب الفتوی

سرے سے بکر کا ضرر ہی نہ رہا، اس قول میں یہ ہے کہ:

اذاکانت الکوۃ لنظر وکانت الساحۃ محل الجلوس للنساء یمنع وعلیہ الفتوی۔	اگر کھڑکی دیکھنے کی غرض سے بنائی اور پڑوسی عورتوں کی نشست گاہ صرف وہی صحن والا برآمدہ ہے تو اس صورت میں کھڑکی بنانے سے منع کیا جائے گا اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

یہاں وہ کہ نظر آتا ہے محل جلوس زنان نہیں سڑک ہے اور وہ کہ محل جلوس زنان ہے نظر نہیں آتا تو نہ دریچہ نظر ہوا نہ محل محل نساء۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل لہ طبقۃ فی دارہ لہا ثلاث شبابیك مطلات علی الشارع فقط قام رجل من اھل المحلۃ یعارضہ فی اعادۃ الشبابیك المذکورۃ فھل لیس لہ معارضۃ فی ذٰلك الجواب نعم۔[1]	سوال ہوا کہ ایک شخص کی حویلی میں اس کا بالاخانہ ہے جس میں تین کھڑکیاں ہیں جن سے صرف سڑک پر نظر پڑتی ہے تو اہل محلّہ میں سے ایک شخص اٹھ کر مذکورہ کھڑکیوں پر اعتراض کرے تو کیا اس معترض کو حق اعتراض تو نہیں؟ الجواب ہاں اسے حق نہیں ہے۔ (ت)

بالجملہ صورت مسئولہ میں دعوی بکر ہمارے ائمہ متقدمین وعلمائے متاخرین کسی کے قول پر اصلاً قابل سماعت نہیں نیز بیان مذکور سے ظاہر ہوا کہ اس حالت میں اس کا انسداد چاہنا شرط چہارم سے مردود ہے کہ ضرر ممکن التحرز تھا اور اس کا چارہ کار عمرو نے کر دیا جسے حسب بیان سائل بکر نے بھی قبول کیا اور تین سال تک اس پر راضی رہا اور یہ گمان کہ اگرچہ سائبان قبضوں سے جڑ دئے گئے مگر قبضے اکھڑ واسکتے ہیں اور ایسا کیا تو پھر بے پردگی ہوگی شرط سوم سے مردود ہے کھلے ہوئے طاقچے تک سیڑھی لگا کر چڑھ جانا آسان ہے یا جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھا دینا جب اس صورت کا احتمال قریب مسموع نہ ہوا یہ احتمال بعید کیونکر مسموع ہوسکے گا اور اگر ایسے مہمل احتمالات مان لئے جائیں تو دریچے مٹی یا چوکوں سے بند کر دینا کیا نافع ہوگا جو مضبوط جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھاویگا کیا وہ مٹی کی چھاپ میں روزن نہیں کرسکتا یا ایک آدھ چوکا نہیں نکال سکتا بلکہ غالبًا یہ اس سے آسان تر ہوگا تو دعوی انسداد محض تعنت ہوا اور متعنت کا دعوی مسموع نہیں ہوسکتا یہ تو حکم، رہا بکر کا وہم اس کا علاج اور نیز اس سے زیادہ استحکام کے سوال کا جواب وہی ہے جو

[1] العقود الدریہ کتاب القضاء، باب الحبس، مسائل شتی ارگ بازار قندھار ۱/ ۳۳۰

محرر مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب الاصل میں باب قسمۃ الدار سے کچھ پہلے فرمایا:

لو فتح صاحب البناء فی علو بنائه بابا لم یکن لصاحب الساحه منعه ولصاحب الساحة ان یبنی فی ملکه ما یستر[1]۔	اگر عمارت والا اپنی عمارت کے بالائی حصہ میں دروازہ بنائے توصحن والے کو منع کا حق نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی ملکیت میں پردے کاانتظام کرے۔(ت)

یعنی عمرو کواجازت دی جائے کہ اپنے دریچوں پر سے سائبان بالکل اتار کردریچے پورے کھول دے اور بکر سے کہا جائے کہ تو اپنے مکان کاپردہ بنالے کہ عمرو کواس پر اینٹیں نکال کر جھانکنے کا قابو نہ ہوگااور بے پردگی کا وہم جاتارہے گااور اگراب بھی اندیشہ ہوکہ بکر نے اپنی دیوار اونچی کی توعمرو اپنے ملکان کو سہ منزلہ کرکے اس میں دریچے نکالے گااور پھر بے پردگی ہوگی تو قاطع ہر گونہ وہم پر ہے کہ بکر اپنے صحن پر جست کی چادریں ڈال کر پاٹ لے کہ پھر عمرو تو عمرو آسمان کی نظر سے بھی تحفظ ہوجائے گا ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰینا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتح القدیر بحوالہ الاصل قبیل باب قسمۃ الدار مسائل شتی من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۴

رسالہ
الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ ۱۳۳۳ھ
(شرعی اور عرفی ولایت کے بارے میں احمدی ہبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۴: از گولڑہ ضلع راولپنڈی مرسلہ قاری عبدالرحمٰن صاحب ۱۷/ جمادی الاخرہ ۱۳۳۳ھ

جناب عالی مدظلہ العالی ان دونوں فتووں کی نسبت جناب کی کیارائے ہے یعنی واقعی غیر مسلم مسلمانوں کا قاضی ہوسکتا ہے جیسا کہ مفتی عبداللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے، والتسلیم (نقل فتوی مطبوعہ عـــہ مستشار العلماء)

عـــہ: مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی سید عبدالسلام، ۲۹/ جون جمع کردہ لطف الرحمٰن ساکن کرنال متعلق ابطال وقف نواب عظمت علی خاں جاگیر دار کرنال جن کو ڈپٹی کمشنر کرنال نے بحیثیت جج دیوانی حکماً مجبور کردیا تھا، اس کے بعد انہوں نے وقفنامہ مورخہ ۲۵/ اگست ۱۹۰۸ء رجسٹری شدہ ۲۵/ ستمبر ۱۹۰۸ء لکھا، اس فتوے میں یہ ثبوت دینا چاہا ہے کہ جج انگریز قاضی شرع ہے اور اس کے احکام مثل قاضی شرع مثبت احکام شرعیہ ہیں، اس کے ساتھ دوسرا فتوی اسی مستشار العلماء کا چھپا ہے کہ جب جج قاضی شرع ہے اور قاضی کا حجر جائز تو عظمت علی خاں مجبور ہوگئے اور وقف باطل ہے ۱۲۔

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے حنفیہ اس بات میں کہ ہندوستان میں جج عدالت دیوانی کا جو انگریز ہو شرع محمدی کے بموجب قاضی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: حنفیہ مذہب کی رو سے ملک ہندوستان کی موجودہ حالت میں دیوانی عدالت کا جج مسلم بمنزلہ شرعی قاضی کے ہے اور اس کے فیصلے اسی طرح شرعًا قابل نفاذ ہوں گے جس طرح ایک مسلمان قاضی کے ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ فیصلے مذہب اسلام کے مطابق اور شریعت محمدی کے موافق ہوں۔

ثبوت: حنفی مذہب کی کتابوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا منصبی فرض اور بحیثیت قاضی ہونے کے اس کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ بذریعہ اس طاقت اور قوت کے جو بادشاہ کی طرف سے اسے حاصل ہو عام اس سے کہ وہ بادشاہ مسلم ہو یا غیر مسلم، حقدار کی حق رسی کردے جبکہ اس کا حقدار ہونا اسلامی احکام اور شرعی قوانین کے مطابق ثابت ہو، پھر یہ ثبوت قاضی کو خود اپنے علم سے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے پورا واقف ہو یا یہ بات بذریعہ کسی لائق مفتی کے فتوی دینے کے اسے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے واقف نہ ہو۔ شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں:

فالصحیح ان اھلیۃ الاجتھاد شرط الاولیۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا خلافا للشافعی رحمہ اللہ وھو یقول ان الامر بالقضاء یستدعی القدرۃ علیہ ولا قدرۃ دون العلم ولنا انہ یمکنہ ان یقضی بفتوی غیرہ ومقصود القضاء یحصل بہ وھو ایصال الحق الی مستحقہ[1]۔ھدایۃ ج۶ص۳۶۰۔	تو صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط اولٰی ہونے کی ہے لیکن جاہل کا تقرر تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں قضاء کا معاملہ اس پر قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت اس پر نہیں ہوسکتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جاہل کو دوسرے کے فتوی پر عمل ممکن ہے اور قضاء کا مقصد اس سے حاصل ہوجاتا ہے اور وہ حقدار کو حق دینا ہے۔ ہدایہ ج۶ص۳۶۰ (ت)

محقق شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں:

وقد اختلف فی قضاء الفاسق فاکثر الائمۃ علی انہ لاتصح ولایتہ کالشافعی	فاسق کی قضامیں اختلاف ہے اکثر ائمہ کرام کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ

[1] الھدایہ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

وغیرہ کما لاتقبل شھادتہ،وعن علمائنا الثلاثۃ فی النوادر مثلہ لکن الغزالی قال اجتماع ھذہ الشروط من العدالۃ والاجتہاد وغیرہما متعذر فی عصرنا لخلوالعصر عن المجتھد والعدل فالوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکۃ وان کان جاھلا فاسقا وھو ظاہر المذہب عندنا،فلو قلد الجاہل الفاسق صح ویحکم بفتوی غیرہ[1]۔فتح القدیر جلد٦ص ٣٥٧۔	وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں اسی طرح اس کی ولایت بھی صحیح نہیں ہے اور ہمارے تینوں ائمہ کا نوادر میں یہی قول ہے لیکن غزالی نے فرمایا کہ عدالت،اجتہاد اور دیگر شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ عدل واجتہاد سے خالی ہے تو صحیح طور پر یہ ہے کہ صاحب شوکت سلطان جس کو بھی ولایت سونپ دے اس کی قضاء نافذ ہوگی اگرچہ وہ جاہل فسق ہو اور ہمارا ظاہر مذہب یہی ہے تو اگر وہ سلطان،جاہل فاسق کا تقرر کردے تو صحیح ہوگا اور وہ قاضی دوسرے کے فتوے پر فیصلے دے گا۔فتح القدیر جلد٦ ص ٣٥٧۔(ت)

نیز محقق موصوف فرماتے ہیں:

فالصحیح انھا لیست شرطا للولایۃ بل للاولویۃ،فاما تقلید الجاہل فصحیح عندنا،ویحکم بفتوی غیرہ خلافا للشافعی ومالك واحمد وقولھم روایۃ عن علمائنا نص محمد فی الاصل ان المقلد لایجوز ان یکون قاضیا ولکن المختار خلافہ علیہ قالوا القضاء یستدعی القدرۃ علیہ ولاقدرۃ بدون العلم قلنا یمکنہ القضاء بفتوی غیرہ ومقصود القضاء و	تو صحیح یہ ہے کہ اجتہاد ولایت کی شرط نہیں ہے بلکہ اولٰی ہونے کی شرط ہے لیکن جاہل کا تقرر تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے اور غیر کے فتوے پر فیصلے دے گا۔امام شافعی،امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی کا موقف اس کے خلاف ہے اور ہمارے ائمہ سے بھی یہ قول مروی ہے،امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل(مبسوط)میں اس پر نص فرمائی ہے کہ کوئی مقلد قاضی نہیں بن سکتا لیکن مختار اس کے خلاف ہے،ائمہ فرماتے ہیں کہ قضا کا منصب اس پر قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت نہیں ہوتی،ہمارا جواب یہ ہے کہ بے علم کو

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/ ٣٥٧

ھو ایصال الحق الی مستحقه ورفع الظلم یحصل به فاشتراطه ضائع[1]۔ فتح القدیر جلد ۶ ص ۳۵۹۔	دوسرے کے فتوی پر فیصلے دینا ممکن ہے جبکہ قضاء کا مقصد صرف مستحق کو عطا کرنا اور ظلم کا دفاع کرنا ہے اور وہ اس طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے، لہٰذا اجتہاد کی شرط بے مقصد ہے۔ فتح القدیر جلد ۶ ص ۳۵۹ (ت)

کتاب فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویکون من اھل الاجتھاد والصحیح ان اھلیة الاجتھاد شرط الاولویة کذا فی الھدایة حتی لو قلد جاھل وقضی ھذا الجاھل بفتوی غیرہ یجوز کذا فی الملتقط۔[2] جلد ۳ ص ۳۰۷	قاضی اہل اجتہاد سے ہو جبکہ صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط صرف اولٰی ہونے کے لئے ہے۔ ہدایہ میں ایسے ہے حتی کہ اگر جاہل کا تقرر کیا گیا اور وہ دوسروں کے فتوی پر فیصلے دے تو جائز ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔ جلد ۳ ص ۳۰۷ (ت)

عبدالرحمٰن آفندی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں فرماتے ہیں:

وفی الشمنی اجتماع ھذہ الشرائط من الاجتھاد والعدالة وغیرھما متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتھد و العدل فالوجه تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکة وان کان جاھل فاسقا[3]۔ جلد ۲ ص ۱۵۱۔	شمنی میں ہے کہ اجتہاد، عدالت وغیرہ کی شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ اجتہاد اور عدل سے خالی ہے، تو صحیح وجہ یہ ہے کہ جس کو بھی صاحب شوکت سلطانی قاضی مقرر کردے اس کی قضاء نافذ ہوگی خواہ وہ فاسق جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ (ت) جلد ۲ ص ۱۵۱۔

علامہ ابن عابدین کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قوله والفاسق اھلھا سیأتی بیان الفسق والعدالة فی الشھادات وافصح بھذہ الجعلة دفعا للتوھم من	ماتن کا قول کہ فاسق قضا کا اہل ہے تو شہادات کے بیان میں فسق اور عدالت کی بحث آئے گی، ماتن نے یہ قول یہاں اس لئے بیان کیا تاکہ ان لوگوں کا

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۰۔۳۵۹

[2] فتاوی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ کراچی ۳/ ۳۰۷

[3] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۵۱

قال ان الفاسق لیس باھل للقضاء فلا یصح قضاؤہ لانہ لایؤمن علیہ لفسقہ وھو قول الثلاثۃ واختارہ الطحاوی، قال العینی وینبغی ان یفتی بہ خصوصا فی ھذاالزمان اھ اقول: لو اعتبر ھذا لانسد باب القضاء خصوصا فی زماننا فلذاکان ماجری علیہ المصنف ھو الاصح کذا فی الخلاصۃ وھو اصح الاقاویل کمافی العمادیۃ نہر [1]۔ جلد ۴ ص ۳۳۰۔	تو ہم ختم ہو جو یہ کہتے ہیں کہ فاسق قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذا اس کی قضا صحیح نہیں ہے کیونکہ فسق کی وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا یہ قول تینوں اماموں کا ہے جسے طحاوی نے اختیار کیا ہے، امام عینی نے فرمایا اس قول پر فتوٰی مناسب ہے خصوصًا موجودہ زمانہ میں، اھ، میں کہتا ہوں کہ اگر اس قول کا اعتبار کیا گیا تو پھر قضا کا دروازہ بند ہو جائے گا خصوصًا ہمارے اس زمانہ میں، لہٰذا مصنف جس قول پر قائم ہے وہی اصح ہے، خلاصہ میں ایسے ہے اور یہ سب سے اصح قول ہے جیسا کہ عمادیہ میں ہے، نہر۔ جلد ۴ ص ۳۳۰ (ت)

نیز علامہ موصوف فرماتے ہیں:

قال فی البحر وبہ علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ اھ وھذا ترجیح لروایۃ صحۃ التولیۃ اخذ من کون الفتوی علی انہ لاینعزل بالردۃ خلافا لمامشی علیہ المصنف فی باب التحکیم من روایۃ عدم الصحۃ وفی الفتح قلد عبد فعتق جاز قضاؤہ بتلك الولایۃ بلاحاجۃ الی تجدید بخلاف تولیۃصبی فادرک، ولو قلد کافر فاسلم قال	بحر میں فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا تقرر صحیح ہے اگرچہ اس کے کفر کی بناء پر مسلمان پر اس کی قضاء صحیح نہ ہوگی اھ، اور یہ اس روایت کی ترجیح قرار پائے گی جس میں کافر کی تولیت کو صحیح کہا گیا ہے یہ اس فتوٰی سے ماخوذ ہے جس میں یہ ہے کہ قاضی کے مرتد ہو جانے پر وہ معزول متصور نہ ہوگا، یہ مصنف کے عدم جواز والے موقف کے خلاف ہے جس کو انہوں نے تحکیم کے باب میں بیان کیا ہے اور فتح میں ہے کہ جب غلام کا تقرر ہوا ہو اور وہ آزاد ہو گیا تو اس پہلی تقرری پر ہی اس کی قضا جائز ہوگی نئی تقرری کی ضرورت نہیں اس کے برخلاف جب بچے کی تقرری ہوئی اس کے بعد وہ بالغ ہو جائے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۹۹

محمد هو علی قضائه فصار الکافر کالعبد والفرق ان کلامنهما له ولایة وبه مانع وبالعتق والاسلام یرتفع، اما الصبی فلا ولایة له اصلا[1]۔ ردالمحتار جلد ۴ صفحہ ۳۲۹۔	اگر کافر کی تقرری ہوئی پھر وہ مسلمان ہوجائے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ پہلی تقرری پر ہی قضاء کرے گا تو یوں کافر عبد کی طرح حکم پائے گا، اور ان دونوں اور بچے میں فرق یہ ہوگا کہ یہ دونوں ولایت کے اہل تھے لیکن ان کا کفر اور غلام ہونا عمل قضا سے مانع تھا اور اب وہ ختم ہوگیا ہے لیکن نابالغ ولایت کا اہل ہی نہیں تھا اس لئے بلوغ کے بعد دوبارہ تقرری ضروری ہے۔ (ت)

نیز فرماتے ہیں:

فی الخانیة اجمعوا انه اذا ارتشی لاینفذ قضاؤه فیما ارتشی فیه اھ **قلت** حکایة الاجماع منقوضة بما اختاره البزدوی واستحسنه فی الفتح وینبغی اعتماده للضرورة فی هذا الزمان والابطلت جمیع القضایا الواقعة الاٰن لانه لاتخلو قضیة عن اخذ القاضی الرشوة المسماة بالمحصول قبل الحکم او بعده فیلزم تعطیل الاحکام وقدمر عن صاحب النهر فی ترجیح ان الفاسق اهل للقضاء انه لو اعتبر العدالة لانسد باب القضاء فکذا یقال ھٰهنا[2] ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۳۵۔	خانیہ میں ہے کہ فقہاء نے بالاجماع فرمایا کہ قاضی نے جس کیس میں رشوت لی ہے اس میں اس کی قضاء نافذ نہ ہوگی، **میں کہتا ہوں** یہ اجماع امام بزدوی کے مختار اس قول سے جس کو فتح میں مستحسن قرار دیا اور (فی زمانہ ضرورت کی بنا پر اس پر اعتماد مناسب ہے) سے ٹوٹ جائیگا ورنہ اجماع کے پیش نظر آج تمام فیصلے باطل ہوجائیں گے کیونکہ کوئی کیس بھی قاضی کے اس عنوان کی رشوت جس کو وہ محصول کہتے ہیں، سے خالی نہیں ہے جس کو وہ فیصلہ سے قبل یا بعد وصول کرلیتے ہیں اس تمام فیصلے کا معطل ہونا لازم آئے گا جبکہ صاحب نہر کی یہ روایت گزرچکی ہے جس میں انہوں نے فاسق کی اہلیت قضاء کو ترجیح دی اور کہا ہے کہ اگر عدالت کا اعتبار کیا جائے تو پھر قضاء کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا، یہاں یہی کہا جاسکتا ہے (ت)

علامہ جمال الدین زیلعی بجواب امام شافعی رحمہ اللہ جن کے نزدیک جاہل کی قضاء درست نہیں ہے؛

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۴

فرماتے ہیں:

ولان المقصود ایصال الحق الی المستحق وھو یحصل بالعمل بفتوی غیرہ۔تبیین[1] الحقائق ج ۴ ص ۱۷۶۔	ہماری دلیل یہ ہے کہ قضاء سے مقصود یہ ہے کہ مستحق کو اس کا حق دلایا جائے تو غیر کے فتوی پر عمل سے یہ حاصل ہوجاتا ہے۔ تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱۷۶۔(ت)

شیخ الاسلام علاء الدین خفصکی عــــہ درمختار میں فرماتے ہیں:

ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذاکان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم[2]۔ جلد ۴ص۳۳۹۔	مسکین وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سلطان عادل ہو یاظالم ہو بلکہ کافر بھی ہو تواس کی طرف سے قاضی کی تقرری جائز ہے مگر وہ جب قاضی کو حق پر فیصلہ سے منع کرتا ہو تو پھر تقرری حرام ہوگی۔ جلد ۴ ص ۳۳۹۔(ت)

علامہ شامی کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قولہ ولو کافر افی التتارخانیۃ الاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد[3]۔ج ۴ص۳۳۹۔	ماتن کا قول "اگرچہ کافر ہو"تاتارخانیہ میں ہے کہ قاضی کی تقرری کرنے والے سلطان کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ ج ۴ ص ۳۳۹۔(ت)

روایت مندرجہ بالا میں سے روایت نمبر او۳و۸ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کردے جس کے لئے نہ اس کے عالم ہونے کی ضرورت ہے اور نہ مفتی پرہیزگار ہونے کی،اگر خود عالم ہو تو خیر،ورنہ دوسرے کے فتوی دینے سے اپنے اس غرض کو پورا کرے گااور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا طاقت کے ذریعہ ہوسکتا ہے جو بادشاہ وقت کا عطیہ ہوا،روایت نمبر ۵،۲سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی میں علم اور اتقا کی شرط اس لئے چھوڑ دی گئی ہے کہ ایسے قاضی کاملنا جو عالم ہو اور علم کے ساتھ اتقا بھی رکھتا ہو مشکل اور سخت مشکل ہے،روایت نمبر ۶،۸

عــــہ: صحیح حصکفی ہے حصن کیفا کی طرف نسبت ۱۲۔

[1] تبیین الحقائق کتاب القضاء المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۴/ ۱۷۶

[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم اور اتقا کی شرط مان لیجائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، روایت نمبر ۸ سے بالخصوص یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رشوت لے کر فیصلہ کیا ہو باوجود بالاجماع باطل ہونے کے متاخرین نے اسلئے جائز اور نافذ مان لیا ہے کہ ایسانہ کرنے میں فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا جاتا ہے کیونکہ قاضی غیر مرتشی کا وجود ہی عنقاء ہے، روایت نمبر ۱۰، ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء کا عہدہ اور اس کے اختیارات دینے کے لئے دینے والے بادشاہ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ روایت نمبر ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے، جب روایات مندرجہ بالا سے معلوم ہوگیا کہ قاضی کے لئے علم اور پرہیزگاری کی شرط کو فقہاء متاخرین نے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ اس کے ماننے سے فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ ملک ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائیگا اور مسلمانوں کے لئے یا کم از کم اسی جگہ کے مسلمانوں کے لئے جہاں کا قاضی (جج) مسلمان نہ ہو حق رسی کی کوئی صورت نہیں رہے گی کیونکہ گورنمنٹ کو تمام اہل مذاہب سے یکساں تعلق ہے اور اس لیے مسلمان قاضی مقرر کرنے کی پابندی نہیں ہو سکتی تو جس جگہ کا قاضی مسلمان نہ ہوگا وہاں یہ مشکل ضرور پیدا ہوگی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حقدار کی حق رسی کی طاقت اور اس کا عمل میں لانا جو منصب قضا کا اصل مقصود ہے جس طرح ایک مسلمان سے باوجود عالم پرہیزگار نہ ہونے کے ممکن ہے اسی طرح ایک غیر مسلم قاضی سے بھی ممکن ہے، لہٰذا اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ ہر جگہ مسلمان قاضی کا ملنا متعذر اور سخت مشکل ہے نیز اس بات کو کہ قضا کی اصل غرض ایصال حق کے حاصل ہونے مسلم اور غیر مسلم دونوں یکساں ہیں، شرعاً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ملک ہندوستان میں دیوانی عدالت کا جج بموجب شرع محمدی کے قاضی ہو سکتا ہے عام اس سے کہ وہ مسلم یا غیر مسلم اور مسلم ہونے کی شرط کا اسی ملک تک محدود ہونا ضروری ہے جہاں اسلامی گورنمنٹ ہو۔

هذا ما استقر علیه رائی (یہ وہ ہے جس پر میری رائے ٹھہری۔ت) **والله بالصواب۔**

کتبہ العبد المذنب المفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

المجیب مصیب	**صح الجواب**	**الجواب صحیح**
احمد علی عفی عنہ	محمد حسن عفی عنہ	محمد اکرام الحق
الجواب صحیح	**الجواب نعم الجواب**	**الجواب صحیح**
محمد عمر خاں عفی عنہ	محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور بقلمہ	غلام رسول مدرس مدرسہ حمیدیہ

قد اصاب من اجاب محمد عالم مدرس مدرسہ حمیدیہ

اس زمانے میں جج کو بشرطیکہ وہ موافق شرع کے حکم دے بضرورت قاضی کا حکم دیا جاسکتا ہے۔
محمد لطف اللہ مہر سابق مفتی حیدر آباد دکن ساکن علی گڑھ ۱۹۹۲ء ۱۲/ مئی
الجواب صحیح محمد امانت اللہ غفر اللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ علی گڑھ ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء
اظنہ صحیحا و لعل اللہ یحدث بعد ذٰلك امرا (میرے گمان میں صحیح ہے ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی صورت پیدا فرمادے۔ت) الفقیر محمد ابراہیم عفی عنہ نمبر دار کرنال و قاضی تحصیل کرنال بقلم خود ۲ جون ۱۹۱۲ء

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم. الحمدللہ لاولی سواہ و الصلٰوۃ والسلام عدد العلم والکلم علی الاولی بالمومنین من انفسھم وعلٰی اٰلہ وصحبہ واولیائہ وحزبہ اجمعین اٰمین!	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس کے سوا کوئی مددگار نہیں، اور کلمات کی تعداد برابر صلٰوۃ وسلام ہو اس ذات گرامی پر جو مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہے اور آپ کی آل واصحاب واولیاء اور جماعت سب پر، آمین! (ت)

مولٰنا! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فقیر ان فتووں کی نسبت اس سے بہتر کیا کہہ سکتا ہے جو حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث ذیل میں ارشاد فرمایا:

اذاوسد الامر الٰی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ[1]۔ رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس وقت امور نااہلوں کے حوالے کئے جانے لگیں گے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس کو بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

یہ فتوے محض اجتہاد پر مبنی ہیں اور اجتہاد بھی وہ جو آج تک ابوحنیفہ وشافعی درکنار ابوبکر صدیق وعمر فاروق کو بھی میسر نہ ہوا نہ ہوسکتا تھا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین یعنی نص قطعی قرآن عظیم کے مقابل بے اصل ومحض جامع قیاس بے اساس، **نسال اللہ العفو والعافیۃ** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت) تحقیق حق کے لئے تمہید چند مقامات سود مند،
فاقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت)
مقدمہ اولٰی: حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت مجبرہ جس کی تعریف ہے **تنفیذ القول علی غیرہ شاء اوابی** (دوسرے پر اپنا قول نافذ کرنا

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من سئل علماء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

وہ مانے یانہ مانے۔ت) دو قسم ہے عرفیہ و دنیویہ کہ بادشاہ کو رعایا حکام کو محکومین پر ہوتی ہے اسی کے سبب سلاطین کو والیان ملک کہا جاتا ہے، اور شرعیہ دینیہ کو حقیقۃً اللہ عزوجل پھر اس کی عطا سے اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے وبس، جس کی حقیقت ذاتیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں ہے: "مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ" [1] (اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی ولی نہیں۔ت) اور حقیقت عطائیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" [2] (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہیں۔ت) اور دونوں کا جمع اس آیہ کریمہ میں:

"وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ؕ" [3]	مومن مرد یا عورت کسی کو اپنا اختیار نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی معاملہ کا فیصلہ فرمادیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی کا مرتکب ہوگا۔(ت)

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریح و تفویض و انابت سے اسے ہے جسے انہوں نے جتنی بات میں اپنی ولایت اصلیہ سے اختیار ظلی عطا فرمایا، ماذون مطلق کو مطلق اور ماذون امر خاص کو اس امر خاص میں جس کا بیان کریمہ "اَلَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ" [4] (وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ت) اور کریمہ "وَاسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا" [5] (سنو اور اطاعت کرو۔ت) میں ہے اور ان انواع ثلثہ یعنی ذاتیہ و عطائیہ وظلیہ کا اجتماع اس کریمہ میں

"اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ" [6]۔ (اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولی الامر کی۔ت) **اقول:** یہی سر ہے کہ نوع دوم پر **اطیعوا** مکرر آیا کہ ذاتیہ و عطائیہ دو حقیقتیں ہیں اور نوع سوم کو اسی **اطیعوا** دوم کے نیچے مندرج فرمایا کہ ظل، اصل سے جدا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

مقدمہ دوم: دونوں ولایتوں میں بحسب مناشی و نتائج ولوازم و مقاصد جو فرق ہیں ان کی بہت تعبیرات ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۶

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۷

[5] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

[6] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

(۱) ولایت عرفیہ غلبہ واستیلا سے حاصل ہوتی ہے اور شرعیہ بعطائے شرع۔
(۲) عرفیہ ملکی مسئلہ ہے اور شرعیہ مذہبی و دینی۔
(۳) عرفیہ مقصد سلاطین ہے اور شرعیہ مقصود خاص دین۔
(۴) عرفیہ عالم اسباب میں احکام تکوینیہ الٰہیہ کا آلہ ہے یعنی کن لاتکن یہ امر واقع ہو، یہ نہ ہو، اور شرعیہ احکام تشریعیہ الٰہیہ کا، مثلاً کن مکن (یہ کرو یہ نہ کرو۔)
(۵) عرفیہ، تصرفات کے ثمرات حسیہ کی مثمر ہوتی ہے اور شرعیہ، معانی دینیہ کی۔
(۶) عرفیہ سے شیئ غیر موجود موجود ہوجاتی ہے اور شرعیہ سے حکم شرعی غیر حاصل حاصل۔
(۷) عرفیہ دنیا میں مؤثر ہے اور شرعیہ عقبٰی میں معتبر۔
(۸) عرفیہ کی نافرمانی قوانین سلاطین کی خلاف ورزی ہے اور شرعیہ کی ناحفاظی اللہ عزوجل کی معصیت۔
(۹) عرفیہ کا لحاظ عام ہے کہ بادشاہ کی ہر رعیت پر ہے مسلم ہو یا کافر، اور شرعیہ کا لحاظ خاص کہ اس سے صرف مسلمانوں کو کام ہے۔
(۱۰) عرفیہ کا عمل خاص ہے کہ ہر بادشاہ کی قلمرو تک محدود اور شرعیہ کا عمل دنیائے اسلام پر عام ہے شرق میں ہو یا غرب میں۔
(۱۱) عرفیہ فوج وسپاہ وتیغ وسلاح کے سایہ میں ہے اور شرعیہ فقیر ومحتاج کو بھی بقدر عطا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ظلی عطیہ، یہ تمام مضامین اور ان دونوں ولایتوں میں عموم و خصوص من وجہ ہونا اس مثال سے روشن، سلطان نے زید کی قاصرہ کا اپنے پسر سے نکاح کرلیا اور زید راضی نہیں اس نے انکار کردیا اس تصرف کے تمام ثمرات حسیہ دنیا میں مرتب ہوجائیں گے، شیئ غیر موجود موجود ہوجائے گی یعنی عورت کہ پہلے قبضہ میں نہ تھی اب آجائے گی دوسرا شخص مزاحمت پر قدرت نہ پائے گا مزاحمت کرے گا مستوجب غضب سلطانی وسزائے نافرمانی ہوگا، عورت مرجائیگی تو یہ بزعم زوجیت اس کا ترکہ لے گا، پھر اگر بادشاہ نومسلم ہے تو اسے واقع میں بھی نکاح ومباح جانے گا اور اپنے تصرف کو صحیح وصاف مانے گا، یہ تمام امور احکام تکوینیہ الٰہیہ سے صادر ہوجائیں گے مگر احکام تشریعیہ کہ نکاح شرعی بولایت شرعی سے پیدا ہوتے اصلاً متحقق نہ ہونگے نہ وہ عورت اس کے لئے شرعاً حلال ہوگی نہ بعد مرگ ایک کو دوسرے کا مال وراثۃً جائز ہوگا کہ باپ کے سامنے سلطان کو درباره نکاح ولایت شرعیہ نہ تھی تو نکاح نکاح فضولی ہوا اور ولی شرعی کے رد سے باطل ہوگیا،

لان الولایۃ الخاصۃ اقوی من	کیونکہ خاص ولایت عام ولایت سے اقوی ہے

الولایة العامة[1] کمافی الاشباہ وغیرہا۔ اقول:یعنی الظلیة اما الاصلیة فما کان لظل ان یقاوم الاصل بل یضمحل دونہ ولذالو زوج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قاصرة رجل من قاصر رجل تم النکاح و لزم ولم یکن لابویھما خیرة اصلا بل کذٰلك لو زوج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا عاقلا بالغامن امرأة کذابدون رضاھما لزم النکاح ولم یکن لھما الخیرة من انفسھما کما نصواعلیہ وقد نطق بہ القرآن العزیز۔	جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے، **اقول:**(میں کہتا ہوں) ولایت ظلیہ ایسے ہے لیکن ولایت اصلیہ،تو ظلیہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی بلکہ وہ اصلیہ کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے اور اسی لئے اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی قاصرہ(نابالغہ و مجنونہ و لونڈی) کا نکاح کسی قاصر مرد سے کردیں تو ان کے والدین کو قطعًا کوئی اختیار نہ رہے گا،اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یہ نکاح لازم و نافذ ہوگا بلکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی عاقل بالغ مرد کا کسی عورت سے نکاح کردیں تو ایسے ہی لازم و نافذ ہوگا اور اس پر مرد و عورت کو اپنے بارے میں کوئی اختیار نہ ہوگا جیساکہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے اور قرآن پاک نے اسکو بیان کیا ہے(ت)

اور اگر زید نے اپنی قاصرہ کا نکاح عمرو سے کردیا اور سلطان کی ناراضی ہے اس نے حکمًا اس نکاح کو ناجائز رکھا اور رخصت سے روک دیا،عنداللہ اس تصرف کے تمام معانی شرعیہ ترتیب پائیں گے عورت کہ اس کے لیے حلال نہ تھی حلال ہو گئی حکم غیر موجود شرعی ہوگیا،دوسرا اگر بے افتراق بموت وطلاق اس سے نکاح کرے گا مستحق غضب جبار و سزائے نار ہوگا،عورت مرجائے گی تو عمرو بحکم زوجیت اس کے ترکہ کا شرعًا بقدر حصہ مالک ہوگا،یہ تمام باتیں احکام تشریعیہ الٰہیہ سے ثابت ہوجائیں گی مگر احکام تکوینیہ کہ ولایت عرفیہ سے آتے اصلا حاصل نہ ہوں گے نہ وہ عورت اس کے قبضہ میں آئے گی نہ یہ دعوی ارث کرسکے گا کہ سلطان کے سامنے باپ کو کیا اختیار،اور یہ نکاح کہ رائے سلطانی میں خلاف قانون تھا قانونًا باطل ہوچکا۔

لان الولایة العامة املك من الولایة الخاصة فی الدنیا۔	کیونکہ ولایت عامہ دنیا میں ولایت خاصہ سے زیادہ قوی ہے۔(ت)

اسی قیاس پر صدہا صورتیں ہیں،اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ولایت عرفیہ میں تنفیذ سے مراد تحصیل ثمرات حسیہ دنیویہ ہے اگرچہ احکام شرعیہ حاصل نہ ہوں اور ولایت شرعیہ میں مراد اثبات معانی شرعیہ ودینیہ ہے اگرچہ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

موانع صوریہ زائل نہ ہوں۔

مقدمہ سوم: دونوں ولایتوں کے جو فرق بیان ہوئے ان کا ملاحظہ ہر عاقل پر دوامر واضح کرے گا ایک یہ کہ ہر سلطنت کو اسلامی ہو یا غیر اسلامی اپنے ملک پر ولایت قسم اول ہوتی ہے دوسرے یہ کہ یہی ولایت مطمح نظر سلاطین ہے، اسی میں منازعت ان کے نزدیک بادشاہ کی مخالفت قرار پاتی ہے، وہ یہی ولایت چاہتے ہیں کہ فوج ولشکر وتیغ وتبر کی لازم وملزوم ہے نہ وہ کہ ہر فقیر مفلس بے زر بے پر کے لئے موسوم ہے، ولایت قسم دوم کسی نامسلم سلطنت کو مقصود ہونا تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کہ قصداً اتباع شرع سے ناشیئ ہے نامسلم کو مذہب اسلام کی کب پیروی ہے صدہا سال سے خود مسلمان بادشاہوں کا مقصد اصلی وہی ولایت عرفی ہے وہ اپنے حکم کا نفاذ چاہتے ہیں اگرچہ حکم شرعی نہ ہو جیسا کہ ہزاروں کارناموں سے واضح ہے تو کوئی نامسلم سلطنت کیونکر پابند ولایت شرعیہ ہوسکتی ہے ولایت قسم اول کہ مقصد سلاطین ہے بلاشبہہ ہندوستان میں گورنمنٹ انگلشیہ کو بلانزاع حاصل ہے جس میں کسی فریق کو خلاف نہیں اور خود گورنمنٹ کو اس قدر منظور ہے اس نے کبھی نہ کہا کہ مجھے ہر فریق کے دین و مذہب میں مداخلت ہے بلکہ اسکے خلاف ہمیشہ یہی اعلان کیا اور کرتی ہے کہ ہمیں کسی قوم کے دین ومذہب میں دست اندازی نہیں اور یقیناً ہر ایسی گورنمنٹ جسے اللہ تعالٰی عقل معاش بروجہ کمال اور ملک داری کا سلیقہ عنایت فرمائے اسے یہی شایان ہے، حکام ورعایا سب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ والی ملک ہے اس کا حکم یہاں نافذ ہے جو چیز وہ جسے دلائے مل جاتی ہے منع کردے رک جاتی ہے رعیت اس کا حکم مانتی اور اس کا خلاف مضر جانتی ہے، یہ وہی وجود وعدم شیئ کے ثمرات ہوئے کہ نتائج ولایت عرفیہ ہیں مگر ہرگز نہ حکام کا دعوی غیر موجودہ موجود کردیتی یا کرنا چاہتی ہے۔ اب یہی دیکھئے کہ گورنمنٹ روزانہ سود کی ڈگریاں دیتی ہے اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ مدعا علیہ اتنی رقم مدعی کو دے یہ ہرگز نہیں کہتی کہ مسلمان سود لینے دینے کو شرعاً حلال جانیں یا ڈگری کے سبب اس لینے والے کے لئے سود کو ازروئے شریعت اسلامی مباح جانیں، اسی طرح تمام احکام میں اسے اپنے ملک میں تعمیل حکم سے کام ہے اور اسی میں اس کی اطاعت ہے نہ یہ کہ ان احکام کو آخرت میں بھی بکار آمد سمجھو، جو کام ولایت شرعیہ کا ہے اور قانون کو عین شریعت اسلامیہ مانو اس پر نہ وہ کسی کو مجبور کرتی ہے نہ اس سے اسے اصلاً بحث، تو بلاشبہہ گورنمنٹ والی ملک ہی بننا چاہتی ہے اور وہ ضرور والی ملک باختیار ہے مگر کسی مذہب وملت کی والی دین بننا نہیں چاہتی نہ اس سے اسے سروکار ہے تو اس کے خلاف ٹھہرانا خود گورنمنٹ کے بارے میں غلط بیانی اور اس

کے خلاف منشا واظہار ہے۔

مقدمہ چہارم: شریعت مطہرہ اسلامیہ علی صاحبہا وآلہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ نے ولایت عرفیہ کو جس سے آدمی والی ملک اور حاکم کو بادشاہ وقت ہوجاتا ہے اور عایا کو اس کی پابندی لازم ہوتی ہے اس کے حال پر چھوڑا ہے، اسے مسلم نامسلم کسی سے خاص نہ فرمایا جس طرح وہ عرف میں کسی سے خاص نہیں اس لئے کہ وہ زیر اثر احکام تکوینیہ ہے جسے خدا دے اسے ملے اور شریعت کی بحث صرف احکام تشریعیہ سے ہے:

قال اللہ تعالٰی "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپ فرمادیجئے اے ملک کے مالک تو جسے چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔ (ت)

اس **من تشاء** میں کوئی خصوصیت اسلام کی نہیں، ولہذا قرآن مجید نے زمانہ یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام میں بادشاہ مصر کو جابجا بلفظ **ملک** تعبیر فرمایا:

"وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى"[2] "وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ"[3] "مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ"[4]۔	بادشاہ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں، بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ، بادشاہ کے دین میں بھائی کو پکڑنا جائز نہیں۔ (ت)

اور وہ غلط تعبیر سے پاک ومنزّہ ہے، یوں ہی حضرت بلقیس کو ان کے اسلام سے پہلے قول ہدہد میں بلفظ "اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ"[5] (میں نے ایک عورت کو ان کا بادشاہ پایا۔ت) ذکر فرمایا اور وہ تقریر علی الغلط سے طاہر ومبرا ہے، تو ثابت ہوا کہ بادشاہ اگرچہ نامسلم ہو ضرور والی ملک اور ولایت قسم اول رکھتا ہے مگر مسلمان پر ولایت قسم دوم دینیہ شرعیہ جس سے مسلمان کے حق میں حکم غیر موجود شرعی مذہبًا موجود ہوجائے اور دینی حیثیت سے آخرت میں اس کے کام آئے صرف مسلمان کے ساتھ خاص فرمائی ہے اور کلمہ حصر وتصریح نفی دونوں طور پر اسے صاف فرمادیا ہے کہ کسی کا مجال تاویل وابدائے احتمال نہ رہے اول اس آیہ کریمہ میں "اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا"[6] (تمہارا ولی اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ت) اور اس آیہ کریمہ میں "وَ لَنْ یَّجْعَلَ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۶

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۳

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۴

[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۷۶

[5] القرآن الکریم ۲۷/ ۲۳

[6] القرآن الکریم ۵/ ۵۵

اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا[1] " (اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ت) یہاں قطعًا وہی سبیل دینی شرعی مراد ہے کہ سبیل دنیوی کا انتفاع خلاف مشاہدہ واشہاد ہے، قرآن عظیم اس معنی کی آیات سے مشحون ہے۔ حلبی علی الدر پھر شامی میں ہے:

الکافر لایلی علی ولدہ المسلم لقولہ تعالٰی "وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا "[2]۔	کافر اپنے مسلم بیٹے کا ولی نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا(ت)

نہایہ پھر عالمگیریہ پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

تقلید الذمی لیحکم بین اھل الذمۃ صحیح لابین المسلمین وکذلك التحکیم[3]۔	ذمی کا تقرر ذمیوں میں فیصلہ کرنے کے لئے صحیح ہے مسلمانوں میں فیصلہ کرنے کے لئے نہیں اور ثالثی کا بھی یہی حکم ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لو حکما عبدافاعتق اوصبیا فبلغ اوذمیا فاسلم ثم حکم لاینفذ[4]۔	اگر فریقین نے کسی غلام کو ثالث بنایا اب وہ آزاد ہوگیا نابالغ کو بنایا تو وہ بالغ ہوگیا، یا ذمی کو بنایا تو وہ مسلمان ہوگیا، پھر اس کے بعد وہ فیصلہ کریں تو نافذ نہ ہوگا۔(ت)

درمختار کتاب الشہادات میں ہے:

شرطھا الولایۃ فیشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلما[5]۔	شہادت کی شرط ولایت ہے اگر مدعا علیہ مسلمان ہو تو گواہ کا مسلمان ہونا شرط ہوگا۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۱۲

[3] ردالمحتار بحوالہ الھندیۃ عن النھایۃ کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۸، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۳ /۲۰۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۲

[5] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۹۰

اور کتاب القضایا میں ہے:

اھله اھل الشھادۃ وشرط اھلیتھا شرط اھلیته فان کلا منھما من باب الولایۃ[1]۔	قاضی کی اہلیت وہی ہے جو شہادت کی اہلیت ہے اور شہادت کی اہلیت وہی ہوگی جو مدعا علیہ کی اہلیت ہوگی کیونکہ یہ دونوں امر ولایت سے متعلق ہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لاولایۃ لکافر علی مسلم لقوله تعالٰی "وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا"[2]۔	کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ (ت)

اسی کی شہادات میں ہے:

لاتقبل شھادۃ الذمی علی المسلم لانه لا ولایۃ له بالاضافۃ الیه[3]۔	مسلم کے خلاف ذمی کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔ (ت)

مختصر امام قدوری میں ہے:

لاتصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولّٰی شرائط الشھادۃ[4]۔	قاضی کی ولایت اس وقت تک صحیح نہ ہوگی جب تک کہ مولی میں شہادت کی شرائط پائی جائیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لان حکم القضاء یستقی من حکم الشھادۃ لان کل واحد منھما من باب الولایۃ فکل من کان اھلا للشھادۃ یکون اھلا للقضاء ومایشترط	کیونکہ قاضی کا فیصلہ شہادت کے حکم سے مستفاد ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں امر از قبیل ولایت ہیں تو جو شہادت کا اہل ہوگا وہی قضاء کا اہل ہوگا تو جو چیز شہادت کی اہلیت میں شرط ہے وہ قضاء

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[2] الھدایۃ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء مطبع یوسفی لکھنؤ ۲ /۲۹۸

[3] الھدایۃ کتاب الشھادت باب من یقبل شھادته الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۶۲

[4] المختصر للقدوری کتاب آداب القاضی مطبع مجیدی کانپور ص ۲۸۳

لا اھلیۃ الشھادۃ یشترط لا اھلیۃ القضاء [1]۔	کی اہلیت میں شرط ہوگی (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لاولایۃ للصبی والمجنون ولا المملوك ولا الکافر علی المسلم [2]۔	نابالغ، مجنون، غلام اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں۔ (ت)

بدائع ملک العلماء مسعود کاشانی میں ہے:

لاشھادۃ للکافر علی المسلم اصلا [3]۔	مسلم کے خلاف کافر کی شہادت معتبر نہیں (ت)

اسی میں ہے:

لاولایۃ للکافر علی المسلم لانہ لا میراث بینھما، ولان الکافر لیس من اھل الولایۃ علی المسلم لان الشرع قطع ولایۃ الکافر علی المسلمین قال اللہ تعالٰی "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾"، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاسلام یعلو ولا یعلی [4]۔ الخ	کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ دونوں میں میراث نہیں، اور اس لئے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت کی اہلیت نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مسلمانوں پر کافر کی ولایت کو ختم کردیا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا اسلام غالب ہوگا مغلوب نہیں الخ۔ (ت)

اسی میں ہے:

الصلاحیۃ للقضاء لھا شرائط منھا العقل والبلوغ والاسلام فلایجوز تقلید المجنون والصبی والکافر، لان القضاء من باب الولایۃ بل ھو اعظم الولایات وھٰؤلاء لیست لھم اھلیۃ ادنی الولایات وھی	قضاء کی صلاحیت کے لئے چند شرائط ہیں ان میں سے عقل، بلوغ، اسلام ہے تو مجنون، نابالغ اور کافر کی تقرری جائز نہ ہوگی کیونکہ قضاء از قبیل ولایت ہے بلکہ اعظم ولایات میں سے ہے جبکہ ان لوگوں کو ولایت میں سے ادنٰی ولایت جو شہادت میں ہے

[1] الھدایہ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۳

[3] بدائع الصنائع کتاب الشھادت فصل واما الشرائط فی الاصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۶

[4] بدائع الصنائع کتاب النکاح فصل واما بیان شرائط الجواز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۳۹

الشھادۃ فلان لایکون لھم اھلیۃ اعلاھا اولٰی [1] ومن لا یصلح قاضیا لایجوز قضاؤہ ضرورۃ [2] اھ ملتقطا۔	وہ بھی نہیں تو لازمًا اعلٰی ولایت کے وہ اہل بطریق اولٰی نہ ہوں گے اور جو قاضی کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کی قضاء لازمًا جائز نہ ہوگی اھ ملتقطًا (ت)

یہ گیارہ کتابوں کی عبارات ہیں مختصر امام قدوری، فتاوٰی امام قاضی خاں، بدائع امام ملک العلماء، ہدایہ امام برہان الدین، نہایہ امام سغناقی، تنویر الابصار، درمختار، حلبی، طحطاوی، شامی، فتاوٰی علمگیریہ۔ اور خود کثرت عبارات کی کیا حاجت بلا مبالغہ صدہا ہیں بلکہ شریعت نے ان مسلمانوں پر سلطان اسلام کو بھی ولایت نہ دی جو دارالحرب میں اسلام لائے اور ہنوز ہجرت کرکے ہمارے دار میں نہ آئے۔

قال اللہ تعالٰی عزوجل "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَالَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی تمہیں ان سے کوئی ولایت نہیں حتی کہ وہ ہجرت کرلیں۔ (ت)

کتب فقہ میں مسائل کثیرہ اس اصل پر مبنی ہیں کہ بحالت اختلاف دار سلطان اسلام کو ولایت نہیں **راجع ابواب نکاح الکافر والمستامن وغیر ذٰلک** (نکاح کافر ومستامن وغیرہما کے ابواب کی طرف رجوع کرو۔ ت) ہدایہ میں ہے:

اختلاف الدارین یقطع الولایۃ ولھذا یمنع التوارث [4]۔	دارالاسلام ودارالحرب کا اختلاف ولایت کو ختم کردیتا ہے اس لئے آپس کا وارث ہونا ممنوع ہے۔ (ت)

توبحالت اختلاف دین غیر مسلم کو مسلم کے دینی احکام میں مداخلت کیونکر حکم شرعی ہوسکتی ہے بلکہ ولایت شرعیہ کا دائرہ اس سے بھی تنگ تر ہے، خود سلطان اسلام کو، خود اس کی ملک میں خود اسکی مسلمان رعایا پر صدہا باتوں میں شریعت مطہرہ نے ولایت شرعیہ نہ دی اس کی نظیر وہی تزویج قاصرہ گزری کہ سلطان یا قاضی اسلام کا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں اور باپ بھائی یا چچا یا کسی عصبہ بلکہ عصبہ نہ ہو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب آداب القاضی فصل واما بیان من یصلح للقضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳و۴

[2] بدائع الصنائع کتاب آداب القاضی فصل اما بیان من یفترض علیہ القبول الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۴

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۲

[4] الھدایہ کتاب الشھادات باب من یقبل شھادتہ ومن لایقبل مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۲

توذوی الارحام، اور وہ بھی نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کا کیا ہوا نافذ۔ تنویر الابصار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبیة بنفسه بشرط اسلام فی حق مسلمة فان لم تکن عصبة فالولایة للام ثم للاخت ثم لولدالام ثم لذوی الارحام (ثم مولی الموالاۃ اھ در) ثم للسلطان ثم القاضی نص علیه فی منشورۃ[1]۔ (ملخصًا)	مسلمان لڑکی کے نکاح کی ولایت اس کے عصبہ بنفسہ کو حاصل ہوگی بشرطیکہ یہ مسلمان ہو، اور اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو پھر حقیقی بہن کو اور پھر ماں کی طرف سے اولاد کو اس کے بعد پھر ذوی الارحام پھر مولٰی موالات کو حاصل ہوگی (مولٰی موالات اسکو کہتے ہیں جس کے ہاتھ پر کوئی کافر مسلمان ہو) اھ در، پھر سلطان پھر قاضی جس کی سند قضاء میں تصریح کردی گئی ہو نکاح صغار کی ولایت پر، اس کو ولایت حاصل ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

ولهذا قالوا ان القاضی لویزوج الیتیم والیتیمة الاعند عدم ولی لهمافی النکاح ولوذارحم محرم عـــہ اوامااومعتقا[2]۔	اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ قاضی یتیم لڑکے اور لڑکی کا نکاح نہیں کرسکتا مگر جب ان کا کوئی ولی نکاح موجود نہ ہو اگرچہ یہ ولی ذو محرم یا ماں یا آزاد کرنے والا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فلوزوج الابعد قیام الاقرب توقف علی اجازته[3]۔	اگر بعید شخص نے اقرب کی شہر میں موجودگی کے باوجود نکاح کردیا تواقرب کی اجازت پر نکاح موقوف رہے گا۔ (ت)

عـــہ: **اقول:** قید المحرم لامفهوم له وکان ینبغی عکس الترتیب فان المعتق مقدم علی الام والام علی ذی رحم ۱۲منه غفرله۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں محرم کی قید فہم سے بالاتر ہے، اور مناسب تھا کہ ترتیب میں یوں عکس ہوتا کہ آزاد کرنے والا ماں سے اور ماں ذی محرم سے مقدم کرتے، کیونکہ ترتیب یوں ہے ۱۲منہ غفرلہ۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴۔۱۹۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

[3] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

دوسری نظیر اوقاف ہیں وقف میں متولی شرعی کا تصرف معتبر اور اسکے ہوتے سلطان اسلام قاضی کا تصرف بے اثر۔ فتاوٰی امام رشید الدین پھر اشباہ میں ہے:

لایملك القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظرہ ولو من قبلہ[1]۔	قاضی وقف میں تصرف کا مالک نہیں ہوگا جبکہ اس کا متولی موجود ہو اگرچہ متولی اسی قاضی کا مقرر کردہ ہو۔(ت)

فتاوٰی وبری پھر فتوٰی علامہ قاسم قطلوبغا پھر لسان الحکام میں ہے:

لاتدخل ولایۃ السلطان علی ولایۃ المتولی فی الوقف[2]۔	وقف میں متولی کی ولایت کے خلاف سلطان کی ولایت مؤثر نہ ہوگی۔(ت)

تیسری نظیر اموال قاصرین ہیں کہ اولیائے اموال پھر اس کے ولی شرعی مقدم ہیں اور سلطان و قاضی ساتویں درجہ ہیں۔ قنیہ پھر اشباہ میں ہے:

لایملك القاضی التصرف فی مال الیتیم مع وجود وصیہ ولو کان منصوبہ[3]۔	وصی کی موجودگی میں یتیم کے مال میں قاضی تصرف کا مالک نہیں ہے اگرچہ یہ وصی اس نے ہی مقرر کیا ہو۔(ت)

درمختار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم الوالی ثم القاضی عـــہ[4]	اس کا ولی باپ پھر وصی پھر وصی کا وصی پھر حقیقی دادا پھر اس کا وصی پھر اس کے وصی کا وصی، پھر والی پھر قاضی۔(ت)

عـــہ: کان علیہ ان یقول والقاضی بالواؤ لانہ والوالی فی مرتبۃ واحدۃ ایھما تصرف جاز ۱۲منہ غفرلہ۔	یوں کہنا لازم تھا، والقاضی، یعنی واؤ کے ساتھ، کیونکہ قاضی اور والی کا مرتبہ یہاں مساوی ہے دونوں میں سے جو بھی تصرف کرے جائز ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ فتاوٰی رشید الدین الفن الاول قاعدہ ۱۶ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۲

[2] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۶

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوصایا ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۲۵

[4] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

لہٰذا حدیث میں ارشاد ہوا:

السلطان ولی من لا ولی له[1]۔	سلطان اس شخص کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ (ت)

شریعت مطہرہ نے جس حکم کو اس قدر محدود فرمایا ہو اسے اتنا وسیع کردینا شریعت جدیدہ قائم کرنا ہوگا۔ان دونوں مقدمات سے واضح ہوا کہ جو ولایت گورنمنٹ کی مقصود و مدعا ہے شرع مطہر اس کا انکار نہیں فرماتی اور جو ولایت شرع مطہر مسلمان پر مسلمان کے لئے خاص فرماتی ہے گورنمنٹ کو نہ اس سے بحث نہ اس کا دعوی، تو کیا نہ کہا جائے گا کہ اس کی مخالفت شرع اور گورنمنٹ دونوں پر تہمت، نسأل الله السلامة (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ت)

مقدمہ پنجم: اوپر معلوم ہوا کہ مقصود کبھی وجود شیئ ہوتا ہے کبھی حدوث حکم شرعی، قاضی کے یہاں جو مقدمات دائر ہوتے ہیں دونوں قسم کے ہیں اکثر قسم اول کے ان کی تنفیذ بمعنی اول و منع موانع ثمرات حسیہ مقصود ہے، مثلاً:

(۱) زید نے عمرو کی جائداد دبالی۔

(۲) قرض لیا اور ادا نہیں کرتا۔

(۳) چیز بیچی اور قبضہ نہیں دیتا۔

(۴) مول لی اور قیمت نہیں دیتا۔

(۵) ترکہ میں حق ہے اور قابض نہیں ہونے دیتا۔

(۶) مورث نے وصیت کی تھی وارث نہیں مانتا۔

(۷) شوہر رخصت کرالایا اور نان نفقہ نہیں دیتا۔

(۸) طلاق بائن دے دی ہے اور نہیں چھوڑتا۔

(۹) چیز عاریت لی تھی اور واپس نہیں کرتا۔

(۱۰) وقف میں ناجائز تصرف کررہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان عام صورتوں میں کہ روزانہ جن کی حاجت پڑتی اور جن کے مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے دفع ظلم صرف تنفیذ بمعنی اول مانگتی ہے کہ معانی شرعیہ تو خود موجود ہیں۔

[1] سنن ابوداؤد کتاب النکاح باب الولی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۴، جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء لانکاح الابولی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۰

اوپر معلوم ہوا کہ اس تنفیذ کے لئے ولایت قسم دوم کی حاجت نہیں، نہ صرف وہ اس کے لئے کافی، بلکہ ولایت قسم اول کی حاجت، اور تنہا وہی یہاں دادرسی کے لئے بس ہے۔ دوسرے وہ جن میں مسلمانوں کے کسی کام میں معنی شرعی غیر موجود کا اپنی ولایت و نیابت حضرت رسالت علی افضل الصلٰوۃ والتحیۃ سے پیدا کرنا ہو مثلاً:

(۱) جمعہ و عیدین میں کسی کو امام بنانا۔

(۲) کسی کو خطیب جمعہ مقرر کرنا کہ ہر مسلمان صالح امامت نماز پنجگانہ، جمعہ و عیدین کی امامت نہیں کرسکتا نہ جمعہ کا خطبہ پڑھ سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے پڑھانے سے نماز صحیح ہو جب تک ماذون من جہۃ السلطان نہ ہو جہاں اذن سلطان ناممکن ہو بضرورت نصب عامہ مسلمین معتبر ہے **کما نص علیہ فی تنویر الابصار والدر المختار وعامۃ الاسفار** (جیسا کہ اس پر تنویر الابصار، درمختار اور عام کتب میں تصریح ہے۔ت) تو لیاقت خطبہ وامامت مذکورہ ایک معنی شرعی دینی ہے اور پیش از اذن سلطان مثلاً زید کو حاصل نہیں، اذن دیتے ہی ثابت و محقق ہو جائے گی اس کے لئے قطعاً ولایت قسم دوم درکار۔

(۳) زن و شو لعان کریں۔

(۴) عنین بعد مرافعہ و تاجیل یکسال وانقضائے اجل و طلب زن طلاق نہ دے تو دونوں صورتوں میں بہ نیابت ولی مطلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان میں تفریق کرنا یعنی خود منکوحہ غیر کو طلاق بائن دے دینا اور شوہر مانے یا نہ مانے نکاح ثابت کا اس کے قول سے قطع ہو کر شرعاً زوج کا زوجہ زوجہ کا زوج پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جانا ایسا کہ اگر اس کے بعد قربت کریں تو نہ فقط دنیا میں بلکہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی حرام کار ٹھہریں جب تک از سر نو نکاح نہ کریں، اور صورت لعان میں تو نکاح بھی نہیں کرسکتے جب تک مرد و زن دونوں اہلیت لعان پر باقی رہیں اور شوہر خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ درمختار میں ہے:

فان التعنا بانت بتفریق الحاکم فیتوارثان قبل تفریقہ[1]۔	اگر دونوں نے لعان کرلیا تو حاکم کی تفریق سے بائنہ ہو جائیگی اور قاضی کی تفریق سے قبل مرد و عورت ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

تکون الفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ عندھما وقال ابو یوسف ھو تحریم	طرفین کے نزدیک قاضی کی تفریق طلاق بائن ہوگی جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ

[1] درمختار کتاب الطلاق باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۲

مؤبد[1]۔	ابدی تحریم ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

سیأتی فی بابہ انہا حرمۃ مؤبد مادامااھلا للعان فاذاخرجا عن اھلیۃ اللعان اواحدھما لہ ان ینکحھا وکذالواکذب نفسہ حدولہ ان ینکحھا[2]۔	عنقریب متعلقہ باب میں آئے گا کہ یہ ابدی حرمت ہے جب تک مرد عورت لعان کے اہل ہیں اور جب دونوں یا ایک کی اہلیت لعان نہ رہے تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں،اور یونہی اگر مرد نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا حد لگائی جائیگی اور اس کو جائز ہوگا کہ وہ عورت سے دوبارہ نکاح کرلے۔(ت)

درمختار باب العنین میں ہے:

بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقھا بطلبھا[3]۔	قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہوجائے گی اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے یہ تفریق بیوی کے مطالبہ پر ہوگی۔(ت)

(۵) قاصرہ نے بفور بلوغ اپنے نفس کو اختیار کیا نکاح سے نہ نکلی، شوہر کو اب بھی اس سے وطی حلال ہے،ایک مرجائے گا دوسرا ترکہ پائیگا مگر بعد مرافعہ و تفریق قاضی عند اللہ حرام ہوجائے گی اور بے تجدید نکاح حلف نہ رہے گی اب ایک مرے گا دوسرے کو ترکہ نہ ملے گا، مبسوط پھر عالمگیریہ میں ہے:

یحل للزوج ان یطأھا مالم یفرق القاضی بینھما[4]۔	قاضی جب تک دونوں میں تفریق نہ کرے خاوند کو وطی کرنا حلال ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یتوارثان فی ھذا النکاح قبل ثبوت فسخہ[5]۔	اس نکاح کے فسخ ہونے سے قبل دونوں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب اللعان داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۸۹

[2] الھدایہ

[3] درمختار کتاب الطلاق باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۲۵۳

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المبسوط کتاب النکاح الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۸۶۔۲۸۵

[5] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۰۷

(۲) اپنے حکم سے اختلافی مسئلہ کو اتفاقی کردینا ائمہ مجتہدین کا اختلاف اٹھا کر متفق کرلینا مثلاً مرد و عورت دونوں شافعی المذہب ہیں مرد نے پیش از نکاح حلف کیا کہ تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق، پھر نکاح کرلیا، زوجین کے مذہب میں طلاق نہ ہوئی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یمین مضافہ باطل ہے انہیں باہم قربت حلال ہے، بعدہ عورت نے دعوی کردیا، حاکم حنفی المذہب نے صحت یمین و وقوع طلاق وبینونت زن کا حکم کیا اب عنداللہ ان میں حرمت ثابت ہوگئی ایسی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی یہی فرمائیں گے کہ دونوں اجنبیہ واجنبیہ ہیں بے نکاح جدید اسے ہاتھ لگانا ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے، اور اگر زوجین حنفی ہوں نکاح ہوتے ہی عورت پر طلاق بائن ہوگئی **لوقوعۃ قبل الخلوۃ** (کیونکہ یہ طلاق قبل از دخول ہے۔ت) ان دونوں کے مذہب میں حرمت ثابت ہوگئی کہ اضافت یمین ہمارے نزدیک صحیح ہے اب مثلاً عورت نے قاضی شافعی کے یہاں دعوی کردیا قاضی نے بطلان یمین وعدم طلاق کا حکم دیا اب عنداللہ ان میں حلت ثابت ہوگئی ایسی کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی یہی فرمائیں گے کہ یہ دونوں زوج وزوجہ ہیں یہاں تک کہ اس کے حکم سے پہلے جو وطی کرچکا تھا اب اس پر بھی حکم حلت ہوگیا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

قال ان تزوجت فلانۃ فھی طالق ثلثا فتزوجھا فخاصمتہ الی قاض شافعی وادعت الطلاق فحکم بانھا امرأتہ وان الطلاق لیس بشیئ حل لہ ذٰلک، و لو وطئھا الزوج بعد النکاح قبل الفسخ ثم فسخ یکون الوطی حلالا اذا فسخ واذافسخ لایحتاج الی تجدید العقد[1]۔	اگر کسی نے کہا میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو تین طلاق ہیں، تو اب اس سے نکاح کیا تو عورت نے کسی شافعی قاضی کے ہاں طلاق کا دعوی کیا تو اس قاضی نے (اپنے مذہب پر) فیصلہ دیا کہ یہ اس کی بیوی ہے اور یہ طلاق کچھ نہیں تو ایسی صورت میں وہ عورت خاوند کے لئے حلال ہوگی اور اگر خاوند نے اس عورت سے فسخ سے قبل وطی کرلی تو حلال ہوگی اور جب یمین و تعلیق فسخ ہوگئی تو اب تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔(ت)

وجہ یہ کہ قضائے شرعی نے کہ حقیقۃً حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے سلطان و قاضی حضور کے نائب و حکم رساں ہیں اختلاف مجتہدین کو اٹھادیا اور ہر امام و مجتہد پر اس واقعہ میں اسی کو حکم الٰہی جاننا لازم ہوگیا۔

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۶

(۷) قاصر و قاصرہ جن کے لئے کوئی ولی نہیں اپنی ولایت یعنی ولی " اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ "[1] (نبی مومنوں کی جانوں سے زیادہ تر ولی ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ت) کی نیابت سے ان میں نکاح کرکے تمام دینی احکام مثلاً قربت کی حلت کہ پہلے حرام تھی نفقہ کا وجوب کہ پہلے لازم نہ تھا وراثت کا اثبات کہ پہلے ثابت نہ تھی عنداللہ موجود و متحقق کردینا **و قد تقدم نقلہ** (اس کی نقل گزرچکی ہے۔ت)

(۸) زید نے اپنی ملک خاص بحالت صحت نفس و ثبات عقل وقف صحیح شرعی کی اور متولی شرعی مقرر کرکے اس کے قبضہ میں دے دی تمام مفتی بہ مذاہب پر وقف صحیح ولازم ہوگیا اور زید کا اس میں کوئی حق ملک نہ رہا اس کے بعد وارثوں نے دعوی کیا یا خود زید ہی نے درخواست فسخ دی اور حاکم نے اس کے فسخ کا حکم دیا بشرطیکہ وقف پر رجسٹری نہ ہوچکی تھی اور قاضی مذہب مفتی بہ پر قضا سے مقید نہ تھا جس طرح قضاء زمانہ مقید ہے بلکہ خود امام مجتهد تھا جو اب صدہا سال سے کوئی نہیں یا سلطان نے اسے مذہب خاص امام اعظم پر قضاء کے لئے مقرر کیا تھا اگرچہ فتوی اس کے خلاف پر ہو یا اسے مذہب امام پر مطلقاً قضا یا خلاف میں جسے چاہے اختیار کی اجازت دی تھی جو اس زمانہ میں نہیں تو ان شرائط کے ساتھ ایسے قاضی کے حکم سے اس وقت بے رجسٹری کے زائل اور ملک زائل عنداللہ حاصل ہو جانا۔ درمختار میں ہے:

اطلق القاضی بیع الوقف غیر المسجل لوارث الوقف فباع صح، وکان حکما ببطلان الوقف لعدم تسجیلہ حتی لو باعہ الواقف او بعضہ اورجع عنہ ووقفہ لجھۃ اخری وحکم بالثانی قبل الحکم بلزوم الاول صح الثانی لوقوعہ فی محل الاجتھاد کما حققہ المصنف وافتی بہ تبعا لشیخہ وقاری الھدایۃ والملا	اگر قاضی نے بے رجسٹری وقف کو اس کے وارث کے لئے فروخت کی اجازت دے دی اور فروخت کردیا تو یہ بیع صحیح ہوگی اور قاضی کا یہ حکم اس وقف بے رجسٹری کو باطل کرنا قرار پائے گا حتی کہ واقف نے خود اس کو یا اس کے بعض کو فروخت کردیا یا پہلے وقف سے رجوع کرکے کسی دوسرے عنوان سے دوبارہ وقف کردیا اور قاضی نے دوسرے عنوان کے وقف کو پہلے وقف سے قبل لازم کردیا تو دوسرے وقف کا حکم صحیح ہوگا کیونکہ قاضی کا یہ حکم محل اجتہاد میں واقع ہوا جیسا کہ مصنف نے

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

ابی السعود لکن حملہ فی النھر علی القاضی المجتھد اھ[1] وکتبت علیہ مانصہ **اقول**: وکذٰلك القاضی المقلد المقلد لیقضی بمذھب ابی حنیفۃ مطلقًا وکذا الماذون لہ ان یقضی بہ مطلقًا او بماشاء فی الخلافیات وھذا ظاہر جدا لانعدام المانع وھو کونہ معزولا بالنسبۃ الی القول الضعیف[2]۔	اس کی تحقیق فرمائی اور اس پر اپنے شیخ کی اتباع اور قاری الہدایہ اور ملامسکین کی اتباع میں فتوی دیا، لیکن نہر میں اس کو انہوں نے مجتہد قاضی کی رائے پر محمول کیا اھ۔ میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے، **میں کہتا ہوں** کہ کسی بااختیار قاضی کا مقرر کردہ مقلد قاضی کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مذہب پر مطلقًا فیصلہ دے اور وہ قاضی جس کو مطلقًا اجازت ہے کہ خلافیات میں اپنی صوابدید پر فیصلہ دے، ان کا فیصلہ بھی ایسا ہی نافذ ہوگا، یہ بالکل ظاہر ہے کہ کیونکہ قاضی کے معزول ہونے والا ضعیف قول بھی یہاں نہیں ہے جو مانع بنے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو قضی الحنفی بصحۃ بیعہ فحکمہ باطل لانہ لایصح الابالصحیح المفتی بہ فھو معزول بالنسبۃ الی القول الضعیف ومافتی بہ قاری الھدایۃ من صحۃ الحکم ببیعہ قبل الحکم بوقفہ فمحمول علی ان القاضی مجتھد[3]۔	اگر حنفی قاضی نے اس وقت کی بیع کی صحت کا حکم دیا تو اس کا حکم باطل ہوگا کیونکہ اس کے حکم کی صحت صرف صحیح مفتی بہ قول پر ہوگی، تو یہ قاضی ایک ضعیف قول کی بناء پر معزول قرار پائے گا اور جو قاری الہدایہ نے وقف کے حکم نامہ سے قبل بیع کے حکم کی صحت پر فتوی دیا ہے تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ قاضی مجتہد ہو۔ (ت)

حلبی علی الدر پھر ابن عابدین میں ہے:

ومثل القاضی المجتھد من قلد مجتھدا ایراہ[4] اھ **اقول**:	مجتہد قاضی کی طرح ہے وہ قاضی جس کو اپنی رائے میں کوشاں کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اھ اقول:

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۵

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۴

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۴

ای اذالم یکن مقیدا بالقضاء بالمفتی بہ فی المذہب الحنفی کقضاۃ زماننا وھوظاہر والا کان رجوعا الی ماوقع الضرار منہ فانہ اذالم یصح القضاء بالمرجوح کیف یصح بتقلید مذہب اٰخر فرجع حاصلہ الی ما کتبت وباللہ التوفیق۔	(**میں کہتاہوں**) یعنی جب وہ مذہب حنفی میں مفتی بہ قول پر قضاء کا پابند نہ بنایا گیا ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ کے قاضی۔اور یہ ظاہر بات ہے ورنہ ضرر والی چیز کی طرف رجوع کرنا لازم آئے گا، کیونکہ مرجوح قول پر قضاء صحیح نہ ہو تو دوسرے مذہب کی تقلید کیسے صحیح ہوگی، لہٰذا حاصل وہی ہے جو میں نے لکھاہے،اور توفیق صرف اللہ تعالٰی سے ہے۔(ت)

(۹) بعض حجر تو خود بحکم شرع ثابت ہیں جیسے مجنون اور ناسمجھ بچے کا ہر تصرف قولی،اور معتدہ وصبی عاقل کا دائر بین النفع والضرر سے مجور ہونا کہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتے اور بعض وہ ہیں کہ بحکم حاکم ثابت ہوتے ہیں جیسے صاحبین رحمہمااللہ تعالٰی کے نزدیک مدیون کو بوجہ دین،اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول صحیح مفتی بہ پر سفیہ کو بوجہ سفہ ممنوع التصرف کردینا، یہ حجر بحکم حاکم بھی تنفیذ کی طرح دو[۲] قسم ہے:

اول: حسی کہ ایک آدمی ایک فعل سے حکماً باز رکھاجائے بغیر اس کے کہ کوئی معنی جدید شرعی حادث ہو۔

دوم: شرعی کہ اس کے سبب تصرف کا حکم شرعی مسدود ہوجائے،انسان کی اہلیت کہ عطائے رب العزت ہے باطل وبے اثر ہو کر بہائم سے ملحق ہوجائے۔اور نتیجہ ولایت قسم اول کا ہے اور دوم علی الاختلاف ولایت قسم دوم کا۔اس دوم کی ولایت شرعیہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اصلاً سلطان اسلام کو بھی نہیں۔ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی کہ فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لایحجر علی الحر العاقل البالغ السفیہ وتصرفہ فی مالہ جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف مالہ وقال ابویوسف و محمد رحمہما اللہ تعالٰی یحجر علی السفیہ ویمنع من التصرف فی مالہ،لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان فی سلب ولایتہ اھدار	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ حر عاقل بالغ بیوقوف کو مجور (یعنی تصرفات سے روکنا) جائز نہیں ہے اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اگرچہ وہ فضول خرچی اور فاسد کرتے ہوئے مال کو تلف کردے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسے بیوقوف کو مجور قرار دینا اور مال تصرف کرنے سے روکنا جائز ہے،امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کی ولایت کو ختم کرنا،اس کی آدمیت کو

آدمیته والحاقة بالبهائم وهو اشد ضررا من التبذیر فلا یتحمل الاعلی لدفع الادنی [1] اھ مختصرا وقد قدم قول الامام واخر دلیله واجاب عن دلیلهما وکذٰلك فعل فی الحجر بسبب الدین۔	معطل کرنا اور حیوانوں سے لاحق کرنا ہے اور یہ چیز اس کے لئے مال کی فضول خرچی سے زیادہ مضر ہے لہٰذا اس کے ادنی ضرر کو ختم کرنے کے لئے بڑے ضرر کو نہ اپنایا جائے گا اھ مختصراً، انہوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو مقدم ذکر کیا اور ان کی دلیل کو آخر میں لاکر صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل کا جواب دیا ور مصنف نے دین کے سبب مجوری کے عمل میں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔(ت)

اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے طور پر بھی بہت مواقع میں سلطان اسلام کا حجر بھی صرف حسی ہوتا ہے نہ کہ شرعی، مثلاً مفتی ماجن وطبیب جاہل و مکاری مفلس پر حجر کہ بحکم سلطان بھی صرف صورۃً ہوگا شرعاً ان کے تصرفات صحیحہ باطل نہ ہوجائیں گے۔ درمختار میں ہے:

لایحجر علی حر مکلف بسفه وفسق ودین وغفلة بل یمنع مفتٍ ماجن یعلم الحیل الباطلة کتعلیم الردة لتبین من زوجها او تسقط عنها الزکاة وطبیب جاهل ومکار مفلس [2]۔	حر مکلّف کو بیوقوفی، فسق، دین اور غفلت کی وجہ سے مجور نہ کیا جائے گا بلکہ ماجن مفتی جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو مثلاً بیوی کو خاوند سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے مرتد ہونے اور اس سے زکوۃ ساقط کی تعلیم دینا، نیز جاہل طبیب اور مکار مفلس کو روک دیا جائیگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله بل یمنع اشاربه الی انه لیس المراد به حقیقة الحجر وهو المنع الشرعی الذی یمنع نفوذ التصرف لان المفتی لو افتی بعد الحجر واصاب جاز	ماتن کا قول "بلکہ منع کیا جائے" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ممانعت حقیقی پابندی نہیں بلکہ اس سے مراد شرعی ممانعت ہے جو تصرف کے نفاذ کو روکتی ہے کیونکہ اگر وہ مفتی حجر والی کارروائی کے بعد فتوٰی درست دے تو جائز ہے

[1] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر للفساد مطبع مجتبائی دہلی ۳ /۵۲۔۳۵۱

[2] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۹۸

وکذا الطبیب لو باع الادویة نفذ فدل ان المراد المنع الحسی کما فی الدرر عن البدائع [1]۔	اور یونہی وہ طبیب اگر دوا فروخت کرے تو یہ کارروائی نافذ ہوگی تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ منع محض حسی کارروائی ہے جیسا کہ درر میں بدائع سے نقل کیا گیا ہے(ت)

اسی قبیل سے ہے سلطان کا ایام گرانی میں، یا فوج کے لئے اشیاء کا بھاؤ کاٹ دینا کہ اگر بائع برضائے مشتری زیادہ کو پہنچے شرعًا جائز و نافذ رہے گا آخرت میں مستحق عذاب نہ ہوگا اگرچہ دنیا میں سلطان اسے سزا دے اور اگر اس سلطانی مقرر کردہ بھاؤ پر محض بخوف سلطان بیچے تو وہ شے مشتری کیلئے عنداللہ حلال نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

لایسعر حاکم لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لا تسعروا فان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق الا اذا تعدی الارباب عن القیمة تعدیا فاحشا فیعسر بمشورة اهل الرأی، وفی الاختیار ثم اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لایحل للمشتری [2] اھ ای اذا باع للخوف کما عبر للقهستانی فسقط نظر الشامی وتحقیقه فی جد الممتار۔	حاکم بھاؤ مقرر نہ کرے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا فرمان ہے بھاؤ مقرر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالٰی ہی بھاؤ بنانے والا ہے وہی تنگی، وہی وسعت وہی رزق دینے والا ہے مگر جب تجار قیمت میں فحش گرانی کریں تو پھر حاکم اہل الرائے سے مشورہ کے بعد بھاؤ مقرر کرے تو جائز ہے، اور اختیار میں ہے پھر جب حاکم بھاؤ مقرر کردے اور بائع کو حاکم کی سزا کا خوف ہو اگر اس نے مال کم بھاؤ پر دیا تو مشتری کو اس بھاؤ خریدنا جائز نہیں اھ یعنی جب بائع محض خوف کی وجہ سے (بغیر رضا) فروخت کرے تو مشتری کو جائز نہیں جیسا کہ قہستانی نے یہ تعبیر کی ہے، تو اب علامہ شامی کا اعتبار ساقط ہوگیا اور اس کی تحقیق جد الممتار میں ہے(ت)

(۱۰) بے اذن و رضائے مدیون اس کی جائداد زر ڈگری میں نیلام کردینا ضرور حسابحکم سلطنت موجود ہوجائے گا، کلام اس میں ہے کہ شرعًا بھی وہ بیع صحیح و نافذ اور شیئ مبیع مشتری کے لئے عنداللہ حلال ہوجائے گی اس پر خواہ اس کے ورثہ پر کہ اس کے بعد اسے اپنی ملک صحیح شرعی جانیں آخرت میں کچھ مواخذہ نہ ہوگا یہ مختلف فیہ ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو اسے سلطان اسلام کیلئے بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۳

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۸۔۲۴۹

جائز نہیں مانتے، ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی اور اس پر دلیل قاطع ارشاد کی فرماتے ہیں:

قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لاحجر فی الدین لان فی الحجر اھدار اھلیتہ فلا یجوز لدفع ضرر خاص فان کان لہ مال لم یتصرف فیہ الحاکم لانہ تجارۃ لاعن تراض فیکون باطلا بالنص، وقالا اذا طلب غرماء المفلس، حجر القاضی علیہ وباع مالہ ان امتنع من بیعہ، قلنا المستحق قضاء الدین والبیع لیس بطریق متعین لذٰلک کیف وان صح البیع کان الحبس اضرارا بھما بتاخیر حق الدائن وتعذیب المدیون فلایکون مشروعا[1] اھ مختصرًا۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں دین میں کسی کو مجبور نہ کروں گا کیونکہ حجر میں آدمی کی اہلیت معطل ہوتی ہے لہٰذا کسی ضرر خاص کو ختم کرنے کے لئے اہلیت کو ختم کرنا جائز نہیں ہے، اگر ایسے شخص کا مال ہو تو حاکم اس میں تصرف نہ کرے کیونکہ یہ اس کی رضا کے بغیر تجارت قرار پائیگی جو ناجائز اور بذریعہ نص باطل ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ اگر مطالبہ والے حضرات قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس پر حجر (مالی تصرف میں پابندی) لگادے اور اس کے مال کو جبرًا فروخت کردے تو قاضی ایسا کرے، ہم امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی طرف سے کہتے ہیں مطالبہ والوں کا حق صرف دین کی ادائیگی ہے اور مطلوب کے مال کو فروخت کرنا یہ واحد طریقہ نہیں ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اگر اس کے مال کی فروخت جائز ہو تو اس کو قید کرنا دوہرا ضرر ہوگا، ایک حق والوں کے حق میں تاخیر اور دوسرا مدیون کو سزا دینا، تو یہ ناجائز ہے اھ مختصرًا (ت)

عنایہ میں ہے:

لکنہ (ای الحبس) مشروع بالاجماع فلم یصح البیع[2]۔	لیکن وہ یعنی قید کرنا بالاجماع مشروع ہے تو مال کا فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔ (ت)

صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مفتی بہ قول پر کہ بشرائط اجازت ہے صریح احداث حکم جدید شرعی و تبدیل توقف بنفاذ و حرمت بحلت کی حاجت ہے۔ یہ دس مثالیں مقدمات قسم دوم کی ہیں ان میں تنفیذ بمعنی دوم درکار ہے اور نیا حکم شرعی کہ اب تک حاصل نہ تھا حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو اس کے

[1] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۷-۳۵۶

[2] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۲۰۷

عنداللہ صحیح و مقبول اور آخرت میں بکار آمد ہونے کے لئے ولایت قسم اول کافی نہیں بلکہ قطعاً ولایت قسم دوم کی حاجت ہے اور وہ بھی باختلاف صور مختلف کہ ہر امر محتاج ولایت شرعیہ میں ہر ولی شرعی حتی کہ سلطان اسلام کے احکام سے بھی حکم موجود شرعی نہیں بدلتا، نہ حکم جدید شرعی حادث ہو جس کے نظائر بیان ہوئے، تو قسم دوم میں مطلقاً والیان ملک مراد لینا درکنار مطلقاً والیان شرع بھی مراد نہیں بلکہ خصوصی مواضع میں شرع مطہر سے ثابت ہونا درکنار کہ شرع نے اس امر میں فلاں کو حکم جدید شرعی پیدا کرنے کا اختیار بخشا ہے بغیر اس کے شریعت پر اجتزاء، اور وہ پہلے تو سیع قطعاً شرع مطہر پر افترا ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

تنبیہ: ان تمام تقریرات ومسائل سے روشن ہوگیا کہ کسی امر میں کسی کے لئے ولایت شرعیہ ہونا ہم مسلمانوں کا ایک دینی مذہبی مسئلہ ہے جو خاص لحاظ سے شرع پر مبنی ہے، کہیں ہر فقیر مفلس کے لئے ہے اور کہیں سلاطین اسلام کو بھی نہیں، تو اس کے انکار کو انکار سلطنت سے کوئی علاقہ نہیں، آخر نہ دیکھا کہ صدہا جگہ حکم شریعت نے خود سلطان اسلام بلکہ خلیفۃ المسلمین کے لئے بھی ولایت شرعیہ نہ مانی اس سے ان کے سلطان و بادشاہ وحاکم وقت ووالی ملک ہونے کا انکار نہ ہوا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) **وباللہ التوفیق۔**

مقدمہ ششم: جس طرح بعض حجر محتاج حکم حاکم ہیں، پھر حکم سے کبھی حجر حسی حاصل ہوتا ہے کبھی شرعی جس کا بیان گزرا، یوں ہی تقلید قضا کہ فک حجر ہے دست نگر حکم والی ہے اور اس میں تقسیم حسی وشرعی یا دنیوی ودینی ہے قضائے دنیوی کے لئے تو صرف منجانب والی تقرر بس ہے اگرچہ نہ وہ والی مسلم ہو نہ یہ مولی، کہ جس ملک میں جس مذہب وملت کے احکام جسے حاکم مقرر کریں گے ضرور وہ حکم پر قادر اور اس کا حکم وہاں نافذ، اور وہاں کی رعایا پر بحکم والیان ملک، لازم القبول ہوگا، یہ وہی ولایت قسم اول ہے اور تمام مقدمات قسم اول کے لئے کافی ووافی ہے لیکن قضائے دینی شرعی کہ ولایت قسم دوم ہے اور مقدمات قسم دوم یعنی مسلمان کے حق میں احداث حکم جدید شرعی نافع آخرت کیلئے درکار ہے اس کے لئے جس طرح مولٰی یا مقلد بالفتح یعنی اس قاضی کا مسلم ہونا شرع مطہر نے لازم مانا جس کا روشن ثبوت گزرا، یونہی مولی یا مقلد بالکسر یعنی وہ والی شہر حاکم ذی اختیار صاحب فوج وخزانہ جس کے حکم کی طرف اس کا نصب وعزل منتہی ہو اس کا اسلام بھی لازم ہے کہ قضاء ولایت مستقلہ نہیں بلکہ ولایت مقلد سے مستفاد، اور عدم مفید وجود نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے:

اذالم یکن سلطان ولامن یجوز التقلد منہ کما فی بعض بلاد	جب کوئی سلطان نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا حاکم جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے جیسا کہ

المسلمین غلب علیهم الکفار، یجب علیهم ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلو نه والیا، فیولی قاضیا و یکون هو الذی یقضی بینهم و کذا ینصبو الهم اماما یصلی بهم الجمعة[1]۔	مسلمانوں کے وہ علاقے جہاں کفار نے غلبہ پایا ہے تو وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے کسی ایک پر اتفاق کرکے اس کو والی قرار دیں تو وہ کسی کو قاضی مقرر کردے اور وہ لوگوں میں فیصلے کرے اور یونہی وہ مسلمان کسی کو جمعہ کا امام مقرر کریں جو جمعہ کی نماز پڑھائے۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

کل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه اقامة الجمع والاعیاد واخذالخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم، واما فی بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع و الاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم طلب وال مسلم[2]۔	ہر ایسا شہر جس میں کفار کی طرف سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو اس شہر میں جمعہ و عیدین کا قیام خراج وصول کرنا، قاضی کی تقرری اور یتیم بچیوں کا نکاح جائز ہوگا کیونکہ اس طرح مسلمانوں کا ان پر غلبہ ثابت ہے اور لیکن وہ علاقے جہاں کفار ہی والی ہوں وہاں مسلمانوں کی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی ہی بااختیار قاضی ہوگا تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ و عیدین کا قیام جائز ہوگا اور مسلم والی کے لئے جدوجہد ان پر واجب ہوگی۔(ت)

درمختار میں ہے:

لو فقد وال لغلبة کفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعة، فتح[3]۔	اگر غلبہ کفار کی بناپر مسلمان والی مفقود ہو تو مسلمانوں پر اپنے طور کسی قاضی اور جمعہ و عیدین کے امام کا تقرر واجب ہوگا، فتح(ت)

بعینہٖ اسی طرح معراج الدرایہ وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا میں ہے کہ ان کی عبارات

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/ ٣٦٥

[2] جامع الفصولین الفصل الاول اسلامی کتب خانہ کراچی ١/ ١٤

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ٧٣

بعونہ تعالٰی عنقریب آتی ہیں، نہر الفائق میں عبارت فتح القدیر نقل کرکے فرمایا:

ھذا ھو الذی تطمئن النفس الیہ فالیعتمد[1]۔	یہی وجہ ہے جس پر نفس مطمئن ہوتا ہے تو اس پر اعتماد چاہئے۔ (ت)

ابن عابدین نے اسے نقل کرکے فرمایا:

الاشارۃ بقولہ ھذا الی ماافادہ کلام الفتح من عدم صحۃ تقلد القضاء من کافر[2]۔	اس کے قول "ھذا" سے فتح کے کلام سے جو فائدہ حاصل ہوا کہ کافر کی طرف سے قاضی کی تقرری صحیح نہیں ہے، کی طرف اشارہ ہے (ت)

اور یہ خود نص محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاصل میں ہے کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی آگے آئے گا۔ت) یہ تمام نصوص صریحہ واضحہ قاطعہ ہیں کہ قضائے شرعی بمعنی مذکور کے لئے مولی و مولٰی دونوں کا اسلام ضرور ہے۔ **اقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ہاں اس کے لیے بادشاہ ملک کا مسلمان ہونا ضرور نہیں جیسے بادشاہ نامسلم کے زیر حکم کوئی اسلامی ریاست کا والی جس کی مسند نشینی بحکم ومنظوری بادشاہ نامسلم ہوتی ہو کسی مسلمان کو اپنی رعایا پر عہدہ قضادے قاضی شرعی ہوجائے گا اگرچہ بالواسطہ اس کی قضا بادشاہ نامسلم کی طرف مستند ہوئی کہ اسے والی شہر نواب مسلمان نے مقرر کیا اور وہ نواب بادشاہ نامسلم کا مقرر کیا ہوا ہے اور مقلد مقلد مقلد ہے بلکہ وہ نواب مسلمان والی شہر صاحب فوج وخزانہ خود ایک اعلٰی درجہ کا قاضی ہے۔ درمختار میں ہے:

ثم الوالی بالطریق الاولٰی[3]۔	پھر والی بطریق اولٰی۔ (ت)

شامی میں ہے:

ای ثبوت الولایۃ للوالی اولی لان القاضی یستمدھا منہ[4]۔	یعنی والی کے لئے ثبوت ولایت بطریق اولٰی ہوگی کیونکہ قاضی اس سے تقرر پاتا ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۸

[3] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۰۳

[4] ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۱۱

اور پر ظاہر کہ اس کا تقرر بلاواسطہ بمنظوری بادشاہ نامسلم ہوا تو نظر بہ استفادہ وسبب وقضا تقلد قضا من سلطان غیر مسلم کہہ سکتے ہیں، اگرچہ یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت نواب والی ملک اپنی ولایت عرفیہ یعنی غلبہ واستیلا سے مستفاد ہے کہ شرع مطہر نے والی مسلم کے لئے صرف اسے بھی سبب حصول ولایت معتبرہ عندالشرع مانا ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

السلطان یصیر سلطاناً بامرین بالمبایعۃ معہ من الاشراف والاعیان وبان ینفذ حکمہ علی رعیتہ خوفاً من قھرہ فان بویع ولم ینفذ فیھم حکمہ لعجزہ عن قھرھم لایصیر سلطاناً، فاذاصار سلطاناً بالمبایعۃ فجاران کان لہ قھر وغلبۃ لاینعزل[1]۔	سلطان کی تقرری دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ایک اشراف اور اعیان حکومت کی بیعت، اور دوسرا رعیت پر اس کے دبدبے کی بناپر اس کے حکم کا نافذ ہونا، تو اس کی بیعت ہوئی لیکن رعیت پر دبدبہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حکم نافذ نہ ہوسکا تو سلطان نہ بن سکے گا تو جب سلطان بن گیا اور اپنے دبدبے اور غلبہ کی بناپر ظلم کیا تو معزول نہ قرار پائے گا۔ (ت)

فصول عمادیہ پھر ہندیہ میں ہے:

ذکر فی الفتاوی ایضاً تجوز صلٰوۃ الجمعۃ خلف المتغلب الذی لامنشورلہ من الخلیفۃ اذاکانت سیرتہ فی رعیتہ سیرۃ الامراء یحکم فیمابین رعیتہ بحکم الولایۃ لان بھذا تثبت السلطنۃ فیتحقق الشرط[2]۔	فتاوٰی میں یہ بھی مذکور کہ ایسے سلطان کی اقتدا میں جمعہ جائز ہوگا جو خود غلبہ پاکر خلیفہ کی منظوری کے بغیر اقتدار پر فائز ہوگیا بشرطیکہ رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرچکا ہو وہ اپنی ولایت کی بناپر رعیت میں حکم نافذ کرچکا ہو کیونکہ اس سے سلطنت قائم ہوگئی تو شرط متحقق ہوگئی۔ (ت)

خلاصہ پھر بحرالرائق پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

المتغلب الذی لاعھدلہ ای لامنشور لہ ان کان سیرتہ فیمابین الرعیۃ	خلیفہ کی منظوری کے بغیر غلبہ پانے والے نے رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرلی اور اپنی

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

سیرۃ الامراء ویحکم بینھم بحکم الولاۃ تجوز الجمعۃ بحضرتہ[1]۔	ولایت کی بناء پر حکم تسلیم کرواچکا ہو اس کی موجودگی میں جمعہ قائم ہوسکے گا۔(ت)

غایت یہ کہ اس کی ولایت عرفیہ طریقہ شرعیہ سے مستفاد یعنی بحکم امیر المومنین نہیں تو یہ ایک نواب کیا آج صدہا سال سے تمام روئے زمین کے سلاطین اسلام ایسے ہی ہیں، اپنے استیلاہی کے باعث سلطان اسلام ہیں وہ اسے بھی حاصل اور منظوری بادشاہ اس کی معین ہے نہ کہ مخل، رہا بوجہ منظوری سبب، اس کی قضاء کو تقلید بادشاہ غیر مسلم کی طرف منسوب کرسکتے ہیں یہی دونوں صورتیں عبارت مسکین:

یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل او الجائر سواء کان کافرا اومسلما کذا فی الاصل[2]۔	قضاء کی تقرری سلطان عادل خواہ ظالم سے ہوگی اس کا مسلمان ہونا اور کافر ہونا برابر ہے اصل (مبسوط) میں یونہی ہے(ت)

اور عبارت ہندیہ:

ذکر فی الملتقط والاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد کذا فی التاتارخانیۃ[3]۔	ملتقط میں ذکر کیا کہ سلطان میں اسلام شرط نہیں ہے یعنی جو سلطان قاضی کی تقرری کرے۔ تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔(ت)

میں مراد ہیں اور اس پر دلیل قاطع یہ کہ مسکین نے اسے اصل سے نقل کیا، اصل مبسوط امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام ہے، مبسوط کی عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب الصلوۃ میں بحوالہ معراج الدرایہ منقول:

البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لابلاد الحرب لانھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونھا وکل مصر فیہ وال	وہ بلاد جو کفار کے قبضے میں آئے ہیں وہ بلاد اسلام ہیں بلاد کفر نہیں ہیں کیونکہ کافر وہاں کفر کے احکام کو مسلط نہیں کرپائے بلکہ وہاں قاضی اور والی حضرات مسلمان ہیں وہ ایک ضرورت کے تحت یا ضرورت کے بغیر کفار کے ماتحت ہیں، وہ شہر جس میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۳۸-۵۳۷

[2] شرح الکنز لملامسکین علی ہامش فتح المعین کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۶

[3] فتاوی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

من جهتهم يجوزله اقامة الجمع والاعياد والحد و تقليد القضاء لاستيلاء المسلم عليهم فلوالولاة كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما[1]۔	کفار کی طرف سے مقرر کردہ والی ہو تو جمعہ، عیدین اور حد کا قیام اور قاضیوں کا تقرر اسے جائز ہے کیونکہ مسلمانوں کا کفار پر غلبہ ہے، تو اگر والی کفار ہوں تو مسلمانوں کو جمعہ کا قیام جائز ہوگا اور مسلمان کی رضامندی سے قاضی ہو تو وہ باختیار قاضی ہوگا اور مسلمانوں پر مسلمان والی کے لئے کوشش لازم ہے۔ (ت)

اور ہندیہ نے اسے تاتارخانیہ سے نقل کیا، تاتارخانیہ کی پوری عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب القضاء میں منقول ہے:

الاسلام ليس بشرط فيه اى فى السلطان الذى يقلد وبلاد الاسلام التى فى ايدى الكفرة لاشك انها بلاد الاسلام لابلاد الحرب لانهم لم يظهروا فيها حكم الكفر، والقضاة مسلمون والملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت عن غير ضرورة منهم ففساق وكل مصرفيه وال من جهتهم تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج و تقليد القضاة و تزويج الايامى لاستيلاء المسلم عليه، واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع و الاعياد ويصير القاضى	اسلام اس میں شرط نہیں یعنی اس سلطان میں جو قاضی کی تقرری کرتا ہے اور جو مسلمانوں کے علاقے کفار کے قبضے میں ہیں بیشک وہ بلاد اسلام ہیں نہ کہ بلاد حرب، کیونکہ کفار وہاں احکام کفر غالب نہیں کر پائے جبکہ وہاں قاضی مسلمان ہیں اور وہاں کے ملوک اگر کفار کے ماتحت ضرورت کی وجہ سے ہیں تو وہ مسلمان ہیں، اور اگر بغیر ضرورت ماتحت بنے ہوئے ہیں تو وہ فاسق ہیں اور وہ تمام شہر جن میں کفار کی طرف سے مسلمان والی مقرر ہیں وہاں جمعہ وعیدین کا قیام اور خراج کی وصولی اور قاضیوں کا تقرر اور یتیم بچوں کا نکاح جائز ہے کیونکہ یہاں مسلمان کو ولایت حاصل ہے لیکن وہ بلاد جہاں کفار والی ہوں تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہے اور وہاں مسلمانوں کی

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۴۱۔۵۴۰

قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما منهم[1]۔	باہمی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی باختیار قاضی ہوجائے گا تو مسلمانوں کو لازم ہوگا کہ وہ کوئی اپنا مسلمان والی بنانے کے لئے کوشاں رہیں۔(ت)

ان نفیس و جلیل عبارات نے صاف صاف ایسے شہروں کی تین قسمیں فرمائیں: ایک وہ ملک جس میں بادشاہ مسلمان ہے مگر نا مسلمان حکومت کے زیر اثر ہوگیا ہے جیسے آج کل بخارا شریف۔ اس کا بیان کتاب الاصل میں "اوبدونها" اور تاتارخانیہ میں "ففساق" تک ہے۔ دوسرے وہ کہ ریاست بااختیار صاحب فوج وخزانہ اسلامی ہے اور بادشاہ غیر مسلم، اس کا بیان دونوں عبارتوں میں "وکل مصر" سے "لاستیلا المسلم علیهم" تک ہے۔ تیسرے وہ کہ ان پر والی بھی مسلمان نہیں عام ازیں کہ بادشاہ نامسلم نے تنہا اپنا قبضہ رکھا ہو یا کوئی غیر اسلامی ریاست قبول کی ہو، جیسے رجواڑے۔ اس کا بیان دونوں عبارات کے بقیہ میں ہے جواز تقلید قضائے شرعی دو صورت پیشیں سے خاص فرمایا، اور سوم میں بعینہ وہی جو فتح القدیر و جامع الفصولین سے گزرا، ارشاد کیا کہ اب قضائے شرعی تراضی مسلمین پر رہے گی اب بھی اگر تقلد قضاء شرعی صحیح ہو تو اس تخصیص اور اس تفریق حکم کے کیا معنے تھے اور عبارت امام محقق علی الطلاق نے تو اس مفاد صریح کو اور بھی اوضح واصرح فرمادیا کہ:

اذالم یکن من یجوز التقلید منه[2] الخ۔	جب کوئی ایسا نہ ہو جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے الخ۔(ت)

تو روشن ہوا کہ نامسلم سے تقلد قضاء شرعی انہیں دو صورت وساطت مولی مسلم میں ہے کہ پہلی صورت میں بادشاہ مسلم اور دوسری میں نواب مسلم ہے، صورت سوم میں یہ حکم ہرگز نہ رکھا اور صراحۃً اس کا عدم جواز ظاہر فرمادیا تو مسکین و ہندیہ کہ انہیں اصل و تاتارخانیہ کا حوالہ دے رہے ہیں قطعًا ان کی یہی مراد لازم ورنہ حوالہ باطل اور نقل خلاف اصل ہوجائے گی، ہاں ان دونوں کے اختصار شدید نے اثارت وہم کی جس کے سبب بحرالرائق نے قول مسکین نقل کرکے عبارت مذکورہ فتح القدیر و جامع الفصولین سے اس کا رد فرمایا:

فی فتح القدیر مایخالفه (واثر ما اسلفنا	فتح القدیر وہ ہے جو اسکے مخالف ہے (اور جو ہم نے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵

ثم قال) ویؤیدہ مافی جامع الفصولین (ونقل ما قدمنا)[1]۔	پہلے بیان کیا اسکو نقل کیا پھر کہا جامع الفصولین کا بیان اس کی تائید کرتا ہے (اور ہمارے پہلے بیان کو نقل کیا) (ت)

یوں ہی درمختار نے قول مسکین ذکر کرکے کلام فتح سے اس کا تعقب کیا اور نہر الفائق نے کلام فتح نقل فرما کر اسی پر اعتماد لازم بتایا، یہ سب کچھ کلام مسکین میں حوالہ کتاب الاصل دیکھنے پر ہوا جو محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتب ظاہر الروایۃ سے ہے، اس درجہ قوت عظیمہ کے تخیل پر بھی ان اکابر محققین نے اس پر اعتماد نہ فرمایا مگر بحمد اللہ تعالٰی عبارت اصل یونہی ہندیہ کی منقول عنہا تاتارخانیہ کی اصل عبارت دیکھنے سے تمام سحاب شبہات واوہام کا پردہ چاک کرکے حق کا چاند چمکا دیا،

والحمدللّٰہ رب العٰلمین ھکذا ینبغی التحقیق واللّٰہ تعالٰی ولی التوفیق۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی زیادہ علم والا توفیق کا مالک ہے (ت)

مقدمہ ہفتم: ایک صورت ضرور پیش آتی ہے کہ والی بھی مسلمان نہ ہو اوپر واضح ہوا کہ عام احکام جن کی روزانہ حاجت پڑتی ہے ان میں تو صرف ولایت قسم اول درکار ہے ولایت شرعیہ پر توقف نہیں مگر مسلمانوں کو دینی ضرورتیں وہ بھی آتی ہیں جن کے لئے بغیر ولایت شرعیہ سلطان اسلام بھی کافی نہیں ان میں خاص خاص حاجتوں کے لئے فریقین راضی ہوں تو حکم مقرر کرسکتے ہیں مگر بعض جگہ حکم کافی نہیں یا ایک فریق تحکیم پر راضی نہیں، وہاں کیا کیجئے کہ دینی حکم کے لئے دنیوی طریقہ کافی نہیں، اس طریقہ پر ہو جو باجازت شرع احکام شرعیہ کا احداث کرسکے اور آخرت میں کام دے اس کے لئے تمام کتب مذکورہ اور خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ حکم دیا کہ مسلمان اپنی ایسی دینی حاجتوں کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی شرع مقرر کرلیں اور ایک لفظ یہ فرمایا کہ کوئی مسلمان والی تلاش کریں کہ وہ قضائے شرعی کا افادہ کرے اس صورت دوم کا وجوب تو یہاں حسب نص قرآن عظیم ساقط ہے،

قال اللّٰہ تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ"[2] وقال اللّٰہ تعالٰی "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالٰی سے ڈرو۔ اور فرمایا: اللہ تعالٰی

---

[1] بحر الرائق کتاب القضاۃ فصل یجوز التقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۲۷۴

[2] القرآن الکریم ۶۴ /۱۶

نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ "[1]	صرف وسعت کے مطابق کسی کو تکلیف دیتا ہے۔(ت)

بلکہ وجوب در کنار، یہاں اس کا جواز بھی نہ ہونا چاہئے کہ اس میں اثارت فتنہ ہے اور فتنہ جائز نہیں اس میں اسلام و مسلمین کا ذلت پر پیش کرنا اور یہ روا نہیں، مگر صورت اولیٰ یعنی ان دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی مقرر کرلینا اور نصب امام وخطیب جمعہ وامام عیدین و تفریق لعان وعنین وتزویج قاصرین و قاصرات بلاولی وفسخ نکاح بخیار بلوغ وامثال ذلک امور جن میں کوئی مزاحمت قانونی نہیں اس کے ذمہ رکھنا بلاشبہہ میسر ہے، گورنمنٹ نے کبھی اس سے ممانعت نہ کی جن قوموں نے اپنی جماعتیں مقرر کرلیں اور اپنے معاملات مالی ودیوانی قسم اول بھی باہم طے کرلیتے ہیں گورنمنٹ کو ان سے بھی کچھ تعرض نہیں اور ایسے مقدمات جو عاقل لوگ مصارف ودادوش سے بچنے کے لئے باہمی پنچایت سے فیصل کرلیتے ہیں گورنمنٹ ان کو کب مانع آتی ہے، مگر یہ کہئے کہ خود مسلمان کو اپنے دینی امور دینی طور پر ہونے منظور نہ ہوں تو گورنمنٹ کو اس سے کیا بحث۔ تم مسلمان ہو، دین تمہارا ہے، تم جانو تمہارا کام۔ پھر اگر ان خاص امور کے لئے شرعی قاضی بہ تراضی مقرر کئے ہوئے کا حکم نفاذ بمعنی اول ہوتا نہ دیکھئے تکمیل حکم شرع یوں کرلیجئے، اس کے بعد مقدمات قسم دوم بھی قسم اول کی طرف عائد ہوجائیں گے، تکمیل نفاذ حسی کے لئے گورنمنٹ نے لاکھوں روپے ماہوار کے صرف سے کچہریاں کھول رکھی ہیں تنفیذ وہاں سے ہوجائے گی، یوں دونوں مقصد دین ودنیا حاصل ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ تمام حاجتیں روا اور ضرورتیں زائل ہیں وللہ الحمد، بلکہ مسلمان اگر اپنے دین کو دین سمجھیں اور امور شرعیہ بطریقہ شرعیہ انجام دینا چاہیں تو تلاش کی بھی حاجت نہیں ہر قطر وضلع میں جو عالم سنی صحیح العقیدہ متدین ہو حکم شرعی کی تکمیل اس کے یہاں کرلیں اور تنفیذ کے لئے گورنمنٹی محکمے کھلے ہوئے ہیں، فتاوٰی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ امام عبدالغنی نابلسی رحمہما اللہ تعالیٰ میں اسی ولایت شرعیہ کی نسبت ہے:

اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ، فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر	جب زمانہ باکفایت سلطان سے خالی ہو تو معاملات علماء کے سپرد ہوتے ہیں اور امت پر ان کی طرف رجوع لازم ہوتا ہے اور علماء والی بن جاتے ہیں، تو جب لوگوں کو ایک عالم کی طرف رجوع دشوار ہو تو ہر علاقہ اپنے اپنے عالم کی طرف

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

باتباع علمائه فان كثروا فالمتبع اعلمهم [1]۔	رجوع میں مستقل ہوگا، تو اگر علماء علاقہ میں کثیر ہوں تو بڑا عالم قابل اتباع ہوگا۔ (ت)

بحمد اللہ تعالیٰ ان مقدمات جلیلہ نے ان فتووں کے حرف حرف کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن کردیا جس کے بعد کسی ذی فہم کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی پھر بھی زیادت ایضاح للقاصرین کے لئے ہر جگہ رد کا مردود سے تعلق بتادینا اور بعض افاضات تازہ کا اضافہ کرنا انسب واولیٰ۔

فاقول: وباللہ التوفیق (تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق ہے۔ت)

اول: کلام حاکم نامسلم کی ولایت شرعیہ میں تھا جسے بادشاہ نامسلم نے مقرر کیا سائل نے اسی سے سوال کیا تھا مجیب نے اسی سے جواب دیا اور ثبوت کی سرخی دے کر جو گیارہ عبارتیں گنائیں ان میں پہلی نو مقلد بالفتح اور اخیر کی دو مقلد بالکسر سے متعلق ہیں۔ ان دو کا بیان شافی مقدمہ ششم میں گزرا کہ انہیں یہاں سے متعلق سمجھنا محض نادانی و بے فہمی ہے وہ صرف اس صورت سے متعلق ہیں کہ ریاست اسلامی کا والی مولی ہو اور بادشاہ نامسلم۔

دوم: بفرض باطل اگر یہ دو عام ہوتیں ہرگز تام نہ ہوتیں کہ کلام تو قاضی نامسلم میں ہے ان دو نے اگر بفرض غلط بادشاہ سے تقلد قضائے شرعی مسلم کے لئے مطلقاً جائز رکھا تو نامسلم کے لئے جواز کیونکر ہوگیا، کیا قاضی مسلم و نامسلم کا شرعاً ایک حکم ہے،

قال اللہ تعالیٰ "اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾" [2]	اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کردیں، تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ (ت)

سوم: رہیں وہ نو، ان میں سے آٹھ میں نامسلم کا نام تک نہیں، پہلی تیسری، چوتھی، نویں میں جاہل کا ذکر ہے اور چھٹی آٹھویں میں فاسق اور دوسری، پانچویں میں جاہل وفاسق دونوں کا۔ کیا جاہل و فاسق مسلمان نہیں یا مسلم یا نامسلم شرعاً یکساں ہیں، جو حکم ان کے لئے شرع نے مانا ہوا ان پر قیاس کرکے نامسلم کے لیے بھی ثابت ہوجائے گا، کیا ایسا تعدیہ شرع پر تعدی نہیں۔ "وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ" [3] (جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے۔ت) کا کیا حکم ہے۔

---

[1] الحدیقۃ الندیہ الخلق الخامس من الاخلاق الستین الخ المکتبۃ النوریۃ الرضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

چہارم: طرفہ یہ کہ یہاں جاہل سے مراد ہر غیر مجتہد ہے کہ اسے مجتہد کے مقابل اطلاق کیا ہے خود عبارت ہدایہ منقولہ فتوی میں ہے:

الصحیح ان اھلیۃ الاجتھاد شرط الاولویۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا[1]۔	صحیح یہ ہے کہ اجتہاد اولیٰ ہونے کی شرط ہے تو لیکن جاہل کی تقرری (قضاء کے لئے) توہمارے نزدیک صحیح ہے۔(ت)

بایں معنی آج تمام دنیا کے عالم اور خود یہ مفتی اور ان کے اساتذہ اور اساتذہ اساتذہ صدہا سال سے سب جاہل ہیں کہ کوئی مجتہد نہیں اور ان کے طور پر ان کا اور مجوس و ہنود و نصارٰی و یہود سب کا ایک حکم ہے کیا یہ قابل تسلیم عقل سلیم ہے۔

پنجم: گیارہ" میں یہ دس تو محض بے علاقہ و بیگانہ تھیں مگر سب میں لطیف تر وہ ایک باقیماندہ عبارت ردالمحتار یعنی ساتویں ہے جو اول تاآخر سراسر مزعوم فتوی کا رد و ابطال ہے اور مفتی کو اس سے استناد کا خیال ہے مفید و نامفید میں فرق نہ کرنا ایسا دشوار نہ تھا جیسا خود کو مفید سمجھنے میں اشکال ہے، بحر الرائق میں تو یہ فرمایا کہ اگر سلطان اسلام کسی نامسلم کو اپنے حکم سے قاضی کردے جب بھی تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہوجائے، مسلمان پر اس کی قضا صحیح نہیں کہ فرمایا:

لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ[2]۔	کافر کی قضاء حالت کفر میں مسلم پر صحیح نہیں ہے (ت)

اور اس سے استناد اس پر ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ نامسلم بھی نامسلم کو قاضی کردے اور وہ نامسلم ہی رہے جب بھی مسلمانوں پر اس کی قضاء قضائے شرعی ہے، صحت تقلید کے معنی یہ تھے کہ اگر بعد تقلید مسلمان ہوجائے گا تقلید جدید کی حاجت نہ ہوگی، نیز قبل اسلام غیر مسلمین پر اس کی قضاء صحیح ہوجائے گی نہ یہ کہ مسلمین پر قضائے شرعی ہو، اسی ردالمحتار کے اسی صفحہ میں ہے:

تنبیہ: ظھر من کلامھم حکم القاضی المنصوب فی بلاد الدروز فی	تنبیہ: فقہاء کے کلام سے شام کے علاقہ بلاد دروز میں مقرر قاضی کا حکم واضح ہوا کہ دروز

[1] الہدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

[2] بحر الرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۵۹، ردالمحتار بحوالہ البحر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸۔۹۹

القطر الشامی ویکون درزیا ویکون نصرانیا فکل منهما لایصح حکمه علی المسلمین فان الدرزی لاملة له کالمنافق والزندیق وان سمی نفسه مسلما وهذا کله بعد کونه منصوبا من طرف السلطان اومامورہ بذلك والافالواقع انه ینصبه امیر تلك الناحیة ولاادری انه ماذون له بذلك ام لاولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم [1]۔	یا نصرانی ہو تو اس کی قضاء مسلمانوں پر جائز نہیں کیونکہ دروزی کی کوئی ملت نہیں ہے جیسا کہ منافق اور زندیق کی ملت نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلائے، یہ تمام اس صورت میں ہے جب اس کو سلطان کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو یا ایسے کو مقرر کرنے کا مامور ہو، اور اگر واقع یہ ہو کہ اس علاقہ کے کسی امیر کی طرف سے دروزی قاضی مقرر شدہ ہو اور معلوم نہیں کہ وہ امیر اس بات کا ماذون ہے یا نہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (ت)

ششم: یہ اول عبارت تھا آخر یہ ہے کہ فتح نے فرمایا کافر وغلام اگرچہ ایک نوع ولایت رکھتے ہیں مگر ان میں صحت ونفاذ سے مانع موجود ہے جب تک یہ آزاد اور وہ مسلمان نہ ہوگا انکی قضاء صحیح ونافذ نہ ہوگی یعنی اس کی مطلقاً اور اس کی مسلمان پر کہ فرمایا:

له ولایة وبه مانع وبالعتق والاسلام یرتفع [2]۔	اس کو ولایت ہوئی اور غلامی اور کفر اس کو مانع تھا اب عتق اور اسلام حاصل ہوجانے پر مانع ختم ہوگیا۔ (ت)

اور اس سے استناد اس پر کیا جاتا ہے کہ اس کی قضاء مطلقاً قضائے شرعی ہے صحت تقلید کے وہ معنی بھی اس میں واضح فرمادئے تھے کہ:

لو قلد کافر القضاء فاسلم قال محمد هو علی قضائه فصار الکافر کالعبد [3]۔	اگر کفر کی حالت میں قاضی مقرر ہوا تو مسلمان ہوگیا، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ پہلی تقرری پر قاضی ہے تو یہ کافر غلام کی طرح ہوا۔ (ت)

اور عبد (غلام) میں فرمایا:

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹
[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷
[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

قلد عبد فعتق جاز ان یقضی بتلك الولایۃ من غیر حاجۃ الی تجدید [1]۔	عبد تھا جو قاضی مقرر ہوا اب وہ آزاد ہوگیا تو اس پہلی تقرری ولایت پر اس کی قضاء جائز ہوجائیگی نئی تقرری کی ضرورت نہ ہوگی۔(ت)

ہفتم: طرفہ تر یہ کہ اس روایت ہفتم کا خود حاصل یہ بتایا کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے مگر اگر یہ ٹھہرے کہ ع

خود گفتہ وخود نداند کہ چیست

(اپنے کہے ہوئے کو خود نہیں جانتا کہ کیا ہے۔ت)

تو اسکی بات جدا ہے۔

ہشتم: کافی لیاقت سے اگر مراد مطلق قضاء کی لیاقت تو صحیح ہے کہ نامسلم کو نامسلم پر ولایت شرعیہ مل سکتی ہے جیسے اپنے نابالغ بچوں پر۔ درمختار میں ہے:

للکافر ولایۃ علی کافر مثلہ اتفاقا [2]۔	کافر کو اپنے جیسے کافر پر ولایت بالاتفاق حاصل ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

الکافر یجوز تقلیدہ القضاء لیحکم بین اھل الذمۃ [3]۔	اہل ذمہ میں فیصلے کے لئے کافر کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے۔(ت)

مگر اس سے مسلمانوں کے دینی امور میں ان پر ولایت شرعیہ کیونکر لازم، اور اگر عام مراد تو محض باطل اور نصوص قطعیہ قرآن عظیم وتصریحات جملہ ائمہ وکتب کے خلاف ہے جس کا بیان مقدمہ چہارم میں گزرا۔ غرض ثبوت کی یہ حالت تھی کہ گیارہ میں دس بیگانہ و بیکار اور ایک سراپا مخالف وضار، استنباط کا حال اسی سے آشکار کہ **الشجرۃ تنبئی عن الثمرۃ** (درخت اپنے پھل کی اطلاع دیتا ہے۔ت)

نہم: روایت ۱، ۸، ۳ سے یہ نتیجہ نکالا کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کردے جس کے لئے نہ عالم کی ضرورت نہ پرہیزگار کی۔ اس سے مراد اگر صرف **تنفیذ** بمعنی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

اول ہے تو حصر باطل، بلکہ اس کا فرض منصبی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے لئے احکام شرعیہ ناحاصلہ حاصل کر دے قیامت کو ان کے لئے مواخذہ الٰہیہ سے نجات کی صورت کر دے ائمہ مجتہدین کے اختلاف اٹھا کر مختلف فیہ کو مجمع علیہ کر دے۔ اور اگر مراد عام ہے تو یہ قسم دوم ہرگز صرف دنیوی طاقت کا کام نہیں اس کے لئے مولی و مولی دونوں کا اسلام لازم اگرچہ عالم و متقی ہونا ضرور نہ ہو جیسا کہ مقدمہ ششم میں گزرا۔

دہم: روایت ۲، ۵، ۶، ۸ سے یہ لیا کہ قاضی میں علم و اتقا کی شرط اس لئے چھوڑ دی کہ ایسے قاضی کا ملنا سخت مشکل ہے، علم واتقا کی شرط مان لی جائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا، اور اس پر یہ قیاس کیا کہ ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا لہٰذا اسلام کی قید بھی اڑادی۔ خود اس فتوی کی روایت، ۳، ۱، ۴ میں تصریح ہے کہ علم شرط اولویت ہے نہ شرط صحت۔ یہی حال اتقا کا ہے، فصول امام استروشنی پھر غایۃ البیان امام اتقانی میں ہے:

کون القاضی عدلا لیس بشرط ایضا حتی قال اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم ان الفاسق یصلح ان یکون قاضیا و العدالۃ شرط الاولویۃ فی ظاھر الروایۃ۔[1]	قاضی کا عادل ہونا بھی شرط نہیں ہے حتی کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا بے شک فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ عدالت اولٰی ہونے کی شرط ہے ظاہر الروایۃ میں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الفاسق اھل للقضاء حتی لو قلد یصح الا انہ لاینبغی ان یقلد ھذا ھو ظاھر المذھب وعلیہ مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی وقال الشافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ الفاسق لایجوز قضائہ[2]۔	فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے حتی کہ اگر وہ ہو جائے تو صحیح ہے مگر یہ مناسب نہیں کہ اس کی تقرری کی جائے، یہی ظاہر مذہب اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اس پر اعتماد کرتے ہیں البتہ امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی قضاء درست نہیں ہے۔ (ت)

بدائع ملک العلماء میں ہے:

کذا العدالۃ عندنا لیست بشرط لجواز	یونہی تقرری کے لئے عدالت شرط نہیں لیکن کمال

[1] غایۃ البیان

[2] الھدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۳۲

التقلید لکنہا شرط الکمال فیجوز تقلید الفاسق و تنفذ قضایاہ اذالم یجاوز فیہا حدالشرط وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرط الجواز [1]۔	کے لئے یہ شرط ہے لہٰذا فاسق کی تقرری اور اس کی قضاء کا نفاذ جائز ہے جب اپنے فیصلوں میں اس نے شرع سے تجاوز نہ کیا ہو، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں عدالت جواز قضا کے لئے شرط ہے۔(ت)

اور اسلام قطعًا شرط صحت ہے جس کا ثبوت قرآن عظیم و نصوص ائمہ سے گزرا اولویت کی شرطوں سے اگر در گزر کی گئی تو اس سے شرط صحت کو بھی اڑا دینے کا جواز کیونکر لازم آیا یعنی علماء نے غیر اولٰی کو صحیح مانا ہے لہٰذا ہم باطل کو حق مانے لیتے ہیں کیونکہ جیسا خلاف اولٰی ویسا ہی باطل ایک ہی بات ہے۔

یازدہم: نماز فاسق کے پیچھے مکروہ ہے پھر بھی جمعہ میں جہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو علماء نے بضرورت اس کراہت سے در گزر کی ہے، فتح القدیر میں ہے:

فی الدرایۃ قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الافی الجمعۃ لان فی غیرہا یجد اماما غیرہ اھ یعنی انہ فی غیر الجمعۃ بسبیل من ان یتحول الی مسجد اٰخر ولا یأثم فی ذٰلک، ذکرہ فی الخلاصۃ وعلی ھذا فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتہا فی المصر علی قول محمد وھو المفتی بہ لانہ بسبیل من التحول حینئذ [2]۔	درایہ میں ہے کہ ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی اقتداء جمعہ کے بغیر مناسب نہیں کیونکہ جمعہ کے ماسوا نمازوں کے لئے امام دوسرا مل جاتا ہے یعنی غیر جمعہ میں گنجائش ہے کہ وہ دوسری مسجد میں چلا جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔ اس کو خلاصہ میں بیان کیا تو اس وجہ کی بنا پر جمعہ میں بھی ایسے امام کی اقتداء مکروہ ہوگی جب جمعہ شہر میں متعدد جگہ ہوتا ہو جیسا کہ امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا قول ہے اور وہی مفتٰی بہ قول ہے کیونکہ اس صورت میں بھی اسے دوسرے امام جمعہ کے لئے گنجائش ہے(ت)

لہٰذا اگر کہیں صرف جاہل مسلمان ہوں جن کو سورۃ فاتحہ بھی صحیح یاد نہیں، جیسے دیہات بلکہ قصبات بلکہ ہندوستان کے شہروں میں لاکھوں آدمی اسی طرح کے ہیں اور کوئی پادری صاحب شوقیہ طور پر فاتحہ اور چند سورتیں ٹھیک یاد کرچکے ہوں تو اس فتوے کی رائے میں بضرورت ان پادری صاحب کو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب ادب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳

[2] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

امام کرکے جمعہ پڑھ لیں گے کہ علماء نے بضرورت شرط اولویت سے در گزر کی تھی، یہ بضرورت شرط اسلام اڑادیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوازدہم: فاقد الطہورین میں اختلاف ہے کہ تاخیر کرے یا تشبہ، درمختار میں ہے:

یوخر ھا عندہ وقالا یتشبه بالمصلین وجوبا ثم یعید به یفتی والیه صح رجوعه[1]۔	امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مؤخر کرے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک نمازیوں سے تشبہ کرنا واجب ہے پھر بعد میں اعادہ کرے، اسی پر فتوٰی ہے، اور امام صاحب کا اس طرف رجوع صحیح ثابت ہے۔(ت)

بالجملہ اس پر اجماع ہے کہ نماز نہیں پڑھ سکتا مگر اس فتوے کے طور پر بے وضو ہی نمازیں پڑھا کرے کہ اس سے زائد ضرورت کس کی ہوگی اور ضرورت سے اس فتوے نے شرائط صحت بھی ساقط مان لی ہیں۔

سیزدہم: روایت ۸ سے یہ واضح بتانا کہ رشوت لے کر فیصلہ بالاجماع باطل سخت عجیب ہے حالانکہ خود اس روایت کی عبارت منقولہ فتوٰی میں اس کا رد موجود ہے کہ اجماع کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ امام فخر الاسلام بزدوی کا مختار یہ ہے کہ وہ فیصلہ نافذ ہے، اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں ترجیح دی۔

چاردہم: مختلف فیہ مسئلہ میں بالفرض ایک طرف ترجیح نہ بھی ہوتی محل ضرورت میں اسے اختیار کرنے سے کیونکر لازم آتا کہ اسے سند بناکر دوسری جگہ بزعم ضرورت اپنی رائے سے نصوص قطعیہ قرآن عظیم واجماع جمیع ائمہ کے خلاف چلئے، نہ کہ وہ مسئلہ جس میں فتوائے ائمہ مختلف ہوں اس میں ایک جانب کو ضرورت کے باعث بالخصوص معتمد کرلینے کو رد قرآن واجماع کی حجت بنالیجئے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پانزدہم: بفرض باطل بطلان فیصلہ رشوت پر اجماع ہی ہوتا تو فیصلہ قطعًا اہل سے محل میں صادر ہوا تھا امر خارج وجہ بطلان ہوتا جو انتہائی کوشش کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ قضا عمل لوجہ اللہ ہے اور جب رشوت لے کر قضا کی، عمل اپنے لئے ہوا نہ کہ اللہ عزوجل کے لئے۔ فتح القدیر میں ہے:

حاصل امر الرشوۃ فیما اذا قضی	رشوت کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ حق فیصلہ میں

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۴

بحق ایجابہا فسقہ وقد فرض ان الفسق لایوجب العزل فولایتہ قائمۃ وقضاؤہ بحق فلم لاینفذ وخصوص ھذا الفسق غیر مؤثر و غایۃ ماوجہ بہ انہ اذا ارتشی عامل لنفسہ یعنی والقضاء عمل للہ تعالٰی[1]۔	رشوت لی تو اس کا حکم فسق ہے اور مفروض یہ ہے کہ وہ معزولی کا موجب نہیں تو اس کی ولایت قائم ہے تو اس کا حق فیصلہ کیوں نہ نافذ ہوگا اور یہ خاص فسق فیصلہ کے لئے مؤثر نہیں ہوگا، اور انتہائی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب قاضی رشوت لے گا تو گویا وہ اپنی ذات کے لئے عامل ہوا جبکہ قضاء کا عمل اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر تبعاً للبحر وانت خبیر بان کون خصوص ھذا الفسق غیر مؤثر ممنوع بل یؤثر بملاحظۃ کونہ عملا لنفسہ وبھذا یترجح مااختارہ السرخسی[2] اھ۔	بحر کی اتباع میں نہر میں کہا تجھے علم ہے کہ اس خاص فسق کا غیر مؤثر ہونا ممنوع ہے بلکہ اپنے لئے عامل ہوجانے کے پیش نظریہ موثر ہوگا، اس اعتبار سے امام سرخسی کے مختار کو ترجیح حاصل ہوجائیگی اھ (ت)۔

اقول: یہ کہ محقق علی الاطلاق نے نکالا اور اس پر اعتماد نہ فرمایا، واقعی اصلاً لائق اعتماد نہیں کہ عمل لوجہ اللہ تعالٰی نہ ہونے سے اخلاص گیا، اور عدم اخلاص نفی ثواب کرتا ہے نہ کہ نفی صحت۔ ردالمحتار میں ہے:

الاخلاص شرط للثواب لاللصحۃ[3]۔	اخلاص ثواب کے لئے شرط ہے صحت عمل کے لئے نہیں۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر کسی سے کہا جائے اس وقت کی نماز پڑھ تجھے ایک اشرفی دیں گے وہ اسی نیت سے نماز پڑھے فرض ساقط ہوجائے گا اگرچہ ثواب نہ پائے گا، نہ اشرفی کا مستحق ہوگا۔ درمختار میں ہے:

قیل لشخص صل الظھر ولك دینار فصلی بھذہ النیۃ ینبغی ان تجزئہ ولایستحق	ایک شخص کو کسی نے کہا تو ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے دینار ملے گا، تو اس نے اس نیت سے نماز پڑھی تو مناسب حکم یہ ہے کہ اس کی نماز جائز قرار پائیگی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۴

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب شروط الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۸

الدینار [1]	اور دینار کا مستحق نہ ہوگا۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

اما الاجزاء فلما قدمنا ان الریاء لایدخل الفرائض فی حق سقوط الواجب واما عدم استحقاق الدینار فلان اداء الفرض لایدخل تحت عقد الاجارۃ [2]۔	نماز کو جائز کہنا اس لئے جیسا کہ ہم پہلے بتاچکے ہیں کہ ریاکاری واجب کے سقوط میں فرائض پر اثر انداز نہیں ہوتی، باقی رہا استحقاق دینار کا معاملہ تو وہ اس لئے کہ فرض کی ادائیگی عقد اجارہ کے تحت داخل نہیں ہوتی۔ (ت)

بلکہ اب فتوٰی جواز اجرت امامت پر ہے اور شک نہیں کہ اجیر عامل لنفسہ ہے نہ کہ عامل ﷲ تعالٰی حالانکہ اس کی نماز قطعًا صحیح ہے، بہر حال قضاء بہ رشوت میں جو کچھ خلل ہے امر خارج میں ہے اہلیت برقرار ہے تو جہاں اہلیت شرعًا منتفی ہے اس کا اس پر قیاس کیونکر ممکن۔

شانزدہم: یہ بھی غلط ہے کہ فیصلہ مذکورہ رشوت میں قول متقدمین بطلان ہے اور متاخرین نے نفاذ مانا، بلکہ قول بطلان اختیار امام شمس الائمہ سرخسی ہے اور قول نفاذ اختیار امام فخر الاسلام بزدوی کہ ان کے معاصر بلکہ ان سے وفات میں مقدم ہیں، امام بزدوی کی وفات شریف ۴۸۲ھ میں ہے اور امام سرخسی کی حدود ۵۰۰ھ یا حدود ۴۹۰ھ میں۔

ہفدہم: یہ بھی غلط ہے کہ قائلان نفاذ نے نفاذ اس ضرورت سے مانا ہو کہ اب سب حکام رشوت خوار ہیں نہ مانیں تو فیصلہ کا دروازہ بند ہوگا، یہ امر صرف علامہ شامی نے اپنے زمانے کی نسبت لکھا جو اسی تیرھویں صدی میں تھے جن کے انتقال کو ابھی اسی ۸۰ سال ہوئے ہیں ۱۲۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ قائلان نفاذ کے دلائل واضحہ وہ ہیں کہ گزرے۔

ہجدہم: یہ ضرورت زمانہ امام فخر الاسلام میں کیونکر ہوتی حالانکہ درمختار میں معروضات مفتی ابو سعود سے ہے:

لما وقع التساوی فی قضاۃ زماننا فی وجود العدالۃ ظاہرا وردالامر	جب ہمارے زمانے کے قاضی حضرات ظاہرًا عدالت میں مساوی ہوں تو حکم ہے کہ علم، دیانت

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب شروط الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۶۴

بتقدیم الافضل فی العلم والدیانۃ والعدالۃ[1]۔	اور عدالت میں جو افضل ہو اس کو ترجیح دی جائے۔(ت)

اس پر اسی ردالمحتار میں ہے:

ھذا کان فی زمنہ وقد وجد التساوی فی عدمھا الاٰن فلینظر من یقدم[2]۔	یہ ان کے زمانہ میں تھا حالانکہ اب عدم عدالت میں سب مساوی ہیں تو اب ترجیح میں غور کرنا ہوگا۔(ت)

مفتی ابوالسعود دسویں صدی ہجری کے آخر میں تھے ۹۸۲ھ میں انتقال فرمایا، جب ان کے زمانہ تک تمام قاضی ظاہر العدالۃ تھے تو زمانہ امام اجل بزدوی میں کہ ان سے پورے پانسو ۵۰۰ برس پہلے تھا سب رشوت خوار کیسے ہوئے۔

نوزدہم: اپنے زمانے تیرھویں صدی کی نسبت جو علامہ شامی نے لکھا وہ بھی محل نظر ہے قضاۃ اگر محصول سلطنت کے لئے لیتے تھے جیسے یہاں کورٹ فیس لی جاتی ہے تو وہ رشوت قاضی کیونکر ہوسکتی ہے اور اگر اپنے ہی لئے لیتے تھے جب بھی حد رشوت میں اس کا آنا مشکل کہ یہ محصول عام طور پر لیا جاتا ہے نہ کہ خاص اس فریق سے جس کے موافق فیصلہ دینا ہے اور رشوت کسی کا کام بنانے کے لئے لی جاتی ہے نہ کہ مطلق، یوں ہی اجرت، تو وہ لینا محض ایک غصب ہوگا جو فسق ہے اور فسق مانع نفاذ نہیں۔

بستم: فتوے میں یہ عبارت علامہ شامی **فکذا یقال ھنا**[3] (یہاں بھی یوں کہا جائے گا۔ت) تک نقل کی اس کے متصل انہوں نے فرمایا: **وانظر ماسنذکرہ فی اول باب التحکیم**[4] اسے دیکھو جو ہم شروع باب تحکیم میں ذکر کریں گے، اسے چھوڑ دیا، شروع باب تحکیم میں یہ فرمایا ہے:

تنبیہ: فی البحر عن البزازیۃ قال بعض علمائنا اکثر قضاۃ عھدنا فی بلادنا مصالحون لانھم تقلدوا القضاء بالرشوۃ ویجوز ان یجعل حاکما بترافع القضیۃ واعترض بان	**تنبیہ:** بزازیہ سے بحر میں فرمایا، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر قاضی حضرات اس زمانہ میں ثالث ہیں کیونکہ انہوں نے رشوت کے ذریعہ تقرری حاصل کی ہے ان کے ہاں مقدمہ پیش کرنے پر ان کا ثالثی فیصلہ قرار پائے گا اور یہ

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۰

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

[4] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

الرفع لیس علی وجه التحکیم بل علی اعتقاد انه ماضی الحکم وحضور المدعی علیه قد یکون بالاشخاص والجبر فلا یکون حکما. الاتری ان البیع قد ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمه بیع باطل او فاسد و ترتب علیه التعاطی لاینعقد البیع لکونه ترتب علی سبب آخر فکذا ھنا. ولھذا قال السلف القاضی النافذ حکمه اعزمن الکبریت الاحمراھ قال ط و بعض الشافعیة یعبرعنه لانه قاضی ضرورة اذ لایوجد قاض فیما علمناہ من البلاد الاوھو راش و مرتش اھ وانظر ماقدمناہ اول القضاء[1]۔	اعتراض کہ ان کے ہاں دعوی ثالثی کی بناپر نہیں ہوتا بلکہ اس اعتقاد پر کیا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ لازم ہوگا اور ان کے ہاں مدعا علیہ کی حاضری عملہ کے ذریعہ اور جبراً ہوتی ہے تو ثالث نہ ہوئے۔آپ دیکھتے نہیں کہ دستی تبادلہ سے ابتداءً بیع ہو جاتی لیکن جب پہلے یہ بیع باطل یا فاسد ہوچکی ہو تو اس کے بعد یہ دستی تبادلہ بیع نہیں بن سکتی کیونکہ اب یہ ایک اور سبب پر مرتب ہے تو یہاں بھی معاملہ ایسا ہے اور اسی وجہ سے سلف نے فرمایا کہ ایسا قاضی جس کا حکم نافذ ہوتا ہو بہت کم ہے اھ طحطاوی نے کہا اور بعض شافعی حضرات نے اس کو یوں تعبیر کیا ہے کہ یہ ضرورت کی بناء پر قاضی ہیں اس لئے کہ ہمارے معلومات میں تمام بلاد کے قاضی رشوت لینے اور دینے والے ہیں اھ،جو ہم نے قضاء کے باب کی ابتداء میں بیان کیا ہے اسے دیکھو۔(ت)

بست ویکم: بلکہ یہیں اس کے متصل یہ عبارت تھی:

وفی الحامدیة عن جواھر الفتاوٰی قال شیخنا واما منا جمال الدین البزدوی انا متحیر فی ھذہ المسألة لااقدران اقول تنفذ احکامھم لما اری من التخلیط والجھل والجرائة فیھم، ولااقدران اقول لاتنفذ لان اھل زماننا کذٰلك فلو افتیت بالبطلان ادی الی ابطال الاحکام جمیعا یحکم	اور حامدیہ میں جواہر الفتاوی سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ اور امام جمال الدین بزدوی نے فرمایا میں اس مسئلہ میں حیران ہوں، نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے حکم نافذ ہیں کیونکہ فیصلوں میں انکی جہالت، جرات اور خلط دیکھ رہا ہوں اور نہ ہی یہ کہہ سکتا ہوں کہ نافذ نہیں ہیں کیونکہ ہمارے اہل زمانہ اسی طرح ہیں اگر میں باطل ہونے کا فتوی دوں تو اس سے تمام فیصلوں کا باطل ہونا لازم آتا ہے، اللہ تعالٰی ہی ہمارے اور زمانہ کے قاضیوں کے درمیان فیصلہ فرمائیگا

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۸۔۳۴۷

اللہ بیننا وبین قضاۃ زماننا افسدوا علینا دیننا و شریعۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یبق منھم الاالاسم والرسم اھ[1]۔	انہوں نے ہمارا دین اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت کو فاسد کیا اب ان میں دین و شریعت کا صرف نام ورسم باقی ہے اھ۔(ت)

سبحان اللہ! ائمہ کرام وعلمائے اعلام تو اسلامی سلطنتوں میں مسلمان سلاطین کے مسلمان قضاۃ میں یوں فرمائیں، بعض حیران ہوں کہ ان کو کیونکر قاضی شرعی مانا جائے بعض تصریح فرمائیں کہ وہ قاضی نہیں پنچ ہیں پھر اسے بھی رد فرمادیں کہ پنچ کہنا بھی ٹھیک نہیں انہیں قاضی ضرورت ماننا جیسا کہ علامہ شامی کا اس عبارت میں خیال تھا بعض شافعیہ کا قول کہیں سلف صالح سے نقل کریں کہ قاضی شرعی کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے یہاں یہ حکم بالجزم ہے کہ اگرچہ نامسلم سلطنت ہو اگرچہ نامسلم حکام ہوں سب قاضی شرعی ہیں **فسبحن مقلب القلوب والابصار**۔

بست ودوم: اس ضرورت سے ائمہ غافل نہ تھے، مقدمہ ہفتم دیکھو کہ خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس صورت ضرورت کو ذکر فرمایا اور اس کا علاج بتایا جسے ہم نے موافق قانون وقت کر دکھایا، پھر زعم ضرورت کی کیا گنجائش رہی اور محض باتباع ہوا مخالفت قرآن و تبدیل شریعت واقع ہوئی **والعیاذ باللہ رب العلمین**۔

بست وسوم: جب خاص جزئیہ کتب مذہب اور خود ارشادات محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں صاف صاف بالتصریح موجود تھا تو اس کے خلاف اور تمام نصوص کے خلاف اور خود قرآن عظیم کے خلاف مفتی کو اجتہاد لایعنی و قیاس بے معنی کے کیا معنی، اور ایسی جگہ **ھذا مااستقر علیہ رائی** (میری رائے اسی پر قائم ہوئی ہے۔ت) کی صدا لگانی کس نے مانی۔

بست وچہارم: بالفرض تصریح جزئیہ نہ بھی ہوتی تو اجتہاد کی لیاقت کس گھر سے آئی۔

بست وپنجم: اینہم بر علم تو نص قرآنی کے مقابل اجتہاد کیسا۔

بست وششم: بفرض باطل کوئی جزئیہ نادرہ شاذہ ہوتا بھی تو ظاہر الروایۃ و نصوص متواترہ تصریحات متظافرہ اور خود آیات متکاثرہ کے مقابل مردود ہوتا اور اس پر فتوی دینا حسب

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

تصریح علماء کرام جہل وخرق کا اجماع ہوتا، تصحیح القدوری پھر درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1]۔	مرجوح قول پر فیصلہ اور فتوٰی جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔(ت)

جہاں کہ وہ بھی ہاتھ میں نہیں اس کی سخت شناعت کس درجہ مہین۔

بست وہفتم: بفرض محال اگر مرجوح نہیں کوئی قول مساوی بھی گھڑلیاجاتا جب بھی اس کے سبب ابطال وقف روانہ ہوتا کہ مسائل مختلف فیہا میں فتوٰی اس پر واجب ہے جو وقف کے لئے انفع ہو، نہ اس پر کہ وقف کا انفی ہو کما نصوا علیہ فی غیر ما کتاب ز(جیسے کہ کثیر کتب میں فقہاء کرام نے تصریح فرمائی۔ت)

بست وہشتم: مفتی ومصدقین ومستفتی واہل معاملہ سب صاحبوں سے خیر خواہانہ معروض اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾"[2]۔	اے نبی! خوشی کی خبر دے میرے بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر بہتر کی پیروی کریں وہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی عقلمند ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾"[3]	اور جنت ان کے لئے تیار کی گئی ہے کہ جب کوئی بدی یا گناہ کر بیٹھیں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ کے سوا کون گناہ بخشے اور اپنے کئے پر دانستہ ہٹ نہ کریں ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور باغ جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور کام والوں کا کیا اچھا نیگ۔

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۷، ۱۸

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۵۔۱۳۶

ابوداؤد، ترمذی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
مااصر من استغفر[1] جس نے معافی مانگ لی اس نے ہٹ نہ کی۔ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ان الحق قدیم ولا یبطل الحق شیئ و مراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل[2]۔ **رواہ الدار قطنی و البیھقی و ابن عساکر عن ابی العوام البصری۔**	بیشک حق قدیم ہے حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی حق کی طرف رجوع باطل پر قائم رہنے سے بہتر ہے (اس کو دار قطنی، بیہقی اور ابن عساکر نے ابو العوام البصری سے روایت کیا ہے۔ت)

یہ فرمان امیر المومنین نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارسال فرمایا: خوشی و شادمانی ہے انہیں جو سنیں اور گردن رکھیں انسان سے خطا مستبعد نہیں مگر **خیر الخطائین التوابون**[3] خطا کی خیر اس میں ہے کہ توبہ کرے **رواہ احمد والترمذی و ابن ماجة والحاکم وصححه انس رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم** (اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح کہہ کر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ت) حق کی طرف رجوع سے عار وسوسہ ابلیس ہے اس کا ساتھ بہتر یا اس کے ارشاد کی اطاعت جو قرآن مجید میں فرماچکا کہ خطا پر اصرار نہ کیا تو میں نے تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے، شیطان سمجھتا ہے کہ رجوع کی تو علم و عقل کو بٹا لگے گا۔ دشمن جھوٹا ہے اور اللہ سچا کہ اچھی بات سن کر ماننے والے ہی ہدایت پر ہیں اور وہی عقل والے ہیں اللہ توفیق دے۔

بست و نہم: یہ فتوے چھپ کر شائع ہوئے ان کا ضرر متعدی ہوا، کہاں دہلی کرنال کہاں راولپنڈی گولڑہ جہاں سے یہاں آیا، اس کا ازالہ مفتی و مصدقین سب پر فرض ہے، جیسے یہ فتوے شائع ہوئے یوں ہی ان کا بطلان، ان سے رجوع ملک میں شائع کریں، اس میں اللہ کی رضا ہے اللہ کے رسول کی رضا ہے، خلق کے نزدیک عزت و وقعت ہے، حق پسند کا لقب ملنا بڑی دولت ہے، رسول اللہ

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات احادیث شتی من ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۵

[2] سنن الدار قطنی کتاب الاقضیہ والاحکام نشر السنة ملتان ۴/ ۲۰۷

[3] جامع الترمذی ابواب صفة القیامة امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاعلمت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسر والعلانیة بالعلانیة[1]۔رواہ الامام احمد فی الزہد و الطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جب تو گناہ کرے تو فورًا توبہ کر، خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ۔(اس کو امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ت)

افسوس کہ چھاپنے والے صاحب نے تمہید میں لکھا تھا" بغرض اطلاع عام مسلمان اور علمائے حنفیہ ہندوستان عرض کیا جاتا ہے"اور آخر میں لکھا تھا" یہ مضمون اہل اسلام ہند اور علمائے حنفیہ کے روبرو پیش کرنا ہے" ممکن کہ قریب مواضع دیوبند تھانہ بھون بھیجا اور جواب موافق ملا یا سکوت رہا ہو، یہاں اب تین برس کے بعد ایک بندہ خدا نے بھیجا اور اس کی صحت وبطلان سے استفتاء کیا اول ہی آجاتا تو مفتی و مصدقین پر حق جلد کھل جاتا۔ماننا نہ ماننا جب بھی توفیق پر تھا اب بھی توفیق پر ہے،

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔	ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے اور اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہدایت فرماتا ہے۔(ت)

سیم: اشاعت فتوے میں لکھا ہے کہ جائداد کرنال کے واقف حکمًا مجور و ممنوع التصرف کردئے گئے تھے اور حکام رجسٹری کو ممانعت کی گئی تھی کہ ان کی کسی دستاویز انتقال پر رجسٹری نہ کریں اس کے احکام امتناعی کرنال، مظفر نگر، الہ آباد تین محکموں سے ۲۴/اگست لغایت ۷/ستمبر ۱۹۰۸ء صادر ہوچکے تھے، پھر بھی یہ لکھا ہے کہ انہوں نے ۲۵/اگست ۱۹۰۸ء کو اپنی جائداد کا وقف نامہ لکھا اور ۲۵/ستمبر ۱۹۰۸ء کو اس پر رجسٹری ہوئی۔احکام امتناعی کے بعد رجسٹری کیونکر ہوئی تو وہ بھی حکم ہے جس سے فک حجر متصور ہو یا بطور خود کسی اہلکار کی حکم عدولی، بہر حال یہ قانونی بحث ہے، شریعت مطہرہ کے حکم میں بلا شبہہ وہ وقف صحیح ہو کر تام و نافذ و لازم ہے جائداد ملک واقف سے خارج ہو کر خالص ملک الٰہی عزوجل ہوگئی، اور اب ان فتوؤں کی روسے ورثا وقف کو باطل کرکے اس پر مالکانہ قابض ہوگئے اس کا وبال عنداللہ مفتی و مصدقین کے سر ہے بقائے جائداد تک اس مال خدا میں جتنے تصرفات مالکانہ نسلًا بعد نسلٍ ہوا کرینگے ہمیشہ ان کا وبال مفتی و مصدقین کی زندگی میں اور بعد موت قبر میں پہنچتا رہے گا

[1] الزہد للامام احمد بن حنبل ترجمہ الامام احمد بن حنبل الدیان للتراث قاہرہ مصر ص ۳۵

خود فتوے نے تسلیم کیا ہے کہ احکام قانونی شرعًا وہی مفید ہیں جو مطابق شرع ہوں نامسلم تو نامسلم خود قاضیان اسلام بلکہ سلاطین اسلام اگر کوئی چیز زید کو برخلاف حکم شرع دلادیں وہ ہرگز اس کے لئے حلال نہ ہوجائے گی احکام سلاطین دنیا تک ہیں آخرت میں کام نہیں آسکتے، سلاطین درکنار خود صاحب شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انکم تختصمون الی فلعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحوما اسمع فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ عن النار فلیأخذھا او لیترکھا[1]۔رواہ الائمۃ مالك واحمد و الستۃ عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	صاف ارشاد فرمایا کہ ایک اگر اپنی چرب زبانی کے باعث حجت میں بازی لے جائے اور ہم اسے ڈگری دے دیں اور واقع میں اس کا حق نہ ہو تو ہمارا ڈگری فرمانا اسے مفید نہ ہوگا وہ مال نہیں اس کے حق میں جہنم کی آگ کا گڑھا ہے چاہے اسے لے یا چھوڑ دے (اسکو امام مالک، احمد اور ائمہ صحاح ستہ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

مفتی و مصدقین پر فرض ہے کہ جس طرح اپنے غلط فتوے سے یہ آتش دوزخ کا ٹکڑا ورثہ کو دلایا یونہی اپنی صحیح ولوجہ اللہ کوششوں سے انہیں اس سے بچانے کی فکر کریں ورنہ انما علیك اثم الاریسیین (کاشتکاروں کا گناہ تجھی پر ہے۔ت) اللہ واحد قہار سے ڈریں اور "وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ ۫ وَلَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾"[2] (اور وہ اپنا بوجھ اور اپنے بوجھ کے ساتھ مزید بوجھ اٹھائیں گے، اور ضرور ان سے قیامت کے روز ان کی افتراء بازی پر سوال ہوگا۔ت) کی جانگزا آفت سے پرہیز کریں۔ یہ ضرور ہے کہ بہت ابنائے دنیا کو ملا ہوا مال چھوڑنا سخت دشوار بلکہ ناممکن ہوتا ہے مگر زمانہ اللہ کے ڈر والے بندوں سے خالی نہیں اور نصیحت نفع دیتی ہے "وَّذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۵﴾"[3] (آپ یاد دہانی کرائیں تو بیشک یاد دہانی مومنوں کو نفع دے گی۔ت) ابلیس کہ دشمن راہ خدا ہے دوسروں کے بتانے میں آپ کے باطل

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴، صحیح البخاری کتاب الحیل و کتاب الاحکام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۰ و ۱۰۶۲، مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۳۲، مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۲ و ۲۹۰ و ۳۰۸

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۱۳

[3] القرآن الکریم ۵۱/ ۵۵

فتووں کا حیلہ سکھائے گا کہ اتنے مولوی حلال کر رہے ہیں عذاب ہے تو ان کی گردن پر، مگر جب آپ حضرات خود ہی خوف خدا کرکے حق حکم ان پر ظاہر کریں گے تو کیا عجب کہ الله عزوجل اپنے بندوں کو حرام مال سے بچنے اور وقف خدا پر تصرف نہ کرنے کی توفیق بخشے اور جب وہ رئیس جاگیر دار ہیں تو شائد اسی پر ان کا ذریعہ رزق منحصر نہ ہو اور ہو تو رزق الله عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے حرام کھانے سے فاقہ لاکھ جگہ بہتر ہے اور اس میں حکام کی کچھ مخالفت نہیں جس پر ڈگری ہو وہ مجبور کیا جاتا ہے جس کی ڈگری ہوا گر خدا سے ڈرے اور اس مال کو چھوڑ دے حکام کو ہر گز اس سے تعرض نہ ہوگا۔ کیا اچھا ہو کہ روز قیامت الله واحد وقہار کے حضور کھڑے ہونے سے ڈریں اور قلیل وذلیل و فانی مال چھوڑ کر جلیل و جزیل و باقی ثواب لیں۔ بہر حال مفتی و مصدقین پر اپنے فرض سے ادا ہونا فرض ہے یہ محض خالص اسلامی عرض ہے۔ دیکھیں کون بندہ خدا سبقت کرتا اور رضائے الٰہی وثواب عقبٰی و ثنائے دنیا کا مستحق ٹھہرتا ہے، الله عزوجل توفیق دے،

"فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۝۴۴" [1] وحسبنا الله ونعم الوکیل۔	تو عنقریب یاد کروگے جو تمہیں کہہ رہا ہوں، میں اپنا معاملہ الله تعالٰی کے سپرد کرتا ہوں۔ تحقیق الله تعالٰی بندوں کو دیکھتا ہے، ہم کو الله تعالٰی کافی ہے۔(ت)

وصلی الله تعالٰی وبارك وسلم علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه وابنه وحزبه اجمعین اٰمین والحمدلله رب العالمین، والله سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم وحکمه عزشانه احکم۔

مسئلہ ۱۱۵: از ریاست رامپور محلّہ لال قبر مرسلہ سید احمد حسن صاحب ۲۷ شوال المکرم ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ۱۵/ نومبر ۱۹۱۴ء کو ایک مکان خریدا، ۱۷/ جنوری ۱۹۱۵ء کو زید نے اس پر دعوی شفعہ کیا اور ۸/ جنوری کو علم بیع ہونا اور اسی وقت طلب مواثبات واشہاد بجالانا بیان کیا اور اس پر پانچ گواہ دیئے ہندہ نے سات گواہ تسلیم شفعہ کے پیش کئے حاکم نے ان گواہوں پر اعتماد فرماکر دعوی رد کردیا مدعی نے اپیل کی اور گواہان ہندہ پر بہت سی جرحیں نکالیں اور ان کے متعلق دو فتوے داخل کئے، سائل نے بریلی دارالافتاء سے

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۴۴

فتوٰی چاہااس پر فیصلہ واظہارات جملہ گواہان فریقین کی نقول باضابطہ لانے کاحکم ہوا، سائل نے نقول حاصل کیں اور حسب الحکم مع نقل ہر دو فتوائے مدخلہ مدعی حاضر دارالافتاء ہیں امید کہ بعد ملاحظہ حکم شرعی سے خالصًا لوجہ اللہ اطلاع عطا ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب نقول مذکورہ مطلوبہ دارالافتاء مدخلہ سائل ملاحظہ ہوئیں باضابطہ نقلیں اس لئے طلب کی تھیں کہ تجربہ سے سائلوں کا خلاف روداد اظہار کرکے فتوٰی لینا ثابت ہولیا تھا جس میں سراسر اضاعت وقت دارالافتاء تھی، فیصلہ و اظہارات کا ملاحظہ بنگاہ اولین بتاتا ہے کہ مدعی اپنے دعوٰی شفعہ کو بروجہ شرعی ثابت کرنے میں محض ناکام رہا، عند الشرع دعوی واجب الرد ہے جیسا کہ ذی علم فاضل مفتی نے کیا۔ تمام ابحاث کہ دونوں فتووں میں ظاہر کی گئیں ان پر فردًا فردًا نظر اور ہر باطل کا ابطال مستقل ایک وقت چاہتا تھا مگر ہر دو فتوے مدخلہ مدعی خود ہی رد دعوی کو کافی و وافی ہیں ان سے زیادہ ثبوت کی حاجت نہیں کہ وہ خود مسلمہ مدعی ہیں لہذا انہیں وجوہ مقبولہ مدعی ومفتیان مدعی سے بطلان دعوٰی ثابت کرکے صرف ایک وجہ شرعی اور اضافہ کریں جس کی طرف فیصلہ میں بھی توجہ مبذول نہ ہوئی۔

وجہ اول: پہلے فتوے میں گواہ ہندہ سید ابو القاسم پر یہ اعتراض ہے کہ اس کے بیان میں مدعی بہا کا تعین نہیں، مدعی بہا [عـــہ] یہاں مکان ہے اس کی تعیین کے دو طریقے ہیں: ایک نشان دہی، دوسرے بیان حدود۔ دونوں اس کے بیان میں نہیں، ایسی حالت میں گواہی کیونکر مقبول ہوسکتی ہے، اور اس پر قاضی خاں کی تین عبارتیں پیش کیں، سید ابو القاسم کے بیان میں وعدہ نشان دہی ہے کہ مکان کو موقع پر بتادوں گا۔ پانچوں گواہان مدعی نے بھی صرف وعدہ نشان دہی کیا ہے، جب وہ کافی نہیں تو مدعی کی پانچوں گواہیاں مدعا بہا سے خالی اور واجب الرد و نامقبول ہوئیں کہ ان میں نہ بیان حدود ہے نہ نشاندہی، بلکہ رحمت علی خاں نے صراحۃً کہا ہے مظہر حدیں مکان متنازعہ کی نہیں بتاسکتا، مظہر حدیں دیکھنے نہیں گیا تھا، گواہیوں میں وقت طلب شفعہ جانب مکان اشارہ مدعی کا بیان نہ گواہ کا اشارہ ہوا نہ بیان حدود۔ مدعی نے اس وقت اشارہ کیا ہو گواہ تو نہیں بتاتے کہ وہ کون سا مکان ہے جس کی طرف اشارہ کرکے طلب مواثبت کی تھی فتوی مدعی کو تسلیم ہے کہ اسکی

عـــہ: فتوے میں ہر جگہ یہ لفظ متدعویہ ہے کہ محض مہمل و بے معنٰی ہے ۱۲۔

تعیین کے دو۲ ہی طریقے تھے: نشاندہی یا بیان حدود، اور وہ دونوں یہاں مفقود، لہذا پانچوں گواہیاں مردود۔

وجہ دوم: عجب یہ کہ گواہی ہندہ میں مکان خود مدعی بہ نہیں بلکہ اس کا دعوی تسلیم شفعہ کا ہے مکان صرف متعلقات دعوی سے ہے تو جہاں وعدہ نشاندہی کافی ہو کر صرف ایک شے متعلق دعوی کی تعیین نہ ہونے سے فتوائے مدعی نے شہادتوں کو ناممکن القبول بنایا تو یہاں کہ خود مکان ہی مدعی بہ ہے وعدہ نشان دہی ناکافی ہو کر بیان گواہان میں اس کا عدم تعیین کیوں نہ ان تمام شہادات کو واجب الرد کرے گا۔

وجہ سوم: فتوے نے گواہان ہندہ محمد صدیق خاں، محمد سعید خاں، محمد علی خاں پر بھی یہی عدم تعیین مدعی بہ کا اعتراض کرکے فرمایا اس لئے شہادت ان کی بالمجہول شرعاً لغو و باطل ہے اور اس پر قاضی خاں اور عالمگیریہ کی عبارتیں پیش کیں۔ یہ سب سے عجیب تر ہے ان تینوں کے اظہار خود موقع پر ہوئے اور نقول میں ہر ایک کے ساتھ صاف تصریح ہے کہ نشاندہی کردی تو **اولاً:** ان کی شہادت کو بالمجہول کہنا کیسا صریح لغو و باطل ہے۔

ثانیاً: جب بالفعل نشاندہی بھی تعیین کو کافی نہ ہوئی تو پانچوں گواہان مدعی کے بیان میں کہ نشاندہی کا صرف وعدہ ہے سو درجہ زائد ان کی شہادت بالمجہول و لغو و باطل کرے گا۔

وجہ چہارم: وہی کہ گواہی مدعا علیہا میں مکان مدعی بہ نہیں جب یہاں نشاندہی کافی نہ ہوئی شہادات مدعی میں کہ خود مکان مدعی بہ ہے وعدہ کس درجہ باطل و ناکام ہوگا۔

تنبیہ: ان افادوں کے بعد دارالافتاء کو اس بحث کی طرف توجہ کی اصلاً حاجت نہیں کہ اس عدم تعیین کا جواب فیصلہ میں یہ فرمایا کہ تسلیم اسقاط ہے اس میں تعیین کی ضرورت نہیں اور فتوے نے اس پر رد کیا کہ اس حالت میں ہے کہ اسقاط بالفاظ صریحہ ہوا ہو ورنہ تسلیم لغو بعد تسلیم اختیار دعوی حاصل، اور اس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی، اگرچہ یہ جواب ہرگز صحیح نہیں۔

اولاً: وہ عبارت عالمگیری تسلیم دلالۃً میں ہے مثلاً خبر بیع سن کر خاموش رہنا اٹھ جانا یا مشتری سے مبیعہ کی خریداری یا ہبہ یا اجارہ کی خواہش، اور یہاں تسلیم ان لفظوں میں بیان ہوئی ہے کہ اچھی بیگم نے مکان خرید لیا میں بہت خوش ہوا، اس کے لینے سے میں خوش ہوں، مناسب ہے، اچھا کیا، یہ دلالۃً تسلیم کی شق میں کیونکر جاسکتے ہیں۔

ثانیاً: دلالۃً تسلیم میں بھی صرف علم شفیع بالبیع درکار ہے نہ کہ تسلیم میں تعیین حدود جس پر

یہاں بحث ہے، خود اسی عبارت عالمگیری میں تسلیم صریح امام مجری مجراہ میں فرمایا:

سواء علم بالبیع اولم یعلم ان کان بعد البیع[1]۔	بیع کے بعد ہو تو بیع کا علم ہو یا نہ ہو برابر ہے۔(ت)

اور دلالۃً میں فرمایا:

لایسقط حقہ ثمہ الابعد العلم[2]۔	وہاں حق ساقط نہ ہوگا مگر علم کے بعد۔(ت)

وجہ پنجم: فتوے نے گواہ ہندہ سید اچھے میاں کی شہادت پر یہ اعتراض کیا کہ تعیین و تعریف مدعی و مدعا علیہ کی کرنا گواہ پر ضروری ہے بلا اس کے گواہی نامعقول ہے اور تعریف و تعیین بصورت موجودگی مدعی و مدعا علیہ وقت ادائے شہادت اشارہ سے چاہئے یہ یہاں مقصود ہے اور اس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی۔ گواہ کے لفظ یہ ہیں: "اس میں پیارے میاں صاحب مدعی حاضر عدالت نے فرمایا یہ مکان تم نے اچھی بیگم کے نام خریدا ہے مناسب ہے"۔ اگر مدعی کا نام اور یہ صفت کہ مدعی اور یہ وصف کہ حاضر عدالت ان تینوں کا اجتماع تعیین و تعریف کے لئے کافی نہیں بلکہ بوجہ حضور مدعی خاص اشارہ ہی لازم تھا تو مدعی کے پانچوں گواہوں میں بعینہٖ یہی حالت ہے ایک نے بھی مدعی کی طرف اشارہ نہ کیا سب نے پیارے میاں مدعی حاضر عدالت ہی کہا ہے یا برادر مدعی سید وزیر علی نے اتنا اور بڑھایا جن کو شجاعت علی کہتے ہیں تو ثابت ہوا کہ بحکم فتوائے مدخلہ مدعی پانچوں گواہان مدعی کی گواہیاں مردود ہیں۔

وجہ ششم: دوسرا اعتراض اسی گواہ پر عدم تعیین مدعا علیہا سے کیا کہ بصورت عدم موجودگی عام آدمی کی تعیین ولدیت وغیرہ سے چاہئے تھی وہ بھی متحقق ان کے بیان میں نہیں ہے لہذا شہادت ان کی شرعاً ہرگز قابل قبول نہیں اس پر بھی وہی عبارت عالمگیری سند ہے یہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ سید اچھے میاں نے صرف اچھی بیگم کہا اور گواہان مدعی سوائے سید وزیر علی کے بیان میں بھی اگرچہ اچھی بیگم کی ولدیت مذکور نہیں مگر خبر وطلب یعنی شاہ علی حیدر کے اخبار اور مدعی کے طلب شفعہ میں بیان زوجیت ہے مخبر نے کہا مکان مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم نے مول لیا الخ مدعی نے کہا جس قیمت کو یہ مکان مدن میاں کی بیوی اچھی بیگم نے مول لیا، فتوٰی میں یہ عبارت عالمگیری اس لفظ تک نقل فرمائی:

---
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

یحتاج الٰی تسمیۃ الشھود اسم المیت واسم الغائب واسم ابیھما[1]۔	گواہوں کے نام اور میت اور غیر حاضر اور ان کی ولدیت کے نام ضروری ہیں۔(ت)

اس کا ظاہر یہ ہے کہ بیان ولدیت ضرور ہے جس سے چاروں گواہان مذکورہ مدعی کے بیان بھی خالی ہیں مگر یہاں کارروائی اور ہے فتوے نے ناقص عبارت نقل کی اور اس کا تتمہ کہ مضر جملہ شاہدان مذکور مدعی تھا چھوڑ دیا اس کے بعد عبارت عالمگیری یوں ہے:

واسم جدھما شرط الخصاف ذکر الجد للتعریف وھکذا ذکر فی الشروط، ومن مشائخنا من قال ھذا قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللّٰہ تعالٰی اما علی قول ابی یوسف رحمہ اللّٰہ تعالٰی فذکر الاب یکفی کذافی الذخیرۃ، والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منھا کذافی البحر الرائق[2]۔	یعنی غیر مشہور شخص کہ حاضر نہیں ضرور ہے کہ اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے دادا کا نام گواہ لیں امام خصاف نے تعریف کیلئے دادا کا ذکر شرط فرمایا ہے کہ ایسا ہی کتاب الشروط میں ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ دادا کا نام لینا ضروری ہونا حضرت سیدنا امام اعظم وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک باپ کا نام کافی ہے ایسا ہی ذخیرہ میں ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادا کا نام لئے بغیر چارہ نہیں ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔

یہاں تک عالمگیری کی پوری عبارت تھی جس میں صرف باپ کے نام تک نقل فرما کر باقی چھوڑی اب اگر ولدیت کی حاجت نہ بھی ہو تو عبارت مذکورہ کا صاف ارشاد ہے کہ ایک تقیید کافی نہیں دو ضرور ہیں یہی ہمارے امام مذہب کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے تو ان گواہان مدعی نے کہ فقط مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم نے کہا ایک ہی تقیید ہوئی اور تعیین کے لئے ناکافی ہو کر صحیح مذہب امام اعظم میں شہادتیں مردود ہوئیں جب آدمی اور اس کے باپ کا نام کافی نہیں کہ دو تک شرکت نادر نہیں، ممکن کہ اور شخص بھی اس نام کا ہو جس کا باپ بھی اس کے باپ کا ہمنام ہو لہٰذا نام جد ضروری ہے عورت اور اس کے شوہر کا نام کیوں کافی ہونے لگا، یہاں بھی ممکن کہ اور عورت بھی اس نام کی ہو جس کا شوہر بھی اس کے شوہر کے ہمنام ہو، لہٰذا تقیید دیگر بھی ضروری ہے رہے سید وزیر علی، انہوں نے ضرور دو نام لئے شوہر کے ساتھ اچھی بیگم کے باپ کا نام ایوب شاہ بھی بتایا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

مگر افسوس کہ شوہر کا نام ودن میاں لیا اور شاہ حیدر علی کے بیان میں بھی یونہی کہا کہ مکان اچھی بیگم ودن میاں کی بی بی نے خرید لیا، یہ نام لینا نہ لینے سے بدرجہا بدتر ہوا، نہ لیا جاتا تو مدعا علیہا میں ایک نوع جہالت رہی اور نام بدل دیا تو مدعا علیہا خود بدل گئی کہ وہ اچھی بیگم بنت ایوب شاہ جو مدن میاں کی بی بی ہے یقیناً اس اچھی بیگم بنت ایوب شاہ کی غیر ہے جو اسی وقت میں ودن میاں کی بی بی ہو، اس کے بیان کو بھی یہی فتوائے مدخلہ مدعی کافی ہے، مدعا علیہا کے گواہ محمد شاہ خاں کے بیان میں یہ جملہ واقع ہوا مظہر اچھی بیگم مدعا علیہا کو جانتا ہے اس کے باپ کا نام ایوب علی ہے، اس پر فتوے نے اعتراض فرمایا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انہوں نے ولدیت مدعا علیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ شاہد ہے اس کو خود تسلیم ہے لہٰذا اس کی گواہی کیونکر قابل قبول ہوسکتی ہے اور اس پر عالمگیری کی سند دی، یونہی یہاں بھی سید وزیر علی کی نسبت کہا جائے گا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انہوں نے زوجیت مدعا علیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ شاہد ہے اس کو خود تسلیم ہے لہٰذا اس کی گواہی کیونکر قبول ہوسکتی ہے، بلکہ انصافاً ایوب شاہ وایوب علی میں وہ تباین نہیں جو مدن میاں وودن میاں میں ہے ممکن کہ نام ایوب علی شاہ ہو اور اختصاراً کسی نے ایوب شاہ کہا کسی نے اخیر کا کلمہ تعظیمی کم کرکے ایوب علی، بخلاف مدن وودن کہ قطعاً دو متغائر نام ہیں بہر حال اسی وجہ ششم پر بھی پانچوں شہادات مدعی رد ہیں۔

وجہ ہفتم: مدعی کے فتوائے اولٰی نے جملہ شہادات مدعی کو ان چھ وجوہ سے باطل کیا نہ یوں کہ مجموع پر چھ ہوں بلکہ ہر گواہی چھ وجہ سے مردود ہے، اب اس فتوے میں بعض شہادتوں پر دو اعتراض اور ہیں کہ وہ بھی مدعی کی بعض شہادات پر وارد ہیں یونہی بعض دیگر ابطال مدعی کے فتوائے دوم سے ہے یوں مل کر ان فتووں نے ساتویں وجہ سے جملہ شہادات مدعی باطل کی ہیں ان کا بیان سنئے:

اول: شہادت محمد شاہ خاں پر تبدیلی نام کا اعتراض کہ اس سے سخت تر شہادت سید وزیر علی پر وارد ہے:

دوم: شہادت منور حسین پر اس کا جزو بیان غلط ہونے سے اعتراض کہ اس نے کہا مجھے سمن وصول ہوگیا تھا حالانکہ واقع میں اس وقت تک وصول نہ ہوا تھا فتوے نے اس کی نسبت

کہا تھا کہ عدالت کو بھی تسلیم ہے ہم نے فیصلہ میں کہیں اس کی صریح تسلیم نہ پائی بلکہ جواب وہ دیا ہے کہ بر تقدیر وقوع بھی شہادت سے دفع مضرت کرے جس کا بیان عنقریب آتا ہے بہر حال یہ اعتراض گواہ مدعی احسان خاں بلکہ ننھے مرزا پر بھی ہے ان کے کلام میں بھی تناقص ہے ننھے مرزا نے کہا مظہر گل نور خاں کے چبوترہ پر قریب مکان متنازعہ بیٹھا ہوا تھا اس کو عرصہ کوئی ڈھائی مہینہ کا ہوا پھر کہا مظہر چبوترہ کے نیچے بیٹھا تھا اور آدمی چبوترہ پر تھے اسے اگر استدراک ہی کہئے تو احسان خاں نے اولاً کہا جب سے مظہر اس جلسہ میں آیا اور جب تک گیا مظہر سے کسی کی بات نہ ہوئی، بعد کو لکھایا مظہر گل نور خاں سے باتیں کر رہا تھا یہ ضرور تناقص ہے اور تناقص میں کذب سے مفر نہیں کہ دونوں باتیں سچی نہیں ہو سکتیں، عالمگیری میں مبسوط سے ہے:

لم تقبل شھادتھما لانا نتیقن بکذب احدھما[1]۔	دونوں کی گواہی قبول نہ ہوگی دونوں میں سے ایک کے جھوٹا ہونے کا ہمیں یقین ہے۔(ت)

فیصلہ نے منور حسین خاں کی طرف سے وہ جواب دیا کہ وہی احسان خاں اور ننھے مرزا پر سے اس اعتراض کا جواب ہوتا یعنی یہ امر صلب شہادت سے خارج ہے اور شرعاً نقص غیر مشہود بہ مضر شہادت نہیں اور اس پر یہ عبارت شرح وقایہ تحریر فرمائی:

الاکذاب فی غیر المشھود بہ لایمنع القبول[2]۔	مشہود بہ کے غیر میں جھٹلانا قبولیت کے لیے مانع نہیں ہے۔(ت)

یہ عبارت اگرچہ چنداں متعلق نہ ہو کہ کلام کذب میں ہے نہ اکذاب میں بلکہ اس کے لیے یہ عبارت خلاصہ وہندیہ ہے کہ:

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر[3]۔	غیر ضروری معاملہ میں تناقض مضر نہیں ہے۔(ت)

مگر فتوائے مدعی نے خود بھی کذب واکذاب میں فرق نہ کرکے اس کا یہ رد کیا کہ بصورت منسوب ہونے گواہ کے صریح جھوٹ کے ساتھ گواہی اس کا نامقبول ہے خواہ یہ لغو بیانی اس کی مشہود بہا سے خارج ہو یا نہ ہو اور اس پر عبارت عالمگیری پیش کی:

فی العیون، شھد الرجلان علی اٰخر	عیون میں ہے کہ دو گواہوں نے ایک شخص کے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشھادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

[2] شرح الوقایۃ کتاب الشھادات باب قبول الشھادۃ وعدمہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۶۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

بالف وانہ قد قضاہ خمسمائۃ وقال الطالب لی علیہ الف وما قضانی شیئا والشھود او ھموا فی الشھادۃ علی القضاء تقبل شھادتھما ان عدلا، ولو قال شھادتھم بالالف حق وبالقضاء باطل لاتقبل شھادتھما لانہ نسبھما الی الفسق کذافی المحیط[1] (ملتقطا)	ذمہ ہزار کی گواہی دی اور کہا کہ پانصد اس نے ادا کردئے ہیں جبکہ مدعی کہتا ہے کہ میرا اس کے ذمہ پورا ہزار ہے ابھی اس نے کچھ بھی ادا نہیں کیا اور گواہوں کو ادائیگی کے متعلق شہادت میں وہم ہوا ہے تو ان کی شہادت قبول ہوگی بشرطیکہ دونوں گواہوں کو عادل قرار دیا گیا ہو، اور اگر طالب یعنی مدعی نے کہا ان گواہوں کی ہزار کے متعلق گواہی حق ہے اور ادائیگی کے متعلق شہادت باطل ہے تو گواہوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس نے گواہوں کی نسبت فسق ظاہر کیا ہے، محیط میں ایسے ہی ہے (ملتقطاً۔(ت)

مگر نہ جانا کہ صورت عالمگیری کو یہاں سے کچھ علاقہ نہیں جب مدعی ہزار روپے کا مطالبہ بتاتا ہے اور گواہ کہتے ہیں ہزار تھے پانسو ادا ہوچکے ہیں تو وہ صراحۃً ہزار کے مطالبہ کو غلط اور صرف پانسو کا مطالبہ بتارہے ہیں اسے مشہود بہ سے خارج ماننا عجیب ہے۔

سوم: یہاں تک فتوائے اولٰی کے حرف حرف پر کلام ہولیا اب دوسرا سنئے:

فتوائے ثانیہ مدعی کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اولاً: مدعا علیہ کا بیان تھا کہ ۱۵/ نومبر یعنی تاریخ بیع ہی میں مدعی کو علم بیع ہوا، مدعی شریک مشورہ تھا، اس نے بعد البیع تسلیم کی ان میں پہلے دو فقرے کسی گواہ مدعا علیہا نے بیان نہ کئے تو شہادت مطابق دعوٰی نہیں لہٰذا نامقبول، عینی میں ہے:

موافقۃ الشھادۃ للمدعی ان تتحد انواعا وکما و زمانا[2]۔	مدعی کے لئے شہادت کی موافقت یوں ہے کہ وہ نوع، مقدار اور زمانہ کے اعتبار سے متفق ہوں۔(ت)

ثانیاً گواہان مدعا علیہا میں محمد سعید خاں، محمد صدیق علی خاں جن کی شہادت ۲۳/ اپریل کو ہوئی اس وقت چار مہینے پہلے مدعی کا وہ قول بتاتے ہیں کہ مکان اچھی بیگم نے مول لیا، میں خوش ہوا، تو حساب سے اس قول کا وقت اواخر دسمبر آتا ہے اور منور حسین خاں، محمد شاہ خاں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۹۵

[2] البنایۃ فی شرح الھدایۃ للعینی کتاب الشھادات المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۳/ ۳۴۷

سید اچھے میاں شروع جنوری روز جمعہ کو مدعی کا یہ کہنا بیان کرتے ہیں اور خود مدعا علیہا ۱۵ نومبر ہی کو وقوع تسلیم بتاتی ہے اب بیان گواہان کو موجب تسلیم مانیے یا تسلیم گزشتہ کی خبر۔ بر تقدیر اول جبکہ حسب بیان مدعا علیہا شفعہ ۱۵ نومبر کو تسلیم و ساقط ہوچکا تھا، پھر دسمبر و جنوری میں مکرر سقوط کیسا، **السا قط لایعود** (ساقط شدہ بحال نہیں ہوتا۔ت) بر تقدیر ثانی خبر کے لئے مخبر بہ کا ثبوت لازم، مخبر بہ قول مدعا علیہا ہے بیان گواہان سے جس کا ثبوت نہیں لہذا یہ خبر تسلیم مثبت تسلیم نہیں۔

ثالثاً: مدعا علیہا ۱۵ / نومبر کو تسلیم بتاتی ہے گواہ بعد کو، تو دونوں بیان متعارض ہو کر ساقط ہوں گے اور حق شفعہ جو طلبین سے مستقر ہوچکا ہے ثابت رہے گا۔ قاضیخاں میں ہے:

المدعی اذا اکذب الشھود فی ماشھدوالہ اوفی بعضہ لاتقبل شھادتھم[1]۔	مدعی جب گواہوں کو اپنے حق میں کل بیان یا بعض کو جھٹلادے تو شہادت قبول نہ ہوگی (ت)

یہ حاصل ہے تمام تطویل فتوائے ثانیہ کا، بلکہ زیادت ضبط وایضاح کے ساتھ، مگر افسوس کا محل ہے کہ اس میں ایک حرف بھی صحیح نہیں،

اولاً: مدعی علیہا کا دعوی تسلیم شفعہ بعد العلم بالبیع ہے اس کے سوا تعیین وقت نہ اس کے دعوی کا حقیقۃً جز ہے نہ مدار، نہ اس کے بیان کی حاجت نہ اس میں اختلاف سے مضرت، تسلیم یہاں بالقول ہوئی، اور قول قابل تکرر ہے، اور شہود ایک جلسہ خاصہ کا بیان نہیں کرتے بلکہ صراحۃً جدا جلسوں کا ذکر کرتے ہیں، قول محض میں اگر شہادتیں یا شہادت و دعوی در بارہ زمانہ ایسا اختلاف کریں اصلاً کچھ مضر نہیں، نہ ہرگز اسے شہادت و دعوی یا باہم دو شہادتوں کی عدم مطابقت کہہ سکیں، عالمگیری میں ہے:

ان کان المشھود بہ قولا محضا کالبیع والاجارۃ و الطلاق والعتاق و الصلح والابراء، واختلفا فی البلدان او فی الشھود جازت شھادتھما ولا تبطل الشھادۃ باختلاف الشاھدین فی الایام والبلدان الاان یقولا کنامع الطالب	جس چیز کی شہادت ہے وہ اگر خالص گفتگو ہے مثلاً بیع، اجارہ، طلاق، عتاق، صلح اور بری کرنا جن کا تعلق زبان سے ادائیگی کے ساتھ ہے، اور گواہوں نے ان امور میں علاقے یا مہینے کے بیان میں اختلاف کیا تو دونوں کی شہادت قبول ہوگی، اور دونوں گواہوں کا ایام، شہروں کا اختلاف شہادت کو باطل نہ کرے گا، مگر اس صورت میں

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشہادت فصل فی تکذیب المدعی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۵۰

فی موضع واحد فی یوم واحد ثم اختلفا فی الایام و المواطن و البلدان فان اباحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه قال انا اجیز الشهادة وعلیهم ان یحفظوا الشهادة دون الوقت وقال ابو یوسف رحمه الله تعالٰی الامر کما قال ابو حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه فی القیاس وانا استحسن وابطل هذه الشهادة بالتهمة الاان یختلفا فی الساعتین من یوم واحد فیجوز کذا فی فتاوٰی قاضیخان[1] (ملتقطًا)	جب دونوں یہ کہہ چکے ہوں کہ ہم دونوں ایک جگہ ایک وقت میں طالب کے ہمراہ تھے پھر اس کے بعد ایام، مقامات اور شہروں کا اختلاف بیان کریں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں اس شہادت کو جائز قرار دوں گا کیونکہ گواہوں کے ذمہ اصل شہادت کو محفوظ کرنا ہے نہ کہ وقت کو، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد قیاس کے مطابق ہے میں استحسان کرتا ہوں اور میں اس شہادت کو تہمت کی بناء پر باطل کہتا ہوں، ہاں اگر دونوں کا اختلاف صرف ایک دن میں مختلف گھنٹوں کے متعلق ہو تو شہادت جائز ہوگی، فتاوٰی قاضیخان میں یونہی ہے۔ (ملتقطا)۔ (ت)

ثانیًا: اعتراض دوم عجیب منطق ہے اس شہادت میں موجب و مخبر کی تردید کیسی، شہادت ہمیشہ مخبر ہی ہوتی ہے اس کی تعریف ہی میں اخبار بحق، داخل ہے اور مخبر بہ صرف قول مدعا علیہا ہونے سے ایراد اس سے بھی عجیب تر، مخبر بہ ہمیشہ دعوی ہوتا ہے اور دعوی ہمیشہ قول صرف مدعی۔ اسی کے اثبات کے لئے شہادت ہوتی ہے شہادت سے پہلے اس کا ثبوت درکار ہو تو شہادت لغو ہے کہ امر ثابت کیا محتاج اثبات ہے اور اگر یہ مقصود کہ اس کا دعوی اور ان کا بیان زمانًا مختلف ہے تو یہ وہی پہلا اعتراض ہے جس کا رد ہو چکا۔

ثالثًا: یہی حال تعارض کا ہے نفس تسلیم میں دعوائے مدعا علیہا و جملہ شاہدان مدعا علیہا متفق ہیں، اختلاف اگر ہے تو زمانہ کا، اور وہ قول محض میں مضر نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے:

شهدا ان فلانا طلق امرأته فشهد احدهما انه طلقها بالبصرة والاٰخر انه طلقها بالکوفة. لو شهدا بذٰلك فی یومین متفرقین من الایام	دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے ایک نے کہا بصرہ میں دوسرے نے کہا کوفہ میں دی ہے، اگر دونوں نے متفرق دنوں کی بات کی ہے جن میں کوئی شخص اپنی سواری

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۸-۵۰۷

وبینھما قدر مایسیر الراکب من الکوفۃ الٰی مکۃ جازت شھادتھما[1] (ملتقطًا)	کے ذریعے ان دونوں شہروں میں سے ایک سے دوسرے میں پہنچ سکتا ہو مثلاً کوفہ سے مکہ تک ان دونوں میں جاسکتا ہے تو شہادت جائز ہوگی (ت)

یہ رد ہے اس تمام فتوائے ثانیہ کا، اور شفعہ بہ ثبوت طلبین مستقر ہولینے کا ردی حال ہمارے بیانات سابقہ و لاحقہ سے واضح۔ خیر یہ تو اس فتوے کی حالت تھی۔ کہنا یہ ہے کہ بفور علم بالبیع طلب مواثبت واشہاد بجالانا قطعًا ایسی چیز ہے کہ دوبارہ نہیں ہوسکتی کہ علم بالبیع متکرر نہیں ہوسکتا تو مدعی اور اس کے شاہدان کا بیان وقت میں بھی یقینا متفق چاہئے، اگر زمانہ اس کے زمانہ سے آگے پیچھے بتائیں تو شہادت و دعوی ضرور مختلف ہیں اور وہی عبارات ہدایہ و عینی کہ فتوائے ثانیہ نے رد شہادات مدعا علیہا کے لئے زعم کی تھیں، رد شہادات مدعی کو کافی ووافی ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مدعی نے علم بالبیع اور بفور علم طلب کی تاریخ ۸/ جنوری بتائی اس کی گواہیاں ۲۰/ مارچ کو گزریں کہ اکہتر دن یا دو مہینے گیارہ دن کا فاصلہ ہے، لیکن سید گوہر علی کے بیان میں ہے کہ کوئی مہینہ سے کم کم ہوا ہوگا لہٰذا شہادت مخالف دعوی ومردود، رحمت علی خاں بالتعیین بلا تخمین کہتا ہے عرصہ دوڈھائی ماہ کا ہوا جس کے پچھتّر دن ہوئے، بیان مدعی سے چار دن زیادہ، احسان خان اگرچہ تخمینہ کرتا ہے مگر زائد کا، اور اس سے بھی زیادہ کی طرف بڑھتا ہے، وہ زائد دن میں تردد کرتا ہے کہ کوئی عرصہ تخمیناً ڈھائی پونے تین مہینے کا ہو یعنی پچھتّر ۷۵ یا بیاسی ۸۲ یا تراسی ۸۳ دن ہوئے اور مدعی کے قول سے اکہتر ہی ہیں تو دو گواہ وجوہ خاصہ سے فتوائے اولٰی نے رد کئے تھے تین فتوائے ثانیہ نے رد کئے، پانچوں رد ہوگئے بلکہ عندالتحقیق خود یہ فتوائے ثانیہ ہی پانچوں کو رد کردے گا، سید وزیر علی اور ننھے مرزا نے اگرچہ عرصہ تخمیناً ڈھائی ماہ کا کہا جو بیان مدعی سے موافقت کو بھی متحمل ہے مگر امر محتمل شہادت میں نہیں لیا جاتا کہ احتمال جانب مخالفت کا بھی رہا اور موافقت دعوی کی شرط قبول شہادت تھی ثابت نہ ہوئی ولہٰذا اگر گواہ زمانہ مرور بیان کرے بوجہ جہالت مردود ہے، جہالت تخمینہ میں بھی موجود ہے، یہ متحقق نہ ہوا کہ یہ واقعہ آٹھ ہی جنوری کا ہے، ممکن ہے کہ قبل کا ہو، تو دعوی سے مطابقت کب ہوئی۔ عالمگیری میں ہے:

شھد الشھودان لھذا المدعی علی ھذاالمدعی علیہ دہ دوازدہ درم لاتقبل لمکان الجھالۃ، وکذٰلك اذاادعی دہ دوازدہ	گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے فلاں مدعا علیہ پر دس بارہ درہم ہیں، شہادت قبول نہ ہوگی اور یونہی جب مدعی نے اپنے دعوی میں دس بارہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

درہم لاتسمع دعواہ وکذٰلك اذاذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذاالوجه بان قال ایں عین ملك من ست ازدہ دوازدہ سال فانه لا تسمع دعواہ، وکذٰلك اذاذکر الشھود التاریخ فی شھادتھم علی ھذا الوجه لا تقبل شھادتھم کذافی الذخیرة[1]۔	درم کہا تو دعوی قابل سماعت نہ ہوگا، اور یوں جب تاریخ کو دعوی میں اس انداز سے بیان کرتے ہوئے کہا دس بارہ سال سے اس چیز کا مالک ہوں تو سماعت نہ ہوگی اور یونہی گواہوں نے اگر تاریخ کو اسی انداز سے بیان کیا تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ ذخیرہ میں ایسے ہی ہے۔

وجہ ہشتم: یہاں تک گواہان مدعی علیہا پر تمام اعتراضات کارد ہوگیا۔ ہر دو فتوائے مدعی کا ایک ایک فقرہ مسترد ہوگیا اور روشن ہوا کہ وہ فتوے اگرچہ بظاہر تائید مدعی کے لئے ہیں حقیقۃً ابطال دعوی شفعہ کررہے ہیں ان سے ایک ایک گواہی مدعی سات سات وجہ سے مردود ہے۔ اب ہم وہ وجہ ذکر کریں جس کا وعدہ کیا تھا، ثبوت شفعہ کے لئے لازم ہے کہ دار مشفوع بہا جس کے ذریعہ سے شفیع دعوی شفعہ کرے قبل بیع سے وقت حکم تک ملک شفیع میں رہے کہ وقت بیع اس کی ملک شرط شفعہ ہے اور بعد بیع قبل حکم اس کا اپنی ملک سے اخراج دلیل اعراض ہے ولہذا اگر مشتری مشفوع بہا میں ملک شفیع تسلیم نہ کرے شفیع کی طرف سے اس مضمون کی شہادت لازم ہے کہ مشفوع بہا قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک ملک شفیع ہے ہمارے علم میں اس کی ملک سے خارج نہ ہوئی، اگر گواہوں نے صرف اتنا کہا کہ مشفوع بہا ملک شفیع ہے کافی نہ ہوگا۔ عالمگیریہ شرائط شفعہ میں ہے:

منھاملك الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یاخذ بھا الشفعة[2]۔	شرائط میں سے شفعہ کرنے والے کی سودے کے وقت اس مکان کی ملکیت ہے جس کی بناء پر شفعہ کررہا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یبطلھا بیع مایشفع به قبل القضاء	شفعہ کے فیصلہ سے قبل شفعہ کا سبب بننے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۱

بالشفعة مطلقاً علم ببیعہا ام لا وکذا لوجعل ما یشفع بہ مسجدا[1]۔	والی زمین کو فروخت کرنا مطلقاً شفعہ کو باطل کردے گا اس کی بیع کا علم ہو یا نہ ہو اور یوں ہی اگر اس زمین کو مسجد بنادیا ہو (ت)

نیز درمختار میں ہے:

واذا طلب الشفیع سأل القاضی الخصم عن مالکیة الشفیع لما یشفع بہ فان اقربہا او نکل عن الحلف علی العلم او برھن الشفیع انہا مبلکہ سألہ عن الشراء[2] الخ۔	جب شفعہ والا مطالبہ کرے تو قاضی دوسرے فریق سے اس مکان کی ملکیت کے متعلق سوال کرے جس کے سبب شفعہ کا دعوٰی کیا ہے اگر وہ فریق مدعی کی ملکیت کا اقرار کرے یا اپنے علم سے متعلق قسم دینے سے انکار کردے یا مدعی اس کی اپنی ملکیت پر شہادت پیش کردے تو پھر قاضی اس مکان کے سودے کے متعلق سوال کرے الخ۔ (ت)

ردالمحتار میں زیر قولہ برھن الشفیع (شفعہ والا گواہ پیش کرے۔ت) محیط سے اور عالمگیری میں محیط وذخیرہ سے ہے:

فی الاجناس بین کیفیة الشہادة فقال ینبغی ان یشہدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعة ملك ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذا الدار وھی لہ الی ھذہ الساعة لانعلمہا خرجت عن مبلکہ فلو قال ان ھذہ الدار لھذا الجار لایکفی[3]۔	اجناس میں شہادت کی کیفیت کے بیان میں ہے، تو فرمایا کہ گواہوں کو چاہئے کہ وہ یہ بیان کریں کہ مدعی فروخت شدہ مکان کے پڑوسی والے مکان کا اس مکان کی فروخت سے قبل تاحال مالک چلاآرہا ہے اور مدعی ہی مالک ہے اس کی ملکیت سے خارج ہونے کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے اگر گواہوں نے صرف اتنا کہا کہ پڑوس کا یہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو کافی نہ ہوگا۔ (ت)

یہاں مشتریہ نے مشفوع بہا میں ملک مدعی تسلیم نہ کی تو مدعی پر اقامت بینہ بروجہ مذکور لازم تھی پانچ

---

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۵

[2] درمختار کتاب الشفعہ باب طلب الشفعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۷۹، ردالمحتار کتاب الشفعہ باب طلب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۴۴

گواہوں میں سے تین نے تو اس کا نام ہی نہ لیا، ننھے مرزا نے یوں کہا "مدعی جس مکان میں رہتا ہے وہ ملکیت سولہ برس سترہ برس سے گویا کہ مدعی کی اب تک ہے" گویا کو شہادت سے کیا علاقہ۔ اور آگے چل کر اور بھی تخریب کردی کہ مظہر نے محلّہ میں مظفر شاہ کی زبانی سنا کہ مدعی کا مکان جس میں مدعی رہتا ہے ملک کی گواہی اور ایک شخص کی سماعی، ہاں صرف برادر مدعی سید وزیر علی نے کہا ہے کہ جس مکان کے ذریعہ سے مدعی نے مکان کے شفعہ کا دعوی کیا ہے وہ مکان قبل بیع سے اب تک ملک مدعی میں ہے یہ شہادت بھی باطل ہے،

اولاً: ملک مکان پر شہادت کے لئے ضرور ہے کہ یا مکان حاضر کی طرف اشارہ ہو جیسا ابھی عبارت عالمگیری سے گزرا کہ:

ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعة[1]۔	بیشک یہ مکان جو فروخت شدہ مکان کے پڑوس میں ہے۔ (ت)

یا غائب ہے تو اس کے حدود کا بیان ہو، عالمگیریہ میں ہے:

فی الشھادۃ علی المحدود لا بد من ذکر الحدود کذا فی الخلاصۃ[2]۔	محدود چیز کے متعلق شہادت میں اس کے حدود کو بیان کرنا ضروری ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے (ت)

یہاں دونوں مفقود، لہٰذا شہادت مردود۔

ثانیاً: یہ وہی گواہی ہے جس میں تبدیل نام واقع ہوئی ہے جس کا بیان وجہ ششم گزرا۔

ثالثاً: کچھ نہ ہو تو تنہا ایک کی گواہی ہے ملک ثابت نہیں ہوسکتی لہٰذا سرے سے بنائے شفعہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچا اور دعوی بے ثبوت رہا، رہا یہ کہ خود اسی مکان متنازعہ فیہ کے بیعنامہ اسمی مدعاعلیہا میں حد شمالی مکان مولوی شجاعت علی تحریر ہے اور بیعنامہ عاقدین پر حجت ہوتا ہے لہٰذا یہ مدعاعلیہا کی طرف سے مکان مشفوع بہ میں ملک مدعی کی تسلیم ہے ذی علم فاضل مفتی صاحب نے اسی بناء پر تنقیح بحق مدعی فیصل فرمائی مگر ہماری تقریر سابق سے واضح ہے کہ صرف وقت بیع مشفوع بہا میں ملک شفیع کافی نہیں بلکہ جب سے وقت حکم تک ملک مستمر درکار ہے بیعنامہ سے ثابت ہوا تو اتنا کہ وقت بیع مذکور مکان مشفوع بہ ملک مدعی تھا اس سے وقت طلب اول حسب بیان مدعی بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۷۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۸۵

ملک مدعی ثابت نہیں ہوتی، نہ کہ اب تک کہ بیع ۱۵/ نومبر کو ہوئی اور مدعی نے وقت طلب ۸/ جنوری بیان کیا، ممکن ہے کہ اس بیچ میں اس کی ملک سے نکل گیا ہو اور یہاں استصحاب یعنی اس وقت ملک ثابت تھی اور زوال معلوم نہیں تو اب تک ملک مانی جائے گی کافی نہیں کہ یہ ظاہر ہے اور ظاہر حجت دفع ہے نہ کہ حجت استحقاق، اور شفیع کو منظور استحقاق ہے تو استصحاب بکار آمد نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الظاہر لایصلح للاستحقاق فلا بدمن ثبوت ملکہ بحجۃ لاستحقاق الشفعۃ[1]۔	ظاہر حال کسی استحقاق کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو ثبوت ملکیت کے لئے اس کے پاس شفعہ کے استحقاق کی دلیل کا ہونا ضروری ہے (ت)

اگر کہئے یہ تنقیح تو فیصلہ میں بحق مدعی فیصل ہوچکی تو اس کا جواب بھی فتوائے اولٰی مدخلہ مدعی دے گا کہ تجویز عدالت بلا دلیل وحجت ہے شرعًا ہرگز قابل نفاذ نہیں۔ اشباہ میں ہے:

والحکم اذاکان لا دلیل علیہ لم ینفذ انتہی[2]۔	جب حکم کی دلیل نہ ہو تو وہ نافذ نہیں ہوتا انتہی (ت)

بالجملہ ہر وجہ ہر جہت ہر پہلو سے دعوی مدعی باطل اور شریعت مطہر کے حکم سے فیصلہ بحق مدعا علیہا ہونا لازم واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۶ تا ۱۱۸: از ضلع بجنور قصبہ نگینہ محلّہ میر سرائے مسئولہ جلال الدین عطار بروز یکشنبہ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام سوالات مندرجہ ذیل میں:

(۱) حافظ جلال الدین و نظام الدین ولد مولا بخش بھائی علاتی ہیں ان کو ترکہ میں نزاع ہے، اول یہ کہ دو دکانیں جن میں ان کے والد نشست وبرخاست کرتے تھے حافظ جلال الدین مدعی ہیں کہ یہ ملک والد صاحب مرحوم سے ہے، اور نظام الدین کہتا ہے کہ والد صاحب کی نہیں بلکہ والدہ صاحبہ کو یہ ملی ہیں حافظ جلال الدین اپنے مدعا کے ثبوت میں منجملہ شہادتوں کے ایک شہادت حدود سے کرتے ہیں یعنی ان دکانوں کی جن کے مکانات سے حدود ملتے ہیں ان کے بیعنامہ کے حدود میں ملک والد صاحب کہتے ہیں اور لکھنے والے والد صاحب کی ملک بتلاتے ہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ شہادت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

[2] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الاولٰی الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۳

باوجود اس کے کہ سبب ملک والد صاحب نہیں بیان کرتے عندالشرع معتبر ہے یا نہیں، اگر معتبر ہے تو ناشی حکم (اس امر کا کھوج لگانا اور جرح کرنا کہ تم کو کس ذریعہ سے ملک مولا بخش معلوم ہوئی، یا تم نے بیعنامہ دیکھا ہے یا تمہارے سامنے بیع ہوئی ہے) حق حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) اور نیز حافظ جلال الدین اپنے مدعا میں ایک شہادت یہ گزرانتا ہے کہ ایک شاہد یہ بیان کرتا ہے کہ ان دکانوں کا بیعنامہ میرے سامنے ہوا اور بائع نے میرے سامنے بیع کی، اور دوسرا شاہد بیان کرتا ہے کہ مشتری نے میرے سامنے اس کی بیع لینے کا اقرار کیا کہ میں نے فلاں سے یہ دکانیں خریدی ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ شہادت عندالشرع معتبر ہے یا نہیں؟

(۳) حافظ جلال الدین کہتا ہے کہ ایک مکان والد صاحب نے مجھ کو ہبہ کیا تھا جس میں میں نے ان کی زندگی میں ہی چھپّر کا دالان بنالیا تھا اور تقریباً اس میں بیس پچیس سال رہا، بعد میں مجھ کو اس میں تنگی ہوئی اور دوسری دکان کرایہ پر لے کر اس صورت سے رہنے لگا کہ مکان موہوبہ میں اپنا تصرف و قبضہ مالکانہ رہا، اس کے بعد والد صاحب نے دوسرے دکان جو دکان موہوبہ سابق کے بغل میں ایک جانب کو واقع اور ملکیت میں اپنی زوجہ یعنی میری سوتیلی مادر کے تھا مجھ کو ملا کر دے دیا اور مادر صاحبہ سے بھی کہلادیا کہ میں نے دے دیا جیسا میرا بیٹا نظام الدین ہے ویسا ہی جلال الدین ہے چنانچہ میں نے اس دوسری دکان کو بھی لے کر اپنے والد اور مادر کی زندگی میں اپنی سابق دکان کے ساتھ ملحق کرلئے درمیان کی دیوار نکال دی اور اس کے سامنے ہی ایک دالان بنالیا، اب سوال یہ ہے کہ عندالشرع ان دونوں دکانوں کا میرے لئے ہبہ درست ہوا یا نہیں، اور میرے شاہدان دونوں مکانوں کی بابت دینا والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی جانب سے بیان کرتے ہیں یہ شہادت فقط دینے کی ہبہ پر محمول ہوگی یا عاریۃً پر اور اس میں قاضی یا حکم کو شاہدان سے یہ حق دریافت کرنے کا حاصل ہے یا نہیں کہ دکان جلال الدین کو ہبہ دیا گیا تھا یا عاریۃً۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: وباﷲ التوفیق

(۱) اگر شاہدان نے صرف اس پر اکتفاء کیا کہ یہ دکانیں مولا بخش کی ہیں اور سبب ملک نہ بیان کیا تو یہ شہادت منجملہ عندالشرع معتبر ہے اور دکانیں مولا بخش کی ہی مانی جائیں گی اور قاضی یا حکم

کواس کا حق حاصل نہیں ہے کہ گواہان سے تفتیش کرے کہ تم کو کس سبب اور ذریعہ سے ملک فلاں ہونا ثابت ہوا،

ومن فی یدہ شیئ فلك ان تشھد انه له ان وقع فی قلبك ذٰلك والالا [1] الخ تنویر الابصار، وفی الھدایۃ ومن کان فی یدہ شیئ سوی العبد والامۃ وسعك ان تشھد انه له لان الید اقصی مایستدل به علی الملك اذھی مرجع الدلالۃ فی الاسباب کلھا [2]، قال فی نھایۃ انه لا دلیل لمعرفۃ الملك فی حق الشاھد سوا الید لان اکثر مافی الباب ان یعاین اسباب الملك من الشراء ونحوہ الا ان الشراء انما یفید الملك اذاکان المبیع ملکا للبائع وذٰلك لایعرف الابالید فلو لم یجز اداء الشھادۃ بحکم الید لسد باب الشھادۃ حتی حل للقاضی ان یقضی بحکم الید کما یحل للشاھد [3] انتھی۔	اور اگر کوئی شیئ کسی کے قبضہ میں بطور ملکیت ہو، دل پر گزرے تو تجھے جائز ہے کہ اس چیز کی اس کے لئے شہادت دے ورنہ نہیں الخ تنویر الابصار۔ اور ہدایہ میں ہے غلام اور لونڈی کے علاوہ کوئی چیز کسی کے قبضہ میں ہو تو تجھے گنجائش ہے کہ تو یہ شہادت دے کہ یہ چیز اس کی ہے کیونکہ قبضہ ملکیت کی دلیل کے لئے فیصلہ کن ہے کیونکہ یہ تمام اس باب میں دلالت کا مرجع ہے، نہایہ میں فرمایا: گواہ کے پاس ملکیت کی معرفت کے لئے قبضہ کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس باب میں اکثر طور نظر آنے والے اسباب خریداری وغیرہ ہیں لیکن خریداری بھی اس وقت مفید ملک ہے جب یہ معلوم ہو کہ مبیع بائع کی ملکیت تھا اور بائع کی ملکیت اس کے قبضہ سے ہی معلوم ہوسکتی ہے اور اگر قبضہ کی بناء ملکیت کی گواہی جائز نہ ہو تو شہادت کا دروازہ ہی بند ہوجائے، حتی کہ قاضی کو جائز ہے کہ وہ قبضہ کی بناء پر ملکیت کا فیصلہ دے جس طرح گواہ کو یہ شہادت دینا جائز ہے اھ (ت)

(۲) یہ شہادت معتبر ہے۔

کما فی فوائد السمیۃ فی باب الاختلاف	جیسا کہ فوائد السمیہ کے اختلاف شہادت کے باب

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

[2] الہدایہ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۹

[3] النہایہ شرح الہدایہ

بالشهادة ناقلا علی صاحب الدرر ولو شهد احدهما ان فلانا باع منه و اٰخران فلانا اقربا لبیع منه تقبل الخ۔	میں صاحب درر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اور گواہوں میں سے ایک نے شہادت دی کہ فلاں نے یہ چیز اس کو فروخت کی ہے، اور دوسرے نے شہادت دی کہ فلاں نے اس کے پاس فروخت کرنے کا اقرار کیا ہے، تو مقبول ہوگی الخ (ت)

(۳) حافظ جلال الدین کے لئے ان دونوں مکانوں کا ہبہ عندالشرع درست ہوگیا اور باپ کا دینا قرائن ہبہ اور تملیک کے موجود ہوتے ہوئے ہبہ ہی مانا جائے گا اور اتنی مدت دراز تک تصرف مالکانہ اور عدم تعرض والد کا واضح قرینہ تملیک ہے، لہٰذا شاہدین کی شہادت میں لفظ دینا ہبہ ہی پر محمول ہوگا عاریت پر نہیں ہوسکتا اور قاضی یا حکم کو شاہدین سے یہ استفسار کرنا کہ عاریۃً دیا تھا یا ہبۃً عندالشرع کوئی حق نہیں بلکہ یہ شہادت ہبہ ہی پر محمول ہوگی، ردالمحتار میں ہے:

وفی خزانة الفتاوی اذا دفع لابنه مالا فتصرف فیه الابن یکون للاب الااذادلت دلالة التملیك بیری الخ۔[1] وفی فوائد السمیة صحت بمثل قوله نحلت و وهبته کذاله جعلت. اما وهبت فانه صریح فیه واما نحلت وهی بمعنی اعطیت فلانه مستعمل فیه واما جعلت له فلان اللام للتملیک. والله اعلم بالصواب، راقم بشیر احمد عفی عنہ۔	خزانۃ الفتاوٰی میں ہے اگر کسی نے بیٹے کو مال دیا جس میں بیٹا باپ کی دی ہوئی اجازت سے تصرف کرتا ہو وہ مال باپ کا ہوگا مگر جب باپ کی طرف سے تملیک کا واضح قرینہ موجود ہو تو بیٹے کا تصور ہوگا، بیری الخ (ت) فوائد السمیہ میں ہے میں نے اس کو عطیہ دیا، اس کو ہبہ کیا۔ یونہی اس کے لئے کردیا، میں نے اسے ہبہ کیا۔ ان الفاظ سے ہبہ صحیح قرار پائیگا "**وهبت**" سے تو اس لئے کہ اس میں تملیک کی تصریح ہے "**نحلت**" سے اس لئے کہ یہ "**اعطیت**" (میں نے عطا کیا) کے معنی میں ہے کیونکہ یہ اسی معنی میں مستعمل ہے، لیکن "**جعلت له**" سے اس لئے کہ اس میں لام تملیک کے لئے ہے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، راقم بشیر احمد عفی عنہ۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الهبة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

الجواب

(۱) بیعناموں کی حدود میں ملک فلاں لکھا ہونا حجت نہیں،

فان القاضی انما یقضی بالبینۃ اوالاقرار اوالنکول اما الکتاب فلیس من الحجۃ فی شیئ کما فی الخانیۃ والخیریۃ وغیرھما[1]۔	کیونکہ قاضی صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار پر فیصلہ دیتا ہے لیکن تحریر کوئی حجت نہیں ہے جیسا کہ خانیہ اور خیریہ میں ہے۔(ت)

اس کے ساتھ اگر کاتبان بیعنامہ کی زبانی شہادتیں یوں ہی کہ یہ بیعنامے ہم نے لکھے اور ان کے حدود میں فلاں مکان ملک فلاں لکھا تو یہ بھی کوئی چیز نہیں کہ یہ شہادت ملک پر نہیں بلکہ اپنے ایک فعل پر ہے اور اگر وہ یوں گواہی دیتے ہیں کہ یہ مکان ملک مولا بخش ہے کہ حدود بیعنامہ میں اس کی ملک لکھا ہے تو یہ بھی اصلاً مسموع نہیں کہ کتابت صک غیر مقر پر حجت نہیں، ہاں اگر وہ مطلقاً یہ مکان ملک مولا بخش ہونے کی گواہی دیتے ہوں اور تحریر حدود کو اس کا متبع بتاتے ہوں تو گواہی مسموع ہے، اور اگر وہ عادل شرعی ہیں تو حکم یا قاضی کو اس جرح کا کوئی حق نہیں کہ تم نے کیونکر اس کی ملک جانی ہاں اگر مستور ہوں اور حکم کو شبہہ گزرے تو سوال کرے **والمسئلۃ توخذمن جامع الفصولین وغیرہ** (یہ مسئلہ جامع الفصولین وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) یہ شہادت اگر پوری تعیین بائع و مشتری کے ساتھ ہو بھی کہ ایک گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے یہ مکان زید بن بکر نے مولٰی بخش بن فلان بن فلاں کے ہاتھ بیع کیا، اور دوسرا گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے مولٰی بخش بن فلاں بن فلاں نے کہا کہ میں نے یہ مکان زید بن عمرو بن بکر سے خرید کیا جب بھی اصلاً مسموع نہیں کہ دونوں شہادتیں کسی امر واحد پر وارد نہیں، نہ کسی کا بیان کہ میں نے خرید کیا دوسرے پر حجت ہوسکے، اور اسے شہادت علی الاقرار سمجھنا محض بے معنی ہے کہ یہ کہنا کہ میں نے خرید کیا اقرار نہیں دعوی ہے، اقرار ودعوی میں زمین آسمان کا بل ہے، اقرار مقر پر کوئی حق لازم کرنا ہے بخلاف اس صورت کے کہ ایک گواہ گواہی دے کہ اس بائع نے میرے سامنے اس مشتری کے ہاتھ یہ چیز بیع کی، دوسرا گواہی دے کہ میرے سامنے اس بائع نے اقرار کیا کہ میں نے یہ چیز اس مشتری کے ہاتھ بیع کی، یہ ضرور اقرار کی شہادت ہے اور دونوں شہادتوں سے واحد پر وارد کہ بیع میں صیغہ انشاء و صیغہ اقرار دونوں "**بعت**" ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب القضاء باب خلل والمحاضر والسجلات دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹، ۲۳

(۳) فرق ہے اس میں کہ زید عمرو سے کہے کہ یہ مکان میں نے تجھے دیا اور اس میں کہ بکر گواہی دے یہ مکان زید نے عمرو کو دیا تھا دینا ہبۃً بھی ہوتا ہے عاریۃً بھی اجارۃً بھی، مدار قرائن پر رہتا ہے اگر دلالت تملیک پائی جائے ہبہ سمجھا جائے گا ورنہ نہیں، دلائل وقرائن قول معطی کے ساتھ مقترن ہوتے ہیں یہ جو حکایت کررہا ہے کہ زید نے دیا تھا اس کے ساتھ کون سا قرینہ مقترن ہے لہٰذا شہادت محض مہمل وناکافی ہے، ایسی مبہم بات میں قاضی استفسار کرسکتا ہے اور مدعی کو اس سے روکنے کا حق نہیں کہ اگر استفسار نہ ہوگا شہادت مبہم ہو کر لغو بیکار ہوجائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۹: از گوالیار محمود الحسن ہادی ۲/ذی الحجہ ۳۳ھ روز شنبہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحماۃ الشرع المتین کسی معاملہ متنازعہ فیہ میں کسی شخص قرار دادہ احد المتخاصمین کو حکم قرار دے دیں اور وہ حکم ولایت شرعیہ میں نہ فیصلہ کرے تو کیا شرعاً اس کی منسوخی کے واسطے احد **المتخاصمین باب القضاء** میں یا کسی دیگر طریقہ سے چارہ جوئی کرسکتا ہے؟

الجواب:

حکم کا ولایت شرعیہ میں فیصلہ نہ کرنا دو معنی رکھتا ہے، ایک یہ کہ اسے اس فیصلہ کی شرعاً ولایت نہ تھی عام ازیں کہ وہ خود اہل ولایت سے نہ تھا یا اس خاص فیصلہ کی اسے ولایت نہ تھی جیسے قود وحدود میں تحکیم جائز نہیں، دوسرے یہ کہ حکم کو فی نفسہ اور اس خاص مقدمہ کے اعتبار سے بھی ولایت شرعیہ تھی مگر اس نے اس ولایت کے حدود میں فیصلہ نہ کیا اس سے باہر گیا یعنی خلاف شرع حکم دیا بہر حال کچھ بھی معنی ہوں وہ فیصلہ مردود باطل ہے اور کسی طرح نافذ نہیں ہوسکتا منسوخ تو وہ کیا جائے جو کچھ وجود بھی رکھتا ہو، ہاں اگر فریق ثانی نہ مانے تو اس کے اظہار بطلان کے لئے دار القضاء میں رجوع کی جائے اور قاضی پر واجب کہ اسے رد کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ محمد حسن صاحب تحصیلدار بجنور ۲۴/محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مورث نے کچھ زیور نقرئی وطلائی برتن وغیرہ کے اس نیت سے تیار کرائے کہ بوقت شادی اپنی فلاں لڑکی کو بطور جہیز دینگے، وقتاً فوقتاً کسی کسی زیور کو جو تیار ہو کر آتے رہے اپنے اعزا واحباب کو یہ کہہ کر دکھایا بھی کہ فلاں لڑکی کو بطور جہیز بوقت شادی دینے کے لئے بنوایا ہے، منجملہ اشیا مسطور بالا بعض اشیاء دختر مذکورہ کے زمانہ عدم بلوغ میں تیار ہوئے تھے، اور بعد بلوغ قطعی طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون کون سے قبل از بلوغ تیار ہوئے تھے اور کون سے بعد بلوغ۔ بعد بلوغ دختر مذکورہ مورث زائد

ازیک سال زندہ رہے اور کل اشیاء بدستور بحالت موجودہ بہ بقبضہ مورث رہیں۔ مورث نے دختر مذکورہ کی شادی سے قبل انتقال کیا، اس صورت میں اشیاء متذکرہ بالا شرعا متروکہ متوفی قابل ورثہ ہیں یا تنہا ملک دختر متصور ہوں گی اور مورث کی محض نیت ہبہ وصیت کی حد تک پہنچتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کسی مال سے مالک کی ملک بے کسی دلیل ثابت واضح کے منتقل نہیں مانی جاسکتی۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں:

لاینزع شیئ من ید احد الابحق ثابت معروف۔	مشہور طور پر حق کے ثبوت کے بغیر کسی کے قبضہ سے چیز کو چھڑانا صحیح نہیں ہے۔ (ت)

یہ پہلے فتوٰی میں بیان ہولیا کہ اگر لڑکی نابالغہ تھی جو کچھ اس کی نیت سے بنوایا ملک دختر ہوگیا باپ کا اس نیت سے یہ تصرف ہی اس وقت قائم مقام ہبہ ہے اور باپ کا قبضہ ہی نابالغ کا قبضہ ہے ہبہ تام وکامل ہوگیا اور بالغہ تھی تو قبل تسلیم موت واہب سے ہبہ تھا بھی تو باطل، رہا یہ کہ بعض نامعلوم اشیاء قبل بلوغ اس کے لئے بنوائی تھیں اس کا ثبوت درکار، دختر اگر خود یونہی مجہول دعوٰی کرتی ہے کہ کچھ میری نابالغی میں بنوایا تھا تو دعوٰی ہی مسموع نہیں کہ دعوی مجہول نامقبول۔ درمختار میں ہے:

شرط جواز الدعوی معلومیۃ المال المدعی اذلایقضی بمجھول[1]۔	دعوٰی کے جواز کے لئے مال مدعٰی کا معلوم ہونا شرط ہے کیونکہ مجہول چیز کا فیصلہ درست نہیں۔ (ت)

اور اگر وہ معین اشیاء کا دعوٰی کرے مگر گواہ تعین نہ کریں تو گواہان نامسموع کہ شے مجہول پر شہادت مردود۔ عالمگیری میں ہے:

شرائطھا منھا مایرجع الی المشھود بہ وھو ان یکون بمعلوم فان کان بمجھول لاتقبل[2]۔	اس کی شرائط میں سے ایک یہ ہے جو مشہود بہ سے متعلق ہے کہ وہ معلوم ہو، تو اگر مجہول ہو تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۵۱

ہاں اگر دختر دعوی بالتعیین کرے اور گواہان اشیاء معینہ نہ دے سکے اور دیگر ورثہ پر حلف رکھے اور وہ حلف کرلیں دعوی رد ہوجائے گا اور حلف سے انکار کردیں تو دعوی ثابت ہوجائے گا__________اور وہ اشیاء بعینہٖ دختر کو دلادی جائیں گی کما هو الحکم المعروف فی النکول (جیسا کہ قسم کے انکار میں حکم معروف ہے۔ت) اور اگر صورت یہ ہے کہ ورثہ خود اقرار کرتے ہیں کہ مورث نے بعض اشیاء اس دختر کی نابالغی میں اس کے لئے بنوائی تھیں تو جو جو شے معین کریں وہ ملک دختر ہوں گی ورنہ کچھ نہیں،

فان الهبة تمليك وتمليك المجهول لايجوز فالا قرار بهبة مجهولة لايجوز۔	کیونکہ ہبہ تملیک کا نام ہے جبکہ تملیک مجہول ناجائز ہے، تو مجہول چیز کے ہبہ کا اقرار جائز نہیں۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

قال لاخر انت فی حل مما اخذت لم يحل له الاخذ[1]۔	ایک نے دوسرے کو کہا کہ جو تو نے لیا وہ تجھے حلال ہے تو اسکو وہ لینا حلال نہ ہوگا۔(ت)

درمختار میں ہے:

جهالة المقر به لاتضر الااذا بين سببا تضره الجهالة كبيع واجارة[2] والله تعالٰی اعلم۔	جس چیز کا اقرار کیا گیا اس کا مجہول ہونا مضر نہیں لیکن جب اقرار میں ایسے سبب کو بیان کرے جس میں جہالت مضر ہو جیسے بیع اور اجارہ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از رام پور محلہ پل پختہ متصل زیارت بھورے میاں مسئولہ عبدالحکیم ۱۹ صفر ۱۳۳۴ھ دوشنبہ

رشوت کی تعریف اور اس کی وعید۔

الجواب:

رشوت کے لئے فرمایا:

الراشی والمرتشی کلاهما فی	رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم

[1] فتاوٰی ہندیہ کتب الهبه الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

النار [1]۔	میں ہیں۔(ت)

یہ اس صورت میں ہے کہ دینے والا مستحق رہے گا، کسی کا حق چھپانا اور اپنا حق نکالنے کیلئے جو دیا جائے وہ رشوت ہے اور اپنے اوپر سے دفع ظلم کردیا جائے تو رشوت نہیں، ہاں ظالم کے حق میں وہ بھی رشوت ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۲: مسئولہ رحمت علی خاں از جے پور سالگانیر دروازہ جوہری بازار دکان عبدالرحمٰن وعبدالغنی خیاط ۹رجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی رحمت علی خان اور اس کی زوجہ مسماۃ آبادی بیگم کے باہمی نااتفاقی تھی چنانچہ مسماۃ کی جانب سے دعوی واپسی جہیز عدالت میں دائر ہوکر دس پانچ اشخاص اہل ہنود متخاصمین کی جانب سے پنچ مقرر ہوئے اور عدالت سے پنچان ہنود کے سپرد فیصلہ کے لئے کہا گیا، پنچان نے بجائے اس کے کہ مقدمہ واپسی جہیز میں فیصلہ دیتی یہ فیصلہ صادر کیا کہ رحمت علی خاں اپنی زوجہ کو نہ طلاق دے سکے اور نہ دوسری شادی کرسکے اور نان ونفقہ میں نصف جائداد مسماۃ کو دی جائے۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بروئے شرع شریف اس فیصلہ کی پابندی رحمت علی خاں پر لازم ہے یانہیں؟

الجواب:

وہ فیصلہ محض مردود وباطل اور خلاف شرع وناقابل قبول ہے،اس کا کوئی اثر فریقین میں سے کسی پر نہیں پڑسکتا،علاوہ بریں وہ پنچایت سرے سے مردود باطل ہے،

کمافی الهدایة والدر المختار و العالمگیریة وغیرہا عامة الکتب قال اللہ تعالٰی "وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾" [2]۔	جیسا کہ ہدایہ، درمختار اور عالمگیریہ وغیرھا عام کتب میں ہے اللہ تعالی نے فرمایا: اللہ تعالی ہر گز کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا(ت)

ہاں شرعًا رحمت علی خاں پر یہ فرض ہے کہ یا تو عورت کو اچھی طرح رکھے یا اچھی طرح طلاق دے دے،

قال تعالٰی "فَاَمۡسِکُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو بھلائی کے ساتھ پاس

[1] الترغیب والترہیب ۳/ ۱۸۰ مجمع الزوائد، باب فی الرشا ۴ /۱۹۹۔ کنز العمال حدیث ۱۵۰۷۷ ۶ / ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۴ /۱۴۱

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ"[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ جدا کردو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۳: مسئولہ غلام گیلانی از شمس آباد کیمل پور ۱۸/شعبان ۱۳۳۴ھ سہ شنبہ

مدعی بینہ آورد وامانزد قاضی بکسے وجہ مقبول نشد نداز وجہ فسق یاعدم توافق شہادات بادعوی یا یک گواہ موافق بود دیگر مخالف مدعی دریں صور ایں بینہ راکالعدم تصور بدہ بر منکر حلف عائد خواہد شد یانہ فقط۔	مدعی نے گواہی پیش کی لیکن فاسق ہونے یا شہادت کے دعوی کے موافق نہ ہونے یا ایک گواہ موافق اور دوسرا مخالف میں سے کسی وجہ سے قاضی کے ہاں گواہی مقبول نہ ہوئی ان صورتوں میں مدعی نے گواہی کو کالعدم قرار دیا تو کیا منکر پر قسم عائد ہوگی یا نہیں، فقط۔(ت)

الجواب الملفوظ

پیداست کہ دریں صورت مدعی از اقامت بینہ عاجز ماند ہرچہ برسم گواہان پیش کنند بینہ نہ باشد بینہ آنست کہ ہمچو اسم خود بینہ باشد پس بطلب مدعی بلا شبہہ حلف بر مدعی علیہ عائد گردد۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس صورت میں ظاہر ہے کہ مدعی گواہی پیش کرنے سے عاجز رہا اس نے گواہی کے طور پر جن کو پیش کیا وہ بینہ نہ ہوئے،بینہ اپنے نام کی طرح واضح کرنے والا ہوتا ہے،پس مدعی کے مطالبہ پر مدعٰی علیہ پر قسم عائد ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۴: مسئولہ شمس الدین از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف مسجد گودام چرم ۱۷/ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ دوشنبہ

فتوٰی دینے کے لئے مفتی کو کتنا علم پڑھنا ضروری ہے اور کتنی مہارت علوم دینیہ میں ہونی چاہئے فقط۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/۶۵

الجواب:

حدیث و تفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ و توقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرط اعظم توفیق من اللہ، جوان شروط کا جامع وہ اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے ورنہ اگر خواہی سلامت بر کنار است۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۵: مسئولہ محمد سلیمان طالب علم مدرسہ فیض احمدی کانپور ۳۰/ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید صاحب جائداد کے انتقال کے قریب اس کی زوجہ مسماۃ ہندہ سے لوگوں نے کہا کہ زید کے انتقال کا وقت قریب ہے اپنا دین مہر زید کو معاف کردو تاکہ آخرت میں اس کو مواخذہ نہ ہو، مسماۃ ہندہ مذکور نے کہا کہ اگر میں اپنا مہر معاف کردوں تو زید کا بھائی بکر اس جائداد میں سے اپنا حصہ لے لے گا اور بقیہ جائداد مجھ کو اور میری دونوں لڑکیوں کو کافی نہ ہوگی اور ہم لوگ سخت تکلیف اٹھائیں گے، لوگوں نے کہا کہ تم معاف کردو اور ہم ذمہ داری کرتے ہیں کہ یہ جائداد تمہارے ہی قبضہ میں رہے گی اور بکر کو ہرگز قابض نہ ہونے دینگے، چنانچہ مسماۃ ہندہ نے جس قدر مہر کی قیمت جائداد سے زائد تھا اسی وقت زید کو معاف کردیا، بعد اس کے زید نے انتقال کیا اور بعد انتقال زید کے جائداد زید پر قابض ہوئی اور اپنی باقی عمر اس پر مالکانہ تصرف کرتی رہی، چنانچہ دونوں لڑکیوں کی شادی کے وقت کچھ جائداد کو متفرق طور پر بقدر ضرورت بیچ ڈالا اور بکر برادر زید مرحوم کچھ نہیں بولا اور جب تک مسماۃ ہندہ زندہ رہی بکر نے کبھی کوئی دعوی کچہری میں اپنے حق پانے کا نہیں کیا اور نہ کبھی ہندہ سے کہا کہ میرا حق مجھ کو دے دو، البتہ اور لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ میرا بھی اس جائدا میں حق ہے، اب ہندہ نے بعد وفات زید کے تخمیناً پندرہویں سال انتقال کیا اور بعد انتقال ہندہ کے بکر دعوی کرتا ہے کہ جائداد زید میں میرا حق میراث مجھ کو ملنا چاہئے اور منافع جائداد مذکور ہندہ کی دونوں لڑکیوں کو لینے نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ جب تک میرا حق مجھ کو نہ دوگی تم لوگوں کو لینے نہ دوں گا، اس صورت میں جائداد متروکہ زید میں سے کہ جس میں اس کی زوجہ ہندہ بعوض بقیہ مہر کے چودہ پندرہ برس قابض و متصرف مالکانہ رہی ہے شرعًا بکر کو حق مل سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا بالسند و الکتاب تؤجروا من رب الارباب** (سند اور کتاب سے بیان کیجئے، رب الارباب سے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بکر کا دعوی مدفوع اور اصلاً نامسموع، شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد عبداللہ غزی تمرتاشی نے اپنے فتاوٰی میں تصریح فرمائی ہے کہ:

لا تسمع الدعوی بعد ثلث سنین قطعاً للحیل و التزویر والاطماع الفاسدۃ[1] **(ملتقطا)**	حیلہ سازی، جھوٹ اور فاسد لالچ کے احتمال کی وجہ سے تین سال کے بعد دعوی قطعاً قابل سماعت نہ ہوگا (ملتقطاً)۔(ت)

اسی طرح خیریہ وعقود الدریہ ورد المحتار وغیرہا میں ہے، **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶: مرسلہ ناصر الدین خاں ساکن پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں ۲/صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو کے دروازوں کے سامنے ایک اراضی چودہ فٹ چار انچ طویل اور پانچ فٹ نوانچ عریض بغرض مرور کے ہے، عرصہ پندرہ سولہ سال سے زید نے بجائے دروازہ کے کھڑکی کرلی اور اس سے آمدورفت جاری رکھی، پھر زید نے اس کو تقریباً ایک سال تک بند رکھا اور اسی حالت میں اپنے مکان کا بیعنامہ مع جملہ حقوق داخلی وخارجی کے بکر کو کردیا اور اس بیعنامہ میں اس کھڑکی کا ذکر نہیں اور اس بیعنامہ میں دوسری کھڑکی کا بھی ذکر نہیں ہے جو اس مکان میں دوسری طرف لگی ہوئی ہے بکر نے مکان خریدنے کے بعد کھڑکی کھول لی جس کو تقریباً تیرہ چودہ سال ہوئے اب عمرو نے اس اراضی کو اپنے گھر میں عرصہ تین ماہ سے ڈال لیا ہے اور ایک دروازہ جدید اراضی مرور میں لگایا ہے جو ملاحظہ نقشہ سے ظاہر ہوگا، آیا زید کو اپنی کھڑکی کھولنے کا حق تھا یا نہیں اور اگر حق حاصل تھا تو وہی حق مشتری بکر کو حاصل ہے یا نہیں اور عمرو اس اراضی کو اپنے مکان میں الحاق کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عمرو کو کوئی استحقاق اس زمین کے الحاق کا نہیں، یہ سراسر ظلم ہے اور اس سے باز آنا اس پر

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۴، العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳، فتاوٰی خیریۃ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۴۸

واجب اور بکر اس کھڑکی کے کھولنے کا اختیار رکھتا ہے مکان مع جمیع حقوق اس نے خریدا ہے حقوق میں یہ مرور بھی ہے عمرو و بکر دونوں کو یکساں اس میں حق مرور حاصل ہے عمرو کا اس میں دیوار قائم کرنا تصرف باطل ہے اور اس کا انہدام لازم۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[1] (ظالم کے دخل کا کوئی حق نہیں۔ت) دروازہ جدید کہ عمرو نے نکالا ہے اس کے نکالنے کا اس کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اندر کی جانب نہیں باہر کی طرف ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷: مرسلہ اکبر خاں ساکن ریاست رامپور محلّہ جھنڈا بڑے پیر صاحب ۲۶/ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

مقدمہ عباسی بیگم زوجہ عنایت احمد خان وعنایت احمد خاں ولد عبدالرحیم خاں بنام کریم بخش ولد رحیم بخش، دعوی یہ کہ مدعا علیہ نے مدعیہ کی اراضی مرور ۱۲ گرہ عریض اور ۸ گز ۱۲ گرہ طویل دبا کر دیوار بنالی محکمہ دیوانی نے گواہان مدعی کا بیان ناقص و مجہول و باہم مختلف و نیز مخالف دعوی مان کر یکسر خارج کیا محکمہ ججی سے صرف چار گرہ کی ڈگری ہوئی کہ اس قدر میں مدعیہ کو مردہ نکالنے کی وسعت ہو جائے گی محکمہ عالیہ اپیل نے شہادت مدعیہ راجح ٹھہرا کر کل دعوی ڈگری فرمایا یہ تمام تجویزیں مع نقول باضابطہ گواہان فریقین دارالافتاء میں حاضر کرکے استدعا ہے کہ اس صورت میں جو حکم شرعی ہو ارشاد ہو۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[2] (حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ت) حکم اگر شریعت کے لئے ہے اور بیشک حکم شریعت ہی کے لئے ہے حکام اگر اس لئے مقرر ہوتے ہیں کہ مطابق شرع فیصلہ کریں اور بیشک وہ اسی لئے مقرر ہوتے ہیں اور یہی ان کا فرض ہے تو شریعت مطہرہ نے قاضی کے حضور ثبوت دعوی کے صرف تین طریقے رکھے ہیں: بینہ، اقرار، نکول اور جہاں تینوں معدوم ثبوت معدوم، اور قضاء بحق مدعی ناممکن۔ فتاوٰی امام اجل قاضیخاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ وھی البینۃ او الاقرار والنکول[3]۔	قاضی صرف حجت کی بناپر فیصلہ کرے گا اور حجت صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے (ت)

---

[1] السنن الکبری للبیہقی کتاب الغصب باب لیس لعرق ظالم الخ دار صادر بیروت ۶/ ۹۹، صحیح البخاری کتاب الحرث ۱/ ۳۱۴ وسنن ابی داؤد کتاب الخراج ۲/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲، فتاوٰی خیریہ کتاب القاضی الی القاضی باب خلل المحاضر والسجلات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹ و ۵۱

محکمہ دیوانی نے شہادات مدعیہ کو مجروح کیا محکمہ ججی نے اول جروح کو مقبول رکھا کہ مفتی صاحب نے گواہان مدعی پر اعتبار نہیں کیا ہے حجتہائے معقولہ وروایات شرعیہ سے مؤکد اپنی رائے کو فرمایا ہے ظاہرًا دیوار کا بڑا ہونا اگر معلوم ہو تو یہ مدعیہ کا نافع نہیں۔ائمہ دین ہدایہ وغیرہ عامہ کتب میں فرماتے ہیں:

الظاہر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق[1]۔	ظاہر حال دفاع کے لئے حجت بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے استحقاق کے لئے نہیں۔(ت)

یہ مصلحت کہ مدعیہ مردہ نکال سکے کوئی حجت شرعیہ تو شرعیہ عرفیہ بھی نہیں کوئی اپنی مصلحت کے لئے بلا ثبوت شرعی پر ایامال نہیں لے سکتا یہ فرمانا کہ گواہان ثبوت سے کم از کم جس قدر زمین کا ڈال لینا پایا جائے اس قدر تخلیہ کرادینا چاہئے حکم شریعت سے اصلًا مطابق نہیں جس کا بیان ابھی آتا ہے پھر فیصلہ خود بھی اس کے خلاف ہے ہمارے سامنے سات گواہان مدعی کے اظہار ہیں بشیر حسن خاں، رفیق محمد خاں، ممتاز الدین خاں، عطاء اللہ خاں مشتاق حسین خاں، ممتاز علی خاں، غفور حسن خان اور آٹھواں عاشق حسین خاں جس کا بیان نہ ہوا۔ان میں سے ممتاز الدین خاں نے تو کوئی مقدار بیان ہی نہ کی اور اس کی نسبت محکمہ عالیہ اپیل نے بھی اسی قدر لکھا کہ ممتاز الدین خاں کی شہادت مجہول ہو بھی تو اور بہت سی شہادت موجود ہے باقی کسی کے بیان میں دس گرہ سے کم عرض نہیں اور ڈگری صرف چار گرہ پر دی گئی جس سے صاف ظاہر کہ محکمہ ججی نے بھی وہ شہادتیں قبول نہ فرمائیں جیسا کہ ان کی بے اعتباری کو حجتہائے معقولہ وروایات شرعیہ سے مؤکد ہونا فرمایا ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ثابت دس گرہ ہو اور ڈگری چار گرہ کی۔لاجرم وہی لحاظ مصلحت ہوتی ہے کہ مردہ نکل سکے یہ ایک نیک صلاح ہے کہ کسی طرح حکم کی حد میں نہیں آسکتی، یہیں سے تجویز محکمہ عالیہ اپیل کے اس جملہ کا جواب واضح ہوگیا کہ ظاہر ہے کہ صاحب جج بہادر نے مدعیان کی شہادت کو مانا ہے محکمہ عالیہ نے خود جانب شہادات توجہ فرمائی محکمہ دیوانی کے اعتراضات میں بعض کے جواب دیئے بعض کے جواب سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا کہ اور بہت سی شہادت موجود ہے ان تمام اعتراض وجواب اور ان کے مالہ وماعلیہ پر بحث موجب طول ہے اور بیان حکم محکم شرع مطہر کے لئے اس کی حاجت نہیں، یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ محکمہ دیوانی نے شہادتوں کو ناقص ومختلف ومخالف دعوٰی فرمایا اور وہ بیشک ایسی ہی ہیں ان کے وجوہ

---

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶، الہدایہ کتاب ادب القاضی مسائل شتی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

اختلال کثیر ووافر ہیں جن کی تفصیل موجب تطویل۔ہم صرف اس قدر پر اقتصار کریں کہ ان میں سے کسی نے بھی ایک شے معین اور ایک شخص معین پر شہادت نہ دی جس پر قضاء ممکن ہو لہٰذا یکسر مہمل ونامسموع ہیں۔

بیان بشیر حسن خاں: کچھ نالہ تھا کچھ زمین ہے جوڑاؤ دونوں کا تخمیناً دس یا بارہ گرہ ہے اور وہ زمین آٹھ یا نو گز لمبی ہے پوٹھیا کریم بخش نے اپنے مکان میں داب لی ہے، کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم۔اراضی مذکور کریم بخش نے اپنے مکان میں اندر پونے تین برس ہوئے مظہر کے سامنے ڈالی ہے۔

بیان ممتاز الدین خاں: مدعی کی چوکھٹ کے برابر دو پوٹھے تھے، بائیں ہاتھ کا پوٹھا دس بارہ گرہ چوڑا ہے اس میں سے نکل کر مدعی کا پر نالہ آیا ہے مدعا علیہ ہیں وہ یا کیا جن کا نام اور ولدیت مظہر کو نہیں معلوم مظہر ان کو پہچانتا ہے ان کے مکان کی دیوار گرتی جاتی تھی اور وہ بڑھاتے جاتے تھے انہوں نے مذکور پوٹھا دبالیا۔

بیان رفیق محمد خان: عباسی بیگم کی مملوکہ مقبوضہ زمین تخمیناً دس یا بارہ گرہ عرضاً اور طولاً تخمیناً آٹھ نو گز کریم بخش نے دبالی ہے، کریم بخش کے باپ کا نام یاد نہیں مظہر اس کو پہچانتا ہے۔

بیان عطاء اللہ خاں: عباسی بیگم کے مرور کی اراضی میں سے آٹھ گرہ اور چار گرہ نالی کی کل دس یا بارہ گرہ اراضی چوڑی اور نو یا پونے نو گز لمبی کریم بخش مدعا علیہ نے اپنے مکان میں ڈال کر دیوار بنالی ہے جس کی وجہ سے دکھن رخ کا پاکھا پھر کہا پوٹھا مدعیہ کے دوازے کا دیوار میں دب گیا ہے مذکور زمین عباسی بیگم اور ان کے شوہر عنایت احمد خاں کی ہمیشہ سے مملوکہ مقبوضہ چلی آئی ہے، کریم بخش مدعا علیہ کے باپ کا نام نہیں معلوم مظہر اس کو پہچانتا ہے، اراضی مذکور کو ڈالے ہوئے تخمیناً تین سال کا عرصہ ہوا، مدعا علیہ نے اراضی مذکور کو ایک وقت میں نہیں ڈالی تھوڑی تھوڑی ڈالی، آخری مرتبہ کو مدعا علیہ نے جو اراضی ڈالی ہے اس کو تین سال ہوئے۔

بیان مشتاق حسین خاں: کوئی عرصہ تین یا چار سال کا ہوا تخمیناً کریم بخش مدعا علیہ نے تین یا چار گرہ تخمیناً نالے اور سات یا آٹھ گرہ راستہ میں سے کل دس یا بارہ گرہ چوڑی اور آٹھ یا نو گز لمبی زمین ڈال کر دیوار بنالی ہے مذکورہ نالی اور زمین مملوکہ و مقبوضہ عنایت احمد خاں اور ان کی زوجہ عباسی بیگم مدعیان کی ہے کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم، مظہر اس کو پہچانتا ہے، پہلی مرتبہ جو مظہر کے سامنے دیوار بنی اس کو تخمیناً چار برس کا عرصہ ہوا دوسری بار بننے کو تخمیناً سال بھر ہوا۔

بیان ممتاز علی خان: عرصہ تخمیناً تین چار برس کا ہوا کہ کریم بخش مدعا علیہ جس کے باپ کا نام نہیں معلوم، مظہر اس کو پہچانتا ہے، اس نے چار گرہ نالی کی زمین اور آٹھ گرہ راستہ کی زمین چوڑی اور نو یا آٹھ گز لمبی لے کر اپنے مکان میں ڈال لی ہے۔

بیان غفور حسن خاں: عرصہ تخمیناً تین چار سال کا ہوا کہ تین چار گرہ نالی کی زمین اور سات آٹھ گرہ راستہ کریم بخش نے اپنے مکان میں ڈال لیا، مظہر کریم بخش کی ولدیت نہیں جانتا کریم بخش کو پہچانتا ہے، جو زمین کریم بخش نے ڈال لی ہے یہ مولوی عنایت احمد خاں مدعی کے تصرف میں تھی۔ یہ ان تمام بیانوں کا خلاصہ ہے ان میں جو وجوہ اختلال ہیں خادم فقہ پر مخفی نہیں مگر یہ دو اہمال ان سب کو شامل ہیں کہ ان میں کسی نے نہ شخص معین پر شہادت دی ہے نہ شے معین پر،

اول: اس لئے کہ مدعا علیہ کی طرف نہ اشارہ کیا نہ ولدیت بتائی، ولدیت بتانی در کنار بالاتفاق سب نے ولدیت جاننے ہی سے انکار کیا ایسی شہادت مجہول اور محض نا قابل قبول۔ عالمگیریہ میں ہے:

شرط الخصاف ذکر الجد للتعریف و ھکذا ذکر فی الشروط، ومن مشایخنا من قال ھذا قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی اما علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرہ والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منھا کذا فی البحر الرائق[1]۔	امام خصاف نے شناخت کے لئے جد کے ذکر کو شرط قرار دیا ہے اور شروط میں یوں ذکر فرمایا ہے، اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر شناخت کے لئے باپ کا ذکر کافی ہے، ذخیرہ میں یوں ہے، اور صحیح یہ ہے کہ دادے کی طرف نسبت شناخت کے لئے ضروری ہے۔ بحر الرائق میں یونہی ہے۔ (ت)

دوم: جس نے کہے متردد لفظ کہے دس یا بارہ، آٹھ یا نو گز یا پونے نو گز، تین یا چار گرہ، سات یا آٹھ گرہ، یہ نفس مشہود بہ میں جہالت و موجب رد و بطلان شہادت ہے۔ یہ نہیں کہ ایسی جگہ کم سے کم مان لیں گے، نہیں بلکہ بالکل رد کر دیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

اذا ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درہم و شھد الشھودان لھذا المدعی علی ھذا	جب کسی نے فارسی میں بارہ درم کا دعوٰی کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

المدعی علیہ دہ دوازدہ درہم لاتقبل لمکان الجہالۃ وکذٰلك اذا ادعی دہ دوازدہ درم لاتسمع دعواہ وکذالك اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذاالوجہ بان قال ایں عین ملك من ست ازدہ دوازدہ سال فانہ لاتسمع دعواہ، وکذٰلك اذذکر الشہود التاریخ فی شہادتھم علی ھذا الوجہ لاتقبل شہادتھم کذافی الذخیرۃ[1]	مدعی علیہ پر دس بارہ درہم ہیں جہالت کی وجہ سے یہ شہادت مقبول نہ ہوگی، اور یوں ہی اگر مدعی نے دس بارہ درہم کا دعوی کیا تو اس کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا، اور یونہی اگر گواہوں نے اپنی شہادت میں ایسی تاریخ ذکر کی تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

لہٰذا شہادتیں سب مردود اور دعوی محض بے ثبوت وواجب الرد، اور فیصلہ مفتی صاحب لازم القبول، حکم شرعی یہ ہے اور حکم نہیں مگر شرع کے لئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۸: ۲۵/ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور نصیبہ نے اپنے ترکہ پدری کے تقسیم کا دعوی عمرو برادر خورد اور مسماۃ زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر پسر زید برادر کلاں کے نام دائر کچہری کیا۔ زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر پسر مدعا علیہا مجیب ہوئے کہ ترکہ مظہرہ مدعیات غلط اور غیر صحیح ہے جس قدر جز ہمارے مورث زید کا مملوکہ مقبوضہ چالیس سال کا ہے وہ مستثنٰی ہو کر جس قدر متروکہ پدر مدعیات ثابت کریں اس کے تقسیم میں کچھ عذر نہیں ہے عمرو برادر خورد مدعا علیہا بوجہ سازش مدعیات ضمنًا مقبل دعوی اور ظاہر ایک جزو کا بذریعہ خریدار مدعیات ومدعا علیہا نمبر ۲ ونمبر ۳ کا دعویدار ہوا کچہری سے مطابق تنقیحات ہر ایک سے بقدر دعوی کے ثبوت وتردید طلب ہوا۔ مدعیات نے ایک مرتبہ گواہ طلبی بذریعہ کچہری کراکر بعذر عدم تعمیل سمن ثبوت داخل کرنے سے گریز کیا مگر بذریعہ سمن طلبی گواہان کراکر تاریخ موعود پر گواہان حاضر کو ہدایت حاضری تاریخ ثانی بعذر عدم حاضری جملہ گواہان کچہری سے رخصت کرادیا۔ سہ بارہ بذریعہ سمن جملہ گواہان حاضر کچہری کرائے گئے اور باوجود حاضری گواہان بہ کچہری بدیں مضمون درخواست پیش کی کہ گواہان کا اعتماد نہیں ہے لہٰذا جملہ مدعا علیہم مجیب سے حلف لے لیا جائے۔ پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ بحالت موجودگی گواہان در مجلس قضامدعیات کا انحصار بحلف مدعا علیہم مجیب شرعًا صحیح ہے یا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

غیر صحیح، اور صورت مسئولہ میں مدعا علیہما مجیب پر حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں، دوسرے جبکہ مدعیات اپنے دعوی کو ثابت نہ کرسکیں تو اب مدعا علیہا نمبر ۲ و نمبر ۳ کو اپنی جوابدہی کے موافق ثبوت دینے کی ضرورت باقی رہی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مدعیات کا مدعا علیہم سے حلف طلب کرنا صحیح نہیں نہ مدعا علیہم پر حلف متوجہ ہو۔ بحر الرائق میں ہے:

ان لم تکن للمدعی بینة حلف القاضی المدعی علیه بطلب المدعی لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم للمدعی الك بینة قال لا فقال لك یمینه سأل ورتب الیمین علی فقدان البینة[1]۔	اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر قاضی مدعی علیہ سے قسم کا حلف لے اگر مدعی طلب کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعی کو فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں، اس نے کہا نہیں، فرمایا تجھے اس کی قسم لینی ہوگی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود سوال فرمایا اور مرتب فرمایا کہ قسم گواہ نہ ہونے پر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ثبوت الحق فی الیمین مرتب علی العجز عن اقامة البینة بما رویناه فلا یکون حقه دونه[2]۔	قسم کا حق گواہ پیش کرنے سے عاجز ہونے پر مرتب ہوتا ہے اس حدیث کے سبب جو ہم نے روایت کی ہے تو اس عجز کے بغیر قسم کا حق نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو حاضرة فی مجلس الحکم لم یحلف اتفاقا[3]۔	اگر وہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق قسم لینا جائز نہیں (ت)

جب مدعی اثبات دعوی سے عاجز ہو، منکر کو ثبوت دینے کی حاجت نہیں۔

---

[1] بحر الرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۰۳

[2] بحر الرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۱۰

[3] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۹

فان البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ گواہ پیش کرنا مدعی پر اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹: از سہسرام، ضلع گیا مدار دروازہ مرسلہ قادر بخش صاحب ۳ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک مسجد محلّہ مدار دروازہ میں واقع ہے جس کے اتر جانب کی دیوار اسے ایک ہندو حلوائی نے اپنا مکان مسجد مذکور کی دیوار سے دیوار ملا کر اس طرح اٹھایا کہ جس سے مسجد کے اتر جانب ایک فرخانہ جھنجری نما ہوا کے لئے ایک کھڑکی تھی اس کو اپنی نو دیوار سے بند کر دیا ہے جس سے ہوا بالکل بند ہو گئی ہے اب نمازیوں کو بسبب بند ہو جانے ہوا کے از حد تکلیف ہے اور جانب اتر و پورب کچھ اینٹ دیوار جدید فصیل مسجد پر زیادہ کرکے بنالیا ہے جو قریب دو انچ کے ہوگی مسجد کی فصیل پر اس کی اینٹ چڑھی ہوئی ہے اور ایک جانب پورب سے وہ ناگر معلوم عـــہ ہوتی ہے یہ مسجد زمانہ چھپن برس کی بنی ہوئی ہے اس نے آج یہ نیا کام بنایا ہے، از روئے شرع شریف اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر کوئی شخص دیوار مسجد کے متصل اور اسی کی ہوا میں دیوار اٹھائے تو کتنی ہی بلند کرے اسے ممانعت نہ ہوگی کہ خاص اپنی ملک میں تصرف کر رہا ہے اور مسجد کا کوئی ضرر نہیں، نمازیوں کے لئے ایک طرف کی ہوا رکنا کوئی ضرر نہیں جس کے سبب کسی شخص کو اپنی ملک میں تصرف سے روکا جائے۔ جامع الفصولین میں ہے:

اراد ذو الساحۃ ان یبنی فیھا ویرفع بنائہ فقال ذو البناء انك تسد علی الریح والشمس فلا ادعك ترفع البناء فله منعه لافی ظاہر الروایۃ لان ذا الساحۃ منعه عن الانتفاع بملکه ولم یتلف علیه ملکا	خالی جگہ پر مالک تعمیر کرنا چاہتا ہے اور عمارت بلند کرتا ہے تو دوسری عمارت والا اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے تو ہوا اور دھوپ کو مجھ پر بند کر رہا ہے اس لئے میں تجھے عمارت بلند نہ کرنے

عـــہ: اصل میں اسی طرح ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الرہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، السنن الکبرٰی کتاب الدعوات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

ولامنفعة فلا یمنع کرجل له شجرة یستظل بها جارہ اراد قلعها لایمنع منه ولو تضرر به جارہ،اذ رب الشجرة بالقلع یمنعه عن الانتفاع بملکه[1]۔	دوں گا تو اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے ظاہر روایت میں، کیونکہ یہ خالی جگہ والے کو اپنی ملکیت سے انتفاع سے منع کرنا ہے جبکہ عمارت والے کی ملکیت اور اس کے انتفاع میں نقصان نہیں لہٰذا جگہ والے کو عمارت بلند کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا، جیساکہ ایک آدمی کا درخت جس سے پڑوس والے کو سایہ حاصل ہوتا ہو درخت والے کو اس کے اکھاڑنے سے نہیں روکا جاسکتا حالانکہ پڑوسی کو اس سے ضرر ہے، کیونکہ درخت کا مالک اکھاڑ کر اپنی ملکیت سے دوسرے کے نفع کو روک رہا ہے۔(ت)

فتح القدیر ورد المحتار میں ہے:

والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك مابداله مطلقًا لانه متصرف فی خالص مبلکه لکن ترك القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررا فاحشا وهو المراد بالبین وهو مایکون سببا للهدم،اویخرج عن الانتفاع بالکلیة وهو ما یمنع الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة واختار و الفتوی علیه فاما التوسع الی منع کل ضرر مافیسد باب انتفاع الانسان بمبلکه کماذکرنا قریبا[2]۔	اور حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں قیاس یہ ہے کہ مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے کیونکہ وہ اپنی خالص ملک میں تصرف کررہا ہے لیکن بعض ایسے مقامات میں جہاں مالک کا تصرف دوسرے کے لئے فحش ضرر پیدا کرے وہاں یہ قیاس متروک ہوگا اور فحش ضرر سے ایسا تصرف ہی مراد ہے جو دوسرے کے مکان کے گرنے کا سبب ہو یا دوسرے کو اپنی ملکیت میں انتفاع سے مکمل طور پر محرورم کردے وہ یوں کہ اس کے حوائج اصلیہ کو ختم کردے مثلاً کلیۃً روشنی کا ختم کردینا اور اسی پر فتوٰی کو فقہاء نے پسند کیا ہے لیکن ہر قسم کے ضرر کی وجہ سے منع کو وسیع کرنا اس سے تو انسان کا اپنی ملکیت سے انتفاع کا دروازہ بند ہوجائے گا، جیساکہ قریب ہم ذکر کرچکے ہیں۔(ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۶

[2] فتح القدیر مسائل شتّٰی من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۵،ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۱

جامع الفصولین میں ہے:

الضوء من الحوائج الاصلیة والشمس والریح من الحوائج الزائدة[1]۔	روشنی حوائج اصلیہ میں سے ہے اور دھوپ اور ہوا حوائج زائدہ میں سے ہے۔(ت)

البتہ اگر دیوار مسجد کا کوئی حصہ اگرچہ جو بھر اس کی دیوار نے دبالیا ہے تو اس جزء دیوار کا ازالہ وہدم لازم ہے، درمختار میں ہے:

یجب ھدمه ولو علی جدار المسجد[2]۔	اس کا گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد کی دیوار پر ہو۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

اذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فمن بنی بیتاً علی جدار المسجد وجب ھدمه[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب یہ حکم واقف میں ہے تو غیر میں کیسے نہ ہو، تو جس نے مسجد کی دیوار پر کمرہ بنایا اس کا گرانا واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰: چاچڑاں ریاست بہاولپور تحصیل خاں پور مرسلہ مولوی محمد یار صاحب ۷/ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

چہ فرمایند علماء دین اندریں صورت کہ زید در قطعہ اراضی بعد ثبوت استحقاق شفعہ با عمرو چنیں اظہار کرد مصرفہ اراضی رابراں قدر کہ صرف کردی ازیں جانب وصول کردہ ازیں قطعہ اراضی بیزار شو۔ عمرو ازیں دعوی زید انحراف کلی ورزیدہ انکار قطعی نمود پس زید بعد ادائے فیس کہ شرط استماع دعوی ست دعوی خود بعرض عدالت کردہ پس از حصول مدعا در بارہ فیس ہذا کہ وقت عرضی دعوی ادایش ساخت از روئے قانون گورنمنٹی مطالبہ اش	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے لئے شفعہ اراضی کے استحقاق کے بعد عمرو خریدار سے کہا کہ تو نے جو کچھ اس میں پر صرفہ کیا ہے اتنا مجھ سے وصول کرکے زمین چھوڑ دے۔ عمرو نے زید کے دعوی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے زید کے مطالبہ سے قطعی انکار کردیا تو زید نے فیس کورٹ وغیرہ ادا کرکے جو کہ دعوی کے لئے شرط تھی اپنا دعوی عدالت میں پیش کردیا زید نے اپنا مدعی عدالت سے حاصل کرلینے یعنی اپنے حق ڈگری ہوجانے کے بعد عمرو پر مقدمہ کی فیس کا دعوی کردیا جس کا گورنمنٹ کے

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] بحر الرائق کتاب الوقف فصل احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

بر عمر و قائم نمود پس ایں چنیں مطالبہ فیس کہ جوازش منسوب بر واج ست عندالشرع صحیح ست یا نہ۔ **بینوا توجروا۔**	قانون کے مطابق عمرو کو ادا کرنا لازم آتا ہے تو کیا ایسے مروج قانون کے مطابق زید کو عمرو سے یہ فیس وصول کرنا درست ہے یا نہیں، شرعًا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔** (ت)

الجواب:

آنراکہ حکم شرع مطہر درکارست نزد شرع شریف خرچہ مدعی بر مدعٰی علیہ عائد نتواں شد گو مدعی محق باش اگر بے رضایش گیر د مدعاعلیہ از وواپس تواں گرفت اگر ندہد مواخذہ و مطالبہ بر گردنش ماند در عقود الدریہ فرمود رجل کفل آخر عند زید بدین معلوم ثم طلبه زید به والزم به لدی القاضی، فطلب الرجل من زید ان یمهله به فابی الاان یدفع له الرجل قدر ما صرفه فی کلفة الالزام فدفعه له ثم دفع له المبلغ المکفول به ویرید الرجل مطالبة زید بما قبضه زید منه من کلفة الالزام فهل له ذٰلك [1] (الجواب) نعم حیث الحال ماذکر۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	شرعی حکم یہ ہے کہ شرع شریف میں مدعی کا خرچہ مدعی علیہ پر عائد نہیں ہوتا اگرچہ مدعی حق پر ہو، اگر مدعی نے مدعی علیہ سے اس کی رضامندی کے بغیر خرچہ وصول کرلیا ہو تو مدعٰی علیہ اس سے واپس لے سکتا ہے، اگر واپس نہ دے تو شرعًا مدعی کی گردن پر یہ مطالبہ و مواخذہ باقی رہے گا، عقود الدریہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو زید کے دین معلوم کا کفیل بنایا، پھر زید نے کفیل سے مطالبہ کرتے ہوئے قاضی کے ہاں اس پر دین کی ادائیگی لازم کردی تو اس کفیل شخص نے زید کو مہلت کے لئے کہا تو زید نے مہلت دینے سے انکار کردیا مگر یہ کہا اگر تو قاضی کے ہاں دعوی الزام پر خرچ شدہ رقم ادا کردے تو تجھے مہلت دے دوں گا، اس پر کفیل شخص نے خرچہ کی رقم ادا کردی پھر مہلت کے مطابق وہ رقم جس کی کفالت تھی زید کو ادا کردی اس موقعہ پر کفیل نے زید سے مطالبہ کیا کہ مقدمہ کے خرچہ کی رقم جو تو نے وصول کی وہ مجھے واپس کردے، آیا اس واپسی کے مطالبہ کا کفیل شخص کو حق ہے، جواب دیا گیا مذکورہ حال پر حق حاصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۱: از ریاست رامپور محلّہ محل موتی خاں ۷/ شوال ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنے نابالغ بچے بکر کے مقدمہ میں پنچوں کو حکم کردیا تو آیا باپ بیٹے کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور فیصلہ پنچایت قابل پابندی ہے یا نہیں؟

---

[1] العقود الدریة کتاب الکفالة ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۸

الجواب:

باپ کا اپنے نابالغ کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرنا جائز ہے مگر وہ فیصلہ اگر خلاف شرعی ہو جیسا کہ مقدمہ متعلقہ سوال میں ملاحظہ فیصلہ سے ظاہر ہوا تو وہ اصلاً قابل پابندی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۲: از رامپور

چندا نے وحیدی پر دعوی حق زوجیت کا کیا، وحیدی کو زوجہ چندا ہونے سے انکار ہے، مدعی کی طرف سے جو گواہان گزرے ہیں ان میں سے احسان الحق واشتیاق احمد اپنے آپ کو گواہان نکاح قرار دیتے ہیں جن کے بیان شامل سوال ہذا ہیں مفتی صاحب دیوانی نے مدعا علیہ کا اجازت دینا قرار نہیں دیا ہے تجویز مفتی صاحب بھی ہمراہ سوال ہے بعض علمائے رامپور نے مفتی صاحب کے تجویز فیصلہ کے خلاف فتوٰی [عہ] دیا ہے اس

عــــہ: **نقل فتوٰی رامپور:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین، زید نے اپنی بیوی ہندہ کے رخصت کرا پانے کی نالش عدالت میں بربنائے نقل رجسٹر نکاح خوان و گواہی گواہان دائر کی اور گواہان نے یہ بیان کیا کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور ہندہ نے ہم سے یہ کہا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھوادو اور ہم کو اپنے نفس کا اختیار دیا ہم لوگ نکاح کے گواہ تھے اور غلام سرور وکیل تھے چنانچہ ہم نے وکیل سے کہہ دیا اور وکیل نے قاضی سے کہہ دیا قاضی نے نکاح پڑھادیا اور بعض نکاح چھوہارے اور شیرینی تقسیم ہوئی اور ہندہ زید کے یہاں بعد نکاح کے حسب رواج زمانہ رہی، پس ایسی حالت میں نکاح صحیح شرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہوگیا یا کہ نکاح فضولی ہے بوجہ عدم اجازت ہندہ کے صحیح نہیں ہوا، **بینوا توجروا**

الجواب: **سبحانہ الموفق بالصدق والصواب** (وہ پاک ذات صدق و صواب کی توفیق دینے والی ہے۔ت) صورت مسئلہ میں نکاح صحیح و شرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہوگیا اس لئے کہ بیان گواہان سے معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور حسب قاعدہ رواج نکاح ہوا اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہوا ہے تو اجازت ہندہ کی بعد نکاح کے ثابت ہے اس لئے کہ جلسہ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہونا اور ہندہ کا اجازت دینا، نکاح پڑھوانے کی یہ دلیل اس امر کی کافی ہے کہ ہندہ کو علم نکاح کا ہوا اور بعد نکاح کے ہندہ کا بمکان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل اجازت ہندہ بعد نکاح کے ہے، اور برائے اجازت یہ ضروری نہیں ہے کہ اجازت قول سے ہی ہو بلکہ فعل سے بھی اجازت ہونا کافی ہے وہ یہاں متحقق ہے لہذا نکاح صحیح و شرعی زید کے ہندہ کا ہو جانا یقینی ہے۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویثبت الاجازۃ لنکاح الفضولی بالقول و | فضولی کے نکاح کی اجازت قول اور فعل سے ثابت (باقی برصفحہ آئندہ)

کی نقل بھی حاضر کی جاتی ہے، اب علمائے محققین سے عرض ہے کہ آیا تجویز مفتی صاحب دیوانی صحیح ہے یا استفتاء۔ اور جزئیات فقہ کس رائے کے مثبت ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ گواہان مذکور سے مسماۃ وحیدی بیگم کا کوئی بھی رشتہ نہیں ہے جس سے کہ مابین گواہان مذکورین وحیدی بیگم کا نکاح ناجائز ہو پس گواہان مذکور ذی رحم محرم نہ ہونے کے باوجود اپنا بے پردہ ہونا بیان کرنا موجب فسق ہے یا نہیں؟ فاسق کی شہادت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، فیصلہ جناب مفتی صاحب واظہار ہر شش گواہ مدعی کی باضابطہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **الفعل کذافی البحر الرائق**[1] **انتھی بقدر الحاجۃ ھذہ صورۃ الجواب، واللہ تعالٰی اعلم۔**

ہو جاتی ہے، ایسے ہی بحر الرائق میں ہے اھ بقدر حاجت یہ جواب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۹۹

نقلیں اور فتوائے رامپور ملاحظہ ہوئے تفصیل موجب تطویل اور فرصت قلیل اور سائل کو تعجیل، لہٰذا اجمالاً مدارک عالیہ فقہیہ کی طرف اشارت کریں و باللہ التوفیق، فتوائے رام پور محض باطل و بے شعور، عقل و نقل دونوں سے دور، اور حکم مفتی صاحب کہ دعوی نامسموع ضرور صحیح اور طریق حکم میں مسلک صحیح کی یہ تصریح۔ مدعی نے چھ گواہ پیش کئے:

(ا) عنایت احمد ولد عبدالرحیم خاں جس کی شہادت ہے کہ ۸/جون میں مظہر نے چند امدعی حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ پڑھایا۔ ذی علم مجوز نے ایک اسی گواہ کی تعدیل فرمائی ہے کہ بہت اچھے نہایت عمدہ آدمی ہیں باقی سب کو مستور لکھا ہے جو ان کی اصطلاح میں فاسق بلکہ کافر کو شامل، یہ گواہ کتناہی عمدہ ثقہ ہو مگر اپنے فعل پر گواہی دے رہا ہے کہ میں نے پڑھایا، لہٰذا اس کی شہادت مسموع نہیں، البتہ صرف نکاح ہونے کی گواہی دیتا اور اپنا نکاح پڑھانا نہ بیان کرتا تو سنی جاتی۔ فتاوٰی خانیہ و فتاوٰی عالمگیریہ و خزانۃ المفتین میں ہے:

اذا ادعت امرأۃ علی ورثۃ الزوج مھرھا فانکرت الورثۃ نکاحھا وکان الشاھد تولی تزویجھا قال یشھد علی النکاح ولا یذکر العقد عن نفسہ[1]۔	جب عورت نے خاوند کے ورثاء پر اپنے مہر کا دعوی کیا تو ورثاء نے اس کے نکاح کا انکار کردیا ہو جبکہ اس عورت کے نکاح کا گواہ خود اس کے نکاح کا ولی تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ گواہ نکاح کی شہادت دے اور یہ ذکر نہ کرے کہ میں نے اسکا نکاح پڑھا ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ و ہندیہ و خزانۃ المفتین میں ہے:

ان رجلا حلف بطلاق امرأتہ ثلثا ان ضرب ھذین الرجلین فضربھما وسعھما ان یشھدا علیہ بطلاق امرأتہ ثلثا ولا یخبران کیف کان وان اخبرا لاتقبل شھادتھما کذا فی التاتارخانیۃ[2]۔	اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ اگر میں ان دو مردوں کو ماروں تو میری بیوی کو تین طلاق تو اس نے دونوں کو مارا تو ان دونوں مردوں کو جائز ہے کہ وہ اس شخص پر بیوی کی تین طلاقوں کی شہادت دیں اور یہ نہ بتائیں کہ طلاق کیسے ہوئی، اور اگر طلاق کی وجہ بتائی تو شہادت قبول نہ ہوگی۔ تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الشہادات الباب الرابع، الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الشہادات الباب الرابع، الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

فتاوٰی بزازیہ وعالمگیریہ میں ہے:

شھدا علی رجل انہ قال ان مسست جسدکما فامرأتہ کذا اوعبدہ حر و مس جسدنا لاتقبل ولو شھدانہ قال ان مسست ثیابکما وفعل تقبل وفی فتاوی القاضی لواراد الشھود ان یشھدوا فی ھذہ المسائل یشھدون بالطلاق والعتاق مطلقًا بلا بیان السبب[1]۔	دو گواہوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں شخص نے کہا تھا کہ اگر میں تم دونوں کے جسم کو مس کروں تو میری بیوی کو طلاق یا میرا عبد آزاد ہے جبکہ اس شخص نے ہمارے جسم کو مس کرلیا ہے تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی، اور اگر گواہوں نے اپنے جسم کے بجائے کپڑوں کا ذکر کرتے ہوئے شہادت دی اور کہا اس نے ایسا کرلیا ہے تو شہادت مقبول ہوگی، اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ اگر گواہ حضرات ان مسائل میں گواہی دینا چاہیں تو سبب بیان کئے بغیر مطلقًا طلاق وعتاق کی شہادت دیں۔ (ت)

(۲) یسین خاں ولد قسیم خاں یہ کہتا ہے عرصہ تخمینًا سات یا ساڑھے سات ماہ کا ہوا کہ مظہر چندا ولد کلن مدعی حاضر عدالت کے مکان پر گئے وحیدی بنت قمرالدین خاں نے زور سے آواز دی کہ چنداولد کلن سے میرا نکاح پڑھوادو وحیدی نے گواہان کو اجازت دی گواہان نے نکاح پڑھوادیا فیصلہ میں اس پر ایک اعتراض یہ فرمایا ہے کہ اس نے گواہوں کے نام ظاہر نہیں کئے کہ کس کو اجازت دی، مگر شہادت بالنکاح بیان نام مزوج ووکیل وشہود کی محتاج نہیں ایک یہ اعتراض ہے کہ وحیدی کی اجازت بذریعہ سماع آواز بیان کرتا ہے اور خود کہتا ہے کہ اندر اور عورتیں بھی تھیں، اس سے ثبوت توکیل میں خلل آیا نہ نفس انعقاد وعقد میں کہ بذریعہ فضولی بھی ممکن۔ ہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ چندا کی ولدیت غلط بیان کی، واقعہ اگر عبدالکریم کا عرف کلن نہ ہو تو یہ بھاری اعتراض ہے اور کچھ نہ ہو تو اس کی شہادت میں ذکر زوج مجمل ہے گواہان نے نکاح پڑھوادیا، کس سے پڑھوادیا اسی سے جس کی نسبت وحیدی نے اجازت دی تھی یا دوسرے سے، شہادت میں ایسی محتمل بات نہیں لی جاتی،

کما یشھد بہ من شاھد کلمات العلماء فی باب خلل المحاضر والسجلات وغیر ذلک۔	جیسا کہ علمائے کرام کے مقالموں اور کاغذی ریکارڈ وغیرہ میں خلل سے متعلق کلام کا مشاہدہ کرنے والا گواہی دے گا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوی بزازیہ کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

نیز اس کی شہادت میں ایک اور خلل بھی ہے جس کا بیان آگے آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

(۳) غلام صمدانی خاں ولد صاحبزادہ افتخار علی خان فیصلہ کہ اس پر یہ اعتراض ہیں اس نے وحیدی کا کوئی لفظ کہنا بیان نہ کیا نہ وکیل کا ذکر کیا۔ یہ وہی بات ہے کہ اس سے توکیل بے ثبوت ہوگی نہ کہ نفس انعقاد۔ اس شہادت میں پورا خلل یہ ہے کہ چندا مدعی حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا قمر الدین خاں شاید وحیدی کے باپ ہیں ان کا نام ہے، اس شاید نے مشہود علیہا کو مشکوک و محتمل و مجہول کردیا۔ شہادت و شاہد میں بین تنافی ہے۔

(۴) احسان الحق ولد غلام سرور، اس کا بیان ہے کہ عرصہ سات یا ساڑھے سات ماہ کا ہوا کہ چندا ولد کریم اللہ کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا، وحیدی نے مظہر کو اپنے نفس کا اختیار دیا اور اشتیاق احمد کو کہ میرا نکاح پڑھوا دو، مظہر نے چندا کے ساتھ پڑھوا دیا۔ غلام سرور وکیل سے مظہر نے کہہ دیا اور غلام سرور نے خود سن لیا، وکیل اور گواہان کے کہنے کے بموجب قاضی نے نکاح پڑھا دیا۔ نکاح ملحق بالافعال ہے کہ بے فعل تمام نہیں ہوتا تو اس میں اختلاف زمانہ مسقط شہادت ہے اور ایسی جگہ قول مردود مثلاً سات یا ساڑھے سات مقبول نہیں۔ عالمگیریہ وخانیہ وغیرہما میں ہے:

ان کان المشہود بہ قولا لایتم الا بفعل کالنکاح واختلف الشہود فی المکان او الزمان او فی الانشاء والاقرار لاتقبل شہادتہم[1]۔	جس چیز کی گواہی دی جارہی ہے وہ ایسا قول ہو جو فعل و عمل سے تام ہو جیسے نکاح وغیرہ اور گواہوں کا مکان یا زمان یا انشاء اور اقرار میں اختلاف ہو توان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

عالمگیریہ وذخیرہ میں ہے:

اذا ادعی دہ دوازدہ درھم لا تسمع دعواہ وکذٰلک اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ہذہ الوجہ بان قال ایں عین ملک من ست ازدہ دوازدہ سال فانہ لاتسمع دعواہ وکذٰلک اذا ذکر الشہود التاریخ فی شہادتہم علی ہذا	جب دعوی دس بارہ درہم کا کرے تو وہ قابل سماعت نہ ہوگا اور یوں ہی اگر دعوی میں تاریخ کو اس طرح ذکر کرے مثلاً یوں کہے یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملک ہے تو بھی دعوی مسموع نہ ہوگا، اور یونہی اگر گواہوں نے شہادت میں مہینہ اور تاریخ کو اس طرح ذکر کیا

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

الوجه لاتقبل شهادتهم [1]۔	توان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔(ت)

اس کی رد شہادت کی ایک وجہ وہ ہے جو شہادت یسین خاں میں بھی تھی دوسری اور بھاری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو وکیل بالنکاح بتاتا اور اپنے فعل سے کار نکاح تمامی کو پہنچنا بیان کرتا ہے ایسی شہادت مردود ہے۔خلاصہ میں ہے:

الوکیلان بالنکاح اوالخلع اذاشهدا باثبات ذلك النکاح او ذلك الخلع لاتقبل [2]۔	نکاح یا خلع کے دو وکیل اگر اس نکاح یا خلع کے اثبات میں شہادت دیں تو مقبول نہ ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

رجلان شهدا علی رجل انه قال لهما ان مسست جسدکما فعبدی هذا حرفشهدا انه مس جسدهما لایقبل لانهما شهدافی امرتم بهما بخلاف شهدا انه قال ان مسست ثیابکما وقدمس انه یقبل ویعتق الغلام لان الثیاب غیرهما [3]۔	دو مردوں نے ایک شخص کے متعلق گواہی دی کہ اس نے کہا تھا اگر میں تمہارے جسم کو چھولوں تو میرا غلام آزاد ہے،اور پھر شہادت دی کہ اس نے ہمارے جسم کو مس کیا ہے تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے ایسی چیز کی شہادت دی ہے جس کا اتمام خود ان سے ہوا ہے۔بخلاف جب جسم کی بجائے اپنے کپڑوں کو چھونے کا ذکر کریں اور پھر اس کے مس کرلینے پر شہادت دیں تو مقبول ہوگی اور غلام آزاد قرار پائے گا کیونکہ ان کے کپڑے ان کا غیر ہیں۔(ت)

(۵) اشتیاق احمد ولد کریم اللہ برادر مدعی،اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں عرصہ تخمیناً ساڑھے سات ماہ کا ہوا قمر الدین کی بیٹی وحیدی اس کا نام اس کا نکاح چندا ولد کریم اللہ کے ساتھ ہوا وحیدی نے مجھ سے اور احسان الحق سے کہا میں نکاح چندا کے ساتھ کرتی ہوں میرا نکاح کرادو میں اجازت دیتی ہوں،حافظ غلام سرور نے نکاح پڑھوایا ہمارے دو گواہیوں کے ساتھ،اس کے بیان میں یہ جملہ کہ قمر الدین کی بیٹی وحیدی اس کا نام مستقل جملہ ہے جس نے مابعد کے بیان نکاح کو اس

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۶۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۷۰

لفظ سے کہ گواہی دیتا ہوں، الگ کر دیا کہ وہ بلا عطف مستقل جملہ منفعلہ ہے کہ اس کا نکاح الخ ہاں اگر یوں ہوتا کہ گواہی دیتا ہوں کہ اتنا عرصہ ہوا کہ قمر الدین کی بیٹی کا جس کا نام وحیدی ہے چندا سے نکاح ہوا تو یہ جملہ گواہی دیتا ہوں کے تحت میں ہوتا اب محتمل رہ گیا کہ اس نے سب سے اشد و اعظم حلف گواہی دیتا ہوں صرف اتنے جملہ کی نسبت کہا کہ قمر الدین کی بیٹی کا وحیدی نام ہے، باقی بیان اس حلف اعظم سے جدا رکھا تو یہ نکاح پر شہادت نہ ہوئی، محتمل بیان شہادت میں نہیں لیا جاتا فیصلہ نے ان دونوں شہادتوں پر اختلاف سے اعتراض فرمایا کہ احسان الحق کہتا ہے میں نے نکاح پڑھوادیا، اشتیاق احمد کہتا ہے غلام سرور نے پڑھوادیا یہ کوئی اختلاف نہیں نکاح پڑھایا یعنی خود متولی عقد ہوا اور پڑھوایا یعنی دوسرے سے اور اس میں واسطہ وواسطہ در واسطہ سب یکساں ہیں، وحیدی نے ان دونوں سے کہا ان دونوں نے غلام سرور سے کہا غلام سرور نے نکاح خواں سے کہا تو نکاح خواں نے پڑھایا اور ان سب نے پڑھوایا، ہاں ان کے بیانوں میں اور اختلافات ہیں، احسان الحق کہتا ہے وحیدی نکاح سے اول بھی جایا آیا کرتی تھیں۔ اشتیاق احمد کہتا ہے اس سے اول نہیں آئی گئی تھیں، احسان الحق کہتا ہے نکاح خواں نے آواز دے کر دریافت کیا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے، آواز آئی کہ بیوہ ہے، اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے اندر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا احسان اللہ کہتا ہے قاضی صاحب میرے بعد آئے تھے اشتیاق احمد کہتا ہے احسان الحق دس سے اول نہیں آئے تھے قاضی صاحب قریب دس بجے تشریف لائے تھے ہم نے ایسے زوائد پر التفات نہ کیا، فیصلہ نے دوسرا اعتراض یہ فرمایا کہ یہ دونوں وکیل بالنکاح ہیں اور وکیل بالنکاح کی شہادت ناجائز مطلقاً ناجائز نہیں، خلاصہ میں بعد عبارت مذکورہ اوّلاً ہے:

اما اذاشهد الوكيلان بالبيع انه ملك المشتری او شهد الوكيلان بالنكاح انها منكوحته يقبل فی الاجناس[1]۔	لیکن اگر بیع کے دو وکیلوں نے یہ شہادت دی کہ اس چیز کا خریدار مالک بن گیا ہے یا نکاح کے دو وکیلوں نے یہ شہادت کہ بطور فلاں کی منکوحہ ہے تو شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

بلکہ اس اعتراض کی تحقیق وہ ہے جو شاہد چہارم میں ہم نے ذکر کی۔ وکلائے نکاح کی ایسی گواہیاں ضرور مردود ہیں۔

(٦) سجاد علی خاں ولد منور علی خاں، اس کا بیان متناقض ہے کہتا ہے وحیدی نے اپنے نفس کا اختیار گواہوں کو دیا، گواہ چوکھٹ پر تھے وکیل چوکھٹ کے اندر تھا، جو الفاظ وحیدی نے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ٦٩

گواہان سے کہے مظہر کو یاد نہیں وہ الفاظ مظہر نے سنے بھی نہیں، پہلا فقرہ توکیل پر شہادت ہے اور پچھلا اس شہادت سے صاف برائت، نیز کہتا ہے وحیدی اور چندا کا رسم تھا اسی وجہ سے چندا مدعی کے مکان پر نکاح ہوا یہ ان کے مکان میں جاتے تھے وہ ان کے مکان میں آتے تھے اس سے اول وحیدی کے آنے جانے کا حال مجھ کو معلوم نہیں، اس گواہ کو نہیں معلوم ہوتا کہ ابھی کیا کہہ چکا تھا اور اب کیا کہتا ہے، ایسے مغفل کی کیا شہادت، اور ہوتی بھی تو وہ تنہا تھا ایک کی شہادت ان حقوق میں مسموع نہیں، فیصلہ نے اسی گواہ اور نکاح خواں عنایت احمد کی شہادتوں پر نکاح فضولی منعقد ہونا تسلیم فرمایا ہے اور ازاں کہ وحیدی کی اجازت درکنار اسے نفس نکاح سے انکار ہے، فرمایا پس یہ نکاح شرعا باطل ہے، ہم ان دونوں شہادتوں کا حال بیان کرآئے تو ہرگز نکاح فضولی بھی ثابت نہیں اور بالفرض ثابت ہوتا تو نکاح فضولی ہرگز باطل نہیں بلکہ منعقد موقوف علی الاجازۃ ہوتا ہے وحیدی کا اس وقت نفس نکاح سے انکار بعد نکاح اجازت قولی یا فعلی کا کب مبطل ہو سکتا ہے ممکن کہ اس وقت سن کر جائز کیا ہو اب کسی نااتفاقی کے باعث سرے سے وقوع نکاح کی منکر ہو گئی تو دعوی نکاح ثابت کرنا تھا اور اجازت وحیدی کا مدعی سے ثبوت مانگنا کہ حق ظاہر ہو اور ہوا ہے تو حقدار کو پہنچے کہ قاضی کا نصب اسی ایصال حقوق وابطال عقوق کے لئے ہوتا ہے مگر ہم ثابت کرآئے کہ اصلاً وقوع نکاح ہی ثابت نہیں، نہ اصیل سے نہ وکیل سے نہ فضولی سے، نکاح خواں کا رجسٹر کوئی چیز نہیں، حروف صامت ہیں جن کی زبان ناطق وہی نکاح خواں جس کی شہادت یہاں اصلاً مسموع نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولا یعمل به فلا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیه خطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لایقضی الابالحجة وهی البینة اوالاقرار و النکول کمافی وقف الخانیة [1] ۔	لکھائی اور خط پر نہ اعتماد ہوگا نہ عمل، تو ماضی کے دور کے قاضی حضرات کے مکتوب وقف پر اب عمل نہ ہوگا کیونکہ کوئی قاضی حجت کے بغیر فیصلہ نہیں دے سکتا بلکہ حجت صرف گواہی، اقرار یا قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کے وقف میں ہے۔ (ت)

یہیں فتوائے رام پور کا بطلان واضح ہوا **اولاً:** اس نے انہیں نامقبول و نامسموع شہادتوں پر بنا کی کہ بیانات گواہان سے ثابت ہوتا ہے کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور حسب قاعدہ ورواج

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

نکاح ہوا حالانکہ ہونے پر اصلاً ایک شہادت معتمدہ بھی نہیں جیسا کہ اوپر مفصلاً معلوم ہوا۔

ثانیاً: خود سمجھا کہ صرف اتنی بات دعوی مدعی مطالبہ رخصت کا اثبات نہ کرے گی لہذا اس میں یہ پیوند لگایا کہ اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہوا تو اجازت ہندہ بعد نکاح ثابت ہے اجازت کے لئے دو امر درکار تھے عورت کو اطلاع ہونا اور اس کا جائز رکھنا اول کے ثبوت کو یہ بے معنی دلیل گھڑی کہ اس لئے کہ جلسہ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہونا اور ہندہ کا اجازت دینا نکاح پڑھوانے کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علم نکاح ہوا یہ اس پر موقوف ہے کہ ہندہ کا وہاں ہونا ثابت ہو کہ کثیر لوگ نکاح کے لئے جمع ہونے سے اس کی اطلاع پر استدلال کیا جائے یہاں سرے سے جلسہ نکاح کا انعقاد ہی ثابت نہیں کہ شہادتیں سب مختل و مہمل ہیں۔

ثالثاً: نکاح خواں کہتا ہے نکاح میں ۱۵ یا ۲۰ آدمی سے کم نہ تھے، اشتیاق احمد کہتا ہے جلسہ نکاح میں ۲۵ یا ۳۰ آدمی ہوں گے، احسان الحق بھی یہی کہتا اور لفظ اندازاً اور اضافہ کرتا ہے، اسی طرح یسین خاں تخمیناً کہتا ہے، قطع نظر اس سے کہ یہ شہادتیں شرعاً مردود ہیں، ۱۵، ۲۰ یا ۲۵، ۳۰ کیا ایسا کثیر مجمع ہے جس کی اطلاع گھر کے اندر پہنچنی ضرور ہے خصوصاً اس حالت مس کہ نکاح خوان کہہ رہا ہے کسی عورت سے دریافت کا قاعدہ نہیں گواہان کے اعتبار پر نکاح پڑھوادیا، کسی عورت سے کچھ دریافت نہ کیا۔ غلام صمدانی کہتا ہے نکاح رات کے ساڑھے دس بجے ہوا تھا جلسہ نکاح میں مظہر نو بجے پہنچا تھا، قاضی صاحب میرے سامنے آئے تھے، قاضی جی نے میرے سامنے عورتوں سے کچھ نہیں پوچھا، اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے گواہوں سے دریافت کیا تھا انہوں نے کہا بیوہ ہیں اندر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا صرف ایک احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح خواں نے ہم سے بھی دریافت کیا اور آواز دے کر دریافت کیا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے آواز آئی کہ بیوہ ہے یہ مستوران ثقہ نہایت عمدہ آدمی کی تکذیب کرتا ہے اور نہ سہی تو اکیلا ہے اور نہ سہی تو آواز آئی سے کیا ثابت ہوا اور اس سے کیونکر معلوم ہوا کہ وحیدی کو اطلاع ہوئی۔

رابعاً: اطلاع درکنار سرے سے وحیدی کا اس مکان میں ہونا ہی ثابت نہیں اس کا وہاں آنا ایک تو احسان الحق و اشتیاق احمد نے بیان کیا یہ دونوں اپنے لئے مدعی تو کیل ہیں ان کو تو اس کے بیان کی ضرورت ہی لاحق تھی مگر کسی وکیل کا ادعائے وکالت بحال انکار موکل مسموع نہیں ہوسکتا۔ باطل ست انچہ مدعی گوید (مدعی جو کچھ کہتا ہے باطل ہے۔ت) یسین خاں کہتا ہے وحیدی نے زور سے آواز دی کہ میرا نکاح پڑھوادو۔ یہ اس کی تراش باقی سب گواہوں سے

جدا ہے پھر خود کہتا ہے کو ٹھی میں اور بھی عورتیں تھیں اس نے تو آواز کا دروازہ بند کیا آگے کہتا ہے یہ نہیں بتا سکتا کہ کوٹھی میں کون کون عورتیں تھیں یہاں سے اس علم کا بھی سد باب ہوا کہ وحیدی تھی کیونکہ اس کا وہاں موجود ہونا جانا لاجرم سنی سنائی کسی کی بتائی یا محض جزافاً اڑائی۔ سجاد علی خاں صاف تر کہتا ہے کہ وحیدی پردہ نشین ہے مظہر سے پردہ ہے وحیدی کوٹھڑی میں تھی اول تو یہی نہیں معلوم کہ کہاں کی کوٹھری میں تھی پھر یہ کیونکر جانا کہ وہاں تھی یہی گواہ توکیل گواہان پر شہادت بھی دے رہا ہے اور اسی منہ میں کہتا ہے کہ میں نے وہ الفاظ سنے تک نہیں تو جس طرح کسی کی تعلیم سے توکیل پر گواہی دے دی یونہی وہاں وحیدی کے ہونے کے۔ کیا ایسے مہمل و بے سروپا بیانوں سے عورت کا وہاں موجود ہونا ثابت ہو سکتا ہے حاشا۔

خامسًا: طرفہ تر فتوی کا یہ قول ہے کہ ہندہ کا اجازت دینا نکاح کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علم ہوا اجازت دینے کا حال تو اوپر معلوم ہوا کہ دو مدعیان توکیلی اور تیسری اس غیبی آواز پر شہادت اور چوتھی میں آواز تک نہیں یونہی ایمان بالغیب کے سوا کہیں اس کا پتہ نہیں، مگر لطف یہ ہے کہ جب ہندہ کا قبل عقد اجازت نکاح دینا ثابت ہے تو نکاح فضولی کب رہا جس کے لئے اجازت فعلی گھڑنے کو آپ یہ درد سر اٹھا رہے ہیں۔ **سبحان اللہ!** خود نکاح کی اجازت دینا مانئے اور اس سے صرف اتنا نتیجہ نکالئے کہ اسے نکاح کی خبر ہوئی، رہی اجازت وہ آگے فعل سے ہو رہے گی ایسے اجتماع ہوش و حواس کی حالت میں افتاد تصدیقات کی تکلیف اٹھانی نہ تھی مگر ہے یہ کہ خود سمجھا کہ جلسہ کا انعقاد اور آدمیوں کا اجتماع ہندہ کی اطلاع کو کافی نہیں، ناچار اجازت کا شقشقہ بڑھایا اگرچہ اس نے ساری تقریر کو عقل سے بیگانہ کر دکھایا۔

سادسًا: اب دعوی کے دوسرے شق کا ثبوت دینے کی طرف توجہ ہوئی کہ بعد نکاح ہندہ کا بمکان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل اجازت ہندہ بعد نکاح ہے لہٰذا نکاح صحیح شرعی زید کے ساتھ ہندہ کا ہو جانا یقینی ہے، ہم بیان کر آئے کہ وحیدی کا وہاں جانا ہی ثابت نہیں نہ کہ دو ایک روز رہنا۔ اس شگوفے کا ذکر ان دو مدعیان وکالت کے سوا کسی کے بیان میں نہیں۔ یسین خاں نے اتنا کہا ہے کہ ہم نکاح کے بعد مدعی کے مکان پر وحیدی کو چھوڑ آئے تھے اس سے رہنا ثابت نہیں ہوتا، ہاں احسان الحق نے کہا ہے کہ بعد نکاح ایک آدھ روز وہاں رہی پھر اپنی والدہ کے گھر چلی آئی، اشتیاق احمد نے ایک یا ڈیڑھ دن اور بڑھایا کہ بعد نکاح کے ایک دو دن اسی مکان میں رہی، ظاہر ہے کہ رہنا وہاں ہونے کی فرع ہے اور وہاں ہونے کا اظہار یہ اپنے دعوی وکالت و گواہی نکاح کے لئے کر رہے ہیں جس میں وہ متہم ہیں۔

سابعًا: خود احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح ہونے کے بعد سب چلے گئے اس کے بعد دو ایک یا ایک آدھ روز وحیدی کے وہاں رہنے کا علم اسے کیونکر ہوا اپنا معاینہ بیان نہیں کرتا، نہ یہ ان مواقع میں ہے جن میں سماع پر شہادت روا ہو تو بیان بے ثبوت ہے یہی حال اشتیاق احمد کا ہے اگر وہ چندا ہی کے مکان میں نہ رہتا ہو۔

ثامنًا: اگر نکاح فضولی وحیدی کے مکان پر ہوتا اور وہ بعد علم نکاح حسب دستور رخصت ہو کر چندا کے یہاں جاتی تو یہ ضرور اجازت فعلی کی حد میں آسکتا، یہاں تو یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ نکاح چندا ہی کے مکان پر ہوا اور وحیدی کو اطلاع کا کوئی ثبوت نہیں معدود اشخاص کا باہر جمع ہونا اور اندر سے کچھ دریافت کرنا کیا موجب اطلاع زناں سے ہے اسی زخم نا مندمل کے بھرنے کو فتوائے رامپور نے وہ فقرہ اضافہ کیا جس نے اس فتوے کو نقل کے ساتھ عقل سے بھی بعید کردیا اور جب اس وقت اطلاع نہ ہوئی بعد نکاح معًا ہونی کیا ضرور، اور اس کا کیا ثبوت۔ ممکن کہ ایک آدھ یا دو ایک روز کے بعد ہی اسے خبر دی ہو جس پر وہ فورًا اپنی ماں کے یہاں چلی گئی۔

تاسعًا: منصب استحقاق سخت دشوار ہے اس میں شاید ولعل سے کام نہیں چلتا بلکہ احتمال دافع استحقاق و قاطع استدلال۔ شہادت میں کہاں ہے کہ یہ رہنا بالاختیار تھا ممکن کہ مجبورًا بطور حبس رہی ہو اگرچہ اسی قدر کہ وہ پردہ نشین تھی اور سواری نہ ملنے دی۔

عاشرًا: بالفرض باختیار ہی رہی مگر لڑنے جھگڑنے میں وقت گزارا اور چلی آئی اور اپنے نفس پر قدرت نہ دی تو اجازت فعلی کس گھر سے آئیگی، وہ پانچ ادعاء اطلاع پر تھے یہ پانچ اجازت پر "تلک عشرۃ کاملۃ" جن سے آفتاب کی طرح واضح ہوگیا کہ یہاں وحیدی کی طرف سے اجازت فعلی ماننا محض سفسطہ ہے اور وہ بھی اس جوش کے ساتھ کہ نکاح صحیح شرعی ہوجانا یقینی **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**۔ اسی لئے سوال میں یہ لفظ اضافہ کیا کہ ہندہ زید کے یہاں بعد نکاح حسب رواج زمانہ رہی مگر اس لفظ حسب رواج زمانہ کا ان بیچارے دونوں مدعیان توکیل کے بیان میں بھی پتہ نہیں حتی المقدور اجازت فعلی بنانے کے لئے از پیش خویش اضافہ ہوا ہے، ناراض ہونے کی بات نہیں، اسلامی خیر خواہی کے لئے عرض ہے کہ اتنے علم و عقل والوں کو امور شرعیہ میں دخل دینا، فتوٰی لکھوانا، تصدیق کرنا شرعًا حرام حرام حرام سخت کبیرہ ہے۔ ابن عساکر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السماء والارض[1]۔ **والعیاذ باللّٰہ تعالٰی**	جس نے بغیر علم کے فتوٰی دیا اس پر آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت۔ (ت)

[1] الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷، کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

احسان الحق و اشتیاق احمد کا وحیدی سے پردہ نہ ہونا جبکہ سامنے آنا بے ستری کے طور پر ہو مثلاً سر کے بال یا گلے یا پیٹ یا بازو یا کلائی کا کوئی حصہ کھلا ہو یا باریک کپڑے پہنے جن سے بدن چمکے اور یہ اس پر راضی ہوں، مانع نہ ہوں نگاہ پھیر نہ لیتے ہوں، ضرور ان کے لئے بھی موجب فسق ہے ورنہ نہیں عالمگیریہ میں ہے:

یقبل تعدیل المرأة لزوجها وغیرہ اذا کانت امرأة برزة تخالط الناس وتعاملهم کذا فی محیط السرخسی[1]۔	عورت کا اپنے خاوند کو عادل قرار دینا مقبول ہوگا جبکہ یہ عورت باہر نکل کر لوگوں میں اختلاط اور ان سے معاملات کرتی ہو، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے:

النظرة الاولٰی لك والثانیة علیك[2]۔	پہلی نگاہ تجھے معاف ہے اور دوسری نگاہ پر تجھ پر گناہ ہے۔ (ت)

کلام کریم میں ہے:

لاتزر وازرة وزر اخری[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳: از علی گڑھ مدرسۃ العلوم مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات ومحمد نصرت شیر خان محرر دینیات ۱۹/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ محترمہ کی مالک میں ایک کھیت تھا اس کا فروخت کر دیا اس کے روپے سے ایک مکان خرید نے کا ارادہ کیا جب مکان تجویز ہوگیا اور قیمت کا معاملہ بائع سے طے ہوگیا اس وقت زید نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ اس مکان کا بیعنامہ آپ کے نام کرادوں یا جس کے نام ارشاد فرمائیں زید کی والدہ کے بجز زید کے اور کوئی فرزند و دختر نہ تھی اس وجہ سے زید کی والدہ نے فرمایا کہ تو ہی اپنے نام کرالے چنانچہ زید نے بموجب حکم اپنی والدہ کے اپنے نام مکان کا بیعنامہ کرالیا اور اس بیعنامہ کو عرصہ چالیس سال کا تخمیناً ہوا ہے اس وقت زید کی زوجہ اولٰی مع بعض اولاد کے موجود تھی اس مکان کے خریدنے کے پہلے اور بعد کو بھی زید نے چند جگہ اپنے خاندان میں کسی عورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۸

[2] شرح معانی الآثار کتاب النکاح باب حلۃ النظر قبل التزوج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۶۴

سے عقد ثانی کا ارادہ بزمانہ حیات اپنی ولادہ اور زوجہ کے پختہ طور سے کرلیا اور دونوں کو اس کا علم قطعی طور سے ہوا لیکن اس پر بھی زید کی والدہ نے زید سے یہ نہیں فرمایا کہ تو اس مکان کو اپنی زوجہ یا اپنی اولاد کے نام منتقل کردے بلکہ زید کی ماں نے اسی مکان میں سالہاسال تک سکونت فرماکر وفات پائی آخر دم تک کوئی بات اس مکان کی نسبت نہیں فرمائی، زید نے بعد وفات اپنی وجہ اولٰی کے تخمیناً عرصہ بیس سال کا ہوا ایک عورت سے نکاح کرلیا یہ اس مکان کو جس کو اس کی والدہ مرحومہ نے زید کے نام کرادیا تھا اسے زوجہ ثانیہ کے مہر میں دینا چاہتا ہے اور ایک دوسرا مکان جو اس مکان کے محاذ میں زید نے خریدا ہے اس کو اپنی زوجہ اولٰی متوفیہ کے اولاد کو تبرعًا دینا چاہتا ہے اس حالت میں زید کی بڑی لڑکی خالدہ یہ دعوی کرتی ہے کہ جس مکان کو آپ مہر میں ہماری مادر صاحبہ کے دینا چاہتے ہیں وہ مکان ہماری والدہ مرحومہ کا اور ہمارا ہے کیونکہ ہماری دادی صاحبہ مرحومہ کی دلی نیت یہ تھی ہماری والدہ صاحبہ اور ہم آپ کے ساتھ اس مکان میں رہیں اور ہماری دادی صاحبہ نے آپ کا نام بیعنامہ میں فرضی طور پر کرادیا تھا۔

دوسرا دعوی خالدہ کا یہ ہے کہ جب یہ مکان خریدا گیا تو صرف اس میں ایک کوٹھا بہت نیچا تھا اس کو آپ نے اونچا کرایا اور اس کے آگے سہ دری مرتب کرائی اور دروازہ مسقف بنوایا اور باسٹھ گز زمین پچاس روپے کو خرید کر آپ نے اس مکان میں شام کی یہ سب روپیہ آپ نے ہماری والدہ سے لیا اور وہ سب روپیہ ہماری والدہ کا تھا کیونکہ جس قدر روپیہ آپ اپنی چالیس روپے کی تنخواہ میں سے بچا کر ماں بماہ ہم کو روانہ کرتے تھے وہ ہماری والدہ کے نان و نفقہ اور ہمارے اخراجات کا تھا علاوہ بریں ہماری والدہ صاحب مع ہمارے دوسرے تیسرے سال نانی صاحبہ کے گھر جاتی تھیں اور وہاں دو دو مہینے یا تین تین مہینے رہنا ہوتا تھا اور ہمارا سب کا کھانا نانی صاحبہ کے ذمہ ہوتا تھا اس عرصہ میں جس قدر روپیہ ماہواری آپ روانہ کرتے تھے وہ بچتا تھا وہ سب روپیہ ہماری والدی کا اور ہمارا تھا اس کے سوا ہمارے نانا صاحب کے مرید اور شاگرد نانا صاحب کے مکان پر آتے تھے وہ ہماری والدہ صاحبہ یا ہم کو کچھ روپیہ دیتے تھے وہ ہماری والدہ صاحب ہ کا اور ہمارا ہوتا تھا۔

زید خالدہ کے اول دعوی ملکیت مکان کا یہ جواب دیتا ہے کہ اصل مکان جبکہ میری والدہ مرحومہ نے اپنی ذاتی رضامندی سے میرے نام کرادیا تو اس کے بعد یہ کہنا سراسر فضول ہے کہ ان کی دلی نیت تمہاری ملک میں دینے کی نہ تھی اور آپ کا نام فرض تھا کیونکہ بیع وشراء میں باعتبار شریعت کے دلی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ ظاہری الفاظ یا تحریر کا اعتبار ہوتا ہے، اور زید خالدہ کے دوسرے دعوی ملکیت روپے کا یہ جواب دیتا ہے کہ جو کچھ تمہاری والدہ کے پاس پس انداز روپیہ تھا وہ میری ہی

کمائی کا روپیہ تھا اور جس وقت میں نے تمہاری والدہ سے زمین کے خریدنے اور دکان کے مول لینے کو یا مرمت مکان کو یادرمیانی دیوار بنانے کو روپیہ طلب کیا اس مرحومہ نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ اس وقت آپ کا ذاتی روپیہ تو میرے پاس نہیں، ہاں میرا ذاتی روپیہ موجود ہے یا کسی کی امانت میرے پاس رکھی ہے اس وقت آپ لے کر اپنا کام چلالیں بعد کو بتدریج ادا کر دیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ روپیہ میری کمائی کا پس انداز تھا جو میں نے اس مرحومہ سے لیا۔

دوسرا جواب شرعی طور پر یہ ہے کہ اس مرحومہ نے مرتے دم تک اس روپے کانسبت کبھی یہ نہیں کہا کہ جو روپیہ آپ نے فلاں فلاں وقت مجھ سے لے کر مکان میں لگایا تھا وہ میرا ذاتی روپیہ تھا اس کو آپ نے مجھ کو واپس نہیں دیا اب آپ اس روپے کو میری طرف سے کسی مدرسہ اسلامیہ یا مسجد یا کسی اور کار خیر میں لگادیں تاکہ مجھ کو اس کا ثواب پہنچتا رہے، اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو روپیہ میں اس سے لیا میرا ہی مملوک تھا۔

اور تیسرا جواب زید کا یہ ہے کہ اگر بفرض محال یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ انہوں نے اپنا مملوک ہی روپیہ مجھ کو دیا تھا جب کہ آخر یدم تک اس کو مجھ سے طلب نہ کیا اور نہ اس کی نسبت بوقت وفات مجھ کو کچھ وصیت کی تو وہ روپیہ انہوں نے مجھ کو بخش دیا اعنی وہ روپیہ مجھے واپس لینے کی غرض سے نہیں دیا بلکہ اس روپیہ کا مجھ کو مالک بنادیا تھا، پس علمائے دین سے استفسار ہے کہ زید کی خالدہ بیٹی کے دونوں دعوی ازروئے شرع شریف حق ہیں یا زید کے جوابات حق ہیں؟

الجواب:

خالدہ کا پہلا دعوی محض باطل و نامسموع ہے اعتبار لفظ کا ہے نہ کہ محض نیت کا **فقد نصوا ان العبرۃ بما تلفظ لا بما نوی** (فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ لفظ کا اعتبار ہے نیت کا نہیں۔ت) روپیہ زوجہ کو خرچ کے لئے دیا جاتا ہے اس کی دو۲ صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زن و شو وعیال ایک جگہ رہتے ہیں ایک خرچ ہے شوہر سب آمدنی اسے دے دیتا ہے وہ اپنے اور شوہر اور سب گھر کے مصارف اس سے اٹھاتی ہے، اس صورت میں وہ روپیہ تمام و کمال ملک شوہر پر رہتا ہے، عورت کا خرچ بھی ملک شوہر پر ہوتا ہے، اسے شرع میں تموین کہتے ہیں، عقد نکاح کا اصل موجب یہی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں جو کچھ پس انداز ہوگا شوہر کا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ زن و شو جدا ہیں شوہر اسے نفقہ بھیجتا ہے یا ایک ہی جگہ ہیں مگر عورت کے خرچ کا اسے جدا دیتا ہے، عام ازیں کہ وقت معین پر مثلاً ماہوار رقم معین مثلاً دس روپے خاص بحکم قاضی خواہ بتراضی، یا تعیین کچھ نہیں وقتاً فوقتاً مختلف مقدار میں اس کے

خرچ کے لئے بھیجتا یا اسے دیتا ہے، اس صورت میں جو کچھ اسے دیا وہ ملک زن ہوگیا، اس میں سے جو کچھ بچے گا، خواہ عورت کی جز رسی سے یا یوں کہ وہ مہینوں اپنی ماں کے یہاں رہی اور مصارف ماں نے کئے بہر حال عورت ہی اس کی مالک ہے۔ بحر الرائق ورد المحتار میں ہے:

المفروضة اوالمدفوعة لها ملك لها فلها الاطعام منها والتصدق وفی الخانیة لو اکلت من مالها او من المسألة لها الرجوع علیه بالمفروض[1]۔	عورت کے لئے مقرر شدہ یا اس کو ادا شدہ کی وہ مالک ہے تو اس میں سے اس کو کھلانے اور صدقہ کرنے کا حق ہے، ور خانیہ میں ہے اگر عورت اپنے مال میں سے کچھ کھائے یا وصول کردہ سے مقرر شدہ کیلئے عورت خاوند سے رجوع کر سکتی ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہاں واقع صورت ثانیہ ہے کہ زید اسے خرچ بھیجا کرتا تھا تو چاہئے کہ عورت ہی اس کی مالکہ ہو،

اقول: مگر یہاں ایک نکتہ اور ہے زن وولد کے نفقہ میں فرق ہے وہ جزائے احتباس ہے اور جبکہ نفقہ اسے دیا گیا اس کی ملک ہوگیا اگر وہ نہ اٹھائے بلکہ دوسری جگہ سے اپنا خرچ چلائے تو اس سے واپس نہیں لے سکتا اور اگر اس نے مثلاً مہینے یا سال بھر کا اسے دے دیا اور اس کے پاس سے چوری نہ کریں اپنی حاجت دوسرے طور پر روا کرلیں تو اس مدت کا ان کا نفقہ ذمہ پدر نہیں، اس صورت میں اگر ان کا نفقہ مثلاً کچھ ماہوار بحکم حاکم مقرر ہوا ہو جب بھی آئندہ کے لئے اس سے نہیں لے سکتے جب تک یہ خرچ نہ ہوجائے کہ پہلی حاجت دفع ہوگئی اور اگر اس نے دیا ان کے پاس سے چوری ہوگیا اسے دوبارہ دینا ہوگا کہ حاجت دفع نہ ہوئی تو اس میں سے جو کچھ پس انداز کریں وہ ان کی ملک نہیں ملک پدر ہے کہ معلوم ہوا کہ حاجت سے زائد ہے مگر یہ کہ ان کو ہبۃً دے تو البتہ وہ مالک ہوں گے، ذخیرہ پھر بحر الرائق میں ہے:

فرق بین نفقة الزوجات وکسوتهن و بین نفقة المحارم وکسوتهم، فان فی الاقارب اذا مضی الوقت	بیویوں کے لئے نفقہ و لباس میں اور ذی محرم کیلئے نفقہ اور لباس میں فرق ہے کیونکہ اقارب کے نفقہ و لباس میں سے کچھ باقی ہو اور وقت گزر جائے

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۹، بحر الرائق کتاب الطلاق باب النفقة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۴

وبقی شیئ من الدراھم والکسوۃ فان القاضی لایقضی باخری فی الاحوال کلھا لانھا باعتبار الحاجۃ فی حقھم، وفی حق المرأۃ معاوضۃ عن الاحتباس ولھذا اذاضاعت النفقۃ او الکسوۃ من ایدیھم یفرض لھم اخری لماذکرنا[1]۔	تو قاضی اس کے عوض کچھ اور کسی حالت میں دینے کا حکم نہیں کرسکتا کیونکہ ان کے لئے یہ خرچہ حاجت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور بیویوں کے حق میں ان کو محبوس رکھے کا معاوضہ ہوتا ہے اس لئے ان کے خرچہ میں سے اگر ان کے پاس ضائع ہوجائے تو قاضی اسکے عوض کے لئے حکم نافذ کرے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کردیا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

النفقۃ فی حق القریب بقدر الحاجۃ والکفایۃ وفی حق الزوجۃ معاوضۃ عن الاحتباس ولذالومضی الوقت وبقی منھا شیئ یقضی باخری لھا لالہ وکذا لوضاعت[2]۔	قریبی کے حق میں نفقہ بقدر حاجت وکفایت ہوتا ہے اور زوجہ کے حق میں پابندی کا معاوضہ ہوتا ہے اس لئے بیوی کے حق میں سے کچھ بقایا ہو تو وقت گزرجانے کے باوجود مزید ادا کرنے کا حکم دے گا اور قریبی کے لئے ایسا نہیں ہے اور یونہی اگر ضائع ہوجائے۔(ت)

اسی پر حواشی فقیر غفرلہ میں ہے:

اقول:سبق قلمہ وصوابہ(وبعکسہ لوضاعت) ای یقضی باخری لہ لعدم اندفاع الحاجۃ لالھا لوصول العوض الیھا[3]۔	اقول: (میں کہتا ہوں) یہ قلم کی سبقت ہے، ورنہ درست اس کا عکس ہے، اگر ضائع ہوجائے یعنی قریبی کے لئے نفقہ ضائع ہوجائے تو قاضی اس کے لئے مزید کا حکم دے گا کیونکہ اس کی حاجت پورا کرنا ہے، بیوی کے لئے ایسا نہیں کیونکہ وہ عوض کے حقدار ہے جو اسے مل گیا ہے(ت)

یہاں سے خالدہ کے اس دعوی کا کہ جس قدر بچتا تھا ہمارا اور ہماری والدہ کا تھا اپنی نسبت بطلان تو ظاہر ہوگیا اس کی ماں کی نسبت بھی صحیح نہ رہا۔ سوال سے ظاہر ہے کہ زید تنہا عورت کے نفقہ اسے نہ بھیجتا تھا بلکہ مع اولاد، اور اس میں کوئی تفصیل نہ تھی کہ اتنا زوجہ کے لئے اتنا اولاد کے واسطے بلکہ مجملاً بغرض صرف

---

[1] بحر الرائق کتاب الطلاق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۸

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۲

[3] جدالممتار علی ردالمحتار

ارسال ہوتا تھا تو اسے عورت کے لئے تملیک نہیں کہہ سکتے کہ علاوہ شیوع مجہول القدر ہے مقصود یقینا یہ ہے کہ جتنا عورت کے صرف میں آئے وہ اٹھائے جتنا بچوں کے خرچ میں آئے ان پر صرف کرے نہ یہ کہ کہ عورت اور ہر بچے کو بحصہ مساوی مالک کیا اور جہالت قدر مبطل ہبہ ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

یشترط فی صحۃ المشاع الذی لایحتمل القسمۃ ان یکون قدرا معلوما[1]۔	مشاع یعنی جو تقسیم نہ ہوسکے ایسی چیز کی ہبہ کی صحت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کی قدر معلوم ہو۔(ت)

تو ثابت ہوا کہ وہ بھیجنا بھی تموین ہی تھا نہ کہ تملیک، لہٰذا جو کچھ بچا ملک زید ہی تھا ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا ولی ہے۔ت) یہاں سے ظاہر ہوا کہ دوسرے دعوی خالدہ کے تین جواب جو زید س نے دئے اگرچہ ان میں دو پچھلے صحیح نہیں، زن وشو کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ شرف وشرم والیاں اس میں تقاضائے دین پسند نہیں کرتیں تو نہ مانگنا یا وصیت نہ کرنا دلیل تملیک نہیں ولا ینسب الی ساکت قول (خاموش کی طرف بات منسوب نہیں ہوتی۔ت) مگر پہلا جواب کہ وہ میری ہی ملک تھا صحیح ہے، نہ اس طور پر کہ زید نے کہا، بلکہ جس طرح ہم نے تقریر کی۔ رہا خالدہ کا بیان کہ اس کے نانا کے مریدین وتلامذہ اسے اور اس کی ماں کو کچھ دیتے تھے اس کا ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ اس روپے میں سے اس کی ماں نے زید کو دیا اگر بتعین مقدار اسے شہود عدول سے ثابت کردے تو اس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ زید اتنے روپے کا مدیون ہے، مکان پر خالدہ وغیرہ کسی کو دعوی نہیں پہنچتا کہ روپیہ قرض دیا ہے نہ کہ مکان کا کوئی حصہ مول لیا ہے والدیون تقضی بامثالھا (نقدی دین کی ادائیگی ہم مثل سے ہوتی ہے۔ت) خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[2]۔	والد کے مال سے خریدی گئی چیز کو یہ لازم نہیں کہ وہ باپ کی ہوجائے۔(ت)

تعین ومقدار کی ضرورت یہ ہے کہ بے اس کے دعوی مسموع نہیں مثلاً خالدہ کہے اس میں کچھ روپیہ زرنذور کا تھا نہ سنا جائے گا، ہندیہ میں ہے:

لوکان المدعی بہ مجہولا فان القاضی	جس چیز کا دعوی ہے وہ اگر مجہول ہو تو قاضی اس

[1] بحر الرائق کتاب الھبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

لایسمع دعواہ ھکذا فی النہایۃ[1]۔	دعوٰی کو نہ سنے گا، نہایہ میں ایسے ہی ہے۔(ت)

یہ حکم قضا ہے دیانۃً اگر زید جانتا ہو کہ اس میں زر نذر بھی تھا تو اس پر لازم ہے کہ واپس دے اور مقدار نہ معلوم ہو تو آسان طریقہ یہ ہے کہ جو مکان ان کو تبرعًا دینا چاہتا ہے اس روپے کے عوض میں دے۔ **واﷲ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۴ تا ۱۳۷: از دیوی تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی مرسلہ میر غلام اول مدرس ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قاضی قضا کرتا ہے لیکن قضا بالکل ہی واقع کے خلاف ہے قاضی کو یقین دے دیا جاتا ہے کہ آپ کا فیصلہ بالکل خلاف واقع ہے اس میں حق شناسی نہیں ہوئی تو قاضی کہتا ہے کہ جاؤ جی، جو کچھ ہوا ہو، ہو لیا، اب قضا پر قضا نہیں ہوتی نصاب سے زیادہ گواہ نہیں لئے جاسکتے حالانکہ قاضی صرف دو گواہ لیتا ہے اور ایک گواہ کی رائے پر فیصلہ کردیتا ہے چونکہ اس کی دلی منشا بھی اسی فیصلہ پر ہے اور واقعہ یوں ہے ایک آدمی اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جارہتا ہے وہاں جس کے مکان میں رہتا ہے اس کے ساتھ اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد شرعی روبرو گواہان کردیتا ہے، شادی نہیں ہوتی یعنی روٹی وغیرہ نہیں کی جاتی اور ڈھول وغیرہ نہیں بجایا جاتا اس کا گھر بار کھالیتا ہے گاؤں کے سب لوگوں کو پتہ ہوجاتا ہے کہ نکاح ہوگیا کچھ عرصہ کے بعد ناچاقی ہوجاتی ہے لڑکی کا خاوند لاہور ملازم ہے اس کی عدم موجودگی میں اس کا گھر چھوڑ کر لڑکی کے والدین لڑکی کو لے کر اپنے اصلی گاؤں میں آجاتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق دلاکر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کردیا جائے لڑکی کا باپ کئی مسلمانوں کو کہتا ہے جو ابھی زندہ ہیں کہ طلاق لے دو وہ اس کے ساتھ لاہور جانے پر تیار ہوتے ہیں بلکہ اسے یقین دلاتے ہیں کہ طلاق لے دیں گے چونکہ جس اصلی گاؤں میں اب لڑکی کے والدین ہیں اس گاؤں کے لوگوں کی مرضی تھی کہ یہ اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کردے ان کی شہ وغیرہ سے وہ بغیر طلاق لئے نکاح کردینے پر آمادہ ہوجاتا ہے اس گاؤں کے نکاح خوانوں کی مرضی نہیں یہ نکاح پر نکاح ہو، پھر اس حالت میں کہ پہلا نکاح اس نکاح خواں کے لڑکے نے ہی پڑھا تھا جواب فوت ہوگیا ہے اس مجبوری کو دیکھ کر لڑکی کا باپ تیسرے گاؤں کے قاضی کے پاس جاتا ہے کہ شاید اس کے طفیل کام بن جائے خاوند لاہور ہے بغیر اس کے علم کے ایک تیسرا آدمی اس بات کو سن کر اس قاضی کے پاس جاتا ہے کہ یہ آگے نکاح ہوا ہوا ہے قاضی نے پوچھا کہ کوئی گواہ موجود ہیں جواب ملا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲

کہ گو نکاح خواں اور چند گواہ مرگئے ہیں لیکن پھر بھی کئی گواہ موجود ہیں قاضی نے کہا کہ زیادہ گواہوں کی ضرورت نہیں صرف دو گواہ میرے پاس لے آؤ، اس بیچارے کو پتہ نہ لگا کہ قاضی صرف دو گواہ کیوں مانگتا ہے، اس کی حکمت آگے ظاہر ہوجائے گی کہ منطق پڑھے ہوئے قاضی نے کیوں دو گواہ مانگے، جب دو گواہ قاضی کے پاس آئے تو ان میں سے ایک نے پورے طور پر بیان کیا کہ نکاح ہوا اور ایجاب وقبول ہوا ہے قاضی نے کوئی سوال نہ کیا دوسرے گواہ نے جب ٹھیک طور پر گواہی دینی شروع کی تو قاضی نے جھٹ سوال کیا کہ شادی ہوئی تھی یا ناتا، اس نے کہا ناتا، قاضی جی کی چاندی ہوگئی، وہ چاہتا بھی یہی تھا، یہ سن کر بغیر مزید سوالات فیصلہ دے دیا کہ نکاح ثابت نہیں ہوا شہادت نہیں ہے حالانکہ ناتا کہنے والے نے اسی وقت کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ شادی نہیں ہوئی بلکہ ناطہ میں ضرور ایجاب وقبول ہوا ہے اس واسطے شادی کی مقابلہ میں میں نے ناتا کہا، مگر قاضی نے باور نہ کیا اور پھر کہا گیا اور بھی کتنے آدمی ہیں جو اس نکاح کے وقت موجود تھے، قاضی نے کہا نصاب ہوچکا ہے اس سے زیادہ گواہ نہیں لینا چاہتا قاضی کے لئے راہ بن گیا فوراً اس گاؤں میں جاکر لڑکی کا نکاح دوسرے آدمی سے کردیا حلوے مانڈے کھا چلتا بنا۔ اس قضا سے مسلمانوں میں عجیب حیرت ہے خاص کر اس گاؤں اور گرد ونواح کے لوگوں کو جن کو اس نکاح کی خبر تھی ان گواہوں کو جو نکاح میں موجود تھے ان معتبر مسلمانوں کو جن کو لڑکی کا باپ کہتا تھا کہ طلاق دلوادو کہ قاضی جی نے خوب قضا کی خاوند کو خبر ہی نہیں دو سو میل پر بیٹھا ہے قاضی بغیر طلاق کے اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیتا ہے، عجب عجب عجب، پتہ کے گاؤں کے لفظ ناطہ ایک ایسا مل گیا ہے جو سب باتوں کو رد کردیتا ہے اس بات پر غور کرنے نہیں دیتا کہ اگر معاملہ صاف ہوتا تو طرفین کے آدمی میرے پاس کیوں آتے کیا میرے بغیر اس گاؤں میں نکاح کوئی نہیں پڑھ سکتا، جب گواہ پیش کرنے کو کہا جاتا ہے تو قاضی کہتا ہے کہ نصاب پورا ہوگیا، جب شریعت کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو یہ کہہ کر چپ کردیا جاتا ہے کہ قضا پر قضا نہیں ہوتی لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ دو گواہوں میں سے ناطہ کہنے والے کو کیوں سچا سمجھا جاتا ہے اور دوسرے کو جھوٹا اور کیوں قاضی نے بغیر مزید تحقیقات نکاح پر نکاح پڑھ دیا۔ قاضی کے اس مسئلہ نے تمام عورت والوں کو ڈرادیا ہے جس کا جی چاہے خاوند کی عدم موجودگی میں دو گواہ پیش کردے جن میں سے ایک کہہ دے کہ اس عورت کا نکاح نہیں ہوا پس عورت کے ساتھ قاضی جی سے نکاح پڑھوالے اور عورت والا بیچارہ منہ دیکھتا کا دیکھتا رہ جائے۔ جناب من! اب خوب تحقیق کرکے جواب سے سرفراز فرمادیں کیونکہ قاضی جی کی اس قضاء سے اس علاقے کے مسلمانوں میں عجیب ہلچل اور کھلبلی پڑی ہوئی ہے اور حیران ہیں کہ جیتے خاوند

کی عورت بلاطلاق کیونکر دوسرے مرد پر حلال ہو گئی، اگر یہ تمام باتیں درست ہیں تو مہربانی فرما کر فتوی دیں:

(۱) عام مسلمانوں کے واسطے کیا حکم، آیا وہ اس قضا کو مان لیں جو ان کے خیال میں بالکل ناجائز ہے کیونکہ وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ نکاح پہلے ہوا ہے بعض نکاح کے موقع پر موجود تھے بعض وہ ہیں جن کو لڑکی کا باپ طلاق کے واسطے کہتا تھا۔

(۲) قاضی کے واسطے کیا حکم ہے جس نے دانستہ دو گواہ لئے گو ان گواہوں کے مطلب میں کوئی فرق نہ تھا مگر خود قاضی نے ناتا کا لفظ نکلوا کر پہلے گواہ کو جھوٹا جانا اور دوسرے گواہ کی شہادت پر جا کر اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیا جس گاؤں میں اس کا نکاح پہلے ہوا تھا وہاں کے کسی بھلے مانس نے پوچھا تک نہیں۔

(۳) لڑکی کے والدین کے لئے کیا حکم ہے جنہوں نے نکاح پر نکاح بنوایا ان سے بعد میں پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا حالانکہ تم پہلے طلاق لینے پر تیار تھے تو کہتے ہیں کہ قاضی جی نے بغیر طلاق حلال کر دیا۔

(۴) لڑکی کے خاوند کے لئے کیا حکم ہے جس کو اب تک لاہور سے رخصت ہی نہیں ملی ادھر قاضی جی اس کی عورت دوسرے کو دلوا چکے ہیں کیا وہ قاضی جی کی قضا کو مان کر اپنی عورت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

الجواب:

ایسا شخص قاضی نہیں ابلیس ہے اور اس کا ناتے اور شادی میں فرق کرنا شیطانی تلبیس ہے ناتا ہی اصل نکاح ہے تو عورت کا منکوحہ غیر ہونا انہیں دونوں گواہوں سے ثابت ہو لیا تھا قاضی نے ہٹ دھرمی سے اسے نہ مانا اور گواہوں کے سننے سے انکار اس کی خباثت قلبی تھی نصاب کے بعد اور گواہوں کی حاجت نہ ہونا اس صورت میں ہے جب کہ نصاب سے ثبوت ہو جائے اس کے نزدیک ابھی ثبوت نہ ہوا تو اور گواہ سننا فرض تھا مگر اس نے قصدًا نہ چاہا اسے تو حرام قطعی کو حلال کرنا اور خود زنا کا دلال بننا تھا وہ اور گواہ کیسے سنتا اور یہ جواب کہ قضا پر قضاء نہیں ہوتی اس کی تیسری شیطنت ہے اول تو یہ نکاح خواں شرعًا قاضی نہیں ہوتے ان کو قاضی کہنا ایسا ہے جیسے لونڈوں کے میاں جی بے علم کو مولوی صاحب کہنا اور ہو بھی تو اس نے کون سی قضا کی تھی جو بدل نہ سکے اتنا ہی تو تھا کہ اس کے نزدیک نکاح ثابت نہ ہوا عدم ثبوت کوئی قضا نہیں۔

(۱) اس ناپاک حکم کا ماننا مسلمانوں پر حرام ہے۔
(۲) قاضی سزائے شدید کا مستحق ہے مگر یہاں کون سزا دے، حاکم اسلام سزا دیتا ہے بلکہ وہ اس ناپاکی پر قتل تک کرسکتا ہے کہ ایسا شخص "**یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا**" [1] (زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ت) میں داخل ہے۔
(۳) لڑکی کا باپ دیوث ہے جس نے اپنی بیٹی زنا کے لئے دی بلکہ والدین کا یہ کہنا کہ قاضی نے بغیر طلاق حلال کردیا کلمہ کفر ہے کہ انہوں نے قاضی کے کہنے سے زنا کو حلال جانا واستحلال المعصیۃ کفر (گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ت) ان کا آپس میں نکاح نہ رہا دونوں نئے سرے سے مسلمان ہو کر پھر آپس میں نکاح کریں۔
(۴) لڑکی اپنے خاوند کی منکوحہ ہے وہی اسے لے اور یوں نہ ملے تو لڑکی کے باپ اور قاضی پر ازدواج مکرر کا دعوی کرکے لے سکتا ہے۔ **معاذاللہ** کیا کیا فساد کا زمانہ آگیا ہے، **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۸: ازرامہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ تاج محمود صاحب ۵/ محرم ۱۳۳۹ھ
اگر ایک نکاح خواں بغیر دعوی مدعی کے کہہ دے کہ مدعی علیہ نے دختر معلومہ نابالغہ کا نکاح مدعی کے فلانے بیٹے کو کردیا ہے، مدعی نے بیٹے معلوم کے لئے قبول کیا ہے حالانکہ یہ نکاح خواں بہت جاہل اور دائمی دشمن مدعی کا ہے، آیا یہ شہادت قابل اعتبار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:
جب دعوی نہیں تو مدعی کیسا، اور اگر یہ مطلب ہو کہ مدعی نے اسے گواہ نہ لکھایا تو یہ شرط شہادت نہیں اس نے اگر شہادت میں اپنا نکاح پڑھانا ذکر کیا تو مقبول نہیں **لانہ شھادۃ علی فعل نفسہ** (کیونکہ یہ اپنے خلاف شہادت ہے۔ت) ورنہ اگر گواہ ثقہ ہے قابل قبول ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹: از ضلع در بھنگہ مقام مدھوبنی محلّہ جولاہہ ٹولہ متصل جامع مسجد مرسلہ خاں محمد صاحب ۱۱/ محرام الحرام ۱۳۳۹ھ
نوری مومن اور اس کے ساتھی نے مسجد میں بیان کیا کہ ہم خاں محمد کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ اس کی ماں کو اس کے پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی تھی کہ اس کے والد نے اس سے نکاح کرلیا چونکہ یہ نکاح صحیح نہ ہوا اس لئے اس کے ماں باپ دونوں زانی اور یہ لوگ ولد الزنا ہوئے اور ولد الزنا کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کئی دفعہ کہنے پر خان محمد نے اس پر پنچایت بٹھائی جس میں چند معزز اشخاص کے

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳۳

سامنے نوری سے ثبوت طلب کیا گیا اور کہا گیا کہ خاں محمد کے والد کو چالیس برس ہوئے اب تک تم لوگ کیوں نہ بولے، اتنے دن تک خان محمد کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے رہے، خان محمد اور اس کے بھائی کی شادی خاندان میں کیوں کی؟ نوری نے کوئی گواہی پیش نہیں کی بلکہ اقرار کیا کہ ہم نے رنج اور غصہ کی وجہ سے ایسا کہا ہے، ہم سے قصور ہوا، اب ہم خان محمد اور اس کے بھائی کو ولد الزنا نہیں کہیں گے اور برابر ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اب عرض یہ ہے کہ نوری اور اس کے ساتھی کا اگر پنچایت والا بیان صحیح ہے تو وہ لوگ حد قذف کے قابل ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو خود ان لوگوں کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے، ان لوگوں کی گواہی ہمیشہ مردود ہوگی یا نہیں، اگر پہلا بیان سچ ہے تو چالیس برس نہ بولنے، خان محمد کے پیچھے نماز پڑھنے اور اسکی شادی بیاہ اپنے خاندان میں کرنے سے نوری اور اس کے ساتھی کس سزا کے مستحق ہیں او کس حکم کے قابل ہیں؟

الجواب:

ان لوگوں کا پہلا بیان جھوٹا اور سراسر جھوٹ ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۳ " [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب وہ گواہ پیش نہ کریں تو وہ اللہ تعالٰی کے ہاں جھوٹے ہیں۔ (ت)

اور وہ اس بیان کے سبب ضرور حد قذف کے مستحق ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً " [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو اسی کوڑے مارو۔ (ت)

گواہی کا وہ مردود ہونا کہ "وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًاۚ " [3] (اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو۔ ت) اس حالت میں ہے کہ حد قذف لگ جائے یہاں نہیں ہوسکتا البتہ وہ مردود ہونا حاصل ہے جو جھوٹے کذاب کی گواہی کے لئے ہے جبکہ وہ بار بار یہ جھوٹ بک چکے ہوں۔ عاجزآکر خان محمد نے پنچایت کی ہو یا اس کے سوا اور جھوٹوں کے ساتھ معروف و مشہور ہوں کہ جھوٹ ان کی عادت ہو تو کبھی ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کرلیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

المعروف بالکذب لاعدالۃ لہ فلا تقبل شہادتہ ابدا وان تاب بخلاف من وقع فی الکذب سہوا او ابتلی مرۃ ثم تاب کذا فی البدائع۔[1]	جھوٹ میں مشہور شخص عادل نہیں ہے تو اس کی شہادت کبھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ وہ توبہ بھی کرلے بخلاف اس شخص کے جو بھول کر جھوٹ میں مبتلا ہوا یا کبھی ایک مرتبہ جھوٹ بولا ہو پھر توبہ کرلے، تو اس کی شہادت قبول ہوگی، ایسے ہی بدائع میں ہے۔(ت)

ایسے لوگ فاسق معلن ہیں اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے اس کا پھیرنا واجب ہے ہاں اگر توبہ کرلیں اور ان کا حال صلاح کے ساتھ بدل جائے تو اس وقت ان کے پیچھے نماز میں حرج نہ ہوگا جبکہ باقی شرائط جواز وحلت امامت کے جامع ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: از بہی ضلع پشاور مدرسہ قادریہ محمودیہ واقع مسجد چہل گزی مولوی حمداللہ صاحب قادری محمودی ۲/ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہین علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ماموں عمرو پر اپنے نانا کے متروکہ سے جو عمرو کے قبضے میں ہے اپنی ماں متوفاۃ کے حق میراث کا دعوی کیا عمرو جواب دہ ہوا کہ یہ مال ۳۶ برس سے میرے قبضے میں ہے دعوی میں تمادی عارض ہے نیز تیری ماں نے اپنا حصہ میراث اپنی حیات میں مجھے ہبہ کردیا تھا جس کے گواہوں میں اب کوئی زندہ نہیں، زید کہتا ہے یہ مال تجارت کا ہے اب تک میرے نانا کا نام مندرج کاغذات رہا میں نے اور ماں نے تمہیں امین جانا اور بنظر تجارت ترقی کا خیال رہا، امید تھی کہ جب داخلخارج ہوگا حصہ مادری میں میرا نام درج کراؤگے ڈیڑھ سال سے تم نے داخلخارج کرایا اور صرف اپنا نام مندرج کرایا لہذا میں مدعی ہوا گواہان مردہ سے ثبوت ہبہ کیسے ہوسکتا ہے، نہ مال مشترک کا ہبہ صحیح نہ میراث میں تمادی مانع۔ نیز تمہارے دعوی میں تناقض ہے کہ ہبہ کا بھی ادعا کرتے ہو اور تمادی عذر بھی۔ اس صورت میں زید حق پر ہے یا عمرو؟ عبارات عربی کا اردو ترجمہ فرمادیا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید کا دعوی صحیح ومقبول ہے اور عمرو کے عذر باطل ومخذول۔ ہبہ صرف اس کی زبان سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے، اموات کو گواہ قرار دینا عجب جہل بے مزہ ہے، ایسی شہادت بس ہو تو جو چاہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۸

جس کا مال چاہے چھین لے کہ تو نے یا تیرے باپ نے مجھے ہبہ کر دیا یا میرے ہاتھ بیچا اور ثمن پالیا تھا بیس پچیس معززین اس کے گواہ تھے جو سب مر چکے، اور بفرض باطل اگر ہبہ ہوتا بھی تو مال مشترک صالح قسمت قبل تقسیم ہبہ کرنا اگرچہ شریک کے لئے ہو محض ناتمام ہے جسے موت واہبہ قبل تسلیم نے باطل کر دیا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(لا) تتم بالقبض (فیما یقسم و)(لو) وہبہ (لشریکہ) لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب[1]۔	قابل تقسیم چیز کا ہبہ قبضہ کے بعد بھی ناتمام رہتا ہے اگرچہ اپنے شریک کو ہبہ کیا ہو کہ اس میں بلا تقسیم قبضہ کامل متصور ہی نہیں جیسا کہ عام کتب میں تصریح ہے تو یہی مذہب حنفی ہے۔

اسی میں ہے:

(والمیم موت احد العاقدین) بعد التقسیم فلو قبلہ بطل۔[2]	موہوب لہ کو قبضہ کاملہ دینے کے بعد واہب یا موہوب لہ کا مر جانا ہبہ میں رجوع کا مانع ہے اور اگر قبضہ کاملہ سے پہلے ان میں سے کوئی مر جائے گا تو ہبہ سرے سے باطل ہو جائے گا۔

بلکہ اس کے دعوی ہبہ نے اسی کو ضرر دیا اس سے صاف ظاہر ہوا کہ مال کو وہ متروکہ پدر مانتا اور اپنی بہن کا اس میں حق ارث جانتا ہے جب تو اپنے لئے ہبہ از جانب خواہر کا مدعی ہے اور اس صورت میں چھتیس نہیں سو برس گزر جائیں دعوی ساقط نہیں ہو سکتا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فیما اذا ادعی زید علی عمرو محدودا انہ ملکہ ورثہ عن والدہ فاجابہ المدعی علیہ انی اشتریتہ من والدك وانی ذو ید علیہ من مدۃ تزید علی اربعین سنہ وانت مقیم معی فی بلدۃ ساکت من غیر عذر یمنعك عن الدعوی، ھل یکون ذلك من باب الاقرار	سوال ہوا کہ زید نے عمرو پر ایک زمین کا دعوی کیا کہ میری ملک ہے باپ کے ترکہ سے میں اس کا وارث ہوں عمرو نے جواب دیا کہ میں نے تیرے باپ سے خرید لی تھی اور چالیس برس سے زائد ہوئے کہ میں اس پر قابض ہوں اور تو ایک شہر میں میرے ساتھ ساکن اور بلاعذر ساکت ہے آیا اس صورت میں کیا عمرو مورث زید سے بذریعہ

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

بالتلقی من مورثیه فیحتاج الی بینة تشهد له بالشراء ولا ینفعه کونه واضعا یدہ علیه المدة المذکورة **اجاب** نعم دعوی ذلك التلقی عن ابی المودع ودعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علیه الی بینة وصار المدعی علیه مدعیا وکل مدع یحتاج الی بینة ینور بها دعواہ ولا ینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور لیس من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولو کان فی یدہ احقاما کثیرة لاتعد وھذا مالایتوقف فیه[1]۔	شرا ملک حاصل کرنے کا مدعی ہوگا اور اسے اس انتقال پر گواہ دینے ہوں گے اور چالیس برس سے زائد اس کا قبضہ اور زید کا سلوک عمرو کو کچھ نفع نہ دے گا، جواب: فرمایا ہاں یہ عمرو کا دعوٰی ہے کہ مجھے دعوٰی ہے کہ مجھے تیرے مورث سے ملی ہے اور ارث زید سے ملنے کا اقرار تو اس کی ملک کی اوپر سے اقرار ہے اور اس کا دعوٰی کہ بذریعہ انتقال شرعی مجھے ملی تو اب عمرو اس پر گواہ دینے کا محتاج ہے کہ یہ مدعی ہوگیا اور ہر مدعی کو شہادت پیش کرنی لازم ہے جس سے اس کا دعوٰی ثابت ہو اور وہ چالیس برس سے زائد کا قبضہ اسے اقرار مذکور کے ساتھ کچھ بھی نافع نہیں، نہ یہ تمادی کے باب سے ہے بلکہ باب اقرار سے کہ ہر مقر اپنے اقرار پر ماخوذ ہے اگرچہ وہ شیئ بے شمار قرنوں جگہوں سے اس کے قبضہ میں ہو، یہ ایسی واضح بات ہے جس میں شبہہ کو دخل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: از ریاست رامپور موٹے کلن کی کنیان مرسلہ مولوی محمد عنایت اللہ خان صاحب ۲۰/ صفر ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ ہندہ نے دعوی تفریق از زوجیت بجہت وقوع سہ طلاق مغلظہ بنام عباس عـــہ علی خان نے مجھ کو بتاریخ فلاں بہ دادن سہ طلاق مغلظہ حبالہ نکاح اپنے سے آزاد کیا عباس علی خاں کو دینے طلاق سے ہندہ کے انکار ہے اور

عـــہ: عباس علی خان بعدالت دیوانی محکمہ ابتدائی میں رجوع کیا اور دعوی اپنے میں بصراحت لکھا۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۸۰ و ۸۱

کہتا ہے کہ میں بتاریخ مذکورہ شہر میں موجود نہ تھا، ہندہ نے چار مرد مسمیان تفضل حسین خان وغلام ناصر خان وغلام محی الدین خان وکلن خان اور دو عورتیں مسماتان ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم بہ ثبوت وقوع طلاق پیش کئے، ان میں سے پانچ نے ہنگام ادائے شہادت بمواجہ خود عباس علی خان کا طلاق دینا عند العدالت بیان کیا اور ایک نے یعنی کلن خان نے ادائے شہادت اقراری کی اور نیز جانب ہندہ سے ہنگام تحقیقات محلّہ کے تین شخصوں نے اوپر موجودگی عباس علی خان کے شہر ہذا میں بتاریخ مذکورہ ادائے شہادت کی، عدالت نے دعوی ہندہ کو بے اصل اور شہادت شہود کو غیر مقبول قرار دے کر دعوی ہندہ کو نامسموع فرمایا اور وجوہ بے اصلیت دعوے اور نامقبولی شہادت شہود پیش کردہ ہندہ اپنے فیصلہ میں تحریر فرمائیں،

پہلی وجہ: نامقبولی شہادت وشہود کی ان الفاظ پر قائم کی کہ جملہ گواہوں نے بالاتفاق اپنے اظہاروں میں بیان کیا کہ اشہد باللہ گواہی دیتے ہیں کہ عرصہ چھبیس ستائیس دن کا ہوا کہ خالی کا مہینہ تھا ساتویں تاریخ بدھ کا روز تھا آٹھ بجے دن کے تھے کہ عباس علی خان نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں یہ کہ جملہ گواہان رجال واناث مدعیہ مسموعہ عدالت نے دینا طلاق بمرور چھبیس ستائیس روز لکھایا ہے اور اس قسم کا بیان بیان زمان خواہ بدعوی ہو خواہ بشہادت بوجہ جہالت تاریخ شرعًا بموجب روایت ہذا کے نامقبول ہے،

ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درہم وشھد الشھود ان لھذا المدعی علی ہذا المدعی علیہ دوازدہ درہم لاتقبل لمکان الجھالۃ، وکذٰلک اذاادعی دہ دوازدہ درہم، لاتسمع دعواہ وکذلک اذا ذکرت التاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجہ بان قال ایں عین ملک من است از دہ دوازدہ سال فانہ لا تسمع دعواہ وکذٰلک اذا ذکر الشھود التاریخ فی شھادتھم کذافی الذخیرۃ. عالمگیریۃ[1]۔	فارسی میں دس گیارہ درہم کا دعوی کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے اس مدعی علیہ پر دس بارہ درہم ہیں تو شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ مجہول ہے اور یوں ہی دس بارہ کا دعوی بھی مسموع نہ ہوگا اور یوں ہی اگر دعوی میں تاریخ مجہول ذکر کی یوں کہ یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملکیت میں ہے تو بھی دعوی مسموع نہ ہوگا اور ایسے ہی اگر گواہوں نے اپنی شہادت میں ایسی تاریخ بیان کی تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی، ذخیرہ میں یونہی ہے۔ عالمگیریہ (ت)

وجہ دوم: عدم مقبولی شہادت تفضل حسین خاں وغلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں پر

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

قائم کی ان الفاظ پر جوان کے اظہاروں سے نقل کئے جاتے ہیں تفضل حسین خاں اپنے اظہاروں میں بیان کرتا ہے اس طلاق دینے کے بعد سے اب تک میری اور عباس علی خاں کی بات چیت نہیں ہے اور نہ سلام علیک بگاڑ ہے نہ میں بات چیت اور سلام علیک مدعا علیہ سے کرتا ہوں اور مدعا علیہ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتا ہے۔غلام ناصر خاں نے اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ مدعیہ کا اگر کسی سے جھگڑا ہو تو مظہر اس میں کوشش و طرفداری کریگا جو عزیز ہوتا ہے وہ طرفداری کرتا ہے مظہر مدعیہ کا عزیز ہے اس واسطے میں بھی طرفداری کروں گا،اس بیان پر عدالت نے یہ وجہ نامقبولی شہادت شہود قائم کی منجملہ گواہان تفضل حسین خان سے عداوت دنیوی مدعا علیہ ثابت ہے اور اثبات عداوت خود باقرار گواہ ظاہر ہے کہ وہ باظہار خود لکھاتا ہے کہ روز طلاق سے مظہر کا مدعا علیہ سے بگاڑ ہے نہ بات چیت ہے نہ سلام علیک،غلام ناصر خاں،غلام محی الدین خاں پیروکار مقدمہ اور مثل مدعیہ ہیں کہ ان دونوں نے بھی باظہار خود لکھایا ہے کہ اگر مدعیہ سے کسی کا تنازعہ ہو تو ہم کوشش و طرفداری مدعیہ کی کریں گے اور گواہی مخاصم مقدمہ اور عدوی دنیوی شرعًا بموجب روایت ہذا نامقبول ہے:

ولاشهادة عدو اذاكانت العداوة لاجل الدنيا لان العداوة لاجل الدنيا حرام فمن ارتكبها لايؤمن من التقول عليه[1] ۱۲عینی۔	دشمن کی شہادت قبول نہ ہوگی جب یہ دشمنی دنیاوی ہو کیونکہ دنیا کی خاطر دشمنی حرام ہے تو جس نے یہ ارتکاب کیا اس کے جھوٹ بولنے کا خطرہ رہتا ہے ۱۲ عینی (ت)

تیسری وجہ: عدم مقبول شہادت شہود یہ قائم کی کہ باہم شہادت شہود میں اختلاف ہیں وہ الفاظ کہ جن میں عدالت نے اختلاف ثابت کیا ہے اظہاروں سے نقل کئے جاتے ہیں کہ تفضل حسین خاں بیان کرتا ہے کہ اس لڑکی کو میں نے پرورش نہیں کیا میری بیوی نے پرورش کیا ہے اور سامان شادی بھی اسی نے دیا ہے،اور غلام ناصر خاں نے کہا کہ تفضل حسین خاں نے پرورش کیا ہے اور سامان شادی بھی اسی نے دیا ہے اور درمیان غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں یہ اختلاف ہے کہ غلام ناصر خاں اپنے بیان میں لکھاتا ہے کہ پہلی مرتبہ جو طلاق دی تو یوں کہا تھا کہ بگا میں نے تجھ کو طلاق دی،اور غلام محی الدین خاں نے بیان کیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اس کی طرف نسبت کرکے،اور غلام محی الدین خاں اور تفضل حسین خاں میں یہ اختلاف ہے کہ غلام محی الدین خاں نے بیان کیا کہ مدعا علیہ جو آیا تھا تو امراؤ بیگم زوجہ تفضل حسین خاں کو سلام علیک کی تھی اور سب سے،اور تفضل حسین خاں کہتا ہے کہ نہیں کی تھی،اور بیان کرتا ہے کہ جس

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ

وقت مدعا علیہ آیا تھا تو میں دروازہ میں بلانے کو گیا تھا اور درمیان غلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ غلام ناصر نے بیان کیا ہے کہ میں غلام محی الدین خاں سے پہلے چلا گیا تھا اور غلام محی الدین خاں کہتے ہیں کہ میں نے غلام ناصر خاں کو وہاں ہی چھوڑا تھا، ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم و کلن خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ ہر دو مسماتان کہتی ہیں کہ عباس علی خاں مدعا علیہ کے جانے کے بعد بگا بیگم نے دالان میں سے کہا تھا کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی اور دروازہ میں کچھ نہیں کہا تھا اور کلن خاں کہتے ہیں کہ مجھ سے بگا بیگم نے دروازہ میں دالان سے تین چار گز کے فاصلہ پر واقع ہے یہ مضمون کہا تھا کہ کلن خاں تم کو گواہی دینی ہوگی کہ عباس علی خاں نے تم سے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دی، ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم اپنے اظہار میں بیان کرتی ہیں کہ مدعیہ نے بجواب مدعا علیہ کے کہا کہ اب میں نہیں جاؤں گی جب تک کہ وہ لوگ جو پہلے مجھ کو ضمانت کرکے لے گئے تھے نہ آئیں گے، اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ تو میری جورو نہ ہوئی ان لوگوں کی ہوئی، پھر طلاق دے دی، اور تفضل حسین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے کہا کہ ابھی لے جاؤں گا، بجواب مدعا علیہ نے کہا جو لوگ مجھ کو پہلے ضمانت کرکے لے گئے تھے اگر وہی آئینگے تو میں جاؤنگی، اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور غلام محی الدین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعیہ زوجہ اپنی سے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور غلام محی الدین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعیہ زوجہ اپنی سے کہا میں نے نائن کو اور ڈولی بھی بھیجی تھی تو کیوں نہیں آئی، اس پر بگا بیگم نے کہا کہ مجھ کو جانے میں کچھ عذر نہیں ہے مگر جو لوگ مجھ کو پہلے ضمانت کرکے لے گئے تھے وہی آکر لے جائیں گے تو میں جاؤں گی ان سوالات جرح وکلاء مدعا علیہ از گواہان مدعیہ سے اکثر اختلاف بگواہی گواہان مدعیہ اس قسم کے پائے گئے جو باعث بے اصلیت شہادت ونامقبولی عدالت پائے گئے گو یہ اختلافات بحالت ہونے گمان غالب صداقت دعوی وشہادت مانع قبول نہ تھی لیکن چونکہ مقدمہ ہذا حل وحرمت کا ہے اور عدالت ایسے محل پر کہ شادی فریقین کو صرف چھ سات ماہ گزرے ہیں کہ وصال میں انفصال سر پر آیا مدعا علیہ باوجود گوارہ نہ ہونے بود وباش سہ چار روزہ مدعیہ بخانہ والدین صرف انکار مدعیہ پر نہ آئی اپنے سے ہنوز بخانہ شوہر طلاق دے کر چلا گیا بہت شبہات واقع ہیں اس بناء پر بمذہب ابی یوسف وہ اختلافات بالضرورۃ اس زمانے میں کہ اکثر مخلوق نے پیشہ ادائے شہادت زور اختیار کرلیا ہے مانع قبول شہادت شہود ہیں بموجب روایت ہذا کے:

اذا ارتاب القاضی فی امر الشهود فرق بینهم ولایسعه غیر ذٰلك ویسألهم ایضا این کان هذا و متی	جب قاضی کو گواہوں کے متعلق شک ہو تو ان کو علیحدہ علیحدہ کردے اس کے علاوہ قاضی کو اختیار نہیں ہے اور قاضی ہر ایک سے جگہ اور وقت کا

کان ھذاویکون ھذاالسوال بطریق الاحتیاط وان کان لایجب ھذاعلی الشھود فی الاصل،فاذا فرقھم فان اختلفو افی ذٰلك اختلافا یفسد الشھادۃ ردھا وان کان لایفسدھا لایردھا وان کان یتھمھم فالشھادۃ لانرد بمجرد التھمۃ فی نوادر ابن السماعۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی قال ابوحنیفۃ اذا اتھمت الشھود فرقت بینھم ولاالتفت الٰی اختلافھم فی لبس الثیاب وعدد من کان معھم من الرجال والنساء ولا الی اختلافات المواضع بعد ان تکون الشھادۃ علی الاقوال وان کان الشھادۃ علی الافعال فالاختلاف فی المواضع اختلاف فی الشھادۃ قال ابو یوسف اذا اتھمتھم ورأیت الریبۃ فظننت انھم شھود الزور افرق بینھم واسألھم عن المواضع والثیاب ومن کان معھم فاذا اختلفو افی ذٰلك فھٰذا عندی اختلاف ابطل بہ الشھادۃ کذافی المحیط[1] ۱۲ا۔	سوال کرے کہ واقعہ کب اور کہاں ہوا،یہ سوال بطور احتیاط ہوگا اگرچہ گواہوں پر یہ بیان کرنا لازم نہیں ہے،توجدا کرنے پر جگہ اور وقت میں دونوں کا بیان ایسا مختلف ہو جس سے شہادت میں فساد ہو تو اس کو رد کردے اور وہ اختلاف ایسا ہو جس سے شہادت فاسد نہ ہوتی ہو تو رد نہ کرے اور اگر گواہوں میں اتفاق پایا جائے تو محض تہمت کی بناء پر رد نہ کرے،ابن السماعۃ کے نوادر میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے جب گواہوں پر تہمت پاؤں تو ان میں تفریق کردوں گا اور ایسے اختلاف کی طرف التفات نہ کرونگا کہ ان کا لباس کیا اور ان کے ساتھ کتنے مرد اور عورتیں تھیں اور نہ ہی جگہوں کے اختلاف کی طرف التفات کروں گا بشرطیکہ شہادت اقوال پر ہو اور اگر شہادت افعال پر ہو تو جگہوں کا اختلاف شہادت کا اختلاف قرار پائے گا،امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جب مجھے شک ہو اور میں یہ گمان کروں کہ گواہ جھوٹے ہیں تو میں دونوں کو ایکدوسرے سے جدا کرکے ان سے مواضع اور لباس کے کپڑوں اور واقعہ میں موجود مرد وعورتوں کی تعداد کے متعلق سوال کروں گا اگر وہ ان امور میں اختلاف کریں تو میرے نزدیک یہ ایسا اختلاف ہوگا جس کی بناء پر میں شہادت کو باطل قرار دوں گا،محیط میں یونہی ہے ۱۲۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المحیط کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

چہارم: یہ کہ معاملہ ہذا اقسام دعاوی حلال وحرام سے ہے ایسے محل پر واجبات سے ہے کہ تاوقتیکہ گواہان ثقات و معتمد سے وقوع طلاق متحقق نہ ہو اوپر بیان مجرد ایسے اشخاص کے حکم تفریق بین الزوجین دینا بجز اس کے کہ اپنی جان کو ماخوذ بہ گناہ کیا جائے کوئی نتیجہ نہیں عدالت کی رائے میں کوئی گواہان میں سے ایسا نہیں کہ جس کی شہادت کے اطمینان پر حکم تفریق بین الزوجین دیا جائے اس لئے کہ غلام ناصر خاں مردمان گواہی پیشہ سے ہے اکثر مقدمات میں گواہیاں اس کے وقت تلاش موجود نکل سکتی ہیں اور صدہا مخبریان دروغ لوگوں پر کرنا شروع کی تھیں کہ عندالتحقیق سرکار اصل ان کی نہ نکلی گواہی مخبر بوجہ فسق قابل قبول نہیں، تفضل حسین خاں پیشتر ازیں بمقدمہ جعل سازی سزایاب ہوچکا ہے غلام محی الدین خاں عرف ننھے خان اور کلن خاں جن کا حال ہم کو نہیں معلوم تھا ان کا حال ہم نے خفیہ طور پر بذریعہ آدم معتبر و معتمد خود دریافت کرایا یہ ہر دو گواہ بھی عند الدریافت آدم معتمد ثقات اور مقبول الشہادۃ نہ پائے گئے بناء بر روایت شامی کے کہ جو ذکر کی جائے گی اور بعض گواہ ان میں سے مستور الحال ہیں اور بعض فاسق ہیں اور گواہی مستور و فاسق کی جب تک تحری صدق نہ ہو اور عدالت ظاہر نہ ہو قابل اعتماد نہیں۔

كما قال فی الدر الفاسق اهلها فيكون اهله لكنه لايقلد وجوبا ويأثم مقلده كقابل شهادته به يفتى وقيده فی القاعدية بما اذا غلب ظنه صدقه فليحفظ، درر[1] ومقتضى الدليل ان لايحل ان يقضى بها فان قضى جاز و نفذ اھ ومقتضاه الاثم وظاہر قوله تعالٰی ان جاء كم فاسق بنبا فتبينوا انه لايحل قبولها قبل	جیسے در میں فرمایا کہ فاسق شہادت کا اہل ہے تو وہ قضاء کا اہل ہے لیکن اس کا تقرر نہ کیا جائے یہ لازمی بات ہے اور اس کی تقرری منظور کرنیوالا گنہگار ہوگا جیسا کہ اس کی شہادت قبول کرنے والا گنہگار ہے اسی پر فتوٰی ہے، فتاوٰی قاعدیہ میں فاسق کے متعلق اہل قضاء و شہادت ہونے کو اس قید سے مقید کردیا کہ جب تقرر کرنیوالے کو فاسق کے صدق کا گمان ہو، اس کو محفوظ کرلو، درر۔ اور دلیل کا مقتضٰی یہ ہے کہ فاسق کو فیصلہ دینا حلال نہیں تو اگر اس نے کوئی فیصلہ کردیا تو جائز اور نافذ ہوگا اھ، اس کا

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

تعرف حاله وقولهم بوجوب السوال عن الشاہد سراوعلانية طعن الخصم اولا فی سائر الحقوق علی قولهما المفتی به یقتضی الاثم بترکه لانه للتعریف عن حاله حتی لایقبل الفاسق وصرح ابن الکمال بان من قلد فاسقا یاثم واذا قبل القاضی شهادته یاثم [1] اھ وفی الفتاوی القاعدية هذا اذا غلب علی ظنه صدقه وهو مما یحفظ اھ **قلت** والظاہر انه لایاثم ایضا لحصول التبیین المامور به فی النص تامل، قال ط فان لم یغلب علی ظن القاضی صدقه فان غلب کذبه عنده او تساویا فلا یقبلها ای لایصح قبولها	مقتضٰی یہ ہے کہ گناہ ہوگا، اور اللہ تعالٰی کے ارشاد "اگر فاسق کوئی خبر دے تو اس کی وضاحت طلب کرو" کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ اس کی شہادت کا قبول کرنا اس کے حال کی تحقیق سے قبل حلال نہیں ہے جبکہ فقہاء کرام کا گواہ کے متعلق فرمانا کہ خفیہ طور پر اور اعلانیہ بھی اس کی تفتیش کی جائے فریق مخالف کا اس پر طعن ہو یا نہ ہو خواہ تمام حقوق میں ہو، صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق تو فقہاء کرام کی اس بات کا تقاضا ہے یہ کام ترک کرنے پر گناہ ہوگا کیونکہ یہ کام گواہ سے متعلق معلومات کے لئے ہے حتی کہ فاسق ہو تو گواہی قبول نہ کی جائیگی اور ابن کمال نے تصریح کی ہے کہ جس نے فاسق کی تقرری کی وہ گنہگار ہوگا اور جب قاضی فاسق کی شہادت قبول کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ فتاوٰی قاعدیہ میں ہے یہ جب ہے کہ تقرری اور شہادت قبول کرنے والے نے فاسق کے صدق کا گمان کیا ہو، یہ بات محفوظ رکھنے کے قابل ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ ہے کہ گنہگار نہ ہوگا، کیونکہ نص میں بیان کردہ حکم کے مطابق تفتیش ہوچکی ہے، غور کرو۔ ط نے کہا اگر قاضی کو گواہ فاسق کے صدق پر غلبہ ظن نہ ہو خواہ اس کذب پر غلبہ ظن ہو یا اس کا صدق وکذب قاضی کے نزدیک مساوی ہو تو شہادت کو قبول نہ کرے یعنی قبول

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹

اصلا هذا ما يعطيه المقام شامی[1] ۱۲،ولايقبل قول المستور فی ظاهر الرواية وعن ابی حنيفة انه يقبل قوله فيها جريا علی مذهبه يجوز القضاء به وفی ظاهر الرواية هو والفاسق سواء حتی يعتبر فيهما اكثر الرای ۱۲ هداية[2]،ولهذاجوز ابوحنيفة رحمه الله تعالٰی القضاء بشهادة المستور فيما يثبت بشبهات اذالم يطعن الخصم قال ولكن ماذكره فی الاستحسان اصح فی زماننا فان الغالب فی اهل الزمان الفسق فلا تعتمد رواية المستور مالم يتبين عدالته كما لا تعتمد شهادته فی القضاء قبل ان يظهر عدالته وفی ظاهر الرواية هووالفاسق سواء حتی يعتبر فيهما ای فی المستور والفاسق اكبر رأی فان كان غالب الرأی صدقهما يقبل قولهما والافلا عينی[3] ۱۲۔	کرنا بالکل صحیح نہ ہوگا، یہ مقام کی بحث ہے،شامی،اور مستور الحال کی بات ظاہر روایت کے مطابق قابل قبول نہیں ہے،اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ اس کی بات قبول ہوگی جیساکہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے جب شہادت قبول ہوگی تو قضاء بھی جائز ہوگی اور جبکہ ظاہر الروایت میں مستور الحال اور فاسق کا حکم مساوی ہے حتی کہ ان دونوں میں رائے کے غلبہ کا اعتبار ہے،ہدایہ۔اور اس لئے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مستور الحال کی قضا کو ایسے معاملات میں جائز قرار دیا ہے جو شبہات کے باوجود مخالف فریق کے طعن نہ کرنے پر ثابت ہوجاتے ہیں،فرمایا، لیکن آپ نے استحسان میں جوفرمایا ہمارے زمانے میں وہ اصح قول ہے کیونکہ اس زمانہ میں فسق غالب ہے تو مستور الحال کا معاملہ جب تک حلف نہ ہوجائے اس پر اعتماد نہ کیا جائے گا جیساکہ قضاء کے معاملہ میں اس کی شہادت پر اعتماد ظہو رعدالت کے بغیر نہیں کیا جاتاظاہر روایت میں اس کا اور فاسق کا حکم مساوی ہے حتی کہ ان دونوں کے متعلق غلبہ رائے میں ان کا صدق ہو تو ان کی بات مقبول ہوگی،ورنہ نہیں،عینی ۱۲۔(ت)

[1] ردالمحتار كتاب القضاء داراحياء التراث العربی بيروت ۴/ ۳۰۰

[2] الهداية كتاب الكراهية فصل فی الاكل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۲

[3] البناية كتاب الكراهية فصل فی الاكل والشرب المكتبة الامدادية مكة المكرمة ۴/ ۲۰۰

اور جن گواہوں کی نسبت عدالت نے نامقبول شہادت پر وجوہات قائم کئے ہیں اور فاسق اور مستور الحال لکھا ہے بہت تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ عدالت نے ان میں سے اکثر کی گواہی قبول کی ہے اور بعد اس کے کوئی امر ان سے ایسا سرزد نہیں ہوا ہے کہ جس سے فاسق اور مستور الحال ہوگئے ہوں اور ان کی گواہی پر اعتماد نہ رہا ہو اور بابت تفضل حسین خاں کے لکھا ہے کہ یہ مقدمہ جعل سازی میں سزایاب ہوچکا ہے یہ صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ عدالت ماتحت نے اس پر جعل سازی قائم کی تھی حالانکہ وہ بری تھا اسی واسطے وہ مرافعہ میں بری ہوگیا اس کی سند اس کے پاس موجود ہے اور غلام ناصر خاں کو عدالت نے اپنے فیصلہ میں گواہی پیشہ اور مخبر قرار دیا ہے اور اس کو اس سے انکار ہے اور کہتا ہے کہ یہ امر بالکل بے ثبوت ہے اگر عدالت کے پاس کوئی ثبوت ہو بیان کرے۔ اب علمائے دیندار سے استفسار اس امر کا ہے کہ دعوی ہندہ کا ثابت ہے یا نہیں؟ اور شہادۃ شہود کافی ہے یا نہیں؟ اور عدالت نے جو وجوہات نامقبولی شہادت شہود بیان کئے ہیں صحیح ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر دو مرد یا ایک مرد دونوں عورتیں ثقہ عادل شرعیہ ہیں اور انہوں نے شہادت بروجہ شرع ادا کی تو دعوی طلاق ضرور ثابت ہے اور فیصلہ بحق مدعیہ کرنا واجب، عامہ وجوہ نامقبولی شہادات کہ فیصلہ میں مذکور ہوئیں اصلاً بے اصل و ناقابل قبول ہیں (جہالت تاریخ) شہود کے چھبیس۲۶ ستائیس۲۷ دن کہنے کو جہالت تاریخ قرار دینا **اولاً:** سخت عجب ہے جبکہ صراحۃً تعیین تاریخ ویوم وماہ سب کچھ ان کے کلام میں مذکور۔

ثانیاً: روایت منقولہ فیصلہ دعوی ملک میں ہے طلاق کا اس پر قیاس باطل و مہجور۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ایک شاہد نے کہا آج طلاق دی دوسرے نے کہا کل، طلاق ثابت ہے اور شہادت متقبل، بحر الرائق واشباہ والنظائر وزواہر الجواہر ودر مختار وغیرہ میں ہے:

قال احدھما طلقھا الیوم والآخر انہ طلقھا امس یقع الطلاق[1]۔	ایک گواہ نے کہا اس نے بیوی کو آج طلاق دی ہے دوسرے نے کہا اس نے گزشتہ روز طلاق دی ہے تو طلاق ثابت ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی صغری وفصول عمادی وخزانۃ المفتین وجامع الفصولین وغایۃ البیان وفتاوٰی انقرویہ

[1] درمختار کتاب الوقف فصل فیمایتعلق بوقف الاولاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۸

وردالمحتار آخر الوقف میں ہے:

لو اختلف الشاھدان فی زمان او مکان او انشاء و اقرار او کان ھذا الاختلاف فی قول محض کبیع وطلاق و اقرار و ابراء لایمنع القبول[1]۔	اگر دونوں گواہوں کا اختلاف زمان، مکان، انشاء اور اقرار میں ہو اور گواہی کا تعلق کلام والے معاملہ سے جیسے بیع، طلاق، اقرار اور بری کرنے سے ہو تو یہ اختلاف گواہی کی قبولیت سے مانع نہ ہوگا۔(ت)

خلاصہ وجامع الفصولین وبحرالرائق وانقرویہ میں ہے:

الاختلاف فی زمان او مکان او انشاء و اقرار فی القول المحض لایمنع قبولھا مطلقًا اھ مختصرین[2]۔	زمان، مکان یا انشاء واقرار کا محض کلام والے معاملہ میں یہ اختلاف شہادت کی قبولیت کیلئے مانع نہ ہوگا اھ مختصرین(ت)

کافی ولسان الحکام وبحرالرائق میں ہے:

اذا اختلف الشاھدان فی الزمان او المکان فی البیع و الشراء والطلاق والعتاق والوکالۃ والوصیۃ والرھن و الدین والقرض والبرائۃ والکفالۃ والحوالۃ والقذف تقبل[3]۔	بیع شراء، طلاق، عتاق، وکالت، وصیت، رہن، دین، قرض، برائت، کفالہ، حوالہ اور قذف میں جب گواہوں کا اختلاف زمانہ یا مکان میں ہو تو شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد داراحیاء التراث لعربی بیروت ۳/ ۴۴۴، فتاوٰی انقرویۃ کتاب الشھادات الفصل الثامن دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۹، جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۳

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۴، فتاوی انقرویۃ کتب الشھادات الفصل الثامن دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۹، بحرالرائق کتب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳

[3] بحرالرائق کتب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳، لسان الحکام الفصل الثالث فی الشھادات نوع فی الاختلاف فیہ الشھادۃ مصطفی البابی مصر ص ۲۴۷

معین الحکام میں ہے:

لو شھدا بالخلع او الکبیع او الھبۃ او الصدقۃ او الرھن او الصلح واختلفا فی المکان او الزمان قبلت [1]۔	اگر گواہی کا تعلق خلع، بیع، ہبہ، صدقہ، رہن یا صلح سے ہو اور دونوں گواہ مکان یا زمان میں اختلاف کریں تو شہادت مقبول ہوگی (ت)

جامع الفصولین وانقرویہ میں دربارہ اختلاف تاریخ ہے:

الاختلاف فی القول لایمنع [2]۔	قولی معاملہ میں تاریخ کا اختلاف گواہی کی مقبولیت کے لئے مانع نہیں ہے (ت)

(عداوت دنیویہ) تفضل حسین خاں کا مدعا علیہ سے ترک سلام وکلام **اولاً** مہاجرت ہے اور مہاجرت و عداوت میں عموم وخصوص من وجہ، باپ اپنے بیٹے اور بھائی بھائی اور دوست دوست سے کسی بات پر کشیدہ ہو کر ترک سلام وکلام کرتا ہے مگر عداوت نہیں ہوتی ولھا نظائر فی عھد الصحابۃ بل وعھد النبوۃ مع قولہ تعالٰی "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" (اللہ تعالٰی کے فرمان کہ "آپس میں رحم کرنے والے ہیں" کے باوجود صحابہ کرام بلکہ زمانہ نبوت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ت) تو عام کو ایک خاص پر بلادلیل حمل کردینا کیونکر صحیح، لاجرم شرح وہبانیہ للمصنف وللابن الشحنہ والشرنبلالی ولسان الحکام ودرمختار وغیرہا میں ہے:

مثال العداوۃ الدنیویۃ ان یشھد المقذوف علی القاذف والمقطوع علیہ الطریق علی القاطع الطریق و المقتول ولیہ علی القاتل والمجروح علی الجارح وقد یتوھم بعض المفقھۃ والشھود ان کل من خاصم شخصاً فی حق یصیر عداوۃ ولیس کذٰلک بل العداوۃ تثبت	دنیاوی عداوت کی مثال متہم ہونیوالے کی تہمت لگانے کے خلاف، ڈکیتی سے متاثر ہونیوالے کی ڈاکو کے خلاف، مقتول کے والی کی قاتل کے خلاف، مجروح ہونیوالے کی جارح کے خلاف شہادت ہے، بعض فقیہ بننے والے اور بعض گواہ لوگوں کا خیال ہے کہ ہر مخاصمت والے کی ایک دوسرے کے خلاف، عداوت قرار پاتی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ عداوت کا ثبوت ان صورتوں

[1] معین الحکام الباب الثالث عشر مصطفی البابی مصر ص ۱۰۷

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۴، فتاوٰی انقرویۃ کتاب الشہادات الفصل الثامن دارالاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۹

بنحو ماذکرت[1] اھ ملتقطا۔	کے سبب ہوتا ہے جیسے میں نے ذکر کی ہیں اھ ملتقطا (ت)

ثانیًا: مہاجرت کو عداوت ہی مانئے تو دنیویہ کا کیا ثبوت۔ مسلمان کے اقوال افعال کو مہما امکن محمل حسن پر اتارنا واجب کما نطقت بہ الاٰیات والاحادیث (جیسا کہ آیات واحادیث نے اسے بیان کیا ہے۔ت) کیا یہ مہاجرت اس بناء پر ناممکن کہ مدعا علیہ نے تین طلاقیں دفعۃً دیں اور یہ شرعًا حرام، تو بوجہ ارتکاب معصیت اس سے مہاجرت کی فیکون من الدین لا للدنیا و ھو لایمنع القبول کما نص الفحول (تو وہ دین کے متعلق ہوگی نہ کہ دنیوی، جبکہ یہ مانع نہیں ہے جیسا کہ بڑوں نے اس پر نص کی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

تقبل من عدو بسبب الدین لانہا من التدین[2]۔	دین کے سبب عداوت والے کی شہادت مقبول ہے کیونکہ یہ دین پسندی ہے۔(ت)

ثالثًا: دنیویہ ہی سہی مگر ہمارے تمام ائمہ کے اصل مذہب منصوص علیہ میں ہر عداوت دنیویہ مطلقًا مانع شہادت نہیں جب تک موجب فسق نہ ہو، منع مطلق امام شافعی کا مذہب ہے نہ کہ ہمارے ائمہ کا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وقت اختلاف ترجیح ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب کما فی البحر والدر والخیریۃ وردالمحتار وغیرہا من معتمدات الاسفار (جیسا کہ بحر، در، خیریہ، ردالمحتار وغیرہا قابل اعتماد کتب میں ہے۔ت) نہ کہ جہاں روایت وہی ہو وہاں غیر کی طرف کیونکر مصیر، ردالمحتار میں ہے:

بقی ھنا تحقیق و توفیق وھو انہ ذکر فی القنیۃ ان العداوۃ الدنیویۃ لاتمنع قبول الشہادۃ مالم یفسق بہا وانہ الصحیح وعلیہ الاعتماد وان مافی المحیط و الواقعات من ان شہادۃ العدو علی عدوہ لاتقبل اختیار المتاخرین والروایۃ	یہاں تحقیق اور توفیق باقی ہے وہ یہ کہ قنیہ میں مذکور ہے کہ عداوت دنیوی میں جب تک فاسق نہ ہو جائے اس کی شہادت قبول ہوگی، اور کہا کہ یہ صحیح ہے اور اس پر اعتماد ہے، جبکہ محیط اور واقعات میں یہ بیان ہے کہ دشمنی والے کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول نہ ہوگی یہ متاخرین کا

[1] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۴۔۲۴۳

[2] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

المنصوصة تخالفها وانه مذہب الشافعی، وقال ابوحنیفة رحمه الله تعالٰی تقبل اذاکان عدلا وفی المبسوط ان کانت دنیویة فهذا یوجب فسقه فلا تقبل شهادته اھ ملخصا، والحاصل ان فی المسألة قولین معتمدین احدهما عدم قبولها علی العدو وهذا اختیار المتاخرین وعلیه صاحب الکنز و الملتقی، ثانیهما انها تقبل الااذا فسق بها واختاره ابن وهبان وابن الشحنة [1] اھ مختصرًا۔	مختار ہے حالانکہ منصوص روایت اس کے خلاف ہے، اور کہا کہ یہ امام شافعی کا مسلک ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ شہادت قبول ہوگی جب وہ عادل ہو، اور مبسوط میں ہے کہ جب دنیوی عداوت ہو تو یہ موجب فسق ہے تو مقبول نہ ہوگی اھ ملخصًا، اور حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو معتمد قول ہیں، ایک یہ کہ عدالت والوں کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت نامقبول ہے اور یہ متاخرین کا مختار ہے اور اسی پر صاحب کنز و ملتقی کا اعتماد ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ عداوت والوں کی شہادت مقبول ہے تاوقتیکہ وہ فاسق نہ ہو جائیں، اور اس کو ابن وہبان اور ابن شحنہ نے اختیار کیا ہے اھ مختصرًا (ت)

کنزالرؤس میں ہے:

شهادة العدو علی عدوه لاتقبل لانه متهم وقال ابوحنیفة تقبل اذا کان عدلا قال استاذ نا وهو الصحیح و علیه الاعتماد لانه اذاکان عدلا تقبل شهادته وان کان بینهما عداوة بسبب امر الدنیا [2] اھ اثره فی البحره۔	عداوت والے کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت مقبول نہیں کیونکہ وہ محل تہمت ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جب عادل ہوں تو مقبول ہے، اور ہمارے استاد نے فرمایا یہی صحیح ہے اور اسی پر اعتماد ہے کیونکہ جب عادل ہو تو اس کی شہادت مقبول ہے اگرچہ ان میں دنیوی عداوت ہو اھ، اور بحر میں اسے نقل کیا ہے (ت)

شرح وہبانیہ ولسان الحکام میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۱

[2] بحر الرائق بحوالہ کنز الرؤس کتاب الشهادات باب من تقبل شهادته الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۸۶

شهادة العدو على عدوه الصحيح انها تقبل سواء كانت العداوة دينية او دنيوية فانها لاتقدح فى العدالة [1]۔	صحیح یہ ہے کہ عداوت والے کی شہادت مقبول ہے خواہ یہ عداوت دینی ہو یا دنیوی، کیونکہ یہ عدالت کو متاثر نہیں کرتی۔ (ت)

رابعًا: وبالله التوفيق، نظر تدقیق میں تحقیق یہ ہے کہ علمائے متاخرین بھی مطلقًا رنجش کو مسقط شہادت نہیں کہتے جب تک اس حد تک نہ پہنچے کہ قلب وعقل ایمانی پر مستولی ہو کر عدالت انسان عادل پر غالب آجائے جس کے باعث بانکہ اس کی عدالت ثابت، یہاں جھوٹی گواہی دینے کا مظنہ پیدا ہوا اور اس شخص کے معاملہ خاص میں اس کے صدق وعدالت پر اطمینان نہ رہے، ان کی تعلیلات اس معنی پر شاہد عدل ہیں، خود فیصلہ میں امام عینی سے نقل کیا:

لايؤمن من التقول عليه عـــہ۔	جھوٹ والے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا (ت)

اسی طرح بحرالرائق ودرمختار وغیرہما میں ہے اور اب یہ مذہب منصوص سے چنداں بعید نہیں وہاں فسق حاضر وظاہر پر بنائے کار ہے یہاں فسق مظنون وخفی وارتفاع امان پر، اور اس کی نظیر اس کی ضد یعنی محبت ہے کہ وہ بھی جب اس درجہ تک بالغ ہو کہ یہ اس کے معاملہ میں متہم ہو جائے تو اس کے نفع میں اس کا قول مقبول نہیں اصل محبت بالاجماع مانع شہادت نہیں كما سيأتى (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) یونہی اصل عداوت تو حاصل حکم یہ ٹھہرا کہ اگر عداوت نے بالفعل فاسق کر دیا تو بالاتفاق اس کی شہادت اس دشمن اور اس کے غیر سب کے معاملہ میں مطلقًا مردود، اور اگر اس مرتبہ قوت پر ہے کہ گو فی الحال مرتکب فسق نہ ہوا مگر اس کے معاملہ میں عداوت کا پلہ عدالت پر غالب ہے تو غیر عدو کے بارے میں بالاتفاق مسموع، اور خاص عدو کے ضرر پر اختیار، متاخرین میں نامقبول، اور اگر ایسا نہیں تو مطلقًا اتفاقًا مقبول۔

هذا هو التحقيق الذى يعطيه كلامهم ويشده الدليل فعليه فليكن التعويل۔	تحقیق یہی ہے جو ان کے کلام سے حاصل ہوئی اور دلیل اس کی تائید کرتی ہے اس پر اعتماد چاہئے۔ (ت)

عـــہ: یہ عبارت اندازہ سے بنائی گئی۔

---

[1] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۳

تو عند التحقیق مجرد اس اظہار تفضل حسین خاں سے عداوت بالغہ مان لینا کسی قول پر صحیح نہیں جب تک اس کی ترجیح جانب عدالت پر ثابت نہ کی جائے ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت)

(طرفداری) غلام ناصر خاں کا کہنا جو کچھ کوشش اور پیروی ہوسکے گی کروں گا اگر اس بناء پر مانع قبول مانئے کہ جو کسی کام میں کوشش و پیروی کرے مطلقاً مردود و مثل نفس مخاصم ہے تو بداہۃً باطل کہ اس میں سرے سے شہادت کا دروازہ ہی بند ہوتا ہے نفس شہادت ہی مشہود لہ کیلئے کوشش اور اس کے کام کی پیروی ہے کماتشھد بہ اللام فی شھد لہ (جیسا کہ "شھد لہ" کالام اس کی گواہی دیتا ہے۔ت) اور اگر اس بناء پر کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خواہ مدعیہ حق پر ہو یا باطل پر، ہر طرح میں اسی کا ساتھ دوں گا، تو کلام میں ہرگز اس کا ذکر نہیں اور از پیش خویش معنی فاسد پر حمل کرکے جو اعتراض ہو وہ اپنے حمل پر ہے نہ کہ اصل قول پر، کیوں نہ کہئے کہ ہو سکنے سے اس کے کلام میں امکان شرعی مراد، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ [1]۔ رواہ الامام احمد ومسلم فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی کو نفع دے تو دینا چاہئے (اسے امام احمد و مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

جو معنی "ہو سکنے" کے یہاں ہیں وہی وہاں۔ لفظ طرفداری کلام غلام ناصر خان میں ہے بھی نہیں، کلام غلام محی الدین خاں میں ہے، عند الانصاف وہ بھی اسی قیاس پر ہے اس نے ہرگز نہ کہا کہ مدعیہ حق پر ہو یا ناحق پر، میں ہر طرح اس کا طرفدار ہوں گا، اور امر حق میں طرفداری نہ ممنوع نہ مانع قبول، ورنہ وہی سد باب شہادت لازم آئے۔ علماء جو مخاصم مقدمہ کی شہادت نامقبول بتاتے ہیں جسے مجوز فیصلہ نے ایک روایت محض بیگانہ پر محول کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود فریق مقدمہ ہو جیسے شریک یا وکیل یا نابالغ کا وصی، نہ یہ کہ مطلقاً معین کو مخاصم و فریق مقدمہ بنادیجئے، بدائع پھر ردالمحتار میں ہے:

شرط ادائھا ان لایکون خصما	شہادت ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس معاملہ

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

فلاتقبل شهادة الوصی للیتیم والوکیل لموکله[1]۔	میں گواہ کی مخاصمت نہ ہو، تو وصی کی یتیم کے حق میں اور وکیل کی موکل کے حق میں شہادت مقبول نہ ہوگی۔(ت)

شرح وہبانیہ للمصنف ولسان الحکام و بحر الرائق میں ہے:

لو خاصم الشخص آخر فی حق لاتقبل شهادته علیه فی ذٰلك الحق کالوکیل لاتقبل شهادته فیما هو وکیل فیه، والوصی لاتقبل شهادته فیما هو وصی فیه و الشریك لا تقبل شهادته فیما هو شریك فیه ونحو ذٰلک[2]۔	اگر کوئی کسی حق میں دوسرے سے مخاصم ہے تو اس حق میں ایک دوسرے کے خلاف شہادت مقبول نہ ہوگی، جیسا کہ وکیل کی شہادت اس کی وکالت والے معاملہ میں اور وصی کی جس معاملہ میں وہ وصی ہے اور شریک کی جس میں اس کی شرکت ہے، قبول نہ ہوگی۔(ت)

ہر ذی عقل جانتا ہے کہ ایک دوست خالص اپنے سچے دلی دوست کا ضرور طرفدار ہوتا ہے خصوصًا حقیقی بھائی پھر باتفاق علما دوست وبرادر کی شہادت یقینا مقبول و مسموع ہے جب تک دوستی اس حد کو نہ پہنچے کہ ایک دوسرے کے مال میں نہ صرف زبانی بلکہ واقعی اپنے مال کی طرح جو چاہے بے تکلف تصرف کرے۔ معین الحکام وفتاوٰی تمرتاشی و در مختار میں ہے:

اما الصدیق لصدیقه فتقبل الااذاکانت الصداقة متناهیة بحیث یتصرف کل فی مال الآخر[3]۔	لیکن دوست کی دوست کے حق میں شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ وہ دوستی انتہائی جس میں وہ ایک دوسرے کے مال میں بلااجازت تصرف کرتے ہوں، نہ ہو۔(ت)

کنزوغیرہ عامہ متون میں ہے:

تقبل لاخیه وعمه وابویه رضاعاوام امرأته وبنتهاو زوج بنته و	بھائی، چچا، والدین رضاعی، بیوی کی ماں، بیوی کی پہلی خاوند سے بیٹی، داماد، والد کی بیوی

[1] ردالمحتار کتاب الشهادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[2] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۴

[3] درمختار کتاب الشهادات باب القبول وعدمه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

امرأة ابنه وابيه[1]۔	اور والد کے بیٹے (علاتی بھائی) کے حق میں شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر گواہی مقدمہ میں مدعاعلیہ سے لڑیں جھگڑیں شہادت کو ضرر نہیں جبکہ عادل ہوں اس سے زیادہ اور کیا طرف داری ہوگی۔ خزانۃ الفتاوٰی و بحرائق و درمختار میں ہے:

تخاصم الشھود والمدعی علیه تقبل لو عدولا[2]۔	مدعی علیہ اور گواہوں کی مخاصمت ہو تو گواہی مقبول ہے بشرطیکہ گواہ عادل ہوں۔(ت)

تنبیہ: مسئلہ برادر تمام متون وعامہ شروح و فتاوٰی میں یونہی اطلاق وارسال پر ہے قنیہ میں اسے اس قید سے مقید کیا کہ ایسا نہ ہو کہ مقدمہ نے بہت طول کھینچا اور یہ بھائی اپنے بھائی کی حمایت میں برسوں سے اس مقدمہ کی پیروی و کوشش و مخاصمہ وکاوش میں رہا، اب اگر اس مقدمہ میں بھائی کیلئے گواہی دے گا مقبول نہ ہوگی کہ اس ممتد کارروائی نے گویا اسے مثل مخاصم کردیا، علامہ ابن وہبان نے نظم الفرائد میں اسے بلفظ قیل نقل کیا اور شرح میں قیاسًا فرمایا کہ باقی اقارب واجانب کا بھی یہی حکم ہو جبکہ برسوں پیروی مقدمہ کرچکے ہوں۔ بحرالرائق میں ہے:

فی القنیة امتدت الخصومة سنین ومع المدعی اخ وابن عم یخاصمان له مع المدعی علیه ثم شھدا له فی ھذہ الخصومة بعد ھذہ الخصومات لاتقبل شھادتھما اھ وذکر ابن وھبان وقیاس ذٰلك ان یطرد ذٰلك فی کل قرابة وصاحب تردد مع قرابته او صاحبه الی المدعی فی الخصومة سنین ویخاصم له	قنیہ میں ہے کئی سال تک مدعوی کی حمایت میں اس کا بھائی چچازاد، مدعٰی کے خلاف مخاصمت میں شریک ہیں پھر وہ بھائی اور چچازاد اسی مخاصمت کے مقدمہ میں مدعی کے حق میں گواہی دیں تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی اھ، ابن وہبان نے ذکر کیا ہے کہ یہ قاعدہ ہر قرابت میں جاری ہوگا اور اپنے قریبی کے تردد اور مدعی کی مصاحبت میں کوئی سال سے شامل ہے اور مدعی کے حق میں مدعی کے ساتھ

[1] کنز الدقائق کتاب الشھادات باب القبول وعدمہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۰

[2] بحرالرائق کتاب الشھادات باب من تقبل شھادتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۹۳، درمختار کتاب الشھادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

ومعه علی المدعی ثم یشهد له بعد ذلك فانه ینبغی ان لاتقبل والفقه فیه انه لماطال التردد مع المخاصم والمخاصمة له مع المدعی علیه صار بمنزلة الخصم للمدعی علیه اھ[1]۔	مدعا علیہ کے خلاف مخاصمت کر رہا ہے پھر وہ مدعی کے حق میں اس تردد اور مخاصمت میں گواہی دے تو اسے قبول کرنا مناسب نہیں اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب مدعی کے حق میں مدعی علیہ کے خلاف طویل مدت شریک رہا تو وہ گویا خود مدعی علیہ کے خلاف مخاصم بن گیا اھ۔(ت)

وہبانیہ میں ہے:۔

وقد قیل لابن العم والاخ لم یجز　　اذا خاصما معه سنینا واخروا[2]

(چچازاد اور بھائی کے متعلق بیشک یہ کہا گیا ہے کہ جب مدعی کے حق میں کئی سال کے بعد تک وہ مدعا علیہ کے خلاف مخاصم رہے ہوں تو ان کی گواہی مدعی کے حق میں جائز نہیں ہے۔ت)

پر ظاہر کہ یہاں یہ صورت بھی نہیں تو صرف اتنی بات پر شہود کو خصم ٹھہرا دینا محض بے اصل ہے۔

(اختلافات) کہ بیان شہود میں پیدا کئے ان میں کوئی اصلاً صالح التفات نہیں۔

اولاً: تفضل حسین خاں نے اپنی بی بی کا پرورش کرنا بتایا غلام ناصر خاں نے تفضل حسین خاں کا یہ کیا اختلاف ہوا ممکن کہ تربیت مباشرۃً امراؤ بیگم نے کی اور مال ورضا جانب تفضل حسین خاں سے، تو بلحاظ مباشرت اس سے نفی اور بنظر مال واجازت اس کے لئے اثبات دونوں حق ہیں۔

قال الله تعالٰی "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللهَ رَمٰی"[3]۔ فتح الامیر الحصن ولم یفتح هو بل العسکر کل صحیح کما قد علم فی محله۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب آپ نے مارا آپ نے نہ مارا لیکن اللہ تعالٰی نے مارا۔امیر نے قلعہ فتح کیا، اس نے فتح نہ کیا بلکہ لشکر نے فتح کیا یہ کلام ہر طرح صحیح ہے، جیسا کہ وہ اپنے محل میں معلوم ہے۔(ت)

ایسے امور کا صاحب خانہ کی طرف نسبت کرنا شائع وذائع ہے لانه الاصل وعن رأیه یصدر (کیونکہ

[1] بحر الرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۹۳
[2] الوہبانیۃ
[3] القرآن الکریم ۸/ ۱۷

صاحب خانہ اصل اور صاحب رائے ہے۔ت) اور اختلاف غلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں کا ادعا سخت ہی تعجب خیز ہے کلام محی الدین میں بگا کو ندا کی نفی بھی تو نہیں صرف عدم ذکر ہے وہ ذکر عدم کیونکر ہوا، رب العزت جل وعلا نے سورہ نمل میں فرمایا:

"یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾"[1]	اے موسٰی علیہ وعلٰی نبینا الصلوٰۃ والسلام، مت خوف کرو، میں وہ ذات ہوں کہ میرے ہاں رسولوں کو خوف نہیں ہوتا۔ (ت)

اور سورہ قصص میں ہے:

"یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾"[2]	اے موسٰی علیہ السلام! آگے بڑھو اور خوف نہ کرو، آپ امن والوں میں سے ہیں۔ (ت)

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا:

"قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ٙ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾"[3]	فرمایا اسے پکڑو اور خوف نہ کرو ہم اس کو عنقریب پہلی حالت پر پھیریں گے۔ (ت)

ان دونوں سورتوں میں ذکر ندا ہے یہاں نہیں بلکہ جملہ "لاتخف" کے سوا ہر جگہ نیا کلام نقل فرمایا ہے، کلن خاں اور ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کے بیانوں میں اختلاف گمان کرنا محض قلّت تدبر سے ناشئی ہے، سائل سے استفسار پر واضح ہوا کہ کلن خاں غیر شخص ہے بگا بیگم اس سے چھپتی ہے وہ دالان میں تھی اور یہ دروازے میں۔ اب دونوں بیان صاف صاف حق و صحیح ہیں بے غوری کے باعث یہ گمان ہوا کہ دروازے کا لفظ دونوں کلام میں بگا بیگم سے متعلق ہے یعنی کلن خاں کہتا ہے بگا بیگم نے دروازے میں آکر مجھ سے کہا ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کہتی ہیں بگا بیگم نے دالان میں سے کہا دروازے میں کچھ نہ کہا حالانکہ حقیقۃً عورات کے بیان میں تو یہ لفظ بگا بیگم کی طرف ناظر ہے جس طرح مجوز نے سمجھا اور کلن خاں کے کلام میں خود کلن سے متعلق ہے یعنی میں دروازے میں تھا کہ بگا بیگم نے مجھ سے کہا ایسی، طرف متکلم و مخاطب دونوں کے لئے محتمل و مستعمل ہوتی ہے زید نے مجھ سے مسجد میں کہا اسکے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ زید مسجد میں تھا جو اس نے مجھ سے

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۱

[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۲۱

کہااور یہ بھی کہ میں مسجد میں تھا کہ اس نے کہا ولہذا قرائن سے ایک معنی کی تعیین کرتے ہیں مثلاً قسم کھائی کہ تجھے مسجد میں گالی نہ دوں گا، تواس کے معنی یہ ہیں کہ میں جس وقت مسجد میں ہوں گا تجھے گالی نہ دوں گا ولہذا اگر وہ شخص مسجد میں ہوا اور اس نے باہر سے گالی دی حانث نہ ہوگا، اور اگر قسم کھائی کہ تجھے مسجد میں نہ ماروں گا تواس کے یہ معنی کہ جب تو مسجد میں ہوگا تجھے نہ ماروں گا ولہذا اگر وہ شخص بیرون مسجد ہے اور اس نے مسجد میں سے اسے مارا قسم نہ ٹوٹے گی۔ اشباہ میں ہے:

قال ان شتمته فی المسجد او رمیت الیه فشرط حنثه کون الفاعل فیه وان ضربته او جرحته او قتلته او رمیته کون المحل فیه [1]۔	اگر کسی نے کہا میں اسے مسجد میں گالی دوں یا مسجد سے اسے تیر ماروں، اس کی قسم ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ فاعل مسجد میں ہو، اور اگر کہا میں اس کو ضرب لگاؤں یا زخمی کروں یا قتل کروں یا تیر ماروں تو پھر شرط یہ ہے کہ مفعول مسجد میں ہو۔ (ت)

ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم کے بیان میں احتمال اول مقصود ہے اور کلن خاں کے بیان میں دوم، ولہذا اس نے دالان ودروازہ کا فاصلہ بتایا کہ تین چار ہی گز ہے جس کے سبب بگا بیگم نے دالان میں سے جو بات کی میں نے دروازے میں سنی۔ یہ تو حق تحقیق ہے اور بالفرض اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور دونوں کلام میں طرف کو بگا بیگم ہی کے واسطے قرار دیجئے تاہم وہ دونوں بیان بداہۃً بگا بیگم کے دو کلاموں کے حکایت ہیں ایک میں کلن خان مخاطب تھا کہ تم کو گواہی دینا ہوگی دوسرے میں اور لوگ کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی وہ کلن خان سے کہا تھا یہ اس کے جانے کے بعد تو ایک کا دروازہ دوسرے کا دالان میں ہونا کیا محال ہے نہ ہر گز شرط شاہد ہے کہ اس تمام جلسے میں جس سے جو بات اصل امر سے زائد بھی کہی جائے اس سب کو اس کا علم محیط اور اس کے حفظ میں حاضر ہو، یہیں سے سلام علیک کہنے نہ کہنے کا جواب ظاہر، معہذا ممکن کہ تفضل حسین خان جب دروازے پر مدعا علیہ کو بلانے گیا اس نے اس سے سلام علیک نہ کی پھر یہ اس کے بعد مکان میں آیا اس نے سلام علیک کرتے نہ دیکھا اپنے عدم علم کی بناء پر نفی کی اور غلام محی الدین نے دیکھا لہذا اپنے علم کی بناء پر اثبات، ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم وتفضل حسین خاں وغلام محی الدین خاں کے بیان میں جو مکالمہ زن وشو کے حکایات ہیں ان کا حاصل کہیں مختلف ومتنافی نہیں اسے اختلاف بتانے کے رد میں وہی تین آیتیں کہ ابھی تلاوت کی گئیں

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الایمان ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۷۷

اور قرآن عظیم کے عامہ قصص اور تمام منقولہ بالمعنی وبزیادت ونقص رواۃ جن کے تودہ تودہ نظائر صحیح بخاری کے اور ابواب اور صحیح مسلم کے ایک ہی سیاق میں مل سکتے ہیں کافی ووافی۔ کوئی عاقل اسے اختلاف نہیں کہہ سکتا۔ رہاغلام ناصر خان وغلام محی الدین خاں کا اختلاف، ممکن کہ واقع میں غلام ناصر خاں پہلے چلا گیا ہو غلام محی الدین خاں نے اسے جاتے نہ دیکھا استصحابًا کہا وہیں چھوڑآیا۔

ثانیًا: بالفرض اگر یہ سب اختلاف مسلم بھی ہوں تو زائد وفضول ولغو وبیکار باتوں میں تفاوت اصلًا لائق التفات نہیں بگا بیگم کو تفضل حسین خان نے پرورش کیا یا اس کی زوجہ نے مدعا علیہ نے طلاق دینے میں "اے بگا" کہا، یا بے ندا اس سے خطاب کیا، اس نے امراؤ بیگم وغیرہا سے سلام علیک کی یا نہ کی، غلام محی الدین خاں پہلے اٹھ گیا یا غلام ناصر خاں، بگا بیگم نے کلن خاں سے دروازے میں کچھ کہا یا نہیں، بجواب عباس علی خاں جب تک ضامن نہ آئیں، جانے سے انکار ان لفظوں سے ادا کیا یا ان سے ان میں کون سی بات کی نفی یا اثبات طلاق دینے نہ دینے سے تعلق یا معاملہ پر کچھ اثر رکھتی ہے تو ایسی مہملات پر نظر کے کوئی معنی نہیں۔ وجیز امام کردری میں ہے:

التناقض فیما لایحتاج الیه لایضر، اصله فی الجامع الصغیر الخ[1]۔	غیر ضروری کے متعلق تناقض مضر نہیں، اس کی اصل جامع الصغیر میں ہے الخ (ت)

جامع الفصولین فصل ۱۱ میں ہے:

القاضی لو سأل الشهود قبل الدعوٰی عن لون الدابة فقالوا کذا ثم عند الدعوٰی شهدا بخلاف ذلك اللون تقبل لانه سأل عما لایکلف الشاهد بیانه فاستوی ذکره وترکه ویخرج منه مسائل کثیرة[2]۔	قاضی نے اگر دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا توانہوں نے کوئی رنگ بتایا پھر قاضی نے دعوی کے موقعہ پر ان سے سوال کیا تو انہوں نے دوسرا رنگ بتایا یہ شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قاضی نے ان سے ایسی چیز کا سوال کیا جس کے بیان کے وہ پابند نہیں تو ایسی چیز کا ذکر کرنا نہ کرنا مساوی ہے اس ضابطہ سے بہت سے مسائل کی تخریج ہوئی ہے۔ (ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے:

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۵۱

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰

لو سأل القاضی الشهود عن لون الدابة وذكروا ثم شهدوا عند الدعوی و ذکروا الصفة علی خلافه تقبل والتناقض فیما لایحتاج الیه لایضر[1]۔	اگر قاضی نے گواہوں سے جانور کے رنگ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کوئی رنگ بتایا پھر دعوی کے موقعہ پر انہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو شہادت مقبول ہوگی کیونکہ غیر ضروری چیز میں تناقض مضر نہیں ہے (ت)

خانیہ وبحر الرائق و ظہیریہ وعالمگیریہ میں ہے:

لو اختلفا فی الثیاب التی کانت علی الطالب والمطلوب او المرکب او قال احدهما کان معنا فلان وقال الآخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انه یجوز لاتبطل هذه الشهادة[2]۔	اگر گواہوں نے طالب، مطلوب یا سواری کے جانور پر کپڑے میں اختلاف کیا یا ایک نے کہا فلاں ہمارے ساتھ تھا اور دوسرے نے کہا وہ ہمارے ساتھ نہ تھا اصل (مبسوط) میں مذکور ہے کہ یہ شہادت جائز ہے اوراسے باطل نہ کہا جائیگا۔ (ت)

فتاوٰی قاعدیہ وفتاوٰی انقرویہ میں ہے:

قال الشهادة لو خالفت الدعوٰی بزیادة لایحتاج الی اثباتها او بنقصان کذٰلك فان ذٰلك لایمنع قبولها مثالها لو اشهدا علی اقراره بمال فقال لااقر فی یوم کذا والمدعی لم یذکر الیوم او شهدا ولم یؤرخا و المدعی ارخ، اوشهدا انه اقرفی بلد کذا وقد اطلق المدعی اوذکر المدعی المکان ولم یذکراه	فرمایا اگر شہادت کسی غیر ضروری یا نقصان کی وجہ سے دعوی سے مختلف ہوجائے تو گنجائش ہے کہ اس کی قبولیت سے انکار نہ کیا جائے مثلاً گواہوں نے ایک شخص کے اقرار بالمال کی شہادت دیتے ہوئے کہا اس نے فلاں روز اقرار کیا حالانکہ مدعی نے اس دن کا ذکر نہ کیا یایوں کہ مدعی نے اپنے دعوی میں کوئی تاریخ ذکر کی اور گواہوں نے وہ تاریخ نہ ذکر کی یا یہ کہ گواہوں نے کسی شہر کا ذکر کیا حالانکہ مدعی نے کسی شہر کوذکر نہ کیا یا یہ کہ مدعی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

[2] بحر الرائق کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳، فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

اوذکر المدعی مکانا وھما سمیا غیر ذٰلك المکان، او قال المدعی اقر وھو راکب فرس اولابس عمامۃ، و قالا اقروھو راجل اوراکب حمار او لابس قلنسوۃ و اشباہ ذٰلك فانه لایمنع القبول لان ھذہ الاشیاء لا یحتاج الی اثباتھا فذکرھا والسکوت عنھا سواء وکذا لووقع مثل ھذا التفاوت بین الشھادتین لایضر [1]۔	نے جگہ کا ذکر کیااور گواہوں نے وہ جگہ ذکر نہ کی، یا یہ کہ مدعی نے جگہ کا ذکر کیااور گواہوں نے کسی دوسری جگہ ذکر کیا یا یہ کہ مدعی نے دعوی میں کہا کہ گھوڑے پر سواری کی حالت میں اقرار کیا یا عمامہ پہنے ہوئے اقرار کیااور گواہوں نے پیدل یا گدھے پر سواری کی حالت میں یا ٹوپی پہننے کی حالت وغیرہ کا، توان غیر ضروری امور میں اختلاف گواہی کی قبولیت کے لئے مانع نہ ہوگا، کیونکہ یہ چیزیں وہ ہیں جن کا اثبات ضروری نہیں ہے توان کا ذکر اور عدم ذکر مساوی ہے اور یونہی اگر اس قسم کا اختلاف دونوں گواہوں کی شہادت میں ہو تو مضر نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ علماء تو معاملہ طلاق وعتاق میں نفس الفاظ ایقاع کے اختلاف لسانی کو نظر انداز کرتے ہیں ایک گواہ کہے زید نے اپنی زوجہ سے کہا انت طالق یاغلام سے انت حر، دوسرا کہے طلاق دادمت کہا، یاآزادت کردم، یاایک کہے زید نے اس وقت عربی میں کلام کیا تھا، دوسرا کہے کہ فارسی میں، ان سب صورتوں میں شہادت مقبول ہے اور طلاق وعتاق ثابت، پھر ان بالائی لغویات کا لحاظ یعنی چہ، درمختار میں ہے:

شھد احدھما انه قال لعبدہ انت حر والاٰخر انه قال آزادی تقبل [2]۔	اگر ایک نے شہادت دی کہ اس نے اپنے غلام کو "انت حر" (عربی) اور دوسرے گواہ نے کہا کہ اس نے غلام کو فارسی میں آزاد کہا گواہی قبول ہوگی۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

شھد احدھما انه اعتق بالعربی والاٰخر بالفارسی تقبل [3]۔	ایک نے شہادت دی کہ اس نے غلام آزاد کرتے ہوئے عربی میں اور دوسرے نے شہادت میں کہا کہ اس نے فارسی میں کہا، شہادت مقبول ہوگی (ت)

---

[1] فتاوٰی انقرویہ بحوالہ الفتاوی القاعدیۃ کتاب الشھادات دار الاشاعۃ العربیہ قندھار ۱/ ۹۵۔۳۹۴

[2] درمختار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۸

[3] البحر الرائق کتاب الشھادات باب الاختلاف الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۔۱۱۰

اشباہ میں ہے:

شهد احدهما انه اعتقه بالعربية والاٰخر بالفارسية تقبل بخلاف الطلاق والاصح القبول فيهما [1]۔	ایک نے شہادت دی کہ اس نے عربی میں، اور دوسرے نے شہادت دی کہ اس نے فارسی میں آزاد کہا، مقبول ہوگی بخلاف طلاق کے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عتاق وطلاق دونوں میں مقبول ہے۔(ت)

ثالثاً: اصل شہادت میں اتفاق شافی ووافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے مؤثر ہلکے آسان اختلافوں کو جنہیں معاملے سے کچھ تعلق نہ ہو دستاویز بناکر شہادت متفقہ کو رد کردینے کا اگر فتح باب ہو تو عامہ حقوق ضائع ہوجائیں، ظالمین اموال وفروج پر دسترس پائیں، مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں، کچہریاں صرف اعانت ظلمہ کے صیغے نظر آئیں کہ انسان نسیان کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداءً التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً ان کا اہتمام، ایسی کسی بات میں ایک آدھ اختلاف ہوجانا نادر نہیں بلکہ کثیر وغالب ہے خصوصًا اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آجکل کے وکلاء نے اتلاف حقوق وتکذیب صدوق کے لئے تراشی اور قضاۃ نے اس پر تقریر کی محض براہ مغالطہ شہود کا بیان متزلزل کردینے کے لئے صدہا سوالات فضول ومہملات سو سو طرح کے پیچ دے کر کرتے اور شرع نے جن کے اکرام کا حکم دیا جنہیں ذریعہ دادرسی مظلوم بنایا ان کے اغوا وتضلیل وازلال وتذلیل میں کوئی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن میں آدمی کے آئے حواس جاتے ہیں خصوصًا نساء وضعفا وارباب سلامت صدر اور وہ لوگ جنہیں کچہریوں کا اتفاق کم ہوا کہ یہ تو ان حضرات کے سخرہ ودست مال ہیں جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے ہیں براہ تاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے مسلمان ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راستباز جھوٹا ٹھہرتا ہے اور جھوٹا فسوں کار سچا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المؤمن غر كريم والفاجر خب لئيم [2]۔ رواه ابوداؤد والترمذی والحاكم بسند جيد عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه۔	مومن کریم ہونے کی بناء پر دھوکا کھاتا ہے اور فاجر شخص قابل ملامت ہونے کی وجہ سے دھوکا باز ہوتا ہے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے جید سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الدعوٰی والشہادات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۴۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۶۰

وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلاً واقع نہ ہونا ہے تعجب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا اضاعت حقوق اعانت عقوق کے اور کیا قرار پاسکتا ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، پر ظاہر کہ اس میں حرج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع۔ جامع الفصولین میں ہے:

عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج والتضییق وتضییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لابعسر والحرج مدفوع شرعا۔[1]	ایسی صورتوں میں قبول نہ کرنا حرج، تنگی اور بہت سے حقوق کے ضیاع کا سبب بنتا ہے جبکہ ہمیں یسر کا حکم ہے تنگی اور دشواری پیدا کرنے کا حکم نہیں نیز حرج شرعاً مدفوع ہے۔(ت)

(روایت نادرہ ابی یوسف) کو مذہب امام ابویوسف کہنا کس قدر خلاف فقاہت ہے نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل و حکم کی اجازت۔ جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحر الرائق واشباہ والنظائر وزواہر الجواہر و در مختار و فتاوٰی صغری و فصول عمادی وخزانۃ المفتین وجامع الفصولین وغایۃ البیان و فتاوٰی انقرویہ، ردالمحتار و فتاوٰی خلاصہ وکافی ولسان الحکام و معین الحکام و عقود الدریہ و وجیز کردری و فتاوٰی خانیہ و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی قاعدیہ وغیرہا کتب معتمدہ مذہب کی عبارات کثیرہ اوپر گزریں کہ اس روایت نادرہ کے سراسر خلاف ہیں اور انہیں پر انحصار نہیں، عامہ کتب مذہب میں اس کا خلاف موجود، اور اس روایت کا مخالف ظاہر الروایت ہونا خود عبارت منقولہ فیصلہ سے ثابت فیصلہ سے جس قدر سائل نے نقل کیا وہ یہیں سے ہے کہ **اذا ارتاب القاضی** (جب قاضی کو شک ہو۔ (ت) حالانکہ اصل عبارت محیط ان الفاظ سے شروع ہے: **قال فی الاصل اذا ارتاب القاضی**[2] **الخ** (اصل (مبسوط) میں فرمایا جب قاضی شک میں مبتلا ہو الخ۔ت) جس سے صاف ظاہر کہ محرر المذہب امام محمد نے کتاب الاصل میں کہ کتب ستہ ظاہر الروایۃ سے ہے بے حکایت خلاف تصریح صاف فرمائی کہ شاہدوں کا زمان ومکان میں بھی اختلاف مطلقاً مضر شہادت نہیں جہاں ہے" ہے "یعنی افعال نہ طلاق و عتاق وبیع وامثالہا اقوال چہ جائے اختلاف ثیاب ومراکب وحضار واقعہ نساء ورجال، اور صاف یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجرد تہمت وریب کی بناء پر شہادت رد نہ کی جائے گی، نیز اسی عبارت سے یہ بھی ثابت کہ نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے۔ برخلاف امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المحیط کتاب ادب القضاء الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

توجماہیر کے خلاف، امام کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف، دلیل کے خلاف، بے تصحیح صریح وترجیح رجیح ائمہ افتاء ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیونکر روا، ائمہ وعلماء کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کامذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے قول مرجوح پر افتاء وقضاء جہل وخرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے سے قول ہی نہ رہا، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کردینے کا حکم فرمایا اور اگر والی مولی جس نے قاضی عہدہ قضا دیا تصریح کردی کہ مذہب امام یا قول مصحح پر عمل کرنا جیساکہ غالبًا یونہی ہوتا ہے جب تو ایسا فیصلہ قطعًا اجماعًا سرے ہی سے باطل و نامعتبر و محض بے اثر جسے منسوخ کرنے کی بھی حاجت نہیں کہ قاضی اب ماورائے مذہب میں معزول و مثل احد من الناس ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قدصرحوابان العمل بماعلیہ الاکثر[1]۔	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عمل اکثریت کے موقف پر ہوگا۔ (ت)

امداد الفتاح علامہ شرنبلالی میں ہے:

القاعدۃ العمل بماعلیہ الاکثر[2]۔	قاعدہ ہے کہ عمل اکثریت کے موقف پر ہوگا۔ (ت)

شرح الاشباہ للعلامۃ البیری وعقود الدریہ میں ہے:

المقرر عند المشایخ انہ متی اختلف فی مسألۃ فالعبرۃ بماقالہ الاکثر[3]۔	مشائخ کے ہاں ثابت شدہ ہے کہ جب مسئلہ میں اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کا اعتبار ہوگا۔ (ت)

تنویر الابصار ودر مختار ومنیہ وسراجیہ وغیرہا میں ہے:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق[4]۔	مفتی کی طرح قاضی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو علی الاطلاق لے گا۔ (ت)

ثلثہ اخیرہ میں ہے: ھو الاصح[5] (وہی اصح ہے۔ ت) بحر الرائق میں ہے: یجب علینا الافتاء

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ قبل باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۵۱
[2] العقود الدریہ بحوالہ الشرنبلالی مسائل وفوائد من الحظر والاباحۃ الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۶
[3] العقود الدریہ بحوالہ بیری مقدمۃ الکتاب ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳
[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲
[5] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

بقول الامام[1] (ہم پر امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر فتوی دینا واجب ہے۔ت) خیریہ میں ہے:

المقر ایضاً عندنا انہ لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم[2] الخ۔	ہمارے ہاں یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے بغیر نہ فتوی دیا جائے اور نہ عمل کیا جائے الخ (ت)

ردالمحتار میں صدر کتاب احیاء الموات میں ہے:

وذٰلك عجیب لما قالوا ان ماخالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبا لاصحابنا[3]۔	یہ امر عجیب ہے کیونکہ ان فقہاء کرام نے فرمایا کہ جو ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے۔(ت)

بحرالرائق کتاب القضاء میں ہے:

ماخرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ لما قرروہ فی الاصول من عدم امکان صدور قولین مختلفین متساویین من مجتھد والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[4]۔	جو ظاہر الروایت سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے کیونکہ انہوں نے اصول میں یہ امر ثابت شدہ قرار دیا ہے کہ مجتہد سے دو مساوی مختلف قول صادر ہونا ممکن نہیں اور جس قول سے رجوع کرلیا ہو تو وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا۔(ت)

خیریہ اواخر شہادات میں ہے:

ھذا ھو المذہب الذی لایعدل عنہ الی غیرہ وما سواہ روایات خارجۃ عن ظاہر الروایۃ وما خرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[5]۔	مذہب یہی ہے جس سے غیر کی طرف عدول نہیں کیا جاسکتا اور اس کے ماسوا روایات ظاہر الروایۃ سے خارج ہیں اور جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہے اور جو مرجوع عنہ ہو وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا۔(ت)

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹-۲۷۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۳۳

[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۸

[4] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰

[5] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

تصحیح القدوری ودرمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1]۔	کوئی حکم یا فتوٰی مرجوح قول پر ہو تو وہ جہالت اور اجماع کے مخالف ہے۔(ت)

حواشی ثلثہ سادات ثلثہ ابراہیم حلبی واحمد مصری ومحمد شامی میں ہے:

اولٰی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاہر الروایۃ اذالم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ[2]۔	اس سے زیادہ باطل یہ ہے کہ فتوٰی دیناظاہر الروایۃ کے خلاف جس کی تصحیح نہ ہو،اور مرجوع عنہ قول پر فتوٰی دینا ہے۔(ت)

تنویر وشرح علائی میں ہے:

لایخیر اذلم یکن مجتھد ابل المقلد متی خالف معتمد مذہبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھو المختار للفتوی کمابسطہ المصنف فی فتاویہ غیرہ[3]۔	مجتہد کے غیر کو اختیار نہ ہوگا بلکہ مقلد جب اپنے معتمد علیہ مذہب کے خلاف فیصلہ دے تو وہ نافذ نہ ہوگااور اس کو کالعدم قرار دیا جائے گا،یہی فتوٰی کیلئے مختار جیساکہ مصنف نے اپنے دوسرے فتاوٰی میں اس کو بسط سے بیان کیا ہے۔(ت)

انہیں میں ہے:

(قضی فی مجتھدفیہ بخلاف رأیہ) ای مذہبہ،مجمع وابن کمال(لاینفذ مطلقًا) ناسیا او عامدًا عندھما والائمۃ الثلثۃ(وبہ یفتی) مجمع وقایۃ وملتقی،وقیل بالنفاذ یفتی وفی شرح الوھبانیۃ للشرنبلالی قضی من لیس مجتھدا کحنفیۃ زماننا	قاضی نے مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنی رائے یعنی اپنے مذہب کے خلاف،مجمع اور ابن کمال(مطلقًا نافذ نہ ہوگا) خواہ قصدًا ہو یا سہوًا،صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں(اسی پر فتوٰی ہے) مجمع وملتقٰی اور وقایہ،اور بعض نے کہا نفاذ پر فتوٰی ہے۔علامہ شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے ہمارے زمانہ کے حنفی قاضی کی طرح غیر مجتہد

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

بخلاف مذہبه عامدا لاینفذ اتفاقا وکذا ناسیا عندھما، ولو قیدہ السلطان بصحیح مذہبه کزماننا تقید بلا خلاف لکونه معزولا عنه اھ وقد غیرت بیت الوھبانیة فقلت۔ ولو حکم القاضی بحکم مخالف لمذہبه ما صح اصلا یسطر[1]۔	نے اپنے مذہب کے خلاف قصداً فیصلہ دیا تو بالاتفاق نافذ نہ ہوگا، اور یوں ہی بھول کر دیا تو صاحبین کے ہاں وہ بھی نافذ نہ ہوگا، اور اگر سلطان نے قاضی کو اپنے مذہب کے صحیح پر فیصلہ کا پابند کیا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں پابند کیا جاتا ہے تو بغیر اختلاف وہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ قاضی کے دائرہ اختیار سے باہر ہے اھ اور میں نے وہبانیہ کے شعر کو تبدیل کرتے ہوئے یوں کہا ہے: اگر قاضی نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا تو قطعاً صحیح نہ ہوگا یوں لکھا جائے۔ (ت)

ردالمحتار میں قبیل باب التحکیم ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذا حکم بغیرہ لم یصح[2]۔	جو قاضی امام صاحب کے اقوال میں سے اصح قول پر فیصلہ کا پابند بنایا گیا ہو جب وہ اس کے غیر پر فیصلہ دے تو صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

فتح القدیر ہے:

اما المقلد فانما ولاہ لیحکم بمذہب ابی حنیفة فلا یملك المخالفة فیکون معزولا بالنسبة الی ذٰلك الحکم[3]۔	اگر مقرر کرنے والے نے قاضی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب کا پابند کیا ہو وہ مخالفت کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ وہ ایسے حکم کا مجاز نہ تھا۔ (ت)

برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر غنیۃ ذوی الاحکام شرح درر الحکام میں ہے:

ھذا صریح الحق الذی یعض علیه بالنواجذ[4]۔	یہ صریح حق ہے جس کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا چاہئے۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۰

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی فصل آخر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۹۷

[4] غنیۃ ذوی الاحکام شرح درر الاحکام کتاب القضاء میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۰

فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا میں ہے:

لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف لانہ لیس من اھل الترجیح فلا یعدل عن الصحیح الالقصد غیر جمیل ولو حکم لاینفذ لان قضائہ قضاء بغیر الحق لان الحق ھوالصحیح وما وقع من ان القول الضعیف یتقوی بالقضاء المراد بہ قضاء المجتھد کمابین فی موضعہ[1]۔	مقلد قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ضعیف قول پر فیصلہ دے کیونکہ وہ اہل ترجیح میں سے نہیں ہے تو وہ صحیح قول سے عدول نہیں کرسکتا سوائے کسی غیر پسندیدہ وجہ کے، اگراس نے ایسا فیصلہ دیا تو وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ یہ فیصلہ ناحق ہے کیونکہ صحیح قول پر ہی حق ہے، اور یہ قول کہ ضعیف کو فیصلہ قوی بنادیتا ہے تو اس سے مراد مجتہد کا فیصلہ ہے جیسا کہ اس کے مقام پر واضح کیا گیا۔(ت)

فواکہ بدریہ علامہ ابن الغرس میں ہے:

واما المقلد المحض فلا یقضی الابما علیہ العمل والفتوی[2]۔	لیکن خالص مقلد تو وہ صرف اس پر فیصلہ دے سکتا ہے جس پر فتوی اور عمل ہو۔(ت)

رسائل علامہ زین بن نجیم میں ہے:

اما القاضی المقلد فلیس لہ الحکم الا بالصحیح المفتی بہ فی مذہبہ ولا ینفذ قضاؤہ بالقول الضعیف[3] اھا ثر ھذہ الخمس جمیعا فی ردالمحتار۔	لیکن خالص مقلد تو وہ صرف اپنے مذہب کے صحیح مفتی بہ قول پر فیصلہ دے سکتا ہے ضعیف قول پر فیصلہ دے تو وہ نافذ نہ ہوگا اھ ان پانچوں عبارات کو ردالمحتار میں نقل کیا ہے۔(ت)

ان روایات صحیحہ صریحہ کثیرہ شہیرہ متوافرہ متظافرہ سے شمس وامس کی طرح واضح ہوا کہ مجوز نے اس روایت پر فیصلہ کرنے میں سراسر خلاف حکم کیا اس بناء پر فیصلہ واجب النقض بلکہ سرے سے باطل محض ہے یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ فیصلہ کو اس روایت نادرہ کے موافق فرض کرلیجئے ورنہ انصاف یہ کہ وہ اس کے بھی موافق نہیں، یہ روایت نادرہ مطلقاً ایسے اختلافات یسیرہ کو مانع شہادت ٹھہراتی بلکہ اس حالت میں جب قرائن صحیحہ وامارات صریحہ سے قاضی کو مرتبہ ظن حاصل ہو کہ یہ گواہ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں کہ اس میں صاف

---

[1] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی قاسم بن قطلوبغا کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

[2] ردالمحتار بحوالہ فواکہ بدریۃ ابن الغرس کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

[3] ردالمحتار بحوالہ رسائل ابن نجیم کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۵

شرط مذکور:

اذااتھتھم ورأیت الریبۃ فظننت انھم شھود الزور [1]۔	جب میں ان کو متہم پاؤں اور مشکوک معاملہ دیکھوں تو میں گمان کرتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں(ت)

صرف تہمت پر بھی قناعت نہ فرمائی بلکہ زیادہ کیا کہ میں ان میں ریب دیکھ لوں مجھے ان کی شاہد کذب ہونے پر گمان غالب حاصل ہو جائے یہاں مجوز نے ان تمام شہادات میں کیا ریب دیکھ لیا کس بناپر ان کی یہ گواہی جھوٹ ہونے پر ظن ہاتھ آیا۔

(ریب و تہمت) اس بناپر کہ اکثر مخلوق نے پیشہ شہادت زور اختیار کرلیا ہے محض بے اصل ہے شیوع کذب وعدم اعتماد خود زمانہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کہ قرون خیر منقضی ہو چکے تھے، شہادت احادیث صحیحہ متحقق ہولیا تھا ولہذا صاحبین نے برخلاف مذہب صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم ظاہر عدالت پر اطمینان نہ رکھا خفیہ وآشکارا تحقیق وتزکیہ لازم کیا علماء نے تصریح فرمائی کہ یہ اختلاف اختلاف برہان نہیں اختلاف زمان ہے۔ درمختار میں ہے:

لایسأل عن شاھد بلا طعن من الخصم الافی حد وقود عندھما یسال فی الکل ان جھل بحالھم، بحر، سرا وعلنا،به یفتی وھو اختلاف زمان لانھما کانافی القرن الرابع ولو اکتفی بالسرجاز، مجمع، وبه یفتی، سراجیۃ [2]۔	قاضی فریق مخالف کے اعتراض کے بغیر گواہوں کی تفتیش نہ کرے ماسوائے قصاص اور حد کے، اور صاحبین کے نزدیک تمام مقدمات میں تفتیش کرسکتا ہے اگر قاضی گواہوں کے حال سے ناواقف ہو، بحر، خفیہ اور اعلانیہ بھی۔ اسی پر فتوٰی ہے اور یہ زمانہ کے اختلاف کا معاملہ ہے کیونکہ صاحبین قرن رابع میں تھے، اگر خفیہ تفتیش کرے تو بھی صحیح ہے، اسی پر فتوٰی ہے، سراجیہ (ت)

تواس روایت میں یہ شیوع کذب کی عام بے اطمینانی قطعًا مراد نہیں ورنہ قید وشرط کی حاجت نہ تھی بلکہ بالخصوص ان گواہوں میں کوئی ریب واضح پیدا ہونا مقصود ہے ولہذا "ورأیت الریب" فرمایا، پھر ظاہر کہ اس عام احتمال بات سے ان شہود کے کاذب ہونے پر ظن نہیں ہوسکتا اور روایت میں صراحۃً فرمایا **فظننت انھم شھود الزور** [3] (تو میں گمان کرتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں۔ت) شادی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

کے چھ سات مہینے بعد طلاق ہونا بھی کچھ موجب ریب نہیں جس طرح تین چار دن بھی والدین کے یہاں نہ چھوڑنے کو مجوز نے فرط محبت پر محمول کرکے اسے مبنائے ریب ٹھہرایا ہے، یوں ہی برابر کا احتمال یہ بھی موجود کہ یہ بربنائے خشونت وشدت وسخت گیری ہو جس کا خاتمہ تین طلاق پر ہوا، عورتیں مردوں کے ہاتھ میں قیدی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ اللہ فی النساء فانهن عوان بین ایدیکم[1]۔	اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو عورتوں کے حق میں کہ وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی ہیں۔

بدمزاج لوگ عورت کو دو دن بھی والدین کے یہاں بخوشی نہیں چھوڑتے نہ بربنائے کمال انس و محبت بلکہ شدت و غلظت واظہار حکومت، بلکہ یہاں یہی احتمال زیادہ راجح تھا **اولاً:** عورات کا ضعف "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ"[2] (مرد عورتوں پر قوی منتظم ہیں۔ت) سرکشی زناں بہ نسبت سخت گیری مرداں نادر ہے۔

ثانیاً: برخلاف معتاد جملہ بلاد اول بار بھی عورت کا بضمانت جانا تند مزاجی شوہر سے ترس شدید کا پتہ دے رہا ہے۔

ثالثاً: نام طلاق جس قدر عورتوں کو سخت شدید ناگوار ہے مردوں کو نہیں کہ اس میں انہیں اپنی بدنامی کا بھی زیادہ لحاظ ہوتا ہے، لوگ کیا کہیں گے، کیا سمجھیں گے، کیوں چھوڑ دیا، اور اس کے ساتھ اپنے عیش باقی اور آنے والی عمر کا خیال کہ زنان ہند میں نکاح ثانی عار ہے۔ تو بے طلاق دیئے از پیش خویش جھوٹا مشغلہ بنانے اور اس پر مقدمہ لڑانے کی جرات نوکتخدا عورت سے بہت بعید اور سخت محل شبہات ہے، ہاں جاہل مرد جب جوش حکومت میں غضب پر آتے ہیں کبھی ایک طلاق پر نہیں رکتے بلکہ تین پر بھی اتفاقاً ٹھہرتے ہیں پھر جب غصہ اترتا اور نادم ہوتے ہیں لاعلاج مرض کا علاج ڈھونڈتے ہیں ایسا ہی خوف خدا ہوا تو صبر کر بیٹھے ورنہ انکار طلاق سہل نسخہ ہے بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ ایسے ضعیف احتمالات مبنائے **ظننت انهم شهود الزور** (تجھے گمان ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں۔ت) نہیں ہو سکتے تو صاف واضح ہوا کہ فیصلہ اس روایت کے بھی موافق نہیں محض اوہام پر مبنی ہے۔

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب النکاح دار الفکر بیروت ۵/ ۳۵۲، احیاء العلوم کتاب آداب النکاح الباب الثالث مطبعۃ المشھد القاہرہ ۲/ ۴۲

[2] القرآن الکریم ۴/ ۳۴

(معاملہ حلال وحرام) ضرور محل احتیاط شدید ہے، مگر یہاں حلت وحرمت کا پلہ دونوں طرف یکساں اگر واقع میں طلاق نہ ہوئی اور مطلقہ ثلاث ٹھہرا کر اجازت نکاح ثانی دیں تو معاذ اللہ اجازت زنا ہے اور واقع میں ہوگئی اور بدستور زوجہ بنا کر قبضہ طلاق دہندہ میں رکھیں تو عیاذًا باللہ اجازت زنا ہے۔ دونوں طرفین کانٹے کی تول برابر ہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ شوہر کی طرف وہ شبہات ہیں جو ابھی مذکور ہوئے اور مدعا علیہ کا کذب کچھ مستبعد نہیں کہ اس کا اپنا نفع ذاتی ہے خصوصًا عوام سے ایسے مواقع میں کما قد علمت (جیسا کہ آپ معلوم کرچکے۔ت) اور شہود کثیر و متعدد ہیں اور ان کا اپنا ذاتی معاملہ نہیں ایک خود غرض کا کاذب ہونا بہت مسلمانوں کے پرائے پیچھے اپنا دین بیچنے سے آسان ہے۔ غایۃ البیان میں ہے:

الشھادۃ تحمل علی الصحۃ ما امکن [1]۔	شہادت کو ممکن حد تک صحت پر محمول کیا جائے۔(ت)

عنایہ میں ہے:

عند المخالفۃ تعارض کلام المدعی والشاھد فما المرجح لصدق الشاھد ان الاصل فی الشھود العدالۃ لاسیما علی قول ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی، ولایشترط عدالۃ المدعی لصحۃ دعواہ فرجحنا جانب الشھود عملا بالاصل [2] اھ کذا رأیتہ ماثورا عنھا فی بعض منقولاتی۔	مدعی کی بات اور گواہوں کے بیان میں تعارض ہو تو ہم گواہوں کی بات کو ترجیح دیں گے کیونکہ گواہوں میں عدالت اصل ہے خصوصًا امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر، جملہ مدعی کا صحت دعوٰی کے لئے عادل ہونا شرط نہیں ہے تو ہم اصل پر عمل کرتے ہوئے گواہوں کے موقف کو ترجیح دینگے اھ، میں نے اپنے بعض منقولات میں یوں مذکور پایا ہے۔(ت)

(جرح شہود) کثرت شہادت کوئی قدح شرعی نہیں، احکام الٰہیہ دو قسم ہیں: تکوینی و تشریعی کسی کے سامنے وقوع وقائع متعلق بہ اول ہے اور ان میں اس کی شہادت کا قبول متعلق بہ ثانی، کیا تکوین نے کوئی حد مقرر فرمادی ہے کہ اتنے سے زائد وقائع ایک شخص کے سامنے واقع نہ ہوں گے یا تشریع نے کوئی تحدید بتادی ہے کہ اتنے بار سے زیادہ شہادت شاہد مقبول نہ ہوگی، صکاک کو دیکھئے جس کا واقعی پیشہ ہی تحریر دستاویزات ہے سال میں سیکڑوں لکھتا اور وہ ہر ایک کا گواہ پھر مذہب صحیح میں

---

[1] غایۃ البیان

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۰۱

یہ کہ کثرت شہادت اس کی گواہی میں خلل انداز نہیں، خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

شہادۃ الصکاکین تقبل علی الاصح [1]۔	وثیقہ نویس کی شہادت مقبول ہے اصح قول کے مطابق۔(ت)

بزازیہ وانقرویہ میں ہے:

شہادۃ الصکاکین تقبل فی الصحیح [2]۔	صحیح قول کے مطابق وثیقہ نویس کی شہادت مقبول ہے(ت)

ذخیرہ وغیاثیہ وفتح القدیر وہندیہ میں ہے:

اما شہادۃ الصکاکین فالصحیح انہا تقبل اذاکان غالب حالھم الصلاح [3]۔	لیکن وثیقہ نویسوں کی شہادت، تو صحیح یہ ہے کہ مقبول ہے بشرطیکہ ان کا غالب حال درست ہو۔(ت)

مخبری بروجہ مذکور ضرور فسق ہے مگر غلام ناصر خاں کو اس سے انکار بحث ہے اور جرح تفضل حسین خاں کا جواب سوال میں مذکور، مجوز نے روایت مذکورہ شامی پر محول کرنے سے ننھے خاں کلن خاں کے فسق کی طرف اشارہ کیا مگر سبب نہ بتایا اور ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم مستورات کو شاید پردہ مستوری میں رکھا حالانکہ بعد تنقیح کے ذمہ قاضی لازم وضوح حال ممکن تھا۔ بالجملہ فیصلہ کے بیانات بالا محض باطل ومختل اور روایت نادرہ ضعیفہ پر بنائے حکم رکھنے سے فیصلہ خود ناجائز ومہمل۔ اور مدار حکم صرف اسی قدر پر ہے جو ابتداءً گزرا کہ ان میں کوئی بھی نصاب شہادت بروجہ کفایت موجود تو بلاشبہہ تین طلاقیں ثابت اور فیصلہ بحق مدعیہ ہونا لازم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۴۲: از ریاست رام پور مرسلہ مولوی مفتی عبدالقادر خاں صاحب صدر الصدور ۴/صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے سہ قطعہ مکانات وغیرہا پاس مسماۃ ہندہ بالعوض مبلغ (صمہ ۵۰۰ عہ) بیع بالوفاء کرکے مسماۃ کا قبضہ بعد تحریر وتصدیق کردینے دستاویز بیع بالوفاء نامہ،

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الشہادات قلمی نسخہ ۲/ ۱۰۷

[2] فتاوٰی انقریہ بحوالہ بزازیہ الفصل الاول دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۷۸

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ والعنایۃ وفتح القدیر کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۹

کی معرفت عمر برادر مسماۃ ہندہ، بعد فراغ از اسباب خود مکانات مرہونہ پر کرادیا۔ من بعد مسماۃ ہندہ نے جائداد مرہونہ کرایہ پر مسمّٰی خالد کو ذریعہ کرایہ نامہ مصدقہ کے دے کر قبضہ کرایہ دار مسمّٰی مذکور کا جائداد مرہونہ پر کرادیا۔ چنانچہ روز رہن سے تخمیناً پندرہ سال تک مسمّٰی زید راہن برابر یہ صورت دیکھتا رہا اور عقد مذکور کی صحت کا مقر رہا بالآخر راہن مذکور نے انتقال کیا اور وقت فوت تک اس نے کسی قسم کا عذر نہیں کیا ہندہ نے بعد فوت راہن کچہری میں ولاپانے زر رہن کا دعوی کرنا چاہا اس ارادہ ہندہ سے ورثائے راہن مطلع ہوئے تو بطور پیش بندی ورثائے راہن خلاف مضمون دستاویز اور خلاف قول راہن بنام مرتہنہ و شوہر مرتہنہ اس بیان سے کچہری میں دعویدار ہوئے (کہ پدر مدعیان نے مبلغ (صمہ شرح سود ۱۴۳/۱۱/) پائی فیصدی ماہوار بہ تحریر دستاویز تمسک کفالتی باستغراق جائداد بکر (شوہر مرتہنہ) سے قرض لینا چاہا جس کو مسمّٰی بکر مذکور نے قبول ومنظور کیا اور بوقت تکمیل معاہدہ دستاویز سودی کو اپنے حق میں تحریر کرانا خلاف شان ثقاہت سمجھ کر بجائے دستاویز تمسک کفالتی کے دستاویز بیع بالوفاء بجائے اپنے نام کے اپنی زوجہ (مرتہنہ) کا نام تحریر کرایا اور واسطے اخفاء لفظ سود کے رقم سود قرار یافتہ کی بابت ایک دوسری دستاویز بنام نہاد کرایہ نامہ برادر راہن سے تحریر کرائی جس میں (للعہ للعہ /) رقم سود قرار یافتہ کو بلفظ کرایہ تحریر کرایا قبض و دخل مرتہنہ و شوہر مرتہنہ یا کرایہ دار مذکور کا کبھی نہیں ہوا چنانچہ مبلغ (صمہ ☆☆) بابت سود بحساب (☆☆☆) ماہوار اور مبلغ (☆☆) منجملہ زر اصل ذریعہ ٹومہ نوشتہ (بکر) شوہر مرتہنہ من بعد (☆☆) بشرح سود (☆☆۳/) ماہوار بہ منہائی رقم سود (☆☆) مودی اصل کی پدر مدعیان نے (بکر) کو ادا کئے علاوہ (☆☆) مندرجہ بالا کے (☆☆) بابت سود بکر کے پاس پہنچی کل مقدار رقم ادا کردہ کی (☆☆) ہے بموجب شرع شریف معاملہ بیع بالوفا حکم رہن میں ہے اور رہن میں قبضہ لازمی ہے اور موافق مذہب اسلام سود کا لینا قطعاً ناجائز ہے اور رقم کرایہ بابت مرہونہ راہنان سے لینا بھی نادرست ہے اس لئے جس قدر رقم بنام نہاد کرایہ راہن سے وصول کی ہے وہ کل رقم لائق مجرائی و محسوبی باصل زر رہن ہے اور زر فاضل کی واپسی کے مستحق ہم وارثان راہن ہیں لہذا اصل دستاویز بیع بالوفا و کرایہ نامہ بایفائے کل زر مندرجہ بیعنامہ بالو فایعنی (☆☆) تجویز انفکاک رہن و مبلغ (☆☆) زر فاضل مسماۃ ہندہ وبکر سے مدعیان کو دلائے جائیں بتردید دعوی مدعیان از جانب بکر شوہر مرتہنہ جواب دیا گیا کہ پدر مدعیان سے جو معاہدہ ہوا تھا وہ مسماۃ ہندہ سے ہوا تھا حاصل فریق معاملہ مسماۃ مرتہنہ مذکورہ ہے زر ثمن بھی ملک اسی کا ہے من مدعا علیہ نے کوئی رقم کرایہ یا زر اصل وصول نہیں کی نہ رسیدات دیں، مدعیان کو بوجہ عروض تمادی شش سالہ حق دعوی حاصل نہیں ہے

پدر مدعیان اس کے حصہ دار تھے، ثبوت ذمہ مدعیان وتردید ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و ۲۔

(۶) جو رقم مدعاعلیہا نمبر ا نے مورث مدعیان سے بنام نہاد کرایہ وصول کی ہے وہ لائق محسوبی ومجرائی باصل زر رہن ہے اور زر فاضل قابل واپسی مدعیان ہے، ثبوت ذمہ مدعیان وتردید ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و ۲۔

(۷) دستاویز بیعنامہ برضا ورغبت مورث مدعیان بنام مدعاعلیہا نمبر ۲ (ہندہ) تحریر ہوئی ہے پس مدعیان کو اپنے مورث کے قول کے خلاف دعوی کرنے کا حق بمقابلہ مدعاعلیہ نمبر ا نہیں رہا۔ ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و نمبر ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۸) دعوی مدعیان کو تمادی عارض ہے۔ ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۹) مورث مدعیان نے جو مکانات متنازعہ مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ کے ہاتھ بیع بالوفاء کئے ہیں زر ثمن اس کا ملک مدعاعلیہا نمبر ۲ ہے، ثبوت ذمہ مدعاعلیہا وتردید ذمہ مدعیان۔

(۱۰) مکانات مندرجہ بیعنامہ بالوفاء پر قبضہ حسب قاعدہ شرعی مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ کا ہوگیا تھا اور مول چند کے پاس منجانب مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کرایہ پر ہے جس میں سے ایک قطعہ گودام واپس لے لیا گیا ہے، ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۱) دعوی مدعیان کو دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری ودفعہ ۹۲ قانون شہادت عارض ہے، ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبر ا و ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۱۲) جو تحریر بنام نہاد رسید ایک کتاب مدعیان نے داخل کی ہے وہ بے ضابطہ وخلاف قانون قابل ضبطی ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ا و نمبر ۲ وتردید ذمہ مدعیان، بعدہ کچہری نے اپنی تجویز نسبت ہر امر تنقیح کے بطریق مندرجہ تحت صادر کی۔

(تجویز)

تنقیح نمبر ا کے بارہ میں میری رائے یہ ہے کہ موتی شاہ اور وزیر خاں کی شہادت میں حسب مراد تنقیح نمبر ا کے گنیشی لال (زید راہن) مورث مدعیان اور عبدالغافر خاں کے مابین معاہدہ قرضہ (☆☆) کا بشرح سود (☆☆) ماہوار اور جائداد مندرجہ دستاویز کی کفالت کیلئے دینا، بحق مدعیان ثابت ہے۔

تنقیح نمبر ۲ و ۳ در حقیقت ایسے امور میں جن کا شہودی ثبوت ناممکن ہے البتہ امور مذکورہ کا ثبوت نیت میں ہوتا ہے اور نیت مذکورہ حالات ذیل میں ثابت ہوتی ہے یعنی مدعاعلیہ نمبر ا (بکر شوہر مرتہنہ) مسلمان ہے اور پیشکار کچہری بھی ہے اس لئے برے معاملات میں اس کو خود معاہدہ کرنا اور دستاویز زوجہ

بلہ مدعا علیہ نمبرا نہیں رہا۔ ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبرا و نمبر ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۸) دعوی مدعیان کو تمادی عارض ہے۔ ثبوت ذمہ مدعاعلیہا نمبرا و ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۹) مورث مدعیان نے جو مکانات متنازعہ مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ کے ہاتھ بیع بالوفاء کئے ہیں زر ثمن اس کا ملک مدعاعلیہا نمبر ۲ ہے، ثبوت ذمہ مدعاعلیہاوتردید ذمہ مدعیان۔

(۱۰) مکانات مندرجہ بیعنامہ بالوفاء پر قبضہ حسب قاعدہ شرعی مدعاعلیہا نمبر ۲ ہندہ کا ہوگیا تھااور مول چند کے پاس منجانب مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کرایہ پر ہے جس میں سے ایک قطعہ گودام واپس لے لیا گیا ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۱) دعوی مدعیان کو دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری ودفعہ ۹۲ قانون شہادت عارض ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبرا و ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۱۲) جو تحریر بنام نہادر سید ایک کتاب مدعیان نے داخل کی ہے وہ بے ضابطہ وخلاف قانون قابل ضبطی ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبرا و نمبر ۲ وتردید ذمہ مدعیان، بعدہ کچہری نے اپنی تجویز نسبت ہرامر تنقیح کے بطریق مندرجہ تحت صادر کی۔

(تجویز)

تنقیح نمبرا کے بارہ میں میری رائے یہ ہے کہ موتی شاہ اور وزیر خاں کی شہادت میں حسب مراد تنقیح نمبرا کے گنیشی لال (زید راہن) مورث مدعیان اور عبدالغافر خاں کے مابین معاہدہ قرضہ (☆☆) کا بشرح سود (☆☆) ماہوار اور جائداد مندرجہ دستاویز کی کفالت کیلئے دینا، بحق مدعیان ثابت ہے۔

تنقیح نمبر ۲ و ۳ در حقیقت ایسے امور میں جن کا شہودی ثبوت ناممکن ہے البتہ امور مذکورہ کا ثبوت نیت میں ہوتا ہے اور نیت مذکورہ حالات ذیل میں ثابت ہوتی ہے یعنی مدعا علیہ نمبرا (بکر شوہر مرتہنہ) مسلمان ہے اور پیشکار کچہری بھی ہے اس لئے برے معاملات میں اس کو خود معاہدہ کرنا اور دستاویز زوجہ

کے نام لکھانا عین مصلحت ہے اسی طرح سود کا لینا کسی مسلم اور خاص کر ذی علم شخص کو سراسر معیوب ہے لہٰذا رقم سود کا نام بدل کر کرایہ کا نام لکھانا ایک حیلہ ضرور ہے۔ دوسرے رقم (☆☆) کو خود وصول کرنا جس کی بابت آئندہ تصریح کی جائے گی) اور رقم کرایہ مندرجہ کتاب کا خود وصول کرکے اپنے دستخط کرنا اور مدعا علیہا نمبر۲ (ہندہ مرتہنہ) کا نام نہ لکھنا صاف طور پر اس نیت کو جو تنقیحات نمبر ۲و۳ کا ماحصل ہے ثابت کررہا ہے اس لئے میں ان دونوں تنقیحوں کو بحق مدعیان قرار دیتا ہوں۔

تنقیح نمبر ۴ کے متعلق میری تجویز ہے کہ (محمد رضا خاں و مظہر حسین خاں) کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ نمبر ۱ اور (☆☆) روبرو گواہان مذکور گنیشی لال (زید راہن) کا مدعا علیہ نمبر ۱ کو دینا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور عبدالعزیز وسید عبدالعزیز کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور (☆☆) گواہان کی موجودگی میں دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ نمبر ۱ پہنچنا اور (عجائب الدین واحمد نبی خاں ولد مسیتا خاں) کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور (☆☆) کا نقد روبرو گواہان مذکور دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (حیدر علی خاں و عبدالرحیم خاں) کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ مذکور اور (☆☆) کا نقد گواہان مذکور کے روبرو دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (الطاف علی خاں و محمد بشیر خاں وانور بیگ) کی شہادت سے (☆☆) کا پہلے پہنچنے کا اقرار اور (☆☆) کا نقد گواہان مذکور کے روبرو دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (نجن ولد غلام محی الدین وحیدر حسین) کی شہادت سے (☆☆ ۳/۴) پائی کا پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ نمبر ۱ اور (☆☆) کا بمواجہہ گواہان مذکور نقد دیا جانا (☆☆) پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا ثابت ہے مضمون شہادت مصرحہ بالا میں ثابت ہے کہ بعض حصہ کل رقم موصولہ کا اقرار اور بعض حصہ مشاہدہ گواہان (جنکے روبرو رقوم دی گئی ہیں ثابت ہوتا ہے جن رقوم کے اقرار کی شہادت ہے ان کی صداقت کا یہ قوی قرینہ ہے کہ دیگر شہادتیں اس کی بالترتیب تائید کرتی ہیں اور اس کے متعلق رسیدات مدعا علیہ مذکور مشمولہ کتاب رسیدات ہے جس کی بابت ہم آئندہ تفصیلی بحث کریں گے) پیش ہوئی ہیں جو شہادت واقرار کی کامل تائید کرتی ہیں اس لئے اس رقم اقراری کے ایصال کو بوجہ تائید شہادت تحریری کے میں ثابت قرار دیتا ہوں، لیکن منجملہ (☆☆) کل رقم موذی بنام نہاد کرایہ کے (☆☆) کی ایسی رقم ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہیں کی اور تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے براہ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہیں دیں بوجہ نہ ہونے شہادت تحریری کے قابل منہائی جانتا ہوں جس کے منہا ہونے کے بعد (☆☆) باقی رہتے ہیں اس لئے باتفاق شہادت مدعیان و

تحریرات مدعا علیہ نمبرا (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور حسب اطمینان کچہری پہنچنا ثابت ہے ایصال رقوم مندرجہ بالا کے ثبوت میں جو کتاب رسیدات مدعیان نے پیش کی اس کتاب میں سوائے رقم (☆☆) کے باقی جملہ رقوم درج ہیں جن کی وصول کے بابت مدعا علیہ کے دو قسم کے دستخط ہیں ایک بنام عبدالغافر خان دوسرا بنام دولہ خاں، جو دستخط بنام عبدالغافر خاں تحریر ہیں ان کے ثبوت میں مدعیان نے متعدد گواہان عہدہ داران متعلق شناخت تحریر خط و دستخط طلب کرائے ہیں اور واسطے مطابقت دستخطوں کے پندرہ قطعہ ثمن وغیرہ مجریہ کچہری دیوانی اور بیس قطعات اطلاع نامجات مجریہ کچہری فوجداری پیش کئے جن پر مدعا علیہ نمبرا کے مسلم دستخط ثبت ہیں شہادت عہدہ داران مذکور اور مطابقت و معائنہ دستخطہائے مثبتہ کاغذات مذکور دویم مثبت پشت ثمن ابتدائی مثل ہذا و دستخطہائے اطلاعیابی و نیز احکام کچہری میں باطمینان کچہری ثابت ہے کہ کتاب رسیدات پر جس قدر دستخط بنام عبدالغافر تحریر ہیں وہ یقینا مدعا علیہ نمبرا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور تحریر بھی اسی کے ہاتھ کی ہے جس جگہ دستخط بنام دولہ خاں تحریر ہیں ان کی طرز تحریر اور شان خط اور روشن قلم سے ثابت ہے کہ وہ بھی مدعا علیہ نمبر ا کے ہاتھ کی ہیں اور اکثر شہادتوں سے یہ امر ثابت ہے کہ مدعا علیہ نمبرا کا عرف دولہ خاں بھی ہے۔ واسطے ثبوت اور جانچ اس امر کے کہ دستخط مثبتہ کتاب رسیدات فی الواقع مدعا علیہ مذکور کی ہیں دو طریقے ہیں، ایک تو شہادت ایسے اشخاص کی جو مدعا علیہ مذکور کے دستخط پہچانتے ہیں، دوسرے مطابقت ان دستخطوں سے جو تحقیقی طور پر مدعا علیہ مذکور کی ہیں، پس دونوں طریقوں مصرحہ بالا سے کچہری کو اطمینان اس امر کا ہوگیا کہ دستخطہائے مثبتہ کتاب رسیدات یقینا مدعا علیہ مذکور کے ہیں،۔

فقرہ ثانی تنقیح نمبر ۴ رقم (☆☆) کی ادائیگی اور رقعہ کی تحریر کی بابت میری یہ رائے ہے کہ شہادت شیخ غفران و محمد علیخان سے (☆☆) کا پاس مدعا علیہ نمبرا پہنچنا ثابت ہے اور منشی فدا علی خاں پیشکار دیوانی اور منشی گوری سہائے ناظر فوجداری و منشی فیاض علی خاں پیشکار کچہری ججی بابو شمس الدین سب انسپکٹر پولیس وسید فرزند علی ناظر سیکریٹریٹ و منشی شکیل احمد اہلمد فوجداری و منشی سید احمد وکیل کی شہادت سے بخوبی ثابت ہے کہ رسید (☆☆) کی مدعا علیہ نمبرا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اور اسی کے دستخط اس پر ثبت ہیں اس کے علاوہ دیگر دستخطہائے مدعا علیہ مذکور مثبتہ کاغذات ثمن و اطلاعنامجات و پشت ثمن و نیز احکام کچہری کے معائنہ و مطابقت سے حسب اطمینان کچہری ثابت ہے کہ دستخط مثبتہ رقعہ (☆☆) کے اور تحریر خاص مدعا علیہ نمبرا کے ہاتھ کی اور اسی کی دستخطی ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہا لیکن یہ رقم منجملہ زر رہن

کے ہے اور رقعہ میں حوالہ (☆☆) زر رہن کا دیا گیا ہے لہذا بمنشاء ۹۲ دفعہ ۱۴ قانون رجسٹری ریاست کے رسید مذکور کا رجسٹری ہونا لازمی ہے اور چونکہ وہ رجسٹری نہیں کرائی گئی اس لئے بمنشاء دفعہ ۴۹ قانون رجسٹری مذکور ثبوت میں لینے کے قابل نہیں ہے بناء براں اس رقم (☆☆) کا ادا ہونا بوجہ نص قانونی کے غیر ثابت قرار دیا جاتا ہے۔

تنقیح نمبر ۵ یعنی جائداد مرہونہ کا موروثی مدعیان ہونا اور بحیات گنیشی لال مدعیان کا حصہ دار ہونا کسی شہادت سے ثابت نہیں ہے اس لئے اس تنقیح کو میں خلاف مدعیان فیصل کرتا ہوں۔

تنقیح نمبر ۶ کے بارہ میں میری یہ رائے ہے کہ جو رقم مدعا علیہ نمبر ا نے (بکر شوہر مرتہنہ) مورث مدعیان (زید راہن) سے بنام نہاد کرایہ وصولی کی ہے اور جس کے ایصال کو کچہری نے ثابت قرار دیا ہے بقدر (☆☆) حسب تصریحات صدر ہوتی ہے میرے نزدیک وہ رقم بوجوہ قابل مجرائی بہ زر اصل ہے، اول یہ کہ کچہری دیوانی سے یہ امر طے ہوچکا ہے کہ بیع بالوفاء بمذہب حنفی حکم رہن میں ہے اور شیئ مرہونہ کا کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بہ زر رہن ہے جیسا کہ نقول فیصلجات پیش کردہ مدعیان سے ثابت ہے، دوم یہ کہ شہادت اشرف علی خاں و دیگر گواہان سے امر ثابت ہے کہ کرایہ نامہ برضامندی واجازت گنیشی لال (زید راہن) لکھا گیا حتی کہ رقم کرایہ خود گنیشی لال نے وقتًا فوقتًا ادا کی جیسا کہ تجویز تنقیح نمبر ۴ سے ثابت ہے اس رضامندی واجازت راہن سے حسب فتوی مدرسہ اہلسنت بریلی پیش کردہ خود مدعا علیہا رہن باطل ہوگیا اور رقم زر رہن قرضہ خالص ہوگیا پس بلا اختلاف وہ رقم جو بنام نہاد کرایہ وصول ہوئی ہے وہ لائق مجرائی بہ زر رہن ہے، سویم یہ کہ حسب تصریح مندرجہ تجویز تنقیح نمبر ۱۰ قبضہ مرتہن ثابت نہیں ہوا تو اس صورت میں کبھی قرضہ سادہ اور رقم مودی بنام نہاد کرایہ ضرور لائق محسوبی و مجرائی بہ زر اصل رہن ہے۔

تنقیح نمبر ۷ و ۸ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی پیش نہیں کیا گیا اس لئے وہ بحق مدعا علیہا غیر ثابت ہے۔

تنقیح نمبر ۹ کے متعلق صرف حافظ عثمان خاں نے شہادت دی ہے مگر وہ مثبت اس تنقیح کی نہیں ہے

تنقیح نمبر ۱۰ بوجوہ ذیل میرے نزدیک بحق مدعا علیہا نمبر ۲ ثابت نہیں ہے، **اول:** یہ کہ جس قدر گواہان جانب مدعا علیہا نمبر ۲ (ہندہ مرتہنہ) میں پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت سے پورے طور پر فارغ ہونا کل مکانات کا اسباب و سامان راہن سے ثابت نہیں ہے اس لئے کہ کل گواہان مدعا علیہ نمبر ۲ بیان

کرتے ہیں کہ مکانات مذکور میں اوپر بھی درجات ہیں اور اوپر کے درجات میں ہم نہیں گئے، پس ظاہر ہے کہ جب اوپر کے درجوں میں ان گواہوں نے خود جاکر نہیں دیکھا تو ان گواہوں کی شہادت سے فارغ ہونا کل مکانات کا اسباب وسامان راہن سے جو شرط ضروری قبضہ مرہونہ کی ہے کس طرح ثابت مانا جاسکتا ہے۔

ثانیًا: یہ کہ شہادت مذکور سے تعلق عمرو خاں قبضہ گیرندہ کا بھی نہیں ہوتا، چونکہ وہ فوت ہوگیا ہے اس لئے اس کا یعنی واسطے حصول قبضہ کے موجود ہونا ضروری تھا۔

ثالثًا: اہم وجہ بے اثری قبضہ محمد عمرو خاں یہ ہے کہ بضمن تجویز تنقیح نمبر۹ اصل صاحب معاملہ ہونا مدعا علیہا نمبر۲ (ہندہ مرتہنہ) کا غیر ثابت ہے اور بضمن تجویز تنقیح نمبر۱ مابین مولوی عبدالغافر خاں وگنیشی لال کے معاہدہ ہونا ثابت ہے، ایسی حالت میں منجانب مدعا علیہ نمبر۲ محمد عمر خاں (عمر برادر مرتہنہ) کا قبضہ کب مفید ہوسکتا ہے۔

رابعًا: یہ کہ مدعیان نے نقل فیصلہ اجلاس عالیہ جوڈیشلی بمقدمہ جانی بیگم اپیلانٹ بنام نایاب بیگم رمپانڈنٹ مورخہ ۹ / دسمبر ۱۹۱۴ء میں اس امر کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اجازت دینا قبضہ کی ثابت نہیں ہے جو باتباع حکم موصوفہ مبطل رہن ہے، اس میں شک نہیں کہ فیصلہ موصوفہ میں یہ امر تجویز فرمایا گیا ہے کہ راہنہ کی اجازت قبضہ دینے کی مرتہنہ کو ثابت نہیں جو ضروری ہے اور اس مقدمہ میں مدعا علیہا نمبر۲ (ہندہ مرتہنہ) کا عمر خاں (عمر برادر ہندہ) کو قبضہ لینے کی اجازت لینا کسی شہادت سے ثابت نہیں ہے، پس بہ تقلید فیصلہ اجلاس اعلٰی اگر اجازت راہنہ پر اجازت مرتہنہ قیاس کی جائے تو بلاشبہہ قبضہ زیر بحث میں اجازت مرتہنہ ثابت نہ ہونے سے رہن باطل ہوتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ جب رہن میں اجازت قبضہ دینے کی امر ضروری ہے تو قبضہ کے لئے اجازت دینا بدرجہ اولٰی ضروری ہوگا کیونکہ اسی پر مدار قبضہ مرتہنہ ہے۔

خامسًا: یہ کہ شہادت مدعا علیہا نمبر۲ (ہندہ مرتہنہ) میں نسبت ثبوت مکانات وخلو مکانات اختلاف بین ہے۔

تنقیح نمبر۱۱ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی یا نظر ایسی پیش نہیں ہوئی جس سے میں تنقیح مذکور کو ثابت قرار دوں میرے نزدیک اس مقدمہ میں دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری ریاست اور دفعہ ۹۲ قانون شہادت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

تنقیح نمبر۱۲ بھی غیر ثابت ہے بلکہ تردید اس کی ثابت ہے کیونکہ رسید کرایہ کے لئے بمنشاء دفعہ ۱۴

قانون رجسٹری کے رجسٹری ہونا ضروری نہیں ہے البتہ ٹکٹ رسید کی ضرورت ہے چونکہ اس پر ٹکٹ رسید نہیں تھا اس کا تاوان ایک روپیہ وصول ہوگیا ہے، اس لئے بمنشاء مدب دفعہ ۵۲ قانون اسٹامپ ریاست قابل قبول ہے، اور حسب اعتراض مدعا علیہا لائق ضبطی و خلاف قانون و بے ضابطہ نہیں ہے، بوجوہات بالا حکم ہوا کہ دعوی مدعیان بتجویز انفکاک رہن بمجرائی کل زر مندرجہ بیعنامہ بالوفا وواپسی (☆☆) زر فاضل بواپسی دلائی جانی بیعنامہ بالوفاء و کرایہ نامہ اقراری مول چند بنام مدعا علیہا نمبر او۲ ڈگری ہوا اور دعوی مدعیان واپسی (☆☆) کی خارج ہوا، لہذا اب سوالات مندرجہ تحت جواب طلب ہیں:

(۱) آیا وارث کو اپنے مورث کے اقرار کے خلاف ایسے ادعا کا حق شرعًا حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) آیا قاضی کو بلا موجودگی بینہ واقرار ونکول کے محض اپنے قیاس کی بناء پر دستاویز مصدقہ سرکاری کے فرضیت کا حکم کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں اور ایسا حکم قابل بحالی ہے یا منسوخی؟

(۳) آیا شرعًا قاضی کو عمل بالخط بصورت انکار مدعا علیہ از تحریر خود **الخط یشبه الخط**[1] (خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ت) کے خلاف جائز ہے یا نہیں؟ اور رسید پیش کردہ مدعی بصورت موجودہ جس کی بابت کوئی گواہ شہادت ادا نہیں کرتا ہے کہ ہمارے سامنے رسید لکھی گئی ہے صرف قیاسًا شناخت خط کے گواہ پیش ہوئے ہیں قابل قبول ہے یا نہیں؟

(۴) آیا بیع بالوفاء میں غیر بائع یعنی کرایہ دار سے بعد قبضہ شرعی جو روپیہ بذریعہ کرایہ وصول کیا جائے وہ زر اصل میں قابل مجرائی ہے یا نہیں؟

(۵) اگر خود بائع بالوفاء کا یہ ادعا ہو کہ میں نے فرضی کرایہ نامہ از غیر تحریر و تصدیق کرایا تھا در حقیقت کرایہ من بائع بالوفا نے ادا کیا ہے تو یہ صورت اجارہ باذن راہن کی ہے یا نہیں؟

(۶) آیا شہادت گواہان معمولی وغیر ثقہ مدعیان سے بمقابلہ مدعا علیہا مقر لہا دستاویزات و اقرارات گنیشی لال (زید راہن) کی فرضیت ثابت بھی ہوسکتی ہے اور ایسی فرضیت کی شرعًا کوئی سند ہے؟

(۷) آیا محض دو گواہوں کے (جس میں ایک سزا یافتہ ہے اور دوسرا گواہ جہاں ملازم ہے وہاں

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

مدعی تحویلدار ہے) اور مدعی کا اس پر ہر وقت اثر ہے اس قدر بیان سے کہ گفتگوئے معاہدہ شوہر مرتہنہ اور بائع بالوفاء کے درمیان میں ہمارے سامنے (☆☆) قرض دینے کے متعلق ہوئی تھی تو ایسی صرف دو شہادتوں کی بنیاد پر کہ جو دستاویزات کی تصدیق ہونے سے بیشتر کی شہادت خلاف دستاویزات مصدقہ ادا کریں اور نہ اپنی موجودگی ہنگام تصدیق دستاویزات بیان کریں اور نہ مسماۃ ہندہ مشتریہ بیع بالوفاء کے کسی اقرار کے متعلق شہادت ادا کریں کچہری دستاویزات مصدقہ کو شرعاً فرضی قرار دے سکتی ہے اور مدعا علیہا نمبر ۲ (مشتریہ بیع بالوفا) کا حق شرعاً ضائع ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی شہادت مدعا علیہا مذکور کی مقابلہ میں شرعاً کیا اثر رکھتی ہے؟ جس قدر گواہ منجانب مدعیان پیش ہوئے ہیں وہ سب مستور الحال اور غیر ثقہ ہیں کچہری نے کسی گواہ کی حیثیت تحت اظہار تحریر نہیں کی ہے کہ یہ گواہ کیسی حیثیت کا ہے حالانکہ حکم ریاست جاری و نافذ ہے کہ ہر گواہ کے ختم بیان پر کچہری کی جانب سے نوٹ حیثیت گواہ کا لکھا جائے کہ گواہ کچہری کے نزدیک کیسی قسم کا ہے آیا ثقہ یا غیر ثقہ یا مستور الحال ہے جس سے گواہ کی معتبری کا اندازہ ہو سکے۔ پس ایسی حالت میں شہادت گواہان مدعیان پر حاکم اپیل کو شرعاً کیا حکم دینا چاہئے؟

(۸) آیا مدعیان حسب قول خود بشرح سود ۱۳/ ۱۱ پائی سود فیصدی ماہوار رقم سود (☆☆) قرار داد ہونا بیان کرکے (☆☆) ماہوار میزان قائم کرکے ادائیگی بیان کرتے ہیں اور نیز گواہ بھی اسی طرح شہادت ادا کرتے ہیں لیکن بحساب ۱۳/ ۱۱ پائی فیصدی ماہوار کی رقم (☆☆☆☆) پر سود (☆☆) پائی ہوتا ہے تو ایسی تناقض عرضی دعوی و شہادت علی الزیادات پر کچہری مقدمہ کی ڈگری شرعاً کر سکتی ہے اور اگر کچہری ڈگری ایسی صورت میں صادر کرے تو وہ ڈگری شرعاً قابل بحالی ہے یا منسوخی؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم لك الحمد یاوھاب اسئلك ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حمدیں تیرے لئے ہیں، اے عطا کرنے والے! میں تجھ سے حق اور ہدایت کی رہنمائی چاہتا ہوں۔ت) کلام طویل اور فرصت قلیل اور طبیعت علیل اور سائل کو تعجیل، لہذا چند مفید و کافی کلمات پر اقتصار اور انہیں کے ضمن میں جواب سوالات ضروریہ کا اظہار ہو وباللہ التوفیق سائل نے دارالافتا میں عرضی دعوی وبیان تحریر وفیصلہ وعبارت رسیدات مندرجہ بہی اور بیعنامہ و کرایہ نامہ اور مدعی کے بیس گواہان [۱] موتی شاہ، [۲] وزیر خاں، [۳] محمد رضا خاں، [۴] مظہر حسین، [۵] عبدالعزیز، [۶] سید عبدالعزیز۔

۷حافظ عجائب الدین خاں، ۸احمد خان ولد میان خاں، ۹حیدر علی خاں، ۱۰عبدالرحیم خاں، ۱۱الطاف علی، ۱۲محمد بشیر، ۱۳انور بیگ، ۱۴نجن، ۱۵حیدر حسین، ۱۶اشرف علیجاں، ۱۷احمد خاں ولد عبدالنبی خاں، ۱۸نجف علی خان، ۱۹محمد غفران، ۲۰ولی خاں کے اظہارات کی نقول پیش کیں جبکہ رسیدات وبینات موتی شاہ وزیر خاں کی باضابطہ باقی سادہ، ان کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ نہ دعوی صحیح نہ شہادتیں نہ فیصلہ۔ منصب افتا شرع مطہر کا حکم بتانا ہے اور زمانہ حسب ارشاد حدیث وہ کہ معروف منکر ہے اور منکر معروف۔ اہل اسلام حکم شرع پر گردن رکھیں اگرچہ غلط رواج سے بیگانہ نظر آئے۔

دعوے:

دعوی تین وجہ سے باطل ہے:

اول: وارث و مورث مثل شخص واحد ہیں مورث کے اقرار ثابت کے خلاف وارث کا دعوی تناقض ہے اور غیر محل خطا میں تناقض مبطل دعوی۔ وجیز امام کردری پھر بحر الرائق جلد ہفتم ص ۳۹ پھر فتح اللہ المعین جد ۳ ص ۴۲ پھر طحطاوی علی الدر المختار جلد ۳ ص ۲۱۶ میں ہے:

اعلم ان التناقض کما یکون من متکلم واحد یکون عن متکلمین کمتکلم واحد حکما کوارث و مورث۔[1]	معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح تناقض ایک متکلم کے کلام میں ہوتا ہے اسی طرح ایسے دو متکلم حضرات کے کلاموں میں جو ایک متکلم کے حکم میں ہوں مثلاً وارث اور مورث دونوں کا کلام ایک متکلم کے حکم میں ہے (ت)

فتح المعین وطحطاوی صفحات مذکورہ میں اس کے بعد ہے:

وفی ھذا دلالۃ ظاہرۃ علی مانقلہ الشیخ حسن (یعنی العلامۃ الشرنبلالی) فی رسالۃ الابراء عن فتاوٰی الشیخ الشلبی حیث حکی الاجماع علی ان دعوی الوارث لاتسمع فی شیئ لاتسمع فیہ دعوی مورثہ ان لوکان حیا فادعی[2]۔	اور اس میں شیخ حسن یعنی علامہ شرنبلالی کی رسالہ الابراء میں شیخ شلبی کے فتاوٰی سے منقول کلام پر ظاہر دلالت ہے جہاں انہوں نے یہ اجماع ذکر کیا ہے کہ جہاں مورث اپنی زندگی میں کوئی دعوی کرتا تو اس کا دعوی وہاں مقبول نہ ہوتا وارث کا ایسا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا۔ (ت)

دوم: واپسی دستاویزات کے دعوی میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کاغذ دستاویز ملک مدعا علیہ ہے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب القضاء مسائل شتی دا المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۱۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب القضاء مسائل شتی دا المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۱۶

تو دعوی رأسا باطل، صرف رسید پانے کا دعوی کرسکتا ہے اگر نہ پائی ہو اور اگر ملک مدعی ہے تو ضرور ہے دعوی میں کاغذ کی مقدار اور اس کی صفت بیان کرے ورنہ دعوی بوجہ جہالت نامسموع، یہاں مدعیوں نے ان میں سے کچھ نہ بیان کیا لہذا دعوی مدفوع۔ حاوی زاہدی وقنیہ باب المداینات وعقود الدریہ جلد دوم صفحہ ۲۰۸:

طلب القبالة من رب الدين بعد القضاء فللمديون طلبها منهم ان كانت الكاغذة مملوكة له وان كانت مملوكة للدائن فله طلب وثيقة القضاء منه ولابد في صحة دعوى القبالة من بيان قدر الكاغذة وصفتها و بيان قدر المال المكتوب فيها[1]۔(ملخصًا)	قرض کی ادائیگی کے بعد قرضخواہ سے دستاویزات طلب کرنا مقروض کا حق ہے بشرطیکہ وہ دستاویزات مقروض کی ملکیت ہوں، اور اگر وہ قرض خواہ کی ملک ہوں تو پھر مقروض کو صرف ادائیگی کی رسید کے مطالبہ کا حق ہے اور دستاویزات کے دعوی میں مدعی پر لازم ہے کہ وہ ان دستاویزات کی مقدار اور ان کی صفت اور ان میں درج شدہ مال کی مقدار کو بیان کرے (ملخصًا)۔(ت)

ریاست رامپور میں علاقہ قدیم پر اسٹامپ کی قید بہت جدید ہے مگر ان دستاویزوں تک نہ تھی جب تو ظاہر اور تھی تو جب بھی اس قدر تعیین مدعی بہ کے لئے کافی نہیں کبھی کاغذ کم قیمت کا پیش ہوتا ہے جس پر تاوان لے کر رجسٹری کردیتے ہیں کبھی جتنی قیمت کا قانونًا چاہئے خزانے میں نہیں ہوتا تو دو قطعے دئے جاتے ہیں کبھی عبارت دستاویز قطعًا اسٹامپ پر پوری نہیں آتی سادہ ضمیمہ لگاتے ہیں تو صرف اس قدر کہ اس نوعیت کی دستاویز پر اتنے کا اسٹامپ ہوگا، تعیین کاغذ نہیں کرسکتا بلکہ دعوی میں اس کا بیان ضرور ہے کہ کاغذ کس قیمت کا ہے، ایک قطعہ ہے یا دو، تنہا ہے یا مع ضمیمہ، ضمیمہ ہے تو کس مقدار وصفت کا ہے، یہاں ان میں سے کچھ مذکور نہیں لہذا دعوی مسموع نہیں۔

سوم: دعوی زر کے ساختہ پر داختہ ہونے پر ایک اور قرینہ واضحہ بھی ہے بنیوں کو حساب خصوصًا سود کے محاسبات میں کمال مشق ومہارت ہوتی ہے لیکن عرضی دعوی نیز شہود مدعی کے بیانوں پر حساب بہت گندا ہے **اولًا** مدعیوں نے پانچ ہزار پر شرح ماہوار فیصدی ۱۳/ ۱۱ پائی بتائی پھر سب نے ماہوار (☆☆) حالانکہ شرح مذکور سے پانچ ہزار پر (☆☆) ماہوار ہوتا ہے بننے کا ہر مہینے

[1] العقود الدریۃ کتاب المداینات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۰

سود میں آٹھ آنے ماہوار سے زیادہ دینا اور پندرہ برس تک اسی غلطی پر جمار ہنا اور کبھی متنبہ نہ ہونا عادۃً معقول نہیں۔

ثانیًا: ۱۷/ دسمبر ۱سنہ سے ختم ماہ تک پندرہ دن ہوتے ہیں مدعیوں نے ان کی بابت بائیس روپے رکھے اور یہی رسید میں دکھائے۔ دسمبر ۳۱ دن کا ہے اس کے ۱۵ دن کے شرح مذکور پر (☆☆) پائی ہوئے کہ اکیس روپے سے تین پیسے بھی زائد نہیں نہ کہ پورے بائیس اور اگر (☆☆) ہی شرح لیں تو ان پندرہ دن کے (☆☆) پائی ہوئے اب بھی بائیس روپے میں (۱۱/) سے زائد زیادہ گئے، کیا بنیا ۱۱ یا ۱۵ آنے سود کے حساب میں زیادہ دیگا۔

ثالثًا ایک ہزار زر اصل سے ادا ہونے کے بعد حسب شرح اقراری مدعیان (☆☆) ماہوار رہا نہ کہ (☆☆) جو مدعیوں نے لکھا کہ ہر مہینے پر (۶ / ۷) پائی زائد ہے اور اگر چوالیس ہی روپے لیں (☆☆) پائی ہو اب بھی ۵/۳ کی زیادت ہے حساب میں اسے بھی غلطی کہیں گے اور مرور زمان سے اس کی مقدار روپوں کو پہنچے گی۔

رابعًا: یہ ہزار کی ادا ۳۰/ جنوری ۱۳سنہ کو بتائی اور جب سے آخر اپریل ۱۵سنہ تک (☆☆) پہنچنا کے حساب سے صرف (☆ ۴/۴-۳۱/۲) کے حساب سے یہ رقم یکم جنوری سے پورے ۲۸ ماہ کی ہوئی حالانکہ ان کے زعم پر جنوری کے پہلے دو دن تک (☆☆) کی پوری رقم باقی تھی اس پر جنوری کے دو یوم کے (☆☆ ۱۲/۱۰-۳۰/۲۲) پائی ہوتے اور (☆☆) کے حساب سے صرف (☆ ۴/۴-۳۱/۲) پائی رہ گئے ساڑھے آٹھ آنے سے زیادتی کی کمی ہے، یہ سب اغلاط دعوے پر ہے شرح اقراری مدعیان ۱۷/ دسمبر ۱سنہ سے آخر اپریل ۱۵ تک حساب یہ ہوا

ایام	روپے	آنے	پائی	ایام	روپے	آنے	پائی
۱۵ یوم دسمبر ۱سنہ بشرح للعہ/ ۱۰ پائی	۲۱	۰	۸ ۱۰/۳۱	۲۹ جنوری ۱۳سنہ بشرح للعہ/۱۲ ۸ پائی	۳۲	۸	۹ ۱/۳۱
از جنوری ۲سنہ لغایۃ دسمبر ۱۲سنہ گیارہ سال	۵۷۴۰	۱۰	۰	از فروری ۱۳سنہ لغایۃ اپریل ۱۵سنہ ۲ سال ۳ ماہ	۹۳۹	۶	۰
یکم و دوم جنوری ۱۳سنہ	۲	۱۲	۱۰ ۲۲/۳۱				
				مجموع	۶۷۳۶ R	۶ A	۴ ۲/۳۱ P

کل (☆☆) دینے تھے لیکن مدعی اور گواہ اور رسیدات سب (☆☆) دینا بتاتے ہیں محال عادی ہے کہ ہوشیار بنیا تیرہ چودہ برس غلطی میں پیچاں رہ کر ۹۷ روپے ۴آنے (۷-۲۹/۳۱) پائی حساب سے زیادہ دے دے یہ ہرگز معقول نہیں اور ایسا دعوی کہ ظاہر حال مدعی جس کی تکذیب کرے مقبول نہیں۔ بحر الرائق میں ہے:

ان من شرط سماع الدعوی ان لایکذب المدعی ظاہر حالہ ثم رأیت ابن الغرس فی الفوائد الفقہیۃ(صرح بہ فقال)ومن شروط صحۃ الدعوی ان یکون المدعی بہ مما یحتمل الثبوت بان لایکون مستحیلا عقلا او عادۃ فان الدعوی والحال ماذکر ظاہرۃ الکذب لان المستحیل العادی کالمستحیل العقلی[1]۔(ملخصًا)	دعوی کے قابل سماعت ہونے کے لئے شرائط میں سے ہے کہ مدعی کاظاہر حال اس دعوی کی تکذیب نہ کرتا ہو، پھر میں نے فوائد فقہیہ میں ابن الغرس کی تصریح دیکھی توانہوں نے کہا کہ دعوی کی صحت کیلئے شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز کا دعوی کیا ہو وہ قابل ثبوت بھی ہو یوں کہ وہ عقلًا یا عادۃً محال نہ ہو کیونکہ اگر دعوی ایسا ہو کہ ظاہرًا جھوٹ ہو تو قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ محال عادی محال عقلی کی طرح ہوتا ہے۔(ملخصًا۔ (ت)

غایت درجہ یہاں عذر خطا ہوگا یعنی مدعیوں نے براہ غلط اس شرح کا اقرار کیا مگر بعد اقرار ادعائے خطا مردود وبیکار۔ فتاوی قاضیخان واشباہ والنظائر وقنیہ ودرمختار وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

اقر بشیئ ثم ادعی الخطألم تقبل[2]۔	ایک چیز کا اقرار کرکے پھر اس کی خطا کی دعوی کرے تو قبول نہ ہوگا۔(ت)

شہادات

ان شہادتوں کے بطلان پر کچھ وجوہ عامہ ہیں کہ ہر وجہ سب کو شامل، اور کچھ خاصہ کہ بعض سے خاص مگر ان سے بھی کوئی گواہی خالی نہیں لہذا وہ بھی وجہ عام ہیں، وجوہ عامہ سات ہیں:

اول: حقوق العباد میں صحت دعوی شرط شہادت ہے اگر دعوی صحیح نہیں اس پر کوئی شہادت کیسے ہی اعلٰی درجہ وثوق کی ہو اصلًا مسموع نہیں اذفات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہوجائے تومشروط فوت ہوجاتا ہے۔ت) تنویر الابصار میں ہے:

[1] بحر الرائق کتب الدعوٰی باب التحالف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۲۷

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

تقدم الدعوی فی حقوق العباد شرط قبولها[1]۔	حقوق العباد کے متعلق پہلے دعوی ہونا شہادت کی قبولیت کے لئے شرط ہے۔(ت)

اور ہم ثابت کرچکے کہ یہ دعوی صحیح نہیں لہذا تمام یہ اور ان کے سوا اور جس قدر ہوں سب باطل۔

دوم: حقوق العباد میں شرط شہادت وہ لفظ ہے جو انشاء گواہی کے لئے ہو بلفظ اخبار کچھ بھی کہا جائے ہرگز قبول نہیں۔ معین الحکام میں ہے:

اعلم ان اداء الشهادة لایصح بالخبر البتة فالخبر کیف تصرف لایجوز الاعتماد علیه[2]۔	واضح ہو کہ خبر کے طور پر شہادت کی ادائیگی ہرگز صحیح نہیں کیونکہ خبر جیسی بھی ہو وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لابد من انشاء الاخبار عن الواقعة المشهودبها و الانشاء لیس بخبر فاذا قال الشاهد اشهد کان انشاء ولو قال شهدت لم یکن انشاء[3]۔	جس واقعہ کی شہادت دی جائے وہ بطریقہ انشاء ہو کیونکہ وہ خبر نہ ہوگی جب گواہ اشهد (گواہی دیتا ہوں) کہے تو یہ انشاء ہے اور اگر اس نے شهدت (میں نے شہادت دی ہے کہا تو انشاء نہ ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایقع الانشاء باسم الفاعل نحوانا شاهد عندك بکذا فهذالیس انشاء[4] ملخصًا۔	اسم فاعل کے صیغہ سے مثلًا "میں گواہی دینے والا ہوں" کہا تو یہ انشاء نہیں ہے، ملخصًا (ت)

گواہ پر قسم خلاف مذہب وخلاف شرع ہے بعض متاخرین نے نظر بضرورت جو اس بدعت کو گوارا کیا تھا کہ لوگ جھوٹی شہادت پر جری ہیں جھوٹی قسم سے بچیں گے اب وہ بھی باقی نہیں قسم پر شہادت سے زیادہ جرات ہے اس سے قطع نظر ہو تو قسم مشہود بہ پر ہونی تھی مثلا خدا کی قسم اس زید پر اس عمرو کا اتنا روپیہ فلاں سبب سے آتا ہے یہاں اس کے خلاف تمام اظہاروں میں قسم شہادت دینے پر کھائی ہے کہ خدا کی قسم سچ گواہی دیتا ہوں اس نے "گواہی دیتا ہوں" کو انشائے شہادت نہ رکھا بلکہ اخبار کے لئے متعین کردیا کہ قسم داخل نہیں ہوتی مگر جملہ خبریہ پر، ولہذا اگر کہے خدا کی قسم تو میری زوجہ نہیں اگرچہ اس سے طلاق کی نیت کرے طلاق

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشهادات باب الاختلاف فی الشهادة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

[2] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص۸۹

[3] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص۸۹

[4] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص۸۹

نہ ہوگی کہ طلاق انشاء ہے اور قسم نے اس جملے کو خاص خبریہ کردیا، درمختار میں ہے:

لست لك بزوج او لست لی بامرأة لو اكده بالقسم لاتطلق اتفاقا لان اليمين قرينة ارادة النفی [1]۔	میں تیرا خاوند نہیں ہوں یا تو میری بیوی نہیں ہے۔ اگر اس کلام کو قسم سے مؤکد کردیا تو بالاتفاق طلاق نہ ہوگی کیونکہ قسم اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں نفی کا ارادہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان اليمين لتاكيد مضمون الجملة الخبرية فلا يكون جوابه الا اخبرا [2]۔	کیونکہ قسم جملہ خبریہ کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے تو اس کا جواب صرف خبر ہوگا۔ (ت)

سراج وہاج وعالمگیریہ میں ہے:

اتفقوا جميعا انه لو قال والله ما انت لی بامرأة لايقع شيئ وان نوی [3]۔	سب نے اتفاق کیا ہے کہ اگر خاوند نے کہا خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے، تو ارادہ طلاق کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

والله ما انت لی بامرأة لايقع عند الكل وان نوی [4]۔	خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے کہا تو سب کے نزدیک طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت ہو۔ (ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

اذا قال والله ما انت لی بامرأة لايقع الطلاق وان نوی بالاتفاق لان اليمين علی النفی تتناول الماضی وهو كاذب فی ذالك فلا يقع به شيئ [5] (ملتقطا)۔	جب کہے خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو یہ بالاتفاق ہے کیونکہ نفی پر قسم ماضی کو شامل ہے جبکہ یہ جھوٹ ہے تو اس سے کچھ نہ واقع ہوگا (ملتقطا)۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[4] بحرالرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۵

[5] بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل واما الکنایۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۷

توثابت ہوا کہ ان میں کوئی شہادت ہر گز شرعًا شہادت ہی نہیں سب افسانہ گوئی قصہ خوانی ہیں۔

سوم: اشهد، گواہی مید ہم، گواہی دیتا ہوں سب سے سخت تر قسم ہے اور مشہود بہ مقسم علیہ یعنی وہ بات جس پر یہ شدید قسم کھائی۔ درمختار میں ہے:

رکنها لفظ اشهد لاغیر لتضمنه معنی مشاهدة وقسم واخبار للحال فکانه یقول اقسم بالله لقد اطلعت علی ذلك وان اخبربه وهذه المعانی مفقودة فی غیره فتعین[1]۔	اس کا رکن صرف اشھد کا لفظ ہے اور کچھ نہیں کیونکہ یہ لفظ مشاہدہ اور قسم اور حال کی خبر ہے گویا اس نے یوں کہا خدا کی قسم میں نے اس پر اطلاع پائی اور اس کی خبر دے رہا ہوں، جبکہ یہ معانی اس لفظ کے غیر میں مفقود ہیں، تو یہی متعین ہے۔(ت)

جامع الفصولین جلد اول ص ۱۲۱:

فی لفظ الشهادة من التاکید مالیس فی لفظ الخبر لانه یمین بالله تعالٰی معنی[2]۔	لفظ شہادت میں جو تاکید ہے وہ خبر کے لفظ میں نہیں ہے کیونکہ اشھد معنًا اللہ تعالٰی کی قسم ہے۔(ت)

تبیین امام زیلعی ج ۴ ص ۲۱۰:

النصوص ناطقة بالاستشهاد فلا یقوم مقامها غیرها لما فیها من زیادة توکید لانها من الفاظ الیمین فیکون معنی الیمین ملاحظا فیها[3]۔	تمام نصوص شہادت کے مطالبہ پر ناطق ہیں تو کوئی دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہ ہوگا کیونکہ اس میں تاکید زیادہ ہے اس لئے کہ اس میں قسم کا معنی ملحوظ ہے لہٰذا یہ قسم کے الفاظ میں ہے۔(ت)

ہدایہ میں فرمایا:

النصوص نطقت باشتراطها ولان فیها زیادة توکید فان قوله اشهد من الفاظ الیمین فکان الامتناع عن	تمام نصوص اس کی شرط پر ناطق ہیں اور اس لئے کہ اس میں تاکید زیادہ ہے تو اس کا اشھد کہنا قسم کے الفاظ میں سے ہے تو اس لفظ سے

---

[1] درمختار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۔۱۲۱

[3] تبیین الحقائق کتاب الشهادة المطبعة الکبری الامیریه بولاق مصر ۴/ ۲۱۰

الکذب بھذہ اللفظة اشد [1]۔	کذب کا امتناع شدید ہے۔(ت)

اور قسم مقسم علیہ کا اتصال شرط ہے جب ان میں وہ چیز فاصل ہو کہ نہ قسم ہے نہ اس کی تاکید ہے، تو قسم اس سے بے تعلق و بے اثر ہو جاتی ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو قال خدائے راو پیغمبر را پذیر فتم کہ فلاں کار نہ کنم لایکون یمینا لان قوله پیغمبر را پذیر فتم لایکون یمینا فاذا تخلل بین ذکر الله تعالٰی وبین الشرط مالا یکون یمینا یصیر فاصلا فلایکون یمینا [2]۔	اگر یوں کہے میں خدا تعالٰی اور پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قبول کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ فلاں کام نہ کروں گا تو قسم نہ ہوگی کیونکہ پیغمبر کو قبول کرتا ہوں، کہنا قسم نہیں ہے تو جب اللہ تعالٰی اور شرط کے ذکر میں کوئی غیر قسم والے الفاظ فاصل بن جائیں تو قسم نہ ہوگی۔(ت)

انہیں میں ہے:

لو قال باللہ العظیم کہ بزرگتر از باللہ العظیم نیست کہ ایں کار نہ کنم یکون یمینا کما لو قال باللہ العظیم الاعظم و ھذہ الزیادات تکون للتاکید فلا یصیر فاصلا [3]۔	اگر کہا اللہ عظیم کی قسم، اللہ تعالٰی سے بزرگ تر کوئی نہیں، میں فلاں کام نہ کروں گا تو یہ قسم ہوگی کیونکہ یہ ایسے ہے جیسے کہ اللہ تعالٰی العظیم الاعظم کی قسم، تو یہ زیادتی عظمت کی تاکید ہے تو وہ فاصل نہ ہوگی۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی سمرقند و فتاوٰی خلاصہ میں ہے ردالمحتار میں ہے:

ویشترط عدم الفاصل من سکوت و نحوہ ففی الصیرفیة لو قال علی عھد اللہ وعھد الرسول لا افعل کذا لایصح لان عھد الرسول صار فاصلا اھ ای لانه لیس قسما	سکوت اور ایسی دوسری چیز کا فاصل نہ بننا قسم میں شرط ہے تو صیرفیہ میں ہے اگر کہا اللہ تعالٰی کے عہد اور رسول کے عہد پر میں ایسا نہ کروں گا، یہ صحیح نہیں کیونکہ "رسول کا عہد" درمیان میں فاصل بن گیا ہے اھ یعنی یہ قسم نہیں ہے، بخلاف

[1] الھدایہ کتاب الشھادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸،۵۷

بخلاف عهدالله [1] ۔(ملتقط)	عہد اللہ کے (ملتقطا)۔(ت)

خانیہ میں ہے:

رجل اخذه السلطان واراد ان یحلفه فقال له قل بایزد قال بایزد قال که بروز آدینه بیائی قال بروز آدینه بیایم فلم یأت لایحنث علیه لانه لما قال له قل بایزد وسکت صار فاصلا فلا یصیر یمینا [2] ۔	ایک شخص کو سلطان نے پکڑ لیا اور اس سے قسم لیتے ہوئے سلطان نے کہا، تو کہہ کہ اللہ تعالی کی قسم، اس نے کہا اللہ کی قسم تو کل آئے گا، تو گرفتار ہونے والے نے کہا میں کل آؤں گا، وہ اگر نہ آئے تو اس پر وہ حانث نہ ہوگا، کیونکہ سلطان نے اس کو کہا تو کہہ اللہ کی قسم، پھر سلطان خاموش ہوا، تو یہ خاموشی فاصل بن گئی، تو قسم نہ ہوئی۔(ت)

اسی طرح بزازیہ وغیرہا میں ہے، اور شک نہیں کہ کلام دیگر بھی مثل سکوت ہے بلکہ اس سے زائد

کما فی البحر وقد عرفت المسائل فی الشفعة وخیار البکر۔	جیسا کہ بحر میں ہے جبکہ تو شفعہ اور باکرہ کے خیار کی بحث میں مسائل معلوم کرچکا ہے (ت)

اور ظاہر کہ مشہود بہ وہ چیز ہے جس کی نزاع ہے مدعی جس کا مدعی ہے مدعا علیہ جس کا منکر ہے مدعی جسے شہادت سے ثابت کیا چاہتا ہے ان تمام گواہیوں میں " گواہی دیتا ہوں۔" کے بعد اس کا ایک حرف نہیں، بالائی جملے ہیں۔ محمد رضا خاں گواہی دیتا ہوں ۸ سنہ میں مظہر جمعہ خاں کے یہاں ملازم تھا، مظہر حسین گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا میں گنیشی کے مکان پر بیٹھا تھا، عبدالعزیز خاں گواہی دیتا ہوں نوسال ہوئے مظہر گنیشی کے مکان پر تھا، سید عبدالعزیز گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر پسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرارہا تھا، عجائب الدین خاں گواہی دیتا ہوں مئی کا مہینہ تھا میں دکان عطاری کرتا ہوں گنیشی کا آدمی دوالینے نسخہ لایا، احمد خاں ولد میاں خاں گواہی دیتا ہوں سنہ مئی ۹ کو میں رام پور آیا تھا، حیدر علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا میں گنیشی کے پاس چاول لینے گیا، عبدالرحیم خاں گواہی دیتا ہوں مظہر گنیشی کو بلانے گیا ناظم صاحب نے بلوایا تھا، سید الطاف علی گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کی دکان پر تھا، محمد بشیر خاں گواہی دیتا ہوں بعد

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۶

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الایمان نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۸۲

ظہر کے مظہر اپنے گھر کو جارہا تھا، انور بیگ گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کے یہاں بیٹھا تھا، نجم خاں گواہی دیتا ہوں مظہر رگناتھ پرشاد کا ملازم تھا، سید حیدر حسین گواہی دیتا ہوں میں خان بہادر کو بلانے گنیشی کے یہاں گیا، احمد خاں ولد عبدالغنی گواہی دیتا ہوں مظہر گنیشی کے یہاں نوٹ تڑانے گیا، نجف علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کی بیٹھک میں تھا، محمد غفران گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر عبدالغافر خاں کے مکان پر تھا، اشرف علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنے سال ہوئے دولھا صاحب اور ایک منشی جی گنیشی کی بیٹھک میں آئے، موتی شاہ گواہی دیتا ہوں منصور خاں نے میرے گھر آکر مجھ سے کہا میرا زیور گروی رکھا دو۔ وزیر خاں گواہی دیتا ہوں اتنا زمانہ ہوا میرے ہاتھ میں چوٹ لگ گئی تھی۔

کیا یہی فقرے مابہ النزاع ہیں، کیا انہیں جملوں کا دعوی ہے کیا انہیں کو مدعی ثابت کرانا چاہتا ہے ہر گز نہیں، تو یہ قطعًا مشہود بہ نہیں، مشہود بہ وہ حق ہے جسے شاہد مشہود علیہ پر بتاتا ہے۔ شلبیہ علی الزیلعی میں بنایہ سے ہے:

فی الشرع الشھادۃ اخبار بحق لشخصٍ علٰی غیرہ عن مشاھدۃ[1] الخ۔	شریعت میں مشاہدہ کی بناء پر کسی حق کی خبر دینا کہ یہ فلاں کا غیر کے ذمہ ہے الخ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ جملے وہ حق نہیں اور ان کا قسم یا تاکید قسم نہ ہونا بدیہی، تو شہادت و مشہود بہ یعنی قسم و مقسم علیہ میں فاصل اور قسم و شہادت کے مبطل ہیں۔ گواہی ان فقروں سے متصل ہوئی نہ کہ مقصود و مشہود سے، معاملہ شہادت و دعوی بس نازک ہے، ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ اگر یوں دعوی کرے کہ یہ چیز میری ملک ہے اور میرا حق، یا گواہ شہادت دے کہ یہ چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق، یہ دعوی و شہادت کافی نہ مانیں گے کہ ممکن ہے کہ میرا یا اس کا حق کہنے کے بعد آہستہ سے لفظ "نہیں" ملالے بلکہ یوں کہنا لازم کہ میرا یا اس کا حق ہے۔ فتاوٰی امام نسفی و فتاوی عالمگیریہ وغیرہم میں ہے:

ینبغی للشاھد ان یقول فی شھادۃ ایں مدعی ست وحق وے ست حتی لایمکن ان یلحق بہ وحق	گواہ کو چاہئے کہ وہ شہادت میں یوں کہے یہ اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق ہے تاکہ اس کو نفی لاحق نہ ہوسکے یعنی صرف اس کا حق" ہے"

[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الشھادات المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۴/ ۲۰۶

وے نے بنفی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقول اذاقال المدعی فلاں چیز ملک من ست وحق من، لایکتفی بہ وینبغی ان یقول وحق من ست ویقول فی قولہ وبدست فلاں حق، بدست فلاں بناحق ست وکذٰلك فی نظائرہ حتی لایلحق بہ کلمۃ النفی[1]۔	نہ کہے، ایسانہ ہو کہ حق کے ساتھ ،نہ ہے، لاحق ہوجائے امام شیخ فخر الاسلام بزدوی فرماتے تھے کہ اگر گواہ نے یہ کہا فلاں چیز میری ملک ہے اور میرا حق، توکافی نہ ہوگا، بلکہ، میرا حق ہے، کہے، اور فلان کا قبضہ ناحق کی بجائے، فلاں کا قبضہ ناحق ہے، یوں ہی اس کے نظائر میں، تاکہ اس کو نفی لاحق نہ ہوسکے۔(ت)

جب اسے نہ مانا کہ کہیں چپکے سے لفظ "نفی "نہ بڑھالے تو یہاں تو کسی حرف کے بڑھانے گھٹانے کی حاجت ہی نہیں فقط نیت کافی ہے" گواہی دیتاہوں" کو صرف ان فقروں سے متعلق کیاجواس کے متصل ہیں باقی داستان گوئی کردی۔ معین الحکام میں ہے:

اذا قال الحاکم للشاھد بای شیئ تشھد؟ فقال حضرت عندفلان فسمعتہ یقرأبکذا، او اشھدنی علی نفسہ بکذا، او شھدت بینھما بصدور البیع اوغیر ذٰلك من العقود لایکون اداء شھادۃ، ولایجوز للحاکم الاعتماد علی شیئ من ذلک[2]۔	جب حاکم نے گواہ سے پوچھاتو کس چیز کی گواہی دیتاہے؟ تواس نے کہامیں فلاں کے پاس حاضر تھاتو میں نے اسے فلاں چیز کا ذکر کرتے ہوئے سنا، یااس نے مجھے اتنی چیز کا گواہ بنایا، یا کہا میں دونوں فریقوں کے درمیان بیع صادر ہونے کی گواہی دیتا ہوں یا اس کے علاوہ کسی سودے کی، تو یہ شہادت کی ادائیگی نہ ہوگی اور نہ ہی حاکم کواس بیان پر اعتماد ہوگا۔(ت)

ہمارے نزدیک اس کی بہتر تعلیل یہی ہے کہ "حضرت عندفلاں" شہادت مشہودبہ میں فاصل ہوگیا۔

ولامحل لان یقال لم یقل اشھد لان السوال معاد	یہ محل ایسا نہیں کہ اشھد نہ کہنے کو وجہ بنایا جائے کیونکہ (قاضی کا یہ کہنا توکیاشہادت دیتاہے)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۶۰، ۶۱

[2] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص۸۹

فی الجواب ولذالم یبنیه علیه العلامة الطرابلسی وانما علله بانه خبر عن ماض ویحتمل التغیر **اقول**: وفیه نظر ویرده فروع جمة لاتحصر، قال فی جامع الفصولین(مش)لو شهدا انه کان مبلکه فکانما شهدا انه مبلکه فی الحال ولا یجوز للقاضی ان یقول امروز ملک وے دانید فعلی هذا لوادعی دینارا شهد ا انه کان له علیه کذا اوقال اورا ایں قدرزردرذمه ایں بود ینبغی ان تقبل کما فی العین وفی(ط)مایدل علی قبولها وفیه و کذا لو شاهد احدهما انه مبلکه والآخر انه کان ملکه تقبل شهادتهما لاتفاقهما انه له فی الحال معنی لمامر وکذا الشهادة علی النکاح والاقرار به ففی(فش)ادعت نکاحه فشهد احدهما انه اقر انها امرأته والاٰخر انه اقر انها کانت امرأته تقبل، لان الشهادة باقراره بنکاح کان شهادة باقراره بنکاح حالی لان ماثبت یبقی وکذا لوادعی انها امرأتی او منکوحتی وشهدا انه	سوال کا جواب میں اعادہ ہوتا ہے اسی لئے علامہ طرابلسی نے اس کو بنیاد نہیں بنایا اور وجہ یہ بتائی کہ یہ ماضی سے خبر ہے جو خلاف کا احتمال رکھتی ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں کہ) ماضی والی وجہ قابل غور ہے بہت سے مسائل اسکو رد کرتے ہیں۔ جامع الفصولین میں فرمایا (مش) اگر دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ یہ اس کی ملکت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الحال اس کی ملک ہے اور قاضی کو یہ حق نہیں کہ وہ کہے کہ، کیا آج ملک مانتے ہو، تو اس بنا پر اگر مدعی دینار کا دعوی کرے اور گواہ شہادت دیں کہ اس کا دین مدعی علیہ کے ذمے تھا یا یوں کہیں کہ اتنی مقدار زر اس کے ذمہ تھا گواہی قبول کی جائے گی جیسا کہ عین چیز میں مقبول ہوگی، اور طحطاوی میں ذکر کردہ اس کی قبولیت پر دال ہے اور اس میں ہے اور یونہی اگر ایک گواہ نے کہا یہ اس کی ملک ہے، اور دوسرے نے کہا اس کی ملک تھی، دونوں کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ معنیً دونوں کا اتفاق ہے کہ فی الحال ملک ہے جیسا کہ گزرا، اور یونہی نکاح اور نکاح کے اقرار کی شہادت کا معاملہ ہے (فش) میں ہے کہ عورت نے ایک مرد سے نکاح کا دعوی کیا، ایک گواہ نے کہا کہ مرد نے اس کے بیوی ہونے کا اقرار کیا ہے اور دوسرے نے کہا کہ یہ اس کی بیوی تھی، تو شہادت مقبول ہوگی کیونکہ نکاح کے متعلق اقرار کی شہادت

کان تزوجها ولم یتعرضا للحال تقبل، ولو ادعی انه کان لاتقبل لان اسناد المدعی یدل نفی الملك فی الحال اذلافائدة للمدعی فی الاسناد مع قیام ملکه فی الحال بخلاف الشاہدین لو اسندا ملکه الی الماضی لایدل علی النفی فی الحال لانهما لایعرفان بقائه الا بالاستصحاب والشاہد قد یحترز عن الشهادة بماثبت باستصحاب الحال لعدم تیقنه بخلاف المالك لانه کمایعلم ثبوت ملکه یقینا یعلم بقائه یقینا۔اھ[1] ببعض اختصار وفی الدر والغرر وتنویر الابصار والدرالمختار ادعی الملك فی الحال و شهد الشهود ان ھذا العین کان ملکه تقبل لان ماثبت فی زمان یحکم ببقائه مالم یوجد	موجودہ نکاح کے اقرار کی شہادت ہے کیونکہ ثابت شدہ چیز باقی رہتی ہے،اور یوں ہی اگر مرد نے دعوی کیا کہ یہ میری بیوی ہے یا منکوحہ ہے اور دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے اس عورت سے نکاح کیا تھااور انہوں نے حال کو بیان نہ کیا تو شہادت مقبول ہوگی،اور اگر مدعی نے کہا ہو کہ نکاح تھا تو پھر یہ گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ مدعی کا ماضی کی طرف منسوب کرنا دال ہے کہ فی الحال ملک نہیں کیونکہ فی الحال ملک ہو تو پھر ماضی کیطرف منسوب کرنا مدعی کو مفید نہیں ہے اس کے برخلاف گواہوں کا ماضی کی طرف منسوب کرنا حال کی نفی پر دال نہیں کیونکہ ان کو بقاکا علم صرف استصحاب سے ثابت شدہ چیز کی گواہی سے احتراز کرتا ہے کیونکہ وہ یقینی نہیں ہے جبکہ مالک خود اپنی ملکیت کے ثبوت کو جانتا ہے،اسی طرح وہ بقائے ملکیت بھی یقینی طور پر جانتا ہے۔بعض اختصار کے ساتھ عبارت ختم ہوئی۔درر، غرر، تنویر الابصار اور درمختار میں ہے اگر مدعی نے اپنی حالیہ ملکیت کا دعوی کیا اور گواہوں نے یہ شہادت دی کہ یہ چیز اس کی ملک تھی تو یہ شہادت مقبول ہوگی کیونکہ جب کوئی چیز ایک زمانہ میں ثابت ہو تو جب تک اس کے ثبوت کا زوال ثابت نہ ہو جائے اس وقت

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲

المزیل[1] اھ فالوجه فی تعلیله ماذکرنا وباﷲ التوفیق وﷲ الحمد، واﷲ تعالٰی اعلم۔	تک اس کی بقاء کا حکم دیا جائے گا اھ، تو اس کی علت کی وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے، توفیق اﷲ تعالٰی سے اور تمام حمدیں اﷲ تعالٰی ہی کے لئے ہیں، واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

ولی خاں کی گواہی بھی اس بحث کا عمل ہے مگر وہ اپنے فعل پر شہادت ہے اور خود مجوز نے اسے قبول نہ کیا لہٰذا اس کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں۔

چہارم: حاضر پر شہادت میں مدعی ومدعا علیہ دونوں کی طرف اشارہ ضرور ہے اور غائب ومیت کا نام ونسب بتانا جس میں سیدنا امام اعظم رضی اﷲ تعالٰی عنہ کے نزدیک ذکر جد بھی لازم، اور اسی پر فتوٰی ہے مگر جب غناء ہے، ذخیرہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

یحتاج فی الشهادة علی الحاضر الی الاشارة الی المدعی علیه والمدعی یحتاج الی تسمیة الشهود اسم المیت والغائب وابیهما وجدهما[2]۔	حاضر شخص کے خلاف شہادت میں مدعی اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کی ضرورت ہے، اور گواہوں کا میت اور غیر حاضر اور ان کے والد اور دادا کا نام لینا ضروری ہے۔(ت)

بحر میں ہے:

والصحیح ان النسبة الی الجد لابد منه[3]۔	صحیح یہی ہے کہ دادے کی طرف نسبت ضروری ہے۔(ت)

شہادات تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

(ھی) ان (علی حاضر یحتاج الشاهد الی الاشارة (الی) ثلثة مواضع اعنی (الخصمین والمشهود به لو عینا) لا دینا (وان علی	شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو گواہ کو تین چیزوں کی طرف اشارہ کی ضرورت ہوگی، مدعی، مدعی علیہ اور مشہود بہ اگر وہ عین چیز ہو، نقد نہ ہو، اور اگر غائب کے خلاف ہو جیسے

---

[1] درمختار کتاب الدعوی باب دعوی الرجلین مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[3] بحر الرائق باب الشہادۃ علی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۲۵

غائب) کما فی نقل الشهادة (او میت فلابد) لقبولها (من نسبته الی جده فلا یکفی ذکر اسمه واسم ابیه و صناعته الا اذا کان یعرف بها لامحالة) بان لا یشارکه فی المصر غیره[1]۔	نقل شہادت کی صورت ہو، یا میت کے متعلق ہو تو اس وقت شہادت کی قبولیت کے لئے ان کو دادے کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے تو اس کا اور اس کے باپ اور پیشہ کا نام ذکر کرنا ناکافی نہیں ہے ہاں اگر ان کے ذکر سے لازمی طور پر معرفت ہو جائے مثلاً اس نام کا شہر میں کوئی دوسرا نہ ہو۔(ت)

فتاوٰی ابن رشید الدین وجامع الفصولین میں ہے:

لوکانت الشهادة علی الحاضر یحتاج الشاهد الی ال اشارة الٰی ثلثة مواضع الی الخصمین والمشهود به ولو علی غائب او میت فسماه ونسبه الی ابیه فقط لاتقبل حتی ینسبه الی جده[2]۔	شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو تین چیزوں کی طرف اشارہ ضروری ہے، مدعی، مدعٰی علیہ اور مشہود بہ کی طرف۔ اور غائب اور میت سے متعلق ہو تو ان کا نام اور ان کے باپ کا نام کافی نہ ہوگا بلکہ ان کے دادے کا نام ذکر کیا جائے تو شہادت قبول ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

اما الغائب فلابد من ذکر جده عند ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی وهو الصحیح والفتوٰی علی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی[3]۔	لیکن غائب شخص کے متعلق ہو تو اس کے دادے کا ذکر بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ضروری ہے یہی صحیح ہے اور فتوٰی امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔(ت)

اسی طرح عامہ کتب مذہب میں ہے اقول: سر اس میں یہ ہے کہ حاضر پر شہادت میں شاہد کا اسے پہچاننا ضرور ہے جبکہ اصل شاہد ہو نہ کہ شاهد علی الشاهد کما افاده العلامة ابن قاضی سماوة (جیسا کہ علامہ ابن سماوۃ نے اس کا افادہ فرمایا ہے۔ (ت) محیط پھر جامع الفصولین

[1] درمختار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۹

[3] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۹

میں ہے:

یحتاج الی اداء الشھادۃ بمحضر منہ فلابد من معرفتہ بوجہ لیمکنہ الشھادۃ علیہ وعند غیبتہ او موتہ یحتاج الی الشھادۃ باسمہ و نسبہ فلا بد من معرفۃ اسمہ ونسبہ[1]۔	حاضر کے متعلق شہادت اس کے سامنے ضروری ہے تاکہ ضروری شناخت ہوسکے اور غیب ہونے کی صورت میں یا موت کی صورت میں اس کے نام اور اس کے نسب کو بیان کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ اس کے نام اور نسب کی ضروری معرفت ہوسکے۔(ت)

ولہٰذا اگر گواہ حاضر کا پورا نام ونسب بیان کریں اور اسے پہچانتے نہ ہوں گواہی مردود ہے۔ جامع الفصولین میں ہے:

شھدا علی امرأۃ باسمھا ونسبھا وھی حاضرۃ فقال القاضی للشھود ھل تعرفون المدعی علیھا فقالو الا لا تقبل شھادتھم[2]۔	دو گواہوں نے عورت کے خلاف شہادت دیتے ہوئے اس کا نام ونسب بیان کیا اور وہ موجود تھی، تو قاضی نے گواہوں سے پوچھا کہ تمہیں اس عورت کی شناخت ہوگئی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں، تو ان گواہوں کی شہادت قبول نہ ہوگی۔(ت)

اور حاضری میں معرفت شاہد کا بتانے والا یہی اشارہ ہے نام ونسب سیکھ کر بھی کہہ سکتے ہیں جیسے ابھی اس فرع میں گزرا تو حاضر پر گواہی بے اشارہ قبول نہیں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی طرف اشارہ لازم ہے اور یہ سب گواہیاں اس سے خالی ہیں مدعیوں کی طرف اشارہ اصلاً کسی میں نہیں۔

پنجم: یوں ہی مدعا علیہ کی جانب سوائے شہادت وزیر خاں کہ محض مہمل بے معنی ہے کما یأتی (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) بلکہ اس کا اشارہ بھی شہادت میں نہیں اس سے خارج وجدا ہے، اس نے یہ نہ کہا کہ یہ دولھا خاں آئے بلکہ "دولہا خاں صاحب پیشکار آئے" تو کلام میں اشارہ نہیں اگرچہ اس کے ساتھ ہو شہادت کلام ہے کہ زبان سے ادا ہوتا ہے نہ کہ ہاتھ سے، تو شہادت اشارہ سے خالی ہے جس طرح اپنی زوجہ سے کہے تجھ پر اتنی طلاق اور تین انگلیاں

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۔۱۲۰

اٹھائے تین طلاق ہو جائیں گی کہ اس اشارے سے کلام متعلق ہوا، بدائع ملک العلماء میں ہے:

کذااذااشار الی عدد الثلاث بان قال لها انت طالق هکذا یشیر بالابهام والسبابة والوسطی لان الاشارة متی تعلقت بها العبارة نزلت منزلة الکلام اذا اقامت الاشارة مع تعلق العبارة بها مقام الکلام صار کانه قال انت طالق ثلثا[1]۔	یوں ہی جب تین عدد کا اشارہ کرتے ہوئے خاوند نے کہا تجھے یہ طلاق۔ انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کیا کیونکہ اشارہ کے ساتھ عبارت ہو تو اس اشارہ کو کلام کے قائم مقام کیا جاتا ہے، تو جب اشارہ عبارت سے متعلق ہو تو "تجھے تین طلاق" جیسی کلام کی طرح ہو جائیگا (ت)

ردالمحتار میں فتاوٰی امام قاضیخاں سے ہے:

قال انت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانه فانها تطلق واحدة[2]۔	خاوند نے "تجھے طلاق" کے ساتھ تین انگلیوں کا اشارہ کیا اور تین طلاقوں کی نیت کی اور زبان سے اشارہ ذکر نہ کیا تو ایک طلاق ہوگی کیونکہ اشارہ کا تعلق عبارت سے نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر کہے "تجھ پر طلاق" اور تین انگلیاں اٹھائے دل میں بھی تین ہی کی نیت کرے ایک ہی طلاق پڑے گی کہ اس اشارے سے کلام کا تعلق نہ ہوا۔

ششم: گنیشی مردہ ہے اس کے نہ دادا کا نام اصلاً کسی نے لیا نہ باپ کا، بلکہ بعض نے صراحۃً اس کے باپ کا نام معلوم ہونے سے انکار کیا تو شہادتیں سب مختلف وپر قصور ہیں۔ ناظر یہاں تعجب کرے گا کہ سید عبدالعزیز نے شہادت اور محمد رضا خاں نے جواب جرح میں بتایا ہے کہ گنیشی کے باپ کا نام رام چندر ہے او ولی خاں نے شہادت میں کہا ہے عبدالغافر نے رسید لکھ دی میں نے کہا گنیشی کی ولدیت رامچندر لکھ دیجئے تو ان تین نے تو باپ کا نام بتایا مگر اس کا یہ تعجب دوسرے سخت استعجاب سے بدل جائے گا جب اسے معلوم ہوگا کہ گنیشی کا باپ رامچندر نہیں بلکہ لل مل ہے جیسا کہ خود اس نے اسی بیعنامہ بنام نوشان بیگم کے عنوان میں لکھا ہے وہ رامچندر کا متبنٰی تھا اور متبنٰی کو بیٹا بتانا قرآن عظیم کے خلاف ہے۔

[1] بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل واما بیان صفة الواقع بها الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۔۱۰۹

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۴۸

قال تعالٰی " وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ﴿۴﴾ "[1] " اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ "[2] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہ ٹھہرایا، یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے انہیں ان کے اصل باپوں کی طرف نسبت کرو، یہ اللہ کے یہاں زیادہ انصاف کی بات ہے۔

تو یہ ان شاہدوں کا کذب ہوا اور قرآن عظیم کی مخالفت اور نہ بتانے سے الٹا بتانا بدتر، اور اگر بفرض باطل رامچندر ہی اس کا باپ ہوتا تو یہ نام سید عبدالعزیز نے شہادت میں یوں نہ لیا کہ گنیشی ابن فلاں شہادت دی ہو بلکہ ختم شہادت پر ایک مستقل جملہ کہا کہ گنیشی کے باپ کا نام رامچندر ہے اس میں بھی لفظ مذکور تک نہ کہا معلوم نہیں کون سے گنیشی کا باپ۔ یوہیں محمد رضا خاں نے ایسا ہی مستقل جملہ کہا بلکہ استدعا کی کہ یہ ولدیت لکھ دو، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ واقع میں یہی ولدیت ہو، اس نے ہاتھی خانے کا تحویلدار بھی کہا مگر کہاں کا ہاتھی خانہ، یہ نہ بتایا، شہادت میں ذہنی تصورات سے کام نہیں چلتا کہ مقصود ہے تعریف، وتعریف تعریف ہے یعنی یہ بتانا کہ شاہد اسے پہنچانتا ہے، یہ تعریفیں الفاظ سے ہوں گی نہ کہ قائل کے مافی الذہن سے لہٰذا سب شہادتیں مہمل ہیں۔

ہفتم: عبدالغافر خاں پر دعوٰی عائد ہونے کی بنا اس پر ہے کہ بیعنامہ وکرایہ نامہ میں زوجہ عبدالغافر خاں کا نام فرضی ہو حقیقۃً یہ عقد عبدالغافر خاں سے ہوئے ہیں شہادتوں سے اس کا ثبوت دو ہی صورتوں میں منحصر، ایک یہ کہ گواہ اپنے ذاتی علم سے اس پر شہادت دیں، دوسرے یہ کہ ان کے سامنے عبدالغافر خاں نے زوجہ کا نام فرضی اور اپنا واقعی ہونے کا اقرار کیا ہو اس کی گواہی دیں، لیکن تمام شہادات ان دونوں وجہ سے خالی ہیں اپنا ذاتی علم تو کسی نے بیان نہ کیا بلکہ بعض مثل حیدر علی خاں ومحمد بشیر وغیرہما نے اپنے علم کی صاف نفی کی ہے، اکثر نے گنیشی کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے عبدالغافر خاں سے پانچ ہزار قرض لئے اور اپنے مکان دکان رہن یا مکفول کئے ان کا کرایہ یا سود دیتا ہوں گنیشی یہاں بجائے مدعی ہے، باطل ست آنچہ مدعی گوید (باطل ہے جو کچھ مدعی کہتا ہے۔ت) اگر مدعی کے کہنے سے ثبوت ہوجائے تو گنیشی کا بیان تو گواہوں سے سنا مدعیوں کا بیان تو خود مجوز کے سامنے ہوا بس اس قدر

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

پر فیصلہ ہو جاتا شہادتوں کی کیا حاجت تھی، عبدالغافر خاں کا جو قول شاہدوں نے بیان کیا وہ پانچ قسم ہے:

(۱) محمد رضا خاں و مظہر حسین "بہت دن ہوگئے روپیہ کرایہ کا دو" کس کا کرایہ کاہے کا کرایہ، یہ محض مجمل و مہمل۔

(۲) محمد رضا و مظہر حسین "کرایہ ہمارا چاہئے" عبدالعزیز خاں "ہمارا کرایہ دلوائیے" احمد خاں ولد میاں خاں "ہمارا کئی مہینے کا کرایہ دلوائیے" حیدر علی خاں "ہمارا کرایہ بہت عرصہ سے نہ پہنچا" عبدالرحیم خاں "کرایہ کا روپیہ بہت دنوں سے نہیں دیا ہے ہم کو دو" سید الطاف علی "آپ نے ہمارا تین سال کا کرایہ ادا نہیں کیا ہے" محمد بشیر "ہمارا کرایہ بہت دنوں کا" انور بیگ "ہمارا کرایہ تین سال سے" حیدر حسین "کئی مہنے سے ہمارا کرایہ نہ دیا" ان میں اپنی طرف اضافت ہے مگر یہ نہیں کہ کس چیز کا کرایہ۔

(۳) سید عبدالعزیز "۸ مہینے کا مکان کا کرایہ دیجئے" یہ دوم کا عکس ہے کرایہ مکان کا بتایا اور اضافت نہیں۔

(۴) عجائب الدین خاں "کرایہ مکانوں کا جو میرا ہے تم نے نہ دیا" نجن "ہمارا سات مہینے کرایہ مکانوں کا" ان دو میں دونوں ہیں مگر مکان مبہم مکان انہیں میں منحصر نہیں جن کا معاملہ زوجہ عبدالغافر خاں سے ہوا ہے اس سے اتنا سمجھا گیا کہ عبدالغافر خاں نے کچھ اپنے مکان گنیشی کو کرائے پر دئے ان کا کرایہ مانگا۔

(۵) وہ الفاظ جن میں خاص غرض پر روشنی ڈالنی چاہی ہے، سید الطاف علی "ایک دن مُں نے مولوی عبدالغافر خاں سے دریافت کیا، فرمایا اگر جائداد رہن رکھ کر منافع لیا جائے خصوصًا ہنود سے سود تو جائز ہے" یہ مثل قسم اول ہے ایک عام بات بطور مسئلہ ہے خاص اپنا ذکر نہیں۔ محمد رضا خاں "یہ بھی وجہ ہے کہ ہمارے رہن میں خلل کرے گا" حیدر علی خاں "میں نے بیع الوفا کرالیا ہے بیع الوفا سے نفع اٹھانا جائز ہے" محمد بشیر "دکانیں اور گودام گنیشی کے میرے پاس رہن ہیں یہ اس کا کرایہ ہے" ان تین بیانوں میں ہر گز اس کا اقرار نہیں کہ زوجہ کا نام فرض ہے حقیقۃً معاملہ میرا ہے صرف اپنی طرف اضافت ہے مجرد اضافت دستاویز اقرار گنیشی و مصدقہ رجسٹری و مسلمہ فریقین کیونکر باطل کردے گی زوج وزوجہ میں ایسا ہی انبساط ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مال کو بلا تکلف اپنی طرف اضافت کرتا ہے ولہذا ایک دوسرے کو زکوۃ نہیں دے سکتا کہ یہ دینا نہ ہوا بلکہ گویا خود لینا۔ فتح القدیر میں ہے:

للاشتراك فی المنافع فكان الدافع الی	منافع میں اشتراک کی بناء پر ان کو دینا گویا

هٰؤلاء کالدافع لنفسه من وجه[1]۔	خود کو دینا ہوا۔(ت)

وکیل خصومت، ملک موکل کو اپنی طرف نسبت کرتا ہے بلکہ ایک خدمتگار اپنے آقا کی ملک کو، بلکہ وصی مال یتیم کو بلکہ موقوف علیہ بلکہ متولی مال وقف کو، حالانکہ وقف خالص ملک الٰہی عزوجل ہے کسی مخلوق کا اصلاً مملوک نہیں، یہ سب یک گونہ بوجہ اختصاص انہیں اپنی جانب اضافت کرتے اور اپنی ملک کہتے ہیں تو شوہر نے معاملہ زوجہ کو اگر اپنا کہا کیا بعید کہا، بلکہ شرفاء میں قطعًا یہی معہود ہے عورت کا کوئی مطالبہ کسی اجنبی پر آتا ہو یا عورت نے رہن کیا ہو تو اجانب میں بیٹھ کر یہ نہ کہیں گے کہ ہماری بی بی کا اتنا روپیہ دے دو ہماری بی بی نے یہ رہن کیا ہے بلکہ یوں ہی کہ ہمارا اتنا دے دو ہم نے رہن لیا ہے۔وجیز امام کردری میں ہے:

ادعی انه وکیل عن فلان بالخصومة فیه ثم ادعاه لنفسه لایقبل لان ماهو له لا یضیفه الی غیره، بخلاف ما اذا ادعاه لنفسه ثم ادعی انه وکیل لفلان بالخصومة لعدم المنافاة فان الوکیل بالخصومة قد یضیف الٰی نفسه یکون المطالبة له[2]۔	کسی نے کہا کہ میں فلاں کی طرف سے اس معاملہ کی جواب دہی کا وکیل ہوں پھر اسی چیز کو اپنی ملکیت ہونے کا دعوی کرے تو یہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ اپنی چیز کو دوسرے کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اسکے بر عکس پہلے اپنی ملکیت کا دعوی کیا، پھر بعد میں یہ دعوی کرے کہ اس چیز کی جواب دہی کے لئے میں فلاں کی طرف سے وکیل ہوں تو جائز ہوگا، اس صورت میں منافات نہیں ہے کیونکہ وکیل بالخصوۃ کبھی چیز کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کو مطالبے کا حق ہے(ت)

اسی میں ہے:

ادعی علیه انها له ثم ادعی انها وقف علیه یسمع لصحة الاضافة بالاخصیة انتفاعا[3]۔	پہلے دعوی کیا کہ یہ میری ملکیت ہے، پھر دعوی کیا کہ یہ مجھ پر وقف کی گئی ہے تو دعوی مقبول وار قابل سماعت ہوگا کیونکہ اپنے لئے انتفاع کی خصوصیت کی بناء پر اپنی طرف منسوب کرسکتا ہے(ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ نوع التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹
[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ نوع التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۸

ادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[1]۔	دعوی کیا یہ محدود جائداد میری ہے پھر دعوی کیا کہ یہ وقف ہے، تو صحیح جواب یہ ہے کہ اگراس وقف کی تولیت کی وجہ سے اپنی طرف منسوب کیا تو دونوں دعووں میں موافقت ہوسکتی ہے کیونکہ عادةً متولی کو تصرف اور خصومیت کی ولایت ہوتی ہےاس کی بناپراس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔(ت)

رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا"[2]۔	اپنے وہ مال جن کااللہ تعالٰی نے تمہیں منتظم بنایا ہے بے سمجھ لوگوں کو نہ دو۔(ت)

امام سعید بن جبیر تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

هو مال الیتیم یکون عندك یقول لاتؤته ایاه و انفقه علیه منه حتی یبلغ وانما اضاف الی الاولیاء فقال اموالکم لانهم قوامها ومدبروها[3]۔	یہ یتیم کا مال ہے جو تیرے پاس ہے،اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ مال یتیم کو نہ دواوراس پر خرچ کرو حتی کہ بالغ ہوجائے،اس مال کو اللہ تعالٰی نے اولیاء کی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ وہ اس کے نگران اور منتظم ہیں۔(ت)

یہی تفسیر عکرمہ سے منقول کما فی المعالم وغیرھا(جیسا کہ معالم وغیرہ میں ہے۔ت)بلکہ رب العزت نے فرمایا: "وَوَجَدَكَ عَآىٕلًا فَاَغْنٰى ؕ"[4] (اور آپ کو محتاج پایاتواس نے غنی کردیا۔ت) یہ مال ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ہے جسے مولٰی تعالٰی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف والشہادۃ علیہ قلمی نسخہ ۱/ ۲۲۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۴/ ۵ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

[4] القرآن الکریم ۹۳/ ۸

کامال فرمایا کہ غنا بمال غیر نہیں۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

قال اللّٰه تعالٰی "وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى ۝" ای بمال خدیجة وانما کان منها ادخاله علیه الصلٰوة والسلام فی المنفعة علی وجه الاباحة والتملیك احیانا[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپ کو اس نے محتاج پایا تو اس نے غنی کر دیا، یعنی حضرت خدیجہ کے مال سے اور اس لئے کہ آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی طرف سے ان کے مال میں دخل اختیار تھا، یہ اختیار آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے مباح اور کبھی ملک کے طور پر تھا۔ (ت)

بالجملہ ان میں کوئی صرف مثبت دعوی نہیں، ہاں موتی شاہ ووزیر خاں کی کوشش مدعیوں کو قابل مشکوری تھی کہ وہ صراحۃً ساری گفتگو عبدالغافر خاں وگنیشی میں بتاتے ہیں ان کی مہمل ومتناقض گواہیوں کا حال آئندہ آتا ہے مگر انہوں نے نری ناتمام گفتگو پر خاتمہ کر دیا وقوع عقد سے صراحۃً انکار کیا، موتی شاہ "میرے سامنے کچھ اور معاملہ نہیں ہوا لکھت پڑھت کچھ نہ ہوئی زبانی بات تھی" وزیر خاں" پھر مجھے کچھ نہیں معلوم، میرے سامنے کچھ دستاویز کی تکمیل نہ ہوئی "اشرف علی خاں "اس کاغذ کا لکھا جانا بتاتا ہے جس میں تصریحاً زوجہ عبدالغافر خاں کا نام ہے" عبدالغافر خاں کا گھر آنا اور روپیہ کچہری کو لے جانا بلکہ دستاویزیں اپنے نام چھڑانا کسی طرح زوجہ کا اسم فرضی ہونے کا شبہہ بھی نہیں دلاتا نہ کہ دلیل ہو۔ ولی خاں وغفران خاں ہزار روپے زراصل سے عبدالغافر خاں کو دئے جانے اور ان کی رسید لکھنے کے گواہ ہیں،

اولاً: ان دونوں کی گواہی خود مجوز نے نہ مانی اور اس ہزار کی ڈگری نہ دی۔

ثانیاً: تقریر سابق اس وہم کے دفع کو بس ہے، مخدرات کا روپیہ ان کے ازواج ہی کو دیا جائیگا اور وہی رسید دیں گے۔ احمد خاں ولد عبدالغنی خاں ونجف علی خاں اس مد کے گواہ ہیں کہ عبدالغافر خاں نے گنیشی سے گودام کا ایک حصہ پندرہ روپے ماہوار کرائے پر مانگا۔ ان گواہیوں نے تو روشن طور پر ثابت کر دیا کہ یہ مکان عبدالغافر خاں سے بیع یا رہن نہ ہوئی ورنہ کرائے پر لینے نہ جاتا، غایت یہ کہ حسب زعم مدعیان خلاف اقرار صریح مورث قبضہ نہ ہوا تھا تو بذریعہ نالش قابض ہو جاتا نہ کہ ایک چیز کا پندرہ روپے مہینہ کرایہ دینا چاہتا، بالجملہ کوئی شہادت اس دعوی کا اثبات نہیں کرتی کہ اصل معاملہ

[1] فتح القدیر باب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقة الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

عبدالغافر خاں سے ہے ور زوجہ کا نام فرضی ہے بلکہ یہ دو شہادتیں اس کارد ہیں۔ وجوہ خاصہ وجوہ عامہ کے بعد ان کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں، نہ وقت میں وسعت، مگر بعض کاتذکرہ کریں۔

(اختلاف شہادت ودعوٰی) اول: مدعی کہتا ہے قبض ودخل مدعاعلیہا کا جائداد مرہونہ پر کبھی ایک منٹ کے لئے نہیں ہوا۔ محمد بشیر "قبضہ جائداد پر عبدالغافر خاں کا تھا اب تک گودام پر عبدالغافر خاں اور رام کنور کا ہے دونوں کے قفل پڑے ہیں عبدالغافر خاں کا کچھ غلہ وغیرہ گودام میں ہے مجھے نہیں معلوم کہ روپیہ لینے سے قبضہ جائداد پر پیشتر ہوا تھا یا بعد، گودام پر اب تک قبضہ عبدالغافر خاں کا ہے اور گنیشی کا بھی قبضہ ہے" یعنی مردے کا۔

دوم: مدعی کہتا ہے اصل معاملہ عبدالغافر کان سے ہے، زوجہ کا نام فرضی، اور احمد خان ولد عبدالنبی خاں ونجف علی خان کی شہادتیں صراحۃً اس کارد کررہی ہیں کمامر انفا۔

سوم: مدعی کہتا ہے حقیقۃً سود لیا اور اس کے اخفاء کے لئے کرایہ نامہ فرضی لکھوایا۔ انور بیگ "گنیشی نے لکھا کہ سود کی کارروائی فرض ہے گودام اور مکان میرا رہن ہے۔

چہارم: مدعی کہتا ہے بشرح سود (۱۳ / ۱۱) پائی سیکڑہ ماہواری موتی شاہ ۱۴ کا سود ٹھہراتا تھا۔

پنجم: حسب دعوائے مدعیان رسید بہی پیش کردہ میں صرف اس سود کی رقوم ہیں جو گنیشی نے مدعاعلیہ کو دیا لیکن سید الطاف علی کا بیان ہے "میں نے گنیشی سے ریافت کیا یہ کتاب کس بابت ہے کہا میں نے مولوی عبدالغافر خاں سے کچھ روپے قرض لئے تھے اس کے سود وغیرہ کا حساب ہے" گنیشی کا یہ "وغیرہ" دعوی مدعیان کا نقض ہے۔

ششم: یہ رسید بہی بھی شاید بنا کر پیش کی ہے وہ مدعیوں اور شاہدوں کی تکذیب کرتی ہے مدعیوں کا بیان ہے کہ "ابتدائے ۱۷/ دسمبر ۱؁ لغایۃ ۱۲ دسمبر (☆☆) بشرح (☆☆) ماہوار مدعاعلیہ کو باخذ رسیدات نوشتہ نامبردہ ادا کی گئی، لیکن رسید بہی میں نومبر ۴؁ میں (☆☆☆☆) کی دور قمیں درج ہیں توآخر دسمبر ۱۲؁ تک (☆☆) پہنچی۔

(اختلاف شاہدان) ہفتم: بیان مدعیان کے سلسلے کو تمام گواہوں نے اول سے آخر تک نباہا ہے کہ ۱۵ یوم دسمبر ۱؁ کے (☆☆) پھر ختم ۱۲؁ تک ہر مہینے کے (☆☆) انہیں کے لحاظ سے اخیر رقم (☆☆) رکھی ہے اور شاہدوں کے مشاہدے سے جولائی ۶؁ تک پہنچی ہوئی (☆☆) حالانکہ رسید بہی سے یہ رقم (☆☆) ہے اور رقم اخیر (☆☆)۔

ہشتم: موتی شاہ و وزیر خاں دونوں ایک جلسے کے گواہ ہیں قول محض میں اختلاف زمان و مکان مضر نہیں اس لئے کہ وہ مکرر ہوسکتا ہے مگر یہ طویل تقریر اور ابتدائی مول تول کے دونوں نے بیان کئے عادۃً ہر گز دوبارہ نہیں ہوتے کہ ایک بار گنیشی عبدالغافر کان کو بلائے، عبدالغافر خان آپ نے مجھے بلایا تھا، گنیشی بلایا تھا مجھے پانچ ہزار روپے کی ضرورہے، عبدالغافر میں دوں گا میرا اطمینان کیا ہوگا، گنیشی زنانہ مکان گودام دکان ضمانت میں دوں گا اس روپے کا نفع کیا لیا جائیگا، دولھا خاں ڈیڑھ روپیہ کا قاعدہ رام پور میں ہے وہی لیا جائیگا، گنیشی آپ میرے مہربان ہیں کچھ کم کرکے کہہ دیجئے دولھا خان ایک روپیہ، گنیشی میں عرض کرتا ہوں اس کو منظور کرلینا (☆☆) ماہوار آپ لے لیا کریں، دولھا خاں ذرا چپ ہوئے پھر کہا یہ تو (۱۴/) سے بھی ایک پائی کم ہوتا ہے گنیشی اب آپ اسے ہی منظور کرلیں ہماری آپ کی محبت ہے، دولہا خان آپ کاغذ کی تکمیل کریں روپیہ تیار ہے دوں گا، پھر فریقین سو رہے اور ۲۱ دن بعد گنیشی پھر عبدالغافر خاں کو بلائے اور اول تا آخر سب وہی گفتگو پیش آئی فریقین اس پہلی گفتگو کو ایسا بھول جائیں کہ خواب فراموش ہوجائے اور از سر نو آغاز کریں مگر تمام سوال جواب وہی رہیں ترتیب تک نہ بدلے، وہی بلانے کی وجہ پوچھنی وہی پانچ ہزار کی ضرورت وہی اطمینان کا سوال وہی انہیں کفالتوں کا بیان وہی سود کا سوال وہی حسب قاعدہ شہر ڈیڑھ روپیہ وہی تخفیف چاہنا وہی اس پر ایک روپیہ پھر وہی کہ میری مانئے (☆☆) ماہوار اس پر وہی تامل اور وہی جواب کہ (۱۴/) سے بھی ایک پائی کم ہوا اور بالآخر وہی قبول کہ روپیہ تیار ہے کاغذ لکھواؤ اسے ہر گز عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو ضرور جلسہ واحدہ کے گواہ ہیں لیکن یہ انہیں کے بیان سے محال ہے، موتی شاہ کی شہادت ۹/ اکتوبر ۱۷ء کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے "عرصہ اس کو سولہ برس کا ہوا، تو روز گفتگو ۳۱/ اکتوبر ۱ء ہوا، وزیر خاں کی شہادت ۳۱ مارچ ۱۸ء کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے کہ سولہ برس پانچ مہینے ہوئے تو روز گفتگو ۳۱ اکتوبر ۱ء ہوا، ۹ و ۳۱ دونوں ایک ہو جائیں تو یہ شہادیں دائرہ امکان میں آئیں لیکن وہ محال تو یہ بھی باطل وواجب الاہمال۔ خانیہ وہندیہ میں ہے:

لاتبطل الشهادة باختلاف الشاهدين فيما بينهما في الايام والبلدان الا ان يقولا كنا مع الطالب في موضع واحد في يوم واحد[1]۔	دونوں گواہوں کا زمانہ اور شہروں میں اختلاف شہادت کو باطل نہ کرے گا ماسوائے اس کے کہ وہ دونوں ایک جگہ ایک دن میں طالب کے ساتھ ہونے کی بات کریں۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن فی الاختلاف بین الشاہدین نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

مبسوط وعالمگیریہ میں ہے:

شھد احدھما انہ طلقھا یوم الجمعۃ بالبصرۃ والاٰخر انہ طلقھا فی ذٰلک الیوم بعینہ بالکوفۃ لم تقبل شھادتھما لانا نتیقن بکذب احدھما فان الانسان فی یوم واحد لایکون بالبصرۃ والکوفۃ بخلاف ما اذا شھد احدھما انہ طلقھا بالکوفۃ والاٰخر انہ طلقھا بالبصرۃ ولم یوقتا وقتا فھناک الشھادۃ تقبل[1]۔	ایک گواہ نے کہا اس نے بصرہ میں جمعہ کے روز بیوی کو طلاق دی، اور دوسرے نے کہا کہ اس نے اسی جمعہ کے روز کوفہ میں طلاق دی تو دونوں کی یہ شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ ہمیں ان میں سے ایک کے جھوٹا ہونے کا یقین ہے کیونکہ ایک ہی روز میں انسان کوفہ اور بصرہ میں نہیں ہوتا اس کے برخلاف جب ایک نے کہا اس نے بصرہ میں اور دوسرے نے کہا کوفہ میں طلاق دی اور دونوں نے کوئی وقت نہ بتایا تو اس صورت میں شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

نہم: سید عبدالعزیز وعبدالعزیز خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں ان کے بیان میں شروع ستمبر ہے اس کے بیان میں ۳۰/ ستمبر۔

دہم: سید عبدالعزیز کا بیان ہے مظہر پسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرا رہا تھا اتنے میں مولوی عبدالغافر خاں تشریف لائے گنیشی کے پاس، اور کہا پانچ مہینے کا مکان کا کرایہ دو سو بیس روپے دے دیجئے اس پر گنیشی نے رام کنور سے کہا کتاب حساب کی لے آؤ، وہ لے گئے، گنیشی نے مولوی عبدالغافر خاں کو کتاب دی، بعد مولوی عبدالغافر کے چلے جانے کے مجھ سے گنیشی نے کہا اس کتاب میں کیا لکھا ہے، تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آخر اگست ۸ سنہ تک کرایہ وصول ہوا یعنی پانچ ماہ کا مطالبہ آتے ہی کیا کتاب سے دیکھنے سے پہلے، لیکن عبدالعزیز خان کہتا ہے "عبدالغافر خان تشریف لائے اور گنیشی سے کہا ہمارا کرایہ دلوائیے، گنیشی نے کہا حساب کرلیجئے، اور رام کنور سے کہا کتاب لے آؤ، وہ کتاب حساب کی لائے، عبدالغافر نے دیکھ کر کہا پانچ مہینے کا ہمارا کرایہ بقدر دو سو بیس کے واجب ہے وہ دے دیجئے۔

یازدہم: عبدالعزیز خاں کہتا ہے "اس کے بعد گنیشی نے وہ کتاب ایک شخص کو جو گنیشی کے لڑکے کو پڑھا رہا تھا بلا کر دکھائی، اس نے پڑھا، میرے کان تک آواز آئی" یہ شخص وہی سید عبدالعزیز ہیں" لیکن ان کا بیان ہے "اس وقت آٹھ سات آدمی تھے ایک مظہر اور عبدالغافر خاں مسلمان باقی ہندو"

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشھادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

تو ان کو وہاں عبدالعزیز کے ہونے ہی سے انکار ہے۔

دوازدہم: حیدر علی و عبدالرحیم ایک جلسے کے گواہ ہیں حیدر علی خاں کا بیان ہے "عبدالغافر چلے گئے اس کے بعد گنیشی نے حساب کی کتاب مجھے دی اور کہا پڑھ کر سنا دیجئے کہ عبدالغافر خاں نے کیا لکھا ہے میں نے گنیشی سے پوچھا یہ کیسا روپیہ ہے کہاں مکان اور گودام رہن ہے اس کے سود کا ہے اس کے بعد میں چلا آیا چاولوں کے واسطے روپیہ دے کے۔ عبدالرحیم خاں کہتا ہے" عبدالغافر خاں جب چلے گئے گنیشی نے کتاب ایک آدمی کو جوان کے پاس بیٹھا تھا دکھائی کہ اسمیں کیا لکھا تھا اس نے سنایا پھر انہیں صاحب نے پوچھا یہ روپیہ کیسا عبدالغافر خاں کو دیا گنیشی نے کہا مکان اور گودام او دکان رہن ہے اس کا کرایہ ہے اس پر اس شخص نے کہا کرایہ بہت ہوگا گنیشی نے کہا (☆☆) ماہوار دیتا ہوں انہیں صاحب نے چلتے وقت گنیشی کو (☆☆) دئے کہ چاول بھجوا دینا" ان اختلافوں کو جانے دیجئے **اولاً:** حیدر علی نے دو چیزیں بتائیں مکان اور گودام، اور عبدالرحیم نے دکان بھی بڑھائی۔

ثانیاً: گنیشی کا جواب حیدر علی نے یہ بتایا کہ سود کا ہے عبدالرحیم نے یہ کہ کرایہ ہے۔

ثالثاً: ایسا ہی اختلاف یہ ہے کہ حیدر علی خاں کہتا ہے" گنیشی نے اپنے پسر سے کہا حساب کی بہی لے آئو، وہ لے کر آیا او عبدالغافر خاں کو دی" عبدالرحیم خاں کہتا ہے" گنیشی کو دی"۔

رابعاً: حیدر علی خاں کہتا ہے" گنیشی نے کہا پہلے کتنی رقم آپ کے پاس پہنچی" عبدالغافر خاں نے کہا" (☆☆) "اس پر گنیشی نے اپنے بیٹے سے کہا عبدالغافر خاں کو کرایہ کا روپیہ دو، کوٹھری سے لاکر (☆☆) دے دئے، عبدالرحیم خاں اس کا عکس بیان کرتا ہے کہ (☆☆) دے دئے پھر گنیشی نے کہا اس سے پہلے رقم کس قدر گئی ہے کہا (☆☆)۔

خامساً: تخالف شدید یہ ہے کہ عبدالرحیم کہتا ہے "اس شخص یعنی حیدر علی خاں نے کرایہ پوچھا گنیشی نے (☆☆) ماہوار بتایا، حیدر علی کاں کہتا ہے" تعداد ماہواری کرایہ کی مجھے گنیشی نے نہیں بتائی"۔

سیزدہم: محمد رضاں خاں کہتا ہے" عبدالغافر خان نے کتاب پر وصول ڈال دیا اور پڑھ کر سنایا کہ آخر مارچ ۸ سنہ تک کا کرایہ معرفت مولچند کے وصول پایا" جس کا حاصل یہ کہ کرایہ کسی اور پر ہے اس نے مولچند کے ہاتھ بھیجا لیکن کتاب یعنی رسید بہی کی عبارت یہ ہے "آخر مارچ ۸ سنہ تک کرایہ مولچند سے وصول ہوا۔"

چاردہم: سب شاہد (☆☆) ماہوار کے حساب پر چلے ہیں جس کے فیصدی (۱۴/ ۱۱، ۱۸/ ۲۴) پائی

ہوئے لیکن موتی شاہ کہتا ہے "۱۴/ کا سود ٹھہراتھا" یہاں یا وجہ چہارم میں مجاز کا عذر کہ بقاعدہ رفع واسقاط موتی شاہ نے ۱۴ /ایک پائی کم یازائد کو مجاز ۱۴/ کہامقبول نہیں کہ شہادت میں مجاز نہیں لے سکتے۔وجیزامام کردری جلد ۵ ص ۳۲۲ میں ہے:

الحکم لما اتصل بالشھادۃ وشرط فیھا العلم مثل الشمس لم یتحمل فیھا المجاز الذی یصح نفیہ واما الدعوی فاخبار مجرد لایتصل بہ الحکم فاتسع فیہ لدفع المناقضۃ عند الافصاح بالتوفیق[1]۔	حکم جب شہادت سے متصل ہواور شہادت میں شرط ہے کہ واقعہ کا سورج کی طرح واضح علم ہو اور اس میں مجاز کا احتمال نہ ہو جس کی نفی کرنا پڑے لیکن دعوی تو وہ خالص خبر ہے جس میں فیصلہ نہیں ہوسکتا ہے تواس میں وسعت ہے کہ تناقض کو ختم کرنے کے لئے موافقت کوظاہر کیا جائے (ت)

پانزدہم: احمد خاں ولد میاں خاں اور عجائب الدین خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں احمد خاں مئی ۹ سنہ کا واقعہ بتاتا ہے کہ عبدالغافر خاں نے کہاکہ آٹھ مہینے کا کرایہ چاہئے جس کے (☆☆) ہوتے ہیں، گنیشی نے کہااس سے پہلے کتنی رقم پہنچی، کہا(☆☆) حسب رسید بہی وشہادت سید عبدالعزیز اگست ۸ سنہ تک تھی جب سے ختم اپریل ۹ سنہ تک ۵ مہینے ہوتے ہیں تواسی وقت تک کا کرایہ ہوالیکن عجائب الدین خاں یہی شروع مئی ۹ سنہ لکھا کر کہتا ہے" مولوی عبدالغافر خاں نے جواب دیا(☆☆)اول پہنچی اور(☆☆)اب گنیشی نے پوچھا یہ سب کتنے ہوئے، عبدالغافر خاں نے کہا(☆☆) بابت کرایہ کے ہمارے پاس پہنچی اکتوبر تک کا" یہ اکتوبر ۸ سنہ کا ہے تو ستمبر ۸ سنہ سے اس تک دو ہی مہینے ہوئے اور ماہوار (☆☆) ٹھہرااور ۹ سنہ کا ہے توچودہ مہینے ہوئے اور ماہوار کچھ اوپر پچپیس ہی رہے۔

شانزدہم: محمد رضاخاں ومظہر حسین ایک جلسے کے گواہ ہیں وہ گنیشی کا کہنا یہ بتاتا ہے" کل تم آنا تمہیں بھی روپیہ دوں گا" یہ کہتا ہے" کل ہم روپیہ پہنچادیں گے۔

ہفدہم: نجن وحیدر حسین ایک جلسہ کے گواہ ہیں نجن عـــہ کہتا ہے کہ کتاب اس وقت نہیں ملتی کل آکرآپ روپیہ لے لیں، سید حیدر حسین کا بیان ہے عبدالغافر خاں سے گنیشی نے کہا

عـــہ: خط کشیدہ عبارت اندازہ سے درست کی اصل میں پڑھی نہیں گئی۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی نوع فی التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

کتاب تلاش کرکے میں روپیہ خود بھیج دوں گا یا آپ آکر لے جائیں۔ نجم کہتا ہے عبدالغافر خاں نے کہا کاغذ پر آپ رسید لے لیں کل کچہری سے آؤں گا تو کتاب پر جب مل جائے گی دستخط کروں گا" حیدر حسین کا بیان ہے کہ کتاب کل میرے پاس بھیج دینا وصول لکھ دوں گا۔

ہیجدہم: احمد خان ولد میاں خان گنیشی کو کہتا ہے" گورے چٹے تھے" موتی شاہ کا بیان ہے" گندمی رنگ تھا"جب گواہوں کی حالت قابل اطمینان نہ ہو جیسی یہاں ہے تو اس قسم کے اختلافات پر بھی نظر کی جاتی ہے محیط وہندیہ میں ہے:

قال ابو یوسف اذرأیت الریبة فظننت انھم شھود الزور افرق بینھم واسألھم عن المواضع والثیاب و من کان معھم فاذااختلفو افی ذٰلك اعندی اختلاف ابطل بہ الشھادة[1]۔	امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب شک کی بنا پر مجھے یہ گمان ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں تو ان دونوں کو جدا کرکے ان سے جگہ اور لباس کے متعلق اور ان کے ساتھ موجود لوگوں کے متعلق سوال کروں گا اگر وہ ان امور میں اختلاف کریں تو میرے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہے کہ میں شہادت کو باطل کردوں گا۔ (ت)

(تناقض شاہد) نوزدہم: محمد رضاں خاں نے پہلے "معرفت مولچند" بتایا پھر کہا"ص۹ پر یہ عبارت لکھی تھی" مولچند سے وصول ہوا۔

بستم: موتی شاہ نے (☆☆) ماہوار بتایا پھر کہا ۱۴/ سود۔

بست ویکم: سید الطاف علی نے خود اپنی شہادت نقض کردی رقوم سابق ولاحق ومجموعی بیان کرکے کہا"میں نے اسکو نوٹ کرلیا تعداد رقم کی پرسوں میں نے دیکھی ہے اگر نہ دیکھتا تو اس وقت رقم کی شہادت نہ بیان کرسکتا" شاہد کو جب شہادت یاد نہ ہو تو اپنی لکھی یادداشت کی بناء پر گواہی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مطلقًا باطل ہے۔ متن تنویر میں ہے:

لایشھد من رأی خطہ ولم یذکرھا[2]۔	جس نے خط دیکھا اور اس کا مضمون یاد نہ ہو تو وہ اس کی شہادت نہ دے۔ (ت)

بزدوی وغیرہ نے اسی کو قول امام محمد بتایا تقویم میں اسی کو صحیح کہا، ردالمحتار میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

فی البزدوی الصغیر اذااستیقن انه خطه وعلم انه لم یزد فیه شیئ بان کان مخبوأعنده وعلم بدلیل اٰخر انه لم یزد فیه لکن لایحفظ ماسمع فعندهما لا یسعه ان یشهد، وعند ابی یوسف یسعه وما قاله ابو یوسف هو المعمول به وقال فی التقویم قولهما هو الصحیح، جوہرة[1]۔	بزدوی صغیر میں ہے جب اس کو یقین ہو کہ یہ خط اس کا ہے اور یہ معلوم ہو کہ اس میں کوئی زیادہ نہیں کی گئی اور وہ خط اس کے پاس بند تھا اور دیگر دلائل سے بھی معلوم ہوا کہ اس میں کوئی زیادتی نہیں کی گئی لیکن خط کا سنا ہوا مضمون یاد نہیں رہا تو طرفین کے نزدیک اس صورت میں شہادت دینے کی گنجائش نہیں اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے ہاں اسے شہادت دینا جائز ہے، اور ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے جو فرمایا وہی معمول بہ ہے اور تقویم میں فرمایا کہ طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول صحیح ہے جوہرہ (ت)

قول امام ثانی پر اگرچہ فتوی دیا گیا مگر وہ اس صورت میں ہے کہ گواہ حاکم کے سامنے یہ ظاہر نہ کرے کہ اپنا لکھا دیکھ کر گواہی دے رہا ہوں اس اظہار کے بعد بالاتفاق اس کی شہادت مقبول نہیں۔ بحر الرائق وطحطاوی علی الدر المختار وعالمگیریہ میں ہے:

ثم الشاهد اذااعتمد علی خطه علی القول المفتی به وشهد فللقاضی ان یسأله هل تشهدعن علم او عن خط ان قال عن علم قبله وان قال عن الخط لا[2]۔ (ملخصًا)	پھر گواہ کو جب اپنے خط پر اعتماد ہے کہ اسی کا ہے اور گواہی دی تو مفتٰی بہ قول میں جائز ہے، لیکن قاضی اس سے سوال کرے کہ تو اپنے علم کی بناء پر شہادت دے رہا ہے یا خط کی بناء پر اگر وہ یہ کہے کہ اپنے علم کی بناء پر شہادت دے رہا ہوں، تو شہادت کو قبول کرلے، اور اگر وہ کہے کہ خط کی بنا پر دے رہا ہوں تو نہ قبول نہ کرے۔ (ملخصًا)۔ (ت)

تنبیہ: یہاں جو نقول سادہ اظہار محمد رضاخاں، مظہر حسین آئیں ان میں اظہار محمد رضا

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الشہادات دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۳۶، بحر الرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۷۲، فتاوی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۶

خاں میں سابق پہنچی ہوئی رقم (☆☆) لکھی ہے اور (☆☆) حال کی ملا کر (☆☆) یہ دعوی و دیگر شہادت ور سید بہی سب کے خلاف ہے اور اظہار مظہر حسین میں اوگا رقم سابق (☆☆) اور چند سطر کے بعد (☆☆) ہے یہ تناقض ہے اگر ان رقوم میں خطائے نقلی ہو تو یہ تین وجہیں اختلاف دعوی شہادت واختلاف شاہدیں وتناقض شاہد میں اور اضافہ ہوں گی۔

بست ودوم: (حالت گواہان) (۱) موتی شاہ (۲) غفران اقراری سزا یافتہ ہیں (۳) عجائب الدین خاں پتنگ ساز پتنگ فروش گواہی پیشہ ہے (۴) حیدر علی خاں گواہی پیشہ ہے (۵) احمد خاں ولد میاں خاں باجہ فروش ہے (۶) محمد رضا خاں (۷) مظہر حسین بنیوں کے یہاں سود کے تقاضے اور وصول کرکے لانے پر کم درجے کے نوکر ہیں (۸) عبدالعزیز خاں وثائق نویس ہیں، اور صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

(۹) ولی خاں (۱۰) عبدالرحیم خان (۱۱) اشرف علی خاں (۱۲) محمد بشیر (۱۳) مظہر حسین (۱۴) نجف علی خاں سب جاہل و ناخواندہ ہیں بلکہ اظہر یہ کہ ان میں اکثر یا سب اپنے ضروری فرائض سے آگاہ نہ ہوں اور جو اس قدر بھی فقہ نہ سیکھے اس کی شہادت مردود ہے۔ مجتبٰی شرح قدوری و نہر الفائق و در مختار باب التعزیر میں ہے:

من ترك الاشتغال بالفقه لاتقبل شهادته والمراد مایجب علیه تعلمه[2]۔	جس نے فقہ سے مشغولیت ختم کردی اسکی شہادت مقبول نہیں یعنی جس نے واجبی حد تک فقہ سے بھی تعلق نہ رکھا (ت)

(۱۵) سید الطاف علی (۱۶) عبدالرحیم خاں (۱۷) نجن (۱۸) اشرف علیخاں (۱۹) مظہر حسین (۲۰) نجف علی خاں (۲۱) وزیر خاں سب بلاسمن کچہری کے ناخواندہ مہمان ہیں عرف حال میں اہل حیثیت

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

اسے بے عزتی سمجھتے ہیں (۲۲) ولی خان درگاہ اس کے یہاں چار روپے کا ملازم ہے (۲۳) عبدالرحیم عبدالرحیم خاں ایک چپراسی ہے۔ (۲۴) محمد بشیر ایک مذکوری (۲۵) اشرف علی خاں (۲۶) نجف علی خاں دونوں گاڑی بان (۲۷) احمد خاں ولد عبدالنبی خاں ۶ روپے کا فیلبان (۲۸) وزیر خاں یہ بھی ہاتھی بان ہے (۲۹و۳۰) جہا یہ دونوں فیلبانی پر نوکر ہیں اس کارخانے کا تحویلدار مدعی ہے اور وہی انہیں تنخواہ دیتا ہے۔

(تحری صدق) ایسی جگہ تحری صدق لازم تھی اس کی ۸ حالت سخت عجیب ہے مدعیوں نے پیش خویش ایک نہایت مرتب منتظم سلسلہ وصول کرایہ شہادتوں کا مسلسل کیا کہ ۷ ادسمبر/دسمبر ۱ـــــہ سے چار برس ۷ ماہ تک تو گنیشی ایسا خود دہندرہا کہ مہینے کے مہینے (☆☆) دیتا رہا بنبلکہ بکمال فیاضی نومبر ۴ـــــہ میں دوہرے دئے یہاں تک کا وصوہل اقرار عبدالغافر خاں سے رکھا آگے گنیشی کی یہ حالت ہے کہ تین تین برس گزر جائیں ایک پیسہ بے تقاضا نہیں دیتا مگر ہر تقاضے پر اگرچہ ہزاروں کا مطالبہ ہو روپیہ برابر تیار رکھتا ہے کبھی یہ نہیں کہتا کہ آج اتنی کمی ہے کل پوری کردوں گا پھر روپیہ تیار ہے تو مہینوں برسوں رکھ کیوں چھوڑتا ہے اور عبدالغافر خاں کو برسوں ماہ بماہ لیتا رہا اب مدتہائے مدت تک کیوں ساکت رہتا ہے اس کی حکمت وہ دونوں جانتے ہوں گے، پھر ہر تقاضے پر گنیشی کے مسلمان بیٹھے ہوتے ہیں نہ نوکر عـــــہ جن کا ہزارہا ہونا معتبر نہیں کہ نوکر کی کون سنتا ہے بلکہ اجنبی اگرچہ وہ جو نہ کبھی پہلے گئے نہ بعد کو۔ یہ اس لئے کہ مسلم پر کافر کی شہادت مقبول نہیں، پھر کئی دفعہ اس وقت دو سے کم مسلمان حاضر نہیں ہوتے کہ نصاب کامل رہے اور وہ ہر بار پہلے سے جا بیٹھتے یا عبدالغافر خاں کے ساتھ کہ سرے سے گفتگو سنیں اور ہر بار عبدالغافر خاں کو اٹھا کر اٹھتے ہیں کہ پوری گفتگو کے شاہد رہیں برسوں کے متفرق جلسے ہیں کبھی اس انتظام میں فرق نہیں آیا، اب دنیا بھر کا قاعدہ ہے کہ جس حساب کے لئے کتاب موجود ہے اس پر رقم کا وصول دائن کے ہاتھ کا لکھا ہوا دستخط کیا ہوا ہے اس میں ماضی کا اطمینان کافی ہے، اسے دہرانے کی کیا حاجت، اب جو دینا ہو اگر معلوم نہیں اس کا پوچھنا اور دے کر رسید لینا ہی ہوتا ہے مگر گنیشی ہر مطالبہ پر پوچھتا ہے کہ پہلے کتنا پہنچا رقم مال دے کر پھر پوچھتا ہے اب تک کل کتنا ہوا یہ اس لئے کہ ہر بار کے حاضرین کہ رقم حال کے شاہد معاینہ ہوں گے ہر رقم سابق کے شاہد اقرار ہوجائیں، پھر مجموعہ پوچھنے کی بھی حاجت ہے کہ رقم حال پر بھی اقرار ہوجائے، یوں ہر رقم سابق وسابق برسابق سب کا ہر بار اقرار ہوتا رہا

عـــــہ: خط کشیدہ جملے اندازے سے بنائے گئے کہ جلد بندی میں کٹ گئے تھے۔ عبدالمنان۔

کہ افزوں کا سلسلہ منتظم رہے اور ہر رقم حال پر معاینہ بھی اقرار بھی اور (☆☆) رقم اخیر کے سواسب کی گواہ رسید بہی بھی پھر تحریر رسید بھی پڑھوا کر سننا بعید نہیں، جاہل ناخواندہ کو ایساہی چاہئے کہ نوشتہ دائن پر اطمینان ہو مگر ہوشیار بنیا کسی اپنے قریب یا نوکر یا دوست ہندو پر اعتماد نہیں کرتا التزام کے ساتھ مسلمان ہی سے پڑھواتا ہے اگرچہ اس سے شناسائی نہ ہو، یہ اسی شہادت علم المسلم کے لئے ہے، پھر یہ حضرات اگرچہ اپنے ذاتی معاملات اگرچہ قریب کے بالکل بھولے ہوئے ہوں ہر بات کا جواب یاد نہیں سے ہو لیکن اس اصول کا معاملہ مدت تک پورا یاد رکھتے ہیں سابق کی رقم الگ، حال کی الگ، مجموعہ کی الگ، وقت الگ، پھر جو کوئی پوچھتا ہے کہ یہ روپیہ کیسا دیا اور بنیا سود بتاتا ہے یہ سوال جواب عبدالغافر خاں کے چلے جانے کے بعد ہی ہوتا ہے کسی نے اس کے سامنے نہ پوچھا یہ اسلئے کہ سامنے اگر عبدالغافر خاں اس کا رد کرتا بات بگڑتی اور اگر قبول کرا یا ساکت رہتا کہ وہ بھی قبول ہے تو اس کا خلاف ہوتا کہ تحفظ شان علم کے لئے اخفا چاہا، اہل انصاف دیکھیں ایسی ہوشیاری کے ساتھ سلسلہ بہ سلسلہ ایک سلک میں منسلک کی ہوئی ترتیب وار گواہیاں کبھی سنی ہیں جن کی لائن چپراسی، مذکوری، فیلبان، گاڑی بان، باجہ فروش کنکیاساز، محصلان سود، بنیوں کی خدمتی، چار چار چھ چھ روپے کے نوکر جاہل ناخواندے مل کر اس خوبصورتی سے بنا رہے ہیں، اس سے بڑھ کر تحری صدق اور کیا ہوگی اور اس پر پوری رجسٹری اس نے کردی کہ رقومات میں جو اغلاط مدعیوں سے واقع ہوئے سب گواہ اسی ڈگر پر چلے ہیں غلطی کے لئے کوئی معیار نہیں ہو تا مدعیوں سے غلطیاں ہوئی تھیں اور بالفرض سب شاہد بھی کرتے جدا جدا اغلاط ہوتے، کسی نے کہیں غلطی کی کسی نے کہیں، یہاں یہ نہیں بلکہ وہی غلطیاں انہیں مواقع پر ہیں جس کے ظاہر کہ سب ایک سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں، لطف یہ کہ پان ہزار کب کے ادا ہو چکے اس کے بعد بنیاد برسوں نئی رقمیں خوشی خوشی دے رہا ہے یہاں تک کہ (☆☆) تقریباً تین ہزار روپے زیادہ پہنچاتا ہے ستمبر ۱۱ھ تک ہی پانچہزار سے (☆☆) زیادہ جاچکے تھے زر اصل سے ایک حبہ باقی نہ رہا تھا، مگر جنوری ۱۳ھ میں ایک ہزار منجملہ زر اصل بھیجتا ہے مگر اسے معلوم نہ تھا کہ نوشان بیگم کے نام اور مولچند کے کرایہ کی آڑ میں فرضی ہیں میرا اصل معاملہ عبدالغافر خاں سے ہے وہ سود لے رہے ہیں اور سود ناجائز ہے جو دیا جائے رقم اصل میں مجرا ہونا لازم ہے اب میں کاہے ہزار بھیجتا ہوں اور ان کا بھی منجملہ کہتا ہوں اور کاہے پر اور رقمیں دئے چلا جاتا ہوں، اگر مدعیوں اور گواہوں کے بیان سچ ہوتے تو ضرور پانچ ہزار پہنچتے ہی بنیا ہاتھ روک لیتا، مدعا علیہ نہ مانتا تو کچہریوں کے دروزے کھلے تھے جو نالش اب ہوئی وہی کرتا اور دستاویزیں واپس لیتا اور ایک پیسہ زیادہ نہ دیتا مگر وہ عمر بھر غفلت میں لٹتا رہتا اور بحکم آنکہ پدر اگر نتواند پسر تمام کند یہ تمام تحقیقیں تدقیقیں پچھلی مت میں اپنے بیٹوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔

جو یہ ظاہر کرہر ہے ہیں کہ ان کا باپ احمق تھا عقل ان کو ہے، یہ ہے دعوی اور یہ ہیں گواہیاں۔

تجویزوفیصلہ

اس کی نسبت کچھ کہنے کی حاجت نہیں **اولاً:** سرے سے دعوی ہی صحیح نہیں اور جب دعوی صحیح نہ ہو تو مدعا علیہ سے جواب بھی نہیں لیا جاتا، نہ کوئی کارروائی چلے، شہادتیں گزریں اور غیر صحیح دعوی کی ڈگری ہو یہ سراسر باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

یسأل القاضی لامدعی علیه عن الدعوی بعد صحتها والاتصدر صحیحة لایسأل [1]۔	صحت دعوی کے بعد قاضی مدعا علیہ سے پوچھے اور اگر دعوی صحیح نہیں تو مدعا علیہ سے کچھ نہ پوچھے۔ (ت)

ثانیاً: گواہیاں باطل ہیں اور مدعا علیہ کا اقرار یا نکول نہ ہونا بدیہی تو قضا کی رہا مسدود اور حکم باطل ہیں۔ فتاوٰی امام قاضیخاں و اشباہ والنظائر میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجة وھی البینة اوالاقرار والنکول [2]۔	قاضی صرف حجت ودلیل کی بناء پر فیصلہ دے سکتا ہے اور حجت تین چیزیں ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار۔ (ت)

بایںہمہ اجمالاً دو ایک حرف اس کے متعلق بھی لکھنا مناسب کہ تفصیل ایک مستقل رسالہ ہوگی، دو ۲ وجہیں یہ ہوئی۔

سوم: تنقیح نمبر ا کو بربنائے شہادت موتی شاہ و وزیر خاں بحق مدعیان ثابت ماننا صراحۃً باطل ہے، رد شہادات میں اس کا بیان مفصل گزرا۔

چہارم: تنقیح نمبر ۲ و نمبر ۳ کی نسبت رجویز کو خود اقرار ہے کہ شہادت سے اس کا ثبوت ناممکن ہے پھر محض اس بنا پر کہ مدعا علیہ مسلمان معزز ذی علم ہے ان کو بحق مدعیان مان لینا سراسر خلاف انصاف ہے یوں تو اہل علم و معززین پر کفار و فجار کے دعوی سود ہمیشہ بے شاہدت مسموع ہو جائیں گے زید کو ہزاروں روپے دے دیں اور خالد مسلمان ذی علم پر دعوی کر دیں کہ زید اس کا علاقہ ار ہے اصل میں سود خالد نے لیا اور مسلم و

---

[1] درمختار کتب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ الخانیہ الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

عالم ہونے کے سبب نام دوسرے کا کیا۔

پنجم: رسید بہی خود ہی ثابت نہیں،

اولاً: آئندہ اس کی تصریح کی جائے گی۔

ثانیاً: اس کے اختراعی ہونے پر ایک واضح قرینہ نومبر ۱۴ میں دوبارہ (☆☆) کا اقرار ہے رسید بہی میں مذکور نہیں کہ یہ کس مہینے کا مطالبہ ہے کسی مہینے میں وصول ہونا اسی مہینے کے مطالبہ ہونے پر دلیل نہیں پہلے کا بھی ہوتا ہے پیشگی بھی ہوتا ہے اگر یہ رسیدات عبدالغافر خاں کی ہوتیں یوں مبہم و مجمل مکرر نہ ہوتیں۔

ثالثاً: رسید بھی انہیں اغلاط پر مرتب ہوئی ہے جو مدعیوں نے دعوے میں کیں جن کا بیان وجوہ ابطال دعوی میں گزرا اگر رسیدات واقعی ہوتیں حسب صحیح پر ہوتیں، اور بالفرض اگر مسلم ہو تو ہم وجہ ہفتم عام میں ثابت کر چکے کہ مطالبہ کو شوہر کا اپنے دستخط سے وصول کرنا بیجا نہیں۔

ششم: ایک ہزار کی رقم منجملہ زر اصل کو عبدالغافر سخاں کا وصول کرنا ماننا اور اس کی ڈگری نہ دینا تجویز کا صریح تناقص ہے اگر پہنچنا ثابت ہے تو حقدار کو حق سے محروم کار قضاء نہیں قاضی اس لئے مقرر ہوتا ہے کہ حقدار کو حق دلائے، نہ اس لئے کہ حق مانے اور محروم کردے، اور اگر ثابت نہیں تو اس کے وصول کرنے سے استدلال کیا معنی۔

ہفتم: رسیدات پر دستخط کرنے اور ہزار کی رقم خود وصول کرنے کو تنقیحات ۲و۳ کے ماحصل کا مثبت ماننا الٹی منطق ہے بلکہ یہ ان کا صریح رد ہے کہ اس میں اس امر شنیع کی اپنی نسبت اعلان ہے جس کا اخفاء چاہا تھا، اگر واقعی یہ سود کی رقمیں ہوتیں عبدالغافر خاں جس طرح دستاویز میں الگ رہا ان وصولوں میں بھی خود نہ پڑنا مسماۃ کے بھائی وغیرہ کسی اور کا پردہ رکھتا۔ کیا فقط دستاویز میں نام ہونے سے اعلان ہوتا ہے جس پر گواہان حاشیہ یا اہل رجسٹری ہی واقف ہوتے اور یہ وسالہا سال تک بارہا علانیہ برملا مسلمانوں ہندوؤں سب کے سامنے وصول کرنا باعث اعلان نہیں، کیا گواہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ وہ اور دیکھنے والے ہندو تک متعجب ہوئے کہ یہ مسلمان ہو کر کیونکر سود لیتے ہیں نوٹ کرنے والوں نے اسے نوٹ کیا مولویوں کسے مسئلہ پوچھا ہاتھیوں پر بیٹھ کر تذکرہ کیا خود ایک ہندو نے اپنے نوکر سے نوٹ کرنے کو کہا اور ان سب سے زائد موتی شاہ و وزیر خاں کی شہادتیں ہیں کہ علانیہ سود کی گفتگو مول تول کرنا بتاتے ہیں موتی شاہ کہتا ہے "فریقین کی گفتگو میں آدمی ہندو مسلمان بہت تھے" وزیر خاں کہتا ہے "مسلمان زائد تھے ہندو کم تھے" موتی شاہ کہتا ہے "وقت گفتگو دن کے دس بجے

کا تھا، اس واقعہ کے یاد رکھنے کا ذریعہ یہ ہے کہ ۱۴کا سود ٹھہرا تھا حالانکہ مسلمان کبھی سود نہیں لیتے ہیں" جو ایسا بیباک ہو اسے اخفا کیا معنی، لہذا یہ تمام بیانات تصنیف شدہ ہیں۔

ہشتم: تنقیح ۴ کے متعلق جن شہادتوں اور ان کے بالترتیب بیانوں سے استدلال کیا ان کے بکثرت ابطال مباحث سابقہ میں گزرے حاجت اعادہ نہیں، اس تنقیح کا ایک حرف بھی بحق مدعیان ثابت نہیں مگر غنیمت ہے کہ تجویز نے ان تمام شہادتوں کو خود ہی ناکافی مانا کہ "اس رقم اقراری کے ایصال بوجہ تائید شہادت تحریری کے میں ثابت قرار دیتا ہوں" یعنی وہ نہ ہوتی تو میں ان گواہیوں کو نہ مانتا معلوم ہوا کہ سب گواہیاں ناکافی ہیں، شہادت تحریری کیا ہے وہی رسید بہی جس کی ردی حالت اوپر گزری اور پوری تفصیل بعونہ تعالٰی آگے آتی ہے تو مؤید رہا نہ مؤید اور ثبوت تنقیح باطل و مسترد۔

نہم: ذی علم مجوز نے مدعیوں اور شاہدوں اور رسید بہی جن کے کاذب ہونے کی ایک اور دلیل ظاہر کی جو ہمارے خیال میں بھی نہ تھی فرمایا" منجملہ رقم مودی بنام کرایہ (☆☆) کی ایسی رقم ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہ کی، اور تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ نے براہ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہ دیں جو کتاب رسیدات مدعیان نے پیش کی اس میں سوائے رقم (☆☆) کے باقی رقوم درج ہیں" لیکن مدعیان و گوہان ورسید بہی صرف اخیر ۷ ماہ کی رقم (☆☆) کی رسید نہ دینی بتاتے ہیں تو بیان ذی علم مجوز کے مقابل سب جھوٹے ہیں، یہاں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تجویز کس اعلٰی درجہ بیداری مغزی پر ہے جس نے ان سب کے ایسے اغلاط پر مفید[عہ] روشنی ڈالی۔

دہم: رسیدات جن پر بلفظ عبدالغافر خان دستخط ہیں ان کے نوشتہ عبدالغافر ہونے کا یہ ثبوت کہ اتنے گواہوں نے ان دستخطوں کا خط پہچانا اور اتنے کاغذات کچہری کے دستخطوں سے دستخط ملے لہذا یقیناً مدعا علیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، محض خلاف شرع باطل ہے کتب مذہب میں تصریحات قاہرہ ہیں کہ خط مشابہ خط ہوتا ہے اور بن سکتا ہے اور یہ کہ اس پر اعتماد جائز نہیں اور یہ کہ قاضی اس پر فیصلہ نہیں دے سکتا بنانے والوں کا جسے تجربہ ہو اور وہ جانتا ہے کہ ایسا بنا لیتے ہیں کہ خود صاحب خط کو دیکھ کر اشتباہ ہو جاتا ہے اور وہ تمیز نہیں کر سکتا کہ میرا لکھا ہے یا دوسرے کا، پھر اوروں کی شناخت کیا چیز ہے۔ ہدایہ میں ہے: **الخط یشبہ الخط فلا یعتبر**[1] (خط ایک دوسرے

عـــہ: خط کشیدہ لفظ اندازہ سے بنایا گیا۔

[1] الہدایہ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۱۵۷

کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا معتبر نہیں۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الخط لاینطق وھو متشابہ[1]۔	خط بولتا نہیں وہ متشابہ چیز ہے۔(ت)

درمختار میں ہے: لایعمل بالخط[2] (خط پر عمل نہ ہوگا۔ت) فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط[3]۔	چونکہ خط ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا(ت)

نیز خانیہ میں ہے:

اخرج المدعی خطاً باقرار المدعی علیه بذلك فانکران یکون خطه فاستکتب وکان بین الخطین مشابهة ظاہرۃ لایقضی به ھو الصحیح[4]۔	مدعی نے مدعاعلیہ کے اقرار کا خط پیش کیا تو مدعاعلیہ نے اپنا خط ہونے سے انکار کردیا تو قاضی مدعاعلیہ سے تحریر لکھوائے اور دونوں تحریروں میں واضح مشابہت پائی جائے اس کے باوجود صحیح یہ ہے کہ قاضی اس خط پر فیصلہ نہ دے۔(ت)

اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل به[5]۔	خط پر نہ اعتماد کیا جائے نہ عمل۔(ت)

کافی شرح وافی میں ہے:

الخط یشبه الخط وقد یزور ویفتعل[6]۔	خط ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے اور جھوٹا اور جعلی ہوتا ہے۔(ت)

عینی علی الکنز میں ہے:

الخط یشبه الخط فلایلزم حجۃ لانه	خط چونکہ ایک دوسرے کے مشابہ اور من گھڑت

---

[1] فتح القدیر

[2] درمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۳

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی دعوٰی الوقف الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

[4] فتاوٰی قاضی خان کتاب الدعوی والبینات باب الدعوٰی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۶۲

[5] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

[6] کافی شرح وافی

یحتمل التزویر [1]۔	ہوسکتا ہے لہٰذا حجت ہونا لازم نہ آئے گا۔(ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الکتاب قدیزور ویفتعل والخط یشبه الخط و الخاتم یشبه الکاتم [2]،مختصرًا۔	مکتوب کبھی جھوٹا اور جعلی ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے اور مہر ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہے، مختصرًا۔(ت)

ظہیریہ وشرح الاشباہ للعلامۃ البیری وردالمحتار میں ہے:

لایقضی بذٰلك عند المنازعة لان الخط مما یزور و یفتعل [3]۔	قاضی کسی نزاع میں مکتوب پر فیصلہ نہ دے کیونکہ خط جعلی ورمن گھڑت ہوسکتا ہے۔(ت)

فتاوی امام ظہیر الدین مرغینانی وغمز العیون میں ہے:

العلة فی عدم العمل بالخط کونه ممایزور ویفتعل ای من شانه ذلك وکونه من شانه ذٰلك یقتضی عدم العمل به وعدم الاعتماد علیه وان لم یکن فی نفس الامر کماهو ظاہر [4]۔	خط پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جعلی اور منگھڑت ہوسکتا ہے اور جب وہ ایسا ہوسکتا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ اس پر عمل اور اعتماد نہ کیا جائے اگرچہ نفس الامر میں وہ ایسا نہ ہو جیسا کہ وہ ظاہر ہے۔(ت)

یازدہم: جن پر بلفظ دولھا خاں دستخط ہیں اور اکثر وہی ہیں ۶۳ رسیدوں میں صرف ۴ پر عبدالغافر خاں ہے اور ۵۹ پر دولھا خاں، ان کی نسبت اتنا بھی نہیں پہچاننے والوں نے شان خط پر گواہی دی یا کسی کاغذ کچہری پر یہ دستخط ملے یہاں صرف اس قدر سے کام لیا گیا کہ اس کی شان شان دستخط سابق سے ملتی ہے یعنی ظن در ظن قیاس در قیاس اور اس پر حکم یہ کہ "دستخط یقینا مدعا علیہ کے ہیں" انا للہ وانا الیہ راجعون o

---

[1] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الشہادات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب القضاء فصل فی کتاب القاضی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۔۱۶۵،فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[3] ردالمحتار بحوالہ البیری کتاب القضاء باب کتاب القاضی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۲

[4] غمز عیون البصائر بحوالہ الفتاوی الظہیریہ مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۹

دوازدہم: یہ کمی کہ مدعا علیہ کا نام تو عبدالغافر خاں ہے اور ان میں دولھا خاں، اسے یوں پورا فرمایا کہ "اکثر شہادتوں سے ثابت کہ مدعا علیہ کا عرف دولھا خاں بھی ہے" شہادتوں کا ردی حال اوپر گزرا، اگر ان کے علاوہ اور شہادتیں مراد ہیں تو انہوں نے یہ شہادت دی کہ عبدالغافر خاں کو دولھا خاں بھی کہتے ہیں یا یہ کہ دولھا خاں جہاں لکھا اس سے یہی عبدالغافر خاں مراد ہیں، اور اگر یہی شہادتیں مراد تو سخت عجب۔ شہادتوں پر اعتماد بذریعہ شہادت تحریری یعنی رسیدات مذکورہ ہوا، اب ان رسیدات پر اعتماد ان شہادتوں سے ہو کھلا دَور ہے۔

سیزدہم: منجملہ زر اصل ایک ہزار کا عبدالغافر خاں کو پہنچنا ولی خاں و غفران کی شہادتوں سے (جن کا حال اوپر گزرا) ثابت ماننا اور رسید ور قعہ یقیناً تحریر عبدالغافر خاں جاننا مگر اس بنا پر کہ رقعہ بے رجسٹری ہے لہٰذا بموجب فلاں دفعہ قانون رجسٹری ریاست ثبوت میں لینے کے قابل نہیں اس کی ڈگری نہ دینا سخت عجب ہے بحکم دفعہ رقعہ ثبوت میں لیا جانا نہ سہی شہادتوں کا ثبوت کدھر گیا اگر شہادتیں قابل قبول نہ تھیں ان سے ثبوت ماننا کیا معنی اور مقبول تھیں تو ان پر عمل نہ کرنا یعنی چہ، یہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف ہے، ہاں یوں کہنا تھا کہ شہادتیں ان وجوہ سے (کہ ہم نے فتوٰی میں بیان کیں) باطل ہیں اور کوئی رقعہ بے شہادت نہیں لیا جاسکتا خصوصاً اس میں نقص قانونی بھی ہے لہٰذا ہزار کا پہنچنا اصلاً ثابت نہیں تو بات صحیح ہوتی۔

چاردہم: تنقیح ۵ خود فیصلہ نے بحق مدعیان ثابت نہ مانی، تنقیح ۲ کو تین دلیلوں سے ثابت گمان کیا جن میں دو بے علاقہ محض ہیں اور ایک باطل، اول بیع وفا حکم رہن میں ہے اور مرہون کا کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بزر رہن ہے، حکم شرع یہ ہے کہ مرتہن بے اجازت راہن شخص ثالث کو کرایہ دے تو کرائے کا مالک مرتہن ہے ہر گز وہ ملک راہن نہیں، ہاں اس کے حق میں خبیث ہے تصدق کردے یا راہن کو دے دے اگر حق راہن ہوتا تصدق کا حکم کیونکر ہو سکتا۔ فتاوٰی قاضیخان و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

ان اٰجر المرتھن من اجنبی وکانت الاجارۃ بغیر اذن الراھن یکون الاجر للمرتھن یتصدق بہ[1]۔ (ملخصاً)	رہن لینے والے نے مکان کو رہن رکھنے والے کی اجازت کے بغیر کسی تیسرے شخص کو کرایہ پر دے دیا تو اجرت و کرایہ مرتہن (رہن لینے والے) کا ہوگا اور اس کو صدقہ کردے گا (ملخصاً)۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ قاضیخاں کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۴

وجیز کردری و حموی علی الاشباہ میں ہے:

اُجر المرتھن الرھن من اجنبی بلا اجازۃ الراہن فالغلۃ للمرتھن ویتصدق بھا عندالامام ومحمد کالغاصب یتصدق بالغلۃ و یردھا علی المالك [1] قلت ای ویطیب له لانه نماء مبلکه اخص الطرفین لانھا تطیب للمرتھن عند الامام الثانی رضی اللہ تعالٰی عنھم فلا یتصدق بشیئ۔	کسی رہن چیز کو مرہن نے راہن کی اجازت کے بغیر اجنبی شخص کو کرایہ پر دے دیا تو کرایہ کی آمدن مرتہن کی ہوگی اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ اسے صدقہ کردے گا۔ جیسا کہ غاصب مغصوبہ چیز کی آمدن کو صدقہ کرتا ہے یا مالک کو واپس ادا کرتا ہے اھ، میں کہتا ہوں یہ آمدن مالک کے لئے طیب ہے کیونکہ اس کی ملکیت کی آمدن ہے، مصنف نے طرفین رحمہا اللہ تعالٰی کا خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ آمدن مرتہن کے لئے طیب ہے لہٰذا صدقہ نہ کرے۔ (ت)

یہاں اگر ہے تو یہی صورت ہے اس میں زر کرایہ اصل میں مجرا کرنے کا حکم ایسا ہے کہ زید نے عمرو سے پانچ ہزار قرض لئے عمرو نے شخص ثالث بکر سے کچھ ناجائز رقمیں حاصل کیں اب زید کہے میرا قرض ادا ہوگیا کیونکہ تو ایک راہ چلنے سے ناجائز رقم لے چکا، کیا اس میں زید کو مجنوں نہ کہا جائے گا، اگر یہ وجہ اول اس صورت کو شامل تو حکم یقینا باطل، اور اگر یہ مراد کہ یہ اجارہ باذن راہن تھا لہٰذا وہ مالک اجرت ہوا، اور لی مرہن نے، تو زر اصل میں محسوب ہونی چاہئے، تو یہ وجہ نہ رہی بلکہ وجہ دوم ہوگئی، وجہ دوم یہی ہے کہ اجارہ باذن راہن تھا لہٰذا" رہن باطل اور کرایہ لائق مجرائی، یہ انہیں شہادات باطلہ اشرف علی وغیرہ پر مبنی ہے جن کے وجوہ بطلان روشن ہوگئیں اور جن کو خود مجوز نے ناکافی جانا جیسا کہ ابھی رد ۱۳ میں گزرا۔ سوم یہ کہ قبضہ مرتہن ثابت نہیں، اس کی بحث ابھی آتی ہے، قبضہ یقینا ثابت ہے، اور بالفرض نہ سہی تو اس سے کرایہ اصل میں کیوں مجرا ہونے لگا، غایت یہ کہ یہ غاصب ہو اور غاصب کہ مغصوب کو کرایہ پر دے مالک کرایہ خود غاصب ہوگا نہ کہ مغصوب منہ جیسا کہ ابھی گزرا، ہاں اجارہ باذن راہن ثابت ہونا درکار تھا تو یہ بھی وجہ دوم ہے کہ باطل ہے، بالجملہ اصلاً کوئی تنقیح بحق مدعیان ثبوت کا نام بھی نہیں رکھتی۔

پانزدہم: تنقیح ۷ بلاشبہہ بحق مدعیا علیہ ثابت ہے جس کا بیان ابطال دعوٰی کی وجہ اول

[1] غمز عیون البصائر بحوالہ البزازیہ مع الاشباہ والنظائر ، الفن الثالث کتاب الرھن ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۳۔ ۱۱۲

میں گزرا۔

شانزدہم: تنقیح ۸ قابل بحث نہیں، نہ اس کا ثبوت شرع کچھ نافع مدعا علیہ تھا، نہ عدم ثبوت کچھ مضر، تنقیح ۱۰ وہ قطعًا بحق مدعا علیہ ایسے قطعی ثبوت سے ثابت ہے کہ بکلائے ہل نہیں سکتا تجویز میں اس پر ایک طویل بحث ہے کہ قبضہ مرتہنہ اس کی شہادتوں سے ثابت نہیں مگر یہ بحث محض بیہودہ ودور از کار ہے شہادتوں سے قبضہ مرتہنہ کا ثبوت نہ سہی بلکہ یہ فرض کرلیجئے کہ شہادتوں سے راہن کا مرتے دم تک ان مکانوں پر قابض رہنا ثابت ہو جب بھی قبضہ مرتہنہ یقینا ثابت ہے اور ورثۂ راہن کا اس سے انکار مسموع نہیں وہ قبضہ راہن عاریۃً باجازت مرتہنہ سمجھا جائیگا جو ہرگز رہن میں مخل نہیں، وجہ یہ کہ گنیشی صراحۃً بیعنامہ میں اقرار کرتا ہے کہ "بدست نوشان بیگم بیع کیا میں نے، اور زرثمن تمام وکمال بعد صحت عقد بیع ایجاب وقبول طرفین کے مجھ بائع نے مشتریہ مذکورہ سے وصول پاکر قبض ودخل مشتریہ کیا مبیعہ مذکورہ پر کرادیا اور قبضہ ملکیت اپنی سے خارج کرلیا او مشتریہ نے بادائے کل زرثمن مجھ بائع سے قبضہ مالکانہ اپنا مبیعہ مذکورہ پر کرلیا" بعد اس اقرار قطعی کے قبضہ مرتہنہ میں کلام کی گنجائش نہ رہی، نہ اسے کوئی شہادت دینے کی اصلًا حاجت، نہ شہادت سے ثابت نہ ہونا اس ے کچھ مضر، بلکہ قبضہ راہن ثابت ہو تو وہ بھی منجانب مرتہنہ ہے۔ جواہر الفتاوٰی امام کرمانی وعقود الدریہ علامہ شامی میں ہے:

رھن دارہ واعترف بالقبض الاانہ لم یتصل بہ القبض فاذا تصادقا علی القبض والاقباض یؤخذ باقرارہ[1]۔	کسی نے اپنا مکان رہن رکھا اور مرتہن کے قبضہ کا اعتراف کیا لیکن عملًا مرتہن کا قبضہ نہ ہوا تو دونوں نے جب قبضہ لینے اور دینے پر اتفاق کرلیا تو اب راہن کے اقرار کو لیا جائیگا۔ (ت)

نیز ہر دو کتاب مذکور میں ہے:

رجل رھن دارہ والراھن متصرف فیہ حتی مات ثم اختلف المرتھن وورثۃ الراھن انہ کان مقبوضا ام لا فان اقام المرتھن البینۃ علی اقرار الراھن بالرھن و	ایک شخص نے اپنا مکان رہن رکھا اور خود راہن ہی اپنی موت تک اس میں تصرف کرتا رہا پھر مرتہن اور راہن کے ورثاء میں مرتہن کے قبضہ میں ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہوا اگر مرتہن نے راہن کے اس اقرار پر کہ اس نے رہن رکھا اور

[1] العقود الدریۃ بحوالہ جواہر الفتاوٰی کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

التسلیم یحکم بصحۃ الرھن ودعوی فساد الرھن لاتقبل بظاہر ماکان فی ید الراھن لانہ لما حکم علیہ باقرارہ بالرھن حمل علی ان الید کانت ید العاریۃ[1]۔	مرتہن کو سونپ دیا ہے، گواہ پیش کردئے تو رہن کے صحیح ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا، اور ظاہراً راہن کے قبضہ کی بناء پر فساد رہن کا حکم نہ ہوگا اس کے ظاہری قبضہ کو عاریۃً قبضہ پر محمول کیاجائیگا (ت)

غرض تجویز میں ۱۲ تنقیحیں ۶ جانب مدعاعلیہامیں چار بیکار او ۲ یقینا بحق مدعاعلیہاثابت ہفتم بحق مدعاعلیہ ودہم بحق مدعاعلیہا۔

ہفدہم: تنقیح ۹ بے معنی ہے وہ قائم کرنے ہی کی نہ تھی جس کے ثبوت یا عدم سے کسی فریق کو کچھ نفع نہ ضرر، خصوصًا مدعاعلیہا پر اس کا بار ثبوت رکھنا تو سخت عجیب تر۔ بیع مسماۃ کے نام ہوئی اس کے شوہر نے روپیہ اس کی طرف سے دیا۔ گنیشی نے زرثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پانے کا اقرار لکھا اب اس بحث کا کیا محل رہا کہ روپیہ مسماۃ کی ملک تھا یا نہیں یہ دلیل ملک ہے جو خلاف کامدعی ہو ثبوت اس کے ذمہ ہے نہ کہ مدعاعلیہا پر، ورنہ تمام بیوع واجارات سخت دقت میں پڑ جائیں ہر مشتری اور ہر مستاجر پر یہ ثبوت پیش کرنا لازم ہو کہ روپیہ اس کی ملک تھا اور یہ لازم بھی کیوں ہو، بالفرض روپیہ اس کی ملک نہ تھا دوسرے کے روپے سے باجازت یا بلااجازت اس نے خریدی تو اس سے شراء اس کا کیوں نہ رہا، قاعدہ شرعیہ ہے کہ:

الشراء اذا وجد نفاذا علی المشتری نفذ[2]، کما فی الدر المختار وغیرہ۔	خریداری جب خرید کرنے والے کے حق میں پائی جائے تو اس پر خریداری کا حکم دیا جائے گا، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی اذلایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع	بیٹے کے اس کہنے پر کہ میں نے باپ کے مال سے خریدا ہے باپ کی ملکیت مکان پر ثابت نہ ہوگی کیونکہ باپ کے مال سے خریدنے پر یہ لازم نہیں آتا

[1] العقود الدریۃ بحوالہ جواہر الفتاوٰی کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

للاب لانہ یحتمل القرض والغصب[1]۔	کہ بیع باپ کے لئے ہوئی کیونکہ باپ کے مال کو بطور قرض یا غصب استعمال کرنیکا احتمال موجود ہے۔(ت)

ہیجدہم: تنقیح ۱۱و ۱۲ اشرعًا بیکار ہیں قانونی باتیں ہیں کہ ثابت ہوتیں تو مدعا علیہ کو قانونًا مفید تھیں، نہ ثابت ہوتیں تو اس کا کچھ ضرر نہیں، اب نہ رہی مگر تنقیح ۸، یہ قابل بحث نہیں نہ اسکا ثبوت شرعًا کچھ نافع مدعا علیہ تھا، نہ عدم ثبوت کچھ مضر۔ یہ پچاس وجوہ ہیں، تین سے دعوے باطل ہے، ۲۹ سے شہادتیں ۱۸ سے تجویز۔ اور انہیں کے ضمن میں مراتب سوال کا جواب مع زیادت کثیرہ آگیا اور حکم اخیر یہ ہے کہ فیصلہ ججی سراسر بے اصل وواجب الرد ہے اور مدعا علیہا دعوائے باطلہ مدعیان سے یکسر بری۔
واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ حافظ محمود حسن صاحب ۲۳/رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

زید نے عمرو عطار کو ایک نسخہ دکھلایا کہ اس کی قیمت کیا ہے، اس نے کہا آٹھ آنے، زید نے کہا بنادو آج تیار کردو، عطار نے کہا دو تین روز میں ہوگا، زید نے کہا تو مجھ کو بذریعہ پارسل بھیج دینا، پارسل جو بیرنگ آیا اس میں قیمت (☆☆) لکھی ہے محصول ۱۲/ بالجملہ اختلاف قیمت کے مقدار میں ہے، زید کہتا ہے ۸/ قیمت کہی گئی جس پر میں نے تیاری کے لئے حکم کیا، اور عمرو فرماتا ہے میں نے (☆☆) کہے تھے، پس قول عندالشرع کس کا معتبر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو گواہان شرعی سے اپنا دعوی ثابت کردے اسی کے حق میں حکم کیا جائے گا، اور اگر دونوں طرف شہادت کافیہ ہو تو عمرو بائع کے گواہ معتبر ہونگے کہ وہ مثبت زیادت ہے اور اگر کوئی گواہان شرعی نہ دے سکے تو زید مشتری سے پہلے حلف لیا جائے واللہ میں نے عمرو سے (☆☆) کو یہ دوا نہ خریدی ۸/ کو خریدی تھی، اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کرے فیصلہ بحق بائع ہے اور، قسم کھالے تو اب بائع سے حلف لیا جائے کہ واللہ میں نے یہ دوا زید کے ہاتھ ۸/ کو نہ بیچی (☆☆) کو بیچی تھی اگر بائع حلف سے انکار کرے فیصلہ بحق مشتری ہوا اور اگر وہ بھی قسم کھالے تو چیز واپس دی جائے اور باہم وہ دونوں مل کر بیع فسخ کرلیں یا حاکم درخواست پر فسخ کردے،

فی الدر المختار اختلف المتبایعان فی	درمختار میں ہے فروخت کرنے والے اور خریدار کے

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

قدر ثمن حکم لمن برہن وان برھنا فلمثبت الزیادۃ،وان عجز اولم یرض واحد منھما بدعوی الاٰخر تحالفا وبدئ بیمین المشتری لو بیع عین بدین ویقتصر علی النفی فی الاصح و فسخ القاضی البیع بطلب احدھما او طلبھما ولاینفسخ بالتحالف ولا بفسخ احدھما بل بفسخھما بحرومن نکل منھما لزمہ دعوی الاٰخر بالقضاء اھ[1] مختصرا وفی رد المحتار فی الزیادات یحلف البائع واللہ ماباعہ بالف ولقد باعہ بالفین ویحلف المشتری باللہ مااشتراہ بالفین ولقد اشتراہ بالف[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمیان طے پانے والی رقم میں اختلاف ہوگیا تو دونوں میں سے جو بھی گواہ پیش کردے اس کے حق میں حکم ہوگا،اور اگر دونوں نے گواہ پیش کردئے تو رقم میں زیادتی والے کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اگر دونوں گواہ نہ پیش کرسکیں اور کوئی بھی دوسرے کے حق میں دست بردار نہ ہو تو دونوں سے قسم لی جائے اور قسم میں پہل مشتری سے کی جائے جبکہ یہ بیع مال کی نقد کے بدلے ہو،اور قسم نفی پر کافی متصور ہوگی اصح قول کے مطابق اور ایک یا دونوں کے مطالبہ پر قاضی بیع کو فسخ کردے،اور اگر دونوں قسم دیں تو اس سے بیع خود بخود فسخ نہ ہوگی،دونوں فریقوں میں سے ایک کے فسخ کرنے پر فسخ نہ ہوگی بلکہ دونوں کے اتفاق سے فسخ ہوگی،بحر اور دونوں میں سے کوئی قسم سے انکار کرے تو دوسرے کا دعوی قضاء لازم ہوجائیگا اھ مختصراً۔اور ردالمحتار میں ہے کہ زیادات میں فرمایا کہ بائع یوں قسم کھائے خدا کی قسم میں نے اسکو ایک ہزار میں نہیں دو ہزار میں فروخت کیا ہے،اور مشتری یوں قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نے دو ہزار میں نہیں خریدی میں نے تو ایک ہزار میں خریدی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۴: ازریاست رامپور گھیر شرف الدین خاں مرسلہ اسمٰعیل خاں　　۱۶شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ عرضی دعوی اور اظہار محمد نبی خاں اور محمد حسن شاہدین ہمرشتہ آیا شہادت دونوں گواہوں کا مطابق دعوی و مثبت دعوی ہے یانہیں،اور دونوں شہادتیں باہم مطابق ہیں یانہیں اور محمد نبی خاں کا ایک جگہ یہ کہنا کہ مدعی نے کہاکہ ان پنج قطعات کو جس قیمت کو پرتہ سے

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی باب التحالف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب التحالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۳۰

پڑے میں نے اپنے حق شفعہ میں لیااور مدعی عرض دعوی میں لکھاتا ہے کہ پنج میں سے جو سہام مبیعہ ازروئے پرتہ کے پڑیں گے میں نے اسی قیمت کو بحق شفعہ لئے ہر دونوں بیان مخالف ہیں یا نہیں اور یہ خلاف بیانی محمد نبی خاں کی مبطل شہادت ہے یا نہیں، دوسرے محمد نبی خاں نے طلب شفعہ کرنا عندالمبیع اور موجودگی مشتری بیان کی ہے اور مدعی طلب عندالمشتری تحریر کرتا ہے آیا دونوں میں مخالفت ہے یا نہیں، اور محمد حسن کی شہادت خلاف اس سبب سے ہوسکتی ہے یا نہیں کہ بلحاظ اندراج عرضی دعوی مدعی کا طلب شفعہ کرنا نسبت سہام مبیعہ پنج قطعات مندرجہ میں سے دریافت ہوتا ہے اور شہادت محمد حسن سے بلحاظ خبر دینے علی گوہر خاں کے طلب شفعہ کرنا نسبت ایک غیر معین کے پنج قطعات مکانات سے معلوم ہوتا ہے اور نیز شہادت مذکور محمد حسن مجہول شہادت ہے اس کے بیان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ حصہ کون سے قطعہ سے ہے یا ہر ایک قطعہ سے، اور نیز یہ اعتراض کہ شاہدین کا بیان باہم مختلف ہے محمد نبی خاں طلب شفعہ کرنا نسبت مجموعہ پنج قطعات مکانات کے اور محمد حسن خاں طلب شفعہ نسبت ایک حصہ کے بیان کرتا ہے شرعاعائد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **فقط۔**

اور کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے اپنا ایک سہم منجملہ دس سہام چھ قطعات مکانات سے جو اس کو وراثۃً پہنچا تھا بدست بکر بیع کیا عمرو نے نسبت پانچ مکانات کے کہ عمرو کا شفعہ انہیں پانچ قطعات میں تھا طلب مواثبت و اشہاد کرکے دعوی دائر عدالت کیا، اب سوال یہ ہے کہ بوجہ تفریق صفقہ یہ دعوی جائز ہوگا یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

اور کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ مکان مذکورہ میں دسواں حصہ زید کا تھا وہ اس نے بدست بکر بیع کیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض شاہد نے دسواں حصہ بیع کرنا بیان کیا اور بعض نے یہ کہا زید نے اپنے حصص چھ قطعہ مکانات سے گویا ہر ایک قطعوں میں دس دس سہام قرار دے کر ایک ایک سہم کا بیع کرنا اور طلب شفعہ کرنا بیان کیا یہ اختلاف موجب سقم شہادت ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

کاغذات نظر سے گزرے، ابحاث فقہی پر یہاں سے کچھ کہنا ہے مگر نہ تفصیل کی فرصت نہ تطویل کی ضرورت، لہٰذا چند اجمالی جملوں اشعاری اشاروں پر قناعت عرضی دعوی میں محمد اسمٰعیل خان بنام محمد اکبر خاں دعوی دہانید، ایک ایک سہام منجملہ دس دس سہام از پنج منزل مکانات مندرجہ بیع نامہ بحق شفعہ محدودات ذیل واقع رامپور گھیر شرف الدین خاں حسب مرسوم عام محاکم زمانہ دعوی تامہ واضحہ ہے جس میں نہ کوئی ابہام منافی صحت، نہ بیان شاہدین کو اس سے مخالفت، آگے بیان تفصیل میں یہ لفظ حکایات طلب میں

واقع ہوئے کہ پنج قطعہ مکانات میں سے جو سہام مبیعہ از روئے پرتے کے پڑیں گے میں نے اسی قیمت کو بحق شفعہ خود لئے اسے وجہ مخالفت دعوی و شہادت ٹھہرایا ہے حالانکہ یہ دعوی نہیں حکایت الفاظ طلب ہے اور اس میں بھی جو ابہام واقع ہوا ایک ہی سطر بعد اسے واضح کردیا ہے کہ فدوی سہام مبیعہ پر پنج قطعات میں سے مدعا علیہ سے بدون قیمت اصلی از روئے پرتہ کے بحق شفعہ کے طلب کرتا ہے کھل گیا کہ پرتہ ناظر بقیمت ہے نہ کہ ناظر بہ سہام، مع ہذا یہاں ابہام سہام تعیین دعوی و طلب کے منافی ہی نہیں تعین دو قسم: تعین ذات کہ شیئ فی نفسہٖ محدود و مفرز و متمیز ہو، اور تعین قدر کہ اگرچہ مشاع و مخلوط ہے، مگر اس کی مقدار معلوم و معہود ہے۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ شے مشاع میں تعین دوم ہوسکتا ہے تعین اول بے دفع شیوع ناممکن ہے اور بیع صرف تعین ثانی چاہتی ہے، نہ تعین اول کہ بیع مشاع جائز بالاجماع، اور شفعہ مبیع پر اسی حیثیت موجودہ سے وارد ہوگا مفرز ہے تو مفرز اور مشاع ہے تو مشاع شیوع جب کہ مانع بیع نہیں، مانع طلب و دعوی شفعہ بھی نہیں **وکل ذٰلك واضح جلی عندکل طالب فضلا عن عالم** (یہ طالب علم پر واضح اور روشن ہے چہ جائیکہ جو فاضل ہو۔ت) مدعی نے از روئے پرتہ تو باعتبار ثمن کہا اور جو سہام کا ابہام بنظر ابہام ذات رکھا کہ مشاع ضرور مبہم الذات ہوتا ہے نہ کہ بنظر ابہام قدر بلکہ خود اس کا تعین لفظ مبیعہ سے بتادیا کہ بیع نہ ہوئی مگر معلوم القدر کی، پھر دعوی شہادت میں تخالف کدھر سے آیا، غایت یہ کہ شہود نے ابہام ذات کا جداذکر نہ کیا، نہ اس کی حاجت تھی کہ وہ شیوع سے مستفاد۔ اظہار محمد نبی خاں میں کہیں نہیں کہ مدعی نے مکانات مبیعہ کے پاس جاکر شفعہ طلب کیا بلکہ لکھا ہے کہ فورًا مدعی نے کہا کہ ان پنج قطعات کو (اشارہ مدعی نے کیا تھا) میں نے شفعہ لیا اس وقت عبدالرحمٰن خاں بھی موجود تھا اس کی موجودگی میں یہ سب گفتگو ہوئی تو صاف طلب عندالمشتری بتاتا ہے نہ کہ عند المبیع۔ کیا فقط اشارہ اگرچہ دور سے ہو عندیت ہے اس نے تو آگے چل کر اور صاف تر کہا ہے کہ اسمٰعیل خاں نے زیر درخت نیب سڑک پر کھڑے ہوکر طلب شفعہ کیا مکانات متنازعہ متفرق ہیں جہاں طلب شفعہ کیا تھا اس جگہ سے سب مکانات دکھتے تھے مدعی نے کل مکان کی جانب اشارہ کیا تھا اور بالفرض اس بیان سے طلب عندالمبیع بھی ثابت ہو تو کیا طلب عندالمشتری کی اس میں صریح تصریح نہیں پھر بیان مدعی و شاہد میں کیا تخالف ہوا۔ کیا مدعی کے کلام میں کوئی حرف طلب عندالمبیع سے انکار ہے یا طلب عندالمشتری بے طلب عندالمبیع یا دونوں اجتماع مسقط شفعہ ہے یا ذکر اول بے ذکر ثانی مخل دعوی ہے یا عندالمبیع طلب میں حق زیادہ ملتا عندالمشتری طلب میں کم ہوجاتا ہے پھر اسے شہادۃ علی الزیادۃ سے کیا علاقہ، یا عدم ذکر و ذکر عدم میں

فرق نہ کرنے کا منشا کیا ہے۔ شہادت محمد حسن پر جملہ اعتراضات اس کا تمام کلام نہ دیکھنے سے ناشی اس کی صدر عبارت یہ ہے: علی گوہر خاں نے کہا اکبر خاں نے دس حصوں سے ایک حصہ چھ قطعہ مکانات میں سے دولھا خاں کے ہاتھ بیچا ہے اس پر فورًا اسمٰعیل خاں نے کہا ان پنج قطعات مکانات میں سے (مکانات کی جانب اشارہ کیا) جس قیمت کو وہ پڑتے میں آئے میں نے شفعہ میں لیا ایک حصہ کہنے سے ضرور یہ معنی بھی محتمل کہ مجموع مکانات سے صرف ایک حصہ بیع ہوا اب نہیں معلوم کہ وہ حصہ کس مکان کا ہے تو اس خبر پر جو طلب ہوئی طلب مجہول ہوئی اور اب یہ یہاں بیان مدعی و بیان شاہد دیگر سب کے خلاف ہوا، مگر اتفاقًا اس عبارت سے یہ بھی محتمل کہ ہر مکان کے دس حصوں سے ایک ایک حصہ بیع ہو اور وہی مدعی نے طلب کیا ایک ایک میں سے ایک ایک کا حذف کردینا مستبعد نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ"[1] ای بین احد واحد۔	ہم رسولوں میں سے کسی ایک کا فرق نہیں کرتے یعنی اللہ تعالٰی کے رسولوں میں ہر ایک ایک میں فرق نہیں کرتے۔ (ت)

عبارت مظہر صرف اسی قدر ہوتی جب بھی اسے مخالف بیان مدعی و بیان گواہ آخر کہنا ٹھیک نہ تھا غایت یہ کہ بوجہ احتمال ناکافی ہوتی مگر محمد حسن خاں نے صرف اسی قدر بیان نہ کیا بلکہ آگے چل کر مطلب صراحۃً کھول دیا جس سے وہ احتمال اٹھ گیا اور کلام بلاشبہ بیان مدعی و شاہد آخر کے مطابق ہوگیا وہ کہتا ہے سوا ایک ایک سہام مبیعہ کے باقی جملہ مکانات میں سے نو نو سہام اسمٰعیل خان وغلام جعفر خان کے ہیں یہ دعوی اسمٰعیل خاں نے پنج قطعات میں سے ایک ایک سہام مبیعہ کا کیا ہے، ان تصریحات کے بعد اعتراضات ابہام و جہالت و مخالفت مدعی و مخالفت شاہد سب خلاف انصاف ہیں۔ شفعہ میں تفریق صفقہ مضر نہیں جبکہ مدعی کا حق صرف بعض مبیع میں ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

لون کان شفیعا لاحدھما یاخذ التی ھو شفیعھا اتفاقا لان الصفۃ وان اتحدت فقد اشتملت علی ما فیہ الشفعۃ وعلی مالیست فیہ	اگر دو رقبوں میں سے ایک میں شفعہ رکھتا ہو تو بالاتفاق اس رقبہ کو ہی لے سکے گا جس میں اس کو شفعہ کا حق ہے، سودا اگرچہ ایک ہے مگر اس کا ایک حصہ شفعہ والا ہے اور دوسرا حصہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

فحکم بها فیما تثبت فیه اداء لحق العبد کذا فی درر البحار وشرح المجمع [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شفعہ والا نہیں ہے تو جس حصہ میں شفعہ ہے اس میں شفعہ کا حکم کیا جائے گا تاکہ بندے کا حق ادا ہوسکے۔ درر البحار اور شرح المجمع میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵: از ریاست رامپور جولوں والی املی مسئولہ سید محمد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹران اسپ دربریلی غرہ شعبان ۱۳۳۰ھ

علمائے کرام سے سوال ہے کہ جو اقرار نسبت بیع کسی شے کے محکمہ رجسٹری میں روبرو ایسے رجسٹرار کے جو فقیہ متقی اور قاضی شہر بھی ہو بمعہ گواہان حسب قاعدہ کرکے تصدیق کرادے، اس کے خلاف بعد اس کے انتقال کے اس کے ورثہ شرعًا یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ وہ اقرار غیر صحیح اور فرضی تھا یا نہیں، اور ان کا یہ قول شرعًا معتبر ہوگا یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ان کا قول معتبر نہیں بلکہ مشتری کہ بیع فرضی ہونے کا منکر ہے اس کا قول معتبر ہے، وارثان بائع کو گواہان شرعی عادل ثقہ سے ثبوت دینا ہوگا کہ بیع فرضی تھی اگر ثبوت دے دیں فبہا ورنہ مشتری سے حلف چاہیں تو اس سے قسم لی جائے اگر وہ قسم کھالے کہ بیع فرضی نہ تھی تو ورثاء کا دعوٰی فرضیت رد کردیا جائیگا اور بیع ثابت رہے گی، اور اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کردے تو بیع فرضی ثابت ہوگی اور مشتری کو مبیع پر دعوٰی نہ رہے گا۔ جامع الفصولین وطحطاوی وردالمحتار میں ہے:

اقرومات فقال ورثته انه اقر تلجئة حلف المقرله باللہ لقد اقرلك اقرارا صحیحا [2]۔	اقرار کرکے فوت ہوگیا تو اس کے وارثوں نے کہا کہ میت کا یہ اقرار فرضی تھا اس صورت میں مقرلہ یعنی جس کے حق میں اقرار ہے سے قاضی حلف لے کہ کیا تیرے حق میں اسکا اقرار صحیح تھا۔ (ت)

پھر ورثاء بائع اگر صرف اس مضمون کی گواہی دیں کہ قبل بیع بائع و مشتری میں قرارداد ہولیا تھا کہ ہم فرضی

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۷

[2] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۸

بیع کرینگے تو یہ شہادت کافی نہیں کہ ممکن کہ اس قرار داد کے بعد پھر بیع قطعی پر راضی ہولئے ہوں، تو جب تک بعد بیع فریقین متفق نہ ہوں کہ بیع اسی قرار داد فرضی پر ہوئی صرف ایک فریق کے کہنے سے فرضی نہ مانی جائے گی۔ یونہی اگر یہ گواہی دیں کہ بعد بیع بائع نے کہا تھا کہ میں نے بیع فرضی کی تو یہ بھی کافی نہیں کہ خود بائع اگر موجود ہوتا اور یہ ادعا کرتا مسموع نہ ہوتا جب کہ مشتری اسے تسلیم نہ کرتا خصوصًا جب کہ پیش از بیع قرار داد فرضی کا ثبوت نہیں، ہاں اگر بعد بیع مشتری کے اقرار فرضیت کو گواہان ثقہ عادل سے ثابت کریں تو مشتری پر حجت ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لو ادعی احدھما بیع التلجئة وانکر الأخر فالقول لمدعی الجد بیمینه ولو برھن احدھما قبل ولو برھن فالتلجئة[1]،	اگر ایک نے فرضی بیع کا دعوی کیا اور دوسرے نے فرض ہونے کا انکار کیا تو صحیح بیع کہنے والے کی بات اس سے قسم لے کر تسلیم کی جائے گی، اور اگر دونوں میں سے ایک نے گواہی پیش کی تو قبول ہوگی اور اگر دونوں نے گواہی پیش کی تو پھر فرض کہنے والے کی گواہی معتبر ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لو برھن احدھما الاظھر قول الخانیة لو برھن مدعی التلجئة قبل لان مدعی الجد لایحتاج الی برھان لان البرھان یثبت خلاف الظاہر[2]۔	اس کا قول کہ "اگر ایک گواہی پیش کرے تو قبول ہوگی" کا مطلب بقول خانیہ اظہر یہ ہے کہ وہ گواہی والا فرضی بیع کا مدعی ہو تو قبول ہوگی کیونکہ صحیح بیع کے مدعی کو دلیل کی ضرورت نہیں اس لئے کہ دلیل سے خلاف ظاہر کو ثابت کیا جاتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی المنار فان تواضعا علی الھزل باصل البیع واتفقا علی بناء العقد علی المواضعة یفسد	منار میں ہے کہ دونوں فریق اصل بیع کے فرضی ہونے پر متفق ہوئے اور دونوں سودے کے وقت بھی اسی فرض ہونے پر متفق رہے تو بیع

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

البیع فلا یملك بالقبض وان اتفقا علی الاعراض بان قالا بعد البیع اعرضنا وقت البیع عن الھزل الی الجد فالبیع صحیح والھزل باطل وان اختلف فی البناء علی المواضعة والاعراض عنھا فالعقد صحیح عندہ خلافا لھما فجعل صحة الایجاب اولٰی لانھا الاصل وھما اعتبر المواضعة الاان یوجد ماینا قضھا کما اذا اتفقا علی البناء [1] انتھی مختصرا۔اقول:ولا یذھب عنك ان قولھما فی ماعلم تقدم تواضعھما علی الھزل فالمواضعة الثابتة باتفاقھما لاتزول بادعاء احدھما الاعراض عندھما وھو الذی رجحه المحقق فی التحریر بخلاف مااذا عقدا عقدا ثم ادعی احدھما المواضعة فلا تقبل اتفاقا مالم یبرھن لانه یسعی فی نقض ماتم من جھته [2] اھ من حاشیتنا علی ردالمحتار۔	فاسد ہوگی اور قبضہ کے باوجود مالک نہ ہوں گے اور اگر انہوں نے اپنے طے شدہ سے اعراض کرتے ہوئے سودے کے صحیح بیع کا ارادہ کرلیا اور دونوں نے بیع کے بعد کہا کہ ہم نے سودے کے وقت طے شدہ فرضی کے بجائے قطعی بیع کرلی تھی تو بیع صحیح ہوگی اور فرض و مذاق باطل قرار پائیگا، اور اگر اس معاملہ میں اختلاف ہوجائے کہ طے شدہ کی بجائے صحیح اور قطعی بیع کا ارادہ کیا تھا یا نہیں تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بیع صحیح قرار دی جائے گی، صاحبین کا اس میں خلاف ہے، امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیع کی صحت کو ترجیح دی کیونکہ بیع میں اصل صحت ہے، او رصاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے دونوں کے طے کردہ کو اس وقت تک معتبر قرار دیا جب تک اس کا منا قض نہ پایا جائے جس طرح کہ طے کردہ پر بنا کرنا پایا گیا ہے اھ مختصراً، میں کہتا ہوں یہ بات پیش نظر رہے کہ صاحبین رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک دونوں کا باتفاق طے کردہ فرضی منصوبہ ایک فریق کے اعراض سے ختم نہ ہوگا کیونکہ وہ دونوں کا طے کردہ ہے، اسی کو محقق صاحب نے تحریر میں ترجیح دی ہے اس کے برخلاف وہ صورت کہ دونوں نے مطلق سودا کرلیا، پھر ایک یہ کہے کہ ہم نے فرضی طے کیا تھا تو اسکی بات بالاتفاق قبول نہ کی جائیگی کیونکہ وہ اپنی تام کی ہوئی بیع کو ختم کرنا چاہتا ہے الایہ کہ وہ اس پر گواہ پیش کرکے اس کو ثابت کردے۔ ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ کی عبارت ختم ہوئی۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

[2] جدالممتار علی ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف

درمختار میں ہے:

اقر بمال فی صك واشهد علیه به ثم ادعی ان بعض هذا المال ربا علیه فان اقام علی ذٰلك بینة تقبل، وان کان متناقضا لانا نعلم انه مضطر الی هذا الاقرار شرح وهبانیة وحرر شارحها الشرنبلالی انه لایفتی بهذا الفرع لانه لا عذر لمن اقر، غایته ان یقال بانه یحلف المقر له علی قول ابی یوسف المختار للفتوی فی هذه ونحوها[1] اھ قلت وبه جزم المصنف۔	ایک شخص نے رسید میں درج مال کا اقرار کیا اور اس پر گواہی پائی گئی پھر اقرار کرنیوالے نے دعوی کردیا کہ اس میں سے کچھ مال مجھ پر سود ہے اگر اس نے اس دعوی پر گواہ پیش کردئے تو یہ شہادت قبول کی جائیگی اگرچہ یہ دعوی اس کے اقرار سے مناقض ہے کیونکہ ہمیں واضح طور پر معلوم ہے کہ اس کو اس اقرار کے بغیر چارہ نہیں تھا شرح وہبانیہ میں جس کو اس کے شارح شرنبلالی نے تحریر کیا ہے کہ اس پر فتوٰی نہ دیا جائے کیونکہ اقرار کرنے والے کو کوئی عذر نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہ جس کے حق میں اس نے اقرار کیا ہے اس سے قسم لی جائے امام ابویوسف کے قول پر جو کہ اس جیسے مسئلہ میں فتوی کے لئے مختار ہے۔ **میں کہتا ہوں** اسی پر مصنف نے جزم فرمایا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں نورالعین سے ہے:

فی دعوی التلجئة یدعی الوارث علی المقرله فعلاله وهو تواضعه مع المقر فی السر فلذا یحلف[2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	فرضی بیع کے دعوی میں مقرلہ کے خلاف وارثوں کا دعوی ہو جاتا ہے کہ اس نے اقرار کرنیوالے سے خفیہ سمجھوتہ کیا ہے اس لئے اس سے قسم لی جائیگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۶ تا ۱۴۹: ازریاست رامپور مرسلہ سید صاحب موصوف غرہ شعبان ۱۳۳۰ھ

استفتاء بخدمت فضائل منزلت اعلیحضرت مولانا المولوی حافظ حاجی احمد رضاخاں صاحب عم فیضہم!

ہندہ نے بنام سعید النساء وغیرہ پانچ کس ورثاء زید دخلیابی مکان کو یوں دعوی کیا کہ ہندہ نے

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۸

مکان متنازعہ زید سے خرید اہے زید فوت ہوگیا ہے ورثاء زید مکان پر قابض ہیں، دخل دلایا جائے، مدعا علیہم کو بیعنامہ مکان مذکور کا تصدیق کرادینا تسلیم ہے مگر کہتے ہیں کہ بیع فرضی ہوئی تھی، زید نے سعید النساء اپنی زوجہ کے دین مہر اور نان نفقہ کے خوف سے بیعنامہ فرضی کردیا تھا زرثمن کا دادوستد نہیں ہوا نہ مدعیہ کا قبضہ مکان متنازعہ پر ہوا، مدعیہ کی جانب سے پانچ مرد اور چار عورتوں نے قطعیت بیع اور زرثمن ادا کرنے کی بابت شہادت دی ہے، مگر عدالت نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ صرف دو گواہ مدعیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت خلاف قیاس ہے اور مستور ہونے کے سبب ناقابل التفات خلاف قیاس ہونے کی اور بھی وجوہ لکھی ہیں جو نقل فیصلہ میں مذکور ہیں یہ نقل فیصلہ ملاحظہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے اب سوال یہ ہے:

(۱) بیع فرضی ہونے کے لئے شرعاً کچھ شرائط ہیں، محض اس قدر شہادت دلوادینے سے کہ عاقدین نے بیع کے بعد اقرار فرضی ہونے کا کیا تھا بیع فرضی ثابت ہوجائیگی، جن جن گواہوں نے یہ شہادت دی ہے ان کو عدالت نے خود مستور الحال لکھا ہے لیکن بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جن کو اپنی سزایابی سابقہ اور بالفعل اپنی داڑھی منڈوانا تسلیم ہے۔

(۲) جو وجوہ شہادت مدعیہ کی نسبت عدالت نے خلاف قیاس ہونے کے لکھے ہیں کیا وہ شرعاً ایسے ہیں جن سے شہادت ناقابل تسلیم ہوجائے۔

(۳) کیا قاضی کا یہ فعل اس کے فیصلہ پر مؤثر ہوگا کہ بجائے چھ مرد اور چار عورتوں کے صرف دو کا پیش ہونا اپنے فیصلہ میں ظاہر کرے حالانکہ مسل میں سب کے بیان موجود ہیں۔

(۴) کیا ایسا فیصلہ حاکم مرافعہ کی عدالت میں شرعاً قابل بحالی ہوسکتا ہے؟

نقل فیصلہ اور نقول بیانات گواہان فریقین عدالت سے باقاعدہ حاصل کرکے پیش کئے جاتے ہیں جواب مرحمت ہو۔ **والاجر عند اللہ۔**

الجواب:

جواب سوال اول

فیصلہ واظہارات فریقین تمام وکمال ملاحظہ ہوئے تنقیحات فقہیہ کے اعتبار سے تو یہاں بہت کہنا ہے مگر بتوفیقہ تعالٰی چند مختصر افادات پر اقتصار کریں کہ بعونہ تعالٰی اظہار صواب وایضاح جواب کے لئے اسی قدر بس ہے۔

(۱) اس مقدمہ میں فریقین کو اتفاق ہے کہ زید یعنی سید صادق شاہ نے مکان متنازع فیہ کا

بیع نامہ اپنی بھاوج ہندہ یعنی فاطمہ بیگم کے نام کیا اور اس کی رجسٹری کرادی، حاکم شہر قاضی مفتی فقیہ متقی نے اسکی تصدیق فرمائی اختلاف جدوہزل میں ہے یعنی آیا یہ بیع صحیح قطعی تھی یا محض نمائش فرضی، سعیدہ بیگم زوجہ وغیرہا پانچ کس ورثائے سید صادق شاہ فرضی بتاتے ہیں اور فاطمہ بیگم مشتریہ قطعیہ اس صورت میں شرعًا سعیدہ بیگم وغیرہا مدعی ہیں کہ ایک امر ظاہر الثبوت کامٹانا چاہتے ہیں اور فاطمہ بیگم مدعا علیہا کہ اس کا بیان موافق ظاہر ہے لہٰذا بار ثبوت سعیدہ بیگم وغیرہا پر ہے فاطمہ کو اصلًا کسی گواہ کی حاجت نہیں اس کا صرف زبانی بیان قسم کے ساتھ معتبر ہے۔ درمختار میں ہے:

لو ادعی احدھما بیع التلجئة وانکر الاخر فالقول لمدعی الجد بیمینه [1]۔	ایک فریق کا دعوی ہے کہ بیع فرضی ہے دوسرا منکر ہے تو صحیح بیع کے مدعی کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مدعی الجد لایحتاج الی البرھان لان البرھان یثبت خلاف الظاہر [2]۔	قطعی ہونے کی مدعی کو دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ دلیل خلاف ظاہر کو ثابت کرتی ہے۔ (ت)

تو فاطمہ بیگم پر بار ثبوت رکھنا اور اس کے گواہوں سے بحث اور ان پر اعتراض سب بلاوجہ وبیکار وخلاف ضابطہ فقہیہ ہے۔

(۲) ورثائے صادق شاہ کو بیع فرضی ثابت کرنے کے لئے صرف دو گواہ ثقہ متقی عادل شرعی اس مضمون کے دینا کافی کہ بعد بیع نامہ فاطمہ بیگم نے ہمارے سامنے اقرار کیا کہ یہ بیع میرے نام فرضی ہوئی ہے، اس کے سوانہ اور کچھ شرائط درکار، نہ اور کسی بیان سے ان کو نفع۔

اب ہم گواہان ورثہ پر نظر کرتے ہیں ان کی طرف سے بانکے میاں، چھٹن میاں، سید مجیب شاہ، حاجی محمد رضاخاں، شاہنواز خاں، نیاز احمد خاں، محمد یوسف خاں، بناخاں، سید محمد شاہ نو مرد اور صغری وعجوبہ دو عورتیں، جملہ گیارہ گواہ پیش ہوئے، ان میں یوسف خاں کا بیان تو اتنا ہے کہ یہ مکان میاں صادق شاہ کا تھا وہ اس میں مرتے دم تک رہے، پچھلے فقرہ سے اگر ثابت ہے

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

تو اتنا کہ فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا، پھر بیع کے لئے قبضہ کیا ضرور، بیع ہبہ نہیں کہ بے قبضہ تمام نہ ہو، اور پہلے فقرہ سے فاطمہ بیگم کو بھی انکار نہیں جب وہ صادق شاہ سے خریدنا بتاتی ہے تو خود مقر ہے کہ مکان صادق شاہ کا تھا پھر اس سے کیا ثابت ہوا، اس گواہ نے یہ بھی کہا ہے کہ سننے میں آیا کہ انہوں نے بھاوج کے نام مکان کردیا یہ اگر سماع نہ ہوتا تو فاطمہ بیگم کا کچھ مؤید ہوتا، مشہود لہم یعنی ورثہ کو اس سے کچھ فائدہ نہیں، بناخاں اور سید محمد شاہ کی گواہیاں یہ ہیں کہ مکان متنازعہ میاں صادق شاہ کا ہے یہ صریح غلط و باطل ہے، سید صادق شاہ کا انتقال ہوگیا اور میت کسی شے کا مالک نہیں تو اب مکان ان کا کسی طرح نہیں، غرض "ہے" کہنا تو یوں باطل ہے اور "تھا" کہنے سے دم مرگ تک ان کی ملک رہنا ثابت نہیں کہ انتقال بیع کا منافی ہو، لہٰذا یہ تینوں شہادتیں محض مہمل ہیں بلکہ بالفرض اگر ان کے بیان یوں ہوتے کہ یہ مکان سید صادق شاہ کا تھا دم مرگ تک وہی اس کے مالک رہے اور وقت انتقال اسے اپنے وارثوں کے لئے میراث چھوڑا جب بھی مفید نہ ہوتے کہ اس شہادت کا مبنی استصحاب ہوتا یعنی ان کی ملک معلوم تھی اور انتقال تک بیع پر علم نہ ہوا لہٰذا اپنے علم کی بناپر تا دم مرگ ان کی ملک کہا مشتریہ نے جب کہ بیع تامہ مصدقہ و مسلمہ فریقین سے انتقال ثابت کردیا وہ گواہیاں بے سود ہوگئیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

ادعی دارا انی اشتریتہ من ابیك و برھن ذوالید انہ ملك ابیہ الی یوم موتہ و مات و ترکہ میراثا لاتقبل بینتہ لانھم شھدوا باستصحاب الحال والمدعی اثبت الزوال[1]۔	ایک شخص نے یہ دعوی کیا کہ یہ مکان میں نے تیرے والد سے خریدا ہے اور قابض نے گواہ پیش کردئے کہ یہ مکان میرے والد کی موت تک اس کی ملک رہا ہے اور اس نے اپنی موت پر اس کو بطور میراث چھوڑا ہے تو قابض کی طرف سے یہ گواہی قبول نہ کی جائے گی کیونکہ گواہوں کی یہ شہادت استصحاب حال کی بناپر ہے جبکہ مدعی اس سابقہ ملکیت کے زوال کو ثابت کررہا ہے۔ (ت)

نیاز احمد خاں فقط اتنا کہتا ہے اور وہ بھی اہل محلّہ سے سنا ہوا کہ صادق شاہ اور ان کی بی بی میں نااتفاقی تھی پھر اس سے کیا ہوا۔ حاجی محمد رضا خاں بھی نااتفاقی کا گواہ ہے اور یہ کہ جب بی بی کا نان نفقہ مقرر ہوا صادق شاہ نے نوکری چھوڑ دی پھر اس سے بیع کیونکر فرض ہوگئی دنیا میں لاکھوں

---
[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰

آدمی اپنی عورتوں سے ناراض ہوتے ہیں کیا اس سے ان کے تمام انتقالات فرضی ٹھہر جاتے ہیں۔ یہ پانچوں فیصلہ میں اصلاً قابل ذکر بھی نہ تھیں ہاں مذکور ہوتیں تو اس طرح کہ فلاں فلاں اظہار محض مہمل وبیکار ہیں۔

(۳) شاہنواز خاں نے بیعنامہ فرضی ہونے کی گواہی دی مگر اس طرح کہ مظہر سے صادق شاہ نے خود اقرار فرضی ہونے کا کیا تھا، اس سے ہرگز فرضی ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ تو اقرار بائع کا گواہ ہے، اگر خود صادق شاہ بعد تحریر وتصدیق بیعنامہ دعوٰی کرتا کہ میں نے تو محض فرضی بیع نامہ کردیا ہے کیا قابل سماعت ہوتا، ورنہ ہر شخص بیع کرکے پھر جائے اور اس کے فرضی کہہ دینے سے بیع فرضی ٹھہر جائے یہاں اقرار مشتری کا درکار تھا بائع کا اقرار اقرار نہیں بلکہ دعوٰی ہے کہ بے گواہان ہرگز مقبول نہیں بلکہ اکثر صورتوں میں اس کے گواہ بھی مسموع نہیں کہ بیع کرکے فرضیت کا ادعا تناقض ہے اور تناقض والے کا دعوٰی سنا نہیں جاتا۔ درمختار میں ہے: **لاعذر لمن اقر**[1] (اقرار کرنے والے کا عذر معتبر نہیں۔ت) اشباہ وغیرہ میں ہے:

من سعی فی نقض ماتم من جھتہ فسعیہ مردود علیہ[2]۔	جو شخص ایسی کارروائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے جو اس کی طرف سے تام ہوئی ہے تو اس کی یہ کوشش مردود ہوگی۔(ت)

لہٰذا یہ شہادت بھی ساقط محض ہے۔

(۴) اب رہے تین مرد اور دو عورتیں جن کے بیان میں فاطمہ بیگم کی طرف سے فرضی کا لفظ آیا ہے اگرچہ محض بے علاقہ اس کا حال یہ ہے کہ ان میں عورتوں کی گواہی تو صرف ہوا پر ہے جسے انہوں نے محل تنازع سے اصلاً متعلق نہ کیا، پہلے اتنا تو کہا کہ یہ مکان صادق شاہ کا ہے اس کا حال اوپر سن چکے کہ یہ شہادت باطلہ بلکہ کاذبہ ہے اور قرینہ کی ہوتی جب بھی نامسموع تھی، آگے چل کر انہوں نے میاں بی بی اور ساس داماد کا جھگڑا بیان کرکے صرف اتنا کہا کہ صادق شاہ نے آکر فرضی کاغذ اپنی بھاوج فاطمہ بیگم کے نام کردیا، کس چیز کا کاغذ کردیا، کیا کاغذ کردیا، مکان یا دکان یا کچھ اسباب، یا کیا، فرضی بیع کردیا یا ہبہ یا رہن یا اجارہ یا کیا، اس کا کچھ پتا نہیں، پھر کہتی ہیں ہم نے فاطمہ بیگم سے پوچھا تو اس نے کہا کہ

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۷۰

بوجہ اپنی بی بی کے ہمارے نام فرضی بیعنامہ کر دیا ہے بیچا نہیں ہے یہاں سوال دوم کا جواب تو کھلا ہے کہ ہبہ رہن اجارہ نہیں بلکہ بیعنامہ کیا مگر سوال اول کا جواب اب بھی محض غائب، کچھ نہ کہا کہ مکان کا بیعنامہ کیا ہے یا دکان کا یا اسباب یا کاہے کا، ایسی گول ناصاف، مجمل، مہمل باتیں گواہی میں سن لینا کس شریعت کا حکم ہے حاشا وکلا۔ اس کے جواب میں اگر فاطمہ بیگم کہے کہ صغیری و عجوبہ سچ کہتی ہیں صادق شاہ نے ایک گھوڑے کا بیعنامہ فرضی میرے نام کر دیا تھا بیچا نہ تھا میں عورت ذات گھوڑا لے کر کیا کرتی میں نے اس بیعنامہ کا ان سے ذکر کیا تھا، تو یہ گواہ یا انہیں پیش کرنے والے ورثاء یا انہیں قبول فرمانے والے اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔

(۵) اب باقی مردوں کی سنئے ان میں چھٹن میاں علاوہ اور وجوہ کے خود کہتا ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے جب سے داڑھی منڈاتا ہوں کبھی کھونٹی بھی آنے ہی نہیں دی تو باقرار خود فاسق معلن بلکہ فسق بالاعلان پر مصر ہے ایسے شخص کی گواہی اگر ایک کوڑی کے معاملہ پر ہو مردود ہے پھر اس کا بیان بھی ساختہ ہونے کا شبہہ دلاتا ہے جیسا کہ ملاحظہ ظاہر سے واضح ہے۔

(۶) رہ گئے بانکے میاں اور سید مجیب شاہ، ان دونوں نے اگرچہ بیعنامہ مکان فرضی ہونے نسبت فاطمہ بیگم کا اقرار بیان کیا مگر اول سے آخر تک سارے اظہار میں کچھ پتہ نہیں کہ کس کا گھر یہاں تک کہ مکان متنازعہ کا بھی کہیں لفظ نہیں، ہاں بانکے میاں نے اتنا کہا ہے کہ نشاندہی محلّہ پر کرادونگا اور سید مجیب شاہ نے یہ کہ مکان بنادوں گا، دونوں نے بتایا یا نہیں، اور بتایا تو کیا بتایا، کیا لفظ کہے، وہ کہاں تک کافی تھے پھر ان دونوں گواہوں کو بھی ذی علم مجوز نے مستور لکھا ہے اور وہ فاسق معلن مصر کو بھی مستور لکھتے ہیں معلوم نہیں کہ یہ مستور کس معنی پر ہیں اگر ویسے ہی مستور ہوئے جب تو ظاہر ہے اور اگر حقیقۃً مستور الحال ہوئے تو مستور کی گواہی بھی مردود ہے مگر یہ کہ دلائل واضحہ سے اس کے صدق پر غلبہ ظن حاصل ہو اور یہاں انکے صدق پر کوئی دلیل مفید ظن بھی نہیں غلبہ ظن تو بڑی چیز ہے تجویز میں ان پر اعتماد کرنا تھا تو واجب ہوتا کہ ان کے صدق کے غلبہ ظن پر واضح دلائل قائم فرماتے مگر کوئی دلیل نہ دی محض ان کے بیان کا حوالہ دیا کہ ان کی شہادتوں سے فرضی ہونا بخوبی ثابت ہے یہ ہرگز قابل قبول نہیں بلکہ دلائل صدق درکنار ذی علم مجوز نے جو دلائل رد گواہان فاطمہ بیگم کے لئے تحریر فرمائے بعینہا ان گواہوں میں جاری ہیں، جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا تو غایت یہ کہ دونوں شقیں محتمل ہو کر صدق وکذب مساوی رہے اور اس صورت میں شہادت مستورین ہرگز مقبول نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

فان لم یغلب علی ظن القاضی صدقہ بان	اگر قاضی کو اس کی سچائی کا ظن غالب نہ ہو بلکہ اس کے

غلب کذب عنه او تساویا فلا یقبلها ای لایصح قبولها اصلا[1]۔	کذب کا ظن ہو یا دونوں پہلو مساوی جانتا ہو تو اس کی شہادت کو قبول نہ کرے یعنی اس کا قبول کرنا ہر گز صحیح نہیں ہے۔(ت)

لاجرم ظاہر ہوا کہ ورثائے بائع بیع فرضی ثابت نہ کرسکے اور اس مقدمہ میں صرف اتنا ہی دیکھنا تھا اس کے علاوہ باقی سب بحثیں زائد و دور از کار ہیں۔

جواب سوال دوم

(۱) ہم اوپر ثابت کر آئے فاطمہ بیگم اس مقدمہ میں اصلاً محتاج گواہان نہیں، نہ اس کے گواہوں سے بحث کی حاجت خلاف قیاس درکنار اگر ان کی گواہیاں بدیہی البطلان ہوتیں مثلاً کہتے سو برس ہوئے یہ بیع ہوگئی یا کل ہوئی تھی جب بھی فاطمہ بیگم کو اس سے نقصان نہ تھا کہ اس کا دعوی بیعنامہ مصدقہ مسلمہ فریقین سے آپ ہی ثابت ہے۔

(۲) ذی علم مجوز نے ان کی شہادتیں قابل لحاظ نہ ہونے کی چھ وجہیں ذکر فرمائیں:

(۱) وہ مستور الحال ہیں

(۲) کل زرِ ثمن ایک مفلس کو قبل تحریر و تصدیق بیعنامہ گھر میں بیٹھ کر دیا گیا۔

(۳) مقر نے دستاویز اپنے نام چھڑائی۔

(۴) وصول ثمن کا اقرار کیا رجسٹرار کے سامنے نہ دیا گیا۔

(۵) فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا۔

(٦) مکان دونی قیمت کو بیچنا لکھا۔

ان میں کوئی وجہ بھی ایسی نہیں جس سے شہادتیں قابل لحاظ نہ ہوں یا حسب بیان فیصلہ بطلان دعوی مدعیہ بتائیں وجہ اول تو خود کوئی چیز نہیں، مستور الحال کی گواہی مطلقاً مردود ہے یا جب خلاف قیاس ہو بر تقدیر اول سعیدہ بیگم وغیرہ کے گواہوں کو بھی فیصلہ میں مستور فرمایا ہے ان کی گواہی کیوں نہ مردود ہوئی، اور بر تقدیر ثانی اس کے لئے وہ وجوہ درکار ہیں جس سے شہادت کا خلاف قیاس ہونا ثابت ہو تو وجوہ آئندہ پر مدار کار رہا اور وجہ اول نے کچھ فائدہ نہ دیا، ہاں یہ کہ وہ ان کی متہم یعنی عادل کی گواہی اگرچہ خلاف قیاس ہو مقبول ہے نہ مستور کی تو مدار اسی خلاف قیاس ہونے کے ثبوت پر رہا اور وہ

---

[1] ردالمحتار

ثابت نہیں۔

(۳) وجہ ششم اگر قرینہ ہے تو ثمن مقدار واقعی سے زیادہ لکھنے کانہ اس کا کہ اصل بیع ہی فرضی ہے، زوجہ کے خوف سے بیع فرضی کرنے کو قیمت بڑھا کر لکھنا کیا ضرور تھا کیا اگر سو کا مال سو کو بیچنا لکھتا تو اس کا مقصود حاصل نہ ہوتا، ہاں اگر کسی شفیع کا خوف ہوتا تو اس کے سبب زیادہ قیمت لکھی جاتی ایسا زیادہ لکھنا رات دن حقیقی قطعی بیعوں میں ہوتا رہتا ہے تو یہ فرضیت بیع کا کیا قرینہ ہوئی۔

(۴) وجہ دوم عجیب ہے زر ثمن گواہوں کو بلا کر ان کے سامنے دیا جانا بیان ہوا ہے نہ کہ تنہائی میں، پھر اس سے کیا شبہہ پڑ سکتا ہے ان کو بناوٹ منظور ہوتی تو رجسٹرار کے سامنے دیتا اور زیادہ ان کے مقصود کا مؤید ہوتا نہ کہ گھر میں بیٹھ کر دینا، بیع فرضی والے چالاک اکثر یہی طریقہ پسند کرتے ہیں کہ رجسٹری میں دیا اور گھر جا کر واپس لے لیا۔

(۵) وجہ چہارم بھی اسی دوم پر مبنی ہے جب روپیہ گواہوں کے سامنے پہلے مل چکا تو رجسٹرار کے سامنے اقرار کے سوا کیا ہوتا، نمائشی بناوٹ چاہتے تو رجسٹرار کے سامنے ہی دینے میں زیادہ تھی نہ کہ گھر میں۔ نمائش والا وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں اعلان زیادہ ہو یا وہ جس میں کم ہو۔

(۶) وجہ سوم کی نسبت گزارش کہ دستاویز فاطمہ بیگم نے پیش کی ہے تو صادق شاہ نے چھڑا کو ضرور اسے سپرد کردی پھر اپنے نام چھڑانے نے فرضیت کا کیا ثبوت دیا، بلکہ انصافاً واقعیت کا پتہ دیا کہ فرضی نمائشی کارروائی تو رجسٹری تک ختم ہوگئی تھی اگر واقع میں بیع نہ ہوئی تھی تو دستاویز خود اپنے نام چھڑا کر فاطمہ بیگم کو دینے کی کیا حاجت تھی، فاطمہ بیگم ایک پردہ نشین شریف زادی بیوہ اور صادق شاہ کی بھاوج ہے بھائیوں میں اتحاد کی حالت میں ان کی زندگی میں ان کی زوجات کے ایسے کام جیٹھ دیور کردیا کرتے ہیں نہ کہ بعد بیوگی۔

(۷) وجہ پنجم اجنبی اشخاص میں کچھ شبہہ ڈالتی باہم اتحاد کی حالت میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ زید کو روپیہ درکار ہے بیع ہوگئی تصدیق وغیرہ سے تکمیل ہوگئی اطمینان کافی ہولیا بائع کو مکان کی حاجت ہے مشتری اور مکان میں رہتا ہے تبرعاً خالی نہ کرایا پھر بیع و موت بائع میں ایسا کوئی طویل فاصلہ بھی نہیں، قبضہ لینا چاہا، اس نے فکر مکان میں آج کل کیا اتنے میں وہ بیمار ہوگیا انتقال کرگیا، اس میں پانچ چھ مہینے گزر جانا کیا دور از قیاس ہے جس کی بناء پر شہادت باطل کردی جائے اور بیعنامہ مصدقہ مسلمہ فریقین غلط قرار پائے۔

(۸) اب ہم ایک تقریر جامع بیان کرتے ہیں کہ سب وجوہ کو شامل ہو۔ وجہ ششم کو تو معلوم کرچکے کہ وہ وجوہ فرضیت میں نام لئے جانے کے بھی قابل نہیں، اور وجہ اول نہ خود وجہ ہے نہ گواہان فاطمہ بیگم کے ساتھ

خاص بلکہ وہی علت مستوری گواہان سعیدہ بیگم میں بھی موجود۔ بیچ کی چار وجہیں۔ نہیں بلکہ تین ہی کہ چہارم خود دوم پر مبنی ہے اب وجہ شبہہ اتنی رہی کہ روپیہ گھر میں بیٹھ کر دیا او دستاویز مقر کے نام واگزاشت ہوئی اور مشتریہ نے قبضہ نہ لیا ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں عاقدین میں باہم ایسا اتحاد مانئے گا کہ ایک کو دوسرے پر کافی اطمینان ہے یا اجنبیت کہ ایک دوسرے پر مطمئن نہیں۔ شق ثانی خود گواہان سعیدہ بیگم وخود فیصلہ مجوز سے صریح البطلان ہے جب یہ ٹھہراتے ہو کہ واقع میں نہ بیع تھی نہ ثمن ملا، یونہی فرضی بیعنامہ اس کے نام لکھ دیا اس پر گواہیاں کرادیں اسے رجسٹری کراکر پکا کردیا رجسٹرار کے سامنے روپیہ ملنے کا اقرار کردیا ہر طرح بائع نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تو کیا یہ معاملہ بے اطمینان اجنبی کے ساتھ ہوسکتا ہے حاشا بلکہ اعلٰی درجہ کا باہم اطمینان واتحاد چاہئے اور جب اس نہایت درجہ کا ان میں اتحاد مجوز و گواہان سعیدہ وسعیدہ وغیرہ سب کو خود مسلم ہے تو گھر میں بیٹھ کر روپیہ دینا یا دستاویز مقر کو ملنا یا مشتریہ کا قبضہ نہ لینا اس اعلی اتحاد کی حالت میں کیا بعید از قیاس ہے۔ بالجملہ اتحاد ہو تو یہ کچھ بھی بعید از قیاس نہیں، اور بے اطمینانی ہو تو ایسے کے ہاتھ فرضی بیع کرکے رجسٹری کرادینا اور وصول ثمن کہہ دینا اور بھی زیادہ بعید از قیاس ہے اور اس کے گواہ بھی مستور ہی ہیں تو ان وجوہ سے انہیں کیوں نہیں رد کیا جاتا۔

جواب سوال سوم

نظر ظاہر میں یہ اعتراض ہوسکتا کہ فیصلہ میں سعیدہ بیگم وغیرہا کے سب گواہوں کے بیان کا خلاصہ فرمایا گیا یہاں تک کہ وہ بھی جو محض بے علاقہ تھے اور فاطمہ بیگم کے اتنے گواہوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا بلکہ صراحۃً تحریر فرمادیا کہ مدعیہ کی جانب سے صرف دو گواہ پیش ہوئے ہیں مگر نظر دقیق میں اس کی توجیہ قریب ممکن ہے، فاطمہ بی بی کی طرف سے دس گواہ پیش ہوئے چھ مرد ضامن شاہ غلام ناصر خاں قاسم خاں، محمد علی خاں، احمد شاہ خاں، عنبر شاہ خاں، اور چار عورتیں، اشرف بیگم، نازنین بیگم، آبادی انتظام بیگم۔ ان میں قاسم خاں تو محض اپنی ناواقفی بیان کرتا ہے او کچھ شہادت نہ دی محمد علی خاں نے لوگوں کی زبانی سننا بتایا اور وہ بھی یوں کہ پہلے کہا بہن کے ہاتھ بیچ ڈالا، پھر کہا بیگم کے ہاتھ۔ احمد شاہ خاں کا اتنا بیان ہے کہ بھاوج کے نام بیعنامہ لکھ دیا اس سے کسے انکار ہے، یونہی عنبر شاہ خاں نے بائع کی زبانی سننا بیان کیا کہ میں نے یہ مکان بیگم سیدانی کے ہاتھ دوسوروپے کو بیچ ڈالا جس نے بیعنامہ رجسٹری کرادیا اس نے اگر اس گواہ کے سامنے اتنا کہا تو اس سے بیع کی قطعیت نہیں سمجھی جاتی، لہٰذا چاروں گواہ بیکار تھے صرف دو مرد اور چار عورتیں باقی رہیں ان کی گواہی ضرور عام مروج طور پر مفید فاطمہ بیگم واقع ہوئی ہے، ذی علم مجوز کی رائے میں دونوں مردوں کی گواہی مخدوش تھی تو باقی سب عورتیں رہ جائیں گی اور تنہا عورت کی شہادت مقبول

نہیں، لہٰذا ان کے ذکر کی حاجت نہ جانی اور صرف دو کے بیان پر اقتصار فرمایا ایسی کمی سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

جواب سوال چہارم

فیصلہ قابل منسوخی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لطافت حسین نے شمس النساء سے ایک لاکھ اسی ہزار ٹکے کا دینار سرخ پر جس کے سکہ وقت سے پانچ ہزار چھ سو بیس روپے ہوتے ہیں نکاح کیا، ۲۳ سال کے بعد اپنی ہمشیرہ مصاحب جان کے پاس ایک جزو مکان رہن رکھ کر دوہزار دو سو اکتالیس روپے قرض لئے اور رہن نامہ میں لکھا کہ مکان اپنے قبضہ سے نکال کر قبضہ مرتہنہ میں دیا حالانکہ مکان ایک لمحہ کو بھی خالی نہ کیا، دو سال کے بعد لطافت حسین نے نومبر ۷۷ء میں دو سو کے قرضے اپنے ذمے چھوڑ کر وفات پائی، جائداد حسب رواج برادری کے متوفی کی اولاد ذکور نہ ہو تو زوجہ قابض و متصرف ہوتی ہے قبضہ شمس النساء میں آئی، اب مصاحب جان اپنے دین کے مدعی ہے اور زوجہ دین مہر کے مطالبہ میں اپنے قبضہ و رواج مذکور سے استناد کرتی ہے، اس صورت میں کس کا دین شرعًا مقدم رہے گا اور دین مہر کو دیگر دیون پر ترجیح ہے یا نہیں اور شمس النساء کے بربنائے رواج مذکور قبض و تصرف ہونا یا اس کا دین دین مصاحب جان سے پیشتر کا ہونا دعوی مصاحب جان کا مانع سماعت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر مصاحب جان نے رہن مع القبض کا دعوی کیا یعنی دعوی اس بیان سے واقع ہوا کہ وہ جزو مکان لطافت حسین نے میرے پاس رہن رکھا اور مجھے قبضہ دلا دیا تھا پھر ثبوت میں لطافت حسین کے اس اقرار قبضہ پر جو رہن نامہ مذکور ہے گواہ شرعی دے دے اگرچہ خاص قبضہ کا ثبوت نہ دے سکے تو اس کا دعوی بیشک ثابت ہے، رہن صحیح وتام و نافذ مانا جائے گا اور مکان پر اس کا قبضہ رہنا مرتہنہ کی طرف سے بطور عاریت خیال کریں گے۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں فرماتے ہیں:

رہن دارہ واعترف بالقبض الا انہ لم یتصل بہ القبض فاذا تصادقا علی القبض والا قباض یؤخذ باقرارہ من رہن جواہر الفتاوی	مکان رہن رکھا اور قبضہ دینے کا اعتراف کیا مگر عملاً قبضہ نہ ہوا تو جب دونوں فریق قبضہ لینے اور دینے پر متفق ہیں تو راہن کے اقرار کو لیا جائے گا، ایک شخص نے مکان رہن رکھا اور خود راہن ہی اس میں

وفیھا من الباب الخامس رجل رھن دارہ والراھن متصرف فیه حتی مات ثم اختلاف المرتھن وورثه الراھن انه کان مقبوضا ام لافان اقام المرتھن البینة علی اقرار الراھن بالرھن والتسلیم یحکم بصحة الرھن ودعوی فك الرھن لا تقبل بظاھر ما کان فی یدالراھن لانه لما ھکم علیه باقرارہ بالرھن حمل علی ان الید کانت ید العاریة اھ[1]۔	اپنی موت تک تصرف کرتا رہا پھر مرتہن اور راہن کے ورثاء میں قبضہ کے متعلق اختلاف ہو کہ مرتہن کا قبضہ تھا یا نہیں، اگر مرتہن نے راہن کے اس اقرار کہ اس نے رہن رکھا اور قبضہ دے دیا پر گواہ پیش کردئے تو اس رہن کی صحت کا حکم کیا جائیگا اور رہن کے قبضہ کی بنا پر فساد رہن کا دعوی درست نہ ہوگا کیونکہ جب اس کے اقرار کی بنا پر فیصلہ ہوا ہے تو اس کے قبضہ کو عاریتًا متصور کیا جائیگا اھ (ت)

پس رہن مرہون میں مصاحب جان کا استحقاق شمس النساء وغیرہا سب قرضخواہوں پر مقدم ہے پہلے اسی کا قرض اس سے ادا کریں گے اگر کچھ بچا مہر وغیرہ دیون کی طرف مصروف ہوگا ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا مات الراھن وعلیه دیون کثیرۃ کان المرتھن احق بالرہن کذافی المحیط[2]۔	راہن نے اپنی موت پر اپنے ذمہ کثیر دیون (قرضے) چھوڑے تو مرتہن اس رہن کا حقدار ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

اسی میں ہے کہ:

فلیستوفی منه دینه فما فضل یکون لسائر الغرماء والورثة[3]۔	مرتہن اپنی رقوم وصول کرلے باقی زائد دوسرے حق داروں اور ورثاء کا ہوگا۔ (ت)

اور یہاں مرہون کا مشاع یعنی جزء غیر منقسم ہونا اس حکم کا مانع نہ ہوگا کہ رہن مشاع مذہب صحیح پر فاسد ہے اور رہن میں فاسد و صحیح کا حکم واحد ہے۔ درمختار میں ہے:

لایصح رھن مشاع لعدم کونه ممیزا	غیر منقسم چیز کا رہن صحیح نہیں کیونکہ رہن ممتاز نہیں ہے

---

[1] العقود الدریہ کتاب الراہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۵۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الاول الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۳۳

ثم الصحیح انہ فاسد[1]۔	پھر صحیح قول پر یہ رہن فاسد ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

کل حکم عرف فی الرھن الصحیح فھو الحکم فی الرھن الفاسد کما فی العمادیۃ وفی کل موضع کان الرھن مالا والمقابل بہ مضمونا الاانہ فقد بعض شرائط الجواز کرھن المشاع ینعقد الرھن لوجود شرط الانعقاد،ولکن بصفۃ الفساد کالفاسد من البیوع فمن مات ولہ غرماء فالمرتھن احق بہ کما فی الرھن الصحیح[2] اھملخصین۔	جو حکم صحیح رہن میں معلوم ہواوہی حکم فاسد رہن میں جاری ہوگا جیساکہ عمادیہ میں ہے اور ہر وہ صورت جس میں رہن مال ہو اور اس کا مقابل مضمون چیز ہو مگر وہاں جواز کے بعض شرائط مفقود ہوں جیسے غیر منقسم کا جزء کا رہن رکھا جائے تو رہن منعقد ہوجائے گا کیونکہ انعقاد کی شرط پائی گئی ہے لیکن فاسد صفت کی وجہ سے بیع فاسد کی طرح ہوگی تو راہن اگر فوت ہوجائے اور کئی قرض خواہ ہوں تو مرتہن اس رہن کا زیادہ حقدار ہوگا جیساکہ صحیح رہن میں ہوتا ہے اھ دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔(ت)

اور اگر مصاحب جان نے صرف رہن کا دعوی کیا،نہ قبضہ پانے کا،تو دعوی رہن اصلاً مسموع نہ ہوگا اگرچہ اس کے گواہوں نے لطافت حسین کے اقرار مذکور بلکہ خود معاینہ قبضہ پر گواہی دی ہو۔عقود الدریہ میں ہے:

ان ادعی المرتھن الرھن مع القبض یقبل برھانہ علیھما وان ادعی الرھن فقط لایقبل لان مجرد العقد لیس بلازم ولا تسمع البینۃ اذا اشھد وابمعاینۃ القبض او اقرار الراھن بہ لانھم شھدوا بشیئ زائد علی الدعوی لان	مرتہن اگر رہن بمع قبضہ کا دعوی کرے تواس پر شہادت قبول کی جائے گی،اوراگر صرف رہن کا دعوی کرے تو اس پر شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ محض عقد لازم نہیں ہوتا اور اگر گواہوں نے قبضہ کے معاینہ کی شہادت دی یا رہن کے اقرار کی کہ میں نے دیا ہے،کی شہادت دی تو یہ گواہی قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ زائد چیز کی شہادت ہے

[1] درمختار کتاب الرھن باب مایجوز ارتھانہ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

[2] درمختار کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۹

فرض المسئلة ان المرتهن لم یذکر القبض فی دعواه وایضا فان الصحة الدعوی شرط صحة الشهادة اھ[1] ملخصًا۔	اس لئے کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن نے اپنے دعوی میں قبضہ کو ذکر نہ کیا ہو اور نیز اس لئے کہ دعوی کا صحیح ہونا شہادت کی صحت کے لئے شرط ہے اھ ملخصا۔(ت)

اور اگر دعوی میں قبضہ پالینے کا ذکر تو کیا مگر حصول قبض یا لطافت حسین کے اقرار مذکور پر گواہ نہ دے سکے تو بھی اس کا استحقاق مرتہنانہ نہ ثابت ہوگا اور اب مکان کا خالی نہ کیا جانا بیشک اس کے دعوی رہن پر ضرر کا اثر ڈالے گا کہ رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔ ردالمحتار میں عنایہ سے ہے: القبض شرط تمام العقد[2] (رہن میں قبضہ عقد کے تمام ہونے کے لئے شرط ہے۔ت) تو قبل قبضہ مرتہن کا حق مرہون میں حاصل نہ ہوا۔ عالمگیریہ میں ہے:

مالم یقبضه المرتهن لایثبت حکم ید الرهن له[3]۔	جب تک مرتہن اس پر قبضہ نہ کرلے اس وقت تک رہن کو اس کا مقبوض نہیں قرار دیا جاسکتا(ت)

ولہذا راہن کو قبل تسلیم اختیار رہتا ہے کہ رہن سے رجوع کرجائے اور مرتہن کو مرہون پر قبضہ نہ دے۔ درمختار میں ہے:

ینعقد بایجاب و قبول حال کونه غیر لازم فللراهن تسلیمه والرجوع عنه کمافی الهبة[4]۔	رہن کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے جب کہ وہ ابھی غیر لازم ہوتا ہے تو راہن کو ابھی حق ہے کہ وہ مرتہن کو سونپ دے یا رجوع کرلے جیسا کہ ہبہ کا حکم ہے۔(ت)

اور صرف دستاویز میں لطافت حسین کا اقرار مزبور لکھا ہونا ثبوت کے لئے کافی نہ ہوگا جب تک اس اقرار پر گواہان شرعی نہ پیش کرے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل مات مدیونا لغرماء	ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو مقروض

---

[1] العقود الدریة کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] ردالمحتار بحوالہ العنایة کتاب الرہن باب مایجوز ارتھانه الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۹۲

[4] درمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۵

متعددین وقد کان رہن بدین احدھم مشاعاواظھر المرتھن محضرا وفیه الحکم بصحته ولزومه ھل یختص المرتھن به فی وفاء دینه ام لااجاب المقر عند علماء الحنفیة انه لا اعتبار بمجرد الخط ولا التفات الیه اذحجج الشرعیة ثلثة وھی البینة و الاقرار والنکول کما صرح به فی اقرار الخانیة فلا اعتبار بمجرد المحضر المذکور ولا التفات الیه الا اذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعی اعنی باحدی الحجج الشرعیة المشار الیها[1] (ملتقطا)	تھااس کے متعدد لوگ قرض خور تھے جبکہ ان میں سے ایک کا قرض غیر منقسم رہن کے بدلے میں تھا تو اس مرتہن نے محضر نامہ دکھایا جس میں رہن کی صحت اور اس کے لزوم کا حکم تھا تو کیا اس مرتہن کو حق ہے کہ رہن کو اپنے قرض کے عوض اپنے لئے مختص کرلے یا اس کو یہ حق نہیں، تو جواب دیا کہ علمائے احناف کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ محض خط قابل اعتبار اور قابل التفات نہیں ہے کیونکہ شرعی حجت تین چیزیں ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار جیسا کہ خانیہ میں اقرار کی بحث میں تصریح ہے لہٰذا مذکور محضر نامہ اعتبار و التفات کے قابل نہیں جب تک اس کے مضمون کو کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ کردیا جائے (ملتقطا)۔(ت)

ان دونوں صورتوں میں مصاحب جان کا دین مثل باقی دیون کے سمجھا جائے گا اور اس کو استحقاق تقدم شمس النساء پر نہ ہوگا کہ ذریعہ تقدم استحقاق مرتہن ہی تھا اور وہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، مگر جس طرح شمس النساء پر ترجیح نہیں شمس النساء کو بھی اس پر کوئی تفصیل نہیں کہ آخر جائداد و مہر میں بھی رہن نہ تھی اور مصاحب جان کا دین بھی دین صحت سے ہے اور مہر کو کسی دین صحت پر تقدم نہیں کہ وہ بھی مثل سائر دیون کے ایک دین ہے، درمختار کے باب نکاح الرقیق میں ہے:

وسادت المرأة الغرماء فی مهر مثلها[2]۔	بیوی اپنے مہر مثل کی حد تک دیگر قرضخواہوں کے مساوی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیه تصریح بان المهر کسائر	اس میں یہ تصریح ہے کہ مہر بھی دوسرے

[1] فتاوٰی خیریه کتاب ادب القاضی دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲

[2] درمختار کتاب النکاح الرقیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۵

الدیون[1]۔	قرضوں کی طرح ہے۔(ت)

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے:

سئل فی رجل مات عن زوجته وعلیه دیون لجماعة استدان فی صحته فهل تکون هی اسوة الغرماء اجاب نعم[2] اھملخصًا۔	ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے متعدد قرضخواہ چھوڑے اور فوت ہونے پر بیوی کا مہر بھی اسکے ذمہ تھا جبکہ دیگر قرضے اس نے زندگی اور صحت میں لئے تھے تو بیوی دیگر قرضخواہوں کے مساوی ہوگی یا نہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں مساوی ہوگی اھ ملخصا(ت)

نہ کسی دین کا پہلے ہونا دوسرے پر باعث رجحان ہوسکے، نہ ایک قرضخواہ کے بطور خود جائداد مدیون پر قبضہ کرلینا دوسرے دائنوں کا حق ساقط کرسکے، نہ برادری کا وہ اختراعی رواج حقوق شرعیہ کا مزاحم بن سکے۔ یہ سب امور واضحات جلیلہ ہیں جنہیں ادنی فہم و تمیز رکھنے والا آفتاب کے مثل ظاہر وروشن جانتا ہے۔ پس اس تقدیر پر تمام متروکہ سے بعد صرف تجہیز و تکفین مصاحب جان کا قرض اور شمس النساء کا مہر اور ان کے سوا اور جو دین ذمہ لطافت حسین ہو سب ایک ساتھ حصہ رسد ادا کئے جائیں گے ایک کو دوسرے پر ترجیح ہوگی مثلاً قرض کے لطافت حسین پر بس یہی دو دین ہیں اور جائداد ان کو کافی خواہ ان سے زائد ہے تو دونوں دائنہ پورا پورا اپنا اپنا دین وصول کرلیں ورنہ قیمت ترکہ کو ۷۸۶۱ سہام پر منقسم کرکے ۵۶۲۰ سہام شمس النساء اور ۲۲۴۱ سہام مصاحب جان کو دیں کہ دونوں اس نسبت سے اپنے اپنے حق کو پہنچیں۔ بالجملہ حق شمس النساء کو بجہت مہریت خواہ تقدم و قوع خواہ رواج برادری، اصلاً تقدم نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: از شہر کہنہ بریلی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان کے سمت جنوب زیر دیوار خام پشتہ عرض میں ۱۴ گرہ قدیم الایام سے واسطے حفاظت دیوار کے بنا ہوا ہے اور اسی دیوار میں ایک سمت کو بدرو کہ جس میں ہمیشہ سے پانی پاخانے اور بارش مکان خود و مکان برادر خود کا نکلتا ہے۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ متصل پشتہ دیوار قدیم مذکورہ بالا کے اراضی افتادہ ہے جس پر ہمیشہ یہ گزرگاہ عام تھی عمرو نے

[1] ردالمحتار باب النکاح الرقیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۷۵

[2] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

اس کو اپنا مقبوضہ کرکے باغیچہ لگایا ہے اب عمرو نے تھوڑا حصہ پشتہ مذکور کا غیبت میں زید کے کاٹ ڈالا اور بقیہ پشتہ موجود ہے اس میں ایک درخت ناشپاتی کا عمرو نے پشتہ مذکور کھود کر نصب کیا ہے۔ صرف غرض عمرو کی ان تصرفات سے یہ ہے کہ پشتہ مذکور کھود کر بدرو مذکور بند کرکے ایک مکان دیوار زید سے ملا کر بنایا جائے، آیا یہ تصرفات مذکورہ عمرو کے جائز ہیں یا ناجائز، حق ہیں یا ناحق؟ اور پشتہ ملکیت زید میں داخل ہے یا نہیں؟ اور آب جاری بدرو کو عمرو بند کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

پشتہ قبضہ ہے اور قبضہ دلیل ملک، عمرو جب تک گواہان عادل شرعی ثابت نہ کرے کہ زمین پشتہ اس کی ملک ہے اسے اس کا کھود ناجائز نہیں، اور جب کہ بدرو قدیم سے ہے اور مکان کا ڈھال اس طرف ہمیشہ سے، تو زید کے لئے اس زمین میں پانی بہانے کا حق حاصل ہے، عمرو کو ہرگز جائز نہیں کہ دیوار بنا کر بدرو بند کردے اور کسی طرح اسے پاٹ دے یا اجرائے آب سے منع کرے اس کے یہ سب تصرفات ناحق ہوں گے۔

فی الهندیة عن محیط الامام شمس الائمة السرخسی عن الامام الفقیة ابی اللیث عن مشائخنا قدست اسرارهم انهم استحسنوا ان المیزاب اذاکان قدیما وکان تصویب السطح الی دارہ وعلم ان التصویب قدیم ولیس بمحدث ان یجعل له حق التسییل[1] اھ وفیها عن البدائع لواراداهل الدار ان یبنوا حائطا لیسدوا مسیله اوارادوا ان ینقلوا المیزاب من موضعه او یرفعوه او یسفلوه لم یکن لهم ذلك ولو بنی اهل الدار بنا لیسیل میزابه	ہندیہ میں امام شمس الائمہ سرخسی سے انہوں نے امام فقیہ ابواللیث سے انہوں نے ہمارے مشائخ قدست اسرارھم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قدیم پرنالہ جس کا پانی دوسرے کی حویلی کی چھت پر گرتا ہے، اور واضح طور پر معلوم ہو کہ یہ پرنالہ قدیم ہے جدید نہیں ہے کے متعلق استحسان کے طور پر فرمایا کہ اس پرنالہ والے کو حق ہے کہ وہ اس کو بہاؤ کے لئے قائم رکھے اھ، اور اس میں بدائع سے منقول ہے کہ اگر حویلی والے اس پرنالہ کا پانی روکنے کے لیے دیوار بنانا چاہیں یا اس پرنالہ کو وہاں سے ہٹانا چاہیں یا اونچا نیچا کرنا چاہیں تو ان کو یہ اختیار نہیں ہوگا ہاں اگر حویلی والے کوئی ایسی عمارت بنائیں جس کا پرنالہ اس کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

علی ظھرہ لھم ذٰلك [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	چھت پر گرے توان کو جائز ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۲: از ریاست رامپور محلّہ شاہ شور مرسلہ جناب مولٰنا مولوی محمد سلامت اللہ صاحب ۲۳/ صفر ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان مع چند دکاکین منجملہ مکانات اپنے کے بتعیین ہر چہار حدود جس کے سمت شرق وسمت شمال میں دیگر مکانات واقف تحریر ہیں وقف کیااور متولی اس کا بکر کو کردیا، بکر کی جانب سے کرایہ دار موقوفہ میں کرایہ پر رہتے ہیں اور بکر بوصولی زر کرایہ مصرف خیر کرتا ہے ایک جزو مکان منجملہ موقوفہ کے کرایہ پر عمرو کو بکر متولی نے بوساطت خالد کے دیااس نے سات مہینے کا کرایہ ادانہ کیاتو بکر نے دعوی تخلیہ کاکیا، عمرو منکر ہوااور ظاہر کیاکہ زینب و کلثوم سے کرایہ پر لیاہے، عدالت نے حکماً زینب وکلثوم کو بھی بکر متولی سے مدعاعلیہا بنوایا۔زینب وکلثوم کابیان یہ ہے کہ یہ مکان متنازعہ متروکہ محسن پدر واقف کاہے، بعد فوت محسن مذکور کے ایک زید اودوسرا حسن پدر مایاں دوابن اور مسماۃ ہندہ زوجہ سہ کس وارث مع الحصر رہے،اول حسن فوت ہوااسکے وارث زید اخ،اور ہندہ ام ومایاں دو بنات پھر ہندہ فوت ہوئی زید پسر اس کا وارث رہا،شیئ متروکہ وقف مشاع ہواکہ وہ کسی طرح جائز نہیں،اور عمرو ہمارا کرایہ دار ہے، بجواب اس کے متولی نے لکھاکہ مورث مدعاعلیہا مقربر ملکیت واقف رہاہے اور مدعاعلیہا کو بھی وقف اور دیگر مکانات واقف تسلیم ہیں،زینب و کلثوم سے ثبوت طلب ہوامدعاعلیہانے ایک بیعنامہ اسمی محسن پیش کیاجو مدعی کو تسلیم نہیں ہے اور جو گواہ پیش کئے ہیں وہ سماعی ہیں۔ مدعی نے ثبوت تسلیم وقف وملکیت وقف جو مکانات جانب شرق وشمال بعد فوت واقف کے وعزیز عم ووارث بالحصر واقف سے مدعاعلیہانے خریدی ہیں جس کے بیع نامہ کے حد غرب میں مکان موقوفہ تحریر ہے پیش کیااور گواہ جن کو عدالت نے بھی ثقات تسلیم کیاہے.بر ثبوت دادن مکان متنازعہ پر کرایہ بہ عمرو واقرار حسن پدر مدعاعلیہا بملکیت واقف قبل از وقف سماعت کرائے ہیں جس کے بیان سے ثبوت بخوبی ہے جب کہ مکانات ملحقہ موقوفہ مدعاعلیہانے بہ تسلیم ملک واقف و تسلیم وقف حسب صراحت صدر خریدے ہیں جن کابیع نامہ متولی نے پیش کیاہے اور گواہان متولی سے کرایہ پر دینااور اقرار پدر مدعاعلیہا بملک وقف ثابت ہے اور کاغذ وقف جو مسلمہ مدعاعلیہاہے وہ بھی موجود ہے ایسی حالت میں عدالت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۶

بموجب مسائل شرعی بجواز تخلیہ مکان کا کرایہ دار سے کرائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عمرو ومستاجر کی بدنیتی اور اس سے وقف کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ صاف ظاہر ہے یہاں تک کہ اس نے اپنے بیان سے یہ چاہا کہ سرے سے وقف ہی کو معدوم کرے، لاجرم حاکم پر فرض قطعی ہے کہ فوراً فوراً بلا توقف مکان اس سے خالی کراکر متولی کو سپرد کرے اگرچہ ہنوز مدت اجارہ کتنی ہی باقی ہو کہ ایسی صورت میں فسخ اجارہ لازم ہے۔**الاسعاف فی احکام الاوقاف** میں ہے:

لوتبين ان المستاجر يخاف منه على رقبة الوقف يفسخ القاضی الاجارة ويخرجه من يده [1]۔	اگر مستاجر سے یہ خطرہ واضح ہو کہ وہ وقف جائداد کو نقصان پہنچائے گا تو قاضی اس اجارہ کو فسخ کردے اور اس کے قبضہ کو ختم کردے۔(ت)

بلکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر اجرت مثل زائد ہوجائے اور مستاجر کرایہ بڑھانے سے انکار کرے تو اجارہ فسخ کردیا جائیگا نہ کہ جب اصلاً کرایہ دینا ہی نہ چاہے۔درمختار میں **قبیل مایجوز من الاجارۃ** ہے:

وان كانت لزيادة اجر المثل فالمختار قبولها فيفسخها المتولی فان امتنع فالقاضی ثم يؤجرها من يزاد [2]۔	اگر زائد کرایہ ملتا ہو تو دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز اور مختار ہے، متولی پہلے اجارہ کو فسخ کردے اگر وہ نہ کرے تو قاضی فسخ کرکے زائد دینے والے کو اجارہ پر دے۔(ت)

غرض یہاں حکم اس قدر تھا کہ اجارہ فسخ اور تخلیہ لازم، اس سے زائد جو کارروائیاں اس مقدمے میں ہوئیں کہ عمرو کے مجرد بیان پر زینب وکلثوم کو اس دعوی کا مدعا علیہ بنوایا گیا ان کا جواب داخل ہوا متولی سے اس کا رد لیا گیا سب محض لغو وفضول وبے معنی ہیں ان کی طرف توجہ اصلا روانہ تھی، نہ ان کے سبب متولی کو ڈگری دینے میں ایک منٹ کی تاخیر حلال تھی، نہ ہے۔مدعا علیہ کا صرف زبانی بیان کہ میں نے فلاں سے اجارہ لیا ہے اصلاً قابل سماعت نہیں ہوتا، نہ اس کے سبب خصومت اس سے چھوڑ کر فلاں کی طرف متعدی ہوسکتی ہے بلکہ وہی مدعا علیہ رہتا ہے اور جب مدعی اس پر

---

[1] الاسعاف فی احکام الاوقاف

[2] درمختار کتاب الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۱

اقامت بینہ کردے جیساکہ یہاں واقع ہوا فوراً مقدمہ اپنی نہایت کو پہنچتا اور حاکم پر فرض ہوتا ہے کہ مدعی کو ڈگری دے۔ در مختار میں ہے:

قال ذوالید ھذا المدعی بہ منقولا کان او عقار اودعنیہ او اعارنیہ او اٰجرنیہ او رھننیہ زید الغائب وبرھن علی ماذکر، دفعت خصومۃ المدعی للملک المطلق[1]۔ (ملخصًا)	قابض نے کہا کہ مدعی جس چیز کا دعوی کر رہا ہے اس کو میرے پاس زید نے جو غیر حاضر ہے نے امانت رکھا یا کہے اس نے عاریتًا یا اجرت پر دیا یا رہن رکھا ہے وہ چیز منقولہ ہو یا غیر منقولہ، اور مدعی نے گواہی پیش کی ہو تو اس چیز میں مدعی کا دعوی ملک مطلق کے طور پر ثابت رہے گا (ملحضًا)۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

وان لم یقم البینۃ فھو خصم فی ظاہر الروایۃ عن اصحابنا رحمھم اللہ تعالٰی کذا فی المحیط[2]۔	اگرچہ مدعی گواہی پیش نہ کرے تب بھی ظاہر روایت کے مطابق وہ فریق ہوگا جیساکہ ہمارے اصحاب سے مروی ہے، محیط میں یوں ہے (ت)

اس فلاں کو (کہ زینب وکلثوم ہیں) مدعا علیہ بنانا اور اس کے لئے مقدمے کو روکنا صراحۃً شرع مطہر کے خلاف وگناہ ہوا۔ غمز العیون میں ہے:

یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوی عند قیام البینۃ علی سبیل الفور فلو اخر اثم لترکہ الواجب و ھو قضاؤہ بھا ویعزل ویعزر کما فی جامع الفصولین[3]۔	دعوی پر جب گواہی ہوگئی تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ فورًا دعوی کے مطابق فیصلہ دے اگر وہ تاخیر کرے تو گنہگار ہوگا اور وہ قابل معزول و تعزیر ہوگا جیساکہ جامع الفصولین میں ہے۔ (ت)

طرہ یہ کہ زینب وکلثوم اس دعوی تخلیہ کی مدعا علیہ بن نہیں سکتیں کہ مکان ان کے قبضہ میں نہیں، غیر قابض سے تخلیہ چاہنا کیا معنی، نہ غیر ذی الید پر غیر فعل کا دعوی ہوسکے۔ اشباہ میں ہے:

الدعوی علی غیر ذی الید لاتسمع	غیر قابض پر دعوی قابل سماعت نہ ہوگا الخ

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی فصل فی دفع الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۰

الا فی دعوٰی الغصب فی المنقول واما فی الدور والعقار فلا فرق کما فی الیتیمیۃ[1]۔	یہ کہ دعوی منقولہ چیز کے غصب کا ہو، لیکن مکانات اور پراپرٹی میں کسی طرح بھی قابل سماعت نہ ہوگا جیسا کہ یتیمیہ میں ہے۔(ت)

اور جب سرے سے زینب وکلثوم اس دعوی کے احاطے میں آہی نہ سکیں تو ان کا جواب ان کی گواہیاں اور جو کچھ کارروائیاں اس پر ہوئیں اس وجہ پر سب محض مہمل و پادر ہوا ہیں کہ دفع دعوی صحیحہ پر مرتب ہوتا ہے جب دعوی مفقود تو دفع مردود، **وھذا کلہ ظاھر غیر مستنکر ولا محجود** (یہ تمام بیان ظاہر ہے جس کا انکار نہیں ہوسکتا۔(ت) اس کے بعد ان خللوں پر بحث کی حاجت نہیں جو زینب وکلثوم کے لئے بے حاصل ثبوتوں میں واضح طور پر موجود ہیں اور اگر کچھ نہ ہوتا تو شہادت ملک کا سماعی ہوتا اور محض کاغذ بیع نامہ بے شہادت کافیہ سے استدلال کرنا ہی ان کے ردمز عومات کو بس تھا خصوصًا جبکہ انکے مورث کا اقرار ثابت ہے کہ مکان مذکور پیش از وقف ملک واقف نہ تھا، درمختار میں ہے:

لایشھد احد بما لم یعاینہ بالاجماع الا فی عشرۃ[2] الخ ولیس ھذا منھا۔	بالاجماع بغیر دیکھے کوئی بھی شہادت نہیں دے سکتا ماسوائے دس چیزوں کے الخ۔اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔(ت)

خانیہ وخیریہ وعقود الدریہ وغیرہ میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ او الاقرار واما الصك فلایصلح حجۃ[3]۔	قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ دے گا اور حجت صرف شہادت، اقرار اور قسم سے انکار ہے لیکن رسید تو وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۸۹

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

[3] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹، فتاوی خیریہ باب خلل المحاضر والسجلات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹ و ۲۳، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸، فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوقف فصل فی دعوٰی الوقف الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

جامع الفصولین فصل عاشر میں ہے:

ادعی ارثافبرھن المدعی علیه ان مورثه اقر ان المدعی لیس له او ھو ملك المدعی علیه کان دفعا[1]۔	ایک نے وراثت کا دعوی کیا تو مدعا علیہ نے گواہی پیش کردی کہ اس شخص کے مورث نے اقرار کیا تھا کہ یہ چیز میری نہیں ہے یا یہ کہ یہ چیز مدعا علیہ کی ملکیت ہے تو اس شہادت سے دعوی کا دفاع ہو جائے گا۔(ت)

کلام یہاں تطویل ہے اور اسی قدر میں کفایت۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

نوٹ

اٹھارہویں جلد کتاب القضاء والدعوی پر ختم ہوئی

انیسویں جلد کا آغاز کتاب الوکالۃ سے ہوگا۔

---

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

فتاویٰ رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۹

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۱۹

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب______________فتاوی رضویہ جلد ۱۹
تصنیف______________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ______________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست____________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح____________مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام و سرپرستی__________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت______________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ______________مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات______________۶۹۲
اشاعت______________ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ / فروری ۲۰۰۱ء
مطبع______________
ناشر______________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت______________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا، اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ"سال کے مختصر عرصہ میں انیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارت، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ اور کتاب القضاء والدعاوی پر مشتمل اٹھارہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار حسب ذیل ہے :

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ____ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰

انیسویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے شروع سے صفحہ ۲۵۵ تک ۲۹۶ سوالوں کے جوابات اور ۶۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف

نے کیاہے۔ اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولہویں، سترہویں اور اٹھارویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر اور کتاب الغصب کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) فتح الملیک فی حکم التملیک (۱۳۰۸ھ)

ہبہ اور تملیک میں فرق کا بیان

(۲) اجود القری لطالب الصحۃ فی اجارۃ القری (۱۳۰۲ھ)

دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کے لئے بہترین مہمانی

(۳) المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر (۱۳۱۱ھ)

منی آرڈر کی فیس کا شرعی حکم

ذیقعد ۱۴۲۱ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

فروری ۲۰۰۱ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین مفصّل

مسئلہ کا جزئیہ در مختار سے۔	۱۳۶	اخراجات سفر مضارب اپنے پاس سے کرے تو معاوضہ پائے گا، اس صورت میں مال مضاربت تلف ہوگیا تو اس کا خرچ بھی گیا۔	۱۴۰
عقد مطلق میں مضارب کو کسی دوسرے کو مضاربت پر مال دینے کا حق نہیں، اور اجازت دی کہ تو جیسا چاہے کر، تو اختیار وسیع ہوگا اور اس کو یہ حق حاصل ہوگا۔	۱۳۶	عقد مضاربت میں جو رقم خرچ کے نام سے دی جاتی ہے وہ مال مضاربت میں شامل ہوتی ہے ہاں الگ رقم دے کر تصریح کرے کہ میں سفر خرچ کے لئے تبرعاً دے رہا ہوں تو خرچہ کو حساب میں نہ جوڑا جائے گا۔	۱۴۱
کسی کو قرض دینے کے لئے مالک کی صریحی اجازت درکار ہے۔	۱۳۶	رب المال کو مقید کو مطلق کرنے کا ہر وقت اختیار ہے۔	۱۴۱
در مختار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۳۶	منافع متعینہ کی قید سے سوال وجواب۔	۱۴۱
اس امر کی تفصیل کہ مضارب کو کون کون سے مصارف وصول کرنے کا حق ہے۔	۱۳۷	مال مضاربت سے اخراجات مختلفہ کا سوال۔	۱۴۲
در مختار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۳۷	جو مصارف کارِ خیر میں صرف کئے گئے سب مضارب کے مال سے شمار ہوں گے۔	۱۴۲
اخراجات بقدر حاجت ملیں گے، حاجت سے زائد ناجائز، جس کا تاوان دینا ہوگا۔	۱۳۸	جس شہر میں مضاربت ہو وہاں رہ کر جو اپنے پر خرچ کیا وطن اصلی اور وطن اقامت میں جو اپنے پر خرچ کیا وہاں تک کے سفر کا خرچہ کہ شام تک گھر لوٹ آئے سب مضارب کے مال سے ہوں گے۔	۱۴۳
مضارب کے وطن میں رہ کر تجارت کرنے پر نفقہ پانے اور سفر خرچ کے مختلف مالوں سے ادا کرنے کی مختلف صورتوں کا سوال۔	۱۳۸	مضاربت فاسدہ ہو تو اجرت مثلی کے علاوہ کوئی صرفہ نہیں ملے گا۔	۱۴۳
مضارب وطن اصلی میں تجارت کرے تو اخراجات پانے کا مستحق نہیں، وطن اقامت میں عقد مضاربت کی اور وہیں تجارت کرنے لگا، تب بھی سفر خرچ نہیں پائے گا، ہاں دوبارہ تجارت کے لئے جائے گا تو پائے گا۔	۱۳۹	جائز اخراجات کی تفصیل جو مال مضاربت سے ادا کیا جائے گا۔	۱۴۳
بدائع، محیط، فتاوٰی ظہیریہ، بحر الرائق، شامی کے جزئیہ کی تصدیق۔	۱۳۹	جو جو اخراجات مال مضاربت پر ڈالے گئے ہیں اس سے ادا کئے جائیں اور جو مضارب پر وہ اس کے مال سے۔ اس کے پاس مال نہ ہو تو قرض دار ہوگا۔	۱۴۳
عقد مضاربت میں مال مضاربت کی مقدار کا متعین کرنا ضروری ہے۔	۱۴۰		

موہوب لہ اول زبان سے اجازت دے دے اور شیئ موہوب پر قبضہ نہ دے تو ہبہ تام نہ ہوگا۔	۱۸۲	موہوب لہ کو مشاع پر قبضہ بھی دلادیا تواس کی ملک نہ ہوگی، نہ اس میں اس کے تصرفات نافذ ہوں گے۔	۱۹۰
اگر دونوں کو ہبہ کیا ہو تو تقسیم کرکے قبضہ دلانا ضروری ہے۔	۱۸۲	ایسے ہبہ میں خود واہب اور اس کے ورثہ کو رجوع کا اختیار رہتا ہے۔ قبضہ اور رشتہ اس کا مانع نہیں۔	۱۹۱
تنویر الابصار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۸۲	ہبہ صحیح بھی بے قبضہ کامل تمام نہیں ہوتا۔ اور بعد موت واہب اس میں وراثت جاری ہوگی۔	۱۹۱
ماں کا نابالغ کی جائداد ولایۃً ہبہ کرنے، اور لڑکے کے بالغ ہوکر اس کی تصدیق کرنے اور اسے برقرار رکھنے سے سوال۔	۱۸۵	ایسے ہبہ میں اگرچہ یہ تحریر ہو کہ مجھ کو اور میرے ورثہ کو اس میں کوئی حق نہ ہوگا بیکار ہے، ہبہ صحیح نہیں۔	۱۹۲
مال کے معاملہ میں ماں لڑکے کی ولی نہیں۔	۱۸۷	ہبہ بلاقبضہ میں واہب کو قبضہ دلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۱۹۲
ولی یعنی باپ کو بھی نابالغ کے مال سے ایک حبہ کسی کو دینے کا اختیار نہیں۔	۱۸۷	ہبہ میں جہاں رجوع جائز ہے اس سے مراد قبضہ کے بعد ہے۔	۱۹۲
نابالغی کے ایسے تصرفات کو صغیر بالغ ہوکر جائز کرے تو جائز نہیں۔	۱۸۸	رجوع کا حق شرعی ہے، واہب اپنے قول یا تحریر سے اسے باطل نہیں کرسکتا۔	۱۹۲
عقد فضولی میں مجیز عقد کا اجازت کا اہل ہونا ضروری ہے۔	۱۸۸	ایسی جائدادوں سے سوال، جس کو زید نے اپنے اور دیگر مختلف ناموں سے خریدا مگر زندگی بھر سب پر خود قابض اور متصرف رہا۔	۱۹۳
حالت بلوغ میں مجیز کی ایسی اجازت جو ابتداء کی صلاحیت رکھے نافذ ہے۔	۱۸۸	زید نے جو جائداد اپنے نابالغ بچہ کے نام سے خریدی اس کا مالک لڑکا ہوگیا گو تصرف باپ کا رہا ہو۔	۱۹۴
جس ہبہ نامہ میں نسلاً بعد نسلٍ قابض ودخیل رہیں لکھا ہو وہ وصیت نہیں ہوسکتی۔	۱۸۸	نابالغ کی جائداد پر ولی کا قبضہ بربنائے ولایت ہے۔	۱۹۴
جائداد کی آمدنی کا ہبہ صحیح نہیں۔	۱۸۹	نابالغ کو ہبہ صرف عقد سے ہی مکمل ہوجاتا ہے،	۱۹۴
مشاع کا ہبہ صحیح نہیں۔	۱۸۹	باپ کا قبضہ نابالغ کا قبضہ ہے۔	۱۹۴

ہبہ کے لئے ایجاب وقبول ضروری نہیں، ایسے قرائن جو تملیک پر دلالت کریں کافی ہیں۔	۲۱۷	ہندہ نے اپنے مرنے کے بعد زید پسر اور دوسرے فوت شدہ لڑکے سے دو پوتیاں اور دو پوتے چھوڑے زید کے چچا نے اپنے ایک بھتیجے کا نام جائداد ہندہ میں لکھوادیا قبضہ نہیں دلایا، توشرعاً اس جائداد میں پوتوں پوتیوں کا حق ہے یا نہیں۔	۲۲۰
چھوٹے بچے کے لئے کپڑا بنوایا، بچہ مالک ہوگیا، بڑے کو سپرد کرنا ضروری ہے۔	۲۱۷	پوتوں کا وراثۃً کوئی حق نہیں، نام لکھوانا ہبہ ہے لیکن بے قبضہ یہ بھی صحیح نہیں۔	۲۲۰
واہب نے شے موہوب لہ کا قبضہ کرادیا تو واہب کے بھائی یا کسی رشتہ دار کا اس میں کوئی حق نہیں۔	۲۱۷	ہدایہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۲۱
ہبہ کے نتیجے میں موہوب لہ کی ملک ثابت ہوجاتی ہے۔	۲۱۸	شیئ موہوب کو موہوب لہ کو دینے سے انکار کرنا رجوع عن الہبہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔	۲۲۱
احدالعاقدین کی موت بھی موانع رجوع میں سے ہے۔	۲۱۸	الفاظ ہبہ سے سوال۔	۲۲۱
ہبہ کی ایک صورت سے سوال۔	۲۱۸	زمین تعمیر کے لئے دینا عاریۃ ہے ہبہ نہیں ہے۔	۲۲۲
قبضہ نامہ کی تین شکلوں کا بیان۔	۲۱۹	زمین دینے والے کی ہوگی اور مکان اس پر بنابنانے والے کا، ایسی زمین میں میراث جاری ہوگی۔	۲۲۲
موہوب لہ بالغ لڑکا ہو تو اس کا قبضہ صحت ہبہ کے لئے ضروری ہے، اور نابالغ ہو تو باپ کا قبضہ کافی ہے۔	۲۱۹	خالہ کو ہبہ کے بعد واپس لینے کا حق نہیں۔	۲۲۲
قبضہ سے پہلے واہب کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔	۲۱۹	ہبہ معدوم کا سوال۔	۲۲۲
جائداد مشترکہ بیوی کے نام لکھادی، ہبہ صحیح ہوا یا نہیں۔	۲۲۰	ہبہ معدوم باطل ہے۔	۲۲۳
رجسٹری آفس میں جائداد کسی کے نام لکھوانا ہبہ ہے۔	۲۲۰	زید نے کسی کو زمین تعمیر مکان کے لئے دی اس نے اپنے صرفہ سے مکان بنایا، مکان کس کا اور زمین کس کی۔	۲۲۳
قابل تقسیم جائداد کا بلاقسمت ہبہ صحیح ونافذ نہیں۔	۲۲۰	صورت مسئولہ میں اگر اس کے ساتھ تملیک کا کوئی لفظ نہ ملا ہو تو زمین عاریۃ ہوگی۔	۲۲۳
		مسئلہ کا جزئیہ عقودالدریہ سے۔	۲۲۳

کوئی شخص اپنی ملک میں مستقل تصرف کا کب مجاز ہے اور کب نہیں۔	۳۹۴	امام شافعی، امام احمد، امام محمد، فاروق اعظم، مولا علی رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے بھی اس قسم کی روایت آئی۔	۴۱۰
مسئلہ کی پندرہ صورتوں کا بیان، حکم قضا اور دیانت کی تفصیل اور اختلاف ائمہ کی تشریح۔	۳۹۵	بعض علماء سے اسی قول پر اجماع نقل ہوا۔	۴۱۰
متعدد کتب فقہ سے مسائل کی جزئیات کا بیان۔	۳۹۶	قاضی شریح مولا علی کے قاضی تھے ہمیشہ اسی پر حکم دیتے، ہزارہا صحابہ مجلس میں ہوتے کوئی انکار نہ کرتا۔	۴۱۰
کتاب الاجارۃ		امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کی۔	۴۱۰
کاشتکار جس کا صرف زبانی استعفاء قانوناً معتبر نہ ہو، اور جس سے یہ مزید کہہ دیا ہو کہ تم کاشت کرو یا نہ کرو لگان دینا ہوگا، اگر صرف زبانی استعفاء دے کر کاشت چھوڑ دے لگان دینا ہوگا۔	۴۰۶	مزید ۱۰ متون اور فتاوٰی کا حوالہ۔	۴۱۱
یومیہ مزدوری اور ٹھیکہ کے کام میں جو کمی اور بیشی ہوتی ہے اس سے سوال۔	۴۰۶	۱۵ اماموں کا فتوٰی۔	۴۱۱
معتدل کام کرنے کا اعتبار ہے، سست کرے گا تو گنہ گار ہوگا، اور کام سے زائد جو پیسہ لیا وہ واپس کرے۔	۴۰۷	اسی کے راجح ہونے پر پندرہ کتب فقہ کا حوالہ۔	۴۱۱
مال حرام کے مصرف کا بیان۔	۴۰۷	یہی ہدایہ کا مقتضٰی، امام سے ظاہر الروایہ، عام معتبرات میں اسی پر فتوٰی، اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا۔	۴۱۱
اجیر کی حفاظت میں گم ہوئے مال کے تاوان کا سوال۔	۴۰۷	مذکورہ بالا حوالہ کی نقل اور سند۔	۴۱۱
صورت مسئولہ میں اجیر پر تاوان ڈالنا جائز نہیں۔ وقایہ، اصلاح، تنویر، نقایہ، ملتقی، کنز، غرر، منح الغفار، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، جامع الفصولین اور ہندیہ سے مسئلہ کا جزئیہ، اور یہ تصریح کہ اجیر مشترک امین ہے، اس کے قبضہ سے کوئی چیز بے اس کے فعل کے گم ہو گئی تو تاوان نہیں۔	۴۰۷	امام صاحب کے قول کے راجح ہونے کے وجوہ۔	۴۱۱
مال جب اجیر مشترک کے پاس سے بے اس کے فعل کے ضائع ہو جائے، اگرچہ اس سے احتراز ممکن ہو، اقوال علماء بیحد مختلف ہیں مگر امام اعظم کا قول ہے کہ تاوان واجب نہیں۔ قاضی شریح وغیرہ ائمہ کا یہی مذہب ہے۔	۴۰۸	مطلقاً اختلاف فتوٰی مستلزم تعادل اقوال وفتوٰی نہیں۔	۴۱۱
		ترجیح اولٰی، متون نے اس پر جزم کیا، اور متون فتاوٰی اور شروح پر مقدم ہیں۔	۴۱۴

شامی اور فتح القدیر سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۲۳	ایسی صورت میں مچھلیاں زمینداروں کی اور قیمت خریداروں کی، دونوں ایک دوسرے کو واپس کریں، اور اگر خریداروں نے مچھلیاں خرچ کردیں تو ان کی قیمت بازار بھاؤ سے ادا کریں، اور بیچ دی ہوں تو وہ بیع زمینداروں کی اجازت پر موقوف ہوگی، زمینداروں کو اختیار چاہے مچھلیاں واپس لیں چاہے یہ بیع فضولی جائز کریں۔	۴۲۷
جس صورت میں مچھلیوں کے مالک زمیندار ہوں، پکڑنے والوں کو ان کی محنت کی اجرت مثل ملے گی جو نصف مچھلیوں کی رقم سے زائد نہ ہوگی۔	۴۲۴	زمینداروں نے بیع جائز نہ کی تھی کہ مشتریان ثانی نے مچھلیاں خرید کردیں تو زمیندار دونوں مشتریوں میں سے جس سے چاہیں قیمت وصول کریں۔	۴۲۸
اباحت کی صورت میں اگر زمیندار نے وقت متعین کرکے ان کو اجیر رکھا ہو تو پکڑی ہوئی مچھلیاں سب زمیندار کی۔	۴۲۵	بیع باطل ہونے کی صورت میں عوام پر بڑی دقتیں لازم آتی ہیں۔	۴۲۸
اجیروں کو اُجرت مثل ملے گی، اور وقت متعین نہ کیا ہو تو مچھلیاں پکڑنے والوں کی ہوئیں، اور زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہوگا۔	۴۲۵	امام صاحب اور امام محمد سے ایک روایت یہ کہ بیع فاسد ہوتی ہے۔	۴۲۹
تنویر الابصار اور درمختار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۲۵	یہی قاضی اسبیجابی اور دیگر اساتذہ امام سرخسی اور امام ابوالحسن کرخی کا مختار، امام ابن ہمام نے اسی کو ترجیح دی اور تنویر میں اسی کو مقدم رکھا۔	۴۲۹
ایسے تالابوں کی مچھلیاں بیچنا، یہاں بھی وہی تین صورتیں ہیں۔	۴۲۶	یہی من حیث الدلیل اظہر ہے اس قول پر عقد ناجائز وممنوع اور قابل رد لیکن مچھلیاں جب مشتریوں کے قبضہ میں آگئیں تو بیع صحیح ہوگئی۔	۴۲۹
تیسری صورت میں کہ مچھلیاں زمینداروں کی نہیں، ان کی بیع ناجائز اور وہ پکڑنے والوں کی ملک ہیں۔	۴۲۶	دونوں قول قوت پر ہیں، دونوں طرف اصحاب ترجیح وفتوی ہیں، پہلا قول من حیث الروایت اقوی، دوسرا من حیث الدرایت اجلی، اول پر دقتیں لازم اور ثانی پر سب مرتفع۔	۴۳۱
پہلی دو صورت میں کہ مچھلیاں زمینداروں کی ہیں اگر جال وغیرہ کے بغیر شکار ممکن تو بیع جائز ورنہ ناجائز، اور بطلان بیع میں ائمہ کا اختلاف ہے۔	۴۲۶	مسلمانوں پر آسانی کا حکم ہے لہٰذا دوسرا قول ہی انسب اور الیق ہے۔	۴۳۱
شیخ الاسلام ومشائخ بلخ اور اساتذہ امام سرخسی وغیرہ ایک جماعت کے مذہب پر یہ بیع باطل ہے، اور یہی امام ثلجی کا فتوی، یہی مختار ہدایہ، اور یہی ظاہر الروایہ۔	۴۲۶	(۲) بنجر زمین کی گھاس بیچنا، اگر زمینداروں نے وہ گھاس اگائی اور خودرو کی دیکھ دیکھ اور نگرانی کرائی تو گھاس اس کی اور بیع جائز، ورنہ وہ گھاس سب کے لئے مباح، اور جو قیمت لوگوں سے وصول کی واپس کریں۔	۴۳۲

نئے مہینہ میں بھی اجارہ متحقق ہوجائے گا، اگر نئے مہینہ کا ایک دن اور ایک رات گزر چکی ہو۔	۴۹۲	تعلیم قرآن و تعلیم علوم دیگر، اذان و اقامت کی اجرت جائز ہے۔	۴۹۵
کاشتکاری کی زمین کا رہن زمیندار کی اجازت سے جائز ہے۔	۴۹۲	زیارت قبر و ایصال ثواب، میلاد پاک کی اجرت ناجائز ہے۔	۴۹۵
کاشتکار کا مرتہن کو زمین کی لگان کے عوض کاشت کی اجازت دینا، فضول کا عقد اجارہ ہوا، جو زمیندار کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۴۹۲	جو ناجائز ہے مشروط ہو یا معہود ہر طرح ناجائز ہے۔	۴۹۵
زمیندار نے اجازت دے دی تو رہن باطل ہوکر اجارہ کا معاملہ ہوگیا، اور اب یہی اصل کاشت کار ہوگیا، یہ خود بھی کاشت کرسکتاہے اور دوسرے کو بھی دے سکتاہے۔	۴۹۲	اگر پہلے سے طرفین میں یہ طے ہوجائے کہ کچھ لینا دینا نہیں، بعد میں صاحب خانہ بطور صلہ دے تو لینے میں حرج نہیں۔	۴۹۵
زمیندار نے اجازت نہ دی تو اجارہ باطل، اور اس زمین سے اس کو کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔	۴۹۳	صریح دلالت پر فوقیت رکھتاہے۔	۴۹۵
مستاجر نے سال بھر کے کرایہ کی بات کی اور دوسال کا کرایہ نامہ لکھوایا۔	۴۹۳	پڑھنے والوں کو اتنے ٹائم کے لئے مزدور رکھ لیں اور اب ان سے طاعات کروائیں تب بھی حرج نہیں۔	۴۹۶
عاقدین کے درمیان تحریر سے پہلے کی گفتگو کبھی اصل عقد ہوتی ہے اور کبھی اصل عقد کی تمہید۔	۴۹۳	جہاں لینے دینے کا رواج نہ ہو یہ خالصاً لوجہ اللہ پڑھیں۔	۴۹۶
پہلی صورت میں عقد سال بھر کے لئے لازم ہوگیا، بدعہدی کی وجہ سے اسے توڑا نہیں جاسکتا۔	۴۹۴	اگر صاحب خانہ کچھ سلوک کرے تو مضائقہ نہیں۔	۴۹۶
بدعہدی فسق ہے۔	۴۹۴	قانون گوئی کی ملازمت سے سوال۔	۴۹۶
دوسری صورت میں عقد اجارہ ہی متحقق نہ ہوا تو اس کو مکان دینا کچھ ضروری نہیں۔	۴۹۴	قانون گو کے کام کی تفصیل۔	۴۹۶
عبادات کے اجارہ کے بارے میں سوال۔	۴۹۴	قانون گو کی آمدنی علاوہ تنخواہ (۱) پٹواریوں سے رعایت کے عوض (۲) تصدیق پٹہ جات کے وقت (۳) تحقیقات میں کسی ایک فریق سے (۴) زمیندار کے مقدم اور پردھانوں کی نذر۔	۴۹۷

زید کی پرتی زمین میں بکر نے درخت لگائے، ان کا مالک کون ہوگا۔	۲۶۳	زید کا مطالبہ بکر پر تھا، زید مرگیا، مطالبہ ادا نہ ہوا، پھر زید کا وارث بھی قضاء کرلیا، پھر بکر بھی مطالبہ ادا کئے بغیر مرگیا۔ آخرت میں مطالبہ معاف کرنے کا حق کس کو ہے۔	۲۶۷
بکر نے زید کی زمین پر اس کی حقیقی یا عرفی اجازت سے درخت لگائے تو اول میں درخت زید کا ہوگا، اور ثانی میں بکر کا اور زمین عاریت مانی جائے گی۔	۲۶۳	مظلوم کا ظالم پر دو طرح کا مطالبہ ہوتا ہے، ایک مطالبہ ظلم اور ایک مطالبہ مال اول کا حق ہر حال میں مظلوم کو ہے اور ثانی اگر مردہ ہوگیا ہو تو آخرت میں اس کے معافی کا حق بھی مظلوم کو ہی ہے کہ مطالبہ مردہ میں وراثت نہیں چلتی ورنہ مطالبہ مال کا حق لڑکے کو ہے۔	۲۶۷
اگر لگاتے وقت بکر نے زید سے کہا میں اپنے لئے لگاتا ہوں، زید کی اجازت کے خلاف تو یہ غصب ہوا، اس کا حکم ہوگا کہ اپنا درخت اکھاڑے، یہی حکم اس صورت کا ہے کہ بلااذن لگایا ہو، ہاں یہ کہہ کر لگایا ہو کہ زید کے لئے لگاتا ہوں، تو زید کا ہوگا۔	۲۶۳	ہندیہ، خانیہ وغیرہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۶۸
مسجد کی زمین غصب کرنے والا شخص فاسق، فاجر، ظالم ہے۔	۲۶۳	مصنف کا خانیہ کی عبارت سے ایک فقہی استنباط کہ لاوارث مال کا بیت المال وارث نہیں بلکہ وہ فیئ مسلمین ہے۔	۲۶۹
اس کی وعید میں بخاری، مسلم، احمد وطبرانی کی چار حدیثیں اور سب کی نفیس وضاحت۔	۲۶۳	کسی کی زمین پر قبضہ کرنے اور مظلوم کو مارنے سے سوال۔	۲۶۹
تعزیر بالمال کا سوال۔	۲۶۵	حدیث شریف سے زمین غصب کرنے اور مسلمانوں کو ایذا دینے کی وعیدیں، ایسے لوگوں اور ان کے معاونین کا حکم۔	۲۷۰
تعزیر بالمال منسوخ ہے اور تعزیر حاکم کا کام ہے عوام کا نہیں۔ جرمانہ واپس کرنے کے بعد اپنی طرف سے مالک مسجد کو دے دے تو یہ جائز ہے۔	۲۶۶	ترکہ کے جز حصہ پر قبضہ اور اس کی عدم ادائیگی کے لئے چوری ہوجانے کے عذر کا سوال۔	۲۷۱
دوسرے کی چیز بے اجازت اٹھا کر رکھ لینے سے وہ ضائع ہوگئی تو ضائع کرنے والے پر تاوان ہوگا۔	۲۶۶	صورت مسئولہ میں ترکہ کی رقم واجب الادا ہے اور چوری کا عذر نامسموع۔	۲۷۱
		ورثاء کی شرکت شرکتِ ملک ہوتی ہے اور ہر شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی، بلاسبب ایک کو دوسرے حصہ پر قبضہ کا حق نہیں۔	۲۷۱

وقف کاسامان مصرف کے خلاف استعمال کرنا حرام ہے۔	۶۸۹	کتب خانہ کے ملازم نے کچھ کتابیں نذر کیں، بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے کتب خانہ کی کتابیں دی ہیں، تو وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں، دینے والے کو واپس کردی جائیں، شبہہ کے بعد احتیاط بچنے میں ہے۔	۶۹۱
تعمیر چاہ کے لئے جمع شدہ رقم خازن نے بیت المال بناکر اس سے قرض بانٹنا شروع کیا، کچھ لوگوں نے اس سے قرض لیا اس دوران بیت المال کو چندہ دیا بعد میں پھر بند کردیا، کیا ایسے خزانہ کا نام بیت المال رکھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں۔	۶۹۰	غاصب الغاصب نے چیز غاصب کو واپس کردی ذمہ سے بری ہوگیا۔	۶۹۱
ایسے بیت المال کے مخالفین کو کلام اللہ کے مخالف کہنا کیسا ہے۔	۶۹۰	عامۃالورود جگہ مثلًا سرائے سے کسی مسافر کاسامان گم ہوگیا سرائے کے مالک پر تاوان کی ذمہ داری نہیں۔ کسی شخص پر سرقہ کا نادیدہ حکم روانہیں۔	۶۹۲
قوم اس روپیہ کاحساب اس خازن سے لے سکتی ہے یا نہیں۔	۶۹۰	عامۃالورود جگہ میں رکھے ہوئے سامان کی ذمہ داری جگہ والے پر نہیں۔	۶۹۲

فہرست ضمنی مسائل

انجمن، مسجد، مدرسہ کے مہتمم نے ادارہ کا روپیہ کسی کے پاس امانۃً رکھ دیا تو اس میں کسی قسم کا ردوبدل یا تصرف حرام وخیانت ہے، ہاں چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی صریح یا عرفی اجازت ہو تو حرج نہیں، مگر اب یہ امانت نہیں بلکہ قرض ہوگا۔	۱۶۶	بدگمانی ہر مسلمان پر حرام ہے، اور پیر پر بدگمانی اور شدید ہے۔	۲۷۰
واعظ کو جو روپیہ سفر خرچ کے لئے دیا اس کے ہاتھ میں امانت ہے جو اس مصرف کے علاوہ خرچ ہوا یا بچا اس کو واپس کرے۔	۱۶۸	خدمت گزاری فضل دینی ہے اور اس بنیاد پر ترجیح باتفاق روایات جائز ہے۔	۲۷۳
واپسی فیس اسی روپیہ سے ادا کی جائے گی۔	۱۶۸	امور ثواب پر اجارہ کثیر علماء نے جائز رکھا ہے۔	۲۸۴
ولی یعنی باپ کو بھی نابالغ کے مال سے ایک حبہ کسی کو دینے کا اختیار نہیں۔	۱۸۷	والد اپنی زندگی میں بعض اولاد کو ہبہ صحیح کردے تو وہ مالک ہوجائیں گے۔ البتہ دیگر وارثوں کو محروم کرنے کی وجہ سے یہ گنہگار ہوگا۔	۳۳۵
کسی نے اپنی ساری جائداد ایک ہی لڑکے کو دے دی تو صحیح اور نافذ ہے، البتہ وہ اپنے اس فعل میں گنہ گار ہوگا۔	۲۳۷	متبنّٰی بنانا شرعاً کچھ نہیں۔	۳۵۵
فضل دینی کی وجہ سے کسی اولاد کو ترجیح دینے میں نہ گناہ نہ مواخذہ شرعیہ۔	۲۳۷	اولاد میں ترجیحی سلوک سے سوال۔	۳۵۶
دوسرے کی جائداد اجارہ پر دے کر کرایہ وصول کیا تو کرایہ مالک کو لوٹائے یا فقیر پر تصدق کرے۔	۲۵۹	جس کا کوئی شرعی وارث نہ ہو وہ اپنا کل مال یتیم کو دے سکتا ہے۔	۳۹۰
مرشد کو اللہ واسطے زیور دے کر واپس لینا جائز ہے یا نہیں۔	۲۶۴	کوئی شخص اپنی ملک میں مستقل تصرف کا کب مجاز ہے اور کب نہیں۔	۳۹۴
واپس لئے ہوئے زیور کو دوسری جگہ اللہ واسطے یا اپنے گھر خرچ میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں۔	۲۶۴	مسئلہ کی پندرہ صورتوں کا بیان۔	۳۹۵
مرشد نے کل زیور اپنے صرفہ میں استعمال کیا تھا کچھ خیرات نہیں کیا اس سے وہ مجرم ہوئے یا نہیں۔	۲۶۴	مال حرام کے مصرف کا بیان۔	۴۰۷
		زمینداروں کا اپنے علاقہ کے دریا اور تالابوں سے نصف نصف پر مچھلیاں پکڑوانا، مچھلیوں کو کسی کے ہاتھ فروخت کردینا، گاؤں کی گھاس کو اپنی مملوک سمجھ کر بیچنا، جس میں آسامیوں کو اعتراض نہیں ہوتا۔	۴۲۲

اگر دیگر ورثہ کی اجازت سے پورے ترکہ پر قبضہ ہے، اور سب کے اخراجات کی ادائیگی اور فاضل کی حفاظت پر بھی ان کی رضا ہے تو غصب نہیں۔	۶۷۶	شرع مطہر حالت موجودہ پر حکم دیتی ہے۔	۲۳۸
دو بھائی باہم شرکت میں کام کرتے تھے، مال موروثی اور کمائی کا دونوں تھا، ایک بھائی مرگیا، دوسرا برس ہابرس جائداد پر قابض رہا۔ مرنے والے نے ورثہ اور قرض دونوں چھوڑا۔ تقسیم کیسے ہو اور قرض کا کیا حکم ہے۔	۶۷۹	تملیک عام ہے اور ہبہ خاص ہے۔	۲۴۳
دونوں بھائیوں کی مشترکہ زمین سے جو منافع زندہ بھائی نے کمایا اس کے تاوان میں متوفی کی نابالغ لڑکیوں کے حصہ کا، عہد نابالغیت تک کا کرایہ ادا کرے جبکہ قرض ترکہ سے کم ہو۔ اور بقیہ وارثوں کے حصہ سے جو کمایا صدقہ کرے۔	۶۸۰	عام سے خاص پر استدلال صحیح نہیں۔	۲۴۴
والد کے ترکہ میں ایک بھائی کے ناجائز تقسیم و تصرف اور قبضہ سے سوال۔	۶۸۰	مقام انشاء میں بھی جہاں خلاف پر قرینہ ہو تملیک سے ہبہ مراد نہیں لے سکتے۔	۲۴۸
فوائد اصولیہ		اعتبار معانی کا ہے الفاظ کا نہیں۔	۲۵۰
دین اور عین میں تباین ہے۔	۱۰۰	تملیک عین کی ہوگی یا منافع کی، اور بلا بعوض ہوگی یا بعوض، یہ تقسیم عقلی اور حاصر ہے۔	۲۵۱
قرضدار کا حق مالیت میں ہے مال میں نہیں۔	۱۰۰	عرف عام میں بھی تملیک عین بلا عوض کو ہبہ تسلیم کرتے ہیں۔	۲۵۲
مقرلہ کی جہالت غیر فاحشہ صحت اقرار کی مانع نہیں۔	۱۰۷	قاضی ابویوسف اور امام اعظم رحمہم اللہ تعالٰی کے اقوال میں ظاہری تضاد کا دفعیہ۔	۲۷۶
متضمن فاسد ہو تو متضمن فاسد ہو جاتا ہے۔	۱۲۶	نصوص صریحہ کے خلاف روایت شاذہ نامقبول اور روایت مطلقہ مقیدہ پر محمول۔	۳۱۶
جو چیز فاسد پر مبنی ہو فاسد ہوگی۔	۱۲۷	اقرار کو انشاء کے معنی میں لینا مجاز ہے جو بے ضرورت ممنوع ہے۔	۳۱۶
رب المال کو مقید کو مطلق کرنے کا ہر وقت اختیار ہے۔	۱۴۱	صحت اقرار کے لئے مطلقاً کسی سبب کا وجود ضروری ہے کسی خاص سبب کا نہیں۔	۳۱۷
قبضہ دلیل ملک ہے۔	۱۵۳	القول بموجب العلۃ۔	۳۲۰
مالک کی تملیک کے بغیر کوئی چیز کسی کی نہیں ہو سکتی۔	۲۱۱	تمادی کا حکم بھی قضاءً ہے دیانۃً نہیں، یہ حکم "الحق لایسقط و لوتقادم الزمان" کے معارض نہیں ہو سکتا۔	۳۷۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

مسئلہ ۱: از کیمپ میرٹھ لال کرتی بازار محلّہ گھوسیاں مرسلہ شیخ غلام احمد صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

جناب مولٰنا! بعد تقدیم سلام عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کی ضرورت ہے جلد مشرف فرمائیں۔

بعض شخصوں نے کچھ روپے زید کو دئے کہ ان کی کتابیں دینیہ لے کر طالبعلموں کو دے دو۔ زید کے پاس خود وہ کتابیں دینیہ موجود تھیں اس نے اپنے پاس سے حسب نرخ بازار کتابیں لے کر طالبعلموں کو تقسیم کردیں اور وہ روپے اپنی کتابوں کی قیمت میں آپ رکھ لئے اور یہ سمجھا کہ میں نے یہ بیع اصالۃً اور خرید وکالۃً کی ہے اور مقتضائے حال سے قطعاً معلوم ہے کہ مالکوں کو ہرگز کچھ غرض اس سے متعلق نہ تھی کہ بازار ہی سے کتابیں خریدی جائیں اسی واسطے انھوں نے معاملہ میں یہ قید نہیں لگائی ان کا اصل مقصد تقسیم کتب سے تھا وہ زید نے بخوبی کردیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تقسیم کتب مالکوں کی طرف سے ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اب کیا کیا جائے؟ کتابیں واپس نہیں ہوسکتیں، بالکل یاد نہیں رہا کہ وہ طالبعلم کون کون تھے، زیادہ زمانہ گزر گیا۔ اور مسئلہ میں شبہ اب پڑا اور وہ روپے بھی باقی نہیں رہے، **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید کو اصلاً یہ اختیار نہ تھا۔نہ وہ بیع ان روپیہ دینے والوں کے ہاتھ ہوئی۔

فان الواحد لایتولی طرفی العقد فی البیع وامثالہ بخلاف النکاح۔	کہ بیشک ایک ہی شخص بیع جیسے عوض کے معاملات میں خرید اور فروخت دونوں کا ولی نہیں بن سکتا بخلاف نکاح کہ اس میں بن سکتا ہے۔(ت)

تو یہ کتابیں اس کی اپنی گئیں روپے کے مالکوں کو ان کا روپیہ واپس کرے۔

فی الدر المختار لایعقد وکیل البیع والشراء والاجارۃ ونحوھامع من ترد شھادتہ لہ الا اذا اطلق لہ المؤکل کبع ممن شئت فیجوز بمثل القیمۃ وفی السراجیۃ لوصرح بھم جاز اجماعا الا من نفسہ [1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار عن منح الغفار عن السراج الوھاج لو امرہ بالبیع من ھؤلاء فانہ یجوز اجماعا الا ان یبیعہ من نفسہ فلا یجوز قطعا وان صرح بہ الموکل اھ باختصار [2]۔واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے بیع شراء اور اجارہ ان جیسے معاملات کا وکیل ایسے لوگوں سے عقد نہیں کرسکتا جن کی شہادت اس کے حق میں مقبول نہیں مگر اس صورت میں جبکہ موکل نے اسے عام اختیار دیا ہو مثلا یہ کہہ دے تو جس سے چاہے بیع کر،تو ایسی صورت میں وہ ان لوگوں سے بازاری قیمت پر عقد کرسکتا ہے اور سراجیہ میں ہے اگر موکل نے ایسے لوگوں سے عقد کی صراحتا اجازت دی تو بالاجماع بیع جائز ہے لیکن خود اپنے لئے خرید نہیں کرسکتا اھ مختصرا۔اور ردمحتار میں ہے منح الغفار کے حوالہ سے السراج الوھاج سے منقول ہے کہ اگر موکل نے ایسے لوگوں سے بیع کا اختیار دیا ہو تو بالاجماع ان لوگوں سے بیع جائز ہے لیکن اپنی ذات کے لئے خریدنا تو یہ قطعاً جائز نہیں اگرچہ مؤکل نے اس کو صراحۃ یہ اجازت بھی دی ہو اھ مختصرا۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ بشیر محمد خاں صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں وکیل مطلق اگر کسی کو کچھ معاف کردے اور اس کو اختیارات کامل معاف کردینے کے حاصل ہوں تو پھر وہ رقم معاف شدہ از روئے شرع شریف کے پانے کا مستحق

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۷

[2] ردالمحتار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۰۷

ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر صراحۃً معاف کردینے کی اجازت مؤکل نے دے دی تھی جب تو اس کا معاف کیا ہوا بعینہٖ موکل کا معاف کیا ہوا ہے جہاں خود اپنی معافی کو واپس نہیں لے سکتا وکیل کی معافی بھی واپس نہ ہوسکے گی اور شرعاً اس رقم کا مستحق نہ رہے گا، اگر صرف وکیل عام کیا یا کہہ دیا کہ اس کا جملہ ساختہ پرداختہ مثل میرے ذات کے ہے تو معاف کردینے کا وکیل کو اختیار نہ ہوگا، موکل اگر قبول نہ کرے تو رقم معاف کردہ لے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

اعلم ان الوکیل وکالۃ عامۃ مطلقۃ مفوضۃ انما یملك المعاوضات لاالطلاق والعتاق والتبرعات بہ یفتی [1] زواہر الجواہر، تنویر البصائر۔	واضح رہے کہ جس وکیل کو مطلق عام وکالت تفویض کی گئی ہو وہ صرف عوض والے معاملات میں مختار ہوگا، طلاق، عتاق اور تبرعات کا اختیار اسے نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے، زواہر الجواہر، تنویر البصائر (ت)

اور بزازیہ میں ہے:

انت وکیل فی کل شیئ جائز امرك ملك الحفظ والبیع والشراء الا العتق والتبرع وعلیہ الفتوی [2] اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تجھے ہر جائز معاملہ میں میری وکالت ہے۔ تو اس سے وکیل کو حفاظت، بیع اور شراء کا اختیار حاصل ہوگا، عتق اور تبرعات کا اختیار نہ ہوگا اور اسی پر فتوٰی ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳: از دفتر محکمہ زراعت پنجاب لاہور مسئولہ محمد نصر اللہ صاحب ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیشتر وکالت از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وکالت جس طرح رائج ہے کہ حق کو ناحق، ناحق کو حق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ سچ

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الهندیۃ کتاب الوکالۃ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۰-۴۵۹

بولنا چاہے تو کہتے ہیں اگر سچ کہوگے تو تمھارا مقدمہ سرسبز نہ ہوگا، جھوٹی گواہیاں دلواتے ہیں۔ جھوٹے حلف اٹھواتے ہیں۔ قطعی حرام ہے، اور ایسی ہی وکالت آج کل فروغ پاسکتی ہے، وہ جو کامل تحقیقات کے بعد جسے حق پر جان لے صرف اس کی وکالت کرے، محض بطور حق کرے، جھوٹ بولنے یا بلوانے سے پرہیز کرے اس کی وکالت اس زمانے میں اصلا نہیں چل سکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتاب الاقرار

(اقرار کا بیان)

مسئلہ ۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک امر کا پیش قاضی اقرار کیا اور اس اقرار کا معترف تھا، اب اس امر سے انکار کرتا ہے، آیا یہ انکار اس کا معتبر ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید اپنے اقرار پر ماخوذ اور انکار اس کا مردود ہوگا،

فی العالمگیریۃ ان کان الواھب اقر بذلك عندالقاضی والعبد فی یدہ اخذ باقرارہ [1] وفی الاشباہ والنظائر اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطألم تقبل کمافی الخانیۃ [2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	عالمگیری میں ہے اگر ہبہ کرنے والے نے یہ اقرار کیا حالانکہ غلام اس کے قبضہ میں ہے تو وہ اپنے اقرار کی بناء پر ماخوذ اور پابند ہوگا۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے جب کوئی کسی چیز کا اقرار کرلے پھر اقرار کے خطا ہونے کا دعوی کرے تو یہ دعوی مقبول نہ ہوگا، جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۸

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

مسئلہ ۵: از گورکھپور محلّہ گھوسی پورہ مرسلہ مولوی حکیم محمد عبداللہ صاحب ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مرض موت میں بحضور ایک جماعت معززین زوجہ کے مہر کا اقرار کیا اور کہا کہ میرے ذمہ پچاس ہزار روپیہ دین مہر میری زوجہ کا واجب الادا ہے وہ اب تک مجھ سے ادا نہیں ہوا اب ادا ہونا اس کا ضروری ہے، لہذا میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرلے، بعدہ زوجہ نے بناء برہدایت شوہر اپنے کل جائداد شوہری پر قبضہ اپنا کرلیا، بعدہ ورثہ مقر باہم مختلف ہوئے، اکثر نے اقرار اپنے مورث کا تسلیم کیا۔ اور بعض کا بیان ہے کہ دعوی اقرار غلط ہے اور مہر زوجہ کا اس قدر نہیں بندھا تھا۔ اب استفسار یہ ہے کہ اقرار مورث جو کہ بشہادت معزز لوگوں کے ثابت ہے شرعا قابل اعتبار ہے یا نہیں، اور مقدار مہر مطابق اقرار مورث کے شرعا واجب الثبوت ہے یا نہیں، اور قبضہ زوجہ مقر کا بعوض دین مہر اپنے جائداد شوہری پر شرعا قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ مرض موت میں وارث کے لئے اقرار بے تصدیق دیگر ورثہ معتبر نہیں۔

کما نصوا علیہ قاطبۃ وعللوہ بان حقھم تعلق بمالہ ففی تخصیص البعض بہ ابطال حق الباقین۔	جیسا کہ اس پر سب نے نص فرمائی ہے اور انہوں نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ تمام ورثاء کا حق میت کے تمام ترکہ سے متعلق ہے تو ترکہ سے کچھ ورثاء کی تخصیص میں باقی ورثاء کے حق کو باطل کرنا ہے (ت)

مگر جبکہ نکاح معروف ہو تو عورت کے لئے مہر مثل تک اقرار صحیح ومقبول ہے وجہ اس کی یہ کہ مہر مثل موجب اصلی نکاح ہے کما صرح فی الھدایۃ وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ ت) تو خود ثبوت نکاح اس کے اثبات میں کافی، فان الشیئ اذا ثبت ثبت باحکامہ (کیونکہ جب کوئی شے ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے احکام سمیت ثابت ہوتی ہے۔ ت) ولہذا عورت کی بلابینہ اس مقدار تک تصدیق کی جاتی ہے۔

فی وصایا الخانیۃ رجل مات عن اولادہ الصغار وادعت المرأۃ مھرھا قالوا ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مھر مثلھا یدفع ذلك	خانیہ کے وصایا میں ہے ایک شخص فوت ہوا نابالغ اولاد چھوڑی اور عورت نے ترکہ پر اپنے مہر کا دعوی کیا تو فقہاء کرام نے فرمایا اگر عورت سے میت کا نکاح معروف ومعلوم ہے تو عورت کا مہر مثل تک دعوی قبول کیا جائے گا اور اتنا مہر عورت کو

الیھا[1] اھ ملخصاً۔	دے دیا جائے گا اھ ملخصا (ت)

تو اس قدر میں مریض کی تصدیق اس کے اقرار سے کسی امر غیر ثابت کا ثابت کرنا نہیں بناء براں واجب القبول ہوا۔ فتاوٰی امام خیر الدین رملی میں ہے:

سأل فیما اذا اقر بحضرۃ بینۃ شرعیۃ فی مرضہ بان فی ذمتہ لزوجتہ خمسۃ وعشرین دینارا ذھبا مھرا مؤجلا و صدقتہ فیہ وصدق علی ذٰلك بعد موتہ بعض ورثتہ وکذب البعض فھل الاقرار المذکور صحیح ام لا (اجاب) الاقرار بالمھر صحیح صحیح حیث کانت ممن یؤجل لھا مثل المقربہ کما صرح بہ فی جامع الفصولین وغیرہ معللا بقولہ اذ یقبل قولھا الی تمام مھر مثلھا بلا اقرار الزوج[2] اھ بتلخیص۔	ان سے سوال ہوا اس صورت کے متعلق کہ جب کوئی شخص اپنی مرض موت میں شرعی گواہوں کی موجودگی میں یہ اقرار کرے کہ اس کی بیوی کا اس کے ذمہ پچیس دینار سونا مہر مؤجل ہے اور بیوی اس اقرار کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے بعض ورثاء بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ بعض ورثاء اس کو جھوٹ قرار دیتے ہیں توکیا مذکورہ اقرار صحیح ہوگا یا نہیں، تو امام خیر الدین رملی نے جواب دیا کہ وہ عورت ایسی ہو کہ اس کے لئے اقرار میں بیان کردہ مہر کی مقدار مؤجل ہوتی ہے۔ تو مہر کا یہ اقرار صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین وغیرہ میں اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ علت بیان فرمائی کہ خاوند کے اقرار کے بغیر بھی مہر مثل کی حدتک عورت کا قول قبول کیا جائے گا اھ ملخصا (ت)

پس اگر پچاس ہزار روپے عورت کے مہر مثل سے زائد نہیں تو اس پوری مقدار میں مریض کا اقرار مقبول ہوگا اور زائد ہیں تو صرف مقدار مہر مثل تک معتبر اور قدر زائد میں تصدیق ورثہ یا اقامت بینہ عادلہ شرعیہ کی حاجت ہوگی۔

فان البینۃ کاسمھا مبینۃ والثابت بالشھادۃ کالثابت بالمشاھدۃ۔	کیونکہ بینہ اپنے عنوان کے مطابق واضح کرنے والا ہے اور شہادت کے ساتھ ثابت شدہ چیز گویا وہ مشاہدہ سے ثابت ہے۔ (ت)

خیریہ کے فتوٰی مذکورہ میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاقرار دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۰

والحاصل ان الاقرار لها بالدنانیر المذکورة مهرا صحیح حیث لا زیادة فیه علی مایؤجل لمثلها ولا یحتاج فیه الی تصدیق الورثة وان کان فیه زیادة لایصح بها الابه ویصح فیما هو مهر مثلها [1]۔	حاصل یہ کہ بیوی کے لئے مذکورہ دنانیر مہر کا اقرار تب صحیح ہوگا جب اس جیسی عورت کے مہر مؤجل کے برابر ہو زائد نہ ہو اور اس میں ورثاء کی تصدیق کی ضرورت نہیں، اور اگر اس سے زائد ہو تو پھر ورثائے کی تصدیق کے بغیر اقرار صحیح نہ ہوگا اور یہ بھی مہر مثل کی حد تک صحیح ہوگا۔

اس قدر سے سوال کہ دو امر کا جواب منکشف ہوگیا۔ رہا امر ثالث یعنی زوجہ کا جائداد مورث پر بعوض مہر بے رضائے ورثہ قبضہ کرلینا، واضح ہو کہ دین ایک مال حکمی ہے کہ ذمہ پر ثابت ہوتا ہے کما فی الحاوی القدسی (جیسا کہ الحاوی القدس میں ہے۔ ت) اور اس کی ادا اس کے مثل ہی سے ہوتی ہے،

فقد نصوا ان الدیون تقضٰی بامثالها کما فی الاشباه وغیرها۔ [2]	تو بیشک سب نے تصریح کی ہے کہ دیون کی ادائیگی اس کی مثل سے ہوگی جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور دین وعین محض متبائن ہیں نہ مثلین، ولہذا باجماع ائمہ حق دائن مالیت میں ہے نہ عین میں۔

نص علیه فی غیر موضع من الهدایة وغیرها عامة کتب المذهب منها فی اقرار المریض ان حق الغرماء تعلق بالمالیة لابالصورة [3] اھ۔	اس پر ہدایہ وغیرہ کتب مذہب میں متعدد مقامات پر نص ہے ان میں ایک مقام اقرار المریض میں ہے کہ حق کا مطالبہ کرنے والوں کا تعلق مالیت سے ہوتا ہے کسی معین مال کی صورت سے نہیں ہوتا اھ (ت)

تو بطور خود اخذ عین بعوض دین تجارت بے تراضی ہے کہ بنصوص قطعی قرآن عظیم ممنوع وناجائز۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ	ہمارے رب تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! آپس کے مال کو ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاقرار دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۵

[3] الہدایۃ باب اقرار المریض مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴۰

تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]	یہ کہ رضامندی پر مبنی تجارت ہو۔(ت)

ہدایہ میں بیع مال مدیون بے رضائے مدیون کی نسبت فرمایا:

انه تجارة لاعن تراض فیکون باطلا بالنص[2]۔	کہ یہ رضامندی کے بغیر تجارت ہے تواس کا باطل ہونا نص سے ثابت ہے۔(ت)

اسی لئے ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دائن مال مدین عـــہ سے خلاف جنس دین بے رضائے مدیون، دین میں نہیں لے سکتا، ہدایہ میں ہے:

ان کان دینه دراہم وله عروض لم یکن لصاحب الدین ان یاخذه جبرا[3] اھ ملتقطا۔	اگر اس پر دراہم قرض ہیں جبکہ اس کے اس موجود صرف سامان ہے تو قرض خواہ کو وہ سامان جبرا حاصل کرنا جائز نہیں اھ ملتقطا(ت)

اور عبارت وصایائے خلاصہ:

المرأة تاخذ مهرها من الترکة من غیر رضا الورثة ان کانت الترکة دراهم او دنانیر وان کانت شیأا مما یحتاج الی البیع تبیع ماکان اصلح ویستوفیه صداقتها سواء کانت الوصیة من جهة زوجها اولم تکن وتاخذ من غیر رضا الورثة[4]۔	اگر ترکہ میں دراہم یا دینار ہیں تو بیوی ترکہ سے اپنا مہر ورثاء کی رضامندی کے بغیر حاصل کرسکتی ہےاور اگر وہ ترکہ ایسا سامان ہے جس کی فروخت کرنے کی ضرورت ہے تو بیوی مناسب نقد پر فروخت کرے اور پنا مہر پورا کرلے خواہ خاوند کی طرف سے وصیت ہو یا نہ ہو، اور بیوی ورثاء کی رضاء کے بغیر حاصل کرے۔(ت)

کہ اس قبضہ کی تجویز جو مفید زوجہ خیال کی گئی ہر گز مفید نہیں بلکہ صاف خلاف پر نص ہے۔

عـــہ: فی الاصل ھکذا العله مدیون۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] الهدایه کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵۶

[3] الهدایه کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵۷

[4] خلاصة الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۴۱

الاترى انه رحمه الله تعالٰى خص اخذ العين بما اذا كانت التركة دراهم اودنانير وفى غيره انما اجازا لاستيفاء بالبيع لااخذ العين فى الدين ونص انه لابدفيه من البيع حيث قال وان كانت شيئا مما يحتاج الى البيع [1] الخ۔ فمعنى قوله وتأخذ الثانى تأخذ المهر من الثمن وان لم يرض الورثة بل اظن وارجو ان اكون فى ظنى صادقا ان "لا" سقطت من تاخذ الثانى من قلم الناسخ وانما العبارة" ولاتاخذ من غير رضا الورثة"اذبه يحسن المقابلة بين هذا وبين ماقدم من قوله"تاخذ من غير رضا الورثة ان كانت دراهم او دنانير"فالمعنى تبيع وتستوفى قهرا عليهم ولا تاخذ العين الابرضا هم فلتراجع نسخ الخلاصة فان النسخة التى عندى قد تقطعت اوراقها من هذا المقام ومن المحال ان	آپ دیکھ رہے ہیں کہ صاحب خلاصہ رحمہ اللہ تعالٰی نے تخصیص کی ہے کہ اگر ترکہ دراہم ودنیار ہیں تو عین ترکہ کو لیناجائز ہے۔اور اگر ترکہ دراہم ودنانیر کا غیر ہو تو انہوں نے فروخت کرکے حق کی وصولی کو جائز کہا ہے نہ کہ اس عین سامان ترکہ کو فروخت کرنے کی ضرورت پر نص فرمائی ہے جہاں انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے الخ اور عبارت میں دوسرے "تاخذ" کا معنی یہ ہے کہ بیوی اس چیز کے ثمن سے مہر وصول کرے اگرچہ ورثاء کی رضانہ ہو بلکہ میرا ظن ہے اور مجھے امید ہے کہ میں اس ظن میں صادق ہوں، وہ یہ کہ یہاں "تاخذ" سے قبل "لا" نقل کرنے والے کے قلم سے ساقط ہوگیا ہے جبکہ اصل عبارت یوں تھی: ولاتاخذ من غیر رضا الورثۃ، یعنی ورثاء کی رضا کے بغیر نہ لے۔ کیونکہ یوں اس عبارت کا پہلی عبارت سے مقابلہ درست ہو جاتا ہے پہلی عبارت کہ اگر ترکہ دراہم ودینار ہو تو ورثاء کی رضا کے بغیر وصول کرلے تو اب دوسری عبارت کا معنی یہ ہوا کہ سامان کو فروخت کرے اور حق کو اس کے ثمن سے جبرا وصول کرے اور عین سامان کو ان کی مرضی کے بغیر نہ لے۔ آپ خلاصہ کے مختلف نسخوں کی طرف مراجعت کریں میرے پاس جو نسخہ ہے اس مقام کے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۴۱

یکون المرأة تأخذ العین من غیر رضاہم فانه علی هذا لایبقی الفرق بین النقد وغیره وهوانما فتح الکلام علی التفرقة فلو کان مراده هذا لقال"تأخذ الترکة فی مهرهاولو عروضاوعقارا وان لم یرض الورثة"، **وبالجملة** فهذا مما لا یرضٰی به فقیه ثم لاغرض لنا ههنا یتعلق بنقد مااطلق فی اجازة البیع"وان لم تکن وصیة من قبل زوجها"والا ففیه مجال نظر فانها اذا لم تکن وصیة کان بیعها بیع مال الغیر من دون اذن منه ولا من الشرع بخلاف بیع الوصی فانه مختار المالك وبیع القاضی عند الصاحبین فانه ماذون له من جهة الشرع دفعا للظلم وایصالا للحق الی المستحق واذا رأینا الامام الاجل فقیه النفس استاذ صاحب الخلاصة مولٰینا القاضی الامام فخر الدین رحمهما الله تعالٰی فرض المسئلة فی الخانیة	اوراق اس میں سے کٹے ہوئے ہیں، اور یہ بات محال ہے کہ بیوی ورثاء کی رضا کے بغیر عین سامان کو حاصل کرے کیونکہ اس صورت میں نقد اور غیر نقد کا فرق نہ رہے گا حالانکہ صاحب خلاصہ نے یہ کلام دونوں میں فرق کے لئے جاری کیا ہے۔ اگر ان کی مراد یہی ہوتی تو پھر کلام یوں ہونا چاہئے تھا: "ترکہ سے مہر وصول کرے اگرچہ سامان ہو یا جائداد ہو خواہ ورثاء راضی نہ بھی ہوں" خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس ظاہر عبارت پر کوئی فقیہ راضی نہ ہوگا پھر مطلق اجازت والی عبارت جس میں ہے اگرچہ خاوند کی وصیت نہ ہو، سے ہماری غرض کا تعلق نہیں ہے ورنہ یہاں اعتراض کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ جب خاوند کی مہر کی ادائیگی کے متعلق وصیت نہیں ہے تو پھر بیوی کا سامان کو فروخت کرنا اور شرع کی اجازت کے بغیر فروخت لازم آتا ہے۔ بخلاف وصی کا ترکہ کے سامان کو فروخت کرنا کہ اس میں وہ مالک کی طرف سے مختار ہے، اور صاحبین کے نزدیک قاضی کے فروخت کرنے کا جواز بھی شرعی طور پر ماذون ہونے کی وجہ سے ہے تاکہ قاضی کے عمل سے ظلم ختم اور مستحق کو حق دیا جاسکے، اور جب ہم نے صاحب خلاصہ کے استاد امام اجل فقیہ النفس مولانا قاضی امام فخر الدین رحمہما اللہ تعالٰی کو دیکھا کہ انہوں نے اس مسئلہ کو خانیہ میں عورت کے وصی ہونے پر بیان فرمایا، جہاں انہوں نے خوب فائدہ مند کلام فرمایا (اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے)

فیما اذا کانت المرأة وصیة حیث افاد واجاد رحمه الجواد میت اوصی الی امرأته وترك مالا وللمرأة علیه مهر ها ان ترك المیت صامتا عـــه مثل مهره اکان لها ان تبیع ماکان اصلح للبیع وتستوفی صداقها من الثمن [1] اھ(ملخصا)۔	کہ ایک میت نے اپنی بیوی کو وصیت کی اور مال ترکہ چھوڑا جبکہ خود اس بیوی کا میت کے مال میں مہر باقی ہو تو اگر میت نے ترکہ میں صامت مال یعنی نقد وسامان چھوڑا جو مہر کی مثل ہو تو بیوی کو (وصی ہونے کی حیثیت سے) اختیار ہوگا کہ وہ مناسب مال کو فروخت کرے اور اپنا حق مہر اس سامان کے ثمن سے پورا کرلے اھ (ملخصا) (ت)

اور زید کا کہنا "میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتاہوں کہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرلے" ہرگز اس معنٰی میں نص نہ تھا جو زوجہ نے خواہی نخواہی قرار دے لئے، کہاں جائداد سے وصول کرنا اور کہاں عین جائداد اپنے دین میں لینا آخر علماء یہی عامہ کتب میں فرماتے ہیں کہ ترکہ سے پہلے میت کے دیون ادا کئے جائیں پھر ثلث مابقے سے وصایا، کیا اس کے یہ معنی کہ عین جائداد متروکہ دائنین وموصٰی لہم کو دے دی جائے جو معنی ادا کے کلام علماء میں ہیں بعینہٖ وہی معنی وصول کرلینے کے کلام زید میں، مع ھذا عین بعوض دین دینا نہیں مگر بیع لکونه مبادلة مال بمال (مال کامال سے تبادلہ ہونے کی وجہ سے۔ (ت) اور مرض نہ بالفعل وارث کے ہاتھ بیع کرسکتاہے جب تک باقی ورثہ اجازت نہ دیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

اعطاها بیتا عوض مهر مثلها لم یجز اذا البیع من الوارث لم یجز فی المرض ولم بثمن المثل [2] (الا اذا اجاز وارثه)	خاوند نے مرض موت میں بیوی کو مہر کے عوض مکان دیا تو جائز نہیں کیونکہ مرض موت میں کسی وارث کو بیع کردینا جائز ہے اگرچہ وہ بیع مساوی ثمن کے عوض ہو، ہاں اگر باقی ورثاء جائز کردیں تو جائز ہوجائے گی۔ (ت)

عـــه: الصامت من المال الذهب والفضة والناطق هو الحیوان(منجد)۔	صامت مال سے مراد سونا چاندی اور ناطق سے مراد حیوانات ہیں (المنجد) (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الولی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

[2] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون کتاب النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۴

نہ وارث کے لئے وصیت کا اختیار رکھتا ہے کہ فلاں شیئ اس کے ہاتھ بیع کی جائے یا یہ خود اپنے ہاتھ بیع کرلے الا لاوصیة لوارث الا ان یجیز ھا الورثة (خبردار، وارث کے لئے وصیت جائز نہیں مگر جب ورثاء جائز قرار دیں تو جائز ہوگی۔ت) بہر حال زید کا کلام بھی کچھ بکار آمد نہیں، بالجملہ اگر دین ترکہ کو محیط نہیں جب تو امر نہایت ظاہر کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں ہوتا۔ اشباہ کے قول فی الدین میں ہے:

قدمنا انه لایمنع ملك الوارث للترکة ان لم یکن مستغرقا ویمنعه ان کان مستغرقا[1]۔	ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ جب ترکہ قرض میں مستغرق نہ ہو تو وارث کے مالک بننے کو مانع نہیں ہاں اگر ترکہ قرض میں مستغرق ہو تو اس کی ملکیت میں رکاوٹ بنے گا۔(ت)

تو زوجہ ملک ورثہ بے رضائے ورثہ کیونکر بطور خود بالجبر لے سکتی ہے اور اگر محیط ہے تاہم ورثہ شارعا اختیار رکھتے ہیں کہ دین اپنے پاس سے ادا کرکے ترکہ کو خالص کرلیں۔ اشباہ کے قول فی الملک میں ہے:

للوراث استخلاص الترکة بقضاء الدین ولو مستغرقا[2]۔	وارث کو قرض ادا کرکے ترکہ کو خلاص کرانا جائز ہے اگرچہ ترکہ قرض میں مستغرق ہو۔(ت)

تو ان کی بے رضا قبضہ کرلینے میں اس کے اس حق کا ابطال ہے اور یہ جائز نہیں۔ ولہٰذا علامہ حموی نے تصریح فرمائی کہ قاضی جب ترکہ کو دین محیط میں بیچے تو بیع بحضور ورثہ ہونا چاہئے کہ وہ حق استخلاص رکھتے ہیں۔

قال فی الاشباہ لاینفذ بیع الوارث الترکة المستغرقة بالدین وانما یبیعه القاضی[3] اھ فقال فی الغمز ینبغی ان یکون البیع بحضرة الورثة لما لھم من حق امساکھا وقضاء الدین من مالھم[4] الخ۔	الاشباہ میں فرمایا کہ دین میں مستغرق ترکہ کو وارث کا فروخت کرنا جائز نہیں اور صرف قاضی اسے فروخت کرسکتا ہے اھ تو غمز العیون میں فرمایا مناسب ہے کہ قاضی کی بیع ورثاء کی موجودگی میں ہو کیونکہ ورثاء کو حق ہے کہ قرض میں اپنا مال دے کر ترکہ کو روک لیں۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۵

[2] الاشباہ والنظائر القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[3] الاشباہ والنظائر القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

پس روشن ہو گیا کہ قبضہ زوجہ محض بے جاہ وبے معنی ہے،

وھھنا فتوی للاخصب ماانا بغافل عنھا ولا ناس لھا لکنھا محمولۃ عندی علی اموال خفیۃ یظفر بھا الدائن الائس من الوصول الی حقه دون الظاھرۃ و الاسترسال فی تحقیقه یطول فلتضرب عنھا الذکر صفحا اقتداء بجمیع ائمتنا الاقدمین وجماھیر الاجلۃ المتأخرین حیث لاتیر لھا فی کلامھم عینا ولا اثرا ولا ذکرا ولا خبرا کیف وقد وقعت مخالفۃ للمذہب المجمع علیه بین ائمتنا ومضادۃ لما اطبقت علیه المتون قاطبۃ مع الشروح والفتاوی من کتب مذھبنا نعم لاباس بالمصیر الیھاعندی الضرورۃ دفعاللحرج وذٰلك انمایکون عندا الیأس مع القدرۃ علی الاستیفاء بالاخذ وقلمایجتمعان الا فی مال خفی کما لایخفی علی ذی فھم ذکی، واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدۃ اتم واحکم۔	یہاں الاخصب کا فتوی ہے جس سے میں غافل نہیں اور بھولا بھی نہیں لیکن میرے نزدیک اس فتوی کا محمل وہ مخفی اموال ہیں جن پر وصولی سے مایوس قرضخواہ قابو پالے نہ کہ اموال ظاہرہ اس کی واضح تحقیق طویل ہے اس لئے متقدمین تمام ائمہ اور جلیل القدر جمہور متاخرین کی اقتداء میں اس سے پہلو تہی مناسب کیونکہ آپ ان کے کلام میں اس کا ذکر، حکایت اور خبر تک نہ پائیں گے، اور ہو بھی کیسے جبکہ یہ بات ہمارے ائمہ کے متفق علیہ مذھب کے مخالف اور تمام متون بمع شروح وفتاوٰی ہمارے مذھب کی کتب سے متضاد ہے، ہاں دفع حرج کے لئے ضرورت کے وقت اس کو اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ اس وقت جب وصولی سے مایوسی ہو اور اپنے حق کو حاصل کرنے پر قدرت بھی ہو، اور یہ دونوں باتیں اموال خفیہ کے بغیر بہت کم مجتمع ہوتی ہیں جیسا کہ ذکی فہم والے پر مخفی نہیں۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۶: ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حسینی بیگم بریلوی نے بارادہ حج بیت اللہ شریف کو جاتے وقت بیس روپیہ اور ایک جگنو طلائی اور ایک زنجیر نقرئی بمبئی میں پاس جمیل النساء کے بایں شرط بطور امانت چھوڑی کہ جس وقت جو شے میں طلب کروں تم بھیج دینا۔ اور درصورت میرے مرجانے کے وہ بیت اللہ شریف میں خیرات کردینا۔ اس کے بعد مکہ معظّمہ پہنچ کر بیس روپے حسینی بیگم نے جمیل النساء سے منگوالئے اور جگنو اور زنجیر جمیل النساء کے پاس امانت رہا، اور زنجیر کی نسبت کہا تھا کہ یہ میری ایک نواسی کی ہے

سہواً میرے ہاتھ چلی آئی ہے، اب حسینی بیگم کا مکہ شریف میں انتقال ہوگیا لہٰذا ازروئے شرع شریف کے جگنو اور زنجیر کا کیا کا جائے گا اور یہ بھی کہا تھا کہ میرے وارث کو مت دینا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں دو چیزیں ہیں، زنجیر کا نواسی کے لئے اقرار اور جگنو کی نسبت کی خیرات کی وصیت سائل مظہر کی حسینی بیگم کی تین نواسیاں ہیں ان سے کہا گیا تو سب نے انکار کیا کہ وہ زنجیر ہماری نہیں پس صورت مستفسرہ میں اگرچہ بربنائے قول اصح کہ مقرلہ کی جہالت غیر فاحشہ مانع صحت اقرار نہیں کیا۔ **نص علیه فی الهندیة من التبیین** (ہندیہ میں تبیین الحقائق کے حوالے سے اس پر تصریح فرمائی گئی ہے۔ت) اقرار مذکورہ صحیح واقع ہوا مگر جبکہ نواسیوں نے انکار کردیا رد ہوگیا۔ یہاں تک کہ اب نواسیاں تصدیق بھی کردیں تاہم معتبر نہ ہوگی۔

فی الدر المختار المقرله اذا کذب المقر بطل اقراره لما تقرر انه یرتد بالرد الافی ست[1] الخ وفیه لورد المقرله اقراره ثم قبل لایصح[2] الخ۔	درمختار میں ہے کہ مقرلہ جب مقر کو جھوٹا قرار دے تو مقر کا اقرار باطل قرار پاتا ہے کیونکہ ثابت شدہ امر ہے کہ مقر کا اقرار مقرلہ کے رد کرنے سے رد ہوجاتا ہے ماسوائے چھ امور کے الخ، اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب مقرلہ اقرار کو رد کرکے پھر بعد میں اسے صحیح قرار دے تو یہ تصحیح جائز نہیں۔ الخ (ت)

پس وہ زنجیر تو بشرائط فرائض وارث حسینی بیگم کو ملے گی۔ رہا جگنو، اگر حسینی بیگم پر کوئی دین نہیں تو یہ کل متروکہ کی تہائی، اور دین ہے تو بعد ادائے دین جس قدر بچے اس کی تہائی سے زائد نہیں یا زائد ہے اور ورثہ وصیت جائز رکھتے ہیں جب تو کل جگنو تصدق کردیا جائے ورنہ اس کا اس قدر حصہ جو ثلث مال باقی بعد ادائے دین کے قدر ہو تصدق کریں باقی وارث کو دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷: از ریاست رامپور مرسلہ امیر احمد صاحب ۱۱ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ ایک مسماۃ نے ایک مختار نامہ اس مضمون کا ایک شہر میں تصدیق کرایا کہ میں دوسرے شہر کو بوجہ پورے ہونے ایام حمل کے نہیں جاسکتی ہوں اور اس دوسرے شہر میں مجھ کو ایک اقرار نامہ اس مضمون کا تصدیق کرانا

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۹

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتّٰی ۲/ ۱۳۰

منظور ہے کہ میرے شوہر نے جو زمینداری اس شہر کی اپنے روپیہ سے خرید کر بیعنامہ اس کا میرے نام اسم فرضی کرایا ہے میں اقرار کرتی ہوں اور لکھے دیتی ہوں کہ وہ زمینداری میرے شوہر کی ہے۔ میرا شوہر اس زمیندزری کا اصلی مالک ہے لہٰذا بدرستی جمیع حواس خمسہ برضاو رغبت خود اپنی جانب سے فلاں مختار کو مختار خاص اپنا قرار دے کر اقرار کرتی ہوں کہ مختار خاص میرا میری جانب سے اقرار نامہ مضمون مندرجہ بالا کی تصدیق کرادے اور جملہ ساختہ وپرداختہ مختار مذکور کا مثل کردہ ذات خود قبول ومنظور ہے۔ پس بعد تصدیق ہونے مختار نامہ کے مختار نے دوسرے شہر میں جاکر اقرار نامہ تصدیق کرادیا اور مضمون اس اقرار نامہ کا مسماۃ کو دکھلادیا اور پڑھ کر سنادیا تھا۔ مسماۃ نے سن کر ثبت مہر کی اجازت دی تھی اور مسماۃ علیل نہیں تھی صحیح وسالم تھی بلکہ بہ سواری ڈولی محکمہ رجسٹری میں خود جاکر بزبان خود رجسٹر صدر سے مختار نامہ تصدیق کرایا تھا تکمیل ہونے مختار نامہ مذکور کے ایک روز بعد اولاد پیدا ہوئی تھی اور اولاد کے پیدا ہونے سے ایک ہفتہ بعد اولاد کے پیدا ہونے کی وجہ سے انتقال کیا کیونکہ بہت دشواری سے اولاد ہوئی تھی ہرگاہ بعد فوت مسماۃ مذکورہ وارثان مسماۃ دعوی باوجود ہونے دستاویز مصدقہ کے بوراثت حقیت مذکورہ بالا کا کرتے ہیں۔ اس صورت میں وہ کلمات کہ جو اقرار نامہ میں اسم فرضی کے ساتھ ملکیت شوہر اپنے کی ازروئے عدالت تصدیق کرچکی ہے نسبت نہ ہونے دعوی کے تحریر ہیں واسطے بری ہونے شوہر مسماۃ کے دعوی وراثت سے کافی ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ عنداللہ وعندالرسول نظر غور فرماکر عاجز مسکین امیر احمد پر بروایت صحیح جواب باصواب تحریر فرمائیں کہ موجب ثواب اجر عظیم کا ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ ثبوت شرعی سے ثابت ہو کہ عورت نے یہ اقرار اپنی صحت میں کیا تو اب شرعا کوئی دعوی وراثت وارثان زن کا جائداد میں مسموع نہیں ہوسکتا اگرچہ تصدیق اقرار نامہ مختار نے دوسرے شہر میں بحالت مرض الموت زن کی ہو کہ شرعا ملک شوہر ثابت ماننے کے لئے یہی لفظ کافی ووافی تھے جو عورت نے بحالت صحت اس مختار نامہ میں لکھے۔ عقود دریہ میں ہے:

سئل فیما اذا اقرفی صحته لدی بینة شرعیة انه اشتری المبیع لاخته والثمن من مالها واسمه فی الصك عاریة وصدقته اخته علی ذلك فهل یعمل باقراره المزبور، الجواب نعم، سئل فی رجل اقر	ان سے سوال ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی تندرستی میں شرعی گواہوں کی موجودگی میں یہ اقرار کرے کہ فلاں چیز میں نے اپنی بہن کے لئے اسی کی رقم سے خریدی ہے جبکہ رسید میں میرا نام عاریۃ ہے اور اس کی بہن نے اس بات کی تصدیق کردی ہو تو کیا اس کے مذکورہ اقرار پر عمل کیا جائے گا (تو انہوں نے جواب

فی صحتہ ان المبلغ المکتتب باسمہ بذمۃ فلان بموجب صك لفلانۃ واسمہ فی صك الدین عاریۃ فھل یکون اقرارہ المذکور صحیحا الجواب نعم [1] (ملخصا)	میں فرمایا) ہاں عمل ہوگا ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی تندرستی میں اقرار کیا کہ میرے نام کی لکھی ہوئی رسید کہ اتنی رقم فلاں کے ذمہ ہے وہ رقم فلاں عورت کی ہے میرا نام رسید میں عاریۃ ہے تو کیا اس کا مذکور اقرار صحیح ہوگا؟ الجواب، ہاں صحیح ہے۔(ملخصا) (ت)

شوہر جانتا ہے کہ واقع میں بھی یہ اقرار زن سچا ہے فی الحقیقۃ اس کا نام فرضی تھا جب تو عنداللہ بھی وہ اس جائداد کا مالک ہے اور ورثہ زن کا دعوی باطل، اور اگر اسے معلوم ہے کہ فی الواقع عورت ہی اس جائداد کی مالکہ تھی یہ اقرار اس نے غلط لکھ دیا اگرچہ اپنی صحت ونفاذ تصرف کی حالت میں برضا ورغبت ہی لکھا تو عنداللہ اس کے لئے اپنے حصہ سے زیادہ حلال نہیں اس پر فرض ہے کہ وارثان شرعی کا حصہ نہ روکے مگر بحالت اقرار مذکور قاضی وحاکم دعوی وارثان کو اصلا نہ سنے گا واقع کا علم اللہ عزوجل کو ہے۔ خانیہ وخلاصہ وبزازیہ وانقرویہ وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

اقر فی صحتہ وکمال عقلہ ان جمیع ماھو داخل منزلہ لامرأتہ غیر ما علیہ من الثیاب ثم مات الرجل وترك ابنا فادعی الابن ان ذلك ترکۃ ابیہ قال ابو القاسم الصفار ان علمت المرأۃ ان جمیع ما اقربہ الزوج کان لھا ببیع اوھبۃ کان لھا ان تمنع عن الابن بحکم اقرار الزوج وان علمت انہ لم یکن بینھما بیع ولاھبۃ لایصیر ملکا لھا بھذا الاقرار [2]۔	ایک شخص نے اپنی تندرستی اور کامل عقل میں اقرار کیا کہ میرے لباس کے ماسوا میرے گھر میں موجود تمام سامان میری بیوی کی ملکیت ہے پھر اقرار کے بعد فوت ہوگیا اور اپنا ایک بیٹا چھوڑا جس نے دعوی کیا کہ گھر کا سامان میرے میرے والد کا ترکہ ہے اس پر ابوالقاسم صفار نے فرمایا کہ اگر بیوی اس یقین کا اظہار کرے کہ گھر کا تمام سامان بیع یا ہبہ کے طور میری ملکیت ہے تو بیوی کو حق ہوگا کہ خاوند کے اقرار کی بنا پر اس سامان کو بیٹے سے روک لے اور اگر وہ مذکورہ یقین کا اظہار نہ کرپائے تو پھر وہ خاوند کے مذکورہ اقرار کی بناء پر بیوی کی ملکیت نہ بنے گا۔ (ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۴۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الاقرار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۶، خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاقرار الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۴۴، فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاقرار الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۶۳

درمختار میں ہے:

لواقر کاذبا لم یحل له لان الاقرار لیس سببا للملك[1]۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کے لئے حلال نہ ہوگا کیونکہ محض اقرار کسی کی ملکیت کا سبب نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸: ازرامپور متصل شفاخانہ کلاں سرکاری

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید وغیرہ نے کرایہ کی زمین میں مکان تعمیر کیااور زمین آبچک نہیں چھوڑی، مسمّٰی عمرو جارکہ جس کے مکان کی زمین میں اولتی ٹپکتی مزاحم ومانع ہواتو زید نے بمعیت مالک زمین میر محلّہ کہ جس کی زمین میں زید نے مکان تعمیر کیا تھاسات گرہ زمین واسطے آبچک بجہت عاریت کے استدعا کی چونکہ عمرو کی زمین زرخرید تھی اور ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ تعدادی ہفت گرہ زمین عمرو سے واسطے آبچک بجہت عاریت کے مستعار لی ہم نے،اور جس وقت عمرو یاوارثان عمرو چاہیں زمین آبچک مذکورہ رجوع کرکے بیدخل کردیں ہم مستعیران یا وارثان مستعیران دعوی ملکیت زمین و باحق آبچک یا بیدخل ہونے میں کوئی عذروحیلہ کریں تو عندالشرع نامسموع و باطل ہوگااور اقرار نامہ مع گواہی ومواہیر اہل ثقہ ومیر محلّہ یعنی مالک زمین مکان زید مذکور مثبت ہیں اور اقررنامہ کو تخمیناساٹھ باسٹھ برس کازمانہ گزرا ہوگا حتی کہ معیر ومستعیران فوت ہوگئے زمین کرایہ مذکورہ کہ جس میں زید وغیرہ نے مکان تعمیر کیا تھاوارثان زید نے اب وہ زمین خرید لی باوصف ہمسائیگی وجارکے بیعنامہ پر گواہی وارثان عمرو معیر مذکور نہیں ہے فی الحال وارثان مستعیر نے جو مکان منہدم ہوگیا ہے ازسرِنو تعمیر کرناچاہاتو وارثان معیر نے کہاکہ زمین آبچک بجہت عـــہ چھوڑکے تعمیر کردیااولتی ہمارے مکان کی طرف نہ ٹپکاؤ،تم کو خوب معلوم ہے کہ ہمارے مورث نے عاریت زمین آبچک تمھارے مورث کو دی تھی بنااول سے بھی ہم کو بہت ضرر تھااب بناء نو سے نہایت ضرر ہوگااور پاخانہ کا راستہ تمام گھرکے آدمیوں کاہے اور اولتی پاخانہ میں بیٹھنے سے سرپر گرتی ہے ہم آبچک مذکور کو رجوع کرتے ہیں اور ہمارااس طرف مکان بنانے کا بھی ارادہ ہے وارثان مستعیر بمعائنہ اقرار نامہ مذکورہ بالاکے چنداشخاص کے روبرو واقبال واقرار کیاکہ ہم بموجب اقرار نامہ یعنی مورث مستعیر کی اولتی وارثان معیر

عـــہ:فی الاصل ھکذا اظنه پچھیت ای خلف الدار۔	اصل میں اسی طرح ہے میرے گمان میں یہ الفاظ پچھیت ہے یعنی گھرکے پیچھے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

کے مکان کی طرف نہ ٹپکائیں گے اور اپنا مکان بالکل پختہ بنادیں گے، بعد تیاری مکان وارثان مستعیر اغوائے بعض کسان اولتی طرف مکان وارثان معیر ٹپکانا چاہتے ہیں اور اپنے اقرار سے کہ چند آدمی ثقہ کے روبرو کیا تھا کہ اولتی طرف مکان وارثان معیر نہ ٹپکاوینگے اب منحرف ہوتے ہیں اقرار چند آدمیوں کے سامنے کرکے انکار کرنا مقبول ہے یا مردود۔ پس عندالشرع شریف دخل رجوع عاریت کا وارثان معیر کو حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:

وارثان معیر کو بلا شبہ عاریت میں رجوع کا اختیار ہے اور وارثان مستعیر پر واپس دینا فرض ہے جبکہ عاریت ثابت ہے۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی حکم فرماتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے سپرد کردو۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علی الید ما اخذت حتی تردھا[2]۔	ہاتھ نے جو لیا وہ اس کا ذمہ دار ہے جب تک واپس نہ کرے۔ (ت)

باقی ان کا کہنا کہ اس طرف اولتی نہ ٹپکائیں گے اقرار نہیں وعدہ ہے اور وعدہ کے ایفاء پر حکما جبر نہیں۔ اشباہ وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[3]۔	وعدہ کے ایفاء پر جبر نہیں۔ (ت)

ہاں اگر تسلیم کیا ہو کہ واقعی یہ زمین زمان مورث سے ہمارے اور ہمارے مورث کے ہاتھ میں عاریت ہے اس کا مالک عمرو ہے تو یہ اقرار ہے اور اس سے پھرنا کسی طرح جائز نہیں، اگر بشہادت شرعیہ ان کا اقرار ثابت ہوگا وہ ضرور اس کی پابندی پر مجبور کئے جائیں گے۔ لان المرء مواخذ باقرارہ (کیونکہ اقرار کرنے والا اپنے اقرار پر ماخوذ ہوتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الصدقات باب العاریۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱اور ۴۲، العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

مسئلہ ۹و۱۰۱: ازبریلی شہر کہنہ مسئولہ صفدر علی ومبارک علی خاں ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) زید نے ۱۶اپریل ۱۸۱۸ میں ایک ہبہ نامہ بحق اپنے بیٹے عمرو کے کیااور دستاویز میں یہ اقرار کیاکہ وہ مالک ومختار جائداد ہے ہبہ پورا موہوب لہ کو کردیااور قابض ودخیل کرکے دخل اپنامطلّقااٹھالیا، لہٰذااقرار یہ ہے کہ بعد تحریر ہبہ ھذاکے کچھ حق میرا یا قائم مقامان میرے کااس جائداد موہوبہ میں جزءً وکلًا باقی نہیں رہابعدہ ۲۱جون ۱۹۱۲ء میں بعد انتقال عمرو پسر مذکور زید واہب نے دوسراہبہ نامہ اس ایک جز وجائداد موہوبہ کااپنی مان کراور ہبہ نامہ مذکور کوفرضی ٹھہراکر بنام اپنے نبیرہ گان پسران متوفی کے کیااس میں اقرار اول سے رجوع کیاکہ اس جزوجائداد کامیں مالک وقابض ہوں اور ہبہ نامہ اگرچہ بنام عمرو متوفی تحریر کاتھا مگر قبضہ نہں دیااس لئے وہ انتقال شرعا باطل وکالعدم ہے، آیایہ رجوع زید صحیح ہے یانہیں؟

(۲) دوسرے ۷اکتوبر ۱۹۰۴ء کو عمرو نے ایک بیعنامہ چند مواضع کابنام اپنے والد زید کے کیاجس کے متعلق ۱۱جنوری ۱۹۰۸ء کو زید نے ایک اقرار نامہ بایں الفاظ تحریر کیاکہ بیعنامہ مذکور محض فرضی تھااور س کے ذریعے سے کوئی انتقال ملکیت بحق میرے وقوع میں نہیں آیااور کل جائداد مندرجہ بیعنامہ مذکور کامالک وقابض واقعی میرالڑکاعمرو ہے مجھے کوئی دعوی ملکیت نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوگاپھر بعد وفات عمروزید نے ایک ہبہ نامہ اپنے نبیرہ گان کے بوجہ مساوی بالاشتراک کیااور اس میں بیعنامہ عمرو مورخہ ۷اکتوبر ۱۹۰۴ء کواصلی واقعی ماناہے لہٰذااس صورت میں بیعنامہ عمروفرضی متصور ہوگایاواقعی وہ جائداد ورثائے عمرو کی ملک ٹھہرے گی یاورثائے زید متوفی کی، اور یہ ہبہ زید کامشاع ہونے کے بعث باطل ہوگایانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعت مطہرہ کاقاعدہ ہے کہ کوئی مقر اقرار کرکے اپنے اقرار سے پھر نہیں سکتانہ اس کے خلاف اسکی بات تسلیم ہوسکے۔ ہدایہ واشباہ ودرمختار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے **لاعذر لمن اقر** [1] (اقرار کرنے والے کو عذر کاحق نہیں۔ت) دستاویز اول میں جبکہ صاف اقرار کیاکہ میں نے موہوب لہ کو قابض ودخیل کرکے اپنادخل مطلّقااٹھالیاتواب بعد موت موہوب لہ یہ کہناکہ میں نے قبضہ نہیں دیاتھامحض باطل ونامسموع ہےاور پہلی دستاویز ہبہ تام ونافذ وناقابل رجوع ہے۔ درمختار میں موانع رجوع

---

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

میں ہے: الیم موت احد المتعاقدین [1] (م سے مراد عاقدین میں سے ایک کی موت ہے۔ت) اسی میں ہے: القاف قرابتہ [2] (ق سے مراد اس کی قرابت ہے۔ت) یونہی جب اس بیع کی نسبت زید صحیح اقرار کرچکا کہ وہ محض فرضی تھی اور اس کے سبب مجھے کوئی ملک حاصل نہ ہوئی وہ بیعنامہ اس کے اقرار سے باطل ہوگیا اسے اس سے رجوع کا کچھ اختیار نہیں اور یہ ہبہ بنام نبیرگان کیا ہے محض باطل ہے کہ یہ جائداد بوجہ ظہور بطلان بیع ملک عمرو متوفی پسر زید ہے زید اس میں سے صرف سدس کا مالک ہے اور اس نے کل کا ہبہ کیا اور اس کا سدس منقسم الممتاز نہ تھا تو یہ مشاع ہوا اور اس سدس میں بھی تمام نہ ہوا اور انتقال زید بلا تقسیم وتسلیم سدس سے باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

الاستحقاق شیوع مقارن لاطارئ فیفسد الکل [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	استحقاق غیر منقسم قارن ہے بعد میں لاحق وطاری نہیں ہے تو کل کو فاسد کردے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ محمد علی خاں ومظہر حسین خان وسید ضیاء الحق ومسماۃ نجم النساء بیگم چار شخصوں نے اولا بتاریخ ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک جائداد کے دو سہام منجملہ سات سہام کے مسمّٰی امداد الرحمان باعث مشتر کا بحصہ مساوی خریدے پھر ۱۶/اگست ۱۹۰۸ء کو اشخاص مذکورہ نے چار سہام اسی جائداد کے منجملہ سات سہام کے مسمّٰی عبدالرحمٰن بائع سے بحصہ مساوی مول لئے اور ایک سہم منجملہ سات سہام کے سید سکندر علی نے بلقیس بیگم سے ۱۳ اگست ۱۹۰۸ء کو خرید کیا پھر باہم ہر چہار مشتریان چھ سہام کے جو ذریعہ بیعنامہ ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء، ۱۶ اگست ۱۹۰۸ خریدی گئی تھی ایک تقسیم نامہ لکھا گیا جس میں ہر ایک شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام قائم ہوکر چار قطعہ معین ہوگئے جو محمد علی خاں ومظہر حسین خان وسید ضیاء الحق نے تو محکمہ رجسٹری میں تصدیق کرادیا لیکن مسماۃ عـــہ احد الشرکاء نے تقسیم نامہ مذکورہ کسی وجہ

عـــہ: اصل میں قلم ناسخ سے نجم النساء کا لفظ چھوٹ گیا ہے ۱۲۔

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۶

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

[3] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

تصدیق نہیں کرایا جس کی وجہ سے ہر ایک شریک کا حصہ جدا جدا تقسیم نہ ہوسکا۔ بعدہ، احمد علی خاں برادر محمد علی خاں نے بعینامہ دو سہام کا منجملہ چار سہام فروخت شدہ ۱۶اگست ۱۹۰۸ء کے ایک شخص مسمٰی فیض الرحمان سے بنام اپنے لکھالیا بعدہ، احمد علی خاں برادر محمد علی خاں مرگیا۔ اب محمد علی خاں یہ کہتا ہے کہ بیعنامہ ۱۶اگست ۱۹۰۸ بابت چار سہام کے بنام چاروں مشتریان ناجائز ہوا۔ عبادالرحمٰن خان نے ہم کو دھوکا دے کر چار سہام کا بیعنامہ کیا ہے در حقیقت وہ مالک دو سہام کا تھااس لئے میں ایک سہام کا ذریعہ شرااور دو سہام کا ذریعہ ارث برادری کے مالک ہوں اور باقی تینوں شرکاء بھی ایک ایک سہمکے مالک ہیں ڈیڑھ ڈیڑھ سھام کے مالک نہیں ہیں ہر سہ شرکاء بقیہ یہ کہتے ہیں کہ جب محمد علی خاں نے چار سہام بشرکت باقی تین مشتریان کے بحصہ مساوی خریدے تو اس خرید کے ذریعہ سے عبادالرحمٰن بائع کی ملکیت محمد علی خاں نے تسلیم کرلی اور سب شرکاء کا مساوی حصہ بھی تسلیم کرلیااور یہ اقرار نامہ بھی ڈیڑھ ڈیڑھ سہام ہر ایک شریک کا تسلیم کرلیااور ہر ایک شریک کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام کا اقرار کرلیا، اب ہر ایک شریک کے ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے محمد علی خاں کا انکار جائز نہیں ہے مظہر حسین خان احدالشرکاء نے جو نالش تقسیم ڈیڑھ سہام بنام بقیہ تین شریکوں کے عدالت دیوانی میں دائر کی تو محمد علی نے خاں احد الشریک نے وہی عذرات پیش کئے بالآخر عدالت دیوانی سے یہ تجویز فرمایا گیا بیعنامہ مصدقہ ۱۶اگست ۱۹۰۸ء اقراری عبادالرحمٰن میں خود محمد علی خاں مدعا علیہ زمرہ مشتریان میں داخل ہے اور شرعا بیعنامہ عاقدین پر حجت ہے اس لئے وہ محمد علی خاں مذکور پر بھی حجت ہے پس جس طرح محمد علی خاں مدعا علیہ نے بذریعہ بیعنامہ عبادالرحمٰن بائع کی چار سہام مملوک ہونا تسلیم کیا اسی طرح ان چار سہام میں سے ہر ہر مشتری کی ملک بقدر ایک ایک سہم تسلیم کرلیااور اب اس سے انحراف کا مدعا علیہ مذکور کو کوئی حق نہیں۔ انکار بعد الاقرار شرعا معتبر (نہیں عـــہ) ہے، اسی کے ساتھ تقسیم نامہ مصدقہ ۱۶اگست ۱۹۰۸ء مشمولہ مثل میں محمد علی خاں مذکور نے ہر ہر شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام بالتصریح تسلیم کرلیا ب اس کا مدعی کو صرف ایک سہم کا مالک بتانا محض اتلاف حق پر مبنی ہے اس لئے دعوی مدعی نسبت دخلیابی ڈیڑھ سہام منجملہ سات سہام کے بذریعہ تقسیم وعلیحدگی حصہ مدعی از چار سہام مشترک بنام مدعا علیہم ڈگری ہو، خرچہ مدعی ذمہ محمد علی خان مدعا علیہ عائد ہو۔ بعد قائم وثابت ہوجانے ڈیڑھ سہام ہر ایک شرکاء اربعہ عدالت دیوانی کے فیصلہ سے پونے دو سال بعد محمد علی خاں احدالشریک نے ہر ایک شرکاء ثلثہ کا ایک ایک سہم اور اپنے تین سہام قائم کرکے نالش تقسیم خلاف بیعنامہ جات واقرار نامہ وفیصلہ عدالت دیوانی دائر کی اس لئے استفسار

عـــہ: یہاں بھی قلم ناسخ سے لفظ معتبر "نہیں" چھوٹ گیا۔ ۱۲

امور ذیل کا مطلوب ہے:

(۱) انکار ملکیت کسی شخص کا بعد اقرار ملکیت شخص مذکور کے شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بیعنامہ عاقدین پر شرعاً حجت ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) محمد علی خاں کو شرعاً یہ حق حاصل ہے یا نہیں کہ اس بیعنامہ کو جس میں وہ خود ہی مشتری ہے اور اقرار نامہ تقسیم کو جو بحق ہر سہ مشتریان وہ تحریر و تکمیل و تصدیق کراچکا ہے باطل و ناجائز قرار دے کر ہر سہ مشتریان دیگر کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے بعد اقرار کے انکار کرسکے۔

الجواب:

مدت ہوئی کہ یہ سوال آیا تھا اور سائلوں سے دریافت کیا گیا تھا کہ جو فیاض الرحمٰن نے احمد علی خان کے نام بیع کیا آیا اس کا کوئی مقدمہ دار القضاء تک پہنچا اور بحکم قاضی وہ سہام ملک فیاض الرحمٰن قرار پا کر ملک احمد علی خاں ٹھہری یا یونہی خانگی طور پر محمد علی خاں نے اس بیع کو مان لیا مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا، اب ملاحظہ تجویز سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ استحقاق احمد علی خاں بذریعہ قضا ثابت نہ کیا گیا کہ محمد علی خاں شرعاً مکذب ہوجاتا بلکہ اس نے بطور خود اپنے نفع کے لئے استحقاق تسلیم کرلیا اگر ایسا ہے تو تجویز کہ ذی علم مفتی صاحب نے دی بالکل حق و بجا ہے محمد علی خاں کو اپنے اقرار سے پھرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

لاعذر لمن اقر[1] من سعی فی نقض ماتم من جھته فسعیه مردود علیه[2]۔	جس نے اقرار کیا اس کا کوئی عذر قبول نہیں، جو شخص اپنی طرف سے تام کئے ہوئے معاملہ کو توڑنے کی سعی کرے تو اس کی یہ سعی مردود ہوگی۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطأ لم تقبل[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جب کسی چیز کا اقرار کرے پھر اس اقرار کو خطا قرار دے تو خطا قرار دینا قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۷۰

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰

مسئلہ ۱۲: ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بکر کے ہاتھ بیع کیااور قبضہ مبیعہ پر مشتری کا کرادیااور بیعنامہ تصدیق ورجسٹری کرادیا، بیعنامہ میں مبیعہ کی حد غربی میں زید نے دیوار عمرو تسلیم کی بعد بیع وقبضہ بکر مشتری نے جب عمرو کی دیوار مذکور میں تصرفات ناجائز شروع کئے اور عمرو مانع آیا تب بکر نے زید بائع سے ایک اقرار نامہ بطور تصحیح نامہ اس مضمون سے لکھایا کہ (بیع کے وقت دیوار غربی کا مشترک ہونا تحریر سے رہ گیا تھادیورامذکور مکان مبیعہ ومکان عمرو میں مشترک ہے) سوال یہ ہے کہ بیعنامہ میں عمرو کی دیوار لکھنے سے اقرار نسبت وملکیت عمرو کی ثابت ہوتاہے یانہیں اور بیعنامہ مذکور شرعاعاقدین پر حجت ہے یانہیں اور اقرار نامہ مابعد جو بطور تصحیح نامہ کے مرتب ہواہے اس سے کل دیوار مذکور کی بابت عمروکازوال ملکیت لازم آتاہے یانہیں اور شرعا یہ انکار بعد الاقرار ہے یانہیں؟

الجواب:

تحریر بیعنامہ عاقدیم پر حجت ہے اور اس سے پھرنے کاان کو کچھ اختیار نہیں جس سے وہ شخص ثالث کو ضرر پہنچاسکیں، قاعدہ شرعیہ ہے:

المرء مواخذ باقرارہ ولا عذر لمن اقر[1] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	اقرار کرنے والا شخص اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگااور اقرار کرنے والے کو عذر کاحق نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۱۳: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ احمد حسین صاحب ۱۵شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ نے ایک قطعہ جائداد خریدی اور مسماۃ کے چار بیٹے تھے کچھ دنوں کے بعد وہ مسماۃ انتقال کرگئیں اور ان چاروں بھائیوں میں آپس میں مقدمہ داری ہوئی اسی جائداد پر جو کہ مسماۃ نے خریدی تھی، اس میں کسی وجہ سے ایک بھائی نے کچہری کے روبرو بیان کیا کہ میں اس جائداد میں حقدار نہیں ہوں میرا حق نہیں ہے، توشرعا یہ بیان اس کالغو ہے یا جائز ہے وہ حقدار اس جائداد میں ہے یانہیں؟

الجواب:

وہ اس میں حقدار نہ مانا جاتا **لا عذر لمن اقر**[2] (جس نے اقرار کیااس کا کوئی عذر مقبول نہیں۔ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵۶

اگر یہ قول کسی مدعی کے مقابل ہوتا، یہاں یہ صورت نہیں، سائل نے بیان کیا کہ چاروں بھائی اس مکان پر قابض تھے، ایک نے صرف اپنا حصہ تقسیم کرانے کا دعوی کیا تھا نہ کہ اوروں کے حصوں کا، اس کے جواب میں دوسرے نے کہا اس مکاں میں ہمارا حق نہیں یعنی چاروں بھائیوں کا نہیں تاکہ وہ تقسیم نہ کراسکے اس صورت میں اس کا یہ کہنا محض لغو ہے اور اس کا حق بدستور باقی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا قال ذوالید لیس ھذا لی اولیس ملکی اولا حق لی او لیس لی فیہ حق اوماکان لی اونحو ذٰلك ولا منازع حیثما قال ثم ادعی ذٰلك احد فقال ذوالید ھو لی صح ذٰلك منہ والقول قولہ الخ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جب قابض خود کہے کہ یہ میری ملکیت نہیں یا میرا نہیں یا میرا حق نہیں یا میرا نہ ہے اس قسم کے الفاظ کہے، اور یہ الفاظ کہتے وقت کوئی دعویدار نہ بنا، پھر بعد میں ایک شخص نے اس چیز پر دعوی کیا تو اس کے جواب میں اب قابض کہے کہ چیزیں میری اپنی ہے تو قابض کی بات صحیح قرار پائے گی اور اس کی وضاحت مان لی جائیگی الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: از مراد آباد محلّہ کٹھگر بیچ مرسلہ سید شرافت حسین صاحب ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعوض مبلغ یکصد روپے کے اپنا حصہ واقعہ مکان بدست مسماۃ ہندہ رہن کیا۔ رہن نامہ میں بوقت تصدیق روبرو رجسٹرار صاحب (صہ معہ) نقد وصول پاکر مبلغ (صہ عہ/) کا رجسٹری سے پہلے وصول پانے کا اقرار کیا ہے، اسی تفصیل سے وصول زر رہن کی کیفیت عبارت تصدیق میں درج ہے ہندہ نے واپسی زر رہن کا دعوی کیا ہے۔ زید مدعا علیہ نے جواب داخل کیا ہے کہ رہن نامہ فرضی ہے، وجہ تحریر کی یہ ہے کہ مدعا علیہ کے خُسرال والے مُسر تھے کہ زید اپنا حصہ واقعہ مکان مذکور بحق اپنی زوجہ کے تحریر کردیں۔ اس اندیشہ کی وجہ سے بمشورت باہمی فرضی رہن نامہ بنام ہندہ تحریر کردیا گیا تھا (مہ لعہ/) جو رجسٹری میں بذریعہ عمرو وصول پائے تھے وہ روپیہ بیرون رجسٹری عمرو کو مدعا علیہ نے واپس کردئے تھے اور دستاویز مذکورہ کے فرض ہونے کا مدعا علیہ کو بس بیرون کچہری اقرار ہے اس پر کچہری نے صرف ایک تنقیح قائم کی ہے آیا مبلغ (صہ معہ/) منجملہ سو روپیہ زر رہن کے جو مدعا علیہ کو ذریعہ عمرو روبرو رجسٹرار صاحب مدعیہ سے وصول ہوئے تھے وہ اسی وقت بیرون رجسٹری عمرو مذکور کو واپس دئے تھے ثبوت ذمہ مدعا علیہ،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۶۴

تردید ذمہ مدعیہ، اور روبکار تنقیح مذکورہ میں یہ عبارت بھی درج ہے (مدعا علیہ بہ نسبت وصولیابی مبلغ (صہ عہ /) منجملہ زر رہن کے اقرار کاذبہ کرنا بیان کرتاہے اس کی نسبت مدعا علیہ چاہے تو مدعیہ سے حلف لے سکتاہے) سوال یہ ہے کہ بحالت مذکورہ مدعیہ پر شرعاً حلف عائد ہوسکتاہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہاں ہوسکتاہے اب مدعا علیہ حقیقۃً مدعی اور مدعیہ مدعا علیہ ہے والیمین علی من انکر (قسم منکر پر ہے۔ت) درمختار میں ہے:

اقر ثم ادعی المقرانہ کاذب فی الاقرار یحلف المقرلہ ان المقرلم یکن کاذبا فی اقرارہ عند الثانی وبہ یفتی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اقرار کرنے کے بعد اپنے اقرار میں جھوٹا ہونے کا دعوی کرے تو مقرلہ سے قسم لی جائے کہ قرار کرنے والا اپنے اقرار میں جھوٹا نہیں ہے۔ یہ حکم امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۳

کتاب الصلحِ
(صلح کا بیان)

مسئلہ ۱۵: ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلو نے دو زوجہ ریناو منی اور بطن منی سے دختر صغری اور دو بھائی چھٹن، عبداللہ۔ اور تین بہنیں چھوٹی، ملوکی، سینا۔ اور چودہ سو روپے نقد اور کچھ غلہ اور پونے دو سو روپے ایک شخص پر قرض چھوڑ کر انتقال کیا، عبداللہ نے مال متروکہ میں سے سو روپے نقد لے کر باقی وارثوں سے فیصلہ کرلیا کہ اب مجھے ترکہ سے کچھ تعلق نہیں۔ پھر ملوکی نے دو پسر امام بخش و یار محمد اور دو دختر کہ ان کا نام بھی ریناو منّی ہے چھوڑ کر وفات پائی، اس صورت میں ترکہ کلو کا کس طرح منقسم ہوگا، اور کلو نے اپنا ایک بھتیجا بیٹا کرکے پالا تھا وہ بھی وارث ہوگا یا نہیں۔ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ فیصلہ کہ عبداللہ نے کیا دو وجہ سے باطل ہے،

اما اولا فلمکان الدین فی الترکۃ وقد صالح علی ان لا یکون لہ حق فی شیئ مما بقی فینتظم العین و الدین جمیعا والصلح عن دین	لیکن **اولًا** اس لئے کہ ترکہ میں قرض ہے اور اس نے صلح باقی تمام ترکہ سے لاتعلق پر کی ہے تو یہ موجود مال اور قرض دونوں کو شامل ہے جبکہ قرض پر قرضخواہ اور مقروض کے بغیر ہر ایک کی صلح

باطل الا بین الدائن ومدیونہ. فی الدار المختار بطل الصلح ان اخرج احد الورثۃ وفی الترکۃ دیون بشرط ان تکون الدین لبقیتھم لان تملیک الدین من غیر من علیہ الدین باطل [1] اھ **اقول**: ولا یقتصر الفساد علی التصریح بھٰذا الشرط کما یوھمہ ظاھر تقیید التنویر بل ھو ومایؤدی مؤداہ سواء فان المدار علی وقوع تملیک الدیون من غیر المدیون وھو حاصل فیما لوصالح بشیئ عن کل مابقی من الترکۃ کما قررنا ویرشدك الیہ ما فی ردالمحتار لوظھر فیھا دین ان کان الصلح وقع علی غیر الدین لایفسد وان وقع علی جمیع الترکۃ یفسد کما لو کان الدین ظاھرا وقت الصلح [2] اھ ملخصا.فقد جعل الصلح علی جمیع الترکۃ کالصلح بتصریح الشرط المذکور وبالجملۃ فالفساد لایتوقف علی التنصیص بادخال الدین فی الصلح بل الجواز متوقف علی الافصاح باخراجہ و لھذا قال البزازی کما فی الشامی ان کان مخرجا من الصلح لایفسد والا یفسد [3] اھ علق الصحۃ علی	باطل ہے، درمختار میں ہے جب ترکہ میں قرض شامل ہوں تو کسی ایک وارث کو بقیہ ترکہ سے لاتعلق کرکے باقی وارثوں کے لئے کرنے کی، صلح باطل ہے کیونکہ مقروض کے غیر کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے اھ، **اقول**: (میں کہتاہوں کہ) فساد کا انحصار اس تصریح کردہ شرط پر نہیں جیسا کہ تنویر الابصار کے قید کے بیان پر ظاہرا وہم ہوتا ہے بلکہ یہ اور جو اس کا ہم معنی ہو متساوی الحکم ہیں کیونکہ فساد کا دار ومدار غیر مقروض کو قرض کا مالک بنانا ہے اور وہ باقی وارثوں کو ترکہ کی کسی شئی پر صلح میں حاصل ہے جیساکہ ہم نے تقریر کی ہے اور اس میں ردالمحتار کا بیان تیری رہنمائی کرے گا کہ اگر ترکہ میں دین معلوم ہے اور صلح دین کے غیر پر ہوئی تو فاسد نہ ہوگی، اور اگر تمام ترکہ پر صلح ہوئی تو فاسد ہوگی جیساکہ صلح کے وقت دین ظاہر ہونے پر وہ فاسد ہوتی ہے اھ ملخصا۔ تو ردالمحتار نے جمیع ترکہ پر صلح کو شرط مذکور پر صریحا صلح جیسا قرار دیا خلاصہ یہ ہے کہ صراحتا قرض کو صلح میں شامل کرنے پر فساد موقوف نہیں بلکہ صلح کا جواز صراحتا قرض کو صلح سے خارج کرنے پر موقوف ہے جیساکہ فتاوٰی شامی میں البزازی کا قول ہے کہ قرض کو صلح سے خارج کیا تو صلح فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہوگی اھ، انہوں نے جواز کو صراحتًا

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۳

[3] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۳

الاخراج وعمم فی الباقی الفساد، ثم رأیت التصریح به فی الهندیة عن الظهیریة حیث قال ان کان فی الترکة دین علی الناس فصولحت (یعنی المرأة) علی الکل علی ان یکون نصیبها من الدین للورثة او صولحت عن الترکة ولم ینطقوا بشیئ اٰخر کان الصلح باطلا اھ[1]۔ **واما ثانیا:** فلان نصیب عبدالله من نقود الترکة اکثر مما صالح علیه وذٰلك لان حصته من الف و اربعمائة مثلا وهی سبعا لباقی بعد اخراج الفرضین مائة وخمسون درهما وانما اعطی مائة فکان البقیة شروا مائة وخمسین درهما وزیادة بمائة درهم وهذا هو الربا المحرم قال فی الدر المختار اخرجت الورثة احدهم عن نقدین وغیرهما باحد النقدین لایصح الا ان یکون ما اعطی له اکثر من حصته من ذٰلك الجنس تحرز عن الربا[2] اھ ملخصا، و هذ اظاهر اذا لم یکن للازواج مهر علی المورث فان

قرض کے خارج ہونے پر معلق فرمایا اور باقی تمام صورتوں کو فساد میں شامل فرمایا۔ پھر میں نے ظہریہ کے حوالہ سے ہندیہ میں اس پر تصریح دیکھی جہاں انہوں نے فرمایا کہ اگر ترکہ میں لوگوں پر قرض بھی شامل ہے اور بیوی سے یہ صلح ہوئی کہ باقی تمام ترکہ حتی کہ قرض میں بیوی کا حصہ یہ سب ورثاء کا ہوگا یا ورثاء نے بیوی کی باقی تمام ترکہ سے لاتعلّقی پر صلح اور اس سے زائد کوئی وضاحت نہ کی تو صلح باطل ہوگی اھ لیکن **ثانیًا:** اس لئے کہ عبدالله کا نقد ترکہ میں صلح کی مقدار کے مقابلہ میں حصہ زیادہ بنتا ہے یہ اس لئے کہ مثلا چودہ سو نقد میں سے بیوی اور بیٹی کے دو فرض (حصے) نکالنے کے بعد عبدالله کلا حصہ دوساتے جو کہ ڈیڑھ سو درہم ہیں جبکہ عبدالله کو صرف ایک سو دیا گیا تو باقی ورثاء نے گویا ڈیڑھ سو اور کچھ زائد کو ایک سو درہم کے بدلہ میں خریدا اور یہ حرام وسود ہے۔ درمختار میں فرمایا کہ ورثاء نے ایک وارث کو سونا و چاندی (نقدین) اور دیگر ترکہ سے سونا یا چاندی میں سے ایک پر صلح کرکے خارج کیا تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی مگر اس صورت میں جبکہ جس نقد پر صلح کی ہو اس میں اس کے حصہ سے زائد اس کو دیا گیا ہو تاکہ ربا سے بچاؤ ہوسکے اھ ملخصا۔ یہ بیان اس صورت میں ظاہر ہے کہ جب مورث کے ذمہ

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الصلح الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۶۹

[2] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

كان وكان بحيث يكون حصة عبدالله مما يبقى بعد اداء الدين اقل من مائة تكون التركة مشغولة بالدين مانع بنفسه عن صحة الصلح الا اذا عزل مقدار مابقى به و اجرى الصلح فى مابقى. فى الشامية عن البزازية عن شمس الاسلام التخارج لايصح اذا كان على الميت دين اى يطلبه رب الدين لان حكم الشرع ان يكون الدين على جميع الورثة [1] اهـ وقد كنت اوضحت معنى قوله اى يطلبه رب الدين فيما علقته على هوامش ردالمحتار ثم رأيت التصريح بعينه فى الهندية عن الظهيرية و نصها ان كان عليه دين فصولحت المرأة عن ثمنها على شئى لا يجوز هذا الصلح لان الدين فى التركة وان قل يمنع جواز التصرف فان طلبوا الجواز فطريق ذلك ان يضمن الوارث دين الميت يشترط ان لايرجع فى التركة او يضمن اجنبى بشرط براءة الميت او يؤدوا دين الميت من مال اٰخر ثم يصالحوها	بیویوں کا مہر نہ ہو، اگراس کے ذمہ مہر باقی ہو تو اب ترکہ میں سے یہ دین ادا کرنے کے بعد عبداللہ کا ترکہ میں حصہ ایک سو درہم سے کم ہو جائے تو بھی ترکہ کا دین میں مشغول ہونا صلح کی صحت سے مانع ہے الا یہ کہ قرض ودین کو منہا کرنے کے بعد ماباقی پر صلح ہو تو جائز ہوگی۔ فتاوٰی شامیہ میں بزازیہ سے شمس الاسلام کے حوالے سے ہے کہ کسی وارث کو صلح کے طورپر وارثت سے خارج کرنا صحیح نہیں جبکہ میت پر کوئی دین ہو یعنی قرضخواہ کا مطالبہ ہو کیونکہ شرعی حکم یہ ہے کہ میت پر دین تمام ورثاء کے ذمہ ہوتا ہے اھ، حالانکہ میں نے ان کے قول کہ "قرض خواہ طالب ہو" کا معنی ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں واضح کردیا تھا۔ پھر میں نے بعینہٖ اس کی تصریح ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالہ سے دیکھی جس کی عبارت یہ ہے اگر میت پر قرض ہو اور بیوی سے کسی چیز کے بدلے اس کے مہر کی رقم پر صلح کرلی گئی ہو یہ صلح جائز نہ ہوگی کیونکہ ترکہ پر قرض کم بھی ہو تو وہ تصرف کے جواز سے مانع ہے اور ورثاء جواز کے طالب ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی وارث میت کے قرض کا ضامن بن جائے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس ضمان میں ترکہ سے کچھ نہ لے گا، یا کوئی اجنبی شخص اس شرط پر ضامن ہو جائے کہ ضمان سے میت بَری ہے یا ورثاء میت کا دَین اپنے کسی اور مال

[1] ردالمحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۱

عن ثمنها او صداقها علی نحوما قلنا وان لم یضمن الوارث ولکن عزلوا عینا فیها لدین المیت وفاء ثم صالحوہا فی الباقی علی نحوما قلنا جاز اھ[1]۔	سے ادا کرکے پھر بیوی سے اس کی رقم کے بدلے صلح کرلیں جیسا کہ ہم نے بتایا اور اگر کوئی وارث ضامن نہ بنے لیکن پہلے عین ترکہ میں سے میت پر قرض کی مقدار علیحدہ کرلیں پھر باقی میں بیوی سے صلح کا عمل کریں جیسے ہم نے بتایا ہے، تو جائز ہے۔اھ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات اگر زنان کلو دونوں خواہ ایک کا مہر یا اس کے سوا اور کچھ دین ذمہ کلو ہو تو پہلے ادا کریں جو بچے اس کے تہائی سے کلو کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کرکے باقی کو ایک سو بارہ ۱۱۲ سہام پر تقسیم کریں سات ۷ سات ۷ کلو کی ہر زوجہ اور چھپن ۵۶ صغرٰی اور بارہ ۱۲ بارہ ۱۲ چھٹن وعبداللہ اور چھ ۶ چھ ۶ چھوٹی سینا اور دو دو امام بخش و یار محمد اور ایک ایک ۱ دختران ملو کی کو دیں اگر عبداللہ کو اس تقسیم میں سو روپے سے زیادہ پہنچیں تو اس کا حصہ پورا کردیں اور کم ملیں تو جتنا زیادہ پہنچ گیا ہے واپس لیں اور کلو کا بھتیجا جسے اس نے بیٹا کرکے پالا اصلا وارث نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زوجہ شہزادی بیگم اور نظام بیگم پدر حیدر علی دختر اعجاز فاطمہ وارث اور چار ہزار دو سو باون ۴۲۵۲ روپیہ نقد ایک مکان قیمتی ڈیڑھ ہزار روپیہ کا چھوڑ کر انتقال کرگیا شہزادی بیگم کا مہر پانچ ہزار روپے تھا اس کے سوا کوئی قرضہ زید پر نہ تھا اور نہ کچھ متروکہ زید ہے، باہم جملہ ورثاء مذکورین میں یہ فیصلہ وقرارداد ہوا کہ نظام بیگم وحیدر علی ساڑھے سات سو روپے لے لیں اور بقیہ زر نقد ومکان دختر وزوجہ کے حصص شرعی میں اور زوجہ کے مہر میں کردیں زوجہ بھی اس پر راضی ہوئی اب دعوی مہر نہ رہا، پس صورت مستفسرہ میں وہ مکان اور بقیہ روپیہ تین ہزار پانسو دو زوجہ دختر میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زوجہ دختر کا مہر وحصتین کے عوض مکان وبقیہ زر پر راضی ہونا تین احتمال رکھتا ہے:

(۱) زوجہ مہر سے دست بردار ہوئی اور اس بقیہ کو اپنی اور دختر پر حسب وارثت تقسیم ہونے پر

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلح الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۶۹

رضادی، اس صورت میں اس باقی کے ۵ سہام ہو کر ایک زوجہ اور چار دختر کو ملیں۔
(۲) یہ قرار پایا کہ اس بقیہ سے زوجہ اپنا کل مہر لے لے جو بچے زن ودختر میں وراثۃً تقسیم ہو اس صورت میں بقیہ سے پانچ ہزار مہر کے زوجہ لے گی اور دو ایک روپے کی جو مالیت بچی زن و دختر میں انھیں پانچ سہام پر تقسیم ہوجائیگی لیکن اس تقدیر پر دختر کا وقت فیصلہ بالغہ اور اس معنی پر راضی ہونا ضرور ہوگا۔
(۳) یہ ٹھہرا کہ باقی مذکور مہر وحصہ زوجہ وحصہ دختر سب پر حصہ رسد منقسم ہو، اس صورت میں مکان و زر بقیہ سب کے ۸۵۹۵ سہام ہو کر ۵۷۱۹ زوجہ کو ملیں اور ۲۸۷۶ دختر کو ملیں۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از ریاست رامپور پیش کردہ مفتی عبدالقادر خان صاحب حاکم ریاست ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوا اس کی دو زوجہ ہندہ اور زبیدہ تھیں۔ زبیدہ کا انتقال اس کی زندگی میں ہوگیا تھا مگر چند اولادیں اس کے بطن سے تھیں اور ہندہ اسکی بیوہ اب تک موجود ہے اور اس سے بھی چند اولادیں ہیں۔ زبیدہ اور ہندہ کی اولادوں میں بعض بالغ ہیں اور بعض نابالغ، پس بعد فوت زید کے اس کی بیوہ نے بوجہ نااتفاقی جملہ وارثان کے اپنے دین مہر کی نالش دائر کرکے عدالت سے متروکہ زید پر ڈگری حاصل کرلی، لیکن ابھی تک ڈگری کا اجراء نہیں ہوا تھا کہ جملہ وارثان میں اتفاق ہوگیا اور ہندہ نے ایک اقرار نامہ متروکہ زید کے بابت رجسٹری میں تصدیق کرادیا جس کی نقل شامل سوال ھذا ہے، اس کے بموجب عملدرآمد ہوگیا اور اپنے تین سہام میں سے ہندہ نے دو سہام بدست بکر کے بالعوض ڈھائی سو روپیہ کے رہن بھی کردیئے، اس کے ایک سال کے بعد اب ہندہ اسی متروکہ پر جس کے بابت اقرار نامہ تصدیق کراکر رجسٹری کراچکی ہے اور عمل درآمد بھی ہوچکا ہے اپنی وہی ڈگری دین مہر کی جاری کرانا چاہتی ہے جس میں سراسر حق تلفی نابالغان متصور ہے اور خلاف اس اقرار نامہ کے اس متروکہ پر اس کا اثر پڑتا ہے، دیافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے حالت میں ہندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ڈگری جس کا تصفیہ کرچکی ہے جاری کراکر اسی متروکہ کو نیلام کراکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چند ہفتے ہوئے یہ سوال اور اس پر مجبنا مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب کالکھا ہوا جواب سائل نے پیش کیا اس کے ساتھ کوئی نقل اقرار نامہ نہ تھی عبارت سوال سے کہ اسی متروکہ کو نیلام کراکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے واضح تھا کہ متروکہ جائداد ہے سائل سے مقدار مہر ڈگری شدہ ومقدار جائداد متروکہ دریافت کی، اس نے بیان کی اس کے بیان کے حوالہ سے یہ عبارت اس جواب پر لکھ دی گئی۔

"بیان سائل سے معلوم ہوا کہ مہر کی ڈگری تین ہزار کی ہوئی اور جائداد و تقریباً چار ہزار کی ہے لہٰذا ہندہ کا تین سہام پر فیصلہ کرلینا حق نابالغان پر کچھ برا اثر نہیں ڈالتا بلکہ ان کو مفید ہے لہٰذا صلح نافذ ہے اور اب ہندہ کو اس سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں" **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کاغذ فتوی میں جگہ نہ تھی یہ عبارت حاشیہ پر لکھی گئی، سائل نے کہا یہ کچہری میں پیش ہوگا، حسب دستور لکھ کر مہر ہوجاتی۔ کہا گیا نقل کرلاؤ نقل آئی جس میں سائل نے جواب نواب صاحب بھی باقی نہ رکھا سوال اور صرف یہاں کی تحریر نقل کردی، مہر کردی گئی۔ اب یہ سوال مع نقل تقسیم نامہ پیش ہوا جس میں مقدار مہر کا کوئی ذکر نہیں اور جائداد متروکہ تین ہزار کی مالیت بتائی ہے اور اس کے دیکھنے سے واضح ہوا کہ متروکہ صرف جائداد نہیں بلکہ پانسو روپیہ متوفی کا یافتنی ایک عورت کے ذمہ دین ہے وہ بھی شامل ترکہ ہے اور تقسیم میں یہ تحریر ہے کہ:

"باہم منمقرہ ودیگر وارثان اس طرح رضامند ہوگئے کہ کل متروکہ متوفی مالیتی تین ہزار پانچ سو روپے کی تقسیم اس طور پر ہوئی کہ زر ثمن پانسو روپے مذکور برائے صرف شادی وحیدن بیگم بنت متوفی بطنی زوجہ اولٰی کو دئے گئے اور بقیہ تین ہزار دس سہام ہوکر تین سہام منمقرہ کے حصے میں آئے الٰی آخرہ۔"

باقی سات سہام میں دو سہام متوفی کے پسر کو دئے ہیں اور ایک ایک اس کی چار دختران موجودہ کو جن میں دو کہ بطن ہندہ مقرہ سے ہیں نابالغہ ہیں اور یک سہام متوفی کی پانچویں دختر متوفیہ کے وارثوں کو ظاہر ہے کہ اس صلح سے ہر نابالغہ کو اپنے حق سے کئی حصے زائد پہنچا تو صلح ان کے حق میں بہت نافع تھی اس کا حکم وہی تھا کہ نافذ ہے اور ہندہ کو رجوع کا اختیار نہیں اس لئے سوال میں ذکر دین نہ تھا بلکہ جائداد ونیلام کے الفاظ تھے کہ دین سے علاقہ نہیں رکھتے۔ ایسی صورت میں مفتی عقد صحیح ہی پر حمل کرے گا۔ درمختار میں ہے:

لو لم یذکر فی صك التخارج ان فی الترکة دینا امر لا فالصك صحیح وکذا لو لم یذکرہ فی الفتوی فیفتی بالصحة ویحمل علی وجود شرائطها. مجمع الفتاوٰی [1]۔	اگر لاتعلّقی کے صلح نامہ میں ترکہ میں قرض ہونے نہ ہونے کا ذکر نہ ہو تو صلح نامہ صحیح ہے اور یوں ہی اگر فتوی میں اس کا ذکر نہ ہو تو صحت کا فتوی ہوگا اور اس کو صحت کی شرائط کے وجود پر محمول کیا جائے گا۔ مجمع الفتاوٰی۔ (ت)

مگر اب ملاحظہ تقسیم نامہ سے ظاہر ہوا کہ ترکہ میں دین بھی ہے اور وہ صلح سے جدا نہ کیا گیا بلکہ یوں داخل کیا گیا کہ

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶

احدالورثہ وحیدن بیگم کو اس کا مالک ٹھہرایا تو یہ غیر مدیون کو دین کا مالک کرنا ہوا اور وہ باطل ہے تو صلح کا یہ حصہ باطل ہوا، اور جبکہ عقد واحد ہے تو اس کے بطلان نے بقیہ صلح کی طرف سرایت کی اور تمام صلح و تقسیم باطل ہو گئی، درمختار میں ہے:

بطل الصلح ان اخرج احد الورثۃ وفی الترکۃ دیون بشرط ان تکون الدیون لبقیتھم لان تملیك الدین من غیر من علیہ الدین باطل [1]۔	ترکہ میں دین ہو تو کسی وارث کی لاتعلّقی کی صلح اس شرط پر دین باقی وارثوں کے حصہ میں ہیں تو یہ صلح باطل ہے کیونکہ مقروض کے غیر کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ثم یتعدی البطلان الی الکل لان الصفقۃ واحدۃ [2]۔	پھر یہ بطلان تمام میں سرایت کرے گا کیونکہ معاملہ ایک ہے۔ (ت)

اور جب صلح باطل ہوئی تو اس کی بناء پر جو باہمی ابراء ٹھہرا تھا کہ "بعد تقسیم مذکورہ بالا ایک وارث کو دوسرے کے حصہ سے کوئی تعلق نہ رہا اگر بعد تقسیم ایک شخص دوسرے پر دعوی کرے تو ناجائز ہوگا۔ یہ بھی باطل ہو گیا۔

لا لما فی الاشباہ اذا بطل الشیئ بطل مافی ضمنہ وھو معنی قولھم اذا بطل المتضمن بالکسر بطل المتضمن بالفتح قالوا لو ابراءہ اواقرلہ ضمن عقد فاسد فسد الابراء کما فی البزازیۃ [3] اھ لان ھٰذا الابراء یکتب فی الصك عادۃ بعد ماجرٰی بینھم الصلح فلم یثبت کونہ فی صلب	الاشباہ میں مذکور کی وجہ سے نہیں کہ جب کوئی چیز باطل ہوتی ہے تو اس کے ضمن والے امور بھی باطل ہوتے ہیں، فقہاء کے قول کہ جب متضمن (کسرہ کے ساتھ) بطل ہو تو متضمن (فتح کے ساتھ) بھی باطل ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا (اگر معاملہ میں فریقین نے معاہدہ کیا) کہ اگر اس کو مالک نے بری کردیا یا اس کے حق میں اقرار کیا تو یہ ضامن ہوگا، تو یہ عقد فاسد ہوگا، براءت بھی فاسد ہو گی جیسا کہ بزازیہ میں ہے اھ، کیونکہ ایسی براءت صلح نامہ میں عقد صلح

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث قواعد فوائد شتی الخ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۰

عقد الصلح حتی یکون متضمنا بالفتح ولا لما فی غمز العیون عن الزاہدی عن استاذہ بدیع الدین انہ اختیار ان الاقرار وان لم یکن فی صلب عقد الصلح لکنہ بناء علی الصلح الفاسد لایمنع الدعوٰی بعد ذٰلك [1] اھ لان حکم الاقرار لایجب ان یکون حکم الابراء فان الاقرار تملیك من وجه فیحتمل الارتفاع والابراء اسقاط والساقط لایعود بل لما فی الاشباہ من قولھم المبنی علی الفاسد فاسد [2] اھ حتی لو اقر بطلاق زوجته ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبیین عدمه لم یقع کما فی الاشباہ [3] والدر وغیرھما۔ **اقول:** ولایرد علیه مافی الحموی عن القنیة ان ابرأہ بعد الصلح عن جمیع دعواہ وخصوماته صحیح وان لم یحکم بصحة الصلح [4] اھ لان الابراء	کے بعد لکھنے کی عادت ہے تو صلب عقد میں اس کا پایا جانا ثابت نہ ہوگا تاکہ اس کے ضمن میں پائی جانے والی متضمن (بالفتح) ہوسکے، اور نہ ہی غمز العیون میں مذکور کی وجہ سے انہوں نے زاہدی سے ان کے استاد بدیع الدین کے حوالے سے ذکر کیا کہ ان کا مختار یہ ہے کہ اقرار اگرچہ عقد صلح کے صلب میں نہ ہو تو بھی بعد میں دعوٰی کے لئے مانع نہیں کیونکہ اس کی بناء فاسد صلح پر ہے اھ کیونکہ ضروری نہیں کہ جو اقرار کا حکم ہے وہ بَری کرنے کا حکم ہو، کیونکہ اقرار من وجہ تملیک ہے جو کہ ختم ہوسکتی ہے جبکہ ابراء وہ تو اسقاط کا نام ہے جو بحال نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اشباہ میں مذکور فقہاء کے اس قول کی وجہ سے کہ "فاسد پر مبنی چیز بھی فاسد ہوتی ہے" اھ حتی کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کا اقرار اس گمان پر کیا کہ مفتی کے فتوی سے فوطلاق ہوگئی جبکہ بعد میں واضح ہوگیا کہ ایسا نہیں ہے تو اس اقرار سے طلاق نہ ہوگی جیسا کہ اشباہ اور درمختار وغیرہما میں ہے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) اس پر حموی میں قنیہ کے حوالے سے مذکور بطور اعتراض وارد نہ ہوگا کہ صلح کے بعد اس کا تمام دعاوی اور خصومات سے بَری کرنا صحیح ہے اگرچہ صلح کے صحیح ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا اھ یہ اعتراض اس لئے

[1] غمز عیون البصائر الفن الثالث قواعد وفوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث قواعد وفوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

[4] غمز عیون البصائر الفن الثالث قواعد فوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۰

عن جمیع الدعاوی والخصومات شیئ زائد علی مفاد الصلح فانه انما یقطع نزاعا خاصا لاکل خصومة بل اذا ادعی دارا ثم صالح مثلا علی نصفها او قیمته فانما تجاوز عن نصف دعواه لاعن جمعیها لوصول بعضها الیه عینا او بدلا، واذاکان ھذا زائدًا علی قضیة الصلح کان کلاما مستقلا غیر مبتن علی الصلح فلا یضره بطلان الصلح ونظیره اذا زادفی الکلام علی قدر الجواب لم یجعل مجیب بل صار مبتدئا فلا یعاد السول فیه کمانصوا علیه۔	نہ ہوگا کہ تمام دعاوی اور خصومات سے ابراء صلح کے مفاد سے زائد چیز ہے کیونکہ صلح ایک خاص نزاع کو قطع کرتی ہے نہ کہ تمام خصومات کو بلکہ جب کوئی شخص پورے مکان کا دعوی کرکے پھر نصف مکان یا نصف کی قیمت پر صلح کرے تو اس نے صلح میں اپنے نصف دعوی سے اعراض کیا نہ کہ تمام دعوی سے، کیونکہ اس سے اس کو بعض عین یا اس کے بدل کو وصولی ہوئی، تو جب یہ ابراء صلح سے زائد امر ہے تو یہ ایک مستقل کلام ہوگا جو کہ صلح پر مبنی نہ ہوا تو اس لئے صلح کا بطلان اس ابراء کو مضر نہ ہوگا اس کی نظیر یہ ہے کہ جب کوئی کلام قدر جواب سے زائد ہو تو اس کلام والے کو مجیب نہیں بلکہ ایک مستقل ابتداء والا اقرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کلام میں سوال کا اعادہ متصور نہیں کیا جاتا جیسا کہ اس پر فقہاء نے نص فرمائی ہے (ت)

لہٰذا صورت مستفسرہ میں ہندہ کو اجراء ڈگری سے کوئی مانع نہیں **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ میرے فہم میں ہے جبکہ حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ ت) **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی۔ مسئولہ تاج محمود صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

جو کہ صلح ہے وہ واقع منازعہ حق انسان میں ہے یا حق خدائے تعالٰی میں بھی ہے؟

الجواب:

صلح اگر برضا ہے تو عنداﷲ بھی ہو گئی اور دب کر ہے تو دنیا میں ہوئی آخرت میں مطالبہ باقی ہے **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

کتاب المضاربۃ

(مضاربت کا بیان)

مسئلہ ۱۹: از میران پور کٹرہ ضلع شاہجہان پور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود کو روپیہ تجارت کے لئے دیا جائے اور اس طرح پر کہ وہ کہے کہ جو نفع ہو اس میں سے نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔ اکثر اس طریقہ سے روپیہ دیا بھی تھا۔

الجواب:

یہ طریقہ مضاربت کا ہے۔ مسلمان کے ساتھ بھی جائز ہے۔ مگر اس پر نقصان کی شرط حرام ہے۔ اور ہندو کے ساتھ شرط نقصان بھی کرلینا جائز۔

لانہ من عقد فاسد وھم لیسوا باھل ذمۃ ولا مستأمنین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ عقد فاسد ہے اور یہ ہند و نہ تو ذمی ہیں اور نہ ہی مستامن ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰: از موضع مخدوم پور دیہہ ڈاکخانہ مخدوم پور گیا ضلع گیا مرسلہ سید مخدوم بخش صاحب حنفی ۲۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص تجارت کرتا ہے دوسرے لوگوں کے روپے سے اس طریقہ پر کہ ہر سال بعد تمام اخراجات کے جو نفع ہوتا ہے اس میں سے ایک رُبع خود اجرت محنت

لیتا ہے اور بقیہ تین رُبع میں جن لوگوں کا روپیہ ہے انہیں دیتا ہے۔ اگر یہ شخص شرکاء سے یہ معاہدہ کرے کہ اگر تم کو ہر سال ایک معین مقدار مثلا بارہ روپے فیصدی سے کم نفع ہوگا تو اس کمی کو ہم پورا کردیں گے اور اس سے زیادہ جو کچھ نفع ہو وہ بھی تمہارا ہے آیا اس معاہدے کے سبب سے نفع تجارت داخل ربا ہو جائے گا یا نہیں؟ امید کہ جواب باصواب مسئلہ کے بحوالہ کتب فقہیہ بقید ابواب وفصول وصفحہ ومطبع سرفراز فرمائیں گے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ معاہدہ حرام ہے۔ مال والے اور یہ تاجر سب گنہگار ہوں گے اگرچہ کبھی کمی نہ واقع ہو اور کمی جو یہ پوری کرے گا اس کا پورا کرنا اسے حرام ہے اور اس زیادت کا لینا ان مال والوں کو حرام و ربا ہے۔ درمختار، صدر کتاب المضاربہ، جلد چہارم وردالمحتار مطبع قسطنطنیہ ص ۴۸۲ ذکر شرائط مفادات میں ہے:

وکون الربح بینھما شائعا فلو عین قدرًا فسدت وکون نصیب کل منھما معلوما عند العقد[1]۔	فریقین میں شائع ہونا (مقدار عین نہ ہونا) اگر کوئی مقدار معین ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصہ معلوم ہونا۔ (ت)

ہندیہ کتاب المضاربۃ باب اول مطبع قاہرہ ملک مصر جلد چہارم ص ۲۸۷ میں ہے:

فان قال علی ان لك من الربح مائۃ درہم اوشرط مع النصف اوالثلث عشرۃ دراہم لاتصح المضاربۃ کذا فی محیط السرخسی[2]۔	اگر ایک نے دوسرے کو کہا نفع میں ایک سو درہم تیرے ہونگے یا نصف یا ثلث کے ساتھ مزید دس درہم کی شرط لگائی تو مضاربت صحیح نہ ہوگی۔ محیط سرخسی میں ایسے ہے۔ (ت)

ہدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع مصطفائی جلد دوم ص ۴۳ میں ہے:

الربا ھو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخال عن عوض شرط فیہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	سود یہ ہے کہ عقد معاوضہ میں کسی فریق کے لئے ایسی زیادتی کی شرط ٹھہرانا جو عوض سے خالی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴-۱۴۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸۷

[3] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰

مسئلہ ۲۱الف: ۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تجارت بمضاربت بکر کے کی یعنی روپیہ زید کا تھااور زید وبکر کے درمیان یہ اقرار پایا تھا کہ تجارت مذکور میں جو نفع ونقصان ہوگا تو بکر تیسرے حصہ کا نفع ونقصان اپنے ذمہ لے گااور زید دو حصہ، چنانچہ تجارت مذکورہ میں چونکہ قبل آنے مال کے روپیہ زیادہ مال سے ازروئے تخمینہ کے مال والوں کے پاس پہنچ گیا تھا وقت وصول ہونے مال کے روپیہ پہنچے ہوئے سے مال کم آیا۔اب جو روپیہ کہ باقی مال والوں کے ذمہ رہ گیاہے تواس صورت میں اگر وہ روپیہ وصول نہ ہوسکے تو زید بکر سے تیسرے حصہ کے نقصان لینے کاازروئے شریعت کے مستحق ہے یانہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک عرصہ سے بکر بوجہ کوشش وصول کرنے روپیہ مذکور کے اپنی فکر معاش سے بھی معذور ہورہاہے۔کچھ اس کا بدلہ زید پرہے یانہیں؟

تیسرے بکر نے باجازت زید ان اشخاص پر نالش وصول کرنے روپیہ کی کی۔روپیہ وصول نہ ہواتو جو خرچہ نالش میں صرف ہوا زید بکر سے اس خرچہ کے بھی تیسرے حصہ کے نقصان لینے کا مستحق ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مضارب کے ذمہ نقصان کی شرط باطل ہے وہ اپنی تعدی ودست درازی وتضییع کے سوا کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں جو نقصان واقع ہو سب صاحب مال کی طرف رہے گا،نہ مضاربت صحیحہ میں مضارب اپنی محنت وکوشش کا کوئی بدلہ صاحب مال سے پانے کا مستحق ہےاس کا بدلہ یہی ہے کہ نفع ہو توحسب قرارداد اس میں شریک ہوگا۔پس صورت مستفسرہ میں جو روپیہ وصول نہ ہوا یا نالش میں جو خرچہ ہوا زیداس کا کوئی حصہ بکر سے نہیں لے سکتا۔اور جو محنت بکر پرپڑے وہ اس کا بدلہ زید سے نہیں لے پاسکتا۔ہندیہ میں ہے:

اما الشروط الفاسدۃ فمنها ماتبطل المضاربۃ ومنها مالا تبطلها و تبطل بنفسها کذا فی النهایۃ قال القدوری فی کتابہ کل شرط یوجب جهالۃ الربح او قطع الشرکۃ فی الربح یوجب فساد المضاربۃ وما	فاسد شرطوں میں سے بعض مضاربت کو باطل کرتی ہیں اور بعض باطل نہیں کرتیں بلکہ یہ خود باطل ہوجاتی ہیں۔نہایہ میں یوں ہے۔قدوری نے کتاب المضاربہ میں فرمایا ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت یا نفع میں قطع شرکت کا باعث بنے۔تو وہ مضاربت کو فاسد کرنے کا موجب بنے گی،اور

لا یوجب شیئا من ذٰلك لایوجب فسادھا نحوان یشترطا ان تکون الوضیعۃ علیھما کذافی الذخیرۃ[1]۔	جو چیز ایسی چیز کا باعث نہ ہو تو مضاربت کو فاسد نہ کرے گی مثلا دونوں نے شرط لگائی کہ نقصان کو دونوں خود برداشت کریں گے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

کل شرط یوجب جھالۃ فی الربح یفسدہ لاختلال مقصودہ وغیر ذٰلك من الشروط الفاسدۃ لایفسدھا ویبطل الشرط کاشتراط الوضیعۃ علی المضارب[2]۔	ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت کا موجب بنے وہ مضاربت کو فاسد کردے گی کیونکہ یہ مقصود میں اختلال ہے اور جو شرائط فاسدہ ایسی نہ ہوں وہ مضاربت کو فاسد نہ کریں گی بلکہ خود باطل ہوجائینگی مثلا یہ شرط کہ نقصان مضارب پر ہوگا۔(ت)

عقود دریہ میں ہے:

سئل فیما اذا اخسر المضارب فھل یکون الخسران علی رب المال، الجواب نعم[3]۔	ان سے سوال ہوا کہ جب مضارب کو خسارہ ہوا ہو تو کیا رب المال خسارہ میں شریک ہوگا؟ الجواب: ہاں! (ت)

درمختار میں ہے:

المضاربۃ ایداع ابتداء وتوکیل مع العمل لتصرفۃ بامرہ وشرکۃ ان ربح وغصب ان خالف وان اجاز رب المال بعدہ واجارۃ فاسدۃ ان فسدت فلا ربح للمضارب حینئذ بل لہ اجر مثل عملہ[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مضاربت ابتداء میں امانت کی کارروائی ہے اور عمل کے بعد وکیل بنانے کا معاملہ بن جاتا ہے کیونکہ مضارب رب المال کے حکم سے اس کے مال میں تصرف کرتا ہے اور جب نفع حاصل ہوجائے تو شراکت بن جاتی ہے اور اگر مضارب خلاف ورزی کرے تو غصب بن جاتی ہے خواہ بعد میں رب المال اس کارروائی کو جائز بھی کردے۔ اور مضاربت فاسد ہوجائے تو اجارہ فاسدہ بن جاتا ہے۔ اس

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربہ باب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۸-۲۸۷

[2] الہدایہ کتاب المضاربہ مطبع یوسفی لکھنو ۳/ ۲۵۶

[3] العقود الدریۃ کتاب المضاربہ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۷۲

[4] درمختار کتاب المضاربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶

	صورت میں مضارب نفع کا حقدار نہ ہوگا بلکہ اپنے عمل کے مطابق اجرت کا حقدار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۔ب: ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص کے کارخانہ تجارت میں تھوڑے روپے دے کر شریک ہوجانا چاہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ چھتیس روپے سال مجھ کو اس کے منافع میں سے دیا کرو اور اس سے زیادہ جو کچھ ہو تم لے لیا کرو بحق مضاربت، اور اگر کم ہو تو اس کے بھی تم متحمل ہو۔ شرعاً یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناجائز اور گناہ ہے

لقطع الشرکۃ فی الربح ولالزام مانقص منه علی المضارب وکل ذٰلك شرط فاسد والاول مفسد ایضا کمانصوا علیه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نفع میں شرکت ختم ہوجانے کی بناء پر اور نقصان مضارب پر لازم کرنے کی بناء پر جبکہ دونوں صورتیں شرط فاسد ہیں۔ اور پہلی تو مضاربت کے لئے مفسد بھی ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲: ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ ایک سو پچاس روپیہ بکر کو بہ نیت تجارت دئے کیونکہ بکر میز کرسی کا تاجر تھا اس نے مبلغان مذکورہ کا ساٹھ من بیت خریدا اور سال تمام پر ساٹھ روپے منافع ہوئے لیکن بکر زید کو بایں حساب پانچ روپے ماہوار دیتا رہا۔ اس عرصہ میں بیت بکر نے بھی خریدا اور کبھی نہیں خریدا لیکن ہمیشہ پانچ روپے ماہوار دیتا رہا۔ بعد ایک عرصہ کے بکر نے قضا کی۔ ایک وارث بکر نے وہ مبلغان مذکورہ اپنے ذمے لے کر موافق بکر کے پانچ روپے ماہوار دیئے، لیکن چند ماہ کے بعد وارث بکر نے یہ کہا کہ اس طرح روپیہ دینا ماہوار جائز نہیں۔ لہٰذا جو روپیہ ذمہ بکر کے تھا میں ادا کرتا ہوں چونکہ زید ایک ضعیف شخص ہے اور طاقت تجارت وغیرہ کی خود نہیں رکھتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ یہ روپیہ وارث بکر کے پاس باقی رہے یا شرع مطہر کوئی طریقہ اس ایسا ارشاد فرمائے کہ ہم کو موافق سابق کے یا اس سے کم وبیش ملے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک رقم تعین کر دینا کہ نفع ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زائد۔ ہر طرح اس قدر ماہوار دیں گے ضرور حرام ہے بلکہ وارث بکر زر زید کو تجارت میں لگائے زید نفع ونقصان دونوں کا متحمل رہے۔ نفع ہو تو جس قدر ہو

اتناہی زید کو دیا جائے اس سے زیادہ اصلا نہ لے۔ یہ بھی اس صورت میں جبکہ وارث بکر محض احسانا اس کا روپیہ تجارت میں لگائے اور اس کے نفع میں اپنا حصہ نہ چاہے ورنہ جو باہم قرارداد ہو جائے اتنا حصہ نفع میں اپنا لے کر باقی زید کو دے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ رب المال اور مضارب میں وقت دینے مال کے نفع کی تعیین ہو جانی چاہئے کہ مضارب نفع میں سے نصف لے گا یا ثلث وغیرہ یا بعد حصول نفع کے دونوں باہم تراضی سے طے کرلیں اگر بوقت مال دینے کے طے کریں تو اسی جلسہ میں ہو، اگر جلسہ بدل جائے تو حرج تو نہیں رب المال نے مضارب کو ایک شہر معین میں بھیجا اس نے وہاں جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں فروخت کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے۔ رب المال کے پاس واپس جانے یا دوسرے شہر میں جہاں مناسب جانے کام کرے۔ یا شہر معین میں فروخت کرتے کرتے مال بچ رہا تو مابقے کو لوٹا لائے یا دوسری جگہ مناسب پر فروخت کردے۔ اگر رب المال وقت عقد کے توسیع کردے کہ جہاں مناسب سمجھے بیچے اور جو بات مفید دیکھے وہ کرے تو اس کے اختیارات وسیع ہو جائیں گے یا نہیں۔ رب المال کے ذمہ سفر خرچ وخورد ونوش مضارب کا ہے اس سے مراد طعام بقدر ضرورت ہے یا دیگر اشیاء بھی مثلا اس کا جی چاہا فصل کی کوئی شیئ کھالی یا روٹی سالن کافی تھا کہ اس نے پلاؤ زردہ کھایا یا کسی مسکین کو خیرات میں کچھ دیا یا لباس کی ضرورت پر کپڑا خرید کر استعمال کیا مثلا ٹوپی کافی ہوسکتی تھی کہ اس نے عمامہ خریدا یا اس کی حیثیت کے موافق ایک آنہ کی ٹوپی مناسب تھی کہ اس نے چار آنے کی خریدی۔

الجواب:

نفع میں جو حصہ شائعہ مضارب کا تعین نفس عقد میں ضرور ہے۔ اگر عقد بلا تعیین حصہ شائعہ کیا مثلا تجھے مضارب کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع مجھے دے دیا کرنا اس شرط پر کہ جتنا چاہوں اتنا نفع تجھے دیا کروں تو عقد فاسد وحرام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا کہ زید وعمر میں باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی ہے اسی قدر پر میں نے تجھ سے مضاربت کی اور عاقدین میں ایک کو اس کی مقدار معلوم نہیں۔ عقد فاسد ہوگا اگرچہ دوسرے کو معلوم ہو، ہاں اسی جلسہ میں تعیین کرلیں یا علم ہو جائے تو جائز ہو جائے **لان المجلس یجمع الکلمات** (کیونکہ مجلس متفرق کلام کی جامع ہوتی ہے۔ت) تبدل جلسہ ہوتے ہی فساد متقرر اور گناہ مستقر ہو جائے گا و **المسائل کلہا معلومۃ من الفقہ** (یہ تمام مسائل فقہ میں واضح

ہیں۔ت) درمختار میں ہے:

شرطها کون الربح بینهما شائعا فلو عین قدرا فسدت وکون نصیب کل منهما معلوما عند العقد[1]۔	مضاربت میں نفع غیر معین مقدار ہونا شرط ہے اور اگر کوئی معین مقدار طے ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصہ معلوم بھی شرط ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

دفع الی غیرہ الف درہم مضاربۃ علی مثل ما شرط فلان لفلان من الربح فان عَلِمَ رب المال والمضارب بما شرط فلان لفلان من الربح تجوز المضاربۃ وان لم یعلما لاتجوز وکذا اذا علم احدهما وجهل الاخر هٰکذا فی المحیط، ولو دفع الیه مضاربۃ علی ان یعطی المضارب رب المال ماشاء من الربح فهذه مضاربۃ فاسدۃ کذا فی المبسوط[2]۔	کسی نے دوسرے کو ہزار درہم مضاربت کے طور پر دیا کہ جیسے جیسے فلاں فلاں نے آپس میں نفع شرط کیا اس شرط کے مطابق یہ عقد ہے تو اگر رب المال اور مضارب دونوں کو ان کی شرط معلوم تھی تو یہ مضاربت جائز ہوگی اور ان کو فلاں فلاں کی شرط معلوم نہ تھی تو جائز نہ ہوگی اور یونہی اگر ایک کو وہ شرط معلوم تھی اور دوسرے کو معلوم نہ تھی۔ محیط میں یوں ہے اور اگر دوسرے کو مضاربت کے لئے اس شرط پر مال دیا کہ مضارب جو چاہے نفع میں سے رب المال کو دے تو یہ مضاربت فاسد ہوگی جیسا کہ مبسوط میں ہے۔(ت)

مضارب جہاں مناسب جانے مال لے جاسکتا ہے اس میں اذن رب المال کی حاجت نہیں جبکہ رب المال اسے مقید نہ کردے۔ ہاں مقید کردے گا کہ اسی شہر یا خاص فلاں شہر ہی میں خرید وفروخت کرو یا صرف فلاں موسم میں یا خاص فلاں شخص یا اشخاص سے، یا خاص فلاں مال کی تجارت کرو تو مضارب اس کے اتباع کا پابند ہو جائیگا مخالفت کرے گا تو تاوان دے گا اگرچہ رب المال نے عقد مضاربت کے بعد یہ تقییدات کردی ہو۔ جب تک روپیہ بدستور باقی ہے ابھی مضارب نے اس سے مال نہ خریدا۔ خریداری کے بعد پھر رب المال مطلق ومقید نہیں کرسکتا۔ درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۶-۱۴۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۲۸۸

یملك المضارب فی المطلقة التی لم تقید بمکان او زمان اونوع(ای اوشخص ش)البیع بنقد ونسیئة متعارفة و الشراء والتوکیل بھما والسفر برا و بحرا لا تجاوز بلدا وسلعة اووقف اوشخص عینه المالك لان المضاربة تقبل التقیید المفید ولو بعد العقد مالم یصر المال عرضا لانه حینئذ لایملك عزله فلا یملك تخصیصه فان فعل ضمن بالمخالفة [1] اھ ملتقطا۔	مضاربہ مطلقہ جو کسی مکان، زمان، قسم (یا شخص ش) سے مقید نہ ہو تو اس میں مضارب کو ہر طرح بیع نقد، ادھار معروف اور خریدنے اور بیع وشراء میں وکیل بنانے اور بری و بحری سفر کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر مالک نے علاقہ، سامان، وقف یا شخص کو معین کردیا تو مضارب اس پابندی سے تجاوز نہیں کرسکتا، کیونکہ مال کے سامان تجارت بننے سے قبل مضاربت مفید پابندی کے قابل ہے اگرچہ یہ پابندی عقد کے بعد لگائی ہو مگر مال جب سامان تجارت میں بدل جائے تو اس وقت پابندی موثر نہ ہوگی کیونکہ اس موقعہ پر مالک مضارب کو معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تو کسی تخصیص و پابندی کا مالک بھی نہ ہوگا۔ اگر مالک نے قیود کا پابند کیا ہو تو مضارب مخالفت کرنے پر مال کا ضامن ہوگا اھ ملتقطا (ت)

رب المال اگر مضارب کی رائے پر چھوڑ دے کہ جو مناسب جانے کرے تو ضرور اس کے بعض اختیارات وسیع ہوجائیں گے مثلا مطلق مضاربت میں اسے یہ اختیار نہ ہوتا کہ دوسرے کو اپنی طرف سے یہ مال مضاربت دے یا راس المال اپنے روپے میں ملالے اور جب رب المال نے یہ کہا کہ تیری رائے پر چھوڑا تو ان امور کا بھی مختار ہوجائیگا ہاں کسی کو روپیہ قرض دینا یا کسی سے قرض لینا اب بھی جائز نہ ہوگا جب کہ مالک صراحۃً اس کا اذن نہ دے۔ درمختار میں ہے:

لایملك المضاربة والشرکة والخلط بمال نفسه الا باذن او اِعْمَل برایك اذ الشیئ لایتضمن مثله ولا الاقراض والا ستدانة وان قیل له اِعْمَل برایك لانھما لیسا من صنیع التجار فلم یدخلا فی التعمیم مالم ینص المالك علیھما	مضارب مالک کی اجازت کے بغیر آگے مضاربہ، شرکت اور اپنے مال کے ساتھ خلط کرنے کا مالک نہ بنے گا۔ اجازت یا اپنی رائے سے عمل کر، کہہ دینے سے مالک بن سکے گا کیونکہ کوئی چیز اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوتی اور اپنی رائے سے عمل کر۔ کہہ دینے کے باوجود مضارب قرض دینے

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۷

فیملکھما[1] (ملخصا)	اورادھار دینے کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ یہ دونوں عمل تجار کا طریقہ نہیں تو دی ہوئی تعمیم میں یہ چیزیں شامل نہ ہوں گی جب تک مالک ان دونوں کی تصریح نہ کردے۔ اگر ان کی تصریح کردی تو ان کا مجاز بنے گا (ملخصا)۔ (ت)

مضاربۃ صحیحہ میں جبکہ مضارب مال مضاربت لے کر بغرض مضاربت سفر کرے اگرچہ ایک ہی دن کا سفر ہو تو ایام سفر کا نفقہ، کھانا۔ پینا۔ پہننا، سواری، بچھونا، تکیہ، تیل، بتی، کپڑوں کی دھلائی، خط بنوائی، خدمت گزاری کی اُجرت، سواری کا دانہ، چارہ، سرا کی کوٹھری، چارپائی کا کرایہ، اور ان کے مثل ہر معمولی ودوامی حاجت حسب عادت تجار بقدر معروف مضارب پر ہوگی یہ خرچ مال پر ڈالا جائیگا جو اسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائے گا اور اگر نفع نہ ہوا تو یہ خرچ اصل مال پر پڑے گا اور مضارب اس کا کچھ عوض نہ دے گا۔ درمختار میں ہے:

واذا سافرولو یومًا فطعامه وشرابه وکسوته ورکوبه ولوبکراء وکل مایحتاج فی عادة التجار بالمعروف فی مالها لو صحیحة لا فاسدة لانه اجیر فلا نفقة له وان عمل فی المصر فنفقته فی ماله کدوائه علی الظاهر اما اذا نوی الاقامة بمصر ولم یتخذه دارا فله النفقة ابن عـــه ملك ویاخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال ان کان ثمه ربح فلا شیئ علی المضارب[2] (ملخصا)	جب مضارب سفر کرے خواہ ایک دن کا ہو تو خوراک، شراب، لباس، سواری جب کرایہ کی ہو، اور تمام اخراجات جو تجار کی عادت معروفہ ہوں وہ سب مضاربت کے مال سے ہوں گے بشرطیکہ مضاربت صحیح ہو فاسد نہ ہو کیونکہ فاسد ہو تو مضارب اجیر ہے نفقہ کا مستحق نہ ہوگا، اور اگر وہاں شہر میں ہی کام کیا تو اپنے مال سے نفقہ برداشت کریگا جیسا کہ علاج کی صوت میں ظاہر قول کی بناء پر خود کرے گا۔ اور سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت کی نیت کی لیکن مستقل وطن نہ بنایا تب بھی نفقہ مضاربہ پر ہوگا (ابن ملک) اور اگر مضاربت میں نفع حاصل ہوا اور مضارب نے راس المال (اصل مال) سے نفقہ کیا تو مالک اتنا خرچہ نفع سے وصول کرلے گا تو مضارب کے ذمہ کچھ نہ آئے گا۔ ملخصا (ت)

عــــہ: لعل المراد منه عبداللطیف ابن عبدالعزیز الشهیر بابن ملک۔

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷

[2] درمختار فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۰

مگر بقدر معروف کی قید لگی ہوئی ہے روٹی سالن معروف تھا تو پلاؤ زردہ کی اجازت نہیں۔ ٹوپی کی عادت ہے عمامہ نہیں لے سکتا ایک آنہ کی ٹوپی معتاد ہے دو آنہ کی نہ لے گا۔ فصل کے میوے، برف کی قلفیاں، مٹھائی کے دونے، سوڈے کی بوتلیں، یہ اپنی جیب خاص سے کھائے پیئے، مال مضاربت پر حوائج ڈالتے ہیں یہ حوائج نہیں۔ اسی طرح کنگھی، سُرمہ، پھلیل، دوامال مضاربت سے نہ کرے گا۔ عالمگیری میں ہے:

النفقة هی مایصرف الی الحاجة الراتبة وهی الطعام والشراب والکسوة وفراش ینام علیه والرکوب و علف دابته، محیط السرخسی، وغسل ثیابه والدهن فی موضع یحتاج الیه واجرة الحمام والحلاق وانما یطلق فی جمیع ذٰلك بالمعروف حتی یضمن الفضل ان جاوزه هکذا فی الکافی، وروی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی انه سئل عن اللحم فقال کما کان یاکل، ذخیرة، واما الدواء والحجامة والکحل ونحو ذٰلك فی ماله خاصة دون مال المضاربة، ولو استاجرا جیرا یخدمه فی سفره احتسب بذٰلك علی المضاربة، مبسوط[1]، والله تعالٰی اعلم۔	نفقہ وہ عام حاجت کے مصارف ہیں اور وہ کھانا، پینا، لباس، بستر زیر استعمال، سواری، جانور کی خوراک ہے، محیط سرخسی، اور کپڑوں کی دھلائی، ضرورت کے مقام پر تیل، حجام کی اُجرت ان تمام امور کی معروف اجازت ہوگی حتی کہ اگر معروف مقدار سے زائد خرچ کیا تو ضامن ہوگا کافی میں یوں ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ان سے خوراک میں گوشت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں جو کھانے کی اسے عادت ہو، ذخیرہ، لیکن ذاتی دوائی، سینگی لگانے اور سُرمہ وغیرہ جیسی چیزیں مضارب کے اپنے ذاتی مال سے ہونگی مضاربت سے نہ ہونگی، اور اگر سفر کے دوران خدمت کے لئے اجیر کرایہ پر رکھا تو یہ مضاربت کے حساب سے ہوگا، مبسوط، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴: از موضع سابق

جواب کی بعض عبارات کی تشریح مطلوب ہے:

(۱) جبکہ مضارب کو اختیار دے دیا کہ جہاں چاہے کام کر، اور اس نے شہر ہی میں فروخت کرنا شروع کیا اور مضارب فقیر ہے یعنی اپنے پاس سے خرچ نہیں کرسکتا تو اس صورت میں اس کا نفقہ رب المال

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۱۳۔ ۳۱۲

کے ذمہ ہوگا یا نہیں **قال** یہ خرچ مال پر ڈالا جائے گا جو اسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائیگا اقول اس کی دو صورتیں اس وقت خیال میں آتی ہیں ایک یہ کہ رب المال نے ایک مجمل رقم مضارب کو دی تھی اس نے اس میں سے اکثر کا مال خریدا اور قلیل اپنے خرچ کے واسطے رکھ لی، جب یہ خرچ ہو گئی مال کی آمدنی میں سے صرف میں لایا، دوسرے یہ کہ رب المال نے ایک رقم معین مال خریدنے کے واسطے دی، مضارب نے اس سب کا مال خریدا اور سفر خرچ وغیرہ اپنے گھر سے کیا۔ ان دو صورتوں میں تو بیشک مضارب مصارف مجرا کرکے نفع کی تقسیم کرے۔ تیسری صورت یہ کہ رب المال نے ایک رقم خاص واسطے خرید اموال کے معین کردی اور ایک رقم خاص واسطے نفع وسفر خرچ وغیرہ کے دے دی تو اب یہ مصارف مال مضاربت پر کیوں پڑیں گے۔ بلکہ اس رقم صرف میں سے بعد خرچ کے جتنا بچ رہے گا وہ واپس دینا ہوگا ہاں اگر رقم سب صرف میں آگئی اور کچھ زائد خرچ کرنے کی ضرورت ہوئی تو اب جو کچھ خرچ ہو وہ مال مضاربت پر پڑے روپیہ بدستور رہنے کی صورت میں جیسے اختیار مطلق کو مقید کرسکتا ہے یوں ہی مقید کو مطلق بھی کرسکتا ہے یا نہیں؟ افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب:

(۱) جب تک اپنے وطن میں ہوگا نفقہ نہ پائے گا اگرچہ خرید وفروخت وکار مضاربت کرتا رہے اگرچہ رب المال دوسری جگہ کا ساکن ہو اور وہیں اس سے عقد مضاربت کیا ہو، اسے سفر خرچ دیا جاتا ہے اور یہ جب تک وطن میں ہے مسافر نہیں۔ اسی طرح اگر اس کے غیر وطن میں رب المال نے اسے روپیہ دیا یہ وہاں بطور مسافرت گیا ہوا تھا تو فی الحال جب تک اس شہر میں ہے نفقہ نہ پائے گا اگرچہ کار مضاربت انجام دے کہ اس بار اس کا یہ سفر مضاربت کے لیے نہ تھا بلکہ قبل عقد مضاربت تھا، ہاں جب وہاں سے چلا جائے گا اور پھر بغرض مضاربت وہاں آئے گا تو سفر خرچ پائے گا کہ اب یہ سفر بغرض مضاربت ہے۔ بخلاف وطن مضارب کہ اگر جائے مضاربت سے سفر ہی کرکے خاص کار مضاربت ہی کے لئے اپنے وطن کو آئے جب تک وطن میں رہے گا نفقہ نہ ملے گا کہ وطن میں آدمی کسی طرح آئے مسافر نہیں رہ سکتا۔ بدائع ومحیط وفتاوٰی ظہیریہ وبحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

لو اخذ مالا بالکوفۃ وھو من اھل البصرۃ وکان قدم الکوفۃ مسافرا فلا نفقۃ لہ فی المال مادام فی الکوفۃ	اگر مضارب نے مالک سے کوفہ میں مال وصول کیا جبکہ مضارب بصرہ کا رہنے والا ہے وہ کوفہ میں بطور مسافر آیا تھا تو جب تک وہ کوفہ میں قیام پذیر رہے گا اس وقت تک مال مضاربت پر اس کا نفقہ نہ آئے گا

فاذاخرج منها مسافرا فله النفقة حتی یاتی البصرة لان خروجه لاجل المال ولاینفق من المال مادام بالبصرة لان البصرة وطن اصلی له فکانت اقامته فیه لاجل الوطن لا لاجل المال فاذا خرج من البصرة له وان ینفق ایضا مااقام بالکوفة حتی یعود الی البصرة لان وطنه بالکوفة کان وطن اقامة یبطل بالسفر فاذا عاد الیها ولیس له بها وطن کانت اقامته فیها لاجل المال[1]۔	توجب وہاں سے سفر کرتے ہوئے نکلے گا توبصرہ پہنچنے تک اس کا نفقہ ہوگا کیونکہ اس کا اب کوفہ سے نکلنا مضارب کے طورپر ہے اور پھر جب تک بصرہ میں رہے گا وہ خرچہ نہ پائے گا کیونکہ بصرہ اس کا وطن اصلی ہے تو یہاں اس کی اقامت وطن کی وجہ سے ہے مضاربت کے لئے نہیں۔ تواب اگر وہ بصرہ سے نکل کر کوفہ آیا تو واپس بصرہ پہنچنے تک نفقہ اس کا حق ہے کیونکہ پہلے کوفہ میں اس کا قیام وطن اقامت کے طور پر تھا تو وہاں سے سفر کرنے پر وہ وطن باطل ہوگیا تواب دوبارہ اس کا کوفہ آنا مضاربت کے لئے کیونکہ کوفہ اس کا وطن نہیں تو وہاں اس کا قیام صرف مال کے لئے ہے۔(ت)

(۲) مجمل رقم دینا بے معنی ہے مضاربت میں راس المال کا معلوم ہونا شرط ہے ورنہ عقد فاسد وگناہ ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

اما شرائطها الصحیحة فمنها ان یکون راس المال معلوما عند العقد حتی لایقعان فی المنازعة فی الثانی الخ[2]۔	مضاربت کے صحیح شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عقد کے وقت راس المال کا معلوم ہونا ہے تاکہ بعد میں دونوں کا اختلاف نہ ہوالخ(ت)

(۳) مضارب اگر اپنے پاس سے خرچ کرے گا جب بھی مال مضاربت سے مجرا پائے گا مگر رب المال سے مجرا لینے کا حق نہیں رکھتا یہاں تک کہ اگر مال مضاربت تلف ہوجائے تو اس کا خرچ بھی گیا۔ رب المال سے اس کا مطالبہ نہ کرسکے گا۔ عالمگیری میں ہے:

ان انفق المضارب من مال نفسه اواستدان علی المضاربة	اگر مضارب نے اپنے ذاتی مال سے نفقہ لیا یا اس نے مضاربت کے معاملہ میں قرض لیا تو وہ اسے

[1] ردالمحتار کتاب المضاربة فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹۰

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب المضاربة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۸۶۔۲۸۵

رجع فی مال المضاربۃ بذٰلك ویبدأ براس المال ثم یثنی بالنفقۃ ثم یثلث بالربح وان ھلك مال المضاربۃ لم یرجع علی رب المال بشیئ کذا فی الذخیرۃ [1]۔	مضاربت کے مال سے وصول کرے گا یہ مجرائی اولاراس المال سے پھر ثانیا نفقہ سے اور پھر ثالثا نفع سے ہوگی اور اگر مضاربت کا تمام مال ہلاک ہوجائے تو مضارب کچھ بھی رب المال سے وصول نہ کرسکے گا، ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

(۴) رقم خاص جو سفر خرچ کے لئے اسی عقد مضاربت کی بناء پر دی وہ مضاربت ہی میں شامل ہے، ہاں اگر جدا رقم دے کر تصریح کردی کہ میں تیرا سفر خرچ تبرعا اپنے پاس سے دیتا ہوں، جو کچھ راس المال پر بڑھے گا وہ تمام وکمال نفع سمجھا جائے گا اور تو اس سے جدا پائے گا تو یہ اس کا احسان ہے اسے اختیار ہے پھر اگر وہ منع کردے تو اس پر جبر نہیں مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ۔

(۵) مقید کو ہر وقت مطلق کرسکتا ہے کہ منع رب المال ہی کے حق کے لئے تھا، صاحب حق کو اپنے حق سے درگزر کرنے کا اختیار ہے،

یاحق یاصاحب کل حق بغناك وفقرنا تجاوز عمالك من الحقوق علینا و بکرمك تحمل عناما لعبید فانك اکرم الاکرمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی اکرم الخلق محمد واٰلہ الکرماء اجمعین اٰمین و الحمد للہ رب العالمین، واللہ تعالٰی اعلم۔	یاذات حق، اے ہر حق کے مالک، اپنے غنا اور ہمارے فقر کے وسیلہ سے ہمارے ذمہ جو بھی تیرے حقوق ہیں معاف فرما، اور اپنے کرم کے ذریعہ اپنے بندوں کے حقوق کو ہم سے ختم فرما، کیونکہ تو تمام کریموں سے بڑا کریم ہے اور اللہ تعالٰی کی رحمتیں مخلوق کے بڑے کریم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی کرم والی سب آل پر، آمین، الحمد للہ رب العلمین، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵: از الہ آباد محلّہ حمام حکیم سید قنبر علی صاحب ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے خالد کو جو کہ سوداگر ہے پانچ سو روپے بدیں معاہدہ قرض دیا کہ اس پانسو روپے سے خالد جو کاروبار تجارت مناسب جانے کرے اور جو منافعہ تجارت ہو اس مں سے صرف ایک آنہ فی روپیہ زید کو دے باقی کل رقم منافع خالد اپنے حق المحنت میں لے اور جو نقصان تجارت میں ہو اس میں بعد فہمید وحساب وکتاب زید صرف فی روپیہ کے حساب سے اصل میں مجرا دے گا، باقی کل تاوان خالد ادا کرے گا،

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۱۳

ایسا معاہدہ داخل سود و ناجائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ایسا معاہدہ بلاشبہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: از پاٹن شمال گجرات مرسلہ عبدالقادر محمد فضل صاحب ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم نفع الانام بکم فی زید وعمرو اتفقا علی ان یتجرا بان یکون راس المال من زید وان یکون عمرو مضاربا وشرع عمرو فی العمل فانتخب التجارۃ بالربح اولا عقب الحساب بینھما اقتسما علی موجب شرطھما ثم اضاف ما نابہ من الربح علی مال زید واخذ فی اسباب التصرف وسار ینفق من مال الشرکۃ علی نفسہ ماکلہ ومشربہ وکسوتہ ویھب ویتصدق ویزور النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویحج کل ذٰلک بغیر اذن شریکہ ولہ یظھر الربح بل لحق راس المال خسارۃ فھل یضمن عمرو ما انفق فی الوجوہ المذکورۃ حیث کان ذٰلک بغیر اذن الشریک یکون الضمان فی مالہ خاصۃ ام یکون دینا اذا بقی، افتونا ماجورین۔	آپ کا کیا ارشاد ہے (اللہ تعالٰی آپ کے ذریعہ مخلوق کو نفع دے) اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو نے تجارت کرنے پر بایں طور اتفاق کیا کہ اصل رقم زید کی ہوگی اور عمرو مضارب ہوگا، اور عمرو نے کام شروع کردیا تو اس نے تجارت میں نفع کمایا حساب کے بعد طے شدہ شرط کے مطابق دونوں نے نفع کو تسلیم کرلیا، پھر عمرو نے اپنے حاصل شدہ نفع کو زید کے مال (راس المال) میں شامل کردیا اور کاروباری ذرائع میں مشغول ہوگیا اور مشترکہ مال سے اپنے مصارف کھانے، پینے، لباس، ہبہ، صدقہ اور حج وزیارت پر صرف کیا اور یہ تمام اخراجات اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کئے جبکہ نفع نہ ہوا بلکہ راس المال میں خسارہ ہوگیا، تو کیا مذکورہ مصارف پر اپنے شریک کی اجازت کے بغیر خرچ شدہ مال کا عمرو ضامن ہوگا اور یہ ضمان خاص عمرو کے اپنے مال سے ادا ہوگا یا بقایا ہونے کی صورت میں اس کے ذمہ دین ہوگا، اجر پاتے ہوئے ہمیں فتوٰی دیں۔ (ت)

الجواب:

کل ماانفق فی الھبات والصدقات والحج والزیارۃ الشریفۃ یحسب علیہ من مال	عمرو نے ہبہ، صدقہ، حج وزیارت پر جو کچھ صرف کیا وہ عمرو کے ذاتی مال سے شمار ہوگا اس میں سے

نفسه لاشیئ منه علی صاحبه وکذا ما انفق علی نفسه وهو مقیم بمصر المضاربة ای البلد الذی اخذ فیه المال مضاربة او بوطنه سواء کان مولده او اتخذه دارا،وکذا ماانفق فی الخروج الی موضع یغدوالیه ثم یروح ویبیت باهله وکذا جمیع النفقات علی الاطلاق ان کانت المضاربة فاسدة فانه لیس فیها للمضارب الااجر مثل عمله نعم اذا کانت صحیحة و خرج المضارب للتجارة الی حیث لایؤویه اللیل بمنزله وان قفل فنفقته بالمعروف طعامه وشرابه و لباسه وفراشه ورکوبه وخادمه ونفقة خادمه کل ذلك فی مال المضاربة حتی یؤب لاالزائد علی المعروف فانه مضمون علیه غیر ان عمرا اضاف الیه شیئا من مال نفسه فینقسم النفقات المعروفة علی کلا المالین بحسبهما فما اصاب مال المضاربة فذٰلك وما اصاب مال عمرو حسب علیه من مال نفسه وکل ماذکرنا انه یحسب علیه ان کفاه ماله فبها وما فضل وتعدی الی مال المضاربة یضمنه و هودین علیه یوخذ منه حیث لاربح،هذا کله اذا لم یخلط اوخلط و کان زید قال له ان اعمل فیه کما	کچھ بھی دوسرے ساتھی پر نہ ہوگا اور یونہی جو کچھ اس نے مضاربہ والے شہر یعنی جس شہر میں اس نے مضاربہ کا مال وصول کیا، یا اپنے وطن خواہ اس کا مولد ہو یا وہاں گھر بنالیا ہو، میں اپنی ذات پر خرچ کیا او ریونہی تمام اخراجات علی الاطلاق اگر مضاربہ فاسدہ ہو کیونکہ فساد کی صورت میں مضارب مثلی اجر کے بغیر کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا، ہاں جب مضاربہ صحیح ہو اور مضارب نے تجارت کی غرض سے ایسی جگہ سفر کیا جہاں سے وہ صبح وشام واپس اپنے گھر نہیں پہنچ سکتا تو اس کا معروف نفقہ بطور خوراک ولباس، بستر، سواری، خادم، خادم کا نفقہ یہ سب مضاربت کے مال پر ہوگا حتی کہ واپس گھر پہنچ جائے، معروف سے زائد نفقہ نہ ہو کیونکہ زائد ہو تو اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا، علاوہ ازیں عمرو نے اپنا مال چونکہ تجارت میں شامل کرلیا تو اب تمام معروف اخراجات دونوں مالوں پر علی الحساب منقسم ہوں گے جو مضاربت کے حصہ میں آیا وہ مضاربت پر اور اس کے اپنے مال کے حصہ آئے وہ اس پر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا کہ حساب سے اخراجات اس کے مال پر، اگر اس کا مال ان اخراجات کو کفایت کرتا ہے فبہا ورنہ اخراجات زائد ہونے کی صورت میں جو مضاربت پر پڑے ہیں ان کا وہ ضامن ہوگا اور اس کے ذمہ وہ دین پر ہوں گے اور اس سے وصول کئے جائیں گے جبکہ نفع کامال نہ ہو، یہ تمام بیان اس صورت میں ہے جبکہ اس نے اپنا ذاتی

تری اوکان الخلط هناك معروفا بین التجار اما اذا عرٰی عن هذه الوجود ضمن مال زید تماما لانه استهبلکه بالخلط بغیر اذن ولاعرف فعاد غاصبا بعد ماکان مضاربا فعلیه وضیعة وله ربحه ولایطهر له ربح مال المضاربة عندالامام ومحمد رضی الله تعالٰی عنهما فیتصدق به الا اذا اختلف الجنس فان الربح لایظهر الا عند اتحاده فی الدر المختار اذا سافر ولو یومًا(المرادان لایمکنه المبیت فی منزله فان امکن ان یعود الیه فی لیلة فهو کالمصر لانفقة له بحر اه شامی)فطعامه وشرابه.وکسوته ورکوبه ولوبکراء وکل مایحتاجه فی عادة التجار بالمعروف فی مالها لو صحیحة لا فاسدة لانه اجیر فلا نفقة له وان عمل فی المصر سواء ولد فیه اواتخذه دار افنفقته فی ماله کدوائه.اما اذا نوی الا قامة بمصر ولم یتخذه دارافله	مال مضاربت کے مال میں خلط نہ کیاہو یا اس نے خلط کردیا اور زید نے اسے کہہ رکھا تھا کہ اپنی رائے سے جو چاہو کرو یا وہاں تجار میں اس طرح خلط کرنا معروف ہے ورنہ اس کے بغیر خلط سے عمرو زید کے تمام مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اجازت اور عرف کے بغیر خلط کرکے اس نے مضاربت کے مال کو ہلاک کردیا اور مضارب کی بجائے وہ غاصب بن گیا اب نفع ونقصان اس کا ہے اور مضاربت سے حاصل شدہ نفع اس کے لئے،امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک مال مضاربت کا نفع اس کے لئے پاک نہ ہوگا اور صدقہ کرے گا ہاں اگر نفع اور راس المال کی جنس مختلف تو پاک ہوگا، کیونکہ نفع اتحاد وجنس میں ظاہر ہوتاہے۔درمختار میں ہے جب مضارب سفر خواہ ایک دن کا کرے(اس سے مراد یہ ہے کہ اتنا سفر ہو کہ واپس آکر رات گزارنا ممکن نہ ہو اگر رات گھر آنا ممکن ہو تو یہ اپنے شہر کی طرح ہوگا لہٰذا وہ نفقہ کا مستحق نہ ہوگا بحر،اھ شامی) تو کھانا،پینا،لباس سواری،اگر کرایہ کی ہو اور تجار میں معروف تمام اخراجات مضاربت پر ہوں گے بشرطیکہ مضاربت صحیح ہوگا فاسد نہ ہو کیونکہ فاسد ہونے کی صورت میں مضارب اجیر بن جاتاہے اس کا نفقہ نہیں اور اگر اس نے اپنے وطن جس میں پیدا ہوا یا جس کو اس نے گھر بنالیا وہاں کے اخراجات اس کے اپنے مال سے ہوں گے جیسا کہ علاج معالجہ ذاتی ہوتاہے،اگر سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت

النفقة مالم یاخذ مالا (یعنی اما اذا کان قد اخذ مال المضاربة فی ذلك المصر فلا نفقة له مادام فیه ولا یخفی مافیه من الایجاز الملحق بالغاز اھ شامی، **اقول:** مثله لیس من الایجاز فی شیئ بل وقع من القلم اقتصار امخلا) ولو سافر بماله ومالها اوخلط باذن انفق بالحصة واذاقدم رد مابقی "مجمع" ویضمن الزائد علی المعروف، ویأخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال (متعلق بانفق اھ ش) ان کان ثمة ربح فان استوفاه وفضل شیئ اقتسماه علی الشرط لان ما انفقه یجعل کالهالك والهالك یصرف الی الربح وان لم یظهر ربح فلا شیئ علی المضارب [1] اھ (باختصارین) وفیه لایملك الخلط بمال نفسه الا باذن او اعمل برأیک [2] اھ (باختصار)۔ قال ش وهذا اذا لم یغلب التعارف بین التجار فی مثله کما	کی نیت ہو اور وہاں گھر نہ بنایا ہو تو وہاں نفقہ کا مستحق ہوگا بشرطیکہ اس شہر میں اس نے مال مضاربت وصول نہ کیا ہو یعنی اس شہر میں اگر مال وصول کیا تو وہاں بھی نفقہ کا استحقاق نہ ہوگا جب تک وہاں رہے گا، اس کلام میں جو ایجاز ہے مخفی نہیں اھ شامی، **اقول:** میں کہتا ہوں ایسا کلام کسی طرح ایجاز نہیں بلکہ یہ مخل قسم کا اقتصار قلم سے صادر ہوا) اگر مضارب نے مضاربت کے مال اور اپنے مال سمیت سفر کیا اور رب المال کی اجازت سے خلط کیا ہو تو خرچہ حصہ کے مطابق ہوگا جب واپس پہنچے تو بقیہ نفقہ واپس کرے، مجمع اور معروف سے زائد خرچہ کا ضامن ہوگا اور راس المال سے زائد خرچہ کو رب المال وصول کرے گا (راس المال کا تعلق انفق سے ہے اھ شامی) اگر اس میں نفع ہو تو اور خرچہ اس سے پورا کرلینے کے بعد کچھ بچا تو دونوں شرط کے مطابق تسلیم کرلیں کیونکہ خرچ شدہ کو ہلاک شدہ قرار دیا جاتا ہے اور ہلاک شدہ کو نفع کی طرف پھیرا جاتا ہے اور اگر وہاں نفع نہ ہو تو مضارب پر کوئی ذمہ نہیں اھ (باختصارین) اور اسی میں ہے کہ مضارب کو اپنے مال کے ساتھ خلط کا اختیار نہیں الایہ کہ اجازت صریح ہو یا کہا گیا ہو "اپنی رائے سے عمل کر" اھ (باختصار)۔ شامی نے فرمایا یہ جب ہے کہ وہاں تجار کا غالب عرف ایسا نہ ہو جیسا کہ

[1] درمختار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۰، ردالمحتار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۹۰ـ۹۱

[2] درمختار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷

فی التاتارخانیۃ اھ [1] ثم ذکر عنھا ما اذا دفع الی رجل الفا بالنصف ثم الفا اخری کذلك فخلط المضارب المالین [2] وفصل صورھا واحکامھا وھی ستۃ عشروجھا قد بسطھا فی الھندیۃ عن المحیط باوضح لما عــہ نا۔ **اقول**:واستخرجت لھا ضابطۃ ھی ان الخلط اذا وقع علی مال لہ فیہ اذن ولو عرفا او ربح فیہ خاصۃ اولا ربح فی شیئ من مالی المضاربۃ لم یضمنہ والا ضمن تمت الضابطۃ ای اذا وقع علی مالیس لہ فیہ اذن ولاربح یختص بہ ولا عدم ربح یعمھما بان ربح فی المال الاخر خاصۃ اوفیھما معا فانہ یضمنہ فان کان کلا المالین علی الوجہ الاول لم یضمن شیئا منھما او علی الثانی ضمنھما معا او احدھما علی الاول و	تاتارخانیہ میں ہے اھ پھر علامہ شامی نے تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ ایک شخص نے کسی کو نصف نفع کی شرط پر ہزار بطور مضاربت دیا پھر ایک اور ہزار اسی شرط پر دیا تو مضارب نے ان دونوں مالوں کو خلط کردیا، یہاں انہوں نے صورتوں اور ان کے احکام کی تفصیل بیان کی اور یہ سولہ وجوہ ہیں جن کو ہندیہ نے محیط کے حوالے سے مبسوط طورپر بیان کیا اور ہمارے بیان کردہ سے زیادہ واضح ہے۔ **میں کہتا ہوں** میں نے اس کے لئے ایک ضابطہ بنایا ہے وہ یہ کہ اگر خلط اس مال میں کیا جس میں یہ اجازت تھی اگرچہ عرفا ہو یا خاص طورپر اس مال میں ہی نفع ہوا یا مضاربت کے دونوں مالوں میں کوئی نفع نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا، ضابطہ مکمل ہوا ورنہ ضامن ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ خلط ایسے مال میں کیا جس میں یہ اجازت نہ تھی اور نہ ہی اس مال سے مختص نفع تھا اور نہ ہی دونوں مالوں کو شامل نفع ہو بلکہ یوں ہو کہ دوسرے مال سے مختص نفع ہو یا دونوں کو شامل نفع ہو تو ضامن ہوگا، اور اگر دونوں مال پہلی وجہ والے یعنی عدم ضمان والی صورت پر تھے تو دونوں کا کوئی ضمان نہیں یا دونوں دوسری وجہ پر تھے تو دونوں کا ضامن ہوگا، یا ایک مال

عــــہ: فی الاصل ھکذا العلہ مما بیناہ۔

اصل میں اسی طرح ہے غالبا یہ لفظ مما بیناہ ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۵

[2] ردالمحتار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۵

الاخر علی الثانی لم یضمن الاول وضمن الاخر، هذا اذا خلط احد مالی زید بالاخر فکیف اذا خلط بمال نفسه وفی البحر لیس له ان یخلط مال المضاربة بماله و لامال غیره الا ان یقول له اعمل برأیك [1] اھ، وقال بعد ثلثة اوراق انما لایضمن لان رب المال قال له اعمل برأیك فیملك الخلط بخلاف ماإذا لم یقل فانه لایکون شریکا بل یضمن کالغاصب [2] اھ، وفی الهدایة مایفعله المضارب انواع، نوع لایملکه بمطلق العقد ویملکه اذا قال له اعمل برأیك مثل خلط مال المضاربة بماله اومال غیره [3] اھ (باختصار) و فیها انتظم قوله اعمل برأیك الخلط فلا یضمنه [4] اھ (باختصار) وفی العنایة اعمل برأیك یتناول الخلط فصار شریکا	پہلی وجہ پر اور دوسرا دوسری وجہ پر تھا تو پہلے میں ضامن نہ ہوگا، دوسرے میں ضامن ہوگا، یہ تمام صورتیں زید کے دونوں مالوں کو آپس میں خلط کرنے میں ہیں تو مضارب کے اپنے ذاتی مال کو اس میں خلط کرنے سے کیونکر نہ ہوں، بحر میں ہے مضارب کو جائز نہیں کہ مضاربۃ کے مال کو اپنے مال یا غیر کے مال سے خلط کرے الایہ کہ اس کو "جو چاہے کر" کہہ کر عام اجازت دی گئی ہو اھ، اور تین ورق کے بعد فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ رب المال نے اسے کہہ کر رکھا ہے کہ "جو چاہے کر" تو وہ خلط کا مالک ہوگا بخلاف جب یہ نہ کہا تو پھر خلط سے شریک نہ بنے گا بلکہ غاصب کی طرح ضامن ہوگا، اھ، ہدایہ میں ہے کہ مضارب کی کارروائی مختلف اقسام پر ہے بعض وہ جن کا عقد کے مطلق ہونے سے مالک بن جاتا ہے اور بعض وہ کہ "جو چاہے کر" کہنے سے ان کا مالک بن جاتا ہے مثلاً مضاربت کے مال کو اپنے یا غیر کے مال میں خلط کرنا اھ، اور ہدایہ میں ہی ہے کہ مالک کا "جو چاہے کر" کہنا خلط کو شامل ہے لہٰذا ضامن نہ ہوگا اھ (ملخصاً) اور عنایہ میں ہے "جو چاہے کر" خلط کو شامل ہے تو خلط کرنے پر شریک بن جائیگا

[1] بحرالرائق کتاب المضاربۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۶۴۔۶۵

[2] بحرالرائق کتاب المضاربۃ باب المضارب یضارب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۷۱

[3] الهدایة کتاب المضاربۃ فصل فیما یفعله المضارب مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۶۵

[4] الهدایة کتاب المضاربۃ فصل فیما یفعله المضارب مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۶۸

فلم یکن غاصبا فلا یضمن [1] اھ(ملخصا)وثمہ قال فی الخانیۃ لیس لہ ان یخلط مال المضاربۃ بمالہ اومال غیرہ و لوکان رب المال قال لہ اعمل فیہ برأیك کان لہ ان یخلط [2] اھ(ملخصا)وفیھا لو لم یقل اعمل برأیك الا ان معاملۃ التجار فی تلك البلاد ان المضاربین یخلطون المال و لاینھا ھم رب المال قالوا ان غلب التعارف بینھم فی مثلہ نرجو ان لایضمن وتکون المضاربۃ بینھما علی العرف [3] اھ۔وفیھا وفی وجیز الکردری واللفظ لھا۔رجل دفع الی غیرہ مالا مضاربۃ ثم ان المضارب شارك رجلا اخر بدراہم من غیر مال المضاربۃ ثم اشتری المضارب وشریکہ عصیرا من شرکتھما ثم جاء المضارب بدقیق من المضاربۃ فاتخذ منہ ومن العصیر فلا یج عـــہ قال ان اتخذ الفلایج باذن	غاصب نہ ہوگا تو ضمان نہ دے گا اھ (ملخصا) اور خانیہ کے اسی مقام پر فرمایا مضارب کو اختیار نہیں کہ وہ مضاربہ کے مال کو اپنے یا غیر کے مال میں خلط کرے،اور اگر رب المال نے اسے "جو چاہے کر" کہہ دیا تھا تو اس کو خلط کا اختیار ہوگا اھ (ملخصا) اور اسی میں ہے اگر مالک نے "جو چاہے کر" نہ کہا ہو مگر اس علاقہ کے تجار کا معاملہ یوں ہے کہ مضاربت والے لوگ مال کو خلط کرتے ہیں اس کے باوجود رب المال لوگ ان پر اعتراض نہیں کرتے۔فقہاء کرام نے فرمایا اگر اس معاملہ میں عرف غالب ہوچکا ہے تو ہمیں امید ہے کہ مضارب ضامن نہ ہوگا اور عرف کے مطابق مضاربت دونوں میں باقی رہے گی اھ۔خانیہ اور وجیز کردری میں ہے جبکہ عبارت خانیہ کی ہے کہ ایک شخص نے کسی کو مضاربۃ پر مال دیا پھر مضارب نے دوسرے شخص کو اس کے کچھ دراہم لے کر شریک بنالیا جبکہ یہ دراہم مضاربۃ میں شامل نہیں کئے پھر مضارب اور اس کے ہم شریک نے اپنی شراکت کے مال سے جوس خریدا پھر مضارب مضاربت کے مال سے آٹا لایا اور آٹے اور جوس سے پیڑے بنائے تو فقہاء کرام نے فرمایا اگر یہ پیڑے شریک کی اجازت

عـــہ: الذی فی البزازیۃ فلاتج بالتاء

بزازیہ میں جو مذکور ہے وہ فلاتج (ت کے (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب المضاربۃ فصل فیما یفعلہ المضارب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۴۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴ / ۷-۶۳۶

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴ / ۷-۶۳۶

الشريك ينظر الى قيمة الدقيق قبل ان تتخذ منه الفؤلا يج والى قيمة العصير فما اصاب حصة الدقيق فهو على المضاربة	سے بنے تو پیڑے بنانے سے قبل آٹے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا اور یوں جوس کی قیمت کا بھی اندازہ کیا جائے تو جتنا حصہ آٹے کا بنے وہ مضاربہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الفوقانية وذكر فيها مانصه اعطاه الفا وقال اعمل برأيك ثم اشترى المضارب مع شريكه عصيرا على الشركة فاتخذ المضارب من دقيق المضاربة و العصيرا لمشترك فلا تج باذن الشريك فالفلا تج على المضاربة وضمن المضارب لشريكه قيمة العصير ما يخصه [1] الخ وكتبت عليه مانصه اقول هذا سبق قلم وانما هو حكم ماذا فعل باذن رب المال دون الشريك كما سيذكره بقوله وان ياذن رب المال لاالشريك فالفلاتج على المضاربة ويضمن حصة العصير لشريكه [2] الخ اما حكم هٰذا فما ذكر فى الخانية انه ينظر الى قيمة الدقيق الخ ۱۲منه غفرله۔

ساتھ ہے اور انہوں نے جو ذکر کیا عبارت یہ ہے مالک نے مضارب کو ہزار دے کر کہا "جو چاہے کر" پھر مضارب نے اپنے شریک سے مل کر جوس خریدا شراکت کے طور پر، تو مضارب نے مضاربہ کا آٹا اور شراکت کا جوس ملا کر شریک کی اجازت سے پیڑے بنائے، تو پیڑے مضاربت میں شمار ہوں گے اور مضارب جوس کی قیمت کے برابر شریک کو ضمان دے گا الخ، اور میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے میں کہتا ہوں یہ قلم کی سبقت ہے حالانکہ یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جب مضارب نے یہ کارروائی رب المال کی اجازت اور شریک کی اجازت کے بغیر کی ہو جیسا کہ وہ خود اس کو قریب ہی ذکر کریں گے اپنے اس قول میں، کہ اگر رب المال نے اجازت دی اور شریک نے نہ دی تو پیڑے مضاربہ میں شمار ہوں گے اور جوس کے حصہ میں برابر شریک کو ضمان دے گا الخ، لیکن اس مذکور صورت کا حکم وہ ہے جو خانیہ نے ذکر کیا ہے کہ آٹے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا الخ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸۶

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸۶

وما اصاب حصة العصير فهو بين المضارب وبين الشريك لكن ہذا اذا كان رب المال قال له اعمل فيه برأيك فان لم يكن قال ذٰلك وفعل المضارب ذٰلك بغير اذن الشريك فالفلايج تكون للمضارب وهو ضامن مثل الدقيق لرب المال ومثل حصة الشريك من العصير للشريك فان كان رب المال اذن له فی ذٰلك والشريك لم ياذن فالفلايج تكون للمضاربة والمضارب ضامن حصة شريكه من العصير وان كان الشريك اذن له بذٰلك ورب المال لم ياذن له فالفلايج تكون بينه وبين الشريك وهو ضامن لرب المال مثل الدقيق [1] اھ فلا ادری مافيها من قوله المضارب اذا سافر بمال المضاربة ومال نفسه توزع النفقة على المالين سواء خلط المالين اولم يخلط او قال له رب المال اعمل فيه برأيك اولم يقل له ذٰلك و السفر و مادون السفر فی ذلك سواء اذاكان لايبيت فی اهله [2] اھ لانه هذا حكم المضاربة واذا خلط بغير اذن ضمن، و الضمان والمضاربة	ہوگا جو حصہ جوس کا ہے وہ مضارب اور اس کے شریک کا ہوگا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب رب المال نے مضارب کو "جو چاہے کر" کہا ہو اور اگر اس نے یہ نہ کہا ہو اور مضارب نے یہ کارروائی اس کی اجازت کے بغیر کی ہو تو اس صورت میں پیڑے مضارب کے ہوں گے اور وہ آٹے کی مثل رب المال کا ضامن ہوگا، اور جوس کے حصہ کا شریک کو ضمان دے گا اور اگر رب المال کی اجازت تھی اور شریک کی اجازت نہ تھی تو پیڑے مضاربت میں شمار ہوں گے اور جوس کے حصہ کے برابر شریک کو ضمان دے گا، اور اجازت کا معاملہ بالعکس ہو تو پیڑے مضارب اور اس کے شریک کے ہوں گے اور آٹے برابر رب المال کو ضمان دیگا اھ، اور خانیہ میں جو یہ ہے کہ مضارب جب مضاربۃ اور ذاتی مال کے ہمراہ سفر کرے گا تو نفقہ دونوں مالوں پر منقسم ہوگا خواہ دونوں مالوں کو خلط کیا یا نہ کیا، رب المال نے اس کو "جو چاہے کر" کہا ہو یا نہ کہا ہو، حد سفر ہو یا کم ہو جب وہ رات کو واپس گھر نہ لوٹ سکتا ہو، الخ۔ یہ میری سمجھ سے بالا ہے کیونکہ یہ حکم تو مضاربت کا ہے حالانکہ اگر رب المال کی اجازت کے بغیر خلط کیا ہو تو ضامن ہوتا ہے جبکہ ضمان اور مضاربت اپنے حال

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۳۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۳۸

لایجتمعان کما فی البزازیة[1] من نوع فی هلاك مالها فلیحرر وبقیة الاحکام واضحة دائرة فی الکتب کالخیریة والهندیة وغیرهما وذکرت غیر مرة فی فتاوٰنا۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔	پر جمع نہیں ہو سکتے جیسا کہ بزازیہ میں مضاربت کے مال کی ہلاکت کی نوعیت کے بیان میں ہے، اس کی تحقیق ہونی چاہئے، اور باقی احکام واضح ہیں اور کتب فقہ خیریہ، ہندیہ وغیرہما میں مذکور ہیں اور متعدد بار میں نے ان کو اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۷: از بازار جام تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مسئولہ محمد سعید صاحب ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شرکت کرنا اس طرح سے روزگار میں کہ زید نے عمرو کو سو روپے دئے اور کہا کہ اس سے جو چاہو روزگار، جو چاہو کر، یافلاں، لیکن مجھ کو دس ۱۰ روپے تم فیصدی دینا، یایوں کہا کہ جو تیری طبیعت میں آئے وہ دینا یاآنہ روپیہ کا نفع تعین کر دیا، آیا عمرو کو بیشی ہو کہ کمی، خالد کہتا ہے کہ تعین کرنا سود ہے۔**فقط**

الجواب:

یہ کہ جو طبیعت میں آئے دینا، ناجائز ہے کہ تعین نہ ہوا اور یہ کہ دس فیصدی یا آنہ روپیہ دینا، اگر اس سے مراد ہے کہ جتنے روپے اس کو تجارت کے لئے دئے ہیں ان پر فیصدی دس یافی روپیہ ایک آنہ مانگتا ہے توحرام قطعی اور سود ہے اور اگر یہ مراد کہ جو نفع ہو اس میں سے سواں یا سولھواں حصہ دینا، تو یہ حلال ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیة کتاب المضاربة الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۸۳

کتاب الامانات

(امانت کا بیان)

مسئلہ ۲۸: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد یعقوب خاں کے مبلغ چھ ۶ روپے نیاز احمد کے ذمہ عرصہ کے چاہئے تھے، نیاز احمد کے پاس یعقوب خاں نے مبلغ بیس روپے دیکھ کر مبلغ چھ روپے اپنے لے لئے، نیاز احمد نے کہاکہ یہ روپے میرے نہیں ہیں عنایت اللہ کے ہیں، یہ کہنا نیاز احمد کا یعقوب خاں نے کچھ نہ سنا، روپے اپنے لے لئے، پھر عنایت اللہ یعقوب خان کے پاس آئے کہ روپے میرے تھے واپس کردو، یعقوب خان نے جواب دیا کہ میں نے نیاز احمد سے روپے لئے ہیں تم نیاز احمد سے طلب کرو مجھ سے کیا واسطہ، پس موافق شرع شریف کے یعقوب خاں کو روپے لینا جائز ہوئے یا نہیں اور عنایت اللہ اپنے روپے کا نیاز احمد سے تقاضا کرے یا یعقوب خان سے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر یعقوب خاں کو معلوم تھا یا ثابت ہوگیا تھا کہ فی الواقع یہ روپے نیاز احمد کے نہیں دوسرے شخص کے ہیں، تو لینا ناجائز وگناہ ہوا، ورنہ قبضہ دلیل ملک ہے، اور دائن جب مدیون کا مال اپنے حق کی جنس سے پائے اور وہ دین از قبیل قرض یا معجّل یا اجل گزشتہ ہو تو ہر طرح لے لینے کا اختیار رکھتا ہے۔

وذالك بالاجماع وانما النزاع فی خلاف الجنس کما فی الدر المختار[1] وغیرہ۔	یہ بالاجماع ہے اور اختلاف صرف جنس کے خلاف میں ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

رہا عنایت اللہ کا مطالبہ، اگر نیاز احمد نے یعقوب خاں کو خود روپے نہ دئے بلکہ یعقوب خاں نے بالجبر چھین لئے تو نیاز احمد سے مطالبہ نہیں یعقوب خان سے ہے فانہ امین ولا ضمان علی الامین الا بالتعدی ولا تعدی من المقھور المغلوب (کیونکہ یہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا ماسوائے تعدی کے جبکہ مجبور و مغلوب تعدی کرنے والا نہیں ہوتا۔ت) اور اگر یعقوب خاں کے مانگنے پر یا زبانی اصرار پر دے دئے اگرچہ کتنا ہی اصرار کیا ہو یا یعقوب خاں نے چھیننے چاہے یہ اگر چاہتا تو بچالیتا مگر نہ بچائے بلکہ دے دئے تو نیاز احمد و یعقوب خاں دونوں ضامن ہیں عنایت اللہ جس سے چاہے مطالبہ کرے فان الثانی غاصب بالاخذ والاول بالدفع وترك الحفظ (کیونکہ دوسرا لینے کی بناء پر غاصب اور پہلو دینے اور حفاظت نہ کرنے پر۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

ماقولکم دام فضلکم ایھا العلماء العظام والفقھاء الکرام زادکم اللہ تعالٰی تعظیما و تکریما لدیہ (اے علماء کرام اور فقہاء عظام! اللہ تعالٰی آپ کو اپنے دربار میں زیادہ تعظیم و تکریم دے، آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) اس صورت میں کہ مثلاً "زید کو ہندہ نے پانچ گنی فروخت کرنے کو دیں، زید نے وہ گنی لے کر اپنے پیسے کی تھیلی میں کہ چار آنیاں اور دو آنیاں جس میں رکھی تھیں کپڑے میں باندھ کر رکھ دئے اور ہنوز ان گنیوں کو فروخت کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید مذکور کہتا ہے کہ ایک شخص کو روپیہ دینے کو تھیلی مذکور میں نے صندوق سے نکال کر بالکل خالی کردی اور اُلٹ دی اور شخص مذکور کو روپیہ دے کر اس خالی تھیلی کو اسی صندوق میں ڈال دیا اور صندوق کو بند کرکے میں دوسرے کام میں مشغول ہوگیا اور ان گنیوں کا میں نے کچھ خیال نہ کیا، اور میں باہر صندوق کے ان کو بھول گیا۔ جب بعد چند روز کے ہندہ مجھ سے وہ گنیاں یا اس کے روپے طلب کرنے کو آئی تو میں نے تلاش گنیوں کی کی لیکن اب وہ گنیاں مجھے نہیں پاتی ہیں، اور مجھے نہیں یاد ہے کہ وہ گنیاں باہر رہ گئیں یا اور کوئی اٹھا لے گیا یا میرے کم خیالی سے اس روپیہ طلب کرنے والے کو دے دی، یہ مقولہ زید مذکور وکیل کا ہے، لہٰذا صورت مذکورہ مسئولۃ الصدر میں گنیاں مؤکلہ ہندہ مذکورہ کی جائینگی یا وکیل زید مذکور کے ذمہ ضمانت دینی لازم آئے گی، بینوا بیانا شافیا توجروا اجرکم اللہ اجرا وافیا (شافی بیان فرماؤ، اپنا اجر کامل اللہ تعالٰی سے پاؤ۔ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پر ضمان لازم ہے کہ ضائع ہونا اس کی تقصیر سے ہے،

فی الھندیۃ رجل دفع الی دلال ثوبا لیبیعہ ثم قال الدلال نسیت ولا ادری فی ای حانوت وضعت یکون ضامنا کذا فی فتاوٰی قاضیخان ولو قال وضعت بین یدی فی داری ثم قمت ونسیتھا فضاعت ینظر ان کانت الودیعۃ مالا یحفظ فی عرصۃ الدار ولا تعد حرزالہ کصرۃ الدراھم و الذھب ونحوھما یضمن والا فلا کذا فی محیط السرخسی [1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے ایک شخص نے دلال کو فروخت کرنے کے لئے کپڑا دیا بعد میں دلال نے کہہ دیا کہ میں بھول گیا مجھے یاد نہیں کہ میں نے وہ کپڑا کس دکان میں رکھا ہے تو دلال ضامن ہوگا، فتاوٰی قاضی خاں میں یونہی ہے، اور اگر دلال نے یوں کہا کہ میں نے کپڑا اپنے گھر اپنی نگرانی میں رکھا پھر میں چلا گیا اور بھول گیا تو ضائع ہوگیا تو غور کیا جائے گا کہ وہ امانت ایسی ہے جس کی حفاظت کہا جاسکتا ہے، مثلاً دراہم کی تھیلی اور سونے اور اس کی مثل چیز، تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے، اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۰: از کمپ بریلی لال کرتی مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک نوٹ بکر کو اس غرض سے دیا کہ اس کا روپیہ اپنے آقا کی دکان سے لے کر بھیج دینا اور بکر سے کوئی اُجرت کسی قسم کی نہیں ٹھہری تھی اور وہ نوٹ راستہ میں گر کر گم گیا ہے تو روپیہ اس کا بکر کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ اور نیز آقا سے اس کا تعلق ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

آقا سے اس کا کچھ تعلق نہیں، نہ بکر پر تاوان آسکتا ہے جبکہ اس نے اپنی بے احتیاطی سے نہ گمایا ہو **کما ھو معلوم من حکم الامین** (جیسا کہ امین کے حکم سے معلوم ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱: مسئولہ کرامت خاں بریلی غرہ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زید سے کچھ زیور عاریت لئے اور وہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۴۳۔۳۴۲

زیورات گم ہوگئے اب وہ اس کے بدلے میں بخوشی نیا زیور بنادینا چاہتے ہیں۔ وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ وہ زیور بغیر اس شخص کے تقصیر کے گم ہوگئے تو اس کے بدلے میں اس سے کچھ لینا ہی ناجائز و تاوان ہے اور ناجائز بات میں کسی کی خوشی و ناخوشی کو دخل نہیں۔ بہت لوگ سود بخوشی دیتے ہیں، پھر کیا اس کا لینا حلال ہوجائے گا۔

"اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۝" [1] "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [2]	کیا جھوٹ اور گناہ سے لیتے ہو، آپس کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ (ت)

لہٰذا علماء فرماتے ہیں اگر باہم شرط اقرار پائی ہو کہ جاتا رہا تو تاوان دیں گے تو یہ شرط بھی مردود و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

لاتضمن بالهلاك من غير تعد وشرط الضمان باطل [3] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تعدی کے بغیر ہلاک پر ضامن نہ ہوں گے اور ضمان کی شرط باطل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲: ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ کسی شخص نے کسی شخص کو کہا کہ تم مجھ کو پچاس روپیہ کی ہُنڈی منگادو، انہوں نے اقرار کیا کہ میں منگادوں گا، اس نے جاکر ان کے ملازم کو پچاس روپیہ دے دیا، ان کے ملازم نے یہ کہا کہ ہنڈی اس وقت نہیں ملی صبح کو لادوں گا، اس نے کہا کہ اچھا روپیہ تمھارے پاس رہے، اس نے کہا کہ میں نہیں رکھ سکتا ہوں کیونکہ دکان کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں لے سکتا ہوں کیونکہ میں جن کے واسطے ہُنڈی منگاتا ہوں ان کا نام دفتر میں لکھ چکا۔ اس نے یعنی ملازم نے جاکر اپنے مالک کو روپیہ سپرد کردیا کہ میں صبح کہ ہنڈی لادوں گا مالک نے اپنے روپیہ کی صندوقچی میں وہ روپیہ رکھ دیا اور اس صندوقچی کو کھلا چھوڑ کر دکان بند کرکے چلا گیا۔ رات دکان قفل بے شکستہ کھلا پایا اور روپیہ جاتا رہا اور کسی چیز میں نقصان نہیں پہنچا اور رات کو

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

پہرہ والا پھرتا تھا انہوں نے دیکھا کہ دکان کا قفل کھلا ہوا ہے، اس نے چوکیدار سے دریافت کیا کہ اس دکان کا مالک کون ہے اور اس کا گھر کہاں پر ہے۔ ان کا گھر دور ہونے کی وجہ سے چوکیدار نے ملازم کا گھر بتادیا پہرہ والا نے ملازم سے کہا کہ تمھاری دکان کا قفل کھلا ہے، اس نے کہا کہ میں تو دکان بند کرکے آیا تھا۔ غرض کہ وہ ملازم پہرہ والا کے ساتھ آیا اور پہرہ والا نے پوچھا کہ کچھ مال وغیرہ تو نہیں گیا۔ پھر اس نے دکان بند کرنا چاہا، پہرہ والا نے منع کیا کہ جب تک کوتوالی میں یہ احوال نہ لکھالو بند نہ کرو، اس نے کرتوالی میں بھی لکھوادیا کہ دکان بے نقصان کھلا ہوا پایا اور صبح انہوں نے کہا کہ روپیہ جاتا رہا اور اکثر دکان کا ایسا اتفاق ہوا کہ دکان بند رہا روپیہ جاتا رہا اور اسی روز کی صبح کو مالک دکان نے دو۲ ملازموں کو موقوف کیا، ایک ان میں روپیہ لے جانے والا تھا اور دوسرا اور کوئی تھا، بعد اس کے ہُنڈی کے روپیہ والے کو نہ ملازم نے اطلاع دی نہ مالک نے، کوئی بیس روز کے عرصہ کے بعد یہ عذر پیش کیا کہ روپیہ جاتا رہا اب اس صورت پر از روئے شرع شریف کے روپیہ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ روپیہ ملازم پر عائد ہوتا ہے اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے کہ جب اس نے اس شب صراحۃً کہا کہ کچھ نہیں گیا تو یہ اقرار ہوا کہ زرامانت موجود ہے پھر بعد کو یہ دعوی کہ اس وقت روپیہ جاچکا تھا اگلے قول کا صریح خلاف ہے جو ہرگز مسموع نہ ہوگا۔ اور اگر اس کے بعد جانے کا دعوی کرے جب بھی اس پر تاوان لازم ہے کہ جب زرامانت اس وقت تک موجود تھا رات کے وقت ایسی حالت میں کہ بازار بند ہے، کھلی دکان چھوڑ کر کوتوالی کو چلا جانا حفاظت میں تقصیر ہے، ہاں اگر اس کا یہ بیان ہو کہ اس وقت تک روپیہ نہ گیا تھا اور وہ جب کوتوالی لکھوانے کے لئے گیا تو دکان کا مالک یا اور کوئی محافظ جو اس کا اور ملازم کا اجنبی نہ ہو بیٹھا رہا حفاظت کرتا رہا پھر اس نے دکان بند کردی اور اس کے بعد صبح تک میں کسی وقت جاتا رہا تو تاوان نہ آتا۔

فی الھندیۃ عن الفصول العمادیۃ اذا طلب الودیعۃ فقال اطلبہا غدا ثم قال فی الغد ضاعت فانہ یسئل ان قال ضاعت قبل قولہ اطلبہا غدا یضمن وان قال ضاعت بعدہ	ہندیہ میں فصول العمادیۃ کے حوالہ سے ہے جب مالک نے اپنی امانت طلب کی تو رکھنے والے نے کہا کل لینا، پھر کل کو کہا وہ ضائع ہوگئی ہے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کب وہ ضائع ہوگئی ہے، اگر کہے میرے جواب کا کل لے جانا سے پہلے ضائع ہوئی تو ضامن

لا للتناقض فی الاول دون الثانی [1]،وفیھا من التتارخانیة قال لفلان عندی الف درہم ودیعة ثم قال بعد ذلك قد ضاعت قبل اقراری فھو ضامن ولو قال کانت له عندی الف درہم وضاع فالقول قوله ولاضمان [2]،وفی العقود الدریة عن الخلاصة والبزازیة یلزمه الضمان للتناقض لان قوله اطلبھا غدا اقرار منه انھا ماضاعت فاذا قال ضاعت کان تناقضا [3]۔وفی الھندیة عن الخانیة اذا سرقت الودیعة من دار المودع وباب الدار مفتوح والمودع غائب عن الدار قال محمد بن سلمة رحمه الله تعالٰی کان ضامنا و قال ابونصر رحمه الله تعالٰی اذا لم یکن اغلق الباب فسرق منه الودیعة لایضمن یعنی اذا کان فی الدار حافظ [4]۔وفیھا عن التاتارخانیة عن النھایة استحفظ المودع الودیعة فی بیته بغیرہ بان ترك الودیعة والغیر فی بیته وخرج ھو بنفسه ضمن اھ [5]	ہوگا،اور اگر کہے اس سے بعد ضائع ہوئی تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ پہلی صورت میں تناقض ہے اور دوسری صورت میں نہیں ہے اور اسی میں تاتارخانیہ سے ہے کہ اس نے کہا میرے پاس فلاں کے ہزار درہم امانت ہیں پھر اس کے بعد کہتا ہے وہ ضائع ہوگئے اور میرے اقرار سے قبل ضائع ہوئے تو وہ ضامن ہوگا اور اگر یوں کہا کہ فلاں کے میرے پاس ہزار امانت تھے جو ضائع ہوگئے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور ضمان نہ ہوگا،عقود الدریہ میں خلاصہ اور بزازیہ سے منقول ہے کہ تناقض کی صورت میں ضمان ہوگا کیونکہ اس کا کہنا مجھ سے کل لے لینا،یہ ضائع نہ ہونے کا اقرار ہے تو اب کہنا ضائع ہوگئے،دونوں باتوں میں تناقص ہے،اور ہندیۃ میں خانیہ سے منقول ہے کہ جب مودع (جس کے پاس امانت رکھی) کے گھر سے امانت چوری ہوگئی درانحالیکہ دروازہ کُھلا رہا اور مودع غائب تھا تو محمد بن سلمہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول یہ ہے کہ وہ ضامن ہوگا اور ابونصر رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جب دروازہ کھلا رہتا ہو تو چوری ہونے پر ضامن نہ ہوگا،یعنی اس صورت میں کہ گھر پر محافظ موجود رہتا ہو،اور اسی میں تاتارخانیہ سے بحوالہ

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الودیعة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۵۲

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الودیعة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۵۶

[3] العقود الدریة کتاب الودیعة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۷۴

[4] فتاوٰی ہندیة کتاب الودیعة الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۴۴

[5] فتاوٰی ہندیة کتاب الودیعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۴۱

واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	نہایہ منقول ہے کہ گھر میں امانت کی حفاظت کے لئے دوسرے کو مقرر کیا اور پھر امانت اس کے سپرد کرکے خود چلاگیا تو ضامن ہوگا اھ ،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۳۳: ۱۸ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بتقریب نیاز جناب پیران پیر غوث الاعظم دستگیر علیہ السلام عمرو سے دیگ کرایہ پر لی۔ وہ دیگ اسی شب کو زید کے مکان سے چوری ہوگئی، اب عمرو اس کی قیمت مانگتا ہے، بموجب حکم شرع شریف زید کو اس کی قیمت واجب الادا ہے یا نہیں؟ زید نے چوری جانے کے دیگ کی اطلاع سرکار میں کردی اور اس کی تحقیقات بھی ہوئی لیکن ابھی تک دیگ نہیں ملی، فقط

الجواب:

اگر زید نے دیگ حفاظت کے مکان میں رکھی ہے جہاں وہ اپنے برتن وغیرہ رکھتا ہے تو اس پر الزام نہیں اور اس سے تاوان لینا جرم ہے۔ ہاں اگر بے خیالی بے پروائی کی ہو غیر محفوظ مکان میں رکھی باہر چھوڑی ہو، تو اس صورت میں زید کو ضرور اس کی قیمت دینی آئے گی، اور "علیہ السلام" لفظ بالاستقلال حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام کے لئے خاص ہے ان کے غیر کے لئے استقلالاً جائز نہیں۔ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴: از بدایوں مسئولہ سید حسین علی صاحب بدایونی ۱۵ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچھ فقیر سید حسین کا جمع کیا ہوا پاس حاجی ذاکر علی صاحب کے موجود ہے جو بغرض اخراجات حج بیت اللہ شریف وبصورت بقائے حیات بنابر خورد ونوش بھائی مولوی سید اشفاق علی حقیقی چچا اہلیہ سید حسین مذکور بایں بیان جمع کیا گیا ہے کہ بھائی صاحب موصوف کو کسی قسم کی تاحیات تکلیف نہ ہو اگر ضرورت ہوگی تو میں سید حسین اور بھیجوں گا اور حسب بیان حاجی ذاکر علی صاحب کے سید حسین نے حاجی صاحب سے کہا کہ اگر خدانخواستہ سید اشفاق علی ممدوح کا انتقال ہوجائے اور زر مجتمعہ مذکور سے کچھ بچ رہے تو بچا ہوا روپیہ سید حسین مذکور کو دیا جائے، اس کے بعد سید اشفاق علی صاحب بہ ہمراہی حاجی ذاکر علی صاحب حج بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے اور تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب موصوف کے حاجی ذاکر علی صاحب اسی رقم مجتمعہ سے کرتے رہے بقضائے الٰہی بعد ادائے حج شریف

بتاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ بھائی سید اشفاق علی صاحب موصوف کا انتقال ہوگیا، مرحوم کی تجہیز و تکفین و تدفین میں بھی جو کچھ صرف ہوا وہ بھی رقم مجتمعہ مذکور سے ہوا اس کے بعد حبہ حبہ اخراجات سید اشفاق علی صاحب مرحوم از یوم روانگی ہندوستان تا یوم تدفین سید اشفاق علی صاحب مجرا ہو کر پاس حاجی ذاکر علی صاحب حسب تحریر و بیان حاجی صاحب موصوف مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے باقی بچے وہ بھائی سید لیاقت علی صاحب نے واسطے دینے سید حسین مذکور کے حاجی صاحب موصوف سے طلب کئے، حاجی ذاکر علی صاحب نے فرمایا کہ یہ روپیہ مجھ کو سوائے سید حسین کسی کو نہیں دینا چاہئے وہ مجھ سے کہہ گئے ہیں سوائے میرے کسی کو نہ دیجئے گا میں ذاکر علی سوائے سید حسین مذکور کے کسی کو نہیں دوں گا، اس گفتگو میں کچھ طول ہوا کہ مولوی عزیز بخش صاحب بدایونی جنہوں نے بذریعہ ہجرت سکونت متصل مکہ معظّمہ میں کرلی ہے فرمایا جھگڑا مر گزمت کرو میں بھی بدایون کا رہنے والا ہوں اور اب یہاں رہتا ہوں بدایونی کی سخت ذلت ہوگی، نزاع تو صرف اس بات پر ہے کہ روپیہ سید حسین نے جمع کیا اور ان کو ملنا چاہئے سو آپ سید لیاقت علی صاحب اطمینان فرمائے، ابھی حاجی ذاکر علی صاحب کا مال فروخت نہیں ہوا جس وقت حاجی صاحب ممدوح کا مال فروخت ہوگیا میں عزیز بخش ذمہ دار ہوتا ہوں اور آپ سید لیاقت علی صاحب سے وعدہ کرتا ہوں کہ یہ مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے سید حسین مذکور کے نام سے دہلی والوں کی دکان پر جو یہاں ہے جمع کرادوں گا، ہندوستان میں یہ روپیہ سید حسین مذکور کو مل جائے گا، چنانچہ مطمئن ہو کر بھائی سید لیاقت علی صاحب مکہ معظّمہ سے بشوق دیدار روضہ مبارک حضور سرور کائنات علیہ الصلٰوۃ والتسلیمات روانہ مدینہ منورہ ہوگئے اور جو تحریر حضور والا کے پاس مرسلہ حاجی ذاکر علی صاحب موصوف معرفت حاجی عبدالرزاق صاحب آئی اس میں تحریر تھا کہ سید حسین مذکور کے جمع کیے ہوئے روپے میں سے بعد تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب ذمہ حاجی ذاکر علی کے پاس (اماصہ عہ/۲) بچا ہے اور جمع ہے تحریر ہذا کی صداقت میں حاجی لیاقت علی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اپنا نام شروع تحریر میں بھی لکھ دیا ہے فقط راقم سید حسین قادری، دستخط گواہ بیان تحریر ہذا سید لیاقت علی ۱۰ شعبان ۱۳۳۰ھ

الجواب:

اگر بیان مذکور واقعی ہے تو اس روپیہ کا مستحق سوائے سید حسین کے کوئی نہیں ہے، وارثان سید اشفاق علی کا اس میں کچھ حق نہیں، حاجی ذاکر علی امین پر فرض ہے کہ بقیہ چار سو پچیس روپیہ دو آنہ تمام و کمال سید حسین کو ادا کرے، ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں یہ روپیہ سید حسین نے سید اشفاق علی کو قرض نہ دیا کہ بحال انتقال بقیہ کو واپسی کو کہا تھا۔ قرض ہوتا تو بہر حال تمام و کمال واپس ہونا لازم ہوتا

لاجرم یہ روپیہ ایک امر خیر میں اعانت کے لئے دیا جس طرح مصارف خیر کے چندے ہوتے ہیں ایسی حالت میں وہ روپیہ ملک مالک پر رہتا ہے اور اس کی اجازت سے اسی مصرف خیر میں صرف ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کچھ باقی بچے تو اسے واپس دینا یا اس کی اجازت ورضا سے کسی اور مصرف میں صرف کرنا لازم ہوتا ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل مات فی مسجد قوم فقام احدہم وجمع الدراہم ففضل من ذلك شیئ ان عرف صاحب الفضل ردہ علیہ [1]۔	اگر کسی قوم کی مسجد میں مسافر فوت ہوگیا اور ایک شخص نے اس کے کفن کے چندہ سے کچھ دراہم جمع کئے اور کچھ بچ گئے تو اس کو معلوم ہے کہ بچے ہوئے دراہم فلاں کا چندہ ہے تو اس کو واپس کردے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ان فضل شیئ رد للمتصدق [2]۔	اگر بچ جائیں تو جس کا چندہ ہوا سے واپس کرے۔(ت)

بلکہ جو کچھ سید اشفاق علی کی موت و تجہیز و تکفین میں صرف کیا اس کا بھی ضمان حاجی ذاکر علی پر لازم ہے کہ سید حسین نے صرف حیات سید اشفاق علی تک اجازت دی اور باقی کی واپسی کو کہا تھا بلکہ مولوی عزیز بخش کا جواب کہ حاجی ذاکر علی کا مال بک جائے تو دیں گے دلالت کررہا ہے کہ وہ مال حاجی مذکور نے خرچ کردیا جس کی نسبت بیان سائل ہے کہ بمبئی میں اس کا کُل مال حاجی ذاکر علی نے خرید لیا پھر اپنے پاس سے مصارف سید اشفاق علی میں صرف کیا اگر واقعہ یہ ہے جب تو سارا زر ضمانت جس قدر سپرد کیا تھا سب کا تاوان حاجی ذاکر علی پر حسین کے کے لئے لازم ہے پورا واپس دے اور جو کچھ مصارف حیات ووفات سید اشفاق علی میں اٹھایا وہ حاجی ذاکر علی صاحب کا تبرع واحسان تھا جس کے عوض وہ کسی سے مطالبہ نہیں کرسکتا، عالمگیری میں ہے:

رجل جمع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق من تلك الدراہم فی حاجتہ ثم رد بدلها فی نفقة المسجد	ایک شخص نے لوگوں سے چندہ جمع کیا تاکہ مسجد تعمیر کی جائے تو اس نے چندہ کی کچھ رقم اپنی ضرورت میں خرچ کرلی اور اس کے بدلے رقم چندہ میں دے دی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلٰوۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۱

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

لایسعه ان یفعل ذٰلك فان فعل فان عرف صاحب ذٰلك المال رد علیه اوسأله تجدید الاذن فیه (الی قوله) لکن ھذا یجب ان یکون فی رفع الوبال اما الضمان فواجب کذا فی الذخیرة [1] ۔واللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تو یہ جائز نہیں۔اگر اس نے ایسا کیا تو وہ رقم دینے والے کو واپس کرے اگر اس کا علم ہو یا پھر اس سے دوبارہ مسجد میں صرف کی اجازت لے،اس کے آخر میں فرمایا لیکن یہ مذکور حکم گناہ کے وبال کو ختم کرنے کے لئے ہے تاہم ضمان تو وہ اس پر بہر صورت واجب ہے۔یوں ذخیرہ میں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۵: مستفسرہ مظہر حسین بہاری پور بریلی رز دوشنبہ ۲۲رجب ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی منکوحہ کے پاس مبلغ پچیس عدد اشرفی بطور امانت کے رکھ دی تھی،بعد چند روز کے جب اس سے وہ اشرفی طلب کی تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھ دی ہیں میں جاکر لادوں گی،یہ کہہ کر لینے کو گئی،جب اپنی ماں کے مکان سے واپس آئی تو کہا کہ میری والدہ نے کہا کہ وہ اشرفیاں تیرے باپ نے مجھ سے لے کر تیرے بھائی کے مقدمہ میں صرف کردی ہیں اور یہ کہا ہے کہ بہت جلدی ان کی فکر کردی جائے گی اطمینان رکھو،پھر دوبارہ چند روز کے بعد لینے کو گئی تو پندرہ یوم کے بعد واپس آئی تو جو زیور کہ خود پہنے ہوئے تھی اور اس کے خاوند کا بنوایا ہوا تھا قریب دو سو روپے کے وہ ہیں وہ اپنے والدین میں چھوڑ آئی،جب اس سے دریافت کیا کہ تو نے زیور کس کو دیا،تو کہا کہ ایک عورت قرابت کی ہے اور وہ شادی میں گئی ہے مجھ سے مانگ کرلے گئی،اس کے خاوند نے اس سے کہا کہ تو نے بلااجازت میری اپنا زیور بھی دے دیا اور اشرفیاں بھی دے دیں اور اکثر کام تو میری بلااجازت کرتی ہے تو میرے کام کی نہیں میں تم کو طلاق دیتا ہوں یہ کہہ کر طلاق دے دی اور وہ عورت اپنے والدین میں مع اپنے اسباب کے چلی گئی تو اب وہ اشرفیاں کا روپیہ اور وہ زیور خاوند اس کا کس سے پاسکتا ہے،آیا اس عورت یا اس کی ماں سے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زیور کا مطالبہ خاص عورت سے ہے اس کی ماں سے تعلق نہیں۔اشرفیوں کے بارے میں سائل نے بیان کیا کہ جب عورت سے مانگیں تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھ دی ہیں اس پر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثالث عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۴۸۰

زید ناراض ہوا کہ کیوں بے اجازت اسے دیں اور ماں باپ کے پاس دوسرے کی امانت رکھ دینے میں اکثر علماء کا اختلاف ہے، فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی خلاصہ وغیرہما میں اس کا جواز اس شرط پر ہے کہ وہ اور یہ ایک ہی ساتھ رہتے ہوں ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الابوان کالاجنبی حتی یشترط کونہما فی عیالہ کذا فی الخلاصۃ[1]۔	امانت کی حفاظت کے معاملہ میں والدین اجنبی کے حکم میں ہیں جب تک کہ وہ اس کی عیال میں نہ ہوں عیال میں ہونا شرط ہے۔ یوں خلاصہ میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وتفسیر من فی عیالہ فی ھذا الحکم ان یساکن معہ سواء کان فی نفقتہ اولا کذا فی الفتاوٰی الصغرٰی و ھکذا فی فتاوی قاضی خاں[2]۔	اس حکم میں عیال کی تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ سکونت پذیر ہوں اس کے نفقہ میں شامل ہوں یا نہ ہوں فتاوٰی صغرٰی اور فتاوٰی قاضیخان میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اور علامہ مقدسی نے فتوٰی اس پر نقل کیا کہ اس کا ساتھ رہنا شرط نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

وفیہ ای فی المقدسی لایشترط فی الابوین کونہما فی عیالہ وبہ یفتٰی[3]۔	اس میں یعنی مقدسی میں ہے والدین کے معاملہ میں ان کا اس کی عیال میں ہونا شرط نہیں ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

مگر حقیقت امر یہ ہے کہ یہ امین جس کے پاس امانت رکھی اس کا اس مال کی نسبت قابل اطمینان ہونا بھی ضروری ہے اور اس کے لئے فقط اس امین کے ذاتی مال پر امین ہونا کافی نہیں کہ یہ امر باختلاف مالک مال بدلتا ہے مثلاً اکثر زنان زمانہ اپنی دختر کے مال میں ضرور قابل وثوق ہیں مگر اس سے داماد کے مال پر اطمینان ہونا لازم نہیں آتا بلکہ بارہا ماں بیٹی دونوں اس کے تلف میں ہم زبان ہو جاتی ہیں۔ ہندیہ میں ہے:

للمودع ان یدفع الودیعۃ الی من کان فی عیالہ کان المدفوع	مودع کو جائز ہے کہ امانت اپنے عیال کو سپرد کردے اور عیال میں سے بیوی یا اولاد یا والدین ہوں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۹
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ / ۳۳۹
[3] ردالمحتار کتاب الایداع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۵۱

الیہ زوجتہ او ولدہ او والدیہ اذالم یکن متھما یخاف منہ علی الودیعۃ ھکذا فی فتاوٰی قاضیخاں [1]۔	بشرطیکہ ان کے پاس امانت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ فتاوٰی قاضیخاں میں یوں ہے۔(ت)

لہٰذا عورت کا یہ فعل کہ اشرفیاں اپنی ماں کو دے آنا بتاتی ہے مسلم نہ ہوگا۔ عورت پر اشرفیوں کا تاوان ہے اگر معلوم ہو کہ واقعی اپنی ماں کو دے آئی تھی اور ماں نے اس کے باپ کو دیں اس نے مقدمہ میں صرف کیں، گو زید کو اختیار ہے کہ عورت یا اس کی ماں یا اس کے باپ جس سے چاہے اس کا تاوان لے۔

لانھما کغاصب الغاصب فللمالك ان یضمن من شاء، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وہ دونوں غاصب کے غاصب کی طرح ہیں تو مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے ضامن بنائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۶: مرسلہ عبدالرحیم وابوالفضل محمد مظہر از ضلع ہگلی وانمباڑی ۶ شعبان ۱۳۳۳ھ روز شنبہ

ایک شخص نے زید کو دو سو روپے دئے کہ اس کا سونا خرید کر زیور بنوا دینا، اس نے سونا خرید کر جیب میں رکھا، سنار کو دینے جارہا تھا کہ جیب سے نکل گیا یا کسی نے جیب کترلی تو یہ نقصان کس کا ہوا۔

الجواب:

وہ شخص امین ہے جبکہ اس نے حفظ میں قصور نہ کیا اور جاتا رہا اس پر تاوان نہیں۔ ہاں اگر اس نے غفلت کی مثلاً جیب پھٹی ہوئی تھی اس میں سے نکل جانے کا احتمال تھا اس نے ڈال لیا اور وہ نکل گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے **لانہ متعدو المتعدی ضامن** (کیونکہ یہ تعدی کرنیوالا ہوا اور تعدی کرنیوالا ضامن ہوتا ہے) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷: از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب روز شنبہ ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کافر مرگیا اور کوئی وارث قریب و بعید نہ چھوڑا اور مسلمان اس کا مدیون قرض ادا کرنا چاہتا ہے اب وہ کس کو دے کیونکہ اگر اس کی طرف سے صدقہ کرتا ہے تو اس کو آخرت میں ملنے کی امید نہیں اور اگر اس کے مذہب کے مطابق مندر میں اس کی طرف سے صرف کردے یا مندر کے پجاری کو دے دے تو کفر کی اعانت ہوتی ہے۔ تو اب اس قرض سے کیونکر سبکدوش ہو؟

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۹

الجواب:

جبکہ اس کی نیت ادا کی تھی اور اس نے اپنی طرف سے کوئی عذر نہ کیا اور اس مال کا کوئی مستحق نہ رہا تو فقرائے مسلمین اس کے مستحق ہیں، اور یہ بایں معنی نہ ہوگا کہ کافر کی طرف سے تصدق کیا جائے یہ تو حرام ہے اور اگر اسے اجر وثواب سمجھے تو کفر ہے بلکہ اس معنی پر زور دیا جائے گا کہ کافر مر گیا اور وارث کوئی نہیں اور موت قاطع ملک ہے اور خلافت نہیں کہ اس کی طرف منتقل ہو تو اب یہ محض لاوارثی مال رہ گیا جو خالص ملک خدا ہے لہٰذا فقراء کو دیا جائے گا یا مساجد یا مصارف دینیہ میں صرف کیا جائے اور اگر فقیر ہے تو آگیا[عـــہ] فیصل ہو گیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸: مسئولہ حافظ تعین صاحب ملوکپور بریلی روز یک شنبہ ۳ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کی بھاوج ہندہ نے دوہزار روپیہ جمع کردیا ہے زید دس روپے ماہوار اپنی بھاوج وہندہ کو دیتا ہے زید نے کئی مرتبہ ہندہ سے اجازت چاہی کہ روپیہ تجارت میں لگا دے مگر ہندہ نے اس وجہ سے کہ تجارت میں روپیہ لگا دینے سے ہر وقت نہیں مل سکتا ہے اجازت نہ دی، زید نے یہ روپیہ تجارت ہی میں لگا دیا ہے مگر ہندہ اپنا روپیہ جس وقت طلب کرے زید دے سکتا ہے نفع زیادہ ہونے کی حالت میں دس روپے کے علاوہ بھی زید دیتا رہتا ہے مگر کبھی حساب کرکے روپیہ نہیں دیا۔ زید کا قصد ہے اگر اس کی بھاوج اپنا روپیہ لے لے تب بھی کچھ خدمت کرنے کا ہے، ایسی حالت میں یہ دس روپیہ ماہوار کیا سود ہوگا؟ اگر سود ہوگا تو بچنے کی کیا صورت ہے؟ **فقط**

الجواب:

جبکہ ہندہ نے تجارت کی اجازت نہ دی تو یہ مضاربت نہیں ہو سکتی۔ ہندہ نے اپنا روپیہ اس کے پاس جمع کیا تھا تو یہ قرض نہ تھا ودیعت تھا اس وقت تک زید اگر بطور خود اسے کچھ دیتا رہا تو وہ نہ قرض کا نفع تھا نہ کسی عقد معاوضہ میں زیادتی، لہٰذا سود نہیں ہو سکتا تھا بلکہ زید کی طرف سے ایک تبرع واحسان تھا، اب کہ زید نے بلااجازت ہندہ اسے تجارت میں لگا دیا تو زید غاصب ہو گیا اس پر تاوان آیا اب وہ ہندہ کا مدیون ہوا اگرچہ اس دین کی وجہ سے دیتا ہے تو دینا اور لینا حرام اور سود ہے۔ اور اگر تصریح کردے کہ اس کی وجہ سے نہیں بلکہ خود ایک خدمت کرتا ہے اور اگر روپیہ ادا بھی ہو جائے گا تب بھی کرتا رہے گا تو سود نہیں مگر احتیاط اولٰی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

عـــہ: اصل میں اسی طرح ہے لیکن سیاق عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبارت یہ ہوگی کہ "اگر وہ خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔

مسئلہ ۳۹: مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۶صفر ۱۳۳۵ھ
روپیہ مدرسہ اسلامیہ کا اگر کسی مسلمان سیٹھ کے یہاں پر امانت اس کے کاغذات میں جمع کردیا جائے اور وہ رقم بشمول اس کے دیگر کے صرف میں آگئی مگر کاغذات میں امانت ہی جمع ہے اور جب اس کے محافظ اس رقم کو طلب کریں تو فوراً دے سکتا ہے تو ایسا استعمال رقم مذکورہ میں سیٹھ مذکور پر شریعت میں کوئی گناہ تو نہیں ہے یا کہ اس رقم کو وہ سیٹھ علیحدہ شمار کرکے رکھ چھوڑے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

زر امانت میں اس کو تصرف حرام ہے۔ یہ ان مواضع میں ہے جن میں دراہم ودنانیر متعین ہوتے ہیں اس کو جائز نہیں کہ اس روپے کے بدلے دوسرا روپیہ رکھ دے اگرچہ بعینہٖ ویسا ہی ہو اگر کرے گا امین نہ رہے گا اور تاوان دینا آئے گا **والمسئلۃ منصوص علیہ فی الدرالمختار وکثیر من الاسفار** (یہ مسئلہ درمختار اور بہت سی کتابوں میں منصوص ہے۔ت) مہتمان انجمن نے اگر صراحۃً بھی اجازت دے دی ہو کہ تم جب چاہنا صرف کرلینا پھر اس کا عوض دے دینا، جب بھی نہ سیٹھ کو تصرف جائز نہ مہتموں کو اجازت دینے کی اجازت تو مہتمم مالک نہیں۔ اور قرض تبرع ہے اور غیر مالک کو تبرع کا اختیار نہیں، ہاں چندہ دہندہ اجازت دے جائیں تو حرج نہیں، اس حالت میں جب سیٹھ تصرف کرے گا روپیہ امانت سے نکل کر اس پر قرض ہوجائے گا جو عندالطلب دینا آئے گا اگرچہ کوئی میعاد مقرر کردی ہو۔

فان التاجیل فی القرض باطل کما فی الدرالمختار[1] وغیرہ۔	کیونکہ قرض میں ادائیگی کی مدت مقرر کرنا باطل ہے۔ جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

مسئلہ ۴۰: از جبلپور چھاؤنی مرسلہ عبدالوحید خان صاحب اسسٹنٹ ماسٹر اسکول لیس نائک نمبر ۳۴۳ پلاٹون نمبر ۸ کمپنی بی پلٹن (۲/ ۹۱) ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو چند قطعات نوٹ پانچ پانچ روپیہ کے اور دس دس روپیہ کے بطور امانت کے رکھنے کو دئے اور یہ بھی اجازت دے دی کہ تو اس امانت

---
[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۹

میں سے حسب ضرورت اپنی خرچ کر سکتا ہے لیکن آئندہ ماہ میں یہ سب امانت مجھ کو واپس دینا ہوگی بکر نے وہ سب نوٹ اپنی جیب میں رکھ لئے حالانکہ سوائے اس امانت کے بکر کی جیب میں کچھ نوٹ یا نقدی بالکل نہیں تھی بکر بموجب اجازت زید کے ڈاکخانہ کو واسطے کرنے منی آرڈر اپنے مکان کو گیا اور اسی امانتی نوٹوں میں سے منی آرڈر اپنے مکان کو کیا، وہاں پر آدمیوں کا اژدحام زیادہ تھا یقینا کسی چور نے ایک نوٹ دس روپیہ والا جیب سے نکال کیا کیونکہ اسی وقت ڈاکخانہ پر ہی حساب کرنے سے معلوم ہوگیا کہ نوٹ چوری گیا، ایسی حالت میں بکر نوٹ مسروقہ کا تاوان کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ اور زید بکر سے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ حالانکہ زید کو بھی یقین ہے کہ نوٹ ضرور چوری گیا۔

الجواب:

وہ روپیہ امانت تھا۔ اور زید نے بکر کو وقت حاجت صرف کرنے کی اجازت دی تھی تو جس قدر کا اس نے منی آرڈر اپنے گھر کو بھیجا وہ امانت سے نکل کر قرض ہوگیا اور جتنے نوٹ باقی رہے وہ بدستور امانت رہے ان میں سے جو نوٹ جاتا رہا اگر بکر کی بے احتیاطی سے گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے ورنہ ہرگز نہیں۔

مسئلہ ۴۱: ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ایک ضرورت سے بانکی پور جانا ہے۔ ۹ ربیع الاول شریف کو گیا سے اس کے پاس ایک شخص آیا اور ایک خط دیا جس کا مضمون یہ ہے کہ گریڈیہہ میں ۱۰، ۱۱ ربیع الاول کو وعظ و میلاد کا جلسہ ہے، متعدد علماء کے پاس خطوط گئے ہیں مگر کسی کے آنے کی امید نہیں، آپ ضرور تشریف لائے ورنہ ہماری سخت ذلت ہوگی، زید نے عذر کیا کہ مجھے مجبوری ہے میں جس کا نوکر ہوں وہ یہاں نہیں ہیں بغیر ان کی اجازت کے میں نہیں جاسکتا۔ اس پر عمرو نے رائے دی کہ وہ تو کوئی دور جگہ نہیں ہے۔ یہ صاحب وہاں جاکر اجازت لاسکتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص وہاں گیا اور اجازت لے آیا۔ (عہ/) وہاں جانے آنے کا کرایہ یکہ کا ہوا، اس کے بعد ۹ بجے شب کی گاڑی سے دونوں روانہ ہو کر گیا پہنچے (عہ ۸/) سہسرام سے گیا تک کرایہ ہوا۔ جب وہ شخص اجازت لینے کے لئے گیا تو زید نے ٹائم ٹیبل دیکھا معلوم ہوا کہ یہاں سے گریڈیہہ جانے کے لئے تین راستہ ہے۔ ایک براہ کیول۔ دوم براہ بانکی پور، سوم براہ آسنسول، زید نے خیال کیا کہ اچھا موقع ہے اسی ضمن میں بانکی پور ہوتے چلیں گے، گیا سے ۹ بجے دن کو ایک گاڑی چھوٹتی ہے جو براہ کیول ۸ بج کر ۴۴ منٹ شب کو گریڈیہہ پہنچتی ہے۔ زید نے گیا میں یہ رائے قائم کی اگر اس گاڑی سے

جاتا ہوں تو ۹ بجے شب کو پہنچوں گا اس وقت میں تکان سفر کی وجہ سے آج تقریر نہ کرسکوں گا سوا اس کے کہ جو کچھ کہنا ہو کل کہوں مجھے ضرورت بانکی پور کی بھی ہے بہتر ہے کہ اس وقت ۷ بجے روانہ ہو جاؤں اور بانکی پور پہنچ کر دن بھر ٹھہروں پھر شب کی گاڑی سے روانہ ہو کر صبح گریڈیہہ پہنچوں پھر خیال کیا کہ شب کی گاڑی سے روانگی میں وہاں ۵ بجے صبح کو گاڑی پہنچے گی وہ وقت تکلیف کا ہے لوگ اسٹیشن تک آئیں یا نہ آئیں بہتر ہے کہ بانکی پور سے صبح کی گاڑی سے روانہ ہوں تاکہ وہاں ایک بجے پہنچتا ہوں۔ چنانچہ اسی مضمون کا تار ۱۲ اکا وہاں دینے کو کہہ دیا کہ زید کل ایک بجے پہنچے گا اس کے بعد صبح ۷ بجے زید بانکی پور روانہ ہوا (عہ عہ ۱۵/.) اس کو سفر خرچ دیا گیا اس کا مصمم قصد تھا کہ حسب قرارداد میں صبح کو ضرور روانہ ہو جاؤں گا مگر ایک ضرورت کی وجہ سے نہ جاسکا پھر بھی قصد کیا کہ ۱۰ بجے دن کو ایک گاڑی جاتی ہے اس سے جائیں جو وہاں ۸ بج کر ۲۴ منٹ کو پہنچے گی مگر جس کے یہاں جانا تھا نہ اس کا محلّہ معلوم نہ نام ہی معلوم ہے۔ تار کے اعتماد اور استقبال کے خیال پر زید نے یہ دریافت نہ کیا تھا، اب سخت پریشان ہوا کہ کیا کروں کہ اب آگے جانا مفت میں پریشانی اٹھانا ہے یا اگر منزل مقصود تک رسائی ہوگی تو تھکا ہوا ہوں تقریر نہ کرسکوں گا مفت میں بلانے والے کا روپیہ صرف کرنا ہے اسی ہیص بیص میں اس گاڑی کا وقت بھی نکل گیا اس لئے وہ واپس سہسرام آگیا اس (عہ عہ ۱۵/.) میں سے (صہ ۲/) گیا سے بانکی پور اور بانکی پور سے سہسرام تک صرف ہوا اب سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں زید کو کس قدر روپیہ واپس کرنا ہوگا (لعہ ۱۳/.) جو بچا ہے یا پورے (عہ عہ ۱۵/.) یا (عہ ـ ۴ـ/.) جس میں کل خرچ اجازت لینے والے کا یکہ وتار و ٹکٹ تا سہسرام تا گیا و قلی کی اجرت ہے اور جو کچھ واپس دے گا اس کی فیس منی آرڈر کس پر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بانکی پور سے سہسرام تک واپسی میں جو صرف ہوا وہ ضرور ذمہ زید ہے کہ روپیہ اسے جس سفر کے لئے دیا گیا یہ وہ سفر نہیں بلکہ اس کا نقض ہے۔ اور موضع مقصود کی راہ معہور میں اگر بانکی پور نہیں پڑتا بلکہ اس میں پھر اور صرف زائد ہے جسے زید نے گیا سے اپنی حاجت کے لئے اختیار کیا تو قدر زیادت کا واپس دینا تو ہوگا ہی، اور اظہر یہ ہے کہ گیا سے بانکی پور تک کا کل کرایہ واپس دے کر یہ سفر اس کا اپنی غرض کے لئے تھا۔

ففی الدرالمختار من متفرقات البیوع المرأۃ اذا کفنت بلااذن الورثۃ	تو درمختار کے متفرقات البیوع میں ہے، بیوی نے ورثاء کی اجازت کے بغیر خاوند کو کفن دیا اور وہ

كفن مثله رجعت فى التركة ولو اكثر لاترجع بشیئ قال رحمه الله تعالٰی ول قیل ترجع بقیمة کفن المثل لایبعد اھ [1] وفی وجیز الکردری لاترجع وان قیل ترجع بقدر کفن المثل فله وجه [2] اھ.وفی الخلاصة لا ترجع بقدر کفن المثل ایضاً فان قال قائل ترجع بقدر کفن المثل فله وجه اھ [3] وفی وصایا التنویر و الدر لو زاد الوصی علی کفن مثله فی العدد ضمن الزیادة وفی القیمة وقع الشراء له وحنیئذ ضمن مادفعه من مال الیتیم والوالجیة [4] اھ۔وفی العقود الدریة فی معین المفتی اذا زاد فی عدد الکفن ضمن الزیادة فان زاد فی قیمة الکفن ضمن الکل کذا فی السراجیة	کفن بازاری قیمت کے مساوی تھا تو ترکہ سے اس کی قیمت واپس لے سکے گی،اور اگر بازاری قیمت سے زائد کیا تو کچھ بھی واپس نہ لے سکے گی،اور اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے انہوں نے فرمایا اگر کہا جائے کہ مثلی قیمت میں رجوع کر سکتی ہے تو بعید نہ ہوگا،اھ،اور وجیز الکردری میں ہے کہ زائد قیمت کی صورت میں رجوع نہیں کر سکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ مثلی قیمت تک رجوع کر سکتا ہے تو اس کی وجہ ہو سکتی ہے اھ،اور خلاصہ میں ہے کہ مثلی کفن تک بھی رجوع نہیں کر سکتی اور اگر کوئی یہ کہے کہ مثلی کفن تک رجوع کر سکتی ہے تو اس کی وجہ ہے اھ، اور تنویر الابصار اور درمختار کے وصایا کے بیان میں ہے کہ اگر وصی نے کفن کی تعداد میں زیادتی کی تو زائد کا ضامن ہوگا اور یہ عدد مثلی کفن کی قیمت میں خرید ہوا تو خرید اس کی ہوگی اور اس وقت اس کی خرید میں یتیم کا جتنا مال خرچ ہو اس کا ضامن ہوگا،والوالجیہ اھ۔اور عقود الدریہ میں ہے کہ معین المفتی میں فرمایا اگر کفن کے عدد میں زیادتی کی ہو تو صرف زیادتی کا ضامن ہوگا اور اگر قیمت زائد دی ہو تو کل قیمت کا ضامن ہوگا،ایسے ہی سراجیہ میں ہے،

[1] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۱

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۳۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۳۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۸

قلت وقد علله بانه اذا زادنی القیمة یکون مشتریا لنفسه وهو ضامن لمال المیت اھ نهج النجاة من الوصایا، ووجه کونه مشتریا لنفسه ان الوصی اذا زاد فی القیمة صار متعدیافی الزیادة وهی غیر متمیزة فیکون مشتریا لنفسه متبرعا فی تکفینه بخلاف ما اذا زادفی عدد الکفن فانه یضمن الزیادة فقط لانها متمیزة[1]۔	میں کہتا ہوں اس کی علت انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ قیمت جب زائد دی تو وہ خریدار اپنے لئے ہوا اور میت کے مال کا ضامن ہوا، اھ نہج النجاۃ من الوصایا۔ اس کے ذاتی خریدار بننے کی وجہ یہ ہے کہ وصی نے جب قیمت زائد دی تو اس مقدار میں وہ متعدی ہوا جبکہ اس مقدار کا قیمت میں امتیاز نہیں تو تمام قیمت اس کی ذاتی خریداری میں صرف ہوئی، اور یہ کفن اس کی طرف سے بطور تبرع ہوگا۔ بخلاف کہ جب عدد میں زیادتی کرے تو صرف زائد عدد کا ضامن ہوگا کیونکہ یہ زائد ممتاز ہے۔ (ت)

واپسی کے یکوں اور قُلیوں کا کرایہ زید پر ہے۔ یونہی گیا سے بانکی پور جانے میں جو یکہ اسٹیشن تک آیا یا اسٹیشن سے بانکی پور تک گیا یا قلی کو دیا ہو کہ یہ اس کا اپنا ذاتی سفر ہے سہسرام سے گیا تک جانا جبکہ موضع مقصود تک جانے میں بحر حال تھا اور اس تک وہ موضع مقصود کی نیت سے گیا اور ضرورت جو مانع سفر و موجب رجوع ہوئی صحیح ضرورت و مجبوری تھی تو اتنا کرایہ واپس نہ دے گا ریل، یکہ، قلی، کسی کا کہ یہاں تک ان کے اذن سے ان کے کام میں صرف ہوا۔ اور اگر اپنا کوئی کام پیش آیا جو قطع سفر کے لئے عذر شرعی نہ ہوسکتا ہو اس کے لئے چھوڑ دیا تو اس کے مناسب کوئی جزئیہ اس وقت خیال میں نہیں اور ظاہر یہ کہ اب بھی سہسرام سے گیا تک کا کرایہ واپس کرنا نہ ہوگا کہ جس وقت صرف ہوا جائز طور پر ہوا اور وہ اجیر نہ تھا کہ کام نہ ہونے سے اجرت نہ پائے کہ اتمام سفر اس پر واجب نہ تھا تو قطع جائز سے وہ صرف کو جائز واقع ہوا ناجائز و مضمون نہ ہو جائے گا، یکہ جس پر بلانے والا اجازت لینے گیا اور تار کہ اس نے دیا اگرچہ زید کے کہنے سے دیا، یہ زید پر نہیں، جتنا روپیہ واپس کرنا ہو اس کی فیس منی آرڈر اسی روپیہ سے دے کر وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے اور رد امانت کو مؤنت امین پر نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

مؤنة رد الودیعة علی المالك لا علی المودع کذا فی السراجیة[2]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	امانت واپس کرنے کا خرچہ مالک پر ہے نہ کہ مودع پر، سراجیہ میں یوں ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۳۲۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعة الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۶۲

مسئلہ ۴۲: خادم نعمت خاکی بوڑاہااز پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور　　۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کسی سے ہم نے کوئی چیز لی کہ لاؤ ہم بطور امانت رکھیں گے اور پھر بعد کو دے دیں گے اس میں سے کچھ غائب ہو گئی اور وہ شخص دینے والا طلب بھی نہیں کرتا ہے اب اس کے لئے قیامت میں نہ دینے پر جوابدہ ہوں گے یا نہیں؟ ہاں اس شے پر اس کا پتہ نشان مرقوم ہے۔

الجواب:

اگر اس کی بے احتیاطی سے اس میں سے کچھ غائب ہو گیا تو اس پر اس کا تاوان لازم ہے بے اس کے معاف کئے معاف نہ ہوگا اور اگر اس نے پوری احتیاط کی اور وہ شے کُل یا بعض جاتی رہی تو اس پر الزام نہیں بلکہ اس کا تاوان لینا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: از شہر بانس منڈی مسئولہ محمد صدیق بیگ　　۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کی شے گم ہو جائے تو اس چیز کے دام لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ شیئ اس کے پاس امانت تھی اور اس نے پوری احتیاط کی اور اتفاقاً گم ہو گئی تو اس کا تاوان لینا حرام ہے۔ اور اس کی بے احتیاطی سے گم ہوئی تو جائز ہے، اور اگر امانت محض نہ تھی مثلاً کوئی چیز خریدنی چاہی اور مول چکا کر اسے دکھانے کے لئے لے گیا اور وہ گم ہو گئی اس کے دام دے گا اگرچہ بے احتیاطی نہ کی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

کتاب العاریة

(عاریت کا بیان)

مسئلہ ۴۴:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زمین بکر سے مول لی اور اسی زمین میں سے کچھ بکر کی باقی رہی، ایک مکان زید کی زمین میں برضامندی زید کے بکر نے بنالیا جو زمین باقی رہی وہ صحن بکر کا ہے، جب زید نے اپنی زمین کو طلب کیا تو بکر قیمت دیتا ہے زمین نہیں دیتا ہے زید اس کے مکان کی قیمت دینے پر امادہ ہے اور پنچ بھی چاہتے ہیں کہ زمین کی قیمت زید کو دلادی جائے۔ اس مسئلہ کی بابت عرض کیا جاتا ہے زید اپنی زمین لینا چاہتا ہے قیمت نہیں لینا چاہتا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید پر جبر نہیں ہو سکتا کہ وہ خواہی نخواہی اپنی زمین بیچ ڈالے اور قیمت لے لے پنچ اگر اس کا جبر اس پر کریں گے خلاف شرع اور ظلم ہوگا بلکہ حکم یہی ہے کہ زید کی زمین کو دے دی جائے، رہا وہ مکان کہ بکر نے برضائے زید زمین زید میں بنایا اگر اس کے عملہ اکھیڑ لینے میں زمین زید کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا تو بکر کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنا عملہ اکھیڑ لے اور زید کی زمین خالی کردے یا زید راضی ہو تو اپنا عملہ اس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اگر عملہ اکھیڑنے میں زمین کو ضرر پہنچے گا تو زید کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنے نقصان پر راضی ہو کر بکر کو جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑ کر زمین خالی کردے یا نہ چاہے تو عملہ خود لے لے

اور اس کی جو قیمت بازار کے بھاؤ سے اکھڑنے کی حالت میں ہوتی ہو وہ بکر کو دے دے، جس حالت میں عملہ اکھڑوا دیا جائے جو نقصان اس اکھیڑنے سے عملے کو پہنچے زید پر اس کا کچھ تاوان نہیں مگر اس حالت میں کہ زید نے ایک مدت معین تک مکان بنانے کی اجازت دی ہو اور اس مدت کے گزرنے سے پہلے اکھڑوانا چاہے تو عملے کا نقصان دے گا۔ ہدایہ میں ہے:

اذا استعار ارضا لیبنی فیھا او لیغرس جاز وللمعیران یرجع فیھا و یکلفه قلع البناء والغرس ثم ان لم یکن وقت العاریة فلا ضمان علیه وان وقت ورجع قبل الوقت صح رجوعه ویکرہ وضمن المعیر مانقص البناء والغرس بالقلع وذکر الحاکم الشھیدانه یضمن رب الارض للمستعیر قیمة غرسه وبنائه و یکونان له الاان یشاء المستعیر ان یرفعھما ولا یضمنه قیمتھما فیکون له ذٰلك لانه ملکه.قالوا اذا کان فی القلع ضرر بالارض فالخیار الی رب الارض لانه صاحب الاصل[1] اھ باختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب تعمیر یا پودے لگانے کے لئے زمین عاریۃ لی تو جائز ہے تو عاریۃ دینے والے مالک کو واپس لینے کا اختیار ہوگا اور عمارت اور پودے کی مدت مقرر نہ کی ہو تو مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا اور اگر وقت مقرر کیا تھا اور وقت سے پہلے اس نے رجوع کیا تو جوع صحیح ہے اور مکروہ ہے اور مکان و درخت اکھاڑنے کے نقصان کا ضامن ہوگا اور حاکم الشہید نے ذکر فرمایا کہ زمین کا مالک اس صورت میں مستعیر کی عمارت اور درختوں کی قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ اس کی ملکیت قرار پائیں گے ہاں اگر مستعیر خود رکھنا چاہے تو اکھاڑلے اور زمین والے کو ضامن نہ بنائے تو ایسا کرسکتا ہے کیونکہ وہ خود نقصان کا ذمہ دار بنا ہے فقہاء کرام نے فرمایا اگر ان کے اکھاڑنے میں زمین کو نقصان ہو تو پھر اختیار زمین والے کو ہوگا کیونکہ وہ اصل کا مالک ہے، اھ، مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۵: از شہر محلّہ بہاری پور مرسلہ رضا علی صاحب ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک چادر جو منگنی لی تھی یعنی بطور عاریت

[1] الھدایہ کتاب العاریۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۰۔۲۷۹

چند روز کے لئے لی تھی اس کو زید نے بعد انقضائے مدت عاریت ایک امین آدمی کے ہاتھ چادر مذکور کو اصل مالک کے پاس بھجوادیا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ چادر جو زید نے آمین کے ہاتھ بھجوادی تھی اصل مالک کو نہیں ملی اس پر زید نے امین اول سے پوچھا وہ چادر اصل مالک کو کیوں نہیں ملی، امین نے جواب دیا کہ میں اصل مالک کے مکان پر دے آیا ہوں اصل املک تو مجھ کو نہ ملا تھا اس کے مکان کے اندر سے ایک لڑکا چھوٹا نکلا تب میں نے اس سے اصل مالک کو پوچھ کر کہ گھر میں ہے۔اس کے ہاتھ وہ چادر بھجوادی ہے اس بیان پر مالک نے اپنے لڑکوں کو آمین کے روبرو پیش کیا کہ ان لڑکوں میں کس لڑکے کو دیا، میں نے سب لڑکوں کو دیکھ کر یہ کہا کلہ ان میں وہ لڑکا نہیں ہے جس کو میں نے چادر دی ہے اصل مالک تو کہتا ہے کہ چادر میرے پاس نہیں پہنچی، اور امین کہتا ہے کہ چادر میں دے آیا، او رامین کے پاس اس امر کا ثبوت محض ایک طالب علم بالغ کی شہادت ہے، اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ چادر کا شرعی فیصلہ کیا ہے یعنی اس کا تاوان امین پر ہے یا زید پر جس نے چادر عاریت لی تھی یا کسی پر نہیں۔مالک کو صبر کرنا چاہئے۔

الجواب:

شخص متوسط جبکہ ایک چھوٹے لڑکے کو چادر دے آیا جسے یہ بھی نہ جانا کہ مالک چادر کا بیٹا ہے، نوکر ہے، اسی گھر میں رہتا بھی ہے، یا دوسرے جگہ سے آیا ہوا، یا راہ چلتا ہے، تو بیشک چادر ضائع کرنے کا اس پر الزام ہے، اور اس پر بہر حال تاوان لازم۔اگر وہ چادر اشیائے نفیسہ میں سے تھی جب تو ضاہر کہ ایسی چیز خاص مالک کے ہاتھ دینے سے صحیح واپسی ہوتی ہے۔تنویر الابصار میں ہے:

ان ردالمستعیر الدابۃ مع عبدہ او اجیرہ مشاھرۃ او مع عبدربھا او اجیرہ برئ بخلاف نفیس [1]۔(ملخصا)	اگر مستعیر نے جانور اپنے غلام یا ماہانہ اجیر کے ہاتھ واپس کیا یا مالک کے غلام اور اجیر کے ہاتھ واپس دیا تو بَری ہوگا بخلاف کسی نفیس چیز کے۔(ملخصا)(ت)

اور اگر ایسی نہ بھی تھی تو غیر نفیس اشیاء کی واپسی بھی اس وقت معتبر ہے کہ اس کے غلام یا نوکر یا اہل وعیال میں سے کسی کو دے یا اس کے گھر میں حفاظت کی جگہ رکھ دے ناواقف انجان صغیر السن کو دے دینا کسی عاریت میں متعارف نہیں، غایۃ البیان میں ہے:

قال الحاکم الشھید فی الکافی ردالمستعیر الدابۃ فلم یجد صاحبھا	حاکم الشہید نے کافی میں فرمایا: مستعیر نے جانور واپس کیا تو مالک کو وہاں نہ پا کر حویلی میں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العادیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۷

فربطها فی دارصاحبها الی معلقها فضاعت قال هو ضامن لها فی القیاس ولکن استحسن ان الا اضمنه، الی هذا لفظ الحاکم ووجه القیاس انه لم یوجد الرد الی المالك وجه الاستحسان انه اتی بالتسلیم للمعتادبه بین الناس لان الناس یستعیرون الدواب فیردونها الی اصطبل المالک، والجیران یستعیرون الة البیوت ویردونها الی دار صاحبها ویسلمونها الی من فیه دون صاحب الدار فلو ردالی المالك كان المالك ایضا یحفظها بهذا المکان فقد اسقط عند المستعیر عــــه کلفة زائدة.فترك القیاس بالعاد ولهذا قال مشائخنا لوکانت العاریة عقد الجوهر لم یجز ان یردها الا الی المعیر لان العادة لم تجر بطرحه فی الدار ولادفعه الی الغلام [1]۔	کھرلی پر باندھ دیا تو ضائع ہوگیا تو انہوں نے فرمایا قیاس میں توضامن ہوگا ولیکن میں استحسان کرتے ہوئے ضامن نہ بناؤں گا، یہاں تک حاکم کے الفاظ ہیں، قیاس کی وجہ یہ ہے کہ مالک کو جانور واپس نہیں پہنچا،اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت کے اعتبار سے واپس کردیا ہے کینکہ لوگوں میں عادت ہے کہ جانوروں کو عاریۃ لے جاتے ہیں اور واپس مالک کے اصطبل میں چھوڑ جاتے ہں اور پڑوسی حضرات گھر کے آلات مانگ کرلے جاتے ہیں اور مالک کے گھر واپس چھوڑ جاتے ہیں اور مالک کاغیر جو بھی گھر میں ہو اس کو دے جاتے ہیں اور اگر مالک کو دیا جائے تو بھی اسی مکان میں حفاظت کے طورپر رکھتاہے توگھر میں واپس کرنے پر مستعیر نے مالک کو مزید تکلیف سے بچایا،توحاکم شہید نے قیاس کو عادت کی وجہ سے ترک کردیا،اس لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اگر عاریہ جواہر کاہار ہو تو پھر مالک کے بغیر کسی اور کو واپسی جائز نہیں کیونکہ ایسی چیز کے متعلق گھر میں چھوڑ جانے یاغلام کودی جانے کی عادت جاری نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وذٰلك لان العبد صالح	یہ اس لئے کہ غلام حفاظت کااہل ہے

عــــه: فی الاصل هکذا اوظنه عنه

(اصل میں اسی طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق یہ لفظ "عنه" ہے۔ت)

---

[1] غایة البیان

للفظ عـــہ کالمربوط اذا ردھا الی المربط لایضمن کذا ھذا بخلاف ماذا ردھا الی ارض لان الارض لیست بصالحۃ للحفظ[1]۔	جیسا کہ اصطبل ہے تو جب اصطبل میں باندھ جائے تو ضیاع پر ضامن نہ ہوگا اور یہاں بھی ایسے ہے۔بخلاف جب اس کی زمین پر چھوڑ جائے کیونکہ زمین حفاظت کی اہل نہیں ہے۔(ت)

رہا زید، اگر یہ متوط اس کا نوکر یا اس کی عیال میں تھا اور اس نے ایسی بے احتیاطی کو اسی سے نہ کہہ دیا تھا کہ مالک یا اس کا معتمد ملے نہ ملے کوئی بھی پاؤ پھینک کر چلے آنا بلکہ یہ بے احتیاطی اس متوسط نے خود کی تو زید پر کوئی تاوان نہیں اور اگر ختم مدت عاریت کے بعد اجنبی کے ہاتھی بھیجی تو بیشک یہ بھی زیر مطالبہ تاوان ہے یونہی اگر اس کے کہے سے وہ بے احتیاطی ہوئی اگرچہ وہ متوسط اس کا بیٹا یا نوکر ہی ہو، ان دونوں صورتوں میں مالک چادر کو اختیار ہے چاہے زید سے تاوان لے چاہے اس متوسط سے، تنویر الابصار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

بخلاف الردمع الاجنبی بان کانت العاریۃ موقتۃ فمضت مدتہا ثم بعثہا مع الاجنبی[2]	بخلاف جبکہ اجنبی کے ہاتھ واپس کرے اس طرح کہ عاریۃ مقرر وقت کے لئے ہو تو وقت گزر جانے پر عاریہ کو اجنبی کے ہاتھ بھیج دے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

ستورے عاریت خواست وکس فرستاد تا ازنزد معیر بیارد مامور ستور رادر راہ برنشت وھلك یضمن المأمور ولا یرجع علی الامر اذا لم یکین مامور امن جھتہ وھذا اذا کانت تنقاد من غیر رکوب	کچھ پردے کسی سے مانگے اور یہ ایک شخص کو مالک کے پاس پردے لینے بھیج دیا تو اس شخص نے پردے راستہ میں رکھ دئے تو وہ ضائع ہوگئے تو مامور شخص ضامن ہوگا اور وہ ضمان میں آمر پر رجوع نہ کرے گا جبکہ مستعیر کی طرف سے یہ راستہ میں رکھنے پر مامور نہ تھا یہ صورت وہ ہے کہ

عـــہ: فی الاصل ھکذا واظنہ للحفظ	(اصل میں اس طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق لفظ "للحفظ" ہے۔ت)

[1] غایۃ البیان

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۷

فان کانت لانتقاد الا بالرکوب لایضمن کما فی الفصول العمادیة[1]۔واللہ تعالٰی اعلم	پردوں کو اٹھانے میں سواری کی ضرورت نہ ہو، اگر وہ ایسے ہیں کہ سواری کے بغیر منتقل نہیں ہوسکتے تو پھر مامور شخص ضامن نہ ہوگا، فصول العمادیہ میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۶۷

کتاب الھبۃ

(ہبہ کا بیان)

مسئلہ ۴۶: از ریاست رامپور محلّہ موتی خان مرسلہ طوطارام ۲۷ شوال ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی کل جائداد مملوکہ مقبوضہ اپنے بھتیجے کے نام تملیک کراکراس کو مالک و قابض کرایہ اور دستاویز میں لکھ دیا کہ جائداد تملیک شدہ کو میں نے اپنی ملکیت سے خارج کردیا اور مجھے میرے کسی وارث کو اس میں دعوی نہ رہا، جس وقت زید نے یہ دستاویز لکھی تھی اس وقت سے اس کے مرنے کے وقت تک زید کی کوئی اولاد نہ ذکور یا اناث موجود نہ تھی بس چار بھتیجے اور ایک نواسہ تھا اب بعد وفات زید نواسہ دعوی کرتا ہے کہ دستاویز تملیک نامہ کے ذریعہ سے جو جائداد زید نے ایک بھتیجے کے نام منتقل کی تھی وہ قابل جواز و نفاذ کے نہیں اور وہ جائداد مندرجہ دستاویز تملیک نامہ ملکیت زید قرار دی جائے اور متروکہ قائم ہو کر اس میں وراثت جاری کی جائے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ جب زید اپنی زندگی میں اس کو بذریعہ دستاویز تملیک منتقل کر گیا اور لکھ گیا کہ اس میں میری ملکیت باقی نہیں رہی تو وہ زید کی ملکیت قرار پاکر اس کا متروکہ قائم نہیں ہوگا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی، شریعت اسلام کے بموجب ایسی صورت میں کیا ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تملیک عین بلاعوض ہبہ ہے اور ہبہ بعد قبضہ تام پھر بعد موت احدالعاقدین مطلقًا لازم اگرچہ

موہوب لہ اجنبی ہو اور بھتیجے کے نام تو فی الحال لازم، لہٰذا وہ جائداد بشرط قبضہ نامہ ملک موہوب لہ ہے۔ وارثان واہب کا اس پر دعوی باطل ہے۔

ولنا رسالة فی تحقیق هذا المرام سمیناها "فتح الملیك فی حکم التملیك" من اختلج فی صدره شیئ فلیطالعها۔	اس مقصد کی تحقیق میں ہمارا ایک رسالہ ہے اس کا نام ہم نے "فتح الملیك فی حکم التملیک" رکھا ہے۔ اس مسئلہ میں کسی کو شبہ ہو تو وہ اس رسالے کا مطالعہ کرے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

الهبة هی تملیك العین مجانا[1]۔	ھبہ مفت میں عین چیز کا کسی کو مالک بنانا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے: وتتم بالقبض[2] (اور قبضہ دینے پر تام ہو جاتا ہے۔ ت) اسی میں ہے:

ویمنع الرجوع فیها موت احد المتعاقدین والقرابة فلو وهب لذی رحم محرم منه ولو ذمیا اومستامنا یرجع[3]۔ (باختصار)۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ھبہ کے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کی موت اور قرابت ہونا، ھبہ میں رجوع (واپسی لینے) کے لئے مانع ہے۔ تو اگر اپنے ذی محرم کو ھبہ کیا اگرچہ وہ محرم ذمی یا مستامن ہو تو رجوع نہ کرسکے گا (باختصار)۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۷: از مارہرہ منورہ مرسلہ سیدنا سید ابوالحسن نوری میاں صاحب دامت برکاتہم ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مالک اصلی نے اپنے پسر عمرو کو دو باغ دئے پھر بعد چند روز کے عمرو سے واپس لے کر بکر اور خالد پسر وعمرو کو دئے یعنی پہلے خانہ ملکیت دفتر حاکم میں نام عمرو کا قائم کرایا اور عمرو باذن واہب اس پر قابض ہوا اور محاصل اس کا لیتا رہا اور احداث واشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتا رہا پھر عمرو سے واپس کرکے یعنی عمرو کا خانہ ملکیت دفتر حاکم

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳-۱۶۱

سے علیحدہ کراکے بکر اور خالد کا نام اس خانہ میں قائم کرایا اور وہ باغ دونوں کو عطا کئے اور عمرو نے جو یہ فعل اس کی غیبت میں ہوا تھا وقت اپنی حاضری کے بطوع ورغبت جائز رکھا اور کچھ تعرض نہ کیا مگر اس کے محاصل پر عمرو بدستور متصرف رہا اور تمتع ہر نوع کا ان باغات سے اٹھاتا رہا، اور بکر وخالد نے بربنااس انبساط واتحاد کے کہ انہیں عمرو کے ساتھ تھا اس امر کا تعرض عمرو سے نہ کیا اور پٹہ جات ان باغات کے بکر اور خالد کے نام سے ہوتے رہے، گاہے بکر پٹہ کردیتا ہے گاہے خالد، گاہے دونوں کی طرف سے عمرو بقلم خود لکھ دیتا ہے، گاہے عمرو خود اپنے نام سے لکھ دیتا تھا، ان امور میں کبھی کوئی ایک دوسرے سے معترض نہ ہوتا، اور اسی طرح مختلف طور سے رسیدات پٹہ داروں کو بابت زر اقساط محاصل ملا کرتے تھے، اگرچہ زر اقساط صرف عمرو تحصیل کرتا اور اسی کے تصرف میں آتا، پھر بعد چند روز وقت بندوبست حال جو منجانب حکام ہوا بدستور خانہ ملکیت دفتر حاکم میں نام بکر وخالد قائم رہا یعنی انہیں دونوں کے نام سے زید مالک اصلی نے وہ بات دفتر بندوبست میں قائم کرائے اور اس امر کو عمرو نے بھی پھر بدستور جائز رکھا بلکہ خود تصدیق بھی دفتر میں اس امر کی کردی کہ بکر وخالد ان باغات کے مالک ہیں مگر پھر بھی محاصل باغات وہی عمرو بدستور قدیم پاتا رہا اور باغات اسی کے زیر تصرف رہے اور بکر وخالد نے اسی اتحاد ویکجہتی کے سبب سے کوئی اعتراض پھر بھی اس امر پر نہیں کیا اور نہ معترض ہوئے، اور گاہے گاہے محاصل ایک باغ کا خالد بھی لیتا رہا اور گاہ گاہ ایک باغ میں خود بھی زراعت بطور شیر کرلیتا تھا مگر بکر نے کبھی نہ محاصل پایا اور نہ کبھی زراعت بطور شیر کی بلکہ خود ہی کبھی قصد بھی نہ کیا اور اگر اس امر کا کبھی ذکر بھی آیا تو عمرو نے جواب دیا مالک تم ہو مگر تمھیں چنداں حاجت نہیں ہے اور میرا خرچ زائد ہے اور معاش کم، یہ محاصل میری ہی تصرف میں رہنے دو، بکر نے اسے یکجہتی کی بنا پر منظور رکھا پھر بعد چند مدت کے بکر نے محاصل نصفی ان باغات کا لینا چاہا اور عمرو سے تعرض کیا تو عمرو مانع آیا غرض کہ بعد گفتگوئے بسیار عمرو نے یہ استدعا کی کہ بکر نصف سے ثلث لے لے یعنی کل میں جو نصف اس کا ہے اس میں وہ ثلث پر اقتصار کرے اور باقی اپنے طور پر خالد کے لئے چھوڑ دے، بکر نے بغرض قطع نزاع اپنے حق سے اس قدر نقصان گوارا کیا اور عمرو سے کہا ہم دونوں یعنی بکر وخالد کہ مالک باغات ہیں آپس میں فیصلہ کرلیں گے، چنانچہ اس امر پر باہم رضامند ہو کر تصفیہ ہوگیا یعنی درمیان بکر وخالد کے یہ صلح باستدعائے عمرو واقع ہوئی کہ ایک ثلث بکر لے لے اور دو ثلث خالد فرزند عمرو کو چھوڑ دے، چنانچہ اس صلح کا اقرار نامہ بکر وخالد کی طرف سے بہ ثبت گواہی عمرو بنام ایک حکم ثالث کے تحریر ہوا اور ثالث نے بموجب اقرار نامہ فریقین فیصلہ لکھ دیا کہ ایک ثلث بکر لے لے اور دو ثلث خالد اور اسے بموجب سوالات داخل خارج حکام وقت کے یہاں گزر گئے اور بربنائے اس صلح کے فصل ربیع وخریف گزشتہ

کاایک ثلث بکر نے پایا، ہنوز معاملہ داخل خارج ختم ہوا تھا کہ پھر بعد چند روز کے عمرو مع خالد کے پسر اپنے کے اس سے اعراض کرکے بکر کو اخذ محاصل ثلث سے مانع آئے اور دربارہ داخل خارج کے عمرو نے سوال دے دیا کہ مالک اصل میں ہوں ہمیشہ سے محاصل پاتا رہا ہوں بکر کوئی چیز نہیں ہے اور خالد نام میرا خانہ ملکیت میں بجائے دونوں کے داخل ہوجائے اور اپنے بیٹے خالد کو راضی کرکے اس سے سوال دلادیا کہ واقع میں عمرو مالک ہے میں برائے نام ہوں چنانچہ حکام وقت نے نام دونوں کا خانہ ملکیت سے اپنے دفتر میں سے خارج کرکے نام عمرو کا قائم کردیا، پس اس صورت میں بکر کا یہ سوال ہے کہ آیا حق میرا قائم رہا یا نہ رہا، اور اگر رہا تو کس حساب سے؟ آیا نصفی بموجب عطائے قدیم زید مورث اصلی یا ثلث بموجب صلح حال کے یا دونوں صورت کا حق نہ رہا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، جبکہ حضرت مالک اصلی نے وہ باغ عمرو کو عطافرمادئے تھے اور عمرو نے ان پر قبضہ کامل پایا تھا کہ احداث واشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتے اور اس کی تحصیل و تشخیص فرماتے رہے تو وہ باغ ملک مالک اصلی سے نکل کر ملک عمرو میں آئے اور اب مالک حقیقی عمرو قرار پائے بعدہ، جب غیبت عمرو میں مالک اول نے نام عمرو خانہ ملکیت سے خارج کرکے نام بکر وخالد داخل فرمایا اور وہ باغ انہیں عطافرمادیئے تو یہ ھبہ ھبہ ملک غیر ٹھہرا اور اجازت عمرو پر موقوف رہا، پھر جب عمرو نے بعد حضور اس امر کو بطوع ورغبت جائز رکھا ھبہ اگرچہ صحیح ہوگیا ہو مگر اس کے تمامی، اور بکر وخالد کے ثبوت ملک محل کلام ہے اگر ھبہ ان دونوں حضرات کو مشاعا تھا یعنی ہر باغ دونوں صاحبوں کو مشترکہ عطافرمایا گیا جب تو ناتمامی ھبہ وعدم ثبوت ملک موہوب لہا ظاہر ہے کہ واھب حقیقی یعنی عمرو نے اب تک تقسیم کرکے مجوزا ممیّزاً تسلیم نہ کی۔

فی تنویر الابصار وتتم بالقبض فی یدہ محوز مقسوم ومشاع لایقسم لافیما یقسم فان قسمہ و سلمہ صح اھ[1] ملخصا، وقلت وھبۃ المشاع قیل فاسدۃ فیثبت بھا الملك	تنویر الابصار میں ہے ھبہ ایسے قبضہ سے تام ہوتا ہے جو تقسیم ہو کر محفوظ ہوجائے، اور غیر منقسم جس کی تقسیم کی ضرورت نہیں ہے اور وہ غیر منقسیم ہے جس کی تقسیم کرنی ہو وہ قبضہ سے تام نہ ہوگا ہاں اگر اس کی تقسیم کردی اور قبضہ میں دے دیا تو صحیح ہے اھ ملخصًا، میں کہتا ہوں مشاع یعنی

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

للموھب له اذا قبضه كذلك شائعا لكن ملكا خبيثا واجب الرد قائما والضمان هالكا وبه افتى البعض، والحق انه لايثبت بها الملك اصلاما لم يسلم مقسوما هو الصحيح المعتمد كما حققه فی ردالمحتار و به افتى الجم الغفير وهو ظاہر الرواية عن ائمتنا الثلثة فعليه التعويل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر منقسم کا ھبہ بعض کے نزدیک فاسدہ ہے لہٰذا اس پر قبضہ سے موہوب لہ کی ملکیت ثابت ہوجائیگی جبکہ اس نے اسی مشاعی حالت میں قبضہ کیا ہو تاہم یہ ملکیت خبیثہ ہوگی موجود رہنے کی صورت میں واجب الرد اور ہلاک ہونے کی صورت میں قابل ضمان ہوگی، اسی قول پر بعض نے فتوٰی دیا ہے جبکہ حق یہ ہے اس پر قبضہ سے ملکیت ہر گز ثابت نہ ہوگی جب تک اس کو تقسیم کرکے نہ دیا جائے یہی صحیح اور قابل اعتماد ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تحقیق فرمائی اور اسی پر جم غفیر نے فتوٰی دیا ہے اور ہمارے تینوں ائمہ کرام سے یہی ظاہر الروایت ہے تو اسی پر اعتماد ہے۔ (ت)

اور اگر ایک ایک باغ ہر موہوب لہ کو جداگانہ دیا گیا تھا تاہم اس قدر تقریر سوال سے ظاہر کہ جس طرح وہ باغ اس ھبہ سے پہلے قبض وتصرف عمرو میں تھے یونہی بعد ھبہ رہے اور آج تک عمرو نے اپنا ہاتھ ان پر سے نہ اٹھایا اور کسی دن بکر وخالد کے قبضہ میں تسلیم نہ کیا اگرچہ رسید وپٹہ جات گاہے بکر وخالد بھی اپنی طرف سے تحریر فرمایا کرتے رہے ہوں کہ جب تک عمرو کا رفع ید اور قبضہ حضرات موہو لہما میں تسلیم ثابت نہ ہو ھبہ ہر گز تمام اور تملک موہوب لہما ثابت نہیں ہوسکتا۔

فی الهندية ومنها ان يكون الموہوب مقبوضا حتى لا يثبت الملك للموہوب له قبل القبض[1] انتهى ومثله فی الهداية وغيرها۔	ہندیہ میں ہے ایک صورت ان میں سے یہ ہے کہ موہوب کسی کے قبضہ میں ہو تو اس پر موہوب لہ کی ملکیت نہ ہوگی جب تک قبضہ نہ کرلے اھ، اس کی مثل ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مانا کہ کسی وقت حضرات موہوب لہما یا ان میں سے ایک کا وضع یہ ثابت بھی ہوجائے مگر عمرو کا رفع ید ہر گز پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتا، اور یہ شرط اول ہے۔

الاترى لو وهب دار او سلمها حتى وضع الموهوب له يده عليها	آپ دیکھیں کہ اگر مکان ھبہ کیا اور سونپ بھی دیا اور موہوب لہ نے قبضہ میں لے لیا حالانکہ مکان ابھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۴

وکانت الدار مشغولۃ بمتاع الواھب لم تتم الھبۃ لعدم الرتفاع ید الواھب فلم یکمل القبض وفی ردالمحتار ان کان الموھوب مشغولا بحق الواھب لم یجز کما اذا ووھب السرج علی الدابۃ لان استعمال السرج انما یکون للدابۃ فکانت للواھب علیہ ید مستعملۃ فتوجب نقصانا فی القبض [1]۔	واھب کے سامان میں مشغول ہے تو ھبہ تام نہ ہوگا کیونکہ واھب کا قبضہ ابھی ختم نہیں ہوا، تو موہوب لہ کا قبضہ تام نہ ہوا، ردالمحتار میں ہے اگر موہوب ابھی واھب کے حق میں مشغول ہے تو جائز ہوگا مثلاً کوئی شخص گھوڑے پر لگی کاٹھی کسی کو ھبہ کرے کیونکہ کاٹھی کا استعمال جانور پر ہوتا ہے تو واھب کا ابھی قبضہ باقی اور زیر استعمال ہے تو اس سے قبضہ میں ابھی نقص باقی ہے۔(ت)

بالجملہ عمرو جب تک اپنا قبضہ بالکلیہ اٹھا کر موہوب لہما کو قبض کامل نہ کرادے ھبہ ہر گز تمام نہ ہوگا اور موہوب ملک عمرو سے باہر نہ آئے گا، اسی طرح عمرو کا متعدد پیرایوں میں ملکیت بکر و خالد کا اقرار دیانۃ کچھ مفید نہیں کہ یہ اقرار صرف بربنائے ھبہ ہے کما لایخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور بہ سبب ناتمامی یہ ھبہ شرعاً مثبت ملک نہ ہوا تو عنداللہ اقرار غلط کہ شرعاً وجہ صحت نہیں رکھتا اثبات ملک کے لئے کافی نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار لواقر کاذبا لم یحل لہ لان الاقرار لیس سببا للملک نعم لو سلمہ برضاہ کان ابتداء ھبۃ وھو الاوجہ [2]۔بزازیۃ اھ. فی حاشیۃ الطحطاویۃ قولہ لم یحل لہ ای لایجوز لہ اخذہ جبرادیانۃ کاقرارہ لامرأتہ بجمیع مافی منزلہ ولیس لہا علیہ شیئ [3] انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر مالک کسی کے لئے ھبہ کا جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کے لئے وہ حلال نہیں ہوگا کیونکہ اقرار دوسرے کی ملکیت کا سبب نہیں ہے ہاں اگر بعد میں اپنی رضا سے اس کو قبضہ دے دے تو یہ نیا ھبہ ہوگا، یہی وجہ قابل اعتبار ہے، بزازیہ حاشیہ طحطاوی میں ہے ماتن کا قول "مقرلہ کے لئے حلال نہیں" یعنی اس کو دیانۃ جبراً قبضہ کا حق نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص گھر کے تمام سامان کو بیوی کے حق میں اقرار کرے حالانکہ بیوی کا کوئی حق خاوند کے ذمہ نہیں ہے، اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۷

[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۰

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاقرار دارالمعرفۃ بیروت ۳ /۳۲۷

مسئلہ ۴۸: از بڑودہ مرسلہ جناب نواب سید نور الدین حسن خاں بہادر ۱۳۰۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حمیدہ نے اپنے بیٹے محمود بن حمید کی شادی رشیدہ بنت سعید سے کی اور ۲۷ محرم الحرام ۱۲۷۸ھ کو محمود کی طرف سے بدعوی ولایت ایک دستاویز میں جائداد اور موروثی محمود کا تملیک نامہ بنام رشیدہ مع دیگر چند شروط لکھ دیا، جب محمود بالغ ہوا ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ کو اس نے دستاویز نوشتہ حمیدہ کی تسلیم وقبول کے ساتھ از سرِ نو ایک وثیقہ اُنھیں شروط پر متضمن تحریر کیا جس کے عنوان میں خلاصہ عبارت یہ ہے:

"اقرار صحیح شرعی می نمایم بریں معنی کہ والدہ ماجدہ عقد بمن بارشیدہ بنت سعید بستہ ودستاویز از طرف منمقر وکالۃ نوشتہ داد وراں حین بحد بلوغ نہ رسیدہ بودم اکنوں دستاویز مذکور را مسلم وقبول داشتہ باز اصالۃ شروط چند نوشتہ میدہم"۔	میں صحیح شرعی اقرار کرتا ہوں کہ میری والدہ ماجدہ نے میرا نکاح رشیدہ بنت سعید سے کیا اور مجھ مقر کی طرف سے وکالۃ انھوں نے ایک دستاویز لکھ کر دی جبکہ میں ابھی بلوغ کی حد کو نہ پہنچا تھا، اب اس دستاویز مذکورہ کو تسلیم اور قبول کرتا ہوں نیز اصالۃ چند شرائط لکھ کر دے رہا ہوں۔ (ت)

پھر شرط میں خلاصہ مضمون ان الفاظ سے ہے:

"از آمدنی موضع پوناگاؤں وغیرہ واقع بندر سورت بعد اخراج سہم شرعی والدہ صاحبہ کہ ثمن است باقی انچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم باندازہ مبلغ پنج ہزار روپیہ بمن می رسد مالکش مسماۃ رشیدہ مع اولاد بطنا بعد بطن است از روز عقد نکاح از آمدن حصہ موروثیم مسماۃ مذکورہ در قبض وتصرف خود درآردو دراں من مقر ووارثانم را دعوی وحقے نیست ونماندہ است"۔	سُورت بندرگاہ میں واقع موضع پوناگاؤں وغیرہ کی آمدنی سے اپنی والدہ کے شرعی حصہ جو کہ آٹھواں ہے کو نکال کر باقی اپنے موروثی جاگیر کے حصہ مبلغ پانچ ہزار اندازاً جو مجھے آتا ہے اس کی مالک مسماۃ رشیدہ مع اولاد بطن در بطن ہے میرے موروثی حصہ کی آمدن پر مسماۃ مذکورہ نکاح کے روز سے قابض اور متصرف ہے اور اس میں مجھ مقر اور میرے ورثاء کا کوئی دعوی اور حق نہیں ہے اور نہ باقی ہے۔ (ت)

بعدہ، یکم جولائی ۱۸۶۹ء کو اسی شرط کی توثیق وتاکید کے لئے دوسری تحریر جداگانہ لکھی جس کی تلخیص ان کلمات سے ہے:

"از شرائط مذکورہ ایں یک شرط علیحدہ نوشتہ میدہم	مذکورہ شرائط میں سے ایک علیحدہ شرط لکھ کر دے رہا ہوں

کہ در دیہات جاگیر موروثی محدودہ ذیل کہ شرعاً از ترکہ پدری خالصاً بہ منمقر رسیدہ منجملہ آں مبلغ چہار ہزار روپیہ منمقر اہل خانہ خود مسماۃ رشیدہ بنت سعد را بطوع و رغبت بلا اکراہ واجبار بطناً بعد بطن ونسلاً بعد نسل علی سبیل الدوام والاستمرار ملک گردانیدم چوں وہیوٹ ومختاری آں از قدیم الایام بقبضہ من است وحصہ داراں دیگر کہ دریں جاگیر شریک اند باوشاں زر نقد موافق حصہ ہائے مقسومہ آنہا ہموارہ می رسانم ہمیں طور اند آمدنی مملوکہ واہل خانہ خود مثل دیگر حصہ داراں بہ اہل خناہ موصوفہ واولادش ہمیشہ بلاعذر وتکرار خواہم رسانید اگر از جانب منمقر مسماۃ بلاعذر وتکرار خواہم رسانید اگر از جانب منمقر مسماۃ مذکورہ در وصول حق خود کہ معین ومقرر کردہ شود فتورے وتہاونے بیند پس اوشاں را اختیار کلی ست بہ نحیکہ خواہندہ از منمقر حق خود بگیرند ومسماۃ مذکورہ را در صورت زر مذکور اختیار کلی ست منمقر وورثانم را در آں حقے ودخلے ودعوی ونزاعے نیست ونماندہ ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ و وثیقہ وتملیک نامہ نوشتہ شد کہ عندالحاجۃ سند باشد۔	کہ دیہات میں موروثی جاگیر جس کی حدود ذیل ہیں میں سے جو مجھے شرعی طور پر والد کے ترکہ سے حصہ پہنچتا ہے اس میں سے مبلغ چار ہزار روپیہ کا میں مقر اپنے اہل خانہ مسماۃ رشیدہ بنت سعید کو اپنی خوشی اور رغبت سے بلاجبر واکراہ بطن در بطن نسلاً بعد نسل دائمی اور استمرار کے طور پر مالک بناتا ہوں جس طرح قدیم ایام سے اپنے کھاتہ اور مختاری جو میرے قبضہ میں ہے اور اس جاگیر میں دیگر حصہ دار شریک حضرات کو مساوی نقد زر کے موافق حصہ پہنچاتا ہوں اسی طرح اپنی مملوکہ اور اپنے اہل خانہ کے دوسرے حصہ داروں کی طرح موصوفہ اہل خانہ اور اس کی اولاد کو ہمیشہ بلاعذر وتکرار حصہ پہنچاتا رہوں گا اگر من مقر کی طرف سے معین ومقرر حصہ کی وصولی میں مسماۃ مذکورہ کوئی کوتاہی اور سستی دیکھے تو اس پر اس کو کلی اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہے مجھ مقر سے اپنا حق وصول کرے اور مسماۃ مذکورہ کو زر مذکور کے صرف میں کلی اختیار ہے من مقر اور میرے ورثاء کو اس میں کوئی دخل، حق، دعوی اور نزاع نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ یہ چند کلمات بطور اقرار نامہ وثیقہ اور تملیک نامہ لکھا ہے کہ عندالضرورت سند رہے (ت)

اور یہ جائداد جس کا ان دستاویزوں میں تذکرہ ہے محمود ودیگر ورثائے حمیدہ میں مشترکہ وغیرہ منقسم ہے اب شرع مطہر سے استفسار ہے کہ یہ تحریرات شرعاً مقبول ہو بکار آمد ہے یا نہیں اور ان کی رو سے رشیدہ اس جائداد یا اس کی آمدنی کی مالک ہوئی یا نہیں اور یہ عقد کہ محمود سے بہ تکرار واقع ہوا بدیں لحاظ کہ اس کی والدہ نے جائداد موروثی کا تملیک نامہ لکھا تھا اور اس نے اسے منظور ومسلم رکھا اور خود اس کی تحریروں کے بعض الفاظ سے رشیدہ کو خاص حصہ جاگیر کا مالک کرنا نکلتا ہے (اصل رقبہ دیہات کی تملیک ہے یا بلحاظ دیگر

الفاظ تحریر اول وتصریحات تحریر دوم) صرف آمدنی وزر توفیر کا دینا اور عطا کرنا ہے اور اس عقد کو ھبہ کہا جائیگا اور اسی کے شرائط اس کی صحت میں درکار ہوں گے (یا اس خیال سے کہ محمود نے صرف رشیدہ ہی کو مالک نہ کیا بلکہ بطنا بعد بطن ونسلا بعد نسل اس کی اولاد کے نام بھی تملیک کی) وصیت قرار پائے گا وبہر تقدیر شرعا صحیح رہے گا یا باطل۔ اگر باطل ٹھہرے تو محمود کے یہ الفاظ (کہ من مقر وورثانم رادر آں دخلے وحقے ونزاعے نیست ونماندہ) اس کے یا اس کے ورثہ کے حق کو زائل کریں گے یا نہیں؟ اور ان تحریرات کا شرعا کیا نام ہے؟ ھبہ نامہ یا اقرار نامہ یا تملیک یا کچھ اور؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب ان انت العزیز الوھاب، یہ توظاہر ہے کہ ابتداءً حمیدہ والدہ محمودہ کا بنام رشیدہ جائداد محمود نابالغ کا تملیک نامہ لکھ دینا کوئی شے نہ تھا کہ نہ ماں دربارہ مالی ولی نہ خود ولی تھی کہ باپ کو مال صغیر سے ایک ذرہ کسی کو ڈالنے کا اختیار نہیں۔

فی الدرالمختار ولیہ ابوہ دون الام فی المال اھ [1] ملخصا۔ وفیہ من الھبۃ لایجوز ان یھب شیئا من مال طفلہ ولو بعوض لانہا تبرع ابتداءً [2] اھ۔	درمختار میں ہے کہ مال میں نابالغ کا ولی اس کا باپ ہے ماں ہے اھ ملخصا، اور اسی میں ھبہ کے متعلق ہے والدہ کو حق نہیں کہ وہ بچے کے مال سے کوئی چیز ہبہ کرے خواہ بالعوض کیوں نہ ہو کیونکہ ھبہ ابتداء تبرع ہوتا ہے۔ اھ (ت)

تو وہ عقد محض باطل واقع ہوا یہاں تک کہ خود محمود کے بعد بلوغ جائز ومسلم رکھنے سے بھی اس کی اصلاح ممکن نہیں،

لانہ عقد فضولی صدر ولامجیز، فی حجر العقود الدریۃ عن جامع الفصولین لو طلق الصبی امرأتہ او وھب مالہ او عقد عقدا مما لو فعلہ ولیہ فی صباء	کیونکہ یہ فضولی کا عقد ہے جس کا جائز کرنے والا کوئی نہیں، اور عقود الدریۃ کے باب الحجر میں جامع الفصولین سے منقول ہے کہ اگر بچہ بیوی کو طلاق دے یا کوئی ھبہ کرے یا کوئی ایسا عقد کرے کہ اگر وہ عقد اس کا ولی اس کے بچپن میں

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۰۳

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

لم یجز علیه فهذه کلها باطلة. وان اجازها الصبی بعد بلوغه لم تجز لانه لا مجیز لها وقت العقد فلم تتوقف علی الاجازة الا اذا کان لفظ اجازته بعد البلوغ مایصلح لابتداء العقد فیصح ابتداء لا اجازة کقوله اوقعت ذٰلك الطلاق فیقع لانه یصلح للابتداء [1] اھ ملتقطا۔	کرتا تو بچے پر لاگو نہ ہوتا، تو بچے کے یہ تمام امور باطل ہیں۔ اور بلوغ کے بعد اگر وہ ان امور کو جائز کرے تو بھی جائز نہ ہوں گے کیونکہ عقد کے وقت ان کو جائز کرنے والا کوئی نہ تھا لہٰذا وہ اجازت پر موقوف نہ ہوئے، ہاں اگر بلوغ کے بعد ایسے لفظ سے جائز کرے جس سے ابتداء عقد ہوسکے تو ابتداء عقد کے طور پر یہ صحیح ہوجائے گی تاہم اجازت نہ کہیں گے، مثلا بلوغ کے بعد یوں کہے میں نے وہ طلاق واقع کی۔ تو طلاق اب ہوگئی کیونکہ یہ لفظ ابتدائے طلاق کی صلاحیت رکھتا ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ محمود کا بعد بلوغ دستاویز نوشتہ حمیدہ کو مسلم مقبول رکھنا بھی محض مہمل و بے سود اور شرعاً نامقبول ومردود، اب اس نے جو خود ابتداء دوبار تملیک نامہ لکھا وہ عبارتیں صراحۃً نص ہیں کہ محمود نے صرف زرآمدنی وتوفیر رشیدہ کو دینا چاہا اصل رقبہ جائداد کی ھبہ وتملیک کا ان میں کہیں ذکر نہیں، تحریر اول میں کہ ایک جگہ یہ لفظ واقع ہوا "آنچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم بمن میرسد مالکش رشیدہ است" وہاں بھی حصہ سے مراد صرف حصہ توفیر ہے کہ اس سے پہلے تصریحاً لفظ آمدنی مذکور اور یہاں بھی باندازہ مبلغ پنج ہزار روپیہ کا لفظ اسی طرف ناظر، اور یہ عقد وصیت تو کس طرح نہیں ہوسکتا کہ وصیت میں فی الحال مالک نہیں کیا جاتا۔

لانها تملیك مضاف الی ما بعد الموت کما فی التنویر وغیرها [2]۔	کیونکہ یہ تملیک مابعد الموت کی طرف منسوب ہوتی ہے جیسا کہ تنویر الابصار میں وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور عبارات زید صریح ہیں کہ رشیدہ فی الحال مالک ٹھہرائی گئی کما لایخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) نہ یہ ممکن کہ بلحاظ لفظ نسلاً بعد نسل جو لوگ نسل رشیدہ سے بعد کو پیدا ہوں ان کے حق میں وصیت قرار دی جائے کہ وہ وقت عقد معدوم تھی اور معدوم کے لئے وصیت باطل،

---

[1] العقود الدریة کتاب الحجر حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب قندہار ۲/ ۱۶۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

فی الدر المختار شرائطھا کون الموصی اھلا للتملیك و کون الموصٰی لہ حیا وقتھا[1] اھملخصا۔	درمختار میں ہے اس کی شرائط میں ہے کہ وصیت کرنے والا اس تملیک کا اہل ہو،اور وصیت کے وقت جس کے لئے وصیت کی ہے وہ زندہ ہو اھ ملخصا(ت)

تولاجرم ھبہ ہی ہوگا،اور یوں ھبہ کرنا کہ اس گاؤں کی آمدنی جو ہوا کرے گی میں نے تجھے ھبہ کی،شرعاً صحیح نہیں،

فی الفتاوی الخیریۃ بھذا عُلِمَ عدم صحۃ ھبۃ ما سیتحصل من محصول القریتین بالاولٰی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاہر اھ[2]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس کو دونوں قریوں سے حاصل کرے گا اس کا ھبہ صحیح نہیں کیونکہ ھبہ کرنے والا ابھی تک خود اس پر قابض نہیں تو دوسرے کو کیسے مالک بنائے گا،یہ ظاہر بات ہے۔اھ(ت)

اور اگر بالفرض اصل جائداد ہی کا ھبہ ہوتا جب بھی نرا باطل تھا کہ وہ جائداد حسب بیان سائل مشاع وغیر منقسم ہے اور اسی طرح عـــہ مشیر ہے محمود کا وہ بیان کہ چوں وہیوٹ ومختاری آں از قدیم الایام بقبضہ من است اھ کہ بٹے بانٹ کے بعد تو ہر ایک شریک حصہ کا مختار ہو جاتا ہے اور ھبہ مشاع مذھب صحیح پر محض باطل،

فی الفتاوٰی الخیریۃ(سئل)فی رجل وھب ابنالہ بالغا نصف مایملک(اجاب)الھبۃ باطلۃ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی قال فی مشتمل الاحکام نقلا عن تتمۃ الفتاوی،ان ھبۃ	فتاوٰی خیریہ میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنے بالغ بیٹے کو اپنی نصف ملکیت ھبہ کی ہے تو جواب دیا کہ یہ ھبہ باطل ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اور مشتمل الاحکام میں انہوں نے تتمۃ الفتاوٰی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ

عـــہ:فی الاصل ھکذا واظنہ اسی طرف،بدر۔

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۷

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الھبہ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۱

المشاع باطلۃ وھو الصحیح انتھی [1] اھ۔	غیر منقسم حصہ کا ھبہ باطل ہے اور یہی صحیح ہے انتہی اھ (ت)

اسی لئے اگر موہوب لہ، اسی حالت سے قبضہ بھی پالے تاہم وہ اس کا مالک نہیں ہو جاتا نہ اس کے تصرفات اس میں رواہوں اور واہب کے تصرف سراسر نافذ رہتے ہیں،

کما صرح بہ فی تنویر الابصار مغنی المستفتی و الفتاوی التاجیۃ والمبتغی والجوھرۃ والبحر الرائق و نقلہ الامام الزیلعی [2] عن الامام الھمام ابی جعفر الطحاوی و الامام فخر الملۃ والدین قاضیخان و الامام ابن رستم وفی نور العین عن الوجیز نص علیہ محمد فی المبسوط وھو قول ابی یوسف ومذھب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القھستانی ھو الصحیح، وعن المضمرات ھو المختار وکذا صححہ فی العمادیۃ [3]. قال فی ردالمحتار فحیث علمت انہ ظاھر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد رحمہ اللہ تعالٰی ورووہ عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ظھر انہ الذی علیہ العمل [4] الخ وتمامہ فیہ۔	جیساکہ اس کی تصریح تنویر الابصار، مغنی المستفتی فتاوٰی تاجیہ، المبتغی، جوہرہ اور بحر الرائق میں ہے اور اس کو امام زیلعی نے امام ہمام ابو جعفر طحطاوی اور امام فخر الملۃ والدین قاضیخان اور امام ابن رستم سے نقل کیا، اور نور العین میں وجیز سے منقول ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں اس پر نص فرمائی ہے اور یہی امام ابویوسف کا قول اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی کا مذہب ہے اور قہستانی میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور مضمرات میں اس کا مختار ہونا منقول ہے اور ایسے ہی عمادیہ میں اس کی تصحیح کی ہے، ردالمحتار میں فرمایا جہاں تک میرا علم ہے یہ ظاہر الروایۃ ہے اور بیشک اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے نص فرمائی ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے اس کو روایت کیا ہے توظاہر ہوا کہ اسی پر عمل ہے الخ اس کا مکمل بیان ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الہبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الہبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵ /۹۴

[3] ردالمحتار بحوالہ نور العین کتاب الہبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

[4] ردالمحتار کتاب الہبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

بلکہ اس قدر تو بالاجماع ثابت ہے کہ اس قسم کے ھبہ میں خود واھب اور اس کے بعد ورثہ کو اختیار رجوع رہتا ہے اگرچہ موہوب لہ کا قبضہ ہوگیا ہو اگرچہ ھبہ زوجہ یا ذورحم محرم کے نام ہو باوجود یہ کہ زوجیت ورحم موانع رجوع سے ہیں،

فی الخیریۃ اجمع الکل علی ان للواھب استردادہا من الموہو لہ ولو کان ذا رحم محرم من الواھب لہ ولو کان ذارحم محرم من الواھب وکما یکون للواھب الرجوع فیہا یکون الوارثۃ بعد موتہ[1] اھ ملتقطا۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ اس پر اس کا اجماع ہے کہ واھب کو موہوب لہ، سے واپس لینے کا حق ہے اگرچہ وہ واھب کا ذی رحم محرم ہو، اور جس طرح واھب کو رجوع کا حق ہے ایسے ہی اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو حق ہے اھ ملتقطا (ت)

اور اگر صورت مستفسرہ میں شیوع نہ بھی پایا جائے (جیسا کہ محمود کا لفظ "خالصا بمن مقرر شدہ" اور لفظ "موافق حصہ ہائے مقسومہ آنہا" اس کا ایہام کرتا ہے) تاہم ھبہ محض ناتمام ہے اور رشیدہ کی ملک اس میں ہرگز ثابت نہ ہوگی کہ ان دستاویزوں کی عبارت خود صریح نص ہے کہ محمود نے رشیدہ کو جائداد پر قبضہ نہ دلایا بلکہ صراحۃً قبضہ دینے سے انکار کیا حیث قال چوں وہیوٹ ومختاری آں الی قولہ ہمیں طور از آمدنی مملوکہ اہل خانہ خود الخ" اور ھبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔

فی الدرالمختار تتم الھبۃ بالقبض الکامل[2] اھ۔	درمختار میں ہے مکمل قبضہ کے بعد ھبہ تام ہوتا ہے اھ۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر ھبہ صحیحہ میں واھب بے قبضہ دئے مرجائے تو ھبہ باطل ہوتا ہے اور فرائض اللہ پر تقسیم پاتی ہے۔

فی موانع الرجوع من شرح التنویر والمیم عـــہ موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبل بطل[3]۔	شرح تنویر الابصار میں، رجوع سے موانع، میں ذکر کیا "م" فریقین میں سے سونپ دینے کے بعد کسی کی موت ہو اور موت اس سے پہلے ہو تو پھر باطل ہے۔ (ت)

عـــہ: اشارۃ فی قول صاحب التنویر "دمع خزقہ۔ عبدالمنان۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

غرض جہاں تک نگاہ کی جائے اس عقد کے لئے کوئی وجہ صحت نہیں، نہ جائداد کا ھبہ ٹھیک آتا ہے نہ توفیر کا، نہ وصیت نہ کوئی صورت، پھر محمود کے یہ الفاظ "کہ منمقر وورا ثانم را" الخ کیا کام دے سکتے ہیں، آخر جس بنا پر اس نے یہ الفاظ لکھے تھے جب راسا وہی منعدم ہے تو یہ جو اس پر مبنی تھے خود منعدم ہوگئے، بھلا یہ عقد تو شرعا کچھ اصل ہی نہیں رکھتا خاص ھبہ صحیحہ میں شرع مطہر کا حکم ہے کہ جب تک موہوب لہ کا قبضہ نہ ہو جائے واھب کو ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے اور اس پر قبضہ دلانے کا جبر نہیں ہو سکتا،

لانہ متبرع والمتبرع لاجبر علیہ فی الدر المختار صح الرجوع فیہا بعد القبض اما قبلہ فلم تتم الھبۃ [1] اھ ای والرجوع انما یکون عن شیئ وقع وتم وقبل عـــہ التمام دفع لا رفع۔	کیونکہ وہ متبرع (بھلائی کے طور پر مفت دینے والا) ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہو سکتا۔ درمختار میں ہے ھبہ میں قبضہ دینے کے بعد رجوع صحیح ہے جبکہ قبضہ سے قبل توھبہ تام ہی نہیں ہے اھ یعنی شیئ کے وقوع اور تام ہونے کے بعد رجوع ہوتا ہے جبکہ تام ہونے سے قبل دفاع ہوتا ہے رفع نہیں ہوتا۔ (ت)

اور کوئی شخص اپنی کسی تحریر خواہ تقریر سے احکام شرع مطہر کو نہیں بدل سکتا۔ دیکھو جہاں موانع نہ ہوں تو شرع نے واجب کو بعد قبضہ بھی رجوع کا اختیار دیا اگرچہ وہ ہزار بار کہے میں نے اپنا حق رجوع ساقط کیا، مجھے رجوع کا اختیار نہ رہا اگر رجوع کروں تو نامقبول ہو کچھ مسموع نہیں۔ اور حق رجوع بدستور باقی۔

فی فتاوٰی الامام قاضیخان رجل وھب لرجل شیئا ثم قال الواھب اسقطت حقی فی الرجوع لایسقط حقہ [2] اھو مثلہ فی البزازیۃ وغیرھا۔	امام قاضی خان کے فتاوٰی میں ہے ایک شخص دوسرے کو ھبہ کرکے کہے میں نے اس سے رجوع کا ساقط کر دیا ہے تو اس کا یہ حق ساقط نہ ہوگا اھ اور اسی طرح بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور جب اس کے کہنے سے خود اُس کا حق زائل نہیں ہوتا تو ورثہ کو نزاع و دعوی سے کون مانع ہو سکتا ہے فان الرجل اقدر علی نفسہ منہ علی غیرہ کما لایخفی (کیونکہ دوسرے کی نسبت انسان کو اپنی ذات پر قدرت زیادہ ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ت)

بالجملہ صورت مستفسرہ میں خلاصہ حکم یہ ہے کہ محمود و حمیدہ کی یہ سب دستاویزیں محض لغو و مہمل و

عـــہ: لیس فی الاصل الواو قبل قبل ولابد منہ ۱۲ عبدالمنان	(اصل میں قبل سے پہلے واؤ نہیں ہے حالانکہ یہاں واؤ ضروری ہے)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبہ فصل فی الرجوع فی الھبہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۴

بیکار ہیں اور اس کاغذ کا نام شرع میں کچھ نہیں کہ جب شرعا یہ کوئی عقد ہی نہ ہوا تو اس کا نام کیا رکھا جائے اور رشیدہ اور اس کی اولاد کو ان تحریرات کی رو سے مطلق کسی طرح کا استحقاق نہ اصل جائداد میں حاصل ہوا نہ زر توفیر میں، نہ انھیں دعوی کرنا شرعا جائز بلکہ حرام و ممنوع، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۹: ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے بحالت نوکری سرکاری اپنے بیٹے بکر کے نام جو کہ اس وقت محض نابالغ تھا اپنے روپیہ سے کچھ جائداد خریدی اور کچھ جائداد اپنی بی بی منکوحہ کے نام خریدی اور اس وقت ایک بیٹی بابالغ بھی تھی اس کے نام نہیں خریدی پھر زید کے ایک اور لڑکا پیدا ہوا اس کے نام بھی کچھ جائداد خریدی مگر وہ لڑکا بحالت نابالغی ہی میں فوت ہوگیا جب اس فوت شدہ لڑکے کے نابالغ کی جائداد کے کرایہ دار کو بیدخل عدالت سے زید نے کرایا تو عدالت میں زید نے بیان کیا کہ جائداد میری ہے اور میرے روپیہ سے خریدی گئی ہے لڑکے کا نام اسم فرض تھا، جب زید نوکری سے علیحدہ ہو کر اپنے مکان پر رہا تو اس وقت زید کی دو اور لڑکیاں بھی نابالغ تھیں ان کے نام بھی جائداد نہیں خریدی اس وقت اپنے نام جائداد خریدی اور کچھ بیٹے بکر کے نام سے بھی (جو کہ اس وقت قریب بلوغ کے تھا) خریدی مگر زید کل جائداد کی آمدنی جو اپنے نام اور بکر کے نام اور بیٹے متوفی کے نام اور اپنی بی بی کے نام تھی از خود وصول کرتا تھا اور اپنے تحت اور اختیار میں رکھتا تھا کسی کو اس میں مداخلت نہ تھی اور زید کی زندگی میں بکر کو جو کہ اس وقت بالغ تھا یہ اختیار نہ تھا کہ جائداد یا جائداد کی آمدنی سے کچھ کسی صرف روٹی کپڑے سے جیسا کہ دنیا میں باپ بیٹوں کو کھلاتے ہیں کھاتے اور پہنتے گو زید نے بکر کی شادی بھی کردی تھی مگر اس حالت میں بھی بکر کو آمدنی جائداد سے کچھ سروکار نہ تھا جو جائداد بکر کے نام سے خریدی تھی اس کے نالشات کی پیروی میں بکر ہمراہ زید کے جایا کرتا تھا کہ بکر کے نام سے ہوتی تھی چنانچہ زید کی زندگی میں حالت مذکورہ بالا رہی، جب زید نے وفات پائی تو اس وقت یہ کل جائداد اور اسباب اور نقدی بکر اور والدہ بکر کے پاس رہی اور بکر تحصیل آمدنی کرنے لگا، جب والدہ بکر نے بھی انتقال کیا تو سب جائداد و جنس و نقد بکر کے ہاتھ آئی اس وقت سے آج تک بکر قابض و متصرف ہے، بکر نے اب کل جائداد کی آمدنی کی توفیر اور اس روپیہ سے جو کہ زید چھوڑ کر مرا اور جائداد اپنے نام اور اپنے دو بیٹوں کے نام خریدی، اب اگر تقسیم جائداد کی ہو اور بہنیں اپنا حصہ طلب کریں تو از روئے شرع شریف آیا کل جائداد میں سے جو کہ بکر کے نام پہلے تھی اور اب بکر نے زید کے روپیہ اور کُل جائداد کی آمدنی کی توفیر سے اپنے نام اور اپنے بیٹے کے نام سے خریدی تھی حصہ مل سکتا ہے یا صرف اُس

جائداد میں سے جو کہ زی کے نام اور زید کی بی بی کے نام اور عمرو متوفی کے نام تھی مل سکتا ہے، لہٰذا التماس ہے کہ فتوٰی بموجب حکم خدا اور رسول دیا جائے تاکہ اس پر عملدرآمد کیا جائے۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، وہ جائداد کہ زید نابالغ بیٹے بکر کے نام بدفعات اپنے روپیہ سے خریدی خاص ملک بکر کی ہے جس میں دیگر وارثان زید کا اصلاً کچھ حق نہیں، عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ میں ہے:

فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملیك الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ [1] اھ مافی العقود **اقول**:فشراء الاب باسم الولد یقع رأسا للولد لان الاب یملك ذٰلك فالولد ملك العقار ابتداءً والاب متبرع باداء الثمن حیث لم یظھر قصد الرجوع۔	ذخیرہ اور تجنیس میں ہے، عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے کوئی زمین اپنے مال سے خریدی تو یہ خریداری ماں کی اپنی ہوگی کیونکہ وہ نابالغ بیٹے کے لئے خریداری کی مالک نہیں، تو یہ زمین بیٹے کی ہوگی کیونکہ ماں نے اسے ھبہ کیا ہے عقود الدریہ کی عبارت ختم ہوئی، **اقول**: (میں کہتاہوں) تو باپ کی ایسی خریداری ابتداء سے بیٹے کے لئے ہوگی اور زمین بیٹے کی ہی ہوگی کیونکہ باپ کو نابالغ بیٹے کے لئے خریداری کا اختیار ہے اور باپ رقم کی ادائیگی میں بیٹے کے حق میں متبرع ہوگا کیونکہ اس نے رجوع کا اظہار نہیں کیا۔ (ت)

اور جائداد کا تاحیات زید قبضہ بکر میں نہ آنا کچھ مضر نہیں کہ اول تو زید کی ملک. بربنائے ھبہ نہیں بلکہ. بربنائے خرید پدر ہے **کما علمت اٰنفا** (جیسا کہ تونے ابھی جانا۔ت) اور ملک بذریعہ شراء قبضہ پر موقوف نہیں اور بالفرض ھبہ ہی ٹھہرائے تو قبضہ پدر بعینہٖ قبضہ پسر نابالغ ہے، مجمع الانہر میں ہے:

ھبۃ الاب لطفلہ تتم بالعقد لانہ فی قبض الاب فینوب عن قبض الصغیر	نابالغ بچے کے لئے باپ کا ھبہ صرف عقد سے ہی تام ہوجاتا ہے کیونکہ وہ ھبہ باپ کے قبضہ میں بیٹے کے نائب ہونے کی حیثیت سے ہے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۳۳۷

لانہ ولیہ[1]۔	کیونکہ یہ اس کا ولی ہے۔(ت)

اور آمدنی جائداد سے بکر کو سروکار نہ ہونا بھی ملک بکر کے منافی نہیں نابالغ کی خود اپنی جائداد خاص غیر عطائے پدر ہوتی ہے تو اس پر اور اس کی آمدنی پر بھی باپ ہی کا تصرف واختیار ہوتا نابالغ کو اس سے بھی کچھ سروکار نہ ہوتا اور بعد بلوغ بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جو جائدادیں لوگ اپنے بیٹوں کو لکھ دیتے اور تکمیل ھبہ کے لئے بھی قبضہ کرادیتے ہیں بلکہ درپردہ بیع صحیح شرعی وھبہ ثمن تملیک بلاعوض کی تکمیل کرتے ہیں ان پر بھی تاحیات آباء ان مالکان واقعی کا کچھ اختیار اور باپ کی دست نگری کے ساتھ روٹی کپڑے کے سوا کسی چیز سے سروکار نہیں ہوتا اور اتفاقاً جو حیات پدر میں اپنا مستقل اختیار رکھنا چاہتا ہے بدوضع وآوارہ ناسعادت مند گنا جاتا ہے، نظیر اس کی اس کا عکس ہے کہ جب بیٹے لائق وہوشیار وقابل کار ہوتے اور باپ اپنا فارغ البال رہنا چاہتے ہیں تمام املاک پدر قبضہ وتصرف ابناء میں رہتے ہیں۔مالکوں کو روٹی کپڑے کے سوا کچھ تعلق نہیں ہوتا جبکہ اس سے بیٹوں کا مالک ہونا لازم نہیں آتا اس سے باپ کا مالک ہونا ہی سمجھا جائے گا بلکہ بدرجہ اولٰی کہ بیٹوں کا قبضہ نہ ہونا تو کراہت قلبی سے بھی ہوسکتا ہے کہ دل میں قبضہ پدر سے راضی نہ ہو مگر لحاظ کے باعث مانع نہیں آتے خصوصاً نابالغ کہ اس کی رضا بھی کوئی شے نہیں بخلاف آباء کہ ان کی املاک پر تصرفات ابناء ان کی رضا ہی سے ہوتے ہیں باوجود اس کے یہ قبضہ واختیار وتصرف واقتدار دلیل ملک نہیں ہوتا،

کما فی الخیریۃ وفی القنیۃ فع(ای فتاوٰی العصر للامام علی السندی)عن(ای الامام عمر النسفی) امر اولادہ ان یقسموا ارضہ التی فی ناحیۃ کذا بینھم ففعلوا لایثبت الملك لھم،ظم(ای الامام ظھیر الدین المرغینانی)مثلہ بخ(ای الامام بکر خواھر زادہ)قال لولدہ تصرف ھذہ الارض فاخذ یتصرفھا	جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں ہے،اور قنیہ میں "فع" یعنی فتاوٰی العصر امام علی سندی عن یعنی امام عمر نسفی،باپ نے بیٹوں سے کہا کہ فلاں علاقہ میں واقع میری زمین کو آپس میں تقسیم کرلو،انہوں نے ایسا کیا تو بیٹوں کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔"ظم" یعنی امام ظہیر الدین المرغینانی،اس کی مثل "بخ" یعنی امام بکر خواہر زادہ،ایک شخص نے اپنے بیٹے سے کہا اس زمین میں تصرف کرلو،تو بیٹے نے تصرف شروع

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الھبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۷

لاتصیر ملکالہ[1]۔	کردیا اس سے بیٹے کی ملکیت نہ بنے گی۔(ت)

یوہیں زید کا جائداد عمرو پسر دوم کی نسبت اس کی مرگ کے بعد یہ ظاہر کرنا کہ جائداد میری ہے میرے روپیہ سے خریدی گئی، عمرو کا نام فرضی تھا کچھ مضرت نہیں کرتا کہ اول تو یہ صرف اس کا زبانی دعوی تھا ملک عمرو شرعاً ثابت ہوئی صرف اس کے اسم فرضی بتانے سے کیونکر زائل ہوسکتی تھی، نہ اس کے روپیہ سے خریدا جانا اس کے ملک پر دلیل تھا جبکہ صراحۃً اس نے پسر نابالغ کے نام خریدی، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[2]۔	باپ کے مال سے خریداری کرنے سے لازم نہیں کہ وہ مبیع باپ کی ملک ہو۔(ت)

اور بالفرض ہو بھی تو اس سے بکر کا نام بھی فرض ہونا لازم نہیں۔ تو بلاوجہ دلیل شرعی سے کیونکہ عدول ہوسکتا ہے، پس لاجرم یہ جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام خریدیں ہرگز محل توریث نہیں۔ اسی طرح وہ بھی جو بکر نے اپنے یا اپنے نابالغ بیٹوں کے نام مول لیں اگرچہ قیمت زر مشترک سے ادا کی ہو،

فان الشراء متی وجد نفاذا علی عاقد نفذ کما فی الھدایۃ والدر المختار[3] وغیرھا من الاسفار۔	کیونکہ خریداری جب خریدار پر نافذ ہو تو وہ نافذ ہی قرار پائے گی، جیسا کہ ہدایہ، درمختار وغیرہما کتب میں ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی[4]۔	بیٹے کے یہ کہنے سے کہ میں نے یہ گھر باپ کے مال سے خریدا ہے، باپ کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔(ت)

غایت یہ کہ اگر ثابت ہوجائے کہ زر ثمن مال مشترک سے دیا گیا تو باقی ورثاء کا اس قدر روپیہ بقدر اپنے اپنے حصص کے بکر پر قرض رہے گا جس کے مطالبہ کے وہ مستحق ہیں نہ کہ جائداد کا کوئی پارہ ان کی ملک ٹھہرے، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] القینۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الھبہ باب فی الفاظ التی ضیعقد بھا الھبۃ کلکتہ بھارت ص ۲۱۴

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[3] درمختار کتاب الوکالۃ فصل لا یعقد وکیل البیع الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

ما اشتراه احدہم لنفسه یکون له ویضمن حصة شرکائة من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك [1]۔	ان میں سے جو بھی اپنی ذات کے لئے خریدے گا وہ اسی کی ہوگی، اور اس کے شرکاء حضرات اتنے ثمن کا اس کو ضامن بنائیں بشرطیکہ اس نے مشترکہ مال سے ادائیگی کی ہو۔(ت)

پس ثابت ہوا کہ زید نے جو نقد روپیہ چھوڑا یا زید عمرو وزوجہ زید کے نام جو جائدادیں تھیں پس وہی متروکہ زید وزوجہ زید ہیں باقی جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام یا بکر نے خود اپنے نام یا اپنے بیٹوں کے نام خریدیں ملک بکر وپسران بکر ہیں جن میں باقی ورثہ زید کا کوئی حق نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۰: ۶صفر ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ جائداد موروثی اور خود خرید مقبوضہ مملوکہ اپنے کے بنظر حق تلفی دیگر ورثاء شرعی کے نصف جائداد بطریق سازاور مصلحت وقت اپنی زوجہ مدخولہ نومسلم شیعہ کے نام تاحین حیات اس کے ھبہ کردی اور اختیار انتقال اور قبضہ جائداد موہوبہ پر موہوب الیہا کونہ دیااور تحصیل وتشخیص ومصارف ضروری وغیر ضروری اپنے اختیار میں رکھی اور یہ شرط ھبہ نامہ میں لکھی کہ بالعوض حق الخدمت یہ جائداد ھبہ کی جاتی ہے تاحین حیات اپنے موہوب الیہا مالک اس جائداکی گردانی جائے اس کے بعد دختر متوفیہ کی اولاد کہ محجوب الارث ہے مالک ہوگی اور وہ شیعہ مذھب ہے، بعد تملیک ھبہ نامہ کے زید نے ایک جزء موہوبہ کا بیع کرڈالا اور بقیہ موہوبہ کو بشمول جز منجملہ نصف جائداد وغیرہ موہوبہ کے اپنی اور زوجہ مدخولہ کی طرف سے اس نواسہ شیعہ محجوب الارث کے نام بلاکسی استحقاق ھبہ مکرر کیا اور تاحین حیات اپنے خود قابض ومتصرف رہااور مرگیا،ایسی صورت میں یہ ھبہ شرعاجائز ہے یاناجائز؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دونوں ھبہ محض باطل وبے اثر ہیں اور جائداد میں اس عورت خواہ نواسے کا کوئی استحقاق بذریعہ ھبہ نہیں بلکہ تمام وکمال وہ جائداد خاص متروکہ زید قرار پاکر بحکم فرائض اس کے وارثوں پر تقسیم کی جائے گی یہاں بطلان ھبہ کے لئے اگر اور کوئی وجہ نہ ہو تو اسی قدر بس ہے کہ حیات واھب میں قبضہ نہ ملا، عالمگیریہ میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الشرکة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

لایثبت الملك للموہوب له قبل القبض [1]۔	قبضہ سے قبل موہوب لہ کی ملکیت ثابت نہ ہوگی (ت)

درمختار میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	"م"فریقین میں سے کسی ایک کی سونپ دینے کے بعد موت ہو اور سونپنے سے پہلے ہو تو ہبہ باطل ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۱: ۳ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ! بعد تسلیم نیاز کے گزارش ہے اگر زید نے عمرو کو کوئی چیز ہبہ بلا عوض کی اور اس کو دس بارہ برس کا عرصہ بھی گزر گیا وہ جب سے قابض ودخیل ہے توزید اس کو واپس کرسکتا ہے یا نہیں؟ فقط راقم خاکسار عزیز اللہ۔

الجواب:

اگر [۱]وہ شخص اس کا ذی رحم محرم نہیں یعنی نسب کے رو سے ان میں باہم وہ رشتہ نہیں جو ہمیشہ ہمیشہ حرمت نکاح کا موجب ہوتا ہے جیسے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، [۲]نہ یہ واہب وموہوب لہ وقت ہبہ باہم زوج وزوجہ تھے، [۳]نہ موہوب لہ وقت ہبہ فقیر تھا، [۴]نہ اب تک موہوب لہ اس ہبہ کے عوض میں کوئی چیز یہ جتا کر واہب کو دے چکا ہے کہ یہ تیرے ہبہ کا معاوضہ ہے، [۵]نہ اس عین شیئ موہوب میں کوئی ایسی زیادت موہوب لہ کے پاس حاصل ہوئی اور اب تک باقی ہے جس سے قیمت بڑھ جائے جیسے زمین میں عمارت یا پیڑ یا کپڑے میں رنگ یا جاندار میں فربہی یا کنیز میں حُسن یا اسے کوئی صنعت یا علم آجانا تو ان سب شرائط کے ساتھ [۶]جب تک وہ شے موہوب اس موھب لہ کی ملک میں باقی و [۷]قائم اور [۸]واہب وموہوب لہ دونوں زندہ ہیں اگرچہ ہبہ کو سوبرس گزر چکے ہوں واپس لینے کا اختیار ہے بایں معنٰی کہ یا تو موہوب لہ خود واپسی پر راضی ہوجائے یا بہ بحکم حاکم شرع واپس کرالے ورنہ آپ جبراً لے لینے کا کسی غیر حاکم شرعی کے حکم سے واپس کرانے کا اصلاً اختیار نہیں یونہی اگر ان آٹھ شرطوں میں سے کوئی بھی کم ہے تو واپسی کا مطلقاً اختیار نہ ہوگا، پھر یہاں اختیار کا صرف اتنا حاصل کہ واپسی صحیح

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ہو جائے گی لیکن گناہ ہر طرح ہوگا کہ دے کر پھیر نا شرعاً منع ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی مثال ایسی فرمائی جیسے کتا قے کرکے چاٹ لیتا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ والمسائل کلہا مبسوطۃ فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار (اللہ تعالیٰ کی پناہ، اور یہ تمام مسائل در مختار وغیرہ کتب میں بسط سے مذکور ہیں۔ت) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العائد فی ھبتہ کالقلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء [1]، رویاہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔	ہبہ دے کر رجوع کرنے والا اپنی قے میں عود کرنے والے کتے کی طرح ہے۔بُری مثال ہمارے شایان شان نہیں، دونوں نے اسے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔(ت)

سنن اربعہ میں ہے حضور اقدس سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل الذی یعطی العطیۃ ثم یرجع فیہا کمثل الکلب اکل حتی اذا شبع قاء ثم عاد فی قیئہ [2]، رواہ عن ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وصححہ الترمذی، واللہ تعالیٰ اعلم۔	اس شخص کی مثال جو عطیہ دے کر پھر اس میں رجوع کرتا ہے اس کتے کی طرح ہے جو سیر ہو کر کھاتا ہے پھر سیر ہو جانے پر قے کرتا ہے اور قے میں رجوع کرتا ہے یعنی چاٹتا ہے۔ انہوں نے اس کو ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی کراھیۃ الرجوع من الھبۃ امین کمپنی کراچی ۱/۱۵۵، صحیح البخاری کتاب الھبۃ ۱/۳۵۷ و کتاب الحیل ۲/۱۰۳۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الھبات باب تحریم الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۶

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی کراھیۃ الرجوع من الھبۃ امین کمپنی کراچی ۱/۱۵۵، صحیح البخاری کتاب الھبۃ ۱/۳۵۷ و کتاب الحیل ۲/۱۰۳۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الھبات باب تحریم الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۶

مسئلہ ۵۲: ۴ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ایک بھائی حقیقی اور تین حقیقی بھتیجوں کو ایک مکان ہبہ بلاعوض کیااور بیعنامہ رجسٹری کراکر ان کے حوالے کیا جس کو عرصہ دس بارہ برس کا گزر گیا کہ یوم ہبہ سے وہ ہر طرح اب تک اس پر قابض اور دخیل ہیں اور مرمت اور شکست وریخت وغیرہ سب انہیں کے اختیار اور ہاتھ سے ہوتے رہے اور اس درمیان تین بھتیجوں میں سے دو نے قضا کی ان کی جگہ ان کی اولاد خورد سال اور ان کی بیویاں قائم و قابض ہوئیں، اب زید ہبہ کو فسخ کیا چاہتا ہے تو اب اس کو واپس لینے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر زید نے وہ مکان تقسیم کرکے ہر موہوب لہ کو ایک محدود و معین و ممتاز ٹکڑے پر جدا جدا قبضہ کاملہ کرادیا تھا یا وہ مکان کوئی چھوٹی سی دکان یا کوٹھری تھا کہ قابلیت تقسیم نہ رکھتا تھا یا چاروں موہوب او وقت ہبہ فقیر تھے (اور فقر کے معنی بالغوں کے لئے یہ ہیں کہ مال بقدر نصاب کے خود مالک نہ ہوں اگرچہ ان کے والدین غنی یعنی مالک نصاب ہوں اور نابالغ کے فقر میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا غنی باپ زندہ موجود نہ ہو، اگر ماں غنیہ ہو کر بچہ اپنے باپ کی زندگی میں اس کے غنا سے غنی قرار پاتا ہے یہاں تک کہ اسے زکوۃ وصدقہ واجبہ دینا روا نہیں اور ماں کے غنا سے غنی نہیں ٹھہرتا) ان صورتوں میں وہ ہبہ قطعاً صحیح وتام ونافذ ولازم ہوگیا جس میں رجوع کا زید کو ہرگز اختیار نہیں کہ موہوب لہم فقیر ہیں تو ہبہ صدقہ ہے اور صدقہ میں رجوع نہیں۔ ورنہ وہ سب واہب کے ذی رحم محرم ہیں اور ایسی قرابت میں ہبہ سے رجوع ناجائز، خصوصا بھتیجوں کے حصہ میں تو رجوع سے ایک اور مانع بھی پیش آیا یعنی موہوب لہم کا مرجانا کہ جواز رجوع کے لئے زندگی عاقدین میں شرط ہے۔

فی الدر المختار تتم الھبۃ بالقبض الکامل فی محوز مقسوم ومشاع لا یبقی منتفعا بہ بعد ان یقسم کبیت وحمام صغیرین لانھا لاتتم بالقبض فیما یقسم لعدم تصور القبض الکامل فان قسمہ وسلمہ صح لزوال المانع وھب	در مختار میں ہے کامل قبضہ سے ہبہ تام ہوتا ہے اس میں جو تقسیم ہو کر محفوظ چیز اور ایسی غیر منقسم چیز جو تقسیم ہو کر محفوظ اور قابل انتفاع نہ رہے جیسے چھوٹا کمرہ اور چھوٹا حمام، کیونکہ قابل تقسیم چیز میں قبضہ تام نہیں ہوتا اس لئے کہ کامل قبضہ متصور نہیں ہوسکتا، ہاں اگر قابل تقسیم کو تقسیم کرکے سونپا تو صحیح ہے کیونکہ مانع زائل ہوگیا،

اثنان دارًا لواحد صح وبعکسہ لا لشیوع فیما یحتمل القسمۃ واذا تصدق بعشرۃ دراھم اووھبھا الفقیرین صح لان الھبۃ للفقیر صدقہ والصدقۃ یراد بھا وجہ اللہ تعالٰی وہو واحد فلا شیوع، ویمنع الرجوع فیھا موت احد المتعاقدین بعد التسلیم و القرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ نیسا لا یرجع[1] اھملتقطا وفی ردالمحتار عن التتارخانیۃ عن المضمرات لوقال وھبت منکما ھذہ الدار والموھوب لھما فقیران صحت الھبۃ بالاجماع اھ[2]۔ وفی مختصر القدوری لایصح الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض اھ[3]۔	دو حضرات نے ایک مکان ایک شخص کو ہبہ کیا تو صحیح ہے۔ اگر عکس ہو یعنی ایک نے دو کو ہبہ کیا تو صحیح نہیں کیونکہ قابل تقسیم غیر منقسم ہوا، اور اگر دس درہم صدقہ کئے یا دو فقیروں کو ہبہ کئے صحیح ہے کیونکہ فقیر کو ہبہ بھی صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالٰی کے لئے ہوتا ہے اور وہ ایک ہی ذات ہے، تو غیر منقسم ہونا نہ پایا گیا، اور فریقین سے ایک کا سونپ دینے کے بعد فوت ہوجانا اور قرابت رجوع کے لئے مانع ہے تو اگر اپنے کسی نسبی ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو رجوع نہ کرے گا اھ ملتقطا، اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے مضمرات کے حوالہ سے منقول ہے اگر کہا کہ میں تم دونوں کو یہ مکان ہبہ کرتا ہوں حالانکہ موہوب لہ دونوں فقیر ہیں تو ہبہ صحیح ہے بالاجماع اھ اور مختصر القدوری میں ہے قبضہ کے بعد صدقہ میں رجوع صحیح نہیں اھ۔ (ت)

اور اگر وہ مکان بڑا یعنی قابل تقسیم تھا اور زید نے مشاعا چاروں کو ہبہ کیا اور تقسیم کرکے خاص خاص معین حصوں پر جدا جدا قابض نہ کردیا اور موہوب لہم سب یا بعض اس وقت غنی بمعنی مذکور تھے (یعنی ان میں کوئی بذات خود مالک نصاب تھا یا ان میں کسی نابالغ کا باپ مالک نصاب زندہ موجود تھا) تو رجوع وواپسی درکنار یہ ہبہ صحیح ومعتمد وظاہر الروایۃ پر سرے سے مفید ملک واقع نہ ہوا مکان بدستور ملک زید پر باقی ہے جس میں موہوب لہم خواہ ان کے ورثہ کا کوئی حق نہیں ان پر لازم ہے کہ سارا مکان زید کو واپس دیں اور زید قطعاً اختیار رکھتا ہے کہ جس وقت چاہے بے ان کی رضامندی کے بطور خود قبضہ کرلے جس سے نہ ان کی قرابت منع کرسکے نہ بعض عاقدین کا مرجانا کہ مکان ان کی ملک میں

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹ تا ۱۶۳

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۴

[3] مختصر القدوری کتاب الھبۃ مطبع مجیدی کانپور ص ۱۵۷

ایا ہی نہ تھا جو شرائط رجوع دیکھے جائیں بلکہ بعض علماء کو ہبہ مشاع کو فاسد اور بعد قبضہ ناقصہ مفید ملک خبیث مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس کا رد واجب، اور واہب کو ہمیشہ اختیار رجوع رہتا ہے جس سے قرابت خواہ موت احد العاقدین وغیر ہما کوئی مانع اصلا منع نہیں کرسکتا۔ بہر حال اس صورت میں ان لوگوں کا قبضہ اگرچہ سالہاسال ہے محض ناجائز وبے اثر اکہ تقادم مدت سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتصح هبة المشاع الذی یحتمل القسمة کالدار و الارض ولوصدق الوارث علی صدورها من المورث ولا تفید الملك فی ظاهر الروایة قال الزیلعی ولوسلمه شائعا لایملکه حتی لاینفذ تصرفه فیه فیکون مضمونا علیه وینفذ فیه تصرف الواهب ذکره الطحاوی و قاضی خاں وروی عن ابن رستم مثله و ذکر عصام انها تفید الملك وبه اخذ بعض المشائخ انتهی، ومع فادتها للملك عند هذا البعض اجمع الکل علی ان للواهب استردادها من الموهوب له ولو کان ذارحم محرم من الواهب وکما یکون للواهب الرجوع فیها یکون لوارثه بعد موته لکونها مستحقة الرد وتضمن بعد الهلاك[1] اھ ملخصا۔	قابل تقسیم چیز کا مشاعی طور پر (غیر منقسم) ہبہ صحیح نہیں، جیسے مکان اور زمین اگرچہ موروث کے مرنے کے بعد اس کے وراث تصدیق بھی کردیں کہ موروث نے یہ ہبہ کیا تھا، اور ظاہر الروایۃ میں یہ ہبہ مفید ملک ہیں ہے، امام زیلعی نے فرمایا اگر بطور شیوع ہبہ کیا تو موہوب لہ مالک نہ ہوگا حتی کہ اس کا تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا تو وہ مضمون بنے گا جبکہ واہب تصرف کرے تو نافذ ہوگا یہ طحاوی اور قاضیخاں نے ذکر کیا ہے، ابن رستم سے یہی منقول ہے جبکہ عصام نے ذکر کیا کہ مفید ملک ہوگا، اسی کو بعض نے لیا ہے اھ، ان بعض حضرات کے مفید ملک ہونے کے باوجود سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر واہب واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے اگرچہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم ہو، اور جس طرح خود واہب رجوع کرسکتا ہے اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء بھی رجوع کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ قابل رد ہے اور ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان دیا جائے گا اھ ملخصا۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبہ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۲

قہستانی میں ہے:

وکمالا یمنع الرجوع فی الھبۃ الفاسدۃ القرابۃ فکذا غیرھا من الموانع [1] اھ. اقول:فقد ظھر الجواب اذا کانوا جمیعا اغنیاء وکذا اذا کان بعضھم غنیا و البعض فیقر لان الشیوع انما لایعمل فی الصدقۃ اذا تصدق بالکل فقیرین اوفقراء لکون المراد بالکل ح ھو وجہ الواحد الاحد الفرد جل جلالہ کما مرعن الدرالمختار [2]۔اما اذاکان بعضہ ھبۃ لغنی فلم یکن المراد بکلہ وجھہ تعالٰی فتحقق المعنی المانع عن افادۃ الملك الاتری الی ماصرح بہ فی تنویر الابصار و شرحہ الدرالمختار من ان الصدقۃ کالھبۃ بجامع التبرع وح لاتصح غیرمقبوضۃ ولا فی مشاع یقسم [3] اھ قال فی البحر فان قلت تقدم ان الصدقۃ لفقیرین جائزۃ فیما یحتمل القسمۃ بقولہ وصح تصدق عشرۃ لفقیرین قلت المراد ھھنا	جس طرح قرابت فاسدہ ہبہ کو واپس لینے میں مانع نہیں اسی طرح دیگر امور بھی مانع نہیں اھ،**اقول:** (میں کہتاہوں) تو جواب واضح ہوگیا کہ صدقہ کی صورت میں سب غنی ہوں یا بعض غنی اور بعض فقیر ہوں تو رجوع صحیح نہیں ہے کیونکہ شیوع صدقہ میں موثر نہیں اسی لئے جب کل دو ۲ یا کئی فقیروں پر صدقہ کیا تو صحیح ہے کیونکہ صدقہ واحد احد جل جلالہ کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ درمختار سے گزرا اور اگر اس کُل کا بعض حصہ کسی غنی کو ہبہ کیا تو صحیح نہیں کیونکہ اب کل اللہ وحدہ کے لئے نہ ہوا تو صحیح معتمد مذہب کے مطابق مفید ملک ہونے سے مانع پایا گیا۔آپ نے دیکھا تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار نے جو تصریح کی کہ صدقہ ہبہ کی طرح تبرع کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے تو مفید ملک نہ ہونے کی صورت میں غیر مقبوض اور قابل تقسیم مشاعی چیز کا ہبہ صحیح نہ ہوگا اھ،بحر میں فرمایا اگر اعتراض ہو کہ پہلے یہ گزرا کہ قابل تقسیم غیر منقسم چیز کا صدقہ دو ۲ فقیروں کو جائز ہے جو اس عبارت میں بیان کیا کہ دس دراہم دو ۲ فقیروں کو جائز ہے تو میں جواب دیتاہوں

[1] جامع الرموز

[2] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۶

من المشاع ان یھب بعضہ لواحد فقط فح ھو مشاع یحتمل القسمۃ بخلاف الفقیرین فانہ لا شیوع کما تقدم [1] اھ فما نحن فیہ عین عـــہ تلك الصورۃ المصرح	کہ یہاں مشاع سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز کا بعض ایک کو دیا جائے تو یہ مشاع قابل تقسیم ہے بخلاف جب دو فقیروں کو ہبہ کیا جائے تو شیوع نہ ہوگا، جیساکہ گزرا ہے اھ تو ہماری زیر بحث صورت بعینہٖ یہی ہے۔

عـــہ: ثم رأیت بحمد اللہ تعالٰی نفس الجزئیۃ فی العقود الدریۃ حیث قال وجہ صحتھا اذا کانت لفقیرین ما صرحوا بہ من ان الصدقۃ یراد بھا وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد فلا شیوع والا فقد صرحوا فی المتون ایضا بان الصدقۃ کالھبۃ لاتصح فی مشاع یقسم ای بان انہ لووھب دارہ مثلا التی تحتمل القسمۃ من غنیین لایصح للشیوع خلافا لھما لو تصدق بھا علی فقیرین یصح اتفاقا لما مر ولو وھب نصفھا لواحد وتصدق بہ علی فقیر واحد لم یصح لتحقق الشیوع [2] اھ ھکذا ھو بالواؤ فی و تصدق فی النسخۃ المطبوعۃ ببولاق مصر ۱۲۷۳ھ من الھجرۃ المطھرۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

پھر میں نے بحمد اللہ تعالٰی بعینہٖ یہ جزئیہ العقود الدریۃ میں دیکھا جہاں انہوں نے فرمایا، اس کی صحت دو فقیروں کی صورت میں ان کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ صدقہ سے اللہ تعالٰی کی رضا مطلوب ہے اور وہ ذات واحد احد ہے تو شیوع نہ ہوا، ورنہ تو خود فقہائے نے متون میں تصریح فرمائی ہے کہ صدقہ ہبہ کی طرح قابل تقسیم شیوع میں صحیح نہیں کہ ایک چیز کا بعض حصہ ایک کو صدقہ کرے، الحاصل اگر ایک مکان جو قابل تقسیم ہے دو غنی حضرات کو ہبہ کیا تو شیوع کی وجہ سے صحیح نہیں، اس میں صاحبین کا اختلاف ہے، جبکہ یہ مکان دو فقیروں کو صدقہ کیا تو بالاجماع جائز ہے جیسا کہ گزرا ہے، اور اگر اس مکان کا بعض غیر منقسم حصہ ایک فقیر کو صدقہ دیا اور بعض حصہ دوسرے ایک کو ہبہ کیا تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ شیوع پایا گیا، (بولاق مصر کے مطبوعہ ۱۲۷۳ھ کے نسخے میں "وتصدق" ہے، تصدق سے قبل واؤ ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] بحر الرائق کتاب الھبۃ فصل بمنزلہ مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۹۷

[2] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۹۷

ببطلانها اعنی التصدق بالبعض وابقاء البعض علی ملك نفسه فان الهبة فی حصة الاغنياء لما لم تفد شيئا للشيوع بقيت تلك الحصة علی ملك الواهب فلم يكن الا تصدقا بالبعض وابقاء للبعض الباقی فلم يصح ای لم يفد ملكا للفقير ايضا وبه تبين ان ليس هذا رجوعا فی الصدقة حتی لاتجوز بعد القبض فان الرجوع انما هو بعد ثبوت الملك للفقير وههنا لاملك فلا رجوع فلا منع هكذا ينبغی التحقيق اذا ساعد التوفيق۔ والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	جس کے بطلان کی تصریح ہے یعنی ایک چیز کے بعض کو صدقہ کرنا اور بعض کو اپنی ذاتی ملک میں رکھنا کیونکہ اغنیاء کے حصے کا ہبہ جب شیوع کی وجہ سے مفید ملک نہ ہوا تو وہ حصہ واہب کی اپنی ملک میں رہا تو یہ صرف بعض کا صدقہ اور بعض کا اپنی ملک میں باقی رکھنا ہوا تو صحیح نہ ہوگا، یعنی فقیر کی ملکیت کے لئے بھی مفید نہ ہوا تو واضح ہوگیا کہ مذکورہ صورت میں صدقہ میں رجوع نہ بنا حتی کہ بعد قبضہ بھی ناجائز ہے، اور رجوع تب ہوتا کہ فقیر کی ملکیت پہلے ثابت ہوتی جبکہ یہاں فقیر کی ملکیت ثابت نہ ہوئی، تو ملک نہیں ہوئی تو رجوع بھی نہ ہوا تو ممنوع صورت نہ ہوئی، جب توفیق ساتھ دے تو تحقیق یوں چاہئے، والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم (ت)

مسئلہ ۵۳: ۲۵رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان خرید کر اپنی دختر دہندہ عاقلہ بالغہ کو ہبہ کامل مع قبضہ کردیا، زید خود دوسرے مکان میں رہتا تھا اس مکان موہوب میں ہندہ ہبہ سالہاسال سے رہا کی اور اور رہتی ہے مگر زید نے اس ہبہ کی کوئی دستاویز نہ لکھی، ہاں کل عزیز اور چند ورثاء اور تمام اہل محلّہ اس ہبہ سے اگاہ ہیں اور گواہی دینے کو موجود ہیں اس صورت میں وہ ہبہ تمام وکامل ہوگیا یا نہیں اور مکان ہندہ دختر زید ہے یا ملک زید قرار پاکر اس کے ترکہ میں تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ مکان خالص ملک ہندہ دختر زید ہے جس میں زید کا اصلا کوئی استحقاق نہیں۔ نہ وہ زید کا ترکہ قرار پاسکے کہ شریعت مطہرہ میں ہبہ وغیرہ تمام عقود صرف زبان سے ہیں تحریر کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کے بغیر کسی عقد کو ناتمام وغیر مکمل تصور کیا جائے

فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

اما اشترط کونہ یکتب فی حجۃ ویقید فی سجلات فلیس بلازم شرعا ومخالف للموضوع الشرعی فان اللفظ بانفرادہ کاف فی صحۃ ذٰلک شرعا والزیادۃ لا یحتاج الیہا [1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	لیکن شرط لگانا کہ اشٹام لکھا جائے اور رجسٹروں میں درج کیا تو شرعا یہ ضروری نہیں، اور شرعی وضع کے خلاف ہے کیونکہ اکیلا لفظ ہی اس کی صحت کے لئے کافی ہے اور زیادہ کی ضرورت نہیں اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۴: شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے ایک اراضی اپنے بیٹے کے نام خریدی، بعد ایک مدت کے وہ زمین ایک طبیب کو ہبہ کی پسر زید اصل مالک زمین نے کہ عاقل بالغ تھا اس فعل کو جائز رکھا اور کہا مجھے منظور ہے چنانچہ وہ طبیب ایک مدت تک برضائے واہب ومالک اس زمین پر قابض ودخیل رہا، اب بعد انتقال زید وپسر زید نبیرہ زید اس زمین کو واپس لینا چاہتا ہے، آیا وہ اسے واپس لے سکتا ہے؟ اور اس واپس لینے کا اسے شرعا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگرچہ زید کا ہبہ ہبہ فضولی تھا مگر جب اصل مالک نے اس کی اجازت دی اور موہوب لہ نے برضائے مالک قبضہ پالیا تو وہ زمین اس طبیب کی ملک تام ہوگئی اب کہ مالک نے انتقال کیا اصلا حق رجوع کسی کو نہ رہا نبیرہ زید کا ارادہ واپسی محض مہمل ہے اسے خواہ کسی کو اس زمین کو واپس لینے کا اصلا اختیار نہیں۔ درمختار میں ہے:

باب موانع الرجوع یجمعہا حروف دمع خزقۃ والمیم موت احد المتعاقدین اھ [2] ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رجوع سے موانع کو یہ حروف جامع ہیں دمع خزقہ، اور "م" سے مراد عاقدین میں سے ایک کی موت ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارلمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۶

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

مسئلہ ۵۵: ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد انتقال مورث اعلیٰ کے ترکہ مشترکہ سے جزو عمرو کو زبانی دیا یا بخشا یا کل حصہ خالد اور ولید کو بذریعہ تحریر ہبہ کیا اور جز و یا کل غیر منقسم پر قبضہ دیا، بعد اس کے دیگر شرکاء اور زید میں بابت ترکہ مشترکہ غیر منقسم مورث اعلیٰ کے نزاع ہو کر تقسیم جائداد ہوئی، زید مذکور نے از روئے تقسیم اپنا وہ حصہ کہ جس کا جزو یا کل ہبہ کر چکا تھا پایا اس کُل کو بیع کر دیا صورت مذکورہ بالا میں دہندگی اور بخشندگی اور ہبہ زبانی و تحریری جائز اور قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ بیان کرو تم اجر پاؤ تم۔

الجواب:

شے مشترکہ صالح تقسیم کا ہبہ قبل تقسیم ہر گز صحیح نہیں اور اگر یوں ہی مشاعاً یعنی بے تقسیم موہوب لہ کو قبضہ بھی دے دیا جائے تاہم وہ شیئ بدستور ملک واہب پر رہتی ہے موہوب لہ کا اصلاً کوئی استحقاق اس میں ثابت نہیں ہوتا، نہ وہ ہر گز بذریعہ ہبہ اس کا مالک ہو سکے جب تک واہب تقسیم کرکے خاص جزء موہوب معین محدود و ممتاز جداگانہ پر قبضہ کاملہ نہ دے، یہاں تک کہ ایسے قبضہ ناقصہ کے بعد بھی اگر موہوب لہ اس شیئ میں بیع وغیرہ کوئی تصرف کرے محض باطل و ناقابل نفاذ ہے اور واہب کے سب تصرفات جیسے قبل ہبہ نافذ تھے اب بھی بدستور تام و نافذ ہیں۔ یہی حق و صحیح معتمد ہے اور اسی پر تعویل و اعتماد لازم، پھر یہ شیوع چاہے یوں ہو کہ سرے سے خود واہب کی جائداد میں ایک حصہ غیر منقسم کا مالک ہے یہی حصہ کل یا بعض قبل تقسیم ہبہ کیا یا یہ تو اس کل چیز کا مالک تھا مگر ہبہ اس میں سے ایک جزو غیر منقسم کا کیا یا ہبہ بھی کل کا کیا مگر دو شخصوں کو دیا اور ہر موہوب لہ کا حصہ جدا و ممتاز کرکے قبضہ نہ دلایا، تینوں صورتوں کا وہی حکم ہے کہ ہبہ محض ناتمام اور ایسے قبضہ کے بعد بھی موہوب لہ کو اصلاً ملک حاصل نہیں، تنویر الابصار میں ہے:

تتم الهبة بالقبض فی محوز مقسوم و مشاع لایقسم لافیما یقسم ولو لشریکه فان قسمه وسلمه صح ولو سلمه شائعا لایملکه فلا ینفذ تصرفه فیه[1] اھ ملتقطا۔	مقسوم محفوظ اور ناقابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ قبضہ سے تام ہوتا ہے جبکہ مشاع قابل تقسیم ہو تو اگرچہ شریک کو ہی ہبہ کیا وہ صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر تقسیم کر دیا اور قبضہ دے دیا تو صحیح ہوگا، اور مشاع کو ہی سونپ دیا تو موہوب لہ مالک نہ ہوگا لہٰذا اس کا تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا اھ ملتقطا (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

اسی میں ہے:

وھب اثنان دارالواحد صح وبعکسہ لا۔[1]	اگر دو حضرات نے ایک مکان ایک ہی شخص کو ہبہ کیا صحیح ہے اگر عکس کیا تو صحیح نہ ہوگا۔(ت)

[۲]فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قال فی [۳]مشتمل الاحکام نقلا عن [۴]تتمۃ الفتاوی ان ہبۃ المشاع باطلۃ وھو الصحیح[2]۔	مشتمل الاحکام میں تتمۃ الفتاوی سے منقول ہے کہ مشاع چیز کا ہبہ باطل ہے، یہی صحیح ہے۔(ت)

[۵]ردالمحتار میں ہے:

ولو سلمہ شائعا قال فی الفتاوی الخیریۃ لا تفید الملك فی ظاھر الروایۃ قال [۶]الزیلعی ولو سلمہ شائعا لا یملکہ حتی لاینفذ تصرف فیہ فیکون مضمونا علیہ و ینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ [۷]الطحاوی و [۸]قاضیخان و روی عن ابن [۹]رستم مثلہ وافتی بہ فی [۱۰]الحامدیۃ و [۱۱]التاجیۃ وبہ جزم فی [۱۲]الجوھرۃ والبحر و [۱۳]نقل عن [۱۴]المتبغی انہ لو باعہ الموھوب لہ یصح وفی [۱۵]نور العین عن [۱۶]الوجیز الھبۃ الفاسدۃ مضمونۃ بالقبض و لا یثبت الملك فیھا الاعند اداء العوض، نص علیہ محمد فی [۱۷]المبسوط	اگر مشاع کا قبضہ دیا خیریہ میں فرمایا کہ وہ ظاہر الروایۃ میں مفید ملک نہ ہوگا، امام زیلعی نے فرمایا، اگر مشاع پر قبضہ دیا تو موہوب لہ مالک نہ بنے گا، لہٰذا اس کا تصرف بھی صحیح نہ ہوگا اگر کیا تو ضمان دے گا، اس میں واہب کا تصرف نافذ رہے گا، یہ طحاوی اور قاضیخان نے ذکر کیا ہے اور ابن قاسم سے ایسی ہی روایت ہے اور اسی پر حامدیہ اور تاجیہ میں فتوٰی دیا ہے اور اسی پر جوہرہ اور بحر میں جزم فرمایا ہے، اور المتبغی سے منقول ہے کہ اگر موہوب لہ نے اس کو فروخت کیا تو جائز نہ ہوگا اور نور العین میں وجیز سے منقول ہے کہ فاسد ہبہ پر قبضہ باعث ضمان ہوگا اس پر موہوب لہ کی ملکیت عوض ادا کئے بغیر ثابت نہ ہوگی اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں نص فرمائی ہے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۱۳

وھو قال [۸] ابی یوسف وذکر قبلہ ہبۃ المشاع فیما یقسم لا تفید الملك عند [۹] ابی حنیفۃ و [۱۰] فی القھستانی ھو المختار کما فی [۱۱] المضمرات وہو الصحیح فحیث علمت انہ ظاہر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد و رووہ عن ابی حنیفۃ ظھر انہ الذی علیہ العمل ونص فی الاصل انہ لووہب نصف دارہ عن اٰخروسلمھا الیہ فباعھا الموھوب لہ لم یجز دل انہ لایملك حیث ابطل البیع بعد القبض ونص فی الفتاوٰی انہ ھو المختار [1] اھ ملخصا۔	اور یہی امام ابویوسف کا قول ہے، اس سے قبل ذکر فرمایا کہ مشاع جو قابل تقسیم ہو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک وہ مفید ملک نہ ہوگا اور قہستانی میں فرمایا یہی مختار ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہی صحیح ہے اور میرے علم کے مطابق یہ ظاہر الروایۃ ہے اور اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی نص ہے اسی کو انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، تو واضح ہوا کہ اسی پر عمل ہے، اور مبسوط میں نص فرمائی ہے کہ اگر کسی کو نصف مکان ہبہ کیا اور سونپ دیا اور موہوب لہ نے اسے فروخت کردیا تو یہ کارروائی جائز ہوگی یہ کلام دال ہے کہ موہوب لہ اس کا مالک نہ ہوا کیونکہ انہوں نے قبضہ کے باوجود بیع کو باطل کہا ہے، اور فتاوٰی میں منصوص ہے کہ یہی مختار ہے اھ ملخصا۔ (ت)

صورت مستفسرہ میں زید نے جو اپنے حصہ کا ایک جز عمرو کو دیا یا خالد و ولید کو کل حصہ ہبہ کیا دونوں حالتوں میں یہ نہ صرف ایک وجہ سے مشاع بلکہ ہر طرح مشاع در مشاع تھا عمرو کو دینے میں یوں کہ اصل حصہ زید ہی ہنوز مشاع تھا پھر اس مشاع میں کا ایک جز غیر منقسم عمرو کو بخشا اور خالد و ولید کے نام ہبہ میں یوں کہ ایک تو اصل حصہ مشاع دوسرے دو شخصوں کو بے تقسیم دینا، پس بہرحال حکم یہی ہے کہ یہ سب ہبہ تحریری ہوں خواہ زبانی محض باطل و بے اثر ہوئے اور عمرو و خالد و ولید کو کوئی استحقاق اس موہوب میں نہ ملا اور بیع کہ زید نے کی بے تامل صحیح و نافذ و تام و کامل ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی نصف جائداد کا اپنے پسر متوفی کی زوجہ کو اپنی حیات و صحت میں مالک کردیا اور وہ جائداد جب ہی منقسم ہوگئی کہ بہو نے حیات زید میں اس پر قبضہ کاملہ پالیا اور بعد زید بھی بدستور پچاس برس بلکہ زائد تک اس پر قابض رہی اب عورت

---
[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

نے اپنا بھائی چھوڑ کر انتقال کیا زید کے دوسرے پسر کی اولاد اس جائداد میں دعوی کرتے ہیں اس صورت میں دعوی ان کا قابل سماعت ہے یا وہ صرف حق وارثان عورت ہے اور اولاد پسر زید کا اس میں کچھ حق نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ نصف جائداد کہ زید نے اپنی بہو کو دی اس کی مالک مستقل بہو ہوگئی وارثان زید کا اس میں کچھ حق نہ رہا، نہ ان کا دعوی مسموع ہوسکتا ہے، وہ صرف حق وارثان عورت ہے

فان التملیك ان کان بیعا فظاہر وان کان ہبۃ فقد تمت بالتقسیم والقبض و لزمت بالموت۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ تملیک بطور بیع ہو تو ظاہر ہے اور اگر بطور ہبہ ہو تو تقسیم اور قبضہ دینے سے تام ہوگیا اور موت سے لازم ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۷: ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ چودہ برس کا ہوا مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا، اور بعد اپنے دو بیٹے نام کلاں کا زید اور نام ثانی بکر تھا، اور بکر کا خالد نام ایک لڑکا بعمر دس سال تھا چھوڑا، جائداد متروکہ ہندہ میں بموجب ادخال فوتی نامہ پٹواری دیہہ محکمہ نظامت میں بجائے ہندہ زید پسر اور بجائے بکر خالد پوتا کا نام درج ہولیا بکر نے بخیال مصلحت خاص بغرض حفظ جائداد کہ وہ مقروض تھا اور اپنا نام لکھوانے میں خوف تلف ہونے اس جائداد کا تھا اس وقت سکوت اختیار کیا اور کوئی لفظ تملیک نہ کہا اور نہ تملیک منظور تھی نہ کوئی تحریر مثل ہبہ نامہ یا بیعنامہ (مثل دیگر جائداد کہ اپنے روپے سے خالد کو اور اس کی ماں کو بذریعہ خرید وہبہ کے لکھ چکا) اس حقیت کی کی، اور نہ اس وقت تک باجود بالغ ہونے کے خالد کو اس جائداد پر قبضہ دیا بخلاف دیگر جائداد کے جو دینا منظور تھی اس پر قابض ودخیل کردیا اور اس حقیت میں بطور فرضی نام درج رہا بکر کارکن اور قابض متصرف مالکانہ اس حقیت کا اس وقت تک ہے، اب خالد یعنی پسر بکر اس پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے اور بکر چاہتا ہے کہ نام خالد کا محکمہ موصوف سے خارج ہوکر ترکہ مادری پر میرا نام درج ہو، لہذا بموجب شرع شریف بکر مستحق درج کرانے نام اپنے کا ہے یا نہیں اور بموجودگی پسر کے پوتا کو ترکہ دادی پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

محکمہ مال میں نام خالد کا اندراج جس کی بنا تحریر پٹواری پر تھی کوئی چیز نہیں کہ پٹواری خواہ

حکام مال ایک کے مال کا مالک دوسرے کو نہیں کرسکتے جبکہ جائداد ترکہ ہندہ والدہ بکر تھی بلاشبہہ زید وبکر بحکم وراثت اس کے مالک ہوئے اور خالد کو کوئی استحقاق ابتدائی نہ ملا کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کا کچھ حق نہیں، اب جو حصہ ملک بکر ہوا دوسرا بے اس کے تملیک کے کیونکر اس کا مالک ہوسکتا ہے،

فی ردالمحتار عن الکرمانی لان ملك الانسان لا ینقل الی الغیر بدون تملیکه [1]۔	ردالمحتار میں کرمانی سے منقول ہے کہ تملیک کئے بغیر کسی کی ملکیت دوسرے کو منتقل نہ ہوگی۔(ت)

اور تملیک کی یہاں دو ہی صورتیں متصور، یا تو مالک آپ انشاء وایجاب ہبہ کرے یا دوسرا شخص یعنی فضولی اس کی چیز کو ہبہ کرے اور یہ اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردے یہاں تک کہ جو کچھ بکر سے صادر ہوا وہ محض سکوت ہے، اور پر ظاہر کہ سکوت خود تو کسی عقد کا ایجاب ہو نہیں سکتا کہ ایجاب کلام اول ہے اور سکوت ترک کلام، اور یہاں اسے اجازت قرار دینے کی بھی کوئی سبیل نہیں کہ اجازت کے لئے کوئی عقد فضولی ہونا تو درکار ہے جسے جائز کیا جائے اور بداہۃً واضح کہ صیغہ مال والوں کا خانہ ملکیت میں کسی کا نام لکھنا کوئی انشائے ہبہ نہیں ہوتا وہ تو صرف ایک یادداشت مالکیت ثابتہ ہے، نہ احداث ملک جدید، تو یہاں سرے سے کوئی عقد فضولی پایا ہی نہ گیا کہ سکوت بکر کو اس کی اجازت قرار دیں قطع نظر اس سے کہ مجرد سکوت مطلقاً دلیل اجازت ہو بھی سکتا ہے یا نہیں خصوصاً وہ بھی ایسا کہ محض ایک مصلحت کی بنا پر ہو، پس ثابت ہوا کہ یہاں اصلا کوئی صورت تملیک متحقق نہ ہوئی اور حقیت بدستور بکر ہے، خالد کا دعوی اصلا قابل سماعت نہیں۔ پھر اس تقریر کی حاجت بھی اس حالت میں ہے کہ وفات ہندہ کے بعد زید وبکر کا حصہ جداجدا منقسم ہوگیا ہو اس کے بعد بجائے بکر حصہ بکر میں نام خالد مندرج ہوا اور اگر قبل از تقسیم یونہی جائداد متروکہ غیر منقسمہ میں اندراج نام خالد ہوا (جیسا کہ ظاہر یہی ہے کہ فوتی نامہ بعد فوت معًا داخل ہوتا ہے نہ جب جائداد کا ورثہ میں بٹے بانٹ ہوجائے) جب تو خالد کے لئے ملک ثابت نہ ہونا کسی بیان کا محتاج ہی نہیں اگرچہ نہ پٹواری بلکہ خود بکر نے نہ بلحاظ مصلحت بلکہ خاص بقید تملیک ہی خالد کا نام درج کرایا ہو کہ اس حالت میں یہ اگر ہوگا تو غایت درجہ ہبہ مشاع ہوگا اور ہبہ مشاع اصلا مفید ملک نہیں اگرچہ اپنے بیٹے کے لئے ہو جب تک واہب تقسیم کرکے موہوب لہ کو قبضہ کاملہ نہ دے یہاں کہ اب تک قبضہ نہ ہوا ملک خالد کے کوئی معنی نہیں۔ فتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

المشاع فیما یحتمل القسمة وھو ما یجبر القاضی فیه الابی عن القسمة عند طلب الشریك لها لا تفید الملك الموھوب له فی المختار مطلقا شریکا کان او غیرہ ابنا اوغیرہ[1] الخ۔	قابل تقسیم مشاع یعنی قاضی شریک کے مطالبہ پر اس منکر کو تقسیم پر مجبور کرے تو مختار قول میں ایسا مشاع موہوب لہ کی ملک نہ بنے گا، یہ حکم عام ہے شریک ہو یا غیر ہو، بیٹا ہو یا غیر ہو، الخ۔ (ت)

مجموعہ علامہ انقروی میں ہے:

فی المنتقی وھب نصف بیته لابنه الصغیر لم یجز مالم یقسمه ویبین ماوھب له من فتاوی التمرتاشی فی اٰخر کتاب الھبة[2] اھ. واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم	منتقی میں ہے اگر کسی نے اپنے نابالغ بیٹے کو نصف مکان ہبہ کیا تو تقسیم کرکے دیئے اور واضح کئے بغیر صحیح نہ ہوگا، یہ فتاوٰی تمرتاشی کی کتاب الھبہ کے آخر سے منقول ہے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۷: ۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے حالت مرض الموت میں اپنی جائداد یعنی ایک دکان اور ایک مکان اپنے پسر عمرو کو اور اس کی زوجہ کو نصف نصف ہبہ بلا تقسیم کردی اس وجہ سے کہ زوجین میں نااتفاقی رہتی تھی بعد کو عمرو مذکور تابمرگ پورا کرایہ دکان مذکور کا لیتا رہا اور تقسیم پر راضی نہ رہا اور اب عمرو نے وفات پائی ایک زوجہ اور ایک ہمشیر زادہ وارث چھوڑے اب ترکہ عمرو کا کیونکر تقسیم ہوگا یعنی دکان اور مکان پورا پورا عمرو کا سمجھا جائے گا یا نصف نصف؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ زید نے مکان ودکان دو شخصوں کو نصف نصف ہبہ کئے اور تقسیم کرکے ہر ایک کو جدا جدا قبضہ نہ دلایا یہاں تک کہ مر گیا، تو مکان کا ہبہ تو یقینا باطل ہوا، یونہی دکان کا بھی، اگر وہ بعد تقسیم قابل انتفاع ہو یعنی اتنی گنجائش رکھتی ہو کہ اس کے دو حصے جدا کردئے جائیں تو ہر حصہ

---

[1] العقود الدریة کتاب الھبہ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۹۱

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبہ دار الاشاعت العربیہ قندہار ارگ بازار افغانستان ۲/ ۲۸۴

تنہا بکار آمد رہے اس صورت میں وہ مکان ودکان ترکہ زید رہے اور بعد زید اگر اس کا کوئی وارث سوا عمرو کے نہ تھا تو بشرط تقدیم دین ووصیت وہ دونوں صرف عمرو کے ملک ہوئے زوجہ عمرو کا ان میں کچھ حق نہ تھا اب کہ عمرو مرا اگر اس کے وارث سے یہی دو شخص ہیں تو بعد ادائے مہر ودیگر دیون وانفاذ وصایا چار حصے کرکے ایک سہم زوجہ عمرو اور تین سہم ہمشیر زادہ عمرو کو دیں، اور اگر دکان ایسی کوتاہ وتنگ ہے کہ تقسیم کے بعد ہر حصہ جدا قابل انتفاع نہ رہے تو مکان کا ہبہ تو باطل تھا اس کی حالت تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی مگر دکان کا ہبہ ناجائز نہ ہوا، اب دیکھا جائے گا کہ زید نے اپنی حیات میں زوجہ عمرو کو اس دکان پر قبضہ کرادیا تھا یا نہیں، اگر نہیں تو ہبہ پھر باطل ہوگیا۔

کما فی الدر المختار ان موت احد المتعاقدین قبل التسلیمات مبطل الھبة[1] ملخصا۔	جیسا کہ درمختار میں ہے کہ فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ سے پہلے ہو تو وہ ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔(ملخصا)(ت)

اور اگر قبضہ کرادیا تھا تو اس نصف دکان کو اندازہ کیا جائے زید کا جس قدر ترکہ بعد ادائے دیون باقی رہا یہ نصف اس کل ترکہ کے ثلث سے زائد تو نہیں۔ اگر زائد نہیں تو ہبہ نصف بنام زوجہ عمرو صحیح وتام ولازم ہوگیا۔ یہ نصف دکان خاص ملک زوجہ ہے اور نصف باقی ومکان ودیگر متروکات کا وہی حال ہے جو اوپر گزرا، اور اگر ثلث سے زائد ہے تو ازانجا کہ عمرو اس تقسیم پر راضی نہ تھا ثلث سے زائد کی مقدار میں ہبہ رد ہوگیا۔

فان الھبة فی مرض الموت فی حکم الوصیة من جھة التوقف علی اجازة الوارث فیما زاد علی الثلث وان لم تکن وصیة فی الحقیقة حتی بطلت فی المشاع وعند عدم القبض کما بینه فی ردالمحتار[2]۔	کیونکہ مرض الموت میں تہائی ترکہ سے زائد ہبہ کیا تو وہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہونے میں وصیت کے حکم میں ہے اگرچہ حقیقۃً وصیت نہ بھی ہو حتی کہ وہ مشاع ہونے اور قبضہ نہ ہونے پر باطل ہوجاتا ہے جیسا کہ اس کو ردالمحتار میں بیان فرمایا ہے۔(ت)

اس تقدیر پر صرف بقدر ثلث متروکہ کے جتنا حصہ اس نصف دکان کا ہو وہی ملک زوجہ

---

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

از روئے ہبہ ہے باقی دکان ومکان وغیرہا بدستور سابق تقسیم ہوں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۹: از بنارس محلّہ کندیگر ٹولہ شفاخانہ مسجد بی بی راجی مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاب ونیز از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب ۱۴رجب المرجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہے علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاہم اللہ تعالٰی الی یوم الدین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین بیٹے تھے، عمرو، بکر، خالد، زید نے عمرو کے نام سے ایک مکان خرید کیا اور قبالہ وغیرہ امور متعلقہ بیع بھی سب اسی کے نام سے کئے، بعد اس کے عمرو اپنے باپ زید اور برادران خالد وبکر کی حیات میں قضا کر گیا تو اب عمرو کے بال بچے اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر عمرو اس وقت نابالغ تھا تو ہر طرح وہ مکان ملک عمرو ہوگیا، عمرو کے ورثہ پر حسب فرائض شرعیہ منقسم ہوگا،

فانہ ان وجدت اضافۃ العقد الی عمرو وقع الشراء لہ والاب یملکہ فملکہ عمرو ابتداء والا وقع الشراء لزید ثم جعلہ باسم عمرو صار ہبۃ منہ بحکم العرف واستغنت عن القبض لان ہبۃ الاب لولدہ الصغیر تتم بمجرد الایجاب وفی الھندیۃ عن القنیۃ اشتری ثوبا فقطعہ لولدہ الصغیر صار واہبا بالقطع مسلما الیہ قبل الخیاطۃ ولو قال اشتریت ھذا لہ صار ملکا لہ [1] اھ ملخصا، وفی	کیونکہ اگر مکان کی خریداری عمرو کی طرف منسوب کی گئی تھی تو عمرو کے لئے وہی ہوئی جبکہ باپ اس کارروائی کا مختار ہے، تو اس مکان کا عمرو ابتداء مالک بنا ورنہ خریداری باپ زید کی ہوئی پھر اس نے عمرو بیٹے کے نام کی تو یہ باپ کی طرف سے عرف کے لحاظ سے ہبہ ہوا اور اس ہبہ میں قبضہ دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ نابالغ بیٹے کو ہبہ کردینے سے ہی تام ہوجاتا ہے، ہندیہ میں قنیہ سے مروی ہے کسی نے کپڑا خرید کر نابالغ بیٹے کے لئے اسے کاٹ دیا تو وہ واہب بن گیا اور بیٹے کو سونپا گیا اگرچہ ابھی سلایا نہ ہو، اور اگر باپ کہہ دے کہ میں نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے خریدا ہے تو بیٹا مالک ہوگیا اھ ملخصا۔ اور علامہ استروشنی

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الھبہ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲

احکام الصغار للعلامۃ الاستروشنی عن الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملك الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لانھا تصیر واہبۃ والام تملك ذٰلك ویقع قبضھا عنہ[1]۔	کے احکام الصغار میں ذخیرہ اور تجنیس سے منقول ہے عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے زمین خریدی تو یہ خریداری اس عورت کی اپنی ذات کے لئے ہوگی اور زمین بیٹے کی ملک ہوگی کیونکہ اس نے بیٹے کو ہبہ کردی جبکہ ماں کو یہ اختیار حاصل ہے توماں کا قبضہ بیٹے کے لئے ہوگا(ت)

اور اگر بالغ تھا تو زید مشتری اور بائع مکان کے باہم عقد بیع وشراء میں جو لفظ زبان پر آئے ان پر نظر کی جائے گی اگر ان میں عمرو کی طرف اضافت عقد تھی مثلاً بائع نے کہا یہ مکان میں نے تیرے بیٹے عمرو کے ہاتھ بیچا زید نے کہا میں نے اس کے لئے خریدا یا اس کے جواب میں اتنا ہی کہا کہ میں نے خریدا یا زید نے کہا یہ مکان میں نے اپنے بیٹے عمرو کے لئے خرید کیا، بائع نے کہا میں نے عمرو کے ہاتھ بیچا، یا اسی قدر کہا کہ میں نے بیچا،

فان الاضافۃ فی احد الکلامین کافیۃ اذا لم یوجد فی الاخر خلافھا کما صححہ فی وجیز الکردری وحققناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار خلافالما فھم العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی وصورۃ الخلاف ان تقع الاضافۃ فی احد الشطرین الی احد وفی الاخر کان قال اشتریت لفلان فقال بعت منك حیث یبطل العقد فی الاصح لانہ خاطب المشتری فردہ لغیرہ فلایکون جوابا فمابقی الابشرط واحد افادہ فی فروق الکرابیسی	عقد کرنے والے فریقین میں سے ایک کے کلام میں اضافت ہو توکافی ہے بشرطیکہ دوسرے کاکلام اس کے منافی نہ ہو جیسا کہ وجیز کردری میں اس کی تصحیح ہے اور ہم نے اس کی تحقیق ردالمحتار کے حاشیہ میں کی ہے جبکہ علامہ شامی کا فہم اس کے خلاف ہے حالانکہ خلاف کی صورت یہ ہے کہ ایجاب قبول میں سے ایک میں اضافت ایک کی طرف ہو اور دوسرے میں دوسرے شخص کی طرف اضافت ہو مثلاً خریدار کہے میں نے یہ چیز فلاں کے لئے خریدی تو اس کے جواب میں بائع یوں کہے یہ چیز میں نے تجھے فروخت کی، تو صحیح ترین قول میں یہ عقد باطل ہے کیونکہ بائع نے مشتری کو خطاب کرکے عقد دوسرے کی طرف پھیر دیا

[1] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۷

کمانقله عنها فی البحر[1]۔	تو مشتری کے ایجاب کے مطابق جواب نہ ہوا تو یہ عقد صرف ایک طرف ہوا، اس کا افادہ الکرابیسی کے فروق میں ہے۔ جیسا کہ اس کو وہاں سے بحر میں نقل کیا۔ (ت)

تو اس صورت میں یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازت عمرو پر موقوف رہا، اگر اس نے اجازت دی مکان ابتداء ملک عمرو ہوا اور اسی کے ورثہ پر تقسیم ہوگا اور اگر پیش از اجازت مرگیا بیع باطل ہو کر مکان ملک بائع پر رہا۔

فی الدر المختار لو اشتری لغیرہ نفذ علیه اذا لم یضفه الی غیرہ فلو اضافه توقف بزازیه وغیرها[2] اھ مختصرا وفی البزازیة الصحیح وانه اذا اضیف العقد فی احد الکلامین الی فلان یتوقف علی اجازته[3] اھ وفی الدر لاتجوز اجازة وارثه لبطلانه بموته[4] اھ۔	درمختار میں ہے اگر کسی نے غیر کے لئے خریدا تو خریدار پر نافذ ہوگی بشرطیکہ اس کو غیر کی طرف منسوب نہ کیا اگر خرید کو غیر کی طرف منسوب کرتے ہوئے عقد کیا تو اس غیر کی اجازت پر عقد موقوف ہوگا، بزازیہ اھ مختصرا، اور بزازیہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب فریقین میں سے کسی ایک کے کلام میں غیر کی طرف اضافت ہو گئی تو اس غیر کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور درمختار میں ہے یہ موقوف عقد اس غیر کی موت کے بعد اس کے وراث کی اجازت سے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کی موت سے یہ اختیار ختم ہوگیا اھ۔ (ت)

اور اگر لفظوں میں عمرو کی طرف اضافت نہ تھی اگرچہ قبالہ میں عمرو ہی کے ہاتھ بیچنا لکھا ہو

(فان العبرة بما تلفظ به لا بما کتباہ) کما نص علیه فی الخیریة[5]۔	فریقین نے جو تلفظ کیا اس کا اعتبار ہوگا ان کے لکھے کا اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ اس پر خیریہ میں نص کی ہے۔ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۴۹، ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۳۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[3] فتاوٰی بزازیة علی ہامش الفتاوٰی الهندیة کتاب البیوع الفصل العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۹۱

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲

[5] فتاوٰی خیریه کتاب الوقف دار المعرفة بیروت ۱ /۱۴۰۔۱۳۹

تو یہ شراء زید کے لئے واقع اور زید ہی اس کا مالک ہوا اب بعد اس کے جبکہ تحریر قبالہ وغیرہا کارروائیاں بنام عمرو کرائیں تو یہ بحکم عرف شائع کی طرف سے عمرو کے لئے ہبہ ہوا،

فان مثل ھذا یدل دلالۃ واضحۃ علی التملیک وھی المثبتۃ للھبۃ فی ردالمحتار التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک [1] الخ فی احکام الصغار ان المعتبر فی الباب التعارف وفی العرف یرادبہ البروالصلۃ [2]۔الخ۔	کیونکہ اس جیسی صورت کی تملیک پر واضح دلالت ہے اور اسی سے ہبہ کا ثبوت ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے کہ ایجاب وقبول کا تلفظ ضروری نہیں بلکہ ایسے قرائن کا وجود کافی ہے جو تملیک پر دال ہو الخ۔اوراحکام الصغار میں ہے کہ اس باب میں تعارف معتبر ہے اور عرف میں ہبہ سے بھلائی اور صلہ مراد ہوتا ہے۔الخ(ت)

پس اگر عمرو نے بربنائے ہبہ قبضہ کاملہ پالیا تھا تو مکان ملک عمرو ہوگیا اس کے ورثہ پر تقسیم ہوگا ورنہ ملک زید پر باقی ہے وارثان عمرو کا اس میں کچھ حق نہیں۔

فی ردالمحتار عن البزازیۃ اتخذ لولدہ الصغیر ثوبا یملکہ وکذا الکبیر بالتسلیم [3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں بزازیہ کے حوالہ سے ہے نابالغ بیٹے کے لئے کپڑا لیا تو بیٹا مالک ہوجائے گا اور یوں بالغ کے لئے بشرطیکہ اس کو سونپ دیا ہواھ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۰: از بڑوبج ملک مالوہ علاقہ دربار ٹونک مرسلہ سید محمد شاہ صاحب ۳۰ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کلوبی بی مورث اعلٰی نے بذریعہ ہبہ نامہ اپنی جائداد مملوکہ ومقبوضہ میر جعفر علی داماد خود کے قبضہ میں دے دی اور مسماۃ بگوبی بی دختر کلوبی بی مورث اعلی سے مسماۃ کنیز بانوایک لڑکی از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئی اور وہ مسمّٰی نجیب شاہ کے عقد میں دی گئی اور بحیات میر جعفر علی وکلوبی بی مورث اعلٰی کے بگوبی بی وکنیز بانو لاولد ہر دونوں کا انتقال ہوگیا، میر جعفر علی حیات رہے ان کی دوسری زوجہ مسماۃ حاکم بی بی سے دولڑکی کنیز فاطمہ وکنیز صغرٰی

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸
[2] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۶
[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئیں اور بذریعہ اس ہبہ نامہ کے کہ جو کلو بی بی نے بنام میر جعفر علی کیا تھا جائداد موہوبہ و مقبوضہ میر جعفر علی پر کہ جس کو عرصہ ۵۵ سال کا ہوا بلکہ زائد قابض و متصرف ہیں اور بموجب اسی ہبہ نامہ کے احکام منظوری ریاست شرع شریف یعنی مفتی محکمہ قضا سے استخلاصہ صادر ہوئی کہ ہبہ نامہ نوشہ کلو بی بی موسومہ میر جعفر علی صحیح و درست ہے بموجب اس کے قبضہ کنیز فاطمہ و کنیز صغری دختران میر جعفر علی موحوم کا رہے۔ اب بعد مرور عرصہ مذکور کے مسمّٰی امام شاہ برادر نجیب شاہ نے کہ نجیب شاہ شوہر کنیز بانو دختر میر جعفر علی مرحوم کا ہے عدالت شرع شریف میں دعوی دائر کیا کہ مسماۃ کنیز بانو نواسی کلو بی بی مورث اعلیٰ میرے بھائی نجیب شاہ کے عقد میں تھی اسی وجہ سے جائداد متروکہ میر جعفر علی کے جو کلو بی بی سے بذریعہ ہبہ نامہ ان کے قبضہ میں ہے مجھ کو ملنا چاہئے دختران میر جعفر علی کا قبضہ نسخ فرمایا جائے، پس اندریں صورت جائداد موہوبہ کلو بی بی بنام میر جعفر علی عندالشرع کس کو پہنچ سکتی ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ جائداد بذریعہ ہبہ صحیحہ تامہ ملک جعفر علی ہوگئی کلو بی بی یا اس کے ورثہ کا اس میں کچھ حق نہ رہا امام شاہ کا دعوی محض باطل و نامسموع ہے، عالمگیریہ میں ہے:

اما حکمها فثبوت الملك للموهوب له [1]۔	لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے لئے ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اما العوارض المانعة من الرجوع فمنها موت الواهب کذا فی البدائع [2] اھ ملخصا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	رجوع سے موانع میں ایک یہ ہے کہ واہب فوت ہوجائے، جیسا کہ بدائع میں ہے اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۱: از بیجناتھ پارہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بیجناتھ پارہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

ایک عورت نے انتقال کیا اور ایک لڑکا چھوڑا اس کے خاوند نے جب دوسرے نکاح کا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۶

قصد کیا تو عورت متوفیہ کی ماں مانع ہوئی کہ پہلے میری بیٹی کا مہر دے دو بعد میں نکاح کرو چنانچہ اس شخص نے بروقت نکاح اپنے لڑکے کے نام جائداد لکھ دی یا صرف اقرار ہی کیا اور بیان کیا کہ آئندہ جو کچھ از نقد یا جائداد حاصل کروں گا وہ اس عورت اور اس کی اولاد کا حق ہوگا، اس شخص نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہونے کے بعد انتقال کیا اور اس عورت ثانی نے بھی انتقال کیا اب ایک لڑکا پہلی بی بی کا ہے جس کے قبضہ میں کُل جائداد ہے اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی دوسری بی بی سے ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے، یہ اولاد ثانی اس ورثہ سے جو پہلے لڑکے کے تصرفات میں ہے کچھ پاسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تمامی ہبہ کے لئے واہب کا موہوب لہ کو شے موہوب پر قبضہ کاملہ دلانا شرط ہے قبضہ کاملہ کے یہ معنی کہ وہ جائداد یا تو وقت ہبہ ہی مشاع نہ ہو (یعنی کسی اور شخص کی ملک سے مخلوط نہ ہو جیسے دیہات میں بغیر پٹہ بانٹ کے کچھ بسوے یا مکانات میں بغیر تقسیم جدائی کے کچھ سہام) اور واہب اس تمام کو موہوب لہ کے قبضہ میں دے دے، یا مشاع ہو تو اس قابل نہ ہو کہ اسے دوسرے کی ملک سے جدا ممتاز کرلیں تو قابل انتفاع رہے جیسے ایک چھوٹی سی دکان دو شخصوں میں مشترک کہ آدھی الگ کرتے ہیں تو بیکار ہوئی جاتی ہے ایسی چیز کا بلا تقسیم قبضہ دلادینا بھی کافی وکامل سمجھا جاتا ہے، یا مشاع قابل تقسیم بھی ہو تو واہب اپنی زندگی میں جدا و منقسم کرکے قبضہ دے دے کہ اب مشاع نہ رہی۔ یہ تینوں صورتیں قبضہ کاملہ کی ہیں۔ اور پسر موہوب لہ اگر وقت ہبہ بالغ ہو تو خود اس کا اپنا قبضہ شرط ہے ورنہ باپ کا قبضہ اسی کا قبضہ ہے **کل ذٰلك مصرح بہ فی الکتب الفقهية عن اٰخرها** (یہ تمام بحث کتب فقہ میں تصریح شدہ ہے۔ت) پس صورت مستفسرہ میں اگر شخص مذکور نے وہ جائداد اپنے پسر کو تحریری خواہ زبانی ہبہ کردی اور بشرائط ومعانی مذکورہ پسر کو قبضہ کاملہ دلادیا تو وہ جائداد خاص اس پسر کی ملک ہوگئی دیگر ورثہ کا اس میں استحقاق نہ رہا، اور اگر ہبہ نہ تھا نرا اقرار ہی اقرار تھا کہ اسے دے دوں گا، یا ہبہ زبانی خواہ تحریری کیا مگر قبضہ نہ دیا تو وہ قبضہ کاملہ نہ تھا اگرچہ پسر نے بعد موت پدر قبضہ کاملہ کرلیا ہو تو ان صورتوں میں وہ جائداد بدستور ملک پدر پر باقی رہی تمام ورثہ حسب فرائض اس سے حصہ پائیں گے **فان موت الواهب قبل التسليم يبطل الهبة كما فی الدر المختار**[1] (کیونکہ قبضہ دینے سے قبل واہب کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے جیسا کہ درمختار

---

[1] درمختار کتاب الهبہ باب الرجوع فی الهبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

میں ہے۔ت)

مسئلہ ۶۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد قابل قسمت بشرکت اور تین شخصوں کے روپے سے خرید کرکے بلا تقسیم اپنی زوجہ کے نام لکھادی اور اس کی زندگی تک وہ جائداد منقسم نہ ہوئی اب بعد وفات اس کی مالک اس جائداد کی فقط زوجہ مذکورہ ہے یا مثل اس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر تقسیم ہوجائیگی۔**بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ جائداد مثل اس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر منقسم ہوجائے گی اور صرف زوجہ مذکورہ اس کی مالک نہیں ہوسکتی کہ یہ نام لکھادینا ہبہ جائداد صالح قسمت کا بلا تقسیم صحیح ونافذ نہیں،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ملک دو بیٹوں پر منقسم تھی،ایک پٹی ہندہ اور ایک اس کے پسر زید کی تھی،ہندہ نے زید پسر اور اس کے ایک بیٹا کہ سامنے فوت ہوا تھا دو پوتے اور دو پوتیاں چھوڑ کر انتقال کیازید نے ہندہ کی بیٹی میں صرف اپنے بھتیجے عمرو کے نام جس کی عمر قریب ۲۳، ۲۴سال کی تھی لکھوادیامگر اب تک اسے قبضہ نہ دیا،دونوں پٹیاں زید کے قبضہ میں ہیں۔وہ پٹی بھتیجے کو دینا نہیں چاہتا،اس صورت میں ترکہ ہندہ مکان وملک وغیرہ کا مالک کون ہے اور پوتے پوتیوں کو بھی اس میں کچھ حق ہے یانہیں؟اور عمرو اس نام لکھوادینے سے اس پٹی کامالک ہوگیا یانہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر واداے دیون ونفاذ وصایا کل متروکہ ہندہ کامالک صرف اس کا بیٹا زید ہے اور نام لکھادینا اگرچہ دلیل تملیک ہے اور یہ تملیک ہبہ ہے مگر ہبہ بے قبضہ کے تمام نہیں ہوتا،نہ بغیر اس کے موہوب لہ کو ملک حاصل ہوایسی[عہ] کہ زید نے اپنے بھتیجے کو قبضہ نہ دلادیا وہ پٹی بھی بدستور زید کی ملک ہے عمرو اس سے

عــــہ: اصل میں اسی طرح ہے شاید قلم ناسخ سے لفظ "ایسی" کے بعد "صورت میں" چھوٹ گیا۱۲۔

جبراً نہیں لے سکتا، ہدایہ میں ہے:

القبض لابدمنه لثبوت الملك لانه عقد تبرع وفی الاثبات الملك قبل القبض الزام المتبرع شیئا لم یتبرع به وهو التسلیم فلا یصح ولان القبض تصرف فی ملك الواهب اذ مبلکه قبل القبض باق [1] اھ قلت ومن ھٰھنا ظهر ان امتناعه عن التسلیم عـــہ لیس فی شیئ من الرجوع فان الرجوع فیه بعد القبض اما قبله فلم تتم الهبة۔	ہبہ میں ملکیت کے ثبوت کے لئے قبضہ ضروری ہے کیونکہ یہ مفت عطیہ کا عقد ہے جبکہ قبضہ سے قبل موہوب لہ کی ملکیت ثابت کرنا تبرع کرنے والے پر ایسی چیز کو لازم کرنا جس کا ابھی اس نے تبرع نہیں کیا اور یہ قبضہ دینا تبرع ہے تو قبل قبضہ درست نہ ہوا، دوسری وجہ یہ ہے قبضہ دینے سے قبل واہب کی ملکیت ابھی باقی ہے تو قبضہ سے قبل اس کی ملکیت میں تصرف لازم آئے گا اھ، میں کہتا ہوں، یہاں سے واضح ہوگیا کہ واہب کا قبضہ نہ دینا ہبہ سے رجوع نہ کہلائے گا کیونکہ ہبہ میں رجوع قبضہ دینے کے بعد ہو سکتا ہے اس سے قبل تو ہبہ تام نہیں ہوا۔ (ت) اور اب اگر عمرو بغیر اجازت زید کے خود قبضہ کرلے گا اصلا بکار آمد نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں زید وہندہ دونوں حیات، ان کے تین بیٹے: احمد و محمد و حامد۔ احمد مختار عام، محمد روزگار پیشہ، حامد نابالغ۔ محمد سرمایہ روزگار اپنا معرفت زید وہندہ بالاشتراک صرف کرتا رہا زید نے منجملہ اپنی جائداد کے ایک اراضی افتادہ واسطے تعمیر مکان کے محمد کو دے دی اس نے منجملہ اپنے سرمایہ روزگار کے جو اس کے پاس جمع تھا اور اپنی زوجہ اور ماموں سے کچھ روپیہ اور چوب قرض لے کر مکان پختہ تعمیر کرایا اور یوم تعمیر سے آج تک اس پر قابض ہے اور کسی قدر چوب متفرقہ تعمیر ہذا زید منجملہ تین باغات مملوکہ اپنے کے ایک قطعہ باغ از روئے تقسیم بلالحاظ کم وبیش محمد کو دیں کہ وہ صرف تعمیر ہوئے

عـــہ: فی الاصل بیاض بین لفظ التسلیم ولفظ فی شیئ ولفظ "کان" مرقوم بین فان الرجوع ۱۲	یہاں اصل میں لفظ "تسلیم" اور لفظ "فی شیئ" کے درمیان بیاض ہے اور لفظ "فان الرجوع کے درمیان "کان" لکھا ہوا ہے۔ ۱۲۔ (ت)

[1] الہدایۃ کتاب الہبۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۸۱۔۸۲

عندالضرورت واسطے انجام تعمیر مکان مذکورہ معرفت زید کسی قدر روپیہ قرض لیا گیا کہ محمد نے بعد تعمیر اپنے سرمایہ روزگار سے زید کو دے دیا اب زید چاہتا ہے کہ مکان مذکور احمد و محمد و حامد سب کو تقسیم کردے یہ فعل اس کا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تعمیر مکان کے لئے زمین دینا ہبہ نہیں، اگر زید نے زمین دیتے وقت کوئی لفظ ایسا جو شرعًا مفید ہبہ ہو نہ کہا تو صرف عاریت اور زمین بدستور ملک زید ہے اسے اختیار جسے چاہے تقسیم کردے ہاں عمارت کسی پر تقسیم نہیں ہوسکتی کہ وہ خاص ملک محمد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ نے کہ زید کی خالہ ہے ایک باغ زید کو ہبہ کیا اور قابض کرادیا، آیا یہ ہبہ صحیح اور وہ باغ زید کا قرار پائے گا یا نہیں؟ اور فاطمہ اب اسے واپس لے سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بر تقدیر وجود سائر شرائط ہبہ اگر فاطمہ نے باغ سے اپنا قبضہ بالکل اٹھالیا اور زید کو قابض کرادیا تو ہبہ صحیح ہے اور وہ باغ زید کا قرار پائے گا اور فاطمہ کو اس وجہ سے کہ وہ زید کی خالہ ہے رجوع ہبہ سے صحیح نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گورنمنٹ انگریزی نے زید کے دیہات جاگیر ضبط کرکے کچھ روپیہ سالانہ مقرر کردیا کہ بعد انتقال زید حسب فرائض منقسم ہوتا رہا منجملہ اس کے ستاسی روپیہ سالانہ ہندہ پاتی تھی، اس نے اپنے انتقال سے ۲۵ دن پہلے اپنا روزینہ اپنے نواسے کو ہبہ کیا اور بنام موہوب لہ اس کے منتقل ہوجانے کی درخواست دی، ہندہ کا بھتیجا یعنی اس کے چچازاد بھائی کا بیٹا کہ اس کے سوا اور کوئی وارث نہیں، اس روپیہ کا دعوی کررہا ہے، آیا اس صورت میں وہ ہبہ صحیح و نافذ اور بھتیجا کا دعوی باطل و ناجائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ باطل وبے اثر اور برادر زادہ دہندہ کا دعوی صحیح ومعتبر، اولا اس ہبہ کا یہ محصل کہ وہاں سے جو روزینہ جب جب آوے اس کا مالک موہوب لہ ہے، اور وہ روزینہ ہندہ بالفعل موجود نہیں۔ اور ہبہ معدوم وباطل ہے۔ (جواب نامکمل ملا)

مسئلہ ۶۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کے تین بیٹے، عمرو، بکر، خالد، بکر نے ایک اراضی افتادہ مقبوضہ مملوکہ زید میں حسب اجازت زید اپنے سرمایہ روزگار سے ایک مکان پختہ تعمیر کرایا اور کچھ روپیہ اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لے کر لگایا کسی قدر روپیہ بطور قرض زید نے بھی دیا کہ بکر نے اسے ادا کردیا، اگر زید مکان معمرہ بکر کو عمرو وخالد پر ہی تقسیم کرنا چاہے تو بکر مستحق پانے سرمایہ ذاتی اور اس روپیہ کے جو اس نے اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لے کر لگایا ہے عمرو وخالد سے ہے یا نہیں اور وہ اراضی ہبہ ہوئی تھی یا نہیں؟ اور اگر ہبہ تھی تو زید کا رجوع تعمیر مکان وقبضہ بکر کے بعد صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

باپ کا اپنے بیٹے کو ایک زمین افتادہ تعمیر مکان کے لئے بتادینا تنہا مثبت ہبہ نہیں تاوقتیکہ اس کے ساتھ الفاظ ہبہ سے کوئی لفظ نہ پایا جائے مثلاً یہ زمین نے تجھے دے دی یا ہبہ کی یا تمھیں اس کا مالک کیا یا یہ زمین تیری ہے **وامثال ذٰلك مما یدل علی تملیك العین بلاعوض** (اس کی مثل اور الفاظ جو بغیر عوض تملیک پر دلالت کریں۔ت) پس اگر ان الفاظ سے کوئی لفظ پایا گیا تو بیشک صورت مستفسرہ میں ہبہ صحیح وتام ولازم ہوگیا زید کو رجوع کا اختیار نہیں۔ نہ وہ اس مکان کو عمرو وخالد پر تقسیم کرسکتا ہے ورنہ بعد اجازت تعمیر سے صرف عاریت ثابت ہوگی زمین بدستور مملوک زید ہے بکر کا اس میں کچھ حق نہیں اور جب وہ اسی کی مملوک ہے تو نفس زمین میں اسے ہر طرح کے تصرف مالکانہ کا اختیار ہے جسے چاہے دے سکتا ہے جو چاہے کرسکتا ہے اور جبکہ بکر کسب ومعاش مستقل رکھتا تھا تو جو عمارت اس نے اپنے زر خالص سے بنائی اس کا وہی مالک ہے زید کا اس میں کچھ حق ملک نہیں صورت سوال کہ زید کا کچھ روپیہ بغرض تعمیر بکر کو قرض دینا پھر اس سے وصول کرنا نص صریح ہے کہ زید بھی اس عمارت کے مملوک بکر ہونے پر متفق ہے۔

فی العقود الدریۃ من کتاب العاریۃ	العقود الدریۃ میں کتاب العاریۃ کے بیان میں

سئل فی رجل بنی بماله لنفسه قصرا فی دار ابیه باذنه ثم مات ابوه عنه وعن ورثة غیره فهل یکون القصر لبانیه ویکون کالمستعیر الجواب نعم کما صرح بذٰلك فی حاشیة الاشباه من الوقف عند قوله کل من بنی فی ارض غیره بامره فهو لما لکها اھ ومسئلة العمارة کثیرة ذکرہا فی الفصول العمادیة والفصولین وغیرہا وعبارة المحشی بعد قوله ویکون کالمستعیر فیکلف قلعه متی شاء انتهی[1]۔	مذکور ہے، ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنے باپ کی اجازت سے اس کی زمین پر اپنے مال سے اپنے لئے محل بنایا پھر باپ اس سمیت دیگر ورثاء کو چھوڑ کر فوت ہوگیا تو یہ محل اس بانی کا ہوگیا اور گویا باپ سے زمین عاریۃً لینے والا ہوا، الجواب، ہاں۔ جیسا کہ اس کی تصریح الاشباہ کے وقف میں اس قول سے ہے جس نے غیر کی زمین میں تعمیر کی تو وہ زمین کے مالک کے اختیار میں ہوگی اھ جبکہ عمارت کا مسئلہ کثیر الوقوع ہے، فصول عمادیہ وفصولین وغیرہما میں مذکور ہے اور ماتن کے قول یکون "کالمستعیر" گویا عاریۃ لینے والا ہوا، کے بعد محشیٰ کی یہ عبارت ہے تو اس بیٹے کو مکان اکھاڑ لینے کا مکلّف بنائے گا جب مالک چاہے اھ (ت)

فتاوٰی علامہ خیر الدین میں ہے:

سئل فی ابن کبیر ذی زوجة وعیال له کسب مستقل حصل بسببه اموالا. اجاب هی للابن حیث کان له کسب مستقل بنفسه واما قول علمائنا اب وابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیئ ثم اجتمع لهما مال یکون کله للاب	ان سے بالغ شادی شدہ وعیال والے بیٹے کے متعلق سوال ہوا کہ اس کا اپنا مستقل کام وکسب ہے جس سے اس نے کثیر مال حاصل کیا (تو وہ خود مالک ہوگا) انہوں نے جواب میں فرمایا، ہاں یہ اموال بیٹے کے ہیں کیونکہ اپنا مستقل کام وکسب ہے لیکن ہمارے علماء کا یہ ارشاد ہے باپ اور بیٹا دونوں ایک صنعت میں مل کام کرتے ہیں اور ابتداء میں ان دونوں کا کوئی مال نہ تھا پھر دونوں مالدار ہوگئے تو تمام مال باپ کا قرار پائے گا

[1] العقود الدریة فی تنقیح الحامدیة کتاب العادیة ارگ بازار قندہار افغانستان ۸۸/۲

اذا کان الابن فی عیالہ فھو مشروط کما یعلم من عبارتھم بشروط منھا اتحاد الصنعۃ [1] الخ اھ ملتقطا۔	یہ اس صورت میں ہے جب بیٹا اپنے باپ کی عیال میں شامل ہو یہ شرط فقہاء کی عبارت میں معلوم شدہ ہے جہاں انہوں نے فرمایا ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ صنعت میں اتحاد ہو، الخ، اھ ملتقطا (ت)

پس اس صورت میں زمین زید کی اور عمارت بکر کی زید کو اختیار ہے جس وقت چاہے بکر پر جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑ لے جائے اور زمین خالی کر دے

کما مر من العقود عن العلامۃ السید الحموی من قولہ یکلف قلعہ متی شاء [2]۔	جیسا کہ عقود میں علامہ سید حموی سے منقول گزرا، اس کا یہ قول کہ مالک جب چاہے اس کو اکھاڑنے کا مکلّف بنائے گا۔ (ت)

اور اگر قلع بنا سے زمین کو کوئی ضرر فاحش نہ پہنچے تو بکر خود بھی اپنا عملہ اکھیڑ لینے کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ زید نہ کہے،

فی حاشیۃ الطحطاوی عن شرح الکنز الزیلعی ایتھما طلب القلع اجیب [3]۔	طحطاوی کے حاشیہ میں کنز الدقائق کی شرح امام زیلعی سے منقول ہے کہ جب بھی اکھاڑنے کا مطالبہ کرے تو ماننا ہوگا۔ (ت)

اور ان دونوں صورتوں میں یعنی زید جبراً اکھڑوادے یا بکر خود اکھیڑ لے جائے زید کو عملہ کی قیمت یا اکھیڑنے سے جو اس میں نقصان آئے اس کا تاوان کچھ نہ دینا پڑے گا۔

فی الھندیۃ عن البدائع اذا استعار من اٰخر ارضا لیبنی فیھا اویغرس فیھا ثم بدا للمالك ان یخرجہ فلہ ذٰلك سواء کانت العاریۃ مطلقۃ اوموقتۃ غیر انھا	ہندیہ میں بدائع سے منقول ہے جب کسی سے زمین عاریۃً لی تاکہ اس پر عمارت بنائے یا پودے لگائے تو بعد میں مالک کو زمین خالی کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ خالی کراسکتا ہے خواہ عاریۃ مطلقہ ہو یا مقررہ وقت کے لئے ہو،

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۸

[2] العقود الدریۃ کتاب العاریۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۸۸

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸

ان کانت مطلقة له ان یجبر المستعیر علی قلع الغرس ونقض البناء واذا قلع ونقض لایضمن المعیر شیئا من قیمة الغرس البناء [1] اھ۔	ہاں اگر مطلقہ ہو تو مالک کو جبر امکان اور درخت اکھاڑنے کا حق ہے اگر عمارت اور درخت اکھاڑ دئے تو مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا اھ (ت)

طحطاوی میں ہے:

ولایضمن مانقص من البناء والغرس لعدم الغرور عند عدم التوقیت افادہ الزیلعی [2]۔	عاریۃ دینے والا مالک عمارت اور درختوں کے نقصان کا ضامن ہوگا، کیونکہ مقررہ وقت تک عاریۃ نہ ہونے کی وجہ سے عمارت اور درخت باقی رکھنے کا جواز نہیں امام زیلعی نے یہ افادہ فرمایا ہے۔ (ت)

اور اگر بکر چاہے کہ میں عملہ برقرار رہنے دوں اور زید مجھے قیمت دے دے تو یہ امر رضامندی زید پر موقوف رہے گا اس پر بکر کو جبر نہیں پہنچتا۔

فی الهندیة فان طلب المستعیر ان یضمن المعیر قیمة البناء والغرس مقلوعا فانه لایجبر علی ذٰلك ویکلفه علی القلع [3]۔	ہندیہ میں ہے اگر مستعیر چاہے کہ مالک عمارت اور درختوں کے ملبے کی قیمت برابر ضمان دے تو اس پر مالک کو مجبور نہیں کیا جاسکتا اس کو بہر حال عمارت اور درخت اکھاڑنے ہوں گے۔ (ت)

اور اگر قلع بنا سے زمین کو ضرر بین پہنچے تو بکر خود اختیار قلع نہیں رکھتا بلکہ اب اختیار زید کو ہے چاہے اپنے نقصان زمین پر راضی ہو اور بکر پر جبر کرے کہ عملہ اکھیڑ لے جائے یا عملہ کو اپنی ملک کرلے اور بکر کو بنائے مقلوعہ کی قیمت دے یعنی یہ عملہ اگر اکھیڑ کر بیچا جائے تو اس حالت میں خریدار اس کے کیا دام لگائیں گے، اسی قدر حوالہ زید کرے باقی زید کی لاگت کا کچھ اعتبار نہیں، نہ وہ زوجہ اور ماموں کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۰

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب العاریۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۰

اس قرض کا مطالبہ زید خواہ عمرو وخالد سے کر سکتا ہے کہ مدیون یہ ہے نہ وہ۔

فی تنویر الابصار لو اعار ارضا للبناء والغرس صح وله ان یرجع متی شاء ویکلفه قلعهما الا اذا کان فیه مضرة بالارض فیترکان بالقیمة مقلوعین [1]۔	تنویر الابصار میں ہے اگر عمارت اور درخت لگانے کے لئے زمین عاریۃ دی تو صحیح ہے اور اس کو جب چاہے واپس لینے کا حق ہے اور وہ مستعیر کو اکھاڑنے کا پابند بنا سکے گا ہاں اگر عمارت ودرخت اکھاڑنے میں زمین کو نقصان ہو تو دونوں باہمی رضامندی سے ملبہ کی قیمت پر زمین پر ان کو باقی رکھ سکتے ہیں۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

وان رضی رب الارض بالنقص قلعهما ولا یجبر علی الضمان [2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مالک زمین کے نقصان پر راضی ہے تو مستعیر کو اکھاڑنے ہوں گے، مالک کو ملبہ کی قیمت برابر ضمان پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو عرصہ دس بارہ سال سے عارضہ دمہ کا تھا کبھی شدت ہوجاتی کبھی کم ہوجاتا، سوا اس کے کوئی اور مرض نہ تھا، نہ زید صاحب فراش ہوا بلکہ مثل تندرستوں کے چلتا پھرتا، اسی حالت میں اس نے کل جائداد اپنی ہندہ اپنی زوجہ کو بعوض اس کے مہر کے بحالت ثبات ہوش وحواس کے ہبہ کی اور بغیر قابض کرائے دوسرے روز انتقال کیا، اس صورت میں یہ ہبہ صحیح ونافذ ہوگا یا نہیں۔ اور ایسی ہبہ میں قبضہ مشروط ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرض موت کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک صاحب فراش ہونا ضرور، تجرید میں اسی مذہب کو معتمد قرار دیا اور مختار یہ ہے کہ اس مرض کا قائل ہونا چاہئے کہ مبتلا اس کا غالبانہ بچتا ہو جب تک خوف موت غالب رہے مرض موت ہے اگرچہ مثل تندرستوں کے چلے پھرے،

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸

فی الدرالمختار مرض الموت ان لایخرج لحوائج نفسه وعلیه اعتمد فی التجرید،بزازیة،والمختار انه ماکان الغالب منه الموت وان لم یکن صاحب فراش،قهستانی عن ہبة الذخیرة[1]۔	درمختار میں مرض الموت کی تفسیر میں فرمایا گیا(کہ موت سے قبل)اپنی ضروری بنیادی حوائج کے لئے گھر سے نکل نہ سکے، تجرید میں اسی پر اعتماد کیا ہے،بزازیہ،قہستانی نے ذخیرہ کے باب الہبہ کے حوالہ سے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کوئی بھی ایسا عارضہ جس سے غالبا موت واقع ہوجاتی ہو اگرچہ صاحب فراش نہ ہوا ہو۔(ت)

صورت مسئولہ میں جبکہ زید صاحب فراش نہ تھا اور دمہ مرض قاتلہ سے نہیں بلکہ غالب اس میں سلامت ہے تو یہ مرض اس کا باتفاق تفسیرین مرض موت نہ قرار پائے گا علی الخصوص جبکہ اسے عرصہ دس بارہ برس کا گزر چکا تھا۔

فی الدرالمختار وهبة مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل ماله ان طالت مدته سنة ولم یخف موته منه والا تطل وخیف موته فمن ثلثه لانها امراض مزمنة لاقاتلة[2] اهملخصا۔	درمختار میں ہے کہ جڑا ہوا ہو، مفلوج ہو، شَل ہو،اور مرض سل والا ہو تو یہ امراض ایک سال طویل ہوں اور موت کا اندیشہ نہ ہو توان کا ہبہ کیا ہوا ان کے کل مال سے ادا ہوگا اور اگر یہ امراض طویل نہ ہوں موت کا اندیشہ ہو تو اس حال میں ان کا ہبہ تہائی مال سے ادا ہوگا کیونکہ یہ امراض لاچار کرتے ہیں فوری مہلک نہیں ہیں۔(ت)

پس یہ ہبہ بلاشبہ صحیح ونافذ ہوگا اور قبضہ نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ ہبہ بالعوض حقیقۃً بیع ہے اور بیع میں قبضہ غیر مشروط،

فی الدرالمختار لو قال وهبتك بكذا فهو بیع ابتداء و انتهاء[3] اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر کسی نے ہبہ کرتے ہوئے کہا فلاں چیز کے عوض تجھے ہبہ کیا تو اول آخر وہ بیع قرار پائے گا اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۰

[2] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۰

[3] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۴

مسئلہ ۶۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان جو بلا شرکت غیرے اس کا مملوک تھا اپنے پسر نابالغ کو ہبہ کیا اور شرط لگائی کہ اپنی زندگی تک اس مکان میں بطور مالکانہ سکونت رکھوں گا اور بلوغ پسر تک اس کی مرمت میرے ذمہ رہے گی اور اس مضمون کا ہبہ نامہ لکھ دیا۔ آیا اس صورت میں ہبہ تمام وکامل ہوگیا یا بوجہ اس کے کہ زید نے مکان خالی نہ کیا اور سکونت ومرمت کی شرطیں لگائیں فاسد وناجائز رہا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ہبہ صحیح ونافذ تام وکامل ہوگیا زید کا اصلا حق مالکانہ اس میں نہ رہا، پسر زید مالک مستقل ہوگیا۔ یہاں تک کہ خود بھی اب اس ہبہ کے نقض وابطال پر قادر نہیں **فان البنوة من موانع الرجوع**[عـــه] (کیونکہ بیٹا ہونا موانع رجوع سے شمار ہوتا ہے) اور زید کا مکان خالی نہ کرنا کچھ مضر نہیں کہ باپ اپنے پسر نابالغ کو جو ہبہ کرے وہ صرف ایجاب سے تمام ہوجاتا ہے باپ کا قبضہ بعینہٖ پسر کا قبضہ قرار پاتا ہے سکونت پدر تمامی ہبہ کے منافی نہیں ہوتی۔

فی تنویر الابصار والدر المختار وردالمحتار ہبة من له ولایة علی الطفل فی الجملة تتم بالعقد (ای الایجاب فقط) لان قبض الولی ینوب عنه والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیه بالایجاب[1] اھ ملتقطا۔	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے جس کو نابالغ پر ولایت حاصل ہے تو اس کا بچے کو عقد ہبہ ہی ہبہ کو تام کردیتا ہے یعنی صرف ایجاب ہی کافی ہے کیونکہ ولی کا قبضہ بچے کی نیابت سے ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ایسا عقد جس میں ایک شخص ہی فریقین کے قائم ہوسکتا ہے اس میں اس کا ایجاب ہی کافی ہے۔ اھ ملتقطا (ت)

درمختار میں اشباہ سے ہے:

ہبة المشغول لاتجوز الا اذا وھب	کسی مشغول چیز کا ہبہ صحیح نہیں الایہ کہ باپ نابالغ

عـــه: لفظ "رجوع" اندازہ سے بنایا گیا اصل میں بیاض ہے۔

[1] درمختار کتاب الہبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰، ردالمحتار کتاب الہبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

الاب لطفلہ[1]۔	بچے کو ہبہ کرے۔(ت)

اور سکونت و مرمت کی شرطیں اگرچہ بیجا ہیں مگر ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرطیں فاسد و بے اثر ٹھہرتی ہیں۔ درمختار میں ہے:

وحکمہا انہا لاتبطل بالشروط الفاسدۃ فہبۃ عبد علی ان یعتقہ تصح وتبطل الشرط[2] اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہبہ کا حکم یہ ہے کہ وہ فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا غلام کو ہبہ کرتے ہوئے شرط لگانا کہ موہوب لہ اسے آزاد کرے گا، صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی اھ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۰: (نوٹ: اصل میں بیاض ہے، سوال دستیاب نہ ہوسکا)

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر قبضہ مال موہوب پر قبل موت واہب کے ہوگیا تو ہبہ تمام ہے مگر ثلث مال میں صحیح ہوگا کہ ہبہ مرض موت میں ہوا پس ثلث مال موہوب لہا کو ملے گا اور دو ثلث ورثہ کو، اور اگر قبضہ بعد موت واہب کے ہوا تو ہبہ باطل ہے کل مال ورثہ واہب کو ملے گا۔

قال فی العالمگیریۃ قال فی الاصل ولاتجوز ہبۃ المریض ولاصدقتہ الامقبوضۃ فاذا قبضت فجازت من الثلث واذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت[3]۔	عالمگیری میں فرمایا کہ مبسوط میں ہے کہ مریض کا ہبہ اور اس کا صدقہ جائز نہیں الایہ کہ موہوب لہ کو وہ قبضہ دے دے، اگر قبضہ دیا تو تہائی مال سے شمار ہوگا اور اگر یہ واہب مریض قبضہ دینے سے قبل فوت ہوگیا تو ہبہ باطل ہو جائیگا(ت)

پھر اگر زوجیت موہوب لہا کی ثابت ہوگئی تو وہ اور زوجہ اولٰی ثمن حق ورثہ میں خواہ دو ثلث ہو یا کل شریک ہیں ورنہ عــہ ثمن بتمامہ زوجہ اولٰی کا ہے اور ما بقے اس کی اولاد کا اور موہوب لہا کو وارثوں

عــہ: فی الاصل "ورثہ" وھوزلۃ من قلم الناسخ ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۰

کے حصہ میں سے کچھ نہ ملے گا البتہ بر تقدیر ثبوت ہبہ ثلث مال بوجہ ہبہ کے لے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۱: از مراد آباد ۱۸ شعبان ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو دختر اور دو پسر ہیں وہ چاہتا ہے کہ اپنا مال اپنی زندگی میں بحالت صحت نفس ان چاروں کو عطا کرے۔ آیا برابر تقسیم کرے یا بطور فرائض "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"[1] (مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ت) **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مذہب مفتی بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں بیٹیوں سب کو برابر دے، یہی قول امام ابو یوسف کا ہے اور "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"[2] (مرد کو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ت) دینا بھی جیسا کہ قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہے ممنوع و ناجائز نہیں اگرچہ ترک اولٰی ہے۔ ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے:

الفتوی علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثٰی افضل من التثلیث الذی ہو قول محمد[3]۔	فتوٰی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے کہ مرد اور عورت کو نصف نصف دینا، مرد کو دو اور عورت کو ایک، تین حصے بنانے سے بہتر ہے اور یہ تین حصے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے (ت)

حاشیہ طحطاوی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

الافضل فی ہبۃ البنت والابن التثلیث کالمیراث و عند الثانی التنصیف وھو المختار[4]۔	بیٹی اور بیٹے کو ہبہ دینے میں تین حصے میراث کے طور پر افضل ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک نصف نصف دینا افضل ہے اور یہی مختار ہے۔ (ت)

بالجملہ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہب مختار پر اولٰی تسویہ، ہاں اگر بعض اولاد فضل دینی میں بعض سے زائد ہو تو اس کی ترجیح میں اصلا باک نہیں۔ علامہ طحطاوی نے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[3] ردالمحتار کتاب الهبة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الهبة دار لمعرفة بیروت ۳/ ۴۰۰

یکرہ ذٰلك عند تساویھم فی الدرجة کما فی المنح والنھدیة اما عند عدم التساوی کما اذا کان احدھم مشتغلا بالعلم لابالکسب لاباس ان یفضله علی غیرہ کما فی الملتقط ای ولایکرہ وفی المنح روی عن الامام انه لاباس به اذا کان التفضیل لزیادة فضل له فی الدین [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درجہ میں برابر ہونے کی صورت میں مکروہ ہے جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے لیکن مساوی نہ ہوں مثلاً ایک علم دین میں مشغول ہے اور کسب نہیں کرتا تو اس کو دوسروں پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے یعنی مکروہ نہیں ہے۔ اور منح میں ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جب دین میں فضیلت رکھتا ہو تو اس کو فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۲:

چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندرین صورت کہ مسماۃ ہندہ بحضور گواہان از زید خود گفت کہ من تمام مہر خویش بشما بخشیدم زید قبول ساخت بعد ازاں زید از ہندہ زوجہ خویش گفت کہ انچہ شے من است بشما بخشیدم ودادم ہندہ گفت کہ من گرفتم جملہ شاہدان کلام طرفین مذکورہ شنیدہ رفتند وکدام کاغذ از جانب ہندہ وزید تحریر نہ گشت بعدہ زید بگذاشتن عمرو برادر خود وہندہ زوجہ متروکہ مشترکہ فیما بین خواہرزادہ وبرادر زادہ وبیوہ برادر خورد وبرادر حقیقی مذکور فوت ساخت زاں بعد ہندہ فوت شد اوپس مرگ خود و	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسماۃ ہندہ نے گواہوں کی موجودگی میں اپنے خاوند زید کو کہا، میں تمھیں اپنا تمام مہر بخشتی ہوں، زید نے یہ بات قبول کرلی، اس کے بعد زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کہا کہ جو کچھ میرا حق ہے میں تمھیں بخش دیتا ہوں۔ اس کے جواب میں ہندہ نے کہا میں نے لے لیا، تمام گواہوں نے فریقین کا یہ کلام سنا اور چلے گئے، اور زید اور ہندہ کی طرف سے کوئی تحریر نہ ہوئی، اس کے بعد زید فوت ہوا اور اس نے اپنے پیچھے اپنا بھائی عمرو اور ہندہ بیوی چھوڑے اور جو ترکہ چھوڑا وہ برادر زادہ خواہر زادہ، چھوٹے بھائی کی بیوہ اور بھائی حقیقی مذکور میں مشترکہ تھا

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبة دار المعرفة بیروت ۳/ ۲۹۹

خواہر ودو برادر، گزاشت پس دادن زید شے خویش مشترکہ رابمسماۃ ہندہ زوجہ عندالشرع صحیح است یانہ وبخشیدین مہر ہندہ بمسمی زید شوہر صحیح یا غیر صحیح وترکہ زید بر کدام کس بموجب فرائض ہبہ تقسیم خواہد شد وترکہ ہندہ بر کدام کدام، تقسیم خواہد شد، **بینوا توجروا**	پھر اس کے بعد ہندہ فوت ہوگئی اس نے اپنے پیچھے دو بہنیں اور دو بھائی چھوڑے، تو کیا زید کا اپنا مشترکہ مال اپنی بیوہ ہندہ کو دینا شرعاً صحیح ہے یا نہیں اور کیا ہندہ کا اپنے شوہر زید کو اپنا مہر بخش دینا صحیح ہے یا نہیں، اور زید کا ترکہ کن لوگوں میں بطور وارثت تقسیم ہوگا اور ہندہ کا ترکہ کن کن پر تقسیم ہوگا **بینوا توجروا** (ت)

الجواب:

شرع مطہر ما اسلامیان رزقنا اللہ اتباعہ ہیچ عقدے وفسخے راموقوف بہ تحریر نداشتہ است پس ہندہ کہ مہر خود رابزید بخشید در صحت ونفاذ ایں سخنے نیست تنہا ایجاب ہندہ اینجا بسندمی بوداگر زید رد نہ کردے فکیف کہ تنصیص بر قبول نمود **فی تنویر الابصار ہبۃ الدین ممن علیہ الدین وابراءہ عنہ یتم من غیر قبول**[1]۔ وہبہ زید دراملاک مشاعہ مشترکہ غیر منقسمہ کہ زید بے آنکہ آنہارا تقسیم وافراز کردہ بقبض ہندہ سپار دہ مرو، وہندہ برانہا دست نیافت باطل شدو ہبہ ہیچ وجہ ہندہ رااختیار تملک آنہا نماند **فی الدر المختار فی ذکر موانع الرجوع والمیم**	ہم مسلمانوں کی شریعت مطہرہ (اللہ تعالٰی ہمیں اس کی اتباع نصیب فرمائے) نے کوئی عقد یا فسخ تحریر پر موقوف نہ چھوڑا، پس ہندہ نے اپنی صحت میں مہر زید کو بخشا تو اس ہبہ کا نفاذ بلا شبہ ہوگیا، اس میں ہندہ کی طرف سے صرف ایجاب کافی تھا بشرطیکہ زید نے اس کو رد نہ کیا ہو، تو جب زید نے قبول کرنے کی تصریح کردی تو کیا شُبہ ہوسکتا ہے، تنویر الابصار میں کہ جس پر دین ہو اس کو دین ہبہ کرنا اور بری کردینا قبول کے بغیر تام ہوجاتا ہے اور زید نے اپنا مشترکہ مشاع مال بغیر تقسیم کئے اور جُدا کئے ہبہ کیا اور جدا شدہ ہندہ کے قبضہ میں نہ آیا، اور وہ فوت ہوگیا، لہٰذا وہ ہبہ باطل ہوا اور کسی صورت میں ہندہ کی ملکیت اس پر ثابت نہ ہوئی، درمختار میں رجوع کے موانع میں مذکور ہے "میم" سے مراد قبضہ

[1] درمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔ ودر عالمگیریہ از کتاب الاصل می آورد اذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت[2] سائل از ہمیں قدرے پرسد اما تمام حکم و حق انصاف دریں جا آنست کہ زید ہبہ اش رابر ہمیں اشیائے مشاعہ مقصور نگزاشتہ بود بلکہ ہر انچہ ازان دے باشد ہمہ را ہبہ نمود وایں چنیں ہبہ شرعا رواست وبعد قبضہ تام ونافذ ومفید ملک شد فی الخانیۃ لوقال جمیع مالی او جمیع ماا ملك لفلان فھو ہبۃ لایجوز الا بالتسلیم[3]، وعادت آنچناں ست کہ چیز از املاک خالصہ شوہر مانند نقود عروض لباس واثاث وزیور وظروف وغیرہا امتعہ ورقمش از جانب شوہر بدست زناں بر سبیل ودیعت یا اباحت می باشد ودر ہمچوں مقام اگر ہبہ واقع شود حاجت بقبض جدید نمی افتد فان قبض الودیعۃ و الاباحۃ کل واحد منھما قبض غیر مضمون	ہو جانے کے بعد فریقین میں سے ایک کا فوت ہو جانا اور اگر قبضہ سے پہلے فوت ہو تو ہبہ باطل ہوگا۔اور عالمگیری میں مبسوط کے حوالہ سے مذکور ہے جب ہبہ کرنیوالا قبضہ دینے سے قبل فوت ہوجائے ہبہ باطل ہوجاتاہے،سائل کا سوال اسی قدر تھا، لیکن مکمل حکم اور پوراانصاف اس میں یوں ہے کہ زید نے اپنا ہبہ صرف مشترکہ مشاع تک محدود نہ رکھا بلکہ اس نے اپنی ہر چیز کو ہبہ میں شامل کردیا جبکہ ایسا ہبہ شرعا جائز ہے اور قبضہ دینے پر تام اور نافذ ہو کر مفید ملک ہوجاتا ہے،خانیہ میں ہے اگر کسی نے کہا میرا تمام مال یا جس چیز کا میں مالک ہوں وہ فلاں کے لئے ہے تو ہبہ ہوگا جو صرف قبضہ دینے پر جائز ہوگا،اور عادتًا شوہر کی طرف سے بیوی کے پاس امانت یا اباحت کے طور پر بیوی کے پاس بہت سا سامان مثلا نقد، لباس،اثاثہ،زیور،برتن،وغیرہا ہوتا ہے۔ایسی صورت میں اگر خاوند ان چیزوں کا ہبہ بیوی کو کرے تو بیوی کو جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ امانت اور اباحت کا قبضہ غیر مضمون ہوتاہے اور ہبہ کا قبضہ بھی ایسا ہے تو یہ قبضہ ایک دوسرے کے قائم مقام

[1] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الهبة الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۰

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاقرار نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۱۶

وکذٰلك قبض الھبة فینوب احدھما عن الاخر من دون حاجة الی قبض جدید قال فی التنویر وشرحه الدر وملك بالقبول بلاقبض جدید لو الموھوب فی یدالموھوب له ولو بقبض اوامانة لانه ح عامل لنفسه والاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدھما عن الاخر واذا تغایر اناب الاعلی عن الادنٰی [1]، پس ازیں قسم اشیاء ہر چہ کہ بدست ہندہ بود بمجرد ایجاب و قبول از دائرہ ملک زید بحوزہ تملک ہندہ انتقال نمود ہمچنیں اگر زید درحیات خودش چیزے بقبض کامل ہندہ داد یا ہندہ باذن او خواہ در مجلس ہبہ بلااذن وے،ہر چیزے قبضہ تامہ کرد آنہمہ مملوک ہندہ گردید وانچہ مطلقاً بے قبض مشاع باشد خواہ مفرز درآنہا ہبہ باطل شد کما ثبت من انھا لا تفید الملك الا بالقبض وتبطل بموت احدھما قبل التسلیم وگمان بزند کہ چوں عقد واحد در بعض معقود علیہ کہ اشیائے غیر مقبوضہ است بود بطلان گرفت در باقی نیز از حلہ صحت	ہوجاتا ہے جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی، تنویر الابصار اور اس کی شرح در مختار میں ہے کہ صرف قبول کرنے سے مالک ہوجائے گا جدید قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی جب وہ چیز پہلے ہی موہوب لہ کے قبضہ میں ہو اگرچہ وہ قبضہ بطور قابض یا امانت ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس میں اس نے خود اپنے لئے عمل کرنا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ دونوں قبضے ہم جنس ہوں یا ایک قوی اور ایک ادنی ہو، تو ہم جنس ایک دوسرے اور اقوی ادنی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، پس ازیں قسم اشیاء جو ہندہ کے قبضہ میں اس وقت تھیں وہ سب محض ایجاب و قبول کرلینے پر زید کی ملکیت سے نکل کر ہندہ کی ملکیت ہوگئیں اور یونہی وہ چیزیں جن کا زید نے اپنی زندگی میں ہندہ کو مکمل قبضہ دے دیا خود ہندہ نے اس کی اجازت سے مجلس ہبہ یا اس کے بعد جس چیز کو قبضہ میں مکمل لے لیا بلکہ بلااجازت بھی قبضہ سے وہ مالک ہوگئی لیکن وہ مال مشاع غیر منقسم خواہ منقسم ہو قبضہ نہ دیا ہو ان سب میں ہبہ باطل ہوگیا جیسا کہ ثابت ہے کہ ہبہ قبضہ کے بغیر مفید ملک نہیں ہوتا اور قبضہ دینے سے قبل ایک فریق کے فوت ہوجانے سے باطل ہوجاتا ہے۔اور یہ خیال کرنا کہ ایک عقد کی بعض غیر مقبوضہ اشیاء میں ہبہ باطل ہوجانے پر تمام اشیاء میں باطل

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

عاری وعاطل باشد زیراکہ ہبہ ہمچو بیع نیست وبشرط فاسد فساد نمی پزیرد فی الاشباہ من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام ومنہا الھبۃ وھی لاتبطل بالشرط الفاسد فلا یتعدی الی الجائز [1] اھ متروکہ زید بر تقدیم عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مقدم کالدین و الوصیۃ برچار سہم انقسام یافتہ سہمے بزن وسہ برادرے رسد و ترکہ ہندہ از موہوبہ زید و حصہ ترکہ زید وغیرہا انچہ کہ شرعاملک ہندہ قرار یابد بشرائط مذکورہ شش پارہ شد پنج عـــہ برادر دو بخش وبہر خواہر بخشے خواہد رسید، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ہوجائے گا یہ گمان درست نہیں ہے کیونکہ ہبہ بیع کی طرح نہیں ہے کہ فاسد شرط سے فاسد ہوجائے، الاشباہ میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ حلال وحرام جمع ہوجائیں تو حرام کو غلبہ ہوتاہے اور ان میں سے ایک ہبہ ہے کہ یہ فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا فاسد شرط جائز پر اثرانداز نہ ہوگی اھ باقی رہا معاملہ ورثاء میں تقسیم کا وراثت سے موانع نہ ہونے، دوسرا وارث بھی نہ ہونے کی صورت میں اور پیشگی حق مثلاً قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد زید کا ترکہ چار حصوں میں منقسم ہوگا، ایک حصہ بیوی کو، باقی تین حصے بھائی کو ملیں گے، اور ہندہ کا ترکہ جو کہ زید کا ہبہ کردہ اس کے قبضہ میں آیا اور جو اس کو زید کی وارثت میں ملا وغیرہ جو بھی اس کی ملکیت شرعی طور پر ہے وہ بھی مذکور شرائط سے چھ حصوں میں منقسم ہوگا دو دو حصے فی بھائی اور ایک ایک حصہ فی بہن ملے گا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگرایک دستاویز میں ابو محمد وفاطمہ کا اپنی ایک جائداد مشترکہ بنام اپنے تین بیٹوں احمد وحامد بالغان ومحمود نابالغ کے اس طور پر لکھاکہ نصف جائداد بنام احمد پسر کبیر کے جو فضل دینی میں اور اولاد سے زائد ہے اور نصف باقی بنام حامد ومحمود کے

عـــہ: قدزل قلم الناسخ الصواب بہر برادر دو بخش وبہر خواہر بخشے خواہد رسید ۱۲ عبدالمنان۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۴۹

ابو محمد نے وفات پائی، فاطمہ زندہ ہے ان کا ان امور میں شریک ہونا اور دستاویز لکھوانا اور اس تقسیم متفاوت پر راضی ہونا یقینا ثابت ہے، اسی طرح حامد بالغ کا بھی اپنے برادر کلاں احمد کی ترجیح پر راضی ہونا یقینی، آیا ایسی صورت میں بعد انتقال ابو محمد کے صرف اس وجہ پر بیٹوں کے دینے میں باہم فرق کیا گیا اگر وہ خود دیتا تو برابر دیتا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ یہ فعل ابو محمد کا نہیں یا اس نے دستاویز نہ لکھوائی یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا یا اس کا فعل مانا بھی جائے تو اس بنا پر گمان کر سکیں کہ اس کی عقل میں اختلال تھا ورنہ تفاوت نہ کرتا یا ایسا نہیں ہے۔ اور اولاد میں کسی کو بوجہ فضل دینی کے ترجیح دی جائے تو شرعا جائز، اور یہ تصرف نافذ ہے۔ یا اس خیال سے کہ بعض اولاد نابالغ ہیں یا کیا معلوم بقیہ اولاد سے آئندہ کوئی اور شخص فضل میں زیادہ ہوجائے اجازت نہ دیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب:

نفاذ کے لئے تو اگر کوئی شخص غیر مجور اپنی ساری جائداد ایک ہی بیٹے کو دے دے اور باقی اولاد کو کچھ نہ دے تو یہ تصرف بھی قطعاً صحیح و نافذ ہے اگر چہ عنداللہ گنہگار ہوگا گناہگاری کو عدم نفاذ تصرف سے کچھ علاقہ نہیں، درمختار میں ہے:

ولووہب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم [1]۔	اگر اپنی صحت میں تمام مال بیٹے کو ہبہ کردیا تو جائز ہے اور گنہگار ہوگا۔ (ت)

اور اگر فضل دینی کے سبب بعض اولاد کو ترجیح دی جائے تو یہ بلا کراہت جائز ہے اس میں عنداللہ بھی کچھ مواخذہ نہیں،

فی الخانیۃ روی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ لاباس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل لہ فی الدین وان کانا سواء یکرہ [2]۔	خانیہ میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اگر اس کو دینی فضیلت حاصل ہو تو اس کو زیادہ دینے میں حرج نہیں ہے اور سب مساوی ہوں پھر ایک کو زائد دینا مکروہ ہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ فصل فی ہبۃ الوالد لوالدہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۵

لوکان الولد مشتغلا بالعلم لابالکسب فلا بأس به ان یفضله علی غیرہ کذا فی الملتقط [1]۔	اگر کوئی بیٹا علم دین میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسب نہیں کرتا تواس کو دوسروں سے زائد دینے میں حرج نہیں ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔(ت)

اور جب یہ تفاوت شرعا جائز ہے اور صورت مسئولہ میں جس بیٹے کو ترجیح دی گئی حسب بیان سائل فضل دینی میں زیادہ ہے تو اس بنا پر کیونکر گمان ہوسکتا ہے کہ وہ فعل ابو محمد کا نہ تھا یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا، یا تھا تواس کی عقل میں کچھ اختلال تھا ہم بتصریح علماء نقل کرآئے کہ تمام اولاد کو محروم کرکے کل مال ایک کو دے دینا بھی صحیح و نافذ ہے پھر جب شرع ایسے مکروہ تصرف کو جس میں عنداللہ مواخذہ ہے صحیح و تمام مانتی ہے اور اس قسم کے خیالات کو گنجائش نہیں دیتی تو یہ تصرف جس میں کسی طرح حرج شرعی نہیں کیونکر مورد ان خیال کا ہوسکتا ہے اسی طرح یہ احتمال بھی کہ ممکن ہے کہ آئندہ بعض اولاد باقین سے کوئی شخص فضل دینی میں اس پر بڑھ جائے تواس وقت اس کے فضل پر خیال کرکے کیونکر اسے ترجیح دیں ہر گز ٹھیک نہیں کہ شرع مطہر حالت موجودہ پر حکم دیتی ہے آخر علم غیب خدا کو ہے ایسے ہی خطرات کو جگہ دی جائے تو علماء کے اس حکم کا کوئی محل نہ ملے کہ جب اس مسئلہ پر عمل کرکے ایک ولد کو زیادہ دینا چاہیں فورا یہ احتمال قائم ہوسکتا ہے کہ کیا معلوم آئندہ باقین میں سے اس سے کوئی بڑھ جائے، علماء نے کہ ترجیح افضل کی اجازت دی ہے حکم مطابق رکھا ہے کسی کے بلوغ وعدم بلوغ کی قید نہیں لگائی ہر گز کوئی شخص کسی ایک کتاب میں بھی نہیں دکھا سکتا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب بقیہ اولاد میں کوئی بالغ ہو اور وجہ اس کی نہایت ظاہر کہ حیات مورث میں ورثاء اس کی جائداد کے مالک نہیں ہوجاتے جو ایک کو زیادہ دینا نابالغ کے مال میں تصرف ٹھہرے ہر شخص اپنی صحت میں اپنے مال کا مختار ہے اگر کسی اجنبی کو دے دے تو کون ہاتھ روک سکتا ہے علی الخصوص فاطمہ کا کہ زندہ و موجود ہے اس تفاوت پر راضی ہونا بالکل ایسے خیالات کو دفع کرتا ہے کہ یہی علت بعینہٖ وہاں موجود ہے اب کیا یہ گمان کرسکتے ہیں کہ فاطمہ اس فعل پر راضی نہیں یا راضی ہے تو اس کی عقل میں کچھ اختلال ہے، اور جب یہاں ایسا خیال نہیں کرسکتے اور باوجود یہ کہ ماؤں کو اولاد صغر کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے وہ اس تفاوت پر بوجہ احمد کے فضل دینی کے صریح رضامند ہے تو ابو محمد کی رضامندی بدرجہ اولٰی قابل تسلیم ہوسکتی ہے اور حامد پسر بالغ کا اپنے برادر کلاں کی ترجیح

---
[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

پر رضامند ہونا اور زیادہ مؤید کہ وہ تو خاص معاملہ اس کی ذات کا تھا، جب اس نے اپنے بھائی کے فضل دینی کا خیال کیا تو اگر باپ تفاوت کرے تو کون سا محل تعجب ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: نوٹ: اصل میں سوال منقول نہیں ۱۲۔

الجواب:

ہبہ مرض الموت میں جب غیر وارث کے نام ہو تو قطعاً صحیح و جائز ہے اور وہ حقیقۃً ہبہ ہی قرار پائے گا اور اسی کے شرائط اس میں معتبر ہوں گے نہ یہ کہ دراصل وصیت ٹھہر جائے۔

فی رد المحتار عن الطحطاوی عن المکی عن الامام قاضیخاں وغیرہ ھبۃ المریض ھبۃ حقیقۃ وان کانت وصیۃ حکما [1] اھ وفیہ ایضا عن تبیین الامام الزیلعی حکمہ کحکم وصیۃ ای من حیث الاعتبار من الثلث لاحقیقۃ الوصیۃ لان الوصیۃ ایجاب بعد الموت و ھذہ التصرفات منجزۃ فی الحال [2] اھ۔	ردالمحتار میں طحطاوی سے انہوں نے مکی سے انہوں نے امام قاضیخان وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ مریض کا ہبہ کرنا حقیقتاً ہبہ ہے اور حکماً وصیت ہے اھ اور اسی میں تبیین الحقائق امام زیلعی سے ہے کہ اس کا حکم وصیت والا ہے کہ تہائی حصہ میں نافذ ہوگا، اور حقیقتاً وصیت نہیں کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے اور ہبہ کے تصرفات فورا نافذ ہو جاتے ہیں۔اھ (ت)

اور ہبہ کے لئے حیات واہب میں موہوب لہ کا قبضہ ہونا ضرور ہے ورنہ باطل ہو جاتا ہے

فی الدرالمختار ان عـــہ موت احد العاقدین قبل التسلیم مبطل للھبۃ [3]۔	درمختار میں ہے کہ قبضہ دینے سے قبل فریقین میں سے ایک کی موت ہبہ کو باطل کر دیتی ہے۔(ت)

عـــہ: فی الاصل بیاض لکنا نقلنا ھذہ العبارۃ اعتمادا علی داب المصنف فی نقل ھذہ العبارۃ فی مثل ھذا المقام۔	اصل میں بیاض ہے لیکن ہم نے اس جیسے مقام میں اس عبارت کو نقل کرنے میں مصنف کے طریقہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس عبارت کو نقل کیا ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

مگر صورت مسئولہ میں جبکہ موہوب لہما نابالغ ہیں توان کے باپ کا قبضہ بعینہٖ ان کا قبضہ ہے۔

فی الدرالمختار ان وھب لہ اجنبی تتم بقبض ولیہ وھواحداربعۃ الاب ثم وصیہ[1] الخ۔	درمختار میں ہے اگر نابالغ کو اجنبی شخص ہبہ کرے تو اس کے ولی کے قبضہ سے تام ہوجاتا ہے اور چار ولیوں میں سے ایک باپ پھر وصی ہے الخ (ت)

اور پیش از ہبہ فرزند ہندہ جواز جانب ہندہ ان دیہات ودکانات پر قبضہ رکھتا تھا اسی قبضہ کا باقی ہونا اس قبضہ ہبہ کے لئے کافی ہے۔

لان کل واحد قبض امانۃ فکانا من جنس واحد وفی الدرالمختار الاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدہما عن الاٰخر اھ[2] وفی ردالمحتار قولہ عن الاٰخر کما اذا کان عندہ ودیعۃ فاعارھا صاحبہا لہ فان کلا منہما قبض امانۃ فناب احدہما عن الاٰخر اھ[3]۔	کیونکہ ان سب پر قبضہ بطور امانت ہے تو ایک جنس کا ہوا اور درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ جب دونوں قبضے ایک جنس ہوں تو ایک دوسرے کے قائم مقام ہوجاتا ہے اھ اور ردالمحتار میں ہے اس کا قول کہ دوسرے کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے پہلے اس کے پاس بطور امانت تھا پھر اس نے عاریۃً لیا، تو دونوں ایک جیسی امانت کے طوپر ہیں، تو یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوئے۔ (ت)

از سرنو قبضہ جداگانہ حاصل کرنے کی حاجت نہیں۔

فی تنویر الابصار ملك بلاقبض جدید لوالموھوب فی یدالموھوب لہ[4] اھ۔	تنویر الابصار میں ہے ہبہ شدہ چیز موہوب لہ کے قبضہ میں پہلے ہو تو جدید قبضہ کے بغیر مالک ہوجائے گا اھ (ت)

البتہ یہ ہبہ مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس بات میں حکم وصیت پیدا کر گیا کہ بلااجازت ورثہ فقط ایک ثلث میں نافذ ہوگا۔

فی تنویر الابصار ھبتہ کوصیۃ فیعتبر	تنویر الابصار میں ہے اس کا ہبہ وصیت کی

[1] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

[2] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] ردالمحتار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۲

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

من الثلث [1] اھ۔	طرح ہے لہٰذا تہائی حصہ میں معتبر ہوگا اھ (ت)

اوراس کے یہ معنٰی ہیں کہ اگر موصی پر کوئی قرض نہیں تواس کے کل اشیائے متروکہ منقولہ وغیر منقولہ کوملا کران سب کا ثلث نکالیں گے اور اگرکچھ قرض ہے قلیل خواہ کثیر کتنا ہی ہو تواسے مجرادے کر باقی تمام متروکہ کا ثلث نکالیں گے اس مقدار سے موصی کی ساری وصیتیں نافذ کریں گے پس اگر یہ مقدار اور وصایا برابر ہوں فبہا، اور اگر یہ زائد اور وصایا کم ہوں جب بھی ہر موصی لہ کو پورا پورا بقدر ادائے وصیت کے دیں گے نہ یہ کہ عــــہ ثلث کامل انہیں دے دیں گے اگرچہ ان کی وصیتیں کم سے ہی پوری ہوجائیں **وھذا واضح جدا** (یہ بہت واضح ہے۔ت) اور اگر وصیتیں زائد اور مقدار ثلث کم ہوں تو بلااجازت ورثہ تہائی سے زیادہ انہیں نہ دیا جائے گا بلکہ اسی قدر کو تمام موصی لہم پر بحساب ان کے وصایا کے حصہ رسد تقسیم کردیں گے۔

فی تنویر الابصار ھبتہ کوصیۃ ویزاحم اصحاب الوصایا فی الضرب [2] الخ ملخصا فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار ای الموھوب لہ یضرب فی الثلث مع اصحاب الوصایا فان وفی بالثلث بالجمیع والا تخاصموا فیہ ویعتبر فی القسمۃ قدر مالکل من الثلث [3] اھ ملخصا، **قلت** وماقررت ظھر لك المجیب	تنویر الابصار میں ہے ہبہ وصیت کی طرح ہے، تو وہ نفاذ میں وصیت والے دوسرے حضرات کے لحاظ سے ہوگا الخ ملخصا، اور درمختار پر طحطاوی کے حاشیہ میں ہے یعنی موہوب لہ دوسرے اصحاب وصایا کے ساتھ تہائی حصہ میں شریک ہوگا اگر وہ سب وصیت والے اور موہوب لہ تہائی حصہ میں پورا ہوجائیں تو بہتر، ورنہ تہائی میں ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے اور تہائی میں سے ہر ایک اپنا حصہ کے مطابق تقسیم پائیگا اھ ملخصا، **میں کہتا ہوں** میں نے جو تقریر کی ہے اس سے

عــــہ: خط کشیدہ عبارت اندازے سے درست کی گئی ۱۲ عبد المنان۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا باب الفن فی المرض دار المعرفۃ بیروت ۴ /۳۲۹

الاول اخطأ فی ایجاب القبض الجدید الموصیٰ لهما بثلث المال مطلقا واما المجیب الثانی فقد اخطأ خطأ من وجوہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	ظاہر ہوا کہ پہلے مجیب نے جدید قبضہ کو واجب کرنے میں خطا کی ہے کہ دونوں تہائی حصہ والوں کے لئے مطلقاً یہ بات کہہ دی لیکن دوسرے مجیب نے بہت سی خطائیں کی ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتح الملیک فی حکم التملیک ۱۳۰۸ھ

(بادشاہ کا اظہار تملیک کے حکم میں)

مسئلہ ۷۵: نزدیک علمائے حنفیہ ایدھم اللہ تعالٰی کے ہبہ وتملیک میں کیا فرق ہے اور جو احکام ہبہ مشاع اور ہبہ مرض الموت اور ہبہ غیر مقبوض کے ہیں وہی بحالت ہائے مذکورہ تملیک سے بھی متعلق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

اصل وضع میں تملیک ہبہ سے عام ہے کہ وہ تملیک اعیان ومنافع وبعوض وبے عوض ومنجز ومضاف للموت سب کو شامل ہے جس کی رو سے بیع وہبہ واجارہ واعارہ ووصایا سب اس کے تحت میں داخل ہیں اور ہبہ خاص تملیک عین بلاعوض کا نام ہے۔

فی الدر المختار الھبۃ تملیك العین مجانا[1] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے ہبہ مفت میں کسی چیز کا مالک بنانا ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

مگر عرف میں ان لفظوں سے کہ میں نے ایک شے کا تجھے مالک کیا، یا اس چیز کے تجھے تملیک کی ظاہرًا ہبہ

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

ہی متبادر ہوتا ہے حتی کہ امام اجل شمس الائمہ رخسی رحمہ اللہ تعالٰی نے محیط میں اسے ان الفاظ سے گنا جو بحسب وضع افادہ ہبہ کرتے ہیں۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اما الالفاظ التی تقع وبھا الھبۃ فانواع ثلثۃ نوع تقع بہ الھبۃ وضعا ونوع تقع بہ الھبۃ کنایۃ وعرفا ونوع یحتمل الھبۃ والعاریۃ مستویا اما الاول فکقولہ وھبت ھذا الشیئ لک اوملکتہ منک[1] الخ۔	لیکن جن الفاظ سے ہبہ ہوتا ہے وہ تین قسم ہیں۔ایک قسم وہ ہیں جن سے ہبہ کا وقوع وضعا ہوتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جن سے کنایۃً اور عرفا ہبہ ہوتا ہے اور ایک قسم وہ جن سے ہبہ اور عاریۃ دونوں مساوی طور پر واقع ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کی مثال "میں نے یہ چیز تجھے ہبہ کی" یا یہ کہنا "میں نے تجھے اس کامالک بنایا" الخ (ت)

ولہٰذا کلمات علماء میں اکثر جگہ تملیک سے ہبہ پر استدلال پایا جاتا ہے مع ظھور ان الاستدلال بالعام علی الخاص باطل لجواز وجودہ فی ضمن فرد اُخر (باوجود ظاہر ہونے کہ عام سے خاص پر استدلال باطل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ عام کا وجود کسی دوسرے میں پایا جائے۔ت) امام علامہ فقیہ النفس قاضی خان فرماتے ہیں:

رجل غرس کرما ولہ ابن صغری فقال جعلتہ لابنی فلان یکون ھبۃ لان الجعل عبارۃ عن التملیک[2]۔	ایک شخص نے انگور کے پودے لگائے اس کا نابالغ بیٹا ہے، تو اس نے کہا کہ میں نے اس کو اپنے فلاں بیٹے کے لئے کیا تو ہبہ ہوگا کیونکہ بنانا اور کرنا تملیک کا معنی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ان قال جعلتہ باسم ابنی یکون ھبۃ ظاھرا لان الناس یریدون بھذا التملیک والھبۃ[3]۔	کسی نے کہا میں نے یہ بیٹے کے نام سے بنایا تو ظاہرا یہ ہبہ ہوگا، کیونکہ لوگ اس سے تملیک اور ہبہ مراد لیتے ہیں۔ (ت)

اور علامہ بیری شارح اشباہ والنظائر فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۵

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۶۹۷

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۶۹۷

فی خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنہ مالا فتصرف فیہ الا بن یکون للاب الا ان دلت دلالۃ التملیک[1]۔	خزانۃ الفتاوٰی میں ہے اگر کسی نے بیٹے کو مال دیا اور بیٹے نے اس میں تصرف کیا تو یہ مال باپ کا ہوگا الایہ کہ کوئی دلالت تملیک پر پائی جائے۔(ت)

محقق شامی فرماتے ہیں:

قلت فقد افادان التلفظ بالایجاب و القبول لا یشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک[2]اھ۔	**میں کہتا ہوں** کہ اس عبارت نے فائدہ دیا کہ اس میں ایجاب وقبول شرط نہیں بلکہ تملیک پر دلالت کرنے والے قرائن کافی ہوتے ہیں۔(ت)

فقیہ علامہ نوازل میں تصریح فرماتے ہیں جو لفظ تملیک رقبہ پر دال وہبہ ہے۔

فی الدر المختار اللفظ ان انبأ عن تملك الرقبة فهبة اوالمنافع فعارية اواحتمل اعتبر النية. نوازل[3]۔	درمختار میں ہے اگر الفاظ غلام پر تملک کی خبر دیں تو ہبہ ہوگا، اگر الفاظ منافع پر دال ہوں تو عاریۃ ہوگا اور لفظ محتمل فیہ ہو تو قائل کی نیت کا اعتبار ہوگا۔نوازل(ت)

درباب افتا جابجا علامہ خیر الملۃ والدین رملی وغیرہ علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے سوال تملیک پر ہبہ کا جواب عطا فرمایا اور اس پر مشاع وغیرہ کے وہی احکام جاری کئے اور تملیک نامہ کو صریحا ہبہ نامہ ٹھہرایا، فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

سئل فیما اذا ملك زوجته نصف جمل و نصف بقرۃ و نصف غراس زیتون تملیکا شرعیا بایجاب منه و قبول منها و قبضت الزوجة وتسلمت ثم مات الزوج ویرید وارثه ان یجعل المملکات	ان سے سوال ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو نصف اونٹ، نصف بیل، نصف باغ زیتون کا شرعی تملیک کے طور پر مالک بنائے باقاعدہ ایجاب و قبول ہو اور بیوی قبضہ کرلے پھر وہ خاوند فوت ہوجائے اور ورثاء چاہیں کہ ان تمام تملیک بنائی ہوئی چیزوں کو

[1] ردالمحتار بحوالہ بیری کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۰۸

[2] ردالمحتار بحوالہ بیری کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۰۸

[3] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۵۹/۲

میرا ثابینه وبین الزوجة اجاب هی ملك للزوجة بالتملیك علی الوجه المذكور وهبة المشاع الذی لا یحتمل القسمة صحیحة والجمل والبقرة مما لایمکن قسمة الواحد منها فصحت فیها الهبة المذکورة [1] اھ ملتقطا۔	بیوی سمیت تمام ورثاء کے لئے وراثت بنالیں، توجواب دیا کہ مذکورہ تملیک کی بنا پر بیوی کو ملک ہیں جبکہ ناقابل تقسیم مشاع کا ہبہ صحیح ہوتا ہے اور اونٹ اور بیل قابل تقسیم نہیں ہیں۔ توان کا ہبہ صحیح ہوا۔ اھ ملتقطا (ت)

اسی میں ہے:

سئل فی رجل اشهد علی نفسه انه ملك اولاد ابنه و سماهم فی حجة جمیع الستة قراریط فی الدارین الفلانیتین اجاب الحنفی لایری جواز الهبة المشاع [2] اھ ملخصا۔	ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنے پوتوں کو مالک بنایا اور فلاں دو مکانوں میں چھ قراریط سب کی حجت میں پوتوں کا نام لیا، توجواب دیا کہ حنفی حضرات قابل تقسیم مشاع کا ہبہ جائز نہیں مانتے اھ ملخصا (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فیما اذا کان لزید ابنان واملاك تقبل القسمة و حصة فی مشاع تقبل القسمة فملك جمیع ذٰلك من ابنیه المذکورین سویة بینهما من غیر قسمة وکتب ذٰلك صك ویرید زید الرجوع عن التملیك فهل له ذٰلك الجواب نعم هبة واحد من اثنین لایصح [3] اھ بالالتقاط۔	ان سے سوال ہوا کہ زید کے دو بیٹے ہیں اور کچھ املاک قابل تقسیم ہیں اور ایک مشاع چیز میں اس کا حصہ بھی ہے تو اپنی ملکیت ان تمام چیزوں کا دونوں بیٹوں کو مالک بنادیا جبکہ دونوں کو مساوی طور پر بغیر تقسیم حصہ دار بنایا اور رسید بھی لکھ دی اور اب زید اس ہبہ سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو کیا اسے یہ حق ہے، الجواب ہاں حق ہے کیونکہ ایک کا دو حضرات کو ہبہ مشترکہ بغیر تقسیم صحیح نہیں اھ ملتقطا (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الهبة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۰

[2] فتاوٰی خیریه کتاب الهبة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۲

[3] العقود الدریة کتاب الهبة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۹۵

لیکن محل غور اس قدر ہے کہ مسئلہ خاص جزء میں ظاہر اکلمات علماء مختلف سے نظر آتے ہیں بعض نے وہی تصریح فرمائی کہ عقد تملیک عین ہبہ ہے اور بعض بنظر عموم لفظ تعیین ہبہ کے لئے قرینہ کی حاجت اور در صورت انعدام قرینہ تملیک کو ناجائز وغیر صحیح مانتے ہیں،

فی ردالمحتار لو قال ملکتك هذا الثوب مثلا فان قامت قرينة على الهبة صحت والا فلا لان التمليك اعم منها لصدقه على المبيع والوصية والا جارة وغيرها انظر ما کتبناه فی اٰخر الهبة الحامدية وفی الاكازروفی انها هبة[1] اھ	ردالمحتار میں ہے اگر کہا میں نے تجھے اس کپڑے کا مالک بنایا، مثلاً اگر ہبہ پر قرینہ ہو تو صحیح ہے ورنہ نہیں، کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے اس لئے کہ تملیک مبیع، وصیت، اجارہ وغیرہ پر بھی صادق آتی ہے۔ ہم نے حامدیہ میں ہبہ کے آخر میں جو لکھا ہے اسے دیکھو اور زرونی میں ہے کہ یہ ہبہ ہے اھ (ت)

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ، بتصریح علماء مَہما امکن دفع تخالف وتحصیل توفیق لازم اور وجہ تطبیق کی تقریر علی الخصوص جب بے تکلف ہو متعین ومتحتم، اصل وضع میں تملیک کا عموم کسے نہیں معلوم اور بے قیام قرینہ احد الافراد کی تعیین کسی کا قول نہیں اور جس طرح یہ باتیں متفق علیہ ہی یونہی یہ بھی متیقن کہ خاص جہت لفظ سے قرینہ کا ناشی ہونا ضروری نہیں بلکہ قرینہ حالیہ بھی کافی ہے۔

وقد سمعت ما قال العلامة البيری و المحقق الشامی رحمهما الله تعالٰی۔	تو نے علامہ بیری اور محقق شامی رحمہما اللہ تعالٰی کا کلام سن لیا۔ (ت)

اب جو ہم دیکھتے ہیں تو مقام اخبار میں بیشک لفظ تملیک بیع وہبہ ووصیت وغیرہا سب جگہ بولا جاتا ہے عام ازیں کہ وہ اخبار اپنے نفس سے ہو یا غیر سے، مثلاً زید نے ایک مکان عمرو کے ہاتھ بیع کیا تو اب وہ کہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں مکان عمرو کی ملک کردیا بکر و خالد کہہ سکتے ہیں زید نے خود کو اپنے مکان کا مالک کیا عمرو کہہ سکتا ہے کہ مکان زید بتملیک زید میری ملک میں آیا اور سامع ان لفظوں سے ہرگز سوا نقل ملک کے کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ امر بعوض واقع ہوا یا بلاعوض، اور مکان ملک عمرو میں بیعا آیا یا ہبۃً، عموم تملیک کا یہ صاف اثر واضح ہے مگر خاص انشائے عقد ایجاب وقبول کے وقت جب ان لفظوں پر اقتصار ہوگا یعنی میں نے تجھے فلاں شے کا مالک کیا عمرو کہے میں نے قبول کیا، تو بیشک متفاہم عرف میں اس سے ہبہ ہی

[1] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

متبادر ہوگا جب تک کوئی قرینہ اس کے خلاف پر قائم نہ ہو اور فارق یہ ہے کہ عقد واقع سے خبر دینے میں اس کے متعلقات کا استیفاء واستقصا ضرور نہیں بخلاف ایقاع عقد کے کہ اگر اسے بیع منظور ہوتی ثمن کا ذکر لاتا وصیت چاہتا تو بعد موت کے تصریح کرتا اجارہ اعارہ مقصود ہوتا تو عقد کو خاص اس شیئ کی طرف اضافت نہ کرتا بلکہ منافع کا نام لیتا یا ایسی عبارت بولتا جس سے تملیک منافع مفہوم ہوتی اخر دیکھو اصل وضع کے اعتبار سے ان لفظوں میں بھی کہ یہ شیئ میں نے اپنے بیٹے کے لئے کردی یا بنام اُو کردم بعینہٖ وہی احتمالات پیدا ہیں جو لفظ تملیک میں نکلتے ہیں مگر ائمہ نے تصریح فرمائی کہ یہ ہبہ ہے۔

کما اسلفنا من الخانیة وقد نقله عنها العلامة الغزی فی المنح وغیرہ فی غیرها مذعنین لها۔	جیسا کہ ہم نے پہلے خانیہ سے نقل کیا ہے اور خانیہ سے علامہ غزی نے منح میں اور دوسروں نے اپنی کتب میں اس پر اعتماد کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔(ت)

بلکہ امام فقیہ النفس نے **جعلته لابنی**[1] کے ہبہ ٹھہرانے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ جعل بمعنی تملیک ہے تو جب تک باقتضائے مقام تمام احتمالات منقطع ہو کر ملکت بمعنی وہبت نہ رہے گا جعلت کا بمعنی ملکت ہونا کیا فائدہ بخشے گا **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) پس اُن بعض کا یہ فرمانا کہ ارادہ ہبہ کے لئے قرینہ درکا ہے نہایت بجاودرست، بیشک کوئی عام اپنے فرد میں بلاقرینہ معین نہیں ہو سکتا، مگر یہاں طرز گفتگو خود ہی ہبہ کا قرینہ ہے **کما بیننا** (جیسا کہ بیان کیا ہے۔ت) ہاں مثلاً ایسی صورت میں کہ زید وعمرو باہم کسی شے کے خرید وفروخت پر گفتگو کرتے ہوں اب زید کہے وہ شے میں نے تیری ہی ملک میں دی یا تجھے اس کا مالک کیا ہبہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی باہمی حالت تملیک بلاعوض پر قرینہ نہیں ہو سکتی، نہ بیع درست ہو کہ وہ مبادلہ مال بمال ہے اور یہاں مال دوم کا نام نہیں ناچار عقد کو غیر صحیح مانیں گے، اور وہ بعض جو تملیک کو ہبہ فرماتے ہیں اس صورت میں فرماتے ہیں جب کوئی ایسی حالت واقع نہ پس تمام کلمات ایک ہی طرف راجع اور سارا اختلاف بحمد اللہ مرتفع۔

قلت ومن ھٰھنا ظھر انه لایتعلق بما نحن فیه مافی اٰخر العقود الدریة	**میں کہتا ہوں** یہاں سے ظاہر ہوا کہ جو عقود الدریہ کے آخر میں ہے وہ ہماری بحث سے خارج

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۷

ممانصه قال المؤلف کتبت علی صورة دعوی ماصورته حیث بین اقرارہ انه بجهة التملیك فدعوی التملیك لاتسمع لما قاله الخیرا لرملی رحمه الله تعالٰی ناقلا عن جامع الفصولین فی خلل المحاضر والسجلات برمز التتمة عرض علی محضر کتب فیه ملکه تملیکا صحیحا ولم یبین انه ملکه بعوض اوبلا عوض قال اجبت انه لاتصح الدعوی ثم رمز لشروط عـــه الحاکم اکتفی به فی مثل هذا بقوله وهب له هبة صحیحة و قبضها ولکنماافاد فی التتمة اجود واقرب الی الاحتیاط [1] اھ فان هذا نقل واخبار لا عقد وایجاب کما لایخفی هکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق۔	ہے جس کی عبارت یہ ہے مؤلف نے فرمایا میں نے دعوٰی کی صورت پر لکھا، کہ صورت کیا ہے جہاں اس نے اپنا اقرار کیا ہے کہ یہ تملیک کے طور پر ہے اگر یہی ہے تو تملیک کے دعوٰی کی مانند یہ قابل سماعت نہیں ہے اس کی وجہ وہ جو خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع الفصولین کی ماحضرات اور سجلات میں خلل والی بحث سے تتمہ کے عنوان میں نقل کیا ہے کہ مجھ پر ایک محضر نامہ پیش کیا گیا جس میں لکھا تھا اس کو صحیح تملیک کے ساتھ مالک بنایا اور یہ نہ بیان کیا عوض کے ساتھ یا بلاعوض مالک بنایا تو فرماتے ہیں میں نے جواب دیا کہ دعوٰی صحیح نہیں ہے۔ پھر انہوں نے شروط الحاکم میں صرف اس صورت پر اکتفا فرمایا، جیسے کوئی لکھے اس کو صحیح ہبہ کرکے دے دیا، لیکن انہوں نے تتمہ میں جو فائدہ دیا وہ بہتر اور احتیاط سے اقرب ہے اھ کیونکہ یہ حکایت اور اخبار ہیں۔ عقد اور ایجاب نہیں ہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ تحقیق یوں چاہئے، اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ (ت)

یہ ساری بحث تملیک زبانی ہے دستاویز تملیک نامہ تو قطعاً تمام اقوال پر ہبہ نامہ ہے جس میں کسی طرح نزاع کا احتمال نہیں کہ بالیقین اس کا لکھنے والا تملیک عین بلاعوض کا قصد کرتا ہے اور بالتعین یہی اس سے سمجھا جاتا ہے وصیت وغیرہا احتمالات کی بُو بھی نہیں آتی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ایسی دستاویز لکھ کر کہے میں نے تو اس سے عقد بیع کا قصد کیا ہے تو کوئی اس کی تصدیق

عـــه: اسم کتاب ۱۲ عبدالمنان۔

[1] العقود الدریة کتاب الھبة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/۱۰۰

نہ کرے گا اور سب کے نزدیک وہ بات بدلنے والا ٹھہرے گا تو اس کے ہبہ ہونے میں کوئی شک نہیں تملیک زبانی میں مدار کا قرینہ پر ہے اگر کوئی قرینہ قائم ہو جو معنی ہبہ سے ابا کرے تو اسے ہبہ نہ ٹھہرائیں گے اور دستاویز تملیک نامہ قطعاً ہبہ اور جو عقد ہبہ ٹھہرے گا تمام احکام ہبہ متعلقات شیوع وقبضہ ومرض وغیرہ سب بدستور اس میں جاری ہوں گے **فان العبرۃ للمعنی کما فی الھدایۃ وغیرھا** (کیونکہ معنی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ت) یہ ہے جو کلمات علماء کرام سے منقح ہوا اور وہ جو زعم کیا جاتا ہے کہ تملیک کوئی عقد خاص جداگانہ ہبہ سے مبائن اور اس کے احکام ہبہ سے علیحدہ ہیں اصلا قابل تسلیم نہیں کہ قواعد شرع مطہرہ اس کی مساعدت ہر گز نہیں کرتے،

وما وقع ھٰھنا من العلامۃ ط رحمہ اللہ تعالٰی حیث قال قال السید الحموی اعلم ان التملیك یکون فی معنی الھبۃ ویتم بالقبض واذا عری عن القبض و التسلیم اختلف العلماء فیہ فقیل یجوز وقیل لا یجوز قیاسا علی الھبۃ واکثر المشائخ علی انہ یجوز بدون التسلیم وانہ غیر الھبۃ لان التملیك والھبۃ شیئان اسما وحکما اما الاسم فظاھر واما حکما فلان لو وھب الثمار علی رؤس الاشجار لاتجوز ولواقر بالتملیك یجوز فثبت ان التملیك یصح بدون التسلیم وانہ غیر الھبۃ وعلیہ الفتوی وعمل الناس و موت المقر بمنزلۃ التسلیم بالاتفاق کذا	اس مقام پر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی سے جو وقوع پذیر ہوا جہاں انہوں نے فرمایا کہ سید حموی نے فرمایا: جاننا چاہئے کہ تملیک ہبہ کے معنٰی میں ہوتی ہے اور قبضہ سے تام ہوتی ہے اور جب یہ قبضہ اور تسلیم سے خالی ہو تو پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا جائز ہے اور بعض نے کہا ناجائز ہے ہبہ پر قیاس کی وجہ سے اور اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ بغیر قبضہ دیئے جائز ہے اور تملیک ہبہ سے جدا چیز ہے کیونکہ تملیک اور ہبہ دو علیحدہ چیزیں حکم اور نام کے اعتبار سے نام کے لحاظ سے ظاہر ہے حکم کے اعتبار سے اس لئے کہ اگر کوئی درختوں پر پھل کو ہبہ کرے تو ناجائز ہے اور اگر تملیک کے طور پر کسی کے لئے اقرار کرے تو جائز ہے تو ثابت ہوا کہ تملیک بغیر قبضہ دئے صحیح ہے اور ہبہ کا غیر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور لوگوں کا عمل بھی اور اقرار کرنے والے کی موت بمنزلہ قبضہ ہے اھ مفتاح میں

فی الفتاح [1] انتھی،**فاقول:** نقل مجھول لامعقول ولا مقبول اما لجھل فلان المفتاح لیس من الکتب المتداولۃ ولاالشھیرۃ و لاعلم من ھو مصنفه وما درجته فی کتب المذھب،واما انه غیرمعقول فلان التملیك حالا امالِلعین اوللمنافع وکل امابعوض اومجانا ھذا تقسم حاصر عقلی لاامکان لخروج قسم عنه ومعلوم بداھۃ ان ھذاالشیئ الذی لیس تملیك المنافع وتملیك العین بعوض فاذن لیس الاتملیك العین حالا مجانا وماھوا الا الھبۃ وفسرت فی المتون وقال قاضی زادہ فی تنائج الافکار الھبۃ فی الشریعۃ تملیك المال بلاعوض کذا فی عامۃ الشروح بل المتون [2]،وماعھد من الشرع المطھر ما ھو عقد یکون تملیك العین فی الحال بلاعوض ولا یکون ھبۃ ولوکان لوجب ان یعقد له کتاب او باب او فصل اواقل شیئ فی کتب المذہب کما عقدت الکتب البیع والھبۃ والعاریۃ والاجارۃ

یوں ہے اھ،**فاقول:** (تو میں کہتا ہوں۔ت) یہ نقل مجہول، غیر مقبول اور غیر معقول ہے۔ مجہول اسی لئے کہ مفتاح مشہور اور متداول کتب میں نہیں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا مصنف کون ہے اور کتب مذہب میں اس کا کیا مقام ہے غیر معقول اسی لئے کہ مذکورہ تملیک عین چیز کی ہوگی یا منافع کی ہوگی پھر ہر صورت عوض کے بدلے یا بلاعوض ہوگی یہ تقسیم عقلی طور پر چار صورتوں کو حاصر ہے اور اس سے خارج کسی قسم کا احتمال نہیں ہے اور بداہۃً معلوم ہے کہ یہ چیز جو منافع اور عین چیز کی تملیک بالعوض نہیں تو لامحالہ پھر صرف تملیک العین مفت میں ہوگی تو اسی کا نام ہبہ ہے اور متون میں اسی کی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قاضی زادہ نے نتائج الافکار میں فرمایا: شریعت میں ہبہ مال کی بلاعوض تملیک کو کہتے ہیں۔ یونہی عام شروح میں مذکور ہے بلکہ تمام متون میں ہے، شرع شریف سے کوئی ایسا عقد معلوم نہیں ہوا جس میں موقعہ پر بلاعوض عین چیز کا مالک بنانا ہو اور وہ ہبہ نہ ہوگا اگر کوئی اور چیز ہوتی تو کتب فقہ میں اس کے لئے کوئی کتاب، باب یا فصل یا اور کوئی اس سے کم عنوان ضرور قائم کیا جاتا جیسا کہ کتب میں بیع، ہبہ، عاریہ اور اجارہ وغیرہ کے لئے

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۹

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الھبۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۷۹

لکن نری کتب المذہب عن اٰخرھا خالیۃ عن اولٰی ایماء الٰی ذٰلك فاذن ھو عقد غیرہ معھود من الشرع بل ولامعروف فی عرف الناس قاطبۃ فانك لواخبرت احدا ان زید املك دارہ من عمرو مجانا فی الحال لم یفھم منہ احد الاالھبۃ ولایخطر ببال صبی عاقل ولا عالم فاضل شیئ غیرھا وقد علل فی الھدایۃ وغیرھا عامۃ الکتب المعللۃ اشتراط القبض فی الھبۃ بانہ عقد تبرع وفی اثبات الملك قبل القبض الزام المتبرع شیئالم یتبرع بہ وہو التسلیم فلایصح[1] اھ والتمسك بمسئلۃ الاقرار اول دلیل علی ان ھذا الکلام لم یصدر عن فقہ فانہ انما المرء مواخذ باقرارہ الاتری ان لولم یملکہ اصلا واقراخذ باقرارہ فھل یستدل بہ علی ان التملیك یصح من دون ایجاب من المملك اصلا ثم لاشك	عنوان قائم ہیں لیکن ہم اول تا آخر تمام کتب مذہب کو دیکھ رہے ہیں کہ تمام کی تمام اس عنوان سے خالی بلکہ اس کی طرف کسی ادنٰی اشارہ تک سے خالی ہیں تو معلوم ہوا کہ نری تملیک شرع میں کوئی عقد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے عرف تک میں کہیں موجود نہیں، کیونکہ اگر تو خبر دے کہ زید نے مفت میں عمرو کو مکان کا مالک بنادے تو اس سے ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ یہ ہبہ ہے اور کسی بچے اور عالم فاضل تک کے دل میں ہبہ کے علاوہ کوئی چیز نہ کھٹکے گی، اور ہدایہ اور تمام ان کتب میں جو علل کو بیان کرتی ہیں انہوں نے ہبہ میں قبضہ کی شرط کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ یہ تبرع کا عقد ہے اور قبضہ سے قبل ملک کے ثبوت میں تبرع کرنے والے پر ایسی چیز کا الزام ہوگا جس کا اس نے تبرع نہیں کیا اور وہ تبرع سونپ دینے کا نام ہے (جو ابھی واقع نہیں ہوا) لہٰذا قبضہ سے قبل ملک صحیح نہ ہوگی اھ، اور اقرار کے مسئلہ سے اس کا استدلال کرنا یہی اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ اس کا یہ کلام سمجھ کے بغیر صادر ہوا ہے کیونکہ یہ تو صرف کسی کا اپنے اقرار میں ماخوذ ہونے کی بات ہے آپ غور کریں کہ اگر کوئی شخص قطعاً کسی کو مالک نہ بنائے اس کے باوجود وہ اقرار کرے تو اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا تو کیا اس اقرار سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ مالک بنانے والے کی

[1] الھدایۃ کتاب الھبۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۸۱

ان لو اقر بالبیع جاز فھل یستدل بہ علی ان البیع یتم من جانب البائع وحدہ لانہ لیس ھٰھنا شیئ من جانب المشتری بل السرالذی غفل عنه ھذا المستدل ان الاقرار اخبار من وجه کما انه انشاء من وجه فلشبه الاخبار یواخذ بامثال الاقرار لا لانه انشاء عقد لایحتاج الی القبض الا تری انه لو اقر لغیرہ بنصف دارہ مشاعاصح کما فی الدر[1] وغیرہ وماذلك الا لشبه الاخبار ولوکان انشاء لم یصح کما نصوا مع وجوب الصحة علی وھم ھذا الواھم وتقدم فی الاقرار متناوشرحا جمیع مالی اوماملکه له ھبة لااقرار فلا بد من التسلیم بخلاف الاقرار[2] اھ فقد افادان لام التملیك	طرف سے ایجاب کے بغیر ہی تملیک صحیح ہوجاتی ہے (ہرگز نہیں) پھر اس میں بھی شک نہیں کہ اگر کوئی بیع کااقرار کرے تو یہ اقرار صحیح ہے تو کیا اس سے بھی یہ استدلال کیا جاسکے گا کہ بیع کا انعقاد صرف اکیلے بائع کی طرف تام ہوگا کیونکہ اس میں مشتری کے کسی عمل کا ذکر نہیں (جبکہ ایسا نہیں ہے) بلکہ وہ نکتہ جس سے یہ استدلال والا غافل ہے وہ یہ ہے کہ اقرار من وجہ خبر ہے جیساکہ وہ من وجہ انشاء ہے تو خبر والے پہلو کے اعتبار سے اقرار کی وجہ سے وہ ماخوذ ہوتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ یہ عقد کا انشاء ہے جس میں قبضہ کی ضرورت نہیں ہے تو آپ دیکھیں کہ اگر وہ غیر کے لئے اپنے نصف مکان کا مشاع کے طور پر اقرار کرے تو صحیح ہے جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے تو یہ صرف اس لئے کہ اس میں خبر کا شبہ ہے حالانکہ اگر اس کو انشاء کہا جائے تو صحیح نہ ہوگا جیساکہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے حالانکہ مذکور اقرار کی صحت اس شخص کے ہاں مسلمہ ہے اور پہلے گزرا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ میرا تمام مال یا جس چیز کا میں مالک ہوں وہ فلاں کی ہے تمام متون اور شروح میں اس اقرار کو ہبہ قرار دیا ہے اس کو اقرار نہیں کہا، تو اس میں قبضہ

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰
[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۱

یفید الھبة ویشترط التسلیم وان عدم اشتراطه فی الاقرار جاء من جهة انه اخبار من وجه لا ان ھٰھنا عقدا لایحتاج الی التسلیم والنکتة فیه ان التملیك یعم البیع والھبة فاذا اقر بانه ملك الثمار وھی علی الاشجار صرف الامر الی البیع مواخذة له باقراره وتصحیحا للکلام مهما امکن بخلاف ما اقر بهبتها فانه قد صرح بما لایتم مشغولا فلم یفد وکذلك فی کل شیئ اذا اقر بانی قد ملکته من فلان قبل ولم یبحث عن القبض و الشغل وغیرها لان الاقرار بالتملیك اقرار بخروجه عن ملکه الی ملك المقرله و لایتم ذٰلك فی التبرعات لابالقبض للمقرله فالاقرار به اقرار بالھبة وبالاقباض معا بخلاف مالو اقرانی وھبته فان صدور الھبة من الواھب

دینا ضروری ہے۔بخلاف اقرار کے اھ تواس مسئلہ نے فائدہ ظاہر کیا کہ اقرار میں لام تملیک کے لئے ہے جو ہبہ کا فائدہ دیتا ہے اور تسلیم کو شرط بناتا ہے اور اقرار بنانے کی صورت میں تسلیم کا واجب نہ ہونا اس وجہ سے ہوا کہ من وجہ خبر ہے اس لئے نہیں کہ اقرار ایک عقد ہے جس میں تسلیم وقبضہ دینا ضروری نہیں ہے اس میں نکتہ یہ ہے تملیک کاعنوان بیع اور ہبہ دونوں کو شامل ہے، توجب اس نے یہ اقرار کیا کہ "درختوں پر پھل کا مالک بنایا" تواس کو بیع کی طرف پھیرا جائے گا تاکہ اس کو اپنے اقرار میں ماخوذ کیا جائے اور کلام کو حتی الامکان صحیح بنایا جائے۔بخلاف اس صورت کے کہ وہ ہبہ کا اقرار کرے تواس کا کلام درست نہ ہوگا کیونکہ وہ پھل اس کے درختوں کے ساتھ مشغول ہے اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کے متعلق وہ یہ اقرار کرے کہ میں نے اس کافلاں کو مالک بنایا اور قبضہ اور مشغول ہونے نہ ہونے کا ذکر نہ ہو تو یہ اقرار قبول کرلیا جائے گا کیونکہ تملیک کااقرار اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے یہ چیز اپنی ملکیت سے نکال کر مقرلہ کی ملکیت میں دے دی اور تبرعات میں یہ معاملہ اس وقت تک تام اور درست نہیں ہوتا جب تک قبضہ مقرلہ کے لئے نہ مانا جائے تو لازما یہ اقرار ہبہ مع قبضہ ماننا ہوگا۔بخلاف جبکہ وہ ہبہ کااقرار کرے اور یوں کہے میں نے یہ چیز اس کو ہبہ کی ہے اور

لایستلزم الاقباض فلا یکون اقرار بحصول الملك للموہوب له هذا هو الفرق بین الاقرارین لاما زعم ان التملیك لایحتاج الی القبض ولو لا ذکره من الدلیل لِاَیْقَنَّا ان هذا النقل والفتوٰی مکذوب علی المشائخ ولکن باستدلاله تبین ان الخطأ فی الفهم وقد قدمنا نصوصا قاضیة بان التملیك هٰهنا هو الهبة وقد اعترف به هٰذا الناقل فی صدر کلامه ان التملیك یکون فی معنی الهبة ویتم بالقبض فاذا کان تمامه بالقبض فکیف یجوز بدون التسلیم ثم العجب اشد العجب ان الاختلاف کان فی انه لو قال ملکتك هذا الشیئ هل یکون هبة ام لایصح اصلا لان التملیك اعم کما قدمنا من ردالمحتار والاٰن جاء تنا الفتوی بانه صحیح مطلقا حتی بلاقبض هل هذا الاعجب عجاب، وقد اسمعناك نص التتمه وجامع الفصولین والخیر الرملی و	تملیک کا لفظ کہا یہ تو اقرار قبضہ کو مستلزم نہیں کیونکہ واہب کی طرف سے ہبہ کے صدور کو یہ لازم نہیں تو ہبہ کے اقرار سے موہوب لہ کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی، تملیک اور ہبہ کے اقراروں میں یہ فرق ہے نہ یہ کہ تملیک میں قبضہ کی ضرورت نہیں جیسے اس نے گمان کرلیا، اگر یہ اس دلیل کو ذکر نہ کرتا تو ہم یقین کرلیتے کہ نقل اور فتوٰی مشائخ کی طرف غلط منسوب ہے لیکن مسئلہ اقرار سے اس کے استدلال نے واضح کردیا کہ خطأ اس کے فہم کی ہے جبکہ نقل اور فتوٰی صحیح ہے حالانکہ ہم پہلے نصوص کے ذریعہ واضح کرچکے ہیں کہ یہاں تملیک سے مراد ہبہ ہے جبکہ یہ ناقل بھی اپنے کلام کی ابتداء میں اعتراف کرچکا ہے کہ تملیک ہبہ کے معنی میں ہوتی ہے اور وہ قبضہ سے تام ہوتی ہے تو جب یہ قبضہ سے تام ہوتی ہے تو پھر تسلیم کے بغیر کیسے جائز ہوگی، پھر انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ اختلاف یہ بیان کیا کہ اگر کوئی یوں کہے "میں نے تجھے اس چیز کا مالک بنایا" تو یہ ہبہ ہوگا یا سرے سے کلام صحیح نہ ہوگا اور ہبہ نہ ہوگا کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے جیسا کہ ہم ردالمحتار سے بھی ثابت کرچکے ہیں تو اب انہوں نے فتوٰی ظاہر کردیا کہ یہ مطلقاً صحیح ہے خواہ قبضہ بھی نہ ہو، تو یہ عجائب سے عجیب تر ہے، ہم نے آپ کو تتمہ کی نص اور جامع الفصولین، خیر الدین رملی اور عقود الدریہ سے بتایا کہ وہ

العقود الدرية ان المحضر المکتوب فیه ملکه تملیکا صحیحا فاسد غیر مقبول لان وجه التملیك فیه مجھول و من قبله قبله حملاله علی الھبة و الاٰن صار مقبولا لان عقد جدید، مخترع لم یعھد فی شرع و لا عرف و من ھٰھنا عرف ان قوله موت المقر بمنزلة التسلیم بالاتفاق [1] خرق الاجماع الناطق بان موت احد المتعاقدین قبل التسلیم مبطل فالحق ان ھذا النقل المجھول غیر المعقول مما لایحل الاعتماد علیه بل لایسوغ الالتفات الیه وباللّٰه العصمة والتوفیق۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	محضر نامہ جس میں لکھا تھا "اس کا صحیح تملیک کے ساتھ اس کو مالک بنایا" کہ یہ تحریر فاسد ہے اور غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں تملیک کی وجہ مجہول ہے اور جس نے اس تحریر کو مقبول مانا تو اس نے اس کو ہبہ پر محمول کرکے مانا ہے اور اب انہوں نے اس کو مقبول مانا تو اس لئے کہ یہ جدید اور من گھڑت عقد ہے جس کا شرع اور عرف میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس سے واضح ہوگیا کہ طحطاوی کا کہنا کہ مقر کی موت بمنزلہ تسلیم ہے بالاتفاق یہ بالکل اجماع کے منافی بات ہے کیونکہ تسلیم سے قبل بالاجماع فریقین میں سے ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے تو ثابت ہوا کہ یہ نقل مجہول غیر معقول ہے جس پر اعتماد جائز نہیں، بلکہ یہ التفات کے قابل بھی نہیں، تو توفیق اور حفاظت اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۶: از بنارس مسجد چوک کہنہ مرسلہ محمد سلیمان و محمد صاحبان ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اس مسئلہ میں کہ خالد کے پانچ پسر اور تین دختر ہیں۔ پسروں میں زید سب سے بڑا ہے، زید کی نابالغی اور حالت طالب علمی میں جس وقت کہ اس کو کسی قسم کی آمدنی نہ تھی، خالد نے اپنے خاص روپے سے ایک زمین پرتی زید کے نام خریدی اور اپنے ہی خاص روپے سے ایک مکان اس زمین پر تعمیر کرایا اور کرایا پر دیا، خالد کرایہ خود تحصیل کرتا تھا اور ضرورت کے وقت مکان کی مرمت کرتا تھا، ۱۴برس بعد خرید مکان مذکور خالد نے کل جائدا منقولہ وغیر منقولہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کردی مگر وہ مکان جو زید کے نام خریدا تھا ہبہ نامہ میں مندرج نہیں کیا ہبہ نامہ سے حفاظت جائداد منظور تھی، ہبہ نامہ کے لکھنے کے بعد تین برس تک خالد زندہ رہا، مگر جائداد پر جس کو

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۹

وہ ہندہ کے نام ہبہ کرچکا تھا خود اس طرح پر قابض رہا جیسا کہ وہ تحریر ہبہ نامہ کے قبل تھا، خالد کے انتقال کے بعد سے زید کا قبضہ اس مکان پر جو اس کے نام سے اس کے پدر خالد نے خریدا تھا شروع ہوا خالد کی حیات میں گو زید بالغ تھا نوکر سرکار تھا اور صاحب اولاد تھا مگر اس کا قبضہ اس مکان پر نہ تھا زید جب تک زندہ رہا اس مکان کا کرایہ تحصیل کرتا رہا اس کی مرمت بھی کرتا تھا اور دو بار اس کو رہن بھی رکھا تھا اس کی بیوہ سلیمہ بعد زید کے انتقال کے اسی طور سے جیسا کہ اس کا شوہر تھا برابر اب تک قابض ہے، اب وارثان خالد وہندہ میں نزاع درپیش ہے موافق شرع شریف مکان مذکور زید کا ہے یا خالد کا، تااین دم جائداد خالد وہندہ کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اور جو صورت زید وسلیمہ کے وقت تھی اس وقت تک قائم ہے کوئی تعمیر جدید نہیں ہوئی اگر مکان مذکور زید کا قرار نہ پایا تو جو آمدنی اس کو اور اس کی بیوی سلیمہ کو اس مکان سے آج تک ہوئی ہے واپس کی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ زمین کہ خالد نے اپنے پسر نابالغ زید کے نام خریدی فوراً ملک زید ہوگئی، تاحیات خالد اس پر قبضہ زید نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ باپ جو چیز اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کرے اس میں موہوب لہ کو قبضہ دینا شرط نہیں باپ ہی کا قبضہ اس کا قبضہ قرار پاتا ہے۔

فی ردالمحتار عن المنح عن الولوالجیۃ ان کان الاب اشتری لھا فی صغرھا وذلك فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ [1]۔	ردالمحتار میں منح سے انہوں نے ولوالجیہ سے نقل فرمایا کہ اگر باپ نے بالغہ بیٹی کے لئے کوئی چیز اپنی صحت میں خریدی تو ورثاء کا اس پر کوئی حق نہیں ہے اور وہ خاص اس بیٹی کی ہوگی۔(ت)

درمختار میں ہے:

ھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ وھو کل من یعولہ فدخل الاخ والعم عند عدم الاب لو فی عیالھم تتم بالعقد لو الموھوب معلوما وکان فی یدہ اوید	نابالغ کا ولی وہ ہے جو نابالغ کو اپنے عیال میں داخل کرے خواہ باپ کی عدم موجودگی میں بھائی ہو یا چچا ہو، تو اس کا اس نابالغ کو ہبہ عقد سے ہی تام ہوجاتا ہے جب موہوب چیز معلوم اور ولی کے قبضہ میں ہو یا اس نے کسی کے پاس امانت رکھی ہو

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

مودعه لان قبض الولی ینوب عنه [1]۔	کیونکہ ولی کا قبضہ نابالغ کے قائم مقام ہے۔(ت)

اسی طرح وہ عمارت کہ اس زمین پر خالد نے اپنے روپے سے بنائی اگر ظاہر کردیا تھا کہ یہ عمارت میں اپنے پسر نابالغ زید کے لئے بناتا ہوں یا بننے کے بعد کہہ دیا کہ یہ عمارت میں نے اس کے لئے بنائی یا بنانے کے بعد مکان کا عقد اجارہ زید کی طرف سے کیا کرایہ دار سے کہا میں نے یہ مکان اپنے پسر زید کا تجھے اتنے کرایہ پر دیا یا کرایہ نامہ زید کے نام لکھوایا کہ یہ بھی عرفاً مرتفع تملیک اور قرینہ کافی ہے یا زید سمجھ وال تھا اس نے درخواست کی کہ اس زمین میں میرا مکان بنادو خالد نے قبول کیا اور اس بنا پر بنایا غرض کسی طرح دلیل تملیک ظاہر ہوئی تو وہ عمارت بھی ملک زید ہوگئی اور سارا مکان اسی کا قرار پایا۔

فی ردالمحتار التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالة علی التملیك [2] الخ وفی جامع الصغار للاستروشنی المعتبر فی الباب التعارف [3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ ہبہ میں ایجاب وقبول ضروری نہیں بلکہ اس کی تملیک پر دال قرائن ہی کافی ہیں۔الخ،اور جامع الصغار میں ہے اس باب میں تعارف معتبر ہے۔(ت)

ہاں اگر کوئی دلیل تملیک نہ پائی گئی خالد نے اس کا زید کے لئے ہونا اصلاً ظاہر نہ کیا تو نفس عمارت مالک خالد پر رہی کہ اپنے بچہ کے لئے ہبہ بھی صرف نیت سے تمام نہیں ہوتا جب تک اسے ظاہر نہ کرے،نہ بے اظہار نیت پر علم کا کوئی ذریعہ ہے،

فی ردالمحتار تحت قول الدرالمار "تتم بالعقد" هذا اذا اعلمه اواشهد علیه والاشهاد للتحرز عن الجحود بعد موته والاعلام لازم لانه بمنزلة القبض بزازیة [4]۔	درمختار کے مذکور قول کے تحت ردالمحتار میں ہے کہ عقد کے ساتھ تام ہوجاتا ہے یہ اس وقت جبکہ ولی اس کو بتادے یا گواہ بنالے اور گواہی اس لئے تاکہ اس کی موت کے بعد انکار نہ ہوسکے اور اطلاع دینا ضروری ہے کیونکہ یہ بمنزلہ قبضہ کے ہے،بزازیہ۔(ت)

[1] درمختار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[3] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/ ۱۷۶

[4] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

صرف اس قدر کہ یہ عمارت زمین مملوکہ زید میں خالد نے بنائی دلیل تملیک ہونے کے لئے کافی نہیں جبکہ تعمیر زید نے خاص اپنے مال سے کی،

کما فی ردالمحتار عن جامع الفصولین عن العُدۃ(عہ) کل من بنی فی دار غیرہ بامرہ فالبناء لاٰمرہ ولو لنفسہ بلاامرہ فھو لہ[1] الخ	جیسا کہ ردالمحتار میں جامع الفصولین کے حوالہ سے عدہ سے منقول ہے جو کسی کی زمین میں مالک کے حکم سے عمارت بنائے تو عمارت مالک کی ہوگی اور اگر مالک کی اجازت کے بغیر اپنے لئے بنائی تو بنانے والے کی ہوگی الخ (ت)

اگر واقع یہ صورت ثانیہ ہے تو زمین ملک زید اور عمارت بعد انتقال خالد زید اور دیگر ورثاء میں مشترکہ ٹھہرے گی مگر آمدنی جو زید وسلیمہ نے حاصل کی باقی شرکاء اس کے واپس لینے کا دعوٰی نہیں کرسکتے کہ عقد اجارہ میں جو شخص کسی شیئ کو کرایہ پر چلاتا ہے اجرت کا مالک وہی ہوتا ہے اگرچہ وہ شے ملک غیر ہی ہو، ہاں اس پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہوتی ہے یا تو ملک غیر کی اُجرت اس مالک کو واپس دے اور یہی بہتر ہے یا محتاجوں پر تصدق کردے کہ اس کے حق میں وہ ملک خبیث ہے مگر جبکہ شرعًا مالک شے مالک اجرت نہیں اور اس اجارہ دینے والے پر خاص مالک ہی کو واپس کرنا واجب نہیں بلکہ تصدق کا بھی اختیار رکھتا ہے تو مالک اس پر واپسی کا دعوٰی نہیں کرسکتا، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل اٰجر محدودات مملوکۃ مشترکۃ و تناول اجرتھا مدۃ سنین والاٰن الشرکاء یطالبونہ بحصتھم منھا ھل یحکم القاضی علیہ بھا لھم ام لا حیث لم یکن ذٰلک بوکالۃ سابقۃ علی	ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے چند محدود اشیاء جو کہ اس کی ملکیت میں دوسروں کی مشترکہ اشیاء تھیں وہ اس نے اجرت پر دے کر کئی سال ان کی اجرت کھاتا رہا اور اب اس کے شرکاء اس سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں، تو کیا قاضی اس پر شرکاء حصہ کی ادائیگی لازم کرے گا یا نہیں جبکہ اس کی یہ

عـــہ: ھی رمز تصنیف او مصنف ۱۲ عبدالمنان۔

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

العقد ولا اجازۃ لاحقۃ بعدہ اجاب لایقضی علیہ لھم بحصتہ منھا لان المنافع لاتتقوم الابالعقد وھو صادر منہ بلا وکالۃ سابقۃ ولا اجازۃ لاحقۃ فملکھا الشریك العاقد لکن ملکہ فی غیر ملکہ ملك خبیث فیجب علیہ التصدق بہ اودفعہ لشرکائہ خروجا من الاثم والثانی افضل لخروجہ من الخلاف ایضا واللہ تعالٰی اعلم [1] اھ**قلت** وھھنا مزلۃ تنبھت علیھا بتوفیق المولی تبارك وتعالٰی فیما علقت علی العقود الدریۃ من کتاب الشرکۃ وللہ الحمد والمنۃ۔	کارروائی نہ وکالت سابقہ سے تھی اور نہ ہی اجازت لاحقہ سے ہوئی انہوں نے جواب دیا کہ قاضی کو یہ اختیار نہیں کیونکہ اجارہ کے منافع صرف عقد کے ذریعہ ہی قیمتی بنتے ہیں جبکہ عقد اس کا ہے اور بغیر وکالت سابقہ اور اجازت لاحقہ کے ہوا ہے تو ان منافع کا مالک صرف عقد کرنے والا ہی بنے گا تاہم یہ اس کی ملک خبیث ہوگی تو اس پر لازم ہے کہ اس اجرت کو صدقہ کرے یا پھر اپنے شرکاء حضرات کو دے دے، آخری صورت بہتر ہے تاکہ خلاف سے بھی بچ جائے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ **میں کہتا ہوں** یہاں ایک خطاء ہے اس پر میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے عقود الدریہ پر اپنے حاشیہ میں تنبیہ کردی ہے۔(ت)

پھر یہ حکم وجوب بھی سلیمہ زندہ پر اُس آمدنی کے باب میں ہے جو اس نے خود حاصل کی اور جس قدر زید حاصل کرگیا اس کے بعد اس کے وارثوں پر نہ دیگر شرکاء کو بقدر حصص واپس دینا لازم رہا نہ تصدق کرنا مگر یہ کہ زید اس کی وصیت کرگیا ہو،

فان کل دین علی المیت لامطالب بہ من جھۃ العباد لا یلزم الورثۃ اداؤہ الابالایصاء کما نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار ھکذا ینبغی ان یفھم ہذا المقام والحمدللہ ولی الانعام۔ واللہ	کیونکہ میت کے ذمہ ایسا دین جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہ ہو اس کا ورثاء پر ادا کرنا میت کی وصیت کے بغیر لازم نہیں ہے جیسا کہ اس پر درمختار وغیرہ میں نص ہے، اس مقام کو یوں سمجھنا چاہئے، اور سب تعریفیں انعام کے مالک اللہ تعالٰی کے لئے ہیں، واللہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵

سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل جدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۷۷: از بری پورہ پر گنہ بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ مناخاں ۹ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، عرصہ پندرہ سال کا ہوا کہ زید نے بکر ایک پسر بالغ کے نام جائداد اپنے روپے سے خرید کر دی، بعد خریداری اور جملہ تکمیل داخل خارج وغیرہ کرادینے کے بکر نے دو تین سال بعد اپنی زوجہ کے نام بعوض دین مہر بیع کر دی، پانچ سال کے بعد زوجہ بکر نے ایک غیر کے ہاتھ بیچ ڈالی پھر اسی زر ثمن سے اپنے شوہر بکر کی معرفت کچھ حقیت خریدی یہ سب باتیں زید کی حیات تک رہیں اور ان جملہ انتقالات کے وقت وارثان زید سے کوئی مزاحم نہ ہوا اسی طرح زید نے بکر کو ایک مکان تعمیر کراکر عطا کیا اور قبضہ وغیرہ دے کر علیحدہ کر دیا ورثہ زید آج تک نسبت جائداد ومکان مذکور مزاحم نہ ہوئے انتقال زید کو تین برس گزرے اب ورثائے زید خواستگار ترکہ جائداد و مکان ہیں، اس صورت میں یہ دعوی ان کا صحیح ہے یا نا مسموع؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مکان بنا کر کسی کو عطا کر دینا اور ماں باپ کا کوئی شے اپنے روپے سے اولاد کے نام خرید دینا دونوں ہبہ ہیں اول ظاہر ہے اور ثانی یوں کہ عرفاً اس سے تملیک ہی مقصود ہوتی ہے اور تملیک بلاعوض ہبہ ہے، ردالمحتار میں منح الغفار سے ہے:

ان کان الاب اشتری لہا فی صغرہا اوبعد ماکبرت و سلم الیہا وذلك فی صحتہ فلاسبیل للورثۃ علیہ و یکون للبنت خاصۃ[1]۔	اگر باپ نے نابالغہ کے لئے یا بالغہ کے لئے بشرطیکہ بالغہ کو قبضہ دیا ہو کوئی چیز اپنی صحت میں خریدی تو ورثاء کا اس چیز میں کوئی حق نہیں ہے وہ خاص بیٹی کی ہوگی۔ (ت)

عقود الدریہ میں ذخیرہ وتجنیس سے ہے:

امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدہا الصغیر من مالہا تکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واہبۃ[2]۔	اگر ماں نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے کوئی چیز خریدی تو وہ چیز بیٹے کی ہوگی کیونکہ وہ ماں کی طرف سے اس کو ہبہ ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

اور ہبہ بعد قبضہ تمام ہو جاتا ہے شے موہوب ملک واہب سے نکل کر ملک موہوب لہ میں داخل ہو جاتی ہے واہب وورثان واہب کی ملک و وراثت اس میں نہیں رہتی خصوصا جبکہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم مثلا بیٹا، بھائی، بھتیجا ہو خصوصا جبکہ شیئ موہوب موہوب لہ نے دوسرے کے نام منتقل کردی خصوصا جبکہ واہب کا انتقال ہو چکا کہ ان میں سے ہر صورت ہبہ کو لازم کردیتی ہے جس کے سبب اس میں رجوع کا بھی امکان نہیں رہتا نہ کہ جہاں اتنے وجوہ جمع ہوں، درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیہاموت احد المتعاقدین بعد التسلیم وخروج الھبۃ من الملك الموھوب لہ و قرابۃ ذی رحم محرم[1] اھ ملتقطا۔	ہبہ میں رجوع سے فریقین میں سے کسی کی موت مانع ہے بشرطیکہ ہبہ پر قبضہ دے دیا ہو اور موہوب لہ کی ملکیت سے موہوب کا خارج ہو جانا اور قرابت ذی رحم محرم بھی رجوع سے مانع ہے اھ ملخصا۔ (ت)

پس صورت مسئولہ میں اس مکان وجائداد پر وارثان زید کا دعوی محض باطل و ناقابل سماعت ہے خصوصا بعد اس کے کہ سالہا سال تصرفات انتقال دیکھتے اور سکوت کرتے رہے کما نصوا علیہ وبیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے اور اسے ہم نے اپنے فتوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۸: ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بیٹے ایک زید سے علیحدہ کاروبار کرتا تھا اور ایک زید کے ساتھ بشرکت جب زید ضعیف ہوا کل کام اور اسباب تجارت اس شریک بیٹے کو حوالہ کیا اور کل اختیارات نیک وبد دے کر مالک کردیا اور تاحیات زید اس کا خورد ونوش اسی بیٹے کے متعلق رہا اور اس نے تجہیز و تکفین کی اس صورت میں بیٹے کا اس مال میں حق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل خود مظہر کہ اس بیٹے کی شرکت ایسی نہ تھی کہ کچھ مال یا روپیہ اس کا ہو مال سب

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳۔۱۶۱

باپ کا تھا یہ اس کا کام کرتا اور اس کے ساتھ رہتا تھا، اب زید کے وہ الفاظ قابل لحاظ ہیں جن سے اس نے اس پسر کو کل اختیارات دے کر مالک کردیا اگر خود ان الفاظ یا دیگر قرائن واضحہ سے تملیک کل مال واسباب تجارت مفہوم تھی تو ضرور یہی بیٹا اس تمام مال کا مالک ہوگیا کہ ہبہ پایا گیا اور قبضہ خود ظاہر، اور اگر تصرفات تاجرانہ کا مالک کردینا تھا کہ سب سیاہ وسپید تیرے اختیار ہے خرید وفروخت لین دین کا تو مالک ہے اس سے زیادہ اصل مالک کی تملیک پر کوئی دلیل نہ تھی تو اس قدر سے صرف وکالت حاصل ہوگی مال کی ملک نہ ہوگی۔

فی ردالمحتار عن حاشیۃ الاشباہ للعلامۃ بیری زادہ عن خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنہ مالافتصرف فیہ الا بن یکون للاب الااذا دلت دلالۃ التملیك اھ(قال الشامی)قلت فقد افادان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیك کمن دفع لفقیر شیئا وقبضہ ولم یتلفظ واحد منھما بشیئ وکذا یقع فی الھدیۃ ونحوہا فاحفظہ ومثلہ ما یدفعہ لزوجتہ اوغیرہا[1] .اھ	ردالمحتار میں الاشباہ کے حاشیہ علامہ بیری زادہ سے بحوالہ خزانۃ الفتاوٰی منقول ہے جب بیٹے کو مال دیا تو بیٹے نے اس میں تصرف کرلیا تو مال باپ کا ہوگا، ہاں اگر وہاں بیٹے کے لئے تملیک پر کوئی قرینہ ہو تو بیٹے کا ہوگا اھ علامہ شامی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہبہ میں ایجاب قبول شرط نہیں بلکہ تملیک پر دال قرائن کافی ہیں، جیسے کہ کوئی شخص فقیر کو کوئی چیز دے اور فقیر قبضہ کرلے، اور دونوں میں سے کوئی بھی کوئی بات نہ کرے ہدیہ وغیرہ میں بھی یہی حکم ہے، اس کو محفوظ کرلو، اور اسی کی مثل ہے جب اپنی بیوی وغیرہ کو کچھ دے دے اھ (ت)

اس تقدیر پر دوسرا بیٹا بھی اس مال میں برابر کا حقدار ہے اس پسر نے جو کچھ تجہیز وتکفین بقدر مسنون میں صرف کیا اتنا ترکہ سے لے سکتا ہے،

لکونہ وارثا والوارث لایجعل متبرعا فیہ کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اس کے وارث ہونے کی بناء پر کیونکہ اس میں وارث کے لئے تبرع نہیں شمار ہوتا جیسا کہ درمختار وغیرہ کتب میں ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

مسئلہ ۷۹: از جالندھر محلّہ راستہ مرسلہ منشی محمد احمد صاحب ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص ملازم جب عرصہ سہ سال میں مرشد سے سلوک باطنی نقشبندیہ مجددیہ طے کرچکا تو ایک روز مرشد نے اس سے کہا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حکم ہوا کہ اس سے کوئی ایسی چیز اللہ واسطے خرچ کرائی جائے کہ جو اس کے دل کو چبھے، صبح کو مرشد نے اس ارشاد عالی کے بموجب اس سے کہا کہ تو ایک تنخواہ وغیرہ اللہ واسطے خرچ کر، وہ مرید گھر میں جا کر ایک زیور طلائی لے آیا جس کی قیمت مبلغ (معہ ۸/) تھی اور اس کی تنخواہ مبلغ (صہ سہ) روپیہ تھی اس نے مرشد سے کہا میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہوں آپ منظور فرمالیں، تو مرشد نے کہا ایک تنخواہ کا حکم ہوا ہے زیور کا نہیں، اس نے کہا اگر میں اس کو بازار میں فروخت کروں تو مجھ کو شرم آتی ہے اب میں لاچکا ہوں آپ اللہ واسطے یہی قبول فرمالیں، مرشد نے وہ زیور بدیں اصرار منظور کرلیا اور وہ زیور مرشد نے اپنے گھر کے خرچ میں صرف کرلیا اور اس میں سے کچھ اللہ واسطے خرچ نہ کیا، کچھ عرصہ کے بعد اس کو دستار خلافت بھی دے دی گئی، تھوڑی مدت کے بعد اس نے مرشد سے کہا کہ مجھ کو یقین نہیں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو اور نیز آپ نے اُس میں سے کچھ اللہ واسطے خیرات نہیں کی اس واسطے میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا ہے میرا زیور وہ آپ واپس کردو، اس پر مرشد نے اس کے بدلے زیور دوسرا سیم وطلائی گھر سے اس کو دے دیا اور مرید نے یہ عبارت ایک پرچہ کاغذ پر اپنے قلم سے لکھ دی جو کہ میں نے پیر کو یہ زیور اللہ واسطے دیا تھا مجھ کو اس کے دینے کی برداشت نہیں ہوئی اب میں نے ان سے واپس لے لیا اور اس بزرگ نے اس کو عاق بھی کردیا ہے۔

(۱) آیا اب یہ مرید عاق ہوا بھی یا نہیں، اور بصورت عقوق اس پر کوئی تنبیہ شرعی وارد ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) اللہ واسطے وہ زیور دے کر واپس لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر وہ زیور ایک جگہ اللہ واسطے دے کر پھر وہاں سے واپس لے کر دوسری جگہ اللہ واسطے یا اپنے گھر میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں، اگر کرسکتا ہے تو پہلے سے واپس کرنے کے گناہ سے بَری ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) مرشد نے اس مال سے کچھ اللہ واسطے نہیں دیا آیا مرشد اس میں خطاوار ہے یا نہیں؟

(۵) اگر مرشد کی اس میں خطا ہے تو مرید اس مال کے واپس کرنے کا حقدار ہے یا نہیں؟

(۶) اگر بالفرض مرشد کو جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اپنے طمع نفسانی کے واسطے جھوٹ کہہ دیا اور مرید وہ زیور اللہ واسطے دے چکا آیا اس صورت میں وہ مرید اگر زیور واپس لے تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پیر و مرید کے جو کمالات سوال میں مذکور ان میں کہیں نہیں کہ پیر نے اس سے کہا ہو کہ وہ چیز میں تجھ سے اجنبی مساکین پر تقسیم کرنے کو لیتا ہوں یا اجانب پر تقسیم کا مجھے حکم ہوا ہے نہ مرید کے کلام میں کہیں اس کی تصریح پیر نے اتنا کہا کہ اللہ کے واسطے خرچ کرائی جائے، یہ پیر و متعلقین پیر و اجانب سب کو شامل ہے، پیر کی خدمت جو کچھ پیر ہونے کے سبب کی جائے وہ بھی اللہ ہی کے لئے خرچ ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم جو چیزیں بارگاہ عرش جاہ حضور پر نور سلطان دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نذر حاضر لاتے کیا اس سے بہتر کوئی خرچ اللہ عزوجل کے لئے متصور ہے حالانکہ حضور غنی مغنی اغنی العلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلامان آزاد شدہ تک اصلا محل صدقہ نہیں بخلاف اغنیائے دنیا کہ من وجہ محل صدقہ ہیں۔ صحیحین کی حدیث تصدق اللیلۃ علی غنی [1] (رات کے وقت غنی پر صدقہ کیا گیا۔ت) مشہور و معروف ہے، ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

الصدقۃ تکون علی الاغنیاء ایضاً وان کانت مجاز اعن الھبۃ عند بعضھم [2]۔	صدقہ کبھی غنی کے لئے بھی ہوتا اگرچہ بعض کے نزدیک وہ ہبہ سے مجاز ہوتا۔(ت)

بحرالرائق میں ذخیرہ سے ہے:

فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر [3]۔	غنی پر صدقہ قربت ہے جو کہ فقیر پر صدقہ سے قربت میں کم ہے۔(ت)

یہاں تک تو لفظ عام تھے آگے چیز دیتے وقت جو ایجاب وقبول پیر و مرید میں واقع ہوئے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب اذ تصدق علی غنی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۱، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ثبوت اجر المتصدق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۸۷و۱۸۸

ان کے صاف لفظ یہ ہیں کہ مرید نے پیر سے کہا میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہوں آپ منظور فرمالیں آپ اللہ واسطے یہی قبول فرمالیں، پیر نے باصرار منظور کرلیا، یہ صراحۃً پیر کو دینا ہوا اور پیر ہی اس کا مالک ہوگیا اور اس کا اپنے گھر میں خرچ کردینا جائز ہوا اگرچہ وہ اور اس کے اہل اغنیاء ہی ہوں وہ اس میں کسی طرح خطاوار نہیں ٹھہر سکتا، بالفرض اگر اس وقت مرید کے دل میں یہی تھا کہ میں اجانب کے بانٹنے کو دیتا ہوں اور پیر کو وکیل تقسیم کرتا ہوں تاہم جبکہ اس نے صریح الفاظ ہبہ ایجاب کیا پیر سے اسی کی منظوری پر مصر ہوا اس نے منظور کرلیا تو انعقاد ہبہ میں کوئی شک نہیں ہوسکتا عقود میں نظر معانی مدلولہ پر ہے نہ کہ مجرد خیالات باطنیہ پر، وجیز امام کردری کتاب الاجارہ فصل ثانی میں ہے:

ارادا ستیجار کرم اودار فدفع الذھب الی المالك ثم قال له گرو کردی ملکت ذا بکذا فقال کردم فھذا رھن لا اجارۃ لان المتعبر اللفظ لا العزم[1]۔	ایک شخص انگور کے درخت یا مکان کرایہ پر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس نے مالک کو دینار دے کر کہا تو یہ گروی کردیا اس رقم کے عوض، تو مالک نے کہا میں نے گروی کردیا تو یہ رہن ہوگا اجارہ نہ ہوگا کیونکہ عقد میں الفاظ کا اعتبار ہے عزم کا اعتبار نہیں۔(ت)

یہاں تک کہ اگر زید بیٹے کے لئے عمرو کی بیٹی مانگنے آیا عمرو نے کہا میں نے اپنی دختر نکاح میں دی، زید نے کہا میں نے قبول کی، زید سے نکاح ہوگیا، جبکہ اس سے نکاح ہوسکتا ہو کہ ایجاب وقبول میں پسر زید کا کوئی ذکر نہ آیا اگرچہ خیال یہی تھا کہ بیٹے کے لئے قبول کروں۔ فتاوٰی ظہیریہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لو قال ابو الصغیر لابی الصغیر زوجت ابنتی ولم یزد علیه شیئا فقال ابو الصغیر قبلت یقع النکاح للاب ھو الصحیح ویجب ان یحتاط فیه فیقول قبلت	نابالغہ کے باپ نے نابالغ کے والد کو کہا میں نے اپنی بیٹی نکاح کرکے دے دی، اس سے زائد کچھ نہ کہا، اس نے جواب میں نابالغ لڑکے کے والد نے کہا میں نے قبول کیا، تو یہ نکاح نابالغ کے والد سے ہوگا، یہی صحیح ہے، لہٰذا اس معاملہ میں احتیاط ضروری ہے اسے کہنا چاہئے تھا

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۲

لابنی [1]۔	میں نے اپنے بیٹے کے لئے قبول کی۔(ت)

التجنیس والمزید پھر فتح القدیر پھر شامیہ میں ہے:

رجل خطب لابنه الصغير امرأة فلما اجتمعا للعقد قال اب المرأة لاب الزوج دادم بزنی ایں دختر رابهزار درم فقال اب الزوج پذیر فتم یجوز النکاح علی الاب وان جری بینهما مقدمات النکاح للابن هو المختار لان الاب اضافه الی نفسه وهذا امر یجب ان یحتاط فیه [2]۔	ایک شخص نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے ایک عورت سے منگنی کی، جب نکاح کی مجلس ہوئی تو عورت کے باپ نے لڑکے کے باپ کو کہا میں نے بیوی بناکر یہ لڑکی ہزار درہم کے بدلے میں دی، جواب میں لڑکے کے باپ نے کہا میں نے قبول کی، تو یہ نکاح باپ سے ہوگا اگرچہ پہلے تمام مقدمات بیٹے کے نکاح کے لئے تھے، یہی مختار ہے کیونکہ لڑکے کے باپ نے قبولیت اپنی طرف منسوب کی، اور ایسا معاملہ ہے جس میں احتیاط ضروری ہے۔(ت)

یوہیں اگر دوسرے کے لئے کوئی چیز خریدی مگر ایجاب وقبول میں اس کی طرف اضافت نہ ہوئی شراء اسی عاقد پر نافذ ہوجائے گا اور یہی مالک مبیع قرار پائے گا جبکہ اس پر نفاذ کی گنجائش ہو، درمختار میں ہے:

لو اشتری لغیرہ نفذ علیه الا اذا کان المشتری صبیا او محجورا علیه ہذا اذا لم یضفه الفضولی الی غیرہ فلو اضافه بان قال بع ہذا العمل لفلان فقال البائع بعته لفلان توقف بزازیة وغیرها [3]	فضولی شخص نے کسی کے لئے کوئی چیز خریدی تو اگر یہ فضولی نابالغ یا مجور علیہ یعنی خود خرید وفروخت سے ممنوع نہ ہو تو یہ عقد خریداری اس کی اپنے لیے ہوگی بشرطیکہ اس نے خریداری غیر کی طرف منسوب نہ کی ہو اور اگر خریداری کو غیر کی طرف منسوب کیا مثلاً یوں کہا کہ یہ چیز فلاں کے لئے فروخت کر تو بائع نے کہا میں نے یہ چیز فلاں کے لئے فروخت کی تو پھر یہ فلاں کی اجازت پر موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۵

[2] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۳، ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۵

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

اور جب پیر اس زیور کا مالک ہوگیا اور صرف کرلیا تو اب اس سے رجوع وواپسی کا اصلا کوئی اختیار اس دینے والے کو نہ رہا،

فان ہلاك الموهوب من موانع الرجوع [1] کما نصوا علیه فی جمیع الکتب۔	کیونکہ موہوب چیز کی ہلاکت رجوع کے موانع میں سے ہے جیسا کہ اس پر تمام کتب میں فقہاء نے نص فرمائی ہے۔(ت)

پیر کا اس کے مانگنے پر اس کے معاوضہ میں اور زیور اپنے پاس سے دے دیتا اگر اس بنا پر ہو کہ اس نے سمجھا کہ جب دینے والا مجھ سے واپس مانگتا ہے تو شرعا اس کا عوض دینا مجھ پر لازم جب تو یہ دینا محض باطل ہوا مرید کو اس زیور کا لینا حرام ہے نہ اسے خیرات کرسکتا ہے نہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے بلکہ اس پر لازم کہ وہ زیور پیر کو واپس دے اور اگر خرچ کرلیا تو اس کا تاوان دے کر اس تقدیر پر پیر کا یہ زیور دینا ایک غلط فہمی پر مبنی تھا کہ یہاں عوض دینا مجھ پر شرعًا لازم ہے حالانکہ شرعا ہر گز لزوم نہ تھا تو یہ زیور کسی عقد شرعی کے ذریعہ سے ملک مرید نہ ہوا اور بدستور ملک پیر پر باقی رہا اس کا ایسا فہم معتبر نہیں۔ عقود الدریہ کتاب الشرکۃ میں ہے:

تبین ان مادفعه من ذٰلك بناء علی ظن انه واجب علیه ومن دفع شیئا لیس بواجب علیه فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه القابض کما فی شرح النظم الوہبانی وغیرہ من المعتبرات [2]۔	تو واضح ہوا کہ اس نے جو دیا تو اس بنا پر دیا کہ یہ اس پر واجب تھا، اور اگر کوئی شخص ایسی چیز دے جس کا دینا اس پر واجب نہ تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے الایہ کہ اس نے بطور ہبہ دی ہو اور قابض سے ہلاک ہوچکی ہو جیسا کہ نظم وھبانی کی شرح وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔(ت)

خیریہ کتاب الوقف میں ہے:

یرجع به قائما ویضمن بدله مستهلکا لانه مادفعه علی وجه الهبة وانما دفعه علی انه حق	موجود ہو تو رجوع کرے اگر اس نے ہلاک کردی ہو تو ضمان لے، کیونکہ اس نے ہبہ کے طور پر نہیں دی بلکہ اس لئے دی کہ جس کو دی گئی ہے اس کا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۱/ ۹۱

المدفوع الیه وہذا اصح الوجوہ ففی شرح النظم الوہبانی لشیخ الاسلام عبد البر ان من دفع شیئا لیس بواجب فله استردادہ الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه القابض اھ وقد صرحوا بان من ظن ان علیه دیناً فبان خلافه یرجع بماادعی ولو کان قد استهبلکه رجع ببدله[1] اھ۔	یہ حق ہے یہی تمام وجوہ میں بہتر ہے شیخ الاسلام عبدالبر کی شرح نظم وہبانی میں ہے کہ جس نے کوئی چیز دی حالانکہ اس پر اس کا دینا واجب نہ تھا تو واپس لینے کا حق ہے سوائے اس صورت کے کہ بطور ہبہ دی ہو اور قابض نے ہلاک کردی ہو اھ اور فقہاء نے تصریح فرمائی کہ جو اس گمان پر دے کہ اس پر یہ دیناواجب ہے اور پھر اس کا خلاف معلوم ہوا تو اپنے دئے ہوئے میں رجوع کرسکتاہے اور اگر لینے والے نے ہلاک کردی ہو تو اس کا بدل وصول کرے اھ (ت)

ہاں اگر اس گمان سے نہ دیا بلکہ دیدہ دانستہ اپنی خوشی سے اپنا زیور اس کے عوض میں ہبہ کردیا اگرچہ یہ ہبہ اسی بنا پر واقع ہوا ہو کہ ایسے اوچھے کا احسان نہ رکھنا چاہئے تو اس صورت میں مرید اس زیور کا مالک ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

(اتفقا) الواہب والموہوب له (علی الرجوع فی موضع لایصح) رجوعه من المواضع السبعة السابقة (کالهبة لقرابته جاز) ہذا الاتفاق منهما، جوہرة[2]۔	ایسی صورتیں جن میں رجوع صحیح نہ ہو مذکورہ سات صورتوں میں سے کسی میں رجوع پر واہب اور موہوب لہ دونوں اتفاق کرلیں (مثلاً قریبی ذی محرم کو ہبہ) تو یہ اتفاق جائز ہے، جوہرہ (ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

ویکون الرجوع فی العوض بالتراد وفی الهلاك برد البدل[3]۔	عوض میں رجوع واپس لینے سے ہوگا اور ہلاکت کی صورت میں بدل لینے سے ہوگا۔ (ت)

اب اسے اختیار ہوگا جو چاہے کرے۔

فانه انما هلکه ملکه بهبة	کیونکہ اس نے ابتدائی طور پر ہبہ والی ملکیت کو

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۳۰

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۰۶

مبتدءۃ کما افادہ الدر[1] عن المجتبٰی فلیس عین ما انفق للہ ولا بدلہ حقیقۃ فیفعل بہ مایشاء۔	ہلاک کیا ہے جیسا کہ اس کا افادہ مجتبٰی سے در مختار میں منقول کیا ہے، تو عین وہ چیز نہیں جو اس نے اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے دی ہے حالانکہ اس کی کوئی حقیقت ضروری ہے لہذا جو چاہے کرے۔(ت)

اور جہاں بیعت وارادت بروجہ صحیح ومعتبر واقع ہو وہاں ایسی صورت میں مرید کے لئے سعادت اسی میں ہے کہ وہ زیور شیخ کو واپس کرے اور اپنی تقصیرات شدیدہ وجرائم عدیدہ کا عفو چاہے اس کا یہ خیال کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا نہ فرمایا پیر نے دل سے بنا کر معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کردیا محض بدگمانی ہے جو ہر مسلمان پر حرام نہ کہ پیر ومرشد پر خصوصا اگر لفظ اسی قدر ہیں جو سوال میں مذکور تو اس کے انکار کا تو کوئی احتمال ہی نہیں، بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیروں کو مطابق شرع مطہر اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے حکم دیا اور صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[2]۔	تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا(ت)

اور بیشک شرع مطہر کا حکم ہے کہ ایسی چیز راہ خدا میں صرف کرو جو دل میں جسے جسے عزیز رکھتے ہو۔

قال اللہ عزوجل "لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ"[3]۔	اللہ عزوجل نے فرمایا: جب تک محبوب چیز خرچ نہ کروگے بھلائی کو ہر گز نہ پاؤ گے۔(ت)

جہاں ارادت صحیحہ معتبرہ ہو وہاں شک نہیں کہ مرید کا اتنا ہی کہنا کہ میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا اس کے فسخ بیعت اور عاق ہوجانے کے لئے بس ہے نہ کہ اور کلمات شدیدہ مزید برآں اور اس صورت میں وہ ضرور تنبیہ شرعی کا مورد ہوگا کہ وہ سخت محسن کش وبے ادب ہوا عام مسلمانوں میں کسی متنفس کی ایذا بلاوجہ شرعی حرام ہے نہ کہ پیر کی ایذا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] صحیح البخاری باب الجمعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۳/ ۹۲

ومن اذانی فقد اذی اللہ [1]۔	ایذادی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ والعیاذ باللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۰: از فرید پور مرسلہ شیخ نبی بخش صاحب جمعدار ۲۲ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو دو بھائیوں نے اپنا مشترکہ روپیہ گیارہ سو ایک شخص کو قرض دیا اور اس کی ایک جائداد رہن دخلی لی دستاویز میں برادر زید نے بجائے زید، زید کے نابالغ بیٹے بکر کا نام درج کرایا اور بعد رجسٹری دستاویز وہ کل روپیہ راہن کو دے دیا گیا بعدہ زمانہ نابالغی بکر میں ایک اور جائداد دونوں بھائیوں نے اپنے مشترکہ روپے سے رہن دخلی لی اور اس دستاویز میں بجائے عمرو اس کے بیٹے کا اور بجائے زید اس کے دو نابالغ بیٹوں بکر اور خالد کا نام درج ہوا اور بعد رجسٹری کل زرقرض چار ہزار روپے راہن کو دے دئے یہ جائداد رہن دخلی لے کر خود مالک کو بطور اجارہ داری اور فصل بفصل زراجارہ یہ مرتہن پاتے رہے کئی برس کے بعد بکر نے ایک بیٹا نابالغ ولید اور ایک زوجہ چھوڑ کر انتقال کیا زید نے بعد انتقال پسر ایک باغ اپنے روپے سے خریدا اور بیعنامہ بنام اپنے نابالغ پوتے ولید کو لکھوایا پھر ولید نے بحال نابالغی ماں اور دادا کو وارث چھوڑ کر انتقال کیا، زید نے اس باغ کے داخل خارج میں صرف اپنی بہو کا نام درج کرایا، اب وہ دعوی کرتی ہے کہ وہ دونوں روپے جن سے وہ جائدادیں رہن لیں ان میں سے زراسی بکر اور یہ باغ میرا ہے کہ ان دستاویزوں میں بکر کا نام لکھوادینے سے ان روپوں کی تملیک بکر کو ہوگئی اور اب بذریعہ دین مہر وہ میرے حق میں ہے اور اس باغ کے داخل خارج میں میرا نام درج کرانے سے یہ میری ملک ہوگیا، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت واقعہ اگر یونہی ہے کہ وہ روپے زید وعمرو کے مشترک تھے اور یونہی یکجائی طور پر مدیون کو دئے گئے تو ان میں بہو کا دعوی اصلا مسموع نہیں جبکہ وہ روپے زید کی ملک تھی تو بکر کے نام ان کا انتقال یونہی ہو سکتا ہے کہ زید بکر کو ہبہ کرکے مالک کردیتا دستاویز رہن دخلی میں اگر بکر کا نام خود زید ہی لکھاتا اور بالفرض اس سے تملیک وہ ہبہ سمجھا جاتا جب بھی یہ ہبہ جائز نہیں۔

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

بکر اگرچہ نابالغ تھا مگر زر مشترک کا ہبہ بے تقسیم نہیں ہو سکتا اور یہاں بے جدائی و تقسیم یکجائی طور پر مدیونوں کو دے دئے گئے کہ وہ روپے ان کی ملک میں داخل ہو گئے اور ہبہ باطل ہو کر بکر و مستحقان بکر کا کچھ حق نہ رہا، اور چار ہزار والے عقد میں ایک قول پر دوسرا نقص اور ہے کہ یہ حصہ زید کا زید کے دو بیٹوں کے نام بلا تقسیم لکھا گیا تو مشاع در مشاع ہوا، بہر حال ان روپوں میں بہو کا کچھ حق نہیں، فتاوٰی انقرویہ میں ہے:

فی المنتقٰی وہب نصف بیتہ لابنہ الصغیر لم یجز ما لم یقسمہ ویبین ماوہب لہ من فتاوٰی التمرتاشی فی اٰخر کتاب الھبۃ [1]۔	منتقٰی میں فتاوٰی تمرتاشی کی کتاب الھبۃ کے آخر سے ہے اگر اپنے نابالغ بیٹے کو اپنا نصف مکان ہبہ کیا تو جب تک تقسیم کرکے جدا نہ کردے جائز نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

لو تصدق بدارہ علی ولدین لہ صغیرین او کبیرین او احدہما صغیر والاٰخر کبیر لم یجزو کذا لو تصدق علیہما بکیس فیہ الف درہم وقبضاہ لم یجز، خزانۃ الاکمل فی الھبۃ عن المجرد [2]۔	اگر کسی نے دو نابالغ یا ایک یا دو بالغ یا ایک بالغ اور ایک نابالغ بیٹوں کو اپنا مکان مشترکہ طور پر ہبہ کیا تو جائز نہ ہوگا اور یونہی ان کو ایک تھیلی ہبہ کی جس میں ہزار درہم تھے اور دونوں کو قبضہ بھی دے دیا ہو تو جائز نہ ہوگا، یہ خزانۃ الاکمل کے ہبہ میں مجرد سے منقول ہے۔(ت)

بلکہ جس قدر روپیہ زید نے ان ایام میں رہن میں بنام اجارہ پایا ہے زید پر فرض ہے کہ اسے اصل میں مجرا دے اگر کل آگیا تو اب ایک پیسہ لینا حرام ہے اور اگر کچھ باقی ہے تو اسی قدر زید کا حق رہا، اور اگر زید پر فرض ہے کہ اتنا مدیون کو واپس دے، اسی طرح دوسری جائداد جو رہن دخلی لی اس سے بھی اب تک جو وصول ہوا زید کے لئے خیر اسی میں ہے کہ اسے سب کو زر اصل میں محسوب جانے، رہا باغ وہ اپنے نابالغ پوتے کے لئے خریدا

---

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۴

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۳

پوتے کی ملک ہوگیا اس کے مرنے کے بعد ایک ثلث زید کی بہو کا ہوا اور دو ثلث باغ زید کا، زید نے جو کاغذ داخل خارج میں صرف بہو کا نام لکھا دیا یہ اگر دلیل ہبہ و تملیک بھی قرار دیں جب بھی معتبر و صحیح نہیں کہ ہبہ مشاع بے تقسیم باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وہبہ لشریکہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قابل تقسیم چیز پر قبضہ دینے سے بھی ہبہ تام نہ ہوگا خواہ اس میں شرکت والے کو ہبہ دے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۱: از شہر کہنہ **۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں ان میں ایک لڑکا زید کا خدمت گزار زیادہ تر ہے اور دو لڑکے فراخی سے بسر کرتے ہیں تنگ دست نہیں ہیں اس صورت میں زید یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے خدمت گزار لڑکے کو نصف اپنی ملکیت کا دوں اور نصف بقیہ دونوں لڑکوں اور لڑکی کو بحصہ مساوی دے دوں۔ یہ بلاحق تلفی کے جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ یہ لڑکا باپ کا خدمت گزار زیادہ ہے تو ان دو پر ایک طرح کا فضل دینی رکھتا ہے اگر اور کوئی وجہ اس کے منافی نہ ہو تو ایسی صورت میں باتفاق روایات اس کو ترجیح دینے میں مضائقہ نہیں جبکہ دوسروں کو ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔ بزازیہ میں ہے:

لوخص بعض اولادہ لزیادۃ رُشد لاباس بہ وان کانا سواء لایفعلہ [2]۔	اگر اولاد میں سے بعض کو اس کی نیکی کی بناء پر زیادہ دینے میں خصوصیت برتے تو کوئی حرج نہیں ہے اور سب مساوی ہوں تو پھر امتیاز نہ برتے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

لووہب رجل شیئا لاولادہ فی الصحۃ و ارادہ تفضیل البعض علی البعض	اگر کوئی شخص صحت و تندرستی میں اپنی اولاد کو ہبہ دے اور اس میں وہ بعض کو دوسروں پر فضیلت

---

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

فی ذٰلك لاروایة لھذا فی الاصل عن اصحابنا، وروی عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی انه لاباس به اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل له فی الدین، وان کانا سواء یکرہ روی المعلی عن ابی یوسف رحمھما الله تعالٰی انه لاباس به اذا لم یقصد به الاضرار وان قصد به الاضرار سوی بینھم یعطی الابنة مثل مایعطی للابن وعلیه الفتوی ھکذا فی فتاوی قاضیخاں وھو المختار کذا فی الظھیریة[1] اھ۔ **اقول:** وقع ھٰھنا فی النقل عن الخانیة اختصار مخل اوھم، تعلق الافتاء بروایة ابی یوسف نظرا الی مامر عن الامام ولیس کذالك وانما ھو لروایته بالنظر الی المروی عن محمد من التثلیث رضی الله تعالٰی عنھم جمیعا، و اصل عبارۃ الخانیة بعد قول مثل مایعطی للابن ھکذا و قال محمد رحمه الله تعالٰی یعطی للذکر ضعف ما یعطی للانثی و	دے تو اس میں ہمارے اصحاب سے مبسوط میں کوئی روایت نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا گیا ہے کہ اس میں اس وقت کوئی حرج نہیں جبکہ دینی فضیلت کی وجہ سے زیادہ دے اور اگر تمام مساوی ہوں تو یہ مکروہ ہے، اور معلّٰی نے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے کہ اس میں دوسروں کو ضرر دینا مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر دوسروں کو ضرر مقصو ہو تو پھر ایسا نہ کرے اور سب کو مساوی دے اور بیٹی کو بیٹے کے مساوی دے، اسی پر فتوٰی ہے اور فتاوٰی قاضیخاں میں اسی طرح ہے اور یہی مختار ہے، ظہریہ میں یونہی ہے اھ، **اقول:** (میں کہتاہوں) یہاں خانیہ کی نقل میں خلل انداز اختصار کردیا ہے اور فتوٰی کا تعلق امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول سے کردیا امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے مذکور قول کے مقابلہ میں، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مقابلہ میں ہے جس میں انہوں نے بیٹے اور بیٹی کے لئے تین حصوں کا قول کیا ہے، اور خانیہ کی اصل عبارت یوں ہے، جوکہ امام یوسف کے بیٹی اور بیٹے کے لئے مساوات والے قول کے بعد ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیا جائے اور

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

الفتوی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اھ [1] قال العلامۃ الشامی نقلا عن العلامۃ الخیر الرملی مانصہ ای علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکرو الانثی افضل من التثلیث الذی ھو قول محمد [2] اھ، وقال فی البزازیۃ الافضل فی ھبۃ الابن والبنت التثلیث کالمیراث ومنہ الثانی التنصیف وھوالمختار [3] اھ،وقال العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدریکرہ ذٰلک عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح والھندیۃ [4] الخ،فانظر کیف عزا الکراہۃ الی الھندیۃ فقد علم ان الفتوی لیست ناظرۃ الی قول ابی یوسف بالنظر الی ما روی عن الامام والا لما ساغ ان یعزوالیھا مانصت فیہ ان الفتوی علی خلافہ وہذا ہو الصواب فلیتنبہ، **ثم اقول**:وباللہ التوفیق	فتوی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے،علامہ شامی نے علامہ خیر الدین رملی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا جس کی عبارت یہ ہے، یعنی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر لڑکے لڑکی کو برابر دینا ان پر تین حصے بنانے کی بجائے افضل ہے اور تین حصے بنانا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اھ، اور بزازیہ میں ہے بیٹی اور بیٹے کو ہبہ میں تین حصے کرنا بہتر ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک دو حصوں میں (برابر) دینا بہتر ہے اور یہی مختار ہے اھ، اور علامہ طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں فرمایا درجہ میں مساوی اولاد میں کسی کو زیادہ دینا مکروہ ہے جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے الخ، غور فرمائیں انہوں نے کس طرح کراہت کو ہندیہ کی طرف منسوب کیا، تو واضح ہوگیا کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر فتوی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے مقابلہ میں نہیں ہے ورنہ ہندیہ کی طرف ایسی چیز کا منسوب کرنا جس کے خلاف اس نے فتوی ہونے کی تصریح کی ہے درست نہ ہوتا، یہی درست بات ہے خبردار رہو، **ثم اقول**: (پھر میں کہتاہوں) اور توفیق

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الھبۃ فصل فی ھبۃ الوالدلولدہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۰۵-۶

[2] درمختار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

[4] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۳۹۹

یترا ای لی ان لاخلف بین ما عن الامامین الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما فان تفضیل احد الولدین لا تحقق لہ الابتنقیص الاخر والتنقیص اضرار اذ لیس المراد بہ ایصال سوءٍ الیہ فی دینہ اونفسہ او بدنہ او عرضہ اوملکہ ولاالتنقیص من حق لہ ثابت فانہ لاحق للورثۃ فی صحۃ المورث فلم یرد بہ الا حجبہ حجب نقصان اوحرمان وہذا لازم التفضیل لاانفکاک لہ عنہ۔بیدان القصد اولا و بالذات قد یتعلق بتفضیل ھذا دون تنقیص ذلک وقد یکون بالعکس فانک اذا اعطیت احدہما ازید لانہ اطوع لک وابر بک فانما مطمح نظرک فی ہذا صلتہ بمقابلۃ ماوقع منہ لاتنقیص غیرہ وان لزمہ لزوما کلیا واذا کنت غضبان علی احدہما فاعطیت الاخر ازید کیلا یصل الیہ الا القلیل فانما ملمح بصرک فی ہذا اضرارہ بما اساء الیک لاتفضیل غیرہ قصدا اولیا کما لا یخفی۔ثم التفضیل لابدلہ من حامل علیہ وداع الیہ فان العاقل

اللہ سے ہے، مجھ پر واضح ہوا کہ شیخین رحمہما اللہ تعالٰی دونوں اماموں کے قول میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ دو بیٹوں میں سے ایک کو زیادہ دینا دوسرے کو کم دینے کے بغیر متحقق نہیں اور کم دینا ہی ضرر دینا ہوا، کیونکہ یہاں دین یا بدن یا عزت یا ملک میں تکلیف دینا مراد نہیں ہے اور نہ اس کے لئے ثابت شدہ حق کو کم کرنا مراد ہے کیونکہ اولاد کا باپ کی صحت میں کوئی حق نہیں تو یہاں صرف ایک کا دوسرے کے لیے نقصان یا محرومی کا باعث بننا ہے اور یہ بات دوسرے پر فضیلت دینے کو لازم ہے،اس سے جدا نہیں ہو سکتی، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کبھی مقصود بالذات ایک کو صرف فضیلت دینا ہوتا ہے دوسرے کی تنقیص پیش نظر نہیں ہوتی۔اور کبھی معاملہ بالعکس ہوتا ہے کیونکہ جب تو ایک کو اس لئے زیادہ دے کہ وہ تیرا زیادہ مطیع اور خدمت گار ہے تو اس میں تیرا مطمح نظر صرف اس کو صلہ دینا ہے دوسرے کی تنقیص مقصود نہیں ہوتی اگرچہ یہ لازم ضرور ہے اور تو جب ایک پر ناراض ہو کر دوسرے کو اس لئے زیادہ دے کہ پہلے کو کم ملے تو اس میں تیری نظر یہ ہے کہ اس کو نالائقی کی سزا ملے دوسرے کو فضیلت مقصود بالذات نہیں ہوتی جیسا کہ مخفی نہیں ہے، پھر تفضیل کا کوئی باعث اور داعی ضرور ہوتا ہے کیونکہ عاقل کا کوئی فعل غرض کے بغیر نہیں ہوتا۔

لایقصد الفعل الالغرض صحیح فان رجح ولا مرجح لم یکن المقصود ترجیحه لعدم مایدعو الیه بل تنقیص غیره و هو قصد الاضرار والداعی ان کان امرا دنیویا لااثرله فی الدین فالشرع لایعتبره و یجعله کلاداع واذاکان امرادینیا فهو المقصد الصحیح المعتبر وبقصده یخرج الانسان عن قصد الاضرار کما قد تقرر فظهر ان مآل الکلامین واحد و ان کلامهما کالشرح لصاحبها وانما لم یقید فیما روی عن الامام بان لایقصد الاضرار کان الکلام فیه مفروض فیما قصد تفضیل بعض فبین مایصح منه ومالا بل یؤل قصد اضرار ثم الذی یظهر ان مسئلة التثلیث اوالتسویة بین الابن والبنت مسئلة علی حدة لامتفرعة علی قصد الاضرار الاتری الی ما اسمعناك عن نص البزازیة ولذالما اوهم عبارة الدر ذاك التفریع عقبه العلامة السید الطحطاوی لعبارة البزازیة وقال فانت تری نص البزازیة خالیا عن قصد الاضرار[1] اھ۔	کیونکہ مرجح کے بغیر ترجیح ہو تو پھر ترجیح مقصود نہ ہوگی بلکہ دوسرے کی تنقیص مراد ہوگی تو ضرر رسانی ہوگی۔اور اگر داعی ترجیح کوئی دنیاوی امر ہو جس کا دین میں کوئی اثر نہ ہو تو شریعت اس کا اعتبار نہیں کرتی اور اس داعی کو کالعدم قرار دیتی ہے،اور اگر کوئی ایسا دینی معاملہ ہو جو شرعا مقصود و مطلوب ہو تو انسان اس کا قصد کرکے ضرر کے قصد سے بچ جاتا ہے جیسا کہ ثابت ہے تو معلوم ہوا دونوں امام شیخین کی کلام کا نتیجہ ایک ہے اور دونوں ایک دوسرے کی شرح قرار پاتی ہیں۔ اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کہ وہ کلام میں ضرر کے قصد کی قید نہیں بتائی کیونکہ ان کے کلام میں ایک کی فضیلت مفروض ہے جس کی صحت اور عدم صحت بیان ہورہی ہے بلکہ یہ کلام ضرر رسانی کی طرف عائد ہے،پھر بیٹی اور بیٹے میں تین حصے یا برابری کا مسئلہ علیحدہ مسئلہ ہے یہ ضرر رسانی کے قصد پر متفرع نہیں ہے تو نے دیکھ لیا جو ہم نے تجھے بزازیہ کی نص سنائی ہے اسی لئے جب درمختار کی عبارت نے یہ وہم پیدا کیا تو علامہ طحطاوی نے اس کے بعد بزازیہ کی عبارت ذکر کردی جس کا مقصد یہ ہے کہ تو بزازیہ کی عبارت کو ضرر رسانی کی قید سے خالی پارہا ہے اھ۔اس تقریر سے معلوم ہوا کہ صحت کی

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۰

فتحرر مما تقرر ان العدل بین الابن والبنت فی حال الصحة عند الامام الثالث ھو التثلیث وعند الامام الثانی التنصیف وعلیه الفتوی والکلام فی الافضیلة و الکل جائز والعدل بین بنین اوبنات ھو التسویة بالاجماع ولایجوز العدول عنه فی ابن لافی بنت اصلا لو قصد الاضرار اولا بالذات الا ان یکون فاسقا کما افادہ فی الخلاصة والبزازیة وخزانة المفتین و الھندیة وغیرہا وان قصد التفضیل فان الفضل دینی جائز ولم یکرہ والا کرہ لِاَوْله [عہ] الی قصد الاضرار وہذا ماظھر لی والعلم بالحق عند عالم الغیوب و الاسرار، واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	حالت میں بیٹی اور بیٹے کے درمیان عدل تیسرے امام (محمد) رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک تین حصے بنانے میں ہے، اور امام ثانی یعنی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک برابر دینے میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے حالانکہ یہ کلام افضیلت میں ہے جبکہ جواز دونوں صورتوں میں ہے بالاجماع بیٹوں اور بیٹیوں میں عدل بہرحال برابر دینے میں ہے کسی لڑکے یا لڑکی کو ضرر رسانی قصداً وبالذات جائز نہیں سوائے اس کے کہ وہ فاسق ہو جیسا کہ اس کا افادہ بزازیہ خزانۃ المفتین اور ہندیہ وغیرہ کے بیان نے دیا ہے اور اگر فضیلت دینا چاہے تو کسی دینی فضیلت کی بناء پر جائز ہے مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ضرر رسانی کی طرف رجوع ہوگا، مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے حقیقی علم غیوب واسرار کے عالم کے پاس ہے، واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۲: از پیلی بھیت مرسلہ مولانا مولوی وصی احمد صاحب غرہ رجب ۱۳۱۸ھ

ایک شخص نے اپنی جائداد مشترکہ برضامندی اپنے اور اپنے شرکاء کے اپنے عزیزوں کو تقسیم کردی، یہ تقسیم بموجب شرع شریف کے صحیح ہے یانہیں اور بقدر تقسیم کے وہ جائداد واپس کرنا چاہے تو واپس ہونا اس کا نادرست ہے یانہیں؟

الجواب:

اگر شرکاء سے تقسیم کراکر اپنا حصہ جدانہ کرالیا یا جن عزیزوں کو دی ان کا حصہ جدا تقسیم نہ کردیا اور وہ شے اس قابل تھی کہ بعد تقسیم لائق انتفاع رہتی جب تو یہ تقسیم سرے سے باطل ہے

عہ: الاول ھوالرجوع (منجد)

اور اگر اپنا حصہ جدا کرکے حصص شرکاء بھی جدا جدا کردے یا وہ شیئ صالح قسمت نہ تھی تو تقسیم میں خلل نہیں ہے اب اگر عزیزوں کا ہنوز قبضہ نہ ہوا تو اس تقسیم سے اسے رجوع کا اختیار ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور اگر قبضہ ہوگیا اور وہ عزیز اس کے محارم ہیں جیسے بھائی، بہن، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بھتیجے، بھانجے تو واپس لینا ممکن اور غیر محارم ہیں اور موانع سبعہ رجوع سے اور کوئی مانع بھی متحقق نہیں تو ان کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کرسکتا ہے مگر گنہگار ہوگا کہ دے کر پھرنا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۳: از رچھا ضلع بریلی تھانہ بہیڑی ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ء

کیا حکم ہے اس صورت میں کہ باپ نے اپنے بیٹوں کو جدا کردیا اور جو کچھ جائداد تھی وہ سب کچھ تقسیم کردی اب بعد مدت کے باپ یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ مال لڑکوں کو دیا ہے وہ سب واپس لے لے اور لڑکوں کو تہی دست چھوڑ دے، اب فرمائیے کہ عندالشرع یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ اور ابھی کسی لڑکے کا نکاح نہیں ہوا تو یہ حق ذمہ باپ کے ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر جائداد جدا جدا کرکے ہر لڑکے کو قبضہ دلادیا تو وہ اس کے مالک مستقل ہوگئے ان سے واپس لینے کا باپ کو اختیار نہیں، نہ ان کا نکاح کرنا اس پر لازم اول لڑکوں کے نکاح میں شرعی مصارف کچھ نہیں اور جو ہوں تو جبکہ وہ مال رکھتے ہیں انہیں کے مال سے کئے جائیں، اور اگر تقسیم جدا جدا کرکے قبضہ نہ دلاگیا اور وہ مال قابل قسمت تھا تو بدستور باپ کے ملک باقی ہے اسے لے لینے کا اختیار ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۴: ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی محمد حسن صاحب نے اپنی زندگی میں بحیات اپنی بی بی منکوحہ مسماۃ منیر النساء کل جائداد ۱۸۸۷ء میں دو ۲ بیٹیوں اور ایک نواسہ اور ایک نواسی کو دی اور کاغذ لکھ دیئے صرف رجسٹری کرانی رہی، زوجہ مولوی صاحب موصوف نے وقت قضا اپنا مہر معاف نہ کیا بعد لکھنے اور دینے جائداد کے بحیات زوجہ مذکورہ اور جائداد خریدی جو کسی کو نہ لکھی، ۱۸۹۱ء میں مولوی صاحب نے قضاء کی، دو ۲ دختر جن کو جائداد تحریر کی اور وہی نواسہ، نواسی، اور حقیقی بہن چھوڑی، ترکہ بموجب فرائض ہر سہ وارثان یعنی دو ۲ دختر اور ایک بہن کو کس طرح تقسیم ہوگا بموجب تحریر کاغذات ہوگا قبضہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی حیات میں کسی کو نہ دیا بعد کو وہ لوگ بموجب تحریر قابض رہے، بعد

تحریر کاغذات سواد وبسوے کسری زائد مولوی صاحب نے اور خریدی جو کسی کے نہ لکھے، زوجہ مولوی صاحب کے دو بیٹیاں اور ایک بہن وقت وفات زندہ موجود ہیں۔

تفصیل تحریر جائداد مولوی صاحب موصوف

مسماۃ بی بی جان دختر کلاں ۵بسوہ ۱۰بسوانسی ۳کچوانسی ۴ تنوانسی کسی زائد زمینداری موضع نودیا، ایک مکان پختہ مشرق روپیہ واقع محلّہ خواجہ قطب ونصف قطعہ اراضی اڈاواقع بریلی کٹرہ ہان رائے۔

مسماۃ غفور النساء دختر خورد ۵بسوہ ۱۰ بسوانسی ۳کچوانسی ۴ تنوانسی کسی زائد زمینداری موضع نودیا، ایک مکان پختہ واقع نالاونصف قطعہ اراضی اڈاواقع بریلی کٹرہ مان رائے۔

یہ حقیقت مولوی صاحب نے پہلے ہی بنام غفور النساء خرید کی تھی وہ حصے میں مجرا کی، غفور النساء اس وقت نا کتخدا نابالغہ تھی۔

قمر الدین نواسہ یک بسوہ موضع راجوپور ومکان مسکون واقع کٹرہ مان رائے،

مسماۃ چھمن نواسی یک دکان واقع بازار کٹرہ مان رائے۔

الجواب:

یہ جس قدر ہبہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادی کو کئے ہیں سوااس مکان کے جو غفور النساء کے نام اس کی نابالغی میں خریدا سب شرعا باطل وبے اثر ہیں جو جائدادیں مشاع ومشترک بلا تقسیم ہبہ کیں اور انہیں میں وہ نصف قطعہ اراضی اڈا داخل ہے جو نصف مشاعا بنام غفور النساء خریدا تھا، یہ سب تو بوجہ مشاع ہونے کے باطل ہیں اور جو جداگانہ ومسلم تھیں جیسے مکانات دکان کہ بی بی جان وغفورن وچھمن کو ایک ایک پورا دیا گیا ان کا ہبہ یوں باطل ہوا کہ موہوب لہم نے حیات مولوی صاحب مرحوم میں قبضہ نہ پایا، بعد کا قبضہ شرعاً بکار آمد نہیں، درمختار میں موانع الرجوع میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل الھبۃ[1]۔	میم سے مراد قبضہ دینے کے بعد فریقین میں سے کسی کی موت ہے اور قبضہ سے قبل موت ہو جائے تو ہبہ باطل ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

وہ مکان کہ غفور النساء بیگم کے نام اس کی نابالغی میں خریدا از انجا کہ مسلم بھی تھا اور نابالغ کے ہبہ میں باپ کا قبضہ نابالغ کا قبضہ قرار پاتا ہے اس کا ہبہ صحیح وتمام ہوگیا، پس صرف وہ ایک مکان بحق غفور النساء مسلم رہے گا اور باقی تمام جائداد مکتوبہ موہوبہ وغیر موہوبہ سب یکساں حالت میں ترکہ مولوی صاحب مرحوم قرار پائے گی اس میں سے اولًا دین مہر ادا کیا جائے گا یوں کہ مہر سے ایک چہارم خود بحق مولوی صاحب ساقط ہوکر باقی تین ربع مہر کے نو حصوں پر تقسیم ہوں گے چار چار حصے ہر دختر اور ایک حصہ زوجہ کی بہن کو ملے گا اس سے فارغ ہوکر جو جائداد بچے مولوی صاحب مرحوم کی دونوں بیٹیوں اور ہمشیرہ مولوی صاحب پر بحصہ مساوی تقسیم ہوجائے گی، **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵: ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بنام ہندہ اپنی دختر کے ہبہ کرکے قبضہ دلادیا تھا کہ اب تک قابضہ ہے اب زید نے بدست عمرو وہی مکان بیع کردیا، کیا یہ بیع صحیح ونافذ وجائز ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع صحیح ونافذ نہیں بعد تکمیل ہبہ زید کو اپنی بیٹی سے رجوع کا اصلا اختیار نہیں۔

فان القرابۃ من موانع الرجوع علی مانص علیہ فی جمیع الکتب[1]۔	کیونکہ قرابت رجوع کے موانع میں سے ہے تمام کتب میں اس پر نص موجود ہے۔(ت)

ہندہ کو اختیار ہے کہ اس بیع کو رد کردے تو محض باطل ہوجائے گی اور چاہے تو قبول کرے اس وقت یہ بیع نافذ ہوجائے گی، اور قیمت جو کچھ ٹھہری ہے خود ہندہ پائے گی زید کو اس سے کچھ تعلق نہ ہوگا کہ ہبہ دلانے سے کامل ہوگیا اب مکان کا مالک زید نہیں ہندہ ہے، ہاں اگر زید محتاج حاجتمند ہو اپنی ضرورت کے لئے اس مال کو بیچنا چاہے تو اس کا اختیار باپ کو اولاد کے خود اپنے ذاتی مال میں بھی ہے مگر بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہاں یہ صورت نہیں، زید کو کوئی ضرورت نہیں صرف دختر سے لے کر پسر کو دینا چاہتا ہے اس کا ہرگز اختیار نہیں، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۶: از ٹھریا موہن پور مرسلہ حافظ عبدالرب خان یکم جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ ایک شخص حافظ قرآن بالعوض پڑھنے قران کے

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

کچھ جائداد مسماتوں زمیندار سے ہبہ کرائی، واہبان نے ہبہ نامہ میں یہ شرط درج کرائی ہے کہ موہوب لہ کو تاحیات ہماری قرآن مجید اب وجد مرحوم کو پڑھنا ہوگا مگر یہ شرط نہیں ڈالی گئی کہ دو یا ایک پارہ دو یا ایک ختم پڑھے وہی حافظ امامت کرتا ہے تمام گاؤں کی، آیا اس شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نادرست، ایک مسماۃ ان واہبان میں سے فوت ہو گئی ہے اور غیر شخص مردہ یا زندہ کو اگر حافظ قرآن پڑھ کر ثواب بخشیں پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور واہبان کے مرنے پر حافظ قرآن رہا اس شرط سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نقل ہبہ نامہ کی اس خط میں حضور ملاحظہ فرمائیں، فقط پہلے اس مسئلہ کا سوال گنگوہ کو بھیجا تھا وہاں سے جواب آیا تھا کہ اس کی امامت نادرست ہے، دوبارہ پھر سوال کیا گیا کہ اب کس طرح پر حافظ مذکور کی امامت درست ہو سکتی ہے، اس کا جواب یہ آیا جس کی نقل بعینہٖ یہ ہے۔

الجواب:

اس امام کی توبہ یہی ہے کہ وہ زمین واہب کو واپس کردے، واہب مرگیا ہو تو اس کے وارثوں کو لوٹادے، پھر اس کو ایصال ثواب کا اختیار ہے لوجہ اللہ ایصال ثواب روح میت کو کرے یا نہ کرے، اگر وہ زمین واپس کردے اور اپنے فعل پر نادم ہو تو پھر اس کی امامت میں مضائقہ نہیں ہے، فقط، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ رشید احمد ۱۳۰۱ھ

اصل مسئلہ گنگوہ کا بھی مرسل خدمت ہے جو حکم ہو مطلع فرمائیں۔ فقط

الجواب:

ملاحظہ ہبہ نامہ سے ظاہر ہوا کہ یہ زمین جو ہیبت خان زمیندار ٹھریا کی زوجہ ودختر نے کہ باہم اس کی زمینداری میں شریک تھیں موہوب لہ کو ہبہ کی تین نمبر مستقل جداگانہ غیر مشاع ہیں، وہ نمبر تو خود ہی جدا تھے اور تیسرے کی نسبت بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ ایک نمبر مملوک واہبات سے ایک ٹکڑا تھا جسے واہبات نے کھائی کھدوا کر علیحدہ کردیا اور ہر سہ نمبر موہوب پر موہوب بلہ کو قبضہ کاملہ دے دیا، پس صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ صحیح وتام ونافذ ہوگیا کہ موہوب کا دو واہبوں میں مشترک ہونا مانع صحت ہبہ نہیں، درمختار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع [1]۔	دو حضرات نے ایک مکان کسی ایک کو ہبہ کیا تو صحیح ہے شیوع نہ ہونے کی وجہ سے (ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اور خلاصہ عبارت ہبہ نامہ یہ ہے: "اراضی نمبران مندرجہ ذیل مع درختان بنام حافظ عبداللہ خاں بالعوض خواندن قرآن شریف عزیز خاں دادا وہیبت خاں والد کے ہبہ کی، اور بخشی ہم نے موہوب کو تاحیات ہماری قرآن شریف واسطے مورثان موصوفان کے پڑھنا ہوگا، لہذا یہ ہبہ نامہ لکھ دیا کہ سند ہو۔" ظاہر ہے کہ واہبات و موہوب لہ نے اسے ہبہ ہی کہا اور یہی سمجھا اور ہبہ ہی کا ارادہ کیا بعوض قرآن خوانی کہہ دینے سے وہ عقد ہبہ سے نکل کر بیع نہیں ہو سکتا کہ باطل ٹھہرے اور موہوب لہ پر اس کا واپس دینا لازم ہو اور نہ اس کی امامت میں مضائقہ، قرآن خوانی کوئی مال نہیں، ہبہ بالعوض اس وقت بیع ہوتا ہے کہ بعوض کسی مال کے ہو ولہذا قرۃ العیون میں زیر قول شارح **اما لو قال وھبت بکذا فھو بیع** (لیکن اگر یوں کہا تجھے اتنے کے عوض ہبہ کیا تو بیع ہو گئی۔ت) لکھا:

لان الباء للمقابلۃ والمال المقابل بالمال بیع[1]۔	کیونکہ یہاں باء مقابلہ کے لئے ہے مال بمقابلہ مال بیع ہے۔(ت)

تبیین الحقائق و بحر الرائق و اشباہ والنظائر و غایۃ البیان و غیرہا شروح ہدایا و غیرہا میں تصریح فرمائی کہ ہبہ بالعوض کا بیع ہونا بوجہ عبرت معانی ہے، اور پر ظاہر کہ معنی بیع اس وقت متحقق ہوں گے کہ مقابلہ مال بمال ہو تو بے تحقیق معنی خواہ اسے ابطال تصرف عاقد و اہمال کلام عاقل کے لئے بیع کی طرف پھیر لے جانا اور لفظ کہ عاقد نے بولے اپنے صحیح سلم سے بلاوجہ توڑ کر معنی ناممکن کی طرف ڈھالنا محض مہمل بے معنی ہے، حالانکہ قاعدہ شرع **اعمال الکلام اولی من اہمالہ**[2] (کسی کلام کو بامعنی بنانا اس کو مہمل بنانے سے بہتر ہے۔ت) نہ کہ عکس:

وقد حققنا فیما علقنا علی ہامش قرۃ العیون وغمز العیون من ھذا المقام ان مثل الھبۃ ھبۃ صحیحۃ لا بیع باطل بما یتعین المراجعۃ الیہ فارجع	ہم نے اس کی تحقیق قرۃ العیون اور غمز العیون پر اس مقام کے حاشیہ پر کی ہے کہ ہبہ کی مثل، صحیح ہبہ ہوتا ہے وہ باطل بیع نہیں، ہماری تحقیق قابل مراجعت ہے اس کی طرف

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۷۸

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ التاسعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۶۸

الیہ ان شئت وباللہ التوفیق۔	رجوع کر اگر تو چاہے، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔(ت)

تو اس عوض کا حاصل نہ رہا مگر ایک شرط فاسد، اور ظاہر ہے کہ ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے تو ہر گز موہوب لہ پر لازم نہیں کہ وہ زمین واپس کرے، نہ اس کی وجہ سے اس کی امامت میں کوئی نقصان ہے کہ اس نے مال حرام نہ لیا کوئی عقد جائز نہ کیا ہاں اتنا ہوا کہ اس احسان کے عوض یہ شرط قبول کرلی کہ تاحیات واہبات ان کے مورثوں کو ایصال ثواب کروں گا، یہ کوئی محظور شرعی نہیں بلکہ احسان کے عوض احسان کرنا شرع پسند فرماتی ہے

قال اللہ تعالٰی "هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ"[1] و لئن فرض انه ارتکب الاجارة عن التلاوة للمیت مع انه لاعین لها ہٰهنا ولا اثر ولا ذکر ولا خبر فالمحقق وان کان بطلانها ولکن کثیر من العلماء صرحوا بجوازها وبه نص فی السراجیة و الهندیة والدر المختار و غیرها فمن اتبع امثال ہٰؤلاء کیف یحکم علیه بمنع امامته لاسیما الحکم "بنادرست" الذی ہو بمعنی لا تصح فان غایته الاثم فان فرض فسقا فامامة الفاسق وان کرهت عندالتحقیق تحریما، صحیحة قطعا ولکن مفاسد الجهل واخنٰی	اللہ تعالٰی نے فرمایا: احسان کا بدلہ احسان ہے، اور اگر فرض کیا جائے کہ میت کے لیے تلاوت پر اجارہ ہے حالانکہ نہ یہ معین ہے اور نہ یہاں حکایت، نہ اس کا ذکر اور نہ اس کی کوئی خبر ہے، تو اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ یہ باطل ہے لیکن بہت سے علماء کرام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے اور اسی پر سراجیہ، ہندیہ اور درمختار وغیرہ میں نص فرمائی ہے تو جو شخص ان فقہاء کرام کی اتباع میں ایسا کرے تو اس پر یہ حکم کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی امامت ناجائز ہے خصوصا "نادرست" کے لفظ سے حکم لگانا جس کا معنی "لاتصح" ہے غلط ہے جبکہ زیادہ سے زیادہ اگر ہے تو وہ گناہ ہے اور اگر اس کو فسق بھی کہا جائے تو اگرچہ فاسق کی امامت تحقیق میں مکروہ تحریمہ ہے لیکن صحیح ضرور ہے، لیکن جہالت کے مفاسد کثیر ترین اور قابل نفرت

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

نسأل اللہ العافیۃ۔	ہیں، ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کے طالب ہیں۔(ت)

مسلمان زندہ یا مردہ جسے چاہیں تلاوت قرآن وغیرہ جس نیک کام کا ثواب چاہیں پہنچا سکتے ہیں، بفضلہٖ تعالٰی پہنچتا ہے اور اسے نفع دیتا ہے، حافظ قرآن پر اس شرط کی پابندی نہ حیات واہبات میں واجب ہے نہ ان کے بعد،

کما تقدم ان الشرط فی الھبۃ ھو الذی یبطل والباطل لاعمل لہ۔	کیونکہ پہلے گزرا ہے ہبہ میں فاسد شرط خود باطل ہوجاتی ہے اور باطل شرط کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔(ت)

مگر ایفائے وعدہ اور احسان بعوض احسان کے طور پر اسے مناسب ہے کہ جب تک یہ دوسری واہبہ زندہ ہے ان مورثوں کو جتنا چاہے پڑھ کر بخشتا رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۷:　　۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے مرض الموت میں اپنے شوہر زید کو اپنا دین مہر معاف کردیا، اب زید بری ہوگیا یا یہ معافی وصیت متصور ہوکر زید دو ثلث کے ادا کا عنداللہ مواخذہ دار رہے گا اگرچہ ورثہ دنیا میں شرم سے نہ مانگیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرض الموت میں اپنا دین دائن کو ہبہ یا معاف کرنا حکم وصیت میں ہے اور زوج وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصے میں نافذ نہیں ہوسکتی۔ پس صورت مسئولہ میں اگر کل وارث عاقل بالغ ہوں اور اس معافی مہر کو جائز رکھیں معاف ہوجائیگا، اور بعض اجازت دیں تو بقدر انہیں کے حصہ کے ساقط ہوگا اور کوئی اجازت نہ دیں تو دیگر ورثاء کا حصہ کہ نصف یا تین ربع مہر ہے تمام و کمال واجب الادا رہے گا، عورت کا معاف کرنا کچھ معتبر نہ ہوگا، خزانۃ المفتین وہندیہ میں ہے:

مریضۃ قالت لزوجھا ان مت من مرضی ھذا فمھری علیك صدقۃ اوفانت فی حل من مھری فماتت من ذٰلك المرض فقولھا باطل والمھر علی الزوج [1]۔	مریضہ بیوی نے خاوند کو کہا اگر میں اس مرض میں فوت ہوجاؤں تو میرا مہر تجھ پر صدقہ ہے، یا کہے "تو مہر سے آزاد ہے" تو وہ اس مرض میں فوت ہوگئی تو بیوی کا یہ قول باطل ہوگا اور مہر خاوند کے ذمہ لازم رہے گا۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ خزانۃ المفتین کتاب الھبۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۸

نہر الفائق وعقود الدریہ میں مسئلہ مذکورہ خانیہ سے نقل کرکے فرمایا:

وکان ینبغی ان یقال ان اجازت الورثۃ تصح لان المانع من صحۃ الوصیۃ کونہ وارثا[1]۔	مناسب یہ تھا کہ یوں کہتے اگر باقی ورثاء جائز کردیں تو صحیح ہے کیونکہ وصیت کے موانع میں سے وارث ہونا بھی ہے۔(ت)

جامع المضمرات شرح قدوری وعالمگیریہ میں ہے:

مریضۃ وھبت صداقھا من زوجھا ان کانت مریضۃ مرض الموت لایصح الاباجازۃ الورثۃ[2] اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مریضہ نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کیااور وہ مرض الموت کی مریضہ ہے تو یہ ہبہ ورثاء کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں اھ مختصرا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۸: ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ظہورن نے اپنی ایک دکان کی تعمیر عملہ کے نسبت اپنے داماد عبدالوہاب خان کو اجازت دی کہ اسے تم اپنے روپے سے درست کرلو جو کچھ کرایہ تمہارے عملے کی وجہ سے بڑھ جائے گا وہ تم لیا کرنا، عبدالوہاب خاں نے اس ایک دکان کو دو دکانیں کردیا بڑی اور چھوٹی، دکان کا پہلا عملہ جو تھا اس میں سے کڑیاں بیکار نکل گئیں، عبدالوہاب خاں نے کڑیاں اپنے ہی پاس سے ڈالیں مگر اینٹیں اگلی اور اپنے پاس سے نئی ملا کر دونوں دکانیں بنائیں، یہ تعیین نہیں ہوسکتی کہ کس دکان میں کتنی اینٹ پہلی اور کتنی نئی ہے، پھر عبدالوہاب خاں نے دونوں دکانوں پر خاص اپنے روپے سے بالاخانہ بنایا۔اب ان دکانوں کا کرایہ دس روپے ماہوار ہوگیا پہلے پانچ روپے تھا، حسب قرارداد ظہورن اور عبدالوہاب خاں پانچ روپے ماہوار لیتے رہے، یہ تمام عملہ عبدالوہاب خان نے ظہورن کی اجازت سے اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا، ۱۸۹۸ء میں اس دکان کا ہبہ نامہ ظہورن وعبدالوہاب خاں کی طرف سے اس کی دختر اور اس کی زوجہ آبادی کے نام بایں تفصیل لکھا گیا کہ بڑی دکان ظہورن کی طرف سے اور چھوٹی دکان اور بالاخانہ عبدالوہاب خاں کی طرف سے آبادی کے نام ہبہ ہوا، آبادی نے وصیت کی کہ جو کچھ میری ملک ہے اس کا مالک میرا خاوند ہے،

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۳۱۵

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المضمرات کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۲

پھر اس نے انتقال کیا، شوہر اور ماں باپ اور دو ۲ بیٹیاں وارث چھوڑے، باپ نے اس جائداد کو یوں تقسیم کیا کہ بڑی دکان نصف نصف دونوں نواسیوں کو دی اور چھوٹی دکان میں سے آدھی نواسی کے بیٹے کو اور آدھی اپنے دور کے رشتہ کو، اور بالاخانہ کی نسبت یہ لکھا کہ جیتے جی میں مالک اور میرے بعد میرا داداما لک، اس کے بعد اس کی لڑکیاں مالک، سوال یہ ہے کہ تقسیم مذکورہ بالا اور یہ تحریر ٹھیک ہوئی یا نہیں اور عبدالوہاب خاں نے اپنا روپیہ جو دکانوں اور بالاخانے کی تعمیر میں صرف کیا تو ان میں عبد الوہاب کا کوئی حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مسئولہ میں عبدالوہاب خان نے جو عملہ اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا خاص ملک عبدالوہاب خان ہوا، بالاخانہ کہ تمام و کمال زر عبدالوہاب خاں سے بنا کل عبدالوہاب خاں کا ہے اور دونوں دکانوں میں کڑیاں بھی انھیں کی ہیں اور چنائی کہ مشترکہ اینٹوں سے ہوئی ظہورن اور عبدالوہاب خان کی حصہ رسد مشترکہ ہے، اگر کمی بیشی معلوم ہوسکے مثلاً دو تہائی اینٹیں ظہورن کی ہیں اور ایک تہائی عبدالوہاب خان کی، یا بالعکس، جب تو اسی حساب سے، ورنہ نصفا نصف مشترک رہے گی۔

کما ھو الطریق حیث لا علم بالتفاضل کما نصوا علیہ فی غیر ما مسئلۃ من الشرکۃ وغیرھا۔	جیسا کہ یہ طریقہ ہے جہاں زائد کا علم نہ ہو فقہاء کرام نے شرکت وغیرہ کے کئی مسائل میں یہ تصریح فرمائی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لو عمر لنفسہ بلا اذنھا فالعمارۃ لہ و یکون غاصبا للعرصۃ [1]۔	اگر عورت کی زمین پر اس نے عمارت بغیر اجازت بنائی تو عمارت بنانے والے کی ہے اور خالی زمین کا غاصب قرار پائے گا۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

فلو باذنھا تکون عاریۃ [2]۔	تو اگر اجازت سے تعمیر کی تو زمین عاریۃ ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر مسائل شتی دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۵۹

قولہ فالعمارۃ لہ ھذا لو الاٰلۃ کلھا لہ فلو بعضھا لہ وبعضھا لھا فھی بینھما ط عن المقدسی [1]۔	ماتن کا قول کہ "عمارت، بنانے والے کی ہوگی" یہ تب ہے جب تعمیر کا سارا سامان اس کا ہو، تو اگر کچھ اس کا اور کچھ عورت کا ہو تو عمارت مشترکہ ہوگی یہ طحطاوی میں مقدسی سے منقول ہے۔(ت)

ہبہ نامہ کہ ظہورن اور عبدالوہاب خاں نے آبادی کے نام کیا محض باطل ہوگیا، دونوں دکانوں کے عملے تو یوں ہبہ نہ ہوئے کہ ہر عملہ ظہورن وعبدالوہاب خاں دونوں میں مشترکہ تھا عملہ کا دونوں کی طرف سے ہبہ ہونا چاہئے تھا، اور ہوا ایک ایک کی طرف سے، تو ہر عملے میں دوسرے کا حصہ بے ہبہ رہا، اور وہ مشاع قابل تقسیم ہے، اور ایسی شے کا ہبہ بلا تقسیم باطل ہے، اور زمینیں یوں ہبہ نہ ہوئیں کہ چھوٹی دکان کی زمین مابلکہ زمین یعنی ظہورن نے ہبہ ہی نہ کی، عبدالوہاب خاں جس کی طرف سے اس کا ہبہ لکھا گیا مالک زمین نہ تھا اور بڑی دکان کی زمین اگرچہ ظہورن نے ہبہ کی مگر اس پر مشترکہ عملہ قائم ہے جس کا ہبہ صحیح نہ ہوا او موہوب جب غیر موہوب سے یوں متصل ہو تو ہبہ مثل ہبہ مشاع منقسم باطل ہوجاتا ہے بعینہٖ اسی دلیل سے بالاخانے کا ہبہ بھی اگرچہ مالک یعنی عبدالوہاب خاں نے کیا باطل ہوا کہ وہ بھی باقی رکھنے کے لئے ہبہ ہوا تھا نہ یوں آبادی عملہ توڑ کر اینٹ کڑی تختے پر قبضہ کرلے، یوں ہوتا تو بالاخانہ کا ہبہ صحیح ہوجاتا جبکہ آبادی باذن عبدالوہاب خاں اسے توڑ کر عملے پر قبضہ کرلیتی مگر نہ وہ توڑا گیا نہ یہ مقصود تھا اور اسے غیر موہوب سے اتصال تھا، لہٰذا وہ بھی باطل ہوگیا، عقودالدریہ میں ہے:

ھبۃ البناء دون الارض لاتصح الا اذا سلطہ الواھب علی نقضہ [2]۔	زمین کے بغیر عمارت کا ہبہ صحیح نہیں الّا یہ کہ واہب اس کو اکھاڑنے پر لگادے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

وھب زرعا فی ارض اوثمرا فی شجر اوحلیۃ فی سیف او بناء فی دار اوقفیزا من صبرۃ وامرہ بالحصاد والجزاز، والنزع والنقض	کھیت کے فصل یا پھل درخت پر یا تلوار میں جڑا ہوا سونا چاندی یا حویلی میں کوئی عمارت یا کھلیان میں سے قفیز غلہ ہبہ کیا اور فصل کاٹنے، پھل کو توڑنے، تلوار سے جدا کرنا، عمارت کو

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۳

والکیل وفعل صح استحسانا، ویجعل کانہ وھبہ بعد الجزاز والحصاد ونحوھما وان لم یأذن لہ بالقبض و فعل ضمن کذا فی الکافی[1]۔	اکھاڑنے اور کھلیان سے قفیز کے کیل کرنے کا حکم دے دیا اور موہوب لہ نے عمل کرلیا تو استحسانا ہبہ صحیح ہے اور یوں سمجھا جائے گا گویا کہ اس نے کاٹنے اور توڑنے وغیرہ کے بعد ہبہ کیا، اور اگر واہب مذکورہ نے کارروائی کی اجازت نہ دی ہو اور موہوب لہ خود مذکورہ کارروائی کرے گا تو وہ ضامن ہوگا، کافی میں یوں ہے۔(ت)

مغنی المستفتی میں ہے:

افتی جد جدی المرحوم عمادالدین عن سوال رفع الیہ وصورتہ فیما اذا کان لزید عمارۃ قائمۃ فی ارض الغیر فملك زید العمارۃ المزبورۃ لزوجتہ و لم یأذن لھا بنقض العمارۃ فھل یکون التملیك غیر صحیح ام لا الجواب نعم یکون التملیك غیر صحیح کتبہ الفقیر عمادالدین عفی عنہ[2]۔	میرے پر دادا عماد الدین مرحوم نے فتوٰی دیا جب ان کو یہ سوال پیش کیا گیا کہ صورت یہ تھی کہ زید کی غیر کی زمین پر عمارت تھی جو اس نے اپنی زوجہ کی ملک کردی اور بیوی کو عمارت کا ملبہ اکھاڑنے کی اجازت نہ دی تو کیا تملیک صحیح ہوگی، یا نہیں؟ الجواب ہاں یہ تملیک صحیح نہ ہوگی، کتبہ فقیر عماد الدین عفی عنہ۔(ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

وھب ارضا فیھا زرع او نخیل او نخلا علیہ تمرا و وھب الزرع بدون الارض اوالنخل بلا ارض او نخلا بدون التمر لایجوز لان الموھوب متصل بغیر اتصال خلقۃ مع امکان القطع	کسی نے ایسی زمین کا ہبہ کیا جس پر فصل یا کھجور کا درخت تھا یا کھجور کے درخت جن پر پھل تھا کا ہبہ کیا، یا اس کا عکس یعنی فصل یا کھجور کا درخت بغیر زمین یا پھل بغیر درخت کا ہبہ کیا تو ناجائز ہوگا کیونکہ موہوب چیز غیر چیز کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے حالانکہ جدا کرنے کا امکان موجود ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

[2] العقود الدریۃ بحوالہ مغنی المستفتی کتاب الھبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۳

فقبض احدھما غیر ممکن فیما له الاتصال فیکون بمنزلة المشاع الذی یحتمل القسمة [1]۔	تو ایسی صورت میں موہوب پر قبضہ ناممکن ہے تو یہ مشاع چیز جو قابل تقسیم ہو، کی طرح ہے۔(ت)

عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے:

لان کل واحد منهما متصل بصاحبه اتصال جزء بجزء فصار بمنزلة هبة المشاع فیما یحتمل القسمة [2]۔	کیونکہ ہر ایک کا جز سے جز کا اتصال ہے تو یہ قابل تقسیم مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہوگا۔(ت)

حاشیہ العلامۃ الحامدیۃ میں ہے:

والعمارة من هذا القبیل [3] وتمامه فیه وقد افاد واجاد واوضح المرام وازاح الاوهام فان المسألة قد طغت فیها اقلام وزلت فیها اقدام والعبد الضعیف حرر فیها الکلام علی هامش التنقیح باحسن نظام وبالله العصمة وبه الاعتصام۔	اور عمارت بھی اسی قبیل سے ہے اور مکمل بیان اس میں ہے، اور اس نے خوب افادہ کیا اور مقصد کو واضح اور اوہام کا ازالہ کر دیا، کیونکہ یہ مسئلہ ہے جس میں بہت سے قلم غلط راستے پر چل نکلے اور کئی قدم پھسل گئے اور عبد ضعیف نے تنقیح کے حاشیہ پر اس میں اچھے انداز پر کلام کیا ہے(ت)

پس صورت مستفسرہ میں وہ دونوں دکانیں بدستور ملک مالکان پر ہیں دونوں کی زمینیں پوری اور چنائی کا دوسرا حصہ اور سارا بالاخانہ عبدالوہاب خان کا ہے آبادی کی وصیت یا اس کے باپ کی تقسیم کچھ قابل لحاظ نہیں سب مہمل و باطل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۹: ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

نثار احمد مکان مسکن را بہ بچگان خورد سال ہبہ می کند الایک دختر کلاں کہ نکاحش کردہ آمد نام او ہم شامل کردن لازم ست یانہ	نثار احمد اپنی سکونت والا مکان نابالغ بچوں کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اس کی ایک لڑکی شادی شدہ بالغ ہے اس کو بھی شامل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۰۔۲۳۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

[3] العقود الدریہ کتاب الهبة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۴

ایں سہ بچگان از تمتع دنیاوی بہر نیافتہ اند وآں یکے متمتع شدہ۔	یہ تین نابالغ بچے دنیاوی سامان سے فائدہ حاصل کرنے کے اہل نہیں ہیں اور صرف وہ بالغ لڑکی اس کی اہل ہے۔(ت)

الجواب:

ہر چہ بیکے ازیں اطفال رسد اگر قیمتش برانچی بجہیز دختر کلاں دادہ شد زیادت واضح ندارد نام اوشامل کردن ضرور نیست لحصول ماارشد الیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل بینك نحلت مثل ہذا [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ان نابالغ بچوں کو جو حصہ ملتاہے اگر وہ شادی شدہ لڑکی کے جہیز سے واضح طور زائد نہ ہو تواس لڑکی کو شامل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کہ "کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اتنی مقدار ہبہ کیا ہے" پر عمل ہوگیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ عبدالوحید صاحب ۱۳ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر شے موہوبہ کے ایک جز پر استحقاق ثابت ہو تو بہ نسبت شکل کے کیاحکم ہوگااور یہ ہبہ باطل ہوگا یا کیا؟

الجواب:

استحقاق کے یہ معنی کہ ثابت ہو کہ شیئ موہوب تمام وکمال ملک واہب نہ تھی بلکہ اس کاایک جز ملک مدعی نکلامدعی نے دعوی کیااور ثبوت دیااور وہ جز نکل گیاتو باقی میں بھی ہبہ باطل ہوجائے گا کہ ثابت ہوا کہ اول ہی سے ایک جز مشاع ہبہ ہوا تھاکہ ملک غیر کو ہبہ کردینے کاواہب کو کچھ اختیار نہ تھا،پھر یہ اسی حالت میں ہے کہ شے موہوب قابل قسمت ہے ورنہ بعد استحقاق باقی کاہبہ تام رہے گاکہ ناقابل قسمت کے ہبہ کو شیوع منع نہیں کرتا،اور اگر شیئ موہوب تمام وکمال بملک واہب تھی ہبہ میں ابتداء شیوع نہ تھابعد کو کسی عارض کے سبب اس کاایک جز ہبہ سے نکل گیا،مثلا واہب نے بتراضی یا قضائے قاضی نصف موہوب میں رجوع کرلی،یا ہبہ اجنبی کے ہاتھ تھااور شیئ موہوب ثلث مال واہب سے زائد تھی،ورثہ نے اجازت نہ دی، ثلث سے جس قدر زیادت تھی ہبہ سے خارج ہوگئی یا موہوب لہ وارث تھادیگر ورثہ سے بعض نے اجازت دی بعض نے نہ دی کہ نہ دینے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۶۸،سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵

والوں کے حصے کے قدر جز موہوب سے آزاد ہو گیا توان صورتوں میں باقی کا ہبہ باطل نہ ہوگا، عالمگیریہ میں ہے:

المفسد ھو الشیوع المقارن لا الشیوع الطاری [1]۔	ہبہ کا مفسد وہ شیوع ہے جو ہبہ کو مقارن ہو اور جو بعد میں لاحق ہو وہ شیوع مفسد نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایمنع الشیوع صحۃ لاجازتہ [2]۔	شیوع اجازت کی صحت کو مانع نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۱: از لاہور مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو منکوحہ میں سے ایک سے جب اس شخص نے نکاح کیا، اس کو ایک قبالہ نکاح لکھ کر دیا جس میں چند مدات ہیں، منجملہ ان کے ایک مدیہ ہے جس کی عبارت (چھٹی یہ کہ جو کچھ مال واسباب میری ملک ہے اور ہوگا اس سے بھی سوائے مضمون مرقومہ بالا کے نصفے دختر عموی صاحب مرحوم کا اور نصفے اہلیہ اول میری کا ہے) اور اس قبالہ پر حاکم وقت کے دستخط ثبت کرادئے، پس اب بعد مرنے اس شخص قبالہ نویس کے منکوحہ اس شخص کی باستدلال اس عبارت مندرجہ قبالہ کے جس پر دستخط حاکم ثبت ہیں اس شخص متوفی کے تمام اموال وجائداد متوفی پر دعوی کرے اور تقسیم اس کی بنام ہر دو منکوحہ متوفی کے چاہے اور اولاد متوفی کو محروم الارث قرار دے تو شرعًا وہ جائداد ہر دو منکوحہ پر بموجب عبارت مذکورہ کے تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اولاد اس شخص متوفی کی محروم الارث رہ سکتی ہے یا نہیں فقط بینوا توجروا۔

الجواب:

تحریر قبالہ مذکورہ محض بے اثر ہے، وہ مال اس کی بناپر تنہا دونوں زوجہ میں تقسیم نہیں ہوسکتا، نہ اولاد اس سے محروم ہوسکتی ہے۔

لانہ لیس باقرار لاضافتہ الملك الی نفسہ، ولاوصیۃ لعدم الاضافۃ الی بعد الموت مع کونہ فی الصحۃ	کیونکہ یہ اقرار نہیں اس لئے کہ اس نے ملکیت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور وصیت بھی نہیں کیونکہ اپنی موت کے بعد کی طرف منسوب نہیں باوجودیکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۷۸

فان کان فھبتہ مایوجد وھی باطلۃ وھبۃ الموجود مشاعا وقد بطلت بموت الواھب قبل التسلیم ولئن کانت وصیتہ لما نفذت للمرأتین الاجازۃ بقیۃ الورثاء کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ صحت مند بھی ہے اور ہو بھی تو بعد میں موجود ہونے والی چیز کا ہبہ ہوگا جو کہ باطل ہے اور موجود چیز کا مشاع حالت میں ہے جو کہ قبضہ دینے سے قبل وفات سے باطل ہوگیا اور اگر وصیت ہو تو دونوں عورتوں کے لئے باقی ورثاء کی اجازت کے بغیر نافذ نہ ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۲: از مرادآباد محلّہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۴۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مقروض ہے، اس نے بحالت قرضدار ہونے کے اپنی جائداد غیر منقولہ کا ہبہ نامہ اپنے پسر بکر کے نام لکھ کر قبض دخل جائداد موہوبہ پر موہوب لہ کا کرادیا، کیا شرعا ایسی حالت میں ہبہ مذکورہ جائز ہے یا ناجائز؟ دائن اپنے مطالبہ جائداد موہوبہ سے مواخذہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب تک دین کے عوض کوئی شیئ دائن کے پاس رہن نہ ہو دائن کا مطالبہ صرف ذات مدیون یعنی اس کے ذمہ پر ہوتا ہے نہ کہ اس کے کسی مال معین پر تو ہبہ بوجہ قبضہ تام وکامل بلکہ محرومیت موہوب لہ لازم ہوگیا جس کا فسخ غیر ممکن ہے صرف تمامی ہبہ اس جائداد کو متورضہ [عہ] دائن سے بری کرنے کے لئے بس تھی کہ ملک منتقل ہوگئی، اب وہ شے ملک مدیون نہیں جس سے دائن اپنا دین وصول کرسکے نہ کہ اس صورت میں کہ عقد بوجہ امتناع رجوع ناقابل فسخ رہا، فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

رکب الرجل دیون تستغرق اموالہ فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیہ حتی لایھب مالہ ولا یتصدق بہ فالقاضی یحجر علیہ عندھما ویعمل حجرہ حتی لاتصح ھبتہ	ایک شخص پر اتنے قرضے ہوگئے کہ اس کا تمام مال قرضوں میں گھر گیا اور قرضخواہ حضرات نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ اس کو ہبہ اور تصدق سے روک دیا جائے اور قاضی نے اس پر پابندی لگادی تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور یہ

عہ: فی الاصل ھکذا اظنہ مواخذہ ۱۲ عبدالمنان۔

ولاصدقته بعد ذٰلك لكن يشترط علم المحجور عليه حتى ان كل تصرف باشره قبل العلم به يكون صحيحًا[1] (ملخصا)	پابندی مؤثر ہوگی کہ وہ اپنے مال کو ہبہ یا صدقہ نہ کرسکے گا بشرطیکہ اس کو قاضی کی طرف سے پابندی کا علم ہو چکا ہو، لہٰذا علم سے قبل اس نے اپنے مال میں جو بھی تصرف کیا جائز ہوگا۔(ملخصًا) (ت)

اسی میں ہے:

رجل له ضیعه تساوی عشرین الف درہم وعلیه دیون فوقف الضیعة وشرط صرف غلاتها الی نفسه قصدا منه الی المماطلة وشهد الشهود علی افلاسه جاز الوقف والشهادة فان فضل عن قوته شیئ من ہذه الغلات فللغرماء ان یاخذوا ذٰلك منه كذا فی المضمرات[2] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ایک شخص بیس ہزار درہم کے مساوی زمین کامالک ہے اور اس پر قرضے ہیں تو اس نے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے لئے اپنی زمین وقف کرکے اس کی آمدنی کو اپنی ذات کے لئے مختص کر لیا، اور گواہوں نے اس کے مفلس ہونے کی شہادت دی، تو وقف اور شہادت جائز ہوگی اور زمین کی آمدنی میں سے اس کے خرچہ سے اگر کچھ بچے گا تو قرض خواہ لیں گے، مضمرات میں اسی طرح ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۳: ازاندور ملک مالوہ چھاؤنی نواب غفور خان مرسلہ حکیم محمد اکمل خاں صاحب یکم ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ محمد اعظم خاں کو رئیس وقت نے ایک سند ملک بھوٹ کی تاحین حیات عطا کی، محمد اعظم خاں نے مصلحتًا بطور اسم فرض کے ایک عرضی رئیس کی اجات میں پیش کی کہ اس ملک کی سند میرے فرزند افضل خاں کے نام نسلا بعد نسل عطا ہو جائے، چنانچہ حسب استدعا محمد اعظم خاں کے افضل خاں کا قبضہ کبھی اور کسی وقت میں ایک آن واحد کے واسطے بھی نہیں ہوا، اور ہمیشہ قبضہ اور تصرف وصول واصلات وٹھیکہ وغیرہ وغیرہ جملہ قسم کا نظم ونسق محمد اعظم خان کرتے رہے اور سند میں بھی رئیس وقت نے یہ لفظ تحریر کئے کہ "بقبض وتصرف میں مغرئی الیہ واگزارند"

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۹

اس سے مراد خاص محمد اعظم خاں ہیں کہ افضل خاں، اسی عرصہ میں محمد افضل خاں کا انتقال ہوگیا، اور افضل خاں کی دو بیبیاں اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا باقی ہے، محمد افضل خاں اپنے والد اعظم خاں کی حیات میں فوت ہوئے، اسی باعث ورثائے افضل خاں سب محروم الارث ہوگئے اور بدستور قدیم محمد اعظم خاں قابض اور مالک اور متصرف رہے، ایسی حالت میں اولاد افضل خاں مرحوم یا ان کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ افضل خاں کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کچھ بھی نہیں، اور افضل خاں اور ان کی بیوی بچہ کی پرورش محمد اعظم خاں پدر افضل خاں کرتے رہے، اور افضل خاں کا انتقال اپنے والد محمد اعظم خان کی حیات میں ہوگیا، تو ایسی صورت میں اس ملک بھوٹ میں افضل خاں مرحوم کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس سوال کے ساتھ تحریر ونقول کہ سائل نے مرسل کیں ان کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ زوجہ محمد افضل خاں نے بدعوی وراثت شوہر اس بناء پر کہ تبدیل سند سے محمد افضل خان اس زمین کا مالک ہوگیا تھا اس پر دعوی ملک کیا ہے، یہ دعوی شرعًا محض باطل وبیجا ہے، سند ثانی بنام محمد افضل خاں میں از جانب ریاست کوئی لفظ مفید معنی ہبہ وتملیک نہیں، نہ ہبہ کرنا نہ عطا ہونا، نہ مالک بتانا نہ اور کوئی لفظ کہ ان کا مرادف ہو، صرف اتنے الفاظ میں کہ

اراضی مذکورہ از حضور بہ محمد افضل خاں خلف معزی الیہ نسلا بعد نسل بشرط لوازم اطاعت وفرمانبرداری معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف ومرفوع القلم دانستہ بقبض وتصرف معزی الیہ واگزارند۔	مذکور اراضی درخواست دہندہ کے بیٹے محمد افضل خاں کے لئے سرکار کی طرف سے نسلا بعد نسل بشرط اطاعت وفرمانبرداری معاف ہوئی، لازم ہوا کہ مذکورہ اراضی سرکار کی طرف سے معاف اور مرفوع القلم قرار دی گئی درخواست دہندہ کے قبضہ وتصرف میں آزاد چھوڑیں۔(ت)

معاف ہونا کوئی الفاظ ہبہ سے نہیں بلکہ عین سے اس کا تعلق ہی صحیح نہیں، معافی مطالبہ ودیون سے متعلق ہوتی ہے کہ اس کا حاصل ابرا ہے، اور اعیان سے ابرا باطل، درمختار میں ہے: الابراء عن الاعیان باطل[1] (اعیان اشیاء سے بری کرنا باطل ہے۔(ت) اشباہ میں ہے:

[1] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۲

اختص الدين باحكام منها صحة الابراء عنه فلا يصح الابراء عن الاعيان [1]۔	دین کے کچھ احکام مخصوص ہیں ان میں سے ایک اس سے بری کرنا ہے لہٰذا اعیان سے ابراء جائز نہ ہوگا۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

لایقبل لعدم صحة الابراء عن الاعیان [2]۔	قبول نہ ہوگا کیونکہ اعیان سے ابراء صحیح نہیں ہے۔(ت)

بخلاف سند بنام حکیم محمد اعظم خاں کہ اس میں لفظ "عطاشد" ہے اور یہ خاص ہبہ کے لئے موضوع ہے۔عالمگیری میں ہے:

الفاظ الهبة انواع نوع تقع به الهبة وضعا كقوله وهبت هذا الشيئ لك او ملكته منك اواعطيتك فهذا كله هبة اهمختصرا [3]۔	ہبہ کے الفاظ مختلف ہیں،ایک قسم وہ ہے جس سے وضعا ہبہ واقع ہو جاتا ہے وہ یہ الفاظ ہیں "یہ شیئ میں نے تجھے ہبہ کی، تجھے مالک بنایا تجھے دے دی" یہ سب ہبہ کے الفاظ ہیں اھ مختصرًا(ت)

سند بنام محمد افضل خاں میں بھی بنام محمد اعظم خاں کا ذکر ہے کہ

سابق ازیں بحکم محمد اعظم خاں از حضور عطا شدہ بود،	قبل ازیں سرکار نے محمد اعظم کو عطا کی۔(ت)

اور افضل خاں کو عطا ہونے کی درخواست از جانب محمد اعظم خاں میں اگرچہ مذکور ہے کہ

حالا عرضی معزی الیہ باستدعائے تبادل سند سابق وعطا شدن آن بنام محمد افضل خاں پسر خود موصول ملاحظہ گردید۔	پہلی سند کو تبدیل کرنے اور درخواست دہندہ کے بیٹے محمد افضل خان کے نام عطا کرنے کی عرضی موصول ہوئی،ملاحظہ ہوئی،(ت)

مگر حکم میں لفظا "عطا" نہیں اسی قدر ہے کہ

چوں حضور را پرورش وپرداخت حکیم صاحب معزی الیہ منظور لہٰذا اراضی مذکور از حضور بہ	جب سرکار کو پرورش واختیار درخواست دہندہ حکیم صاحب کے لئے منظور ہے لہٰذا مذکورہ اراضی

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۔۲۱۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

محمد افضل خاں معاف شد۔	سرکار کی طرف سے محمد افضل خاں کو معاف ہوئی۔(ت)

اس کا حاصل اگر ٹھہرتا تو معافی محصول نہ کہ تملیک رقبہ، کما ھو شان الاقطاع علی المعنی المشھور (جیسا کہ مشہور معنی میں جاگیر عطیہ کرنے کی شان ہے۔ت) نہرالفائق پھر درمختار میں ہے:

الاقطاعات من اراضی بیت المال اذ حاصلھا ان الرقبۃ لبیت المال والخراج لہ[1]۔	بیت المال کی اراضی عطیہ کرنے کا حاصل یہ ہے کہ ملکیت بیت المال کی ہوگی اور آمدن اس کی ہوگی۔(ت)

اور بالفرض یہ صورت یہاں ہوتی تو بعد انتقال نواب خلدآشیاں مرحوم ومغفور ختم ہوجاتی خود افضل خاں کا کوئی حق نہ رہتا نہ کہ ان کے ورثاء کا، ردالمحتار میں ہے:

ھل تصیر لاولاد المقطع لہ عملا بقول السلطان ولا ولادہ فانہ بمعنی ان مات عن اولاد فلاولادہ من بعدہ فھو تعلیق معنی والجواب انہا لاتکون لاولادہ لبطلان التعلیق المذکور بموت السلطان المعلق قال فی الاشباہ لومات المعلق بطل التقریر اھ مختصرًا[2]	کیا جس کو عطیہ کیا گیا ہے حاکم کی طرف، "اور اس کی اولاد کے لئے" کہہ دینے سے اس کی اولاد ہوجائے گی کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ عطیہ لینے والے کی موت کے بعد اگر اس کی اولاد ہو تو اولاد کی ہوگی۔ تو یہ معنی تعلیق ہے، الجواب یہ اولاد کے لئے نہ ہوگی کیونکہ معلق کرنے والے حاکم کی موت سے یہ تعلیق باطل ہوجائیگی، اشباہ میں فرمایا: اگر تصدیق کرنے والا فوت ہوجائے تو اس کا یہ معلق حکم باطل ہوجائے گا اھ مختصرًا (ت)

اور بالفرض اولاد کا حق رہتا بھی، جب بھی زوجہ محمد افضل خان کے لئے کوئی حق نہ ہوتا کہ سند میں نسلا بعد نسل ہے اور زوجہ نسل شوہر سے نہیں، اور اگر فرض کیجئے کہ ایسی سند والیان ملک کے عرف حال میں مطلقًا تملیک رقبہ زمین سمجھی جاتی ہے اگرچہ "عطاشد" کے عوض "معاف شد" ہی لکھا گیا ہو جس کی بناء پر سند ثانی کو محمد افضل خاں کے لئے ہبہ وتملیک زمین قرار دیا جائے کہ زوجہ و اولاد سب ورثہ کا استحقاق قائم کرسکیں، تو اس صورت میں بھی تمام وارثان افضل خاں کا محض نامستحق ہونا واضح وروشن ہے کہ زمین پہلے حکیم محمد اعظم خاں کو ہبہ ہوچکی اور حین حیات تک ہونا کچھ منافی نہیں کہ جو چیز کسی کو

[1] درمختار کتاب الجہاد باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

اس کی حیات تک ہبہ کی جائے وہ ہمیشہ کے لئے ہبہ ہو گئی، اور حین حیات کی شرط شرعا باطل وبے اثر ہے، درمختار میں ہے:

جاز العمری للمعمر له ولورثته بعده لبطلان الشرط[1]	عمر بھر کا ہبہ جائز ہے اور موہوب معمرلہ کی ملک ہوگا اور اس کے بعد اس کے وارث مالک ہونگے کیونکہ رد کی شرط باطل ہے۔(ت)

اور وہ ہبہ قبضہ محمد اعظم خاں سے تام وکامل ونافذ ہولیا، اب ریاست کو کیا اختیار رہا کہ پر ایامال دوبارہ کسی اور کو ہبہ کردے، اس کی تصحیح کی دو ہی صورتیں موہوم ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ محمد اعظم خاں کی عرضی کہ "حسب استدعا تابعدار کے اس ملک بھوٹ کی دوسری سند میرے فرزند محمد افضل خاں کے نام نسلاوبعد نسل عطافرمائی جائے" اسے گویا محمد اعظم خاں کی طرف سے اس زمین کا رئیس کو واپس دینا اور اپنے بیٹے کے نام ہبہ جدید کی درخواست کرنا قرار دیں، اور ہبہ جب باہمی تراضی یا قضائے قاضی سے واہب کو واپس ہو تو وہ دوسرے سے فسخ ہبہ ہے، نہ کہ موہوب لہ کی طرف سے واہب کو ہبہ، ولہذا واہب کا قبضہ اس پر شرط نہیں، درمختار میں ہے:

اذا رجع بقضاء اورضاء کان فسخا لعقد الهبة من الاصل لاهبة للواهب فلهذا لایشترط فیه قبض الواهب[2]	جب قضا یا رضا سے ہبہ میں رجوع ہو تو یہ فسخ عقد ہبہ ہوگا نہ کہ واہب کو ہبہ ہوگا لہذا واہب کا قبضہ کرنا شرط نہیں ہوگا۔(ت)

مگر عرضی مذکور کا ملاحظہ صراحۃً اس معنی سے اباء کرتا ہے اس میں عبارت مذکور کے متصل ہے "ورنہ میں سند عطیہ سابقہ حضور اپنے ہمراہ لایا ہوں واپس پیش کردوں بدستور سابق ملک مذکور شریک خالصہ فرمائی جائے" اس سے صاف ظاہر کہ وہ اس وقت اپنا ہبہ واپس نہیں کرتا بلکہ اس درخواست کے قبول نہ ہونے پر واپسی ہبہ کہہ رہا ہے، دوسرے یہ کہ اس درخواست کو محمد اعظم خاں کی طرف سے توکیل بالہبۃ قرار دیجئے گویا وہ اپنے پسر کو خود اپنی طرف سے ہبہ کرتا اور ریاست کو اس ہبہ کا اختیار دیتا ہے، یہ معنی بھی نہ اس درخواست سے ظاہر نہ سند ثانی سے، جس میں لفظ یہ ہیں کہ

از حضور بہ محمد افضل خان معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف ومرفوع القلم دانند۔	سرکار کی طرف سے محمد افضل خاں کو معاف ہوئی تو اراضی مذکورہ کو سرکار کی طرف سے معاف اور مرفوع القلم لازم سمجھیں۔(ت)

[1] درمختار کتاب الهبة فصل فی مسائل متفرقه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

اور بالفرض ان دونوں میں سے کوئی صورت ہی قرار دیجئے، جبکہ محمد افضل خاں نے اس پر ایک آن کو قبضہ نہ پایا اس کے نام ہبہ خواہ جانب ریاست سے مانیں خواہ طرف پدر سے، بہر حال باطل محض ہوگیا، بر تقدیر اول تو ظاہر ہے اور بر تقدیر ثانی یوں کہ سائل نے اپنے خط میں اظہار کیا کہ محمد افضل خاں اس تبدیل سند کے وقت بالغ وصاحب اولاد تھا تو قبضہ پدر اس کا قبضہ نہیں ہوسکتا لاجرم اس کے نام ہبہ باطل ہوگیا، درمختار میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔	میم سے مراد قبضہ دینے کے بعد فریقین میں سے کسی کا فوت ہوجانا ہے اور قبضہ سے پہلے موت ہو تو ہبہ باطل ہے۔(ت)

بالجملہ کسی صورت کسی پہلو محمد افضل خاں یا اس کے کسی وارث کا اس زمین پر دعوی نہیں پہنچ سکتا وہ اس میں سے کسی ذرہ کے مالک نہیں، یہاں بعض ابحاث فقہیہ اور ہیں جن کو سوال سے تعلق نہیں، لہٰذا ان کا ذکر مطوی رہا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۴: مرسلہ مولوی عبداللہ خاں صاحب قصبہ بتیا ضلع چمپارن محلّہ گنج اول ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی ہندہ بالغہ کی شادی کی اور نکاح کے وقت میں بطور جہیز مع دیگر اثاث بیت ایک ہزار روپیہ بھی دیا، دینے کی صورت یہ تھی کہ زید نے مجلس نکاح میں اشیاء دادہ شدہ کو بنام ہندہ بحضور اصہار وشوہر ہندہ کے نامزد کیا، اور ایک فہرست اشیاء مذکورہ کی لکھ کر جو مشتمل بہ ایجاب بھی تھی ہندہ کے حوالے کی، چونکہ ہندہ تاحین حیات زید مرحوم اپنے والد مرحوم کے ہم ماکل وہم مشرب عـــہ رہی، اور وہ اس کے کل مصارف کہئے اس لئے بوجہ عدم ضرورت ہندہ نے نقود مذکورہ کو قبضہ خاص میں نہیں لایا بلکہ تازندگی زید مرحوم، زید مرحوم کے پاس رکھ چھوڑا، بعد انتقال زید ہندہ کو جب ضرورت پڑی اس کو خرچ کیا، زید مرحوم نے نقود مذکور کو الگ ایک تھیلی میں وقت نکاح سے رکھ لیا تھا، اور اس سے کوئی نفع ذاتی نہیں

عـــہ: اصل میں قلم ناسخ سے ایک لفظ چھوٹ گیا ہے۔ ۱۲

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اٹھایا تھا، جب کبھی الماری کھولتے تھے تو تھیلی مذکورہ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے ہندہ سے مخاصب ہو کر کہ یہ تیرا روپیہ ہے، اور بسا دفعہ یوں فرماتے تھے کہ تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے، اور بسا دفعہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ ہندہ کا روپیہ میرے پاس بے فائدہ رکھا ہوا ہے امانت میں، ہم کو ڈر ہے کہ ضائع نہ ہو اور اسکی وجہ سے میرا مواخذہ نہ ہو، یہ حقیقت حال ہے اب ارشاد فرمائے کہ تخلیہ مذکورہ سے یعنی قول زید مرحوم سے بعد کھولنے صندوق کے یہ تیرا روپیہ ہے ہبہ تمام ہوا یا نہیں؟ کیونکہ دینا بطور جہیز کے ہبہ ہی کا محتمل ہے، اگر اس تخلیہ سے ہبہ تمام ہوا اور یہ کہ تخلیہ معتبرہ کی کیا تعریف ہے **حتی ینظر ان التعریف یصدق علی ھذا الصورۃ** (تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس صورت پر تعریف صادق آتی ہے۔ت) اور اگر یہ ہبہ تمام نہیں اور تخلیہ مذکورہ تخلیہ معتبرہ نہیں تو عدم اعتبار کی کیا دلیل ہے، اور یہاں کون شرط اعتبار کا منفی ہے۔

وھکذا ارشدونی **فی الاقرار من حین** اعتبار وعدمہ اذقول زید رحمہ اللہ۔	یوں مجھے ارشاد فرماؤ اقرار کے متعلق کب معتبر ہے اور کب نہیں، کیونکہ زید رحمہ اللہ کا قول: (ت)

"تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے"

ظاھرہ اقرار بالامانۃ فھل یصح ھذا اقرار ام ھو باطل وکان زید المقر عارفا معنی الامانۃ عالما فقیھا ارجومنکم ان تنبھونی بجواب یروی العطشان و یذھب بالظمان اذھی مسئلۃ اختلف فیھا اراء الاقران و ما اتی احد بشیئ یزیل الخلجان والاٰن اریدان اسعکم ماوقع بینھم حتی ترشدونی بسلیمۃ من سقیمۃ اجاب بعضھم بان الھبۃ لیست بصحیحۃ کما صرح بہ الکتب	اس کا ظاہر امانت کا اقرار ہے، کیا یہ اقرار صحیح ہے یا باطل ہے جبکہ اقرار کرنے والا زید عالم فقیہ ہونے کی وجہ سے امانت کا معنی جانتا تھا، مجھے امید ہے کہ آپ مجھے جواب سے وہ تبنیہ فرمائیں گے جو پیاسے کو سیراب کردے اور پریشانی کو دور کردے کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں ہم زبان لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں اور کسی نے کوئی چیز نہ بتائی جو خلجان کو ختم کردے، اب میں چاہتا ہوں کہ ان کی آراء آپ کو سناؤ تاکہ آپ صحیح اور غلط کی مجھے رہنمائی فرمائیں، بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ ہبہ صحیح نہیں جیسا کہ کتب فقہ نے یہ تصریح کی ہے اور بعض نے

الفقهیه واجاب بعضهم بأن الهبة قد تمت لوجود شرطها وشرطها اما الایجاب فظاہر واما القبول فلو جوده من الاصهار فی مجلس النکاح واجازة موهوب لها فیصح کما فی الفضولی ولوجوده من الموهوب لها بنفسها بعد ببلوغ الکتاب الیها ای الفهرست المذکور المشتمل علی الایجاب والموهوب وشرط العقد یتوقف علی الغائب اذا کان بکتابة اوبارسال و اما شرط تمامها وهوا القبض فهو قد یکون حقیقیا و قد یکون حکمیا وههنا وان لم یتحقق الاول لکن الثانی متحقق ذا الشرط فی اعتبار القبض الحکمی المعبر عنه بالتخلة ان یکون المخلی عنه بحیث یتمکن عن قبضه المخلی له بعد ان یصدر من المخلی بالکسر قول اوفعل یدل علی اجازة القبض وقد تحقق فیما نحن فیه هذان الامران اما الثانی ای القول والفعل الدال علی الاجازة فکما مر فی تحریر السوال من قول الواهب یه تیرا روپیه ہے بعد فتح الصندوق مشیرا الی الدراهم

یہ جواب دیا کہ یہ ہبہ تام ہوچکا ہے شرط پائے جانے کی جوہ سے شرط ایجاب وقبول ہے، ایجاب کا وقوع تو ظاہر ہے لیکن قبول تو وہ سسرال نے مجلس نکاح میں کرلیا اور لڑکی نے اس کی ان کو اجازت دے دی، تو قبول کرنا صحیح ہوگیا جیسا کہ فضولی کا معاملہ ہوتا ہے، نیز خود لڑکی کی طرف سے اس کو لکھی ہوئی فہرست مل جانے کے بعد قبول ہوگیا کیونکہ وہ فہرست ایجاب پر مشتمل تھی اور موہوب چیز بھی اس میں درج تھی اور عقد کی شرط غائب کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے جبکہ وہ بطور تحریر یا ارسال ہو، لیکن اس ہبہ کے تام ہونے کی شرط قبضہ ہونا ہے، اور یہ قبضہ کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی حکمی ہوتا ہے جبکہ یہاں حکمی صورت میں قبضہ پایا گیا ہے کیونکہ حکمی قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے کہ چیز اس انداز سے موجود ہو کہ تخلیہ کرنیوالے واہب کے کسی قول یا فعل کی دلالت اجازت قبضہ پر پائی جائے اور موہوب لہ جس کے لئے تخلیہ ہوا کو قبضہ کرنا ممکن ہو، اور زیر بحث صورت میں یہ سب کچھ پایا گیا ثانی یعنی حکمی قبضہ کہ قول یا فعل اجازت پر دلالت کرے، یہ بات سوال کی تحریر میں موجود ہے کہ واہب نے صندوقچی کھول کر موہوب دراہم جو علیحدہ تھیلی میں بندھے ہوئے تھے، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ تیرا روپیہ ہے، کیونکہ اس کی اس بات کا مقصد صرف یہی تھا کہ لڑکی قبضہ کرے جیسا کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریقوں کو

الموهوبة المشدودة فی خریطة منفردة ممتازة اذا ما کان مقصوده بهذا القول الا اجازة القبض کما هو المسلم عند الفریقین من المدعی والمدعا علیه وکذا الاول ای التمکن وکون الموهوب بحیث یتمکن من قبضه الموهوب له اذالمانع والحائل وہو القفل وغیره من اللوح الذی هومدخل الصندووق وبابه قدارتفع وقت الاجازة ولان القائل الواهب ههنا مما یمتنع ان یتوہم فی شانه انه قال ذٰلك هازلا بل یجب ان یتیقن بکونه باذلا لما مر من انه کان عالما تقیا مقتدا لاهل هذه الاطراف وایضا ہذا ان الامران مسلمان عند الفریقین فهما مستفتیان عن الدلیل والبیان۔	یہ بات مسلم ہے اور یوں ہی پہلا عمل یعنی لڑکی کا قبضہ پر تمکن کہ موہوب اس طرح ہو کہ موہوب لہ اس پر قبضہ کرلے تو یہ متحقق ہو چکا کیونکہ واہب کا تالا کھول کر صندوق والماری کو کھلا رکھنا قبضہ کے لئے رکاوٹ اور مانع کو دور کرنا اجازت پر دال ہے اور واہب کی اس بات کو مذاق پر محمول کرنا ممکن نہیں بلکہ جیساکہ سوال میں گزراکہ وہ عالم متقی اور اہل علاقہ کا مقتداء ہے تو یقین کرنا ہوگا کہ وہ حقیقۃً دے رہا ہے نیز یہ باتیں دونوں فریقوں کو مسلم ہیں اس لئے بھی ان پر دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔(ت)

یعنی جو ورثہ موجود تھے ورعاقل بالغ تھے وقت حیات زید مرحوم کے وے تسلیم کرتے ہیں اس امر کا کہ زید مرحوم بارہا کہا کرتے تھے مذکورہ کو، اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ہندہ نقد مذکورہ موہوب لہ کے قبض کرتی تو اس کے والد مرحوم ہو گز منع نہ کرتے۔

الا انها لم تقبض قبل موته لعدم الحاجة بها وقت حیاته وانما قبضت بعد موته ووقت القبض لم یزاحمها احد من الورثة لتسلیهم ذین الامرین و کونه تلك النقود ملکه خاص الهندة وانما شرعت المنازعة والمزاحمة وقت طلب الهندة	تاہم لڑکی نے والد کی زندگی میں عدم ضرورت کی بناء پر قبضہ نہ کیا اور اس کی موت کے بعد جب قبضہ کیا تو کسی وارث نے کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ وہ دونوں چیزوں کو تسلیم کئے ہوئے ہیں اور یہ بھی تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ یہ نقد خاص ہندہ کی ملکیت ہے اور ورثاء کی طرف سے جھگڑا اور مزاحمت اس وقت شروع ہوا جب

حصتها من الترکة معترضین علیها بقیة الورثة بان ماقبضت من النقود ہو محسوب من حصتك من الترکة والهندة تقول فی جوابهم بان النقود قد جهزئی بها ابی فهولا یحسب من حصتی من الترکة بل یجب ان تکون لی حصه غیرہا والدلیل الثانی علی تمام الهبة بالقبض الحکمی والتخلیة المذکورة اقرا زید بالامانة کمامرمن انه ربما یبقی ویقول ان دراهم الهندة امانة عندی واخاف من ضیاعها وبیان دلالته ان المقر کان عارفا معنی الهبة واحکامها ومعنی الامانة واحکامها لما مر من فقاهته واتقائه و لیس من اصطلاح الفقهاء ولا غیر هم الاطلاق علی مال نفسه بانه امانة لزید مثلا فدل الاقرار بالامانة علی ان التخلیة المذکورة تخلیة معتبرة لاباعتبار المقر فقط بل باعتبار الشرع ایضا اذا الشرع ماحصر التخلیة فی امثلة معدودة محصورة حتی تنعدم بانعدامها بل مبناہ عندالشرع علی ان یکون المخلی عنه بحیث یتمکن من قبضة المخلی له بعد اجازة المخلی بالکسر وهو امر عام لایمکن انحصار نعم یختلف باختلاف المواد و	ہندہ نے والد کے ترکہ میں اپنا حصہ طلب کیا تو انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ تو نے جو نقد وصول کیا ہے وہ ترکہ کا حصہ ہے جواب میں ہندہ کہتی ہے کہ وہ نقد والد نے مجھے جہیز میں دیا ہے، لہٰذا وہ ترکہ میں شمار نہیں ہے بلکہ ترکہ میں میرا حصہ الگ ہے حکمی قبضہ اور تخلیہ سے ہبہ کے تام ہونے پر دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ زید کا اقرار تھا کہ یہ ہندہ کی امانت ہے اور کبھی روتا اور کہتا کہ یہ روپیہ میرے پاس ہندہ کی امانت ہے اور مجھے اس کے ضائع ہونے کا ڈر ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، یہ دلالت اس لئے واضح ہے کہ زید ہبہ اور اس کے احکام اور امانت اور اس کے احکام سے بخوبی آگاہ تھا کیونکہ وہ متقی عالم تھا جیسا کہ گزرا فقہاء کرام وغیرہ کی اصطلاح میں مثلا زید کے اپنے مال کو امانت نہیں کہا جاتا تو اس کے اقرار امانت کی یہ دلالت ہوئی کہ مذکورہ تخلیہ محض مقر کے اعتبار سے معتبر نہیں، بلکہ شریعت نے تخلیہ کا چند مثالوں میں حصر نہیں کیا تا کہ ان کے معدوم ہونے سے تخلیہ معدوم ہو جائے بلکہ شریعت نے اس کا مبنٰی یہ قرار دیا کہ چیز اس انداز میں موجود ہو کہ تخلیہ کرنیوالے واہب کی اجازت کے بعد قبضہ کرنیوالے کو کوئی رکاوٹ نہ ہو، یہ مفہوم عام ہے جو کسی خاص صورت میں منحصر نہیں ہے۔ہاں مواد اور تخلیہ دینے والوں کے اختلاف سے تخلیہ مختلف

اختلاف المخلین وقد مران التمکن و الاجازۃ ہٰھنا مسلم ومدلل تم ماقال البعض الاخرۃ،ومقولۃ السائل فی توجیہ من قال بعدم التمام۔اقول:وباللّٰہ التوفیق قول من قال بعدم اعتبار التخلیۃ المذکورۃ من قول زید یہ تیرا روپیہ ہے بعد فتح الصندوق کما مر بتمامہ اعتصم بقول القاضیخان حیث قال (والتخلیۃ ان یخلی بین الموھوب لہ ویقول لہ اقبضہ[1]) اذ فیہ تصریح علی ان التخلیۃ انما تعتبرا ذا ایدت بالامر بالقبض وقول زید یہ تیرا روپیہ ہے لیس امرا بالقبض بل فیہ اخبار عن کون تلک النقود ملکا للھندۃلکونہ جملۃ خبریۃ فان استدل بھذا القول علی تمام الھبۃ وثبوت الملک فی النقود یلزم الدور کما لایخفی اذا لیس للملک وجہ اٰخر غیر الھبۃ ولما بطل استدلالہ بقول زید یہ تیرا روپیہ ہے الخ لم یبق لتمام الھبۃ وجہ اٰخر غیر الاقرار بالامانۃ مع کون زید عارفا معنی الامانۃ واحکامھا	ہوجاتا ہے اور یہ گزرا کہ قبضہ پر تمکن اور اجازت یہاں مسلم امر ہے،دوسرے بعض کا قول مکمل ہوااور جس نے کہا یہ ہبہ تام نہیں ہے اس کی توجیہ میں سائل کا قول،اقول:میں کہتاہوں اللہ کی توفیق سے،زید کے صندوق کھولنے اور یہ کہنے کہ یہ تیرا روپیہ ہے اس تمام واقعہ پر جس نے کہا یہ تخلیہ معتبر نہیں ہے اس نے قاضی خاں کے اس قول کو دلیل بنایا جہاں انہوں نے فرمایا:التخلیہ یہ ہے کہ موہوب چیز اور موہوب لہ میں تخلیہ کردے اور کہہ دے کہ توقبضہ کرلے،کیونکہ اس قول میں یہ تصریح ہے کہ تخلیہ تب معتبر ہوگاجب وہ قبضہ کے حکم سے مؤید ہو،اور زید کالڑکی کو کہناکہ یہ تیراروپیہ ہےاس پر قبضہ کاحکم نہیں ہے بلکہ ان نقود پر ہندہ کی ملکیت کی خبر دیناہے کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے،اگراس قول کو ہبہ کے تام ہونے اور ہندہ کی ملکیت کے ثبوت کے لئے دلیل بنایاجائے تو دور لازم آئے گا جیساکہ مخفی نہیں ہے کیونکہ ان نقود میں ہندہ کی ملکیت کی ہبہ کے بغیر کوئی دلیل نہیں ہے توجب زید کے قول کہ"یہ تیرا روپیہ ہے"سے استدلال باطل ہوگیاتواب ہبہ کے تام ہونے پر ہبہ اور اس کے احکام اورامانت اوراس کے احکام

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبۃ فصل فی ھبۃ المشاع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۰

وهذا الاقرار ایضا غیر صالح للاستدلال به علی تمام الهبة وثبوت الملك فی النقود للهندة اما عدم صلاحیته للاول فظاهر اذا لامانة لاتقتضی کونها لهبة لخصوصها انما تقتضی کونها ملکا للمودع بالکسر فالدال عام والمدلول خاص واما الثانی فلان الاقرار اخبار وحکایة موقوف علی المحکی عنه والمخبر عنه هو کون المقربه ملکا للمقرله قبل الاقرار فلو استدل به علی ثبوت الملك فیها قبله لزم الدور، ولیس الاقرار سببا للملك حتی تثبت به الملك من غیر نظر الی الحکایة ولان الاقرار انما یعتبرا اذا ادعی المقرله الاقرار وبین سببا للملك غیره اذا الدعوی الذی علی الاقرار من غیر بیان سبب الملك باطل کما لایخفی وهو معنی قول صاحب الدر المختار ولاتسمع دعواه بشیئ بناء علی الاقرار [1]، والجواب علی ماادی الیه نظری، والله اعلم	پر مطلع ہونے کے باوجود زید کا اقرار بالامانت کرنا ہی دلیل رہ گئی ہے حالانکہ یہ اقرار اتمام ہبہ اور ہندہ کے لئے ان نقود کی ملکیت کے ثبوت پر دلیل نہیں، اول یعنی امانت کا دلیل کے لئے صالح نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ امانت کا ہبہ ہونا لازمی تقاضا نہیں ہے بلکہ اس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ وہ چیز امانت رکھنے والے کی ملکیت ہے تو دال عام اور مدلول خاص ہے، اور ثانی یعنی نقود پر ہندہ کی ملکیت، اس لئے دلیل بننے کی صالح نہیں کہ یہ اقرار خبر اور حکایت ہے جو محکی عنہ اور مخبر عنہ پر موقوف ہے اور محکی عنہ اقرار سے قبل نقود کا ہندہ کی ملکیت ہونا ہے تو اگر اس خبر کو اقرار سے قبل ملکیت پر دلیل بنایا جائے تو دور لازم آئے گا نیز خود اقرار ملکیت کا سبب نہیں تو حکایت سے قطع نظر بھی اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوگی اور اس لئے بھی کہ اقرار کا اعتبار تب ہوتا ہے جب مقرلہ اقرار کا دعوی کرے اور اقرار کے علاوہ کوئی ملکیت کا سبب بیان کئے بغیر باطل ہوتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور درمختار کے قول کہ وہ دعوی جو صرف اقرار پر مبنی ہو مسموع نہ ہوگا، کا یہی معنی ہے الجواب جہاں تک میری نظر ہے، اور اللہ تعالٰی ہی درستی کو

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

بالصواب ان تعریف القاضیخاں اکثری لاحصری و لایشترط فی جمیع افراد التخلیۃ الامر بالقبض بل امدارھا علی ان یکون المخلی عنہ بحیث یتمکن من قبضہ بعد اجازۃ المخلی بالقول او بدلالۃ الحال ویدل علی ھذا اطلاقات القاضیخاں ایضا جلد ۲ صف ۳۹۴ حیث قال البائع اذا خلی بین المبیع وبین المشتری بحیث یتمکن المشتری من قبضہ یصیر المشتری قابضا للمبیع [1] ففیہ تصریح ان الامر بالقبض غیر مشروط فیھا ولا قائل بالفرق بین التخلیۃ فی البیع والھبۃ حتی یقال بالاشتراط فیھا دونہ ولان عبارۃ القاضیخاں قبیل ھذا ص ۳۹۴ شاھدۃ بمساوات التخلیتین، وایضًا لایدل علی الاشتراط مفھوم التخلیۃ ولا اصطلاحھم ولا لما ذھلوا عنہ اکثر من ان یحصی، وایضا لا یمکن الانکار لاحد عن التخلیۃ مع عدم الامر فیما اذا عدد المشتری الثمن عند	بہتر جانتا ہے کہ بیشک قاضی خاں کی تعریف اکثری ہے حصری نہیں ہے تخلیہ کے تمام افراد میں قبضہ کا حکم کرنا شرط نہیں بلکہ تخلیہ کا دار ومدار اس بات پر ہے کہ تخلیہ دینے والے کی اجازت قولی یا حالی کے بعد چیز اس طرح موجود ہو کہ مشتری یا موہوب لہ کو اس پر قبضہ کا تمکن حاصل ہو جائے، اس پر خود قاضی خاں کے اپنے اطلاقات دال ہیں انہوں نے جلد ۲ ص ۳۹۴ میں فرمایا کہ بائع نے جب مبیع چیز اور مشتری کے مابین تخلیہ یوں کر دیا کہ مشتری کو قبضہ پر تمکن حاصل ہو جائے تو مشتری کو مبیع پر قابض قرار دیا جائے گا تو اس میں تصریح ہے کہ قبضہ کا حکم شرط نہیں ہے جبکہ بیع اور ہبہ میں تخلیہ کے اعتبار سے فرق کا کوئی قابل نہیں ہے، تاکہ یہ کہا جاسکے کہ ہبہ کے تخلیہ میں شرط ہے اور بیع میں شرط نہیں اور اور اس لئے بھی کہ اس سے تھوڑا پہلے صفحہ ۳۹۴ پر قاضی خاں نے اپنی عبارت میں دونوں تخلیوں کو مساوی قرار دیا ہے، نیز تخلیہ کا مفہوم اور فقہاء کی اصطلاح اشتراط پر دال نہیں ہے ورنہ فقہاء کبھی اس کو نظر انداز نہ فرماتے حالانکہ ان کی بے شمار تصریحات اس کے ذکر سے خالی ہیں، نیز جب مشتری ثمن کے دراہم کو مبیع کے پاس گنتی کرے اور بائع کو قبضہ کرنے کا نہ کہے تو کسی کو

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

المبیع ولم یقل لہ اقبضہ وبھذا اندفع الدور ایضاً اذ الاخبار یعنی قولہ یہ تیرا روپیہ ہے لیس علی حقیقتہ حتی یقتضی ثبوت المخبر عنہ وھو الملك والحال انہ موقوف علی ھذا القول اذ لیس لہ وجہ اٰخر غیر الھبۃ اذفی حملہ علی الاخبار یلزم الغاء الکلام و الواجب حملہ اذا صدر عن عاقل بالغ علی معنی یصح فحمل علی الانشاء واجازۃ القبض وھو شائع فی محاورات الھند کقولھم پان حاضر ہے، حقہ حاضر ہے، کھانا حاضر ہے، حین کون ہذا الاشیاء موضوۃ لدی المخاطب فھم لا یریدون بھذا الاخبارات حقیقتھا والا یلزم الالغاء بل مقصودھم اجازۃ التناول منھا کما لایخبو علی البیب فلو کا المراد من قول زید المرحوم یہ تیرا روپیہ ہے اجازۃ التناول والقبض لا یلزم المحذور ایضاً وبہ یصح الکلام ویتم المقصود من تمام الھبۃ بالتخلیۃ والقبض الحکمی، وظھر وجہ الاستدلال بالقول الاول بقی الاقرار بالامانۃ ھل ھو صالح للاستدلال بہ ام الابل الاستدلال مستلزم للدور	بھی اس تخلیہ کے معتبر ہونے سے نکار نہیں ہے، اس بیان سے دور بھی ختم ہوگیا کیونکہ والد کا یہ کہنا "یہ تیرا روپیہ ہے" یہ خبر اپنے حقیقی معنی پر نہیں ہے تاکہ وہ مخبر عنہ یعنی سابقہ ملکیت کا ثبوت چاہے حالانکہ حالیہ ملکیت اس قول (یہ تیرا روپیہ ہے) پر موقوف ہے کیونکہ اس ملکیت کی ہبہ کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ تو جب اس قول کو خبر پر محمول کیا جائے تو کلام کا لغو ہونا لازم آتا ہے جبکہ عاقل بالغ کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کرنا واجب ہے، تو ایسے قول کو انشاء اور قبضہ کی اجازت پر محمول کرنا ہندوستان کے محاورات میں عام استعمال ہے، مثلاً وہ جب کہتے ہیں پان حاضر ہے، حقہ حاضر ہے، یا کھانا حاضر ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب یہ چیزیں مخاطب کے سامنے رکھی ہوئی ہوتی ہیں وہ اس سے خبر کا حقیقی معنی مراد نہیں لیتے ورنہ کلام کا لغو ہونا لازم آئے گا بلکہ ان کی مراد اس کو کھانے کی اجازت ہوتی ہے جیسا کہ یہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے تو اگر زید مرحوم کے قول "یہ تیرا روپیہ ہے" سے بھی یہی معنی مراد لیا جائے تو کوئی خرابی نہ ہوگی جبکہ اس سے کلام صحیح ہوتا ہے اور ہبہ کے تام ہونے کا مقصد بھی تخلیہ اور حکمی اجازت قبضہ سے حاصل ہوتا ہے تو ظاہر ہوا کہ وجہ استدلال پہلا امر یعنی ہندہ کی ملکیت ہونا ہے، باقی رہا یہ معاملہ کہ امانت کا اقرار وجہ استدلال بن سکتا ہے یا نہیں بن سکتا بلکہ یہ استدلال دور کو

کما قال المعترض، **اقول:** وباللّٰه التوفیق مدار الاعتراض علی ان الاقرار باطل لانه یتوقف علی وجود المخبر عنه وهو ثبوت الملك فلو استدل به علی تمام الهبة وثبوت الملك یلزم الدور محصل الجواب ان اشتراط نفوذ الاقرار ببیان سبب الملك غیر الاقرار مسلم لکن لا یجب بیانه الا اذا رجع المقرعن اقراره واما اذاکان مصرا علی اقراره فان بین فبها وان لم یبین حتی مات علی اقراره لایبطل اقراره عند احد بل یجب ان یحمل علی سبب صالح حتی لا یلزم الالغاء والسبب الصالح للاقرار ھٰهنا موجود وهو الهبة مع التخلیة والهبة مع التخلیة والهبة وتمامها لیستا موقوفتین علی الاقرار حتی یلزم الدور کما زعم المعترض بل هما قد ثبتا بدلیل قدم بیانه فالاقرار وان کان باعتبار ذاته موقوفا علی تمام الهبة لکن باعتبار لازمه وهو	مستلزم ہے جیسا کہ معترض نے کہا ہے، اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں کہ اعتراض کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ اقرار باطل ہے کیونکہ یہ مخبر عنہ اور محکی عنہ پر موقوف ہے اور وہ محکی عنہ پہلے سے ملکیت کا ثبوت ہے تو اگر اس قول سے ملکیت ثابت کی جائے اور ہبہ کا تام ہونا ثابت کی جائے اور ہبہ کا تام ہونا ثابت کیا جائے تو دور لازم آئے گا، تو اس کے جواب کاخلاصہ یہ ہے کہ اقرار کے نافذ ہونے کے لئے اس اقرار کے علاوہ کسی اور سبب کا بیان ضروری ہے، جو ملکیت کا باعث ہو، یہ بات مسلمہ ہے لیکن اس کا بیان صرف اس قت ضروری ہے جب مقر اپنے اقرار سے منحرف ہو______ لیکن اگر وہ اپنے اقرار پر قائم ہے تو بیان کردے تو بہتر ورنہ وہ اپنے اس اقرار پر فوت ہوجائے تو کسی کے ہاں وہ اقرار باطل نہ ہوگا بلکہ اس اقرار کو صحیح محمل پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ کلام کا لغو ہونا لازم نہ آئے، اور یہاں صحیح سبب موجود ہے اور وہ ہبہ مع تخلیہ ہے جبکہ ہبہ اور اس کا تام ہونا اقرار پر موقوف نہیں ہے، تاکہ دور لازم آئے جیسا کہ معترض کا خیال ہے، بلکہ ہبہ اور اسکا تمام ہونا یہ دونوں مذکورہ دلیل سے ثابت ہیں تو اقرار اگرچہ اپنی حقیقت میں ہبہ کے تام ہونے پر موقوف ہے لیکن وہ اپنے لازم جو کہ صحیح سبب پر محمول کرنا ہے، کے اعتبار سے مذکورہ صورت

وجوب حملہ علی سبب صالح یقتضی ان یحکم بتمام الھبۃ فی الصورۃ المذکورۃ بشرطھا وشطرھا المذکورین، ولھذا حکمنا بان الاقرار ایضا دلیل علی تمام الھبۃ فقط ارجومنکم ان ترشدونی بصواب الجواب وتدقیق یؤمن بہ ویتیقن بہ اولوالالباب۔	میں ہبہ کے تام کے حکم کو اس کی شرط اور رکن سمیت چاہتا ہے اور اسی لئے ہم نے حکم لگا دیا کہ اقرار بھی ہبہ کے تام ہونے کی دلیل ہے فقط (مذکورہ صورت حال کی روشنی میں) مجھے آپ سے امید ہے کہ آپ صحیح جواب کی رہنمائی فرمائیں گے اور ایسی تحقیق فرمائیں گے جس پر اصحاب علم وفہم کو یقین وتصدیق ہو جائے۔ (ت)

(العبد عبداللہ خاں عفی عنہ از ضلع چمپارن قصبہ بتیا محلّہ گنج اول)

الجواب:

اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ (یااللہ! تمام حمدیں تیرے ہی لئے ہیں۔ت) صورت مشروحہ سوال سے ہندہ کے لئے ان نقود میں ملک اصلا ثابت نہیں۔

اولاً: سائل نے زید کا مجلس عقد میں شوہر واصہار کے سامنے بعض اشیاء نامزد ہندہ کرنا بیان کیا مگر شوہر وغیرہ کے قبول کا کوئی ذکر نہیں کہ قبول فضولی سمجھ کر اجازت ہندہ پر موقوف رکھیں، نہ بعدہ کوئی اجازت ہندہ مذکورہ فہرست مطلقا تعریف ایجاب بالکتاب میں داخل خصوصا جبکہ تذکرہ ماوقع علیہ الانشاء ہونہ انشاء، **والاول ھو المعھود المتعارف فی امثال الفھارس** (فہرستوں جیسی چیز میں امر اول معلوم ومتعارف ہے۔ت) نہ وہ لفظ ہی سوال میں مسطور جو زید نے فہرست میں لکھے کہ ان پر نظر ہو، نہ یہی معلوم کہ ہندہ خواندہ ہے، فہرست اس نے خود پڑھی یا کسی نے اس کے جملہ الفاظ مندرجہ پڑھ کر سنائے، یا یوں ہی اجمالا اسے کاغذ دے دیا کہ یہ تمھارے جہیز کی فہرست ہے، نہ یہی مذکور کہ ہندہ سے کوئی قول یا فعل کہ قبول یا اجازت فضولی پر صادر ہوا یا نہیں،

واذلا اثر لبیان شیئ منھا فی السوال فکیف یسوع الحمل فی الجواب علی احد الجوانب من دون علم و یحکم بتحقق الشطرین تحکما بوجود القبول من الحضار ثم اجازۃ من المرأۃ	سوال میں مذکورہ شقوں کا بیان اور نشاندہی نہیں ہے تو جواب کو کسی ایک شق پر علم کے بغیر کیسے محمول کیا جائے اور کیسے حاضرین کے حکمی قبولیت کے وجود سے ہبہ کے دونوں رکن (ایجاب وقبول) کے پائے جانے پر حکم کیا جائے اور پھر عورت کی

او وجودہ منہا بعد بلوغ الکتاب مع عدم العلم بما فی الکتاب ایضا بمجرد السکوت فلا ینسب الی ساکت قول،ام باختیار من عند انفسنا احد الشقوق و لیس ھذا شان الجواب انما قصارہ فی امثال الصور الترديد۔	اجازت اور اجازت کا وجود لکھے ہوئے کاغذ کی وصولی کے بعد باوجودیکہ اس میں لکھی ہوئی چیز کا بھی علم نہیں محض اس کے سکوت سے ثابت کرنا تو اس کی طرف کسی قول کا منسوب کرنا نہ ہوگا یا ہم خود اپنی طرف سے کوئی ایک شق متعین کرلیں، تو یہ جواب نہ ہوگا اب سوائے اس کے کہ سوال کی ایسی صورت کے جواب میں اگر مگر سے کام لیا جائے کوئی چارہ نہیں ہے۔(ت)

بالجملہ قبول کو شطر عقد مان کر مقدار مافی السوال پر حکم انعقاد رجم بالغیب وخرط القتاد۔

نعم ہو علی علی الاصح شرط ثبوت الملك واذن یقوم مقامہ القبض فی المجلس ولو بلااذن الواہب اوبعدہ لو باذنہ کما حققناہ فی فتاوٰنا وحینئذٍ یرجع الامر الی المباحث الاٰتیۃ فی تحقق التخلیۃ ویلغوا السعی فی تحقیقۃ بفرضہ من فضولی فی المجلس اواحالۃ الایجاب علی ما فی الکتاب لیتوقف الشطر علی ماوراء المجلس۔	ہاں قبول کرنا صحیح قول کے مطابق ثبوت ملکیت کی شرط ہے اور اس صورت میں ثبوت ملک سے قائم مقام قبضہ ہو سکتا ہے مجلس میں ہو تو بلااجازت بھی ہو سکتا ہے ورنہ مجلس کے بعد اجازت سے، جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے اور اس صورت میں تخلیہ کی تحقیق میں آئندہ مباحث کی طرف راجع ہونا ہوگا جبکہ اس صورت میں فضولی سے مجلس میں قبولیت یا ایجاب کو لکھی ہوئی فہرست کی طرف منسوب کرکے ماورائے مجلس شطر (رکن) کے پائے جانے کی کوشش لغو ہے۔(ت)

ثانیاً ہاں ہبہ صحیحہ میں مذہب صحیح پر تخلیہ مثل قبض بالبراجم ہے۔

جزم بہ فی متن التنویر ونص فی الدرر ثم الدر[1] انہ المختار قلت وقد اشار فی بیوع الاشباہ الی ضعف خلافہ وقدمہ فی ہبۃ الخانیۃ علی قول	اس پر تنویر کے متن میں جزم فرمایا درر اور درمختار میں نص فرمائی اور مختار قرار دیا، میں کہتا ہوں اور اشباہ کی کتاب البیوع میں اس کے خلاف پر ضعف کا اشارہ کیا اور خانیہ کے کتاب الہبۃ میں اس کو مخالف قول پر مقدم ذکر کیا ہے

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

الخلاف وہوانما یقدم الاظہر الاشہر وبه جزم الامام شمس الائمة الحلوانی ولم یمل الی ذکر الخلاف کمافی بیوع الخاقانیة	جبکہ خانیہ اظہر واشہر کو مقدم ذکر کرتا ہے اور اسی پر شمس الائمہ حلوانی نے جزم کیا اور مخالف قول کو ذکر تک نہ کیا جیسا کہ خاقانیہ کے بیوع کے باب میں ہے۔(ت)

مگر یہاں اعتبار تخلیہ کے لئے جو تمکن قبض شرط ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ شیئ موہوب موہوب لہ سے اس قدر قریب ہو کہ یہ ہاتھ بڑھائے تو اس تک پہنچ جائے اٹھ کر اس کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو فقط الماری اور صندوق کا کُھلا ہونا ہر گز کافی نہیں۔ بحر الرائق ورد المحتار میں ہے:

لواشتری ثوبا فامرہ البائع بقبضه فلم یقبضه حتی اخذہ انسان ان کان حین امرہ بقبضه امکنه من غیر قیام صح التسلیم وان کان لایمکنه الابقیام لایصح[1]۔	اگر کسی نے کپڑا خریدا تو بائع نے اس کو قبضہ کرنے کا حکم دیا، ابھی وہ قبضہ کرنہ پایا تھا کہ دوسرے شخص نے وہ کپڑا پکڑ لیا، اگر قبضہ کے حکم کے وقت مشتری کو اس کپڑے پر قبضہ کے لئے قیام کے بغیر قدرت تھی تو بائع کا یہ حکم تسلیم کے قائم مقام ہوگا اور قیام کے بغیر قبضہ پر قدرت نہ تھی تو تسلیم صحیح نہ ہوگا۔(ت)

فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان کان حین امرہ البائع بالقبض امکنه ان یمد یدہ ویقبض من غیر قیام صح التسلیم والافلا[2]۔	جب بائع نے اس کو قبضہ کا حکم دیا اس وقت اس کو ہاتھ بڑھا کر بغیر قیام قبضہ پر قدرت تھی تو تسلیم صحیح ہے ورنہ نہیں۔(ت)

یہاں سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ الماری کھولتے وقت ہندہ کتنے فاصلہ پر ہوتی تھی، نہ اس نے کہا کہ کبھی زید نے اس وقت ہندہ کو بلا کر اتنا پاس بٹھا کر یہ الفاظ کہے کہ ہندہ ہاتھ بڑھاتی تو روپوں کی تھیلی ہاتھ میں آجاتی تو شرط تخلیہ کا تحقق سوال سے ظاہر نہیں بلکہ ظاہر عدم ہے کہ ایسا ہوا ہوتا تو اس کا بیان ترک نہ کرتا،

لمایترأی من کلام عن الاستقصاء	کیونکہ پورا واقعہ بیان کرنے اور ہبہ کو تام

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیمایدخل فی البیع الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۷

فی بیان الواقعۃ وتفریغ الوسع فی الاتیان بکل ماظنہ مؤید التمام الھبۃ۔	قرار دینے کی کوشش میں پوری مساعی کا ہر ممکن صرف کرنا اس کی کلام میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔(ت)

نہ فریقین کا اتفاق کہ واہب ایسا کہا کرتا تھا یا ہندہ قبضہ کرتی تو کہہ سکتے ہیں کہ نہ روکتا اس شرط تمکن کے وجود پر اتفاق ہے ایسا کہنا یا نہ روکنا واہب کے قول وحال ہیں اور جو تمکن کہ یہاں شرط ہے یعنی شے موہوب سے اس قدر قریب ہونا وہ موہوب لہ کا وصف ہے، تو نہ اس کا وجود اس کے وجود کو مستلزم، نہ اس کی تسلیم، بہر حال قدر مافی السوال پر ثبوت تخلیہ کا حکم صحیح نہیں۔

فکان حقہ ان یرددا ذا تردد وھھنا سھو فی بعض الصور وقع فی ش تبعا للبحر اوضحناہ وازحناہ فیما علقنا علیہ وباللہ التوفیق ثم ہوایضالا یتعلق بما فی الباب قد نص انہ یشترط فی نحو ثوب کونہ بحیث لومد یدہ تصل الیہ ولا شك ان الدراہم فی ذٰلك مثل الثیاب۔	حق یہ تھا کہ تردد کی صورت میں تردد کا اظہار کیا جاتا، اور یہاں بعض صورتوں کے بیان میں شامی کو بحر کی پیروی میں سہو ہوا ہے اس کو ہم نے اس پر حاشیہ میں واضح کیا اور اس کا ازالہ بھی کیا ہے، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، پھر وہ بھی اس باب سے متعلق نہیں ہے، انھوں نے یہ نص کی ہے کہ کپڑے جیسے معاملہ میں یہ شرط ہے کہ کپڑا یوں ہو کہ اگر ہاتھ بڑھائے تو ہاتھ اس تک پہنچ جائے تو شک نہیں کہ دراہم اس معاملہ میں کپڑے کی مانند ہیں۔(ت)

ثالثًا: تحقق تخلیہ کے لئے صرف تمکن قبضہ فی الحال ہرگز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخلی مخلی لہ کو قبضہ کا حکم کرے، مثلًا "خذہ" یا "اقبضہ" کہے یا "خلیت لك عنہ" یا اس کے مثل جو اس معنی کو ادا کرے۔

کلام یہاں طویل الذیل ہے اور محل اجمال میں چند جملے وافی، **واللہ الموفق**

(۱) امام اجل فقیہ النفس قاضیخاں رحمہ اللہ تعالٰی نے تخلیہ کی تعریف ہی میں امر بالقبض ماخوذ فرمایا، **کما ھو منقول فی السؤال وجعل الحد اکثریا لاحصریاتحویل لاتاویل** (جیسا کہ سوال میں منقول ہے۔ اور قاضی خاں کی تعریف کو اکثری قرار دینا ان کی کلام کو تبدیل کرنا ہے یہ اس کی تاویل نہیں ہے۔ت)

(۲) امام اجل ممدوح ودیگر اجلہ نے صراحۃ عدم امر مذکور کی حالت میں عدم صحت تخلیہ پر نص فرمایا، فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی ہندیہ وبحر الرائق وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للخانیۃ ان دفع الیہ المفتاح ولم یقل خلیت بینك وبین الدار فاقبضہ لم یکن ذٰلك قبضا[1]۔	خانیہ کے الفاظ میں۔ اگر اس نے چابی دے دی اور یہ نہ کہا کہ میں نے تیرے اور گھر کے درمیان تخلیہ کردیا ہے تو قبضہ کرلے تو یہ قبضہ نہ ہوگا(ت)

محیط پھر عالمگیریہ میں ہے:

اذا لم یقل اقبضہ فانما القبض ان ینقلہ[2]۔	جب قبضہ کرلے نہ کہا تو پھر وہاں سے منتقل کرنا ہی قبضہ قرار دیا جائے گا۔(ت)

توکلام امام قاضیخاں کو عدم اشتراط پر حمل کرنا خود ان کی تصریح صریح کے خلاف ہوگا

(۳) امام اجل موصوف ودیگر اکابر یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ مطلقًا امر بالقبض بھی کافی نہیں بلکہ خاص وہ امر بالقبض درکار ہے جو اس شیئ کی طرف مضاف ہو، مثلاً ہبہ یا بیع کرکے کہا لے لے یا قبضہ کرلے، تخلیہ نہ ہوا جب تک یوں نہ کہے کہ یہ چیز لے لے یا اس پر قبضہ کرلے، فتاوٰی قاضی خاں وبحر الرائق وفتاوٰی ذخیرہ وفتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لو قال "خذ" لایکون قبضا ولو "خذہ" فھو قبض اذا کان یصل الی اخذہ ویراہ[3]۔	اگر کہا "پکڑلے" تو قبضہ نہ ہوگا، اور یہ کہا کہ "اس کو پکڑلے" تو قبضہ ہوگا بشرطیکہ چیز کو ہاتھ پہنچ جائے اور اس کو نظر آئے۔(ت)

(۴) امام اجل مذکور کے فتاوٰی اور کتاب الاجناس وشرح المجمع لابن ملک وغمز العیون والبصائر وبحر الرائق وغیرہا میں تخلیہ کی شرائط شمار کیں اور ان میں قول مذکور کو ایک مستقل شرط گنا۔ اور نہر الفائق ودر مختار وفتاوٰی ہندیہ وحاشیہ طحطاویہ وردالمحتار وغیرہا میں اسے مقرر رکھا۔ امام ناطفی وابن فرشتہ وسید حموی کی عبارت یہ ہے:

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی تنقیح المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ کتاب البیوع الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶

التخلیۃ بین المبیع والمشتری یکون قبضًا بشروط احدھا ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع، و الثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یتمکن من اخذہ بلامانع، والثالث ان یکون المبیع مفرزا غیر مشغول بحق غیرہ اھ[1] باختصار	مبیع چیز اور مشتری کے درمیان تخلیہ چند شرائط کے ساتھ قبضہ بن جاتا ہے ایک یہ کہ بائع یوں کہے "میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کیا" دوسری یہ کہ مبیع مشتری کے پاس اس طرح ہو کہ بغیر رکاوٹ اسی کو پکڑ سکے، اور تیسری شرط یہ کہ مبیع فارغ ہو اور کسی کے حق میں مشغول نہ ہو، اھ اختصار۔ (ت)

شرط کا اکثری ہونا کیا معنی، اور امام اجل موصوف نے تو صراحۃً اسے ارشادات عالیہ امام الائمہ صاحب المذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا:

حیث قال قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ التخلیۃ بین المبیع و المشتری تکون قبضا بشرائط ثلثۃ احدھا ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع فاقبضہ ویقول المشتری قد قبضت، والثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یصل الی اخذہ من غیر مانع، والثالث ان یکون المبیع مفرزا غیر مشغول بحق الغیر[2] الخ	جہاں انھوں نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ تین شرائط کے ساتھ قبضہ قرار پاتا ہے، ایک یہ کہ وہ مشتری کو کہے کہ میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا ہے تو قبضہ کرلے، اور مشتری جواب میں کہے میں نے قبضہ کیا، دوسری یہ کہ مبیع اس طرح مشتری کے سامنے ہو کہ بغیر رکاوٹ اس کو لے سکے، اور تیسری یہ کہ مبیع فارغ ہو کسی کے حق میں مشغول نہ ہو الخ۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۷

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیع باب فی تنقیح المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۵

کان ابو حنیفه یقول القبض ان یقول خلیت بینك وبین المبیع فاقبضه ویقول المشتری وہو عند البائع قبضته [1]۔	امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تخلیہ کے ساتھ قبضہ یہ ہے کہ میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا ہے اس کو لے لو، اور مشتری بائع کی موجودگی میں کہے میں نے قبضہ کیا۔(ت)

بالجملہ نقول اس مسئلہ میں متظافر ہیں اور سب سے اعظم یہ کہ وہ خود صاحب المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منصوص ہے: **فایاك ان تتوهم ممافی الدر تبعاللنهر انهامن زیادات الناطفی**۔ در مختار میں نہر کی پیروی میں جو کہا کہ یہ ناطق کے زیادات میں سے ہے، اس وہم سے بچ کر رہنا۔(ت)

(۵) یہیں سے ظاہر کہ عبارات علماء میں جہاں تخلیہ مذکور ہے یہ شرط منظور ہے۔

فان الشیئ اذا اثبت ثبت بلوازمه و من قال رجل صلی فلیس علیه ان یقول بطاهر فی طاهر علی طاهر ناویا مستقبلا مکبرا فقد تضمن الکل قوله صلی، فلا تظن امثال قول الخانیة البائع اذا خلی بحیث یتمکن المشتری من قبضه یصیر قابضا [2] انها خالیة عن هذ الشرط فضلا عن کونها صرائح فی انه لیس بشرط۔	جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، اور جو شخص کسی کے متعلق کہے کہ "فلاں نے نماز پڑھی ہے" تو اس کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں، پاک حالت، پاک پانی، پاک جگہ، نیت کے ساتھ، قبلہ کی طرف اور تکبیر کہہ کر، کیونکہ نماز کا ذکر ہی ان سب کو متضمن ہے، لہذا خانیہ کے قول کہ "بائع جب تخلیہ کردے اس انداز میں مشتری کو قبضہ پر تمکن حاصل ہوجائے تو مشتری قابض قرار پائے گا" سے تجھے یہ گمان نہ ہو کہ یہ اس شرط سے خالی ہے چہ جائیکہ تو عدم شرط پر اس کو تصریح قرار دے۔(ت)

---

[1] بحر الرائق کتاب البیع یدخل البناء والمفاتیم الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۸

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

(۶) نصوص صریحہ مذہب وخود صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خلاف اگر کوئی روایت شاذہ پائی جاتی نامقبول ہوتی نہ کہ روایت مطلقہ کہ مخالف بھی نہ ٹھہرتی بلکہ اسی مقید پر محمول ہوتی۔

لانہ متفق علیہ فی کلمات العلماء وانما الخلاف فی نصوص الشارع کما فی ردالمحتار وغیرہ من المعتمدات	کیونکہ یہ تمام علماء کے کلام میں متفق علیہ ہے صرف شارع کی نصوص میں خلاف ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔(ت)

نہ کے بے استناد روایت محض ذہنی حکایت کہ وہ کیا قابل التفات وعنایت،

فالمشتری ان عدالثمن فی ید البائع اوذیلہ اوحجرہ لم یحتج البتۃ الی قولہ خذہ ونحوہ لان الحقیقی غنی عن شرائط الحکمی وان عدہ علی الارض بین یدی نفسہ فلایسلم انہ تخلیۃ مالم یقلہ اوینقلہ۔	جب مشتری نے رقم بائع کے ہاتھ یا جھولی یا دامن میں گنتی کرکے ڈالی تواب اس کو یہ کہنے کی ضرورت ہر گز نہیں کہ "تو پکڑ لے" کیونکہ حقیقی قبضہ کے بعد حکمی شرائط کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر مشتری اپنے سامنے زمین پر گن کر رکھ دے تو یہ تسلیم نہ ہوگا کہ یہ تخلیہ ہے جب تک پکڑ نہ لے، نہ کہہ دے یا وہاں سے مشتری اٹھا نہ لے۔(ت)

(۷) زید کا کہنا "یہ تیرا روپیہ ہے" صراحۃ اقرار ہے، فتاوٰی قاضیخان وفتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لو قال لاٰخر "ایں چیز ترا" فھو ھبۃ یشترط فیھا القبض ولو قال "تراست" فاقرار[1]۔	اگر دوسرے کو کہا کہ یہ چیز تجھ کو توھبۃ ہوگا اور اس میں قبضہ شرط ہوگا اور اگر کہا کہ یہ چیز تیری ہے تو اقرار ہوگا۔(ت)

تو اس سے انشائے اجازت قبض مراد لینا محض مجاز، اور مجاز بے ضرورت ممنوع وناممجاز اور ضرورت معدوم، تو تخلیہ کی پہلی شرط تمکن قبض کا تو وجود معلوم نہ تھا، اس دوسری شرط یعنی امر بالقبض کا عدم معلوم،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الوجیز الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۵

وحدیث الالغاء لایستحق الاصغاء فان الاقرار لم یعرعن حکمہ من ان المقر مؤاخذ بہ قضاء ان لم یثبت بطلانہ حیث یصیر مکذبا شرعا فاین التعطیل حتی یجوز التجوز والتحویل اماانہ لایقوم بافادۃ الملك للمقرلہ فھذا عین حکمہ ولو کان فیہ الغاؤہ لانمحی الاقرار من صفحۃ الدنیا لان لالغاء اذن یلزم حکمہ وحکم الشیئ لازمہ لہ فالالغاء یلزم الاقرار وماکان الغاؤہ لازم وجودہ فوجودہ عدم وبعبارۃ اوضح لوجوب حمل کل اقرار علی انشاء محضر کی یفید الملك والایلغوالاقرار غیرالانشاء فتبطل راساوانعدام،	ان کی لغو کرنے والی بات قابل التفات نہیں ہے، کیونکہ اقرار جب تک شرعاً جھوٹا ہو کر باطل نہ قرار دیا جائے تو اس وقت تک وہ اپنے حکم جو کہ مقر کا اپنے اقرار میں قضاءً ماخوذ ہونا ہے، سے خالی نہیں ہوتا تو یہاں وہ کب معطل ہے کہ مجاز کی طرف پھر ناجائز ہو اور یہ کہ وہ مقرلہ کے لئے ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا (تو غلط ہے) کیونکہ یہی تو اقرار کا حکم ہے اور اگر یہی لغو قرار پائے تو پھر دنیا میں اقرار کا وجود نہ رہے گا کیونکہ اس طرح الغاء حکم کو لازم ہوگا اور حکم خود شیئ کو لازم ہے تو یوں الغاء خود اقرار کو لازم ہوگا اور جس چیز کو الغاء لازم الوجود تو اس کا وجود معدوم قرار پائے گا اور آسان عبارت میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر اقرار کو انشاء محض پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ملکیت کے لئے مفید ہو اور لغو نہ ہو جبکہ اقرار انشاء نہیں ہوسکتا تو اقرار سرے سے باطل ہوگا اور ختم ہوجائے گا۔ (ت)
(۸) کفانا المؤنۃ مامرنی مباحث السؤال نفسھا ان اقرارہ یجب ان یحمل علی سبب صالح حتی لایلزم الالغاء فقد علم ان حملہ علی تقدم سبب مامصحح للاقرار یکفی لاعمالہ ویندفع الالغاء ومعلوم نہ یبقی بہ علی حقیقتہ فالعدول الی المجاز فرار عن الالغاء ممالاوجہ اصلا۔	اور خود اس نے ہمیں سوال کی مباحث کی تکلیف سے فارغ کردیا جب اس نے کہہ دیا کہ اقرار کو کسی مناسب کردیا جب اس نے کہہ دیا کہ اقرار کو کسی مناسب سبب پر محمول کرنا ضرورت ہے جو اقرار کو صحیح کرے یہ بات اقرار کی صحت وعمل کے لئے کافی ہے اور لغو نہ ہوگا تو ظاہر ہوگیا کہ اقرار اپنے حقیقی معنی پر ہے تو اب الغاء سے بچنے کے لئے مجاز کی طرف عدول کی کوشش بلاجواز ہے۔ (ت)
(۹) بل الاقرار بشیئ انہ لفلان	بلکہ کسی چیز کے متعلق اقرار کہ یہ فلاں کی ہے

انما ینبئ عن ملك مطلق له فیه قبل الاقرار فلا یحتاج الی ابانة سبب اصلا فضلا عن ان یُلزم المقرفی حیاته ببیان سبب صالح هذا لم یقول به احد وانما قالوا ان الاتری ان مدعی الملك المطلق و شاهدیه یکلفون بین السبب فکیف المقر الامااستثنٰی مما الظاهر فیه بطلان الاقرار کالاقرار لحمل فمشیئ محمد علی الاصل ای یحمل علی سبب صالح من دون بیان والزمابیانه کارث اووصیة، بخلافه الرضیع وان لم یبین شیئا بل بین مالا یصلح له کاقراض وبیع الکل کما فی الاشباہ والتنویر وغیرهما۔	تو یہ اقرار بتاتا ہے کہ چیز فلاں کی ملکیت مطلقہ قبل از اقرار ہے تو کسی سبب کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی چہ جائیکہ مقر پر لازم کردیا جائے کہ وہ اپنی زندگی میں اس اقرار کے مناسب سبب کو بیان کرے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں اور انھوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ ہر مقر اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ملکیت مطلقہ کا مدعی اور اسکے گواہ کسی سبب کو بیان کرنے کے پابند نہیں ہوتے تو مقر کیسے پابند ہوسکتا ہے ہاں وہ صورت اس بحث سے خارج ہے جو ظاہرا باطل قرار بنے مثلا کوئی شخص ایسے بچے کے لئے اقرار کرے جو ابھی حمل میں ہے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی اس اقرار کو اپنے اصل پر محمول کرتے ہوئے مناسب سبب کو بیان کرنا ضروری نہیں قرار دیتے جبکہ شیخین رحمہما اللہ تعالٰی اس کو بیان کرنا ضروری قرار دیتے ہیں مثلا وصیت یا وراثت میں سے کسی کو بیان کرے۔ بخلاف دودھ پینے والے بچے کے لئے اقرار ہو تو اس کے مناسب کوئی سبب نہ ہو تو بھی بیان کرنا ضروری نہیں مثلا اس کے لئے قرض یا اس کے لئے کل مال کی بیع کا اقرار کردے، جیسا کہ الاشباہ اور تنویر وغیرہما میں ہے۔ (ت)
(۱۰) بل لادلالة للاقرار علی ان ملك المقرلة المخبر عنه فی الاقرار کان مستفادا من االمقر الاتری	بلکہ اقرار میں مقرلہ کی ملکیت پر دلالت ہی نہیں کہ مقرلہ اس کی خبر دے رہا ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلم اگرچہ شراب کا مالک نہیں ہوتا اس

ان المسلم یصح اقرارہ بخمر کما فی الدرر والبحر و التنویر وغیرھا حتی یؤمر بتسلیمھا کما فی ش و لا یصح کونہ ملکالھا کما فی الھدایۃ۔	کے باوجود اگر وہ کسی کے لئے شراب کا اقرار کرے جیسا کہ درر، بحر اور تنویر وغیرہا میں ہے کہ اس کا اقرار صحیح ہے، اور شامی میں ہے کہ اس کو ادائیگی کا حکم دیا جائے گا، مسلمان کے لئے شراب کی ملکیت کا صحیح نہ ہونا ہدایہ میں مذکور ہے۔ (ت)
(۱۱) ولوتنزلنا فانما یکفی تصور سبب ماولیس علی احد تعیینہ بل لیس لاحد غیر المقر لان المجمل لابینہ الامن اجمل فظھر ان الاستدلال علی تمام الھبۃ المذکورۃ باقرارہ بالامانۃ لاتمام لہ اصلا۔	اور اگر تنزل کے طور پر تسلیم بھی کرلیں تو صرف کسی سبب کا تصور ہی کافی ہوگا مقر کے علاوہ کسی کو بھی اس کی تعیین اور بیان کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ مجمل کو صرف اجمال بولنے والا ہی بیان کرسکتا ہے تو واضح ہوگیا کہ ہبہ کے تام ہونے پر اس کے اقرار بالامانت کو دلیل بنانا قطعاً درست نہیں ہے۔ (ت)
(۱۲) اذ الامر کما وصفنا ان الاقرار لیس دلیلا انیا علی تمام الھبۃ فلو کان دلیلا لکان لمیا والاقرار اظھار لا اثبات فلو جعل اثباتا لدار والامناص۔	جب معاملہ وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے تو پھر اقرار ہبہ کے تام ہونے پر دلیل انی نہ ہوگا اگر ہوگا تو دلیل لمی ہوگا یعنی اقرار محض ثبوت نہیں کہ اظہار ہوتا ہے اثبات نہیں بنتا۔ ہاں اگر اثبات قرار دیا جائے تو ناچار دور لازم آئیگا۔ (ت)

رابعًا تخلیہ کی شرط ثالث سے مستفاد بلکہ حقیقۃ لفظ تخلیہ کا مفاد یہ ہے کہ تخلیہ کرنے والا اسے اپنے قبضہ سے خالی کردے کہ شے جب تک خود اس کے قبضہ میں ہے تخلیہ کہاں ہوا۔ ولہٰذا بحر الرائق نے تصور تخلیہ میں اس شیئ کا زمین پر رکھا ہونا ماخوذ کیا، ولہٰذا اگر گھوڑا بیچا اور بائع اس کی یال تھامے ہوئے مشتری سے کہہ رہا ہے کہ گھوڑے پر قبضہ کرمیں اس کی یال تیرے ہی لئے تھامے ہوئے ہوں کہ بھاگ نہ جائے اور تو قابو میں کرلے اور مشتری پاس کھڑا ہے کہ قبضہ کرسکتا ہے مگر وہ اپنا ہاتھ نہ رکھنے پایا تھا کہ گھوڑا چھوٹ کر گم ہوگیا، بائع کے مال سے گیا کہ قبل قبض ہلاک ہوا تو باآنکہ مشتری قبضہ پر فی الحال قادر تھا اور بائع صاف حکم قبضہ کررہا تھا۔

مگر تخلیہ صحیح نہ ہوا کہ گھوڑا دست بائع میں تھا

فی البحر الرائق وان کان غلاما اوجاریۃ فقال لہ المشتری تعال معی اوامش فخطی معہ فھو قبض و کذا لوارسلہ فی حاجتہ،وفی الثواب ان اخذہ بیدہ او خلی بینہ وبینہ وھو موضوع علی الارض فقال خلیت وبینك وبینہ فاقبضہ فقال قبضتہ فھو قبض [1] ،وفی الذخیرۃ ثم الھندیۃ ان کانت الرمکۃ فی یدالبائع و لم تصل الیھا یدالمشتری فقال البائع للمشتری قد خلیت بینھا وبینك فاقبضھا فانی انما امسکھا لك فانفلتت من ید البائع قبل ان یقبض المشتری وھو یقدر علی اخذھا من البائع وضبطھا کان الھلاك علی البائع [2] اھ(ملخصا)ومثلہ فی الخانیۃ وتمامہ تحقیقہ فیما علقنا علی ردالمحتار۔	بحر الرائق میں ہے اگر غلام یا لونڈی ہو اور مشتری اس کو اپنے ساتھ چلنے کو کہے اور وہ ساتھ چل پڑے تو مشتری قابض قرار پائے گا اور یوں ہی اگر اس غلام کو مشتری نے اپنے کام کے لئے بھیج دیا اور کپڑے کی صورت اگر مشتری کے ہاتھ میں دے دیا یا بائع نے اس کو اپنے اور مشتری کے درمیان زمین پر رکھ دیا اور کہا میں نے تیرے لئے تخلیہ کردیا ہے قبضہ کرلے،اور مشتری نے کہا میں نے قبضہ کرلیا تو قبضہ ہوجائے گا اور ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے کہ گھوڑی بائع کے قبضہ میں ہے اور مشتری کے ہاتھ سے دور ہے اور بائع کہہ دے کہ میں نے تیرے لئے اس کو پکڑ رکھا ہے میں نے تیرے اور اس کے درمیان تخلیہ کردیا پکڑلے تو قبل از قبضہ اس موقعہ پر اگر وہ گھوڑی بائع کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ جائے تو اگرچہ مشتری بائع سے لے کر قابو کرنے پر قادر بھی تھا تو بھی نقصان بائع پر ہوگا اھ (ملخصا) یہ تمام بحث خانیہ میں ہے اور مکمل تحقیق ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔(ت)

اور بداہۃً ظاہر ہے کہ جو چیز اپنے صندوق میں رکھی ہے اور صندوق اپنی الماری میں ہے اور مالک نے آپ انھیں کھولا اور صندوق بدستور الماری میں رکھا ہے اور وہ خود انھیں کھولے ہوئے بیٹھا ہے تو قطعاً اسی کا قبضہ ہے، پھر تخلیہ کہا متحقق ہوا کہ روپیہ اصل قبضہ مالک سے ایک وقت بھی خالی نہ ہوا بخلاف اس کے کہ صندوق کھول کر صندوق ہندہ کے ہاتھ میں دے دیتا کما فی

[1] بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۳۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۸

المحیط السرخسی والتنویر والھندیة وغیرھا (جیسا کہ محیط سرخسی، تنویر اور ہندیہ وغیرہا میں ہے۔ت) کہ اب صندوق ومافیہ پر زید کا قبضہ نہ رہتا اور کھلے ہونے کے سبب ہندہ کو قبضہ زر پر فی الحال تمکن ہوتا مگر یہاں ایسا نہ ہوا تو تخلیہ نہ ہوا تو قبضہ حقیقی یا حکمی اصلا نہ ہوا تو ہبہ تمام نہ ہوا، اور قبل قبضہ موت واہب سے ہبہ باطل محض ہوگیا،

فی الدرالمختار من موانع الرجوع والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل [1]۔	درمختار میں رجوع کے موانع کی بحث میں ہے میم سے مراد کسی کا قبضہ دینے کے فوت ہونا ہے اور قبضہ سے قبل ہو تو ہبہ باطل ہے۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ زید جبکہ حسب تحریر سوال عالم وعارف باحکام فقہیہ تھا تو اس کا علم ہی بتارہا ہے کہ اسے تکمیل ہبہ منظور نہ تھی، وہ جانتا تھا کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا اور قبضہ ایک آن کو نہ دیا، حسب تصریح سوال وقت نکاح سے ہی اس روپے کو اپنی گرہ اپنے صندوق اپنی الماری میں محبوس رکھا وہ جانتا تھا کہ اگر میں ہندہ کا قبضہ حقیقی نہیں کراتا تو کم از کم تخلیہ تو ضرور ہے اور وہ یونہی ہوگا کہ میں روپیہ صندوق سے نکال کر ہندہ کے نہایت قریب زمین پر رکھ اسے حکم قبضہ دوں مگر اس نے کبھی روپے کو ہوا نہ دی، صندوق میں سے روپیہ درکنار الماری میں سے صندوق بھی نہ نکالا یہ تو سو بار کہا کہ یہ روپیہ تیرا ہے تیری امانت ہے اور یہ ایک بار بھی نہ کہا کہ میں تخلیہ کرتا ہوں تو قبضہ کرلے، تو بحال علم وفقاہت شرائط لازمہ متحقق نہ ہونے دینا صریح دلیل ہے کہ وہ قصدا تکمیل ہبہ سے باز رہا۔

فماذکر من ان کونہ عالما فاضلا یقتضی کونہ باذلا لاھازلا یعارضہ صریحا ان علمہ ذٰلك ھوا لقاضی بکونہ عاضلا مع ان الاول لیس الاتحسین ظن بتخمین وھذا علی تقدیر معرفتہ باحکم مثبت امتناعہ بیقین۔	اس کا یہ کہنا کہ وہ عالم فاضل ہے اس لئے اس کا یہ عمل دینے کے لئے ہوگا مذاق نہ ہوگا، اس کو صریح معارض ہے کہ عالم فاضل ہونے کے باوجود اس کا یہ عمل فیصلہ کرتا ہے کہ اس نے قصدا تکمیل ہبہ نہ کی، حالانکہ پہلا احتمال (دینے کا ارادہ) صرف اندازے کی بنا پر حُسنِ ظن کا اظہار ہے جبکہ اس کا معارض احکام سے واقف ہونے کی تقدیر پر ہبہ نہ دینے کا یقینی ثبوت ہے۔(ت)

اور اس پر دوسری روشن دلیل اس کا بار بار رونا اور خوف ضیاع بیان کرنا ہے عاقل جس چیز سے

[1] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ڈرتا ہے اس سے پرہیز کرتا ہے نہ کہ اس پر مُصر رہے، ہندہ نے اس سے کس دن کہا تھا کہ میرا روپیہ آپ امانت رکھیں اور کہا بھی تھا تو یہ اس کی تسلیم پر مجبور کیوں ہوا اور مجبور بھی تھا تو ہندہ کو ایک لمحہ کے لئے قبضہ دلا کر پھر اپنے پاس امانت رکھ لینا دشوار تھا مگر اس نے کبھی قبضہ نہ دیا تو یقیناً وہ کسی طرح قبضہ دینا نہ چاہتا تھا اور اس پر کوئی ایسا اندیشہ رکھتا تھا جو اس خوف امانت پر غالب تھا جس سے بچنے کو وہ اندیشہ گوارا کیا خواہ وہ خوف یہ ہو کہ ہندہ پھر واپس نہ دے گی اور وہ یا اس کا شوہر روپیہ ضائع کر دیں گے، بیجا خرچ کر ڈالیں گے خواہ کوئی اور وجہ ہو، بہر حال قبضہ دینے سے امتناع واضح ہے، پھر تمامی ہبہ کیا معنی، تیسری اور واضح دلیل یہ ہے کہ اگر وہ واقعی جانتا کہ اس روپیہ پر ہندہ کی ملک تام ہو چکی ہے اور میرے پاس امانتاً ہے پھر اپنے پاس رہنے میں اندیشہ مواخذہ لیا تھا جسے خیال کرکے رویا کرتا تو قطعاً ہندہ کا روپیہ ہندہ کے حوالے کرتا کہ عالم تو عالم ہر عاقل کو اپنے دین کی احتیاط پرائے مال کی احتیاط پر غالب ہوتی ہے، اپنی آخرت کا مواخذہ پرائی دنیا کے نقصان سے زیادہ گراں ہوتا ہے تو صاف ثابت ہے تو کسی مصلحت خاصہ کے باعث جسے وہ خود ہی خوب جانتا ہوگا۔ اس کا اظہار ہبہ محض نمائش و دل دہی ہندہ کے لئے تھا، یہ کلام بضرورت جواب مذکور ہوا ورنہ شرعاً جب کسی عقد کی ناتمامی ثابت ہو تو حال عاقد پر مجرد حسن ظن باعث تبدیلی احکام نہیں ہو سکتا، ہمارے نزدیک الزامات مذکورہ سے یہ آسان ہے کہ یہاں بعض احکام سے زید کا ذہول مان لیجئے کہ یہ چنداں دشوار نہیں وہ اپنے گمان میں یہی جانتا تھا کہ صرف فتح صندوق سے تخلیہ ہو لیا اور ہبہ تمام ہو گیا، جیسا کہ اس کے بعد بعض ذی علم محبیوں کو عارض ہوا مگر وہ گمان خلاف تحقیق تھا تو حجت نہ رہا اذ لاعبرۃ بالظن البین خطؤہ (ایسے گمان کا اعتبار نہیں جس کا خطا ہونا واضح ہو۔ت)

بالجملہ ہبہ مذکورہ محض باطل ہے، البتہ زید کا اقرار بار بار حاصل ہے مگر اقرار مفید ملک نہیں، ولہٰذا اگر مقر غلط اقرار کرے مقرلہ کو شیئ مقربہ لینا حرام ہے ولہٰذا اگر محض بربنائے اقرار دعوی ملک کرے قضاء بھی مردود و ناکام ہے، اور یہاں جبکہ فریقین متفق ہیں کہ مالک زر زید ہی تھا اور ہندہ کی طرف انتقال ملک کا کوئی سبب سوا اس ہبہ باطلہ کے نہ ہوا تو یقیناً وہ اقرار باطل تھا اور اقرار باطل کچھ اثر نہیں رکھتا، تو اب نہ ہبہ رہا نہ اقرار، اور روپیہ ملک ہندہ سے برکنار

فی تنویر الابصار لاتسمع دعواہ علیہ بشیئ بناء علی الاقرار [1]۔ فی الدر المختار حتی لو قر کاذبا لم یحل لہ لان الاقرار	تنویر الابصار میں ہے کسی کے اقرار کی بناء پر اس پر کچھ بھی دعوی قابل سماعت نہ ہوگا، درمختار میں ہے حتی کہ اگر جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کو اس سے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

لیس سببا للملك نعم لو سلمه برضاه کان ابتداء هبة وهو الاوجه بزازیة [1] اھ،وفی الاشباه اقر بالطلاق بناء علی ماافتی به المفتی ثم تبین عدم الموقوع فانه لایقع کما فی جامع الفصولین والقنیة [2] اھ،وفیها ایضًا الاقرار بشیئ محل باطل وعلی هذا افتیت ببطلان اقرار انسان بقدر من السهام لوارث وهوا زید من الفریضة الشرعیة لکونه محالاشرعا مثلامات عن ابن وبنت فاقر الابن ان الترکة بینهما نصفان [3] اھ باختصار،وفی غمز العیون یؤخذ من هذا ان الرجل اذا اقر لزوجته بنفقة مدة ماضیة هی فیها ناشزة اومن غیر سبق قضاء اورضاء وهی معترفة بذٰلك	لینا جائز نہیں کیونکہ اقرار ملکیت کا سبب نہیں ہے ہاں اگر مقر اپنی رضامندی پر دے دے تو یہ دینا ابتداء ہبہ قرار دیا جائے گا اوریہی زیادہ مناسب ہے،بزازیہ۔اھ،الاشباہ میں ہے کسی مفتی کے فتوی کی بناء پر خاوند نے طلاق کا اقرار کیا پھر معلوم ہوا کہ اس فتوی کی وجہ سے طلاق نہ ہوئی ہے تو اقرار سے طلاق نہ واقع ہوگی،جیساکہ جامع الفصولین اور قنیہ میں ہے،اھ،اور اس میں یہ بھی ہے کہ کسی محال چیز کا اقرار کیا تو باطل ہوگا، اسی وجہ سے میں نے فتوی دیا کہ اگر کوئی شخص دوسرے وارث کے لئے وراثت کے حصہ کا اقرار کرے اور وہ حصہ شرعی حصہ سے زائد ہو تو ایسا اقرار باطل ہوگا کیونکہ یہ زائد شرعا محال ہے،اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیٹا اوربیٹی وارث چھوڑ کر فوت ہوا اور بیٹے نے یہ اقرار کیا کہ ترکہ ہم دونوں بہن بھائی میں نصف نصف ہے اھ مختصرًا،اور غمز العیون میں ہے اس سے یہ ماخوذ ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے لئے گزشتہ اس کے نافرمانی کے دور کے نفقہ یا ایسے گزشتہ وقت کے نفقہ جس کا قاضی نے فیصلہ نہیں کیا اور نہ ہی دینے پر راضی تھا اقرار کیا

[1] درمختار کتاب الاقرار مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۵

فاقرارہ باطل لکونہ محالا شرعا[1] الخ **اقول**: وھو ماخوذ عن العلامۃ شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن عبد اللہ الغزی کما رأیتہ منقولا عندی فی حاشیۃ الاشباہ للعلامۃ السید الشریف محمد بن محمد الحسینی اٰفندی الشھیر بزیرك زادہ من رجال القرن العاشر قال وقد افتیت اخذا من قول العلامۃ الغزی بان اقرار ام الولد لمولاھا بدین لزمھا لہ بطریق شرعی باطل وان کتب بہ وثیقۃ لعدم تصور دین للمولی علی ام ولدہ اذ الملك لہ فیہ کامل والمملوك لایکون علیہ دین لما بلکہ واللہ تعالٰی اعلم۔[2] اھ وھو المراد ھھنا یقول الحموی قال بعض الفضلاء وقد افتیت اخذ امن ذٰلك بان اقرار ام الولد[3] الٰی اٰخر ماقدمنا۔	اور بیوی بھی گزشتہ ایسے نفقہ کی معترف ہو کہ واقعی نافرمانی یا بلا فیصلہ قاضی یہ نفقہ ہے توخاوند کا یہ اقرار باطل ہوگا کیونکہ ایسا نفقہ شرعا محال ہے الخ **اقول**: (میں کہتاہوں) یہ شیخ الاسلام علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی سے ماخوذ ہے، جیسا کہ میں نے علامہ سید شریف محمد بن محمد الحسینی افندی المعروف زیرک زادہ جو کہ دسویں صدی کے عالم ہیں کے حاشیہ الاشباہ میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ میں نے علامہ غزی کے قول سے اخذ کرتے ہوئے یہ فتوٰی دیا کہ جب ام الولد اپنے مالک کے حق میں اقرار کرے کہ میرے ذمہ شرعی حق کے طور پر اس کا قرض ہے تو یہ اقرار باطل ہے اگرچہ مالک نے وثیقہ بھی لکھ رکھا ہو کیونکہ ام الولد پر مالک کے قرض کا تصور نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ام الولد پر مالک کی مکمل ملکیت ہے جبکہ مملوک پر اپنے مالک کا دین نہیں ہوسکتا واللہ تعالٰی اعلم اھ اور اس مقام پر حموی کے قول کے "بعض فضلاء نے فرمایا کہ میں نے اس سے اخذ کرتے ہوئے یہ فتوٰی دیا کہ ام الولد کا مالک کے حق میں قرض کا اقرار باطل ہے" سے حوالہ مذکورہ مراد ہے۔(ت)

الحمدللہ ایضاح مسئلہ کے لئے اسی قدر کافی ہے باقی تخلیہ کی تحقیق تعریف و تنقیح شرائط و

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۵

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۵

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۵

ابانت مرام وازاحت اوہام وتفضیل فروع وجزئیات وتمیز المرجوع والرجیح من الروایت فقیر غفرلہ المولی القدیر کے حواشی متعلقہ ردالمحتار میں ہے وباللہ التوفیق والحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد والہ وصحبہ اجمعین (اٰمین) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۵: مرسلہ جناب قاضی فرزند صاحب رئیس گیا ۱۵رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ صاحب جائداد کثیر بیمار ہوئی کہ ان کو اور ان کے شوہر ثانی کو مایوسی ہوگئی اور تمام اطباء ڈاکٹروں نے جو معالج تھے بالاتفاق کہا کہ مرض مہلک ہے اس سے نجات مشکل ہے، حالت یہ تھی کہ اکثر وہ مریضہ غشی میں رہتی تھی اور اٹھنا بیٹھنا بغیر اعانت غیر کے نہیں ہوسکتا تھا اور کھانا پینا معمولی موقوف ہوگیا تھا، یہی حالت بلکہ اس سے زیادہ ردی آخر موت تک رہی، شوہر ثانی نے شوہر اول کی اولاد کی حق تلفی کی غرض سے اپنے نابالغ بیٹے کے نام مسماۃ سے اسی مرض میں جائداد کا کثیر حصہ جس کی لاکھوں روپیہ قیمت ہوتی ہے بعوض ایک جلد قرآن شریف اور انگشتری طلائی کے ہبہ نامہ بالعوض لکھوادیا اور اس وثیقہ کے استحکام کے واسطے شوہر اول کی اولاد میں سے صرف ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو بھی بقیہ جائداد میں کچھ حصہ بعوض ایک دلائل الخیرت اور ریک پنجسورہ شریف کے مسماۃ سے اس مرض مذکور میں ہبہ بالعوض لکھوادیا اور بقیہ تین لڑکیاں اولاد شوہر اول کو محروم کردیا، اب مسماۃ نے اسی مرض مذکورہ میں تقریباً ایک مہینہ کے اند تعمیل وثائق کے انتقال کیا، اب یہ تینوں لڑکیاں آپ حضرات کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض التجا کرتی ہیں کہ کیا ایسی کوئی صورت مطابق شرع شریف کے نکل سکتی ہے کہ ہم لوگ اپنے حق کو پہنچیں اور صورت وحیلہ مردود وباطل ہوجائے، اس کا جواب شافی بحوالہ کتب وعبارات لکھا جائے اللہ تعالٰی آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے گ، مسماۃ مرحومہ مرض مذکورہ میں اندازاً تین چار مہینہ مبتلا رہی اور کاروائی مذکورہ بالا کے ایک مہینہ کے بعد انتقال کرگئی فقط۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس ہبہ بالعوض کی کاروائی مطلقاً باطل ومردود ہے، وہ تمام جائداد جس قدر ایک لڑکے کے نام ہبہ بالعوض کی اور جو شوہر اول کے دو بچوں کے نام لکھنے سے باقی رہی وہ تمام وکمال ترکہ مسماۃ ہے اور حسب فرائض اللہ اس کی سب اولاد پر جو دونوں شوہروں سے ہے بعد

اخراج چہارم کے کہ حصہ زوج ثانی ہے "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"[1] (لڑکوں کے واسطے لڑکیوں سے دگنا ہے۔ت) تقسیم ہو گی، مسماۃ کی صورت مرض کہ سوال میں مذکور ہوئی باتفاق علماء مرض الموت ہے کہ روز بروز خوف ہلاک غالب بھی تھا اور نشست وبرخاست سے معذور بھی تھی اور ایک سال مرض ممتد بھی نہ رہا اور اسی میں موت عارض ہوئی، تو یہ ہبہ مرض الموت میں تھا اور اپنی اولاد کے نام تھا اور ہبہ بالعوض ابتداء وانتہاء ہر طرح بیع ہے اور بیع کہ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ ہو اگرچہ برابر قیمت پر ہو بے اجازت دیگر ورثہ باطل ومردود ہے، نہ کہ ایسی بیع لاکھوں روپے کا مال آٹھ دس روپے کو یہ تو بالاجماع باطل ہے، درمختار میں ہے:

من غالب حاله الهلاك بمرض اوغيره بان اضناه مرض عجزبه عن اقامة مصالحة خارج البيت هو الاصح كعجز الفقيه عن الاتيان الى المسجد وعجز السوق عن الاتيان الى دكانه، وفي حقها ان تعجز من مصالحها داخله كما في البزازيه، ومفاده انها لوقدرت على نحوالطبخ دون صعود السطح لم تكن مريضة قال في النهر وهو الظاهر قلت وفي اٰخر وصايا المجتبى المرض المعتبر المضنى المبيع لصلٰوته قاعدہ و المقعد والمفلوج والمسلول اذا تطاول ولم يقعده في الفراش كالصحيح ثم رمز "شح" حد	جس شخص کا غالب حال یہ ہو کہ وہ مرض وغیرہ سے ہلاک ہوجائے گا یوں کہ وہ مرض سے اتنا لاغر ہوگیا کہ گھر سے باہر اپنے ضروری امور کو بجا نہیں لاسکتا۔ مرض الموت کے حال کا یہ صحیح بیان ہے، مثلا کوئی عالم فقیہ مسجد میں جانے سے عاجز ہوجائے یا دکاندار اپنی دکان پر جانے سے عاجز ہوجائے اور عورت گھر میں داخلی ضرورت سے عاجز ہوجائے، جیساکہ بزازیہ میں ہے عورت کے عجز کا معیار یہ ہو کہ اگر کھانا پکانے پر قادر ہو اور چھت پر جانے کی قدرت نہ ہو تو مریضہ شمار نہ ہوگی، نہر میں فرمایا یہی ظاہر ہے، میں کہتا ہوں المجتبٰی کے وصایا کے آخر میں ہے کمزور کردینے والا مرض جس میں کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے، جُڑا ہوا مفلوج او سیل والا لمبی مہلت پالے اور بستر میں پابند نہ ہوجائے تو اس کو صحت مند جیسا شمار کیا جائے گا پھر انھوں نے "شح" کی رمز سے فرمایا لمبی مہلت

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

التطاول سنه ھا انتھٰی وفی القنیة المفلوج والمسلول والمقعد مادام یزداد کالمریض اھ.[1] وفیه امالو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً[2] اھ وفیه وقف بیع المریض لوارثه علی اجازة الباقی ولو مثلا القیمة اھ مزیدا من ردالمحتار.[3]	کی حد ایک سال ہے اور قنیہ میں ہے مفلوج سل زدہ اور جڑا ہوا اگر ان کا مرض بڑھ رہا ہو تو مریض کی طرح شمار ہوں گے اھ اور اسی میں ہے اگر مریض کہے میں نے تجھے فلاں کے بدلہ میں ہبہ کیا تو یہ اول آخر بیع قرار پائے گی اھ، اور اسی میں ہے مریض کا اپنے وارث کو کوئی چیز فروخت کرنا باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا (اگرچہ مثلی قیمت پر فروخت کیا ہو اھ) یہ ردالمحتار کا اضافہ ہے۔(ت)

خانیہ وعالمگیریہ میں ہے:

اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جاز بیعه وان مات من ذٰلك المرض ولم تجز الورثة بطل البیع[4] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب کوئی چیز اپنی مرض الموت میں اپنے وارث کو فروخت کرے پھر تندرست ہوگیا تو بیع صحیح ہوگی اور اسی مرض میں فوت ہوجائے گی اور باقی ورثاء جائز نہ کریں تو بیع باطل ہوگی اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۶: از ریاست رامپور محلّہ کوچہ قاضی مرسلہ سید ولایت حسین وکیل ۳ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد بدست عمرو بقیمت دوہزار روپے کے بیع کرکے بیعنامہ میں یہ لکھ دیا کہ سات سو روپے میں نے وصول پائے اور تیرہ سو روپے منجملہ اس کے مشتری کو معاف کردئے تو یہ صورت ہبہ زر ثمن کی ہے یا نہیں؟ اور زید بائع کو حق رجوع عن الہبہ شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الطلاق المریض مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۵

[2] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲، ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۴

الجواب:

اگر بیع واقع ہونے کے بعد بیعنامہ میں تیرہ سو کی معافی لکھی تو یہ صورت ہبہ ثمن کی نہیں بلکہ ابراء کی ہے اور ابراء میں شرعاً حق رجوع نہیں۔ اشباہ میں ہے:

ماافترق فیه الهبة ولاابراء له الرجوع فیها عند عدم المانع بخلافه مطلقا[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہبہ اور ابراء میں فرق یہ ہے کہ ہبہ میں مانع نہ ہونے کی صورت میں رجوع (واپس لینا) جائز ہے، ابراء اس کے خلاف ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۷: از دیوبند ضلع سہارنپور محلّہ مسجد کمال مرسلہ قاسم حسین صاحب تحصیلدار ۱۵ محرم شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد اپنے دو لڑکوں نابالغ کے نام خرید کی، بروقت خریداری جائداد کے جس کے نام جائداد خریدی کی گئی اور ایک لڑکی موجود تھی سوائے اولاد مذکورۃ الصدر کے اس وقت اور کوئی اولاد نہیں تھی، بعد ازاں زید مذکور کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور پیدا ہوئی۔ اب جائداد سے وہ لڑکی جو اس وقت بوقت خرید کے موجود تھی اور وہ لڑکا اور لڑکی جو بعد خرید کے پیدا ہوئے شرعاً حصہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دونوں نابالغ جن کے نام ان کے باپ نے جائداد خریدی اس جائداد کے مالک مستقل ہوگئے، جو لڑکی اس وقت موجود تھی یا جو لڑکا لڑکی بعد کو پیدا ہوئے ان کا اس میں کچھ حق نہیں کہ اگر اصل ایجاب وقبول بیع انھیں لڑکوں کے نام ہوا جب تو ظاہر ہے کہ جائداد بائع نے ان لڑکوں کے ہاتھ بیع کی اگرچہ زر ثمن ان کی طرف سے باپ نے ادا کیا جو اس کا تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہ وہ لے سکتا ہے نہ اس کے دیگر ورثہ، اور باپ کو اپنے نابالغ بچوں کے نام ایسی خریداری کا مطلقاً اختیار ہے۔

فلاینفذ الشراء علیه حتی یجعل واهبا کالام اذا شرت بمالها لولدها الصغیر	باپ پر خریداری عائد نہ ہو بلکہ بچے کو ہبہ کرنے والا ہوگا جیسا کہ ماں اگر نابالغ کے لئے اپنے مال سے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۴۸

تصیر مشریۃ لنفسھا واھبۃ من ولدھا لعدم ولایتھا کما من العقود الدریۃ[1] وغیرھا۔	کوئی چیز خریدے اور اقرار کرے میں نے اپنے مال سے خریدی ہے تو خریداری ماں کی ہوگی اور نابالغ کے لئے وہ چیز ہبہ قرار پائے گی کیونکہ ماں کی نابالغ بچے کے لئے خریداری کی ولایت نہیں ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے(ت)

اور اگر اصل خریداری میں لڑکوں کے نام نہ تھا اگرچہ بعد کو بیعنامہ میں ان کا نام لکھا دیا تو تو ابتداءً مالک جائداد زید ہوا۔ پھر بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھانا ان کے انکے عـــہ سے ہبہ ہوا اور باپ جو اپنے نابالغ بچہ کے نام ہبہ کرے وہ ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہو جاتا ہے۔ نہ قبول نابالغ کی حاجت نہ دو کے نام بلا تقسیم ہبہ ہونا مضر کہ قبضہ والد یعنی خود واہب کا کافی وکامل بلاشیوع ہے، در مختار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع وبعکسہ لکبیرین لاعندہ للشیوع فیما یحتمل القسمۃ[2]۔	دوافراد نے ایک شخص کو مکان کا ہبہ کیا تو جائز ہے کیونکہ اس میں شیوع نہیں ہے اور عکس کی صورت میں کہ ایک شخص دو بالغ افراد کو ایک مکان دے تو جائز نہیں امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک، کیونکہ اس صورت میں شیوع ہے قابل تقسیم ہونے کی وجہ سے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

افاد انھا للصغیرین تصح لعدم المرجح لسبق قبض احدھما وحیث اتحد ولیھما فلاشیوع فی قبضہ و یویدہ قول الخانیۃ[3] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	عکس والی صورت سے ظاہر ہوا کہ دو نابالغوں کو دے تو صحیح ہوگا کیونکہ دونوں میں سے کسی کو سبقت میں ترجیح نہ ہوئی اور ان کے لئے ایک ولی قبضہ کرے گا تو قبضہ تقسیم نہ ہوگا اور شیوع نہ ہوا۔ اور خانیہ کا قول اس کی تائید کرتا ہے، الخ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

عـــہ: فی الاصل ھکذا، لعل الصواب "تام"۔

---

[1] العقود الدریۃ باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

[2] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴

مسئلہ ۹۸تا۱۰۲: از ریاست جاورہ مکان ہیڈماسٹر مرسلہ صاحبزادہ محمد صالح خاں ولد محمد یونس خاں ۲۳ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین:

(۱) محمد یوسف خاں صاحب کو وظیفہ رئیس جاورہ سے ماہ بماہ ملتا تھااس تنخواہ کو تقسیم کرکے جملہ وارثوں کے نام ہبہ کردئے اور ایک ہبہ نامہ لکھ دیااور تاحیات واہب مذکور تنخواہ پر قابض ومتصرف رہےاور جملہ موہوب لہم اور زوجگان کو اپنے شامل رکھا، تنخواہ کا قبضہ کسی وارث کو نہیں کرایا تو ایسے قسم کا ہبہ نامہ بموجب کتاب ردالمحتار صفحہ ورق ۴۹۳ و ۴۹۴ کے بموجب ہبہ جائز ہے یاناجائز ہے؟

(۲) اسی قدر واہب نے حویلیاں زوجگان کو ہبہ کیں اور ہبہ نامہ میں قبضہ کالفظ یا منعقد(عہ) جلسہ ہبہ کے وقت جملہ وارثوں موہوب لہم سے ایجاب قبول نہیں کرایااور نہ آپ واہب اس وقت اس سے دستبردار ہوااور شامل موہوب لہم رہا، ایسے قسم کا ہبہ وہبہ نامہ بموجوب درمختار بغیر قبضہ دئے ہوئے عندالشرع جائز ہے یانہیں؟

(۳) ہبہ نامہ دستاویز واہب نے خود ایک وصیت نامہ بھی مندرج کیا، جب تین جز فرضی اور یہ فرض شامل مندرجہ ہبہ نامہ ہوئے ایسے قسم کا ہبہ نامہ جائز ہے یاناجائز؟

(۴) تنخواہ جو بھی تھی یہ قسم فرائض سے نہیں ہے ملک غیر کا ہبہ کرادینااور اس پر فرائض تین چیزوں کو ملاکر ہبہ کردیناواہب کا سات دوقسموں میں پس ایسی قسم کا ہبہ وہبہ نامہ عندالشرع جائز ہے یاناجائز؟

(۵) کوئی شخص کسی شخص کو اپنی چیز ہبہ کردے اور اس موہوب لہ کو خبر بھی نہ ہو بغیر اس کی رضاوبغیر اس کی اجازت کے، اور نہ اس کو عوض دیا ہو، اس موہوب لہ کو چیز ہبہ کی ہوئی کو دوسروں کو ہبہ کردے ایسی قسم کا ہبہ جائز ہے اور دستاویز واہب جائز ہے یاناجائز؟

الجواب:

(۱) تنخواہ آئندہ کا ہبہ باطل ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا علم عدم صحة ھبة ماسیتحصل من حصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسه لم یقبضه بعد فکیف یملکه	اس سے معلوم ہوا کہ جو دوقریوں سے حاصل شدہ ہو اس کا بطریق اولٰی ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ ابھی واہب نے خود قبضہ نہیں کیاتو وہ دوسرے کو کیسے

عـــہ: سوال کا یہ فقرہ ناتمام ہے ہبہ نامہ میں ذکر قبضہ لازم نہیں ۱۲ فقیر احمد رضاخاں قادری غفرلہ۔

وھذا ظاھر [1] واللہ تعالٰی اعلم	مالک بنائے گا، یہ ظاہر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) جملہ وارثوں سے ایجاب وقبول کرانا کچھ ضرور نہیں، ہاں واہب کا اپنا قبضہ تمام وکمال اٹھا کر موہوب لہ کا قبضہ کرادینا ضرور ہے اگر ذرا دیر کو بھی تاحیات ایسا نہ کیا ہبہ موت واہب قبل قبضہ زوجات سے باطل ہوگیا، اشباہ ودرمختار میں ہے:

ھبۃ المشغول لاتجوز الااذا وھب الاب لطفلہ [2]۔	دوسرے کے حق میں مشغول چیز کا ہبہ جائز نہیں الایہ کہ والد اپنے نابالغ بچے کو ہبہ کرے تو جائز ہے۔ (ت)

مگر یہ ہبہ اگر دین مہر کے عوض کیا ہے تو صحیح ہوگیا اور قبضہ کی حاجت نہیں کہ ہبہ بالعوض بیع ہے۔ درمختار میں ہے:

لوقال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء و انتھاء [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر یوں کہا میں نے تجھے فلاں چیز کے بدلے ہبہ کیا تو یہ اول آخر بیع ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) ہبہ نامہ میں وصیت نامہ شامل کرنے سے ہبہ باطل نہیں ہوتا۔ سوال بہت گول و مہمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) تنخواہ کا جواب اوپر گزر چکا کہ وہ ہبہ نہیں ہوسکتی نہ ملک غیر کا ہبہ کرنا نافذ ہو جب تک وہ اسے جائز نہ کردے، مگر ایسی اشیاء کے ساتھ اپنی ملک خاص کا ہبہ کردینا ملک خاص کے ہبہ کو ضرر نہ دے گا جبکہ وہ چیز جدا منقسم ہو اس غیر ملک کے ساتھ مخلوط ومشاع نہ ہو

لان الھبۃ لا تفسد بالشرائط الفاسدۃ بخلاف البیع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ہبہ فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا بخلاف بیع کے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۵) جو چیز کسی کو ہبہ کردی اور قبضہ دے دیا اور ہبہ تام ہوگیا وہ شے موہوب لہ کی ملک ہوگئی، اب جو اس دوسرے شخص کو ہبہ کرتا ہے یہ پہلے ہبہ سے رجوع ہے اگر موانع رجوع سے کوئی شیئ پائی جاتی ہو مثلاً جسے ہبہ کیا وہ اپنی زوجہ یا اپنا عزیز محرم مثل پسر یا برادر وغیرہ ہے، جب تو ظاہر ہے کہ اسے رجوع کا کچھ اختیار نہیں۔ وہ ہبہ اسی موہوب لہ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

[2] درمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

اگر جائز کردے گا جائز ہوجائے گا۔رد کردے گا باطل ہوجائے گا اور اگر موانع رجوع نہ ہو جب بھی رجوع کا خود بخود اختیار نہیں ہوتا بلکہ یا تو موہوب لہ کی مرضی سے ہبہ واپس کرلے یا نالش کرکے بحکم حاکم رجوع کرے۔اس کے بعد دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے، بغیر اس کے وہی ملک غیر کا ہبہ ہے۔درمختار میں ہے:

لایصح الرجوع الابتراضیھما اوبحکم الحاکم ۔[1]	دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی یا حکم حاکم کے بغیر رجوع صحیح نہیں ہے۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لاتجوز ھبۃ مال الغیر بغیر اذنہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر کے مال کا ہبہ اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از مقام کبیر کلاں ڈاکخانہ خاص علاقہ ڈبائی ضلع بلند شہر مرسلہ عطاء اللہ ٹھیکدار ۲۸صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ والد نے اپنے فرزند کو اپنے گھر سے نکالا اور کچھ حقیت اپنے فرزند کے نہیں رکھی،فرزند بحکم اپنے والد کے گھر سے نکل کر اجنبی مکان میں سکونت پذیر ہوا۔بعد اس کے ان کے والد مقروض ہوئے اور اپنے اسی فرزند سے کہا کہ تم میرا قرضہ ادا کردو اور میں اس کے عوض میں ایک قطعہ زمین واسطے مکان کے تمھارے نام لکھتا ہوں،چنانچہ ولد نے اپنے والد کا قرضہ ادا کرکے اس زمین کی رجسٹری کرالی،اب اس کے والد نے مکان کے واپس لینے کی درخواست عدالت میں دی ہے کہ میں نے اپنے فرزند کو مکان عاریتا دیا تھا ملکیت کے طور پر نہیں دیا تھا،اگر والد نے اپنا مکان واپس کرالیں تو ولد کو بحکم شرع مجاز ہے کہ اپنے والد سے ثمن واپس لیں یا نہیں، یا اس قاعدہ میں ہوگا کہ والد فرزند کے مال کا مالک ہے۔

الجواب:

اگر وہ مکان اس شخص نے اپنے ولد کے نام بیع کیا جب تو ظاہر ہے کہ اسے فسخ بیع کا کوئی اختیار نہیں اور اگر واپس لے گا تو ثمن واپس دینا پڑے گا اور اگر ہبہ کیا اور قبضہ تامہ دلادیا جب

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

بھی وہ مکان ملک ولد ہوگیا اور والد کو اس میں رجوع کا اصلا اختیار نہ رہافان المحرمیۃ تمنع الرجوع (کیونکہ محرم ہونا رجوع کے لئے مانع ہے۔ت) پھر اگر کسی دھوکے سے رجوع کرلی توظاہر ہے کہ ولد نے جو اس کے کہنے سے اس کا قرضہ ادا کیا یہ ادا کرنا تبرعانہ تھا کہ اس کے صلہ میں زمین دینا قرار پایا تھا۔جب زمین واپس ہوجائے گی بلاشبہ ولد کو اپنا روپیہ واپس لینے کا اختیار ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴: از شہر کانپور محلّہ پریڈ مرسلہ محمد ابراہیم مسیح صدیقی ۲۸صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ اپنی جائداد غیر منقولہ کے ایک مکان اپنے پسر عمرو کو دے دیا اس طرح پر کہ دفاتر سرکاری میں درخواست دے کہ زید نے اپنا نام رجسٹر مکانات میں خانہ ملکیت سے خارج کراکے اپنے پسر عمرو کا نام داخل کرادیا بعدہ کرایہ نامہ مکان مذکور جو درمیان کرایہ داران اور عمرو کے تحریر وتصدیق ہوتے رہے ان کا کرایہ ناموں پر دستخط بحیثیت مالک کے ثبت ہوا کئے،اور زید اپنی شہادت گواہ شد لکھ کر تحریر کرتا رہا۔رسید کرایہ کی عمرو کے دستخط اور نام سے دی جاتی تھی اور نالشات کرایہ داران پر صرف عمرو کی جانب سے ہوتی رہیں اور محصول سرکاری بھی از نام خزانہ سرکاری میں جمع ہوا کرتا ہے اور چند مرتبہ جب زید نے اپنی مملوکہ ومقبوضہ جائداد کی فرد مرتب کرکے داخل سرکار یا عدالت کی ہے تو اس میں بھی اس مکان موہوبہ کو اپنی ملک درج وظاہر نہیں کیامگر محاصل مکان مذکور یعنی کرایہ مکان موہوبہ سے کبھی بقدر ربع کبھی ثلث اور کبھی نصف زید مذکور عمرو سے واسطے مصارف خورد ونوش اپنے واپنے اہل وعیال کے جس میں عمرو پسر زید بھی شامل شریک تھالے لیا کرتا تھا۔اور عمرو مذکور بلاعذر بخوشی تمام بہ تعمیل حکم اپنے پدر یعنی زید کے جس قدر روپیہ وہ طلب کرتا تھا دے دیا کرتا تھا۔اس قسم کے عملدرآمد کے سولہ برس کے بعد زید نے وفات پائی،خالدہ وحامدہ دختران زید کا یہ بیان ہے کہ زید نے کسی مصلحت سے یہ مکان عمرو پسر کے نام درج رجسٹر سرکاری کراکے قبضہ عمرو کو دے دیا تھا۔اور زید کا یہ قول بھی بیان کرتی ہیں کہ اس نے بارہاظاہر کیاکہ اس نے یہ مکان عمرو کی ملک نہیں کردیاہے،زید کے اس قول کے شاہد بجز دختران مذکور زید کے جو وارث اور مستحق متروکہ زید کے بنی ہیں اور کوئی نہیں ہے،پس ایسی صورت میں ازروئے شرع شریف فقہ حنفی یہ مکان موہوبہ تنہا ملک عمرو متصور ہوگا اور اس کا مالک صرف عمرو قرار پائے گا،یا یہ مکان بھی متروکہ زید متصور ہوکے جملہ وارثان پر قابل تقسیم ہوگا۔بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ مکان تنہا ملک عمرو ہے زید یادیگر وارثان زید کا اس میں کچھ حق

نہیں داخل خارج کرادینااور وہ کارروائیاں کہ سوال میں مذکور ہیں قطعاً دلیل تملیک ہیں، اور ثبوت ہبہ کے لئے کافی ووافی ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

اذا دفع لابنہ مالافتصرف فیہ الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالۃ التملیک، بیری، **قلت** فقد افاد ان التلفظ بالایجاب و القبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک [1] اھ مافی الشامی قلت و مثل مافی بیری فی احکام الصغار وفی الباب السادس من الھندیۃ کلیھما عن الملتقط۔	جب بیٹے کو مال دیااور اس نے تصرف کیاتو وہ مال باپ کا ہوگا ہاں یہ کہ کوئی قرینہ ایسا ہو جو تملیک پر دلالت کرے تو بیٹا مالک ہوگا۔ بیری، میں کہتاہوں، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہبہ میں ایجاب و قبول لفظا ضروری نہیں بلکہ تملیک کا کوئی قرینہ کافی ہے۔ شامی کا بیان ختم ہوا، **میں کہتاہوں** مثل بیری کے احکام الصغار اور ہندیہ کے چھٹے باب کا بیان ملتقط سے منقول ہے۔ (ت)

زید کا عمرو سے روپیہ مانگنااور عمرو کادیناکچھ منافی تملیک نہیں ہوسکتا جیسے عمرو ابتداءً مالک مکان ہوتااور باپ کو اس کے مانگنے پر بلکہ بے مانگے اس کا کرایہ دیا کرتا، اور حامدہ وخالدہ کا وہ بیان محض دعوی ہے اور کوئی دعوی بلا دلیل مقبول نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں ہے:

لو یعطی الناس بدعوٰھم لذھبوا بدماء الناس و اموالھم ولکن البینۃ علی من یدعی [2]	محض دعوی کی بناء پر لوگوں کو دیاجائے تولوگ عوام کامال اور جان لوٹ لیں گے لیکن مدعی پر گواہ پیش کرنالازم ہے۔ (ت)

بلکہ بعد ثبوت تملیک اگر زید کاانکار ثابت بھی ہوجائے تواصلانہ مفید نہ قابل اعتبار کہ بعد تمامی ہبہ، ہبہ للولد سے والد کو رجوع کااختیار نہیں لان المحرمیۃ مانعۃ (کیونکہ محرم ہونا مانع ہے۔ت) نہ بعد عقد کوئی بلابینہ اس کے فرضی ہونے کا دعوی کرسکتاہے۔

لان من سعی فی نقض ماتم من جھۃ فسعیۃ مردود علیہ	جو شخص اپنے تام کئے ہوئے کو توڑنے کی کوشش کرے تو اس کی یہ سعی مردود ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[2] کنز العمال بحوالہ ق عن ابن عباس حدیث ۱۵۲۹۶ و ۱۵۲۹۷ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۱۹۰

کما فی الاشباہ[1] والدر وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ اشباہ اور درمختار وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی زوجہ سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بالغ موجود ہیں اور زوجہ اولٰی نے قضاء کی، زید نے نکاح ثانی کیا، اس سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں، زید نے زوجہ ثانیہ کے نام ایک مکان پختہ کلاں مسکونہ لکھ دیا۔ اولاد زوجہ ثانیہ کی دو لڑکیاں بالغ جن کی شادی ہو گئی اپنے گھروں پر موجود ہیں۔ اور دو لڑکے ایک سات برس کا اور دوسرا پانچ برس کا نابالغ ہیں زید ان دونوں نابالغوں کو اپنی کل جائداد بقیہ لکھتا ہے۔ زید کا کچھ مال یا نقد سوائے اس جائداد کے باقی نہ رہے گا، اس صورت میں زید کی خدمت اور نابالغوں کی پرورش کون کرے گا اور کس چیز سے ان کا خرچ کیا جائے گا اور تجہیز وتکفین کون کرے گا، کون حصہ پائے گا۔ اور کون خدمت گزار بنے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ اپنی جائداد بلا تقسیم ان دونوں کے نام ہبہ کردے گا جب تو ہبہ ہی صحیح نہ ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے:

لو وھب اثنان دارا الواحد صح وبعکسہ لا[2]۔	اگر دو افراد ایک شخص کو اپنا مکان ہبہ کریں تو صحیح ہے اور اس کا عکس صحیح نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر تقسیم کرکے ہبہ کرے گا یا بعد ہبہ تقسیم کردے گا تو بلا تقسیم ان کے نام بیع کرے گا تو ان صورتوں میں وہ لڑکے ضرور مالک ہو جائیں گے مگر زید دیگر ورثہ کو محروم کرنے کے سبب گنہگار ہوگا۔ حدیث میں ہے:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ[3]۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمائے گا۔

پھر اگر زید اس بلائے عظیم کو اوڑھ لے تو بچوں کے خورد ونوش سے سوال کے کوئی معنی نہیں۔ وہ بچے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۷۰

[2] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ادارہ احیاء سنۃ النبویہ سرگودھا ص ۱۹۸

مالک جائداد ہو جائیں گے ان کے مصارف ان کے مال سے ہوں گے جسے ان کا باپ ولایۃً صرف کرے گااور زید کہ اب فقیر ہو گیا وہ بھی بقدر کفایت اپنا کھانا پہننا اس سے کرسکے گا۔

قال تعالٰی "مَنْ اِسْرَافًاوَّبِدَارًااَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو ولی فقیر ہو وہ بھلائی کے طور کھائے اور جو غنی ہو تو وہ عفت اختیار کرے۔(ت)

رہا اس کا کفن دفن وہ اس کے مالدار وارثوں پر ہوگا،

لان کفن المیت علی من کانت نفقتہ علیہ اعتبار الکسوۃ المات وسکناہ بکسوۃ الحیات وسکناہ کما فی ردالمحتار وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ میت کا کفن اس شخص کے ذمہ ہے جو اس کے نفقہ کا ذمہ دار تھا، مردوں کی سکونت ولباس کو زندوں کے سکنہ ولباس پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: یکم جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ مسماۃ زینب اپنا مکان اپنی اولاد پر ایک عرصہ سے اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتی ہے،اور اس کے وارث حسب ذیل تھے: ایک لڑکی ہندہ اور زید، بکر، عمرو تین لڑکے، جن میں سے ہندہ نے انتقال کیا اور قبل انتقال اس نے کہا کہ میرا حصہ میرے بھائی عمرو کو ملنا چاہئے،اور مسماۃ زینب اصل مالکہ مکان ابھی زندہ ہے اور وہ خود چاہتی ہے کہ ہندہ کا حصہ عمرو کو دیا جائے۔تو ایسی حالت میں کتنا زید کتنا بکر کتنا عمرو کو حصہ ملنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تینوں کو برابر ملنا چاہئے، ہندہ کا کوئی حصہ نہ تھا نہ اس کی وصیت کا کچھ اثر، ہاں اگر زید وبکر راضی ہو تو جتنا حصہ چاہیں ہندہ کا قرار دے کر عمرو کو زیادہ دے دیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷ تا ۱۱۲: از رامپور گھیر نجو خاں مرسلہ حافظ قرۃ العین صاحب امام مسجد ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مسماۃ عمر تخمینا ۸۸ سال ساکنہ میرٹھ جو عرصہ سے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶

بعوارض مختلفہ بیمار تھی اور محض لاولد اور صاحب جائداد منقولہ وغیر منقولہ تخمینا پندرہ سولہ ہزار روپے کے انتقال سے قبل تخمینا دو ماہ بعارضہ پیچش واسہال مبتلا ہو کر اس میں انتقال ہو گیا، ایک اس کی حقیقی بہن یعنی متوفیہ کی میرٹھ میں اس کے پاس رہا کرتی تھی اور ایک بہن اور ایک بھائی حقیقی شہر رامپور میں رہتے ہیں، اس بہن نے جو میرٹھ میں رہتی ہے بطمع مال واسباب وجائداد رامپور والے بھائی بہن کو اس مرض موت وانتقال سے خبر نہ کی، اور ایک ہبہ نامہ متوفیہ کی طرف سے اس حالت مرض میں جان کر کہ یہ جانبر نہ ہوسکے گی اپنی ایک پوتی اور ایک نواسی کہ ہر دو نابالغ ہیں ہبہ نامہ تحریر کرا کر اپنے میل کے دو آدمیوں سے کہ وہ محض اجنبی تھے اور کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے رشتہ دار متوفیہ کا بنا کر بغرض شہادت ذریعہ کمیشن گھر بلا کر تصدیق کرادیا اور ہبہ نامہ میں ایک مکان مسکونہ کہ جو اس متوفیہ کا تھا اور تادم مرگ اسی مکان میں مع مال واسباب رہی اور ایک مکان مع چہار دکاکیں کہ جو تحت میں پشت پر واقع ہیں اور انھیں کی چھت پر مکان بنا ہوا ہے اور ان دکانوں میں ایک مدت سے کرایہ دار متوفیہ کی طرف سے چلے آتے ہیں۔ اس سب جائداد جزوکل کا ایک ہبہ نامہ مشاع دونوں نابالغوں کے نام مالیت پانچ ہزار روپیہ قرار دے کر بولایت اپنے اس بہن نے جو پاس متوفیہ کے رہا کرتی تھی تصدیق کرادیا، بشہادت انھیں اشخاص کے جن کو رشتہ دار متوفیہ کا بنایا تھا اور خود سب جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر بعد وفات اپنی بہن کے قابض بن بیٹھی، دوسرے روز مرنے سے متوفیہ کے چند اشخاص کہ جو بتقریب شادی سرکار والی ریاست رامپور کے آئے تھے ان سے خبر متوفیہ کے بھائی کو معلوم ہوئی، بھائی بمجرد سننے خبر فوت بہن کے تیسرے روز سوم کے وہاں پہنچا تو یہ کارروائی دیکھی اور سنی کہ ہبہ نامہ لکھا گیا، اور ہم دونوں بہن بھائی کی حق تلفی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا پس علمائے دین سے اب [1]سوال یہ ہے کہ یہ ہبہ مشاع جائز ہے یا ناجائز؟ اور [2]نانی نے نابالغوں کی طرف سے ولی بن کر قبضہ کیا باوجودیکہ باپ نابالغہ کا وہیں میرٹھ میں موجود ہے یہ قبضہ کرلینا نانی کا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

[3]سوم یہ کہ پوتی اس کی رامپور میں اپنی ماں کی پرورش میں ہے بغیر اطلاع وبلااجازت پوتی اور ہونے ماں کے قبضہ دادی کا صحیح یا نہیں؟

[4]**چہارم** یہ کہ وہ متوفیہ اپنے مکان مسکونہ میں تادم حیات مع مال واسباب اپنے کے رہی، تادم مرگ خالی نہیں گیا، اس صورت میں قبضہ ہوگیا یا نہیں؟

[5]**پنجم** یہ کہ بعض جائداد موہوبہ پر اگر قبضہ ہوجائے اور بعض پر نہ ہو تو موجب نقصان ہبہ ہے یا نہیں؟

۶ششم: یہ کہ اگر مکان مسکونہ میں متوفیہ تادم حیات خود رہی بعد تحریر ہبہ نامہ کے اور باقی مکان دکاکیں میں اسی متوفیہ کے کرایہ دار تھے اور کوئی امر جدید جو موجب قبضہ ہوتا تاحیات متوفیہ عمل میں نہیں آیا تو موجب بطلان ہبہ ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ جزءً وکُلا تمام وکمال باطل وبے اثر محض ہے وہ سب جائداد متروکہ عورت ہے اس کے وارثوں پر حسب فرائض تقسیم ہوگی بہن کی پوتی نواسی اس میں سے اس عقد وتحریر کی بناء پر ایک حبہ نہیں پاسکتیں، نہ ازروئے ہبہ، نہ بروئے وصیت کہ مرض الموت کا ہبہ اگرچہ حکماً وصیت ہے، حقیقۃً ہبہ ہے اگر موہوب لہ کے قبضہ تامہ شرعیہ سے پہلے واہب کاانتقال ہوجائے باطل محض ہوجاتاہے۔ ہندیہ میں محیط سے ہے:

قال فی الاصل ولاتجوز ھبۃ المریض ولاصدقتہ الامقبوضۃ فاذا قبضت جازت من الثلث واذا مات الواھب قبل التسلیم بطلت یجب ان یعلم ان ھبۃ المریض ھبۃ عقدا ولیست بوصیۃ واعتبارھا من الثلث ماکانت لانھا وصیۃ معنی لان حق الورثۃ یتعلق بمال المریض وقد تبرع بالھبۃ فیلزم تبرعہ بقدر ماجعل الشرع لہ وھو الثلث واذا کان ھذا التصرف ھبۃ عقدا شرط لہ سائر شرائط الھبۃ ومن جملۃ شرائطھا قبض الموھوب لہ قبل موت الواھب[1]۔	اصل میں فرمایا ہے مریض کا ہبہ یا صدقہ صرف وہی صحیح ہوگا جس پر اس نے قبضہ دے دیا ہو تو جب قبضہ دے دیا تو اس کے تہائی مال سے جائز ہوگا اور اگر وہ قبضہ دینے سے پہلے فوت ہوگیا تو ہبہ باطل ہوجائے گا یہ جاننا ضروری ہے کہ مریض کا ہبہ عقد کے اعتبار سے ہبہ ہے وصیت نہیں ہے اور اس میں تہائی مال تک جتنا بھی اس کا اعتبار ہے اس لئے ہے کہ وہ معنًی وصیت ہے اس لئے کہ اس کے مال سے ورثاء کا تعلق ہے اور ہبہ کرکے تبرع کیا ہے تو تبرع میں اتنا ہی دیا جاسکتا ہے جتنا شریعت نے اس کو حق دیا ہے اور وہ تہائی حصہ ہے اور جب مریض کا یہ تصرف عقد کے لحاظ سے ہبہ ہے تو اس میں ہبہ کے شرائط معتبر ہوں گے جبکہ اس کے جملہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ واہب کی موت سے قبل موہوب لہ کا قبضہ ہو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ باب العاشر فی ہبۃ المریض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۰

یہاں جبکہ جائداد قابل قسمت ہے اور دو شخصوں کو بلا تقسیم ہبہ کی گئی ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ناجائز ہے۔ تنویر میں ہے:

وھب اثنان دارالواحد صح وبعکسہ لا [1]۔	دو افراد نے ایک شخص کو مکان دیا تو صحیح ہے اور اس کا عکس ہو تو ناجائز ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

للشیوع فیما یحتمل القسمۃ [2]	قابل تقسیم چیز میں شیوع کی وجہ سے (ت)

اور جبکہ تسلیم با لتقسیم سے پہلے واھبہ نے انتقال کیا ہبہ بالاجماع باطل ہوگیا

ای علی مذہبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ و اشار بالاجماع الی ارتفاع النزاع فی ان ھبۃ المشاع فاسدۃ تفید الملك بالقبض ام باطلۃ فلاتفید اصلا و ذٰلك لان الموت قبل التسلیم مبطل اتفاقا ولو ھبۃ صحیحۃ فضلا عن فاسدۃ۔	یعنی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر اور اجماع کا اشارہ اس لئے کیا کہ مشاع چیز کا ہبہ فاسد ہو تو قبضہ کے ساتھ مفید ملک ہوگا یا وہ باطل ہو تو ملکیت کے لئے اصلا مفید نہ ہوگا اس بات میں نزاع ختم ہوگیا۔ یہ اس لئے ہے کہ قبضہ دینے سے قبل واہب کی موت ہبہ کو بالاجماع باطل کردیتی ہے اگرچہ ہبہ صحیح ہو تو فاسد کا ذکر ہی کیا رہا۔(ت)

درمختار میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم ولو قبلہ بطل [3]۔	میم سے فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد مراد ہے اور موت قبل از تسلم ہو تو باطل ہوجائے گا۔(ت)

سوال اول کا جواب ہوگیا بلکہ یہاں اسی قدر کافی تھا۔

دوم ۲ نابالغہ نواسی اگر نانی کے پاس رہتی تھی نانی کے قبضہ میں تھی تو جو ہبہ اس کے لئے ہوا

[1] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] درمختار کتاب الھبہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

نانی کااس پر قبضہ جائز وموجب تمامی ہبہ تھا، اگر ہبہ مشاع نہ ہوتا تواس صورت میں باپ کااسی شہر میں موجود ہونا نانی کے قبضہ کا مانع نہیں۔ یہی صحیح ہے اوراسی پر فتوی، ہاں اگر نواسی اس کے قبضہ میں نہ ہو تو باپ کے ہوتے نانی وغیرہ کسی کا قبضہ جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان وھب له اجنبی تتم بقبض ولیه وھو الاب ثم وصیه ثم الجد ثم وصیه وان لم یکن فی حجرھم وعند عدمھم تتم بقبض من یعوله کعمه واجنبی لو فی حجر ھما والالو بفوات الولایة لکن فی البرجندی اختلف فیما لوقبض من یعوله والاب حاضر فقیل لا یجوز والصحیح ھو الجواز[1]۔	اگر نابالغ کو اجنبی نے ہبہ دیا تواس کے ولی کے قبضہ سے ہبہ تام ہوجائے گا ولی ترتیب وار، باپ پھر اس کا وصی، پھر دادا پھر اس کا وصی اگر بچہ ان کے پاس نہ ہو اور مذکور لوگ نہ ہوں پھر جس نے بچے کو اپنا عیال بنایا بشرطیکہ بچہ ان کے پاس ہو مثلاً چچااور کوئی اجنبی کہ اس کے قبضہ سے بچے کے لئے ہبہ تام ہوگا اگر مؤخر الذکر لوگوں کے پاس بچہ نہ ہو توان کا قبضہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں ان کو ولایت نہیں ہے۔ لیکن برجندی میں ہے کہ عیال میں لینے والا بچے کے والد کی موجودگی میں قبضہ کرے تو اختلاف ہے۔ بعض نے کہا جائز نہیں اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہوگا۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

اختلف المشائخ فیه والصحیح الجواز ھٰکذا فی فتاوی قاضی خاں وبه یفتی ھٰکذا فی الفتاوی الصغری[2]۔	اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ کہ جائز ہے، فتاوٰی قاضی خاں میں یونہی ہے اور فتاوٰی صغرٰی میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

سوم ۳: پوتی کہ ماں کی پرورش میں ہے اس کے ہبہ پر دادی کا قبضہ جائز نہیں اگرچہ اسی شہر میں ہو کما تقدم عن الدر[3] من قوله والالا لفوات الولایة (جیسا کہ درمختار میں گزرا کہ عیال میں ہو تو جائز ورنہ نہیں کیونکہ ولایت نہ پائی گئی۔ ت)

---

[1] درمختار کتاب الهبة مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] فتاوٰی ہندیه کتاب الهبة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۳

[3] درمختار کتاب الهبة مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

چہارم^۴ اس صورت میں قبضہ نہ ہوا، در مختار میں ہے:

الموھوب ان مشغولا یملك الواھب منع تمامھا [1]۔	کہ موہوب جب ملک واہب میں مشغول ہو تو تمامی ہبہ سے مانع ہوتا ہے۔ (ت)

پنجم^۵ دو^۲ موہوب چیزوں میں ایک پر قبضہ تامہ مستقلہ اگر بغیر دوسرے پر قبضہ کے ہو جائے تو جس پر قبضہ ہوا اس کا ہبہ تمام ہو گیا، اور اگر دو شخصوں کو ہبہ مشاع تھا یا ایک شے دوسرے کی جز یا اس سے مثل جز متصل یا مشغول ہے تو اس پر قبضہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لووھب دارافیھا متاع الواھب وسلم الدار الیه اوسلمها مع المتاع لم تصح،ولووھب المتاع دون الدار وخلی بینه وبینه صح وان وھب له الدار والمتاع جمیعا وخلی بینه وبینهما صح فیهما جمیعا وان فرق فی التسلیم نحو ان یھب احدھما وسلم ثم وھب الاٰخر وسلم ان قدم ھبة الدار لاتصح وفی المتاع تصح وان قدم ھبة المتاع فالھبة صحیحة فیهما جمیعا ولو وھب الارض دون الزرع او الزرع دون الارض وخلی لم تصح فی الوجھین لان کل واحد منهما متصل لصاحبه اتصال جزء بجزء فصار بمنزلة ھبة المشاع فیما یحتمل القسمة،ولو وھب	اگر ایسے مکان کا ہبہ کیا جس میں واہب کا سامان موجود ہے اور مکان یا مکان مع سامان کا قبضہ دیا تو صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر سامان صرف ہبہ کیا اور واہب نے سامان کا تخلیہ موہوب لہ کو کر دیا تو ہبہ صحیح ہوگا۔ اور اگر مکان مع سامان ہبہ کیا اور تخلیہ کر دیا تو دونوں کا ہبہ صحیح ہوگا اور مکان اور سامان کا ہبہ معًانہ کیا بلکہ یکے بعد دیگرے کیا تو اگر پہلے مکان ہبہ کیا اور قبضہ دے دیا تو مکان میں ناجائز اور سامان میں جائز ہوگا اور اگر پہلے سامان ہبہ کرکے اس کا قبضہ دے دیا تو دونوں کا ہبہ صحیح ہوگا ____ اگر زمین کا بغیر فصل یا فصل کا بغیر زمین ہبہ کیا اور قبضہ کے لئے تخلیہ کر دیا ہو تو دونوں صورتوں میں ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ زمین اور اس پر فصل کا اتصال جزئیت والا ہے تو یہ قابل تقسیم مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہے اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ ہبہ کیا

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

کل واحد منهما علیحدة ان جمع فی التسلیم جازت فیهما وان فرق لاتجوز فیهما ایهما قدم کذا فی السراج الوہاج[1] (ملخصا)	اور قبضہ دونوں کا معًا دیا تو دونوں کا ہبہ جائز ہوگا اور قبضہ علیحدہ علیحدہ دیا دونوں کا ہبہ درست نہ ہوگا خواہ دونوں میں جس کو چاہے مقدم موخر کرے، سراج الوہاج میں یوں ہے۔(ملخصا) (ت)

ششم ہاں اس صورت میں قبضہ نہ ہوا اور قبل قبضہ موت موجب بطلان ہبہ ہے۔ در مختار اور ردالمحتار میں ہے:

فی الاشباہ هبة المشغول لاتجوز الااذا وهب الاب لطفله دارا والاب ساکنها ولو وهب طفله دارا یسکن فیها قوم بغیر اجر جاز ویصیر قابضا لابنه لالوکان باجر[2] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	الاشباہ میں ہے مشغول چیز کا ہبہ ناجائز ہے الایہ کہ باپ اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کرکے خود سکون پذیر بھی ہو تو جائز ہے، اگر نابالغ بیٹے کو باپ نے مکان ہبہ کیا جبکہ اس میں کوئی غیر سکون پذیر ہے اگر یہ سکونت پہلے سے بغیر اجارہ ہے تو ہبہ جائز ہوگا باپ کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور غیر کی وہ سکونت اجارہ کے طور پر ہے تو ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۳: از کانپور مرسلہ کریم احمد معرفت عم او نبی احمد سوداگر عطر بازار کلاں بریلی ۹ رجب ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ذاتی روپے سے ایک قطعہ مکان اپنی اہلیہ کے نام خرید کیا تھا اور بیعنامہ اپنی بی بی کے نام لکھوایا نہ اپنے نام سے بعد خریداری مکان زید اور اس کی بی بی نے ایک ساتھ مکان مذکور کے بالاخانہ پر سکونت اختیار کی اور مکان مذکورہ کے کل حصہ زیریں میں زید کا تجارتی مال ہمیشہ رہا کیا اور اب تک موجود ہے۔ خریداری مکان سے عرصہ تین سال کے بعد ہاؤس ٹیکس جاری ہوا رجسٹر ہاؤس ٹیکس کے خانہ ملکیت میں زید نے اپنا نام خود درج کرایا اور ٹیکس کا روپیہ بھی تاحین حیات خود ادا کرتا رہا۔ اور مرمت مکان بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب لثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

[2] درمختار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹، ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۰

اپنے صرفہ ذاتی سے خود کرتا رہا۔ اب زید کا انتقال ہوگیا، بموجب حکم شرع شریف کے وہ مکان مملوکہ خاص زوجہ زید کا ہوگا یا یہ کہ زید کے سب ورثہ میں مشترک ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زید نے وقت ایجاب وقبول بیع بنام زوجہ کرائی مثلاً بائع سے کہا یہ مکان میں نے اپنی بی بی کے نام خریدا بائع نے کہا میں نے تیری بی بی کے ہاتھ بیچا جب تو اس مکان کی مالک زوجہ ہوئی جبکہ زوجہ نے وہ بیع اپنے نام جائز رکھی، درمختار میں ہے:

لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضافہ بان قال بع لفلان فقال بعتہ لفلان توقف، بزازیہ وغیرھا[1]۔	اگر غیر کے لئے کوئی چیز خریدی اور خریداری کو غیر کی طرف منسوب نہ کیا تو یہ خریدار کی ہوگی، اگر یہ کہہ کر غیر کی طرف منسوب کی کہ یہ چیز فلاں کے لئے بیع کر اور جواب میں دوسرا کہے میں نے یہ فلاں کے لئے بیع کی، تو اس غیر کی اجازت پر موقوف رہے گی، بزازیہ وغیرہا (ت)

اور اگر زید نے خریداری زوجہ کے نام نہ کی پھر بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھا دیا تو مالک زید ہوا اور بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھانا زوجہ کے لئے ہبہ کہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا، اور جبکہ زید خود بھی اس مکان میں رہا اور اپنا اسباب رکھا اور کبھی خالی کرکے زوجہ کو قبضہ نہ دیا یہاں تک کہ مرگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا، مکان ملک زید ہے حسب فرائض ورثائے زید پر منقسم ہوگا۔ درمختار میں ہے:

تتم الھبۃ بالقبض الکامل ولو الموھوب شاغلا لملک الواھب لامشغولا بہ[2]۔	ہبہ کامل قبضہ سے تام ہوتا ہے اگرچہ موہوب شاغل بملک واہب ہو اور اگر موہوب چیز واہب کی ملک میں مشغول ہے تو تام نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[3]. واللہ تعالٰی اعلم۔	"م" سے مراد فریقین میں سے ایک کی موت بعد قبضہ ہے اور اگر قبضہ سے قبل موت ہو تو ہبہ باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

مسئلہ ۱۱۴: از کانپور مچھلی بازار آوردہ محمد شریف صاحب ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے اپنی حیات میں جو جائداد غیر منقولہ خرید کی وہ کچھ اپنے نام سے اور کچھ اپنے دو پسران نابالغ کے نام سے خرید کی اور ہمیشہ ہر دو جائداد پر بکر قابض رہا اور اس کی آمدنی کرایہ بھی بکر اپنے تصرف میں لایا، بکر نے جو جائداد نابالغ لڑکوں کے نام سے بیعنامہ کرائی تھی اس کی از سر نو تعمیر و مرمت بکر نے اپنے روپے سے کی، جیسے اپنی جائداد کی کرتا تھا، کوئی حساب علیحدہ نابالغان کے نام جائداد کا نہیں رکھا۔ بکر تجارت پیشہ تھا اور اس کی تجارت کا مقام کلکتہ میں تھا اور جائداد دوسرے مقام میں تھی، بکر نے انتظام جائداد غیر منقولہ کل وصولیت کرایہ و مرمت واز سر نو تعمیر جن لوگوں کے سپرد کیا تھا ان کو بھی بکر کی کوئی ہدایت ایسی نہ تھی کہ ہر دو جائداد کی مرمت و کرایہ وغیرہ کا حساب علیحدہ رکھا جائے، کچھ کرایہ دار از نام نابالغان والی جائداد کے ایسے ہیں جن کا بکر سے تجارتی کاروبار تھا، ہمیشہ ان لوگوں نے کرایہ وآمد مال بکر کا ایک ہی ساتھ میں بکر کے نام سے جمع کیا یعنی اپنے بہی کھاتہ میں لکھا اور اس کا روپیہ بھی بکر ہی کو دیا اور بکر نے کبھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بکر نے ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء میں دو یادداشتیں بطور چٹھا کے بنائیں اور اس میں کل جائداد اپنی اور جو دو لڑکوں کے نام ہے اس کی قیمت لکھی، اور جو روپیہ نقد واز قسم نوٹ وغیرہ تھے وہ لکھے اور لینا دینا جو لوگوں کے ذمہ تھا وہ لکھا، بکر ۱۹۱۱ء میں بیمار ہو کر شروع ۱۹۱۲ء میں قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا اور اپنے وارثان چند لڑکے اور لڑکیاں اور زوجہ کو چھوڑا، اب بحکم شرع شریف وہ جائداد جو ان دو پسروں کے نام ہے وہ کل وارثان پر تقسیم ہوگی یا اس کے وہی دو پسران مالک رہے؟ فقط

الجواب:

بکر نے اگرچہ جائداد خریدی مگر آپ خرید کر اپنے دو۲ بچوں کے نام بیعنامہ کرانا اس کی طرف سے ان کے لئے ہبہ ہے، منح الغفار و ردالمحتار میں ہے:

اشتری لها فی صغرها او بعد ما کبرت وسلم الیها و ذٰلك فی صحته فلاسبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصة [1]۔	بیٹی نابالغ یا بالغ کے لئے کوئی چیز والد نے خرید کر قبضہ دے دیا اور والد نے یہ عمل اپنی صحت و تندرستی میں کیا تو ورثاء کا اس چیز پر کوئی دخل نہ ہوگا وہ خالص بیٹی کی ہوگی۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب العاریة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

سائل نے زبانی اظہار کیا کہ وہ جائداد بچوں کے نام خریدی دو مکان ہیں ہر ایک بڑا اور قابل تقسیم ہے اور ہر ایک میں دونوں لڑکے بلاتقسیم شریک رکھے گئے ہیں، ایسا ہے تو یہ ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع باطل ہے۔ جب بکر بلاتقسیم بے قبضہ تقسیم دینے کے مرگیا ہبہ معدوم محض ہوگیا۔ اور ان مکانوں میں بچوں کا کوئی حق سوائے وراثت نہ رہا، تنویر الابصار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبعکسہ لا [1]۔	اگر دو افراد نے اپنا مکان ایک شخص کو ہبہ کیا تو یہ صحیح ہے اگر اس کا عکس ہو تو صحیح نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں علامہ خیر رملی سے ہے:

لافرق بین ان یکون کبیرین اوصغیرین اواحدھما کبیرا والاٰخر صغیرا [2]۔	دونوں بالغ ہوں یا نابالغ یا ایک بالغ دوسرا نابالغ ان سب صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ (ت)

درمختار موانع رجوع میں ہے:

المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل۔ [3]	"م" سے مراد "فریقین میں سے ایک کی بعد از قبضہ موت ہے" اگر قبضہ سے قبل موت ہو تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ زبانی خریداری میں بچوں کا نام نہ لیا اپنے لئے یا مطلق خریدا اور بیعنامہ میں بچوں کا نام لکھا دیا کہ اس صورت میں ملک بکر کی ہوئی اور ان کے نام کرادینا بکر کی طرف سے ان کو ہبہ اور عام طور پر یہی طریقہ رائج ہے، ہاں اگر یہ صورت ہوئی ہو کہ نفس گفتگوئے خریداری میں بچوں کے نام خریدا مثلاً بائع سے کہا کہ یہ مکان اتنی قیمت پر میرے ان دو بچوں کے ہاتھ بیع کردے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کئے، اس نے کہا میں نے ان کی طرف سے قبول کئے، تو اس صورت میں اصل بیع ان دونوں کے نام ہوئی اور وہی اصالۃً ان مکانوں کے مالک ہوئے، زر ثمن کہ بکر نے اپنے پاس سے ادا کیا وہ تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہیں، اس تقدیر پر بیشک دونوں مکان ملک نابالغان ہیں اور تمام کاروبار وکاغذات حساب وکتاب میں بکر کا ان کو اپنی ملک سے جدا نہ شمار کرنا کچھ مضر نہیں کہ بحکم ولایت اسے اس کا

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱
[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴
[3] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اختیار تھا یہاں تک کہ متولی وقف کو بوجہ ولایت ہی اپنی ملک سے تعبیر کرتا ہے وکیل ملک موکل کو اپنی ملک کہتا ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[1]۔	اگر محدود زمین پر اپنا دعوی کیا اور پھر بعد میں اس زمین کے وقف ہونے کا دعوی کیا تو اس صورت کا صحیح جواب یہ ہے کہ اگر اپنی تولیت میں وقف کا دعوی کیا تو دونوں دعووں میں موافقت ہوسکتی ہے کیونکہ عادتًا وقف تصرف اور خصومت میں متولی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔(ت)

اور اگر فرض کیجئے کہ اس سے بکر کی مراد ان مکانوں کا خود مالک بننا ہی تھا، جب اصل گفتگوئے بیع لڑکوں کے نام ہوئی ان کی ملک ثابت ہوگئی، پھر بکر اسے اپنے نام کیونکر منتقل کرسکتا ہے، اس صورت میں مکان وراثت سے بری ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۵: مستفسرہ عبداللہ صاحب بہاری بروز چہارم شنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکے کی شادی ہوئی، قریب عمر ۹، ۱۰ برس کے تھی، نکاح کی اجازت لڑکی کے والد نے دی اور اس برات میں نزاع ہوگئی، نکاح دو دن نہیں ہوا، تیسرے دن وقت ۱۰ بجے دن کے نکاح ہوا، بعد مغرب ۸ بجے رات کو رخصت لڑکی کو کرکے ۹ بجے واپس چلی گئی، بعد دو سال کے لڑکے کا انتقال ہوگیا، بروقت جنازہ تیار ہونے کے لڑکی کے باپ نے مہر معاف کیا، اب جو مال یعنی زیور جو لڑکے کے والد نے شادی میں چڑھایا تھا وہ طلب کرتا ہے تو لڑکی کا والد کہتا ہے کہ میرا مہر دو جب دوں گا، اب اس حالت میں جائز ہے یا نہیں؟ شرع سے جو حکم ہو وہ تحریر ہوجائے۔

الجواب:

اگر لڑکی نابالغہ تھی اور باپ نے مہر معاف کیا تو یہ معافی محض باطل ہے اور مہر کا اپنی دختر کے لئے اسے مطالبہ پہنچتا ہے، یونہی اگر وقت معافی مہر دختر بالغہ تھی اور باپ نے اس کی اجازت کے بغیر معاف کیا بعد معافی عورت نے اسے جائز کہا، جب بھی مہر معاف نہ ہوا اور مطالبہ صحیح ہے ہاں اگر وقتِ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱

معافی دختر بالغہ تھی اور اس کی اجازت سے باپ نے معاف کیا یا بعد کو اس نے یہ معافی منظور کرلی تو مہر معاف ہوگیا اب اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اب اس کے لئے چڑھاوا روک سکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۶: از شاہجہان پور محلّہ باڑوزنی مرسلہ جناب عبدالغنی صاحب ۱۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

زید نے اپنے حین حیات وصحت ذات وثبات عقل میں چند ظروف مسی وغیرہ پر اپنے بیٹے عمرو کا نام کندہ کرادیئے اور ظاہر کیا کہ یہ عمرو کے واسطے ہیں، چند مدت کے بعد زید مرگیا، اب وہ ظروف وغیرہ جن پر نام کندہ کئے ہوئے ہیں آیا مال متروکہ مشترکہ میں شامل ہوکر سب وارثوں میں تقسیم ہونگے یا وہ ظروف مستثنٰی کرکے تقسیم ہوگی؟

الجواب:

اگر عمرو وقت ہبہ نابالغ تھا ہبہ تمام ہوگیا اور وہ ظروف ملک عمرو ہونگے، ترکہ میں شامل نہ ہوں گے، یونہی اگر عمرو بالغ تھا اور زید نے وہ برتن خالی کرکے اس کے قبضہ میں دے دیئے جب بھی وہ متروکہ نہیں، ملک عمرو ہیں، ہاں اگر اس وقت عمرو بالغ تھا اور زید نے ان ظروف کو عمرو کے قبضہ تامہ میں نہ دیا یہاں تک کہ زید کا انتقال ہوگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا۔ظروف مثل باقی متروکات ورثہ پر تقسیم ہوں گے، **والمسائل مشھورۃ وفی عامۃ الکتب مسطورۃ** (اور یہ مسائل مشہور ہیں اور عام کتب میں موجود ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۷: از چندوسی ضلع مرادآباد، سرتاج علی خاں طالب علم درجہ نہم (ایس۔ایس۔ایم) ہائی اسکول چندوسی ۴ ذوالقعدہ ۱۳۲۳ھ

ایک مسماۃ نے اپنا چھٹا حصہ جو کہ شرعًا اسکے بیٹے کے ترکہ میں سے اس کی موجودگی میں مرجانے کی وجہ سے نکلتا تھا یہ صحت نفس وثبات عقل اپنے یتیم پوتوں اور بیوہ بہو پر از راہ شفقت بخشش کیا اور قبضہ مالکانہ بھی دلادیا، اب اس کا بیٹا یعنی اس کے پوتوں کا چچا اس چھٹا حصہ کو مانگتا ہے اور مسماۃ کے انتقال کو عرصہ ۴ برس کا ہوا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرع نے اس حق در حق کی میعاد کتنی مقرر کی ہے یعنی کتنے دنوں تک یہ حق لیا جاسکتا ہے؟

الجواب:

سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ اس کا چھٹا حصہ کیا[1] ہے اور [2] اس کا چھٹا حصہ کہ عورت کو پہنچا تھا پوتوں اور بہو پر تقسیم کرنے سے ہر ایک حصہ میں جتنا ٹکڑا پڑے قابل انتفاع رہے گا یا نہیں، اور

۳عورت نے اس کے جدا جدا ٹکڑے کرکے ہر موہوب لہ کو الگ الگ قابض کرایا یا مجموعی حالت میں ان سب کو ہبہ کیا، اور ۴وہ پوتے بالغ ہیں یا بعض یا سب نابالغ، اور ۵جو نابالغ ہیں کسی کی پرورش میں ہیں۔ اور ۶ان کی طرف سے کس نے قبضہ کیا، اور ۷وہ بہو اور پوتے سب صاحب نصاب ہیں یعنی ان میں ہر ایک چھپن روپے یا زیادہ کے مال کا مالک ہے، یا بعض صاحب نصاب ہیں بعض فقیر یا سب فقرا، اور یہ چھٹا حصہ کہ اس نے ہبہ کیا باقی جائداد میں ملا ہوا تھا یا الگ الگ کرلیا تھا، ان تمام باتوں پر جدا احکام ہوں جن کی تفصیل میں طول ہے اور سائل کی غرض صرف ایک صورت سے متعلق ہوگی، لہٰذا ان آٹھوں باتوں کا جواب مفصل بیان لکھنے پر اس خاص صورت کا جو حکم ہو بتایا جائے گا ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸: از شہر کہنہ مسئولہ سید نوراللہ محرر دارالافتاء بروز دوشنبہ ۹ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

(زید نے اپنے بیٹے بکر کے نام ایک مکان لکھا) بکر سے بحالت مرض الموت بکر کے اس کو رنج دے کر طوعًا و کرہًا بکر کے نام کا مکان زید نے اپنی دوسری زوجہ غیر کفو کے نام لکھادیا، کیا یہ ہبہ جائز ہے یا فاسد؟

الجواب:

اگر بکر کے نام کا ہبہ صحیح اور قبضہ خالصہ سے تام ہوگیا تھا تو یہ ہبہ بے رضائے مالک ہوا باطل ہے اگر مالک بے اجازت مرگیا، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۹: از بجنور مرسلہ مولوی محسن علی خاں صاحب منصف ۱۰محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زیور نقرئی و طلائی اور ظروف دیگر و سامان اس نیت و ارادہ سے تیار کرایا کہ وہ اپنی دختر نا کتخدا کے عقد نکاح کے بعد رخصت کے وقت جہیز میں دے گا، چنانچہ بعض لوگوں کو یہ سامان دکھلا کر یہی بیان بھی کیا مگر قبل اس کے کہ نوبت عقد و رخصت دختر مذکور کی پہنچے اس نے قضا کی ایسی حالت میں وہ زیور ظروف و سامان ترکہ متوفی قرار پائے یا دختر مذکور تنہا اس کی مالک و مستحق سمجھی جائے۔

الجواب:

کوئی تملیک محض نیت و ارادہ سے نہیں ہوسکتی نہ مجرد اظہار ارادہ کہ میں نے اس لئے بنوائے یا یہ مال فلاں کو دوں گا کوئی اثر ملک پیدا کرسکے۔ اصلاح و ایضاح میں ہے:

الھبۃ ھی فی الشرع تملیك مال للحال بلاعوض [1]۔	شرع میں فی الحال مال کا بغیر عوض کے لئے مالک بنانا ہبہ کہلاتا ہے۔ (ت)

[1] اصلاح وایضاح

بلکہ اگر دختر اس جہیز کے تیار کراتے وقت بالغہ تھی یعنی اسے حیض آلیا تھا یا پندرہ سال کامل کی عمر ہو چکی تھی اور جہیز بنوا کر اس کے باپ نے صریح الفاظ تملیک بھی کہہ دئے ہوں، مثلاً میں نے اپنی دختر فلانہ کو اس مال کا مالک کیا، جب بھی از انجا کہ قبضہ دینے سے پہلے اس شخص کا انتقال ہو گیا کہ جہیز پر قبضہ وقت رخصت دیا جاتا ہے۔ یہاں ابھی عقد بھی نہ ہوا تھا وہ ہبہ باطل محض ہو گیا، بہر حال وہ مال تمام وکمال متروکہ متوفی ہے، ہاں اگر لڑکی اس وقت نابالغہ تھی یعنی نہ اسے آثار بلوغ پیدا ہوئے تھے نہ پورے پندرہ برس کی عمر ہوئی تھی اور اس نے اس کے واسطے جہیز بنوایا یا کہا میں نے اسے اس کا مالک کیا، یا یہ اس کا ہے۔ یا اتنا ہی کہا کہ یہ میں نے اس کے لئے بنوایا ہے۔ تو ضرور کل مال یا اس میں سے جس خاص شیئ کی نسبت یہ لفظ صادر ہوئے تھے ملک دختر ہے اگرچہ قبضہ دختر نہ ہوا کہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ کافی ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اشتری ثوبا فقطعه لولده الصغیر صار واهبا بالقطع مسلما الیه قبل الخیاطة ولو کان کبیرا لم یصر مسلما الیه الابعد الخیاطة والتسلیم ولو قال اشتریت هذا له صار ملکاله کذا فی القنیة [1]۔	کپڑا خرید کر کاٹا اور نابالغ بیٹے کو سلے بغیر دے دیا تو ہبہ ہو گیا اور اگر بالغ بیٹے کے لئے ایسا کیا تو سلائی اور قبضہ دئے بغیر ہبہ نہ ہوگا اور اگر کہا میں نے بیٹے کے لئے خریدا ہے تو بیٹے کی ملک ہو جائے گا قنیہ میں یوں ہے۔ (ت)

فتاوٰی ولوالجیہ پھر منح الغفار پھر ردالمحتار اور ینابیع پھر ہندیہ میں ہے:

واللفظ للشامی جهز الاب ابنته ثم بقیة الورثة یطلبون القسمة منها فان کان الاب اشتری لها فی صغرها اوبعد ما کبرت وسلم الیها وذٰلك فی صحته فلا سبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصة [2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	الفاظ شامی کے ہیں:- والد نے بیٹی کو جہیز دیا اور والد کی وفات کے بعد باقی ورثاء اس جہیز میں حصہ کے طالب ہوئے تو اگر والد نے اپنی صحت میں بیٹی نابالغ یا بالغ کے لئے خرید کر قبضہ دے دیا تھا تو ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے اور وہ بیٹی کے لئے خاص ہوگا، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ حاجی لعل خان صاحب، تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ حیبن بی بی و صحیبن بی بی دختران شیخ امیر بخش مرحوم بروز پنجشنبہ ۲ صفر ۱۳۳۴ھ

سوال اول: امیر بخش مرحوم نے بحالت حیات کسی مصلحت سے ایک لڑکے مسمّٰی اصغر حسین کو جدا کردیا اور تجارتی مال کا پانچواں حصہ ان کو دے دیا اور چار حصہ یعنی بقیہ کل مال بلا تقسیم اپنے قبضہ میں رکھا اور چار لڑکیاں جو دو محل سے موجود تھیں ان کو کچھ نہیں دیا، آیا ایسی تقسیم شرعًا درست ہے؟ اور باپ کے مال میں کیا لڑکیاں شرعًا حقدار نہیں ہیں؟

الجواب:

ایک لڑکے کو پانچواں حصہ دینا باقی بیٹیوں کو نہ دینا اگر اس وجہ سے ہو کہ وہ لڑکا اوروں پر فضل دینی رکھتا ہے تو حرج نہیں **کمافی الدرالمختار والعالمگیریۃ** (جیسا کہ درمختار اور عالمگیریہ میں ہے۔ت) ورنہ حدیث میں اسے ظلم فرمایا:

اکل بنیك نحلت مثل ھذا قال لاقال لاتشھدنی علی جور[1]۔	کیا تو نے تمام بیٹوں کو اس کی مثل عطیہ دیا ہے عرض کی نہیں یارسول اللہ تو آپ نے فرمایا: مجھے ظلم پر گواہ نہ بنا۔(ت)

مگر یہ امر دیانۃً ہے، قضاءً باقی اولاد اس پر دعوٰی نہیں کرسکتی **لان الملك مطلق للتصرف** (کیونکہ ملکیت تصرف کی آزادی دیتی ہے۔ت) نہ اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امیر بخش نے بیٹیوں کو محروم کرنا چاہا ہے کہ اس نے اور بیٹوں کو بھی نہ دیا نہ کل مال اصغر حسین کو دے دیا کہ اوروں کا حرمان مفہوم ہو **واللہ تعالٰی اعلم۔**

ایضًا سوال چہارم

مورث کے مشترکہ ترکہ کو اگر قبل تقسیم کے بعض وارث بلا استرضائے دیگر ورثہ کے کلًّا یا جزءً کسی غیر کو ہبہ کردیں تو یہ ہبہ شرعًا درست ہوگا یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو کیا ہمارے بھائیوں پر واجب نہیں ہے کہ اس غلط تقسیم کو مسترد کرکے دوبارہ فرائض کے مطابق ترکہ تقسیم کردیں اور جس کا جس قدر حصہ رسدی ہو اس کو پہنچادیں۔

---

[1] سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵، مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر دارالفکر بیروت ۴/ ۲۶۸

الجواب:

مال مشترک اگر غیر قابل قسمت ہے اور اس نے صرف اپنا حصہ ہبہ کیا تو صحیح و نافذ ہوگیا، باقی ورثاء اپنا حصہ اس میں سے لے سکتے ہیں اور اگر وہ کل شیئ مشترک ہے اور ایک شریک نے کسی کو ہبہ کردی تو اس کے اپنے حصہ میں ہبہ نافذ ہوگیا اور دوسرے شرکاء کے حصوں کا ہبہ ان کی اجازت پر موقوف رہا، اگر وہ عاقل بالغ ہوں ورنہ باطل،

لانہ عقد صدر من فضولی ولامجیز لہ وقت العقد۔	کیونکہ یہ عقد فضولی سے صادر ہوا جبکہ عقد کے وقت اس کو جائز قرار دینے والا کوئی نہ تھا۔(ت)

اور اگر وہ شے قابل قسمت ہے اور اس نے اپنا حصہ قبل تقسیم ہبہ کیا تو وہ ہبہ محض بے اثر ہے کہ قبضہ سے بھی مفید نہ ہوگا مگر اس کا فسخ اس پر لازم نہیں، اسے جائز ہے کہ بعد تقسیم اپنے حصہ پر موہوب لہ کو قبضہ دے دے اور تکمیل ہبہ کردے، اس کا استرداد واہب کا حق ہے نہ کہ واہب پر حق، ہاں دوسروں کے حصوں میں مزاحمت نہ کرنا اس پر واجب اور اگر شے قابل قسمت ہے اور اس نے کل ہبہ کردی تو یہ وہی ہبہ فضولی کی صورت ہے، اور اگر بقیہ شرکاء سب عاقل بالغ ہوں اور جائز کردیں تو جائز ہوجائے گا۔

کمالو وھب اثنان دارا من واحد جاز کما فی الدر وغیرہ [1]	جیسے دو افراد ایک شخص کو اپنا مکان ہبہ کریں تو جائز ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر اس میں ایک شخص بھی اجازت سے دست کش یا غیر مکلّف ہوگا تو اس کل میں ہبہ باطل ہے یعنی بے اثر و نامفید ملک، بہرحال کسی صورت میں بھائی یہ اختیار نہیں رکھتے کہ بہنوں کو محروم کردیں، ان کا مال بے اجازت کے کسی کو دے دیں،

قال تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲: از سنبھل محلہ کوٹ شرقی ضلع مرادآباد مسئولہ محمد جمیل صاحب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو زیور یا لباس وقت عقد یا بعد عقد زوج اپنی زوجہ کو استعمال کے واسطے دے وہ امانت شمار ہوگا یا ہبہ؟ اور ان دونوں صورتوں

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

میں واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور نیز وہ زیور کہ جو زوجہ کے باپ کے یہاں کا تھا اور شوہر نے اپنے پاس سے کچھ اور چاندی یا سونا ڈال کر بڑھادیا ہو اس کا کیا حکم ہے آیا ہبہ ہے یا امانت؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو کچھ شوہر نے استعمال کے لئے دیا وہ ملک شوہر ہے مگر یہ کہ دلالت تملیک پائی جائے خواہ لفظًا یا عرفًا، اور عورت کا قبضہ ہو جائے تو اب وہ ملک زوجہ ہو جائے گا اور اب اسے کبھی واپس نہیں لے سکتا **لان الزوجیۃ من موانع الرجوع** (کیونکہ زوجیت موانع رجوع میں سے ہے۔ت) جہیز میں جو زیور وغیرہ عورت کو ملتا ہے وہ یقینًا ملک زن ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأۃ لاحق لاحد فیہ[1]۔	ہر ایک کو معلوم ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔(ت)

اس نے جو کچھ اور اس میں ڈلوا کر بڑھوادیا ظاہرا اس سے مقصود مالک کر دینا ہی ہوتا ہے اگر یوں ہو اور قبضہ تامہ پایا جائے تو ملک زوجہ ہو جائے گا ورنہ نہیں **فان الظاھر حجۃ للدفع لا للاستحقاق**[2] (ظاہر دفاع کے لئے حجت ہوتا ہے استحقاق کے لئے نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: مشاع کی تعریف کیا ہے؟ **فقط**

الجواب:

ایک شیئ دو یا چند اشخاص کو بلا تقسیم ہبہ کی جائے اگرچہ حصے نامزد کر دے جائیں کہ نصف نصف یا ایک کو ثلث اور دوسرے کو دو ثلث یا اپنی ملک کا کوئی حصہ غیر معینہ غیر ممتازہ مثلاً نصف، ثلث، ربع، وغیرہ کسی شخص کو ہبہ کرے یا اپنی پوری ملک ہبہ کرے مگر یہ خود کسی شے کے ویسے ہی غیر معین حصے نصف وغیرہ کا مالک ہو، یہ سب ہبہ مشاع ہیں پھر اگر وہ چیز ناقابل تقسیم ہے تو جائز۔ ورنہ نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: مرسلہ محمد نجم الدین صاحب محلّہ رفعت پورہ مراد آباد ۱۶ صفر ۱۳۳۵ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بقضائے الٰہی اچانک فوت ہوگیا او وہ ایک دولتمند شخص تھا اور اس نے جائداد

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۸

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب النفقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

منقولہ وغیر منقولہ چھوڑی اور کل پانچ وارث چھوڑے دو دختران اور ایک پسر اور ایک والدہ اور ایک زوجہ ثانی لاولد جو اس کے عقد میں قریب آٹھ برس کے تھی، متوفی مذکور نے نکاح کے وقت کچھ زیور تیار کراکر زوجہ مذکور کو دیا تھا وہ اس کے قبضہ میں ہے، اس کے علاوہ اور زیور بھی تیار کرا کر وقتاً فوقتاً زوجہ مذکورہ کو دیتا رہا جو زوجہ مذکورہ کے قبضہ وتصرف میں ہے اور وہ اس کی زکوۃ بھی ادا کرتی ہے پھر پندرہ سو روپے نقد واسطے زیور تیار کرانے کے زوجہ مذکورہ کو دئے تھے جو اس کے قبضہ میں ہے، لیکن تعمیر مکان کی ضرورت سے بطور قرض کے متوفی مذکور نے زوجہ مذکورہ سے لئے تھے، اور کلکتہ جاکر ایک ہزار روپے کا نوٹ معرفت حاجی محمد خلیل کے زوجہ مذکورہ کے پاس بھیج دیا، پانسو روپے منجملہ اس کے باقی رہ گئے، نیز زوجہ مذکورہ اپنے والدین کے یہاں جب مراد آباد آتی تھی اور اس کے عزیز واقارب سے اس کو نقد ملتا تھا اس کا پارچہ وبرتن وغیرہ خرید کرلے جاتی تھی جو اس کے تصرف میں ہے، نیز نقد وزیور کے علاوہ متوفی مذکور زوجہ مذکورہ کو اکثر اشیاء لاکر دیتا رہتا تھا اور اپنی دختران وپسر کو اس کے علاوہ دیتا رہتا تھا۔

پس صورت مذکورہ میں جو اسباب ونقد زیور وغیرہ متوفی مذکور نے اپنی حیات میں زوجہ مذکورہ کو دیا ہے اور اب تک اس کے قبضہ وتصرف میں ہے وہ ترکہ متوفی سے علیحدہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زیور خواہ نقد خواہ کسی قسم کا مال جو زید اپنی زوجہ کو بطور تملیک دیتا تھا اس کی مالک زوجہ ہے، وہ ترکہ نہیں ہوسکتا۔ تملیک ثابت ہونا درکار ہے خواہ صراحۃً یا دلالۃً بغیر اس کے دعوی ملک مسموع نہیں، مثلاً اگر وہ پندرہ سو روپے قرض کہہ کر مانگے تو ضرور ثابت ہوا کہ ملک کردئے تھے، یونہیں اگر اس کی عادت سے ثابت ہو کہ ان لوگوں کو ایسا دینا بطور تملیک ہی کرتا تھا یہی لوگ اس کے مالک سمجھے جاتے تھے تو بیٹی بیٹے زوجہ جس کو جو دیا وہ اس کا مالک ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۵: از سہارنپور محلّہ قاضی مرسلہ ریاضت احمد صدیقی ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مر گئی اور اس نے ایک دختر اور ایک برادر حقیقی دو[۲] وارث چھوڑے، متوفیہ کے بھائی نے اپنا شرعی حصہ جو اس کو بہن سے پہنچا تھا اپنی بھانجی کو دے دیا اور اس کے نام پر داخل خارج بھی کاغذات سرکاری میں کرایا اب چند سال کے بعد ناراض ہو کر اس دی ہوئی جائداد واسباب کو واپس لینا چاہتا ہے۔ کیا شرعاً اس اسباب وجائداد کو واپس لینے کا بھانجی سے حق حاصل ہے کہ جس کا اپنی خوشی ورضامندی سے

مالک بنادیا ہو۔

الجواب:

اگراس نے اپنا حصہ جداجدا تقسیم کراکر ہبہ کیااور بھانجی کو قبضہ دے دیا یا ہبہ کے بعد تقسیم کرکے حصہ منقسمہ پر قبضہ دے دیا یا وہ مشترک جائداد قابل تقسیم نہ تھی اگر دو حصے کئے جاتے تو ہر حصہ قابل انتفاع نہ رہتا، جیسے کوئی کوٹھری یا چھوٹی دکان تو ان صورتوں میں بعد قبضہ دختر ہبہ تمام ہوگیا اور ماموں کو اس سے واپس لینے کا کوئی حق نہیں اور اگر شیئ قابل قسمت تھی اور بلا تقسیم ہبہ کیااور اب تک تقسیم کرکے قبضہ نہ دیا تو ہبہ تمام نہ ہوا، اور مالک بنانا ہبہ نہیں عـــہ اسے واپس لے سکتا ہے۔

درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولووھبہ لشریکہ لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	قابل تقسیم چیز کا ہبہ تام نہیں ہوتا اگرچہ شریک کو ہبہ کیا ہو کیونکہ اس پر کامل قبضہ کا تصور نہیں ہوسکتا جیسا کہ عام کتب میں ہے لہٰذا یہی مذہب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۶: از قصبہ کہوری ضلع ساگر قسمت جبل پور ممالک متوسط مرسلہ ابراہیم ولد قمر علی ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ابراہیم کے والد قمر علی تین بھائی حقیقی تھے، منجملہ ہر سہ بھائیوں کے ایک لاولد تھے جن کا نام نعمان حسن تھا، میرے چچا یعنی نعمان حسن نے نکاح ایک بیوہ عورت سے کیا جس کے ہمراہ لڑکا آیا۔ لڑکے کی عمر اس وقت ۵ سال کی تھی۔

آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ جو کاغذات نقل یعنی فیصلہ کچہری شرع شریف ہوا ہے وہ خدمت میں آنجناب کی ارسال ہے بہ نظر ترحّم کاغذات کو ملاحظہ فرما کر اطلاع دیجئے گا آیا وہ جائداد کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نعمان حسن نے اس لڑکے کو متبنی نہیں کیا تھا اور اس نے کچہری میں یہی بیان کیا کہ نعمان حسن نے مجھے متبنی کیا، کاغذات متبنی کرنے کے موجود نہیں ہیں جو ہبہ نامہ پیش کیا گیا ہے وہ مصنوعی بنا ہوا ہے، نہ تو اس میں کوئی گواہ ہے اور نہ حاکم وقت کے دستخط ہیں، نہ تاریخ ہے، غلام عباس متبنی فوت ہوچکا ہے، اور زوجہ نعمان حسن بھی فوت ہوچکی ہے۔

عـــہ: اصل میں "ہبہ نہیں" کا لفظ قلم ناسخ سے چھوٹ گیا۔

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

الجواب: شریعت میں متبنی کوئی چیز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَاجَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ"[1]۔ وقال تعالٰی "لِكَیْ لَایَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىٕهِمْ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھارے نرے دعووں نے ان کو تمھارے بیٹے نہ بنادیا۔ (ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: تاکہ مومنین پر ان کی بیویوں کے دعاوی میں حرج نہ ہو۔ (ت)

نرا کاغذ اگرچہ اس میں تاریخ و تحریر گواہان و دستخط حاکم بھی ہوں شرعًا اصلًا کوئی چیز نہیں اور محض اس کی بناء پر ہبہ ماننا باطل اور ایسا فیصلہ محض خلاف شرع۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل به فلایعمل بمکتوب الوقف الذی علیه الخطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لایقضی الابالحجة وھی البینة اوالاقرار او النکول کمافی وقف الخانیة[3]۔	خط پر نہ اعتماد ہے نہ اس پر عمل کیا جائے گا لہٰذا وقف نامہ جس پر گزشتہ قاضیوں کے خطوط ہیں قابل عمل نہ ہوگا، کیونکہ قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرتا ہے اور حجت صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے، جیسا کہ خانیہ کے وقف میں ہے۔ (ت)

عجب تر یہ ہے کہ مفتی صاحب حاکم سرونج نے فیصلہ میں حکم یہ لکھا کہ "باغ وزمین متدعویہ کے تین حصے مساوی کئے جائیں، تیسرا حصہ ہبہ غلام عباس کو دلا یا جائے" جبکہ وہ باغ وزمین اب تک مشترک غیر منقسم تھی اور نعمان حسن بلا تقسیم مرگیا تو اگر غلام عباس کو واقعی ہبہ ہوا تھا تو باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل[4]۔	میم سے "فریقین میں سے ایک کی قبضہ کے بعد موت" مراد ہے، اور اگر قبضہ سے پہلے موت ہو تو ہبہ باطل ہو جاتا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۳۸

[4] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

بہر حال فیصلہ غلط ہوا غلام عباس کا اس باغ وزمین میں حق نہیں، وہ صرف وارثان شرعی کا حق ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷: از شہر کہنہ گھیر جعفر خان مسئولہ حکیم عرفان علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کو جو اس کی مملوکہ ومقبوضہ ہے اور اس پر متصرف ہے اور تنہا مالک بلاشرکت غیرے ہے باختیار جائز ومالکانہ اس جائداد کو بلااکراہ واجبار اپنی خواہش سے بنظر دور اندیشی ورفع شر اس امر کے کہ بعد میری وفات کے کسی قسم کا میری اولاد یعنی ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے درمیان نزاع اور مخالفت نہ ہو تقسیم کیا اس طور سے ایک حصہ تھوڑی مقدار کا لڑکی کو دیا اور زیادہ مقدار کا لڑکے کو دیا اس وجہ سے کہ لڑکی بالغ ہے اور اس کی شادی بھی ہوگئی ہے او وہ خوشحال حالت میں ہے اور اس کے حصہ کی جائداد پر کوئی خرچ کا بار بھی نہیں پڑے گا، اور لڑکا نابالغ ہے اور اس کی پرورش وتعلیم وشادی سب خرچ اس کا بھی اسی جائداد پر پڑنے والا ہے اور نیز حسن سلوک شادی وغمی کا خرچ حسب رواج اس کا بار بھی لڑکے ہی کی جائداد پر ہے اور اپنا اور اپنی زوجہ کا بھی خرچ ماہانہ مقرر کرکے سب لڑکے ہی کے حصہ پر رکھا، تو اب ایسی صورت میں یہ فعل اس کا یعنی تقسیم کرنا جائداد کا بلحاظ حصہ پورا ہونے نہ ہونے فرائض کے صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

صحیح بایں معنی کہ وہ کاروائی چل جائے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے تمام وارثوں کا بے خطا بے سبب نان شبینہ کے لئے محتاج چھوڑ کر اپنی تمام املاک کسی راہ چلتے کو دے دے اور اگر یہ مراد کہ ایسی کاروائی کرنی عنداللہ اسے جائز ہے یا اس پر مؤاخذہ ہوگا توجواب یہ ہے کہ جن مہمل وجوہ پر زید نے ایک قلیل جز بیٹی کو دیا اور باقی تمام جائداد کثیر بیٹے کو دی، یہ ضرور عنداللہ ناجائز ہے اور زید گنہگار اور بیٹی کے حق میں گرفتار ہوا شرع مطہر نے بعد موت بیٹی کا ایک اور بیٹے کے دو حصے رکھے ہیں لیکن زندگی میں تقسیم کرے تو حکم ہے کہ پسر ودختر دونوں کو برابر برابر دے قصداً بلاوجہ شرعی بیٹی کو نقصان دینا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

فی الخانیة لاباس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وکذا فی العطایا اذا لم یقصد به	خانیہ میں ہے: محبت میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دل کا عمل ہے اور یونہی عطیات میں بھی بشرطیکہ کسی کو

الاضرار وان قصدہ یسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوی [1]۔	ضرور پہنچانا مقصود نہ ہو،اور یہ بات پیش نظر ہو تو پھر سب کو مساوی دے اور لڑکی کو لڑکے کے برابر دے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اسی پر فتوی ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

یکرہ ذٰلك عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح و الھندیۃ [2]۔	عطیہ میں فضیلت مکروہ ہے جب اولاد درجہ میں مساوی ہو، جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے۔(ت)

لڑکی کا بالغہ ہونا اس کا کوئی جُرم نہ تھا،نہ شادی ہوجانا اس کی خطا تھی،اور اپنے گھر سے خوشحال ہونا زید کی بخشش نہیں جسے اپنی جائداد دینے میں مجرا لے اور لڑکی کا خرچ اور پر ہونا اور لڑکے پر اور کا خرچ ہونا شریعت زید سے زیادہ جانتی ہے پھر حکم دونوں کو برابر دینے کا فرمایا،اور یہ عذر کہ اپنا اور اپنی زوجہ کا خرچ لڑکے پر رکھا ہے بے معنی ہے اسے حکم شرع ماننا تھا تو دونوں کو برابر دیتا اور اپنا زوجہ کا خرچ دونوں پر یکساں رکھتا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸: از شہر مرسلہ شیخ علی جان صاحب محلّہ بھوڑ معرفت حمید اللہ صاحب ۲۶ ربیع الاخر شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ شخصے املاک نقد وجنس منقولہ خویش باولاد ذکور واناث حسب قواعد شریعت نفقہ کردن می خواہد ویک پسر خود را ازیں تقسیم ارث محروم ساختہ عاق کردہ می شمرد کہ از اطاعت وفرمانبرداری انحراف و رزیدہ واز تعمیل احکام شرعیہ روگردانیدہ بفسق وفجور منہمک شدہ۔پس از شریعت اجازت	کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ اور نقد املاک کو اپنی اولاد نرینہ ومؤنث میں شرعی قواعد کے مطابق نفقہ کے طور پر دینا چاہتا ہے اور ایک بیٹا جو کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے انحراف اور شرعی حکم کی تعمیل سے روگردانی کرتا ہے اور فسق وفجور میں منہمک ہے،پس شریعت اجازت

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۹۹

می دہد کہ آں فرزند عاق کردہ ازیں ارث چیزے ندہم و او را محجوب الارث شمرد واز املاک خویش جوے ندہم روز جزا در مواخذہ او مارا گرفت خواہد شد یانہ از اقوال فقہائے احناف جواب شافی عنایت فرمایند۔	دیتی ہے کہ اس بیٹے کو عاق کرکے اپنی وراثت سے کچھ نہ دوں اور اس کو محروم از وراثت قرار دوں اور اپنی املاک سے جو تک نہ دوں، روز جزا اس میں ہمارا مؤاخذہ اور گرفت ہوگی یا نہ؟ فقہائے احناف کے اقوال سے شافی جواب عنایت فرمائیں (ت)

الجواب:

اگر فی الواقع او فاسق وفاجر است پدر را میرسد کہ او را محرم دارد، کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم	اگر فی الواقع وہ فاسق وفاجر ہے تو باپ کو حق ہے کہ اس کو محروم رکھے جیسا کہ درمختار وغیرہ روشن کتب میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۹: مرسلہ مولوی محمد علیم الدین از شہر کانپور مدرسہ دارالعلوم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زندگی میں اپنی زمین مزروعہ (۴۵ بیگھ) کے تین حصے کرکے ایک حصہ بڑے لڑکے کو اور ایک حصہ چھوٹے لڑکے کو دے دیا اور ایک حصہ اپنے واسطے رکھا اور دونوں لڑکوں سے کہہ دیا کہ میرے حصے کو میرے مرنے کے بعد برابر تقسیم کرلینا بعد چند روز کے زید نے اپنا حصہ بڑے لڑکے کو ہبہ کردیا، یہ ہبہ شرعاً ہوا یا نہیں؟ درصورت صحت چھوٹا لڑکا مجاز فسخ ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ زمین نامقسم ہے اور بلا تقسیم ایک ایک ثلث دونوں بیٹوں کو دیئے پھر اپنا ثلث بھی ایک کو دے دیا، تو یہ دونوں ہبہ باطل وبے اثر محض ہیں جب تک زید اپنی زندگی میں تقسیم کرکے ہر بیٹے کو اس کے منقسم حصے پر جداگانہ قبضہ نہ دے، اور اگر بیٹوں کو بلا تقسیم دو ثلث میں شریک کیا تھا اور اپنا حصہ جداگانہ منقسم رکھا تھا اور اب یہ ثلث بڑے بیٹے کو دے کہ قابض کردیا تو پہلا ہبہ باطل ہے جب تک زید اس ٹکڑے کا دو حصے جدا جدا کرکے ہر بیٹے کو قبضہ نہ دے لیکن اس تیسرے ثلث کا ہبہ بڑے بیٹے کے نام بوجہ تقسیم صحیح وتام ہوگیا اس تہائی کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا اور وہ دو تہائی اب تک زید کی ملک ہیں، ہاں اگر وہ دونوں حصے جدا جدا پٹی بانٹ کرکے ہر بیٹے کو اس کے حصہ پر قبضہ دے دیا تھا پھر اپنا تہائی بڑے بیٹے کو دے کر قابض کردیا تھا تو ان دو ثلث کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا، اپنے ثلث کا چھوٹا بیٹا مالک رہا۔

اس صورت میں چھوٹا بیٹا فسخ کرانے کا مجاز نہیں، اور پہلی دو صورتوں میں فسخ کی حاجت ہی نہیں کہ ہنوز ہبہ ہی تام نہ ہوا، **والمسألۃ دوارۃ متوناوشروحاوفتاوٰی** (یہ مسئلہ متون، شروح اور فتاوٰی میں دائر ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۰: از بزم حنفیہ لاہور مرسلہ محمد عبدالحمید صاحب سیکرٹری بزم مذکور ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۷ھ

بحضرت فیض درجت، عظیم البرکت، فاضل کبیر کامل نحریر، امام العلماء المحققین، مقدام الفضلاء المدققین، عالم عظیم الشان، اعیلحضرت، مولانا المکرم، ذوالمجد والکرم، مولانا، مولوی، حاجی، صوفی، حافظ، مفتی محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیوضہم، السلام علیکم وعلی من لدیکم، مزاج مقدس!

آج یہ فقیر بارشاد فیض رشاد فرمان واجب الاذعان سیدی وآقائی مولٰنا المحترم ذواللطف والکرم حضرت مولوی محمد اکرام الدین البخاری خطیب وامام مسجد وزیر خاں خدمت میں اعلیحضرت دام فیضہم کے چند سطور بتاکید مولٰنا ممدوح تحریر کرتا کہ اعلیحضرت اس مسئلہ متنازعہ کو بہ تشریح تامہ وتفصیل کاملہ صاف وشستہ مبسوط تحریر فرماکر متنازعین کے شکوک کو بدلائل واضحہ رفع فرمادیں گے اور مولٰنا ممدوح نے یہ فرمایا کہ اس مسئلہ کی مختلف صور کی مرجح ومفتی بہ اشکال کے اظہار کا حق صرف اعلیحضرت کے قلم فصیح رقم کو حاصل ہے اور اس پر بہ اثبات حکم محکم فریقین متنازعین کے قلوب میں نورانی جوہر محبت بھرنے گوہر ڈال دینے نااتفاقی وکشیدگی کے توہمات کو نکال دینے کا اعلیحضرت ہی کو شرف حاصل ہے پس ارشاد مولٰنا ممدوح معروض بخدمت حق اقدس ہوں کہ جس ہبہ وتملیک کی رجسٹری بذریعہ گورنمنٹ ہوچکی ہے اور وہ برائے ملاحظہ حضرت بلفظہٖ ناقل رجسٹری ہبہ شدہ ارسال خدمت ہے کہ بعد وفات موہوب لہ کے واہب نے بھی زندہ رہ کر اس موہوبہ مکان کو واپس نہ کیا اور وہ موہوب لہ کی اولاد کے قبضہ میں ہی رہا، اب واہب کے مرجانے کے بعد[عہ] ہمشیرہ دعوٰی دخلیابی کا کرکے موہوب لہ کے پسماندگان بیوہ و یتامٰی سے موہوبہ مکان کو بعد گزر جانے ۲۷ برس ہبہ شدہ کا رجوع کرانا چاہتی ہے بحالیکہ ہبہ وتملیک کردینے کے بعد واہب نے اگرچہ موہوب لہ کا وہ باپ تھا علیحدہ کرایہ نامہ تحریر کردیا اور واپس نہ کرایا اور بطور کرایہ دار اسی میں سکونت کرتا رہا اور ۶ برس تک زندہ رہا۔ اب مفصل صورت سوال حسب ذیل ہے۔

زید	عمرو	بکر	ہندہ
(نظر محمد)	(جان محمد)	(خیر محمد)	

عـــہ: لفظ "بعد" قلم ناسخ سے چھوٹ گیا، عبدالمنان اعظمی

زید نے اپنی حین حیات میں بلا کراہ واجبار برضامندی خود اپنا ایک مکان زر خریدہ خود اپنے بیٹے خورد نامی عمرو (جان محمد) کے نام ہبہ تملیک بشرائط چندے رجسٹری کر دیا جس کا خود واہب بدیں الفاظ مقر ہے کہ:

(۱) مکان موہوبہ ملکیت عمرو ہے۔

(۲) عمرو کو ہر طرح کا حق حاصل ہے کہ میری حیات میں اور بعد ممات کے اس مکان کو بیع ور ہن کر کرا سکتا ہے۔

(۳) مکان مذکور میں میرا یا میرے دیگر کسی لواحق کا حق خاخدشہ ہر گز نہیں، مکان مذکور میرا ذاتی ملکیت ہے جو عمرو کے نام ہبہ کر دیا ہے کہ اب اصل مالک وہی ہے۔

(۴) زید کی حین حیات میں اس کا بیٹا عمرو فوت ہو گیا اور دوسرا بیٹا بکر زندہ رہا اور عمرو کا باپ زید عرصہ ۶ سال بعد وفات عمرو زندہ رہا اور موہوب شدہ مکان کو زید واہب نے اپنی حین حیات میں بھی واپس نہیں لیا بلکہ زید کی موجودگی میں بھی وہ مکان صرف عمرو کی اولاد و بیوہ کے قبضہ میں رہا اور وہی اس کے کرایہ وغیرہ کو حاصل کرتے رہے، پھر زید یعنی اصل واہب فوت ہو گیا، موجودگان از زید اصل واہب متوفی، بکر (خیر محمد) ہندہ، بکر جو واہب متوفی کا بڑا بیٹا ہے اور ہندہ جو واہب کی بیٹی ہے اور موہوب لہ متوفی کے یہ ہر دو موجودہ حقیقی ہیں اور ہندہ موہوب لہ متوفی کی اولاد کی پھوپھی ہے زندہ موجود ہیں۔

(۵) بکر کا بیان ہے کہ جو کچھ میرا باپ زید میرے حقیقی بھائی عمرو کے نام مکان مذکور ہبہ و تملیک کر چکا ہے اور نیز اس نے بعد وفات عمرو کے اس ہبہ و تملیک کو واپس نہیں لیا، لہذا یہ ساختہ پرداختہ میرے باپ زید متوفی کا مجھ کو منظور و مقبول ہے، یہ مکان ملکیت عمرو کا ہو چکا ہے اس کے بعد اس کی اولاد وارث ہے۔

(۶) عمرو کی بہن ہندہ یہ دعوی کرتی ہے کہ یہ ہبہ و تملیک رجوع ہو سکتا ہے اور اس ہبہ شدہ مکان کو عمرو کی اولاد کے قبضہ میں جائز گردانتی ہے۔

پس مندرجہ بالا صورت متنازعہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہبہ جو تملیک بنام عمرو ہو چکا ہے اور جس کو خود واہب زید نے بعد فوتگی عمرو موہوب لہ کے واپس لینے کا ارادہ ہی نہ کیا اب موہوب لہ اور واہب کے فوت ہو جانے کے بعد جس کو ۱۲ برس سے زیادہ گزر گئے اجبار قابل رجوع ہے یا نہیں (اجبارا) اور ان صورتوں میں شریعت مطہرہ کو کیا حکم ہے پس اس اہم

اولاً: موہوب لہ واہب کا بیٹا ہے اور ذی رحم محرم سے رجوع کا خود واہب کو بھی اختیار نہیں،

ثانیاً: موہوب لہ مر گیا،

ثالثاً: واہب بھی گزر گیا اور اس میں ہر ایک کی موت مانع رجوع ہے تو اب رجوع ناممکن ہے اور وہ شرط قبضہ تخلیہ اس صورت میں ہے کہ موہوب لہ وقت ہبہ بالغ ہو، اور اگر نابالغ تھا تو باپ نے جس وقت ہبہ نامہ لکھ دیا اس سے پہلے جس وقت زبانی کہا میں نے ہبہ کیا معاً ہبہ کرتے ہی بیٹا مالک ہوگیا اگرچہ باپ نے ایک آن کو مکان نہ خالی کیا نہ قبضہ دیا کہ اس صورت میں باپ کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہے اور رجوع ناممکن، درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیہا موت احد العاقدین بعد التسلیم والقرابۃ فلو وھب الذی رحم محرم منہ نسبا لا یرجع[1] **(ملخصاً)**	قبضہ دینے کے بعد کسی فریقین کی موت اور قرابت رجوع سے مانع ہے تو اگر کسی مجرم کو ھبہ کیا رجوع نہ ہوگا (ملخصا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

الاصل ان الموہوب ان مشغولا بملك الواھب منع تمامہا وان شاغلا لا وفی الاشباہ ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ[2] **(ملخصاً)**	ضابطہ یہ ہے موہوب چیز اگر واہب کی ملک میں مشغول ہو تو ہبہ کے تام ہونے سے مانع ہے اگر وہ شاغل ہو تو مانع نہ ہوگا۔ اور الاشباہ میں ہے مشغول چیز کا ہبہ کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر والد اپنے طفل کو ہبہ کرے تو جائز ہے۔ (ملخصا) (ت)

[1] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱ تا ۱۶۲

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹

ردالمحتار میں ہے:

کان وھبه دار والاب ساکنھا اوله فیھا متاع لانھا مشغولة بمتاع القابض و ھو مخالف لما فی الخانیة فقد جزم اولا بانه لاتجوز ثم قال وعن ابی حنیفة فی المجرد تجوز ویصیر قابضا لابنه [1]۔	مثلایہ کہ والد ایسے مکان کا ہبہ کرے کہ خود اس میں سکونت پذیر ہو یا سامان بھی رکھتا ہو کیونکہ یہ قابض کے حق میں مشغول ہے یہ بات خانیہ کے بیان کے خلاف ہے، تو شک نہیں کہ پہلے انھوں نے عدم جواز کا جزم کیا اور پھر کہا امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے علیہ سے روایت ہے کہ خالی مکان ہو تو جائز ہے اور اپنے طفل کے لئے قابض قرار پائے گا۔(ت)

اس پر حاشیہ فقیر جدالممتار میں ہے،

اقول: جزم فی وجیز الکردری والولوالجیة والذخیرة وغیرہا باطلاق الجواز وفی الھندیة عن العتابیة الماخوذ به وعلیه الفتوی وفیھا عن السراجیة علیه الفتوی وفی الحموی عن الوالوالجیة علیه الفتوٰی وعن البزازیة تجوز وعلیه الفتوٰی [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	میں کہتا ہوں وجیز الکردری ولوالجیہ اور ذخیرہ وغیرہا میں مطلق جواز پر جزم کیا اور ہندیہ میں عتابیہ سے منقول ہے کہ یہی ماخوذ اور اسی پر فتوی ہے اور ہندیہ میں ہی سراجیہ سے منقول ہے کہ اسی پر فتوی ہے اور حموی میں ولوالجیہ سے ہے کہ اسی پر فتوی ہے اور بزازیہ سے منقول ہے کہ جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۳۱: از پروچڑان موضع کوٹلہ مدہو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خان پور مرسلہ مولوی ابوالمنظور محمد غوث بخش صاحب ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

مع دو جواب بغرض تصحیح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی بروہی ومساۃ بہرائی کل متروکہ "سماء" متوفی مورث پر بروئے وراثت وغیرہ قابض ومتصرف رہے فوتیدگی مساۃ بہرائی پر جس کو عرصہ ۱۶ سال کا گزر گیا ہے مسمّٰی بروہی بدستور قابض رہا بعد فوت ہونے بروہی کے

[1] ردالمحتار کتاب الھبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

پسر اس کا الٰہی بخش بھی بدستور قابض رہا، مسماۃ شرم خاتون بنت مسماۃ متوفی کو جو حق وراثت اپنے والدین سے بروئے شرع شریف آتا تھا لیکن قبضہ الٰہی بخش میں پہلے سے تھا پھر اس کو ہبہ کرکے قبضہ سابقہ اس کے کو بحال رکھا اور اقرار ہبہ کا اسٹام گورنمنٹی پر بھی لکھ دے کر براءت دعوی اپنے کی بالفاظ ذیل ظاہر کی (کہ بعد دخل نہیں ہے ونہ ہوگا) اب عرصہ تین سال سے الٰہی بخش فوت ہے اور پسران ان کے جندوڈہ وغیرہ قابض و متصرف ہیں مسماۃ شرم خاتون مدعیہ اپنے حصہ وراثت پر کسی وقت میں قابض و متصرف نہیں رہی جس کو تخمینا عرصہ چالیس سال کا گزر گیا ہے بلکہ تصرف مالکانہ باپ مدعا علیہ وداد اس کے کا جائداد متدعویہ پر باوجود قرب جواری ورشتہ داری کے دیکھتی رہ کر ساکت رہی اب مدعیہ بعد عرصہ طویل کے حصہ موہوبہ خود مقبوضہ مدعا علیہ کو بعد فوتیدگی اصل موہوب لہ کے بعد از ہبہ مشاع استرجاعا واپس لینا چاہتی ہے، کیا باوجود قبضہ قدیم کے اس کو بعذر مذکور دیانۃً حق رجوع ہوسکتا ہے اور باوجود اطلاع علی التصرف وابراء عن الدعوی و مرور میعاد سماعت دعوی شرع اقدس میں قضاء دعوی اس کا قابل سماعت ہے یا نہ؟

جواب بہاول پور

ہبہ مشاع کا شریک وغیر شریک کہ قدیم سے ائمہ دین میں اختلافی ہے۔ صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما جواز و صحت اس کے قائل ہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فساد کے (روایت)

هبة المشاع فیما یحتمل القسمة من رجلین اومن جماعة صحیحة عندهما وفاسدة عند الامام ولیست بباطلة حتی تفید الملك بالقبض کذا فی جواهر الاخلاطی[1] (بعد سطر) هبة المشاع فیما یتمل القسمة لایجوز سواء کانت من شریکه اومن غیر شریکه ولو قبضها هل تفید الملك ذکر حسام الدین فی کتاب الواقعات	مشاع چیز کو جب دو افراد یا جماعت کو ہبہ کرے صاحبین کے نزدیک صحیح ہے اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک فاسد ہے اور باطل نہیں حتی کہ قبضہ ہوجانے پر ملک کے لئے مفید ہوگا یوں جواہر اخلاطی میں ہے (اور ایک سطر بعد فرمایا کہ) قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ خواہ شریک یا غیر شریک کو ہو اور قبضہ دے دیا تو مفید ملک ہوگا یا نہیں، حسام الدین نے کتاب الواقعات میں ذکر کیا کہ مختار

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

ان المختار انه لاتفید الملك وذکر فی موضع اٰخر انه تفید الملك ملکافاسدا وبه یفتی کذا فی السراجیة [1]۔	یہ ہے کہ مفید ملک نہ ہوگا، اور دوسرے مقام میں ذکر کیا ملکیت فاسدہ کا فائدہ دے گا، اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ سراجیہ میں ہے۔ (ت)

(عالمگیریہ جلد ثالث ص۱۲۷) اور صاحب درمختار نے مذہب صاحبین کو ترجیح دی ہے (بروایت ذیل):

ولو سلمه شائعا لایملکه فلاینفذ تصرفه فیه اھ لکن فیھا عن الفصولین الھبة الفاسدة تفید الملك بالقبض وبه یفتی ومثله فی البزازیة علی خلاف ماصححه فی العمادیة لکن لفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح کما بسطه المصنف [2] قوله لکن لفظ الفتوی استدراك علی مایستفید من قوله ماصححه فی العمادیة من ان القولین سواء حیث کان لفظ الفتوی اٰکد فیکون العمل علی مافی الفصول والبزازیة لانه قال وبه یفتی وھو اکد فی الصحیح [3] اھ۔	اگر شائع حالت میں قبضہ رہا تو مالک نہ ہوگا تو اس کا تصرف نہ نافذ ہوگا اھ لیکن اسی میں فصولین سے منقول ہے کہ فاسد ہبہ پر قبضہ ملک کا فائدہ دیتا ہے اور اسی پر فتوی ہے اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے جو کہ عمادیہ کی تصحیح کے خلاف ہے، لیکن فتوی کا لفظ زیادہ مؤکد ہے صحیح کے مقابلہ میں جیسا کہ مصنف نے اپنے قول کو مبسوط ذکر کیا کہ لفظ فتوی عمادیہ کے قول تصحیح سے مستفاد پر استدراک ہے کہ دونوں قول مساوی ہوں تو فتوی والا قول زیادہ قوی ہوتا ہے، تو عمل فصولین اور بزازیہ کے بیان پر ہوگا کیونکہ ان میں فتوی کا ذکر ہے اور اسی پر فتوی کا لفظ زیادہ قوی ہے صحیح مذہب میں اھ (ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی کتاب الھبۃ ص ۳۴۴) بہر کیف ہبہ مشاع کا مسئلہ اختلافی ہے کوئی اہل فہم اس کا اتفاق میں نہیں ڈال سکتا لیکن فی الواقع پہلے سے قبضہ موہوب لہ کا بطور امانت کے ہے (بروایت ذیل):

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] قرۃ عیون الاخیار (تکملہ ردالمحتار) کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

اقول:بیانہ ان الترکۃ فی یداحد الورثۃ امانۃ فاذا انکرھااومنعھاصارغاصبا[1]	میں کہتاہوں اس کا بیان یہ ہے کہ ترکہ کسی ایک وارث کے قبضہ میں ہو تو وہ امانت ہے اگر وہ اس سے انکار کردے یا نہ دے تو غاصب ہوجائیگا۔(ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۷۵ سطر ۱۸ فصل التخارج) اور قبضہ امین موہوب لہ کے لئے تجدید قبض کی ضرورت نہیں تو ہبہ صحیح وتام ہوگیا(روایت):

وملك بالقبول بلاقبض جدید لوالموھوب فی ید الموھوب ولو قبض اوامانۃ لانہ عامل لنفسہ[2]۔	اگر موہوب چیز موہوب لہ کے قبضہ میں ہو تو قبول کرنے سے قبضہ جدید کے بغیر مالک ہوجائے گا اگرچہ بطور قبضہ سابق ہو یا بطور امانت ہو کیونکہ قبول کا عمل اپنے لئے ہی ہوگا۔ (ت)

(درمختار کتاب الہبہ) اور مدعیہ جب تصرف مدعاعلیہ پر مطلع رہ کر ساکت رہی ہے اور ابراء عن الدعوی بھی لکھ دیا ہے اور میعاد سماعت دعوی کا بھی گزر گیا ہے تو قضاء دعوی اس کا قابل سماعت نہیں (بروایت ذیل):

وفی الحامدیۃ عن الولوالجیۃ رجل تصرف زمانا فی الارض ورجل اٰخر رأی الارض والتصرف ولم یدع و مات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ تترك علی ید التصرف لان الحال شاھد[3] (وبعد اسطر)واذا کان المدعی ناظر اومطلعا علی تصرف المدعی علیہ الی ان مات المدعی علیہ لاتسمع الدعوی	حامدیہ میں ولوالجیہ سے منقول ہے،ایک شخص زمانہ سے ایک زمین میں تصرف کررہاہے اور دوسرا شخص زمین اور تصرف کو دیکھ رہاہے اور کوئی دعوی کئے بغیر فوت ہوگیا تو اس کی اولاد کا دعوی اس میں مسموع نہ ہوگا اور وہ تصرف کرنے والے کے قبضہ میں رہے کیونکہ حال شاہد ہے(اور چند سطروں بعد فرمایا) جب مدعی،مدعی علیہ کے تصرف پر مطلع اور دیکھ رہا ہو حتی کہ مدعی علیہ اپنے تصرف پر فوت ہوا تو اب اس کے ورثاء پر مدعی کا دعوی

[1] قرۃ عیون الاخیار(تکملہ ردالمحتار) کتاب الصلح فصل فی التخارج داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۸۵

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الدعوی باب التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

علی ورثة کما مر عن الخلاصة[1] (و بعد سطر) والظاهر ان الموت لیس بقید وانه لاتقدیر بمدة مع الاطلاع علی التصرف لما ذکره المصنف والشارح فی مسائل شتی أخر الکتاب (وبعد اسطر) اقول: وعلی هذا الوادعی علی اخر دارا مثلا وکان المدعی علیه متصرفا فیها ھدما وبناء او مدة ثلثین سنة وسواء وبناء او مدة ثلثین سنة وسواء فیه الوقف و الملك ولوبلانھی سلطانی اوخمس عشر سنة ولابلاھدم وبناء فیھما، والمدعی مطلع علی التصرف فی الصور الثلاث مشاھد له فی بلدة واحدة ولم یدع ولم یمنعه من الدعوی مانع الشرعی لاتسمع دعواه علیه[2]. اما الاول فلا طلاعه علی تصرفه ھدما وبناء وسکوته وھو مانع من الدعوی المدة المذبورة وسکوته وھو دلیل علی عدم الحق له ولان صحة الدعوی شرط لصحة القضاء و المنع منه حکم اجتھادی کما علمت واما الثالث فلمنع من السلطان	مسموع نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ کے حوالے سے گزرا، (اور ایک سطر بعد فرمایا) اور ظاہر یہ ہے کہ موت شرط نہیں اور مطلع رہنے کی مدت کا تعین بھی نہیں ہے، یہ مصنف اور شارح نے مسائل شتی آخر الکتاب میں ذکر کیا ہے (اور چند سطر بعد فرمایا) میں کہتاہوں اس بناء پر اگر کوئی دوسرے پر مکان کا دعوی کرے حالانکہ مدعی علیہ اس مکان میں تیس سال سے گرانے بنانے جیسا تصرف کرتا رہا، خواہ یہ مکان وقف ہو یا ملک اگرچہ حکمران کی ممانعت نہ ہو، یا پندرہ سال تک تصرف گرانے بنانے والا نہ بھی ہو اور مدعی یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو اس شہر میں ہونے کے باوجود نہ دعوی کرتے نہ ہی دعوی سے کوئی شرعی مانع ہو تو اب مدعی کا اس مکان پر دعوی مسموع نہ ہوگا، ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں اس لئے کہ وہ گرانے بنانے والے تصرف پر مطلع ہونے کی باوجود خاموش رہا یہ چیز دعوی سے مانع ہو گئی جیسا کہ تو معلوم کرچکا، لیکن دوسری صورت میں اس لئے کہ مذکورہ مدت تک دعوی سے خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ اس مکان میں اس کا حق نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ دعوی کا صحیح ہونا صحت قضا کے لئے شرط ہے اور دعوی سے باز رہنا اجتہادی معاملہ ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا اور تیسری صورت میں

[1] قرۃ عیون الاخیار تکملہ کتاب الدعوٰی التخالف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

[2] قرۃ عیون الاخیار تکملہ کتاب الدعوٰی التخالف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

نصر الرحمٰن قضاۃ فی سائر ممالکہ عن سماعھا بعد خمس عشر سنۃ اذا کان ترکھا بغیر عذر شرعی فی الملك [1]۔ تکملہ شامی جلد اول باب التحالف ص ۳۷۷ سطر ۲	اس لئے کہ حکمران کی پندرہ سال کے بعد سماعت کی ممانعت اللہ تعالٰی کی طرف سے اس کے تمام حکومتی علاقہ کے قاضیوں کے لئے رحمت ہے خصوصا کوئی عذر نہ ہونے کی صورت میں یہ تاخیر ہو۔(ت)
واما الابراء من دعوی العین فجائز کما فی الدرر وھو ان یقول برئت عنھا اوعن خصوصی فیھا او عن دعوای ھذہ الدار لاتسمع دعواہ ولا بینۃ [2]۔ تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۸۰ سطر ۳۱ کتاب الصلح۔	لیکن کسی معین چیز کے دعوی میں بری کردینا جائز ہے جیسا کہ درر میں ہے، اور ابراء یہ ہے کہہ دے کہ میں نے بری کردیا یا اس مکان کے جھگڑے سے یا اپنے دعوی سے میں نے بری کردیا، تو اب اس کا دعوی اور گواہی قابل سماعت نہ ہوگی۔(ت)
فی البزازیۃ عن المحیط لو ابراء احد الورثۃ الباقیۃ ثم ادعی الترکۃ وانکر لاتسمع دعواہ [3]۔ تنقیح حامدیہ جلد ثانی ص ۵۴ سطر ۹ کتاب الاقرار۔	کتاب الصلح میں بزازیہ سے بحولہ محیط منقول ہے، کہ اگر ایک وارث باقی وارثوں کو بری کرکے پھر بعد میں ترکہ پر دعوی کرے تو مسموع نہ ہوگا(ت)
فی البزازیۃ ابراء عن الدعاوی ثم ادعی علیہ ارثان عن ابیہ ان کان مات ابوہ قبل الابراء لاتصح والدعوی [4]۔ عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ جلد ثانی کتاب الدعوی۔	بزازیہ میں ہے کہ اگر کہا میں اپنے دعووں سے بری کرتاہوں، پھر اس نے دوسرے پر والد کی وراثت کا دعوی کردیا، تو اگر بری کرنے سے قبل والد فوت ہوا تو دعوی مسموع نہ ہوگا۔(ت

[1] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷۔۴۸

[2] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۶۲

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۵۴

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۶۳

وکذٰلك لو قال وھبت الذی لی علیہ من مالی فھو برئ من ذٰلك [1]۔	اور یوں ہی اگر کہا میں نے اس پر اپنا مال اس کو ہبہ کیا تو بری ہوجائے گا۔(ت)

عالمگیریہ جلد ثالث کتاب الاقرار ص ۵۸۴ اور مدعاعلیہ کا قبضہ قدیم سے بطور امانت یا غصب کے جب ثابت ہے تو شرعا مدعیہ کو کسی طرح حق رجوع حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ رجوع بعد التسلیم کے واسطے قضا یا رضا شرط ہے(بروایت ذیل):

وبعد التسلیم لیس لہ حق الرجوع فی ذی الرحم المحرم وفیما سوی ذٰلك لہ حق الرجوع الاان بعد التسلم لاینفرد الواھب بالرجوع بل یحتاج فیہ الی القضاء اوالرضاء [2]۔	قبضہ دینے کے بعد محرم سے واپس لینے کا اس کو حق نہ ہوگا، اور غیر محرم سے واپسی کا حق ہے مگر قبضہ دینے کے بعد واہب کو خود واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ قضاء یا باہمی رضامندی ضروری ہوگی۔(ت)

تکملہ شامی جلد ثانی ص ۳۵۸ سطر، باب الرجوع فی الھبہ، صورت مسئولہ میں رضامدعاعلیہ کی تو ہے نہیں اور صحت قضا کے واسطے صحت دعوی شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی جاتی کمامر، پس بوجوہات قویہ بالامدعیۃ کو نہ حق رجوع حاصل ہے اور نہ دعوی اس کا قابل سماعت ہے خاص کر سلطنت انگلشیہ میں میعاد سماعت ۱۲ سال مقرر ہے اور بناء نہی سلطانی پر سماع دعوی زائد المیعاد قضاء تو نافذ نہیں قبضہ مدعاعلیہ کا اگر وفات مسماۃ بہرائی سے فرض کیا جائے تب بھی دعوی مدعیہ زائد المیعاد ہے کیونکہ وفات اس کی کو ۱۶ سال گزر گئے ہیں اور ہبہ نامہ مرقومہ اگرچہ ظاہرا ہبہ مشاع ہے مگر حقیقت میں ابراء ہے(بروایت ذیل):

وحاصل ان الابراء المتعلق بالاعیان اما ان یکون عن دعواہا وہو صحیح مطلقا وان تعلق بنفسہا فان کانت مغصوبۃ ہالکۃ صح	اسی کا حاصل یہ ہے کہ معین موجود چیز سے متعلق بری کرنا، یہ اس پر دعوی ہے۔براءت میں تو وہ مطلقا صحیح ہے، اور اگر نفس چیز معین سے براءت کا تعلق ہو تو اگرچہ وہ چیز مغصوب ہلاک شدہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۰۴

[2] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۴

ایضاکالدین وان کانت قائمۃ فھی بمعنی البراءۃ عنھا عن ضمانھا لو ھلکت وتصیر بعد البراءۃ من عینھا کالامۃ اتضمن الابالتعدی علیھا و ان کانت العین امانۃ فالبراءۃ لاتصح دیانۃ بمعنی انہ اذا ظفر بھا مالکھا اخذھا وتصح قضاءً فلایسمع القاضی دعواہ بعد ابراء ھذا ملخص مااستفید من ھذا المقام [1]۔	ہے تو دین کی طرح اس کی براءت صحیح ہے اور وہ چیز موجود ہو تو پھر اس چیز سے براءت کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس کے ضمان سے براءت ہے اور اس موجود سے برائت کے بعد تو پھر وہ چیز امانت کی طرح ہوگی تو ہلاک کئے بغیر ضمان نہ دے گا، اور وہ چیز امانت پر ہو تو براءت دیانۃ صحیح نہ ہوگی اس معنی سے کہ اگر مالک اس چیز پر قابو پالے تو حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن قضاء یہ براءت صحیح ہوگی تو برائت کے بعد قاضی اس کے دعوی کو نہ سنے گا، اس مقام میں حاصل شدہ فائدہ کا یہ خلاصہ ہے۔(ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۸۳ سطر ۵ کتاب الصلح) ہبہ نامہ میں اگرچہ لفظ براءت کا صریح نہیں مگر لفظ ہبہ سے بھی براءت ہو سکتی ہے کمامر عن العالمگیریۃ (جیسا کہ عالمگیریہ سے گزرا۔ت) خصوصا لفظ مندرجہ ہبہ نامہ (کہ کوئی دعوی ودخل نہیں ہے اور نہ ہوگا) نص صریح براءت عن الدعوی پر ہے جو بالاتفاق صحیح ہے، لہٰذا اشر عاقبضہ مالکانہ مدعاعلیہ رکھ کر دعوی مدعیہ کا قضاء قابل اخراج ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب دیوبند

اقول: قال فی الدرالمختار لاتتم بالقبض فیما یقسم ولووھبہ لشریکہ اولاجنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھوا لمذھب الخ ولو سلمہ شائعا الا یملکہ [2] الخ درمختار، وفی ردالمحتار	**میں کہتاہوں** درمختار میں فرمایا: قابل تقسیم چیز کا ہبہ قبضہ دینے سے تام نہ ہوگا خواہ شریک کو ہبہ کیا یا اجنبی کو، کیونکہ اس میں کامل قبضہ کا تصور نہیں جیسا کہ عام کتب میں ہے، تو یہی مذہب ہے الخ اور اگر مشاع کا قبضہ دیا تو موہوب لہ مالک نہ بنے گا الخ درمختار، اور

[1] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۶۴

[2] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹

وکما یکون للواہب الرجوع فیھا یکون الوارثۃ بعد موتہ [1] الخ فھذا یفیدان للواہب استردادہ من ورثۃ الموھوب لہ وایضا لحق لایسقط بتقادم الزمان کما حققہ المحقق الشامی [2] فی مسائل شتی من اٰخر الکتاب۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، کتب عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۲۰ رجب ۱۳۲۷ھ	ردالمحتار میں ہے کہ جس طرح خود واہب کو رجوع کا حق ہے اسی طرح اس کی موت کے بعد اس کے وارثوں کو حق ہے الخ، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ واہب کو موہوب لہ کی موت کے بعد اس کے وارثوں سے واپس لینے کا حق ہے اور نیز کوئی حق پرانا زمانہ ہونے کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا۔ جیسا کہ کتاب کے آخر میں علامہ شامی نے مسائل شتی میں اس کی تحقیق فرمائی، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، کتبہ عزیز الرحمان عفی عنہ ۲۰ رجب ۱۳۲۷ھ (ت)

باسمہٖ تعالٰی

از ابوالمنظور محمد غوث بخش مقیم بیت العلم والحکم پر وچڑان موضع کوٹلہ مدہو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خانپور۔

بعالی خدمت اسم درجت مدراء سجال العلوم علی العمود حضرت مولٰنا ومخدومنا قبلہ آمال وآمال خیار عباداللہ المتعال حضرت احمد رضاخاں صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف عنصر لطیف

خدمت میں ضروری عرض ہے توجہ سے سن کر جواب بتدقیق وغور تمام بعجلت عطا فرمائیں ایک استفتاء متعلق ہبہ مشاع وطلاق صبی بمعہ ٹکٹ کچھ عرصہ سے خدمت میں بھیجا تھا، مولٰنا امجد علی صاحب اعظمی کے خط سے معلوم ہوا کہ نہیں ملا، پس حسب الایماء ان کے دوسری نقل ارسال ہے کرم نوازی من ! عدالت ڈسٹرکٹ ججی خانپور میں دعوی عن الھبہ کا گزرا ہے کہ جس کا رجوع شرع مقدس کی طرف ہے علماء علاقہ ہذا آپس میں مختلف ہیں، حضرت اعلٰی کی خدمت اقدس میں فتوی مع الجواب ارسال ہے، براہ کرم بخشی وحسبۃً للہ بامعان نظر فتوی مرسلہ پر دستخط ومہر بالشمولیت جماعت علمائے کرام ثبت فرمادیں بمعہ مزید تائید جواب اس کے کہ واقعات صورت حال از کتاب القضاء مخالف دعوی وغیرہ وغیرہ رجوع عن الھبہ سے مانع ہے، اپنی ذات باحسنات سے اضافہ فرمادیں، جناب والا ایک نقل دیوبند بھی ارسال کی گئی تھی

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳، ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴

مگر مفتی دیوبند نے بڑی بے غوری سے جواب مختصر لکھ کر استفتاء واپس کر دیا ہے جس پر بڑی حیرت دامنگیر ہے کہ یہ کیا جواب ہے کہ کتاب القضاء مخالف ومخالف دعوی وغیرہ پر کچھ بھی غور وتوجہ نہیں کی، مرکز فتاوٰی جناب اقدس میں التجا ہے کہ بجنسہٖ استفتار جس پر مفتی دیوبند کا جواب ہے غور فرمار بجلدی جواب مفصل بحوالہ صفحہ کتاب وغیرہ معزز فرمائیں اور چند پیشی پہلے گزر گئی ہیں فقط، ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ /۱۱ مئی ۱۹۱۹ء

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، یہاں چند امور پر لحاظ ضرور جن سے انکشاف جواب وظہور صواب ہو، **وباللہ التوفیق**۔

اولاً: ے صالح قسمت میں ہبہ مشاع باجماع ائمہ حنفیّہ غیر نافذ ہے، صاحبین وغیرہما کسی کو خلاف نہیں، امام شافعی کا خلاف ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ بدائع امام ملک العلماء جلد ششم ص ۱۱۹:

لاتجوز ھبۃ المشاع فیمایقسم وھذا عندنا وعند الشافعی تجوز[1]۔	قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ ہمارے نزدیک جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔(ت)

ہدایہ ج ۲ ص ۲۱۲:

لاتجوز الھبۃ فیما یقسم الامجوزۃ مقسومۃ وقال الشافعی یجوز[2]۔	قابل تقسیم چیز کا ہبہ تقسیم شدہ ہوئے بغیر جائز نہیں، اور امام شافعی نے فرمایا جائز ہے۔(ت)

تبیین الحقائق جلد ۵ ص ۹۳:

لاتجوز فی مشاع یقسم وقال الشافعی تجوز[3]۔	قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ جائز نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جائز ہے۔(ت)

ہاں اختلاف اس میں ہے کہ صرف وقت قبضہ وجود شیوع مانع جواز ہبہ ہے یا جبکہ وقت عقد بھی ہو اول قول امام ہے اور ثانی قول صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہم اور قول ہمیشہ قول امام ہے کما حققناہ فی اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام (جیسا کہ ہم نے اس پر تحقیق "اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام" میں کی ہے۔ت) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۲:

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الھبۃ فصل فاما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۱۹

[2] الھدایۃ کتاب الھبۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۸۳

[3] تبیین الحقائق کتاب الھبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵ /۹۳

ابو حنیفة یعتبر الشیوع عند القبض وھما یعتبرانه عند العقد والقبض وھما جوزاھا لانه لم یوجد الشیاع فی الحالین بل وجد احدھما دون الاٰخر[1]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قبضہ کے وقت شیوع کا اعتبار کرتے ہیں اور صاحبین عقد اور قبضہ دونوں میں اعتبار کرتے ہیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک شخص کا دو افراد کو قابل تقسیم چیز کا ہبہ کرنا جائز نہیں کرتے کیونکہ قبضہ میں شیوع پایا جائے گا۔ اور صاحبین اس کو جائز فرماتے ہیں کیونکہ عقد اور قبضہ میں شیوع نہیں ہے، بلکہ صرف قبضہ میں شیوع ہے عقد میں نہیں۔ (ت)

بالجملہ اگر شیوع صرف وقت عقد ہو نہ وقت قبض جیسے دو شخص اپنا مکان مشترک جس میں تیسرا شریک نہیں شخص واحد کو ہبہ کرکے ایک سابقہ قبضہ دے دیں یہ صورت بالاجماع جائز ہے، کنز و تنویر وعامہ متون میں ہے: **وھب اثنان دار الواحد صح**[2] (دو افراد نے ایک شخص کو مکان ہبہ کیا تو جائز ہے۔ت) اور اگر صرف وقت قبض ہو نہ وقت عقد جیسے ایک شخص اپنا مسلم مکان دو کو ہبہ کرے یہ امام کے نزدیک ناجائز اور صاحبین کے جائز، متون میں بعد عبارت مذکورہ ہے، **لاعکسه**[3] (اس کا عکس نہیں ہے۔ت) تبیین وغیرہ شروح میں ہے: **ھذا عندہ وقالا یجوز**[4] (یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے۔ت) اور اگر عقد و قبض دونوں میں شیوع ہو جیسے ایک شخص کسی مکان یا گاؤں میں اپنا غیر منقسم حصہ کسی کو ہبہ کرے یا ایک مکان کے دو شریک ہیں ایک اپنا حصہ زید کو دوسرا عمرو کو ہبہ کریں اگرچہ معاہبہ کیا اور معاقضہ دیا ہو، یہ صورتیں بالاجماع ناجائز ہیں، تبیین ج ۵ ص ۹۷:

الاتری ان رجلین لو وھبا رجلین علی ان نصیب احدھما لاحدھما بعینه ونصیب الاٰخر للاٰخر لایجوز الاجماع[5]۔	آپ دیکھیں گے کہ دو حضرات اگر دو اشخاص کو اس طرح ہبہ کریں کہ ایک کا حصہ ایک کو اور دوسرے کا حصہ دوسرے کو معین طور پر ملے تو بالاتفاق جائز نہیں۔ (ت)

[1] بدائع الصنائع کتاب الهبة فصل واما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۲۱

[2] درمختار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[3] کنز الدقائق کتاب الهبة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۳۰۹

[4] تبیین الحقائق کتاب الهبة المطبعة الکبرٰی الامیریه بولاق مصر ۵ /۹۶

[5] تبیین الحقائق کتاب الهبة المطبعة الکبرٰی الامیریه بولاق مصر ۵ /۹۷

عالمگیریہ جلد ۴ ص ۳۷۸ ذخیرہ سے:

الشیوع من الطرفین فیما یحتمل القسمۃ مانع عن جواز الھبۃ بالاجماع [1]۔	دونوں طرف سے شیوع ہو تو وہ قابل تقسیم ہونے کی وجہ سے بالاتفاق جواز ہبہ کے لئے مانع ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ سوال صورت ثالثہ ہے کہ صالح قسمت میں غیر منقسم ہبہ کیا ہے تو باجماع امام وصاحبین ناجائز ہے۔

ثانیًا: روایت ظاہرہ اصل مذہب میں ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک ہبہ مشاع کہ ناجائز ہے اور بعد قبض بھی مفید ملک نہیں ہوتا بلکہ شے بدستور ملک واہب پر رہتی ہے ہاں بعض مشائخ کے نزدیک ملک فاسد خبیث حاصل ہوجاتی ہے، اسے بھی خلاف امام وصاحبین سے کچھ علاقہ نہیں، بعض مشائخ کا خلاف ہے اور صحیح ومعتمد اول کہ وہی قول امام بلکہ قول ائمہ ثلثہ اور وہی ظاہر الروایہ مصححہ ومرجحہ ہے تو اس سے عدول جائز نہیں اگرچہ بعض اس کے خلاف کو بہ یفتی (اسی پر فتوٰی ہے۔ت) کہیں، فتاوٰی خیریہ میں ج ۲ ص ۱۰۱:

لاتصح ہبۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ ولو صدق الوارث علی صدورھا من المورث فیہ لان تصدیقہ لا یصیر الفاسد صحیحا وکما لاتصح ھبتہ من الاجنبی لاتصح من الشریك کما فی اغلب الکتب ولاعبرۃ بمن شذ بمخالفتھم ولاتفید الملك فی ظاھر الروایۃ قال الزیلعی لو سلمہ شائعا لایملکہ حتی لاینفذ تصرفہ فیہ فیکون مضمونا علیہ وینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی وقاضی خاں وروی عن ابن رستم مثلہ وذکر عصام	قابل تقسیم مشاع چیز ہو تو ھبہ صحیح نہ ہوگا اگرچہ وارث تصدیق کرے کہ مورث نے یہ ہبہ کیا ہے کیونکہ اس کی تصدیق فاسد کو صحیح نہیں بناسکتی اور جس طرح اجنبی کے لئے صحیح نہیں ہے اس طرح شریک کے لئے بھی صحیح نہیں جیساکہ عام کتب میں ہے اور جو ان کی مخالفت میں اکیلا ہو تو اس کا اعتبار نہیں اور ظاہر روایت میں یہ مفید ملک نہ ہوگا، زیلعی نے فرمایا اگر شیوع کی حالت میں قبضہ دیا تو ملک نہ بنے اس لئے اگر تصرف کرے تو نافذ نہ ہوگا اور موہوب لہ کو ضمان دینا ہوگا۔ واہب کا تصرف اس میں نافذ رہے گا، یہ طحطاوی اور قاضیخاں نے ذکر فرمایا ہے اور ابن رستم سے اس طرح روایت ہے اور عصام نے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۸

انها تفید الملك وبه اخذ بعض المشائخ[1] انتھی،	ذکر کیا ہے کہ یہ مفید ملک ہوگا، اور بعض مشائخ نے اس کو اپنایا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے فتوٰی مذکورہ علامہ خیر الدین رملی کو ہبہ مشاع مفید ملک موہوب لہ نہیں ذکر کرکے فرمایا ج ۴ ص ۵۸۱:

وافتی به فی الحامدیة ایضاً والتاجیة وبه جزم فی الجوہرة والبحر ونقل عن المبتغی بالغین المعجمة انه لو باعه الوهوب له لا یصح وفی نور العین عن الوجیز الهبة الفاسدة مضمونة بالقبض ولایثبت الملك فیها الاعند اداء العوض نص علیه محمد فی المبسوط و هو قول ابی یوسف اھ وذکر قبله هبة المشاع فیمایقسم لاتفید الملك عند ابی حنیفة وفی القهستانی لاتفید اللملك وهوالمختار کما فی المضمرات وهذا مروی عند ابی حنیفة وهوالصحیح اھ فحیث علمت انه ظاهر الروایة وانه نص علیه محمد و رووه عن ابی حنیفة ظهر انه الذی علیه العمل وان صرح بان المفتی به خلافه[2]۔	اس پر حامدیہ وتاجیہ نے بھی فتوٰی دیا ہے اور اسی پر جوہرہ اور بحر میں جزم کیا ہے، اور مبتغی (غین کے ساتھ) سے منقول ہے کہ اگر موہوب لہ نے اسے فروخت کردیا تو صحیح نہ ہوگا اور نور العین میں وجیز سے منقول کہ فاسد ہبہ قبضہ کی وجہ سے مضمون ہوگا اور اس میں ملکیت عوض کی ادائیگی کے بغیر ثابت نہ ہوگی، اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں نص فرمائی ہے اور یہی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اھ اور اس سے قبل ذکر فرمایا کہ قابل تقسیم مشاع کا ہبہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مفید ملک نہیں ہے، اور قہستانی میں ہے کہ وہ مفید ملک نہیں ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے اور یہ امام صاحب سے مروی ہے اور وہی صحیح ہے اھ) تو جب معلوم ہوگیا کہ یہ ظاہر الروایت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی اس پر نص ہے اور انھوں نے یہ امام صاحب سے روایت کیا ہے تو یہ صحیح ہے اگرچہ تصریح کی گئی ہو کہ اس کے خلاف پر فتوٰی ہے۔ (ت)

ثالثاً: بعض کے نزدیک اگرچہ مفید ملک ہو مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ واہب کو اس پر دعوٰی نہ رہا۔ نہیں نہیں بلکہ اسے دعوٰی

---
[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الهبة دار المعرفة بیروت ۲ /۱۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الهبة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

پہنچتا ہے اور بالاجماع رجوع کرسکتا ہے اگرچہ یہ ہبہ ذورحم محرم کو کیا ہو حالانکہ وہ مانع رجوع ہے اور جس طرح واہب کو دعوی پہنچتا ہے اگر وہ مرجائے اس کا وارث دعوی کرسکتا ہے حالانکہ موت احدالعاقدین بھی مانع رجوع ہے اور اگر شیئ موہوب، موہوب لہ کے پاس تلف ہوجائے اس کا تاوان واہب کو دے حالانکہ موہوب بھی مانع رجوع ہے اور وجہ وہی ہے کہ ان بعض کے نزدیک بھی یہ ملک صحیح نہیں بلکہ خبیث ہے اور عقد فاسد وواجب الرد ہے، فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۰۲ بعد عبارت مذکورہ:

ومع افادتها الملك عندهذا البعض اجمع الكل علی ان للواہب استردادها من الموهوب له ولو كان ذارحم محرم من الواهب قال فی جامع الفصولین رامز الفتاوٰی الفضلی ثم اذا هلكت افتيت بالرجوع للواهب هبة فاسدة لذی رحم محرم منه اذا الفاسدة مضمونة علی مامرة ذاكانت مضمونة بالقيمة بعد الهلاك كانت مستحققة الرد قبل الهلاك انتهی وكما يكون للواهب الرجوع فيها يكون لوارثه بعد موته لكونها مستحقة الرد وتضمن بعد الهلاك كالبيع الفاسد اذا مات احد المتبايعين فلورثته نقضه لانه مستحق الرد و مضمون بالهلاك[1]۔	اس کے باوجود کہ بعض کے نزدیک یہ ہبہ مفید ملک ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وھب کو اس میں رجوع کا حق ہے اگرچہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم ہو، جامع الفصولین میں فتاوٰی فضلی کی رمز سے فرمایا کہ پھر اگر ہلاک ہوجائے تو میں نے فتوی دیا کہ محرم کو فاسد ہبہ دینے ہیں واہب کو رجوع کا حق ہے کیونکہ فاسد ہبہ مضمون ہوتا ہے جیسا کہ گزرا تو جب ہلاک ہوجانے پر قیمت برابر ضمان ہے تو ہلاک ہونے سے قبل واپس لینے کا حق ہے اھ اور جیسے واہب کو رجوع کا حق ہے تو اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو رجوع کا حق ہوگا کیونکہ وہ قابل واپسی ہے او ایسا ہوجانے پر اس کا ضمان دینا ہوگا جیسا کہ فاسد بیع میں کوئی فریق فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ قابل واپسی ہے اور ہلاک ہوجانے پر مضمون ہے۔(ت)

ولہٰذا ردالمحتار ص ۷۸۱ میں بعد عبارت مذکورہ بحال تنزل بقول دیگر اس کا محض نامفید ہونا یوں ظاہر فرمایا:

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

ولاسیما انه یکون ملکا خبیثا کما یأتی ویکون مضمونا کما علمته فلم یجد نفعا للموهوب له فاغتنمه [1]۔	خصوصا خبیث ملکیت ہو جیسا کہ عنقریب آئیگا اور مضمون ہو جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے، تو وہ موہوب لہ کو مفید نہیں ہے، اسے غنیمت سمجھو۔ (ت)

رابعا مسئلہ ابراء عن الاعیان اگر یہاں سے متعلق ہوتا تو اس کا اثر صرف قضا پر تھا دیانۃً اپنی مملوکہ عین سے سو بار ابراء کرے ملک زائل نہ ہوگی اور جب ملے لے سکے گا، درمختار اوائل الصلح۔

قولهم الابراء عن الاعیان بطل معناه لم یصر ملکا للمدعی علیه ولذا لو ظفر بتلك الاعیان حل له اخذها لکن لاتسمع دعواه فی الحکم [2]۔	ان کا فرمانا کہ عین موجود چیز سے بری کرنا باطل ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ مدعی علیہ کی ملک نہ بنے گا لہٰذا دینے والا اگر قابو پاکر اسے لے لے تو لینا جائز ہوگا لیکن قاضی کے ہاں اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار ج ۴ ص ۴۷۷:

نقل الحموی عن حواشی صدرالشریعة للحفید معنی قولنا البرأة عن الاعیان لاتصح ان العین لا تصیر ملکا للمدعی علیه لاان یبقی المدعی علی دعواه الخ ابوالسعود وهذا اوضح مما هنا قال السائحانی و الاحسن ان یقال الابراء عن الاعیان باطل دیانة لاقضاء [3]۔	حموی نے صدرالشریعۃ کے پوتے کے لئے حواشی سے نقل کیا، اعیان اشیاء سے براءت صحیح نہیں ہمارے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ عین چیز مدعی علیہ کی ملک نہ بنے گی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مدعی کا دعوی قائم ہے الخ ابوالسعود نے کہا یہاں پر سائحانی نے جو فرمایا اس سے یہ زیادہ واضح ہے اور یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ اعیان اشیاء سے بری کرنا دیانۃً باطل ہے قضاءً باطل نہیں۔ (ت)

مگر صورت مسئولہ میں کوئی ابراء ابتداءً نہیں بلکہ اس ہبہ ناجائز پر مبنی ہے جس پر اس کی یہ عبارت شاہد ہے کہ بعد الیوم سے مظہرہ وورثائے مظہرہ کا بابت کل حصص یعنی جمیع جائداد کے کوئی دعوی ودخل نہیں ورنہ ہوگا،

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

[2] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۲

[3] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۷۵

یہ وہی عبارت ہے جو بیعنامہ کے آخر میں لوگوں نے معمول کرلی ہے کہ آج سے میرا مبیع اور مشتری کا زرِ ثمن میں کوئی دعوی نہ رہا، یہ اسی بیع پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ کوئی ابرائے ابتدائی اگر بیع باطل ثابت ہو تو بلاشبہ مبیع و ثمن واپس دیئے جائیں گے، اور وہ الفاظ کہ دعوی نہ رہا کچھ خلل انداز نہ ہوگا، بعینہٖ یہی حالت یہاں سے اس ہبہ کی بناء پر کہہ رہی ہے کہ آج سے کوئی دعوی نہیں جب وہ ہبہ شرعاً ناجائز ہے ان الفاظ کا بھی کچھ اثر نہیں، عقود الدریہ ج ۲ ص ۵۹:

اذا جری الصلح بین المتداعین وکتب الصك وفیه ابراء کل واحد منهما صاحبه عن الدعوٰی ثم ظهران الصلح وقع باطلا بفتوی الائمة فاراد المدعی ان یدعی مادعی لاتصح دعواه للابراء السابق والمختار ان تسمع لان هذا ابراء فی ضمن صلح فاسد فلا یعمل مجمع الفتاوٰی [1]۔	جب دونوں مدعی حضرات آپس میں صلح کرکے صلحنامہ لکھ دیں جس میں ہر ایک نے دوسرے کو بری کردینا لکھ دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ ائمہ کرام کے فتوی کی رو سے صلح باطل ہے تو اب ایک مدعی اپنے دعوی کو بحال کرے تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ پہلے برات کرچکا ہے اور مختار یہ ہے کہ اس کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ یہ ابراء صلح فاسد کے ضمن میں ہے لہٰذا وہ معتبر نہ ہوگی، مجمع الفتاوٰی (ت)

فتاوٰی امام قاضیخان ج ۲ ص ۲۳۸، جامع احکام الصغار ص ۱۰۷:

لاتحرم هوالصحیح لانه ما اقر بالحرمة ابتداء و انما اقر بالسبب الذی تصادقا علیه وذٰلك السبب باطل [2]۔	دوبارہ دعوی حرام نہیں ہے کیونکہ پہلا اقرار صلح کے اس سبب پر جس پر دونوں نے اتفاق کیا تھا اور وہ باطل ہوچکا ہے۔ (ت)

خامساً بفرض غلط اگر یہ ابتدائی ابراء بھی ہوتا تو اس چیز کی نسبت ہے کہ اس وقت تک اس کی ملک ہے جو خود معلوم اور بعد الیوم کی قید سے مفہوم اور نہ کسی منازعت میں ہے نہ کسی خاص کے نام تو محض باطل و بے اثر ہے، عقود الدریہ ج ۲ ص ۴۵:

وفی العمادیة قال ذوالید لیس هذا لی اولیس ملکی اولاحق لی فیه اونحو ذٰلك	عمادیۃ میں ہے قابض نے کہا یہ میرا نہیں، یا میری ملک نہیں۔ یا میرا حق نہیں، یا اور ایسے

[1] العقود الدریۃ کتاب الصلح ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۷۰

[2] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل الطلاق نورانی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۰۷

الفاظ کہے جبکہ اس وقت کسی نے تعرض نہ کیا پھر کسی نے اس مقبوضہ چیز پر دعوی کردیا تو اس کے جواب میں اس نے کہا یہ میری چیز ہے تو اس کا یہ کہنا معتبر ہوگا کیونکہ پہلا اقرار تھا جو باطل ہے۔اور تناقض تب ہوتا کہ وہ کسی کے لئے حق کا اقرار کرتا اھ اور اس کی مثل فیض اور خزانۃ المفتین میں بھی ہے۔(ت)	ولامنازع له حنیئذ ثم ادعاہ احد فقال ذوالید ھو لی فالقول له لان الاقرار بمجھول باطل والتناقض انما یمنع اذا تضمن ابطال حق علی احد اھ ومثله فی الفیض وخزانة المفتین[1]۔

سادساً: ایک شخص دوسرے کو مدت تک کسی شے میں مالکانہ تصرف کرتے دیکھے اور بلاعذر ساکت رہے پھر کہنے لگے کہ یہ تو میری ملک ہے علماء کرام نے قطع تزویر وحیل کے لئے اس کا دعوی ناممسوع رکھا ہے اور یہ حکم فقہی ہے،نہ بربنائے منع سلطانی۔اس کی بعض عبارات فتاوی بہاولپور میں ہیں اور کثیر ووافر ہمارے فتاوی میں یہ حکم دیانۃً نہیں محض قضاء ہے کہ نظر بظاہر حال ممانعت فرمائی **کما نصوا علیه** (جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے۔ت) سائل نے سوال ہی میں اس کا اشعار کردیا تھا کہ باوجود اطلاع علی التصرف قضاء دعوی اس کا قابل سماعت ہے نہ،مجیب نے تصریح کردی تھی کہ صحت قضاء کے لئے دعوی شرط ہے،اور وہ یہاں نہیں دعوی قضاء قابل اخراج ہے،اور یہ عبارت کہ **الحق لایسقط بتقادم الزمان**[2] (زمانہ گزر جانے پر حق ساقط نہیں ہوتا۔ت) حکم دیانت ہے تو اس کے مقابل اسے پیش کرنا فتوی دیوبند کی حماقت ہے ان محقق شامی نے جن کے مسائل شتی آخر الکتاب کا حوالہ دیا اس جگہ فرمادیا تھا۔ج ۵ ص ۴۲۶:

پھر معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا عدم اسماع کسی حق کے بطلان پر مبنی نہیں تاکہ اعتراض ہوسکے کہ اس کا یہ دوسرا قول مہجور ہے کیونکہ یہ کسی حق کے بطلان کا حکم نہ تھا بلکہ یہ تو قاضیوں کا ترکہ سماع اس خوف کی بناء پر تھا کہ من گھڑت معاملہ ہوسکتا ہے۔	ثم اعلم ان عدم سماعها لیس مبنیا علی بطلان الحق حتی یردان ھذا قول مھجور لانه لیس ذلك حکما ببطلان الحق وانما ھو امتناع من القضاۃ عن سماعها خوفا من التزویر

[1] العقود الدریة کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۵۳

[2] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴،ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳

ولدلالۃ الحال کمادل علیہ التعلیل والافقد قالوا ان الحق لایسقط بالتقادم کما فی قضاء الاشباہ فلا تسمع الدعوٰی فی ھذا المسائل مع بقاء الحق الاخر ولذالواقربہ الخصم یلزمہ[1]۔	اورحال کی دلالت کی وجہ سے جیسا کہ اس کی بیان کردہ علت سے معلوم ہوتا ہے ورنہ توزمانہ گزرنے کے وجہ سے کوئی حق ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ الاشباہ کی بحث قضاء میں ہے، تو ان مسائل میں دوسرے کے حق کے باوجود دعوی مسموع نہ ہوگا۔ اسی لئے اگر فریق مخالف اس کا اقرار کرے اس کو لازم ہو جائیگا۔ (ت)

یہاں علامہ شامی نے **الحق لایسقط بالتقادم** (زمانہ گزر جانے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ت) جواب دینے کے لئے نقل فرمایا ہے اس کی کوئی تحقیق نہ کی، تحقیق اسی کی لکھی ہے کہ اس صورت میں دعوی مسموع نہیں اور یہ اس پر **الحق لایسقط بالتقادم** (زمانہ گزر جانے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ت) وارد نہیں، یہ سب کچھ دیکھ کر شامی کا الٹا حوالہ دینا جس سے وہ جواب دے چکے اسی کو پیش کرنا اور ان کے سر دھرنا عجیب جہالت ہے بلکہ جواب صحیح ی ہے کہ یہ مسئلہ صورت مسئولہ سے متعلق نہیں جہاں مدعی علیہ کا اقرار موجود ہو، اگر سو برس بھی گزر جائیں مانع دعوی نہیں۔ یہاں اس مال کا متروکہ سماء او شرم خاتون کا وارث سماد ہونا امر مسلم ہے جس میں کسی کو نزاع نہیں، پھر الٰہی بخش کا شرم خاتون سے ہبہ نامہ لکھوانا صراحۃً ملک شرم خاتون کا اقرار ہے تو مسئلہ مذکور یہاں سے اصلا متعلق نہیں، فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۷۳:

سئل فیما ادعی زید علی عمر و محدودا انہ ملکہ ورثہ عن والدہ فاجابہ المدعی علیہ انی اشتریت من والدك بکذا اوانی ذوید علیہ من مدۃ تزید علی اربعین سنۃ وانت مقیم معی فی بلدۃ ساکت من غیر عذر یمنعك عن الدعوی ھل یکون ذٰلك من باب الاقرار بالتلقی من مورثہ فیحتاج الی بینۃ تشھد لہ بالشراء ولاینفعہ	ان سے سوال ہوا کہ زید نے عمرو پر دعوی کیا کہ یہ محدود رقبہ میرے والد کی وراثت میں میری ملک ہے تو مدعٰی علیہ نے جواب میں کہا میں نے یہ رقبہ اتنے میں تیرے والد سے خریدا ہے اور چالیس سال سے زائد عرصہ میرے قبضہ میں چلا آرہا ہے اور تو شہر میں میرے پاس مقیم اور عذر کے بغیر تو خاموش رہا اور دعوی نہ کیا، تو کیا مدعی علیہ کا یہ جواب مدعی کے مورث سے خرید کے ثبوت کے لئے گواہی کی ضرورت ہوگی اور مدت مذکورہ سے اس کا قبضہ اس کو مفید نہ ہوگا۔

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴۔ ۴۷۳

كونه واضعايده عليه المدة المذكورة و لاتكون الحادثة من باب الدعاوى التى مر عليها خمس عشرة سنة اجاب نعم دعوى تلقى الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوى الانتقال منه اليه فيحتاج المدعى عليه الى بينة وصار المدعى عليه مدعيا ولاينفعه وضع اليد المدة المذكورة مع الاقرار المذكور وليس من باب ترك الدعوٰى بل من باب المؤاخذة بالاقرار ومن اقر بشيئ لغيره اخذ باقراره ولو كان فى يده احقابا كثيرة لاتعد وهذا مما لايتوقف فيه [1]، والله تعالٰی اعلم۔	اور یہ پندرہ سال پرانے کیس سے متعلق دعوی کے باب سے نہ ہوگا جواب دیا، ہاں مدعٰی علیہ کا یہ دعوی کہ میں نے تیرے مورث سے خریدا ہے، یہ مورث سے حصول کا اقرار ہے اور اس سے اپنے لئے منتقل ہونے کا دعوی بنتا ہے تو اس پر مدعٰی علیہ کو گواہی کی ضرورت ہوگیا ور اس بناء پر مدعی علیہ مدعی بن جائے گا، اور مذکورہ اقرار کی وجہ سے اس کا چالیس سالہ قبضہ اس کو مفید نہ ہوگا، اور یہ معاملہ پندرہ سالہ پرانے کیس والا نہیں بلکہ یہ اقرار پر مؤاخذہ کے باب سے ہوگا جبکہ دوسرے کی چیز کا اقرار کرنے والا اپنے اقرار کی بناء پر پابند ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا قبضہ زمانوں سے ہو شمار نہ ہوگا اور یہ ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی توقف نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

عقود الدریہ ج ۲ ص ۷:

اذا ادعى اخوات زيد عليه بحصتهن من دار ابيهن المتوفى من خمس عشرة سنة وهو معترف بان الدار مخلفة لهم عن ابيهم تسمع الدعوٰى عليه لو طالت المدة كما افتى بذٰلك العلامة ابو السعود العمادى [2]۔	جب زید کی بہنوں نے اس پر دعوی کیا کہ اس مکان میں پندرہ سال قبل فوت شدہ ہمارے والد کی ورثت کے طور پر ہمارا حق ہے اور زید اعتراف کرتا ہے کہ یہ مکان والد کی وراثت میں ہے تو اس کی بہنوں کا دعوی قابل سماعت ہوگا اگرچہ لمبی مدت گزر چکی ہو، جیسا کہ علامہ ابو السعود عمادی نے یہ فتوی دیا۔ (ت)

ایضًا صفحہ ۴۶:

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۸۰

[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۶

فی البزازیة عن المحیط لو ابراء احد الورثة الباقی ثم ادعی الترکة وانکر لاتسمع دعواه وان اقروا بالترکة امروا بالرد علیه[1]۔	بزازیہ میں محیط سے منقول ہے اگر ایک وارث نے باقی ورثاء کو بری کردیا اور پھر بعد میں اس نے ترکہ کا دعوی کردیا اور باقی ورثاء انکار کردیں تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا اور ورثاء اقرار کریں تو ان کو ترکہ واپس کرنے کا حکم ہوگا۔(ت)

ابھی ردالمحتار سے گزرا: لواقربه الخصم یلزمه[2] (اگر فریق مخالف اس کا اقرار کرے اس کو لازم ہوجائے گا۔ت)

سابعًا: ان بیانات سے روشن ہوا کہ دعوی شرم خاتون شرعا دیانۃ اور قضاء ہر طرح مسموع ہے، اب رہا نہی سلطانی کا شبہ، اگر قانون ریاست بہاولپور میں مسئلہ تمادی جب تو ظاہر کہ وہاں کے قضاۃ ہر گز ممنوع عن السماع نہیں اور اگر ہے لیکن بحال وجود اقرار مدعی علیہ موثر نہیں جیسا کہ حکم شرعی ہے جب بھی اسے یہاں سے تعلق نہیں کما تقدم۔ ردالمحتار جلد ۴ ص ۱۳۵:

نقل فی الحامدیة فتوی ترکیة عن المولی ابی السعود وتعریبها اذا اترکت دعوی الارث بلاعذر شرعی خمس عشرة سنة فهل لاتسمع الجواب لاتسمع الا اذا اعترف الخصم بالحق ونقل مثله شیخ مشائخنا الترکمانی عن فتاوی علی أفندی مفتی الروم ونقل مثله ایضا شیخ مشائخنا السائحانی عن فتاوی عبد الله افندی مفتی الروم[3]۔	حامدیہ میں مولٰی ابی السعود کا ترکی فتوٰی نقل کیا ہے جس کا عربی ترجمہ یہ ہے جب شرعی عذر کے بغیر پندرہ سال تک وراثت کا دعوی نہ کیا ہو تو کیا اب قابل سماعت نہ ہوگا۔ الجواب، فریقن مخالف کے اعتراف کے بغیر قابل سماعت نہ ہوگا، اسی کی مثل مفتی روم علی آفندی کا فتوٰی ہمارے مشائخ کے شیخ ترکمانی سے نقل کیا ہے اور مفتی روم عبداللہ آفندی کا فتوٰی ہمارے مشائخ کے شیخ سائحانی نے بھی اس کی مثل نقل کیا ہے۔(ت)

[1] العقود الدریه کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۵۴

[2] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۲۳

ایضًا ص ۵۳۲:

عدم سماع القاضی لھا انما ہوعندانکار الخصم فلو اعترف تسمع[1]۔	قاضی کا دعوی نہ سننا صرف اس صورت میں ہوگا جب فریق مخالف انکار کرے وہ اگر اعتراف کرے تو دعوی سنا جائے گا۔ (ت)

اور اگر وہاں مطلقًا ممانعت ہے کہ مثلًا ۱۲ سال کے بعد کوئی دعوی نہ سنا جائے گا اگرچہ مدعا علیہ کا اقرار موجود ہو تو البتہ وہاں کے قاضی نہ سن سکیں گے کہ وہ قدر تولیت سے زائد میں معزول وکاحد من الناس ہیں مگر خود رئیس پر فرض ہوگا کہ آپ سنے یا کسی کو سننے کی اجازت دے کہ حق ضائع نہ ہو، درمختار قبیل التحکیم:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومة حتی لو امر السلطان بعد سماع الدعوٰی بعد خمسة عشر سنة فسمعھا لم ینفذ[2]۔	زمان، مکان اور واقعہ کی وجہ سے قضا کا تخصص ہوسکتا ہے حتی کہ اگر حاکم پندرہ سال بعد دعوی کی سماعت سے منع کردے تو قاضی کی کاروائی کے باوجود نافذ ہوگا۔ (ت)

خیریہ ج ۲ ص ۱۰۲ شامی ج ۴ ص ۴۸۱:

لانه معزول عنه بتخصیصه فالتحق فیه بالرعیة نص علیه ذٰلك علمائنا رحمهم الله تعالٰی[3]۔	کیونکہ قاضی اس میں بے اختیار ہوجاتا ہے تو رعیت ہوجانے کی بناء پر قاضی پابند ہوجاتا ہے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

غمز العیون ص ۲۲۳:

یجب علیه عدم سماعھا لان امر السلطان یصیر المباح واجبا ولکن یجب السلطان ان یسمعھا	قاضی پر سماعت نہ کرنا لازم ہوجاتا ہے کیونکہ حاکم کے حکم سے مباح چیز واجب ہوجاتی ہے تاہم حکم پر لازم ہے کہ خود سماعت کرے۔

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی المحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی المحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۲

کذا فی معین الفتوی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	معین المفتی میں یوں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۲: از موضع گھرپیا تحصیل وڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ مسماۃ افضل بیگم ۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی نیاز علی کی بیوی منکوحہ قضائے الٰہی سے وفات ہوئی، اس نے اپنا ایک بیٹا محمد ولی خان چھوڑا، جب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں نے دوسری بیوی کرنا چاہی تو قبل زوجہ ثانیہ کے کرنے سے نیاز علی خان نے اپنی کل جائداد اپنے لڑکے محمد ولی خاں کے نام اسٹام پر تحریر کرادی اور اس کے بعد نکاح ثانی افضل بیگم کے ساتھ کیا لیکن وقت نکاح نیاز علی خان نے یہ امر افضل بیگم سے پوشیدہ بھی نہیں رکھا تھا، صاف ظاہر کردیا تھا کہ جائداد جو کچھ ہے وہ محمد ولی خاں کے نام تحریر ہے میرے پاس صرف ہاتھ پیر ہے تمہارا دل چاہے نکاح کرو یا مت کرو۔ لیکن افضل بیگم نے نکاح کرنا اسی حالت میں قبول کیا اور نکاح ہوگیا، اب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں فوت ہوگیا ہے تو اب مسماۃ افضل بیگم نے لڑکے محمد ولی خاں سے اپنا مہر چاہنے کی خواہش کی بلکہ دعوی کچہری میں داخل کردیا اور محمد ولی خاں وہ اسٹام جو قبل نکاح نیاز علی تحریر کرچکا ہے اس کو پیش کرتا ہے کہ جائداد میری ہے نیاز علی خاں کی نہیں کہ میں مہر ادا کروں، فریقین نے اس امر کو پنچائت پر قبول کیا ہے، پنچ فیصلہ خلاف حکم شرع شریف نہیں کرنا چاہتی، اس لئے خلاصہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ بحالت مذکورہ بالا افضل بیگم اپنا دین مہر محمد ولی خاں پسر نیاز علی خاں متوفی سے پانے کی مستحق ہے یانہیں؟ مطابق حکم شرع شریف خلاصہ احکام سے آگہی بخش جائے، دیگر یہ بھی کہے کہ تحریر اسٹام سے اور نیاز علی خاں کے فوت ہونے تک کمی بیشی اس جائداد کی ہوئی ہے، اس میں جو مناسب ہو تحریر فرمایا جائے۔

الجواب:

اگر جائداد کسی کی شرکت میں نہ تھی خالص نیاز علی کی تھی اور اس نے بیٹے کے نام لکھ کر اپنے قبضہ سے بالکل خالی کرکے بیٹے کا قبضہ کرادیا تھا تو وہ کل جائداد محمد ولی کی ہوگئی، افضل بیگم کا اس پر دعوی باطل ہے، اور اگر اس میں کوئی جائداد دوسرے کی شرکت میں تھی کہ نیاز علی کا حصہ جدا تقسیم شدہ ممتاز نہ تھا یا کسی جائداد سے اپنا قبضہ نہ اٹھایا مثلاً مکان تھا بیٹے کا نام اسٹامپ میں کرادیا اور خود ایک آن کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے اسباب سے خالی نہ کیا یا نام کرادیا اور بیٹے کا قبضہ نیاز علی کی زندگی تک نہ ہوا، تو ان صورتوں میں ایسی جائدادیں نیاز علی ہی کی ملک ہیں اور افضل بیگم کا دعوی مہر ان پر بجا ہے اس کا مہر اور

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادت الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۹

پہلی بی بی کا مہر باقی ہو تو وہ بھی اور جو کچھ نیاز علی پر دین ہو وہ سب ایسی جائدادوں سے پہلے ادا کیا جائے گا اگر کچھ نہ بچے گا ان جائدادوں سے محمد ولی کچھ نہ پائے گا، اور جو جائداد تینوں شرطوں کے ساتھ محمد ولی کو نیاز علی کی زندگی میں مل چکی وہ محمد ولی کی ہے اس پر کسی کا دعوی نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳: از فریدآباد ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور مرسلہ نور احمد افریدی سجادہ نشین فریدآباد ۷ ۲صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی واحد بخش نے مرنے سے ایک ماہ پہلے بحالت بیماری بدرستی ہوش حواس و سلامتی عقل برضا و رغبت خود بروئے گواہان کہا کہ میری کل جائداد کا مالک قابض میرا پتر حقیقی مسمّٰی غلام احمد ہے اور اس نے قبول کرکے ایک ماہ تک اس کی حیات میں حسب قولش ایسا ہی کیا کہ مالک قابض متصرف جائداد پر اور بخانہ اش مقیم رہا ہے، اراضیات کی کلبہ رانی کاشت برداشت وتدارک آبادی وغیرہ بھی کرتا رہا ہے، ایک ماہ کے بعد واحد بخش فوت ہوا اور خرچ اخراج تجہیز و تکفین تدفین وغیرہ مناسب اسی نے کی ہیں تیسرے روز قل خوانی پر حسب قول متوفی سب برادری وغیرہ نے دستاربندی اسی غلام احمد کی کرائی ہے کیونکہ واحد بخش کی اولاد نرینہ یہی تھی اسی لئے مرنے سے ایک ماہ پیشتر برضائے خود غلام احمد کو مالک قابض متصرف بناکر دارالبقا کو چلا گیا ہے بلکہ یہ بھی اس وقت اس نے کہا تھا کہ میری ہر دو دختران کی شادی کرانے کا بھی یہی مالک ہے، واحد بخش کے اہل وراثت حسب ذیل موجود ہیں ذوی الفروض سے دو زوجہ مسماۃ غلام فاطمہ و جاملی اور دو دختران مسماۃ خیران و امیران اور اقرب العصبات سے چار بنو عم مسمیان غلام احمد مذکور واحد بخش خدا بخش غلام رسول موجود ہیں، بعد توفیت واحد بخش کے دو ماہ دیگر بھی یعنی کل تین ماہ تک برضائے کل مالک قابض و متصرف رہا ہے، پھر غلام فاطمہ جو اس کی درونی ناخواہ تھی اس کو گھر سے نکال دیا ہے اور ایسا نہیں چاہئے الاقبضہ غلام احمد کا اراضیات پر تاحال بدستور موجود ہے خیران کا نکاح مسمّٰی لعل سے اور امیران کا نکاح غلام احمد مذکور سے شرعی طور پر ہوچکا ہے پس اب شرعا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ قول واحد بخش کا غلام احمد کے لئے ہبہ ہوسکتا ہے یا کیونکر، فتاوٰی قاضیخان میں ہے:

رجل قال جمیع ماأملکه لفلان یکون هبة حتی لا یجوز بدون القبض[1]۔	ایک شخص نے "میری تمام مملوکہ فلاں کے لئے ہے" کہا تو ہبہ قرار پائے گا حتی کہ قبضہ کے بغیر جائز نہ ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الهبة نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۶

اور فتاوٰی عالمگیریہ مترجم جلد سوم میں ہے کہا: **وھبت ھذا الشیئ لك او ملکته منك** یعنی یہ شے تجھے ہبہ کی یا تجھے اس کا مالک کیا اور **جعلته لك او ھذا الك** یا میں نے تیرے واسطے کردی یا یہ شے تیرے واسطے ہے **او اعطیتك او نحلتك** یا میں نے تجھے عطا کی یا **نحله دی فھذا اکله ھبة** (یہ تمام صورتیں ہبہ کی ہیں۔ت)[1]

اور نیز فتاوٰی عالمگیری مترجم مذکور میں ہے "کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ مریض کا ہبہ یا صدقہ جائز نہیں ہے مگر جبکہ اس پر قبضہ ہوجائے اور جب قبضہ ہوگیا تو تہائی مال سے جائز ہے اور اگر سپرد کرنے سے پہلے واہب مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا"[2]۔

اور جاننا چاہئے کہ مریض کا ہبہ کرنا قصدا ہبہ ہے وصیت نہیں ہے اور تہائی مال اس کا اعتبار کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ وصیت ہے بلکہ اس واسطے ہے کہ وارثوں کا حق مریض کے مال سے متعلق ہوتا ہے اور اس نے ہبہ کردینے میں احسان کیا تو اس کا احسان اس قدر مال سے ٹھہرایا جائے گا جتنا شرع نے اس کے واسطے قرار دیا ہے یعنی ایک تہائی اور جب یہ تصرف عقد ہبہ ٹھہرا یا گیا تو جو شرائط ہبہ کے ہیں وہ مرعی ہونگے، اور از انجملہ ایک شرط یہ ہے کہ واہب کے مرنے سے پہلے موہوب لہ اس پر قبضہ کرلے، یہ محیط میں ہے اور درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیھا حروف دمع خزقه[3]۔	ہبہ سے رجوع کرنے سے یہ حروف "دمع خزقہ" بین الورثہ شرعا منقسم ہونگی

پس ان عباراتِ کتب معتبرہ سے کیا استخراج ہوسکتا ہے اور کس طور حصص بطور ہبہ یا وراثت فیما بین الورثہ شرعًا منقسم ہونگی۔

الجواب:

مرض الموت میں ہبہ اگرچہ حقیقۃً ہبہ ہے فلہذا قبضہ شرط ہے اور مایقسم میں مشاع ناجائز مگر حکما وصیت ہے ولہذا بے اجازت ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہیں اور وارث کے لئے بے اجازت

[1] فتاوٰی ہندیہ مترجم کتاب الھبة باب اول حامد اینڈ کمپنی لاہور ۷/ ۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ مترجم کتاب الھبة باب دہم حامد اینڈ کمپنی لاہور ۷/ ۱۲۲

[3] درمختار باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

دیگر ورثہ باطل۔ عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے:

وھب الرجل فی مرضه غلاما لابنه ولابنه علی ھذا الغلام دین فان صح فھو جائز وان مات فصار للورثة عاد دینه [1]۔	ایک شخص نے اپنی مرض موت میں اپنے بیٹے کو غلام ہبہ کیا جبکہ اس بیٹے کا غلام پر دین تھا اگر صحیح ہوجائے تو جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے تو غلام واپس اس کے ورثاء کی ملکیت بن جائے گا اور بیٹے کا غلام پر قرض بحال ہوجائے گا۔ (ت)

اسی میں جامع المضمرات سے ہے:

مریضة وھبت صداقھا من زوجھا فان کانت مریضة مرض الموت لایصح الا باجازة الورثة [2]۔	مریضہ نے خاوند کو اپنا مہر ہبہ کیا اگر مرض الموت میں ہو تو ورثاء کی اجازت کے بغیر یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

عبارات مذکورہ سوال کا بھی یہی مطلب ہے دو ماہ بعد تک برضاء کل قابض متصرف رہنے سے اگر یہ مراد ہے کہ بقیہ ورثہ نے اس کے نام اس ہبہ کو جائز کردیا اور اس پر اپنی رضا کی تصریح کردی تو بلاشبہ غلام احمد مالک مستقل ہوگیا جبکہ باقی سب ورثہ عاقل بالغ اہل اجازت ہوں اور اب ان کو اس اجازت سے رجوع کا اختیار نہیں، اور اگر ان کے مجرد سکوت وعدم منازعت کو رضا قرار دیا ہے تو اتنی قلیل مدت تک سکوت دلیل رضا نہیں ان میں کل یا بعض جو اجازت نہ دے چکا ہو منازعت کرسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۴: از شہر بریلی ۲۹ ربیع الاخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ڈیڑھ سو روپیہ کی ڈیڑھ سو گز زمین خرید کر اپنی عورت کے نام کردی اس پر عملہ بھی شوہر نے بنوایا، بیاہتا عورت فوت ہوگئی، اس کی اولاد ایک لڑکا ایک لڑکی جن کے تمامی حقوق سے ادا کرچکا، اب دوسری شادی کرلی ہے اس سے دو لڑکے ہیں اب وہ شخص چاہتا ہے کہ میری زندگی میں فیصلہ ہوجائے تاکہ بعد میرے مرنے کے جھگڑا نہ ہو تو آیا پہلی عورت کی جو اولاد ہے ایک لڑکا ایک لڑکی ان کو اس جائداد سے کیا پہنچتا ہے اور جو دوسری عورت سے دو لڑکے ہیں ان کو اس جائداد سے کیا حق پہنچتا ہے، تعداد جائداد کی ایک ہزار روپیہ ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۲

الجواب:

پہلی عورت کا مہر اور وہ زمین کہ اس کے نام کردی تھی جبکہ اسے پورا قبضہ دے دیا ہو اور وہ عملہ بھی جبکہ اسی کے لئے بنا ہو اس عورت کے وارثوں کا ہے جن میں شوہر بھی اور عورت کے پسر و دختر، اور اگر مادر پدر ہوں تو وہ بھی، اور اگر وہ زمین عورت کے نام نہ خریدی نہ خود خرید کر اسے دے کر اس کا پورا قبضہ کرایا تو زمین شوہر کی ہے اور عملہ بھی اسی کا ہے،

لان ان وھب البناء قبل ان یبنی فھبة معدوم او بعدہ فھبة متصل وھی کھبة مشاع کما اوضحه فی العقود الدریة [1] وبیناہ علی ھامشھا وفی الخیر الرملی علی جامع الفصولین شجر او بناء فی ارض الاٰخر وھبه لمن الارض بیدہ لاتجوز الھبة [2] اھ وفی الدرر تجوز ھبة البناء دون العرصة اذا اذن الواھب فی نقضه [3]۔	کیونکہ اگر تعمیر سے قبل عمارت کا ہبہ ہو تو یہ مقدوم چیز کا ہبہ ہوا اور اگر تعمیر کے بعد ہبہ کیا تو یہ اپنی ملکیت سے متصل چیز کا ہبہ ہوگا جو کہ مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہوا جیسا کہ عقود الدریہ میں اس کی وضاحت کی ہے اور ہم نے اس کے حاشیہ پر بیان کردیا ہے اور جامع الفصولین پر خیر الدین رملی کے حاشیہ میں ہے دوسرے کی زمین میں اس کے درخت یا عمارت ہوں اور وہ اس کو زمین کے قابض کو ہبہ کردے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا اھ درر میں ہے کہ اگر واہب اکھاڑ لے جانے کی اجازت دے دے تو زمین کے بغیر عمارت کا ہبہ جائز ہوگا۔ (ت)

پہلی صورت میں کہ زمین عورت کی تھی عملہ اس کا ہونے نہ ہونے کے لئے یہ معلوم ہونا درکار ہے کہ عملہ شوہر نے بطور خود بنایا، اور کیا کہہ کر بنایا کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا عورت کے لئے یا کچھ نہ کہا یا عورت کے کہنے سے بنایا اور عورت نے کیا کہا یہ کہ میرے لئے بنالے، یا کچھ نہ کہا، اور بنانے کے لئے روپیہ عورت نے دیا یا شوہر کا تھا عورت نے دیا تو کیا کہہ کر دیا۔

---

[1] العقود الدریہ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۹۵۔۹۴

[2] العقود الدریہ بحوالہ الرملی کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۹۴، اللآلی الدریۃ الفوائد الخیریہ حاشیہ جامع الفصولین الفصل الثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۵۸

[3] الدرالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الھبۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲ /۲۲۱

بہر حال وہ کل مکان یا صرف عملہ اور زمین کا حصہ یا دونوں کا حصہ جو کچھ ملک شوہر ٹھہرے اور ایسے ہی اس کے اور املاک ان میں اسی کی حیات میں کسی کا دعوی نہیں، ہاں وہی تقسیم کرنا چاہئے تو چاروں بیٹے بیٹی کو برابر دینا چاہئے۔ پہلے جوان کے خرچ خوراک یا تعلیم یا شادی میں لگا چکا وہ اس حصے میں مجرانہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۵: از بمبئی ڈاکخانہ نمبر ۹ ائسکریم ہوٹل مسئولہ مولوی احمد مختار صاحب ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منگنی کے وقت کچھ زیور وغیرہ اس عورت کے لئے دیا جس کے ساتھ اس کی منگنی قرار پائی، چند ماہ بعد عقد نکاح کے لئے آیا تو کچھ کپڑے بھی پیش کئے بعد ازاں اس کا عقد سی عورت کے ساتھ ہوگیا زیور اور کپڑوں کا اس عورت کو جماعت کے سامنے پیش کئے بعد ازاں اس کا عقد اسی عورت کے ساتھ ہوگیا زیور اور کپڑوں کا اس عورت کو جماعت کے سامنے مالک بنادیا تھا اب کچھ عرصہ بعد اس نے عورت کو طلاق دے دی اور زیور کپڑے جو چڑھائے تھے وہ سب چھین لئے، پس یہ واپسی جائز ہے یا نہیں، اکثر کتب فقہیہ میں ہے کہ قبل از عقد جو کچھ دیا ہے اس کی واپسی کا شوہر کو اختیار ہے بعد از عقد جو چاہے وہ نہیں لے سکتا۔

الجواب:

فی الواقع بعد نکاح جو کچھ تملیکا دیا اس سے رجوع نہیں کرسکتا اور قبل نکاح جو کچھ دیا اسے بے مرضی زن واپس لینا گناہ ہے اور خود چھین لینے کا ہرگز اختیار نہیں بلکہ عورت نہ دے، نالش کرکے بحکم قاضی لے سکتا ہے اور گناہگار اس میں بھی ہوگا کہ صحیح حدیث میں فرمایا:

العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء [1]۔	یعنی بُری مثال مسلمان کے شایاں نہیں دے کر لینے والا کتے کی طرح ہے کہ قے کرکے پھر چاٹ لیتا ہے۔

درمختار میں دربارہ موانع رجوع ہے:

والزوجیۃ وقت الھبۃ فلو وھب لامرأۃ ثم نکحھا رجع ولو وھب لامرأتہ لا [2]۔	ہبہ کے وقت منکوحہ بیوی ہونا، لہٰذا اگر کسی عورت کو ھبہ کرکے بعد میں اس سے نکاح کیا تو ہبہ میں رجوع کرسکے گا اور اگر بیوی کو ہبہ کیا رجوع نہ کرسکے گا۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الھبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۲

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

اسی میں ہے:

لایصح الرجوع الابتراضیھما اوبحکم الحاکم [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	باہمی رضامندی سے یاحاکم کے حکم سے ہی رجوع صحیح ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۳۶: ازاودے پور میواڑ راجپوتانہ اسٹیٹ محلّہ افیم کاکانٹہ برمکان محمد حیات صاحب انجنیئر مسئولہ نیاز الحسن صاحب ۶ جمادی الاخری ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں موافق مذہب حنفی کے کہ زید کے دو لڑکے ہیں بکر وعمرو، اب زید نے اپنی جائداد عمرو کو ہبہ کرکے اس پر عمرو کا قبضہ کرادیا اور بعد وفات زید کے عمرو نے جائداد موہوبہ اپنی زوجہ مسماۃ امیرن کو بالعوض مہر بخشش کردی اور بعد وفات امیرن کے عمرو نے اپنے بھائی بکر کو ایک خط لکھا جس میں یہ لکھا ہے کہ جائداد مذکورہ کے تم مالک ہو اور عمرو کے امیرن کے بطن سے دو لڑکے ہیں خالد وناصر اب بکر مدعی ہے کہ جائداد کا مالک میں ہوں، اور خالد وناصر مدعی ہیں کہ مالک ہم ہیں، شرعا مالک ووارث کون قرار دیا جاسکتا ہے۔

الجواب:

جب زید نے عمرو کو ہبہ کرکے قابض کردیا اور عمرو نے امیرن کے مہر میں دے دی امیرن مالک ہوگئی، عمرو کو کوئی اختیار نہ رہا کہ اپنے بھائی کو اس کا مالک کردے، جائداد بقدر حصہ خالد وناصر کی ہے، ہاں چہارم عمرو کو حصہ شوہری میں ملی اسے اپنے بھائی کو یا جسے چاہے ہبہ کرسکتا ہے مگر ابھی نہیں بلکہ بعد تقسیم اپنا چہارم الگ متمیز کراکر ہبہ کرسکے گا ورنہ اس کا ہبہ بھی باطل۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۷: از رائے بریلی یونانی دواخانہ کبیر گنج مسئولہ محمد عظیم عطار ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے جو اس کے ذاتی دو مکان تھے اور اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا، منجملہ دو قطعہ مکان کے ایک مکان خورد لڑکی کو اور مکان کلاں لڑکے نرینہ مع کل اسباب وغیرہ کے اپنی حیات میں ہبہ کرکے رجسٹری کرادی اور یہ الفاظ بھی رجسٹری میں تحریر کئے کہ چونکہ لڑکی مؤنث اور داماد میری خدمت گزاری کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ ہی رہتی ہوں اور حق شرع بھی قریب قریب اسی کے ہوتا بخیال دور اندیشی واقع متنازع آئندہ کے ہبہ کرتی ہوں اور قبضہ بھی دیتی ہوں لیکن بوجہ جھگڑا فساد کے کچھ عرصہ تک قیام کرکے لڑکی اپنے دوسرے ذاتی مکان میں اٹھ گئی اور نیز برادران نے زبردستی جبر

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

کرکے مؤنث سے ایک ہبہ نامہ بھائی کو لکھوالیا اور (عہ/) خرچ رجسٹری وغیرہ برادران نے دلوادیا بوجوہ اب تک لڑکی خاموش رہی، لیکن اب وہ مکان لینا چاہتی ہے آیا شرعاً جائز ہے یانہیں؟ لڑکی عرصہ تک اس مکان پر قابض رہی اور ماں بھی اس مکان میں رہتی رہی۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ماں اگر اسی مکان میں رہتی رہی اور تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے کل اسباب سے بالکل خالی کرکے لڑکی کو قابض نہ کردیا تھا جب تو لڑکی کے نام وہ ہبہ ہی صحیح نہ ہوا، ہندہ اگر زندہ ہے تو اپنے مکان کی وہ خود مالک ہے، اور اگر مرچکی ہے تو لڑکی اس مکان میں سے تہائی لے سکتی ہے، اور اگر ہندہ نے مکان بالکل خالی کرکے پورا قبضہ لڑکی کو دے دیا تھا وہ اس کی مالک ہوگئی پھر اہل برادری کے اصرار سے بغیر شرعی مجبوری کے اس نے بھائی کے نام ہبہ کردیا اور اپنی ذات اور اسباب سے بالکل خالی کرکے بھائی کو قبضہ دے دیا تو بھائی مالک ہوگیا اب لڑکی کو اس سے واپس لینے کا کوئی اختیار نہیں اور اگر واقعی اس کو مجبور شرعی کرکے بالجبر ہبہ نامہ لکھوایا یا لڑکی نے کچھ دیر کے لئے بھی مکان اپنی ذات اور بالکل اپنے اسباب سے خالی کرکے بھائی کو قبضہ نہ دیا تو لڑکی اس مکان کی مالک ہے جب چاہے بھائی سے واپس لے سکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸: از میرتہ سٹی ضلع جودھپور مسئولہ فخر الدین شاہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نہ اولاد ہے نہ بھائی حقیقی، نہ بیٹا ہے، وہ اگر اپنا ورثہ مال یتیم کو دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس کا کوئی وارث شرعی نہ ہو وہ اپنا کل مال یتیم کو دے سکتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۹: از سنبھل محلّہ دیپا سرائے ضلع مراد آباد مرسلہ حافظ عبدالرؤف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے لڑکے لڑکا پیدا ہوا، زید کی ہمشیرہ ہندہ نے بوجہ خوشی زید کے لڑکا پیدا ہونے کے زید کے لڑکے کو موافق رواج کے ہنسلی کھنڈوے چڑھائے جن کی قیمت ۶ روپے تھی، زید اپنی بہن ہندہ کو اپنے لڑکے کی پیدائش کی خوشی ہنسلی کھنڈوے کے صلہ میں دو بھینسیں دیں، ایک بھینس ہندہ نے فروخت کرکے اس کی قیمت سے اپنے شوہر کے روپے میں ملاکر غلہ کی تجارت کی اور نفع ہوا، دوسری بھینس کا بچہ ہندہ نے اپنے گھر رکھا اور بھینس کو بیچ کر کچھ اور روپیہ شوہر کے روپیوں میں سے ملاکر اور بھینس شوہر سے خریدوالی جو اب مع بچہ کے موجود ہے، غرض فی الحال دو بھینسیں اور

ایک بچہ موجود ہے، مگر گوت یعنی چارہ وغیرہ کا خرچ بھینسوں کا شوہر کے ذمہ رہا، بلا کسی شرط کے اور گھی دودھ وغیرہ میاں بی بی دونوں کے تصرف میں ہوتا رہا۔ اور یہ معلوم نہیں ہنسلی کھنڈوے ہندہ کے روپیہ کے تھے یا شوہر کے داموں سے بنوائے گئے تھے، صورت مسئولہ میں اس مال تجارت مع نفع اور ان تینوں جانوروں کا مالک شوہر ہوگا یا ہندہ؟

الجواب:

وہ خریداری ہندہ نے اگر اپنے لئے کی ہے، مالک صرف ہندہ ہے اگرچہ قیمت میں شوہر کا روپیہ بھی شریک ہے، پھر ی روپیہ اگر شوہر نے ھبۃً دیا فبہا ورنہ اس قدر روپیہ ہندہ سے واپس لے سکتا ہے، اور اگر قیمت میں شوہر کا روپیہ شامل کرنے سے اس شے میں شرکت مراد تھی تو وہ مال زن و شوہر دونوں میں مشترک ہے، زوج زوجہ میں انبساط کامل ہونے کے سبب یہ نہ دیکھا جائے گا کہ چارہ کس نے دیا اور دودھ دہی کس کے کام آیا، ہنسلی کڑے کسی کے روپیہ سے ہوں، وہ بھینسیں کہ بھائی نے بہن کو دیں بہن کی ملک ہوئیں، بہنوئی کا کچھ حق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: از سیتاپور محلّہ عالم نگر مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالقادر صاحب طالب علم ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کچھ جائداد کو بعد انتقال اپنے لڑکے کے اس کے دو[۲] صغیر بچوں کے نام ہبہ کرکے تاحیات بحیثیت متولی قابض رہا، بعد وفات واہب عمرو مدعی ابنیت زید دعوی فسخ ہبہ وعدم جواز بنا بر مشاعیت موہوب وعدم قبضہ بذات خود صغیرین کرتا ہے سوال یہ ہے کہ اگر شخص نے اپنی جائداد بلا تقسیم و تفریق حصص بینھما مسلم دو موضع جس میں واہب نے اپنا کسی قسم کا کچھ قبضہ وشرکت باقی نہیں رکھی، ہبہ کرکے بحیثیت متولی، کیونکہ یہ یتیم بچے اس کی پرورش میں تھے قابض رہے، یہ ہبہ جائز ہے یا ناجائز بالاتفاق یا باختلاف، اور فتوی کس کے قول پر ہے، اور قبضہ واہب منجانب صغیرین ان کا قبضہ برائے جواز ہبہ متصور ہوگا یا نہیں؟ اور قول مشہور ہے کہ وقت اختلاف ائمہ ثلثہ معاملات میں قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی مفتی بہ ہوتا ہے اس کی کیا اصل ہے؟ بوضاحت مع حوالہ کتب جواب باصواب سے مشرف وممتاز فرمائیے گا۔

الجواب:

اگر وہ دونوں بچے فقیر تھے اپنے باپ یا اور کسی سے ارثاً یا ھبۃً کسی مال بقدر نصاب کے مالک نہ تھے تو یہ جائداد کہ دادا نے بعد وفات پسر انھیں مشترکا ہبہ کی اور اپنا کوئی حصہ اس میں نہ رکھا یہ ہبہ

بلا شبہ صحیح وتام ولازم ہوگیا، نہ مشاع ہونا اس کی صحت کو مضر، نہ موہوب لھما کا قبضہ ہونا اس کی تمامی کو ضرور کہ جب وہ دونوں مالک نصاب نہ تھے تو ان کے لئے ہبہ صدقہ ہوا اور ایسا شیوع صحت صدقہ کا مانع نہیں اور جبکہ وہ یتیم ونابالغ ہیں تو دادا کا قبضہ بعینہٖ ان کا قبضہ ہے، ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہوگیا، درمختار میں ہے:

(او وھبھا لفقیرین صح)لان الھبۃ للفقیر صدقۃ والصدقۃ یرادبھا وجہ اللہ وھو واحد فلا شیوع [1]	(یامشاع چیز دو فقیروں کو ہبہ کرے تو صحیح ہے) کیونکہ فقیر کو ہبہ کرنا صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے جبکہ وہ وحدہ لاشریك ہے، تو شیوع نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

وھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ تتم بالعقد لو الموھوب معلوما وکان فی یدہ او فی ید مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیہ بالایجاب [2]۔	اور بچے کے والی کا بچے کو ہبہ کرنا عقد سے تام ہوجاتا ہے بشرطیکہ موہوب چیز معلوم ہو اور ولی کے قبضہ میں ہو یا اس کی امانت والے کے قبضہ میں ہو، کیونکہ ولی کا قبضہ بچے کے قبضہ کے قائم مقام ہوگا، اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ ایسا عقد جس میں ایک شخص فریقین کی طرف سے ولی بن سکتا ہو تو ایسے عقد میں صرف ایجاب کافی ہوا ہے)(ت)

ہاں اگر وہ دونوں یتیم یا ایک غنی ومالک نصاب تھا تو سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح نہ ہوا اور موت واہب سے باطل ہوگیا، تنویر الابصار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبہ لا [3]۔	دو افراد نے ایک شخص کو مشاع چیز ہبہ کی تو جائز ہے اور اگر عکس ہو تو ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار، کتاب الھبۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

اطلق ذٰلك فأفادانه لافرق بين ان يكون كبيرين اوصغيرين اواحدهما كبيرا والاخر صغيرا وفی الاولين خلافهما[1]۔	اس کو مطلق بیان کیا تواس کا فائدہ یہ ہے کہ موہوب لہ دونوں بالغ ہوں یا نا بالغ یاایک بالغ اورایک نا بالغ ہو پہلی دو صورتوں میں صاحبین کاخلاف ہے۔(ت)

اور فتوٰی ہمیشہ قول امام پر ہوتا ہے

كما حققناه فی رسالتنا اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام	جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے رسالہ "اجلی الاعلام بان الفتوی مطلّقا علی قول الامام" میں کی ہے(ت)

امام اجل برہان الملۃ والدین صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

الواجب عندی ان يفتی بقول ابی حنيفة بكل حال[2]۔	میرے نزدیک واجب ہے کہ ہر حال میں فتوٰی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر دیا جائے۔(ت)

یہ کہیں نہیں ہے کہ معاملات میں فتوٰی قول امام ابی یوسف پر ہے، ہاں مسائل وقف وقضا میں ایسا کہا گیا وہ بھی نہ کلیہ ہے نہ اعطائے قاعدہ کہ ائمہ ترجیح کافتوٰی دیکھو یا نہ دیکھو مسائل کتاب القضاوکتاب الوقف میں قول ابی یوسف پر فتوٰی سمجھ لو ایسا نہیں بلکہ بلحاظ کثرت بیان واقع ہے ان دونوں کتابوں کے خلافیات میں مشائخ نے بہت جگہ قول ابی یوسف اختیار کیا ہے یہ فتوٰی انھیں مواضع پر مقتصر رہے گا، كما افاده فی ردالمحتار ولا يمتری فيه من له ممارثة بالفقة (جیسا کہ افادہ ردالمحتار میں کیااور جس کو فقہ میں ممارثت ہے وہ اس میں شک نہ کریگا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: از شہر کانپور محلّہ انورگنج مرسلہ سید محمد باقر حسین پسر سید علی حسین خاں بہادر مرحوم ۱۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے کاروبار کے بہی کھاتے میں

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۴

[2] التجنیس والمزید

بدفعات وبتواریخ سنہ وسال مختلف کبھی اپنے بڑے بیٹے اور کبھی چھوٹے بیٹے اور کبھی مشترکہ دونوں تینوں کے ناموں سے بھی کھاتہ جات میں اکثر رسومات مثل نقد یا آمدنی کمیشن یا منافع تجارت وغیرہ کو بمد جمع اندراج کرتا رہتا تھا اور بعد اندراج جملہ رقومات کو اپنے قبضہ تصرف میں رکھتا تھا چونکہ اسی درمیان میں زید دو ۲ لڑکے اور دو ۲ لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کرگیا لہٰذا اب جس قدر مال ومتاع ہے اس میں سے نمبر ا ونمبر ۲ ونمبر ۳ کے ناموں سے جو رقومات بمد جمع اندراج بہی کھاتہ جات ہیں تو کیا وہ رقومات جن کے ناموں سے زید نے اندراج بہی کھاتہ جات کئے ہیں وہ انھیں کی خاص سمجھی جائیں گی جبکہ ان رقومات پر متوفی خود ہی قابض ودخیل تھا اور اپنے کاروبار می ں لگائے ہوئے تھا ورنہ خاص ان رقومات کا کوئی منافع علیحدہ کرتا تھا، یا جملہ رقومات شرعاً زید کے کل ورثہ کا حق ترکہ قرار پائے گا۔

الجواب:

ان میں اگر اس کا کوئی بیٹا اس وقت نابالغ تھا تو اس کے نام سے جو رقم مندرج کی وہ اس بیٹے کی ٹھہرے گی باقی جو رقم کسی بالغ کے نام مندرج کیں اور اسے قبضہ نہ دیا، یا دو کے نام مشترکا درج کیں خواہ دونوں بالغ ہوں یا نابالغ، یا ایک بالغ ہو اور ایک نابالغ ان چاروں صورتوں میں وہ اندراج بے اثر محض ہے، اور ایسی جملہ رقوم متروکہ زید ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۲: مرسلہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ کالج ۲۴ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی کوئی اولاد صلبی نہیں ہے ایک دختر زادی ہے ایک زوجہ، ونیز علاتی بھائی ہیں، وہ شخص عاقل بالغ ہے وہ اپنی جائداد دختر زادی کے نام بوجہ محبت ذاتی کے، اور زوجہ کے نام بوجہ خدمات اور ادائے حقوق زوجیت کے منتقل کرنا چاہتا ہے، یہ شخص اس قسم کے تصرفات کا مستقل طور پر مجاز ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ دوسرے ورثاء اس کے حین حیات اس کاروائی میں کسی قسم کے عذر اور مزاحمت کرنے کے مجاز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں شخص مذکور کو شرعاً اختیار ہے، اپنی جائداد اپنی بی بی اور نواسی کو خواہ جسے چاہے دے دے اس کے بھائی وغیرہم کسی کو اصلاً حق مزاحمت نہیں، اگر مزاحمت کریں باطل ونامسموع محض ہے، ملک ایک اختصاص حکمی ہے کہ انسان کو اس کے مال میں اطلاق تصرف کا ثمرہ دیتا ہے کسی مالک کا اسکی ملک میں تصرف ممنوع النفاذ ہونا دو ہی طور پر معقول ہے، یا تو اس کی اہلیت میں قصور ہو

جیسے مجنون یا صبی لایعقل کہ ان کے تصرفات مطلقًا باطل یا معتوہ یا صبی عاقل کہ ان کے تصرفات ضارہ باطل اور دائر بین النفع والضرر اجازت ولی پر موقوف قول صاحبین پر سفیہ بھی اسی کے ساتھ ملتحق ہے وہ کہ اپنا مال فضول ولغو باتوں میں برباد کرے گا امام محمد کے نزدیک بنفس سفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک بعد حجر حاکم وھوالراجح۔ یا اہلیت تو کاملہ ہے مگر حق غیر متعلق ہے یہ حق اگر بعینہٖ اس شے سے متعلق ہے جس میں تصرف کرنا چاہتا ہے جب تو منع نفاذ ظاہر ہے،[۵] جیسے راہن شے مرہون میں بے اذن مرتہن تصرف نہیں کرسکتا، یا[۶] مواجر شے مواجر میں بے اذن مستاجر جب تک رہن واجارہ باقی ہیں،[۷] بخلاف رعایت کہ وہ محض اس کی طرف سے تبرع ہے حق مستعیر اس سے متلق نہیں اور اگر عین شیئ سے تعلق حق نہ ہو تو منع نفاذ حجر حاکم پر موقوف ہے مثلاً زید مدیون ہے اور دین اس کے جائداد کو مستغرق ہے، تو[۸] قبل حکم حجر اگر وہ اپنی جائداد کسی کو ہبہ کردے، یقینا یہ تصرف نافذ ہوجائے گا کہ دین عین سے متعلق نہ تھا، بلکہ اس کے ذمہ پر ہاں اگر دائنوں نے درخواست دی کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ یہ جائداد تلف کردے گا تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک اب بھی اسے تصرف سے منع نہ کیا جائے گا کہ وہ مالک ہے اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اس خیال سے کہ شائد تلف کردے دائنوں کا ضرر محتمل ہے، اور اسے ممنوع التصرف کردینے میں اسے اہلیت سے خارج اور بہائم سے ملتحق کردینا اس کا شدید ضرر حاضر ہے، ایک ضرر خفیف موہوم سے بچنے کے لئے دوسرے کو بالفعل ضرر شدید پہنچانا مقتضائے عدل وحکمت نہیں، مگر صاحبین بنظر فساد زمانہ حاکم کو اس صورت میں اجازت حجر دیتے ہیں یعنی اس کے ممنوع التصرف ہونے کا حکم کردے، اس حکم سے پہلے وہ بالاجماع ممنوع التصرف نہ ہوگا۔ اور [۱۰] امام کے نزدیک بعد حکم حاکم بھی، بلکہ یہ حکم ہی باطل ہوگا اسی تعلق حق غیر سے "صورت مرض الموت ہے کہ مریض کے دو ثلث مال سے شرعا حق ورثہ بایں معنی متعلق ہوجاتا ہے کہ وہ نہ اسے ہبہ کرسکتا ہے نہ کسی ایک وارث کے ہاتھ بیع،[۱۲] اگرچہ ثمن مثل کو ہو،[۱۳] اور اگر کسی نے حالت مرض میں ایک وارث یا اجنبی کو اپنا کچھ مال یا کل ہبہ کردیا اور قبضہ دے دیا اور پھر وہ اچھا ہوگیا اگرچہ چند روز کے بعد مرگیا، تو اب وہ تصرف بالاجماع صحیح ونافذ ہوگیا، تنہا موہوب لہ اس مال کا مالک قرار پائے گا اور ورثہ کو اس پر کچھ دعوی نہ پہنچے گا، کہ دو ثلث مال سے ان کے حق کا تعلق بحال مرض الموت تھا جب وہ اچھا ہوگیا ظاہر ہوا کہ وہ مرض الموت نہ تھا،[۱۴] اور تندرست کو اختیار ہے کہ اپنا کل مال ایک وارث خواہ راہ چلتے کو دے دے کوئی اس سے مزاحمت نہیں کرسکتا نہ کوئی حاکم ایسا دعوی سن سکتا ہے نہ اس کے ممانعت کا حکم دے سکتا ہے، اواگر دے گا تو بالاجماع باطل ہوگا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک حق عاقل بالغ پر حجر ہوسکتا ہی نہیں اگرچہ سفیہ ہو اگرچہ مدیون ہو اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے طور پر

حجر ہے تو بوجہ سفہ یا دین اور یہاں دونوں مفقود تو حجر محض باطل ومردود، یہ حکم قضا ہے، رہا حکم دیانت اس کا تعلق آخرت سے ہے قاضی اس میں دست اندازی نہیں کرسکتا اور دیانۃ بھی بعض ورثہ کو محروم کرنا اس حالت میں منع ہے جبکہ محض بلاوجہ شرعی ہو، اگر ایسا کرے گا گنہ گار ہوگا، حدیث میں فرمایا: "جو اپنے وراث کے میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمائے گا" **والعیاذ باللہ**۔ (رواہ ابن ماجہ[1] وغیرہ)

ورنہ اگر[۱۵] وہ وارث مسرف ہے کہ مال فضول تباہ وبرباد کرے گا یا فاسق ہے کہ مال ملنے سے اس کے فسق وفجور کو مدد پہنچے گی یا بدمذہب ہے کہ فسق عقیدہ فسق عمل سے بدتر ہے اور اسے مال ملنے سے دین پر احتمال ضرر ہے تو ان صورتوں میں دیانۃ بھی وہ ایسے وارثوں کو محروم کرسکتا ہے۔

بہرحال کچھ بھی ہو کوئی دوسرا اس کے تصرف میں رکاوٹ نہیں کرسکتا، نہ کسی مدعی کو دعوی پہنچتا ہے نہ کسی حاکم کو حکم کہ وہ اپنے خاص ملک میں متصرف ہے[۱۶] ان کہ نہ ملک ہے نہ حق پھر مزاحمت کیا معنی، بشیر بن الخصاصیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صاحبزادہ نعمان رضی اللہ تعالٰی کو ایک غلام ہبہ کیا اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت انور میں حاضر ہوئے کہ ان کی ماں رضی اللہ تعالٰی عنہا چاہتی ہیں کہ حضور اس پر گواہ ہو جائیں ارشاد فرمایا: **اکل بنیک نحلت مثل ھذا** کیا تم نے سب بیٹوں کو ایسا ہی ہبہ کیا ہے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: **لاتشھدنی علی جور**[2] مجھے جور پر گواہ نہ کر، یہ حکم دیانت کی طرف اشارہ تھا اسے قضا سے کوئی تعلق نہیں کہ نہ کوئی مدعی تھا نہ تنازع اور[۱۸] قضا بے خصم حاضر ناممکن ہے۔ بالجملہ اس کارروائی پر کسی کو اختیار دعوی ومزاحمت اصلا نہیں ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ [۱]الاشباہ ص ۲۶۳:

قال فی الفتح القدیر الملك قدرۃ یثبتھا الشارع ابتداء علی التصرف فخرج نحو الوکیل اھ وینبغی ان یقال	فتح القدیر میں ہے: ملک ایسی قدرت ہے جس کو شارع نے ابتداء تصرف کے لئے ثابت کیا ہو تو اس سے وکیل خارج ہو گیا اھ "بغیر مانع"

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵، مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۶۸

الالمانع کالمحجور علیه فانه مالك ولا قدرة له علی التصرف والمبیع المنقول مملوك للمشتری ولاقدرة له علی بیعه قبل قبضه وعرفه فی الحاوی القدسی بانه الاختصاص الحاجز وانه حکم الاستیلاء [1]۔	کی قید لگانا مناسب ہے جیسا کہ مجور شخص کہ مالک ہے لیکن تصرف کی قدرت نہیں، اور وہ مبیع جو منقولہ چیز ہو تو مشتری اس کا مالک ہوتا ہے لیکن قبضہ سے قبل فروخت کا تصرف نہیں کرسکتا اور حاوی قدسی میں اس کی تعریف یوں ہے وہ ایسا اختصاص ہے جو دوسرے کے دخل کو روک سکتا ہے اور وہ غالب کردیتا ہے۔(ت)

جوہرہ نیرہ جلد اول:

و [۲] لایجوز تصرف المجنون المغلوب علی عقله بحال والصبی والمجنون لایصح عقودهما ولا اقرارهما لانه لاقول لهما اماالنفع المحض فیصح منهما مباشرته مثل قبول الهبة والصدقة [2]۔	مجنون مغلوب العقل اور بچے کا تصرف جائز نہیں اور ان دونوں کا عقد صحیح نہیں ہے اور نہ ہی ان کا اقرار صحیح ہے کیونکہ ان کا قول معتبر نہیں ہے لیکن خالص نفع والے معاملہ کو اپنانا ان کو جائز مثلاً ہبہ اور صدقہ کو قبول کرنا۔(ت)

درمختار جلد ۵ ص ۱۲۸:

و [۳] تصرف الصبی والمعتوه الذی یعقل البیع والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام صح بلااذن وان ضارا کالطلاق لا وان اذن وماتردد توقف [3] (اختصار)۔	بچے اور معتوہ جو بیع وشراء کو سمجھتے ہوں اگر ان کا تصرف خالص فائدہ مند رہے جیسا اسلام قبول کرنا تو پھر ان دونوں کا تصرف صحیح ہے اور ان کے لئے وہ مضر ہو تو ولی کی اجازت سے بھی جائز نہیں اور اگر نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہو تو اجازت ولی پر موقوف ہوگا۔ مضر کی مثال طلاق ہے۔(اختصار)(ت)

[۴] بدائع ج ۷ ص ۱۶۹:

واختلف ابویوسف ومحمد فی السفیه	بیوقوف کے متعلق امام ابویوسف اور امام محمد

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الحجر مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۹۳۔ ۲۹۲

[3] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

قال ابو یوسف لایصیر محجورا الابحجر القاضی و قال محمد ینحجر بنفس السفه [1] (باختصار)	رحمھما اللہ تعالٰی کاآپس میں اختلاف ہے،امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں وہ مجور نہ بنے گامگر قاضی مجور بنائے تو مجور ہوگا۔اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ سفاہت وبیوقوفی پائے جانے سے خود بخود مجور قرار پائے گا(باختصار)۔(ت)

۵ ردالمحتار میں ہے:

وظاھر کلامھم ترجیحه علی قول محمد [2]۔	فقہاء کاظاہر قول امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی ترجیح میں ہے۔(ت)

۶و۷ انقرویہ جلد ۲ص ۲۸۲:

بخلاف ما اذاکان فی ید الغاصب اوفی ید المرتھن اوفی ید المستاجر حیث لاتجوز الھبة لعدم قبضه لان کل واحد منھم قابض لنفسه وعامل لنفسه [3]۔	جب چیز غاصب یا مرتہن یا مستاجر کے قبضہ میں ہو تو اس کا ہبہ ان کا جائز نہیں کیونکہ موہوب لہ کا قبضہ نیا نہیں بلکہ پہلا قبضہ ہے جو ان کو اپنے حق کی وجہ سے ہے نیز وہ ہبہ کا قبضہ کریں بھی توخود اپنے لئے عامل قرار پائیں گے۔(ت)

ایضًا ص ۲۸۲:

ومالو کانت باعارة لعدم اللزوم، بزازیة،فی الجنس الثالث فی ھبة الصغیر [4]۔	اور لیکن عاریۃ قبضہ ہو تو جائز ہوگا کیونکہ اس میں لزوم نہیں ہے،بزازیہ کی تیسری جنس نابالغ کے ہبہ کے بیان میں ہے۔(ت)

۸ ہندیہ میں ہے:

یرکب الرجل دیون تستغرق امواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی	ایک شخص پر اتنا قرض ہوگیا جس میں اس کا تمام مال مستغرق ہوگیا توقرض خواہوں نے قاضی سے مطالبہ کیاکہ مقروض پر پابندی عائد کردے تاکہ

[1] بدائع الصنائع کتاب الحجر والحبس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۹

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۳

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۲

[4] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۲

لایھب مالہ ولایتصدق بہ فالقاضی یحجر علیه عندھما ویعمل حجرہ حتی لا تصح ھبتہ ولاصدقۃ بعد ذٰلك لكن یشترط علم المحجور علیه بعد الحجر حتی ان كل تصرف باشرہ قبل العلم بہ یكون صحیحا[1] (باختصار)۔	وہ ہبہ یا صدقہ نہ کرے تو صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک قاضی اس پر پابندی نافذ کردے تو وہ مؤثر ہوگی حتی کہ اس کا ہبہ اور صدقہ صحیح نہ ہوگا بشرطیکہ اس کو پابندی کا علم ہوجائے لہٰذا اگر علم سے پہلے اس نے کوئی تصرف کیا تو صحیح ہوگا۔ (ت)

۹ ایضًا:

وقال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنه لاحجر علی السفیه اذا کان حرا بالغا عاقلا والسفیه خفیف العقل الجاھل بالامور الذی لاتمیزلہ العامل بخلاف موجب الشرع وانما لم یحجر علیه اند ابی حنیفه لانه مخاطب عاقل ولان فی سلب ولایتہ اھدار اٰدمیتہ و الحاقہ بالبھائم وذٰلك اشد علیه من التبذیر فلا یحتمل الاعلی لدفع الادنی[2]۔	اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں بیوقوف کو پابند نہ کروں گا بشرطیکہ وہ آزاد عاقل بالغ ہو، اور امام صاحب کے نزدیک یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ عاقل مخاطب ہے اور اس لئے کہ اس پابندی سے اس کی ولایت ختم ہوجانے سے اس کی آدمیت کو ضائع کرنا اور اس کو حیوانات سے ملحق کرنا لازم آتا ہے اور یہ چیز اس کی فضول خرچی سے زیادہ شدید ہے لہٰذا ادنی کی وجہ سے اعلی سزا کا احتمال نہیں ہوگا اور سفیہ خفیف العقل امور سے ناواقف معاملات کی تمیز نہ رکھنے اور شریعت کے خلاف عمل کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ (ت)

۱۰ بدائع جلد ۷ ص ۱۶۹:

ولو حجر القاضی علی السفیه ونحوہ لم ینفذ حجرہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی حتی لو تصرف بعد	اگر قاضی سفیہ کو تصرف سے روک دے تو پابندی نافذ نہ ہوگی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اگر قاضی کی پابندی کے بعد

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

الحجر ینفذ تصرفه عنده [1]۔	وہ شخص کوئی تصرف کرے تو اس کا تصرف نافذ قرار پائے گا۔(ت)

[۱۱] ہدایہ میں ہے:

ولاتجوز بمازاد علی الثلث لانه حق الورثة [2] (باختصار)۔	اور ہبہ تہائی مال سے زائد جائز نہیں کیونکہ وہ ورثاء کا حق ہے(باختصار)۔(ت)

[۱۲] نتائج الافکار جلد ۸ ص ۴۲۱ میں ہے:

واوضحه صاحب الکافی بان قال ولانه انعقد سبب زوال املاکه عنه الی غیره لان المرض سبب الموت وبالموت یزول ملکه لاستغنائه عنه ولو تحقق السبب لزال من کل وجه فاذا انعقدت ثبت ضرب حق [3] اھ۔	اور اس کو صاحب الکافی نے مزید واضح فرمایا کہ مریض کے املاک کا دوسروں کو منتقل ہونے کا سبب پایا گیا ہے اس لئے کہ یہ مرض موت کا سبب ہے اور موت سے اس کی ملک زائل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ وہ ملک سے مستغنی ہوجاتا ہے اور جب یہ سبب پایا جائے تو مکمل طور پر اس کی ملک زائل ہوجاتی ہے اور جب سبب متحقق ہوگیا تو ایک طرح سے ورثاہ کا حق ہوگیا۔اھ(ت)

[۱۳] درمختار جلد ۴ ص ۶۱۵ میں ہے:

ووقف بیع المریض لوارثه علی اجازۃ الباقی [4]۔	مریض کی اپنے وارث سے بیع باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔(ت)

[۱۴] ردالمحتار میں ہے:

ای ولو بمثل القیمة وهذا عنده [5]۔	یعنی اگرچہ وہ بیع مثلی قیمت پر ہو اور یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے۔(ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحجر والحبس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۹

[2] الهدایه کتاب الوصایا باب فی صفة الوصیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] نتائج الافکار تکمه فتح القدیر کتاب الوصایا باب فی صفة الوصیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۶

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱و۳۲

[5] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

[15] عالمگیری ج ۳ ص ۵۲:

ومن الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جاز بیعه وان مات من ذٰلك المرض ولم تجز الورثة بطل البیع [1]۔	بیع موقوف کی ایک صورت یہ ہے کہ جب مریض اپنی مرض الموت میں اپنے وارث کو اپنے مال میں سے کسی عین چیز کی بیع کرے اگر تندرست ہو جائے تو بیع جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے اور باقی ورثاء اجازت نہ دیں تو باطل ہوجائے گی۔(ت)

[16] عالمگیری ج ۴ ص ۱۴۱:

مریضة وهبت صداقها من زوجها فان برئت من مرضها صح وان ماتت من ذٰلك المریض فان كانت مریضة غیر مرض الموت فكذلك الجواب وان كانت مریضة مرض الموت لایصح الا باجازة الورثة [2]۔	مریضہ نے اپنے خاوند کو مہر ہبہ کیااور اگر وہ تندرست ہو گئی تو جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے تو وہ مرض اگر موت کا باعث نہ ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے اگر وہ مرض الموت ہو تو ورثاء کی اجازت کے بغیر ہبہ صحیح نہ ہوگا۔(ت)

[17] بحر ج ۷ ص ۳۱۴:

وان وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو اٰثم كذا فی المحیط [3]۔	اگر کسی نے اپنا تمام مال ایک شخص کو ہبہ کردیا تو قضاء جائز ہے جبکہ وہ گنہ گار ہوگا، محیط میں یوں ہے۔(ت)

[18] ابوالسعود ج ۲ ص ۲۲۱:

ولووهب ماله كله لواحد جاز قضاء واٰثم والمختار التسویة بین الذكر	اگر ایک ہی کو تمام مال ہبہ کردیا تو صحیح ہے اور گنہ گار ہوگا، اور مختار یہی ہے کہ مرد وعورت کو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۵۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۲

[3] بحر الرائق کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۸۸

والانثی فی الھبۃ [1]۔وفی الخانیۃ لاباس بتفضیل بعض الاولاد علی البعض فی المحبۃ لان المحبۃ عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوٰی ولووھب فی صحتہ کل المال للولد جازواثم انتھت [2] (ملخصا)	مساوی ہبہ دے، اور خانیہ میں ہے اولاد میں سے بعض کو محبت میں فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے اویوں ہی عطیہ میں بشرطیکہ کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو، اگر ضرر کی صورت ہو تو پھر لڑکی اور لڑکے کو مساوی دے، یہ امام ابویوسف کا مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ اور اگر تمام مال بیٹے کو دینی صحت میں دے دے تو جائز ہے مگر گنہگار ہوگا (ت)

۱۹ خلاصۃ الفتاوی:

ولواعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادۃ رشدہ لاباس بہ وان کان سواء لاینبغی ان یفضل ولوکان ولدہ فاسقا فارادان یصرف بمالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ ولو کان ولدہ فاسقا لایعطی لہ اکثر من قوتہ انتھت [3] وان کان بعض اولادہ مشتغلا بالعلم دون الکسب لاباس بان یفضلہ علی غیرہ وعلی جواب المتأخرین لاباس بان یعطی من اولادہ من	اگر اولاد میں سے بعض کو دے اور بعض کو نہ دے اگر زیادہ نیک ہونے پر ایسا کیا تو کوئی حرج نہیں اور اگر تمام مساوی ہوں تو ایسا نہ کرے، اگر بیٹا فاسق ہو تو چاہے کہ اپنا تمام مال خیرات میں کردے اور فاسق کو محروم رکھے تو مال کو باقی رکھنے کے بجائے یہ بہتر ہے کیونکہ مال ترکہ چھوڑنے میں فاسق کی معصیت میں اعانت ہوگی اور اگر بیٹا فاسق ہوت واس کو وقت کی خوراک سے زیادہ نہ دے، اھ اور اولاد میں سے بعض علم میں مشغول ہوں اور کسب نہ کریں تو اسکو دوسروں پر فضیلت دینے میں حرج نہیں ہے، اور متاخرین کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں کہ جو

[1] فتح المعین علی شرح الکنز لملا مسکین کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۲۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الھبۃ فصل فی ھبۃ الوالد لولدہ نولکشور لکھنؤ ۶/۵ـ۴۰۷

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الھبۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۰

کان عالما متادبا ولا یعطی منھم من کان فاسقا فاجرا ولو کان ولدھا فاسقا فاراد صرف مالہ فی الخیر فحرمانہ ھذا خیر من ترکہ لانہ فیہ اعانۃ علی المعصیۃ۔	عالم اور تربیت والا ہو اس کو دے اور جو فاسق فاجر ہو اس کو نہ دے، اور اگر بیٹا فاسق ہو اور چاہے کہ تمام مال خیر میں صرف کردے تو اس طرح فاسق کو محروم کرنا بہتر ہے کیونکہ ترکہ چھوڑنے میں معصیت میں اعانت ہوگی۔(ت)

[۲۰] غنیہ ص ۵۱۴ میں ہے:

المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل [1]۔	بدعقیدہ شخص اعتقادی فاسق ہے اور یہ عمل فسق سے زیادہ شدید ہے۔(ت)

[۲۱] تنویر الابصار جلد ۴ ص ۲۴۵ میں ہے:

الدعوی ھی قول مقبول یقصد بہ طلب حق قبل غیرہ اودفعہ عن حق نفسہ [2]۔	دعوی، ایسا مقبول قول ہے جس کے ذریعہ غیر سے اپنا حق طلب کیا جائے یا اپنے حق کا دفاع کیا جائے۔(ت)

[۲۱] تنویر الابصار ج ۴ ص ۴۵۹:

القضاء ھو فصل الخصومات وقطع المنازعات [3]۔	قضاء، منازعات کا فیصلہ اور جھگڑوں کو ختم کرنے کا نام ہے۔ (ت)

[۲۲] درمختار ج ۴ ص ۵۰۲ و ۵۰۳ تحت قول الماتن اذا رفع الیہ حکم قاض نفذہ (جب اس کو قاضی کا فیصلہ مل جائے تو نافذ کرے۔ت) فرمایا:

بعد دعوی صحیحۃ من خصم علی خصم حاضر والا کان افتاء [4]۔	ایک فریق کا صحیح دعوی مخالف حاضر فریق پر ہو ورنہ وہ فتوی ہوگا۔(ت)

[۲۳] ردالمحتار میں ہے:

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[4] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۸

قال فی البحر اول کتاب القضاء فان فقد ھذا الشرط لم یکن حکما وانما ھو افتاء صریح بہ امام السرخسی[1]۔	بحر کی کتاب القضاء کے ابتداء میں فرمایا اگر یہ شرط مفقود ہوجائے تو یہ فیصلہ اور حکم نہ ہوگا وہ صرف افتاء ہوگا، امام سرخسی نے اس کی تصریح کی ہے۔(ت)

۴۴ درمختار صفحہ ۳۷۴ و ۴۷۴:

فی ایمان البزازیۃ المفتی یفتی بالدیانۃ والقاضی یقضی بالظاھر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بزازیہ کی کتاب الایمان میں ہے مفتی دیانت پر فتوٰی دے گا اور قاضی ظاہر پر فیصلہ کرے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۲۶

[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

کتاب الاجارۃ

(اجارہ کا بیان)

مسئلہ ۱۴۳: از کرتولی مرسلہ حضرت مولوی رضاخاں صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

بحضور میاں بھائی دام ظلہم العالی بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آمین الٰہی آمین!

صورت مسئولہ یہ ہے کہ بیچ ۲۵ سنہ ف میں بعد اختتام کار ربیع فصل سے خالی زمین کرکے چند کاشتکاران مرزاپور ساکن ضلع سلن نگر نے زبانی استعفا دیا جس میں سے ایک شخص نے مجھ سے خود کہا کہ میں نہیں کروں گا بجواب اس کے میں نے کہا کہ تو ہم سے ناتہ توڑ رہا ہے دو روپیہ فارغخطانہ کے دے دے، اس نے وہ بھی دے دئے، قاعدہ یہ ہے کہ تاوقتیکہ زمیندار کاشتکار کو بے دخل نہ کرائے یا وہ استعفا باضابطہ مقررہ نہ دے اس وقت تک نام کاشتکار خارج نہیں ہوسکتا، اور کاشتکار بلااخراج نام بصورت مداخلت زمیندار اگر چاہے تو دعوٰی مال اور فوجداری میں کرسکتا ہے ۲۶ سنہ ف کے شروع میں سب کو دوبارہ اطلاع دی گئی کہ چاہے زمین کرو یا پڑی رکھو لگان دینا ہوگا۔ اس پر بھی انھوں نے زمین کاشت کرنے کا اقرار کیا، نہ کاشت کی، ۲۶ سنہ خریف موجود ۲۷ سنہ کی نالش کردی گئی آج ان مقدمات کی تاریخ ہے کل حضور کے اقبال سے چار قطعہ نالشات (مالعہ عہ/) روپیہ ملازم کو دئے گئے اور (لہ/) انشاء اللہ العزیز انھیں دو چار یوم میں اور ملیں گے، یہ روپیہ مجھ کو جائز ہے یا نہیں، بنظر احتیاط ناکارہ غلام دو عدد بہیلیاں قیمت (۱۴/) کو ہر شخص کو اس کا روپیہ اس کے ہاتھ میں دے کر اور یہ کہہ کر ہم اپنا معاملہ پاک کرنا چاہتے ہیں

نصف بہیل تمھارے ہاتھ فروخت کرتے ہیں تم اس کو (للعہ) پر خرید کرتے ہو سب نے بخوشی اپنے مطالبہ میں قبول کیا اور عمل بیع واقع ہوگیا، یہ کاشتکار رئیس کھیڑہ کی زمینداری میں آباد ہیں، ان سات کس مدعا علیہم کے ہمراہ ایک کارندہ یا تھنپت زمیندار اور ایک اس کا رفیق تھا، یہ صورت میں نے حضور میں اس بناء پر پیش کی کہ بجز اس کے کہ پٹواری مطیع اور نالشات دائر ہیں اور زیادہ دباؤ کی صورت نہیں، بیع خوشی سے عمل میں آئی کاشتکار سب کفار ہیں۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جان برادر بلکہ از جان ہزار جا بہتر مولوی محمد رضاخاں سلمہ الرحمٰن وحفظہ فی کل آن آمین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک زمیندار بے دخل نہ کرائے یا کاشتکار باضابطہ استعفانہ دے زبانی استعفا کاشت چھوڑنا نہیں سمجھا جاتا یہاں تک کہ زمیندار مداخلت کرے تو اس پر مال وفوجداری دونوں میں دعوی ہوسکے، اور یہ قاعدہ خود ان کاشتکاروں کے علم میں بھی ہے اور باضابطہ استعفانہ دیا تو ثابت ہوا کہ وہ اجارہ زمیں سے دستبردار نہ ہوئے، اگر ہونا چاہتے باضابطہ استعفا دیتے، پھر بھی اس میں شبہ رہتا کہ زبانی تو چھوڑ چکے تھے اگرچہ قانونا ان کا دعوی باقی رہتا مگر جب تم نے شروع سال میں یہ صاف کہہ دیا کہ لگان بہر حال دینا ہوگا۔ اور انھوں نے سکوت کیا اگرچہ کاشت بھی نہ کی، تو یہ دوبارہ قبول اجارہ ہوگا اور لگان ان پر لازم آئی، یہ روپیہ **بحمداللہ** تمھیں بروجہ حلال ملا، اس کے بعد اس احتیاط کی حاجت بھی نہ تھی، اب کہ کرلی گئی وہ روپے اس بیع کے ہوگئے، لگان ان پر بدستور رہتا، مگر ظاہرا تم نے روپے لگان میں لے کر پھر ان کے ہاتھ میں دے کر بیع کی بہیلی لگان میں لے لینے سے لگان ادا ہوگیا، اور وہ بھی مطالبہ سے بری ہوگئے، بہر حال یہ روپیہ تمھارے لئے بفضلہٖ تعالٰی حلال طیب ہے، مولٰی عزوجل اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقہ میں دین ودنیا میں تمھارا اقبال دن دونا رات سوایا کرتا رہے۔ آمین!

مسئلہ ۱۴۴: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مزدوری کرتا ہے، دن روزہ کی مزدوری میں جب کام کرتا ہے تو بدرجہ کمی اور ٹھیکہ میں جب کرتا ہے تو کوشش اس امر کی کرتا ہے کہ زیادہ ہو ایسی صورت میں اس کی روزی کیسی ہوئی؟

الجواب:

کام کی تین حالتیں ہیں: سست، معتدل، نہایت تیز، اگر مزدوری میں سستی کے ساتھ کام کرتا ہے گنہگار ہے اور اس پر پوری مزدوری لینا حرام، اتنے کام کے لائق جتنی اجرت ہے لے، اس سے جو کچھ زیادہ ملا مستاجر کو واپس دے وہ نہ رہا ہو اس کے وارثوں کو دے، ان کا بھی پتہ نہ چلے تو مسلمان محتاج پر تصدق کرے اپنے صرف میں لانا یا غیر صدقہ میں اسے صرف کرنا حرام ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں بھی کاہلی سے سستی کرتا ہو، اور اگر مزدوری میں متعدل کام کرتا ہے مزدوری حلال ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں حد سے زیادہ مشقت اٹھا کر زیادہ کام کرتا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک تاجر ایک اجیر پیشہ ور کو معتبر ومتدین سمجھ کر سالہا سال اُجرت پر کام بنانے کے لئے دیا وہ کاریگر ہمیشہ بہ دیانت تمام کام بنایا کیا، کبھی اس سے تقصیر واقع نہ ہوئی اب برسوں کے بعد ایک مال اس کی حفاظت سے گم ہوگیا، اس صورت میں اُس اجیر پر تاوان ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز ہے،

فی الوقایہ لایضمن ماھلك فی یدہ وان شرط علیہ الضمان وبہ یفتی [1]، وفی الاصلاح والتنویر [2] بلفظہ وفی النقایۃ کذٰلك الا قولہ وبہ یفتی [3] وفی الملتقی المتاع فی یدہ امانۃ لایضمن ان ھلك وان شرط ضمانہ	وقایہ میں ہے، اجیر کے قبضے سے گم شدہ چیز پر وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضمان کی شرط بھی لگائی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے اور اصلاح اور تنویر میں یہی الفاظ ہیں اور نقایہ میں یونہی ہے سوائے "بہ یفتی" کے۔ اور ملتقٰی میں ہے اس کے قبضہ میں مال امانت ہے، ہلاک ہوجانے پر وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضمان کی شرط بھی ہو۔

[1] شرح الوقایہ کتاب الاجارۃ باب من الاجارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

[3] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایہ کتاب الاجارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

به یفتی[1] ،وفی الکنز المتاع فی یدہ غیر مضمون بالھلاك[2] ،وفی الغرر لایضمن ماھلك فی یدہ وان شرط علیه الضمان[3] اھ وفی منح الغفار قد جعل الفتوی علیه فی کثیر من المعتبرات وبه جزم اصحاب المتون فکان ھوا لمذھب[4] ،وفی الخانیة المختار فی اجیر المشترك قول ابی حنیفة[5] وفیھا قال الفقیه ابواللیث علی قول ابی حنیفة لایضمن وبه ناخذ و الفتوٰی علی قول ابی حنیفة[6] اھ،وفی الخلاصة من جنس القصار القاضی الامام یفتی بقول ابی حنیفة قال وانا افتی به[7] وفی التاتارخانیة عن الابانة اخذ الفقیه ابواللیث فی ھذہ المسئلة بقول	اسی پر فتوی ہے اور کنز میں ہے اس کے قبضہ میں مال ہلاک ہو جائے تو مضمون نہیں ہے،اور غرر میں ہے اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے پر ضمان نہیں اگرچہ شرط بھی لگائی ہو،اھ اور منح الغفار میں ہے کثیر معتبر کتب میں اسی پر فتوی ہے اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا ہے تو یہی مذہب ہے اور خانیہ میں ہے مشترک اجیر کے متعلق مختار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور اسی میں ہے کہ فقیہ ابواللیث نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر وہ ضامن نہ ہوگا۔ ہمارا یہی مختار ہے،اور فتوی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر ہے۔اھ ملخصا۔اور خلاصہ کی جنس القصار میں ہے امام قاضی خاں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوی دیتے ہیں،اور انھوں نے فرمایا میں اسی پر فتوی دیتا ہوں۔اور تاتارخانیہ میں الابانۃ سے منقول ہے کہ فقیہ ابواللیث نے اس مسئلہ

[1] ملتقی الابحر کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲ /۱۶۴

[2] کنز الدقائق کتاب الاجارۃ باب فی بیان احکام ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۹

[3] الدارلحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارہ باب من الاجارہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۵

[4] منح الغفار

[5] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارۃ باب الاجارہ الفاسدۃ نولکشور لکھنو ۳ /۴۴۱

[6] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارۃ باب الاجارہ الفاسدۃ نولکشور لکھنو ۳ /۴۴۴

[7] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الفصل السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳ /۱۳۶

ابی حنیفه وبه افتی [1] وفی الانقرویة قال القاضی فخر الدین الفتوی علی انه لایضمن تاتارخانیه [2]. اھ وفی البزازیة نوع القضاء القاضی افتی بقول الامام [3] اھ، فیہا قال فی العون اخترت قول الامام [4] اھ، وفیہا لو شرط الضمان علی المشترك ان ھلکت قیل یضمن اجماعا والفتوی علی انه لااثرله واشتراطه وعدمه سواء لانه امین [5]، اھ، وفیہا بُعَیْدَہ، فی مسئلة لایضمن وبه یفتی [6] اھ وفی الجامع الفصولین قال وفیہا علیه قول البزازی ث [7] (الفقیه الامام ابواللیث) به ناخذ قال ھذ (صاحب الذخیرة)۔ وفی الھندیة اوائل الفصل الاول فی	میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول لیا ہے اور اسی پر فتوی دیا ہے، اور انقرویہ میں ہے قاضی فخر الدین نے فرمایا فتوی یہ ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا، تاتارخانیہ اھ، اور بزازیہ کی نوع القضاء میں ہے قاضیخاں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوی دیا ہے اھ، اور اس میں یہ بھی ہے انھوں نے العون میں فرمایا میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے اھ اور اسی میں ہے اگر مشترک اجیر پر شرط ضمان لگائی تو بعض نے کہا بالاتفاق ضامن ہوگا، اور فتوی یہ ہے کہ اس شرط کا کوئی اثر نہ ہوگا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ امین ہے اھ، اور اسی میں ایک مسئلہ میں تھوڑا بعد فرمایا ضامن نہ ہوگا اسی پر فتوی دیا جائے گا اھ اور جامع الفصولین میں فرمایا اور اس میں اس پر بزازی کا "ث" یعنی فقیہ ابواللیث کا قول ہم نے یہی اختیار کیا ہے اور "ھذ" کہا یعنی صاحب ذخیرہ نے، ہندیہ میں اجیر مشترک کی بحث کی ابتداء میں ہے

[1] الفتاوٰی التاتارخانیه

[2] فتاوٰی انقرویه کتاب الاجارہ باب فی ضمان الاجیر المشترك دارالاشاعة العربیه قندہار افغانستان ۲/ ۳۲۵

[3] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۷۸

[4] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۷۸

[5] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۸۸

[6] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۸۸

[7] جامع الفصولین

الاجیر المشترك قال فخر الدین وعلیه الفتوٰی وبه ناخذ اھ [1] وفیھا اواخر الفصل المذکور ایضاً عن الکبری الفتوی علی انه لاتضمن الاجیر المشترك الامااتلف بصنعه [2]۔	فخر الدین نے فرمایا اسی پر فتوٰی ہے اور ہم نے اسی کو لیا ہے اھ اور اسی میں فصل مذکور کے آخر میں کہا کہ فتاوٰی کبرٰی میں بھی ہے کہ مشترک اجیر ضامن نہ ہوگا مگر جبکہ وہ خود سامان کو ہلاک کرے۔(ت)

اگرچہ مسئلہ تضمین اجیر مشترک میں جبکہ مال بے اس کے فعل کے کسی ایسے سے ضائع ہو جائے جس سے احتراز ممکن تھا اقوال وفتاوٰی سخت مختلف ہے، مگر ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس پر صورت مذکورہ میں مطلقاً تاوان نہیں اور یہی مذہب ہے امام ہمام ۱قاضی شریح و ۲امام عطا و ۳امام طاؤس و ۴امام مجاہد و ۵امام ابراہیم نخعی و ۶امام حماد بن ابی سلیمان استاذ امامنا الاعظم وغیرہم اکابر تابعین اور ۷امام زفر و ۸امام حسن بن زیاد وغیرہم ائمہ دین کا، اور ایک قول میں ۹امام شافعی نے بھی ایسا فرمایا اور وہ ایک روایت ہے ۱۰امام احمد سے بلکہ کہا گیا ۱۱امام محمد سے بھی اس کے مثل منقول ہوا، اور حضرت امیر المومنین ۱۲عمر فاروق اعظم اور ۱۳امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی ایک روایت یونہی وارد ہوئی بلکہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے قول ضمان چھوڑ کر اس طرف رجوع فرمائی بلکہ بعض علماء نے فرمایا یہ قول محل اجماع میں ہے، امام اجل شریح رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سرکار مرتضوی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے قاضی تھے ہزارہا صحابہ تابعین کے حضور ہمیشہ یہی حکم دیتے اور کوئی انکار نہ فرماتا کہ خود حضور پر نور حکم عدل خبیر محمد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث وارد، اور بعینہٖ یہی حکم حضور والا علیہ افضل الصلٰوۃ والثناء سے مروی اور انھیں تک ہی سب غایتوں کی غایت اور وہی ہیں سب نہایتوں کی نہایت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(ابوحنیفة)عن بشر الکرنی عن محمد بن علی عن ابیه عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لاضمان علی قصار ولا صباغ [3]۔	ابوحنیفہ بشر الکوفی سے اور وہ اپنے والد سے انھوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وایت کیا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: دھوبی اور رنگریز پر ضمان نہیں۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثامن والعشرون الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۰۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثامن والعشرون الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۱۱

[3] جامع المسانید الباب الثالث عشر دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۹

اور اسی پر جزم فرمایا: [۱۴]ملتقی و[۱۵]وقایہ و[۱۶]نقایہ و[۱۷]غرر و[۱۸]اصلاح و[۱۹]تنویر وغیرھا متون میں اور یہی مقتضی ہے اطلاق [۲۰]قدوری و [۲۱]ہدایہ و[۲۲]کنز و[۲۳]مجمع وغیرہا متون کا، غرض عامہ متون اسی پر ہیں، اور اسی پر فتوی دیا امام فقیہ [۲۴]ابوالیث سمرقندی اور امام اجل [۲۵]قاضیخاں اور [۲۶]امام ظہیر الدین مرغینانی اور [۲۷]امام افتخار الدین طاہر صاحب خلاصہ وغیرہم اکابر معتمدین نے، بلکہ امام اجل ظہیر اول اس کے قائل نہ تھے بعدہ اس طرف رجوع لائے اور اسی کو راجح و مختار و معتمد و مفتٰی بہ ٹھہرایا، [۲۸]مضمرات و[۲۹]ذخیرہ و[۳۰]ابانہ و[۳۱]عون و[۳۲]تاتارخانیہ و فتاوٰی کبری و[۳۳]فتاوٰی بزازیہ و[۳۴]محیط و وقایہ و ملتقٰی و اصلاح و تتمہ و[۳۵]تنویر و[۳۶]منح و[۳۷]درر وغیرہا جمہور ائمہ کے تصانیف معتمدہ میں، اور اس کی ترجیح مقتضٰی [۳۸]ہدایہ کا ہے اور یہی امام سے ظاہر الروایۃ ہے۔ عام معتبرات میں اسی پر فتوی دیا، اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا، تو یہی مذہب ٹھہرا، ذرا چشم انصاف اس مذہب مذہب کی سطوت و شوکت ملاحظہ کرے۔

اما ان شریحا یقول به (فمحمد) فی الاثار عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراہیم ان شریحا لم یضمن اجیرا قط [1]۔ (**قلت**) وارسله الامام فی المسند عن النخعی، واما عطاء وطاؤس فعزاه الیہما فی الخلاصة و الخیریة وغیرهما، والی مجاهد ایضا فی الخلاصة والی ابراهیم فی الحاشیة الطحطاویة علی الدر المختار والی حماد فی غایة البیان عن مختصر الامام الکرخی، والی زفر والحسن فیها والایضاح وفی الهندیة ومجمع الانهر واما انه قول الشافعی وروایة عن احمد فیستفاد من شرح	لیکن بیشک قاضی شریح اس کے قائل ہیں، تو امام محمد نے آثار میں امام ابوحنیفہ انھوں نے حماد انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا کہ قاضی شریح نے کبھی اجیر کو ضامن نہ بنایا، **قلت** (میں کہتا ہوں) اور اس کو امام ابوحنیفہ نے مسند میں بطور ارسال ابراہیم نخعی روایت کیا امام طاؤس اور عطاء ان دونوں کی طرف خلاصہ اور خیریہ وغیرہما منسوب کیا اور مجاہد کی طرف بھی خلاصہ میں اور ابراہیم کی طرف درمختار پر حاشیہ طحطاوی میں اور حماد کی طرف غایۃ البیان میں مختصر الامام الکرخی سے منقول اور امام زفر و امام حسن کی طرف غایۃ البیان، ایضاح، ہندیہ اور مجمع الانہر میں منسوب ہے۔ لیکن امام شافعی کا قول ہے اور امام محمد سے ایک روایت ہے تو یہ نسفی کے متن

[1] کتاب الآثار لامام محمد رحمه الله باب ضمان الاجیر المشترك حدیث ۷۸۰ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۷۳

العینی علی متن النسفی، وقد ذکر الاتقانی انه الاصح عندھم نقل ذٰلك عن وجیزھم، وحکایته محمد ذکرھا الامام قاضیخاں فی فتاواہ، واما روایة عن عمرو علی رضی ﷲ تعالٰی عنهما فالطوری فی شرح الکنز والسید احمد فی حاشیة الدر۔ (**قلت**) ورأیت فی مسند الامام (ابوحنیفة) عن یونس بن محمد عن ابی جعفر محمد بن علی عن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی ﷲ تعالٰی عنه انه کان لایضمن القصار والصباغ [1] (واخری) زاد فیها والاالحائك [2] واما رجوع علی ان ھذا فالطحطاوی عن الاتقانی عن شرح الکافی، (**قلت**) ای للامام شیخ الاسلام الاسبیجابی وقد رأیته فی غایة البیان نقلاعنه واشار الیه المولی بحر العلوم فی فواتح الرحموت واما حلوله محل الاجماع فالاتقانی ایضا حیث قال کان حکم شریح بحضرۃ الصحابة والتابعین من

پر عینی کی شرح سے مستفاد ہے اور اتقانی نے ذکر کیا کہ ان کے ہاں اصح ہے یہ بات انھوں نے ان کی وجیز سے نقل کی ہے، اور امام محمد سے اس نقل کو امام قاضیخاں نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے لیکن حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کو توطوری نے کنز کی شرح اور سید احمد نے حاشیہ درمختار میں ان دونوں سے روایت کیا۔

قلت (میں کہتاہوں) میں نے مسند امام ابوحنیفہ میں یونس بن محمد انھوں نے ابوجعفر محمد بن علی انھوں نے امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دھوبی اور رنگریز اور دوسری روایت میں حجام کا ذکر بھی ہے کہ آپ ان سے ضمان نہ لیا کرتے تھے، لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس طرف رجوع کرنا تو اس کو طحطاوی نے اتقانی کے حوالہ سے شرح کافی سے نقل کیا ہے **قلت** (میں کہتاہوں) یعنی امام الشیخ الاسلام اسبیجابی کی شرح سے، اور بیشک میں نے اس کو غایۃ البیان میں ان سے منقول پایا اور بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں اس کی طرف صرف اشارہ کیا ہے لیکن اس کا مرتبہ اجماع میں ہونا تو اتقانی نے بھی کہا ہے جہاں انھوں نے بیان کیا کہ قاضی شریح کا فیصلہ صحابہ اور تابعین کی موجودگی میں ان کی

[1] جامع المسانید الباب الثالث عشر دارالکتب العلمیه بیروت ۲/ ۵۰

[2] جامع المسانید الباب الثالث عشر دارالکتب العلمیه بیروت ۲/ ۵۰

غیر نکیر فحل محل الاجماع [1] اھ۔**قلت** فیه ان لا تکیر علی القضاۃ فی الاجتھادیات فالسکوت فی امثال المقام لایدل علی الوفاق ونقل الاتقانی نفسه فقال قال شرح شیخ الاسلام الاسبیجابی فی شرح الکافی قبیل باب الرجل یستصنع الشیئ کانت المسئلة مختلفا فیھا بین الصحابة والتابیعن فابوحنیفة رجح اقوال البعض علی البعض [2]اھ واما انصوص الملتقی والوقایة والنقایة والاصلاح والکنز الغرر والتنویر والمنح والتاتارخانیة و البزازیة وفتوی ابی اللیث وقاضیخان وابن عبدالرشید وصاحب الذخیرۃ والابانة والعون فقد سمعت کل ذٰلك واما مجمع البحار فعزالیه فی ردالمحتار اثری الفتوی وعن الامام الظھیری فی الخلاصة والخیریة و العلمگیریة والعمدۃ والعمادیة والمنح وغیرھا، و رجوعه الی ھذافیھا الا الخبریة وعن المضمرات و الذخیرۃ ایضا فی شرح النقایة وعن التتمة والمحیط فی الایضاح شرح الاصلاح فی حاشیة الطحطاوی ورد المحتار،واما ان ترجیحه مقتضی صنیع الھدایة فلتقدیمه القول

طرف سے کسی انکار کے بغیر ہوا ہے تو یہ اجماع کے مرتبہ میں ہوا اھ، **میں کہتا ہوں** اس میں یہ اعتراض ہے کہ اجتہادات میں قاضیوں پر اعتراض نہیں ہوا کرتالہٰذا ایسے مقام میں سکوت تائید پر دال نہیں ہوگا جبکہ خود اتقانی نے نقل کیا ہے اور کہا کہ شیخ الاسلام اسیجابی نے شرح کافی میں پیشگی آرڈر پر شیئ بنوانے کے باب سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے کہ اجیر کے ضمان کا مسئلہ صحابہ اور تابعین کے دور میں مختلف فیہ رہا ہے تو امام ابوحنیفہ نے ان کے اقوال میں بعض کو ترجیح دی ہے اھ۔لیکن ملتقی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، کنز، غرر، تنویر، منح، تاتارخانیہ، اور بزازیہ کی نصوص اور ابواللیث قاضیخاں، ابن عبدالرشید، صاحب ذخیرہ، ابانۃ، اور عون کے فتاوٰی تو آپ سن چکے ہیں، لیکن مجمع البحار تو اس کی طرف ردالمحتار میں فتوٰی منسوب کیا ہے، اور امام ظہیری سے خلاصہ، خیریہ، عالمگیریہ، عمدہ، عمادیہ اور منح وغیرہ میں نقل موجود ہے، اور ان کا اس طرح رجوع کرنا خیریہ کے علاوہ تمام مذکورہ کتب میں موجود ہے اور مضمرات اور ذخیرہ سے بھی شرح نقایہ میں منقول ہے اور تتمہ اور محیط سے ایضاح شرح اصلاح اور حاشیہ طحطاوی اور ردالمحتار میں منقول ہے، اور لیکن اس کی ترجیح تو یہ ہدایہ کی عادت کہ بطور قول مقدم کرنا

[1] حاشیه الطحطاوی بحواله اتقانی کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دار المعرفة بیروت ۵۴/۳

[2] غایة البیان

وتاخیرہ الدلیل واما انہا ھی ظاھر الروایۃ عن الامام فالشامی وغیرہ فی العقود الدریۃ وغیرھا وامام الجزم بہ فی المتون والافتاء بہ فی عامۃ المعتنبرات حتی کان ھو المذہب فقد سمعت نص المولٰی ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ التمرتاشی وتبعہ اُفندی شیخی زادہ و المدقق الحصکفی، واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس کی دلیل کو مؤخر کرنے کا مقتضی ہے، لیکن یہ کہ امام سے یہ ظاہر روایت ہے تو یہ شامی وغیرہ کی عقود الدریۃ وغیرہ میں ہے، لیکن اس پر متون اور فتوٰی کا جزم تو یہ عام کتب میں موجود ہے حتی کہ اس کو مذہب کہا ہے، آپ اس پر ابو عبداللہ تمرتاشی کی نص سن چکے ہیں اور شیخی زادہ اور مدقق حصکفی نے ان کی اتباع کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

بالجملہ مذہب امام غایت درجہ قوت وجلالت وثبات ومتانت پر واقع ہے، **بحیث لاتزعزع جوانبہ صیحۃ صائح ولا تزلزل ارکانہ صولۃ صائل وانا اقول: وللہ التوفیق** (ایسے کہ اس کے اطراف کو کسی کی چیخ نے متاثر نہ کیا اور نہ ہی اس کے ستونوں کو کسی طاقتور کی طاقت نے جنبش دی، اور میں کہتا ہوں حالانکہ توفیق اللہ تعالٰی ہی سے ہے۔ ت)

ممارس فن جب بہ نگان امعان ہمارے اس تلخیص عبارت وتحسین اشارت پر نظر کریں تو **انشاء اللہ تعالٰی** اس پر مہر نیمروز ماہ نیم ماہ کی روشن وبین ہوگا کہ یہاں مذہب امام رضی اللہ تعالٰی عنہ بوجوہ کثیرہ اور اقوال پر جو اس کے مخالف ومنافی ہیں ترجیح واضح رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ بھی مذیل بالافتاء والتصحیح ہوں کہ مطلقاً اختلاف فتوٰی مستلزم تعادل واستواء نہیں۔

اوّلاً: عامہ متون نے اس پر جزم کیا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متون شروع اور شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں **وھذا یعرفہ کل من لہ معرفۃ فی الفقہ** (اس کو فقہ کی معرفت والا ہر ایک جانتا ہے۔ ت) علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

اذا اختلف المتصحیح والفتوی فالعمل بما وافق اطلاق المتون اولی[1]۔	جب تصحیح اور فتوٰی میں اختلاف پایا جائے تو پھر متون کی موافقت میں عمل اولٰی ہے۔ (ت)

علامہ بیری شرح اشباہ میں غیر مذہب امام پر بعض جگہ فتوٰی دیا جانا ذکر کرکے کہتے ہیں:

ینبغی ان یکون ھذا عند عدم ذکر اہل المتون للتصحیح والا فالحکم بما فی المتون	یہ اس وقت مناسب ہے جب متون میں تصحیح کا ذکر نہ ہو ورنہ حکم وہی ہوگا جو متون نے بیان کیا

[1] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب فی قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۸۶

کمالایخفی لانہاصارت متواترہ [1]۔	جیسا کہ مخفی نہیں کیونکہ ایسے میں وہ حکم متواتر ہو جاتا ہے۔(ت)

محقق شامی آفندی حاشیہ در میں بحث تخییر مفتی وقت اختلاف میں لکھتے ہیں:

اقول: وینبغی تقیید التخییر ایضابما ذا لم یکن احدالقولین فی المتون لما قد مناہ انفا عن البیری ولما فی قضاء الفوائت من البحر من انہ اذا اختلف التصحیح والفتوٰی فالعمل بماوافق المتون اولی [2]۔	میں کہتاہوں اور مفتی کے اختیار پر یہ پابندی بھی مناسب ہے کہ جب متون می کوئی قول نہ ہو تو پھر اسے اختیار ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیری سے نقل کیا ہے اور بحر کے قضاء الفوائت سے نقل کی وجہ سے کہ جب تصحیح اور فتاوی میں اختلاف پایا جائے تو متون کے موافق عمل بہتر ہے۔(ت)

ثانیًا: یہ قول" قول امام ہے اور ہم قول امام سے عدول نہیں کرتے جب تک کوئی ضرورت یا ضعف حجت نہ ہو اور یہاں ضعف کیسا، جو قوت وشہرت ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام نہ ترک کیا جائے اگرچہ مشائخ دوسرے قول پر فتوٰی دیں چہ جائے آنکہ جمہور اکابر کا فتوٰی اسی طرف ہو۔ پھر اسے مہجور کیا جائے، بحر الرائق میں ہے:

بھٰذا ظھر انہ لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم ولایعدل عنہ الی قولھما اوقول احد ھما اوغیرھما الالضرورۃ من ضعف دلیل اوتعامل بخلافہ کالمزارعۃ وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما [3]۔	اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوی دیا جائے گا اور عمل کیا جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ یا ان میں سے ایک یا کسی غیر کے قول کی طرف عدول نہ کیا جائے گا الا یہ کہ پیش کردہ دلیل کمزور ہو یا تعامل اس کے خلاف ہو مثلاً مزارعت کا تعامل ورنہ مطلقًا فتوٰی امام صاحب کے قول پر ہوگا اگرچہ مشائخ تصریح بھی کردیں کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہیں۔(ت)

اسی طرح علامہ فہامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں ذکر فرمایا:

---

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح البیری مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[3] بحرالرائق کتاب الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴

واولہ المقرر عندنا انہ لایفتی الخ واٰخرہ لانہ صاحب المذھب والامام المقدم [1]۔	پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلمہ امر ہے کہ فتوٰی اور عمل امام صاحب کے قول پر ہی ہوگا، اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ہی صاحب مذہب اور اول امام بھی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وکذا لایتخیر (ای المفتی فی الافتاء بماشاء عند اختلاف الفتیا) لوکان احدھما قول الامام والاخر قول غیرہ لانہ لماتعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام [2] الخ۔	یونہی مختار نہ ہوگا (یعنی فتاوٰی میں اختلاف کے موقعہ پر مفتی کو اپنی مرضی کا فتوٰی دینے کا اختیار نہیں) جبکہ ایک امام صاحب کا قول ہو اور مقابلہ میں کسی میں دونوں قول ہو، کیونکہ تعارض کی صورت میں دونوں قول ساقط ہوجاتے ہیں تو ہم اصل کی طرف راجع ہوں گے اور وہ امام کے قول کا مقدم ہونا ہے الخ۔ (ت)

ثالثًا: جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے یہاں تک کہ قریب اجماع کہا گیا:

ولاشك ان قول الجمھور الذین منھم امامنا خیرلنا من بعض لیس ھومنھم۔	اس میں شک نہیں جمہور جن میں ہمارے امام بھی ہوں وہ ہمارے لئے بہتر ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جمہور میں شامل نہ ہوں۔ (ت)

رابعًا: خود حضور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث مروی ہے، بخلاف اور مذاہب کے کہ وہاں حدیث مرفوع کا نام بھی سننے میں نہ آیا۔

خامسًا: قول امام پر فتوٰی دینے والے اجلہ ائمہ مالکان ازمہ ترجیح وافتاء معروفین بالاتفاق مشارالیہم بالبنان ہیں جیسے امام ابواللیث سمرقندی وامام محقق برہان الدین مرغینانی وامام ظہیر الدین مرغینانی وامام افتخار الملۃ والدین طاہر بن بخاری وغیرہم من الجلۃ الاکابر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین، بخلاف مذہب صاحبین کہ اس پر فتوٰی غالبا بالفاظ نقارت وابہام منقول ہوا۔ من الناس من افتی بقولھما [3] (بعض لوگوں نے صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا ہے۔ت) دوسری جگہ ہے: قول بعضھم بہ یفتی [4] (بعض نے یہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۹

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۱

فتوٰی دیا ہے۔ت) شرح کنز میں ہے: **بہ یفتی بعضھم**[1] (اسی پر بعض نے فتوٰی دیا ہے۔ت) خلاصہ وبزازیہ میں ہے: **بعض العلماء اخذوا بقولھما**[2] (بعض علماء نے صاحبین کا قول لیا ہے۔ت) شاید یہی وجوہ ہیں کہ جس قدر کتابیں اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں یہ تو بکثرت ہے کہ صرف قول امام پر فتوٰی نقل کیا اور قول صاحبین کو ترجیح سے معرّی رکھا اور اس کا عکس ہرگز نہ فرمایا جس سے ظاہر کہ علماء قول صاحبین پر مطمئن نہیں رہے تبیین کا حکم **بقولھما یفتی**[3] (صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا جائے گا۔ت) سوا ان اکابر اساطین مذہب اور فاضل زیلعی میں جو فرق ہے کسے معلوم نہیں۔

سادسًا: جمہور کا فتوٰی اسی طرف ہے،

لما مر ان قد جعل الفتوی علیہ فی عامۃ المعتبرات۔	جیسا کہ گزرا کہ عام معتبر کتب میں اس پر فتوٰی جاری ہوا۔ (ت)

اور قول جمہور ہمیشہ منصور وغیر مہجور۔

الشامی عن الحاوی القدسی ان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین مما اعتمد علیہ الکبار المعروفون منھم کابی حفص وابی جعفر وابی اللیث والطحاوی وغیرھم ممن یعتمد علیہ[4]۔	علامہ شامی نے حاوی قدسی سے نقل کیا کہ اگر فقہاء کا اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کو لیا جائے گا پھر اکثریت ان لوگوں کی جن پر مشہور اکابر نے اعتماد کیا ہو ان میں جیسا کہ ابوحفص، ابوجعفر، ابواللیث اور طحاوی وغیرہم معتمد علیہ لوگ ہیں۔ (ت)

سابعًا: اس قول پر فتوٰی دینے والے ایک امام علامہ فخر الملۃ والدین حسن بن منصور اوزجندی ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور یہ امام فارس میدان ترجیح و تصحیح ہیں جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، ان کے فتوٰی سے عدول نہ کیا جائے، علامہ خیر الدین رملی حاشیہ جامع الفصولین میں فرماتے ہیں:

علیك بما فی الخانیۃ فان قاضیخان من اھل التصحیح والترجیح[5]۔	خانیہ کا بیان کردہ تجھ پر لازم ہے کیونکہ قاضیخاں اہل تصحیح وترجیح میں سے ہیں (ت)

---

[1] رمز الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۵۶

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الفصل السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۶

[3] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۳۵

[4] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۸

[5] اللآلی الدریۃ فی الفوائد الخیریۃ حاشیہ جامع الفصولین الفصل الثامن عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۶

علامہ قاسم تصحیح القدوری میں فرماتے ہیں:

مایصححه قاضیخاں من الاقوال یکون مقدما علی مایصححه غیر لانه کان فقیه النفس [1]۔	قاضیخاں کا تصحیح کردہ قول دوسرے کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔(ت)

سید احمد حموی غمز العیون میں اسے نقل کرکے مقرر رکھتے ہیں، فاضل سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

الذی یظھر اعتماد فی الخانیة لقولھم ان قاضیخان من اجل من یعتمد علی تصحیحاته [2]۔	قاضیخاں کے بیان پر اعتماد کی وجہ فقہاء کا یہ فرمان ہے کہ قاضیخاں جلیل الشان وہ شخص ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔(ت)

فاضل محمد امین ابن عابدین عقود الدریہ میں فرماتے ہیں:

مایصححه قاضی خان مقدم علی مایصححه غیرہ [3]۔	قاضی خاں کی تصحیح شدہ غیر کی تصحیح شدہ پر مقدم ہے۔(ت)

اب تو بحمداللہ عرش تحقیق مستقر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں قول امام بلا شبہ امام الاقوال واقوی الاقوال ہے جس سے بلا ضرورت ہر گز تجاوز نہ چاہئے، یہ تو اصل مذہب پر بحث تھی، اگر بنظر تغیر زمان آرائے علمائے خلف پر نظر کیجئے تو یہاں جماعت کثیرہ ائمہ متاخرین کا قول قوی باشوکت مرجح مصحح مفتی بہ یہ ہے کہ اگر اجیر مرد صالح ومتدین ہے تو ضمان نہیں، اور خائن دغاباز ہے تو ہے اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت پر صلح کرلیں، صاحب محیط نے فوائد میں اس پر جزم فرمایا:

کما فی الخیریة [4] عن جامع الفصولین۔	جیسا کہ خیریہ میں جامع الفصولین سے منقول ہے۔(ت)

بہت بعد متاخرین نے اس پر فتوی دیا، کما فی الحامدیة (جیسا کہ حامدیہ میں ہے۔ت) بلکہ علامہ حامد آفندی فرماتے ہیں فقیہین جلیلین ابوجعفر وابواللیث نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور فرماتے ہیں یہ قول

[1] غمز عیون البصائر بحوالہ تصحیح القدوری الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۵

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۵

[3] العقود الدریۃ کتاب الاجارات ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۰۳

[4] فتاوی خیریہ کتاب الاجارہ باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۱

سب سے اولٰی اور اسلم ہے [1] اور یہی فتوٰی ہے امام جلال الدین زاہدون کا، **کما فی المنح الغفار والطحطاویۃ** [2] (جیسا کہ منح الغفار اور طحطاوی میں ہے۔ت) علامہ خیر الدرین رملی استاد صاحب درمختار، علامہ سید اسعد مدنی مفتی مدینہ منورہ تلمیذ صاحب مجمع الانہر اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں: **ما احسن التفصیل الاخیر** [3] (آخری تفصیل کیا ہی اچھی ہے۔ت) فاضل شامی فرماتے ہیں:

قد اختلف الافتاء وقد سمعت مافی الخیریۃ [4]۔	فتوے مختلف ہیں جبکہ آپ نے خیریہ کا بیان سن لیا ہے۔(ت)

اور فی الواقع یہ اس اعلٰی درجہ نفاست ومتانت واحتیاط رزانت ومراعات جانبین وحفظ مذہب ولحاظ زمانہ پر وقع اور تمام خوبیوں کا جامع ہے کہ خواہی نخواہی قلوب اس خاطر جھک جائیں اور تشتت اقوال وفتاوٰی کے پریشان کئے ہوئے ذہن سے سنتے سکون و اطمینان پائیں، ہم امید کرتے ہیں کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے اور اس قول کو ان کے حضور عرض کیا جاتا بیشک پسند فرماتے، اس قول پر بھی **مانحن فیہ** (زیر بحث مسئلہ) میں ضمان لینا جائز نہیں کہ سائل تصریح کرتا ہے کہ وہ پیشہ ور معتبر دیانتدار ہے سالہاسال سے کام کرتا رہا کبھی اس سے کوئی خیانت ماحفظ میں غفلت واقع نہ ہوئی برسوں کے بعد اتفاقًا اس کے پاس سے یہ مال گم ہوگیا، یوں تو آدمی کے پاس اپنا مال باوجود حفظ تام واحتیاط کامل ضائع وہلاک ہوجاتا ہے، پھر یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے مال میں خائن ہے۔

بالجملہ جہاں تک نظر فقہی کی مجال ہے صورت مستفسرہ میں ضمان نہ آنا ہی اقوی الاقوال ہے:

ولئن تتنزلنا فلاشك فی شدۃ قوتہ وانہ من احسن ما افتی بہ فلایمکن حجر المفتی عن الافتاء بہ ابدا فیاخیبۃ عــہ **من حکم علیہ بالغلط**	اگر بطور تنزل مان بھی لیں پھر بھی اس کی قوت میں شک نہیں اور وہ فتوٰی کے لئے نہایت احسن ہے تو کسی وقت بھی مفتی اس پر فتوٰی سے باز نہ رہے، خسارہ ہے اس شخص کو جس نے اس پر غلط ہونے کا

عــہ: مولوی امیر احمد سہسوانی۔

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارات ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۱۲۔۱۱۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۱، الفتاوٰی الاسعدیۃ کتاب الاجارۃ المطبعۃ الخیریۃ مصر ۲/ ۲۷۶

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱

بغیاً وحسدا وکیف یسوغ ذلك مع اختلاف الفتیاً هنالك ولکن الحسد حسك من تعلق به هلك و فیما ذکرنا عبرۃ لمن اعتبر وتذکرۃ لمن ارادان یتذکر وھو جملۃ یسیرۃ من مباحث کثیرۃ فلئن قنع فقیه مقنع والافعندنا بحمدالله افواج من الکلام فی میدان ھذا المقام فیھا العدود والعدۃ والباس والشدۃ فلئن لم ینته فسیری ان شاء الله تعالٰی شوارق تحقیقات زھرت فبھرت عینو المنافقین و بوارق تدقیقات سطحت فقطعت قلوب العارضین و قوله وانا متبری من الحول والقوۃ اذلاحول ولاقوۃ الاباللّٰه العلی العظیم وصلی الله تعالٰی علی سیدنا و مولٰنامحمد وٰاله وصحابه اجمعین اٰمین!	حکم لگایا ہے حسد اور بغاوت کرتے ہوئے فتاوٰی کے اختلاف کے باوجود اس کی کیا گنجائش ہے، لیکن حسد ایسی مرض ہے جس کو لاحق ہو جائے ہلاک کردیتی ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کردیا ہے اس میں سوچ والے کے لئے عبرت ہے اور نصیحت حاصل کرنے والے کے لئے اس میں تذکرہ ہے اور یہ کثیر مباحث کا آسان خلاصہ ہے اگر فہم والا اس پر قناعت کرلے تو یہ کافی ہوگا۔ ورنہ بحمد اللہ تعالٰی ہمارے پاس اس مقام میں کلام کا ذخیرہ ہے اس میں تعداد، تیاری، سختی اور شدت سب کچھ ہے اگر باز نہ آئے تو ان شاء اللہ وہ ایسی روشن تحقیقات کو دیکھے گا جو رونق افروز ہو کر منافقین کی آنکھوں کو پریشان کردیں گی اور ایسی چمک دار تدقیقات کو بھی جو پھیل کر معاوضہ کرنے والوں کے دلوں کو کاٹ دیں گی اور اس کی بات کو ختم کردیں گی اور میں اس حول اور قوۃ سے برات رکھتا ہوں کیونکہ حول اور قوۃ اللہ تعالٰی عظیم وبلند کے سوا کسی سے نہیں ہے وصلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا محمد وٰاله وصحبه اجمعین آمین! (ت)

مسئلہ ۱۴۶: جناب مولوی صاحب! قبلہ وکعبہ وہ جہان سلامت! بعد آداب وتسلیمات کے فدوی خدمت مبارک میں یوں عرض کرتا ہے کہ کمترین پہلے پیشہ معماری میں اپنی اوقات بسر کرتا تھا پھر منشی ثناء اللہ صاحب نے ایک مدرسہ تکیہ میں واسطے تعلیم القرآن مجید کے تعمیر کرادیا اس میں انھوں نے مجھ کو واسطے تعلیم اطفال کے مقرر کیا اس طرح کہ تم للہ لڑکوں کو قرآن پڑھاؤ اور ہم تمھارے اہل عیال کے خورد ونوش کے واسطے مبلغ چار روپیہ ماہوار للہ دیا کریں گے، میں اس امر کو قبول ومنظور کرکے پڑھاتا رہا، اسی تنخواہ پر قانع رہا کسی لڑکے سے کچھ

طلب نہ کیا، دو سال تو منشی صاحب تنخواہ برابر دیتے رہے بعد کو انھوں نے موقوف کردیا، چونکہ اور کوئی میری معاش نہ تھی مجبوراً مکتب کو بدستور قائم رکھا، اور درس دیتا رہا، لیکن کسی شاگرد سے کچھ ماہوار متعین نہ کیا کہ مواخذہ آخرت نہ ہو، ہاں جو کسی نے دے دیا سو لے لیا اور جس نے نہ دیا اس سے طلب نہ کیا، اب لڑکے بہت قلیل رہ گئے ہیں ان میں سے بھی بعض دیتے ہیں اور بعض نہیں دیتے جس میں کوئی (۱۲/) ماہوار کا حساب ہوجاتا ہے نوبت فاقہ کی بھی پہنچ جاتی ہے، اس پر قناعت کرکے شکر الٰہی بجالاتا ہوں، اب مجھ پر ایک شخص نے یہ اعتراض کیا کہ جو کچھ لڑکوں سے مجھ کو ملتا ہے ہر طرح حرام ہے خواہ وہ اجرت سمجھ کر دیں یا بطور عنداللہ۔

پس اس مسئلہ کو آپ سب صاحب سے دریافت کرتا ہوں آیا یہ مال حلال ہے یا حرام؟ براہ خدا اس کا جواب مزین بمہر کرکے عنایت ہو کہ تردد رفع ہو اور وہ معترض حدیث کا قائل ہے فقہ کا نہیں۔

الجواب:

سائل پر شرعاً کوئی الزام نہیں اور جو کچھ اسے ماہوار مل جاتا ہے حلال طیب ہے، اور کیفیت مذکورہ سوال سے اس کے نہایت صبر استقلال وطلب وجہ حلال وخوف مولٰی ذوالجلال پر دال ہے، **جزاہ اللہ تعالٰی خیرا** بلکہ اگر وہ سب پڑھنے والوں سے اپنا ماہوار مقرر کرلے جب بھی جائز ہے اور مذہب مفتٰی بہ پر اصلاً مضائقہ نہیں۔

فی حاشیۃ البحر الرائق للعلامہ خیرالدین الرملی فی کتاب الوقف المفتی بہ جواز الاخذ استحساناً علی تعلیم القراٰن[1] الخ ومثلہ فی کثیر من الکتب۔	بحرالرائق پر خیر الدین رملی کے حاشیہ میں کتاب الوقف کی بحث میں ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا مفتی بہ قول پر جائز ہے الخ ایسی عبارت کثیر کتب میں موجود ہے۔ (ت)

معترض کا اعتراض محض بیجا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ للہ سمجھ کر دیتے ہیں جب بھی حرام ہے۔ شریعت مطہرہ پر کھلا ہوا افتراء اگر پڑھنے والوں نے اتنے تنگدست استاذ کی لوجہ اللہ خدمت کی کیا گناہ ہوا، اور استاد کو اس کا لینا کیونکر حرام ٹھہرا، یہ محض جہالت و تعصب ہے، اللہ جل وعلا فرماتا ہے:

"لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا	اپنی زبانوں پر جاری جھوٹ والا قول نہ کرو کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالٰی پر

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۲۲۸

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ "[1]	جھوٹ افتراء بناؤ، بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء بناتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے (ت)

اوراس سے بڑھ کراس کا جہل مرکب یہ ہے کہ مسائل شرح سے انکار رکھتا ہے، سبحان اللہ جہالت کی یہ حالت اور فقہاء سے نفرت، بیشک ایسے ہی لوگ حدیث سے احکام سمجھنے کے قابل ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون o خیر اگر وہ حدیث ہی مانگیں تو خاص بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روایت ہے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان احق ماا خذتم علیہ اجرا کتاب اللہ[2]۔	یعنی قرآن مجید سب چیزوں سے زیادہ اس لائق ہے کہ تم اس پر اجرت لو۔

امام علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تیسیر شرح جامع صغیر حدیثی میں اس حدیث کی شرح لکھتے ہیں:

فاخذ الاجرۃ علی تعلیمہ جائز[3] الخ۔	یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن پڑھانے پر اُجرت لینا جائز ہے۔ الخ (ت)

معترض پر فرض ہے کہ ان جہالتوں سے باز آئے اور مسائل شرع میں بے علم وفہم زبان کھولنے سے توبہ کرے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی جل جلالہ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷تا۱۴۹: مرسلہ حاجی الٰہ یار خاں صاحب ۱۱رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ا فی زمانناز میندار اپنے اپنے گاؤں کے تالابوں یا جھیلوں یا دریا سے جو اپنے گاؤں کی حد میں ہوتا ہے مچھلیاں پکڑواتے ہیں اور نصف حق زمین داری سے آپ لیتے ہیں اور نصف پکڑنے والے کو دیتے ہیں، اور زمیندار تالاب یا جھیلوں یا دریا کو اپنا مملوکہ جانتے ہیں اور تالاب وغیرہ سے بغیر جال کے مچھلیاں پکڑنے پر قادر نہیں ہیں، ۲ او رکبھی ایسا ہوتا ہے کہ مچھلیاں ان تالابوں یا جھیلوں کی فروخت کر ڈالتے ہیں یعنی کھار وغیرہ، وتالاب مول لے لیتے ہیں جس قدر مچھلیاں اس میں ہوتی ہیں وہ جال وغیرہ سے شکار کرکے لے جاتے ہیں، جابجا گاؤں میں اس کا رواج ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب الشروط فی الرقیتہ بقطیع من الغنم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۴

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی تحت حدیث ان حق ما اخذ علیہ الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۰۹

اور کسی اسامی کو اس میں کچھ عذر بھی نہیں ہوتا، (۳) اور گھاس بھی گاؤں کی زمیندار فروخت کرتا ہے، اس کو بھی اپنا مملوکہ سمجھ رہا ہے، اور رواج بھی ہے، اس میں بھی کسی دوسرے گاؤں وغیرہ کی رعایا کو کچھ عذر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ خود خرید لیتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ یہ سوال تین مسئلوں پر شامل ہے:

مسئلہ اولٰی: زمینداروں کا اپنے دیہات کے تالابوں سے مچھلیاں نصف پر صید کرانا۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق اس کے جواب میں اول تنقیح اس امر کی ضرور ہے کہ آیا وہ مچھلیاں زمینداروں کی مملوک ہیں یا نہیں، اس بارے میں حکم شرع یہ ہے کہ اگر زمینداروں نے وہ تالاب اس غرض کے لئے مہیا کئے ہیں کہ برسات کے پانی جو ندیوں سے مچھلیاں بہا کر لائیں ان میں فراہم ہو کر ہمارے ملک میں آئیں تو بلاشبہ جو مچھلیاں ان میں جمع ہوں گی ان زمینداروں کی ملک خاص ہوں گی، اور اگر تالاب اس لئے مہیا نہ کئے مگر جب پانی بہا کر لایا انھوں نے ان کی روک کرلی، کوئی مینڈھا وغیرہ ایسا باندھ دیا کہ اب مچھلیاں بہاؤ میں نہ نکل جائیں تو بھی وہ مچھلیوں کے مالک ہوگئے، ان دونوں صورتوں میں کسی کو بلااذن زمینداران ان مچھلیوں کا پکڑنا اور اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی صید کرے تو زمیندار کہ شرعًا اس کا مالک ہے ایک ایک مچھلی اس سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا، نہ تالاب انھوں نے اس غرض کے لئے مہیا کئے نہ بعد مچھلیاں آنے کے ان کی روک کی، تو البتہ وہ مچھلیاں اپنی اباحت اصلیہ پر باقی ہیں کہ انھیں جو پکڑے گا مالک ہوجائے گا، اور زمیندار کو اس سے واپس لینا جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں، ردالمحتار و فتح القدیر وغیرہما میں ہے:

اذا دخل السمك فی خطیرة فاما ان یعدھا لذلك اولا ففی الاول یملکه ولیس لاحد اخذہ ثم ان امکن اخذہ بلاحیلة جاز بیعه لانه مملوك مقدور التسلیم والالم یجز لعدم القدرة علی التسلیم، و	جب مچھلی تالاب میں آجائے تو اگر جال اسی غرض سے لگایا گیا تھا تو مچھلی کا مالک ہوجائے گا، اس موقعہ پر دوسرے کو وہ مچھلی پکڑنے کا حق نہیں پھر اس حال میں وہ تالاب میں آئی مچھلی کو حیلہ سازی کے بغیر پکڑ سکتا ہے، تو اس حالت میں اس مچھلی کو فروخت کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی ملک ہوچکی ہے جس پر قبضہ دینا ممکن نہیں ہے اور اگر حیلہ

فی الثانی لایملکہ فلایجوز بیعہ لعدم الملك الاان یسد الخطیرۃ اذا دخل، فح یملکہ ثم ان امکن اخذہ بلاحیلۃ جاز بیعہ والافلا [1]۔	کے بغیر پکڑی نہ جاسکے تواس کی بیع ناجائز ہے کیونکہ وہ مقدور التسلیم نہیں ہے اور دوسری یعنی تالاب اس مقصد کے لئے نہ لگایا گیا ہو، اس صورت میں مچھلی کا مالک نہ بنے گا لہٰذا فروخت بھی نہ کرسکے گا ہاں اگر اس صورت میں مچھلی داخل ہوجانے پر تالاب کو بند کرلے تو اب مالک ہوجائے گا اور حیلہ کے بغیر پکڑنے پر قادر ہو تو جائز ورنہ نہیں (ت)

پس دو صورتوں پیشیں میں کہ زمیندار مالک ماہی ہیں اگر انھوں نے نصف خود لیں ہرگز ظلم نہ کیا کہ وہ کل انھیں کی ملک تھیں بلکہ اگر زمیندار بعد اخذ وشکار ایک نصف مچھلیوں کا جدا کرکے برضائے خود اپنی طرف سے ہبہ صحیحہ تامہ نہ کردیں تو ان کے پکڑنے والوں پر لازم کہ یہ نصف بھی زمینداروں ہی کو واپس دیں اگرچہ ان میں باہم اس شکار کی اُجرت میں نصف مچھلیوں کا قرار داد ہولیا ہو کہ ایسا اجارہ ہی شرعاً فاسد ہے، غایت یہ کہ اس عقد اجارہ کی صورت میں اپنی محنت کی اجرت مثل لے لیں جو ان نصف مچھلیوں کی قیمت سے زائد نہ ہوں، مثلاً جتنی دیر انھوں نے دام کشی کی اس کی اجرت مثل ۴/ ہوتے ہیں اور مچھلیاں ۸/ یا اس سے زائد قیمت کی پکڑی گئیں جب تو یہ پورے ۴/ کے مستحق ہیں اور کم کی شکار ہوئیں تو آدھی مچھلیوں کے جو دام ہوں اس سے زیادہ نہ پائیں گے، فرض کیجئے جال میں ۶/ کی مچھلیاں آئیں تو انھیں ۳/ ملیں گے اور ۲/ کی تو ایک ہی آنہ، اور سو روپے کی تو وہی ۴/، درمختار میں ہے:

لودفع غزلا لاٰخر لینسجہ لہ بنصفہ ای بنصف الغزل او استاجر بغلا لیحمل طعامہ ببعضہ اوثورا لیطحن برہ ببعض دقیقہ، فسدت فی الکل لانہ استاجرہ بجزء من عملہ [2]۔	اگر کسی دوسرے کو سوت دیا کہ نصف پر بُن دے، یا خچر والے کو کہا غلہ نصف کے بدلے اٹھالے جا، یا بیل والے کو کہا کہ گندم کو کچھ آٹے کے بدلے پیس دے تو کل میں اجرت فاسد ہوگی کیونکہ اجیر کے بعض عمل کے بدلے اجارہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۶، فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹

[2] درمختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

قولہ فسدت فی الکل ویجب اجر المثل لایجاوز بہ المسمی زیلعی قولہ بجزء من عملہ،ای ببعض ما یخرج من عملہ،والقدرۃ علی التسلیم شرط،وھو لا یقدر بنفسہ زیلعی۔[1]	ماتن کا قول "کل میں فاسد ہوگا" اور مثلی اجرت واجب ہو گی جو مقررہ سے زائد نہ ہو زیلعی،اور اس کا قول "اس کے عمل کے بعض پر" یعنی اس کے عمل سے حاصل شدہ کے بعض کے بدلے اور قبضہ دینے کی قدرت شرط ہے جبکہ وہ خود بنفسہٖ اس پر قادر نہیں ہے۔زیلعی۔(ت)

اور صورت سوم میں جہاں زمیندار مالک ماہی نہیں ہوتے اگر زمینداروں نے ان شکار کرنے والوں کو اجارہ پر لیا اور وقت متعین کردیا،مثلاً آج دوپہر یا شام تک جال ڈالو،تو اس صورت میں جتنی مچھلیاں جال میں آتی جائیں گی سب ملک زمیندار ہوتی جائیں گی جن میں شکار کنندگان کا کوئی حق نہیں،بلکہ وہی اپنے عمل کی اُجرت پائیں گے تو اب بھی نصف مچھلیاں لینا ہرگز ظلم نہیں،بلکہ پکڑنے والے جو نصف لیں گے انھیں ناجائز ہے،ہاں اگر وقت معین نہ کیا تو بیشک مذہب راجح پر وہ مچھلیاں ملک شکار کنندگان ہوں گی،اور وہ کسی اجرت کے مستحق نہ ہوں گے **لکونھم عاملین لانفسھم** (اس لئے کہ وہ اپنے لئے خود عامل بن گئے۔ت) صرف اس چوتھی صورت میں یہ حکم ہے کہ زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہے۔تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

استاجرہ لیصید لہ فان وقت لذلك وقتا جاز والا لا،مجتبی،وبہ یفتی صیرفیۃ[2] اھ ملخصا۔	اگر کسی شخص کو شکار کرنے کے لیے اجرت پر رکھا اگر اس کے لیے وقت مقرر کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں،مجتبی،اور اسی پر فتوی ہے،صیرفیہ اھ ملخصًا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بہ یفتی صیرفیۃ قال فیہا ان ذکر الیوم فالعلف للاٰمر،والافللماٰمور،و ھذہ روایۃ الحاوی وبہ یفتی قال فی المنح وھذا یوافق ماقدمناہ عن المجتبی ومن ثم عولنا علیہ فی المختصر[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم	اس کا قول،اسی پر فتوٰی صیرفیہ،اس کتاب میں ہے،اگر آج دن کا ذکر کیا ہو،تو چارہ آمر پر ہوگی ورنہ اجیر پر ہوگی یہ حاوی کی روایت ہے اور اسی پر فتوٰی ہے،اور منح میں کہا مجتبٰی سے ہم نے جو پہلے نقل کیا ہے یہ اس کے موافق ہے اسی وجہ سے ہم نے مختصر میں اس پر اعتماد کیا ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

[2] درمختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

[3] ردالمحتار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

مسئلہ ثانیہ: تالاب کی مچھلیاں بیچ ڈالنا۔

اقول: یہاں بھی وہی تین صورتیں ملحوظ ہوں گی: صورت سوم میں کہ مچھلیاں ملک زمیندار نہیں، یہ بیع بالاجماع باطل ہوگی **لانہ بیع مالیس فی ملکہ** (کیونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو ملک میں نہیں ہے۔ت) اور مچھلیاں کہ خریدنے والوں نے پکڑیں ان کی ملک خاص ہوں گی جن میں زمینداروں کو مزاحمت نہیں پہنچتی **لانھم سبقوا الی مباح** (کیونکہ مباح چیز میں انھوں نے سبقت کرلی ہے۔ت) اور جو قیمت ان سے لی واپس کریں **لانعدام العقد شرعًا** (شرعی عقد نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) اور اگلی دو صورتوں میں کہ مچھلیاں ملک زمیندار ہیں، اگر بلاحیلہ تالاب سے پکڑی جاسکتی ہیں تو بیع بالاجماع صحیح **لانہ بیع مملوك مقدور التسلیم** (کیونکہ یہ مقدور التسلیم مملوکہ چیز کی بیع ہے۔ت) اس صورت میں قیمت زمینداروں اور مچھلیاں خریداروں کو بالاجماع حلال و طیب ہونگی **کما لایخفی، وقدمنا جوازہ عن الفتح**[1] **وقال فی الذخیرۃ یجوز البیع عندھم جمیعا**[2] (جیسا کہ مخفی نہیں۔ اور ہم اس کا جواز فتح کے حوالے سے پہلے ذکر چکے ہیں اور ذخیرہ میں کہا کہ سب کے نزدیک بیع جائز ہے۔ت) اور اگر بغیر جال وغیرہ طرق شکار کے ہاتھ نہیں آسکتیں اور اکثر یہی ہوتا ہے، تو بیع ناجائز ہونے پر اتفاق، اور اس کے بطلان وفساد میں اختلاف، امام شیخ الاسلام و مشائخ بلخ اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے ایک جماعت کے مذہب پر ایسی بیع باطل ہے۔

لان محل البیع مال مقدور التسلیم فاذا انتفی انتفی۔	کیونکہ بیع کا محل وہ چیز ہے جو مقدور التسلیم مال ہو تو جب یہ نہ ہو تو بیع نہ ہوگی۔(ت)

اسی پر امام بلخی عـــہ یا ثلجی فتوی دیتے اور اسی کو امام برہان مرغینانی صاحب ہدایہ وغیرہ نے اختیار فرمایا

عـــہ: علی اختلاف العزو ففی الدر[3] **بالموحدۃ والخاء وفی الفتح بالمثلثۃ والجیم کما فی ش**[4] **عن ط ۱۲ منہ**	نسبت کا اختلاف درمختار میں ب اور خ کے ساتھ "بلخی" اور فتح میں ث اور ج کے ساتھ "ثلجی" ہے جیسا کہ شامی نے طحطاوی سے نقل کیا ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۱۴

[3] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵

[4] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۳

اور یہی من حیث الروایۃ اظہر ہے،

یظھر ذٰلک بمراجعۃ الھندیۃ والدرالمختار[1] ورد المحتار[2]۔	یہ بات ہندیہ، درمختار، ردالمحتار وغیرہ کی طرف مراجعت کرنے پر ظاہر ہوگی۔(ت)

غیاثیہ میں فرمایا:

قالوا المختار ھذا نقل عنھا فی العالمگیریۃ[3]۔	فقہاء نے فرمایا مختار یہی ہے کہ عالمگیری میں یہ اس سے منقول ہے۔(ت)

اس مذہب پر مچھلیاں کہ مشتریوں نے پکڑیں بدستور ملک زمیندار ان پر ہیں اور قیمت کہ زمینداروں نے لی بدستور ملک مشتریان، ان پر فرض کہ قیمت پھیریں، ان پر لازم کہ پکڑی ہوئی مچھلیاں زمینداروں کو دیں اگر انھوں نے مچھلیاں صرف کرلیں تو بازار کے بھاؤ سے جو قیمت مچھلیوں کی ہو زمینداروں کے لئے ان کے ذمے واجب الادا ہوئی، درمختار میں ہے:

البیع الباطل حکمہ عدم ملک المشتری ایاہ اذا قبضہ فلاضمان لو ھلک المبیع عندہ لانہ امانۃ الخ[4]۔	باطل بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری اس کا مالک نہ بنے گا، اس کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے تو ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس یہ چیز امانت تھی الخ(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لانہ امانۃ وذٰلک لان العقد اذا بطل بقی مجرد القبض باذن المالک، وھو لایوجب الضمان الا بالتعدی، درر[5]۔	ماتن کا قول "کیونکہ امانت ہے" یہ اس لئے کہ جب عقد باطل ہوگیا تو اب نرا قبضہ رہ گیا جو مالک کی اجازت سے حاصل ہوا تھا لہٰذا تعدی کے بغیر اس پر ضمان واجب ہوگا۔ درر(ت)

---

[1] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵

[2] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۳

[3] فتاوٰی غیاثیہ کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۴۳

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[5] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۵

اسی میں ہے: یکون مضمونا بالمثل او بالقیمۃ[1] (تعدی کی صورت میں ضمان بالمثل یا بالقیمۃ ہوگا۔ت) پس اگر یہ قیمت اور وہ زر ثمن کہ زمینداروں نے ان سے لیا تھا برابر ہیں فبہا ورنہ جس کی طرف زیادتی ہو دوسرے کو ادا کرے، مثلاً مشتریوں نے پانچ روپے دئے تھے اور مچھلیاں کہ صرف کرلیں بازار کے بھاؤ سے دس روپے کی تھیں، تو پانچ روپے زمینداروں کو اور دیں، اور ایک روپیہ کی تھیں تو چار روپے زمینداروں سے پھیرلیں، اور اگر مشتریوں نے بیچ ڈالیں تو جن جن کے ہاتھ بیچیں وہ سب بیعیں اجازت زمینداروں پر موقوف رہیں گی، جب تک مچھلیاں اور وہ بائع ومشتری وزمیندار باقی ہیں زمینداروں کو اختیار ہے چاہے بیع جائز کردیں اور قیمت خود لے لیں یا فسخ کردیں اور مچھلیاں واپس لیں،

کما ھو حکم بیع الفضولی، ومعلوم ان الاجازۃ انما تلحق الموجود دون المعدوم، فیشترط لھا قیام العاقدین والمعقود علیہ، وکذا المجیز، حتی لم یکن لوارثہ ان یجیز کما فی الدر المختار وغیرہ۔	جیسا کہ بیع الفضولی کا حکم ہے، اور ظاہر ہے کہ اجازت موجود چیز کو لاحق ہوسکتی ہے معدوم چیز کو نہیں، تو اس لئے اس وقت عاقدین اور معقود علیہ چیز کا موجود ہونا شرط ہے اور یوں اجازت دینے والے کا موجود ہونا بھی ضروری ہے اس لئے اس کے وارث کو اجازت دینے کا حق نہ رہے گا جیسا کہ در مختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر ہنوز زمینداروں نے اجازت نہ دی تھی کہ مچھلیاں ان مشتریوں سے خریدنے والوں کے پاس صرف ہوگئیں تو زمیندار مختار ہیں، بازار نرخ سے ان مچھلیوں کی قیمت اپنے مشتریوں، خواہ ان کے خریداروں جس سے چاہیں وصول کرلیں، اگر اپنے مشتریوں سے لینا چاہیں تو وہی حکم ہوگا کہ ثمن ان سے لے چکے تھے اس کا حساب کرلیں اور دوسروں سے لیں تو وہ اپنا دیا ہوا ثمن مشتریوں یعنی اپنے بائعوں سے واپس لیں اور مشتری اپنا دیا ہوا ثمن زمینداروں سے غرض ان احکام کے بیان سے یہ ہے کہ اس قول پر کیا کچھ انقلاب ہوتے ہیں اور کیسی کیسی دقتیں لازم آتی ہیں، جن کا اثر شہر کی عام مخلوق پر پہنچے گا، ردالمحتار میں ہے:

للمالك تضمین ایھما شاء، ثم ان ضمن المشتری بطل البیع	مالک کو اختیار ہے دونوں میں سے جس کو چاہے ضامن بنائے پھر اگر مشتری کو ضامن بنایا تو بیع

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۰۵

وللمشتری ان یرجع علی البائع بثمنه، لابما ضمنا اھ ملخصا۔[1]	باطل ہوجائے گی، اور مشتری کو اختیار ہوگا کہ بائع سے ثمن واپس لے لے، دیا ہوا ضمان نہ لے اھ ملخصا (ت)

یہ سب احکام اس مذہب پر تھے کہ بیع مذکور بوجہ عدم قدرت علی التسلیم باطل ٹھہرے اور حضرت امام مذہب سیدنا امام اعظم و محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک روایت پر ایسی بیع صرف فاسد ہوتی ہے نہ باطل۔

لقیام الملك والمالیة فکان عقدا صادرا عن اھله فی محله فلا وجه لبطلانه ویاتیك کلام الفتح لبیانه۔	ملک اور مالیت موجود ہونے کی وجہ سے تو یہ ایسا عقد ہے جو اہل سے اپنے محل میں صادر ہوا لہٰذا اس کے باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اس کے بیان میں فتح کا کلام آئے گا۔ (ت)

اسی کو امام اجل قاضی اسیجابی اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے دوسری جماعت نے اختیار کیا، کما فی الھندیۃ (جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ت) اور اسی کو امام ابوالحسن کرخی نے اخذ فرمایا: کما فی الدر (جیسا کہ در میں ہے۔ت) اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں ترجیح دی اور اس کی تحقیق میں بحث نفیس افادہ کی، اور اسی کو متن تنویر میں مقدم و مرجح رکھا، در مختار میں ہے:

القول بفسادہ رجحه الکمال[2]۔	اس کے فساد کے قول کو کمال نے ترجیح دی ہے۔ (ت)

رد المحتار میں ہے:

حیث قال والوجه عندی ان عدم القدرة علی التسلیم لامبطل واطال فی تحقیقه[3]۔	جہاں انھوں نے فرمایا میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ دینے کی قدرت نہ ہونا مفید ہے مبطل نہیں ہے، اور انھوں نے اس کی تحقیق میں طویل کلام فرمایا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۳

اور ظاہرًا یہی من حیث الدلیل ازہر ہے۔ فتح میں فرمایا:

وقول من قال المحلیة کونه مالامملوکا مقدور التسلیم ان عنی محلیة البیع الصحیح فنعم والا فلا، بل محل البیع المال المملوك للبائع او لغیرہ، فان کان له فنافذ، اولغیرہ فموقوف، والنافذ اما صحیح ان کان مبیعه مقدورالتسلیم لیس فیه شرط فاسد، والاففاسد[1] اھ۔	جس نے یہ کہا کہ محل بیع چیز کا مملوک ہو کر مقدورالتسلیم ہونا ہے اگر اس سے مراد صحیح بیع کا محل ہے تو درست ہے ورنہ اس کو مطلق بیع کا محل قرار دینا درست نہیں ہے بلکہ مطلق بیع کا محل صرف مال کا بائع کی ملک ہونا یا غیر کی ملک ہونا ہے تو اگر بائع کی ملک ہو تو بیع نافذ ہوگی اگر غیر کی ملک ہو تو نافذ نہ ہوگی بلکہ موقوف رہے گی اور بیع نافذ کبھی صحیح ہوتی ہے جب مبیع مقدورالتسلیم ہو اور اس میں کوئی فاسد شرط نہ ہو ورنہ فاسد ہوتی ہے۔ اھ (ت)

اس مذہب پر اگرچہ یہ عقد ناجائز وممنوع، اور عاقدین پر واجب کہ اسے فسخ کرلیں، زمیندار مشتریوں کو ثمن پھیردیں، مشتری تالابوں سے کنارہ کریں،

لان الفساد لحق لشرع فیجب اعدامه برفع العقد۔	کیونکہ یہ فساد شرعی حق کی بناپر ہے تو عقد کو ختم کرکے اس فساد کو ختم کرنا ضروری ہے (ت)

مگر اگر انھوں نے فسخ نہ کیا یہاں تک کہ مچھلیاں تالاب سے شکار ہوئیں، اور قبضے میں آگئیں تو اب وہ بیع کہ فاسد تھی صحیح ہوگئی کہ سبب فساد کہ تعذر تسلیم وتسلم تھا، نہ رہا، کہ ان سے جو مقصود تھا یعنی مشتری کا قبضہ، وہ حاصل ہوگیا، فتح القدیر میں ہے:

انك علمت ان ارتفاع المفسد فی الفاسد یردہ صحیحا، لان البیع قائم مع الفساد وارتفاع المبطل لا[2] الخ	تجھے معلوم ہے کہ فاسد میں مفسد کا ختم ہوجانا بیع کو صحیح بنا دیتا ہے کیونکہ فاسد صورت میں بیع باقی مع الفساد رہتی ہے اور باطل صورت میں مبطل کے ختم ہوجانے پر بیع صحیح نہیں ہوسکتی الخ (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۰

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۰

اسی میں ہے:

المقصود عن القدرۃ علی التسلیم ثبوت التسلم فاذا کان ثابتا حصل المقصود [1]۔	قدرۃ علی التسلیم سے مقصود قبضہ دینے کا ثبوت ہے تو جب یہ حاصل ہے تو مقصود حاصل ہے۔(ت)

بالجملہ یہ دو قول ہیں۔دونوں قوت پر،دونوں جانب ائمہ فتوی،دونوں طرف ترجیح وافتا،ایک اگر من حیث الروایۃ اقوی، دوسرا من حیث الدرایۃ اجلی،مگر قول اول یعنی بطلان پر وہ روپیہ کہ بنام ثمن زمینداروں نے لیاان کے لئے حرام،مچھلیاں کہ مشتریوں نے لیں ان کے لیے حرام،کھائیں تو حرام،کھلائیں تو حرام،بیچیں تو حرام،بیچ کر جو ثمن حاصل کریں تو حرام،ان سے جولوگ مول لیں واقع میں ان کے لئے خریداری حرام،کھاناحرام،کھلانا حرام،زمیندار غاصب،تالاب لینے والے غاصب،شہر بھر کی مچھلیاں مول لینے والے غاصب،یہ عالمگیر دقتیں ہیں،بخلاف قول ثانی یعنی فساد ابتدائی وصحت انتہائی کہ اس میں یہ ساری خرابیاں مرتفع ہیں،تو مسلمانوں پر آسانی کے لئے اگر اسی قول پر فتوی دیں بیشک انسب والیق ہے،حضور پر نور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یسروا ولاتعسروا وبشروا ولاتنفروا [2]۔اخرج احمد والشیخان والنسائی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	آسانی کرو اور دشواری میں نہ ڈالو،اور خوشخبری دو اور نفرت نہ دلاؤ،(اس کو احمد،بخاری ومسلم اور نسائی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اس تقدیر پر خلاصہ حکم یہ ٹھہرا کہ اگر مچھلیاں ملک زمینداران نہ تھیں،تو بیع باطل اور مچھلیاں شکار کرنے والوں کی ملک ہوئیں، اور ان سے خریدنا بلاتکلف روا،زمینداروں پر فرض ہے کہ جو روپیہ بنام قیمت ان سے لیا انھیں واپس دیں اور اگر مملوک زمینداران تھیں اور بے شکار کے قبضہ میں آسکتیں تو بیع صحیح اور ثمن وسمک ہر بائع ومشتری ومشتری مشتری کے واسطے حلال و طیب،اور بے شکار ہاتھ نہ آئیں تو زمیندار و مشتری اس بیع سے گنہ گار ہوئے مگر جب مچھلیاں عـــہ شکار کرلی گئیں تو مچھلیوں

عـــہ:اصل میں یہاں "ترک" کی علامت بنی ہوئی ہے اس لئے اندازے سے عبارت بنادی گئی ۱۲۔

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۹

[2] صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

اور قیمتوں کا وہی حکم ہو گیا جو بیع صحیح میں تھا کہ سب کے لئے حلال، غرض اس مذہب پر مشتریوں اور ان سے خریدنے والوں کے لئے مچھلیاں بہر صورت حقیقۃً وحکماً حلال ہی رہتی ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ثالثہ: بنجروں کی گھاس بیچ ڈالنا

اقول: اگر زمینداروں نے وہ زمین اس غرض کے لئے مہیا کی ہے کہ اس میں جو گھاس پیدا ہو ہم بیع کیا کریں، اور انھوں نے گھاس کی افراط وعمدگی کے لئے اس زمین کو پانی دلوادیا جو گھاس جمنے کا باعث ہوا، یا خودرو گھاس آپ ہی جم آئی، اور انھوں نے اس کی رکھوالی کرائی، اس کے گرد کھائی کھدوادی، یا باڑھ رکھوادی کہ روک ہوجائے، ہر جانور وغیرہ کے تصرف سے بچے، تو ان دونوں صورتوں میں وہ گھاس زمینداروں کی ملک ہو گئی، اور اس کی بیع صحیح وجائز، یہی قول راجح ومختار ہے، اور اسی کی طرف اکثر ائمہ کبار اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا تو بیشک وہ گھاس ہر شخص کے لئے مباح ہے اور جو کاٹ لے گا اسی کی ملک ہو جائے گی، زمیندار اگر یونہی زمین میں قائم بیچ ڈالیں گے بیع باطل ہو گی، اور قیمت واپس دیں گے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز بیع الکلاء واجارتہ وان کان فی ارض مملوکۃ ھذا اذا نبتت بنفسہ فاما اذا کان سقی الارض واعدھا للانبات فنبت ففی الذخیرۃ والمحیط والنوازل یجوز بیعہ لانہ ملکہ وھو مختار الصدر الشھید ومنہ مالو خندق حول ارضہ وھیأھا للانبات حتی نبت القصب صار ملکا لہ وعلیہ الاکثر، ھکذا فی البحر الرائق ولو احتشہ انسان بلااذنہ کان لہ الاسترداد، ھوالمختار کذا فی جواہر الاخلاطی[1] واللہ سبحانہ و	کھڑی گھاس فروخت کرنا اور اس کو اجرت پر دینا صحیح نہیں ہے اگرچہ ذاتی زمین میں ہو، یہ جب ہے کہ گھاس خود اُگی ہو لیکن اگر زمین والے نے زمین کو سیراب کرکے گھاس کے لئے تیار کیا تو یہ گھاس فروخت کرنی جائز ہے کیونکہ اس عمل سے وہ گھاس کا مالک ہو گیا، یہ ذخیرہ، محیط اور نوازل میں ہے، اور یہی صدر شہید کا مختار ہے، اور اسی صورت میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی زمین کے ارد گرد کھائی کھودی اور پیداوار کے لئے تیار کیا حتی کہ وہاں ناڑ اگا تو وہ اس کی ملک ہو گا اھ، اور اسی پر اکثریت ہے، بحرالرائق میں بھی یوں ہے۔ اور اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر کاٹا تو اس کو واپس لینے کا حق ہوگا یہی مختار ہے جواہر الاخلاطی میں یوں ہے۔ واللہ سبحانہ و

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۹

تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۵۰: از سنبھل ضلع مراد آباد مرسلہ محمد ذکاوت حسین ۶ صفر ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنی حنفی نے طریقہ وعظ بغرض افشائے رسالت خاتم النبیین واعلان طریقہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ آلہ وسلم اختیار کیا ہے، اور اس کے وعظ کے اثر سے شرک وبدعات وغیرہ کافور ہوتی چلی جاتی ہے، اور ہزار ہا اہل اسلام جو ضروری شعائر اسلام اور ارکان صوم وصلوٰۃ سے بھی واقفیت نہ رکھتے تھے وہ خود معلم نماز وامام مساجد ہوگئے، اور یہ شخص جابجا مواضع ومواسم میں بے تکلف علی رؤس الاشہاد بمقابلہ اعدائے دین جہاد لسانی کرتا ہے، اگر ایسے شخص کو اہل اسلام عالم باعمل اور منجملہ ورثہ انبیاء تصور کرکے بلحاظ اس کی حالت بیکاری اور فکر معاش کے غمخواری کے کچھ نقد وغیرہ بلااس کی طمع اور درخواست کے تعظیما نذر کریں، تو یہ پیشکش اور نذر اس کے حق میں حلال وطیب ہے یانہیں؟ اور اہل اسلام ایسے شخص کو معتقد علیہ تصور کریں یانہیں؟ اور اس نذر اور تحفہ کے بدلے اجر عظیم پائیں گے یانہیں؟ استفتاء ہذا کو اپنے دستخط مبارک اور بمواہیر تلامذہ راشدہ سے مزین فرما کر ہدایت کیجئے۔

الجواب:

اگر فی الواقع وہ شخص علمائے اہلسنت وجماعت ایدہم اللہ تعالٰی سے ہے اور جو باتیں حقیقۃً شرک ہیں انھیں کے معتقد کو مشرک کہتا ہے اور احکام مشرکین میں داخل کرتا ہے، اور جو نوپیدا باتیں مخالف شریعت ومزاحم سنت ایجاد کی گئیں انھیں کو بدعت شرعیہ ومذمومہ وشنیعہ جانتا اور ان سے نہی وتحذیر کرتا ہے، اور شعائر اسلام صلوٰۃ وصیام وغیرہا کے احکام صحیح صحیح سکھاتا اور برعایت شرائط وقواعد احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجالاتا ہے، اور وعظ میں روایات باطلہ وجزافات مخترعہ وبیانات مشیرہ اوہام، ومفسدہ خیالات عوام سے احتراز رکھتا، اور علم کافی وفہم صافی کے ساتھ ہدایت وارشاد میں ٹھیک معیار شرع پر چلتا ہے، تو اسے نہ صرف عالم بلکہ اس زمانہ میں اراکین دین وسنت وخلفائے رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ واولیائے جناب احدیت آلاء جلت سے سمجھنا چاہئے اور اس کی جو خدمت ہوسکے صلاح وفلاح دارین ورضائے رب المشرقین وخوشنودی سید الکونین ہے جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

قال تعالٰی "کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: لوگوں کے لئے تمھیں بہترین امت ہونے کی حیثیت سے ظاہر کیا تم بھلائی

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "[1] الآیۃ	کاحکم کرتے اور برائی سے روکتے ہو الآیۃ(ت)

اور جبکہ حسب اظہار سوال اس کی نیت خالص لوجہ اللہ ہے اور ہرگز نہ کسی سے سوال کرتا نہ طمع رکھتا ہے، بلکہ مسلمان بطور خود عُلماء کی اعانت اور اپنی سعادت کی نیت سے خدمت کرتے ہیں تو(بشرطیکہ یہ مال جو اسے دیا جائے بعینہٖ وجہ حرام سے نہ ہو) بلا شبہ اس کا لینا جائز اور وہ اس کے لئے حلال وطیب ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا جاءك من هذا المال شيئ وانت غير مشرف ولا سائل فخذه فتموله فان شئت كُله وان شئت تصدق به ومالا فلاتتبعه نفسک[2]، رواہ الشیخان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جب تیرے پاس یہ مال آئے جبکہ تو اس کے انتظار میں نہ ہو اور نہ تو اس کے لئے سائل بنا تو اسے لے کر مال بنا اگر چاہے تو کھالے اور اگر چاہے صدقہ کردے۔اور مال نہ ملے تو اس کا پیچھا نہ کر۔اس کو بخاری ومسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

ہاں وعظ کو کہ عمدہ طاعات وقربات سے ہے ذریعہ حطام دنیا بنانے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئیں، اور علماء نے بھی اس سے ممانعتیں فرمائیں، خلاصہ پھر تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

الواعظ اذا سأل الناس شيئا فی المجلس لنفسه لا يحل له ذٰلك لانه اكتساب الدنيا بالعلم[3]۔	واعظ نے اگر مجلس میں لوگوں سے اپنے لئے کچھ سوال کیا تو یہ عمل حلال نہیں، کیونکہ یہ علم کے ذریعہ دنیا کا حصول ہے۔(ت)

یہ امر ان لوگوں پر وارد جنھوں نے وعظ کو پیشہ اور نجارہ دینا حاصل کرنے کا تیشہ بنا رکھا ہے اور شک نہیں کہ عبادات وحسنات پر اُجرت لینا حرام اور اس کی تحریم علی الاطلاق پر احادیث ومذہب منصوص ائمہ کرام مگر جس کی نیت لوجہ اللہ ہو اس پر اوروں کے فعل سے اعتراض نہیں،

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب رزق الحاکم والعاملین علیہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۲، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب جواز الاخذ بغیر سوال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [1]۔ "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ" [2]۔ وایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [3]۔	اعمال کامدار نیت پر ہے، ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جو اس نے نیت کی، اور اللہ تعالٰی مصلح اور مفسد کو جانتا ہے۔ اور تو بدگمانی سے پرہیز کر کیونکہ بدگمانی بُری بات ہے، الحدیث (ت)

بلکہ بعض علماء نے وعظ کو بھی ان امور مستثناۃ میں داخل کیا جن پر اس زمانہ میں اخذ اجرت مشائخ متاخرین نے بحکم ضرورت جائز رکھا۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الهدایة وبعض مشائخنا رحمهم الله تعالٰی استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القراٰن الیوم لظهور التوانی فی الامور الدینیة ففی الامتناع تضییع حفظ القراٰن وعلیه الفتوی اھ وقد اقتصر علی الاستثناء تعلیم القراٰن ایضا فی متن الکنز، ومتن مواهب الرحمٰن وکثیر من الکتب، وزاد فی مختصر الوقایة، و متن الاصلاح، تعلیم الفقة، وزاد فی متن المجمع الامامة، ومثله فی متن الملتقی ودرر البحار، و زاد بعضهم الاذان والاقامة والوعظ وذکر المصنف معظمها ولکن الذی فی اکثر الکتب الاقتصار علی مافی الهدایة، فهذا مجموعماافتی به المتاخرون	ہدایہ میں فرمایا ہمارے بعض مشائخ نے آج کل دینی امور میں سستی کی وجہ سے قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینے کو بہتر قرار دیاہے تو اس سے پرہیز کرنے پر قرآن پاک کا حفظ خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے اھ، اور قرآن کی تعلیم پر اجرت کو عدم جواز سے مستثنٰی قرار دیا ہے کنز، مواہب الرحمان، اور بہت سی کتب میں بھی اسی طرح ہے اور مختصر وقایہ اور الاصلاح کے متن نے تعلیم القرآن کے ساتھ تعلیم فقہ کو زائد کردیا ہے۔ اور مجمع کے متن میں امامت کو زائد ذکر کیا اور اسی طرح ملتقی ودرر البحار میں ہے، اور بعض نے اذان واقامت اور وعظ کو بھی شامل کیا ہے، اور مصنف نے مذکور معظم امور کو ذکر کیا لیکن اکثر کتب نے ہدایہ میں مذکور پر اکتفاء کیا ہے اور ہمارے مشائخ متاخرین کے فتووں کا یہ مجموعہ ہے

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

من مشائخنا وهم البلخیون علی خلاف فی بعضه مخالفین ماذهب الیه الامام وصاحباه، وقد اتفقت کلمتهم جمیعا فی الشروح والفتاوٰی علی التعلیل بالضرورة وهی خشیة ضیاع القراٰن کما فی الهدایة [1] الی اٰخر ما افاد واجاد رحمه الجواد۔	اور بلخی حضرات ہیں جبکہ ان میں سے بعض نے بعض میں اختلاف بھی کیا ہے،ان متاخرین نے خلاف کیا مسلک امام اور صاحبین کے،اور شروح و فتاوٰی سب نے جواز کی علت ضرورت کو قرار دیا ہے اور وہ قرآن کے ضیاع کا خطرہ ہے، جیسا کہ ہدایہ میں تا آخر اس کا بہترین افادہ فرمایا۔اللہ تعالٰی ان کو اپنی رحمت سے نوازے۔(ت)

فتاوٰی امام اجل قاضیخاں میں ہے:

صاحب العلم اذا خرج الی القری لیذکر هم فیجمعوا له شیئا حکی عن ابی اللیث رحمه الله تعالٰی انه قال کنت افتی انه لایخرج الی القری ثم رجعت عن ذٰلك [2]۔	عالم شخص جب دیہاتوں میں وعظ کے لئے جائے اور وہ اس کے لئے کچھ نذرانہ جمع کریں تو اسے چاہئے کہ وہ دیہات میں نہ جائے، یہ بات ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے انھوں نے فرمایا میں یہ فتوٰی دیا کرتا تھا پھر میں نے اس سے رجوع کرلیا۔(ت)

اسی طرح خلاصہ میں نقل کیا:

(وزاداخذ الاجرة علی تعلیم القراٰن ودخول العالم علی السلطان)وقال فرجعت عن الکل تحرزا عن ضیاع القراٰن(والعلم والحقوق)ولحاجة الخلق، و لجهل اهل الرستاق [3] اھ مانقله عن الفقیه النبیه رحمه الله تعالٰی۔	اور تعلیم قرآن پر اُجرت اور عالم کا سلطان کے پاس جانا زائد بیان کیا اور فرمایا میں نے اس سے رجوع کرلیا قرآن، علم، حقوق کے ضیاع سے بچاؤ کے لئے اور عوام الناس کی حاجت اور دیہاتیوں کی جہالت کی وجہ سے،انھوں نے جو بیدار مغز فقیہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیا وہ ختم ہوا۔(ت)

پس اگر صورت مظہرہ فی السوال واقعی ہے اور حالت زید وہ ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی تو بیشک

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۴،۳۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح والتسلیم الخ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۹۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکراھیۃ الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۳۰۔۳۱

ایسے بندہ خدا کو بد و حرام خور کہنا سخت گناہ و ناسزا، اور قائل شرعا مستوجب تعزیر و سزا، ہندیہ میں ذکر ہے:

ان ذکر اہل العلم بالتحقیر وجب علیہ التعزیر [1]۔	جو اہل علم کا ذکر تحقیر سے کرے وہ واجب التعزیر ہے۔ (ت)

بخلاف ان مبتدعان سنی نما کے جو اس زمن فساد و فتن میں اضلال و اغوائے جہال کو ادعائے تسنن کرتے اور اپنی ضلالات مخترعہ وجہالات مبتدعہ کو کہ قریب زمانے میں ان کے تازہ پیشواؤں نے تراشیں، بنام سنت جلوہ دیتے، اور ان کی مخالفت کو بدعت ضالہ و مخل اصل ایمان بتاتے، اور صدہا امور جائزہ بلکہ مستحبہ کو بزور زبان و زور وبہتان شرک وبدعت و یقینی العقوبۃ و ناقابل مغفرت ٹھہراتے، اور شرقًا و غربًا، عجمًا و عربًا بلکہ سلفًا و خلفا عامہ المسلمین واہل دیانت ودین کو مشرک بدعتی بتاتے ہیں ایسے لوگوں کے بدو بدتراز بد ہونے میں کوئی شبہ نہیں، نہ وہ ہر گز تعظیم علم وعلماء کے مستوجب، بلکہ شرعًا ان کی تحقیر واجب۔ حدیث میں ہے:

من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان ھدم الاسلام [2]۔	جس نے اہل بدعت کی توقیر کی اس نے اسلام کو کمزور کرنے میں مدد دی۔ (ت)

پھر ایسے لوگوں کی تذکیر ضلالت تخمیر ہر گز اس فتوٰی بعض متاخرین میں داخل نہیں ہو سکتی کہ انھوں نے ضرورت دینی کے لئے جواز رکھا نہ کہ معاذاللہ ضرر دینی کے لئے، ان کا وعظ معصیت ہے اور معاصی پر اجارہ مطلقًا اجماعا بلااستثناء حرام، تو یہ لوگ اگر اپنے وعظ پر اجرت لیں خواہ بتصریح شرط یا بصورت حال معہود و معروف **فان المعھود عرفا کالمشروط لفظا** (عرف میں معلوم چیز لفظی مشروط کی طرح ہے۔ ت) تو بلا شبہ وہ ان کے لئے حرام اور یہ حرام خور ہوں گے، جہاں یہ صورت ہو وہاں بد و حرام خور کہنے والے پر اصلاالزام نہیں، بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس امر کا لحاظ ضرور چاہئے۔ **نسأل اللہ الھدایۃ الی سبیل الاقوم** (ہم اللہ تعالٰی سے مضبوط راستے کے طلبگار ہیں۔ ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۱: مسئولہ مولوی محمد حسین صاحب عظیم آبادی مدرس مدرسہ جعفر خانی ۱۰ شوال ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدرسہ اسلامیہ کا نوکر تھا اور موافق دستور العمل

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحدود فصل فی التعزیر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۶۹۔۱۶۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۶۷۶۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۳۹۶

مدارس عربیہ کے بعد فراغ امتحان ایام تعطیل میں اپنے مکان کو چلا گیا، اور قبل اسے کے ایام تعطیل ختم ہوں حاضر خدمت ایک جلسہ مدرسہ اسلامیہ ہو کر ان سے درخواست کی کہ یا تو مجھے اجازت ہو کہ سابق دستور کا کام کروں یا مجھ کو جواب دیا جائے کہ اپنا اور کچھ بندوبست کروں لیکن کچھ جواب نہ ملا، اور نہ اثنائے تعطیل میں کوئی اطلاع نامہ قطع تعلق کا زید کو ملا، اس صورت میں زید مستحق پانے تنخواہ ایام تعطیل کا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

تعطیلات معہودہ میں مثل تعطیل ماہ مبارک رمضان وعیدین وغیرہا کی تنخواہ مدرسین کو بیشک دی جائے گی، **فان المعھود عرفاکالمشروط مطلقا** (عرف میں معلوم متعین چیز مطلقاً مشروط کی طرح ہے۔ت) اشباہ میں ہے:

البطالۃ فی المدارس کایام الاعیاد ویوم عاشورۃ و شھر رمضان فی درس الفقہ علی وجھین ان مشروطۃ لم یسقط من العلم شیئ والافینبغی ان یلحق ببطالۃ القاضی ففی المحیط انہ یاخذ فی یوم البطالۃ و قیل لا، وفی المنیۃ یستحق فی الاصح، واختارہ فی منظومۃ ابن وہبان، وقال انہ الاظہر [1] اھ ملخصا، **اقول:** ھذہ الترجیحات حیث لم یشترط فکیف اذا شرط ھذالیس محل نزاع وقد علمت ان المعروف کالمشروط۔	عید کے دنوں، عاشورہ اور ماہ رمضان جیسی مدارس میں فقہی تعلیم کی تعطیلات دو طرح سے ہے اگر معاہدہ میں مشروط ہیں تو مشاہرہ بالکل ساقط نہ ہوگا ورنہ قاضی کی تعطیلات کے موافق ہونا مناسب ہے، تو محیط میں ہے کہ مدرس ایام تعطیلات کا مشاہرہ حاصل کرے گا اور بعض نے کہا حاصل نہ کرے گا، اور منیہ میں ہے اصح یہ ہے کہ وہ مستحق ہوگا اور ابن وہبان کے منظوم میں اسی کو مختار فرمایا، اور انھوں نے فرمایا یہی اظہر ہے اھ ملخصا، **میں کہتاہوں** یہ ترجیحات مشروط نہ ہونے کی صورت میں ہیں مشروط ہوں تو کیسے مستحق نہ ہوگا حالانکہ محل نزاع یہی صورت ہے اور تو معلوم کرچکا کہ معروف چیز مشروط کی طرح ہوتی ہے۔(ت)

اور کسی شخص کو اصلا اختیار نہیں کہ بے اطلاع اجیر جب چاہے بطور خود عقد اجارہ فسخ کردے،

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۹

مگر جب کوئی عذر بین واضح ظاہر ہو جس میں اصلا محل اشتباہ نہ ہو جب تک ایسا نہ ہو اجیر بیشک مستحق تنخواہ ہوگا۔

فی الدرالمختار الاجارۃ تفسخ بالقضاء والرضاء الخ[1]،وفی ردالمحتار الاصح ان العذران کان ظاہر اینفرد وان مشتبھا لاینفرد[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اجارہ رضامندی یا قضاء کے ذریعہ فسخ ہو سکتا ہے الخ،اور ردالمحتار میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اگر ناغہ کا عذر ظاہر ہو تو مدرس کے اختیار میں ہے اور اگر عذر مشتبہ ہو تو پھر وہ مختار نہیں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو "طفوہائے "آہنی نیشکر کے تجارۃً کرایہ پر چلاتا ہے اور اہل دیہات سے معاملات اجارہ کے کرتا ہے اور باشندگان دیہات کو جو دس دس، بیس بیس کوس کے باشندے ہیں، کولھو کرایہ پر دیتا ہے۔اور تقرری کرایہ میعاد ادائیگی کرایہ اور زمانہ واپسی "کولھو" جملہ امورات وقت عقد طے ہو جاتے ہیں مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے وعدہ پر روپیہ ادا کریں، بمجبوری ان سے روپیہ وصول کرنے کے واسطے نوکر رکھ کر ان کے مکانوں کو بھیجا جاتا ہے اور وہ سپاہی تقاضا گیر چند چند بار ان کے مکان پر جاکر تقاضا کرتا ہے، بلکہ اپنی تنخواہ اور خوراک وغیرہ کا بار ان پر ظاہر کرتا ہے اور قسم قسم کے خوف نالش اور خرچہ پڑنے کا دلاتا ہے۔تب وہ لوگ روپیہ لاتے ہیں،اس پر بعض مطلق خیال میں نہیں لاتے،اور نالشوں وغیرہ کی نوبت آتی ہے۔

پس ایسی حالت میں کہ یہ سپاہی جو محض ان سے تقاضا کرنے کے واسطے رکھا گیا ہے جس کے مکانوں پر جاکر بضرورت تقاضا ٹھہرے،اوران سے اپنی خوراک لے، یااس کے سوا جس کے یہاں ٹھہرا ہے،دوسروں سے اسی گاؤں میں،اس کے قریب دوسرے گاؤں والوں سے اپنی خوراک لے، یازید ان کرایہ داران سے اصل کرایہ میں تنخواہ تقاضا گیر کے بقدر ایام آمد و شد کے، یااس تقاضا گیر کی خوراک شامل کرکے وصول کرے، یاوقت کرایہ کے ان سے زید شرط کرے کہ روپیہ ہمارا کرایہ کا

[1] درمختار کتاب الاجارہ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ باب فسخ الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸

اگر تم وعدہ معینہ مقررہ پر نہ ادا کروگے، اور ہم کو تمھارے پاس تقاضا گیر بھیجنا پڑے گا، تو تم کو اجرت سے اس تقاضا گیر کی مثلاً ۴/اور خوراک اس کی مثلاً ۲/یوم کے حساب سے دینا پڑے گی، اور ہم تم سے وصول کرلیں گے پس اول صورت میں خوراک اور اجرت تقاضا گیر کی بلاشرط کرایہ داران سے وصول کرنا۔ اور دوسری صورت میں شرط مذکور کرنا اور حسب شرائط مذکور اجرت مقررہ اور خوراک سپاہی تقاضا گیر کی وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائے۔ت)

الجواب:

یہ نوکر اسی شخص کا نوکر اور اسی کے کام پر مقرر، اس نے خود ہی اسے اپنے کام کے لئے رکھا، تو تنخواہ یا خوراک جو کچھ ٹھہری ہو اسی پر ہے۔ قرضداروں سے کچھ تعلق نہیں، نہ ان سے خواہ دوسرے اہل دیہہ سے کوئی جبراً لے سکے، ہاں وہ رضامندی اپنا مہمان سمجھ کر کھانا دے دیں تو یہ جدا بات ہے، اور یہ خیال کہ آخر ان کی نادہندگی کے باعث نوکر رکھنا پڑا محض بے سود، **فان الحکم انما یضاف الی المباشر دون المسبب** (حکم مرتکب پر عائد ہوتا ہے سبب مہیا کرنے والے پر نہیں ہوتا۔ت) ولہٰذا مدعی کو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، اگرچہ بوجہ نادہندگی مدعا علیہ ضرورت نالش ہوئی ہو، اور اگر خود عقد اجارہ میں شرط مذکور فی السوال لگالی جب تو وہ عقد ہی فاسد ہوجائے گا اور اس کا فسخ کرنا واجب ہوگا **کما ھو حکم کل عقد فاسد رفعا للاثم حقا للشرع** (جیسا کہ ہر فاسد عقد کا حکم ہے کہ گناہ کو ختم کرنا شرعی حق کے طور پر لازم ہے۔ت) درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع یفسدھا کشرط طعام عبد و مرمۃ دار [1] اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	عقد کے مخالف شرائط سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے اور جو شرط بیع کو فاسد کرتی ہے وہ اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے مثلاً غلام کی خوراک اور مکان کی مرمت کی شرط، اھ ملخصا۔ **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۵۳: از میرٹھ بالائے کوٹ مکان قاضی صاحب مرسلہ مولوی ابو محمد صادق علی صاحب ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، درباہ جواز وعدم جواز حصول منفعت بذریعہ کرایہ مکانات سکنٰی، ولگان اراضیات زرعی، ایسے لوگوں سے نصارٰی کے پادری ہنود کے

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

پنڈت یہود کے معلم، شیعوں کے مجتہد، غیر مقلدوں کے واعظ، کسبیان، ڈھاری، بھانڈ، شراب کھینچے بیچنے والے، اور دیگر منشی اشیاء کے تاجر، فساق، فجار، مشرک و کفار، خصوصا وہ جو اپنے مذہب وغیرہ کی اشاعت پر مامور ہوں، اور عموما وہ کہ مامور باشاعت ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں دو مقام ہیں، **اول** یہ کہ ان لوگوں کو سکونت کے لئے مکان، زراعت کے لئے زمین کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ **دوم** بر تقدیر جواز ان کے مال سے اجرت لینا کیسا۔

اول کا جواب جواز ہے کہ اس نے تو سکونت وزراعت پر اجارہ دیا ہے نہ کسی معصیت پر اور رہنا، بونا فی نفسہٖ معصیت نہیں۔ اگرچہ وہ جہاں رہیں معصیت کریں گے، جو رزق حاصل کریں معصیت میں اٹھائیں گے، یہ ان کا فعل ہے جس کا اس شخص پر الزام نہیں۔

"لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" [1] **قلت** وبہ ظہر ان المسئلۃ ینبغی ان تکون علی الوفاق بین الامام و صاحبیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم وھو المستفاد من کلمات العلماء۔	کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی **میں کہتا ہوں** اس سے ظاہر ہوا کہ یہ مسئلہ امام صاحب اور صاحبین کے مسلک کے موافق ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور علماء کے کلام سے یہی مستفاد ہے۔ (ت)

ہندیہ میں بعد مسئلہ "اذا استاجر الذمی من المسلم بیتا یبیع فیہ الخمر جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی خلافا لھما کذا فی المضمرات [2]" (جب ذمی کسی مسلمان سے مکان کرایہ پر حاصل کرکے شراب فروشی کرے تو جائز ہوگا یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بخلاف صاحبین کے، مضمرات میں یوں ہے۔ت) نقل کیا:

و اذا استاجر الذمی من المسلم دارا لیسکنھا فلا باس بذٰلک وان شرب فیھا الخمر وعبد فیھا الصلیب او ادخل فیھا الخنازیر ولم یلحق المسلم	جب ذمی نے مسلمان سے رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لیا تو کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ مکان میں شراب نوشی کرے یا صلیب کی پوجا کرے یا اس میں خنزیر لائے، اس کا بوجھ مسلمان پر

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۹

فی ذٰلك باس لان المسلم لایواجرھا لذٰلك انما اٰجرھا للسکنٰی کذا فی المحیط [1]۔	نہ ہوگا کیونکہ اس نے اس ارادہ سے کرایہ پر نہیں دیا اس نے تو رہائش کے لئے دیا ہے۔ محیط میں یوں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے زیر قول درمختار:

جاز اجارۃ بیت سواد الکوفة لیتخذ بیت نار او کنیسة او بیعة او یباع فیه الخمر وقالا لاینبغی ذٰلک۔ زیلعی [2] اھ ملخصاً۔	کوفہ کی آبادی میں ذمی کو مکان کرایہ پر دینا تاکہ وہ آتشکدہ یا گرجا، عبادت خانہ بنائے یا شراب فروخت کرے تو جائز ہے، صاحبین نے فرمایا، یہ مناسب نہیں ہے زیلعی اھ ملخصاً۔(ت)

انھیں علامہ زیلعی وعلامہ بدرالدین عینی وعلامہ حسام سغناقی وعلامہ جلال کرلامی صاحبان بنایہ ونہایہ وکفایہ شروح ہدایہ سے نقل کیا:

والدلیل علیه انه لواٰجرہ للسکنٰی جاز وھو لابدله من عبادته فیه [3] اھ	اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر رہائش کے لئے کرایہ پر دے تو جائز ہے حالانکہ وہ اس میں ضرور عبادت کرے گا۔ اھ (ت)

یہ جواب فقہ ہے باقی دیانۃً اس میں شک نہیں کہ جس کی سکونت سے مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں فتنہ وضلال کا اندیشہ وخیال ہو اسے جگہ دینا معاذاللہ مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے، تو "یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ" [4] (وہ چاہتے ہیں کہ فحاشی پھیلے۔ت) حقیقۃً نہ سہی اس کی طرف منجر ہے۔ وانما الدین النصح لکل مسلم [5] دین تو یہی ہے کہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی کیجئے وباللہ التوفیق۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۷

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۱

[4] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[5] صحیح البخاری کتاب الشروط باب مایجوز من الشروط الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۵، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵۔ ۵۴

دوم کا جواب یہ کہ جس مال کا بعینہٖ حرام ہونا معلوم ہو اس سے اجرت لینا جائز نہیں، مثلاً اجارہ دینے والے کو خبر ہے کہ یہ روپیہ زید نے غصب یا سرقہ، یا رشوت یا ہندہ نے زنا یا غنا کی اُجرت یا کسی مسلمان نے خمر و خنزیر کی قیمت میں حاصل کئے ہیں، تو ان کا لینا اسے روا نہیں نہ اپنے آتے میں نہ ویسے،

فی الھندیۃ عن المحیط عن محمد فی کسب المغنیۃ ان قضی بہ دین لم یکن لصاحب الدین ان یأخذہ [1]۔	ہندیہ میں محیط اس میں امام محمد سے منقول ہے کہ مغنیہ عورت کی کمائی سے قرض کی ادائیگی کرنا چاہے تو قرضخواہ کو وہ لینا ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھایۃ قال بعض مشائخنا کسب المغنیۃ کالمغصوب لم یحل اخذہ [2]۔	نہایہ میں فرمایا کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ مغنیہ کی کمائی مغصوب چیز کی طرح ہے اس کا لینا جائز نہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

جاز رزق القاضی من بیت المال لو بیت المال حلالا جمع بحق والالم یحل [3]۔	بیت المال سے قاضی کو وظیفہ جائز ہے بشرطیکہ بیت المال میں حلال مال کو حق کے طور پر جمع کیا گیا ہو ورنہ وہاں سے وظیفہ لینا جائز نہیں۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

جاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر بخلاف المسلم [4]۔	کافر سے قرض کی وصولی میں شراب فروشی سے حاصل شدہ رقم کو لینا جائز ہے، برخلاف مسلمان کے(ت)

ورنہ فتوٰی مطلقاً جواز پر ہے، یعنی اگرچہ اس کے پاس اموال حرام ہونا یقینی ہو، مگر یہ روپیہ کہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۴۷

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۵

اس کرایہ میں دیتا ہے بعینہٖ اس کا حرام ہونا معلوم نہیں تو لینا جائز، اگرچہ اس کا اکثر مال حرام ہی ہو۔

فی الھندیۃ عن الظھیریۃ عن الامام الفقیہ ابی اللیث قال بعضھم یجوز مالم یعلم انہ یعطیہ من حرام قال محمد و بہ نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی واصحابہ [1]۔	ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالے سے امام ابولیث سے منقول ہے کہ بعض نے فرمایا جب تک حرام سے ادائیگی کا علم نہیں ہے، اس وقت تک لے سکتا ہے امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہمارا یہی مختار ہے کہ جب تک بعینہٖ حرام ہونے کا علم نہیں ہے، یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی کا قول ہے۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

ان لم یعلم الاٰخذ انہ من مال او من مال غیرہ فھو حلال حتی یتبین انہ حرام [2]۔	اگر لینے والے کو معلوم نہیں کہ اس کا مال ہے یا غیر کا تو اس کو حلال ہے تاوقتیکہ حرام ہونا واضح نہ ہوجائے۔ (ت)

مگر اس صورت میں یعنی بحالت غلبہ حرام تقوٰی احتراز ہے۔ فان للاکثر حکم الکل بل منھم من نص عند ذٰلک علی عدم الجواز فالاسلم الاحتراز۔ کیونکہ اکثر پر کل کا حکم ہوتا ہے بلکہ بعض نے نص فرمائی ہے کہ ایسی صورت میں ناجائز ہے تو پرہیز میں سلامتی ہے۔ (ت) خصوصا مقتدی کے لئے حدیث:

ایاك ومایسوء الاذن عـــہ [3] ۔ والحفظ دین العوام عن اقتحام الحرام۔	تو بدگمانی سے بچ، اور عوام کے دین کی حفاظت کے لئے حرام سے دور رہ۔ (ت)

باقی اس مسئلہ کے متعلق جلیل و تنقیح جمیل فتاوٰی فقیر سے کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے فلینظر ثمہ، واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

عـــہ: فی الاصل ھکذا لعل الصواب "الظن"۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۸

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۷۶

مسئلہ ۱۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے "دعوی وراثت" میں قابضان متروکہ سے واصلات اپنے حصہ کی مانگی، اس میں عذر تمادی کا از جانب مدعا علیہم پیش ہوا، فقط تین برس کے دینا چاہتا ہے، بموجب قانون کے چونکہ شرع میں تمادی نہیں ہے، لہٰذا اس نے اپنے حصہ جائز سے محروم ہونے کے سبب یہ کہا کہ مجھ کو سود دو، اور یہ سمجھا کہ سود کے حیلہ سے بھی میری اصل رقم کا کوئی جز ہی مل جائے، اس صورت میں یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس شریک نے جس نے واصلات نہ پائی، شریک قابض کو اپنے حصہ کی تحصیل کا وکیل و مجاز کیا تھا، تو جو توفیر حاصل ہوا کی اس سب میں اس کا بھی حصہ تھا، اور تمادی کوئی شیئ نہیں، اگر ایسے نہیں لے سکتا جس نام سے ملے وصول کر سکتا ہے، اور اگر اس نے وکیل نہ کیا تھا بلکہ وہ بطور خود غصبًا اس کے حصہ پر قابض رہا اور زمین اٹھاتا محصول لیتا رہا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ اس کے حصہ کا روپیہ اسے دے یا تصدق کردے اور افضل وہی ہے کہ اسے دے مگر اس کو دعوی نہیں پہنچتا نہ یہ اس کا مالک ہوا، بلکہ وہی غاصب بملک خبیث مالک ہے تو اسے اس سے بحیلہ ناجائزہ لینے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۵: ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب آسامیاں دیہہ سے لگتہ اراضی مفوضہ آسامیاں مقرر ہے، تو سوالگتہ مقررہ کے اوگاہی بھوسہ و مور کین ورس وغیرہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز ہے کہ اجرت مقررہ سے زیادہ لینے کا کیا استحقاق ہے ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے دیتے تو جائز تھا اگر خوشی معلوم بلکہ صریح جبر ہوتا ہے اور اگر اس کی طرف سے جبر نہ بھی ہوا مگر انھوں نے اسے زمینداری یا ٹھیکداری کے دباؤ سے دیا، تو بھی ناجائز و مثل رشوت ہے۔

فی ردالمحتار (بعد نقل عبارۃ الفتح تعلیل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلیل علی تحریم الھدیۃ التی سببھا الولایۃ[1] ذکر مانصہ	ردالمحتار میں فتح کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علت کو بیان کرنا ایسے ہدیہ کے حرام ہونے کی دلیل ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہو۔ انکی ذکر کردہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۱۰

قلت ومثلهم مشائخ القرى والحرف وغيرهم ممن له قهر وتسلط على من دونهم فانه يهدٰى اليهم خوفاً من شرهم اوليروج عندهم [1] الخ والله تعالٰى اعلم۔	عبارت یوں ہے میں کہتاہوں ان کی مثل دیہاتوں اور اہل حرفت وغیرہم کے چودھریوں کی ہے جن کو اپنے ماتحتوں پر تسلط اور غلبہ ہوتاہے کیونکہ ان چودھریوں کے شر کے خوف یارواج کی وجہ سے ان کو ہدیے ملتے ہیں الخ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۶: ۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک عورت مطلقہ غیر ہے جس کی ابھی عدت نہ گزری، وہ بعد عدت اس سے نکاح چاہتاہے مگر خوف ہے کہ شاید قبل عدت معصیت واقع ہو، زید عمرو سے مکان کرایہ پر مانگتاہے، اس صورت میں عمرو کو جائز ہے یانہیں کہ زید کو اپنامکان کرایہ پر دے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے اگرچہ معصیت کاخوف نہیں بلکہ صراحۃً معصیت کرتاہے، یہ اپنی جائز نیت سے کرایہ پر دے، اس کی معصیت کاوبال اس پر ہے عمروپر کوئی مواخذہ نہیں،

لتخلل فعل فاعل مختار، قال الله تعالٰى "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" [2]۔ والله تعالٰى اعلم۔	فاعل مختار کا فعل درمیان میں آنے کی وجہ سے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۷: مسئولہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" [3]۔ الاٰیۃ	اگر تم کسی امر میں تنازع کرو تواس کو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی طرف پھیرو اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ الآیۃ (ت)

[1] جدالممتار

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۶۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

کیافرماتے ہیں علمائے شریعت السہلہ الغراء ومفتیان ملت السمحۃالبیضاء کہ دو مسلمانوں میں اجارہ تدریس فنون عربی بمشاہرہ (مہ عہ /) ایک اور (صہ /) دوسرے کی طرف سے بلاذکر ماہ قمری شرعی و شمسی انگریزی وغیرہ ہوا، درصورت اختلاف مستاجر واجیر تعیین قرآنی یا تعیین انسانی عرفی یا عرف مدرسین عربی کی تعیین معتبر ہوگی اور جو اجیر تفسیر مدارک التنزیل شریف اور بیضاوی شریف اور صحیح بخاری شریف پڑھائے اس کی تعظیم اور کوئی ادب مستاجر متعلّم پر شرعاعقلاعرفاہے یانہیں؟ اور استاذین وشیوخ آباء معنوی ہیں، اس کاکہاں تک شریعت مطہرہ میں اثر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کیافرماتے ہیں علمائے شریعت السہلہ الغراء ومفتیان ملت السمحۃالبیضاء کہ دو مسلمانوں میں اجارہ تدریس فنون عربی بمشاہرہ (مہ عہ /) ایک اور (صہ /) دوسرے کی طرف سے بلاذکر ماہ قمری شرعی و شمسی انگریزی وغیرہ ہوا، درصورت اختلاف مستاجر واجیر تعیین قرآنی یا تعیین انسانی عرفی یا عرف مدرسین عربی کی تعیین معتبر ہوگی اور جو اجیر تفسیر مدارک التنزیل شریف اور بیضاوی شریف اور صحیح بخاری شریف پڑھائے اس کی تعظیم اور کوئی ادب مستاجر متعلّم پر شرعاعقلاعرفاہے یانہیں؟ اور استاذین وشیوخ آباء معنوی ہیں، اس کاکہاں تک شریعت مطہرہ میں اثر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قال اللہ تعالٰی عزوجل "یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ"۔[1]	اے نبی! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں نئے چاندوں کاحال، توفرمادو وقت ٹھہرائے ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے واسطے۔

آیہ کریمہ شاہد ہے کہ اہل اسلام کے نہ صرف عبادات بلکہ معاملات میں بھی یہی قمری مہینے معتبر ہیں۔ مدارک شریف میں ہے:

مواقیت الناس والحج ای معالم یوقت بہا الناس مزارعھم ومتاجرھم ومحال دیونھم وصومھم وفطرہم وعدۃ نساٴھم وایام حیضھن ومدۃ حملھن وغیر ذٰلك ومعالم للحج یعرف بہا وقتہ[2]۔	مواقیت للناس والحج یعنی علامات جن سے لوگ اپنی مزارعت، اجارہ، قرض اور دیون کی ادائیگی، روزہ، افطار، عورتوں کی عدت، حیض کے ایام اور حمل کی مدت وغیرہ کاوقت معلوم کریں گے اور حج کی علامت جن سے لوگ اس کاوقت پہچان سکیں گے۔ (ت)

عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی حاشیہ خفاجی علی البیضاوی میں ہے:

اجیبوا ببیان الغرض من ھذا الاختلاف من بیان مواقیت العبادات والمعاملات[3]۔	صحابہ کو چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کی غرض سے جواب بیان فرمایا کہ عبادات اور معاملات مقرر اوقات کابیان ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲ /۱۸۹

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیت قل ھی مواقیت للناس الخ دار الکتب العربی بیروت ۱ /۹۷

[3] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی آیت قل ھی مواقیت للناس الخ دار صادر بیروت ۲ /۲۸۴

وقال تبارك وتعالٰی "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک گنتی مہینوں کے اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں، کتاب اللہ میں جس دن سے اس نے بنائے آسمان اور زمین اس میں سے چار ماہ حرام ہیں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب)۔

یہ آیت ارشاد فرماتی ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک یہی بارہ مہینے قمری ہلال عربی معتبر ہیں کہ چار ماہ حرام انھیں مہینوں میں ہیں۔ تو اہل اسلام کو انھیں کا اعتبار چاہئے، شرع مطہرہ کے سب احکام عبادات و معاملات انھیں پر مبنی ہیں، معالم میں ہے:

المراد منه الشهور الهلالية وهی الشهور التی یعتد بها المسلمون فی صیامهم وحجهم واعیادهم وسائر امورهم[2]۔	اس سے مراد قمری مہینے ہیں اور ان مہینوں کے ذریعہ مسلمان اپنے روزوں، حج، عیدوں اور تمام امور کا حساب لگاتے ہیں۔ (ت)

نسفی میں ہے:

المراد بیان ان احكام الشرع تبتنی علی الشهور القمرية المحسوبة بالاهلة دون الشمسية[3]۔	مراد یہ ہے کہ شرعی احکام قمری مہینوں پر مبنی ہیں جو چاند کے حساب سے ہوتے ہیں شمسی مہینوں پر نہیں۔ (ت)

ولہٰذا بحمداللہ اب تک عامہ مسلمین اپنے عامہ امور میں انھیں شہود کو جانتے۔ انھیں پر مدار کار رکھتے ہیں کہ ان کے رب کے نزدیک مہینے یہی ہیں بلکہ حقیقۃً مہینہ کا لفظ انھیں پر صادق مہینہ منسوب بماہ ہے، شہر شمسی مہینہ نہیں، مہرینہ ہے، بلکہ تفسیر میں زیر کریمہ انما النسیء ہے:

اللہ تعالٰی امرہم من وقت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما الصلٰوۃ والسلام ببناء الامر علی رعایۃ السنۃ القمریۃ،	اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم الصلٰوۃ والسلام کے زمانہ میں قمری سال پر اپنے امور کی بناء کا حکم دیا تو انھوں نے قمری سال کی رعایت

[1] القرآن الکریم ۹ /۳۶
[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ان عدۃ الشھور الخ مصطفی البابی مصر ۳ /۸۹
[3] مدارك التزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ان عدۃ الشھور الخ دار الکتب العربی بیروت ۲ /۱۲۵

فهم تركوا امرالله تعالٰی فی رعاية السنة القمرية واعتبروا السنة الشمسية رعاية لمصالح الدنيا [1]۔	کے حکم باری تعالٰی کو ترک کرکے اپنے مصالح کی بناء شمسی سال پر کرلی (ت)

بلکہ اسی میں ہے:

قال اہل العلم الواجب علی المسلمین بحکم هذه الاية ان يعتبروا فی بيوعهم ومد ديونهم واحوال زكاتهم وسائر احكامهم السنة العربية بالاهلة ولا يجوز لهم اعتبار السنة العجمية والرومية [2] اھ۔ **اقول:** فمن خلاف عندنا فی تأجيل العتين هل هو بالسنة القمرية هو المذهب، خزانة وغيرها وهو الصحيح [3]، ہداية وغيرہا وعليه اكثر اصحابنا [4] ايضاح الكرمانی اوبالسنة الشمسية وهی رواية الحسن عن امامنا الاعظم رضی الله تعالٰی عنه، وروایة ابن سماعة عن الامام محمد، واختاره شمس الائمة السرخسی و الامام فقيه النفس قاضيخاں والامام ظهير الدين المرغينانی [5]، فتح، وقيل وبه	اہل علم نے فرمایا اس آیہ کریمہ کے حکم پر مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے کاروبار اور لین دین، زکوٰۃ اور تمام احکام میں عربی قمری سال کا اعتبار کریں اور ان کو عجمی اور رومی شمسی سال کا اعتبار جائز نہیں ہے اھ، میں کہتا ہوں ہمارے ہاں نامرد شخص مہلت دینے کے مسئلہ میں اختلاف ہے، خزانۃ وغیرہ میں ہے کہ قمری سال ہی مذہب ہے، ہدایہ وغیرہ میں فرمایا یہی صحیح ہے، اور نیز فرمایا ہمارے اکثر اصحاب اس پر ہیں، کرمانی کی ایضاح میں، یا شمسی سال فرمایا یہ امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے اور امام محمد علیہ الرحمۃ سے بھی ابن سماعۃ کی یہ روایت ہے، اور شمس الائمہ امام سرخسی، امام فقیہ النفس قاضیخاں اور امام ظہیر الدین مرغینانی نے اسے اختیار کیا ہے۔ فتح، اور اسی پر فتوٰی

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ انما النسئی زیادۃ الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۶/ ۵۶

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ان عدۃ الشہور الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۶/ ۵۳

[3] جامع الرموز بحوالہ الہدایۃ کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴

[4] جامع الرموز بحوالہ الہدایۃ بحوالہ کرمانی کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴

[5] جامع الرموز بحوالہ الہدایۃ بحوالہ کرمانی کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴، فتح القدیر کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۲

یفتی، درمختار[1] وعلیہ اکثر المشائخ، محیط، وعلیہ الفتوی، خلاصة اھ من ردالمحتار وجامع الرموز[2] نعم عدم الجواز فی العبادات والعدد الشرعی مقطوع بہ مجمع علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے۔ درمختار، اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں، محیط، اسی پر فتوٰی ہے، خلاصہ، یہ ردالمحتار اور جامع الرموز سے منقول ہے، ہاں عبادات اور شرعی اعداد قمری سال ہی متفق علیہ ہے، واللہ تعالٰی علم۔ (ت)

بالجملہ اجارات وغیرہا معاملات میں مدار تعارف پر ہے، اور مسلمین میں متعارف یہی مہینے تو عندالاطلاق انھیں کی طرف انصراف، ردالمحتار وفتح القدیر میں ہے:

اھل الشرع انما یتعارفون الاشھر السنین بالاھلة فاذا اطلقوا السنة انصرف الی ذٰلك مالم یصرحوا بخلافه[3]۔	اہل شرع نے قمری مہینے اور سال اپنا عرف قرار دیا ہے۔ تو جب وہ مطلق سال ذکر کرتے ہیں غیر کی تصریح نہ کریں تو قمری مراد ہوتا ہے (ت)

اگر بعض مسلمانان باتباع نصارٰی شہور شمسیہ پر حساب رکھنے لگیں تو اس کا اعتبار نہیں کہ معتبر عرف عام وشائع ہے، نہ قرار داد خاص بعض ناس، اشباہ والنظائر میں ہے:

انما تعتبر العادة اذا اطردت اوغلبت، ولذا قالوا فی البیع لو باع بدراھم ودنانیر وکانا فی بلد اختلف فیه النقود مع الاختلاف فی المالیة والرواج انصرف البیع الی الاغلب قال فی الهدایة	عادت جب عام اور غالب ہو جائے تو وہی معتبر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ بیع کے باب میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے مطلق دراہم یا دنانیر کو بیع میں ذکر کیا تو شہر میں مالیت اور رواج کے لحاظ سے نقود کا اختلاف ہو تو وہاں غالب نقد پر بیع مانی جائے گی، ہدایہ میں فرمایا کیونکہ وہ

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۹۵، جامع الرموز کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴

[3] فتح القدیر کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۲، ردالمحتار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۹۵

لانہ ھو المتعارف، فینصرف المطلق الیہ[1]۔	متعارف ہے تو مطلق اس کی طرف ہی راجع ہوگا۔(ت)

اور بالفرض مان بھی لیا جائے کہ یہاں کے مسلمان میں شہود شمسیہ بھی بکثرت رواج پاگئے تاہم اس میں کلام نہیں کہ مدرسان علوم عربیہ دینیہ کا تقرر عام طور پر انھیں شہور الٰہیہ ہلالیہ پر متعارف ہے کہ وہ خاص دینی کام ہے، اور عام مسلمین پر بحمداللہ ہنوز اتباع نصارٰی ایسا غالب نہ ہوا کہ اپنے دینی امور میں بھی ان کی تقلید کریں، تواس تقرر میں قطعاً شہور ربانیہ ہی معتبر ہوں گے نہ کہ شہور نصرانیہ، **کما لایخفی علی اولی النھی** (جیسا کہ عقلمندوں پر مخفی نہیں ہے۔ت) تعلیم علوم دینیہ پر اُجرت لینی صد ہاسال سے بمذہب مفتٰی بہ علماء نے نظر بفساد زمانہ حلال فرمائی یہ تحلیل اس لئے تھی کہ اہل علم ناشران علم دین کی خدمت ہوتی رہے، وہ تلاش معاش میں پریشان ہو کر اس وراثت انبیاء کی اشاعت سے مجبور نہ رہیں، نہ اس لئے کہ معاذاللہ استاذ علم دین کی تعظیم وتوقیر نہ کی جائے۔ اساتذہ وشیوخ علم شرعیہ بلاشبہ آبائے معنوی وآبائے روح ہیں جن کی حرمت وعظمت آبائے جسم سے زائد ہے کہ وہ پدر آب وگل ہے اور یہ پدر جان ودل، علامہ مناوی تیسیر جامع صغیر میں فرماتے ہیں: ؎

من علم الناس ذاك خیراب ذا ابوالروح لاابوالنطف[2]

یعنی استاد کا مرتبہ باپ سے زیادہ ہے کہ وہ روح کا باپ ہے، نہ نطفہ کا،

علامہ حسن شرنبلالی "غنیہ ذوی الارحام" حاشیہ "درر وغرر" میں فرماتے ہیں:

الوالد ھو والد التربیۃ فرتبتہ فائقۃ رتبۃ والد التبنیۃ[3]۔	یعنی اعلٰی درجہ کا باپ استاد مربی ہے۔ اس کا مرتبہ پدر نسب کے مرتبہ سے زائد ہے۔

عین العلم شریف میں ہے:

یبر الوالدین فالعقوق من الکبائر، ویقدم حق المعلم علی	ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرے کہ انھیں ناراض کرنا گناہ کبیرہ ہے اور استاد کے حق کو

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۸

[2] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث انما انا لکم بمنزلۃ الوالد الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۶۱

[3] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر الحکام

حقھما فھو سبب حیاۃ الروح [1]۔	ماں باپ کے حق پر مقدم رکھے کہ وہ زندگی روح کا سبب ہے۔

امام شعبہ فرماتے ہیں:

ما کتبت عن احد حدیثا الا وکنت لہ عبدا ماحیی [2]۔	میں نے جس کسی سے ایک حدیث بھی لکھی میں عمر بھر اس کا غلام ہوں۔

فتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

حق العالم علی الجاھل وحق الاستاذ علی التلمیذ و احد علی السواء وھو ان لایفتتح بالکلام قبلہ ولا یجلس مکانہ وان غاب ولا یرد علی کلامہ ولایتقدم علیہ فی مشیہ [3]۔	عالم کا جاہل پر اور استاد کا شاگرد پر برابر یکساں حق ہے کہ اس سے پہلے بات نہ کرے، وہ موجود نہ ہو جب بھی اس کی جگہ پر نہ بیٹھے اس کی کوئی بات نہ الٹے، نہ اس سے آگے چلے وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۸: ۲۶ رجب ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے کارندہ نے عمرو سے وعدہ کیا کہ جائداد آپ کی زید سے بکوادوں گا مگر مجھے محنتانہ دیجئے گا، اس نے اقرر کیا، اور زید کو بھی اس کا حال معلوم ہے، کارندہ مذکور نے اس کی بیع میں بہت کوشش کی، چنانچہ بیع تام ہوگئی، اور مشتری کو دھوکا بھی کچھ نہ دیا، یہ اُجرت جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب:

اگر کارندہ نے اس بارہ میں جو محنت وکوشش کی وہ اپنے آقا کی طرف سے تھی بائع کے لئے کوئی دوادوش نہ کی، اگرچہ بعض زبانی باتیں اس کی طرف سے بھی کی ہوں، مثلاً آقا کو مشورہ دیا کہ یہ چیز اچھی ہے خرید لینی چاہئے یا اس میں آپ کا نقصان نہیں اور مجھے اتنے روپے مل جائیں گے، اس نے خرید لی

[1] عین العلم الباب الثامن فی الصحبۃ والمؤلفۃ مطبع امرت پریس لاہور ص ۳۵۔۳۳۳

[2] المقاصد الحسنۃ تحت حدیث ۱۱۶۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۲۱

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی البزازیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۷۳

جب تو یہ شخص عمرو بائع سے کسی اُجرت کا مستحق نہیں کہ اجرت آنے جانے محنت کرنے کی ہوتی ہے نہ بیٹھے بیٹھے، دو چار باتیں کہنے، صلاح بتانے مشورہ دینے کی، ردالمحتار میں بزازیہ وولوالجیہ سے ہے:

الدلالة والاشارة لیست بعمل یستحق به الاجر، وان قال لرجل بعینه ان دللتنی علی کذا فلك کذا، ان مشی له فدله فله اجر المثل للمشی لاجله.لان ذٰلك عمل یستحق بعقد الاجارة[1] الخ۔	محض بتانا اور اشارہ کرنا ایسا عمل نہیں ہے جس پر وہ اجرت کا مستحق ہو، اگر کسی نے ایک خاص شخص کو کہا اگر تو مجھے فلاں چیز پر رہنمائی کرے تو اتنا اجر دوں گا، اگر وہ شخص چل کر رہنمائی کرے تو اس کو مثلی اجرت دینا ہوگی کیونکہ وہ اس خاطر چل کرلے گا کیونکہ چلنا ایسا عمل ہے جس پر عقد اجارہ میں اُجرت کا مستحق ہوتا ہے۔الخ (ت)

غمزالعیون میں خزانۃ الاکمل سے ہے:

امالو دله بالکلام فلا شیئ له[2]۔	اگر صرف زبانی رہنمائی دے تو اس کے لئے کچھ نہیں (ت)

اور اگر بائع کی طرف سے محنت و کوشش ودوادوش میں اپنا زمانہ صرف کیا تو صرف اجر مثل کا مستحق ہوگا، یعنی ایسے کام اتنی سعی پر جو مزدوری ہوتی ہے اس سے زائد نہ پائے گا اگرچہ بائع سے قرارداد کتنے ہی زیادہ کا ہو، اور اگر قرارداد اجر مثل سے کم کا ہو تو کم ہی دلائیں گے کہ سقوط زیادت پر خود راضی ہوچکا، خانیہ میں ہے:

ان کان الدلال الاول عرض تعنّٰی وذهب فی ذٰلك روزگاره کان له اجر مثله بقدر عنائه وعمله[3]۔	اگر روزگار کے سلسلہ میں دلال نے محنت کی اور آیا گیا تو اس کی محنت اور عمل کے مطابق مثلی اجرت ہوگی۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

بعه لی بکذا ولك کذا فباع فله اجر المثل[4]۔	اگر دوسرے کو کہا تو میرے لئے اتنے میں اس کو فروخت کر تو اس نے وہ چیز فروخت کردی تو دلال مثلی اُجرت کا مستحق ہوگا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ مسائل شتی من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۸

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۶۰

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۳۴

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاجارات اداراۃ القرآن کراچی ۲ /۶۱

حموی میں ہے:

ای ولایتجاوزبه ماسمی وکذالو قال اشتری کما فی البزازیة،وعلی قیاس هذا السماسرة والدلالین الواجب اجر المثل کما فی الولوالجیة [1]۔	یعنی مقررہ اجرت سے زائد نہ ہوگی،اور یوں ہی اگر کہا تو مجھے خرید دے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے اور اس پر قیاس ہوگا دلال حضرات کا معاملہ کہ ان کو مثلی اجرت دی جائے گی جیسا کہ ولولوالجیہ میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے:

فی الدلال والسمسار یجب اجر المثل و ماتواضعوا علیه ان فی کل عشرة دنانیر کذا فذلك حرام علیهم [2]۔	آڑھتی اور دلال حضرات کے لئے مثلی اجرت ہوگی اور وہ جو دس دنانیر میں اتنا طے کرتے ہیں تو یہ حرام ہے۔(ت)

پھر ازانجا کہ یہ شخص مشتری کا نوکر واجیر خاص تھا جتنی مدت اس نے بائع کے کام میں صرف کی اتنی تنخواہ ساقط ہوگئی، مثلاً دس ۱۰ روپے ماہوار کا نوکر تھا تین دن بائع کی طرف سے اس سعی میں گزر گئے تو ایک روپیہ تنخواہ کا مستحق نہ رہا،اور اگر بائع سے یہ عقد اجارہ بے اذن واجازت مشتری ہوا، تو گناہ علاوہ کہ اجیر خاص کو بے اجازت آقا دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں، درمختار میں ہے:

لیس للخاص ان یعمل لغیرہ ولو عمل نقص من اجرته بقدر ماعمل۔فتاوٰی النوازل۔[3] واﷲ تعالٰی اعلم۔	اجیر خاص کو جائز نہیں کہ دوسروں کا کام کرے اگر اس نے ایسا کیا تو اتنا اس کی اجرت سے کاٹا جائے گا۔واﷲ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۹: از محمد گنج ضلع بریلی مرسلہ عبدالقادر خاں رامپوری ۲۲صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مزدور کو برائے مزدوری سو کوس یا پچاس کے فاصلہ پر لے جائے، بعد ازاں اس سے چار پانچ ماہ تک کام کرالے،اور بروقت حساب کے اس کو تیس ۳۰ روپے کے کام کے بیس روپے اور اس پر سختی کرے اور اسے پریشان کرے،

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۱

جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب:

حرام حرام، حرام، کبیرہ کبیرہ، کبیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:

ثلثة انا خصمهم یوم القیمة ومن کنت خصمه خصمته رجل اعطی بی ثم غدر، ورجل باع حرا واکل ثمنه، ورجل استاجر اجیرافاستوفی منه ولم یوفه اجره۔ رواه الائمة احمد [1] والبخاری وابن ماجة وابو یعلی وغیرهم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال الله تعالٰی فذکره والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	قیامت کے دن تین شخصوں کا میں مدعی ہوں گا اور جس کا میں مدعی ہوں میں ہی اسی پر غالب آؤں گا، ایک وہ جس نے میرا عہد دیا پر عہد شکنی کی، دوسرا وہ جس نے کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھائی تیسرا وہ جس نے کسی شخص کو مزدوری میں لے کر اپنا کام تو اس سے پورا کرالیا اور مزدوری اسے پوری نہ دی (اسے امام احمد، بخاری، ابن ماجہ، ابویعلی وغیرہم ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے تو حدیث ذکر کی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ ت)

مسئلہ ۱۶۰: از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یونانی مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو نے بتعین چند شرائط مفصلہ ذیل خالد سے ٹھیکہ اراضی کا بزمان واحد بغیر بیان کرنے شرکت نصف اور ربع کے لیا، شرط اول یہ کہ زر ٹھیکہ بموجب اقساط معینہ مندرجہ قبولیت وپٹہ ادا کرینگے، دوسری شرط یہ کی کہ ضمانت یا امانت

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اثم من باع حرا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۷ وکتاب الاجارات ۱/ ۳۰۲، مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۵۸، سنن ابن ماجہ ابواب الرھون باب اجر الاجراء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۸

حسب الطلب خالد کے دیں گے، اور در صورت نہ دینے ضمانت اور نہ ادا کرنے کسی ایک قسط کے خالد کو اختیار فسخ اجارہ حاصل ہے، پس ہر دو مستاجران نے دونوں شرطوں کو وفا نہیں کیا، اور نوبت دعوی فسخ روبرو قاضی پہنچی، تو ایک شریک کو دعوی خالد سے اقبال ہے، اور دوسرے کو دعوی فسخ خالد سے انکار ہے، آیا ایسی صورت میں خالد کو اختیار فسخ اجارہ ہر دو مستاجران سے حاصل ہے یا کیا؟ **بینوا توجروا**

بحضور لامع النور، زبدۃ العلماء والفقہاء جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام فضلہم جناب عالی!

صورت مسئولہ میں یہاں پر مفتیان نے بموجب اقوال تحت فیصلہ فرمایا، حضور نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، لہٰذا استفتا منسلکہ عرضداشت ہذا ابلاغ کرکے امیدوار کہ جواب جلد مرحمت فرمایا جائے۔

قال شمس الائمة السرخسی قال بعض اصحابنا اضافة الفسخ الی مجیئ الشهر وغیر ذٰلك من الاوقات صحیح وتعلیق الفسخ بمجیئ الشهر وغیرہ ذٰلك لایصح والفتوٰی علی قوله کذا فی فتاوٰی قاضیخاں۔[1] ثانی، والشیوع الطارئ لایفسدها اجماعا کما لو اٰجر ثم تفاسخا فی بعض اومات احدهما او استحق بعضها تبقی فی الباقی [2] ۱۲ عالمگیری۔ مؤید آں وفی الغاثیة رجلان اٰجرادارهما من رجل جاز وان فسخ احدهما برضا المستاجر اومات لاتبطل فی النصف الاٰخر [3] ۱۲ بحر الرائق۔	شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا ہے فسخ کی اضافت مہینہ کی آمد کی طرف کرنا اور ایسے ہی دیگر اوقات کی طرف کرنا صحیح ہے، اور فسخ مہینہ وغیرہ اوقات کے ساتھ معلق کرنا، صحیح نہیں، اور فتوی اس بعض کے قول پر ہے فتاوٰی قاضیخاں میں یوں ہے، دوسرا یہ کہ بعد میں طاری ہونے والا شیوع بالاجماع اجارہ کو فسخ نہ کرے گا۔ مثلاً اگر مکان اجارہ پر دیا پھر فریقین نے کچھ حصہ میں اجارہ فسخ کردیا، یا کوئی ایک فریق فوت ہوگیا یا مکان کا کچھ حصہ کسی غیر کا حق ظاہر ہوا، تو باقیماندہ حصہ میں اجارہ باقی رہے گا ۱۲ عالمگیری، اس کی تائید ہے کہ غیاثیہ میں ہے دو ۲ حضرات نے اپنے مشترکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۸

[3] بحر الرائق کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۲۱

	مکان کو اجارہ پر ایک شخص کو دیتا جائز ہے اور اگر ایک نے مستاجر کی رضامندی سے اپنے نصف حصہ کا اجارہ فسخ کردیا، یا ایک فوت ہوگیا تو باقی نصف میں اجارہ باقی رہے گا ۱۲ بحر الرائق (ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں خالد کو ضرور اختیار ہے فسخ حاصل ہے، بلکہ ہر فریق پر اجارہ مذکورہ کا فسخ واجب ہے، اگر وہ نہ کریں حاکم جبرًا فسخ کردے، اگر نہ کرے گا گنہ گار ہوگا، وجہ یہ کہ اجارہ مذکورہ شرعًا بوجوہ فاسدہ ہے۔

اولًا: اس میں ضمانت مجہولہ شرط کی گئی نہ ضامن حاضر تھا، نہ مجلس عقد میں قبل تفرق عاقدین حاضرین ہوا، ایسی شرط ضمانت بیع واجارہ میں ناجائز ومفسد ہے۔

ثانیًا: مجلس عقد میں کسی ضامن کی طرف سے قبول ضمانت واقع نہ ہوا، ایسی ضمانت نامقبولہ، اگرچہ غیر مجہولہ ہو مفسد عقد ہے۔

ثالثًا: اگر امانت سے مراد رہن ہے تو اس کا بھی کوئی تعین پیش از تفرق عاقدین نہ ہوا، ایسے رہن کی شرط بھی مفسد ہے، در مختار میں ہے:

یصح البیع بشرط یقتضیه العقد او یلائمة کشرط رہن معلوم و کفیل حاضر . ابن ملك[1] اھملتقطا	جو عقد کا مقتضی ہو یا عقد کے مناسب ہو ایسی شرط کے ساتھ بیع صحیح ہے مثلًا بیع میں معلوم رہن یا حاضر کفیل کی شرط لگانا، ابن ملک اھ ملتقطا (ت)

بحر الرائق میں ہے:

وان کان ملائما للبیع لایفسدہ کالبیع بشرط کفیل بالثمن اذاکان حاضرا وقبلها اوغائبا فحضر وقبل قبل التفریق وکشرط رہن معلوم بالاشارۃ او التسمیة فان حاصلهما	اگر شرط بیع کے مناسب ہو تو اس سے بیع فاسد نہ ہوگی مثلًا بیع میں ثمن کے کفیل کی شرط جب کفیل موجود حاضر ہو اور قبول کرلے یا غائب تھا تو موقع پر حاضر ہوگیا اور فریقین کے متفرق ہونے سے قبل کفیل نے قبول کرلیا ہو، اور مثلًا بیع میں اشارہ یا نام ذکر کے متعین

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷و۲۸

التوثق للثمن،قیدنا بحضرۃ الکفیل لانہ لوکان غائبا فحضر وقبل بعد التفرق اوکان حاضرا فلم یقبل لم یجز ،وقیدنا بکون الرھن مسمی لانہ لولم یکن مسمی ولا مشارا الیہ لم یجز الااذا تراضیا علی تعیینہ فی المجلس ودفعہ الیہ قبل ان یتفرقا او یعجل الثمن ویبطلان الرھن [1] اھ	رہن کی شرط لگانا، کیونکہ ان مذکورہ دونوں شرطوں کا مقصد ثمن کا وثوق حاصل کرنا ہوتا ہے ہم نے کفیل کے حاضر ہونے کی قید ذکر کی کیونکہ اگر وہ غائب ہو تو حاضر ہو کر قبول بھی کرلے لیکن فریقین کے تفرق کے بعد کرے یا حاضر ہو کر قبول ہی نہ کرے تو بیع جائز نہ ہوگی اور ہم نے رہن کے معین معلوم ہونے کی قید ذکر کی کیونکہ وہ معین و معلوم نہ ہو اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کیا ہو تو بیع جائز نہ ہوگی الایہ کہ دونوں فریق اسی مجلس میں اس کے تعین پر راضی ہوجائیں اور تفرق سے قبل مرہون چیز دے دی جائے یا رہن کو باطل کردیں اور ثمن نقد ادا ہوجائے۔اھ (ت)

درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشرط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ماافسد البیع ممامر یفسدھا [2]۔	اجارہ میں ایسی شرائط سے فاسد ہوجاتا ہے جو عقد کے مخالف ہوں تو جو شرائط مذکورہ بیع کو فاسد کرتی ہیں وہ اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہے۔(ت)

رابعًا: ان شرائط کے انتفاپر خالد کو اختیار فسخ ملنے کی شرط معنی خیار شرط ہے، ردالمحتار میں حواشی الدرر للعلامہ خادمی آفندی سے ہے:

قد قال صدرالشریعۃ انہ(ای خیار النقد)فرع مسئلۃ خیار الشرط لانہ انما شری لیدفع بالفسخ الضرر عن نفسہ سواء کان تاخیراداء الثمن اوغیرہ [3]۔	صدرالشریعۃ نے فرمایا کہ خیار نقد خیار شرط والے مسئلہ کی فرع ہے کیونکہ اس کو مشروع قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ فسخ کرکے اپنے پر عائد ہونے والے ضرر کو ختم کرسکے یہ ضرر ثمن کی تاخیر ہو یا کوئی اور (ت)

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۸۵

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۷۷

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹

اسی میں ہے:

الواقع فی الزیلعی کونہا من صورہ [1]۔	زیلعی میں شرط اجارہ کا شرط خیار کی طرح ہونا مذکور ہے۔(ت)

اور یہاں سے مشروط معلق بالحظر کیا، اور خیار شرط صالح تعلیق بالشرط نہیں، بحر الرائق ورد المحتار میں ہے: لایصح تعلیق خیار الشرط بالشرط [2] (خیار شرط کی تعلیق کسی شرط سے جائز نہیں۔ت) اور اشتراط شرط فاسد ان عقود کا مفسد۔

ولیس من باب خیار النقد المشروع ولولم یکن هناك تعلیق بعدم الاتیان بضمانة وامانة اصلا، و اقتصرا علی التعلیق بعدم نقدالاجرة علی النجوم المقدرة وذٰلك لان خیار النقد فی هذہ الصورة انما یکون لمن بیدہ النقدوترکہ اذ هو المتمکن من امضائه وعدمه،وههنا علی خلاف ذٰلك شرط الخیار لمواجر.فی البحرالرائق لوباع علی انه ان لم ینقد الثمن الی ثلثه ایام فلا بیع صح،والی اربع لایصح، و الاصل فیه ان هذا فی معنی اشتراط الخیار اذالحاجة مست الی الانفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلة فی الفسخ فیکون	اور خیار نقد جو مشروع ہے شرط فاسد اس کی طرح نہیں ہے خیا نقد جائز ہے اگرچہ وہاں ضمانت و امانت پیش نہ کرنے کی تعلیق نہ بھی ہو، بحر اور در مختار دونوں نے خیار نقد کی صورت میں مقررہ قسطوں پر نقد اُجرت نہ دینے سے معلق کرنے پر اکتفاء کیا اس لئے کہ خیار نقد اس صورت میں ایسے شخص کو ہوتا ہے جس کو نقد دینے نہ دینے کا اختیار ہو کیونکہ وہی اجارہ کو قائم رکھنے نہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہے، جبکہ یہاں معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ خیار کی شرط اجرت پر دینے کے لئے ہے۔ بحر الرائق میں ہے اگر کسی نے چیز کو اس شرط پر فروخت کیا کہ اگر مشتری تین دن تک ثمن نقد نہ دے تو بیع ختم ہوگی، یہ شرط صحیح ہے، اور اگر چار دن تک، کہا تو صحیح نہیں ہے، اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ یہ خیار شرط کے معنی میں ہے کیونکہ نقد نہ ملنے پر فسخ کی حاجت ہے تاکہ فسخ کا معاملہ موخر ہونے سے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵

ملحقاً بہ کذا فی الھدایۃ واشار المصنف الی جواز ھذاالشرط للبائع،وفی الذخیرۃ اذا باع عبدا ونقد الثمن علی ان البائع ا ن ردالثمن الی ثلثۃ فلا بیع بینھما کان جائزا،وھو بمعنی شرط الخیار للبائع اھ ففی مسألۃ الکتاب المنتفع بھذا الشرط ھو البائع مع انھم جعلوا الخیار للمشتری باعتبار انہ المتمکن من امضاء البیع بالنقد ومن فسخہ بعدمہ وفی عکسہ المنتفع بھذا الشرط ھوا لمشتری مع انھم جعلوا الخیار للبائع باعتباران البائع متمکن من الفسخ ان ردالثمن فی المدۃ ومن الامضاء ان لم یردہ اھملتقطا[1]،ونحوہ فی ردالمحتار عن النھر۔	محفوظ رہے، لہٰذا یہ خیار شرط سے ملحق ہے، ایسے ہی ہدایہ میں ہے، اور مصنف نے بائع کے لئے اس شرط کے جواز کا اشارہ کیا ہے، اور ذخیرہ میں ہے کہ جب عبد کو فروخت کیا اور مشتری نے ثمن نقد دے کر شرط لگائی کہ اگر بائع نے تین دن تک ثمن واپس کردئے تو بیع ختم ہوگی، تو یہ شرط جائز ہے اور یہ بائع کی شرط خیار معنا قرار پائے گی اھ تو کتاب کے مسئلہ میں اس شرط کا فائدہ بائع کو ہے حالانکہ خیار پر شرط انھوں نے مشتری کے لئے قرار دی ہے، یہ اس اعتبار سے کہ مشتری ہی نقد دینے نہ دینے کی بناء پر بیع کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے پر قادر ہے، اور اس کے عکس والی صورت میں شرف کا فائدہ مشتری کو ہے اس کے باوجود انھوں نے خیار شرط بائع کے لئے قرار دیا ہے یہ اس اعتبار سے کہ یہاں بائع تین دنوں میں ثمن واپس کرنے نہ کرنے کی بناء پر بیع کو فسخ یا قائم رکھنے پر قادر ہے اھ ملتقطا، اور یوں ہی ردالمحتار میں ہے نہر سے منقول ہے۔(ت)

ان کے سوا اور بعض وجوہ سے اس عقد کا فساد ظاہر ہے کما لایخفی علی المتأمل الناظر وفیما ذکرنا کفایۃ للمتبصر۔

ان تقریرات سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ یہ صورت تعلیق الفسخ بالشرط کی نہیں بلکہ خیار الفسخ بالشرط ہے، اور اول ہی فرض کیجئے تو جب بھی اس کا حکم یہ ہرگز نہ ہوگا کہ فسخ بوجہ تعلیق باطل اور اجارہ صحیح اب کہ ایک مستاجر فسخ پر راضی ہوا اسی کے حق میں فسخ ہوگیا دوسرے کے حق میں باقی ہے کہ شیوع طاری مفسد نہیں یہ تو اس وقت ہوتا کہ یہ فسخ فاسد معلق بالشرط عقد سے جداگانہ واقع ہوتا،

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب خیار الشرط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۷،۶

جب نفس عقد اسی شرط فسخ فاسد سے مشروط تو قطعاً اصل اجارہ فاسد

فانها کالبیع لاتحتمل الاشتراط بالشروط الفاسدة وقد قال فی الهدایة فی مسئلة خیار العقد فی هذا لمسئلة قیاس اٰخرمال الیه زفر،وہو انه بیع شرط فیه اقالة فاسدة لتعلقها بالشروط،والا شتراط الصحیح منها فیه مفسد العقد فاشتراط الفاسد اولی،ووجه الاستحسان مابینا [1] اھ وھو ماقدمنا عن البحر انه فی معنی خیار الشرط فیصح الی ثلثة ایام لا ازید ولامجهولا ولامطلقا کما هنا، قال فی البحرا لایصح اشتراطه الاکثرمن ثلثة ایام عنه ابی حنیفة(الی ان قال واطلاق المدة عنده کاشتراط لاکثر فی عدم الجواز وافساد البیع ولو قال المؤلف و لو اکثر اومؤبدا اوموقتا بوقت مجهول لکان اولی لان البیع فاسد فی هذه کلها کما فی التتارخانیة [2] اھ. قتل والمعنی اذاکان مشروطا	تو اجارہ بیع کی طرح فاسد شرائط سے مشروط نہیں ہوسکتا۔اور ہدایہ میں خیار نقد کے مسئلہ میں فرمایا اس مسئلہ میں ایک اور قیاس بھی ہے کہ جس کی طرف امام زفر کا میلان ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں فاسد اقالہ کی شرط ہے کیونکہ اس کو شرائط سے معلق کیا گیا ہے جبکہ اس میں صحیح اقالہ کی شرط مفسد عقد ہے تو فاسد کی شرط بطریق اولٰی مفسد ہوگی اور استحسان کی وجہ وہ ہے جو ہم نے بیان کردی ہے اور اس کو ہم بحر سے نقل کرچکے ہیں کہ خیار شرط کے معنی میں ہے لہٰذا تین دن کی شرط صحیح اس سے زائد کی صحیح نہیں اور نہ ہی مجہول شرط اور عام شرط صحیح ہوگی جیسا کہ یہاں ہے،بحر میں کہا ہے کہ تین دن سے زائد کی شرط امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور آگے یہاں تک کہا کہ مطلق مدت کی شرط بھی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک تین دن سے زائد کی طرح جائز نہیں اور بیع فاسد ہوگی اور اگر مؤلف یوں بیان کرتے،اگر مدت تین دن سے زائد یا ہمیشہ یا کسی مجہول وقت کی ہو تو ناجائز ہے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں بیع فاسد ہوتی ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے اھ میں کہتا ہوں مراد

[1] الهدایه کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵

[2] بحرالرائق کتاب البیوع باب خیار الشرط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۵۔۴

فی صلب العقد کما ہنا لابدہ ولاجاز الاطلاق وتقیید بالمجلس کما فی البحر، وجازت الزیادۃ علی الثلثۃ فی الاجارۃ کما فی بیوع البحر عن الذخیرۃ ولسنا ہھنا بصدد تنقیح تلك المسائل۔	یہ ہے جب صب عقد میں یہ شرائط ہوں جیسا کہ یہاں ہے عقد کے بعد والی شرائط مطلق ہو یا مقید ہوں جائز ہوں گی اور اطلاق وتقیید مجلس میں ہوسکے گا، جیسا کہ بحر میں ہے۔اور اجارہ میں تین دن سے زائد کی شرط صحیح ہے جیسا کہ بحر کے باب البیوع میں ذخیرہ سے منقول ہے،اور ہم یہاں پر ان مسائل کی تنقیح کے درپے نہیں ہیں۔(ت)

بہرحال اس عقد کے فاسد ہونے میں کوئی کلام نہیں،اور عقد فاسد کا یہی حکم ہے،کہ ہر فریق باختیار خود اسے فسخ کرسکتا ہے بلکہ ان پر اس کا فسخ واجب وہ نہ مانیں تو حاکم پر لازم کما نصوا علیہ فی البیع وغیرہ (جیسا کہ انھوں نے بیع وغیرہ میں اس پر نص فرمائی ہے۔ت) ہندیہ میں ہے:

ارادالاجران ینقض عقدہ بحکم الفساد فلہ ذٰلك کذافی التتارخانیۃ[1]۔	اگر آجر فساد کے حکم پر عقد اجارہ کو ختم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے تاتارخانیہ میں ایسے ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسخت الاجارۃ دفعاللفساد[2]۔	فساد کو ختم کرنے کے لئے اجارہ فسخ کردیا جائے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای ابطلھا القاضی لان العقد الفاسد یجب نقضہ و ابطالہ، ذخیرۃ[3]، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	یعنی قاضی اسے باطل کردے کیونکہ فاسد عقد کو ختم کرنا ضروری ہے، ذخیرہ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۶۰

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۸

مسئلہ ۱۶۱: از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یانونی مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

بحضور لامع النور جناب مستطاب معلّٰی القاب دام فیضہ، سابق حضور نے بدرخواست فدوی فتوٰی ارسال فرمایا تھا اس کو داخل عدالت کر دیا، بجواب اس کے حاکم مرافعہ عدالت دیوانی کے حاکم سے صحت فتوٰی مرسلہ حضور کی طلب کی ہے، عالیجاہا! یہ امر ضرور ثابت ہے کہ حاکم مجوز اپنی تجویز کو خراب نہیں کرسکتا ہے، اور فتوٰی جو حضور نے کرم فرما کر رسال فرمایا تھا اس میں جس قدر روایات مندرج ہیں بیع سے تعلق رکھتے ہیں، اجارہ کے معاملہ میں کوئی روایت نہیں تھی جس کی صحت حاکم مرافعہ نے کرائی ہے، اس واسطے حضور کو دوبارہ تکلیف دیتا ہوں، اور نقل روبکار کی من و عن بھیجتا ہوں۔

الجواب:

فتوٰی سابقہ میں مفصلاً ثابت کر دیا گیا کہ یہ اجارہ فاسد اور اس کا فسخ واجب ہے، وہ روایات سب متعلق اجارہ تھیں، انھیں متعلق بیع کہنا ہی متعلق اجارہ ماننا ہے کہ یہاں اجارہ و بیع کا ایک ہی حکم ہے بلکہ اجارہ معنی بیع کی ایک قسم ہے۔ ارشادات علماء بر سبیل اختصار سنئے: ۱مغنی المستفتی پھر ۲عقود الدریہ میں ہے:

البیع والاجارۃ اخوان لان الاجارۃ بیع المنافع[1]۔	بیع و اجارہ بھائی ہیں اس لئے کہ اجارہ منافع کی بیع ہے۔

۳ردالمحتار میں ہے:

الاجارۃ نوع من البیع اذھی بیع المنافع[2]۔	اجارہ بیع کی ایک قسم ہے کہ وہ بیع منافع ہے۔

۴مختصر امام ابوالحسن قدوری ۵ہدایہ میں ہے:

(الاجارہ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع) لانھا بمنزلتہ[3]۔	اجارہ کو شرطیں فاسد کرتی ہیں جس طرح بیع کو کہ اجارہ بمنزلہ بیع ہے۔

۶کافی امام نسفی و ۷کفایہ شرح ہدایہ و ۸برجندی شرح نقایہ و ۹طحطاوی علی الدرالمختار

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۱۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹

[3] الھدایۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۹۹

میں ہے:

الاجارۃ کالبیع فتفسد بالشرط [1]۔	اجارہ بیع کی طرح ہے تو شرط لگانے سے فاسد ہوجائے گا۔

[۱] کنز اور اس کی شرح "تبیین الحقائق پھر [۲] تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے:

(یفسد الاجارۃ الشرط) لانھا بمنزلۃ البیع [2]۔	اجارے کو شرط فاسد کردیتی ہے کہ وہ بمنزلہ بیع ہے۔

[۳] فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الاجارۃ کالبیع یفسدھا الشرط الفاسد فیجب علیھم فسخھا [3]۔	اجارہ مثل بیع ہے شرط فاسد اسے فاسد کردیتی ہے تو ان پر اس کا فسخ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

[۴] اختیار شرح مختار پھر [۵] خزانۃ المفتین میں ہے:

الاجارہ تفسد بالشرط کما یفسد البیع وکل جھالۃ تفسد البیع تفسد الاجارۃ [4]۔	اجارہ شرطوں سے فاسد ہوجاتا ہے جیسے بیع فاسد کرتی ہے اور جو جہالت بیع کو فاسد کرے گی اجارہ کو بھی فاسد کردے گی۔ (ت)

[۶] فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

الاجارۃ تفسدھا الشروط الفاسدۃ فکل جھالۃ تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارۃ [5]۔	اجارے کو فاسد شرطیں فاسد کردیتی ہیں پس جو جہالت بیع میں خلل ڈالے گی اجارے میں بھی خلل انداز ہوگی۔

---

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۸ /۳۴، شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۷۷، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴ /۲۴

[2] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵ /۱۲۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۱۳۲

[4] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ قلمی نسخہ ص ۱۶۵

[5] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۳

۱۷وقایہ امام برہان الشریعۃ و۱۸شرح امام صدر الشریعۃ و۱۹اصلاح متن و۲۰ایضاح شرح علامہ ابن کمال باشامیں بے تفاوت حرفے ہے:

(الشرط یفسدھا) المراد شرط یفسد البیع[1]۔	شرط اجارے کو فساسد کردیتی ہے مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہے۔

۲۱غرر الاحکام و۲۲درالحکام مولی خسرہ میں ہے:

تفسد بالشرط المفسد بالبیع[2]۔	اجارہ انھیں شرطوں سے فاسد ہوجاتا ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہے۔

۲۳نقایہ امام صدر الشریعۃ میں ہے: یفسدھا شروط تفسد البیع[3] (جارے کو فاسد کرتی ہیں وہ شرطیں کہ بیع میں فساد لاتی ہیں۔ ۲۴بحر الرائق پھر ۲۵فتح اللہ المعین للسید الازہری میں ہے:

کل ماافسد البیع یفسدھا[4]۔	جو کچھ بیع فاسد کرے اجارہ کو بھی فاسد کرتا ہے۔

۲۶تنویر الابصار و۲۷درمختار میں ہے:

(کل ماافسد البیع) ممامر (یفسدھا)[5]۔	جتنی چیزوں کا ذکر بیع میں گزرا کہ اسے فاسد کرتی ہیں سب اجارے کو بھی فاسد کرتی ہیں۔

۲۸غایۃ البیان شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

الاجارۃ کالبیع فکل ماافسد البیع افسدھا[6]۔	اجارہ مانند بیع ہے تو جو کچھ بیع کو فاسد کرے گا اس میں بھی فساد لائے گا۔

یہ سردست بعد منازل قمر اٹھائیس ۲۸ کتب معتمدہ کی روشن عبارات ہیں، ان عبارات جلیلہ سے واضح ہوا کہ شروط مفسدہ اجارہ کے باب میں روایات متعلقہ بیع کو ذکر کرنا عین حق وصواب ہے، یہ ہمارا قیاس نہیں بلکہ فقہائے کرام ہی یہاں ان کے بیان کو اسی بیان کتاب البیوع پر محول فرماتے ہیں وہاں سے ان کے

---

[1] شرح الوقایہ کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۹۷

[2] الدالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[3] مختصر الوقایہ فی مسائل الھدایہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۱۱۱

[4] فتح المعین علی شرح الکنز کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۴۳

[5] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[6] غایۃ البیان

احکام دیکھنے کی ہمیں راہ بتاتے ہیں، اسی لئے فتوائے سابقہ میں عبارت مذکورہ درمختار نقل کردی تھی کہ جن چیزوں کا مفسد بیع ہونا کتاب البیوع میں مذکور ہوا وہ سب مفسد اجارہ بھی ہیں، اسے پیش نظر رکھ کر یہ دیکھئے کہ اس عقد اجارہ میں ضمانت مجہول مشروط ہوئی امانت نامعینہ کی شرط کی گئی مجلس عقد میں پیش از تفرق عاقدین نہ کسی کفیل کی طرف سے قبول واقع ہوا، نہ رہن کی تعین یا بہ بطال رہن اجرت کی تعجیل کی گئی، اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ ایسی شرطیں مفسد بیع ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو یہی عبارات کثیرہ کذکورہ یک زبان شہادت عادلہ دیں گی کہ یہ شرطیں فساد اجارہ کا ذمہ لیں گی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ضرور یہ امور مفسد بیع ہیں، تو حسب تصریحات ائمہ قطعاً مفسد اجارہ بھی ہیں، شرح مجمع ابن فرشتہ وشرح التنویر علائی وبحر الرائق کی عبارات فتوائے سابقہ میں گزریں۔ اور ردالمحتار وحاشیہ علامہ سید احمد مصری علی الدرالمختار میں زیر قول شارح "**یصح البیع بشرط رھن معلوم و کفیل حاضر**" (معلوم رہن کی شرط پر اور کفیل حاضر ہونے کی شرط پر بیع جائز ہے۔ت) فرمایا:

فلو لم یکن مسمی ولامشار الیه لم یجز الااذا تراضیا علی تعیینه فی المجلس و دفع الیه قبل ان یتفرقا اوان یعجل الثمن ویبطلان الرھن وقید بحضرہ الکفیل لانه لوکان غائبا اوحاضرا لم یقبل لم یجز اھ بلفظ ط[1] ملخصًا۔	اگر نہ رہن معلوم اور اس کی طرف اشارہ بھی نہ ہو تو جائز نہیں۔ ہاں اگر دونوں فریق مجلس میں ہی رہن کے تعین ہو جائیں اور وہ سپرد بھی کردیا گیا ہو تو جائز ہو جائے گا، یا پھر رہن کو باطل کرکے ثمن موقعہ پر ادا کردے اور کفیل کے حاضر ہونے کی قید ذکر کی اس لئے کہ اگر وہ غائب ہو یا حاضر ہو کفالت کو قبول نہ کرے تو جائز نہ ہوگا۔ اھ طحطاوی کے الفاظ ملخصًا۔ (ت)

پھر اس اجارہ کے فساد میں کیا شبہہ وکلام ہوسکتا ہے معہذا جو کچھ اس عقد مبحوث عنہ میں شرط کیا گیا خود اسے فسخ اور فسخ بھی کیسا بوجوہ تعلیق بالشرط فاسد مان کر نفس اجارہ کو صحیح ٹھہرانے کی طرف اصلا کوئی سبیل نہیں، اجارہ قطعاً شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتا ہے جس پر ابھی نصوص واضحہ سن چکے، خاص شرط فسخ کا جزئیہ لیجئے، وجیز امام کردری تفریعات نوع اول فصل ثانی کتاب الاجارات میں محیط سے ہے:

اُجرتك داری ھذہ واراضی ھذہ	میں نے تجھے یہ مکان یا یہ زمین اجرت پر اس لئے دی

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دارالمعرفۃ بیروت ۳ /۷۷، ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۲۲

علی انك تفسخ العقد متی اردت فالاجارۃ فاسدۃ[1]۔	کہ تو جب چاہے فسخ کردے تو اجارہ فاسد ہوگا۔(ت)

بالجملہ اس اجارے کا فاسد ہونا ایسا جلی وواضح ہے جس میں کسی خادم فقہ کو توقف نہیں ہوسکتا تو خالد کو ضرور اختیار فسخ حاصل ہے، رضامندی فریقین کی حاجت عقد صحیح لازم میں ہوتی ہے عقود فاسدہ میں کیا ضرورت، خالد کو اختیار ہونا کیسا اس پر اور نیز ہر مستاجر پر فسخ کرنا واجب ہے وہ نہ کریں حاکم پر لازم وہ بھی باز رہے تو سب گنہگار وآثم، تنقیح الفتاوی حامدیہ میں ہے:

سئل فیما اذا کان لزید ثلاث جنینۃ معلومۃ وثلثھا الاخر ملك عمر وفاجرزید ثلثیۃ من بکر فھل یملك المستاجر الدعوی بفسادھا الجواب نعم الاجارۃ والبیع اخوان لان الاجارۃ تملیك المنافع و البیع تملیك الایمان وقد قال فی الدرالمختار فی باب البیعم الفاسد یجب علی کل واحد منھا ای من البائع والمشتری فسخه اعداما للفساد،لانه معصیة فیجب رفعھا،بحر۔واذاصراحدہما علی امساکه و علم به القاضی فله فسخه جبراعلیھما حقا للشرع بزازیة[2] اھباختصار۔	ان سے سوال ہوا کہ ایک باغ کا دو تہائی حصہ زید کا ہو اور ایک تہائی حصہ کامالک عمرو ہو تو زید نے اپنا دو تہائی بکر کو اجارہ پر دے دیا تو کیا مستاجر کو حق ہے کہ اجارہ کے فساد کا دعوی کرے،الجواب ہاں، کیونکہ بیع اور اجارہ ہم مثل ہیں کیونکہ اجارہ میں منافع کا مالک اور بیع میں عین شیئ کا مالک بنانا ہوتا ہے اور درمختار میں بیع فاسد کے باب میں فرمایا کہ بائع اور مشتری دونوں پر فسخ کرنا واجب ہے تاکہ فساد ختم ہوسکے، کیونکہ وہ گناہ ہے جس کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔بحر۔اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک اس کو قائم رکھنے پر مصر ہو اور قاضی کو معلوم ہوجائے تو وہ جبرا فسخ کردے تاکہ شرعی حق قائم ہو،بزازیہ اھ اختصار(ت)

خاص اس وجوب فسخ اجارہپر بوجہ فساد کے جزئیہ میں عبارات کثیرہ علماء فقیر کے پیش نظر موجود ہیں جن سے بعض فتوائے سابقہ میں منقول ہوئیں،اور عبارت خیریہ ابھی گزری مگر یہاں بالقصد

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۱

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الاجارات ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۱۳۱-۱۳

یہ عبارت لکھی جس میں علامہ حامد آفندی مفتی دمشق الشام نے حکم اجارے پر فرمایا اور روایت متعلق بیع ذکر کی، اور علامہ منقح آفندی زین العابدین نے مقرر رکھی تاکہ روشن ہو کہ ایسی جگہ علمائے کرام کا داب کیا رہا ہے۔ **وباللّٰہ التوفیق واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۶۲: از بانکی پور ضلع پٹنہ محلّہ باغ گل بیگم مرسلہ مولوی حکیم محمد یوسف حسن صاحب ۲۱ شعبان ۱۳۱۶ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید مثلاً حرفہ طبابت می کند با شخصے مثلاً بکر چنیں قرار یافت کہ زید مداوات بکرے کند "حالا بلااجرت" اگر بکر صحت یافت درمدت معینہ و مرض زائل شد صدروپیہ از وزید خواہد گرفت اجرۃً یا انعاماً و گرنا ہیچ اجرت بروے عائد نخواہد شد، ایا ایں معاملہ صحیح ست یانہ، بعضے ایں جامی گویند کہ ایں معاملہ اصلاً صحیح نیست وبعضے می گویند کہ ایں از قبیل قماربازی ست، چہ صحت شخصے غیرا ختیاری ست، از روئے شرع شریف ہرچہ حکم باشد فرمودہ شدہ تفصیلا۔ **بینواتوجروا**	علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید طبیب ہے جس نے بکر سے طے کیا کہ فی الحال تیرا علاج مفت کرتا ہوں اگر تو مقررہ مدت میں صحت یاب ہوجائے اور مرض ختم ہوجائے تو تجھ سے سوروپیہ بطور اجرت لوں یا بطور انعام حاصل کروں گا ورنہ کوئی اجرت تیرے ذمہ نہ ہوگی، کیا یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہرگز درست نہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جوا اور قمار ہے کیونکہ صحت شریعت کے مطابق جو حکم ہو ارشاد فرمایا جائے۔ **بینواتوجروا**

الجواب:

قول قائل "حالات اُجرت" سہ معنی را محتمل ست، **یکے**[۱] نفی اجارہ یعنی حالا ہیچ عقد اجارہ نیست زید ہمچناں بطور خود دارے اجارہ کند، **دوم**[۲] نفی اجرت یعنی حالا عقد اجارہ بلا اجرت ست، **سوم**[۳] نفی حلول اجرت مقررہ فی الحال دادنی نیست، ہمچناں درقول او "اجرۃ یا انعاما" یحتمل کہ تردید از جانب سائل باشد،	یہ کہنا کہ فی الحال کوئی اجرت نہ ہوگی اس میں تین احتمال ہیں **ایک**[۱] یہ کہ فی الحال اجارہ کی نفی ہے اس وقت عقد اجارہ نہیں ہے اور زید اپنے طور پر خود علاج کرے گا، **دوم**[۲] یہ کہ فی الحال عقد اجارہ ہے مگر اجرت فی الحال نہیں ہے، **سوم**[۳] یہ کہ عقد اجارہ اجرت مقررہ ہے مگر اجرت فی الحال دینی لازم نہیں ہے یونہی یہ کہنا کہ بطور اجرت یا انعام اس میں بھی ایک

یعنی معامل کنندگان اجرۃ گفتند یا انعاما، یا ہم در کلام ایشاں باشد کہ گفتند اجرۃ یا انعاماخواہد گرفت، ایں نیز سہ صورت شد وکذلک قولش "وگرنہ ہیچ اجرت بردے عائد نخواہد شد" می شاید کہ بربنائے نفی اجارہ باشد یعنی اجارہ خود نبود کہ اجرت لازم آمدے، ومی تواند بربنائے انتفائے شرط مقرر فی الاجارہ بود، بالجملہ ایں سخن پہلو ہائے بسیار دارد برتقدیریکہ زید وبکر اقتصار برلفظ اجرۃ کردہ باشند اجارہ خود معین ست والنفی ان کان کان نفی المطلقۃ لاالنفی المطلق لتحقق المشروط عیانا، ورنہ اثبات ونفیش ہر دو بدستور محتمل، زیرا کہ انعام اگر چند عـــہ صلہ ہا تبرع گویند درہیچو مقام بربدل ومعاوضہ ہم اطلاقش کنند، ولفظ انعام تنہایا مردوداا گر رو وبعد اجارہ دارد قید حلا درسابق شرط "ورنہ" درلاحق رو بتحقیق اوست، وسخن ضابطہ دریں مقام آنست کہ اگر زید وبکر ازیں کلام عقد اجارہ خواستہ اند و دادن اجرت مشروط بشرط مذکورہ داشتہ، وازہمیں قبیل ست تقرر معاوضہ وبدل برعمل، اگرچہ اجرتش

احتمال یہ ہے کہ سال بھیجنے والے کا خیال ہے دونوں حضرات نے اجرت کی بات کی ہے یا انعام کہا ہے جو اسے متعین طور پر معلوم نہیں ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے اپنی گفتگو میں کہا ہے اجرت کے طور پر یا انعام کے طور پر لے گا، پھر زید طبیب کا یہ کہنا کہ "لے گا" اس میں تین صورتیں ہیں اور یوں ہی زید کا کہنا کہ ورنہ کوئی اجرت بکر کے ذمہ نہ ہوگی کہ اجارہ کے طور پر نہ ہوگی یعنی اجارہ ہی نہیں تو اجرت کیا ہوگی اور ہوسکتا ہے اجارہ میں مقررہ اجرت کی شرط کی نفی کی ہو، غرضیکہ یہ بات بہت سے پہلو رکھتی ہے اس تقدیر پر کہ زید اور بکر نے صرف اجارہ کے ذکر پر اکتفا کیا ہو تو اجارہ کی صورت ہوگئی ہے اور (ورنہ کچھ اجرت نہ ہوگی) یہ نفی مطلق اجرت کی ہوگی مکمل نفی نہ ہوگی، کیونکہ مشروط (مرض) واضح طور پر متحقق ہے، ورنہ مکمل نفی میں اثبات و نفی دونوں احتمال بدستور باقی ہوں گے کیونکہ انعام اگرچہ صلہ اور تبرع ہوتا ہے مگر ایسے مقام میں بدل اور معاوضہ بھی مراد ہوتا ہے اور انعام کا لفظ صورتا اگر عدم اجارہ ہے تو پہلے "فی الحال" کی قید اور بعد میں "ورنہ" کی شرط اجارہ کے تحقق کی صورت ہے، اور ضابطہ کی بات یہاں یہ ہے کہ اگر زید وبکر نے یہ

عـــہ: اظنہ "اگرچہ" ۱۲۔

نگویند وبنام انعام تعبیر کنند فان المعنی ھوالمعتبر فی ہذہ العقود کما نص علیہ فی الہدایۃ وغیرہا۔ آنگاہ در فساد وحرمت ایں عقد سخنے نیست، زیراکہ ایں تعلیق بالخطر ست، وعقد اجارہ ہمچوں تعلیقات رابر نتابد، ونیز صحت خاصہ وایں قدر مدت مقدورر طبیب نیست، دریں صورت طبیب مستحق اجرت مثل خواہد بود، اما بیش از قدر مقدور اعنی صدروپیہ نیابد اگر درہمچوں مدت ہمچو مرض راایں چنیں مداوا پیش مردوم بصد روپیہ ہابیش ازاں مے ارزد، صد روپیہ دہندش وبس واگر مثلا یک روپیہ اجر مثل ست ہمیں یک دہند، ودگر ہیچ نہ، واگر مقصود سخن منفی اجارہ حقیقۃ ووعدہ مجردہ انعام محض بروجہ تبرع باشد مثلازید گفت حالاہمچناں مفت ورائگاں کارے کنم ہیچ اجارہ درمیان نیست اگر بمدت معلومہ صحت دست نداد چیزے نہ دہند کہ کار باجرت خود نبودہ است، ورنہ بطور تبرع صدروپیہ انعام بخشند، بکر گفت ہمچناں کنم ایں رواوبے غائلہ است، زیراکہ وعدے بیش نیست

کلام عقد اجارہ کے طور پر کیا ہے اور اجرت کیا ادائیگی کو شرط مذکور سے مشروط کیا، اسی قبیل سے معاوضہ اور بدل کا تقرر عمل پر کرنا ہے اگرچہ اجرت نہ کہیں اور اس کانام انعام رکھیں، توایسی صورت میں اس عقد کے فساد اور حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ ان عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ اس پر ہدایہ وغیرہا نص موجود ہے اور فساد کی وجہ اس میں یہ ہے کہ اجرت کو ہونے نہ ہونے والی چیز سے معلق کیا گیا ہے جبکہ عقد اجارہ ایسی تعلیق کو قبول نہیں کرتا، نیز مکمل صحت اور مدت کی مقدار طبیب کا مقدور نہیں ہے لہٰذا ایسی صورت میں طبیب مثلی اجرت کا مستحق ہوگا تاہم وہ مثلی اجرت مقررہ سوروپیہ سے زائد نہ ہوگی یعنی اگر ایسی مرض کا اتنی مدت میں ایسا علاج لوگوں کے ہاں سوروپے یا اس سے زائد ہوتا ہو تو سوروپیہ ہی دیا جائے گا اور ایک روپیہ میں ہوتا ہے ہو تو صرف ایک ہی روپیہ مثلی اجرت دی جائے گی اور اگر زید وبکر کا کلام حقیقی اجارہ کی نفی پر مبنی ہے اور انعام کا صرف وعدہ بطور تبرع ہے مثلازید نے کہا فی الحال مفت علاج کرتا ہوں اور کوئی اجارہ نہیں ہے اور مدت معینہ میں صحت یاتی نہ ہو تو کچھ نہ دینا کیونکہ یہ کام اجرت پر نہیں ہے ورنہ صحت یابی کی صورت میں تبرع کے طور پر سوروپیہ انعام بخشیش کردینا، بکر نے جواب میں تسلیم کرلیا کہ ایسا کروں گا تو یہ بالکل جائز ہے کیونکہ یہ ایک وعدہ ہے جس میں کوئی

والوعد لاحجر فیه وماکان یخشٰی من جهة تعیین شیئ بازاء العمل علی تقدیر الصحة فقد زال بتصریح نفی الاجارة کون ذٰلك تبرع بلا عقد فان الصریح یفوق الدلالة کما لایخفی، فی الهندیة سئل شمس الائمة الاوزجندی عمن دفع الی طبیب جاریة مریضة وقا له عالجها بمالک، فمایزداد من قیمتها بسبب الصحة فالزیادة لك ففعل الطبیب و برئت الجاریة فلطبیب علی المالك اجر مثل المعالجة، وثمن الادویة والنفقة ولیس له سوی ذٰلك شیئ کذا فی المحیط، وفیها عن البزازیة دفع جاریة مریضة الی طبیب وقال عالجها فان برئت فمازاد من قیمتها بالصحة بیننا فعالجها حتی صحت له اجر المثل[1] الخ، و فیها عن المحیط الاصل ان العقد اذا فسد مع کون المسمی کل معلوما لمعنی اُخر یجب اجر المثل و لایزاد علی المسمی، حتی ان المسمی اذا کان خمسة اجر المثل عشرة یجب خمسة لاغیر۔ وینقص عن

حرج نہیں ہے اور یہ احتمال کہ عمل کے مقابلہ میں اجرت کا تعین ہے تو یہ احتمال اجارہ کی صراحۃ نفی سے ختم ہوجاتا ہے کیونکہ صریح بات محض دلالت پر فائق ہوتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ہندیہ میں ہے کہ شمس الائمہ اوزجندی سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے طبیب کو کہا میری مریضہ لونڈی کا اپنے خرچ سے علاج کرو اور صحت ہوجانے پر اس کی جتنی زائد قیمت ہوگی وہ تیری ہوگی تو طبیب کے علاج سے وہ تندرست ہوگئی تو مالک پر طبیب کے لئے مثلی اجرت ہوگی اور ساتھ ہی دوائیوں کی قیمت اور لونڈی کی خوراک کا خرچہ بھی طبیب کو دے گا، طبیب کو اس سے زائد کچھ استحقاق نہ ہوگا، محیط میں یوں ہے، ہندیہ میں بزازیہ سے منقول ہے کہ مریض لونڈی طبیب کے سپرد کرکے کہا کہ اس کا علاج کرو اور اس کی صحت پر جتنی قیمت زائد حاصل ہوگی وہ میرے اور تیرے درمیان تقسیم ہوگی۔ تو اگر مریضہ تندرست ہوگئی تو معالج کو صرف مثلی قیمت دی جائیگی الخ، اور ہندیہ میں محیط سے منقول ہے، قاعدہ یہ ہے کہ اگر عقد کسی خارجی وجہ سے فاسد ہوجائے تو مثلی اجرت لازم ہوتی ہے، اور مقررہ اجرت سے زائد نہ ہونی چاہیئے حتی کہ اگر مقررہ اجرت پانچ درہم ہے اور مثلی اجرت دس درہم ہے تو پانچ ہی دئے جائیں گے، زائد نہیں، مثلی اجرت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۵۲۸

المسمی حتی انہ اذا کان اجر المثل خمسۃ والمسمی عشرۃ یجب خمسہ [1] اھ مختصرا وفیہا عن الخانیۃ ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی الحیلۃ فی استیجار السمسار وقال یامرہ ان یشتری لہ شیئا معلوما اویبیع ولا یذکر لہ اجرا ثم یواسیہ بشیئ اماھبۃ اوجزاء للعمل فیجوز ذٰلک لمساس الحاجۃ [2] اھ **قلت** فاذا جاز لعدم ذکر الاجر فلان یجوز بذکر عدم الاجر اولی کمالایخفی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	مقررہ سے کم ہونے کی صورت میں کم ہی دی جائیگی، مثلا مثلی اجرت پانچ روپے ہے اور مقررہ اجرت دس درہم ہو تو پانچ دئے جائیں گے اھ مختصرا۔ اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ آڑھتی کی اُجرت کا حیلہ یہ ہے کہ اس کو کسی چیز کی خرید وفروخت کا آرڈر دے کر اس کو اجرت نہ بتائے پھر عمل کے بعد اس کو کچھ امداد کے طور پر ہبہ یا جزاء کی صورت میں دے، تو یہ ضرورت پڑنے پر جائز ہے اھ، **میں کہتاہوں** جب اجرت کے ذکر نہ کرنے پر دینا جائز ہے تو اجرت کی نفی پر بطریق اولٰی کچھ نہیں دینا جائز ہوگا۔ جیساکہ مخفی نہیں ہے **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۳: از شہر کہنہ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزوں کی نوکری سلائی کے کام کی کرنا یاان کا کپڑا مکان پر لاکر سینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

انگریز کی سلائی کی نوکری کرنے یا گھر پر لاکر اس کا کپڑا سینے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ کسی محذور شرعی پر مشتمل نہ ہو، فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

اٰجر نفسہ من نصرانی ان استاجرہ لعمل غیر الخدمۃ جاز [3] الخ، وتمامہ فی غمز العیون، واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔	مسلمان نے اپنے آپ کو عیسائی کا اجیر بنایا اگر اس کی ذاتی خدمت کے علاوہ کوئی کام اجرت پر کرے تو جائز ہے الخ، اور اس کی مکمل بحث

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الخامس عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الخامس عشر الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۴۱

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۳۳۴

وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	غمز العیون میں ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۶۴: از شہر کہنہ غرہ محرم الحرام شریف ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے ایک مکان معہ صحن واحاطہ کے ایک سال کے واسطے کرایہ پر لیااور احاطہ کی دیواریں نصف بنی ہوئی تھیں۔__________ زید نے عمرو سے کہاکہ احاطہ دیواریں بنوادو، عمرو نے وعدہ کیاکہ میں دو تین روز میں دیواریں بنوادوں گا، تم لکڑی ڈالوں اور کرایہ نامہ سال بھر کا لکھ دو، زید نے کرایہ نامہ سال بھر کا لکھ دیاعہ ۱۲/ ماہواری حساب سے، زید نے اپناایک شریک کرکے اس میں لکڑی ڈالی، او زید نے عمرو سے کہاکہ اپنے وعدہ کے موافق دیواریں بنوادو، عمرو نے جواب دیاکہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے، دو مہینے کے بعد بنوادوں گا، تم ایک آدمی اپنے مال کی حفاظت کے واسطے نوکر رکھ لو، جب تک دیواریں نہ تیار ہوں، زید نے کہاکہ میں غریب آدمی ہوں اس قدر مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ میں نوکر بھی رکھوں، اور کرایہ مکان بھی دوں، اور جو شریک زید کا ہوا تھاوہ بھی دو چار روز کے بعد شرکت چھوڑ کر چلاگیا، بعد ایک ہفتہ کے زید نے مجبور ہوکر بوجہ اپنے نقصان کے لکڑی اس مکان سے اٹھالی اور کنجی عمرو کو دے دی، عمرو نے زید سے کہاکہ میں تم سے کرایہ ایک سال کالوں گا، زید نے کہاجب دیواریں بنوادوگے اس قت میں ٹالی لکڑی ڈالوں گا تب کرایہ تم کو دوں گا، پھر عمرو خاموش ہورہا، اور اب چار مہینے کے بعد عمرو نے دیواریں بنانے کا قصد کیا ہے اور زید سے کہا ہے کہ تم لکڑی ڈالو، زید نے کہاکہ اب میرے پاس روپیہ نہیں ہے بوجہ ناداری کے مجبور ہوں

پس اس صورت میں زید سے جبراً کرایہ سال بھر کا عمرو کو لیناشرعاً جائز ہے یانہیں؟ مکرر یہ ہے کہ مقدار دیواروں کی ڈیڑھ گز رکی اونچائی اور ایک جانب مکان کا دروازہ اور بنیاد دیوار ہے اور اس جانب کچھ حفاظت نہیں ہے دیواروں کا بنوادیناعقد سے پہلے ہوا تھااور وقت فیصلہ کرایہ کے بھی عمرو نے اقرار کیا تھااور کہا تھاکہ میں تین تین گزر کی دیواریں اونچی کرادوں گا چاروں طرف اور بعد ایک ہفتہ کے چابی عمرو نے زید سے طلب کی، زید نے چابی دی، عمرو کی جانب سے خاموشی ہوئی فقط۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ سوال مختلف وجوہ پر پیش کیاگیا۔ اگر صورت واقعہ یہی ہے تو اس شکل میں زید پر سال بھر کا کرایہ لازم نہیں دیواریں اس قدر چھوٹی ہوناجس میں مال کی حفاظت نہ ہو بلاشبہ عذر صحیح ہے

اور اس کا مضر و مخل منفعت مقصودہ ہونا ظاہر وصریح ہے، تومذہب اصح و معتمد پر زید باختیار خود اس اجارے کو فسخ کر سکتا تھا اگرچہ عمرو نہ مانے، یہاں جبکہ خود عمرو نے کنجی مانگ لی اور زید نے دے دی، جب عمرو نے کہا میں کرایہ سال بھر کا لے لوں گا، اس نے وہ جواب دیا جس سے صاف ظاہر ہوا کہ اس وقت اجارہ باقی نہیں رکھتا بعد دیواریں بنوادینے کے اس کا وعدہ کرتا ہے، اور عمرو اس جواب پر خاموش ہو رہا، تو ہر طرح اجارہ فسخ ہوگیا، اور روز سپردگی کلید سے زید کے ذمہ کرایہ لازم نہ رہا۔

فی ردالمحتار عن حاشیۃ الاشباہ للسید ابی السعود عن العلامۃ البیری، الحاصل ان کل عذر لایمکن معہ استیفاء المعقود علیہ الا بضرر یلحقہ فی نفسہ اومالہ یثبت لہ حق الفسخ[1]۔	ردالمحتار میں سید ابوسعود کے حاشیہ الاشباہ سے بحوالہ علامہ بیری منقول ہے، حاصل یہ ہے کہ ایسا عذر جس کی وجہ سے معقود علیہ بغیر ضرر پورا نہ ہو سکتا ہو خواہ ضرر جان کا ہو یا مال کا ہو تو عذر والے کو اس عقد کے فسخ کا حق ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

عمارۃ الدار المستأجرۃ وتطیینھا و اصلاح المیزاب و ما کان من البناء علی رب الدار وکذا کل مایخل فان ابی صاحبھا ان یفعل کان للمستاجر ان یخرج منھا، الا ان یکون استأجرھا وھی کذٰلك وقدراٰھا لرضاہ بالعیب وفی الجوھرۃ ولہ ان یتفرد بالفسخ بلا قضاء، **قلت** و فی حاشیۃ الاشباہ معزیا للنہایۃ۔ان العذر ظاھرا یتفرد وان مشتبھا لاوھو الاصح[2] ملخصا۔ قلت وظاھر	کرایہ والے مکان کی تعمیر، لپائی اور پرنالہ اور جو بھی مرمت مکان کی عمارت کی اصلاح کے لئے ہو وہ مالک مکان کے ذمہ ہے، اگر وہ اس سے انکار کرے تو کرایہ دار کو حق ہے کہ وہ مکان چھوڑ دے، ہاں اگر کرایہ دار نے اس حالت میں دیکھ کر لیا تو اس کی یہ حق نہیں کیونکہ وہ عیب دیکھنے کے باجود لینے پر راضی ہوا تھا اور رجوہرہ میں ہے کہ کرایہ دار قضاء کے بغیر خود عقد کو فسخ کر سکتا ہے، **میں کہتاہوں**، اور الاشباہ کے حاشیہ میں نہایہ کی طرف منسوب ہے کہ اگر واضح عذر ہو تو اسے فسخ کا اختیار ہے اور اگر مشتبہ معاملہ ہو تو پھر اختیار نہیں،

[1] ردالمحتار کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۸۳

ان الثنیا المذکورۃ بقولہ"الا ان یکون استأجرھا الخ"لایتعلق بما ھنا فانہ و ان راٰہ لم یرض بہ کان شارطہ ان یبنی الجدران واللہ تعالٰی اعلم۔	اصح یہی ہے،اھ ملخصا۔ میں کہتاہوں ظاہر یہ ہے مگر دیکھ کرلیا ہو "الخ والااستثناء مذکور اس مسئلہ سے متعلق نہیں کیونکہ اگر دیکھ لیا ہو تو راضی نہ ہوا بلکہ اس نے اس وقت مالک سے مرمت کی شرط کرکے لیا ہو تو مالک کے انکار پر فسخ کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۵: ۲۲جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رنڈی کو جو کسبی ہے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہرگز نہ دیاجائے،اگر وہ زانیہ ہے اور اگر صرف ناچ گانے کا پیشہ رکھتی ہے تو حرج نہیں کہ فاسقہ ہے اور فاسق کو مکان اجارہ پر دینے میں کچھ حرج نہیں،بخلاف زنا پیشہ کہ وہ مکان اس لئے لیا جاتاہے کہ اس میں زنا ہو۔**والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۶: از بنگالہ ۲۶رجب ۱۳۲۰ھ

ماقولکم دام طولکم فی العھدۃ الرائجۃ فی بلادنا التی یقال لھا سب رجسترا ری"کیف ھی فی نفسھا نظرا الی ماھولازم لھا الاٰن من حفظ صکوک الربا،وغیرھا من العقود الفاسدۃ المحرمۃ شرعا،و لایمکن لاحد ان یقوم بھاھھنا الاحتراز عن ذٰلک فھل ھی حرام ام لا۔بینوا توجروا	آپ کی درازی عمر ہو،آپ کا ارشاد کیا ہے۔مروجہ سب رجسٹراری جس کے لوازمات میں سود کی رسیدات اور دیگر شرعی طور پر حرام اور فاسد عقود کے ریکارڈ کی حفاظت ہے،ان لوازمات کے پیش نظر اس عہدہ کا کیا حکم ہے جبکہ اس عہدہ پر فائز کوئی شخص مذکورہ مفاسد سے بچ نہیں سکتا____بینوا توجروا

الجواب:

نعم ھی حرام شرعا والحال ماوصف فانھا احدی الشھادات علی تلك الصکوک،	ہاں یہ شرعا حرام ہے جبکہ صورت وہی ہے جو ذکر کی ہے کیونکہ یہ عہدہ ان سودی چیکوں ورسیدوں

بل اعظمها فی القانون الرائج حیث لایقبل کثیر من الصکوك الابها، فکان القائم بها معینا فی ثبوت الربا الحرام شرعا، وقد قال تعالٰی "وَلَاتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ"[1] ثم هو ینسخ الصك ویحفظ نسخته فی قمطره، فکان احد الکاتبین بل الکاتب الاعظم لما مر، وقد اخرج مسلم فی صحیحه عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالٰی عنهما قال لعن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اٰکل الرباء ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال هم سواء[2]"۔واخراج ابوداؤد والترمذی، و صححه ابن ماجة وابن حبان فی صحاحهم عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه، قال لعن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اٰکل الرباء و مؤکله وشاهدٰه وکاتبه[3]، واخرج احمد وابویعلی وابنا خزیمة وحبان فی صحیحهما عنه	پر بڑی شہادت ہے بلکہ رائج قانون میں کوئی بھی رسیدو چیک وغیرہ اس عہدہ کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کئے جاتے تو اس عہد پر قائم شخص سودی اور حرام معاملاہت پر معاون ہوتا ہے اور بیشک اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے، گناہ اور عداوت پر باہمی تعاون نہ کرو، پھر یہ عہدیدار ان چیکوں کو لکھتاہے اور اپنے محافظ خاز میں اس کی تحریر کو محفوظ کرتا ہے تو بھی ایک کاتب بلکہ بڑا کاتب ہے جیسا کہ گزرا حالانکہ مسلم رحمہ اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کھانے کھلانے اور اس کی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا سب برابر مجرم ہیں، اور ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان نے انی اپنی صحاح میں اس کو صحیح کہا کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کھانے کھلانے، اس کی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔اور احمد ابویعلی، اور ابن خزیمہ ابن حبان دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعة باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی اکل الرب، وامین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵، سنن ابی داؤد ۲/ ۱۱۷، سنن ابن ماجه ص۱۱۶، موارد الظمآن حدیث ۱۱۱۲ المطبعة السلفیه ص ۲۷۲

رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اٰکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ و شاہداہ اذا علموا بہ ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] ھذا مختصرا، واخراج الطبرانی فی الکبیر عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن مرفوعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعن اللہ الرباء واٰکلہ ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ وھم یعلمون [2]" الحدیث، قدجمع ثٰلثۃ وجوہ للتحریم اعانۃ الاثم وکتابہ الربا والشھادۃ۔والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: سود کھانے، کھلانے، اس کے کاتب اور گواہ جانتے ہوئے یہ عمل کریں وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ملعون ہیں۔یہ مختصر ہے، اور طبرانی نے اپنی کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حسن سند کے ساتھ مرفوع حدیث میں روایت کیا کہ اللہ تعالٰی نے سود کھانے کھلانے، لکھنے اور گواہی دینے والے پر جبکہ وہ جانتے ہوئے یہ عمل کریں، لعنت فرمائی ہے، الحدیث، تو بیشک حرمت کے تین وجوہ گناہ میں، اعانت، سود کی کتابت، اور گواہی، کاسب رجسٹرار جامع ہوتا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۷: از شہر کہنہ مسئولہ ظہور محمد خاں ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے شریعت آئین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں کے درمیان دوستی محض اللہ واسطے ہو، ایک شخص اپنے دوسرے دوست کی اولاد کو کلام مجید محض اللہ واسطے پڑھاتا ہے، تنخواہ نہیں لیتا، لڑکوں کا باپ محض اپنے اخلاص ومحبت سے اس دوست کو کوئی چیز بلاقیمت کے دے اور یہ اس کا خیال نہ ہو کہ پڑھانے کا بدلہ کرتا ہوں، تو ایسی حالت میں عوض پڑھانے کا تو نہیں ہوجائیگا؟

الجواب:

جبکہ اس کی نیت نہ اجرت لینے کی ہے نہ اس کی نیت اجرت دینے کی، تو اجرت تو وہ ضرور نہیں، نہ اس سے بچنا لازم مگر ورع کا مقام برتنا چاہے تو یہی نظر کرے کہ بغیر اس علاقہ کے پہلے بھی وہ کبھی اس کو اس قسم کا ہدیہ دیتا تھا، جب تو وہ بلادغدغہ ہدیہ خالصہ ہے۔ اس کا قبول کرنا

---

[1] مسند احمد بن حنبل مسند عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۰۹، موارد الضمآن حدیث ۱۱۵۴ ص ۲۸۱ و مسند ابو یعلٰی ۵/ ۱۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۵۷ المکتب الفیصلیہ بیروت ۱۰/ ۱۱۳

سنت ہے، اور اگر پہلے کبھی ایسا معاملہ نہ تھا اس علاقہ کے بعد ہی اس نے ایسا کیا تو جواپنے لئے ثواب خالص رکھنا چاہئے اسے اس سے بچنا اولیٰ ہے، امام حمزہ زیات رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کہ قرائے سبعہ سے ہیں، پیاسے تھے راہ میں ایک محلّہ پر گزر ہوا، چاہا کہ کسی مکان سے پانی منگا کر پی لو، پھر یاد آیا کہ اس محلّہ کے بعض لڑکوں نے مجھ سے قرآن عظیم پڑھا ہے، خوف فرمایا کہ مبادا اس کا عوض نہ ہو جائے، پیاسے تشریف لے گئے، اور وہاں پانی طلب نہ فرمایا، مگر یہ مقام تقوی کے مقام سے بھی اعلیٰ دقیق ورع کا ہے، **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۸: زید نے اپنی ایک قطعہ زمین چار سال میعاد معین کرکے عمرو کے پاس اس شرط پر اجارہ دیا کہ اس زمین کی پیداوار کے تم مالک ہو خواہ پیدا ہو یا نہ ہو صرف چار من دھان ہر سال مجھ کو دینا۔

الجواب:

یہ اجارہ فاسد اور عقد حرام وواجب الفسخ ہے کہ اس میں مالک زمین کے لئے ایک مقدار معین دھان کی شرط کی گئی اور وہ قاطع شرکت ہے کہ ممکن ہے کہ چار ہی من دھان پیدا ہوں یا اتنے بھی نہ ہوں،

فی تنویر الابصار المزارعۃ تصح بشرط الشرکۃ فی الخارج فتبطل ان شرط لاحدھما قفزان مسماۃ [1] اھ ملتقطا	تنویر الابصار میں ہے زمین مزارعت پر دینا جائز ہے بشرطیکہ پیداوار میں دونوں کی شرکت ہو اور اگر ایک فریق کے لئے مقررہ مقدار مثلاً دو قفیز کی شرط کی ہو تو مزارعت باطل ہے۔ اھ ملتقطا (ت)

بلکہ یوں کہنا لازم ہے کہ مثلاً نصف یا ثلث یا ربع پیداوار پر یہ زمین تیرے اجارہ میں دی پھر اگر کچھ نہ عـــہ پیدا ہو تو حسب قرار داد اس کا نصف یا ثلث یا ربع مالک زمین کے لئے ہوگا اور کچھ نہ پیدا ہو تو کچھ نہیں۔ یہ شرط لگانا کہ کچھ نہ پیدا ہو جب بھی مجھے اتنا ملے یہ بھی مفسد وحرام ہے۔

فی الدر المختار واذا صحت فالخارج	در مختار میں ہے مزارعت پر صحیح ہو تو پیداوار میں

عـــہ: ھذا ذلۃ الناسخ والصحیح "کچھ پیدا ہو" ۱۲۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب المزارعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۲۳

علی الشرط ولا شیئ للعامل ان لم یخرج شیئ فی الصحیحة [1] فی ردالمحتار قبیل ہذا قوله العامل المراد منه من لابذر منه[2] اھ وفیه ھٰھنا وانما لم یکن له شیئ لانه یستحقه شرکة،ولا شرکة فی غیر المخارج بخلاف ما اذا فسدت لان اجر المثل فی الذمة،لاتفوت الذمة بعدم الخارج ہدایة[3]۔	مشروط تناسب کے مطابق حصہ ہوگا،اور اگر صحیح مزارعت میں کوئی پیداوار نہ ہوئی تو کاشتکار کو کچھ نہ ملے گا الخ،اور اس سے تھوڑا پہلے ردالمحتار میں ہے،ماتن کا قول "العامل" اس سے مراد وہ فریق ہے جس کا بیج نہ ہو اھ،اور اسی میں اس مقام پر ہے کہ اس کو اس لئے کچھ نہ ملے گا کیونکہ وہ پیداوار میں شرکت کا حقدار تھا اور جب پیداوار نہ ہوئی تو اس کی شرکت نہ ہوئی،اس کے برخلاف وہ صورت جس میں مزارعت فاسد ہو کیونکہ کاشتکار کے ذمہ پر زمین کی مثلی اجرت ہوگی وہاں اگر پیداوار نہ ہو تو بھی اجرت سے اس کے ذمہ میں ہوگی۔ہدایہ(ت)

یہ حکم کہ ہم نے بیان کیا اسی حالت میں ہوتا جب یہ اجارہ صحیح طور پر کیا جاتا،اب کہ فاسد ہوا،اس کا فسخ واجب ہے،اور پس از فسخ جو سال گزرے اس میں حکم یہ ہے کہ پیداوار ہو یا نہ ہو بہر حال مالک زمین کو اس کی زمین کا اجر مثل ملے گا،جو چار من دھان کی قیمت سے زیادہ نہ ہو،مثلاً اتنی زمین کی اجرت مثل ایک سال کی دس روپے ہوں،اور چار من دھان چار روپے کو آتے ہوں تو چار ہی روپے دیئے جائیں گے،زیادہ نہیں،اور زمین کی اجرت مثلاً دو روپے ہوں اور دھان چار روپے کے تو دو ہی ملیں گے،چار نہ ہوں گے،

فی الدرالمختار متی فسدت فالخارج لرب البذر و للاٰخر اجر مثل ارضه ولایزاد علی شرط وان لم یخرج شیئ فی الفاسدة فان کان البذر من العامل فعلیه اجر مثل	درمختار میں ہے کہ جب مزارعت فاسد ہو تو پیداوار کا مالک بیج والا ہوگا اور دوسرے فریق کو مثلی اُجرت ملے گی تاہم یہ اجرت عقد میں طے شدہ سے زائد نہ ہوگی اور اگر فاسد مزارعت میں کوئی پیداوار نہ ہوئی تو اگر بیج عامل

[1] درمختار کتاب المزارعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۲۴

[2] ردالمحتار کتاب المزارعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۷۵

[3] ردالمحتار کتاب المزارعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۷۷

الارض [1] اھ مختصرا،وانما اقتصرنا علی ھذا لان الواقع فی بلادنا الھندیۃ ہوان البذر والبقر والعمل کلھا انما یکون من قبل المزارع ولیس من رب الارض الا الارض واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ہے تو اس پر زمین کی مثلی اجرت ہوگی اھ مختصرا،ہم نے اتنی عبارت پر اکتفاء اس لئے کیا کیونکہ ہمارے علاقہ ہندوستان میں بیج، بیل اور عمل مزارع کی طرف سے ہوتا ہے جبکہ زمین والے کی صرف زمین ہوتی ہے،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۶۹: زید کا ایک تالاب ہے،اس کو بعوض ہبہ بیس روپے ایک ماہ کی میعاد مقرر کرکے عمرو کے تصرف میں دیا،اور کہا کہ ایام معینہ کے اندر تم اس تالاب کے پانی سے بہر طور انتفاع حاصل کرسکتے ہو اور نیز اس تالاب کی مچھلی پکڑ سکتے ہو۔یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ مسئلہ معرکۃ الاراء ہے عامہ کتب میں اس اجارے کو محض حرام وناجائز وباطل فرمایا اور یہی موافق اصول وقواعد ومذہب ہے۔

کیف وھی اجارۃ وردت علی استھلاك عین اعنی الماء والسمک،و الارض التی تحت الماء لاتصح للانتفاع بھا فی الحال وہو شرط جواز لاجارۃ،ولذا لم یجز جاز الاجازۃ،ولذا لم یجز اجارۃ الجحش للرکوب،فی وجیز الامام الکردری،الاجارۃ اذا وقعت علی العین لا یجوز فلا یصح استیجار الاٰجام والحیاض لصید السمك او	جائز کیسے ہو جبکہ یہ اجارہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر منعقد ہوا ہے یعنی پانی مچھلی کو حاصل کرنے پر،اور وہ زمین جو تالاب میں پانی کی تہہ ہے وہ پانی کی موجودگی میں ابھی قابل انتفاع نہیں ہے۔حالانکہ اجارہ کے جواز کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ چیز فی الحال قابل انتفاع ہو اسی لئے گھوڑی کا بچہ سواری کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے۔اور امام کردری کی وجیز میں ہے کہ اجارہ اگر کسی عین چیز کو ہلاک کرنے پر ہو وتو صحیح نہ ہوگا،اس لئے جھاڑیوں اور حوض کو اجارہ پر دینا مچھلی پکڑنے یا کانے اکھاڑنے اور ایندھن کاٹنے یا حوض کا پانی اپنے پینے یا جانوروں کو پلانے کے لئے کرایہ پر لینا جائز نہیں ہے اور یوں چراگاہ کو اجارہ پر دینا

[1] درمختار کتاب المزارعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۴

رفع القصب،وقطع الحطب،اولیسقی ارضہ،او غنمہ،منہا وکذا اجارۃ المرعی [1] اھ،وفی الدرالمختار عن البحر الرائق لم تجز اجارۃ برکۃ لیصاد منہا السمك [2] اھوفی ردالمحتار نقل فی البحر عن الایضاح عدم جواز ہا قال و مافی الایضاح عدم جوازہا قال و مافی الایضاح بالقواعد الفقہیۃ الیق لعدم الصحۃ [3]،(ملخصا)	بھی جائز نہیں اھ اور درمختار میں بحر الرائق سے منقول ہے کہ جوہڑ کا اجارہ مچھلی پکڑنے کے لئے ناجائز ہے،اھ اور ردالمحتار میں بحر سے انھوں نے ایضاح میں اس کا عام جواز نقل کیا ہے اور انھوں نے کہا کہ ایضاح کا بیان قواعد فقہیہ کے مطابق عدم جواز کے زیادہ مناسب ہے۔(ملخصا)(ت)

اور جامع المضمرات میں جواز پر فتوٰی دیا،

فی الدرالمختار وجاز اجارۃ القناۃ والنہر مع الماء بہ یفتی لعموم البلوی مضمرات انتہی [4]۔	درمختار میں مضمرات سے منقول ہے کہ نہر اور راجباہ کو پانی سمیت اجارہ پر دینا ہے،عموم بلوی کی وجہ سے اسی پر فتوٰی ہے اھ۔(ت)

اور احوط یہ ہے کہ تالاب کے کنارے کی چند گز زمین محدود معین کرائے پر دے اور پانی وغیرہ سے انتفاع مبارک کردے،یوں اسے کرایہ اور اسے پانی مچھلی،گھاس جائز طور پر مل جائیں گے،

فی البزازیۃ بعد ما قدمناہ عنہا والحیلۃ فی الکل ان یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیۃ ویبیع الماء و المرعی [5] الخ۔	بزازیہ میں ہماری نقل کردہ عبارت کے بعد فرمایا ان سب چیزوں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ وہاں جانور کے باڑہ کے لئے جگہ کو اجارہ پر دے اور حوض وغیرہ کا پانی اور چراگاہ کو جانوروں کے لئے مباح کردے۔(ت)

یازراعت کو کنارے کی زمین اور تالاب جس سے اس زمین کو پانی دیا جائے سب ملا کر کرائے پر

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۷۔۴۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۰۷

[4] درمختار کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۸۰

[5] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندی کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۸

دے کر تالاب کا اجارہ بھی بالتبع جائز ہو جائے۔

فی البزازیة لم تصح الاجارة الشرب لوقوع الاجارة علی استهلاك العین مقصودًا الا اذا آجر اوباع مع الارض فحینئذ یجوز بیعا،ولوباع ارضا مع شرب ارض اُخری،عن ابن اسلام انه یجوز عــــه ولو اُجر ارضا مع شرب ارض اخری لایجوز،لان الشرب فی البیع تبع من وجه اصل من وجه حیث انه یقوم بنفسه وتبع من حیث انه لایقصد لعینه فمن حیث انه تبع لایباع من غیر ارض ومن حیث انه اصل یجوز مع ای ارض کان،والشرب فی الاجارة تبع من کل وجه لان الانتفاع بالارض لایتهیا بدونه،فلم تجز اجارة الشرب مع ارض اخری،کما لم یجز بیع اطراف العبد تبعا رقبة اخری[1] اھ	بزازیہ میں ہے کہ پانی کی باری کا اجارہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں عین چیز کو مقصوداً ہلاک کرنے پر اجارہ ہے،ہاں اگر زمین کے ساتھ پانی کو فروخت کیا جائے یا اجارہ پر لیا جائے تو اس صورت میں جائز ہے اور اگر زمین کے ساتھ دوسری زمین کے سیرابی پانی کو فروخت کرے تو ابن سلام سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے اور اگر زمین کو اجارہ پر دوسری زمین کے سیرابی پانی کے ساتھ دے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ سیرابی پانی زمین کی بیع میں من وجہ اصل ہے کیونکہ وہ بنفسہٖ قائم ہے اور من وجہ تابع ہے کیونکہ بنفسہٖ مقصود نہیں ہے۔تو تابع ہونے کی حیثیت زمین کی بیع کے بغیر اس کی بیع ناجائز ہے،اور اصل ہونے کی حیثیت سے اس کی بیع کسی بھی زمین کے ساتھ جائز ہے جبکہ سیرابی پانی اجارہ میں ہر لحاظ سے تابع ہے کیونکہ اجارہ میں زمین سے انتفاع پانی کے بغیر مہیا نہیں ہوتا تو پانی کو دوسری زمین کے اجارہ کے تابع کرنا جائز نہیں ہے جیسا ایک غلام کے اعضاء کو دوسرے غلام کے تابع بنا کر فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔اھ

عــــه: فی الاصل"یجز"لعله من قلم الناسخ عبدالمنان۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الشرب الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۲۲۔۱۲۱

اقول: ووقع فی ردالمحتار ھنا زلل قلم فانه قال فی شرح قول المضمرات المار مانصه قوله مع الماء ای تبعا قال فی کتاب الشرب من البزازیة لم تصح اجارة الشرب [1] الی اٰخرہ وذکر بعض ماذکرنا من عبارتھا، فجعل موردالمضمرات والبزازیة معاواحد وعندی لیس کذٰلك فان اجازة البزازی فیما اذا اُجر ارضا للزراعة ولھا شرب تسقی بھا فاُجر شربھا معھا، و جواز ھذا ماش علی الاصول غیر محتاج الی استناد لعموم البلوی فکم من شیئ یجوز ضمنا لاقصدا، اما جامع المضمرات فانما حکم بجواز اجازة النھر و لم یقل مع الارض بل مع الماء، وانما قاله لان النھر الیابس ارض قراح فلا یعتری شك فی جواز اجارته قال فی الوجیز کما نقل عنه فی ردالمحتار	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ردالمحتار میں اس مقام پر قلمی خطا واقع ہوئی ہے کیونکہ انھوں نے مضمرات کی مذکورہ عبارت کی شرح میں عبارت لکھی **مع الماء ای تبعا** پانی سمیت یعنی بالتبع، اور انھوں نے کتاب الشرب میں لکھا بزازیہ سے منقول ہے کہ سیرابی پانی کی بیع جائز نہیں ہے الی آخرہ۔ اور ساتھ ہی ہماری نقل کردہ عبارت ذکر کی، اس طرح انھوں نے مضمرات اور بزازیہ دونوں کی ذکر کردہ مورد کو ایک ہی معنی دیا جبکہ میرے نزدیک ایسے نہیں ہے کیونکہ بزازیہ میں اجارہ کی صورت میں یہ ہے کہ زمین زراعت کے لئے اجارہ پر دی اور اس زمین کا سیرابی پانی ہو جس سے اس کو سیرابی کا اجارہ جائز ہے اور یہ جواز اصول پر مبنی ہے کسی عموم بلوی کی طرف منسوب کرنے کی اسے ضرورت نہیں ہے بہت سے امور ضمناً جائز اور مقصودا ناجائز ہوتے ہیں، لیکن مضمرات نے نہر کے اجارہ کے جواز کی بات کی ہے انھوں نے نہر کے ساتھ پانی کو ذکر کیا نہ کہ زمین کو، انھوں نے یہ بات اس بناء پر فرمائی ہے کہ خشک نہر خالص زمین ہے اس کے اجارہ کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، وجیز میں فرمایا جیسا کہ رد المحتار میں ہے چند سطروں

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

بعد اسطر، استأجر نهرا یابسا، او ارضا، او سطحا، مدة معلومة ولم یقبل شیئا صح، وله ان یجری فیه الماء اھ[1]. اما النهر مع الماء فهذا هو الذی تقتضی القواعد ببطلان اجارته لانها اجارة وقع علی استهلاك عین فاحتاج الی الاستناد لعموم البلوٰی کما جاز اجارة الظئر مع انها ایضا علی استهلاك عین، وان قیل ان المراد اجارة ارض النهر التی تحت الماء ویکون الماء تبعا لها وحمل علیه قول البزازی "الا اذا أجر او باع مع الارض فمع ظهور بطلانه بما ذکرنا من تمام کلام البزازی "فانه نص صریح فی ان المراد تبعیة الشرب للارض تسقی منه لا الارض تحته لایستقیم ایضا قطعا لما قدمنا الاشارة الیه ان الاجارة تعتمد صلاحیة الانتفاع بالنفع المقصود المعتاد فی الحال لا فی المآل و لذا لم تجز اجارة	کے بعد فرمایا کہ کسی نے خشک نہر یا زمین یا چھت معینہ مدت کے لئے کرایہ پر لی اور کسی عمل وغیرہ کو ذکر نہ کا تو یہ اجارہ صحیح ہے اور وہ نہر میں پانی جاری کرلے تو جائز ہے اھ لیکن پانی سمیت نہر کا اجارہ یہ ایسی تو صورت ہے جس کو قواعد باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر اجارہ ہے اس لئے اس اجارہ کے جواز کو عموم بلوی سے استناد کی ضرورت ہے جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ جائز ہے حالانکہ یہ بھی عین چیز (دودھ) کو ہلاک کرنے پر اجارہ ہے اگر ردالمحتار میں کی توجیہ میں یہ کہا جائے کہ ان کی مراد نہر کی وہ زمین جو پانی کے تحت ہے اس کے اجارہ میں پانی کا اجارہ بالتبع جائز ہے اور اسی معنی پر بزازیہ کے قول "الایہ کہ زمین سمیت پانی کا اجارہ ہو" کو محمول کرتے ہوئے انھوں نے یہ بات کی ہے تو اس توجیہ کا بطلان بزازیہ کی مکمل عبارت جس کو ہم نے ذکر کیا ہے سے ظاہر ہے کیونکہ وہ صریح نص ہے کہ یہاں مراد وہ سیرابی پانی ہے جس سے وہ بیع شدہ یا اجارہ پر دی ہوئی زمین سیراب ہوتی ہے نہ کہ پانی کے تحت ولی زمین مراد ہے نیز، ہمارے پہلے اشارہ ذکر کردہ ضابطہ کہ اجازورہ کی بنیاد یہ ہے کہ وہ چیز مقصود نفع کی فی الحال صلاحیت رکھتی ہو نہ کہ بعد میں متوقع صلاحیت والی ہو کے

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

الجحش،ومعلوم ان ارض النهر مع الماء لاتصلح للانتفاع غير الاتنفاع بالماء وهو استهلاك العين فاذا لم تستقم فى لاصل فكيف يجوز فى التبع وما تقدم من الحيلة فانما هو فيما اذا اُجر ارضا حول الماء فانها الصالحة للعطن فيحصل له الاجر بوجه جائز،وللمستاجر الماء والكلاء،فالحق ان الماشى على الاصول فى اجارة البركة والقناة والنهر من دون الارض،تسقى منه هو البطلان وناماذكر فى البزازية وغيرها من صورالجواز فلامساس لهابه۔ولايمكن حمل مافى جامع المضمرات على شيئ منها،ولقد احسن اذ علل الافتاء بعموم للبلوٰى لابحصول الجواز بالتبع،فاذن ان عمل بقول به يفتى فلا شك ان قضية اطلاق الجوازوهو الايسر،والاحوط مامر، فعليه فليتقصر هذاماعندى والعلم	پیش نظر یہ توجیہ قطعاً باطل ہے کیونکہ پانی والی نہر کی زیریں زمین فی الحال انتفاع کی صلاحیت نہیں رکھتی جس کو مستقل طور پر اجارہ پر دیا جائے،اسی قاعدہ کی بناء پر گھوڑی کا بچہ سواری کے لیئے اجارہ پر دینا ناجائز ہے پھر خالص پانی کا اجارہ ہوگا تواس سے عین کو ہلاک کرنے پر اجارہ لازم آئیگا،نیز جب اصل نہر کی زمین کا اجارہ درست نہیں ہے تواس سے تابع پانی کا کیسے جائز ہوگااور گزشتہ حیلہ جواز وہ صرف اس صورت میں ہے کہ پانی والے حوض کے ارد گرد والی زمین کو اجارہ پر حاصل کرے کیونکہ وہ فی الحال جانوروں کو باندھنے اور رکھنے کے لئے قابل انتفاع ہے جس سے جائز طریقے پر اجرت حاصل ہوگی۔اور مستاجر کو پانی اور گھاس بالتبع حاصل ہوگا،اصول کے مطابق حق یہ ہے کہ جوہڑ،راجباہ اور نہرہ کے پانی کا اجارہ اس سے سیراب ہونے والی زمین کے اجارہ کے بغیر باطل ہے،اور بزازیہ وغیرہ میں مذکور وجہ جواز سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہے اور نہ ہی مضمرات کے بیان کو کسی طرح اس پر محمول کیا جاسکتا ہے تو بہت اچھا کیا کہ فتوٰی جواز کی وجہ عموم بلوی کو بنایا ہے بالتبع حصول کے جواز کو نہ بنایا،تو اب اس کے قول به یفتی (اسی پر فتوٰی ہے) پر اگر عمل کیا جائے تو مطلق جواز کی راہ آسان ہے،اور زیادہ احتیاط جو پہلے گزری ہے،تو اسی کو اپنایا جائے،یہ مذکورہ بحث میری ہے جبکہ حق

بالحق عن عزیز الاکبر واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کاعلم اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۰: از شہر میمن سنگھ ملک بنگالہ ڈاکخانہ پانکٹرا موضع کروا مرسلہ محمد زینت اللہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ملک بنگالہ میں جب کسی نے برائے ثواب رسانی اپنے میت کے مُلاؤں یا طباؤں سے قرآن شریف پڑھوایا، یا بعد کو جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہ خود نہیں مانگتے، بلکہ خود پڑھوانے والا ان کو دیتا ہے، یہ طریقہ ہمارے یہاں عام رواج ہے، تو یہ رواج ہے، تو یہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طریقہ پر ہے؟ اور ایسے ہی بعد پڑھوانے مولود شریف کے جو کچھ دیا جاتا ہے بغیر طلب کرے مولود خواں کے یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا، بحوالہ کتب جواب عنایت ہو بادلیل۔

الجواب:

اصل یہ ہے کہ طاعت وعبادات پر اجرت لینا دینا (سوائے تعلیم قرآن عظیم وعلوم دین واذان وامامت وغیرہا معدودے چند اشیاء کو جن پر اجارہ کرنا متاخرین نے بناچاری ومجبوری بنظر حال زمانہ جائز رکھا) مطلقًا حرام ہے، اور تلاوت قرآن عظیم بغرض ایصال ثواب وذکر شریف میلاد پاک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضرور منجملہ عبادات وطاعت ہیں تو ان پر اجارہ بھی ضرور حرام ومحذور،

کما حققه السید المحقق محمد بن عابدین الشامی فی رد المحتار علی الدر المختار وله رحمه الله تعالٰی رسالة مستقلة فی تحقق المسئلة سماها "شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیة بالختمات والتهالیل" قال واطلع علیها محشی هذا الکتاب (یعنی الدر) فقیه عصره ووحید دهره السید احمد الطحطاوی مفتی مصر سابقا فکتب علیها واثنی الثناء الجمیل فالله یجزیه الاجر الجزیل وکتب علیها غیره من	سید محقق محمد بن عابدین شامی نے در مختار کے حاشیہ رد المحتار میں جیسا کہ اس کی تحقیق فرمائی، اس مسئلہ میں ان کا ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام "شفا العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیة بالختمات والتهالیل" رکھا ہے انھوں نے خود فرمایا کہ در مختار کے محشّٰی اپنے زمانہ کے فقیہ العصر، وحید دہر سید احمد طحطاوی سابق مفتی مصر نے اس رسالہ کا مطالعہ فرما کر اس پر تقریظ لکھی اور تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ ان کو اللہ تعالٰی اجر عظیم سے نوازے، اور دیگر

فقہاء العصر[1]. قلت وقد تشرف الفقیر بمطالعتها فوجدته بحمد الله تعالٰی کفی وشفی وصفا ووفی فرحمنا الله وایاه والمسلمین بعباده الذین اصطفی، اٰمین!	فقہاء عصر نے بھی تقریضات لکھی ہیں، میں کہتاہوں اس فقیر نے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کیا ہے تو میں نے بحمد اللہ تعالٰی اس کو کافی، شافی اور بھرپور صاف پایا، تو اللہ تعالٰی ہم پر اور ان پر، تمام مسلمانوں اور اپنے اہل دین بندوں پر رحم فرمائے، آمین! (ت)

اور اجارہ جس طرح صریح عقد زبان سے ہوتا ہے، عرفا شرط معروف ومعہود سے بھی ہو جاتا ہے، مثلاً پڑھنے پڑھوانے والوں نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر جانتے ہیں کہ دینا ہوگا وہ سمجھ رہے ہیں کہ کچھ ملے گا۔ انھوں نے اس طور پر پڑھا، انھوں نے اس نیت سے پڑھوایا، اجارہ ہوگیا، اور اب دو وجہ سے حرام ہوا، ایک تو طاعت پر اجارہ یہ خود حرام، دوسرے اجرت اگر عرفا معین نہیں تو اس کی جہالت سے اجارہ فاسد، یہ دوسرا حرام۔

ای ان الاجارة باطلة وعلی فرض الانعقاد فاسدة فللتحریم وجهان متعاقبان، وذٰلك لما نصوا قاطبة ان المعهود عرفا کالمشروط لفظا[2]۔	یعنی اجارہ باطل ہے اور فرض انعقاد پر وہ فاسد ہے تو یہ اس کے حرام ہونے کی یکے بعد دیگرے دو وجہیں ہیں، اور یہ اس لئے کہ تمام فقہاء کی نص ہے کہ عرف میں مشہور ومسلم لفظوں میں مشروط کی طرح ہے۔ (ت)

پس اگر قرار داد کچھ نہ ہونہ ہوا ں لین دین معہود ہوتا ہو تو بعد کو بطور صلہ وحسن سلوک کچھ دے دینا جائز بلکہ حسن ہوتا،

"هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ"[3] "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"[4]	احسان کی جزاء صرف احسان ہے اور اللہ تعالٰی احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (ت)

مگر جبکہ اس طریقہ کا وہاں عام رواج ہے تو صورت ثانیہ میں داخل ہو کر حرام محض ہے، اب اس کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

[3] القرآن الکریم ۵۵ /۶۰

[4] القرآن الکریم ۳ /۱۳۴

حلال ہونے کے دو ۲ طریقے ہیں:

اول: یہ کہ قبل قراءت پڑھنے والے صراحۃً کہہ دیں کہ ہم کچھ نہ لیں گے پڑھوانے والے صاف انکار کردیں کہ تمھیں کچھ نہ دیا جائے گا، اس شرط کے بعد ہو پڑھیں اور پھر پڑھوانے والاے بطور صلہ جو چاہیں دے دیں، یہ لینا دینا حلال ہوگا۔

لانتفاء الاجارۃ بوجھیھا اما اللفظ فظاھر واما العرف فلانھم نصوا علی نفیھا والصریح یفوق الدلالۃ، فلم یعارضہ العرف المعھود کما نص علیہ الامام فقیہ النفس قاضی خاں رحمہ اللہ تعالٰی فی الخانیۃ وغیرہ[1] فی غیرھا من السادۃ الربانیۃ۔	دو وجہ سے اجارہ نہ ہونے کی وجہ سے، ایک لفظ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے، دوسرا عرف کی وجہ سے کیونکہ انھوں نے اس وجہ کی نفی پر نص کردی ہے اور صریح بات فائق ہوتی ہے، تو عرف معھود اس کے معارض نہ ہوسکے گا جیسا کہ امام فقیہ النفس قاضیخاں نے اس پر اپنے فتاوٰی اور دیگر فقہاء نے دوسری کتب میں نص فرمائی ہے۔ (ت)

دوم: پڑھوانے والے پڑھنے والوں سے بہ تعیین وقت اجرت ان سے مطلق کار خدمت پر پڑھنے والوں کو اجارے میں لے لیں، مثلاً یہ ان سے کہیں ہم نے کل صبح سات بجے سے بارہ بجے تک بعوض ایک روپیہ کے اپنے کام کاج کے لئے اجارہ میں لیا، وہ کہیں ہم نے قبول کیا۔ اب یہ پڑھنے والے اتنے گھنٹوں کے لئے ان کے نوکر ہوگئے، وہ جو کام چاہیں لیں، اس اجارہ کے بعد وہ ان سے کہیں، اتنے پارے کلام اللہ شریف کے پڑھ کر ثواب فلاں کو بخش دو یا مجلس میلاد مبارک پڑھ دو، یہ جائز ہوگا اور لینا دینا حلال۔ لان الاجارۃ وقعت علی منافع ابدانھم لاعلی الطاعات والعبادات واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ کیونکہ یہ اجارہ ان کے ابدان سے انتفاع پر ہوا ہے نہ کہ ان کی عبادات اور طاعات پر ہوا ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی وعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۱: از شیوپوری سرولی ضلع بریلی مرسلہ واحد نور صاحب ۶ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین اس مسئلہ میں زید نے ایک اراضی جو اس کی

[1] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب دعوٰی الرجلین داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۳۴

ملک ہے، عمرو کو واسطے کاشت مدت پندرہ سال کو دخلی رہن دی، اوراس کا لگان مبلغ ما(۱۵۰للعہ) میعاد معینہ کا پیشتر لے لینا، بعد مدت معینہ اراضی کا چھوڑ نا قرار پایا، میعا مقررہ تک عمرو اس سے منفعت حاصل کرے، لیکن زید کو پندرہ سال کے لگان بنرخ ایک روپیہ بیگھہ خام دیا گیا، اور وہ اراضی عمرو کے قبضہ میں ایک دو روپیہ بیگھہ خام اٹھ سکتی ہے، رہن اس حالت میں درست ہے یانہیں؟

الجواب:

رہن واجارہ دو عقد منافی میں جمع نہیں ہوسکتے، جب اس نے ما۱۵۰للعہ اجرت مانی، رہن نہ ہوئی بلکہ اجارہ پر دی گئی، عمرو کو اختیار ہے کہ خود کاشت کرے جو پیدا ہو اس کا ہے، خواہ دوسرے کو اجارہ پر اٹھادے، مگر اس تقدیر پر اسے زیادہ لینا صرف تین صورت میں جائز ہوسکتا ہے ورنہ حرام:

(۱) زمین میں نہر یا کنواں کھودے یا اور کوئی زیادت ایسی کرے جس سے اس کی حیثیت بڑھائے، اب چاہے پانچ روپیہ بیگھ پر اٹھادے،

(۲) جس شے کے عوض خود اجارہ پر لی ہے اس کے خلاف جنس کے اجارہ کو دے مثلاماعہ/ دئے، اب اپنے مستاجر کو اشرفیوں یا نوٹوں پر دے۔

(۳) زمین کے ساتھ کوئی اور شیئ ملاکر مجموعا زیادہ کرائے پر دے کہ اب یہ سمجھا جائے گا کہ زمین تو وہی روپیہ بیگھ کو دی گئی اور باقی زیادت جس قدر ہو دوسرے شے کے عوض رہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۲: ۱۲صفر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی طرف سے اس کے پیروکار نے ایک دکان زید کو کرائے پر دی مگر ابھی تک نہ کرایہ نامہ تحریر ہوا نہ کوئی اقرار کسی میعاد معین برس یا چھ مہینے کا ہوا، اور نہ مالک دکان کی جانب سے اظہار کسی مدت برس یا چھ مہینے کا ہوا تھا کہ زید کرایہ دار نے اپنے مصارف سے بقدر آرام مرمت دکان کی کرائی، ابھی بیٹھنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید کو حاجت اس دکان کی نہ رہی اور عرصہ تخمیناً ایک ہفتہ میں زید نے پیروکار مالک دکان کے پاس تالی دکان کی واپس بھیج کر اطلاع دی کہ دکان دوسرے کو دے دو مجھ کو حاجت نہ رہی اور آج تک کے دنوں کا کرایہ مجھ سے لے لو اس کے جواب میں سال بھر کے کرایہ کی طلب زید سے کی گئی، بعد زیادہ گفتگو کے آخر تصفیہ حکم شرعی پر قائم ہوا ہے لہذا حکم فرمائے کہ اس حالت میں زید کے ذمہ ازروئے احکام شرعی

کس قدر کرایہ ادا کرنا واجب ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ماہوار کرایہ قرار پایا تھا کہ ہر مہینے پر مثلاً دس روپے جب تو اجارہ ایک مہینہ کیلئے صحیح ونافذ تھا۔اور باقی مہینوں کے لئے بوجہ عدم تعیین مدت ہنوز معدوم، توجب تک یہ مہینہ ختم ہو کر دوسرے مہینے کی ایک رات ایک دن نہ ہو جائے دوسرے مہینے کا اجارہ ہی متحقق نہ ہوگا۔سال بھر کے تو بارہ مہینے ہیں، درمختار میں ہے:

ان کان استاجرہ مشاہرۃ فانھا توجر لغیرہ اذا فرغ الشھر ،ان لم یقبلھا لانعقادھا عند راس کل شھر [1]۔	اگر ماہانہ کرایہ پر لیا تو اس ماہ کے بعد دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے جبکہ پہلے نے دوسرے ماہ کو قبول نہ کیا ہو کیونکہ ماہانہ کرایہ ہر ماہ کی ابتداء میں منعقد ہوتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

(اُجر حانوتا کل شھر بکذا صح فی واحد فقط)وفسد فی الباقی لجھالتھا،واذا تم الشھر فلکل فسخھا بشرط حضور الاخر لانتھاء العقد الصحیح(وفی شھر سکنہ فی اولہ)ھو اللیلۃ الاولی ویومھا عرفا،وبہ یفتی (صح العقد فیہ)ایضا [2]۔	دکان فی ماہ مقرر اجارہ پر دی تو پہلے ماہ میں صحیح ہے فقط اور باقی مہینوں کے لئے جہالت کی وجہ سے فاسد ہوگئی اور پہلا مہینہ گزر جائے تو فریقین میں سے ایک کو دوسرے کی موجودگی میں فسخ کا حق ہے کیونکہ صحیح ختم ہوگیا ہے اور ماہانہ کرایہ پر لے کر ایک رات اور ایک دن سکونت کرلی یہ پہلی رات اور دن ہے،اسی پر فتوٰی ہے،تو اس نئے ماہ میں بھی عقد صحیح ہو جائے گا۔(ت)

اس صورت میں تو سال بھر کا کرایہ مانگنا ظاہر ہے کہ صریح ظلم وحرام ہے،اور اگر سالانہ کرایہ قرار پاتا ہو،اگرچہ ماہوار کی اجرت بھی بتادی گئی ہو،مثلاً کہا یہ دکان ہر سال ساٹھ روپے کرائے پر تجھے دی،ہر مہینے پر پانچ روپے،تو اس تقدیر پر اگرچہ پہلے سال کے لئے اجارہ صحیح ہوگیا۔

فی الدر المختار واذا اٗجرھا سنۃ	درمختار میں ہے اگر سالانہ کرایہ پر لیا تو صحیح

[1] درمختار کتاب الاجارہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۱

[2] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

بکذا اصح وان لم یسم اجر کل شھر [1]۔	ہے اگرچہ ماہانہ اجرت نہ ذکر کی ہو۔(ت)

مگر جبکہ ایک ہفتہ کے بعد کرایہ دار نے کنجی واپس بھیج دی، اور مابلکہ کے کارکن نے لے لی، اور اس کے فسخ اجارہ کو قبول کرلیا، تو جبکہ یہ کارکن مابلکہ کا مختار عام ہو یا اس عقد خاص کے فسخ وقبول کا مابلکہ نے اسے اختیار دیا ہو، یا اسے اختیار نہ تھا، مگر اس نے مابلکہ کو اطلاع دی اور وہ فسخ پر راضی ہوگئی، تو ان سب صوتوں میں صرف اسی ہفتہ کا کرایہ زید پر لازم آیا، زیادہ کی طلب محض بے معنٰی ہے، یونہی اگر نہ اسے قبول فسخ کا اختیار تھا، نہ مابلکہ نے فسخ مانا، مگر زید نے یہ فسخ کسی ایسے عذر واضح صریح بلااشتباہ کی بنا پر کیا کہ اس کے ساتھ اجارہ باقی رکھے تو اسے اس کی جان یا مال میں صریح ضرر لاحق ہو، جس کے لحوق میں کوئی تردد وخفا نہ ہو، تو اس صورت میں بھی صرف اسی ہفتہ کا کرایہ واجب رہا، اور عقد تنہا زید کے فسخ کردینے سے فسخ ہوگیا، **لحدیث لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام** [2] (اسلام میں کوئی دکھ نہیں اور نہ کسی کو دکھ پہنچانا ہے۔) ردالمحتار میں ہے:

والحاصل ان کل عذر لایمکن معه استیفاء المعقود علیه الابضرر یلحقه فی نفسه اوماله یثبت له حق الفسخ [3]۔	حاصل یہ ہے کہ ایسا عذر جس کی بناء پر معقود علیہ کا پورا ہونا ایسا ضرر جو جان یا مال کو لاحق ہو تو اس کی بنا پر اس کو فسخ کا حق ثابت ہوگا۔(ت)

درمختار میں ہے:

ان العذر ظاھراینفرد وان مشتبھا لاینفرد وھو الاصح [4]۔	اگر ایسا عذر ظاہر ہے تو صاحب عذر فسخ میں خود مختار ہے اور اگر ظاہر نہ ہو تو وہ اکیلا مختار نہیں۔(ت)

اور اگر یہ بھی نہ تھا بلکہ بلاعذر اس نے اجارہ چھوڑا، یا عذر واضح وصریح نہ تھا، اور خود مابلکہ یا اس کے وکیل نے کہ قبول فسخ کا اختیار رکھتا ہو، اس فسخ کو قبول نہ کیا، نہ دکان اس کے قبضہ سے واپس لی، تو بیشک اس صورت میں دکان بدستور زید کے کرایہ میں ہے، پھر اگر صرف ماہوار کرایہ

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۱۸۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۶/ ۹۱

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰

[4] درمختار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۳

ٹھہرا تھا تو ہر ختم ماہ پر زید کو دکان چھوڑ دینے کا اختیار ہوگا، خواہ پہلے مہینے کے ختم پر چھوڑ دے خواہ کسی اور مہینے کے ختم پر، اور جس مہینے کے شروع میں ایک دن گزر جائے گا وہ مہینہ بھر پھر اجارہ صحیح ہوجائے گا۔ اور زید کو تنہا اس کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر سالانہ کرایہ ٹھہرا تھا تو بعد ختم سال زید کو دکان چھوڑنے کا اختیار ہوگا۔ یوں سال دو سال یا ماہ دو ماہ جس قدر مدت تک دکان اس کے اجارہ میں رہے گی، اس قدر کرایہ اس پر لازم آئے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اراضی کاشت اپنی بعوض مبلغ ایک سو روپے کے رہن رکھی، اور مرتہن سے یہ شرط ٹھہری کہ اراضی تم اپنی کاشت میں رکھو، اور اس کی پیداوار سے لگان اراضی زمیندار کو ادا کرتے رہو، بقیہ منافع تم لے لیا کرو، اور اگر کم پیداوار ہو یا بالکل نہ ہو، تو مجھ سے کچھ تعلق نہیں، اس کا نفع نقصان سب تمھارے ذمہ ہے، تو اب مرتہن اس اراضی کو خود کاشت کرے یا کسی ذیلی کاشتکار سے کاشت کرائے، اور بعد ادائے لگان جو کچھ منافع ہو وہ منافع سود ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زید نے بہ اجازت زمیندار کہ مالک زمین ہے، یہ زمین رہن رکھی تو رہن صحیح ہوگیا، زمین زید کے اجارہ سے نکل گئی،

وکان من باب رھن المستعار للرھن حیث یجوز، قال فی الھندیة عن البدائع، یجوز رھن مال الغیر باذنه کما لو استعار من انسان لیرھنه بدین علی المستعیر [1]۔	تو یہ رہن کے لئے طلب کردہ کا رہن ہے، یہ جائز ہے، ہندیہ میں بدائع کے حوالے سے فرمایا غیر کا مال اس کی اجازت سے رہن رکھنا جائز ہے جیسے کوئی شخص اپنے قرض میں رہن رکھنے کے لیے کسی سے کوئی چیز عاریۃً لے۔(ت)

اور اس کا یہ کہنا کہ زمین اپنی کاشت میں رکھو، زمیندار کو لگان دیتے رہو، اجارہ فضولی کا ہے، اگر زمین دار نے اسے جائز رکھا اجارہ نافذ ہوگیا، اور جب مرتہن نے اس پر کاشتکارانہ قبضہ کیا رہن باطل ہوگیا، زید کو کچھ تعلق نہ رہا مرتہن اصلی کاشتکار ہوگیا، جو منافع بچے وہ اس کے لئے حلال ہیں،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الاول الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۲

خود کاشت کرے یا اسے لگان پر ذیلی کاشتکار کو دے سب جائز ہے۔

فی الهندیة عن شرح الطحاوی لواستاجرہ المرتهن صحت الاجارۃ وبطل الرهن اذا جدد القبض للاجارۃ [1] ۔	ہندیہ میں شرح طحاوی سے منقول ہے کہ اگر مرتہن رہن والی چیز کو اجارہ پر لے تو اجارہ صحیح ہوگا اور رہن باطل ہوجائے گا بشرطیکہ اجارہ کے لئے نیا قبضہ لے۔(ت)

اور اگر زمیندار نے اس اجارہ کو ناجائز کردیا، اجارہ رد ہوگیا، مرتہن کو نہ خود کاشت کرنا جائز ہے نہ ذیلی کو دینا، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا خبیث ہوگا، مرتہن پر واجب ہے اسے تصدق کردے، اور اگر سرے سے یہ رہن رکھنا ہی بے اجازت زمیندار ہے تو راہن مرتہن دونوں غاصب ہیں، مرتہن کو کاشت وغیرہ حلال نہیں، پھر اگر زمیندار کو لگان دی اور اس نے قبول کرلی، تو زید کے اجارہ سے نکل گئی، زمین مرتہن کے اجارہ میں آگئی، اب جو منافع بچے اسے حلال ہوں گے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالک مکان اور کرایہ دار سے ایک سال کے واسطے ایک مکان قرار پایا تھا بہ کرایہ دو روپے ماہوار کے کرایہ دار نے بالاجازت کرایہ نامہ دو سال کے واسطے پس غیبت مال مکان کے تحریر کراکر مالک مکان کے پاس بھیج دیا، اب چونکہ کرایہ دار نے بدعہدی کی اس واسطے کرایہ دار مذکور کو دینا مکان منظور نہیں ہے، اب اس حالت میں مالک مکان کے ذمہ کوئی مواخذہ شرعی ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

تحریر کاغذ سے پہلے کچھ گفتگو عاقدین میں ہوتی ہے وہ گفتگو کبھی خود عقد ہوتی ہے اور تحریر کاغذ محض اس کی تائید وتوثیق ہوتی ہے، اس صورت میں شرعًا اس گفتگو کا اعتبار ہے، کاغذ اگر اس کے خلاف ہو بیکار ہے۔

کمانص علیه فی الفتاوٰی الخیریة ان العبرۃ بماتلفظ لابماکتبت فی الصك [2] ۔	جیسا کہ ہندیہ میں نص فرمائی ہے کہ زبانی بات کا اعتبار ہے اسٹام میں لکھی کا اعتبار نہیں ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۹۔۱۴۰، فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۶۷

اور کبھی وہ گفتگو خود عقد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، تحریر ہی سے تکمیل عقد ہوتی ہے پس صورت مذکورہ میں اگر سال بھر کے لئے عقد اجارہ ان کی گفتگو میں تمام ہوچکا تھا، مثلاً زید نے عمرو سے کہا میں نے اپنا مکان ایک سال کے لئے اتنے کرایہ پر تجھے دیا، اس نے کہا میں نے قبول کیا، یا میں نے لے لیا، یا مجھے منظور ہے، جب تو عقد تمام ہوگیا، اور مکان ایک سال کے لئے دینا مالک پر ضرور ہوگا، فقط، اس بدعہدی کے سبب کہ اس نے ایک سال کے بجائے دو سال لکھوایا، ایک سال کے لئے دینے سے انکار نہیں کرسکتا کہ بدعہدی کی غایت فسق ہے، اور فسق مستاجر فسخ اجارہ کے لئے عذر نہیں۔

فی مطالب ردالمحتار فسق المستاجر لیس عذر فی الفسخ ونقل نصہ فیہ عن لسان الحکام [1]۔	ردالمحتار کے مطالب میں ہے کہ مستاجر کا فسق فسخ کے لئے عذر نہیں ہے اور انھوں نے اس پر لسان الحکام سے نص نقل فرمائی ہے۔(ت)

اور اگر گفتگو میں تمامی عقد نہیں ہوئی تھی، مثلاً عمرو نے کہا اپنا فلاں مکان اتنے کرایہ میں ایک سال کے لئے مجھے کرایہ پر دوگے، زید نے کہا ہاں، عمرو نے کہا تو کرایہ نامہ لکھوالو، زید نے کہا ہاں فان ہذا وعدلا عقد (کیونکہ یہ وعدہ ہے عقد نہیں ہے۔ت) اب اس نے دو سال کے لئے کرایہ نامہ لکھا اور زید نے قبول نہیں کیا تو ایک دن کے لئے بھی مکان کرایہ دار کو دینا مالک پر لازم نہیں کہ پہلے عقد نہ ہوا تھا اور کرایہ نامہ بلارضا مالک لکھا گیا اور اس نے قبول نہیں کیا، تو عقد اصلا موجود نہ ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۵: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی موضع سندیپ مرسلہ محمد حسن

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ، اجرت گرفتن بر تعلیم قرآن وزیارت قبور ومیلاد شریف واذان وامامت بدعوی یابغیر آں ازروئے شرع شریف جائز ست یانہ، بعضے بر ہر دو تقدیر حرام گویند، **بینوا توجروا**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعلیم قرآن، زیارت قبور، میلاد شریف، اذان وامامت پر طلب کرکے یابغیر طلب اجرت لینا جائز ہے یانہیں جبکہ بعض حضرات دونوں صورتوں کو حرام کہتے ہیں، **بینوا توجروا** (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰

الجواب:

فی الواقع اخذ اجرت بر تعلیم قرآن عظیم ودیگر علوم واذان وامامت جائز ست علی ما افتی بہ الائمۃ المتاخرون نظرا الی الزمان حفظا علی شعائر الدین والایمان۔ وبر بقیہ طاعات مثل زیارت قبور، سیپارہ خوانی برائے اموات، وقرأت میلاد پاک سید الکائنات علیہ وعلی الہ افضل الصلوٰۃ والتحیات، بر اصل منع باقی است **والمعھود عرفا کالمشروط لفظا**[1]۔ پس اگر قرارداد اجرت کنند یا بحسب عرف معلوم باشد کہ اینائے برائے گرفتن میخوانند، وآناں برائے خواندن می دہند، اگر ایناں نخوانند آناں نہ دہند، واگر آناں نہ دہند ایناں نہ خوانند، گرفتن ودادن ہر دو، روانیست **الاخذ والمعطی اثمان**، اگر نہ چناں باشد بلکہ ایناں لوجہ اللہ تعالٰی می خوانند در وہیچ چیز بدل بہ دل ہم نہ خواہند تا آنکہ اگر یقینا دانند کہ چیزے نیابند نیز بخوانند آنگاہ بے قرارداد لفظی و عرفی چیزے خدمت ایشاں کردہ شود مضائقہ نیست ہمچناں در جائیکہ گرفتن ودادن معہود بعرف شدہ است، اگر خوانندگان پیش از خواندن صراحۃً شرط کنند کہ مارا ہیچ نہ دہندہ	قرآن عظیم کی تعلیم، دیگر دینی علوم اذان اور امامت پر اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ متاخرین ائمہ نے موجودہ زمانہ میں شعائر دین وایمان کی حفاظت کے پیش نظر فتوٰی دیا ہے اور باقی طاعات مثلا زیارت قبور اموات کے لئے ختم قرآن، قرأت، میلاد پاک سید الکائنات علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والتحیات، پر اصل ضابطہ کی بناء پر منع باقی ہے، اور عرف میں مقررہ و مشہور لفظا مشروط کی طرح ہے، لہٰذا ان باقی امور پر اجرت مقرر کی گئی یا عرفا معلوم ہے کہ اجرت پر پڑھ رہے ہیں یا پڑھانے والے اجرت دیں گے، اگر یہ نہ پڑھیں تو نہ دیں، اور وہ نہ دیں تو یہ نہ پڑھیں تو ایسی صورت میں لینا اور دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہوں گے، اگر عرف میں ایسے نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے پڑھیں اور دل میں کسی عوض کا خیال نہ کریں حتی کہ یقین بھی ہو کہ نہ دینگے اسکے باوجود پڑھیں، ایسی صورت میں کسی لفظی یا عرفی تقرر کے بغیر پڑھنے والوں کو دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ایسی جگہ جہاں عرف میں لینا دینا ہوتا ہو، پڑھنے والے پہلے شرط کریں کہ ہم کچھ نہ لیں گے اور اس کے بعد اگر دینے والے دیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صراحت فائق ہوتی دلالت پر۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے، اگر اجرت کی شرط پر پڑھنا حلال ہوجائے تو اس کی صورت یہ ہے کہ قراء اور حفاظ حضرات کو مقررہ وقت مثلاً کوئی دن ہفتہ میں یا گھنٹے مثلاً صبح سے دس بجے تک اپنی خدمت یاکام کے لئے مقررہ اجرت جس پر فریقین راضی ہوں، اجیر بنالیں، تو اتنے وقت کے لئے یہ حضرات نوکر ہوں گے اور اپنے آپ کو پابند بنانا واجب ہوگا تو اجرت پر رکھنے والوں کو حق ہوگا کہ وہ جو خدمت ان سے چاہیں لیں، انہی خدمات میں سے میلاد خوانی وقرآن خوانی برائے ایصال ثواب فلاں بھی ہوگی، اس صورت میں دینا ضروری اور لینا جائز ہوگا کیونکہ اب ان کی ذات سے منافع پر اجارہ ہے، طاعات وعبادات پر نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)	بعدہ عـــہ دہندگان خدمت از پیش خویش کنند نیز رواست لان الصریح یفوق الدلالہ[1] کما فی الفتاوٰی امام قاضیخاں۔ واگر خواہند کہ شرط کنند وحلال باشد، صورتش آنست کہ حافظاں وقاریان رابرائے وقت معین، مثلاً روز فلانے از ہفتہ، ساعت صبح تادہ ساعت برائے کار وخدمت خویش بر اجرت معینہ ہرچہ براں تراضی طرفین شود، اجیر کنند، برقدرآن ساعات ایناں نوکر شدند وتسلیم نفس برایناں واجب شد مستجراں رامی رسد کہ ہر خدمت کہ خواہند فرمایند، از انجملہ کہ میلاد مبارک بخوانند، یاقرآن عظیم خواندہ ثواب بفلاں مسلمان رسانند، ایں روا باشد ودادن واجب، وگرفتن حلال، زیرا کہ حالا اجارہ برمنافع نفس ایناں واقع شد نہ برطاعات، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۶تا ۱۷۸: از قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور مرسلہ مولوی محمد مہدی حسین بریلوی قانونگو ۱۴ستمبر ۱۹۱۲ء

(ا) نوکری گرداور قانونگوئی جس میں حسب ذیل کام کرنا ہوتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۱) کاغذات پٹواری جن میں زمینداران وکاشتکاران کی صحت اندارج کی بابت موقع پر اور نیز کاغذات ماضیہ کی بابت جانچ کی جاتی ہے،

(۲) تحقیقات موقع بابت حقوق کاشتکاران وزمینداران بمقدمات تنازع اراضیات لگان،

(۳) تصدیق پٹہ وقبولیت وتیاری نقشہ جات متعلقہ وکوشش ادائے مالگذاری وزرتقاوی تقسیم شدہ وغیرہ۔

عـــہ: دراصل بعض است وظنی انہ بعدہ است۔ عبدالمنان۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۳۴

(۲) جو گرداور قانون گولینا پسند کرتے ہیں، ان کو حسب ذیل آمدنی ہوتی ہے یہ آمدنی جائز ہے یا نہیں؟

(۱) علاوہ تنخواہ معینہ کے پٹواریاں بعوض اس رعایت کے کہ ان کے کام میں جو تاخیر خلاف ان کے قواعد کے ظہور میں آئیں اس کی رعایت کی جائے، اور ان کو جرمانہ سے بچایا جائے کچھ ماہوار یا سال تمام پر دیتے ہیں، لیکن سب کام سرکاری میعاد انتہائی کے اندر ختم کرلیا جاتا ہے،

(۲) تصدیق پٹہ وقبولیت میں مقر کچھ حقوق خوشی سے دیا کرتے ہیں

(۳) تحقیقات موقع میں جس فریق کے حقوق فائق متصور اور امید کامیابی معلوم ہوتی ہے اس سے بعوض تحریر رپورٹ واجبی کے جو کچھ وہ دیتا ہے لیا جاتا ہے۔

(۴) دیہات میں منجابت زمیندار مقدم، و پدھان نذر دیتے ہیں، بلحاظ افسری بلااس وقت کسی کام کے۔

(۳) اس تنخواہ مندرجہ سوال اول وآمدنی مندرجہ سوال دوم کے اندوختہ سے مصارف حج وزیارت ودیگر ضروریات دینی جائز ہے یا نہیں، اور بحالت عدم جواز کوئی طریقہ اس روپے سے ادائے کارروائی مندرجہ بالا کا ہوسکتا ہے، مثلاً تبادلہ اس روپے کا اگر اشرفی ہائے خزانہ سے کرلیا جائے وغیرہ۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر ان کاموں کو دیانت وامانت سے انجام دے، اور ان میں جو ظلم اور لوگ بڑھا لیتے ہیں ان سے مخلوق کو بچانے کی نیت سے یہ نوکری کرے اور اس سے زائد اور کوئی ناجائز کام اسے کرنا نہ ہو، تو یہ نوکری جائز ہے بلکہ خلق پر دفع ظلم ودیگر اہلکاران کی نیت پر ثواب پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ سب مدین رشوت وحرام ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) تنخواہ بشرائط مذکورہ حلال ہے، اور اس سے ہر نیک کام جائز ہے، اور آمدنی سوال دوم حرام ہے اور اسے کسی کام میں صرف کرنا جائز نہیں، سوا اس کے کہ جن سے لی ہے ان کو واپس دے، وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے، پتہ نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کردے، ایسی آمدنی والا اگر حج وغیرہ چاہے تو روپیہ بے سودی قرض لے لے، وہ حلال ہوگا، اور وہ قرض اگرچہ اس مجلس میں اپنے ناپاک روپے سے ادا کردے گا تو قرض لیئے ہوئے روپے میں خباثت نہ آئے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۹: از گونڈہ محلّہ نبی گنج مکان مولوی نوازش احمد صاحب مرسلہ حافظ محمد اسحٰق

کوئی طوائف جو اپنے پیشہ میں مبتلا ہے، قرآن شریف پڑھنے یا پڑھوانے کی خواہش رکھتی ہے، اور اس کے عوض میں استاد معلم حافظ ناظرہ خوان کی کچھ خدمت کرے تو پیسہ جو طوائف پیشہ کا قطعًا حرام ہے، لینا استاد معلم کو جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے حافظ وقاری کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عالمگیریہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ یہ روپیہ جو اجرت زنا یا غنا کا ان لوگوں کے پاس ہوتا ہے وہ ان کے ہاتھ میں مثل غصب کے ہے، وہ کسی شیئ کے معاوضہ میں لینا جائز نہیں۔ امام اگر اس پر اصرار کرے تو اسے امامت سے معزول کرنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: از نواکھالی ڈاکخانہ رائے پور ملک بنگالہ مسئولہ فضل حق صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

علمائے کرام فضلائے عظام کی خدمت میں التماس یہ ہے کہ یہ استیجار علی الطاعات خصوصاً تلاوت قرآن وتسبیح وتہلیل، ایصال ثواب کی نیت سے ارواح موتی کے واسطے ایک مدت دراز سے رواج چلا آرہا ہے، فی الحال دیوبندی محصل بعض علماء نے حرام کہہ کر اٹھالینے میں بڑے کوشاں ہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ فی زماننا استیجار علی الطاعات خصوصاً تلاوت قرآن وتسبیح وتہلیل پر اجرت لینا حسب الحکم کتب فقہیہ جائز ہے یا نہیں؟ برتقدیر جواز شامی وبرکوی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تحریرات جو حرمت استیجار علی التلاوۃ والتسبیح کو ثابت فرمائے ہیں اس کا کیا جواب ہے، مترصد کہ حضور از راہ مہربانی استفتاء ہذا کا جواب مع اپنے مہر اور متعلقین علماء کی مہر ودستخط سے مزین کرکے جلد تکلیف ارسال منظور فرمائیں

الجواب: حق یہی ہے کہ استیجار علی الطاعات حرام و باطل ہے، سوا تعلیم علوم دین واذان وامامت وغیرہا بعض امور کے کہ متاخرین نے بضرورت فتوائے جواز دیا تلاوت قرآن وتسبیح وتہلیل پر اجرت لینا دینا دونوں ناجائز وحرام ہیں

کما حققه المولی المحقق السید امین الدین الشامی رحمه الله تعالٰی فی شفاء العلیل [1]۔	جیسا کہ محقق امین الدین شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شفاء العلیل میں تحقیق فرمائی ہے۔(ت)

[1] شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ الخ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۷۵،۱۷۶

دیوبندی عقیدے والے ضرور کفار مرتدین ہیں جن کے کفر وارتداد پر علمائے کرام حرمین شریفین نے فتوے دئے، کہ حسام الحرمین وتمہید ایمان بایات قرآن میں شائع ہوئے، مگر یہ ضرور نہیں کہ کافر جو بات کہے باطل ہو، نصارٰی کہتے ہیں یہود کا دین باطل ہے، اوران کا یہ کہنا حق ہے، یہود کہتے ہیں نصاری کا دین باطل ہے، اور ان کا یہ کہنا حق ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۱: مسئولہ ظہور محمد صاحب از شہر کہنہ ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی کے چند مالک وزمیندار ہیں، ان میں سے ایک نمبردار ہے، کل کارروائی تحصیل وصول وغیرہ کی نمبردار کرکے تقسیم کردیتا ہے، چنانچہ ایک اراضی کا کرایہ نامہ نمبردار نے ایک سال کے لئے ایک شخص کو لکھ دیا، کرایہ دار ونمبردار کی مرضی سے کرایہ نامہ میں کرایہ دار نے یہ بات تحریر کرادی کہ درصورت اراضی خالی پڑی رہنے کے بھی کرایہ مقررہ ادا کرے گا، اب وہ کرایہ دار بعد ۹ ماہ کے کہتا ہے کہ اراضی میں نے خالی کردی، تین ماہ کا کرایہ مجھ سے نہ لیا جائے، ایسی صورت میں نمبردار کو کرایہ دار سے ان تین ماہ کا کرایہ کہ جس سے کرایہ دار کو نفع نہیں پہنچا ہے، لینا چاہئے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ نمبردار کو بلامنشاء اپنے شرکاء یا ان کے کرایہ دار کو تین ماہ مذکور کا کرایہ اپنے اختیار سے چھوڑدینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ کرایہ دار نے زمین باختیار خود خالی چھوڑی، تو اس پر ان تین ماہ کا بھی کرایہ واجب ہے، نمبردار کو اگر شرکاء کی طرف سے کرایہ پر دینے کا اختیار دیا گیا ہے تو وہ کرایہ سب کی طرف سے ہوا تین ماہ کا کرایہ اگر وہ کرایہ دار پر چھوڑدے گا، اور شریکوں کے حصہ کا کرایہ اسے دینا پڑے گا، اور اگر شرکاء کی طرف سے اسے اختیار نہ دیا گیا، بطور خود بزعم خود نمبرداری اس نے ایسا تصرف کیا تو اور شرکاء کے حصوں کا غاصب ہوا، مگر ازانجا کہ عقد اجارہ اس نے کیا ہے، کرایہ کا مالک وہی ہوگا، اگرچہ حصہ شرکاء کے کرایہ میں ملک خبیث ہوگی، اس صورت میں وہ تین ماہ کا کرایہ باختیار خود چھوڑ سکتا ہے، اور اس صورت میں اسے لازم ہے کہ باقی شرکاء کے حصے کا کرایہ یا تو ان کو دے اور یہی بہتر ہے یا فقراء پر تصدق کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۲: مسئولہ منشی مجید حسن صاحب از جنگل بن بٹول ڈاکخانہ بڑھاپور ضلع بجنور ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب کے یہاں کام ہنڈی کا

ہوتا ہے اور بینک میں روپیہ کالین دین ہے، روپیہ سود پر جو کہ بینک کو دیتے ہیں اور ایسے ہی جو کہ بینک سے لیتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں سود کا برتاؤ ہے، اور یہی قرضہ پر سود چلاتے ہیں فدوی کی یہ عرض خدمت شریف ہے کہ جبکہ شیخ صاحب کے یہاں سود کا لین دین ہے، ایسی صورت میں ایسے شخص کے کارخانہ میں نوکری کا حکم خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نزدیک کیا ہے، اگر اجازت ہے تو اس کی بھی دلیل ارقام فرمائیں، اگر ناجائز ہے اس کی وجہ بھی فرمادیں، جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اس کارخانہ کے مالک کے یہاں سود کا لین دین ہے میرا دل ایک منٹ ٹھہرنے کو نہیں چاہتا ہے، اسی وجہ سے خدمت میں گزارش کی گئی خدا چاہے جیسا ارشاد فرمادیں گے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

اور ایک یہ دریافت کرنا ہے کہ وکیلوں کے یہاں محرری کرنا جائز ہے یا نہیں ہے، ان کے یہاں بھی مقدمات رجوع سود کے ہوتے اور بلا سود کے بھی ہوتے ہیں، ایک میرے علم میں حافظ عبدالرشید، وکیل ہیں، وہ کہتے ہیں جو کام بلا سود کا ہوا کرے گا وہ تم سے کرالیا کروں گا، اور سودی دعوی میرا دوسرا محرر کرلیا کرے گا، مگر شرعًا جیسا حکم ہو ارشاد فرمائیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس کے پاس مال حلال وحرام مختلط ہو۔ مثلاً تجارت بھی کرتا ہے اور سود بھی لیتا ہے اس کے یہاں کی نوکری شرعًا جائز ہے، اور جو کچھ بھی وہ دے اس کے لینے میں حرج نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمیں دے رہا ہے، بعینہٖ مال حرام ہے۔

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ کذا فی الہندیۃ [1] عن الظہیریۃ عن الامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب کسی چیز کے حرام ہونے کا ہمیں علم نہ ہو یہی ہمارا موقف ہے، یوں ہندیہ میں ذخیرہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے حوالے سے منقول ہے۔ (ت)

وکلاء کے یہاں محرری میں کچھ خیر نہیں، سودی معاملہ کے سوا ان کے یہاں اور معاملات بھی اکثر خلاف شرع ہوتے ہیں، اکثر دعاوی باطلہ ہوتے ہیں جن کو وہ حق کرنا چاہتے ہیں، جو حق ہوتے ہیں انھیں بھی باطل کی آمیزش بغیر اپنے لئے سرسبزی نہیں جانتے، غرض ان کے معاملات ناحق سے شاذونادر ہی شاید خالی ہوتے ہیں، اور تحریر اعانت ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [2]۔	گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

اور حدیث میں ہے:

وعلی الکاتب مثلہ [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور کاتب پر بھی اس کی مثل ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۹۳: مسئولہ سید عبدالقادر حسن واعظ از سورت سیدواڑہ روز دوشنبہ ۶ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مسلمان اپنا مکان شراب بیچنے کے لئے اور شراب نوشی کے لئے کرایہ سے دے تو درست ہے یا نہیں؟ اور اس کی ایسی کمائی کا کھانا دوسرے مسلمان کے لئے درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمان مکان کرایہ پر دے اس کی غرض کرایہ سے ہے، اور اعمال نیات پر ہیں، یہ نیت کیوں کرے کہ اس لئے دیتا ہے کہ اس میں شراب نوشی و شراب فروشی ہو، ایسی حالت میں کرایہ اس کے لئے حلال اور اس کے یہاں کھانا کھانے میں حرج نہیں، ہاں جو اس حرام نیت کو شامل کرلے کہ وہ اب خود ہی گنہگار بنتا ہے، اور اگر وہ مکان ایسی جگہ واقع ہے جہاں ان مفاسد کا اظہار باعث ضرر و خرابی ہمسائگان ہوگا، تو ناجائز، یہ باعث فتنہ ہوا، اور فتنہ حرام، بہر حال نفس اجرت کے کسی فعل حرام کے مقابل نہو عــــہ حرام نہیں ہے، یہی معنی ہیں اس قول حنفیہ کے کہ:

یطیب الاجر وان کان السبب حراما کما فی الاشباہ وغیرھا [2] فاحفظ فانہ علم عزیز فی نصف سطر، واللہ تعالٰی اعلم	اجرت طیب ہوگی اگرچہ سبب حرام ہے، جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے، اس کو محفوظ کرلو، یہ ایک سطر میں نادر علم ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

عــــہ: میرے خیال میں یہاں بھی ناسخ سے لغزش ہوگئی، اس میں "نہو" کے بجائے "ہو" لکھا ہے،

---

[1] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث الکلام فی مہر المثل ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۲ وغمز عیون البصائر الفن الثانی کتب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۳/ ۶۱ ورد المحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

مسئلہ ۱۸۴: مسئولہ بنے خاں سوداگر پارچہ محلّہ نالہ متصل کٹرہ ماندرائے بریلی ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

مجلس میلاد پڑھنے کے لئے پیشتر ٹھہرالینا کہ ایک روپیہ دو تو ہم پڑھیں گے، اور اس سے کم پر نہیں پڑھیں گے، اور وہ بھی اس سے بطور پیشگی بطور بیعنامہ یا سائی جمع کرالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا" [1]۔	میری آیات کے بدلے حقیر مال نہ لو۔ (ت)

یہ ممنوع ہے اور ثواب عظیم سے محرومی مطلق۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: مسئولہ محمد لطف علی محکمہ سروے آف انڈیا رام نگر منڈی ضلع نینی تال ۹ رجب ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب! السلام علیکم! بعد ادائے آداب کے عرض یہ ہے کہ کمترین محکہ سروے میں بملازمت سرکار ممتاز ہے، اور اپنی زندگی کا بیمہ مبلغ چار ہزار روپیہ کے واسطے محکمہ ڈاک خانہ میں کیا ہے شرح ماہوار چند تیرہ روپیہ سات آنہ ہے، کمترین نے شروع یکم اگست ۱۹۱۳ء کو کیا تھا اور شرط یہ تھی کہ اگر کمترین ۴۵ سال کی عمر تک زندہ رہے گا تو کمترین کو چار ہزار روپے دئے جائیں گے اور اگر کمترین کا اس سے پہلے انتقال ہوا تو انتقال ہونے پر کمترین کے عزیزوں کو چار ہزار روپے دے دئے جائیں گے۔ اب التجایہ ہے کہ مہربانی فرماکر آپ فتوٰی دیں کہ یہ شرعا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر شرعا درست ہے تو اس کی زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ عنایت فرماکر مفصل تحریر فرمایئے، عین نوازش ہوگی فقط

الجواب:

یہ شرعا قمار محض ہے، وہ ماہوار کہ اس میں دیا جاتا ہے وقت مشروط سے پہلے واپس نہیں لیا جاسکتا نہ شرعًا وہ محکمہ اس کا مالک ہوسکتا ہے، وقت واپسی جتنا جمع ہوا تھا اس کی ہر سال کی زکوۃ لازم آئے گی، اور اگر اس سے زائد ملے گا تو اس کی زکوۃ نہیں کہ بیمہ کرانے والے کی ملک نہ تھا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۶: از شہر رجمنٹ اکا کور نمبر ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین صاحب مہارنپوری ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

زید کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام مجید کا پڑھنا اور پڑھانا، امامت کا کرنا، اور ماہواری یا فصل پر روپیہ وصول کرکے کلام مجید کے ذریعہ پر اپنی پرورش اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں، زید ان امامت

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

کرنے والوں سے بہت نفرت کرتا ہے اور جو لوگ امامت اللہ کے واسطے کرتے ہیں اور پرورش اپنے بچوں کی محنت مزدوری سے کرتے ہیں ان سے بہت خوش رہتا ہے اور ان کو نگاہ عبرت سے دیکھتا ہے۔

الجواب:

جو اللہ عزوجل کے لئے امامت و تعلیم و تعلم کرتے ہیں ان سے خوش ہونا بہت بجا ہے، اور جو تنخواہ لیتے ہیں ان سے نفرت کرنا بیجا ہے، کہ اب ان کاموں پر اجرت لینا روا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۷: از گوری ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۳۰ رجب ۱۳۳۶ھ

اجرت تعلیم قرآن وامام مسجد کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

متاخرین نے تعلیم امامت پر اخذ اجرت کے جواز پر فتوی دیا ہے۔

کتب الحنفیه طافحة بذلك ومن لایعلم فحسبه جواب من یعلم ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حنفی کتب اس سے لبریز ہیں اور جو نہیں جانتا اس کو جاننے والے کا جواب کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۸تا۱۸۹: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اجرت کی چیزوں کی مثل گاڑی وکشتی وغیرہ کی اجرت نہ دینا کیسا ہے؟

(۲) جس زمین کی مالگزاری مالک لیتا ہے اس میں اگر پانی ٹھہرا اور مچھلی ٹھہری تو مالک کہتا ہے یہ مچھلی ہماری ہے اگر رعایا نہ دے تو گنہ گار تو نہیں ہے؟

الجواب:

(۱) حرام ہے۔

(۲) مباح مچھلی جو پکڑلے اسی کی ہے، مالک کو اس پر دعوی نہیں پہنچتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۰: از شہر بریلی مسئولہ کفایت اللہ یکم رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ پیشہ ور کام کراتے ہیں آدمیوں سے، اور اس شرط پر کہ آدھ آنہ روپیہ کے حساب سے گیارھویں شریف کے لئے کاٹتے رہیں گے اس

میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسے نہیں دیتے، ہم چاہے اپنے گھر یا جیسے جی چاہے گا ویسے ہی دیں گے ایسی پابندی کا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس کو جبر کا کوئی اختیار نہیں، اگر جبراً کاٹے گا ظلم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۱: از شہر مدرسہ اہل سنت وجماعت مسئولہ مولوی محمد عثمان طالبعلم بنگالی ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک جائداد نیلام کی خریدی جس میں رنڈیاں رہا کرتی ہیں ان سے کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو کرایہ وہ اپنے زرحرام سے دیں کہ زنا یا غنا کی اجرت میں ملا ہے اس کا لینا حرام ہے، اور اگر زرحلال سے دیں مثلاً کسی سے قرض لے کر یا وہ بلا اجرت ورشوت محض انعام میں ملا تو حلال ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۲: از فیض آباد کھڑکی علی بیگ مسئولہ سید عبداللہ صاحب سب انسپکٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ خالد کا ایک مقدمہ دس پندرہ ہزار کا کچہری میں تھا، خالد نے زید سے کہا کہ میری ڈگری ہوجائے زید نے بایں شرط دعا کرنے کا وعدہ کیا کہ درصورت ڈگری کے مبلغ دوہزار روپیہ بطور حق الدعاء خالد زید کو دے گا۔ خالد نے منظور کرلیا، اتفاق سے ڈگری ہوگئی، خالد نے زید کو زرمذکورہ دے دیا، یہ روپیہ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

خالی دعا پر اجرت ٹھہرالینا بوجوہ حرام ہے، اور وہ روپے کہ اسے ملے محض حرام ہے، ان کا لینا دینا سب حرام ہوا، اس پر فرض ہے کہ وہ روپے خالد کو واپس کردے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۳: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ محمد شفیق احمد خاں صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان معمار کو بتکدہ کی نوتعمیر یا مرمت کرنا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو کوئی ایسا کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مکروہ ہے اور جو کرے مستحق سزا نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۴: از چوہر کوٹ بارکھاں ملک بلالوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ دریں ملک عرف است کہ یک شخص چند گو سفنداں یامادہ گاواں وغیرہم باجارہ بادیگر بااین وعدہ می دہد کہ تاسال چار یا ہفت، ہشت، ایں مال رابچراند، اقرار این است کہ اصل مال خود ملک من است، وہرچہ افزاید یعنی زاید، نصف نصف است، ایں رانیم سودی می گویند، آیا ایں اجارہ جائز است یانہ؟	علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ ہمارے ملک میں عرف یہ ہے کہ بکریاں اور گائے وغیرہ دوسرے کو اس شرط پر بطور اجارہ دیتے ہیں، ایک یا سات یا آٹھ سال اس مال کو چراؤ، اور قرار دیتے ہیں کہ اصل مال مالک کا اور زائد ہوجائیں تو زائد میں نصف نصف ہوگا، اسے نصف سود کہتے ہیں، کیا یہ اجارہ جائز ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب:

ایں اجارہ حرام است بوجوہ **منھا الجھالۃ، ومنھا الغرر، ومنھا معنی قفیز الطحان۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	یہ اجارہ حرام ہے کئی وجوہ سے، ایک جہالت، ایک دھوکا، اور ایک چکی کی پسائی میں قفیز کا معنی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۵: از کھریرا ضلع مظفر پور ڈاکخانہ رائے پور مرسلہ شریف احسن صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید ایک انجمن اسلامیہ میں دس روپے کا تحصیلدار ہے چونکہ وہ امانت دار ہے، اور مواخذہ آخرت سے بھی خرچ ہوجانے پر ڈرتا ہے، اس لئے انجمن سے استدعا کرکے (للعہ عہ) ماہانہ داخل انجمن کرنے پر ٹھیکہ لیا، اور بقیہ آمدنی اپنے اور اپنے اہل وعیال وزادراہ وغیرہ کے لئے اپنی تنخواہ مقرر کرالی ہے، شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حرام ہے کہ بوجہ عدم تعلیق تنخواہ اجارہ فاسد ہوا، اور عقود فاسدہ سب حرام ہے، اور واجب الفسخ ہیں اس صورت میں وہ صرف اجر مثل لے سکے گا، اور وہ بھی اس کے حق میں خبیث ہوگا، اجر مثل سے زیادہ جو کچھ بچے انجمن میں داخل کرنا لازم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از لاہور انجمن نعمانیہ مرسلہ سلیم اللہ خاں جنرل سیکریٹری انجمن ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دینی مجالس میں دینی تعلیم کے لئے جو مدرسین وغیرہ ملازم رکھے جاتے ہیں اور قواعد منضبط مجلس پر ان سے بوقت قبولیت ملازمت کے دستخط کرالئے جاتے

ہیں بعد میں اگر ایسے ملازم ان قواعد کی خلاف ورزی کرکے ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلے جائیں، یا کوئی ایسا امر کریں جو قواعد مذکورہ کے خلاف ہو جس کو منظور کرچکے ہوں تو ایسے ملازمین کے کارگردگی کی تنخواہ ضبط کرلینے اور نہ دینے کا مجلس مذکورہ کو شرعًا اختیار ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے قواعد ہر ایک مجلس انجمن مدرسہ مکاتب اسلامی میں مندرج ہیں، رائج ہیں۔ کیا یہ شرعًا بھی درست ہے اور قابل تعمیل ہے یا نہیں؟ ملازمین کی طرف سے حجت کی جاتی ہے کہ ان کی کارروائی کی تنخواہ ان کا حق واجبی ہے، اور وہ کسی طرح رکھ لینا شرعا جائز نہیں ہوسکتا، براہ کرم ان کے جواب سے بادلہ شرعیہ بہت جلد مطلع فرمائیں،

المستفتیان: سلیم اللہ جنرل سیکریٹری، تاج الدین احمد سیکرٹری، نور بخش سیکرٹری۔

الجواب:

مدرسین وامثالہم اجیر خاص ہیں، اور اجیر خاص پر وقت مقررہ معہود میں تسلیم نفس لازم ہے، اور اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ کام نہ ہو، مثلا مدرسین وقت معہود پر مہینہ بھر برابر حاضر رہا، اور طالب علم کوئی نہ تھا کہ سبق پڑھتا، مدرس کی تنخواہ واجب ہوگئی، ہاں اگر تسلیم نفس میں کمی کرے مثلا بلا رخصت چلاگیا، یا رخصت سے زیادہ دن لگائے، یا مدرسہ کا وقت چھ گھنٹے تھا، اس نے پانچ گھنٹے دیئے، یا حاضر تو آیا لیکن وقت مقرر خدمت مفوضہ کے سوا اور کسی اپنے ذاتی کام اگرچہ نماز نفل یا دوسرے شخص کے کاموں میں صرف کیا کہ اس سے بھی تسلیم منتقض ہوگئی، یونہی اگر آتا اور خالی باتیں کرتا چلا جاتا ہے۔ طلبہ حاضر ہیں اور پڑھاتا نہیں کہ اگرچہ اجرت کام کی نہیں تسلیم نفس کی ہے، مگر یہ منع نفس ہے، نہ کہ تسلیم، بہرحال جس قدر تسلیم نفس میں کمی کی ہے اتنی تنخواہ وضع ہوگی، معمولی تعطیلیں مثلا جمعہ، وعیدین ورمضان المبارک کی، یا جہاں مدارس میں سہ شنبہ کی چھٹی بھی معمول ہے، وہاں یہ بھی اس حکم سے مستثنٰی ہیں کہ ان ایام میں بے تسلیم نفس بھی مستحق تنخواہ ہے، سوا اس کے اور کسی صورت میں تنخواہ کل یا بعض ضبط نہیں ہوسکتی، تسلیم نفس کامل کرکے اور بات میں باوصف قبول واقرار خلاف ورزی غایت یہ کہ جرم ہو، جرم کی تعزیر مالی جائز نہیں کہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل حرام، معہذا حقوق العباد میں مطلقًا اور حقوق اللہ میں جرم کرچکنے کے بعد تعزیر کا اختیار صور معدودہ کے سوا قاضی شرع کو ہے نہ عام لوگوں کو اور امر ناجائز رائج ہو جانے سے جائز نہیں ہوسکتا، یونہی ملازمت بلااطلاع چھوڑ کر چلا جانا اس وقت تنخواہ قطع کرے گا نہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط اور اس پر کسی تاوان کی شرط کرلینی مثلا نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے، ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہوگی یہ سب باطل وخلاف شرع مطہر ہے، پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقد اجارہ میں لگائی گئیں جیساکہ بیان سوال سے

ظاہر ہے کہ وقت ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لئے جاتے ہیں، یا ایسے شرائط وہاں مشہور ومعلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز وگناہ ہے، کہ شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہوا، اور عقد فاسد حرام ہے۔ اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ، اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب ہے، اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقررکے مستحق نہ ہوں گے، بلکہ اجر مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہوں، اجر مثل اگر مسمّٰی سے کم ہو تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے، اگرچہ خلاف ورزی اصلا نہ کریں،

درمختار میں ہے:

الاجیر الخاص ویسمی اجیر وحد وھو من یعمل لواحد عملا موقتا بالتخصیص و یستحق الاجر بتسلیم نفسہ فی المدۃ وان لم یعلم کمن استؤجر شھر للخدمۃ، ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ (بل ولا ان یصلی النافلۃ "شامی" ولو عمل نقص من اجرتہ بقدر ماعمل، فتاوٰی النوازل[1]۔	اجیر خاص کا نام اجیر وحد ہے، اور جو کسی کے لئے خاص ہو کر مقررہ عمل کرے اور مقررہ مدت میں اپنے آپ اس کے سپرد کردے اگرچہ عمل نہ کرے مثلاً کسی نے ایک ماہ خدمت کے لئے ملازم رکھا ہو، اجیر خاص کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کاکام کرے بلکہ اس کو اس وقت میں نفل نماز بھی نہ چاہیئے، شامی، اور اگر اس نے کسی اور کاکام کیا تو اس کی اجرت میں اتنی کمی کی جاسکے گی۔ فتاوٰی نوازل۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلثاء والجمعۃ وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ[2]۔	جہاں منگل اور جمعہ اور رمضان وعیدین کی تعطیل مروج ہے وہاں ان کا مشاہرہ لینا جائز ہے۔ (ت)

بزازیہ پھر بحر پھر شامی میں ہے:

معنی التعزیر باخذ المال علی القول بہ امساك شیئ من مال عند مدۃ	تعزیر بالمال کا جہاں قول ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ملزم کا وہ مال کچھ مدت کے لئے روک لیا جائے

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۱ وردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۰

لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ الا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ اولبیت المال۔ کما یتوھمہ الظلمۃ۔ اذ لایجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی[1]۔	تاکہ وہ جرم سے باز آجائے اور پھر حاکم مال واپس کردے یہ معنی نہیں کہ حاکم اس مال کو اپنے لئے یا بیت المال کے لئے وصول کرے جیسا کہ ظالم لوگوں نے خیال کررکھا ہے کیونکہ کسی مسلمان کو شرعی وجہ کے بغیر کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے۔(ت)

شرح معانی الاثار امام طحاوی پھر مجتبٰی پھر ابن عابدین میں ہے:

التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ[2]۔	تعزیر بالمال ابتداء اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ (ت)

شرح ہدایہ امام عینی میں ہے: العمل بالمنسوخ حرام[3] (منسوخ پر عمل حرام ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یقیمہ کل مسلم حال مباشرۃ المعصیۃ وبعدہ لیس ذٰلك لغیر الحاکم والزوج والمولٰی[4]۔	گناہ میں مشغول کو ہر مسلمان تعزیر کرسکتا ہے اور بعد میں حاکم، خاوند آقائے غیر کو یہ حق نہیں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یقیمہ ای التعزیر الواجب حقاً ﷲ تعالٰی بخلاف التعزیر الذی یجب حقاً للعبد فانہ لتوقفہ علی الدعوی لایقیمہ الا الحاکم الا ان یحکما فیہ اھ فتح[5]۔	"ہر مسلمان تعزیر قائم کرسکتا ہے" کا مطلب یہ ہے وہ تعزیر جو اللہ تعالٰی کے حق پر واجب ہو۔ بخلاف اس تعزیر کے جو بندے کے حق پر واجب ہو کیونکہ وہ بندے کے دعوی پر موقوف ہوتی ہے اس کو حاکم کے سوا کوئی نہیں قائم کرسکتا الایہ کہ دونون فریق اس کے لئے کسی کو ثالث بنالیں اھ فتح (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۷۸
[2] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۷۹
[3] البنایۃ فی شروح الھدایۃ
[4] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۷
[5] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر دارحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۱

فتاوٰی غیاثیہ میں ہے:

الاتری انھم لو تعاملوا علی بیع الخمر اوعلی الربا لایفتی بالحل[1]۔	کیا دیکھ نہیں رہے کہ اگر لوگ شراب فروخت یا سود کے معاملات مروج کرلیں تو حلال ہونے کا فتوٰی نہ دیا جائے گا۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل، وان کان مائۃ شرط فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق، رواہ الشیخان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہما[2]۔	لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ ایسی شرطیں بناتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور جو شرط کتاب اللہ کی رو سے جائز نہ ہو وہ باطل اگرچہ سو شرطیں ہوں اللہ تعالٰی کا فیصلہ حق ہے اور اللہ تعالٰی کی جائز کردہ شرط حق ہے، اس کو شیخین (بخاری ومسلم) نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد[3]	ایسی شرائط اجارہ کو فاسد کردیتی ہیں جو مقتضٰی کے مخالف ہوں۔(ت)

اسی میں ہے:

ان فسدت بجھالۃ المسمی وبعدم التسمیۃ وجب اجر المثل باستیفاء المنفعۃ بالغاما بلغ والا تفسد بھما بل بالشروط او	اگر اجارہ شیئ کی جہالت اور عدم ذکر کی وجہ سے فاسد ہو تو منافع حاصل کرنے پر مثلی اجرت لازم ہوگی خواہ جتنی بھی ہو ورنہ ان دونوں صورتوں میں بلکہ ایسی دیگر شرائط سے بھی فاسد ہوگا یا

---

[1] فتاوٰی غیاثیہ کتاب الاجارات نوع فی النساج مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶۰

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/ ۹۰۔۲۸۹ وکتاب المکاتب ۱/ ۳۴۸ کتاب الشروط ۱/ ۳۷۷ وصحیح مسلم کتاب العتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

الشیوع مع العلم بالمسمی لم یزد اجر المثل علی المسمی لرضاہما بہ وینقص عنہ لفساد التسمیۃ[1]۔	مقررہ معاوضہ معلوم ہونے کے باوجود شیوع پایا جائے تو مثلی اجرت مقررہ سے زائد نہ ہوگی کیونکہ مقررہ پر دونوں راضی تھے، کم ہو تو کم کردی جائے کیونکہ مقرر فاسد ہوچکا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

یجب علی کل واحد منہما فسخہ اعداما لفساد، لانہ معصیۃ فیجب رفعہا، بحر۔ ولہذا لایشترط فیہ قضاء قاض، لان الواجب شرعا لایحتاج للقضاء، درر، واذا اصراحدہما علی امساکہ، وعلم بہ القاضی فلہ فسخہ جبرا علیہما حقا للشرع بزازیۃ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	دونوں فریقوں پر واجب ہے کہ اس کو فسخ کریں کیونکہ گناہ کو ختم کرنا ضروری ہے، بحر۔ اور اسی لئے اس فسخ کے لئے قاضی کی قضاء ضروری نہیں ہے کیونکہ جو چیز شرعا واجب ہو وہ قضاء کی محتاج نہیں، درر، جب دونوں فریقین قائم رکھنے پر مصر ہوں اور قاضی کو معلوم ہوجائے تو وہ جبرا فسخ کردے تاکہ شرعی حق قائم ہوجائے، بزازیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۹۷: مسئولہ محمد مسعود علی میر محلّہ بدایوں بروز دوشنبہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ممالک متحدہ میں ایک عرصہ سے جدید بنک کھولے گئے ہیں جن کو زبان اردو میں دیہاتی بنک کہا جاتا ہے، اور جن کے دفتروں میں صدہا مسلمان ملازم ہیں، تنخواہ پاتے ہیں، ان بنکوں کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی پونجی بالعموم حسب ذیل تین طریقوں سے فراہم کی جاتی ہے:

اول: دس دس یا بیس بیس روپیہ کی قیمت کے حصص قائم کئے جاتے ہیں اور کم از کم ایک حصہ کا خریدار ممبر مانا جاتا ہے اس ہر بنک میں صدہا ممبر ہوتے ہیں ہر حصہ کی قیمت بالعموم بیس چھ ماہی قسطوں میں یعنی دس سال میں قابل ادا ہوتی ہے۔

دوم: اکثر رقوم بمد امانت جمع ہوا کرتے ہیں۔

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

سوم: قرض لیا ہوا روپیہ بھی اس کی پونجی میں شامل ہوتا ہے۔

اصل مقصد ان بنکوں کا یہ ہے کہ اپنے ممبروں کو سخت ضرورت کے وقت سادہ سود کے کم نرخ پر قرض دے کر مہاجنوں کے سود در سود اور بھاری شرح کی مار سے ضرور تمند ممبروں کو جن میں مسلمان اور اہل ہنود دونوں از قسم زمیندار وزراعت پیشہ وتجارت پیشہ ودیگر کاروباری شامل ہیں محفوظ رکھا جائے، ملازمان بنک کارہائے مفوضہ میں ممبران بنک کو کفایت شعاری کی ہدایت کرتے رہنا اور غیر ضروری کاموں کے لئے قرض نہ لینے دینا ایک اہم فریضہ ہے، بنک جو اپنے ممبروں کو قرض ادا کرتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ممبران اپنا اپنا کاروبار چلانے کے لئے ضروری روپیہ بنک سے قرض لیتے ہیں جس کی شرح سود بالعموم ایک روپیہ سے سوا روپیہ سیکڑہ تک سادہ ہوتی ہے، اور یہ قرض مع سود بالاقساط ادا کیا جاتا ہے، اس طرح پر قرضداروں کو مہاجنوں سے قرض لینے کے مقابلالہ میں بہت زیادہ منفعت رہتی ہے۔ مثلاً کسی معمولی حیثیت کے مسلمان ممبر نے سخت ضرورت کے وقت پانچسو روپیہ بنک سے قرض لے، تو یہ قرض پانچ سال میں بالاقساط مع سادہ سود کے آٹھ سو پچھتّر روپیہ کی تعداد میں بنک کو ادا کیا جائے گا۔ اور بالفرض اگر کوئی قسط کسی مجبوری سے نہ ادا ہوسکے تو بلا کسی تاوان کے قرضدار کو مزید مہلت ملے گی، یعنی بجائے پانچ سال لے ساڑھے پانچ سال میں ادا ہوسکتی ہے، درانحالیکہ مہاجن سے پانچسو روپیہ قرض لینے میں دو روپیہ کی سود در سود کی شرح سے کم نہیں ملے گا، اور ششماہی سود شامل اصل ہو کر پانچ برس کے عرصہ میں (ال صماللع للعہ) روپیہ یعنی بنک کے قرضہ سے دوگنا دینا پڑے گا، اور اگر پانچ سال کے بجائے ساڑھے پانچ برس تک یہ قرض رہ گیا تو تقریباً دوہزار روپیہ دینا پڑینگے جیسا کہ اکثر مسلمان جو سودی قرض لینے کے عادی ہیں، مہاجنوں کے چنگل میں پھنس کر بغیر تباہ ہوئے نہیں بچتے، اس لحاظ سے یہ بنک ان مسلمان ممبروں کے لئے زیادہ مفید کہی جاسکتی ہے، جو ضروری اور غیر ضروری کاموں کے لئے بلحاظ کفایت شعاری سودی قرض لینے کے عادی ہیں قرض پر سود کی رقم جو بنک کو اصل کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اس میں بیشتر حصہ اس رقم کا ہوتا ہے جو بطریق ذیل پیدا کی جاتی ہیں:

ا۔ زراعت پیشہ لوگ جس میں اکثر مشرکین ہوتے ہیں، بغرض زراعت ضروری روپیہ بنک سے قرض لے کر زراعت کرتے ہیں اور اس کے ماحصل سے جو مقدار قرض سے کئی حصہ زیادہ ہوتا ہے کچھ جزوی رقم سود کے نام سے قرضہ بنک میں ادا کرتے ہیں۔

ب۔ اسی طرح تجارت پیشہ لوگ اپنی تجارت کے ماحصل سے (یعنی منافع سے)۔

ج۔اسی طرح کاروباری مثلاً ایک نجار نے دس روپے قرض لے کر اوزار خریدے اور سال بھر میں دو سو روپیہ پیدا کئے، اسی آمدنی سے ادائے قرض میں بجائے دس روپے کے بارہ روپے بنک میں داخل ہوتے ہیں۔

ملازمان بنک کے کارہائے متعلقہ یعنی فرائض حسب ذیل ہوتے ہیں:

اولاً دفتر میں متعلقہ حساب وکتاب درست کرنا۔

ثانیاً: اس بات کی سخت نگرانی کرنا کہ ممبران بنک کسی غیر ضروری کام کے لئے قرض نہ لیں اور فضول کام میں روپیہ خرچ نہ کریں۔

ثالثاً: ماتحتوں کے کام کی نگرانی رکھنا، جانچ کرنا، سودی قرض وصول کرنا، تنخواہ جو ان ملازموں کو ملتی ہے وہ بنک سے منافع سے ملا کرتی ہے جس میں مذکورہ بالا سود کا روپیہ بھی شامل ہے، نظر براں ان بنکوں میں ملازمت کرنا جائز ہے یا جائز، اور ایک ضرورتمند مسلمان ملازمت پیشہ جو اس بنک میں ملازم ہے اور اپنی محنت کے عوض مقرر تنخواہ پاتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے، اگر اس کی ایسی ملازمت ناجائز ہے تو کس حد تک، اور حسب ذیل اشخاص کی حیثیتوں اور ایسے ملازم بنک کی حیثیت میں کیا فرق ہے،

(۱) ایک مسلام جو سرکاری بنک میں اپنا روپیہ امانتاً جمع کراتا ہے اور اسی امانت پر سود کے نام سے منافع حاصل کرتا ہے۔

(۲) ایک مسلمان جو محض مشرکین سے سود لیا کرتا ہے۔

(۳) ایک مسلمان جو سود دیا کرتا ہے۔

(۴) ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغہ مال میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ اس مالگزاری کی آمدنی سے ملتی ہے جس میں بقاعدہ زمینداری باقایا لگان پر کاشتکاروں سے بالعموم سود لیا ہوا اور غیر مسلم مالگذار کا جائز وناجائز طریقہ پر پیدا کیا گیا ہوا روپیہ شامل ہوتا ہے کیونکہ یہ سب مخلوط آمدنی مالگزاری سرکاری میں داخل ہوا کرتی ہے۔

(۵) ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغہ دیوانی میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ کورٹ فیس وغیرہ کی آمدنی سے جس میں بیشتر حصہ اس رقم کا ہوتا ہے جس کو مہاجن سود کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں ملا کرتی ہے۔

(۶) ایک مسلمان چنگی کا ملازم جس کی تنخواہ چنگی کی آمدنی سے جو بلحاظ ٹیکس وغیرہ بالعموم سود خوار اقوام کی کمائی سے جمع کی جاتی ہے ملا کرتی ہے۔

(۷)ایک مسلمان جو کسی ایسے غیر محتاط مسلمان رئیس کے پاس ملازم ہے جس نے اپنی آمدنی کے ذرائع کو عام احتیاط سے مستثنٰی کر رکھا ہے۔

(۸) کسی ایسے انگریزی مدرسہ کا مدرس جس کا کاروبار چندہ پر مبنی ہے اور چندہ دہندگان میں سود خوار اقوام بھی شامل ہےں، ایسے چندہ کی آمدنی سے تنخواہ پانے والا مسلمان مدرس۔

(۹)ایک مسلمان تجارت پیشہ جو اپنے مال کو سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کیا کرتا ہے۔

(۱۰)ایک مسلمان زراعت پیشہ جس کو اپنا غلہ وغیرہ سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کرنے سے کوئی عار نہیں ہے اور یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ آیا ایسی جائداد یعنی زمینداری وغیرہ جس کو کسی ڈپٹی کلکٹر یا کسی جج یا کسی منصف یا کسی وکیل مختار نے اپنے ایسے پیشہ کی آمدنی سے پیدا کیا ہو اکل حلال سمجھی جاسکتی ہے یانہیں؟ اور اس کی آمدنی محتاط لوگ جائز آمدنی سمجھ سکتے ہیں یانہیں؟ فقط۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بنک کی صورت مذکورہ حرام قطعی ہے، اور یہ فائدہ کہ بنیوں سے آدھا یا چہارم سود لیا جائے گا سود دینے والے کا ایک دینوی فائدہ سہی مگر دینے والے اور لینے والے کے اخروی مضرت اور حرمت میں کوئی فرق نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا "[1]، "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ "[2]۔	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا چھوڑ دو، پھر اگر نہ مانو تو اللہ و رسول سے لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ہم سواء[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے والے اور دینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی کرنیوالوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

[3] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

صحیح حدیثوں میں ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الرباء ثلثه وسبعون حوبا ایسرھا ان ینکح الرجل علی امه[1]۔	سود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے، ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔

ایک حدیث میں ہیں:

من اکل درھما من الربا وھو یعلم انه ربا فکانما زنی بامه ستا وثلثین مرة[2]۔	جس نے دیدہ دانستہ سود کا ایک درہم کھایا (جو یہاں کے تقریبا ساڑھے چار آنے کے برابر ہوتا ہے) اس نے گویا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔

اس حساب سے سود کے ہر دھیلے پر اپنی ماں سے زنا کرنا ہوتا ہے۔ تو یہ منفعت جتانا کہ بنئے کو دونا دینا ہوگا۔ یہ آدھا لیں گے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بنئے کے یہاں نہ جاؤ، وہاں ہزار بار مثلاماں سے زنا کرنا ہوگا۔ یہاں آؤ کہ ہم تو پانسو باری کریں، یہ کیا خاک فائدہ ہوا۔ یا اس سے گزر کریوں سمجھئے کہ بنئے کو یہاں نہ جاؤں وہاں اسی ہزار جوتے پڑینگے، ہم چالیس ہزار ماکر چھوڑ دینگے ان کے سر کی خیر تو چالیس ہزار میں بھی نہیں، یہ سب شیطانی دھوکے اور مہمل ہوسیں ہیں، شرعی طریقہ برتیں کہ خود بھی ان عظیم آفتوں سے بچیں، اور قرض لینے والے بھی اور بنک کو دل خواہ نفع بھی ہوجائے اور لینے والے بھی بنیوں کی مصیبت سے بچیں، اس کے متعدد طریقے ہمارے رسالہ **کفل الفقیه الفاھم** میں مذکور ہیں ازاں جملہ آساں تر یہ کہ مثلا کوئی شخص سو روپیہ سال بھر کے وعدہ پر قرض لینا چاہتا ہے اور بنک یہ چاہے کہ اسے روپیہ مل جائے اور مجھے نفع ہاتھ آئے تو اسے روپیہ قرض نہ دے بلکہ سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلا ایک سو دس یا ایک سو باہر کو بیع کرے، یہ بیع ہے ربا نہیں،

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) کافر بولے بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود، (اس کا جواب کہ) اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

[1] المصنف لعبدالرزاق ماجاء فی الرباء حدیث ۱۵۳۴۴ و ۱۵۳۴۵ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴ و شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دارالکتب العلمیه بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] الترغیب والترهیب الترهیب من الرباء مصطفی البابی مصر ۳/ ۷ و ۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

ملازمت کی صورتیں جو سائل نے لکھیں اس کا جواب کلی کہ انھیں اور ان جیسے دس ہزار کو شامل ہو، یہ ہے کہ ملازمت دو قسم ہے:
ایک وہ جس میں خود ناجائز کام کرنا پڑے، جیسے یہ ملازمت جس میں سود کالین دین، اس کا لکھنا پڑھنا، تقاضا کرنا اس کے ذمہ ہو، ایسی ملازمت خود حرام ہے، اگرچہ اس کی تنخواہ خالص مال حلال سے دی جائے، وہ مال حلال بھی اس کے لئے حرام ہے، اور مال حرام ہے، تو حرام در حرام۔
دوسرے یہ کہ وہ ملازمت فی نفسہٖ امر جائز کی ہو مگر تنخواہ دینے والا وہ جس کے پاس مال حرام آتا ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ جو کچھ اسے تنخواہ میں دیا جارہا ہے، بعینہٖ مال حرام ہے۔ نہ بدلا نہ مخلوط ہوا نہ مستہلک ہوا تو اس کا لینا حرام ورنہ جائز۔

قال محمد به ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه [1]۔ ہندیة عن الظهیریة۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا، ہم اسی کو اختیار کریں گے جب تک عین حرام چیز کا علم نہ ہو، ہندیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے۔ (ت)

یہ حکم ملازمتوں کا ہے، مزارع یا تاجر کا غلہ ومال کسی کے ہاتھ بیچنا اسی قسم اخیر کے حکم میں ہے اور سود لینا خواہ گورنمنٹ سے ہو یا مشرکین سے خود فعل ناجائز ہے، یہ قسم اول کے حکم میں داخل ہے، اور سود دینا اگر محض مجبوری شرعی سے ہو جس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے، تو اجازت ہے۔

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربا [2]۔	محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے۔ (ت)

ورنہ حرام، اور دینا لینا یکساں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: مولوی حشمت علی صاحب محلّہ گڑھیاں بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک جگہ پڑھانے پر نوکر ہے، جمعرات کو صبح کے وقت زید کی کچھ طبیعت علیل تھی مگر اس وجہ سے کہ پڑھائی میں حرج نہ ہو پڑھانے چلا گیا، ساڑھے نو بجے تک پڑھایا، بعد ازاں زیادہ طبیعت خراب ہوئی اور پڑھایا نہ گیا تو زید نے اس سے جس کے یہاں پڑھاتا تھا کہا کہ مجھ سے اب باقی وقت کام نہیں ہوتا ہے مجھے چھٹی دے دیجئے، تب اس شخص نے زید کو جواب دیا کہ اپنا وقت گیارہ بجے تک پورا کر دیجئے ورنہ رخصت یوم کی تنخواہ وضع ہوگی، زید نے اس کے جواب میں کہا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الخامسة ادارة القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

کہ میں ربع یوم کی چھٹی چاہتاہوں اگر آپ منظور نہ کریں تو صرف ربع یوم کی تنخواہ وضع کرلیں، نصف یوم کی تنخواہ وضع کرنے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ میں نے ربع یوم کام کیاہے ربع باقی ہے۔
دریافت طلب یہ ہے کہ جب زید نے ربع یوم کام کیااور ربع یوم نہیں کیااور رخصت چاہی، تو شرعا زید کی ربع یوم کی تنخواہ وضع ہونا چاہئے یانصف یوم کی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس روز جتنے گھنٹے کام میں تھاان میں جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی ہی تنخواہ وضع ہوگی، ربع ہو تو ربع یا کم زیادہ جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی تنخواہ وضع ہوگی، مثلاً چھ گھنٹے کام کرنا تھااور ایک گھنٹہ نہ کیاتو اس دن کی تنخواہ کا چھٹا حصہ وضع ہوگا۔ زیادہ وضع کرنا ظلم ہے۔

مسئلہ ۱۹۹: از بدایوں مولوی محلّہ مرسلہ شاہ حاجی اعجاز حسین صاحب ۷ ا ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے تین لڑکیاں اور دولڑکے اپنی وفات پر چھوڑے، اور ایک حقیت چھوڑی، بڑا لڑکا اس حقیت کا کاروبار کرتا رہا، اور بخوشی دیگر بھائی بہن کے اس کی آمدنی کو اپنے صرف میں لاتا رہا، اب اس کا انتقال ہوا، اس حقیت میں سے ایک کھیت برابر اپنی کاشت میں رکھا تھا، اب اس متوفی کا لڑکا وارث ہوا، لیکن وہ کھیت جس کا لگان جمع بندی میں (للعہ عہ) یا کچھ درج ہے اب دوسرے کاشتکار کو اٹھایا گیاتو بجائے (للعہ عہ) کے (عہ) میں اٹھا، اب اس موروثی کھیت کا لگان جو اور جس قدر (للعہ عہ/) سے زیادہ ہوا، اس کا مالک متوفی کا صرف لڑکا ہوا، یا وہ زیادتی لگان بھی شرعاسب میں تقسیم کرنا چاہئے، مکرر یہ ہے کہ وہ کھیت جو قانونا موروثی بھی ہے وہ علیحدہ کرنے پر لگان مندرجہ جمع بندی کے علاوہ ہر حال میں متوفی کے وارث کو پہنچتا ہے۔

الجواب:

جبکہ وہ جائداد غیر منقسم ہے، اس کا ہر جز جس میں یہ کیفیت بھی ہے، جملہ ورثہ میں مشترک ہے نہ تنہا متوفی کا پسر اس کا مالک تھا، نہ اب پسر اس کا مالک ہو۔ برضائے دیگر ورثہ اس کی آمدنی صرف ایک کے صرف میں آنا، جائداد کا اس کو ہبہ نہیں، اور بالفرض ہو بھی تو جائداد قسمت بلا تقسیم اپنے شریک کو بھی ہبہ کرنا باطل وناتمام ہے، اب کہ موہوب لہ مرگیا ہبہ باطل محض ہوگیا، اور جائداد جملہ ورثاء باقین ووارثان پسر متوفی میں مشترک رہی، درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وہبہ لشریکہ [1]۔	ہبہ تام نہیں ہوتا قابل تقسیم چیز میں اگرچہ شریک کو ہبہ کیا ہو۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

اسی کے موانع الرجوع میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔	میم سے مراد فریقین میں سے کسی ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد اور اگر قبضہ سے پہلے موت واقع ہو جائے تو باطل ہو جائے گا۔(ت)

یہ موروثیت شرعا کوئی چیز نہیں، نہ پسر متوفی اسے جبرا اپنی کاشت میں رکھ سکتا تھا نہ اس کے بیٹے کو یہ دعوی پہنچتا ہے، رہا اس کھیت کا لگان سوال بصیغہ مجہول ہے کہ اب دوسرے کاشتکار کو اٹھایا گیا، معلوم نہیں کہ کس نے اٹھایا، اگر سب ورثاء نے اٹھایا، یا سب کے اذن سے ایک نے اٹھایا، یا ایک نے اٹھایا اور باقیوں نے اسے جائز کیا، تو اس کا لگان حصہ رسد سب شرکاء کی ملک ہے، (للعہ/) ہو یا (عہ/) یا ایک پیسہ۔ یا ہزار روپے، اور ایک مثلا پسر متوفی نے بے رضائے باقی ورثہ اٹھایا، اور باقیوں نے اٹھانے کے بعد بھی اسے نافذ نہ کیا تو اس کا لگان اسی اٹھانے والے کی ملک ہوگا، مگر اپنے حصہ میں ملک طیب اور اوروں کے حصوں میں بھی ملک خبیث کہ اس پر فرض ہے کہ باقی شرکاء کو ان کے حصوں کی قدر اس میں سے دے، اور یہی افضل ہے اور ان کے لئے طیب ہے، ورنہ فقراء پر تصدق کرے، اپنے صرف میں لانا حرام ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

المنافع لاتتقوم الابالعقد، وھو صادر منہ بلاوکالۃ سابقہ ولا اجارۃ لاحقۃ فملکھا الشریك العاقد، لکن ملکہ فی غیر ملکہ ملك خبیث، فیجب علیہ التصدق بہ اودفعہ لشرکائہ خروجا من الاثم و الثانی افضل لخروجہ من الخلاف ایضا[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	منافع صرف عقد سے قیمتی بنتے ہیں جبکہ یہ عقد مالک سے صادر ہو بغیر سابق وکالت اور بغیر اجازت لاحق کے ہو، تو شریک عقد کرنے والا مالک ہوگا لیکن غیر کے حصہ میں ملک خبیث ہوگی جس کا صدقہ کرنا یا اپنے شریک کو دینا واجب ہے تاکہ گناہ سے فارغ ہو جائے، دوسری صورت (شریک کو دینا) افضل ہے، تاکہ اختلاف سے بچ جائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۵

مسئلہ ۲۰۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتاہے کہ اجیر اور ملازم میں کیافرق ہے، ملازم کا ۲۴ گھنٹہ میں ایک گھنٹہ بھی ایسا نہیں جو ملازمت سے خالی ہو، اس کے آقا کو اختیار ہے کہ وہ اپنے غلام سے جتنے دن چاہے کام لے، جتنے دن چاہے چھٹی دے، یا کسی خاص کام پر مقرر کرے، یا مختلف کام اس کے منصب کے موافق لے، اگر کوئی شخص کسی خاص کام پر مقرر ہو تو اس کے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کام جس پر مقرر ہے چھڑا کر دوسرے کام پر ضرورۃً بھیج دے، ملازم کو کوئی عذر کرنے کا موقع نہیں۔ نہ اس کام کے معاوضہ کا مستحق، اجیر میں یہ بات نہیں ہے وہ مقید نہیں، جتنی دیر کام کرے گا اتنی ہی دیر کی اجرت کا مستحق ہوگا، جب تک چاہے کام کرے گا، جب تک چاہے گا نہ کرے گا۔ ہاں ملازم سے پہلا کام چھڑا کر دوسرے کام کے عوض میں خود آقا اس کا معاوضہ مقرر کرے تو اس کے لینے کا مستحق ہو جائے گا، ملازم مقررہ چھٹیوں میں کام نہ کرنے کی حالت میں تنخواہ کا مستحق اور اجیر کام نہ کرنے کی اجرت نہیں پاسکتا، اسی طرح اجیر مقررہ وقت میں جتنے گھنٹے کام کرے گا اتنے ہی گھنٹوں کی اجرت کا مستحق ہوگا اور ملازم اگر مقررہ مدت سے ایک دو گھنٹہ کام کرکے بغیر منظوری چھوڑ دے، تو آقا اس کے کل دن کی تنخواہ اس کی کاٹ سکتا ہے، یہ قول اس کا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

یہ سب ہوس محض، اور اس کا اختراع بے اصل ہے شرع میں اجیر اجیر خاص واجیر مشترک دونوں کو عام ہے، اجیر خاص کو اردو میں ملازم اور نوکر کہتے ہیں، اجیر مشترک پیشہ ور، کہ اجرت پر ہر شخص کا کام کرتے ہیں، کسی خاص کے نوکر نہیں، جیسے راج، مزدور، بڑھئی، درزی وغیر ہم ملازم کا اگر وقت معین کیا جائے، مثلاً صبح سے شام تک، یا رات، کے نو بجے تک، یا مدرسوں کی نوکری ہے، مثلاً ٦ بجے سے ۱۲ بجے تک پھر ۲ بجے سے ۵ بجے تک، تو وہ اتنے ہی گھنٹوں کا ملازم ہے۔ مقررہ گھنٹوں کے علاوہ خود مختار ہے کہ اس کا اتنا ہی وقت بیکار ہے، تو زید کا کہنا کہ ملازم کا ایک گھنٹہ بھی ملازمت سے خالی نہیں، جہالت سے خالی نہیں، ملازم جو کسی کار خاص پر ہو جیسے مدرس، اس سے وہی خاص کام لیا جائے گا، دوسرے کام کو کہا جائے تو اس کا ماننا اس پر لازم نہیں، ہاں خدمت گار ہر گونہ خدمت کرے گا، مقید نہ ہو نا صرف اجیر مشترک راج، بڑھئی، ، اور ان کے امثال میں ہے جن کا کام بکتا ہے، وقت نہیں بکتا، اس میں یہ بات صحیح ہے کہ جب تک چاہے کام کرے۔

کرے گا پائے گا ورنہ نہیں، بخلاف اجیر خاص کہ اس کا وقت بکا ہوا ہے، اس وقت میں اسے حرام ہے کہ بے مرضی مستاجر کام سے انکار کرے، اور اگر کام نہ ہو اور وقت عــــہ دے تنخواہ پائے گا۔ اور وقت نہ دے تو نہ پائے گا، اگر وقت دس گھنٹے مقرر ہے اور ایک دن کی تنخواہ مثلاً دس آنے ہے اور اجیر نے دو گھنٹے وقت دیا، آٹھ گھنٹے غیر حاضر رہا، تو یہ غلط اور جبر وظلم ہے کہ آقا اس کے کل دن کی تنخواہ کاٹے گا، ہر گز نہیں بلکہ صرف آٹھ گھنٹوں کی ۸/، شریعت کے احکام جو نہ جانتا ہو اس پر حرام ہے کہ احکام لگائے، اس پر فرض ہے کہ جاننے والوں سے پوچھے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۱ تا ۲۰۳: از لکھنؤ حضرت گنج سول اینڈ ملیٹری ہوٹل مرسلہ رزاق محمد ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید مسلمان پیشہ ور اور تاجر ہے اور ہوٹل جس میں عموماً انگریز لوگ ٹھہرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ زید ان کے جملہ طعام وقیام کا منتظم ہے، ان سے نفع اٹھاتا ہے۔ اور ہر چیز مہیا کرتا ہے۔ اپنے مسافروں کا مثل شراب وسور وغیرہ کے پابند ہے۔ یعنی اس قسم کی چیزیں بھی وہ خرید کرتا ہے، اور ان کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، لہٰذا مسلمان کو ایسی تجارت کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) زید ہوٹل کا مالک ہے مگر ہوٹل وغیرہ خود نہیں کرتا بلکہ عمارت کرایہ پر دوسرے لوگوں کو دے رکھی ہے جو اس کو مثل ہوٹل کے استعمال کرتے ہیں۔ اور وہی کام کرتے ہیں جو زید کرتا تھا، لہٰذا اس کو جو کرایہ ملتا ہے مکان ہوٹل کا، وہ کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) زید بوجہ مسلمان ہونے کے ہر قسم کی امداد اسلامی بھی کرتا ہے، اور حج وزکوۃ وصدقہ وخیرات وتعمیر مساجد ویتیم خانہ وکفن دفن ودعوت خاص وعام ومیلاد شریف وغیرہ کرتا ہے شریعت حقہ کا آمدنی نمبر ۲ کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) حرام حرام حرام اور موجب لعنت، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الخمر وشاربھا وساقیھا ومبتاعھا وبائعھا وعاصرھا ومعتصرھا وحاملھا	یعنی اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اور جو اسے پئے، جو پلائے، جو مول لے۔ جو بیچے، جو نچوڑے، جو نچڑوائے، جو اٹھا کر لائے۔

عــــہ: اندزہ سے بنایا گیا ہے۔ ۱۲۔

والمحمولة الیه[1] (رواہ ابوداؤد وابن ماجة)وزاد الترمذی واٰکل ثمنها[2]۔واللہ تعالٰی اعلم	جس کے لئے اٹھا کر لائی جائے (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ت) اور ترمذی نے یہ زیادہ کیا جو اس کے دام کھائے ان سب پر واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ اس نے صرف مکان کرائے پر دیا ہے، کرایہ داروں نے ہوٹل کیا اور افعال مذکورہ کرتے ہیں تو زید پر الزام نہیں "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[3] (کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگی۔ت) اس صورت میں وہ کرایہ کے لئے جائز ہے۔ اگر اس نے کسی اسلامی جگہ میں خاص اس غرض ناجائز کے لئے دیا تو گنہ گار ہے، مگر کرایہ کہ منفعت مکان کے مقابل ہے نہ ان افعال کے اب بھی جائز ہے، ہدایہ میں ہے:

من اٰجر بیتا لیتخذ فیه بیت نار او کنیسة او یباع فیه الخمر بالسواد فلا باس به لان الاجارة ترد علی منفعة البیت ولا معصیة فیه انما المعصیة بفعل المستاجر[4] اھ(ملخصا)**اقول:** وھذا ھو محمل ما فی الغمز عن القنیة وفی جامع الرموز عن المنیة وفی المنح عن شمس الائمة الحلوانی، وفی ردالمحتار عن غرر الافکار عن المحیط عن الامام ان الاجر طیب و ان کان السبب حراما[5] کما حققناہ فی ما علی ردالمحتار علقناہ	جس نے مکان کرایہ پر دیا کہ اس میں آتش کدہ یا گرجا یا وہاں شراب فروخت کی جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اجارہ کا انعقاد مکان کی منفعت پر ہوا ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے گناہ تو کرایہ دار کے فعل سے ہوا اھ (ملخصا) **میں کہتا ہوں** جو غمز میں قنیہ سے اور جامع الرموز میں منیہ سے اور منح میں شمس الائمہ حلوانی سے اور ردالمحتار میں غرر الافکار اس میں محیط سے اس میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ اجرت طیب ہوگی اگرچہ سبب حرام ہو، کا یہی محمل ہے جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے ردالمحتار پر اپنے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۱ وسنن ابن ماجہ ابواب الاشربہ باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵۰

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی بیع الخمر الخ امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۵

[3] القرآن الکریم ۱۸/ ۳۵

[4] الہدایہ کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۷۰

[5] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸ والاشباہ والنظائر الفن الثالث الکلام فی مہر المثل ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۲

فاحفظه فانه مزلة ومعضلة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حاشیہ میں کی ہے اس کو محفوظ کرلو، یہ پھسلنے کا اور مشکل مقام ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) یہ سب افعال اس سے جائز ہیں کہ صورت مذکورہ میں وہ آمدنی ناجائز نہیں۔ **کما تقدم۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۴تا۲۰۶: از پیلی بھیت محلّہ احمد زئی مرسلہ مولوی عبدالسبحان صاحب ۱۲رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱) امام جمعہ اور امام پنجوقتہ کا اکثر جگہوں پر تنخواہیں مقرر کرکے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ختم کلام مبارک یعنی رمضان شریف میں نقدی ٹھہرانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ واحادیث کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جائز ہے مگر امامت کا ثواب نہ پائیں گے کہ امامت بیچ چکے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) تین چار باتیں کہ مستثنٰی ہیں ان میں ختم نہیں، اس کے جواز کا حکم نہایت مشکل ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) جائز ہے اور ان کے لئے آخرت میں ان پر ثواب کچھ نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۷: از شفاخانہ فرید پور ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پتیمبر پور ضلع بریلی مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۸رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے ملازمت کی، اور ملازمت کرنے کے بعد جو کچھ قاعدے تھے معلوم ہوئے کہ ان قانون پر نوکری کرنا ہوگا، اوقات کی پابندی بھی معلوم ہوگئی، اگر زید ان قاعدوں کے خلاف کرے پورے وقت تک کام نہ کرے، اور قاعدوں کے مطابق نہ کرے، بلکہ کچھ وقت اپنے ذاتی کام میں صرف کردے، تواس کو نوکری کا پیسہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو جائز پابندیاں مشروط تھیں ان کا خلاف حرام ہے، اور بکے ہوئے وقت میں اپنا کام کرنا بھی حرام ہے اور ناقص کام کرکے پوری تنخواہ لینا بھی حرام ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸: از کلکتہ زکریا اسٹیٹ ۱۸ مسئولہ عبدالسعید ناگوری ۲۰رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند مسلمان اشخاص کی دکان شرکت میں کلکتہ، بمبئی یا کسی اور مقام پر ہے، دکان کی کل رقم میں تقریبا چہارم سود کا روپیہ لگا ہوا ہے، ایسی دکان میں کسی مسلمان کو ملازمت

کرنا جائز ہے یا نہیں، نیز اس کی آمدنی سے کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی اعانت ہو سکتی ہے یا نہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

اس دکان کی ملازمت اگر سود کی تحصیل وصول یا اس کا تقاضا کرنا یا اس کا حساب لکھنا، یا کسی اور فعل ناجائز کی ہے تو ناجائز ہے۔

قال تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ (ت)

صحیح مسلم شریف میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربا و مؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ہم سواء[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے، اور سود دینے والے اور سود لکھنے والے، اور سود کے گواہوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اور اگر کسی امر جائز کی نوکری ہے تو جائز ہے، تنخواہ میں وہ روپیہ کہ بعینہٖ سود میں آیا ہو نہ لے، اور مخلوط و نامعلوم ہو تو لے سکتا ہے۔ یونہی ایسے نامعلوم روپے سے مسجد و مدرسہ کی اعانت بھی ہو سکتی ہے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ مال حلال غالب ہے۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال بہ نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ذخیرہ سے وہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ ہمارا یہی موقف ہے جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے معاہدہ اور وعدہ اقرار تقریری اور تحریری کیا تھا کہ اگر عمرو اپنے پاس سے خرچ کرکے کرے گا اور کامیابی ہوگی تو بجائے اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

دینے معاوضہ میں اپنے نصف مقدمہ میں سے مکان وغیرہ دوں گا، یعنی نصفا نصف پر تصفیہ ہوگیا تھا، اب جبکہ بفضلہ تعالٰی ابتداء تا انتہاء عمرو کی کوشش وجانفشانی اور کثیر روپیہ صرف کرنے کے بعد ہر طرح سے تمام وکمال کامیابی حاصل ہوگئی، تو اب زید ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا نہیں کرتا ہے اور اوروں کے بہکانے سے گریز وانکار کرتا ہے، تو اس صورت میں کل مسلمانوں کو زید اور اس کے بہکانے والوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور جو زید اور اس کے بہکانے والے ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا کریں تو کیا اجر ملے گا، اور پورا نہ کرنے میں کیا سزا ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ معاہدہ شرعا فاسد ہے، اور اس کا پورا کرنا شرعا جائز نہیں، زید وعمرو دونوں کو ناجائز ہے، عمرو نے جتنا روپیہ صرف کیا وہ ذمہ زید قرض ہے، اور جو کوشش کی اس کی اجرت مثل پائے گا یعنی ایسی کوشش پر کیا اجرت ہونی چاہئے، یہ زر مجموعہ زید سے لے سکتا ہے۔ جائداد پر اس کا کوئی دعوی نہیں۔ اور عقد فاسد کے ارتکاب سے دونوں گنہگار ہوئے توبہ کریں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۰: از شہر بریلی محلّہ کانکرٹولہ مسئولہ ظہور محمد خاں صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو وبکر بذریعہ زمینداری ایک جگہ کے مالک ہیں اور زید مہتمم ومنتظم ذریعہ آمدنی زمینداری مذکور کا ہے، اور خالد زید کی طرف سے کارپرداز ہے، منجملہ اراضی مذکورہ کے ایک قطعہ اراضی کی بابت باہم خالد کارپرداز زید وعبداللہ کے معاہدہ ہوا، کہ ایک مدت تک پاس عبداللہ کرایہ پر رہے گی اور عبداللہ کرایہ ماہ بماہ بحالت خالی رہنے اور کام لانے کی صورت میں زید کو ادا کرے گا اور قبل معاہدہ جو عیب کہ اراضی مذکورہ میں تھا خالد نے عبداللہ پر ظاہر کردیا تھا یعنی عبداللہ سے کہہ دیا تھا کہ سابق میں جو کرایہ دار اس اراضی پر بیٹھا تھا اس پر اعتراض محکمہ چنگی کی طرف سے ثابت نہ بیٹھنے اس اراضی پر ہوچکا ہے چنانچہ اس کے جواب میں عبداللہ نے خالد سے کہہ دیا تھا کہ اس معاملہ میں جو کچھ ہوگا میں دیکھ لوں گا، بعد گزرنے تخمینا چار ماہ کے وہ صورت عیب کی جس کو خالد نے عبداللہ پر ظاہر کردیا تھا عبداللہ پر پیش ہوئی اور حاکم وقت کی طرف سے عبداللہ کو جو انتظام کہ اراضی مذکورہ میں عبداللہ کرنا چاہتا تھا اور کررہا تھا۔ نہ کرنے پر مجبور کیا گیا اور عبداللہ پر مقدمہ قائم ہوکر ایک روپیہ جرمانہ ہوا، اس واقعہ کے چند روز کے بعد اراضی مذکورہ کو خالی کردیا، خالد کارپرداز زید نے عبداللہ سے کوئی عہد شکنی نہیں کی، اب عبداللہ کو کرایہ خالی اراضی کا دینے میں عذر ہے، بلکہ جتنی مدت عبداللہ کا واقعی قبضہ رہا اس قدر بھی کرایہ دینے پر رضامند نہیں، جرمانہ کا روپیہ اور خرچ مقدمہ میں جو روپیہ صرف ہوا ہے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ

مالکان اراضی پر ہونا چاہئے، ایسی صورت میں عبداللہ کو بموجب تحریر کرایہ نامہ کے کرایہ ادا کرنا چاہئے یا اراضی خالی کرنے کی تاریخ تک، یا جرمانہ کا ایک روپیہ اور مقدمہ میں جو خرچ ہوا تھا وہ مجرٰی کرکے ادا کرنا چاہئے، اور خالد کو بھی بموجب کرایہ کے وصول کرنا چاہئے یا کس قدر اور عبداللہ وزید وعمرو سب مسلمان بھی ہیں۔

الجواب:

جرمانہ وخرچ مقدمہ ذمہ مالکان ڈالنا ظلم محض ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

دفع مغارم سلطانیة بغیر اذن شریکه لایلزم شریکه شیئ ممادفع حیث لم یاذن له بالدفع لیرجع علیه بحصة منها[2]۔	اپنے شریک کی اجازت کے بغیر سرکاری جرمانہ دیا تو جو کچھ دیا شریک اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، لہٰذا ادا کرنے والا شریک سے جرمانہ کا حصہ وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

لحقهم خسران بسبب الدعوٰی غرمه احدهم بعد ماقال له الباقون ادفع ذٰلك مهما غرمت فعلینا بقدر حصتنا فدفعه ویرید الرجوع علیهم بقدر حصتهم فله ذٰلك[3] اھ. فقد شرط للرجوع فاذا کان هذا فی الشرکاء فکیف هنا۔	باقی شرکاء نے کہہ دیا کہ جو ٹیکس لاگو ہو تو ادا کردینا ہم اپنا حصہ ادا کردیں گے تو اس نے ادا کردیا اب یہ باقی حضرات سے ان کے حصے کے مطابق وصول کرنا چاہے تو اس کو یہ حق ہے ان حضرات کے اس دعوی کے مطابق یہ ادائیگی برداشت کرنی ہوگی اھ تو جب وصول کرنے کی شرط مفقود ہو اور معاملہ بھی شرکاء میں ہے تو یہاں کیسے ہوسکتا ہے۔ (ت)

حسب بیان سائل زمین سے ٹال رکھنا مقصود تھا، اور چنگی نے اس سے ممانعت کردی،

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۳۵

[2] فتاوٰی خیریة

[3] العقود الدریة کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴۳

توجب تک ٹال رہی اس کا کرایہ ضرور واجب ہے، اور جب سے خالی کر دی اس کا اصلا استحقاق نہیں، اس بیچ میں جتنے دن عبداللہ کے قبضے میں رہی، اگر اس میں کوئی انتفاع اس نے زمین سے حاصل کیا، اس کے حساب سے کرایہ دے گا ورنہ نہیں، اور دونوں صورتوں کا کرایہ مثل دے گا جو اجر مسمّٰی یعنی کرایہ قرار یافتہ سے زائد نہ ہو، مثلا اجر مثلی یعنی بازاری نرخ سے اس کام کے لئے کرایہ مثل دے گا جو ماہوار ہے، اور ٹھہرا روپیہ یا روپیہ سے زیادہ تو روپیہ دے گا، اور ٹھہرا بارہ آنے تو بارہ ہی آنے دے گا۔ اس لئے کہ یہ اجارہ اس قرارداد پر ہوا کہ اگر چُنگی ممانعت کردے مالکان زمین کو اس سے بحث نہیں عبداللہ کرایہ دے گا، یہ شرط خلاف مقتضائے عقد ہے اس سے اجارہ فاسد ہوگا۔ فریقین پر اس کا فسخ واجب تھا کہ ازالہ گناہ لازم ہے، اور اجارہ فاسد میں اجر مثل لازم آتا ہے کہ اجر مسمّٰی سے زائد نہ ہو، متن ہدایہ میں ہے:

لاانقطع ماء الرحی والبیت مما ینتفع بہ لغیرا الطحن فعلیہ من الاجر بحصتہ [1]۔	اگر آٹے کی چکی کا پانی منقطع ہوجائے اور وہ کمرہ پسائی کے بغیر بھی قابل انتفاع ہے تو اس نفع کے حصہ کا اجر کرایہ دار پر لازم ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

فاذا استوفاہ لزمتہ حصتہ [2]۔	اگر اس نے فائدہ پایا ہو تو اتنے کا معاوضہ لازم ہوگا۔ (ت)

اس مسئلہ کی غایت تحقیق وتنقیح فتاوٰی میں ملاحظہ ہو، خلاصہ میں ہے:

وفی مجموع النوازل استاجر حماما ببدل معلوم ان علیہ الاجر حال جریانہ وانقطاعہ فھذا الشرط مخالف لمقتضی عقد الاجارۃ فیفسد [3]۔	مجموع النوازل میں ہے کہ ایک حمام مقررہ کرایہ پر لیا اس شرط پر کہ چالو ہو یا نہ ہو ہر حال میں کرایہ لازم ہوگا تو یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے لہٰذا اجارہ فاسد ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] الھدایۃ کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۱۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۱۴۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۲۱

لو شرط شرطاً فاسداقبل العقد ينبغي الفساد لو انتقا على بناء العقد عليه كما صرحوا به في بيع الهزل۔وقدسئل الخيرا لرملی عن رجلين تواضعا على بيع الوفاء قبل عقده وعقد اخالياعن الشرط، فاجاب بانه صرح فی الخلاصة والفيض والتتارخانية وغيرها بانه يكون على ماتواضعا [1] اھ اماما فی الدر استاجر رحى فمنعه الجيران عن الطحن لتوہين البناء وحكم القاضی بمنعه هل تسقط حصته مدة المنع قال لا۔مالم يمنع حسامن الطحن [2] اھ قال ط ثم ش المراد و الله تعالٰی اعلم ان يحال بينه وبين الدوارة فلا يقدر عليها [3] اھ فكتبت عليه **اقول**: يجب حمله على مااذا كان منع القاضی جبرا لخاطر الجيران لاحكماحتمالو خالفه	اگر فاسد شرط لگائی اگرچہ عقد سے قبل لگائی ہو اور اس کو فریقین عقد کی بنیاد بنائیں تو فساد ہوگا جیسا کہ فقہاء نے مذاقیہ بیع میں اس کی تصریح کی ہے،علامہ خیر الدین رملی سے سوال ہوا کہ دو حضرات نے بیع الوفاء کو عقد سے قبل طے کرلیا اور پھر عقد کے وقت شرط کا ذکر نہ کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خلاصہ ، فیض، تتارخانیہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ وہ بیع طے کردہ شرط پر مانی جائے گی اھ، لیکن جو درمختار میں ہے کہ کسی نے آٹے کی پن چکی کرایہ پر لی اور پڑوسی نے اپنی عمارت کے نقصان کے خدشہ سے پسائی سے روک دیا اور قاضی نے روک دینے کا حکم دیا ہو تو کیااس روکنے کی مدت کا کرایہ ساقط ہوگا، تو فرمایا کہ ساقط نہ ہوگا جب تک عملاً نہ روک دے،اھ اس پر طحطاوی نے پھر شامی نے فرمایا کہ عملا روک دینے کا مطلب یہ ہے،والله تعالٰی اعلم۔کہ ایسی رکاوٹ ڈالی جائے کہ چکی چلانے پر قدرت نہ ہو،اھ، میں نے اس پر لکھا ہے **میں کہتاہوں**،اس کو اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جس میں قاضی پڑوسی کی درخواست پر منع کردے نہ کہ ایسی صورت پر کہ یہ قاضی کے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۶

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷

لصادرہ اور عزرہ کیف وقد صرحوا قاطبۃ ان لحوق ضرر غیر مستحق بالعقد عذر یفسخ بہ، وھذا منہ لاشک، واللہ تعالٰی اعلم۔	حکم کی خلاف ورزی کرئے اور قاضی اس کو تعزیر لگائے، کیونکہ سب نے تصریح کی ہے کہ ایسا ضرر جو عقد میں شامل نہ ہو، اس کا پایا جانا ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے فسخ ہوسکے گا اور تعزیر والی صورت ایسا ہی عذر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۱: از موضع دلیل گنج تھانہ امریا پرگنہ جہاں آباد مسئولہ محب اللہ صاحب ضلعدار ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مسلمان اس ضلع پیلی بھیت میں کاشت موروثی کو جس کی نقشی پختہ ہے گرو رکھتے ہیں اور کچھ روپیہ اصلی کاشتکار کو دے کر اس کی علیحدہ تحریر کرالیتے ہیں، اور زمین کو اپنی کاشت میں رکھ کر اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور نقشی کا روپیہ زمیندار کو خود ادا کرتے رہتے ہیں، اور اس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ دو سال تک یا پانچ سال تک باوجود موجود ہونے روپیہ کے اصلی کاشتکار زمین کو نہیں چھڑا سکتا، مگر بعد گزرنے معاہدہ کے کاشتکار اصلی روپیہ کل ادا کرکے زمین گرو سے چھڑا سکتا ہے، اور بعض بعض شخص اصلی روپیہ میں سے ایک روپیہ سال یا ۸ سال کم بھی لے لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ علماء نے اس صورت میں زمین کا گرو رکھنا جائز قرار دیا ہے **بینوا توجروا**

الجواب:

اصلی کاشتکار زمین کا مالک نہیں ہوتا ملک زمیندار ہے وہ مستاجر ہے، جب اس نے دوسرے کے پاس گروی رکھی اور زمیندار کی باقی اس دوسرے نے دی اور زمیندار نے اس سے قبول کی، تو یہ رہن کی اجازت نہ ہوئی، رہن واجارہ جمع نہیں ہوسکتے، بلکہ اب یہ دوسرا شخص مستاجر ہوگیا، اب وہ پہلا جدا ہے اس پر اس دوسرے کا صرف خالص قرض رہا، وہ جب دے اسے قبول کرنا لازم ہوگا، اور زمین چھوڑنا کسی وقت ضرور نہیں، اس زمین سے کاشتکار اصلی کو کوئی تعلق نہ رہا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲ عـــــہ : از احمد آباد گجرات محلّہ جمال پورہ متصل مسجد کارنج مرسلہ مولانا عبدالرحیم صاحب ۱۶ شوال ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں شہر احمد آباد میں بعض "حافظ القرآن" حضرات اہلسنت وجماعت کے مکانوں پر سوم وچہلم منانے جاتے ہیں، اور "کلام مجید" پڑھ کر اموات کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور وہاں سے اجرت لیتے ہیں اور اس میں جُہلاء بہت ثواب سمجھتے ہیں، آیا یہ ایصال ثواب کرکے اُجرت لنا جائز ہے یا حرام ہے۔

اُجرت لے کر ایصال ثواب کرے تو اموات کی خدمات میں ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

اور جو حافظ القرآن اُجرت لے کر ثواب کرنے کے لئے احباب اہلسنت وجماعت کے مکانوں پر تشریف لے جاتے ہیں ان کے پیچھے نمازی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اُجرت پر کلام اللہ شریف بغرض ایصال ثواب پڑھنا پڑھوانا دونوں ناجائز ہے، اور پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گنہ گار۔ اور اس میں میت کے لئے کوئی نفع نہیں، بلکہ اس کی مرضی وصیت سے ہو تو وہ بھی وبال میں گرفتار۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو۔ (ت)

اور یہ کہنا کہ ہم اللہ کے لئے پڑھتے ہیں اور دینے والے بھی ہمیں اللہ کے لئے دیتے ہیں محض جھوٹ ہے۔ اگر یہ نہ پڑھیں تو وہ ایک حبہ ان کو نہ دیں، اور اگر وہ نہ دیں تو یہ ایک صفحہ نہ پڑھیں، اور شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ **المعروف کالمشروط** [2] (معروف مشروط کی طرح ہے۔ ت) بلکہ اس ظاہری

عـــــہ: ھذہ الفتوٰی وثلثۃ بعدہ کانت متفرقۃ فی ابواب شتّٰی ماعدا باب الاجارۃ فی الجلد الثامن ۱۲عبدالمنان اعظمی	آٹھویں جلد (قدیم، جدید ۱۹) میں یہ او اس کے بعد کے تین فتوے مختلف ابواب میں متفرق تھے ان کو اجارہ میں یہاں منتقل کیا گیا ہے۔ عبدالمنان اعظمی (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

[2] درمختار کتاب الاجارہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۲، الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

شرط نہ کرنے سے ایک اور خباثت بڑھ جاتی ہے اجارہ جو امر جائز پر ہو وہ بھی اگر بے تعین اجرت ہو تو بوجہ جہالت اجارہ فاسدہ اور عقد حرام ہے، نہ کہ وہ اجارہ کو خود ناجائز تھا، وہ تو حرام در حرام ہوگیا، یہ حاوی جس میں یہ بیہودہ حکم ۴۵ درم والا لکھا ہے، حاوی قدسی نہیں، حاوی زاہدا ہے، کما فی ردالمحتار [1] (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ت) اور یہ زاہدی ایک معتزلی بدمذہب تھا، کما فی الردالمختار فی الاسفار [2] (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے۔ت) اور اس کا یہ حکم قوانین شرع سے محض جُدا، اور یہ تجدید شرع مطہر پر صریح افتراء ہے۔

جو حافظ اس کا پیشہ رکھے فاسق معلن ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ اسے امام بنانا گناہ اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی ہو اس کا پھیرنا واجب، ہاں اگر اس کی حلت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے یہ پڑھوانے والے وقت معین کے ساتھ مثلاً روزانہ صبح کے ۷ بجے سے ۱۰ بجے تک اور شام ۲ بجے سے ۴ بجے تک، یا جو وقت مقرر کریں، ایک اجرت معینہ پر مثلاً ۴ روز یا جو قرار پائے، ان حافظوں کو اپنے کار خدمت کے لئے نوکر رکھیں، اس وقت معین کے لئے یہ ان کے ملازم ہوگئے انھوں اختیار ہے جو کام چاہیں لیں، ازاں جملہ یہ کہ فلاں میت کے لئے قرآن عظیم پڑھو، اب یہ حلال ہے، دینا واجب اور لینا روا، کہ اب یہ اجارہ قرآن خوانی پر نہیں، بلکہ ان حافظوں کے منافع نفس پر ہے، یہاں تک کہ اگر یہ اس وقت مقرر پر پابندی کے ساتھ حاضر رہیں اور مستاجرین ان سے کچھ کام نہ لیں، جب بھی تنخواہ واجب ہوگی۔

لان المستحق علیھم انما کان تسلیم النفس وقد حصل کما ھو حکم "اجیر الواحد"۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وہ پابند تھے کہ اپنے نفس کو سونپ دیں، اور یہ کام ہوگیا جیسا کہ اجیر خاص کا حکم ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ مولوی امیر اللہ صاحب ۲۶ ذوالحجہ ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ۵ روپیہ ماہوار کا نوکر تھا اس نے خود نوکری ترک کردی، رقعہ کے ذریعہ سے بقیہ تنخواہ مانگی، ذیقعدہ سنہ حال کی ۲۸ سے چھوڑی، چنانچہ عبارات اس کی بلفظہٖ درج ہے: "میں نے ۲۸ ذیقعدہ بروز پنجشنبہ کو

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

[2] ردالمحتار

کام چھوڑا، اسی ماہ مذکور کی تنخواہ چاہی ہے" چونکہ یہ ذیقعدہ ۳۰ کا ہوا تو ۲۸، ۲۹، ۳۰ تین دن کی تنخواہ منہا ہونی چاہئے یا ایک دن ہفتہ کی، جمعہ کی تعطیل تھی، ترک تو روزگار کے بعد بھی تعطیل جمعہ وجمعرات ملنا چاہئے، یا ۲۷ یوم کی واجب ہے؟ اتنے دن کی تنخواہ مجموع آٹھ آنہ ہوئے، ایک دن کی ۲/۰۲ پائی ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں ۲/۰۲ پائی کاٹو اور دو دن تعطیل کے مجھے ملنا چاہئے، آیا یہ قاعدہ شرعی یا عرفی وغیرہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

ایام تعطیل کی تنخوہ بحال ملازمت ملتی ہے۔ شرعاعرفا یہی قاعدہ ہے، اگر ترک ملازمت تاریخ ۲۸ سے ہوا تو تین دن کی تنخواہ کا وہ مستحق نہیں،

فان البطالة ترفية عما علیه من الاشتغال وبعد ترك الاجارة لاشغل علیه فلا ترفیة فلا اجرة۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	کیونکہ تعطیل لازمی مشغولیت سے آرام کے لئے ہوتی ہے تو اجارہ ختم ہونے کے بعد کوئی مشغولیت نہ رہی تو آرام کا ہے کا تو اجرت کا استحقاق نہ رہا واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ واتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۴: مسئولہ احمد حنس بنگالی طالب علم مدرسہ اہل سنت وجماعت ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

واعظ یا حافظ نے وعظ یا قرآن ختم کیا اور بغیر طلب کے اگر کسی نے کچھ دیا تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے اگر نہ مشروط ہو نہ معروف، ورنہ واعظ کے لئے علی الاختلاف جائز، اور قرآن خوانی پر بالاتفاق ممنوع **علی ما نقله "ط" حققه علامة الشامی فی ردالمحتار**[1] (طحطاوی کی نقل پر جس کو علامہ شامی نے ردالمحتار میں ثابت رکھا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۵: از بنگالہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مقدمہ کے اندر گرفتار ہو کر کے کسی دوسرے شخص سے اپنی حالت کے واسطے دعا کروائے، اور بھی اس دعاخواں کو کچھ روپیہ چاہئے یا نہیں؟ اور ان کو روپیہ لینا حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۴

الجواب:

حلال ہے اگر کچھ نہ دینے کا ذکر آیا، نہ عرف ورواج کی راہ سے معاوضہ ثابت تھا، اور یونہی بطور حسن سلوک اسے کچھ دے دیا جب تو خود ظاہر کہ اسے لینے میں اصلاحرج نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی نمازی کو نماز عمدہ طور پر پڑھتے دیکھے اس کا دل خوش ہو کچھ روپیہ بطور نذر یا ہدیہ یا انعام کے اسے دے، تو اس کے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں، کہ یہ اُجرت سے اصلا تعلق نہیں رکھتا، اور اگر باہم قرارداد ہولیا کہ ہمارے مقدمہ کے لئے فلاں ختم پڑھو اور وقت واُجرت وغیرہ کی صحیح تعین کردی جس سے اجارہ میں جہالت نہ رہے تو یہاں یہ بھی حلال ہے کہ اس صورت میں ثواب مقصود نہیں بلکہ قضائے حاجت کی تدبیر و علاج، تو یہ اس طرح ہوا جیسے مریض پر پڑھ کر پھونکنے کی اجرت لے، اس کا جواز صحیح حدیث سے ثابت ہے، صحاب کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ایک گاؤں میں ٹھہرے، وہاں کے لوگوں نے برخلاف عادت عرب مہمانی نہ دی، رئیس دیہہ کو سانپ نے کاٹہ، لوگ ان کے پاس آئے، انھوں نے سو دنبے ٹھہرالئے، سوہ فاتحہ شریف پڑھ کر دم کردی، اچھا ہوگیا، پھر صحابہ کو خیال آیا کہ کہیں قرآن مجید پر اُجرت لینا نہ ہوگیا ہو، ان بکرویوں کو نہ کھایا، جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حال عرض کیا، حضور نے اجازت دی اور فرمایا:

ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ[1] رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جس چیز پر اجرت لو اس میں سب سے زیادہ حق کتاب اللہ کو ہے۔ اس کو بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ردمحتار میں ہے:

ان المتقدمین المانعین الاستیجار مطلقا، جوزو الرقیۃ بالاجرۃ ولو بالقرآن کما ذکرہ الطحطاوی لانھا لیست عبادۃ محضۃ بل من التداوی[2]۔	متقدمین جو اُجرت لینا منع فرماتے ہیں انھوں نے بھی دم کرنے پر اُجرت لینا جائز کہا ہے خواہ یہ دم قرآن کے ساتھ ہو، جیسا کہ طحطاوی نے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ خالص عبادت نہیں بلکہ ایک علاج ہے۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب الشرط فی الروایۃ بقطیع من الغنم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۴ وصحیح البخاری کتاب فضائل القرآن ۲/ ۷۴۹، کتاب الاجارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۴

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

ہاں اگر خالی دعا بغیر کسی ختم یا عمل کے ہو تو اس پر اجارہ ٹھہرانے کے کوئی معنی نہیں کہ اتنے کہنے میں اس کا کیا صرف ہوتا ہے کہ الٰہی فلاں کی حاجت بر لا، جس پر اجرت لے گا نہ اس پر اجارہ معہود ہے۔

والاجارة انما جوزت استحسانا علی خلاف القیاس لدفع حاجات الناس فمالیس من اجاراتهم لم یکن من حاجاتهم۔	اور اجارہ کا جواز خلاف قیاس لوگوں کی ضروریات کی وجہ سے اور لوگوں میں جو اجارہ مروج نہیں وہ لوگوں کی حاجت نہیں ہے۔(ت)

ہندیہ میں ذخیرہ سے ہے:

اذا استاجر موضعا معلوما من الارض لیتدفیها الاوتادیصلح بها الغزل کی ینسج جاز لانه من اجارات االناس، ولو استاجر حائطا لیتدفیها الاوتاد یصلح علیها ابریسم لیسنج به شعرا اودیباجا لایجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا رحمهم اللہ تعالٰی لان هذا لیس من اجارات الناس فی عرف دیارنا ینبغی ان یجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا لان االناس تعاملوا ذٰلك فی فصلین جمیعا[1]۔	جب کوئی معین جگہ اجرت پر لی کہ وہاں کیلئے گاڑ کر سوت کو کپڑا بننے کے لئے درست کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ اجارہ لوگوں کی عادت ہے اور اگر کوئی دیوار کرایہ پر لیا کہ وہاں کیلئے گاڑ کر بننے کے لئے ریشم درست کرکے یا اونی یا دیبا جی کپڑا بنائے تو یہ جائز نہیں، ہمارے بعض مشائخ نے یوں ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ لوگوں کے عادی اجارہ نہیں ہے اور ہمارے علاقہ کے عرف میں جائز ہونا چاہئے کیونکہ یہاں دونوں چیزوں میں لوگوں کا تعامل ہے، بعض ہمارے مشائخ نے یوں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

خانیہ وکبرٰی وعالمگیریہ میں ہے:

وللفظ لهذہ قال للدلال اعرض ضیعتی وبعها علی انك اذا بعتها فلك من لاجر کذا فلم یقدر الدلال علی اتمام لامر ثم باعها دلال اٰخر قال ابولقاسم لو عرضها الاول وصرف فیه	عالمگیریہ کے الفاظ میں ہے، دلال کو کہا کہ میر زمین کو فروخت پر لگا جب تو فروخت کرے تو اتنی اجرت دوں گا تو دلال یہ کام مکمل نہ کرسکا پھر دوسرے دلال نے فروخت کردی، ابوالقاسم نے فرمایا اگر پہلے دلال نے فروخت پر لگائی اور اس نے اس پر

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الاجارہ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۲

روزجارا یعتد به فاجر مثله له واجب بقدر عنائه و عمله.قال ابو لليث رحمه الله تعالٰی هذا هو القیاس، و لایجب له استحسانا اذا ترکه وبه ناخذ وهو موافق قوله یعقوب اذ اترکه وبه ناخذ وهو موافق قول یعقوب رحمه الله تعالٰی هو المختار [1]۔	روزانہ محنت کی ہو تو اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو مثلی اجرت اس کی محنت اور کام کے مطابق دینی ضروری ہے حضرت ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا قیاس یہی ہے لیکن جب پہلے نے عمل ترک کردیا تو اجرت واجب نہ ہوگی ہمارا یہی موقف ہے،اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے یہی موافق ہے،یہی مختار ہے۔(ت)

اسی میں تبیین سے ہے:

منها(ای من شرائط صحة الاجارة)ان تکون المنفعة مقصودة معتادااستیفائها بعقد الاجارة ولایجری بها التعامل بین الناس فلا یجوز استیجار الاشجار لتجفیف الثیاب علیها [2]۔والله سبحنه وتعالٰی اعلم۔	ان میں بعض اجارہ کی صحت شرائط میں کہ مقصود منافع وہ ہوں جن کو عقد اجارہ میں حاصل کرنا لوگوں کی عادت ہو اور لوگوں کا اس پر تعامل نہ ہو اسی لئے کپڑے خشک کرنے کے لئے درخت کرایہ پر لینادرست نہیں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۶ عـــہ: از ضلع بارہ بنکی مرسلہ منشی کریم الدین ضلعدار کورٹ علاقہ سورج پور تمام ہتھونڈہ ضلع بارہ بنکی ۱۹ محرم ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بموجب قاعدہ مجریہ صاحبان بورڈ مال ممالک متحدہ آگرہ واودھ،ملازمان محکمہ کورٹ آف وارڈ مین کی تنخواہ ماہانہ سے فی روپیہ ۱/ وضع ہوتا ہے۔اور اس وضع شدہ رقم کی نصف تعداد ریاست متلقہ سے لی جاتی ہے۔ مثلاً عہ کے تنخواہ دار سے ۴/عہ وضع کیا گیا۔اور ۱۰/ ریاست سے لیا گیا کل عہ/۴ وصول ہو کر سیونگ بینک ڈاکخانہ میں جمع کیا جاتا ہے۔اور اس بینک مذکورہ کے قاعدہ سے سود لگایا جاتا ہے۔جب ملازمت ختم ہو جائے تو یہ کل زر اصل و

عـــہ:ثلثه مسائل کانت منثورات فی جلد سابع۔ عبد المنان اعظمی	(یہ تین مسائل ساتویں جلد میں متفرق تھے۔ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۱
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱۱

سود بجائے پنشن کے ملازم کو دیا جائے گا۔ آیا اس رقم کا لینا ملازم کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ملازمت جائزہ کی تنخواہ ماہ بماہ خواہ اس کا کوئی جز جمع ہو کر بعد ختم ملازمت دیا جائے، ہر طرح وہ اس ملازم کی ملک ہے، اور جو تنخواہ گورنمنٹ سے مقرر ہوا س کا (۳۲/۱) کہ حسب قرار داد معروف و معہود ریاست متعلقہ کے ذمہ ہوتا اور ملازم کے لئے جمع کیا جاتا ہے۔ وہ بھی حقیقۃً اسی تنخواہ کا جز ہے۔ (عہ/) کا ملازم واقع میں برائے قاعدہ مقررہ (عہ/۱۰) ماہوار کا ملازم ہے جسے (عہ/) گورنمنٹ اور (۱۰/) ریاست سے ملیں گے اگرچہ ماہ بماہ سہ (عہ ۱۲/) پائے گا، اور (۲عہ/) گورنمنٹ کا اور (۱۰/) ریاست کا جملہ (۴ اعہ/) تنخواہ معینہ سے جمع ہوتے رہیں گے، شرعاً اگرچہ یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے کہ ایک جز واجرت ایک مدت مجہولہ کے لئے مؤجل کیا گیا، کیا معلوم کہ ختم ملازمت کب ہو، اور اجل مجہول سے مؤجل کرنا مفسد بیع واجارہ ہے جس کے سبب عقد فاسد وگناہ ہو جاتا ہے۔ اختیار شرح مختار وخزانۃ المفتین میں ہے:

کل جھالۃ تفسد البیع تفسد الاجارۃ[1]	ہر وہ جہالت جو بیع کو فاسد کرتی ہے اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے۔ (ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

جل جھالۃ تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارۃ[2]	جو جہالت بیع میں مؤثر ہے وہ اجارہ میں بھی مؤثر ہے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

کل ما افسد البیع یفسدھا[3]۔	جو بیع کو فاسد کرے وہ اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایصح البیع بثمن مؤجل الی الحصاد للزرع والدیاس للحب والقطاف للعنب،	وہ بیع جس کے ثمن کے لئے فصل کی کٹائی یا گہائی یا انگور کی اترائی کو میعاد بنایا گیا ہو صحیح نہیں کیونکہ

[1] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ قلمی نسخہ ۲/ ۱۶۵

[2] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۳

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

لانھا تتقدم وتتاخر[1] (ملخصا)۔	یہ امور آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں۔(ملخصا) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الزاھدی باعہ بثمن نصفہ نقد ونصفہ اذا رجع من بلد کذا فھو فاسد[2]۔	زاہدی میں ہے کسی چیز کو یوں فروخت کرنا کہ اس کی نصف قیمت نقد اور نصف فلاں شہر سے واپسی پر دوں گا تو وہ فاسد ہوگی۔(ت)

مگر اجارہ فاسدہ میں بھی بعد استیفائے منفعت اُجرت، کہ یہاں وہی اجر مثل ہے، واجب ہوجاتی ہے۔اور وہ اجیر کی ملک ہے۔

درمختار میں ہے:

حکم الفاسد وجوب اجر المثل بالاستعمال[3]۔	فاسد اجارہ کا حکم یہ ہے کہ استعمال کرلینے پر مثل اجرت واجب ہوتی ہے۔(ت)

بلکہ منیہ وقنیہ وجامع الرموز ومحیط غرر الافکار وغیرہا کی رو سے اس ملک میں خبیث بھی نہیں ہوتا۔اجیر کے لئے طیب ہوتی ہے اگرچہ اصل عقد گناہ وفاسد تھا۔ردالمحتار میں ہے:

الاجر یطیب وان کان السبب حراما کذا فی المنیۃ قھستانی[4] اھ الخ ونقل منہ مثلہ السید الحموی فی غمز العیون عن القنیۃ ثم عقبہ بقولہ لم یذکر وجھہ فلینظر[5] اھ وذکر الشامی عن منح الغفار الاشمس الائمۃ الحلوائی قال تطیب الاجرۃ فی الاجارۃ الفاسدۃ اذا کان اجر المثل وذکر فی المسئلۃ قولین احدھما اصح فراجع نسخۃ صحیحۃ[6] اھ۔	اجرت حلال ہے اگرچہ سبب حرام ہو، جیسا کہ منیہ میں ہے، قہستانی الخ،اور سید حموی نے غمز العیون میں قنیہ سے اس کی مثل نقل کیا ہے،اور پھر اس کے بعد ذکر کیا کہ انھوں نے اس کی وجہ ذکر نہ کی تو غور کرنا چاہئے اھ،علامہ شامی نے منح الغفار سے نقل کیا ہے کہ شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا ہے کہ اجارہ فاسدہ میں اجرت حلال ہے جب وہ مثلی اجرت کے برابر ہوں اور انھوں نے مسئلہ میں دو قول ذکر کئے اور دونوں میں ایک اصح ہے تو صحیح نسخہ کی مراجعت چاہئے۔اھ (ت)

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث لعربی بیروت ۴/ ۱۱۹

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

[5] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۱

[6] ردالمحتار کتاب لاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

بہر حال اس میں شک نہیں کہ یہ رقم اصل جو گورنمنٹ وریاست سے لے کر بنک میں بنام ملازم جمع ہوتی ملک ملازم ہے۔ وہی وہ زیادت کہ ڈاکخانہ بنام سود دیتا ہے اسے بہ نیت سود لینا ہر گز جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

اور خود یہ نیت نہ کرے بلکہ مال گورنمنٹ سے برضائے گورنمنٹ ایک رقم جائز بحال استحقاق خود اپنے لئے ورنہ اپنے بھائیوں فقراء ومساکین ودیگر اہل استحقاق کے لئے بیت المال سے لینا سمجھے تو حرج نہیں، اگرچہ دینے والے اسے کسی لفظ سے تعبیر کریں یا اپنے نزدیک کچھ سمجھیں۔

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [2] وقد فصلنا القول فی ھذا المرام فی فتاوٰینا بما لامزید علیہ۔	اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت پر ملے گی، اور ہم نے اس مقصد میں تفصیلی قول اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ جس پر زائد کی گنجائش نہیں۔ (ت)

اصل یہ ہے کہ بیت المال اسلامی ہو خواہ اسلامی نہ ہو، جب انتظامات شرعیہ کا اتباع نہ کرے تو اہل استحقاق مثلا طلبہ علم دین وعلمائے دین کہ اپنا وقت خدمات دینیہ مثلا درس وتدریس ووعظ وافتاد تصنیف میں صرف کررہے ہوں اگرچہ لکھو کھا روپے کے، مالک اغنیا کثیر المال ہوں اور بیوہ، یتیم، لنجے، اندھے، فقراء، مساکین، جو کچھ اس میں سے برضائے سلطنت بے عذر وفتنہ وارتکاب جرائم پائیں ان کے لئے جائز ہے، اگرچہ دینے والا کسی دوسری وجہ ناجائز کے نام سے دے۔

فانھم انمایأخذون وینوون ماھولھم فلا باس علیھم ممانوی غیرہم	کیونکہ وہ لوگ لیتے ہیں اور اپنی نیت پر فائدہ پاتے ہیں تو غیر کی نیت کا ان پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

من لہ حظ فی بیت المال وظفر بما ھو موجہ لہ لہ اخذہ دیانۃ، وللمودع	جس کا بیت المال میں جتنا حق ہے اس کے مطابق خود لے لینے میں دیانۃ جائز ہے۔ اور جس کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

صرف ودیعة مات ربھا ولاوارث لنفسه اوغیرہ من المصارف[1]۔	پاس امانت ہے اگر امانت رکھنے والا فوت ہو جائے تو اور اس کا کوئی وارث نہ مصرف ہے تو امانتدار کہ صرف کرنا جائز ہے۔(ت)

وجیز کردری وغیرہ میں ہے:

فاذا کان من اہله صرفه الی نفسه وان لم یکن من المصارف صرفه الی المصرف[2]۔	جب امانتدار خود صرف کا اہل ہے یعنی مصرف ہے تو خود صرف کرسکتاہے اگر خود مصرف نہ ہو تو مصرف صرف کرے۔ (ت)

اسی طرح تنویر الابصار مسائل شتی وغیرہ کتب کثیرہ میں ہے۔اور جب لینے والے کا دینے والے پر کوئی مطالبہ شرعیہ آتا ہو کہ وجہ صحیح کے نام سے نہ مل سکتا جب تو یہ مسئلہ غایت توسیع پاتا ہے۔جس میں گورنمنٹ وغیر گورنمنٹ ومسلمان وغیر مسلمان کسی کا فرق نہیں رہتا۔مثلاً زید نے عمرو کے سو روپے چرالئے،عمرو کے پاس ثبوت قانونی نہیں،اپنا مال یوں لینے عاجز ہے تو جائز ہے کہ سو روپے تک عمرو سے کسی وجہ جائز قانون کے نام سے وصول کرلے،اگرچہ شرعاً وہ نام ناجائز ہو،درمختار میں ہے:

لو امتنع والمدیون مدیدہ واخذھا لکونه ظفر بجنس حقه[3] اھ،والتفصیل الجمیل فی فتاوٰنا بتوفیق اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔	جب قرضدار قرض کی ادائیگی نہ کرے تو قرض خواہ اپنے حق کی جنس پر قبضہ میں کامیاب ہوجائے تو لے سکتاہے اھ،اور بہترین تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۷: ازاروہ بنگلہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

بھنگ اور افیون کا گورنمنٹ سے ٹھیکہ لے کر دکان کرے تو بھنگ لینا اور دکانداری کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

بھنگ اور افیون بقدر نشہ کھانا پینا حرام ہے۔اور خارجی استعمال نیز کسی دوا میں قدر قلیل جزو ہو کہ روز کے قدر شربت میں قابل تفتیر نہ ہو،اندرونی بھی جائز،تو وہ معصیت کے لئے متعین نہیں،تو ان کی بیع حرام نہیں،مگر اس کے ہاتھ کہ معصیت کے لئے اسے خریدے،لیکن اکثر وہی

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی الھندیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۹

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

ہیں تو ان کی تجارت میں احتیاط سخت دشوار اور اسلم احتراز، اور ٹھیکہ یہاں غالبا بایں معنٰی ہے کہ گورنمنٹ سے ان کو اجازت دی جاتی ہے، دوسرا نہیں بیچ سکتا، یہ ایک قانونی بات ہے جس کا ان پر الزام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۱۸: از شہر ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ بر مکان جمعدار سمندر خان مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۳ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر مسجد کے احاطہ میں کوئی درخت پھولوں کا ہو اور وہ ٹھیکہ کسی ہندو کو دیا جائے اور وہ پھول بُتوں پر چڑھائے جائیں، اور اس کا پیسہ عمارت مسجد میں لگانا، روشنی وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

ٹھیکہ دینا حرام ہے اور اس کا روپیہ حرام، پھر بتوں پر چڑھانے کے نیت سے ہو تو اور سخت، اور اگر یہ نہیں بلکہ ہندو کا مال اس کی رضا سے ایک نام عقد کے حیلہ سے حاصل کرنا ہو، اور ان پھولوں کے توڑنے کے لئے کافر کا مسجد میں آنا جانا نہ ہو تو حرج نہیں، اور وہ روپیہ مسجد میں لگا سکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۹ عـــہ**:** مسئولہ محمد محمود از قصبہ باندہ ضلع شاسٹی متصل بمبئی ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ کوئی شخص مقرر کرکے بطور اجرت کے وعظ کرے اور وعظ گوئی کو پیشہ اور سلسلہ معاش جان کر بسر اوقات کرنی اختیار کرے، جائز ہے یا ناجائز؟ تفسیر رؤفی والے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں ناجائز اور قریب حرام کے فرماتے ہیں (آیہ کریمہ): "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ٘"[1] (اور میری آیات کے بدلے حقیر مال نہ لو۔ت) **فقط**۔

الجواب:

اصل حکم یہ ہے کہ وعظ پر اجرت لینی حرام ہے۔ درمختار میں اسے یہود و نصارٰی کی ضلالتوں میں سے گنا[2] مگر **کم من احکام یختلف باختلاف الزمان، کمافی العلمگیریہ**[3]۔

عـــہ: **مسئلتان من مجلدات سوٰی ماذکرت** ۱۲ عبدالمنان اعظمی (یہ دو۲ مسئلے مختلف جلدوں میں تھے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

[2] درمختار الحظروالاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[3] ردالمحتار الحظروالاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۷

(بہت سے احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔ت) کلیہ غیر مخصوصہ کہ طاعات پر اُجرت لینا ناجائز ہے ائمہ نے حالات زمانہ دیکھ کر اس میں سے چند چیزیں بضرورت مستثنٰی کیں: امامت، اذان، تعلیم قرآن مجید، تعلیم فقہ، کہ اب مسلمانوں میں یہ اعمال بلانکیر معاوضہ کے ساتھ جاری ہیں، مجمع البحرین وغیرہ میں ان کا پانچواں وعظ گنا و بس، فقیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں، میں چند چیزوں پر فتوٰی دیتا تھا، اب ان سے رجوع کی، ازانجملہ میں فتوٰی دیتا تھا کہ عالم کو جائز نہیں کہ دیہات میں دورہ کرے اور وعظ کے عوض تحصیل کرے مگر اب اجازت دیتا ہوں، لہٰذا یہ ایسی بات نہیں جس پر نکیر لازم ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۰الف: مسئولہ مولوی عبدالرحیم بخش صاحب مدرس مدرسہ فیض الغرباء ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ فیض الغرباء آرہ شاہ آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچہری کی ججی، سب ججی، منصفی، رجسٹراری کی نوکری شرعاً جائز بلاکراہت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس نوکری میں خلاف ماانزل اللہ حکم کرنا پڑتا ہو ہرگز جائز نہیں، اگرچہ سلطنت اسلام کی ہو، ائمہ دین نے تیسری صدی کے آخر میں اپنے زمانہ کے سلاطین اسلام کی نسبت فرمایا: **من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر** (جس نے ہمارے زمانہ کے حاکم کو عادل کہا وہ کافر ہے۔ت) ان قضاۃ کی نسبت قرآن عظیم میں تین الفاظ ارشاد ہوئے "**الظّٰلِمُوْنَ﴿۴۵﴾**"[1]، "**الْفٰسِقُوْنَ﴿۴۷﴾**"[2]، "**الْکٰفِرُوْنَ﴿۴۴﴾**"[3]، جب قاضیاں اسلام سلطنت کی نسبت یہ احکام ہیں تو سلطنت غیر اسلامیہ کے حکام تو مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ مطابق قانون فیصلہ کریں، رہی رجسٹراری، اس میں اگرچہ حکم نہیں، مگر وہ دستاویزوں پر شہادت ہے اور انھیں رجسٹر پر چڑھانا، اور ان میں بہت دستاویزیں سود کی بھی ہوتی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۵
[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۷
[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور اس پر گواہی کرنے والوں پر، اور فرمایا سب برابر ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

اجود القرٰی لطالب الصحۃ فی اجارۃ القرٰی ۱۳۰۲ھ

(دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کے لئے بہترین مہمانی)

مسئلہ ۲۲۰(ب): از بدایون ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ ٹھیکہ دیہات کا جو فی زمانناشائع وذائع ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ زمین تو مزارعین کے اجارہ میں بدستور ہے، اور توفیر مستاجر کو ٹھیکہ میں دے دی گئی کہ اس قدر توفیر کاگاؤں اتنے میں ٹھیکہ دیا، بحساب اقساط اس قدر بلاعذر کمی وصول وغیرہ ادا کرو، پھر اگر ٹھیکہ دار نے رقم معین سے کسی قدر اگرچہ ایک پیسہ ہو، یاہزار روپیہ زائد وصول پایا وہ اس کا حق سمجھا جاتا ہے اور وصول میں کمی رہے تو اس مقدار کا اپنے گھر سے پورا کرنا پڑتا ہے۔ یہ طریقہ شرعاجائز ہے یا نہیں؟ اور برتقدیر بیشی مستاجر کہ قدر زائد اور درصورت کمی مؤجر کو مقدار باقی لیناحلال ہے یا نہیں؟ اور اگر اسے ناجائز کہاجائے تو کیافرق ہے کہ مزارعین کو زمین ٹھیکہ پر دینا جائز ہے۔ اور یہ

صورت ناجائز۔ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

یہ ٹھیکہ شرعاً محض باطل وناجائز ہے ہرگز ہرگز کوئی صورت اس کے جواز وحلت کی نہیں، نہ یہ معاہدہ کسی قسم کا اثر پیدا کرسکے، نہ عاقدین پر اس کی پابندی ضرور، بلکہ فی الفور اس کا ازالہ واجب، نہ مقدار وصول میں ٹھیکہ دار کا کچھ حق، نہ گاؤں سے اس کو کسی قسم کا تعلق۔ اس پر فرض ہے کہ جس جس قدر منافع خالص وصول ہو کوڑی کوڑی مالک کو ادا کرے، خواہ وہ رقم معین سے زائد ہو یا کم، اگر ایک پیسہ اس میں سے رکھ لے گا اس کے لئے حرام ہوگا، نہ مالک کا مقدار وصول سے زیادہ میں کچھ استحقاق، مثلاً ہزار کو ٹھیکہ دیا نو سو وصول ہوئے، تو اسی قدر مالک کے لئے حلال ہیں نو سو روپے سے کوڑی زائد لے گا تو اس کے لئے حرام محض ہے۔ اور گیارہ سو کی نشست ہوئی تو یہ پورے گیارہ سو خاص مالک کے ہیں ٹھیکہ دار[عہ] کا ان میں ایک حبہ نہیں یہاں تک کہ اگر ٹھیکہ دار توفیر سے دست بردار ہو کر یہ چاہے کہ حق محنت میں کچھ اجرت ہی پاؤں، تو اس کا بھی مطلق استحقاق نہیں۔

لانه انما عمل لنفسه والباطل شرعا لاینقلب صحیحا بالتراضی فیجب علیهما التخلی عنه ازالة للمنکر وقد اوجبوا التفاسخ فی العقود الفاسدة تاثما فماظنك بالباطلات۔	کیونکہ اس نے اپنے لئے کام کیا ہے اور شرعاً باطل چیز باہمی رضامندی سے صحیح نہیں بن سکتی تو دونوں پر اس سے علیحدگی ضروری ہے تاکہ گناہ کا ازالہ ہوسکے جبکہ فقہاء کرام نے فاسد عقود میں فسخ کرنا لازم قرار دیا ہے تو باطل عقود میں تیرا کیا خیال ہے۔ (ت)

جن لوگوں کے پاس کسی حقیت دیہی کا چند سال تک ٹھیکہ رہا ہو ان پر فرض ہے کہ تمام برسوں کی واصلباقی بلحاظ تحصیل خام لگا کر ایک دوسرے کے مواخذہ سے پاک ہوجائیں مثلاً زید نے عمرو کو اپنا گاؤں بعوض ایک ہزار روپے کے تین برس تک ٹھیکہ دیا اور تین ہزار روپے وصول پائے اب دیکھا جائے کہ عمرو کو ان برسوں میں کیا وصول ہوا تھا، اگر ہر سال مثلاً بارہ سو روپے پائے تھے تو اس پر چھ سو روپے زید کے واجب الادا تھے اور ہر سال آٹھ سو روپے ملے تھے تو چھ سو اس کے زید پر رہے، اور ایک سال ہزار پائے تھے، دوسرے سال آٹھ سو۔ تیسرے سال بارہ سو۔ تو دونوں بے باق ہیں، افسوس کہ عام بندے یہاں تک کہ علماء اسی مسئلہ سے سخت غافل ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ

عــــہ: فی الاصل "کٹکنہ دار" لعله زلة من الناسخ ۱۲۔

العلی العظیم۔

اصل کلّی یہ ہے کہ جس طرح عقد بیع اعیان پر وارد ہوتا ہے یونہی اجارہ ایک عقد ہے کہ خالص منافع پر ورود پاتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ ذات شیئ بدستور ملک مالک پر باقی رہے اور مستاجر اس سے نفع حاصل کرے۔ جو اجارہ خاص کسی عین وذات کے استہلاک پر وارد ہو، محض باطل ہے اَللّٰھُمَّ اِلاَّ مَا اسْتَثْنَاہُ الشَّرْعُ کَاِجَارَۃِ الظِّئْرِ لِلْاِرْضَاعِ (ہاں مگر وہ جس کو شرع نے مستثنٰی کردیا ہے جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ۔ ت) وغیر ذلک، اسی لئے اگر باغ کو بغرض سکونت اجارہ میں لیا جائز، اور پھل کھانے کے لئے ناجائز، کہ سکونت منفعت اور ثمر عین گائے کو لادنے کے لئے اجارہ میں لیا جائز، دودھ پینے کو ناجائز، کہ لادنا منفعت ہے اور دودھ عین حوض سنگھاڑے رکھنے کے لئے اجارہ میں لیا جائز، مچھلیاں پکڑنے کو ناجائز، کہ سنگھاڑے بونا منفعت ہے، مچھلیاں عین۔

فی ردالمحتار عن البزازیۃ الاجارۃ اذا وقعت علی العین لاتصح فلا یجوز استیجار الاٰجام والحیاض لصید السمك اورفع القصب وقطع الحطب اولسقی ارضھا اولغنمہ منھا وکذا اجارۃ المرعی، والحیلۃ فی الکل ان یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیۃ، و یبیح الماء والمرعی [1] الخ، وفی الفتاوٰی الخیریۃ لنفع البریۃ قد صرحوا بان عقد الاجارۃ علی اتلاف الاعیان مقصودا کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا، لا ینعقد و کذٰلك لو استاجر بستانا لیاکل ثمرتہ، [2] و المسئلۃ مصرح بھا فی منح الغفار وکثیر من	ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے کہ جب اجارہ عین کی ہلاکت پر ہو تو صحیح نہ ہوگا، جیسے پودوں کے ذخیرے اور حوض مچھلی پکڑنے اور ناڑ کاٹنے اور لکڑی کاٹنے یا ان زمینوں کو سیراب یا جانوروں کو پلانے کے لئے اور یونہی چراگاہ اجارہ پر لینا اور ان سب امور کے لئے حیلہ یہ ہے کہ وہاں کوئی معین جگہ جانور رکھنے کے لئے کرایہ پر حاصل کرے، اور پانی اور چارہ کو مالک مباح کردے الخ، اور فتاوٰی خیریہ لنفع البیریہ میں ہے کہ فقہاء کرام پر اجارہ منعقد نہ ہوگا، جیسے گائے دودھ کے لئے اور باغ کو اس کا پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لینا جبکہ یہ مسئلہ

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۹

الکتاب۔	منح الغفار اور بہت سی کتب میں تصریح شدہ ہے۔(ت)

اب اسی اجارہ کو دیکھئے تو یہ ہر گز کسی منفعت پر وارد نہ ہوا کہ زمیں بغرض زراعت تو مزارعین کے ٹھیکہ میں ہے۔ بلکہ خاص توفیر یعنی زر حاصل یا بٹائی کا غلہ اجارہ میں دیا گیا اور اسی کا استہلاک مفاد عقد ہوا، **اذمن المعلوم ان الحبوب والنقود ولاینتفع بھا الا باتلافھا** (اور ظاہر ہے دانے اور نقد زر سے ان کی ہلاکت کے بغیر نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ت) اور پر ظاہر کہ زر و طعام اعیان سے ہیں نہ منافع سے اگرچہ محاورہ ہندیان میں تمام حاصلات دیہی کو بلفظ منافع تعبیر کیا جاتا ہے۔ عین اشیائے قائمہ بالذات کو کہتے ہیں، اور منفعت معانی حاصلہ فی الغیر عین امور محسوسہ کی جنس سے ہے اور مفنت معنی معقول عین کہ چند زمانے تک بقا ہے۔ اور منفعت ہر آن متجدد۔

فی ردالمحتار المنفعة عرض لاتبقی زمانین[1]۔	ردالمحتار میں ہے نفع ایک عرض چیز ہے جس کا وجود دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا۔(ت)

اب **نفس جزئیہ کی تصریح کلمات** علمائے کرام سے لیجئے، امام خیر الملۃ والدین رملی استاذ فاضل مدقق صاحب در مختار رحمہ اللہ تعالٰی علیہما فتاوٰی خیریہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان کانت الاجارة وقعت علی اتلاف العین قصدا فھی باطلة کما صرحت بہ علماؤنا قاطبة، وصار کمن استاجر بقرة لیشرب لبنھا لاتنعقد فاذا استاجر زید القری و المزارع والحوانیت لا جل تناول خراج المقاسمة او خراج الوظیفة او ما یجب علی المتقبلین من اجرة الحوانیت اولا جل تناول ثمرة الاشجار من بساتین القرٰی وحصة الوقف من الزرع الخارج فالاجارة باطلة باجماع علمائنا لافرق	اگر اجارہ عین چیز کے اتلاف پر مقصود ہو تو باطل ہوگا جیسا کہ تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ اور جیسے گائے کہ دودھ کے لئے اجارہ پر ہوجائے گا جو منعقد نہ ہوگا تو جب زید نے دیہات زمین اور دکانیں اجارہ پر حاصل کیں تاکہ حصہ کی آمدنی یا مقررہ کرایہ وصول کرے یا دکانوں کا کرایہ حاصل کرے یا دیہاتوں کے باغات کے پھل کھائے یا اوقاف کی زمینوں کا فصلانہ وصول کرنے کے لئے اجارہ پر لے تو اجارہ باجماع علماء باطل ہے اس میں زید و بکر کا

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳

بین زید وبکر فی ذٰلك لانها باطلة والحال هذه والباطل یجب اعدامه لاتقریره فترفع ید زیدو عمرو عن القوی والمزارع زید وعمرو عن القری و المزارع والحوانیت [1]۔	کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ باطل ہے جب یہ صورت ہے تو اس باطل کا ازالہ ضروری ہے۔نہ کہ اس کو بحال رکھنا جائز توزید عمروکاقبضہ ان سے ختم کرناضروری ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

سئل فی الالتزام والمقاطعة علی مایتحصل من قریة الوقف من خراج مقاسمة وغیر ذٰلك بمال معلوم من احدالنقدین یدفعه الملتزم ویکون له مایتحصل منها قلیلا کان اوکثیراهل یجوز ام لا،اجاب،الواقع علیه فی المقاطعة المشروحة اعیان لامنانفع فهی باطلة المشروحة اعیان لامنافع فهی باطلة بالاجماع، و اذا وقعت باطلةکانت کالعدم [2]الخ ملخصا۔	آپ سے سوال ہوا کہ وقف گاؤں کے حصہ کی وصول کاٹھیکہ وغیرہ مقررہ مال کے بدلے حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں ٹھیکہ قلیل ماہو یا کثیر ہو،توجواب دیا کہ یہ ٹھیکہ عین اشیاء پر ہے منافع پر نہیں لہٰذا یہ بالاجماع باطل ہے تو جب باطل ہے تو کالعدم ہے۔الخ ملخصًا(ت)

اسی میں ہے:

سئل ایضا فی تیماری اُجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم هل تصح ام لا،اجاب لا تصح وعلی کل وحد منهاردماتناوله [3]الخ۔	کھجور کے باغ والے نے حاصل ہونے والے پھل کا مقررہ نقد پر دوسرے کو ٹھیکہ دیا کیا یہ صحیح ہے یانہیں؟انھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور فریقین پر لازم ہے کہ جوکچھ دیاہے واپس کریں۔الخ۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارة دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۲۶

[2] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارة دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۲۷

[3] فتاوٰی خیریه کتاب الاجارة دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۲۸

المقرر فی کلام مشائخنا باجمعھم ان الاجارۃ تملیك نفع بعوض وانھا اذا وقعت علی استھلاك الاعیان فھی باطلۃ ومما صرحوا بہ ان من استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا اوکرما لیاکل ثمرتہ فھو باطل ومما یقطع الشغب قولھم "جعل العین منفعۃ غیر متصور "فاذا علم ان الاجارۃ اذا وقعت علی استھلاك الاعیان قصدا وقعت باطلۃ فعقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخراج بنوعیہ اعنی الخراج الموظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا واذا قلنا ببطلانہ لزوم المستاجران یرد جمیع ماتناول من المزاعین من غلال ونقود وغیر ذٰلك[1]۔	ہمارے تمام مشائخ کے کلام میں ہے کہ اجارہ منافع کا عوض کے بدلے مالک بننے کا نام ہے اور اگر یہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر منعقد ہو تو باطل ہوگا، اور ان کی تصریحات میں ہے کہ جو شخص گائے کو دودھ پینے کے لئے یا انگور کا درخت پھل کھانے کئے لئے اجارہ پر لے تو یہ باطل ہے۔ اور اس عمل کے غلط ہونے پر ان کا یہ قول قطعی ہے کہ عین چیز کو اجارہ قصدا عین چیز کو ہلاک کرنے پر واقع ہوا ہے تو باطل ہوگا تو اجارہ مذکورہ جب زمین سے انتفاع پر نہیں بلکہ زمین سے حاصل آمدن کو وصول کرنے پر دو طرح سے ہے یعنی مقررہ حصہ کی وصولی اور درختوں کے پھل کی وصولی کے عوض مقررہ دراہم، تو یہ ہمارے ائمہ کے اجماع کے مطابق باطل ہے او باطل چیز کا ہمارے علماء کے اتفاق کے مطابق کوئی حکم نہیں ہے اور جب ہم نے باطل کہہ دیا تو مستاجر پر لازم ہے کہ اس نے جو کچھ مزارعین سے غلہ یا نقد وصول کیا واپس کرے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اعلم ان الاجارۃ اذ اوقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلہ فلایملك المستاجر ماوجد من تلك الاعیان بل ھی	معلوم ہونا چاہئے کہ کہ جب اجارہ قصدا عین چیز کو تلف کرنے پر ہو تو وہ باطل ہوگا مستاجر جو کچھ بھی ان اعیان چیزوں میں سے حاصل کرے وہ اس کا مالک

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۶۔۱۳۵

علی ماکانت علیه قبل الاجارۃ فتؤخذ من یدہ اذا تناولها ویضمنها بالاستهلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیه التصرف فیها لعدم مبلکه وذٰلك کاستئجار بقرۃ لیشرب لبنها اوبستان لیأکل ثمرته ومثله استئجار مافی یدالمزاعین لاکل خراجه الذی یحصل بالمقاسدۃ فانه عین وقع علیها الاستیجار قصدا ومثله باطل کماعلمت [1]۔	نہ بنے گا یہ اجارہ سے قبل کی حالت پر ہوں گی لہٰذا مستاجر کے قبضہ سے واپس لی جائیں گی اور اگر وہ ان کو ہلا کر کرچکا ہو تو ان کا ضمان اس سے وصول کیا جائیگا کیونکہ کسی چیز میں باطل موثر نہیں ہوتا اس لئے اس پر ان میں تصرف حرام ہوگا کیونکہ وہ ان کا مالک نہیں ہے اور یہ گائے کے دودھ یا باغ کو پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لینے کی طرح ہوگا اور اسی کی مثل مزارعین سے مقررہ حصہ کی وصولی کا مالک بننے کے لئے ٹھیکہ لینا ہے کیونکہ یہ بھی عین چیز پر قصدا اجارہ ہے اور ایسی صورت باطل ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ المذکورۃ باطلة غیر منعقدۃ لماصرحرح به علماؤنا قاطبة من ان الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولا تفید شیئا من احکام الاجارۃ فاذا علم ذٰلك فلیس للمستاجر ان یتناول شیئامن الغلال اھ [2]۔	مذکورہ اجارہ باطل ہے اور غیر منعقد ہے جیسا کہ تمام علماء تصریح کرچکے ہیں کہ جب اجارہ قصدا عین چیز کو تلف کرنے کے لئے ہو تو وہ منعقد نہیں ہوتا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو مستاجر کو حق نہیں کہ وہ کوئی آمدن وصول کرے اھ (ت)

ردالمحتار علی درمختار میں ہے:

امامایفعلونه فی ھذا الازمان حیث یضمنها من له ولایتهالرجل	لیکن وہ عمل جو اس زمانہ میں کیا جارہا ہے کہ کارمختار کسی مقررہ معاوضہ پر زمینوں کے حصہ

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] فتاوٰی خیریه کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۷

بمال معلوم لیکون له خراج مقاسمتها ونحوه فهو باطل،اذ لایصح اجارة لوقوعه علی اتلاف الاعیان قصدا و لابیعا لانه معدوم [1] اھ،**قلت** وھکذا افصح به الفاضل المحقق مولٰنا امین الملة والدین محمد بن عابدین الشامی الدین رحمه الله تعالٰی صاحب ردالمحتار علی ردالمختار فی کتابه النفیس الجلیل الحری بان یکتب علی الحناجر ولو بالخناجر المسمی"بالعقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة" وغیرہ فی غیرہ والعبد الضعیف الاٰن فی قریة بعیدة عن وطنی لیس عندی ھٰھنا من الکتب الفقهیة الارد المحتار و الخیریة لو لاذٰلك لاثبت بتصریحات جلیلة اخری تفتح اعین الغافلین وفیما اوردنا کفایة للعاقدین والحمد لله رب العالمین۔	کی وصولی کو ٹھیکہ وغیرہ پر دے دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ درست نہیں اس لئے کہ یہ عین چیز کو فنا کرنے پر اجارہ اور بیع بھی نہیں کیونکہ وہ قابل وصول حصہ ابھی معدوم ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** اور یونہی فاضل محقق مولانا امین الملۃ والدین محمد بن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالٰی صاحب ردالمحتار حاشیۃ درمختار نے اپنی کتاب جو کہ نفیس جلیل اس قابل ہے کہ اس کو حلقوموں پر لکھاجائے اگرچہ خنجروں سے لکھا جاسکے جس کا نام "**العقود الدریة فی تنقیح الحامدیه**" ہے اور دیگر علماء نے دیگر کتب میں فرمایا اور یہ ناتواں بندہ اس وقت اپنے وطن سے دور ایک قریہ میں ہے میرے پاس سوائے ردالمحتار اور خیریہ کوئی بھی فقہ کی کتاب نہیں ہے اگر یہ عذرہ ہوتا تو میں ایسی مزید تصریحات جلیلہ کو بیان کرتا جو غافل حضرات کی آنکھوں کو کھول دیتیں اور جو کچھ میں نے ذکر کردیا ہے وہ عقل والوں کے لئے کافی ہے۔**والحمد لله رب العالمین**۔(ت)

ان نصوص صریحہ کے بعد بھی حکم میں کچھ خفا باقی ہے؟ اور یہیں ظاہر ہوگیا وہ فرق جس سے سائل سوال کرتا ہے کہ مزارعوں کو زمین بغرض زراعت دی جاتی ہے، وہاں اجارہ بونے جوتنے پر وارد ہوتا ہے کہ وہ منفعت ہے نہ کسی عین کے استہلاک پر فافترقا، اسی لئے امام خیر الدین نے ارشاد فرمایا:

عقد الاجارة المذکورة حیث لم یقع	مذکورہ عقد اجارہ زمین سے زراعت کے انتفاع وغیرہ

[1] ردالمحتار کتاب الاجارة مسائل شتی فی الاجارة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل اخذ المتحصل[1] الخ کما اسمعناك نصه۔	پر واقع نہیں بلکہ متحصل کی وصولی پر ہوتا ہے الخ جیسا کہ ہم نے ان کو نص آپ کو سنادی ہے۔ (ت)

معہذا کچھ فرق نہ سہی جب شرع مطہر سے اس کی حلت اور اس کی حرمت ثابت، پھر مجال مقال کیا ہے۔

"قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[2]، واللہ تعالٰی المسئول لاصلاح احوال الائمۃ المرحومۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	انھوں نے کہا کہ بیع بھی ربا کی طرح ہی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالٰی سے ہی امت مرحومہ کی اصلاح کے لئے سوال ہے۔ بھلائی کی طرف پھرنا اور نیکی کی قوت صرف اللہ بلند وعظیم سے ہے۔ (ت)

ہوا یہ کہ جن لوگوں نے کسی وجہ سے اپنے دیہات کا کام خود نہ کرنا چاہا اور دوسرے کو بطور کارپرداز ی بتقرر تنخواہ سپرد کرنے میں غبن کثیر ومحنت قلیل وبے پرواہی کارندگان کا احتمال قوی سمجھا۔

کما ھو مشاھد فی کثیر من ابناء الزمان الامن عصمه اللہ وقلیل ماھم۔	جیسا کہ بہت سے اہل زمانہ میں یہ مشاہدہ ہے۔ ہاں اللہ تعالٰی جس کو محفوظ فرمائے، اور وہ تو قلیل لوگ ہیں۔ (ت)

بخلاف اس صورت کے جب ایک شخص کے ذمہ رقم محدود باندھ دی جائے اور یہ قرار پائے کہ جہاں سے جانے اسے پورا کرے۔ یہاں تک کہ اس پر ضمانتیں یا ایک سال کی توفیر پیشگی لی جاتی ہے تو احتمال غبن کے تو کچھ معنی ہی نہ رہے۔ کوشش دلسوزی اول تو کیونکر نہ کرے گا، اور نہ بھی کرے تو اپنا کیا نقصان اس قسم کی باتیں ذہن میں جما کر یہ عقد باطل عاطل ایجاد کیا حالانکہ ان کی نادانی کا نتیجہ تھا، کاش! اگر حضرات علماء لاخلاء الکون عنھم وکثر اللہ فی بلادہ امثالھم (کائنات ان سے خالی نہیں ہے اللہ تعالٰی نے ان جیسوں کی کثرت اپنے تمام بلاد میں فرمائے ہیں۔ت) کی طرف رجوع لائے تو ایسی صورت نکلنا ممکن تھی جس میں ان کا اطمینان بھی رہتا، ٹھیک دار کے سر رقم معین ہو جاتی غبن وغیرہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کے خدشوں سے نجات ہاتھ آئی، اور مؤجر و مستاجر دونوں اکل حلال کھاتے نافرمانی ملک جبار سے امان پاتے ہیں مگر کم ہیں وہ پاک مبارک بندے جنھیں اپنے دین کا اہتمام ہے، الٰہی ! اس اذل وارذل کو اپنے ان محبوبوں کا خاکپا بنا اور امت مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اصلاح احوال فرما اٰمین بجاہ ھذا النبی الکریم علیہ وعلی الہ وافضل الصلوٰۃ والتسلیم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲۱: از شاہجہانپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ شیخ بشیر الدین صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید کا ایک موضع ہے جس میں قدیم الایام سے ایک بت خانہ اور اس کے چڑھاوہ میں قریب تین سو روپیہ سالانہ کے رقم آتی ہے۔ زید بوجہ قدامت کے بت خانہ کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کی پرستش کو بند کر سکتا ہے اصل رقم آمدنی موضع مذکور کی دو سو روپیہ سالانہ ہے، ایک ہندو ٹھیکہ دار موضع مذکور کا چار سو روپیہ پر لینا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اصلی آمدنی کی موضع مذکور کی صرف دو سو روپیہ سالانہ ہے۔ ٹھیکہ دار رقم چڑھاوہ کے خیال سے دو سو روپیہ اصل آمدنی پر بڑھاتا ہے مگر زید کوئی تفصیل آمدنی موضع اور آمدنی چڑھاوہ کی نہیں کرتا ہے بلکہ یہی کہتا ہے کہ میں ٹھیکہ موضع کا دیتا ہوں تو زید کا چار سو روپیہ سالانہ پر موضع مذکور کا ٹھیکہ دینا ہندو کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سرے سے دیہات کا یہ ٹھیکہ ہی جس طرح آج کل رائج ہے کہ زمین زراعت پر مزارعین کے پاس رہتی ہے اور ٹھیکہ دار توفیر کا ٹھیکہ لیتا ہے بالاتفاق حرام ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی تیماری اٰجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم ھل تصح امر لااجاب لاتصح، وعلی کل واحد منھما ردما تناولہ [1]۔	ان سے سوال کیا ہوا ایک نے اپنے کھجور کے باغ سے حاصل ہونے والے پھل کو دوسرے کو مقررہ رقم سے ٹھیکہ پر دیا۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں۔ اور فریقین پر لازم ہے کہ وہ لین دین واپس کریں۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۸

اسی میں ہے:

قد اتفقت علماؤنا علی ان الاجارۃ اذا وقعت علی تناول الاعیان او اتلافھا فھی باطلۃ فاذا علم ذٰلك علم الحکم فی اجارۃ القری لتناول الخراج مقاسمۃ کان او وظیفۃ وانہ باطل وقد افتیت بذٰلك مرارا وصورۃ ما رفع الی فی قریۃ اٰجرھا المتکلم علیھا الاٰخر لیناول ما یتحصل من خراجھا ورسوم انکحتھا وزکوٰۃ مواشیھا ھل یجوز فاجبت فانھا باطلۃ لاتجوز[1] الخ۔	ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ جب اجارہ عین چیز کو کھانے یا تلف کرنے پر ہو تو باطل ہوگا جب یہ معلوم ہوگیا تو اس سے دیہات کی آمدن یا وہاں سے حاصل ہونے والے حصہ کو ٹھیکہ پر دینے کا حکم معلوم ہوگیا کہ یہ باطل ہے۔اور اس پر متعدد بار فتوٰی دے چکا ہوں اور میرے پاس مسئلہ کی جو صورت پیش ہوئی وہ یہ تھی کہ ایک قریہ کے مختار نے وہاں سے حاصل ہونے والی آمدن وہاں ہونے والے نکاحوں کے مروجہ عطیات اور جانوروں کی زکوٰۃ کا ٹھیکہ دوسرے شخص کو مقررہ رقم پر دے دیا تو کیا یہ جائز ہے، تومیں نے جواب دیا کہ یہ ناجائز اور باطل ہے۔الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

امام مایفعلونہ فی ھذا الایمان حیث یضمنھا من لہ ولا یتھا الرجل بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتھا ونحوہ فھو باطل اذ لایصح اجارۃ لو قوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا الانہ معدوم کما بینہ فی الخیریۃ[2]۔	لیکن وہ عمل جو آج کل لوگ کرتے ہیں کہ تو قریہ سے حاصل ہونے والی آمدن کے حصے کو مختار کار شخص دوسرے کو ٹھیکہ پر دے دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ عین چیز کو تلف کرنے پر یہ قصدا اجارہ ہے بیع نہیں ہے کیونکہ محصولات ابھی معدوم ہیں جیسا کہ خیریہ میں اس کا بیان ہے۔(ت)

بلکہ جواز کی یہ صورت ہے کہ جس سے ٹھیکہ دے سال تمام پر خیال کرے کہ کتنے مزارعوں کا پٹہ ہنوز باقی ہے۔جس جس کا ہوان سے اجازت لے کہ اب ہم یہ سارا گاؤں یا اس کی فلاں پٹی یا فلاں فلاں معین نمبر تمام وکمال فلاں شخص کو زراعت کرنے کے لئے ٹھیکہ پر دیتے ہیں تم اجازت دے دو

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۹۔۱۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

(اور انھیں سمجھادے کہ یہ زمیں ہمیشہ تامیعاد پٹہ تمھارے ہی پاس رہے گی، ہم اپنے ایک مسئلہ شرعی کے لحاظ سے یہ امر کرتے ہیں) جب وہ اجازت دے دیں تو مستاجر سے کہے اس سارے گاؤں یا اس میں فلاں پٹی یا فلاں فلاں معین نمبر کی زمین اس قدر روپے سالانہ پر زراعت کے لئے ہم نے تیرے اجارہ میں دی کہ تجھے اختیار ہے جو چاہے بوئے قبول کرلے، اب اجارہ صحیح ہوگیا، اور جو روپیہ قرار پایا مالک کو لینا حلال ہوگیا خواہ مستاجر خود زراعت کرے یا دوسروں کو اٹھادے۔

غرض زبانی عقد یوں کرلیا جائے کہ شرع میں اسی کا اعتبار ہے، دستاویز میں اگر یوں لکھا جانا انگریزی طور پر کچھ خلل انداز ہو تو اختیار کہ تحریر ٹھیکہ اسی قاعدہ پر کرے کہ شرعاوہ تحریر خلاف تقریر کوئی چیز نہیں۔ خیریہ میں ہے:

اما اشتراط کونہ یصدر من لفظہ فی محکمۃ ویکتب فی حجۃ فی سجلات فلیس بلازم شرعا واللفظ بانفرادہ کاف شرعا والزیادۃ لایحتاج الیھا [1]۔	لیکن محکمہ میں آرڈر اور رجسٹروں میں اندراج شرعا کوئی شرط نہیں صرف لفظی عقد ہی کافی ہے اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ لا لما کتب الکاتب [2] اھ ملخصین،	تلفظ کا اعتبار ہے نہ کہ کاتب کے لکھے ہوئے کا اھ، دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔ (ت)

رہا یہ کہ مستاجر کو اس پر نفع لینا مثلا سو روپے سال پر ٹھیکہ لے، اب اپنی طرف سے ایک سو یا سوا سو پر اٹھادینا کسی حالت میں روا ہوگا۔ اس کی صورتیں جدا ہیں جن کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں کہ وہ صورت مستفسرہ میں کافر ہے اسے احکام شرعیہ کی کیا پرواہ، نہ ہمیں کوئی ضرورت کہ اس کے لئے اکل حلال کی تدبیر کریں،

"اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ" [3]۔	خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۴۰ـ۱۳۹

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

اس طور پر اصل اجارہ بھی جائز ہوگیا۔اور وہ مندر کا خدشہ بھی دفع ہوا کہ اس نے تو زمین زراعت کے لئے ٹھیکہ پر دی ہے۔آگے جو نافرمانیاں ناحفاظیاں ٹھیکہ دار کرے اس کے سر ہیں،اس سے کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ اجارہ دیہات کی تمام تحقیق فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اپنے رسالہ "**اجود القرٰی لطالب الصحۃ فی اجارۃ القرٰی**" میں ذکر کی جس کی ضرورت نہایت اشد کہ آج کل ایک زمانہ اس سے غافل،اور صحیح وجائز طریقہ ملتے ہوئے صرف جہالت کے سبب گناہ عظیم واکل حرام میں مبتلا،**نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۲۲۲: از شہر کہنہ نوادہ مرسلہ شیخ محمد حسین ولد حافظ اکرام اللہ ۱۳رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی حقیت زمینداری کا ٹھیکہ تین سال کے واسطے اس شرط سے دیتا ہے کہ آمدنی حقیت میں سے بعد ادائے مالگزاری سرکار بیس روپے سالانہ ٹھیکہ دار لیا کرے۔اور سو روپے سالانہ زید مالک زمینداری کو دیا کرے۔اور تین سال کا زر توفیر زید اپنے ٹھیکہ دار سے پیشگی لیتا ہے۔تو اس صورت میں ٹھیکہ دار کو بیس روپے سالانہ لینا شرعا جائز ہوگا یا نہیں؟اگر نہیں تو اس کے جواز کی کیا صورت شرعا ممکن ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت ناجائز وحرام ہے۔

کما حققناہ فی فتاوٰنا ونص علیہ فی الفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ والدر المختار وردالمحتار وغیرہا من الاسفار۔	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے اور فتاوٰی خیریہ،عقود الدریہ،درمختار اور ردالمحتار وغیرہ کتبھ میں اس پر نص ہے۔(ت)

ہاں جواز یوں ہوسکتا ہے کہ زید کو یہ شخص تین سو روپے بلا سود دست گرداں دے دے،اور زید اسے اپنی حقیت کی تحصیل تشخیص کے لئے بیس روپے سال پر اجیر مقرر کرے۔قرض دہندہ دیانت وامانت سے کام کرے،جو منافع خالص ہو اس سے بیس روپے سال اپنی اجرت تحصیل کے لئے اور باقی جس قدر بچے سو روپے ہوں خواہ کم خواہ زائد،وہ سب مالک کو پہنچائے یا اپنے قرض یا مجرالے یہاں تک کہ تین سو روپے ادا ہوجائیں،اس کے بعد جو بچے سب مالک کو دے پھر تحصیل پر اس کے اجیر ہونے کو چاہیں دونوں شخص باقی رکھیں یا فسخ کریں،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۳: از ریاست رامپور مرسلہ صاحبزادہ ابراہیم علی خان صاحب خلف صاحبزادہ عباس علی خاں صاحب ۳ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع کا ٹھیکہ بجمع (معمہ لالع عہ) ہندہ کو سات سال کے لئے دیا اور پٹہ میں چند شرائط کیں، ایک یہ کہ اگر کوئی قسط حسب تفصیل مندرج پٹہ ادا نہ ہوگی تو زید کو اختیار فسخ اجارہ وضبطی زر نقد امانت وضمانت کا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ گاؤں میں نکاسی آٹھ ہزار دو سو روپے کی ہے، کٹکنہ دار موضع میں جاکر اسامیاں سے تحقیق کرے اگر اس نکاسی میں کچھ کمی ثابت ہوگی تو کٹکنہ دار کو جمع سے مجرا دی جائے، بعدہ زید نے ہندہ کو بے دخل کرکے قبضہ اپنا کرلیا، ہندہ نے نالش کی، مدعا علیہ نے حسب شرط پٹہ بوجہ نادہندی ہندہ اختیار فسخ حاصل ہونے کا عذر کیا، حاکم نے بدیں بنا کہ شرط مجرائی کمی شرط نہیں وعدہ ہے اور عقد میں نہیں بعد عقد پٹے میں ہے، اور بلفظ شرط نہیں بلفظ (اور) ہے۔ اور شرط بھی ہو تو مطابق عرف مستاجران ہے، نیز ملائم عقد ہے کہ سرکار میں دستور ہے، اول رقبہ وتعداد قلبہ قائم کرکے تگد مہ آمدنی دیہہ کا نقشہ میں درج فرماتے ہیں، اسی نقشے کے اطمینان پر مخلوق ٹھیکہ لیتی ہے اگر رقبہ یا شمار قلبہ میں کمی ہوئی تو وقت استغاثہ مستاجر عذر اس کا مقبول ہوکر مستاجر کو زر جمع سے کمی مجرا دلائی جاتی ہے۔ اور قسط میں بدعہدی باعث فسخ اجارہ نہیں ہوسکتی، شرع میں قاعدہ کلیہ ہے کہ مضاف کرنا فسخ کا طرف کسی زمانے کے صحیح ہے۔ اور معلق کرنا عموما جائز نہیں یہ صورت تعلیق کی ہے۔ فیصلہ بحق مدعیہ کیا، دیگر علماء استفتاء ہوا، انھوں نے اس عقد کو بوجہ شرط فاسد کہ قسط نہ دینے سے ضمانت ضبط کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ اور جبکہ بحال کمی نکاسی مقدار کمی اجرت سے مجرا ہونی ٹھہری تو اجرت میں جہالت ہے۔ اجارہ فاسد قرار دیا، اب علماء دین کی خدمت میں معروض ہے کہ شرعاً اس صورت میں حکم محقق کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

انا للّٰه وانا الیه راجعون، الی اللّٰه المشتکی من قلة العلم وذلة العلماء ولاحول ولاقوة الا باللّٰه العلی رب الارض ورب السماء۔	ہم اللہ تعالٰی کے لئے اور اس کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور اللہ تعالٰی کے دربار میں ہی علم کی قلّت اور علماء کی غلطی کی شکایت ہے۔ نیکی کی طرف پھرنا اور اس کی قوت زمین و آسمان کے رب اللہ تعالٰی بلند وبالا سے ہے۔ (ت)

صورت مستفسرہ میں فیصلہ بحق مدعیہ ہونا سراسر ناجائز وواجب الرد ہے۔اور عقد مذکور شرعاً کوئی عقد ہی نہیں، ہر گز نہ اجارہ صحیحہ نہ فاسدہ بلکہ محض باطل ومستر د ہے۔اس وقت فریقین فتوی کے کلام و تحریرات فقیر کے پیش نظر ہیں، اگر ان کے مدارک کی طرف تنزل کیا جائے تو دونوں باوقعت فریق سے معارک فقہیہ میں بہت کچھ کہنا ہوگا۔ مگر فضول وبے اصل امر میں اضاعت وقت کی حاجت نہیں صحیح فاسد ہونے میں خود غور و بحث کا موقع تو اس وقت ہے شرعاوہ کوئی عقد بھی ہو، یہاں سوا ہوا کے عقد کا نام بھی نہیں محض باطل وبے حقیقت ہے۔تو سرے سے دعوی مدعیہ اصلا قابل سماعت نہیں بلکہ لائق التفات ہی نہیں، فیصلہ اس کے حق میں صادر ہونا کیا معنی۔

اصل یہ ہے کہ دیہات کا یہ ٹھیکہ جو آج کل ہندوستان کثیر الجہل والطغیان میں جاری ہے کہ زمین دیہیہ مزارعین کے اجارہ میں رہتی ہے اور توفیر ومحاصل کٹکنہ دار کے اجارہ میں دئے جاتے ہیں اور یہی صورت اس مسئلہ دائرہ میں واقع ہوئی (جس پر پٹے کے الفاظ کہ نکاسی اس قدر رہے۔کٹکنہ دار آسامیوں سے تحقیق کرلے۔اور تجویز حاکم کے الفاظ کہ سرکار میں دستور ہے۔اول رقبہ و تعداد قلبہ قائم کرکے الیٰ آخرہ دلیل روشن ہے محض ناجائز وباطل ہے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس صورت کے بطلان پر ہمارے علماء کا اجماع ہے۔اس کا فانی ومعدوم کردینا فرض ہے۔نہ کہ باقی رکھنا، کٹکنہ دار کا قبض فوراً اٹھادینا لازم ہے۔یہ عقد کالعدم ہے محض بے اثر ہے۔

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے اس مسئولہ کی تحقیق روشن اپنے فتاوٰی میں ذکر کی، یہاں چند نصوص علمائے کرام ذکر کروں کہ مولیٰ عزوجل چاہے تو تنبیہ غافلین وایقاظ نائمین وہدایت مسلمین ہوں۔

امام علامہ خیر الملۃ والدین رملی اپنے فتاوٰی "خیریہ لنفع البریہ" میں فرماتے ہیں:

ان کانت الاجارۃ وقعت علی اتلاف العین قصدا فھی باطلۃ کما صرحت بہ علماؤنا قاطبۃ وصار کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنہا لاتنعقد فاذا استاجر زید القری و المزارع والحوانیت لاجل تناول خراج المقاسمۃ او خراج الوظیفۃ فالاجارۃ باطلۃ باجماع علمائنا و الباطل یجب عدامہ	اجارہ جب قصداً عین چیز کے تلف کرنے پر ہو تو باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علماء نے تصریح کی ہے اور یہ گائے کو دودھ پینے کے لئے اجارہ پر لینے کی طرح ہوگا جو ناجائز ہے تو جب زید دیہات، باغات، زمینوں اور دکانوں کو وہاں سے حاصل ہونے والے ذرائع آمدن کو حاصل کرنے کے لئے ٹھیکہ پر لے تو ہمارے علماء کے مطابق یہ اجارہ باطل ہے جبکہ باطل کو ختم کرنا ضروری

لاتقریرہ فترفع یدزید وعمرو عن القری والمزارع والحوانیت[1] (ملخصا)	ہے نہ کہ ان کو بحال رکھنا لہٰذا زید وعمرو کا قبضہ ان دیہات اور زمینون اور دکانوں سے ختم کرنا ضروری ہے۔(ملخصا)۔(ت)

اسی میں ہے:

عقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخراج بنوعیہ اعنی الخراج الموظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا واذا قلنا ببطلانہ لزم المستاجر ان یرد جمیع ماتناولہ من المزارعین من غلال ونقود وغیرذٰلك[2]۔	مذکورہ اجارہ کا انعقاد زمینوں سے زراعت کے انتفاع پر نہیں ہے بلکہ ان سے حاصل ہونے والی دونوں قسم کی آمدن یعنی مقررہ حصہ اور سرکاری لگان پر اجارہ ہے تو یہ مقررہ رقم پر اجارہ ہمارے ائمہ کے اجماع کے مطابق باطل ہے۔اور باطل چیز علماء کے اتفاق کے مطابق قابل حکم نہیں ہے اور جب ہم نے اس کو باطل قرار دیا ہے تو مستاجر پر لازم ہے کہ اس نے مزارع حضرات جو کچھ غلہ یا نقد وغیرہ وصول کیا ہے اس کو واپس کرے۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلۃ فلا یملك المستاجر ماوجد من تلك الاعیان بل ھی علی ماکانت علیہ قبل الاجارۃ فیوخذ من یدہ اذا تناولھا ویضمنھا بالاستھلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیہ التصرف فیھا لعدم ملکہ وذٰلك کاستیجار بقرۃ لیشرب لبنھا او	اجارہ جب اتلاف اعیان پر قصدا واقع ہو تو باطل ہوگا اور مستاجر ان اعیان میں سے کسی چیز کا مالک نہ بنے گا بلکہ اجارہ سے قبل حالت پر باقی رہیں گے لہٰذا مستاجر کے قبضہ سے واپس لئے جائیں گے اور ہلاک کردئے تو ان کا ضمان وصول کیا جائے گا کیونکہ باطل چیز کچھ اثر نہیں رکھتی اس لئے ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کا تصرف حرام ہوگا اور یہ ایسے ہوگا جیسے گائے دودھ پینے کے لئے یا

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۶۔۱۳۵

بستان لیأکل ثمرته ومثله استئجار مافی ید المزارعین لاکل خراجه[1] الخ۔	باغ پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لیا ہو، اور اسی طرح اگر اس نے مزارعین میں سے محاصل کو اپنے کھانے کے لئے ٹھیکہ پر لیا ہو تو باطل ہے۔ الخ

مغنی المستفتی عن السوال المفتی میں ہے:

سئل فی تیماری اُجر المتحصل من تیماره الاجر وقبض المستاجر قدرا معلوما من متحصل تیماره فهل تکون الاجارة المزبورة غیر صحیحة اجاب نعم وقدافتی بذٰلك الخیر الرملی مرارا کما هو مذکور فی فتاواه من الاجارة ونقولها کثیرة محصلها انها اجارة وقعت علی استهلاك الاعیان وهی باطلة[2]۔	ان سے سوال ہوا کھجور کے باغ والے نے اپنے باغ کی آمدن کو دوسرے کے پاس ٹھیکہ پر دیا اور مستاجر نے اس باغ کی آمدن کی کوئی مقررہ مقدار حاصل کی ہو تو کیا یہ اجارہ صحیح ہے یا نہیں؟ توانھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے اس پر متعدد بار خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالٰی نے فتوٰی دیا ہے جیسا کہ ان کے فتاوٰی کے باب الاجارہ میں مذکور ہے جس کی کثیر نقول موجود ہیں، ان فتاوٰی کا حاصل یہ ہے کہ یہ اجارہ عین چیز کو تلف کرنے پر ہے اور یہ اجارہ باطل ہے۔ (ت)

عقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ میں ہے:

لایجوز استیجار الارض لذٰلك لانه استیجار علی استهلاك العین والاجارة انما تنعقد علی استهلاك المنافع[3]	استہلاک عین پر اجارہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اجارہ منافع حاصل کرنے پر ہوتا ہے۔ الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الواقع فی زماننا ان المستاجر یستاجرها لاجل اخراجها لاللزراعة ویسمی ذٰلك التراما و	ہمارے زمانہ میں مروج ہے کہ مستاجر زمینوں کو زراعت کی بجائے ان کے محاصل کو مزارعین سے وصول کرنے کے لئے اجارہ پر لیتے ہیں اس

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

[3] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۳۲

ھو غیر صحیح کما افتی بہ الخیر الرملی فی عدۃ مواضع[1]۔	طریقہ کار کو وہ "التزام" کہتے ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالٰی عنہ متعدد مواقع پر یہ فتوی دیا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اما ما یفعلونہ فی ھذہ الازمان حیث یضمنہا من لہ و لایتہا لرجل بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتہا ونحوہ فھو باطل۔ اذ لایصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا لانہ معدوم کما بینہ فی الخیریۃ[2]۔	وہ جو ہمارے زمانہ میں لوگ التزام کا عمل کرتے ہیں کہ مختار کا مقررہ رقم زمینوں کی وصولیوں کو ٹھیکہ پر دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ نہیں اس لئے کہ یہ عین چیز کو تلف کرنے پر قصداً واقع ہوا ہے اور بیع بھی نہیں ہے کیونکہ وہ چیز معدوم ہے جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں یہ بیان ہے۔ (ت)

یہاں نقول میں کثرت ہے اور قدر مذکور میں کفایت، شرعاً، وہ صورت ممکن تھی کہ لوگ اگر اسے اختیار کرتے ان کا مقصود ملتا اور مال حرام وعقد باطل کے وبال وآثام سے محفوظ رہتے مگر اتباع شرع مطہر کی فکر کسے، جب علماء غافل ہوں جہاں سے کیا شکایت، رامپور اسلامی ریاست ہے کیا عجب کہ وہاں اس حق مبین کا اثر ہو۔ محو باطل واجرائے طریقہ جائزہ پر نظر ہو، ارشادات ائمہ کا اسی قدر سننا کار گر ہو، واللہ الھادی وولی الایادی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴و۲۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) دیہات کا ٹھیکہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ وزن کشی کا ٹھیکہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اجارہ دیہات کی سبیل بھی چنداں دشوار نہیں، زراعت کے لئے جیسا ایک کھیت کا اجارہ پر دینا جائز یوں ہی سارے گاؤں کا، مگر وقت واحد میں زمین واحد دو مستقل مزارعوں کے اجارہ میں

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخروج دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ مسائل شتی فی الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

نہیں ہوسکتی، لہٰذا سال تمام پر جن کاشتکاروں کے پٹے کی میعاد ختم ہوگئی وہ توزمین خالی ہی ہے جن کی میعاد باقی ہے ان سے کہہ لیاجائے اور سمجھا دیا جائے کہ ہم جواز شرعی کے لئے ایسا کرتے ہیں، زمین تم سے نکالی نہ جائے گی، بلکہ مستاجر کی طرف سے تمھارے پاس رہے گی، تم میں ہم میں جو معاہدہ تھا جس کے ابھی اتنے سال باقی ہیں، وہ فسخ کرلو کہ ہم سارا گاؤں زراعت کے لئے فلاں کو اجارہ پر دے دیں، فلاں کی طرف سے یہ زمین بدستور تا میعاد پٹہ تمھارے پاس رہے گی، اس صورت میں ٹھیکہ توفیر کانہ ہوا، جو بالاجماع حرام ہے۔ بلکہ زراعت کے لئے زمین کا جو بالاجماع جائز ہے اور اگر اس صورت میں دقت سمجھی جائے اور ضرور کسانوں خصوصا ہنود عنود کو اس کا سمجھانا اور ان کا راضی ہونا خالی از دقت نہیں، تو وہی باغ وبہار والی تدبیر کی جائے، یعنی گاؤں میں چوپال اور مکان سکونت اور افتادہ زمینیں اور کاشت سے خالی کھیت اور وہ کھیت جن کی میعاد پٹہ تمام ہوگئی، اور بنجر غرض جس قدر اراضی کسی کے اجارہ میں نہیں وہ تمام وکمال مستاجر کو سنین معینہ کے لئے اجرت معینہ پر (جتنا زر ٹھیکہ رکھنا منظور ہو) زراعت وسکونت وانتفاع کے لئے مباح کردی جائے اور اراضی مزروعہ مقبوضہ مزارعین کی توفیر نقد خواہ بٹائی جو کچھ ہو مستاجر کو اتنے برسوں کے لئے مباح کردی جائے، یوں بھی دونوں کے مطلب حاصل ہیں، غرض ہے یہ کہ "مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾"[1] (جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ت) کوئی دشواری نہیں کہ اس شریعت مطہرہ سمحہ سہلہ غرہ بیضائے نے آسان نہ فرمادی ہو۔ وللہ الحمد۔

(۲) وزن کشی کے ٹھیکہ سے اگر یہ مراد ہے کہ "تولا" کچھ روپے زمیندار کو دے کہ اس سال گاؤں بھر کی "راسیں" وہی تولے دوسرا نہ تولنے پائے، اور وہ ہر کاشت کار سے اپنے تولنے کی اجرت لے تو یہ محض حرام، اور وہ روپیہ زمیندار کو دیا نری رشوت ہے۔ اور دوسرے کو تول سے ممانعت محض ظلم ہے۔ اس کی نظیر اسٹیشن پر سودا بیچنے کا ٹھیکہ ہے۔ کہ بیع تو اس میں اور خریداروں میں ہوگی، یہ ریل والوں کو روپیہ صرف اس بات کا دیتا ہے کہ میں ہی بیچوں، دوسرا نہ بیچنے پائے، یہ شرعا خالص رشوت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۶: مسئولہ نواب صاحب محلّہ بہاری پور بریلی

عالمان شرع نے کیا حکم ہے اس میں دیا گر کسی نے ٹھیکہ دکانوں کا مالک سے لیا

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

لے کے ٹھیکہ پھر یہ اس نے انتظام اپنا کیا سب دکانوں کا کرایہ اس نے زائد کرلیا
پس یہ زائد جو اسے حاصل ہوا ہے اس سے زر اس کے استعمال میں ہے فائدہ یا کچھ ضرر
اگر اس شخص کو ٹھیکہ سے کم آمد ہوئی اور پوری کردی اس نے پاس سے اپنے کمی
اس کمی کا لینا کیا مالک کو جائز ہوگیا اس میں جو حکم شریعت ہو مجھے دیجئے بتا

الجواب:

جتنی اجرت پر کہ مستاجر نے لی مالک سے شے اسے زائد پر اٹھانا چاہے تو یہ شکل ہے
اپنا کوئی مال جو قابل اجارہ کے ہوئے اس کو اسی شیئ سے ملا کر دونوں کو ایک ساتھ دے
یازیادت شیئ میں کردے مثل تعمیر مکان کھونٹیاں کہگل کنواں چونہ مرمت ایں وآں
یابدل دے جنس اجرت جیسے وہاں ٹھہرے روپے اس کے یاں آنے میں گو بدلے میں لے ان کے روپے
یا کوئی کام اپنے ذمہ کرلے اس ایجار میں تازیادت اس عمل کے بدلے ہو اقرار میں
جیسے جاروب دکان اصلاح اسباب دکاں اور جو خدمت کے ہو شایاں اجرت بے گماں
اور اگر یہ کم پہ دیتا ہے تو دے مختار ہے مالک اُجرت پوری لے گا اس سے جو اقرار ہے
یوہیں خالی ڈال رکھتا جب بھی تو لیتا وہ دام
اب کمی سے کیا اسے واللہ اعلم والسلام

مسئلہ ۲۲۷: مرسلہ نجم الحسن صاحب از تحصیل بسواں ضلع سیتاپور ۱۵صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر وعمرو تینوں سنی حنفی پابند صوم وصلوٰۃ ہیں زید زمیندار، بکر تاجر، عمرو نوکری پیشہ، زید کا عمرو قرابت دار ہے، اور بکر کا دوست، عمرو کی معرفت زید وبکر میں یہ معاملہ ہوا کہ زید نے اپنے دوگاؤں پندرہ سو روپے سالانہ پانچ سال کے لئے بکر کو ٹھیکہ دیا، بکر نے پندرہ سو روپے بلاسودی پیشگی زید کو دئے جس کی ادائیگی سال اخیر میں قرار پائی، بکر نے عمرو کو نوکر رکھ لیا، اور گاؤں کی تحصیل وصول سپرد کردی، بروقت ٹھیکہ ہونے کے زید وبکر میں یہ حلف ہوا کہ ایک دوسرے کے نقصان کا روادار نہ ہوگا، اور کبھی کسی مفسد یا مخالف کی دراندازی پر فریقین عمل نہ کریں گے، دو سال دونوں گاؤں بکر کے ٹھیکہ میں رہے، اور قریب قریب سات سو روپے کے منافع ہوا، عرصہ کے بعد زید وبکر کو عمرو کی چالاکی وبدنیتی عمرو کے افعال واقوال سے ثابت ہوگئی، دونوں کو یقین ہوگیا کہ عمرو نے ضرور نقصان پہنچایا، اور پہنچائے گا، زید وبکر میں اتفاق ہے، زید سے بکر نے کہا کہ میں گاؤں کا کام نہیں کرسکتا کیونکہ عمرو سے کام نہیں

لینا چاہتا ہوں عمرو پر اعتبار نہیں رہا، بہتر یہ کہ میں ٹھیکہ چھوڑ دوں، پیشگی جو پندرہ سو روپیہ میں نے دیا ہے وہ دے دو میں تجارت میں لگادوں، زید نے کہا کہ میں ٹھیکہ چھڑانا نہیں چاہتا، اور تم جانتے ہو کہ میں نادار ہوں، زر پیشگی بھی یکشمت ادا نہیں کرسکتا، زید وبکر دونوں متردد ومشوش تھے، ایک رئیس مسلمان سنی وحنفی نے بطور ثالث یہ فیصلہ تجویز کیا کہ ٹھیکہ چھڑالیا جائے، اور پندرہ سو روپے قسط بندی کرکے چار سال میں ادا کردئے جائیں بکر کے اطمینان کو دستاویز ہوجائے، اور ایک گاؤں مکفول کردیا جائے بجز اس کے کہ اس وقت منافع کا کچھ ذکر بکر نے نہیں کیا، ثالث کی تجویز کو زید وبکر دونوں نے بحلف منظور کرلیا، ہفتہ کے بعد ثالث کے روبرو زید سے بکر نے دستاویز کا مسودہ مانگا۔ اس وقت زید سے بکر نے کہا کہ اگر اس وقت پندرہ سو روپے دو تو میں لے لوں اور تجارت میں لگادوں اور چار سال میں اگر روپیہ ادا ہوا تو منافع لوں گا، زید نے کہا منافع کیسا کبھی اس کا ذکر نہیں ہوا، اور نہ ثالث کے روبرو ذکر آیا، محض پندرہ سو روپے کی ادائیگی ٹھہری، بکر سود خوار نہیں ہے، مگر جاہل ہے، مفسدوں نے اس کو سمجھادیا کہ یہ ٹھیکہ کا منافع ہے سود نہیں ہے، بکر نے کہا کہ قبل ٹھیکہ ہونے کے مبلغ ڈھائی سو روپیہ کو ہم کو چھوٹ دیا گیا ہے۔ زید نے کہا نہیں میں نے ایک گاؤں میں کل (عہ مہ /) چھوٹ دیا ہے۔ زید نے بکر سے پوچھا کہ میری تمھاری بالمشافہ گفتگو ہوکر چھوٹ دی گئی ہے۔ بکر نے کہا کہ نہیں مجھ سے عمرو نے کہا ہے، زید نے کہا کہ عمرو کو یقین تھا کہ ٹھیکہ ہوجانے کے بعد میں ضرور نوکر رکھ لیا جاؤں گا، اس طمع پر بکر نے جھوٹ کہہ دیا کہ ڈھائی سو روپے چھوٹ دے کر پندرہ سو روپے ٹھیکہ ہوتا ہے۔ زید نے عمرو سے دریافت کیا کہ ڈھائی سو روپے چھوٹ کیونکر دی گئی، عمرو نے جواب صاف نہ دیا، زید نے چھوٹ کا اقبال نہ کیا، بکر نے کہا ہم منافع ضرور لیں گے، زید نے دستاویز لکھ دی، پندرہ سو روپے اصل اور چار سو منافع ٹھیکہ، زید وبکر پابند شریعت ہیں، بدعہدی اور منہیات شرع سے بچنا چاہتے ہیں نیک نیتی سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ پندرہ سو روپے کے علاوہ جو بنام منافع ٹھیکہ چار سو روپیہ جو درج دستاویز ہوا ہے یہ جائز ہے یا سود ہے؟ شرح وبسط کے ساتھ جواب عنایت ہو، **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ منافع قطع سود اور حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: **کل قرض جر منفعۃ فھو ربا**[1] قرض سے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔ بلکہ اس ٹھیکے کے دو سو برسوں میں سات سو

[1] کنزالعمال حدیث نمبر ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

روپے جو منافع کے بکر کو ملے وہ بھی حرام ہیں کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے محض حرام ہے۔ جتنے پر ٹھیکہ دیا گیا اگر اس قدر نشست ہوئی اور وہ مالک کو دے دی گئی، تو اس کے لئے حلال ہے کہ اس کی ملک کا نفع ہے۔ اور اگر اس سے کم ہوئی اور مستاجر کو وہ رقم اپنے پاس سے پوری کرنی ہوئی تو یہ زیادت مالک کو حرام ہے، اس کا حق اسی قدر ہے۔ جس قدر نشست ہوئی، مثلاً پندرہ سو کو ٹھیکہ اور کسی سال ہزار ہی بیٹھے تو یہ ہزار ہی مالک کو حلال ہیں، رقم قرارداد پوری کرنے کو پانچ سو اگر اور لے گا وہ حرام ہونگے اور اگر کسی سال دو ہزار روپے بیٹھے اور مستاجر مالک کو صرف پندرہ سو دے گا پانسو خود لے گا، یہ پانسو اس کا حرام ہیں۔

فان ہذہ اجارۃ علی استھلاك العین و ما الاجارۃ شرعا الا تملیك المنافع فکل اجارۃ وردت علی الاعیان فھی باطلۃ وحرام الا ماخصہ النص وھوا جارۃ الظئر و المسئلۃ مصرح بھا فی کثیر من الاسفار کالفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ والدر المختار ورد المحتار۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ عین چیز کے تلف پر اجارہ ہے جبکہ شرعاً صرف منافع کی تملیک پر اجارہ ہوسکتا ہے تو ہر ایسا اجارہ جو عین چیز کو تلف کرنے پر واقع ہو وہ باطل اور حرام ہے الاوہ کہ شرع نے اس کو خاص طور پر مشروع کیا ہو جیسے دایہ کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر رکھنا، اور یہ مسئلہ بہت سی کتب میں تصریح کردہ ہے جیسے فتاوٰی خیریہ، عقود الدریہ، درمختار اور ردالمحتار میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

کتاب المنٰی والدرر لمن عمد منی اٰرڈر ۱۳۱۱ھ

(خواہشات اور موتیوں کی فراہمی اس کے لئے جس نے منی آرڈر کا قصد کیا)

مسئلہ ۲۲۸: از کیمپ میرٹھ بازار لال کورتی مرسلہ جناب مولوی عبدالسمیع صاحب ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

بخدمت شریف مخدوم ومکرم محقق ومدقق جناب مولانا محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیوضہ وبرکاتہ وضاعف اجورہ وحسناتہ۔

بعد اتحاف ہدیہ سلام مرفرع رائے خورشید انجلاء باد اس مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی جاتی ہے یہاں سے بعوض مساکین کے تنخواہ کسی کے دو روپے، کسی کے تین روپے معین ہے، ان میں سے پانچ چار آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کو دو روپے کے واسطے سفر کرکے آنا دشوار ہے اور یہ دقت کہ اس قدر تنخواہ ہے اور اس قدر کرایہ لگ جائے گا، تم ہم کو منی آرڈر کرکے روانہ کردیا کرو، میں نے یہ دیکھا کہ صیغہ منی آرڈر جابجا جاری ہے مدارس وغیرہ میں، پس ان بیچاروں شکستہ دلوں کا کام کرکے بہتر ہے کہ ثواب حاصل کروں جب نظر جواز وعدم جواز پر گئی تو بنظر سرسری یہ دیکھ لیا کہ ہم جو کچھ زیادہ دیتے ہیں وہ اجرت دیتے ہیں، اس بات کے لئے ڈاک والوں نے مرسل الیہ کے گھر روپیہ پہنچا کر اس کے دستخط کرائے پھر وہ رسید اس سے وصول کرکے ہم تک پہنچائی، بناءً علیہ یہ رباء نہیں، برسوں سے لوگوں کی کارروائی اسی طرح ہوتی رہی اب بعض [عہ] علماء نے فتوٰی حرمت منی آرڈر کا چھاپ دیا

عہ: یعنی رشید احمد گنگوہی ۱۲۔

ہے کہ ربا ہے اور حرام میں نے جو تاویل اپنے نزدیک سمجھی تھی اگر یہ درست ہے یا آپ اپنی رائے سے اس میں اور کوئی وجہ شرعی پیدا کرسکیں اس سے مطلع فرمائیں کہ بعض مساکین کا نہایت درجہ حرج ہے، **والسلام**

الجواب:

جناب مولانا وبالفضل اولٰنا زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

فقیر چار مہینہ سے اس قریہ میں ہے نامہ نامی بریلی ہو کر یہاں آیا، جواب حسب فہم قاصر حاضر رسید بریلی ارسال فرمائیں، والسلام وہ فتوٰی مطبوعہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کی نظر سے گزرا ہے۔ اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں۔ یہ ربا ہے دوآنے دس کے عوض دس ملتے ہیں مگر یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جسے اتنی خبر نہیں کہ دوآنے کاہے کے دئے جاتے ہیں، شاید انھیں معلوم نہیں کہ ڈاکخانہ ایک اجیر مشترک کی دکان ہے جو بغرض تحصیل اُجرت کھولی گئی ہے، دوآنے قطعاً وہاں جانے اور روپیہ دینے اور واپس آنے اور رسید لانے ہی کی اجرت ہیں جیسے لفافہ پر اور پارسل پر ۴/ وغیرہ ذلک اس کو تو کوئی عاقل ربا خیال ہی نہیں کرسکتا یہ ہرگز نہ اس کا معاوضہ نہ زنہار دینے والوں میں کسی کو اس روپیہ کے معاوضہ میں کمی بیشی مقصود۔

وھذا من البدیھات التی لایتوقف فیھا الاامثال المفتین الذین لابصر لھم فی الدین۔	یہ ان بدیہیات میں سے جس میں دینی بصیرت نہ رکھنے والے مفتیوں کے سوا کسی کو توقف نہیں ہے۔(ت)

ان بزرگوں کے اکثر فتاوٰی فقیر نے ایسے ہی عجائب پر مشتمل پائے، ابھی قریب زمانے میں ان کا ایک فتوٰی دربارہ جواز شہادت ہلال بذریعہ تاربرقی نظر سے گزرا جس میں تار کو خط پر قیاس کیا، جامع یہ کہ لکھنا لکھنا ایک سا، قلم سے لکھا خواہ بانس طویل سے گویا حضرت کے نزدیک تار کا طریقہ یہ ہے کہ کسی لمبے بانس سے لکھ دیتے ہیں، پھر لطف یہ کہ خود اصل مقیس علیہ میں حکم غلط، علماء تصریح فرماچکے، ایسے امور شرعیہ میں خطوط کا اعتبار نہیں، ظلم پر ظلم یہ کہ وہ بانس طویل ہی کی تحریر سہی تار بھیجنے والا بیچارہ اس لمبے بانس سے خود نہیں لکھتا بلکہ تار بابو سے کہتا ہے وہ ایک واسطہ ہوا جہاں کو تار دیا گیا وہ دوسرا واسطہ بیچ میں تار موصول نہ ہوا تو وسائط کی گنتی ہی کیا، اور یہ اکثر کفار وفساق ومجہول الحال ہوتے ہیں، اس نفیس سند سے جو خبر آئے اس پر امور شرعیہ کی بناء کرنی ان مفتیوں کا ادنٰی اجتہاد ہے۔

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے بے اعتباری میں ایک مفصل فتوٰی لکھا جس میں سے اس مسئلہ کی تحقیق تام

کماینبغی منکشف ہوسکتی ہے، خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، مسئلہ دائرہ کی طرف رجوع کروں، اور توفیق الٰہی مساعدت فرمائے تو حقیقت منی آرڈر ایسی روشن وجہ پر بیان میں آئے جس سے ان صاحبوں کا شبہ باذنہٖ تعالٰی مستاصل ہوجائے۔

فاقول: وباللّٰه التوفیق منشاء غلط منی آرڈر کو قرض محض بے عقد اجارہ سمجھنا ہے، متبوع نے اجمالاً اس کا دعوٰی کیا، تابع نے اس پر دو دلیلیں قائم کیں مگر حقیقت امر سے بیگانگی رہی، بات یہ ہے کہ منی آرڈر کرنے میں دو قسم کے دام دئے جاتے ہیں، ایک وہ رقم جو مرسل الیہ کو ملنی منظور ہے، دوسرا محصول مثلاً دس روپے دو آنے اور جس طرح ہر عاقل فقیہ پر واضح کہ یہ پہلے دام اگر بعینہٖ پہنچائے جاتے جیسے پارسل میں تو یہ خاص اجارہ ہوتا یا یوں ہوتا کہ مرسل بعینہٖ انھیں کا پہنچانا چاہتا اور ڈاک والے ان داموں کے یہاں رکھ لینے اور وہاں ان کی نظیر دینے کا ضابطہ مقرر نہ کرلیتے بلکہ کبھی بعینہٖ انھیں کو پہنچاتے۔ کبھی بطور خود انھیں یہاں رکھ کر مرسل الیہ کو وہاں کے خزانے سے دیتے تو بھی محض اجارہ رہتا اور صورت خلاف میں ان اجیروں کا فعل ناجائز ہوتا جس کا الزام مستاجر پر کچھ نہ تھا، ہاں اتنا ہوتا کہ وہ بوجہ تصرف امانت غاصب ٹھہر کر مستحق اجر نہ رہتے۔

کما فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ لواستاجر لیحمل ھذہ الدراہم الی فلان فانفقھا فی نصف الطریق ثم دفع مثلھا الی فلان فلا اجرلہ لانہ ملکھا باداء الضمان [1]۔	جیسا کہ ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی دوسرے تک معینہ دراہم پہنچانے کے لیے اجیر بنایا تو اس نے آدھے راستے میں وہ دراہم خرچ کرلیے اور مرسل الیہ کو ان دراہم کی مثل اور دے دئے تو وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ خرچہ کردہ دراہم کا ضمان دے کر وہ ان کا خود مالک بن گیا۔ (ت)

مگر جبکہ یہ امساک عین ودفع مثل ضابطہ معلومہ معہودہ ہے کہ واضعان قانون ڈاک نے اپنی آسانی کے لئے وضع کیا اگرچہ مرسل کو اس سے کچھ غرض نہ تھی اس کا مطلب بعینہٖ روپیہ بھیجنے میں بھی بداہۃً حاصل تھا تاہم بوجہ ضابطہ وتعارف جبکہ عاقدین کو وصول بدل معلوم تو یہاں تحقق معنٰی قرض ماننا غلط نہیں اگرچہ عاقدین بلفظ قرض تعبیر نہ کریں۔

فان العبرۃ للمعانی والمعھود عرفا	کیونکہ معانی کا اعتبار ہے اور عرف میں معین معلوم

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ باب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۰۲

کالمذکور لفظاً۔	چیز لفظوں میں مذکور کی طرح ہے۔(ت)

یونہی ہر ذی عقل نبیہ پر یہ بھی روشن ہے کہ یہ دوسرے دام اگر کسی کام کے عوض نہ دئے جاتے تو یہ عقد خالص قرض اور یہ زیادت بیشک ربا ہوتی یایوں ہوتا کہ جس کام کے عوض دئے جاتے وہ کوئی منفعت مقصودہ صالح ورود عقد اجارہ نہ ہوتا تو بھی محض قرض رہتا مگر حاشا یہاں ہر گزایسا نہیں بلکہ وہ مثل سائر کارروائیہائے ڈاکخانہ کے یقیناً اجرت میں دینے والے اجرت ہی سمجھ کر دیتے، لینے والے اجرت ہی جان کر لیتے ہیں ہر گز کسی کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ ۲/ سود کے ہیں جو الٹا مدیون دائن سے لیتا ہے ڈاکخانے کی اصل وضع ہی اس قسم کی اجارات کے لیے ہے، تو یہاں عقد اجارہ کا تحقق اور ان داموں کا اُجرت ہونا اصلاً محل تردد نہیں، اگر کہے کاہے کی اجرت ہاں مرسل الیہ کے گھر تک جانے اور اسے روپیہ دینے اور وہاں سے واپس آنے اور اس سے رسید لانے کی کیا یہ منفعت مقصودہ مباحہ نہیں جس پر شرعاً ایراد وعقد اجارہ کی اجازت ہو، اور جب ہے بیشک ہے تو عجب عجب ہزار عجب کہ عاقدین ایک منفعت مقصودہ جائزہ پر قصد اجارہ کریں عوض منفعت جو کچھ دیں اور اسے اجرت ہی کہیں اجرت ہی سمجھیں اور خواہی نخواہی ان کے قصد جائز کو باطل کرکے اس اجرت کو معاوضہ قرض ور با قرار دیں شرع مطہر میں **معاذاللہ** اس حکم کی کوئی نظیر ہے، حاشاللہ بلکہ شرع میں مہماامکن تصحیح کلام وعقود پر نظر رہتی ہے **کمالایخفی علی من خدم الفقہ** (جیساکہ فقہ کی خدمت کرنیوالے پر مخفی نہیں ہے۔ت) نہ کہ زبردستی ابطال وافساد وایقاع فی الفساد، پر کہ صراحۃً عکس مراد شرع ہے ایک ہلکی سی مثال پیش پاافتادہ یہی ہے کہ دس روپے دوآنے کے عوض دو روپے دس آنے خریدیں تو مالیت میں کھلا تفاضل اور جنس کو جنس سے ملائے تو وہ عین ربا مگر شرع مطہر جنس کو خلاف جنس کے طرف صرف فرماکر ربا سے بچاتی ہے **کمانصوا علیہ قاطبۃ** (جیساکہ سب نے اس پر نص فرمائی ہے۔ت) پس ثابت ہوا کہ صورت منی آرڈر میں اگرچہ اجارہ محضہ نہیں مگر زنہار وزنہار قرض محض بھی نہیں جیساکہ ان مفتی صاحبان نے توہم کیا اور اسی بناء پر فیس کو اجرت سے نکال کر ربا کردیا بلکہ یہاں حقیقۃً دونوں متحقق ہیں، اب شبہات حضرات تو یکسر حل ہوگئے، وہ ۲/ ربا کا خیال بدیہی الضلال صرف اسی توہم پر مبنی تھا کہ یہ قرض محض ہے، جب ثابت ہوا کہ ایسا نہیں بلکہ یہاں اجارہ بھی ہے اور یہ ۲/اُجرت ہیں نہ فضل خالی عن العوض، تو انھیں ربا کہنا محض جہالت،

بحمداللہ اتنی ہی تقریر سے وہ دو دلیلیں بھی کہ یہاں تابع نے انتفائے اجارہ پر قائم کیں منتفی ہو گئیں:

دلیل اول: روپیہ تلف ہو جائے تو بھیجنے والا طالب ضمان اور انگریز ذمہ دار، تو ثابت ہوا کہ اجارہ نہیں کہ محصول کو اجرت پر محمول کیا جائے۔

اقول اولاً: کیا وجوب ضمان مطلق نافی اجارہ ہے، کتب فقہ کا مطالعہ کیجئے صدہا صورتوں میں اجیر پر ایجاب ضمان کا حکم ہے، اور خاص ید ضمان کی ضرورت ہو تو ذرا اجیر مشترک میں اقوال ائمہ واختلاف فتوٰی ازمہ پر نظر ہو۔

ثانیاً: اطلاق نفی ضمان ہی مانئے تو غایت یہ ہے کہ طلب ضمان ناجائز ہو اور انگریزوں کا ذمہ بری، اس سے اصل عقد کیوں بدل گیا، بہت لوگ عاریت پر تاوان لیتے اور جاہل مستعیر ذمہ دار بنتے ہیں، کیا اس سے نفس عاریت منتفی ہو جائے گی، ہاں شاید یہ خیال کیا ہو کہ کلام مسلم حتی الامکان وجہ صحیح پر حمل کرنا چاہئے، جبکہ ہم نے اجارہ میں مطلقاً ضمان بحالت ہلاکت طالب ضمان نہ مانی تو یہ طلب خلاف شرع ہوگی لہٰذا اجارہ نہ ٹھہرانا چاہئے، مگر سبحان اللہ مسلمانوں کی اور طرفہ طرفداری کی کہ اسی خیال سے کہ صورت ہلاک میں جو بشدت نادر ہے، کہیں طلب ضمان نہ کر بیٹھیں جو ایک مختلف فیہ ممنوع ہے، لہٰذا اصل عقد ہی ربا لازم ودائم مان کر مسلمانوں کو مرتکب حرام اجماعی ٹھہرا دیجئے، یعنی کشتن باید تا تپ نباید **فر من المطر ووقف تحت المیزاب** (بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہوا۔ت)

ثالثاً: کس نے کہا کہ اجارہ محضہ ہے معنی قرض یقیناً متحقق اور رد مثل اس کا خاص حکم، تو یہ تضمین بربنائے اجارہ نہ ہو، بربنائے قرض سہی، اب اسے اجارہ سے کیا تنافی رہی۔

دلیل دوم: اجارہ ہو تو بعینہٖ اسی روپے کا پہنچانا لازم ہو، لیکن یہ امر نہ بھیجنے والا ضرور خیال کرتا ہے۔ نہ ڈاک والے کرتے ہیں۔

اقول: قطع نظر اس سے کہ یہ قیاس استثنائی کس اعلٰی درجہ نفاست پر ہے، تالی لزوم نفس الامری اور استثناء رفع خیال لزوم یا رفع عمل کیا اگر عاقدین کسی حکم واقعی عقد کو اپنے ذہن میں لازم نہ سمجھیں، یا اس پر عمل نہ کریں تو اس سے وہ عقد عقد ہی نہ رہے گا عدم حکم مستلزم عدم عقد ہے یا عدم اعتقاد وعمل، اصل کلام وہی ہے کہ بیشک لازم ہوتا۔ اگر اجارہ محضہ ہوتا یہاں تو ڈاکخانہ فلاں جگہ جا کر ادائے زر اور وہاں سے لا کر ایصال رسید پر اجیر اور زر داخل کردہ کا مستقرض ومدیون ہے تو جو چیز وہاں دے گا عین نہیں دین کا بعینہٖ پہنچانا کیونکر متصور اور اس کا لزوم کہاں کا حکم، بالجملہ ان داموں کی اجرت ہونے سے انکار کرنا اور عوض قرار دے کر ربا ٹھہرانا یونہی صحیح تھا کہ اسے قرض محض خالی عن الاجارہ ثابت کرتے اور دونوں دلیلیں بغرض تمامی صرف اس قدر پر دال کہ وہ اجارہ محضہ نہیں، تو دلیل کو دعوٰی سے

اصلاً مس نہیں۔

ثم اقول: وباللّٰہ التوفیق۔وبہ الوصول الی ذری التحقیق (پھر میں کہتاہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔اور اسی سے تحقیق کی بلالندیوں تک پہنچنا۔ت) حقیقت امر یہ ہے کہ ڈاکخانہ قطعاً اجیر مشترک اور اس میں جس قدر فیسیں ہیں سب اجرت عمل پھر ضوابط ڈاک نے ان پر اعمال دو قسم پر منقسم کئے:

ایک وہ جن میں آفس ذمہ دار وضمین قرار پاتا ہے۔جیسے پارسل، رجسٹری، بیمہ ومنی آرڈر۔

دوسرے وہ جس میں ذمہ ضمان نہیں، جیسے خطوط وپاکٹ بیرنگ وباٹکٹ۔

اور یہیں سے واضح ہوگیا کہ یہ ادائے ضمان بربنائے قرض نہیں بلکہ ضوابط کی اس تقسیم پر مبنی ہے، ولہٰذا بیمہ میں صرف ضمان دیتے ہیں، حالانکہ وہاں قرض کا اصلا احتمال نہیں بلکہ انصاف کیجئے تو روپیہ لینے والے درکنار عام روپیہ داخل کرنے والوں کا بھی ذہن اصلا اس طرف نہیں جاتا کہ یہ روپیہ جو ہم دیتے ہیں بوجہ قرار داد امساک عین ودفع مثل ڈاک خانہ کو قرض دے رہے ہیں ڈاکخانہ ہم سے دست گرداں لے رہا ہے بلکہ یقینا لینے دینے والے سب اس عقد کو مثل سائر عقود ڈاکخانہ عقد اجارہ ہی جانتے ہیں، اور خود اسی کے لئے صیغہ ڈاک کی وضع اور فیس کو یقینا اُجرت جان کر دیتے لیتے، اور درصورت تلف تاوان کو مثل بیمہ وغیرہ اسی شرط ذمہ داری کی بناء پر سمجھتے ہیں، نہ یہ کہ یہ لوگ سمجھیں ہم نے قرض دیا تھا اسے ڈاکخانہ سے لینا ہے ڈاک خانہ سمجھے میں ان کا قرضدار تھا مجھے ادا کرنا ہے۔ہاں بعد تلف ڈاک خانہ اسی ذمہ داری کے سبب اس وقت سے مدیون سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ روپیہ بھیجنے کے لئے داخل کرتے ہی عاقدین اپنے آپ کو دائن ومدیون تصور کرتے ہوں، یہ بدیہات واضحہ سے ہے جس کا انکار مکابرہ تو یہ اقرار ضمان ہرگز بنائے اقراض واستقراض نہیں بلکہ اجیر مشترک پر شرط ضمان ہے۔اب یہ مسئلہ مثلثہ بلکہ مربعہ ہے اور سب اقوال مصححہ سب مفتی بہا۔

قال العلامۃ خیر الدین الرملی فی فتاواہ وانا **اقول:** بل مخمسۃ بل مسدسۃ [1]عدم الضمان مطلقا، [2]الضمان بشرط الصلح علی النصف [3]جواز الصلح جبرا۔ [4]التفصیل بکون الاجیر صالحا فیبرأ، [5]اوغیرہ فیضمن اومستورا فیصالح۔	یہ علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا ہے۔اور **میں کہتاہوں** بلکہ پانچ چھ[6] صورتیں ہیں: [1]مطلقاً عدم ضمان، [2]نصف پر صلح کی شرط پر ضمان، [3]جبراً صلح کا جواز، اور [4]اجیر کے صالح ہونے پر اس کا بری ہونا، یا [5]غیر صالح ہونے پر ضمان ہونا، یا [6]مستور الحال ہونے پر قابل صلح ہونا۔(ت)

امامین جلیلین صاحبین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک اجیر مشترک ضامن ہے۔ولہٰذا

جو کچھ اس کے کام کرنے میں ضائع ہو بالاجماع اس کا تاوان دے گا اگرچہ شیئ میں اس کی طرف سے کوئی تعدی و تقصیر نہ واقع ہوئی ہو بخلاف اجیر خاص کہ امین ہے۔ ولہٰذا جب تک تعدی نہ کرے اصلا ضمان نہیں، اگرچہ اس کے فعل سے تلف ہو، یہ مذہب امیر المومنین فاروق اعظم و مرتضائے اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی اور یہی امام دارالہجرۃ سید نا امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد سے ایک روایت ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، بدائع وغایۃ البیان وغیرہما میں قول امام عدم ضمان کو قیاس اور اس قول صاحبین کو استحسان قرار دیا۔ امام اجل فقیہ ابو جعفر ہندوائی اسی طرف میل فرماتے۔ امام زیلعی نے تبیین الحقائق پھر علامہ طوری نے شرح کنزالد قائق میں اس کو بہ یفتی فرمایا۔ جامع الفصولین وخزانۃ المفتین وفتاوٰی انقرویہ وواقعات المفتین میں ہے:

قیل یفتی بقول(ابی حنیفه)رحمه الله تعالٰی وقیل قول عطاء وطاؤس وهما من کبار التابعین وقول س وم ابی یوسف ومحمد)رحمهما الله تعالٰی قول عمر و علی رضی الله تعالٰی عنهما احتشاما وصیانة لاموال الناس[1]۔	بعض نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیا اور بتایا گیا آپ کے قول کی بنیاد حضرت عطاء اور طاؤس کے قول پر ہے جو کبار تابعین میں سے ہیں، اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول حضرت عمر فاروق اور علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے قول پر مبنی ہے لوگوں کے مال کے احترام اور حفاظت کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ (ت)

شرح ہدایہ علامہ اتقانی میں ہے:

قول ابی حنیفة قیاس لان المال امانة فی یده وهلاك الامانة من غیر صنع لایوجب الضمان وقولهما استحسان ووجهه اثر عمر رضی الله تعالٰی عنه[2]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول قیاس پر مبنی ہے کیونکہ اس کے پاس امانت ہے جبکہ بغیر دخل امانت کی ہلاکت موجب ضمان نہیں ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کا قول استحسان ہے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی عمل کی وجہ سے۔ (ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۱ وفتاوٰی انقرویہ کتاب الاجارۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۲/ ۳۲۳

[2] غایۃ البیان

شرح الکنز ملا مسکین میں ہے:

المتاع فی یدہ غیر مضمون عند ابی حنیفۃ و ھو القیاس وقالا علیہ الضمان استحسانا[1]۔ باختصار۔	اس کے ہاتھ میں سامان امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے موجب ضمان نہیں اور یہی قیاس ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا اس پر ضمان ہوگا استحسانا، باختصار۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع لایضمن عندہ وھو القیاس و قالا یضمن الامن حرق غالب اولصوص مکابرین وھو استحسان[2] اھ مختصرین	بدائع میں ہے امام صاحب کے نزدیک اس پر ضمان نہ ہوگا۔ قیاس یہی ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے ضمان وصول کیا جائے گا الایہ کہ بے قابو آگ یا سرکش ڈاکو سے ضیاع ہوجائے، یہ استحسان ہے اھ دونوں مذکورہ عبارتیں مختصرا (ت)

تبیین میں ہے:

بقولھما یفتی الیوم لتغیر احوال الناس وبہ یحصل صیانۃ اموالھم[3]۔	صاحبین کے قول پر آج کل فتوٰی دیا جائے کیونکہ لوگوں کے احوال میں تبدیلی ہوگئی ہے جبکہ اس فتوٰی سے لوگوں کے مال محفوظ ہوں گے۔ (ت)

تکملہ طوری میں ہے:

قد تقدم ان بقولھما یفتی فی ھذا الزمان لتغیر احوال الناس[4]۔	یہ گزرا ہے کہ لوگوں کے حالات بدل جانے کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتوٰی ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

قال الفقیہ ابوجعفر الضمان علی القصارو	ابوجعفر فقیہ نے فرمایا کہ دھوبی پر ضمان ہوگا اور

[1] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۲

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۳۵

[4] بحرالرائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۲۷

قال الفقیه ابو اللیث انما قال لانه کان یمیل فی الاجیر المشترك الی قول ابی یوسف ومحمد[1]۔	فقیہ ابواللیث نے فرمایا انھوں نے یہ بات مشترک اجیر کے متعلق صاحبین کے قول کی طرف میلان کی وجہ سے فرمائی ہے۔(ت)

امام اجل ابوبکر بلخی فرماتے ہیں خلاف اس صورت میں ہے جبکہ اجیر مشترک پر ضمان ٹھہرانہ لی جائے ورنہ اگر پہلے سے شرط ہو جائے جب تو بالاجماع اس پر ضمان لازم۔ جامع الفتاوٰی والنوازل واشباہ والنظائر وغیرہا میں اسی پر جزم فرمایا۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

شرط علیه الضمان اذا هلك یضمن فی قولهم جمیعا لان الاجیر المشترك انما لایضمن عند ابی حنیفة اذا لم یشترط علیه الضمان اما اذا شرط یضمن قال الفقیة ابو اللیث الشرط وعدم الشرط سواء لانه امین[2]۔	ہلاک ہو جانے پر ضمان کی شرط لگائی تو بالاتفاق ضمان لیا جائے گا کیونکہ مشترکہ اجیر کے متعلق جب شرط نہ لگائی ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضمان نہیں لیا جائے گا لیکن شرط لگانے پر ان کے نزدیک بھی ضمان ہوگا۔ فقیہ ابواللیث نے فرمایا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ وہ امین ہے۔(ت)

انقرویہ میں شرح مجمع علامہ ابن فرشتہ سے ہے:

ان شرط ان یضمن لوہلك عندہ یضمن اتفاقا کذا فی الجامع وذکر فی الخانیة و تتمة الفتوٰی علی انه لا یضمن[3]۔	اگر اس کے پاس ہلاک ہو جانے پر ضمان کی شرط لگائی تو بالاتفاق ضمان لیا جائے گا، جامع میں یوں ہے۔ اور خانیہ اور تتمۃ الفتاوٰی میں ہے کہ ضمان نہیں لیا جائے گا۔(ت)

شرح کنز ملا مسکین میں ہے:

قیل اذا شرط الضمان علی الاجیر المشترك یصح عند ابی حنیفة وصار کان الاجر فی مقابلة العمل و الحفظ جمیعا۔	بعض نے کہا کہ مشترک اجیر پر ضمان کی شرط لگائی تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحیح ہے یوں وہ عمل اور حفاظت دونوں پر اجیر قرار پائے گا۔

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارات فصل فی القصار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۴۴

[2] خلاصہ الفتاوٰی کتاب الاجارات الفصل السادس الجنس الاول مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۷

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب الاجارہ فی ضمان الاجیر المشترك دار اشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۳

کذا فی شرح الوقایة وھو قول الفقیة ابی بکر والفقیة ابو اللیث یفتی بانہ لو شرط علیہ الضمان لایصح[1]۔	شرح وقایہ میں یوں ہے، اور یہ ابوبکر کا قول ہے۔ اور فقیہ ابو اللیث کا فتوٰی یہ ہے کہ اگر اس پر ضمان کی شرط لگائی تو صحیح نہیں ہے۔ (ت)

وجیز امام کردری نوع فی الحمامی میں نوازل سے ہے:

دخل الحمام وقال للحمامی احفظ ہذہ الثیاب فخرج ولم یجدھا ان شرط علیہ الضمان یضمن اجماعا ان سرق اوضاع والالا[2]۔	حمام میں داخل ہوا اور حمام والے کو کہا ان کپڑوں کی حفاظت کرنا وہ حمام سے نکلا تو کپڑوں کو غیب پایا اگر اس نے حمام والے پر ضمان کی شرط لگائی تھی تو بالاتفاق ضامن ہوگا اس نے چوری یا ضائع کیے ہوں ورنہ نہیں (ت)

اس کے بعد خود فرمایا:

وقد ذکرنا انہ لاتاثیر للشرط وتاویلہ انہ لما شرط علیہ الضمان فقد قابل الاجر بھما فیکون علی الخلاف فی المشترك[3]۔	ہم نے ذکر کردیا ہے کہ شرط کا کوئی اثر نہیں ہے تو اس کی تاویل یوں ہوگی کہ اگر اس نے شرط قبول کرلی تو گویا اس نے دو چیزوں پر اس کو اجیر بنالیا لہٰذا یہ مشترک اجیر کی صورت کے خلاف معاملہ ہوا۔ (ت)

ذخیرہ وخلاصہ وعمادیہ وغمز العیون وغیرہ میں ہے:

وھذا اللفظ للذخیرة کان الفقیہ ابوبکر یقول ضمن الحمامی اجماعا وکان یقول انما لا یضمن الاجیر المشترك عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یشترط علیہ الضمان اما اذا شرط یضمن وکان الفقیہ ابو جعفر یستوی بین شرط الضمان وعدم الشرط	ذخیرہ کے الفاظ میں ہے کہ ابوبکر فقیہ، حمام والے کو بالاجماع ضامن قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مشترک اجیر پر جب شرط ضمان نہ لگائی تو وہ ضامن نہ ہوگا لیکن اگر شرط لگادی تو ضامن ہوگا اور فقیہ ابو جعفر شرط اور عدم شرط کو مساوی قرار دیتے تھے اور ضمان

[1] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاجارات الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۹۱

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاجارات الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۹۱

وکان یقول بعدم الضمان قال الفقیه ابو اللیث رحمه الله تعالٰی وبه ناخذ ونحن نفتی به [1] اھ. **قلت** ومعنی ھذا الکلام ان الفقیه ابا جعفر کان یستوی بینهما علی قول الامام وکان یقول لایضمن عنده وان شرط اماھو بنفسه فقد کان یمیل الی قولهما کما قدمنا عن الخانیة عن الفقیه ابی اللیث۔	اور ضمان کا قول نہ کرتے، اور فقیہ ابواللیث نے فرمایا ہمارا یہی موقف ہے، اور ہم یہی فتوٰی دیں گے۔ اھ **میں کہتا ہوں** اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ فقیہ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے قول پر دونوں صورتیں مساوی ہیں اگرچہ شرط بھی لگائی ہو ضامن نہ ہوگا، لیکن ان کا اپنا رجحان صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ ہم نے خانیہ سے ابواللیث کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ (ت)

قنیہ واشباہ میں ہے:

محله عند عدم اشتراط الضمان علیه اما معه فیضمن اتفاقا [2]۔	اس کا محل ضمان کی عوم شرط ہے لیکن شرط کی صورت میں بالاتفاق ضامن ہوگا۔ (ت)

جمہور ائمہ متاخرین نے ائمہ مذہب وصحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات دیکھ کر وہ قول فیصل اختیار فرمایا کہ اجیر اگر صلحائے متقین سے ہے تو قول امام مختار یا اس کے خلاف ہے تو قول صاحبین وایجاب ضمان اور مستور الحال ہے تو دونوں قول کے لحاظ سے نصف ضمان واجب نصف ساقط، اور شک نہیں کہ یہ قول جامع الاقوال ومراعی احوال وارفق بالناس واحفظ للاموال ہے کہ تغیر حالات زمانہ اس پر حامل ہو اور اس میں ارفق واحتیاط دونوں پہلو کا لحاظ رہا، امید کی جاتی ہے کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے یونہی حکم فرماتے۔ فتاوٰی خیریہ وفتاوٰی اسعدیہ میں ہے:

مسئلة الاجیر المشترك فیها ثلثة اقوال بل اربعة عدم الضمان مطلقا والضمان مطلقا والصلح علی النصف جبرا عملا بالقولین وفی جامع الفصولین رامزا لفوائد صاحب المحیط لوکان الاجیر صالحا	مشترک اجیر کے مسئلہ میں تین بلکہ چار قول ہیں، مطلقًا عدم ضمان، مطلقًا ضمان، نصف نقصان پر جبرًا ضمان تاکہ دونوں اقوال پر عمل ہو، اور جامع الفصولین میں صاحب محیط کے فوائد کا اشارہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر اجیر صالح شخص ہے تو قسم لے کر بری کیا جائے گا۔

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارات الفصل السادس الجنس الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۷

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الاجارات الفن الثانی ادراۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۲

یبرأ بیمینہ ولوکان بخلافہ یضمن، ولو کان مستورا یؤمر بالصلح فھذہ اربعۃ اقوال کلھا مصححۃ مفتی بھا واما احسن التفصیل الاخیر [1] اھ مختصرا۔	اور غیر صالح ہو تو ضمان لیا جائے اور مستور الحال ہو تو صلح کا فیصلہ دیا جائے تو یہ چار قول ہوئے، اور تمام کے تمام پر فتوٰی صحیح ہے اور آخری تفصیل کیا اچھی ہے اھ مختصرا۔(ت)

فتاوٰی حامدیہ میں ہے:

اختار ابوجعفر وابواللیث رحمھما اللہ تعالٰی فیہ ان کان صالحا یبرء بیمینہ وان کان مستورا یؤمر بالصلح وافتی بذلك کثیر من المتاخرین وھو اولٰی من غیرہ واسلم وبمثلہ افتی الخیر الرملی [2]۔	ابو جعفر اور ابواللیث کا مختار یہ ہے کہ اگر وہ صالح شخص ہو تو قسم لے کر بری کر دیا جائے، اور اگر وہ مستور الحال ہو تو صلح کا فیصلہ کیا جائے اس پر بہت سے متاخرین نے فتوٰی دیا ہے اور یہ قول دوسروں کی نسبت اولٰی ہے اور خیر الدین رملی نے اسی طرح فتوٰی دیا ہے۔(ت)

منح الغفار وطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

ھو فتوی القاضی الامام جلال الدین الزاھدون [3]۔	امام جلال الدین زاہدون کا یہی فتوٰی ہے۔(ت)

بالجملہ چار قول مفتٰی بہ سے دو قول پر بیمہ و منی آرڈر وغیرہما میں ڈاکخانہ سے یہ قرارداد ضمان جائز و صحیح و مقبول ہے اور انسان کو عمل و نجات کے لئے ایک ہی قول مفتٰی بہ کافی نہ کہ متعدد نہ کہ جب وہی ارفق وہی استحسان ہونے کے علاوہ حالت زمانہ اسی کے داعی اور وہی حفظ اموال ناس کا مراعی ہو باوصف ان شدتوں سختیوں کے جو قوانین ڈاک میں ضیاع مال بیمہ و منی آڈر پر رکھی ہیں کہ نوکریاں جائیں قیدیں اٹھائیں سزائیں پائیں، پھر بھی خائنوں بددیانتوں کی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں عدم ذمہ داری کی حالت میں ظاہر ہے جو کچھ ہوتا ہے تو فقیہ نبیہ اس شرط پر ضمان کے جواز میں اصلا تردد نہ کرے گا۔ وباللہ التوفیق۔

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۲/ ۱۴۱، الفتاوٰی الاسعدیۃ کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر المطبعۃ المخربۃ مصر ۲/ ۲۷۶

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۴- ۱۱۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳

ثم اقول:وبہ استعین۔ان مفتیان زمانہ کے خیالات تو محض اباطیل مہملہ ومہملات باطلہ جن کی حاجت بھی نہ تھی مگر اس تقریر منیر سے بحمداللہ سبحنہ وتعالٰی وہ شبہ بھی حل ہوگیا جسے نظر فقہی سے علاقہ ہے اور بادی النظر میں خادم فقہ کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے یعنی سفاتج پر منی آرڈر کا قیاس، ہمارے علمائے کرام نے سفتیجہ یعنی ہنڈوی کو ناجائز رکھا کہ ہر مقرض اس قرض دینے سے سقوط خطر طریق کا استفادہ کرتا ہے اور وہ فضل خالی عن العوض ہے کہ بربنائے قرض اس نے حاصل کیا **وکل قرض جر منفعۃ فھو ربا**(جو قرض نفع مند ہو وہ ربا ہے۔ت)بظاہر منی آرڈر وہنڈوی دونوں دوسری جگہ روپیہ بھیجنے کے طریق ہیں جس کے باعث نظر دھوکا کھاتی ہے دونوں کا حال ایک ہے حالانکہ اگر ذرا تامل کو کام میں لائے توآفتاب روشن کی طرح متجلی ہو کہ ان میں باہم زمین وآسمان کا فرق ہے۔ہنڈوی محض قرض ہے اور اس میں قرض دینا خاص مرسل کی غرض اور اس کے ذریعہ سے اسے سقوط خطر کی منفعت حاصل، تو قرض جر منفعۃ فہو ربا بلا شبہ صادق، ہنڈوی کرنے والوں کی کوٹھیاں دادوستد ہی کے لئے موضوع ہیں، نہ اجیر بننے کے لئے مرسل اگر مال قرض نہ دیتا امانت رہتا اور بحال ہلاک تاوان نہ پاتا فلہذا قرض دیتا ہے اور اس سے یہ نفع حاصل کرتا ہے، علماء نے سفتیجہ کی تفسیر ہی یہی فرمائی، ہندیہ میں کافی اور ردالمحتار میں کفایہ سے ہے:

واللفظ للشامی صورتھا ان یدفع الی تاجر مالاقرضا لیدفعه الی صدیقه وانما یدفعه قرضا لا امانة لیستفید به سقوط خطر الطریق [1]۔	شامی کے الفاظ میں ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ تاجر کو قرض دیا کہ وہ یہ قرض میرے دوست کو پہنچادے اور رقم امانت کی بجائے قرض کی صورت میں دی تاکہ راہ کے خطرہ سے محفوظ رہے۔(ت)

بخلاف ڈاک خانہ کہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لئے جو فیس دی جاتی ہے یقینا اجرت ہے اور اقرار ذمہ داری اور ان اقوال مفتٰی بہا کی بناپر حکم شرعی وصحیح ومقبول ہی لزوم ضمان کے لئے کافی ووافی، مرسل کی غرض نفس عقد اجارہ سے حاصل، اور صرف اسی قدر افادہ سقوط خطر کے لئے متکفل، قرض دینے سے اس کی کوئی غرض اصلا متعلق نہیں، نہ اس کا فائدہ اس کی طرف راجع، فرض کیجئے اگر ڈاکخانہ زر منی آرڈر بعینہٖ بھیجا کرتا تو اس کا کیا حرج تھا کہ اسے تو روپیہ بھیجنے سے کام ہے اور اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۵

وہ راہ میں جاتا رہتا تو اس کا کیا نقصان تھا کہ بحکم قرارداد یہ ضمان کا مستحق ہوچکا، بلکہ یہ ضابطہ تو بعض اوقات بھیجنے والوں کو الٹا نقصان دیتاہے، کہ مصروعرب وشام وغیرہ ممالک کو روپیہ بھیجے تو یہاں سے لندن جاکر ازانجاکہ وہاں سکہ سیم نہیں سکہ زر سے تبدیل کیا جاتا اور اس پر بہت کچھ بٹالیا جاتاہے، غرض اس فرض قرض میں مرسلوں کا کوئی نفع نہیں ہاں اُجرایعنی اہالی ڈاک نے اپنے آسائش وتحفظ کے لئے یہ ضابطہ وضع کیا، ذمہ داری بیمہ ومنی آرڈر دونوں میں تھی، مگر پارسل کا بند مال مہر میں لگا ہوا قابلیت تبدیل نہ رکھتا تھا، روپے میں یہ صورت میسر تھی اور شک نہیں کہ مال بھیجنے سے کاغذ بھیجنا آسان اور اس میں ان ذمہ داروں کے لئے خطر طریق سے امان، لہٰذا یہ ٹھہرالیا کہ زرداخل کردہ یہیں رکھ کر وہاں لکھ بھیجیں گے، اگر بفرض غلط اس صورت میں ڈاک خانہ کو مستقرض مانا جائے تو اس میں مستقرض نے استقراض سے نفع اٹھایا نہ کہ مقرض نے اقراض سے، اور مستقرض انتفاع بالقرض سے ممنوع نہیں تو یہاں **یدفعہ قرضا یستفید بہ** (کسی فائدہ کے حصول کے لئے قرض دیا۔ت) صادق نہیں بلکہ **یاخذ قرضا یستفید بہ، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق** (قرض فائدہ کے لئے لیتا ہے، تحقیق یوں چاہئے، اور توفیق کا مالک اللہ تعالٰی ہی ہے۔ (ت)

بالجملہ یہ وجوہ تو جواز منی ارڈر پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتیں، ہاں یہاں ایک اور امر قابل نظر وغور تھا اذہان مفتیان اگر اس طرف جاتے تو کہا جاتا کہ طرف فقہی پر کلام کیا وہ یہ کہ بلاشبہہ یہ عقد عقد اجارہ اور فیس اجرت عمل۔ اور قرض تنہا پر نفع مستقرض اور سفاتج پر قیاس مختل، مگر جبکہ یہ قرض مفروض وداخل ضابطہ ہے تو اجارہ ایسی شرط پر ہوا جس میں احدالعاقدین کا نفع ہے اور مقتضائے عقد نہیں، اسی قدر منع وفساد عقد کے لئے بس ہے **ولکنی اقول وبحول اللہ تعالٰی اجول** (لیکن میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی دی ہوئی طاقت سے لکھتا ہوں۔ت)

ہنوز بلوغ شرط تاحدافساد میں اور شرط باقی ہے کہ عرف ناس اس شرط کے ساتھ جاری نہ ہو، ورنہ بحکم تعارف جائز رہے گی اور صحت جواز عقد میں کچھ خلل نہ ڈالے گی، منی آرڈر کا نہ صرف تمام بلاد وامصار واقطار ہندیہ بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی دائر وسائر ہونا تو محتاج بیان نہیں، مگر فقیر وہ کلمات علماء چند ابحاث میں ایراد کرے جو اس مسئلہ شرط کو واضح کرکے **بعونہ تعالٰی مانحن فیہ** کا حکم روشن کردیں، بحث اول شرط سے اصل نہیں منصوص دربارہ بیع وارد کہ:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من بیع الشرط، رواہ ابوحنیفۃ	حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شرط والی بیع سے منع فرمایا، اس کو امام ابوحنیفہ

قال حدثنی عمرو بن شعیب عن جدہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] ومن طریق الامام رواہ الطبرانی فی معجمعہ الاوسط [2] والحاکم فی علوم الحدیث ومن جھتہ ذکرہ عبدالحق فی احکامہ وسکت عنہ قال ابن القطان (وھو علی بن محمد الحموی الفاسی ذاك المتاخر المیت ۶۲۸ھ ثمان وعشرین وستمائۃ) فی کتاب الوھم والایھام (ولا اری ھذا الاسم الا بالھام فانہ قد وھم فیہ واوہم فی کثیر من المقام) بعد ماذکر الحدیث المذکور من کتاب الاحکام علتہ ضعف ابی حنیفۃ فی الحدیث [3] اھ اقول: عفا اللہ عنك یا ابن القطان الست ذٰلك المعروف المشھور بالتعنت فی الرجال حتی اخذت تلین ذٰلك الجبل الشامخ ھشام بن عروۃ ولو اجتمعت انت ومؤن من امثالك وامثال شیوخک	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا، انھوں نے فرمایا مجھے یہ حدیث عمرو بن شعیب نے اپنے دادا سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کی اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے طریقہ سے اس کو طبرانی نے معجم الاوسط اور حاکم نے علوم حدیث میں اور امام صاحب کے طریقہ سے اس کو عبدالحق نے اپنے احکام میں ذکر کیا اور جرح نہ کی، ابن قطان (اور وہ علی بن محمد حمیری فاسی متاخرین میں ہیں ان کی وفات ۶۲۸ھ میں ہوئی ہے) نے اپنی کتاب "الوھم والایھام" میں کہا (میری رائے میں کتاب کا یہ نام الہامی ہے کیونکہ ان کو اسی کتاب میں بہت سے وہم لاحق ہوئے اور کئی مقامات پر اس نے وہم پیدا کئے ہیں) اس نے اس کتاب میں اس حدیث کو "کتاب الاحکام" سے نقل کرکے کہا کہ اس حدیث میں کمزوری یہ ہے کہ اس کے روای ابوحنیفہ حدیث میں ضعیف ہیں اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ابن قطان تجھے اللہ تعالٰی معاف فرمائے کیا آپ وہی نہیں جو رجال حدیث کے متعلق ہٹ دھرمی میں مصروف ہیں۔ تو نے ایک بلند پہاڑ (ہشام بن عروہ) پر طعن شروع کردیا ہے اور تو اور تیرے جیسے سیکڑوں اور تیرے مشائخ

[1] جامع المسانید الباب التاسع الفصل الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۴۳۵۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۵/ ۱۸۴

[3] بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام حدیث ۱۳۰۱ دار طیبہ مکہ المکرمہ ۳/ ۵۲۷

وشیوخ مشایخك لم تبلغوا جمیعا قوۃ ابی حنیفۃ و لاقوۃ غلمانہ ولاقوۃ ہشام ولااقرانہ فی العلم و الحدیث ولکن علتکم انتم ایھا الناس التعنت و التقشف وقلۃ الدرایۃ لمسالك التعرف وھذا ابو محمد عبدالحق کان اعرف منك بالحق حیث صح الحدیث بایرادہ فی الاحکام والسکوت عنہ۔	اور مشائخ المشائخ جیسے سیکڑوں بھی جمع ہوجائیں تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کی قوت درکنار، ان کے غلاموں اور ہشام اور ان کی ہم مثل علم اور حدیث والوں کو نہیں پہنچ سکتے، لیکن تم نے اپنی ہٹ دھرمی اور پراگندگی اور معرفت درایت کے راستوں کی کم علمی کی وجہ کو ذریعہ طعن بنالیا ہے حالانکہ صاحب کتاب الاحکام عبدالحق یہ تجھ سے حق کو بہتر جانتے ہیں جنھوں نے اس حدیث کو ذکر کرکے اس پر سکوت سے اس کی صحت بتادی۔(ت)

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اجارہ کو اس پر قیاس فرمایا۔ ہدایہ میں ہے:

الاجارۃ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع لانہ بمنزلتہ الاترٰی انہ عقد یقال ویفسخ[1]۔	اجارہ کو شرطیں فاسد کردیتی ہیں جیسے بیع کو فاسد کرتی ہے کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کے عقد کو اقالہ اور فسخ لاحق ہوتے ہیں۔(ت)

غایۃ البیان میں ہے:

قال القدوری فی مختصرہ وذٰلك لانھا عقد معاوضۃ محضۃ تقال وتفسخ فکانت کالبیع وکل افسد البیع افسدھا[2]۔	قدوری نے اپنی مختصر میں فرمایا: یہ اس لئے کہ خالص عقد معاوضہ ہے جو اقالہ اور فسخ کے قابل ہوتا ہے تو یہ بیع کی طرح ہے جو چیز بیع کو فاسد کرتی ہے وہ اس کو بھی فاسد کرے گی۔ (ت)

اور بیع میں شرط افساد یا شرط عدم تعارف شرط ہے۔ ہدایہ میں ہے:

کل شرط لایقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لاحد المتعاقدین	ایسی شرط جس میں فریقین میں سے کسی ایک یا مبیع اگر فائدہ کا اہل ہے تو اس کا فائدہ شرط

[1] الهدایۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۹

[2] غایۃ البیان

اوللمعقود علیه وھو من اھل الاستحقاق یفسدہ الا ان یکون متعارفا لان العرف قاض علی القیاس [1]۔	کیا جائے تو وہ بیع کو فاسد کردے گی بشرطیکہ عرف میں وہ شرط معروف نہ ہو کیونکہ قیاس پر عرف غالب ہوتا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

الاصل الجامع فی فسادالعقد بسبب شرط(لا یقتضیه العقد ولایلائمه وفیه نفع لاحدھما اولمبیع من اھل الاستحقاق ولم یجز العرف به ولم یرد الشرع بجوازہ)امالو جری العرف به کبیع نعل مع شرط تشریکه او ورد الشرع به کخیار شرط فلا فساد [2]۔	کسی شرط کی وجہ سے عقد کے فساد کا سبب قاعدہ کی رو سے ایسی شرط ہے جس کو نہ تو عقد قبول کرے اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہو اور اس شرط میں فریقین یا نفع کا مستحق ہو تو مبیع کا فائدہ ہو بشرطیکہ اس شرط پر عرف قائم نہ ہو اور نہ ہی شریعت نے اس کے جواز کو بیان کیا ہو لیکن اگر عرف میں اس کا جواز مروج ہو جیسے پیشگی آرڈر پر جوتا سلوانا یا اس شرط کے جواز پر شریعت وارد ہو جیسا کہ شرط خیار، تو فساد نہ ہوگا۔ (ت)

مسئلہ ظاہر ہے اور تمام کتب مذہب میں دائر، اور مقیس کی طرف وہی حکم متعدی ہوگا جو اصل مقیس علیہ میں تھا نہ کہ زائد، لاجرم متن غرر میں فرمایا:

تفسد بالشرط المفسد للبیع [3]۔	اجارہ، بیع کی فاسد شرطوں سے فاسد ہو جاتا ہے۔ (ت)

متن نقایہ میں فرمایا: یفسدھا شروط تفسد البیع [4] (بیع کو فاسد کرنیوالی شرطیں اجارہ کو فاسد کردیتی ہے۔ت) متن اصلاح میں تھا۔ الشرط یفسدھا [5] (مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کردیتی ہے۔ت) شرح ایضاح میں فرمایا: المراد شرط یفسد البیع [6] (مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کردیتی ہے۔ت)

بحث ثانی: کیا لازم ہے کہ وہ عرف زمان اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے واقع ہو، **اقول:** بعض علماء کی تقریر میں ایسا واقع ہوا لیجعله من تقریر

---

[1] الھدایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

[3] الدرالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ میر محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[4] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ کتاب الاجارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۲-۱۱۱

[5] اصلاح

[6] شرح ایضاح

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (تاکہ عرف اس کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تقریر و تائید بنادے۔ت) مگر حق یہ کہ یہ ہر گز ضرور نہیں ہزارہا فروع مذہب وصدہا کلمات ائمہ اس کے خلاف پر شاہد ہیں۔امام برہان الدین ہدایہ اور محقق علی الاطلاق اس کی شرح فتح میں فرماتے ہیں:

(من اشتری نعلا علی ان یحذوھا البائع) المراد اشتری ادیما علی ان یجعله البائع نعلاله ویمکن ان یراد حقیقته ای نعل رجل واحدة علی ان یحذوھا ای یجعل له شراکافلا بد ان یراد حقیقة النعل (فالبیع فاسد) قال المص (ماذکرہ) یعنی القدوری (جواب القیاس) ووجهه مابیناہ من انهشرط لایقضیه العقد وفیه نفع لاحد المتعاقدین وفی الاستحسان یجوز البیع ویلزم الشرط (للتعامل) کذٰلك ومثله فی دیارنا شراء القبقاب علی ھذا الوجه ای علی ان یسمرله سیرا ومن انواعه شراء الصوف المنسوج علی ان یجعله البائع قلنسوة اوقلنسوة بشرط ان یبطن لھا البائع بطانةمن عندہ[1] اھمختصرا۔	جس نے اس شرط پر جوتا خریدا کہ اس کو بائع سلائی کرکے بنائے اس سے مراد یہ ہے کہ خریدار نے چمڑا خریدا کہ اس کا جوتا سلائی کرکے بنادے،اور ممکن ہے حقیقت مراد لے کر ایک پاؤں کا جوتا کہ ایک ہی پاؤں کی پیمائش کے مطابق تسمہ لگادے اس صورت میں حقیتا ایک ہی مراد ہوگا تو بیع فاسد ہوگی،مصنف نے فرمایا کہ قدوری نے جوذکر کیا ہے وہ قیاس پر مبنی جواب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ جو مقتضی عقد نہیں ہے اور اس شرط میں ایک فریق کا فائدہ بھی ہے اور جبکہ استحسان کے طور پر یہ جائز ہے اور تعامل کی وجہ سے سلائی کی شرط لازم ہوجائیگی اور اسی طرح ہمارے علاقہ میں کھڑائیں اسی شرط پر خریدنا یعنی ان کو پٹے لگادے گا اور اسی قسم سے ہے بنی ہوئی اون ٹوپی بنانے کی شرط پر یا ٹوپی خریدنا استرا اپنے پاس سے لگانے کی شرط پر اھ مختصرا۔(ت)

ردالمحتار میں اس کا بعض نقل کرکے فرمایا:

وفی البزازیة اشتری ثوبا اوخفا خلقا علی ان یرقعه البائع ویسلمه	بزازیہ میں ہے کہ کپڑا یا پرانے موزے اس شرط پر خریدے کہ بائع مرمت کرکے دے تو

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۵

صح اھ ومثلہ فی الخانیۃ قال فی النھر بخلاف خیاطۃ الثوب العدم لتعارف اھ قال فی المنح فان قلت نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع وشرط فیلزم ان یکون العرف قاضیاً علی الحدیث قلت لیس بقاج علیہ بل علی القیاس لان الحدیث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود بہ وھو قطع المنازعۃ والعرف ینفی النزاع فکان موافقا لمعنی الحدیث فلم یبق من الموانع الاالقیاس والعرف قاض علیہ اھ **قلت** وتدل عبارۃ البزازیۃ والخانیۃ و کذا مسئلۃ القبقاب علی اعتبار العرف الحادث و مقتضی ہذا انہ لوحدث عرف فی شرط غیرالشرط فی النعل و الثوب والقبقاب ان یکون معتبرا اذا لم یؤد الی المنازعۃ[1]۔	صحیح ہے، اور اسی کی مثل خانیہ میں ہے، نہر میں فرمایا: بخلاف کپڑے کی سلائی، کیونکہ اس میں تعارف نہیں، اھ منح میں فرمایا کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بیع اور اس کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے تو اس سے لازم آجائیگا کہ عرف حدیث پر غالب ہے۔ میں کہتاہوں عرف حدیث پر غالب نہیں بلکہ عرف قیاس پر غالب ہے کیونکہ حدیث میں منع کی علت جھگڑا ہے جس کی وجہ سے عقد بے مقصد بن جاتا ہے جبکہ عقد کا مقصد جھگڑے کو ختم کرنا ہوتا ہے اور عرف اس جھگڑے کو ختم کرتا ہے تو اس طرح عرف حدیث کے موافق ہوا تو اب صرف قیاس مانع ہے جس پر عرف غالب ہوا اھ۔ **میں کہتاہوں** اس پر بزازیہ اور خانیہ کی عبارت دال ہے، اور یونہی کھڑاؤں کا مسئلہ جدید عرف پر مبنی ہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر جوتے، کپڑے اور کھڑاؤں میں مذکورہ شرط کے علاوہ کوئی اور شرط عرف میں جاری ہوجائے تو وہ بھی معتبر ہوگی بشرطیکہ وہ جھگڑے کا باعث نہ ہو۔ (ت)

ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

ان اشترط صرما علی ان یخرز البائع لہ خفاًاوقلنسوۃ بشرط ان یبطن لہ البائع من عندہ فالبیع بھذا الشرط جائز للتعامل[2]	اگر چمڑے کا ٹکڑا جوتا بنادینے کی شرط پر خریدا یا ٹوپی استر لگادینے کی شرط پر خریدی کہ بائع اپنے پاس سے لگائے تو تعامل کی وجہ سے اس شرط پر بیع جائز ہوگی (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب فی البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۳

اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے:

وکذا لو اشتری خفابه خرق علی ان یخرز البائع وثوبا من خلقانی وبه خرق علی ان یخیطه ویجعل علیه الرقعة[1]۔	اور یونہی اگر پھٹا ہوا موزہ خریدا اس شرط پر کہ بائع پیوند لگا کر دے یا پرانا پھٹا کپڑا پیوند لگانے کی شرط پر خریدا۔(ت)

اسی میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

لو اشتری کرباسا بشرط القطع والخیاطة لایجوز لعدم العرف[2]۔	اگر نیا کپڑا کٹائی اور سلائی کی شرط پر خریدا تو عرف نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔(ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

صح وقف کل(منقول فی تعامل)للناس کفأس و قدوم ودراهم ودنانیر وقدر وجنازة وثیابها ومصحف وکتب لان التعامل یترك به القیاس لحدیث ماراہ المسلمون حسنا فهو عندالله حسن" بخلاف مالا تعامل فیه کثیاب متاع وهذا قول محمد وعلیه الفتوی اختیار[3]۔(باختصار)	ایسی منقولہ چیز کا وقف جائز ہے جس میں عرف ایسا ہو مثلاً کلہاڑی، تیشہ، دراہم، دنانیر، ہانڈی، جنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا، قرآن مجید اور کتب، کیونکہ تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جائے گا اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس چیز کو مسلمان پسند کریں تو وہ عنداللہ پسندیدہ ہے۔ بخلاف اس کے جس میں تعامل نہ ہو، مثلاً سامان والے کپڑے، یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔ اختیار (بالاختصار)(ت)

اسی میں خلاصہ سے ہے:

وقف کرا علی شرط ان یقرضه لمن لابذر له لیزرعه لنفسه فاذا ادرك اخذ مقداره ثم اقرضه لغیره وهکذا	گندم ایک کُر (پیمانہ) وقف کی جس کے پاس بیج نہ ہو اس کو قرض دی جائے تاکہ وہ اپنی زراعت کرلے اور جب گندم کی فصل اترے تو اتنی مقدار واپس کردے، پھر وہ اسی طرح دوسرے کو قرض

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۴

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

جاز، وقف بقرۃ علی ماخرج من لبنھا اوسمنھا للفقراء ان اعتادوا ذٰلك رجوت ان یجوز [1]۔	دی جائے، اور یوں ہی گائے وقف کی جائے کہ اس کا دودھ یا گھی فقراء کو دیا جائے اگر لوگ یہ عادت بنالیں تو مجھے امید ہے کہ جائز ہوگا۔ (ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

رجل وقف بقرۃ علی ان مایخرج من لبنھا وسمنھا وشیرازھا یعطی ابناء السبیل ان کان ذٰلك فی موضع تعارفوا ذٰلك جاز کما یجوز ماء السقایۃ [2]۔	کسی شخص نے گائے وقف کی کہ اس کا دودھ یا گھی اور دہی مسافروں کو دیا جائے اگر کسی علاقہ میں یہ تعارف ہو تو جائز ہے جیسے مشکیزے کا پانی۔ (ت)

اسی میں ہے:

وقف المنقول مقصودا فان کان کراعا اوسلاحا یجوزہ فیما سوی ذٰلك ان کان شیئا لم یجر التعارف بوقفه کالثیاب والحیوان لایجوز عندنا وان کان متعارفا کالفأس والقدوم والجنازۃ وثیاب الجنازۃ ومایحتاج الیه من الاوانی والقدور فی غسل الموتی و المصاحف قال محمد یجوز الیه ذھب عامۃ المشائخ منھم الامام السرخسی کذا فی الخلاصۃ وھو المختار و الفتوٰی علی قول محمد کذا قال شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی مختار الفتاوٰی [3]۔	اگر منقول بامقصد چیز کو وقف کیا اگر وہ سواری یا ہتھیار ہو تو جائز ہے ان کے علاوہ اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کو وقف کرنا عرف میں مروج نہیں جیسے عام کپڑے اور حیوانات، تو ہمارے نزدیک جائز نہیں اور وہ متعارف ہو جیسے کلہاڑی اور تیشہ اور جنازہ کی چارپائی اور اس کا کپڑا اور میت کو غسل میں کام آنے والے برتن اور قرآن مجید، تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جائز ہے۔ اسی کو عام مشائخ جیسے امام سرخسی وغیرہ نے اپنایا ہے۔ خلاصہ میں ایسے ہی ہے، وہی مختار ہے اور فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔ امام شمس الائمہ حلوانی نے یوں فرمایا اور فتوٰی کے لئے یہی مختار ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۶۲۔۳۶۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۶۱

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے فصل وقف المنقول میں ہے:

جعل فی المسجد بواری او غلق باب او حصیر لم یکن لہ ان یرجع وکذٰلک لو علق فیہ سلسلۃ او حبلا للقندیل لان ھذا یترک فی المسجد دائمًا عادۃ فیکون للمسجد [1]۔	مسجد میں بچھونا، دروازے کا تالا، چٹائی دی تو واپس لینے کا حق نہیں، اور یونہی اگر قندیل کی زنجیر یا رسی دی ہو کیونکہ عادتاً یہ چیزیں دائمی طور پر مسجد میں رکھی جاتی ہے، لہٰذا یہ مسجد کے لئے مختص ہو جائیں گی۔ (ت)

غرر ودرر میں ہے:

(عن محمد صحتہ فی المتعارف وقفیتہ) کالفأس والمر والقدوم والمنشار والجنازۃ وثیابھا والقدور والمراجل اذا وقف علی المسجد جاز واما وقف الکتب فکان نصیر بن یحیی یجیزہ والفقیہ ابوجعفر یجیزہ وبہ ناخذ خلاصہ [2] اھ ملخصًا۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک کلہاڑی، پھاوڑی، تیشہ، آرہ، زجنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا، ہنڈیا، دیگ مسجد کے لئے وقف کئے تو جائز ہے، ولیکن کتابوں کو وقف کرنا اسے نصیر بن یحیٰی اور فقیہ ابوجعفر جائز کہتے ہیں اور ہمارا یہی موقف ہے خلاصہ، اھ ملخصًا۔ (ت)

غنیہ علامہ شرنبلالی میں برہان سے ہے:

زاد محمد ماتعورف وقفہ کالمصاحف والکتب والقدور والمقدوم والفأس والمنشار والجنازۃ وثیابھا وما یحتاج الیہ من الاوانی فی غسل الموتی وعلیہ عامۃ المشائخ وبہ یفتی [3]۔	جن چیزوں کے وقف پر تعارف ہے ان میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید، کتب، ہنڈیا، تیشہ، کلہاڑی، آرہ، جنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا اور رمیت کے غسل میں ضروری برتن کا اضافہ فرمایا ہے، عام مشائخ کا یہی موقف ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا۔ (ت)

نقایہ وشرح علامہ برجندی میں ہے:

[1] خزانۃ المفتین کتاب الوقف فصل فی المشاع قلمی نسخہ ۱/ ۲۱۷

[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الوقف میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۵۔۱۳۶

[3] غنیہ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الحکام کتاب الوقف میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۶

صح عند(محمد وقف منقول فیه تعامل کالمصحف ونحوه)من الکتب والطشت والقدوم والقیاس ان لا یجوز وهو قول ابی حنیفة لانها مما لایتأبد لکن القیاس یترك بالتعامل(وعلیه الفتوٰی)[1] اھ ملتقطا۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جن منقولہ چیزوں کے وقف میں تعامل ہے جیسے قرآن مجید وغیرہ کتب اور طشت، تیشہ کے وقف کو جائز قرار دیا ہے اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہیں، یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے۔ کیونکہ یہ دائمی چیزیں نہیں ہیں لیکن تعامل کی وجہ سے قیاس متروک ہوگیا، اور اسی پر فتوٰی ہے۔ اھ ملتقطا۔ (ت)

رد المحتار میں ہے:

قال المصنف فی المنح لماجری التعامل فی زماننافی البلاد الرومیة فی وقف الدراهم والدنانیر دخلت تحت قول محمدن المفتٰی به فی وقف کل منقوله فیه تعامل کما لایخفی وقد افتی مولانا صاحب البحر بجواز وقفها ولم یحك خلافا اھ ولا شك فی کونها من المنقول فحیث جرٰی فیها تعامل دخلت فیما اجازه محمد ولهذا لمامثل محمد باشیاء جری فیها التعامل فی زمانه قال فی الفتح ان بعض المشائخ زادوا اشیاء من المنقول علی ماذکره محمد لمارأوا جریان التعامل فیها وذکر منها مسئلة البقرة و مسئلة الدراهم والمکیل حیث	مصنف نے منح میں فرمایا رومی علاقہ میں ہمارے زمانہ میں دراہم ودنانیر کا وقف عرف میں جاری ہے تو یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے مفتی بہ قول جس میں منقول کا وقف جائز ہے میں داخل ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور مولانا صاحب بحر نے اس کے جواز کا فتوٰی دیا اور کوئی مخالف قول نقل نہ فرمایا اھ اور اس منقول میں تعامل کے جاری ہونے میں شک نہیں ہے تو یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے جواز میں داخل ہوگا، اسی لئے جب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے زمانہ میں تعامل والی اشیاء کی مثال بیان فرمائی تو فتح میں کہا کہ بعض مشائخ نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی ذکر کردہ اشیاء پر کچھ اور چیزوں کا اضافہ کیا جن میں تعامل دیکھا انہی چیزوں میں گائے دراہم اور کیلی چیز کے مسئلہ کو ذکر فرمایا

[1] مختصر الوقایه فی مسائل الهدایه کتاب الوقف نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹، شرح النقایة للبرجندی فصل الوقف نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۷۲

قال ففی الخلاصة وقف بقرة علی ان مایخرج من لبنها وسمنها یعطی لابناء السبیل قال ان کان ذٰلك فی موضع غلب ذٰلك فی اوقافهم رجوت ‌عـــه ان یکون جائزا. قال فعلی هذا القیاس اذا وقف کرا من الحنطة علی شرط ان یقرض للفقراء ثم یؤخذ منهم ثم یقرض لغیرهم ان یکون جائزا وقال ومثل هذا کثیر فی الری وناحیة دماوند اھ وبهذا ظهر صحة ما ذکرہ المص من الحاقها بالمنقول المتعارف علی قول محمد المفتی به وانما خصوها بالنقل عن زفر لانها لم تکن متعارفة اذ ذاک. قال فی النهر ومقتضی مامر عن محمد وعدم جواز ذاك ای وقف الحنطة فی الاقطار المصریة لعدم تعارفه بالکلیة نعم وقف الدراهم	اور کہا خلاصہ میں ہے کہ گائے وقف کی کہ اس کا دودھ اور گھی مسافروں کو دیا جائے، اور فرمایا کہ اگر کسی مقام میں لوگوں نے وقف میں تعامل بنایا ہو تو مجھے امید ہے کہ یہ جائز ہوگا۔ اور فرمایا اس پر قیاس ہوگا جب کوئی شخص گندم کا کُر (پیمانہ) اس شرط پر وقف کرے کہ ضرور تمند فقیر کو یہ قرض دیا جائے اور پھر واپس ملنے پر دوسرے فقیر کو قرض دیا جائے تو لازما جائز ہوگا اور کہا کہ رے اور دماوند کے علاقہ میں اس قسم کا کثیر رواج ہے اھ اس سے مصنف کا مذکورہ کو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے متعارف مفتی بہ کے ساتھ الحاق کی صحت معلوم ہو گئی، امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول کے ساتھ گندم مذکور کے مسئلہ کو وفقہاء کا مختص کرنا اس لیے ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے زمانہ میں یہ معاملہ متعارف نہ ہوا تھا اور نہر میں فرمایا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول شدہ کا مقتضی اسگندم کو وقف کرنے کا عدم جواز ہے کیونکہ مصری علاقہ میں ابھی اس کا بالکل تعارف

عـــه: **قلت** هذہ نسخة کتبهافی نسختی الخلاصة علی الهامش والذی فی متنها جاز ان کان تعارفوا ذٰلك کما فی النقایة اھ کما هو عبارة الظهیریة لاٰتیة ۱۲ منه۔	**میں کہتاہوں** یہ نسخہ میرے پاس خلاصہ کے نسخہ کے حاشیہ میں لکھا ہے اور اس کے متن میں ہے کہ اگر لوگوں کا اس پر تعارف ہو تو جائز ہے جیسا کہ نقایہ میں ہے اھ جیسا کہ ظہیریہ کی آئندہ عبارت میں ہے ۱۲ منہ (ت)

والدنانیرتعورف فی الدیار الرومیة اھ قولہ لان التعامل یترك به القیاس فی البحر عن التحریر هوالاکثر استعمالا وفی شرح البیری عن المبسوط ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص اھ فظاهر ما قدمناہ انفامن زیادۃ بعض المشائخ اشیاء جری التعامل فیها وعلی هذا فالظاهر اعتبارالعرف فی الموضع اوالزمان الذی اشترہ فیه دون غیرہ فوقف الدراهم متعارف فی بلاد الروم دون بلادناووقف الفأس والقدوم کان متعارفافی زمن المتقدمین ولم نسمع به فی زماننا فالظاهر انه لایصح الآن ولئن وجدنا دارا لایعتبر لما علمت من ان التعامل هوا الاکثر استعمالا فتامل[1] اھملخصا۔	نہیں ہے ہاں دراہم ودنانیر کے وقف رومی علاقہ میں موجود ہے، اھ اس کا قول کہ کیونکہ تعامل کی وجہ سے قیاس متروک ہوجاتاہے بحر میں تحریر سے منقول ہے کہ یہ استعمال کثیر ہے اور شرح بیری میں مبسوط سے منقول ہے کہ عرف سے ثابت شدہ نص کی طرح ہے اھ، تو اس سے ابھی ہمارا بیان کردہ ظاہر ہوا کہ مشائخ کا بعض چیزوں کو شامل کرنا تعامل کی بناء پر ہے اور اس بنیاد پر ظاہر ہوا کہ جس علاقہ یا زمانہ میں عرف مشہور ہوا وہی معتبر ہے دوسروں کے لئے معتبر نہیں تو دراہم کا وقف روم کے علاقہ میں متعارف ہے ہمارے علاقہ میں یہ معروف نہیں ہے اور کلہاڑی اور تیشہ کا وقف متقدمین کے زمانہ میں تھا اپنے زمانہ میں ہم نے یہ نہیں سنا تو ظاہر یہ ہے کہ اب یہ جائز نہیں اگر کہیں نادر طور پر موجود ہو تو معتبر نہ ہوگا کیونکہ تو معلوم کرچکا ہے کہ تعامل وہ ہوتا ہے جس کا استعمال زیادہ ہو، تو غور کرو، اھ ملخصا۔ (ت)

اسی میں تتارخانیہ سے ہے:

عن ابی یوسف یجوز بیع الدقیق و استقراضه وزنااذا تعارف الناس ذٰلك استحسن فیه[2]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ آٹے کی بیع اور اس کو قرض بطور وزن دینا اگر عرف بن جائے تو استحسانا جائز ہوگا (ت)

اسی میں بحوالہ طحطاوی فتاوٰی غیاثیہ سے ہے: وعلیه الفتوٰی[3] (اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴۔۷۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۲

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۲

تنویر ودر میں ہے:

(یستقرض الخبز وزناً وعدداً)عنه محمد وعلیه الفتوٰی ابن الملك واستحسنه الکمال واختارہ المصنف تیسیراً،اختیار[1]۔	روٹی کو گنتی اور وزن دونوں طرح قرض دینا لینا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے۔اور اسی پر فتوٰی ابن مالک ہے۔اس کو کمال نے پسند کیا اور مصنف نے آسانی کی وجہ سے اس کو اختیار کیا۔(ت)

اختیار پھر طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے:

ھوالمختار لتعامل الناس وحاجاتھم الیه[2]۔	لوگوں کی ضرورت اور تعامل کی بناء پر بھی مختار ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

(مانص)الشارع(علی کونه کیلیا)کبُرِّ وشعیر اوتمر وملح(اووزنا)کذھب وفضة(فھو کذلک)لایتغیر (ابدافلم یصح بیع حنطه بحنطة وزنا کما لو باع ذھبا بذھب اوفضة بفضة کیلا)ولو(مع التساوی)لان النص اقوٰی من العرف فلایترك الاقوٰی بالادنی(وما لم ینص علیه حمل علی العرف)وعن الثانی اعتبارا لعرف مطلقاً ورجحه الکمال(وخرج علیه سعدی آفندی	شارع نے جس چیز کے کیلی ہونے پر نص فرمائی مثلاً گندم،جو،کھجور اور نمک وہ کیلی اور جس کے وزنی ہونے پر نص فرمائی وہ وزنی ہوگی جیسے سونا اور چاندی۔یہ تبدیل نہ ہوسکیں گی،تو گندم کی خرید وفروخت وزن کے طور پر اور سونے چاندی کی کیل کے طور پر جائز نہ ہوگی،اگرچہ ہم جنس کے ساتھ مساوی لین دین ہو،کیونکہ نص اقوی ہے عرف سے تو اقوی کو ادنی کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے گا اور وہ اشیاء جن پر نص وارد نہ ہوئی ان کو عرف پر محمول کیا جائے گا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک عرف کا مطلقاً اعتبار ہوگا۔اس کو کمال نے ترجیح دی ہے۔اور اسی پر سعدی آفندی نے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۷،حاشیه الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع دارالمعرفة بیروت ۳/ ۱۱۲

استقراض الدراھم عدد ااوبیع الدقیق وزنا فی زماننا یعنی بمثلہ وفی الکافی الفتوی علی عادۃ الناس بحر واقرہ المنصف [1] اھونقلہ عن العلامۃ سعدی فی النھر واقرہ۔	دراہم کو عدد کے طور پر قرض لینا اور آٹے کو وزن کے ساتھ ہم جنس سے لین دین کرنا متفرع کیا ہے اور کافی میں ہے کہ فتوٰی لوگ کی عادت پر ہوگا۔بحر،اور مصنف نے اسے ثابت مانا ہے اھ اور اس کو انھوں نے علامہ سعدی آفندی سے نہر میں نقل کیا ہے اور ثابت رکھا۔(ت)

ذخیرہ امام برہان الدین محمود کتاب البیوع فصل سادس میں ہے:

اذا شتری ثمار بستان وبعضھا قد خرج وبعضھا لم یخرج فھل یجوز ھذا البیع.ظاھر المذھب انہ لا یجوز وکان شمس الائمۃ الحلوانی یفتی بجوازہ فی الثمار والباذنجان والبطیخ وغیرہ ذٰلك وکان یزعم انہ مروی عن اصحابنا [2]۔	جب باغ اس حالت میں خریدا کہ اس کا کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ نہ ظاہر ہوا تو یہ کیا یہ جائز ہوگا۔تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ نا جائز ہے۔حالانکہ شمس الائمہ حلوانی پھلوں،بینگن،تربوز وغیرہا میں اس کے جواز کا فتوٰی دیا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا یہ جواز ہمارے اصحاب سے مروی ہے۔(ت)

بحر الرائق میں امام جلیل ابوبکر محمد بن فضل فضلی سے ہے:

استحسن فیہ لتعامل الناس فانھم تعاطو بیع ثمار الکرم بھذہ ا الصفۃ ولھم فی ذٰلك عادۃ ظاھرۃ وفی نزع الناس عن عاداتھم حرج [3]۔	انھوں نے اس کو پسند کیا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے کیونکہ وہ انگوروں کے پھل کا اسی حالت میں لین دین کرتے ہیں اور لوگوں کی یہ عادت معروف ہے جبکہ لوگوں کی عادت چھڑانا حرج کی بات ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الرباء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

[2] نشر العرف بحوالہ الذخیرۃ البرہانۃ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۴۰۔۱۳۹

[3] بحر الرائق کتاب البیوع فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۱

قدرأیت روایة فی نحوهذا عن محمد فی بیع الورود علی الاشجار فان الورود متلاحق ثم جوز البیع فی الکل وهو قول مالك[1]۔	میں نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے اس طرح کی روایت پودوں پر گلاب کے بارے میں دیکھی ہے حالانکہ گلاب یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے ہیں پھر انھوں نے تمام گلابوں میں بیع جائز فرمایا، اور یہی امام مالک کا قول ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الزیلعی قال شمس الائمة السرخسی والاصح انه لایجوز لان المصیر الی مثل هذه الطریقة عند تحقق الضرورة ولا ضرورة هنا لانه یمکنه ان یبیع الاصول اویؤخر العقد فی الباقی الی وجوده او یبیح له الانتفاع بما یحدث فلاضرورة الی تجویز العقدفی المعدوم مصادما للنص اه قلت لکن لایخفی تحقق الضرورة فی زماننا لاسیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل علی الناس لایمکن الزامهم بالتخلص باحدا لطرق المذکورة و ان امکن بالنسبة الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبة الی عامتهم وفی نزعهم عن عادتهم حرج کما علمت ویلزم تحریم اکل الثمار فی هذه البلدان اذ الاتباع الا کذلك والنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم	زیلعی نے کہا کہ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت کو ضرورت کی بناء پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ پودا خریدنا لینا یا باقی گلاب کی بیع کو ان کے ظاہر ہوجانے تک موخر کردیا جائے یا آئندہ ظاہر ہونے والے گلاب سے انتفاع کو مباح کردے اس گنجائش کے باوجود معدوم گلام کی بیع کو جائز کرنا نص سے متصادم ہوگا اھ، میں کہتاہوں کہ ہمارے زمانہ میں اس ضرورت کا تحقق مخفی نہیں خصوصا دمشق کے علاقہ میں جو کثیر باغات اور پھلوں کا علاقہ ہے تو لوگوں پر جہالت کے غلبے کی وجہ سے ان کو مذکورہ طرق پر پابند کرنا اگرچہ بعض لوگوں کو ممکن ہے لیکن عوام کے لئے یہ ممکن نہیں جبکہ ان کو عادت چھڑانے پر حرج لاحق ہوگا جیسا کہ تجھے معلوم ہوچکا ہے، اور لازم آئے گا کہ اس علاقہ باغات کے پھل فروخت کرنے کا وہاں یہی رواج ہے حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

[1] فتح القدیر کتاب البیوع فصل لماذکر ماینعقد به البیع الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۹۲

انما رخص فی السلم للضرورۃ مع انه بیع المعدوم فحیث تحققت هنا ایضا امکن الحاقه بطریق الدلالة فلم یکن مصادما للنص فلذا جعلوہ من الاستحسان وظاهر کلام الفتح المیل الی الجواز ولذا اوردله الروایة عن محمد بل تقدم ان الحوانی رواہ عن اصحابنا وماضاق الامر الا اتسع ولا یخفی ان هذا مسوغ اللعدول عن ظاهر الروایة [1] اھ بتلخیص۔	نے ایک ضرورت کے تحت معدوم چیز کی بیع کو بیع سلم کے طور پر جائز فرمایا تو جب یہاں بھی یہ ضرورت متحقق ہے تو اس کو بھی بیع سلم کے ساتھ بطریقہ دلالۃ النص ملحق کرنا ممکن ہے تو اس طرح یہ نص سے متصادم نہ ہوگا۔ فقہاء کرام نے استحسان میں اس لئے اس کو اختیار فرمایا اور فتح کا ظاہر کلام جواز کی طرف مائل ہے اسی لئے انھوں نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یہاں روایت نقل فرمائی بلکہ پہلے گزرا کہ امام حلوانی نے یہ بات ہمارے اصحاب سے نقل فرمائی اور جب معاملہ میں تنگی آتی ہے تو صرف وسعت ہی لاتی ہے۔ تو مخفی نہ رہا کہ ظاہر روایت سے عدول کا یہ جواز ہے اھ ملخصا۔ (ت)

یہ سردست تیس ۳۰ کتابوں سے تیس ۳۰ مسئلے ہیں۔ **کتب:** ۱قدوری، ۲ہدایہ، ۳فتح القدیر، ۴ردالمحتار، ۵وجیز کردری، ۶فتاوٰی امام قاضیخاں، ۷منح الغفار، ۸ہندیہ، ۹تاتارخانیہ، ۱۰محیط امام برہان الاسلام سرخسی، ۱۱فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی، ۱۲تنویر الابصار، ۱۳در مختار، ۱۴خلاصہ، ۱۵مختار الفتاوٰی، ۱۶خزانۃ المفتین، ۱۷فتاوٰی کبرٰی، ۱۸درر الحکام، ۱۹غنیہ ذوی الاحکام، ۲۰برہان شرح مواہب الرحمٰن، ۲۱متن نقایہ، ۲۲شرح برجندی، ۲۳بحر الرائق، ۲۴نہر الفائق، ۲۵طحطاوی، ۲۶فتاوٰی غیاثیہ، ۲۷جامع المضمرات، ۲۸شرح نقایہ للقہستانی، ۲۹شرح المجمع لابن فرشتہ، ۳۰اختیار شرح مختار۔

مسائل: ۱بیع نعل اس شرط پر کہ دوسری اس کے ساتھ کی بنادے، ۲اس میں تسمہ لگادے، ۳بیع چرم بشرطیکہ جوتا سی دے، ۴کھڑاؤں کی بیع میں پھٹے دینے کی شرط، ۵بنی ہوئی اور ان کی بیع بایں شرط کہ اس کی ٹوپی کردے، ۶ٹوپی اس شرط سے بیچے کہ استر اپنے پاس سے لگائے، ۷پھٹے پرانے موزے یا کپڑے کی بیع میں پیوند کی شرط، ۸کھال اس شرط پر بیچے کہ اس کا موزہ بنادے، ۹جنازے کے لئے چارپائی، ۱۰چادروں ۱۱غسل میت کے لئے گھڑوں لوٹوں کا وقف، اہل حاجت کے لئے ۱۲کلہاڑی ۱۳بسولے ۱۴آرے، ۱۵پھاوڑے کا وقف، ۱۶مسافروں کے لئے طشت، ۱۷ہانڈی، ۱۸بڑی دیگ کا وقف، مساجد کے لئے ۱۹قندیل

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

کی رسی، زنجیر کا وقف، [۲۰]قرآن مجید و [۲۱]کتب و [۲۲]غلہ و [۲۳]گاؤ و [۲۴]دراہم ونانیر کا وقف [۲۵]آٹے سے آٹا تول کو بیچنا نہ کہ ناپ سے، [۲۶]تول پر اٹا قرض لینا، [۲۷]روٹیوں کی بیع سلم گنتی سے، [۲۸]روٹیوں کا گن کو قرض لینا [۲۹]اموال ستہ ربویہ میں کیل ووزن کا عرف بدلنے پر امام ابویوسف کا اعتبار فرمانا [۳۰]پیڑوں میں کچھ پھل آئے کچھ آنے کو ہیں ایسی حالت میں موجودہ وآئندہ کل بہار کی بیع کو امام حلوانی وامام فضل وغیرہما کا جائز فرمانا اور خود شمار کتب کا محل ہی کیا ہے۔ قطع نظر اور مسائل سے یہی مسئلے اگر دیکھیں تو مذہب کے عامہ متون وشروح وفتاوٰے سے کوئی کتاب ان سے خالی نہ پایئے یہ اور ان کے امثال کثیرہ جن کے خرمن سے خوشہ ابحاث آتیہ بھی ان شاء اللّٰه العزیز آتا ہے سب برخلاف اصل وقیاس ہیں جنھیں ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے تعامل وعرف پر مبنی فرمایا اب کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ ان باتوں کا تعامل زمانہ اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے:

حاشاللّٰه ثم حاشاللّٰه وان طلب کل طلب لاعیاہ۔	ہر گز ہر گز نہیں اگرچہ پوری محنت سے طلب کرے عاجز رہے گا۔(ت)

بھلا کھڑاؤں کا پہننا ہی زمانہ اقدس سے ثابت کرے مصحف وکتب کہاں تھیں کہ وقف ہوتے آٹے میں تول کب تھی اور مساجد میں قندیلیں لٹکانے کی زنجیریں کب تھیں۔

تبدیل کیل ووزن توخود عرف حادث ہی میں کلام آئے۔ جس کا غیر ستہ میں اعتبار تو مجمع علیہ اور ستہ میں امام ثانی کے نزدیک جسے محقق علی الاطلاق نے ترجیح دی اور دربارہ مسائل او قاف تو عبارات مذکورہ درمختار، وخلاصۃ وفتح القدیر وعالمگیریہ وفتاوٰی ظہیریہ ونہر الفائق ومنح الغفار وغیرہ نص صریح ہیں کہ سب عرف حادث ہیں، یہاں تک کہ ان میں بہت باتیں زمانہ امام محمد کے بعد پیدا ہوئیں، بالجملہ ان جزئیات میں دلیل قائم ہے تو حدوث پر قدم تو کوئی ثابت کرہی نہیں سکتا۔

ومن ادعٰی فعلیه البیان وعلینا ردہ بابین تبیان ان شاء اللّٰه العزیز المنان۔	اور جو دعوٰی کرے اس پر بیان لازم ہے اور ہم پر اس کا رد بہت واضح انداز پر لازم ہے **ان شاء اللّٰه العزیز المنان**۔(ت)

بحث ثالث: کیا ضرورت ہے کہ وہ عرف تمام جہان کے تمام مسلمانوں کو محیط وشامل ہو، **اقول:** بعض علماء کے کلام میں ایسا مترشح **لیجعله من باب الاجماع** (تاکہ اجماع کے باب میں داخل کرے) مگر حق یہ ہے کہ نہ یہ اصلا لازم نہ کلمات سائر ائمہ کرام سلف خلف علمائے اعلام اس کے ملائم بلکہ

صراحۃً اسکے خلاف پر قاضی وحاکم۔

اوّلاً: ابھی تحریر الاصول امام ابن الہمام وبحر الرائق ورد المحتار سے گزرا: **التعامل ھو الاکثر استعمالا**[1] (تعامل وہ ہے جس کا استعمال کثیر ہو۔ت) الاشباہ والنظائر میں ہے:

انما تعتبر العادۃ اذا اطردت او غلبت[2]۔	عادت وہ معتبر ہے جب وہ عام اور غالب ہوجائے۔(ت)

ثانیاً: انھیں مسائل مذکورہ کو دیکھئے جن میں علمائے مذہب محل عرف وتعامل مانا کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ تمام بلاد کے تمام عباد کا یہی عرف ہے۔ بھلا کھڑاؤں کہاں کہاں پہنچی جاتی ہے، پٹھے دار کہاں کہاں ہوتی ہے، اون کی ٹوپی کہاں کہاں بنی جاتی ہے، ایک دے کر دوسری اس کے ساتھ کی کہاں کہاں بنی ہے، کلہاڑی، بسولا، آرا، پھاوڑا، چارپائی، گھڑے، لوٹے، دیگ، دیگچی، طشت، دودھ، دہی کے لئے گائے بیچ لے کے غلہ قرض کے لئے روپیہ کہاں کہاں وقف ہوئے ہیں **الی غیر ذٰلک ممالایخفی**۔

ثالثاً: حاشاللہ یہ اگر عرف وتعامل حقیقتاً اجماع کل مسلمانان ہند درکنار اتفاق اکثر مومنین جمیع بلاد ہی مراد علماء ہوتا تو مسئلہ کالمستحیل ہوجاتا اور اس کی بناء پر حکم ناممکن رہتا۔ زمانہ مشائخ کرام میں بحمد اللہ تعالٰی الام مغارب ارض سے مشارق تک پھیل چکا تھا، مسلمان اقطار وآفاق میں آباد تھے کوئی شخص ان بلاد وقری وشعاب وجبال کی گنتی بھی نہ بتاسکتا جہاں جہاں **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پکارا جاتا تھا جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، چہ جائے آنکہ مسلمانوں کا شمار چہ جائے آنکہ ان سے کے عمل وعرف پر اطلاع اور بغیر اس کے کسی کام میں حکم لگانا کہ عامہ بقاع کے جمہور مسلمین کا عرف یوں ہے قطعاً محال تو کسی مسئلہ کو عرف وتعامل پر بنا کرنا ہی ممتنع ہوتا، دور کیوں جایئے اب تو ریل بھی آگبوٹ بھی ہے تار بھی ہے، اخبار بھی ہے، ڈاک کے سلسلہ بھی منظّم ہیں۔ مہینوں کی راہیں دنوں میں طے ہوتی ہیں، گھر بیٹھے اقطار وامصار کی جھوٹی سچی خبریں ملتی ہیں، مد تہا مدت سے جغرافیہ کے عظیم اہتمام ہیں کروڑوں روپے کے صرف مشرق ومغرب کی پیمائش ہوتی ہے۔ بلاد وبقاع کے طول وعرض جانچے جاتے ہیں، آئے دن تازہ تازہ اطلسیں بنتی رہتی ہیں، غرض جس قدر دین کا انحطاط وتنزل ہے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ البحر الرائق کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

اسی قدر دنیوی ترقیاں ہیں جسے دنیاپرست عبید النفس ترقی گارہے ہیں زمانہ مشائخ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں ان آسانیوں سے ایک بھی نہ تھی، اب اس تیسر اسباب وتفتح ابواب ہی کے زمانے میں کوئی شخص ٹھیک ٹھیک طور پر بتادے کہ آفاق واقطار، شرق وغرب وجنوب وشمال کے بلاد وقری وصحاری وجزائر وجبال میں حقیقی مسلمان جن کا عرف شرعاملحوظ ومقصود ہو نہ نیچیری وغیر ہم کفار مدعیان اسلام کہ ان جیسے کروڑوں کا تعامل ہو تو مطلقامردود ہوں کہاں کہاں آباد ہیں ہر جگہ کے سچے مسلمانوں کی صحیح مردم شماری کیا ہے کسی معاملہ خاص میں ان میں ہر ایک کا عرف وعمل کس طور پر رہا ہے، حصر بلاد وشمار عباد جو کچھ بیان کرے اس پر دلیل معقول قابل قبول دکھائے، نہ یہ کہ فلاں سال کی مردم شماری میں اسی قدر معدود فلاں اطلس میں اتنے ہی موجود کہ اس حصر اور اس کے جامع ومانع ہونے کی جو قعت ہے ہر ذی عقل وانصاف کو معلوم ومشہود، مردم شماری تو محض مہمل ومختل اٹکل ہے، اطلسیں جن کے محکمے مقرر ہیں اور بڑے بڑے انتظام کروڑوں کے صرف ہیں اور ہزاروں اہتمام حصرو شمار بقاع در کنار جو آنکھوں دیکھی اور قواعد مضبوطہ ہیات پر مبنی ہے یعنی عرض وطول بلاد اس میں اختلاف دیکھئے، کبھی دو اطلسیں متفق نہ پائے گا ع

ہر کہ آمد عمارت نوساخت

(ہر آنے والا نئی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ت)

سبحان اللہ! اجماع شرعی جس میں اتفاق ائمہ مجتہدین پر نظر تھی، علماء نے تصریح فرمائی کہ بوجہ شیوع وانتشار علماء فی البلاد دو صدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

(قال الامام احمد من ادعی الاجماع) علی امر (فھو کاذب والجواب انه محمول علی حدوثه الاٰن) فان کثرة العلماء والتفرق فی البلاد الغیر المعروفین مریب فی نقل اتفاقھم[1]۔	امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جو کسی معاملہ میں اجماع کا دعوی کرے تو جھوٹا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی بات موجود دور کے واقعہ یہ ہے کہ محمول ہے کیونکہ علماء کی کثرت اور غیر معروف علاقوں میں ان کا متفرق ہو جانا ان کے اتفاق کو نقل کرنے میں شبہہ پیدا ہوتا ہے۔(ت)

[1] فواتیح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثالث الاجماع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۲۱۲

نیز فواتح میں ہے:

تحقیق المقام ان فی القرون الثلثة لاسیما القرن الاول قرن الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم کان المجتهدون معلومین باسمائهم واعیانهم و امکنتهم خصوصا بعد وفاة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم زمانا قلیلا ویمکن معرفة اقوالهم و احوالهم للجادفی الطلب۔نعم لا یمکن معرفة الاجماع ولاالنقل الآن لتفرق العلماء شرقا وغربا و لایحیط بهم علم احد [1] اهملخصین۔	مقام کی تحقیق یہ ہے کہ پہلے تین قرن خصوصا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قرن (زمانہ) جو اول قرن ہے اس میں مجتہدین حضرات اپنے ناموں، ذاتوں اور مقامات کے اعتبار سے خصوصا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد قلیل زمانہ تک معروف تھے اور ان کے اقوال واحوال کی معرفت کے لئے جدوجہد کرنا ممکن تھا، ہاں آج اجماع کی معرفت ممکن نہیں اور نہ ہی اس کو نقل کرنا ممکن رہا کیونکہ علماء کرام شرقا غربا متفرق ہوچکے ہیں جن کو کسی ایک شخص کا علم احاطہ نہیں کرسکتا، اھ مذکور دونوں عبارتیں ملخص ہیں (ت)

جب صرف مجتہدین کا اتفاق معلوم نہیں ہوسکتا تو عرف وتعامل جس میں اجتہاد درکنار علم بھی درکنار نہیں، علماء وجہلاء سب کا علمدرآمد ملحوظ ہے۔اس میں اتفاق کل کیا معنی، اتفاق اکثر کا علم بھی بدرجہ اولٰی محال وناممکن ہے کہ آخر اکثر کل کل علماء سے ضرور اکثر ہے۔

رابعًا: کیا کوئی ایک بار کا بھی نشان دے سکتاہے کہ ائمہ کرام ومشائخ اعلام نے جب ایک امر میں بربنائے عرف وتعامل حکم فرمانا چاہا ہو تو تمام بلاد وبقاع عالم کے تمام مسلمین کے عرف وعمل کی خبر معلوم فرمالی، ہر ہر شہر وقریہ ودرہ کوہ وجزیرہ وبادیہ میں تحقیق تعارف کے لئے شہود عدل بھیجے ہوں، تمام اسلامی جہاں کی مردم شماری مفتح کی ہو پھر بعد ثبوت حصر وشمار بلحاظ کل نہیں بلحاظ اکثر ہی حکم دیا ہو۔یا بلاتفتیش خود ہی پیش از حکم ان تمام امور کے پرچے ان کی خدمات عالیہ میں گزرتے ہوں، **حاشاللہ** ہر گز نہیں نہ کبھی اس کا قصد فرمایا نہ اصلا اس کی طرف راہ تھی، نہ یہ امور تعامل مسائل عقائد تھے جن پر سواد اعظم کا اتفاق دلائل وبراہین شرع سے خود ہی معلوم ہے۔نہ یہ

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثالث الاجماع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۳۔۲۱۲

حسن عدل، قبح ظلم وتقدیم قاطع علی المظنون کی طرح امور ضروریہ ہیں۔ جن پر اتفاق عقلاء کی عقل خود شہادت دے، نہ ایسے مسائل نزاعیہ تھے جن کی نفی واثبات ورد واحقاق میں فرقے بن گئے ہوں، نہ سالہاسال تحصیل فتاوٰی فقہائے امصار وعلمائے اقطار میں سخت وبلیغ کوششیں ہوئی ہوں، بعد مرور دہور وکر عصور قرائن خارجیہ سے اتفاق اکثر کا علم حاصل ہولیا، اس کے بعد ائمہ نے بربنائے تعامل فتوٰی دیا ہو، ہمیشہ لاجرم اپنے ہی قطر کے بلاد کثیرہ میں عمل غالب کا نام عرف وتعامل رکھا اور اسی کو مبنائے احکام قرار دیا ہے۔ انصاف کیجئے توامر واضح ہے اور انکار مکابرہ اور شکوک بے معنی کی راہ کب بند، مگر عنداللہ انصاف جب صبح مسفر ہو تو تشکک ناپسند، **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل** (اللہ تعالٰی کا قول ہی حق ہے اور وہی راستہ بتاتا ہے۔ت)

خامسًا: ایں وآں پر کیوں نظر کیجئے خود حضرات علمائے کرام ہی سے نہ پوچھ لیجئے کہ عرف وتعامل سے مراد حضرات کیا ہوتی ہے صدہا جگہ علمائے متدلین استدلال بالعرف کے ساتھ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دیار کا عرف ہے یہ فلاں بلاد کا تعامل ہے انھیں مسائل مذکورہ میں دیکھیں محقق حیث اطلق مسئلہ سوم میں فرماتے ہیں:

مثلہ فی دیارنا شراء القبقاب[1]۔	اسی طرح ہمارے علاقہ میں کھڑاؤں کو خریدنا۔(ت)

حاوی ^{عہ} پھر خلاصہ پھر فتح پھر ردالمحتار مسئلہ بست ودوم میں: **مثل ھذا کثیر فی الری وناحیۃ دماوند**[2] (رے اور دماوند کے علاقہ میں ایسا کثیر ہے۔ت) ظہیریہ وہندیہ بست وسوم

عـــہ: ذکر مسألۃ وقف الکروالاکسیۃ نقلھا سند مونی فی الخلاصۃ ثم قال المسائل الثلث فی الحاوی وانما لم نعدہ فیما مرلان الشامی نقلھا عن الفتح والفتح عنھا و لم یذکر العزوللحاوی ۱۲۔	پیمانہ کُر اور کپڑوں کے وقف کا مسئلہ سند مونی نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے پھر کہا تینوں مسائل حاوی میں ہیں اور میں نے گزشتہ مقام پر اس کو صرف اسی لئے شمار نہ کیا کیونکہ علامہ شامی نے فتح سے اور اس میں خلاصہ سے نقل کیا ہے اور انھوں نے حاوی کی طرف منسوب نہ کیا(ت)

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴

میں، ان کان ذٰلك به فی موضع تعارفوا [1] (اگر یہ ایسے مقام میں ہے جہاں اس پر تعارف ہو۔ت) امام طاہر بن عبدالرشید پھر امام ابن الہمام پھر علامہ شامی ان کان ذٰلك فی موضع غلب ذٰلك فی اوقافھم [2] (اگر یہ ایسے مقام میں ہوں جہاں لوگوں میں اس کا وقف مروج ہو۔ت) علامہ عمر بن نجیم مسئلہ بست وچہارم میں تعورف فی الدیار الرومیة [3] (روم کے علاقہ میں یہ متعارف ہے۔ت) افندی ابن عابدین: دون بلادنا [4] (ہمارے علاقہ میں نہیں۔ت) خادم فقہ ادنی تتبع میں اس کے نظائر غریرہ نکال سکتا ہے۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق سب سے قطع نظر کرکے علمائے کرام کا وہ نفس کلام جو مسئلہ اعتبارات عرف میں ذکر فرمایا بنظر نبیہ مطالعہ کیجئے تو خود ہی شاہد عدل وحجت فصل ہے کہ عرف عام سے ان کی مراد نہ ہرگز مستمر من زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے، نہ عرف محیط اجماعی، نہ عرف اکثر مسلمین جملہ بلاد عالم کہ اول قطعاً مثل نص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔

لکونه تقریر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وتقریرہ کقوله اوجب من فعله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لان الفعل یحتمل ان یکون خصوصیة له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر (تائید) ہے اور آپ کی تقریر آپ کے عمل سے زیادہ موجب ہے کیونکہ عمل میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خصوصیت کا احتمال ہے۔(ت)

تو اگر نص اسکے خلاف پایا جائے ضرور صالح تعارض ہوگا اور بحال تاریخ اسے فسخ کردے گا نہ یہ کہ قول اقدس کے مطابق تقریر اقدس کو مطلقاً رد کردیں۔ علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ فناوی فصول البدائع فی اصول الشرائع بیان ضرورت میں فرماتے ہیں:

اقسام اربعة (۱) ماھو فی حکم النطوق لزومه منه عرفا (۲) مابینه حال	اس کی چار قسمیں ہیں: (۱) وہ جو عرفاً لزوم میں منطوق کے حکم میں ہے (۲) وہ جس کو سکوت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴

[3] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴

[4] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

الساکت القادر کسکوت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم عن تغییر مایعاینہ من قول اوفعل من مسلم حتی لو سکت عما سبق نہیہ کان نسخا لان تقریرہ علی منکر منکر[1]۔	کرنے والے کا حال بیان کرے حالانکہ وہ بیان پر قادر تھا، جیسے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی مسلمان کا قول یا فعل دیکھ کر اس کو تبدیل کرنے سے خاموشی اختیار فرمائیں حتی کہ ایسی چیز جس پر پہلے نہی وارد ہوچکی ہو تو یہ خاموشی اس کے لئے ناسخ قرار پائے گی کیونکہ برائی پر خاموشی خود برائی ہے۔(ت)

علامہ اجل مولٰی خسرو صاحب درروغرر مرأۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول میں فرماتے ہیں:

(ماقررہ)صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم(ان کان مما علم انکارہ کذہاب کافر الی کنیسۃ فلا اثر لسکوتہ و الادل علی الجواز)ای جواز ذٰلك الفعل من فاعلہ ومن غیرہ اذا ثبت ان حکمہ علی الواحد حکمہ علی الجماعۃ فان کان مما سبق تحریمہ فہذا نسخ لتحریمہ[2]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے جس چیز پر تقریر فرمائی اگر وہ چیز ایسی ہے جس کا بُرا ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جیسے کافر کا اپنے عبادت خانہ میں جانا تو یہ تقریر وخاموشی موثر نہ ہوگی ورنہ وہ خاموشی اور تقریر اس چیز کے جواز پر دال ہوگی خواہ وہی فاعل کرے یا کوئی اور کرے بشرطیکہ وہاں ایک پر حکم سب کے طور پر ثابت ہو تو اگر وہ چیز ایسی ہو کہ اس کی تحریر پہلے ہوچکی ہو تو یہ تقریر اس حرمت کے لئے ناسخ ہوگی۔(ت)

فاضل محمد ازمیری اس کے حاشیہ میں شرح مختصر الاصول للعلامۃ اکمل الدین سے ناقل:

اذا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعل مکلف ولم ینکرہ قادرا علیہ فان کان الفعل قابلا للنسخ فان لم یسبق تحریمہ دل سکوتہ علی جوازہ وان سبق کان سکوتہ ناسخا	جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی مسلمان مکلّف کا عمل دیکھیں اور آپ منع پر قدرت کے باوجود منع نہ فرمائیں تو اگر وہ فعل قابل نسخ ہو جس کی تحریم پہلے نہ ہوچکی ہو تو آپ کا سکوت اس عمل کے جواز پر دال ہوگا اور اگر پہلے اس عمل کی تحریم ہوچکی ہو تو آپ کا یہ سکوت اس تحریم کے لئے ناسخ قرار

[1] فصول البدائع فی اصول الشرائع

[2] مرأۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول

لتحریمه[1] اھ مختصرات۔	پائے گا۔اھ مختصرات۔(ت)

اور دوم عین اجماع تو نص آحاد سے اقوی اور قطعاً مظہر ناسخ کہ نص غیر منسوخ کے خلاف اجماع محال تو اس کا حقیقتاً معارض نص واقع ہونا معقول ہی نہیں۔اور بظاہر ہو تو ہر گز مردود نہ ہوگا بلکہ وہی مرجح ہوگا اور نص ناسخ کا بتانے والا۔

وھذا معنی قولھم ان الاجماع لاینسخ اما کونه کاشفا عن ناسخ فاجماع یظھر ذٰلك لمن راجع مطارحاتھم فی المسئلة۔	ان کے قول کہ "اجماع منسوخ نہیں ہوتا"کا یہی معنی ہے لیکن اجماع کا کسی ناسخ کے لئے کاشف ہونا یہ اتفاقی مسئلہ ہے یہ بات اس شخص پر ظاہر جو اس مسئلہ میں فقہاء کی ابحاث پر مراجعت رکھتا ہے۔(ت)

مسلم وفواتح فصل ترجیح میں ہے:

الاجماع،یترجع(علی النص)[2]۔	اجماع نص پر ترجیح پاتا ہے۔(ت)

فواتح فصل تعارض میں ہے:

الاجماع مرجح ومقدم علی الکل عند معارضته ایاھا لانه لایکون منسوخا بکتاب اوسنة ولایکون باطلا فتعین ان یکون الکتاب والسنة ولوکانت متواترة منسوخة والاجماع کاشف عن النسخ[3]۔	اجماع تمام دلائل پر ترجیح یافتہ اور مقدم ہوتا ہے جس کا ان دلائل سے تعارض ہو،کیونکہ اجماع کتاب یا سنت سے منسوخ نہیں ہوتا اور نہ ہی کتاب وسنت کا مظہر ہے جو کسی کتاب وسنت کا ناسخ ہے اگرچہ یہ متواتر کیوں نہ ہو۔(ت)

اور رسوم کی حجیت مطلقہ تامہ وافیہ پر نصوص صریحہ ناطقہ،تو اس کا اضمحلال معاذاللہ سواد اعظم کا وقوع فی الضلال اور وہ شرعاً محال ہے۔

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتجتمع اُمتی علی الضلالة[4]،وقوله صلی اللہ	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی،اور کہ جماعت پر

---

[1] حاشیة مرأة الاصلو للفاضل محمد ازمیری

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی فصل فی الترجیح منشورات الرضی قم ایران ۲/ ۲۰۴

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت فصل فی التعارض منشورات الرضی قم ایران ۲/ ۱۹۱

[4] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعة امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹،المستدرك للحاکم کتاب العلم لایجتمع اللہ ھذہ الامة علی الضلالة دار المفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

تعالٰی علیه وسلم ید الله علی الجماعة [1] ۔وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علیکم بالجماعة والعامة [2] وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتبعوا السواد الاعظم [3] الی غیر ذٰلك مما بلغ مجموعه حد التواتر وقد سردناها وتخاریجها فی رسالتنا "فیه السرین بجواب الاسئلة العشرین ۱۳۱۱ھ"	اللہ کا ید ہے، اور کہ تم پر جماعت اور عوام کا ساتھ لازم ہے۔ اور یہ کہ سواد اعظم کی پیروی کرو وغیرہ ذٰلک آپ کے ارشادات کا مجموعہ تواتر کی حد تک ہے۔ان احادیث اور ان کی تخریج کو ہم نے اپنے رسالہ "فیح السرین بجواب الاسئلة العشرین" میں جمع کردیا ہے۔(ت)

فصول البدائع میں ہے:

لوندر المخالف مع کثرة المتفقین کان قول الاکثر حجة وان لم یکن اجماعا [4]۔	اگر مخالف میں کوئی نادر قول ہو تو اکثریت کا قول حجت ہوتا ہے اگرچہ وہ اجماع نہ ہو۔(ت)

بالجملہ مقابلہ نص میں ثانی تو مطلقاً مضمحل نہیں اعنی الطلاق العدم (میری عدم کا اطلاق ہے۔ت) اور اول بھی مطلقاً مضمحل نہیں اعنی عدم الطلاق (میر مراد اطلاق کا عدم ہے۔ت) اور ثالث عند التحقیق ملتحق بالثانی وان قیل وقیل (اگرچہ خلاف میں قیل قیل ہے۔ت) بعض نظائر لیجئے قرآن کریم پر اجرت لینے سے نہی میں احادیث کثیرہ وارد، یہاں تک کہ حدیث اقدس میں ہے: تعلیم قرآن پر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک کمان بھیجی گئی۔انھوں نے خیال کیا یہ کوئی مال نہیں اور جہاد میں کام دے گی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی۔فرمایا:

ان اردت ان یطوقك الله طوقا من	اگر تو چاہے کہ اللہ تعالٰی تیرے گلے میں آگ کا

[1] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعة امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹، المستدرك للحاکم کتاب العلم لایجتمع الله ہذہ الامة علی الضلالة دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۶-۱۱۵

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۳۳

[3] المستدرك للحاکم کتاب العلم لایجتمع الله ہذہ الامة علی الضلالة المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۱۵

[4] فصول البدائع فی اصول الشرائع

نار فاقبلها [1]۔رواہ ابوداؤ وابن ماجۃ وفی الباب عن عبدالرحمٰن بن شبل وابی ھریرۃ وعبدالرحمن بن عوف وابی کعب وابن بریدۃ وابی الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	طوق ڈالے تو اسے لے لے (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اور اس باب میں عبدالرحمٰن بن شبل اور ابوھریرہ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور ابی کعب اور ابن بریدہ اور ابی الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روایت کیا۔ت)

اور قیاس بھی اسی پر شاہد۔

لان القربۃ متی حصلت وقعت عن العامل ولھذا یعتبر اھلیتہ فلایجوزلہ اخذالاجرۃ من غیرہ کالصوم والصلوٰۃ کمافی الھدایۃ۔	کیونکہ قربت جب حاصل ہو تو عامل سے واقع ہوتی ہے اس لئے عامل کی اہلیت کا اعتبار کیا جاتا ہے لہٰذا اس پر غیر سے اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔مثلاً نماز وروزہ عبادات، جیساکہ ہدایہ میں ہے۔(ت)

اور ہمارے علماء کرام کامذہب بھی تحریر اور صدر اول میں قطعاً رواج معدوم بایں ہمہ عرف حادث وضرورت کے سبب جواز پر فتوٰی ہوا۔بستان فقیہ امام ابی اللیث میں ہے:

اما اذاعلم بالاجرۃ فقد اختلف الناس فقال اصحابنا المتقدمون لایجوز اخذالاجرۃ وقال جماعۃ من العلماء المتاخرین یجوز فالا فضل ان یشارط للحفظ و تعلیم الھجاء،والکتابۃ فلوشرط لتعلیم القراٰن ارجوان لاباس بہ لان السلمین قدتوارثوا ذٰلك	اگر اجرت پر تعلیم دی تو اس میں اختلاف ہے ہمارے اصحاب متقدمین نے فرمایا اجرت وصول کرنا جائز نہیں اور متاخرین کی ایک جماعت نے فرمایا جائز ہے۔تو افضل یہ ہے حفظ قرآن، تلفظ حروف اور لکھائی کی تعلیم پر اجرت کی شرط کرے۔تو اگر تعلیم قرآن پر اجرت کی شرط کی تو مجھے امید ہے اس پر حرج نہ ہوگا کیونکہ مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں اور

[1] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی کسب العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۲۹،سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب الاجر علی تعلیم القرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۷،مسند احمد بن حنبل حدیث عبادۃ بن الصامت مکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۱۵

واحتاجوا الیه اھ [1] مختصرا۔	اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اھ مختصرا(ت)

بٹائی پر زمین اٹھانے سے احادیث صحیحہ معتبرہ میں منع وارد، یہاں تک کہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ [2]۔رواہ ابوداؤد والطحاوی وفی الباب عن رافع بن خدیج وثابت بن الضحاک وزید بن ثابت وانس بن مالک وابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	جو بٹائی نہ چھوڑے وہ اللہ ورسول سے لڑائی کا اعلان کرے (اسے ابوداؤد اور طحاوی نے روایت کیا، اور اس باب میں رافع بن خدیج اور ثابت بن ضحاک اور زید بن ثابت اور انس بن مالک اور ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین نے روایت کیا۔(ت)

اور قیاس بھی بوجوہ کثیرہ اسی کا مساعد۔ ولہٰذا ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ باتباع جماعت صحابہ وتابعین محرمین مانعین حرام وفاسد جانتے ہیں بایں ہمہ صاحبین نے بوجہ تعامل اجازت دی اور اسی پر فتوٰی قرار پایا۔ ہدایہ میں ہے:

قال ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ المزارعۃ بالثلث والربع باطلۃ و قالا جائزۃ، لہ ماروی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن المخابرۃ وھی المزارعۃ و لانہ استیجار ببعض مایخرج من عملہ فیکون فی معنی قفیز الطحان ولان الاجر مجھول او معدوم و کل ذٰلک مفسد ومعاملۃ	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زمین کا تہائی یا چوتھائی بٹائی حصہ پر دینا باطل ہے۔اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جائز ہے۔امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخابرہ یعنی مزارعۃ سے منع فرمایا، اور یہ مزارع کے عمل سے حاصل شدہ کے کچھ حصہ کو اجرت بنانا ہے۔تو یہ آٹا پسائی کی اجرت آٹا کو بنانے کی طرح ہے اور یہ اجرت مجہول یا معدوم ہے اور یہ تمام امور عقد کے لئے مفسد ہیں اور

---

[1] بستان العارفین للامام ابی اللیث سمرقندی علی ہامش تبنیہ الغافلین الباب السابع عشر داراحیاء کتب مصر ص ۲۹۔۲۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی الخابرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۲۷

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل خیبر کان خراجہ مقاسمۃ بطریق الامن والصلح وھو جائز، الا ان الفتوی علی قولھما لحاجۃ الناس الیھا ولظھور تعامل الامۃ بھا والقیاس یترك بالتعامل کمافی الاستصناع[1] اھ مختصرًا۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اہل خیبر سے زمین کا معاملہ تو وہ امن کے عوض اخراج کی وصولی تھی جو کہ جائز ہے لیکن اس مسئلہ میں فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے لوگوں کی ضرورت اور امت کا تعامل پایا جانے کی وجہ سے جبکہ قیاس کو تعامل کے مقابلہ میں ترک کیا جاتا ہے جیسا کہ سائی کی چیز بنوانا اھ مختصرًا۔(ت)

غرض ایسے تعاملات ضرور حجج مطلقہ ہیں انھیں مطلقًا مقابل نص مردود نہیں کہہ سکتے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ عرف وتعامل جس میں ان کا کلام ہے معارضہ نص کی اصلا طاقت نہیں رکھتا جب خلاف کرے گا رد کردیا جائے گا۔ اشباہ میں ہے:

انما العرف غیر معتبر فی المنصوص علیہ[2]۔	منصوص علیہ معاملہ میں عرف معتبر نہیں ہے۔(ت)

پھر فتاوٰی ظہیریہ سے نقل کیا:

محمد بن الفضل یقول السرۃ الی موضع نبات الشعر من العانۃ لیست بعورۃ تعامل العمال فی الابداء عن ذلك الموضع عند الاتزار وفی النزع عن العادۃ الظاھرۃ نوع حرج ھذا ضعیف وبعید لان التعامل خلاف النص لایعتبر انتھی بلفظہ[3] اھ۔	محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ ناف سے نیچے بالوں کی جگہ تک عورت نہیں ہے کیونکہ تہبند باندھنے کے وقت اس حصہ کو برہنہ کرنا لوگوں کا تعامل ہے اور لوگوں کی غالب عادت سے ان کو روکنا حرج کی بات ہے۔ اور یہ قول ضعیف اور بعید ہے کیونکہ نص کے خلاف تعامل معتبر نہیں ہے۔ اس کے الفاظ ختم ہوئے اھ (ت)

اسی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

فی اجارۃ الاصل استاجرہ لیحمل	مبسوط کی بحث اجارہ میں ہے کہ کسی غلّہ

[1] الہدایۃ کتاب المزارعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۲۳-۴۲۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

طعامه بقفیز منه فالاجارة فاسدة۔ وکذا اذا ادفع الی حائك غزلاعلی ان ینسجه بالثلث ومشائخ بلخ وخوارزم افتوا بجوار اجارة الحائك للعرف وبه افتی ابوعلی النسفی ایضا والفتوٰی علی جواب الکتاب لانه منصوص علیه فلیزم ابطال النص [1] اھ باختصار۔	اٹھانے کی مزدوری میں اس غلہ میں سے قفیز دینا ٹھہرایا تو اجارہ فاسد ہوگا۔ اویوں ہی جولاہے کو بنائی کے لئے دئے ہوئے سوت کا تہائی حصہ بنائی سے دینا، او بلخ اور خوارزم کے مشائخ نے جولاہے کی مذکورہ اجرت کے جواز کا فتوٰی دیا ہے کہ یہ عرف ہے اور ابوعلی نسفی نے بھی یہ فتوٰی دیا، جبکہ صحیح فتوٰی وہی ہے جو کتاب میں ہے کیونکہ ایسی اجرت کا عدم جواز منصوص ہے تو اس کے جواز سے نص کا ابطال لازم آئے گا اھ مختصرا(ت)

قدوری وغیرہ متون باب الرباء میں ہے:

مالم ینص علیه فهو محمول علی عادات الناس [2] اھ قلت فدل بمفهومه ان مانص علیه لم یحمل علیها۔	جس میں نص موجود نہ ہو تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہوگا اھ **میں کہتا ہوں** تو اس کے مفہوم کی دلالت یہ ہے کہ جس میں نص وار ہو وہ عادات پر محمول نہ ہوگا۔(ت)

ہدایہ کتاب الاجارہ میں ہے:

هو المعتبر فیمالم ینص علیه [3]۔	وہ عرف معتبر ہے جہاں نص نہ ہو۔(ت)

کفایۃ شرح ہدایہ باب الرباء میں ہے:

تقریر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایاهم علی ما تعارفوا فی ذٰلك بمنزلة النص منه فلایتغیر بالعرف لانه لایعارض النص [4]۔	لوگوں کے تعارف پر جہاں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تقریر ہو تو وہ تقریر نص کی طرح ہے تو وہ عرف سے تبدیل نہ ہوگی کیونکہ عرف نص کا مقابلہ نہیں بن سکتا۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

[2] المختصر للقدوری باب الربوٰ مطبع مجیدی کانپور ص ۹۴

[3] الهدایة کتاب الاجارات باب الاجر متی یستحق مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۳

[4] الکفایة مع فتح القدیر باب الربٰو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۸۔۱۵۷

غایۃ البیان کتاب الاجارہ میں فتاوٰی صغرٰی کتاب المزارعۃ سے ہے:

فرع الحاکم عبدالرحمن فی الجامع الصغیر بین ھذا عـــہ وبین قفیز الطحان بان قفیز الطحان منصوص علیہ فلا یمکن تغیرہ بالتعامل اما ھذا فلیس منصوصا علیہ فیعتبر فیہ التعامل[1]۔	حاکم عبدالرحمٰن نے جامع الصغیر میں زمین کی نصف بٹائی اور آٹا پسائی کے عوض آٹے کے قفیز میں فرق بیان کیا ہے اور کہ پسائی میں آٹا دینے کی ممانعت پر نص ہے اس لئے اس میں تبدیلی تعامل کی وجہ سے ممکن نہیں لیکن حصہ بٹائی پر زمین دینے کی ممانعت پر نص نہیں ہے اس لئے اس میں تعامل معتبر ہے۔(ت)

نشر العرف میں امام ابن الہمام سے ہے:

لا اعتبار للعرف المخالف للنص لان العرف قد یکون علی باطل بخلاف النص[2]۔	نص کے مخالف عرف کا اعتبار نہیں کیونکہ عرف باطل چیز پر بھی ہوسکتا ہے بخلاف نص کے(ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

ھذا بخلاف مالو تعامل اھل بلدۃ قفیز الطحان فانہ لایجوز ولاتکون معاملتھم معتبرۃ لانالو اعتبرنا معاملتھم کان ترکا للنص اصلا وبالتعامل لایجوز ترك النص اصلا[3] الخ۔	یہ برخلاف ہے اس عرف کے جس میں علاقہ کے لوگ پسائی میں آٹے کو اجرت بنائیں کیونکہ یہ ناجائز ہے اور ان کا یہ معاملہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ اگر ہم ان کا یہ تعامل معتبر مان لیں تو نص کا ترک لازم آئے گا جبکہ تعامل کے ساتھ نص کا ترک ہرگز جائز نہیں ہے۔(ت)

ردالمحتار کتاب الوصایا میں ہے:

العرف اذا خالف النص یرد بالاتفاق[4]۔	جب عرف نص کے مخالف ہو تو مردود ہوگا بالاتفاق(ت)

عـــہ: ای المزارعۃ بالنصف والربع ۱۲ الفقیر المجیب۔

---

[1] غایۃ البیان

[2] نشر العرف رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۱۵

[3] نشر العرف رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۱۶

[4] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۲

بالجملہ بحمداللہ تعالٰی بدلائل قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عرف عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی ہے اور نص اس سے متروک نہ ہوگا مخصوص ہوسکتا ہے وہ یہی عرف حادث شائع ہے کہ بلاد کثیرہ میں بکثرت رائج ہو نہ عرف قدیم زمانہ رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ نہ عرف محیط جمیع عباد تمام بلاد نہ عرف اعم سواد اعظم کہ اولین بالاجماع اور ثالث علی التحقیق امکان یا وجوبا مقدم علی النص ہیں نہ زمان مشائخ میں ثانیین کی طرف مقابل، نہ واقع ونفس الامر ان کا گواہ نہ راہ فروع ان پر ملتئم نہ کلام ان پر حاکم، ہاں عرف خاص کہ صرف وہ ایک شہر کے لوگوں کا تعارف ہو مذہب ارجح میں صالح تخصیص نص وترک قیاس نہیں اور عرف نادر کہ معدودین کا عمل ہو، بالاجماع اس کے مقابل نہیں، ہاں صرف صورت حکم بتانے کے لئے جس میں حکم شرعی یا مقیس کی اصلا مخالفت یا تغییر نہ ہو نہ کلیۃ نہ تخصیصا ہو عفر مطلق مقبول اگرچہ ایک ہی شخص کا عرف فرد ہو۔اعیان ونذور واوقاف ووصایا وغیرہ میں معانی الفاظ کا عرف پر ادارہ اسی باب اخیر سے ہے ولہذا فتاوٰی علامہ قاسم میں فرمایا:

التحقیق ان الفظ الواقف والموصی والحالف والناذر و کل عاقدین یحمل علی عادته فی خطابه ولغته التی یتکلم بها وافقت لغة العرب ولغة الشارع[1] اولا۔	تحقیق یہ ہے کہ وقف کرنے والے، وصیت کرنے والے، قسم اٹھانے والے اور نذر والے اور ہر ایسے عقد کو اس کے تخاطب اور لغت جس میں وہ بات کرتا ہے اسی عادت پر محمول کیا جائے گا وہ لغت عرب کے موافق یا شرع کی لغت کے موافق ہو یا نہ ہو۔(ت)

یہ ہے بحمداللہ ومنہ وکبیر لطفہ وکرمہ وتحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علماء کرام کا عطر ومحصل کہیے اور بفضلہٖ تعالٰی کسی تقریر وتاصیل وتفریع کو اس کے مخالف نہ دیکھئے۔

وقد کنت اری فی الباب مباحث الاشباه وکلمات رد المحتار من مواضع عدیده فلا اجد فیها مایفید الضبط ویزول به الاضطراب والخبط وکان العلامة الشامی کثیرا مایحیل المسئلة علی رسالته نشر العرف فکنت تواقا الیها مثل جمیل الی بثینه	میں اس مسئلہ میں الاشباہ کے مباحث اور ردالمحتار کے متعدد مقامات کو دیکھتا تو ان میں کوئی ضبط والی اور اضطراب وپراگندگی کو دور کرنے والی چیز نہ پائی، اور علامہ شامی مسئلہ کو اپنے رسالہ "نشرالعرف" کے حوالے کردیتے ہیں تو میں اس رسالہ کا اس طرح مشتاق ہوا جیسے اونٹنی اپنے

[1] نشر العرف بحوالہ فتاوی العلامۃ قاسم رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۳۳

فلما رأیتها وجدتها ایضالم یتحرر لها مایکفی و یشفی ولم یتخلص فیها ماترتبط به الفروع وتاخذ کلمات الائمة بعضها حجز بعض ولکن ببرکة مطالعتها فی تلك الجلسة فتح۔ (رسالہ نامکمل ملا)	بچے کی، تو جب میں نے وہ رسالہ دیکھا تو اس میں بھی کفایت دینے والی کوئی شافی چیز اور صاف نہ ملی اور فروعات میں ربط اور ائمہ کے کلام میں تطبیق والی کوئی چیز نہ ملی جبکہ ائمہ کے کلمات ایک دوسرے کے موافق نہ تھے، لیکن اس مجلس میں اس کے مطالعہ کے برکت سے کھلا۔ (ت)

کتاب الاکراہ

(اکراہ کا بیان)

مسئلہ ۲۲۹تا۲۳۱: از بریلی ساہوکارہ مرسلہ شیام سندرلال چیئرمین ۲ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر تصدیق کرادیا نقل شامل سوال ہے مگر زرثمن کالین دین نہیں ہوا صرف اقرار ہوا ہے۔ مگر اس کے بعد ایک دعوی تنسیخ ودستاویز مذکورہ کازید نے کچہری میں کیا، دعوی اور جواب دعوی بھی شامل سوال ہے تو:

(۱) کیاحسب بیان مدعی مندرجہ دعوی بصورت بیع مکرہ کی ہے، اگر ہے تو کیاحکم ہے؟

(۲) مکرہ ہونے کے واسطے بالفعل رجسٹری کے وقت داب ناجائز کا موجود ہونا ضرور ہے یا پیشتر سے تخویف اور آئندہ کے لئے ضرر شدید کااندیشہ صحیح کافی ہے؟

(۳) ایسی صورت میں جبکہ رجسٹری میں زرثمن نہیں دیاگیاتو مشتری کے ذمہ حوالگی زرثمن کا بار ثبوت ہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

(۱) عرضی دعوی میں مدعاعلیہ کامدعی کو مدت طویل تک اپنے مکان میں محبوس رکھنا اور کسی سے نہ ملنے دینا اور ناجائز داب کاذکر ہے داب کا بیان نہیں اور زبانی بیان سائلان یہ ہوا کہ قتل کی تخویف کی اور مدعی اسے باور کرتا تھا، یہ بیانات اگر واقعی ہیں تو وہ بلاشبہ بیع مکرہ اور فاسد ہے۔ اور

بائع کو اس کے فسخ کا اختیار ہے۔ تخویف قتل تو اعلیٰ درجہ کا اکراہ ہے بیع میں مجرد حبس مدید بھی ثبوت اکراہ کو بس ہے۔ درمختار میں ہے:

لو اکرہ بحبس او قید مدیدین حتی باع او اشترٰی او اقر او اٰجر فسخ او امضی لان اکراہ الملجی وغیر الملجی یعدمان الرضاء والرضاً شرط صحۃ ہذہ العقود والاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ والامضاء [1]۔ باختصار۔	اگر کوئی لمبی قید اور یرغمالی کے ذریعہ بیع یا شراء یا اقرار یا اجارہ پر مجبور کرے اور اس نے کردی تو بعد میں اسے اختیار ہے کہ فسخ کردے یا اس پر قائم رہے کیونکہ جان کے خطرے اور اس سے کم ہر طرح جبر رضا کو ختم کرتا ہے جبکہ ان عقود اور اقرار میں رضا شرط صحت ہے اس لئے اس کو فسخ کا اختیار ہے۔ باختصار۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی مجمع الفتاوٰی منع امراتہ المریضۃ عن المسیر الی ابویھا الاان تھبہ مھرھا فو ھبتہ بعض المھر فالھبۃ باطلۃ لانھا کالمکرھۃ ویوخذ منہ جواب حادثۃ الفتوی زوج بنتہ فلما ارادت الزفاف منعھا الاب الا ان یشھد علیھا انھا استوفت منہ میراث امھا فاقرت لایصح اقرارھا لکونھا فی معنی المکرھۃ وبہ افتی ابوالسعود مفتی الروم قالہ المصنف فی شرح منظومتہ تحفۃ الاقران [2]۔	مجمع الفتاوٰی میں ہے کسی نے اپنی بیوی مریضہ کو اپنے والدین کے ہاں جانے سے روکا اور کہا تو مجھے مہر ہبہ کرے تو جانے دوں گا تو بیوی نے مہر ہبہ کردیا تو یہ ہبہ باطل ہے کیونکہ یہ مجبور کی طرح ہے اور اس سے ایک درپیش مسئلہ کا جواب معلوم ہوگیا کہ بیٹی کا نکاح کردیا جب بیٹی رخصتی کے لئے تیار ہوئی تو باپ نے روک لیا اور کہا تو یہ گواہی بنادے کہ میں نے والد سے اپنی والدہ کی وراثت کا حصہ وصول کرلیا ہے۔ بیٹی نے مجبوراً اپنے اقرار پر گواہ بنادئے تو بیٹی کا یہ اقرار صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ مجبور کی طرح تھی، اور مفتی روم ابوسعود نے یہی فتوٰی دیا مصنف نے شرح منظومہ تحفۃ الاقران میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۵

[2] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۷

ردالمحتار میں ہے:

وبه افتی الرملی وغیرہ ونظمه فی فتاواہ بقوله: ومانع زوجته عن اهلها تهب المهر یکون مکرها کذالك منع والد لبنته خروجها لبعلها من بیته ثم قال وانت تعلم ان البیع والشراء والاجارۃ کالاقرار والهبة وان کل من یقدر علی المنع من الاولیاء کالاب للعلة الشاملة فلیس قیدا [1]۔	خیرالدین رملی وغیرہ نے یہی فتوٰی دیا ہے اور انھوں نے اپنے فتوٰی میں اس کو نظم کے طور پر یوں ذکر کیا ہے: (ترجمہ) "بیوی کو اپنے والدین سے روکا کہ مہر ہبہ کرے تو یہ مکرہ ہوگا یونہی والد نے بیٹی کو اپنے خاوند کے پاس جانے سے روکا" پھر فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بیع وشراء اور اجارہ۔اقرار اور ہبہ کی طرح ہیں اور بیشک باپ جیسا کوئی ولی جو کسی عام وجہ سے روکنے پر قادر ہو وہ قید نہیں ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

قال علماء نا منع الزوج زوجته من اہلها حتی تهب له المهر تکون مکرهة والهبة باطلة قال فی مجمع الفتاوی و فی ملتقط السید الامام عن الفقیه ابی جعفر من منع امرأته عن المسیر الی ابویها الا ان تهب مهرها فوهبت فالهبة باطلة ومثل ذٰلك فی الخلاصة والبزازیة وکذٰلك ذکر فی التاتارخانیة نقلا عن الینابیع [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ بیوی کو اپنے والدین سے منع کرنا تاکہ مہر ہبہ کرنے پر آمادہ ہو تو یہ مجبوری ہوگی اور بیوی نے ہبہ کردیا تو باطل ہوگا،اور مجمع الفتاوٰی میں ہے کہ سید امام کی ملتقط میں فقیہ ابوجعفر سے منقول ہے کہ جس نے مہر ہبہ کئے بغیر بیوی کو اس کے والدین سے روک رکھا ہو اور اس نے ہبہ کردیا تو یہ ہبہ باطل ہوگا،اور اسی طرح خلاصہ اور بزازیہ میں ہے اور یونہی تاتارخانیہ میں ینابیع سے نقل کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸

[2] فتاوی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۴

(۲) اکراہ کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جس وقت مکرہ وہ فعل کرے گلے پر چھری یا قید وضرب فی الحال موجود ہو بلکہ اکراہ کنندہ کی طرف سے وعید وتہدید سابق اور اس کے وقوع کا صحیح اندیشہ لاحق اور مکرہ کا مکرہ کے قابو میں ہونا تحقق اکراہ کے لئے بس ہے۔ خیریہ میں ہے:

الاکراہ یعدم الاختیار فلاصحۃ للاقرار مع الاکراہ والاکراہ فیہ یکون باشیاء منہا اذا قال المتغلب لرجل اما ان تقرلی بکذا والا اقول للظالم الفلانی لقی مالا و وجد کنزا اونحو ذٰلک فاذا کان الرجل لہ جرأۃ و ھددہ بمن یسمع کلام الغماز وقال ان لم تقرلی بکذا اسعی بک الی من یاخذک بمجرد کلامی وغلب من ظن المھدد ذٰلک فاقر کاذبا لایلزمہ ما اقربہ کما ھو صریح کلام ائمتنا[1]۔	جبر، اختیار کو معدوم بنادیتا ہے لہٰذا جبر کے ساتھ حاصل کردہ اقرار کی صحت نہ ہوگی اور جبر واکراہ کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی غالب آدمی دوسرے شخص کو کہے کہ تو میرے حق میں فلاں اقرار کر ورنہ میں فلاں ظالم کو کہوں گا کہ اس کو مال ملا یا خزانہ ملا یا ایسی ہی کوئی بات اگر یہ شخص جری ہے اور ایسے ظالم کی دھمکی دے جو اس کی بات مانتا ہو اور کہا کہ اگر تو میرے حق میں فلاں اقرار نہ کرے گا تو میں تجھے فلاں کے پاس لے جاؤں گا جو صرف میرے کہہ دینے پر تجھے پکڑے گا اور دھمکی سننے والے کو ظن غالب ہے کہ یہ ایسا کردے گا تو اس نے جھوٹا اقرار کردیا تو اس اقرار سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی جیسا کہ ہمارے ائمہ کا صریح کلام ہے۔ (ت)

ہاں اگر اس نے تہدید کی اور اب یہ اس کے قابو سے نکل گیا اور اس اندیشہ سے کہ پھر اسے قابو ملے تو ایذا پہنچائے گا، کوئی کام کیا تو یہ اکراہ سے نہیں کہ اکراہ سابق زائل ہوچکا اور لاحق معدوم وموہوم ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الھندیۃ عن المبسوط ارسلہ لیفعل فخاف ان یقتلہ ان ظفر بہ ان لم یفعل لم یحل[2]۔	ہندیہ میں مبسوط سے منقول ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کام کرنے کے لئے بھیجا تو اس کو خطرہ ہے کہ اگر میں نے اس کا یہ ناجائز کام نہ کیا تو مجھے قتل کردے گا تو اس اندیشہ پر اس کو ناجائز کام کرنا حلال نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاکراہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳

[2] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸

لزوال القدرة بالبعد لکن یخاف عودہ وبہ لایتحقق الاکراہ، بزازیة[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ دونوں میں بعید فیصلہ کی وجہ سے قتل کی قدرت نہیں ہے۔ لیکن واپسی پر خوف ہو تو اس سے اکراہ متحقق نہیں ہوتا۔ بزازیہ۔ (ت)

(۳) ہاں صورت مذکورہ میں تسلیم وقبضہ ثمن کا بار ثبوت ذمہ مشتری ہے کہ حاکم حکم نہیں کرسکتا مگر حجت شرعیہ اقرار ہے یا بینہ یا نکول، فتاوٰی امام قاضی خاں پھر اشباہ میں ہے:

القاضی لایقضی الا بالحجة وھی البینة اوالاقرار و النکول[2]۔	قاضی صرف حجت قائم ہونے پر فیصلہ دیتا ہے اور حجت گواہی اقرار اور قسم سے انکار کا نام ہے۔ (ت)

اور مکرہ کا اقرار باطل ہے۔ ابھی خیریہ سے گزرا: لاصحة للاقرار مع الاکراہ[3] (اکراہ سے اقرار کی صحت نہیں ہوتی۔ ت) اشباہ میں ہے: اقرار المکرہ باطل[4] (مجبور شدہ شخص کا اقرار باطل ہے۔ ت) یونہی معتوہ غیر ماذون کا اقرار۔ عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان معتوھا فاقرارہ غیر صحیح[5]۔	پاگل کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ (ت)

اور جبکہ اقرار با معتوہ ہونا شہادت عادلہ سے ثابت ہو تو دستاویز میں معمولی عبارت (بحالت صحت نفس وثبات عقل بطوع و رغبت بلا جبر واکراہ) لکھی ہوئی کوئی چیز نہیں۔ خیریہ میں ہے:

سئل فی ذی ولایة علی قریة قادر علی ایقاع ضرب و حبس ملجئین باھلھا طلب من رجل منھا بیع عقار لہ بھا فباع خائفا منہ ایقاع ذٰلک بہ واقر	ان سے گاؤں کے والی کے متعلق سوال ہوا کہ اس نے قریہ میں زمین والے شخص کو ضرب لگانے اور قید کرنے کی دھمکی دے کر کہا کہ اپنی یہ زمین میرے پاس فروخت کردے تو اس نے دھمکی پر عمل کے خوف سے زمین فروخت کردی کیونکہ دھمکی پر عملی قدرت رکھتا ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴۸

[3] فتاوی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

[5] العقود الدریۃ کتاب الحجر والماذون ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۵۹

انه قبض ثمنه كذٰلك مع ان قيمة المبيع اضعاف الثمن هل ينفذ ہذا البيع على ہذا الوجه امر لا وان كتب صك لدى قاض على صفة الطوع والاختيار و عدم المفسد يكون الاعتبار لما فى نفس الامر لا لما كتب اجاب حيث علم بدلالة الحال انه لو لم يبعه يوقع به ضربا شديدا او حبسا مديدا فالبيع غير نافذ والاقرار غير صحيح فللمكره فسخه والاعتبار لما فى نفس الامر لا لما كتب فى الصك[1]۔	اور اقرار کیا کہ میں نے زمین کی رقم اس سے وصول کرلی ہے___حالانکہ وصول کردہ رقم سے اصل قیمت کئی گنا زیادہ ہے۔ تو کیا یہ بیع نافذ ہوگی یا نہیں، اور اگر قاضی کے ہاں اشٹام لکھ دے کہ میں نے خوشی اور اختیار سے فروخت کی اور بیع صحیح کی ہے تو اس تحریر کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ واقعی حال کا اعتبار ہوگا۔ تو جواب دیا کہ جب معلوم ہے دلالت حال سے کہ اگر وہ فروخت نہ کرتا تو اس کو ضرب شدید اور قید مدید کرتا تو بیع نافذ ہوگی اور اقرار بھی صحیح نہ ہوگا تو مجبور زمیندار کو اختیار ہے کہ فسخ کردے اور اشٹام میں لکھے کا اعتبار نہیں بلکہ نفس الامر واقع کا اعتبار ہے۔ (ت)

لاجرم بار ثبوت مشتری پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳

کتاب الحجر

(حجر کا بیان)

مسئلہ ۲۳۲: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ مولٰنا مولوی محب احمد صاحب ۱۷جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

ایک عورت عرصہ چالیس سال سے اس مرض میں مبتلا ہے کہ کبھی کبھی اس کی عقل میں اختلال آجاتا ہے اور خیال پردہ وستر پوشی کا نہیں رہتا حتی کہ مکان کی چھت سے جو بازار میں واقع ہے سربازار کھڑی ہو جاتی ہے۔ایک مرتبہ چھت سے نیچے گر پڑی اور اکثری حالت یہ ہے کہ ہر قسم کا خیال ستر پوشی وحجاب رہتا ہے۔سب قرابت داران مادری وپدری وصہری کو بتخصیص قرابت جانتی پہچانتی ہے کام متعلق عورات جو خانہ داری کو چاہئیں کرتی ہے۔ایسی حالت میں اس کا اپنی جائداد کسی کو بطور ہبہ دے دینا یا معاف کرنا یا کسی بارہ میں اس کی شہادت مثل رضاعت وغیرہ مقبول وجائز ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت مجنونہ ومعتوہہ ہے یا کیا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایام دورہ میں زن مذکورہ کا آفت معترضہ علی العقل میں مبتلا ہونا واضح وبدیہی ہے قلّت فہم وفساد تدبیر توظاہر،اور اختلاط کلام اختلاط عقل کو لازم،تو اسی قدر سے معتوہہ ہونا تو صراحۃً ثابت،اور اس کے ساتھ لوگوں کو مارنا گالیاں دینا بھی ہو تو مجنونہ ہے۔ بہرحال تبرعات مثل ہبہ مال وبخشش مہر وغیرہ کی اہلیت ہر گز نہیں،اگر ایسے تصرفات کرے گی محض باطل ہوں گے، اور رضاعت وغیرہ

کسی امر میں اس کی شہادت اصلا قابل قبول نہیں پر اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معلوم و معروف نہیں تو یہ احکام حجر تصرفات و ابطال تبرعات والغائے شہادت دائمی ہیں کہ جب افاقہ معہود نہیں تو کسی وقت اطمینان نہیں ہوسکتا، ہر وقت محتمل کہ حالت اختلال میں ہو صرف عاقلانہ باتیں کرنی موجب اطمینان نہیں کہ معتوہ بلکہ مجنون بسا اوقات ٹھیک ٹھک عقل کی باتیں کرتے ہیں یہاں تک کہ ناواقف سنے تو ہرگز احتمال اختلال نہ کرے۔ ہاں اگر وقت افاقہ معلوم ہے تو اس وقت اس کا حکم مثل حکم عقلاء ہے۔ اس کے تبرعات بھی نافذ ہوں گے اور شہادت بھی مسموع ہے، درمختار میں ہے:

المعتوہ من العتہ وہو اختلال فی العقل [1]۔	المعتوہ، عتہ سے ماخوذ ہے۔ اور عقل میں خلل واقع ہوجانے کا نام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ہذا ذکرہ فی البحر تعریفا للجنون وقال ویدخل فیہ المعتوہ واحسن الاقوال فی الفرق بینہما ان المعتوہ ہو القلیل الفہم المختلط الکلام الفاسد التدبیر لکن لایضرب ولایشتم بخلاف المجنون اھ وصرح الاصولیون بان حکمہ کالصبی [2]۔	بحر میں یہ تعریف جنون کی لکھی ہے اور کہا کہ معتوہ بھی اس تعریف میں داخل ہے۔ اور دونوں میں فرق کے لئے یوں کہنا بہتر ہے کہ معتوہ وہ ہے جو قلیل فہم، خلط ملط کلام اور فاسد تدبیر والا جو لوگوں کو ضرب وشتم نہ کرے اور مجنون وہ ہے جو ضرب وشتم کرے اھ اور اصول والوں نے تصریح کی ہے کہ اس کا حکم بچوں والا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تصرف المعتوہ ان کان نافعا محضا کالاسلام و الاتہاب صح بلا اذن، وان کان ضارا کالطلاق والعتاق والصدقۃ والقرض (والہبۃ ش)	معتوہ کا تصرف اگر فائدہ مند ہو جیسے اسلام اور ہبہ قبول کرنا تو یہ نافذ العمل ہوگا ولی کی اجازت ضروری نہ ہوگی اور اگر وہ عمل مضر ہو تو ولی کی اجازت کے باوجود نافذ نہ ہوگا جیسے طلاق، عتاق، صدقہ اور قرض، اس پر شامی نے ہبہ

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۶

لاو ان اذن به وليهما،وماتردد من العقود بين نفع وضرر كالبيع و الشراء توقف على الاذن[1]۔	دینے کا اضافہ کیا،اور اس کا ایسا عمل جو نفع اور نقصان والے دونوں پہلو رکھتا ہو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہونگے جیسے بیع وشراء۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لاتقبل شهادة الصبيان والمجانين والمعتوه بمنزلة المجنون[2]۔	بچوں اور مجنون کی شہادت مقبول نہیں اور معتوہ بچوں کا حکم رکھتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

(كذا شهادة الصبيان بعضهم على بعض فيما يقع فى الملا عب،وشهادة النساء فيما يقع فى الحمامات لا تقبل،وان مست الحاجة اليها كذا فى الذخيرة[3]۔	یونہی بچوں کی کھیل کے متعلق اور عورتوں کے حمام کے متعلق شہادت مقبول نہیں اگرچہ یہاں ضرورت بھی ہے۔ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

قال الشلبى فى حاشية الزيلعى الحق التفصيل فان كان لافاقته معلوم فعقد فى ذلك الوقت فالحكم فيه كالعاقل،وان لم يكن لافاقته وقت معلوم فعقد فى حال الافاقة فالحكم فيه كالصبى اھ والفرق بين الافاقة المعلومة وغيرها انه فى المعلوم تحقق صحوه بحسب	زیلعی کے حاشیہ میں شلبی نے کہا حق یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اگر معتوہ کے افاقہ کا وقت معلوم ہے اور اس وقت اس سے عقد صادر ہوا تو اس وقت میں عاقل والا حکم ہوگا، اور اگر اس کے افاقہ کا وقت معلوم نہ ہو تو افاقہ کی حالت میں کیا ہوا عقد بچوں والا حکم رکھتا ہے اھ اور افاقہ معلوم ہونے نہ ہونے کا فرق یہ ہے کہ معلوم کی صورت میں اس کی صحت حسب معمول ہوتی

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳،ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۵

عادتہ۔اماغیر فیحتمل انہ حال جنونہ تکلم بکلام العقلاء [1] اھ مختصرا۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ہے اور غیر معلوم ہے ہوسکتا ہے کہ وہ جنون کی حالت میں عقلمندوں جیسی گفتگو کررہا ہو،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۲۳۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فالج کہ مرض دماغی ہے۔اسے اختلال عقل وعدم ثبات حواس لازم ہے یا نہیں؟اور اگر کسی عالم کو چند سال مرض رہے طول مرض کے سبب گھبرائے تو دل بہلانے کو شطرنج یا اسی قسم کے کھیل میں کبھی مشغول ہو تو آیا اس سے لازم آتا ہے کہ وہ عالم مجنون یا مسلوب الحواس قرار دیا جائے اور اس کے تصرفات بیع وہبہ وغیرہ باطل کردے جائیں۔بینوا توجروا

الجواب:

فالج اگرچہ مرض دماغی ہے مگر اس سے اختلال عقل وعدم ثبات حواس ہر گز لازم نہیں آتا،آخر عامہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ جب یہ مرض سال بھر سے متجاوز ومزمن ہوجائے تو مریض شرعًا صحیح گنا جائے گا،اور اس کے سب تصرفات نافذ قرار پائیں گے،اگر اس مرض کو بد حواسی لازم ہوتی تو یہ حکم فقہاء کا کیونکر صحیح ہوتا،نہ شطرنج،گنجفہ،چوسر،یا اور اسی قسم کے ہزاروں کھیلوں سے مسلوب الحواسی ثابت ہو،بلکہ خیال کیجئے تو یہ سب کام عقل وحواس چاہتے ہیں،اور یہ بات جدا رہی کہ ایسے افعال عالم کے شان سے بعید ہوں،اول عالم کے لئے معصوم ہونا شرط نہیں،ثانیا بالفرض شطرنج مطلقًا گناہ ہو تو کسی گناہ سے شرع شریف بطلان تصرفات کا حکم نہیں دیتی اور امام عامر شعبی کہ اکابر ائمہ محدثین سے ہیں شطرنج کھیلا کرتے اب کیا اس بنا پر **معاذاللہ** کوئی انھیں مسلوب الحواس کہہ سکتا ہے،اور بعض جاہل جو کہنے لگتے ہیں کہ یہ کیسے عالم ہیں جو ایسے افعال کرتے ہیں یا ان کی عقل کدھر گئی کہ عالم ہو کر ایسی باتوں میں مشغول ہیں قطعاً نظر اس سے کہ جہلاء کو کسی کے افعال سے تعرض اور ان پر طعن و تشنیع روا نہیں،حدیث میں ہے:

"عالم بے عمل مثل شمع کے ہے کہ خود جلتا ہے اور تمھیں روشنی پہنچاتا ہے۔" [2]۔یہ محاورہ ایسا ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

" اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ	کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحجر دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۸۲

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۲۰۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۷۳

وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ "[1]	بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو تو کیا سمجھتے نہیں۔(ت)

یااس سے بڑھ کرارشاد ہوا:

" اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْــٴًـا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ "[2]	کیا اگر ان کے آباء واجداد کسی چیز کی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی راہ یافتہ ہوں۔(ت)

اب کیا قرآن عظیم نے ان لوگوں کو بے عقل کہہ کر ان کی بیع وشراء واجارہ وغیرہا تصرف کو باطل ٹھہرایا ہے۔حاشا وکلا کوئی عاقل ایسا گمان نہیں کرسکتا **ومن ادعٰی فعلیه البیان** (جو یہ دعوی کرے تو اس پر بیان لازم ہے۔ت) **واللّٰه تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اختلال عقل کا شرعا موجب منع نفاذ تصرف کا ہوتا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور کیا کیا باتیں اس کے واسطے درکار ہیں،اور اگر کوئی چار سال سے زیادہ مرض فالج میں مبتلا ہے،ابتداء میں مرض شائد کہ دست وپا وزبان سب پر آفت ہو،پھر تھوڑے عرصہ بعد ہاتھ پاؤں بخوبی تمام کھل جائیں،اور زبان بھی اتنی صاف ہو جائے کہ ادائے مطلب میں عاجز نہ ہو اگرچہ تکلم میں قدرے تکلف رہے۔یہاں تک کہ ایسی حالت میں حج کرے،اور وہاں طواف وسعی صفاو مروہ ووقوف وعمرہ وزیارت مدینہ طیبہ وحاضری مشاہدہ متبرکہ میں اپنے پاؤں سے مثل اصحا نہایت سرگرم رہے۔اورا س کے اور افعال بھی مثل عقلاء کے ہوں،دیہات کی تحصیل وتشخیص کرے،بات سنے سمجھے جواب دینے میں فرق نہ ہو۔اور بالفرض اس زمانہ ممتد میں دو تین باتیں اس سے ایسی بھی صادر ہو جائیں جو غفلت وبیخودی پر دلالت کریں،توآیا انھیں باتوں پر مدار کار رکھ کر اسے مجنون یا معتوہ ٹھہرادیں گے،یا شاذونادر کا اعتبار کریں گے،جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ باربار بتکرار اکثر افعال وحرکات اس سے اس قسم کے ہوتے اور ہوش کی باتیں کم کرتا۔**بینوا توجروا**

الجواب:

مسلوب الحواسی کی اعلی قسم تو جنون ہے **والعیاذ باللّٰه منه**،اور ادنٰی قسم عتہ،جس کے صاحب کو

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۰

معتوہ کہتے ہیں۔اس میں بھی اسی قدر ضرورت ہے کہ تدبیریں اس کی ٹھیک نہ رہیں، سمجھ اس کی درست نہ ہو، باتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے۔ابھی بیٹھاہے خوب ہوش وحواس کی باتیں کررہاہے،ابھی خرافات وہذیانات بکنے لگا،سودائیوں کی طرح مہمل وبے معنی بھکنے لگا یہاں تک کہ شریعت مطہرہ اس کے اوپر سے اپنی تکلیفیں اٹھالیتی ہے اور نماز وروزہ تک اس کے اوپر فرض نہیں رہتا۔

فی الفتاوی الخیریۃ العتہ قلۃ الفھم واختلاط الکلام وفساد التدبیر وذٰلک بسبب اختلاط العقل فیشبہ مرۃ کلامہ کلام العقلاء ومرۃ کلام المجانین۔[1] وفی رد المحتار حکم المعتوہ کالصبی العاقل فی تصرفاتہ وفی رفع التکلیف عنہ زیلعی[2]۔	فتاوی خیریہ میں ہے،عتہ__ قلّت فہم،کلام کا اختلاط اور فساد تدبیر ہے۔اور یہ عقل میں خلل کی وجہ سے ہوتاہے تو کبھی اس کا کلام عقلاء کے کلام اور کبھی مجانین کے کلام کے مشابہ ہوتاہے۔اور ردالمحتار میں ہے کہ معتوہ کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے تصرفات اور غیر مکلّف ہونے میں نابالغ عاقل جیسا ہوتاہے۔ زیلعی۔(ت)

اب چاہے زوال عقل اپنی اعلی درجہ کی حد کو پہنچ جائے،یعنی مثلاً اتنی بات کی بھی خبر نہ رہے کہ چیز بیچتے ہیں تو اپنی ملک سے نکل جاتی ہے خریدتے ہیں تو اپنے پاس آجاتی ہے،خرید وفروخت میں نفع کا ارادہ چاہیے۔خواہ اس حد کو نہ پہنچا ہو،اور ان باتوں کی ہنوز گونہ تمیز باقی ہو،مگر وہ امور جو ہم نے اوپر ذکر کئے اس میں پائے جانے ضرور ہوں کہ وہ تو معتوہ کی نفس تفسیر میں واقع ہیں،پھر جب تک اس کیفیت کا ثبوت نہ ہو،ہرگز مسلوب الحواسی شرعاً ثابت نہیں ہوسکتی نہ یہاں شاذونادر کا اعتبار کریں،بلکہ اکثر افعال وحرکات فساد عقل واختلال ہوش کے ہونے چاہئیں۔

وفی ردالمحتار ویؤید ماقلنا قول بعضھم العاقل من یستقیم کلامہ وافعالہ الانادرا[3]۔	ردالمحتار میں ہے ہماری بات کی بعض کے اس قول سے تائید ہوتی ہے کہ عاقل وہ ہے جس کی کلام اور افعال درست ہوتے ہیں ماسوائے نادر موقع کے۔(ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۰

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

دیکھو تصریح کرتے ہیں کہ اگر نادرا بعض کلمات وحرکات قانون عقل سے خارج بھی صادر ہوں، تو عاقل ہی کہا جائے گا۔آگے چل کر فرماتے ہیں:

فالذی ینبغی التعویل علیه فی المدہوش ونحوہ اناطة الحکم بغلبة الخلل فی اقواله وافعاله الخارجة عن عادته[1] الخ۔	قابل اعتماد بات یہ ہے کہ مدہوش اور اس جیسوں کا حکم اس کے اقوال وافعال میں خلل کا غلبہ اور عادت سے خارج ہونے پر لگے گا۔الخ۔(ت)

ہر عاقل جانتاہے کہ بعض اوقات کسی خیال کے استغراق یا تکلیف کی شدت یا فرحت کی کثرت یا اور کسی صورت سے وہ بات بیخودی کی اس سے صادر ہو جاتی ہے کہ جب خیال کرتا ہے تو خود ہی اسے تعجب ہوتا ہے، پھر کیا اسے یہ لازم آسکتا ہے کہ اسے مسلوب الحواس ٹھہرادیں، اور اس کے تصرفات کا نفاذ نہ مانیں، اور یہاں طول عہد مرض ایک قرینہ قویہ بھی ہے کہ اس کی پریشانی میں اگر نادرا کسی ایسے فعل کا وقوع ہو جائے تو کچھ جائے تعجب نہیں۔

فی ردالمحتار عن ہشام ابن کلبی قال حفظت مالم یحفظ احد ونسیت مالم ینسه احد حفظت القراٰن فی ثلثة ایام واردت ان اقطع من لحیتی مازاد علی القبضة فنسیت فقطعت من اعلاھا[2]۔	ردالمحتار میں ہشام بن کلبی سے منقول ہے اس نے کہا میں نے حفظ کیا جو کسی نے نہ کیا اور میں بھولا اس طرح کوئی نہ بھولا میں نے قرآن پاک تین دن میں حفظ کرلیا اور میں قبضہ سے زائد اپنی داڑھی سے کاٹنا چاہتا تھا تو بھول کر میں نے قبضہ کے اوپر سے کاٹ دی۔(ت)

دیکھو ایسا صحیح الضبط قوی الدماغ آدمی جس نے روزانہ دس دس پارہ قرآن مجید کے یاد کرکے تین روز میں کلام اللہ شریف پورا حفظ کرلیا، اس سے ایسی خطاء عظیم واقع ہوئی کہ جس پر وہ خود کہتے ہیں مجھ سے وہ بھول ہوئی جو کسی سے نہ ہوئی، اب کیا اس نادر بات پر ان کی قوت بالکل زائل اور مسلوب الحواسی حاصل پائی جائے گی، بالجملہ جب تک غالب افعال واقوال ایسے ہی نہ ثابت کئے جائیں۔ ہرگز بکار آمد نہیں کہ فقہائے کرام عدم اعتبار نادر کی تصریح فرما چکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے دو نکاح کئے، دونوں کا مہر

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

اسی پر واجب ہے اور اپنی کل جائداد کو بطور ہبہ یا دین مہر ایک زوجہ کے نام یا کسی غیر کو ہبہ دینا چاہتا ہے تاکہ دوسری زوجہ محروم رہ جائے، اس صورت میں یہ زوجہ قاضی و مفتی کے یہاں استغاثہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور زوج کو ان امور سے روک سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگرچہ ایک زوجہ کی محرومی چاہنا خلاف عدل اور دیانۃً بُرا ہے۔ مگر جبکہ جائداد اس عورت کے مہر میں مرہون نہیں، تو یہ اسے کسی طرح کے تصرفات وانتقال سے نہیں روک سکتی چاہے وہ دوسری زوجہ کے مہر میں دے دے، خواہ اسے کسی راہ چلتے کو ہبہ کردے، یا جو چاہے کرے۔

فان امامنا الاعظم رضی الله تعالٰی عنه لایقول بالحجر بالدین اصلا، وصاحباه وان قالا به فبعد قضاء القاضی بالحجر فحیث لاقضاء لاحجر اجماعا۔ قال فی الهندیة من باب الحجر للفساد لاخلاف عندهما ان الحجر بسبب الدین لایثبت الابقضاء القاضی [1] اھ وقال فی الحجر بسبب الدین عند ابی حنیفة لایحجر علیه ولایعمل حجره حتی تصح منه هذه التصرفات کذا فی المحیط [2] اھ والله تعالٰی اعلم۔	ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ قرض کی بناء پر کسی کو مجبور ہرگز نہ کرتے، اور آپ کے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی اگرچہ تصرفات سے منع (حجر) کا قول کرتے ہیں لیکن قاضی کے اس فیصلہ کے بعد تو جہاں قاضی کا فیصلہ نہ ہو وہاں وہ حجر کا حکم نہیں کرتے، ہندیہ نے "باب الحجر للفساد" میں کہا کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بلاخلاف قضاء قاضی سے ہی قرض کی وجہ سے حجر نافذ ہوتا ہے اھ اور "الحجر بسبب الدین" کے باب میں فرمایا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس پر حجر کا حکم نہ کیا جائے گا۔ اور نہ حجر مؤثر ہوگا حتی کہ اس کے یہ تصرفات صحیح قرار پائیں گے محیط میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۶: ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ احمد حسن نے انتقال کیا، ایک لڑکا وزارت حسن نابالغ اور ایک زوجہ اور ایک دختر اور ایک برادر خالہ زاد اور ایک حقیقی ماموں زاد بھائی چھوڑا تو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

اس صورت میں شرعاً لڑکے نابالغ اور نیز جائداد غیر منقولہ کا کون ولی مقرر ہو سکتا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب کوئی عصبہ نہیں تو صرف ولایت نکاح ماں کو ہے۔ نابالغ پر ولایت مال اور جائداد پر اختیار، ماں بہن خواہ ان رشتہ کے چچاؤں کسی کو نہیں۔ جب تک مورث نے ان میں کسی کو وصی نہ کیا ہو کہ باپ کے بعد ولایت مال اس کے وصی کو ہے۔ یعنی جسے اس نے وصیت کی ہو کہ تو میرے بعد میری جائداد یا اولاد کی غور پر داخت کرنا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، وہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، وہ نہ ہو تو اس کے وصی کا وصی، وہ نہ ہو تو پر دادا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، پھر وصی الوصی، وعلی ہذا القیاس، پھر ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام یا اس کا وصی، ان کے سوا کوئی ولی مال نہیں۔

فی الدرالمختار ولیه ابوہ ثم وصیه ثم وصی وصیه، ثم جدہ الصحیح وان علا، ثم وصیه ثم وصی وصیه، ثم القاضی او وصیه ایھما تصرف صح دون الام او وصیھا، ہذا فی المال بخلاف النکاح [1] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے۔ اس کا ولی ترتیب وار، باپ پھر وصی پھر وصی کا وصی، پھر حقیقی دادا اوپر تک، پھر اس کا وصی پھر اسکے وصی کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی دونوں میں کوئی بھی تصرف کرے، صحیح ہوگا، ماں یا اس کا وصی ولی نہیں ہیں، یہ مال کے معاملہ میں ہے بخلاف نکاح کے اھ ملخصا **واللہ تعالٰی** اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷: (نوٹ) اصل میں سوال نہیں ہے، لیکن جواب سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کسی فاترالعقل کے تصرفات نکاح وعقد بیع سے متعلق تھا جس کو بعد میں ایسے ولی نے جائز کردیا تھا، جو باپ اور دادا کے علاوہ تھا۔ (عبدالمنان)

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ مدار صحت ونفاذ تصرفات وترتیب احکام میں تو یہ عقل ہے، یہ جو محض بے عقل ہے اس کے تصرفات راساً باطل، کہ اجازت اولیاء کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، اور جو نفع وضرر میں قدرے تمیز حاصل، اور عقل سے کچھ بہرہ ہے، مثلاً بیع وشراء کو سالب وجالب ملک اور غبن قلیل وکثیر میں تفرقہ اور مقصود تجارت حصول منفعت جانتا ہے یا مسلوب الحواسی

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

اس کی دائمی نہیں، نہ ہوش میں آنے کا وقت معین، گاہے عقل سے بیگانہ گاہے بالکل ہوشیار وفرزانہ، تو اس صورت میں امثال نکاح وبیع وشراء وغیرہا تصرف اس کے نفع وضرر دونوں کو محتمل، اس ولی کی اجازت پر موقوف رہیں گے، جسے ان تصرفات کا اس کے نفس ومال میں خود اختیار حاصل ہو، اگر ولی نہیں یا ولی کو ایسے تصرفات کی خود پروانگی نہیں، یا ہے مگر وہ جائز نہ رکھے، تو یہ باطل ہوجائیں گے۔

وفی حاشیة الدرالمختار للعلامة احمد الطحطاوی رحمة الله تعالٰی علیه، واما ذاہب العقل اصلا فان تصرفه لاتلحقه الاجازة[1] اھ وفی الدر (ومن عقد) عقدا یدور بین نفع وضرر کما سیجیئ فی الماذون (منھم) من ھؤلاء المحجورین (ویعقله) یعرف ان البیع سالب للملك والشراء جالب (اجاز ولیه او رد) وان لم یعقله فباطل نهایة[2] اھ فی الطحطاویة قوله یعرف ان البیع سالب الخ ویعرف الغبن الیسیر من الفاحش، ویقصد تحصیل الربح والزیادة اھ زیلعی، قوله اجاز ولیه جعل فی الدرایه الولی شاملا للعصبات وخصه ابن فرشته فی شرح المجمع بالقاضی ومن	علامہ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی کے حاشیہ درمختار میں ہے لیکن وہ جس کی عقل بالکل زائل ہوگئی ہو تو اس کے کسی تصرف کو اجازت نہیں مل سکتی اھ اور درمختار میں ہے ان مجور لوگوں میں سے اگر کوئی ایسا تصرف جسمیں اس کے لئے نفع ونقصان کے دونوں پہلو ہوں جیسا کہ عنقریب ان میں سے ماذون حضرات کے لئے بیان ہوگا وہ عقد بیع میں یہ جانتا ہے کہ اس سے اس کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے اور شراء میں ملکیت حاصل ہوتی ہے ایسے میں اس کے ولی کو اختیار ہے کہ عقد کو جائز کرے یا رد کردے، اور اگر وہ یہ نہیں سمجھتا تو عقد باطل ہوگا اھ۔ اور طحطاوی میں ہے کہ ماتن کا قول کہ بیع سے ملکیت کا زوال ہونا جانتا ہے الخ۔ اور یہ بھی جانتا ہو کہ تھوڑا غبن اور زیادہ کیا ہوتا ہے۔ اور نفع اور مال کو زائد بنانے کا ارادہ بھی رکھتا ہو اھ زیلعی، ماتن کا قول کہ "ولی اجازت دے" درایہ میں ولی میں عصبات بھی شامل کئے ہیں اور ابن فرشتہ نے مجمع کی شرح میں صرف قاضی کو ولی قرار دیا

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحجر دارالمعرفة بیروت ۴/ ۸۲

[2] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

له ولایة التجارة فی مال الصغیر کالاب والجد الوصی، فلایجوز باذن الاخ والعم والام واجاب المقدسی یحمل هذا التعمیم علی مال الولی فعله کالنکاح فتصح اجازته من الاخ والعم حموی[1] اھ۔	اور ساتھ ہی اس کو جو نابالغ کے مال میں تجارت کا ولی بنتا ہے جیسے باپ، دادا، اور وصی، تو بھائی، چچا اور ماں کی اجازت صحیح نہ ہوگی، اور مقدسی نے اس کے جواب میں ولایت کو عام کرکے ولی کے اختیاری فعل مثلاً نکاح کو شامل کیا تو بھائی اور چچا کی اجازت صحیح ہوگی۔ حموی اھ (ت)

ہاں اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معین ہو کہ اس وقت خاص بالکل ہوش میں آجانے کا عادی ہے، تو اس حالت افاقہ میں جو تصرف اس سے صادر ہوگا وہ اس میں مثل سائر عقلاء کے ہے **کماذکرہ الزیلعی وفسرہ الشلبی نقلہ الطحطاوی** (جیسا کہ زیلعی نے اسے ذکر کیا اور شلبی نے تفصیل کے ساتھ اسے بیان کیا طحطاوی نے اسے نقل کیا۔ت) لیکن یہ صورت یہاں معدوم، کہ سائل کہتا ہے مسلوب الحواسی اس کی دائمی تھی جس سے کبھی افاقہ نہ ہوتا۔ اور اس کے اظہار سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ مہر جو زن مذکورہ کا باندھا گیا اس کے مہر مثل سے کہیں زائد ہے پس صورت مستفسرہ میں یہ نکاح وبیع بہر تقدیر راسا باطل محض ہیں جن کی صحت ونفاذ کی کوئی سبیل نہیں، خواہ زید بالکل ذاہب العقل ہو اور کسی طرح کی تمیز نہ رکھتا ہو، جیسا کہ تقریر سوال سے بھی ظاہر ہوتا ہے یا مجوروں کی دوسری قسم میں داخل ہو جن کے تصرفات کذائیہ اجازت اولیاء پر موقوف رہتے ہیں۔ تقدیر اول پر بطلان نہایت واضح کہ لایعقل محض کے تصرفات کو اجازت اولیاء بھی کام نہیں آتی، کماذکرنا، اور دوسری شق پر جب تقرر مہر میں غبن فاحش ہو، اور مہر مثل سے بہت زیادہ بندھا تو ایسا نکاح خود اب وجد کے سوا اور اولیاء کے ہاتھ کا کیا ہوا اصلاً صحیح نہیں ہوتا۔ پھر انھیں اجازت کا کیا اختیار ہوگا اور قاعدہ مقررہ فقہیہ ہے کہ:

کل تصرف صدر ومالہ مجیز حالۃ العقد لاینعقد اصلا۔	ایسا تصرف جس کے انعقاد کے وقت اس کو جائز کرنے والا نہ ہو تو وہ عقد منعقد نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وان کان المزوج غیرھما ای	اگر نکاح کرکے دینے والا باپ اور دادا کا غیر

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحجر دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۸۲

غیر الاب وابیہ ولو الام اوالقاضی لایصح النکاح من غیر کفوءٍ اوبغبن فاحش اصلاً [1] اھ ملخصاً۔	خواہ ماں یا قاضی ہو تو غیر کفو میں نکاح صحیح نہ ہوگا، یا بہت زیادہ گراں مہر پر ہو تو بھی اصلاً جائز نہ ہوگا اھ ملخصا۔ (ت)

اسی طرح بیع کہ جب قیمت میں کمی فاحش ہوگی، اجازت ولی سے بھی اصلاح ناممکن، تو یہ وہی تصرف ہوا جس کا حال صدور کوئی مجیز نہیں، اور ایسا تصرف باطل ہوتا ہے۔

فی ردالمحتار علی الدرالمختار للعلامۃ السید ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ **قولہ** اجازو لیہ ای ان لم یکن فیہ غبن فاحش فان کان لایصح وان اجازہ الولی بخلاف الیسیر جوہرۃ [2]۔ عـــہ	در مختار کے حاشیہ ردالمحتار علامہ ابن عابدین میں ہے، ماتن کا قول کہ "ولی جائز کردے" یعنی جب غبن فاحش مہر میں نہ ہو اور غبن فاحش ہو تو ولی کے جائز کرنے پر بھی جائز نہ ہوگا بخلاف غبن یسیر کے۔ جوہرہ (ت)

مسئلہ ۲۳۸: از گلشن آباد عرف جاورہ ملک مالوہ محلّہ نظر باغ متصل مکان عالمگیر خان مرسلہ سید ذوالفقار احمد صاحب ۲۳ شوال ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی، اس کا ایک لڑکا نو سال کا اور ایک زوج، اور ایک پدر، اور دو برادر وارث رہے، عرصہ ہوا کہ مسماۃ ہندہ کا پدر فوت ہوگیا، اب ان وارثوں میں پسر کے رکھنے اور تعلیم کرانے کا اس وقت کون مستحق ہے۔ اور جو ترکہ ہندہ کا زیور وغیرہ رہا ہے اس میں تصرف کا واسطے تربیت پسر متوفیہ کے کون مستحق ہے، اور کس کے پاس رہے گا **بینوا توجروا**

مرشد دین، ہادی راہ متین جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب دام فیضکم، بعد تسلیم بصد تعظیم و

عـــہ: لیس فی ھذا لجواب علامۃ الاختتام وظنی انہ کامل۔ (عبدالمنان الاعظمی)	اس جواب کے اختتام پر علامت نہیں ہے تاہم میرے گمان میں یہ تام ہے۔ (ت) (عبدالمنان الاعظمی)

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۱

تکریم عرض پرداز خدمت سامی ہے۔ استفتاء ارسال خدمت سامی ہے۔ یہاں کے بعض علماء ایسا فرماتے ہیں کہ زوج ہندہ کل ترکہ ہندہ کا مالک نہیں ہوسکتا، نہ اس میں تصرف واسطے تعلیم وتربیت پسر کرسکتا ہے۔ صرف اپنے حصہ چہارم وحصہ پسر ہندہ میں اس کو حق تصرف کا ہے۔ ترکہ ہندہ سے چہارم اس کے پدر متوفی کا ہے وچہارم ہندہ کے برادران کو ملنا چاہئے، اندریں باب جیسا حکم شرع ہو اس سے نیاز مند کو آگاہی بخشیں۔ فقط۔

الجواب:

لڑکا جبکہ سات سال سے زیادہ علم کا ہے اپنے باپ کے پاس رہے گا، اور متروکہ ہندہ سے جو حصہ پسر کو ملا یعنی بارہ ۱۲ سہام سے سات سہم، اس میں تصرف شرعی کا اختیار بھی پسر کے باپ ہی کو ہوگا۔ ماموؤں کو کوئی تعلق نہیں، جس طرح چھٹا حصہ کہ ترکہ ہندہ سے پدر ہندہ کو پہنچا وہ وارثان پدر ہندہ کا ہے۔ اس سے شوہر کو کچھ علاقہ نہیں۔

فی الشامیة عن الفتح یجبر الاب علی اخذ الولد بعد استغنائه عن الام، لان نفقته وصیانته علیه بالاجماع اھ [1]۔ وفی الدر المختار ولیه ابوه ثم وصیه ثم جده ثم وصیه، ثم القاضی اووصیه، دون الام او وصیها، ھذا فی المال [2] اھ مختصرا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	فتاوٰی شامی میں فتح سے ہے جب بچہ ماں کی پرورش سے مستغنی ہوجائے تو باپ کو بیٹا واپس لینے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ بچے کا خرچہ اور تربیت والد کے ذمہ بالاجماع ہے اھ، اور درمختار میں ہے بچے کا ولی اس کا باپ پھر اس کا وصی، پھر دادا پھر اس کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی ہے۔ ماں یا اس کا وصی ولی نہیں ہے۔ یہ ترتیب مالی ولایت میں ہے اھ مختصرا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از لشکر گوالیار نیا بازار مکان حکیم شریف حسین خان مرسلہ علی حسین خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

تسلیمات نیاز مندی معروض خدمت، عرض حال یہ ہے کہ یہاں کچہری صاحب جج یک مقدمہ

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۰

[2] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

سرپرستی دائر ہے اس کی کیفیت خلاصہ تحریر کرتاہوں: میرے دادا حکیم ولایت علی خاں مرحوم نے تین شادیاں کریں، اول زوجہ سے دوپسر اور ایک دختر تولد ہوئے، اول بی بی کی اولاد سے جو کہ دو پسر تھے ان میں سے ایک پسر کلاں لاولد فوت ہوا۔ دوسرا پسر خورد بعارضہ جسمانی ہاتھ پاؤں سے معذور ہنوز بحیات موجود ہے۔ دوسری بی بی کی اولاد سے والد حکیم شریف حسین خاں مرحوم، تیسری بی بی کی اولاد سے ایک پسر مفلوج الاعضا مخبوط الحواس ہنوز موجود ہے۔ دادا صاحب نے قبل از وفات ایک درخواست عرضی بایں مضمون سرکار میں پیش کی کہ بعد وفات میری تنخواہ سالعہ ۳۴۰ وجاگیر جو سرکار سے مقرر ہے بجائے اس میرے نام شریف حسین خاں معہ تنخواہ وجاگیر کے مقرر فرمایا جائے، بعد از چندے دادا صاحب کا انتقال ہوگیا، ایک عرصہ بعد ۲۷ نومبر ۱۸۹۴ء کو تقرری اسم والد سرکار مقرر فرمایا گیا۔ بعد تقرری اس میں والدم تنخواہ خود سے بطور پرورش برادر خورد مفلوج مخبوط الحواس کو عہ عہ ۱۲ روپے ماہوار، اور والدہ مخبوط الحواس کو عہ ۱۲ جملہ عہ ۳۲ روپیہ ماہوار تادم مرگ دئے گئے، اور مکان سکونتی دادا صاحب میں مقیم رکھا، اثنائے حال میں والدم حکیم شریف حسین خاں کا بتاریخ ۱۳ محرم ۱۳۱۵ھ مطابق ماہ جون تاریخ ۱۵ ۱۸۹۷ء کو انتقال ہوگیا، اور ۱۷ جون ۱۸۹۷ء کو والدہ مخبوط الحواس بھی بعارضہ ہیضہ علیل ہوئیں۔ اس وقت مکان سکونتی سے والدہ مخبوط الحواس یعنی میری دادی صاحبہ کو دونوں برادر حقیقی مولوی عبدالغفار و عبدالستار آکر اپنے مکان پر لے گئے، ۲۲ جون ۱۸۹۷ء کو بخانہ برادران مذکور میری دادی صاحبہ فوت ہوگئیں، بعد فوت ہوجانے میری دادی صاحبہ کے ہر دو برداران دادی صاحبہ نے مکان سکونتی ودکانات پر آکر میرے قفل لگائے ہوئے توڑ کر اپنے قفل از راہ مداخلت بیجا کے لگادئے، جب میں نے فوجداری میں استغاثہ کیا تو مولوی عبدالغفار ملزمان نے اپنی سرپرستی بہ نسبت اس مخبوط الحواس یعنی ہمشیرہ زادہ خود ظاہر کیا چنانچہ یہ مقدمہ درجہ بدرجہ کچہری صاحب جج تک پہنچ گیا ہے صاحب جج نے فتوی شرع شریف بہ نسبت سرپرستی ملزمان مذکور طلب کیا ہے۔ لہذا خدمت عالی میں عرض کرکے طلبگار فتوی کا ہوں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حق پرستی مخبوط الحواس کی میری جائداد یا بمقابلہ میرے ہر دو ماموں مخبوط الحواس کی سرپرستی درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مخبوط ناعاقل یا صغیر نابالغ کی سرپرستی دوامر میں ہے، [۱] ایک نکاح، [۲] دوسرے مال، اس مخبوط کی ولایت نکاح تو اس کے بھائی کو ہے جو حکیم ولایت علی خاں کی زوجہ اولی سے ہے اور

اس کا ہاتھ پاؤں سے معذور ہونا مانع ولایت نہیں بشرطیکہ عاقل بالغ ہو، ورنہ سائل کہ اس مخبوط کا بھتیجا ہے اس کا ولی ہے اس کے ہوتے ماموں کوئی چیز نہیں۔ درمختار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث و الحجب بشرط حریة وتکلیف، فان لم یکن عصبة فالو لایة للام، ثم الاخت، ثم ولد الام، ثم ذوی الارحام العمات، ثم الاخوال[1] الخ، باختصار۔	نکاح میں ولی، عصبہ بنفسہ وراثت اور وراثت سے مانع بننے (حجب) کی ترتیب پر بشرطیکہ وہ آزاد اور مکلّف ہوں اور اگر عصبات نہ ہوں تو ماں کو ولایت ہوگی پھر بہن پھر ماں کی اولاد پھر ذوالارحام پھر پھوپھیوں کو، پھر ماموں کو الخ، باختصار۔ (ت)

اور ولایت مال صرف اس شخص کو ہے جسے حکیم ولایت علی خاں اپنے بعد اپنی اولاد و جائداد کی غور پر داخت سپرد کر گئے اپنا وصی بنا گئے ہوں وہ نہ رہا ہو تو وہ شخص جسے وصی مذکور اسی طرح اپنا وصی کر گیا ہو۔ وہ بھی نہ ہو تو وہ جسے مخبوط کے دادا نے اپنا وصی کیا ہو۔ وہ بھی نہ ہو تو وہ جسے دادا کا وصی اپنا وصی کر گیا۔ ان کے سوا کسی کو اس مخبوط کی ولایت مال نہیں پہنچتی، درمختار میں ہے:

ولیه ابوه ثم وصیه بعد موته، ثم وصی وصیه، ثم بعدهم جده الصحیح، وان علا ثم وصیه، ثم وصی وصیه، ثم القاضی اووصیه هذا فی المال بخلاف النکاح، کما مرفی بابه[2]۔ واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔	اس کا ولی باپ، اس کی موت کے بعد اس کا وصی، پھر وصی کا وصی، پھر ان کے بعد حقیقی دادا اوپر تک، پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی، یہ مالی ولایت ہے اور نکاح کی ولایت اس کے خلاف ہے۔ جیسا کہ نکاح کے باب میں گزرا، واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۰: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغوں کے لئے حد بلوغ کیا ہے؟ مرد ہوں یا عورت۔

[1] درمختار کتاب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[2] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

الجواب: لڑکا بارہ سال اور لڑکی نو برس سے کم عمر تک ہر گز بالغ و بالغہ نہ ہوں گے۔ اور لڑکا لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر میں ضرور شرعاً بالغ و بالغہ ہیں، اگرچہ آثار بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں، ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں، یعنی خواہ لڑکے خواہ لڑکی عــہ۱ سوتے خواہ جاگتے میں انزال ہو یا لڑکی کو حیض آئے یا جماع سے لڑکا حاملہ کردے یا لڑکی کو حمل رہ جائے تو یقیناً بالغ و بالغہ ہیں، اور اگر آثار نہ ہوں مگر وہ خود کہیں کہ ہم بالغ و بالغہ ہیں، اور ظاہر حال ان کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو تو بھی بالغ و بالغہ سمجھے جائیں گے اور تمام احکام بلوغ کے نفاذ پائیں گے، اور اگر داڑھی عــہ۲ مونچھ نکلنا یا لڑکی کے پستان میں ابھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں۔ درمختار میں ہے:

بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل۔ فان لم يوجد فيهما حتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى وادنى مدته له اثنتا عشرة سنة۔ ولها تسع سنين[1]۔	لڑکے کے بلوغ احتلام یا بیوی کو حاملہ کرنا یا انزال سے معلوم ہوگا اور لڑکی کا بلوغ حاملہ ہونے حیض اور احتلام سے ظاہر ہوگا۔ اگر دونوں میں کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو مفتی بہ قول کے مطابق دونوں کی عمر پندرہ سال ہوجانے پر، اور کم از کم مدت بلوغ لڑکے میں بارہ سال اور لڑکی کی نو سال عمر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فان راهقا فقالا بلغنا صدقا، ان لم يكذبهما الظاهر، فيشترط لصحة اقراره ان يكون يحتلم مثله والا لا يقبل قوله شرح وهبانية، وهما حينئذ كبالغ حكما فلا يقبل جحوده البلوغ بعد اقراره مع احتمال	دونوں مراہق تھے تو انھوں نے کہہ دیا کہ ہم بالغ ہیں تو تسلیم کیا جائے گا کہ بشرطیکہ ان کا ظاہر حال ان کو جھوٹا نہ بنائے تو اس کے اقرار کی صحت کے لئے اس جیسوں کا بالغ ہونا ممکن ہو ورنہ اس کی بات قبول نہ ہوگی وہبانیہ، تو اقرار کے بعد وہ بالغ کے حکم میں ہوں گے لہٰذا اب ان کا انکار قابل قبول نہ ہوگا۔

عــہ۱: لفظ لڑکی کے بعد "کو" ہونا چاہئے۔ عــہ ۲: یہاں "اگر" زلہ قلم ناسخ سے ہے۔ عبدالمنان الاعظمی۔

---

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۹

حالہ[1] اھ باختصار۔	بشرطیکہ حال موافق ہو اھ مختصراً۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

ولایحکم بالبلوغ ان ادعی وھو مادون اثنتا عشرۃ سنۃ فی الغلام وتسع سنین فی الجاریۃ کذا فی المعدن[2]۔	بلوغ کا حکم لڑکے میں بارہ سال سے کم اور لڑکی میں نو سال سے کم پر دیا جائے۔ معدن میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانۃ ولااللحی، واما نھود الثدی ففی الحموی انہ لایحکم بہ فی ظاہر الروایۃ، وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الھاملی، ابوالسعود، وکذ اشعر الساق والابط والشارب[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	زیر ناف بالوں اور داڑھی کا اعتبار نہیں ہے۔ اور لڑکی کے پستانوں کا ابھرنا، تو حموی میں کہا ظاہر روایت میں بلوغ کا حکم نہ ہوگا، اور یوں ہی آواز بھاری ہونا بھی معتبر نہیں، جیساکہ ہاملی کی نظم کی شرح میں ہے، ابوالسعود، اور یونہی پنڈلی، بغل او رمونچھوں کے بال بھی معتبر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۱: ۲۶ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مجنون ہوگیا، اور اس کے ورثاء میں اس کی ایک بیوی (ہندہ) اور اس کے چند لڑکی لڑکا اور اس کا ایک برادر حقیقی خورد عمرو موجود ہے۔ زید نے بزمانہ صحت وثبات عقل اپنے مکان مسکونہ کے علاوہ اپنی مملوکہ ایک دوسرے مکان میں عمرو کو بودوباش کی اجازت دے دی تھی، چنانچہ عمرو تخمینا دس سال سے مکان مذکور میں سکونت پذیر ہے، عمرو کا چونکہ اب یہ ارادہ ظاہر ہوا کہ ڈیڑھ دو سال کے بعد بارہ سال گزرنے پر وہ زید کے مکان پر حق موروثیت قائم کرے گا۔ اس واسطے ہندہ عمرو سے کہتی ہے کہ اگر میری تم کفالت نہ کرو۔ اور مکان کا کرایہ بھی مطلق نہ دو، تو زید کے مکان کا کرایہ نامہ ہی لکھ دو، مگر عمرو اس سے قطعاً انکار کرتا ہے۔ شرعاً اس میں کیا حکم ہے۔ آیا ہندہ کا عمرو سے کرایہ نامہ مکان کے تحریر کردینے کے واسطے کہنا شرعاً بجا

---

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الحجر فصل فی ببلوغ الغلام دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۷

ہے یا نہیں؟ اور عمرو کا کرایہ نامہ لکھنے سے انکار کرنا شرعاروا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ہندہ مذکور کی ایک لڑکی قریب بلوغ ہے اور ہندہ اس کا عقد کرکے اپنا وارث بنانا چاہتی ہے مگر عمرو مذکور اس امر سے سخت مانع ہے تاکہ ہندہ اپنا کسی کو وراث بنا کر مملوکہ مکان سے بے دخل نہ کرادے، لہٰذا شرعا ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور ہندہ کو شرعا کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا بالدلیل وتوجروا الجزیل۔**

الجواب:

جبکہ زید اس دوسرے مکان کا بھی مالک تھا اور اس نے عمرو کو احسانًا سکونت کے لئے دیا تھا تو زید کے مجنون ہوتے ہی وہ عاریت جاتی رہی، اور عمرو کو کوئی اختیار اس میں مفت سکونت کا نہ رہالان **المجنون لاتصرف له ولاعلیه لاحد ولایة التبرع من ماله** (کیونکہ مجنون کا کوئی تصرف معتبر نہیں اور اس کے مال کو تبرع میں دینے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ت) عمرو پر لازم ہے کہ وہ مکان کو خالی کردے ورنہ کرایہ نامہ باضابطہ لکھ کر معقول کرایہ جو ایسے مکان کے لئے ہوتا ہے ادا کرے۔ ورنہ سخت گنہ گار ہوگا۔ خالی کرایہ نامہ لکھ دینا کافی نہ ہوگا۔ لڑکی کا عقد کسی کفو سے خود کردے، اور وہ نہ مانے تو اس کی ماں کہیں معقول جگہ کردے، ولی اگرچہ عمرو ہے۔ مگر جب وہ بدنیتی سے انکار کرے تو ماں باختیار خود اس کا نکاح کرسکتی ہے۔ حسب بیان سائل اور کوئی لڑکی کا ولی نہیں۔ **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۲: از پیلی بھیت سلخ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منجملہ چند ورثاء کے صرف ایک وراث کے نام جائداد بذریعہ بیعنامہ جس کا زرثمن مشتری نے ادا نہیں کیا لکھ دی، اس کے چوتھے روز یعنی تحریر بیعنامہ سے بائع فوت ہوگیا بائع کے مرض کی طرف سے غالب گمان اس کے فوت ہونے کا تھا، اور بہت ضعیف گمان اس کے صحت یاب ہونے کا تھا۔ اب اس صورت میں یہ تحریر مرض الموت میں تصور کی جاسکتی ہے۔ اور مرض الموت کتنی مدت تک مانا جاسکتا ہے؟

الجواب:

ہاں یہ تحریر مرض الموت میں ہوئی جب تک مرض سے خوف ہلاک غالب ہو مرض الموت ہے۔ جب مرض مزمن ہوجائے خوف ہلاک غالب نہ رہے اس وقت وہ مرض الموت نہیں رہتا۔ جب تک اس میں نئی ترقی ہو کر پھر خوف ہلاک کا غلبہ نہ ہو جائے۔ درمختار میں ہے:

المختار انه ماکان الغالب منه	مختار قول یہ ہے کہ اتنی مدت جس میں موت

الموت وان لم یکن صاحب فراش [1]۔	عادتاً واقع ہوتی ہے اگر وہ صاحب فراش نہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں نورالعین سے اس میں محیط سے ہے:

ذکر محمد فی الاصل مسائل تدل علی ان الشرط خوف الھلاك غالبا لا کونه صاحب فراش [2]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں فرمایا بہت سے مسائل اس پر دال ہیں کہ غالب طور پر موت واقع ہو سکتی ہو۔ صاحب فراش ہونا شرط نہیں۔(ت)

اسی میں زیلعی سے ہے:

لانه فی ابتدائه یخاف منه الموت۔ ولھذا یتداوی فیکون مرض الموت، وان صار صاحب فراش بعد التطاول فھو کمرض حادث حتی تعتبر تصرفاته من الثلث [3]۔	کیونکہ اس کے ابتداء میں ہی موت کا خطرہ ہوتا ہے اس کا علاج بھی ہو تو اس کو مرض موت کہا جائے گا اور لمبی مدت کے بعد وہ صاحب فراش بنے تو نیا مریض قرار پائے گا حتی کہ صاحب فراش ہونے سے قبل کے تصرفات ثلث میں معتبر ہوں گے(ت)

اور مرض الموت میں ایک وارث کے ہاتھ بیع اگرچہ مناسب قیمت کو بھی ہو بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے ہاں اگر وہ جائز کردیں تو جائز ہو جائے گی، درمختار میں ہے:

وقف بیع المریض لوارثه علی اجازة الباقی [4]۔	مریض کا اپنے وارث کو مال فروخت کرنا دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان مات منه ولم تجز الورثة بطل، فتح [5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر اس مرض میں فوت ہوگیا اور باقی ورثاء نے جائز نہ کیا ہو تو بیع باطل ہو جائے گی، فتح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب طلاق المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۰

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[5] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

مسئلہ ۲۴۳: مستفسرہ مولوی عبداللہ صاحب طالب علم بہاری بروز چہار شنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اور زید کے لڑکے دونوں نے مل کر ایک بقال سے اپنے مکان ذاتی پر روپیہ قرض لیا، بعد چند عرصہ کے اس بقال نے کہ جس کا قرض ہے نالش عدالت میں دائر کردی، اب وہ نیلام ہونے لگا۔ اور اس بقال کی ڈگری ہوگئی، تو زید کے پوتے حقیقی نے کہ جو زید اور زید کے لڑکے سے ہمیشہ علیحدہ رہتا تھا، اپنی بذات خاص سے وہ روپیہ قرضدار کا ادا کردیا، اور نیلام اپنے نام سے چھڑالیا، اس وقت میں جب یہ قرض ادا کیا گیا تھا اور نیلام چھڑایا گیا تو زید زندہ تھا اور زید کا لڑکا بھی زندہ تھا، اب زید فوت ہوگیا اور زید کا لڑکا حیات ہے مگر مثل پیشتر کے اب بھی اپنے باپ سے علیحدہ ہے۔ اب اس وقت میں زید کا لڑکا یعنی اس نیلام چھڑانے والے کا باپ اپنے اس لڑکے کو اس مکان سے نکالتا ہے کہ جس نے قرض ادا کیا تھا اور نیلام چھڑایا تھا اور بوجہ نیلام چھڑانے کے وہ مکان زید کے پوتے کے نام ہے۔ زید کے پوتے کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور زید کے لڑکے نے اپنی دوسری شادی کرلی، زید کے پوتے کو اس والدہ دوسری سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا زید کا پوتا اپنا روپیہ جو نیلام میں دیا ہے پاسکتا ہے یا اس مکان کو پاسکتا ہے؟ مطابق شرع شریف کے جواب تحریر فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زر ڈگری کم تھا اور نیلام زیادہ کو ہوا، اور قرض دے کر باقی روپیہ مالکان مکان کو دیا گیا، اگرچہ ایک ہی روپیہ یا اس سے بھی کم ہو اور مالکان نے وہ بقیہ لے لیا، تو زید کا پوتا اس مکان کا مالک ہوگیا، زید کا بیٹا اسے نہیں نکال سکتا، اور اگر مالکان مکان نے زر نیلام کچھ نہ پایا تو شریعت میں زید کا پوتا اس مکان کا مالک نہ ہوا۔ نہ وہ شرعاً مکان کا مستحق ہے۔ نہ پسر زید سے زر نیلام کا دعوٰی کرسکتا ہے مکان پسر زید و وارثان زید کا ہے۔ زید کا پوتا اپنے روپے کا مطالبہ عندالشرع اس بنئے سے کرسکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں اس سے نہیں لے سکتا، لہٰذا صبر کرے اس نے خود اپنا مال ضائع کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴تا۲۵۱: مسئولہ عبدالوحید محلّہ سسرارا باغ الہ آباد بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

(۱) شریعت میں مجنون کی کیا تعریف ہے؟

(۲) مجنون کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے؟

(۳) مجنون کا حق شرعی جو اس کے مورث کے مال سے اس کو پہنچا ہو مجنون کی حالت جنون میں اس کے

حصہ کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے؟

(۴) شرعاً مجنون وصبی ایک حکم میں ہیں یا علیحدہ علیحدہ؟

(۵) مجنون کی حالت جنون میں اپنی زوجہ کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

(۶) ہندہ کے ورثاء زید سے ایسی حالت میں کہ زید مجنون ہے ڈر کر لفظ طلاق کہلوائیں تو طلاق واقع ہو جائیگی یا نہیں؟ اور ایسی حالت میں اس کا کوئی ولی اس موقع پر موجود نہ ہو۔

(۷) مسلوب العقل ہونے کی حیثیت سے صبی اور مجنون کا ایک حکم ہے یا علیحدہ؟

(۸) صبی کی طلاق حالت صبا میں واقع ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب الملفوظ

(۱) جس کی عقل زائل ہو گئی ہو بلا وجہ لوگوں کو مارے، گالیاں دے، شریعت نے اس میں کوئی اپنی اصطلاح جدید مقرر نہیں فرمائی، وہی ہے جسے فارسی میں دیوانہ، اردو میں پاگل کہتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) مجنون کی ولایت عصبہ کو ہے۔ سب میں مقدم اس کا بیٹا عاقل بالغ، وہ نہ ہو تو باپ، پھر دادا، پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر چچا، پھر چچا کا بیٹا الی آخر العصبات، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) ولایت مال صرف سات کو ہے۔ بیٹا، پھر اس کا وصی، پھر باپ، پھر اس کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی، یا ان وصیوں کا وصی علی الترتیب، اور ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) شرعاً مجنون وصبی غیر عاقل ایک حکم میں ہیں، اور صبی عاقل کا حکم اس سے جدا ہے۔ وہ خرید وفروخت باجازت ولی کر سکتا ہے اور مجنون نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) مجنون کی طلاق نہیں واقع ہو سکتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۶) ڈرائیں یا نہیں۔ ولی موجود ہو یا نہیں۔ مجنون کے دئے طلاق نہیں ہو سکتی جبکہ اس کا جنون ثابت ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۷) اس کا جواب گزرا کہ صبی لایعقل اور مجنون کا ایک حکم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۸) نہیں واقع ہو گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۲: ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر

تصدیق کرادیا، نقل شامل سوال ہے۔ مگر زر ثمن کالین دین نہیں ہوا صرف اقرار ہوا ہے۔ مگر اس کے بعد ایک دعوی تنسیخ دستاویز مذکور کا زید نے کچہری میں کیا، دعوی اور جواب دعوی بھی شامل سوال ہے۔ تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا جبکہ حواس صحیح نہ ہوں اس کی بیع مذکور بغبن فاحش ہے۔ اور اس کو ایسی بیع کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب:

جو شخص کم سمجھ ہو، تدبیر ٹھیک نہ ہو، کبھی عاقلوں کی سی باتیں کرے، کبھی مدہوش کی سی، اگر جنون کی حد تک نہ پہنچا ہو، لوگوں کو بے سبب مارتا گالیاں دیتا نہ ہو، وہ معتوہ کہلاتا ہے۔ شرعا اس کا حکم سمجھ وال بچے کی مثل ہے، اگر برابر بلکہ دونی قیمت کو بیچے وہ بھی بے اجازت ولی مال نافذ نہیں۔ اگر یہ ولی رد کردے گا باطل ہوجائے گی۔ اور غبن فاحش کے ساتھ جس طرح حسب بیان سائل صورت سوال میں ہے کہ پچاس ہزار کی جائداد بیس ہزار کو بیع کی، ایسی بیع تو باطل محض ہے کہ ولی کی اجازت سے بھی نافذ نہیں ہوسکتی حتی کہ اگر خود معتوہ بعد صحت اسے جائز کرے تو جائز نہ ہوگی۔

فان الاجازۃ انما تلحق الموقوف وھذا باطل لصدورہ ولا مجیز۔	کیونکہ اجازت تو موقوف کو ملتی ہے۔ جبکہ یہ باطل ہے کیونکہ جب اس کا صدور ہوا تو کوئی اجازت دینے والا نہ تھا۔ (ت)

درمختار میں ہے: **المعتوہ حکمه کممیز**[1] (معتوہ کا حکم تمیز رکھنے والے کی طرح ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

احسن ماقیل فیه من کان قلیل الفھم مختلط الکلام فاسد التدبیر الا انه لایضرب ولایشتم کما یفعل المجنون درر[2]۔	معتوہ کی تعریف بہتر قول یہ ہے کہ وہ قلیل الفہم، خلط ملط کلام اور فاسد تدبیر والا ہے صرف یہ کہ وہ ضرب وشتم نہیں کرتا جیسے مجنون کرتا ہے۔ درر (ت)

درمختار میں ہے:

تصرف الصبی والمعتوہ الذی یعقل البیع	بچے اور معتوہ جو بیع وشراء کی سمجھ رکھتا ہے ان کا

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۰

والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام و الاتہاب صح بلا اذن وان ضار اکالطلاق والقرض لا، وان اذن به ولیهما وما تردد من العقود بین نفع وضرر کالبیع و الشراء توقف علی الاذن[1] (باختصار)	وہ تصرف جو محض نافع ہو تو ولی کی اجازت کے بغیر صحیح ہے مثلاً اسلام قبول کرنا اور ہبہ قبول کرنا اور وہ تصرف جو نفع وضرر دونوں پہلو رکھتا ہو تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسے بیع وشراء (باختصار)(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله کالبیع ای لو بضعف القیمة[2]۔	اس کا قول "بیع" یعنی اگر وہ دگنی قیمت پر بھی ہو۔(ت)

جامع الصغار میں ہے:

لوان الصبی طلق او وہب اوتصدق اوباع بمحاباة فاحشة اواشتری باکثر من قیمته قدر مالا یتغابن الناس فی مثله او غیر ذٰلك من العقود فما لو فعله ولیه فی صغره لایجوز علیه فهذه العقود کلها باطلة لا تتوقف وان اجازہا الصبی بعد البلوغ لاتجوز[3]۔	اگر بچے نے طلاق دی یا ہبہ کیا یا صدقہ کیا یا سستا فروخت کیا یا زیادہ قیمت پر خریدا جو بازار کی کمی بیشی سے زائد ہو وغیرہ، تو یہ امور بچے کے لئے ولی اس کی نابالغی میں کرے تو جائز نہ ہوں گے، لہٰذا خود بچے نے کئے تو باطل ہوں گے اور ولی کی اجازت پر موقوف نہ رہیں گے اور اگر خود بھی بالغ ہونے کے بعد جائز کرنا چاہے تو جائز نہ ہونگے۔(ت)

ہاں اگر معتوہ یا نابالغ کو اس کے ولی مال یعنی باپ نے اور وہ نہ ہو تو باپ کے وصی، اور وہ نہ ہو تو دادا، اور وہ نہ ہو تو اس کے وصی، اور وہ نہ ہو تو حاکم و قاضی نے تجارت کا اذن دے دیا ہے۔ تو اس کی بیع جائز ہے اگرچہ غبن فاحش سے ہو۔ درمختار میں ہے:

فان اذن لهما الولی فهما فی شراء و بیع کعبد ماذون فی کل	اور بچہ اور معتوہ کو بیع وشراء میں ولی کی اجازت ہو تو ماذون غلام کی طرح اس کے تمام احکام

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰

[3] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین فی مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۵

احکامہ[1]۔	ہوں گے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیجوز بیعہ بالغبن الفاحش عندہ خلافا لھما[2]۔	تو غبن فاحش کے ساتھ اس کی بیع امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگی، صاحبین اس کے خلاف ہیں۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

المعتوہ الذی یعقل البیع والشراء بمنزلۃ الصبی یصیر ماذونا باذن الاب والوصی والجد دون غیرہم خزانۃ المفتین ولو اذن للمعتوہ ابنہ کان باطلا، وعلی ھذا لواذن لہ اخوہ اوعمہ او واحد من اقربائہ سوی الاب والجد فاذنہ باطل[3] مبسوط(باختصار)واللہ تعالٰی اعلم۔	معتوہ جو بیع وشراء کی سمجھ رکھتا ہے وہ بچے کی طرح ہے باپ دادا اور ان کی اجازت سے ماذون ہوسکے گا غیر کی اجازت نہیں، خزانۃ المفتین اور اگر معتوہ کو بیٹا اجازت دے تو باطل ہوگا،اس بنا پر اگر بھائی یا چچا یا کوئی اور قریبی اجازت دے جو باپ دادا کا غیر ہو تو یہ اجازت باطل ہوگی، مبسوط (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵۳: از پروچڑان موضع کوٹلہ مدھو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خان پور مرسلہ ابوالمنظور محمد غوث بخش صاحب ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق صبی کے متعلق جو اصول فقہ میں لکھتے ہیں کہ عندالحاجۃ واقع ہوجاتی ہے، حاجت کی کون کون صورتیں ہیں۔ آیا یہ صورت ذیل عندالحاجۃ میں داخل ہوسکتی ہے کہ ایک ناکح بعمر ۱۲ سال ہے اور منکوحہ اس کی بعمر ۲۸ سال، مگر اعمال اس عورت کے فاحشہ ہیں، حاملہ من الزنا ہوجاتی ہے اور اسقاط کرادیتی ہے۔اور ایسا معاملہ اس سے بار بار ہوا ہے اور بوجہ غیر بلوغ ناکح وعدم بیتوتت کے نان ونفقہ سے از حد تنگ ہے۔ تو ایک گونہ فعل حرام مذکور اس کا باخذ اجرت حرام اضطراری تصور ہوتا ہے۔ برآں التماس ہے کہ بندہ گرداور قاضی علاقہ کا ہے۔

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الماذون الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۱۲

ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں بڑی تفصیل وکافی جواب سے ممتاز فرمائیں۔

الجواب:

صبی ہرگز اہل طلاق نہیں، نہ اس کے دئے طلاق واقع ہو، نہ اس کی طرف سے اس کا ولی خواہ کوئی طلاق دے سکے اگر دے ہرگز نہ ہوگی، اصول میں کہ ذکر حاجت ہے صرف دو صورتوں میں منحصر ہے:-

اول: یہ کہ صبی عاقل کافر کی زوجہ اسلام لائی، حاکم شرع نے صبی پر اسلام پیش کیا۔ اس نے انکار کردیا تفریق ہوگی اور یہ مذہب صحیح میں طلاق قرار پائے گی،

دوم: یہ کہ صبی آلت بریدہ تھا، عورت نے دعوٰی کیا قاضی نے تفریق کردی، یہ بھی علی الصحیح طلاق ہے وبس۔

تیسری صورت: ایک قول ضعیف پر ہے کہ صبی عاقل **معاذاللہ** مرتد ہوگیا جو اسے طلاق جانتے ہیں طلاق کہیں گے، اور صحیح یہ کہ ردت سے نکاح فسخ ہوتا ہے اگرچہ شوہر ارتداد کرے۔ تو یہ طلاق نہیں، اس مسئلہ کی اعلٰی تحقیق مع ازالہ جملہ اوہام فتاوٰی فقیر کتاب الطلاق میں ہے۔ اشباہ احکام الصبیان میں ہے:

لایقع طلاقه ولا عتقه الاحکام فی مسائل ذکرناها فی النوع الثانی من الفوائد[1]۔	اس کی طلاق وعتاق واقع نہ ہوں گی، مگر چند وہ مسائل جن کو ہم نے فوائد نوع ثانی میں بیان کیا ہے حکماً صحت ہوگی۔(ت)

قواعد میں فرمایا:

الصبی لایقع طلاقه الااذا اسلمت فعرض علیه ممیزا فابی وقع الطلاق علی الصحیح وفیما اذا مجبوبا وفرق بینهما فهو طلاق علی الصحیح[2]۔	بچے کی طلاق واقع نہ ہوگی مگر جب بیوی مسلمان ہوجائے اور قابل تمیز بچہ ہو تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے اور وہ انکار کردے تو صحیح قول کے مطابق اس کی طلاق صحیح ہوجائیگی۔ اور ذکر کٹا ہو اور قاضی تفریق کردے تو صحیح قول کے مطابق وہ طلاق ہوجائے گی۔(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الصبیان ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۴۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۵۵۔۲۵۴

ظاہر ہے کہ صورت سوال ان صورتوں میں نہیں، تو اس میں وہی حکم ہے کہ **لایصح طلاقہ** (اس کی طلاق صحیح نہ ہوگی۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۴:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، وصل علی سیدنا ونبینا و اٰلہ وصحبہ وسلم، الی جناب الفاضل العالم مفتی بلد بانس بریلی السید احمد رضا القادری سلمہ اٰمین، سیدنا، ماقولکم دام فضلکم فی رجل کان مرتب سبیل لہ بمکۃ علی یدنا فی کل عام ثلاثین روبیۃ واعطانا فی حیاتہ مدۃ اعوام، ثم توفی الی رحمۃ اللہ، ولنا فی ذمتہ باقی کم سنۃ حق السبیل، ثم اتینا الی وارثہ واطلعناہ علی مابیدنا فاجاب المذکور بانی سأودی عن المیت ماہو محرر بموجب الدفتر وما رضی بربیۃ عشرۃ، وحرر فیہ سندا بارسال المبلغ فی وقت معلوم، ثم لم یرسل فاتینا الیہ ثانیا وطلبنا منہ فاجاب، ان کان شرعا یجب علینا فانا اعطی افتونا ہل یجب علیہ اداء المبلغ الذی علی المیت بموجب اقرار نامۃ سندہ ام لا ولکم الاجر والثواب۔	بسم اللہ الرحمن الرحیم، وصلی اللہ علی سیدنا ونبینا والہ وصحبہ وسلم، بریلی کے فاضل عالم مفتی الشاہ احمد رضا قادری سلمہ آمین کے نام استفتاء، ہمارے آقا آپ کی فضیلت دائم ہو، آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے متعلق کہ وہ ہماری جگہ میں سالانہ تیس روپے کرایہ پر سبیل لگاتا رہا وہ اپنی زندگی میں کچھ سال ہمیں تیس روپے دیتا رہا۔ پھر فوت ہوگیا، رحمۃ اللہ علیہ، جبکہ کئی سال کی رقم ہمارا حق اس کے ذمہ باقی ہے۔ پھر ہم اس کے ورثاء کے پاس آئے اور ان کو اطلاع دی کہ ہمارا حق مرحوم کے ذمہ ہے۔ تو اس کے وارث نے جواب دیا کہ مرحوم کے نام رجسٹر میں تحریر شدہ جو رقم ہوگی میں ادا کر دوں گا۔ اور وہ صرف دس روپے دینے پر راضی ہوا اور ادائیگی کے لئے یادداشت لکھ دی کہ فلاں وقت یہ مبلغ تمھیں ارسال کردوں گا۔ مگر اس نے ارسال نہ کئے، تو ہم دوبارہ اس کے پاس آئے اور مطالبہ کیا تو اس نے جواب دیا کہ اگر شرعا یہ ادائیگی ہمارے ذمہ ہو تو ادا کروں گا۔ لہٰذا آپ فتوٰی جاری فرمادیں کہ کیا میت کے ذمہ اس کے اقرار نامہ کی مطابق جو رقم ہے وہ اس کے وارث پر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ آپ کو اجر وثواب ہوگا۔ (ت)

الجواب:

نعم یجب علی وارثه القابض بعده علی امواله ان یؤدی ماعلیه قال تعالٰی "مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ"[1] وان کان قد ابقاہ ہذا جاریا فیجب علیه ایضااداء ماعلی نفسه الی الاٰن قال تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"[2] وھذا اوقع العقد بحسب الشرع و وفی به صاحبه کما ھو المرجو. والله تعالٰی اعلم۔	ہاں میت کا وارث جس نے میت کے مال کو قبضہ میں لیا ہے، اس پر میت کے ذمہ قرض کو ادا کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا وصیت شدہ یاقرضہ کو اداکرنے کے بعد، اور اگر وہ معاہدہ پر تاحال عمل پیرا ہوں اور وارث نے اسے باقی رکھاہے تو وارث پر اپنی طرف سے بھی اس مدت کی یہ ادائیگی واجب ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا "اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو" تو اس نے شریعت کی رو سے یہ عقد واقع کیا ہے اور دوسرے فریق کے لئے اپنے ذمہ کو پورا کردے جیسا کہ امید ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

مسئلہ ۲۵۵: یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید غنی نے اپنے جوان پسر کی آمدنی یہ کہہ کر لینی شروع کی کہ ہم جمع رکھیں گے تاکہ تمھاری شادی پر خرچ کریں، اور واقع میں اس کے خلاف کیا۔ بلکہ وہ مال اپنے مصارف میں اٹھالیا، تو اس صورت میں زید پر اس کا تاوان آئے گا۔ یا مال پسر کا مالک سمجھا جائے گا **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک تاوان دے گا اور ہرگز رضائے پسر نہ تھی تو گناہ علاوہ،

قال تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ (ت)

باپ بیٹے کے مال کا اس کی زندگی میں ہرگز مالک نہیں۔

وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انت و	اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کا ارشاد ہے کہ تو اور

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

مالك لابيك [1] من باب البر۔	تیرا مال تیرے باپ کا ہے تو یہ بھلائی کے باب میں ہے قانون نہیں ہے۔(ت)

فتح القدیر کے باب الوطی الذی یوجب الحد میں ہے:

لم تکن له ولاية تملك مال ابنه حال قيام ابنه [2]۔	اس کو ولایت نہیں ہے جو بیٹے کی زندگی میں اس کے مال کا باپ کو مالک بنادے۔(ت)

نہ باپ کو بے رضاواجازت پسر اس کے مال سے ایک حبہ لینے کا اختیار۔

قال الله تعالٰی " اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ " [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بغیر اس کے کہ تمھاری رضامندی سے تجارت ہو۔(ت)

مگر جبکہ باپ فقیر محتاج ہو اور بیٹا غنی، تو صرف بقدر نفقہ کے بلااطلاع پسر بھی لے سکتا ہے اگرچہ بیٹا راضی نہ ہو۔

وهو محمل قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه [4]۔ قال فی الفتح اخرجه اصحاب السنن الاربعة عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها صح **قلت** والدارمی والبخاری فی التاریخ قال حسنه	اور یہی محمل ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا کہ آدمی کا اپنے کسب سے کھانا نہایت پسندیدہ ہے اور بیٹا اس کا کسب ہے فتح میں فرمایا اس کو سنن اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ) کے اصحاب نے تخرج کیا ہے، اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت صحیح ہے، **میں کہتا ہوں** اور دارمی

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۵۴۱۷ و ۴۵۹۲۷ و ۴۵۹۲۸ و ۴۵۹۳۲ و ۴۵۹۳۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۷۹،۵۸۰ ۔ ۵۷۷،۲۶۶ ، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النفقات دار الفکر بیروت ۷/ ۴۸۰،۴۸۱ ، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب ماللرجل من مال ولدہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۷

[2] فتح القدیر کتاب الحدود باب الوطی الذی یوجب الحد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[4] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب الحث علی المکاسب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النفقات باب نفقہ الابوین دار صادر بیروت ۷/ ۴۸۰

الترمذی قلت وصححه ابو حاتم قال قدس سرہ فان قیل هذا یقتضی ان له ملکا ناجزا فی ماله. قلنا نعم لولم یقیده حدیث رواه الحاکم وصححه البیهقی عنها مرفوعا ان اولادکم هبة لکم یهب لمن یشاء اناثا ویهب لمن یشاء الذکور، واموالهم لکم اذا احتجتم الیها، ومما یقطع بانه مؤول انه تعالٰی ورث الاب من ابنه السدس مع ولد ولده، فلو کان الکل ملکه لم یکن لغیره شیئ مع وجوده[1] اھ۔	اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے میں کہتا ہوں اور اس کو ابو حاتم نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن ہمام قدس سرہ نے بیان کیا کہ اگر اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث کا مقتضٰی یہ ہے کہ بیٹے کا مال باپ کی قطعی ملکیت بن جائے، ہم جواب میں کہتے ہیں ہاں اگر حاکم کی روایت کردہ اور بیہقی کی صحیح کردہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث نے کہ تمھاری اولاد تمھارے لئے ہبہ ہے اللہ تعالٰی جس کو چاہے لڑکے ہبہ کرتا ہے اور جس کو چاہے لـڑکیاں ہبہ کرتا ہے اور ان کا مال تمھارا ہے جب تمھیں اس کی احتیاج ہو۔ پہلی حدیث کو مقید نہ کیا ہو (حالانکہ وہ اس سے مقید ہے) اور اس کے مؤول ہونے کی قطعی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے باپ کو بیٹے کے مال میں اس کی اولاد کی موجودگی میں چھٹے حصے کا وارث بنایا ہے اگر بیٹے کے کل مال کا مالک باپ ہو تو پھر باپ کی موجودگی کے باوجود غیر کو کچھ نہ ملے۔ اھ (ت)

درمختار میں ہے:

فی المبتغی للفقیر ان یسرق من ابنه الموسر مایکفیه ان ابی ولا قاضی ثمه والا اثم[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	مبتغی میں ہے۔ فقیر باپ کو اپنے امیر بیٹے کے مال سے کفایت کے مطابق چرالینے کا حق ہے جب بیٹا دینے سے انکار کردے اور وہاں قاضی نہ ہو ورنہ باپ گنہ گار ہوگا اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۶: ۲۸ جمادی الاٰخرہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا یہ قول کہ سود کا روپیہ اور چوری کا روپیہ اور جوئے کا روپیہ اور غصب کا روپیہ اور جو تجارت سودی روپیہ سے ہو اور وکالت یا مختار کاری کا پیسہ

---

[1] فتح القدیر باب النفقة فصل وعلی الرجل ان ینفق علی ابویه الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۲۳

[2] درمختار کتاب الطلاق باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۴

اور منصفی اور صدر صدوری اور فوج کی تنخواہ کا روپیہ، یہ سب حرام ہیں، اگر اس روپیہ سے کھانا تیار کیا جائے یا کپڑا بنایا جائے تو حرام ہے کھانا، ایسا کھانا حرام ہے۔ اور اس کھانا پر تسمیہ کرنا کفر ہے۔ اور عمرو کا یہ قول ہے کہ یہ پیسہ حرام نہیں ہے بلکہ مالک مال چور کو بعد چرالے جانے مال کے بخش دے اگرچہ چور کو اس کے بخشنے کی خبر ہی نہ ہو، یعنی مالک مال یہ کہہ دے کہ جو میرا مال چور لے گیا ہے میں نے بخشا اور معاف کیا، تو وہ مال چور کی ملک ہوگیا۔ وہ حرام نہیں ہے۔ اسی طرح جوئے وغیرہ اور وکالت اور سود کا بھی یہ حکم ہے۔ اب زید کو جستجو مال کی ہے جو از روئے شرع حرام ہے کہ اسے بچنا اور احتراز کرنا بہتر ہے مسلمانوں کو امید ہے کہ جو پیسہ حرام ہے اس سے آگاہی فرمائی جائے تاکہ اس پیسہ سے بچنا موجب خیرات وبرکات کا ہو، اور حرام کے مال سے صدقہ اور خیرات کرکے امید ثواب کی رکھنا یہ درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا من اللہ تعالٰی**

الجواب:

سود اور چوری اور غصب اور جوئے کا روپیہ قطعی حرام ہے۔ اور اسی طرح وکالت ومختار کاری جس طرح اس زمانہ میں رائج قطعاً حرام ہے اور اس کی اجرت بھی قطعاً حرام، اور ہر وہ نوکری جس میں خلاف حکم خدا اور سول فیصلہ یا حکم کرنا پڑے خواہ ریاست اسلامی ہو یا غیر کی، قطعاً حرام اور اس کی اجرت بھی قطعاً حرام، یونہی ہر معصیت کی اجرت حرام ہے

کل ذٰلك ثابت بالقراٰن العظیم والحدیث، والفقه، و معروف معلوم عند اهل العلم وکل من رزق صحبتهم	یہ سب قرآن وحدیث اور فقہ سے ثابت ہے اور اہل علم اور ان کی مجلس میں رہنے والے حضرات کے ہاں معروف ہے (ت)

اور بے ضرورت سود دینا بھی اگرچہ حرام ہے **کما فصلناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت) مگر وہ روپیہ کہ اس نے قرض لیا، اس سے تجارت میں جو کچھ حاصل ہو حلال ہے۔

فان الخبث فیما اعطی لافیما اخذ وھذا ظاھر جدا۔	کیونکہ خبث دئے ہوئے مال میں ہے جو نفع میں لیا اس میں نہیں ہے اور نہایت ظاہر ہے۔ (ت)

اور حرام مال مثل زر غصب ورشوت وسرقہ واجرت معاصی وغیرہ سے جو چیز خریدی جائے اس کی

چند صورتیں ہیں:

[1]ایک مثلاً غلافروش کے سامنے روپیہ ڈال دیا کہ اس کے گیہوں دے دے، اس نے دے دئے یا بزاز کو روپیہ پہلے دے دیا کہ اس کا کپڑا دے دے، یہ گیہوں اور کپڑا حرام ہے۔

[2]دوسرے یہ کہ روپیہ پہلے تو نہ دیا مگر عقد و نقد دونوں اس روپیہ پر جمع کئے، یعنی خاص اس حرام روپیہ کی تعیین سے اس کے عوض خریدا، اور یہی روپیہ قیمت میں ادا کیا، مثلاً غلافروش کو یہ حرام روپیہ دکھا کر کہا اس روپیہ کے گیہوں دے دے، اس نے دے دئے اس نے یہی روپیہ اسے دے دیا، اس صورت میں یہ گیہوں حرام ہے۔

[3]تیسرے یہ کہ نہ روپیہ پہلے سے دیا نہ اس پر عقد و نقد جمع کئے، اس کی پھر تین شکلیں ہیں:

اول: یہ کہ اس سے کہا ایک روپیہ کے گیہوں دے دے، کچھ اس روپیہ کی تخصیص نہ کی کہ اس کے بدلے دے، جب اس نے تول دئے اس نے زر ثمن میں جو بعوض گندم اس کے ذمہ واجب ہوا تھا، یہ حرام روپیہ دے دیا، اس صورت میں نقد تو زر حرام کا ہوا، مگر عقد کسی خاص روپیہ پر نہ ہوا،

دوم: یہ کہ پہلے اسے حلال روپیہ دکھا کر اس کے بدلے گیہوں لئے، جب اس نے دے دئے اس نے وہ حلال روپیہ اٹھالیا اور قیمت میں زر حرام دے دیا، اس صورت میں عقد زر حلال پر ہوا، اور نقد حرام کا۔

سوم: یہ کہ اس کا عکس یعنی پہلے اسے حرام روپیہ دکھا کر کہا، اس کے گیہوں دے، پھر دیتے وقت حلال روپیہ دیا، اس صورت میں عقد زر حرام پر ہوا اور نقد حلال کا۔

بہرحال تینوں صورتوں میں عقد و نقد دونوں زر حرام پر جمع نہ ہوئے نہ پہلے سے زر حرام دے کر چیز خریدی کہ حقیقۃً یہ بھی اجتماع عقد و نقد کی صورت تھی، ان تینوں صورتوں میں بھی بڑا قوی مذہب ہمارے ائمہ کا یہ ہے کہ وہ گیہوں حرام ہوں گے، مگر زمانہ کا حال دیکھ کر ائمہ متاخرین نے امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کا قول اختیار کیا کہ ان شکلوں میں وہ چیز حرام نہ ہوگی اور اس کا کھانا کھلانا، پہننا پہنانا، تصرف میں لانا جائز ہوگا، اس آسان فتوے کی بناء پر ان حرام روپیہ والوں کے یہاں کا کھانا یا پان وغیرہ کھانا پینا مسلمانوں کو روا ہے کہ وجہ حرام سے ان لوگوں کو بعینہٖ یہ کھانا نہیں آتا۔ بلکہ روپیہ آتا ہے۔ یہ اس کے عوض اشیاء خرید کر کھانا تیار کراتے ہیں اور خریداری میں عام طریقہ شائعہ کے طور پر عقد و نقد کا اجتماع نہیں ہوتا۔ بلکہ غالب بیع و شراء صورت ثالثہ کی شکل اول پر واقع ہوتی ہیں **کمالایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیة رجل اکتسب مالامن حرام،ثم اشتری،فھذا علی خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراھم الی البائع اولا ثم اشترٰی منه بھا،اواشتری قبل الدفع بھا ودفعھا۔اواشتری قبل الدفع بھا ودفع غیرھا،اواشتری مطلقا ودفع تلك الدراھم، اواشتری بدراھم اخر ودفع تلك الدراھم،قال ابو نصر یطیب له ولا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول،والیه ذھب الفقیه ابواللیث لکن ھذا خلاف ظاھر الروایة فانه نص فی الجامع الصغیر،اذا غصب الفا فاشتری بھا جاریة،وباعھا بالفین تصدق بالربح،وقال الکرخی فی الوجه الاول والثانی لایطیب، وفی الثلاث الاخیرة یطیب،وقال ابوبکر لایطیب فی الکل،لکن الفتوٰی الاٰن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس اھ،وفی الولوالجیة وقال بعضھم لایطیب فی الوجوه کلھا وھو المختار،ولکن الفتوٰی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج لکثرة الحرام اھ،وعلی ھذا مشی المصنف فی کتاب الغصب	تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی نے حرام مال حاصل کیا،اور پھر اس کو خریداری میں صرف کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ یہ حرام دراہم بائع کو دے کر پھر اس کے عوض خریدا،دوم یہ کہ دینے سے قبل خریدااور عوض میں دے دیا، سوم یہ کہ دینے سے قبل خریدااور عوض اور مال دیا،چہارم یہ کہ مطلق خریداری کی ادائیگی میں یہ مال دیا،پنجم یہ کہ دوسرے دراہم سے خریدا اور ادائیگی میں یہ دراہم دئے۔ ابونصر نے فرمایا پہلی صورت کے بغیر باقی تمام صورتوں میں خریدا ہوا مال طیب ہے اور صدقہ کرنا بھی واجب نہیں،اور اسی کو فقیہ ابواللیث نے اختیار کیا ہے۔لیکن یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے کیونکہ جامع الصغیر میں نص ہے کہ اگر کسی نے ہزار غصب کیا ہواور اس کے عوض لونڈی خریدی اور دو ہزار میں فروخت کی تو نفع کو صدقہ کرے،اور امام کرخی نے فرمایا کہ اول اور ثانی صورت میں طیب نہ ہوگا اور آخری تین صورتوں میں طیب ہے،اورابوبکر نے فرمایا تمام صورتوں میں طیب نہیں ہے لیکن آج کل فتوی امام کرخی کے قول پر ہے تاکہ لوگوں سے حرج کا ازالہ ہوسکے اھ،اور ولوالجیہ میں ہے کہ بعض نے فرمایا سب صورتوں میں طیب نہیں وہ مختار ہے لیکن فتوٰی آج کل امام کرخی کے قول پر ہے حرام کی کثرت کی وجہ سے حرج کو ختم کیا جاسکے اھ،اور مصنف نے درمختار وغیرہ کی اتباع

تبعاللدر وغیرہ[1]۔	کرتے ہوئے اسی کو اپنایا ہے۔(ت)

پھر جن صورتوں میں وہ کھاناان دونوں مذہب پر حرام ہے یعنی دو صورت پیشیں،ان میں اگر بسم اللہ کہہ کر کھایا برا کیا،مگر کافر ہر گز نہ کہا جائے گا،اس کی حرمت ضروریات دین سے ہونا درکنار اجماعی بھی نہیں۔

فان من العلماء من قال یحل ابدال مالایتعین مطلقا،لعدم تعلق العقد بعینه بل بالذمة، فلایسوی الخبث وهو القیاس،وعلیه یبتنی علی مافی فتاوی العلامة الطوری عن المحیط،اشتری بالدراهم المغصوبة طعاما حل التناول۔	علمائے کرام میں سے بعض نے فرمایا کہ غیر متعین طور پر بدلنا حلال ہے کیونکہ عقد حرام متعین پر نہ ہوا بلکہ عقد کا تعلق ذمہ داری سے ہے لہٰذا خبث دوسرے مال میں سرایت نہ کرے گا یہی قیاس ہے۔اور اسی پر علامہ طوری کے فتوی کی بنا ہے،محیط سے منقول ہے کہ غصب کردہ دراہم کے عوض طعام خریدا تو کھانا حلال ہے۔(ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی التتمة من قال عند ابتداء شرب الخمر والزنا و اکل الحرام ببسم الله کفر وفیه،انه ینبغی ان یکون محمولا علی الحرام المحض المتفق علیه وان یکون عالما بنسبة التحریم الیه،بان تکون حرمته مما علم من الدین بالضرورة کشرب الخمر[2]۔	تتمہ میں ہے کہ جس نے شراب پینے،زنا اور حرام کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھی تو اس میں اس نے کفر کیا تو اس قول کو خالص متفق علیہ حرام پر محمول کرنا چاہئے اور یہ جانتے ہوئے کہ بسم اللہ سے حرام کی ابتداء کررہا ہے اور وہ حرمت بھی ایسی ہو جس کا علم ضروریات دین میں سے ہو جیسے شراب پینے کی۔(ت)

اور حرام مال کو صدقہ کرکے امید ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں،اگر وہ چیز عین حرام نہ ہو بلکہ زر حرام کے معاوضہ میں خریدی جب تو ظاہر کہ اس کی حرمت مجمع علیہ بھی نہیں،اور اگر عین حرام ہے اور اسے مالک تک نہیں پہنچا سکتا خواہ اس وجہ سے کہ اسے مالک یاد نہ رہا یا سرے سے مالک کو جانتا ہی نہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۹

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی القراءۃ والصلوٰۃ مصطفی البابی مصر ص۱۶۹

مثلاً اس کے مورث نے مال غصب کیا تھا، یہ عین مغصوب کو جانتا ہے۔اور مغصوب منہ سے محض ناواقف، یایوں کہ مالک مر گیااور کوئی وارث نہ رہا، توان سب صورتوں میں شرع مطہر اسے تصدق کا حکم دیتی ہے۔جب اس نے صدقہ کیاتو حکم بجالایا، اور فرمانبرداری پر امید ثواب رکھنا محذور نہیں، شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی المحیط من تصدق علی فقیر بشیئ من الحرام یرجو الثواب کفر ،وفیہ بحث لان من کان عندہ مال حرام فھو مامور بالتصدق بہ علی الفقراء فینبغی ان یکون ماجورا بفعلہ حیث قام بطاعۃ اللہ وامرہ، فلعل المسئلۃ موضوعۃ فی مال حرام یعرف صاحبہ، ویعدل عنہ الی غیرہ فی عطائہ لاجل سمعتہ وریائہ کما کثر ھذا فی ظلمۃ الزمان وامرائہ [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	محیط میں ہے جس نے حرام کا صدقہ کرکے ثواب کی امید کی وہ کافر ہوا،اور اس میں بحث یہ ہے کہ جس کے پاس حرام مال ہو اس کو صدقہ کرنے کا حکم ہے فقراء کو صدقہ کرے تو اللہ تعالٰی کے حکم اطاعت کرنے پر ثواب کی امید جائز ہے۔ ہوسکتا ہے یہ مسئلہ اس صورت میں ہو جس میں حرام مال کو جانتے ہوئے دوسرے کو محض ریاکاری اور شہرت کے لیے دے جیسا کہ آج کل جابر بادشاہ اور امراء حضرات میں کثیر الوقوع ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵۷: ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسبی یاوہ شخص کہ جس کامال حرام کا ہو مثل سود خوار وغیرہ کے، اگر وہ کوئی شے مثل لوٹا یا چٹائی یا دری وغیرہ مسجد میں ڈال دے تاکہ نمازی اس سے وضو کریں یااس پر نماز پڑھیں، جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے اس کے مال کی حرمت آتی ہے یا نہیں اور اس کی خرید بھی دست بدست اور تعین ثمن کے ساتھ نہیں بلکہ چیز کو خرید کر ثمن بعد کو ادا کرتے ہیں۔

الجواب:

اگر رنڈی نے کچھ روپیہ کسی سے قرض لیااور کسی وجہ سے کوئی حلال مال حاصل کیااور ان چیزوں کی قیمت میں یہی حلال مال دیا،اور خریدتے وقت بھی مال حرام کی طرف اشارہ نہ کیا تھا، یعنی حرام روپیہ دکھا کر یہ نہ کہا تھا کہ اس کے عوض دے دے، جب تو یہ چیزیں بالاجماع اس رنڈی کی ملک طیب و

[1] منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص۱۸۹

حلال ہیں جن میں کوئی شبہ حرمت نہیں کہ اس صورت میں مال حرام کو ان اشیاء کی خریداری سے اصلاً تعلق نہ ہوا، اور اگر مال حرام دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حلال دیا، یا مال حلال دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حرام دیا، یا خریدتے وقت کوئی مال نہ دکھایا تھا صرف مطلقاً خریداری کرلی، مثلاً یوں کہا کہ ایک روپیہ کی یہ چیز دے دے، جب اس نے دے دی، تو اس کی قیمت مال حرام سے ادا کردی، ان تینوں صورتوں میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہے۔ مگر فتوٰی امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر دیا گیا کہ ان صورتوں میں بھی وہ اشیاء اس رنڈی کے لئے حلال ہوں گی، ان وجوہ پر خرید کر مسجد میں لوٹے، چٹائی وغیرہ رکھے گی تو ان لوٹوں سے وضو اور اس چٹائی پر نماز کے جواز کا حکم دیں گے، اگرچہ رنڈی پر اس کے حرام فعلوں کا وبال الگ، ان کے بدلے اجرت لینے کا عذاب جدا۔ اور اس حرام مال کو خرچ میں لانے کا مواخذہ علاوہ، ہاں اگر عقد و نقد دونوں مال حرام میں جمع ہوں، یعنی حرام ہی روپیہ دکھا کر کہے کہ اس کے عوض دے دے، اور قیمت میں دے بھی وہی حرام روپیہ، تو اس قول مفتٰی بہ پر بھی وہ شے حرام وخبیث رہے گی، اور اس میں تصرف ناجائز ہوگا۔ مگر آج کل بیع وشراء میں غالباً یہ صورت واقع نہیں ہوتی۔ تنویر الابصار میں ہے:

تصدق اذاکان متعینا اوشری بدراہم الودیعۃ او الغصب ونقدہا وان اشار الیہا ونقد غیرہا اواطلق و نقدہا لاوبہ یفتی[1] اھ تلخیص واللہ تعالٰی اعلم۔	جب خاص متعین حرام ہو یا امانت کے مال سے یا غصب کے مال سے کوئی چیز خریدی اور وہی نقد دیا ہو تو صدقہ کرے، اور اگر سودے کے وقت حرام دکھایا اور ادائیگی میں دوسرا دیا، یا مطلق سودا کیا اور ادائیگی حرام سے کی تو صدقہ لازم نہ ہوگا۔ اسی پر فتوٰی ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۸: از پیلی بھیت مرسلہ عبدالرحمٰن خاں صاحب مدرس تحصیل اسکول ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۰ھ

زید نے جوئے میں روپیہ کمایا، اور اسی روپیہ سے اس نے اپنے گھر کا اثاثہ اور اسباب درست کیا ہے۔ اب زید تائب ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنا ذمہ بری کرے۔ اور جو مال حرام کا اس کے پاس ہے اس کو جدا، تو کیا کرے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس قدر مال جوئے میں کمایا محض حرام ہے۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۵-۲۰۶

فی الدر من السحت ما یأخذ مقامر [1]. (باختصار)	درمختار میں ہے: جوئے میں حاصل کیا ہوا مال حرام ہے۔ (باختصار) (ت)

اور اس سے برائت کی یہی صورت ہے کہ جس جس سے جتنا مال جیتا ہے اسے واپس دے، یا جیسے بنے اسے راضی کرکے معاف کرالے۔ وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو واپس دے، یا ان میں جو عاقل بالغ ہوں ان کا حصہ ان کی رضامندی سے معاف کرالے۔ باقیوں کا حصہ ضرور انھیں دے کہ اس کی معافی ممکن نہیں، اور جن لوگوں کا پتہ کسی طرح نہ چلے نہ ان کا، نہ ان کے ورثہ کا، ان سے جس قدر جیتا تھا ان کی نیت سے خیرات کردے، اگرچہ اپنے محتاج بہن، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں کو دے دے، اس کے بعد جو بچ رہے گا وہ اس کے لئے حلال ہے، عالمگیری میں ہے:

کان الاخذ معصیة والسبیل فی المعاصی ردہا، وذٰلك ھھنا برد المأخوذ ان تمکن من ردہ، بان عرف صاحبه، وبالتصدق به ان لم یعرفه [2]۔	لینا گناہ ہے اور گناہ کے ازالہ کی صورت اس کو واپس کرنا ہے اور یہاں لئے ہوئے کو رد کرنا ہوگا۔ جب واپس کرنا ممکن ہو کہ اس کے مالک کو جانتا ہو یا پھر معلوم نہ ہو تو صدقہ کرنا ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان علمت اصحابه او ورثتهم وجب ردہ علیهم، والا وجب التصدق به [3]۔	اگر اس کے مالک یا مالک کے ورثاء کو جانتا ہے تو واپس کرنا واجب ہے۔ ورنہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ (ت)

غرض جہاں جہاں جس قدر یاد ہوسکے کہ اتنا مال فلاں سے ہار جیت میں زیادہ پڑا تھا اتنا تو انھیں یا ان کے وارثوں کو دے، یہ نہ ہو تو ان کی نیت سے تصدق کرے، اور زیادہ پڑنے کے یہ معنی کہ مثلاً ایک شخص سے دس بار جوا کھیلا کبھی یہ جیتا کبھی یہ، اس کے جیتنے کی مقدار مثلاً سو روپے کو پہنچی، اور یہ سب دفعہ کے ملاکر سوا سو جیتا، تو سو سو برابر ہوگئے، پچیس اس کے دینے رہے۔ اتنے ہی اسے واپس دے، وعلی ھذا القیاس، اور جہاں یاد نہ آئے کہ کون کون لوگ تھے

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

اور کتنا لیا، وہاں زیادہ سے زیادہ تخمینہ لگائے کہ اس تمام مدت میں کس قدر مال جوئے سے کمایا ہوگا اتنا مالکوں کی نیت سے خیرات کردے، عاقبت یونہی پاک ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹:

چہ فرمایند علمائے ومفتیان شرع متین درحق کسیکہ بحیلہ ومکر از دوست خود زر گرفت، وگفت کہ اگر نہ دہی ایں مضرت بتورسانم، یا برائے رنجانیدن خلق اللہ واظہار غلبہ، وصولت خود باشخصے بزرگ ومعزز دوستی کرد، تاکہ خلائق ازیں کس بہ تعلق آں شخص بزرگ بہ ترسند۔ بینوا توجروا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسے شخص کے متعلق جو حیلہ اور مکر کے ساتھ دوست سے مال وصول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر نہ دے گا تو تجھے فلاں پریشانی میں مبتلا کروں گا۔ یا وہ شخص اللہ تعالٰی کی مخلوق کو تنگ کرتا ہے اپنا غلبہ اور دبدبہ قائم کرنے کے لئے کسی معزز اور بڑے آدمی سے دوستی بتاتا ہے تاکہ اس کے تعلق سے لوگ اس سے مرعوب رہیں۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب:

بمکر وحیلہ ووعید وتہدید بناحق زر از کسے گرفتن حرام قطعی ست، باز اگر ایں بزور ستاند غصب باشد، واگراں بترس مضرت خویش دہد رشوت بود ہر دو حرام وفی النار، ومستوجب غضب جبار قہار ست، والعیاذ باللہ تعالٰی، قال تعالٰی "لَاتَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1] الآیۃ۔ ورنجانیدن وترسانیدن خلق اللہ تجبر وتکبر ہمہ محرمات قطعیہ است، در حدیث ست حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایند شَرُّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَنْ یَّخَافُ لِسَانَہٗ،	مکر وفریب اور ڈرا دھمکا کر کسی سے مال لینا قطعی حرام ہے۔ پھر اگر طاقت کے ذریعہ لیتا ہے تو یہ غصب ہے، اور اگر اپنے شر سے ڈرا کر لیتا ہے تو رشوت ہوگی جبکہ دونوں طریقے حرام جہنم اور اللہ تعالٰی کے غضب کے مستوجب ہیں، والعیاذ باللہ تعالٰی، اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ، الآیہ، اور اللہ تعالٰی کی مخلوق کو تکلیف دینا، ڈرانا اور ان پر اپنا جبر اور تکبر ظاہر کرنا قطعی محرمات میں سے ہے حدیث شریف میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: بدترین مرتبے کا وہ آدمی ہے کہ لوگ اس کی زبان سے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

اَوْیخَافُ شَرّہ، بدترین مردم در منزلت روز قیامت کسے باشد کہ بندگان خدا از زبان وزیان اوخائف وترساں باشند، اخرجه ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الغیبة [1] عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی تعالٰی عنه وخود فرمودہ سیدالانام علیه وعلٰی آله افضل الصلٰوۃ و السلام لا ینبغی علی الناس ولد بغی والامن فیه عرق منه ستم و تعدی برمردماں نکند مگر زنازادہ یاکسیکہ درویے رگے از زنا ست رواہ الطبرانی [2] فی الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن، والله تعالٰی الھادی۔	اوراس کے زبان سے خوف زدہ ہوں، اس کو ابن ابی الدنیا نے کتاب ذم الغیبۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہوئے تخریج کیا، اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود فرمایا کہ لوگوں پر ظلم وتعدی نہ کرے گا مگر وہ شخص جو زنازادہ ہے یا اس میں زنا کا دخل ہے۔اس کو طبرانی نے کبیر میں حضرت موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔واللہ تعالٰی الھادی (ت)

مسئلہ ۲۶۰: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ گاذر کے یہاں گیا، اور اس کے یہاں سے دوسرے شخص کا بمعاوضہ اس کے آیا، وہ کپڑا استعمال میں لانا درست ہے یانہیں؟ اور اگر پھر گم شدہ پارچہ اس کے بدلے نہ ملے تو وہ کپڑا جو غیر کا اس کے پاس آیا ہے وہ گاذر کو دے دے یا کسی محتاج کو؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر لینے سے پہلے معلوم ہو کہ یہ کپڑا غیر کا ہے تو سرے سے لینا ہی درست نہیں، اور دھوکے میں لے لیا پھر معلوم ہوا تو استعمال میں لانا حلال نہیں۔

کمانصوا علیه فی مسئلة تبدیل الملاۃ والمکعب بملاۃ غیرہ اومکعبه	جیسا کہ فقہاء نے کپڑا اور جوتے کے مسئلہ میں نص فرمائی کہ اگر ایک کے دوسرے کپڑوں اور جوتوں

[1] موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا ذم الغیبۃ والنمیمۃ حدیث ۸۳ کتاب الصمت ۲۲۰ موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۲/ ۸۷ و ۵/ ۱۵۱

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر کتاب الخلافۃ باب فی عمال السوء دار الکتب بیروت ۵/ ۲۳۳، مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر کتاب لحدود والدیات باب فی اولاد الزنا دار الکتب بیروت ۶/ ۲۵۸، کنز العمال بحوالہ طب حدیث ۱۳۰۹۳، ۵/ ۳۳۳ و حدیث ۳۰۴۵، ۱۱/ ۱۹ موسستہ الرسالۃ بیروت

کما فی الخانیة والھندیة وغیرہما وقد قال اللہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ "[1]. وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل لمسلم ان یاخذ عصا اخیہ بغیر طیب نفس منہ.قال ذٰلك لشدة ماحرم اللہ من مال المسلم علی المسلم،رواہ ابن حبان[2] فی صحیحہ عن ابی حمیدی الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ.وفی الخانیة والھندیة والبزازیة، واللفظ لھذہ،اذا قال القصار ھذا ثوبك وقال المالك لیس ھذا ثوبی لایحل لبسہ ولابیعہ فھذا نص المسئلة اما ماذکروا عقیبہ من الاستثناء بقولھم الا ان یقول ربہ اخذتہ عوضا عنہ ویقول القصار نعم[3]اھ.**فاقول**:یجب حملہ علی مااذا علم اوساغان یکون الثوب للقصار،و قد ذکر فی الخانیة وخزانة المفتین فروعا.فصلوا فیھا بین مایکون الثوب للقصار اولغیرہ،اما اذا علم۔	میں تبدیل ہو جائیں، جیسا کہ خانیہ او ہندیہ وغیرہ میں ہے، اور بیشک اللہ تعالٰی نے فرمایا تجارت صرف رضامندی سے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کی چھڑی اس کی رضامندی کے بغیر لے لے۔آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد کسی مسلمان کا مال مسلمان پر شدید حرام ہونے کی وجہ سے ہے۔اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور خانیہ، ہندیہ اور بزازیہ میں بزازیہ کے الفاظ میں،جب دھوبی نے کہا یہ تیرا کپڑا ہے اور مالک کہے یہ میرا نہیں ہے پھر مالک اپنے کپڑے کے عوض اس کپڑے کو لے تو اس کا استعمال اور فروخت کرنااس کو جائز نہ ہوگا۔اور یہ مسئلہ میں نص ہے لیکن فقہاء کرام نے اس کے بعد یہ جو فرمایا کہ اگر مالک کپڑے لیتے وقت دھوبی سے پوچھے کہ یہ کپڑا میرے کپڑے کے عوض میں ہے اور وہ جوب میں ہاں کہے تو جائز ہوگا اھ،تو **میں کہتا ہوں**،یہ ان کی بات اس صورت پر محمول ہے جب مالک کو یقین ہو یا دھوبی یقین دلائے کہ دھوبی کا کپڑا ہے،خانیہ اور خزانۃ المفتین میں مذکور تفصیل ہے تو انھوں نے دھوبی او رغیر کے کپڑے میں فرق کیا ہے لیکن معلوم ہو کہ یہ

---
[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۱۶۶ کتاب البیوع المطبعة السلفیہ مدینة المنورۃ ص ۲۸۴

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیة کتاب الاجارات الفصل الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۲۹

ان الثوب لغیرہ فکیف یحل لك لبسه و تمبلکه بمعاوضة جرت بینك وبین من لایملك من دون اجازةمن الملك هذا ممالایتصور، فلیتأمل ولیحرر	غیر کا کپڑا ہے تو پھر تجھے کیسا پہننا اور فروخت کرنا جائز ہوسکتا ہے جبکہ تیرے اور غیر مالک کے درمیان جو معاوضہ طے ہوا ہے وہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر ہوا ہے۔یہ غیر متصور معاملہ ہے غور کرواور واضح کرو۔(ت)

اور جبکہ اس نے دھوبی سے لیااور دھوبی باذن مالک ہوتا ہے، تو اس کے لئے گری پڑی بے وارث چیز کا حکم نہیں ہوسکتا کہ محتاج کو دے سکے، بلکہ گاذر ہی کو واپس دے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۱: از اوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ ملاحاجی یعقوب علی خاں ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے نزدیک تمام وکمال روپیہ از قسم سود ورشوت ہے۔تواس قسم کے اموال پر زکوۃ عائد ہوتی ہے یانہیں؟اور ایسے مال وزر سے اقسام نیاز بزرگان وادائے حج درست ہے یاممنوع؟ اور اس روپیہ کی تبدیل کی صورت ہوسکتی ہے یانہیں؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

سود ورشوت اور اسی قسم کے حرام وخبیث مال پر زکوۃ نہیں کہ جن جن سے لیا ہے اگر وہ لوگ معلوم ہیں توانھیں واپس دینا واجب ہے۔اور اگر معلوم نہ رہے تو کل کا تصدق کرنا واجب ہے۔چالیسواں حصہ دینے سے وہ مال کیا پاک ہوسکتا ہے جس کے باقی انتالیس حصے بھی ناپاک ہیں، درمختار میں ہے:

لازکوٰۃ لوکان خبیثا کما فی النھر من الحواشی السعدیة[1]۔	اگر تمام مال خبیث ہو تو اس پر زکوۃ نہ ہوگی جیسا کہ نہر میں حواشی سعدیہ سے منقول ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

مثل فی الشرنبلالیة وذکرہ فی شرح الوھبانیة بحثا، وفی الفصل العاشر من التاترخانیة عن فتاوی الحجة، من ملك اموالا غیر طیبه لازکوٰۃ علیه	ایسا ہی شرنبلالی میں ہے،اس کو شرح وہبانیہ میں بحث کے طور پر ذکر کیا ہے اور تاتارخانیہ کی دسویں فصل میں فتاوی الحجہ سے منقول ہے کہ جو شخص غیر حلال مال کا مالک بنااس پر اس مال

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴

فیھا[1] اھملخصاً۔	کی زکوۃ نہیں ہے اھ ملخصا۔(ت)

اسی میں ہے:

فی القنیۃ لوکان الخبیث نصاباً لاتلزم الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ اھ، ومثلہ فی البزازیۃ[2]۔	قنیہ میں ہے اگر خبیث مال نصاب زکوۃ ہو تو اس پر زکوۃ لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ تمام صدقہ کردینے کے قابل ہے لہٰذا اس میں سے بعض کا صدقہ کافی نہ ہو،اھ اور بزازیہ میں بھی ایسا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لان المغصوب ان علمت اصحابہ اوورثتھم وجب ردہ علیھم والا وجب التصدق بہ[3]۔	مغصوبہ مال کے مالک یا اس کے وارثوں کو تو جانتا ہے تو ان کو واپس دینا واجب ہے ورنہ صدقہ کرنا واجب ہے۔(ت)

اور ایسے مال سے نیاز بزرگاں کرنا بھی جائز نہیں۔نہ ہرگز اس سے کچھ حاصل، کہ نیاز کا مطلب ایصال ثواب ہے اور ثواب ثمرہ قبول ہے۔اور قبول مشروط بپاکی، حدیث میں ہے:

ان اللہ طیبٌ لایقبل الا الطیب[4]۔	اللہ عزوجل پاک ہے پاک ہی چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔(ت)

خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

"وَلَاتَیَمَّمُواالْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ"[5]	قصد نہ کرو خبیث کا کہ اس سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

[4] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلوٰۃ صلوٰۃ الاستسقاء دارصادر بیروت ۳/ ۳۴۶، کشف الخفاء حدیث ۶۸۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۶۰

[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۷

علماء فرماتے ہیں۔جو حرام مال فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھے اس پر کفر عائد ہو۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔فتاوی ظہیریہ میں ہے:

رجل دفع الی فقیر من المال الحرام شیئا یرجوا بہ الثواب یکفر [1]۔	ایک شخص نے فقیر کو حرام مال دیا اور اس پر اس نے ثواب کی امید رکھی تو کافر ہو جائے گا۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ اگر اس نے اس مال حرام کو اپنی ملک خاص جان کر بطور تبرع تصدق کیا جیسے مسلمان اپنے پاکیزہ مال کو بہ نیت نفل وتطوع تقربا الی اللہ صدقہ کرتا اور اس پر اپنے رب کریم سے امید ثواب رکھتا ہے کہ بے ایجاب شرع اس نے اپنی خوشی سے اپنے پاک مال کا حصہ اپنے رب کی رضا کے لئے صرف کیا،جب تو یہ تصرف حکم شرع سے جدا،اور یہ خیال شرع مطہر کے خلاف ہے۔اور اس پر ہرگز اس کے لئے ثواب نہیں،اسی کی بعض صورتوں میں فقہاء نے حکم تکفیر کیا،اور اگر یوں نہ تھا بلکہ اس مال کو خبیث وناپاک ہی جانا اور اپنے گناہ پر نادم ہو کر تائب ہوا اور بحکم شرع اپنے تصرف میں لانا ناجائز سمجھا،اور اپنے نفس کو اس میں تصرف سے روکا اور ازاں جا کہ اس کے ارباب معلوم نہ رہے بجاآوری حکم شرع کے لئے اسے تصدق کیا،اور اسی بجاآوری فرمان پر امید وثواب ہوا،تو بیشک اس میں اصلا حرج نہیں،بلکہ اسی کا اسے شرعا حکم تھا،اور اس تصدق پر اگرچہ ثواب صدقہ نہیں،مگر اس امتثال حکم کا ثواب بیشک ہے۔بلکہ یہ فعل اس کی توبہ کا تتمہ ہے۔اور توبہ قطعاً موجب رضائے الٰہی وثواب اُخروی ہے۔پھر جس عمل پر آدمی خود ثواب پائے اس ثواب کو دوسرے مسلمانوں کو بھی پہنچا سکتا ہے۔**لعموم قولھم ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ** (ان کے اس قول کے عموم کی وجہ سے کہ انسان کو اپنے عمل کا ثواب غیر کے لئے کرنے کا حق ہے۔ت) تو اس توبہ وبجاآوری حکم کا ثواب اگر نذر بزرگاں کریں کچھ مضائقہ نہیں۔

ھذا ھو التحقیق واللہ ولی التوفیق اتقن ھذا افلعلك لاتجدہ فی غیرہ ھذا السطور۔	یہ تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔اس کو مضبوط کر،ہوسکتا ہے تجھے ان سطور کے غیر میں نہ ملے۔(ت)

اور اس مال سے حج کرنا بھی جائز نہیں کہ اسے حکم تو یہ تھا کہ جن سے لیا انھیں واپس دے۔وہ

[1] ردالمحتار بحوالہ الظھیریہ کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

نہ معلوم ہوں تو تصدق کردے اس کے سوا جس کام میں صرف کیا جائے گا خلاف حکم شرع و موجب گناہ ہوگا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ حج کرلیا تو فرض ذمہ سے اتر گیا، جیسے چوری اور غصب کے کپڑے سے نماز پڑھنا، **فان الخبث انما ھو فی المجاور فلا یمنع الصحۃ** (کیونکہ خبث یہاں بعد میں لاحق ہوا جو صحت کو مانع نہیں ہے۔ت) پھر بھی اس پر امید ثواب کا محل نہیں بلکہ اسے کہا جائے گا **لا لبیک ولا سعدیک وحجک مردود علیک حتی ترد مافی یدیک** نہ تیرے لبیک قبول نہ خدمت قبول اور تیرا حج تیرے منہ پر مارا گیا یہاں تک کہ تو یہ ناپاک مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس دے۔

نسأل الله العفوو العافیة ھذا ماجزمت به لظھورہ ظھورا بینا ثم اتفق مراجعة ردالمحتار فرأیت فیه التصریح بذلك كله حیث قال فی بیان الحض بمال حرام، الحج نفسه لیس حراما بل الحرام ھو انفاق المال الحرام ولاتلازم بینھما كما ان الصلوٰۃ فی الارض المغصوبة تقع فرضا، وانما الحرام شغل المكان المغصوب، وقال فی البحر یجتھد فی تحصیل نفقة حلال فانه لا یقبل بالنفقة الحرام، كما ورد فی الحدیث مع انه یسقط الفرض عنه معھا ولاتنافی بین سقوطه وعدم قبوله فلا یثاب لعدم القبول ولا یعاقب عقاب تارك الحج[1] اھ مختصرا۔	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں اس کے بالکل ظاہر ہونے پر مجھے جزم حاصل ہوا، پھر مجھے اتفاقا رد المحتار پر مراجعت ہوئی تو میں نے اس میں اس تمام پر تصریح پائی انھوں نے مال حرام سے حج کے متعلق فرمایا حج فی نفسہٖ حرام نہیں بلکہ حرام مال کا اس میں صرف کرنا حرام ہے جبکہ ان دونوں باتوں میں تلازم نہیں ہے۔ جیسا کہ مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنے سے فرض ادا ہوجائے گا حرام صرف مغصوب زمین کو استعمال کرنا ہے۔ ار بحر میں فرمایا حلال نفقہ میں کوشش ضروری ہے کیونکہ حرام نفقہ سے حج قبول نہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود فرض ادا ہوجائے گا۔ اور فرض کی ادائیگی اور عدم قبولیت منافات نہیں ہے۔ تو قبول نہ ہونے کی وجہ سے ثواب نہ پائے گا۔ اور فرض ادا ہوجانے کی وجہ سے حج کا تارک ہو کر عذاب کا مستحق نہ ہوگا اھ مختصرا (ت)

اور تبدیل اس طرح سے کہ کسی سے قرض لے کر اپنے خرچ میں لائے، خواہ حج و تصدق و نذر و نیاز و

[1] ردالمحتار کتاب الحج دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۴۰

تعمیر مساجد وغیرہا میں اٹھائے، اور قرض اس ناپاک مال سے ادا کردے اگرچہ یہ صورت ان تصرفات کے جائز ہونے میں توبکار آمد ہے کہ اب یہ روپیہ جو ان کاموں میں اٹھارہا ہے ناپاک نہیں۔

فی الھندیۃ عن الملتقط اٰکل الربٰو اوکاسب الحرام اھدی الیہ اواضافہ وغالب مالہ حرام لایقبل ولا یاٗکل مالم یخبرہ ان ذٰلك المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ[1] اھ مثلہ عن الینابیع۔	ہندیہ میں ملتقط سے منقول ہے کہ حرام کمانے والا یا سود خور ہدیہ دے یا دعوت کرے تو قبول نہ کرے جبکہ اس کا غالب مال حرام ہو اور کھائے نہیں جب تك وہ وضاحت نہ کرے کہ یہ اصل مال میں نے وراثت یا قرض میں حلال حاصل کیا ہے۔ اھ اس کی مثل ینابیع میں ہے۔(ت)

مگر اس حیلہ سے نہ وہ گناہ اس سے زائل ہو نہ اس ناپاک مال کا وبال سر سے اُترے، نہ اس سے قرض ادا کرنا روا، بلکہ یہ دوسرا گناہ ہوا کہ حکم شرع تو اصحاب حقوق کو واپس دینا یا تصدق کرنا تھا، اس نے کچھ نہ کیا بلکہ اپنی ادائے قرض میں لگادیا، تو ثابت ہوا کہ خبیث مال والوں کو یہ حیلہ نافع نہیں بلکہ مضر وموجب گناہ ہے۔

فان قلت الیس قال فی الھندیۃ الحیلۃ فی ھذہ المسائل ان یشتری نسیئۃ ثم ینقد ثمنہ من ای مال شاء، وقال ابویوسف سألت اباحنیفۃ عن الحیلۃ فی مثل ھذا فاجابنی بماذکرنا کذا فی الخلاصۃ[2] اھ، و انما الحیلۃ لتحصیل الجواز۔**قلت** انما قال فی اموال الشبھۃ کالجواز السلطانیۃ ای حیث	**اگر تو اعتراض کرے** کہ کیا ہندیہ میں یہ بیان نہیں ہے کہ ان مسائل میں حیلہ یہ ہے کہ مال ادھار خریدے اور پھر بعد میں معاوضہ کسی بھی مال سے چاہے دیدے۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان مسائل کے متعلق حیلہ پوچھا تو انھوں نے جواب میں وہی فرمایا جو ہم نے ذکر کیا، خلاصہ میں یوں ہے اھ، اور جبکہ حیلہ صرف جواز کو طلب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جواب کے طور پر **میں کہتاہوں**، یہ مذکور قول انھوں نے مشتبہ مال میں فرمایا ہے جیسے سرکاری عطیات

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

لم یعلم کونها عین الحرام، فانه لایجوز اخذه حتی للفقیر کما نص علیه فی الهندیة ایضا وغیرها، ونص عبارته قبل هذا فی شرح حیل الخصاف لشمس الائمة رحمه الله تعالٰی ان الشیخ اباالقاسم الحکیم کان یاخذه جائزة السلطان وکان یستقرض لجمیع حوائجه ومایاخذ من الجائزة یقضی بها دیونه والحیلة فی هٰذه المسائل [1] الی اٰخر مامر فهذا انما هو فی امثال هذا۔ لافی المال الخبیث الواجب التصدق فان فیه مناقضة لما امر به الشرع کما علمت فاعلم ذٰلك وتفهم، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم وحکمه عز شانه احکم۔	جن کے متعلق عین حرام ہونے کا علم نہیں ہوتا۔ لیکن وہ مال جو عین حرام ہونا معلوم ہو تو اس کو لینا فقیر تک کو جائز نہیں ہے جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے۔ اور شمس الائمہ خصاف کی حیل کی شرح میں اس سے قبل ان کی عبارت یہ ہے کہ شیخ ابوالقاسم حکیم سرکاری عطیہ لیا کرتے تھے اور آپ اپنی ضروریات کے لئے قرض لیتے اور وہ قرض سرکاری عطیات سے ادا کرتے اور حیلہ ان مسائل کا یہ ہے الٰی آخرہ۔ تو مذکور قول ان مشتبہ اموال میں ہے نہ کہ خبیث مال میں ہے جس کو صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ خبیث میں حیلہ شرعی حکم کے منافی ہے۔ جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے۔ اسے جان لو اور سمجھ لو۔ والله تعالٰی سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم وحکمه عز شانه احکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۲: ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص زید کی نمبرداری میں عمرو کی جزوی حقیت شامل ہے۔ پٹی جداگانہ زید نے صرف اپنی جائداد کا ٹھیکہ بکر کو دے دیا اور خود ترک وطن کیا، بکر اور عمرو باہم اپنے اپنے حاصلات لیتے رہے۔ آخر سال کا حاصل بوجہ تکرار باہمی عمرو وبکر کے عمرو کو وصول نہیں ہوا، تب عمرو نے نالش زید وبکر دونوں پر دائر کی، بالآخر زید پر ڈگری ہو گئی، بحالت اجراء اس ڈگری کے وہ ڈگری بقابلہ زید کے تمادی ایام میں خارج ہو گئی، تو اس ڈگری کا روپیہ ذمہ زید کے واجب الادا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراهیة الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

الجواب:

سائل مظہر کہ زید وعمرو کی پٹیاں جداجدا ہیں، اور عمرو نے اپنی پٹی کے پٹے اسامیوں کو خود دئے، اور آپ تحصیل کرتا رہا۔ چند سال سے بکر ٹھیکہ دار حقیت زید نے اپنے دباؤ کے سبب عمرو کی پٹی بھی تحصیل لی، اس صورت میں عمرو کا مطالبہ حقیقۃً اپنے اسامیوں پر ہے کہ انھوں نے غیر شخص کو اس کا آتا ہوا کیوں دے دیا، اور بکر نے بوجہ اس زیادہ ستانی کے ظلم کیا مگر زید کی طرف سے کوئی تعدی نہیں۔ نہ اس پر عمرو کا مطالبہ تھا، نہ اس نے اسامیوں سے اس کا حق تحصیل لیا، نہ عمرو کے کوئی خاص معین روپے اسامیوں کے پاس رکھے تھے وہ بکر نے اسن سے لے کر زید کو دے دئے۔ تو زید اس مطالبہ سے بالکل بری ہے، اس کی ڈگری محض بیجا ہوئی عمرو کو اس سے کچھ لینا جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ آٹھائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۳: از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک موضع کا مالک ہے۔ اور بکر زید کی رعایا، گاؤں میں زمین جوتتا ہے اور لگان زید کو دیتا ہے، اور کچھ زمین اور اس گاؤں میں بے لگانی ہے۔ اس میں بکر نے چند درخت لگائے ہیں اور پھل کھاتا ہے۔ اور ان درختوں پر زید اس سے کچھ لگان نہیں لیتا ہے۔ اور حاکم وقت نے بھی یہی حکم جاری کر رکھا ہے کہ زمین کا مالک جو ہے وہی درختوں کا مالک ہے صرف پھل پھول کھانے کا بکر کو اختیار ہے اور بکر کو اختیار ہے۔ اور بکر نے بلااجازت زید کے مخالفانہ ان درختوں کو خالد کے ہاتھ فروخت کردیا، زید نے بکر اور خالد پر نالش کی کہ بکر کو بیچنے کا منصب نہیں تھا، اور یہ بموجب حکم حاکم فاسد ہے۔ حاکم نے وہ درخت زید کو دلادئے، اور یہ بھی حکم دیا کہ خالد اپنے روپے کا دعوی بکر پر کرے، تو اس صورت میں دراصل وہ درخت حق زید کے ہیں یا بکر کے یا خالد کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہاں دو صورتیں ہیں: ایک یہ درخت بکر نے باذن واجازت زید لگائے، خواہ یوں کہ زید نے صراحۃً خاص بکر، سب سکان دیہہ کو عام اذن دیا، خواہ یوں کہ حسب عرف رواج دیہہ ملاک کی طرف سے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۳

مزارعین کو اذن عرفی تھا۔
دوسرے یہ کہ محض بلااذن بطور خود بکر نے لگالئے۔
پہلی صورت میں درخت مطلقاً زید کی ملک ہوں گے مگر یہ کہ خود اذن مذکور کا مطلب ہی یہ ہوا کہ لگانے والا مالک ہوں، مثلاً اذن عرفی میں عرف ہی یوں تھا یا اذن صریح میں لفظ یہ تھے کہ اپنے لئے لگالو، تو اس صورت میں درخت ملک بکر ہوں گے، اور زمین عاریت، یا یہ کہ بکر نے برخلاف مطلب اذن لگاتے وقت یہ کہہ لیا کہ میں خود اپنے اس صورت میں درخت ملک بکر ہوں گے اور وہ بوجہ مخالفت اذن ظالم وغاصب کہ فوراً درخت اکھیڑ کر زمین خالی کردینے کا حکم دیا جائے گا۔ اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ بے اذن مالک رکھے گئے، درخت مطلقاً ملک بکر ہوں گے، اور وہ غاصب قرار پائے گا۔ مگر یہ کہ رکھتے وقت اس نے کہہ دیا ہو کہ زید کے لئے لگاتا ہوں، اس صورت میں ملک زید ہوں گے۔ اور بکر کا کوئی دعوی نہیں۔

ھذا جملۃ الحکم فی ذٰلک وتعرف تفاصیل المسألۃ من شتی التنویر، والدر، وحواشیہ، ووقف الاشباہ۔ و شروحہ۔ وغصب الھندیۃ وغیرھا من الکتب المعتمدۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا یہ خلاصہ حکم ہے، اور تنویر الابصار میں کے مسائل شتّٰی، درمختار اور اس کے حواشی، اور الاشباہ کے وقف اور اس کی شرح، اور ہندیہ کے باب غصب وغیرہ معتبر کتب میں اس کی تفاصیل تجھے معلوم ہوں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۴: ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اراضی مسجد کی جو اس کے پیچھے تھی اپنے مکان میں ڈال لی ہے اور دیوار بنوالی، اور تاج محراب مسجد ومینار مسجد دبا کر اپنی دیوار بلند کرلی، ایسے شخص کے واسطے کیا حکم شرع شریف ہے؟ **فقط**

الجواب:

فاسق، فاجر، ظالم، جابر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب النار وغضب الجبار ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایأخذ احد شبرا من الارض بغیر حقہ الاطوقہ اللہ الی سبع ارضین الی یوم	جو شخص ایک بالشت بھر زمین ناحق لے گا اللہ تعالٰی وہ زمین زمین کے ساتوں طبقوں تک اس کے گلے میں قیامت کے دن تک طوق

القیٰمۃ۔رواہ مسلم [1] عن ابی ھریرۃ والشیخان عن ام المؤمنین وعن سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	بنا کر ڈالے گا۔(اس کو مسلم نے ابوہریرہ اور شیخین نے ام المومنین عائشہ اور سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیٰمۃ الی سبع ارضین [2]۔رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	در زمین ناحق دبالے گا قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبق تک دھنسا دیا جائے گا۔(اس کو بخاری نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایما رجل ظلم شبرا من الارض کلفہ اللہ عزوجل ان یحفرہ حتی یبلغ اٰخر سبع ارضین، ثم یطوقہ یوم القیٰمۃ حتی یقضی بین الناس [3]۔رواہ احمد والطبرانی وابن حبان فی صحیحہ بسند جید عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو شخص ایک بالشت زمین ناحق لے لے اللہ تعالٰی اسے تکلیف دے کہ اس زمین کو کھودے یہاں تک کہ ساتویں طبقے کے ختم تک پہنچے پھر قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالے یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب کتاب ختم ہو کر فیصلہ فرمادیا جائے(اس کو طبرانی،احمد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جید سند کے ساتھ یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

ایک حدیث میں ہے،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ شیئا من الارض بغیر حلہ طوقہ اللہ من سبع ارضین	جو کسی قدر زمین ناجائز طور پر لے اللہ تعالٰی ساتویں زمینوں سے اس کے گلے میں طوق ڈالے،

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب تحریم الظلم وغصب الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳

[2] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب اثم من ظلم شیئا من الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۲

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث یعلی بن مرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۸۳

لایقبل الله منه صرف ولاعدل[1]۔ رواہ احمد والطبرانی عن سعد بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	نہ اس کا فرض قبول ہو نہ نفل (اس کو احمد وطبرانی نے سعد بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیثیں اس باب میں متواتر ہیں، اس شخص پر فرض ہے کہ مسجد کی زمین و عمارت فوراً فوراً خالی کردے، اور اپنی ناپاک تعمیر جوان پر کرلی ہے ڈھا کر دور کردے، اللہ قہار وجبار کے غضب سے ڈرے، ذرا من دو من نہیں بیس پچیس ہی سیر مٹی کے ڈھیلے گلے میں باندھ کر گھڑی دو گھڑی لئے پھرلے۔ اس وقت قیاس کرے کہ اس ظلم شدید سے باز آنا آسان ہے یا زمین کے ساتویں طبقوں تک کھود کر قیامت کے دن تمام جہاں کا حساب پورا ہونے تک گلے میں، **معاذ اللہ** یہ کروڑوں من کا طوق پڑنا اور ساتویں زمین تک دھنسادیا جانا، **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۵: رجب ۱۳۱۵ھ از شہر کہنہ بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کی زوجہ سے بلا طلاق دئے خالد کے نکاح کرلیا، اور خالد بعد معلوم ہو جانے نکاح اپنی زوجہ کے زوجہ کے ساتھ سرکار میں جاکر کے عرضی دی، اور زوجہ خالد نے بھی اپنے نان ونفقہ اور مہر کی عرضی خالد پر دی، اور ہنوز دونوں کا مقدمہ دائر ہے۔ لیکن اس عرصہ میں پنچوں نے جمع ہو کر دونوں کو راضی اپنے فیصلہ پر کر لیا، اور فیصلہ پنچوں کا اس طور پر زید پر ہوا کہ زید کو بوجہ مرتکب ہونے اس امر ناجائز کے مبلغ پچاس روپیہ جرمانہ اور مبلغ دس روپیہ صرفہ خالد ادا کئے، اور خالد نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور مبلغ مذکور بھی پنچوں نے زید سے ادا کئے، اور اب روپیہ موصوف پنچوں کے تحت میں ہے۔ جب زید نے دیکھا کہ یہ روپیہ بیکار ہاتھ سے جاتا ہے کہ یہ لوگ شیرینی وغیرہ میں صرف کریں گے۔ تو اس نے مجبور ہو کرکے کہا کہ تم لوگ اس روپیہ سے ایک مسجد تعمیر یا مرمت کرو، تو پنچوں نے راضی ہو کر خالد سے بھی روپیہ صرفہ کا لے لیا، یعنی اس کو بھی تعمیر مسجد یا مرمت میں صرف کریں گے۔ بعد اس کے پنچوں میں سے ایک شخص نے پنچوں سے روپیہ لے کر زید کو دے دیا اور کہا کہ ایسا جائز نہیں ہے۔ پھر بعد تھوڑی دیر کے زید سے روپیہ مذکور واپس لے لیا، آیا اس روپیہ کو مرمت مسجد یا تعمیر مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ احمد والطبرانی الترہیب من اخذ الارض حدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۶

الجواب:

اول یہ مال حرام تھا کہ جرمانہ جو پنچ لیتے ہیں ناجائز ہے۔

قال المصادرۃ بالمال منسوخۃ عندنا وان کانت فالی الامام دون العوام۔	کیونکہ مالی جرمانہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے۔اگر ہو بھی تو صرف امام تک جواز ہے عوام کو جائز نہیں۔(ت)

اور جو صرف خالد کو زید سے دلایا وہ بھی ناجائز تھا **فانہ تضمین باطل لم یرد بمثلہ الشرع** (کیونکہ یہ ضمان لگانا باطل ہے شرع میں اس کی مثال نہیں ہے۔ت) مگر جب زید نے اپنی رضا اور خوشی سے اس مسجد میں صرف کی اجازت دے دی، اور اس کی تکمیل یوں کرلی گئی کہ وہ روپیہ اس کو واپس کردیا اور پھر اس سے تعمیر مسجد کے لئے مانگا اور اس نے بخوشی دیا جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا، تو اب اس کے جواز میں شبہ نہیں **کما لایخفی فان الباطل قد زال بالرد** (جیسا کہ مخفی نہیں کہ باطل کا زوال واپس کردینے سے ہوگیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۶: از مولوی مرزا خاں پیشاوری ۱۵ محرم ۱۳۱۶ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چیز رکھی ہوئی تھی، وہ چیز لاٹھی فرض کیجئے، دوسرے شخص نے آکر اٹھالی اور اس سے کھیل شروع کیا اور اس کو حرکت جوالہ دی، وہ اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور ٹوٹ گئی، اب اس شخص پر ضمان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حوالہ کتاب دیجئے اور اگر نہیں ہے تو حوالہ کتاب دیجئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ بے اذن مالک اس نے وہ چیز اٹھالی اور اس کے کھیلنے میں گر کر ٹوٹ گئی، تو اس پر بلاشبہہ ضمان واجب ہے۔ فتاوٰی خانیہ پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا دخل الرجل دار انسان واخذ متاعا وجحد فھو ضامن وان لم یحولہ ولم یجحدہ فلاضمان علیہ الا ان یھلك بفعلہ اویخرجہ من الدار[1]۔	جب کوئی کسی شخص کے گھر داخل ہوا اور سامان لیا اور بعد میں انکار کردیا تو ضامن ہوگا اگرچہ سامان کو جگہ سے تبدیل نہ کیا اور انکار نہ کیا تو اس پر ضمان نہ ہوگا مگر جبکہ اپنے عمل سے ضائع کرے یا سامان گھر سے باہر لے جائے تو ضامن ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۸، فتاوٰی قاضیخاں کتاب الغصب فصل فیما یصیر بہ المرء غاصبا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۔۴۷۸

فتاوٰی کبرٰی پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

دخل رجل علی صاحب الدکان باذنه فتعلق بثوبه شیئ مما فی دکانه فسقط لایضمن لکن تاویله اذالم یکن السقوط بفعله ویده وکذٰلك اذا اخذ شیئا بغیر اذنه مما فی دکانه لینظر الیه فسقط لایضمن، ویجب ان یضمن الا اذا اخذ باذنه اما صریحا او دلالة [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص دکاندار کی دکان میں اجازت سے داخل ہوا اور اس کے کپڑے سے لٹک کر کوئی چیز گر کر ضائع ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا، اس صورت میں کہ وہ چیز اس کے عمل اور ہاتھ سے نہ گری ہو، اور یونہی جبکہ دیکھنے کے لئے دکان سے کوئی چیز بغیر اجازت اٹھائی اور گر کر ٹوٹ گئی تو ضامن نہ ہوگا مگر صراحۃً یا دلالۃً اجازت کے بغیر اٹھائے تو ضمان واجب ہوگا الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۷: از پیلی بھیت قاضی محلّہ مرسلہ قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز ۲۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

زید کا مال عمرو نے چُرایا، چوری کے بعد زید مر گیا، اس نے لڑکا بکر وارث چھوڑا، اب بکر بھی مر گیا، کوئی اس کی نسل میں نہ رہا جو ترکہ ان دونوں کا پائے۔ اب عقبٰی میں اس مسروق کے معاف کرنے کا مجاز زید ہے یا بکر؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو شخص کسی کا مال چرائے یا جبرا چھین لے یا دبا کر رشوت میں لے۔ یا ظلما تلف کردے، تو ان صورتوں میں علاوہ جرم شرعی کے جس میں خود سرکاری مدعی ہے، (یعنی حقیقی سرکار ابد قرار شریعت نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس ظالم پر مظلوم کے دو ۲ مطالبے عائد ہوتے ہیں، ایک مطالبہ ظلم کہ اسے ستایا آزار پہنچایا، دوسرا مطالبہ مال، مطالبہ ظلم تر مطلقًا اسی مظلوم کے لئے ہے تو اس کی معافی کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ رہا مطالبہ مال، اس میں دو صورتیں ہیں: اگر حیات مظلوم میں وہ مطالبہ مردہ ہوگیا جس کے وصول کی اصلا توقع نہ رہی، مثلاً ظالم مرگیا اور مال کچھ نہ چھوڑا، جب تو یہ مطالبہ بھی اسی مظلوم کے لئے ہے اور اسی کے معاف کئے معاف ہوگا دین جب مردہ ہوجائے اس میں توریث جاری نہیں ہوتی، تو مظلوم کے بعد اس کا بیٹا اس مطالبے کا مالک نہ ہوا، اور اگر اس کی زندگی میں مطالبہ مردہ نہ ہو تو بعد انتقال مظلوم پسر مظلوم کی طرف منتقل ہوگا، اور صورت مسئولہ میں مطالبہ مال کے معاف کرنے کا اختیار بکر کو ہوگا۔

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۹

اور مطالبہ ظلم سے درگزر کا مجاز زید۔ ہندیہ میں ہے:

لومات وترك عينا ودينا وغصبا فی ايدی الناس ولم يصل شيئ من ذٰلك الی الورثة.فالقياس ان يكون الثواب بذٰلك فی الاٰخرة للورثة لانهم ورثوامنه وفی الاستحسان ان توی الدين وتمت التوی قبل الموت فالثواب له لان التاوی لايجری فيه الارث.فان توی بعده فالثواب للوارث لانه لا يجری الارث فيه ليقامه وقت الموت،كذا فی الفتاوٰی العتابية[1]۔	اگر کسی نے فوت ہونے کے بعد لوگوں کے ذمہ قرض، عین چیز یا غصب چھوڑا اور ترکہ میں ورثاء کو وصول نہ ہوئی ہوں تو قیاس یہ ہے کہ ظلم برداشت کرنے کا ثواب ورثاء کو ملے کیونکہ یہ اس میت کے بعد ان اموال کے وارث بنے اور جبکہ استحسان یہ ہے اگر ان اموال کا نقصان مرنے والے کی میت سے پہلے مکمل طور پر واضح ہوگیا تو ثواب میت کو ملے گا کیونکہ نقصان میں وراثت نہیں ہے۔ اگر یہ نقصان موت کے بعد تام ہوا تو پھر ثواب ورثاء کو ملے گا کیونکہ ان میں وراثت جاری ہوئی ہے اس لئے کہ موت کے وقت یہ اموال میت کی ملکیت تھے۔ فتاوٰی عتابیۃ میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

سرق شيئا من ابيه ثم مات ابوه لم يؤاخذ به فی الاخرة لان الدين وهو ضمان المسروق انتقل اليه و اثم بالسرقة لان حق علی المسروق منه كذا فی الفتاوٰی العتابية،رجل له علی رجل دين فتقاضاه فمنعه ظلما حتی مات صاحب الدين وانتقل الی الوارث، تكلموا فيه.قال اكثر المشائخ لايكون حق الخصومة للاول۔لكن المختار ان	کسی نے اپنے والد کی کوئی چیز چرائی پھر والد فوت ہوگیا تو آخرت میں اس پر ضمان کا مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ چیز مسروقہ جس کا ضمان تھا وہ وراثت میں بیٹے کو منتقل ہوچکی ہے اور چوری پر گنہگار ہوگا اس لئے کہ اس نے وقت کے مالک کا جرم کیا ہے۔ یہ فتاوی عتابیہ میں ہے ایک شخص کا دوسرے پر قرض تھا تو مالک نے کسی کو قرض وصول کرنے کے لئے بھیجا تو مقروض نے ادائیگی سے انکار کردیا پھر وہ مالک فوت ہوگیا اور وہ قرض ورثاء کو منتقل ہوگیا تو اس مسئلہ میں فقہاء کا کلام ہے۔ اکثر مشائخ نے فرمایا ہے کہ مالک کے مقرر کردہ پہلے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۷

الدین للوارث،والخصومة فی الظلم بالمنع للاول، لافی الدین اذ الدین انتقل الی الوارث،کذا فی الظهیریة[1]۔	شخص کو قرض میں فریق بننے کا حق نہیں ہے۔لیکن مختار یہ ہے کہ قرض وارثوں کا ہے اور قرض کی ادائیگی سے انکار کے ظلم کا دفاع پہلے مقرر شدہ کے ذمہ ہوگا۔نہ قرض میں اس لئے کہ قرض وارث کو منتقل ہوچکا ہے، ظہیریہ میں یوں ہے۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی خانیہ وغیرہ میں ہے۔نیز فتاوٰی خانیہ میں ہے:

رجل مات ولہ علی رجل حق،ولم یخلف وارثا،قالوا یتصدق المدیون بما علیه من المیت،لیکون ذٰلك ودیعة عنداللہ تعالٰی،فیوصله الی خصمه یوم القیمة[2] **قلت** فافادان من مات لاعن وارث فان الخصومة تنتهی الیه،ولاینتقل عنه الی بیت المال وکان الفقه فی ذٰلك ان الوضع فی بیت المال لیس علی جهة الارث،بل لان الضوائع تصیر فیألّلمسلمین کمانص علیه فی الدرالمختار واوضحة فی ردالمحتار۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص فوت ہوااس کا دوسرے پر دین ہو اور کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء نے فرمایا کہ مقروض اس میت کی طرف سے مال کو صدقہ کرے تاکہ عنداللہ قیامت میں یہ صدقہ امانت بن کر مستحق تک پہنچ جائے **قلت**(میں کہتا ہوں کہ)اس کا یہ فائدہ ہوا کہ جو وارث چھوڑے بغیر فوت ہوجائے تو اس کے حق میں مطالبہ ختم ہوجاتا ہے او وہ مطالبہ بیت المال کو منتقل نہیں ہوگا،اس میں نکتہ فہم یہ ہے کہ بیت المال کو لاوارث کا مال بطریقہ وراثت منتقل نہیں ہوتا بلکہ لاوارث باقی ماندہ اشیاء مسلمانوں کے لئے ترکہ بنتی ہے ہی جیسا کہ درمختار میں اس پر نص ہے اور اس کی وضاحت ردالمحتار میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۶۸: ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان خام کو پختہ بنوایا،اور کچھ اراضی بکر کے اپنے مکان میں ڈال لی، اس پر بکر نے منع کیا،اس کے منع کرنے پر زید کا بھائی عمرو نے مل کر

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۷

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الغصب فصل فی برأة الغاصب والمدیون نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۳

مارپیٹ کی، اس پر بکر نے اپنا سر جھکا یا تاہم وہ باز نہ آئے، اور عمرو اپنے آپ کو متقی تصور کرتا ہے۔ اور اہل محلّہ کے لوگ بھی ایسا ہی قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے سے یہ سوال قائم کرکے علمائے کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ شاید حکم شریعت کو سن کر عمرو اپنے کئے ہوئے فعل پر نادم ہو، اور بکر کے ساتھ آئندہ کچھ زیادتی نہ کرے، اور حکم شرعی زید وعمرو ہمراہیان کے مع تفصیل علیحدہ علیحدہ تحریر فرمائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسر میں عمرو اور اس کے ساتھی سب ظالم اور مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب شدید ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ الارض شیئا بغیر حقه خسف به یوم القیمة الی سبع ارضین۔ رواہ البخاری[1] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	جو شخص زمین میں سے کچھ ٹکڑا ناحق دبالے قیامت کے دن وہ ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا۔ (اسے بخاری نے ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اٰذی مسلما فقد اذنی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ[2] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، (اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

تیسری حدیث میں ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من مشی مع ظالم لیعینه وھو یعلم ان ظالم فقد خرج من الاسلام[3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد دینے کو چلا اور اسے معلوم ہو کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا (اسے طبرانی نے کبیر میں حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۳

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

[3] المعجم الکبیر للطبرانی ترجمہ اوس بن شرحبیل حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/ ۲۲۷

زید پر فرض ہے کہ بکر کی زمین اسے واپس دے، اور زید و عمرو اور اس کے سب معاون پر فرض ہے کہ بکر کو راضی کریں اور اس سے اپنا قصور معاف کرائیں، ورنہ روز قیامت اس کے مستحق ہوں گے کہ ان کی نیکیاں بکر کو دی جائیں، بکر کے گناہ ان کے سر پر رکھے جائیں اور یہ جہنم میں ڈال دئے جائیں۔ **والعیاذ باللہ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۹: از مراد آباد ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا، خالد، ولید، عمرو پسران، عابدہ، ساجدہ دختران۔ حامدہ زوجہ چھوڑے، ترکہ زید پر صرف خالد قابض رہا، اس نے ترکہ کو بموجب شرع تقسیم کیا، مگر عابدہ کو زر نقد سے اس کے حصے کا نصف ادا کیا اور نصف دینے کا وعدہ کیا، بعدہ، عابدہ نے انتقال کیا ایک پسر، ایک دختر اور شوہر چھوڑا، وارثان متوفاہ نے خالد سے باقی نصف جو زر نقد تھا طلب کیا، تب خالد نے ایک ہفتہ میں ادا کرنے کا وعدہ کیا، اسی طرح خالد پر تقاضے ہوتے رہے، اور وہ ہفتہ و عشرہ میں ادا کا وعدہ کرتا رہا۔ آخر کار خالد نے کہہ دیا کہ میرے یہاں چوری ہوگئی اور میرے مال کے ساتھ نصف حصہ عابدہ جو میرے پاس باقی تھا چوری ہوگیا، بعدہ، خالد نے اپنے لئے جائداد خریدی، اب یہ دریافت طلب ہے کہ نصف حصہ عابدہ جو خالد کے پاس رہ گیا ہے از روئے شرع شریف کے خالد کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بقیہ زر نقد حصہ عابدہ کہ خالد کے پاس رہا تھا خالد پر وارثان عابدہ کے لئے واجب الادا ہے۔ اور چوری ہوجانے کا عذر نامسموع، ترکہ مورث میں ورثاء کی شرکت شرکت ملک ہوتی ہے۔ اور شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے اجنبی ہوتا ہے۔ بے وجہ شرعی مثل وصایت وولایت وغیرہما ایک کو دوسرے کے حصہ پر قبضہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ تنویر الابصار میں ہے:

شرکۃ ملك ان یملك متعدد عینا اودینا بارث اوبیع اوغیرھما وکل اجنبی فی مال صاحبہ[1]۔ (ملتقطًا)	شرکت ملک یہ ہے کہ متعدد حضرات کسی عین چیز یا دین میں وراثت، بیع وغیرہ کے ذریعہ مالک بنیں، اور یہ تمام حضرات ایک دوسرے کے مال میں اجنبی متصور ہوں گے۔ (ملتقطًا)۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

خالد نے اگر بے اذن عابدہ قبضہ کیا جب تو ظاہر ہے کہ وہ قبضہ ناجائز تھا، اور بعد تقاضا ہر بار اس سے روکے رہنا ظلم بر ظلم، اور اگر ابتداء قبضہ باذن بھی تھا، تو طلب ٹالے بالے حیلے حوالے نے اسے قبضہ ظلم وتعدی کر دیا، بہر حال اب چوری ہو جانا یا خود خرچ کرلینا، دونوں کا حکم یکساں ہوگیا کہ تاوان لازم ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الودیعۃ امانۃ فی یدالمودع اذا ھلکت لم یضمنہ فان طلبھا صاحبھا فمنعھا وھو یقدر علی تسلیمھا، ضمنھا، لانہ متعد بالمنع، وھذا لانہ لما طالبہ لم یکن راضیا بامساکہ بعدہ فیضمنھا بحبسہ عنہ [1] اھ ملتقطا۔	ودیعت مودع کے پاس امانت ہوئی جب ہلاک ہو جائے تو ضمان نہ ہوگا، ہاں اگر مالک نے واپس لینے کا مطالبہ کیا اور مودع نے دینے سے انکار کیا حالانکہ دینے پر قادر تھا تو ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا کیونکہ انکار پر وہ ذمہ دار ٹھہرا یہ اس لئے کہ جب مالک نے واپسی کا مطالبہ کیا تو اس کے بعد وہ اس کے پاس رکھنے پر راضی نہ تھا تو وہ روکنے پر ضامن ہو جائے گا اھ ملتقطا۔ (ت)

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ:

فانقلت ھذا ظاہر فیما اذا کان قبض خالد باذن عابدۃ، فانہ حینئذ تکون یدہ یدھا، فاذا منعھا فقد ازال یدامحقۃ واثبت مبطلۃ ولو حکما، فکان غاصبا والغصب یضمن ہالکا اومستھلکا اما اذ قبض ابتداء بعد موت المورث من دون اذن الورثۃ ولا سبق قبض لھم فلم یوجد ازالۃ ید محققۃ، وان ثبت اثبات مبطلۃ ولا غصب	اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ یہ اس وقت ظاہر ہے جب خالد نے عابدہ کی اجازت سے قبضہ کیا تو خالد کا قبضہ عابدہ کا قبضہ قرار پایا توجب خالد نے عابدہ کو دینے سے انکار کر دیا تو اب یہ قبضہ حق نہ رہا بلکہ ناحق ہو گیا اگرچہ ناحق ہونا حکما ہے تو یوں وہ غاصب بن گیا جبکہ غاصب خود ہلاک کرے یا اس سے ہلاک ہو جائے دوونوں صورتوں میں ضمان واجب ہوتا ہے لیکن موت کے بعد قبضہ کو ورثاء کی اجازت حاصل نہیں۔ اور نہ ہی ان کو پہلے قبضہ حاصل تھا، تو اب موت کے بعد قبضہ سے رہنا برحق قبضہ زائل نہ ہوا، اگرچہ یہ ناحق قبضہ ہے

[1] الھدایہ کتاب الودیعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۷۱

الابعد اجتماعهما ففیم یضمن قلت یضمن ضمان التعدی وان لم یعد غاصبا.قال السید العلامة الازهری فی فتح الله المعین،فان قیل وجدالضمان فی مواضع ولم تتحق العلة المذکورة کغاصب الغاصب فانه یضمن،وان لم یزل یدالمالك بل ازال ید الغاصب،والملتقط اذا لم یشهد مع القدرة علی الاشهاد مع انه لم یزل یدا،وتضمن الاموال بالاتلاف تسبیبا کحفر البیرفی غیر الملك ولیس ثمة اذالة یداحد ولا اثباتها فالجواب ان الضمان فی هذه المسائل لا من حیث تحقق الغصب بل من حیث وجود التعدی کمافی العنایة [1] الخ۔	تو ضمان تب واجب ہوتا ہے جب حق کازوال اور ناحق کا اثبات دونوں جمع ہوں،تو صرف ناحق قبضہ پر ضمان کیونکر لازم ہوگا،جواب میں میں کہتاہوں کہ یہاں ادائیگی سے منع پر ضمان ہے اگرچہ یہ غصب نہیں ہے سید علامہ ازہری نے فتح اللہ المعین میں فرمایا ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ کئی مقامات پر ضمان واجب ہوتا ہے حالانکہ وہاں مذکورہ علت نہیں پائی جاتی،مثلاً غاصب ضامن ہوتا ہے،اگرچہ اس نے مالک کا قبضہ زائل نہ کیا بلکہ اس نے غاصب کا قبضہ توڑا ہے اور یونہی گری ہوئی چیز اٹھانے والا جب اس پر گواہ بناسکتا تھا اور گواہ نہ بنائے حالانکہ اس نے بھی مالک کا قبضہ نہ توڑا اور یوں ہی ہلاکت کا سبب بنانے پر بھی مال کی ہلاکت کا ضامن بنایا جاتا ہے مثلاً غیر کی ملک میں کنواں کھودنا،اس میں بھی مالک کا قبضہ نہ توڑا، اورنہ ہی باطل قبضہ ثابت ہوا،تو جواب یہ ہے کہ ان مسائل میں اگرچہ غصب متحقق نہ ہوا اس کے باوجود ضمان اس لئے ہے کہ یہاں تعدی پائی گئی ہے،جیساکہ عنایہ میں ہے الخ۔ (ت)

ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

سئل ابو حامد عن مسافر حمل امتعته علی سفینة لیذهب الی بلدة،ثم مات ومعه ابنه فاخرج الابن تلك الامتعة من تلك السفینة الی سفینة اخری لیذهب لیسلمها الی سائر الورثة،	ابوحامد سے سوال ہوا کہ مسافر نے سامان ایک کشتی میں رکھا وہ کشتی والا مسافر فوت ہوگیا اس کے بیٹے نے جو ہمراہ تھا دوسری کشتی میں سامان لادا تاکہ باقی وارثوں کو سامان پہنچائے لیکن اس نے اپنے والد کو طے کردہ راستہ کو چھوڑ کر

[1] فتح المعین کتاب الغصب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۱۰

واخذ طریقا یسلکه الناس غیر الطریق الذی کان المیت علی عزم ان یذهب فیه. ثم غرقت السفینة و مات الابن وضاعت الامتعة. هل یضمن الابن نصیب سائرا لورثة. فقال لاوسئل عنها مرة اخری فقال ان کان اخرجها الی سفینة اخری ومضی بها الی مکان اٰخر سوی وطن الورثة ضمن [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	لوگوں کے عام معروف راستے پر کشتی کو چلایا اور کشتی بمعہ سامان اور لڑکے غرق ہوگئی، تو کیا اس صورت میں بیٹے پر ضمان عائد ہوگا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا ضمان نہ ہوگا۔ پھر ان سے ایک مرتبہ یہی سوال ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر بیٹا وہ سامان دوسری کشتی میں لاد کر سامان کے مالکوں کے وطن کی بجائے دوسرے مقام کی طرف لے گیا تو ضامن ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۰: از بنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجاں موضع پھمرا مرسلہ مولوی اسمٰعیل صاحب ۱۴ شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلاً زید چند پسران خود یعنی خالد وبکر وغیرہ واموال منقولہ وغیر منقولہ را گزاشتہ از سرائے فانی بدار باقی رحلت فرمود، اکنوں از خالد اموال مذکورہ پدر متوفی خود رابزور بازو و حسب فرائض اللہ تقسیم مستقیم نانمودہ وبکر وغیرہ ندادہ۔ بقبضہ تصرف خود آوردن از قبیل غصب ست یانہ، وخود خوردن بل دیگراں را کہ خارج از ورثہ باشد خورانیدن، ومہمانی ایشاں نمودن، وخود میزبان گردیدن، وبجانب مستحقان اموال مقبوضہ وامتعہ موصوفہ التفات نہ کردن، ایں فعل شرعاً صحیح است یانہ، وغاصب از اشیائے مغصوبہ ضیافت ومہمانی	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلاً زید نے اپنی وفات کے بعد منقولہ اور غیر منقولہ مال ترکہ چھوڑا اور ورثاء میں اپنے چند بیٹے خالد اور بکر وغیرہ چھوڑے، اب خالد نے بزور بازو اپنے مرحوم والد کے تمام مال پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق ورثاء میں تقسیم نہ کیا اور بھائی بکر وغیرہ کو کچھ نہ دیا بلکہ اپنے تصرف میں لایا، کیا اس کی یہ کاروائی غصب ہے یانہیں اور خود کھانا بلکہ غیر وارثوں، مہمانوں کو میزبان کے طور پر کھانا اور مستحق حضرات کی طرف کوئی التفات نہ کرنا شرعاً یہ فعل صحیح ہے یانہیں؟ اور غاصب کو مغصوبہ مال میں سے ضیافت کرنا نیز مہمانوں اور دیگر حضرات کو یہ کھانا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۶-۱۵۷

کردن ونیز مہمان وخورندگان رازاں خوردن شرعا نافذ است یانہ، واگر غاصب بر فعل غصب اصرار کند وآں تعامل او معلوم می شود کہ غصب راغصب نہ فہمد بلکہ فعل غصب رانوے از حرفت وپیشہ شمرد، حسب شرع شریف بروجہ تعزیر واجب خواہد شد، بینو بسند الکتاب وتوجروا الی ملك الوھاب۔	شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور غاصب اپنے غاصبانہ عمل پر اصرار کرے اور اس کو معمول کی کاروائی سمجھے اور غصب نہ سمجھے بلکہ غاصبانہ کاروائی کو وہ ہمیشہ بنالے تو کیا شرعا وہ تعزیر کا مستحق ہے کتاب کی سند کے ساتھ بیان کیجئے اور ملک الوہاب سے اجر پایئے۔ (ت)

الجواب:

حرکت مذکورہ بالیقین غصب وحرام ست، قال اللہ تعالٰی "لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1] وغاصب اگر از عین مغصوب کسے راہبہ کند یا ہدیہ دہد یا ضیافت خوراند یا باجرت وتنخواہ یا قیمت چیزے دہد، بہر صورت مردماں راگرفتن و خوردنش حرام ست وقد تناول الکل الاٰیۃ المتلوۃ کما لایخفی و باصرار بغصب جز زیادت در وبال عذاب واستحقاق نار جہنم چیزے فزوں نشود، ومجرد ایں تعامل دلیل بیش ازیں نباشد، آری اگر ثابت شود کہ غصب حرام شرعی راحلال می دارند، آنگاہ البتہ لزوم کفرست بلکہ عندالتحقیق بلا شبہ کفر باشد لان المدار علی کون ما انکرہ من ضروریات الدین و لا شك ان حرمۃ الغصب من دون حیلۃ شرعیۃ کمن یرید اخذ حقہ من المنکر ولاضرورۃ ملجئۃ تمکن	مذکورہ عمل یقینا غصب اور حرام ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، اور غاصب اگر عین مغصوبہ چیز کسی کو دے یا ہدیہ، ضیافت، اُجرت تنخواہ یا کسی چیز کی قیمت کے طور پر دے تو لوگوں کو لینا اور کھانا حرام ہے اور آیہ کریمہ مذکورہ ان تمام صورتوں کو شامل ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور غصب پر اصرار سے عذاب اور وبال اور استحقاق جہنم کے علاوہ کیا زائد ہوگا اور اس کو معمول بنالینا اس سے زائد پر دلیل نہیں ہے ہاں اگر معلوم ہوجائے کہ اس نے حرام کو حلال جانا تو اسی وقت لزوم کفر ہوگا بلکہ عندالتحقیق بلا شبہ کفر ہوگا کیونکہ کفر کا دارومدار ضروریات دین کے انکار پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ بغیر حیلہ شرعیہ مثلاً کسی سے اپنے حق کے بدلے لینا جبکہ وہ منکر ہو اور بغیر ایسی ضرورت جو اس کو مخمصہ میں مبتلا

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

فی المخمصۃ من ضروریات الدین وبعد ھذا لایتجہ الفرق بکون الحرمۃ لعینہٖ اولغیرہٖ، کما وقع عن بعض العلماء، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	کردے غصب کی حرمت ضروریات دین میں سے ہے تو ایسی صورت میں حرمت لعینہٖ اولغیرہ کافرق کام نہ دے گا جیساکہ بعض علماء سے یہ سرزد ہوا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۱:

چہ می فرمایند فقہائے دن وفضلائے شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلًا زید چہار پسر یعنی عمرو و خالد وبکر وہاشم واموال منقولہ وغیر منقولہ را متروک داشتہ از سرائے فانی بسرائے باقی رحلت فرمود، بعدہ، خالد وبکر وہاشم ازاراضی پدر متوفی ہر یک حسب خرچ خوردپوش بگیرند، ومابقے نزد عمرو موجو است، امام از بہر اوشان قدر زائد است لکن عمرواز قد زائد اخراجات جمیع اراضی خود و برادارں راانجام فی دہد، تاکہ جہت آں رادفتر سرکاری خوف وتلف برکل مال پیش نیابند، پس دراں صورت عمرو راغاصب وکافر خواندہ ومہمانی ودعوات خوردندوقبول نمودند حسب شرع شریف صحیح است یانہ، ونیز زمین کہ عمرواز کسب خود خریداست باز بوقت قسمت صحیح خالد وغیرہ از شیئ مکسوب عمرو طلبیدن شرعاجائز است یانہ؟	کیافرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلًا زید فوت ہوا اس نے منقولہ وغیرہ منقولہ مال اور چار بیٹے عمرو، خالد، بکر اور ہاشم وارث چھوڑے، خالد بکر اور ہاشم نے اپنے مرحوم والد کی زمین سے خوراک ولباس کے اخراجات کے مطابق حصہ وصول کرلیا اور باقی جو کھ ہے وہ عمرو کے پاس موجود ہے تاہم دوسروں کی نسبت اس کے پاس زیادہ ہے لیکن اس زائد سے اپنی اور بھائیوں کی تمام زمین کے جملہ اخراجات پورے کرتا ہے تاکہ سرکاری دفاتر سے ضرر رسانی کے خطرے کو پورے مال پر سے ختم کیا جائے۔ تو کیا اس صورت میں عمرو کو غاصب وکافر کہنا اور اس کی دعوت مہمانی کھانا اور قبول کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ نیز عمرو نے اپنی کمائی سے جو زمین خریدی ہے اس کو تقسیم سے الگ رکھنا صحیح ہے اور خالد وغیرہ کا عمرو کی کمائی کو طلب کرنا شرعاجائز ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب:

اگر عمرو برضائے دیگر ورثہ براں اراضی حصہ دیگر قابض ست، وخزانہ از جانب ایشاں می دہد، وہرچہ زیادت محاصل بود	اگر عمرو باقی وارثوں کی رضامندی سے ان کے حصہ پر قابض ہے اور اخراجات سرکاری ان کی طرف سے ادا کرکے باقی آمدن کو مساوی

بعدل قسمت می کند، یا از منافع آناں رابقدر خورد پوش می دہد، وباقی رابرضائے آناں پیش خود جمع می دارد، دریں صورت عمرو ہرگز غاصب نیست لوجودالاذن من الملاک فی القبض وعدم تصرف باطل فی خراج الارض واگرنہ چناں ست بلکہ بے رضائے آناں بر حصص آنا قبضہ کردہ است ودر حقوق آناں تصرفات بیجا برائے خود می کند، ضرور غاصب بود، واما کافر نیست لانه لایخرج الانسان من الاسلام الا جحودما ادخله فیه درصورت اولی دعوت زید قبول کردن بلاد غدغہ رواست، و نیز درصورت ثانیہ اگر دعوت از مال خودش کند، واگر ازمال غصب میکند خوردن مغصوب روا نیست، بلکہ در صورت ثانیہ چوں غاصب ومصر علی الغصب باشد با او اختلاط نشاید کرد، ودعوتش ازمال خودش ہم نباید خورد لیکون زجرا له ولاتة له۔ زمین کہ عمرو از کسب خود خر یداست خالد وغیرہ راز وحصہ خواستن روانیست، فان سہم الوراث فی المورث دون مملوک وارث اخر، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	تقسیم کرتا ہے یا منافع میں سے ان کے خورد ونوش وپوش کے اخراجات ان کو دیتا ہے اور باقیماندہ کو ان کی رضامندی سے اپنے پاس جمع رکھتا ہے اس صورت میں عمرو ہرگز غاصب نہیں ہے کیونکہ مالکوں کی طرف سے قبضہ کی اجازت ہے اور زمین کی آمدن میں کوئی باطل تصرف نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ ان کی رضامندی کے بغیر ان کے حصوں پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور ان کے حقوق میں بے جا اپنی مداخلت کرتا ہے تو ضرور غاصب ہے لیکن وہ کافر نہیں ہے کیونکہ جو چیز اسلام میں داخل کرتی ہے اسی کے انکار سے اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اور پہلی صورت میں اس کی دعوت قبول کرنا بلاشبہہ جائز ہے لیکن دوسری صورت میں اگر اپنے مال سے دعوت کرے تو بھی قبول کرنا جائز ہے اور اگر مغصوبہ مال سے دعوت کرے تو وہ ناجائز ہے اور اگر دوسری صورت میں وہ غاصبانہ کاروائی پر اصرار کرے اس سے میل جول منع ہے اور اس کے اپنے مال کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہئے تاکہ اس کو زجر وملامت ہوسکے عمرو کی اپنی کمائی سے خرید کردہ زمین سے خالد وغیرہ کو حصہ طلب کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وارث کا حصہ مورث کے مال میں ہے دوسرے وارث کی ملکیت میں نہیں ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از مجیب نگر ڈاک خانہ مونڈا سواراں ضلع کھیری مرسلہ مجیب رحمان خاں ۴ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور قاضیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا۔

عجلت تیاری میں غلطی سے ایک چٹائی مسجد کی بانی مسجد نے یہ سمجھ کر کہ ایک چٹائی ایسے تنگ وقت دستیاب نہ ہوسکے گی۔اور مسجد میں دوسری چٹائی بجائے اس کے رکھ دی جائے گی،لے کر میت کے تختوں پر جو قبر میں بچھائی گئی تھی اس لئے کہ مٹی قبر کی دراز تختہ سے نہ چھنے،ڈال دی،اور وہ قبر میں کام آگئی،تو ایسی حالت میں ایسے شخص کے لئے جس نے میت معروضہ سے مسجد کی چٹائی ضرورت مذکورہ میں بحوالہ عجلت بکار مسطورہ اٹھائی،شرع شریف کا کیا حکم ہے؟اور اس کا کفارہ کچھ ہوسکتا ہے یا کیا؟ فقط

الجواب:

وہ گنہ گار اور مجرم خاص حقیقی سرکار ہوا،لغصبہ الوقف فلیس فی تاثمیہ وقف (اس کے وقف کو غصب کرنے میں گناہ میں کوئی شک نہیں ہے۔ت)اس کا کفارہ صدق دل سے توبہ ہے،**ویتوب اللّٰہ علی من تاب** (اللہ تعالٰی توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتاہے۔ت)او رویسی ہی چٹائی یا اس سے بہتر مسجد میں ڈالنا،اور وسعت رکھتاہے تو خدمت مسجد وحاجت روائی صلحاء و مساکین میں بقدر قدرت پاک نیت سے صرف کرے کہ اس کی خدمت پسند سرکار ہو،اور رحمت توجہ فرماکر گناہ دھودے،

قال اللّٰہ تعالٰی "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ"[1]۔**واللّٰہ تعالٰی اعلم**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: نیکیاں ختم کردیتی ہیں برائیوں کو،یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔**واللّٰہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۲۷۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوگیا اور اس نے مال تجارتی اور دیگر جائداد زر خرید اپنی بشراکت اپنے برادر حقیقی عبدالرحیم کے چھوڑی اور اس مال میں سے نفع جائداد سے کرایہ تخمینا بارہ سال کے عبدالرحیم حاصل کرتا ہے۔اور دوسرا مال اور جائداد موروثی جو والدین سے پایا وہ بھی چھوڑا،اب مال اپنا زر خرید اور جائداد موروثی کس طرح پر تقسیم ہوگا۔وارث اپنے چھوڑے،ایک زوجہ،دو بھائی،ایک بھتیجا اور دو ہمشیریں اور تین بیٹیاں اپنی،اور قرضہ عبدالغفور فوت شدہ نے بشراکت عبدالرحیم کے دین مہر اپنی زوجہ دینا چھوڑا،اب اس میں سے کون سا قرضہ ادا کیا جائے گا۔اور از روئے شرع شریف کے وہ مال کس طرح پر تقسیم ہوگا؟

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۴

الجواب: حسب شرائط فرائض عبدالغفور کا جو کچھ ترکہ ہے خواہ موروثی، خواہ خرید کردہ۔ اس سب سے عبدالغفور پر جو کچھ دین ہے تقسیم ترکہ سے پہلے اسے ادا کریں۔ دین مہر زوجہ اور دوسرا قرضہ جو عبدالرحیم کی شرکت میں تھا سب برابر ہے، اگرچہ جائداد اس میں مہر وقرضہ کے مجموعہ سے کم یا برابر ہو، تو سب ترکہ مہر وقرض میں حصہ رسد دیا جائے، خواہ کسی وارث کو وراثۃً کچھ نہ ملے۔ اور اگر ترکہ زیادہ ہے تو مہر وقرض میں جس قدر واجب ہے تمام وکمال ادا کرکے، اس کے بعد جو بچے اس کی تہائی سے عبدالغفور کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کی جائے، باقی کے ۱۴۴ (ایک سو چوالیس) حصے ہو کر اٹھارہ سہم زوجہ اور تینتیس تینتیس سہم ہر دختر، اور دس دس سہم ہر برادر، اور پانچ پانچ سہم ہر خواہر کو دیں، اور بھتیجا کچھ نہ پائے گا۔ اور بعد موت عبدالغفور جو نفع مال مشترک سے عبدالرحیم نے حاصل کیا اسے چاہئے کہ عبدالغفور کے حصہ کا نفع اس میں سے اپنے حصہ یعنی بہتّر ۷۲ حصوں سے پانچ حصے نکال کر باقی دیگر ورثاء عبدالغفور کو دے دے،

لانہ حصلہ بوجہ خبیث وکان علیہ اخراجہ، اما صدقۃ اوردا علی المالک، وھو الافضل کما فی الخیریۃ و الھندیۃ وغیرھما۔	کیونکہ اس نے خبیث طریقہ سے حاصل کیا ہے، اس پر اپنی ملکیت سے باہر کرنا لازم ہے یا صدقہ کرے یا مالک کو واپس کرے اور یہ افضل ہے جیسا کہ خیریہ میں اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اس صورت میں کہ مہر وقرض مل کر جملہ ترک عبدالغفور سے زائد یا برابر نہ ہو، لان الدین اذا لم یستغرق ینتقل الملك الی الورثۃ (کیونکہ اگر میت کا قرضہ ترکہ پر حاوی نہ ہو تو ورثاء کی ملک ہوگا۔ ت) اور اگر زائد یا برابر تھا تو جو نفع حصہ عبدالغفور سے حاصل کیا ہے تمام وکمال فقیروں پر صدقہ کر دینا اس پر واجب ہے نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

لان الدین المستغرق یمنع ملك الورثۃ کما فی الاشباہ [1]۔ وحق الدائن فی المالیۃ فلا مالك یرد علیہ فتعین التصدق وجوبا۔	کیونکہ ترکہ پر اگر قرض حاوی ہو تو ورثاء کی ملک نہ ہوگا۔ جیسا کہ الاشباہ میں ہے اور مالیت پر قرض خواہ کا حق ہے تو اس کا کوئی مالک نہیں ہے جس پر واپس کیا جائے لہٰذا لازماً صدقہ کرنا متعین ہوگا۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

رہا وہ کرایہ جو جائداد مشترکہ سے عبدالرحیم نے بعد موت عبدالغفور حاصل کیا، اس کی نسبت سائل کا بیان ہے کہ وہ جائداد ایک زمین ہے جسے دونوں بھائیوں نے شرکت میں خریدا کہ اس میں کچھ مکان بنوائے یا کرایہ پر چلوائے خاص کرایہ پر دینے کی نیت نہ تھی، اور وہ زمین حیات عبدالغفور میں کبھی پڑی رہتی کبھی اس کا کوئی ٹکڑا کرایہ پر رہتا **فلم تدخل فی المعد للاستغلال** (تو وہ زمین اجارہ کے لئے تیار میں نہ داخل ہوئی۔ت) تینوں بیٹیوں میں موت عبدالغفور کے وقت ایک جوان تھی دوسری دس برس کی، تیسری دو برس کی، تو اگر مہر وقرض سب ملک کر تمام متروکہ سے کم مقدار پر تھے تو یہ مشترک زمین کہ بعد عبدالغفور کے عبد الرحیم نے خاص اپنے قبضہ مالکانہ میں رکھی اور کرایہ پر چلائی، موت عبدالغفور سے اس وقت کہ یہ دونوں نابالغہ لڑکیاں بالغہ ہو گئیں، ان کے حصہ کا کرایہ جو بازار بھاؤ سے ہو ان دونوں کو دینا واجب ہے چاہے عبدالرحیم نے کم کرائے پر اٹھائی ہو یا زیادہ پر ڈال رکھی ہو۔ مثلاً دونوں لڑکیاں چودہ چودہ برس کی عمر میں بالغہ ہوئی ہوں، تو پہلی لڑکی کے حصے کا چار سال کا کرایہ اور دوسری کے حصے کا بارہ برس کا کرایہ عبدالرحیم پر واجب ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ درمختار میں ہے:

منافع الغصب استوفاہا اوعطلہا لاتضمن الا فی ثلث فیجب اجرالمثل ان یکون المغصوب وقفا اومال یتیم وعلی المعتمد تجب الاجرۃ علی الشریك [1] **اھ مختصرا۔**	غصب کے منافع حاصل ہوں یا معطل چھوڑے ہوں تو تین صورتوں کے علاوہ ان کا ضمان نہ ہوگا تین صورتیں یہ ہیں؟ مغصوبہ چیز وقف ہو یا یتیم کا مال ہو تو بااعتماد قول کے مطابق شریک پر بھی مثلی اُجرت لازم ہوگی اھ مختصراً (ت)

اور باقی جو وارثوں کے حصص کا کرایہ دار سے حاصل کیا ہو جس صورت میں مہر وقرض متروکہ سے کم ہوں، تو زمین میں سارے حصہ عبدالغفور پر جو کرایہ عبدالرحیم نے وصول کیا ہو سب فقیروں کو دینا لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے باغوائے نفس امارہ ایک دستاویز اس مضمون کی کہ جو مکان اس کی والدہ ہندہ کا ہے اس کو دونابرابر حصوں میں بطور خود بلااطلاع ورثاء جائز کے اس طرح تقسیم کیا کہ چھوٹے بھائی عمرو کے واسطے چوتھائی سے کم، اور بڑے بھائی زید یعنی اپنے واسطے تین چوتھائی

[1] درمختار کتاب الغصب فصل مسائل آخر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸

سے زائد اور خفیہ طور سے اپنی والدہ ہندہ کو کاغذ مذکور اس طرح پڑھ کر سنادیا کہ مکان مملوکہ ومقبوضہ تمھارا، میں نے دو برابر حصوں میں تقسیم کرلیا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی باور کرادیا، پھر کہا کہ اس پر عدالت میں چل کر خفیہ طور سے رجسٹری کرادو۔ ہندہ نے کہا کہ اس کی خبر میرے چھوٹے لڑکے عمرو کو تو کردو، تو کہا کہ تم میرے اعتبار پر اس کی رجسٹری کرادو اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر ہندہ نے قطعی انکار کردیا لہٰذا دستاویز نامکمل اور بلادستخطی رہی جبکہ عمرو کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اس کی شکایت اپنی والدہ ہندہ سے کی، ہندہ نے کہا کہ مجھے تو دو برابر حصوں میں بانٹنا باور کرایا ہے۔ بربناء اس ناخوشی وتحکم کے ہندہ نے زید سے اس دیور کو جو زید کے بلا رضامندی فریق ثانی کے بطور خود قائم کرلی منہدم کرنے کو کہا، تو زید نے اپنی روباہ بازیوں سے اسے ٹالا اور ایک کرایہ نامہ اپنے نام سے فریق ثانی کی حق تلفی کے واسطے لکھ کر اس میں کرایہ دار بسایا، اس کے روکنے کے واسطے جبکہ عمرو نے زید کو تنبیہ تحریری کی تو اس کو خیال میں نہ لایا بلکہ اپنی بدمعاملگی اور دغابازی پر اب تک مصر ہے۔ اور نہ مکان مذکور کا نصف کرایہ دیتا ہے۔ نہ کرایہ نامہ میں شکرت کرتا ہے۔ نہ دیوار منہدم کراتا ہے۔ بلکہ ہر طریقہ سے فریق ثانی کی حق تلفی پر آمادہ ہے۔ اور کوئی شرعی فہمائش کسی کی اس کو بوجو طمع نفسانی کے مفید نہیں ہوتی، دیگر یہ کہ یہ شخص وعظ بھی کہتا ہے حالانکہ اس کی تحصیل علم قطعی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی، نہ کسی مستند معتبر استاد سے کبھی پڑھا۔ نہ فقہ، نہ تفسیر، نہ حدیث، بلکہ صرف اردو کی چند کتابوں کے ذریعہ سے وعظ گوئی کرتا ہے، تو شرع شریف ایسے شخص کی نسبت کیا حکم فرماتی ہے؟ آیا اس کا ایمان سالم رہا یا نہیں؟ آیا تقسیم مذکور جائز ہوئی یا نہیں؟ مسلمانوں کو اس سے کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اسے وعظ کہنا چاہئے یا نہیں؟ اسکی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ تقسیم باطل محض ہے۔ اور زید سخت ظالم، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب نار وغضب جبار ہے۔ مسلمانوں کو اس سے وہی برتاؤ چاہئے جو ظالموں موذیوں سے چاہئے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

اسے وعظ کہنا حرام ہے۔ اس کا وعظ سننا جائز نہیں۔ وہ اگر ایک کوڑی کے معاملہ پر ہزار بار شہادت دے شرعاً مردود ہے۔ جو اس کی گواہی قبول کرے گا گنہگار ہوگا۔ یہ سب اس بناء پر ہے جو سائل نے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اظہار کیا، اور واقع کا علم عالم الغیب جل وعلا کو ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: مرسلہ بخش اللہ ساکن بریلی محلّہ گندہ نالہ مورخہ یکم جمادی الاخری ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو مکان دو شخصوں کے خرید کردہ ہیں، ایک شخص کی خریداری قریب پچیس تیس سال کی، اور دوسرے شخص کی خریداری قریب دس سال کے ہے، جس شخص کا مکان خریدا ہوا قریب پچیس سال کے ہے اس کی کڑیاں دوسرے شخص کی دیوار پر رکھی ہے۔اب وہ یہ کہتا ہے کہ میری دیوار پر سے کڑیاں علیحدہ کرلو، یہ کہتا ہے کہ میں نے اسی حیثیت سے خریدا ہے۔اس کا بیان یہ ہے اور اس شخص کا گمان ہے کہ اس نے خود بعد خرید نے مکان کے یہ کڑیاں رکھوائی ہیں، ایسی حالت میں مستحق ہٹوانے کا ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ اس شخص کو اقرار ہے کہ یہ دیوار جس پر میری کڑہیاں رکھی ہیں میری نہیں، اس صورت میں اسے کڑیاں رکھنے کا کوئی حق نہیں، اگر عصبا رکھی ہیں جب تو ظاہر اور اگر سابق کے مالک کی اجازت سے رکھی تھیں تو اس کی اجازت اس کی ملک ختم ہونے سے ختم ہو گئی، اب بے اجازت مالک اس کا اختیار نہ ہوگا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، دو۲ مکان دو۲ دیواریں ملی ہوئی ہےں ایک خام ایک پختہ تھی، اس نے اپنی دیوار میں الماری لگائی ہوئی تھی۔اس میں سے کچھ خام دیوار میں سے کٹی۔قریب ۱۰/ گرہ کے لیکن الک دیوار کو نہیں معلوم ہوا، اب اس نے اس مکان کو فروخت کیا، ایسی حالت میں خریدار مواخذہ دار کس کا ہے۔یعنی مالک قبل کا ہے یا مالک مال کا حصہ ہے۔

الجواب:

پہلے مالک سابق کا مواخذہ تھا، اب مالک حال کا، یا تو اس کی رضامندی سے اس قدر زمین کی قیمت اس کو دے دے یا یہ ۱۰/ گرہ زمین کا ٹکڑا خالی کردے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[1] (ظالم کا دخل حق نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب احیاء ارض الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶، السنن الکبرٰی کتاب الغصب دارصادر بیروت ۶/ ۹۹

مسئلہ ۲۷۷: مرسلہ شیخ حاجی عبدالعزیز صاحب ۲۲رجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دیوار میں تیس برس سے ایک طاق عمرو کے غسل خانہ کا تھا، زید نے جس وقت اپنے مکان کی دیوار کھودی تو عمرو کا تیس برس کا طاق بند کردیا، باجود منت وسماجت بسیار کے بھی نہ مانا، دیگر یہ کہ عمرو کے غسل خانہ کے دو کڑی کے زید کی دیوار میں اور چار پائخانہ کی کڑیوں کے ٹکڑے زید مذکور کی دیوار میں رکھے ہوئے ہیں۔ غدر کے قبل کے ہیں، زید نے بارہاان کو دیکھا ہے۔ کیونکہ ایام قربانی زید مذکور کا کئی گھنٹہ اس مکان میں قیام رہتا ہے۔ زید نے ہمیشہ ان ٹکڑوں کو دیکھا ہے مگر کبھی کچھ نہیں کہا، اور اب ان کو نکلوادینے کو کہتا ہے۔ دیگر یہ کہ جس وہ طاق بند کیا تھااس وقت یہ چیزیں بھی اگر نارضامندی تھی نکلوادیتا، عمرو نے ایک خام مکان خرید کر تعمیر کرانا چاہااور دیواریں کھدوائیں تو زید کی طرف کی دیوار میں دوالماریاں اور ایک آتش خانہ نمودار ہوا، بلکہ دیوار بھی بڑھی ہوئی ہے۔ عمرو نے جب زید سے کہا کہ اس کو درست کرادو، تو زید نے جواب دیا کہ تمھاری پائخانہ کے ٹکڑے جو ہمارے دیوار میں رکھے ہیں نکلوادو تو ہم بھی الماریاں بند کرادیں گے، اس صورت میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب:

الماریاں اور آتش خانہ جو زید نے بے اجازت مالک بنایا ہے اس کا بند کردینااس پر فورالازم ہے۔ اور اگر ثابت ہو کہ دیوار اس کی زمین میں بڑھالی ہے تو اتنی دیوار گراکر زمین خالی کردینی لازم ہے۔ رہیں عمرو کی کڑیاں [عـــہ] اور طاق۔ تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ وہ دوسرے کی دیوار میں باجازت مالک بطور عاریت تھے، نہ کسی حق لازم سے، اور زید کااب تک سکوت وہ بھی عاریت پر راضی ہونا تھا، اور عاریت کی چیز کا ہر وقت واپس لینے کا اختیار ہے۔ اب کہ زید راضی نہیں عمرو پر بھی لازم ہے کہ کڑیاں نکال لے، مگر ایک کا دوسرے پر ٹالنا کہ تم یہ کردو تو ہم یوں کریں، جائز نہیں، کہ ظلم فورادور کرنا فرض ہے۔ دونوں معادوسرے کی ملک خالی کردیں، عالمگیریہ میں ہے:

البائع یؤمر برفع خشب علی حائط المبیعة ولو کان الخشب لاجنبی بحق لازم بملك واجارة فھو عیب لانہ	اتارنے کاحکم بائع کو دیا جائے گااور اگر وہ کڑیاں اجنبی کی ملکیت یااجارہ پر ہوں تو یہ عیب شمار ہوگا کیونکہ اس میں

عـــہ: لفظ "کڑیاں" اصل میں نہیں ہے شاید قلم ناسخ سے چھوٹ گیاہے۔ عبدالمنان اعظمی

لیس له ان یمنعه،وان کان باجازة لاخیار له لانه لیس بلازم کذا فی تاتارخانیة [1] اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مبیع کی دیوار پر سے کڑیاں اس کو منع کا حق نہیں اور اگر اجازت سے ہوں تو اس کو اختیار نہیں کیونکہ وہ لازم نہیں۔تاتارخانیہ میں یوں ہے اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۸: از بریلی محلّہ شاہ آباد مرسلہ حکیم نذیر الدین صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد غاصبانہ طریقہ سے حاصل کی اور تخمینا پچاس سال تک اس کی آمدنی کو تصرف کرتا رہا،اور اس میں سے قریب نصف جائداد کے فروخت کردی،زید فوت ہوگیااور اس نے جائداد بقیہ مغصوبہ کے چھوڑی،اور ورثاء غاصب صرف جائداد مغصوبہ موجودہ کو ورثاء حقدار کو دیتے ہیں،جو جائداد فروخت ہوچکی اور نیز محاصل کل جائداد کا دینے سے منکر ہیں،حالانکہ غاصب نے جادائد کثیر المالیت اس تعداد کی چھوڑی ہے کہ اس سے مطالبہ جائداد مغصوبہ کا ادا ہو کر جائداد کثیر المالیت ورثائے غاصب کے لئے باقی رہتی ہے ایسی حالت میں حقدار جائداد مغصوبہ کو ورثان غاصب سے بمقابلہ جائداد یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جائداد مغصوبہ موجودہ اور بیع شدہ اور اس کے محاصل کو جس طرح اس کا حصول ممکن ہو حاصل کرلے۔اور بحالت ہونے جائداد غاصب کے اس کے ورثاء پر یہ لازم ہے کہ وہ حقوق مذکورہ بالا کو ادا کردیں یانہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع وہ جائداد زید نے جس سے غصب کی تھی اسے اور اس کے بعد اس کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہے کہ جس قدر جائداد اس میں سے موجود ہے اسے بعینہٖ واپس لیں،اور جو زید نے بیع کردی اس کی قیمت جتنی روز غصب تھی دیگر جائداد مملوکہ زید سے جس طرح ممکن ہو وصول کریں،اور اگر وہ جائداد دیہات یا کرائے پر چلانے کے مکان دکان تھے کہ اصل مالک نے اس لئے بنائے یا خریدے،اور زید نے اس سے غصب کرلئے تو جائداد باقیماندہ کے محاصل آج تک کے اور جائداد بیع شدہ کے محاصل اس دن تک جب تک وہ زید کے پاس رہی جائداد مملوک زید سے وصول کریں،ورثائے زید پر ان تمام حقوق کاترکہ زید سے ادا کرنا لازم ہے اور ممانعت کرنا حرام۔نیز مالک اور اس کے وارث چاہیں تو یہ بھی کرسکتے ہیں کہ جائداد موجود میں تو وہی کاروائی کریں،اور جائداد بیع شدہ کے محاصل کا بشرط مذکور روز قبضہ زید تک ترکہ زید سے تاوان لیں،اور اس کی قیمت کا تاوان اور روز قبضہ مشتری سے آج تک اس کے

[1] فتاوٰی ہندیہ

محاصل کا تاوان مشتری سے وصول کریں، مشتری نے جو قیمت زید کو دی تھی ترکہ زید سے وصول کرے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو باعه الغاصب وسلمسه فالمالك بالخيار ان شاء ضمن الغاصب، وجاز بيعه والثمن له۔ وان ضمن المشتری رجع علی الغاصب وبطل البيع ولا يرجع بما ضمن وان باع ولم يسلم لايضمن كذا فی الوجيز للكردری [1]۔ والله تعالٰی اعلم۔ وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	اگر غاصب نے اسے فروخت کرکے سونپ دیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے غاصب سے ضمان لے اب غاصب فروخت کردے رقم اس کی ہوگی اور اگر مالک نے مشتری کو ضامن بنایا تو وہ غاصب سے وصول کرے اور بیع باطل ہوجائیگی اور غاصب ضمان کے لئے رجوع نہ کرسکے گا اور اگر غاصب ضمان کے لئے رجوع نہ کرسکے گا اور اگر غاصب نے فروخت کیا مگر ابھی قبضہ نہ دیا تو ضامن نہ ہوگا۔ وجیز کردری میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۹: مسئولہ حافظ محمد سعید صاحب از قصبہ راندیر ضلع سورت ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

ماقولكم دام فضلكم ايها العلماء العظام والفقهاء الكرام زادكم الله تعالٰی تعظيما لديه (تمہارا کیا ارشاد ہے اے علماء عظام وفقہاء کرام اللہ تعالٰی کے ہاں تمہاری فضیلت وتعظیم زیادہ ہو۔ت) اس صورت میں زید تاجر نے بلقانی چندہ میں مثلاً ایک سو روپیہ لکھ دئے، اور جب اس چندہ وصول کرنیوالے سکتر نے زید سے روپے چندہ کے وصول کرنے کو گیا، تو زید نے چندہ وصول کرنے والے بکر نام کو کہا کہ میرے روپے فلاں بینک میں جمع ہیں میں تم کو یہ چیک یعنی حکم بینک پر لکھ دیتا ہوں تم بینک سے روپیہ وصول کرلو، اور تم چاہو تو میں میرے نزدیک سے نقد دوں، اس کے جواب میں بکر نام کے سکتر نے کہا کہ چیک دو، زید نے بموجب طلب کرنے کے بکر کو بینک (کہ مسمّٰی پیپل بینک ہے) اس پر حکم یعنی چیک لکھ دیا، مگر بکر مذکور نے روپے وصول کرنے پیپل بینک سے تکاسل اور غفلت کی، اور اندازہ چوبیس روز کے اس چیک کو اپنے پاس بکر نے ڈال رکھے، اس درمیان میں زید نے دوسری چیک اپنے کام کی بینک کو دی ہے وہ برابر بینک والے روپیہ ادا کردئے ہیں، اور یہ بھی بکر تکاسل اور کاہلی نہ کرتا۔ اور بینک میں چیک روانہ کرکے طلب کرتا تو ضرور یہ روپیہ وصول ہوتے، چونکہ زید کے روپیہ جمع تھے اور اب وہ بینک دیوالیہ بن گئے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۴۸

اور وہ روپے جاتے رہے۔ اور بکر کو تکاسل اس قدر نہ کرتا تو یہ روپے ضائع نہ ہوتے۔ لہٰذا صورت مذکورہ میں یہ روپیہ کس کے ذمہ پر آتے ہیں اور کس کے یہ روپے گئے زید کے یا بکر کے، یا چندہ بلقان کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دیوالیہ بننا بینک والے کا ظلم ہے، بکر پر اس کا کچھ الزام نہیں آسکتا، "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" [1] (کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ت) اور چوبیس روز کے تساہل میں بھی اس پر الزام نہیں، وہ کیا جانتا تھا کہ اتنی مدت میں بینک دیوالیہ ہوجائے گا "وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ" [2] (ہم غائب پر حفاظت کرنے والے نہیں۔ت) اور بالفرض اگر وہ جانتا بھی اور بالقصد تکاسل کرتا۔ جب بھی روپے کا الزام اس پر آنے کے کوئی معنی نہ تھے کہ وہ نہ سبب ہے نہ مباشر، قاعدہ شرعیہ تو یہ ہے کہ:

اذا اجتمع السبب والمباشر اضیف الحکم الی المباشر۔	جب سبب اور ارتکاب کرنیوالے میں معاملہ دائر ہو تو حکم ارتکاب والے کی طرف منسوب ہوگا (ت)

دوسرا قاعدہ ہے:

تخلل فعل الفاعل المختار یقطع النسبۃ۔	مختار کا فع حائل ہوجائے تو نسبت منقطع ہوجاتی ہے۔ (ت)

تو بکر کے روپیہ جانے کی کوئی وجہ نہیں روپے زید کے گئے، رہا چندہ زید اس میں متبرع تھا، **لاجبر علی المتبرع** (مفت میں دینے والے پر جبر نہیں ہوتا۔ت) تو اس سے بھی مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اس میں اس کا کوئی قصور ہے کہ اس نے تو چیک لکھ دیا تھا اور اگر نہ بھی لکھتا اور وعدہ کرکے پھر جاتا جب بھی شرعاً بُرا تھا، مگر جبر کا اختیار کسی کو نہ تھا، اشباہ میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد [3]۔	وعدہ کے وفا پر جبر نہیں ہوسکتا۔ (ت)

ہاں اگر زید اپنی طرف سے دوبارہ دے تو یہ اس کا تطوع ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۸۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۰، العقود الدریۃ بحوالہ لاشباہ والنظائر مسائل وفوائد من الحظر الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

"وَ مَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۵۸﴾"[1]۔	جو شخص مفت میں بھلائی کرے تو اللہ تعالٰی قبول فرمانے اور جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۰: از سہسرام محلّہ دائرہ ضلع آرہ مرسلہ حافظ عبدالجلیل ۱۶ شوال ۱۳۳۳ھ یوم شنبہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو کامال مسلمان زبردستی کھاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

زبردستی مال کھانے والے ایک دن بڑا گھر دیکھتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۱ تا ۲۸۳: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ سید نور اللہ محرر دارالافتاء بروز دوشنبہ بتاریخ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید کا ایک بیٹا جواب بالغ ذی عقل صاحب نصیب تھا، وہ جب مرا تو تجارت بند ہو گئی اور کچھ جائداد دونوں کے کسب سے تھی اب باقی ہے۔ زید کی اب دو زوجہ ہیں، ایک قدیم کفو کی، دوسری جدید غیر کفو کی، زید نے بعوض مہر دو مکان زوجہ کفوکے نام حسب قانون لکھے اور ایک مکان اپنے بیٹے بکر کے نام لکھے، لیکن کل جائداد پر قابض اور ماحصل سے تمتع زوجہ غیر کفو اور اس کی اولاد رہی، جبراً وقہراً، پس یہ قبضہ وتمتع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زوجہ کفو کی دو لڑکیاں ہیں، پس اپنے نام کی جائداد برضائے زوج خود یعنی زید کے، بذریعہ عدالت لڑکیوں کے نام کردی ہے، بذریعہ عدالت رجسٹری شدہ کاغذ موجود ہے۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ قبضہ کرکے اس سے منتفع ہوں، لیکن زید اور اس کی زوجہ غیر کفو اور اس کی اولاد فسد پر آمادہ ہیں، اور قبضہ نہیں دیتے اور کسی کی نصیحت نہیں مانتے، پس یہ امر ان کو شرعاً کیا زیبا ہے۔ اور اس فعل کا کیا حکم ہے؟

(۳) کیا شرعاً ان کو اس جائداد میں کچھ حق ہے یا شرعاً وہ ظالم اور یہ فعل فسق ہے؟ فقط

الجواب:

(۱) مال غیر سے بے رضا غیر تمتع اور اس پر مخالفانہ قبضہ حرام وحرام خوری ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کامال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

(۲) یہ فعل بھی ظالم اور ظلم کی جزا نار۔

(۳) شرعاً زید عــــہ کا اس میں کچھ حق نہیں اور یہ فعل ضرور ظلم وفسق ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۴: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد نمبر مکان ۱۵۴، مسئولہ حبیب احمد بروز یکشنبہ ۸ اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بقال کے یہاں ملازم ہے۔اور پوری تنخواہ نہ دے، تو وہ اس سے چھپا کر اس کے مال سے یعنی جو اس کے یعنی بقال کا تعلق ہو خود لے لے یعنی بنیے بقال اہل ہنود کا مال چھپا کر مسلمان ملازم کو کھانا رواہے یا نہیں؟

الجواب:

تنخواہ پوری نہ دینے کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ جس قدر قرار پائی ہے اس سے کم دیتا ہے۔اس صورت میں جتنی کم رہتی ہے اتنی مقدار تک اس کے مال سے بے اس کی اجازت کے لے سکتا ہے۔مثلاً دس روپیہ تنخواہ ٹھہرے ہیں اور اس نے کسی مہینے میں ظلماً پانچ روپے کاٹ لئے تو یہ پانچ روپے کی قدر اس کے مال سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے۔

دوسرے یہ کہ تنخواہ جتنی ہونی چاہئے تھی اتنی نہیں دیتا۔مثلاً وہ کام دس روپے ماہواری کے قابل تھا، اور اس نے اسے حاجتمند پاکر وباکر پانچ روپے ماہوار نوکر رکھا اور اس نے قبول کرلیا تو اب نہیں لے سکتا کہ اتنے سے زیادہ میں اس کا حق نہیں، اور مال جو اس کی سپردگی میں ہے امانت ہے اور بذریعہ عقد اجارہ اِس کا اُس کا معاہدہ ہو چکا ہے اور امانت میں خیانت اور معاہدہ میں غدر کسی کے ساتھ جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۵و۲۸۶: از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ مسئولہ عبدالکریم بروز شنبہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ

(۱) شیئ مشترکہ کو کہ ہر ایک شریک استعمال کرتا ہے تو بروقت ٹوٹنے یا ضائع ہونے کے اس شیئ کا تاوان کس پر ہوگا؟

عــــہ: اصل میں یونہی ہے۔سوال کی روشنی میں "زید" کے بجائے "ان کا" ہونا چاہئے۔

[1] القرآن الکریم ۵/۱

(۲) زید نے بکر کا مال ناجائز طریق مثلاً غصب یا چوری یا خیانت یا ظلم سے لے لیا تو کیا بکر کو جائز ہے کہ جب زید کے مال پر قابو پائے، تو بمقدار اپنے مال کے اس کے مال میں سے بلا رضامندی زید کے لے لے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر بلا تعدی ٹوٹی یا ضائع ہوئی تو کسی پر نہیں، اور اگر ایک شریک نے قصداً توڑا دیا ضائع کردیا تو دوسروں کے حصوں کا تاوان دے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اپنے حق تک لینا جائز ہے کہ وہ زید کا مال نہیں اس کا ہے۔ اصل مذہب میں جنس مال کی اجازت ہے۔ مثلاً سو روپے اس کے اس نے ظلماً لے لئے اسے اس کے روپے نہوں [عہ] اور فتوٰی اس پر ہے۔ کہ اپنے حق کی جنس نہ ملے تو غیر جنس سے بھی مقدار حق تک لے سکتا ہے۔ **لان الضمان ضمان العقود ولیس الضمان ضمان الحقوق کما فصله فی ردالمحتار** (کیونکہ یہ ضمان عقود والا ہے حقوق والا ضمان نہیں جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: مسئولہ نواب نثار احمد خاں صاحب بازار صندل خاں بریلی بروز یکشنبہ ۹ شوال ۱۳۳۴ھ

امام مسجد سابق جو بغداد شریف وغیرہ کہہ کر باہر شہر کے گیا ہو تو اس کے اسباب کو حجرہ مسجد سے بلا اجازت لے کر جس کو چاہے اور اپنے صرف میں لائے بلا رائے اہل محلّہ کے، پس صرف کرنیوالے پر کیا حکم شرع ہے۔ فقط

الجواب:

اسباب اگر اس کی ملک ہے تو اس میں یہ تصرفات حرام ہیں اگرچہ اہل محلّہ کی رائے سے ہوں، اور اگر مسجد کا مال ہے کہ امام کے صرف میں رہتا تھا تو جس لئے وقف تھا اسی میں صرف ہوسکتا ہے اپنے صرف میں لانا یا جسے چاہے دے دینا اب بھی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸ تا ۲۹۲: از علی گڑھ محلّہ بالائے قلعہ مسئولہ محمد عبدالمجید معرفت عبدالرحیم وکیل یکشنبہ ۲۶ شوال ۱۳۳۴ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم کو ضرورتاً قومی چندہ یومیہ جمع کرکے ایک چاہ بنانے کا شوق ہوا اور کل قوم نے یومیہ چندہ متفق ہو کر جمع کرنا شروع کیا، اس چندہ میں امیر وغریب سب شریک تھے، تقریباً دو سو روپیہ ہوجانے پر قوم نے ایک برادری کے شخص کو معتبر سمجھ کر وہ رقم

عہ: اصل میں ایسے ہی ہے لیکن شاید یہ عبارت اس طرح ہو "اسے اس کے روپے ہی لینے ہوں گے" عبدالمنان اعظمی۔

امانۃًاس کے سپرد کردی، اوریومیہ چندہ بدستور جاری رکھا، اور اس سے کہہ دیا کہ جب یہ رقوم چاہ بنانے کے قابل ہوجائے گی تو تم سے یہ روپیہ لے کر چاہ بنایا جائے گا۔کچھ عرصہ کے بعد اس امانت دار نے بغیر مشورہ قوم کے اپنی رائے سے ضرورت والے، لوگوں کو وہ روپیہ قرض بلاسود قوم ہی کے لوگوں کو دینا شروع کرکے انھیں مقروض آدمیوں کو اپنا طرفدار بنالیا، جب قوم کو یہ حال معلوم ہوا تو اکثر نے چندہ دینا بند کردیا، اور قوم کے اعتراض پر امین نے یہ جواب دیا کہ میں نے اس روپیہ کا نام خزانہ بیت المال رکھ دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ روپیہ جو قوم نے ایک خاص کام یعنی چاہ بنانے کے لئے جمع کیا تھا، اب اس امانتدار نے بلارضامندی ورائے قوم کے خزانہ بیت المال بنالیا ہے۔ یہ فعل اس کا شرعا درست ہے یا نہیں اور اس کا نام خزانہ بیت المال رکھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۲) اب وہ امین قرض روپیہ حیثیت داروں کو دیتا ہے غریب لوگوں کو نہیں دیتا، اور دیتا ہے تو کسی امیر کی ضمانت پر، اکثر توغریبوں کو یہ جواب دیتا ہے کہ تم کو دے کر واپس کہاں سے لیں گے کیا شرعا یہ درست ہے کہ خزانہ بیت المال جو عام چندہ ہے اس میں سوائے امیروں کے غریبوں کو قرض نہ دیا جائے؟

(۳) جو شخص روپیہ قرض لینے کی غرض سے چندہ دے اور پھر قرض بھی لے، تو یہ چندہ دینے والا مستحق ثواب ہے یا نہیں؟ مثلا ایک شخص کچھ روپیہ قرض لیتا ہے۔ جب تک قرض لیا ہو اور روپیہ ادا نہ ہو تب تک وہ چندہ دیتا ہے بعد کو بند کردیتا ہے۔

(۴) قوم امانت دار سے حساب روپیہ کا مانگتی ہے، اب وہ امین حساب پیش نہیں کرتا کیا شرعا اس پر حساب پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۵) جو لوگ روپیہ قرض نہیں لیتے اور اس امانت دار کی رائے کے شریک نہیں ہوتے ان سے وہ امین یہ کہتا ہے کہ تم اس بیت المال کے خلاف نہیں ہو بلکہ کلام پاک کے خلاف ہو، کیا خزانہ بیت المال کا یہ طریقہ ہے، اس صورت سے کلام پاک سے ثابت ہے؟ فقط

الجواب:

یہ فعل اس کا حرام ہے اور اس کا یہ نام حدیث سے ثابت نہیں بلکہ شیطانی وسوسہ کی ایجاد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** غرض یہ ساری کاروائی حرام ہے۔ اسے کلام اللہ کے خلاف کہنا شیطنت ہے۔ اور وہ جو قرض ادا ہونے تک چندہ دیتا ہے وہ معنی سود ہے۔ اور یہ شخص امانت دار نہیں غاصب ہے اور اس کے ذمہ تفہیم حساب لازم نہیں، بلکہ جس قدر جمع تھا سب کا واپس دینا اس پر فرض ہے اور اگر اس پر اس نے

کچھ نفع حاصل کیاہو تو وہ اس پر حرام ہے، یا تو انھیں اہل چندہ کو واپس دے جن کے روپے سے نفع حاصل کیا ہے۔اور یہی بہتر ہے، ورنہ جتنامال نفع لیاہے فقراء پر تصدق کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۳: از کلکتہ شہر ۲۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کتب فروش نے میرے ملک میں آکے بطور نذرانہ کے ایک جلد کلام اللہ پیش کیا،اور چند کتب اور بھی، عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ جس نے نذرانہ دیاہے وہ ایک دوسرے شخص کی دکان پر ملازم ہ۔اور ان کتابوں کاوہ مالک نہیں ہے۔بغیر حکم اپنے مالک کے وہ کتابیں دی ہیں،اس صورت کو ہم کو کیالازم ہے۔کتابوں کو اس شخص کو واپس کردوں یا مالک کتاب کو دے دوں، مگر اس صورت میں رسوائی کا خیال ہے۔اور ممکن ہے کہ اپنی تنخواہ میں حساب کرلیاہوں۔مگر مجھے کیاحکم شرعاہے؟

الجواب:

وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں کیف وقیل۔نہ مالک دکان کو دی جائیں کہ کتب فروش کے غصب یاسرقہ پر یقین نہ ہوا،اور مسلمان کا حال حتی الامکان صلاح پر حمل کرنا واجب،بلکہ اسی کتب فروش کو واپس کردی جائیں کہ اگر واقع میں اس کی تھیں فبہا،ورنہ اسے دینے سے بری الذمہ ہوگیا،درمختار میں ہے:

ردغاصب الغاصب المغصوب علی الغاصب الاول یبرأ عن ضمانہ [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	غاصب سے غصب کرنے والے نے مغصوب کو پہلے غاصب پر واپس کردیا تو اس سے ضمان ساقط ہوجائیگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۹۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض موسم میں زید کا مکان قیام گاہ مردمان ہر شہر ودیار ہوتاہے۔دور دور سے لوگ آتے اور اس کے مکان کی کوٹھری میں اقامت کرتے ہیں،جو شخص جس میں ٹھہرتاہے اسے زید وہ مکان سپرد کر دیتاہے۔کہ اس میں رہے اور اپنامال واسباب رکھے اور اس کی حفاظت کرے،انھیں لوگوں میں عمرو نے بھی ایک مسکن میں قیام کیااور حسب دستور وہ مسکن زید نے اسے سپرد کردیا،اور بنظر خیر خواہ عمرو کو اگاہ کردیا کہ اس موسم میں لکھوکھاآدمی آتے ہیں،اپنے مال کی خوب نگرانی کرو، عمرو باوجود اس اطلاع کے ایک دن اس مسکن کو تنہا بے قفل چھوڑ کر باہر گیا،جب آیا اس کامال

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷

چوری ہوگیا تھا اس صورت میں شرعاً عمرو زید سے تاوان لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

شرعاً جب تک کسی شخص پر سرقہ کا ثبوت کافی نہ پہنچے اس پر نادیدہ حکم روا نہیں، خصوصاً جبکہ اس کی حفاظت بھی ذمہ زید نہ تھی، اور ایسا مجمع عام اور اس میں خود عمرو کی یہ بے احتیاطی پس اس صورت میں ہرگز عمرو کو زید پر دعوٰی نہیں پہنچتا۔ اور اس سے مطالبہ تاوان صریح مخالفت شرع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

نوٹ:

انیسویں جلد کتاب **الغصب** پر ختم ہوئی،

بیسویں جلد کا آغاز کتاب **الشفعہ** سے ہوگا

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۰

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۰

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۲۰
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۶۳۲
اشاعت ________ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ / مئی ۲۰۰۱ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا، اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ سال کے مختصر عرصہ میں بیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی، کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر اور کتاب الغصب پر مشتمل انیس ۱۹ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ____ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

بیسویں جلد:

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد، ہشتم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے صفحہ ۲۵۶ سے آخر تک ۳۳۴ سوالوں کے جوابات اور ۵۹۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں شامل دو رسالوں "**ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ**" اور "**الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ**" کا انتہائی نفیس و سلیس اردو ترجمہ محقق جلیل بحرالعلوم حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کے قلم گوہر بار کا ثمر ہے، حضرت قبلہ مفتی صاحب اہل سنت وجماعت کے لئے عظیم سرمایہ اور اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ فتاوٰی رضویہ قدیم وجدید کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی مساعی جمیلہ ناقابل فراموش ہیں۔ اس عظیم فتاوٰی کو سمجھنے کے لئے آپ کی نہایت عمدہ تقدیمات و تحریرات اور پر مغز تبصرے بہت حد تک مفید ومعاون ثابت ہوئے ہیں۔ اس عظیم الشان علمی وفقہی شاہکار کو منظر عام پر لانے میں آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ کی شبانہ روز محنت، دردِ مسلک اور انتھک کوششوں کے باعث فتاوٰی رضویہ کا خاصا حصہ ضائع ہونے سے بچ گیا لہٰذا مفتی صاحب تمام اہلسنت وجماعت کے محسن اور شکریہ کے مستحق ہیں رضا فاؤنڈیشن کے تمام ارکان مفتی صاحب کے تحقیقی، تبلیغی اور اشاعتی کارناموں پر انہیں دل کی گہرائیوں سے بھرپور انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں، مذکورہ بالا دونوں رسالوں کا ترجمہ اگرچہ مکمل طور پر لفظی نہیں ہے تاہم منشاء مصنف علیہ الرحمہ کی کامل وضاحت کرتا ہے جیسا کہ خود مترجم موصوف رقمطراز ہیں کہ "یہ نہ بالکل ترجمہ ہے، نہ خلاصہ، نہ شرح، حسب ضرورت کہیں اختصار، کہیں تفصیل اور کہیں مساوات سے کام لیا ہے، منشاء صرف یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ کے کلام کی پوری ترجمانی عام فہم انداز میں کر دی جائے، جلد ہشتم قدیم میں مذکورہ بالا دو رسالوں کے علاوہ اس جلد کی باقی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے، اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولہویں، سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں، پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب الذبائح، کتاب الصید، کتاب الاضحیۃ اور **باب العقیقہ** کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء (۱۳۱۲ھ)

تکبیر کہہ کر بزرگوں کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانوروں کا حکم

(۲) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

بھیڑ کی قربانی کے جائز ہونے کا اثبات

(۳) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

چرمہائے قربانی کے مصارف کی تحقیق

یاد رہے کہ رسالہ "**انفس الفکر فی قربان البقر**" اور اس کے متصل بعد ہندوستان میں گاؤ کشی سے متعلق نو مسائل جو کہ فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم میں شامل تھے چونکہ کتاب السیر سے زیادہ مطابقت رکھتے تھے اس لئے وہ کتاب السیر پر مشتمل جلد چہاردہم جدید کا حصہ بن چکے ہیں اس لئے وہ اس جلد میں شامل نہیں ہیں۔

صفر المظفر ۱۴۲۲ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

مئی ۲۰۰۱ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین مفصّل

ہبہ بالعوض ابتداء اور انتہاہر طرح بیع ہے۔	۹۹	ایک مکان کی راہ دوسرے میں یا دونوں کی کسی کوچہ سربستہ میں یا دونوں کی آبچکوں میں کوئی اشتراک نہ ہو تو ایک کو دوسرے سے خلیط کاعلاقہ نہیں، بلکہ جار ملاصق کاعلاقہ ہے۔	۱۰۳
اگر مکان کو ہبہ بشرط العوض کیا ہو تو قبضہ کے بغیر شفعہ لاگو نہ ہوگا۔	۹۹	شرح نقایہ اور در مختار سے مسئلہ کا جزئیہ	۱۰۳
مجرد ہبہ میں شفعہ نہیں ہوسکتا۔	۹۹	تقسیم وحدود اور تفریق طرق کے بعد حق شفعہ نہیں۔	۱۰۳
ہبہ مشروط بالعوض ابتداء ہبہ بعد قبضہ بیع ہے۔	۹۹	بخاری سے اس مضمون کی حدیث اور عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۰۳
بکر کو اطلاع ہوئی کہ زید نے ایسی زمین خریدی جس میں اس کو حق شفعہ حاصل ہے۔ اس نے فوراً اسی زمین پر جا کر زید سے شفعہ طلب کیا، ایک مہینہ کے بعد کہا کہ روپیہ لے لو زید نے اس زمین کو کسی کو ہبہ کیا تب بھی بکر نے طلب شفعہ کیا، کیا حکم شرعی ہے۔	۱۰۰	یہی سوال دوبارہ شفیع خلیط کی طرف سے اور اس کا دوبارہ جواب۔	۱۰۴
شفعہ کی صحت کے لئے طلب شفعہ وطلب مواثبت دونوں ضروری ہیں، صورت مسئولہ میں اگر دونوں طلبیں بوجہ صحت متحقق ہوچکی ہوں تو شفعہ ثابت ہے۔	۱۰۰	شفیع خلیط کی تعریف اور اس کے احکام،	۱۰۵
خود مشتری کے شفیع ہونے سے دوسرے کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا، زمین دونوں میں نصف نصف تقسیم کردی جائیگی	۱۰۱	کسی کے ہاتھ میں زمین بیچی اور شفیع کی طرف کی ایک ہاتھ زمین نہ بیچی، تو اب شفیع کو اس زمین کے شفعہ کا حق نہیں کہ اتصال نہ رہا۔	۱۰۶
روپیہ کو بطور طلب شفعہ پیش کرنے میں شفعہ باطل نہ ہوگا، اگر اس طرح سے کہا ہو کہ زمین کی قیمت لے لو اور اس کو میرے ہاتھ بیع کردو۔ تو البتہ شفعہ باطل ہوجائیگا۔	۱۰۱	بعد میں وہ ایک ہاتھ زمین مشتری کے ہاتھ بیچی یا اس کو ہبہ کی تو اس میں بھی پڑوسی کو حق شفعہ نہیں کہ اب مشتری خلیط ہوگیا۔	۱۰۶
جب حق شفعہ ثابت ہوگیا تو مشتری کے اس زمین کے ہبہ کرنے سے حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔	۱۰۲	حق شفعہ میں شریک خلیط پر اور خلیط جار پر مقدم ہے۔	۱۰۷
شفیع خلیط اور جار ملاصق کا "سوال"۔	۱۰۲	عملہ کی بیع ہوئی تو اس میں شفعہ نہیں، اور زمین کے ساتھ بیع ہو تو زمین میں شفعہ اصلاً جاری ہوگا اور عملہ تبعاً۔	۱۰۷

تنویر، در مختار، اشباہ، خزانہ، ہندیہ، محیط سے جزئیہ کی عبارتیں۔	۱۲۸	خلاصہ مطلب۔	۱۳۵
(۲) شفیع نے تصریح کردی کہ طلب اشہاد کے وقت ہی مجھے علم ہوا اور اسی وقت طلب کی تو شفیع کے طلب مواثبت کے لئے جداگانہ گواہی کی ضرورت نہیں، اس کا قول ہی حلف کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۳۰	نہ تو مطلقاً اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کردے گی، نہ صرف اتنا کہنا کافی کہ میں نے بمجرد علم طلب کی۔	۱۳۵
اس صورت میں مشتری حصول علم فی الماضی کا مدعی ہے اور شفیع منکر، تو گواہی مشتری کے ذمہ ہے۔	۱۳۰	قاضی کے یہاں طلب تملیک سے پہلے دو طلبیں ہولینا ضروری ورنہ شفعہ باطل ہوگا۔	۱۳۵
سراجیہ، خزانہ، عالمگیری سے جزئیہ۔	۱۳۰	جہاں شفیع طلب مواثبت کا زمانہ طلب اشہاد سے پہلے بتاچکا ہو وہاں گواہی ضروری ہے۔	۱۳۶
(۳) شفیع نے طلب اشہاد ثابت کردی، اور طلب مواثبت کے لئے گول کہا کہ علم ہوتے ہی میں نے طلب شفعہ کیا تب بھی شفیع کا قول قسم کے بعد معتبر ہوگا۔	۱۳۲	طلب مواثبت میں طلبت کما علمت اور علمت منذ کذا فطلبت کا فرق۔	۱۳۶
قاضی اس گول لفظ کو طلب معلوم و مشہور پر حمل کرے گا۔	۱۳۲	باب طلب میں عبارات علماء کی مراد کی تعیین۔	۱۳۸
علماء نے فرمایا کہ علم ہوتے ہی شفیع تنہائی میں ہو تب بھی طلب شفعہ کرلے تاکہ عنداللہ اس کا شفعہ باطل نہ ہو اور قاضی کے حضور وہ قسم کھاسکے۔	۱۳۲	اطلاع کے بعد انکار پھر طلب شفعہ کے حکم سے "سوال"	۱۳۸
بزازیہ، تبیین الحقائق، کفایۃ المنتہی سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۳۲	بیع کے بعد مطلقاً انکار، خبر بیع سن کر شفعہ لینے سے انکار، یا سکوت سے شفعہ باطل ہوتا ہے۔	۱۳۹
اس موقعہ پر کلمات علماء میں کہیں یہ ملے گا کہ شفیع و مشتری کے اختلاف کے وقت قول مشتری مقبول ہے اور کہیں یہ کہ قول شفیع اس کی تطبیق میں وہی تفصیل مذکورہ بالا مراد ہے۔	۱۳۲	پیش از بیع اسکو اطلاع ملی اس نے انکار کیا اور بعد از بیع طالب ہوا۔ یا زر ثمن زائد بتایا گیا، یا کسی خلاف واقعہ کو مشتری بتایا گیا اور بعد میں حقیقت ظاہر ہوئی اور اس نے طلب شفعہ کیا تو حق باطل نہ ہوگا۔	۱۳۹
ان کتابوں اور ان کی بعض عبارتوں کا ذکر جن میں یہ تفصیل مذکور ہوئی۔	۱۳۲		

خلیط فی نفس المبیع شریک فی حق المبیع اور جار ملاصق کے شفعہ کے حقوق سے "سوال"	۱۴۰	عبدالعزیز اور نور احمد دونوں خلیط فی حق المبیع ہیں اور احسان کریم جار ملاصق کہ اس کا راستہ اس کوچہ غیر نافذہ میں ہے۔	۱۴۶
کل مکان بیع کیا یا بعض ہر حال میں خلیط فی نفس المبیع اور شریک فی حق المبیع متصل کو حق شفعہ حاصل ہے جار ملاصق سے جو حصہ مبیع متصل ہو اس میں اس کا بھی حق شفعہ ہے۔	۱۴۲	چونکہ نور احمد کی دونوں حصوں کی خریداری پر عبدالعزیز نے بجائے شفعہ کے اس قطعہ کی خریداری کی بات کی، اس لئے اس کا حق شفعہ جاتا رہا، اور مبیع تمام وکمال نور احمد کا ہوگیا اور احسان کریم کے ہاتھ زوجہ اور پسر خالد نے پورا مکان بیچا جس میں رشیدہ حمیدہ کے دو حصے جنھیں نور احمد نے خریدا تھا، بیع سے نکل گئے، اس لئے یہ پوری بیع معرض زوال میں آگئی۔	۱۴۶
امام سائحانی نے اس مسئلہ کو مشکل قرار دیا کیونکہ "عیون مسائل" میں جار کے حق شفعہ کے لئے اتصال کو ضروری نہیں قرار دیا۔	۱۴۲	احسان کریم چاہے تو یہ پوری بیع رد کردے چاہے ان دو حصوں کے علاوہ بحصہ قیمت لے۔	۱۴۷
مصنف کی تحقیق کہ مشکل کو خود عیون المسائل کا مسئلہ ہے کہ وہ تمام متون وشروح کے خلاف ہے۔	۱۴۲	عالمگیریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۴۷
کسی خاص جزء سے متصل کو پورے سے متصل نہیں قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے عمامہ سر سے متصل ہے لیکن پاؤں سے متصل نہیں۔	۱۴۳	احسان کریم بیع کردے گا تو شفعہ کی بنیاد ہی ختم ہوجائے گی، اور جائز کردے گا تو نور احمد کو اس میں شفعہ کا حق ہوگا۔	۱۴۷
خلاصہ مسئلہ کہ مبیع پورا مکان ہو تو جار ملاصق کا اس کے جزء سے اتصال کافی ہے۔	۱۴۳	الفاظ شفعہ کی صحت وعدم صحت کا "سوال"	۱۴۷
شریک فی حق المبیع کے لئے اتصال ضروری نہیں۔	۱۴۴	شفعہ میں نہ روپیہ لے جانا ضروری ہے نہ مشتری سے اس کا ذکر ضروری، خبر سنتے ہی طلب مواثبت فی الحال ضروری ہے۔	۱۴۸
چند شرکاء حق میں اگر جار ملاصق بھی ہے تو اسے ان باقیوں پر کوئی فضیلت نہیں۔	۱۴۴	شفیع نے طلب مواثبت میں یہ لفظ کہا کہ خریدوں گا، اس کا مطلب اگر یہ ہو کہ مشتری سے خریدوں گا تو شفعہ باطل ہوگیا۔	۱۴۸
صورت مسئولہ کا حکم۔	۱۴۴	اور اگر یہ مطلب ہے کہ بائع سے خریدوں گا تو یہ طلب شفعہ نہیں کہ شفعہ تملک بالجبر ہے اور بیع تملک بالرضاء۔	۱۴۸
خلیط فی نفس المبیع شریک فی حق المبیع اور جار ملاصق کے شفعہ سے "سوال"۔	۱۴۵		

خود ہی لگان کی شرح بڑھ گئی ہو اور انکار کے باوجود کاشت کرتا رہا تو یہ بڑھی ہوئی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۹۰	اگر شرکاء کے رد یا اذن کے بغیر از خود کاشت کرلی تو اگر زمین کو نقصان پہنچا غاصب ہے اس صورت میں نہ زمین کے نقصان کا تاوان نہ لگان کچھ نہیں۔	۱۹۸
اس اضافہ شدہ لگان کے بدلے مقدمہ کے خرچہ کے نام سے جو ملے لے سکتا ہے۔	۱۹۱	اور زراعت سے زمین کو فائدہ ہو تو یہ صورت اجازت میں داخل ہے۔ اس صورت میں بھی نہ لگان نہ تاوان، البتہ شرکاء بھی اپنے اپنے حصوں کی مقدار زراعت کرسکتے ہیں۔	۱۹۹
اس کا قاعدہ کلیہ کہ کب خرچہ کے نام سے لے سکتا ہے اور کب نہیں۔	۱۹۲	مصنف کی تحقیق اور مسئلہ کی تفصیل	۱۹۹
ایسے نام سے جس میں بدنامی ہونہ لے کہ شریعت میں برے کام اور برے نام دونوں سے بچنے کا حکم ہے۔	۱۹۳	جس صورت میں زراعت سے زمین کا نفع نقصان کچھ معلوم نہ ہو فقہاء اس کا صریح حکم نہیں لکھتے۔	۱۹۹
ایسی ہی زمین کے بارے میں دوسرا "سوال" اور اس میں اپنے حق کی وصولی کی سابقہ تدبیرہ کی تفصیل کا "جواب"	۱۹۳	مصنف کی تحقیق کہ یہ حکم مضرت میں داخل ہے۔	۱۹۹
جھوٹ بولنا حرام ہے۔	۱۹۶	جامع الفصولین اور شامی سے مسئلہ کا حکم اور اس حکم کے دائر بہ عرف ہونے کی تصریح۔	۱۹۹
اپنا حق وصول کرنے اور اپنے سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کہہ سکتے ہیں جبکہ صدق میں مضرنہ ہو۔	۱۹۶	ہمارے زمانہ کے عرف کے اعتبار سے مسئلہ کا حکم۔	۲۰۱
صدق کا مفسدہ کذب سے بڑھ جائے تو مجبوری کذب کی بھی اجازت ہے۔	۱۹۷	خلاصہ کا حکم۔	۲۰۲
مشترکہ گاؤں میں بے اذن شرکاء کسی ایک شریک کے کاشت کرنے کا "سوال"	۱۹۷	منتقلی زمین کے وقت زمیندار کے نذرانہ لینے کا "سوال"	۲۰۲
باجازت دیگر شرکاء کاشت جائز ہے۔ اور جب تک تصریح نہ ہو کہ لگان نہ لیا جائے گا شرکاء کے حصہ کے لگان دینا بھی واجب ہوگا۔	۱۹۷	ایک کاشتکار کا دوسرے کاشتکار کے ہاتھ زمین بیچنا ناجائز ہے اور زمیندار کا نذرانہ اگر دوسرے کاشت کار سے سال روان کی اجرت میں اضافہ کے طور پر لیا جاتا تو جائز ہوتا دوسرے کو پہلے کی جگہ قائم کرنے کی رشوت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اس لئے ناجائز ہے۔	۲۰۳
اگر اور شرکاء کی مرضی کے خلاف کاشت کی تو ظالم اور غاصب ہے اور زمین کو کاشت سے نقصان پہنچا ہو تو تاوان دے اور نقصان نہ پہنچا ہو تو لگان عائد نہیں۔	۱۹۸		

زندہ ہے تو ذبح کرلیا جائے، کتے کے ڈالے ہوئے زخم سے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔	۳۰۴	ذبح بقر اور قطع شجر جائز ہے۔ قرآن کی آیت سے اس کا ثبوت ہے اور اس بارے میں لوگوں میں جو قول مشہور ہے بے اصل ہے۔	۳۰۶
ذبح کے کچھ دیر کے بعد خون دینے اور عورت اور بچہ کے ذبیحہ سے "سوال۔	۳۰۴	شارب خمر ضرر معذب ہے لیکن مسلمان ہے تو دائمی نہیں، ایسا شخص زیر مشیت الٰہی ہے اور انجام بلاشبہ مغفرت ہے۔	۳۰۷
حلت کی علت جانور کا وقت ذبح زندہ ہونا ہے خون فورا یا بعد میں دے یا نہ دے۔	۳۰۴	ذبح اور قطع کی اجرت جائز ہے۔ پیسوں سے اجرت مقرر کرنا جائز اسی جانور بلکہ دوسرے جانور کے گوشت سے اجرت مقرر کرنا منع ہے۔	۳۰۷
عورت یا بچہ مطابق شرع ذبح کرے تو ان کا ذبیحہ حلال ہے۔	۳۰۴	جو شخص گوشت اجرت میں لینے کی عادت بنالے فاسق معلن ہے۔ اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔	۳۰۷
خون نہ دینے کی صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔	۳۰۴	ہندوؤں کا جانور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے تو حلال ہے مگر مسلمانوں کو یہ فعل مکروہ ہے۔	۳۰۸
بھینس جس کی زندگی کے بارے میں یقین نہیں ذبح کرکے دس روپیہ میں قصاب کو دی اس نے گوشت دفن کردیا اور کھال چھ روپیہ میں بیچ دی اس پر کتنا مطالبہ ہوا۔	۳۰۵	اور ہندوؤں کی نیت پر کرے تو جانور مردار، اور اس کے ایمان میں بھی خطرہ، لیکن مسلمان پر ایسی بدگمانی نہ کرنی چاہئے البتہ ایسے شخص کی امامت سے پرہیز بہتر ہے۔	۳۰۸
مذکورہ بھینس اگر بالیقین زندہ تھی یا ذبح کے وقت زندگی کی علامت پائی گئی پورے دس روز ورنہ کچھ نہیں۔	۳۰۵	خاکروب کے بنائے ہوئے بکرے کا "سوال"	۳۰۸
صدقہ کا جانور بلاذبح مصرف کو دینے کا "سوال"	۳۰۵	مسلمان نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا ہو تو اس کے حلال ہونے میں شبہ نہیں۔	۳۰۹
صدقہ واجبہ ہو اور وجوب خاص ذبح کا تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، ہاں ذبح کا وقت نکل گیا ہو تو زندہ ہی صدقہ کیا جائے۔	۳۰۶	غیر مسلم بھنگیوں کا بنایا اس لئے ہو کہ اس نے اپنے بتوں کے نام چڑھایا تو ایسا گوشت مسلمان کو کھانا حرام ہے۔	۳۰۹
ذابح بقر اور قاطع شجر اور شارب خمر اور ذبح کی اجرت اور چڑھاوے کا جانور ذبح کرنیوالے کے بارے میں سوال۔	۳۰۶		

اگر بکرا مسلمان کا تھا اور اس نے بنوایا اور وہ اپنا ناپاک پیشہ بھی کرتا ہے۔ تو اگر خوب اچھی طرح اس نے صفائی نہ کرلی ہو تو یہ سخت بے احتیاطی ہے۔	۳۰۹	ایضا گھوڑے کے گوشت اور دودھ کے بارے میں علماء میں سخت اختلاف ہے گوشت میں احتیاط قول امام میں ہے۔ جس قول میں دودھ کو حلال کہا اس میں وجہ فرق یہ ہے کہ گوشت کے حرمت کی وجہ تقلیل آلہ جہاد ہے۔ اور دودھ میں یہ وجہ نہیں پائی جاتی۔	۳۱۱
اور اگر صفائی کرلی ہو تو دیکھا جائے گا کہ لوگ وہاں اس کے چھوئے ہوئے کو کھانے سے پرہیز کرتے ہیں یا نہیں۔ پرہیز کرتے ہیں تو بنوانے والے نے بے پروائی کی اور مصلحت دینی کے خلاف کیا اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے۔	۳۰۹	گدھا، خچر اور گھوڑے کے گوشت سے "سوال"	۳۱۲
یہ سارا حکم اس وقت ہے کہ ذبح کے وقت سے بنانے کے دوران اور مسلمان کے ہاتھ میں آنے تک برابر مسلمان کی نگاہ میں رہا۔	۳۰۹	گدھا حرام ہے۔ یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہوا، گھوڑا امام اعظم کے مذہب میں مکروہ تحریمی ہے۔ یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو۔	۳۱۲
تھوڑی دیر کے لئے غائب ہوا تو حرام۔	۳۰۹	حرمت خر کی حدیث	۳۱۲
گھوڑے کا گوشت صاحبین کے نزدیک حلال ہے اور امام صاحب مکروہ فرماتے ہیں۔ کراہت تحریمی ہے۔	۳۱۰	الو کی حلت وحرمت سے سوال اور عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان، اور حیوۃ الحیوان کا حوالہ کہ شافعیہ کے نزدیک حرام اور حنفیّہ کے یہاں حلال ہے مگر عالمگیری میں یہ قول لفظ قیل کے ساتھ بیان کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔	۳۱۲
قاضی خاں نے اس کی تصحیح کی وہ فقیہ النفس ہیں فتوٰی انھیں کی تصحیح پر ہوگا۔	۳۱۰	حیوۃ الحیوان کا حوالہ غلط ہے اس میں حنفیّہ کی طرف حلت کی نسبت نہیں، البتہ شافعیہ کے دو قول ہیں۔	۳۱۴
قہستانی نے اس کی تصحیح کی، اور خلاصہ، ہدایہ، محیط، مغنی سے قاضی خان نے نقل کی اسی پر متون ہیں جن کی وضع نقل مذہب کے لئے ہوئی اور جن پر فتوٰی ہوتا ہے۔	۳۱۰	ان تین کتابوں کے علاوہ تمام کتب فقہ اور احادیث میں پنجہ اور کیلہ والے شکاری جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان شعرانی سے اس موضوع پر نصوص۔	۳۱۴
کفایہ میں اس کے خلاف کو ظاہر الروایہ کہنا یا جمہور کا فتوٰی اس کے خلاف ہونا اس کو مضر نہیں۔	۳۱۱		

چھوٹی مچھلیوں کا کھانا شافعی مذہب کے نزدیک حرام اور باقی ائمہ کے نزدیک حلال ہے۔ مگر جواہر الاخلاطی میں اس کی حرمت کی تصریح۔ لہٰذا احتیاط اولٰی،	۳۳۲	جھینگے کے بارے میں علماء کے دونوں طرح کے قول ہیں۔	۳۳۶
سوکھی مچھلی اور اس کے حرام کہنے والے کے بارے میں سوال۔	۳۳۳	مصنف کی تحقیق کہ ہمارے یہاں مچھلی کے علاوہ سب حرام ہیں، تو جن کے یہاں جھینگا مچھلی ہے حرام نہیں، اور جن کے وہاں مچھلی نہیں حرام ہے۔	۳۳۶
سوکھی مچھلی حلال ہے۔ اس کو حرام کہنے والا جاہل ہے تو سمجھایا جائے، اور عالم ہے تو اس کو تجدید نکاح اور تجدید اسلام کا حکم دیا جائے۔	۳۳۳	کتب طب وعلم الحیوان میں جھینگے کو بالاتفاق مچھلی کہا گیا۔	۳۳۶
ریگ ماہی کو عالمگیری میں حشرات الارض لکھا ہے لہٰذا حرام ہے۔	۳۳۳	قاموس، صحاح، تاج العروس، صراح، منتہی الارب، مخزن، تحفہ، تذکرہ داؤد انطاکی کے نصوص۔	۳۳۶
سوکھی مچھلی اور سوکھے گوشت میں پکانے کے بعد بو ہو تو اس کا کھانا مکروہ لطافت طبع اور نظافت اسلام کے خلاف۔ ایسے آدمی کی بو کی حالت میں مسجد میں جانا منع، اور اگر جسم کو ضرر دے تو اس کا کھانا حرام	۳۳۴	حیاۃ الحیوان، جامع ابن بیطار، انوار الاسرار سے مضمون بالا کے نصوص۔	۳۳۷
مچھلی ذبح نہ کرنے کی حکمت کا "سوال"	۳۳۴	مصنف کی رائے کہ جواہر اخلاطی میں چھوٹی مچھلی جس کی الائش دور نہ کی جائے اس کو مکروہ لکھا ہے تو جھینگے کو ایسی مچھلی کے حکم میں ہونا چاہئے اس کی صورت مچھلی سے زیادہ جانور کے مشابہ اور لفظ مچھلی کا اطلاق غیر مچھلی پر بھی ہوتا ہے جیسے ریگ ماہی وغیرہ، تو احتیاط اولٰی ہے۔	۳۳۸
ذبح کی حکمت دم مسفوح کا نکالنا ہے۔ ٹیڑی اور مچھلی میں دم مسفوح نہیں ہوتا لہٰذا ذبح نہیں۔	۳۳۴	جھینگے، پوست بیضہ، مکڑی کے جالے کے کھانے کا "سوال"	۳۳۹
ہمارے نزدیک یہی دو جانور بے ذبح جائز، شوافع کے نزدیک باقی دریائی جانور بھی، تو وہ سب کو بے ذبح کھاتے ہیں۔	۳۳۴	جھینگے میں علماء کا اختلاف ہے۔ پوست بیضہ کا حکم بیضہ کا ہے۔ جالے کا جزئیہ نظر میں نہیں، مگر ظاہر ممانعت جیسے بھڑ کا چھتہ کہ دونوں ان کے تھوک سے بنے ہیں۔	۳۳۹
مچھلی کی آنت سمیت کھانے کا "سوال وجواب"	۳۳۶	ملائم ہڈی کھانا جائز ہے۔	۳۴۰

یہاں تک کی ۲۱ نصوص کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ضان کی تفسیر میش اور ذوات الصوف ہے۔	۴۱۳	مسئلہ کفارہ صوم سے دلیل تنویری۔	۴۱۶
متقدمین عام کے ساتھ تعریف کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس کو عمدہ نہیں کہتے۔	۴۱۳	امام غزی کی تحریر سے مقام تقیید میں اطلاق عام کی شناعت۔	۴۱۶
شرح مواقف اور حاشیہ تلویح سے مذکورہ بالا امر کا ثبوت	۴۱۳	خود بھیڑ کی قربانی کے مسئلہ میں اسی مجیب نے سارے عوم کو اسی تفسیر عام کی بنیاد پر گمراہ بتادیا۔	۴۱۷
علماء جس کو غیر جید بتارہے ہیں ان کی عبارتوں کو ان پر حمل کرنا عمدہ بات نہیں۔	۴۱۴	مزید مسائل کی تفریع۔	۴۱۷
تنبیہ نمبر ۱۲	۴۱۴	تنبیہ نمبر ۱۴۔	۴۱۸
تعریف میں مساواۃ کی شرط ظاہر ہے اور بلا دلیل ظاہر کے خلاف پر حمل جائز نہیں۔	۴۱۴	تحدید کا مسئلہ نقلی ہے۔ تو امام رازی، صدر الشریعۃ، قاضی عضد الدین بیضاوی، تفتازانی، قطب الدین رازی فتاوٰی وغیرہ اکابر کی مساواۃ کی تصریح کے مقابلہ میں فاضل لاہوری کا قول کیا سند رکھتاہے۔ وہ بھی ایسی کتاب سے جو علم نحو کی ہو۔	۴۱۸
امام تفتازانی اور علامہ سید شریف کے قول سے مضمون بالا کی سند حمد ومدح میں ترادف ہے۔	۴۱۴	تنبیہ نمبر ۱۵	۴۱۹
کسی چیز کا فی نفسہٖ جائز ہونا اور بات ہے اور کسی کلام کا اس پر محمول ہونا اور بات ہے۔	۴۱۵	متقدمین نے جس طرح تعریف بالاعم جائز رکھی اسی طرح تعریف بالاخص بھی بلکہ مباین سے بھی۔	۴۱۹
تنبیہ نمبر ۱۳	۴۱۵	حسن، چلپی، سید شریف، بحر العلوم کی عبارتوں سے مسئلہ بالا کی تائید۔	۴۱۹
ہمارے نزدیک عام سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جب مراد واضح اور اس پر قرینہ ہو ورنہ تلبیس کی وجہ سے ایسی تعریف ممنوع ہے۔	۴۱۵	تو ایسا بھی ہوسکتاہے کہ میش والی تفسیر بالمساوی ہو اور الیہ والی تفسیر بالاخص۔	۴۲۰
اہل لغت کا مشہور قاعدہ ہے کہ نکرہ بول کر شے معین مراد لیتے اور معرفہ بول کر غیر معین مسئلہ بالا کی مثال سے تفہیم۔	۴۱۵	تنبیہ نمبر ۱۶	۴۲۱
شرعیات میں بدون قیام قرینہ اعم سے تفسیر باطل ہے۔	۴۱۶	مجیب اول کے اس شبہ کا جواب کہ ضان کی تفسیر میں جن لوگوں نے ذات الصوف کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے ساتھ لفظ "من" بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ذوات الصوف میں سے بعض ہے۔	۴۲۱

اوّلًا "من" کا لفظ صرف شرح نقایہ میں ہے ثانیا یہ تبعیض کے لئے نہیں کیونکہ اسی عبارت میں "ماکان" کا لفظ ہے جو عموم افراد پر دلالت کرتا ہے۔	۴۲۱	تنبیہ نمبر ۱۹	۴۲۵
یہ ایسا ہے جیسے فلاسفہ نے انسان کی تعریف میں کہا "کل من کان من اهل النطق"	۴۲۱	ضان کو صوف والا نہ مانیں، الیہ کے ساتھ خاص کریں تو غنم کا حصہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے ذات الصوف والی تعریف بالمساوی ہے اور ذات الیہ والی بالاخص۔	۴۲۵
مجیب نے اپنی عبارت میں بھی "من" کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔	۴۲۱	تنبیہ نمبر ۲۰	۴۲۵
تنبیہ نمبر ۱۷	۴۲۲	اگر کوئی غنم بے الیہ والی ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی کے نزدیک ناجائز۔	۴۲۵
جان کی تعریف میں "من" تبعیضہ ہونیکے دوسرے قرینہ کا جواب۔	۴۲۲	اگر کسی ضان کا الیہ دم کی طرح ہو تو بالاتفاق بین الطرفین قربانی جائز ہے۔	۴۲۶
بکری کی تعریف میں "مالہ شعر" میں بعض مراد لینا اس بات کا قرینہ نہیں کہ ضان کی تعریف میں بھی "من" تبعیضہ ہی ہو کیونکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ دو متصل جملوں کا ایک حکم ہے حالانکہ یہ اصول غلط ہے۔	۴۲۲	اجناس، خلاصہ، وجیز، خزانہ، انوار الابرار للار دبیلی شافعی کا حوالہ۔	۴۲۶
معز کی تعریف میں "ماکان ذوات الشعر" کا لفظ مساوی ہی ہے۔	۴۲۳	تو جس کے چکتی نہ ہو وہ بھی ضان ہی رہے گا۔	۴۲۶
اسی بنیاد پر گائے بیل اور بھینس سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ مقسم سے خارج ہے۔	۴۲۳	الیہ کے بغیر ضاں نہ ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مذکورہ بالا قول کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بکری نہ ہو اس کی قربانی ناجائز یہ مہمل بات ہوگی۔	۴۲۷
تنبیہ نمبر ۱۸	۴۲۳	تنبیہ نمبر ۲۱	۴۲۸
اس تعریف کو عموم پر حمل کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔	۴۲۳	جانور میں اطراف بمنزلہ اوصاف ہیں۔	۴۲۸
جملہ اہل لسان کا یہ فیصلہ ہے کہ صوف ضان کے ساتھ خاص ہے۔	۴۲۴	جانور میں اطراف کے مقابلہ میں کوئی دام نہیں ہوتا۔	۴۲۸
		مشتری کے پاس باندی اندھی ہو گئی تو اس کے بلااظہار عیب مرابحۃ بیع جائز ہونے سے استشہاد۔	۴۲۸

اس مسئلہ پر بچہ کی رضاعت کے مسئلہ سے شبہ کا جواب۔	۴۴۵	خاص قربانی کی نیت سے جانور خریدا اور ابھی وقت ہے تو اسی کی قربانی کریں، کم قیمت کی بدل کر قربانی کرکے بقیہ دام کا کفارہ نہ دیں کہ یہ جسارت ہے۔	۴۴۸
دوسرے کے جانوروں کو اپنے تصرف میں رکھنا اسے اپنی لڑکی کے جانور سے بدلنا اور بے سینگ کے جانور کی قربانی کا "سوال"	۴۴۶	بہ ضرورت بائیں ہاتھ میں قرآن مجید لے کر تلاوت کرسکتے ہیں۔	۴۴۸
دوسرے کا جانور اپنے تصرف میں رکھنا غصب ہے، اس کو بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام۔ اور بدلے ہوئے جانور کی قربانی حرام۔ اس کا ذبح کرنا حرام۔ البتہ لڑکی اپنے جانور کا معاوضہ اگر باپ سے لے لے تو باپ کی طرف سے قربانی ادا ہوجائیگی۔	۴۴۶	دو گائیں مشترکہ خریدی گئیں اور چودہ حصے کئے گئے، دونوں کی الگ الگ شرکت نہ کی گئی تو دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔	۴۴۸
جانور کی عمر پوری ہو تو قربانی جائز ہے۔ چاہے عمر بھر سینگ نہ نکلے۔	۴۴۶	اس نیت سے گائے خریدنا کہ حصہ دار ملیں گے تو شریک کرینگے جائز ہے۔	۴۴۹
صاحب نصاب قربانی کا جانور کسی مجبوری کی وجہ سے بدلے اور بدلے ہوئے جانور کی قیمت کچھ زائد دینا پڑے تو ایسا کرسکتا ہے اس پر کوئی الزام نہیں، ہاں پہلے خریدے ہوئے جانور کے دام پر کچھ منافع لے تو خیرات کردے۔	۴۴۷	فقراء کے گوشت میں آنت اور اوجھڑی ملادینا بے جا ہے۔	۴۴۹
قربانی کے ایسے جانور سے "سوال" جسے کسی عذر کے سبب وقت پر ذبح نہ کرسکے، اس کے بدلے دوسری کردے۔	۴۴۷	سر، پیر سقی اور حجام کو، ایک پارچہ قصاب کو دینا کیسا ہے۔	۴۴۹
ایسے جانور سے "سوال" جسے قربانی کے لئے متعین کرکے خریدا، یا اس نیت سے کہ پسند آئی تو قربانی کردینگے۔	۴۴۷	عقیقہ و نیاز کا کھانا بھنگی کو دینا برا ہے۔	۴۴۹
قرآن عظیم بائیں ہاتھ میں لے کر تلاوت کرنیکا "سوال"	۴۴۷	جانور میں کتوں کی شرکت نقصان دہ ہے۔	۴۴۹
قربانی کے لئے متعین کرکے خریدنے کی صورت میں صاحب نصاب کو جانور بدلنے کا اختیار تو ہے لیکن اس کے بدلے میں اگر اس سے کم قیمت کی قربانی کی تو بقیہ رقم فقیروں کو خیرات کریں۔	۴۴۸	قربانی میں سے فقیروں کو تہائی گوشت دینا مستحب ہے۔	۴۴۹

وہی سوال مکرر۔	۵۰۳	اگر چرم قربانی کی بیع سے تمول مقصود نہ ہو تو اسکی رقم سارے ہی مصارف خیر میں صرف ہو سکتی ہے۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم کھانا پکواکر محرم میں بھوکوں کو کھلانا بہت خوب اور کار ثواب ہے اور امامین کریمین کو اس کا ایصال ثواب بھی ہو سکتا ہے یہ ان کی نذر ہے۔	۵۰۴	چرم قربانی میں مطلقاً تقرب مقصود ہے خاص تملیک فقیر ضروری نہیں۔	۵۱۰
مصنف کی طرف سے اس امر کی وضاحت کہ میں خود صدقہ و زکوۃ نہیں لیتا، جو احباب ایسی رقم بھیجتے ہیں وہ ان کی رائے کے موافق انھیں مصارف خیر میں خرچ کر دی جاتی ہے۔	۵۰۴	چرم قربانی کا استعمال مالدار کو بھی مباح ہے۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم سے سلطان ترکی کی مدد کا "سوال"	۵۰۵	چرم قربانی میں وہ بیع ممنوع ہے جس کا مقصود تمول ہو۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم خاص فقراء کا حق نہیں اس وقت سلطان ترکی کی مدد بڑی ضروری ہے اس لئے اس میں دیا جائے۔	۵۰۵	امور خیر کے لئے بیع تمول کے لئے بیع نہیں لہذا جائز ہونا چاہئے۔	۵۱۱
مخلوط تعلیم کے مدرسہ میں چرم قربانی صرف کرنے کا "سوال"	۵۰۶	چرم قربانی کا مصرف نہ تو صرف کار خیر ہے نہ کوئی ایسی بات پیدا ہوئی جس سے تصدق واجب ہو۔	۵۱۱
ایسی تعلیم جس سے دین کا کوئی تعلق نہیں جیسے انگریزی زبان، اس میں چرم قربانی صرف کرنا جائز نہیں، اور ایسی احتیاط ہو کہ وہ رقم صرف دینی مد میں خرچ ہو سکے تو جائز ہے۔	۵۰۶	اپنے لئے بیچا تو تمول ہوا، لہذا اس کا صدقہ واجب ہوا۔	۵۱۱
چرم قربانی سے اس مدارس کی امداد کے ایک طریقہ کا "سوال و جواب"۔	۵۰۷	قربانی کا اصل مقصد خون بہانا ہے تصدق نہیں۔	۵۱۱
○ **الصافية الموحية لحكم جلود الاضحية۔**	۵۰۹	جب تک خون نہ بہہ لے اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔	۵۱۱
چرم قربانی کی رقم ایسے مصارف خیر میں صرف کرنے کا سوال جہاں تملیک نہیں ہو سکتی۔	۵۰۹	اراقۃ دم کے بعد قربانی سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے۔	۵۱۲

صاحب بصیرت جملہ احادیث متعلقہ کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ حدیث تمام انواع قربات کو عام ہے۔	۵۲۱	ایسی بیع میں اکل وادخار مفقود ہے اور اپنی ذات کے لئے ہونے سے ایتجار بھی مفقود ہے، بخلاف اس کے جو باقی رہنے والی سے بیچنے میں ادخار پایا جاتا ہے اور کار ثواب کے لئے مستہلک سے بیچنے میں گو اکل وادخار مفقود ہے لیکن ایتجار متحقق ہے تو یہ بیع جائز ہوگی۔	۵۲۶
ہدایہ سے تائید۔	۵۲۲	ایک دوسری تقریر، لفظ بیع کا صحیح اطلاق بیع بالدراہم پر ہے۔ کیونکہ عین سے بیع میں تو دونوں ہی مبیع ہوسکتے ہیں۔	۵۲۷
علامہ اتقانی کے کلام سے تائید۔	۵۲۳	نیز بیع مبادلۃ المال ہے مال جب ہوگا کہ اپنے لئے ہو، اس طرح بھی ایسی بیع ممنوع ہوئی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔	۵۲۷
حاکم کی روایت من باع جلد الاضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کی معنوی تصحیح۔	۵۲۳	بقیہ مستہلک سے بیع کو علماء نے بیع بالدراہم قیاس کرکے منع کیا۔	۵۲۸
یہ حدیث گو سنداً ضعیف ہے مگر علماء نے تلقی بالقبول فرمائی تو حدیث مقبول ہوئی۔	۵۲۴	مولوی عبدالرشید صاحب کی متدل عبارت ہدایہ کی توضیح کی تائید۔	۵۲۹
اس حدیث میں مطلقاً بیع کی ممانعت نہیں ہوسکتی باتفاق علماء صدقہ کے لئے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بدل کے لئے مبدل منہ کا حکم ہے۔ جب زکوۃ وفطرہ اور کفارہ وغیرہ صدقات واجبہ میں قیمت دینا جائز ہے تو یہ صدقہ نفلی ہے اس میں کیوں جائز نہ ہوگا۔	۵۲۴	علامہ اتقانی کی شرح ہدایہ سے توضیح کی تائید۔	۵۳۲
قربانی اور ہدی کے جانور میں دفع قیمت ناجائز ہونے کی علت کا بیان۔	۵۲۵	اس امر کا بیان کہ میں امور خیر کے لئے چرم قربانی کی بیع کے جواز کا فتوی ۱۲۰۵ھ تک دیتا رہا۔	۵۳۳
حدیث کے لفظ فلا اضحیۃ لہ سے خاص بیع ممنوع ہونے پر استدلال۔	۵۲۵	۱۲۰۵ھ کے بعد اس مسئلہ میں علماء دیوبند کی طرف سے خلاف ظاہر ہوا۔	۵۳۳
بیع للتصدق بیع برائے امور خیر اکل، ادخار تو شرعاً مامور ہیں، تو ان پر فلا اضحیہ لہ مرتب نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد وہی بیع ہوگی جو مستہلک سے ہو اور اپنی ذات کے لئے ہو۔	۵۲۵	مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوی کی عبارت کی تنقید۔	۵۳۵
		ہدایہ اور درمختار کی عبارتوں کی توضیح کہ مطلقاً بیع ممنوع نہیں، بروجہ تمول ممنوع ہے۔	۵۳۶

مولوی رشید احمد صاحب کی غلطی کا منشا یہی ہے کہ انھوں نے کفارات واجبہ میں بھی اباحت کافی دیکھی تو کہہ دیا کہ صدقات واجبہ میں بھی مطلقاً اباحت کافی ہے۔	۵۴۵	حدیث مبارک سے اس اطلاق کا ثبوت۔	۵۵۲
مولوی رشید احمد کے اس استدلال میں حد اوسط مکرر نہیں۔	۵۴۵	(۶)اس اطلاق میں غیر سے بھی قطع نظر کرلی جاتی ہے اور اپنے کو نفع پہنچانے کا نام بھی صدقہ ہونا ہے۔	۵۵۴
نقایہ کی تصریح کہ تصرف تملیک سے کفارات مستثنیٰ ہے۔	۵۴۶	حدیث مبارک سے اس اطلاق کا ثبوت۔	۵۵۴
(۳)اس اطلاق میں صدقہ سے فقر کو قطع نظر کرلیا جاتا ہے تو اس میں اباحت تملیک اور مالدار وغریب سب شامل ہوتے ہیں۔	۵۴۶	فقہاء کے قول فی الاضاحی یتصدق بالثلث میں تصدق سے مراد معنی اول نہیں کہ تملیک ضروری ہو۔	۵۵۵
حدیث شریف اور شامی سے اس کی تائید۔	۵۴۷	دلیل قرآن عظیم میں اس موقع پر اطعام کا لفظ ہے جس کے لئے اباحت کافی ہے۔	۵۵۵
(۴)اس اطلاق میں نہ تملیک سے غرض نہ اباحت سے،اس میں نفع مسلمین کے لئے ہر تصرف مال داخل ہے۔ جیسے نہر اور کنویں بنوانا۔	۵۴۷	مصنف کی تحقیق کہ قربانی میں تین جہتیں بیان کی گئیں،اکل،ادخار اور تصدق،اسی کو کہیں "ایتجروا" کے لفظ سے تعبیر کیا اور کہیں "اطعموا" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ تو تصدق کے ایسے ہی معنی مراد لینے ہوں گے جو ان سب کو عام ہو اور وہ صدقہ غیر واجبہ غیر ضروری التملیک ہی ہوں گے،اور تملیک ضروری نہ ہوگی تو مسجد اور مدرسہ میں صرف ہوسکیں گے۔	۵۵۵
حدیث مبارک،اقوال صدر الشریعہ۔ صاحب ہدایہ خیر الدین رملی سے اس کی توضیح وتائید۔	۵۴۷	اگر صدقہ واجبہ ضروری التملیک مراد نہ ہو تو کونسا صدقہ مراد ہے۔	۵۵۶
خانیہ اور دیگر کتب فتاوٰی کے ایک جزئیہ سے تائید مزید۔	۵۴۹	نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ "ایتجار" آیا ہے جس کا مطلب تمام امور خیر ہی مراد ہیں۔ اور یہ ہمارے بیان کردہ اطلاقات میں چوتھا ہے۔	۵۵۷
(۵)اس اطلاق میں مال کی قید سے بھی قطع نظر کرلی جاتی ہے اور مطلقاً نفع رسانی کا نام صدقہ ہوتا ہے۔	۵۵۲	اول کے علاوہ جو بھی مراد لے لیں ہم کو مضر نہیں کہ اور کسی میں تملیک ضروری نہیں۔	۵۵۷

ابن ہمام کا فرمان کہ مشائخ کی ذکر کردہ دو حدیثوں کو ہم اپنی کوتاہی نگاہ کی وجہ سے نہ پاسکے۔	۵۷۰	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۲
غیر مقلد پر رد کہ ائمہ کی حدیثوں پر سلب مطلق کا دعوی کرتے ہیں۔	۵۷۰	حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۴
اصل بحث خطام جس کا ذکر ہواج کی ہدی میں ہے، قربانی کے اونٹوں میں نہیں۔	۵۷۱	حجۃ الوداع کھلی بہار کے موسم میں تھا تو یہ جھولیں سردی سے بچنے کی معمولی جھولیں نہ تھیں۔	۵۷۵
قربانی اور ہدی میں فرق ہے، یہ خاص حرم میں ہوگی، اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے، اصل مقصود اراقۃ الدم میں دونوں برابر ہیں۔	۵۷۱	مصنف کی یہ تحقیق کہ یہ حج ۹/ ذوالحجہ ۱۰ھ مطابق چھٹی مارچ ۶۳۲ء روز جمعہ کو تھا جو اس وقت کی تعبیر تھی۔	۵۷۵
ہدایہ وبدائع وغیرہ میں قربانی کے گوشت اور کھال کے بارے میں حدیث ہدی سے استدلال ہوا، جھول اور رسیوں کے بارے میں نہیں۔	۵۷۱	امام ابن حجر اور امام قسطلانی نے اس کو تحویل حمل کے مہینہ میں فرمایا۔	۵۷۵
ہدی کے مذکورہ جھول اور عام جانوروں کی جھول میں فرق تھا۔ وہ صرف ہدی کے اونٹوں کے لئے بنتیں اور روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتیں۔	۵۷۱	مصنف نے زیج الغ بیگی اور زیج احد بہادر خانی سے اس دن کے نصف النہار کی تقویم نکالی۔	۵۷۶
اس کام کے لئے ان کا بنانا سنت اور تقلید واشعار کی طرح یہ بھی شعائر اللہ کی علامت ہے۔	۵۷۱	اس کے عمل کی فنی تفصیل حاشیہ میں۔	۵۷۶
اس زمانہ میں بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالتے اور خاص میں نیزہ سے خفیف زخم بھی لگاتے۔	۵۷۱	مستخرجہ تقویم کا موسم مکہ معظّمہ میں نہایت معتدل ہوتا ہے تو یہ جھولیں خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں۔	۵۷۷
ان جھولوں کا بھیجنے والے کی حیثیت کے موافق ہونا مستحب ہے۔	۵۷۲	ہدی کے جانوروں کے مذکورہ نکیل بھی قربانی کی رسیوں کی طرح نہیں کہ وہ حرم تک لے جاتی ہیں۔	۵۷۸
		دوسرا فرق یہ ہے کہ ہدی نحر ہوتا ہے تو مہار اور جھل وقت قربانی اس کے بدن پر رہتی ہیں اور قربانی کی رسی گلے سے کھول کر ذبح کرتے ہیں تو دونوں میں فرق ہونا چاہئے۔	۵۷۸

عقیقہ کامرنے کے بعد ثبوت نہیں۔	۵۹۳	عقیقہ کو قربانی پر قیاس کرے،اور دونوں کی علت مشترکہ جاننے،قربانی اور عقیقہ کے اشتراک اور بڑے جانور میں عقیقہ کی تعداد کا "سوال"	۵۹۴
بچہ اگر سات دن کے بعد مرااور عقیقہ نہ ہواتوماں باپ اس کے شفاعت کے حقدار نہیں۔	۵۹۳	عقیقہ وقربانی میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں دونوں اراقۃ الدم لوجہ اللہ کے عموم میں شامل ہیں۔	۵۹۵
مکرر سوال وجواب۔	۵۹۳	قربانی اور عقیقہ دونوں کی شرکت ایک ساتھ جائز ہے۔	۵۹۵
بڑے جانور میں کتنے عقیقے ہوسکتے ہیں۔	۵۹۳	مردہ کا عقیقہ کا "سوال"	۵۹۵
مردے کا عقیقہ نہیں اس کی طرف سے قربانی ہے۔	۵۹۳	جولڑکے سات دن سے قبل مرگئے ان کا عقیقہ نہیں،مگر ان کی شفاعت ہے۔ البتہ جو سات دن کے بعد مرے اور باوجود استطاعت ان کا عقیقہ نہیں کیا توان کی شفاعت والدین کو نہیں ملے گی۔	۵۹۶
بڑے جانور میں سات تک عقیقے ہوسکتے ہیں۔	۵۹۳	حدیث شریف الولد مرتھن بعقیقۃ کی توضیح وتشریح۔	۵۹۶
اس میں قربانی کی بھی شرکت ہوسکتی ہے دوسری کسی غرض کے لئے ہوتو عقیقہ ادانہ ہوگا۔	۵۹۳	بعض کے نزدیک نابالغ بچے کی طرف سے ماں باپ پر قربانی واجب ہے وہ زندہ کے لئے ہے بعد موت لازم نہیں۔	۵۹۷
زنا کے بچہ کا عقیقہ زانی نہیں کرسکتاماں کرسکتی ہے۔	۵۹۴		

فہرست ضمنی مسائل

فوائد تفسیریہ		انعام کی تقسیم کہ آیت قرآن میں حمولۃ سے مراد اونٹ اور بیل، اور فرشا سے مراد بکری اور بھیڑ ہے۔ اور آیت اولٰی سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ انعام قربانی کا جانور ہے۔	۳۹۷
آیات قرآنی سے اشہاد کے معنی کی تائید۔	۱۶۶	**فوائد حدیثیہ**	
آیۃ لاتاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ کی تشریح تفسیر کبیر سے۔	۲۷۹	ذابح بقر اور قاطع شجر کے بارے میں جو حدیث روایت کرتے ہیں موضوع ہے۔	۲۵۰
آیہ حرمت علیکم المیتۃ کی تفسیر۔	۲۹۸	حرمت خر کی حدیث	۳۱۲
اس تفسیر سے مسئلہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں مسلک وہابیہ کا رد۔	۲۹۸	مصارف قربانی کے بیان کی ایک حدیث۔	۴۶۶
مدارک اور معالم سے موقوذہ کا بیان۔	۳۴۶	حدیث نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفسیر از امام زیلعی۔	۴۷۵
مصنف کی تحقیق کہ بندوق کا مارا ہوا موقوذہ ہے۔	۳۴۶	حدیث من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کا محمل صحیح۔	۴۷۵
معالم التنزیل سے بہیمۃ الانعام کی توضیح اور تفسیر۔	۳۹۶		

ابوداؤد نے نبیشہ ہذلی کی حدیث کی تخریج۔	۵۱۵	اس حدیث میں مطلقًا بیع کی ممانعت نہیں ہوسکتی بالاتفاق علماء صدقہ کے لئے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بدل کے لئے مبدل منہ کا حکم ہے۔ جب زکوۃ وفطرہ اور کفارہ وغیرہ صدقات واجبہ میں قیمت دینا جائز ہے تو یہ صدقہ نفلی ہے اس میں کیوں جائز نہ ہوگا۔	۵۲۴
"ایتجار" کالفظ تمام کارثواب کو عام ہے تو سب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔	۵۱۶	نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ "ایتجار" آیا ہے جس کا مطلب تمام امور خیر ہی مراد ہیں۔ اور یہ ہمارے بیان کردہ اطلاقات میں چوتھا ہے۔	۵۵۷
بخاری شریف میں "ایتجروا" کے بجائے لفظ "تصدقوا" آیا ہے۔ توایتجار سے مراد تصدق ہی ہے۔	۵۱۶	عمدہ میں بخاری ومسلم کی طرف منسوب حدیث میں لفظ خطام کااضافہ غلط ہے۔	۵۶۷
بہ اتفاق علماء امر یہاں وجوب کے لئے نہیں، توصدقہ مراد لینے پر بھی صدقہ نافلہ ہی مراد ہوگا۔	۵۱۶	صحیح بخاری میں بدنہ کے جھول کے تصدق کی حدیث پانچ جگہ مروی ہے اور مسلم میں پانچوں حدیث ایک ہی جگہ مذکور ہیں کسی میں خطام کالفظ نہیں۔	۵۶۷
ایک معارضہ اگر حدیث نبیشہ میں ایتجار کو تصدق پر محمول کریں تو حدیث عائشہ میں لفظ اطعموا کو بھی تصدق پر ہی محمول کرنا ہوگا کہ اس میں ایتجروا کی جگہ اطعموا آیا ہے۔ حالانکہ بہ اتفاق علماء یہ اطلاق پر ہے اور کھلانے میں اباحت کافی ہے۔	۵۲۰	دونوں کتابوں میں مروی الفاظ حدیث کی تفصیل۔	۵۶۷
صاحب بصیرت جملہ احادیث متعلقہ کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ حدیث تمام انواع قربات کو عام ہے۔	۵۲۱	عمدۃ الرعایۃ میں صیغہ امر کے ساتھ روایت بھی تمام روایتوں کے خلاف ہے۔	۵۶۹
حاکم کی روایت من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کی معنوی تصحیح۔	۵۲۳	امام ابن حجر کی تصریح کہ روایت میں لفظ خطام نہیں ہے۔	۵۷۰
یہ حدیث گوسندا ضعیف ہے مگر علماء نے تلقی بالقبول فرمائی تو حدیث مقبول ہوئی۔	۵۲۴	ہدایہ اور کافی امام نسفی میں البتہ حدیث انھیں الفاظ میں مروی ہے جو عمدہ میں مذکور ہیں۔ توحافظ ابن حجر کانہ دیکھنانہ ہونے پر دلیل نہیں۔	۵۷۰

اس جانور کا انعام میں ہونا متفق علیہ ہے اور انعام صرف چار ہی ہیں۔	۴۰۸	تمول کے طور پر حاصل کی ہوئی رقم کا تصدق ازالہ خبث کے لئے واجب ہے۔ حصول ثواب کے لئے نہیں۔	۵۱۳
شہر کی صحیح تعریف اور اس امر کا بیان کہ شہر کے علاوہ مقامات پر صبح سے قربانی جائز ہے۔	۴۵۲	کسی نے ایسے صدقہ سے امید ثواب کی تو ڈبل گناہ ہوا۔	۵۱۳
شر قاء، خر قاء، مقابلہ مدابرہ سے حدیث کی ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے۔	۴۵۹	خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح تصدق کی نیت سے چرم قربانی فروخت کرنا جائز اسی طرح دیگر امور خیر کی نیت سے بھی۔	۵۱۴
قربانی کی کھال میں صدقہ کرنے کے حکم کا مطلب تملیک نہیں بلکہ ہر مصرف خیر میں صرف کرنا ہے۔	۴۷۰	قربانی میں مصرف کی تین جہتیں ہیں: کھانا، جمع کرنا، کار ثواب کرنا۔	۵۱۵
قربانی کی کھال کے احکام۔	۴۹۱	صدقہ کے اطلاقات کا بیان۔	۵۴۳
چرم قربانی میں مطلقًا تقرب مقصود ہے خاص تملیک فقیر ضروری نہیں۔	۵۱۰	مصنف کی تحقیق کہ قربانی میں تین جہتیں بیان کی گئیں، اکل، ادخار اور تصدق، اسی کو کہیں "ایتجروا" کے لفظ سے تعبیر کیا اور کہیں "اطعموا" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ تو تصدق کے ایسے ہی معنی مراد لینے ہوں گے جو ان سب کو عام ہو اور وہ صدقہ غیر واجبہ غیر ضروری التملیک ہی ہوں گے، اور تملیک ضروری نہ ہوگی تو مسجد اور مدرسہ میں صرف ہو سکیں گے۔	۵۵۵
اراقۃ دم کے بعد قربانی سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے۔	۵۱۲	عمدۃ الرعایہ میں ذکر کی ہوئی خطام کی تعریف۔ کلمات اہل فن کے مطابق نہیں۔	۵٦۷
قربانی ہلاک ہونے والی چیز سے بدلنا مطلقًا تمول ہے۔	۵۱۲	اصل بحث خطام جس کا ذکر ہوا حج کی ہدی میں ہے، قربانی کے اونٹوں میں نہیں۔	۵۷۱
دراہم بھی تو خرچ ہونے والے ہیں، ان سے خیرات کی نیت سے چرم قربانی کو بدلنا جائز ہے تمول نہیں۔	۵۱۳	قربانی اور ہدی میں فرق ہے، یہ خاص حرم میں ہوگی، اور قربانی ہر جگہ ہو سکتی ہے، اصل مقصود اراقۃ الدم میں دونوں برابر ہیں۔	۵۷۱
چرم قربانی اپنے لئے بیچے تب بھی تمول ہے اور خبث ہے اور اس کا صدقہ واجب ہے۔	۵۱۳		

ہدایہ وبدائع وغیرہ میں قربانی کے گوشت اور کھال کے بارے میں حدیث ہدی سے استدلال ہوا، جھول اور رسیوں کے بارے میں نہیں۔	۵۷۱	قرآن عظیم میں ایسے جانوروں کو حرام قرار دینا کافروں کا کام بتایا، اور اس کو رد فرمایا۔	۲۶۰
ہدی کے مذکورہ جھول اور عام جانوروں کی جھول میں فرق تھا۔ وہ صرف ہدی کے اونٹوں کے لئے بنتیں اور روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتیں۔	۵۷۱	اس کو ما اہل بہ لغیرہ اللہ سے کوئی علاقہ نہیں نہ بتوں کے تھان کی مٹھائی اس میں داخل ہے۔	۲۶۱
اس کام کے لئے ان کا بنانا سنت اور تقلید واشعار کی طرح یہ بھی شعائر اللہ کی علامت ہے۔	۵۷۱	ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ ما اہل بہ لغیر اللہ ہے۔	۲۶۱
ہدی کے جانوروں کی مذکورہ نکیل بھی قربانی کی رسیوں کی طرح نہیں کہ وہ حرم تک لے جاتی ہیں۔	۵۷۸	کافر بتوں کے نام کہے اور مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو جانور حلال ہے۔	۲۶۱
دوسرا فرق یہ ہے کہ ہدی نحر ہوتا ہے تو مہار اور جھل وقت قربانی اس کے بدن پر رہتی ہیں اور قربانی کی رسی گلے سے کھول کر ذبح کرتے ہیں تو دونوں میں فرق ہونا چاہئے۔	۵۷۸	شیخ سدو ایک روح خبیث ہے۔	۲۶۵
جو لڑکے سات دن سے قبل مرگئے ان کا عقیقہ نہیں، مگر ان کی شفاعت ہے۔ البتہ جو سات دن کے بعد مرے اور باوجود استطاعت ان کا عقیقہ نہیں کیا تو ان کی شفاعت والدین کو نہیں ملے گی۔	۵۹۲	شیخ سدو کے نام سے مرغ ذبح کرنے اور موقعہ پر میلاد پڑھوانے اور کھانا کھلانے کا "سوال"۔	۲۶۵
عقائد وکلام		ما اھل بہ لغیر اللہ اور ذبح اولیاء وغیرہ کی تفصیل وتشریح۔	۲۶۶
بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کے متعلق "سوال"	۲۶۰	ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی عبادت ہو تو ذبیحہ مردار ہوجائے گا اور عبادت کی نیت نہ کی اور ذبح اللہ کے نام سے کیا تو ذبیحہ حلال ہوا۔	۲۶۷
بحیرہ اور سائبہ کا بیان	۲۶۰	اضافت کا مطلب عبادت نہیں، اس لئے اس کا یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں کہ ان جانوروں سے ان بزرگوں کی عبادت کی جائے گی۔	۲۷۱

		ہوگیا، اور خراج جو زمیندار آئندہ لے گا اس کو ادا کرنا ہوگا۔	
اجارہ کی مدت تمام ہونے کے بعد زمیندار زمین خالی کراسکتا ہے اور اس میں مکان بنایا یا درخت لگایا ہو تو زمین خالی کرے، درخت کاٹ لے اور ملبہ لے جائے۔	۱۸۳	دوامی پٹہ کوئی عقد لازم نہیں، سال تمام پر عقد ختم ہوجاتا ہے۔	۲۰۵
درخت کٹنے اور مکان اکھاڑنے میں زمین کا زیادہ نقصان ہو تو کٹے ہوئے درخت اور اجڑے ہوئے ملبہ کی قیمت کٹائی اور گھر کھدوائی کی مزدوری مہیا کرنے کے بعد ادا کرکے وہ درخت اور ملبہ زمیندار خود لے لے۔	۱۸۳	عدم ادائیگی کی صورت میں لگان میں سال بسال اضافہ کی شرط ناجائز اور اس کی وجہ سے اجارہ فاسد ہے۔	۲۰۹
سال بسال کا پٹہ ہوتا ہو تو ہر سال کے ختم پر زمیندار کو علیحدہ کرنے کا حق ہے۔	۱۸۳	پندرہ بیگھہ اراضی ہزار روپیہ پر پانچ سال تک اجارہ دینے اور زر اجارہ پیشگی وصول کرنے کا "سوال وجواب"	۲۰۹
اس امر کی تفصیل کہ ارض مملوکہ میں غرس وبنا پر کب مالک قیمت دے گا اور کب اجیر زمین کی قیمت دے گا، اور مصنف کی ترجیح۔	۱۸۵	خانیہ، شامی اور بزازیہ سے مسئلہ کا جزئیہ اور اس امر کی تصریح کہ قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔	۲۵۵
منتقلی زمین کے وقت زمیندار کے نذرانہ لینے کا "سوال"	۲۰۲	ذابح بقر اور قاطع شجر اور شارب خمر اور ذبح کی اجرت اور چڑھاوے کا جانور ذبح کرنیوالے کے بارے میں سوال۔	۳۰۶
ایک کاشتکار کا دوسرے کاشتکار کے ہاتھ زمین بیچنا ناجائز ہے اور زمیندار کا نذرانہ اگر دوسرے کاشت کار سے سال دوران کی اجرت میں اضافہ کے طور پر لیا جاتا تو جائز ہوتا دوسرے کو پہلے کی جگہ قائم کرنے کی رشوت کے طور پر لیاجاتا ہے۔ اس لئے ناجائز ہے۔	۲۰۳	ذبح اور قطع کی اجرت جائز ہے۔ پیسوں سے اجرت مقرر کرنا جائز اسی جانور بلکہ دوسرے جانور کے گوشت سے اجرت مقرر کرنا منع ہے۔	۳۰۷
		سقے، حجام اور قصاب کا قربانی میں کوئی حق نہیں یوں دے سکتے ہیں، اجرت میں دیا تو حرام ہوا۔	۴۴۹

قضاودعوی		شفیع کے گواہوں کی ضرورت ہے جو یہ ثابت کریں کہ بیع کے قبل سے اب تک دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہیں یہ نہ ہو تو مدعی علیہا کی قسم وہ قسم سے انکار کرے تو شفعہ ثابت۔	۱۵۲
بیع کے پہلے خریدنے سے انکار کیا اور بعد میں دعوی شفعہ کیا دعوی صحیح ہے۔	۱۱۳	قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔	۱۷۶
شرکاء میں سے کسی نے دعوی شفعہ کیا اور دوسروں نے مزاحمت نہ کی تو پوری جائداد اسی شریک کو دلادی جائے گی، اور مزاحمت کی صورت میں جائداد کی سب تقسیم ہوگی۔	۱۲۰	**حظروا باحت**	
شرکت خواہ کتنی ہی ہو کل مبیعہ کے حق شفعہ کا دعوی ضرور ہے۔ ورنہ دعوی ساقط ہو جائیگا۔	۱۲۰	ایسے نام سے جس میں بدنامی ہونہ لے کہ شریعت میں برے کام اور برے نام دونوں سے بچنے کا حکم ہے۔	۱۹۳
طلب اشہاد بینہ عادلہ سے ہوچکی ہو تو طلب مواثبہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) اگر شفیع طلب مواثبت کا وقت طلب اشہاد سے پہلے بتائے تو اس کا ثبوت بے بینہ نہ ہوگا۔	۱۲۶	جھوٹ بولنا حرام ہے۔	۱۹۶
جو اصل کے خلاف دعوی کرے دلیل سے دعوی ثابت کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔	۱۲۷	اپنا حق وصول کرنے اور اپنے سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کہہ سکتے ہیں جبکہ صدق میں مضرنہ ہو۔	۱۹۶
جس چیز کے استناف کافی الحال مالک نہ ہو گزرے زمانے میں اس کا دعوی کرے تو بے بینہ مقبول نہیں۔	۱۲۷	صدق کا مفسدہ کذب سے بڑھ جائے تو مجبوری کذب کی بھی اجازت ہے۔	۱۹۷
عبارت علماء میں جہاں جہاں یہ تصریحات ہیں کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں اس کا مطلب یہی صورت ہے۔	۱۲۷	مقرر مالگزاری کا ادانہ کرنا ظلم وگناہ ہے۔	۲۰۶
طلب اشہاد بینہ سے ثابت نہ ہو، یا ثابت ہو اور شفیع طلب مواثبت کا زمانہ مقدم میں دعوی کرتا ہو، ان دونوں صورتوں میں شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے لے کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ مدعی نے طلب مواثبت کی ہے۔	۱۲۸	رات کا ذبیحہ مکروہ تنزیہی ہے اور ضرورت کے وقت کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳
نہ تو مطلقًا اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کردے گی، نہ صرف اتنا کہنا کافی کہ میں نے بمجرد علم طلب کی۔	۱۳۵	کراہت بھی اس فعل میں ہے۔ صحیح ذبح ہوجائے تو ذبیحہ میں کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳

اوجھڑی کھانے کی چیز نہیں، غیر مسلم لے جائے تو حرج نہیں، گوشت دینا جائز نہیں۔	۴۵۷	ایسی تعلیم جس سے دین کا کوئی تعلق نہیں جیسے انگریزی زبان، اس میں چرم قربانی صرف کرنا جائز نہیں، اور ایسی احتیاط ہو کہ وہ رقم صرف دینی مد میں خرچ ہوسکے تو جائز ہے۔	۵۰۶
ہر طرح کی خصی کی قربانی جائز ہے اس میں اس سے کمال پیدا ہوتا ہے۔	۴۵۸	چرم قربانی سے مدارس کی امداد کے ایک طریقہ کا "سوال وجواب"۔	۵۰۷
چرے ہوئے کان اور سینگ کی نوک ترشی ہوئی ہو تو قربانی جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔	۴۵۸	اگر چرم قربانی کی بیع سے تمول مقصود نہ ہو تو اسکی رقم سارے ہی مصارف خیر میں صرف ہوسکتی ہے۔	۵۱۰
قربانی کی کھال سید، ماں، باپ، اولاد، میاں بیوی ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں صدقہ کی نیت ہو صدقہ نافلہ ہے۔ ورنہ ہدیہ ہے۔	۴۶۵	چونکہ قربانی کے جانور ذبح کرکے خدا کی عبادت کی گئی ہے۔ اس لئے اب اس کو ثواب کے کام میں ہی صرف کیا جاسکتا ہے۔	۵۱۲
قربانی کی کھال صدقہ کی نیت سے بیچ کر مسجد میں صرف کرنے کا "سوال"	۴۶۶	قربانی کو تمول کے طور پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ کار نفس ہے۔	۵۱۲
صدقہ کی نیت اور صرفہ مسجد دونوں قربت ہیں اور کھال میں قربت ہی مقصود لہٰذا جائز ہے۔	۴۶۶	مرغ کی قربانی ناجائز ہے۔	۵۶۰
کھال کو بعینہٖ باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیزوں سے بدل کر اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔	۴۷۸	دیہات والے جائز قربانی صبح صبح کرسکتے ہیں۔	۵۶۰
قربانی کی کھال سادات کو دے سکتا ہے مالدار کو دے سکتا ہے۔ امام کو بھی دے سکتا ہے۔	۴۷۸	بڑے جانور میں سات بچے اور بکرے میں صرف ایک بچے کا عقیقہ ہوسکتا ہے۔	۵۸۱
سینگ کے اوپری حصہ کو قرن کہتے ہیں کل ٹوٹ جائے تب بھی قربانی جائز ہے گودا ٹوٹے تو قربانی منع ہے۔	۴۸۸	عقیقہ میں سال بھر سے کم کی بکری جائز نہیں اور اس کی عمر میں شک ہو تب بھی جائز نہیں۔	۵۸۳
چرم قربانی کی رقم دینی انجمن میں لگانا جائز ہے مگر یہ تحقیق ضروری ہے کہ واقعۃً وہ انجمن اہل سنت وجماعت کی ہے۔ آج کل اظہار مقاصد کے الفاظ بڑے دل خوش کن ہوتے ہیں۔	۵۰۳	والدین بھی عقیقہ کا گوشت کھاسکتے ہیں۔	۵۸۵
		عقیقہ میں جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ مسلمان ہو، غیر مسلم دائیاں یا مرد ڈاکٹر بلانا حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی حق مقرر نہیں۔	۵۸۵

لُغت		ترجمہ رفیعیہ، ترجمہ فارسی شاہ ولی اللہ، ذخیرہ عقبٰی، صحاح، نفائس، تحفۃ المومنین، منتخب رشیدی وغیرہ سے مضمون بالا کا ثبوت۔	۳۹۸
عرب میں لفظ بوم صرف الو کے لئے ہی موضوع نہیں۔	۳۱۷	بھینس بقر کی ایک نوع ہے اس لئے لفظ بقر اس کو شامل ہے، الحاق کی ضرورت نہیں۔	۴۰۱
رات میں اڑنے والے ہر پرند کو عربی میں بوم کہتے ہیں۔	۳۱۷	اگر کنز کے لفظ "الجاموس کالبقر" سے شبہ ہو تو ایسے ہی ہے جیسے "البخت کالاعراب"	۴۰۲
بوم غیر ذی مخلب پرند کو بھی کہتے ہیں۔	۳۱۷	عرفاً گائے اور بھینس میں فرق ہونے کا بیان۔	۴۰۴
مارماہی کی تشریح اور مختلف زبانوں میں اس کے نام کا بیان۔	۳۲۵	جملہ اہل تفسیر، اہلحدیث، اہل فقہ، اہل لغت کیا عربی کیا عجمی، غنم کی دو نوعیں مانتے ہیں ضان اور معز۔ کفایۃ الراضی، مجمع بحار الانوار، مرقاۃ، شرح الکنز، قاموس، مختار الصحاح، ذخیرۃ العقبٰی، غیاث کی عبارت سے اس کا ثبوت کہ عربی حضرات جس کو معز کہتے ہیں فارسی اسی کو بز اور عربی جس کو ضان کہتے ہیں فارسی میں اس کو میش۔	۴۰۷
سنگی اردو زبان کا لفظ نہیں اس لئے اس سے لاعلمی۔	۳۳۱	شیخ محقق اور علامہ شامی کے قول سے تائید مزید۔	۴۰۸
گھوڑا، خچر، گدھا بہیمۃ الانعام سے نہیں۔	۳۹۶	علمائے تفسیر وحدیث وفقہ ولغت متفق ہیں کہ ضان اور معز میں صوف اور شعر کا فرق ہے۔	۴۱۱
مصباح سے بہیمۃ الانعام کی تصریح۔	۳۹۶	امام احمد کی روایت کہ وہ ایک حدیث اور مرقاۃ کی اس کی تشریح سے استدلال کہ فرق صرف شعر وصوف کا ہے۔	۴۱۲
شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ سے بھیڑ بکری کے ایک جنس ہونے کا ثبوت۔	۳۹۷	امام تفتازانی اور علامہ سید شریف کے قول سے مضمون بالا کی سند حمد ومدح میں ترادف ہے۔	۴۱۴
ایسے موقعہ پر قول فیصل علمائے لغت کی بات ہوتی ہے۔ اور جس کو بھی عربی وفارسی و اردو پر عبور ہو جاتا ہے کہ ہندی زبان میں لفظ بھیڑ وہی ہے جسے فارسی میں میش اور عربی میں ضان کہتے ہیں۔	۳۹۷	اہل لغت کا مشہور قاعدہ ہے کہ نکرہ بول کر شے معین مراد لیتے اور معرفہ بول کر شے معین مراد لیتے ہیں اور معرفہ بول کر غیر معین۔	۴۱۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الشفعۃ

(شفعہ کا بیان)

مسئلہ ۱: ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو ایک قطعہ زمین کا مالک تھا، اپنے کارندے کی معرفت سب اہل محلّہ پر ارادہ بیع کا اعلان کرتا رہا، کسی نے خواہش خریداری نہ کی، بکر مسلمان نے جو بذریعہ فیصلہ ثالثی ایک قطعہ زمین ملحقہ قطعہ مذکورہ کا قبل بیع مالک ہو چکا تھا، اسے خریدا، اور یہ قطعہ بکر قطعہ خالد کا جزء تھا کہ اب تقسیم ہو گئی ہے۔ اور قطعہ خالد کہ وہ بھی مسلمان ہے قطعہ زید کی پشت پر واقع ہے۔ مگر اس کی راہ قطعہ زید کی راہ سے بالکل جدا ہے اور قطعہ زید قطعہ بکر دونوں کے راہ ایک کوچہ سربستہ میں ہے، تکمیل بیع سے چھ دن بعد خالد نے بکر مشتری سے کہا یہ زمین میرے ہاتھ بیچ ڈال ورنہ میں بذریعہ شفعہ لے لوں گا۔ بکر نے کہا میں خود شفیع تھا، میرے سامنے تیرا شفعہ نہیں خالد ڈیڑھ مہینے تک خاموش رہا اور روپیہ پیش نہ کیا، بلکہ کہا تمھیں مبارک ہو، بعدہ روپیہ پیش کیا اور آمادہ خریداری ہوا، اس صورت میں خالد شفیع ہے یا نہیں؟ اور اس کا حق شفعہ ساقط ہو ایا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں خالد کو ہر گز استحقاق شفعہ نہیں۔

اوّلاً: وہ جار ملاصق ہے۔ اور بکر شریک فی حق المبیع۔ درمختار میں ہے:

لو کان المشتری شریکا وللدار جارفلا شفعة للجار مع وجوده[1] اھملخصاً۔	اگر مشتری مکان میں خود شریک ہو تو اس کی موجودگی میں پڑوسی کو اس مکان میں شفعہ کا حق نہیں ہے اھ ملخصاً۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

لوکان الثالث جار افقط فلاشفعه له لان المشتری خلیط، فیقدم علی الجار[2]۔	اگر تیسرا آدمی صرف پڑوسی ہو تو اس کو شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ مشتری خود شریک ہے لہٰذا وہ پڑوسی پر مقدم ہے۔ (ت)

ثانیاً: اگر شفیع ہوتا بھی تو اس کا مشتری سے طالب بیع ہونا خود ہی اسقاط شفعہ کے لئے بس ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلها ان استاجرہا اوساومها بیعا اواجارۃ ملتقی" او طلب منه ان یولیه عقد الشراء[3]۔	مبیع کو اجارہ پر مانگا۔ یا اجارہ یا بیع کے طور پر بھاؤ لگا یا تو اس کا حق شفعہ باطل ہوجائے گا۔ ملتقی یا مشتری سے شراء کا متولی ہونا چاہا۔ (ت)

منح الغفار میں ہے:

لان بالاقدام علی الشراء من المشتری اعرض عن الطلب وبه تبطل الشفعة انتھی[4]۔ **اقول:** ومن ھٰهنا علم جهل بعض من یدعی عـــه العلم۔ حیث قال فی جواب ھذاالسوال معللا لانعدام شفعة	کیونکہ اس کا مشتری سے خریدنے کا اقدام شفعہ کے طلب سے اعراض ہے جبکہ اس اعراض سے شفعہ باطل ہوجاتا ہے انتھی (ت)

عـــه: وھو امیر احمد سہسوانی ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت ہی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۵

[2] العقود الدریة کتاب الشفعة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۱۸۱

[3] درمختار کتاب الشفعة باب یبطل الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۵

[4] ردالمحتار بحواله منح الغفار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۵۲

خالد ان خالدا اعرض عن الاشتراء من المشتری هذه المدة فلایفید عرض الثمن بعد ذٰلك اھ بالتعریب۔ فانظر کیف جعل المسقط مثبتا، و الاعراض عن المسقط مسقطا۔ ومن جهله ایضا التعلیل بعدم طلب المواثبة۔ فانه لاذکر له فی السوال، فمن این لك انه لم یواثب ومن جهله ایضا التعلیل الثالث بان قطعة بکر لما کانت جزء من قطعة خالد، فالبکر شفیع بنفسه۔ لان الرجل فی امثال الصورة یکون شفیعا بدون القبض فکیف والبکر قابض، قال فی الهندیة ولوا شتری دار اولم یقبضها حتی بیعت داراخری بجنبها۔ فله الشفعة کذا فی محیط السرخسی [1]۔ فثبت انه لا شفعة لخالد مع بکر اھ معربا۔ **اقول:** کون قطعة بکر جزء من قطعة خالد، ان جعله شفیعا فلقطعة خالد لا لقطعة زید، وانما الکلام فی قطعة زید، وایضا شفعة بکر مبتنیة علی کونه شریکا لقطعة زید فی الطریق حق، لو لم یکن هناك خالد ولاارضه لکان بکر شفیعا ایضا، فقد اخطاء من وجهین، اهمال المبنی الحقیقی والبناء علی امر اجنبی وایضا کیف ینفی

ہوئے کہا کہ خالد نے اس مدت میں مشتری سے خریدنے سے اعراض کیا لہٰذا اس کے بعد خالد کا ثمن کی پیشکش کرنا مفید نہ ہوگا اھ عربی کے ساتھ، تو غور کرو اس نے کس طرح مسقط کو مثبت اور مسقط سے اعراض کو شفعہ کے لئے مسقط بنایا، اور اس کی یہ بھی جہالت ہے کہ حق شفعہ کے عدم مطالبہ کو یہاں علت بنایا حالانکہ اس کا سوال میں کوئی ذکر نہیں ہے تو اے مدعی علم! تجھے کہاں سے معلوم ہوگیا کہ اس نے اس حق کا مطالبہ نہیں کیا، اور ایک جہالت یہ بھی ہے کہ اس نے تیسری علت یہ بنائی کہ بکر کا قطعہ زمین خالد کے قطعہ کا جز ہے تو یوں بکر خود شفیع ہوا کیونکہ اس جیسی صورت میں بغیر قبضہ کے آدمی شفیع ہوجاتا ہے جبکہ بکر قابض ہے تو کیوں شفیع نہ ہو، ہندیہ میں ہے اگر مکان خریدا اور ابھی قبضہ نہ کیا تھا کہ پڑوس میں ایک مکان فروخت ہوا تو اس خریدار کو شفعہ کا حق ہے۔ محیط میں یوں ہے۔ تو ثابت کہ خالد کو شفعہ کا حق بکر کے مقابلہ میں نہیں ہے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) بکر کے قطعہ کا خالد کے قطعہ کا جز ہونا اگر شفعہ کو بنائے تو خالد کے قطعہ کے لئے بنائے نہ کہ بکر کے قطعہ کے لئے، حالانکہ بات بکر کے قطعہ کے ہورہی ہے، نیز یہ کہ بکر کو شفعہ کا حق زید کے قطعہ کے راستہ میں شریک ہونے پر مبنی ہے اور وہ برحق ہے خواہ وہاں خالد اور اس کی زمین نہ ہو، بکر پھر بھی شفیع ہے تو اس نے دو طرح کی خطائیں کیں، حقیقی مبنی کو مہمل بنانا اور اجنبی چیز کو مبنٰی بنانا، نیز یہ صاحب اپنے (بیان کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۰۰

هذا کون خالد شفیعا،لامکان ان یکونا شفیعین، فان فزعت الی الترجیح،فهو امرزائد علی ماذکرت، و قد کان فیه المغنی،علی انه لا یتم الکلام الا بضم المقدمة القائلة ان حق الشفعة یثبت للمشتری ایضا،وهی مقدمة غامضة،فذکر الواضح وترك الدقیق جهل فاضح،اوعدول عن الطریق وبالجملة فمفاسد التکبر وادعاء التصدر اکثر من ان تحصر، فانظر الی این صار حال العلم والرجل یدعی شمس العلماء ،ویکتب ذٰلك مع اسمع نفسه،مع مافیه من البدع والطغیان،وسلاطة اللسان،والطعن،والوقیعة فی جمیع علماء الزمان،بل وکثیر ممن قبلهم من اهل السنة والعرفان،فالله المستعان و لاحول ولا قوة الابالله العزیز الرحمن۔	روشنی میں) خالد کے شفعہ کی نفی کیسے کرسکتے ہیں جبکہ دونوں کا شفیع ہونا ممکن ہو۔اگر آپ کو ترجیح کی مجبوری ہے تو یہ آپ کے بیان کردہ سے زائد ہے حالانکہ اسمیں مستغنٰی کرنے والا امر موجود ہے۔علاوہ ازیں یہ کلام اس مقدمہ کے بغیر تام نہیں کہ مشتری کو بھی شفعہ کا حق ثابت ہوتا ہے جس کو یہاں ضم کرنا ضروری تھا اور یہ مقدمہ قابل وضاحت تھا،تو مقدمہ غامضاہ اور دقیق کو ترک کرنا اور واضح کو ذکر کرنا کھلی جہالت ہے۔یا طریقہ بیان سے انحراف ہے۔خلاصہ یہ کہ اپنے کو بڑا ظاہر کرنے اور تکبر کرنے میں بیشمار مفاسد ہیں،آپ غور کرلیں کہ کہاں علم کا یہ حال جبکہ دعوی کررہا ہے شمس العلماء ہونے کا،اور پھر خود اپنے نام کے ساتھ یہ لقب لکھتا ہے حالانکہ اس میں بدعت اور تعلی،زبان درازی، طعن اور زمانہ کے تمام علماء کرام بلکہ بہت سے پہلے کے اہل سنت واہل عرفان پر بڑائی کا دعوی ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الرحمن۔(ت)

ثالثاً: اس کا کہنا تمھیں مبارک ہو صریح دلیل رضا وتسلیم ہے۔اور شفعہ بعد تسلیم باطل۔

تنویر میں ہے۔یبطلها تسلیمها بعد البیع[1] اھ ملخصا۔(بعد از بیع اسے تسلیم کرنا شفعہ کو باطل کردیتا ہے اھ ملخصا۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب ۱۵ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر پر اس کی زوجہ کا دین مہر بمقدار(بیس ہزار روپیہ عہ //) کے لازم ہے۔بکر نے ایک مکان خریدا،بعد خریداری کے وہ مکان اپنی زوجہ کے ہاتھ بعوض اس کے دین مہر کے بیع کردیا بعوض دین مہر کے بعوض کیا،تواس صورت میں خالد کہ مکان مذکور کا شفیع ہے اس کا شفعہ پہنچتا ہے یا

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

نہیں اور اگر زوجہ کو بلاعوض ہبہ مجرد کردے تو شفعہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر بعوض مہر بیع کی یا ہبہ بالعوض کیا، یعنی یوں کہا یہ مکان میں نے بعوض تیرے مہر کے تجھے دیا، اور زوجہ نے قبول کیا تو شفعہ لازم ہے۔ اگرچہ مکان قبضہ زوجہ میں نہ آیا ہو۔

لان الشفعة تعتمد زوال الملك عن المالك والملك فی البیع الصحیح یزول بمجرد العقد من دون توقف علی القبض والھبة بعوض بیع ابتداء وانتھاء، کما فی الھدایة[1] والدرالمختار[2] وغیرھما من الاسفار۔	کیونکہ شفعہ کامدار مالک سے ملکیت کے زوال پر ہے جبکہ صحیح بیع میں عقد بیع سے ہی ملکیت زائل ہوجاتی ہے۔ مشتری کے قبضہ پر موقوف نہیں ہوتی، اور ہبہ بالعوض ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہما کتب میں ہے۔(ت)

اور اگر ہبہ بشرط العوض کیا یعنی یوں کہا کہ یہ مکان میں نے تجھے ہبہ کیا بشرطیکہ تو مجھے مہر ہبہ کردے، اور زوجہ نے مہر بخش دی، تو شفعہ ثابت نہ ہوگا، جب تک مکان قبضہ زوجہ میں نہ آجائے، جب باذن شوہر زوجہ قبضہ کاملہ کرے گی، اس وقت شفیع کا شفعہ ثابت ہوگا۔

لانھا ھبة ابتداء فلا یزول الملك الا بالقبض، فاذا وجد القبض عادت بیعا، فتثبت الشفعة۔	کیونکہ یہ ابتداء ہبہ ہے لہٰذا ہبہ میں قبضہ کے بغیر واہب کی ملکیت زائل نہ ہوگی، تو جب قبضہ پایا جائے گا تو ہبہ بیع بن جائے گا تو شفعہ ثابت ہوجائے گا۔(ت)

اور اگر ہبہ مجرد کیا تو اصلاً شفعہ نہیں،

فی الھدایة لا شفعة فی ھبة الا ان تکون بعوض مشروط لانه بیع انتھاءً ولا بد من القبض وان لا یکون الموھوب ولا عوضه شائعا لانه ھبة ابتداءً[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہدایہ میں ہے ہبہ میں شفعہ نہیں ہوتا مگر جب وہ عوض کے ساتھ مشروط ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ انتہاء بیع قرار پاتا ہے تو قبضہ ضروری ہے۔ اور موہوب اور اس کا عوض شائع نہ ہو کیونکہ یہ ابتداء ہبہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] الھدایة کتاب الھبه باب مایصح رجوعه ومالایصح مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۹۔۲۸۸

[2] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[3] الھدایه کتاب الشفعة باب ماتجب فیه الشفعة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۰۲

مسئلہ ۳۰: مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب ۲۳ ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی خریدا،اور واسطے ثبوت اپنے قبضہ کے ایک شاخ درخت واقع اراضی مشریہ کو قطع شروع کیا،اس وقت بکر کو اطلاع بیع لینے اراضی کی ہوئی،بکر اسی وقت موقع پر زید کے پاس گیااور کہا میں اس اراضی کا شفیع ہوں مجھ کو دے دو،زید نے کہا تمھارا شفعہ دو وجہ سے جائز نہیں،ایک نظیرا،دوسرے میں خود شفیع ہوں۔پھر کچھ گفتگو نہ ہوئی،بعد ایک مہینہ بارہ روز کے بکر نے زید سے کہاکہ روپیہ لے لو،جس قیمت کو یہ اراضی خریدی ہے اور اراضی مجھ کو دے دو،زید نے روپیہ نہ لیااور کہاکہ حق مواثبت جاتارہااور بعد چند عرصہ کے زید نے وہ اراضی بذریعہ ہبہ مطلق منتقل کردی اور دستاویز مصدق پر رجسٹری کردی،وقت اطلاع ہبہ شفیع مدعی ہواکہ مجھ کو اطلاع ہبہ کی نہ تھی،اب جو مجھے اطلاع ہوئی تو میں اس انتقال کا بھی شفیع ہوں،ان صورتوں میں شفعہ بکر جائز ہے یا نہیں؟اور یہ انتقال ہبہ قبل تصفیہ باہمی زید وبکر کے درست ہے یانہیں؟بینواتوجروا

الجواب:

شفیع اگر بفور استماع خبر طلب شفعہ کرکے مشتری یامکان کے پاس جاکر طلب تقریر کرے،اور اگر مبیع ہنوز قبضہ بائع میں ہو تو اس کے پاس طلب بھی کافی ہے۔اور اس طلب دوم میں بھی بشرط قدرت دیر نہ لگائی توان امور سے اس کا شفعہ مستقر ہوجاتاہے کہ بے صدور مبطل باطل نہ ہوگا۔درمختار میں ہے:

یطلبھا لشفیع طلب المواثبۃ ثم یشھد علی البائع لوالعقار فی یدہ اوعلی المشتری وان لم یکن ذایدہ او عند العقار،وھذا لابد منہ،حتی لو تمکن ولو بکتاب او رسول،ولم یشھد بطلت شفعتہ،وان لم یتمکن منہ لاتبطل[1] اھ ملخصا۔	شفیع استقرار حق طلب کرکے پھر بائع کے پاس گواہ بنائے اگر پراپرٹی اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے ہاں گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو،یا فروخت شدہ زمین پر ایسا کرے۔اور یہ ضروری ہے حتی کہ اگر اس کو یہ بذریعہ خط یا بذریعہ قاصد بھی ممکن ہواور وہ ایسانہ کرے تواس کا شفعہ باطل ہوجائے گااور اگر اس کو یہ قدرت نہ ہوئی تو باطل نہ ہوگا اھ ملخصا۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

الحق متی ثبت واستقر لایسقط	اور حق جب ثابت ہوجائے اور استقرار ہوجائے

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۲

الا باسقاطه[1] الخ۔	تو خود ساقط کئے بغیر ساقط نہ ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

تستقر بالا شهاد ای بالطلب الثانی، وهو طلب التقرير، والمعنى اذا اشهد عليها لاتبطل بعد ذلك بالسكوت الا ان يسقطها بلسانه اويعجز عن ايفاء الثمن فيبطل القاضی شفعته[2] الخ۔	شفعہ کا گواہ بنانے یعنی دوسری طلب پر استقرار ہو جاتا ہے یہ دوسری طلب برائے پختگی ہے اور معنی یہ ہوا کہ جب شفعہ پر گواہ بنالیے تو اس کے بعد سکوت سے باطل نہ ہوگا ہاں اگر خود اپنی زبان سے ساقط کرے یا ثمن کی ادائیگی سے عاجز رہے تو قاضی اس کے شفعہ کو باطل قرار دے گا۔ الخ (ت)

پس اگر تمام مدارج طلب ابتدائی وطلب ثانی کے بجالا یا تو بیشک اس کا حق مؤکد ہوگیا، اور مشتری کا خود شفیع ہونا اس کے حق کا مانع نہیں، غایت یہ ہے کہ اگر دونوں مساوی درجہ کے شفیع ہے اور مشتری مزاحمت کرے تو مبیع دونوں میں نصف نصف ہو جائے۔

فی الدر المختار لو کان المشتری شریکا وللدار شریك اٰخر فلهما الشفعة[3]۔	درمختار میں ہے کہ اگر مشتری شریک ہو اور مبیع مکان میں کوئی اور شریک بھی ہو تو دونوں شریکوں کو شفعہ کا حق ہوگا۔(ت)

اور روپیہ بطور طلب شفعہ پیش کرنا کہ میں شفیع ہوں اپنا روپیہ لے۔ اور شیئ مشفوع مجھے دے کچھ مضر نہیں۔

لانه لایدل علی الرغبة عنها بل فیها فی الدر المختار الاصل ان الشفعة تبطل باظهار الرغبة عنها لافیها[4]۔	کیونکہ یہ اس سے اعراض پر دال نہیں ہے بلکہ اس میں دلچسپی کا اظہار ہے درمختار میں ہے قائدہ یہ ہے کہ اعراض کرنے سے شفعہ ساقط ہوتا ہے اس دلچسپی سے ساقط نہیں ہوتا۔(ت)

ہاں یوں روپیہ پیش کرنا کہ قیمت لے اور مکان میرے ہات بیچ ڈال، البتہ مسقط شفعہ ہے۔

فی الدر المختار یبطلها ان طلب منه ان یولیه عقد الشراء[5]۔	درمختار میں ہے کہ شفیع اگر یہ مطالبہ کرے کہ مجھ سے شراء کر تو اس مطالبہ سے شفعہ کا باطل ہو جائے گا۔(ت)

---

[1] الهدایہ کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۹

[3] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[4] درمختار کتاب الشفعة باب ما تثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[5] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

اور ہبہ مجردہیں اگرچہ شفعہ نہیں، مگر مشتری بوجہ ہبہ خواہ کسی طریقہ انتقال کے حق شفیع کو ساقط نہیں کرسکتا کہ اس کا دعوی شفعہ بربنائے بیع ہے۔جو مالک اول نے اس مشتری کے ہاتھ کی،نہ بربنائے اس ہبہ کے جو یہ مشتری دوسرے کے لئے کرتاہے،ایسی حالت میں شفیع کو اختیار ہوتاہے کہ مشتری کے تمام تصرفات کو رد کردے اور مبیع بذریعہ شفعہ لے لے۔

فی الدرالمختار ینقض الشفیع جمیع تصرفاته ای المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرة والهبة زیلعی وزاهدی[1]۔ (جواب نامکمل ملا)	درمختار میں ہے کہ شفعہ حاصل کرلینے کے بعد شفیع مشتری کے تمام تصرفات ختم کردے گا حتی کہ وقف،مسجد،مقبرہ اور ہبہ تک کو توڑ دے گا،زیلعی وزاہدی(ت)

مسئلہ ۴ : ۱۶ رجب ۱۳۰۷ھ از بدایوں مرِدہی ٹولہ شیخ حامد حسن صاحب مختار

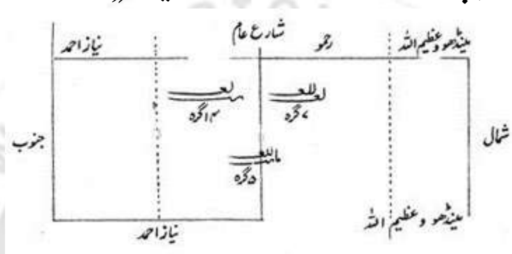

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مکان تعدادی (ماسہ للعہ ۹ گرہ) جانب شمال مینڈھو عظیم اللہ کا تھا۔اس کے جانب جنوب رحمو کا مکان تعدادی (صہ للعہ ۵ گرہ) کا،اس سے جنوب کو نیاز احمد کا مکان تھا،رحمو کامکان مینڈھو ونیاز احمد نے خرید کیا،اور باہم تقسیم ہو گئی (لعہ للعہ ۷ گرہ) اراضی شمال مینڈھو کو ملی،اس نے اپنے مکان شمال میں شامل کرلی اب مینڈھو وعظیم اللہ کا مکان (ماسہ لعہ) علاوہ آبچک کے ہوگیا،اور (مہ لعہ ۱۴ گرہ) جنوبی نیاز احمد کو ملی،اس نے اپنے مکان جنوبی میں ملالی نیاز احمد اپنامکان جس میں اراضی مشتری یہ بھی شامل تھی بدست وزیرالدین بیع کردیا، تخمیناًدس برس ہوئے کہ وزیر الدین مشتری نے ہر چہار سمت سے بطور خود اپنا پختہ مکان تعمیر کرلیا،فرمائے کہ جب تقسیم ہو کر تین مکان سے دو مکان ہوگئے،اور درمیان میں دیوار موجود ہے اور کوئی شرکت دیوار میں

[1] درمختار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۲

بھی نہیں، اور راستے دکانوں مکانوں کے جانب غرب شارح عام میں ہیں اور دونوں کی آبچکن جانب شرق اپنی اپنی جداگانہ زمین میں۔ تو وزیر الدین مشتری مکان نیاز احمد کو نسبت (لعہ للعہ ے گرہ) اراضی مشتریہ مینڈھوں کی، حق خلیط کا حاصل ہے یا شفیع جار کا، وزیر الدین گمان کرتا ہے کہ رحمو کا مکان میرے بائع نیاز احمد اور مینڈھو نے مشتر کا خریدا تھا، لہذا مجھے حق خلیط حاصل ہے، یہ گمان اس کا شرعاً صحیح یا باطل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ نہ ایک مکان کی راہ دوسرے میں نہ دونوں کی کسی کوچہ سربستہ غیر نافذہ میں، نہ ایک کو دوسرے سے آبچک کا تعلق، تو بالاتفاق ان میں سے کسی کے مالک کو دوسرے سے علاقہ خلیط نہیں، بلکہ ہر ایک دوسرے کا مجاز محض ہے۔ درمختار میں ہے:

للخلیط فی حق البیع ھو الذی قاسم وبقیت لہ شرکۃ فی حق العقار کالشرب والطریق خاصین فلو عامین فلاشفعۃ بھما[1] اھ ملخصاً۔	تقسیم شدہ مبیع کے حقوق میں شرکت مثلاً پانی اور راستہ خاص ہوں یا عام۔ باقی ہو تو بھی خلیط کو اس شرکت کی وجہ سے شفعہ نہیں اھ ملخصًا۔ (ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

جار ملاصق بابہ فی سکۃ اخرٰی، اویکون بابہ وباب ذٰلک الجار معاً الی الطریق العام[2]۔	پڑوسی جس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو یا دونوں کا شارع عام کی طرف سے ملاہو۔ (ت)

وزیر الدین کا خیال ہے میرا بائع مینڈھو ایک زمین مشترک کے خلیط تھے جس کا ایک حصہ میرے بائع اور ایک مینڈھو کے مکان میں پڑا، لہذا میں اس کا خلیط ہوں، محض باطل ہے۔ کہ جب تقسیمیں ہوگئیں حدیں پڑ گئیں، دیواریں کھنچ گئی، راہیں پڑ گئیں، پھر خلط کہاں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلاشفعۃ اخرجہ الامام البخاری[3]۔	جب حد بندی ہوجائے اور راستہ تبدیل ہوجائے تو اب شریک کو شفعہ کا حق نہیں، اس کو بخاری

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۱

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۸

[3] صحیح البخاری بؤاب الشرکۃ فی الارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۳۹

وغیرہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور دیگر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

اذا اقتسما الارض وخطا خطا فی وسطھا ثم اعلی کل منھما شیئا حتی بنیا حائطا، فکل منھما جارلصاحبہ فی الارض [1]۔	جب دو شریکوں نے زمین تقسیم کرلی اور درمیان میں خط کھینچ لیا پھر دونوں نے کچھ خرچہ کرکے دیوار بنادی تو دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی قرارپائیں گے۔(ت)

غرض اگلے وقتوں کی شرکت پر اب دعوی حق خلط کرنا عجب دعوی ہے جس کا بطلان ہر ذی عقل پر ظاہر۔فضلا عن ذی فضل۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵: از بدایوں مردی ٹولہ شیخ حامد حسن وکیل ۱۶رجب ۱۳۰۷ھ

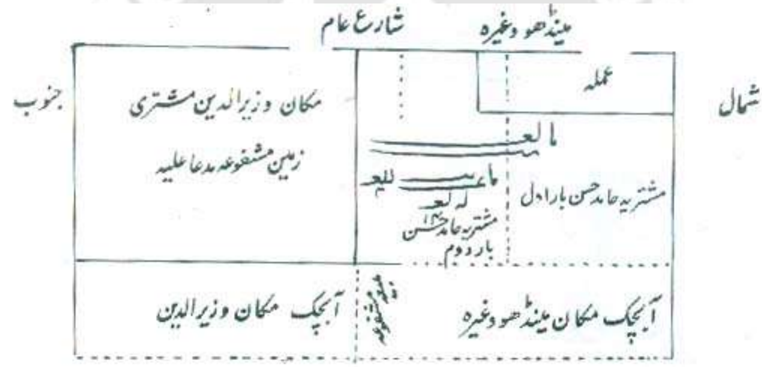

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مینڈھو وعظیم اللہ کا مکان (ما صہ للعہ) گز کا ہے جس میں جانب شمال (ما مہ للعہ ۹ گرہ) ان کی موروثی اور (لعہ للعہ ۷ گرہ) جنوبی خاص مشتریہ مینڈھو ہے جو اسے بذریعہ شراء بعد تقسیم نیاز احمد ملی تھی، مینڈھو عظیم اللہ نے منجملہ مکان تعدادی (ماصہ لعہ) گزکے = = = = = گزکے زمین جانب شمال میں باستثنائے آبچک شرقی وعلمہ بدین تعینین کہ شرقا غربا (عہ عہ) گزرا اور جنوبا شمالا ہے گز بدست حامد حسن بیع کی (ماعہ عہ) گز منجملہ مکان باقی رہی، اس بقیہ (ماعہ سہ) گز سے (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گزاراضی شمالی تنہا مینڈھو نے بایں الفاظ بدست حامد حسن مذکور بیع کی کہ منجملہ (ماعہ سہ گزکے لعہ ۱۴ گرہ) گز میری اراضی بروئے تقسیم خانگی باہمی اراضی عظیم اللہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۶

سے جانب شمال ہے۔ لہٰذا باستثنائے آبچک بیع کی) اس (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز منجملہ اس (لعہ للعہ) گز کے بھی شامل ہے جو خاص مشریہ مینڈھو تھی، اور یہ کل تعدادی (ماسہ لعہ) گز اس وقت تک بلا کسی حد فاصل کے ہے، نقشے میں جہاں جہاں نقطے دئے گئے ہیں وہاں کوئی دیوار یا حد نشان نہیں صرف تعیین سمت و مقدار گز کے اسے ایک ذہنی امتیاز ہے۔ یہم قطعہ زمین سے جسے آبچک کہا جاتا ہے یہ بھی بلا کسی حد فصل کے مجموعہ مکان کا ایک غیر متمیز ٹکڑا ہے جسے بے پیائش کے تعین نہیں کر سکتا، غرض کل مکان قطعہ واحدہ ہے۔ اس میں سے بقیہ (للعہ ۲ گرہ) گز جنوبی و کل آبچک و عملہ واقعہ مشریہ حامد حسن کو مینڈھو و عظیم اللہ نے بدست وزیر الادین ہمسایہ جنوبی بیع کیا، اس مکان اور مکان وزید الدین مشتری کے بیچ میں ایک دیوار خاص مملوک وزیر الدین فاصل ہے۔ دونوں مکان کی راہیں جانب غرب شارع عام میں ہیں۔ اور دونوں کی آبچکیں اپنی اپنی خاص زمین میں جانب مشرق ہیں، دونوں کا پانی اپنی خاص زمین میں ہوتا ہوا شرق مکانات مختلفہ میں گزر جاتا ہے۔ فرمائیے کہ ایسی صورت میں اراضی مبیعہ حامد حسن کو حق شفیع خلیط ہے یا نہیں؟ اور شرعا اس استحقاق سے وہ کل زمین حامد حسن کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وزیر الدین اس مکان مینڈھو وغیرہ کا جار محض ہے کہ نہ اسے کوئی شرکت نفس مبیع میں، نہ حق مبیع میں، اور تقریر و نقشہ سوال سے ظاہر کہ آبچک کی زمین بھیج باہم مشترک نہیں، بلکہ دونوں آبچکیں ایسے مختلف مکانوں کے جداگانہ ٹکڑے ہیں جن میں ایک کا کوئی حق دوسرے سے متعلق نہیں، صرف اتصال ہی اتصال ہے تو جوار سے زیادہ اسے کوئی استحقاق نہیں، نفی خلط کے لئے بیچ میں دیوار ہی ہونا ضروری نہیں کہ اراضی آبچک میں جہاں دیوار نہیں شرکت وخلط مانیں، بلکہ مجرد و تعیین و امتیاز کافی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا کان نهر علاہ لرجل واسفله لرجل فاشتری رجل نصیب صاحب اعلی النهر فطلب اسفل النهر الشفعة فالشفعة له بالجوار وکذٰلك لواشتری رجل نصیب اسفل النهر فالشفعة لصاحب الاعلی بالجوار، کذا فی المبسوط[1] اھ ملخصا۔	اگر ایسی نہر ہو کہ اس کا اوپر والا حصہ ایک شخص کو اور نیچے والا دوسرے کا ہو تو کسی آدمی نے اوپر والے کا حصہ خرید لیا تو نیچے والے کو شفعہ کے مطالبہ کا حق ہے اس کا یہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا، اور یونہی اگر کسی نے نیچے والے کا حصہ خریدا ہو تو اوپر والے کا شفعہ ہو تو وہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا۔ مبسوط میں یوں ہے اھ ملخصا (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۷۱

اور حامد حسین خلیط فی حق المبیع ہے کہ مکان واحد کا ایک حصہ مشاع خرید نے سے مشتری شریک فی العین ہو جاتا ہے۔ یوں ہی اس میں سے ایک حصہ معین محدود بتعین سمت و مقدار خریدنے سے خلیط فی الحق ہو جاتا ہے۔ جب تک حدیں فاصل ہو کہ انقطاع تعلق نہ ہو جائے زیر قول در مختار:

ان باع رجل عقارا الا ذرا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعۃ لعدم الاتصال وکذا لاشفعۃ لو ووھب ھذ القدر للمشتری وقبضہ [1]۔	اگر کسی نے اپنی زمین فروخت کی مگر شفیع کی حد کی طرف ایک گز کو فروخت نہ کیا تو پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا کیونکہ اس کی حد سے اتصال نہ پایا گیا، اور یوں ہی اگر اس نے اتنا حصہ مشتری کو ہبہ کر دیا اور قبضہ دے دیا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان المرد وھبۃ بعد بیع ماعداہذا القدر بقرینۃ قولہ للمشتری ومثلہ مالو باعہ لہ لانہ صار شریکا فی الحقوق، فلاشفۃ للجار [2] اھیعنی مثل الھبۃ فی عدم الشفعۃ مالو باع البائع ھذا الزراع الباقی فی البیع الاول المشتری القطعۃ الاولی، لانہ بشرائہ القطعۃ الاولی صار شریاکا فی حقوق القطعۃ الثانیۃ، وھی الذراع المبیع ثانیا، فجار الداروان کان لہ حق الجوار فی ھذا الذراع، لوجود الاتصال لکن لاشفعۃ لہ لان المشتری خلیط فی الحقوق فلا شفعۃ معہ للجار المحض۔	ظاہر یہ ہے کہ اس کی مراد بیع کے بعد مشتری کو ہبہ کرنا ہے اس پر قرینہ للمشتری کا لفظ ہے اور یونہ اگر وہ اتنا حصہ اس نے بعد میں مشتری کو فروخت کر دیا ہو، کیونکہ وہ مشتری اب حقوق میں شریک ہو چکا ہے اس لئے اب پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا اھ یعنی شفعہ نہ ہونے میں وہ صورت کہ بائع نے پہلی بیع میں سے باقیماندہ گز کو پہلے مشتری کے پاس فروخت کیا تو ہبہ کی طرح پڑوسی کا شفعہ نہ ہوگا کیونکہ وہ مشتری پہلے قطعہ کو خریدنے کی بناء پر دوسرے باقیماندہ حصہ کے حق میں شریک ہو گیا تو اگرچہ جگہ کے پڑوسی کو پڑوس کی وجہ سے اس باقیماندہ میں اتصال ہے لیکن اس کا شفعہ نہیں کیونکہ مشتری حقوق میں شریک بن گیا لہٰذا اس کے مقابلہ میں محض پڑوسی کو حق شفعہ نہ رہا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۴

اسی میں ہے:

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار کما قدمناہ[1]۔	باقیماندہ گزمیں مشتری حقوق کا شریک ہوگیا لہذا وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ (ت)

پس حامد حسن نے جس وقت پہلا قطعہ ===== گز بتعیین سمت ومقدار خریدا باقی تمام زمین مملوکہ مینڈھو وعظیم اللہ میں خلیط فی الحق ہوگیا، اسی طرح دوسرے بار کی خریداری نے اس کا بھی استحقاق قائم رکھا، اور جبکہ وہ مکان مع آبچک وغیرہ بتمامہ قطعہ واحدہ ہے، تو اس کے مجموع سے حق حامد حسن متعلق ہوا، جس سے کسی جز کو مستثنٰی ماننے کی کوئی وجہ نہیں کما لا یخفی علی احد (جیسا کہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ت) اور خلیط فی الحق جار محض پر شرعا مقدم کہ جار خریدے تو یہ بذریعہ شفعہ اس سے سب پر واپس لے سکتا ہے۔ کما فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ معتبر کتب میں ہے۔ت) عالمگیری میں ہے:

یراعی فیھا الترتیب فیقدم الشریك علی الخلیط، والخلیط علی الجار[2]۔	اس میں ترتیب کی رعایت ہوگی تو شریک مقدم ہوگا خلیط پر، اور خلیط مقدم ہے پڑوسی پر۔ (ت)

پس ثابت ہوا کہ جس قدر زمین آبچک وغیرہ آبچک بدست وزیر الدین جار محض بیع کی گئی تمام وکمال حامد حسن شفیع خلیط فی حق المبیع کو بذریعہ شفعہ ملنی چاہئے، اگر وہ شرائط طلب کما ینبغی بجالایا ہو، اور عملہ اگرچہ جب اپنی زمین سے بیچا جائے محل شفعہ نہیں، شرح المجمع علامہ ابن ملک میں ہے:

وبیع النخل وحدہ اوالبناء وحدہ فلا شفعۃ لانھما الاقرار لھما بدون العرصۃ[3]۔	کھجور کے درخت کی علیحدہ یا عمارت کی علیحدہ بیع میں شفعہ نہیں کیونکہ زمین کے بغیر ان کو قرار حاصل نہیں ہے۔ (ت)

مگر اس کا بیع میں داخل ہونا زمین میں استحقاق شفعہ کا مانع نہیں، ردالمحتار میں ہے:

الصفقۃ وان اتحدت فقد اشتملت علی مافیہ الشفعۃ، وعلی مالیست فیہ	سودا ایک ہو اور وہ ایسے حصوں پر مشتمل ہو کہ بعض شفعہ ہو سکتا ہے اور دوسرے بعض میں نہیں ہو سکتا تو شفعہ والے

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعہ باب مایبطلھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۲۔۱۶۵

[3] ردالمحتار بحوالہ شرح المجمع کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

فیحکم بھا فیما تثبت فیہ اداء لحق العبد کذا فی درر البحار وشرح المجمع اھ[1] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	میں بندے کا حق ہونے کی وجہ سے پورے سودے پر شفعہ کا حکم ہوگا کہ بندے کا حق ادا ہوسکے، جیسا کہ درالبحار اور شرح المجمع میں ہے اھ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶: از بدایوں شیخ حامد حسن صاحب وکیل ۹ رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ

بدایوں سے دوبارہ یہ سوال بعبارات طوال آیا جس کا خلاصہ یہ کہ کل مکان ۲۰۲ گز کا ظاہر کیا گیا ہے اور بیع اول بدست حامد حسن مین سے ======== گز نکل کر (ماعہ عہ) گز باقی تھا، اس میں سے منجملہ (ماعہ عہ) گز کے (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز شمالی کہ بروئے تقسیم خانگی حق مینڈھو ٹھہری، مینڈھو نے بایں حدود معینہ بدست حامد حسن بیع کی اراضی آبچک زمین مبیعہ مملوکہ مقروبردار مقر وبعد مکان سعد اللہ وغیرہ۔

غربی	جنوبی	شمالی
راستہ	اراضی عظیم اللہ	اراضی مشریہ حامد حسن

پھر باقی بدست وزیر الدین بیع ہوئی، اس مکان اور مکان وزیر الدین کا پانی اپنی اپنی خاص آبچکوں میں ہو کر شرقی مکانوں کے صحن مملوکہ سعد اللہ وغیرہ میں ملتا ہے۔ اور وہاں یہ دونوں پانی اور ان مکانوں کے پانی سب ایک ہو کر اسی صحن مملوک کے دروازے سے نکل کر راہ میں گزر جاتے ہیں، اس صورت میں وزیر الدین کو دعوی شرکت فی حقوق المبیع ہے۔ اور حامد حسن شفیع کو بدیں وجہ کہ کوئی تمیز خارجی نہیں دعوی شرکت فی نفس المبیع ہے، پس شرعا کیا حکم ہے۔ اور عملہ کہ اس مبیع بار سوم پر قائم اور بیع میں داخل ہے شفعہ میں داخل رہے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حامد حسن کو حق شفع حاصل ہے۔ اور وزیر الدین کو اس کے مقابل کوئی استحقاق مزاحمت نہیں کہ اگرچہ زمین کا محدود بحدود معینہ ہونا ہی اس کے امتیاز وابطال شیوع کے لئے بس ہے۔ جس قطعہ کا آغاز وانجام جدا بتا سکیں وہ مشاع کب ہوا، مگر از انجا کہ ہنوز مکان میں حدیں فاصل نہ پڑیں، دیواریں نہ کھنچیں، راہیں نہ پھریں، صرف ذہنی امتیازات ہیں، تو حامد حسن کو بیع میں ایک اعلٰی درجہ کا حق خلیط فی حقوق المبیع حاصل ہے۔ اور یہ استحقاق اس کے لئے اسی وقت سے ثابت ومسلم تھا جب سے اس نے == گز کا پہلا قطعہ خریدا، ردالمحتار میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلھا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۷

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار، کماقدمناہ[1]۔	باقیماندہ گز کو خریدنے والا مشتری حقوق میں شریک بن گیا ہے تو وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا۔ جیسا کہ پہلے ہم نے ذکر کیا۔(ت)

اور مکان وزیر الدین کو اس مبیع کے سیل آب سے جو علاقہ ہے اگر روایت تاتارخانیہ پر نظر کیجئے تو اصلا قابل التفات نہیں۔اس میں صاف تصریح ہے کہ ایک مکان کا پانی خود اس دار مبیعہ میں بہتا ہو جب بھی یہ شرکت فی الحقوق نہ ٹھہریگی اور صرف جوار محض قرار پائے گا، عالمگیریہ میں ہے:

لرجل مسیل ماء فی داربیعت کانت له الشفعة بالجوار لابالشرکة ولیس المسیل کالشرب کذا فی التتارخانیة[2]۔	فروخت ہونے والی حویلی میں سے دوسرے شخص کا پانی بہتا ہے تو اس پانی والے کو حویلی میں پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق شریک والا شفعہ نہ ہوگا اور پانی کا بہنا، سیرابی کا حکم نہیں رکھتا۔یوں تاتارخانیہ میں ہے۔(ت)

اور اگر روایت محیط وذخیرہ پر عمل کیجئے تو حامد حسن کہ شریک فی الطریق ہے۔وزیر الدین سے جو صرف میل آب میں ایک علاقہ رکھتا ہے قطعاً مقدم ہے کہ اس کے ہوتے اسے کوئی استحقاق نہیں مزاحمت نہیں، عالمگیری میں ہے:

صاحب الطریق الوی بالشفعة من صاحب مسیل الماء کذافی المحیط[3]۔	راستے والا شفعہ میں پانی کے بہاؤ والے سے اولیٰ ہے، یوں محیط میں ہے۔(ت)

ردالمحتار حاشیہ در مختار میں ہے:

قال فی الدرالمنتقی ونقل البرجندی ان الطریق اقوی من المسیل فراجعه انتہٰی[4]۔ **قلت** نقله عن الذخیرة کمارأیته فیه۔	الدرالمنتقی میں فرمایا جس کو برجندی نے نقل کیا کہ راستہ کا حق پانی کے بہاؤ سے اقوی ہے۔تو اس کی طرف مراجعت چاہئے، **میں کہتاہوں** کہ انھوں نے اس کو ذخیرہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ میں نے اس میں دیکھا ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۰

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[4] ردالمحتار کتاب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

بہر حال حامد حسن اس تمام زمین مبیع کو مع اس کے جو اس مبیع پر قائم اور اس بیع میں داخل ہے بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے عملہ جب اپنی زمین کے ساتھ بیع میں آئے تو بالتبع وہ بھی محل شفعہ ہو جاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

خرج البناء والاشجار فلا شفعة فیها الا بتبعیة العقار وان بیع بحق القرار، درمنتقی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عمارت اور درخت خارج ہوگئے تو ان میں شفعہ نہ ہوگا بغیر زمین کے تابع بنے، اگرچہ قرار وبقاء کی شرط پر فروخت کئے ہوں درمنتقی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷: ۳ شوال ۱۳۱۰ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس صورت میں کہ ملو خاں نے ایک قلعہ حویلی معہ اراضی جس کے شمال میں ملحق حویلی محمد خاں، جنوب میں ملحق رفیع الدین کی ہے۔ کلن خاں اور علی حسن خان شخص غیر کے ہاتھ بیع کردی، اور اس کی خبر پاکر محمد خان ورفیع الدین ہمسایہ بائع مستدعی شفعہ ہوئے، چنانچہ کلن خاں وعلی حسن خان مشتری حال نے حسب دعوی شفعہ محمد خاں کے نام بیعنامہ لکھ دیا، رفیع الدین نے نالش شفعہ کی ہے۔ پس رفیع الدین مدعی بذریعہ شفعہ بمقابلہ محمد خاں مشتری شفعہ کے کامیابی شرعا حاصل ہو سکتا ہے، یا دونوں شفیعوں کو قطعہ مشفوعہ تقسیم ہو سکتا ہے تو کس مقدار سے یعنی مساوی یا کم وبیش؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں رفیع الدین کل مکان مشفوع بذریعہ شفعہ محمد خاں سے پائے گا کہ محمد خاں کا اس کو مشتری اول سے خریدنا اس کے ملک کو تسلیم کرنا ہے اور اس کی ملک تسلیم کرنا بیع اول کے تسلیم شفعہ سے اعراض، اور شفعہ سے اعراض حق شفعہ کا مسقط، تو محمد خاں اس مکان کا شفیع نہ رہا اور رفیع الدین کا استحقاق باقی، لہذا وہ کل مکان محمد خان سے لے سکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان الشفیع الحاضر اشتری الدار من المشتری ثم حضر الغائب فان شاء اخذ کل الدار بالبیع الاول،	ایک حاضر شفیع نے مشتری سے مکان خرید لیا، پھر دوسرا شفیع جو غائب تھا حاضر ہوگیا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو پورا مکان پہلے سودے پر

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

وان شاء اخذ کلھا بالبیع الثانی [1]	اور چاہے دوسرے سودے پر پورا مکان شفعہ کے ذریعہ حاصل کرلے۔(ت)

اسی میں ہے:

قدبطل حق الشفیع الحاضر بالشراء لکون الشراء دلیل الاعراض [2]۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	حاضر شفیع نے اپنا حق شفعہ خریداری کی وجہ سے باطل کرلیا کیونکہ خریدنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۸ تا ۱۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں: **بینوا توجروا**

(۱) بعد علم بیع قبل قبضہ کرنے مشتری کے شیئ مبیع پر دعوی شفعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کے احاطہ واحدہ میں چند منازل ہیں جن کا دروازہ ایک ہی ہے اور حدود اربعہ اس کی ایک ہی ہیں، اس احاطہ کے ایک طرف زید کا مکان ملحق ہے۔اب یہ کل مکان بیع کیاجائے، تو آیا اس صورت میں زید اس قطعہ کو بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے، جو اس کے مکان سے متصل ہے یا کل مکان کو۔

(۳) جس محلّہ میں رواج شفعہ نہ ہو وہاں شرعادعوی شفعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) اگر قبل بیع ہمسایہ خریداری سے انکار کرے۔پھر بعد بیع دعوی شفعہ کرے تو مسموع ہوگا یا نہیں؟

(۵) اگر شفیع مشتری کی طرف سے وکیل خریدنے کا ہو تو اس کا شفعہ قائم رہے گا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) شفعہ بمجرد بیع ثابت ہوتا ہے۔قبضہ مشتری کی حاجت نہیں۔ہدایہ میں ہے:

یشھد علی البائع ان کان المبیع فی یدہ معناہ لم یسلم الی المشتری [3]۔	اگر مبیع زیر قبضہ بائع ہو تو وہاں گواہی قائم کرے اس کا معنی یہ ہے کہ ابھی مشتری کو نہ سونپا ہو۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۸

[3] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

درمختار میں ہے:

ثم یشھد علی البائع لو العقار فی یدہ اوعلی المشتری وان لم یکن ذایدٍ [1] باختصار، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اگر زمین بائع کے قبضہ میں ہو تو وہاں گواہی قائم کرے یا مشتری کے پاس گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو باختصار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

(۲) کل کو کہ جب احاطہ واحد، دروازہ واحد ہے تو وہ دار واحد ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الدار اسم لما ادیر علیہ الحدود [2]۔	جس دائرہ پر حدود قائم کی گئی ہیں اس کو دار کہتے ہیں۔(ت)

اور واحد کے کسی ٹکڑے سے جسے اتصال ہو وہ کل دار کا شفیع ہے، حتی کہ اگر ایک شخص صرف ایک جانب بقدر ایک بالشت کے اتصال رکھتا ہو اور دوسرا تینوں جانب۔ بروجہ کمال تو دونوں شفعہ میں برابر ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

الملاصق من جانب واحد ولو بشبر کالملاصق من ثلثۃ جوانب، فھما سواء اتفاقی [3]۔	ایک جانب سے اتصال اگرچہ ایک بالشت ہو تو وہ باقی تین اطراف والے سے اتصال کے برابر ہے اتفاقی(ت)

یہاں تک کہ اگر دار واحد اپنے جمیع منازل کے ساتھ شخص واحد کے ہاتھ بیچے، اور شفیع چاہے کہ بذریعہ شفعہ ان میں سے صرف وہ منزل لے جس سے اس کا مکان متصل ہے۔ تو ہرگز اجازت نہ دیں گے، اگرچہ بیچنے والے جدا جدا ہوں بلکہ کل لے یا کل ترک کرے۔ عالمگیری میں ہے:

ان اراد الشفیع ان یاخذ بعض المشتری دون البعض وان یاخذ الجانب الذی یلی الدار دون الباقی لیس لہ ذٰلک بلا خلاف بین اصحابنا، ولکن یاخذ الکل اویدع،	ایک غیر ممتاز مبیع میں سے شفیع بعض حصہ کو لینا چاہے اور کچھ چھوڑنا چاہے اور اپنے دار سے متصل حصہ کو شفعہ میں لینا اور باقی کو چھوڑنا چاہے تو اس کو یہ اختیار نہیں، اس میں ہمارے اصحاب کا کوئی اختلاف نہیں، لیکن وہ سب کو لے یا سب کو

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[2] الھدایۃ کتاب البیوع باب الحقوق مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۸

[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

لانہ لواخذ البعض دون البعض تفرقت الصفقه علی المشتری سواء اشتری واحد من واحد او واحد من اثنین او اکثر حتی لواراد الشفیع ان یاخذ نصیب احد البائعین لیس له ذٰلك الخ[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	چھوڑے کیونکہ اگر بعض کو لے اور بعض کو نہ لے تو اس سے مشتری پر سودا متفرق ہوجائے گا خواہ ایک مشتری نے ایک بائع متفرق ہوجائے گا خواہ ایک مشتری نے ایک بائع سے ایک نے متعدد حصہ داروں سے خریدا ہو حتی کہ اگر دوفروخت کرنے والوں میں سے ایک کے حصہ کو لینا چاہے تو شفیع کو یہ اختیار نہیں ہے الخ،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۳) بیشک ہوسکتا ہے اگرچہ شہر بھر میں رواج نہ ہو کہ شفعہ حکم شرعی ہے۔رواج وغیرہ پر مبنی نہیں وھذا ظاہر جدا (یہ بالکل ظاہر ہے۔ت) واللہ اعلم۔

(۴) ضرور مسموع ہوگا،حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے۔تو قبل از انکار کوئی چیز نہیں۔درمختار میں ہے:

یبطلھا تسلیمھا بعد البیع لاقبله[2]۔	بیع کے بعد شفعہ کو چھوڑنا اس کو باطل کرتا ہے بیع سے پہلے باطل نہیں کرتا۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

تسلیم الشفعة قبل البیع لایصح وبعدہ صحیح[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔(۵)نعم فی الدرالمختار تثبت لمن شری اصالۃ اووکالۃ[4]۔	بیع سے قبل شفعہ کو چھوڑنا صحیح نہیں،اس کے بعد صحیح ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)ہاں درمختار میں ہے اصالۃ یا وکالۃ جو خریدے اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

وکیل المشتری اذا ابتاع فله الشفعة[5] واللہ تعالٰی اعلم۔	مشتری کا وکیل اگر خریدے تو اس کو حق شفعہ ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۵

[2] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الشفعة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[4] درمختار کتاب الشفعة ماثبت ھی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[5] الھدایة کتاب الشفعة باب مایبطل به الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۴۰۵

مسئلہ ۱۳: ازاوجین محلّہ مرزاباڑی مرسلہ میاں آفتاب حسین ۲۲ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو اپنا مکان فروخت کرتاہے زید ہمسایہ عمرو خریداری پر مستعد ہے مگر مالک مکان غیر ہمسایہ کو مکان دیتاہے۔پس حق شفعہ خرید کر مکان میں اول میں درجہ ہمسایہ کو پہنچاہے یاغیر کو؟

الجواب:

شفیع کے لئے حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتاہے۔مکان جب تک بیع نہ ہو شفیع مزاحمت نہیں کرسکتا،ہاں جب مالک غیر ہمسایہ کے ہاتھ بیچ ڈالے اس کے بعد ہمسایہ کے لئے بذریعہ شفعہ حق مطالبہ ہے اگر شرائط طلب بجالاکر دعوی کرے گامکان خریدار سے کراسے دلادیا جائے گا۔تنویرالابصار میں ہے:**تجب بعدالبیع**[1] (شفعہ بیع کے بعد لازم ہوتاہے۔ت) درمختار میں ہے:

اسقط الشفیع الشفعة قبل الشراء لم یصح لفقد شرطه،وهو البیع انتهی[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	خریداری سے قبل اگر شفیع نے شفعہ ساقط کیا تو صحیح نہیں کیونکہ شفعہ کی شرط جو کہ بیع ہے نہ پائی گئی انتهی واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴: سیگرام پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں مرسلہ شیخ برکت اللہ زمیندار ۱۲جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار ہے،اس کو زمیندار نے زمین اپنی سکونت کے واسطے دی جس میں اس نے چوپال اور مکان بنایا،اور اس کاشتکار نے کھیت میں باغ لگایا اب یہ مکان چوپال اس نے فروخت بدست زمیندار کیا،ایسی حالت میں اس بائع کے شرکاء شفیع ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

جبکہ کاشتکار صرف عملہ مکان ودرختان مالک ہے۔زمین اس کی ملک نہیں تو مجرد عملہ ودرخت میں کسی کے لئے شفعہ نہیں۔

فی ردالمحتار فی البزازیة لاشفعة فی الکردار لانه نقلی کالبناء،والاشجار	ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے،چوپال میں شفعہ نہیں کیونکہ وہ منقول چیز ہے جس طرح عمارت

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

ونحوہ فی النھایۃ والذخیرۃ والتتارخانیۃ عن السراجیۃ[1] اھملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور درختوں وغیرہ میں نہیں ہے۔ نہایہ، تاتارخانیہ اور ذخیرہ میں سراجیہ سے منقول ہے۔ اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے (مامہ عہ) روپیہ قرض لئے اور تین مکان رہن کردئے جبکہ مدت گزری ار روپیہ ادانہ ہوا، بکر نے نالش کرکے مع سود وخرچہ (مالہ لعہ لعہ) کے ڈگری پائی، اس میں تینوں مکان جن کی قیمت کی حیثیت قریب پانسوروپیہ کے تھی، چھیاسٹھ روپیہ میں نیلام ہوگئے، نیلام کارندہ بکر نے خریدااور بعدہ، اپنے آقا کے لئے خریداظاہر کرکے بنام بکر لکھ دیا، بکر نے ان مکانات پر قبضہ نہ کیا، زید چھ سات برس تک بدستور قابض رہا، اس سے قبل از نیلام خواہ اس کے بعد کبھی کوئی بات ایسی صادر نہ ہوئی جو اس نیلام کے اجازت یارضامندی پر دلیل ہو، یہاں تک کہ دونوں انتقال کرگئے، اور بعد زید وارثان زید قابض ہوئے، اب ورثائے بکر نے نالش کرکے ڈگری دخلیابی حاصل کی، اور ہنوز دخل نہ ہوا تھا کہ ڈگری بدست خالد بیع کردی، اس خالد کو بھی دخل نہیں ملا ہے۔ اس صورت میں عمرو حویلی مذکور کا شفیع مدت دخل یابی خالد شفعہ طلب کرسکتا ہے یانہیں، اور اگر خالد اپنی ڈگری ضائع کردے اور حق دخلیابی سے بعوض یا بلاعوض دستبردار ہو تو شفیع کے حق شفعہ کی کیاحالت ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ان مکانات پر ہرگز کسی طرح دعوٰی شفعہ نہیں پہنچتا کہ شفعہ کے لئے مکان کا ملک مالک سے خارج ہونا ضروری ہے۔

فی ردالمحتار فی الفتاوٰی الصغرٰی الشفعۃ تعتمد زوال الملك عن البائع[2] الخ۔	ردالمحتار میں فتاوٰی صغرٰی سے منقول ہے۔ شفعہ کامدار بائع کی ملکیت کازوال ہے۔ الخ (ت)

اور یہاں وہ مکانات شرعاً ملک زید سے خارج نہ ہوئے، یہ بیع نیلام جو بلااجازت واقع ہوئی غیر مالک کی بیع تھی جسے شرع میں بیع فضولی کہتے ہیں، اور وہ اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے۔

فی فتاوٰی الامام قاضی خاں اذا باع الرجل	امام قاضی خاں کے فتاوٰی میں ہے جب بائع نے

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالك [1]۔	غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔(ت)

اب کہ زید خود ہی ان مکانات پر قابض رہا، پھر وہ بلااجازت انتقال کرگیا بیع باطل ہوگئی، یہاں تک کہ وارثان زید کو بھی اجازت کا اختیار نہیں۔

فی الھندیۃ اذا مات المالك لاینفذ باجازۃ الوارث [2]۔	ہندیہ میں ہے کہ جب مالک فوت ہوجائے تو وارث کی اجازت سے بیع نافذ ہوگی۔(ت)

درحقیقت نہ بکر ان مکانوں کا مالک ہے نہ اس کے ورثہ نہ خالد خریدار پر ڈگری، بلکہ وہ سب متروکہ زید ہیں، اور ورثائے بکر کو صرف اپنی مقدار قرض کے مطالبہ پہنچتا ہے وبس، اور دعوی شفعہ فقط عقد مبادلہ میں ہے نہ انتقال بوراثت میں،

فی العالمگیریۃ لا تجب الشفعۃ مالیس ببیع ولا بمعنی البیع حتی لا تجب بالھبۃ والصلۃ والمیراث و الوصیۃ [3]۔	عالمگیری میں ہے، جب تک بیع یا معنی بیع نہ پایا جائے تو شفعہ لازم نہ ہوگا۔ حتی کہ ہبہ، صلہ، میراث اور وصیت میں لازم نہ ہوگا۔(ت)

پس عمرو کو زنہار استحقاق شفعہ حاصل نہیں، شرع مطہر کا تو یہ حکم ہے۔اور حکم نہیں مگر شرع مطہر کے لئے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: زید ہندو ہے۔اس نے ایک مکان بنایا، ایسی زمین دیہہ میں کہ آبادی او اراضی اس دیہہ کی ملکیت مشترکہ ہے دس بارہ اشخاص کی، اب اس زید مذکور نے صرف اس مکان وبناء سکنی اپنی کو بہ ثمن متعدد بدست ایک شخص کے کہ مکان خاص رہنے اس کے کا تخمینا پچاس قدم کے فاصلہ سے ہے فروخت کیا، مگر راضی داخل بیع نہیں ہے۔صرف عملہ وبناء کو فروخت کیا ہے۔اب بعد انقضائے عرصہ دوماہ کے منجملہ اور شرکاء کے ایک شریک کہ وہ بھی پچاس قدم اس مکان مبیعہ سے رہتا ہے، بگمان شفیع ہونے کے شفعہ شرعی بربنائے دعوی قائم کرتا ہے۔ایسی صورت میں عندالشرع شریف اس عملہ مبیعہ زید ہندو پر شفعہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الوقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۰

الجواب:

قطع نظر اس سے کہ وہ فی نفسہ شفیع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اور طلب مواثبت واشہاد وغیرہما امور لازمہ جس کے بغیر شفعہ باطل ہوجاتا ہے بجالایا یانہیں۔دعوی اس کا صورت مستفسرہ میں راسا باطل ہے کہ بناء محل شفعہ نہیں اور اس میں قصدا وبالذات شفعہ ثابت نہیں ہوسکتا۔

کمافی تنویر الابصار وشرحه الدرالمختار لاتثبت قصدا الا فی عقار لا بناء ونخل اذا بیعا قصدا ولو حق القرار خلافا لما فهمه ابن الکمال لمخالفته المنقول کما افادہ شیخنا الرملی [1] اھ ملخصا،وذکرہ من قبل فقال فردہ شیخنا الرملی وافتی بعدمها تبعا للبزازیة وغیرها فلیحفظ [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جیساکہ تنویر الابصار میں اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ شفعہ قصداصرف زمین میں ہوسکتا ہے عمارت اور کھجور کے درخت میں شفعہ نہیں،جب ان کو قصدا فروخت کیا جائے اگرچہ بشرط قرار فروخت کیا جائے،یہ ابن کمال کے فہم کے خلاف ہے کہ انھوں نے منقول کے خلاف کہا جیساکہ ہمارے شیخ رملی نے افادہ کیااھ ملخصا انھوں نے قبل ازیں ذکر کیا ہے اور کہاکہ ہمارے شیخ رملی نے اس کارد کیا ہے اور عدم شفعہ کافتوی بزازیہ وغیرہا کی اتباع میں دیا ہے پس اسے محفوظ کرلو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک کوٹھری جس کا صحن مملوک عمرو اور اس صحن میں اس کوٹھری کے اور عـــہ ہے اور سقف اس کی ملک بکر ہے۔اور اس کی دوجانب بھی مکانات بکر واقع ہیں بکر کے ہاتھ فروخت کی، اس صورت میں شفیع اس کا بکر ہے یا عمرو،اور عمرو کو بدعوی شفعہ وہ کوٹھری مل سکتی ہے یانہیں؟**بینواتوجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں شفیع اس کا عمرو ہے نہ کہ بکر،اور اگر عمرو شرائط شفعہ بجالایا تھاتو بدعوی شفعہ

عـــہ: اصل میں اس طرح ہے،اغلب یہ ہے کہ عبارت اس طرح ہو"اسی کوٹھری کے برابرایک کوٹھری اور ہے"عبدالمنان اعظمی۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعة باب ماتثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

[2] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت ہی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

اس کوٹھری کو بکر سے لے سکتا ہے کہ جب طریق اس مکان کا زمین عمرو میں ہے تو عمرو خلیط فی حق المبیع ہوا، اور بکر اسی وجہ سے کہ مالک علو ہے اور اس کے مکانات کوٹھری کے دونوں جانب ہیں محض جوار ہے۔ اور خلیط جار پر شرعا مقدم مکانات بکر دونوں جانب ہونے سے وہ صرف جار ہوسکتا ہے۔ اسی طرح قابض علو ہونا بھی اگر بوجہ ملک ہو تو فقط مثبت جوار ہے۔ ورنہ لغو بحث۔

فی الفتاوٰی العالمگیریة سفل بین رجلین و لاحدھما علیه علو بینه وبین اٰخر فباع الذی له نصیب فی السفل والعلو نصیبه فلشریکه فی السفل الشفعة فی السفل ولشریکه فی العلو الشفعة فی العلوا ولاشفعة لشریکه فی السفل فی العلو ولا لشریکه فی العلو فی السفل لان شریکه فی السفل جار للعلو و شریك فی حقوق العلو ان کان طریق العلو فیه وشریکة فی العلو جار للسفل اوشریك فی الحقوق اذا کان طریق العلو فی تلك الدار فکان الشریك فی عین البقعة اولی [1]۔ وفی الفتاوٰی قاضی خاں باع صاحب السفل سفله کان لصاحب العلوان یاخذ السفل بالشفعة لان السفل متصل بالعلو فکانا جارین [2]۔	فتاوٰی عالمگیری میں ہے نچلی منزل دو حضرات کی مشترکہ ہے اور دونوں میں سے ایک کا اس پر بالاخانہ ہے جس میں کوئی تیسرا شخص بھی شریک ہے تو نچلی منزل والوں میں سے جس کا بالاخانہ میں حصہ ہے اس نے اپنے نچلے اور اوپر والے حصوں کو فروخت کیا تو نچلے شریک کو نچلے حصہ میں اور اوپر والے شریک کو اوپر والے حصہ میں شفعہ کا حق ہے نیچے والے کو اوپر اور اوپر والے شریک کو نیچے والے حصہ میں شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ نیچے والا شریک بالاخانہ کا پڑوسی ہے اور اگر بالاخانہ کا راستہ مشترکہ ہو تو وہ بالاخانہ کے حقوق میں بھی شریک ہے اور یوں ہی بالاخانہ کا حصہ دار نیچے والے حصہ کا پڑوسی ہے اگر راستہ بالاخانہ نیچے والی منزل میں سے گزرتا ہو تو بھی نچلی منزل کے حقوق میں شریک ہوگا لہٰذا پڑوسی یا حقوق میں شریک کی بنسبت عین مبیع میں شریک کا حق مقدم اور اولٰی ہے۔ اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ نچلی منزل والے نے اپنا حصہ فروخت کیا تو اوپر والے کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ نچلی اور اوپر منزل میں اتصال ہے تو دونوں پڑوسی قرار پائیں گے۔ (ت)

غرض بہر حال بکر جار محض سے زائد نہیں اور عمرو خلیط فی حق المبیع ہے کہ راستہ مکان مبیع کا اس

---

[1] فتاوٰی ہندیه کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعة فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۴

کی زمین مملوک ہے۔اور شرعا خلیط جار پر مقدم۔**کما ھو فی عامۃ الکتب** (جیسا کہ یہ عام کتب میں ہے۔ت) پس صورت مسئولہ میں برتقدیر مدعی ہونے کسی شریک فی نفس المبیع کے عمرو ہے۔نہ بکر اور عمرو شرائط شفعہ بجالایا تو در صورت عدم مزاحم مکان مبیع کو بکر سے لے سکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان واقع کوچہ غیر نافذہ ایک شخص اجنبی کے ہاتھ کہ اس مکان سے کوئی علاقہ شفعہ نہیں رکھتا فروخت ہوا،راستہ اسی مکان کا اراضی پیش دروازہ زید ہے۔اور راہ دونوں کو شارع عام تک مشترک،پس زید بعد بجاآوری شرائط شفعہ بحسب شفعہ دعوی کرتا ہے۔اس صورت میں وہ مکان زید کو مل سکتا ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید خلیط فی حق المبیع ہے۔اور حق شفع اس کے لئے ثابت،پس جس صورت میں کہ وہ سب شرائط بجالایا اگر کوئی خلیط فی نفس المبیع مدعی شفعہ نہ ہو،تو مکان اسے قطعاً مل سکتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

الجواب الصحیح محمد نقی علی میاں

مسئلہ ۱۹: ۲۷ صفر ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کی اراضی میں زید کے چند ورثہ شریک ہیں،ان میں سے بعض نے اپنے حصے عمرو شخص اجنب کے ہاتھ بیع کردئے،پھر ان اشخاص میں سے جنھوں نے اپنے حصے بیع نہیں کئے تھے ایک نے اسی عمرو کے ہاتھ اپنا حصہ بیع کردیا،اب ان اشخاص مذکورین میں ایک شخص شفیع ہے۔تو یہ شخص عمرو اجنب پر ترجیح رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اس اراضی مبیعہ کو عمرو سے شفعہ میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عمرو جبکہ ایک حصہ اسی زمین کا خرید چکا ہے۔اور ہنوز حدود جدا نہ ہوں تو وہ بھی شریک ہے اور یہ شفیع بھی شریک ہے تو کسی دوسری پر ترجیح نہیں،اگر اس شریک نے بیع ثانی کی کل مبیع کا مطالبہ بذریعہ شفعہ کیا اور عمرو دینے پر راضی نہ ہوا،تو نصف شفیع کو دلادیں گے،اور عمرو راضی ہوگیا تو کل دلادیں گے۔

فی ردالمحتار باع احد شریکین فی دارحصه منها للاخرفجاء ثالث وطلب الشفعة فان کان شریکا قسمت بینه وبین المشتری لانهما شفیعان ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر[1] اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم	ردالمحتار میں ہے ایک مکان میں دوشریکوں میں سے ایک نے اپنا حصہ شریک کے پاس فروخت کیا تو ایک تیسرا شخص آیا اس نے شفعہ کا مطالبہ کیا اگر وہ بھی مکان میں شریک ہو تو وہ مکان شفیع اور مشتری میں مشترکہ قرار پائے گا کیونکہ وہ دونوں شفعہ کے حقدار ہیں یعنی جب تیسرے نے اپنا حق شفعہ نہ چھوڑا اور مطالبہ پر قائم رہا اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰: از دیورنیا تحصیل بہیڑی ۱۷صفر مظفر ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ موضع دیورنیا میں تخمینا دو بسوہ زمینداری ہے۔منجملہ اس کے تخمینا ۵ کچوانسی خلیل الدین کے پاس،اور ۱۰ کچوانسی خواجہ بخش کے پاس،او نمبرداری دونوں بسوہ پر خواجہ بخش کی ہے۔دیگر نے انہی دو بسوہ سے ۱۶ بسوانسہ خلیل الدین کے ہاتھ بیع کی،تو شفعہ خواجہ بخش اور خلیل الدین کس کو کتنا پہنچتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ دیہہ مملوکہ ہے کہ زمیندار اس میں اپنے اپنے حصوں کے مالک ہیں،تو بلا شبہ اس میں حق شفعہ جاری ہے اور خلیل الدین مشتری اور خواجہ بخش دونوں شفیع ہیں،خواجہ بخش اگر طلب مواثبت وغیرہ شرائط بجالایا اور کل مبیع ۱۶ بسوانسی پوری پر بذریعہ شفعہ دعوٰی کیا تو اگر خلیل الدین مزاحمت کرے تو آٹھ بسوانسی خلیل الدین کے پاس رہیں گے،اور آٹھ بسوانسی شفعہ خواجہ بخش کو دلادی جائینگی اس بات پر کچھ لحاظ نہ ہوگا کہ ان میں ایک دو کچوانسی کا مالک ہے اور دوسرا دس کا،اور اگر خلیل الدین مزاحمت نہ کرے بلکہ کل دے دے تو کل خواجہ بخش کو ملے گی،اور اگر خواجہ بخش نے کل مبیع پر دعوٰی نہ کیا بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجھے آدھی ملیں گی،ابتداءً آٹھ ہی بسوانسی پر شفعہ چاہا،تو اس کا حق شفعہ ساقط ہوا،اب کچھ نہ پائے گا،ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی الخیریة ان کون الارض عشریة اوخراجیة لاینافی الملك ففی کثیر من الکتب ارض الخراج او العشر	خیریہ میں مذکور ہے کہ زمین کا عشری یا خراجی ہونا ملکیت ہونے کے منافی نہیں ہے تو بہت سی کتب میں ہے کہ مملوکہ عشری یا خراجی زمین کا فروخت کرنا،وقف

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة باب ماتثبت ھی فیه اولا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲

مملوکة یجوز بیعھا وایقافھا وتورث فتثبت فیھا الشفعة بخلاف السلطانیة التی تدفع مزارعة لاتباع فلا شفعة فیھا[1] الخ۔	کرنا، میراث ہونا جائز ہے، توان میں شفعہ ثابت ہوگا۔ بخلاف سرکاری زمین جو مزارعت میں دی جائے اور قابل فروخت نہ ہواس میں شفعہ نہیں ہے الخ۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوکان المشتری شریکا وللدار شریك اٰخر فلھما الشفعة[2]۔	اگر خریدر خود شریک تھا جبکہ اس میں کوئی اور بھی شریک ہو تو دونوں کو شفعہ کا حق ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی القنیة اشتری الجار دارا ولھا جار اٰخر فطلب الشفعة وکذا المشتری فھی بینھما نصفین، لانھما شفیعان قال ابن الشحنة فقولہ وکذا المشتری ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر، وفی کلام ابن الشحنة اشارة الی ان قول القنیة فطلب الشفعة المراد بہ انہ لم یسلم الکل للاخر لاحقیقة الطلب، فلاینافی ماقدمناہ عن الخانیة ان الاصیل لایحتاج الی الطلب[3]۔	قنیہ میں ہے ایک نے پڑوس والا مکان خریدا جبکہ اس مکان کا پڑوسی ایک اور شخص بھی ہے تو اس نے شفعہ کا مطالبہ کیا تو وہ اور مشتری دونوں اس مکان میں شریک ہونگے، کیونکہ وہ دونوں برابر کے شفیع ہیں، ابن شحنہ نے کہا، تو اس کا قول یوں مشتری بھی، یعنی جب وہ شفعہ کا مطالبہ کرے اور دوسرے کو اپنا حق نہ چھوڑے، اور ابن شحنہ کے کلام میں یہ اشارہ ہے کہ قنیہ کے قول "تو شفعہ طلب کیا" اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کو کل نہ سونپا، یہ مراد نہیں کہ حقیقۃً طلب کیا، تو یوں خانیہ سے ہمارے ذکر کردہ کے منافی نہ ہوا کہ اصل شخص طلب کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

تملك بلاخذ بالتراضی او بقضاء القاضی بقدر رؤس الشفعاء لاالملك[4]۔	رضامندی یا قاضی کی قضاء سے شفعہ کرنے والوں کی تعداد کے مطابق نہ کہ ملکیت کے مطابق حاصل کرنے پر مالک ہوجائیں گے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر والخراج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۵۶

[2] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[3] ردالمحتار کتاب الشفعة باب ماتثبت ھی فیہ اولا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

درمختار میں ہے:

لو طلب احد المشریکین النصف بناء علی انہ یستحقہ فقط بطلت شفعتہ اذ شرط صحتہا ان یطلب الکل کما بسطہ الزیلعی فلیحفظ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر دونوں شریک حضرات میں، سے ایک نے نصف کا مطالبہ صرف اپنے استحقاق کے مطابق کیا تو شفعہ باطل ہوگیا کیونکہ شفعہ کی صحت کے لئے شرط ہے کہ وہ کل کا مطالبہ کرے، جیسا کہ زیلعی نے اس کو مبسوط پر بیان کیا، اسے محفوظ کرنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان پابند شرع، برحق اس مسئلہ میں، ایک چشمہ گنگا بائی ومتھرا بائی کے مکان کا شرق رویہ ملحق مکان حکیم رحمت علی صاحب اور طرف جنوب شارع عام اور مغرب رویہ اس مکان کے صرف مکان رحمت علی صاحب ہے، اس چشمہ کو ایک برہمن غیر محلّہ کو سات سو روپیہ میں فروخت کیا، ازاں جملہ دس روپیہ بیعنامہ ہوا، اس برہمی سے لے لئے، جب حکیم صاحب کو خبر پہنچی تو بوقت دستاویز دعوی حق شفعہ کیا تو اس عورت نے بعدم دعوی حق شفعہ حکیم صاحب اس چشہ کو جو منضم مکان حکیم صاحب ہے اس برہمن کو خیرات کردیا، اس خیال سے کہ دعوی حکیم صاحب رد ہوجائے، اس صورت میں بحق شفعہ دعوی حکیم صاحب درست ہے یانہیں؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

الجواب:

اگر شفیع شرائط طلب بجالایا تو اس کا حق شفعہ ثابت ہے۔ اور اس خیرات کردینے سے شفعہ حاصل نہ ہوا، جب بیع تمام ہوچکی مشتری کا مالک ہوگیا، بائعہ کی اس میں ملک نہ رہی، اب یہ اسی کا مال اس پر خیرات کرنے والی کون، اور اگر خیرات یوں واقع ہوئی کہ بعد دعوی شفعہ بائعہ ومشتری نے باہم بیع کو فسخ کرلیا، پھر بائع نے مبیع مشتری پر خیرات کردی، تو یہ مشتری کا ایک تصرف تھا جسے شفعیع توڑ سکتا ہے، بائع ومشتری کا باہم بیع فسخ کرلینا تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہوتا ہے یعنی مشتری نے اب وہ چیز بائع کے ہاتھ بیچ ڈالی اور مشتری کی بیع درکنار وقف تک کو شفیع رد کرسکتا ہے ان تصرفات سے اس کے حق شفعہ میں کوئی خلل

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

نہیں آتا، در مختار میں ہے:

ینقض الشفیع جمیع تصرفات المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والھبۃ. زیلعی وزاھدی[1]۔	مشتری کے کئے ہوئے تصرفات حتی کہ وقف، مسجد مقبرہ، ہبہ جیسے کو بھی شفیع کالعدم کردے، زیلعی وزاہدی۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لوتصرف المشتری فی الدار المشتراۃ قبل اخذ الشفیع بان وھبھا وسلمھا اوتصدق بھا اوأجرھا او جعلھا مسجدا وصلی فیھا او وقفھا وقفا اوجعلھا مقبرۃ ودفن فیھا، فللشفیع ان یاخذ وینقض تصرف المشتری کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں[2]۔	اگر مشتری نے خرید کردہ پراپرٹی میں شفیع کے قبضہ سے قبل تصرفات کئے یوں کہ ہبہ کرکے قبضہ دے دیا، اس کو صدقہ کردیا، اُجرت پر دے دیا، اس کو مسجد قرار دے کر اس میں نماز پڑھی گئی، مکمل وقف کردیا، یا قبرستان بنا کر اس میں دفن کا عمل کیا تو شفیع کو قبضہ کرکے ان تمام تصرفات کو ختم کرنے کا حق ہے۔ قاضی خاں کی شرح جامع الصغیر میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

المشتری لہ ان یبیع ویطیب لہ الثمن غیر ان للشفیع ان ینقض[3] اھ مختصرا۔	مشتری کو فروخت کرنے کا جواز ہے اور وہ ثمن اس کے لئے طیب ہے مگر شفیع کو اختیار ہوگا کہ وہ ان تصرفات کو توڑ دے اھ مختصرا۔(ت)

تنویر میں ہے:

الاقالۃ فسخ فی حق المتعاقدین بیع فی حق ثالث[4] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اقالہ فریقین کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں وہ جدید بیع ہے اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۱

[4] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۔۳۳

مسئلہ ۲۲: از شہر کہنہ بریلی مرسلہ مولوی سید کرامت علی ۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعت غراء محمدیہ اس صورت میں کہ زید کا ہمسایہ عمرو ہے اور دونوں کے مکان ایک ہی قطعہ میں واقع ہے۔ صرف دیوار پر درمیان میں ہے۔ اور دروازہ دونوں کا متصل ہر ایک جانب کو بفاصلہ تین چار گزرکے، اور کوئی دوسرا شخص ایسا قریب نہیں رہتا جس کا دروازہ ملحق بدروازہ زید ہو۔ سوائے عمرو مذکور کے، اب زید نے بنظر تکلیف دہی عمرو کی اپنی زمین مذکورہ کا تبادلہ بکر کے زمین سے جو بفاصلہ تقریبا دو صد گز ہے کرکے اقرار نامہ تحریر کردیا یعنی اپنی زمین بکر کے بیع کردیا، اب اس حالت میں عمرو کو حق شفعہ زمین پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور حق شفعہ پہنچتا ہے اگرچہ بجائے لفظ بیع مبادلہ زمین بزمین کہا، اگرچہ بجائے بیعنامہ اس مبادلہ کا اقرار نامہ لکھا، اس لئے کہ ان عقود میں معنی ہی معتبر ہیں، خاص لفظ کی حاجت نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

اعطیتك بکذا اوخذہ بکذا فی معنی قولہ بعت واشتریت لانہ یؤدی معناہ المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود[1]۔	میں نے تجھے اتنے عوض میں دیا یا اتنے عوض میں لے، یہ بعت واشتریتُ کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ان کے ہم معنٰی ہیں اور ان عقود میں معنی ہی معتبر ہے۔(ت)

اور مال کا مال سے بدلنا بھی معنا بیع ہے، عالمگیری میں ہے:

اما تعریفۃ فمبادلۃ المال بالمال بالتراضی ھکذا فی الکافی[2]۔	بیع کے تعریف، رضامندی سے مال کا مال کے بدلے دینا، کافی میں اس طرح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لوقال لاخر عوضت فرسی بفرسك فقال وانا فعلت ایضا فھذا بیع[3]۔	اگر ایک نے دوسرے کو کہا، میں نے اپنا گھوڑا تیرے گھوڑے کے بدلے میں دیا، دوسرے نے کہا میں نے بھی کر لیا، تو یہ بیع ہے۔(ت)

[1] الہدایۃ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵

اسی کی کتاب شفعہ میں ہے:

اما شرطها فانواع منها عقدا لمعاوضة وهو البيع او ماهو بمعناه(الى وله)ومنهامعاوضة المال بالمال [1]۔	شفعہ کے شرائط کئی ہیں، ان میں ایک عقد معاوضہ ہے۔اور وہ بیع یا اس کا ہم معنی ہے (تا اس کے قول) اور ان میں سے مال کا مال سے تبادلہ ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

اذامالك العقار بعوض هو مال وجبت فيه الشفعة [2]۔	جب پراپرٹی کا کسی مال کے عوض مالک بن گیا تو اس میں شفعہ لازم ہوتا ہے۔(ت)

یہ خاص جزئیہ اس مسئلہ کا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳: از ریاست رامپور محلّہ بنگلہ آزاد خاں مطبع دبدبہ سکندری مرسلہ فاروق حسن خاں ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

زید نے دعوی دلاپانے ایک قطعہ سراکا جس کا منفرد عمرو مشتری ہے۔اور دوسرے قطعہ سراکا جس کے عمرو مذکور وبکر وخالد وفہیم ونعیم پانچ اشخاص مشترکا خریدار ہیں، باظہار حق شفعہ بہ نمبر ہائے جداگانہ بنام مشتریان مذکور عدالت میں رجوع کیا، مشتریان مذکور بعد علم بالبیع ادائے طلب مواثبت واشہاد زید کے منکر ہیں، زید نے جو شہادتیں دربارہ طلب مواثبت عدالت میں پیش کیں ان سے طلب مذکور ثابت نہ ہوئی، پس زید اعتراف عدم ثبوت طلب موثبت اپنی طلب مواثبت پر خود خواستگار بجاآواری حلف کا ہے۔علماء ماہرین علم فقہ سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ بصورت مسئلہ نسبت ادائے طلب مواثبت قول زید کا مع الیمین مقبول ہوگا یا باقتضائے روایات مفتی بہا واقوال مستندہ فقہیہ بسبب ہونے تحلیف علی فعل الغیر مشتریان سے علم طلب مواثبت زید پر قسم لی جائے گی، اور فریق ثانی نے جو استفتاء عدالت میں پیش کیا ہے اس کی نقل بجنسہٖ ہمرشتہ سوال ہذا ہے۔ نظر بمضمون سوال ہذا وتوجہ بروایات وعبارات سوال وجواب مندرجہ استفتاء گزرانیدہ، فریق ثانی بحوالہ روایات مفتی بہا باستدلال اقوال مستندہ کتب فقہ جواب مرحمت ہو۔**بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مسئلہ معرکۃ الآرا ومزلۃ الاقدام ہے۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس سوال کے ورود پر

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۰

[2] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب ماتجب فیہ الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۴۰۰

عبارات کثیرہ علماء کو بظاہر نہایت متخالف ومتعارض تھیں بکثرت جمع کیں، اور ان کے محو انظار و منزع کلام و منظر مراد وملحظ مرام پر بتوفیقہ تعالٰی نظریں ڈالیں اور بعد تحقیق وتدقیق و تطبیق وتوفیق وہ حکم نفیس مشید بالاصول ومؤید بتظافر العقول والمنقول منقح کرلیا جس نے بحمد اللہ تعالٰی ان تمام عبارات متعارضہ کو یک زبان کردیا اور تصادم و تزاحم یک لخت اٹھ گیا، اور مختلف ظنوں کو مختلف مناشی سے اکابر علماء مثل علامہ ابن قاضی سماوہ وعلامہ حموی وعلامہ ابوالسعود ازہری وعلامہ سائحانی اور شامی رحمہم اللہ تعالٰی کو پیدا ہوئے تھے بعونہ سبحانہ سب کا کشف حجاب واظہار صواب کیا، فقیر نے اس تحریر کامل التحریر کا نام "اَفْقَهُ الْمُجَاوَبَةِ عَنْ حَلَفِ الطَّالِبِ عَلٰی طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ" رکھا۔ وضاحت مرام وازاحت اوہام تو اسی تحریر پر محمول۔ یہاں نفس حکم بکمال اجمال مذکور۔ سوال کہ یہاں ارسال ہوا، اور دوسرا کہ فتوٰی منسلکہ میں تھا دونوں نہایت گول اور ناتمام ہیں ان میں سے کسی پر ایک حکم قطعی کہ یہاں شفیع کا حلف لیں گے یا مشتری کا، ہر گز نہیں ہوسکتا بلکہ حق تفصیل ہے۔ اولا نظر کی جائے، آیا شفیع نے طلب اشاد بینہ عادلہ سے ثابت کردی یا وہ بھی ناکام رہی، درصورت ثانیہ ہر گز شفیع کا حلف نہ لیا جائے گا۔ نہ مسموع ہوگا کہ شفیع ثبوت حق شفعہ کا دعوٰی کرتا ہے۔ اور مشتری منکر ہے۔ اور شرعا حلف منکر پر ہے نہ کہ مدعی پر، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث مشہور میں فرماتے ہیں:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر [1]۔	مدعی پر گواہ اور منکر پر قسم لازم ہے۔ (ت)

ولہٰذا عامہ کتب معتمدہ میں تصریح فرمادی کہ بحال وانکار مشتری شفیع اپنی طلب بے گواہوں کے ثابت کر ہی نہیں سکتا۔ ہدایہ وتبیین الحقائق وتکملہ طوری میں ہے:

لانہ یحتاج الی اثبات طلبہ عندالقاضی ولایمکنہ ذٰلك الابالاشھاد [2]۔	کیونکہ قاضی کے ہاں وہ اپنی طلب کو ثابت کرنے کا محتاج ہے جبکہ یہ گواہ بنائے بغیر اس کے لئے ممکن نہیں۔ (ت)

اور اگر طلب شہاد بینہ شرعیہ سے ثابت ہوچکی ہے۔ تو اب طلب مواثبت کے باب میں تین صورتیں ہیں:

(۱) اگر شفیع اپنی طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب اشہاد مشہود ومعہود ثابت بالبینہ سے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرھن باب اذا اختلف الراھن والمرتھن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوی والبینات دارصادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

[2] الھدایہ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۰

پہلے بیان کیا اور مدعی ہوا ہے کہ اسی وقت بمجرد علم بالبیع میں طلب مواثبت بجالایا تھا، تو ہرگز بے بینہ مسموع نہیں، نہ شفیع کا حلف اصلا قابل سماعت کہ وہ باقرار خود سبقت علم مان چکا ہے اور اس کی معیت کا ایک ایسی طلب کے لئے مدعی ہے جو ہنوز مجہول وغیر ثابت ہے۔

فکیف یصدق فیما ھو غیر بین ولا مبین مع توقف ثبوت حقه علیه۔	تو غیر واضح چیز میں وہ کیسے تصدق کرے جبکہ اپنے حق کو ثابت کرنا خود اس پر موقوف ہے۔ تو اور کون واضح کرے گا۔ (ت)

وہ حصول طلب فی الماضی کا مدعی ہے اور مشتری منکر۔

والاصل العدم ومن ادعی خلاف الاصل فعلیه تنویر دعواہ بالبینة۔	عدم اصل ہے اور جو شخص اصل کے خلاف کا دعوی کرے اس پر اپنے دعوی کو روشن کرنا گواہی کے ساتھ ضروری ہے۔ (ت)

وہ ایک ایسی چیز کی حکایت کررہا ہے جو اس وقت اس کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ سبقت علم کا مقر ہوا، اور طلب مواثبت کا وقت اسی فور میں تھا اس وقت احداث طلب پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور جو ایسی شیئ کا حاکی ہو اس کا قول بے بینہ مسموع نہیں، دررو غرر میں ہے:

من حکی مالایملك استئنافه للحال، لایصدق فیما حکی بلا بینة[1]۔	جس کو فی الحال نافذ کرنے کا مالک نہیں تو اس کی حکایت بغیر گواہی قابل تصدیق نہ ہوگی۔ (ت)

یہی معنی ہیں تصریحات کے کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں ہوسکتی۔

ای اذا کان طلب المواثبة وحدہ بخلاف مایاتی فانه لم یثبت فیه انفرادہ عن طلب الاشهاد، کما ستعلم، وطلب واحد ربما یقوم مقام الطلبین فبعد اثبات طلب الاشهاد بالشهود اوثبوته باقرار المشتری لایحتاج الی اثبات طلب المواثبة	یعنی جب طلب مواثبت الگ ہو یہ آئندہ آنیوالی صورت کے برخلاف ہے جہاں طلب مواثبت میں اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ طلب اشہاد سے خالی ہے جیسا کہ عنقریب تجھے معلوم ہوگا جبکہ ایک ہی طلب وہ مطالبوں کے قائم مقام ہوسکتی ہے تو گواہوں کے ذریعہ طلب اشہاد کے اثبات یا خود مشتری کے اقرار سے ثبوت کے بعد شفیع کو اب طلب مواثبت کے اثبات

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون ھی فیه میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

منفرزاعنه.فان ادعی المشتری الانفراز بتقدم العلم علی الاشجار فعلیه البینة لاعلی الشفیع۔	کی الگ طور پر ضرورت نہیں، تو اگر مشتری یہ دعوی کرے کہ شفیع کو طلب اشہاد سے قبل بیع کا علم تھا اور اس نے مواثبت نہ کی تو اس صورت میں مشتری پر لازم کہ وہ اس پر گواہی پیش کرے نہ کہ شفیع پر۔(ت)

غایۃ البیان شرح الہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

المراد من المطالبة طلب المواثبت والاشهاد فیه فی المجلس لیس بشرط والشراط هو نفس الطلب۔و انمایشهد فیه لانه لایصدق علی الطلب الابینة[1]۔	مطالبہ سے مراد طلب مواثبت ہے۔رہا شہاد(گواہ بنانا) تو اس کا اس مجلس میں پایا جانا شرط نہیں ہے شرط صرف نفس طلب ہے۔اس میں گواہ بنانا صرف اس لئے ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر طلب کی تصدیق نہ ہوسکے گی۔(ت)

نہایہ امام سغناقی و معراج الدرایہ پھر نتائج الافکار و شروح ہدایہ میں ہے:

طلب المواثبة لاینفك عن الاشهاد فی حق علم القاضی[2]۔	طلب مواثبت قاضی کے علم کے اعتبار سے اشہاد سے جدا نہیں ہوسکتی۔(ت)

ان دونوں صورتوں میں سبیل یہی ہے کہ شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے۔اور یہاں حلف فعل غیر پر ہے۔مشتری کا حلف محض علم پر ہوگا کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ اس زید مدعی نے یہ طلب مواثبت جس کا یہ مدعی ہے ادا کی ہو، تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لوانکر المشتری طلب المواثبة فانه یحلف علی العلم[3]۔	اگر مشتری طلب مواثبت کا انکار کرے تو وہ اپنے علم کی قسم کھائے گا(کہ یہ مجھے معلوم نہیں)۔(ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

انکر طلب الشفیع مواثبة حلفه علی العلم،وان طلبه عند	مشتری نے شفیع کی طلب مواثبت کا انکار کیا تو اپنے علم کی قسم کھائے گا اور اگر شفیع نے مشتری سے

[1] غایۃ البیان

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ بر فتح القدیر کتاب الشفعۃ باب مایبطل بہ الشفعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۳۶

[3] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۷

لقائه فعلی البتات [1]۔	ملاقات کے وقت طلب کا دعوی کیا تو اس صورت میں مشتری قطعی قسم کھائے گا (کہ شفیع نے قبل ازیں مواثبت نہیں کی)۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

انکر المشتری طلب الشفعة حین علم فالقول له مع یمینه علی نفی العلم [2]۔	مشتری نے طلب کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سننے پر مواثبت نہیں کی تو مشتری اپنے علم کی قسم کھائیگا اور اس کی بات مان لی جائے گی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفعة عند سماع البیع فالقول له مع الیمین علی العلم باللّٰه ما یعلم ان الشفیع حین علم بالبیع طلب [3]۔	مشتری نے طلب شفعہ کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سننے پر مواثبت نہیں کی تو اپنے علم کی قسم پر اس کی بات قبول کرلی جائے گی اور یوں کہے گا کہ اللہ کی قسم مجھے علم نہیں کہ شفیع نے سن کر موقعہ پر طلب کی ہو۔ (ت)

ہندیہ میں ملتقط سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفیع الشفعة عند سماع البیع یحلف علی العلم، وان انکر طلبه عند لقائه حلف علی البتات [4]۔	شفیع کا بیع کی خبر سننے پر طلب کا اگر مشتری انکار کرے تو اپنے علم کی قسم دے گا۔ اور اگر اس کی ملاقات کے موقعہ پر طلب کا مشتری انکار کرے تو قطعی قسم دے۔ (ت)

اسی طرح کتب کثیرہ میں ہے۔ اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے:

اذا انکر المشتری طلب الشفعة فیقول له لم تطلب الشفعة حین علمت بل ترکت الطلب وقمت عن المجلس والشفیع	مشتری طلب شفعہ کاانکار کرتے ہوئے شفیع کو کہے کہ تو نے بیع کی خبر سن کر شفعہ طلب نہ کیا بلکہ تو مجلس سے اٹھ گیا اور طلب کو ترک کیا، اور شفیع کہے کہ میں نے

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الشفعة ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۷

[3] خزانة المفتین کتاب الشفعة قلمی نسخہ ۲/ ۱۹۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

یقول طلبت فالقول قول المشتری فلا بد من الاشهاد وقت الطلب توثیقا[1]۔	اس وقت طلب کیا ہے تو مشتری کی بات مانی جائے گی اسی لئے کہ وقت الشہاد ضروری ہے تاکہ معاملہ پختہ ہو۔(ت)

اور اگر شفیع نے طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب الشہاد و مشہود سے پہلے نہ بیان کیا، بلکہ صراحۃ تصریح کردی کہ جس وقت میں نے طلب اشہاد کی اسی وقت مجھے علم ہوا تھا اس سے پہلے علم بالبیع نہ تھا، تو شفیع ہی کا قول حلف کے ساتھ مقبول ہے۔ا سے طلب مواثبت پر جداگانہ گواہی دینے کی حاجت نہیں، مشتری اگر دعوی کرے کہ طلب اشہاد سے پہلے شفیع کو علم بالبیع ہولیا تھا، اور اس نے اس وقت طلب مواثبت نہ کی تو اب مشتری مدعی ہے۔ یہ گواہی دے، اسی لئے کہ اب یہ حصول علم فی الماضی کا ادعا کرتا اور شفیع منکر ہے۔

والحادث یضاف الی اقرب الاوقات، والاصل العدم فمن خالف ھذین الاصلین فعلیہ البینۃ۔	نیا معاملہ اقرب وقت کی طرف منسوب ہوگا، اور یہ کہ عدم اصل ہے۔ جو شخص ان دونوں قاعدوں کے خلاف کرے تو اس پر گواہ لازم ہوں گے (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوقال الشفیع لم اعلم بالشراء الاالساعۃ کان القول قولہ، وعلی المشتری البینۃ انہ علم قبل ذٰلك ولم یطلب[2]۔	اگر شفیع کہے کہ مجھے خریداری کا علم نہ تھا اب ہوا ہے، تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور مشتری گواہی پیش کرے کہ اس کو پہلے علم ہو چکا اور اس نے طلب نہ کیا۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

الشفیع اذا طلب الشفعۃ فقال المشتری علمت بالبیع قبل ھذا ولم تطلب وقال الشفیع علمت بہ الساعۃ فالقول للشفیع[3]۔	شفیع نے طلب کیا تو مشتری نے کہا تجھے قبل ازیں بیع کا علم ہوگیا تھا تو نے مطالبہ نہ کیا جبکہ شفیع کہے کہ مجھے ابھی علم ہوا ہے تو شفیع کی بات قبول ہوگی۔(ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی ظہیریہ اور عالمگیری میں محیط سے ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشفعۃ فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۶

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۰

لو قال الشفیع علمت الساعة وانا اطلبھا وقال المشتری علمت قبل ذٰلك ولم تطلب فالقول قول الشفیع [1]۔	اگر شفیع نے کہا مجھے اب علم ہوا اور طلب کررہا ہوں مشتری نے کہا تو نے پہلے علم ہونے کے باوجود طلب نہیں کیا ہے تو شفیع کی بات مانی جائے گی۔(ت)

یوہیں اگر شفیع نے طلب اشہاد ثابت کردی اور طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم اصلا معین نہ کیا بلکہ لوگوں مجمل کہا کہ معاعلم ہوتے ہی میں نے شفعہ طلب کیا تو اس صورت میں بھی شفیع کا حلف معتبر ہے اگر واقع میں اسی وقت طلب اشہاد سے پہلے علم نہ ہوا تھا جب تو ظاہر اور ہوچکا تھا اور فورا طلب مواثبت کرلی تھی اگرچہ اس وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا ت وہ اپنے اس حلف میں عنداللہ سچا ہے اور قاضی اس گول لفظ کو اسی طلب معلوم مشہود پر حمل کرے گا اور اس سے زیادہ تفصیل وقت کی شفیع کو تکلیف نہ دیگا یہی منشا ہے ان عبارات کا کہ شفیع کو اگرچہ تنہائی میں علم بالبیع ہو معاز بان سے طلب شفعہ کرلے کہ عند اللہ تعالٰی اس کا شفع ساقط نہ ہو اور وقت حاجت حلف کرسکے۔ فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یصدق علی انہ طلب کما علم مع الحلف [2]۔	شفیع نے کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کیا تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کردی جائے گی۔(ت)

درر میں ہے:

اذا اسمع بالبیع فی مکان خال عن الشھود فسکت تبطل شفعتہ، واذا قال طلبت الشفعة ولم یسمعہ احد لا تبطل، حتی اذا حضر عند القاضی، وقال الشفیع طلبت الشفعة ولم اترکھا وحلف علی ذٰلك کان بارا فی یمینہ، ویثبت طلب المواثبة [3]۔	جب ایسی جگہ اس نے بیع کی خبر سنی جاں کوئی گواہ نہ تھا تو یہ خاموش رہا، اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا اور جب یہ کہے کہ میں نے وہاں طلب کیا اور کسی نے نہ سنا شفعہ باطل نہ ہوگا حتی کہ جب قاضی کے ہاں حاضر ہوکر شفیع نے کہا میں نے شفعہ طلب کیا اور ترک نہیں کیا اور قاضی نے اس پر قسم لی اور اس نے قسم کھائی تو اپنی قسم میں سچا ہوگا۔ اور طلب مواثبت ثابت ہوجائے گی۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ان لم یکن بحضرتہ احد یطلب من غیر اشھاد، لان ھذا الطلب صحیح من غیر اشھاد والاشھاد لمخالفة الجحود۔ والطلب لا بد منہ کیلا یسقط حقہ فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی ولیمکنہ الحلف اذا حلف [4]۔	اگر کوئی بھی حاضر نہ ہو تب بھی طلب بغیر گواہی کردے، کیونکہ یہ بغیر گواہوں کے طلب صحیح ہوگی اور گواہی تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہوتی ہے جبکہ طلب ضروری ہے تاکہ اس کا عنداللہ حق ساقط نہ ہو اور اس سے قسم لی جائے تو قسم دینا ممکن ہو۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیة کتاب الشفعة الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۶

[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون ھی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۵

[4] تبیین الحقائق کتاب الشفعة باب طلب الشفعة المکتبة الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۲۴۳

کفایہ میں ہے:

ذکر فی المبسوط لو لم یکن بحضرته احد حین سمع ینبغی ان یطلب الشفعة، والطلب صحیح من غیر اشهاد، والاشهاد لمخالفة الجحود فینبغی له ان یطلب حتی اذا احلفه المشتری امکنه ان یحلف انه طلبها کما سمع [1]۔	مبسوط میں ذکر فرمایا کہ اگر کوئی بھی اس کے پاس موجود ہو تو بیع کی خبر سنتے ہی شفعہ طلب کرنا مناسب ہے جبکہ بغیر گواہ بنائے طلب صحیح ہے گواہ تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہے تو اس کو طلب کرنا مناسب ہے، تاکہ جب اس سے مشتری قسم لے تو اس کو یہ قسم دینا ممکن ہو کہ میں نے سنتے ہی طلب کیا ہے۔ (ت)

متتبع کلمات علماء بہت جگہ تصریح پائے گا کہ جب دربارہ میں طلب شفیع ومشتری میں اختلاف ہے قول قول مشتری ہے۔اور بہت جگہ یہ کہ قول قول شفیع ہے، اس ظاہری اضطراب میں توفیق وتطبیق بتانے والی وہی عبارات کثیرہ ہیں جن میں تفصیل فرمادی کہ شفیع نے طلب مواثبت کو وقت سابق کی طرف مسند کیا تو قول قول مشتری ہے۔اور گول چھوڑا کوئی وقت اس کا بیان نہ کیا صرف اتناکہ کہ بمجرد علم میں نے بطلب کی تو قول قول شفیع ہے۔خانیہ وبزازیہ ودرر وغرر وجامع الفصولین وسراجیہ وواقعات المفتین وفتاوٰی صغرٰی ومحیط ومبسوط وفتاوٰی ظہیریہ ووھبانیہ وخزانۃ المفتین وتکملہ طوری وحواشی رملی وشامی وشرح وھبانیہ وغیرہا کتب کثیرہ میں یہ توفیق وتفصیل ارشاد ہوئی، امام اجل قاضی الشرق والغرب شیخ المذھب سیدنا امام ابویوسف نوادر میں فرماتے ہیں:

اذا قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فالقول قوله، ولو قال علمت امس وطلبت اوکان البیع امس وطلبتها فی ذٰلك الوقت لم یصدق الا ببینة [2] اھ نقله العلامة الطوری فی تکملہ البحر۔	جب شفیع کہے میں نے علم ہونے پر شفعہ طلب کیا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اس نے کہا مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کیا یا یوں کہا کہ بیع گزشتہ روز ہوئی اور میں نے طلب کیا، اسی وقت، تو بغیر گواہی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی، اھ اس کو علامہ طوری نے بحر کے تکملہ میں نقل کیا ہے۔ (ت)

امام جلیل خصاف شرح ادب القاضی میں فرماتے ہیں:

---

[1] الکفایة مع فتح القدیر کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۷

[2] تکمہ من البحر الرائق کتاب الشفعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۲۹

قال المشتری اشتریت ھذہ الدار منذ سنة وقد علم الشفیع شرائی ولم یطلب فأساله عن ذٰلک،فان القاضی یسأل المدعی متی اشتریت ھذہ الدار فان قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فان القاضی یکتفی منه بھذا المقدار،لان لایمکنه ان یقول اشتراھا منذ سنة لاحتیاجه الی اثباته فاحترز عنه بذکر طلب الشفعة۔فان قال له المشتری طلبت حین علمت فالقول للشفیع،لانه فی ھذہ الحلة ظھر علمه للقاضی مقارنا للطلب،بخلاف ما اذا قال الشفیع علمت منذکذ اوطلبت وقال المشتری ما طلبت کان القول للمشتری اذا لم یظھر للقاضی بالاسناد لذٰلك الوقت فیحتاج الی الاثبات،ونظیرہ البکر اذا زوجت[1] اھ،نقله العلامة الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔	مشتری نے کہامیں نے یہ دار ایک سال سے خرید رکھا ہے اور شفیع کو میری خریداری کا علم ہوا اور طلب نہ کی،تو اس سے سوال کریں تو اگر قاضی مدعی شفعہ سے سوال کرے کہ اس دار کی خریداری کب ہوئی،تو شفیع نے اگر کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کی تو قاضی اس کی اس قدر بات کو کافی قرار دے گا کیونکہ شفیع کو یہ ممکن نہیں کہ وہ یوں کہے کہ مشتری نے سال سے خرید رکھا ہے وہ طلب کے اثبات کا محتاج بنے،لہٰذا اس بیان سے احتراز کرتے ہوئے طلب شفعہ کو ذکر کیا ہے۔تو اگر مشتری اس کو کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب کیا تھا تو شفیع کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اس حالت میں طلب اور علم اکٹھے قاضی پر ظاہر ہوئے،اس کے برخلاف اگر شفیع یوں کہے کہ میں نے اتنی مدت سے جانا اور طلب کی اور مشتری طلب کا انکار کردے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ قاضی پر اس وقت کی طلب ظاہر نہ ہوئی تو اثبات کامحتاج ہوگا۔اور اس کی نظیر باکرہ لڑکی کا نکاح ہے۔اس کو علامہ شرنبلالی نے تیسیر القاصد شرح نظم الفرائد میں نقل فرمایا ہے۔(ت)

امام فقیہ النفس خانیہ میں فرماتے ہیں:

ان قال المشتری انی قد اشتریت ھذہ الدار التی یرید ان یاخذھا بالشفعة منذ سنة وقد علم ھذ المدعی بشرائی	اگر مشتری کہے کہ میں نے یہ دار سال سے خرید کر رکھا ہے جس کو وہ شفعہ کی بناء پر حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس مدعی شفعہ کو میری خریداری کاعلم ہوا تو

[1] شرح ادب القاضی للخصاف تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔

ولم یطلب الشفعة یقول القاضی للمدعی متی اشتری هذه الدار فان قال المدعی طلبت الشفعة حین علمت کان صحیحا اکفاه ذٰلك فان قال المشتری ماطلبت حین علمت کان القول الشفیع، وان قال الشفیع علمت منذ سنة وطلبت وقال المشتری لم تطلب کان القول قول المشتری، وهو کالبکراذا زوجت فبلغها الخبر فردت فاختصما الی القاضی فقال الزوج حین بلغها الخبر سکتت، وقالت رددت حین علمت، کان القول قولها، وان قالت علمت یوم کذا و رددت لا یقبل قولها(الی ان قال)ولو قیل للشفیع متی علمت، فقال امس اوفی یومی قبل هذه الساعة لایقبل قوله الابیینة[1]۔	اس نے طلب نہ کی تو اس صورت میں قاضی مدعی سے کہے گا کہ یہ دار کب سے خریدا گیا تو مدعی نے اگر جواب میں کہا کہ میں نے علم کے وقت ہی طلب کی تھی تو مدعی کا یہ بیان صحیح ہوگا اور قاضی اس کو کافی قرار دے گا تو مشتری اگر کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب نہ کی تو شفیع کی بات معتبر ہوگی، اور اگر شفیع نے یوں کہا کہ میں نے سال سے جانا اور طلب کی اور مشتری کہے تو نے اس وقت طلب نہ کی تو مشتری کا قول معتبر ہوگا، یہ معاملہ باکرہ لڑکی کے نکاح کی طرح ہے کہ اس کو نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے نکاح کو رد کیا تو خاوند بیوی کا یہ اختلاف قاضی کے سامنے پیش ہو تو خاوند کہے اس کو جب نکاح کی خبر پہنچی تو یہ خاموش رہی اور عورت کہے میں نے علم ہوتے ہی رد کردیا تھا تو عورت کی بات معتبر ہوگی اور اگر عورت کہے کہ مجھے فلاں روز علم ہوا اور میں نے رد کردیا تھا تو عورت کی بات معتبر نہ ہوگی (یہاں تک فرمایا) اور اگر شفیع کو کہا گیا تو نے کب معلوم کیا تو اس نے کہا گزشتہ روز یا آج ایک گھنٹہ قبل تو شفیع کی بات بغیر گواہی قبول نہ ہوگی۔(ت)

علامہ مولٰی خسرو غرر میں فرماتے ہیں:

قال الشفیع طلبت حیط علمت فالقول له بیمینه، ولو قال علمت امس وطلبته کلف اقامة البینة[2]۔	شفیع کہے جس وقت مجھے علم ہوا اس وقت ہی طلب کی تو اس کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی، اور اگر کہے مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کی تو اسے گواہی کا پابند کیا جائے گا۔ (ت)

درر میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشفعة فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۲

[2] الدرالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعه باب ماتکون ہی فیه میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

كلف اقامة البينة ولايقبل قوله لانه اضاف الطلب الى وقت ماض فقد حكى مالايملك استئنافه للحال، و من حكى مالا يملك استئنافه للحال لايصدق فيما حكى بلا بينة، واذا لم يضف الطلب الى وقت ماض بل اطلق الكلام اطلاقا تامافقد حكى مايملك استئنافه للحال لانه نجعله كانه علم بالشراء الآن، وطلب الشفعة الآن فلذا جعل القول قوله كذا فى العمادية وغيرها[1]۔	اس کو گواہی کا پابند کیا جائے گااور اس کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے طلب کو ماضی کی طرف منسوب کیا ہے تو ایسی بات کو حکایت کیا جس کو فی الحال نافذ کرنے پر قادر نہیں، اور جو شخص ایسی بات کی حکایت کرے جس کو وہ فی الحال ابتداء نافذ کرنے کا مالک نہ ہو تو اس حکایت میں اس کی تصدیق بغیر گواہی نہ ہوگی، اور شفیع جب طلب کو ماضی کی طرف منسوب نہ کرے گا بلکہ کلام کو مطلقاً ذکر کرے تو یہ ایسی بات کی حکایت ہوگی جس کو ابتداء نافذ کرنے کا فی الحال مالک ہے کیونکہ ہم اس کو یوں سمجھیں گے کہ ابھی اس کو خریداری کا علم ہوا ہے اور ابھی شفعہ طلب کیا ہے اس لئے شفیع کی بات معتبر ہوگی، عمادیہ وغیرہ میں یوں ہے۔(ت)

اقول: **وبالله التوفيق** (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ان عبارات توفیق کا جس طرح یہ مطلب نہیں کہ مجرد اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کو دے گا کہ اسے قاضی کے حضور اضافت الی الماضی سے کیاچارہ کہ دونوں مواثبت واشہاد کا طلب عندالقاضی سے پہلے ہونالازم، یہاں تک کہ اگر بفور علم طلب تملک سے آغاز کیااور وہ طلبیں پہلے نہ کرلیں شفعہ باطل ہوجائے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرح علمائنا قاطبة انه متى تمكن من طلب الاشهاد لم يشهد بطلت شفعته فلو اضرب عنه ومضى الى المحكمة ابتداء وطلب عند القاضى بطلت والطلب عند القاضى متأخر عن الطلبين اى طلب المواثبة و الاشهاد فاذا قدمه عليهما او على احدهما	ہمارے تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب بھی طلب اشہاد پر قدرت ہوئی اور گواہی نہ بنائے تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گااور اگراس نے اول وقت میں طلب نہ کی اور محکمہ قضاء کی طرف چل پڑااور قاضی کے پاس جاکر طلب کی شفعہ باطل ہوگا جبکہ قاضی کے ہاں طلب پہلی دو طلب کے بعد ہوتی ہے پہلی طلب مواثبت ہے دوسری طلب اشہاد ہے اور جب قاضی کے ہاں طلب کو پہلی دونوں یاایک

[1] الدرالحکام شرح غرر الاحکام کتاب الشفعۃ باب ماتکون ھی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

بطلت شفعتہ۔ ولیس فی ھذا اختلاف بین ائمتنا فیما علمت [1]۔	طلب سے مقدم کر دیا تو اس کا شفعہ باطل ہوگا۔ اور میرے علم کے مطابق اس میں ہمارے ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (ت)

ناچار عند القاضی نسبت الی الماضی ہی کرے گا، ولہٰذا فتح اللہ المعین میں فرمایا:

انہ لایستحلف الا اذا اسند الطلب الی الزمن الماضی [2]۔	شفیع سے قسم نہ لی جائے گی مگر جب اس نے طلب کو زمانہ ماضی کی طرف منسوب کیا قسم لی جائیگی۔ (ت)

اسی طرح یہ معنی بھی زنہار مراد نہیں ہو سکتا کہ شفیع کا اتنا کہہ دینا کہ "میں نے بمجرد علم طلب کی" مطلقاً کافی ووافی ہے اگرچہ اس طلب کا زمانہ طلب اشہاد سے مقدم بتا چکا ہو۔ ایسا ہی ہوتا ہو جس صورت میں اہل توفیق نے قول شفیع معتبر نہ رکھا، یعنی علمت امس وطلبت (مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کی۔ت) واجب تھا کہ اس میں بھی قبول ہوتا۔ اور فرق محض ضائع رہتا کہ شفیع یہاں طلب مواثبت سے خبر دے رہا ہے۔ اور وہ نہیں ہوتی مگر بفور علم، تو اس طلبت کے معنی قطعاً یہی ہے کہ طلبت کما علمت (میں نے طلب کیا جب مجھے معلوم ہوا۔ت) ولہٰذا اس صورت میں عدم قبول قول شفیع کو سراجیہ میں بلفظ فاء تعقیب بیان کیا کہ:

الشفیع لو قال طلبت الشفعۃ حین علمت کان القول لہ، ولو قال علمت منذ کذا فطلبت وقال المشتری ماطلبت فالقول للمشتری [3]۔	شفیع نے اگر کہا میں نے اسی وقت طلب کی جب مجھے علم ہوا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اگر کہا مجھے فلاں دن سے معلوم ہے تو میں نے طلب کی تھی اور مشتری کہے تو نے طلب نہ کی تھی تو مشتری کی بات معتبر ہوگی۔ (ت)

شرح مبسوط میں خاص انھیں الفاظ اتصال پر حکم عدم قبول دیا:

حیث قال کما نقل عنہ فی جامع الفصولین برمز "شصل" بلغت بکر افقالت	جہاں انھوں نے فرمایا جیسا کہ ان سے جامع الفصولین میں منقول ہے۔ برمز "شصل" باکرہ لڑکی بالغ ہوئی

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشفعۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۵۴

[2] فتح المعین کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۲۹

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۰

رددت کما بلغت، والزوج یقول سکت فالقول للزوج، فکذا لو قال طلبت الشفعۃ کما سمعت فقال المشتری سکت فالقول للمشتری[1]۔	تو اس نے کہا میں نے اپنا نکاح رد کیا جب یہ خبر پہنچی اور خاوند کہتا ہے تو خاموش رہی تو خاوند کی بات معتبر ہوگی تو یوں ہی اگر شفیع کہے جب مجھے معلوم ہوا میں نے شفعہ طلب کیا تو مشتری کہے تو خاموش رہا، تو مشتری کی بات معتبر ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

لو لم یکن عندھا شھود فاذا وجدتھم فلو بلغت بحیض تقول حضت الاٰن و نقضتہ، فاشھدوا علیہ و لو بلغت باحتلام اوبسن تقول کما بلغت نقضتہ، فاشھدوا اوتقول اشھدوا، انی بلغت ونقضتہ فان قالوا متی بلغت تقول کما بلغت نقضتہ ولا تزید علی ھذا الانھا لو قالت بلغت قبل ھذ اونقضتہ حین بلغت لاتصدق[2]۔	اگر بالغ ہونے کے وقت گواہ موجود نہ تھے اور اس نے گواہ پاکر گواہی بنائی تو اگر وہ لڑکی حیض کے ساتھ بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے کہ مجھے ابھی حیض آیا ہے اور میں نکاح کو توڑتی ہوں تم اس پر گواہ ہو جاؤ، اور اگر وہ احتلام یا عمر کی بناء پر بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے جو نہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح توڑ دیا تو تم گواہ ہو جاؤ، یا کہے تم گواہ بن جاؤ میں بالغ ہوئی اور میں نے نکاح توڑ دیا، اگر وہ پوچھیں تو کب بالغ ہوئی، جواب میں کہے جیسے ہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح توڑ دیا اور اس پر مزید کچھ نہ کہے، کیونکہ اس نے کہا میں قبل ازیں بالغ ہوئی اور میں نے توڑ دیا، جب بالغ ہوئی تو اس کی بات قابل تصدیق نہ ہوگی۔(ت)

دیکھو زمانہ متقدم بتانے کی حالت میں ادعائے فوراً اتصال کو بھی رد فرمادیا، غرض نہ مدار قبول مجرد ادعائے اتصال پر ہے، نہ مناط عدم قبول محض اضافت بماضی، بلکہ طلب شہود معہود سے اتصال کا صراحۃً بیان یا طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم علی وقت الاشہاد نہ بیان کرنا، اور صرف بیان اتصال پر قانع ہونا درکار ہے کہ عیناً یا احتمالاً یہی طلب مشہود مراد ہوسکے، اور طلب مشہود سے تقدم علم کا اقرار موجوب عدم قبول قول ہے۔ اگر چہ لاکھ مدعی اتصال ہوں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ جس طرح طلبت کما علمت

---

[1] جامع الفصولین بحوالہ "شصل" الفصل الخامس والعشرون فی الخیارات اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۸

[2] جامع الفصولین بحوالہ "شصل" الفصل الخامس والعشرون فی الخیارات اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۸

(علم ہوتے ہی میں نے طلب کی۔ت) سے طلب عند القاضی مراد نہیں ہوسکتی،

لما علمت ان اتصاله بالعلم مبطل للشفعة لعدم تقدم الطلبین۔	اس وجہ کی بناء پر جو تجھے معلوم ہوئی کہ قاضی کے ہاں علم سے متصل گواہی شفعہ کو باطل کرتی ہے کیونکہ اس سے قبل د وطلب نہ پائی گئیں (ت)

یوہیں کوئی طلب مجہول جس کا بیان محض مدعی کی زبان سے ہو، مقصود ماننا بھی بدیہی البطلان ہے۔

لما تقدم ان مدع فیه فکیف یقبل قوله ولما علمت انه یضیع علی ھذا الفرق المطبق علیه من اھل التوفیق، ولما من نصوص السراجیة وشرح المبسوط علی بطلانه۔	اور گزشتہ کی بناء پر کہ وہ مدعی ہے تو اس کا قول کیسے معتبر ہو اور اس بناء پر جو تم معلوم کرچکے کہ وہ تمام اہل توفیق کے متفقہ علیہ فرق کو نظر انداز کررہا ہے اور سراجیہ، شرح المبسوط کی اس کے بطلان پر نصوص کی بناء پر۔(ت)

لاجرم اس سے مراد وہی طلب اشہاد ہے جبکہ مشہود و معہود اور بینہ عادلہ یا اقرار مشتری سے ثابت و معروف ہو، تو حاصل تنقیح و تحقیق وعطر تنقید وتدقیق بحمد اللہ تعالٰی وہی نکلا کہ طلب اشہاد ہر گز بے گواہان یا اعتراف مشتری ثابت نہیں ہوسکتی نہ بے اس کے ثبوت کے طلب مواثبت پر ہر گز حلف شفیع لیا جاسکتا ہے ہاں جب وہ ثابت ہو اور طلب مواثبت کے لئے کوئی زمانہ طلب شہاد سے پہلے اگرچہ ایک ہی ساعت حفیفہ ہو، بیان نہ کیا، بلکہ صراحۃً اسی طلب اشہاد کو طلب مواثبت بنایا، بایں معنی کہ اسی وقت علم ہوا تھا، معاً طلب اشہاد کی کہ دونوں طلبوں کے قائم ہوئی، یا طلب مواثبت کے لئے اصلاً کوئی وقت نہ بتایا، صرف اتنے کہنے پر قانع ہوا کہ میں نے معلوم ہوتے ہی طلب کی، تو اس صورت میں قول شفیع بحلف معتبر ہوگا۔ ورنہ قول قول مشتری ہے۔

ھکذا ینبغی التحقیق۔ واللہ ولی التوفیق، اتقن ھذا فانك لاتجدہ فی غیر ہذا العبد الضعیف، واللہ بعبادہ لطیف، والحمد اللہ رب العالمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مدہ اتم واحکم۔	تحقیق یوں مناسب ہے۔ اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ اس کو مضبوط کرلو کیونکہ اس عبد ضعیف کے بغیر اس کو نہ پاؤ گے، اور اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ الحمداللہ رب العالمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۴: ۱۶ ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شفعہ کی اطلاع دے دی گئی ہو دو آدمیوں

کے روبرو اور اس شخص نے لینے سے انکار کیا، تو اب وہ شفعہ مانگتا ہے، استحقاق اس کا باقی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بیع ہو جانے کے بعد شفیع نے شفعہ سے انکار کیا، اگرچہ ہنوز اسے خبر بیع بھی نہ پہنچی ہو، یا خبر سن کر شفعہ لینے سے منکر ہوا، یا سکوت ہی کیا، تو شفعہ ساقط ہو گیا، اب اسے دعوی شفعہ کا استحقاق نہیں جبکہ اس خبر میں کوئی ایسی بات نہ بیان کی گئی ہو جس سے شفعہ لینے نہ لینے میں شفیع کی غرض بدلتی ہو، ورنہ اگر پیش از بیع اس سے کہا گیا کہ یہ مکان بکنے والا ہے تو شفعہ چاہے گا، اس نے انکار کر دیا اور جب بکا تو فوراً طالب شفعہ ہوا، یا بعد بیع خبر بیع اسی غلط طور پر پہنچی جس سے رغبت وعدم رغبت مختلف ہو مثلاً زر ثمن زیادہ بتایا گیا یا مشتری کسی اور شخص کو ظاہر کیا گیا، پانسو کو بکا تھا، اس سے کہا گیا چھ سو کو بکا ہے تو شفعہ لے گا، اس نے انکار کیا، اور بعد کو معلوم ہوا کہ پانسو بیع ہوئی ہے۔ تو فوراً شفعہ طلب کیا یا مکان زید کے ہاتھ بکا تھا، شفیع کو خبر دی گئی عمرو نے خریدا ہے۔ اس نے شفعہ سے انکار کیا، پھر اطلاع ہوئی کہ زید نے خریدا تو فوراً خواستگار شفعہ ہوا، تو ان سب صورتوں میں انکار سے شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ وہ پا سکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

تسلیم الشفعة قبل البیع لایصح وبعدہ صحیح علم الشفیع بوجو الشفعة اولم یعلم، وعلم من اسقط الیه هذا الحق اولم یعلم کذا فی المحیط[1]۔	بیع سے قبل شفعہ کو سونپ دینا صحیح نہیں اس کے بعد صحیح ہے شفیع کو لزوم شفعہ کا علم ہو یا نہ ہو، جس کے حق میں شفعہ کا ساقط کر رہا ہے اس کا علم ہو یا نہ ہو، محیط میں یوں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

مایبطل به حق الشفعة بعد ثبوته اختیاری و ضروری والاختیاری صریح ودلالة، اما الاول نحوان یقول الشفیع ابطلت الشفعة اواسقطها، او ابرأتك عنها اوسلمتها، او	ثبوت کے بعد شفعہ کو باطل کرنے والا عمل اختیاری ہے اور ایک ضروری ہے اختیاری صریح ہے اور بطور دلالۃ بھی، لیکن اختیاری صریح مثلاً شفیع یوں کہے میں نے شفعہ باطل کیا یا میں نے ساقط کیا، میں نے تجھ کو اس سے بری کیا میں نے سونپ دیا۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

نحو ذٰلك سواء علم بالبیع اولم یعلم ان کان بعد البیع ھکذا فی البدائع[1]۔	ان کی مثل اور الفاظ یہ الفاظ بیع کے بعد کہے خواہ بیع کا علم ہو یا نہ ہو، بدائع میں یوں ہے۔(ت)

اس میں ہے:

اذا قیل لہ ان المشتری فلان فسلم الشفعۃ ثم علم انہ غیرہ فلہ الشفعۃ واذا قیل لہ ان المشتری زید فسلم ثم علم انہ عمرو وزید صح تسلیمہ لزید وکان لہ ان یأخذ نصیب عمرو، کذا فسرہ الجوہرۃ النیرۃ ولو اخبر ان الثمن الف فسلم فاذ الثمن اقل من ذلك فھو علی شفعتہ فلو کان الثمن الفاء او اکثر فلا شفعۃ کذا فی الذخیرۃ[2]۔	جب اسے بتایا گیا مشتری فلاں شخص، تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ کوئی اور ہے تو اسے شفعہ کا حق باقی ہے۔ جب اسے بتایا گیا کہ مشتری زید ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ زید کے ساتھ کوئی دوسرا بھی مثلاً عمرو شریک ہے تو زید کے حق میں چھوڑنا صحیح ہوگا اور عمرو کے حصہ میں اسے شفعہ کا حق ہے ____ جوہرنیرہ نے اس کی یوں تفسیر کی ہے جب معلوم ہوا کہ مبیع کی قیمت ہزار ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، بعد میں معلوم کہ ثمن اس سے کم ہے تو اس کا شفعہ قائم رہے گا، ہاں اگر ثمن ہزار یا زائد ہو تو پھر شفعہ نہ ہوگا ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فالاصل فی جنس ھذہ المسائل ان ینظر ان کان لا یختلف غرض الشفیع فی التسلیم صح التسلیم و بطلت الشفعۃ وان کان یختلف غرضہ لم یصح وھو علی شفعتہ کذا فی البدائع[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس قسم کے مسائل میں ضابطہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ شفعہ چھوڑنے کی غرض بعد میں تبدیل نہیں ہوتی تو چھوڑنا برقرار رہے گا اور شفعہ باطل ہوگا اور غرض تبدیل ہوجائے تو شفعہ باقی رہے گا اور ساقط نہ ہوگا، بدائع میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۳

مکان زید کا ایسا واقع ہے جس پر حق شفعہ خلیط فی الطریق چند اشخاص باشندگان کوچہ مذکور پہنچا ہے۔اور ان میں سے بعض کوعلاوہ حق شفعہ خلیط فی الطریق کے حق شفعہ جارملاصق بھی حاصل ہے۔مکان مذکور کی پچھیت کی طرف عمرو کا مکان واقع ہے۔اور جس کا دروازہ دسرے کوچہ میں ہے اور اس کا حق شفعہ جارملاصق ہے۔زید مالک مکان مشفوعہ نے اپنے مکان کی کچھ اراضی جو پچھیت کی طرف اور مکان عمرو سے متصل تھی، وہ بدست عمرو فروخت کی، چونکہ اراضی مذکور مکان مشفوعہ باشندگان کوچہ غیر نافذہ کا جز ہے۔اس لئے استفتاء اس امر کا مطلوب کو ہ شفیعان خلیط فی الطریق اور شفیعان جارملاصق کو حق شفعہ مکان مشفوعہ کے ایک جز پر شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

واسطے سہولت کے نقشہ پشت ہذا پر تحریر کیا جاتا ہے

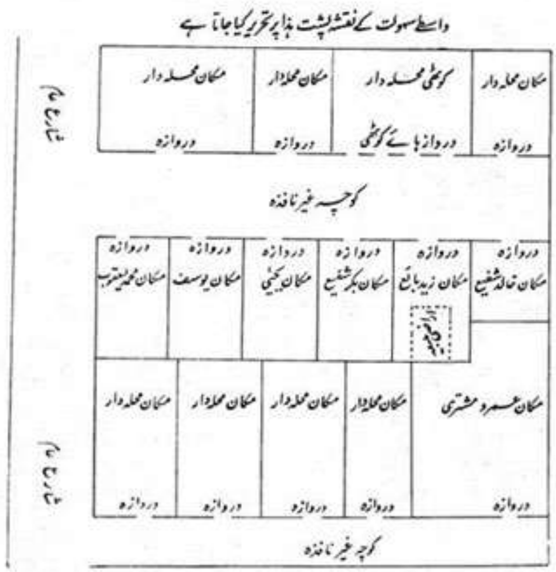

الجواب:

کل مکان بیع کیا جائے گا خواہ بعض، ہر صورت میں خلیط فی نفس المبیع وشریک فی حق المبیع کا شفعہ ہے اور جار ملاصق کا بھی، اگر خاص اس جز مبیع سے اتصال رکھتا ہو، الالا۔ الا علی رِوَایَۃٍ مُشْکِلَۃٍ، درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے:

باع عقار الاذراعا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعۃ لعدم الاتصال[1]، فی ردالمحتار استشکل السائحانی ان هذه الحیلۃ بما نقلہ الشرنبلالی عن عیون المسائل، دار کبیرۃ ذات مقاصیر باع منہا مقصورۃ فلجار الدار الشفعۃ لان المبیع من جملۃ الدار وجار الدار جار المبیع، وان لم یکن متصلا بہ اھ، اقول المشکل مافی العیون لاماہنا، تأمل اھ[2]، ما قال العلامۃ الشامی و کتبت علیہ ان المحشی قدم صدر الکتاب عن القہستانی، ان الملاصق المتصل بالمبیع ولم حکما کما اذا بیع بیت من دار فان الملاصق لہ ولاقصی الدار فی الشفیع سواء[3] اھ وھو	کسی نے شفیع سے متصل ایک گز چھوڑ کر باقی زمین فروخت کی تو عدم اتصال کی وجہ سے شفعہ نہ ہوسکے گا، ردالمحتار میں ہے اس حیلہ پر سائحانی نے اشکال پیش کیا جس کو شرنبلالی نے عیون المسائل سے نقل کیا کہ کسی نے بڑی حویلی جو کہ کئی چھوٹے کمروں پر مشتمل ہے میں سے یک چھوٹا مکان فروخت کیا تو اس حویلی کے پڑوسی کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ وہ مبیع مکان حویلی کا حصہ ہے تو پوری حویلی کا پڑوسی اس مبیع کا پڑوسی ہے اگرچہ یہ مبیع مکان پڑوسی سے متصل ہی نہیں ہے اھ۔ میں کہتا ہوں کہ عیون المسائل کا ذکر کردہ خود مشکل ہے نہ کہ جو یہاں مذکور ہے۔ غور کرو، علامہ شامی نے جو بیان کیا وہ ختم ہوا، میں نے شامی پر حاشیہ لکھا ہے کہ محشیٰ یعنی علامہ شامی نے کتاب کی ابتداء میں قہستانی سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ مبیع سے متصل اگر حکمی طور بھی ہو تو وہ متصل حصہ اور حویلی فروخت شدہ کا انتہائی حصہ شفعہ میں برابر ہیں مثلاً کسی نے حویلی میں سے ایک کمرہ فروخت کیا تو اس کمرہ سے متصل حصہ سمیت تمام دار شفعہ میں برابر ہے اھ۔

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۴

[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

مثل ما فی العیون ومثلہ ایضاً فی الھندیۃ عن المحیط عن شرح ادب القاضی للخصاف، ووجہ اشکالہ ان ماھنا مصرح بہ فی عامۃ کتب المذھب العتمدۃ متوناً وشروحاً وفتاوٰی، فما خالفہ فھو المشکل لاھذا۔

اقول: ویؤید ماھنا مانص علیہ المتون ان سبب الشفعۃ اتصال ملك الشفیع بالمشتری، وظاہر ان المشتری اذاکان مفرزا مفصولا عن ملك الشفیع لم یکن بینھما اتصال، ولایکفی الاتصال بالواسطۃ والا لکان الجار الغیر الملاصق المحاذی ایضاً شفیعاً ولا قائل بہ۔ ولاینکر علیہ بما صرحوا بہ ان الماصق بشبر کالملاصق بجمیع حدود، وذلك لان الاتصال بجزالشیئ اتصال بالشیئ، ولا نسلم ان لاتصال بجزء من شیئ یکون اتصالا بجزئہ الاخر، الاتری ان العمامۃ الملاصقۃ لرأس زید ملاصقۃ لزید لا لرجلہ والنعل المتصل برجل زید متصلۃ بزید لا برأسہ، فاتضح ان روایۃ العیون مشکلۃ والحاصل ان المبیع اذا کان الکل کفی الاتصال بجزئہ واذا کان جزء معین من شیئ

یہ عیون المسائل میں مذکور کی مثل ہے اور اسی کی مثل ہندیہ میں ہے محیط سے انھوں نے خصاف کی شرح ادب القاضی سے نقل کیا ہے۔ اس کے اشکال کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جو مذکور ہے وہی تمام معتمد کتب مذہب متون وشروح اور فتاوٰی میں تصریح شدہ ہے تو جو ان کی تصریحات کے خلاف ہے وہ مشکل ہے نہ کہ یہ، میں کہتاہوں یہاں پر ذکر کردہ کی تائید میں تمام متون کی نصوص ہیں کہ شفعہ کا سبب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت کا اتصال ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ جب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت سے علیحدہ فاصلہ پر ہو تو اتصال نہ ہوگا جبکہ بالواسطہ اتصال کافی نہیں ہے نہ ورنہ پڑوسی کا پڑوسی غیر اتصال والا بھی شفیع بن جائے گا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس پر یہ بیان وارد نہیں ہو سکتا جس کی تصریح یوں ہے کہ ایک بالشت کا اتصال جمیع حدود کا اتصال اور یہ اس لیے کہ چیز کی جز سے اتصال چیز سے اتصال ہے لیکن ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ایک جز سے اتصال اس کی دوسری جز سے اتصال ہے۔ آپ دیکھ رہے کہ عمامہ کا اتصال سرے سے ہونے کی وجہ سے زید کے پاؤں سے اتصال نہیں اور زید کے پاؤں کو اس کے جوتے کا اتصال ہے اس کے سر سے اتصال نہیں ہے۔ تو واضح ہوگیا کہ عیون المسائل والی روایت مشکل ہے اور حاصل یہ کہ جب کل مبیع ہو تو اس کی کسی جز کا اتصال شفعہ کے لئے کافی ہے اور جب کوئی معین جز مبیع ہو تو

لم یکف الاتصال بجزئه الاٰخر ،فان الاتصل بالجزء اتصال بالکل مجملا ،لابکل جزء منه فردا فردا فافترقا [1]۔	اس مبیع کی دوسری جزء کا اتصال کافی نہیں کیونکہ جزء کے اتصال سے کل کا اتصال مجمل ہوتا ہے نہ کہ ہر ہر جزء سے فردا فردا ہوتا ہے۔تو یوں دونوں صورتوں میں مختلف ہیں۔(ت)

شریک فی حق المبیع کے لئے مبیع سے اتصال ضرور نہیں۔صرف شرکت حق مثل طریق خاص وغیرہ کافی ہے۔درمختار میں ہے:

فی شرح المجمع وکذا للجار المقابل فی السکة الغیر النافذة الشفعة [2]۔	شرح مجمع میں ہے یونہی بند گلی کا سامنے والا پڑوسی بھی شفعہ کا حقدار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وجهه ابوالسعود بان استحقاقها فیه الشرکة فی حق المبیع فلاتعتبر الملاصقة [3]۔	اس کی وجہ ابو سعود نے یہ بیان کی کہ بند گلی کا استحقاق شفعہ مبیع کو حقوق میں شرکت پر مبنی ہے اس میں اتصال کا اعتبار نہیں ہے۔(ت)

اور چند شرکاء حق میں اگر ایک جار ملاصق بھی ہے باقی نہیں تو اسے ان باقیوں پر کوئی ترجیح نہ ہوگی،وہ سب یکساں ہیں،
عالمگیریہ میں بدائع سے ہے:

الشفعة لاہل السکة کلهم یستووی فیها الملاصق وغیر الملاصق لانهم کهم خلطاء فی الطریق [4]۔	بند گلی والوں کو شفعہ کا حق مساوی ہے خواہ اتصال والے ہو یا نہ ہوں کیونکہ وہ تمام گلی کے راستہ میں شریک ہیں۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں خالد،بکر،یحیٰی،یوسف،یعقوب اور سامنے کو چاروں مکان اور کوٹھی والے سب اس جز مبیع کے یکساں شفیع ہیں،ان کے ہوتے عمرو اور اس کے برابر کے چاروں محلّہ دار جن کے دروازے دوسرے کوچہ میں ہیں شفیع نہیں ہوسکتے جبکہ اور کوئی استحاق نہ رکھتے ہو،واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

[2] درمختار کتاب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[3] ردالمحتار کتاب الشفعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۱

[4] فتاوٰی ہندیة بحوالہ البدائع کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۶

مسئلہ ۲۶: مرسلہ عبدالعزیز ونور محمد واحسان کریم قصبہ آنولہ ضلع بریلی محلّہ کٹرہ پختہ بتاریخ ۴ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مملوکہ مقبوضہ اپنا جس کا نقشہ ذیل میں درج ہے۔اپنی حین حیات بروئے فرائض شرعی خالد پسر، ہندہ زوجہ، کلثوم ومریم وزبیدہ ومیمونہ دختران کو تقسیم کرکے مالکانہ قابض ودخیل کرادیا،خالد اپنے حق پر جداگانہ اور ہندہ زوجہ اور ہر چہار دختران مشترکا اپنے حق پر مالکانہ قابض ہوگئے،اور درمیان مکان کی دیوار سرخ رنگ قائم کرلی، قطعہ شمالی خالد کی اور جنوبی ہندہ،اور ہرچہار دختران کے قبضہ میں رہا،بعد وفات زید کے ہندہ اور ہر چہار دختران زید نے اپنا قطعہ جنوبی عبداللہ کے ہاتھ بیع کردیا،بعد فوت عبداللہ مذکور کے اس کے ورثاء نے قطعہ جنوبی مذکور بدست شیخ نوراحمد فروخت کردیا اور نوراحمد اب تک مالکانہ قابض ہے۔خالد کے مرنے پر عمرو پسر، رضیہ زوجہ، صفیہ وذکیہ و رشدیہ وحمیدہ ودختران ورثاء خالد شمالی متروکہ خالد پر مالکانہ قابض ہوگئے۔جوکہ محدود بدیں حدود اربعہ ہے۔مکان اور صحن مکان عبدالعزیز مکان حافظ مظہر مکان نوراحمد مکان عبدالعزیز واحسان کریم عمرو وغیرہ۔ورثاء خالد نے اپنا حق قطعہ شمالی بدست عبدالعزیز بیع کرنا چاہااور معاہدہ باہمی عبدالعزیز ہوگیا باخذ رسید مبلغ عـــہ زربیعانہ عبدالعزیز مذکور سے حاصل کرلیا، نوراحمد شفیع بھی آمادہ خریداری تھاکہ احسان کریم مذکور نے خبر بیع مذکور سن کر کچھ قیمت بڑھائی، رشیدہ، حمیدہ ودختران خالد نے اپنے حق حقوق کا بیعنامہ بنام نوراحمد شفیع کے کردیا۔ہنوز رجسٹری نہیں ہوئی ہے کہ عمرو نے خلاف معاہدہ باہمی عبدالعزیز کے مع رضیہ مادر کے کل مکان متروکہ خالد کا بیعنامہ اپنی اور رضیہ کی جانب سے بنام احسان کریم تحریر کردیا،اور ایک دستبرداری لادعوی وراثت شفیعہ وغیرہ ہشیرگان کی جانب سے تحریر کراکر بغرض تصدیق رجسٹری میں پیش کی شفیعہ ذکیہ نے تصدیق اس کی کردی،اور رشیدہ وحمیدہ نے کہ جن کی بلاعلم واطلاع کاروائی دستبرداری کی ہوئی تھی اور یہ اپنے حق کا بیعنامہ بھی بنام نوراحمد تحریر کرچکی تھیں، تحریر دست برداری سے انکار کردیا،اور بیعنامہ موسومہ نوراحمد کی رجسٹری کرادی،چونکہ معاہدہ بیع پیشتر سے عبدالعزیز وعمرو وغیرہ منعقد ہوا تھا،حالانکہ گفتگو بیع کی نوراحمد مذکور سے بھی تھی، بکر، عمرو وغیرہ نے مبلغ (مہ روپیہ) بطور بیعنامہ عبدالعزیز سے بہ تحریر رسید حاصل کرلی تھی،ایسی صورت میں جبکہ عبدالعزیز دوجانب سے اور نوراحمد ایک جانب سے اور احسان کریم ایک جانب سے کچھ مکان کی وجہ سے استحقاق شفیع رکھتے ہیں،بلکہ نوراحمد بوجہ خریداری مقدم کے شفیع خلیط بقیہ حقوق عمرو ورضیہ شفیعہ وذکیہ پہنچ چکاہے۔تو بلحاظ واقعات متذکرہ صدر کون شخص مستحق خریداری مکان متنازعہ کاہے۔اور شرعاکس کو پہنچتاہے۔عبدالعزیز کے مکان کادروازہ بھی دوسرے محلّہ میں ہے۔**بینواتوجروا**

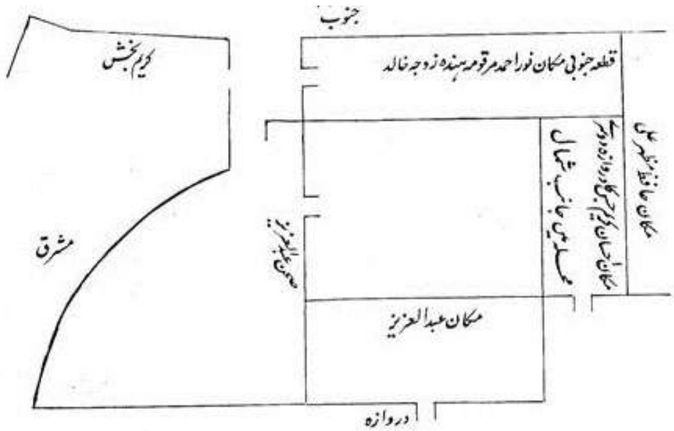

الجواب:

بیان سائلان سے واضح ہواکہ عبدالعزیز سے صرف گفتگو بیع ہوئی تھی اور بیعنامہ دیا گیا عقد بیع تمام نہ ہوا تھا، نوراحمد کلکتہ میں ہے، اس نے اپنے ایک بھائی کو اس قطعہ کی خریداری کے لئے لکھا، اس نے وکالۃً نوراحمد کے لئے اس میں سے رشیدہ وحمیدہ کے حصے خرید لئے، عبدالعزیز ونوراحمد دونوں خلیط فی حق المبیع ہیں، اور احسان کریم محض جار ملاصق کہ اس کا راستہ اس کوچہ غیر نافذہ میں نہیں، جب عبدالعزیز کو معلوم ہوا خود اس کا بیان ہے کہ اس نے مشتری مذکور یعنی وکیل نوراحمد سے جاکر کہا کہ میری گفتگو بیع سابق سے ہے۔ یہ حصے جتنے کو تم نے خریدے ہیں انھیں داموں کو مجھے دے دو ورنہ میں شفیع ہوں شفعہ سے لے لوں گا، اس کہنے سے عبدالعزیز کا ان دونوں حصوں میں شفعہ جاتا رہا کہ اس نے طلب شفعہ نہ کی بلکہ ابتداءً انھیں داموں کو خریدنا چاہا۔ اور نہ دینے کی حالت میں بذریعہ شفعہ لے لینے کی دھمکی دی، یہ امر مبطل شفعہ ہے، درمختار میں ہے:

یبطلها ان ساومها بیعا اواجارة اوطلب منه ان یولیه عقد الشراء [1].	اگر شفیع نے مشتری سے بیع یا اجارہ یا اس کی شراء کا ولی (وکیل) بننے کا مطالبہ کرے تو اس سے شفعہ کا حق باطل ہو جائے گا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

پس نور احمد دو حصوں کا مالک مستقل ہوگیا جس سے کوئی نہیں لے سکتا، اگر وہاں اور کوئی شفیع مثل کریم بخش وغیرہ باد ائے شرائط طالب شفعہ نہ ہوا ہو، رہی احسان کریم کے ہاتھ بیع جس میں کل مکان صررف زوجہ و پسر خالد نے اس کے ہاتھ بیچا اور دختران خالد کو نا مستحق قرار دیا، شفیعہ، ذکیہ تو بوجہ تصدیق واقرار نا مستحق ٹھہریں، مگر رشیدہ و حمیدہ نے اقرار نہ کیا بلکہ اپنی بیع کی بنام نور احمد کے تکمیل کرادی، تو بعض مبیع احسان کریم کے ہاتھ سے نکل گیا، اور بقیہ کی بیع معرض زوال میں آگئی یعنی احسان کریم کو اختیار ہوگا، چاہئے دو حصہ رشیدہ و حمیدہ علاوہ بقیہ مکان بحصہ قیمت لینا قبول کرے۔ خواہ کل بیع کردے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا کان المشتری شیئا واحدا واستحق بعض قبل القبض اوبعدہ فللمشتری الخیار فی الباقی، ان شاء اخذہ بالحصۃ وان شاء ترك[1]۔	اگر خرید شدہ چیز ایک ہو اور اس کے بعض حصہ کا استحقاق ثابت ہو جائے خواہ قبضہ سے قبل یا بعد ثابت ہو تو مشتری کو باقی حصہ میں اختیار ہوگا اگر چاہے تو باقی کو اس قیمت کے حصہ پر لے یا چاہے تو چھوڑ دے۔ (ت)

پس اگر احسان کریم نے بیع رد کردی تو سرے سے مبنائے شفعہ ہی کی بیع تھی جاتا رہے گا، اور وہ بقیہ قطعہ ایسا ہو جائے گا گویا بکا ہی نہیں کسی کو اس میں حق شفعہ نہ ہوگا، اور اگر بقیہ بحصہ قیمت لینا قبول کیا، اور نور احمد شرائط شفعہ بجالایا تو اب وہی عبدالعزیز وغیرہ سب پر مرجح رہے گا کہ اب بوجہ خریداری حصہ رشیدہ و حمیدہ نور احمد خلیط فی نفس المبیع ہو چکا ہے۔ اور عبدالعزیز صرف خلیط فی حق المبیع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷: ۳۰ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو کا ایک مکان اور دکان کے مالک تھے، زید عمرو کی ملکیت کا شفیع تھا، عمرو نے اپنا حصہ دکان و مکان مذکور کا بکر کے ہاتھ فروخت کیا، تو زید بفور سنے اس خبر کے مع چند آدمیوں کے جو کہ گواہ طلب شفیع کے ہیں، اور جن کے سامنے کہ زید نے شرائط شفیع بغور سننے خبر بیع کے ادا کی ہیں، جن میں سے کہ ایک زید کا قریبی رشتہ دار، و نیز عمرو بکر کا بھی رشتہ دار ہے و دیگر لوگ زید کے ملنے والے دوست ہیں، بکر کے پاس بغرض طلب شفیع گیا، روپیہ رومال میں باندھ کر

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۶

اپنے ہاتھ میں لے گیا اور بکر سے جا کر اس نے کہا کہ میں ان حصہ دکان و مکان کا شفیع ہوں، تم نے اس حصہ کو کیسے خرید کیا میں خریدوں گا۔ زید نے زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں روپیہ لایا ہوں، قیمت لو اور یہ جائداد میرے نام کرو، بکر نے زید کی گفتگو کے جواب میں جائداد مذکور دینے سے انکار کر دیا، زید کے اس امر کے اظہار نہ کرنے سے کہ میں روپیہ لایا ہوں قیمت لو اور یہ جائداد میرے نام کردو، حالانکہ روپیہ اسی نیت سے لے گیا تھا اور وہ اس کے ہاتھ میں موجود تھا صرف زبان سے اس کا ذکر نہیں کیا، تو ایسی حالت میں مراتب شفیع بموجب شرع شریف پورے طور سے ادا ہوئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نہ روپے لے جانا ضرور نہ مشتری سے روپیہ لانا کا ذکر ضرور، یہ سب بیکار و مہمل باتیں ہیں، مگر طلب مواثبت ایسے لفظ سے جس سے فی الحال طلب ثابت ہو، ضرور ہے۔ سائل نے بعد دریافت بیان کیا کہ میں نے خبر سنتے ہی یہ لفظ کہے تھے کہ میں اس کا شفیع ہوں، ریاض الدین نے کیسی خریدی میں خریدوں گا، اس سے طلب فی الحال ثالث ثابت نہیں ہوتی "خریدوں گا" سے اگر یہ مراد ہے کہ مشتری سے خریدوں گا، جب تو ظاہر ہے کہ مشتری سے خریداری کا ذکر شفعہ کو باطل کر دیتا ہے۔ در مختار میں ہے:

یبطلها شراء الشفیع من المشتری وکذا ان ساومها بیعا او اجارة او طلب منه ان یولیه عقد الشراء [1] (ملخصا)	شفیع کا مشتری سے خریدنا اور یونہی بیع یا اجارہ کا سودا کرنا یا عقد شراء کا ولی بننے کا مطالبہ کرنا اس کے حق شفعہ کو باطل کر دیتا ہے۔ ملخصا (ت)

اور اگر یہ مراد ہو کہ بائع سے خریدوں گا تو یہ بھی طلب شفعہ نہیں، خریداری تملک بالرضا ہے۔ اور شفعہ تملک بالجبر، در مختار میں ہے:

تملیك البقعة جبرا علی المشتری بما قام علیه [2]۔	شفعہ کسی ٹکڑا زمین کا مشتری سے اس پر لازم قیمت کے ساتھ جبرا مالک بننے کا نام ہے۔ (ت)

اور اگر مجازا یہی معنی مراد لئے جائیں کہ بذریعہ شفعہ لے لوں گا، تو یہ بھی وعدہ و انذار ہے۔ طلب فی الحال نہیں، عالمگیری میں ہے:

لو قال الشفعة لی اطلبها بطلت	اگر کہا میرا شفعہ ہے میں اس کی طلب کروں گا، تو

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[2] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۱۰

شفعته،ولو قال للمشتری انا شفیعك واٰخذ الدار منك بالشفعة بطلت[1]۔	اس کا شفعہ باطل ہوگا،اور اگر مشتری کو کہا میں تیرا شفیع ہوں اور شفعہ کی بناء پر تجھ سے دار لوں گا تو شفعہ باطل ہوگیا۔(ت) لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا شفعہ باطل ہوگیا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: از ریاست رامپور کٹرہ جلال الدین خاں مرحوم مرسلہ پیرازدہ غلام معین الدین صاحب پنجم صفر ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوی کیاکہ مسماۃ فلاں نے اراضی فلاں اتنی قیمت کو فلاں شخص سے میری غیبت میں خریدی،اور میں خلیط فی الطریق ہوں مشتریہ جار ملاصق ہے۔میرا حق مقدم ہے اور میں شرائط شفعہ بھی ادا کرچکا ہوں،مسماۃ مجیب ہوئی کہ زید نے ہرگز شرائط شفعہ ادا نہ کئے،نہ مکان مشفوع بہا زید کا مملوکہ ہے۔اور دعوی پر تمادی ہے۔ب بلکہ زید تسلیم الشفعہ کرچکاہے۔زید اور مسماۃ سے ثبوت طلب ہوا۔زید نے جو شہادت پیش کی عندالعدالت ناکافی قرار دے کر نامقبول فرمائی گئی،ایک وجہ عدالت نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ شہادت مدعی کو نقائض سے مبرا مان لیاجائے تب بھی شہادت جومدعی علیہا کی جانب سے گزری،اس سے تسلیم شفعہ بعد از بیع ثابت ہے۔لہٰذا دعوی خارج اور منجانب مدعی کئی استفتاء پیش ہوئے ہیں،اس بارہ میں کہ خلیط فی الطریق جارہ ملاصق پر مقدم ہے۔کیا یہ استفتاء مفید ہوسکتے ہیں،مدعی نے تمادی سے بچنے کی غرض سے دو گواہوں سے یہ ثابت کرایا کہ میں وقت بیع مقام رچھامیں موجود تھا یعنی رامپور میں نہ تھا،مدعی علیہا کی جانب سے جو شہادت تسلیم شفعہ کی پیش ہوئی ہیں اس سے کماحقہ ثابت ہے کہ بعد تصدیق بیعنامہ اسی روز مدعی کو علم بیع ہوااور مدعی نے تسلیم شفعہ کیا،توکیا شہادت مذکور منجانب مدعی واسطے ثبوت کے کافی ہے،اور تمادی مرتفع ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب:

اس مسئلہ میں زوائد سے قطع نظر کرکے صرف دو باتوں پر نظر کافی ہے۔

اوّلاً گواہان مدعیان کاان کی ملک دار مشفوع بہامیں ہونے کی نسبت صرف اتنا بیان کہ وہ مکان مدعیوں کی ملک یاان کا موروثی ہے اظہارات شہود ومدعیان دیکھے جائیں،اگران کے بیان ہیں صرف اسی قدر ہو کہ اور یہ ظاہر نہ کیا ہو کہ شرائے مشتریہ سے پہلے یہ مکان یاجز مکان مدعیان تھا اور اب تک ہے۔ہمارے علم میں ملک مدعیان سے خارج نہ ہوا،تو ایسی شہادت ثبوت دعوی شفعہ کے لئے ہرگز بکارآمد

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

نہیں کہ مدعاعلیہا دار مشفوع بہامیں ملک، مدعیان کی منکر ہے۔اور یہ اس طریقہ پر جو شرعاً درکار ہے یعنی ملک متقدم علی البیع و مستمر الی الآن پر اقامت بینہ نہ کرسکے، تنویر الابصار و در مختار ورد المحتار میں ہے:

اذا طلب الشفیع سأل القاضی الخصم عن مالکیة الشفیع لما یشفع به فان اقربها او نکل عن الحلف علی العلم، اوبرهن الشفیع انها مبلکه(بان یقولا انها ملك هذا الشفیع قبل ان یشتری هذا المشتری هذا العقار، وهی له الی الساعة ولم نعلم انها خرجت عن مبلکه، فلو قالا انها لهذا الجار لایکفی کما فی المحیط)سأله عن الشراء هل اشتریت ام لا[1] اھ	جب شفیع نے طلب کی تو قاضی شفیع کی اس ملکیت کے متعلق سوال کرے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کررہا ہے۔تو اگر مخالف فریق اس کی اس ملکیت کا اقرار کرے یا اپنے علم پر قسم دینے سے انکار کرے یا شفیع اپنی اس ملکیت پر گواہی پیش کردے کہ وہ اس کی ملکیت ہیں ہے یوں کہ دونوں گواہ کہہ دیں کہ مشتری کی خریداری سے قبل یہ زمین اس کی اب تک ملک ہے۔اور اس کی ملکیت سے خارج ہوجانے کا ہمیں علم نہیں ہے۔اگر گواہ یہ کہیں کہ وہ اس پڑوسی کی ہے تو کافی نہ ہوگا جیساکہ محیط میں ہے، قاضی مشتری سے سوال کرے کہ کیا تونے اسے خریدا ہے یا نہیں۔اھ (ت)

جبکہ شہادت گواہان مدعیان اس طریقہ مطلوبہ شرع پر نہ تھی، حاکم پر لازم تھا کہ فقط اسی قدر پر مقدمہ ختم کردیتا اور دعوی خارج کرتا، مقدمہ کاآگے بڑھانا محض تطویل ہوئی۔

ثانیاً: گواہان مدعاعلیہا جنھوں نے دربارہ تسلیم مدعیان شہادت دی ہے کہ روز بیع بعد بیع معین الدین خاں نے مدعیوں کو اطلاع بیع اراضی مشفوعہ دی، اور ان سے کہا کہ اگر تمھیں لینا منظور ہولے لو، انھوں نے کہا جواب دیا کہ ہم کو ضرورت نہیں، بحیث ادا نہایت کافی ووافی شہادت ہے، اس کے الفاظ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں بے معنی ہے، اس میں فقط اتنا دیکھنا چاہئے کہ گواہوں کی حالت کیسی ہے اگر ان میں دو گواہ بھی قابل قبول شرع ہوں تو فیصلہ بحق مدعاعلیہا لازم ہے۔ملاحظہ تحریر سے ظاہر ہوا کہ حکم مجوز نے گواہان مشتریہ پر اعتماد کیا کہ اور ان کے بیان پر فیصلہ رہا، اور جانب مدعیان سے ان پر کوئی جرح قابل لحاظ شرع نہ کی گئی، تو اس صورت میں واقعہ میں حکم یہی ہونا چاہئے کہ دعوی شفعہ ساقط، اور مشتریہ مطالبہ سے بری ہے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعة باب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲، ردالمحتار کتاب الشفعة باب الشفعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۴

اس کے مقابل مدعیوں کی یہ گواہیاں کہ ہم یہاں نہ تھے شہادت علی النفی ہیں قابل لحاظ نہیں، نہ وہ فتوی دوخلیط جار پر مقدم ہے۔ کچھ مفید مدعی ہوسکتے ہیں کہ اول توخلیط ہونا ہی پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، پھر بعد تسلیم شفعہ خلیط فی نفس المبیع کا بھی کچھ حق نہیں رہتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹و۳۰: از ریاست رامپور کٹرہ خلاں خاں مرحوم مرسلہ غلام معین الدین خاں ۱۱ربیع الاول شریف ۱۳۲۶ھ

(۱) حاکمان شریعت مفتیان ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ اصغر علی خاں عرف بنے خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ وتصور شاہ بائع مدعاعلیہا نمبری ۱۹۳/۲ دعوی شفعہ بر اراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں فیصلہ مفتی عدالت ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی نقول باضابطہ پیش کرکے درخواست ہے کہ شرع مطہر کے حکم سے اس مدقدمہ میں فیصلہ بحق مدعاعلیہا ہونا صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مقدمہ مذکورہ کے متعلق عرضی دعوی وعرض مدعی مورخہ ۱۶مارچ ۱۹۰۷ء بجواب استفسار حکم، واظہارات عبد الطیب خاں، وڈاکٹر مدن خاں، وعلی بہادر خان، وصفدر علی خاں ولد عباس خان وبشیر الدین خان، وضیاء الدین خاں، واحمد حسن خاں، وصفدر علی خاں ولد نثار علی خاں وعبدالغنی خاں نہ کس گواہان اصغر علی خاں مدعی، وفیصلہ مفتی صاحب حاکم مجوز کی نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئے، اور سائل نے بیان کیا کہ شہنشاہی بیگم مدعاعلیہا کی طرف سے اس مقدمہ میں صرف دو گواہ نیاز حسین خاں وعزیز محمد خاں پیش ہوئے، اور ان کا بیان اس مقدمہ میں بھی بعینہٖ وہی ہے جو انھوں نے مقدمہ سید محمد شاہ میں بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ میں کیا ہے۔ اور جس کی نقول باضابطہ اس وقت یہاں دارالافتاء میں حاضر ہے۔ نیز حاکم نے فیصلہ میں ان کے بیانوں کا خلاصہ ذکر کیا، اور تحقیقات موقع پر شہادت سعیدالدین خاں کا بھی بیان لکھا ہے جس میں اصغر علی خاں وسید محمد شاہ دونوں مدعیوں کا بعد بیع تسلیم شفعہ مذکور ہے، اور مجوز نے دونوں فیصلوں میں بعد اس بیان کے کہ شہادات شہود مدعیان میں نقائص ہیں، بر تقدیر نقائص ان تین گواہان مدعیہ کے بیان پر مدار فیصلہ رکھا ہے کہ ان سے دونوں مدعیوں کا بعد بیع طلب شفعہ سے انکار کردینا ثابت ہے۔ تو ان کو کسی طرح استحقاق دعوی نہ رہا، اور گواہان اصغر علی خاں جو وقت بیع اس کا رام پور میں نہ ہونا بیان کرتے ہیں گواہان نفی ہیں کہ مسموع نہیں، مگر ہماری رائے میں گواہان مدعاعلیہا اس مقدمہ میں حاجت سے محض زیادہ ہیں جن کی شہادت پر بحث کی اصلاضرورت نہیں، ولہٰذا ان کے اظہارات کی نقل پیش نہ ہونا اس مقدمہ میں بیان حکم سے مانع نہیں، نہ اس پر نظر کہ عزیز محمد خاں نے اصغر علی خاں کی نسبت کہا، ولدیت نامعلوم شکل جانتاہوں نہ اظہار سے ثابت کہ

گواہ نے مدعی کو اشارہ سے بتایا، نہ اس پر لحاظ کی حاجت کہ سعید الدین خاں دوسرے مقدمہ کا گواہ ہے جس کا مدعی شخص آخر ہے، گو مدعا علیہ وہی ہے۔ اس کا بیان اس مقدمہ کا شاہد بنا کر کہاں تک قابل استناد ہے۔ یہ سب امور زوائد ہیں، مدعی شفعہ میں لازم ہے کہ یا تو مدعہ مقر ہو کہ دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہے، یا شفیع اسے بینہ سے ثابت کرے اور یہ بھی نہ ہو تو شفیع مدعا علیہ کا حلف چاہے اور وہ قسم کھانے سے انکار کردے، بے ان صورتوں کے دعوی شفعہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا، زیلعی میں ہے:

اذا تقدم الشفیع، وادعی الشراء وطلب الشفعة عند القاضی، ولم یخل بشیئ من شروطه، اقبل علی المدعی علیه فسأله عن الدار التی یشفع بها هل هی ملك الشفیع ام لا، و ان کانت هی فی ید الشفیع وهی تدل علی الملك ظاهرا، لان الظاهر لایصلح للاستحقاق فلا بد من ثبوت ملکه بحجة، فیسأله عنه فان انکر ان یکون ملکا له یقول للمدعی اقم البینة انها ملکک، فان عجز عن البینة وطلب یمینه استحلف المشتری باللّٰه مایعلم انه مالك للذی ذکره مما یشفع به، فان نکل اوقامت للشفیع بینة، او اقر المشتری بذلك ثبت ملك الشفیع فی الدار التی یشفع بها وثبت السبب وبعد ذٰلك یسأل القاضی	شفیع نے قاضی کے ہاں آگے بڑھ کر خریداری کا دعوی کیا اور شفعہ طلب کیا اور دعوی کی شرائط میں کوتاہی نہ ہو، پھر قاضی مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے اس دار کے متعلق سوال کرے گا جس کی بناء پر شفیع شفعہ کا دعوی کرتا ہے کہ کیا یہ شفیع کی ملکیت ہے یا نہیں اگرچہ وہ دار شفیع کے قبضہ میں ہو قبضہ کے باوجود سوال حالانکہ قبضہ ملکیت پر ہی ظاہرا دلالت کرتا ہے یہ اس لیے کہ ظاہر چیز استحقاق ثابت نہیں کرتی تو اس کی ملکیت کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل ضروری ہے لہذا قاضی مدعا علیہ سے مدعی کی ملکیت کا سوال کرے گا، اگر مدعی علیہ اس کی ملکیت کا انکار کرے تو قاضی مدعی کو کہے گا کہ اپنی ملکیت پر گواہ پیش کر، تو اگر وہ گواہ لانے سے عاجز ہے اور مدعی علیہ سے اس پر قسم لینے کا مطالبہ کرے تو قاضی مدعی علیہ سے یوں قسم لے کہ مدعی جس بناء پر شفعہ کر رہا ہے تو اس ذکر کردہ پر اس کی ملکیت کو جانتا ہے تو مدعی علیہ اگر قسم سے انکار کرے یا شفیع کے گواہ شہادت دے دیں یا خود مشتری اس کی ملکیت کا اقرار کردے تو جس دار کی بناء پر شفعہ طلب کرتا ہے اس کی ملکیت شفیع کے لئے ثابت

المدعی علیہ ھل اشتریت ام لا الخ ملخصا[1]۔	ہو جائیگی یوں شفعہ کا سبب ثابت ہو جائیگا اس کے بعد قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے سوال کرے کیا تو نے یہ دار خریدا ہے یا نہیں الخ ملخصا (ت)

اس مقدمہ میں ظاہر ہے کہ مدعا علیہا ملک شفیع کی منکر ہے۔نہ شفیع نے حلف چاہا نہ اس نے حلف سے انکار کیا، تو صرف صورت شہادت رہی، اور وہ محض ناکافی گزری، یہاں شہادت اس مضمون کی درکار ہے کہ دار مشفوعہ کی بیع سے پہلے دار مشفوع بہا شفیع کی ملک تھی اور اب تک اس کی ملک ہے ہمارے علم میں جب سے اب تک اس کی ملک سے خارج نہ ہوئی، محیط وہندیہ میں ہے:

ان یقر المدعی علیہ بشراء الدار وینکر کون المدعی شفیعھا بالدار التی حدہا وینکر کون الدار التی حدہا ملکا للمدعی، احضر المدعی الشھود وشھد کل منھم ۔(ملخصا)[2]۔ گواہی مید ہم کہ خانہ کہ بفلاں موضع ست حد ہائے وے کذا وکذا ملک ایں مدعی بود پیش از انکہ ایں مدعی علیہ مرایں خانہ راخرید وبرملک وے ماند تا امروز وامروز ایں خانہ ملک ایں مدعی ست۔	مدعی علیہ دار کی خریداری کا اقرار کرے اور شفیع جس مکان کی بناء پر مدعی کے بیان کردہ دار پر مدعی کی ملکیت کا انکار کرے تو مدعی گواہ پیش کرے اور ہر گواہ شہادت دے (ملخصا)۔(ت) میں گواہی دیتا ہوں کہ جو مکان فلاں موضع میں ہے اس کی حدود یوں یوں ہیں وہ اس مدعی کی ملکیت میں دعی علیہ کے اس خاص مکان کو خریدنے سے قبل تھی اور آج یہ مکان اس مدعی کا ہے۔(ت)

اور یہ اس لئے کہ اگر وقت بیع دار مشفوع بہا ملک شفیع میں نہ تھا، تو اس سبب سے اس میں استحقاق شفیع نہیں ہو سکتا اگرچہ بعد بیع یہ دار مشفوع بہا وراثت یا بیع یا ہبہ یا وصیت وغیرہا سے ملک مدعی میں آجاوے، عالمگیریہ میں ہے:

الشفعۃ شرطھا ملك الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یاخذبھا	شفعہ کی صحت کے لئے یہ شرط ہے جس دار کی بناء پر شفعہ کا دعوی ہے اس پر مشتری کی خریداری

[1] تبیین الحقائق کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیر بولاق مصر ۵/ ۲۴۴۔۴۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المحاضر والسجلات محضر فی دعوی الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۰۷

الشفعة [1]۔	تک شفیع کی ملکیت قائم ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

رجل اوصی له بدار، ولم یعلم حتی بیعت دار بجنبها، ثم قبل الوصیة فلا شفعة له [2]۔	ایک شخص نے اس کے لئے ایک مکان کی وصیت کی حالانکہ اس کو ابھی تک وصیت کا علم نہ ہوا حتی کہ اس مکان کے پڑوس میں کوئی مکان فروخت کیا اس کے بعد اس کو علم ہوا تو وصیت قبول کی۔ تو اب شفعہ نہ ہوگا۔(ت)

اور اگر شفیع بعد بیع وطلب شفہ قبل قضائے قاضی دار مشفوع بہا کو بیع کردے، تو شفعہ ساقط ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلها بیع مایشفع به قبل القضاء بالشفعة مطلقا [3]۔	جس کے سبب شفعہ کا حق ہو اس کو قاضی کے فیصلہ سے قبل فروخت کردینا شفعہ کو مطلقًا باطل کردیتا ہے۔(ت)

تو لازم ہے کہ قبل بیع دار مشفوعہ سے اس وقت تک مشفوع بہا میں شفیع کی ملک مستمر پر شہود شہادت دیں، اس کی طرف کچھ میلان اس مقدمہ میں بظاہر صرف ضیاء الدین خاں کے بیان میں ہے کہ اس مکان مشفوعہ کے پورب کی جانب مکان اصغر علی خاں موروثی واقع ہے اور وہ قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک وہ اس پر مالک وقابض ہیں اور حقیقۃً دیکھئے تو اصلاً اسے بھی اس مطلوب سے مس نہیں، مکان مشفوعہ سے پورب کی جانب ہزاروں میل تک ہے۔ نہیں معلوم کہ گواہ جس کو اصغر علی خاں کا موروثی ومملوک بملک مستمر بتارہا ہے کس عملے بلکہ کس شہر میں واقع ہے۔ جبکہ دار مشفوع بہا کی طرف نہ اشارہ نہ اس کے حدود کا بیان تو صرف اتنی تعریف کہ وہاں پورب کو ہے کیا کام دے سکتی ہے۔ باقی آٹھ گواہوں سے چار نے ملک شفیع کا اصلاً ذکر ہی نہ کیا، صفدر علی خاں ولد نثار علی خاں نے اتنا کہا کہ "یہ بات کہہ کر اصغر علی خاں اپنے مکان موروثی میں گئے اصغر علی خان کو چہ غیر نافذہ میں اپنے مکان موروثی کے دروازہ پر بیٹھے تھے، میں نے آٹھ روز سے نماز نہیں پڑھی، داڑھی مظہر کی جو برابر ہے" اس کا بھی وہی حال ہے اس سے یہ بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

نہ کھلا کہ اصغر علی خاں کا مکان موروثی دار مشفوعہ کے محلّہ واقع ہے یا شہر کے دوسرے کنارے پر، تو مشفوع بہا کی ملک سے اس میں بھی اصلا بحث نہیں، علی بہادر خاں نے کہا سید تصور شاہ کے مکان سے پورب کو مکان موروثی مدعی کاملا ہوا ہے۔ معلوم نہیں تصور شاہ کے کسی مکان سے؟ ہاں دو گواہیاں ملک مشفوع بہا کا پتا دے رہی ہیں، صفدر علی خاں ولد عباس خاں نے کہا مکان موروثی مدعی سے کھپریل مکان متنازعہ کے دکھن کہ دیوار و درمیان میں ہے "اس سے جار ملاصق ہونا معلوم ہوا، اگرچہ مدعی خلیط فی المبیع ہونے کا مدعی ہے۔ بشیر الدین خاں نے کہا" جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے اس مکان سے پورب کی جانب کی مکان اصغر علی خاں کا ہے۔ اور وہ مکان اصغر علی خاں کا موروثی ہے ان دونوں مکانوں کا راستہ بھی ایک ہی کوچہ میں ہے "اور یہی گواہ بمقدمہ سید محمد شاہ بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ بیان کرچکا ہے کہ اس کی ڈاڑھی چٹکی میں آجاتی ہے۔ اول ڈاڑھی کترواتا تھا اب توبہ کرلی اب نہیں منڈائے گا، ان سب گواہیوں میں یہی گواہی چست ہے کہ اس نے ان لفظوں سے کہ "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے "اپنے تنگ خیال کے مطابق تعیین مکان بھی کی اور دونوں کا راستہ ایک ہی کوچہ میں ہونے سے خلط فی حق المبیع بھی بتایا، مگرت، تمام نقائص سے قطع نظر کرکے ان میں سے کسی نے مورث کا نام تک نہ لیا، اس کی تاریخ موت بتانا تو بڑی بات ہے، تو نری موروثی ہونے سے کیا کھلا کہ یہ مکان کب سے اصغر علی خاں کی ملک ہے، ممکن کہ وہ مورث جس کے ترکہ سے یہ مکان مدعی کو وراثۃً بعد بیع دار مشفوعہ مراد ہو، تو اس مکان کے ذریعہ سے مدعی کو کیا استحقاق شفعہ ہوسکتا ہے، شہادت اس لئے ہوتی ہے کہ حق حاکم پر ظاہر ہو، ان شہادتوں کا اجمال و اہمال یہ ہے کہ مجوز نے فیصلہ میں کہا کہ گواہان مدعی نے یہ نہ بیان کیا کہ مدعی مورث کا بیٹا ہے یا بھائی ہے یا کون "جب قاضی کو مورث کا ہی پتہ نہ چلا تو تاریخ موت کیونکر معلوم ہوسکتی ہے جس سے جانا جائے کہ دار مشفوعہ بہا عند البیع ملک شفیع تھی یا نہیں، لاجرم شہادتیں محض مہمل ہیں اور دعوٰی اصلا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، ردالمحتار میں ہے:

لوقالا انہا لہذا الجار لایکفی کما فی المحیط[1]۔	اگر دونوں گواہ یہ کہیں کہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو کافی نہیں، جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

لہٰذا واجب تھا کہ دعوٰی خارج ہو، جیسا کہ مفتی ریاست نے کیا، اور لازم ہے کہ اپیل نامنظور، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴

(۲) حکام شریعت علماء ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ سید محمد شاہ مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ وتصور شاہ بائع مدعاعلیہا نمبری ۲۰۵/۴ دعوی شفع براراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں، فیصلہ مفتی ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی نقول با ضابطہ حاضر کرکے کہ شرع شریف کے حکم سے اس مقدمہ فیصلہ بحق مدعاعلیہا ہونا صحیح یا کیا؟ بینوا توجروا

الجواب:

اس مقدمہ کے متعلق عرضی دعوی وجواب دعوی از جانب شہنشاہی بیگم، ورد جواب از جانب مدعی واظہار عثمان خاں وعبد الرزاق خاں وسید دلاور علی خاں ونتھو خان وبشیر الدین خاں وعبدالغفار خاں گوہان مدعی ونیاز حسین خاں وعزیز محمد خان وامین الدین خان وسعید الدین خاں گواہان مدعاعلیہا وروبکار مفتی صاحب حاکم مجوز کے نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئیں، اس دعوی کی حالت دعوی اصغر علی خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ سے بھی بدتر ہے مشہود مدعی میں صرف تین گواہوں نے مکان مدعی ملک ہونے کی طرف توجہ کی، ازیں جملہ عبدالغفار خاں کا بیان ہے "مکان جانب مشرق مملوک بائع کا ہے، اور جانب غرب شفیع کا ہے پکھا دونوں مکان کا مشترکہ ہے" یہ گواہ ایک ایسے دو مکانوں کا قصہ بیان کرتا ہے جسکا پکھا مشترک اور ان میں ایک مملوک بائع دوسرا شفیع کا ہے، مگر اس کی شہادت کچھ پتا نہیں دیتی کہ وہ مکان کس شہر، یا شہر کے کس گوشہ میں واقع ہیں، شہادت میں نہ مکانوں کی تعیین، نہ ان کی طرف اشارہ یہ شہادت اس پایہ کی ہے کہ مقدمہ اصغر علی خاں بنام شہنشاہی بیگم میں شہادت علی بہادر خاں تھی، نتھو خاں نے کہا "یہ مکان سید محمد شاہ کا جس کی وجہ سے دعوی شفعہ کیا ہے موروثی ہے سید دلاور علی نے کہا" مکان شفیع کا مملوکہ موروثی ہے" لفظ اگرچہ مطلق تھا مگر اظہار میں لکھا کہ "نشان دہی کردی" تو انھیں دو گواہوں سے ملک مشفوع بہا کا پتا چلا شہنشاہی بیگم یہاں بھی مشفوع بہا میں ملک مدعی سے منکر ہے اور مدعی نے نہ اس سے حلف لیا نہ اس نے حلف سے انکار کیا بلکہ مدعی نے شہادت پر اپنے کام کا مدار رکھا، اور وہ حسب قاعدہ شرع ادا نہ ہوئی کہ کسی شہادت میں بیع مشفوعہ سے پہلے مشفوع بہا کا ملک مدعی ہونا اور اب تک بالاستمرار اس کی ملک میں رہنا اصلا مذکور نہیں، مقدمہ اصغر علی خاں میں اگرچہ دعوی محض مجمل تھا، بجواب استفسار حاکم اور تفصیل نہ کرسکا، تو نام موث تو بتادیا، یہاں اس قدر بھی نہیں، بیان مدعی یا بیان شاہدان کسی سے پتا نہیں چلتا کہ یہ مکان محمد شاہ کو بیع مشفوعہ کے کتنے مہینے بعد میراث میں ملا ہے، بیع مشفوعہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ہوئی، اور شہادتیں ۱۳۲۹ اجون ۱۹۰۷ء کو ہیں کیا اگر ۸ جون ۱۹۰۷ء تک سید محمد شاہ کا کوئی مورث باپ یا بھائی یا چچا وغیرہم اس مکان مشفوع بہا کا مالک رہا، اور اس تاریخ اس کی وفات ہوئی، اور مکان ملک سید محمد شاہ میں آیا تو ۹ جون

کو گواہوں کا کہنا کہ یہ مکان شفیع کا موروثی ہے، غلط ہوگا، ہر گز نہیں، ضرور صحیح و حق ہوگا، مگر مدعی کے کسی مصرف کا نہیں، اس کی ملک تو وقت بیع مشفوعہ سے پہلے ہو اور اب تک مستمر رہے، اس کا ثبوت درکار تھا، جس کا نام تک کسی شاہد نے نہ لیا، تو ایسی شہادتیں محض ناکافی اور بے معنٰی ہیں، اور دعوی اصلاً پایہ ثبوت کو نہ پہنچا اجناس و ذخیرہ و محیط وغیرہا میں ہے:

ینبغی ان یشھدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعة ملك ھذا الشفیع قبل ان یشتری ہذا المشتری ہذا الدار و ہی له الی ھذا الساعة لانعلمھا خرجت عن ملکه فلو قالا ان ھذہ الدار لھذا الجار لا یکفی[1]۔	گواہ یوں شہادت دیں کہ مبیع مکان کے پڑوس میں یہ مکان اس مشتری کے اس مکان کو خریدنے سے قبل شفیع کی ملکتی میں اس قت تک ہے اور اس کی ملکیت سے خارج ہونا ہمیں معلوم نہیں، تو اگر صرف یہ کہیں کہ یہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو اتنا کافی نہیں ہے۔ (ت)

معہذا شہنشاہی بیگم کی طرف سے جو شہادتین نیاز حسین خان و عزیز محمد خاں و سعید الدین خاں نے دیں وہ اس پیمانے پر جو آج کل تمام ہند میں رائج اور جملہ مقدمات اور خود اس مقدمہ میں مدعی و مدعٰی علیہ سب کے شہود اسی رنگ پر چلے اور چلتے ہیں، اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ سید محمد شاہ نے بعد بیع خبر سن کر تسلیم شفعہ کردی، اور طلب سے انکار کیا، اگر یہ پیمانہ مقبول نہیں تو خود شہادت شہود مدعی ایک اور وجہ سے مردود ہوئی، اور مقبول ہو تو بطلان شفعہ ثابت ہوگیا، جیسا کہ فیصلہ میں مذکور ہے، بہر حال دعوی شفعہ محض ناثابت ہے، اور اپیل اصلاً قابل منظور نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ مکان کا قبل نکاح زبیدہ جس کا نکاح اس کے پسر کے ساتھ ہونے والا ہے۔ بدیں مضمون لکھ کر زر ثمن کی وصولیابی کا اقرار لکھ کر معاف کردیا، اس قسم کا بیعنامہ معافی کا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر بعد نکاح زید یا اس کے ورثاء انکار وصولیابی زر ثمن کا کرکے کہیں کہ بیعنامہ بطور قرض لکھا گیا تھا شرعاً قرض قرار پائے گا یا نہیں؟ اور کبھی شفیع کی شفعہ اس قسم کے بیعنامہ میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

میں کہ فلاں ابن فلاں ساکن رامپور ہوں جو کہ ایک منزلہ مکان چنیں وچناں واقع رامپور محدودہ ذیل

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الاجناس والمحیط والذخیرۃ کتاب الشفعة الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۹

مملوکہ ومقبوضہ میرا ہے۔ وہ اب میں نے بحالت صحت نفس وثبات عقل بلااکراہ واجبار ورغبت اپنے مع جمیع حقوق ومرافق بعوض مبلغ پانچسو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ زبیدہ جس کا نکاح حسب خواہش میری بکر پس نطفے میرے سے بتاریخ امروز ہوگا، بیچااور بیع کیامیں نے اور مکان مبیعہ مشتریہ مذکورہ کو مثل ذات اپنی کے مالک وقابض کردیا، میں نے زرثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پایا، میں نے یعنی زرثمن اس کا بوجہ محبت فطری بکر پسر مذکور کے زبیدہ مشتریہ کو معاف کیامیں نے پس بخشش ومعافی مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعوی زرثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا تقابض البدلین واقع ہوا، اب مجھ بائع کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکارنہ ہوگا، اگر کوئی سہیم یاشریک پیدا ہو توجواب دہ میں بائع ہوں۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع مطلقاً صحیح ہے، اور اگر ایجاب وقبول بیع قبل معافی ثمن اقع ہوئے تھے وتو معافی ثمن بھی صحیح ہے، اب زید یاوارثان زید کو اس جائداد خواہ اسکے زرثمن میں اصلادعوی نہیں پہنچتا، ہاں اگر قبل قبول مشتریہ یاوکیل مشتریہ معافی ثمن بائع نے لکھی اور اس کے بعد مشتریہ کی طرف سے قبول واقع ہواتو معافی صحیح نہ ہوگی، بیع صحیح ہوگی، اور ثمن دیناآئے گاجب تک بائع بعد قبول مشتریہ کی طرف نہ کرے، رہاشفعہ وہ ہرحال میں ثابت ہے، اگرچہ ثمن معاف ہوجائے، کل ثمن شفیع اگر شرط بجالائے، لے سکے گا، کہ ثمن کی معافی سے شفیع کافائدہ نہیں اٹھاسکتا، عالمگیری میں ہے:

اذا حط کل الثمن، اووھبہ، اوأبراہ عنہ، فان کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل الخ[1]۔	جب مشتری کو بائع تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا ثمن سے اس کو بری کردے تو اگر ثمن پر بائع کے قبضہ سے قبل ہو تو یہ سب جائز ہے۔ الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الذخیرۃ اذا حط کل الثمن، اووھب اوأبرا عنہ، فان کان قبل قبضہ صح الکل ولا یلتحق باصل العقد، فی البدائع من الشفعۃ، ولو حط جمیع الثمن و لا یسقط عنہ شیئ لان	ذخیرہ میں فرمایا، اگر تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا اس کو بری کردے اگر ثمن پر اپنے قبضہ سے قبل کرے تو سب صحیح ہے اور یہ ثمن چھوڑنا اصل عقد سے ملحق نہ ہوگا، بدائع کے شفعہ میں ہے اگر بائع نے مشتری سے کل ثمن ساقط کئے تووہ شفیع سے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

حط کل الثمن لایلتحق باصل العقد، لانہ لو التحق لبطل البیع لانہ یکون بیعاً بلاثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع و صح فی حق المشتری وکان ابراء لہ عن الثمن اھ[1]۔	ساقط نہ ہوں گے کیونکہ کل ثمن کااسقاط اصل عقد سے ملحق نہ ہوتا کیونکہ اگر اصل بیع سے ملحق ہو تو بیع باطل ہوجائے، اس لئے کہ وہ بیع بلا ثمن قرار پائیگی، تو وہ شفعی کے حق میں اسقاط نہ ہوگا، مشتری کے حق میں صحیح ہوگااور مشتری کو ثمن سے برات ہوگی اھ (ت)

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

قال بعتك ھذا الشیئ بعشرۃ دراہم ووھبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع، ولایبرأ المشتری عن الثمن لایجب الابعد قبول البیع، فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابرأ قبل السبب فلا یصح[2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	بائع نے کہا میں نے تجھے یہ چیز دس دراہم کے بدلے فروخت کی اور میں نے تجھے وہ دس ہبہ کئے پھر مشتری نے بیع قبول کرلی تو بیع صحیح ہوگی اور مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا جبکہ ثمن کا وجوب بیع کو قبول کرنے کے بعد ہوتا ہے اگر قبول کرنے سے قبل مشتری کو بری کردے تو یہ سبب سے قبل بری کرنا ہوگا جوکہ صحیح نہیں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: از بدایوں سوتھ محلّہ مرسلہ نواب عبداللہ خاں ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

حنفی المذہب جار کو وہابی غیر مقلد پر حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

بیشک حاصل ہے، تمام کتب فقہ میں حکم شفعہ عام معلق ہے، ہدایہ میں ہے:

الشفعۃ واجبۃ للخلیط فی نفس البیع، ثم للخلیط حق المبیع کشرب والطریق، ثم للجار[3]۔	عین مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق لازم ہے پھر مبیع کے حقوق میں شریک کو جیسے زمین کو سیراب کرنے والے پانی اور اس کے راستے میں شرکت ہو اس کے بعد پڑوسی کو حق ہوگا۔ (ت)

---
[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹

[3] الھدایہ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۸۷

درمختار میں ہے:

سببھا اتصال ملك الشفیع بالمشتری بشرکۃ او جوار[1]۔	شفعہ کا سبب خرید کردہ کے ساتھ شفیع کی ملک کا اتصال بطور شرکت یا بطور پڑوس ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

الشفعۃ للجار الملاصق[2]۔	شفعہ کا حق متصل پڑوس کو ہے۔(ت)

عالمگیری می ہے:

اذا اسلم الخلیط وجبت للجار[3]۔	جب شریک شفعہ کو چھوڑ دے تو پھر پڑوسی کا حق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

للجار حق الشفعۃ اذا کان الجار قد طلب الشفعۃ حین سمع البیع[4]۔	پڑوسی کو شفعہ کا حق تب ہے کہ اس نے بیع کو سنتے ہی طلب کی ہو۔(ت)

قاضی خاں میں ہے:

الشفعۃ حق شرع نظرا لمن کان شریکا اوجارا عند البیع[5]۔	حق شفعہ شریک یا پڑوسی کی رعایت کے لئے مشروعات ہے بوقت بیع(ت)

اصلا کہیں یہ قید نہیں کہ بائع یا مشتری کا مقلد ہو ناضروری ہے ورنہ حق شفع نہ ہوگا جو اس کا ادعا کرے کسی کتاب معتبر میں دکھائے، اور ہر گزنہ دکھاسکے گا۔ اور جب تمام کتب میں حکم بلاشبہہ عام ہے، تو اپنی طرف سے تخصیص کب قابل سماعت ہے۔ ناواقف جاہل کو یہاں دو ہی شبہے عارض ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ غیر مقلد شفعہ جار کا قائل نہیں تو وہ اپنے زعم میں اس مطالبہ سے بری ہے۔ دوسرے یہ کہ غیر مقلد بہت مسائل اصول دین میں اہل حق کا مخالف ہے۔ وہ ایک دین ہی جداگانہ رکھتا ہے تو ہمارے دین کے احکام اسے شامل نہ ہوں گے، اور یہ دونوں شبہے محض باطل وبے معنی ہیں، کتابوں میں صاف تصریح ہے کہ اگر کھلے کافر نے

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱-۲۱۰

[2] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱-۲۱۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۶

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۷

[5] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الشفعۃ الباب الثانی نولکشور لکھنؤ ۴ /۸۶۰

دوسرے کے ہاتھ مکان بیچا اور مسلمان اس کا شفیع ہے۔ مسلمان کو شفعہ ملے گا، تو کھلے کفار جن کے یہاں شفعہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں اور وہ صراحۃً نفس اسلام سے منکر ہیں، جبکہ اپنے خیال میں عدم شفعہ یا تخالف دین کے سبب شفعہ سے بری نہ ہوئے، تو غیر مقلد کہ اصل شفعہ کا قائل ہے، اگرچہ شفعہ جوار میں کلام کرے، اور دین اسلام کا دعوٰی رکھتا ہے اگرچہ اپنے دعوے میں غلط کار ہو، کیونکہ اپنے خیال یا تخالف مذہب کے باعث شفعہ سے بری ہو سکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لواشتری ذمی من دار بخمر اوخنزیر وشفیعھا ذمی اومسلم وجب الشفعۃ عند اصحابنا[1]۔	اگر کسی ذمی نے ذمی سے مکان بعوض شراب یا خنزیر خریدا اور اس پر شفعہ کرنیوالا ذمی ہو یا مسلمان ہو اس کو ہمارے اصحاب کے نزدیک شفعہ کا حق ہے۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خان میں ہے:

المسلم والکافر والکبیر والصغیر والذکر والانثٰی فی الشفعۃ لھم وعلیھم سواء[2]۔	مسلمان، کافر، بڑا، چھوٹا، مرد اور عورت شفعہ ان کے حق میں ہو یا خلاف ہو سب برابر ہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

اذاشتری ذمی بخمر اوخنزیر ان کان شفیعھا مسلما اخذ بقیمۃ الخمر والخنزیر وبالاسلام یتاکد حقہ لا ان یبطل[3] اھ ملتقطا۔	جب شراب یا خنزیر کے عوض کسی ذمی نے مکان خریدا اگر مسلمان شفعہ کا حقدار ہو تو شراب اور خنزیر کی قیمت کے عوض شفعہ حاصل کرے گا، اسلام اس کے حق کو مضبوط بناتا ہے نہ کہ باطل کرتا ہے اھ ملتقطا (ت)

بالجملہ مدعاعلیہ اپنے کسی خیال ومذہب کے باعث اس حق کو مدعی کے لئے باطل نہیں کر سکتا، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شرع مطہر نے حق شفعہ شفیع سے وضع ضرور کے لئے مشروع فرمایا ہے، مدعی کہ اپنا ضرر دفع کرنا چاہتا ہے، مدعاعلیہ یہ جواب کیونکر دے سکتا ہے کہ میرے خیال ومذہب میں تو اپنے ضرر کے دفع کا استحقاق نہیں

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۹۴

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۸۶۰

[3] الھدایہ کتاب الشفعۃ باب الشفعۃ مطبع یوسفی نولکشور لکھنؤ ۴ /۹۸۔۳۹۷

رکھتا، ایسا جواب کب قابل التفات ہو سکتا ہے، ہدایہ میں ہے:

الاتصال علی هذه الصفة انما انتصب سببا فیه لدفع ضرر الجوار اذ هو مادة المضار علی ماعرف [1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اس طریقہ کا اتصال پڑوس کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے سبب ہے کیونکہ پڑوس محل ضرر ہے جیسا کہ معروف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳: مسئولہ محمد حیدر حسن خاں رامپوری ۲۲ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کا حصہ فروخت ہوا، شفیع جو خلیط فی نفس المبیع ہے اس نے خبر سن کر فورا طلب مواثبت کی، ادا کے وقت چند اشخاص شفیع کے پاس موجود تھے، اور اس جگہ سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا ہے۔ شفیع طلب مواثبت کرکے خود اشخاص مذکورہ کو ساتھ لے کر مکان مبیعہ کے پاس آیا، سب آدمی مکان کے دروازے کے پاس کھڑے رہے اور شفیع مکان کے اندر چلاگیا اور وہاں پردہ کرایا، اور پھر باہر آکر سب آدمیوں کو مکان کے اندر لے گیا، تب شفیع نے طلب اشہاد ادا کی، شفیع اگر چاہتا تو جس جگہ اس نے طلب اول ادا کی تھی اور وہاں سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا تھا اس جگہ طلب ثانی بھی ادا کر سکتا تھا، یہ امر دریافت طلب ہے کہ شفیع نے جو دو تاخیریں ادائے طلب اشہاد میں کیں، یہ دونوں تاخیریں یا ان میں سے کوئی مبطل شفعہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نہ شفعہ باطل ہوا نہ طلب اشہاد میں تاخیر ہوئی، نہ یہاں طلب مکرر کی حاجت تھی، بلکہ وہی طلب مواثبت جو اس نے دار مبیعہ کے منظر میں کی، جہاں وہ مکان کے سامنے اور حسب بیان زبانی سائل نے صرف پچاس قدم کے فاصلہ پر تھا، وہی دونوں طلبوں کا کام دے گئی، اصل یہ ہے کہ یہاں طلب خصومت سے پہلے دو طلبیں لازم کی ہیں، ایک بفور علم اگرچہ اس وقت وہاں اور کوئی نہ ہو، دوم احد المعاقدین یا مبیع کے سامنے، اور اگر وقت علم احد البائعین حاضر یا مبیع پیش نظر ہے، تو یہی طلب اول و دوم دونوں ہو جائیں گی، پھر طلب اشہاد میں حاضرین سے یہ کہنا کچھ ضرور نہیں کہ تم گواہ ہو جاؤ بلکہ فی الواقع دونوں میں سے کسی طلب میں گواہوں کا موجود ہونا ہی شرط نہیں، وہ صرف ثبوت دینے کے لئے درکار ہوتے ہیں جبکہ مشتری انکار کرے تو گواہوں کے سامنے طلب مواثبت منظر مبیعہ میں کرنا بدرجہ اولٰی طلب اشہاد

[1] الہدایۃ کتاب الشفعہ مطبع یوسفی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۸۸

بھی ہے اگرچہ گواہوں سے نہ کہا ہو کہ گواہ رہو، اور یہیں سے ظاہر ہے کہ اس کے بعد شفیع کا شہود کو دروازہ پر پھر اندر لے جانا اور طلب کرنا سب فضول وزوائد از حاجت تھا، جس کی تاخیر بلکہ عدم سے بھی شفعہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ درمختار میں ہے:

لو اشھد فی طلب المواثبۃ عند احد ھٰؤلاء (ای البائعین والمبیع) کفاہ وقام مقام الطلبین [1]۔	اگر شفعہ کی طلب پر ان میں سے کسی کے اس گواہ بنائے یعنی خرید وفروخت کرنے والوں اور مبیع کے پاس تو اس کو کافی ہے اور یہ عمل دونوں طلب کے قائم مقام ہوگا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

انما یحتاج الی طلب المواثبۃ ثم الی طلب الاشھاد بعد اذا لم یمکنہ الاشھاد عند طلب المواثبۃ بان سمع الشراء حال غیبۃ عن المشتری والبائع والدار، اما اذا سمع عند حضرۃ ھٰؤلاء الثلث (ای احدھم کما لایخفی) واشھد علی ذٰلك فذٰلك یکفیہ، ویقوم مقام الطلبین کذا فی خزانۃ المفتین [2]۔	طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد کی ضرورت تب ہوگی جب طلب مواثبت پر وہ گوہ نہ بنا سکے، مثلاً یوں کہ شفیع نے خریداری کی خبر مشتری بائع اور مبیع مکان سے غائب ہونے پر سنی لیکن جب ان کی موجودگی میں سنی ہو اور اس وقت گواہ بھی اس طلب پر قائم کرلئے ہوں تو اسے کافی ہے اور یہ عمل دو طلب کے قائم مقام ہوگا خزانۃ المفتین میں اسی طرح ہے (ت)

قاضی خاں وعقود الدریہ وغیرہما میں ہے:

انما سمی الثانی طلب الاشھاد لا لان الشھادۃ شرط بل لتمکنہ اثبات الطلب عند جحود الخصم [3]۔	چنانچہ دوسری طلب کا نام طلب اشہاد اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں گواہ بنانا شرط ہے تاکہ مخالف فریق کے انکار پر ثابت کرسکے (ت)

نتائج الافکار میں بدائع سے ہے:

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۳

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۱

اماالاشھاد علی ھذا الطلب فلیس بشرط و انما ھو لتوثقۃ علی تقدیر الانکر کمافی الطلب الاول [1]۔	دوسری طلب میں گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ اس لئے گوہ بنائے کہ مخالف کے انکار پر اپنے حق کو ثابت کرسکے جیساکہ پہلی طلب میں شرط نہیں ہے۔(ت)

فتح اللہ المعین میں ہے:

الاشھاد علی الطلب التقریر لیس بشرط کمافی البدائع [2]۔	طلب تقریر یعنی طلب ثانی میں گواہ بنانا شرط نہیں، جیساکہ بدائع میں ہے۔(ت)

ہندیہ میں محیط سرخسی سے ہے:

اما طلب الاشھاد فھو ان یشھد علی الطلب المواثبۃ حتی یتأکد الوجوب بالطلب علی الفور، ولیس الاشھاد شرطالصحۃ الطلب لکن لیتوثق حق الشفعۃ اذا انکر المشتری طلب الشفعۃ [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	طلب اشھاد یہ ہے کہ طلب مواثبت یعنی پہلی طلب پر گواہ بنائے تاکہ فوری طورپر طلب کا وجوب پختہ ہوجائے جبکہ صحت طلب کے لئے اس وقت گواہ بنانا شرط نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ مخالف فریق جب انکار کرے تو یہ اپنے حق شفعہ کو مضبوط بناسکے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴تا۳۸: از ریاست رامپور مسئولہ مفتی عبدالقادر خاں صاحب مفتی ریاست رام پور ۱۰جمادی الاولٰی ۱۳۲۸ھ

مقدمہ فخر الدین خان بنام حیدر حسن خان ومسماۃ منور بیگم بنت محمد شفیع خاں میں مسل مع فتاوٰی مدخلہ بغرض ملاحظہ حاضر ہے، بعد ملاحظہ روئداد واظہارات گواہان سوالات ذیل کاجواب عطاہو:

(۱) آیاجس حالت میں کہ شفیع کواطلاع بیع ایسی جگہ پہنچی کہ در مشفوعہ سے قریب ہواور دار مشفوعہ پیش نظر ہواس وقت شہود کے سامنے طلب واحد طلب مواثبت وطلب اشہاد دونوں کی جگہ کافی ہوجائیگی یادو طلب جداگانہ کی حاجت ہے؟

(۲) صورت مذکورہ میں اگرایک بار طلب کرکے وہاں سے اٹھ کر دار کے پاس شہود کولے جائے اور ہنوز طلب ثانی نہ کرے، بلکہ اندر جاکر پردہ کراکر شہود کو اندرلیجاکر وہاں طلب دوم کرے تو یہ تاخیر موجب

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۸

[2] فتح المعین کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۳۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

بطلان شفعہ ہوگی یا نہیں؟

(۳) گواہوں کے سامنے اگر طلب بروجہ شرعی کرلی اور یہ نہ کہا کہ گواہ ہوجاؤ، تو طلب اشہاد میں کوئی خلل ہے یا نہیں؟

(۴) اگر طلب اول بروجہ کافی ایسے طور پر نہ کی کہ طلب اشہاد کے بھی قائم مقام ہوتی، اور پھر کاروائی مذکورہ سوال دوم عمل میں لایا۔ تو یہ دلیل اعراض ومسقط شفعہ ہے یا اس قیاس پر کہ مصر واحد میں اقرب کو چھوڑ کر ابعد کے پاس جانے سے حرج نہیں ہوتا شفعہ باطل نہ ہوگا؟

(۵) طلب اول کے جو الفاظ مدعی وشاہدان نے بیان کئے ہیں آیا وہ کافی ووافی ہیں جن سے وہی طلب قائم مقام طلبین ہوجائیگی یا نہیں؟ بالآخر حکم اخیر مطلوب ہے کہ اس روئداد مسلم کی رو سے شفعہ ثابت ہے یا ساقط؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کاغذات ملاحظہ ہوئے، **پہلے تین سوالوں** کا وہی جواب ہے جو قبل ملاحظہ مسل لکھا گیا تھا، شرع مطہر نے دو۲ باتیں لازم فرمائیں، ایک طلب بفور علم، دوم اس طلب کا بتعیین مطلوب بائع یا مشتری یا مشفوع کے سامنے ہونا طلب دوم کی اتنی ہی حقیقت ہے خاص اس لفظ کی کہ گواہ ہوجاؤ، کچھ حاجت نہیں، نہ یہ کہنا داخل حقیقت اشہاد ہے۔ اشہاد اعطائے ماخذ ہے یعنی دوسرے کے لئے اپنے تصرف پر تحصیل شہادت، اور بدیہی ہے کہ حصول شہادت کے لئے شاہد کے سامنے صرف وقوع درکار ہے۔ نہ کہ متصرف اسے اشہاد باللسان بھی کرے، یہاں تک کہ اگر متصرف بعد تصرف شاہد کو شہادت سے منع بھی کردے، اصلا موثر نہیں، فتح القدیر میں ہے:

الاتفاق علی ان من سمع اقرار رجل، له ان یشھد علیه بما سمع منه، وان لم یشھده بل ولو منعه منه الشھادة بما سمع منه[1]۔	اس پر اتفاق ہے کہ جس نے کسی شخص کا اقرار سنا تو اس کو یہ حق ہے کہ اس کی سنی بات پر گوہی دے اگرچہ اقرار کرنے والا اس کو گواہ نہ بنائے بلکہ وہ گواہی سے منع کرے تو بھی گواہی دے سکتا ہے۔ (ت)

اور جب حصول شہادت بے اس قول کیے گوہ ہوجاؤ ثابت ہے، تو جو تصرف متصرف بمشہد شہود اس لئے کرے کہ وہ شاہد ہوجائیں، قطعاً وہ شاہد ہوجائیں گے، اور قطعاً ان کے لئے اس وصف شہادت کا حصول اس نے

---

[1] فتح القدیر کتاب الشھادات باب الشھادة علی الشھادة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۲۷

چاہا۔اور اسی کے فعل مذکورہ سے یہ وصف ان کو حاصل ہوا، تو بلاشبہ اس نے دونوں کے لئے تحصیل شہادت کی، اور اسی قدر حقیقت اشہاد ہے، قال اللہ تعالٰی "وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَایَعْتُمْ"[1] خرید وفروخت کرتے وقت اشہاد کرلو، وقال اللہ تعالٰی "وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ"[2] جب طلاق دو یا رجعت کرواپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ کرلو۔ عالم میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ عقود وفسوخ میں گواہ کرتے وقت متصرف کا زبان سے یہ کہنا ضرور ہے کہ گواہ ہوجاؤ، بلکہ طلب دوم خواہ اول کسی میں نفس وجود شہود ہی ضرور نہیں، کمانصوا علیه فی البدائع والخانیة والمحیط واشار الیه فی الهدایة وغیرها (جیسا کہ اس پر بدائع، خانیہ اور محیط کی نصوص ہیں اور ہدایہ وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ت) بلکہ مقصود شرع وہی دو۲ باتیں ہیں ایک طلب فوری، ۲دوسری محضر، اور الثلثۃ میں طلب بتعیین، اکثر یہ ہوتا ہے کہ شفیع کو خبر بیع وہاں پہنچی ہے کہ عاقدین ومبیع سے کچھ حاضر نہیں، ناچار دو طلبوں کی حاجت ہوئی کہ محضر کا انتظار کرے تو فوری جاتا ہے۔اور فقط فور پر قانع ہو تو محضر نہیں، اور جب خبیر عین محضر میں پہنچی تو تعداد طلب کی اصلا حاجت نہیں، طلب واحد ہی دونوں کا کام دے گا۔

لاجتماع الفور والمحضر معا والمسئلة دوارة فی الکتب وقد ذکرنا بعض نصوصها، ولا تنس ماقدمنا من معنی الاشهاد ومن حقیقة طلب الاشهاد کیلا تزل من ظاهر کثیر من العبارات۔	فوریت اور حاضری دونوں کے اجتماع کی وجہ سے، جبکہ یہ مسئلہ کتب میں عام دائر ہے اور ہم نے بعض کتب کی نصوص ذکر کردی ہیں اور ہمارا بیان معنی اشہاد اور طلب کی حقیقت کو نہ بھولنا تاکہ تو بہت سی کتب کی ظاہر عبارات سے نہ پھسلے (ت)

جواب سوال چہارم: صورت مستفسرہ میں ضرور شفعہ باطل ہوجائے گا، اور قریب کہ چھوڑ کر بعید کی طرف جانے سے استناد محض باطل وخرط القتاد، مصرواحد میں اس کا جواز اس صورت میں ہے کہ بعید تک جانے میں قریب پر گزر نہ ہو، اور اگر راہ میں قریب پر گزرا اور اسے چھوڑ کر بعید کی طرف گیا، قطعاً شفعہ باطل ہوجائے گا۔اور یہ ضرور دلیل اعراض ہے۔ محیط، سرخسی، بزازیہ، خانیہ، ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

لوکان الکل فی مکان حقیقة وطلب من	اگر یہ تمام امور بر محل پائے جائیں اور بعید جگہ والے کو

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

ابعدھا وترك الاقرب جاز، فکذا ھذا الا ان یصل الی الاقرب ویذھب الی الابعد فحنیئذ تبطل [1]۔	طلب کرے اور قریب والے کو چھوڑ دے، تو جائز ہے تو یہ بھی ایسے ہے ہاں اگر قرب پر پہنچ کر ابعد کی طرف جائے تو اس وقت شفعہ باطل ہو جائے گا۔(ت)

اور یہاں یہی ہوا، بیرون در بھی اشہاد کر سکتا تھا، اور اسے چھوڑ کر اندر گیا، اور پردہ کرایا، اور شہود کو لے گیا، اس وقت طلب کی، تو یہ اقرب پر گزر کر ابعد کی طرف جانا ہوا، اور یہ ضرور مبطل شفعہ ہے۔

جواب سوال پنجم: بیان مدعی و گواہان مدعی کے ملاحظہ سے جو کچھ نظر فقہی میں واضح ہوتا ہے۔ ان الفاظ کا ناکافی ہونا ہے۔ حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ سے کہ دار میں ذکر حدود ہے۔ کتب علماء انھیں احد الوجہین سے مالامال ہیں، اور تصریح ہے کہ مجہول کی طلب صحیح نہیں۔ خلاصہ وجیز امام کردری میں ہے:

یستحق بطلب وہو نوعان مواثبة وقد ذکرہ اشہاد ھو ان یشھد قائلا اطلبھا اوعبارۃ یفھم منھا طلب الدار ویذکر الحدود [2]۔	شفعہ کا استحقاق طلب سے ہوتا ہے اور طلب دو قسم ہے ایک طلب مواثبت جس کا ذکر انھوں نے کر دیا ہے اور دوسری قسم طلب اشہاد ہے، وہ یہ کہ میں شفعہ طلب کر رہا ہوں، یا کوئی اور عبارت جس سے جس مکان کی طلب سمجھی جائے، کہہ کر گواہ بنائے اور مکان کے حدود بھی ذکر کرے۔(ت)

محیط سرخسی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انمایصلح طلب الاشھاد بحضرۃ المشتری او البائع والمبیع فیقول عند حضرۃ واحد منھم، ان فلانا اشتری ھذہ الدار و دارا ویذکر حدودھا الاربعة [3] الخ۔	مشتری یا بائع یا مبیع کے پاس یوں کہے فلاں نے یہ مکان خریدا اور اس کی حدود اربعہ کو ذکر کرے تو طلب درست ہوگی الخ (ت)

فتاوٰی ذخیرہ و نتائج الافکار میں ہے:

صورۃ ھذا الطلب ای یحضر الشفیع عند	اس طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع اس مکان

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیة کتاب الشفعة باب طلب الشفعة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

الدار ویقول ان فلانا اشتری ھذا الدار اویحضر المشتری ویقول ھذا مشتری من فلان دارا التی حدودھا کذا الخ اوالبائع ویقول ھذا باع من فلان دارا التی حدودھا کذا الخ[1]۔	کے پاس حاضر ہو کر کہے کہ تحقیق فلاں نے یہ مکان خریدا ہے یا مشتری کے پاس حاضر ہو کر کہے کہ اس نے فلاں حدود اربعہ والا مکان خریدا ہے یا بائع کے پاس حاضر ہو کر کہے اس نے فلاں حدود ولا مکان فروخت کیا ہے۔الخ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

صورۃ طلب الاشھاد ان یقول الشفیع للمشتری حین لقیہ اطلب منك الشفعۃ فی دار اشتریتھا من فلان التی احد حدودھا کذا والثانی کذا الثالث کذا والرابع کذا(الی قولہ)ولابد ان یبین انہ شفیع بالشرکۃ او بالجوار،اوفی الحقوق،ویبین الحدود لتصیر الدار معلومۃ[2]۔	طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع جب مشتری کے پاس آئے تو کہے میں تجھ سے اس مکان کا شفعہ طلب کرتا ہوں جو تو نے فلاں شخص سے خریدا ہے۔اور جس کی حدود میں سے ایک یہ ہے دوسری یہ اور تیسری یہ،اور چوتھی یہ ہے(اس کے قول)اور ضروری ہے کہ وہ بیان کرے کہ میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں یا پڑوس کی بنا پر شفیع ہوں یا حقوق میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں،اور حدود کو بیان کرے تاکہ مکان متعین ہو جائے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

صورۃ ھذا الطلب،ان یقول ان فلانا اشتری ھذا الدار الخ[3]،	اس طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ فلاں نے یہ مکان خریدا ہے الخ (ت)

یہ محضر دار میں ہے،پھر فرمایا:

وعن ابی یوسف یشترط تسمیۃ المبیع وتجدیدہ، لان المطالبۃ لاتصح الا	اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے کہ مبیع کا نام اور اس کی حدود کا ذکر شرط قرار دیا گیا ہے کیونکہ مطالبہ صرف معلوم چیز میں

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعۃ والخصومۃ فیھا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۱۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۲

[3] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

فی معلوم [1]۔	صحیح ہوتا ہے۔(ت)

یہ غیبت دار ومحضر احدالعاقدین میں ہے۔ غایۃ البیان علامہ اتقائی میں مختصر امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے:

یسمی الدار والارض والموضع ویحدو حتی یستوثق لنفسه [2]۔	دار، زمین اور موضع کا نام لے کر ذکر کرے اور اس کی حدود کو بیان کرے تاکہ اپنے لئے معاملہ کو پختہ کرلے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال القدوری فی شرح، وانما شرط ابو یوسف رحمه اللہ تعالٰی تسمیة المبیع والتحدید، لان المطالبة لا تصح الا فی معلوم، فاذا اشهد علی الطلب ولم یبین المطلوب لم یکن للمطالبة اختصاص بمبیع دون مبیع، ولایتعلق بها حکم [3]۔	قدوری نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے بیع کا نام اور اس کی حدود کو ذکر کرنا شرط قرار دیا ہے کیونکہ مطالبہ معلوم چیز میں ہی صحیح ہوتا ہے تو جب اس نے طلب اشہاد کیا اور مطلوب کو نہ بیان کیا تو پھر مطالبہ کا اختصاص کسی ایک مبیع سے نہ ہوسکے گا اور نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا(ت)

یہاں جبکہ دار مشفوعہ سامنے حاضر تھی، اشارہ ضرور تھا، اس کا ذکر مسل بھر میں کہیں نہیں، لہٰذا حکم وہی چاہئے جو امام قدوری نے فرمایا: **لایتعلق بها حکم** (نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا۔ت) ایسی مہمل طلب پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا، دوسرا فتوٰی مدخلہ مدعی ملاحظہ ہوا، وہ صحیح نہیں اور اس پر کلام اسی فتوٰی فقیر سے واضح، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۳۹: از ریاست رامپور محلّہ مسئولہ جناب غلام حبیب خاں صاحب عرف بدھن میاں صاحب ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد بیع کیا، بکر بحق شفعہ دعویدار ہوا اور

---

[1] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲

[2] غایۃ البیان

[3] غایۃ البیان

بکر نے گواہان طلب مواثبت واشہاد روبروئے عدالت پیش کیں، گواہان بکر کا بیان ہے کہ جس وقت مخبر نے حال مبیع کاظاہر کیا تو بکر گھبرا کر کھڑا ہوگیا، اور فوراً اس نے یہ کہاکہ جس قیمت واقعی کو نصف باغی بیع ہوا ہے اسی قیمت کو میں نے بحق شفعہ خود لیا، پس یہ امر یعنی بیٹھے سے کھڑے ہو کر طلب مواثبت کرنا داخل تاخیر ہے یانہیں، دوم یہ کہ بعد طلب مواثبت بکر کا چھڑی لینے گھر میں جانااور گھر میں سے فوراواپس آکر مشتری کے مکان پر جانا اور وہاں طلب اشہاد بجالانا شرعاتاخیر میں داخل ہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

جہاں طلب اشہاد کو جانا تھااس کے بعد اور شفیع کی حالت پر نظر کی جاجائے، اگر یہ اتنی دور بے عصا کے نہ جاسکتا تھاتو چھڑی لینے کے لئے گھر میں جانااور س کے ملنے پر فورًا آکر رواناہونا تاخیر نہیں، اگرچہ اس کی تلاش میں دس بیس منٹ ہوگئے ہوں کہ امور ضرورت شرعا مستثنٰی ہیں، اور اگر تلاش دیر کے بعد کی یا مل جانے کے بعد بلاضرورت دیر لگائی یا سرے سے عصا کی حاجت ہی نہ تھی، صرف حسب عادت ہاتھ لینے کے لئے یہ دیر کی تو یہ ضرور تاخیر ہے اور داخل عذر نہیں، یہ طلب اشہاد میں تھا، رہا طلب مواثبت سے پہلے اس کا کھڑا ہو جانا اور بعد قیام الفاظ ملک ادا کرنا، وہ مطلقًا مسقط شفعہ و قاطع فور ہے۔بلکہ فور درکنار قیام سے مجلس بھی بدل گئی، توروایت ضعیفہ پر بھی شفعہ کی گنجائش نہ رہی، ہندیہ میں ہے:

طلب الاشهاد مقدر بالتمكن من الاشهاد فمتی تمکن من الاشهاد عند حضرة واحد من هذه الاشياء ولم يطلب الاشهاد بطلت شفعته نفيا للضرر عن المشتری، كذا في محيط السرخسی [1]۔	طلب اشہاد کسی ایک کے پاس گواہ بنانے کی قدرت پر موقوف ہے تو جب کسی ایک کے پاس اس کو گواہ بنانے کی قدرت ہوئی اور اس نے طلب نہ کی تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا تاکہ مشتری کے ضرر کو ختم کیا جائے، محیط سرخسی میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الشفیع اذا علم فی اللیل ولم یقدر علی الخروج و الاشهاد الی کذا فی الحاوی فی الفتاوی [2]۔	جب شفیع کو خریداری کا علم رات کو ہو اور جا کر اشہاد کی طلب پر قادر نہ ہوالخ حاوی فی الفتاوی میں یوں ہے۔(ت)

---

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۳

فتاوی امام اجل قاضی خاں میں ہے:

طلب المواثبة فوقته فور علم الشفیع بالبیع و روی ھشام عن محمد۔الی۔یشترط الطلب فور العلم اھ مختصرا[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	طلب مواثبت کا وقت شفیع کو بیع کے علم کے فورا بعد ہے اور ہشام نے امام محمد سے روایت کی ہے کہ علم کے فورا بعد طلب کو شرط قرر دیا گیا ہے۔اھ مختصراً واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۰: از موضع شوپری تحصیل آنولہ ضلع بریلی مسئولہ واحد علی خاں ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک بڑے قطعہ اراضی میں جو صرف ایک زمیندار کی ملکیت ہے،اور بہت سے اشخاص بطور رعایا اس اراضی میں اپنے اپنے صرف لاگت سے مکان تیار کرکے رہتے ہیں،جب تک وہ آباد رہتے ہیں،ان سے زمیندار کچھ مزاحمت نہیں کرتا،اور بروقت بھاگ جانے یا اٹھ جانے کے اس ملبہ وغیرہ کا زمیندار مالک ہوجاتا ہے،یا بروقت فروخت کڑی، تختہ،اینٹ وغیرہ زمیندار اس قیمت سے چہارم لیتا ہے لیکن کسی باشندہ کو زمین فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے،ایسی حالت میں جب ایک باشندہ اپنا ملبہ وغیرہ کسی دوسرے باشندے کے ہاتھ فروخت کرے،تو تیسرا شخص جو مبیعہ کے ملحق رہتا ہے دعوی شفعہ کرتا ہے،تو یہ دعوی اس کا صحیح ہے یا باطل،اور اگر مالک زمین زمیندار مذکورہ دعوی اپنے حق شفعہ کرے تو وہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ وہ زمین کا مالک نہیں،اور تنہا عملہ بیچتا ہے۔تو اس میں ہرگز حق شفعہ نہ جار کو ہے نہ مالک زمین زمیندار کو،درمختار میں ہے:

لاتثبت فی بناء ونخل بیعا قصدا ولو مع حق القرار[2] بالاختصار،واللہ تعالٰی اعلم۔	عمارت اور درخت کی قصدا بیع میں شفعہ ثابت نہ ہوگا خواہ برقرار رکھنے کی شرط بھی رکھی ہو بالاختصار۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۱: از شہر بریلی فراشی محلّہ مسئولہ مقصود علی خاں ۶ محرم ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بعمر ۱۷ سال ہے،وہ شرائط شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں؟اور اس کو اختیار طلب شفعہ کا شرعا حاصل ہے یا نہیں؟**بینو توجروا**

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۰

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

الجواب:

شفعہ طلب کرسکتا ہے اور اگر اس انتظار میں کہ مجھے طلب کا اختیار ہے یانہیں طلب نہ کیا تو اب نہیں کرسکتا **لفوات المواثبۃ** (مواثبت کے فوت ہونے کی وجہ سے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲: زاز موضع ریونڈ، ڈاک خانہ مونڈہ ضلع مرادآباد مسئولہ محمد اسمٰعیل خاں کارندہ ۱۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو نے اپنا مکان زید کے ہاتھ فروخت کیا، زید اس مکان میں خریدار کانہ تو شفعہ کررکھتا تھا اور نہ اس مکان پر قابض ہے اور نہ اس کے پاس کرایہ پر ہے۔ بخلاف زید کے بکر کا مکان عمرو کے اس مکان فروخت شدہ کے درمیان دیوار کے نیچے واقع ہے۔ ایک درمیانی دیوار عمرو کے مکان اور بکر کے مکان کو قطع کرتی ہے۔ بکر اس کا شفیع ہے اور کچھ ماہ پیشتر سے یہ مکان بکر نے کرایہ پرلے کر قبضہ کررکھا ہے۔ اور اس نے جامع مسجد کے پیش امام صاحب اور اکثر مسلمانوں کے روبرو اس زید والے مکان کے خرید لینے کا اعلان کیا ہے۔ زید والے مکان میں کئی حصہ دار ہیں،

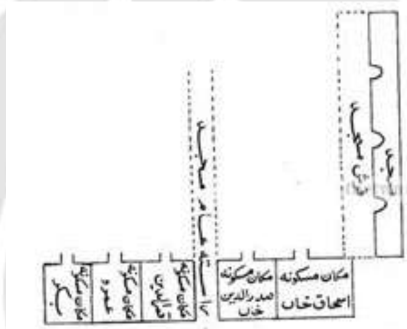

منجملہ ان حصہ داروں کے کہ جو آپس میں بھائی بہن کا رشتہ رکھتے ہیں ایک حصہ دار کا معاہدہ ہوچکا ہے کہ مکان بکر کو دیا جائے گا اور اطمینان کے لئے پیشتر بذریعہ کرایہ نامہ قبضہ کرایا گیا ہے، زید نے یہ مکان جامع مسجد کے لئے چندہ فراہم کرکے خرید کیا ہے۔ جامع مسجد اس مکان سے چار مکان درمیان میں دے کر واقع ہے، مسجد نہ تو بکر کے مقابلہ میں شفعہ رکھتی ہے، نہ مسجد کے کسی صرف کا یہ مکان ہے۔ سنا جاتا ہے کہ ایک صاحب نے کہ اپنا مکان جامع مسجد کی بلاقیمت دیتے ہیں، یہ شرط کی ہے کہ اگر وہ مکان جو بکر کے پاس بطور کرایہ کے ہے، اور جس میں وہ شفیع ہے بطور قیمت مسجد کے نام خرید لیا جائے گا تو میں بھی بلاقیمت مکان دے دوں گا۔ غالبا بکر کی ایذارسانی اور تکلیف مدنظر رکھتے ہوئے یہ شرط لگائی گئی ہے، بکر کو اول تو مکان دیا بھی نہیں جاتا اور اگر بکراہت دینا گوارا کیا جاتا ہے تو قیمت بے حد اضافہ کرکے دینا بیان کیا جاتا ہے۔ بکر اضافہ قیمت کو بالکل گوارا نہیں کرتا اور وہ ہرگز اس بات پر رضامند نہیں ہے کہ کچھ بھی اضافہ دے،

ایسی صورت میں کیا مسجد کو ایسی خریداری جائز ہے، اور زید کا اصلی قیمت سے اضافہ لینا کس حد تک داخل حسنات ہوگا۔ اور زید کو ایسا کرنے میں کچھ ثواب مل سکتا ہے جبکہ مکان کے شفیع کا حق باطل کیا جاکر مکان خریدا جائے، اور پھر مسجد کی منفعت کے لئے قیمت اصلی سے زائد بڑھا کر دینا گوارا کیا جائے، باہم مسلمانوں میں اس بارے میں اتفاق نہیں، اکثر اس مکان کی خریداری کے خلاف ہیں کیونکہ مسجد ایک سو کئی روپیہ کی مقروض ہے وہ ادا ہونا چاہئے، پھر شامیانہ ادھر میں پڑے ہیں جس کے نہ ہونے سے نمازیوں کو تکلیف ہے، ایک مکان عین مسجد کے فرش پر واقع ہے۔ اس کو خرید نہیں کیا جاتا ہے۔ اس عمرو والے مکان سے پہلے کچھ دن ایک مکان اور مسجد کے سامنے کا فروخت ہوگیا وہ نہیں خرید کیا گیا مسجد کے بعض ممبران کی رائے اس مکان کی خریداری کی نہیں، مسجد کے پیش امام کو معلوم تھا کہ یہ مکان بکر نے خریداری کی نیت سے کرایہ پر لیا ہے۔ اور بکر کو تنگی مکان کی سخت تکلیف ہے۔ جواب براہ کرم پشت عریضہ ہذا پر مہر وغیرہ سے مرتب فرماکر مرحمت فرمایا جائے، جواب کے لئے پتہ یہ ہوگا: بمقام موضع ریونڈ ڈاکخانہ مونڈہ، ضلع مراد آباد، ڈیرہ زمیندار میں پہنچ کر محمد اسمٰعیل خاں کارندہ کو ملے۔

الجواب:

قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں، نہ پہلے سے اس کے پاس کرایہ پر ہونا۔ یا اس کا اعلان کرنا کہ میں اس مکان کو خریدوں گا۔ یا پیشتر کسی حصہ دار سے معاہدہ ہوجانا، اسے کوئی ترجیح دے سکتا ہے، بعد بیع خبر پاتے ہی اگر طلب مواثبت وطلب اشہاد بجالائے تو اس وقت ان کا حق ثابت ہوتا ہے۔ اور اس حالت میں اسے اضافہ کی کیا ضرورت، جتنے کو بیع ہوا اتنے ہی میں لے گا، یہاں سوال میں یہ ہے کہ بکر سے اضافہ مانگتے ہیں اور وہ اضافہ پر راضی نہیں، یہ اگر یوں ہے کہ وہ طلب مذکور بجانہ لایا، یا اس کے بعد خرید نا چاہا، اور اضافہ پر راضی نہ ہوا تو اس کا کوئی حق نہ رہا، اور اسے نہ دینا اصلا حکم نہیں۔ اور دوسرے کا شفیع نہ ہونا اسے کچھ فائدہ نہ دے گا جبکہ خود اس کا شفعہ نہ رہا، باقی جو باتیں سوال میں لکھی ہیں کہ دوسرے نے اس مکان کی خریداری پر اپنا مکان مفت دینے کو کہا، یا مسجد پر قرض ہے، یا شامیانے ادھوری ہیں یا قریب کا مکان پہلے بکا، نہ خریدا، اب موجود ہے، اسے نہیں لیا جاتا، بعض ممبروں کی رائے اس کی خریداری کی نہ تھی، امام کو بکر کا ارادہ معلوم تھا، بکر کو مکان کی تکلیف ہے، سب بے علاقہ باتیں ہیں، چندہ چندہ دہندوں کی ملک رہتا ہے۔ اگر انھوں نے سپرد متولی مسجد نہ کردیا تھا اس سے پہلے مکان مول لے کر نذر مسجد کیا، جب تو یہ سوال ہی متعلق نہیں کہ اصل قیمت سے زیادہ لینے میں کوئی گناہ ہوا، خریدار کو اختیار ہے جتنے پر چاہے رضا دے۔

قال اللہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ کوئی سودا تمھاری باہمی رضا مندی کا ہو۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

اور اگر سپرد متولی مسجد کردیا، متولی نے اصل قیمت سے زائد کو خریدا، تو اگر زیادت فاحش ہے اور اس میں کوئی مصلحت نہیں راجعہ مسجد کی نہیں، تو بیشک وہ گنہ گار ہوا اور تاوان مسجد کو دے گا۔ یا بیع فسخ کی جائے گی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: از ضلع شاہجہان پور ڈاکخانہ جگرام پور گورہ رائے پور مسئولہ علی حسن خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زمین بیچنے کا ارادہ کیا تو عمرو کو کہلا بھیجا، عمرو نے کل تین ہزار روپیہ اس زمین کا لگایا، زیادہ سے انکار کیا اس پر بکر کے ہاتھ زید نے اپنی زمین مذکورہ فروخت کردی پانچ ہزار پر، اب عمرو بذریعہ حق شفعہ اس زمین کو لینا چاہتا ہے، دونوں کا یعنی عمرو بکر کا زید کی زمین سے دہرا ملا ہے، اور عمرو نے بیع زمین مذکور کے وقت سے بہت روز کے بعد اپنی ناخوشی ظاہر کی، ایسی صورت میں عمرو کو حق شفعہ اس زمین مبیع کا حاصل ہے۔ اور بیع اول باطل ہو جائے گی یا اس کے برعکس؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع سے پہلے عمرو کا خریداری سے انکار کردینا اس کے حق شفعہ کو ساقط نہیں کرتا، اگر بکر کے ہاتھ بیع کی خبر سنتے ہی عمرو طالب شفعہ ہوا اور اپنی طلب پر گواہ حسب قاعدہ کرے تو اسے دعوی شفعہ پہنچتا ہے۔ اور اگر دیر کے بعد ناراضی ظاہر کی اور طالب شفعہ ہوا تو اس کا حق ساقط ہوگیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب القسمة

(تقسیم کا بیان)

مسئلہ ۴۴: از پیلی بھیت　　　　　　　یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی اکبر نے انتقال کیا، چار پسر دوست محمد، حفیظ اللہ، کریم اللہ، رحمت اللہ، دو دختر جواں، موتی وارث ہوئے، کریم اللہ نے وفات پائی، اس کا بیٹا نھو ہے۔ رحمت اللہ فوت ہوا، اس کی بیٹیاں اعجوبہ و محمدی ہیں، دوست محمد، حفیظ اللہ، نھو نے جائداد متروکہ مشترکہ کی تقسیم کے لئے زید کو پنچ مقرر کیا مگر جوان موتی عجوبہ، محمدی اس پنچایت میں اصلاشامل نہ تھیں، پنچ نے تمام جائداد متروکہ جس میں ان سب کے حصص شرعیہ تھے، صرف انھیں تین وارثوں پر جنھوں نے اسے پنچ کیا تھا تقسیم کردی، اور پنچایت نامہ میں لکھ دیا کہ "حصہ شرعی دختران اکبر اور دختران رحمت اللہ کے ہر سہ فریق بقدر رسدی ذمہ دار ودیندار رہیں گے، وہ چاروں عورتیں اس تقسیم پر راضی نہیں، اس صورت میں یہ پنچایت صحیح و نافذ ہے یانہیں؟ اور پنچ نے جو تقسیم کی وہ بحال رہے گی یا توڑ دی جائے گی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ پنچایت محض مہمل اور تقسیم بیہودہ و مختل ہے۔ پنچ کو باقی وارثوں کے حصص میں تصرف کا کس نے اختیار دیا تھا، حکم پنچ کا صرف انھیں تک ہوتا ہے جو اسے پنچ کریں، باقی کسی پر کچھ ولایت نہیں رکھتا، ہدایہ میں ہے:

حکمہ لایلزمہ لعدم التحکیم منہ [1]۔	اس کا حکم لازم نہ ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے تحکیم نہیں ہے۔(ت)

[1] الھدایۃ کتاب ادب القاضی کتاب التحکیم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۳

تقسیم کے معنی یہ ہیں کہ حصے جدا جدا ہو جائیں، یہاں جدائی نہ ہوئی کہ چاروں عورتوں کے حصے سب میں مختلط ہیں، تو یہ تقسیم شرعاً نہیں۔
ہدایہ میں ہے:

باستحقاق بعض شائع ظھر شریك ثالث لھما و القسمة بدون رضاہ باطلة[1]۔	چیز کے کچھ شائع میں استحقاق پائے جانے سے ایک تیسرا شریک بھی پہلے دونوں کے ساتھ ظاہر ہوا جبکہ شریک کی رضا کے بغیر تقسیم باطل ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

باستحقاق جزء شائع ینعدم معنی القسمة وھو الافراز[2]۔	شائع چیز میں استحقاق کی وجہ سے تقسیم کا معنی وقت ہو جاتا ہے اور تقسیم یہ جدا کرنا ہوتا ہے۔(ت)

علماء فرماتے ہیں، اگر چند ورثہ قاضی کے یہاں رجوع لائیں کہ مورث نے انتقال کیا اور یہ ترکہ چھوڑا ہم میں تقسیم ہو جائے، اور گواہی دیں کہ ہمارے سوا کوئی وارث نہیں، قاضی تقسیم کردے، پھر اور وارث ظاہر ہو جو کل متروکہ میں سے کسی حصہ شائعہ مثل سدس یا ثمن وغیرہ کا مستحق ہو، تو بالاجماع وہ تقسیم توڑ دی جائیگی، ہدایہ میں ہے:

لو استحق نصیب شائع فی الکل تفسخ بالاتفاق[3]۔	اگر کل میں سے کسی شائع حصہ کا کوئی مستحق ظاہر ہوا تو بالاتفاق تقسیم فسخ ہو جائے گی۔(ت)

اسی میں ہے:

لانہ لوبقیت القسمة التضرر الثالث بتفرق نصیبه فی النصیبین[4]۔	کیونکہ اگر تقسیم کو باقی رکھا جائے تو تیسرے کو نقصان ہوگا بوجہ ایں کہ اس کا حصہ باقی دو حصوں میں متفرق ہوگیا۔ (ت)

جبکہ قاضی کی تقسیم جس کی ولایت عموم رکھتی ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اس نے دانستہ کسی وارث کو ضرر نہ پہنچایا تھا، بعد ظہور وارث دیگر کے یقیناً فسخ کی جاتی ہے تو پنچ کی تقسیم جس کی ولایت فقط اس کے پنچ کرنے والوں پر ہے اور وہ بھی یوں کہ اس نے دیدہ دانستہ اور وارثوں کے ہوتے ہوئے ترکہ صرف تین پر بانٹ دیا، اور باقیوں کو حصہ رسد ہر ایک کے حصہ میں ٹکڑا ٹکڑا لینے کا مستحق ٹھہرایا، کیونکہ قابل تقسیم ہو سکتی ہے پس صورت مستفسرہ میں واجب ہے کہ وہ پنچایت رد کی جائے اور وہ ناروا تقسیم توڑ دی جائے، اور از سر نو سب وارثوں پر تقسیم شرعی عمل میں آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الھدایہ کتاب القسمة باب دعوی الغلط فی القسمة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹
[2] الھدایہ کتاب القسمة باب دعوی الغلط فی القسمة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹
[3] الھدایہ کتاب القسمة باب دعوی الغلط فی القسمة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۸
[4] الھدایہ کتاب القسمة باب دعوی الغلط فی القسمة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

مسئلہ ۴۵: از ریاست رامپور محلّہ کنڈہ مسئولہ جناب محمد سعادت علی خان صاحب ۲۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص چند گھروں کے جو ایک شہر میں ہیں بالاشتراک مالک ہیں، ایک حصہ دار ان گھروں میں سے اپنے حصہ کی تقسیم چاہتاہے۔اور وہ اپنے حصہ سے بعد علیحدہ ہونے کے بھی نفع اٹھاسکتاہے، اور وہ چاہتاہے کہ ہر گھر میں سے مجھ کو علیحدہ حصہ ملے، ایسی حالت میں ازروئے شرع شریف سب گھروں کی یکجائی تقسیم کی جائے گی یاہر گھر کی جداگانہ تقسیم ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ہر مکان میں اس کا حصہ قابل انتفاع ہے توہر مکان سے جداجدا اسے حصہ دیا جائے گا، ہر گھر میں علیحدہ تقسیم ہوگا، درمختار میں ہے:

دورمشترکہ قسم کل وحدھا منفردۃ مطلقًا ولو متلازقۃ اوفی محلتین او مصرین[1] **۔واللہ تعالٰی اعلم۔**	چند مشترکہ مکانات میں ہر ایک مکان کو جدا جدا تقسیم کیا جائے گا اگرچہ وہ آپس میں ملے ہوئے ہوں یا دو محلوں میں یا دوشہروں میں میں ہوں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**(ت)

---

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۰

کتاب المزارعۃ

(مزارعت کا بیان)

مسئلہ ۴۶ تا ۴۹: مسئولہ محمد مبارک اللہ از پیلسپانہ ضلع مراد آباد ۲۶ رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) شرع شریف کے نزدیک کاشتکار کوئی حق موروثیت جیسے قانون انگریزی کے اندر ہے کہ جو شخص بارہ سال سے زائد ایک زمین کو کاشت کرے تو زمیندار کو پھر کوئی مجاز بید خلی وغیرہ کا نہیں رہتا، حاصل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو خیر اور حق۔

(۲) نہیں تو یہ کاشتکار حلف تلف اور مظالم ہے یا نہیں؟

(۳) اور اس وقت یہ کاشتکار جو زمین کو نہیں چھوڑتا ہے، اور لگان حیثیت زمین سے کم دیتا ہے، اور زمیندار بحیثیت قانون انگریزی دعوی سے مجبور ہے، تو یہ کاشتکار متبع قانون انگریزی کا اور مقدم و مرجح قانون کا حکم شریعت پر ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ظالم اور زمیندار مظلوم ہوا یا نہیں؟

(۴) اور اگر کوئی زمیندار بعد انکار کاشتکار کے دعوی بے دخلی مجبور ادائر کرے تو صرف اس کا جو کچھ کچہری میں ہوا اس کے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب:

مجرد مرور مدت سے کچھ نہیں ہوتا اگرچہ بیس برس کاشت کرے، جب مدت اجارہ ختم ہو گئی شرعاً

اس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے خواہ زمین مملوکہ ہو، یا موقوف، یا سلطانی، ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے:

امامجرد وضع الید علی الدکان ونحوہا و کونہ یستاجرہا عدۃ سنین بدون شیئ مماذکر (او یاتی) فھو غیر معتبر، فللموجر اخراجھا من یدہ اذا مضت مدۃ اجارتہ وایجارھا لغیرہ کما اوضحناہ فی رسالتنا تحریر العبارۃ[1]۔	مثلاً دکان پر خالی قبضہ رکھنا، اور کئی سال سے اجارہ پر لیا ہونا مذکورہ یا آیندہ ذکر ہونے والی اشیاء کے بغیر ہو تو وہ غیر معتبر ہے تو اجارہ پر دینے والے کو مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد قبضہ کو چھڑانے اور دوسرے کو اجارہ پر دینے کا حق ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالہ تحریر العبارۃ میں واضح کردیا ہے۔(ت)

ہاں اگر زمین ناقابل زراعت تھی اس نے اسے بنایا کمایا، اس میں چوگزی وغیرہ کھودے یا اس میں اپنی دوسری زمین سے لاکر مٹی بچھائی یا پیڑ لگائے یا کوئی عمارت بنائی،

ویقال للاول الکراب، والاخر دھوما، اذا اضاف فیھا شیئا من ملکہ کتراب وغرس وبناء الکردار، و القبۃ، واذا فعل ھذا فی الحوانیت یسمی جدکا او کدکا، فان کان ممالاینقل ویرکب للقرار کالبناء، و الاغلاق، یسمی سکنی والکل یقال لہ مسکۃ، ومشد مسکۃ، وھناک اطلاقات اخر کما یعلم من مساقاۃ العقود وبیوع ابن عابدین۔	پہلی کو کراب، اور دوسری کو دھوم کہتے ہیں اور اس میں اپنی کسی ملکیت کا اضافہ کیا مثلاً مٹی ڈالی، یا پودے لگائے دالان اور قبہ بنایا اور اگر یہ تصرفات دکانوں میں کئے تو اسے جدک یا کدک، یا مشد مسکد کہتے ہیں، اور دیگر اطلاقات بھی یہاں ہیں جیسا کہ عقود الدریہ کے باب مساقاۃ اور ابن عابدین کے بیوع سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔(ت)

تو اگر وہ زمین مملوکہ نہیں بلکہ سلطانی ہے یعنی بیت المال کی، جسے یہاں سرکاری کہتے ہیں، یا وقف ہے تو البتہ ان کاروائیوں سے اس کے لئے حق قرار ثابت ہوگا کہ بلاوجہ شرعی وہ زمین کبھی اس کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی، اور وہ مرجائے تو اس کا بیٹا اس کے قائم مقام ہوگا۔ مع تفاصیل مذکورہ فی الفقہ، جامع الفصولین وغیرہ میں ہے:

بنی المستاجر اوغرس فی ارض الوقف	اجارہ پر لینے والے نے وقف زمین میں تعمیر کی یا

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷

صارله فیها حق القرار،وهو المسمی بالکردار،له الاستبقاء باجر المثل[1]۔	پودے لگائے تو اس کو اس زمین میں برقرار رہنے کا حق ہوگا اور اس کو "کردار" کہتے ہیں اس کرایہ دار کو مثلی اجرت پر باقی رکھنے کا حق ہوگا۔(ت)

خیریہ میں ہے:

وقد صرح علمائنا بان لصاحب الکردار حق القرار، وهو ان یحدث المزارع والمستاجر فی الارض بناء، اوغرسا،اوکبسا بالتراب باذن الواقف او باذن الناظر،فتبقی فی یده[2]۔	اور ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ "کردار" والے کو برقرار رہنے کا حق ہے اور "کردار" یہ ہے کہ مزارع یا مستاجر زمین میں کوئی تعمیر کرے یا پودے لگائے یا مٹی بھرے،واقف یا منتظم کی اجازت سے ایسا کیا ہو تو اس کو قبضہ برقرار رکھنے کا حق ہے۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

اذا کان لوقف جامع ارض سلیخة معطلة غیر صالحة للزراعة،فاذن متولی الوقف لزید،بحرثها،وصلاحها، وکبسها،وزراعتها لیدفع قسمها لجهة الوقف ففعل زید ذٰلك کله ثبت له حق القرار،فیها تبقی بیده باجر مثلها،اوبان یؤدی قسمها المتصارف لجهة الوقف المذکور[3]۔	اگر وقف زمین افتادہ معطل جو زراعت کے قابل نہ ہو تو وقف کے متولی نے زید کو آباد کرنے اور درست کرنے،مٹی ڈالنے اور کاشت کرنے کی اجازت دی کہ وہ وقف کی مد میں حصہ دے تو زید نے یہ تمام کاروائی کردی تو اس کو زمین پر قرار کا حق حاصل ہوگا اور مثلی اجرت پر اسی کے قبضہ میں رہے گی،اور وہ متعارف حصہ وقف کی مد میں دیتا رہے گا۔(ت)

ہاں اس کے سبب وقف پر اندیشہ ہو،یا اجرت نفس زمین کی بڑھ جائے،اور یہ اضافہ پر راضی نہ ہو،تو بیدخل کردیا جائے گا،یونہی اگر تین سال زمین معطل چھوڑ دے گا اس کا حق قرار جاتا رہے گا،بیوع ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ جامع الفصولین والقنیة والخلاصة وغیرہا کتاب الوقف دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۷۹

[2] فتاوٰی خیریہ بحوالہ جامع الفصولین والقنیة والخلاصة وغیرہا کتاب الوقف دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۷۹

[3] العقود الدریة کتاب المساقات باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۲۲

فی اوقات الخصاف حانوت اصله وقف و عمارته لرجل،وھو لایرضی ان یستاجر ارضه باجر المثلی، قالو ان کانت العمارۃ بحیث لو رفعت یستاجر الاصل باکثر مما یستاجر صاحب البنا،کلف رفعه، ویؤجر من غیرہ،والایترك فی یدہ بذٰلك الاجر [1] اھ یفید انه احق من غیرہ حیث کان مایدفعه اجر المثل۔	خصاف کے باب اوقات میں ہے کہ دکان کی زمین وقف ہے اور اس کی عمارت کسی شخص کی ہے اور وہ اس زمین کی مثلی اجرت پر راضی نہیں ہوتا تو علماء نے فرمایا کہ متولی کو چاہئے کہ اگر عمارت اٹھائی جاسکتی ہو تو زمین کسی دوسرے کو پہلے کی نسبت زیادہ اجرت پر دے دے اور پہلے کو عمارت اکھاڑنے پر مجبور کرے اور دوسرے کو اجرت پر دے دے،اور اگر عمارت اکھاڑنا ممکن نہ ہو تو پہلے کے پاس اسی اجرت پر رہنے دے۔ (ت)

اسی کے وقف میں ہے:

حیث کان یدفع اجرۃ مثلھا لم یوجد ضرر علی الوقف فتترك فی یدہ فلومات کان لورثته الاستبقاء الااذا کان فیه ضرر علی الوقف بوجه ما،بان کان ھو او وارثه مفلسا،اوسئی المعاملة،اومتغلبا یخشی علی الوقف منه اوغیر منه او غیر ذٰلك من انواع الضرر [2]۔	اگر مستاجر مثل اجرت دیتا ہے اور وقف کو ضرور نہ ہو تو اسی کے پاس رہنے دی جائے اور اگر وہ فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو باقی رکھنے کا حق ہوگا ہاں اگر وقف کو کسی طرح اس میں ضرر ہو مثلاً دکان بوسیدہ ہے اور ورثاء مفلس ہوں یا وہ لاپرواہ ہو یا وہ غلبہ پانے کی کوشش میں ہوں اس سے وقف کو خطرہ ہو یا کوئی کسی قسم کا ضرر ہو تو واپس لے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی ذی مسکة فی ارض ترکھا ثلث سنوات اختیارا منه بلاون عزر شرعی،فھل سقطت مسکته، الجواب سقط حقه بالترك	ان سے کرایہ دار کی بنائی عمارت کے متعلق سوال ہوا کہ وہ کریہ دار تین سال سے اپنی مرضی پر دکان کو چھوڑ رکھے بغیر عذر شرعی کے تو کیا اس سے عمارت پر اس کا حق ختم ہوجائے گا؟ جواب

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

المذکور کما افتی بہ الخیر الرملی والشیخ اسمعیل ویأتی مثلہ عن المعروضات[1]۔	یہ ہے کہ ہاں اس سے اس عمارت پر مبنی حق ختم ہوجائے گا، جیسا کہ خیر الدین رملی اور شیخ اسمٰعیل نے یہ فتوٰی دیا ہے اور معروضات سے اس کی مثل آئیگا(ت)

اور اگر زمین مملوک ہے۔ جیسے عام دیہات کی زمین کہ زمیندار کی ملک ہوتی ہے تو اس میں شرعاً ہرگز کبھی کسی طرح کاشت کار کو حق قرار ثابت نہ ہوگا اگرچہ اس نے اس میں باغ بھی لگایا، عمارت بھی بنائی ہو، جب اجارہ یعنی اس کے پٹہ کی مدت ختم ہو گئی زمیندار کو اختیار ہوگا کہ زمین اس سے نکال لے اور اس کے درخت وعمارت کی نسبت اسے حکم دے کہ زمین خالی کردے اور درختوں کے کاٹنے عمارت کے کھودنے میں زمین کا زیادہ نقصان دیکھے تو کٹنے کھودنے کے بعد جو قیمت ان درختوں اور عمارت کی ہو اس سے کٹوانے کھدوانے کی اجرت مجرا کرکے کاشتکار کو دے دے، اور پیڑ اور عمارت خود لے لے، اور اگر کاشت کار سے کوئی مدت معین نہیں ٹھہری، یونہی سال بسال کاشت کرتا ہے تو ہر ختم سال پر زمیندار کو زمین خالی کرانے اور آئندہ اسے زراعت کی ممانعت کردینے کا اختیار ہوگا اگرچہ کاشت کرتے پچاس برس گزر گئے ہوں، عقود دریہ میں ہے:

قال فی التجنیس رجل اشتری من رجل سکنی لہ فی حانوت رجل اخر مرکبا بمال معلوم لصاحب الحانوت ان یکلف المشتری رفع السکنی وان کان علی المشتری ضرر لانہ شغل ملکہ[2]۔	تجنیس میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کی دکان میں رہائشی انتظام کررکھا تھا تو اس رہائشی شخص سے کسی تیسرے شخص نے اس کا وہ رہائشی انتظام خرید لیا کچھ مال کے بدلے قبضہ لیا تو دکان کے مالک کو حق ہے کہ وہ اس مشتری کو رہائش اٹھانے پر مجبور کردے اگرچہ مشتری کو ضرر بھی ہو کیونکہ مشتری نے اس کی ملکیت کو مشغول کررکھا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لکن اذا کان ہذ الجدك المسمی بالمسکنے قائما فی ارض وقف،فھو من قبیل مسألۃ البناء اوالغرس فی الارض المحتکرۃ لصاحب الاستبقاء باجرۃ مثل الارض	لیکن یہ جدک جس کو سکنی کہتے ہیں اگر وقف زمین میں ہو تو ہو کرایہ کی زمین پر عمارت اور پودے لگانے کے مسئلہ کی طرح ہے اسے اگر وقف زمیں کو ضرر نہ ہو تو اس کو مثلی اجرت کے ساتھ زمین

[1] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۲۲

[2] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۱۸

حیث لاضرر علی الوقف وان ابی الناظر نظرا للجانبین علی ماشی علیہ فی متن التنویر، وافتی بہ المؤلف تبعا للخیر الرملی، وقدمنا الکلام علیہ فی کتاب الاجارات، ولاینا فیہ مافی التجنیس من ان لصاحب الحانوت ان یکلفہ رفعہ، لان ذٰلک فی الحانوت الملک، والفرق ان الملک قد یمتنع صاحبہ عن ایجارہ، ویرید ان یسکنہ بنفسہ اویبیعہ، اویعطلہ بخلاف الموقوف المعد للایجار، فانہ لیس للناظر الا ان یوجرہ فایجارہ من ذی الید باجرۃ مثلہ اولی من ایجارہ من اجنبی لما فیہ من النظر للوقف ولذی الید[1]۔	کو باقی رکھنے کا حق ہوگا اگرچہ وقف کا نگران انکار کرے تاکہ دونوں جانب کی رعایت ہوسکے، متن تنویر کے بیان پر بنا کرتے ہوئے اور اس پر مؤلف نے خیر الدین رملی کی اتباع میں فتوٰی دیا ہے اس پر ہم نے کتاب اجارات میں کلام کردیا ہے۔ اور یہ بیان تجنیس میں مذکور کے منافی نہیں کہ دکانوں کے مالک کو حق ہے کہ وہ تجاوزات کو اکھاڑنے پر مجبور کرے کیونکہ تجنیس کا یہ بیان نجی ملکیت کے متعلق ہے، وجہ فرق ہے کہ نجی مالک کبھی اپنی ذاتی رہائش یا فروخت یا فارغ رکھنے کے لئے کرایہ پر نہیں دینا چاہتا، بخلاف وقف شدہ زمین کہ جس کو کرایہ پر دینے کے لئے ہی تیار کیا گیا ہے تو نگران کو کرایہ کے بغیر چارہ نہیں ہے تو کسی اجنبی کو دینے کی نسبت قابض کو مثلی اجرت دینا اس کے لئے بہتر ہوگا لہٰذا اس میں وقف اور قابض دونوں کی رعایت ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ کتاب المزارعۃ میں ہے:

لیس لصاحب التیمار رفع ایدیھم عنھا، ولاقلع اشجارھم، اذا المفوض الیہ من السلطان تناول الخراج ولیس لہ ملک فیھا حتی یملک نزع ید مزارعیھا الذین صارلھم فیھا کردار بغرس للاشجار، والتصرف الکائن منھم فی سائر الاعصار[2]۔ باختصار۔	سرکاری زمین کے نگران کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کرایہ داروں کو ان درختوں سے بے دخل کرے اور نہ ہی وہ درختوں کو کاٹ سکتا ہے کیونکہ سلطان کی طرف سے اس نگران کو صرف خراج وصول کرنے کا اختیار ہے نہ کہ اس کو مالکانہ اختیارات ہیں تاکہ وہ مزارعین کا جن کا وہاں درخت لگانے میں دخل ہے ان کو وہاں سے بے دخل کرے جبکہ ایسی زمینوں میں مزارعین کو درخت لگانے کا عام شہروں میں رواج ہے باختصار (ت)

[1] العقود الدریہ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب المزارعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۷

ردالمحتار کتاب الاجارہ میں قول مصنف:

ردالمحتار کتاب الاجارہ میں قول مصنف: لو استاجر ارض وقف، وغرس فیھا ثم مضت مدۃ الاجارۃ، فللمستاجر استبقاءھا باجر المثلی اذالم یکن فی ذٰلك ضرر ولو ابی الموقوف علیھم الاالقلع۔ لیس لھم ذٰلك[1]۔	اگر کسی نے وقف زمین کو کرایہ پر لے کر وہاں پودے لگائے پھر کچھ مدت اجارہ جاری رہاتو اس کو مثلی اجرت پر اس اجارہ کو باقی رکھنے کا حق ہے بشرطیکہ اس سے ضرر نہ ہو اور اگر نگران ان کو ہٹانے پر بضد ہو تو اس کو یہ حق نہیں۔(ت)

کے تحت فرمایا:

قید بالوقف لما فی الخیریۃ عن حاوی الزاھدی عن الاسرار من قوله بخلاف مااذااستاجر ارضا ملكا، لیس للمستاجر ان یستبقیھا كذٰلك ان ابی المالك الاالقلع. بل یكلفه علی ذٰلک. الا اذا كانت قیمۃ الغراس اكثر من قیمۃ الارض، فیضمن المستاجر قیمۃ الارض فیضمن المستاجر قیمۃ الارض للمالک، فیكون الاغراس والارض للغارس، وفی العكس یضمن المالك قیمۃ الاغراس فتكون الارض و الاشجارله، وكذا الحكم فی العاریۃ[2] اھ مافی الشامی۔ **اقول:** واستنثناءہ مااذا اكانت قیمۃ	مصنف نے وقف کے ساتھ مقید اس سبب سے جس کو خیریہ نے حاوی الزاہدی سے اس نے الاسرار سے نقل کیا یہ قول کہ بخلاف جب وہ نجی ملکیت کو اجارہ پر لے تو مستاجر کو اس دخل کی بنا پر اس زمین کو باقی رکھنے کا حق نہیں ہے جبکہ ملک ان درختوں کو اکھاڑ دینے پر مجبور کرے بلکہ مالک اس کو اس پر مجبور کرسکتا ہے ہاں اگر درختوں کی قیمت زمین کی قیمت سے زائد ہو تو پھر مستاجر زمین کی قیمت کا ضمان مالک کو دے کر درختوں اور زمین کا خود مالک بن جائے گا، اور اگر معاملہ بالعکس ہو تو پھر مالک درخت اکھاڑ دینے کا ضامن بنے گا اور درختوں اور زمین کا مالک ہو جائے گا، اور عاریتاً لی ہوئی زمین کا حکم بھی یہی ہے اھ شامی کا بیان ختم ہوا۔(ت) **اقول:** (میں کہتاہوں) اس کا درختوں کی قیمت کا

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

الغراس اکثر مبنی علی مسألة غصب الساحة بالمهملة وفیها معترك عظیم، والارجع عندنا انه لایتملك الارض کرها وان کانت قیمة بنائه وغرسه اکثر، لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لیس لعرق ظالم حق[1]۔	زمین کی قیمت سے زائد ہونے کو مالک کے اختیار سے مستثنٰی کرنا یہ خالی زمین کو غصب کرنے پر مبنی ہے اس میں عظیم معرکہ آرائی ہے جبکہ ہمارے ہاں ارجح یہ ہے کہ مستاجر زمین کا جبراً مالک نہیں بن سکتا اگرچہ عمارت اور پودوں کی قیمت زمین سے زائد ہو کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ظالمانہ دخل کا کوئی حق نہیں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فان مضت المدة قلعها وسلمها فارغة الا ان یغرم له الموجر قیمة البناء و الغرس مقلوعا ویتملکه، قال فی البحر، افاد انه لایلزمه القلع ولو رضی المؤجر بدفع القیمة، لکن ان کانت تنقص یتملکها جبرا علی المستاجر ولافبرضاه[2]۔	اگر مدت اجارہ ختم ہوگئی ہو تو مستاجر اپنے دخل کو ختم کرتے ہوئے درختوں کو اکھاڑ کر خالی زمین مالک کو واپس کرے مگر یہ کہ اگر مالک اکھڑے درختوں اور تعمیر کی قیمت کو برداشت کرکے خود ان کا مالک بن جائے، بحر میں فرمایا کہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مستاجر کو درخت اکھاڑنا لازم نہیں اگر ملک قیمت دینے کو تیار ہو لیکن اگر درخت اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو پھر مالک جبرا درخت لے سکے گا ورنہ مستاجر کی رضا سے درختوں کا مالک بن سکے گا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله مقلوعا فی الشرنبلالیة، ای ماموراً مالکها بقلعها و	ماتن کا قول "اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت" شرنبلالی نے فرمایا: یعنی درختوں اور تعمیر کے مالک کو اکھاڑنے

[1] جامع الترمذی ابوب الاحکام باب احیاء ارض الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الغصب دار صادر بیروت ۶/ ۹۹، سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۳

انما فسرناہ بکذا،لان قیمۃ المقلوع ازید من قیمۃ المأمور بقلعه،لکون المؤنة مصروفة للقلع کذا فی الکفایۃ[1] اھ۔	کے حکم رجو قیمت ہو،ہم نے یہ تفسیر اس لئے کی ہے کہ کبھی کھڑے درختوں کی قیمت اکھاڑنے کے حکم والی قیمت سے زائد ہوتی ہے کیونکہ اکھاڑنے کا خرچہ بھی ان پر پڑتا ہے،کفایہ میں یوں ہے۔(ت)
اقول: وبماذکرنا تبین ان ماوقع فی حاوی الزاھدی من قوله،یثبت حق القرار فی ثلثین سنة فی الارض السلطانیة والملک،وفی الوقف فی ثلث سنین[2] الخ فھو و زان حمله فی العقود الدریة علی الکردار،حیث قال المراد به(ای بحق القرار)الاعیان المتقومة لامجرد الامر المعنوی،ویدل علی ذٰلك قوله فی البزازیة لاشفعة فی الکرداری ای البناء ویسمی بخرار زم حق االقرار لانه نقلی[3] اھ مع ان فی ھذا الحمل ایضا کلاما عندی لان حق القرار بمعنی الکردار لایتوقف علی مرور الاعصار،وانما مبناہ علی النظر للجانبین و رفع الضرار،کما تقدم وفی اجارۃ الخیریة له الاستبقاء حیث لاضرر علی الجھة(ای جھة الوقف) و لزوم الضرر علی الغارس	**اقول:**(میں کہتاہوں)ہمارے ذکر کردہ سے واضح ہواکہ حاوی الزاہدی کے اس قول کہ سرکاری اور ملکیتی زمین میں تیس۳۰ سال قبضہ اور قف کی زمین میں تین سالہ قبضہ سے حق القرار ثابت ہوجاتا ہے اس میں کلام ہے اس حق القرار کو اگرچہ عقود الدریہ میں کردار پر محمول کیا ہے جہاں انھوں نے کہا ہے کہ اس سے یعنی حق القرار سے مراد قیمتی سامان(اعیان) مراد ہے نہ کہ صرف معنوی معاملہ،اس پر اس کا قول کہ بزازیہ میں ہے کہ تعمیر شدہ کرداری میں شفعہ نہیں ہے جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں،کیونکہ یہ منقولہ چیز ہے اھ جبکہ میرے نزدیک اس معنی پر حمل میں بھی کلام ہے کیونکہ حق القرار بمعنی کردار کسی مرور زمانہ پر موقوف نہیں ہے اس کی بنیاد تو صرف فریقین کی رعایت اور دفع ضرر پر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور خیریہ کے باب الاجارہ میں ہے مستاجر کو قبضہ باقی رکھنے کا اختیار ہے جب وقف کی جہت کو ضرر نہ ہو اور پودے لگانے پر لزوم ضرر

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

[2] العقود الدریۃ بحوالہ حاوی الزاہدی کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

[3] العقود الدریۃ بحوالہ حاوی الزاہدی کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

وانت علی علم ان الشرع یابی الضرر خصوصا والناس علی ھذا، وفی القلع ضرر علیھم وفی الحدیث الشریف عن النبی المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاضرر و لاضرار فی الاسلام[1] اھ وفی وقف الدر فی المنیۃ، حانوت لرجل فی ارض وقف، فابی صاحبہ ان یستاجر الارض باجر المثل، ان العمارۃ لورفعت تستاجر باکثر مما استاجرہ امر برفع العمارۃ وتوجر لغیرہ، و الاتترك فی یدہ بذٰلك الاجر ومثلہ فی البحر[2] اھ قال الشامی لان فیہ ضرورۃ، بحرعن المحیط، و ظاھر التعلیل ترکھا بیدہ ولوبعد فراغ مدۃ الاجارۃ لانہ لو امر برفعھا لتوجر من غیرہ یلزم ضررہ، و حیث کان یرفع اجرۃ مثلھا لم یوجد ضرر لعلی الوقف، فتترك فی یدہ لعدم الضرر علی الجانبین[3] الخ، و	میں حرج بھی نہ ہو، اور آپ کو معلوم ہے کہ شریعت ضرر کو برداشت نہیں کرتی خصوصا جب عوام مبتلا ہوں جبکہ درخت اکھاڑنے میں ضرر ہے۔ حدیث شریف میں حضور نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اسلام میں ضرر دینا اور ضرر میں مبتلا روانہیں ہے" اھ۔ اور درمختار میں منیہ سے منقول ہے کہ کسی شخص کی وقف زمین میں دکان ہو او وہ دکان والا مثلی اجرت پر آئندہ اجرت پر انکار کرے جبکہ عمارت اٹھادی جائے تو وہ زمین اس کی اجرت سے زیادہ اجارہ پر دی جاسکتی ہے تو اس مستاجر کو اپنی عمارت اٹھالینے کا پابند کیا جائے اور وہ زمین غیر کو اجارہ پر دی جائے، ورنہ اسی اجرت میں اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے، اس کی مثل بحر میں ہے۔ اھ علامہ شامی نے فرمایا کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ محیط سے بحر میں ہے اور علت کا ظاہر بتاتا ہے کہ اس کے قبضہ میں رہنے دی جائے اگرچہ مدت اجارہ ختم ہوچکی ہو کیونکہ اگر اس کو عمارت اٹھانے کا پابند کیا اور غیر کو دی جائے تو اس سے مستاجر کو ضرر ہوگا جبکہ اٹھادینے کے باوجود مثلی اجرت نہ ملے تو وقف کو نقصان ہے لہٰذا اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے اس میں دونوں فریقوں کی رعایت ہے الخ اور

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴-۸۵

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

علی کل، فلفظة الملك لامحل له هنا کما قدمنا عن نفس حاوی الزاهدی عن الاسرار فضلا عن سائر معتمدات الاسفار۔	بہر صورت حاوی الزاہدی کا وہاں ملک کو ذکر کرنا بے محل ہے جیسا کہ خود حاوی الزاہدی کی الاسرار سے نقل ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں چہ جائیکہ معتمد کتب کو ذکر کیا جائے۔(ت)

بالجملہ دیہات مملوکہ میں کاشتکار کے لئے کسی مدت میں حق قرار جسے آج کل حق موروثی کہتے ہیں شرعاہر گز حاصل نہیں ہوتا۔وہ صرف قانونی بات ہے تو اگر بے رضائے زمیندار بدعوی موروثی جبرا قابض ہے، یالگان اس کی مرضی سے کم دے، تو عنداللہ وہ کاشتکار ضرور ظالم وغاصب وگنہگار، اور حق العبد میں گرفتار ہے، یہاں اگرچہ قانونی مجبوری زمیندار کو عاجز رکھے مگر روز قیامت اللہ عزوجل کے حضور کاشتکار کو کوئی عذر نہ ہوگا، بااین ہمہ اگر زمیندار دعوی بے دخلی دائر کردے تو کاشتکار کے خرچہ پانے کا مستحق نہیں کہ مدعی کو خرچہ دلانا بھی حکم شریعت کے بالکل خلاف ہے اگرچہ مدعی مظلوم ہی ہو، عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل کفل اٰخر عند زید بدین معلوم ثم طالبه زید به والزمه به لدی القاضی، فطلب زید ان یدفع له الرجل قدر ما صرفه فی کلفة الالزام، فدفعه له، ویرید الرجل مطالبة زید بما قبضه من کلفة الالزام، فهل له ذٰلک، الجواب نعم [1] اھ باختصار و کتب المولی المنقح رحمه الله تعالٰی بامشه لایلزم بکلفة الالزام۔	ایک مقروض شخص نے دوسرے شخص کو زید کے معلوم قرضہ کا کفیل بنایا پھر زید نے اس کفیل پر قرض کا لزوم بنانے کے لئے اس کفیل کو قاضی کے ہاں طلب کرایا تو قاضی کے ہاں کفیل پر الزام ہوگیا تو اب زید اپنے مقروض شخص سے قاضی کے ہاں الزام کے خرچہ کا مطالبہ کرے اور وہ خرچہ زید کو دے دے اور اب وہ مقروض شخص زید سے خرچہ کی دی ہوئی رقم کا واپس لینے کے لئے مطالبہ کرے تو کیا اس کو واپس لینے کے لیے مطالبہ کا حق ہے۔الجواب، ہاں حق ہے اھ اس کے حاشیہ پر تنقیح کرنیوالے حضرت نے لکھا کہ الزام کی کاروائی کا خرچہ لازم نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

ہاں اگر زمیندار اس سے کہہ دے کہ آئندہ سے اس زمین پر اتنی لگان تجھے دینی ہوگی، اور کاشتکار نہ اضاہ کرے نہ زمین چھوڑے بلکہ خاموش رہے اور زراعت کئے جائے، تو اس کا وہ سکوت ہی شرعا قبول ٹھہرے گا اور اس دن سے وہی لگان اس پر لازم ہوگی، مگر زمیندار اس سے وصول نہیں کرسکتا۔

---
[1] العقود الدریة کتاب الکفالة ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۸

تو یہ خرچہ کی رقم اس آتے ہوئے میں وصول کرلے کہ اس کا لینا قانونا بنام خرچہ ممکن ہے، اور شرعا بوجہ اضافہ جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

السکوت فی الاجارۃ رضاً وقبول، فلو قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل اوقال الراعی لارضی بالمسمی بل کذا، فسکت، لزم ماسمی [1]۔	عقد اجارہ میں سکوت رضا اور قبول قرار پاتا ہے تو اگر مالک نے کرایہ دار رہائشی کو کہا، "اتنے معاوضہ پر رہائش رکھنی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ یہاں سے منتقل ہوجاؤ، یا نگران نے اسے کہا میں مقررہ معاوضہ لینے پر راضی نہیں بلکہ اتنا چاہتا ہوں تو کرایہ دار خاموش رہا تو اس پر مالک کا ذکر کردہ لازم ہوجائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیۃ، اکتری دارا سنۃ بالف فلما انقضت قال ان فرغتها الیوم والا فھی علیك کل شھر بالف، والمستاجر مقرلہ بالدار، فانہ نجعل فی قدر ماینقل متاعہ باجر المثل، وبعد ذٰلك بما قال المالك [2]۔	تاتارخانیہ میں ہے سالانہ ایک ہزار کرایہ پر مکان دیا سال ختم ہونے پر اس نے کرایہ دار کو کہا اگر تو آج مکان فارغ کردے تو بہتر ورنہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار تجھ پر لازم ہوگا جبکہ کرایہ دار مکان کی ملکیت کا معترف ہے تو اس کو سامان منتقل کرنے کی مدت مثلی اجرت پر ہم تسلیم کرینگے اور اس کے بعد مالک کے قول کے مطابق ادا کرے گا۔ (ت)

اسی طرح اگر خود زمین کی لگان بڑھ گئی وہ اور اس کے گردوپیش کی مینیں پہلے ایک روپیہ بیگھ تھیں، اب مثلا دو۲ روپے بیگھ ہو گئیں، اور اس کی مدت اجارہ ختم ہوگئی، اور مالک نے اضافہ چاہا، تو اس پر بھی شرعًا دو۲ روپے کی شرح لازم ہوگی، اگرچہ نہ صرف سکوت بلکہ کاشتکار صراحۃً انکار کرتا رہا ہو،

لانہ لما تمت اجارتہ، وطلب المالك الزیادۃ فابی صار غاصبا والارض معدۃ للاستغلال، ولیس للمزارع تاویل ملك لعدمہ ولا عذر لانتھائہ، فیجب علیہ	کیونکہ جب کرایہ داری کی مدت ختم ہوگئی ہو اور مالک زائد کرایہ طلب کرتا ہو تو مستاجر کے انکار کردینے کے بعد رہائش غاصبانہ ہوگی جبکہ زمین کرایہ حاصل کرنے کے لئے ہی مختص ہے اور مزارع کو ملکیت کا بھی عذر نہیں کیونکہ وہ مالک نہیں اور نہ ہی مدت

---

[1] درمختار کتاب الاجارہ مسائل شتی عن الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۶

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ مسائل شتی عن الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۶

باجرة المثل، وھی الاٰن ربیتان۔	اجارہ کے ختم ہونے میں عذر ہے تو اس پر مثلی اجرت کا کرایہ لازم ہوگا جو کہ اب دو روپیہ (مثلا) ہے (ت)

درمختار میں ہے:

منافع الغصب لاتضمن عندنا، الا فی ثلث، فیجب اجر المثل ان یکون المغصوب وقفا اومال یتیم، او معدا للاستغلال، الا فی المعد للاستغلال اذا سکن بتاویل ملک، او عقد فلا شیئ علیہ[1] اھ ملتقطا۔	غصب کے منافع ہمارے نزدیک قابل ضمان نہیں ہیں سوائے تین مواقع کے ایک یہ کہ مغصوب وقف ہو تو اس کی مثلی اجرت لازم ہوگی، دوسرا یہ کہ وہ مغصوبہ چیز یتیم کا مال ہو، تیسرا یہ کہ وہ چیز کرایہ حاصل کرنے کے لئے مختص ہو، ہاں اگر ملکیت کی تاویل سے اس کرایہ والی زمین میں رہائش پذیر ہو تو پھر اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا اھ ملتقطا (ت)

تو بنام خرچہ جو کچھ ملے اس اجافہ میں جو شرعا اس پر لازم ہوچکا وصول کرلے لانہ ظفر بجنس حقہ (کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس پر قابض ہوا۔ت) ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یمکنہ الرفع للحاکم، فاذا اظفر بمال مدیونہ، لہ الاخذ دیانۃ، بل لہ الاخذ من خلاف الجنس علی مانذکرہ قریبا[2]۔	جب حاکم کے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کے مال پر کامیابی پالے تو قبضہ میں لے لے۔ یہ اس کو دیانۃ اجازت ہوگی بلکہ اس کو اپنے حق کی جنس کے خلاف بھی اس کا مال ملے تو قبضہ کرلے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ (ت)

اور اگر اجارہ کی کچھ مدت مقرر نہ کی یوں ہی سال بسال کاشت کرتا چلا آتا ہے۔ جب تو ختم ہر سال پر زمیندار کو اختیارات مذکورہ حاصل، اور احکام مذکورہ نافذہ ہیں، کہ اس سے ہر سال پر نیا اجارہ منعقد ہوتا ہے کما اشرنا الیہ (جیسا کہ ہم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے)۔ درمختار میں ہے:

اٰجر حانوتا کل شھر بکذا، صح فی واحد فقط واذا تم الشھر، فلکل فسخھا بشرط حضور الاٰخر فسخھا بشرط حضور الاٰخر لانتھاء العقد الصحیح، وفی	ایک دکان کسی معینہ معاوضہ پر ماہانہ اجرت پر دی تو صرف ایک ماہ کا یہ اجارہ صحیح ہوگا اور جب مہینہ ختم ہوجائے تو دونوں میں سے ہر ایک فریق کو اس کے فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸۔۹

[2] ردالمحتار کتاب السرقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰

کل شھر سکن فی اولہ صح العقد فیہ ایضا[1] الخ باختصار	دوسرا فریق وہاں موجود ہو، کیونکہ صحیح عقد ختم ہوگیا ہے اور جس مہینہ کی ابتداء میں وہاں رہائش پذیر رہا اس مہینہ کے اجارہ کا عقد بھی صحیح قرار پائے گا الخ باختصار (ت)

بالجملہ یہ قاعدہ کلیہ نفسیہ جلیلہ حفظ کرنے کا ہے کہ جب کسی کا دوسرے پر کچھ آتا ہو۔ یا اس سے لینے کا شرعا حق رکھتا ہو، اور اپنے اس حق تک قانونا نہ پہنچ سکتا ہو۔ تو اس کے وصول کے لئے کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانونا ناجائز ہے ہو، اور جرم کی حد تک پہنچے شرعا بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہو کر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعا بھی روا نہیں۔

قال تعالٰی "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ"[2]، وقد جاء الحدیث عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینھی المومن ان یذل نفسہ[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور حدیث شریف میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ آپ نے مومن کو اپنا نفس ذلت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

مگر جب کوئی ایسا ذریعہ پائے کہ قانونا کوئی رقم اس سے وصول کرسکے تو اجازت ہے کہ اس نیت جائزہ سے اسے لے اگرچہ قانونا کسی دوسرے نام سے ملے،

فان الشیئ اذا اوصل الی مستحقہ من المستحق علیہ، جعل واصلا من الجھۃ التی یستحقہ، کما فی الدرالمختار[4]، وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی[5]۔	تو بیشک جب مستحق کو اپنے مدیون کی کوئی چیز ہاتھ لگے تو اس کو استحقاق کے طریقہ پر پہنچنا تصور کیا جائیگا جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اعمال کا اعتبار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثمرہ ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

[3] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۵/ ۴۰۵

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

اور یہ ضرور ہے کہ شرعی اجازت سے آگے نہ لے، مثلا سو روپے آتے تھے تو سو یا سو سے کم لے سکتا ہے زیادہ جائز نہیں، اور یہ بھی لحاظ رہے کہ شرع مطہر جس طرح بُرے کام سے منع فرماتی ہے یونہی برے نام سے، تو ایسے ذریعہ سے بچے جس میں اگرچہ یہ اپنی نیت کے سبب لیتا آتا، یا ایک شیئ مباح لیتا ہو جس میں اس پر مواخذہ نہیں مگر وہ ظاہری ذریعہ ایسا ہو جس سے بدنامی ہو، لوگ اسے مرتکب حرام سمجھیں، غیبت کریں، جیسے سود کا نام، تو اس سے بھی بچے اور صبر کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰تا۵۳: از موضع نگلہ ہریر، تحصیل موانہ ڈاکخانہ بہلادور، ضلع میرٹھ مرسلہ سید اکبر علی ۳ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار موروثی ہے اور لگان بحساب دو روپیہ فی بیگھ زمیندار کو ادا کرتا ہے۔ اور وہ زمین جو زیر کاشت موروثی زید ہے اصل میں للعہ فی بیگھ کے لگان کی ہے کیونکہ اس اراضی سے ملحقہ اور ہم حیثیت اراضی مبلغ للعہ فی بیگھ لگان پر کاشت کرائی جاری ہے اور دوسرے کاشت کار خوشی سے للعہ فی بیگھ لگان پر کاشت کرتے ہیں زمیندار کا بہت بڑا نقصان ہے اور کاشتکار مذکور زمیندار کے کہنے سے لگان میں اضافہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ شرعا نالش کردو، بعد ہو جانے ڈگری کے لگان زیادہ دوں گا، اور زمیندار خود تو اضافہ نہیں کرسکتا کیونکہ کاشت کار رضامند نہیں، اور کچہری سے بچند وجوہ ہو نہیں سکتا۔ اس معاملہ میں وکلا سے بہت سے زیادہ تحقیق کرلی گئی ہے اگر کاشت کار لگان اس وقت جبکہ قانون نے اس پر واجب کیا ہے نہ ادا کرے، اور زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے لگان کے روپیہ پر سود لگادے اور کہہ دے کہ میں اپنے لگان میں لیتا ہوں تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ اس طریقہ سے کچھ تلافی نقصان ہو جائے گی۔

دوم: یہ کہ اگر زمیندار کچہری میں ایک سچی بات کو چھپائے اور جھوٹی بات کو ظاہر کرے تو اپنے نقصان کی معمولی سی تلافی کرسکتا ہے اور اراضی موروثی کا اس کے قبضہ سے نکل جانا بھی ممکن ہے۔ اس جھوٹی بات کو ظاہر کرنے سے جو زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے کرتا ہے کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟

سوم: یہ کہ کاشتکار موروثی کا کوئی حق ہے یا نہیں؟

چہارم: یہ کہ شریعت مطہرہ کے نزدیک زمیندار کی مالی نقصان کی تلافی مال سے کیونکر ممکن ہے؟ فقط

الجواب:

جواب سوال اول وسوم وچہارم: شرع مطہر کے نزدیک مملوک زمینوں میں جیسی عام دیہات کی زمینیں ہیں کہ زمیندار ان کے مالک ہیں، اصلا کبھی کسی طرح حق موروثی حاصل نہیں، شرعًا

زمیندار کو اختیار ہے کہ جب پٹہ کی میعاد ختم ہو، یا اگر کاشتکار سے کوئی میعاد معین نہ ٹھہری تو جس ختم سال پر چاہے کاشتکار سے کہہ دے کہ اب سے کاشت کرے چھوڑ دے مجھے زمین تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کہنے سے وہ زمین سے شرعا بے تعلق ہوجائے گا، اور اسے حرام ہوگا کہ قبضہ نہ چھوڑے، اگر نہ چھوڑے گا غاصب ہوگا، اور اس کے بعد سے عندالشرع اس پر وہی چار روپے بیگھ واجب ہوگا جو وہاں اس حیثیت کی زمینوں کی عام شرح ہے اگر نہ دے گا اور وہی دو روپے بیگھ ادا کرتا رہے گا تو بحکم شرع وہ فی بیگھ دو روپے سال کا مدیون ہوتا رہے گا، مثلا ایسی زمین پچاس بیگھے اس کی کاشت میں ہے تو زمیندار کے سو روپے سال ہمیشہ اس پر چڑھتے رہیں گے جب تک زمین نہ چھوڑے، نیز زمیندار کو اختیار ہے کہ ختم میعاد یا صورت ثانیہ میں جس ختم سال پر چاہے اس سے زمین نکالنے کو نہ کہے، بلکہ یوں کہے کہ آج سے یہ زمین چار روپے یا دس روپے بیگھ ہے (جو وہاں اس زمین کی عام شرح ہورہی ہے خواہ اس قدر کہے یا اس سے کم یا جس قدر چاہے زیادہ، مثلا سو روپے بیگھ ہزار روپے بیگھ) اگر کاشت کار اپنے زعم پر کہ یہ بغیر چارہ جوئی قانونی کیا کرسکتا ہے خاموش رہا اور کاشت کی، تو جتنا اس نے کہہ دیا تھا اس پر دین ہورہے گا، اور اگر وہ سکوت نہ کرے بلکہ رد کردے، مثلا کہے میں تو وہی دو روپے دوں گا زیادہ نہ دوں گا، تو یہ پھر اپنے کلام کا اعادہ کردے یہاں تک کہ وہ خاموش ہورہے اور دیکھے کہ نہیں چپتا تو کہہ دے مجھے تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کے بعد کاشت کرے گا، وہی عام شرح مثلا چار روپے اس پر لازم آئیں گے، ان طریقوں سے یہ تو ہوگا نہیں کہ زمیندار قانونا دو روپے بیگھ سے زائد لے سکے، جب تک باضابطہ اضافہ نہ کرائے جو ہزار دقتیں رکھتا ہے۔ نہ یہی ممکن کہ زمیندار اس بناء پر کہ شرعا اس کے اجارہ سے نکل گئی اسے خود بے دخل کردے اور نہ صرف قانونا بلکہ عندالشرع بھی زمیندار کو جائز نہ ہوگا کہ شرع مطہر ایسی بات کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے یا ذلت کے لئے پیش کرنے کی سخت ممانعت فرماتی ہے تو ایسی صورت کا ہر جرم قانونی اس عارض کی وجہ سے خود جرم شرعی اور گناہ ہے، ان طریقوں سے یہ نفع ہوگا کہ جب کاشتکار عندالشرع اس کا مدیون ہولیا اور وہ دین قانونا وصول ہو نہیں سکتا، تو کاشتکار سے جو رقم قانونا وصول کرسکے، اور شرعا وہ رقم ناواجب ہو اسے قانونی ذریعہ کے نام سے وصول کرے اور اپنے اسے آتے ہوئے میں مجرا کرلے جبکہ یہ رقم اس قدر دین سے زائد نہیں مثلا کاشت کار پر لگان یا اضافہ یا بیدخلی یا کسی قسم کی کوئی نالش کرے جس کی حاجت زمینداروں کو اکثر پڑتی ہے، اوہ نالش ڈگری ہو تو شرعا مدعی کو اگرچہ حق پر ہو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، یہ خرچہ لے اور اسے اپنے دین مین محسوب سمجھے یا زمینداریوں میں اکثر معمول ہے کہ کاشتکاروں سے لکڑی، آپلا بھس وغیرہ اگھائی لیتے ہیں، یا ہل بیل گاڑی سبیل وغیرہ میں، اور یہ شرعا جائز نہیں ان کو وصول کرے اور اس میں مجرا لے لکڑی وغیرہ قیمت کے اعتبار سے اور بیل

وغیرہ اجرت کے لحاظ سے یونہی اگر قسط چوکنے سے یالگان تقاوی وغیرہ پر سود کا نام کرے اور سود کی نیت نہ ہو بلکہ اسی دین میں وصول کرے تو یہ رقم بھی شرعا اس کے لئے مال حرام نہ ہوگی، مگر اس سے احترازیوں لازم ہے کہ شرع نے جس طرح بُرے کام سے منع فرمایا بُرے نام سے بھی منع فرمایا، اور اپنے آپ کو بلاضرورت شرعیہ مطعون کرنا مسلمانون کو اپنی غیبت وبدگوئی میں مبتلا کرنا شرعا منع ہے۔ سود کے نام لگانے سے لوگ اصل حقیقت کو نہ جانیں گے، اور اسے معاذاللہ سودخور کہیں گے، بدنام کریں گے، یہ کس کس کو اپنی نیت اور معاملہ کی اصل حالت بتاتا پھرے گا، ایسی بات سے احتراز چاہئے۔ بخلاف خرچہ اُگھائی، سہیل بیگار معمولی ورائج اشیاء کے کہ عوام ان پر مطعون وبدنام نہ کریں گے، غرض کاشتکار کہ شرعا ناجائز قبضہ رکھے مدیون بنانے کے وہ طریقے ہیں اور اپنے مالی نقصان کی تلافی کی یہ صورتیں، بغیر ان طریقوں کے صرف اس وجہ سے کہ گردوپیش کی زمینوں کی شرح بڑھ گئی ہے۔ کاشت کار پر دو روپے بیگھہ سے زیادہ کچھ واجب نہ ہوگا، اور یہ زیادہ لے گا تو ناواجب لے گا، اس مجمل بیان کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں شرعی اطاعت بھی رہے اور قانونی رعایت بھی اور مالی حفاظت بھی اور ان اصول ومسائل سے آج کل کے بہت ذی علم بھی غافل ہیں عوام تو عوام، اب ہم بعض عبارات ذکر کریں کہ تفصیل موجب تطویل۔

فی ردالمحتار عن الخیریۃ عن الحاوی عن الاسرار اذا استأجر ارضا ملکا لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذلك ان ابی المالك الا القلع بل یکلفہ علی ذلك [1]۔	ردالمحتار میں ہے خیریہ سے ہے انھوں نے حاوی سے بحوالہ الاسرار نقل کیا کہ اگر کسی نے کسی نجی ملکیت کو اجارہ پر لیا تو مستاجر کو حق نہیں کہ اس کو اپنے لئے باقی رکھے جس طرح سرکاری زمین کو باقی رکھ سکتا ہے جبکہ مالک اس کو اپنے تجاوزات ختم کرنے پر مصر ہو بلکہ مالک اس کو پابند بناسکتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

قال للساکن اسکن بکذا او الا فانتقل، فسکت، لزم مایسمی [2]۔	جب مالک نے کرایہ دار کو کہا اگر رہنا ہو تو اتنے معاوضہ پر رہو ورنہ منتقل ہوجاؤں تو اس پر کرایہ دار خاموش رہا تو مالک کا ذکر کردہ معاوضہ اس پر لازم ہوجائیگا(ت)

اسی میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

[2] درمختار کتاب الاجارۃ مسائل شتی من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۶

یجب اجر المثل فی المعد للاستغلال [1]۔	کرایہ حاصل کرنے کے لئے مخصوص شدہ زمین کی مثلی اجرت لازم ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

الاصل ان المستحق بجهة اذا وصل الی المستحق بجهة اخری اعتبر واصلا بجهة مستحقه ان وصل الیه من المستحق علیه والافلا، وتمامه فی جامع الفصولین [2]۔	مستحق کو اس کا استحقاق کسی دوسرے طریقہ سے بھی ملے تو وہ استحقاق کے طریقہ پر ہی متصور ہوگا بشرطیکہ اس کو مدیون کی جانب سے پہنچے، ورنہ نہیں اس کی تمام بحث جامع الفصولین میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یمکنه الرفع للحاکم فاذا ظفر بمال مدیونه له الاخذ دیانة، بل له الاخذ من خلاف الجنس [3]۔	جب اس کو حاکم کئے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کا مال ہاتھ لگے تو دیانۃً اس کو لینا جائز ہے بلکہ حق کی جنس کے خلاف بھی مال ملے تو لینے کا حق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عندالقدرة من ای مال کان [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	آج کل فتوی یہ ہے کہ مدیون کے کسی بھی مال پر قدرت پائے تو لینا جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

جواب سوال دوم: جھوٹ بولنا حرام ہے، ہاں اپنا حق وصول کرنے یا اپنے اوپر ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کی اجازت ہے۔ جس کا ظاہر کذب ہو اور باطن میں صحیح معنی مراد ہوں، وہ بھی اسی حالت میں کہ صدق محض سے وہ حق نہ ملے اور ظلم نہ ٹلے، ورنہ یہ بھی جائز نہیں، درمختار میں ہے:

الکذب مباح لا حیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه، و المراد التعریض، لان عین	اپنے حق کو ثابت اور ظلم کو ختم کرنے کے لئے جھوٹ مباح ہے اس جھوٹ سے مراد تعریض ہے نہ کہ

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸۔۹
[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸
[3] ردالمحتار کتاب السرقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰
[4] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

الکذب حرام[1]۔	عین جھوٹ کیونکہ یہ حرام ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث ابیح التعریض لحاجة لایباح لغیرہا، لانه یوھم الکذب[2]۔	جہاں کسی حاجت کی وجہ سے تعریض جائز ہے وہاں بغیر حاجت جائز نہیں، کیونکہ تعریض جھوٹ کا وہم پیدا کرتی ہے۔(ت)

ہاں اگر ظلم شدید ایسا ہو کہ قابل برداشت نہیں، ضرر ایسا سخت ہے جس کا مفسدہ کذب کے مفسدہ سے بڑھ کر ہے اور اس کا دفع بے کذب ناممکن ہو تو بمجبوری اجازت پاسکتا ہے لان الضرورات تبیح المحظورات (کیونکہ ضروریات ممنوع چیزوں کو مباح کرتی ہیں۔ت) ردالمحتار میں منقول:

ینبغی ان یقابل مفسدۃ الکذب بالمفسدۃ المترتبة علی الصدق فان کانت مفسدۃ الصدق اشد فله الکذب، وان بالعکس اوشك حرم[3]۔ وقد نقلنا القول فیه فی فتاوٰنا، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	جھوٹ کے فساد اور صدق پر مرتب ہونیوالے فسا کا تقابل کیا جانا مناسب ہے اگر صدق پر مرتب فساد شدید ہو تو جھوٹ مباح، اور گر معاملہ بالعکس ہو یا دونوں صورتوں میں شک ہو تو پھر کذب حرام ہے فیصلہ کن قول ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے واللّٰہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۴: از کرتولی مرسلہ حکیم رضا حسین خاں سلمہ، ۷ جمادی الآخرۃ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشترک گاؤں ہیں اگر ایک شریک بے اذن دیگر شرکاء خود کاشت کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟ اور دیگر شرکاء اس سے اپنے حصے کی لگان لیں گے یا کیا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زمین مشترک میں ایک شریک کا زراعت کرنا اگر باذن جمیع شرکاء ہے بلاشبہ رواہے، پھر جبکہ وہ زمین گاؤں کی ہے۔ اور دیہات کی زمین اجارہ ہی کے لئے ہوتی ہے تو جب تک تصریح نہ ہو جائے کہ لگان نہ لیا جائے گا، شرکاء کے حصے کا اس پر لگان آئے گا۔

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۴

لان الاتجارۃ من الشریك جائزۃ لعدم الشیوع فی المنافع الحادثۃ اذا کل تحدث علی مسلکه اما لملکه او للاجارۃ، بخلاف الاجارہ من احد شریکه، او اجارۃ البعض من غیر الشریك حیث لاتجوز للشیوع کمافی الھدایۃ[1] والدر[2]۔	تمام شرکاء کی طرف سے اجارہ حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ اب منافع میں شیوع نہ ہوگا کیونکہ پیدا ہونے والے تمام منافع اس کو اپنی ملکیت کی وجہ یا اجارہ کی وجہ سے حاصل ہوں گے بخلاف جبکہ تمام شرکاء میں سے ایک یا بعض سے اجارہ کرے تو ناجائز ہوگا کیونکہ ان صورتوں میں شیوع پایا جائے گا، جیسا کہ ہدایہ اور درمختار میں ہے۔(ت)

اور اگر شرکاء کے خلاف مرضی زراعت کرے گا گنہ گار و غاصب ہوگا، پھر اگر اس کی زراعت سے زمین کو نقصان پہنچا تو حصص کے لئے اس نقصان کا تاوان دے گا، اور اگر کوئی نقصان نہ پہنچا تو کچھ نہ دے گا، اس صورت میں لگان عائد نہیں ہو سکتا۔

لانھا وان کانت معدۃ للاستغلال فالشریك یتصرف فیھا بتاویل الملک، والتصرف به بتاویل العقد یمنع الاجر فی المعد بخلاف الوقف ومال الیتیم حیث یجب فیھما مطلقاً کما بینه فی الدرالمختار[3] وردالمحتار[4]۔	کیونکہ اگرچہ وہ زمین کرایہ داری کے لئے تیار رکھی ہے تو شریک کا اس میں تصرف ملکیت کی تاویل سے ہے جبکہ عقد کی تاویل کرایہ داری والی چیز میں اجرت کے لئے مانع ہے بخلاف وقف اور مال یتیم کے، کیونکہ ان میں اجرت لازم ہے۔ جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار میں یہ بیان کیا ہے۔(ت)

اور اگر نہ شرکاء کا صریح اذن تھا نہ ممانعت، بلکہ ان سے بے پوچھے بطور خود اس نے زراعت کی تو اس میں حکم منقول و منصوص تو یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت یا اس خاص زراعت سے زمین کو نقصان پہنچے گا، یا زراعت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھے گی، تو اس صورت میں شرکاء سے بے پوچھے اس کا زراعت کرلینا صورت غصب میں داخل ہے، اور حکم وہی ہے کہ نقصان کا تاوان ہے، لگان کچھ نہیں، اور اگر معلوم ہے کہ

[1] الھدایہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۹

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[3] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸۔۲۰۹

[4] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲

زراعت سے زمین کو منفعت ہوگی، تو یہ صورت صورت اجازت میں داخل ہے کہ اگرچہ صراحۃ اذن نہ ہوا، مگر بوجہ منفعت دلالۃ اذن ہے۔اس صورت میں بھی حکم یہ لکھتے ہیں کہ لگان دینانہ آئے گا۔ہاں شرکاء کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اپنے حصوں کی قدر وہ بھی اتنی اتنی مدت تک اس کی زراعت کرلیں، مثلاً دو شریک تھے،ایک ایک ثلث کا ثلث والے نے ایک سال زراعت کی، تو دو ثلث والا دو سال زراعت کرسکتاہے۔اقول: مگر یہ حکم اس صورت کا ہے کہ زمین اجارہ کے لئے معدومعروف نہ ہو کہ اس صورت میں اگرچہ بوجہ منفعت دلالۃ اذن ہے مگر اذن عاریت واجارہ دونوں کو محتمل ہے۔اور عاریت اقل ہے۔تو وہی متعین ہے۔اور اجارہ بلادلیل ثابت نہیں۔لہٰذا اجر واجب نہ آیا، مگر جو زمین معدللاستغلال ہے۔جیسے زمین دیہات اس میں ثبوت اذن بحکم اعداد وعہد بروجہ اجارہ ہی مانا جائے گا۔جب تک صراحۃ نفی اجازت یا تصریح عاریت نہ کردیں **لان المعروف کالمشروط وھذا ظاھر جدًا** (کیونکہ معروف چیز مشروط کی طرح ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے۔ت) تو یہ صورت مثل صورت اولٰی یعنی زراعت باذن صریح شرکاء ہوگی،اور لگان لازم آئے گا،اسے نہ مانئے تو بحال منفعت اذن دلالۃ ثابت ہونا،اگر وہاں چل سکے جہاں کوئی مزارع موجود نہیں، توآباد دیہات میں اس کا ثبوت سخت دشوار ہے کہ غیر شخص زراعت کرتا تو شریک دیگر کو اپنے حصہ کی اجرت ملتی،اورشریک نے خود کاشت کی،اور لگان دلائیں نہیں، صرف یہ اختیار دیں کہ اتنی مدت یہ بھی زراعت کرلے،اور ممکن کہ یہ زراعت کے لئے آمادہ نہ ہو،اس کے اسباب نہ رکھتا ہو،اس کے کاموں کا متحمل نہ ہو،ان کی فرصت نہ پاتا ہو،تواس کا حصہ بلامعاوضہ دوسرے کے تصرف میں رہا،اس پر رضاواذن دلالۃ ماننا بہت مشکل ہے۔بخلاف اس صورت کے کہ لگان لازم کریں کہ صریح نفع حاصل ہے یہ دونوں صورتیں علم کی تھیں،اور اگر کچھ نہ معلوم ہو کہ زراعت سے زمین کو مضرت پہنچے گی یا منفعت،اس کا حکم نہیں لکھتے،اقول: وہ صورت مضرت کے حکم میں ہے کہ دلالۃ ثبوت اذن بوجہ علم منفعت تھا جب یہ نہیں وہ نہیں، تو نہ ہوا مگر مطلقاً بلااذن تصرف،اور یہی غصب ہے۔

وذٰلك لان الاصل فی التصرف فیما فیه ملك لغیرہ الحظر الاباذنه ولودلالة ولم یوجد ھوولاھی۔	اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر ممکن ہے اگرچہ وہ اجازت دلالۃ ہو، جبکہ یہاں کسی طرح اجازت نہیں۔(ت)

جامع الفصولین فصل ۳۳ بحث "انتفاع بمشترک" میں ہے:

یغرم الزارع لشریکه نقصان نصف الارض لو انتقصت لانه غاصب	ایک شریک نے زمین کی کاشت کی تو وہ دوسرے شریک کے نصف حصہ کے نقصان کا ضمان دے گا۔

فی نصیب شریکه(مز)وعن مز رحمه الله تعالٰی، لو غاب احدهما فلشریکه ان یزرع نصف الارض،ولو اراد الزراعة فی العام الثانی زرع النصف الذی کان زرعه،ویفتی بانه لو علم ان الزرع ینفع الارض ولاینقصها فله ان یزرع کلها،ولو حضرا الغائب فله ان ینتفع بکل الارض مثل تلك المدة، لرضا الغائب فی مثله دلة،ولو علم ان الزرع ینقصها او الترك ینفعها ویزیدها قوة فلیس للحاضر ان یزرع فیها شیئا اذا الرضا لم یثبت هنالك کذا، (قفقط)[1]۔	بشرطیکہ کاشت سے زمین کو نقصان ہو کیونکہ وہ اپنے شریک کے نصف کا غاصب ہے(مز)اور مز رحمۃ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ اگرایک شریک غائب ہو تو دوسرے شریک کو نصف زمین کاشت کرنے کااختیار ہے۔اور اگر دوسرے سال بھی زراعت کرنا چاہے تو اسی حصہ کو کاشت کرے،اور فتوٰی یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت زمین کے مفید ہے نقصان دہ نہیں ہے تو تمام زمین کوکاشت کرے اور غائب شریک آجائے تواس کو حق ہوگاکہ وہ بھی اتنی ہی مدت کل زمین کواپنے کاشت کرے یہ اس لئے کہ مفید ہونے کی صورت میں غائب کی دلالۃ رضا ہے۔اور اگر معلوم ہو کہ کاشت زمین کے لئے نقصان دہ ہے۔یاترک زراعت مفید ہے اور زمین کے لئے مزید قوت کابعث ہے توپھر حاضر شریک کو کوئی چیز کاشت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی،کیونکہ نقصان کی صورت میں دوسرے شریک کی رضا ثابت نہیں ہے۔یوں "قفقط"میں ہے۔(ت)

ردالمحتار کتاب الغصب میں ہے:

نقل(ای فی تنویر البصار)اولا عن العمادیة عن محمد(فذکر ماقدمنا عن الجامع قال)ثم نقل عن"القنیة"ان الحاظر لایلزمه فی المالك المشترك اجر،ولیس للغائب استعماله بقدر تلك المدة لان المهایاة بعد الخصومة،قال وبینهما تدافع الا ان یفرق بین الارض و	تنویر الابصار میں اولا عمادیۃ سے بحوالہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نقل کیااور جامع الفصولین سے ہمارے نقل کردہ کے موافق ذکر کیا،پھر انھوں نے قنیہ سے یہ نقل کیاکہ حاضر شریک پر مشترکہ ملکیت میں کوئی اجرت لازم نہیں ہوتی اور غائب کو اتنی مدت زمین کو استعمال کرنے کااختیار نہیں ہے کہ کیونکہ بدلہ کالین دین قاضی کے ہاں خصومت کے بعد ہتاہے اور کہاکہ ان دونوں منقولہ عبارتوں میں اختلاف ہےالایہ کہ زمین اور

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۳۹

الدار،وھو بعید اوانھما روایتان،ثم نقل عن الخانیة ان مسئلة الدار کمسئلة الارض،وان للغائب ان یسکن مثل ماسکن شریکه،وان المشائخ استحسنوا ذٰلك و ھکذا روی عن محمد وعلیه الفتوی[1]۔	دار کا فرق قائم کیا جائے اور یہ بعید ہے یا یہ کہا جائے یہ دو مختلف روایتیں ہیں اس کے بعد انھوں نے خانیہ سے نقل کیا کہ دار کا مسئلہ اور زمین کا مسئلہ ایک ہے کہ مکان میں بھی شریک غائب کو اتنی مدت سکونت کا حق ہے جتنی مدت حاضر شریک سکونت پذیر رہا ہو،اور اس کو مشائخ نے پسند فرمایا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی اسی طرح منقول ہے،اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

نیز جامع الفصولین میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

(فص)سکن دار مشترکة بغیبة شریکه لایلزمه اجر حصته ولو معدة للاستغلال(الی قوله)علل فی(ذ)بانه سکن بتاویل الملك فلا اجر(واقعة الفتوی)زرع ارضا بینه وبین غیرہ ھل لشریکه ان یطالبه بربع او ثلث بحصة نفسه کما ھو عرف ذٰلك الموضع، اجیب بانه لایملك ذٰلك یغرمه نقصان نصیبه فی الارض لو انقصت[2]۔	(فص)ایک شریک مشترکہ مکان میں دوسرے کی غیر موجودگی میں سکونت پذیر رہا تو اس پر کوئی اجرت لازم نہ ہوگی اگرچہ مکان کرایہ داری کے لئے تیار کیا ہو،ان کا بیان اس قول تک کہ (ذ) میں اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ وہ ملکیت کی تاویل پر سکونت پذیر ہوا ہے تو اجرت لازم نہ ہوئی،واقعۃ الفتوٰی میں ہے کہ اپنی اور غیر کی مشترکہ زمین میں کاشت کرے تو کیا دوسرے شریک کو اس سے ربع یا ثلث کرے تو کیا دوسرے شریک کو اس سے ربع یا ثلث کا اپنے حصہ کے طور پر مطالبہ کا حق ہے جیسا کہ وہاں معروف ہے جواب دیا گیا کہ دوسرے شریک کو یہ حق نہیں ہے،ہاں اگر زمین کو کاشت سے نقصان ہوا تو اس کو اپنے نصف کے نقصان کا ضمان لینا روا ہوگا۔(ت)

اقول: یہ ہے کہ وہ حکم کہ اس صورت زراعت بے اطلاع کا شرکاء پر کتب میں مذکور ہے،مگر یہ احکام عرف کے ساتھ دائر ہیں،اور یہاں دیہات میں عموماً صرف دئر وسائر یہ ہے کہ زمین کا اجارہ پر اٹھنا ہی منفعت جانتے ہیں اور اس کا پڑا رہنا ہی نقصان سمجھتے ہیں کہ وہ صرف معد للاجار ہوتے ہیں اس کے بعد اس پر کوئی نظر نہیں ہوتی کہ زراعت اس کے لئے نفع ہے یا ترک،تو یہاں یہ صورت صورت اولٰی یعنی اذن دلالۃ میں منحصر ہے،اور بوجہ اعداد اجر لازم،مگر کوئی خاص زراعت ایسی فرض کی جائے کہ زمیندار اس پر

---

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲۔۱۳۱

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۹

راضی نہ ہوتے ہوں اور اسے مضارض جانتے ہوں تو وہ مستثنٰی رہے گی، اس تقریر پر در بارہ دیہات خلاصہ حکم یہ ہے کہ شریک کو زراعت کرنا مطلقًا جائز اور حصہ شرکاء کا لگان مطلقًا لازم ہے، مگر اس صورت میں کہ دیگر شرکاء نے صراحۃً منع کردیا ہو۔ یا کوئی ایسی زراعت کرے جس سے زمین بگڑتی ہو، اور زمیندار اس پر راضی نہ ہوتے ہوں، ان دونوں صورتوں میں نقصان زمین کا تاوان دے گا اگر واقع ہو، اور لگان نہ آئے گا، اور شرکاء نے صراحۃً بلا لگان اجازت دی، تو لگان نہیں، اور زراعت جائز ہے **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ میری طرف سے ہے اور علم حق میرے رب کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: مسئولہ محمد سید علی صاحب طالب العلم از کانپور مسجد حاجی بدنو شطرنجی محل ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ملک بنگالہ میں ظاہراملک تین قسم پر منقسم ہے:

اول ملک شاہی

دوم ملک زمینداری

سوم ملک رعیتی

رعایا زمیندار کو خراج دیتے ہیں، اور زمیندار بادشاہ کو، بادشاہی اصل مالک زمین کا ہے، اور بالکل تصرفات کا اختیار رکھتا ہے۔ زمین عـــہ بادشاہ کے تحت میں زمین کا مالک ہے۔ اور زمیندار کے تصرفات بادشاہ کے تصرفات کے تابع ہیں، اور رعیت زمیندار کے تابع ہے، زمیندار رعایا کو زمین ومکان میں جتنے تصرفات کے لئے حکم دیتا ہے، اسی کا اس کو اختیار ہوتا ہے زیادہ نہیں اس حالت میں کوئی رعیت دوسری رعیت کے پاس اگر اپنی رعیتی زمین کو بیچے تو قیمت کے فی تولہ چار آنہ حساب سے (یا کم و بیش) زمیندار کی سرکار میں نذرانہ دینا ہوتا ہے مثلاً زید اگر اپنی رعیتی زمین کو عمرو کے پاس قیمت دو سو روپے بیچے، اور عمرو دو سو روپے دے کر قبالہ کرلے، اور زید وعمرو میں خرید وفروخت ہوگیا، تو اب عمرو زمیندار کے سرکار میں فی تولہ چار آنہ کے حساب سے دو سو کی نذر پچاس روپے علاوہ خراج کے جب تک ادا نہ کرے گا تب تک خریدی ہوئی زمین کی بابت زید کے نام کو خارج کر کے عمرو کے نام کو اپنے دفتر میں ثابت نہ کرے گا، عمرو کو اس زمین پر تصرف کرنے نہ دے گا، پس نذر مذکور علاوہ خراج کے زمیندار کو لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا بالدلائل** (دلائل کے ساتھ بیان کرکے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

جو زمیندار آباواجداد کے وقت سے وراثۃً مالک زمین چلے آتے ہیں یا جس نے ایسے مالکوں

عـــہ: فی الاصل کذالك لعلہ "زمیندار"۔

سے بیع وہبہ وغیرہ کسی عقد صحیح شرعی سے ملک حاصل کی وہ زمیندار اس زمین کا شرعاً مالک ہے اب یہ زمین جو ایک کاشتکار نے دوسرے کے ہاتھ بیع کی اس بیع سے اگر وہ خریدنے والا کاشتکار اس زمین کا مالک مستقل نہیں سمجھا جاتا بلکہ زمیندار کو نذرانہ دینے کے بعد بھی کاشت کار ہی سمجھا جاتا ہے تو یہ بیع محض باطل ہے۔

کاشت کار اول نے جو ثمن کاشتکار دوم سے لیا وہ اس کے لئے ناجائز ہے۔ اس پر واجب ہے کہ کاشتکار دوم کو واپس دے، اور یہ نذرانہ کہ زمیندار کو دیا جائے گا کہ سال اول اجرت زمین میں اضافہ تصور کیا جاتا تو زمیندار کو جائز ہوتا، مگر ظاہراً وہ اضافہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ پہلے کاشتکار کی جگہ دوسرے کو قائم کرنے کی رشوت تو یہ زمیندار کو بھی جائز نہیں، ہاں جبکہ کاشتکار اول اس اجارہ سے دوسرے کے لئے دست بردار ہوچکا، اور زمیندار نے دوسرے کو مستاجر قبول کرلیا تو یہ دوسرا شرعاً مستاجر ہوگیا خراج کہ زمیندار اس سے لے گا زمیندار کو حلال ہے۔ ظاہراً صورت یہی واقع ہوتی ہوگی، نہ یہ کہ کاشتکار کی بیع بیع شرعی سمجھی جائے اور کاشتکار دوم زمین کا مالک مستقل قرار پائے، اور اگر بالفرض کہیں ایسا ہو اور کاشتکار اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا بیع فضول ہو اور زمیندار کا اس نذرانہ پر قبول کرنا زر ثمن میں اضافہ اور بیع کی اجازت ہے۔ تو وہ روپیہ جو کاشتکار اول کو ملا برضائے زمیندار اس کے لئے حلال ہے۔ اور وہ نذرانہ کہ زمیندار نے لے لیا اس کے لئے جائز ہے۔ مگر اب جو خراج زمیندار اس کاشت کار دوم سے لے گا یہ حرام و باطل ہے کہ اس تقدیر پر کاشت کار دوم زمین کا مالک مستقل ہوگیا، غیر مالک کا مالک سے خراج لینا کیا معنی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: از شہر بریلی محلّہ فراشی ٹولہ مرسلہ مقصود علی خاں ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زمیندار بٹائی کے کھیت کو خواہ وہ کفار کی کاشت میں ہو یا مسلمان کاشتکار ہو، چار اشخاص اہل ہنود یا مسلمان کے بیچ اس بٹائی کے کھیت کی کنکوت کرادے اور کاشت کار جو زمین کی کاشت کرتا ہو اس سے کہہ دے کہ اگر تجھ کو یہ تخمینہ منظور ہو تو اس کو کاٹ لے۔ اور زمیندار کا حصہ جو طے پایا ہو دے دینا، اور اگر منظور نہ کرے تو اس تخمینہ کو منسوخ کردے، ایسی صورت میں جبکہ کاشتکار بھی تخمینہ منظور کرلے تو یہ تخمینہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی کمی بیشی کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ جبکہ زمیندار کو اگر اس تخمینہ سے بیشی ہو تو اس کا کچھ خیال یعنی بیشی کا نہ ہو، اور اگر اس تخمینہ سے کم ہو تو زمیندار پر کاشتکار کا مواخذہ جبکہ وہ تخمینہ منظور کرچکا ہو۔ ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کنکوت باطل ہے، شرعاً اس کا کچھ اعتبار نہیں، نوے من تخمینہ ہوا اور زمیندار کاشتکار دونوں نے منظور کرلیا، اور آدھے پر بٹائی ہے۔ تو اگر سو من پیدا ہوا زمیندار کے پانچ من کاشتکار پر اور رہے۔ اسے

جائز نہیں کہ پچاس من کی جگہ پچپن من خود لے اور پینتالیس من زمیندار کو دے، اور اگر اسی من پیدا ہو تو زمیندار کا حق صرف چالیس من ہے پانچ من زیادہ لینا اسے حرام ہے۔ ورنہ مسلمان کاشتکار کے حق میں ماخوذ رہے گا اس کی باطل منظوری کہ برخلاف مقتضائے عقد و بے اذن شرع ہے۔ کچھ معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری زیتا علی ان یزنه بظرفه، فیطرح عنه مکان کل ظرف خمسین رطلا، فهو فاسد وان اشتری علی ان یطرح بوزن الظرف جاز۔ لان الشرط الاول لا یقتضیه العقد، والثانی یقتضیه[1]۔	اگر کسی نے اس شرط پر زیتون خریدا کہ میں اپنے پیمانہ سے ناپ کروں گا اور اس ہر پیمانہ پر پچاس رطل کاٹوں گا، تو یہ عقد باطل ہے۔ اور اگر اس شرط پر خریدا کہ پیمانہ کے وزن برابر شمار ہوگا تو عقد جائز ہوگا کیونکہ پہلی شرط عقد سے لاتعلق ہے جبکہ دوسری شرط عقد کے موافق ہے۔ (ت)

ہاں ہندو کاشتکار سے اس کی مرضی و منظوری کی بناء پر اگر ایسے زیادہ مل جائے تو حرج نہیں،

لجواز ان یاخذ منهم بغیر غدر ولو بعقد ان وقع بین مسلمین کان فاسدا کما بیناه فی بیوع فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ہندوؤں سے غدر کے بغیر جو ملے لینا جائز ہے اگرچہ وہ ایسے عقد کے ذریعہ ملے جو مسلمانوں میں ہو تو فاسد قرار پائے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے بیوع میں بیان کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۷: از بنارس گرانٹ بازار مسجد نواب ٹونک مرسلہ محمد شفیع صاحب ۴ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

ایک زمیندار نے کاشت کار کو بخوشی و رضامندی اپنی بیس بیگھہ اراضی کا پٹہ دوامی لکھ دیا اس شرط پر کہ فی بیگھہ اڑھائی روپے لگان جس کا جملہ پچاس روپیہ ہوتا ہے۔ اس قدر مالگزاری سال بسال ادا کیا کرو، اور ان اراضی کو چاہے خود کاشت کرو یا دوسروں سے کاشت کراؤ، مگر مال گزاری اس کی حسب تحریر مندرجہ تم سے ادا کریں گے، اگر قسط پر ادا نہ کروگے تو بنالش حق ادا کرنے کا ہم زمیندار کو ہوگا۔ اب کاشتکار ان اراضی کو خود ہی کاشت کرتا ہے، اور دوسروں سے بھی کاشت کراتا ہے۔ اور جب دوسرے کاشتکار کے ساتھ بندوبست کرتا ہے تو فی بیگھہ پانچ روپے لیتا ہے اور جب بارہ برس گزر گیا تو وہ اراضی انگریزی کاغذات میں قانونا موروثی لکھی گئی، یعنی اب ان اراضیوں کو زمیندار زبردستی بے دخل کرنے کا مستحق نہیں، اگر بخوشی و رضامندی اپنی کاشت کار واپس کردے تو زمیندار واپس کرسکتا ہے، یا اگر مال گزاری کاشتکار

[1] الهدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۱

نے ادانہ کیا تو بنالش گورنمنٹ زمیندار کو بذریعہ ڈگری کاشتکار سے وصول کرادے گا، اور اراضیوں کو بھی واپس کرادے گا، اگر کاشتکار بعد ڈگری زمیندار کے مال گزاری کچہری میں داخل کردیا، یا زمیندار کو دے کر رسید حاصل کیا تو پھر کاشت کار ان اراضیوں سے بے دخل نہ ہوگا بدستور قائم رہے گا، ایسی حالت میں کاشتکار کو کاشتکار شکمی سے نفع لینا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور کاشتکار جو خود کاشت کرتا ہے اس کی پیداوار سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر زمیندار کاشت کار کو زبردستی بے دخل کرے تو کچہری میں استغاثہ کرنے کا حق شرعا پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

پٹہ دوامی شرع میں کوئی عقد لازم نہیں۔ ہر سال تمام پر وہ عقد ختم ہوتا اور طرفین کی رضا سے نیا شروع ہوتا ہے۔ ہر سال ختم ہونے پر شریعت مطہرہ کے نزدیک طرفین کو اختیار ہے کہ اس عقد سے باز رہیں، مملوک زمین مدت گزرنے سے شریعت کے حکم میں عقد لازم نہیں ہوتا یہ قانونی بات ہے شرعی حکم نہیں، اگر رضائے زمیندار ہے تو جب تک بھی ہے کاشت کار اس میں کاشت کرسکتا ہے۔ اور دوسروں کو ذیلی بھی بناسکتا ہے۔ مگر زرلگان جتنا خود ادا کرتا ہے اس سے زیادہ دوسرے سے نہیں لے سکتا، اگر لے گا مال خبیث ہوگا، مگر تین صورتوں میں، ایک یہ کہ لگان کی جنس بدل دے مثلا زمیندار سے روپے ٹھہرے ہیں، یہ ذیلی سے سونا یا نوٹ ٹھہرائے یا اس زمین میں کوئی مالیت کی چیز مثل کنویں کے اضافہ کرے یا اس زمین کے ساتھ دوسری زمین ملاکر مجموع کو ذیلی کاشت میں دے، مثلا ڈھائی روپے بیگھہ پر اس سے لی ہے۔ یہ ایک بیگھہ زمین اس میں اور شامل کرکے مجموع ۲۱ بیگھہ بلاتفصیل ذیلی کو ایک سو پانچ روپے پر دے، یہ صورتیں جائز ہیں، اور اگر زمیندار کی رضامندی نہ ہو اور وہ اس سے زمین چھوڑ دینے کو کہے اور یہ موروثیت کے دباؤ سے جبرًا نہ چھوڑے تو شریعت کے نزدیک گنہگار ہوگا، اور اس میں جوتنا اس کو ناجائز، جو ناج پیدا ہوگا خباثت سے خالی نہ ہوگا، اور ذیلی کو دے گا تو وہ روپیہ بھی اس کے لئے ناجائز ہوگا اور اسے حکم ہوگا کہ زمیندار کو دے دے یا فقیروں پر تصدق کرے اور اول اولٰی ہے۔ جو شخص ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے حکم شریعت پر عمل کرنا چاہے، تو حکم یہ ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

اللھم ارزقنا حسنا واسعا بحق مولانا محمد النبی الامی نبی الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ و اٰلہ وصحبہ اجمعین۔	اے اللہ! ہمیں وسیع نیکی عطا فرما حضور نبی المرسلین ہمارے آقا محمد النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وصحبہ اجمعین کے وسیلہ سے۔(ت)

مسئلہ ۵۸تا۶۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی خان ۱۴ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کہ مالک کافر ہو یا مسلمان، رعایااس کو بعض زمین کی مال گزاری دے اور بعض کی نہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے۔آیا وہ رعایا عنداللہ وعندالرسول ماخوذ ہوگا یانہیں؟

(۲) جس زمین کی رعایامال گزاری دیتی ہے اس میں درخت لگایا، اب اس درخت کے فروخت کرتے وقت مالک اس کی قیمت کا چوتھائی حصہ مانگتاہے۔نہ دینے پر اللہ ورسول کے نزدیک ماخوذ تونہیں؟

(۳) کسی کھیت کے قریب مالک کی زمین غیر آباد ہے۔رعایانے اپنی زمین کے ساتھ اس غیر آباد زمین کو آباد کرلیا، تو یہ جائز ہے یانہیں؟

(۴) ایک شخص کی زمین مثلاً ۴ کٹھا ہے سروے ناپ نے غیر کی زمین لے کر ۵ کٹھا لکھ دیا ہے اب اس زمین کو وہ شخص اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یانہیں؟ اگر تصرف میں لائے تو عنداللہ ماخوذ ہوگا یانہیں؟

الجواب:

(۱) جو مالگزاری مقرر ہوئی اسی کانہ اداکرنا ظلم وحرام ہے اگرچہ زمین والا کافر ہو۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔(ت)

(۲) مالک زمین کااس درخت میں کچھ حق نہیں، اس کامانگنا ظلم ہے۔

(۳) جائز ہے جبکہ مالک کولگان دے یاوہ معاف کردے۔

(۴) اگر وہ کٹھااس دوسرے کی ملک ہے تو بے اس کی اجازت کے غصب وحرام ہے۔اور اگر وہ بھی کاشتکار ہے اور اس کے پٹے کی میعاد ابھی باقی ہے تو بے اس کی اجازت کے ناجائز ہے لانہ ان لم یملك رقبتها فقد ملك منفعتها (اگرچہ اس کے رقبے کا مالک نہیں تو وہ اس کے نفع کامالک ہے۔ت) اور اگر یہ بھی نہیں تو سابقاً یالاحقاً اجازت زمیندار درکار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۲تا۶۵: مسئولہ مولوی محمد رضاخاں سلمہ ۲۳جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید سے اس کی رعایانے جس میں مسلم ومشرک دونوں ہیں بیس روپے ایک سال کے واسطے قرض مانگے اور لگان کھاتے کا جو قرض چاہ رہاہے بیس روپے ہے۔اس نے کہاکہ بیس روپے تم کو بلاسودی

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

بغیر کسی نفع کے دئے جاسکتے ہیں، مگر تم کو اپنے کھاتے پر معہ ۸/ سال بھر کے اضافہ کرنے ہوں گے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جن اسامیوں سے کہ بقایا پچھلی وصول کرنا خواہ وہ تمسک ہے یا معاہدہ زبانی ان سے ۳ / روپیہ یا چھ آنہ روپیہ اس صورت میں لینا اول اپنا اصلی مطالبہ لے لیا گیا تھا، پھر زید نے مشرک کاشتکار سے کہا کہ مطالبہ تیرا ادا ہوگیا اب تو بیع سلم کے اس قدر روپے اور ادا کرو یہ رقم لینا جائز ہوگی یا نہیں؟

(۳) اگر کاشت کار نے اپنا حساب سمجھا تو وہ رقم جو زائد ہے اس کو حساب میں بتایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) جو تمسکات کہ ۱۳۲۱ف میں لکھے جاچکے ان کا وصول بھی اس طرح ہوسکتا ہے یا نہیں کہ تمھارا اصل مطالبہ ادا ہوگیا، اب اتنا بیع سلم کا دے دو، اگر دس روپے کسی مسلمان سے زائد لئے گئے اور اس کا مطالبہ صحیح اول لے لیا اور ان دس روپوں کے عوض مسلم یا مشرک کو سیر بھر گیہوں یہ کہہ کر دے دئے کہ ہم یہ گیہوں اتنے کو فروخت کرتے ہیں اور اس نے بخوشی لے لئے تو یہ جائز ہے؟ اگر یہ جائز نہیں تو کیا صورت ہے کہ مال مشترک سے منتفع ہوں؟

الجواب:

(۱) یہاں کے مشرکین کے ساتھ یہ صورت جائز ہے مسلمان کے ساتھ حرام ہے کہ یہ قرض سے نفع لینا ہے، اور حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فھو ربا [1]۔	قرض کے ذریعہ جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

خلاصہ میں ہے:

القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتبه به الی بلد کذا لیوفی دینه [2] اھ کذا [عــه] فی الدر المختار [3] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	قرض کے ساتھ شرط لگانا حرام ہے اور شرط لغو قرار پائے گی، مثلاً یوں کہ اس شرط پر قرض دوں گا کہ مجھے لکھ دے کہ قرضہ فلاں شہر سے وصول کرلوں اھ درمختار میں یوں ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

عــه: فی الاصل درمختار میں ہے والمراد ان عبارة الخلاصة فی الدر المختار عبدالمنان الاعظمی۔

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسة الرسالة بیروت ۶ /۲۳۸

[2] خلاصة الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الخامس ۳ /۵۴۔۵۳

[3] درمختار بحوالہ خلاصة الفتاوی کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۰

(۲) یہاں کے مشرکین کے ساتھ اگر ابتداءً معاہدہ کاشت اس صورت پر کیا جائے کہ یہ زمین مثلاً اتنے سال کے لئے روپے بیگھہ پر تمھیں دی، اگر کسی فصل یا سال تمام پر (جو باہم ٹھہر جائے) بقایا رہے گی تو سوائی یا ڈیوڑھی یا دونی (جو قرار پائے) اس زمین کی اجرت متصور ہوگی۔ تو حسب قرار ادا لے سکتا ہے۔ اور اگر پہلے معاہدہ صرف روپے بیگھہ پر ہوا، اور باقی ٹوٹنے کے بعد باقی میں اس سے زیادہ کیا چاہے تو یہ حرام ہے کہ خلاف معاہدہ ہے۔

قال اللہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت)

اور اگر باقی میں زیادہ نہ لے بلکہ اس سے صاف کہہ دے کہ باقی پوری ادا ہوگئی اس کا تم پر کچھ نہ رہا، مگر وقت پر ادا کرنے کا اتنا حرجہ دے، تو یہاں کے مشرکین سے جائز، چاہے اس کا فرضی نام بیع سلم رکھے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) پہلی صورت میں کہ وہ داخل معاہدہ تھی حساب میں بتائی جاسکتی ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کا حساب سے ادا کرنا لازم ہوگا، یعنی یوں کہے گا کہ بقایا لگان تو تجھ پر اس قدر ہے۔ اور بوجہ تاخیر اتنا بیع سلم کا دینا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) ہاں ہو سکتا ہے جبکہ مزارع یہاں کا مشرک ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ مسلمان سے مطلقاً ناجائز، اور فرض ہے کہ اسی کے وہ روپے اسے واپس دے وہ نہ رہا ہو اس کے ورثہ کو دے، ان کا پتہ نہ چلے تو اس کی طرف تصدق کرے بخوشی کا لفظ بے معنی ہے بغیر دباؤ کے ناممکن ہے کہ کوئی دس روپے کے بدلے سیر بھر گیہوں پر راضی ہو، اور اگر یہاں کا مشرک ہے اور اس سے قید معاہدہ پر زیادہ لیا گیا تو وہ بھی حسب بیان جواب دوم ناجائز ہے گیہوں کا یہ معاملہ اس سے کرنا فضول ہے کہ یہ دس روپے، بروجہ خبیث آئے، اس مشرک کی ایسی رضا سے وہ خبیث نہ جائے گا کہ وہ دباؤ کی رضا ہے نہ کہ حقیقۃً، اور حقیقۃً بھی ہو تو اس پر مواخذہ حق اللہ کا ہے کہ خلاف حکم کیا، بلکہ سیر بھر گیہوں کسی مسلمان محتاج کے ہاتھ جتنے کو وہ بخوشی راضی ہو بیع کرے پھر وہ روپیہ بہ نیت تصدق مال خبیث اس محتاج کو دے، پھر اس سے گیہوں کے زرثمن میں لے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---
[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

مسئلہ ۶۶: از سنبھل ضلع مراد آباد محلّہ دہلی دروازہ مرسلہ محمد ظہیر الدین ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید زمیندار نے ایک کاشتکار کو اپنی اراضی بنابر کاشت بدیں شرط دس روپیہ لگان پر دی کہ پانچ روپیہ فصل خریف پر اور پانچ روپیہ فصل ربیع پر ادا کرتا رہے، بحالت عدم ادائے زر بقایا سوایا یعنی بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ لگان کا لیا جائے گا، وقت مقررہ پر لگان کے نہ ادا کرنے کی صورت میں فصل بہ فصل وسال درسال لگان میں زیادتی ہوتی رہے گی، یہ زیادتی لگان کے بمقابلہ اراضی کے کی گئی ہے۔ آیا یہ زیادتی لگان کی جائز ہے یا ناجائز داخل سود ہے؟

الجواب:

یہ محض حرام وسود ہے بلکہ اس شرط کی وجہ سے وہ اجارہ ہی فاسد وحرام ہوگیا، **فان الاجارۃ تفسد بالشرط الفاسد کالبیع بانہا احد السبعین** (کیونکہ فاسد شرط سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے جس طرح بیع فاسد ہوجاتی ہے کہ وہ ستر میں سے ایک ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۷: از سنگرام پور ڈاکخانہ خاص ضلع بدایون مسئولہ شیخ ضیاالدین جناب مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب!

بعد سلام علیک کے گزارش ہے کہ میرے قریب ایک موضع دھنو پورہ ہے۔ وہاں پر ٹھاکر دلاور سنگ زمیندار موضع مذکور کے ہیں، اس پر ایک ہزار روپیہ ۱۴/ آنے کے سود سے دیگر اشخاص کا قرض ہے۔ اب دلاور سنگھ ایک ہزار ہم سے بلاسود مانگتے ہیں، اور (صہ عہ) پختہ اراضی سیر واسطے پانچ سال بالعوض ایک ہزار روپے کے دیتے ہیں، بعد پانچ سال کے ان کی اراضی چھوٹ جائے گی، اور ہمارا روپیہ بے باق ہوجائیگا، شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر ناجائز ہے تو کس طریقہ سے جائز ہو سکتی ہے؟ فقط زیادہ سلام

الجواب:

یہ صورت بلاشبہ جائز ہے۔ زمیندار اپنی مملوکہ خالی زمین کو دوسرے کے رہن یا اجارے میں نہیں، ایک مدت معینہ پانچ برس کے لئے ایک اُجرت معینہ پر ہزار روپیہ پر اجارہ دیتا ہے اور باہمی رضا سے زر اجرت پیشگی دینا قرار پاتا ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۸: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک اراضی کا لگان بندوبست میں عہ ۱۴/ مقرر ہوا، اب اس اراضی کی حیثیت عا۱۸/ کی ہے کسی شخص نے مبلغ مہ پیشگی پانچ سال کا لگان اس وقت کی حیثیت سے ادا کرکے لی، اس طرح پر اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی شخص نے بجائے عا۱۸/ روپیہ کی شرح کے عا سے بھی

وہ جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟اور اگر جائز ہو گی تو کن کن وجوہات سے جائز ہوگا۔

الجواب:

بندوبست میں جو مقرر ہوا اس کی پابندی عاقدین پر لازم نہیں باہم زمیندار کاشتکار میں جس قدر پر رضامندی ہوجائے کم پر خواہ زائد پر۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۹: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ شرف الدین و مسیح الدین زمیندار ۳۰رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کاشتکار کو اپنی موروثی اراضی مصدقہ بندوبست بشرح عہ ۱۴/ بیگھہ خام کسی دوسرے شخص یعنی اپنے ذیلی کاشتکار کو مبلغ مہ لے کر پانچ سال کو پٹہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟اور یہ مبلغ پچاس روپے اسی میعاد پنجسالہ میں ذیلی کاشتکار کے وصول ہوجائیں گے اور عہ ۱۴/ لگان زمیندار کو یہی ذیلی کاشتکار ادا کرے گا۔مکرر یہ کہ شرح لگان مصدقہ بندوبست عہ ۱۴/ لحاظ نہ کیا جائے خواہ بجائے عہ ۱۴/ کے ۶/ باہم کاشتکار اصلی وذیلی طے ہو یا مبلغ عا۸/ یا اور کم وبیش؟**بینوا توجروا**

الجواب:

کاشتکار کو جائز نہیں کہ جو زمین اس کے پاس جتنے لگان کو ہے اس سے ایک پیسہ زائد پر ذیلی کو دے، جتنا زیادہ مقرر کرے گا اسے لینا ناجائز ہوگا، مگر تین صورتوں میں جائز ہے:

(۱) اس کے ساتھ اپنے پاس سے اور کوئی چیز ملا کر دونوں کو مجموعۃً زیادہ پر دے۔

(۲) اس زمین کو کنواں کھود کر یا اور کام نفع کا بڑھا کر کرایہ پر دے۔

(۳) کرایہ کی جنس بدل دے، مثلاً اس کے پاس دس روپے سال پر ہے یہ ذیلی کو ایک اشرفی کرائے پر دے یا جتنی اشرفیاں ٹھہریں یونہی نوٹ یا پیسہ یا اکنیاں،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰: از ضلع سکھر سندھ ڈاکخانہ ڈھر کی مقام بھرچونڈی شریف درگاہ عالیہ سلسلہ قادریہ مسئولہ خدا بخش صاحب ۲۳ رمضان ۱۳۳۹ھ چہار شنبہ

بخدمت عظامی منزلت شمس الشریعت حضرت مولٰنا صاحب سلمہ ربہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی قانون کے مطابق جو شخص پانچ برس متواتر اپنی غیر آباد زمین کا محصول (یعنی خراج) نہیں دیتا وہ زمین اس کی ملک سے نکل کر گورنمنٹ کی ہوجاتی ہے کہ بعد دس برس گزرنے کے بغیر رضامندی شخص مذکور کے دوسرے کو دے دیتے ہیں۔آیا زمین مذکورہ بالا بموجب شرع شریف مالک کی ملک سے نکل کر گورنمنٹی بنتی ہے یا نہیں؟اور اس زمین کا لینا درست ہے یا نہیں؟اگر کسی نے خریدی ہو تو واپس دے یا نہیں؟اگر دے تو جو خرچ اس زمین پر کیا ہے اس سے واپس لے یا نہیں؟نیز یہ کہ اگر مشتری مالک کو دے جب بھی گورنمنٹ

اس کو نہیں دیتی بغیر درخواست کے، اور درخواست بسبب مفلسی کے وہ نہیں دیتا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعت میں اس وجہ سے زمین ملک مالک سے نہیں نکل سکتی، اس کا خریدنا ناجائز ہوگا، اور خرید لی تو مالک کو واپس دینا واجب ہوگا، اور جو قیمت وغیرہ دینے میں خرچ ہو وہ مالک سے واپس نہیں لے سکتا، **لانہ ھو المضیع لمالہ** (کیونکہ اس نے اپنا مال ضائع کیا۔ت) اس پر حکم شرعی یہ ہے یہ بجالائے اگرچہ اس کے کرنے کو گورنمنٹ تسلیم نہ کرے۔ اس کا الزام اس پر نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب الذبائح

(ذبح کا بیان)

مسئلہ ۱۷: شہر بریلی محلّہ ابراہیم پورہ مسئولہ از عزیز الدین ۳ شوال ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذبیحہ بعد غروب آفتاب وقبل طلوع آفتاب مکروہ ہے یا نہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کس طرح ہوگا، اور اگر ایسے ہی وقت مذکور میں بلی کسی پرند یا مرغ کو ہلاک کرے، اور ذبح کچھ تھوڑا خون ذبیحہ فورا یا کچھ دیر بعد دے، تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ آیا ذبیحہ جائز ہو گیا یا نہیں؟ اور وہ ذبیحہ اگر جائز ہو گیا تو وہ بھی مکروہ ہے یا نہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کیسا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رات کو ذبح کرنا اندیشہ غلطی کے باعث مکروہ تنزیہی خلاف اولٰی ہے۔ اور ضرورت واقع ہو مثلا صبح کے انتظار میں جانور مر جائے گا تو کچھ کراہت نہیں **لانہ الاٰن مامور بہ حذرا عن اضاعۃ المال** اھ (کیونکہ مال کے ضائع ہونے کے خطرہ کی بناء پر وہ اب اس کا مامور ہے۔ اھ ت) پھر کراہت اس فعل میں ہے ذبح اگر صحیح ہو جائے ذبیحہ میں کچھ کراہت نہیں **لتبین ان الغلط لم یقع** (واضح ہو جانے پر کہ غلطی نہ ہوئی۔ ت) درمختار میں ہے:

کرہ تنزیھا الذبح لیلا لاحتمال	غلطی کے احتمال کی وجہ سے رات کو ذبح کرنا

الغلط[1]۔	مکروہ تنزیہی ہے۔(ت)

حرمت حلت کامدار خون نکلنے نہ نکلنے پر نہیں، بلکہ یہ ثابت ہونا چاہئے کہ وقت ذبح جانور زندہ تھا، اگر یہ معلوم ہو اور خون اصلانہ دے حلال ہے، اور اگر نہ ثابت ہو اور خون زندہ کاسادے تو بعض دفعہ کہیں رکا ہوا خون کچھ دیر بعد مردے کے بھی نکلتا ہے جانور حلال نہ ہوگا، حیات کی علامت یہ ہے کہ جانور تڑپے یا منہ آنکھ بند کرے یا پاؤں سمیٹے یا اس کے بدن کے بال کھڑے ہو جائیں، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فحرکت وخرجت الدم حلت والا لاان لم تدر حیاتہ عندالذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقاً۔وان لم تتحرك ولم یخرج الدم۔ذبح شاۃ لم تدر حیاتھا وقت الذبح۔ان فتحت فاھا لاتوکل، و ان ضمتہ اکلت، وان فتحت عینھا لا توکل، وان ضمتھا اکلت، وان مدت رجلھا لاتوکل، وان قبضتھا اکلت، و ان نام شعرھا لا توکل، وان قام اکلت، وھذا کلہ اذا لم تعلم الحیاۃ وان علمت وان قلت اکلت مطلقاً بکل حال زیلعی[2]۔	مریضہ بکری کو ذبح کیا تو اس نے حرکت کی اور خون نکلا حلال ہو گئی، ورنہ نہیں، یہ جب ہے کہ ذبح کے وقت اس کا زندہ ہونا مشکوک ہو اور اگر زندہ ہونا یقینی ہو تو مطلقاً حلال ہوگی اگرچہ اس نے حرکت نہ کی اور نہ خون جاری ہوا ہو، اگر ذبح کے وقت زندہ ہونا مشکوک ہو تو ذبح کرنے پر اس نے منہ کھولا تو نہ کھایا جائے اور اگر اس وقت منہ بند کیا تو کھا لیا جائے گا یوں اگر اس نے آنکھیں کھول رکھیں تو نہ کھایا جائے اور اگر بند رکھیں تو کھایا جائے، اگر ٹانگیں دراز رکھیں نہ کھایا جائے اگر سمٹ لیں تو کھایا جائے اگر اس کے بال کھڑے نہ ہوئے تو نہ کھایا جائے اور کھڑے ہوں تو کھایا جائے یہ سب اس صورت میں ہے جب ذبح کے وقت زندہ ہو نا یقینی نہ ہو اور اگر زندہ ہونے کا یقین ہو تو وہ مطلقاً کھانا جائز ہے خواہ کسی حال میں ہو، زیلعی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ اوخرج الدم ای کما یخرج من الحی، قال فی البزازیۃ وفی شرح الطحطاوی	اس کا قول کہ خون نکلے یعنی جس طرح زندہ سے نکلتا ہے بزازیہ میں کہا، اور شرح طحطاوی میں ہے۔

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

[2] درمختار کتاب الذبح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الا اذ اکان یخرج کما یخرج فی الحی عندالامام وھو ظاھر الروایۃ[1] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	خون نکلنا زندہ ہونے کی دلیل صرف اس صورت میں ہے کہ اس طرح نکلے جس طرح زندہ سے نکلتا ہے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب میں اور وہی ظاہر روایت ہے۔ (باختصار)۔ (ت)

مسئلہ ۷۲: از شہر کہنہ بریلی ۹ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

ایک مولوی صاحب آئے ہیں، وہ کہتے ہیں **بسم اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ اللھم منك ولك** کہنا چاہئے **بسم اللہ اللہ اکبر** بغیر واؤ کے جو رائج ہورہا ہے مکروہ ہے۔ اس میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بغیر واؤ کے مستحب ہے۔ اسے مکروہ کہنا صحیح نہیں، بلکہ تنویر الابصار وغیرہ میں واؤ بڑھانے کو مکروہ فرمایا، بہر حال بلا واؤ کے خالی از کراہت وپسندیدہ ومستحب ہونے میں کلام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ذبح کرتا ہے دوسرا پاؤں یا سر ذبیحہ کا پکڑے ہے دونوں پر بسم اللہ ضرور ہے یا ذابح کو کافی ہے؟ اور اگر مددگار نے بسم اللہ ترک کی قصداً یا یہ مددگار کوئی کافر ہندو وغیرہ تھا، تو ذبیحہ حلال رہا یا مردار ہوا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل ذابح پر تکبیر کہنی لازم اور اسی کی تکبیر کافی ہے۔ سر یا پاؤں پکڑنے والے کی تکبیر کی اصلاً حاجت نہیں نہ اس کا کافر مشرک ہونا کچھ مضر۔

فان الذبح انما ھو قطع العروق لا الاخذ بالراس والقوائد کما لایخفی۔	ذبح جانور کی رگوں کے کاٹنے کا نام ہے جانور کے سر وپاؤں پکڑنے کا نام نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)

ہاں اگر ایک نے دوسرے کو نفس ذبح میں مدد دی، مثلاً زید ذبح کرتا ہے عمرو نے دیکھا اس کا ہاتھ ضعیف ہے ذبح میں دیر ہوگی اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا اور دونوں نے مل کر چھری پھیری تو بیشک دونوں میں جو کوئی قصداً تکبیر نہ کہے گا جانور حرام ہو جائے گا، یونہی اگر ان میں کوئی کافر مشرک تھا تو بھی ذبیحہ مردار ہوگیا،

فی الدر المختار تشترط التسمیۃ من	درمختار میں ہے کہ ذبح کرنے والے پر بسم اللہ

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

الذابح[1] وفیه عن الخانیة ارادة التضحیة فوضع یدہ من ید القصاب فی الذبح و اعانه علی الذبح، سمی کل وجوبا فلو ترکھا احد ھما، اوظن ان تسمیة احد ہما تکفی حرمت[2] الخ۔ والله سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب۔	پڑھنا لازم ہے اور اس میں خانیہ سے ہے قربانی کرتے ہوئے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح میں رکھا اور ذبح میں مدد کی تو ہر ایک بسم اللہ پڑھے، تو اگر ایک نے نہ پڑھا یا خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو جانور حرام ہوگا الخ، والله سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب (ت)

مسئلہ ۷۴: ۱۳ صفر ۱۳۳۲ھ:

چہ فرمایند علمائے دیں اندریں مسئلہ کہ بہنگام ذبح کردن حیوان وذابح سوئے کدامے بایداستاد، وراس حیوان کدام جانب می کند، استفاضۃ اشاعت ست کہ بوقت ذبح حیوان سروی بجنوب می کند وچہرہ ذابح بقبلہ مے کند خلاصہ آنکہ اگر بجانب شمال وجنوب ومشرق شدہ ذبح سازد، پس چہ حکم دارد، آیا کہ جائزمے شود یا بدعت، اگر بدعت شود کدام بدعت، وکدام اولی ست؟ مع ادلہ تصریحا تحریر فرمایند۔ بینوا توجروا	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ حیوان کو ذبح کرتے ہوئے حیوان کا سر کس طرف ہونا چاہئے اور ذبح کرنے والا کس جانب کھڑا ہو، مشہور ہے کہ ذبح کے وقت جانور کا سر جنوب کی طرف اور ذبح کرنے والا رو بقبلہ ہو، خلاصہ یہ ہے کہ جنوب، شمال اور مشرق کی طرف ہو کر ذبح ہوا تو کیا حکم ہے، کیا جائز ہوا یا بدعت ہوئی، اگر بدعت ہے تو کون سی، اور کون سی جانب اولٰی ہے؟ دلائل کے ساتھ صراحۃً تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب:

سنت متوارثہ آن ست کہ روئے خود وروئے ذبیحہ ہر دو سوئے قبلہ کند، وسر ذبیحہ در بلاد ما کہ قبلہ سوئے مغرب ست جانب جنوب بود تا ذبیحہ بر پہلو چپ خودش خوابیدہ باشد، وپشت او جانب مشرق، تاروئے سمت قبلہ بود، وذابح	سنت یہ چلی آرہی کہ ذبح کرنے والا اور جانور دونوں قبلہ رو ہو، ہمارے علاقہ میں قبلہ مغرب میں ہے اس لئے سر ذبیحہ جنوب کی طرف ہونا چاہئے تاکہ جانور بائیں پہلوں لیٹا ہو اور اس کی پیٹھ مشرق کی طرف ہو تاکہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو جائے، اور ذبح کرنے والا

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] درمختار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

پائے راست خود بر صفحہ راست گردنش نہادہ ذبح کند، اگر توجیہ یا توجیہ بہ قبلہ ترک کند مکروہ است، اور اگر بر پہلوئے راستش خواباند نزد بعض اجلہ ائمہ مالکیہ حرام گردد، خوردنش روانبود پس احتراز ازاں مناسب ومؤکد ترشد خروجاعن الخلاف، احمد ودارمی وابوداؤد وابن ماجہ از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ روای **قال ذبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوأین، فلما وجھھما قال انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض**[1] ۔ الحدیث۔ وبخاری ومسلم اسامی عــہ وابن ماجہ از انس رضی اللہ تعالٰی عنہ آوردند **قال ضحی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکبشین املحین، فرأیتہ واضعاقدمہ علی صفائحھما یسمی و یکبر فذبحھما بیدہ**[2] ۔ امام عینی درعمدۃ القاری فرمود، **فالتکبیر مع التسمیۃ مستحب وکذاوضع الرجل علی صفحۃ عنق الاضحیۃ**	اپنا دایاں پاؤں جانور کی گردن کے دائیں حصہ پر رکھے اور ذبح کرے اور خود اپنا یا جانور کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ترک کیا تو مکروہ ہے، اگر جانور دائیں پہلو لٹایا تو بعض اجلہ ائمہ مالکی کے نزدیک حرام ہوجائیگا اور اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، لہٰذا اس سے پرہیز میں تاکید ہے تاکہ خلاف سے بچایا جائے، احمد دارمی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے روز دو خصی، چتکبرے، سینگوں والے دُنبے ذبح فرمائے، آپ نے جب ان کو قبلہ رولٹایا تو آپ نے یہ دعا پڑھی، **انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض** الحدیث۔ بخاری ومسلم، دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ چتکبرے، موٹے دنبے ذبح فرمائے تو میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنا پاؤں مبارک جانور کی گردن کے ساتھ والے حصہ پر رکھا اور بسم اللہ پڑھی اور تکبیر کہی تو دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا، امام عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا بسم اللہ کے ساتھ تکبیر مستحب ہے اور یوں قربانی کے

عــــہ: ھکذا فی الاصل لعلہ "الدارمی"۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب مایستحب من الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵-۸۳۴، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۶

الایمین واما التسمیة فھی شرط [1]۔وھمد رانست قال ابن القاسم الصواب ان یضجعھا علی شقھا الایسر، وعلی ذٰلك مضی عمل المسلمین،فان جھل فاضجعھا علی الشق الاخر لم یجز اکلھا [2]۔درتنویر الابصار کرہ ترك التوجه الی القبلة [3]۔دردرمختار ست لمخالفته السنة [4]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جانور کی گردن کے دائیں پہلو پر پاؤں رکھنا مستحب ہے لیکن بسم اللہ پڑھنا شرط ہے،اور اسی میں ہے ابن قاسم نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو لٹایا جائے مسلمانوں کا یہی طریقہ جاری ہے اگر جہالت کی اور جانور کو دوسرے پہلو لٹایا تو کھانا جائز نہ ہوگا۔تنویر الابصار میں ہے کہ قبلہ کی جہت کا ترک مکروہ ہے۔درمختار میں ہے کہ یہ سنت کے مخالف ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۵: از شہر لاہور مرسلہ انوار الحق تحصیل چونیاں روز جمعہ ۲ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس طرح ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح معین ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟اور معین ذابح کس کو کہتے ہیں؟

الجواب:

معین ذابح سے یہی مراد ہے کہ ذابح کا ہاتھ کمزور ہو،ذبح میں دقت دیکھے تو دوسرا اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر دونوں مل کر ہاتھ پھیریں،اس صورت میں دونوں پر تکبیر واجب ہے۔اگر ان میں سے کوئی بھی قصداً تکبیر نہ کہے گا،ذبیحہ مردار ہوجائے اگرچہ دوسرا تکبیر کہے،دیوبندی قول محض غلط وجہالت ہے۔تکبیر ذابح پر لازم فرمائی گئی ہے،اور ہاتھ پاؤں پکڑنا ذبح نہیں،ہاتھ پاؤں پکڑنے والا مثل رسی کے وہی کام دے رہا ہے جو ایک رسی دیتی ہے۔اس پر تکبیر لازم ہونا درکنار،اگر مجوسی یا بت پرست ہاتھ پاؤں پکڑے گا ذبیحہ میں خلل نہ آئے گا،تنویر الابصار میں تھا:تشترط التسمیة [5] (بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔ت)در مختار میں اس طرح کی شرح فرمادی:من الذابح [6] (ذبح کرنے والے سے۔ت)ردالمحتار میں فرمایا:

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۵۵

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۵۴،۵۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[5] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[6] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

شمل ما اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدہما وترک الثانی عمدا حرم اکلہ [1]۔	جب ذبح میں دو شخص شریک ہوں تو بسم اللہ پڑھنا دونوں پر شرط ہے۔ اگر ایک نے پڑھا اور ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے کھانا حرام ہوگا۔ (ت)

درمختار میں خانیہ سے ہے:

فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح، سمی کل وجوبا فلو ترکہا احدہما وظن ان تسمیۃ احدہما تکفی حرمت [2]۔	ذبح کرنے میں معاون نے قصاب کے ساتھ اپنا ہاتھ بھی ذبح میں چھری پر رکھا تو دونوں بسم اللہ بطور وجوب پڑھیں، ایک نے نہ پڑھا دوسرے نے ترک کیا یا ایک کے پڑھنے کو کافی جانا، جانور حرام ہوگا۔ (ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

یشترط تسمیۃ من اعان الذابح بحیث وضع یدہ علی المذبح کما وضع الذابح حتی لو ترک احدہما التسمیۃ لایحل، ذکرہ فی فتاوی قاضی خاں [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ذبح میں معاون نے اپنا ہاتھ قصاب کے ساتھ چھری پر رکھا تو دونوں کا بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، اگر ایک نے بسم اللہ کو ترک کیا تو حلال نہ ہوگا۔ اس کو فتاوٰی قاضیخاں میں ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۶: مرسلہ بھولا گھمیار دکاندار سیسراؤں، ڈاکخانہ پٹی، تحصیل قصور ضلع لاہور ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ ذبح کے وقت جس بکرے کی گھنڈی سر کی طرف ایک چھلہ دار بھی نہ رہے وہ عندالشرع حلال ہے یاحرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ ذبح میں گھنڈی کا اعتبار نہیں، چاروں رگوں میں سے تین کٹ جانے پر مدار ہے۔ اگر ایک یا دو رگ کٹی حلال نہ ہوگا اگرچہ گھنڈی سے نیچے ہو، اور اگر چاروں یا کوئی سی تین کٹ گئیں تو حلال ہے اگرچہ گھنڈی سے اوپر ہو، ردالمحتار میں ہے:

ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل	اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں چار میں سے تین رگیں

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

[3] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۱

قطع ثلثة من العروق فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاللرستغفنی والافالحق خلافه. اذلم یوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب. ویظهر ذٰلك بالمشاہدة اوسوال اہل الخبرة. فاغتنم ہذا المقال ودع عنك الجدال [1]۔ وھو تعالٰی اعلم۔	کٹ گئیں جو ہدایہ کے شارحین نے رستغفنی کی اتباع میں کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی یہ معیار مشاہدہ سے ظاہر ہوگا یا ماہرین سے پوچھنے پر ظاہر ہوگا اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۷: از چوئی زیریں مسجد کلاں ضلع ڈیرہ غازی خاں مرسلہ جناب عبداللہ صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۳۵ھ

جناب حضرت مولٰنا وبالفضل اولٰنا، جناب شمس العلماء ومفتی العصر سلامت، حضور انور، مذبوحہ فوق العقدہ کامسئلہ جو اختلاف میں ضبط ہے، آں صاحب مہربانی فرماکر مرجح قول کو بدلائل تحریر فرماکر دستخط فرمادیں، تکلیف سے بالکل عفو کریں۔

الجواب: اس مسئلہ پر تحقیق وقول فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے اگر چاروں یا تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہوگیا، جانور حلال۔ اور اگر صرف دوہی کٹیں حلقوم ومری نیچے رہ گئے، ذبح نہ ہوا، اور جانور مردار، یہ بات دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے، خود پہچان نہ ہو تو پہچان والوں کے بیان سے۔ ردالمحتار میں ہے:

والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلثة من العروق. فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاللرستغفنی والافالحق خلافه. اذ لم یوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب. ویظهر ذٰلك بالمشاہدة او سوال اہل الخبرة فاغتنم ہذا المقال. ودع عنك الجدال [2] اھ	مقام کی وضاحت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں تین رگیں کٹ گئی ہوں تو شراح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں جو کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی، یہ معیار مشاہدہ سے یا ماہرین کے بتانے پر ظاہر ہوگا اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو اھ، اس

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۸

وفیما کتبت علیه فان قلت سیأتی عن البدائع ان الاوداج متصلة من القلب بالدماغ، فیحصل فریھا بالذبح فوق العقدة ایضا لامحالة، ولاشك ان ذٰلك بین اللبة والحیین، فیجب الحل، قلت سنذکر ھناك ان المراد ثمة بالاوداج الودجان اذھما المتصلان من الدماغ الی القلب لا الحلقوم والمری [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	پر میں نے حاشیہ میں نے لکھا اگر تجھے اعتراض ہو کہ بدائع سے عنقریب نقل ہوگا کہ اوداج رگیں دل ودماغ سے متصل ہوتی ہیں تو گھنڈی سے اوپر ذبح کرنے میں لازمًا یہ رگیں کٹ جائیں گی اور اس میں شک نہیں کہ یہ جبڑوں اور لبہ کے درمیان میں ہے۔ تو گھنڈی سے اوپر ذبح میں حلال ہوجانا لازمی ہے۔ میں جواب میں کہوں گا کہ وہاں اوداج سے دو دوجان رگیں مراد ہیں کیونکہ یہ دونوں دل تا دماغ متصل ہوتی ہیں، باقی دو یعنی حلقوم اور مری مراد نہیں ہیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۷۸: از شہر گورکھپور محلّہ اسمٰعیل پور مرسلہ محمد عبدالواسع صاحب حنفی ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص ذبیحہ کو ذبح کرتا ہو اور اس کے ساتھ دوسرا ایک اور جو شریک حال ہو کر ذبیحہ کے اعضاء پکڑے ہوئے ہے، اگر ذبحہ کرنے کے علاوہ یہ ایک اس کا شریک حال تکبیر نہ کہے تو کیا ذبیحہ حرام ہوجائے گا؟ یعنی کیا ذبح کرنے والا اور اس کے شریک حال دونوں کے لئے ذبح کے وقت تکبیر کہنا لازم وضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:

ذبیحہ کا ہاتھ پاؤں پکڑنے والا بندش کی رسی کی طرح ہے۔ اس پر تکبیر کچھ ضروری نہیں بلکہ وہ اہل تکبیر میں سے بھی ہونا ضروری نہیں، اگر مشرک یا مجوسی ہو جب بھی ذبیحہ میں فرق نہ آئے گا، وہ معین ذابح جس پر تکبیر کہنا ضرور ہے وہ ہے کہ ذابح کا ہاتھ ضعیف ہو تنہا اس کی قوت سے ذبح نہ ہوسکتا ہو، یہ شخص نفس فعل میں اس کی امداد کرے اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھے اور ذبح دونوں قوتوں کے اجتماع سے واقع ہو، اس حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے۔ ایک بھی قصدًا چھوڑے گا ذبیحہ مردار ہوجائے گا لانه اذا اجتمع المبیح والمحرم غلب المحرم (کیونکہ مباح کرنے والی اور حرام کرنیوالی دلیلیں جمع ہوں تو حرام کی دلیل کو غالب کیا جاتا ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

---

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

وتشترط التسمیة من الذابح حال الذبح [1] اھ فدل علی عدم اشتراطھا من غیر الذابح۔	حالت ذبح میں ذبح کرنے والے کے لئے بسم اللہ پڑھنا شرط قرار دیا گیا ہے اھ تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ غیر ذابح کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدہما و ترك الثانی عمدا حرم اکلہ کما فی التاترخانیة [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب دومل کر ذبح کریں تو ایک نے بسم اللہ پڑھی اور دوسرے نے قصداترک کی تو اس کا کھانا حرام ہے، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۷۹و۸۰: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دیں دریں مسائل: **(۱)** حکم ذبح فوق العقدہ نوشتہ شدہ بمن رسید، لیکن جناب اعلیحضرت فیصلہ ہانہ کردہ۔ ہمیں اختلاف دریں ملک بسیار ست، کسے می گوید کہ ہر چاررگ بریدہ شود، کسے می گوید کہ نہ، براہ کرم مولٰنا صاحب بکدام روایت قائل است، ہر چہ رائے مولوی صاحب واتفاق فتوی است، تحریر فرمایند تاکہ بر اں عمل درآمد کردہ باشد۔ **(۲)** بریتیم قربانی واجب ست یانہ؟	علمائے دین کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں: **(۱)** فوق العقدہ (گھنڈی کے اوپر) ذبح کا حکم لکھا ہوا مجھے ملا، لیکن جناب اعلیحضرت نے فیصلہ نہ فرمایا، اس ملک میں اس مسئلہ میں کثیر اختلاف ہے کوئی کہتا ہے چاروں رگیں کٹی ہوئی ہونی چاہئیں، کوئی اس کے خلاف کہتا ہے، برائے مہربانی مولوی صاحب جس روایت کے قائل ہوں اور جو رائے ہو اور فتوی کا جس پر اتفاق ہو وہ لکھیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ **(۲)** یتیم پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اجماع ائمہ ماست کہ اگر سہ رگ بریدہ شود ذبیحہ حلال ست، و ایں معنی بمشاہدہ یارجوع باہل خبرت تواں دریافت، ہمیں در فتوی سابقہ نوشتہ شدہ و ہمیں است فیصلہ علامہ شامی و ردالمحتار،	**(۱)** ہمارے ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ اگر تین رگیں کٹ گئی ہوں تو ذبیحہ حلال ہے، یہ معیار شاہدہ سے یا ماہر سے دریافت کریں، پہلے فتوی میں یہی لکھا گیا تھا اور یہی فیصلہ علامہ شامی کا ردالمحتار میں

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

وانچہ یکبار برائے امتحان مشہور فقیر شد آنست کہ بذبح فوق العقد نیز رگہابریدہ مے شود۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے اور ایک بار اس فقیر نے بطور امتحان مشاہدہ کیا تو فوق العقدہ سے بھی تمام رگیں کٹی ہوئی تھیں،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۱: از سرال ڈاکخانہ بشندور تحصل وضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقدہ مذبوح بطرف صدر ہو جائے تو کیا حکم ہے،

قال عینی وذکر العقدۃ لافی کلام اللہ و لافی کلام رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	علامہ عینی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا عقدہ(گھنڈی)کاذکر اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام میں موجود نہیں ہے۔(ت)

اس مسئلہ میں تردد ہے۔

الجواب: کم از کم تین رگیں کٹنا لازم ہے،اگر عقدہ طرف راس رہااور تین سے کم رگیں کٹیں مردار ہوگیااور عقدہ طرف صدر رہااور ذبح بین اللبہ واللحیین ہوااور تین رگیں کٹ گئیں حلال ہوگیا،ھوالتحقیق الذی لایحل العدول عنہ (یہی تحقیق ہے اس سے عدول نہ چاہئے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲: ازمدرسہ اسلامیہ عربیہ ریلوی ہمایوں پوسٹ پٹ میاں تعلقہ شکارپور ضلع سکھر مسئولہ محمد محسن علی ہاشمی مدرس اول ۸ شوال ۱۳۳۵ھ

چہ مے فرمایند علمائے عظام دریں مسئلہ کہ مذبوح فوق العقعدہ حلال ست یاحرام؟بینوا توجروا	کیافرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ کہ فوق العقدہ ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یاحرام؟بینوا توجروا(ت)

الجواب:

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذکاۃ مابین اللبۃ و اللحیین [2]۔ولاشك ان	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ذبح لبہ اور دو جبڑوں کے درمیان ہےاور شک نہیں کہ مافوق العقدہ

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الذبائح المکتب الامدادیۃ مکہ المکرمہ ۴/ ۱۳۷

[2] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ کتاب الذبائح المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۱۸۵

مافوق العقدۃ ممایلیھا بین المحلین وکلام التحفۃ و الکافی وغیرہما یدل علی ان الحلق یستعمل فی العنق کما فی ابن عابدین فتحریر العلامۃ عندی ما افادہ فی رد المحتار اذ قال والتحریر للمقام،ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق،فالحق ماقالہ شراح الھدایۃ تبعا للرستغفنی و الا فالحق خلافہ اذا لم یوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب،ویظھر ذٰلك بالمشاہدۃ او سؤال اہل الخبرۃ فاغتنم ہذا المقال ودع عنك الجدال [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ان دونوں کے درمیان سے متصل ہے اور کافی اور تحفہ وغیرہما کا کلام دلالت کرتا ہے کہ حلق کا استعمال گردن پر ہوتا ہے جیسا کہ ابن عابدین کے کلام میں ہے تو علامہ ابن عابدین کا فیصلہ کن کلام میرے نزدیک معتبر ہے جس کا انھوں نے ردالمحتار میں افادہ کیا جب انھوں نے فرمایا: تحریر مقام یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فوق العقدہ ذبح میں اگر تین رگوں کا کٹنا پایا گیا تو حق وہ ہے جو شراح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں کہا ورنہ حق اس کے خلاف میں ہے کیونکہ تین رگیں نہ کٹنے کی صورت میں اہل مذہب کی متفقہ شرط حلال ہونے کی نہ پائی گئی اور یہ معیار مشاہدہ یا ماہرین سے پوچھنے پر معلوم کیا جاسکتا ہے،اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور تنازع ختم کرو،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۳: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ جناب مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب زید مجدہم بتاریخ ۴ صفر المظفر قدسی ۱۳۳۰ھ
بندوق سے ایک ہرن شکار ہوا،چونکہ اس وقت چاقو یا چھری موجود نہ تھے،تو ایک سوار کو گاؤں کی طرف چھری لینے کو دوڑایا اتنے میں ہرن قریب مرنے کے ہوگیا،تو ایک زمیندار سے جو اتفاقیہ وہاں موجود تھا درانتی جس سے چارہ کاٹا جاتا ہے،دندانہ دار ہوتی ہے لی گئی،اور ایک مرد عادل مسلمان نے ذبح کیا،اس شکار کو کھایا گیا،اس پر چند لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے آلہ سے ذبح کیا ہوا حرام ہے۔تو یہ اعتراض ان کا بجا ہے یا بیجا ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

درانتی بھی آلات ذبح سے ہے،ردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

لو نصب شبکۃ وکان بھا اٰلۃ جارحۃ	اگر ایسا جال لگایا جس کے ساتھ کوئی آلہ جارحہ

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

کمنجل وسمی علیه وجرحه حل عندنا کما لو رماه بها انتهی مختصرا۔[1]	لگا ہوا ہو مثلاً منجل، اور بسم اللہ پڑھی ہو اور آلہ نے اسے زخمی کر دیا تو ہمارے نزدیک حلال ہو جائے گا، جیسا کہ آلہ جارحہ پھینکنے کی صورت میں حلال ہو جاتا ہے۔ انتہی مختصراً۔ (ت)

تاج العروس شرح قاموس میں ہے:

المنجل کمنبر حدیدة ذات اسنان یقضب بها الزرع وقیل هو مایقضب به العود من الشجر[2]۔	منجل بروزن عنبر، وہ ایک دانتوں والا لوہے کا آلہ (درانتی) ہے، اس کے ساتھ فصل کو کاٹا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ دخت کی ٹہنی کاٹی جاتی ہے۔ (ت)

مگر اس سے ذبح کرنا ممنوع وگناہ ہے کہ بے سبب ایذا ہے۔ جیسے کند چھری یا اس سے بھی زائد، ذبائح الہندیہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

الکلیلة یجوز الذبح بها ویکره[3]۔	کند چھری سے ذبح جائز ہے اور مکروہ ہے۔ (ت)

لیکن ایسی صورت میں کہ جانور مرا جاتا ہے اور اس کے سوا کوئی آلہ نہیں، اجازت بعید نہیں۔

فان الضرورات تبیح المحذورات[4]۔ وربما یفیده قول الدر المختار کل تعذیب بلا فائدہ، مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد ای تسکن عن الاضطراب[5] اھ فهذا وان کان تعذیبا فلا فائدة بل للضرورة۔	ضروریات مباح کر دیتی ہیں ممنوعات کو، اور درمختار کا قول اس کے لئے مفید ہے کہ سرد ہونے سے قبل یعنی اضطراب ختم ہونے سے قبل جانور کا سر کاٹنا اور جانور کی کھال اتارنا مثلاً یہ بے فائدہ عذاب ہے اھ تو یہ اگرچہ بے فائدہ عذاب دینا ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۲
[2] تاج العروس شرح القاموس باب اللام فصل النون دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۱۲۸
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۷
[4] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸
[5] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

پھر اگر رگیں کٹنے سے پہلے جانور میں مذبوح کی حیات سے زیادہ حیات باقی تھی جب تو بالاتفاق حلال ہوگیا، اور اس کا کھانا بے تامل روا، اور اس پر اعتراض محض باطل وبے جا، اور اگر آلہ کند تھا اور بہت سختی کرنی پڑی کہ اکثر رگیں کٹنے سے پہلے ہی دانتوں کی رگڑوں، صدموں سے اس کی روح فنا ہوگئی یا رہی تو صرف اتنی ہی رہی جو بعد ذبح ہوتی ہے کہ فقط موت کا تڑپنا باقی ہوتا ہے۔ اس کے بعد دو چار پہر جی نہیں سکتا، تو اس صورت میں یہاں کہ اور کوئی آلہ ملتا ہی نہ تھا اختلاف علماء ہے بعض فرماتے ہیں حرام ہوگیا، کہ ذکوٰۃ اختیاری یعنی رگوں کے کاٹنے سے اس کی موت نہ ہوئی، بلکہ سبب موت قطع عروق سے پہلے ہی متحقق ہو لیا، اور بعض نے کہا حلال ہے جب آلہ میسر نہ تھا یہ بھی ایک زکوٰۃ اضطراری کی شکل میں آگیا، اور رجحان موجودہ جانب حرمت ہی پایا جاتا ہے۔ اور اسی میں احتیاط،

نقل المصنف ان من التعذر مالو ادرك صيده حيا او اشرف ثوره على الهلاك وضاق الوقت عن الذبح اولم يجد اٰلة الذبح فجرحه حل فی روایة [1]۔	مصنف نے نقل کیا متعذر صورتوں میں یہ کہ شکار کو زندہ حالت میں پایا یا وہ موت کے قریب تھا، اور ذبح کرنے والے کو وقت کی تنگی تھی یا ذبح کا آلہ نہ پایا تو ایسی صورت میں اگر زخمی کر دیا تو حلال ہوگا یہ ایک روایت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الاولی ان یقول فی قوله لان نقله المصنف عن القنية معزوا الی بعض المشائخ وقال البعض الاٰخر لایحل اکله الا اذا قطع العروق۔ افادہ ط [2]۔	روایت کی بجائے ایک قول کہنا مناسب ہے کیونکہ اس کو مصنف نے قنیہ سے بحوالہ بعض مشائخ نقل کیا ہے اور بعض دیگر نے کہا اس کا کھانا حلال نہیں جب تک اس کی رگیں نہ کاٹ دے، اس کا افادہ علامہ طحطاوی نے کیا۔ (ت)

اور ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

اشرف ثوره علی الهلاك ولیس معه الا مایجرح مذبحه	جانور موت کے قریب ہے اور ذبح کرنیوالے کے پاس صرف ایسی چیز ہے جو ذبح والے مقام کو زخمی

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

ولو طلب اٰلۃ الذبح لایدرك ذکاتہ فجرح لایحل، الا اذا قطع العروق قال القاضی عبدالجبار یحل ان جرحہ کذا فی القنیۃ[1]۔	کر سکتا ہے، اور اگر وہ ذبح کا آلہ تلاش کرے تو جانور مردار ہو جائے ایسی صورت میں مقام ذبح کو زخمی کردینے سے حلال نہ ہوگا جب تک اس کی رگوں کو کاٹ نہ دے، قاضی عبدالجبار نے کہا ہے اگر زخمی کردیا جس سے موت واقع ہوئی تو حلال ہے یوں قنیہ میں ہے۔(ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

ان ادرکہ الرامی والمرسل حیاً ذکاہ وجوباً، فلو ترکھا حرم، وکذا یحرم لو عجز عن التذکیۃ (بان لم یجد اٰلۃ او لایبقی من الوقت مایمکن تحصیل الالۃ والا ستعداد للذبح) لان العجز عن التذکیۃ لایحل الحرام[2] اھ ملتقطاً۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کتا چھوڑنے والے یا تیر مارنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرنا واجب ہے اگر نہ کیا تو حرام ہوگا اور یونہی اس صورت میں ذبح کرنے سے عاجز رہا تو بھی حرام ہوگا، عجز کی صورت یہ کہ ذبح کا آلہ نہ پائے یا اتنا وقت نہ پایا کہ آلہ حاصل کرسکے یا ذبح کی استعداد نہ پائے، کیونکہ عجز حرام کو حلال نہیں کرتا اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۸۴ و ۸۵: از ڈیرہ اسمٰعیل خاں ملک وزیرستان چھاؤنی ٹانک پوسٹ کرگٹی ورکس کمپنی مرسلہ مولوی اکبر حسین صاحب اسٹون ۲۶۰۴ ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: لوہے کی پتی کی چھری بنی ہو، نہ اس میں دستہ ہو نہ دستہ کی جگہ پر کوئی سوراخ ہو، اس سے ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہ جگہ فیلڈ ہے اور گرمی بہت سخت اور دھوپ میں کام کرنا پڑتا ہے۔ یہاں روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس میں کسی طرف دھار رکھی گئی ہو جیسے چھری میں، تو دھار سے ذبح جائز ہے، اور دھار نہ ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳، ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۳

توذبح ناممکن اور جانور مردار ہوجائے گا،نص علیہ الامام النسفی فی الکافی (اس پر امام نسفی نے کافی میں نص فرمائی ہے۔
اگر دھوپ میں کام کرنے کے ساتھ روزہ ہوسکے اور آدمی مقیم ہو مسافر نہ ہو تو روزہ فرض ہے اور اگر نہ ہوسکے روزہ رکھنے سے بیمار پڑ جائے، ضرر قوی پہنچے، تو مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے۔ اگر ترک پر قدرت نہ ہو اور کسی طرح نہ ممکن ہو قضا رکھے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۶: از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

کوئی جانور دیوار سے دب گیا، گردن مٹی سے دب گئی، تو کس ترتیب سے ذبح کرے؟

الجواب:

اگر اندیشہ ہے کہ نکالنے تک اس کا دم نکل جائے گا، تو جہاں چاہے تکبیر کہہ کر خون نکال دے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷: مرسلہ مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیت ۱۴ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بھنگی نے ظاہر کے نام کا بکرا مانا، اسے ایک فقیر مسلمان نے بھنگی کے گھر جا کر ذبح کیا اور اس کا کلیجہ نکال کر بھونا، اور اس فقیر کے ہمراہ چار مسلمان اور تھے، پانچوں نے کھایا، فقیر کافر ہوا یا مسلمان رہا؟ مرتکب حرام ہوا یا نہیں؟ اور بقیہ آکلین کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ مثل میت ہے یا اس سے کچھ اوترتا؟ اور جو اس ذبیحے کو حلال بتائے وہ برتقدیر حرمت کافر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ذابح اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کرے یعنی وقت ذبح جس طرح تکبیر کا حکم ہے یہ غیر خدا کا نام لے مثلاً بسم اللہ کی جگہ باسم فلاں کہے تو ذبیحہ قطعاً حرام، قال اللہ تعالٰی "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔ (ت) اسی طرح اگر مسلمان عـــہ کلمہ گو نے اس ذبح

عـــہ: خصصت الکلام بالمسلم لان المشرك | میں نے مسلمان کو خاص ذکر کیا کیونکہ مشرک اگرچہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۳

سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کیا اور اہل اسلام اراقۃ دم لوجہ اللہ سے جس طرح کا تقرب اللہ جل جلالہ کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لاتحل ذبیحتہ مطلقًا وان سمی اللہ تعالٰی وقصد بہ التقرب الیہ وحدہ وعزوجل والکتابی تحل ذبیحتہ اذا سمی اللہ تعالٰی وحدہ وان قصد بہ التقرب الی غیرہ تعالٰی،قال النیشاپوری فی تفسیرہ قال مالك و الشافعی وابوحنیفۃ و اصحابہ،اذا ذبحوا علی اسم المسیح فقد اہلوا بہ لغیر اللہ فوجب ان یحرم،واذا ذبحوا علی اسم اللہ فظاہر اللفظ یقتضی الحل ولا عبرۃ بغیر اللفظ[1] اھ وقال فی الہندیۃ عن البدائع لو سمع منہ یعنی من الکتابی ذکر اسم اللہ تعالٰی لکنہ عنی باللہ تعالٰی وعزوجل المسیح علیہ السلام قالوا توکل الااذا نص فقال بسم اللہ الذی ہو ثالث ثلثۃ فلا یحل الخ[2]۔**اقول:**

اللہ وحدہ تعالٰی کے نام اور اسی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کرے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا،اور اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) اگر اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا اگر چہ وہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کرے۔علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ امام مالک،شافعی،ابوحنیفہ او ران کے اصحاب نے فرمایا کہ اگر عیسائی مسیح کے نام پر ذبح کریں تو اس نے یقینا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا،لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ذبیحہ حرام ہو۔اور اگر وہ اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کریں تو ظاہر الفاظ کے اعتبار پر وہ ذبیحہ حلال ہوگا اور غیر لفظ کا اعتبار نہ ہوگا اھ،ہندیہ میں فرمایا کہ بدائع میں ہے کہ اگر کتابی عیسائی سے ذبح کے وقت اللہ تعالٰی کا نام سنا لیکن اس نے اللہ تعالٰی سے مراد مسیح علیہ السلام کو لیا تو فقہاء نے فرمایا کہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا جب تک کہ صریح الفاظ میں یوں نہ کہے اللہ کے نام سے جو تین میں سے تیسرا ہے۔اگر صریح طور پر ایسے کہے تب حرام ہوگا الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۵

چاہتے ہیں، اس نے اس ذبح سے اسی نوع کا تقرب غیر خدا کی طرف چاہا، تو بھی حرمت ذبیحہ میں کلام نہیں، اگرچہ اس پر زبان سے خالص تکبیر ہی کہی ہو کہ جب اس نے غیر خدا کو معبود قرار دیا یا اس ذبح سے اس کی عبادت کا قصد کیا مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں، مگر نازلہ مسئولہ سائل ان صورتوں سے بری ہے کہ یہ تو یقینا معلوم کہ کوئی کلمہ گو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کی جگہ باسم ظاہر ہرگز نہیں کہتا، نہ زنہار کسی مسلمان پر یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ غیر خدا کی عبادت چاہے اور ظاہر واہر بھنگیوں وغیرہم کفار کے باطل معبودان کو معاذاللہ معبود قرار دے، تو لاجرم اس نے اللہ ہی کے نام ذبح کیا اور عبادت غیر خدا کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آیا، بلکہ اصلا اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی جان دینے سے فقیر مسلم اس معبود باطل کی مجرد تعظیم (جو مثل تعظیم اہل دنیا بوجہ غناء انحائے تعظیم الٰہی سے نہیں ہوسکتی) منظور رکھی ہو، کہ مسئلہ ذبح عند قدوم الامیر کو اس سے تعلق ہوسکے، انصاف یہ ہے کہ اس طرح کے فقیروں کو صرف اپنے کھانے سے غرض ہوتی ہے، کافر بلا کر لے گیا انھوں نے تکبیر کہہ کر بطور مسلمانان ذبح کیا اور اپنے کھانے کے قابل کردیا، اس کے سوا انھیں دوسری نیت فاسدہ کا مرتکب جاننا مسلمان پر نری بدگمانی ہے جو بنص قطعی قرآن حرام۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والسرفیه مااشرنا الیه ان الکتابی لایخرج بهذا عن کونه کتابیا فتحل اذا جرد التسمیة ﷲ تعالٰی کما ان المشرك لایخرج عن الاشراك بتجرید التسمیة فلا تحل وان سمی اللہ تعالٰی اما المسلم لیخرج بهذا القصد عن الاسلام فلا تحل هکذا ینبغی ان یفهم هذا المقام ۱۲ منه قدس سره العزیز۔

اس میں نکتہ یہ ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ عیسائی و کتابی خالص اللہ تعالٰی کا نام لینے اور مراد مسیح علیہ السلام لینے پر کتابی ہونے سے باہر نہ ہوگا، لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال جس طرح مشرک خالص اللہ تعالٰی اور اسی کا تقرب مراد لینے سے شرک سے باہر نہ ہوگا لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا جبکہ مسلمان غیر اللہ کا تقرب وعبادت مراد لینے پر اسلام سے باہر ہوجاتا ہے لہٰذا وہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اس مقام کو یوں سمجھنا مناسب ہے ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

وقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب[1] الحدیث، رواه الائمة مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) گمان سے دور رہو کہ گمان سے بڑھ کر کوئی بات جھوٹی نہیں الحدیث (اس کو ائمہ مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور دل کے ارادے پر حکم کرنا خصوصا ایسا کہ صراحۃً خلاف ظاہر وموہوم مضمحل بلکہ محض غلط باطل ہے، بیشک جرم عظیم ہے۔

قال اللّٰه تعالٰی "وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶"[2]۔ وقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم افلاشققت عن قلبه حتی تعلم أقالها ام لا[3] اخرجه مسلم عن اسامة بن زید رضی اللّٰه تعالٰی عنهما۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ بیشک کان، آنکھ، دل سب سے سوال ہونا ہے (ت) (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا (اس کو مسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

سیدی عارف باللہ احمد زروق روح اللہ تعالٰی روحہ فرماتے ہیں:

انما ینشؤا الظن الخبیث عن القلب الخبیث[4] ذکره سیدی عبدالغنی النابلسی فی الحدیقة الندیة۔	خبیث گمان خبیث دل سے نکلتا ہے۔ (اس کو سیدی عبدالغنی النابلسی نے حدیقۃ الندیۃ میں ذکر کیا ہے۔ت)

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب لایخطب علی خطبة اخیه قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۲ و ۸۹۶، صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تحریم الظن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶، جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی ظن السوء امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا اللّٰه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۸

[4] الحدیقة شرح الطریقة المحمدیة الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۸

تفسیر کبیر میں فرمایا:

انما کلفنا بالظاہر لابالباطن فاذا ذبحه علی اسم اللّٰه وجب ان یحل ولا سبیل لنا الی الباطن[1]۔	ہم ظاہر کے مکلّف میں باطن کے نہیں، تو جب اس نے اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کیا تو ضرور حلال ہوگا، ہمیں اس کے باطن کی طرف راہ نہیں ہے۔(ت)

منیہ وذخیرہ وشرح وہبانیہ ودرمختار وغیرہ میں ہے:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی الادمی بھٰذاالنحر[2]۔	ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب چاہاہے۔(ت)

دیکھو ائمہ دین وعلماء معتمدین کیونکر صاف تصریحیں فرماتے ہیں کہ ہمیں باطن کی طرف کوئی راہ نہیں، ظاہر پر عمل کا حکم ہے۔ جب مسلمان نے خدا کا نام لے کر ذبح کیا واجب ہوا کہ ذبیحہ حلال ہو، ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہاہو، جبکہ فقہائے عدول کے یہ اقوال خدااور رسول کے وہ ارشاد، تواب سوئے ظن پر بنانہ کرے گامگر خبیث الباطن کج نہاد،

"وَمَااللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾"[3] "وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾"[4]۔	اللہ تعالٰی غافل نہیں اس سے جو تم کرتے ہو، اور اللہ تعالٰی فساد کو پسند نہیں فرماتا ہے۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں وہ ذبیحہ قطعاً حلال ہے، اور اس فقیر اور اس کے ساتھ والوں نے لحم مذکی کھایا نہ مردار، فقہائے کرام نے خاص اس جزئیہ کی تصریح فرمائی کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدے یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے خدا کا نام پاک لے کر ذبح کی بکری حلال ہے۔ کھائی جائے، فتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی تاتارخانیہ وجامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم، اوالکافر لالھتھم توکل، لانه سمی اللّٰه تعالٰی[5]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کافر کی بکری ان کے بتوں کے لئے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی تو وہ کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام کو ذکر کیا ہے۔(ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ المطبعة البهية مصر ۵/ ۲۳

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۵

[5] فتاوٰی ہندیة بحوالہ التتارخانیہ عن جامع الفتاوی کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

البتہ مسلمان کے لئے اس صورت میں کراہت لکھتے ہیں، ہندیہ میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے: **ویکرہ للمسلم** [1] (مسلمان کے لئے کراہت ہے۔ت) ظاہر ہے کہ مسلمان کو ایسا فعل کرنا نہ تھا کہ اس میں بظاہر گویا اس کافر کا کام پورا کرنا اور اس کے زعم میں اس کے قصد مذموم کا آلہ بننا ہے، اگرچہ حقیقت امر بالکل اس کے مباین ہے **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) بالجملہ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ یہاں صرف وقت ذبح قول ونیت ذابح کا اعتبار ہے۔ اگر ذابح مسلم نے اللہ ہی کے لئے ذبح کیا اور وقت ذبح اللہ ہی کا نام لیا تو ذبیحہ قطعاً حلال۔ اگرچہ مالک نے کسی کے نام پر مشہور کر رکھا ہو۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالٰی کے نام پر ذبیحہ کو نہیں کھاتے۔(ت)

یوں ہی کتابی کا ذبیحہ، اگر وقت ذبح خالص نام خدا لے۔

قال تعالٰی "طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ" [3]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اہل کتاب کا طعام تمھارے لئے حلال ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ کھال مذبوح حلال مثل گائے، بھینس، بکری، مرغ وغیرہ کے حلال ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مذبوح حلال جانور کی کھال بیشک حلال ہے۔ شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں اگرچہ گائے، بھینس بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔

فی الدرالمختار اذا ماذکیت شاۃ فکلھا * سوی سبع ففیھن الوبال، فحاء ثم خاء ثم غین * ودال ثم میمان وذال [4] انتھی فالحاء الحیاء	درمختار میں ہے جب بکری ذبح کی گئی تو سات اجزاء جن میں وبال ہے کے ماسوا کو کھاؤ، سات یہ ہیں: ح، پھر خ، پھر غ، اور د، پھر دو میم، اور ذ انتہی حا حیاء کی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵

[4] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۹

وھو الفرج، والخاء الخصیۃ، والغین الغدۃ، والدال الدم المسفوح، والمیمان المرارۃ والمثانۃ، والذال الذکر۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	وہ شرگاہ، خاء خصیہ کی، غین غدود کی، دال دم مفسوخ کی، اور دو میم مرارہ (پتہ) اور مثانہ، اور ذال ذکر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدن حیوان ماکول اللحم میں کیاکیا چیزیں مکروہ ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار کی گئیں: (۱) مرارہ یعنی پتہ (۲) مثانہ یعنی پھکنا (۳) حیاء یعنی فرج (۴) ذکر (۵) انثیین (۶) غدہ (۷) دم یعنی خون مسفوح۔

اخرج الطبرانی فی المعجم الاوسط عن عبداللہ بن عمرو ابن عدی۔ والبیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ من الشاۃ سبعا المرارۃ والمثانۃ والحیاء والذکر والانثیین والغدۃ والدم وکان احب الشاۃ الیہ مقدمہا[1]۔	طبرانی نے معجم الاوسط میں عبداللہ بن عمرو اور ابن عدی سے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذبیحہ جانور کے سات اجزاء کو مکروہ فرماتے تھے سات یہ ہیں: مرارہ (پتہ) مثانہ، حیاء (شرمگاہ) ذکر، خصیے، غدود اور خون، اور آپ کو بکری ذبیحہ کا مقدم حصہ پسند تھا۔ (ت)

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خون توحرام ہے کہ قرآن عظیم میں اس کی تحریم منصوص، اور باقی چیزیں میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ سلیم الطبع لوگ ان سے گھن کرتے ہیں اور انھیں گندی سمجھتے ہیں، اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"**وَیُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ**"[2] یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان پر سب گندی چیزیں حرام فرمائیگا، حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اما الدم	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا لیکن خون

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۴۸۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۰/ ۲۱۷

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

فحرام بالنص واکرہ الباقیۃ لانھا مما تستخبثہ الانفس[1]۔قال اللہ تعالٰی "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ"[2]۔	تو وہ حرام ہے قرآنی نص سے ثابت ہے اور باقی کو میں مکروہ تحریمہ سمجھتاہوں کیونکہ ان سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور جبکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" (ت)

اسی طرح ینابیع میں ہے کما سیأتی (جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ت) اور مختار و معتمد یہ ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے یہاں تک کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ نے بلفظ حرمت تعبیر کی۔ عالمگیری میں ہے:

اما بیان مایحرم اکلہ من اجزاء الحیوان سبعۃ الدم المسفوح والذکر و الانثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ و المرارۃ[3]۔	لیکن یہ بیان کہ حیوان کے اجزاء میں سے جن کا کھانا حرام ہے وہ سات ہیں: بہنے والا خون، ذکر، خصیے، شرمگاہ، غدود، مثانہ اور پتہ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

کرہ تحریما من الشاۃ سبع الخ[4]۔	بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں الخ (ت)

درمختار میں ہے:

وقیل تنزیھا والاول اوجہ[5]۔	بعض نے کہا مکروہ تنزیہی ہیں جبکہ پہلا قول زیادہ معتبر ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھو ظاہر اطلاق المتون الکراھۃ[6]۔	یہی ظاہر ہے کہ متون نے کراہت کو مطلق ذکر کیا۔ (ت)

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے:

المکروہ تحریما من الشاۃ سبع[7] الخ۔	بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں۔ (ت)

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار مسائل شتی دارالمعرفۃ بیروت ۴ /۳۶۰

[2] القرآن الکریم ۷ /۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ البدائع کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۰

[4] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۴۹

[5] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۴۹

[6] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۷

[7] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

یہ تو سات ہے بہت کتب مذہب، متون وشروح وفتاوٰی میں مصرح اور علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحب غنیہ الفقہاء وعلامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ وعلامہ محمد سیدی احمد مصری محشّٰی درمختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ فرمائیں (۸) نخاع الصلب یعنی حرام مغز اس کی کراہت نصاب الاحتساب میں بھی ہے (۹) گردن کے دو پٹھے جو شانوں تک ممتد ہوتے ہیں، اور فاضلین اخیرین وغیرہما نے تین اور بڑھائیں (۱۰) خون جگر (۱۱) خون طحال (۱۲) خون گوشت یعنی دم مسفوح نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے۔ بحرالمحیط میں ہے:

الغدد والذکر والانثیان والمثانۃ و العصبان اللذان فی العنق والمرارۃ والقصیب مکروہ [1] اھ ملخصا۔	غدود، ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ، پیٹھ کا گودا مکروہ ہیں اھ ملخصا (ت)

جامع الرموز میں اس کے بعد ہے:

وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال [2]۔	یوں ہی وہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے (ت)

ذبائح الطحطاوی میں ہے:

الذکر والانثیان والمثانۃ والعصبان اللذان فی العنق والمرارۃ تحل مع الکراہۃ، وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال دون الدم المسفوح، وھل الکراھۃ تحریمیۃ اوتنزیھیۃ قولان [3]۔	ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ کراہت کے ساتھ حلال ہیں، اسی طرح وہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے جو بہنے والے خون سے بچا ہوا ہو، اور کیا یہ کراہت تحریمی یا تنزیہی دو قول ہیں (ت)

اسی میں مسائل شتی میں ہے: وزید نخاع الصلب [4] (اور مزید پیٹھ کا گودا۔ت)

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی اوج التحقیق (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہی تحقیق کی بلندی تک وصول ہے۔ت) علماء کی ان زیادت سے ظاہر ہو گیا کہ سات میں حصر مقصود نہ تھا۔

---

[1] جامع الرموز بحوالہ المحیط کتاب الذبائح مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۵۱

[2] جامع الرموز بحوالہ المحیط کتاب الذبائح مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۵۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مسائل شتی مکتبہ عربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۰

بلکہ صرف باتباع نظم حدیث ونص امام ان پر اقتصار واقع ہوا، اور خود ان علمائے زائدین نے بھی قصد استیعاب نہ فرمایا، یہ امر انھیں عبارات مذکورہ سے ظاہر، اور اس پر دوسری دلیل واضح یہ کہ جگر وطحال وگوشت کے خون گنے اور (۱۳) خون قلب چھوڑ گئے حالانکہ وہ قطعاً ان کے مثل ہے۔ یہاں تک کہ عتابیہ وخزانۃ وقنیہ وغیرہامیں اس کی نجاست پر جزم کیا، اور اسی طرح امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں فرمایا، اگرچہ روضہ ناطفی ومراقی الفلاح ودر مختار وردالمحتار وغیرہااسفار میں طہارت کو مختار رکھا، اور ظاہر ہے کہ نجاست مثبت حرمت ہے اور طہارت مفید حلت نہیں، حلیہ میں ہے:

فی القنیۃ دم قلب الشاۃ نجس والیہ مال کلام صاحب الھدایۃ فی التجنیس وفی خزانۃ الفتاوٰی دم القلب نجس ودم الکبد والطحال لا[1]۔	قنیہ میں ہے بکری کے دل کا خون نجس ہے۔ تجنیس میں صاحب ہدایہ کا میلان اسی طرف ہے۔ اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ دل کا خون نجس ہے تلی اور جگر کا خون نجس نہیں ہے۔ (ت)

رحمانیہ میں ہے:

فی العتابیۃ دم القلب نجس، ودم الکبد والطحال لا[2]۔	عتابیہ میں ہے دل کا خون نجس ہے۔ جگر اور تلی کا خون نجس نہیں۔ (ت)

اور نیز عدم حصر پر ایک اور دلیل قاطع یہ ہے کہ عامہ کتب میں دم مسفوح، اور ان کتابوں میں دم لحم وکبد وطحال کو شمار کیا، تو اس سے واضح کہ کلام اعضاء سے اخلاط تک متجاوز ہوا، اور بیشک اخلاط سے (۱۴) مرہ بھی ہے یعنی وہ زرد پانی کہ پتہ میں ہوتا ہے جسے صفر کہتے ہیں، اور ہمارے علماء کتاب الطہارۃ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا حکم مثل پیشاب کے ہے، بلکہ بعض نے تو مثل خون کے ٹھہرایا، درمختار میں ہے: مرارۃ فی حیوان کبولہ[3] (حیوان کا پتہ پیشاب کی مانند ہے۔ت) حلیہ میں ہے:

قیل مرارۃ الشارۃ کالدم وقیل کبولھا خفیفۃ عندھما، طاہرۃ عند محمد[4]۔	بعض نے کہا ہے پتہ جانور کا خون کی طرح ہے۔ بعض نے کہا پیشاب کی طرح ہے۔ شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک پاک ہے۔ (ت)

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] رحمانیہ

[3] درمختار کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

بہر حال کھانا اس کا بیشک ناجائز ہے کما ھوالمذہب فی البول (جیسا کہ پیشاب کے بارے میں ان کا مذہب ہے۔ت) باوجود اس کے یہاں شمار میں نہ آیا، یونہی اخلاط سے بلغم ہے کہ جب براہ بینی مندفع ہو، جیسے بھیڑ وغیرہ میں مشاہد ہے۔ اسے عربی میں مخاط اور فارسی میں آب بینی کہتے ہیں، (۱۵) اس کا کھانا بھی یقینا ناجائز، **صرح بہ فی العقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ** (یہی تصریح عقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ میں ہے۔ت) یہ بھی یہاں غیر معدود اور منجملہ دماء، (۱۶) وہ خون بھی ہے جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے منجمد ہو کر علقہ نام رکھا جاتا ہے۔ وہ بھی قطعاً حرام۔ نہایہ و تبیین الحقائق وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

العلقۃ والمضغۃ نجسان کالمنی[1]۔	علقہ (منجمد خون) اور مضغہ (ابتداء تخلیق کا خون اور لوتھڑا) منی کی طرح ناپاک ہے۔ (ت)

یہ بھی نہ گنا گیا، تو واضح ہوگیا کہ عامہ کتب میں لفظ سبع (سات) صرف باتباع حدیث ہے۔ جس طرح کتب کثیرہ میں شاۃ (بکری) کی قید، **کمامر عن تنویر الابصار ومغنی المستفتی ومثلہ فی غیرھما** (جیسا کہ تنویر الابصار اور مغنی المستفتی سے گزرا، اور اس کی مثل ان کے غیر میں ہے۔ت) حالانکہ حکم صرف بکری سے خاص نہیں، یقینا سب جانوروں کا یہی حکم ہے، حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قولہ من الشاۃ ذکر الشاۃ اتفاقی لان الحکم لا یختلف فی غیرہا من الماکولات[2]۔	بکری کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ دوسرے جانوروں کے ماکولات میں فرق نہیں (ت)

تو جیسے لفظ شاۃ محض باتباع حدیث واقع ہوا، اور اس کا مفہوم مراد نہیں، یونہی لفظ سبع اور اہل علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحوٰی یا اجرائے علت منصوصہ خاصہ مجتہد نہیں، **کمانص علیہ العلامۃ الطحطاوی تبعالمن تقدمہ من الاعلام** (جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی نے اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کی اتباع میں نص کی ہے۔ت) اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اشیاء ستہ کی علت کراہت پر نص فرمایا کہ خباثت ہے۔ اب فقیر متوکلا علی اللہ تعالٰی کوئی محل شک نہیں جانتا کہ دُبر یعنی پاخانے کا مقام، کرش یعنی اوجھڑی، امعاء یعنی آنتیں بھی اس حکم کراہت میں داخل ہیں، بیشک دُبر فرج وذکر سے اور کرکش و امعاء مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی

---

[1] ردالمحتار بحوالہ نہایہ وزیلعی کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار مسائل شتی دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۰

طرح کم بھی نہیں، فرج وذکر اگر گزرگاہ بول ومنی ہیں دُبر گزرگاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدن بول ہے شکنبہ ورودہ مخزن فرث ہے اب چاہے اسے دلالۃ النص سمجھئے خواہ اجرائے علت منصوصہ، **الحمدللہ** بعد اس کے فقیر نے ینابیع سے تصریح پائی، کہ امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دبر کی کراہت پر تنصیص فرمائی، رحمانیہ میں ہے:

فی الینابیع کرہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الشاۃ سبعۃ اشیاء الذکر والانثیین والقبل والدبر والغدۃ و المثانۃ والدم، قال ابوحنیفۃ الدم حرام بالنص، والستۃ نکرہھا لانھاتکرہھا الطبائع[1]۔	ینابیع میں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بکری کے سات اجزاء ذکر، خصیے، مادہ کی شرمگاہ، پاخانہ کی جگہ، غدود، مثانہ اور خون کو مکروہ فرمایا، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خون نص کے ذریعہ حرام اور باقی چھ کو ہم مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ طبائع ان سے نفرت کرتے ہیں۔(ت)

(۲۰) وہ گوشت کا ٹکڑا جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے جسے مضغہ کہتے ہیں، اجزائے حیوان سے ہے۔ اور وہ بھی بلاشبہ حرام عام ازیں کہ مخلقہ ہو یا غیر مخلقہ، یعنی ہنوز اس میں اعضاء کی کلیاں پھوٹی ہوں یا صرف لوتھڑا ہو،

فقد اسلفنا عن السغناقی والزیلعی والشامی انھا نجسۃ، ومعلوم ان کل نجس حرام، وقد قال فی الھدایۃ فی الجنین التام الخلقۃ انہ جزء من الام حقیقۃ لانہ متصل بھا حتی یفصل بالمقراض[2] الخ **قلت** ویدل علیہ صحۃ الاستثناء وھو حقیقۃ فی الاتصال واذا کان ذٰلک کذالک فالمضغۃ اولی بالجزئیۃ، وھذا یدل ان السبع لم تستوعب الاجزاء، فضلا من الاخلاط اخوات الدماء۔	ہم سغناقی، زیلعی اور شامی سے پہلے نقل کرچکے ہیں کہ وہ نجس ہے۔ اور ہر نجس کا حرام ہونا معلوم ہے اور ہدایہ میں فرماچکے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں مکمل خلقت بچہ ماں کا جز ہے کیونکہ وہ حقیقی جز ہے حتی کہ اس کو کاٹ کر جدا کیا جاتا ہے، **میں کہتاہوں** اور اس پر استثناء کی صحت دلالت کرتی ہے اور استثناء کی حقیقت اتصال ہے تو جب معاملہ یوں ہے تو مضغہ بطریق اولٰی ماں کا جز ہے۔ اس سے اس بات پر دلالت ہے کہ سات کا عدد پورے اجزاء کو شامل نہیں چہ جائیکہ خون کی آمیزش سے پیدا ہونے والے امور کو شامل ہوں۔(ت)

[1] رحمانیہ

[2] الہدایہ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

(۲۱) ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بچہ تام الخلقۃ بھی کہ من وجہ جزو حیوان ہے **یتصل بالام ویتغذی بغذائھا، ویتنفس بتنفسھا** (ماں سے متصل ماں کی ماں کی غذا سے اور اس کی سانس سے سانس پاتا ہے۔ت) حرام ہے خواہ اس کے پوست پر بال آئے ہوں یا نہیں، مگر جبکہ زندہ نکلے اور ذبح کرلیں، ہدایہ میں ہے:

من نحر ناقۃ او ذبح بقرۃ، فوجد فی بطنھا جنینا میتا لم یوکل، اشعر اولم یشعر[1]۔	جس نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مردہ ہو تو نہ کھایا جائے اس پر بال ہوں یا نہ ہوں۔(ت)

شامی میں علقہ ومضغہ کی نجاست لکھ کر فرماتے ہیں: **وکذا الولد اذا لم یستھل**[2] (یونہی بچہ جب نہ چیخے۔ت)

(۲۲) یونہی نطفہ بھی حرام ہے خواہ نر کی منی مادہ کے رحم میں پائی جائے یا خود اسی جانور کی منی ہو، ردالمحتار میں ہے:

فی البحر والتتارخانیۃ ان منی کل حیوان نجس[3]۔	بحر اور تتارخانیہ میں ہے کہ ہر حیوان کی منی نجس ہے۔(ت)

اب سات کے سہ گونہ سے بھی عدد بڑھ گیا اور ہنوز اور زیادات ممکن وہ سات اشیاء حدیث میں آئیں، اور پانچ چیزیں کہ علماء نے بڑھائیں، اور دس فقیر نے زیادہ کیں، ان بائیس مسائل اور باقی فروع وتفاریع سب کی تفصیل تام و تحقیق تمام فقیر کے رسالہ **المنح الملیحۃ فیما نھی من اجزاء الذبیحۃ** میں دیکھی جائے، **الحمد للہ ما الھم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۹۰: از جڑودہ ضلع میرٹھ مرسلہ سید صابر جیلانی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانور کی کون سی چیز جائز اور حلال ہے اور کون سی چیز ناجائز وحرام ہے؟

الجواب:

حلال جانور کے سب اجزاء حلال ہیں مگر بعض کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں (۱) رگوں کا خون (۲) پتّا

---

[1] الھدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الطھارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

[3] ردالمحتار کتاب الطھارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

(۳) پُھکنا (۴) و (۵) علامات مادہ ونر (۶) بیضے (۷) غدود (۸) حرام مغز (۹) گردن کے دو پٹھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں (۱۰) جگر کا خون (۱۱) تلی کا خون (۱۲) گوشت کا خون کہ بعد ذبح گوشت میں سے نکلتا ہے (۱۳) دل کا خون (۱۴) پت یعنی وہ زرد پانی کہ پتے میں ہوتا ہے (۱۵) ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے (۱۶) پاخانہ کا مقام (۱۷) اوجھڑی (۱۸) آنتیں (۱۹) نطفہ (۲۰) وہ نطفہ کہ خون ہوگیا (۲۱) وہ کہ گوشت کالوتھڑا ہوگیا (۲۲) وہ کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مرگیا۔

مسئلہ ۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندہ جانور کا کوئی عضو مثلاً دنبہ کی چکی کاٹ کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جو عضو مچھلی اور ٹیڑی کے سوا کسی زندہ جانور سے جدا کرلیا جائے مردہ ہے اور کھانا اس کا حرام۔

رواہ الحافظ ابو عیسٰی محمد الترمذی عن ابی واقد اللیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ وھم یجبون اسنمۃ الابل، ویقطعون الیات الغنم فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم مایقطع من البیھمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ. قال الحافظ والعمل علی ہذا عند اھل العلم [1] فی الھدایۃ فی مسائل السمك اذا قطع بعضھا فمات یحل اکل ما ابین ومابقی لان موتہ بافۃ وما ابین من الحق، وان کان میتا فمیتتہ حلال [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال۔	ابو عیسٰی محمد ترمذی نے ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کی کہانوں اور دنبوں کی چکیوں کو کاٹ کھانا پسند کرتے تھے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زندہ جانور کا کاٹا ہوا حصہ مردار ہو حافظ ترمذی نے فرمایا: اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے ہدایہ کے مچھلی کے مسائل میں ہے کہ اگر مچھلی کا کچھ حصہ کاٹ کر جدا کرلیا اور مچھلی مرجائے تو اس کے دونوں ٹکڑے حلال ہیں کیونکہ اس کی موت سماوی ہوتی ہے تو زندہ سے ٹکڑا جدا کیا ہوا اگرچہ مردہ ہے لیکن اس کا مردہ حلال ہے۔ اللہ تعالٰی حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الصید باب ماجاء فی ماقطع من الحی فھو میت امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۹

[2] الھدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنو دہلی ۴/ ۴۴۱

مسئلہ ۹۲: موضع بکہ جیبی والا، علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ذبح کس شخص کا جائز اور کس کا ناجائز ہے؟

الجواب:

جن، مرتد، مشرک، مجوسی، مجنون، ناسمجھ اور اس شخص کا جو قصدا تکبیر ترک کرے ذبیحہ حرام و مردار ہے۔ اور ان کے غیر کا حلال جبکہ رگیں ٹھیک کٹ جائیں، اگرچہ ذابح عورت یا سمجھ والا بچہ یا گونگا یا بے ختنہ ہو، اور اگر ذبیحہ صید ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ ذبح حرم میں نہ ہو، ذابح احرام میں نہ ہو،

فی الدرالمختار شرط کون الذابح مسلما حلالا اوکتابیا ولومجنونا اوامرأة اوصبیا یعقل التسمیة والذبح ویقدر اواقلف اواخرس لاوثنی ومجوسی ومرتد وجنی وتارك تسمیة عمدا [1] اھ ملخصا فی رد المحتار، قوله مجنونا، المراد به المعتوه کما فی العنایة عن النهایة لان المجنون لاقصد له ولانیة لان التسمیة شرط بالنص وهی بالقصد [2] الخ، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے ذبح کرنے والے مسلمان کا حالت احرام میں نہ ہونا، یا کتابی ہوا گرچہ مجنون ہو یا عورت ہو یا بچہ عقلمند ہو جو بسم اللہ وذبح کو سمجھتا ہو اور قادر ہو، بے سنت ہو یا گونگا ہو، بت پرست، مجوسی، مرتد، جن اور قصدا بسم اللہ کو ترک کرنے والا نہ ہو اھ ملخصا، ردالمحتار میں ہے اس کا قول "مجنون ہو" سے مراد معتوہ (نیم پاگل) ہے کیونکہ مکمل مجنون کا قصد نہیں ہوتا اور نہ نیت ہوتی جیسا کہ عنایہ میں نہایہ سے ہے کیونکہ قصد کے بغیر بسم اللہ کی شرط پوری نہیں ہوتی جبکہ بسم اللہ پڑھنا نص سے ثابت ہے الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۳: ازاوجین مرسلہ ملا یعقوب علی خاں یکم رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے نامدار مفتیان ذوی الاقتدار اس مسئلہ میں کہ اقوام بواہر اور عورات اور خروعنی عـــہ اور کتابی اور مجوسی اور نصرانی اور مردم مشرک، یہ سب بہ تکبیر اللہ اکبر ذبح کریں درست ہے یا نہیں؟ اور اہل علم ذبح کرے اور ہندو جانور کو دبائے تو مددگار اور ذابح دونوں پر تکبیر کہنا واجب ہے یا فقط ذبح کنندہ

عـــہ: ھکذا فی الاصل ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

پر؟اور سوائے ذابح کے اور نے تکبیر نہ کہی تو وہ جانور حلال ہے یا حرام؟ بسند عبارت کتب بیان فرمائیں **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمان وکتابی کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ عورت یا عنین ہو اور ان کے سوا مشرک مجوسی، مرتد کسی کا ذبیحہ اصلاً حلال نہیں اگرچہ تکبیر کہہ کر ذبح کریں، درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا ولو امرأۃ لاذبیحۃ غیر کتابی من وثنی ومجوسی ومرتد [1] اھ ملخصًا۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا اگرچہ عورت ہو، شرط ہے، کافر غیر کتابی مثلا بت پرست، مجوسی اور مرتد نہ ہو، اھ ملخصًا۔ (ت)

قوم بوہرہ میں جو شخص صرف بدعت رفض وغیرہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ضروریات دین کا منکر نہ ہو تو اس کا بھی ذبیحہ حلال، کہ اگرچہ بدعتی مذہب ہے مگر اسلام رکھتا ہے، اور اگر ضروریات دین سے کسی امر کا انکار کرے گو دعوی اسلام رکھتا اور کلمہ طیبہ پڑھتا ہو، جیسے آج کل اکثر روافض زمانہ کا حال ہے تو کافر مرتد ہے اور اس کا ذبیحہ حرام مطلقًا **کما حققناہ فی السیر من فتاوٰنا بتوفیق اللہ سبحٰنہ تعالٰی** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی کے باب سیر میں اس کی تحقیق کی ہے۔ بتوفیق اللہ تعالٰی۔ت) نصارٰی زمانہ کہ علی الاعلان الوہیت وابنیت بندہ خدا وزادہ کنیز خدا سیدنا مسیح عیسی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہیں، ان کے بارہ میں مختلف بہت مشائخ کرام ان کے ذبیحہ کو حرام فرماتے ہیں یہاں تک کہ کہا گیا اسی پر فتوی ہے، مگر ظاہر الروایہ اطلاق حل ہے **والتحقیق فی سیر فتاوٰنا** (اور ہمارے فتاوی کے باب سیر میں اس کی تحقیق ہے۔ت) بہر حال اس قدر ضروری ہے کہ مسلمان کو ان کے ذبیحہ سے احتراز چاہئے، بلکہ مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحہم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورۃ متحقق، والاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتہم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی [2]۔	ہمارے زمانے میں نصرانی عیسٰی علیہ السلام کی ابنیت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے جبکہ عدم ضرورت بھی متحقق ہے اور واجب ہے کیونکہ ان کے ذبیحہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے لہذا حرام ہونے کا پہلو اولٰی ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] مجمع الانہر کتاب النکاح باب المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

پھر یہ بھی اس حالت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں ورنہ جانور کو گلا گھونٹ کرمار ڈالا، یا گلے میں ایک طرف چھری بھونک دی رگیں نہ کاٹیں جیسا کہ فقیر نے جہاز میں بچشم خود معائنہ کیا تو اس کے حرام قطعی ہونے میں اصلا کلام نہیں کہ ایسا مقتول تو مسلمان کے ہاتھ کا بھی مردار ہے نہ کہ کافر کا، اور جو شخص جانور کو دبائے، یا ہاتھ پاؤں پکڑے ایسے مددگار پر تکبیر ضرور نہیں، نہ اس کے ہندو وغیرہ ہونے سے کچھ حرج کہ وہ ذابح نہیں، ہاں جو نفس فعل ذبح میں مدد دے یعنی ذابح کا ہاتھ مثلاً کمزور تھا اس نے بھی اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر پھیرا کہ دونوں کے فعل سے ذبح واقع ہوا، تو ایسی حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے۔ ان میں جو قصدا تکبیر نہ کہے گا یا حرام الذبیحۃ مثلا ہندو، مجوسی، مرتد ہوگا تو جانور حرام مردار ہو جائے گا، درمختار میں ہے:

تشترط التسمیۃ من الذابح[1] (ذابح کا تسمیہ پڑھنا شرط ہے۔ ت) اسی میں ہے:

اراد التضحیۃ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح سمی کل وجوبا فلو ترکھا احدھما او ظن ان تسمیۃ احدھما تکفی حرمت[2]**۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**	قربانی کے ارادے سے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح کرنے میں شریک کیا اور ذبح میں مدد کی تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اگر ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو ذبیحہ حرام ہوگا **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۹۴: از گلگت چھاؤنی جوئنال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۷ شعبان معظم ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ کے یہاں کا ذبح کرا کھانا، دیگر جس کا عقیدہ درست نہ ہو اس کا ذبح کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل کے رافضی تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں، شاید ان میں گنتی کے ایسے نکلیں جو اسلام سے کچھ حصہ رکھتے ہوں، ان کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن شریف جو بحمد اللہ تعالٰی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد پورا نہ رہا، اس میں سے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں صحابہ کرام اور اہلسنت نے **معاذ اللہ** کم کر دیں، اور یہ بھی ان کے چھوٹے بڑے سب مانتے ہیں کہ حضرت مولا علی و دیگر ائمہ اطہار کرم اللہ تعالٰی وجوہہم اگلے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل تھے، یہ دونوں عقیدے خالص کفر ہیں جو شخص

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

قرآن مجید سے ایک حرف، ایک نقطہ کی نسبت ادنٰی احتمال کے طور پر کہے کہ شاید کسی نے گھٹادیا یا بڑھادیا یا بدل دیا ہو وہ کافر ہے اور قرآن عظیم کا منکر، یونہی جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل بتائے وہ بھی کافر، اور جبکہ ان اشقیاء نے باوصف ادعائے اسلام عقائد کفر اختیار کئے تو مرتد ہوئے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام و احکامھم احکام المرتدین[1]۔	یہ قوم ملت اسلامیہ سے خارج ہے ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔(ت)

اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ نرا حرام و مردار سوئر کی مانند ہے اگرچہ اس نے لاکھ تکبیریں پڑھ کر ذبح کیا ہو، در مختار میں ہے:

لاتحل ذبیحۃ غیر کتابی من وثنی ومجوسی و مرتد[2]۔	غیر کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے خواہ وہ بت پرست ہو مجوسی ہو یا مرتد ہو۔(ت)

اسی طرح جس مذہب کا عقیدہ حد کفر تک پہنچا ہو، جیسے نیچیری کہ وجود ملائکہ ووجود جن وجود شیطان وجود آسمان وصحت معجزائے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وحشر ونشر وجنت و نار بطور عقائد اسلام وغیرہا بہت ضروریات دینیہ سے منکر ہیں۔یونہی وہ وہابی کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مثل سات یا چھ یا دو یا ایک خاتم النبیین کسی طبقہ زمین میں کبھی موجود مانے یا ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبوت ملنی جائز جانے اور اسے آیۃ وخاتم النبیین کے مخالف نہ سمجھے، یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین شان اقدس کے لئے حضور کو بڑا بھائی، اپنے آپ کو چھوٹا بھائی کہے، یا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت یہ ناپاک کلمہ لکھے کہ مر کر مٹی میں مل گئے، وعلی ہذا القیاس جو بد مذہب ضروریات دین اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر ہو یا اس میں شرک کرے یا تاویلیں گھڑے، باجماع تمام علماء اسلام وہ سب کے سب کافر و مرتد ہیں اگرچہ لوگوں کے سامنے کلمہ، نماز قرآن پڑھتے، روزہ رکھتے، اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان جتاتے ہوں کہ جب وہ ضروریات اسلام کے منکر ہوئے تو انھوں نے خدا اور سول وقرآن کو صاف صاف جھٹلایا، پھر یہ جھوٹے طور پر کلمہ وغیرہ کیا نفع دے سکتا ہے۔نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی منافق لوگ کلمہ ونماز پڑھتے اور اپنے آپ کو قسمیں کھا کھا کر مسلمان بتاتے تھے اور اللہ تعالٰی نے ان کی ایک نہ سنی اور صاف فرمایا "وَاللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ۚ﴿۱﴾"[3] اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ نرا جھوٹا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴
[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸
[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

دعوی اسلام کرتے ہیں:

خاص ایسے لوگوں کے کفر میں ہر گز شک نہ کیا جائے کہ جو ان کے عقیدہ پر مطلع ہو کر پھر سمجھ بوجھ کر ان کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر[1] اھ واما ارتدادہم فھو الصحیح الثابت المنصوص علیه كما اوضحناه بتوفیق الله تعالٰی فی السیر من فتاوٰینا وفی رسالتنا "المقالة المسفرة عن احكام البدعة المكفرة"۔	جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے اھ لیکن ان کا ارتداد تو صحیح ثابت منصوص علیہ ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کے باب السیر میں واضح کر دیا ہے نیز اس اپنے رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ" میں بیان کیا ہے۔(ت)

اس قسم کے ہر بدمذہب کا ذبیحہ مردار وحرام، ان کے ساتھ نکاح حرام وباطل ومحض زنا، ان کے ساتھ کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا، ملنا جلنا، کوئی برتاؤ مسلمان کا سا کرنا ہرگز ہرگز کسی طرح جائز نہیں، ہاں جو مذہب دین اسلام کی ضروری باتوں سے کسی بات میں شک نہ کرتا ہو، صرف ان سے نیچے درجہ کے عقیدوں میں مخالف ہوں، جیسے رافضیوں میں تفضیلی، یا وہابیوں میں اسحاقی وغیرہم وہ اگرچہ گمراہ ہے کافر نہیں اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۵: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ ۷ا جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

یہ جو اکثر کتب دینیہ میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہے تو آج کل یہود ونصارٰی جو ہیں ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

شک نہیں کہ نصارٰی الوہیت وابنیت عبداللہ وابن امتہ، سیدنا مسیح ابن مریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صاف تصریح کرتے ہیں جو نصارٰی ایسے ہیں اور یونہی وہ یہود کہ ابنیت عبداللہ عزیر علیہ الصلوۃ والسلام مانیں ان کا ذبیحہ حلال ہونے میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، جمہور مشائخ جانب حرمت گئے اور کہا گیا کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ اور بکثرت محققین تحقیق جواز فرماتے ہیں کہ یہی ظاہر الروایۃ اور یہی اقوی من حیث الدلیل ہے

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یتعین المراجعة الیه (ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کر دی ہے اور اس کی طرف مراجعت کی جائے۔ت) مستصفی میں ہے:

فی مبسوط شیخ الاسلام یجب ان لایاکلوا ذبائح اہل الکتاب اذا اعتقدوا ان المسیح اله، وان عزیرا اله، و لایتزوجوا نسائهم، وقیل علیه الفتوی لکن بالنظر الی الدلائل ینبغی ان یجوز الاکل والتزوج [1]۔	شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے جب کہ اہل کتاب کا عقیدہ ہو کہ مسیح علیہ السلام اللہ ہے، تو ان کے ذبیحہ کو مت کھاؤ اور ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ اور یوں اگر عزیر علیہ السلام کو الٰہ کہتے ہوں، بعض کے نزدیک اس پر فتوی ہے لیکن دلائل کی روشنی میں کھانا اور نکاح کرنا جائز ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

صح نکاح کتابیة، وان اعتقدوا المسیح الٰها، وکذا حل ذبیحتهم علی المذہب بحر [2] اھ مختصرًا۔	کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے اگرچہ وہ مسیح کے الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھے، یونہی ان کا ذبیحہ مذہب میں جائز ہے بحر اھ مختصرًا۔(ت)

ہاں کراہت میں شک نہیں کہ جب بےضرورت کتابی خالص کے ذبیحے کو علماء ناپسند کرتے ہیں تو یہ بدتر درجے میں ہیں، فتح القدیر میں ہے:

یجوز تزوج الکتابیات والاولٰی ان لایفعل، ولایاکل ذبیحتهم الا لضرورة [3]۔	کتابی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور اولٰی یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے، ماسوائے ضرورت کے۔(ت)

مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیة قبحهم الله تعالٰی، وعدم الضرورة متحقق، والاحتیاط واجب۔ لان	ہمارے زمانہ کے نصرانی عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابنیت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے۔ ضرورت بھی متحقق نہیں ہے اور احتیاط واجب ہے کیونکہ ان کے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ المستصفٰی کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

[3] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی عند عدم الضرورۃ [1]۔	ذبیحہ کے حلال ہونے میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ضرورت نہ ہو تو حرمت کی جانب کو ترجیح ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں، اور وقت ذبح خالص اللہ عزوجل کا نام پاک لیں، مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریک نہ کریں اگرچہ دل میں مسیح ہی کو خدا جانیں، بالجملہ نہ قصداً تکبیر چھوڑیں نہ تکبیر میں شرک ظاہر کریں ورنہ جو ذبیحہ ان شرائط سے خالی ہو وہ مسلمان کا بھی حرام و مردار ہوتا ہے چہ جائیکہ کتابی، ردالمحتار میں ہے:

لاتحل ذبیحۃ من تعمد ترك التسمیۃ مسلما او کتابیا نص القراٰن [2]۔	قصداً بسم اللہ کو ترک کرنے والے کا ذبیحہ حلال نہیں ہے وہ مسلم ہو یا کتابی قرآن کی نص کی بناء پر۔(ت)

درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا ذمیا او حربیا الا اذا سمع منہ عند الذبح ذکر المسیح [3]۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ذمی یا حربی ہونا شرط ہے۔ ہاں اگر ذبح کے وقت ان سے مسیح کا نام سنا جائے تو ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولو سمع منہ ذکر اللہ تعالٰی لکنہ عنی بالمسیح قالوا یوکل الا اذا نص فقال باسم اللہ الذی ھو ثالث ثلثۃ، ہندیۃ [4]۔	اگر عیسائی سے اللہ تعالٰی کا نام سنا لیکن اس سے مراد اس نے مسیح کا لیا تو فقہاء نے فرمایا کھالیا جائے ہاں اگر صراحۃً "باسم اللہ تعالٰی جو کہ تین کا تیسرا ہے" کہیں تو نہ کھائیں، ہندیہ (ت)

نصارٰی زمانہ کا حال معلوم ہے کہ نہ وہ تکبیر کہیں نہ ذبح کے طور پر ذبح کریں، مرغ و پرند کا تو گلا گھونٹتے ہیں، اور بھیڑ بکری کو اگرچہ ذبح کریں، رگیں نہیں کاٹتے، فقیر نے بھی اسے مشاہدہ کیا ہے۔

ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں کپتان کی ملک سے سمور کا ایک مینڈھا جہاز میں دیکھا گیا جسے وہ چالیس روپے

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب النکاح باب المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۰

[3] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[4] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

کے خرید بتاتا تھا، مول لینا چاہا کہ گوشت درکار تھا، نہ بیچا اور کہا جب ذبح ہوگا گوشت کا حصہ خرید لینا، ذبح کیا تو گلے میں ایک کروٹ کو چھری داخل کردی تھی رگیں نہ کاٹیں، اس سے کہہ دیا گیا کہ اب یہ سوئر ہے ہمارے کسی کام کا نہیں بلکہ نصارٰی کے یہاں صد سال سے ذبح شرعی نہیں، فتاوٰی قاضی خاں میں نقل فرمایا:

النصرانی لاذبیحة له۔ وانما یاکل ہو ذبیحة المسلم و یخنق [1]۔	نصرانی کا ذبیحہ ہی نہیں، وہ مسلمان کا ذبیحہ کھالیتا ہے اور وہ جانور کا گلا گھونٹتا ہے۔ (ت)

تو نصارائے زمانہ کا ذبیحہ ضرور حرام یہود کا حال معلوم نہیں۔ اگر ان کے یہاں بھی ترک تکبیر یا ذبح کی تغیر ہو تو حکم حرمت ہے ورنہ بے ضرورت، ناپسندی و کراہت **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص فرقہ غیر مقلدین یا فرقہ قادیانی یا وہابیہ سے ہو اس کے ہاتھ کا ذبیحہ واسطے اہل سنت وجماعت کے کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

قادیانی صریح مرتد ہیں۔ ان کا ذبیحہ قطعی مردار ہے۔ اور غیر مقلدین وہابیہ پر بوجوہ کثیرہ الزام کفر ہے۔ ان میں جو منکر ضروریات دین ہیں وہ تو بالاجماع کافر ہی ہیں، ورنہ فقہائے کرام ان پر حکم کفر فرماتے ہیں اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکم فقہی ہے خصوصا وہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو، یہاں ان کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہاء کرام کے طور پر حرام و مردار کا کھانا ہوگا، لہٰذا احتراز لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷: از بریلی محلہ قراولاں مسئولہ عبدالکریم خیاط قادری رضوی ۲۳ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا خسر دیوبندی ہے وہ اپنی قیمت سے گوشت خرید کر بھیجتا ہے۔ لانے والا بھی دیوبندی ہے تو یہ گوشت حلال ہے یا نہیں؟ نیز دیوبندی کی قربانی کا گوشت کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے۔ اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگرچہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸: از نجیب آباد مسئولہ جناب احمد حسن خاں صاحب رضوی بتاریخ ۲۸ محرم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض اوقات وہابیوں سے ذبیحہ

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ مسائل مایکرہ ومالایکرہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۸

کرایا جاتا ہے جس کا گوشت گھر میں پکتا ہے کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

وہابی رافضی قادیانی وغیرہم جن جن کی گمراہی حد کفر تک ہے ان کا ذبیحہ مردار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خاں صاحب رضوی ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابی یا رافضی کا ذبیحہ گائے یا بکری یا مرغی کا جائز ہے یا نہیں؟اور وہابیہ اور رافضی کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بطور دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہابیہ اور رافضی کا ذبیحہ مردار ہے اور ان کے یہاں کا گوشت کھانا حرام ہے۔فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے: **احکامھم احکام المرتدین**[1] (ان کے احکام مرتدین کے احکام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰و۱۰۱: از ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ مکان جمعدار سمندر خاں مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۵رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) بوہروں کے یہاں کا ذبیحہ کیا ہوا گوشت ان کے یہاں کا پکا ہوا کھانا اہلسنت وجماعت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اور کوئی شخص ذبیحہ کرتا ہو اور اس سے اپنی اور اپنے بچوں کی گزراوقات کرتا ہو وہ خدا کے یہاں مواخذہ حشر میں تو نہ ہوگا؟ یا نامہ اعمال میں اس کے کچھ لکھا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) بوہرے کہ اسمعیلی رافضی ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے۔اور ان کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بھی حرام ہے،مگر یہ کہ مسلمان نے ذبح کیا اور اس وقت سے اس وقت تک مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا ہو،گوشت کے علاوہ باقی کھانوں پر اگرچہ قطعی حکم حرمت مگر بہرحال احتراز ہی مناسب ہے۔

(۲) ذبح کا پیشہ شرعاً ممنوع نہیں،نہ اس پر کچھ مواخذہ ہے اگرچہ گائے ذبح کرنے کا پیشہ ہو،وہ جو حدیث لوگوں نے دربارہ ذابح بقر و قاطع شجر بنا رکھی ہے محض باطل وموضوع ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظھیریۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

مسئلہ ۱۰۲: از شہر کہنہ بریلی محلّہ کوٹ مرسلہ محمود علی صاحب بنگال ۲ صفر ۱۳۳۱ھ
عورت کا ذبح کیا ہوا حلال اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

عورت کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ ذبح کرنا جانتی ہو، اور شرائط حلت مجتمع ہو، درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا، ولو امرأۃ[1] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا شرط ہے اگرچہ عورت ہو (باختصار)۔(ت)

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات ضلع بریلی
عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو اور ٹھیک ذبح کردے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴: از مقام سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مسئولہ سید احمد حسین صاحب
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز وروزہ کرتا ہے لیکن شراب خور ہے، سفلہ وچنڈو وبھنگ وغیرہ، زنا وحرام خوری، چوری، آگ دیتا ہے۔ مگر ان فعلوں کو برا جانتا ہے تو ایسے شخص کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس صورت میں زید فاسق ہے۔ مستحق عذاب جہنم ہے۔ مگر اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۵ تا ۱۰۷: از بھوٹا بھوٹی موٹولا نگر علاقہ جام نگر کاٹھیاوار مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صدیقی حنفی ابن امیر میاں ۲۳ صفر ۱۳۳۶ھ
(۱) اگر ایک مرد نے طاہر عورت کو بغیر نکاح کے گھر میں رکھا ہے آیا اس شخص کا ذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں؟
(۲) قربانی کرنا واجب ہے، اگر کوئی شخص ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد اور نماز سے

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

پہلے قربانی کرے تو وہ قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قربانی کے حصے تین کرنا، ایک حصہ اپنا دوسرا خویش واقارب کا، تیسرا مسکینوں کا، آیا گر مساکین لوگ اسلام میں سے نہیں ہیں، تو اس حصہ کا کیا حکم ہے، اور اگر کسی شخص نے قربانی کی اور تین حصے نہیں کئے اور سارا گھر میں رکھ لیا آیا قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر بالفرض اس پر زنا ثابت بھی ہو جب بھی زانی کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے کہ ذبح کے لئے دین سماوی شرط ہے اعمال شرط نہیں، اور اتنی بات پر کہ گھر میں رکھا ہے۔ اور ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، نسبت زنا کر بھی نہیں سکتے، بنص قطعی قرآن مجید حرام شدید ہے۔ بلکہ اگر گھر میں بیبیوں کی طرح رکھتا ہو اور بیبیوں کا سا برتاؤ برتا ہو تو ان کو زوج وزوجہ ہی سمجھا جائے گا اور ان کی زوجیت پر گواہی دینی حلال ہوگی اگر چہ ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، **کما فی الھدایۃ والدر المختار والھندیۃ وغیرھا** (جیسا کہ ہدایہ، درمختار اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دیہات میں عید جائز نہیں۔ قربانی اگر گاؤں میں ہو طلوع صبح کے بعد ہو سکتی ہے اگر چہ شہری نے اپنی قربانی وہاں بھیج دی ہو، اور اگر قربانی شہر میں ہو جہاں نماز عید واجب ہے تو لازم ہے کہ بعد نماز ہو، اگر نماز سے پہلے کر لی قربانی نہ ہوئی اگر چہ قربانی دیہاتی کی ہو کہ اس نے شہر میں کی، درمختار میں ہے:

(اول وقتھا بعد الصلاۃ ان ذبح فی مصر) ای لو اسبق صلوۃ عید ولوقبل الخطبۃ لکن بعدہا احب (وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ) والمعتبر مکان الاضحیۃ لامکان من علیہ فحیلۃ مصری اراد التعجیل ان یخرجھا الخارج المصر فیضحی بھا اذا اطلع الفجر۔ مجتبی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر شہر میں قربانی دینی ہو تو اس کا وقت نماز کے بعد شروع یعنی نماز عید سے پہلے ہو اگر چہ قربانی خطبہ سے پہلے کرے بعد از خطبہ افضل ہے، اور قربانی شہر میں نہ ہو تو اس کا اول وقت بعد از طلوع فجر بروز عید قربان، اس فرق میں قربانی کا مقام معتبر ہے نہ کہ قربانی والے کا مقام شہری کے لئے قربانی جلدی کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے خارج لیجا کر فجر کے بعد قربانی کرے، مجتبٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

(۳) تین حصے کرنا صرف استحبابی امر ہے کچھ ضروری نہیں چاہے سب اپنے صرف میں کرلے یا سب عزیزوں قریبوں کو دے دے، یا سب مساکین کو بانٹ دیں، یہاں اگر مسلمان مسکین نہ ملے تو کافر کو اصلا نہ دے کہ یہ کفار ذمی نہیں، تو ان کو دینا قربانی ہو خواہ صدقہ، اصلا کچھ ثواب نہیں رکھتا، درمختار میں ہے:

اما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لایجوز له اتفاقا، بحر عن الخانیة وغیرہا[1]۔	حربی اگر مستامن بھی ہو تو اس کو کوئی بھی صدقہ دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ بحر نے خانیہ وغیرہا سے نقل کیا۔ (ت)

بحرالرائق میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے:

صلته لاتکون براشرعا، ولذا لم یجز التطوع الیه فلم یقع قربة[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس سے صلہ شرعا نیکی نہیں اسی لئے اس کو نفلی صدقہ بھی جائز نہیں لہذا عبادت نہ بنے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸: از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

زید نماز روزے سے بالکل بے خبر ہے اور ذبح کے وقت کلمہ بھی نہیں کرتا، تو اس کا ذبح کیسا ہے؟

الجواب:

اگر مسلمان ہے اور ذبح کرنا جانتا ہے اور تکبیر کہے تو ذبح ہو جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹: از گوری ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالجبار صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسلمان کلمہ گو اپنی بدقسمتی سے ادائے نماز میں غفلت کرتا ہے، پس اس صورت میں ذبیحہ وضیافت اس کا مسلمانوں کو کھانا و نماز جنازہ، دفن مقبرہ مومنین میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس دلیل سے، ذبیحہ اہل کتاب وضیافت مسلمانوں کو جائز کیا گیا؟

الجواب:

ضرور اس کا ذبیحہ جائز، اور اس کے جنازہ کی نماز، اور اسے اسلامی طور پر دفن کرنا مسلمانوں پر فرض

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

[2] بحرالرائق کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۸

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما الدیوان الذی لایعبؤ اللہ بہ شیئا فظلم العبد نفسہ فیما بینہ وبین ربہ، من صوم یوم ترکہ، اوصلوٰۃ ترکھا، فان اللہ تعالٰی یغفر ذٰلك ان شاء ویتجاوز [1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر کہ گناہوں کا دفتر اللہ تعالٰی کے ہاں اس کی حیثیت نہیں ہے تو بندے کا اپنے نفس پر ظلم اس کے اور اس کے رب کے درمیان معاملہ ہے کسی دن کا روزہ یا کوئی نماز ترک کی ہو تو اللہ تعالٰی چاہے تو اسے بخش دے اور درگزر فرمادے۔(ت)

ضیافت بھی جائز ضرور ہے اس سے بچنے نہ بچنے میں عمل سلف مختلف ہے کما فصلہ الامام حجۃ الاسلام فی الاحیاء (جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ت) اسکا بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰: از مدرسہ مڈھاوی ڈاکخانہ کوراولی ضلع میں پوری مرسلہ محمد بختیار صاحب مدرس ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

قصاب پیشہ شخص جو ذبح کرے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

درست ہے جبکہ تکبیر کے ساتھ ذبح کرے، فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یلزم علی ھذا الجاھل ان لا یاکل ماذبح القصاب [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایسے جاہل کو لازماً آتا ہے کہ وہ قصاب کے کسی ذبیحہ کو نہ کھائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۱: از کانپور مدرسہ فیض عام مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قصاب کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ذبح قصاب وغیرہ سب کا ایک حکم ہے۔ مسلمان یا کتابی، عاقل ہونا چاہئے کہ ذبح جانتا ہو اور عمداً تسمیہ ترک نہ کرے، کسی قوم یا پیشہ کی تخصیص محض جہالت ہے، درمختار میں ہے:

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ۲۵۵۰۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۴۲، مسند احمد بن حنبل از مسند عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۲۴۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیۃ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۲

لایعطی اجر الجزار منھالانہ کبیع [1]۔	قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ معاوضہ سوداکاری کے معنی میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ انمایعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ [2]۔	کیونکہ یہ قصاب کے عمل کے بدلے میں دے گا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

وضع صاحب الشاۃ یدہ مع یدالقصاب فی المذبح واعانہ علی الذبح،سمی کل وجوبا [3] الخ(ملخصا)	بکری والے نے ذبح میں قصاب کے ساتھ اپناہاتھ شریک کیا تودونوں پربسم اللہ پڑھناواجب ہے۔الخ (ملخصا)۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ نجس لا یذبح.فیلزم علی ھذا الجاھل ان لایاکل ماذبحہ القصاب [4]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بے شک قصاب نفع حاصل کرنے کے لئے ذبح کرتاہے اگر اسے معلوم ہوکہ یہ نجس ہے توذبح نہ کرے گا،توایسے جاہل پر لازم آتاہے کہ قصاب کا ذبیحہ نہ کھائے،واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۲: ازاوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۱جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

خنثٰی جانورکاذبیحہ جائزہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

خنثٰی کہ نرومادہ دونوں کی علامتیں رکھتاہو،دونوں سے یکساں پیشاب آتاہو،کوئی وجہ ترجیح نہ رکھتاہو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں کہ اس کا گوشت کسی طرح پکائے نہیں پکتا،ویسے ذبح سے حلال ہوجائے گا،اگرکوئی کچاگوشت کھائے،کھائے،درمختار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل مسائل متفرقہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۰

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیہ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۲

ولابالخنثی لان لحمها لاینضج، شرح وهبانیة[1]۔	خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں، شرح وہبانیہ۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لاتجوز التضحیة بالشاة الخنثٰی لان لحمها لاینضج، کذا فی القنیة[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں، قنیہ میں اسی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۳: از کلکتہ دھرم تلا اسٹریٹ نمبر ۱۶۲ مرسلہ حافظ عبدالرحمان صاحب ۳ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری بچہ جنی، اور بعد جننے کے مر گئی، اب وہ بچہ ایک کتیا کا دودھ پی کر سیانا ہوا، پس وہ بچہ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر ایسا سیانا ہوگیا کہ دودھ چھٹے کچھ مدت گزری، جب تو بالاتفاق بلا کراہت حلال ہے۔ یونہی دودھ پیتے کو چند روز اس دودھ سے جدا رکھ کر حلال جانور کا دودھ یا چارا دیا، اور اس کے بعد ذبح کیا جب بھی بالاتفاق بے کراہت حلال ہے۔ اور اگر اسی حالت میں ذبح کرلیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اس صورت میں کراہت بھی محل نزاع نہیں، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یعنی کھانا بہتر نہیں، اور کھالے تو گناہ نہیں، یا تحریمی یعنی کھانا ناجائز و گناہ ہے۔ عامہ کتب میں معتمدہ مذہب مثل نوازل وخلاصہ وخانیہ وذخیرہ وبزازیہ و تبیین الحقائق و تکملہ لسان الحکام للعلامۃ ابراہیم حلبی ودر مختار وغیرہا میں قول اول ہی پر جزم فرمایا اور خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے اس پر نص صریح آیا، اور شک نہیں کہ وہی اقوی من حیث الدلیل ہے۔ در مختار میں ہے:

حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمه لایتغیر وماغذی به یصیر مستهلکا لایبقی له اثر[3]۔	بھیڑ کے جس بچے نے خنزیر کا دودھ بطور خوراک پیا تو اسے کھانے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس کا گوشت متغیر نہ ہوا اور جو خوراک دی گئی وہ ہلاک ہوگئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۹

[3] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

خلاصہ میں ہے:

فی النوازل لو ان جدیا غذی بلبن الخنزیر فلا باس باکله.فعل هذا قالوا لاباس باکل الدجاج الذی یخلط ولا یتغیر لحمه،والذی روی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه قال تحبس الدجاجة ثلثة ایام کان للتنزیه[1] (باختصار)۔	نوازل میں ہے جو بچہ خنزیر کے دودھ کی خوراک سے پرورش پایااس کو کھانے میں حرج نہیں ہے اسی لئے فقہاء نے فرمایا جو مرغ گندگی کھائے اور اس کا گوشت متغیر نہ ہو تو کھانے میں حرج نہیں ہے،اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ مرغی کو تین دن قید رکھ کر ذبح کیا جائے،یہ ارشاد تنزیہ کے طور پر ہے۔(باختصار)(ت)

اسی سے تکملہ لسان میں فرمایااسی طرح بقیہ کتب میں مذکور ہے،ہندیہ کی کتاب الکراہیۃ میں قنیہ سے ہے:

ذکر محمد رحمه الله تعالٰی جدی او حمل یرضع بلبن الاتان یحل اکله ویکره[2]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا بکری یاگائے کا بچہ گدھی کے دودھ سے پرورش پائے اس کا کھانا حلال ہےاور مکروہ ہے۔(ت)

اسی قنیہ میں بعض علماء سے قول ثانی نقل کیا،وہی ظاہرا کلام فتاوی کبرٰی وخزانۃ المفتین کا مفاد،اور امام اعبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ارشاد سے مستفاد،ردالمحتار میں ہے:

فی شرح الوہبانیة عن القنیة راقما انه یحل اذا ذبح بعد ایام والالا[3]۔	شرح وہبانیہ میں قنیہ سے نقل کیاکہ اگر چند روز کے بعد ذبح کیاتوحلال ہے ورنہ نہیں۔(ت)

سیدابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین حاشیہ کنز میں فرماتے ہیں:

الجدی اذا ربی بلبن الاتان،قال ابن المبارك یکره اکله قال واخبرنی رجل عن الحسن،قال اذا ربی الجدی بلبن الخنزیر لاباس	بھیڑ کا بچہ گدھی کے دودھ سے پرورش پائے تو ابن مبارک نے فرمایااس کا کھانا مکروہ ہے مجھے یک شخص نے حسن سے خبردی انھوں نے کہا بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے توحرج

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصید الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۹

[3] ردالمحتار کتاب الکراہیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۷

بہ۔قال معناہ اذا اعتلف ایاما بعد ذٰلک کالجلالۃ کذا بخط شیخنا عن الخانیۃ[1]۔	نہیں، انھوں نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے بعد وہ چارہ کھاتا رہا تو وہ جلالہ یعنی گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے ہمارے شیخ کے سے یوں خانیہ سے منقول ہے۔

ہندیہ کی کتاب الصید والذبائح میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما، فلا باس لانہ بمنزلۃ الجلالۃ والجلالۃ اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بھا فکذا ہذا، کذا فی الفتاوٰی الکبرٰی[2]۔	بکری کا بچہ گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے پھر چند روز چارہ کھالے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ گندگی کھانے والے جانور کی طرح ہے اور یہ گندگی کھانے والا اگرچند روز قید میں رکھا جائے اور چارہ کھائے تو کوئی حرج نہیں اسی طرح یہ بھی ہے، فتاوٰی کبرٰی میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین میں برمز فتاوٰی کبرٰی سے منقول:

فقد علق نفی الباس علی الاعتلاف فافاد وجودہ عند عدمہ، والباس انما ہو فیما ینہی عنہ۔	انھوں نے حرج کی نفی کو چارہ کھانے سے معلق کیا ہے تو چارہ نہ کھانے کی صورت میں حرج کا وجود ثابت ہوتا ہے اور حرج کا تعلق ممنوع چیز ہے(ت)

لہٰذا اختلاف علماء سے بچنے کے لئے اسلم وہی ہے کہ چند روز کا وقفہ دے کر ذبح کریں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۴: از شیر پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد منگل خانصاحب تعلقدار ۳ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ ہرنی کا کتی کا دودھ پی کر پرورش ہوا اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اب دودھ چھوڑے ہوئے ایک زمانہ گزرا تو اس کا گوشت حلال ہے۔اور اگر اب بھی پیتا ہے تو چند روز وہ دودھ چھڑائیں، پاک دودھ پلائیں یا چارہ کھلائیں، یہاں تک کہ پیٹ میں وہ دودھ

[1] فتح المعین علی الکنز لمنلا مسکین کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

بالکل نہ رہے۔ اس وقت اسے ذبح کرکے کھاسکتے ہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الجدی اذاکان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس لانه بمنزلة الجلالة، والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لا باس بها فکذا ہذا، کذا فی الفتاوی الکبری [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے اور بعد میں چند روز چارہ کھائے تو حرج نہیں ہے کیونکہ وہ جلالہ (گندگی کھانے والے جانور) کی طرح ہے اور جلالہ کو چند روز قید میں رکھا جائے چارہ کھائے تو اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے۔ تو یہ بھی ایسا ہے، فتاوی کبرٰی میں یونہی ہے۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۵: از شہر کہنہ اپر برہما مرسلہ محمد یعقوب صاحب امام مسجد شہر مذکور ۱۷ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی جانور آدمی کا دودھ پئے گا تو اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس جانور نے آدمی کا دودھ پیا ہو وہ اس کے باعث حرام نہیں ہوجاتا، اگرچہ پوری پرورش انسان بلکہ خنزیر کے دودھ سے پائی، غایت یہ کہ چند روز بند کرکے چارہ کھلائیں یا حلال جانور کا دودھ پلائیں، اس کے بعد ذبح کریں، خانیہ میں ہے:

لوان جدیا غذی بلبن الخنزیر لاباس باکله [2]۔	بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو اس کے کھانے میں ممانعت نہیں۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

الجدی یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو اس نے چند روز بعد میں چارہ کھالیا تو کھانے میں حرج نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الذبائح مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

مسئلہ ۱۱۶: مرسلہ مولانا بخش ہولا پاڈنگ چاہ بگان ڈاکخانہ لٹاکو باڑی ضلع ڈونگ بتاریخ ۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب مصدر اشفاق فراواں و مخزن الطاف بیکراں برحال بیکساں، بعد سلام مسنون اسلام مشہور، ضمیر مبین یاد کے عرصہ بعید منقضی ہوتا ہے کہ خاکسار نے حضور کے گوش گزار کیا تھا کہ کوئی مشرک یا کافر کسی جانور کو کالی یا بھوانی کے بھوگ چڑھاوے، اور بل دینے کو لے جائے اور بل نہ دے یعنی گردن نہ مارے، صرف کان کاٹ کر چھوڑ دے یہ کہہ کر کے "یا بھوانی یا کالی یہ تمھارا بھوگ ہے" تو اس جانور کو ذبح کرنا اور کھانا مسلمانوں کو جائز اور درست ہے یا نہیں؟ ہم نے ان کو بموجب آیہ شریف "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ"[1] (ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ت) منع کیا کہ جس جانور یا مٹھائی وغیرہ کو مشرک یا کافر اپنے بتوں کو چڑھائیں وہ نہ کھانا چاہئے، تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ عالموں نے فتوی دیا ہے کھانے کے لئے، اس وجہ سے ہم لوگ چڑھائے ہوئے جانور کو کھاتے ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بہت سا اختلاف ہو رہا ہے اور لوگوں نے کئی ایک طریقہ اختیار کیا ہے اس لئے آپ سے التجا ہے کہ آپ گویا اس وقت کے امام ہیں ہادی گمراہاں سمجھ کر درخواست کرتے ہیں شاید ہم غلطی پر ہوں اور آپ کے باعث ہم کو راہ راست نصیب ہو للہ جواب خط سے ضرور سرفراز فرمائیں، اس کا اجر آپ کو اللہ تعالٰی عطا فرمائے گا، جواب کے لئے لفافہ خط کے ساتھ شامل خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں،

الجواب:

مشرکین اپنے بتوں کے لئے سانڈ چھوڑتے اسے سائبہ کہتے جسے کان چیر کر چھوڑتے اسے بحیرہ کہتے اور ان جانوروں کو حرام جانتے، اللہ تعالٰی نے ان کو رد فرمایا کہ:

"مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾"[2]	اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں۔ (ت)

یعنی یہ باتیں اللہ نے تو ٹھہرائیں نہیں لیکن کافر ان پر جھوٹ باندھتے ہیں، تو ان جانوروں کو حرام بنانا کافروں کا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

قول،اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔اور آیہ مااہل بہ لغیر اللہ اس جانور کے لئے ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا جائے، چھوڑے ہوئے جانور سے اسے کوئی تعلق نہیں نہ کہ مٹھائی تک پہنچے،یہ تعصب وہابیوں کے جاہلانہ خیال ہیں کہ "جاندار یا بے جان ذبیحہ ہو یا غیر،جس چیز کو غیر خدا کی طرف منسوب کرکے پکاریں گے حرام ہوجائیں گی" ایسا ہو تو ان کی عورتیں بھی ان پر حرام ہوں کہ وہ بھی انھیں کی عورتیں کہہ کر پکاری جاتی ہیں اللہ تعالٰی کا نام ان پر نہیں لیا جاتا،ایسے بیہودہ خیالوں سے بچنا لازم ہے۔ہاں بت کے چڑھاوے کی مٹھائی پر شاد مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے کہ کافر اسے صدقہ کے طور پر بانٹتے ہیں،وہ لینا ذلت بھی ہے اور **معاذاللہ** جو چیز انھوں نے تعظیم بت کے لئے بانٹی اس کا ان کے موافق مراد استعمال بھی ہے۔بخلاف چھوڑے ہوئے جانور کے کہ اس کا کھانا کافروں کے خلاف مراد اور ان کی ذلت ہے،اس میں حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو،ورنہ فتنہ سے بچنا لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ"[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷: مسئولہ مسلماناں کاٹھیاواڑ جام جودھپور معرفت شیخ عبدالستار پوربند کاٹھیاواڑ ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

اس ملک میں رواج ہے کہ اہل ہنود بکریوں کے چرواہے مندروں پر بکرا چڑھانے کے واسطے لے جاتے ہیں اور اس کے ذبح کرنے کے واسطے مسلمان قصاب کو بلاتے ہیں اور اکثر قصاب نہیں ہوتے تو پیش امام کو لے جاتے ہیں اور بعد ذبح کے وہ گوشت انھیں لوگوں پر تقسیم کیا جاتا ہے اس گوشت کا لینا جائز ہے یا نہیں؟اور ذبح کرنے کے واسطے جانا چاہئے یا نہیں؟اور قصاب وہاں سے گوشت لے کر فروخت کرتے ہیں ان سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

ذبح میں ذابح کی نیت شرط معتبر ہے،اگر کافر اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرائے اور مسلمان اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام لے کر ذبح کرے جانور حلال ہوجائے گا مگر یہ فعل مسلمان کے لئے مکروہ ہے،اور اس گوشت کا اس سے لینا بھی نہ چاہئے کہ اس میں کافر کے زعم میں اس کے مقصد باطل کو پورا کرنا ہے اور یہ گوشت گویا اس کی طرف سے تصدق لینا ہے۔

والید العلیا خیر من الید السفلٰی،	اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔تو یہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱

ولا ینبغی لید کافر ان تکون اعلٰی من ید مسلم و المسئلۃ منصوص علیھا فی العالمگیریۃ والتتارخانیۃ انہ یحل ویکرہ للمسلم [1]۔	مناسب نہیں کہ کافر کا ہاتھ مسلمان کے ہاتھ سے افضل ہو، اس مسئلہ پر عالمگیری میں نص ہے تاتارخانیہ میں ہے حلال ہے اور مکروہ ہوگا مسلم کے لئے (ت)

ہاں قصاب وغیرہ جس مسلمان نے اس سے گوشت لیا اور بعد ذبح مسلم نظر مسلم سے غائب نہ ہوا تھا اسکے خریدنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸: مرسلہ شیخ گھورا موضع یکسٹر اڈاکخانہ ایٹاری ضلع شاہ آباد آرہ ۱۷ صفر ۱۳۳۵ھ

اگر ہندو کسی جانور یعنی بکرا بکری، بھیڑا بھیڑی وغیرہ کو کسی اپنے دیوتا کے نام پر یا دیوتا کی جگہ پر لے جا کر اس کا کان کاٹ ڈالے اور بعد میں اس جانور کو کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالے اور وہ مسلمان اس جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کرکے کھائے تو وہ جانور یا اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا

الجواب:

حلال ہے

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالٰی کا نام پکارا گیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹و۱۲۰: از چتوڑ گڑھ علاقہ اودیہ پور راجپوتانہ مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز شنبہ

(۱) سانڈ حرام ہے یا حلال، فتاوٰی عبدالحہ صاحب لکھنوٴ جلد سوم میں حرام لکھا ہے اس بناء پر کہ وہ سانڈ مالک کی ملک سے خارج نہیں۔

(۲) خراطین یا کسی مکروہ تحریمی یا حرام شے کا جلا کر کھانا یا جس شیئ میں جلائی ہے مثلاً گھی وغیرہ اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) سانڈ اگر اللہ کے لئے ذبح کرلیا جائے گا تو اس کے گوشت کی حلت میں تو کوئی کلام ہی نہیں،

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

قال اللہ تعالٰی "مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے بحیرہ اور سائبہ نہیں بنائے۔ (ت)

کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ کان چیر کر چھوڑ دیا یا بحار کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہے، قرآن عظیم نے اس کا رد فرمادیا، رہا ملک غیر کی وجہ سے حرام ہونا یہ معصوم وغیر معصوم میں عدم تفرقہ سے ناشی ہے۔ کافر کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن نہ مستامن منہ، یعنی نہ وہ اس کی امان میں ہو نہ یہ اس کی امان میں، اس سے صرف غدر حرام ہے، ہاں ایک اور راہ سے یہاں عدم جواز آسکتا ہے، وہ یہ کہ یہ صورت اگر قانوناجرم ہو تو ایسا مباح جو مسلمان کو معاذاللہ ذلت پر پیش کرے شرعاً ممنوع ہو جاتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) حرام شیئ جلنے کے بعد بھی حرام ہی رہے گی اور دوسری شیئ میں اگر ایسی مخلوط ہوگی کہ تمیز ناممکن ہے، تو اسے بھی حرام کردے گی،

اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حلال اور حرام مجتمع ہوں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از ملک آسام مقام نو علی گاؤں ضلع شیپ ساگر مرسلہ پیر ملا مولوی سید عبدالمجید صاحب ۱۶ رمضان ۱۳۱۳ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک بیل غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا ہے آیا اس جانور کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں کہ یہاں پر بہت اختلاف ہے اس کو معہ دلیل تحریر فرمائیں،

الجواب:

اس چھوڑ دینے سے وہ جانور حرام نہیں ہو جاتا۔

قال اللہ تعالٰی مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیۡلَۃٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰکِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ وَ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام اللہ تعالٰی نے نہیں بنائے لیکن کافروں نے اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء باندھا جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

تفسیر مدارک شریف میں ہے:

یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتھم ہذا التحریم الیہ، واکثرھم لایعقلون ان اللہ تعالٰی لایحرم ذٰلک [1]۔	اللہ تعالٰی پر ان کے حرام کرنے کی نسبت میں افتراء باندھتے ہیں جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے اللہ تعالٰی نے ان کو حرام نہیں کیا۔(ت)

مگر اس چھوڑ دینے سے وہ ملک مالک سے بھی خارج نہیں ہوتا، اسی کی ملک پر باقی رہتا ہے کہ بیل چھوڑنے والے چھوڑتے وقت نہ یہ کہتے کہ جو اسے پکڑ لے اس کا مالک ہو جائے، نہ وہ ہر گز اس کا پکڑنا روا رکھتے ہیں، بلکہ ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ یہ یونہی چھوٹا پھرے، تو جانور بدستور انھیں کا مملوک رہتا ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو سیب دابۃ، وقال لاحاجۃ لی الیھا، ولم یقل ہی لمن اخذھا فاخذھا الانسان لاتکون لہ [2]۔	اگر کوئی جانور آزاد چھوڑ دیا گیا اور یہ نہ کہا جو پکڑے اس کا ہوگا تو کوئی انسان پکڑ لے تو وہ اس کا مالک نہ بنے گا۔(ت)

اس وجہ سے اس کا پکڑنا، ذبح کرنا، کھانا کچھ جائز نہیں کہ وہ ملک غیر ہے یہاں تک کہ اگر مالک اجازت دے دے بلاشبہ حلال ہو جائے، یا اگر کسی شخص کا اس بیل چھوڑنے والے پر کچھ دین آتا ہو مثلاً اس نے کچھ مال اس کا چھینا یا چرایا یا سود یا رشوت میں لیا ہو اور اس سے وصول کی امید نہیں تو یہ شخص اپنے آتے میں اس بیل کو لے سکتا ہے جبکہ اس کی قیمت اس کے مقدار حق سے زائد نہ ہو

وھی مسئلۃ الظفر بخلاف الجنس الحق المفتی الاٰن بجواز اخذہ کما فی ردالمحتار وغیرہ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ مسئلہ اپنے حق کے خلاف جنس پر قابو پانے کا ہے جس پر آج کل فتوٰی ہے کہ قابو پانا جائز ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۲۲: از اودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب ۱۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بکرا جو شیخ سدو کے نام سے یا دوسرے کسی بزرگ کے نام سے موسوم کیا جائے، اور وہ بکرا اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے اس کا کھانا مسلمان

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ یفترون علی اللہ الکذب الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۳۰۵

[2] فتاوی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[3] ردالمحتار کتاب الحجر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

کو جائز ہے یا نہیں؟اور "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ"[1] سے مراد قبل ذبح کے پکارا جانا ہے یا وقت ذبح کے؟

الجواب الملفوظ

اصل کلی اس میں یہ ہے کہ ذابح کی نیت اور وقت ذبح اس کے تسمیہ کا اعتبار ہے اس کے سوا کسی بات کا لحاظ نہیں، اگر مالک نے خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت کی ہے اور ذابح نے بسم اللہ کی جگہ بسم فلاں کہا، یا بسم اللہ ہی کہا اور اراقت دم سے عبادت غیر خدا مقصود رکھی ذبیحہ مردار ہوگیا، اور اگر مالک نے کسی غیر خدا اگرچہ بت یا شیطان کے لئے نیت کی اور اسی کے نام کی شہرت دی اور اسی کے ذبح کرنے کے واسطے ذابح کو دیا، اور ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام پاک لے کر ذبح کیا بنص قطعی قرآن حلال ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم، کذا فی التاتارخانیۃ[3]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری ذبح کی ان کے آتشکدہ کے لئے، یا کسی کافر کی بکری ان کے معبودوں کے لئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کا نام لے کر ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے رسالے سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء میں ہے اور شیخ سدو کوئی بزرگ نہیں بلکہ ایک خبیث روح ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۳: از قصبہ کلی ناگر تھانہ مادھوٹانڈہ پرگنہ پورنپور، ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد اکبر علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیخ سدو کے نام سے مرغ وغیرہ ذبح

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

کرایا، اور میلاد بھی زید نے پڑھوایا، توزید کے مکان پر میلاد پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور کھانا زید کا میلاد خواں نے کھایا تو وہ اس کے حق میں کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذکر میلاد شریف بہ نیت ہدایت پڑھے، اور اس میں ایسی ارواح کی تکریم سے ممانعت کرے جن کا اسلام تک معلوم نہیں، بلکہ بعض علماء نے انھیں ارواح خبیثہ لکھا، اور وہ مرغ وغیرہ ذبیحہ نہ کھائے جو ایسوں کے لئے ذبح ہوا، اور بہتر یہ ہے کہ اس کے یہاں کا اور کھانا بھی نہ کھائے، جب تک وہ توبہ نہ کرے زجراله وتوبیخا اور اگر یہ عالم مقتدی ہے تو ایسوں کے ساتھ اور انکے یہاں کھانا کھانے سے احتراز اور اہم ہے۔ **کما نص علیه فی الهندیة وغیرها** (جس طرح کہ ہندیہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: از کلی ناگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی صاحب ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان میں چچا اور بھائی اور بھتیجا رہتے ہیں، اور حقہ پانی ان سب کا ایک ہے، اور بھتیجے نے شیخ سدو کے نام سے جانور ذبحہ کیا اور کوئی مولوی صاحب اس کے چچا یا بھائی کے یہاں آکر ٹھہرے، اور مولوی صاحب کو معلوم ہوگیا کہ ان کا بھتیجا غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرواتا ہے اور چچا اور بھائی کو کھلاتا ہے، تو جو مولوی صاحب اس کے چچا کے یہاں مقیم ہیں ان مولوی صاحب کو ان کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں اور مولوی صاحب سے کہا گیا کہ اس کے گھر کا کھانا نہ کھاؤ، تو درجواب مولوی صاحب نے کہا کہ تم کون ہو ہم کسی کا کہنے کو نہیں مان سکتے ہیں مولوی صاحب کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جانور جو اللہ عزوجل کے نام پر ذبح کیا جائے اور اس سے اللہ عزوجل ہی کی طرف تقرب مقصود ہو اگرچہ اس پر باعث مسلمان کا اکرام، یا اولیاء کرام کا، خواہ اموات مسلمین کو ایصال ثواب یا اپنے کوئی جائز مثل تقریب شادی ونکاح وغیرہ یا جائز انتفاع مثل گوشت فروشی قصاباں ہو تو اس کے جائز وحلال ہونے میں شک نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"[1]	تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز سے نہ کھاؤ جس پر اللہ سبحانہ کا نام پاک لیا گیا۔

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

مگر خبیث روحوں کو منانا تقرب الی اللہ نہیں ہو سکتا، شیخ سدو بھی ارواح خبیثہ سے شمار کیا گیا ہے، تو ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی طرف تقرب کی ہو جانور بلا شبہ مردار ہو جائے گا، اگرچہ بظاہر تکبیر ہی کہہ کر ذبح کیا گیا ہو، یہاں ذابح کی ہی نیت کا اعتبار ہے اگرچہ مالک کی نیت کچھ ہو، مثلاً مالک نے خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کرنے کو جانور دیا ہے، ذابح نے اسے کسی بت کی بھینٹ چڑھادیا جانور بیشک حرام ہوگیا مالک کی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یوہیں مالک نے اگر کسی بت یا شیطان ہی کے لئے ذبح کرنے کو کہا اور ذابح نے معبود برحق جل جلالہ کے لئے ذبح کیا جانور بیشک حلال ہے، مالک کی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، پس صورت مذکورہ میں اگر ذابح نے سدو کی طرف تقرب کی نیت سے ذبح کیا اور ان مولوی کو اس کا یہ حال معلوم تھا، پھر اس سے گوشت کھایا، تو یہ شخص مردار خور ہوا، اور اس کے پیچھے نماز منع ہے، اور اگر اسے ذابح کی نیت معلوم ہو گئی تھی کہ اس نے وہ نیت فاسدہ نہ کی بلکہ خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا، تو اگرچہ جانور حلال ہوگیا مگر بہتر اس سے بچنا تھا جبکہ مالک نے غیر خدا کے تقرب کے لئے دیا تھا، خصوصاً اس شخص کو جو مولوی کہلاتا ہو اور لوگ اس کے فعل کو حُجت جانتے ہوں، عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم [1]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے معبود کے آتشکدہ کے لئے یا کسی کافر کی بکری اس کے معبود کے لئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے۔(ت)

اور اگر نیت معلوم نہ تھی اور یہ جان چکا تھا کہ یہ لوگ شیخ سدو کے منانے والے ہیں، اور بچنا اور اہم تھا کہ ارواح خبیثہ کے منانے والوں اور اس سے استعانت کرنے والوں کا ظاہر حال سخت مخدوش ہے، اور ایسی جگہ شہادت سے احتراز لازم اور اگر گوشت نہ کھایا بلکہ اور کھانا کھایا تو جب مولوی کہلا کر ایسے لوگوں کے یہاں اکل طعام کہ قلوب المسلمین میں شبہہ ڈالے ہرگز مناسب نہ تھا، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

سُبُل الاصفیاء فی حُکمِ الذبح للاَوْلیاَء ۱۳۱۲ھ

(اولیاء اللہ کے لئے ذبح کرنے میں اصفیاء کے طریقے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۲۵: در رد فتوی بعض معاصرین ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

از لشکر گوالیار ڈاک دربار بجواب سوال مولوی نور الدین صاحب اوائل ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرامیاں کا اور عمرو نے ایک گائے چہل تن کی اور مرغ مدار کا پالا، اور پال کران کو باتکبیر ذبح کیا یا کرالیا اس کا کھانا مسلمانوں کو عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حامدا لك ومصليا ومسلما على حبيبك واله ياوہاب اللهم هداية الحق والصواب۔	یا اللہ ! تیرے لئے حمد کرنے والا اور تیرے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا ان کی آل پر، حق و صواب کی رہنمائی فرمااے میرے رب ! (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) حق اس مسئلہ میں ہے کہ حلت وحرمت ذبیحہ میں حال وقول ونیت ذابح کا اعتبار نہ کہ مالک کا، مثلاً مسلمان کا

جانور کوئی مجوسی ذبح کرے تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک مسلم تھا، اور مجوسی کا جانور مسلمان ذبح کرے تو حلال اگرچہ مالک مشرک تھا، یا زید کا جانور عمرو ذبح کرے اور قصداً تکبیر نہ کہے حرام ہوگیا، اگرچہ مالک برابر کھڑا سو بار بسم اللہ اللہ اکبر کہتا رہے اور ذابح تکبیر سے ذبح کرے تو حلال، اگرچہ مالک ایک بار بھی نہ کہے، ذابح کلمہ گو نے غیر خدا کی عبادت و تعظیم مخصوص کی نیت سے ذبح کیا تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک کی نیت خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کی تھی۔

یونہی ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا تو حلال اگرچہ مالک کی نیت کسی کے واسطے تھی تمام صورتوں میں حال ذابح کا اعتبار ماننا اور اس شکل خاص میں انکار کرجانا محض تحکم باطل ہے جس پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں، ولہٰذا فقہائے کرام خاص اس جزئیہ کی تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدہ یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے تکبیر کہہ کر ذبح کی حلال ہے، کھائی ہے، اگرچہ یہ بات مسلم کے حق میں مکروہ، فتاوٰی عالمگیری و فتاوٰی تاتارخانیہ و جامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لاٰلھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم [1]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کسی اور کافر کی اس کے معبودوں کے لئے ذبح کی تو بکری کھائی جائے کیونکہ اس نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے اور یہ عمل مسلمان کو مکروہ ہے۔ (ت)

پھر مسلمان ذابح کی نیت بھی وقت ذبح کی معتبر ہے اس سے قبل وبعد کا اعتبار نہیں ذبح سے ایک آن پہلے تک خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت تھی، ذبح کرتے وقت غیر خدا کے لئے اس کی جان دی، ذبیحہ حرام ہوگیا، وہ پہلی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یونہی اگر ذبح سے پہلے غیر خدا کے لئے ارادہ تھا ذبح کے وقت اس سے تائب ہو کر مولٰی تبارک وتعالٰی کے لئے اراقت دم کی تو حلال ہوگیا یہاں وہ پہلی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، ردالمحتار میں ہے:

اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح [2]۔	معلوم ہونا چاہئے کہ ذبح کی ابتداء میں قصد کا اعتبار ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ تمام افعال میں اصل نیت مقارنہ ہے، نماز سے پہلے خدا کے لئے نیت تھی تکبیر کہتے وقت دکھاوے کے لئے پڑھی، قطعاً مرتکب کبیرہ ہوا، اور نماز ناقابل قبول اور اگر دکھاوے کے لئے اٹھا تھا نیت باندھتے وقت تک یہی قصد تھا، جب نیت باندھی قصد خالص رب جل وعلا کے لئے کرلیا تو بلاشبہ وہ نماز پاک وصاف وصالح ہوگئی، تو ذبح سے پہلے کی شہرت پکار کا کچھ اعتبار نہیں، نہ نافع نفع دے نہ مضر ضرر، خصوصا جبکہ پکارنے والا غیر ذابح ہو کہ اسے تو اس باب میں کچھ دخل ہی نہیں

کما قد علمت وہذا کلہ ظاہر جدا لا یصلح ان یتناطح فیہ قرناء وجماء۔	جیسا کہ معلوم ہے اور یہ تمام ظاہر ہے اس میں بالکل گنجائش نہیں کہ اس میں بحث کی جائے۔(ت)

پھر اضافت معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نخواہی مدار کے مرغ یا چھل تن کی گائے کے معنی ٹھہرالئے جائیں کہ وہ مرغ وگاؤ جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی، جس کی جان ان کے لئے دی جائے گی، اضافت کو ادنٰی علاقہ کافی ہوتا ہے، ظہر کی نماز، جنازہ کی نماز، مسافر کی نماز، امام کی نماز، مقتدی کی نماز، بیمار کی نماز، پیرکار وزہ۔ اونٹوں کی زکوٰۃ، کعبہ کا حج، جب ان اضافتوں سے نماز وغیرہ میں کفر وحرمت درکنار نام کو بھی کراہت نہیں آتی، تو حضرت مدار کے مرغ، حضرت احمد کبیر کی گائے، فلاں کی بکری کہنے سے یہ خدا کے حلال کئے ہوئے جانور کیوں جیتے جی مردار اور سور ہوگئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہو سکتے، یہ شرع مطہر پر سخت جرأت ہے، خود حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان احب الصیام الی اللہ تعالٰی صیام داؤد واحب الصلوٰۃ الی اللہ عزوجل صلوٰۃ داؤد،[1] رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما الا الترمذی فعندہ فضل الصیام وحدہ[2]۔	بیشک سب روزوں میں پیارے اللہ تعالٰی کو داؤد کے روزے ہیں اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام (اس کو ائمہ صحاح ستہ اور امام محمد نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے لیکن امام ترمذی کی روایت میں صرف روزوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ت)

علماء فرماتے ہیں مستحب نمازوں میں صلوٰۃ الوالدین یعنی ماں باپ کی نماز ہے۔

فی ردالمحتار عن الشیخ اسمٰعیل عن شرح شرعۃ الاسلام من المندوبات صلوٰۃ التوبۃ	ردالمحتار میں شیخ اسمٰعیل سے بحوالہ شرح شرعۃ الاسلام منقول ہے کہ مستحب نمازوں میں صلوٰۃ التوبہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب التہجد باب من نام عند السحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۲ و ۴۸۶

[2] صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن صوم الدہر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۷

وصلوٰة الوالدین [1]۔	اور صلوٰۃ والدین ہے۔(ت)

سبحان اللہ! داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز، داؤد علیہ السلام کے روزے، ماں باپ کی نماز کہنا صواب، پڑھنا ثواب، اور جانور کی اضافت وہ سخت آفت کہ قائلین کفار، جانور مردار، کیا ذبح نماز روزے سے بڑھ کر عبادت خدا ہے یا اس میں شرکت حرام ان میں روا ہے۔ خود اضافت ذبح کا فرق سنئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ [2] رواہ مسلم والنسائی عن امیر المومنین علی ونحوہ احمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر خدا کے لئے ذبح کرے (اس کو مسلم اور نسائی نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس کی مثل امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ذبح لضیف، ذبیحۃ کانت فداءہ من [3]۔ رواہ الحاکم فی تاریخه عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	جو اپنے مہمان کے لئے جانور ذبح کرے وہ ذبیحہ اس کا فدیہ ہو جائے آتش دوزخ سے (اس کو امام حاکم نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تو معلوم ہوا کہ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقاً کفر کیا حرام بھی نہیں، بلکہ موجب ثواب ہے تو ایک حکم عام کفر و حرام کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

ولہذا علماء فرماتے ہیں، مطلقاً نیت غیر کو موجب حرمت جاننے والا سخت جاہل اور قرآن و حدیث و عقل کا مخالف ہے، آخر قصاب کی نیت تحصیل نفع دنیا اور ذبائح شادی کا مقصود برات کو کھانا دینا ہے، نیت غیر تو یہ بھی ہوئی، کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے، یونہی مہمان کے واسطے ذبح کرنا درست و بجا ہے کہ مہمان کا اکرام عین اکرام خدا ہے، درمختار میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الوتر والنوافل دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۶۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب تحریم الذبح لغیر اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶۰

[3] الجامع الصغیر بحوالہ الحاکم فی التاریخ حدیث ۸۶۷۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۵۲۶

لو ذبح للضیف لایحرم لانہ سنة الخلیل و اکرام الضیف اکرام اللہ تعالٰی [1]۔	جس نے مہمان کی نیت سے ذبح کیا توحرام نہیں کیونکہ یہ خلیل علیہ السلام کی سنت اور مہمان کا اکرام ہے، اور مہمان کا اکرام اللہ تعالٰی کا اکرام ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال البزدوی ومن ظن انہ لایحل لانہ ذبح لاکرام ابن اٰدم فیکون اہل بہ لغیر اللہ تعالٰی فقد خالف القراٰن والحدیث و العقل فانہ لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ نجس لایذبح فیلزم ہذا الجاہل ان لایاکل ماذبح القصاب وما ذبح للولائم و الاعراس والعقیقة [2]۔	بزازی نے کہا اور جس نے گمان کیا کہ وہ اس لئے حلال نہیں کہ اس میں بنی آدم کا اکرام ہے تو یہ غیر اللہ کے نام سے ذبح ہوا تو اس نے قرآن وحدیث اور عقل کے خلاف بات کی، کیونکہ بلا شبہ قصاب اپنے نفع کے لئے ذبح کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح نہ کرے، تو ایسے جاہل کو چاہئے کہ وہ قصاب ذبح کردہ کو نہ کھائے اور ولیمہ اور شادی اور عقیقہ کے لئے ذبح کردہ بھی نہ کھائے۔(ت)

دیکھو علمائے کرام صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقاً نیت ونسبت غیر کو موجب حرمت جاننا اور ما اُھل بہ لغیر اللہ میں داخل ماننا نہ صرف جہالت بلکہ جنون ودیوانگی اور شرع وعقل دونوں سے بیگانگی ہے، جب نفع دنیا کی نیت مخل نہ ہوئی تو فاتحہ اور ایصال ثواب میں کیا زہر مل گیا، اور اکرام مہمان عین اکرام خدا ٹھہرا تو اکرام اولیاء بدرجہ اولٰی۔

ہاں اگر کوئی جاہل اجہل یہ نسبت واضافت بقصد عبادت غیر ہی کرتا ہے تو اس کے کفر میں شک نہیں۔ پھر اگر ذابح اس نیت سے بَری ہے تو جانور حلال ہوجائے گا کہ نیت غیر اس پر اثر نہیں ڈالتی کما حققناہ اٰنفا (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ت) مگر جب کہ حدیثاً وفقہًا دلائل قاہرہ سے ثابت کرچکے ہیں کہ اضافت معنی عبادت ہی میں منحصر نہیں، تو صرف اس بناء پر حکم کفر محض جہالت وجرات وحرام قطعی اور مسلمانوں پر ناحق بدگمانی ہے، تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ آدمیوں کا جانور کہنے سے عبادت آدمیان کا ارادہ کرتے ہیں، اور انھیں اپنا معبود وخدا بنانا چاہتے ہیں۔

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو بے شک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـٴُـوْلًا﴿۳۶﴾"[2]	بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ، بیشک کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[3] رواہ الائمۃ مالک والشیخان وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے (اس کو امام مالک، شیخین، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا،[4] رواہ مسلم، عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا۔ (اس کو امام مسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

امام عارف باللہ سید احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

انما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث[5]،	بدگمانی خبیث دل سے ہی پیدا ہوتی ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول عزوجل من بعد وصیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴، صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶

[4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۷

[5] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۸

نقلہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ۔	(اس کو سیدی عبدالغنی نابلسی نے شرح طریقہ محمدیہ میں نقل کیا ہے۔ت)

والہندامنیہ وذخیرۃ وبہانیۃ ودرمختار وغیرہا میں ارشاد فرمایا:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الاٰدمی بھذا النحر [1]۔	ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہتا ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر وہذا بعید من حال المسلم [2]۔	یعنی اس تقرب سے تقرب بروجہ عبادات مراد ہے کہ اس میں کفر ہے اور اس کا خیال مسلمان کے حال سے دور ہے۔

بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود ذابح خاص وقت تکبیر میں یوں کہے "بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" تو یہ کہنا کہ مکروہ تو بیشک ہے مگر کفر کیسا! جانور حرام بھی نہ ہوگا، جبکہ اس لفظ سے اس کی نیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم محض ہو، نہ معاذاللہ حضور کو رب عزوجل کے ساتھ شریک ٹھہرانا، امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں اپنے فتاوٰی میں تحریر فرماتے ہیں:

رجل ضحی وذبح وقال بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد علیہ السلام، قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتبجیلہ وتعظیمہ جازولاباس وان ارادبہ الشرکۃ مع اللہ لاتحل الذبیحۃ [3]۔	کسی نے بنام خدا محمد علیہ السلام قربانی کی یا ذبح کیا، شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر اس شخص نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام سے صرف تعظیم و تبجیل مراد لی تو جائز ہے اور اگر اللہ تعالٰی کے ساتھ شریک بنایا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ اس سے بھی زائد خاص صورت عطف میں مثلاً "بنام خدا و بنام فلاں" جس سے صاف معنی

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی الانتفاع بالاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۰

شرکت ظاہر ہے اگرچہ مذہب صحیح حرمت جانور ہے، مگر حکم کفر نہیں دیتے کہ وہ امر باطنی ہے، کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے۔

درمختار میں ہے:

ان عطف حرمت نحو باسم اللہ واسم فلان [1]۔	اگر اللہ تعالٰی کے نام پر دوسرے نام کا عطف کیا تو حرام ہے، مثلاً بسم اللہ واسم فلاں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھوا لصحیح وقال ابن سلمۃ لاتصیر میتۃ لانھا لو صارت میتۃ یصیر الرجل کافرا، خانیۃ، قلت تمنع الملازمۃ بان الکفر امر باطن والحکم بہ صعب فیفرق کذا فی شرح المقدسی، شرنبلالیۃ [2]۔	وہی صحیح ہے اور ابن سلمہ نے فرمایا مردار نہ ہوگا کیونکہ اگر مردار کہیں گے تو ذبح کرنے والے کو کافر قرار دینا ہوگا، خانیہ، میں کہتا ہوں یہ ملازمہ ممنوع ہے کیونکہ کفر باطنی امر ہے اور اس کا حکم دشوار ہے تو فرق کرنا ضروری ہے، شرح مقدسی میں اسی طرح ہے، شرنبلالیہ، (ت)

اللہ اکبر! خود ذابح کا خاص تکبیر ذبح میں نام خدا کے ساتھ نام غیر ملا کر پکارے اور کافر نہ ہو، جب تک معنی شرک کا ارادہ نہ کرے بلکہ بے عطف "بنام خدا بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" کہے اور اسی نام پاک کے لینے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہی چاہے، حضور کی عظمت ہی کے لئے خاص وقت ذبح بنام خدا کے ساتھ بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہے تو جانور میں اصلا حرمت و کراہت بھی نہیں، مگر پیش از ذبح اگر کسی نے یوں پکار دیا کہ "فلاں کا بکرا، فلاں کی گائے" تو پکارنے والا مشرک اور اس کے ساتھ یہ لفظ منہ سے نکلتے ہی جانور کی بھی کایا پلٹ ہو کر فورا بکری سے کتا، گائے سے سور، اگرچہ وہ منادی غیر ذابح ہو، اگرچہ ابھی نہ وقت ذبح نہ دم تکبیر، معاذاللہ، وہ لفظ کیا تھے جادو کے انچھر تھے چھوتے ہی جانور کی ماہیت بدل گئی، ایسے زبردستی کے احکام شرع مطہر سے بالکل بیگانہ ہیں۔

بڑی دلیل ان کے قصد عبادات غیر و معنی شرک پر یہ پیش کی جاتی ہے کہ "اس ذبح کے بدلے گوشت خرید کر تصدق کرنا ان کے نزدیک کافی نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ ایصال ثواب مقصود نہیں، بلکہ خاص ذبح للغیر و شرک صریح مراد ہے، اگرچہ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مطلب صرف ایصال ثواب ہی ہے"۔

[1] درمختار کتاب الذبح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۱

اقول: اس سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ خاص ذبح مراد ہے، ذبح للغیر کہاں سے نکلا، کیا ثواب ذبح کوئی چیز نہیں، یا گوشت دینے میں وہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، عنایہ میں ہے:

التضحیۃ فیہا افضل من التصدق بثمن الاضحیۃ لان فیہا جمعا بین التقرب باراقۃ الدم والتصدق والجمع بین القربتین افضل [1] اھ ملخصًا۔	اس صورت میں قربانی کرنا اس کی قیمت کے صدقہ سے افضل ہے کیونکہ قربانی میں دونوں قربتیں حاصل ہوتی ہیں، خون بہاؤ اور صدقہ بھی، جبکہ دو قربتوں کو جمع کرنا افضل ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

معہذا عوام ایسی اشیاء میں مطلقًا تبدیل پر راضی نہیں ہوتے، مثلاً جو آٹے کی چٹکی روزانہ اپنے گھر کے خرچ سے نکالتے ہیں اور ہر ماہ اسے پکا کر حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیاز دلا کر محتاج کو کھلاتے ہیں، اگر ان سے کہے کہ یہ آٹا جو جمع ہوا ہے اپنے خرچ میں لایئے اور اسی کے عوض اور پکایئے کبھی نہ مانیں گے حالانکہ آٹے میں کوئی ذبح کا محل نہیں، اور ذبح میں بھی اگر اس جانور کے بدلے دوسرا جانور دیجئے ہرگز نہ لیں گے، حالانکہ ادائے ذبح میں دونوں ایک سے، تو اس کا کافی نہ سمجھنا اسی خیال تعیین و تخصیص کی بنا پر ہے، نہ **معاذاللہ** اس توہم باطل پر، خصوصا جبکہ وہ بیچارے صراحۃ کہہ رہے ہیں کہ حاشاللہ ہم عبادات غیر نہیں چاہتے صرف ایصال ثواب مقصود ہے۔

اور اگر انصاف کیجئے تو در بارہ عدم تبدیل ان کا وہ خیال بے اصل بھی نہیں، اگرچہ انھوں نے اس میں تشدد زیادہ سمجھ لیا ہو، جن چیزوں پر نیت قربت کرلی گئی، شرع مطہر میں بلاوجہ ان کا بدلنا پسند نہیں، **لاسیما اذا کان النزول الی الناقص کما ھھنا وکل ذٰلك ظاھر اجدا** (خصوصا جبکہ اعلی سے ادنی کی طرف تنزل ہو جیسا کہ یہاں ہے اور یہ تمام نہایت ظاہر ہے۔ ت)

ولہٰذا اگر غنی قربانی کے لئے جانور خریدے اور اس معین کی نذر نہ ہو تو جانور متعین نہیں ہو جاتا اسے اختیار ہے کہ اس کے بدلے دوسرا جانور قربانی کرے پھر بھی بدلنا مکروہ ہے کہ جب اس پر قربت کی نیت کرلی تو بلاوجہ تبدیل نہ چاہئے۔ ہدایہ میں ہے:

بالشراء للتضحیۃ لایمتنع البیع [2]۔	قربانی کے لئے خرید بیع کے لئے مانع نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] العنایۃ علی ہامش القدیر کتاب الاضحیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۳۲

[2] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۳

ویکرہ ان یبدل بھا غیرھا[1]۔	اور اس قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا مکروہ ہے۔(ت)

اسی طرح تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔

بالجملہ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول وفعل کو وجہ صحیح پر حمل واجب، اور یہاں ارادہ قلب پر بے تصریح قائل حکم لگانے کی اصلا راہ نہیں، اور حکم بھی کیسا کفر وشرک کا، جس میں اعلی درجہ کی احتیاط فرض، یہاں تک کہ ضعیف سے ضعیف احتمال بچاؤ نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم، کما حقق کل ذٰلك الائمة المحققون فی تصانیفهم الجلیلة (جیسا کہ ائمہ محققین نے اپنی تصانیف میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت)

اگر بالفرض بعض کوردل احمقوں پر بہ ثبوت شرعی ثابت بھی ہو کہ ان کا مقصود معاذاللہ عبادات غیر ہے تو حکم کفر صرف انھیں پر صحیح ہوگا ان کے سبب حکم عام لگادینا اور باقی لوگوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى"[2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

پس حق یہ ہے کہ نہ مطلقًا اس نام پکارنے پر حکم شرک صحیح، نہ اس وجہ سے جانور کو مردار مان لینا درست، بلکہ حکم شرک کے لئے قائل کی نیت پوچھیں گے، اگر اقرار کرے کہ اس کی مراد عبادات غیر ہے تو بے شک مشرک کہیں گے ورنہ ہرگز نہیں، اور حکم حرمت صرف قول وفعل ونیت ذابح خاص وقت ذبح پر مدار رکھیں گے، اگر مالک خواہ غیر مالک کسی کلمہ گو نے معاذاللہ اسی نیت شرک کے ساتھ ذبح کیا تو بے شک حرام کہ وہ اس نیت سے مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ نہیں، اور اگر اللہ عزوجل کے لئے جان دی اور قصدًا تکبیر نہ کی تو بیشک حلال، اگرچہ اس پر باعث ایصال ثواب یا اکرام اولیاء یا نفع دینا وغیرہا مقاصد ہوں، اگرچہ مالک غیر ذابح کی نیت معاذاللہ وہی عبادات غیر ہو، اگرچہ پیش از ذبح یا غیر ذابح نے وقت ذبح کسی کا نام پکارا ہو، مالک سے وہ نیت ناپاک ثابت ہونا بھی ذابح پر کچھ موثر نہیں، جب تک خود اس سے بھی اسی نیت پر جان دینا ثابت نہ ہو کہ جب اس سے وہ نیت ثابت نہیں، اور مسلمان اپنے رب عزوجل کا نام لے کر ذبح کررہا ہے تو اس پر بدگمانی حرام وناروا ہے، اوہام تراشیدہ پر مسلمان کو معاذاللہ مرتکب کفر سمجھنا حلال خدا کو حرام کہہ دینا نام الٰہی عزوجل جو وقت تکبیر لیا گیا باطل وبے اثر ٹھہرانا ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ	تمھیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے

[1] الهدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

اللّٰہِ عَلَیۡہِ"[1]	ذبح میں اللہ کا نام یاد کیا گیا۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

انما کلفنا بالظاہر لابالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل، ولاسبیل لنا الی الباطل[2]۔	یعنی ہمیں شرع مطہر نے ظاہر پر عمل کا حکم فرمایا ہے باطن کی تکلیف نہ دی، جب اس نے اللہ عزوجل کا نام پاک لے کر ذبح کیا جانور حلال ہوجانا واجب ہوا کہ دل کا ارادہ جان لینے کی طرف ہمیں کوئی راہ نہیں،

یہ چند نفیس وجلیل فائدے حفظ کے قابل ہیں کہ بہت ابنائے زمان ان میں سخت خطا کرتے ہیں۔

وباللہ العصمۃ والتوفیق وبہ الوصول الی التحقیق (حفاظت وتوفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور اسی کی مدد سے تحقیق تک رسائی ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۶: از شہر بریلی مسئولہ عبدالجلیل طالب علم ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے ذبح کی گئی اور اس کا پیٹ جب چاک کیا تو اس میں سے ایک بچہ زندہ کامل اعضا کا نکلا، مگر اس کے جسم میں بال نہیں آیا ہے، اس حالت میں بچہ کا گوشت حلال ہوجائے گا یانہیں ذبح کرنے سے؟ اور مردہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

بچہ کہ مردہ نکلے حرام، اور زندہ نکلے اور ذبح کرلیا تو حلال، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷: از اوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے مدقق ومحققین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ مردہ بکری مذبوحہ کے شکم سے برآمد ہو بمذاہب امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ حلال ہے یا حرام بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

ناجائز ہے، ہدایہ وعالمگیریہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۵/ ۲۳

من نحرناقة اوذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتالم یو کل اشعراولم یشعر وہذا عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه، وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما اللہ تعالٰی اذاتم خلقه اکل۔[1]	کسی نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مردہ پائے تو اسے نہ کھایا جائے اس پر بال ہوں یا نہ ہوں، اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر وہ بچہ تام الخلقت ہو تو کھانا چاہئے۔ (ت)

اسی طرح درمختار وغیرہ عائمہ کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸تا۱۳۱: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ ملک ہاڑوتی قصبہ سانگور مسئولہ مسلمانان سانگور ۲۱رمضان ۱۳۳۵ھ

ہادی دین، پناہ شریعت، علمائے عظام ومفتیان کرام سلمکم اللہ تعالٰی، بعد سلام علیک کے گزارش یہ ہے کہ یہاں پر قصبہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ میں کھٹیک لوگ قدیم زمانے سے گوشت کی دکان کرتے چلے آرہے ہیں، اور مسلمان بھی انھیں کے یہاں سے خریدتے ہیں، ان کھٹکوں کا دوایک مرتبہ کچہری میں مردار گوشت کا مقدمہ جاچکا ہے۔ اس لئے بوجہ شکوک اب ان کے یہاں سے مسلمانوں نے گوشت لینا قطعاً بند کردیا اور مسلمان قصائی آباد کرکے اس کے یہاں سے خریدنا شروع کردیا ہے، مگر دوایک مسلمان جن کا تجارتی تعلق چمڑے وغیرہ کا کھٹکوں کے ساتھ ہے، وہ ایسا کہتے ہیں کہ یہ ضد اور نیا مسئلہ ہے، جب ایک مدت سے مسلمان کھٹکوں کے یہاں کا گوشت لیتے چلے آرہے ہیں اور تمام جگہ کھٹک ہی لوگ فروخت کرتے ہیں تو یہ ایک نئی بات پیدا کرکے کھٹکوں کو ناحق نقصان دیا جارہا ہے، کیا پہلے زمانے میں کوئی عالم نہ تھے، وہ کیوں کھاگئے، ان کے ایسا کہنے پر بہت سے مسلمان برگشتہ ہورہے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے دنیا کی بدنامی کا خوف ہے اور اصلی جواب کے منتظر ہیں، مسلمانوں کی طرف سے کھٹکوں کے ساتھیوں کو سمجھایا گیا کہ تم ان سے بموجب شرع اس طرح پر انتظام کرادو:

(۱) نگراں مسلمان رہیں۔

(۲) گوشت مختلف مکانوں پر نہ ہو، جہاں مسلمان تجویز کریں۔

(۳) دبانے والا (۴) ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔

ان چاروں شرطوں میں سے وہ شرط اول دوم وچہارم پر رضامند ہوتے ہیں، لیکن یہ رضامندی بھی

[1] الهدایة کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

اُن کی قیاسائئے انتظام کو قطع کرنے کے لئے معلوم ہوتی ہے، دائمی نہیں معلوم ہوتی، اس لئے حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) کیادو شخص کے ورغلانے سے مسلمانوں کو پرانی بات پر جمارہنا چاہئے، اور جو شخص اس پر صاد کرے اور حکم شرع ایک فضول اور بناوٹی بات بتائے اور آج تک تائب نہ ہو، مسلمان اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

(۲) کیا مسلمانوں کو ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت خریدنے کی ممانعت کا حکم سنایا جاتا ہے، یہ نیا مسئلہ اور بناوٹی بات ہے؟

(۳) جو شخص مسلمان باوجود سمجھانے کے مسلمان قصائی کو چھوڑ کر پرانی روش، پر ضدًا ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت لینے پر آمادہ ہو، اس پر کیا حکم ہے؟

(۴) کیا کسی شخص کی خاطر سے ہمارے مذہب کے ایسے حکم کو جس سے ہمارے ایمان میں خلل آنے کا ڈر ہو چھوڑ دینا روا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب:

(۱) حکم شرعی یہ ہے کہ مشرک یعنی کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اور اس کا کھانا حرام ہے، اگرچہ وہ زبان سے سو بار کہے کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے، اس لئے کہ امر و نہی میں کافر کا قول اصلا مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات[1]۔	معاملات میں کافر کی خبر بالاجماع مقبول ہے دینی معاملہ میں مقبول نہیں۔ (ت)

نہایہ وغیرہا میں ہے:

من الدیانات الحل والحرمۃ[2]۔	دیانات میں سے حلال وحرام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التاترخانیۃ قبیل الاضحیۃ عن جامع الجوامع لابی یوسف	تاتارخانیہ میں قربانی کے بیان سے تھوڑا پہلے ابویوسف کی جامع الجوامع سے منقول ہے کسی نے

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[2] ردالمحتار بحوالہ النہایۃ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

من اشتری لحما فعلم انه مجوسی واراد الرد فقال ذبحه مسلم یکرہ اکله اھ ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمة فانه بعد اخبارہ بالحل بقوله ذبحه مسلم کرہ اکله فکیف بدونه[1]۔	گوشت خریدا تو معلوم ہوا کہ فروخت کرنے والا مجوسی ہے اور اس نے واپس کرنا چاہا تو مجوسی نے کہا اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے اھ تو اس کا مفادیہ ہے کہ خالی فروخت کرنے والے کا مجوسی ہونا حرمت کو ثابت کرتا ہے کیونکہ مجوسی کے اس بیان کے بعد کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے جو کہ حلال ہونے کی خبر ہے، کھانا مکروہ ہے، تو اس کے خبر نہ دینے کی صورت میں کیسے مکروہ نہ ہوگا۔ (ت)

ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے، بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو، اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا، جب یہ حکم شرعی معلوم ہوگیا جواب سوالات ظاہر ہوگیا وہ پرانا طریقہ شرعًا محض حرام تھا، اس پر جمنا حرام، سخت حرام، اگرچہ دو نہیں، دو لاکھ ورغلائیں، جو حکم شرع کو بناوٹی بتائے اگر جاہل ہے سمجھایا جائے، ورنہ اس پر لزوم کفر ہے توبہ کرے، تجدید اسلام کرے، اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید، یہی حکم اس کے ساتھیوں کا ہے، یہ لوگ جب تک تائب نہ ہوں مسلمان ان سے میل جول نہ کریں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[2]	اور کبھی شیطان تجھ کو بھلادے تو یاد آنے پر ظالم قوم کے پاس مت بیٹھ (ت)

(۲) یہ ممانعت خاص حکم شریعت ہے اور اس کے بناوٹی کہنے والے کے ایمان پر خطرہ ہے کما تقدم انفا۔

(۳) ایسا شخص حرام خوار، حرام کار، مستحق عذاب پروردگار سزاوار عذاب نار ہے، تعزیر شرعی یہاں کون کسے دے سکتا ہے یہی بس ہے کہ مسلمان اس سے یک لخت قطع تعلق کردیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"[3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) ظلم کرنے والوں کی طرف میلان نہ کرو کہ تم کو آگ مس کرے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

(۴) ہر گز روا نہیں، اور ایسی خاطر ملعون، وہ شرطیں جو ان سے کی جارہی ہیں ان میں مسلمانوں کی نگرانی اس طرح کی ہو جیسی ہم نے بیان کی کہ وقت ذبح سے وقت خریداری تک کسی آن مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو ورنہ کافی نہیں، اور دبانے والے کا مسلمان ہونا کچھ ضرور نہیں، ذبح کرنے والا مسلمان چاہئے۔

مسئلہ ۱۳۲: از اٹاوہ محلّہ اورنگ آباد مرسلہ فضل حسین صاحب سوم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شہر میں گوشت ہندو کھٹک فروخت کرتے ہیں، اور انتظام ذبح یہ ہے کہ گورنمنٹی مذبح بنا ہوا ہے، بعد ملاحظہ ڈاکٹر انگریزی کے (عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو) اس مذبح میں کل جانور ذبح ہوتے ہیں، کھٹک گوشت بنا کر بازار میں لاکر فروخت کرتے ہیں، مذبح پر ایک مسلمان جاتا ہے جس کی نسبت معلوم ہوا کہ ذبح وہی شخص کرتا ہے، اگرچہ عادت مستمرہ وطریقہ مقررہ تو یہی ہے، لیکن ممکن ہے کہ بخلاف ورزی اس حکم گورنمنٹی کے کوئی جانور خفیۃً اپنے گھروں پر ذبح کرکے اس کا گوشت بھی انھیں جانوروں کے گوشت میں ملاکر فروخت کرلیں، چنانچہ ایسے مقدمات بھی ہوتے اور وہ لوگ سزا پاتے ہیں، شہادت اس امر کی کہ گوشت جو فروخت ہورہا ہے اس جانور کا ہے جس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے بجز قول اُس کافر کے جو گوشت فروخت کررہا ہے، اور کوئی نہیں ہے، اور نہ وقت ذبح سے وقت فروخت تک بالاتصال وہ گوشت کسی مسلمان کے زیر نظر رہا، اگرچہ عادت معہودہ کے موافق کہا جاسکتا ہے، کہ مذبح گورنمنٹی میں ذبح ہوا ہے، اور وہاں مسلمان معموماً جاتا ہے، اور ایسے مقدمات بھی پیش آتے ہیں کہ بیماری مویشی وغیرہ بخوف ڈاکٹر کے معائنہ کے گھر پر ذبح کرلیتے ہیں۔ اور اس گوشت میں شامل کرلیتے ہیں، جو مذبح کے مذبوح جانوروں کا ہے، پس ایسی حالت میں اس ہندو کھٹک سے خریدا ہوا گوشت کھانا جائز وحلال ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس سے گوشت کا خریدنا، کھانا، کھلانا ناجائز ہے، کہ حیوان جب تک زندہ تھا حرام تھا، ذبح شرعی سے حلال ہوگیا، اور اس کا حصول ثابت نہ ہوا، **والیقین لایزول بالشك** (شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ ت) اور وہ کافر غیر کتابی اگر کہے بھی کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے، تو یہ خبر خصوصاً امر دیانت وحلت وحرمت میں ہیں۔ اور ان امور میں کافر کی خبر محض باطل و نامعتبر ہے، درمختار وہدایہ وتبیین وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لافی الدیانات [1]۔	معاملات میں بالاجماع کافر کی خبر مقبول ہے دیانات میں مقبول نہیں۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

اشباہ میں اسی قاعدہ کے تحت میں ہے:

الشاۃ فی حال حیاتھا محرمۃ فالمشتری مستمسك باصل التحریم الی ان یتحقق زوالہ[1]۔	بکری زندہ حرام ہے، تو خریدار نے اس کے اصل حال کو دلیل بناکر حرام کردیا تاوقتیکہ اس اصل یقین کا زوال نہ ہوجائے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لاتحل حتی یعلم انھا ذکاۃ مسلم لانھا اصلھا حرام، وشککنا فی الذکاۃ المبیحۃ[2]۔	کھانا حلال نہیں جب تک یقینی علم نہ ہوجائے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے کیونکہ اصل میں حرام ہے، اور ہمیں مباح بنانے والے ذبح میں شک ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ میں جامع الجوامع امام ابویوسف سے ہے:

من اشتری لحما فعلم انہ مجوسی واراد الرد، فقال ذبحہ مسلم یکرہ اکلہ[3] اھ۔	کسی نے گوشت خریدا اور معلوم ہے کہ فروخت کرنیوالا مجوسی ہے تو واپس کرنا چاہا تو مجوسی نے کہا اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمۃ فانہ بعد اخبارہ بالحل بقولہ ذبحہ مسلم کرہ اکلہ فکیف بدونہ، تأمل[4]۔	اس کا مفاد یہ ہے کہ محض بائع کا مجوسی ہونا ہی حرمت کو ثابت کردے گا کیونکہ اس نے اس کے حلال ہونے کی خبر دی، کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے، اس کے باوجود جب کھانا مکروہ ہو اتو ایسی خبر کے نہ ہونے پر کیسے حلال ہوسکتا ہے، غور کیجئے۔ (ت)

بخلاف اس کے کہ مسلمان اپنے کسی نوکر یا مزدور مشرک کو گوشت لینے بھیجے اور وہ خرید کر لائے اور کہے میں نے مسلمان سے خریدا ہے اس کا کھانا جائز ہوگا، جبکہ قلب میں اس کا صدق جمتا ہو کہ اب یہ اصالۃً دربارہ معاملات قول کافر کا قبول ہے اگرچہ حکم دیانت کو متضمن ہوجائے گا، تبیین الحقائق پر ہندیہ میں ہے:

---

[1] الاشباہ النظائر الفن الاول القاعدہ الثالثۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۸۹

[2] فتح القدیر

[3] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

لایقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات، فح تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات، فیقبل قوله فیها ضرورۃ[1]۔	دیانات میں کافر کا قول مقبول نہیں ماسوائے اس کے کہ جب معاملات میں اس کا قول ہونے پر دیانات میں مقبول ہونے کو متضمن ہو تو ایسی صورت میں دیانات، معاملات میں داخل قرار پاتے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الجواب ان قوله شریته من المعاملات، و ثبوت الحل والحرمة فیه ضمنی، فلما قبل قوله فی الشراء، ثبت ما فی ضمنه بخلاف ما یأتی، وکم من شیئ یثبت ضمنا لاقصدا[2]۔	جواب یہ ہے کہ اس کا یہ کہنا کہ میں نے اسے خریدا ہے، یہ معاملات کی بات ہے اور حلال وحرام ہونا اس میں ضمنی چیز ہے تو جب خریداری کے متعلق اس کا قول مقبول ہے تو ضمنی امر بھی ثابت ہوجائے گا، آئندہ بیان اس کے خلاف ہے، تاہم بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوجاتی ہیں وہ قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ (ت)

ولہٰذا اگر وہ نوکر کہے کہ بائع مشرک تھا گوشت حرام ہوگا، معلوم ہوا کہ بیچنے والے کا مشرک ہونا ہی حرمت گوشت کے لئے کافی ہے، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل، او قال اشتریته من مجوسی فیحرم[3]۔	اس نے کہا میں نے یہ گوشت کتابی شخص سے خریدا ہے تو حلال ہوگا، یا اس نے کہا میں نے مجوسی سے خریدا ہے، تو حرام ہوگا، (ت)

ہاں جب تک وہ گوشت ذابح مسلم خواہ اور کسی مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اس مسلمان اور نیز دوسرے کو اس مسلم کی خبر پر کہ یہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا، خریدنا اور کھانا سب جائز ہے کہ اب خبر مسلم ہے نہ کہ کافر، مگر وہ مخبر ثقہ نہ ہو تو قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا۔

فی التنویر شرط العدالة فی الدیانات و یتحری فی الفاسق والمستور[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر میں ہے دینی امور میں عدالت شرط ہے اور فاسق یا مستور الحال شخص کی خبر میں غور وفکر کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ الباب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

مسئلہ ۱۳۳: ۷ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے گوسفند ذبح کیا ہوا اپنے ایک ملازم غیر کتابی کے ہاتھ مکان کو بھیجا اور آرندہ ذبیحہ نے یہاں کہا کہ یہ ذبیحہ فلاں شخص مسلم نے بھیجا ہے۔ کھانا اس کا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر قرائن کی رو سے اس کافر کے اس قول میں شک پیدا نہ ہو، ظن غالب اس کے صدق ہی کا ہو، تو مسلمان کے لئے اس ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کہ ہدیہ لانا از قبیل معاملات ہے اور معاملات میں کافر کی بات مقبول، اور جب یہ مان لیا گیا کہ یہ ذبیحہ فلاں مسلم کا بھیجا ہوا ہے، تو اس کے ضمن میں حلت بھی مسلم ہو گئی، اگرچہ ابتداء حلت، حرمت، طہارت، نجاست وغیرہا امور خالصہ دینیہ میں کافر کا قول مقبول نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

من ارسل اجیرا لہ مجوسیا اوخادما فاشتری لحما فقال اشتریتہ من یہودی اونصرانی اومسلم وسعہ اکلہ، لان قول الکافر مقبول فی المعاملات الخ[1]۔	جس نے اپنا مجوسی مزدور یا خادم گوشت خریدنے بھیجا تو اس نے واپس آکر کہا میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے خریدا ہے تو مزدور یا غلام کا خریدا ہوا گوشت کھانا جائز ہے کیونکہ معاملات میں کافر کا قول مقبول ہے۔ الخ (ت)

تبیین الحقائق ودرمختار میں ہے:

المعاملات یقبل فیہا خبر کل ممیز حرا کان اوعبدا مسلما کان اوکافرا، کبیرا او صغیرا لعموم الضرورۃ فان الانسان قلما یجد المستجمع لشرائط العدالۃ لیعاملہ اویستخدمہ اویبعثہ الی وکلائہ ونحو ذٰلک و لادلیل مع السامع یعمل بہ سوی الخبیر[2] الخ۔	معاملات میں ہر باتمیز شخص کی بات مقبول ہے، وہ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا کافر، وہ بڑا ہو یا نابالغ ہو کیونکہ ضرورت عام چیز ہے جبکہ انسان معاملہ یا خدمت لینے یا اپنے وکلاء کے پاس بھیجنے کے لئے شرائط عدالت پر پورا اترنے والے کو بہت کم پاتا ہے اور سامع کے پاس خبر کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہوتی، جس پر عمل کیا جائے۔ (ت)

[1] الھدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۱

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

عالمگیری میں ہے:

یقبل قول الواحد فی المعاملات مسلما کان اوکافرا، دفعاللحرج، ومن المعاملات الوکالات والمضاربات و الرسالات فی الھدایا، والاذن فی التجارات، کذا فی الکافی[1] اھملخصا۔	معاملات میں ایک شخص کی بات قبول کی جائے گی خواہ وہ مسلمان ہو یاکافر ہو تاکہ حرج کو ختم کیاجاسکے اور معاملات میں سے مضاربت اور ہدیہ وغیرہ کا قاصد بنانا تجارت کی اجازت دینا بھی ہے، اسی طرح کافی میں ہے اھ ملخصا۔ (ت)

نیز تبیین میں ہے:

فاذاقبل فیھاقول الممیز وکان فی ضمن قبول قولہ فیھا قبولہ فی الدیانات یقبل قولہ فی الدیانات ضمنا ضرورۃ، وکم من شیئ لایصح قصدا یصح ضمنا و لان کل معاملۃ لاتخلو عن دیانۃ، فلو لم یقبل فیھا فی ضمن المعاملات لادی الی الحرج، بخلاف الدیانات المقصودۃ[2] (ت)	توجب اس میں باتمیز شخص کی بات قبول ہے تو اس کے ضمن والی دینی چیز بھی اس کی قبولیت سے ضرورۃ ضمن میں قبول ہوگی اور اس لئے بھی کہ کوئی معاملہ بھی دینی امر سے خالی نہیں ہوتا، تو اگر وہ معاملہ میں ضمناً ثابت نہ ہو تو حرج کا باعث ہوگا جبکہ بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصدا صحیح نہیں ہوتیں، اس کے برخلاف مقصود دینیات کہ وہ ضمناً صحیح نہیں ہوتے، ملخصا (ت)

ہاں اگر بنظر قرائن اس کی بات میں شک پڑے، کچھ فریب معلوم دے، تو ہرگز نہ کھائے کہ ذبیحہ کی حلت مشکوک وموہوم بات سے ثابت نہ ہوگی،

فان الحیوان ماکان حیاکان حراما، وانمایحل بذبح مشروع فلایثبت الطاری بالشک۔	کیونکہ جانور جب تک زندہ ہے کھانا حرام ہے وہ صرف شرعی طریقہ سے ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے تو اصل کے خلاف وارد ہونیوالی چیز شک سے ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الکراہیۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۰

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

يقبل قول المملوك ولو انثى، والصبى، فى الهداية، وقيده فى السراج بما اذا غلب على رائه صدقهم [1] اھ ملخصا۔	غلام عورت ہو یا بچہ ہو اس کی بات قبول ہوگی، ہدیہ میں اور کہ اس بات کو سراج میں اس قید سے مقید کیا ہے کہ اس کی رائے میں اس مملوک غلام کی سچائی غالب ہو اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ثم قال كما فى المنح وان لم يغلب على رأيه ذٰلك لم يسعه قبوله منهم، لان الامر مشتبه عليه، اھ، قال الاتقانى لان الاصل انه محجور عليه، والاذن طارى، فلا يجوز اثباته بالشك [2]۔ الخ، واللّٰہ سبحانه وتعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	پھر منح میں کہا گیا کہ اگر اس کی سچائی پر غلبہ ظن نہ ہو تو پھر اس کی بات کو قبول کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ معاملہ اس پر مشتبہ رہے گا اھ، اتقانی نے کہا کہ اصل ممانعت ہے اور اجازت بعد والی چیز ہے، لہٰذا شک کے ساتھ اجازت ثابت نہ ہوگی الخ واللّٰہ سبحانه وتعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: از ضلع لاہور مقام چونیا مسئولہ انوار الحق بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اس شہر میں حلال خور یعنی چوہڑے درپردہ گائے ذبح کراکے گوشت فروخت کرتے ہیں، بعض مسلمان ان سے خرید لیتے ہیں، اگر ان سے منع کیا جائے تو زید کہتا ہے کہ مولوی عبدالحہ کے فتاوٰی میں لکھا ہے اگر جانور کو مسلمان ذبح کرے اور فروخت کافر کرے تو کھانا جائز ہے، جب شریعت جاز کرتی ہے تو تم کیوں نفرت کرتے ہو، یاحضرت! چوہڑوں سے گوشت کھانا مسلمان کو بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ برائے مہربانی تحریر فرمائیں کہ اگر جائز ہو تو نفرت نہ کی جائے۔ فقط

الجواب:

گوشت میں اصل یہ کہ جانور مثلاً گائے جب تک زندہ ہے اس کا گوشت حرام ہے، اگر کوئی ٹکڑا کاٹ لیا جائے مردار اور حرام ہوگا، "ما ابين فى حى فهو ميت" (زندہ جانور سے گوشت کاٹا تو وہ حرام ہے)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۰

حلت ذکات شرعی سے ثابت ہوتی ہے، تو جب ذبح شرعی معلوم و متحقق نہ ہو تو حکم حرمت ہے، کافر نے مسلمان سے راس ذبح کرائی اور قبل اس کے کہ مسلمان کی نگاہ سے غائب ہو انھیں سے خرید لیا، یہ جائز ہے اور اگر مسلمان نے ذبح کیا اور اس کے بعد جانور اس کی نظر سے غائب ہوگیا"اور کافر عـــہ گوشت اس کی حلت وطہارت کرنا چاہتا ہے۔"اور حلت وحرمت وطہارت ونجاست خالص امور دیانت ہیں، اور امور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہر گز کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا۔(ت)

مسلمان اس کے گوشت کی خریداری سے نفرت واعراض کرتے ہیں، بہت صحیح وبجا ہے، یہی حکم شرع ہے، بلکہ چوہڑے چمار اگر مسلمان سے ذبح کرائیں اور ہنوز نگاہ سے غائب نہ ہو جب بھی خریدنا نہ چاہئے جبکہ قلوب اس سے تنفر کرتے ہوں،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: بشروا ولا تنفروا[2]۔و عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: ایاکم ومایتغدر منه[3] فان الخبر لایتغدر منه، وعنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ایاك ومایسؤالاذن[4]۔هذا وفصلناه فی فتاوٰنا	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے؛ بشارت دینے والے بنو اور نفرت پیدا نہ کرو۔اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: باعث غدر سے بچو جبکہ خبر باعث غدر نہیں ہے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے۔کانوں کو تکلیف دہ بات سے بچاؤ۔

عـــہ: اصل میں اسی طرح ہے، مگر ہونا اس طرح چاہئے: "اور کافر گوشت فروش اس کی حلت وطہارت ثابت کرنا چاہتا ہے۔" عبد المنان اعظمی۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/ ۳۲۷، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۴۷

[4] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیة رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و ۸۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۷

بتوفیق اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسے ہم نے بتوفیق الٰہی اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کردیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۵: از رامہ ڈاک خانہ جاتلی تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

مذبوحہ شدہ مالک کو دستیاب ہوجائے، ذابح نامعلوم ہے، کیا یہ مذبوحہ حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

حلال ہے مگر جب کہ اس گمان کا محل ہو کہ ذابح مرتد یا مشرک یا مجوسی ہے۔ حلبی وشامی علی الدرر میں ہے:

الاولی ان یقال ان کان الموضع مما یسکنه او یسلك فیه مجوسی لایوکل والا اکل ولایعترض بشأن ترك التسمیة عمدا، فان ہذا موہوم لایعارض الراجح [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ کہنا بہتر ہے، ایسا موضع جہاں مجوسی رہتا ہو وہاں اس کا آنا جانا ہو تو وہاں کا نہ کھایا جائے ورنہ کھایا جائے، اور قصداً بسم اللہ کو ترک کی صورت سے اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ یہ احتمال موہوم ہے جو راجح احتمال کا مقابل نہیں بن سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۶: از موضع بکاجبی والا، علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد ۲ رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ اگر کوئی شخص کسی کی بکری یا اور کوئی حلال جانور چرا کر ذبح کرے تو وہ جانور اس کے ذبح کرنے سے حلال ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور اس ذبح کرنیوالے کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ شخص ملک غیر میں بے اس کی اجازت کے تصرف کرنے سے گنہ گار ہوا، مگر اگر یہ ذبح کرنیوالا اہل ذبح ہے اور تکبیر اس نے قصداً ترک نہ کی تو جانور کا ذبیحہ صحیح ہوگیا یہاں تک کہ اگر یہ جانور مالک نے خاص قربانی کے لئے خریدا تھا اور اس شخص نے ایام قربانی میں اپنی طرف سے ذبح کرلیا، اور مالک نے یونہی ذبح کیا ہوا اس سے لے لیا تو مالک کی قربانی ادا ہوگئی اور اگر مالک نے تاوان لے لیا تو ذابح کی قربانی ادا ہوگئی اور اگر

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

کوئی شخص کسی کا جانور چوری یا غصب سے لے کر ذبح کرے، اور ابھی پکانے یا بھوننے نہ پایا ہو، تو مالک کو اس کا لے لینا اور خود کھانا حلال، اور جسے وہ اجازت دے اسے بھی حلال، ہاں بے اس کی اجازت کے یہ ذبح کرنیوالا نہ خود کھا سکتا ہے نہ دوسرے کو کھلاسکتا ہے اسے حرام ہے جب تک اس کا تاوان ادا نہ کرے، یہ حرمت تعلق غیر کے سبب ہے نہ اس وجہ سے کہ ذبح صحیح نہ ہوا، جس طرح ذابح کے پکالینے یا بھوننے کے بعد مالک کو اس کے لے لینے کا اختیار نہیں کہ اب ذابح اس کا مالک ہو گیا اصل مالک کو صرف تاوان لینے کا اختیار رہا، جب یہ تاوان لے لے گا ذابح کو اس کا کھانا حلال ہو جائے گا، درمختار میں اشباہ سے ہے:

لو شراہا بنیة الاضحیة فذبحہا غیرہ بلااذنہ فان اخذہا مذبوحة ولم یضمنہ اجزأتہ۔ وان ضمنہ لا تجزئہ وہذا اذا ذبحہا عن نفسہ، واما اذا ذبحہا عن مالکہا فلاضمان علیہ[1]۔	اگر قربانی کی نیت سے بکری خریدی تو کسی دوسرے شخص نے اس کی اجازت کے بغیر اسے ذبح کر دیا تو اگر مالک نے وہ ذبح شدہ بکری رکھ لی اور اس سے ضمان نہ لیا تو مالک کی قربانی جائز ہو گی اور اگر ضمان لیا تو قربانی جائز نہ ہو گی یہ اس صورت میں ہے کہ جب ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے جانور ذبح کیا ہو اور اگر اس نے مالک کی طرف سے ذبح کیا تو اس پر ضمان نہ ہو گا۔ (ت)

عالمگیریہ میں محیط سرخسی سے ہے:

رجل ذبح اضحیة غیرہ عن نفسہ بغیر امرہ، فان ضمنہ المالك قیمتہا یجوز عن الذابح دون المالك لانہ ظہر ان الاراقة حصلت علی ملکہ وان اخذہا مذبوحة تجزئ عن المالك لانہ قد نواہا فلیس یضرہ ذبح غیرہ لہا[2]۔	کسی شخص نے غیر کی قربانی کو اپنی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر ذبح کر لیا تو مالک نے اس کو جانور کی قیمت کا ضامن بنایا تو وہ قربانی ذبح کرنے والے کی طرف سے ہو گی مالک کی نہ ہو گی کیونکہ واضح ہو گیا کہ ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے قربانی دی ہے اور اگر مالک نے ذبح شدہ کو لے لیا تو قربانی مالک کی جانب سے ادا ہوئی کیونکہ اس نے قربانی کی نیت کر رکھی تھی تو غیر کا ذبح کرنا مضر نہ ہو گا۔ (ت)

تنویر میں ہے:

---

[1] درمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الاضحیة الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۲

ان غصب وغیر فزال اسمه واعظم منافعه ضمنه و ملکه بلاحل انتفاع قبل اداء ضما نه کذبح شاۃ و طبخها اوشیها[1] اھملخصا۔	اگر دوسرے شخص نے جانور غصب کیااور اس میں کوئی تغیر کردیا تواس کا نام زائل ہوگیااور اس کے منافع بڑھالئے ضمان دیا تومالک ہوجائے گا اور ضمان کی ادائیگی سے قبل اس کو انتفاع حلال نہ ہوگا مثلاً ذبح کرکے پکالیا یا بھون لیا تومالک ہوجائے گا۔اھ ملخصا (ت)

اسی میں ہے:

ذبح شاۃ غیرہ طرحها المالك علیه،واخذ قیمتها او اخذها وضمنه نقصانها[2]۔	غیر کی بکری ذبح کی تومالک نے اس کے ذمہ ڈال دی اور اس کی قیمت وصول کرلی یا وہ ذبح شدہ بکری مالک نے رکھ لی اور نقصان کاضمان وصول کرلیا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانه اتلاف من وجه لفوات بعض المنافع کالحمل و الدر والنسل وبقاء بعضها وھو اللحم،[3] درر۔	کیونکہ یہ من وجہ اتلاف ہے حاملہ ہونے،دودھ اور نسل کے اعتبار سے اور من وجہ باقی ہے گوشت کے اعتبار سے درر،(ت)

اسی طرح ہدایہ وغیرہا میں ہے:

فظهران ماوقع فی اُخرالصید من الدر المختار،بما نصه ورأیت بخط ثقة سرق شاہ فذبحها بتسمیة فوجد صاحبها ھل توکل،الاصح لا،لکفرہ بتسمیته علی الحرام القطعی بلا تملك ولا اذن شرعی اھفیحرر اھ[4] فغیر معتمد ولا محرر،لمخالفته لما	تو درمختار کے باب الصید کے آخر میں جو واقع ہے وہ غیر معتمداور غیر محرر ہے،وہ عبارت یہ ہے،"میں نے ثقہ عبارت میں پایاکہ کسی نے بکری چوری کرکے ذبح کرلی اور اس پر بسم اللہ پڑھی تو مالک ناراض ہوا،کیا وہ کھائی جائے گی؟ (جواب) اصح یہ ہے کہ نہ کھائی جائے کیونکہ حرام قطعی پر بسم اللہ پڑھنے سے کفر ہونے کی بناء پر ملکیت اور اذن شرعی کے بغیر یہ عمل ہوا"،اھ اس کو واضح کیا جائے اھ

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[3] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۳

[4] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

فی الدر وغیرہ عامة معتمدات المذہب، ولذا قال فی ردالمحتار المعتمد خلافه بدلیل قولهم بصحة التضحیة بشاۃ الغصب واختلافهم فی صحتها بشاۃ الودیعة ولذا قال السائحانی، **اقول**:ھذا ینا فی ما تقدم فی الغصب، وفی الاضحیة فلا یعول علیه [1] اھ، ما فی ردالمحتار، **اقول**:و یؤید حدیث شاۃ ذبحت بغیر اذن مالکها، وقدمت للنبی صلی الله تعالٰی علیه و سلم فاخبرہ بذٰلك لحمها، فلم یتناول منه وامر بحمله الا ساری، والله تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے غیر معتبر ہے کہ در مختار اور دیگر عام کتب مذہب کے بیان کے خلاف ہے اور اسی لئے ردالمحتار میں فرمایا اس کا خلاف معتمد علیہ ہے اس پر دلیل فقہاء کا یہ قول ہے کہ غصب شدہ بکری کی قربانی صحیح ہے، اور امانت بکری کے متعلق اختلاف کیا، اور اسی لئے سائحانی نے فرمایا **میں کہتا ہوں** کہ یہ غصب میں بیان شدہ کے خلاف ہے اور قربانی کے بیان سے بھی مخالف ہے، ردالمحتار کا بیان ختم ہوا، **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح شدہ بکری حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی اور آپ کو واقع بتایا گیا تو آپ نے وہ گوشت نہ کھایا اور آپ نے وہ گوشت قیدیوں کو دے دینے کا حکم فرمایا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۱۳۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کافر نے ایک بکری پر اہلال لغیر اللہ کیا، اور بنام خدا ذبح کرنا چاہا، پھر کسی کے کہنے سے ذبح موقوف کرکے ایک شخص کو ہبہ کردیا نہ کہ اس غیر کے نام پر بلکہ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو ہبہ کرتے ہیں، آیا موہوب لہ کو خدا کے نام پر ذبح کرکے کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عندالتحقیق کریمہ "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ" [2] میں اہلال وقت ذبح مقصود، یعنی اس وقت اگر نام غیر خدا لیا گیا حرام ہے، اس معنی پر آیہ کریمہ کو صورت مسئولہ سے کچھ علاقہ ہی نہیں، اور بعض نے جو پیش از ذبح جانور پر نام غیر خدا پکار دینا مراد رکھا، ان کے نزدیک بھی استمرار اسی کا تادم شرط حرمت ہے۔ استدلال

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

شاہ عبدالعزیز صاحب کا حدیث "**ملعون من ذبح لغیر اللّٰہ**"[1] (جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا وہ ملعون ہے۔ت) اور عبارت نیشاپوری:

اجمع العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللّٰہ صار مرتدا ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد[2]۔	علماء کا اجماع ہے کہ اگر مسلمان نے جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے قصد کرتے ہوئے ذبح کیا تو وہ مرتد ہو جائے گا، اس کا ذبیحہ مرتد کے ذبیحہ کی طرح ہوگا۔(ت)

سے اس کا صاف مؤید ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب ایک بار اس پر نام خدا کا پکار دیا گیا نجس العین ہوگیا اب اگرچہ وہ نیت جاتی بھی رہے اور وقت ذبح تقرب الی اللہ ہی مقصود ہو، اور نام بھی خدا ہی کا لیا جائے حرام رہے گا، حالانکہ علت حرمت مرتفع ہو گئی اور ارتفاع علت کو ارتفاع معلول لازم، شاہ صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

آرے ذکر نام خدا براں جانور وقتے فائدہ می دہد کہ تقرب بغیر خدا از دل دور کردہ، وخلاف آں شہرت دادہ آواز دیگر دہند کہ ما ازیں کار برگشتیم[3]۔	ہاں اس جانور پر خدا کا نام ذکر کرنا تب فائدہ مند ہوگا جب غیر خدا کے تقرب کو دل سے نکال دے اور غیر خدا کے تقرب کے خلاف کو شہرت دے اور لوگوں کو بتائے کہ اس کام سے باز آگیا ہوں۔(ت)

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ اگر بعد اہلال للغیر ونیت فاسدہ زائل ہو جائے تو جانور قطعاً حلال ہے، خصوصاً صورت مسئولہ میں کہ یہاں تو وہ بکرا صاحب اہلال کی ملک ہی نہ رہا، دوسرے شخص کا مملوک ہوگیا کیا صرف ایک بار نام خدا پکار دینے سے اس میں وہ حرمت ابدی ونجاست سرمدی آگئی کہ اب اگرچہ وہ نیت بھی جاتی رہی، اور اہلال للغیر بھی موقوف ہو جائے بلکہ جانور صاحب اہلال کی ملک بھی نہ رہے، اور ملک ثانی خاص خدا کے نام پر ذبح کرے، بایں ہمہ اس کی حرمت نہ جائے؟ یہ امر بالبداہۃ باطل، اور اس بکر کی حلت میں باتفاق فریقین کوئی شبہ نہیں، **واللّٰہ تعالٰی اعلم وحکمہ عز اسمہ احکم۔**

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ص ۶۱۰

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱۱)

[3] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱۱)

مسئلہ ۱۳۸: ۱۴رمضان المکرم ۱۳۱۴ھ

جنگل میں صبح کے وقت بیل مذبوحہ پایا، مگر ذابح معلوم نہیں کہ کافر ہے یا مسلمان، اگر مسلمان ہے تو **بسم اللہ اللہ اکبر** کہی ہو یا نہ، آیا مذبوحہ حلال ہے یا حرام؟ اگر حلال ہے تو یہ جزئیہ کون سی کتاب میں ہے اور کون سے باب میں ہے یا "**مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللہِ**"[1] میں داخل کیا جائے کون سی دلیل کے ساتھ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ان بلاد میں کہ مومن اور کافر، مشرک، ملحد، زندیق ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایسا نامعلوم الحال ذبیحہ حلال نہ سمجھا جائے گا۔

کمابینہ فی الدر المختار[2] **وردالمحتار**[3] **من اٰخر الصید فراجعھما وفیہ تفصیل لا یعدو ماقلناہ، واللہ تعالٰی اعلم۔**	جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار کے باب الصید کے آخر میں اس کو بیان کیا ہے تو دونوں کتب کی طرف رجوع کرو اور اس میں تفصیل ہے جو ہمارے بیان کردہ سے زائد نہیں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۳۹: از بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ عبدالرشید خاں ۱۳جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

اور مدار صاحب کا مرغہ کرنا کیسا ہے؟ اور کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو جانور مسلمان نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا اور اللہ عزوجل کے لئے اس کی جان دے وہ حلال ہے، مرغ مزار پر لے جانا نہ چاہئے نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے، جو ذبح جہاں ہو اللہ کے لئے کرے ان کا ثواب ان کی روح کو پہنچادے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: مسئولہ انوار الحق چونیاں ضلع لاہور بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۰ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب کا حنفی المذہب کے مطابق ہے یا کہ نہیں، اور نیز اس میں لکھا ہے کہ پیر کے نام کا بکرا حرام ہے، خواہ وقت ذبح تکبیر کہی جائے، اب اے وارث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم! تحریر فرمائے کہ شاہ صاحب اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں، یا یہ کہ اس فتاوٰی کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہے اس

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

[3] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۶

فتوے کی تمام عبارت دو تین ورق پڑھ کر تحریر فرمائیں، اور نیز حضور نے کئی دفعہ پڑھا بھی ہوگا۔

الجواب:

اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نیت ذابح کا اعتبار ہے اگر اس نے اراقۃ دم تقربا الی اللہ کی اور وقت ذبح نام الٰہی لیا جانور بنص قطعی قرآن عظیم حلال ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی مالکم ان لاتاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم اسے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام پکارا گیا۔(ت)

تفصیل فقیر کے رسالہ "سبل الاصفیاء" میں ہے، شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی، اور وہ نہ فقط فتاوٰی بلکہ تفسیر عزیزی میں بھی ہے، اور نہ ایک ان کا فتاوٰی بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں سے کچھ متروک نہ ہو، سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل ماخوذ من قولہ ومردود علیہ الا صاحب ھذہ القبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ تمام حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا ہر ایک اپنے قول پر ماخوذ ہوگا اور قول کو اس پر رد کیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۱: از رام گڑھ سیٹھاں علاقہ سیکر شیخاوٹی، مدرسہ نور الاسلام، مسئولہ عبدالعزیز ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیروں کا بکرا جو مانتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ذبح اللہ عزوجل کے نام پر کیا جائے اور ثواب پیروں کو پہنچایا جائے، نہ اس میں حرج نہ اس کے ماننے میں حرج، مسلمان یہی کرتے ہیں اور ان کا مقصود ہوتا ہے، اس کے خلاف سمجھنا بدگمانی ہے، کمافی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) اور یہ بدگمانی حرام ہے، کمافی القرآن العظیم (جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲: از ریاسی ریاست جموں مولانا امام الدین گاذر مرسلہ پیر سید غلام شاہ کشمیری ۷ اصفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری کو شیر یا چیتے نے گلے سے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

پکڑااور خون پینے کے لئے رگوں کو چھید ڈالا یا سنانہ، اور بکری زندہ ہے، اگر ذبح کی جائے تو حلال ہوسکے گی یا نہیں؟ ادھر کشمیر اور پونچھ کے مفتی عدم حلت کا فتوٰی دیتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ وجیز امام کردری اور فتاوٰی عالمگیری میں ایسے جانور کو حرام لکھا ہے،

شاۃ قطع الذئب اوداجھا لاتحل بالذکوۃ وھی حیۃ [1]۔	بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں اور ابھی زندہ تھی تو ذبح کر دی گئی تو حلال نہ ہوگی۔(ت)

سے استدلال کرتے ہیں، اور نیز کہتے ہیں کہ چار رگیں کاٹنی فرض تھیں وہ شیر نے کاٹ ڈالیں، حالانکہ شیر رگیں بالکل نہیں کاٹتا صرف انھیں بیچ میں سے چھید ڈالتا ہے، مثلارگ کی اصل صورت یہ ہے، زخمی اس طرح ==== کردیتا ہے، بسااوقات دو ہی رگوں کو دانت مارتا ہے، موافق مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جواب ارشاد فرمایا جائے، اگر (ولو فرض) عقدہ توڑ جائے اور سب مذبح کھا جائے، تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ **بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب** (کتاب سے بیان فرمائیے یوم حساب اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

اللہ[عــــہ] عزوجل فرماتا ہے:

عــــہ:ایضا فتوائے مولوی محمد مرتضٰی از بلکوٹ، ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر کہ در تحریم مقطوع الاوداج من السبع بود ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ ایں عبارت نوشتہ شد فی الواقع اگر درندہ محل ذبح کہ مابین اللبۃ واللحیۃ ست دو یا بیشتر اوداج را برید کہ اتصال آنہا بدماغ یا سینہ منقطع شد حالا ذبح نتواں شد	نیز مولوی مرتضٰی از بلکوٹ ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر، نے درندہ کی قطع کردہ اوداج (گلے کی رگیں) پر جانور کو حرام قرار دینے کا فتوٰی ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ کو دیا، وہ عبارت یہ ہے: اگر فی الواقع درندے نے مقام ذبح جو لبہ اور لحیہ کے درمیان ہے میں دو یا زیادہ اوداج کو کاٹ دیا ہو کہ ان کا تعلق دماغ یا سینے سے منقطع ہوگیا ہو ایسی صورت میں (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الوجیز کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۱، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

"حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ "[1]۔	تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سوئر کا گوشت اور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام لیا گیا اور گلا گھونٹی، اور لاٹھیوں سے ماری اور اوپر سے گرنے والی، اور جسے کسی نے سینگ مارا، اور درندہ کی کھائی ہوئی، مگر جسے تم ذبح کرلو۔

یہ استثناء تمام مذکورات کی طرف راجع ہے جس سے متعلق ہو سکتا ہے، ظاہر ہے کہ خون اور گوشت ذبح نہیں ہو سکتے، عجب نہیں کہ اضافہ لفظ لحم میں یہی حکمت ہو کہ صلاحیت استثنا نہ رہے، اور مردار اور جو ایک بار ذبح ہو چکی صالح ذبح نہیں، بحمد اللہ تعالٰی یہاں سے وہابیہ کا رد ہو گیا، ما اُہل سے اگر ماذبح مراد لیتے ہیں جیسا کہ یہی حق اور یہی تفسیر ماثور ہے۔ تو قبل ذبح کسی کا نام پکارنے سے کیوں حرام بتاتے ہیں اور مطلق پکارنا مراد لیتے ہیں، تو جب اسے نام خدا پر ذبح کیا گیا کیونکر حرام کہتے ہیں، حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ "[2]۔ (مگر جسے تم ذبح کرلو۔ت) یہ چیزیں حرام ہیں مگر جسے تم ذبح کرلو وہ حلال ہے، پہلی صورت میں تو یہی تھا کہ

لفوات محلّہ پس الا ماذ کیتم صادق نیاید آرے اگر دندان زدہ رگ راقدرے شگافتہ، ست کہ خرق باشد نہ قطع یا در غیر محل مذکور چنانکہ در سریا بر صدر و مجروحہ ہنوز زندہ است آں، ذبح کردہ شد حلال می شود لبقاء محل الذبح فید خل فی قولہ تعالٰی الا ماذ کیتم تحقیق وتفصیل ایں مسئلہ در فتوائے فقیر جلد ہفتم کتاب الذبائح است، وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	وہ جانور ذبح کے قابل نہ ہوگا کیونکہ ذبح کا محل فوت ہو گیا، پس قرآن کا حکم الا ماذ کیتم صادق نہ آئیگا، ہاں اگر رگوں کو زخم ہوا اور وہ قدرے پھٹ گئی ہوں اور مکمل قطع نہ ہوئی ہوں یا محل ذبح مذکور کے غیر مثلاً سر یا سینہ کو درندے نے کاٹ دیا اور زخمی جانور ابھی زندہ ہو اور ذبح کرلیا گیا تو حلال ہوگا کیونکہ ذبح کا محل باقی تھا تو اللہ تعالٰی کے ارشاد الا ماذ کیتم میں داخل ہو گیا، اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی جلد ہفتم (جو کہ اب بیسویں ہے) کتاب الذبائح میں ہے، توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳

بغیر خداکے بتائے وہابیہ نے اپنی طرف سے حرام کہہ دیا، اور دوسری صورت جو خود وہابیہ لیتے ہیں اس سے بھی سخت تر ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے حلال بتایا اسے حرام بتاتے ہیں، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، پانچ اشیاء سے باقی ماندہ میں جو مر گئی صالح ذبح نہ رہی، اور جس میں کچھ بھی حیات باقی ہے اگرچہ کتنی ہی خفیف ہو، اگرچہ اس کی حالت کتنی ہی ردی ہو، اگرچہ اس میں صرف مذبوح کی سی تڑپ باقی ہو، جب ذبح کرلی جائیگی مطلقًا حلال ہو جائے گی اگرچہ ذبح کے وقت نہ خون دے نہ تڑپے جبکہ وقت ذبح اس میں حیات ثابت ہو اس لئے کہ رب عزوجل نے استثناء میں کوئی تفصیل نہ فرمائی، یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، اور اسی پر فتوٰی، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت والا لا، ان لم تدر حیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقًا وان لم تتحرك ولم یخرج الدم، وہذا یتأتی فی منخنقۃ و متردیۃ ونطیحۃ والتی بقرا لذئب بطنہا، فذکاۃ ہذہ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتہا خفیفۃ، وعلیہ الفتوی لقولہ تعالٰی الا ماذکیتم من غیر تفصیل[1]۔	بیمار بکری کو ذبح کیا جبکہ اس نے حرکت کی اور خون نکلا تو حلال ہے، ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا معلوم نہ ہو سکا، اور اگر اس موقعہ پر زندہ ہونا معلوم تھا تو مطلقًا حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کی اور نہ خون نکلا ہو، یہ صورت گلہ گھونٹی ہوئی، اوپر سے گرنے والی، سینگ زدہ، اور جس کا پیٹ درندے نے پھاڑ دیا ہو، میں پائی جاتی ہے تو ایسے جانور ذبح کردئے جائیں تو حلال ہوں گے، اگرچہ ذبح کے وقت خفیف سی زندگی معلوم ہوجائے اور اسی پر فتوی ہے اللہ تعالٰی کے قول الاماذکیتم مطلق کی بناء پر۔ (ت)

ولہذا ہمارے علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر درندہ نے جانور کا پیٹ چاک کردیا، یا بالکل سر سے جدا کرکے لے گیا، اور ابھی اس میں حیات باقی ہے ذبح کرنے سے حلال ہو جائے، وجیز کردری جس سے بحوالہ عالمگیری سوال میں استدلال ہے، اس کی پوری عبارت کتاب السیر سے چند سطر پہلے یہ ہے:

شاۃ قطع الذئب اوداجہا وھی حیۃ لاتذکی لفوات محل الذبح، ولو بقر الذئب بطنہا وھی	بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں ابھی زندہ ہے مگر ذبح کے قابل نہ ہو تو ذبح نہ ہوگی کیونکہ ذبح کا محل نہ رہا، اور بھیڑیئے نے

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

حیۃ تذکی لبقاء محل الذبح فتحل لوذبحت ولو انتزع الذئب راس الشاۃ وبقیت حیۃ تحل بالذبح بین اللبۃ واللحیین[1]۔	اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور ابھی زندہ ذبح کے قابل ہے تو ذبح کی جائے کیونکہ ذبح کا محل باقی ہے، اور اگر بھیڑیئے نے سر کاٹ لیا ابھی زندہ تھی اور ذبح کرلی گئی لبہ اور لحیہ کے درمیان سے تو حلال ہوگی۔(ت)

صورت مسئولہ کا آیہ کریمہ کے اطلاق اور ہمارے امام اعظم کے مذہب مفتی بہ میں داخل ہونا ظاہر ہے اور عبارت وجیز اس سے متعلق نہیں۔ وجیز میں وہ صورت منع کی ہے، درندہ رگیں قطع کردے، اور سوراخ کرنا قطع کردینا نہیں کہ اس میں سینہ سے سرتک رگوں کا اتصال بحال رہتا ہے، اور قطع اس وصل کا فصل کردیتا ہے۔ ردالمحتار میں علامہ علی مقدسی سے ہے:

المراد بقطعھا فصلھا من الراس اوعن الاتصال باللبۃ[2]۔	کاٹنے سے مراد یہ کہ سر سے جدا کرلیا یا لبہ سے تعلق کاٹ دیا۔(ت)

جواب مسئلہ کو اسی قدر بس ہے، اور اگر تحقیق مقام درکار ہو **فاقول: وباللہ التوفیق** (تومیں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) وجیز کی عبارت مذکورہ میں تین فرعیں ہیں؟

اول: بھیڑیا نے بکری کی رگھائے گردن کاٹ دیں۔

دوم: پیٹ چاک کردیا۔

سوم: سر جدا کردیا۔

پہلی میں حکم دیا ہے کہ ذبح نہیں ہوسکتی، اور دو باقی میں فرمایا ذبح کرلیں حلال ہوجائے گا، اول و سوم کے حکم میں بظاہر صریح تناقض ہے، یہ رگیں دماغ سے دل تک ہوتی ہیں، بدائع وفتاوائے امام قاضی خاں وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

الاوداج متصلۃ من القلب بالدماغ[3]۔	اوداج، دل تا دماغ متصل ہوتی ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

[3] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۵، بدائع الصنائع کتاب الذبائح والصید فصل واما بیان شروط حل الاکل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۵۲

توجب سر جدا کر دیا قطعاً یہ رگیں قطع کر دیں، توفرع اول کے حکم سے فرع سوم میں بھی حرمت چاہئے تھی اور حکم یہ دیا کہ ذبح کرے تو حلال ہے۔اب اگر یوں توفیق کیجئے کہ ہمارے امام کے نزدیک صحت ذبح کے لئے مطلقاً حیات درکار ہے، اگرچہ اسی قدر جو مذبوح میں بعد ذبح ہوتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک اتنی حیات کافی نہیں، امام محمد فرماتے ہیں بس اس سے زائد ہو، اور شرط نہیں، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں: نہیں، بلکہ یہ چاہئے کہ اتنے زخم کے بعد جانبر ہوسکے، ہدایہ میں ہے:

لو انہ ذکاہ حل اکلہ عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فیہ حیوۃ خفیۃ، اوبینۃ، و علیہ الفتوی، لقولہ تعالٰی اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ مطلقاً من غیر فصل وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اذا کان بحال لایعیش مثلہ لایحل لانہ لم یکن موتہ بالذبح، وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی ان کان مثلہ فوق مایعیش المذبوح یحل، والا فلا لانہ لامعتبر بھذہ الحیوۃ [1]۔	اگر ذبح کے وقت خفیف سی زندگی بھی ہو اور ذبح کرلی گئی تو امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے اللہ تعالٰی کے ارشاد الا ماذکیتم مطلق کی بناء پر، جس میں کوئی تفصیل نہیں ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ ایسی حالت میں ہو کہ زندہ نہ رہ سکے تو حلال نہ ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں اس کی موت ذبح سے واقع نہ ہوگی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ایسی حالت میں ہو کہ ذبح شدہ سے زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتی ہو تو ذبح کرنے سے حلال ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ ایسی زندگانی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔(ت)

فرع اول قول صاحبین پر مبنی ہے کہ قطع اوداج کے بعد حیات، حیات مذبوح سے اصلا زائد نہیں ہوتی، لہٰذا وہ حکماً میت ہے، اور میت محل ذبح نہیں، تواب ذبح نہیں کرسکتے لفوات محل الذبح، اور فرع سوم قول امام پر مبنی ہے کہ اگرچہ سر جدا ہوگیا مگر جبکہ جانور ابھی تڑپ رہا ہے حیات باقی ہے اگرچہ حیات مذبوح سے زائد نہیں سہی، لہٰذا محل ذبح ہے ذبح کرلیں حلال ہوجائے گا، اور فرع دوم میں اگر صرف جلد چاک ہوئی کہ سی کر اندمال وحیات متصور ہو تو بالاجماع حلال ہے، اور نامتصور ہو تو صرف قول امام پر، یوں اگر توفیق کریں جب توظاہر ہے کہ فرع اول سے استناد صحیح نہیں، کہ وہ خلاف قول امام وخلاف مذہب مفتی بہ ہے اور اگر ایسی تاویل چاہئے کہ وہ بھی قول امام کی طرف رجوع کرآئے تواب فوات محل ذبح میں تنقیح مناط

[1] الہدایہ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۳

کرنی ہوگی **فاقول:** **وبہ نستعین** اس فوت کے یہ معنی تو بداہۃً نہیں کہ محل ذبح مابین اللبۃ واللحیین تھا وہ معدوم ہوگیا کہ کلام قطع اوداج میں ہے، نہ اس صورت میں کہ بھیڑیا سینہ تک ساری گردن کاٹ کرلے گیا، نہ یہ معنی ہیں کہ محل ذبح اوداج تھیں وہ فنا ہوگئیں کہ قطع تفریق اتصال ہے نہ کہ اعدام، لاجرم یہ معنی ہیں کہ محل اگرچہ باقی ہے مگر اس میں قابلیت فعل ذبح کی نہ رہی، تو محل من حیث ہو محل فوت ہوگیا، اگرچہ ذات باقی ہے، اب فنائے قابلیت میں نظر چاہئے کہ کس صورت میں اس کا فوت ہونا ہے، یہاں اس کی تین صورتیں متصور:

اول: یہ کہ اب معنی ذبح متحقق نہیں ہوسکتے۔

دوم: مقصود ذبح فوت ہوگیا، اور شے جب مقصود سے خالی ہو باطل ہوجاتی ہے۔

سوم: معنی ذبح قبل ذبح فعل غیر ذبح شرعی سے متحقق ہولئے، اور ذبح صالح کی تکرار نہیں، مذبوح کو ذبح نہیں کرسکتے، ولہٰذا اگر مسلمان نے جانور ذبح کردیا اور وہ ابھی پھڑک رہا ہے، دوبارہ مجوسی نے ذبح کیا حرام نہ ہوگا، اور اس کا عکس ہو تو حلال نہ ہوسکے گا، **فان الذبح لایعاد** (کیونکہ ذبح دہرایا نہیں جاتا۔ت) اول کی طرف راہ نہیں کہ معنی ذبح قطع اوداج حی بین اللبۃ واللحیین ہے۔ کنز میں فرمایا: **الذبح قطع الاوداج**[1] (ذبح کی اوداج کو کاٹنا ہے۔ت) پھر فرمایا: **والذبح بین الحلق واللبۃ**[2] (ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہے۔ت) تبیین الحقائق میں فرمایا:

والمیت لیس بمحل للذکاۃ[3]۔	میت محل ذبح نہیں۔ (ت)

جب تک جانور زندہ ہے اور گلا اور اس پر وہ رگیں باقی ہیں ضرور قابل قطع ہیں تو معنی ذبح متحقق نہ ہوسکنا کیا معنی، قطع اوداج کا جواب اوپر معلوم ہولیا کہ فرع سوم میں بھی قطع اوداج متحقق ہے۔ اور حکم حلت ہے یونہی دوم کی گنجائش نہیں، اگر کہئے مقصود ذبح انہار دم تھا اور وہ فعل سبع سے ہولیا، تو یہ وجوداً وعدماً ہر طرح باطل ہے۔ فرع سوم میں انہار دم ہوگیا اور قابلیت ذبح باقی ہے اور وقت ذبح حیات معلوم ہو اور ذبح سے خون نہ نکلے حلت ہوجائے گی، **کما تقدم**، حالانکہ انہار دم نہیں، اگر کہے مقصود ذبح ازہاق روح ہے، اور وہ اس صورت میں فعل سبع کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ جانب ذبح، تو یہ وہی قول صاحبین غیر مفتی بہ ہے **کما قدمنا عن الھدایۃ** (جیسا کہ ہدایہ میں سے گزرچکا ہے۔ت) معہذا فرع سوم اس

---

[1] کنز الحقائق کتاب الذبائح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶۱

[2] کنز الحقائق کتاب الذبائح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶۲

[3] تبیین الحقائق کتاب الصید المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۵۲

پر بھی نقض کو موجود، لاجرم صورت سوم مقصود یعنی جہاں قبل ذبح قطع اوداج بین اللبۃ واللحیین واقع ہولے وہاں محل ذبح نہ رہا، یعنی محلیت و قابلیت ذبح فوت ہوگئی کہ ذبح دوبارہ نہیں ہوتا، اور جہاں یہ معنی قبل ذبح متحقق نہ ہوئے عام ازیں کہ سرے سے اوداج قطع ہی نہ ہوئیں یا کسی ایسے فعل سے کہ انسان کی طرف منسوب نہ ہو قطع تو ہوئیں مگر موضوع ذبح پر قطع نہ ہوئیں اور ہنوز حیات باقی ہے وہاں محل ذبح فوت نہ ہوا ذبح کرسکتے ہیں اور موجب حلت ہوگا، اب فروع میں تطابق ہوگیا اور صورت مسئولہ کا حکم بھی کھل گیا، فرع سوم سے مراد اس طرح سر جدا کرنا ہے کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہو کہ اگرچہ قطع واقع ہو مگر محل ذبح میں نہ ہوا تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے اور فرع اول سے مراد وہ قطع اوداج ہے کہ بین اللبۃ واللحیین ہو کہ اب تقدم معنی ذبح سے قابلیت ذبح، اور الاماذ کیتم کے تحت میں داخل ہونے کی صلاحیت نہ رہی اور یہی صورت کہ اس فرع ملتقط میں مراد ہے، جو بظاہر فرع سوم کے صریح مناقض ہے، اسی عالمگیری میں عبارت وجیز سے پہلے ہے:

سنور قطع راس دجاجۃ فانہا لاتحل بالذبح وان کان یتحرك کذا فی الملتقط [1]۔	مرغی کا سر بلی نے کاٹ دیا تو وہ ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگی اگرچہ وہ ذبح کے وقت حرکت کرے ملتقط میں یوں ہے۔(ت)

اور فرع دوم خود ظاہر ہے کہ اس میں سرے سے قطع اوداج ہی نہیں، اب تمام فروع متفق اور سب مذہب امام ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر منطبق ہیں، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (یوں تحقیق چاہئے کہ اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت) ظاہر ہے کہ صورت سوال فرع دوم کے مثل ہے، اور اس میں بھی قطع نہیں اور ذبح قطع ہے، تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے، کیا اگر جانور کی رگہائے گردن برمے سے چھید دیں ذبح ہوجائے گا، ہر گز نہیں، کہ چھیدنا قطع کرنا نہیں تو محلیت ذبح ضرور موجود ہے اور بعد ذبح حلت لازم، یہیں سے دو سوال باقی کا جواب ظاہر ہوگیا اور سب مذبح کھالیا محل ذبح نہ رہا، یونہی اگر عقدہ توڑ لیا تو قطع اوداج محل ذبح میں بھی واقع ہوا، بہر حال اب قابلیت ذبح نہ رہی، حلت نہیں ہوسکتی اور اگر عقدہ سے اوپر صرف سر جدا کرلیا کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہوا تو محل ذبح باقی ہے، بعد ذبح حلت چاہئے اگر ہنوز روح باقی ہو، ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی (میری سمجھ میں یوں ہے، علم حق تو میرے پروردگار کے ہاں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۷

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ والی علی صاحب کانسٹبل از تھانہ بہیڑی ضلع بریلی　　　　۱۴ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کتا کسی جانور کو پکڑلے، اور اس جانور کے زخم کتے کی پکڑ کا ہوجائے، اور بعد میں جانور ذبح کرلیا جائے تو وہ حلال ہے یا حرام؟

الجواب:

شکاری کتا جبکہ بسم اللہ کہہ کر چھوڑا گیا اگر جانور اس کے زخم سے مرجائے تو حلال ہے، اور اگر زندہ ملے اور ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے، زاس کے زخم سے جانور میں کوئی حرج نہیں آتا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۴و۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اگر ذبیحہ ذبح کیا جائے اور وہ بعد میں ایک دیر کے خون دے، تو کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عورت یا لڑکے کے ذبیحہ کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) پہلی صورت میں حلت میں کوئی شبہ نہیں، خروج خون علامت حیات ہے، اور بعد دیر کے نکلنا اس کا غیر مانع، بلکہ اگر خون نہ دے عـــہ فقط حرکت کرے اور تڑپے تاہم کھانا اس کا جائز ہے کہ شرط حلت حیاۃ عند الذبح ہے نہ کہ خروج دم۔

فی تنویر الابصار ذبح شاۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت[1]۔	تنویر الابصار میں ہے: ذبح کرنے پر بکری نے حرکت کی یا خون نکلا، تو حلال ہوگی۔ (ت)

(۲) عورت و لڑکے کا ذبیحہ اگر وہ قواعد و شرائط ذبح سے واقف ہیں اور مطابق شرع ذبح کرسکتے ہیں بلاریب حلال ہے،

فی الدر المختار وشرط کون الذابح مسلما ولو امرأۃ او صبیا یعقل التسمیۃ	درمختار میں ہے: مسلمان اگرچہ عورت یا بچہ ہو شرط یہ ہے کہ بسم اللہ اور ذبح کو جانتا ہو،

عـــہ: لکنہ فیہ اختلاف ذکرہ فی الھدایۃ فی کتاب الصید ۱۲منہ۔	لیکن اس میں اختلاف ہے جس کو ہدایہ کی کتاب الصید میں ذکر فرمایا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

والذبح ویقدر [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس عمل پر قادر ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤمیش قریب المرگ کو ذبح کیا گیا، اختلاف اس امر میں ہے کہ وہ زندہ تھی کہ مرچکی تھی، ذبح کرنے والا نیز چند اور شخص کہتے ہیں کہ وہ زندہ تھی لیکن دو شخص کی یہ رائے ہے کہ وہ مرچکی تھی، بعد ذبح کے کسی عضو نے جنبش نہ کی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، واقعات یہ ہیں کہ یہ بھینسیں بعد ذبح کرنے کے ایک قصاب کے ہاتھ دس روپیہ میں فروخت کردی تھی وہی دونوں شخص جو کہتے ہیں کہ وہ مرگئی تھی قصاب کو بہکادیا، قصاب مذکور نے اس کا گوشت دفن کردیا اور کھال لے گیا اور بریلی فروخت کرآیا، گوشت کی قیمت اس کو معاف کردی گئی صرف کھال کی قیمت جو چھ روپے اس کو طے کردی گئی تھی، اور وہ اس نے بریلی میں بہت منافع کے ساتھ فروخت کیا طلب کی جاتی ہے لیکن وہ چھ روپے دینے سے بھی انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ تم لوگوں نے مردہ جانور کی کھال نکلوا کر مجھے ناپاک کردیا، میرے برادری والے مجھے نکال دیں گے، میں قیمت نہیں دوں گا، دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس قصاب پر کیا برائی آسکتی ہے، اگر یہ خیال کرلیا جائے کہ وہ مرگئی تھی اور دھوکا میں ایسا کیا گیا۔

الجواب:

ذبح ہوتے وقت بھینس کا زندہ ہونا خوب معلوم تھا، یا ذبح کے بعد وہ تڑپی، یا ایسا خون دیا جیسا زندہ جانور سے نکلتا ہے، یا اور کوئی علامت زندہ کی پائی گئی، مثلاً منہ یا آنکھ بند کی یا پاؤں سمیٹے یا بدن کے بال کھڑے ہوئے تو وہ حلال ہے اور کھانا جائز، اور قصاب پر دس روپے واجب، اور اگر وقت ذبح اس کا زندہ ہونا تحقیق نہ تھا، نہ بعد ذبح کوئی علامت زندگی کی پائی عـــہ گئی نہ ایسا خون نکلا، نہ وہ حرکت کی، بلکہ بالکل ساکن رہی، یا منہ یا آنکھ کھل گئی، یا پاؤں پھیل گیا، یا بال بچھ گئے، تو بھینس حرام ہے، اور قصاب پر ایک پیسہ بھی واجب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷: مسئولہ احمد حسن بنگالی طالبعلم مدرسہ اہل سنت وجماعت ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

صدقہ کا جانور بلا ذبح کئے جانور ہی کسی مصرف صدقہ کو دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

عـــہ: اصل میں تحریر ہے۔: "ڈالی گئی" ۱۲ عبدالمنان الاعظمی۔

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

الجواب الملفوظ

اگر صدقہ واجبہ ہے اور وجوب خاص ذبح کا ہے تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، مگر اس حالت میں کہ ذبح کے لئے وقت متعین تھا جیسے قربانی کے لئے ذی الحجہ کی دسویں گیارھویں عـــہ اور وہ وقت نکل گیا تو اب زندہ تصدق کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: مسئولہ شیخ محمد وزیر صاحب پٹیل از قصبہ تحصیل اون ضلع ایوت محال ملک برار ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک بیٹا بکر چالیس روپیہ کا ملازم سرکار ہے، زید کا آبائی واجدادی پیشہ یہ ہے کہ روزانہ ہر بز قصاب کے مکان پر جانا، اور جس قدر بکریاں ذبح کرنے کی ہوں، ان کو ذبح کردینا اور ان کی اجرت میں فی راس ایک آنہ پیسہ یا پاؤ بھر گوشت لینا، چلا آتا ہے، اور نیز ہر مواضعات قریب میں جاکے قوم ہندو کے مکان پر جو ان کی پرستش کا بکرا ہوتا ہے، اس کو ذبح کردیتا ہے، اور اس کی اجرت لیتا ہے، یہ پیشہ اس وقت تک جاری ہے، اور سنا گیا ہے کہ ذابح البقر وقاطع الشجر ودائم الخمر کی بخشش میں احتمال ہے، اگر اس مسئلہ کی کچھ بنیاد ہے اور یہ سچ ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم بواپسی ڈاک جواب باصواب سے سرفراز فرمائے،

الجواب:

گائے بکری کا ذبح کرنا جائز ہے،

قال اللہ تعالٰی " اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةًؕ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی نے تمھیں حکم دیا ہے کہ گائے کو ذبح کرو۔ (ت)

وہ قول کہ لوگوں میں مشہور ہے محض بے اصل ہے، قطع شجر کی بھی اجازت قرآن عظیم میں موجود ہے۔

قال اللہ تعالٰی " مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىٕمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم نے جو سبز درخت کاٹے یا ان کو تم نے باقی کھڑا رہنے دیا تو یہ اللہ تعالٰی

عـــہ: اصل میں بارھویں نہیں ہے غالباً ناقل کا سہو ہے ۱۲ عبدالمنان الاعظمی۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

اللہِ "[1]	کے حکم سے ہوا۔(ت)

ہاں دائم الخمر البتہ مرتکب سخت کبیرہ اور مستحق عذاب نار ہے، مگر یہ کہنا اس کی نسبت بھی باطل ہے کہ اس کی مغفرت کبھی نہیں ہوگی یہ صرف کافر کے لئے ہے، مسلمان کیسا ہی گنہگار ہو زیر مشیت ہے چاہے عذاب فرمائے تو اس کا عدل ہے، چاہے بلا عذاب بلکہ بلاحساب بخش دے تو اس کا فضل ہے۔

" اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ "[2]	اللہ تعالٰی نہ مغفرت فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، اور مغفرت فرمائے گا اس سے کم کو جس کو وہ چاہے گا۔ (ت)

پھر مسلمانوں میں سے جس پر عذاب فرمائے گا ہرگز وہ عذاب دائم نہ ہوگا، انجام بلاشبہ مغفرت ہے، اور جب ان جانوروں کا ذبح جائز ہے اس پر اُجرت مقرر کرکے لینا بھی جائز ہے کما ھو حکم مباح یحتاج الی عمل (جیسا کہ ہر مباح محتاج العمل کا حکم ہے۔ت)

اب یہاں متعدد صورتیں ہیں، سائل دو اجرتیں بتاتا ہے، ایک آنہ یا پاؤ بھر گوشت، یہ اگر یوں ہے کہ کبھی ایک آنہ مقرر کرلیا جاتا ہے کبھی پاؤ بھر گوشت تو وہ آنہ جائز ہے، اور گوشت کہ اسی جانور کا قرار پاتا ہے ناجائز ہے لانہ کقفیز الطحان (کیونکہ یہ پیسنے والے آٹے کا حصہ قفیز کی طرح ہے۔ت) بلکہ اگر اس جانور کا نہ ٹھہرے جب بھی گوشت کثیر التفاوت چیز ہے۔

لانہ قیمی فلا یصلح دینا علی الذمۃ ویقع فیہ النزاع وکل ماکان کذالك یورث الفساد۔	کیونکہ یہ قیمت والی چیز جو کسی کے ذمہ دین نہیں بن سکتی اور اس میں تنازعہ ہوتا ہے اور جو ایسی چیز ہو وہ فساد برپا کرتی ہے۔(ت)

اور اگر یہ معنی ہیں کہ تعین کچھ نہیں ہوتا کبھی ایک آنہ دیتے ہیں کبھی گوشت، تو یہ جہالت اجر ہے، جہالت اجر مفسد اجارہ ہے۔ بہر حال اُجرت میں گوشت کا قدم درمیان ہے اجارہ فاسد ہے، اور عقد فاسد حرام واز قبیل ربا ہے، اور اس کا عادی ہو نا ضرور موجب فسق، اور اس کا پیشہ کرنے والا فاسق معلن، اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنا منع، اور پڑھی تو پھیرنا واجب۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۴۸ و ۴/ ۱۱۶

فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: ولو قدموا فاسقا یأثمون[1] (اگر فاسق کو امام بنایا تو بنانیوالے گنہگار ہوں گے) زیلعی وغیرہ میں ہے:

لان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اہانته شرعا[2]۔	کیونکہ آگے کرکے امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعاان پر اس کی اہانت لازم تھی۔(ت)

رہا یہ کہ وہ ہندو کی پرستش کا بکرا اس کے یہاں جاکر ذبح کرتا ہے، اور اس کے ذبح سے تعظیم الٰہی کی نیت کرتا اور اللہ عزوجل کا نام لیتا ہے، تو جانور حلال ہو جائے گا، مگر یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے فی الهندیة توکل ویکرہ للمسلم[3] (ہندیہ میں اسے حلال اور مسلمانوں کے لئے مکروہ کہا گیا ہے۔ت) اور اگر اس کافر ہی کی نیت پر ذبح کرتا ہے تو جانور تو مردار ہوا ہی اس ذابح کا ایمان بھی بچنا مشکل ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ مسلمان پر حتی الامکان بدگمانی کی اجازت بھی نہیں کہ اس کا مقصود فقط اپنے ٹکے سیدھے کرنا ہوگا نہ کہ معبود باطل کی تعظیم کہ مسلمان سے متوقع نہیں، نہ معبود حق کی تعظیم کا خیال آتا ہوگا، تو یوں بھی یہ فعل سخت شنیع اور جانور کی جان کی ناحق تضییع ہے، پھر اس کی امامت سے احتراز چاہئے کہ وہی احتیاط جو ہمیں اس پر بدگمانی نہیں کرنے دیتی نماز میں اسے امام نہ بنانے دے گی،

فان سوء الظن شیئ، والحزم شیئ اٰخر، وهذا من باب الخروج ومن اتقی الشبهات فقد استبراء لدینه و عرضه، واللہ تعالٰی اعلم۔	بدگمانی علیحدہ چیز ہے، اور احتیاط دوسری چیز ہے، اور یہ علیحدہ رہنا ہے، اور جو شخص شبہات سے بچا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ بنالیا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۹: مرسلہ غلام نبی صاحب ساکن موضع میانہ ٹھٹہ ضلع گوجرانوالا ڈاک خانہ موز اتوار، ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی چراغ دین امام مسجد نے ایک بکرا ذبح کیا اور اس کا چمڑا مسمّٰی حا کو قوم خاکروب نے اتارا اور گوشت بنایا، اور گوشت مذکور کو چند مسلمانوں نے مل کر تقسیم کرلیا اور اپنے گھروں میں پکا کر کھایا، کیا وہ گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس بات کا خلاصہ حال مع ثبوت حدیث و

---

[1] غنیة المستملی شرح منیة المصلی فصل فی الامامة سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامة المطبعة الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

قرآن شریف ارسال فرمائیں، اور اس مسئلہ کو اخبار دبدبہ سکندری شائع کرادیں۔

الجواب:

جب وہ جانور مسلمانوں نے اللہ عزوجل کے لئے تکبیر کہہ کر ذبح کیا تو حلال ہوجانے میں کوئی شبہہ ہی نہ رہا، خاکروب کا گوشت بنانا وہ اگر اس وجہ سے ہے کہ بکرا اسی کی ملک تھا اور اس نے اپنے ظاہر پیر وغیرہ کسی معبود باطل کے لئے ذبح کرایا تو اس کا کھانا مسلمانوں کو مکروہ ہے **کما نص علیه فی الهندیة** (جیسا کہ ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اسی طرح اگر کسی معبود باطل کے لئے ذبح نہ کرایا، بلکہ اس نے ان کی دعوت کی تھی تو اس دعوت کا ہی قبول کرنا نامناسب تھا، اور اگر بکرا مسلمان کی ملک تھا اور اس سے بنوایا، اور وہ اپنا ناپاک پیشہ کرتا ہے اور اس کے ہاتھ خوب پاک نہ کرالئے تھے، تو سخت بے احتیاطی کی، اور اگر اس کے ہاتھ پاک کرائے تھے یا وہ قوم کا خاکروب ہے یہ پیشہ نہیں کرتا، تو یہ دیکھا جائے کہ وہاں کے عرف میں خاکروب کی چھوئی ہوئی چیز سے پرہیز کرتے اور اس کے استعمال کو معیوب جانتے ہیں یا نہیں، اگر جانتے ہیں، اور ان لوگوں نے بے پروائی کی تو مصلحت دینی کے خلاف کیا اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشروا ولا تنفروا**[1] (خوشخبری دو، منافرت پیدانہ کرو۔ت) دوسری حدیث میں ہے: **ایاك ومایسوء الاذن**[2] (کانوں کے لئے تکلیف دہ بات سے بچو۔ت) تیسری حدیث میں ہے:

ایاك ومایعتذر منه فان الخبر لا معتذر منه[3]۔	معذرت والی چیز سے بچو، تو بیشک خبر معذرت خواہی والی چیز نہیں ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ بکرا وقت ذبح سے مسلمانوں کے ہاتھ میں پہنچنے تک مسلمانوں کی نگاہ سے غائب نہ ہوا، اور اگر ذبح کرکے اسے دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا، اس نے گوشت بنایا اور مسلمانوں کو دیا تو اب اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا،

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولهم بالموعظة والعلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] مسند احمد بن حنبل بقیه حدیث ابی الغادیة رضی اللہ تعالٰی عنه المکتب الاسلامیه بیروت ۴/ ۷۶، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و ۸۶۷ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۴۷

[3] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/ ۳۲۷، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۴۷

فان الکافر لایقبل قوله فی الدیانات [1]۔	دین کے امور میں کافر کی بات قابل قبول نہیں۔(ت)

ہاں اگراس کو اجیر کیا ہو تو جواز رہے گا،

لان الکافر یقبل قوله فی المعاملات وان تضمنت شیئا من الدیانات،وکم من شیئ یثبت ضمنا لایثبت قصدا [2]۔وتبیینه فی التبیین وغیرہ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ کافر کی بات معاملات میں اگرچہ وہ دیانات کو متضمن ہوں، قابل قبول ہے، جبکہ بہت سے امور ضمناً ثابت ہوتے ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتے،اس کی وضاحت تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۰: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا ازروئے شرع شریف کے جائز ہے یانہیں؟اگر جائز ہے تواحادیث سے ثابت ہے یا قول فقہاء سے اور فتوٰی قول امام اعظم پر ہے یا صاحبین؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صاحبین کے نزدیک حلال ہے،اور امام مکروہ فرماتے ہیں، قول امام پر فتوٰی ہوا کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی،اور اصح وراجح کراہت تحریم ہے۔

صححه الامام قاضی خاں فی فتاواہ،وقد قالوا انه فقیه النفس ولا یعدل عن تصحیحه وقال الشامی ثم نقل ای القهستانی تصحیح کراهة التحریم عن الخلاصة والهدایة والمحیط والمغنی و القاضی خاں و العمادیة وغیرها وعلیه المتون [3] اھ ومعلوم ان الترجیح للمتون وانها الموضوعة	امام قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصحیح فرمائی ہے جبکہ فقہاء نے فرمایا: قاضی خان فقیہ النفس ہیں، لہٰذا اس کی تصحیح سے عدول نہ ہوگا،اور علامہ شامی نے فرمایا کہ پھر قہستانی نے خلاصہ،ہدایہ، محیط، مغنی، قاضی خاں اور عمادی وغیرہا سے کراہت تحریمہ کی تصحیح نقل کی ہے،اور کہا کہ اس پر متون وارد ہیں اھ اور واضح بات ہے کہ ترجیح متون کو ہے اور وہ مذہب کو نقل کرنے کے لئے وضع

[1] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

لنقل المذہب فلا یعارضها ما فی کفایة البیہقی بخلاف انه ظاہر الروایة و لافتوی الجمهور (عه) المنقول بقیل بعد ما قدمنا(عه) من التصحیحات الجلیلة للائمة الجلة۔	کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ان کا خلاف جو کفایۃ البیہقی میں بیان کیا ہے وہ متون کے معارض نہیں ہو سکتا، اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، اور قیل کے ساتھ نقل شدہ جمہور کا فتوٰی بھی ان کا معارض نہیں ہو سکتا خصوصاً ہماری ذکر کردہ اجلہ ائمہ کی تصحیحات کے بعد (ت)

بہر حال مسئلہ اس قابل نہیں کہ اس پر فتوٰی فساد دیا جائے، یا فریق بندی عمل میں آئے، واللہ الموفق واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفر اللہ لکم ہذہ المسئلۃ افیدونا یرحمکم اللہ تعالٰی دربارہ اکل فرس، بعض قائل بکراہت تحریمی و بعض بکراہت تنزیہی، ولیکن بہر صورت شیرش جائز داشتہ اند، تحقیق دریں باب چیست؟	علمائے کرام اللہ تعالٰی تمہاری مغفرت فرمائے آپ کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے، ہمیں افادہ فرماؤ، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، گھوڑے کا گوشت کھانے میں بعض مکروہ تحریمہ اور بعض مکروہ تنزیہیہ کے قائل ہیں، جبکہ اس کے دودھ کو بہر صورت جائز مانتے ہیں، اس مسئلہ میں تحقیق کیا ہے۔ (ت)

الجواب:

درمسئلہ گوشت اسپ علماء رامعترک عظیم ست، و تصحیح نیز مختلف و کراہت قول امام ست، بس اسلم احتراز تام ست، ہمچناں بر مذہب امام در شیر او نیز اختلاف کردہ اند، امام قاضی خاں بتحریم رفتہ، ودر درمختار جواز را وجہ گفتہ، بریں روایت وجہ فرق خود پیدا است کہ	گھوڑے کے گوشت کے مسئلہ میں علمائے کرام کا عظیم معرکہ ہے اور تصحیح بھی مختلف ہے، کراہت امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، پس مکمل احتراز میں بہتری ہے، اور اس کے دودھ کے متعلق بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب کے بیان میں اختلاف ہے، امام قاضی خاں علیہ الرحمۃ حرمت کی طرف گئے اور درمختار نے جواز کو وجہ قرار دیا ہے۔ اس

عہ: لفظ "جمہور" اندازہ سے بنایا گیا ۱۲ عبدالمنان۔

عہ: اندازہ سے "بعد" کا لفظ بڑھایا ۱۲ عبدالمنان۔

در تحلیل لحم تقلیل آلہ جہاد ست بخلاف لبن، باز ایں ہمہ بر تقدیرے ست کہ بحد سکر نہ رسد، ورنہ تعمداایں بالاتفاق ممنوع باشد، کمالایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار کی روایت کے مطابق گوشت اور دودھ میں فرق کا واضح بیان ہے کہ گوشت کو حلال کردینے میں آلہ جہاد کی قلّت پیدا کرنا ہے جبکہ دودھ کا معاملہ اسکے خلاف ہے، اور دودھ کی بحث اس حد تک ہے جس میں سکر یعنی نشہ نہ ہو، ورنہ قصداا تنی مقدار پینا ممنوع ہے جیساکہ مخفی نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۲: از دارا گنج ضلع بجنور مرسلہ ممتاز مسیح صاحب ایم اے مشن مورخہ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ہادی دین جناب مولانا صاحب! عرض مدعا یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت حنفی مذہب میں گھوڑا اور اقسام اور اس کے مثل خچر وگدھے کے حلال ہیں یا حرام؟ یاان تینوں جانوروں میں سے کون سا جانور حلال ہے؟ مہربانی فرماکر بحوال حدیث شریف یا قول علماؤں کے جواب سے مشرف فرمائے۔

الجواب:

گدھا حرام ہے،، یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہوا اگرچہ باپ گدھا نہ ہو، اور ہمارے امام اعظم علیہ الرضوان کے مذہب میں گھوڑا مکروہ تحریمی ہے یعنی قریب بحرام، یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو، حدیث میں ہے:

نھی علیہ اجل الصلٰوۃ والسلام یوم خیبر عن لحوام الحمر الاھلیۃ[1]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے خیبر کے روز پالتو گدھے کے گوشت کو ممنوع فرمایا۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۳: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۱۶ صفر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈپٹی امداد علی صاحب نے رسالہ امدادالمسلمین میں الو کے بارہ میں لکھا ہے کہ عالمگیری میں لکھاہے: **البوم یوکل**[2] (الو حلال ہے۔ ت) اور طحطاوی میں ہے:

یوکل القمری والسوادین والزرزور والصصل والھدھد والبوم والطاؤس[3]۔	قمری، سوادین، زرزور، صلصل، ہدہد، بوم طاؤس نامی پرندے حلال ہیں۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید الخ باب لحوم الحمر الانسیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح والصید الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الذبائح دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

اور شامی میں ہے:

فی غرر الافکار عندنا یوکل الخطاف والبوم [1]۔	غرر الافکار میں ہے اور ہمارے نزدیک خطاف اور بوم نامی پرندے حلال ہے۔(ت)

اور میزان میں ہے:

من ذٰلك قول الائمة الثلثة فی المشهور عنهم انه لا کراهة فی مانهی عن قتله کالخطاف والهدهد و الخفاش و البوم البیغاوالطاؤس مع قول الشافعی فی ارجح القولین انه حرام [2]۔	ائمہ ثلثہ سے ان کا مشہور قول کہ جن پرندوں کے ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کو کھانے میں کراہت نہیں ہے، اسی قبیل سے ہے، مثلا خطاف، ہدہد، خفاش۔بوم، ببغا اور طاؤس نامی پرندے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے دو قول میں سے راجح قول میں یہ حرام ہے۔(ت)

اور حیاۃ الحیوان دمیری شافعی رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی ثابت ہے، شافعی کے نزدیک حرام ہونا، نہ حنفیہ کے نزدیک تمام کتب ہائے معتبرہ فقہ سے بوم کا حلال ہونا ثابت ہے۔یہاں تک کہ خلاصہ کلام ڈپٹی صاحب مذکور ہے، اور فتاوٰی ہندیہ ترجمہ فتاوٰی عالمگیری کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ قول ظاہر بوم سے مراد یہی الو ہے کہ پرند معروف ہے، اور شاید کوئی اور معنی مراد ہوں، **واللہ تعالٰی اعلم**، اس واسطے مترجم نے بیعنہٖ لفظ چھوڑ دیا اس مسئلہ میں تحقیق جو بیان فرمائیں کہ صدق و کذب وہابیہ ظاہر ہو۔فقط

الجواب:

عبارت عالمگیری جو امداد المسلمین میں نقل کی، اس کے شروع میں لفظ قیل واقع ہے، اصل عبارت یوں ہے:

قیل الشقراق لایوکل والبوم یوکل [3]۔	یعنی بعض نے کہا کہ شقراق نہ کھایا جائے اور بوم کھایا جائے۔

یہ لفظ اس قول کے ضعف پر دلیل ہوتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ اس کی طرف بعض گئے ہیں، اکثر علماء

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۴

[2] المیزان الکبرٰی کتاب الاطعمة مصطفی البابی مصر ۲ /۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۰

خلاف پر ہیں، اور حیاۃ الحیوان کا حوالہ تو سرے سے غلط ہے اس میں کہیں نہیں لکھا کہ حنفیہ حلال جانتے ہیں اس میں صرف شافعیہ کے دو قول لکھے ہیں، عبارت اس کی یہ ہے:

الحکم یحرم اکل جمیع انواعها. قال الرافعی ذکر ابوعاصم العبادی ان البوم کالرخم، وکذٰلك الضوع، ومن شافعی رحمه الله قول انه حلال[1]۔	حکم یہ ہے کہ تمام اقسام حرام ہیں، رافعی نے کہا ابوعاصم العبادی نے ذکر کیا ہے کہ رخم کی طرح بوم حرام ہے، اور اسی طرح ضوع بھی حرام ہے، اور امام شافعی حرام ہے اور امام شافعی کا ایک قول ہے کہ یہ حلال ہے۔(ت)

خیر ان سب سے قطع نظر کرکے اس مسئلہ کی طرف چلئے، یہی عالمگیری وطحطاوی وشافعی ومیزان، جن سے امداد المسلمین میں یہ عبارتیں نقل کیں، ان میں اور ورائے کے سوا ہماری تمام کتب مذہب اور صحاح احادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین میں صاف صریح حکم قطعی کل بلااستثناء وتخصیص موجود ہے کہ ہر پرندا اپنے پنجہ سے شکار کرنے والے حرام ہے، جیسے ہر درندہ دانتوں سے شکار کرنے والے، عالمگیری میں بدائع سے ہے:

لایکل کل ذی مخلب من الطیر[2]۔	یعنی حرام ہے ہر پنجے والا پرند۔

طحطاوی میں ہے:

لایل سباع الوحوش والطیر[3] اھ ملخصا۔	درندے وحشی وپرند سب حرام ہیں اھ ملخصا۔

حموی پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

الدلیل علیه انه صل الله تعالٰی علیه وسلم نهی عن اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر، رواہ مسلم وابوداؤد وجماعة، والسرفیه ان طبیعة هذه الاشیاء مذمومة شرعا فیخشی ان	یعنی دلیل اس پر یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر درندے کیلے والے اور ہر پرندے پنجے والے کے کھانے سے منع فرمایا، مسلم وابوداؤد وغیرہما ایک جماعت محدثین نے یہ حدیث روایت کی، اور اس میں راز یہ ہے کہ ان چیزوں کی خصلت شرعا بد ہے تواندیشہ ہے کہ

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ مصطفی البابی مصر ۱/۲۲۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۸۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/۱۵۷

يتولد من لحمها شيئ من طباعها فيحرم اكراما لبنی آدم كما انه يحل ما احل اكراماله [1]۔	ان کا گوشت کھانے سے کچھ خصلت ان کی سی آدمی میں پیدا ہوجائے، لہٰذا انسان کی عزت کے لئے ان کا کھانا حرام ہوا، جیسے کہ اس کی عزت ہی کے لئے حلال جانور حلال کے گئے،

میزان امام شعرانی میں ہے:

من ذٰلك اتفاق الائمة الثلثة علی تحريم كل ذی ناب من السباع ومخلب من الطير يعدو به علی غيره (الی ان قال) لانه فيه قسوة من حيث انه يقسر غيره و يقهره من غير رحمة بذٰلك الحيوان المقسور فيسری نظير تلك القسوة فی قلب الاٰكل له۔ واذا قسی قلب العبد صار لا يحن قلبه الی موعظة وصار كالحمار [2]۔	یعنی انھیں مسائل سے ہے امام ابوحنیفہ وامام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق کہ ہر کیلے والا درندہ اور ہر پنجے والا پرندہ جو دوسرے پر اس کیلے یا پنجے سے حملہ کرتا ہے حرام ہے، اس لئے کہ اس میں سنگدلی ہے کہ وہ بیدردی سے مجبور ومغلوب کرتا ہے، تو ایسی ہی سنگدلی اس کے کھانیوالے میں سرایت کرے گی، اور جب آدمی کا دل سخت ہوجاتا ہے تو کسی نصیحت کی طرف میل نہیں کرتا اور آدمی سے گدھا ہو کر رہ جاتا ہے۔

میں کہتاہوں یوں ہی کتب طیبہ سے ثابت کہ الو کھانے والا آدمی سے الو ہو کر رہ جاتاہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ غرض یہ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہے جس پر ائمہ حنفیّہ کا اجماع ہے، اور اس سے ہرگز کوئی پنجے والا پرندہ کہ سباع طیر سے ہو مستثنٰی نہیں اور شک نہیں کہ الو پنجے والا پرندہ ہے۔ بلکہ اس کے پنجے بہت شکاری پرندوں سے زیادہ قوی اور تیز ہیں، اور شک نہیں کہ گوشت اس کی خوراک ہے، اور شک نہیں کہ وہ اپنے سے کم طاقت پرندوں پر حملہ کرتاہے، یہ سب باتیں یقینا معلوم ہیں، اور فقیر کے سامنے بہت شکار پیشہ مسلمانوں نے بیان کیا کہ یہ پرندہ شکاری ہے، پانچ عـــہ سکان بریلی نے کہ ان میں چار صاحب قوم کے قراول،

عـــہ: نیاز محمد خاں ابن رحم خاں ونذیر خان ابن وزیر خاں وعنایت اللہ خاں ابن کرم علی خاں وغلامی خان ابن حسن خاں قراول ساکناں بہاریپور محلّہ قراؤلان ومحمد خاں ابن گل خان افغان ساکن شہر کہنہ ۱۲۔

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الذبائح دارالمعرفۃ بیروت ۴ /۱۵۵، ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۳

[2] المیزان الکبرٰی کتاب الاطعمۃ مصطفی البابی مصر ۲ /۵۷

اور پانچوں نمازی نیک سنی صحیح العقیدہ ہیں، ہفدہم ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ کو میرے سامنے اس مضمون کی شہادت ادا کی، اور ان میں بعض نے کہا ہمارے سامنے توتے کو شکار کرلے گیا، بعض نے کہا کھونٹی پر شکرہ بندھا تھا شکرہ کو مار لے گیا، حالانکہ شکرہ اتنا بڑا اور قوی اور خود شکاری جانور ہے، اور الو کی منقار بہت چھوٹی ہوتی ہے کہ چونچ سے اس کا قابو میں آنا معقول نہیں، نہ کہ ایسا زور کہ بندش توڑ کر زندہ لے جائے، لاجرم پنجہ سے شکار کیا، اور یہ امر اس جانور کی قوت سے کچھ عجب نہیں کہ وہ شکرہ سے بھاری جانور کو شکار کرلیتا ہے، علامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی کتاب عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں اس کا حال لکھتے ہیں:

تصطاد السنانیر الضعاف وتعادی الغراب وھو ذلیل بالنھار امابالليل فلا یقدر علیه شیئ من الطیور [1]۔	الو کمزور بلیوں کو شکار کرلیتا ہے، کوے سے اس کو دشمنی ہے، دن کو ذلیل ہوتا ہے مگر رات میں کوئی پرند اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی میں ہے:

چنگ بالفتح بروزن سنگ قلاب آہنی وپنجہ آدمی وحیوان درندہ، شکاری چوں باز وشاہین وشیر وپلنگ وامثال آں [2]، واز شعر طوطی ہند امیر خسرو دہلوی جنگ بوم واقع شدہ، وبوم ہر چند جانور شکاری نیست، بدیں معنی کہ مردم بداں شکار نمی کنند، لیکن فی الحقیقۃ ذومخلب ست کہ صید مے نماید، چنانچہ دیدہ شد، وشعر مذکور این ست ۔ بوم کہ باشد کہ بچنگ دراز طعمہ بر داز دہن جرہ باز	چنگ بروزن سنگ ہے، لوہے کے شکنجے اور آدمی کے پنجے، شکاری اور درندے حیوان جیسے باز، شاہین، شیر، چیتا، اور ان کی ہم مثل کو چنگ کہتے ہیں، طوطی ہند امیر خسرو دہلوی کے شعر میں چنگ الو کے لیے استعمال ہوا ہے اگرچہ مشہور شکار کا پرندہ اس معنی میں نہیں کہ آدمی اس کا شکار نہیں کرتا لیکن حقیقتًا وہ اپنے پنجے سے شکار کرتا ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے وہ شعر یہ ہے: الو جس کا پنجہ دراز ہے منہ سے کھاتا ہے باز والی جرات (ت)

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات النوع السادس من الحیوان (بوم) مصطفی البابی مصر ص ۲۷۱

[2] مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی

غرض جب وہ شکاری جانور ہے تو اس کے حرام ہونے میں اصلاً جائے کلام نہیں، رہا بعض عبارت حنفیہ میں لفظ بوم کی نسبت لفظ یوکل وارد ہونا **اقول:** نہ وہ اجماعی قاعدہ فقہ حنفی وحدیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقابل ہوسکتا ہے نہ مشاہدات کو رد کرسکتا ہے اس سے بالتعیین الو کی حلت ثابت ہی نہیں ہوتی، زبان عرب میں لفظ بوم خاص الو کے لیے موضوع نہیں، بلکہ ہر اس پرند پر اطلاق کیا جاتا ہے جو شب کو اپنے آشیانہ سے نکلتا ہے۔ علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں فرماتے ہیں:

قال الجاحظ وانواعها الهامة والصدی والضوع والخفاش وغراب الليل والبومة وهذه الاسماء كلها مشتركة ای تقع علی كل طائر من طير الليل يخرج من بيته ليلا، قال وبعض هذه الطيور يصيد الفار وسام ابرص والعصافير وصغار الحشرات وبعضها يصيد البعوض، ومن طبعها ان تدخل علی كل طائر فی وكره وتخرجه منه وتاكل فراخه وبيضه وهی قوية السلطان بالليل لايحتملها شيئ من الطير [1]	جاحظ نے کہا، اور اس کے اقسام ہامہ، صدی، ضوع، خفاش، غراب اللیل، بوم نامی پرندے ہیں اور یہ تمام نام مشترک ہیں، یعنی رات کو اپنے گھر سے نکل کر پرواز کرنے والے ہر پرندے پر بولتے ہیں، اور کہا ان پرندوں میں سے بعض چوہے، چھپکلی، چڑیوں اور چھوٹے چھوٹے حشرات کو شکار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض مچھروں کا شکار کرتے ہیں اور وہ طبعی طور پر ہر پرندے کے گھونسلے میں داخل ہوکر اس کو اڑاتا ہے اور اس کے چوزوں اور انڈوں کو کھاجاتے ہیں اور رات میں وہ قوی تسلط والے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی پرندہ ایسی قوت نہیں پاتا۔ (ت)

تو جن کتابوں میں ذکر اکل ہے ان میں بوم سے الو مراد نہیں بلکہ وہ پرند شب مقصود ہے جو پنجہ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی امام عتابی کی تصریح سے ثابت ہیں۔ علامہ قہستانی جامع الرموز میں لکھتے ہیں:

لاباس بما ليس بذی مخلب كالبوم فی رواية عن ابی يوسف، كما فی العتابی۔ [2]	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ایک روایت یہ ہے کہ جن پرندوں کے پنجے نہیں ہیں ان کے کھانے میں حرج نہیں ہے، جیسا کہ عتابی میں ہے۔ (ت)

پس حنفیہ کی طرف حلت چغد کی نسبت ایک دھوکا ہے کہ اشتراک لفظ بوم سے پیدا ہوا،

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ (البوم) مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۶

[2] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳ / ۳۴۹

وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: ازاوجین مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

مولٰنا صاحب مجمع فضائل ومنبع فواضل فرید العصر، وحید الزمان، مخدوم مکرمی دام افضالکم بعد تمہید مراسم فدویت وارزوئے حصول سعادت مواصلت کہ عمدۃ مقاصد ہر دوجہاں ہے التماس پرداز ہے کہ حضور نے حرمت بوم کے باب میں جو فتوی ارسال فرمایا، اس میں یہ عبارت مرقوم ہے وہ سمجھ میں نہ آئی کہ جن کتابوں میں ذکر اکل ہے ان میں بوم سے مراد الو نہیں بلکہ وہ پرندہ شب مقصود ہے جو پنجہ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی عتابی تصریح سے ثابت نہیں،

لاباس بمالیس بذی مخلب کالبوم[1] الخ۔	جو پرندہ پنجے والا نہ ہو اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے جیسا کہ بوم ہے۔ الخ۔ (ت)

توکیا چمگادڑ اور باگل بھی حلال ہے؟ جواب بالتشریح بیان فرمایئے۔ زیادہ نیاز، **بینوا توجروا**

الجواب:

چمگادڑ چھوٹا ہو یا بڑا جسے ان دیار میں باگل کہتے ہیں، اس کی حلت حرمت ہمارے علمائے کرام رحمہ اللہ تعالٰی میں مختلف فیہ ہے بعض اکابر نے اس کے کھانے سے ممانعت فرمائی ہے اس وجہ سے کہ وہ ذی ناب ہے، مگر قواعد حنفیّہ کے موافق وہی قول حلت ہے، زمطلقًا دانت موجب نہیں بلکہ وہ دانت جن سے جانور شکار کرتا ہو، ظاہر ہے کہ چمگادڑ پرند شکاری نہیں، ولہذا درمختار میں قول حرمت کی تضعیف فرمائی، ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

اما الخفاش فقد ذکر فی بعض المواضع انہ یوکل، وفی بعض المواضع انہ لا یوکل لان لہ نابا اھ[2] ورأیتنی کتبت علی ہامشہ مانصہ فیہ انہ لایصید بنابہ، و لایصول ولیس کل مالہ ناب حراما۔	چمگادڑ کے متعلق بعض مواضع میں ذکر ہے کہ کھایا جائے اور بعض مواضع میں ہے کہ نہ کھایا جائے کیونکہ اس کے کیلے ہوتے ہیں اھ، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ اپنے کیلے سے شکار نہیں کرتا اور نہ ہی یہ حملہ آور ہوتا ہے اور ہر کیلے والا حرام نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

برجندی میں ہے:

ذکر فی المحیط ان فی الخفاش اختلاف العلماء اھ[1]۔	محیط میں مذکور ہے کہ چمگادڑ میں علماء کااختلاف ہے اھ (ت)

درمختار میں ہے:

وقیل الخفاش لانہ ذوناب[2]۔	بعض نے کہا چمگادڑ حرام ہے کیونکہ یہ کیلے والا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الاتقانی وفیہ نظر لان کل ذی ناب لیس بمنھی عنہ اذاکان لایصطاد بنابہ[3] اھ	اتقانی نے کہا ہے اور اس میں اعتراض ہے کیونکہ ہر کیلے والا حرام نہیں ہے جبکہ وہ اپنے کیلے سے شکار نہ کرتا ہو اھ (ت)

برجندی میں ہے:

المراد الناب الذی ھو سلاح وذوالناب الحیوان الذی ینھب بالناب[4] اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ناب (کیلے) سے مراد وہ ہے جو ہتھیار بنے، اور کیلے والا جانور وہ ہے جو کیلے کے ساتھ حملہ آور ہو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از در تحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۱۴رجب ۱۳۱۵ھ

جو کوّا کہ دانہ کھاتا ہے اور رنگ میں بالکل سیاہ ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو کوا کہ دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

دانہ خور کوا کہ صرف دانہ کھتا اور نجاست کے پاس نہیں جاتا جسے غراب زرع یعنی کھیتی کا کوا کہتے ہیں، چھوٹا سا سیاہ رنگ ہوتا ہے، اور چونچ اور پنجے غالباً سرخ، وہ بالاتفاق جائز ہے، اور مردار خور کوا جسے غراب ابقع بھی کہتے ہیں کہ اس کے رنگ میں سپیدی بھی سیاہی کے ساتھ ہوتی ہے بالاتفاق ناجائز ہے۔

---

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۳

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۴

[4] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۳

اور اسی حکم میں پہاڑی کوا بھی داخل کہ بڑا اور یک رنگ سیاہ ہوتا ہے اور موسم گرما میں آتا ہے، اور خلط کرنیوالا جسے عقعق کہتے ہیں کہ اس کے بولنے میں آواز عق عق پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے، اور اصح حل مگر کراہت تنزیہہ میں کلام نہیں،

ھذا خلاصۃ مافی الدر المختار [1] وردالمختار والمقام بعد یحتاج الی زیادۃ تحریم وضبط وتقریر لعل اللہ یسیرہ فی تحریر اٰخر واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ در مختار اور ردالمحتار میں بیان شدہ کا خلاصہ ہے جبکہ یہ مقام ابھی زیادہ تحریم وضبط اور تقریر کا محتاج ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کسی اور تحریر میں اس کو آسان کردے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۶: مسئولہ مولوی محمد ایوب صاحب سنبھل مراد آبادی ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کوا حرام ہے یا نہیں؟ الو حرام ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ کوے کہ ہمارے دیار میں پائے جاتے ہیں سب حرام ہیں، الو حرام ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۷: از شاہجہان پور ڈاک خانہ نادر شاہیان مقام میران پور، یعقوب شاہ خاں بروز یکشنبہ ۱۸/ ۱۳۳۴ھ

جناب قبلہ دام اقبالہ بعد سلام علیکم عرض ہے کہ پیلو کے انڈے اور گوشت اور پالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سب جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی حلت کا حکم کس وقت سے جاری ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

گائے کی حلت شریعت قدیمہ ہے۔ اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

"ھَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا"	یعنی کیا آئی تیرے پاس خبر ابراہیم کے عزت دار مہمانوں کی، جب وہ اس کے پاس آئے بولے

[1] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۵

سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوۡمٌ مُّنۡکَرُوۡنَ ﴿ۚ۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰۤی اَہۡلِہٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ ﴿ۙ۲۶﴾ [1] دوسری جگہ فرمایا: "بِعِجۡلٍ حَنِیۡذٍ ﴿۶۹﴾ " [2]۔	سلام، کہا سلام انجانے لوگ ہیں پھر جلدی کرتا اپنے گھر گیا، سوان کے کھانے کو لے آیا ایک فربہ بچھڑا بھنا ہوا۔

احادیث سے ثابت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے قربانی کی، اور قربانی کا گوشت کھانے کا حکم فرماتے، مگر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تناول فرمایا یا نہیں، اس بارے میں کوئی تصریح حدیث اس وقت پیش نظر نہیں، **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۵۹: از شہر بریلی محلّہ قاضی ٹولہ شہر کہنہ مرسلہ محمد عمران صاحب ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گوشت گائے کا کھایا یا نہیں؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گائے کی قربانی فرمائی اور اس کے کھانے کھلانے کا حکم فرمایا خود بھی ملاحظہ فرمایا یا نہیں، اس عـــہ کا ثبوت نہیں، دنیا کی ہزاروں نعمتیں ہیں کہ حضور نے قصدا تناول نہ فرمائیں، گوشت گاؤ کی مذمت میں جو حدیث ذکر کی جاتی ہے صحیح نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰و۱۶۱: مسئولہ معرفت سیٹھ آدم جی گونڈل کاٹھیاوار ہاشم بیگ شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) کبوتر کھانے میں کسی قسم کی کراہت ہے؟

(۲) عقیقہ کا گوشت ماں باپ کھائیں یا نہیں؟

الجواب:

(۱) کچھ نہیں۔

عـــہ: حدیث مسلم کتاب الزکوٰۃ کہ بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے گوشت گاؤ صدقہ میں آیا، وہ حضور کے پاس لایا گیا اور حضور سے عرض کیا گیا کہ یہ صدقہ ہے کہ بریرہ کو آیا، فرمایا اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ [3]۔ اس سے بظاہر تناول فرمانا معلوم ہوتا ہے ۱۲ حجۃ الاسلام حامد رضا رضی اللہ عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۱ /۲۴ تا ۲۶

[2] القرآن الکریم ۱۱ /۶۹

[3] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اباحۃ الھدیۃ للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۴۵

(۲) کھائیں، اس کا حکم مثل قربانی ہے، تین حصے مستحب ہیں، ایک اپنا ایک عزیزوں قریبوں کا ایک مسکینوں کا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲: مرسلہ محمد حکیم الدین از ضلع پورینہ موضع چوپڑا ۴ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار مگر شتر کی مانند ہے اور ہر چند میں حیض مثل عورتوں کے ہوتی ہے، اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ لہٰذا بعض علماء کی زبانی سنا گیا ہے کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار حرام ہے جو خرگوش کہ حلال ہوتا ہے اس کے کُھر ہوتا ہے مانند بکری و بیل وغیرہ کے، جناب والا! اس پر بھی ہم کو اطمینان کُل نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے بخدمت فیض درجت یہ کمترین بطور عریضہ ھذا روانہ کرتا ہے ضرور بالضرور جواب سے اس ذرہ بے مقدار کو آفتاب درخشا فرمائیں گے۔ زیادہ والسلام۔

الجواب:

خرگوش ضرور حلال ہے، اسے حرام جاننا رافضیوں کا مذہب ہے، خرگوش کے پنجے ہی ہوتے ہیں، کُھر والا خرگوش دنیا کے پردہ پر کہیں نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳و۱۶۴: مرسلہ مولوی حافظ مصاحب علی صاحب از مقام جاورہ مورخہ یکم رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) بعض کفار جو کہ گوشت خور نہیں ہیں تالاب یا ندی سے مچھلیاں پکڑوا کر دیگر تالاب یا ندی محفوظ میں ڈلوادیں اس غرض سے کہ مسلمان مچھلیاں پکڑوا کر نہ کھا سکیں، تو کیا ایسے تالاب یا ندی سے مسلمانوں کو مچھلیاں پکڑوا کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید، بکر، عمرو، خالد نے مل کر ایک کمپنی قائم کرکے ایک کارخانہ جاری کیا اور عام طور پر اعلان کردیا کہ جس کا دل چاہے اس کارخانہ میں شریک ہوجائے، فی حصہ ایک صد روپیہ قرار پایا ہے جو شخص جس قدر حصے خریدنا چاہے اسی قدر روپیہ کا منافع دیا جائے گا۔ اور اگر کارخانہ میں نقصان و نفع ہوگا تو حصہ کے تناسب سے نقصان کا زیر بار ہونا پڑے گا۔ خریدار حصہ سے خواہ ایک حصہ خریدے یا دس حصہ تین مرتبہ کرکے روپیہ کمپنی میں وصول کیا جائے گا، کارخانہ کو اختیار ہے جو کام چاہے جاری کرے، کسی خریدار حصہ کو امور کارخانہ میں واہل کارخانہ یعنی منیجر وغیرہ کے امور میں دخل اندازی کا اختیار نہ ہوگا، خریدار کو صرف نفع یا نقصان سے غرض ہے، اور خریدار حصہ اپنے خرید شدہ نفع یا نقصان سے فروخت کرنے کا مجاز ہوگا، پس سوال یہ ہے کہ ایسے کارخانہ میں شرکت اور اس کے بعد خرید وفروخت مذکور جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ خرید وفروخت کس بیع میں داخل ہے؟

الجواب:

(۱) مچھلیاں پکڑنے سے ملک ہو جاتی ہے اور دوسرے دریا میں چھوڑنے سے ملک سے خارج نہیں ہوتیں، نہ دوسرے کو ان کا لینا جائز ہوتا ہے۔ مسلم ہو یا کافر، جب تک چھوڑنے والے نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ اس کی ہیں جو ان کو لے، تو ملک غیر ہونے کے سبب سے ان میں ممانعت آئے گی، مگر ازانجا کہ یہ کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن نہ ان سے اس بارہ میں کوئی معاہدہ ہے، لہٰذا اب بھی وہ مچھلیاں حکما ایسی ہی ہیں جیسی پکڑنے سے قبل تھیں، ان کا ارادہ فاسد ان پر رد کیا جائے گا اور مسلم کافر جو کوئی پکڑے اس کے لئے مباح ہو گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر وہ تجارت بروجہ شرعی ہو عقود فاسدہ یا ربا کو دخل نہ ہو تو اس میں شرکت جائز مگر اپنے روپیہ کا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۵: از گلگت ایجنسی مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کے ہاتھ کا ذبح ناجائز ہے جیسے کہ ہنود اس کے ہاتھ کی پکڑی مچھلی کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ میں مر گئی یا اس نے مار ڈالی ہو کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں جس میں مسلمان یا کتابی ہونا ضرور ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۶ و ۱۶۷: از بنگالہ ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس و مفتیان شرع متین اس حیوان کے بارے میں جو کہ عجائب المخلوقات میں بایں طور بیان کیا گیا ہے:

ومنها سمكة مدورة ذنبها اطول من ثلثة اذرع وعلى وسط ذنبها شوكة معقفة شبه كلاب وهي سلاحها تضرب بها وهي نمراء بياضها في غاية اللبياض ونقد سواد ها في غاية السوادو لها منخران على ظهر ها وفم على بطنها وفرج كفرج النساء[1] انتهى.	ان میں سے ایک مچھلی گول قسم کی دم تین ہاتھ لمبی ہے اور اس کی دم کے درمیان میں کنڈے کی شکل میں ایک ٹیڑھا کانٹا ہے وہ اس کا ہتھیار ہے۔ وہ مچھلی نہایت سفید ہے جس پر گہرے سیاہ رنگ کے نقطے ہوتے ہیں اس کے نتھنے اس کی پیٹھ پر اور اس کا منہ پیٹ پر اس کی شرمگاہ عورتوں کی شرمگاہ کی طرح ہوتی ہے۔ انتہی (ت)

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر فارس المقالة الثانية مصطفى البابي مصر ص ۸۸

اگر یہ مچھلی ہو تو اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں اور فارسی میں اس کا کیا نام ہے اور ہندی میں اس کا اس مخصوص بہ کیا ہے۔ بحوالہ کتب تحریر فرمائیے،

(۲) اور جریث کو اہل ہند کیا کہتے ہیں اور وہ کون سی مچھلی ہے اس کی عوارضات مختص بہا کو بوضاحت بیان فرمائیے، غایۃ الاوطار میں لکھاہے کہ جریث کو بعض اہل ہند سنگی کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے۔ اگر غلط ہے تو پھر سنگی کیا شے ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مچھلی کہ عجائب المخلوقات میں ذکر کی اگر اس کا وجود ہر دو عالم مثالی وخیالی سے باہر ثابت ہو تو ان نوادر سے ہے۔ جو بہ مرور دہور کبھی کسی سیاح کی نظر پڑے اور عامہ ناس ان کے رسم واسم سے آگاہ نہیں، "**وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ**ؕ"[1] (اور تمھارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ت) علامہ قزوینی کو خود اس کا نام معلوم ہوتا تو لکھتے، وہ خود اس کے عجائب دہر سے ہونے کے معترف ہیں عبارت مذکورہ سوال کے بعد کہا **والبحر لا تحصی عجائبه**[2] (سمندر کے عجائبات بے شمار ہیں۔ ت) اسے جریث گمان کرنا صحیح نہیں، جریث ایک کثیر الوجود مچھلی سواحل پر ارزانی سے بکنے والی ہے، محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مبسوط میں روایت فرماتے ہیں:

عن عمرو بن شوذب عن عمرة بنت ابی طبیخ قالت خرجت مع ولیدة لنا فاشترینا جریثه بقفیز حنطة فوضعناها فی زنبیل فخرج راسها من جانب وذنبها من جانب فمر بنا علی رضی الله تعالٰی عنه فقال بکم اخذت قالت فاخبرته فقال ما اطیبه وارخصه و او سعه للعیال[3]۔	یعنی عمرہ بنت ابی طبیخ نے کہا میں اپنی کنیز کے ساتھ جا کر ایک جریث ایک قفیز گیہوں کو خرید کرلائی جو زنبیل میں سمائی، ایک طرف سے سر نکلا رہا ایک طرف سے دم، اتنے میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کا گزر ہوا، فرمایا، کتنے کو لی؟ میں نے قیمت عرض کی۔ فرمایا: کیا پاکیزہ چیز ہے اور کتنی ارزاں اور متعلقین پر کتنی وسعت والی۔

ولہذا علامہ قزوینی نے اسے عجائب میں ذکر نہ کیا البتہ جری کا نام لیا اور اسے مارماہی سے تفسیر کیا کہ

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۳۱

[2] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات حر فارس المقالۃ الثانیۃ فصل فی عجائبہ مصطفی البابی مصر ص۸۸

[3] المبسوط للامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

بزعم بعض وہی جریث ہے۔اس تقدیر پر خود انھوں نے اس نادر مچھلی اور جریث میں فرق کیا،اسے عجائب بحر فارس اور اسے عجائب ہند میں لکھا۔اس کی وسط دم پر کانٹا بتایا تھا اور جری کی پیٹھ پر ایک چیز مثل عمود لکھی،اور وہ منخزین وفم وفرج کا ذکر یہاں نہ کیا،

حیث قال منها (ای من عجائب بحر الهند)سمکة مدورة یقال لها مارماهی علی ظهرها شبه عمود و محدد الراس لا تقوم لها فی البحر سمکة الا تضربها بذٰلك العمود و تقتلها [1]۔	جہاں انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان کے سمندر کے عجائبات میں سے ایک گول مچھلی ہے جس کو مارماہی کہا جاتا ہے اس کی پیٹھ پر عمودی شکل محدد سروالا کانٹا ہوتا ہے،سمندر میں جو مچھلی اس کی زد میں آئے اس کو وہ اپنے مدور کانٹے سے ہلاک کردیتی ہے۔(ت)

اور تحقیق یہ ہے کہ یہ دوسری مچھلی بھی نہ مارماہی ہے۔نہ مارماہی جریث مارماہی گول نہیں بلکہ لمبی بالکل سانپ کی شکل پر ہوتی ہے۔عربی میں اسے جری بکسر وتشدید را،اور جری بالفتح اور جریت بتائے فوقانیہ۔بروزن جرّیث اور صلور وسلور اور انقلیس و انکلیس،بفتح ہمزہ ولام ہر دوا نقلیس وانکلیس بکسر ہر دو اور فارسی میں مارماہی اور ہندی میں بام کہتے ہیں،جاحظ نے کہا وہ پانی کا سانپ ہے یعنی صورۃ نہ کہ حقیقۃ،بعض نے کہا وہ سانپ اور مچھلی کے جوڑے سے پیدا ہے،قزوینی نے اسے پر جزم کا،اور صحیح یہ کہ یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ وہ سانپ سے جدا ایک خاص نوع ماہی ہے۔اہل فن نے ان اسمائے مذکورہ اعنی جری وصلور و انقلیس میں بہت اختلاف کیا۔بہت نے انھیں مارماہی کا غیر جانا،کسی نے کہا جری بے سنے کی مچھلی کو کہتے ہیں،کسی نے کہا ایک قسم ماہی ہے جس کے سر ودم باریک اور پشت چوڑی ہوتی ہے۔کسی نے کہا انکلیس چھوٹی مچھلی کی شکل پر ایک جانور ہے جس کی دم کے پاس مینڈک کے پاؤں کے مثل دو۲ پاؤں ہوتے ہیں،اور ہاتھ نہیں ہوتے،بصرہ کی نہروں میں پایا جاتا ہے۔بعض نے کہا بحرین کی مچھلی ہے۔اس جانور کو شلق بالکسر یا شلق مثل کشف کہتے ہیں،کسی نے کہا شلق بھی انکلیس اور انکلیس جریث ہے،کسی نے کہا انکلیس مارماہی اور صلور جریث ہے بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ مارماہی ایک معروف مشہور مچھلی مستطیل الخلقۃ مشابہ مار ہے نہ کہ مدور،ارشاد الساری شرح صحیح البخاری زیر حدیث:

قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما طعامه میتة الا ماقدرت منها والجری	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ اس کی خوراک میتہ ہے مگر کچھ بھون لی جاتی ہے اور جرّی

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر الهند فصل فی جزائر هذا البحر مصطفی البابی مصر ص ۸۴

لاتاکله الیهود ونحن ناکله فرمایا۔الجری بکسر الجیم والراء والتحتیة المشددتین وبفتح الجیم و الجریث بمثناةفوقیة بعد التحتیة ضرب من السمك یشبه الحیات وقیل سمك لا قشرله۔وقیل نوع عریض الوسط دقیق الطرفین [1]۔	کو یہودی نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں،اور آپ نے فرمایا جِرّی جیم اور راء کے کسرہ اور دو مشدد یاء اور جیم کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے،اور جریث آخر میں ثاء سے پہلے یاء ہے،اور یہ مچھلی سانپ کی طرح ہوتی ہے،اور بعض نے کہا کہ اس پر چھلکا نہیں ہوتا اور بعض نے بتایا کہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔(ت)

مجمع بحار الانوار میں علامہ زرکشی سے ہے:

الجری بکسر جیم وراء مشددة وتشدید یاء ضرب من السمك یشبه الحیات وقیل نوع غلیظ الوسط رقیق الطرفین،وقیل مالا قشرله [2]۔	جری جیم اور راء کے کسرہ اور شد کے ساتھ اور آخر میں مشدد یاء ہے یعنی مارماہی جو سانپ کے مشابہ ہوتی ہے۔بعض نے کہادرمیان سے موٹی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔ اور بعض نے کہااس پر چھلکا نہیں ہوتا(ت)

اسی میں ہے:

لا تاکلوا الانکلیس بفتح ہمزة وکسرها سمك شبیه بالحیات (ای مارماہی) والانقلیس لغة،وکرہ لرداءة غذائة لالانه حرام [3]۔	الانکلیس بفتح ہمزہ یاکسرہ ہے کومت کھاؤ،یہ سانپ کی مانند ایک مچھلی ہے یعنی مارماہی،ایک لغت میں الانقلیس کہا جاتا ہے اس کو کھانا اس لئے مکروہ ہے کہ کہ اس کی غذاردی ہے اس لئے نہیں کہ وہ حرام ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید والتسمیة باب قول اللہ تعالٰی احل الکم صید البحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۵ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید والتسمیة باب قول اللہ تعالٰی احل الکم صید البحر دار الکتاب العربی بیروت ۸ /۲٦٧)

[2] مجمع بحار الانور اب الجیم مع الراء تحت الجری مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة ۱/ ۳۵۰

[3] مجمع بحار الانور باب الهمزہ مع النون تحت انکلس مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة ۱/ ۱۲۵

لاتاکلوا الصلور والانقلیس هما الجری والمارماهی نوعان من السمك كالحية [1]۔	صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ، اور ان کا نام جری اور مارماہی ہے یہ دونوں سانپ کے مشابہ مچھلیاں ہیں۔(ت)

قاموس میں ہے:

الصلور کسنور الجری فارسیته المارماهی [2]۔	صلور، سنور کے ہم وزن ہے اس کا نام جری، اور فارسی میں مارماہی کہتے ہیں۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

وهو السمك الذی یکون علی هیأة الحیات و منه حدیث عمار ضی الله تعالٰی عنه لا تاکلوا الصلروالا الانقلیس [3]۔	یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے، حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی کے متعلق فرمایا: صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ۔(ت)

اسی میں ہے:

قال احمد بن الحریش قال النضر الصلور الجریث و الانقلیس مارماهی [4]۔	احمد بن حریش نے کہا کہ نضر نے کہا کہ صلور وہ جریث ہے اور انقلیس وہ مارماہی ہے۔(ت)

انھیں دونوں میں ہے:

(الانقلیس)الصلور الجری قال اللیث هی (سمكة كالحية)وقال غیره الجریث كانكلیس وهو قول ابن الاعرابی [5]۔	"الانقلیس" صلور، جری ہے۔ لیث نے کہا یہ مارماہی ہے یعنی سانپ کی طرح مچھلی ہے اور ان کے غیر نے کہا "جریث" انکلیس کی طرح ہے اور یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔(ت)

[1] مجمع بحار الانوار باب الصاد مع اللام تحت "صلور" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۳ /۳۴۷

[2] القاموس المحیط فصل الصاد باب الراء تحت "الصلور" مصطفی البابی مصر ۲ /۷۴

[3] تاج العروس فصل الصاد باب الراء تحت "الصلور" دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۴۰

[4] تاج العروس فصل الجیم من باب الثاء تحت الجریث دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۹

[5] تاج العروس فصل القاف من باب السین دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۲۱

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے:

الانکلیس بفتح الهمزة واللام وکسرهما معاسمك شبیه بالحیات ردی الغذاء و هو الذی یسمی الجری والمار ماهی،وقال الزمخشری قیل انه الشلق وقال ابن سیدہ هو علی هیئة السمك صغیر له رجلان عند ذنبه کرجل الضفدع ولایدله یکون فی انهار البصرة، ولیس لفظه عربیا اھ[1] ملخصاً۔	"انکلیس" ہمزہ اور لام پر فتح اور کسرہ بھی یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے جس کی غذا ردی ہے اس ک نام جری اور مارماہی ہے۔زمخشری نے کہا کہ بعض نے شلق کہا ہے۔ابن سیدہ نے کہا یہ عام مچھلی کی طرح ہوتی ہے اور ضفدع (مینڈک) کے پاؤں کے طرح اس کی دم کے نیچے دو پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے،بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے اھ ملخصا۔(ت)

قاموس وتاج میں ہے:

(الشلق بالکسر او ککتف سمکة صغیرة)او علی خلقة السمکة لها رِجلان عند الذنب کرجلی الضفدع لا یدان لها،تکون فی انهار البصرة،وقیل ہی من سمك البحرین ولیست بعربیة (او)هی (الانکلیس) من السمك وهو الجری والجریث عن ابن الاعرابی[2]۔	شلق کسرہ کے ساتھ یا کتف کے وزن پر ہے۔یہ چھوٹی مچھلی ہے یا مچھلی کے مشابہ مخلوق ہے۔اس کی دم کے نیچے مینڈک کے پاؤں کی طرح پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے اور یہ بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے بعض نے کہا کہ یہ بحری مچھلی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے۔یا یہ انکلیس ہے جو مچھلی کی قسم ہے۔اور اس کو جرّی کہتے ہیں اور جریث بھی،یہ ابن اعرابی سے منقول ہے۔(ت)

عجائب قزوینی بیان حیوانات بحر میں ہے:

جری هوالذی یقال له مارماہی متولد	جرّی جس کو مارماہی کہتے ہیں یہ نسل مچھلی اور سانپ

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الهمزة الانکلیس مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۴

[2] القاموس المحیط فصل الشین من باب القاف مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۵۹،تاج العروس فصل الشین من باب القاف داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۹۹

من الحیة والسمك قال الجاحظ انه یاکل الجردان [1]۔	سے پیدا ہوتی ہے جاحظ نے کہا ہے کہ یہ جردان کھاتی ہے۔(ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

ماقیل ان المارماہی متولد من الحیة لیس بواقع بل ھو جنس شبیه بھا صورة [2]۔	جو یہ بتایا گیا کہ مارماہی کی نسل سانپ اور مچھلی سے پیدا ہے، ایسا واقع نہیں ہے بلکہ وہ مچھلی کی جنس ہے جو صورت میں سانپ کے مشابہ ہے۔(ت)

جس طرح ان اسامی میں اختلافات ہوئے یونہی ایک جماعت نے جریث بھی مارماہی کا نام جانا، اوراسے وہی مچھلی مشابہ مارمانا، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

الجری قال عیاض ھو من السمك مالا قشر له وقال ابن التین ویقال له ایضا الجریث وقال الازھری الجریث نوع من السمك یشبه الحیات ویقال له ایضا المارماھی، والسلور وقیل سمك عریض الوسط دقیق الطرفین [3] اھ مختصرا۔	جری کے متعلق عیاض نے کہا وہ مچھلی ہے جس پر چھلکا نہیں ہے۔ اور ابن تین نے کہا اس کو جریث بھی کہتے ہیں اور ازہری نے کہا جریث مچھلی قسم ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو مارماہی بھی کہتے ہیں اور سلور بھی، بعض نے کہا یہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے اھ مختصرا۔ (ت)

مجمع البحار میں ہے:

الجری قیل ھو الجریث المارماھی [4] ملخصا۔	جری کے متعلق کہا گیا کہ جریث مارماہی ہے اھ ملخصا (ت)

اسی میں نہایہ سے ہے:

فی ح علی رضی اللہ تعالٰی عنه قال	ح میں لکھا ہے کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات المقالة الثانیة القول فی حیوان الماء مصطفی البابی مصر ص ۹۷

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکل ولایحل داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۱۴

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۲۱/ ۱۰۵

[4] مجمع بحار الانوار باب الجیم الراء تحت "الجری" مکتبہ دارالایمان المدینة المنورۃ ۱/ ۳۵۰

الجریث ھو نوع من السمك یشبه الحیات ای المارماھی[1]۔	جریث مچھلی کی قسم جو سانپ کے مشابہ ہے۔یعنی مارماہی (ت)

تاج العروس میں ہے:

(الجریث کسکیت سمک)معروف ویقال له الجری وھو نوع من یشبه الحیات،ویقال له بالفارسیة المارماھی[2]اھ ملتقطا۔	جریث بروزن سکیت معروف مچھلی ہے۔اس کو جری کہا جاتا ہے اور مچھلی کی قسم سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مارماہی کہتے ہیں اھ ملتقطا۔(ت)

حیاۃ الحیوان میں ہے:

الجریث ھو ھذا السمك الذی یشبه الثعبان وجمعه جراثی ویقال له ایضا الجری بالکسر والتشدید وھو نوع من السمك یشبه الحیة،ویسمی بالفارسیة مارماھی،وقد تقدم فی الھمزۃ انه الانکلیس قال الجاحظ انه یاکل الجردان وھو حبة الماء وحکمه الحل[3]اھ باختصار۔	جریث یہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کی جمع جراثی ہے۔اس کو جری بھی کہتے ہیں کسرہ اور شد کے ساتھ،وہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مارماہی کہتے ہیں،اور ہمزہ کی بحث میں گزرا کہ یہ انکلیس ہے جاحظ نے کہا یہ جردان کھاتی ہے۔اور یہ پانی کا سانپ ہے اس کا یہ حکم ہے کہ وہ حلال ہے اھ باختصار(ت)

مگر فقہائے کرام جسے جریث کہتے ہیں وہ یقینا مارماہی کے سواء دوسری مچھلی ہے کہ متون وشروح وفتاوٰی میں تصریحا دونوں کا نام جداجدا ذکر فرمایا،لاجرم مغرب میں کہا:ھو غیر المارماھی[4] (وہ مارماہی کا غیر ہے۔ت)علامہ ابن کمال باشا اصلاح وایضاح میں فرماتے ہیں:

(والجریث والمارماھی)الجریث نوع من السمك غیر المارماھی ذکرہ فی المغرب،وانما افردھما بالذکر لما کان الخفاء فی کونھما	(جریث اور مارماہی)جریث مچھلی کی قسم ہے جو مارماہی کا غیر ہے۔یہ مغرب میں مذکور ہے۔ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا کہ ان کے مچھلی ہونے میں خفا ہے۔

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الجیم مع الراء تحت "جرث" مکتبه دار الایمان المدینة المنورۃ ۱/ ۳۹-۳۳۸

[2] تاج العروس فصل جیم من باب الثاء تحت "الجرث" دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۹

[3] حیاۃ الحیوان باب الجیم الجریث مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

[4] المغرب

من جنس السمک، ولمکان الخلاف، فیھما لمحمد، ذکرہ صاحب المُغرَب [1]۔	نیز ان کے حکم میں محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا اختلاف ہے اس کو صاحب مغرب نے بیان کیا ہے۔(ت)

حاشیۃ الکمثری علی الانور میں ہے:

الجریث نوع من السمك غیر مار ماھی [2]۔	جریث مچھلی کی قسم ہے جو مار ماہی کا غیر ہے۔(ت)

یہ ایک سیاہ رنگ گول مچھلی ڈھال کی مانند ہے اسے فارسی میں ماہی کول کہتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

(الجریث) سمك اسود (والمارماہی) سمك فی صورۃ الحیۃ وافردھما بالذکر للخفاء، وخلاف محمد [3]۔	(جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔(مارماہی) یہ سانپ کی شکل کی مچھلی ہے۔ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف بھی ہے۔(ت)

(جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔(مارماہی) یہ سانپ کی شکل کی مچھلی ہے۔ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف بھی ہے۔(ت) عمدۃ القاری میں بعد عبارت مذکورہ ونقل اقوال مسطورہ ہے: قلت الجریث سمك اسود [4] (میں کہتا ہوں "جریث" سیاہی رنگ کی مچھلی ہے۔ت) فتح اللہ المعین حاشیۃ الکنز للعلامۃ الازہری میں ہے:

الجریث سمکۃ سوداء قالہ العینی وقال الوافی الجِرّیث بکسر الجیم والراء وتشدیدھا نوع من السمك مدورۃ کالترس [5]۔	جریث سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔یہ علامہ عینی نے فرمایا ہے۔جبکہ وافی نے کہا کہ جریث را اور جیم کے کسرہ اور شد کے ساتھ، مچھلی کی قسم ہے جو ڈھال کی طرح گول ہوتی ہے۔(ت)

اسی طرح طحطاوی وشامی وغیرہما میں ہے:

عازیبہ لابی السعود وزل قلم العلامۃ ط فجعلہ عنہ عن العینی وانما ذٰلك صدر الکلام فقط، امام الاخیر	انھوں نے اس کو ابوسعود کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ علامہ طحطاوی کا قلم پھسلا ہے تو انھوں نے اس کو ابوسعود سے علامہ عینی سے منقول بتایا ہے۔یہ

---

[1] اصلاح وایضاح علامہ ابن کمال پاشا

[2] حاشیۃ الکمثری علی انوار الاعمال

[3] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۲۹

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱ /۱۰۵

[5] فتح المعین کتاب الذبائح فصل فیما یحل وفیما لایحل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳ /۳۷۴

فعن الوافی کما اسمعناك نصه۔	ابتداء کلام میں ہے اور آخر میں وافی سے منقول بتایا جس کو ہم نے ذکر دیا ہے۔(ت)

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے: یقال له بالفارسیة ماھی کول[1] (اسے فارسی میں ماہی کول کہا جاتا ہے۔ت) سنگچی میری زبان کا لفظ نہیں، غایۃ الاوطار والے دونوں مترجم دہقانی تھے، دیہاتوں کی زبان دیہاتی جانیں، واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۶۸: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں ۲ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفرالله لکم فی ھذہ المسئلة افیدونا یرحکم الله خوردن ماہی بسیار کو چک بحاشیہ مالابدمنہ مکروہ تحریمی نوشتہ است؟	اس مسئلہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے ہمیں مطلع فرمائیں اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے کہ مالابدمنہ میں نہایت چھوٹی مچھلی کو کھانا مکروہ ہے تحریمی لکھا ہے؟

الجواب:

ماہی ریزہ کہ شایان شق شوف نباشد وہمچناں شکم چاک ناکردہ بریاں کنندش، نزد امام شافعی حرام ست، ونزد سائر ائمہ حلال رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کمانص علیه فی معراج الدرایة، ثم ردالمحتار، ونصه لو وجدت سمکة فی حوصلة طائر تؤکل، وعند الشافعی لا تؤکل لان کالر جیع ورجیع الطائر عندہ نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر و فی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه۔ فقال اصحابه لایحل اکله، لان رجیعه	باریک ریزہ کی طرح مچھلی جس کا پیٹ چاک نہیں ہو سکتا، اور یوں بے چاک بھون کر کھائی جاتی ہے یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حرام ہے اور باقی ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔(رحمہم اللہ تعالٰی) جیسا کہ معراج الدرایہ میں تصریح ہے اور پھر ردالمحتار میں یوں فرمایا کہ اگر پرندے کے گھونسلہ میں مچھلی پائی جائے تو وہ کھائی جائے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ پرندوں کی بیٹھ کی طرح ہے جبکہ ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بیٹھ تب ہو سکتی ہے جب اس کا رنگ متغیر ہو، اور امام شافعی کے اصحاب چھوٹی مچھلی جس کو چاک کئے بغیر بھون لیا جاتا ہے۔ کہ متعلق فرماتے ہیں اس کا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الذبائح نولکشور کانپور ۴/ ۵۷۲

نجس وعند سائر الائمة یحل [1]اھ آرے درجواہر الاخلاطی دیدم کہ بکراہت تحریم تصریح وہمیں را تصحیح کردہ است، حیث قال اسمك الصغار كلها مكروهة كراهة التحريم هو الاصح [2]، پس اسلم اجتناب ست۔ و الله تعالٰی اعلم۔	تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔اھ، ہاں میں نے جواہر الاخلاطی میں دیکھا ہے انھوں نے اس کے مکروہ تحریمہ ہونے میں تصریح کی ہے۔اور اسی کی تصحیح کی ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ چھوٹی مچھلیاں تمام مکروہ تحریمہ ہیں اور یہی صحیح ہے، پس اجتناب بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۹: مرسلہ محمد علی اکبر کوڑا سال سویم ڈھاکہ تاریخ ۱۴جمادی الاول ۱۳۳۳ھ

کہ سوکھی مچھلی (جو دیار بنگالہ میں معروف ومشہور ہے) کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر حلال ہونے کے اگر کوئی حرام کہے تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مچھلی تر ہو یا خشک، مطلقاحلال ہے۔

قال تعالٰی "اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: حلال کیا گیا تمھارے لئے بحری شکار کو۔(ت)

سوائے طافی کے جو خود بخود بغیر کسی سبب ظاہر کے دریا میں مرکر اترآتی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

السمك يحل اكله الا ماطفا منه [4]۔	مچھلی کھانا حلال ہے ماسوائے پانی پر تیرنے والے مرکر۔(ت)

خشک مچھلی کا کسی نے استثناء نہ کیا، اگر حرام کہنے والا جاہل ہے اسے سمجھایا جائے، اور ذی علم ہے تو اس پر حلال خدا کے حرام کہنے کا الزام عائد ہے۔ اسے تجدید اسلام وتجدید نکاح چاہئے، ہاں اگر وہاں سوکھی مچھلی ماہی دریا کے سوا کسی خشکی کے جانور کا نام ہے، جیسے ریگ ماہی، تو اس کا حال معلوم ہونا چاہئے، اگر ریگ ماہی کی طرح حشرات الارض سے ہے تو ضرور حرام ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

جمیع الحشرات وھوام الارض لاخلاف	حشرات الارض مٹی سے پیدا شدہ ہے ان چیزوں کے

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۶

[2] جواہر الاخلاطی کتاب الذبائح قلمی نسخہ ص۲۸۷

[3] القرآن الکریم ۵ /۹۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۸۹

فی حرمة هذہ الاشیاء [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷۰: مسئولہ مولوی غلام گیلانی صاحب شمس آباد ضلع کیمل پور ۲۵ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض ملکوں میں مچھلی خشک اور گوشت خشک کھایا جاتاہے، قبل پکانے کے تو تواس میں سخت بدبو ہوتی ہے مگر بعد پکنے کے بھی بدبو باقی رہتی ہے، کیااس کا کھانا جائز ہے یاناجائز؟**بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع ایسی سخت بدبودار چیز علاوہ اس کے کہ نفاست طبع کے خلاف ہے، نظافت دین سے بھی جدا ہے۔**وبنی الدین علی النظافة** (دین کی بنیاد نظافت پر ہے۔ت) مسموع ہوا کہ اس کے مستعملین کے بدن ودہن میں اس کی بو بس جاتی ہے۔یہ علاوہ کراہت اکل کے اور بلائے شدید اور ملائکہ کو ایذا ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الملئكة تتاذی لما يتاذی به بنوٰادم [2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس سے بنی آدم اذیت پائیں اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں (ت)

اور ایسی حالت میں ان کو قرآن مجید پڑھنا منع ہے۔حدیث میں ہے:

طيبوا افواهكم فانها طرق القراٰن [3]۔	اپنے منہ صاف رکھو کیونکہ یہ قرآن کا راستہ ہیں۔(ت)

بلکہ جو بدبو پر مشتمل ہو اسے مسجد میں جانا حرام ہے۔اور جماعت میں شامل ہونا ممنوع ہے اور جبکہ اس سے ضرر غالب متحقق ہو، توحرمت میں کیا شبہ ہے۔**فان المضار كلها حرام** (سب ضرر رساں چیزیں حرام ہیں۔ت)**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۱: مرسلہ از چاند پور ضلع بجنور محلہ پتیا پاڑہ مکان محمد حسین خاں زمیندار

مچھلی بے ذبح کیوں جائز ہے؟

الجواب:

خون مفسوح ناپاک ہے وہ بدن میں رہے اور جانور مرجائے تو تمام گوشت پوست نجس وحرام ہو جاتاہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نهی من اكل ثوما ابصلا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

[3] کنز العمال حدیث ۲۷۵۲ و ۲۷۵۳ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱/ ۶۰۳

ذبح سے مقصود اس کا جدا کرنا ہے۔ ولہٰذا حدیث صحیح میں ارشاد ہوا:

ما انہر الدم وذکر اسم اللّٰه علیه فکلوا [1]۔ الحدیث، رواه الستة عن رافع بن خدیج عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم۔	جس کا خون بہادیا گیا اور اس پر اللہ تعالٰی کا نام ذکر کیا گیا تو اسے کھاؤ، الحدیث، اس کو صحاح ستہ کے ائمہ نے روایت کیا رافع بن خدیج سے انھوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔ (ت)

اور فرمایا:

انہر الدم بما شئت واذکر سم اللّٰه [2] رواه احمد و النسائی وابوداؤد وابن ماجة وابن حبان والحاکم عن عدی بن حاتم رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم۔	خون بہادے جس سے تو چاہے۔ اور اللہ تعالٰی کا نام ذکر کر، اس کو احمد نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے۔ (ت)

اور وارد ہوا:

کل مافری الاوداج [3]۔ الحدیث۔ رواه ابن ابی شیبة عن رافع بن خدیج والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة رضی اللّٰه تعالٰی عنهما۔	جو چیز اوداج کو کاٹ دے۔ الحدیث، اس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت رافع بن خدیج سے، اور طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

مچھلی اور ٹیری میں خون ہوتا ہی نہیں کہ اس کے اخراج کی حاجت ہو، غیر دموی کے نزدیک میں ہمارے یہاں صرف یہی دو حلال ہیں، لہٰذا صرف یہی بے ذبح کھائے جاتے ہیں، شافعیہ وغیرہم کے نزدیک کہ اور دریائی جانور بھی کل یا بعض حلال ہیں وہ انھیں بھی بے ذبح جائز جانتے ہیں کہ دریا کے کسی جانور میں خون نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۷ و ۸۳۱ و ۸۳۲، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب جواز الذبح بکل ما انهر الدم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۶

[2] سنن النسائی کتاب الضحایا اباحة الذبح بالعود نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۰۵، مسند احمد بن حنبل حدیث عدی بن حاتم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۵۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الصید من قال اذا انهر الدم الخ ادارۃ القرآن کراچی ۵/ ۳۸۹

مسئلہ ۱۷۲: شمس الہدٰی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی محلّہ سوداگراں ۱۲صفر ۱۳۳۹ھ

حضور پرنور کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ مچھلی کو اس کی آنت وغیرہ کے کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: مسئولہ شوکت علی صاحب ۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ (علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ت) کہ کھانا جھینگا کا درست ہے یا نہیں؟ مکروہ ہے یا حرام؟

الجواب:

حمادیہ میں علماء کے دونوں قول نقل کئے ہیں، کہ بعض حرام کہتے ہیں اور بعض حلال۔

حیث قال الدود الذی یقال لہ جھینکہ عند بعض العلماء لانہ لایشبہ السمک، وانما یباح عندنا من صید البحر انواع السمک، وھذا لایکون کذٰلک، و قال بعضھم حلال لانہ یسمی باسم السمک[1]۔	جہاں انھوں نے کہا کہ وہ کیڑا جسے جھینگا کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک حرام ہے کیونکہ وہ مچھلی کے مشابہ نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک سمندری شکار میں مچھلی کی اقسام ہی مباح ہیں، اور جھینگا ان میں سے نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا یہ حلال ہے کیونکہ اس کا نام مچھلی ہے۔(ت)

اقول: عبارت حمادیہ سے ظاہر یہی ہے کہ ان کے نزدیک قول حرمت ہی مختار ہے کہ اسی کو تقدیم دی والتقدیم اٰیۃ التقدیم (مقدم کرنا مقدم بنانے کی علامت ہے۔ت) اور جھینگے کو دود یعنی کیڑا کہا اور کیڑے حرام ہیں، اور اہل حلت کی طرف سے دلیل میں یہ نہ کہا وہ مچھلی ہے بلکہ یہ کہ اس پر مچھلی کا نام بولا جاتا ہے۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلق حرام ہیں، تو جن کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں ان کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہئے مگر فقیر نے کتب لغت وکتب طب وکتب علم حیوان میں بالاتفاق اسی کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے۔ قاموس میں ہے:

الاربیان بالکسر سمك کالدود[2]۔	اربیان کسرہ کے ساتھ، کیڑے کی طرح مچھلی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی حمادیہ کتاب الصید والذبائح قلمی نسخہ ص ۵۶۷ و ۳۳۲

[2] القاموس المحیط باب الواؤ فصل الراء مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۳۵

صحاح وتاج العروس میں ہے:

الاربیان بیض من السمك كالدود یكون بالبصرة [1]۔	اربیان سفید مچھلی ہے کیڑے کی مانند بصرہ میں ہوتی ہے۔(ت)

صراح میں ہے: اربیان نوعے از ماہی ست [2] (جھینگا، مچھلی کی ایک قسم ہے۔ت) منتہی الارب میں ہے:

نوعے از ماہی ست کہ آنرا بہندی جھینگا میگویند [3]۔	مچھلی کی ایک قسم ہے اسے ہندی میں جھینگا کہتے ہیں۔(ت)

مخزن میں ہے:

روبیان اور اربیان نیز آمدہ بفارسی ماہی روبیان نامند [4]۔	روبیان اور اربیان بھی آیا ہے۔فارسی میں اس مچھلی کو روبیان کہتے ہیں۔(ت)

اسی طرح تحفہ میں ہے۔تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے:

روبیان اسم لضرب من السمك یكثر ببحر العراق و القلزم احمر كثیر الارجل نحو السرطان لكنه اكثر لحما [5]۔	روبیان مچھلی کی قسم ہے، بحر عراق اور بحر قلزم میں بکثرت پائی جاتی ہے یہ سرخ رنگ اور کثیر پاؤں والے کیکڑے کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ گوشت میں زیادہ ہے۔(ت)

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے:

الروبیان ھو سمك صغیر جدا احمر [6]۔	روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے۔(ت)

[1] تاج العروس باب الواؤ والیاء فصل الراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۱۴۳
[2] الصراح فی لغۃ الصحاح باب الواؤ والیاء نولکشور لکھنؤ ص ۵۴۴
[3] متن الارب باب الراء فصل الباء مطبع اسلامیہ لاہور ۲/ ۹۲
[4] مخزن الارویۃ فصل الراء مع الواؤ نولکشور کانپور ص ۳۱۳
[5] تذکرۃ اولی الالباب لداؤ دانطاکی الباب الثالث حرف الراء مصطفی الباب مصر ۱/ ۱۷۱
[6] حیاۃ الحیوان باب الراء المھملۃ تحت الروبیانۃ مصطفی الباب مصر ۱/ ۵۲۸

جامع ابن بیطار میں ہے:

روبیان سمك بحری تسمیه اهل مصر الفرندس، واهل الاندلس یعرفونه بالقمرون [1]۔	روبیان سمندری مچھلی ہے۔ مصر والے لوگ اسے فرندس اور اہل اندلس اسے قمرون کے نام سے جانتے ہیں۔ (ت)

انوار الاسرار میں ہے:

الروبیان سمك صغار جدا احمر [2]۔	روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے۔ (ت)

تو اس تقدیر پر حسب اطلاق متون وتصریح معراج الدرایہ مطلقاً حلال ہونا چاہئے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے۔

والطافی لیس نوعا براسه، بل وصف یعتری کل نوع۔	طافی کوئی قسم نہیں ہے بلکہ یہ ایک وصف ہے جو ہر قسم کو لاحق ہوسکتا ہے۔ (ت)

اور معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں امام شافعی کے سوا سب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں، ردالمحتار میں ہے:

وفی معراج الدرایة ولو وجدت سمکة فی حوصلة طائر توکل وعند الشافعی لا توکل لانه کالرجیع ورجیع الطائر عنده نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر وفی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه فقال اصحابه لا یحل اکله لان رجیعه نجس وعند سائر الائمة یحل [3]۔	اور معراج الدرایہ میں ہے اگر پرندے کے گھونسلے میں مچھلی پائی جائے کھائی جائے، اور امام شافعی کے نزدیک نہ کھائی جائے کیونکہ پرندے کی بیٹھ کی طرح ہے، اور ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے اور ہم کہتے ہیں بیٹھ تب بنے گی جب متغیر ہوجائے گی، اور چھوٹی مچھلی جس کو بغیر چاک کئے بھون لیا جاتا ہے شافعی حضرات فرماتے ہیں حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی ائمہ حلال کہتے ہیں۔ (ت)

مگر فقیر نے جواہر الاخلاطری میں تصریح دیکھی ہے کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔

---

[1] الجامع المفردات الادویة والاغذیة حرف الراء تحت روبیان دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۴۴۵

[2] انوار الاسرار

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

حیث قال السمك الصغار کلھا مکروھة کراۃ التحریم ھو الاصح[1]۔	جہاں کہں کہ چھوٹی تمام مچھلیاں مکروہ تحریمہ ہیں یہی صحیح ہے۔(ت)

جھینگے کی صورت تمام مچھلیوں سے بالکل جدا اور کنگھجے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے۔اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے۔جیسے ماہی سقنقور،حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے۔اور ریگ ماہی کہ قطعاً حشرات الارض اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نہیں معلوم نہیں اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر جواہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی،بہر حال ایسے شبہہ واختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۴تا۱۷۶: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفراللہ لکم ھذہ المسائل افیدونا یرحمکم اللہ تعالٰی: **(۱)** جھینگا خوردن چہ حکم دارد؟ **(۲)** پوست بیضہ خوردن؟ **(۳)** نسج عنکبوت خوردن؟	ان مسائل میں آپ کا کیا حکم ہے ہمیں بتاؤں،اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے: **(۱)** جھنگا کا کھانا کیا حکم رکھتا ہے؟ **(۲)** انڈے کا چھلکا کھانا؟ **(۳)** مکڑے کا جالا کھانا؟

الجواب:

(۱) مختلف فیہ است۔ہر کہ از جنس ماہی دانستہ حلال گفتہ فان السمك بجمیع انواعہ حلال عندنا۔ہر کہ غیر او گمان بُردہ بحرمت رفتہ اذکل مائی ماخلا السمك حرام عندنا،اسلم درہمچوں مسائل اجتناب است الحمدللہ فقیر و اہل بیت فقیر عمر باست کہ نخوردہ ایم ونہ ہر گز ارادہ خوردنش دادیم۔**واللہ تعالٰی اعلم۔** **(۲)** پوست بیضہ جز او ست پس درحلت و	**(۱)** مختلف فیہ ہے۔جو حضرات اس کو مچھلی کی قسم کہتے ہیں حلال کہتے ہیں،کیونکہ مچھلی کی تمام اقسام ہمارے نزدیک حلال ہیں،اور جو حضرات اس کو غیر مچھلی کہتے ہیں وہ حرام مانتے ہیں کیونکہ مچھلی کے ماسوا تمام آبی جانور ہمارے نزدیک حرام ہیں،ایسے مسائل میں اجتناب بہتر ہے،الحمدللہ اس فقیر اور اس کے گھر والوں نے عمر بھر نہ کھایا اور نہ اسے کھائیں گے، **واللہ تعالٰی اعلم۔** **(۲)** انڈے کا چھلکا انڈے کے حکم میں ہے کیونکہ

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الذبائح قلمی نسخہ ص۲۲۹۔۲۸۷

حرمت بحکم اوست ہمچوں جلد حیوان، واللہ تعالٰی اعلم۔ (۳) تصریح ایں جزئیہ ایدوں بخیال نیست نہ اینجا کتب حاضر دارم اماظاہر ممانعت است ہمچوں خانہ زنبور کمانص علیہ فی الھندیۃ [1] عن الملتقط عن الامام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالٰی زیراکہ نسجش متولد از لعاب اوست۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا جزء ہے جیسا کہ حیوان کی کھال، واللہ تعالٰی اعلم۔ (۳) مکڑے کے جالے کا حکم خیال میں نہیں ہے اور نہ ہی یہاں میری کتب ہیں لیکن ظاہری طور پر ممنوع ہے جس طرح زنبور کا گھر ممنوع ہے جیسا کہ ہندیہ میں ملتقط سے اور وہاں امام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کیونکہ جالا مکڑے کے لعاب سے بنتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷۷: از موضع ڈرہال ضلع مراد آباد مرسلہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ ملائم ہڈی کو چبا لیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک ہڈی ملائم گائے کے نشانہ میں ہوتی ہے جس کو چپنی کہتے ہیں اور اسے گوشت کے ساتھ کھالیتے ہیں۔**بینوا توجروا**

الجواب:

جانور حلال مذبوح کی ہڈی کسی قسم کی منع نہیں جب تک اس کے کھانے میں مضرت نہ ہو، اگر ہو تو ضرر کی وجہ سے ممانعت ہوگی، نہ اس لئے کہ ہڈی خود ممنوع ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۲۹۰

کتاب الصید

(شکار کا بیان)

مسئلہ ۱۷۸: ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

(آپ کا کیا فرمان ہے) اندریں مسئلہ کہ ایک شخص روز شکار بندوق کا شوقیہ کھیلتا ہے۔ پس بحکم شرع شریف کے کس قدر شکار کھیلنا جائز ہے اور کس وقت میں؟ اور وہ شکاری ہر روز شکار کھیلنے سے گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ دریں امور چہ حکم دارد، **بینوا مفصلا توجروا کثیرا۔**

الجواب:

شکار کہ محض شوقیہ بغرض تفریح ہو، جیسے ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں، بندوق کا ہو خواہ مچھلی کا، روزانہ ہو خواہ گاہ گاہ۔ مطلقًا باتفاق حرام ہے۔ حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو آج کل بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کے کھانے یا پہننے کی چیزیں لانے کو جانا اپنی کسر شان سمجھیں، یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا مصیبت جانیں، وہ گرم دوپہر، گرم لو میں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا، اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے اور دو۲ دو۲ پہر دو۲ دو۲ دن شکار کے لئے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں، حاشا وکلا بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام، ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہیے مثلاً مچھلی بازار میں ملے گی وہاں سے لے لیجئے ہر گز قبول نہ کرسکیں گے، یا کہئے کہ اپنے

پاس سے لائے دیتے ہیں، کبھی نہ مانیں گے بلکہ شکار کے بعد خود اس کے کھانے سے بھی چنداں غرض نہیں رکھتے بانٹ دیتے ہیں، تو یہ جانا یقیناً وہی تفریح وحرام ہے۔ درمختار میں ہے:

الصید مباح الا للتلھی کما ھو ظاھر [1]۔	شکار مباح ہے مگر لعب کے طور پر مباح نہیں۔(ت)

اسی طرح اشباہ وبزازیہ ومجمع الفتاوٰی وغنیہ ذوی الاحکام وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا میں عامہ اسفار میں ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۹: معرفت مولوی امام بخش صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ وحید احمد خاں ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار تفریحاً کھیلنا حرام ہے، زید کہتا ہے کہ شکار اگر گوشت کھانے کے واسطے کھیلا جائے تو کچھ حراج نہیں کیونکہ ہم روز گوشت ہی کھاتے ہیں اور چونکہ آج کل گوشت مہنگا ہے اس واسطے شکار سے ہم کو فائدہ ہوگا، اور اگر یہ کہو کہ کسی جان بے فائدہ لینا ٹھیک نہیں تو روز گوشت کیوں کھاتے ہو، زید کی اس گفتگو پر یہ سوال کیا گیا کہ تم مہنگے کا سوال پیش کرتے ہو، اور اگر تمھیں شکار سے پیٹ ہی بھرنا مقصود ہے تو روز شکار کیوں نہیں کھیلتے تاکہ تم کو پورا فائدہ حاصل ہو، گاہے گاہے کیوں شکار کھیلتے ہو، وہ بھی اپنے ہمعمروں کو ساتھ لے جاکر، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ تم تفریحاً ہی شکار کھیلتے ہو، جس کی اجازت شرع شریف نہیں دیتی یہ بے نوا حضور سے مستفتی ہے کہ زید کی گفتگو صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید کی یہ تاویل قابل سماعت ہوگی یا نہیں جبکہ نہ مجبوری ہے نہ کسی بیماری کی صحت شکار کے گوشت سے مد نظر ہے۔

الجواب:

تفریح کے لئے شکار حرام ہے۔ اور غذا یا دوا کے لئے مباح ہے۔ اور نیت کا علم اللہ کو ہے۔ اگر واقعی وہ کھانے ہی کے لئے شکار کو جاتا ہے تفریح مقصود نہیں تو حرج نہیں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ مچھلی کے شکار کو جانا چاہئے، اور مچھلیاں بازار میں ملتی ہوں اور دام رکھتا ہو، نہ خریدے بلکہ شکار ہی کرکے لائے اور وہ تکالیف ومصائب جو اس میں ہوتی ہے گوارا کرے تو ہرگز اسے کھانا مقصود نہیں بلکہ وہی تفریح **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: مسئولہ علی احمد صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار مچھلی کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ شکار چارہ تلی سے اور گھیسے سے کھیلا جاتا ہے۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱

الجواب:

کسی جانور کا شکار اگر غذا یا دوا یا دفع ایذا یا تجارت کی غرض سے ہو جائز ہے اور جو تفریح کے لئے ہو جس طرح آج کل رائج ہے اور اسی لئے اسے شکار کھیلنا کہتے اور کھیل سمجھتے ہیں، اور وہ جو کھانے کے لئے بازار سے کوئی چیز خرید کر لانا عار جانیں، دھوپ اور لو میں خاک اڑاتے اور پانی بجاتے ہیں، یہ مطلقاً حرام ہے۔ **کما نص علیه فی الاشباہ والدر المختار وغیرہما** (جیسا کہ اشباہ اور در مختار وغیرہما میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) پھر مچھلی کا شکار کہ جائز طور پر کریں، اس میں زندہ گھیسا پرونا جائز نہیں، ہاں مار کر ہو یا تلی وغیرہ بے جان چیز تو مضائق نہیں، یہ سب اس فعل کی نسبت احکام تھے، رہی شکار کی ہوئی مچھلی اس کا کھانا ہر طرح حلال ہے، اگرچہ فعل شکار ان ناجائز صورتوں سے ہوا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۸۱: از حیدرآباد دکن محلّہ افضل گنج اقامت گاہ مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھ جج ریاست حیدرآباد مرسلہ جناب صاحبزادہ مولوی سید احمد اشرف میاں صاحب متوطن کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد، شاگرد رشید مفتی صاحب مذکور ۳ محرم الحرام شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بندوق کی گولی سے مارا شکار حلال ہے یا حرام، گولی کو حلت صید میں تیر کا حکم ہے یا نہ۔ یں؟ لمبی شکل کی جو گولیاں ہوتی ہے ان کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بندوق کی گولی در بارہ حلت صید حکم تیر میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار مطلقاً حرام ہے۔ کہ اس میں قطع وخرق نہیں، صدم ودق وکسر وحرق ہے، شامی میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ہو بالاخراق، والثقل بواسطۃ اندفاعه العنیف اذ لیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم[1]۔	یہ مخفی نہیں کہ تابنے کی گولی کا زخم اس کے جلانے اور ثقل کی وجہ سے ہے جو بذریعہ شدید دباؤ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ دھار نہیں ہوتی تو شکار حلال نہ ہوگا، اور یہی ابن نجیم کا فتوٰی ہے۔ (ت)

مطلول شکل کی جو گولیاں ہیں **اولاً:** وہ بھی دھار دار نہیں ہوتی بلکہ تقریباً بیضوی شکل پر سنی جاتی ہیں، اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگرچہ شرط نہیں مگر محدد یعنی باڑھ دار ہونا کہ قابل قطع وخرق ہو ضرور ہے۔ **ثانیاً:** اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار رہی بنائی جائے اور اسے بطور معہود بندوق سے سر کریں جب بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۰۴

ثبوت حلت میں نظر ہے کہ صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں، بلکہ تیقن بھی ضروری ہے، اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعث قتل ہوا۔ اور یہاں ایسا نہیں کہ اس کا احراق وصدمہ شدید قاتل ہے **کما سمعت اٰنفًا** (جیسا کہ ابھی آپ نے سنا۔ت) تو محتمل کہ یہی وجہ قتل ہوا ہو، نہ قطع، اور بحالت شک واحتمال حکم حرمت ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الاصل فی ھذہ المسائل ان الموت اذا کان مضافا الی الجرح بیقین کان الصید حلالا، واذا کان مضافا الی الثقل بیقین کان حراما، وان وقع الشك و لایدری مات بالضرح او بالثقل کان حراما احتیاطا[1]۔	ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر موت یقینی طور پر زخم کی طرف منسوب ہو تو شکار حلال ہے، اور اگر وہ ثقل کی طرف منسوب ہو تو یقینا حرام ہے، اور اگر شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ زخم سے مرا ہے یا ثقل سے تو احتیاطا حرام ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایوکل مااصابه البندقة فمات بھا لانھا تدق وتکسر ولا تجرح وکذٰلك ان رماہ بحجر وکذٰلك ان جرحه، قالو اتاویله اذا کان ثقیلا وبه حدة لاحتمال انه قتله بثقله۔ الخ[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	بندوق لگنے سے ہلاک شدہ کو نہ کھایا جائے کیونکہ وہ دباؤ سے توڑتی ہے زخم نہیں کرتی، اور اسی طرح اگر پتھر مارا اور دباؤ سے زخمی ہوا، وضاحت یہ ہے کہ اگر پتھر بھاری ہو اور اس کی دھار ہو تو حرام ہے کیونکہ احتمال ہے کہ ثقل کے دباؤ سے ہلاک ہوا ہو، اس لئے حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۲: ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب (اس باب میں علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں۔ت) کہ ایک شخص نے بسم اللہ کہہ کر شکار پر بندوق چلائی، پس جس وقت جاکر دیکھا تو کوئی آثار اس میں زندگی کے نہ تھے اور نہ جنبش تھی، جس وقت کہ اس کو ذبح کیا تو خون نکلا اچھی طرح سے، پس وہ شکار حلال ہے یا حرام؟ اور اگر اس کو حلال نہ کرتے تو حلال ہوتا یا حرام؟ اور

[1] الهدایة کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۹

[2] الهدایة کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۸ و ۵۰۹

درصورت نہ نکلنے خون کے بھی، جواب تحریر فرمائے۔

الجواب:

اگر ذبح کرلیا اور ثابت ہوا کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا اگرچہ خون نہ نکلا، یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے اگرچہ جنبش نہ کی، یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے۔ اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا ذبح نہ کیا یا کیا مگر اس میں وقت ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا تو حرام ہے۔ غرض مدار کا اس پر ہے کہ ذبح کرلیا جائے اور وقت ذبح اس میں رمق حیات باقی ہو، اگرچہ نہ جنبش کرے نہ خوں دے حلال ہو جائے گا، ورنہ حرام، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حیاته عند الذبح وان علم حیاته حلت مطلقًا، وان لم تتحرك ولم یخرج الدم وهذا یتأتی فی منخنقة ومردیة ونطیحه، والتی بقر الذئب بطنها فذکاۃ هذ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتها خفیفة وعلیه الفتوٰی لقوله تعالٰی الا ماذکیتم من غیر فصل[1] اھ وفی ردالمحتار عن البزازی عن الاسبیجابی عن الامام اعظم رضی الله تعالٰی عنه خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الااذ کان یخرج کما یخرج من الحی قال وهو ظاهر الروایة[2]۔	مریض بکری ذبح کی تو اس نے حرکت نہ کی اور خون نکلا تو حلال ہے ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا نہ معلوم ہو سکا اور اگر زندہ ہونا یقینا معلوم ہے تو مطلقًا حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کرے، اور خون نہ نکلے یہ صورت گلہ گھونٹنے، اوپر سے گرنے والے اور سینگ زدہ میں متحقق ہوتی ہے اور جس کا پیٹ بھیڑیئے نے پھاڑ دیا ہو وہاں یہ صورت ہو سکتی ہے تو ایسے جانور کا ذبح ہونا حلال کردے گا اگرچہ ان کی خفیف زندگی معلوم ہے، اسی پر فتوی ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: الا ما ذکیتم یعنی جس کو تم نے ذبح کردیا، بلا تفصیل یہ حکم ہے اھ اور ردالمحتار میں بزازی سے انھوں اسبیجابی سے انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ محض خون نکلنا حیات کی دلیل نہیں مگر ایسا نکلے جیسے زندہ سے نکلتا ہے تو حیات کی دلیل ہے۔ اور یہ ظاہر الروایۃ ہے۔(ت)

اسی کی کتاب الصید میں ہے:

المعتبر فی المتردیة واخواتها کنطیحة	اوپر سے گرنے والی اور اسی جیسی مثلاً سینگ زدہ،

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

وموقوذة وما اکل السبع والمریضة مطلق الحیاة وان قلت کما اشرنا الیه وعلیه الفتوی [1]۔	لاٹھی زدہ، درندہ کی کھائی ہوئی، اور مریضہ میں مطلق حیات معتبر ہے اگرچہ حیات قلیل ہی ہو جیسا کہ ہم نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے۔(ت)

مدارک التزیل میں ہے:

الموقوذة التی اثخنوہا ضربا بعصی او حجر [2]۔	موقوذہ وہ ہے جس کو لاٹھی یا پتھر سے مارا ہو۔(ت)

معالم میں ہے:

قال قتادة کانوا یضربونہا بالعصٰی فاذا ماتت اکلوہا [3] اھ فظهران المضروب بکل مشقل کالبندقة ولو بندقة الرصاص کله من الموقوذة فیحل بالذکاة وان قلت الحیاة۔	قتادہ نے کہا جاہلیت میں لوگ لاٹھی مارتے جب مر جاتی تو اسے کھاتے تھے اھ، تو ظاہر ہوا کہ کسی دباؤ والی چیز سے ضرب لگی ہوئی جیسے بندق اگرچہ تانبے کی گولی ہو تو وہ موقوذہ یعنی لاٹھی زدہ کے حکم میں ہے تو وہ ذبح سے حلال ہوگی اگرچہ حیات قلیل ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما هو بالاحراق و الثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذلیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم [4]، واللہ تعالٰی اعلم۔	مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم جلانے اور ثقل سے جو شدید دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بنتا ہے۔ کیونکہ دھار نہیں ہوتی، لہٰذا اس زخم سے حلال نہ ہوگی، اسی پر ابن نجیم نے فتوی دیا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

[2] مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) تحت آیۃ۵/ ۳ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۶۹۹

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ۵/ ۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۷

[4] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

مسئلہ ۱۸۳: از گونڈہ بہرائچ مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بندوق کا شکار کھانا جبکہ تکبیر کے ساتھ سر کی جائے کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر زندہ پایا اور ذبح کیا، ذبح کے سبب حلال ہوگیا ورنہ ہر گز نہ کھایا جائے، بندوق کا حکم تیر کی مثل نہیں ہوسکتا، یہاں آلہ وہ چاہیے جو اپنی دھار سے قتل کرے۔ اور گولی چھرے میں دھار نہیں، آلہ وہ چاہیے جو کاٹ کرتا ہو۔ اور بندوق توڑ کرتی ہے نہ کہ کاٹ، ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق و الثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذ لیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم[1]۔	مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم جلانے اور ثقل جو شدید دباؤ سے حاصل ہوتے ہیں سے بنتا ہے کیونکہ گولی کی دھار نہیں ہوتی، لہٰذا اس سے حلال نہ ہوگی، اس پر ابن نجیم نے فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایحل صید البندقة وما اشبه ذٰلك و ان خرق لانه لایخرق الا ان یکون شیئ من ذٰلك قد حدد وطوله کالسهم وامکن ان یرمی بهی، فان کان کذٰلك و خرقة بحده حل اکله[2] انتهی، وبه اندفع ماظن بعض اجله علماء کالنفور من الحرمة بالرصاص الکبیر لثقله دون الحبات لخفتها وذٰلك لان مناط الحل لیس ھی الخفة بل الحد والخرق، وبدیهی	بندوق وغیرہ کا شکار اگرچہ زخمی ہوجائے حلال نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں نہیں، ہاں اگر گولی کی لمبی دھار ہو تو تیر کی مانند ہونے کی بناء پر اسکی طرف پھینکی جاسکے اور وہ چیر دے تو اس کا کھانا حلال ہوگا، اھ اس بیان سے کانپور کے بعض اجلہ علماء کا یہ گمان مدفوع ہوگیا کہ بڑی تانبے والی گولی سے حرام ہے کیونکہ وہ بھاری ہوتی ہے اور چھرے دار گولی سے حلال ہوگی کیونکہ چھرے باریک ہوتے ہیں، یہ اس لئے کہ حلت کا مدار خفیف و باریک ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا مدار

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۳

ان لاشیئ من ذٰلك فی الحبات الا تری الی ماقال فی الدر المختار لو کانت یعنی البندقة خفیفه بھا حدة حل [1] حیث لم یقتصر علی الخفة زاد بھا حدة۔ ولابد من قید اٰخر ترکه وصرحة به وھو من تصیبه بحدھا کما مر عن الامام فقیه النسف۔ وھی مسئلة المعراض الشھیرة فی الکتب،فالصواب اطلاق المنع، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	دھار دار اور چیرنا ہے اور یہ چیز چھروں یعنی دانوں میں بدیہی طور پر نہیں پائی جاتی، آپ دیکھ نہیں رہے جو در مختار میں فرمایا کہ باریک گولی کی دھار ہو تو حلال ہے یہاں انھوں نے صرف خفت پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ دھار کو زائد ذکر کیا اور ایک اور قید بھی ضروری جس کو واضح ہونے کی وجہ سے ذکر نہ کیا وہ یہ کہ دھار لگنے سے زخمی ہو جیسا کہ امام فقیہ النفس (قاضی خاں) کا کلام گزرا، اور کتب میں معراض کے عنوان سے یہ مسئلہ مشہور ہے تو یہی درست ہے کہ گولی کا شکار مطلقًا منع ہے واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۴: از کراچی بندر محلّہ جمعدار گل محمد مکرانی مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب مکرانی ۲۵ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام رحمکم ربکم اندریں مسئلہ کہ اگر شخصے شکار بہ تفنگ یعنی بندوق کرد، وبذریعہ بندقہ رصاص یعنی گولی یا چھرہ شکار زخمی شد و شخص مذکور وقت سر کردن بندوق بسم اللہ الرحمٰن اللہ اکبر ہم گفتہ اما جانور مذکور قبل از ذبح مرد، آیا آں جانور شرعا حلال ست یا حرام؟ دریں مسئلہ درمیاں علمائے بندر کراچی مباحثہ واختلاف افتادہ است۔ آخر الامر طرفین بریں قرار دادہ اند کہ ہر جو ایکہ علمائے کرام بریلی دہند، جانبین تسلیم نمایند۔ بینوا توجروا یوم الحساب۔	علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص بندوق سے شکار کرے اور تانبے کی گولی یا چھرہ سے شکار زخمی ہو کر ذبح سے قبل مر جائے اور وہ بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ لے تو کیا وہ جانور حلال ہے یا حرام؟ اس مسئلہ میں بندر کراچی کے علماء کا مباحثہ واختلاف ہے بالآخر دونوں فریقوں نے قرار دیا کہ علمائے بریلی جو بتائیں ہم تسلیم کرلیں گے، جواب دو اجر پاؤ قیامت کے روز۔ (ت)

الجواب:

حلال نیست زیرا کہ آلہ آں باید کہ دم بُرندہ دارد نہ آنکہ صدمہ شکنندہ یا گرمی سوزندہ	حلال نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے خون بہانے والا آلہ چاہئے نہ کہ وہ جو ٹکڑا کر توڑے یا گرمی سے

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

کمافی ردالمحتار۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جلائے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۸۵: ۲۱ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتے کا پکڑا ہوا شکار مسلمان کھاسکتے ہیں یا نہیں؟ایک خرگوش کو کتے نے اس طرح پکڑا ہے کہ اس کے دانت خرگوش کے جسم میں پیوستہ ہوگئے ہیں،اور بہت سارا جسم اس کا چباڈالا ہے کہ خرگوش کے جسم میں خون جاری ہے،ہنوز ابھی جان باقی ہے۔پس اس کو ذبح کرکے کھاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ کہہ کر تعلیم یافتہ کتے کو جو شکار کرکے مالک کے لئے چھوڑ دیا کرے خود نہ کھانے لگے غیر حرم کے حلال جانور،وحشی پر جو اپنے پاؤں یا پروں کی طاقت سے اپنے بچاؤ پر قادر تھا چھوڑا،اور کتا اس کے چھوڑنے سے سیدھا شکار پر گیا یا اسکے پکڑنے کی تدبیر میں مصروف ہوا بیچ میں اور طرف مشغول یا غافل نہ ہوگیا اور اس نے شکار کو زخمی کرکے مارڈالا یا ایسا مجروح کردیا اس میں اتنی ہی حیات باقی ہے جتنی مذبوح میں ہوتی ہے کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہوجائے گا اور کتے کو چھوڑنے میں کوئی کافر مجوسی یا بت پرست یا ملحد یا مرتد جیسے آج کل نصاری،رافضی،نیچری،وہابی،قادیانی وغیرہم،خلاصہ یہ کہ مسلمان یا کتابی کے سوا کوئی شریک نہ تھا،نہ شکار کے قتل میں کتے کی شرکت کسی دوسرے کتے ناتعلیم یافتہ یا سگ نیچری یا کسی اور جانور نے کہ جس کا شکار ناجائز ہو اور چھوڑنے والا چھوڑنے کے وقت سے شکار پانے تک اسی طرف متوجہ رہا،بیچ میں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا،تو وہ جانور بے ذبح حلال ہوگیا،اور ان چودہ شرطوں سے ایک میں بھی کمی ہو اور جانور بے ذبح مرجائے تو حرام ہوجائے گا ورنہ حرم کا شکار تو ذبح سے بھی حلال نہیں ہوتا۔باقی صورتوں میں ذبح شرعی سے حلال ہوجائے گا،تنویر الابصار ودرمختار وردالمحتار میں ہے:

(الصید بخمسة عشر شرطا)خمسة فی الصائد وھو ان یکون من اھل الذکاة وان یوجد منه الارسال وان لا یشارکه فی الارسال من لایحل صیده.وان لا یترك التسمیة عامدا۔وان لایشغل بین الارسال والاخذ	کوئی شکار کل پندرہ شرطوں سے مباح بنتا ہے پانچ شرطیں شکاری میں پائی جائیں کہ ۱وہ ذبح کرنے کا اہل ہو، ۲اور وہ خود کتے کو شکار پر چھوڑے، ۳اور اس کے ساتھ چھوڑنے میں ایسا شخص شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا، ۴اور وہ قصدا بسم اللہ کو ترک نہ کرے، ۵اور کتا چھوڑنے اور شکار کر پکڑ لینے تک

بعمل اُخر،وخمسة فی الکلب ان یکون معلما وان یذھب علی سنن الارسال،وان لا یشارکه فی الاخذ ما لایحل صیدہ وان یقتله جرحا،وان لایاکل منه و خمسة فی الصید،ان لا یکون من بنات الماء الا السمك وان یمنع نفسه بجناحیه اوقوائمه وان لا یکون متقویا بنابه،او بمخلبه،وان یموت بھذا قبل ان یصل الی ذبحه[1] اھ،قلت ومعنی قوله ان یموت ای حقیقة اوحکما بان لایبقی فیه حیاة فوق المذبوح، کما نص علیه فی الدر،واوضحه المحشی۔	درمیاں میں کسی اور عمل میں مصروف نہ ہو،اور پانچ شرطیں کتے میں پائی جائیں (۱) سکھایا ہوا ہو۔(۲) سیدھا شکار کی طرف جائے (۳) کتے سے شکار کو وصول کرنیوالا ایسا شخص نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا (۴) شکار کو کتا زخمی کرکے مارے (۵) اور خود شکار کو نہ کھائے۔اور پانچ شرطیں شکار میں پائی جائیں (۱) پانی میں پیدا ہونے والا شکار صرف مچھلی ہو۔(۲) وہ بھاگ کر یا اڑ کر اپنا دفاع کرسکے (۳ و ۴) کیلی دانت یا پنچوں والا نہ ہو۔(۵) ذبح تک رسائی سے قبل مرجائے اھ میں کہتاہوں اس کا کہنا کہ مرجائے، یعنی حقیقۃً مرجائے یا حکماً مرجائے مذبوح سے زائد اس میں حیات نہ ہو، جیساکہ درمختار میں تصریح ہے،اور محشی نے اس کو واضح کیا ہے۔(ت)

انھیں میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان صیدا،فصید الحرم لا تحله الذکاة مطلقا (اوکتابیا، ولو مجنونا[2])اھ ملخصا۔والمراد به المعتوہ کما فی العنایة عن النھایة لان المجنون لا قصد له ولا نیة لان التسمیة	ذبح کرنے والے کے لئے مسلمان جو حالت احرام اور حرم میں نہ ہو۔شرط ہے،اور شکار ہو تو ضروری ہے کہ حرم سے باہر ہو کیونکہ حرم کا شکار ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا مطلقاً ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہو اگرچہ ذبح کرنے والا مجنون ہو اھ ملخصا۔مجنون سے مراد معتوہ (ابتدائی جنون) ہو جیساکہ عنایہ میں نہایہ سے نقل کیاہے کیونکہ کامل جنون والا

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱،ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۷

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

شرط بالنص وہی بالقصد وصحۃ القصد بما ذکر نا یعنی قولہ اذا کان یعقل التسمیۃ والذبیحۃ ویضبط اھ ش۔[1]	قصد اور نیت کا اہل نہیں ہے کیونکہ بسم اللہ پڑھنا منصوص شرط ہے اور وہ قصد کے بغیر ممکن نہیں اور قصد کی صحت ہمارے ذکر کردہ سے ہوتی ہے یعنی اس کا قول کہ وہ بسم اللہ اور ذبح اور ضبط کو سمجھتا ہو، اھ ش۔ (ت)

ان سب شرائط کے ساتھ جس خرگوش کو کتے نے مارا مطلقاً حلال ہے اور اگر ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے تو بعد ذبح حلال ہے۔ اس کے دانت جسم میں پیوست ہو جانا وجہ ممانعت نہیں ہو سکتا، قرآن عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا اور شکار بے زخمی کئے نہ ہوگا اور زخمی جبھی ہوگا کہ اس کے دانت اس کے جسم کو شق کرکے اندر داخل ہوں اور یہ خیال کہ اس صورت میں اس کا لعاب کہ ناپاک ہے بدن کو نجس کردے گا، دو وجہ سے غلط ہے۔

اوّلاً: شکار حالت غضب میں ہوتا ہے اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہو جاتا ہے۔

ولذافرق جمع من العلماء فی اخذہ طرف الثوب ملا طفا فینجس او غضبان فلا۔	اس لئے علماء کی ایک جماعت نے کتے کے پاک کپڑے کو پیار سے منہ میں لینے اور غصہ کی حالت میں لینے میں فرق کیا ہے کہ جانور پیار سے منہ میں لے تو ناپاک اور غصہ میں لے تو پاک ہے۔ (ت)

ثانیاً: اگر لعاب لگا بھی تو آخر جسم سے خون بھی نکلے گا، وہ کب پاک ہے جب اس سے طہارت حاصل ہوگی اس سے بھی ہو جائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

کتاب الاضحیہ

(قربانی کا بیان)

مسئلہ ۱۸۶: از موضع مچندی ضلع پیلی بھیت مرسلہ حاجی نصر الدین صاحب ۱۴ محرم ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جلد چہارم کتاب شرح وقایہ کتاب الاضحیہ ص ۴۳ میں تحریر ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو شخص دیکھے تم میں سے چاند ذی الحجہ کا اور ارادہ کرے قربانی کا تو چاہئے کہ اپنے بال اور ناخن کو روک رکھے یعنی نہ کاٹے، روایت کیا جماعت نے، اب ایک شخص اہل اسلام کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے، تو وہ شخص دیکھنے چاند ذی الحجہ کے سے اپنے بال اور ناخن نہ روک رکھے یا حجامت کرالے، یا اس نے یہ حکم نہ مانا، اور رسول مقبول صلی اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم کی حکم عدولی کرے تو اس کے واسطے شرع شریف میں سے کیا حکم ہے؟ اور کیا کہا جائے گا؟ جواب تحریر فرمائے، اور قربانی اس کی صحیح طور پر ہوگی یا کوئی نقص اس کی قربانی میں عائد ہوگا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

یہ حکم صرف استحبابی ہے کرے تو بہتر ہے نہ کرے تو مضائقہ نہیں، نہ اس کو حکم عدولی کہہ سکتے ہیں نہ قربانی میں نقص آنے کی کوئی وجہ، بلکہ اگر کسی شخص نے ۳۱ دن سے کسی عذر کے سبب خواہ بلا عذر ناخن تراشے ہوں نہ خط بنوایا ہو کہ چاند ذی الحجہ کا ہوگیا تو وہ اگرچہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس مستحب پر عمل نہیں کرسکتا اب دسویں تک رکھے گا تو ناخن وخط بنوائے ہوئے اکتالیسواں دن ہوجائے گا،

اور چالیس دن سے زیادہ نہ بنوانا گناہ ہے۔ فعل مستحب کے لئے گناہ نہیں کر سکتا۔

فی ردالمحتار فی شرح المنیۃ وفی المضمرات، عن ابن المبارك فی تقلیم الاظفار وحلق الرأس فی عشر ذی الحجۃ، قال لا تؤخر السنۃ، وقد ورد ذٰلك ولایجب التاخیر اھ فھذا محمول علی الندب بالاجماع الا ان نفی الوجوب لا ینافی الاستحباب فیکون مستحبا الا ان استلزم الزیادۃ علی وقت اباحۃ التاخیر، ونھایتہ مادون الاربعین، فلا یباح فوقھا[1] اھ مختصرا، واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ منیہ کی شرح اور مضمرات میں ابن مبارک سے نقل کیا کہ ناخن کاٹنا اور سر منڈانا ذوالحجہ کے دس دنوں میں آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ سنت کو مؤخر نہ کیا جائے جبکہ اس کے متعلق حکم وارد ہے تاہم تاخیر واجب نہیں ہے اھ تو یہ استحباب پر محمول ہے اور وجوب کی نفی استحباب کے منافی نہیں ہے لہٰذا مستحب ہے ہاں اگر اباحت کی مدت پر تاخیر کو مستلزم ہو تو مستحب نہ ہوگا، اباحت کی مدت کی انتہا چالیس روز ہے تو اس سے زیادہ تاخیر مباح نہ ہوگی اھ مختصراً واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۷: مرسلہ ڈاکٹر واعظ الحق سعد اللہ پوری ڈاکخانہ خسرو پور ضلع پٹنہ بوساطت مولوی ضیاء الدین صاحب ۵ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

قربانی ایام تشریق تک جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی یوم نحر تک یعنی دسویں سے بارھویں تک جائز ہے، آخر ایام تشریق تک کہ تیرھویں ہے جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸: مرسلہ مولوی حاجی الہ یار خاں صاحب تاجر کتب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

رامپور میں عید اضحٰی شنبہ کے دن ہوئی اور بریلی میں ایک شنبہ کو، اب درصورت عدم اطلاع کے جن لوگوں نے سہ شنبہ کو قربانی کی، اور بعد میں اس کے مطلع ہوئے، ان لوگوں کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ اب ان پر کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب العیدین دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۶۵

الجواب:

دوسرے شہر کی رؤیت مجرد حکایات واخبار سے ہر گز ثابت نہ ہوگی، مثلاً چند آدمی اگرچہ کیسے ہی عادل ثقہ ہوں یہاں آکر بیان کریں، وہاں فلاں دن رؤیت ہوئی یا عید کی گئی، یا حکم دیا گیا، یا ہمارے سامنے گواہیاں گزریں، یا منادی پھری، کچھ قابل التفات نہیں کہ امر شرعی کا ثبوت بروجہ شرعی چاہئے، خانگی طور کا یقین کوئی چیز نہیں، گو عوام تو عوام اس زمانے کے بہت ذی علم بھی یقین شرعی وعرفی کے فرق سے غافل ہیں،

فی الدر المختار وحاشیۃ ردالمحتار (لا لو شھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ[1]) فانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم، کذا فی فتح القدیر، قلت وکذا لو شھدوا برؤیۃ غیرھم، وان قاضی تلك المصر امر الناس بصوم رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضا ولیس بحجۃ بخلاف قضائہ[2] الخ۔	درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے اگر لوگوں نے غیر کی رؤیت پر شہادت دی تو جائز نہیں کیونکہ یہ محض حکایت ہے کیونکہ انھوں نے اپنی رؤیت پر شہادت دی اور نہ غیر کی شہادت پر مبنی شہادت دی انھوں نے تو صرف غیر کی رؤیت کی حکایت کی ہے۔ یوں ہی فتح القدیر میں ہے۔ میں کہتا ہوں اگر وہ غیر کی رؤیت پر شہادت بھی دیں تب بھی یہی حکم ہے اور یونہی اگر وہ اس شہر کے قاضی کے اس حکم پر شہادت دیں کہ اس نے لوگوں کو رمضان کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ قاضی کے فعل کی حکایت ہے اور یہ حجت نہیں ہے، بخلاف جبکہ وہ قاضی کی قضاء پر شہادت دیں وہ حجت ہے الخ (ت)

پس اگر رامپور کی خبر اسی طرح یہاں آئی جب تو سہ شنبہ کی قربانی میں اصلاً خلل نہیں،

لانھم بنوھا علی امر شرعی وھو اکمال العدۃ ثلثین عند الغمۃ ولم یثبت مایردہ فلا یخاطبون لابما وقع عندھم۔	کیونکہ انھوں نے شرعی حکم کو مبنٰی قرار دیا وہ تیس کی گنتی پوری کرنا جب بادل ہوں اور اس شرعی حکم کو رد کرنے والی کوئی چیز ثابت نہیں جبکہ لوگ اپنے ہاں پائی جانی والی دلیل کے مخاطب ہیں۔ (ت)

اگرچہ انھوں نے خلاف احتیاط بیشک کیا کہ قطع نظر اس سے کہ افضل وفاضل یعنی دہم یازدہم چھوڑ کر سب میں گیا درجہ اختیار کیا، جب اگلے چاند کی تاریخ میں بھی احتمال تھا، اور بے رؤیت وشہادت صرف تیس

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

پورے کرنے پر بنائے کار ہوئی تھی تو شنبہ کی عید بھی ایک احتمال رکھتی تھی، ایسی حالت میں فی التاخیر اٰفات پر نظر کرکے سہ شنبہ تک بیٹھا رہنا نہ چاہئے تھا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بحالت احتمال مستحب ہے بارھویں تک دیر نہ لگائے اور دیر ہو جائے تو مستحب ہے کہ اس قربانی سے کچھ اپنے یا اپنے اغنیاء کے صرف میں نہ لائے بلکہ بالکل راہ خدا میں اٹھائے۔ شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

لوشك فی یوم الاضحی فاجب ان لا یوخر الی الیوم الثلث والافاحب ان یتصدق کله [1]۔	اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو تیسرے دن تک مؤخر نہ کی جائے ورنہ تمام گوشت کو صدقہ کرنے مجھے پسند ہے۔ (ت)

باایں ہمہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی قربانی قضاء ہوگئی، البتہ افضل یہ ہے کہ جس قدر گوشت وغیرہ اپنے یا اور اغنیاء کے صرف میں آگیا ہو اس کی قیمت لگا کر صدقہ کریں، اور نیز جانور مذبوح وزندہ میں بوجہ ذبح جو تفاوت قیمت ہوگیا وہ بھی خیرات کریں، مثلاً زندہ ایک روپیہ کو آیا تھا اور ذبح کیا ہوا بارہ آنے کو جاتا تو چار آنے اور تصدق کئے جائیں، عالمگیری میں ہے:

اذا شك فی یوم الاضحی فالمستحب ان لایؤخر الی الیوم الثالث فان اخر یستحب ان لا یاکل منه و یتصدق بالکل فیتصدق بفضل مابین المذبوح و غیر المذبوح لانه لو وقع فی غیر وقته لا یخرج عن العهدة الا بذٰلك كذا فی المحیط السرخسی [2]۔	اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو مستحب یہ ہے کہ تیسرے روز تک مؤخر نہ کی جائے اور مؤخر ہو جائے تو پھر مستحب یہ ہے کہ تمام گوشت صدقہ کیا جائے اور خود کچھ نہ کھائے اور مذبوح اور غیر مذبوح میں قیمت کے فرق زائد کو صدقہ کرے کیونکہ اگر قربانی اپنے فروخت سے باہر ہو تو اس کے بغیر عہدہ برآہ نہیں ہوتا یوں محیط سرخسی میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فان اکل تصدق بقیمة ما اکل [3] اھ ذکرہ فی الناذر، و افاد الشامی ان النذر	اگر کھالیا تو جتنا کھایا اس کی قیمت کو صدقہ کرے اھ انھوں نے یہ نذر ماننے والے کو فرمایا اس پر علامہ شامی

[1] جامع الرموز کتاب الاضحیه مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۵۷۔۳۵۶

[2] فتاوٰی ہندیه کتاب الاضحیة الباب لثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۵

[3] درمختار کتاب الاضحیه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

لیس بقید[1] بل کذلك الحکم فی کل ماوجب التصدق بہ. **قلت** واذا وجب ھذا فی واجب التصدق، ندب الیہ فی مندوبہ کالتصدق باللحم وبفضل ما بین المذبوح الی غیر المذبوح کما لایخفی لان المقصود الاحتیاط للخروج عن العھدۃ بالیقین، فکل ماکان علی العھدۃ لو تیقن القضاء لایکون مستحبا ھنا. لدفع المراء. ھذا مما لایضن بہ خفاء۔	نے یہ افادہ فرمایا کہ نذر کی قید نہیں بلکہ ہر چیز جس کا صدقہ واجب ہو اس کا یہی حکم ہے، **میں کہتا ہوں** جب واجب صدقہ کا یہ حکم تو نفلی صدقہ میں گوشت کو صدقہ کرنا اور مذبوح اور غیر مذبوح سے فرق میں زائد کو صدقہ نفل ہوگا جیسا کہ مخفی نہ ہے کیونکہ مقصد یقینی طور پر عہدہ برآمد ہونا ہے تو ذمہ دار کو اگر عہدہ برآ ہونے کا یقین ہوجائے تو یہ مستحب نہیں ہے تاکہ ریاکاری نہ بن پائے اس میں خفا کا گمان نہیں ہے۔(ت)

ہاں اگر بطریق موجب شرح وہاں کی خبر ثالث ہو، مثلاً دو گواہ عادل نے آکر خود اپنی رؤیت پر گواہی دی یا دار القضا میں قاضی شرعی نے باستجماع شرائط ان کے سامنے حکم دیا انھوں نے اس حکم پر شہادت ادا کی، یا وہاں کے دو عادل اہل رؤیت نے انھیں بعبارت معتبرہ شرع اپنی شہادت کا حامل کیا، انھوں نے شہادۃ علی الشہادۃ باستیعاب شرائط گزاری، یا وہاں کی خبر مستفیض و مشتہر ہوگئی، بایں معنی کہ رامپور سے متعدد گروہ آئے اور سب یک زبان یہی خبر لائے تو نہ یہ اصلی مخبر و حاکی دو تین شخص تھے ان کی زبانی نقل در نقل ہو کر شہر میں شہرت ہوگئی کہ یہ اصلا قابل اعتبار نہیں، **وان اشتبہ کثیر علی العوام ومن ضاھاھم** (اگرچہ یہ بات بہت سے عوام اور ان جیسے لوگوں پر مخفی ہے۔ت) ایسی حالتوں میں بیشک وہاں کی رؤیت بروجہ شرعی ثابت ہوجائے گی۔

فی فتح القدیر و ردالمحتار مااسمعناك ففی الدر المختار وحاشیتہ للعلامۃ الطحطاوی (یلزم) ثبوت الھلال سواء کان ہلال الصوم اوالفطر (اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھد علی حکم القاضی. اویستفیض	فتح القدیر میں اور ردالمحتار میں بیان کردہ ہم نے آپ کو سنادیا ہے اور درمختار اور اس کے حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ رمضان کا ہلال ہو یا فطر کا اس کا ثبوت مشرق والوں پر مغرب والوں کی رؤیت سے لازم ہوجاتا ہے جب مغرب والوں کی رؤیت مشرق والوں کے ہاں موجب طریقہ سے ثابت ہو مثلاً دو گواہ بنیں، شہادت پر قاضی کی قضاء پر یا رؤیت

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۰

الخبر، بخلاف ما اذا خبرا ان اهل بلدة كذا رأوه لانه حكاية اه حلبی[1] الخ۔	کی خبر مستفیض ہو جائے بخلاف اس صورت کے کہ دو شخص یہ خبر دیں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ محض حکایت ہے اھ حلبی الخ (ت)

علامہ مصطفیٰ رحمتی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

معنى الا ستفاضة ان تأتی من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية الخ نقله الشامی[2] وقواه۔	خبر مستفیض کا معنی یہ ہے کہ وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر جماعت یہ خبر دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے الخ اس کو علامہ شامی نے نقل کیااور اسے قوی قرار دیا ہے۔ (ت)

اور علامہ شامی نے اگرچہ دربارہ اضحیہ مطلع کو معتبر ماننے کا استظہار فرمایا۔

حيث قال اختلاف المطالع انما لم يعتبر فی الصوم لتعلقه بمطلق الرؤية، وهذا بخلاف الاضحية فالظاهر انها كاوقات الصلوات يلزم كل قوم العمل بما عندهم فيجزئ الاضحية فی اليوم الثالث عشر عـــه وان كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر[3]۔	جہاں انھوں نے کہا کہ روزہ میں مطالع کا اختلاف صرف اس لئے معتبر نہیں کہ روزے کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے اور یہ قربانی کے کے معاملہ کے خلاف ہے تو ظاہر یہ ہے کہ قربانی کا معاملہ اوقاف نماز کی طرح ہے ہر علاقہ کی قوم پر وہی لازم ہے جو اس کے ہاں ثابت ہو۔ لہذا تیسرے دن قربانی جائز ہے اگرچہ وہ دن دوسروں کے ہاں چوتھا دن بنتا ہو۔ (ت)

مگر یہاں اس کی گنجائش نہ ملے گی کہ مسئلہ قربانی میں مطالع شمس سے کام نہیں، جو ایک ہی فرسخ یعنی تین میل پر

عـــه: لايخفى ان الثالث والرابع عشر وقعا سهوا وانما مقصوده رحمه الله تعالى الثانی والثالث عشر ۱۲ منه قدس سره۔	شامی میں تیرہ اور چودہ تاریخ کا ذکر سہوا ہوا، جبکہ مقصد بارھویں اور تیرھویں تاریخ کا بیان ہے ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹، حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصوم دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

[3] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶

مختلف ہوجاتے ہیں:

کما نص علیہ علماء الھیئۃ قلت بل الحق انھا تختلف فی میل واحد بل اقل من ذٰلک. غیر ان التفاوت لقلتہ جدا لایستبین لنا الا فی نحو فرسخ۔	جیسا کہ اس پر علماء ہیئت نے تصریح کی ہے میں کہتا ہوں بلکہ حق یہ ہے کہ وہ ایک میل بلکہ اس سے کم میں مختلف ہوجاتے ہیں لیکن وہ اختلاف اتنا قلیل ہوتا ہے کہ ہمیں صرف فرسخ کی مسافت تک معلوم ہوسکتا ہے۔(ت)

بلکہ یہاں غرض مطالع قمر سے ہے کہ چوبیس فرسخ یعنی بہتر میل سے کم میں نہیں بدلتے، جن کے اس حساب سے کہ ایک میل کوس کے پانچ ثمن کا نام ہے،

کما تشھد بہ التقادیر الدائرۃ بن اھل اللسان اذا اقیست الی الامیال المنصوبۃ فلا عبرۃ بما تلھج بہ متعلم النصارٰی	جیسا کہ اہل لسان کے ہاں معروف اندازے اس پر شاہد ہے جبکہ گاڑے ہوئے میلوں کا حساب کیا جائے تو نصارٰی کے شاگردوں کے قول کا اعتبار نہیں۔(ت)

پینتالیس کوس ہوئے۔

فی ردالمحتار فی شرح المنھاج للرملی وقد نبہ التاج التبریزی علی ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعۃ وعشرین فرسخا وافتی بہ الوالد والاوجہ انھا تحدیدیۃ کما افتی بہ ایضا اھ فلیحفظ انتھی[1] **اقول:** والمنفی ھو الامکان العادی وان زعمت الفلاسفۃ ما زعمت فان اللہ علی کل شیئ قدیر۔	ردالمحتار اور شرح منہاج امام رملی میں ہے۔ اور تاج الدین تبریزی نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ چوبیس فرسخ سے کم میں مطالع کا اختلاف ممکن نہیں ہے اور والد گرامی نے اس پر فتوٰی دیا ہے اور اس اندازہ کا تحدیدی ہونا مناسب ہے، جیسا کہ انھوں نے یہ بھی فتوٰی دیا ہے اھ محفوظ کرو **انتھی، میں کہتا ہوں** امکان عادی کی نفی کی گئی ہے اگرچہ فلاسفہ جو چاہے خیال کریں، تو بیشک اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے(ت)

اور بریلی سے رامپور کا فاصلہ براہ دائرہ طول کہ علم ہیئت میں اسی کا لحاظ ہے، اس

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶

مقدار عـــہ کے نصف کو بھی نہیں پہنچتا اور اگر حساب عامہ ہی لیجئے تو بھی اس سے بہت کم ہے۔ بہر حال وہ تفاوت ہر گز نہیں جس کے باعث چاند کے مطلع بدلتے ہیں، لاجرم جب ثبوت شرعی پہنچے گا قطعاً ظاہر ہو جائے گا کہ سہ شنبہ کی قربانیاں ایام نحر گزر جانے کے بعد تیرھویں تاریخ واقع ہوئی اب وہ احکام تصدق جو صورت بالا میں بطور افضیلت واستحباب مذکور ہوئے تھے سب واجب ہو جائیں گے **کماظھر مما مر** (جیسا کہ گزشتہ سے ظاہر ہوا۔ ت)

تحقیق ان مسائل کی فقیر کے رسالہ "**ازکی الاھل بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال**" میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: از ایرایاں محلّہ سادات ضلع فتح پور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امسال اخبار وغیرہ سے معلوم ہوا کہ بقر عید کو ۲۹ کا چاند ہوا مگر معقول سند نہ ملنے سے تیس کے حساب سے عیدالاضحٰی ہوئی، تو قربانی ۱۲ تاریخ کو ۳۰ کے حساب سے کرے یا احتیاطاً اختلاف کی وجہ سے ۱۱ تک کرلے ۱۲ کو نہ کرے۔

الجواب:

در بارہ رؤیت کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ ۲۹ کا چاند اگر ثابت نہ ہو تو ۳۰ دن پورے کرلیں **فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین** (اگر بادل ہو جائے تم پر تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ ت) ۳۰ کے حساب سے بارھویں تک قربانی بے تکلف کریں، احتمالات کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۰: از بنگالہ شہر اسلام آباد چاٹگام موضع ادھونگر مرسلہ مولوی عبدالجلیل صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ درخانہ شخصے دہ کس موجود است، وقربانی برہریک ایشاں واجب است، پس شخصے مذکور گاوے خرید از طرف ہفت کس قربانی نمود واز جانب سہ کس ہیچ نکرد، ووقت قربانی فوت گردید،	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک گھر میں دس حضرات موجود ہیں اور ان سب پر قربانی واجب ہو تو گھر والے شخص نے سات حضرات کی طرف سے گائے خریدی اور قربانی کردی، اور باقی تین حضرات کی قربانی نہ ہوئی اور

عـــہ: طول رامپور قید لو یعنی ۳۶/۱۱۴ طویل بریلی قید لط یعنی ۵۹/۱۱۴ فصل بقدر ہا کج یعنی ۲۳/۰ میل تقریباً ۲۵-۱/۳ جن کے سولہ کوس سے بھی کم ہوئے ولہذا دونوں شہر کے نصف النہار میں تفاوت صرف بقدر ہا الب ہوتا ہے یعنی جب یہاں ۱۲ بجتے ہیں وہاں بارہ بجنے میں ڈیڑھ منٹ باقی ہوتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** منہ قدس سرہ العزیز

پس از بواقی ساقط شود یا بمقدار آں مر فقراء و مساکین را صدقہ کنند شرعا چہ حکم است۔ **بینوا بسنة الکتاب توجروا من الملك الوھاب۔**	قربانی کا وقت ختم ہوگیا تو کیا باقی حضرات کی قربانی ساقط ہوجائے گی یا وہ حضرات کی مالیت کو فقراء ومساکین پر صدقہ کریں، شرعا کیا حکم ہے؟ بتاؤ اور اجر اپنے عطا کرنے والے مالک سے پاؤ۔ (ت)

الجواب:

از شہ باقی ساقط نشود فان الاضحیة واجبة عینا لا کفایة، وچوں وقت گزشتہ است واجب است کہ ہر ایک ازیں سہ کساں قیمت گوسپندے کہ در اضحیہ کافی شود، بر فقرا صدقہ کند فی الدر لمختار ترکت التضحیة ومضت ایامھا تصدق غنی بقیمة شاة تجزئ فیھا [1] اھ ملتقطا۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	باقی تین سے قربانی ساقط نہ ہوگی کیونکہ واجب عینی ہے واجب کفایہ نہیں ہے جب وقت گزر گیا تو ان کو چاہئے کہ وہ بکرے کی قیمت فقراء پر صدقہ کریں، درمختار میں ہے کہ قربانی چھوٹ گئی ہو تو وقت ہوجانے پر غنی شخص بکرے کی قیمت صدقہ کردے تو اس سے کفایت حاصل ہوجائے گی اھ ملتقطا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۹۱: ۲ اذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید کے پاس مکان سکونت کے علاوہ دو ایک اور ہوں تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

واجب ہے جبکہ وہ مکان تنہا یا اس کے اور مال سے کہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو مل کر چھپن روپے کی قیمت کو پہنچیں، اگرچہ مکانوں کو کرایہ پر چلاتا ہو یا خالی پڑے ہوں یا سادی زمین ہو بلکہ مکان سکونت اتنا بڑا ہے کہ اس کا ایک اس کے جاڑے گرمی کی سکونت کے لئے کافی ہو اور دوسرا حصہ حاجت سے زائد ہو اور اس کی قیمت تنہا یا اسی قسم کے مال سے مل کر نصاب تک پہنچے جب بھی قربانی واجب ہے۔ اسی طرح صدقہ بھی۔

فی الھندیة عن الظھیریة ان کان له عقار ومستغلات ملك اختلف المشائخ	ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے کہ زمین اور آمدن والی ملکیت ہو تو متاخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالٰی نے

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

المتاخرون رحمهم الله تعالٰی فالزعفرانی و الفقیه علی الرازی اعتبر قیمتها و ابو علی الدقاق وغیرہ اعتبرا الدخل۔ واختلفوا فیما بینهم، قال ابو علی الدقاق ان کان یدخل له من ذٰلك قوت سنة فعلیه الاضحیة ومنهم من قال قوت شهر، ومتی فضل من ذٰلك قدر مائتی درهم فصاعدا فعلیه الاضحیة[1] الخ ونحوہ فی ردالمحتار ولم یذکر ترجیحا ورأیتنی کتبت علی هامشه مانصه، اقول: به جزم فی الخانیة من صدقة الفطر ولم یحك خلافا حیث قال وما زاد علی الدار الواحدة والدستجات الثلثة من الثیاب یعتبر فی الغناء[2] اھ ثم قال واذاکان له دار لا یسکنها ویؤاجرها اولا یؤاجرها یعتبر قیمتها فی الغناء وکذا اذا اسکنها و فضل عن سکناہ شیئ، یعتبر فیه قیمة الفاضل فی النصاب ویتعلق بهذا النصاب احکام وجوب صدقة الفطر والاضحیة وحرمة وضع الزکاۃ فیه ووجوب نفقة الاقارب[3] اھ	اختلاف کیا ہے۔ تو زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے ان کی قیمت کا اعتبار کیا اور ابو علی الدقاق وغیرہ نے ان کی آمدن کا اعتبار کیا ہے اور پھر آمدن کے اعتبار والوں کا آپس میں اختلاف ہوا، ابو علی الدقاق نے کہا اگر سال بھر کی آمدن حاصل ہو جائے تو قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے مہینے کا قول کیا ہے آمدن میں سے سال بھر میں دو سو درہم فاضل بچ جائیں یا اس سے زائد تو اس پر قربانی واجب ہے الخ اور ردالمحتار میں اسی کی مثل مذکور ہے اور انھوں نے ترجیح کو ذکر نہ کیا، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے۔ عبارت یہ ہے، اقول (میں کہتا ہوں) خانیہ میں اس پر جز فطرانہ کے متعلق کیا ہے اور انھوں نے اختلاف کو ذکر نہ کیا، جہاں انھوں نے فرمایا، جو ایک مکان اور تین جوڑے لباس سے زائد ہوں وہ غناء میں شمار ہوگا اھ، پھر فرمایا اگر اس کا مکان ہو جس میں رہائش پذیر نہیں اس کو کرایہ پر دیا ہو یا نہ دیا ہو تو اس کی قیمت کے اعتبار سے غناء میں شمار ہوگا، اور یوں اگر مکان میں رہائش پذیر ہو اور رہائش سے کچھ کمرے زائد ہوں تو زائد کی قیمت کو نصاب میں شمار کیا جائے گا اور اس نصاب سے صدقہ فطر اور قربانی زکوۃ لینے کی حرمت اقارب کا نفقہ کے احکام متعلق ہو جائیں گے اھ۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۲
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصوم فصل فی صدقہ الفطر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۷
[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصوم فصل فی صدقہ الفطر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۷

وھکذا انقل الکلام عنها برمزہ"خ"فی خزانة المفتین وکذٰلك ذکر فی البزازیة اقوال المتاخرین کالزاعفرانی والدقاق وغیرھما مقدما قول الزعفرانی ان العبرۃ بالقیمة ثم قال وعند الثانی رحمه اللّٰه ھو موسر بالضیاع۔[1] اھ وفی الھندیة عن الخلاصه عن الاجناس لو کان له دار فیها بیتان شتوی وصیفی و فرش شتوی وصیفی،لم یکن بها غنیا فان کان له فیها ثلث بیوت و فیمة الثالث مائتا درھم فعلیه الاضحیة[2] الخ،ومثله فی البزازیة[3] وقال قبله لو کان فی داراجارۃ فاشتری ارضا بنصاب وبنی فیها منزلا یسکنه لزمت[4] اھ،وبالجملة قد تظافرت الروایات علی الایجاب وھو الموافق لاطلاق المتون والشروح من قولھم کما فی الھدایة وغیرھا واجبة علی الحر المسلم ،اذاکان مالکالمقدار النصاب فاضلا عن	اور خزانۃ المفتین میں خانیہ کی اس کلام کو اس کی رمز"خ"کے ساتھ ذکر کیا اور یوں ہی بزازیہ نے متاخرین کے اقوال کو ذکر کیا اور زعفرانی کے قول کو دوسروں پر مقدم کیا کہ قیمت کا اعتبار ہے اور پھر کہا کہ امام ثانی (امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی) کے نزدیک زمینوں کی وجہ سے غنی قرار پائے گا اھ،اور ہندیہ میں خلاصہ سے بحوالہ اجناس ذکر کیا کہ اگر مکان میں دو کمرے ہوں موسم سرما اور دوسرا موسم گرما کے لئے ہو اور سردی اور گرمی کے بستر ہوں تو اس سے غنی شمار نہ ہوگا،اور اگر مکان کے تین کمرے ہوں اور تیسرے کی قیمت دو سو درہم ہو تو اس پر قربانی لازم ہوگی الخ اور اس کی مثل بزازیہ میں مذکور ہے انھوں نے اس سے قبل ذکر کیا اگر کوئی کرایہ کے مکان میں ہو تو اس نے نصاب برابر قیمت سے زمین خرید کر مکان بنایا اور اس میں رہائش پذیر ہوا تو اس پر قربانی لازم ہے اھ،خلاصہ یہ کہ اس پر قربانی کو واجب کرنے والی روایات کثیرہ متفق ہیں اور یہی متون اور شروح کے اطلاق کے موافق ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان جب اپنی رہائش لباس، ضروری سامان

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۳

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

مسکنه وثیابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبیده[1] وهو المنقول من احد شیخی المذهب والخلاف انما جاء عن المتأخرین ثم هو الاحوط فعلیه فلیکن التعویل، **فان قلت** الیس قد احالو یسار الاضحیة علی یسار صدقة الفطر واحال فی التنویر یسارها علی نصاب یحرم الصدقة، حیث قال صدقة الفطر تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم ینم وبه تحرم الصدقه[2] اھ وقال فی الدر من مصارف الزکوٰة لایصرف الی غنی، یملك قدر نصاب فارغ من حاجته الاصلیة من ای مال کان[3] اھ وقال فی رد المحتار ذکر فی الفتاوی فیمن له حوانیت ودور للغلة، لکن غلتها لاتکفیه ولعیاله انه فقیر ویحل له اخذ الصدقة عن محمد وعند ابی یوسف لاحل کذا لوله کرم لاتکفیه غلته اھ،	سے زائد مقدار نصاب کا مالک گھوڑے، ہتھیار اور غلام وغیرہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک ہو تو قربانی واجب ہے، اور وہی مذہب کے ایک شیخ سے بھی منقول ہے اور اختلاف متاخرین میں پیدا ہوا ہے، پھر یہ باعث احتیاط ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے، **اگر تو اعتراض کرے** کہ فقہاء کرام نے قربانی کے معیار وجوب کو صدقہ فطر کے معیار وجوب کی طرف پھیرا ہے اور تنویر میں قربانی کو صدقہ واجبہ کی حرمت کے معیار پر لاگو کیا ہے جہاں انھوں نے کہا کہ صدقہ فطر ہر ایسے مسلمان پر واجب ہے جو اپنی اصل حاجت سے زائد نصاب والا ہو اگرچہ وہ نصاب نامی نہ ہو اور اسی نصاب سے صدقہ واجبہ لینا حرام ہو جاتا ہے اھ۔ اور درمختار میں مصارف زکوٰۃ کے باب میں کہا کہ زکوٰۃ غنی پر صرف نہ کی جائے غنی وہ ہے کہ اپنی اصلی حاجت سے فارغ قدر نصاب کا مالک ہو خواہ کوئی بھی مال ہو اھ اور رد المحتار میں کہا کہ فتاوی میں مذکور ہے ایسے شخص کے متعلق جو دکانوں اور مکانوں کا مالک ہو جن کو کرایہ پر دیا ہو لیکن ان کا کرایہ اس کو اور اس کے عیال کو کفایت نہیں کرتا تو وہ فقیر ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس کو زکوٰۃ حلال ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حلال نہیں ہے۔

[1] الہدایہ کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۱۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۳-۱۴۲

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

وفی التتارخانیة عن الصغری له داریسکنها لکن تزید علی حاجته بان لایسکن الکل یحل له اخذ الصدقة فی الصحیح، وفیها سئل محمد عمن له ارض یزرعها، او حانوت یستغلها، اور دار غلتها ثلثة الاف، ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاء، وعلیه الفتوی و عندهما لایحل[1] اھ الکل ملخصات، **قلت نعم**، یفتٰی بهذا فی حرمة الصدقة، وبه جزم فی الخانیة وخزانة المفتین، قالا لو کان له حوانیت او دار غلة تساوی ثلثة الاف، وغلتها لا تکفی لقوته وقوة عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه وکذا لو کان له ضیعة تساوی ثلثة الاٰف ولا یخرج منها مایکفی له ولعیاله یجوز له اخذ الزکوٰة[2] اھ ثم لم یمنعها هذا علی جزمهما فی مسئلة الاضحیة

اور یونہی اگر انگور ہوں اور ان کی آمدن اسے کافی نہ ہو اھ، اور تتارخانیہ میں فتاوٰی صغرٰی سے منقول ہے کسی کا مکان رہائشی ہو لیکن حصہ حاجت سے زائد نہ ہو اور سب میں رہائش نہ ہو تو صحیح قول میں اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اور اس میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے سوال کیا گیا کہ کسی کی زراعت والی زمین ہو یا دکانیں کرایہ پر دی ہو یا مکانات کرایہ والے ہوں اور ان کی آمدن تین ہزار ہوا اور وہ اس کو اور اس کے عیال کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اگر ان کی قیمت خرچہ کو پورا کرتی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے، اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں ہے اھ، یہ تمام عبارتیں ملخص ہیں، جواب **میں کہتا ہوں** ہاں زکوٰۃ کے حرام ہونے کے لئے یہ فتوٰی ہے اور اسی پر خانیہ اور خزانۃ المفتین میں جزم کیا ہے ان دونوں نے کہا کہ اگر دکانیں اور مکان کرایہ پر دئے ہوں جن کی آمدن تین ہزار ہو اور یہ آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور یوں اگر زرعی زمین ہو جس کی قیمت تین ہزار ہو جبکہ اس سے حاصل ہونے والا غلہ اتنا نہیں کہ اس کو اور اس کے عیال کو کافی ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اھ، پھر یہ زکوٰۃ لینے کا جواز ان دونوں حضرات کے جزم کے مطابق قربانی کے مسئلہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الزکوٰۃ فصل فیمن یوضع فیه الزکوٰۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۲۴، خزانة المفتین کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۷

بما رأیت ولا تلازم بین حل الصدقة و سقوط الواجبات المالية، حتی صرح العلماء ان من له نصاب سائمة لا تساوی مائتی درهم تحل له الزکوٰة وتلزم الزکوٰة، فی ردالمحتار عن الشرنبلالية عن الجوهرة عن الامام المرغینانی اذا کان له خمس من الابل قیمتها اقل من مائتی درهم تحل له الزکوٰة وتجب علیه[1] اھ وتمامه تحریره فیه ولا شك ان الزکوٰة اضیق وجوبا من صدقة الفطر والاضحیة فلا غروان وجبتا علی صاحب الضیاع والمستغلات لمبلکه نصابا فاضلا، وحلت له الصدقة لعدم کفایة الغلة له و لعیاله معایبقی خلاف مفهوم ما افادہ فی التنویر ولا حرج فیه بعد ماجاءت من العلماء تلك النصوص بالتکثیر، والله تعالٰی اعلم۔

کے لئے مانع نہیں، جیسا کہ تم نے دیکھا، جبکہ زکوٰۃ کے حلال ہونے اور واجبات مالیہ کے ساقط ہونے میں تلازم نہیں ہے حتی کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ جس کے پاس سائمہ جانوروں کا نصاب موجود ہو اور ان جانوروں کی قیمت دو سو درہم کے مساوی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اس کے باوجود جانوروں کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے، اور ردالمحتار میں شرنبلالی بحوالہ جواہر امام مرغینانی سے منقول ہے کہ اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں جن کی قیمت دو سو درہم سے کم ہو اس کو زکوٰۃ حلال ہے باوجود یہ کہ اس پر اونٹوں کی زکوٰۃ واجب ہے اھ اور اس مکمل بحث وہاں موجود ہے اور اس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ کا وجوب صدقہ فطر اور قربانی کے وجوب سے کڑا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ صدقہ فطر اور قربانی زمین وغیرہ کی آمدن والے پر واجب ہوں جبکہ وہ آمدن اصل حاجت سے زائد نصاب برابر اور ساتھ ہی اس کو زکوٰۃ لینا حلال بھی ہو کیونکہ زمین کی آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو، ہاں تنویر کے مفاد مفہوم کا خلاف باقی رہا تو اس میں علماء کی کثیر نصوص آجانے کے بعد کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۲: مسئولہ مولوی ظفر الدین صاحب از بانکی پور پٹنہ ۲۳ صفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص برائے نام صاحب جائداد ہے۔ سو روپیہ سالانہ آمدن کی جائداد ہے۔ وہ شخص (ہہ۔للعہ) ماہوار کا نوکر بھی ہے۔ جو اس کی ضروریات دنیویہ کو کافی ہے۔ کسی سال میں کچھ نہیں بچتا

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

اس کی بیوی کے پاس تقریبا(معہ ۷۰) روپیہ کا زیور ہے۔۵۰ کا طلائی باقی نقرئی، اب ایسی صورت میں یہ توظاہر ہے کہ زکوۃ میاں بی بی دو میں کسی پر واجب نہیں مگر صدقہ فطر وقربانی ان دونوں یا ایک پر واجب ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس پر؟

الجواب:

ستر روپیہ کا زیور اگر مملوک زن ہے اراس پر قرض نہیں تو اس پر نہ صرف اضحیہ وصدقہ فطر بلکہ زکوۃ بھی فرض ہے کہ اگرچہ (صہ) کے سونے (عہ) کی چاندی میں کسی کی نصاب کامل نہیں، مگر سونے کو چاندی کرنے سے چاندی کی نصاب کامل مع زیادہ ہوجائے گی، ہاں شوہر پر صدقہ واضحیہ بھی نہیں، اگرچہ زیور مذکور بھی اسی کی ملک ہو کہ تمام کا قرض محیط ہے۔ مگر ان علماء کے نزدیک کہ ایجاب صدقہ واضحیہ میں قیمت جائداد کا اعتبار کرتے ہیں اور راجح ومفتی بہ اول ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

ان کان له عقار ومستقلات ملك اختلف المشائخ المتاخرون رحمهم الله فالزعفرانی والفقیه علی الرازی اعتبر اقیمتها، وابو علی الدقاق وغیره اعتبر الدخل، واختلفوا فیما بینهم، قال ابو علی الدقاق ان كان یدخل له من ذٰلك قوت سنة فعلیه الاضحیة و منهم من قال قوت شهر و متی فضل من ذٰلك قدر مائتی درهم فصاعدا فعلیه الاضحیة[1]۔	اگر کسی کی زمین اور آمدن والی ملکیت ہو متاخرین مشائخ کااختلاف ہے توزعفرانی اور فقیہ علی رازی نے قیمت کااعتبار کیا ہے اور ابوعلی الدقاق وغیرہ نے آمدن کااعتبار کیا ہے اور ان کاآپس میں اختلاف ہوااور ابوعلی الدقاق نے کہا اگر اس کو ان اشیاء سے سال بھر کے خرچہ کی آمدن ہو تو اس پر قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ماہانہ خرچہ کی آمدن ہو اور جب سال بھر میں دو سو درہم یازائد فاضل بچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

سئل محمد عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلثة الاف ولاتکفی لنفقته ونفقة	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا گیا ایسے شخص کے متعلق کہ اس کی زرعی زمین یا دکان یا مکان کا کرایہ آمدن تین ہزار ہے اور اس کے اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۲

عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمته تبلغ الوفاء وعلیه الفتوی وعندهما لایحل [1]۔	اس کے عیال کے سال بھر کے نفقہ کے لئے کافی نہیں اس کو زکوٰۃ حلال ہے اگرچہ ان کی قیمت کفایت کو پہنچی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں۔(ت)

درمختار کے صدقہ فطر میں ہے:

تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم ینم، وبهذا النصاب تحرم الصدقة، وتجب الاضحیة ونفقة المحارم علی الراجح [2] اھ **قلت** فالذی له ارض قیمتها الوف کما وصف لو کان تجب علیه الاضحیة لحرمت علیه الزکوٰة لکنها لم تحرم فالاضحیة لم تجب، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہر مالک نصاب مسلمان پر کہ اس کی اصل حاجت سے زائد ہو اگرچہ یہ نصاب نامی نہ ہو تو راجح قول پر محارم کا نفقہ اور قربانی واجب ہے اور اس نصاب سے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتا ہے، **میں کہتا ہوں** جس کے پاس زمین ہے جس کی قیمت ہزاروں ہے جیسے بیان کیا گیا ہے اگر اس پر قربانی واجب ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے لیکن زکوٰۃ حرام نہیں، لہٰذا قربانی واجب نہیں، واللّٰه تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۹۳: از سرکار مارہرہ شریف مرسلہ حضور سیدنا سید مہدی حسن میاں صاحب سجادہ اقدس دامت برکاتہم ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

اعلیحضرت محترم خادمانہ عرض ہے۔ فقیر رضوی کی عمر گیارہ سال کچھ ماہ کی ہے۔ زیور اس کے پاس غالباً ساٹھ روپے کا ہے۔ بالغ نہیں ہے۔ قربانی اس کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ پیر برکات عمر سترہ سالہ خلف بھائی جان مرحوم بے ماں باپ کا ہے لیکن اس کی والدہ کا زیور و ظروف مسی و پارچہائے پوشیدنی ہیں جو بعضب ایک شخص کے پاس ہیں جن کے ملنے کی کسی قسم کی امید اس کو کسی زمانہ میں نہیں وہ مالک ووارث ان چیزوں کا ضرور ہے مگر اس کے قبضہ سے قطعی باہر ہیں اور صحیح طور سے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان چیزوں کا وجود ہے یا نہیں۔ اس کے ذمہ قربانی ہے یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب صدقہ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲ و ۱۴۳

الجواب:

حضور والہ آداب غلامانہ معروض، نابالغ اگرچہ کسی قدر مادار ہو نہ اس پر قربانی ہے نہ اس کی طرف سے اس کے باپ وغیرہ پر، حضرت صاحبزادہ صاحب اگر اس مال کے سوا اپنی حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کے مالک ہیں تو ان پر قربانی ہے ورنہ نہیں، وہ مال کہ نہ کبھی اس کے ملنے کی امید ہو نہ اس کا وجود ہی معلوم، مثل معدوم ہے۔ اس کے سبب وجوب نہ ہوگا۔ زیادہ حد ادب۔

مسئلہ ۱۹۴: ۲۲ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں۔ سائل دریافت کرتا ہے کہ قربانی ولی کرے تو سب گھر والوں کی طرف سے ہو جائے گی کیونکہ سب اولاد شامل ہے مثلاً بیٹے اور بیٹوں کی اولاد، نواسے وغیرہ اور سب مال اسباب کا دادا جو کہ ولی ہے مالک ہے۔ اور دوسروں کو اختیارات بالکل نہیں ہیں، اور ولی اپنے دل میں خیال کرکے قربانی یا دیگر صدقات یا زکوٰۃ یا میلاد شریف کرتا ہے اس صورت میں سب کی طرف سے قبول ہوگی یا ولی کی طرف سے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہو سکتی ہے، نہ سوا مالک نصاب کے کسی اور پر واجب ہے۔ اگر اس کی نابالغ اولاد میں کوئی خود صاحب نصاب ہو تو وہ اپنی قربان جدا کرے، یونہی زکوٰۃ جس جس پر واجب ہے یہ الگ الگ دیں، ایک کی زکوٰۃ سب کی طرف سے نہیں ہو سکتی، جو چیز واجب شرعی نہیں مثلاً صدقہ نفل ومیلاد مبارک وہ بھی ایک کے کرنے سے سب کی طرف سے نہ قرار پائے گا، ہاں کرنے والا ہر ایک کا اگرچہ فرض ہو اپنی اولاد اور گھر والوں جن کو چاہئے پہنچا سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: از مدرسہ منظر الاسلام مرسلہ مولوی احسان علی صاحب متعلّم مدرسہ مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نصاب کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ۵۲-۱/۲ (ساڑھے باون) تولے چاندی یا ۷-۱/۲ (ساڑھے سات) تولے سونا بمقدار اس کے روپیہ موجود ہوں جب قربانی واجب ہے یا کہ اتنے مقدار کی مالیت ہو چاہے اس کے پاس کاشت ہو یا چوپائے ہوں اگر ایسے شخص کے پاس ۶۰ روپیہ کی بھینس یا بیل ہے تو اس پر قربانی ہے یا نہیں کسی شخص کو ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے لیکن بزمانہ قربانی ایک روپیہ بھی اس کے پاس موجود نہیں، وہ شخص قرض لے کر قربانی کرے گا یا کہ نہیں، علی ہذا القیاس کاشت فروخت کرکے قربانی کرے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی واجب ہونے کے لئے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصل حاجتوں کے علاوہ ۵۶ روپیہ کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل بھینس یا کاشت، کاشتکار کے ہل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں ان کا شمار نہ ہو، ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی والا آدمی قربانی کے دن ۵۶ روپیہ کا مالک نہ ہو، یہ صورت خلاف واقعہ ہے۔ اور اگر ایسا فرض کیا جائے کہ اس وقت وہ فقیر ہے تو ضرور اس پر قربانی نہ ہوگی، اور جس پر قربانی ہے اور اس وقت نقد اس کے پاس نہیں وہ چاہے قرض لے کر کرے یا اپنا کچھ مال بیچے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶:　　　　۱۳ ذوالحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری پار سال قربانی کے ارادہ سے لی گئی، اس نے گھر میں آکر دودھ دیا، اور لوگوں نے کہا، یہ بکری دودھ کی ہے، اس کی قربانی مت کرو، تو اس کے عوض ایک مینڈھا قربانی کردیا، اور بکری کو گاؤں بھیج دیا، وہاں جاکر وہ گابھن ہوگئی، پھر اس کو مکان پر بلا لیا، یہاں آکر دو بکری بیائی، اور ان کا بھی یہی ارادہ کیا کہ جب یہ دونوں بکری سال بھر کی ہوجائیں گی ان کی بھی قربانی کردی جائے گی، اس کا دودھ بھی اپنے کام میں آیا، بعد کو بکری مع اس کے بچوں کے گاؤں بھیج دی گئی، پھر اب اس کو گاؤں سے منگوالیا قربانی کے لئے، تو اس کے آثار سے معلوم ہوا کہ گابھن ہے اس کی قربانی نہیں کی بلکہ اس کے عوض میں ایک مینڈھا قربانی کردیا گیا۔

پس اس صورت میں بکری کا دودھ کام آسکتا ہے یا نہیں؟ اور آیا اس بکری کو فروخت کرنا یا لینا جائز ہے اپنے لئے یہ بکری کا دودھ ڈھائی روپیہ میں پار سال خریدی گئی تھی اور پار سال جو مینڈھا اس کے عوض میں قربانی کیا گیا اس کی قیمت یاد نہیں۔ اور اب کے جو مینڈھا قربانی کیا گیا دو روپیہ چھ آنہ میں خریدا گیا تھا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

دودھ کے جانور یا گابھن کی قربانی اگرچہ صحیح ہے مگر ناپسند ہے۔ حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی، سائلہ جبکہ غنیہ مالکہ نصاب ہے تو بہ نیت قربانی بکری خریدنے سے خاص اسی کی قربانی اس پر لازم نہ ہوئی اسے بدل لینے کا اختیار تھا، دودھ دیتی دیکھ کر اس کے عوض مینڈھا کردیا، اس سال گابھن خیال کرکے بھی مینڈھا کیا کچھ حرج نہ ہوا، اس بکری کا پالنا، بیچنا، دودھ پینا سب روا ہے۔

وکراھۃ الانتفاع بلبن الاضحیۃ وصوفھا	قربانی سے قبل اس جانور کے دودھ اور اون سے انتفاع

قبل التضحیة انما کان لانه التزام اقامة القربة بجمیع اجزائها کما فی الدر[1] افاذا اقام القربة بغیر ھابقیت علی حکم ملکه المطلق المتصرف علی ان منھم من اجازھما اعنی الانتفاع باللبن والصوف للغنی مطلقًا لوجوبھا فی الذمة فلا یتعین کما فی الدر[2] عن الزیلعی قال الشامی والجواب ان المشتراة للتضحیة متعینة للقربة الی ان یقام غیرھا مقامھا[3] اما کراھة الاستبدال فشیئ خارج عما نحن فیه لان الکلام فی حلا الانتفاع بھا بیعا وحلبا بعد ما ابدلت بل ھی الکراھة فی غیرھا اذا وجدھا ذات در او حمل لورود الحدیث بالنھی عنھما، واللہ تعالٰی اعلم	اس لئے مکروہ ہے کیونکہ اس نے اس جانور کو جمیع اجزاء سمیت قربت کے لئے لازم بنایا ہے جیساکہ در مختار میں ہے توجب اس نے قربت دوسرے جانور سے قائم کرلی تو اب یہ اس کی مطلق ملک والے تصرف میں ہوگیا، علاوہ ازیں بعض نے دودھ اور اون سے غنی کو انتفاع مطلقًا جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے ذمہ واجب ہے لہٰذا یہ جانور متعین نہ ہوا جیساکہ در مختار میں زیلعی سے منقول ہے۔ علامہ شامی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ خریداری قربانی کے لئے ہونے کی وجہ یہ جانور متعین رہے گا جب تک دوسرا اس کے قائم مقام نہ بنالے، لیکن دوسرے سے تبدیل کرنے کی کراہت علیحدہ معاملہ ہے وہ ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ یہاں اس جانور کو تبدیل کرنے کے بعد اس کی بیع اور دودھ سے انتفاع حلال ہونے میں بحث ہے بلکہ کراہت دودھ یا حمل پائے جانے کی وجہ ہے اس لئے بوجہ الغیر ہوسکتی ہے کیونکہ دودھ اور حمل والی کی نہی پر حدیث وارد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۷تا۱۹۸: از شہر بریلی مسئولہ منشی شوکت علی صاحب رضوی محرر چونگی شب ۱۸ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) قربانی کس پر ہے اور واجب ہے یافرض؟

(۲) آج کل ہندوستان میں گائے کی قربانی بعض مسلمان مشرکوں کی خوشنودی کے لئے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں بکری کی قربانی کی جائے۔ بینوا توجروا

الجواب:

(۱) صاحب نصاب جو اپنے حوائج اصلیہ سے فارغ چھپن روپے کے مال کامالک ہو اس پر قربانی

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

واجب ہے۔

(۲) مشرکوں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی بند کرنا حرام حرام سخت حرام ہے۔اور جو بند کرے گا جہنم کے عذاب شدید کا مستحق ہوگا اور روز قیامت مشرکوں کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹: از موضع غنی پور ضلع منواکھال ڈاکخانہ صفدر گنج مرسلہ مولوی عبدالعزیز ۲۶ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں مثلاً تین بھائی ہیں کہ تینوں ایک ساتھ رہتے ہیں، جبکہ قربانی کا وقت آیا تو تینوں آپس میں مل کر بڑا بھائی کو حکم کیا کہ تم ہمارے نام کی ایک بکری خرید کر قربانی کرو، اس میں دو تین روپیہ جو بھی خرچ ہوں اس کا دعوی ہم نہیں رکھتے ہیں اس حالت میں قربانی ہوگا یا نہیں۔ میرے یہاں بعض علماء فرماتے ہیں کہ قربانی بالکل جائز نہیں ہوگی، کیونکہ شریک دار کا حصہ معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا، اس فساد میں بہت سے لوگوں نے قربانی چھوڑدیا، کیونکہ بعض تو ایسے ہیں کہ انھوں کے مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں، ان علماؤں نے فرمایا ہیں کہ جنھوں کا مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں، انھوں کو قربانی نا کرنا چاہئے، اگرچہ قربانی جائز ہے تو ان علماؤں کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب المطول

مال شرکت میں جس کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو نہ اس کے پاس اپنا اور کوئی خاص مال اتنا ہو کہ حصہ کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے، اس پر قربانی واجب نہیں، یعنی نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا نہ یہ کہ اس کو قربانی نہ چاہئے یہ محض غلط ہے بلکہ کرے گا تو ثواب پائے گا بلکہ بہ نیت قربانی جانور خریدے گا تو اس پر بھی خاص اس جانور کی قربانی واجب ہوجائے گی نہ کرے گا اور اس جانور کو دوسرے سے بدل نہیں سکتا کہ اس پر اسی جانور کی قربانی واجب ہوئی، درمختار میں ہے:

وفقیر ماشراھا لھا لو جوبھا علیہ بذٰلك حتی یمتنع علیہ بیعھا[1]۔	اور فقیر نے واجب نہ ہونے کے باوجود خریدی ہے اس لئے اس کو فروخت ممنوع ہے(ت)

ایک شریک اگر دوسرے شرکاء کے اذن سے زر مشترک سے جانور خاص اپنی قربانی کے لئے خرید کر اپنی طرف سے قربانی کرے تو بلاشبہ جائز ہے۔اور قربانی صحیح ہوجائے گی، خواہ ان میں شرکت عقد ہو

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

یا شرکت ملک، بیان اس کا یہ کہ یہاں پانچ صورتیں ہیں:

[1]ایک شرکت ملک کی اور چار شرکت عقد کی، کہ [2]شرکت مفاوضہ ہو یا [3]شرکت عنان، مطلق ہے خرید وفروخت میں، جیسے یہ کہیں کہ جو کچھ ہم خریدیں وہ ہمارے آپس میں مشترک ہے۔ یا [4]شرکت جن خاص اجناس میں قرار پائی ہے یہ جانور کہ اسے قربانی کو خریدا ان اجناس سے ہے۔ [5]اخیر صورت یہ ہے کہ یہ شرکت خاص ہے، اور جانور اس کی جنس تجارت سے نہیں، اول و اخیر یعنی شرکت ملک و شکل اخیر میں تو ظاہر ہے کہ یہ جانور خاص اس خریدنے والے کی ملک ہوگا۔

لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ کما فی الاشباہ [1] وغیرھا، بل قال فی الدر وغیرہ لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ [2]الخ قال الشامی لانہ اذا لم یکن وکیلا بالشراء وقع الملك لہ فلا اعتبار بالاجازۃ بعد ذٰلك لانھا انما تلحق الموقوف لا النافذ [3]۔	کیونکہ خریداری جب مشتری پر بطور نفاذ پائی نجائے تو نافذ ہوجائیگی، جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ بلکہ درمختار وغیرہ میں کہا اگر غیر کے لئے خریدی تو خود اس پر نافذ ہوگی الخ، شامی میں فرمایا کیونکہ غیر کا وکیل خریداری میں یہ نہیں ہے تو اس کی ملکیت قرار پائی گی تو اس کے بعد کی اجازت معتبر نہ ہوگی کیونکہ بعد کی اجازت موقوف بیع کا لاحق ہوسکتی ہے نافذ کو نہیں لاحق ہوسکتی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شریك العنان لہ ان یشتری مالیس من جنس تجارتھا ویقع الشراء لہ ویطالب بالثمن وکذا یقع الشراء لہ من جنس تجارتھما بعد ماصار المال عروضا [4] اھ قلت ولم اذکر	شرکت عنان میں شریک کو اختیار ہے کہ وہ مسلمہ تجارت کے غیر کو خریدے جبکہ خریداری شریک کی اپنی ہوگی اور بائع اس سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور یونہی جب ان کی مسلمہ تجارت کی جنس کو خریدے نقد مال کے سامان بن جانے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۳، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب البیوع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱۹، ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

[2] درمختار کتاب البیوع فصل الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

[4] ردالمحتار کتاب الشرکۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۱

هذا الاخیر لان الفرض انه اشتری بدراہم الشرکة۔	کے بعد اھ، میں کہتاہوں، میں آخر صورت کو ذکر نہ کروں گا کیونکہ یہاں مشترکہ دراہم سے خریدنا مفروض ہے۔(ت)

غایت یہ کہ ثمن جو مال شرکت سے ادا کیا ہے اس میں حصہ دیگر شرکاء کا اسے تاوان دینا ہوگا جبکہ شرکاء نے قیمت خریداری ثمن میں اپنے اپنے حصہ اسے ہبہ کئے ہوں کہ شیئ قابل قسمت میں ہبہ صحیح نہیں یا قبل شراء اپنے حصوں سے ابراء کیا ہو کہ ابراء یعنی معافی دین سے ہوتی ہے یہاں ابھی دین نہیں، یا ابراء معلق کیا ہو، یعنی جب تو اپنے لئے شرکت کے مال سے خریدے تو ہم نے تجھے اپنے حصے معاف کئے کہ ابراء صالح تعلیق نہیں، عالمگیریہ میں ہے:

احد المشرکین اذا قال لشریکه، وهبت لك حصتی من الربح قالو ان کان المال قائما لاتصح لکونها هبة المشاع فیما یقسم، وان کان الشریك استهلك المال صحت الهبة لکونها اسقاطا حینئذ کذا فی الظهیریة[1]۔	دونوں شریکوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا میں نے اپنے حصے کا نفع تجھے ہبہ کردیا تو فقہاء نے فرمایا اگر نقد مال موجود ہو تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا کیونکہ قابل تقسیم چیز کا مشاع حصہ ہے اور اگر شریک نے مال کو ہلاک کردیا ہو تو ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ اس صورت میں ہبہ کا مطلب حصہ کو ساقط کرنا ہے۔ ظہیریہ میں یوں ہے۔(ت)

عینی پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

انه ای الابراء تملیك من وجه حتی یرتد بالرد، وان کان فیه معنی الاسقاط فیکون معتبرا بالتملیکات فلا یجوز تعلیقه بالشرط[2]۔	کسی کو بری کرنا من وجہ تملیک ہے حتی کہ رد کردینے سے ابراء ہوجاتا ہے اگرچہ اس میں اسقاط کا معنی ہے۔ لہٰذا تملیکات میں معتبر ہوگا اس لئے شرط کے ساتھ اس کی تعلیق جائز نہیں۔(ت)

ایضاح الکرمانی پھر عزمیہ پھر شامیہ میں ہے:

قال ان دخلت الدار فقد ابرأتك	اگر کہا تو گھر میں داخل ہوجائے تو میں نے تجھے بری کیا۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

وقال لمدیونہ اوکفیلہ اذا ادیت الی کذا، او متی ادیت، اوان ادیت الی خمس مائۃ فانت بری عن الباقی فھو باطل ولا ابراء[1]۔	اور اپنے مدیون یا کفیل کو کہا اگر تو مجھے اتنے یا جب ادا کرے، یا یوں کہا اگر تو مجھے پانسو ادا کرے تو باقی سے بری ہے۔ تو یہ باطل ہے کوئی برائت نہ ہوئی۔(ت)

ہندیہ میں قنیہ سے ہے:

قال ائمۃ بلخ التحلیل یقع علی ماھو واجب فی الذمۃ لاعلی عین قائم[2]۔	بلخ کے ائمہ نے فرمایا جو ذمہ میں واجب ہو اس سے برائت ہوتی ہے نہ کہ عین موجود مال سے(ت)

مگر اس سے جانور میں شرکاء کی ملک نہیں ہوتی، خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المشتری للاب[3]۔	باپ کے مال کے ساتھ خریداری کرنے سے یہ لازم نہیں اتا کہ خرید کردہ چیز باپ کی ہوجائے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

مااشتراہ احدھما لنفسہ یکون لہ و یضمن حصۃ شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترک[4]۔	ان میں سے کسی نے چیز کو اپنے لئے خریدا تو اسی کی ہوگیہ اور وہ اپنے شرکاء کے حصے کا ضامن ہوگا اگر خریداری میں مشترکہ مال دیا ہو(ت)

اور تین صورتوں میں اگرچہ جانور سب شرکاء کی ملک مشترک ٹھہرے گا مگر جبکہ وہ سب اسے اذن دے چکے کہ خاص اپنی طرف سے قربانی کردے، اور یہ ناممکن ہے بے اس کے کہ جانور خاص اس کی ملک ٹھہرے، تو ان کا یہ اذن جانور میں سے اپنا اپنا حصہ اس کو ہبہ کرنا ہوگا، اور جانور قابل قسمت نہیں جو شیئ ناقابل قسمت ہو اس میں ہبہ مشاع صحیح ہے، تو تنہا یہی اس جانور کا ملک ہوگیا، اور قربانی اس کی بلاد غدغہ صحیح ہوگئی اور اب اس پر ثمن میں حصہ شرکاء کا بھی تاوان نہیں آسکتا، محیط پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

الشراء حال الشرکۃ لو من جنس تجارتھما فھو للشرکۃ، وان اشھد عند الشراء انہ لنفسہ لانہ فی النصف بمنزلۃ الوکیل بشراء شیئ معین وان لم یکن من تجارتھما فھو لہ خاصۃ[1]۔	اگر جنس تجارت کو شرکت کے مال سے خریدا تو وہ شرکت کی ہوگی اگرچہ وہ خریداری کے وقت اپنی ذاتی ہونے پر بھی گواہ بنالے کیونکہ وہ معین چیز کی خریداری میں نصف کا وکیل ہے۔ ہاں اگر وہ چیز جنس تجارت میں سے نہ ہو تو اس کی ذاتی ہوگی۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

اذا اذن احدا المتفاوضین لصاحبہ ان یشتری جاریۃ فیطأھا ففعل فھی لہ بغیر شیئ لان الجاریۃ دخلت فی الشرکۃ علی البتات جریا علی مقتضی الشرکۃ، اذھما لایملکان تغییرہ فاشبہ حال عدم الاذن، غیر ان الاذن یتضمن ھبۃ نصیبہ منہ لان الوطئ لا یحل الا بالملک، ولاوجہ الی اثباتہ بالبیع (ای انہ ھلک بالشراء) لما بینا انہ یخالف مقتضی الشرکۃ فاثبتناہ بالھبۃ الثابتہ فی ضمن الاذن[2] اھ مختصرا بزیادۃ ما بین الھلالین للایضاح۔	جب شرکت مفاوضہ کے ایک شریک نے دوسرے کو لونڈی خرید کر وطی کی اجازت دے دی ہو اور اس نے ایسے کرلیا تو وہ لونڈی بلا عوض اس کی ہوجائے گی کیونکہ وہ لونڈی شرکت میں ہے۔ شرکت کا مقتضی یہی ہے کیونکہ عقد شرکت کے بعد دونوں میں سے کوئی اس کو متغیر نہیں کرسکتا لہٰذا وہ وطی گویا کہ بلااذن متصور ہوئی مگر اجازت دینا اپنے حصے کو ہبہ کردینے کو متضمن ہے کیونکہ وطی مستقل ملکیت کے بغیر حلال نہیں ہوتی اور اس ملکیت کو بیع کی طرف منسوب کرنا یعنی یہ کہنا وطی کرنے والا خریدنے سے مالک ہوگیا درست نہیں کیونکہ یہ مقتضی شرکت کے منافی ہے تو ہم نے ملکیت کو اس ہبہ سے ثابت کیا ہے جو اذن کے ضمن میں پایا گیا اھ مختصراً۔ اور وضاحت کے لئے ہلالین میں درج شدہ عبارت کا اضافہ کیا ہے۔(ت)

یہ لوگ جنھوں نے قربانی ناجائز ہونے کا فتوٰی دیا اور لوگوں سے قربانیاں چھڑادیں فقہ سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں اور جو ایسا ہو اسے فتوٰی دینا حرام ہے۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۳۔ ۳۴۲

[2] الہدایہ کتاب الشرکۃ مطبع یوسفی لکھنؤ انڈیا ۲/ ۶۱۶

الجواب المختصر

صورت مستفسرہ میں قربانی بلاشبہ جائز ہے۔ اور بعض کا وہ شبہ محض بے اصل و باطل ہے۔ اجازت اباحت ہے۔ اور اباحت وہبہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ قربانی تو یوں جائز کرلی، مال مشترکہ سے شریکوں کا کھانا پہننا کہ زمانہ رسالت سے بلانکیر رائج ہے سب حرام ہوجائے گا کہ ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ناجائز ہے حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ" [1]۔	اگر تم آپس میں ملالو تو تمھارے بھائی ہیں۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا" [2]	تمھیں حرج نہیں کہ تم اکھٹے کھاؤ یا متفرق۔ (ت)

اس فتوٰی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتوٰی دینے والے لوگ فقہ نہیں جانتے نہ اس کام کے اہل ہیں، اور نااہل کو فتوٰی دینا حرام اور سخت کبیرہ ہے۔ حدیث میں ہے:

من افتی بغیر لم لعنته ملئکة السماء والارض [3]۔	جو بغیر علم کے فتوٰی دے آسمان وزمین کے فرشتے اس پر لعنت کریں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: بمقام گھوسیا ضلع مرزاپور ڈاکخانہ اورائی مرسلہ جناب اکمل الدین صاحب مورخہ ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس بارے میں کہ ہمارے موضع میں زمانہ قدیم سے تمام مسلمان حنفی المذہب ہوتے چلے آرہے ہیں مگر عرصہ چند روز ہوا کہ سات آدمیوں نے مذہب اہلحدیث کو اختیار کرلیا ہے اور ہمارے بزرگوں نے بڑی سعی کوشش سے قید کی مصیبت کو برداشت کرکے گورنمنٹ سے تین دن کی قربانی کا حکم جاری کرالیا تھا لیکن اس سال اسی فرقہ اہل حدیث سے ایک شخص نے کپتان کے روبرو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

[3] کنز العمال بحوالہ بن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳، الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷

دستخط کردئے کہ ہم لوگ ایک روز قربانی کریں گے لہٰذا ہم لوگوں کے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ اسی سال میں دستخط کرنے کی وجہ سے دو روز کی قربانی منسوخ ہو گئی، آئندہ خدا جانے ایک دم سے منع ہو جائے تو کیا تعجب ہے اور یہ گروہ تقلید کے بالکل منکر ہیں لہٰذا دستخط کنندہ کے ذمہ عائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر عائد ہوتا ہے تو مع دلیل کے تحریر فرمائے اور ان لوگوں کو اپنے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے دیا جائے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ثناء اللہ اپنی کتاب "اہل حدیث کا مذہب" کے صفہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق کرگئے تھے دونوں ہاتھوں کو زانوں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو تاکید مزید اسی عمل کی کیا کرتے۔ لہٰذا اس کی سند صحیح ہے یا لغو۔

الجواب:

غیر مقلدین گمراہ بدین ہیں، ان پر بوجہ کثیرہ کفر لازم ہے۔ جس کی تفصیل "**الکوکبۃ الشھابیۃ**" میں ہے کہ حسب تصریحات قرآن عظیم واحادیث وائمہ ستر وجہ سے لزم کفر بیان کیا ہے۔ ان کا مساجد میں کوئی حق نہیں۔ اور قربانی کے دو دن چھوڑ دینے کا ان سے کیا تعجب، وہ سارا دین ہی قربان کئے بیٹھے ہیں جس کی تفصیل **الکوکبۃ الشھابیہ وحسام الحرمین والاستمداد علی اجیال الارتداد وغیرھا** کتب میں شائع ہو چکی۔ خوشنودی ہنود کے لئے گاؤ کشی بند کرنا یا اس کی توسیع میں جو اللہ و رسول نے دی، کمی قبول کرنا مسلمانوں کا کام نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ"[1] **وقال اللہ تعالٰی** "وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝" [2] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم ظلم کرنیوالوں کی طرف میلان نہ کرو۔ تو تم کو آگ جہنم چھوئے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں اگر مومن ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۲۰۱: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں شہر میں قبل نماز عید بعد طلوع شمس قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل قریہ یا کہ شہر والے اپنی قربانی کو گاؤں بھیج دیں تو ان کو بعد صبح قبل نماز عید قربانی کرلیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

الجواب:

شہر میں قربانی اگرچہ ساکن دہ کی طرف سے وہ روز واول پیش از نماز عید (اور اگر نماز عید کسی عذر سے نہ پڑھیں تو پیش از خروج وقت نماز عید) ناجائز و نامعتبر ہے۔اور بیرون شہر اگرچہ فنائے مصر غیر متصل بمصر ہو،اگرچہ قربانی ساکن شہر کی ہو،پیش نماز بعد طلوع فجر تاریخ دہم جائز ہے۔

فی الدرالمختار اول وقتہا بعد الصلٰوۃ ان ذبح فی مصرای بعد اسبق صلٰوۃ ولو قبل الخطبۃ،لکن بعدھا احب وبعد مضی وقتہا لو لم یصلو اعلیہ العذر، ویجوز فی الغد وبعدہ قبل الصلٰوۃ لان الصلٰوۃ فی الغد تقع قضاء لااداء، زیلعی وغیرہ،وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ والمعتبر مکان الاضحیۃ لامکان من علیہ فحیلۃ مصری ارادان یخرجہا لخارج المصر فیضحی بہا اذا طلع الفجر اھ[1]،فی رد المحتار لخارج المصرای الی مایباح فیہ القصر، قہستانی[2] اھ،وفیہ"من باب صلٰوۃ المسافر "یشرط مفارقۃ ماکان من توابع موضع الاقامۃ کربض المصر ،وھو ماحول المدینۃ من بیوت ومساکن فانہ فی حکم المصر وکذا القری المتصلۃ بالربض فی الصحیح	درمختار میں ہے قربانی کا وقت نماز کے بعد ہے اگر شہر میں کرے یعنی نماز پڑھنے کے بعد اگرچہ خطبہ سے قبل ہو،لیکن خطبہ کے بعد مستحب ہے اور اگر عید کی نماز نہ پڑھیں تو نماز کا وقت گزر جانے کے بعد،اور دوسرے اور تیسرے اور تیسرے روز نماز سے قبل کیونکہ دسرے روز عید کی نماز قضاء ہوگی نہ کہ ادا،زیلعی وغیرہ،اور اگر گاؤں میں ذبح کرنی ہو تو عید کے روز صبح طلوع ہونے کے بعد،قربانی میں ذبح کرنے کی جگہ معتبر ہے قربانی کرنے والے کی جگہ معتبر نہیں،تو شہری کے لئے جلدی قربانی کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے باہر لے جائے تو فجر طلوع ہونے کے بعد قربانی کرے اھ،ردالمحتار میں ہے: شہر سے باہر اتنی دور لے جائے جہاں سے مسافر کے لئے قصر شروع ہوتی ہے۔قہستانی اور اس کے باب صلٰوۃ المسافر میں ہے کہ قصر جائز ہوگی بشرطیکہ وہ اپنے شہر کے توابع سے نکل جائے شہر کے توابع کی مثال ڈیرے وغیرہ اور وہ شہر کے ارد گرد کے مکانات ہیں،اور شہر سے متعلق رہائش گاہیں شہر کے حکم میں ہیں،اور یوں وہ دیہات جو شہر کے باڑوں سے متصل ہوں صحیح قول میں

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۲

بخلاف البساطین ولو متصله بالبناء لانها لیست من البلدة امداد،واما الفناء،وهو المکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتٰی والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وان انفسل بغلوة اومزرعة فلا [1] اھ،واللہ تعالٰی اعلم۔	شہر کے حکم میں ہیں بخلاف باغات کے اگر چہ وہ عمارت سے متصل ہوں کیونکہ آبادی میں شمار نہیں،امداد الفتاوٰی،لیکن فناء شہر وہ ہے جو شہری سہولیات کے لیئے بنائی گئی ہو جیسا کہ جانوروں کے باڑے اور مردے دفن کرنے اور کوڑا وغیرہ ڈالنے کی جگہ اور اگر شہر سے متصل ہوں تو ان سے گزر جانا معتبر ہوگا اور اگر شہر سے فاصلہ پر تیر اندازی یا زراعت تک ہو تو وہاں سے گزر جانا ضروری نہیں اھ۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۰۲: از مخدم پور ڈاکخانہ ترہٹ ضلع گیا مرسلہ سید رضی الدین حسین صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

جناب مستطاب مخدوم ومنا زاد مجدھم دیہات میں قربانی حسب دستور ہو یا نہ ہو،کیونکہ مسئلے اس کے جمعہ کے مسئلے سے ملتے ہیں، زیادہ حد نیاز

الجواب:

قربانی میں شہر و دہِ بلکہ آبادی جنگل سب برابر ہیں،جن شرائط سے شہر والوں پر واجب ہوتی ہے انھیں شرائط سے گاؤں بلکہ جنگل کے رہنے والے پر بھی واجب ہے فقط مقیم ہونا چاہئے کہ شہر میں نہ ہو پھر مسافر سے بھی اس کا وجوب ساقط ہے نہ یہ کہ ممانعت ہو،اگر کرے گا فضل ہوگا ثواب پائے گا۔

فی الدرالمختار التضحیة علی حرمسلم مقیم بمصر او قریة اوبادیة عینی فلا تجب علی مسافر [2] اھ ملتقطًا۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے آزاد شہر یا گاؤں یا بادیہ میں مقیم مسلمان پر واجب ہے،عینی،تو مسافر پر واجب نہیں ہے اھ ملتقطًا۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ المسافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۲۵

[2] درمختار کتاب الاضحیه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ ۱۳۱۴ھ

(بھیڑ کی قربانی کے بارے میں راہنمائی کرنیوالا)

مسئلہ ۲۰۳: از کانپور مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی احمد حسن صاحب مدرس اعلی مدرسہ فیض عام کانپور اواخر رمضان مبارک ۱۳۱۴ھ

علم الھدی سمی المصطفٰی باسمہ الذی بشر بہ عیسٰی، بزیادۃ لفظ معناہ المرتضی دامت عنایتکم از احمد حسن عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، وبعد ازیں آنکہ دریں وقت یک استفتاء از پنجاب آمدہ است، ونہایت غور طلب ست اکثر علمائے پنجاب دریں امر کہ شیدہ اند لکن بمنزل مقصود نرسیدہ اند، وجواب استفتاء یک شخصے کہ مایہ علم اتم دارد نوشہ لکن چونکہ جواب مخالف معمول ست قبول نمی کنند، اکنوں جواب را نقل کردہ بخدمت سامی ارسال ست۔ ہرچہ تحقیق جناب	**(خلاصہ)** ہدایت کے نشان، حضرت مسیح کی بشارت والے، نام میں رسول مقبول کے ہم نام، اور جناب مرتضٰی کے اسم مبارک کے ہم مادہ، مولا احمد رضا خاں صاحب زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پنجاب سے ایک سوال آیا ہے جس کے جواب کے لئے بہت سے علماء سرگرداں ہیں لیکن منزل مقصود مفقود ہے۔ ایک پر مغز عالم نے ایک جواب تحریر کیا وہ معمول قدیم کے خلاف ہے اس لئے عوام اور علماء کوئی قبول نہیں کرتا، میں سوال وجواب دونوں ہی خدمت میں ارسال کررہاہوں، جواب اگر صحیح نہ ہو تو وجہ غلط

ست ارسال فرمایند اگر مخالف رائے جناب باشد امید کہ بوجہ احسن روشن کنند واگر موافق باشد نیز بزیادہ ادلہ ثبت فرمایند۔

ماقول العلماء المحمدية الحنفية عليه افضل الصلوٰة واكمل التحيات فی حيوان ذات صوف ولا الية له[عــــہ]، **ويقال فی اللغة الملتانية لانثاه بهيڈو لذكره گهٹه، اتجوز به التضحية امر لا، بينوا توجروا من الملك العلام۔**

الجواب: اقول: وبه نستعين انی رأيت كتب الحنفية الموجودة عندی من شرح الوقاية وحاشيتها للچلپی والدر المختار وشرحه للشامی، ومفاتيح الجنان شرح شرعة الاسلام، والتعليل الممجد شرح مؤطا امام رحمه الله واشعة اللمعات ووجدت فيها انهم ينحصرون الاضحية فی الشاة والبقر والابل اوالغنم والبقر والابل ويعمون الشاة بقوله ضانا كان اومعزا وكذٰلك الغنم ويفسرون الضأن بما تكون له الية و يدخلون الجاموس فی البقر ويقولون انه نوع منه فصارت انواع الاضحية خمسة الضأن والمعز والبقر و الجاموس والابل ذكورا كانت

بتائیں اور صحیح ہو تو تائید مزید سے مزین فرمائیں

سوال: علمائے اسلام بالخصوص اعلام احناف بھیڑ اور بھیڑے (نر ومادہ) کے بارے میں کیا فرق ہیں، ان کی قربانی جائز ہے یانہیں؟

جواب: شرح وقایہ اور اس کے دو حاشیے از علامہ چلپی، در مختار اور شامی، مفاتیح الجنان شح شرعۃ الاسلام، تعلیق الممجد، اشعۃ اللمعات کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ قربانی کے جانوروں کی ابتدائی تین قسمیں ہیں:

(۱) شاۃ یا غنم (یہ دونوں لفظ بطور ترادف قربانی کے جانوروں کی ایک ہی قسم کے لئے بولے جاتے ہیں)۔

(۲) بقر (اس کی دو قسمی کرتے ہیں گائے اور بھینس)۔

(۳) جمل (اس کی ایک قسم شمار کرتے ہیں)۔

شاۃ کو پھر دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: ضان اور معز اور بقر کی بھی دو قسم کرتے ہیں: بقر وجاموس اس طرح اصل اور ذیلی قسموں کو ملا کر کل پانچ قسمیں ہوئیں:

(۱) جمل (اونٹ) (۲) بقر (گائے)

عــــہ: سائل کی الجھن اصل یہ ہے کہ عرب میں دنبہ ہوتا ہے اور بکری بھیڑ جو ہمارے یہاں ہوتی ہے جس کی صرف دم دنبہ سے مختلف ہے یہ کس میں داخل ہے، دنبہ میں یا بکری میں یا کوئی تیسری قسم ہے۔ تو اس کی قربانی جائز ہے یانہیں؟ عبدالمنان اعظمی۔

اوانا ثا فتلك عشرة كاملة، وحسبت ان الحيوان المذكور والمسئول عنه ليس داخلا فی الخمسة لانه لو كان داخله فيها لما فسروا الضان بان تكون له الية، بل عمموه بما تكون له الية اولا حتى صارت انواع الشاة اوالغنم ثلثة والكل ستة، واذ ليس فليس فان قيل يدخلون الجاموس فی البقر فما السر فی عدم ادخال الحيوان المسئول عنه فی الضان مع انه يؤيد ادخاله فيه تفسير اہل اللغة لفظ الضان بميش، كما فی الغياث[1] وغيره، قلت لعله ان الجاموس اكمل من البقر فی اللحم والقيمة، والحيوان المسئول عنه ناقص عن الضان فی العضو ای الالية۔ فالحاق الاكمل بالكامل اولى من الحاق الناقص بالكامل، و اما تفسير اهل اللغة[2] فمعناه ان العرب

(۳) جوموس (بھینس) (۴) ضان (دنبہ) (۵) معز (بکری) اور مذکر ومؤنث دونوں کو شامل کردیا جائے تو کل دس قسمیں ہوتی ہیں:

پہلی دلیل: سوال میں ذکر کی ہوئی ہندوستانی بھیڑ اپنی شکل و صورت کے لحاظ سے اگر شامل ہوسکتی ہے تو ضاں (دنبہ) میں اگر اس میں شمار نہ ہوئی تو پھر کسی قسم میں شمار ہونے کاسوال ہے یوں غلب ہے کہ ضان یعنی دنبہ کی تعریف میں یہ قید ہے کہ اس کے الیہ (چکی) ہوتی ہے اور بھیڑ کے چکی نہیں ہوتی ہے، اس لئے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ بھیڑ قربانی کا جانور ہے ہی نہیں اس لئے اس کی قربان جائز نہیں، اس امر پر قرینہ یہ ہے کہ اگر بھیڑ کو قربانی کے جانور میں شریک کرنا مقصود ہوتا تو دنبہ کی تعریف میں چکی ہونے کی قید نہ لگاتے بلکہ ایسا لفظ بولتے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہو، اور ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مقصد اس نوع کی شریک کرنا ہی نہیں ہے۔

دوسری دلیل: ایک بات یہ ہے بھی ہے کہ ازروئے شرع غنم یا شاۃ کی دو ہی قسم بنائی گئی ہے۔ ضان اور معز اگر بھیڑ کو بھی قربانی کا جانور مان لیا جائے تو ایک کے اضافہ کے بعد غنم کی ۳ قسم ہوجائے گی اور سب کا مجموعہ پانچ کے بجائے چھ ہوجائے گا

---

[1] غیاث اللغات باب خادمعجمہ فصل ضاد معجمہ مع الف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۲

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

کما یطلقون لفظ الضان علی ماتکون له الیة کذٰلك الفرس یطلقون علیه لفظ میش فموداهما واحد کما یشعر به عبارة الغیاث، گوسفند بمعنی میش مقابل بز چنانکہ معزدر عربی مقابل ضان ست کما استفاد من القاموس و الصراح، وبعضے نوشتہ اند کہ اطلاق گوسفند بر میش و بز ہر دو آمدہ، از سراج، انتہی [1] عبارۃ الغیاث۔	جو تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے۔اس لئے ثابت یہی ہوا کہ یہ قربانی کا جانور ہی نہیں ہے۔ **ایک شبہ**: شکل وصورت، رنگ وروپ، فوائد اور تاثیر میں ہزار اختلاف ہوتے ہوئے بھینس کو بقر میں شامل مانا تو صرف دم کے اختلاف کی وجہ سے بھیڑ دنبہ میں کیوں شامل نہیں کی گئی، **جواب**: بھینس قیمت اور گوشت میں گائے سے عمدہ ہے۔اور بھیڑ دنبہ سے چکی میں ناقص ہے اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ اکمل اور عمدہ کو کامل کے ساتھ شمار کیا جائے،اور یہ بات غلط ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ جوڑا جائے،اسی لئے بھینس کو گائے میں شمار کیا اور بھیڑ کو دنبہ میں نہیں۔

دوسرا شبہ: اہل لغت نے ضان کا ترجمہ فارسی کے لفظ میش سے کیا ہے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہے پس اہل لغت کے اس محاورہ کے موافق اہل شرع کو بھی بھیڑ کو دنبہ میں شامل ماننا چاہئے۔

جواب: اہل لغت کی تشریح کے موافق لفظ میش بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام نہیں بلکہ میش صرف دنبہ کو کہتے ہیں۔

فارسی میں لفظ گوسفند ی لفظ میش طرح لفظ بز کا مقابل ہے جیسا کہ عربی میں لفظ معز ضان کا مقابل ہے۔ قاموس وصراح دونوں سے یہی ثابت ہے۔

البتہ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ فارسی کا لفظ گوسفند لفظ میش کا ہم معنٰی نہیں بلکہ میش وبز (دنبہ وبکری) دونوں کو عام ہے۔ (غیاث اللغات) [2]

پس ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیواں کہ عرب آن راضان گویند فرس آں رامیش گویند، وانچہ عرب آں معز گویند فرس آں رابُز گویند، لاان لفظ میش عام یطلق علی الضان	اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اہل عرب کے نزدیک جو جانور ضان کہلاتا ہے اہل فارس اس کو میش کہتے ہیں (اور اہل اردو دنبہ کہتے ہیں اور اہل عرب جس کو معز کہتے ہیں اہل فارس اسی کو بز کہتے ہیں، نہ یہ کہ لفظ میش کے اطلاق میں بھیڑ داخل ہے۔

[1] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۴۳۱

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۴۳۱

وعلی الحیوان المسئول عنه ولو سلم ان لفظ میش فی لغة الفرس بمعنی ذوات الصوف اعم من ان یکون لها الیة اولا لیشتمل الضأن والحیوان المسئول عنه فتفسیر اہل الغة لفظ الضأن بلفظ میش تفسیر بالاعم وهو جائز اذا کان المقصود هو التیمیز عن بعض ماعداه [1]۔وذکرہ الفاضل اللاهوری فی بحث خواص الاسم۔	**ایک اور جواب**: اور اگر بطور تنزل ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اہل لغت کے نزدیک میش کااطلاق اون والے پر ہوتا ہے تب بھی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس سے ان کی مراد بھیڑ ہے۔اسکے بیان کے لئے ہم کو تھوڑی تفصیل میں جانا ہوگا۔ کسی چیز کی تعریف اس کے مساوی لفظ سے بھی کی جاتی ہے۔جیسے انسان کی تعریف لفظ ناطق سے کی جائے(کہ جن جن افراد پر انسان دلالت کرتا ہے ناطق بنی اس اس پر دلالت کرتا ہے)اور کبھی تعریف کے لئے معرف سے عام لفظ بھی استعمال کیاجاتا ہے جیسے **السعدانة نبت**(کہ سعدانہ ایک مخصوص گھاس کا نام ہے)جبکہ نبت ہر گاس کو کہا جاتا ہے۔اول الذکر تعریف کامل ہے اور ثانی ناقص،الغرض تعریف دونوں ہی ہے۔

اگر معرّف کو بعض امور سے ممتاز کرنا ہے توعام لفظ سے بھی تعریف جائز ہے [2](فاضل لاہوری بحث خواص اسم)

وههنا کذٰلك اوالمقصود من تفسیره به تمیزه عن بعض ماعداه کالمعز والبقر،فانهما من ذوات الشعر، و لو قیل ان غرضهم من تفسیر الضأن بلفظ میش ان الضأن ماکان من ذوات الصوف سواء کان له الیة اولا کما ان میش کذٰلك فبعد التسلیم لایصیر حجة علینا لان الحجة علینا تفسیر الفقهاء لاتفسیر اهل اللغة،ووجب علینا اتباع الفقهاء	تو یہاں بھی ضان کا ترجمہ لفظ میش سے کردیا جس کا مفہوم اون والا۔لیکن اس سے اہل لغت کی غرض ضان میں بھیڑ کو شامل کرنے کی نہیں تھی بلکہ دنبہ کو گائے،بھینس اور بکری سے ممتاز کرنا ہے کہ وہ اون والے جانور نہیں،اور دنبہ اون والا جانور ہے۔اور جب ضان کو بھیڑ سے بھی ممتاز کرنا ہوا تو اس کی تعریف چکی والے جانور سے کی۔ **جوب الجواب**:اگر ہماری بات کا یہ جواب دیا جائے کہ اہل لغت کے اطلاق کو یہاں تعریف مساوی سے پھیر کر تعریف عام قرار دینا ایک بے دلیل

[1] کلام لفاضل اللاهوری

[2] کلام لفاضل اللاهوری

لااھل الغة وھم کثیر امایخا لفون اھل اللغة عمدا کما قال الچلپی علی شرح الوقایة،فی باب الاضحیة قوله الجذع شاة لھا ستة اشھر ای فی مذھب الفقھاء،و انما قیدنا ہ بھذا الان عند اھل اللغة الجذع من الشاة ماتمت لھا سنة کذا فی النھایة [1] والعینی علی الکنز،فی باب الاضحیة وجاز الجذع من الضاٰع لا غیر۔وھو ماتمت له ستة اشھر عند الفقھاء [2] وفی کتاب الزکاة والمعز کالضاٰن ویؤخذ الثنی فی زکاتھا لا الجذع وھو مااتی علیه اکثرھا،وھذا اتفسیر الفقھاء و عند اھل اللغة الجذع ماتمت له سنة،وطعن فی الثانیة [3]۔	اور ادعائی بات ہے۔اس لئے قابل تقسیم نہیں ظاہر ہے کہ ان کامنشاء ضاں کاترجمہ پیش کرکے یہی ظاہر کرنا ہے کہ وہی جانور ہے جس کے اون ہوتا ہے چکی ہو یا نہ ہو،اس سے ان کو کوئی غرض نہیں تولغۃً بھیڑ دنبہ میں شامل ہوئی، **جواب:** چلئے اہل لغت کامطلب وہی ہے جو آپ کہتے ہیں،لیکن ہمارے لئے حجت اہل لغت کی بات نہیں ہے اہل فقہ کی بات ہے جب وہ ضان کے معنی چکتی والا کہتے ہیں تو وہی مانا جائے گا،اور بھیڑ دنبہ میں شامل نہ ہوگی۔ رہ گئی یہ بات کہ اہل فقہ اور اہل لغت کے معانی میں اختلاف ہوتا ہے۔تو اس کی نظیر قربانی کے جانور میں ہی لفظ جذع ہے کہ اہل فقہ چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں،

اہل لغت ایک سالہ بچہ کو،اور مسئلہ کاحل اہل فقہ کے قول پر ہی دیا جاتا ہے۔چلپی علی شرح الوقایہ،عینی علی الکنز)

واماتفیسر الضاٰن عـــہ بماکان من ذوات	**شبہ نمبر۳:** بعض فقہاء نے بھی تو ضان کی تعریف

عـــہ:عبدالمجید ھکذا اوالعبارة فی الاصل ھکذا الضاٰن ماکان من ذوات الصوف ولمعز من ذوات الشعر [4]۔ قھستانی ۱۲۔عبدالمنان الاعظمی۔	مجیب نے یوں تعبیر کیا ہے حالانکہ اصل کتاب میں یوں ہے، ضان وہ ہے جو اون والا ہو اور معز جو بالوں والا ہو، قہستانی ۱۲ عبدالمنان الاعظمی

[1] ذخیرة العقبٰی حاشیه شرح الوقایه کتاب الاضحیه نولکشور کانپور ۴/ ۵۷۷

[2] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الاضحیه مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵

[3] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الزکوٰة باب صدقة السوائم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱

[4] جامع الرموز کتاب الزکوٰة مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۰۶

الصوف والمعز بماکان ذوات الشعر، کما فعل بعضهم فتفسیر کل واحد منهما تفسیر بالاعم، کما یشعر به من لاالمساوی، وغرضهم من هذا التفسیر تمیز کل واحد من الاخر، الاتری ان البقر والجاموس من ذوات الشعر، فلو کان تعریف بالمساوی بطل الطرد، فهکذا تعریف الضان۔	"ماله صوف" (جس کے اون ہو) سے کی ہے۔ جس کے معنی صاف یہی ہوئے کہ بھیڑ بھی اس میں شامل ہے۔ **جواب:** جی ہاں قہستانی نے یہ تعریف کی ہے۔ "الضان ماکان من ذوات الصوف والمعز ماکان ذوات الشعر" لیکن اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ یہ تعریف بالاعم ہے۔ بکری اور بیل سے دنبہ کو ممتاز کرنے کے لئے ہے۔ بھیڑ سے ممتاز کرنے کے لئے نہیں (جب اس کی ضرورت ہوئی تو یہ تعریف کیا "ماله الیة" جس کی چکتی ہو، تاکہ بھیڑ نکل جائے)

ہماری اس بات پر قرینہ یہ ہے کہ تعریف میں لفظ من استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں، تو تعریف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہوا ضان اون والے جانوروں میں سے بعض ہے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بکری کی تعریف میں یہی کہا گیا ہے۔ "ماکان ذوات الشعر" جو بالوں والی ہو۔ تو اگر اس عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ بکری بال والے جانوروں میں سے بعض ہے تو بیل بھینس وغیرہ بھی بکری میں شامل ہو جائیں گے، پس اس مجبوری سے جب بکری والی تعریف کو بالاعم قرار دیا جائے تو ضان والی تعریف کو بھی تعریف بالاعم قرار دیں (کیونکہ دونوں جملے ساتھ ساتھ ہیں تو دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہئے۔

الاٰن نکتب عبارات الکتب الموجودة فانظر فیها حق النظر حتی یتبین لك الحق والحق احق بان یتبع (م)وصح الجذع من الضان(ش)الجذع شاة لها ستة اشهر، والضان بما تکون له الیة(م)والثنی فصاعدا من الثلثة(ش)ای من اشاة اعم من ان یکون ضانا او معزا، ومن البقر، ومن	**حوالے:** اب ہم کتابوں سے حوالے پیش کرتے ہیں جس سے حق واضح اور روشن ہو جائے گا: (۱) ضان کا جذعہ قربانی میں جائز ہے یعنی شش ماہہ بچہ اور ضان چکتی والے جانور کو کہتے ہیں، ثنی اور اس سے بڑی عمر والے جانور تینوں اقسام کے جائز ہیں یعنی شاۃ میں دنبہ ہو یا [۲]بکری اور گائے میں [۳] گائے ہو یا [۴]بھینس اور اونٹ (شرح وقایہ من عینی) (۲) مصنف کے مذکورہ بالا قول میں ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں

الابل [1]۔شرح وقایہ من عینی،قولہ وصح الجذع الی قولہ من الثلثۃ اشارۃ الی بیان الانواع التی لاتجوز الاضحیۃ الابہا،وتصریح بینہا التی لاتجوز فیما دونہ [2]،چلپی علی شرح الوقایۃ،من عینی،وصح الجذع ذوستۃ اشہر من الضأن ان کان بحیث لوخلط بالثنایا لایمکن التمییز من بُعد،وصح الثنی فصاعدا من الثلثۃ والثنی ھو ابن خمس من الابل و حولین من البقر والجاموس۔وحول من الشاۃ [3] اھدر مختار من عینی،قولہ من الضأن ہو ماله الیۃ منح، قید بہ لانہ لا یجوز الجذع من المعز وغیرہ بلا خلاف،کما فی المبسوط قہستانی والجذع من البقرا بن سنۃ،ومن الابل ان اربع،بدائع،قولہ من الثلثۃ، ای الاتیۃ وھی الابل۔والبقر،بنوعیہ والشاۃ بنوعیہ [4]رد المحتار من عینی ومن سنن الاسلام التضحیۃ بالانعام التضحیۃ ذبح الاضحیۃ والانعام بالفتح جمع نعم بفتحین

اورایسی عمروں کا بیان ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں، (حاشیہ شرح وقایہ چلپی من عینی)

(۳) ضان کا اتنابڑا بچہ جو چھ ماہ کا ہو لیکن دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو (در مختار عینی)

ضان جس کے چکتی ہو، یہ چکتی کی قید اس لئے لگائی کہ بکری گائے اور اونٹ کے جذعہ کا استثناء مقصود تھا، بکری کا جذعہ چھ ماہ کا ہوتا ہے اور گائے کا سال بھر کا اور اونٹ کا چار سال کا، اور "من الثلاثۃ" کا لفظ جس کا ذکر آگے آرہا ہے یہ اونٹ اور بقر ان دونوں نوعوں کے ساتھ اور اسی طرح اپنی دونوں قسموں کے ساتھ، (ردالمحتار من عینی)

(۴) اور انعام کی قربانی مسنون ہے،انعام چوپایہ کو کہتے ہیں، اضحیہ کے معنی قربانی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ، یاسات ماہہ بچہ کی قربانی مسنون ہے اور ایک سالہ بچہ کی بھی، لیکن اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔ضان ہو کہ معز،اور اونٹ اور بقر کا ثنی بھی قربانی کے لئے جائز ہے۔ اونٹ کا ثنی پانچ سالہ اور بقر کا دوسالہ اور شاۃ کا ایک سالہ۔اور جذعہ کے لئے ضان کی قید اس لئے لگائی کہ بکری چھ ماہہ جائز نہیں، اور ضان چکتی والے جانور کو

---

[1] شرح الوقایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنو،۴/ ۹۳

[2] ذخیرۃ العقبٰی حاشیۃ شرح الوقایہ کتاب الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۵۷۴

[3] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲و۲۳۳

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

وھو ذوات القوائم الاربع یعنی ان من السنة التضحیة بالجذع من الضأن، وھو ماتم له ستة اشھر، وقیل سبعة اشھر، وبالثنی فصاعدا من شاة، اعم من ان یکون ضأنا او معزا، ومن الابل والبقر مطلقًا، وھو ای الثنی ابن خمس من الابل۔ وحولین من البقرة وحول من الشاة والمعز۔ والجذع بفتحتی الجیم والدال، وقیدناہ بالضأن و ھو ماله الیة۔ لان الجذع من المعز لاتجوز به التضحیة و قولنا مطلقًا اشار الی انه یجوز المذکور والانثی من جمیع ماذکر، وان الجاموس داخل فی البقر ھکذا ذکرہ فی الفروع [1] اھ، ویختار من الشاة الکبش ای الذکر من الغنم فان الانثی منه اعنی النعجة وکذا المعز و ان جازہ لکن الکبش ھو الاولی [2] انتھی ماردناہ مفاتیح الجنان شرح شرعة الاسلام من عینی، والکبش افضل من النعجة ھی الانثی من الضأن قاموس [3] رد المحتار من عینی، قوله الجذع من الضأن ھو ذوات الصوف من الغنم التی له الیة، کما فی منح الغفار وغیرہ التعلیق المجد علی مؤطا امام محمد من عینی [4]۔ وعن

کہتے ہیں اوپر کی عبارت میں ایک جگہ مطلقًا کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکر ہو کہ مؤنث، اور بھینس گائے میں داخل ہے۔ اور شاۃ میں افضل مادہ نہیں بلکہ نر ہے۔ دونوں نوعوں کا یہی حکم ہے۔ مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام)

(۵) اور مصنف نے "جامع من الضان" کہا، اور ضان وہ اون والا جانور ہے جس کے چکتی ہو، ایسا ہی منح الغفار وغیرہ میں ہے۔ (تعلیق الممجد من عینی)

(۶) اور نر مینڈھا مادہ سے افضل ہے اور یہ ضان کا مؤنث ہے۔ قاموس۔ (ردالمحتار)

(۷) مسنہ ہی ذبح کرو۔ یہ نہ ملے تو ضان کا "جذعہ" اس حدیث کی شرح میں تفصیلات ہیں، ہم مذہب حنفی کے موافق بیان کرتے ہیں، قربانی کے جانور کی تین نوعیں ہیں، اونٹ، بقر، غنم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور اصحابہ سے ان کے علاوہ قربانی ثابت نہیں، غنم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ معزر کو فارسی

---

[1] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص۲۱۸

[2] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص۲۲۰

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

[4] التعلیق الممجد علی مؤطا لامام محمد مع المؤطا کتاب الضحایا ومایجز منھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب خانہ کراچی ص۲۸۰

جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تذبحوا لامسنۃ بضم میم وکسر سین ونون مشددۃ، فرمودہ ذبح نہ کنید مگر مسنہ، لاان یعسر علیکم فتذبح جذعۃ من الضان، مگر آنکہ دشوار شود بہم سانیدن مسنہ برشما، پس ذبح کنید جذعہ را از میش جذع بفتح جیم وذال رواہ مسلم شرح ایں حدیث تفصیلے دارد آنرا موافق مذہب حنفی بیان کنیم، ودر شرح موافق مذاہب اربعہ ذکر کردہ شدہ است بدانکہ اضحیہ جائز نیست، مگر از اہل وبقر وغنم، وروایت کردہ نشدہ است ازاں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونہ از اصحاب وے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین جز اصناف ثلثہ از ذبائح وغنم دوصنف معز کہ آنرا بُز گویند، وضان کہ آنرا میش خوانند، وجاموس بسین مہملہ کہ معرب گاؤمیش ست نوع از بقرت وجائز است، از جمیع اں اقسام ثنی انتہی ما اردناہ اشعۃ[1] المعات علی المشکوٰۃ۔	میں بز کہتے ہیں، اور ضاں کو میش اور جاموس گاؤ میش کا معرب ہے یہ گائے کی ہی ایک قسم ہے۔ اور ان سب کا ثنی جائز ہے۔ (اشعۃ اللمعات)
فان قبل قلت فیما سبق الحجۃ علینا تفسیر الفقہاء لا تفسیر اہل اللغۃ، ورأیت الآن ترجمۃ الشیخ لفظ الضان بمیش وھو من اعاظم مقلدی الحنفیۃ وانت نقلتہ ایضا للسند، فلم لاتقول بجواز اضحیۃ الحیوان المسئول عنہ بعد، قلت لاتفرح بترجمۃ الشیخ مثلا کما فرح العامۃ بھا،	**سوال:** آپ نے اس سے قبل کہا کہ ضان کا ترجمہ میش (بھیڑ) اہل لغت کرتے ہیں، اور اہل فقہ یہ ترجمہ کرتے ہیں تو ہم بھی تسلیم کرلیتے کہ ضان بھیڑ کو شامل ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ صاحب اشعۃ المعات توائمہ وحدیث میں سے ہیں، اور انھوں نے بھی وہ اہل لغت والا ترجمہ کیا ہے تو آپ کو کیا عذر ہے۔ **جواب:** شیخ محقق کے اس ترجمہ سے جاہلوں کی طرح خوش

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

وجوزوا التضحیة بالحیوان المسئول عنه فضلو او اضلو نعوذ باللّٰه منها،فان لفظ میش لغة الفرس لالغتنا،فاما حقیقة فیما له الیة ومجاز فی الحیوان المسئول عنه،لکونه من ذوات الصوف مثل مال الیه۔اوبالعکس واما مشترك بینها،فعند تفسیر الضان به کما فسره الشیخ به لا یجوز ان یراد به معالانه یلزم الجمع بین الحقیقة والمجاز،ولو بین معینی مشترك فی اطلاق واحد،وبطلانهما لایخفی علی الکل،مع انه حنیئذ یصیر للغنم لواشاة اصناف ثلثة،المعز وماله الیة ومالا الیة له ویخالف قول الشیخ فیما بعد وغنم دوصف است [1] وقال الشامی والشاةبنوعیة [2]۔وهکذا وان اریدبه عموم المجازی ای ماکان من ذوات الصوف فلایلزم الجمع بالمعنین الا ان التخالف بینه وبین قول الشیخ وغیره المذکورین باق وهو ظاهر،وکاف فی عدم ارادتهم،فاما ان یراد به الحیوان المسئول عنه فقط حقیقة کان اومجازا،فیخرج ماله الیة من باب التضحیة۔و	ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ کے اس لفظ میش سے دنبہ اور بھیڑ دونوں ہی مراد ہوں گے، یاان میں سے کوئی ایک اور دونوں ہی مراد ہوں گے تو بطور حقیقت مجاز، یااشتراک یا عموم مجاز، تو حقیقت ومجاز، یااشتراک کے طور پر دونوں معانی کاایک ساتھ مراد لینااصول لسان کے اعتبار سے ناجائز ہے۔اور بطور عموم مجاز دونوں ایک ساتھ مراد لینے پر یہ خرابی لازم آتی ہے کہ قربانی کے کل چھ قسم کے جانور ہوتے ہیں، حالانکہ ہم ثابت کرآئے ہیں کہ پانچ ہی ہیں،اور ایک ہی مراد لیں،اور وہ بھیڑ ہو تو دنبہ چھوٹ جاتاہے جو بالاتفاق قربانی کاجانور ہے۔ **مزید سوال:** آپ کی یہ ساری تقریر ضان کے معنی دنبہ مراد لینے پر بھی جاری ہوتی ہے،تو یہ مراد لینا بھی ممنوع ہوا۔ **جواب:** جب فقہاء نے چکتی والا کہہ کر اسی جانور کو متعین کردیاتواب ہم کواس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ معنی مجازی ہیں یا حقیقی یابطور اشتراک۔ پس ان نصوص فقہیہ کی روشنی میں ہمارا فیصلہ تو یہی ہے کہ بھیڑ کی قربانی ناجائز ہے۔اگر دوسری کسی کتاب میں اس کے جواز کا حکم ہو بھی تو احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے کہ عدم جواز کے یہ دلائل

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

یصیر النوع الخامس، من الانواع الخمسة بها الحیوان المسئول عنه، لامأله الیة و هو خلاف الاجماع اویراد به مأله الیة فقط حقیقة کان او مجاز فیحرم الحیوان المسئول عنه من البین کما ہو حقه وہو المطلوب۔ واجراء ہذا التفصیل بعینه فی لفظ الضأن ان کما وقع فی الحدیث والمتون بأن یقال لفظ الضأن لفظة لغة العرب لالغتنا فاما حقیقة فیما له الیة و مجاز فی الحیوان المسئول عنه الی قولنا وهو المطلوب، فقیل تفسیره بما تکون له الیة یمکن ویحصل الفائدۃ منه، وهی الاستقرار علی المطلوب واما بعد تفسیره بمأله الیة کما فعل الفحول من العلماء، فلا فائدۃ فیه لانه یعلم من هذا التفسیران مراد الفقهاء بالضأن مأله الیه سواء کان معنی حقیقیا او مجازیا فما مطلبنا فی الاجراء وتطویل المسافة فطننت بل علمت من هذه النقول ان التضحیة بالحیوان المسئول عنه لا تجوز۔ وقد سمعت تحقیقة بما لا مزید علیه اٰنفا فاقول ما انا علیه، وعلیه التعویل هو عدم جواز التضحیة به، فان اصبت فمن الله تعالٰی، وان اخطأت فمعنی ومن الشیطان وان وجد فی الکتب الاخر المعتمدۃ علیها	قاہرہ ہم نے ظاہر کردئے۔ اور یہ کہنا کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا آیا ہے، یا میش کے معنی بھیڑ ہیں یہ تار عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے یہ فتوی صحیح ہو تو اللہ تعالٰی کی طرف سے، اور غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (نظام الدین مدرس اسلامیہ احمد پور شرقیہ)

الغیر الموجودة عندی جوازها، فح ترك التضحية به اولی لان مقتضی الاحتیاط ح هو عدم الجواز علی ما علم من اصول الفقه، هذا بالنواجذ ولا یلتقف الی قول المخالفین القائلین بالجواز فان اقوی دلائلهم "وجدنا علیه اسلافنا" وتعلم حاله وما سوی هذا الدلیل من تفسیر الضان بلفظ میش وما کان من ذوات الصوف، فاوهن من بیت العنکبوت کما مر، هذا ماظهر لی ولعل عندی غیری احسن من هذا۔ المجیب نظام الدین مدرس مدرسة الاسلامیه احمد پور شرقیه۔	

الجواب:

الحمدلله الذی خصنا بالاکرام وعمنا بالانعام خلق لنا الانعام، للتقرب والاطعام، وکثیر من الحاج، ثمانیه ازواج من الضان اثنین، و من المعز اثنین، آ الصوف حظر، ام الشعر حجر، آ بالاذناب امر، ام علی الالایاقصر، ومن الابل اثنین، ومن البقر اثنین، آ با لبخت جد، ام فی العراب حصر، آ الجاموس رد، ام طائف البقر، آ بطول وقصر وصغر وکبر فی عضو او شعر، للنوع غیر، او بالحصر ضرر، نبؤنی بعلم ان کان لکم خبر، والصلاة والسلام علی السید الاعز واله وصبحه کل کریم معز۔ عدد	اس خدا کی تعریف جس نے ہم کو اکرام کے ساتھ خاص فرمایا اور انعام کے کو ہم پر عام فرمایا، اور حاجیوں کے لئے اور ہمارے لئے چار پائے بنائے کہ کھائیں بھی اور قربانی بھی کریں۔ یہ آٹھ جوڑے ہیں، ضان کے دو اور معز کے دو، تو کیا اُون والے ممنوع ہیں یا بال والے، یا دم والوں پر روک ہے یا چکتی والوں پر، اور اونٹ کے دو اور گائے کے بھی دو، تو کیا بختی اونٹوں پر انحصار ہے یا اعراب پر، اور بھینس مردود ہے یا گائے کی مختلف اصناف لانبی (لمبی) اور ناٹی، یا کسی عضو یا بال کی چھوٹائی بڑائی، نوع کو بدلنے والی اور حصر کو قائم کرنیوالی ہے تمھیں علم ہو تو مجھے بتاؤ، اور صلاۃ وسلام ہو

اصواف الضاف واشعار المعز۔و بعد فلا شك ان هذا لحيوان من بهيمة الانعام ،ومن الاغنام ومما تجوز التضحية به باجماع اهل الاسلام مسئلة واضحة جليلة النبيان غنيةعن البيان،لا تتناطح فيها عنز ان وتد توارث التضحی به المسلمون،وعلماؤهم متظافرون،طبقة فطبقة وجيلا بعد جيل من دون نكير منكر ،ولا مراء عقيل فمن نسبهم جميعا الى الضلال والاضلال فقد عتاوعصی،وشق العصا،يولی ماتولی،ولسوف يری، وقد كان الاعراض عن مثل هذا امثل واحری،فان الامر اذانتهیٰ الی انكار الواضحات كان السبيل ترك التحاور،فانها هی المقاطيع للحجج الشامخات،والبراهين الغر،فمن يماری فيها فيما ذا يوقن،وبای حديث بعدها يؤمن ولكن وجوب اخماد الباطل وارشاد الغافل۔والرفق بضعفاء المسلمين كيلا يقعوا فی ضلال مبين، و تحسين الظن بالمسلم العاقل،فانه ربما عثر ،فاذا ذكر تذكر ،واذا بصر ابصر ،وانما العاقل من اقر وما اصر فاذاعلم الخبر هجر الهجری وانكرا لمنكر، و ربك غفارلمن استغفر ،كل ذٰلك يدعون ان نأتی فی الباب بعدةتنبيهات

تمام معززین کے سردار پر،ان کی آل پر،اصحاب پر جو کریم اور معزز ہیں، بھیڑوں کی اون اور بکریوں کے بال برابر۔حمد و صلاۃ کے بعد بلا شبہ بھیڑ بکریوں اور انعام میں شمار ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے اور اس کی قربانی جائز ہے۔ یہ مسئلہ خود واضح اور بیان سے بے نیاز ہے۔اس کی قربانی مسلمانوں میں شروع ہی سے متوارث ہے علماء کے تمام گروہ اور مختلف جماعتوں نے اس میں کبھی کوئی اختلاف اور جدال نہیں کیا،تو بلاامتیاز سبھی کو گمراہ او گمراہ گر کہنا سرکشی اور جرم ہے۔اور امر محبوب سے روگردانی،جس کا انجام آئندہ معلوم ہوگا۔اس مسئلہ پر خامہ فرسائی سے چشم پوشی ہی بہتر تھی کیونکہ یقینیات جہاں دلائل کے پر جلتے ہیں،جو ایسی باتوں کا انکار کرے پھر کس بات کااقرار کرے گا اور کس پر ایمان لائے گا،لیکن باطل کو بجھانا اور غافل کو بتانا،کمزور اہل اسلام کو گمراہی سے روکنا،اور یہ خوش گمانی بھی کہ پھسلنے والا سنبھالے سنبھل بھی جاتاہے۔راہ دکھاؤ تو کوئی کوئی دیکھ بھی لیتاہے۔اور واقعی عقلمند وہ ہے جو ہر بات پر خواہ مخواہ اصرار نہ کرے،اور حقیقت آشکار ہو تو یاوہ گوئی اور انکار چھوڑ دے تو پروردگار غفور و رحیم ہے۔ان سب باتوں نے ہمیں چند تنبیہات پر مجبور کیا،سبحان اللہ چمکتے سورج پر کیا حجاب میں تمھیں ہدایت کرتاہوں کہ بیکار امیدوں یا ملال کے چکر،یا طیش

تقرر الصواب وتميط الحجاب ويا سبحٰن الله هل من حجاب، على وجه شمس تجلت من سحاب هذا واياك ثم اياك ان يلهيك الا مل، اويطغيك الملل، او يستخفك الطيش، فياخذك العجل۔قبل ان تجمع الكلمات الاخر بالاول فانى اريد، ان استدرجك من الرفيع الى الرقيع، ومن ذى سم الى اشم حتى اوقفك على شمس تتضأ ء لا دونها الظلم، فعسٰى ان يعتريك وهم وياتيك مايزيح، اوتمسى فى حلم اوستصبح فيما يريح، على انى قد علمت ان السبيل وعر الى ايضاح الجليات، وانما الجادة المسلوكة اظهار الخبيات، لكنى اتنزل لك الى وهدة وقعت، ولا اٰلو ان ارفعك الى الحق ما استطعت **فاقول:** وتوفيق بالقريب المجيد، عليه توكلت واليه اُنيب،

کے فوراً ان میں پھنس کر پوری بات دیکھے سنے بغیر جلد بازی نہ کر بیٹھنا، میں تمھیں ادنٰی سے اعلٰی تک آہستہ آہستہ لے کر چل کر سورج کے پاس کھڑا کردوں گا جہاں تاریکیاں کافور ہیں، کیونکہ جہاں وہم پیدا ہوتا ہے اس کا ازالہ بھی ہوتا ہے اور رات کے بھیانک خواب سے صبح کو چھٹکارا بھی مل جاتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ توضیح تر پوشیدہ امور کی ہوتی ہے۔ اور بدیہات کی تفہیم مشکل ہے۔ میں نے حق کی طرف رہنمائی میں کوتاہی نہیں کی ہے۔

الاول: قال ربنا عزمن قائل "اُحِلَّتۡ لَكُمُ الۡاَنۡعَامُ" الى قوله عزوجل "ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ۝" [1]، وقال سبحنه وتعالٰى "وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا لِّيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ" [2]۔فقد اذا دجل جلاله ان الانعام كلها محل المنسک، وانها التى يتقرب بنحرها وذبحها الى ربنا وربها دون سائر البهائم والحيوانات، قال

تنبیہ اول: اس بات کے بیان میں کہ صرف انعام ہی قربانی کے جانور ہیں: اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے: تمھارے لئے حلال کئے گئے انعام سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور ہوں بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہو کر، پھر اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو، اور جو اللہ کا شریک کرے کہ وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں، یا ہوا اسے کسی دوسری

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰تا۳۳

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۴

الامام محی السنة البغوی،فی معالمة التنزیل "لیذکروا اسم الله علی مارزقھم من بھیمة الانعام" عند نحرھا وذبحھا،وسماھا بھیمة الانعام،لانھا لا تتکلم،وقال بھیمة الانعام لانھا لا تتکلم وقال بھیمة الانعام قید بالنعم لان من البھائم مالیس من الانعام،کالخیل والبغال والحمیر،لایجوز ذبحھا فی القرابین [1] اھ ولااری مرتابا یرتاب فی ان حیوا ننا ھذا من بھیمة الانعام،بانه اھلی ذات قوائم اربع و ظلف،قال فی المصباح المنیر لغة الفقه،الا نعام ذات الخف،والظلف،وھی الابل،والبقر،والغنم [2] اھ فان کنت فی ریب من ھذا فانبئنا مماذا تراہ امن الوحوش ام من السباع،ام من الطیور،ام من الھوام،ام ذوات الحوافر،ام نوع اٰخر مقطوع الدابر،مابه علم ولا عنه مخبر۔	جگہ چھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے،تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔تمھارے لئے انعام میں فائدے ہیں ایک مقررہ میعاد تک،پھر ان کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر،تو تمھارا معبود ایک معبود ہے تو اسی کے حضور گردن رکھو۔ (سورۂ حج۔پ۱۷) ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ جانوروں میں صرف انعام ہی قربانی اور ہدایا کے لئے مخصوص ہیں،حضرت امام بغوی نے اس مضمون پر تفسیر معالم میں دوسری آیت کے تحت تصریح فرمائی،یعنی ان جانوروں کے ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہو ان جانوروں کو انعام کہنے کی وجہ ان کا نہ بولنا ہے۔انعام کی قید اس لئے لگائی کہ کچھ بہائم ایسے ہیں کہ قربانیوں میں ذبح نہیں کئے جاتے،جیسے گھوڑا،خچر،گدھا ___ اتنا ثابت ہوجانے کے بعد اس کی ضرورت تو نہ تھی کہ ہم بھیڑ کا انعام ہونا بھی ثابت کریں،اور یہ کہ اہلی ہے وحشی نہیں ہے دو کُھر والا چوپایہ ہے،مگر ہم شہادتیں فراہم کررہے ہیں:

اَنعام کُھردار جانور اور خف والے،یہ اہل،بقر،غنم ہیں (مصباح المنیر)
اگر اس کے بعد بھی شبہ ہو تو بتاؤ کیا وحشی ہے یا درندہ ہے،کہ پرندہ ہے یا حشرات الارض میں سے ہے،سُم والوں ہے یا کوئی ایسی قسم جس کی نسل ختم ہو گئی ہے۔

---

[1] معالم التنزیل لی ھامش الخازن تحت آیۃ ۲۲/ ۳۴ مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۸

[2] المصباح المنیر النون مع العین مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۴۔۱۸۳

الثانی[۲]: قال جل ذکرہ "وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا[1]"

۔ قال الشاہ عبدالقادر الدہلوی رحمہ اللہ تعالٰی فی ترجمۃ الکریمۃ پیداکئے مواشی میں لدے والے اور دبے

[2] وقال فی فوائدہا لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبے بکری اور بھیڑ[3]۔

الثالث[۳]: اجمع المسلمون واعترف الرجل، ان الغنم من الاضاحی، وقد علم من یفرق بین البہم والبہم، ان ھذا من الغنم قال اللہ عزوجل

"وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ"[4]۔ قال الفاضل رفیع الدین الدھلوی فی ترجمۃ اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر ان کے چربیاں ان کی[5]۔

الرابع[۴]: انما المرجع فی امثال الامور الی علماء اللسان و کما علم کل من یعلم اللسن الثلث ان الحیوان الذی یسمی بالھندیۃ بکری وذکرہ بکرا،

تنبیہ دوم: اس بات کے ثبوت میں کہ بکری انعام میں سے ہے: ارشاد الٰہی ہے "**من الانعام حمولۃ وفرشا**"۔ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فرمایا: "پیدا کئے مواشی میں لدنے والے اور دبے" اور فوائد میں فرمایا: "لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبنے والے بھیڑ اور بکری"۔

تنبیہ سوم: بھیڑ کے قربانی کے جانور ہونے پر اجماع ہے: مفتی سابق نے اعتراض کیا، اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غنم قربانی کے جانوروں میں سے ہے۔ اور چوپایوں کے درمیان فرق جاننے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ بھیڑ غنم میں شامل ہے قرآن عظیم کی آیت "وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ" کا ترجمہ فاضل رفیع الدین دہلوی فرماتے ہیں: "اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر ان کے چربیاں ان کی"۔

ایضاً تنبیہ چہارم: اس بات کا فیصلہ کہ بھیڑ غنم میں داخل ہے یا نہیں۔ وہی حضرات علماء کرسکتے ہیں جن کو تینوں زبانوں میں مہارت ہو تو ان زبانوں کا عالم یہ خوب جانتا ہے کہ جس جانور کو ہندی میں بکری اور

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۲

[2] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۲ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۶

[3] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۲ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۶

[4] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۶

[5] ترجمۃ القرآن الرفیع الدین تحت آیۃ ۶/ ۱۴۶ امتاز کمپنی لاہور ص ۶۳۔۱۶۲

ھوالذی یسمی بالفارسیۃ بُز، وفی الاطلاق الاعم گوسپند، وبالعربیۃ معزا، وفی الاعم غنما وشاۃ، و ذکرہ تیسا وماعزا، وانثاۃ عنزا۔وما عزۃ، کذٰلك علموا ان الحیوان الذی یسمی بالھندیۃ بھیڑ، وذکرہ مینڈھا، وعند قوم وانثاہ بھیڑ ولقوم بھیڑی ھو الذی یسمی بالفارسیۃ میش، وبالاطلاقین الاخص و الاعم گوسفند، وذکرہ المناطح قوچ، وبالعربیۃ ضانا، وبالاطلاقین شاۃ، وغنما، وذکرہ کبشا وضانا، وانثاہ نعجۃ وضائنۃ، قال اللہ عزوجل "ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ"[1] قال فی موضح القراٰن پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو[2]، وفی ترجمۃ الرفیعۃ آٹھ جوڑے بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو[3]۔وقال الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی ترجمتھا آفرید ہشت قسم راز گوسفند دو قسم واز بُز دو قسم[4]۔وقال الفاضل یوسف چلپی فی ذخیرۃ العقبٰی حاشیۃ شرح الوقایۃ،	اس کے نر کو بکرا کہتے ہیں، فارسی میں اسی کو بُز اور عام بول چال میں گوسپند اور عربی میں معز، اور عام بول چال میں غنم وشاۃ کہتے ہیں اس کے مذکر کو "تیس" اور ماعز کہتے ہیں اور مؤنث کو عنز اور ماعزہ کہتے ہیں۔اسی طرح یہ بھی معروف بات ہے کہ ہندی میں جس جانور کو بھیڑ جس کا مذکر مینڈھا اور بعض کی زبان میں بھیڑا کہتے ہیں، اسی کی مؤنث کو بعض لوگ بھیڑ اور بعض بھیڑی کہتے ہیں، اسی کو فارسی میں میش اور عام بوچال میں گوسفند اس کا مذکر مناطح قوچ کہلاتا ہے یہی عربی میں ضان اور دونوں اطلاقوں میں شاۃ و غنم کہلاتا ہے اس کا مذکر ضان و کبش اور مؤنث کو نعجہ کہا جاتا ہے۔ "ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ" پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑے اور بکری سے دو (از موضح القرآن) آٹھ جوڑے بھیڑوں میں سے اور دو بکری میں سے دو، (شاہ رفیع الدین) آفرید ہشت قسم از گوسفند دو قسم، واز بز دو قسم (شاہ ولی اللہ)۔ ضان، ضائن کی جمع، ماعز کے خلاف۔اور یہ غنم کی ہی دو[2] نوعیں ہیں، پہلے کو فارسی میں میش اور ثانی کو بُز

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۶

[3] ترجمۃ القرآن الرفیع الدین تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ ممتاز کمپنی لاہور ص ۱۶۲

[4] ترجمۃ القرآن (فارسی) لو لی اللہ الدہلوی تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مطبع ہاشمی دہلی ص ۱۴۸-۱۴۹

ضانا جمع ضائن خلاف الماعز،وهما نوعان من جنس الغنم،يقال للاول بالفارسی میش وللثانی بُز،والشاة اسم جنس يشملها كالغنم ويقال لها بالفارسی گوسفند، كذا فی الصحاح،والاسماء [1] اھ باختصار،وقد ترجم فی النفائس بھیڑ ا بالفاسیة بمیش نر،وبالعربیة بکبش وضان [2] وقال فی تحفة المؤمنین بھیڑ بھندی غنم است [3]، ثم قال غنم ضان ست [4] ثم قال ضان بفارسی میش نامند [5]۔ بھیڑا فارسی میں میش نر اور عربی میں ضان ہے (نفائس) وفی المنتخب الرشیدی ضان میش ضائن میش نر [6] وفی الصراح ضائن میش نر،خلاف ماعز، والجمع ضان،خلاف معز اھ [7]۔ فان کان فی مریة بعد فلیقم و لیَعُدُ فلیذھب بقطیع منه الی العرب، والفرس، و لیدر فیھا بلادا وقری وجبالا ومفاوز،ولیسأل کل اھل ناد من حاضر،وباد،ورجل،وامرأة	کہتے ہیں اور غنم کے ہی ہم معنٰی لفظ شاۃ ہے جس کا اطلاق دونوں نوعوں پر ہوتا ہے اور اس معنی میں فارسی لفظ گوسفند بولا جاتاہے اسماء اور صحاح میں ایسا ہی ہے(مختصرا)(ذخیرہ عقبٰی چلپی) بھیڑ ہندی میں غنم ہے۔اور غنم ضان ہے اور ضاں فارسی میں میش ہے(تحفۃ المومنین) ضان میش،ضان نر۔(منتخب رشیدی) ضائن میش نر،خلاف ماعز۔اور اس کی جمع ضان خلاف معز(صراح)۔ ان سب شہادتوں میں ضان اور میش ایک ہی چیز قرار دی گئ ہے اور اسی کو ہندی بھیڑ بتایا گیا ہے اگر اس کے بعد بھی شبہہ ہو کہ یہ دونوں ایک نوع نہیں ہیں،تو بھیڑ کا ایک گلہ لے کر عرب اور فارس کے شہروں اور دیہاتوں میں پھر کر جنگلوں اور پہاڑوں،آبادیوں اور ویرانوں میں گھوم گھوم کر ہر ایک

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الاموال نولکشور کانپور ۱/ ۱۲۷

[2] النفائس

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الباء مع الھاء نولکشور کانپور ص۱۶۹

[4] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الغین مع المیم نولکشور کانپور ص۴۲۵

[5] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الصاد مع الالف نولکشور کانپور ص۳۹۷

[6] منتخب اللغات مع غیاث اللغات باب الضاد مع النون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۲

[7] الصراح فی الغۃ الصحاح باب النون فصل الضاد نولکشور لکھنؤ ص۴۱۸

وحر وامة، وعالم وجاہل، وسائر وقافل فان اخبرہ العرب جمیعا ان ہذا ضان، غنم، شاۃ، کبش، نعجة، وقالت الفرس ایں ست میش، وگوسپند، نروماده، فلیصدق بالحق، وان اعربت العرب ان ہذا عصفور، اوکلب عقور اوفیل ماسور، و تفرست الفرس، فقالت خرگور، اوچرغ پرزور اوچغد شبکور، فهو معذور۔	شہری ودیہاتی، عالم وجاہل سے سوال کرو، تو سارے عرب یہ کہیں یہ ضان ہے غنم ہے۔ شاۃ ہے کبش ہے، نعجہ ہے۔ اور فارسی کہیں یہ میش ہے گوسپند ہے۔ تو حق بات تسلیم کرو، اور اگر عرب اس کو گوریا، کٹکھنا کتا یا ہاتھی یا اہل فارس اس کو گورخر یا چیتا یا الو کہیں تو تم معذور ہوگے۔
الخامس[5]: ارأیت ان انکر منکر، ان ہذا المهیب الثقیل، ذا الخرطوم الطویل، الذی یقال له بالهندیا تهی وگج، لیس هو الذی یقال له بالعربیة فیل، وبالفارسیة پیل، فهل عندك علیه من حجة ودلیل، الاالرجوع الی اهل اللسن، وابانة ان اطباقهم علی امثال ذلك من باب التواتر المورث للیقین، کما ان من جحد وضع بمبئی اوکلکته، مثلا لهذا البلد المعلوم، فلا دواء له الا الانباء بان الناس مطبقون علی ان هذا البلد بهذا مسمی وبه موسوم فان عاند وعاد وعاود اللداد، فماله من طب الا الا فتصاد۔	**تنبیہ پنجم تائید مزید:** لمبی اور دراز سونڈ والے ہاتھی کو کوئی فیل نہ مانے تو اس کے علاوہ کیا سبیل ہے کہ اہل عرب سے یہ کہلا دیا جائے کہ ہمارے یہاں سب لوگ اسے فیل ہی کہتے ہیں، جیسے اگر کوئی بمبئی کا انکار کرے، تو اس کی سبیل بھی یہی ہے کہ اسے بمبئی شہر دکھا کر لوگوں سے کہلادیا جائے کہ سب لوگ اسی کو بمبئی کہتے ہیں:
السادس[6]: من الظن زعم الحاق الجوامیس بالبقر، وانما عرفت الاضحیة علی خلاف القیاس لکونها تقربا باراقة دم،	**تنبیہ ششم:** بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق نہیں کیا گیا: یہ کہنا بھینس کو گائے کے ساتھ ازروئے قیاس لاحق کیا گیا غلط ہے کیونکہ یہ مسئلہ

وازهاق روح فكيف يسوغ الالحاق فيها، ولو ساغ لكانت المها والوعول والظبا احق انه تلحق بالبقر و المعز، قال العلامة الاتقانی فی غاية البيان، التضحية امر مستفاد بالشرع بخلاف القياس، لان كون اراقة الدم قربة غير معقول المعنى فاقتصر على مورد الشرع، ولهذا لم تجز التضحية بشيئ من الوحش اھ [1] وقال العينی فی رمز الحقائق انها عرفت بالنص على خلاف القياس فيقتصر عليها [2] اھ۔ وقال العلامة الطوری فی تمكلة البحر الرائق جوازها عرف بالشرع فی البقر الاهل دون الوحشی والقياس ممتنع [3]. اھ ومثل ذٰلك فی كثير من الكتب و انما الشان انهم علموا انها من نوع البقر فتناولها النص تناولا اوليا من دون حاجة الى الحاق، بهذا علل كما نص عليه فی الهداية والخانية والدر وشرح النقاية للبرجندی، وفی الجامع الرموز عن جامع المضمرات ومجمع الانهر عن المحيط، وفتح الله المعين عن التبيين و البحر الرائق عن الوالوالجية، والهندية عن البدائع۔	قیاسی ہے ہی نہیں، اگر قیاس پر مدار ہوتا تو سفید نیل گائے کو گائے کے ساتھ، اور پہاڑی بکری اور ہرن کو بکری کے ساتھ لاحق کرنا بدرجہ اولٰی بہتر ہوتا لیکن ایسا جائز نہیں۔ علامہ اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا: "قربانی کا مسئلہ بالکلیہ غیر قیاسی ہے کیونکہ خون بہانا کار ثواب ہو، یہ بات غیر معقول ہے۔ اس لئے جن جانوروں کو شرع نے جائز قرار دے دیا ان کے علاوہ مثلاً وحشی جانوروں کی قربانی شرعاً جائز نہیں" علامہ عینی نے رمز الحقائق میں تحریر فرمایا: "قربانی حکم الٰہی سے خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے، تو اسی پر اقتصار کیا جائے گا"۔ علامہ طوری تکملہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح فرماتے ہیں: "قربانی کا جواز شرح مطہر میں انھیں جانوروں میں ثابت ہے جو اہلی ہوں وحشی میں نہیں، اور یہاں قیاس کو باریابی کی اجازت نہیں" تو حقیقت حال یہ نہیں ہوئی کہ اکمل کو کامل کے ساتھ لاحق کیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء کے نزدیک بھینس کا گائے کی ہی نوع میں ہونا ثابت ہوا تو انھوں نے کہا کہ قرآن کا لفظ بقر

[1] غاية البيان

[2] رمز الحقائق فی شرح كنز الدقائق كتاب الاضحية مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵

[3] تكملہ من البحر الرائق كتاب الاضحية ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۷۷

وردالمحتار عنها وعن المُغرَب وان اقترحت جليت لك نقولها،فانی لم اثر فی هذه الرسالة شيئاالا من الکتب التی منحنی بی فهی عندی فی ملکی ويدی، حتی انهم اخذوا علی لفظة توهم التغاير بينهما کقول الکنز،الجاموس کالبقر کما فی التبيين [1]، و البحر [2]والنهر والشرنبلالية،ومجمع الانهر وابی السعود وغيرها مع انه ان انما هو کقوله ايضا البخت کالعراب بيد ان اول المسئلة کان هناك بلفظ الابل فلم يوهم التشبيه وههنا بلفظ البقرفاوهم ،ثم لما ذا استکثر من هذاالفصل وانت الناقل عن رد المحتار قوله البقر بنوعيه [3]اه،وعن مفاتيح الجنان ان الجاموس داخل فی البقر [4]اهـوعن الاشعة جاموس	بھینس کو شامل ہے اس لئے مسئلہ ہذاکے الحاق والے قاعدہ کے سہارے کی بالکل ضرورت نہیں، یہ امور ہدایہ، خانیہ، رمز الحقائق، تکملہ طوری، مستخلص الحقائق، شرح ملامسکین، طحطاوی علی الدر، شرح نقایہ برجندی، جامع الرموز، جامع المضمرات، مجمع الانہر عن المحیط، فتح اللہ المعین عن التبیین، بحر الرائق۔ والوالجیہ، ہندیہ، عن البدائع، ردالمحتار عن البدائع و عن مغرب منصوص ہیں، ضرورت پر ساری کتابیں پیش کی جاسکتی ہیں، الحمدللہ ساری کتابیں میری ذاتی ہیں، ہاں ان حضرات نے ایک لفظ ایسا ضرور کہا ہے جس سے یہ شبہ ہوگا کہ گائے اور بھینس میں تغایر ہے اور وہ کنز، تبیین، بحر، نہر، شرنبلالیہ، مجمع النہر ابی سعودوغیرہ میں ذکر کیا ہوا لفظ "الجاموس کالبقر" ہے لیکن اس سے دھوکا کھانا غلط ہے، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے علماء اونٹ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "البخت کالاعراب" بیان مسئلہ میں اونٹ مقسم کی طرح پیش کیا گیا ہے۔اس کے باوجود جب بخت واعراب دو نوع نہ ہوئے تو صرف کاف تشبیہ کی وجہ سے بقر وجاموس دو نوع کیسے ہوں گے، اور خاص کر مجیب صاحب کو

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۷

[2] تکملہ من البحرالرائق کتاب الاضحیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۷۷

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

[4] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۸

نوعے از بقر ست[1] فمالی اراك نقل العبارات وتنبؤ عنها كان لم تسمعها، كلا بل تسمع وتفهم ثم تحيل، اما سمعناك نقول انهم يدخلون الجاموس فی البقر، ويقولون انه نوع منه، ثم عدت تعد الا نواع خمسة، وتجعل النوع يقابل جنسه، وبالجملة قد تبيين بطلان تخميس الا نواع، وعد الجاموس نوعا براسه۔ ثم لايخفى على كل ذی حجی مالم يكن اغلظ طبعا من الجواميس، مابين البقر والجاموس من البون البين صورة ومعنى، يبائن الوضع الوضع، و الطبع الطبع، واللحم اللحم، واللبن اللبن، والطعم	تو یہ شبہہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ انھوں نے خود ہی ردالمحتار کی عبارت "البقر بنوعيه" اور مفاتیح الجنان کا حوالہ "ان الجاموس داخل فی البقر" (بھینس گائے میں شامل ہے)۔اور اشعۃ اللمعات سے "جاموس نوع از بقر" (بھینس گائے کی ایک قسم ہے) نقل کیا ہے حیرت ہوتی ہے کہ اس کے باوجود کس طرح مجیب نے قربانی کے جانور کی پانچ قسمیں کیں، اور بھینس کو الگ ایک نوع قرار دیا پس واضح ہوا کہ پانچ نوع قرار دینا غلط، اور بھیڑ کو چھٹی قرار دے کر اس سے انکار کرنا غلط در غلط ہے۔
الطعم، والحمل الحمل، والمزاج المزاج، والاثار الاثار، والافعال الافعال، والخواص الخواص، حتى حكم القياس انها نوعان متباينان، وان الجواميس لا تجوز التضحية بها، وانما الاجزأ حكم الاستحسان قال فی الخلاصة ثم الاتقانی فی شرح الهداية و الحلبی فی تكملة لسان الحكام الجاموس يجوز فی الضحايا	ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ گائے اور بھینس میں صورۃ اور معنا بناوٹ، طبیعت، گوشت اور دودھ، مزے اور اعمال وآثار میں تباین ظاہری ہے جس کے پیش نظر عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ ان دونوں میں تباین نوعی ہے۔اور بھینس کی قربانی نہ ہونا چاہئے مگر جائز ہے، تو یہ ایک خلاف قیاس حکم ہے۔ خلاصہ اتقانی، حلبی میں: "بھینس کی قربانی استحسانا جائز ہے" فاضل عبدالحیٔ لکھنوی کی شرح مختصر وقایہ میں

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

والهدایا استحسانا [1] اھ.وفی شرح مختصر الوقایة للفاضل عبدالعلی الجاموس کالبقرة لانه نوع منها.فی الروضة هذاالاستحسان و القیاس انه لایجوز [2] اھ وتغایر ہما فی العرف ظاہر .ولذا لو حلف لایاکل لحم البقر لم یحنث باکل لحم الجاموس.کما فی زکوٰة الهدایة.ولا بعکسه.کما فی ایمان الخانیة.وما اذا یعنی مجرد الوفاق فی عدد الاعضاء مع الخلاف فی جمع مامر .فان ذٰلك حاصل فی الخیل والعیر ایضا مع انهما نوعان متباینان قطعا عرفا وشرعا.بل لك ان تقول لا وفاق فی العدد ایضا.فان لبقر جلدا متدلیا من مبدأ حلقه الی منحره.ولیس ذٰلك للجاموس.والشعر یعم بدن البقر ولیس علی جمع الجاموس الا شذر مذر .فاذا استحسنوا مع کل ذٰلك ان الجوامیس لیست الا من نوع البقر .کانت ضئین الهند احق بان تعد من نوع اضؤن العرب.فانهما الاخلف بینهما فی شیئ	ہے" بھینس گائے کی طرح ہے یہ اسی کی ایک نوع ہے"روضہ میں ہے: "اس کی قربانی استحسانا جائز ہے قیاس میں تو جائز نہ ہونا چاہئے۔" عرف کے اعتبار سے گائے اور بھینس کا تغایر ظاہر ہے،اسی لئے اگر کوئی قسم کھائے کہ گائے کا گوشت نہیں کھائے گا،تو بھینس کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا،یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الزکوۃ میں ہے،اور خانیہ میں ہے بھینس کی قسم کھائی تو گائے کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا،اور اگر خالی اعضاء کی تعداد میں موافقت کی وجہ سے گائے اور بھینس کے ایک نوع ہونے کا خیال کیا جائے اور تو گھوڑے گدھے میں اس سے زیادہ یکسانیت ہے حالانکہ وہ دونوں عرفا اور شرعا ہر لحاظ سے دو متبائن نوعیں ہیں،اور تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ گائے اور بھینس میں اعضاء کی تعداد میں بھی موافقت نہیں ہے کیونکہ گائے کی گردن میں فاضل کھال لٹکتی ہے جو بھینس میں نہیں ہوتی،اور گائے کے سم پر گھنا بال پورے بدن پر اگا رہتا ہے اور بھینس کے جسم پر چند قلیل بال ہوتے ہیں پس جب ان سارے اختلافات کے باوجود استحسان میں گائے اور بھینس کے ایک جنس ہوئے تو دنبہ اور بھیڑ کے ایک جنس ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے

[1] خلاصۃالفتاوی الفصل الرابع مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۱۴

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۵

مما وصفنا حتی لو ان ضائنین منهما متشابهی اللون، والجثة نظر هما ناظر من قدام لم یکد یمیز بینهما کضائنین کذٰلك من ارض واحدة، نعم الالیة من احدهما عریضة قصیرة ومن الاخری ضئیلة طویلة ومثل هذا الخلف بل اکثر منه کثیرا مایوجد فی افراد نوع واحد باختلاف الاراضی واختلاف المادة وغیرہ ذٰلک۔	کیونکہ ان میں تو مذکورہ بالا اوصاف میں سے کسی میں اختلاف نہیں، اگر ایک رنگ کے دنبہ اور بھیڑ کو آگے سے دیکھئے تو فیصلہ مشکل ہوگا کہ کون بھیڑ ہے اور کون دنبہ، ہاں صرف یہ بات ہے کہ دنبہ کی دم چوڑی اور چھوٹی ہوتی ہے اور بھیڑ کی دم لمبی اور بالدار ہوتی ہے۔ لیکن یہ کوئی بات نہیں اس سے بڑے بڑے اختلافات ایک نوع کے افراد میں اختلاف آب وہوا کی وجہ سے پائے جاتے ہیں، اور ان کا لحاظ کرکے کوئی اختلاف نوع کا حکم نہیں لگاتا۔
الاتری الی غلظ شفاہ الحبش، وصغر عیون الترك فطس انوف الصین، ولبعض من اتراك الوحوش علی عصعصه لحمة زائدة قدر شبر یشبه الذنب والهنة الناتیة بین الشفرین لاتوجد خلقة فی نساء المغرب، وربما یکون لانسان ستة اصابع وذکر الفقهاء ما اذا کان للمرء، یدان فی ید، او رجلان فی رجل اوکفان فی کف، هل یجب غسلها فی الوضوء، کما فی البحر، والنهر، والدر، والهندیة وغیرها، ولقد رأیت لبعض البلاد جمالا جمیلة المنظر، لطاف الجسم، صغار الحجم،	**امثلہ** (۱): آدمیوں میں حبشیوں کا ہونٹ نہایت موٹا ہوتا ہے، (۲) ترکیوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہے (۳) چینیوں کی ناک چپٹی ہوتی ہے (۴) اور بعض وحشی ترکیوں کی دم کی ہڈی پر دم ہی کی طرح ایک بالشت تک لمبا گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے (۵) عام عورتوں کی شرمگاہ میں جو پارہ گوشت اُبھرا ہوا ہوتا ہے مراکشی عورتوں میں خلقۃً نہیں ہوتا (۶) ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ آدمی کے کبھی چھ انگلی ہوجاتی ہے، چنانچہ فقہاء کا جزیہ ہے اگر کسی آدمی کے دو دو ہاتھ ہوں یا دو دو پاؤں یا ایک ہاتھ میں دو ہتھیلیاں تو کیا وضو میں دونوں کا دھونا واجب ہے۔ یہ مسئلہ بحر، نہر، درر اور ہندیہ میں مصرح ہے۔ (۷) میں نے بعض شہروں میں اونٹ دیکھے ہلکے پھلکے، لمبے بال والے، جن کے پُشت پر دو کوہانیں تھیں جن کے بیچ میں ایک

طوال الوبر،لکل منها علی ظهره سنامان رفیعان، بینهما مجلس الراکب یکونان له کعودی الرحل، وقد قال العلامة القروینی فی عجائب الموجودات،ثم الامام الدمیری فی حیوة الحیوان انه یجلب من الهند نوع من الضأن علی صدره الیة،وعلی کتفه الیتان،وعلی فخذیه الیتان،وعلی ذنبه الیة وربما تکبر الیة الضأن حتی تمعنه من المشی،زاد القزوینی فیتخذ لالیتها عجلة توضع علیها وتشد الی صدرها،فیمشی الضان وتجر العجلة والا لیة علیها [1] اھ،فهذه اختلافات فی الاعضاء باصل الوجود و العدم،فضلا عن الصغر،والکبر،والطول والقصر، فهل یجوز لعاقل ان یحکم لذلك باختلاف النوع، وان احد من صنفی الا بل ذات کومین و ذات کوم، مثلا لیس من نوع الابل،لاتجوز التضحیة به،ولا تجب الزکوٰۃ فی سائمته۔	آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی،(۸)امام قزوینی نے عجائب المخلوقات اور دمیری نے حیوۃ الحیوان میں تحریر کیا، ہندوستان کے بعض دنبے آتے ہیں جن کے سینے پر چکتی ہوتی ہے اور دونوں مونڈھوں پر دو چکتی اور رانوں پر دو چکتی اور دم پر ایک چکتی ہوتی ہے جو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ لکڑی کی چھوٹی گاڑی پر وہ چکتی رکھ دی جاتی ہے اور گاڑی دنبہ کے سینہ سے باندھ دی جاتی ہے جسے وہ کھینچتا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا سارے اختلافات جو اعضاء کی کمی بیشی میں واقع ہونے،چہ جائیکہ ان کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا اختلاف،تو کیا کوئی عاقل اس کی وجہ سے جانوروں کی نوع میں اختلاف ہونے کی بات کرے گا اور کہے گا کہ یہ دو کوہان والے اونٹ،اونٹ ہی نہیں،نہ ان کی قربانی ہو سکتی ہے نہ یہ سائمہ جانوروں میں شمار ہوں گے نہ ان پر زکوٰۃ ہوگی۔
السابع:اطبق اهل التفسیر والحدیث والفقه و اللغة من العرب والعجم،ان الغنم نوعان،ضان و معز،	**تنبیہ ہفتم توضیح مزید**: عربی و عجمی اہل تفسیر و حدیث،اہل فقہ ولغت اس بات پر متفق ہیں کہ بکری کی دو قسمیں ہیں: ضان اور معز،جس کی

[1] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمۃ(الضان) مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳۴،عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات الضان مصطفی البابی مصر ص ۲۴۹

میش وبُز،وان الضان ومیش خلاف المعز وبُز،و المعز وبُز خلاف الضان ومیش،قال العلامۃ الخفاجی فی عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی حاشیتہ علی تفسیر البیضاوی الضائن خلاف الماعز،وجمعہ ضان اھ [1]، وقال فی مجمع بحار الانوار ضوائن ذات صوف عجاف ھو جمع ضائنۃ، وھی الشاۃ من الغنم خلاف المعز [2] اھ وقال فی المرقات الضان خلاف المعز من الغنم [3] اھ، وقال العلامۃ مسکین فی شرح الکنز،الغنم اسم یطلق علی الذکر و الانثی من الضان والمعز والضان خلاف المعز [4] اھ،وقال فی القاموس المعز ھو خلاف الضان من الغنم [5] اھ،وفیہ الضائن خلاف الماعز من الغنم،جمع ضأن اضئن ضأنك اعزلھا من المعز [6] اھ، وفی مختار الصحاح للعلامۃ الرازی الضائن ضد الماعز و الجمع الضأن والمعز [7] اھ۔	تعبیر فارسی میں میش اور بز سے کی جاتی ہے اور دونوں میں ایسا اختلاف ہے کہ جو معز ہے ضان نہیں اور جو ضان ہے معز نہیں،حوالے: o ضائن ماعز کے خلاف،اور اس کی جمع ضان ہے(علامہ خفاجی حاشیہ بیضاوی) o ضوائن اون والی ضائنہ کی جمع،یہ بکری کی ایک قسم خلاف ماعز ہے۔(مجمع بحارالانوار) o ضائن معز کے خلاف غنم میں سے۔(مرقات) o غنم اسم جنس ہے۔یہ ضان ومعز مذکر ومؤنث دونوں پر بولا جاتاہے،اور ضان اور معز میں اختلاف ہے۔(شرح کنز علامہ مسکین) o معز ضان کے خلاف ہے۔غنم کی ہی ایک قسم ہے (قاموس) o ضائن،بکریوں میں معز کے خلاف،اور جمع ضائن،محاورہ ہے:اپنے ضانوں کو ماعز سے الگ کرو۔(قاموس) o ضائن ماعز کا ضد ہے۔اور جمع ضان اور معز ہے(مختار الصحاح رازی)

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ علی البیضاوی تحت آیۃ ۶/ ۸۰ دار صادر بیروت ۵/ ۳۵۹

[2] مجمع بحار الانوار باب الضاد مع الھمزۃ ضائن مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۳/ ۳۸۳

[3] مرقات المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب فی الاضحیۃ الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۶۱

[4] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاضحیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۱

[5] القاموس المحیط باب الزاء فصل المیم (العز) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۹

[6] القاموس المحیط باب النون فصل الضاد (الضائن) مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۴۴

[7] مختار الصحاح تحت لفظ ضائن مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۳۷۶

وفیه المعز من الغنم ضد الضأن [1] اھ، وتقدمت اٰنفا عبارات ذخیرۃ العقبٰی والصراح وانت المحتج بقول الغیاث گوسفند بمعنی میش مقابل بُز چنانکه معز در عربی مقابل ضان ست [2] الخ، وحشیت علیه بقولك ازیں عبارت صاف معلوم می شود که آں حیوان که عرب آں راضان گویند فرس آں رامیش گویند، وانچه عرب آں معز گویند فرس بُز گویند، ونقلت عن الشیخ المحقق قدس سرہ غنم دوصنف ست معزکه آں رابُز گویند وضان که آں رامیش خوانند [3] وایدته بقول الشامی الشاۃ بنوعیه [4] اھ، فکان اجماعا علی ان ماکان من الغنم خارجا عن الضأن، ومیش فهو داخل فی المعز وبُزوماکان منها خارجا عن المعز وبز فهو داخل فی الضأن ومیش، وقد بینا ان حیوانا هذا من الغنم، وان ستربك فیه فلن یستر بین احد ممن له قسط من العقل انه من بهیمة الانعام، ثم لعلك تزهو بنفسك ان تدعی کونه ابلا اوبقرا فاما	معز بکریوں میں ضان کا ضد ہے۔ (مختار الصحاح رازی) ذخیرہ عقبٰی اور صراح کی عبارتیں اوپر گزریں۔ o گوسفند معنی میں میش کے جو بز کا مقابل ہے جیسا کہ معز عربی میں ضان کا مقابل ہے۔ (غیاث اللغات بحوالہ مجیب) o جس حیوان کو عرب ضان کہتے ہیں فارسی میں میش کہتے ہیں (تقریر مجیب) o غنم کی دو قسم ہے۔ معز کہ اس کو بز کہتے ہیں، اور ضان کہ اس کو میش کہتے ہیں (شیخ محقق، بحوالہ مجیب) o بکری اپنی دونوں نوعوں کے ساتھ (شامی بحوالہ مجیب)۔ تو ایک طرح اجماع ہوگیا کہ غنم صرف دونوں میں منحصر ہے، جو غنم معز نہیں وہ ضان ہے۔ اور جو ضان نہیں وہ معز ہے۔ تو لامحالہ بھیڑ کو بھی ضان یا معز کسی میں داخل ماننا پڑے گا، اور اگر کچھ شبہ ہو تو اتنا تو قطعی ہے کہ یہ بہیمۃ الانعام میں داخل ہے۔ اور بہ اتفاق علماء انعام کی صرف چار قسمیں ہیں۔ اس امر کی تصریح امام بغوی نے معالم میں اور

[1] مختار الصحاح تحت لفظ (المعز) مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۶۲۷

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیة الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

ان یکون من المعز او من الضان، اذا الانعام منحصرۃ فی الاربع بتصریح العلماء کافۃ کما نص الامام البغوی فی المعالم، والامام الرازی فی المفاتیح والعلامۃ الرومی فی ارشاد العقل والمولی القاری فی المسلك المتقسط، و الفاضل طاہر فی مجمع البحار وغیرھم فی غیرھا لکن الاول باطل اذا المعز ذات شعر، وھذا باعترافك ذات صوف والمعز بُز وبکری و ھذا لیس بھا عند احد من الصبیان فضلا عن علماء اللسان فتعین ان یکون من الضان فانظر الی حججك کیف کرت علیك بالحجاج، فان الضان ومیش لوکان مختصۃ عند العرب والعجم بماله الیۃ وھذا لا الیۃ له بزعمك توجب ان یکون خارجا منھا، فوجب ان یکون داخلا فی المعز وبُز، وقد قفیت علی نفسك انه لیس منھا، فبطل انحصار الغنم فی نوعین، وقد کنت بھجت به نقلا واستنادا، و تعویلا واعتمادا ثم بطلانه یقتضی ببطلان دعوٰك فان مدار التضحیۃ علی النعمیۃ دون خصوص الالیۃ والضانیۃ۔	رازی نے مفاتیح میں رومی نے ارشاد میں ملا علی قاری نے ملسک المتقسط میں اور فاضل طاہر نے مجمع البحار میں کی ہے۔ اور ان کے علاوہ نے دوسری کتابوں میں کی ہے۔ اور آپ اس کو گائے یا اونٹ میں شامل کرنے کی جرات کرہی نہیں سکتے۔ لامحالہ یہ ضان میں ہی شامل ہوگا، معز یا بکری تو ہوگا نہیں کہ اس کے اون ہوتا ہے اور معز کے اون نہیں ہوتا، کیونکہ آپ کا یہ خود کا اعتراف ہے کہ یہ اون والی ہے، تو دیکھئے آپ ہی کی دلیل نے آپ کا کیسا رد کیا اور صاف ظاہر ہوگیا کہ چکتی مابہ الامتیاز نہیں، ورنہ بھیڑ کو معز میں داخل کرنا ہوگا، اور آپ اس کو دونوں ہی سے خارج کرنے پر تلے ہوئے تھے، اور اسی سے آپ کے دعوی کارد بھی ہوگیا کہ یہ قربانی کا جانور نہیں۔
الثامن[۸]: کل ماشقق، ورقق، وظن ان قد دقق من کون میش حقیقۃ فی کذا ومجازا فی کذا او مشترکا بینھا الخ انما ھو علی زعم	**تنبیہ ہشتم حقیقت و مجاز والی تدقیق کا جواب**: اس پر مجیب کی اس قسم کی ساری تدقیقات کہ میش ذوات الیہ میں حقیقت ہوگا یا مجاز یا مشترک، سب کا مبنٰی یہ تھا کہ چکتی کو میش کی حقیقت

ان ماله اليه مغاير بالنوع لما ليست له الية بالمعنى الذى توهم فظن ادخالها جميعا يؤدى الى التثليث و لم يدرانه هو الواقع فيه لما بينا ان هذا الحيوان من الانعام قطعا واذ ليس من البدن فمن الغنم فلو كان نوعا مغاير الذوات الاليات لوجب التثليث۔

التاسع[9]: احسنت اذ ايقنت ان التفسير بالاعم انما يجوز حيث يقصد التمييز عن بعض الاغيار ولكن دعواك ان ههنا كذالك فمفسروا الضأن بميش انما قصدوا المميز عن البعض، كلمة انت قائلها لا برهان لك عليها بل الحجة ناطقة بخلافها حيث كان المحل لبيان حكم لا يعد والضأن كجواز الجزع كما فى عبارة الشيخ المحقق رحمه الله تعالٰى فى اشعة اللمعات[1] وغيرها۔

العاشر[10]: انما الخطاب بلغة العرب، فما لم يثبت النقل فالاحتجاج باللغة تام قطعا ولا يدفع بالاحتمال بناء على ان اهل الشرع قد يصطلحون على معنى اٰخر، بذٰلك استدل الامام المحقق على الاطلاق محمد بن الهمام

میں بنیادی دخل ہے۔اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے، تو یہ تدقیقات بھی بے حقیقت ہوگئیں، اور انھیں پر مبنی یہ حکم بھی کہ غنم کی دو ہی قسم نہ رہیں گی، بھیڑ کے بعد اس کی تین قسم بنیں گی۔

تنبیہ نہم ذات الصوف تعریف بالاعم نہیں: یہ بات بلاشبہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی تعریف و تفسیر لفظ اعم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے دعوی کیا ہے۔ لیکن یہ بات کہ لفظ ضان کی تفسیر میں میش کا ذکر بھی یونہی ہے۔بے حقیقت بات ہے۔ بلکہ شہادات اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ تفسیر ایک ایسے حکم کے بیان کے سلسلہ میں ہے جو اضان کے ساتھ خاص ہے جیسے صاحب اشعۃ اللمعات کا یہ کہنا کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ بھی جائز ہے۔

تنبیہ دہم دربارہ لغت فقہاء واوباء: نیز یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اعتبار فقہاء کی لغت کا ہے نہ کہ ادیبوں کی لغت کا، جب خطاب زبان عرب میں ہے۔تو جب تک منقول ہونے کا ثبوت نہ ہو ضروری ہے کہ لغوی معنی ہی مراد ہوں اس کی تائید ابن ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

علی تحریم البنت من الزنا، قال فی الفتح لانہا بنتہ لغۃ والخطاب انما ھو باللغۃ العربیۃ مالم یثبت نقل[1] وتبعہ علیہ البحر فی البحر، والشامی فی ردالمحتار وغیرھما من العلماء الکبائر، وھذا الذلم یظھر من الوفاق، فکیف وقد ثبتت مواطاتھم علیہ کما مر و یاتی بتوفیق اللہ تعالٰی۔ **الحادی عشر**: تظافرت کلمات علماء التفسیر و الحدیث والفقۃ، واللغۃ وغیرھا علی المیز بین الضأن والمعز بالصوف والشعر، قال الامام محی السنۃ البغوی فی معالم التنزیل الضأن النعاج وھی ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم[2] اھ مختصرا، وقال الامام الرازی فی تفسیر الکبیر الضأن ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم[3] اھ ملخصا وفی المصباح المنیر وحیوۃ الحیوان وغیرھما الضأن ذوات الصوف من الغنم[4] اھ، و	فرمان سے ہوتی ہے کہ "لغۃً زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کو بنت ہی کہا جاتا ہے اس لئے قرآن کے فرمان وبناتکم میں یہ بھی داخل ہوگی، اور زانی کا نکاح ایسی لڑکی سے حرام ہوگا"۔ (امام ابن ہمام، بحر، شامی) **تنبیہ یازدہم تفسیر بالاعم کی حقیقت**: یہ امر بھی قابل غور ہے کہ علماء تفسیر وحدیث اور فقہ ولغت کی بڑی تعداد نے ضان اور معز کی تفریق میں صوف اور بال کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو تفسیر بالاعم وغیرہ کی تاویل ان کے کلام میں نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان قلیل التعداد علماء کے کلام میں جو ایک لفظ خاص "ذات الیۃ" (چکتی والی) سے تعبیر کرتے ہیں، حوالے: o بغوی معالم التنزیل "ضان ونعجہ، نر ومادہ اون والی بکری کو کہتے ہیں اور بال والی کو معز"۔ o امام رازی تفسیر کبیر: "اون والی بکری ضان ہے اور بال والی معز"۔ o مصباح المنیر وحیٰوۃ الحیوان " بکری کی اون

[1] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۱۸

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۲

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۱۳/ ۲۱۶

[4] المصباح المنیر الضاد مع الاواو الضأن مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

فی شرح النقایة، ثم الطحطاوی، و ردالمحتار الضان ماکان من ذوات صوف والمعز من ذوات الشعر[1]۔ وبه فرق بینهما فی البحر الرائق وغنیة ذوی الاحکام، وفتح الله المعین جمیعا عن معراج الدرایة، والیه یشیر حدیث الامام احمد، وابن ماجة، والحاکم، و قال صحیح الاسناد عن زید بن ارقم رضی الله تعالٰی عنه قال قال اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یارسول الله ماهذا الاضاحی، قال سنة ابیکم ابراهیم علیه الصلٰوة والسلام، قالوا فما فیها یارسول الله، قال بکل شعرة حسنة، قالوا فالصوف یا رسول الله قال بکل شعرة من الصوف حسنة[2]، قال فی المرقات لما کان الشعر، کنایة عن المعز، کنواعن الضان بالصوف[3] الخ، والیه مال النصوص التسعة المذکورة فی التنبیه السابع، عن العنایة و الجمع، والمرقاة، وشرح الکنز، وذخیرة العقبٰی و القاموس والصراح، ومختار الصحاح،	والی قسم ضان کہلاتی ہے"۔ طحطاوی شرح نقایہ ردالمحتار: "ضان اون والی اور معز بال والی"۔ o بحرالرائق، غنیه ذوی الاحکام فتح الله المعین عن معراج الدرایة (ایضا) o حدیث امام احمد ابن حنبل: ابن ماجہ کا ارشارہ یہی ہے: "زید بن ارقم کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! یہ قربانیاں کیاہیں؟ فرمایا: تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ پوچھا: ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا: اس کے ہر بال کے برابر نیکی۔ لوگوں نے عرض کیا:- اون کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایااس کے بھی ہر بال کے برابر نیکی ملے گی"۔ o مرقات میں ہے: "حدیث شریف میں بال سے اشارہ بکری کی طرف تھا۔ تو لوگوں نے صوف کہہ کر ضان کے بارے میں پوچھ لیا" ساتویں تنبیہ میں عنایہ، مجمع، مرقات، شرح کنز، ذخیرہ عقبٰی، قاموس، صراح، مختار الصحاح،

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث زید بن ارقم رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۶۸، سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۳

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلٰوۃ باب فی الاضحیۃ المکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

وغیاثك الذی استغثت بہ من تفسیر الضأن بما یخالف المعز وبالعکس اذلو کان الفصل بینھما بشیئ اخص من الصوف لم یکن کل مالیس بضأن معز اولا بالعکس بقاء مادۃ تفارق الصوف من ذٰلك الاخص خارجا منھما جمیعا عدم الضاینۃ لعدم الاخص وعدم المعزیۃ لوجود الصوف، فھذہ احد واعشرون نصوصا، سبعۃ اضعاف ما جئت بہ کلھا قاضیۃ بھذہ التفسیر، ولعل ماترکناہ اکثر مما سردنا وقد اعترف الرجل وان لم یعرف فسیقضی العیان ان ھذا الحیوان من ذوات الصوف فھو من خصوص الضأن فضلا عن عموم الغنم اوالانعام و التعریف بالاعم وان جاز عند الاوائل فلیس بجید بالاجماع۔ قال المولی المحقق السید الشریف قدس سرہ الشریف فی شرح المواقف، اعلم ان اشتراط المساواۃ فی الصدق مماذھب الیہ المتاخرون، واما المتقدمون فقالوا الرسم منہ تام یمیز عن کل مایغایر منہ وناقص یمیز عن بعض، وصرحوا بأن المساواۃ شرط لجودۃ الرسم کیلا یتناول مالیس من المرسوم ولا یخلو عما ھو منہ [1] اھ مختصرا، وقال العلامۃ حسن چلپی فی حاشیۃ التلویح لاخلاف فی اشتراط المساوات الجودۃ التعریف [2]۔ اھ	غیاث اللغات کی عبارتوں کا مفاد بھی یہی ہے۔ کیونکہ ضان اور معز کے علاوہ کوئی اور نوع ہوتی جس کی وجہ امتیاز چکتی ہو تو ضان اور معز میں جنس غنم کا انحصار باطل ہوا جاتا ہے۔ یہ ۲۱ نصوص ہیں اور جو مذکور نہ ہوئے اس سے بہت زیادہ ہیں، سب اس بات کا فیصلہ کررہے ہیں کہ ضان اور معز میں فرق اون سے ہے چکتی سے نہیں، اس طرح مجیب نے لاعلمی میں ہی سہی، یہ اعتراف کرلیا کہ بھیڑ ضائن میں شامل ہے آگے علی الاعلان اعتراف کرنا پڑے گا، عام سے تفسیر ماننے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ متقدمین نے اسے صرف مباح مانا ہے۔ ایسی تعریف عمدہ نہیں ہے۔ میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں فرمایا: "متاخرین نے تعریف میں مساوات کی شرط لگائی اور متقدمین نے کہا کہ جو تمام مشارکات سے تمیز دے دے وہ رسم تام ہے۔ اور جو بعض سے ممتاز کرے رسم ناقص ہے۔ اور تعریف تبھی عمدہ ہے کہ مساوی سے ہو کہ امتیاز کامل حاصل ہو" اور حسن چلپی نے بھی حاشیہ تلویح میں فرمایا: تعریف کی عمدگی کے لئے مساوات شرط ضروری ہے"

[1] شرح المواقف المرصدا السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۵، ۴

[2] حاشیہ التلویح مع التوضیح والتویح المطبعۃ الخیریۃ مصر ۱/ ۶۷

فحمل کلامھم علی مالیس بجید لیس بجید۔ **الثانی عشر**۳: لوفرضنا التساوی فی الجودۃ فلا یرتاب من لہ عقل ورزق سلیقۃ ما فی فھم الکلام، ان الظاھر المتبادر من التعریف انما ھو التساوی ولا یجوز العدول عن الظاھر الا بدلیل، الا تری ان العلامۃ المحقق سعد الدین التفتازانی رحمہ اللہ تعالٰی صرح فی حاشیۃ الکشاف کما نقلہ حسن چلپی فی حواشی التلویح، ان قول الفائق الحمد ھو المدح صریح فی الترادف [1] اھ مع انہ لو القائل فی التلویح ان کتب اللغۃ مشحونۃ بتفسیر الالفاظ بماھوا عم من مفھوما تھما [2] الخ، فلم یمنعہ تصریحہ ھذا عن جعلہ تفسیر الفائق الحمد بالمدح صریحا فی الترادف، وھل ھو الا؛ لان الظاھر ھو التساوی مالم یدل علی خلافہ دلیل، وبہ یجاب عن بحث چلپی، و ھکذا قال المولی السید الشریف (رحمۃ اللہ تعالٰی) فی شرح الکشساف، قولہ الحمد والمدح	تو یہ علماء جس بات کو غیر عمدہ بتادیں، ان کے کلام کو اسی پر حمل کرنا کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔ **تنبیہ دوازدہم تشریح مزید:** ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عام اور مساوی دونوں کے ساتھ تعریف ہم پلہ ہی ہے۔ پھر بھی سخن فہم خوب جانتے ہیں کہ لفظ تعریف سے ذہن کی سبقت تساوی کی طرف ہی ہوتی ہے اور بغیر کسی قرینہ کے متبادر کو چھوڑ کر اعم مراد لینا خلاف نقل و عقل ہے۔ امام تفتازانی نے حاشیہ توضیح میں تصریح فرمائی کہ کتب لغت میں عام کے ساتھ تفسیر عام ہے۔" اس کے باوجود "فائق" کے قول "الحمد ھو المدح" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: "اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد اورت مدح دومرادف لفظ ہیں۔" (شرح حاشیہ کشاف بحوالہ چلپی) اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ احتمال اعم ہونے کے باوجود انھوں نے ظاہر متبادر و مساوی پر کلام "فائق" کو محمول کیا۔ ٹھیک اسی طرح میر سید شریف نے بھی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ تعریف اعم بھی جائز ہے۔ شرح کشاف میں "المدح والحمد"

[1] حاشیۃ التلویح مع التوضیح والتلویح بحوالہ شرح الکشاف المطعۃ الخیریۃ مصر ۱/ ۶۷

[2] حاشیۃ التلویح مع التوضیح والتلویح بحوالہ شرح الکشاف المطعۃ الخیریۃ مصر ۱/ ۶۷و۶۸

اخوان [1] ای هما مترادفان ویدل علی ذٰلك انه قال فی الفائق والحمد هو المدح والوصف بالجمیل الخ فقد استدل بتفسیر اللغة علی الترادف مع انه مصوب لجواز التفسیر بالاعم کما سیأتی وبالجملة فجواز شیئ شیئ وجواز الحمل علیه شیئ اٰخر ،فقد یجوز شیئ فی نفسه ولا یحوز حمل الکلام علیه لکونه خلاف الظاہر فلا عدول عنه الابدلیل زاهر۔

اخوان فرمایا،اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا محتمل اور جائز ہونا اور بات ہے۔اور اس کا محمول اور مراد ہونا اور بات ہے۔ پس ثابت ہوا کہ متبادر سے پھرنے اور محتمل پر کلام حمل کرنے کے لئے واضح قرینہ ضروری ہے۔

الثالث عشر [۳]: الحق عندی ان التفسیر بالاعم انما یجوز ان جاز حیث وضح المفاد وقامت القرینة علی المراد ،والا فلا قطعا لعرق التغلیط ،لما فیه ح من التلبیس والتخلیط ،وطریقة اهل اللغة معروفة انهم اذا نکروا عرفوا واذا عرفوا نکروا فاذا قیل اُحد جبل وسعدانة نبت ،لو یفهم منه الا انه جبل معین ونبت مخصوص ،ولئن قال ان اُحدا الجبل وسعدانة النبت لکان مخطئا قطعا ،وان کان لم یرتکب الا تفسیرا بالاعم کیف وانه افهم ان احدا یرادف الجبل والسعدانة النبت وهذا ان کان خفیا علی غبی، فلیس یخفی علی ذکی و اذا کان هذا فی اللغة ،فما ظنك بالشرعیات

تنبیہ سیزدہم توضیح مزید: اور جو سچ پوچھو تو ہمارے نزدیک اعم سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جبکہ اس سے مراد خاص ہو۔مثلا اہل لغت کا یہ دستور ہے کہ نکرہ بول کو معرفہ اور معرفہ بول کو نکرہ مراد لیتے ہیں۔اب انھوں نے کہا "اُحُدٌ جبل" و "سَعُدَانَۃُ نبت" تو اس کا ترجمہ ہوا "احد ایک خاص پہاڑ ہے، اور "سعدانہ ایک خاص گھاس ہے" تو یہاں تعریف احد میں ایک عام لفظ جبل بول کر بھی مراد خاص پہاڑ ہو،اور محاورہ نکرہ بول کر معرفہ مراد لیا ہو،اس موقع پر کوئی جبل کے بجائے الجبل بولے تو خلاف محاورہ اور غلط ہوگا،حالانکہ اس بیچارے نے معرفہ کی تعریف میں لفظ معرفہ ہی استعمال کیا ہے،لیکن اس عبارت سے کوئی یہ نہ سمجھے گا

[1] حاشیه علی الکشاف للجرجانی مع الکشاف سورۃ افاتحة الکتاب انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/ ۴۶

حیث المحل لبیان الاحکام الالهیة الخاصة بالشیئ، فان التفیسر بالاعم ثم من ابین الاباطیل من دون اقامة قرینة وایتاء دلیل، الاتری ان من علیه کفارة صوم اذ سأل ماتحریر رقبة،فزعم زاعم انه رفع قید عن شیئ حی،فقد اخطأ وجعل سائله عرضة للخطأ فانه ان قنع بقوله فسیظن انه یجزئ عنه اطلاق انسان،اوطلاق نسوان،اوتسبیب حیوان و لذا تری العلماء المحققین من الفقهاء والمحدثین لم یزالوا یواخذون بترك القیود وبانثلام فی عکس،اوانخرام فی طرد یاخذون علی الحدود،ولقد احسن واجاد المولی المحقق محمد بن عبدالله الغزی فی منح الغفار کما اثر عنه فی ردالمحتار اذ یقول فی بیان شناعة الاطلاق فی محل التقیید، ما نصه	کہ اُحد اور الجبل میں ترادف ہے۔تو سر اس میں یہی ہے کہ تعبیر اول میں محاورہ عام سے مراد خاص ہے اور ثانی میں خاص سے مراد عام ہے۔اور محاورے کا یہ فرق ہر صاحب فہم پر واضح ہے۔تو جب لغت کا یہ حال ہے کہ بولیں عام اور مراد لیں خاص،تو شریعت غرا جس میں خاص شیئ کے احکام مخصوصہ کا بیان ہوتاہے۔عام بول کر عام ہی کس طرح مراد لیں گے؟ یہاں بغیر قرینہ کے تفسیر بالاعم غلط اور باطل ہوگی، دلیل تنویری: روزہ کا کفارہ قرآن مجید میں ایک گردن آزاد کرنا آیا ہے۔اگر اب کوئی شخص لفظ تحریر رقبۃ کے معنی عام (زندہ کی قید دور کرنا) مراد لے تو غلط ہوگا کیونکہ ترجمہ کی بنیاد پر بندھے آدمی کو کھولنا،عورت کو طلاق دینا،اور جانور کو چھوڑ دینا، سبھی مراد ہوسکتے ہیں،تو لازم آئے گا کہ یہ سب چیزیں روزہ کا کفارہ بنیں۔یہیں سے علمائے محققین فقہاء ومحدثین کے اس طرز عمل کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ عام طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت ومنعیت کا لحاظ کیوں کرتے حالانکہ وہ عام طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت ومنعیت کا لحاظ کیوں نہیں کرتے،حالانکہ جوکچھ بیان کرتے ہیں اس کی مراد ایک جامع مانع محدود ہی ہوتاہے___ علامہ غزی تمرتاشی سے "شامی" نے نقل کیا کہ: حضرت علامہ نے الفاظ عامہ کو محل تقیید میں بھی عام مراد لینے والوں کے خلاف فرمایا:

فیظن من یقف علی مسائله الاطلاق، فیجری الحکم علی اطلاقه وھو مقید، فیرتکب الخطأ فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء، [1] اھ مثلا فی مانحن فیه ان کان تفسیر الضان بذات الصوف، وبخلاف المعز وبمیش کل ذٰلك تفیسر بالاعم، فمن وقف علی کلماتھم المتظافرة المتکاثرة المتوافرة فی ذٰلک، فربما یجترح فی تضحیة بذات صوف لیست من الضان فیأثم بترك الواجب والاصرار علیه سنین متطاولة کما ھو حال عامة المسلمین بالدیار الھندیة عالمھم وجاھلھم عند ھذا الرجل قدحکم علیھم بالضلال والاضلال فما اضلھم ان ضلوا الا الی ھذه التفاسیر بالاعم، وان کان رجل علق ابانة عرسه بالتضحیة، فضحی بھذا یحکم الواقف علی کلماتھم بوقوع البینونة، وھی لم تبن، فیحرم الحلال او بعدمھا ففعل ذٰلك یحکم بعدم الوقوع، وھی قد بانت فیحلل الحرام الی غیر ذٰلك الشنائع العظام، ما ھجمت تلك الامن تلقاء ذٰلك التفسیر بالعام، فکیف یسوغ ان یحمل کلامھم علی مثل ھذا	"جو مقام تقیید میں لفظ کے اطلاق کا سہارا لے کر احکام عامہ جاری کرے گا وہ بیشمار احکام کے فیصلہ میں قضاء اور افتاء غلطی کرے گا۔" مثلاً ہم مسئلہ دائرہ میں ہی لے لیں، ضان کہ جتنی تفسیریں ہیں، جیسے اون والی، جو معزنہ ہو، اور میش یہ سب تعریفیں کے الفاظ بالاعم ہیں، اب کوئی اون والی تعریف کے الفاظ پر غور کرکے بھیڑ ذبح کردے، تو اس نے بقول مجیب غلط نہیں کیا، الابرھان واین البرھان ھاتوابرھانکم ان کنتم صدقین۔ مگر آپ پڑھ آئے ہیں کہ انھوں نے ایسے تمام لوگوں کو جاہل اور جاہل گر بنایا، یا مثلاً کسی نے اپنی عورت کے طلاق کو قربانی کرنے پر معلق کیا، اور بھیڑ کی قربانی کردی، تو ایک ایسا شخص جو کلمات علماء کے مفہوم و مراد کو سمجھتا ہے۔ بھیڑ کی قربانی کو قربانی قرار دے کر طلاق بائن واقع مانے گا، جبکہ مجیب صاحب عام کو عام رکھتے ہوئے بھی اس کو قربانی کے جانور سے نکال کر طلاق نہ واقع ہونے کا فتوٰی دیں گے، اب ان دونوں باتوں میں حقیقت امر سے قطع نظر جس کو پہلے صاحب حرام کہہ رہے ہیں، دوسرے صاحب حلال ہونے کا فتوٰی دے رہے ہیں، تو یہ سارے قبائح اسی تفسیر بالاعم کاشاخسانہ ہیں، تو یہ معلوم ہوا کہ یہ قول ہی غلط ہے

[1] ردالمحتار کتاب الجھاد فصل فی کیفیة القسمة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۵

الا ببرهان و این البرهان هاتوا برهانکم ان کنتم صدقین۔ **الرابع عشر**[۳]:مسألة التحدید ان کانت تؤخذ من جهة التقلید،کما یدل علیه الاستناد بالاهوری، فاجلة ائمة الدین وجهابذة النقاد المحققین مثل الامام فخر الدین الرازی فی شرح الاشارات، والامام صدر الشریعة فی التنقیح،والعلامة القاضی عضد الدین فی المواقف، والقاضی النحریر ناصر الدین البیضاوی فی طوالع الانوار،والعلامة سعد الدین التفتازانی فی التهذیب، والفاضل قطب الدین الرازی فی شرح الشمسیة، و المحقق شمس الدین محمد بن حمزة الفناری فی فصول البدائع فی اصول الشرائع وغیرهم من الاکابر المصرحین بان المعرف لا بدله من التساوی،فلا یجوز التعریف بالاعم ،ولا بالاخص،احق بالاتباع وان شئت نقلت لك نصوصهم ،ولا یخفی علیك ان المسألة شهیرة دائرة،وفی کتب الکلام و الاصول والمیزان سائرة، فالاستاذ الی اللاهوری کیفما کان من ابعاد النجعة لاسیما وکتابه فی النحو ،ولیست المسألة من مسائل ذا النحو۔	**تنبیہ چہاردہم حد کے تقلیدی ہونے کی بحث:** تعریف کا مسئلہ اجتہادی نہیں تقلیدی ہے۔ مطلب یہ کہ عام سے اگر تعریف جائز ہے تو بزور قیاس اس کور دور نہیں کر سکتے جیسا کہ مجیب نے اس مسئلہ میں فاضل لاہوری کی سند پکڑی ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مسئلہ تقلیدی ہے لیکن یہ بھی تو دیکھنا ہوگا کہ تقلیدی کن لوگوں کی کی جائے' اور جن کی تقلید کرتا ہے وہ کیا کہتے ہیں۔تو امام رازی شرح اشارات میں صدرالشریعہ تنقیح میں، قاضی عضدالدین مواقف میں، قاضی بیضاوی طوالع الانوار میں، تفتازانی تہذیب میں، قطب رازی شرح شمسیہ میں امام فناری اصول بدائع میں، وغیرہ اکابر علمائے اعلام تصریح فرماتے ہیں کہ تعریف کے لئے تساوی ضروری ہے۔نہ تو معرف عام تعریف میں چلے نہ خاص، تو ان علماء کی بات مانی جائے گی کہ فاضل لاہوری کی، جبکہ ان کی کتاب فحن نحو کی کتاب ہے، اور یہ مسئلہ علم نحو کا نہیں۔

والخامس عشر[۱۵]: الاوائل ان جوزوا التعریف بالاعم وھو الاقرب حیث لابُعد، کما قدمت فقد جوزوا التعریف بالاخص ایضا، والدلیل الدلیل فان عندھم لیس من شریطۃ التفسیر الا التمییز عن بعض ما یغایر، وھو حاصل فی الکل بل قد یمکن ان یحصل بالمباین فالقصر قصور، بل لك ان تقول ان من قبل الاعم فھو الاخص اقبل، لانہ یمیز المعرف عن کل ماعداہ، کما ھو ظاھر وقد نص علیہ الحسن چلپی فی حواشی المواقف وغیرہ فی غیرھا. قال المحقق الشریف فی شرحھا اما المتقدمون فقد جوزوا الرسم بالاعم و الاخص، واید بان المعرف لا بد ان یفید التمیز عن بعض الاغیار، واما عن جمیعھا فلیس شرطا لہ، فالمساواۃ شرط للمعرف التام دون غیرہ، حدا کان او رسما [1] اھ وکذلك ایدہ ایضا فی حواشیہ علی شرح المطالع کما نقلہ چلپی فیھا. وقال قدس سرہ فی حواشیہ علی شرح الشمسیۃ الصواب ان المعتبر فی المعرف تمییزہ عن بعض ماعداہ، اما عن الکل فلا فالاعم والاخص یصلحان للتعریف [2] اھ.	تنبیہ پانزدہم متقدمین کا مسلک: مقتدمین نے جس طرح اعم سے تعریف جائز رکھی (اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، جیسا کہ ہم نے بھی بیان کیا) انھوں نے اخص سے بھی تعریف کو جائز رکھا اور مبائن سے بھی امتیاز ہوجائے تو اس سے بھی تعریف جائز ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں جمیع ماعدا سے امتیاز ضروری نہیں، بعض مشترکات سے بھی تمیز حاصل ہوجائے تو تعریف جائز ہے۔ پس لفظ عام کی ہی کوئی خصوصیت نہیں رہی اخص بلکہ مبائن سے بھی تعریف جائز ہوئی۔ بلکہ اخص تو جمیع ماعدا سے ممتاز بھی کردیتا ہے۔ البتہ کچھ فرد کو اپنے سے بھی خارج کردیتا ہے۔ **شہادتیں:** ٥ متقدمین نے اعم اور اخص دونوں سے تعریف جائز رکھی۔ دلیل یہ دی کہ تما مشترکات سے تمیز دینا مقصود نہیں، بعض اغیار سے تمیز مقصود ہوتی ہے۔ البتہ معرف تام کے لئے مساوی ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات حد و رسم کے لئے عام ہے۔ (حاشیہ شرح موافق میر سید شریف وشرح مطالع حسن چلپی) ٥ معرف میں بعض ماعدا سے امتیاز مطلوب ہوتا ہے تمام ماعدا سے نہیں، توخاص اور عام دونوں تعریف کی صلاحیت رکھتے ہیں (شرح شمسیہ میر سید شریف)

---
[1] شرح المواقف المرصد السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۶،۵

[2] لوامع الاسرار ھاشیۃ علی شرح مطالع الانوار

وکذلك صححه المولی العلامة بحرالعلوم قدس سره فی شرح السلم ،فقال المتقدمون قالو ان کان الغرض الامتیاز عن کل ماعداه،فلا یجوز الاالمساوی والاخص،ان لم یکن الاعم ذاتیا له۔وان کان الغرض الامتیاز عن بعض الاغیار، فیجوز بالاعم والاخص والمساوی،واما المباین فان کان یورث الامتیاز فلا حجر فی التعریف به لکنه نادر جدا،ووجه حقیة هذا المذهب ظاهر ،فان الحاجة الی جمیع الاقسام المذکورة ثابتة،فاسقاط البعض عن درجة الاعتبار غیر لائق [1] اھ الکل مختصر واذا جاز الامران،فمن این لك ان اطباق المترجمین قاطبة، علی التفسیر بمیش،وتفسیر اکابر العلماء من الفقهاء والمفسرین والمحدثین،واللغویین بذات الصوف، اوبخلاف المعز،وهوالخارج من جادة الجودة، دون تفسیر البعض لصاحبة الالیة،وما یدریك لعل الثلثة الاول هی التفسیر بالمساوی،وهذا تفیسیر بالاخص و لم تکن بیدیك علقة شبهة تدعوك الی ما ادعیت الا الاغترار بهذا الفظ فحسب،وقد شرد عنك وبردلنا ما قدمنا ونذکر بعد ولله الحمد من قبل ومن بعد۔	متقدمین کہا کہ کل ماعدا سے امتیاز مطلوب ہو تو مساوی یا اخص کے سواجبکہ عام اس کاذاتی نہ ہو، کسی سے بھی تعریف جائز نہیں،اور اگر غرض بعض ماعدا سے امتیاز ہو تو اعم واخص اور مساوی سبھی سے جائز ہے۔اور مبائن سے امتیاز ہوسکے، تو اس سے بھی تعریف جائز ہے لیکن ایک نادر الوجود بات ہے اور اس مذہب کی حقانیت ظاہر ہے کیونکہ وقت وقت سے ضرورت سارے ہی اقسام کی پڑی ہے۔تو بعض کو ترجیح دینااور بعض کو ترک کرنا غلط ہے(شرح سلم بحر العلوم) توثابت ہواکہ عام کی کوئی تخصیص نہیں خاص وعام دونوں ہی سے تعریف ہوسکتی ہے پس آپ کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ علمائے محققین مفسرین ومحدثین کی ان تینوں تعریفوں کی (میش،اون دار،خلاف ماعز) توآپ ساقط الاعتبار گردانیں اور بعض حضرات نے "صاحب الیه" تفسیر کردی تو وہ قابل اعتبار ہوگئ،کیا ایسا ممکن نہیں کہ وہ تینوں تعریفیں مساوی کے ساتھ ہوں،اور چلتی والی تعریف تعریف بالاخص ہو، ہمارے اس نظرئے کے خلاف خوش اعتماد کے سوا اور کوئی دلیل نہیں،تو مسئلہ بالکلیہ ہمارے موافق ہوگیا۔

[1] شرح السلم لبحر العلوم فصل المعرف الشیئ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۱۸

السادس عشر[٦]: استشهادك بمن التبيعضية ان تمشيئ، ففی عبارة شرح النقاية دون سائر عبارات التی نقلنا بعضها، ثم لا حجة لك فيها ايضا فان ما فی قوله ما كان من ذوات الصوف[1] للاستغراق والغردية تاتی بالبعضية فمن فی محلها قطعا من دون دلالة علی عموم الحد، والمعنی ان الضان اسم كل فد من ذوات الصوف، كان تقول علی ما اشتهر باقتفاء اٰثار الفلاسفة المبطلة ان الانسان اسم كل من كان من اهل النطق، افيفهم منهم ان الناطق يعم الانسان وغيره وانظر الی عبارة نفسك حيث نزلت عن ادعاء التفسير بالاعم و اتيت علی تعبير المساوات بين الضان و ذات الصوف علی قول مخالفک، فقلت لو قبل ان غرضهم من تفسير الضان بميش ان الضان ما كان من ذوات الصوف سواء كان له الية اولا، كما ان ميش كذٰلك الخ فاين ذهب عنك ههنا من التبعيضية۔	**تنبیہ شانزدہم تعریف میں من تبیعضیہ کی تحقیق**: صرف شرح نقایہ کی عبارت میں لفظ من آیا ہے، **ماکان من ذوات الصوف** (جو اون دار میں سے ہو) اس کو بعض کے معنی میں لے کر یہ سہارا پکڑنا کہ یہاں مراد تمام صوف والے نہیں بلکہ بعض صوف والے ہیں (یعنی دنبہ) غلط ہے، کیونکہ اس سے قبل ما کان ہے۔ جو استغراق کے لے ہے، تو یہاں مِنْ جو تبعیض کے لئے آتی ہے کلی کے افراد پر فردافرد ادلالت کے لئے ہے۔ اور معنٰی یہ ہے کہ ضان نام ہے اون والے جانور میں سے ہر ہر فرد کا، تو من کی تبعیض بھی سلامت رہی اور ماکا استغراق بھی۔ یہ ایسے ہی ہے کہ فلاسفہ نے انسان کی اوندھی سیدھی جو تعریف کی ہے: الانسان حیوانٌ ناطقٌ۔ اس کی تعبیر کوئی یوں کرے: الانسان اسم لکل ماکان من اھل النطق (انسان ہر اس کا نام ہے جو نطق والوں میں سے ہو) تو کیا اس مثال میں کوئی یہ گمان کرسکتا ہے کہ ناطق انسان سے اعم ہے۔

مجیب اگر خود اپنی عبارت پر غور کرے تو اپنے اس غلط استشہاد سے رجوع کرے کیونکہ جب اس پر یہ اعتراض ہوا کہ علماء نے فارسی میں ضان کو میش کہا، اور یہی چیز اردو میں بھیڑ کہی جاتی ہے لہٰذا بھیڑ ضائن میں داخل ہوئی، تو اس نے کہا اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ "**ماکان من ذوات الصوف**

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶

میش سواء کان لہ الیۃ او لا " (جو اون والی ہے میش ہے۔ اس کے چکتی ہو یا نہ ہو)

دیکھئے یہاں بھی من تبعیضہ ہے، لیکن مجیب نے اس چکتی دار اور غیر چکتی دار دونوں میں عام مانا، یہاں مِنْ تبعیضہ کا سہارا لے کر صوف دار کو ضان سے عام نہیں مانا۔

پس معلوم ہوا کہ ان تعریفوں میں مِنْ کا سہارا لینا بھی غلط ہے۔

السابع عشر [۱۷]: استنادك بعموم حد المعز لایغنی عنك شیئا فان عموم قرین لایدل علی عموم صاحبه، وقد نص العلماء علی ان الاستدلال بالقران فی الذکر من افسد الدلائل، وایضا لیس اسلوب الکلام فیه کمثله فی الضان لعدم ما الافرادیة هنا وکان هذه هی نکتة التغییر ان کان القهستانی لایخص الشعر بالمعز، علی انا رأینا العلماء یخصون، قال العلامة علی القاری فی المرقاة تحت حدیث زید المذکور رضی الله تعالٰی عنه ان الشعر مختص بالمعز، کما ان الوبر مختص بالابل، قال تعالٰی "وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ﴿۸۰﴾" و لکن قد یتوسع بالشعر فیعمم [1] اھ، وسیأتیك من کلام المفسرین مایمیل الیه میلا ظاهرا، مع ان الکلام ههنا فی الغنم فغیره خارج عن المقسم، فلم یکن فی شیئ	**تنبیہ ہفدہم قرآن فی اللفظ کی بحث:** (علماء نے ضان کی تعریف میں **ماکان من ذوات الصوف** کہا (جس کے اون ہو) اور معز کی تعریف میں **ماکان ذوات الشعر** (جو بال والا ہو) کہا: اسے ان لوگوں کی تائید ہوتی تھی جو بھیڑ کو ضان میں داخل مانتے ہیں کہ علماء نے ضانیت کا مدار اون پر رکھا چکتی پر نہیں)۔ اس کا جواب مجیب نے یہ دیا تھا کہ یہ تو جب ہو جب ہم یہ تسلم کرلیں کہ "**مَالَه صُوْف**" کا لفظ ضان کے مساوی ہے۔ حالانکہ یہ لفظ یہاں بھی ضان سے اعم ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اسی کے ساتھ **ماله شعر** کہہ کے بکری کی تعریف کی گئی ہے۔ تو اگر اس تعریف میں بھی مدار بال پر رکھا جائے تو گائے اور بھینس بھی جو بالدار ہیں، بکری بھی شامل ہو جاتے ہیں، اس لئے حقیقت یہی ہے کہ اس مقام پر علماء نے ضان اور معز دونوں ہی کی تعریفیں لفظ عام سے فرمائی ہیں۔ مجیب کی یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ اس جواب کا مدار اس قاعدے پر ہے کہ "جو دو [۲] جملے لفظ میں

[1] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلٰوۃ باب فی الاضحیہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

من التعریف بالاعم۔	ساتھ ساتھ ہوں ان دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہوتا ہے" جبھی تو مجیب یہ کہہ رہا ہے کہ معز کی تعریف "مَالَہٗ شَعْر" میں شعر عام ہے۔ تو"مالہ صوف"میں صوف عام ہونا چاہئے،حالانکہ یہ استدلال ہی سرے سے فاسد اور غلط ہے۔

(الف) علماء اسلام کا فیصلہ ہے کہ "**قران فی اللفظ قراٰن فی الحکم**" لفظ میں ساتھ ہونا محکم میں ساتھ ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔اس لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ "**مَالَہٗ شَعْر**" عام ہو تو "**مَالَہٗ صَوْف**" بھی عام ہو۔

(ب) شاید اسی لئے قہستانی نے ضان کی تعریف میں "**مَاکَانَ مِنْ ذَوَاتِ الصُّوْفِ**" لفظ ماکان کے ساتھ ،اور معز کی تعریف میں صرف "**من ذوات الصوف**" لفظ ماکان کے بغیر کہا،یعنی یہ اسلوب بدلنا اسی لئے ہو اکہ ایک جگہ عام اور ایک جگہ مساوی مراد ہو۔

(ج) معز کی تعریف میں لفظ شعر، معز کے مساوی ہے۔یہ خیال غلط ہے کہ عام ہے۔ملا علی قاری وغیرہ علماء کے نزدیک بکری کے بال کو ہی شرع کہا جاتا ہے،اس لئے بھینس اور گائے کے شمول کا کوئی سوال نہیں۔

"بیشک بال بکری کے ساتھ خاص ہے، جیسا وبر اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں "**مِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا**[1]"فرمایا کہ صوف ضان کے لئے،وبر اونٹ کے لئے،اور شعر بکری کے لئے،البتہ محاورہ میں مجازا دوسرے بال کے لئے بھی شعر کا اطلاق ہو جاتا ہے"۔(ملا علی قاری مرقات زید حدیث زید)

(د) گائے، بیل اور بھینس سے اعتراض بیکار ہے کہ وہ یہاں مقسم میں شامل ہی نہیں،کلام تو غنم میں ہے کہ غنم کی دو قسمیں ہیں مالہ صوف ومالہ شعر،تو لفظ مساوی مان کر بھی حصہ کامل ہو گیا۔

الثامن عشر[۱۸]:کلا بل لا مساغ ھٰھنا لادعاء العموم، فان العلماء صرحوا ان الصوف مختص بالضان،قال العلامۃ کمال الدین الدمیری	**تنبیہ ہیزدہم لفظ ضان اور صوف کی تحقیق**: ضان کی تعریف مَالَہٗ صَوْفٌ میں لفظ صوف ضان سے اعم ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں کہ تعریف بالاعم ہے۔

[1] مرقات المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

فی حیوۃ الحیوان لیس الصوف الاللضأن [1] اھ وقال الامام الرازی فی مفاتیح الغیب تحت الاٰیۃ المتلوۃ اٰنفا قال المفسرون واھل اللغۃ الاصواف للضأن، والاوبار للابل۔والاشعار للمعز [2] اھ،

وقال القاضی فی انوار التنزیل الصوف للضائنۃ، و الوبر للابل والشعر للمعز [3] اھ قال العلامۃ المفتی ابو السعود فی ارشاد العقل الضمائر للانعام علی وجہ التنویع ای وجعل لکم من اصواف الضأن والاوبار الابل،واشعار المعز اثاثا [4] الخ وقال محی النسۃ فی المعالم یعنی اصواف الضأن،واوبار الابل،واشعار المعز [5] اھ،فلو وجد الصوف لشیئ من الانعام سوی الضأن،والکنایۃ الالھیۃ انما ھی للانعام،ما ساغ لھم الحکم علی کلام اللہ عزوجل بخصوص العنایۃ مع عموم الکنایۃ،وقد اسمعناك کلام المرقاۃ مفرقا

کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ صوف ضان کے بال ہی کو کہتے ہیں،

o صوف صرف ضان کے بال کو کہتے ہیں(حیوۃ الحیوان دمیری)

o اہل تفسیر ولغت فرماتے ہیں کہ صوف ضان کا بال،وبر اونٹ کا بال اور شعر معز کے بال کے لئے خاص ہے۔(مفاتیح الغیب للرازی)

o صوف ضائنہ کے لئے،اور دبر اونٹ کے لئے اور شعر معز کے لئے(قاضی بیضاوی)

o ضمائر الانعام کے لئے ہیں،اور اس کے ہر نوع پر تقسیم بھی ہے یعنی تمھارے لئے ضان کے صوف اونٹ کے وَبر اور معز کے بال بنائے،(ارشادالعقل المفتی ابوالسعود)

o یعنی ضان کے صوف،اونٹ کے وبر اور معز کے بال(تفسیر خازن)

کلام الٰہی میں ان تینوں ضمیروں کا مرجع جو تینوں بالوں کے ساتھ ہیں لفظ انعام ہے تو اگر فی نفسہ انعام میں سے کسی اور جانور کا بال بھی صوف کہلاتا،تو مفسرین کو ہر گز یہ جرات نہ ہوتی

[1] حیوۃ الحیوان باب الغین المعجمۃ تحت الغنم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۳

[2] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر) تحت آیۃ۱۶/ ۸۰ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲۰/ ۹۲

[3] انوار التنزیل(تفیسر البیضاوی) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ مصطفی البابی مصر نصف اول ص ۲۷۷

[4] ارشاد العقل السلیم(تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ۱۶/ ۸۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۳

[5] معالم التنزیل علی ہامش(تفسیر الخازن) تحت آیۃ۱۶/ ۸۰ مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۷

فی موضعین،فاجمعۃ فانہ یدلك بفحواہ علی ان الصوف مختص بالضأن،وہو المستفاد من تفاسیر اللغۃ،وبالجملۃ من عرب لسان العرب لم یعرب عنہ ان الصوف لیس الا للضأن،فاما ان یعم افرادہ کما ھوا لواقع فمساو او لا فاخص وعلی کل فلا تکون ذات الصوف الامن الضأن،وقد اعترفت ان حیوا ننا ھذا من ذوات الصوف فوجب ان یکون من الضأن وفیہ المطلوب باتم شان۔

التاسع عشر[۱۹]:کان من قولی فیما سلف مایدریك لعل الثلثۃ الاول ھی التفسیر بالمساوی ھذا بالاخص والاٰن اقول قابضا للعنان بعد ما ارخیت مالی ترجیت وقد قضیت،اما تفطنت بما فی السابع والحادی عشر القیت،ان لو قصرت الضانیۃ علی شیئ اخص من الصوف بطل حصر الغنم فی نوعین فوجب ان یکون التفسیر بالمساوی،والتعریف بذات الالیۃ التعریف بالاخص علی ما توھمت من معناھا و النظر حقیقۃ لم تبع مرماھا۔

العشرون[۲۰]:ھل لك اجالۃ نظر فی کلمات الائمۃ الکرام، فانھم یتکلمون

کہ اللہ تعالٰی نے کس عام فرمایا،یہ خاص کریں صاحب مرقات کے متفرق کلام جو ہم نے دو[۲] جگہ لکھا،ملاؤں تو ان کا فرمان بھی یہی ہے کہ صوف صرف ضان کے لئے ہے پس ایسی صورت میں صوف کو اگر دونوں (بھیڑ اور دنبہ) کے لئے عام مانا جائے تو مساوی کے ساتھ تعریف ہوئی ورنہ اخص کے ساتھ اعم کے ساتھ تعریف کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

تو ثابت ہوا کہ ضان صوف والا ہے۔اور ہمارا یہ جانور بھی صوف والا ہے۔لہٰذا اب بات واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ بھیڑ بھی ضان ہی ہے،

تنبیہ نوزدہم تعریف بالاعم اور تعریف بالاخص: میں نے پہلے کہا تھا،ہو سکتا ہے کہ ضان کی پہلی تعریف لفظ مساوی سے ہو اور "الیۃ" چکتی والی تعریف اخص کے ساتھ ہو،اب میں قطعیت کے ساتھ اسی بات کو دہراتا ہوں کیونکہ میں بتا چکا ہوں کہ اعم مانتے ہیں "غنم" کا حصر اس کی دو نوعوں میں ختم ہو جائے گا،اور بھیڑ تیسری قسم ہو جائے گی۔

تنبیہ بستم ائمہ وعلماء کے فتاوے: یہ لطیفہ بھی قابل ملاحظہ ہے دنبہ جس کے چکتی ہوتی ہے اگر کسی کے خلقۃ

فیما اذا خلقت شاۃ بلا الیۃ ہل تجوز التضحیۃ بہا، فمذہب امامنا الاعظم والہمام الاقدم سراج الامۃ کاشف الغمۃ امام الائمۃ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم ان نعم، وھو الاصح عند الائمۃ الشافعیۃ رحمہم اللہ تعالٰی وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لاتجوز التضحیۃ بشاۃ کذا وانا اسمعك اولا کلمات العلماء قال الامام الاجل فقیہ النفس فخر الدین الاوز جندی فی الخانیۃ، الشاۃ اذا لم یکن لہا اذاولا ذنب خلقۃ تجوز، قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لا یکون ھذا ولو کان لایجوز، وذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یجوز [1] اھ ثم قال وان کان لہا الیۃ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز اما علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی فظاھر لان عندہ لو لم یکن لہا اذن ولا الیۃ اصلا جاز، فصغیرۃ الاذنین اولی، واما علی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی صغیرۃ الاذنین جائزۃ، وان لم تکن لہا الیۃ والاذن خلقۃ لاتجوز [2] اھ وفی الاجناس ثم الخلاصۃ ثم الہندیۃ وعن	چکتی ہو ہی نہیں، اس کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟ امام اعظم ہمام اقدم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ایسے دنبہ کی قربانی جائز ہے" امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: "یہی صحیح ہے" امام محمد بن حسن فرماتے ہیں: "ایسے کی قربانی صحیح نہیں ہے"۔ بکری کا کان اور دم پیدائشی طور پر غائب ہو تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں۔:۔ "ناجائز ہے۔" امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے-: "جائز ہے۔" (فقیہ النفس امام قاضی خان) اگر دنبہ کی چکتی دم ہی کی طرح خلقۃ چھوٹی ہو؟ "امام اعظم جب بے کان اور دم کی جائز قرار دیتے ہیں تو چھوٹے کان میں کیا رکھا ہے۔ یہ بھی جائز ہوگی" "امام محمد کے یہاں صرف صغیر الاذن کی جائز ہے، خلقی کان چکتی نہ ہو تو جائز نہیں" (قاضی خاں الامام فقیہ النفس) "اجناس میں ہے کہ اگر دنبہ کی چکتی کان کی طرح چھوٹی ہو قربانی جائز ہے۔ اور اگر مطلقًا ہو ہی نہیں تو امام کے یہاں ناجائز ہے" (اجناس، خلاصہ، عالمگیری، اخیرین میں میں نے خود دیکھا عبارت

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۸

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۹

الاخیرین، نقلت واللفظ للوسطی، فی الاجناس ان کانت للشاۃ الیۃ صغیرۃ خلقت شبہ الاذن تجوز، وان لم تکن لھا الیۃ خلقت کذٰلك قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لاتجوز [1] اھ وفی وجیز الامام الکردری التی لا الیۃ صغیرۃ تشبہ الذنب تجوز، وان لم تکن لھا الیۃ خلقۃ فکذٰلك وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لاتجوز [2] اھ، وفی خزانۃ المفتین لاتجوز السکار وھی التی لااذن لھا خلقۃ، کمالاذنب لھا خلقۃ اولا الیۃ لھا خلقۃ [3] اھ فی الانوار للامام یوسف الاردبیلی الشافعی تجزئ، التی خلقت بلاضرع اوالیۃ اوقرن [4] اھ وفی حیوۃ الحیوان للکمال الدمیری الشافعی تجزئ الشاۃ التی خلقت بلا ضرع او بلا الیۃ علی الاصح [5] اھ فظھر باتفاق القولین ان الالیۃ لیست من ارکان حقیقۃ الضان بحیث ان لو عدمت لم تکن ضأنا، اما علی قول الامام الاعظم فظاھر فانہ یجیز التضحیۃ لھا وان لم تکن لھا الیۃ خلقۃ اصلا، واما علی قول محمد	خلاصہ کی ہے) "وہ دنبہ کی اس کی چکنی چھوٹی دم کے مشابہ ہو یا ہو ہی نہیں اس کی قربانی جائز ہے، امام محمد کے یہاں ناجائز ہے۔" (وجیز امام کردری) "سکار جس کے خلقۃً کان نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں، ایسے ہی جس کی دم یا چکتی نہ ہو" (خزانۃ المفتین) "جس کے خلقۃً تھن یا چکتی نہ ہو اس کی قبانی جائز ہے" (امام ابویوسف اردبیلی شافعی) "جو پیدائشی طور پر بے تھن اور چکتی کا جانور ہو صحیح یہی ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے" (حیوۃ الحیوان دمیری) ان دونوں فتووں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چکتی ضان کی حقیقت کا جز نہیں کہ یہ نہ ہو تو جانور ضائن کے بجائے کچھ اور ہوجائے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تو یہ امر بالکل واضح ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر بھی، کیونکہ بے چکتی شاۃ کی بات کررہا ہے اگر چکتی حقیقت کی جز ہو تو انکی عبارت "لاالیۃ لہ" کے معنی یہ ہوجائیں گے اگر بکری بکری ہی نہ ہو تو اس کی قربانی ناجائز ہے: اور ایسی ردی عبارت

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاضحیۃ الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۲۱، فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۹۳

[3] خزانۃ المفتین کتاب الاضحیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۰۷

[4] الانوار الاعمال الابرار

[5] حیاۃ الحیوان باب الشین المعجمہ (الشاۃ) مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۲

رحمة الله تعالٰی فلا نه یتکلم علی شاة لاالیة لها، فلو کانت الالیة رکن حقیقتها لکان معنی قوله ان لو لم تکن الشاة شاه لم تجز الا ضحیة بها، وهذا قول غسل رذل اشبه شیئ بالهزل لایجوز صدوره عن عاقل فضلا عن امام مجتهد کامل۔ فانظر الاٰن الی دندنتك این مدت عنك فی غایة ام قفار بل اجتثت من فوق الارض مالها من قرار والحمد الله علی توالی اٰلائه کقطر المطر وامواج البحار۔	تو کوئی عام عربی بھی نہیں بول سکتا، چہ جائیکہ امام للغۃ والفقہ امام محرر المذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔
الحادی والعشرون[۲۱]: یاهذا اصنع واتبع ان اطعتنی ذهبت بك الی حیث یلمع الحق من دون حجاب و یزیل عنك کل تحیر واضطراب، حقیقة الامر ان الاطراف فی الحیوان تجری مجری الاوصاف کما نصوا علیه قاطبة ولذا لایقابلها شیئ من الثمن، حتی انه اذا اشتری جاریة فاعورت فی ید البائع قبل التسلیم لاینتقص شیئ من الثمن، وکذٰلك اذا اشتری جاریة فاعورت فی ید المشتری، ثم اراد ان یبیعها مرابحة کان له ذٰلك من دون حاجة الی البیان کما فی الهدایة وشروحها، کفتح القدیر و غایة البیان وغیرهما وان سالت سردت لك نصوصها واوصاف الشیئ	**تنبیہ بست ویکم حیوان کے اعضاء کا حکم:** میری مانو تو میں تم کو نورِ حق کے سامنے کھڑا کروں گا، جہاں کوئی حجاب نہ ہوگا، اور ہر قسم کے خطرات دور ہوجائیں گے۔ واقعہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء وجوارح اوصاف کے مرتبہ میں ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں دام کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے۔ " کسی نے ایک باندی خریدی، ابھی بائع کے ہی پاس تھی کہ بھینگی ہوگئی، دام میں سے کچھ کم نہ ہوگا، یونہی کسی نے باندی خریدی، وہ مشتری کے قبضہ میں اگر بھینگی ہوگئی اور مشتری کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو منافع پر (مرابحۃً) بیچنا چاہتا ہے تو اسے بتانے کی ضرورت نہیں

لا تدخل فی سنخ قوامه، وقد افادوا کما علمت انها کالاعراض المفارقة لا انتفاء للحقیقة بانتفائها، فانعدام الالیة رأسا لایخرج الضأن عن الضأنیة، کما لو خلق انسان بلاید لا یخرج عن الانسانیة، وانما مدار التعریف ههنا ان ہذا الوصف لایوجد الا فی ہذه الحقیقة ینتقل الیها الذهن منه بهذه الوجه لا انها لا توجد الا به، فمعنی قول القائل الضأن ماهو الیة النوع الذی تتحقق فیه الالیة الا انه لایکون ضأنا مالم تکن له الیة، اتقن هذا فقد جلیت لك جلیة الحال بغیر مریة۔	کہ یہ میرے یہاں آکر عیبی ہو گئی ہے۔" میں اس موضوع پر کثیر نصوص پیش کرسکتا ہوں کہ اطراف حیوان کا حکم اوصاف کا ہے۔ اور اوصاف کسی شے کی حقیقت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ علماء نے بیان فرمایا ہے۔ اور آپ بھی جانتے ہوں گے یہ ان اعراض مفارقہ کی طرح ہیں جن کے انتفاء سے حقیقت منتفی نہیں ہوتی، تو ضان بھی چکتی نہ ہونے کی صورت میں ضان سے نہیں نکل سکتا، جیسے وہ آدمی آدمی ہی رہتا ہے جس کے پیدائشی ہاتھ نہ ہو، اس وصف کے ساتھ تعریف کرنے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ وصف اس حقیقت میں پایا جاتا ہے تو اس وصف سے ذہن صرف اس حقیقت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت اس وصف کے بغیر پائی نہیں جاتی

تو "ماتکون له الیة" کا مطلب یہ ہوا کہ ضان جانور کی وہ قسم ہے کہ اس میں چکتی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ بے چکتی کا ضان ہوگا ہی نہیں۔

الثانی والعشرون[۲۲]: هذا ما سایرناك فیه، وانت تزعم ان الالیة هی الضخمة الکبیرة العریضة السمینة المحتویة علی لحم کثیر وشحم غزیر، المعروفة فی لسان الهند بچکتی، وهو زعم باطل لادلیل علیه، و انما الالیة طرف الشاة لا یشترط فیها کبر ولا صغر و لا طول ولا قصر، قال فی مجمع البحار نقلا عن نهایة ابن الاثیر	**تنبیہ بست ودوم چکتی کی بحث**: اب تھوڑی دیر چکتی پر بحث ہو جائے، آپ سوچتے ہوں گے کہ "الیة" (چکتی) جبھی ہوگی جب اس پر خوب گوشت، چربی، اور وہ خوب چوڑی ہو، جس کو ہندی میں چکتی کہتے ہیں، تو یہ ایک زعم باطل اور بلادلیل ہے۔ "الیه" بکری کی دم کو کہتے ہیں، اس میں چھوٹے اور بڑے، لانبے اور ناٹے ہونے کی شرط نہیں، حوالے ملاحظہ ہوں، "الیات" الیة کی جمع، بکری کی دم کو کہتے

الیات جمع الیۃ وھی طرف الشاۃ[1] اھ وفسرھا فی القاموس بمارکب العجز من شحم ولحم[2] اھ وقد شرحنا عن ذا لعضو لهذا الحیوان الذی نتحاور فیہ فوجدناہ یحتوی علی لحم وشحم فتم معنی الالیۃ۔ وقد مناہ کلمات العلماء الکرام ان الالیۃ ان کانت صغیرۃ تشبہ الذنب جازت الاضحیۃ وھذہ الالیا الشاۃ التی توجد فی بلادنا، فجزئیتها منصوص علیها فی الکتب المذہبۃ، وظهر انها یصدق علیها ما لها الیۃ، وان ابیت الا اللجاج فابرز لنا ماعندك فی الحجاج وَاَبِنْ ماحد الیۃ ورسمها، وعلی ای حد یجب ان یکون حجمها بحیث لو صغرت عنه لم تکن الیۃ وبین الالیۃ التی تشبه الذنب خلقۃ، وکیف تکون هذه فی ہیأتها، وکمك تکون فی بسطتها واثبت کل ذٰلك بکلام ائمۃ الشان، لا بهوی النفس وهفوات اللسان، فان لم تفعل و لن تفعل فاقتف الحق حیث ظهر، فان من لم یر الشمس وهی بازغۃ، فعلیه التسلیم لاهل النظر۔

الثالث والعشرون[۲۳]: تقرر مما تحرر ان الفقهاء فسروا الضان بثلثۃ تفاسیر

ہیں۔ (مجمع نقلا عن ابن اثیر)

"ریڑھ کی آخری ہڈی پر جو چربی، یا چربی اور گوشت دونوں چڑھ جاتی ہے اسی کو الیہ کہتے ہیں (قاموس) اور بھیڑ کا بھی یہی حال ہے کہ اس کی دم پر بھی گوشت چربی الود ہوتا ہے تو اس کو الیہ کون نہ کہے گا علماء کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں کہ معمولی چکتی والے کی قربانی جائز ہے۔ تو کیا یہی مسئلہ بھیڑ کا جزئیہ نہ تھا تو بیشک اس بھیڑ پر بھی لہا الیۃ کی تعریف صادق ہے۔ اور اگر اس پر بھی تسلی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ چکتی کی لمبان چوڑان کیا ہوگی کہ اس سے کم کو چکتی کے بجائے دم کہا جائے، اور زرا اس چکتی کا بھی خیال رہے۔ جس کو فقہاء نے دم کی طرح چھوٹا کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ائمہ اعلام کے کلام سے ثابت کرنی ہوگی زبانی جمع خرچ کی سند نہیں۔

تنبیہ بست وسوم تعریفوں میں عدم تضاد: گزشتہ تحریروں سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ علماء نے ضان

[1] مجمع بحار الانوار باب الہمزۃ مع للام تحت(الی) مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۹۷

[2] القاموس المحیط باب الواؤ والیاء فصل الہمزہ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۰۲

ذات الصوف وذات الالیة،وخلاف المعز من الغنم، وترجموہ بمیش،والقینا علیك ان عند بیان الاحکام لایجوز التعریف وکذا الترجمة الا بالمساوی، لما فی غیرہ من المساوی،فثبت ان الاربعة بل الخمسة خامسها بھیڑ،کلھا متساویة فیما بینھا ومساویة لمحدودھا وان کل ذات صوف،ذات الیه، وبالعکس وانما مطمح النظر کما وصفنا الشان النوعی لا الفعلیة الفردیة کما ھو المرسوم فی کثیر من الرسوم،کالتحرك الارادی والمشی،والضحک، و الکتابة،فی الحیوان والانسان،کما لایخفی علی ذوی الشان فظھران الذی بضئین بلا دنا الیة جزما،وان کان شابه الذنب حجما وانه المنصوص علیه صورۃ و حکما وان لاخلاف بین التفاسیر،وان لیس ہنا باعم ولا اخص التفاسیر وان لیس ھنا باعم ولا اخص تفسیر وان الکل متحد مآلا،وان لاتثلیث فی الانواع بمالا الیه،ومالا-وانما کان کل ذٰلك شقشقة ھدرت عن واھمة بدرت ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔

الرابع والعشرون[۲۴]: به تبین ان صغر الالیة ودقتھا بحیث تشبه الذنب کما فی اضؤنا ھذہ لیس من النقص فی شیئ

کی تین تفسیریں کی ہیں۔اون والا چکتی و، معز کے علاوہ،اور فارسی والوں نے اس کا ترجمہ میش کیا اور ہم یہ ثابت کر آئے کہ احکام مخصوصہ کے بیان کے وقت ترجمہ ہو یا تعریف، مساوی کے علاوہ نہیں ہو سکتی،تو پتہ چلا کہ مذکورہ بالا چاروں لفظ بلکہ ہندی کا بھیڑ مل کر پانچوں لفظ آپس میں مساوی ہیں،ان کا محدود و مفہوم شے واحد ہے۔تو جو اون والی ہے وہی چکتی والی ہے۔اور جو چکتی والا ہے وہی اون والا ہے۔اور جو چکتی والا ہے کیونکہ ایسے مواقع پر تعریف کا مقصد وصف نوعی بیان کرنا ہوتا ہے،افراد کے وصف فعلی کا ذکر نہیں ہوتا کہ یہ تو عام طور پر رسم میں ملحوظ ہوتا ہے۔جیسے انسان اور حیوان کی تعریف میں تحرک ارادی یا مشی یا ضحک اور کتابت وغیرہ اوصاف ____ تو ہماری تقریر سے ثابت ہوگیا کہ بھیڑ کی دم جو ہمارے بلاد میں ہوتی ہے وہ چکتی ہی ہے۔اور فقہ حنفیہّ میں اس کی صورت اور حکم دونوں کا جزئیہ موجود ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان بظاہر مختلف تعریفوں میں کوئی تضاد نہیں،اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں تعریف نہ تو اعم کے ساتھ خاص ہے نہ اخص کے ساتھ،بلکہ سب مساوی ہیں،اور یہ کہ غنم میں چکتی اور بے چکتی کی بنیاد پر ایک تیسیری قسم نہیں پیدا ہوتی،یہ سب دماغی خدشات اور وہمی خیالات ہیں۔

تنبیہ بست وچہارم ناقص کامل کی نفی: یہ بھی واضح ہوا کہ بھیڑ کی دم میں کوئی کمی نہیں کہ کہا جائے وہ ناقص ہے اور چکتی کامل ہے۔لہٰذا دنبہ کے ساتھ

ولذا اجازت التضحیة معه کما نصوا علیه فزعم ان ھذا ناقص فلا یلحق بالکامل قول ناقص خالف نصوص الائمة الاکامل۔

الخامس والعشرون[۲۵]: لئن تنزلنا عن کل ھذا و سلمنا ان الاالیة لھا فخ تاتی الخلافیة بین الامام الاعظم، والامام الثالث رضی اللہ تعالٰی عنھما، و یجب بحکم الجواز بناء ان الفتوٰی علی قول الامام رضی اللہ تعالٰی عنه علی الاطلاق، ای مالم یتفق ائمة الفتیا علی الفتوی بقول صاحبه او احدھما کما نص علیه فی الفتح والبحر والخیریة[1] وردالمحتار[2] وغیرھا من معتمدات الاسفار، وقد سردنا نصوصھا فی کتاب النکاح من فتاوٰنا ھذا اذا لم یرجع قول الامام فکیف اذا رجع قول الامام فکیف اذا رجح وقد رجح ھھنا قوله رضی اللہ تعالٰی عنه من نصوا علی انه لایعدل عن تصحیحه لانه فقیه النفس اتدری من ھو ھو الامام قاضی خاں کما قاله العلامة قاسم فی تصحیح القدوری، ونقله السید الحموی فی غمز العیون[3] وسید الشامی فی حاشیة الدر۔

لاحق نہیں ہوسکتی۔

تنبیہ بست وپنجم امام اعظم کے فتوٰی کی بنیاد پر فیصلہ: اور اگر ہم سب چھوڑ چھاڑ کر یہی مان لیں کہ بھیڑ بے چکتی کا ہے تب بھی یہ انعام میں داخل ہے۔ تو قربانی کا جانور ہے اور اسی جانور کی قربانی جائز ہونے نہ ہونے میں امام اعظم اور امام محمد رحمھم اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ائمہ جب تک کسی مسئلہ میں امام اعظم کے خلاف کسی اور امام کے قول پر متفق نہ ہوں، فتوٰی امام کے قول پر ہے۔ یہ مسئلہ فتح، بحر، نہر، خیریہ، شامی وغیرہ معتمد اسفار میں منصوص ہے، میں نے ان سب کو اپنے فتاوٰی کی جلد کتاب النکاح میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔

یہ حکم تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اس قول کا ہے جس کی ائمہ ترجیح میں سے کسی نے ترجیح نہ دی ہو، اور اس قول کی تو امام فقیہ النفس قاضی خاں نے ترجیح فرمائی ہے کہ اپنے اصول کے موافق اسی کو مقدم کیا، یہ مسئلہ بھی امام شامی اور امام طحاوی نے منصوص فرمایا۔

---

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل المفتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹، فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۳، ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۴/ ۵۵

فان کنت عارفا بھذہ المسالك مدرکا لتلك المدارك فقد عرفت تصحیحه ھنالك وان لم تعرف فاسمع منی فانی لك زعیم بذٰلك الم ترہ قد قدم قول الامام وھو رحمة الله تعالٰی کما صرح به فی صدر فتاواہ لانقدم الا الاظھر الاشھر، قال السیدان الفاضلان الطحطاوی والشامی فی حواشی الدر، ان مایقدمه قاضیخاں یکون ھو المعتمد[1] وانی قد احملت لك ھھنا القول، ظنا بك ان لك اشتغالا بالعلم فتکون قد وقفت علی ھذہ المطالب الدائرۃ السائرۃ الظاھرۃ الزاھرۃ فان خفی علیك شیئ منھا فراجعنی و لاتیأس من التفھیم فقد قلت لك انی لك باظھار کل ذٰلك زعیم، فثبت بحمدالله تعالٰی ان لو فض عدم الالیة، لھذا الحیوان لکان جواز التضحیة به ھو المذھب وقول امامنا الاعظم الاوحد وھو الماخوذ الصحیح المعتمد، والحمد له الاحد الصمد علینا ما اسبغ من نعم لاتعد۔	پس ایسی صورت میں بھیڑ کی قربانی کے جواز کا فتوی دئے بغیر چارہ نہیں۔
تذییل الکتب السبعة التی اسندت الیھا لیس فی ثلثة منھا اعنی ذخیرۃ العقبٰی والدر المختار واشعة اللمعات اثر من التفسیر الضأن بما له الیة بل فی الاول والثالث مایرد علیك کما سمعت باذنیك واما عبارۃ	**تذئیل:** آپ کے ساتھ مستند کتابوں میں سے تین (ذخیرہ عقبٰی، در مختار، اشعۃ اللمعات) میں توضائن کی تفسیر میں "بماله الیة" کا کہیں پتہ نہیں، بلکہ ذخیرہ عقبٰی اور اشعۃ اللمعات میں توآپ کے مدعا کے خلاف ہے جیسا کہ مذکور ہوا لیکن صاحب تعلیق مجد

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵

تعلیق المجد لبعض ابناء الزمان فقد کانت تستاهل ان ترد الی الحق، وتحمل علی ما اعطاه کلام العلماء بجعل الوصف لزیادة الکشف دون الاحتراز بید انی احطت علما بان الرجل ینکر کون ضئین الهند من الضئین اعتراه الوهم کما اعتراك انها لا الیة لها، وما یدرینی لعلك انما قلدته فیه لکنه وقف دونك ولم یتجاوز قدر تجاوزك بانکار التضحیة بها اصلا، وانما زعم انها لاتجوز التضحیة بجذع منها[1]، حیث قال فی فتیاه بکری اور بھیڑ اور ایسے ہی گائے اور اونٹ چھ مہینہ کا نہیں درست ہے۔ فقط دنبہ مہینے کا درست ہے۔ فالظاهر ان مراده هو التقیید زعما منه بان الصوف اعم من الالیة، لکن لیس کلام المنح الذی عزا الیه بهذا الاسلوب، وانما عبارتها کما نقل بنفسه ثمه، والسیدان الفاضلان الطحطاوی و الشامی فی حواشی الدر ان الضأن ماتکون لها الیة[2] اھ فلیس فیها ذکر الصوف، ثم التقیید بالالیة و بالیتک

نے تو انھوں نے حق کی تلاش میں تساہل برتا، اور کلام علماء میں ذکر وصف کو زیادتی کشف کے بجائے قید احترازی سمجھا اور بھیڑ کو ضان میں شامل نہ ماننے میں وہ بھی اسی طرح وہم میں گرفتار ہوئے جیسے آپ نے "الیہ" کے لفظ سے دھوکا کھایا، غلب ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں انھیں کی تقلید کی ہو، مگر ان سے آگے بڑھ گئے، کیونکہ وہ تو صرف یہ کہہ رہ گئے کہ چونکہ یہ ضان نہیں اس لئے اس کے ششماہہ بچے کی قربانی جائز نہیں، اور آپ نے سرے سے اس کو قربانی کے جانور سے ہی خارج کردیا۔

یہ بات فاضل لکھنوکے فتوی سے ظاہر ہے وہ کہتے ہیں بکری اور بھیڑ، ایسے ہی گائے اور اونٹ کا چھ ماہہ درست نہیں ہے۔ فقط دنبہ چھ ماہہ درست ہے۔

اس سے اندازہ یہ ہوتاہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ "منح الخالق" کی عبارت میں (جس کا حوالہ انھوں نے دیا ہے) ضان کے بیان میں صوف کا ذکر ہے جس کو "مالہ الیۃ" سے مقید کیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ الیہ کی قید احترازی ہے حالانکہ خود ان کی عبارت اور امام طحاوی اور شامی کی روایت میں صوف کا ذکر نہیں ہے صرف مالہ الیۃ

---

[1] مجموعہ فتاوٰی بعد الحی کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ ۲/ ۲۷۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الاضحیۃ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۴، ردالمحتار کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

اذا قلدته اتمت تقلیده فلم تعدالی ما عدت من المحال، ولم تنسب المسلمین الی الضلال والاضلال، وقد کان سألنی بعض تلامذہ ھذا العاصرا عنی صاحب التعلیق المجد من بنارس فی اول ھذہ السنة عن فتیاہ المذکورۃ فاجبت باحرف تکفی و تشفی وبینت ان الجذع من ھذہ یجزی ویکفی، و ما ذکرنا ھھنا بتوفیق اللہ تعالٰی، فھو حافل کافل بدفع کلاالوھمین، بل الرد الاشد علی من یجز التضحیة بھا لابجزعھا فانه اذ قد جاز التضحیة فقد کانت من الانعام ولا انعام الا الانواع الاربعة واذ لیست من ابل وبقر ومعز۔وجب ان تکون من الضان فوجب اجزاء الجزع منھا اذا کان بحیث لو خلط بالثنایا لم یتمیز من بعد وللہ الحمد تعالٰی من قبل ومن بعد، وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولنا محمد والہ اجمعین کان الفراغ عن ھذہ العجالة المسماۃ ہادی الاضحیة بالشاۃ الھندیة ۱۳۱۴ھ۔	ہے۔تو آپ کو بھی ان کی تقلید کرنی تھی تو اتنی ہی بات میں کرتے نہ کہ آگے بڑھ کر ایک محال بات کا دعوٰی کردیا، اور سب مسلمانوں کو گمراہ اور گمراہ گر کا خطاب دیا۔ مجھ سے لکھنوی صاحب کے ایک شاگرد نے ان کا یہ فتوٰی ذکر کرکے صورت حال دریافت کی تھی، میں نے چند جملوں میں اس کا خلاصہ لکھ دیا تھا، اور مسئلہ حق واضح کردیا تھا، یہ کلام تو اللہ تعالٰی کی توفیق سے حافل اور کافل ہے۔ان دونوں وہموں کو دفع کرنے والا۔بلکہ اس کا تو رد شدید ہے جو ان کی قربانی جائز کرتا ہے۔اور ان کے بچے کی نہیں۔ بلاشبہ بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ جو دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو اس کی قربانی جائز ہے وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقه محمد وعلی اله وصحبه اجمعین اس رسالہ ھادی الاضحیة بالشاۃ الھندیة سے ۱۳۱۴ھ میں فراغت حاصل ہوئی۔

مسئلہ ۲۰۴: از بنارس محلّہ کنڈی گڈٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

ماقولکم ایھا العلماء (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ قربانی بھیڑ ششماہہ کی درست ہے یا نہیں؟ اکثر حدیثوں میں جو لفظ جزعۃ من الضان آیا ہے اس سے ششماہی بھیڑ مراد ہے یا دنبہ یا دونوں؟ عبارت نہایہ شرح ہدایہ مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی ششماہی بھیڑ کی جائز نہیں، اسی پر مولانا استاذنا مولوی عبدالحیٔ صاحب نے عمل فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوٰی کی جلد اول ص ۱۹۱ میں موجود ہے۔ عبارت شرح ہدایہ:

ویجزئ من ذٰلك کل الثنی فصاعدا الا الضان فان الجذع منه یجزئ والتقیید بالضان لان الجذع من الابل والبقر والغنم لایجزئ منھا الا الثنی [1]۔ **بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔**	ان تمام جانوروں میں کامل سال یا اس سے زائد عمر والا جائز ہے ماسوائے بھیڑ کے کہ اس کا جذع یعنی کامل چھ ماہ والا جائز ہے، اور ضان یعنی بھیڑ کی قید اس لئے کہ اونٹ گائے اور بکری میں صرف کامل سال والا ہی جائز ہے۔ کتاب سے بیان کیجئے یوم حساب اجر حاصل کیجئے۔ (ت)

الجواب:

شماہی بھیڑ کی قربانی بلاشبہ جائز ہے جبکہ یکساں ہمجنسوں میں دور سے متمیز نہ ہوسکے۔

فی الدرالمختار صح الجذع ذوستہ اشھر من الضان ان کان بحیث لوخلط بالثنایا لایمکن التمیز من بعد [2]۔	درمختار میں ہے بھیڑ میں چھ ماہ کا جذع جو سال والے جانوروں میں خلط ہو تو امتیاز نہ ہوسکے تو وہ جائز ہے۔ (ت)

یہی شرط دنبہ میں ہے، اور دنبہ بھیڑ کی ایک ہی نوع ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم، اس قدر میں تو کسی کو کلام ہو ہی نہیں سکتا کہ جواز ششماہہ کا حکم احادیث صحیحہ وکتب فقہیہ میں بلفظ ضأن وارد ہے۔ اب مدار صرف ادراک معنی ضان پر رہا، اگر یہ لفظ اس بھیڑ کو بھی شامل تو قطعاً یہ بھی اس حکم میں داخل والا لا، مگر بالیقین معلوم کہ ضأن وہی چیز ہے جسے فارسی میں میش، اردو میں بھیڑ، اور اسی کی ایک صنف کو دنبہ کہتے ہیں،

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۷۹
[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

عرب دونوں معز ضان کے سوانہیں جانتے، نہ یہاں تیسری نوع ہے

(۱)قال اللہ تعالٰی "ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ"[1] مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی مرحوم موضح القرآن میں اس آیہ کریمہ کا ترجمہ فرماتے ہیں: پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو[2]۔ دیکھوں ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا، اسی طرح مولانا رفیع الدین نے ترجمہ کیا، یونہی نفائس میں اس کا عکس یعنی بھیڑا کو میش نر وضان سے مترجم کیا۔ تحفۃ المومنین میں کہا: بھیڑ بہندی غنم ست[3]۔ پھر لکھا: غنم ضان ست[4]۔

(۲) سب جانتے ہیں کہ بھیڑ کا ترجمہ میش ہے۔ اور اہل لغت نے یہی ترجمہ ضان کیا، منتخب رشیدی میں ہے: ضان میش، ضائن میش نر[5]۔ صراح میں ہے: ضائن میش نر خلاف ماعز۔ **والجمع ضأن خلاف معز**[6]۔ تحفہ ومخزن میں ہے: ضان بفارسی میش نامند[7]۔

(۳) علمائے لغت و تفسیر حدیث وفقہ ضأن کی تعریف اون والی غنم فرماتے ہیں اور معز کی تفسیر بالوں والی، مصباح المنیر واحیوۃ الحیوان وغیرہما میں ہے:

الضأن ذوات الصوف من الغنم[8]۔	بکری کی اون والی جنس کا نام ضان ہے۔(ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

لضأن ذوات الصوف من الغنم والمعز	بکری کی اون والی جنس ضان ہے اور بالوں والی

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۲

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الباء مع الھاء نولکشور کانپور ص ۱۶۹

[4] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الغین مع المیم نولکشور کانپور ص ۴۲۵

[5] منتخب اللغات مع غیاث اللغات باب الضاد مع النون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۲

[6] الصراح فی لغۃ الصحاح باب النون فصل الضاد نولکشور لکھنؤ ص ۴۱۸

[7] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الضاد مع الالف نولکشور کانپور ص ۳۹۷

[8] المصباح المنیر الضاد مع الواؤ (الضأن) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

ذوات الشعر من الغنم [1]۔	جنس معز ہے۔(ت)

معالم التنزیل میں ہے:

الضأن والنعاج ھی ذوات الصوف من الغنم والمعز والمعزی ذوات الشعر من الغنم [2]۔	بکری کی اون والی جنس ضان اور نعاج ہے اور بالوں والی معز اور معزی ہے(ت)

جامع الرموز پھر ردالمحتار میں ہے:

الضأن ماکان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر [3]۔	ضان وہ ہوتی ہے جو اون والی ہو اور معز بالوں والی۔(ت)

اب یہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑ کے بدن پر اون ہوتی ہے یا بال۔

(۴)علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان الکبری میں صاف حصر فرمادیا کہ اون صرف ضان کے لئے ہوتی ہے، لفظ غنم میں فرماتے ہیں:

صوف الضأن من شعر المعز واعز قیمۃ ولیس الصوف الاللضأن [4]۔	بھیڑ کی اون بکری کے بالوں سے افضل اور قیمت میں گراں ہے اور اون صرف ضان کی ہے۔(ت)

اب بھیڑ کو ضان سے خارج ماننے والے پر لازم ہوگا کہ بھیڑ کی اون سے انکار، اور ان کی پشت پر بکری کے سے بال آشکارا کرے۔وانی لہ ذٰلک۔

(۵)زبان عرب وخود قرآن شاہد ہے کہ نوع غنم میں صرف دو صنفیں ہیں: ایک وہ جسے عربی میں معز نر کو تیس، مادہ کو عنز، فارسی میں بز کہتے ہیں، دوسری جسے عربی میں ضان نر کو کبش مادہ کو، نعجہ فارسی میں گوسپند ومیش کہتے ہیں، رب العزت جل وعلا نے آیہ مذکورہ میں آٹھ ہی جوڑے بتائے، ضان، معز، ابل۔بقر ہر ایک سے دو، مادہ ونر، اہل زبان نے معز کو خلاف ضان، ضان کو خلاف معز سے تفسیر کیا، معلوم ہوا کہ ان کے لئے ثابت نہیں، قاموس میں ہے:

المعز خلاف الضأن من الغنم [5]۔	بکری کی جنس میں معز الگ ہے ضان سے۔(ت)

[1] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۳/ ۲۱۶

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۲

[3] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[4] حیاۃ الحیوان باب الغین المعجمہ(الغنم) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۲

[5] القاموس المحیط فصل المیم باب الزای"المعز"مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۹

اسی میں ہے:

الضائن خلاف الماعز من الغنم "ج". ضائن، اضأن ضانك اعزلها من المعز [1]۔	مینڈھا غنم میں بکرے کے خلاف ہے۔ ضائن کی جمع اضأن ہے تیری بھیڑی اسے علیحدہ کرلے بکری سے (ت)

مختار رازی میں ہے:

الضائن ضد الماعز، والجمع الضائن والمعز [2]۔	ضائن (مینڈھا) بکرے کی ضد ہے اس کی جمع ضان اور معز ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

المعز من لاغنم ضد الضان [3]۔	معز غنم سے ہے ضان کی ضد ہے۔ت)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

فی ح شقیق مثل قراء هذا الزمان کمثل غنم ضوائن ذات عـــہ صوف عجاف، هو جمع ضائنة۔ وهی الشاة من الغنم، خلاف المعز [4]۔	ح میں بیان کیا، اس زمانہ کے قراء کی مثل میں شقیق جیسے ضوائن باریک کھال پر اون والی جس کی جمع ضوائن ہے۔ یہ بکری ہے جو معز سے مختلف ہے۔ (ت)

کوئی ادنٰی فہم والا بھی نہیں کہہ سکتا کہ بھیڑ معز میں داخل ہے کیا بھیڑ کو فارسی میں بز کہتے ہیں، کیا مینڈھے کو عربی میں تیس، مادہ کو عنز بولتے ہیں، جتنا صاف ترجمہ بکرا بکری ہے لاجرم بھیڑ ضان ہی ہے اور ضان ہی میں داخل ہے، اور حکم ضان اسی کا حکم ہے۔ اسے قطعاً شامل شیخ محقق قدس سرہٗ

عـــہ: احترازا عما اذا جزصوفها فاستبان عجفها و المقصود ان باطنهم علی خلاف ظاهرهم ۱۲ منه قدس سره۔	یہ اجتناب ہے اس بھیڑ جس کی اون کاٹ دی جائے تو چمڑی برہنہ ہوجائے اور مقصد یہ ہے کہ ان کا ظاہر اون باطن چمڑی ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۱۲منہ قدس سرہ، (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الضاد باب النون (الضائن) مصطفی البابی مصر ۴ /۲۴۴

[2] مختار اصحاح تحت لفظ ضائن موسسة علوم القرآن بیروت ص۳۷۶

[3] مختار اصحاح تحت لفظ معز موسسة علوم القرآن بیروت ص۶۲۷

[4] مجمع بحار الانوار باب الضاد مع الهمزہ تحت الفظ ضائن مکتبہ دار الایمان المدینة المنورہ ۳ /۳۸۲

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

بدانکہ اضحیہ جائز نیست مگر از ابل وبقر وغنم وغنم دو صنف است، معز کہ آنرا بز گویند، وضائن کہ آنرا میش خوانند، ودر جمع ایں اقسام ثنی شرط ست، مگر از ضان کہ جذعہ ہم درست ست، ودرست نیست از معز[1]۔	جان لینا چاہئے کہ قربانی صرف اونٹ، گائے اور بکری کی جائز ہے۔ بکری دو قسم ہے۔ ایک معز کی جس کو بز بکری کہتے، اور دوسری ضائن جس کو میشہ کہتے ہیں، ان تمام اقسام میں کامل سال شرط ہے۔ مگر ضان کہ اس کا جذعہ بھی جائز ہے اور بکری (معز) میں یہ جائز نہیں ہے۔ (ت)

کیا اس ارشاد سے بھی زیادہ کوئی تصریح صریح درکار ہے۔ اور بفرض باطل اگر بھیڑ کو ضان میں داخل نہ مانئے اور اس کا اہل وبقر ومعز اونٹ گائے بکری سے نہ ہونا بدیہی، تو حاصل یہ رہے گا کہ وہ بہیمۃ الانعام کی چاروں قسم سے خارج ہے، اور بالاجماع قربانی تو صرف انھیں چار قسم پر محدود، تو بھیڑ اگر ضان نہیں، تو واجب کہ سرے سے اس کی قربانی بھی باطل ہو اگرچہ کتنی ہی عمر کی ہو، نہ یہ کہ قربانی جائز ہونے کو تو وہ ضان میں داخل اور ششماہہ جائز نہ ہونے کو ضان سے خارج، یہ جہل صریح وتعسف قبیح ہے غرض حکم واضح ہے۔ اور مسئلہ روشن، اور اس کا خلاف نہ بین، نہ مبین، بلکہ باطل بین، عبارت نہایہ منقولہ استفاء مذکورہ فتاوٰی کو اگر بعد ادراک معنی ضان لحاظ کیجئے تو صراحۃً ہمارا ہی مطلب اس سے ثابت اور تحقیق معنی ضان کی نظر سے دیکھئے تو راسا بے علاقہ وساکت، ہاں مجیب لکھنوی کو وجہ اشتباہ عبارت منح الغفار واقع ہوئی کہ **الضان ماتکون لہ الیۃ**[2] (ضان وہ جس کی چکّی ہوتی ہے۔ ت) وہم گزرا کہ الیہ خاص چوڑی چکی چکتی کو کہتے ہیں جس میں بکثرت چربی ہو، لہٰذا ضان بالتخصیص صنف دنبہ کا نام خیال کیا حالانکہ غنم میں الیہ مطلقاً دم گوسپند کا نام ہے۔ کبر وصغر وطول وقصر وغیرہا کچھ اس میں شرط نہیں، نہایہ ابن اثیر ومجمع بحار الانوار میں ہے:

الیات جمع الیۃ وھی طرف الشاۃ[3]۔	الیہ کی جمع الیات ہے اور وہ بھیڑ کی دم ہوتی ہے۔ (ت)

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۰۸

[2] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴، حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار بحوالہ المنح الغفار دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۴

[3] مجمع بحار الانوار باب الھمزہ مع اللام (الئی) مکتبہ دارالمدینۃ المنورۃ ۱/ ۹۷

صراح میں ہے: آلیہ بالفتح ذنب [1]۔ برہان میں ہے: ذنب بضم بمعنی دُم [2]۔ لاجرم فتاوٰی امام اجل قاضی خان وردالمحتار وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ اگرالیہ خلقۃً صغیر ومشابہ دم ہو روا ہے۔ خانیہ میں ہے:

ان کان لہا الیہ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز [3]۔	اگراس کی چکّی چھوٹی دم کی مانند پیدائشی ہو تو جائز ہے۔ (ت)

یہ بعینہٖ ہمارے بلاد کی بھیڑوں کی صورت ہے ہم نے ان بھیڑوں کی دم کو تشریح کرکے دیکھا وہ ضرور گوشت اور چربی پر مشتمل ہوتی ہے بخلاف دم بز بس یہی فرق الیہ وذنب میں ہے۔ طول وقصر، عظم وصغر، وکثرت وقلت لحم وشحم کو ہرگز اس میں نہ لغۃ دخل ہے۔ نہ فقہا، وھذا مما لا یخفی علی جاھل فضلا عن فاضل (یہ کسی جاہل پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی ہو۔ت) بات یہ ہے کہ جانوروں بلکہ آدمیوں کے بھی اعضاء صورت وہیئت بلکہ نفس وجود وعدم میں اختلاف ممالک سے مختلف ہوتے ہیں اس سے نہ وہ دو نوعیں ہوجائیں گے، نہ ان کے احکام مختلف فقیر نے بعض بلاد کے اونٹ دیکھے چھوٹے چھوٹے نہایت خوشنما بدن پر بڑے بڑے بال مشابہ بہ یال، پشت پر دو کوہان بلند ومرتفع، بیچ میں نشست کی جگہ خالی کہ سوار کو آگے پیچھے دو تکیوں کا کام دیتے، چینیوں کی ناکیں کس قدر پست وپہن، تاتاریوں کی آنکھیں چھوٹی، زنگیوں کے لب فروہشتہ وسطبر ہوتے ہیں ہنہ ناتیہ بین الاسکتین کہ خفاض کیا جاتا ہے۔ زنان مغربیہ میں خلقۃً نہیں ہوتا، بعض اتراک وحوش کے عصعص پر لحمہ زائد بقدر ایک بالشت مثل دُنب ہوتا ہے۔ امام کمال الدین دمیری وعلامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی نے ایک قسم کی بھیڑ ذکر کی جس کے چھ الیہ ہوتے ہیں، ایک سینہ پر، دو شانوں پر، ایک پیچھے دو رانوں پر، یہی اختلاف ممالک دم گوسپند میں ہے، ان دیار میں پتلی لمبی ہوتی ہے۔ جس میں اسی کے لائق گوشت اور چربی، عرب میں اکثر چوڑی چھوٹی قدرے زیادہ گوشت اور چربی مشتمل، اور بعض خوب پہن ودراز بکثرت لحیم شحیم، یہ کابل وغیرہ میں کثیر الوجود ہے۔ اور بعض کی چکتی تو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اسے چلنے سے معذور کردیتی ہے۔ ایک گاڑی بنا کر اسے جوتتے اور دم گاڑی پر رکھ دیتے ہیں جسے وہ کھینچتی چلتی ہے۔ کیا ان اختلافات سے یہ انواع مختلف ہوجائیں گی، اور ان کے احکام جدا، ایسا کوئی عاقل

---

[1] الصراح فی لغۃ الصحاح باب الواو والیاء (فصل الف) نولکشور لکھنؤ ص ۵۳۹

[2] البرہان

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیہ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۹

خیال نہیں کرسکتا، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں ہے:

یجلب من الهند نوع من الضأن علی صدرہ الیة وعلی کتفه الیتان وعلی فخذیه الیتان، وعلی ذنبه الیة، وربما تکبر الیة الضأن حتی تمنعه من المشی فیتخذ لالیتها عجلة توضع علیها، وتشد الی صدرها فمتشی الضأن وتجری العجلة الالیة علیها[1]۔	ہندوستان سے ایک قسم کی بھیڑ لائی جاتی ہے اس کی چھاتی پر چکی، اس کے کندھوں پر دو چکیاں اور اس کی دونوں رانوں پر دو چکیاں اور اس کی دم پر ایک چکی ہوتی ہے۔ اور کبھی یہ چکی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اس کا بوجھ اس کے چلنے سے مانع ہوتا ہے تو اس کی چکی کے نیچے ریڑھی بنائی جاتی ہے جس کو اس کی چھاتی سے باندھ دیتے ہیں تو وہ ریڑھی چکی کو اٹھائے پھرتی ہے۔ (ت)

اسی طرح حیاۃ الحیوان میں ہے: الی قوله تمنعه من المشی[2] (چکتی اس کے چلنے سے مانع ہے۔ تک)۔

جسے اس قدر کافی نہ ہو ہمارا رسالہ عربیہ هادی الاضحیه بالشاة الهندیة ۱۳۱۴ھ ملاحظہ کرے کہ بتوفیق علام تحقیق مرام بمالا مزید علیہ ہے۔ وللہ الحمد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از ضلع آرہ ڈاکخانہ وقصبہ دائی ساگر مسئولہ محمد یوسف

خصی سال سے کم عمر والے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

چھ مہینے تک کا ایسا فربہ مینڈھا کہ سال بھر والوں کے ساتھ ہو تو دور سے تمیز نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے اگرچہ خصی نہ ہو، اور بکرا سال بھیر سے کم کا جائز نہیں اگرچہ خصی ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۵ تا ۲۰۶: از ریاست جے پور سوائی تکیہ آدم شاہ گھاٹ دروازہ مرسلہ مولانا عبدالرحمٰن اعظمی مئوی صاحب مورخہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرا بکری اگر سال بھر سے کسی قدر کم کا ہو مثلاً گیارہ مہینہ یا کم وبیش کا، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو اس جانور کو جس پر نیت قربانی کی ہوچکی ہے اور پورے سال بھر کا نہیں ہے۔ تو کیا کرنا چاہئے۔ اور اگر جائز ہے یک سال سے

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات تحت لفظ ضأن مصطفی البابی مصر ص ۲۴۹

[2] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمة تحت لفظ الضائن مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳۴

کم مدت کا، تو اس کتاب کا درج کر دیا جائے تاکہ یہاں دیکھ کر اطمینان حاصل کیا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بکرا بکری ایک سال سے کم کا قربانی میں ہر گز جائز نہیں، نہ اس پر قربانی کی نیت صحیح وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے، قربانی کے لئے دوسرا جانور لے ہاں اگر یہ نیت کی ہو کہ آئندہ سال اس کی قربانی کروں گا تو اسے قربانی ہی کے لئے رکھے، اس کا بدلنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

صح ابن خمس من الابل۔ وحولین من البقر و الجاموس وحول من الشاۃ والمعز [1]۔	پانچ سال کا اونٹ، دو سال کی گائے اور بھینس، اور ایک سال کی بکری اور بھیڑ، کی قربانی صحیح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع تقدیر ھذہ الاسنان بما ذکر لمنع النقصان ولا الزیادۃ فلو ضحی بسن اقل لا یجوز و باکبر یجوز وھو افضل [2]۔	بدائع میں ہے کہ ان عمروں کا بیان جو مذکور ہا کمی کو روکنے کے لئے ہے زیادتی کو مانع نہیں، تو عمر میں اگر قلیل سی کمی ہو تو جائز ہوگا اور بڑا ہو تو جائز ہے جبکہ بڑا افضل ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لو اشتری بقرۃ یرید ان یضحی بھا عن نفسه ثم اشرك فیھا ستة معه جاز استحسانا وفی القیاس لا یجوز لانه اعدھا للقربة فیمنع عن بیعھا تمولا، وجه الاستحسان دفع الحرج والاحسن ان یفعل ذلك قبل الشراء، لیکون ابعد عن صورۃ الرجوع فی القربة وعن ابی حنیفة انه یکرہ الاشتراك بعد	اگر اپنے لئے گائے خریدی تاکہ قربانی دے پھر بعد میں چھ اور شریک کر لئے تو استحسانا جائز ہے جبکہ قیاس کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ اسے اس نے قربت کے طور پر خریدا تو مال کے حصول کے لیے فروخت کرنا منع ہے اور استحسانا جواز کی وجہ یہ ہے کہ حرج نہ پیدا ہو اور بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے قبل حصہ دار بنائے تاکہ قربت کے معاملہ میں رجوع کی صورت پیدا نہ ہو، جبکہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے خرید لینے کے بعد

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الشراء لما بینا [1] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	شریک بنانا مکروہ ہے۔(ملخصا) (ت)

مسئلہ ۲۰۷: مرسلہ عبداللہ خان از شہر انبالہ محلّہ وکیل پور یکم صفر ۱۳۳۵ھ

جناب مولانا صاحب ! بعد سلام علیکم کے واضح ہو کہ بقر عید کی قربانی میں بکرا خصی جائز ہے یا نہیں، اور جو کہ قربانی کرے اس کو روزہ رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب:

خصی کی قربانی افضل ہے اور اس میں ثواب زیادہ ہے۔ اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے۔ ہاں پہلی سے نویں تک کے روزے بہت افضل ہیں اس پر قربانی ہو یا نہ ہو، اور سب نفلی روزوں میں بہتر روزہ عرفہ کے دن کا ہے۔ ہاں قربانی والے کو یہ مستحب ہے کہ عید کے دن قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے قربانی ہی کے گوشت میں سے پہلے کھائے، مگر یہ روزہ نہیں، نہ اس میں روزہ کی نیت جائز، کہ اس دن اور اس کے تین دن روزہ حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸: مرسلہ قاضی سید واجد علی صاحب مقام جاود ضلع ندسور ریاست گوالیار ن پیچ دروازہ ۱۷ صفر ۱۳۳۵ھ

ایک بچہ بکری کا ہے اور وہ کتی کے دودھ سے پرورش پایا، اس کی قربانی کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب سال بھر کا ہوجائے اس کی قربانی جائز ہے۔ **والمسئلۃ فی الخانیہ** [2] **وغیرہا** (یہ مسئلہ خانیہ وغیرہا میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۰۹: از بنگالہ میمن سنگھ قصبہ کھولا مرسلہ میاں جاں سرکار ۲۶ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، **ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی** (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کیا فرمان ہے) کہ ہندہ نے بکری پالی تھی، اس نے ایک بچہ جنا، بعدہ وہ بکری بقضائے الٰہی مرگئی اس بچہ کی ہندہ مذکورہ نے اپنے پستان کے دودھ سے پرورش کیا، پھر خصی کردیا، اب وہ بچہ بڑا ہوگیا، ہندہ اس کو قربانی کرنا چاہتی ہے۔ اگر قربانی رہے تو ہندہ مذکورہ اور اس کے خاوند کو

---

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: بلاشبہ جائز ہے جس کے جواز میں اصلاً گنجائش کلام نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لو ان جدیاً غذی بلبن الخنزیر لا باس باکلہ، لان لحمہ لایتغیر وما غذی بہ یصیر مستھلکا لایبقی لہ اثر [1]۔	اگر بھیڑ کے بچے نے خنزیر کے دودھ سے غذا پائی تو اسکے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور جو غذا اس نے کھائی وہ ختم ہوگئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا(ت)

فتاوٰی کبرٰی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس، لانہ بمنزلۃ الجلالۃ، والجلالۃ اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بھا فکذا ھذا [2]۔	بھیڑ کے بچے نے اگر گدھی کے دودھ یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائی اور پھر چند روز چارہ دکھایا تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے کہ جب اس کو چند روز قید رکھا تو انے چارہ کھایا تو اس میں کوئی حرج نہیں تو یہ بھی ایسے ہے۔(ت)

اور شوہر کے حق میں اگر رضاعت کا خیال ہو تو محض جہل، اول تو عمر رضاعت کے بعد رضاعت نہیں، اور شوہر اتنی ہی عمر کا بچہ ہو بھی تو شیر زن مستہلک ہوگیا، گوشت کھانا دودھ پینا نہیں، درمختار میں ہے:

لایحرم المخلوط بطعام وکذا لو جبّنہ، لان اسم الرضاع لایقع علیہ بحر، اھ ملخصاً [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طعام میں دودھ مخلوط ہوجانے سے حرمت پیدا نہیں ہوتی اور یونہی اگر دودھ سے پنیر بنالیا تو حرج نہیں کیونکہ دودھ پلانے کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا، بحر اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۳

مسئلہ ۲۱۰تا۲۱۲: مسئولہ سید منیر الدین پیشکار محلّہ کلال ٹولہ گیا ۱۱محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً کسی نامعلوم شخص کا بیل یاگائے زید کے جانوروں میں شامل ہوگیا، اور زید نے اس کو پکڑ کر اپنے قبض وتصرف میں رکھا، اور ایام قربانی میں چونکہ وہ دو برس سے کم کا تھااس لئے اس کواپنی لڑکی کی گائے سے بلاعلم لڑکی کے بدل کر اس لڑکی کی گائے کو قربانی دیااور غیر سے ذبح کرایااور اس غیر کو گائے کے کل قصہ مذکور سے واقفیت نہیں۔

(۱) ایسی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ **(۲)** ذبح کرنے والا گنہ گار ہوگا یا نہیں؟

(۳) تین سال کی گائے جس کے سینگ ہنوز نمودار نہ ہوئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جانور کو تصرف میں رکھنا حرام تھا، اسے بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام تھا، اس گائے کی قربانی حرام تھی۔

(۲) ذابح پر اس کا ذبح کرنا حرام تھا، دونوں سخت گنہگار ہوئے، پھر اگر بیٹی نے اپنے گائے کی قیمت نادانی میں اپنے باپ سے لے لی، تواس کے باپ کی قربانی ادا ہو گئی ورنہ نہیں، درمختار میں ہے:

یصح لوضحی شاۃ الغصب ان ضمنہ قیمتہا حیۃ [1] ای قیمتہا لو کانت حیۃ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مغصوبہ بکری قربان کردی اور اس پر ضمان زندہ بکری والا دے دیا توقربانی صحیح ہوگی واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۳) جب دوسال کامل کی ہو گئی قربانی کے قابل ہو گئی اگرچہ سینگ نہ نکلیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳: مسئولہ عبداللہ عرف دین محمد صاحب ساکن شہر کہنہ بریلی محلّہ روہیلی ٹولہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک اہل ہنود سے گائے مبلغ (سینتالیس مہ للعہ) روپیہ میں خرید کی تھی، اس ہنود نے خرید کرتے وقت دریافت کیا تھا کہ تم کس واسطے اس گائے کو لیتے ہو، میں نے اس شخص سے کہا کہ پالنے کو لیتاہوں اور اصل میں واسطے قربانی کے لی تھی، توایک مسلمان نے اس شخص سے کہا انھوں نے قربانی کے واسطے لی ہے۔اور میں ریلوے کے بڑے بابوں کی

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

ماتحتی میں کام کرتاہوں، وہ بھی اہل ہنود ہیں، اس نے بابوں سے آکر کہاکہ وہ میری گائے واپس کرادی جائے، انھوں نے میرے مکان پرآدمی روانہ کیاکہ اس کو مبلغ پانچ روپیہ نفع لے کر واپس کردوں میں نے نہیں واپس کی، میں کام پراپنے گیاتو بابو نے کہاکہ وہ گائے واپس کردو، میں نے اس سے انکار کیا، توانھوں نے ایک پولیس کے داروغہ سے بہت بڑازور ڈال کر کہا، اور یہ بھی کہاکہ اگر نہیں دوگے تو ہم تم کو نوکری سے برخاست کردینگے، تومیں بسبب نوکری جانے کے پانچ روپیہ نفع لے کر گائے واپس کردی، اور مبلغ چالیس للعہ روپیہ کی فورا اور گائے قربانی کے واسطے لایا، اب اس میں سے دس روپیہ بچے اس کاکیاکیاجائے، اور لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے پانچ روپیہ لے کر گائے دی، اور میں نے مجبورا دی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھاکہ میری ملازمت جاتی تھی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھاکہ میں مال گودام ریلوے میں کام کرتاہوں شاید کچھ الزام نہ لگادیں، یہ وجہ تھی فقط۔ **بینوا توجروا**

الجواب :

اگر وہ شخص صاحب نصاب ہے اور اگر یہ بیان واقعی ہے تو اس پر کچھ الزام نہیں اور جو پانچ روپیہ نفع کے لئے ان کا تصدق کردینا چاہئے اور یہ گائے جو پانچ کم کرکے خریدی اس کمی کا کوئی معاوضہ اس پر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۴تا۲۱۵: از کرتوئی ضلع بدایوں مسئولہ برادرم عزیزم مولوی محمد رضاخاں صاحب سلمہ ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

(۱) بحضور قبلہ وکعبہ دارین مدظلہم العالی بجاہ النبی الرؤف الرحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ سلامت سنت اسلام کے بعد عرض ہے کہ قربانی کی غرض سے دوگائیں خریدنے کو چماروں کو روپیہ دے کر بھیجا، وہ دوگائیں خرید لائے جو گراں قیمت ثابت ہوئیں، اس پر اور دوگائیں منگوائیں، وہ بھی بسبب گرانی قیمت کے، اور یہ کہ ان مؤخر گائیوں ہی سے ایک پرگابھن کاخیال ہے۔ جس نے فروخت کی وہ جولاہے کہتاہے کہ گابھن ہوگئی ہے مگر ابھی کہل تھن ہے۔ جس کو اور لوگ بھی گابھن کہہ سکیں، صرف دو جانیں کاخیال قربانی کا تھا آیا ان گائیوں کافروخت کرنا جائز ہوگا یانہیں؟ ان کے عوض میں اپنی گائیں دے سکتاہوں یانہیں۔ ایک گائے پارسال قربانی کے واسطے منگوائی تھی (ان چاروں کو وقت آنے کے قربانی کے واسطے نامزد نہیں کیا، پارسال والی کو نامزد کردیا تھا) روانگی کے وقت لنگڑی ہوگئی۔ بریلی جانے کے قابل نہ رہی اب اچھی ہے دومہینہ بعد اندازا بیاہ چلے گی، اس کی نسبت کیاحکم ہے؟ آیا وہ میرا مال ہے یاقربانی کا؟

(۲) قرآن مجید بائیں ہاتھ میں باوضو لے کر تلاوت جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) جان برادر از جان بہتر مولوی محمد رضا کاں سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
جو گائے قربانی کے لئے تھی اور وہ لنگڑی ہوگئی اس اور اس کے عوض دوسری کردی، اب وہ گائے تمھارا مال ہے جو چاہو کرو، جب روپیہ دے کر گائیں خریدنے کو بھیجا اس سے اگر یہ نیت تھی کہ دیکھنے کے لئے خریدتے ہیں جس کی قربانی مناسب جانیں گے کریں گے، ورنہ اور لیں گے تو وہ گائیں قربانی کے لئے مخصوص نہ ہوئیں اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا اور خرید کر قربانی کرو اور اگر مخصوص قربانی کے لئے خریدیں، اور آپ اس وجہ سے کہ یہ زائد قیمت کی ہیں، انھیں نہ کرنا چاہو، اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا کوئی اور لے کر ان سے کم قیمت کی قربانی کرو تو قربانی ہوجائے گی اور وہ پہلی گائیں بیچو یا رکھو اختیار ہے۔ مگر ایسا کرنا جائز نہ ہوا کہ جب ان پر مخصوص قربانی کی نیت ہوئی تھی، تو ان کو اگر بدلتے تو ان سے بہتر سے بدلتے نہ کہ کمتر سے، جبکہ کمتر سے بدلا تو جتنی زیادتی رہی، اتنے دام تصدق کرنے کا حکم ہے۔ مثلاً دس روپیہ کی گائے کی قربانی کو خریدی تھی پھر اس کے بدلے سات روپیہ کی قربانی کردی تو تین روپیہ تصدق کئے جائیں، یہ تو سال گزشتہ کا علاج ہے اور ہر سال کہ ابھی قربانی نہیں ہوئی وہی پہلی گائیں اگر قربانی کے لئے خریدی تھیں خواہ نخواہی قربانی کی جائیں اور ان سے کم قیمت کی ہرگز نہ بدلی جائیں کہ قصد اخلاف کرکے جرمانہ دینا جسارت ہے بلکہ خلاف حکم کیا ہی نہ چاہئے، قربانی میں بالخصوص ارشاد ہوا کہ دل کی خوشی سے کرو کہ وہ صراط پر تمھاری سواریاں ہیں پہلو کو گراں سمجھ کر جو دوسری خریدیں اور ان میں سے ایک گابھن ہے یا نہیں۔ بہر حال ان کا تم کو اختیار ہے کہ سرکاری مطالبہ پہلی گائیوں سے متعلق ہوچکا اسی شرط پر کہ آدمی ارادہ سے بھیجے ہوں کہ جو جانور یہ لائیں قربانی کریں گے، نہ اس ارادہ سے کہ دیکھ مناسب سمجھیں گے کرینگے۔

(۲) قرآن مجید باوضو ہاتھ میں لے کر تلاوت کرسکتا ہے۔ جبکہ اس کے لئے کوئی وجہ ہو مثلاً داہنا ہاتھ خالی نہیں یا تھک گیا، والسلام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۶: مرسلہ امام علی صاحب از بمبئی ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو گائیں خریدی گئیں، شرکت میں قیمت جدا جدا نہ کی گئی چودہ حصے کئے گئے، قربانی کے بعد دونوں کا گوشت یکجائی ملا کر برابر حصوں میں تقسیم کردیا گیا، ایک گائے کم قیمت یعنی صہ للعہ کی اور دوسری صہ صہ کی۔ ان چودہ حصوں میں ہر شخص کا برابر حصہ قیمت و گوشت میں کیا گیا، یہ صورت جواز کی ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷تا۲۲۱: از موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب مورخہ ۱۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

(۱) ایک شخص نے قصاب سے گائے منگائی اس نیت سے خرید کر کہ وہ آجائیگی تو جو شریک حصہ ہوں گے شریک سمجھ لوں گا۔

(۲) ای جگہ دیکھا کہ فقراء کے گوشت میں آنت،او جھڑی بالکل ڈال کر تقسیم کرتے ہیں،دو حصوں میں نہیں۔

(۳) ایک جگہ دیکھا ہے کہ سر اور پیر سقے اور حجام کو،اور ایک پارچہ قصاب کو۔

(۴) بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ قربانی یا عقیقہ یا نیاز میں کھانا بھنگی کو دیتے ہیں۔

(۵) قربانی گائے میں نصف ایک شخص ہو اور نصف میں دو شریک یا تین،درست یا نہیں؟اور نصف میں چار ہو جائیں یہ کیونکر ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ بیجا کرتے ہیں۔مستحب یہ کہ تہائی حصہ گوشت کا فقیرں کو ملے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) سقے،حجام،قصاب کا قربانی میں کوئی حصہ نہیں،دینے کا اختیار ہے۔مگر قصاب کی اگر یہ اجرت قرار پائی تو حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) بہت برا کرتے ہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) نصف میں تین تک شریک ہو سکتے ہیں،اور نصف گائے ایک کی ہو،اور دوسرے میں چار شریک ہوں تو ان پانچوں یعنی کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۲: از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلّہ میدان پور مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو یا چار سات آدمیوں نے ایک گائے قربانی کے واسطے خرید کی منجملہ ان کے ایک شخص نے قیمت نہ وقت خرید کے ادا کی نہ بعد،اور وہ شریک رہا،پس اس صورت میں کس کی یا اس کی قربانی میں حرج یا غیر جائز تو قربانی نہیں ہوا،جواب اس کا بحوالہ عبارت مرحمت فرمایا جائے کہ ضرورت ہے۔**بیّنوا توجروا۔**

الجواب: بیع نفس ایجاب وقبول سے تمام ہو مبیع ملک مشتری میں داخل اور ثمن ذمہ پر لازم ہوتی ہے ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں اگر نہ دے گا تو بائع کا مدیون رہے گا مبیع میں ملک تام ہے۔

فی التنویر اذ وجدا (ای الایجاب والقبول) لزم البیع[1]۔	تنویر میں ہے۔جب ایجاب وقبول پایا جائے بیع لازم ہوجاتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وصح بثمن حال ومؤجل الی معلوم[2]۔	نقد اور ادھار مقرر مدت ہو تو بیع جائز ہے۔(ت)

پس جب شرکائے مشترین مالک گاؤ تھے اور انھوں نے بہ نیت اضحیہ قربانی کی، سب کی قربانی ادا ہوگئی، ثمن کا مطالبہ اس شریک پر رہا اگر وہ نیت قربانی سے دست بردار ہو کر اصلا ذبح نہ چاہتا یا خالی گوشت وغیرہ امور غیر قربت کی نیت سے ذبح چاہتا اور ایسی حالت میں بقیہ شرکاء بہ نیت قربانی ذبح کرلیتے تو کسی کی قربانی ادانہ ہوتی کہ ان میں ایک شریک کی نیت تقرب نہیں۔

فی التنویر ان کان شریك الستة نصرانیا او مرید اللحم لم یجز عن واحد[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے اگر قربانی کرنیوالے کے ساتھ باقی چھ میں کوئی نصرانی یا گوشت کے ارادے سے شریک ہو تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳: مرسلہ صاحب علی طالب علم از جاورہ ۱۴صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

ایک گائے کو چھ شخصوں نے قربانی کی، ایک کے دوحصے نفلی اور پانچ شخصوں کے واجبی، تو کیا دوحصہ والا شخص بعد ذبح گائے، قبل تقسیم گوشت کے ایک حصہ میں دوسرے شخص کو شریک کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی اراقہ دم کا نام ہے اور اب اراقہ دم ہوگئی تو دوسرے کی طرف اس کا انتقال ناممکن ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

ہاں اس کا ثواب یا گوشت جسے چاہے دے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۴: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ عزیز احمد فرید پوری ۲۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی عید الاضحیٰ کے پوست کی قیمت گوشت کی قیمت کی طرح تین حصوں میں پر تقسیم کی جائے یا تمام وکمال قیمت خیرات کردی جائے، اور کھال کا اپنے صرف میں لانا صاحب قربانی کے لئے جائز ہے یانہیں؟ اور کھال قربانی کی قیمت سید کو دینا جائز ہے یانہیں؟ درصورت عدم جواز کوئی شرعی حیلہ تحریر فرمائیے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کھال اپنے تصرف میں صرف کرنا لاسکتا ہے جس میں کھال باقی رہے۔ مثل مشک، ڈول یا کتاب کی جلد بناسکتا ہے، کھال اگر اپنے خرچ میں لانے کی نیت سے داموں کو بیچی تو وہ دام تمام خیرات کرے، یعنی فقیر محتاج مصرف زکوۃ کو دے، سید کو نہیں دے سکتا، اور اگر سید کو دینے کی نیت سے بیچی تو وہ دام سید کو دے، تین حصوں کا حکم گوشت میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۵: از موضع ڈوالہ ویرم تحصیل ضلع امرتسر مرسلہ میاں شمس الدین صاحب حنفی قادری ۷ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مولوی غلام قادر صاحب بھیروی نے مسئلہ قربانی اور کتاب اسلام میں لکھا ہے کہ اگر غنی قبل از ایام عید قربانی خریدے وہ واجب بالنذر ہوجائے گا وہ سب گوشت فقراء کو صدقہ کرے آپ نہ کھائے، ایسے ہی فقیر جس پر قربانی واجب نہیں، لیکن اس نے کتاب کا حوالہ نہ دیا، اس لئے بعض جہلاء احناف کو تردد ہے۔ براہ مہربانی حوالہ کتب سے ارشاد ہو، اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کس قرینہ میں قربانی قبل از عید بعد طلوع آفتاب عندالحنفیہ جائز ہے۔ یا باوجود قریہ جامع ہونے کے بھی بعد طلوع قربانی درست ہے کیونکہ کتب فقہ میں لفظ دیہ یعنی گاؤں واقع ہے اور بعض کتب میں لکھا ہے کہ جس گاؤں میں چند کس حر بالغ آزاد ہو جمعہ واجب ہے۔ جب جمعہ واجب ہوا تو عید بھی وہاں درست ہوگی، پھر بعد عید قربانی ہوگی یا بعد طلوع قبل از عید؟ جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو۔ والسلام۔

الجواب:

فقیر اگر بہ نیت خریدے اس پر خاص اس جانور کی قربانی واجب ہوجاتی ہے۔ اگر جانور اس کی مالک میں تھا اور قربانی کی نیت کرلی یا خریدا، مگر خریدتے وقت نیت قربانی نہ تھی، تو اس پر وجوب نہ ہوگا، غنی پر ایک اضحیہ خود واجب ہے۔ اور اگر اور نذر بصیغہ نذر کرے گا تو وہ بھی واجب ہوگا۔ اس

عبارت میں بھی یہی ہے کہ واجب بالنذر ہوجائے گا یعنی نذر کئے سے واجب ہوگا نہ کہ غنی پر مجرد خریداری سے، درمختار میں ہے:

تصدق بها ناذر وفقير شراها لو جوبها عليه بذٰلك (ملخصاً)[1]۔	نذر والا اور فقیر جس نے قربانی کی نیت سے خریدا تھا، یہ صدقہ کرینگے کیونکہ نذر اور خریدنے کی بنا پر ان پر واجب ہوگیا تھا (ملخصاً)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو كانت فی مبلكه فتوٰی ان يضحٰی بها او اشتراها ولم ينو الاضحية وقت الشراء ثم نوی بعد ذٰلك لايجب لان النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر، بدائع[2]۔	اگر بکری اپنی ملک میں تھی تو نیت کرلی کہ اس کی قربانی کرے گا یا خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ کی ہو پھر بعد میں قربانی کی نیت کی تو اس سے اس پر قربانی واجب نہ ہوگی کیونکہ خریدتے وقت ساتھ نیت نہ کی لہٰذا بعد کی نیت معتبر نہ ہوگی، بدائع (ت)

درمختار میں ہے:

لوماتت فعلی الغنی غيرها الا الفقير ولو ضلت او سرقت فشری اخرٰی فظهرت فعلی الغنی احدهما وعلی الفقير كلاهما شمنی[3]۔	اگر مرجائے تو غنی پر دوسری واجب ہے فقیر پر نہیں، اور اگر گم ہوجائے یا چوری ہوجائے تو دوسری خریدی اور پہلی مل گئی تو غنی پر ایک ہی لازم ہوگی جبکہ فقیر پر دونوں کی قربانی واجب ہوگی شمنی (ت)

جو شہر نہ ہو اس میں نہ نماز جمعہ ہے نہ نماز عید، سو دوسو کی آبادی کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ اس میں متعدد محلے ہوں، دائم بازار ہوں، وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں، اس میں فصل مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو وہ شہر ہے جہاں ایسا نہیں صبح سے قربانی جائز ہے **هو الصحيح الذی علی المحققون كما فی الغنية** (وہی صحیح ہے جس پر محقق حضرات ہیں، جیسا کہ غنیہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

[3] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

مسئلہ ۲۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سات شخصوں نے ایک راس گائے واسطے قربانی خرید کی، وہ گائے فرار ہو گئی، اس کو ہر چند تلاش کیا سب کانجی ہاؤس اور اس شخص کے مکان پر اور اس کے نواح میں بھی جہاں سے اس کو خریدا تھا، آج وہ گائے بفضلہٖ تعالٰی ہاتھ آگئی، اب اس گائے کے واسطے کیا حکم ہے اور کس طرح سے ہم کو ثواب قربانی کا حاصل ہوگا؟

الجواب:

ساتوں شخص اس گائے کو زندہ خیرات کردیں کسی فقیر کو دے ڈالیں، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ان میں پانچ شخص صاحب نصاب تھے۔ان پانچوں پر واجب تھا کہ اگر وہ گائے گم ہوگئی تھی اور گائے یا بکریاں لے کر بارھویں تاریخ قربانی کرلیتے، اب کہ بارھویں گزرادی اور قربانی نہ کی، یہ پانچوں گنہگار ہوئے، ان پر توبہ استغفار واجب ہے۔اور گائے کی نسبت ساتوں پر واجب ہے کہ زندہ خیرات کردیں، ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی البدائع ان الصحیح ان الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ اذا لم یضح بھا۔حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینھا حیۃ کالفقیر بلاخلاف بین اصحابنا فان محمدا قال وھذا قول ابی حنیفہ وابی یوسف و قولنا اھ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	بدائع میں ذکر کیا کہ صحیح یہ ہے کہ جو قربانی کے لئے خرید شدہ بکری کی قربانی نہ کرسکا اور وقت گزر گیا تو غنی شخص اس زندہ کو ہی صدقہ کرے جیسا کہ فقیر کے لئے یہ حکم بلاخلاف ہمارے اصحاب میں ہے کیونکہ امام محمد نے فرمایا: یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف اور ہمارا قول ہے رحمہم اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۷: ۱۰ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پردیس میں ہے اس کی جانب سے اس کا کوئی عزیز قربانی کردے تو فرض زید پر سے اتر جائے گا یا اجازت کی ضرورت ہے؟

الجواب:

قربانی وصدقہ فطر عبادت ہے اور عبادت میں نیت شرط ہے تو بلااجازت ناممکن ہے۔ہاں اجازت کے لئے صراحۃً ہونا ضروری نہیں دلالت کافی ہے۔مثلاً زید اس کے عیال میں ہے اس کا کھانا پہننا سب اس کے

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۴

پاس سے ہونا ہے۔ یا یہ اس کا وکیل مطلق ہے۔ اس کے کاروبار کیا کرتا ہے۔ ان صورتوں میں ادا ہو جائی گی۔ درمختار میں ہے:

لاعن زوجته وولده الکبیر العاقل ولوادی عنهما بلااذن اجزا استحسانا للاذن عادة ای لو فی عیاله ولا فلا قسهتانی[1] عن المحیط، فلیحفظ، قلت ومسئلة القائم بامورہ بامرہ اظهر وازہر لو جود الاذن ولو فی ضمن العام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیوی اور عاقل بالغ بیٹے کی طرف سے اس پر واجب نہیں، اور اگر ان دونوں کی طرف سے اجازت کے بغیر ادا کردے تو استحسانا جائز ہے عادتا اجازت کی بناء پر یعنی جب عاقل بالغ بیٹا اس کی عیال میں شامل ہو ورنہ اجازت کے بغیر نہیں یہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے۔ تو اس کو محفوظ کرلو۔ میں کہتا ہوں اگر وہ بیٹا والد کے کام میں مشغول ہو والد کے حکم سے تو پھر یہ مسئلہ زیادہ ظاہر اور بہتر ہے کیونکہ اذن پایا گیا کہ اگرچہ عام کے ضمن میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آدمی پر اولاد صغار کی طرف سے قربانی مثل صدقہ فطر واجب ہے۔ اپنے مال سے کرے یا ہر شخص اپنی علیحدہ کرے، اور جس قدر چاہے اس قدر کرے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اولاد صغار کی طرف سے قربانی اپنے مال سے کرنا واجب نہیں، ہاں مستحب ہے۔ اور قربانی جس پر واجب ہے اس پر ایک ہی واجب ہے زیادہ نفل ہے۔ چاہے ہزار جانور قربانی کرے گا ثواب ہے۔ نہ کرے گا کچھ مواخذہ نہیں۔

فی الدر المختار تجب التضحیة عن نفسه لاعن طفله علی الظاهر بخلاف الفطرة، شاة او سبع بدنه[2] اھ ملتقطا، وفی الخانیة فی ظاهر الروایة یستحب	درمختار میں ہے قربانی خود اپنے طرف سے واجب ہے۔ نابالغ اولاد کی طرف سے اس پر واجب نہیں بخلاف فطرانہ کے۔ قربانی کے لئے بکری یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے۔ اھ ملتقطا، اور خانیہ میں ہے کہ ظاہر روایۃ یہ کہ نابالغ کی طرف

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب صدقہ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۳

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

ولایجب بخلاف صدقۃ الفطر۔والفتوٰی علی ظاہر الروایۃ[1] اھملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	سے مستحت ہے واجب نہیں بخلاف صدقہ، فطر کے،اور فتوٰی ظاہر روایۃ پر ہے اھ ملخصا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۲۹: از دیورنیاں ضلع بریلی مسئولہ رحیم بخش بروز شنبہ ۱۳۳۴ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ ! بعض ادائے آداب کے عرض ہے دیگر احوال یہ ہے ایک شخص نے ایک راس بکری عیدالاضحیٰ کو قربانی کی اور اس کی کلیجی ٹول اور خاسہ میں باندھ کر قبر کہنہ میں دفن کیا اور راس مذکور کا گوشت سب تقسیم کردیا،اپنے لئے قطعی نہیں رکھا،محلّہ والوں نے سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ مجھ کو اپنے فعل کا اختیار ہے۔ تحریر فرمائے کہ یہ قربانی جائز یا کیا قصہ ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی ٹوٹکا کیا ہے۔ تحریر فرمائے کہ کیا وجہ ہے؟

الجواب:

کلیجی دفن کرنا مال ضائع کرنا ہے اور اضاعت مال ناجائز۔اگر اس نے بہ نیت قربانی جانور مولا تعالٰی کے لئے ذبح کیا تو قربانی ہوگئی اور بعد کو اس کا یہ فعل منافی قربانی نہیں اور اگر سرے سے اس کا ذبح ہی کسی ٹوٹکے یا عمل کے لئے تھا نہ بہ نیت ادائے واجب،تو قربانی نہ ہوئی۔وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۰: از موضع بہدور ضلع پٹنہ مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب ڈاکخانہ سرمرہ بروز چہار شنبہ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

ورثۃ الانبیاء کیا حکم دیتے ہیں اس مسئلہ میں کہ منجانب میت جو قربانی دی جائے اس گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے،اس کا رواج ہے کہ ایک حصہ خویش واقرباء اور ایک وقف علی المساکین اور تیسرا حصہ وقف کیا جاتا ہے۔مع دلیل جواب ارشاد ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کے بھی یہی حکم ہیں جو اپنی قربانی کے کہ کھانے، کھلانے، تصدق،سب کا اختیار ہے اور مستحب تین حصے ہیں،ایک اپنا،ایک اقارب،ایک مساکین کا،ہاں مگر میت کی طرف سے بحکم میت کرے۔تو وہ سب تصدق کی جائے۔ردالمحتار میں ہے:

من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ	اگر میت کی طرف سے قربانی کی تو صدقہ اور کھانے میں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی صفۃ الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۴۴

نفسه من التصدق والاكل والاجر للميت و الملك للذابح قال الصدر والمختار انه ان بأمر الميت لا ياكل منها والا ياكل"بزازية"[1]۔	اپنی ذاتی قربانی والا معاملہ کیا جائے اور اجر وثواب میت کے لئے ہوگا اور ملکیت ذبح کرنے والے کی ہوگی، فرمایا صدر نے اور مختار یہ ہے کہ اگر میت کی وصیت پر قربانی اس کے لئے کی تو خود نہ کھائے ورنہ کھائے۔بزازیہ۔(ت)

اور فقیر کا معمول ہے کہ قربانی ہر سال اپنے حضرت والد ماجد خاتم المحققین قدس سرہ العزیز کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب تصدق کر دیتا ہے اور ایک قربانی حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب نذر حضرات سادات کرام کرتا ہے۔**تقبل اللہ تعالٰی منی و من المسلمین** (آمین)، (اللہ تعالٰی میری طرف اور سب مسلمانوں کی طرف سے قبول فرمائے، آمین۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: از قصبہ حافظ گنج ضلع بریلی مرسلہ رحیم بخش منہار ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

گوشت قربانی کا جو بقر عید میں اہل اسلام میں ہوتا ہے وہ اہل ہنود کو دیا جائے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی ہم کو ضرورت ہے۔جواب سے مطلع فرمائے گا۔

الجواب:

قربانی اگر فقیر نے کی ہو اس کا گوشت کسی کافر کو دینا جائز نہیں، اگر دے گا تو اتنے گوشت کا تاوان دینا لازم ہوگا اور اگر غنی نے کی تو ذبح کرنے سے اس کا واجب ادا ہوگیا، گوشت کا اسے اختیار ہے مگر مستحب یہ ہے کہ اگر اس کے تین حصے کرلے، ایک حصہ اپنے لئے، ایک عزیزوں خویشوں کے لئے، ایک تصدق کے لئے، یہاں کے کفار کو دینا ان تینوں مدوں سے خارج ہے۔لہذا انھیں دینا خلاف مستحب ہے۔اور اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑ کر دینا حماقت ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از چتور گڑھ محلّہ چھیپیاں مسئولہ جمیع مسلماناں گنہ گار ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا عقیقہ کا گوشت کافر کو دینا جائز ہے یا ناجائز؟ اسی طرح قربانی کے رودہ اور آنت کا کافر کو دینا کیسا؟ اور اگر کسی نے نہ جاننے کی حالت میں گوشت یا رودہ وغیرہ دلایا تو اس کی قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟

---
[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

الجواب:

آنت کھانے کی چیز نہیں، پھینک دینے کی چیز ہے۔ وہ اگر کافر لے جائے یا کافر کو دی جائے تو حرج نہیں۔

"اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ"[1]	خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔ (ت)

یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے۔

"وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ"[2]	طیب چیزیں طیب لوگوں کے لئے اور طیب لوگ طیب چیزوں کے لئے۔ (ت)

پھر بھی اگر کوئی اپنی جہالت سے دے گا قربانی میں کوئی حرج نہ کرے گا۔ **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۳: مسئولہ اکبر یار خاں باشندہ سوداگری محلّہ بریلی سوداگر چشمہ بروز جمعہ ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص نے ایک قربانی میں تین عـــہ آدمیوں کے نام جو مرگئے ہیں، کیا، وہ فرماتے ہیں قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی اللہ عزوجل کے لئے کی، اور اس کا ثواب جتنے مسلمانوں کو پہنچانا چاہا اگرچہ عام امت مرحومہ کو تو قربانی درست ہوگی، اور ثواب سب کو پہنچے گا، اور اگر ان تینوں نے اپنی طرف سے قربانی کی وصیتیں کی تھیں، تو ہر ایک کے مال سے جدا قربانی لازم ہے۔ ایک قربانی دو کی طرف سے نہیں ہوسکتی اگر کی جائے تو کسی کی طرف سے نہ ہوگی محض گوشت ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: از سیتاپور ڈاکخانہ خیرآباد مدرسہ نیازیہ مرسلہ شکور اللہ صاحب ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے نیت قربانی کی اور عمرو نے عقیقہ کی نیت، جانور واحد معین میں کرکے جانور حلال کیا اور دونوں نے آپس میں برابر گوشت تقسیم کرلیا، عمرو کا عقیقہ اور زید کی قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

گائے یا اونٹ میں دو سے سات تک شریک ہوسکتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ کسی طرح باہم

عـــہ: اصل میں بیاض تھی اندازہ سے درست کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

حصہ کریں جبکہ ایک حصہ سے کم نہ ہو جائز ہے۔ہاں اگر ایک نے سواچھ حصے لئے دوسرے نے پون، تو وہ جانور نرا گوشت ہو گیا، قربانی و عقیقہ کچھ نہ ہوا، نہ اس پون والے کا نہ سواچھ والے کا، کہ ایک حصہ سے کم میں تقرب نہیں ہو سکتا، اور جب اس کے ایک جز میں نہ ہوا تو کسی جز میں نہ ہوا اللہ عزوجل ہر شریک سے غنی ہے۔یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ بعض اس کے لئے اور بعض غیر کے لئے جس کا ایک ذرہ غیر کے لئے ہو وہ کل غیر کے لئے ہے۔یہاں جبکہ دو شخصوں میں گائے نصفا نصف ہے تو ہر ایک کے ساڑھے تین حصے ہوئے۔ایک حصہ ٹوٹا مگر اور سالم حصے موجود ہیں، اور قربانی عقیقہ دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں لہذا دونوں صحیح ہو گئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: ۹ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرے دو طرح خصی کئے جاتے ہیں۔ایک یہ کہ رگیں کوٹ دی جائیں، اس میں کوئی عضو کم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آلت تراش کو پھینک دی جاتی ہے۔اس صورت میں ایک عضو کم ہو گیا، آیا ایسے خصی کو بھی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ بوجہ مذکورہ ممانعت کرتے ہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی گائے کو گوشت بہ نسبت فحل کے زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ **فی الھندیۃ عن الخلاصۃ یجوز المجبوب العاجز عن الجماع**[1] (ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ذکر کٹا جو جفتی کے قابل نہ رہا وہ قربانی میں جائز ہے الخ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۶: ۹ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے کا کان چرا ہوا ہے جیسے گاؤں کے لوگ بچپن میں کان چیر دیتے ہیں کہ طول یا عرض میں شق ہو جاتا ہے مگر وہ ٹکڑا کان کا ہی لگا دیتا ہے جدا نہیں ہوتا اور اس کے سینگ جو گھوم کر چہرے پر آئے۔اور ایک سینگ آنکھ تک آیا جس سے آنکھ کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اس کی نوک تراش دی گئی۔ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے۔مگر مستحب یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔

فی العالمگیریۃ تجزی الشرقاء وھی	عالمگیری میں ہے قربانی شرقاء جائز ہے یہ وہ ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۷

مشقوقه الاذن طولا، ولامقابلة ان يقطع من مقدم اذنها شيئ ولا يبان بل يترك معلقا والمدابرة ان يفعل ذٰلك بمؤخر الاذن من الشاة، ومارو ى ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم نهى ان يضحى بالشرقاء والمقابلة والمدابرة والخرقاء فالنهى فى الشرقاء والمقابلة والمدابرة محمول على الندب وفى الخرقاء على الكثير على اختلاف الاقاويل فى حد الكثير كذا فى البدائع[1]۔	جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں اور مقابلہ جائز ہے یہ وہ جائز ہے جس کے کام کا اگلا کچھ حصہ کٹا ہو لیکن جدا نہ ہو بلکہ لٹکا ہوا ہو، او رمدابرہ جائز ہے یہ وہ ہے جس کے کا بچھلا حصہ اس طرح کٹا ہو، یہ صفات بکری کی ہیں، اور جو مروی ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے شرقاء، مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔ تو شرقاء مقابلہ اور مدابرہ میں یہ نہی تنزیہہ پر محمول ہے جبکہ کثیر کی حد میں اقوال کا اختلاف ہے بدائع میں یوں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

يضحى بالجماء هى التى لاقرن له خلقة وكذا العظماء التى ذهب بعض قرنها بالكسر اوغير فان بلغ الكسر الى المخ لم يجز قهستانى، وفى البدائع ان بلغ الكسر المشاش لايجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الركبتين والمرفقين اھ[2] والله تعالٰى اعلم۔	جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہو اور یوں عظماء بھی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا ہو اور غیر میں اگر سینگ مخ سمیت ٹوٹا ہو تو ناجائز ہے۔ قہستانی اور بدائع میں ہے کہ اگر سینگ کا ٹوٹنا مشاش تک ہو جائے تو ناجائز ہے۔ اور مشاش یہ ہڈی کا سرا ہے جیسے گھٹنے اور کہنیاں ہیں اھ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۳۷: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ

ایک راس عقیقے کے لئے خریدی اس کا سینگ ٹوٹ گیا، اب دوبارہ پھر نکل آیا۔ یہ راس قابل قربانی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الجواب: سینگ ٹوٹنا اس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے کہ جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں۔

فی ردالمحتار یضحی بالجماء وھی التی لاقرن لھا خلقة وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ۔ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قھستانی، و فی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئی والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین[1] اھ۔	ردالمحتار میں ہے جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ پیدائشی نہ ہو اور یوں عظماء بھی، یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا اور منح تک ٹوٹ چکا ہوتا ناجائز ہے۔ قہستانی، اور بدائع میں ہے اگر یہ ٹوٹ مشاش تک ہو تو ناجائز ہے اور مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ (ت)

اور اگر ایسا ہی ٹوٹا تھا کہ مانع ہوتا، مگر اب زخم بھر گیا، عیب جاتا رہا تو حرج نہیں لان المانع قد زال وھذا ظاھر (کیونکہ مانع جاتا رہا، اور یہ ظاہر ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۸: مسئولہ مولوی خلیل الرحمٰن متعلّم مدرسہ منظر الاسلام اہلسنت وجماعت بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا جانور کس قدر صحیح ہونا چاہئے اور کس قدر سینگ جانور کا کٹا ہوا ہو تو قربانی ہو سکتی ہے۔ اور جڑ سے ٹوٹ گیا ہو تو کیا حکم ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اعضاء سلامت ہونا ضروری ہے۔ سینگ ٹوٹا ہونا مضائقہ نہیں رکھتا مگر جہاں سے اُگا ہے اگر وہاں تک ٹوٹا تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قول (ویضحی بالجماء) ھی التی لاقرن لھا خلقة وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ فان بلغ الکسر	اس کا قول کہ "جماء کی قربانی جائز ہے۔ یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں اور یوں عضماء بھی جس کے سینگ کا ٹوٹنا وغیرہ کچھ حصہ میں ہو، اور یہ ٹوٹ مخ سمیت ہو تو ناجائز ہے۔ قہستانی اور بدائع میں ہے اگر ٹوٹنا مشاش

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۵

الی المخ لم یجز قهستانی وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزی والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	تک ہو تو ناجائز ہے۔ مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از چونیاں ضلع لاہور ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

انجمن مذکور کے اشتہار مذکور میں ہے جس جانور کے پیدائشی کان دم نہ ہوں وہ جائز ہے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک، اور ناجائز ہے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک، مگر چونکہ وہ روایت اصول ہے اس واسطے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فتوٰی کے اوپر فتوٰی دیتے ہیں کہ جس جانور کے پیدائشی کان دم نہ ہو وہ جائز ہے۔

اب حضرت مولانا صاحب جواب خود تحریر فرمائیں کہ ایسا مذکورہ بالا جانور واقعی قربانی میں جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اکثر فتاووں میں ایسے جانور کا ناجائز لکھا ہے۔ حضرت صاحب انجمن کے اشتہار شائع شدہ میں یہ دونوں مسئلے اسی طرح لکھے ہیں، آیا یہ دونوں مسئلے درست لکھے ہیں یا کہ نہیں؟ مفصل طور پر تحریر فرمائیں بحوالہ کتب معتبرہ۔

الجواب:

جس جانور کی اصل پیدائش میں کان اور دم نہ ہو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک ناجائز، اور معتمد قول امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، خانیہ میں ہے:

الشاۃ اذالم یکن لها اذن ولا ذنب خلقة یجوز۔ وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لایکون هٰذا ولو کان لایجوز، و ذکر فی الاصل عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه انه یجوز [2]۔	بکری کو اگر پیدائشی طور پر کان اور دم نہ ہو تو جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسا جانور نہیں ہوتا اگر ہو تو قربانی جائز نہیں ہے۔ اور مبسوط (اصل) میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ یہ جائز ہے۔ (ت)

اسی طرح اجناس وخلاصہ وبزازیہ میں ہے۔ غالباً یہ ہے جس پر اشتہار میں اعتماد کیا، اور

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیة فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۴۸

واقع میں وہ قابل اعتماد نہ تھا۔

اوّلاً: متون وشروح نے عدم جواز پر جزم کیا اور قول خلاف کا نام نہ لیا، ۱مختصر امام کرخی پھر غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے:

قال ہشام وسألت ابایوسف عن السکاء التی لاقرن لھا قال تجزئ فان لم یکن لھا اذن لا تجزئی وہو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی [1]۔	ہشام نے کہا میں نے امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی سے سکاء کے متعلق سوال کیا اور یہ وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں، تو انھوں نے فرمایا جائز ہے اور اگر کان نہ ہوں تو ناجائز ہے یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے۔(ت)

۲ہدایہ میں ہے:

السکاء وھی التی لا اذن لھا خلقۃ لا تجوز لان مقطوع اکثر الاذن اذا کان لایجوز فعدیم الاذن اولٰی [2]۔	سکاء وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر کان نہ ہوں، جائز نہیں، کیونکہ جب کان کا اکثر حصہ کٹا ہو تو ناجائز ہے۔ تو بالکل کان نہ ہوں تو بطریق اولٰی ناجائز ہوگا۔(ت)

۳عنایۃ و ۴غایۃ البیان و نتائج ۵الافکار وغیرہا میں اس پر تقریر کی، ۶منسک متوسط میں ہے:

لایجوز الذی لا اذن لہ خلقہ او لہ اذن واحدۃ [3]۔	جس کے پیدائشی کان نہ ہوں یا صرف ایک کان ہو تو ناجائز ہے۔(ت)

۷مسلک متقسط میں اس پر تقریر کی، ۸تنویر الابصار میں و ۹درمختار میں ہے:

والا السکاء التی لا اذن لھا خلقۃ [4]۔	اور سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہوں ناجائز ہے(ت)

۱۰طحطاوی و ۱۱شامی میں اس پر تقریر کی، ۱۲بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

---

[1] غایۃ البیان

[2] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۶

[3] المسلک المتقسط فی المنسلک المتوسط باب الھدایہ دار الکتب العربی بیروت ص ۳۱۴

[4] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

لاتجوز مقطوعة احد الاذنین بکمالها، والتی لها اذن واحدۃ خلقۃ[1]۔	ایک کان کامل کٹا ہوا اور جس کا پیدائشی ایک ہی کان ہو ناجائز ہے۔(ت)

[۱۳] تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:

السکاء وہی التی لااذن لها خلقۃ لاتجوز[2]۔	سکاء وہ ہے جس کا پیدائشی کان نہ ہو۔، ناجائز ہے۔(ت)

[۱۴] مناسک امام کرمانی پھر [۱۵] شلبی علی الزیلعی میں ہے:

لان فات عنه عضو کامل[3]۔	کیونکہ اس کا کامل معدوم ہے۔(ت)

[۱۶] شرح طحاوی امام اسبیجابی پھر [۱۷] خزانۃ المفتین میں ہے:

لایجوز السکاء وھی التی لااذن لها خلقۃ الاوالیۃ لها خلقۃ[4]۔	سکاء وہ جس کا پیدائش کان یا چکّی نہ ہو وہ جائز نہیں ہے۔(ت)

[۱۸] اتقانی علی الہدایہ میں ہے:

قال محمد رحمۃ اللہ تعالٰی فی الاصل بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال استشرفوا العین والاذن، وروی فی السنن عن علی کرم اللہ وجہہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان تستشرف العین والاذن وقد اعتبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقاء الاذن فمنع فواتها من جواز الاضحیۃ[5]۔	امام محمد نے فرمایا اصل میں، کہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت پہنچی کہ آپ نے فرمایا کہ آنکھ اور کان کو بغور دیکھو، اور سنن میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرمایا کہ ہم آنکھ اور کان کو بغور دیکھیں، تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کان کی بقاء کا اعتبار فرمایا تو معدوم ہو ناجواز قربانی کے لئے مانع ہوگا۔(ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الاضحیۃ فصل واما شرائط اقامت الواجب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۷۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۶

[3] حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/۶

[4] خزانہ المفتین کتاب الاضحیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۰۷

[5] غایۃ البیان

۱۹فتح اللہ المعین میں ہے:

لایضحی بالسکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ بخلاف صغیرۃ الاذن[1]۔	سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہو اس کی قربانی نہ کی جائے بخلاف چھوٹے کان کے۔(ت)

۲۰مجمع الانہر میں ہے:

ولاالسکاء وھی التی لا اذن لھا خلقۃ[2]۔	اور سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہوں جائز نہیں۔(ت)

۲۱سراجیہ میں ہے:

لاتجزی التی لم یخلق لھا اذن[3]۔	جس کے کان پیدا نہ ہوں جائز نہیں،(ت)

ثانیًا: یہی قضیہ حدیث ہے: **کما علمت من غایۃ البیان** (جیسا کہ تم نے غایۃ البیان سے معلوم کرلیا ہے۔ت)

ثالثًا: اس کی وجہ اظہر واز ہر ہے۔ **کما علمت من الھدایۃ ومناسك الکرمانی** (جیسا کہ تم نے ہدایہ اور مناسک کرمانی سے معلوم کرلیا ہے۔ت) ایراث نقص میں عدم طاری واصلی میں تفرقہ کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔

رابعًا: یہی اکثر کتب میں ہے **والعمل بما علیہ الاکثر** (عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہو۔ت)

خامسًا: یہی احوط ہے تو بوجوہ اسی کو ترجیح، اور اسی پر اعتماد وعمل وفتوٰی واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۰: ۹ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی دم تہائی کے قریب کٹی ہوئی ہے اور ایک کان چرا ہوا ہے مگر حصہ اس کا جدا نہ ہوا کان ہی میں لگا ہے۔ تو اس صورت میں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] فتح المعین کتاب الاضحیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳ /۳۸۰

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۵۲۰

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاضاحی نولکشور لکھنؤ ص۸۹

الجواب:

جائز ہے۔

فی التنویر یضحی بالجماء لامقطوع اکثرالاذن او الذنب[1]۔فی الدرالمختار للاکثر حکم الکل بقاء و ذھابا۔فیکفی بقاء الاکثرعلیہ الفتوی[2]۔فی الھندیۃ تجزئی الشرقاء وہی مشقوقۃ الاذن طولا ،والمقابلۃ ان یقطع من مقدم اذنھا شیئ،ولا یبان بل یترک معلقا والمدابرۃان یفعل ذٰلك بمؤخر الاذن، والنھی محمول علی الندب کذا فی البدائع[3] اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویرالابصار میں ہے جماء جس کا پیدائشی سینگ نہ ہو کی قربانی کی جائے نہ کہ اس کی جس کاکان یا دم اکثر کٹی ہو، درمختار میں ہے اکثر کاحکم کل والا ہوتا ہے بقاء اور ضیاع میں تواکثر حصہ کی بقاء کافی ہے۔اور اسی پر فتوٰی ہے۔ہندیہ میں ہے شرقاء جائز ہے یہ وہ ہے جس کاکان لمبائی میں کٹا ہو۔او مقابلہ جائز یہ وہ ہے جس کاکان آگے سے کٹاہو،اور جدانہ ہوا ہو بلکہ لٹکتا ہو، اور مدابرہ جائز ہے، یہ وہ ہے جس کان پیچھے سے ایسے کٹا ہو اور ان سے نہی تنزیہہ پر محمول ہو۔بدائع میں یوں ہے اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۱: قصبہ کوسی کلاں ضلع متھرا، محلّہ مسجد مندی حافظ محمد رمضان پیش امام بروز یک شنبہ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

قربانی کی کھال سید کو یا والدین کو دینا درست ہے یا نہیں۔کتاب مالابدمنہ کے اندر صدقہ نفل سید کو جائز لکھا ہے[4]۔اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ کھال قربانی صدقہ واجب ہے یا نفل ہے۔سید کو قربانی کی کھال دے یا نہیں؟ اکثر لوگ قربانی کی کھال دے دیا کرتے ہیں، درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا جائز ہے۔اپنے ماں باپ اولاد کو بھی دے سکتا ہے شوہر زوجہ کو زوجہ شوہر کو دے سکتی ہے۔ وہ بہ نیت تصدق ہو تو صدقہ نافلہ ورنہ ہدیہ، سقا کو دینے میں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۸

[4] مالابدمنہ(فارسی) کتاب الزکوٰۃ مطبع علوی لکھنؤ ص۵۹

بھی حرج نہیں۔وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۲: مرسلہ حاجی الہ یار خان صاحب تاجر کتب ۲۱ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

قربانی کی کھال کو بہ نیت تصدق فروخت کرنا یا اس کی قیمت سے بوریا وغیرہ خرید کر مسجد میں رکھا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جائز ہے کہ تصدق کے لئے بیچا یا مسجد کے صرف میں لانا دونوں قربت ہیں،اور یہاں وہی مقصود،لاعین التصدق ولا تصدق العین (نہ کہ عین التصدق اور عین چیز کا تصدق۔ت) عالمگیری میں ہے:

لایبیعه بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسه و عیاله،ولوباعها بالدراھم لیتصدق بهاجاز،لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین [1] اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اپنے یا اپنی عیال پر خرچ کرنے کے لئے قربانی کی کھال کو دراہم سے فروخت نہ کرے اور اگر دراہم کا صدقہ کرنا ہو تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح عبادت ہے تبیین الحقائق میں یوں ہے اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

ایضاح الجواب اصل یہ کہ اضحیہ مثل دم قران وتمتع وذبح تطوع دم شکر ہے ان میں قربت مقصودہ صرف اراقۃ دم لوجہ اللہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ولہذا ان کے لحم وغیرہ کا تصدق واجب نہ ہوا،اور خود کھانے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔

قال تعالٰی "فَکُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ" [2]،وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کلوا واطعموا و ادخروا،اخرجه احمد والشیخان [3] ان سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا قربانی سے خود کھاؤ اور قناعت والے اور محتاج کو کھلاؤ،اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ،کھلاؤ اور ذخیرہ کرو،اس کو احمد اور شیخین نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اور کھال کی کوئی چیز مثل مشکیزہ وغربال وپوستین وتوشہ دان وفرش وتکیہ وجلد کتاب وغیرہا

---

[1] فتاوٰی ہندیه کتاب الاضحیة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۰۱

[2] القرآن الکریم ۲۲ /۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۳۵

بناکر اپنے تصرف میں لانا بھی روا۔

کما نص علیه فی عامة کتب المذہب وعن ام المومنین عائشة رضی الله تعالٰی عنها قالت قالوا یارسول الله ان الناس یتخذون الاسقیة من ضحایاهم ویحملون فیها الودك فقال وماذاك قالوا نهیت ان توکل لحوم الاضاحی بعد ثلث قال نهیتکم من اجل الدافعة فکلو اوادخروا وتصدقوا. اخرجه احمد والبخاری و مسلم [1]۔	جیسا کہ اس پر عامہ کتب مذہب میں تصریح کی ہے اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! لوگ قربانی کے چمڑے سے مشکیزے بناتے ہیں اور مشکیزوں میں چربی بھرلیتے ہیں توحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہوا انھوں نے عرض کی آپ نے تین دن کے بعد قربانی کی گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا میں نے تمھیں ضرور تمندوں کی آمد کی وجہ سے منع کیا تھا تو اب کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو، اس کی تخریج امام احمد، بخاری، اور مسلم نے کی ہے۔ (ت)

اسی طرح مذہب صحیح میں جلد ولحم کی تبدیل بھی ایسی اشیاء سے جائز ٹھہری جو اپنی بقائے عین کے ساتھ استعمال میں آئے، جیسے برتن، کتابیں، کپڑے، ہدایہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

اللفظ للهدایة یعمل منه اٰلة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال و نحوها لان الانتفاع به غیر محرم ولا باس بان یشتری به ماینتفع به فی البیت بعینه مع بقائه استحسانا، وذٰلك مثل ماذکرنا، لان للبدل حکم المبدل واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح [2] اھ ملخصا۔	ہدایہ کے الفاظ میں ہے کہ اس کی کھال سے کے استعمال والے آلات بنائے جائیں مثلاً بچھونا، تھیلا، غربال (چھلنی) جیسی چیزیں، کیونکہ کھالوں سے انتفاع حرام نہیں ہے۔ اور ان سے گھر میں استعمال کے لئے چیز خریدنا جو بعینہٖ باقی رہے تو استحساناً اس میں کوئی حرج نہیں اس کی مثال ہماری ذکر کردہ چیزیں ہیں، کیونکہ بدل کا حکم مبدل والا ہے۔ اور گوشت حکم میں بمنزلہ کھال کے ہے صحیح مذہب میں اھ ملخصا۔ (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النهی عن اکل الحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

[2] الهدایه کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

یوہیں اغنیاء کو گوشت یا کھال یا اس کو کوئی چیز بنا کر یا اسی قسم کی اشیاء ان کے عوض خرید کر ہدیہ دینا بھی جائز ہوا۔

لانه لما جاز التصرف بنفسه، فجواز الهدية من باب اولٰی کما استدل فی الهداية لجواز طعام الغنی بقوله متی جاز اکله وهو غنی جاز ان يوکل غنيا[1]۔	کیونکہ جب خود اپنا تصرف جائز ہے تو ہدیہ کا جواز بطریق اولٰی ہوگا جیسا کہ ہدایہ میں غنی کو کھلانے کے جواز پر استدلال فرماتے ہوئے فرمایا جب خود غنی ہونے کے باوجود کھانا جائز ہے تو کسی غنی کو کھلانا بھی جائز ہے۔(ت)

ولہٰذا فقیر کو دینے میں تملیک شرط نہ ہوئی، بلکہ اباحت بھی روا ٹھہری یعنی دے نہ ڈالے بلکہ دستر خوان پر بٹھا کر کھلا دے،

شرح نقایہ علامہ للبرجندی میں ہے:

ویوکل ای يطعم من شاء منها علی طريق الاباحة سواء کان فقيرا اوغنيا، ويهب من يشاء علی سبيل التمليك فقيرا او غنيا[2]۔	قربانی کے گوشت میں سے جس کو چاہے دے اباحت کے طور پر، اور ہبہ کے طور پر تملیک کرے فقیر کو خواہ غنی کو۔(ت)

شرح لباب میں ہے:

کل دم وجب شکرا، فلصاحبه ان ياکل منه ماشاء ویوکل الاغنياء ولو بالاباحة والفقراء تمليکا او اباحة ولا یجب التصدق به، لا بکله، ولا ببعضة[3] اھ ملخصا۔	ہر قربانی جو بطور شکر واجب ہو تو مالک کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے، اغنیاء کو کھلائے اباحت کے طور پر خواہ تملیک کے طور پر فقیر کو خواہ غنی کو، یا بعض گوشت کا صدقہ واجب نہیں ہے۔ اھ ملخصا۔(ت)

اور یہ معنی خود آیت وحدیث سے مستفاد کہ **اطعموا**[4] فرمایا نہ کہ **اعطوا** البتہ یہ ناجائز ہے کہ اپنے یا

---

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۹

[3] المسلك المتقسط فی النسلك المتوسط مع ارشاد الساری باب الهدایا فصل فیما لایجوز من الهدایا دار الکتاب بیروت ص ۳۱۲

[4] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

اپنے اہل وعیال اور اغنیاکے صرف میں لانے کو گوشت یا کھال یا کسی جز کو بعوض ایسی اشیاء کے فروخت کرے جو استعمال میں خرچ ہو جائیں اور باقی نہ رہیں جس طرح روپیہ پیسہ یا کھانے پینے کی چیزیں یا تیل پھلیل وغیرہ کہ ان کے عوض اپنی نیت سے بیچنا تمول ہے۔اور نیت اغنیا مثل اپنی نیت کے ہے۔اور یہ جانور جس سے اقامت قربت ہوئی،اس قابل نہ رہاکہ اس کے کسی جز سے تمول کیا جائے۔ہدایہ میں ہے:

لایشتری به مالا ینتفع به الاباستهلاکه کالخل ولا بازیر اعتبار ابالبیع بالدراہم والمعنٰی فیه انه تصرف علی قصد التمول[1]۔	قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو ہلاک کرکے نفع اٹھائے جیسے سرکہ یا نیچ جس طرح کہ دراہم سے نفع بطریقہ ہلاک ہوتا ہے تو یہ بھی منع ہے۔ منع کی وجہ مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے۔(ت)

علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں:

والمعنٰی فی عدم الشتراہ مالاینتفع به الابعد استهلاکه انه تصرف علی قصد القول،وهو قد خرج عنه جهته التمول[2]۔	ایسی چیزی خریدنے کی ممانعت میں وجہ یہ ہے کہ ہلاک کرکے نفع کی صورت میں مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے حلانکہ قربانی تو مال سے خارج کرنا مقصود بنائے۔(ت)

بخلاف اس کے کہ اس قسم کی اشیاء سے صرف خیر میں صرف کرنے کو مبادلہ کرے کہ اس میں معنی ممنوع یعنی تمول متحقق نہیں،تو اس نیت سے استبدال بھی جائز۔ولہذا تبیین میں فرماتے ہیں:

لوباعهم بالدراہم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق[3]۔	اگر دراہم سے اس لئے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

خلاصہ یہ کہ بعد قربانی اس کے اجزاء میں ہر قسم کا تصرف غنی کو حلال ہے۔ مگر وہ جس میں معنی تمول پائے جائیں،اسی لئے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں تصریح کی کہ المعنی انه لایتصرف علی قصد التمول[4] اھ

---

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۴ /۴۴۸

[2] البنایۃ فی شرح الہدایہ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیہ مکہ المکرمہ ۴ /۱۹۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶ /۹

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۲۱

(مقصد یہ ہے کہ مال کے حصول کی غرض سے تصرف نہ کرے۔ت)

اس تحقیق وتنقیح سے واضح ہوا کہ علماء جوایک شق تصدق کی لکھتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ تصدق عین ضروری ہے یعنی خاص اسی چیز کو بغیر بدلے خیرات کرے بلکہ مطلقاً ہر شیئ کے عوض بیچ کر خیرات کرنی جائز ہے خواہ روپے پیسے ہوں یا اشیائے خوردنی یا اعیان باقیہ، نہ عین تصدق ضرور ہے۔جس کے حقیقی معنی فقیر کو مالک کرنا۔

کما فی الزکاۃ من فتح القدیر حقیقۃ الصدقۃ تملیك الفقیر[1]۔	جیساکہ فتح القدیر کے زکوۃ کے باب میں ہے کہ صدقہ کی حقیقت فقیر کو مالک بنانا ہے۔(ت)

بلکہ مطلقاً ہر مصرف خیر میں صرف کرنا جائز ہے اگرچہ اس میں کسی کی تملیک نہ ہو، جیسے کفن موتٰی ونفقہ مسجد وغیر ذٰلک، و لہٰذا اباحت روا ٹھہری،اور علامہ زیلعی کی عبارت مذکور نے صاف واضح کردیا کہ قربت چاہئے خاص تصدق کی کوئی خصوصیت نہیں،اور خود ظاہر ہے کہ جب بے صورت تمول اپنے اور اغنیاکے صرف میں لانا رواہوا۔اور جانور کا قربت کے لئے ہونا اس کا مانع نہ ٹھہرا تو مصارف خیر جس میں اصلا بوئے تمول نہیں اور خود امور قربت ہیں، بدرجہ اولٰی جائز ہوں گے۔

اب حکم مسئلہ بحمدالہ روشن ہولیا،بہ نیت تصدق داموں سے بچنا عبارت فتاوٰی ہندیہ سے گزرا اور مسجد کی چٹائی وغیرہ میں صرف کرنا بھی قربت ہے۔نہ اپنا تمول جو ممنوع ٹھہرا،پس دونوں صورت مسئولہ سائل کا حکم جواز ہے۔یہ **بحمداللہ تعالٰی** وہ تحقیق ہے جس سے اس فصل کی تمام جزئیات کا حکم نکل سکتا ہے۔

فاتقن ھذا العلك لا تجدہ بھذا الایضاح والتحریر فی غیر ھذا التحریر ،ولا علیك من خفائہ علی بعض[عہ] ابناء الزمان المدعین العلم العزیز،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اس کو مضبوط کرو ہوسکتاہے اس وضاحت اور صفائی سے تمھیں کسی اور تحریر میں نہ ملے اور موجودہ زمانے کے مدعین علم پر اس کے مخفی ہونے پر تمھیں تعجب نہ ہو،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

عـــہ: مولوی رشید احمد گنگوہی۔

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقہ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۸

مسئلہ ۲۴۳: از بنارس محلّہ کنڈی ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی واسطے تعمیر مسجد واشیاء متعلقہ مسجد مثل بوریا، بدھنا، فرش، شامیانہ وغیرہ یا برائے درستگی قبرستان کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ درصورت عدم جواز کے اگر کوئی شخص مصرف مذکور میں صرف کرے۔ یا سرا پایہ وغیرہ ہندو کافر کو دے، تو اس کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

قربانی اراقہ دم لوجہ اللہ سے ہوجاتی ہے **کما نص علیہ العلماء قاطبۃ** (جیسا کہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ت) اس کے بعد کھانے، دینے، دلانے سے اس میں کچھ فرق نہیں آتا اگرچہ کسی کو دے، اور چرم کے باب میں ابھی بیان ہوا کہ ہر قربت روا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴: از موضع کٹرہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی عبدالکریم رضا صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی مرمت مسجد اور بوریاں وغیرہ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور غسل خانہ، پاخانہ وار دین مسجد کے لئے اس قیمت سے بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ اراقہ دم سے اقامت واجب کے بعد اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے خاص تصدق ضروری نہیں بلکہ جمیع انواع خیر کہ مثل تصدق قربت ہیں، سب جائز ہے۔ اور بلا بیع خود اپنے تصرف میں لانا دیگر احباب اغنیاء کو ہدیہ دینا بھی جائز۔

كما طفحت بنقول ذٰلك كتب المذہب المعتمدہ ولنا فی خصوص ذٰلك رسالہ حافلة سميناها "الصافية الموحية لحكم جلود الاضحية"۔	جیسا کہ تم نے مذہب کی کتب معتمدہ سے فائدہ پایا، اور خاص اس مسئلہ میں ہمارا جامع رسالہ ہے ہم نے اس کا نام "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا [1]۔	کھاؤ اور اٹھا رکھو، اور وہ کام کرو جس سے ثواب

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	حاصل ہو (اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق [1]۔	اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے، توجائز ہے۔ کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

لباب میں ہے: **لایجب التصدقہ بہ** [2] (سب گوشت صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔ت) شرح میں ہے: **لابکلہ ولاببعضہ** [3] (نہ سب کاصدقہ کرنا نہ بعض کاواجب ہے۔ت)

بالجملہ مدار قربت وعدم قبول ہے۔ اور شک نہیں کہ مسجد کی مرمت، اس میں بوریا وغیرہ آلات کا رکھنا، غسل خانہ بنانا سب افعال قربت ہیں، توان میں اس کا صرف ضرور جائز، اسی طرح واردین مسجد کے لئے پاخانہ بنوانا اگر فنائے مسجد سے جدااور زمین وقف میں خلاف مشروط تصرف سے برکراں ہو باعث اجر ہے۔ **کمالایخفی** (جیساکہ مخفی نہیں۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۵: ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھالیں تعمیر دیوار مسجد کے لئے دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کھالیں بیچ کر دام کرلئے ہوں تو یہ دام صرف مسجد میں دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر کھالیں صرف مسجد کے لئے پہلے سے دے دی جائیں یا ان کا داموں کے عوض بیچنا اپنے صرف میں لانے کے لئے نہ ہو بلکہ امور قربت وثواب کی غرض سے ہوں تو ان داموں کا مسجد کے صرف کے لئے دے دینا، یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، اور اگر کھالیں اپنے صرف میں لانے کے لئے داموں کو بیچ ڈالیں تو یہ دام مسجد میں صرف نہیں ہوسکتے بلکہ مساکین کو دے دئے جائیں، جس مسکین کو دے وہ اپنی طرف سے مسجد میں لگادے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] المسلک المتقسط المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[3] المسلک المتقسط المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

تو مضائقہ نہیں۔

وذٰلك لان الطریق فی الجلود اما الادخار واما الائتجار، فاذا اعطاہا المسجد، اوباعھا لامور القرب، واعطی الثمن فیه، فقد اتی بما ینبغی، اما اذا باعھا للتمول، فقد خالف فما حصل خبیث، وسبیله التصدق، وانما التصدق تملیك للفقیر اما اذا ملك فقیر، فاعطی المسجد فلا حرج، فان الصدقة قد بلغت محلھا واللّٰه تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے کہ قربانی کی کھالوں میں طریق ذخیرہ کرنا یا اجر وثواب حاصل کرنا ہے تو جب مسجد کو دیں یا ان کو فروخت کرکے تقرب والے امور کے لئے یا ان کی قیمت ان امور میں خرچ کرنے کے لیے تو اس نے مناسب محل پورا کردیا لیکن اگر مال حاصل کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو خلاف ورزی کی لہٰذا جو مال بنایا خبیث ہوا اس کا راستہ یہی ہے۔ کہ اس کو صدقہ کرے جبکہ صدقہ فقیر کو مالک بنانا ہے تو فقیر کو مالک بنایا تو اس نے مسجد کو دے دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ صدقہ اپنے محل پہنچ چکا ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۶: مرسلہ جناب حکیم سراج الحق صاحب شہر الہ آباد دروازہ جناب حضرت شاہ محمد اجمل صاحب ۵ ذی الحجہ یک شنبہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا چمڑا فروخت کرکے مسجد کی جانماز اور مسجد کی مرمت کرنا، اور مسجد میں لگانا، عام اس کے مسجد کی دیوار ہو یا مسجد کا پائخانہ، غسل خانہ وغیرہ ہو، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قربانی کی کھال ہر اس کام میں صرف کرسکتے ہیں جو قربت وکار خیر وباعث ثواب ہو، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قربانی کی نسبت فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا [1]۔ رواہ ابوداؤد عن نبیشه الھذلی رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	کھاؤ اور اٹھا رکھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو (اسے ابوداؤد نے نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

لو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق[1]۔	اگر صدقہ کرنے کی غرض سے دراہم کے بدلے فروخت ہو تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

مگر فنائے مسجد میں پائخانہ بنانا قربت نہیں بلکہ ممنوع ہے کہ مسجد کو بوئے بد سے بچانا واجب ہے۔اور اس کی فنا کا ادب بھی اسی کی مانند ہے یہاں تک کہ علماء نے فنائے مسجد میں بعد مسجدیت جدید دکان بنانے کی ممانعت فرمائی کہ باعث بیحرمتی، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

قیم المسجد لایجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد۔کذا فی محیط السرخسی[2]۔	مسجد کے منتظم کو جائز نہیں کہ مسجد کی حدود میں دکانیں بنائے، کیونکہ مسجد یا فنائے مسجد کو دکانیں بنایا تو مسجد کی حرمت ساقط ہو گی اور یہ جائز نہیں ہے۔جبکہ فنائے مسجد بھی مسجد کے تابع ہے تو اس کا حکم بھی مسجد والا ہو گا، محیط سرخسی میں یوں ہے۔(ت)

ہاں اگر حدود وفنائے مسجد سے دور کوئی پائخانہ مسافروں اور بے گھر نمازیوں کے متعلق مسجد ہے تو اس کی تعمیر یا مرمت ضروری بھی نیت صالحہ سے ضرور قربت وموجب اجر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۷: مولانا مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی بالائے قلعہ مدرس اول مدرسہ منظر الاسلام یوم یک شنبہ ۱۹ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کھال قربانی بیچ کر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟اور کوئی عمارت مثل مسافر خانہ، نشست کی چوپال جس میں مسافر یا اپنے ہم قوم مقیم ہو سکیں **بینواتوجروا**

الجواب:

مسجد یالوجہ اللہ مسافر خانہ وغیرہ آرام مسلمانان کی عمارت بنانا جس میں اجر ہو اور حصول اجر ہی کی نیت ہو، بالجملہ ہر اس کام میں جو شرعا قربت ہو، قربانی کی کھال صرف کرنا ہر گز ممنوع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اضحیہ کی نسبت جیسا **تصدقوا** فرمایا صدقہ کرو، یونہی **وائتجروا**[3] بھی

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

[3] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۳/ ۳۳

ارشاد فرمایا وہ کام کرو جس میں ثواب ہو، رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت) امام زیلعی شرح کنز میں فرماتے ہیں:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق [1]۔	اگر ان کو دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

معلوم ہوا کہ عین تصدق لازم نہیں، بلکہ قربت ہونا درکار ہے۔ تصدق بھی اسی لئے مطلوب ہوا کہ قربت ہے۔ تو جو قربت ہو سب کی وسعت ہے۔ ہاں بہ نیت تمول اپنے صرف میں لانے کو اس کے دام کرنا جائز نہیں۔ حدیث:

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ۔ رواہ الحاکم [2] و البیھقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جس نے قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہ ہوئی، اس کو حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

کا یہی محمل ہے۔ اور حدیث صحیحین میں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنے شتران قربانی حج کی نسبت حکم فرمانا کہ ان کا گوشت پوست صدقہ کردیں [3]۔ جواز تصدق کی دلیل ہے نہ کہ تعین تصدق کی، ورنہ اکل و اذخار بھی ممنوع ہوجائے حالانکہ بالاجماع جائز و منصوص ہے۔ وہ واقعہ حال ہے۔ اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں، اسی حدیث میں ان کی نکیلیں اور جھولیں تصدق کردینے کا بھی حکم ہے تو یہ جواد کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بخشش تھی نہ کہ عام تشریع، ہاں جس نے تمول کے لئے بیچی وہ ان داموں کو تصدق ہی کرے کہ اول ان کا حصول بروجہ خبیث ہے۔ اور جو مال یوں حاصل ہو اس کی سبیل تصدق ہے۔ عبارت ہدایہ کا یہی مطلب ہے۔ خود ہدایہ میں فرمایا:

المعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول [4]۔	وجہ یہ ہے کہ اس نے مال بنانے کی غرض سے تصرف کیا۔ (ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[3] صحیح البخاری کتاب المناسك باب یتصدق بجلود الھدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[4] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

اس مسئلہ کی تحقیق تام مع ازاحت اوہام فقیر کے رسالہ "**الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة**" میں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۴۸: ازجیت پور کاٹھیاوار مرسلہ مولوی نور محمد عرف باوامیاں بن قاضی محمد ہاشم امام مسجد حاجی جیت پور ۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

بخدمت اقدس علی جناب فیضمآب اعلم اہلسنت وجماعت مجدد مائتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیحضرت مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ برکاتکم ومدفیوضانکم علینا آمین۔

از جانب احقر العباد نور محمد بن قاضی محمد ہاشم کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،کے گزارش یہ ہے کہ قربانی کے چمڑوں کو یہاں کے مسلمان اپنے اپنے محلّہ کی مسجد میں للہ خیرات دیتے ہیں۔اور متولیان مسجد ان کو بیچ کر قیمت جمع رکھتے ہیں اور حسب ضرورت امام کا پگاراس رقم میں سے دیتے ہیں۔

پس یہ قربانی کے چمڑوں کا مسجد میں خیرات دینااور اس پیسوں کاامام کو دینا یا دوسرے ضروری خرچ مسجد ڈول رسی وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے یانہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی کے چمڑوں کو للہ مسجد دے دینا کہ انھیں یاان کی قیمت کو متولی یامنتظمان مسجد مسجد کے کاموں مثلاً ڈول۔رسی،چراغ،بتی،فرش،مرمت،تنخواہ مؤذن،تنخواہ امام وغیرہامیں صرف کریں،بلاشبہ جائز و باعث اجر وکار ثواب ہے۔تبیین الحقائق میں ہے،**جاز لانه قربة کالتصدق**[1] (جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)اسی طرح ہدایہ وکافی وعالمگیری وغیرہ میں ہے۔ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:**کلوا وادخروا وائتجروا**[2] (کھاؤاوراٹھا رکھواور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ت) امام اگرچہ غنی ہواس کی تنخواہ دینے کو متولی یا منتظم ان چمڑوں کو بیچ سکتے ہیں،یاپہلے سے انھوں نے مصارف مسجد کے لئے دام رکھے ہیں،توان میں سے تنخواہ دے سکتے ہیں۔

فان الجلد قد وصل موضع التقرب وعطاء وظیفة امام المسجد ایضاقربة۔	کیونکہ کھال تقرب کے مقام کو پہنچ گئی،امام مسجد کو وظیفہ دینا بھی قربت ہے اگرچہ غنی کو لینا قربت نہیں۔

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

وان لم یکن اخذہا قربة للغنی بل مباحا علی المفتی بہ فلم یکن فی معنی البیع بالدراہم لھدیة غنی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بلکہ مفتی بہ قول پر مباح ہے۔تو غنی کو ہدیہ دینے کی غرض سے فروخت کے معنی میں نہ ہوئی،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۹و۲۵۰: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی امام یا مؤذن مسجد کو دینا یا اس کی قیمت فروخت کرکے دینا جائز ہے یا نہیں۔اگر پیش امام تنخواہ پاتے ہیں تو کیا حکم ہے۔اور جن کی تنخواہ بھی مقرر نہیں صرف عید کو کچھ بطور ہدیہ چندہ کرکے دے دیا،عیدالاضحٰی کو قربانی کے چرم وغیرہ دے دئے یا محلّہ میں نکاح خوانی لیں،اسی پر ان کی گزراوقات ہو۔تو ایسوں کے واسطے چرم قربانی یا اس کی قیمت دینا کیسا ہے اور کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔** کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس عدالت سے کسی شخص کے قرضہ کی بابت کے نیلام کی راس قربانی کے واسطے علیحدہ علیحدہ کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب

(۱) امام ومؤذن غیر تنخواہ دار کو بطور اعانت چرم قربانی یا اس کی قیمت دینے میں حرج نہیں،اور تنخواہ دار کو بھی جبکہ تنخواہ میں نہ دیں،یعنی زید نے امام کو نوکر رکھا اور اس کی تنخواہ اس کے ذمہ ہے۔یہ قربانی کی کھال بیچ کر اسے ادا کرے تو اپنا روپیہ بچاتا اور اپنا مطالبہ اس سے ادا کرتا ہے۔اور یہ تموّل ہے اور قربانی سے تموّل جائز نہیں۔ہاں اگر اہل محلّہ نے امام ومؤذن کو مسجد کا نوکر رکھا جس کی تنخواہ ذمہ مسجد ہے تو چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں دے کر اس سے تنخواہ ادا کرسکتے ہیں،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس خریدنا ناجائز نہیں،نہ اس کی قربانی ہوسکے کہ وہ فضولی کی بیع ہے۔یعنی غیر مالک کی بے اجازت مالک،اور ایسی بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے۔اور بیع موقوف قبل اجازت مفید ملک نہیں ہوتی۔اور ملک غیر کی قربانی نہیں ہوسکتی۔اسی طرح کچہری میں نیلام جبکہ قیمت اس مطالبہ سے زائد نہ دی گئی ہو،جس میں وہ نیلام ہوا،وہ نیلام بھی بے رضائے مالک ہے۔ہاں مثلاً اگر سو روپے کا مطالبہ تھا اور ایک سو ایک کو نیلام ہوا،سو روپے ڈگری دار کو دئے گئے اور باقی روپیہ اصل مالک کو،اور وہ اس نے لے لیا،تو یہ اس بیع کی اجازت ہوگئی،اب خریدار اس شیئ کا مالک ہوجائے گا۔اور اس کی قربانی صحیح ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۱تا۲۵۴: از موضع سٹیلہ ڈاکخانہ موانہ کلاں ضلع میرٹھ مرسلہ مجید اللہ خاں ۲۹ صفر ۱۳۳۴ھ

حامدًا ومصلیًا، کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسائل ہذا میں:

(۱) کھال قربانی کی اگر ہم لوگ بلارعایت کسی استحقاق خدا کے واسطے خیال کرکے اگر اپنے امام مسجد کو دیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟
(۲) آج ہمارا امام غریب ہے کل کو خدا کے فضل سے صاحب نصاب ہوگیا تو کھال قربانی اس صورت میں بھی دینا جائز ہوگا یا نہیں؟
(۳) سید صاحب کو کھال قربانی اور مدز کوٰۃ سے مسلوک ہونا جائز ہوگا یا نہیں؟
(۴) صاحب قربانی اپنی قربانی کی کھال کو اپنے صرف میں لاسکتا ہے تو کس کس خرچ میں؟ ڈول، مصلٰی، مشک وغیرہ کے علاوہ تاڑی سائی وغیرہ بھی بنواسکتا ہے یا نہیں؟

فیض اللہ خاں، حبیب خاں، جھدو خاں، کالے خاں پسر جنگ باز خان

الجواب:

واجب اضحیہ اراقۃ دم سے ادا ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد لحم وجلد اس کی ملک ہیں، اس میں ہر تصرف مالکانہ کرسکتا ہے صرف تمول ممنوع ہے۔ تو کھال بعینہ، خواہ اس کا ڈول، مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بنواکر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ سید کو بھی دے سکتا ہے ہر غنی کو دے سکتا ہے تو امام نے کیا قصور کیا ہے۔ عام ازیں کہ صاحب نصاب ہو یا نہو، ہاں اس داموں سے بیچنا اس غرض سے کہ اپنے دام اپنے یا کسی غنی کے صرف میں لائے جائیں، جائز نہیں، وہ غنی ہو یا غیر، یونہی اگر امام اس کا نوکر ہے اور اس کی تنخواہ کے بدلے کھال دی تو ناجائز ہے کہ یہ تمول ہوا یعنی کھال دے کر مال بچانا، اور اگر کھال اس لئے بیچی کہ اس کے دام تصدق کرے تو امام غیر صاحب نصاب کو دے سکتا۔

وکل ذٰلك مفصل فی فتاوٰنا وفی رسالتنا الصافیة الموفیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة۔	یہ تمام ہمارے فتاوٰی اور ہمارے رسالہ۔ "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" میں مفصل بیان ہوچکا ہے۔ (ت)

بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، نہ انھیں لینا جائز۔ نہ ان کے دیئے ادا ہو، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور یہی صحیح ہے **کما بیناہ فی رسالتنا "الزھر الباسم فی حرمة الزکوٰة علی بنی ھاشم"** (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ **"الزھر الباسم فی حرمة الزکوٰة علی بنی ھاشم"** میں بیان کیا ہے۔ ت) امامت کے معاوضۃ میں بھی چرم قربانی دینا ایک صورت میں جائز ہے۔ وہ یہ کہ متولیان مسجد یا اہل محلّہ نے اسی طرح اسے مقرر کیا کہ تم امامت کرو قربانی کی کھالوں سے تمھاری خدمت کی جائے گی، یہ صورت بھی صورت تمول نہیں، چرم قربانی جس طرح مذکور ہوا اپنے مصرف میں مطلقًا لاسکتا ہے۔ رنگوانے کی شرط محض رنگ آمیزی حماقت

ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۵: مرسلہ سید محمد حسن علی قاضی، مہدیوا علاقہ اندور محلّہ جمال پورہ بروز یک شنبہ تاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کیسے شخص کو دینا درست ہے اور جائز ہے اور گر قربانی کی کھال صاحب نصاب کو دے دیں تو قربانی اس کی جائز ہوئی یا نہیں؟ اگر قربانی کی کھال صاحب نصاب کو کہ "وہ پیش امام بھی مسجد کا ہے۔ دے دی، تو قربانی انس کی درست اور جائز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کا حق سمجھ کر اس کو دے دی جائے، یا وہ پیش امام ان کھالوں کو اپنا حق سمجھ کر بزور لے تو ان کھالوں کا اس شخص کو دینا درست اور جائز ہے یا نہیں؟ اور قربانی ان لوگوں کی درست ہے اور جائز یا نہیں؟ اگر قربانی کی کھالیں کسی مسجد کی تعمیر کے کام میں لائیں یا ان کو فروخت کرکے مسجد کے جانماز بنوالیں، یا مسجد کے اور کام میں لائیں، مثلاً مسجد کا سقاد ابنوالیں، یا مسجد میں اس کی قیمت کا پانی ڈلوائیں تاکہ سب نمازی وضو کریں، یا مسجد میں آفتابے بنوائے جائیں تاکہ نمازی وضو کریں، ان سب صورتوں میں قربانی درست اور جائز ہوئی یا نہیں؟ بحوالہ حدیث وآیات کتب معتبرہ تحریر فرمائیں اجر ملے گا دن قیامت کے نزدیک اللہ جل شانہ، کے۔

الجواب:

قربانی راقۃ دم لوجہ اللہ کا نام ہے۔ واجب اس قدر سے ادا ہوجاتا ہے۔ پھر اس کے گوشت پوست کے لئے تین صورتیں ارشاد ہوئیں ہیں، بعینہٖ اپنے صرف میں لایا جائے، یا وقت حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یا اس سے ثواب کا کام کیا جائے۔

کلوا وادخروا وائتجروا [1]۔	کھاؤ اور اٹھار کھو اور ہر وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ (ت)

ثواب میں وہ مسجد کے سب کام داخل ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے کہ اس کے دام کرکے اپنے کام میں لائے جائیں۔

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ [2]۔	جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی اس کی قربانی نہ ہوئی۔ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس ۲/ ۳۳

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

کھال کی جس طرح جانماز یا کتابوں کی جلدیں یا مشکیزہ اپنے لئے بنوا سکتا ہے یونہی کسی غنی کو بھی ہدیہ دے سکتا ہے اگرچہ وہ غنی امام ہو، جبکہ اس کی تنخواہ میں نہ دی جائے، اور اگر تنخواہ میں دے تو امام اگر اس کا نوکر ہے جس کی تنخواہ اسے اپنے مال سے دینی ہوتی ہے تو دینا ناجائز۔ کہ یہ وہی تمول ہوا جو ممنوع ہے۔ اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے جس کی تنخواہ مسجد دیتی ہے تو جائز نہیں کہ یہ مسجد میں دے دے، اور مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دی جائے۔ قربانی کی کھالوں میں امام کا کوئی حق نہیں اور اسے جبرًا لینا حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۶: از کیلا کھیڑا ڈاکخانہ بازپور ضلع نینی تال مرسلہ عبدالمجید صاحب ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ

اس علاقہ میں یہ رسم ہے کہ بقر عید کی قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کو دیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے اگر وہ فقیر ہو، اور بطور صدقہ دیں، یا غنی ہو اور بطور ہدیہ دیں، لیکن اگر اس کی اُجرت اور تنخواہ میں دیں تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ اپنا نوکر ہے تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔ اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے اور کھال مہتمم مسجد کو مسجد کے لئے دے دی اس نے مسجد کی طرف امام کی تنخواہ میں دے دی تو اس میں کچھ حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: محمد عبدالحافظ صاحب، میمن سنگھی مدرس مدرسہ یاکد سرپوست لکھیا ضلوع میمن سنگھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی جلد سے مسجد بنانا اور مسجد کے چونا لگا اور مرمت کرنا اور چٹائی وفرش خرید نا جائز ہے یا نہیں؟ بدلائل کتب صافیہ وعبارات صحیحہ سے بیان فرمایا جائے۔ فقط

الجواب:

جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلو وادخروا وائتجروا[2]۔ رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ	کھاؤ اور اٹھار کھو اور ثواب کے کاموں میں خرچ کرو (اسے ابو داؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

تعالٰی عنه۔	تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

تبیین الحقائق وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق [1]۔	اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کا صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

ثابت ہوا کہ خاص تصدق ضرور نہیں بلکہ ہر وقت۔ہاں اس سے اپنا تمول ممنوع ہے کہ اپنے خرچ کے لئے روپوں یا کسی ایسی چیز سے بدلے جو خرچ ہو جاتی ہے۔بنایہ شرح ہدایہ للامام العینی میں ہے:

المعنٰی فی عدم الشتراہ مالاینتفع به الا بعد استھلاکه انه تصرف علی قصد التمول وھو قد خرج عن جھة التمول [2]۔	کھال کے بدلے ایسی چیز نہ خریدنا جس کو ہلاک کرنے کے بعد انتفاع حاصل کی ممانعت کا مطلب ما حاصل کرنے کی غرض سے تصرف مراد ہے جبکہ اس صورت میں تمول کی جہت خارج ہو گیا۔(ت)

ظاہر ہے کہ مسجد میں صرف کرنا تمول سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا بلکہ تصرف ؏ باطل ہے۔کوئی ذی شعور ایسا نہیں کہہ سکتا نہ کوئی ذی علم۔اُن مدعیوں پر فرض ہے کہ اولاً شرح مطہر سے اس کا ثبوت دیں کہ جس مسجد کی مرمت پرست قربانی سے ہوئی ہو اس میں نماز ناجائز ہے۔جب وہ ثبوت دینے کا ارادہ کریں گے ان پر کھل جائے گا کہ ان کی دونوں باتیں محض بے اصل تھیں وباطل تھیں ان پر توبہ فرض ہے کہ شرع مطہر پر افتراء بہت سخت چیز ہے۔اللہ تعالٰی ہمارے بھائیوں کو توفیق خیر دے آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۸تا۲۶۴: از رنگون مگول اسٹریٹ یونانی ڈسپنسری(یونانی شفاخانہ مرسلہ حکیم محمد ابراہیم راندیری ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اس بستی میں دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے پیش امام کو دے دیتے ہیں اگر نہ دی جائے تو جھگڑا بھی ہوتا ہے اور پیش امام صاحب بھی یوں فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کا میں حقدار ہوں،ضرور مجھے دی جائیں،اور اہل جماعت یوں کہتے ہیں کہ پیش امام صاحب کو قربانی کی کھالیں تبرعاً دینا جائز ہیں نہ کہ جبراً۔

؏: فی الاصل ھکذا العله من قلم الناسخ والصحیح بلکہ اس کو تمول کہنا تصرف باطل ہے۔۱۲عبدالمنان الاعظمی۔

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۹

[2] البنایة فی شرح الھدایه کتاب الاضحیة المکتبة الامدایة مکه المکرمه ۴/ ۱۹۰

جب تبرعاً دینا جائز ہے تو کچھ حصہ قیمت چرم باقی کا امام صاحب کو دینگے، اور کچھ حصہ دیگر مساکین کو دیا جائے تو زیادہ افضل ہے۔ پس اختلاف طرفین کی جانب سے ایک مولوی صاحب منصف قرار دیئے، منصف مولوی صاحب نے یوں حکم دیا کہ قربانی کی کھال سب کی سب مسجد کے پیش امام صاحب کو دے دو اور کسی دیگر مساکین کو نہ دو، اس واسطے کہ وہ لوگ تمھاری حیات وممات کے حقدار نہیں، اور پیش امام صاحب پر جبراً لینے سے بھی گناہ نہیں اور گناہ واقع ہو تو میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ حشر کے دن اس گناہ کی جزاسزا میں نے لی، تم لوگ بے خوف قربانی کے سب چمڑے پیش امام صاحب کو دے دو۔

حاضرین محفل میں سے کسی صاحب نے ان مولوی صاحب سے یہ عرض کیا کہ میں نے ایک گائے کی قربانی کی، اور دو مسکینوں نے ایک ساتھ چمڑا مانگا، ان کو دیا جائے گا یا نہیں؟

مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا چمڑہ دو مسکینوں کو دینا مکروہ و منع ہے۔ اس نے پھر کہا دوسرا مسکین بھی توسائل ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ دوسرے سائل کا سوال اس کی دُبر میں جانے دو۔

اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) اس طرح جبراً قربانی کی کھال پیش امام کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جبراً لے لیا تو اس پیش امام کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۳) اور اسی طرح جو شخص جبراً لینے والے کی مدد کرے، اس مددگار کے حق میں کیا حکم ہے؟

(۴) اگر کوئی شخص اس خیال سے کہ امام صاحب کو تنخواہ ملتی ہے۔ قربانی کی کھال نہ دے تو اس شخص پر امام صاحب کو حاضرین مجلس کے ساتھ غضب خدا پڑنے کی بدعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اس منصف مولوی صاحب کے حق میں جس نے حشر کے دن مواخذہ خداوندی کی ضمانت لے لی ہے۔ کیا حکم ہے، نیز منصف مولوی صاحب ایک مسجد کے پیش امام ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۶) جو شخص حق کو باطل کردے اس کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۷) ایک کھال کئی مسکینوں کو صدقہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس شخص نے جھوٹ کہا کہ قربانی کی کھالیں اس کا حق ہے۔ شریعت مطہرہ نے کھالوں میں اتنے اختیار دئے ہیں، وہ صورت کرے کہ بعینہٖ ان کو باقی رکھ کر استعمال میں لائی جائیں، مثلاً مشک یا

ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالے، یا کسی ایسی ہی چیز سے جو باقی رکھی جاتی ہے بدل لے۔ مثلاً ان کے بدلے برتن یا کتاب خرید لے۔ یا بعینہٖ کھال اپنے عزیزوں، قریبوں خواہ کسی غنی کو دے دے، یا مسجد یا مدرسہ دینی میں دے دی جائے، یا اسے تقریب الی اللہ کے لئے بیچ کر اس کے دام فقراء مساکین طلبہ وغیرہم مصارف خیر کو دئے جائیں، خواہ ایک کو سو کو، یہ جو اس شخص نے کہا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا ایک چمڑا دو کو دینا منع ہے۔ محض جھوٹ کہا، اور شریعت مطہرہ پر افترا کیا، اور اس کا یہ کہنا کہ پیش امام کو جبراً لینے سے بھی گناہ نہیں، شریعت پر اس کا دوسرا افتراء اور ظلم کو جائز کرنا ہے۔ اور اس پر وہ سخت جرأت کہ اس پر جو سزا ہو وہ اپنے ذمہ لی، عذاب الٰہی کو ہلکا سمجھنا اور معاذ اللہ کلمہ کفر ہے۔ اس کی امامت جائز نہیں، اور پیش امام اگر کھالیں لینے پر جبر کرے اس سے باز نہ رہے تو یہ بھی فاسق معلن ہے۔ اور اس کا امام بنانا گناہ اور اس جبراً لینے میں جو اس کی مدد کرے وہ سخت شدید گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام[1]۔	جو دانستہ ظالم کی مدد کو چلا وہ اسلام سے نکل گیا۔ (ت)

اور جو شخص امام کو کھال نہیں دیتے خواہ وہ تنخواہ پاتا ہو یا نہ پاتا ہو، اس میں ان پر کوئی شرعی الزام نہیں کہ امام کو دینا شرع نے واجب نہ کیا تھا، نہ کھال امام کا حق تھی کہ اس کی حق تلفی ہوتی، اس پر جو امام نے اس مسلمان کو وہ سخت بدعا دی کہ "وہ خدا ہی مستحق غضب ہوا، العیاذ باللہ تعالٰی کہ اس نے مسلمان کو ناحق ایذا دی، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلماً فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی الله[2]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے بلا وجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۵ تا ۲۶۹: از سنبھل محلہ رحمٰن سرائے مرسلہ احمد خاں صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کے جانور کی کھال دام صاحب قربانی اپنے مصرف میں لائے یا نہیں؟ اور قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے؟ اور قربانی کے چمڑے کو بحق پیش امام دے یا نہیں؟ اور مسجد میں صرف کرے یا مدرسہ علم القرآن وحدیث میں؟ اور سری قربانی کی حجام اپنا حق سمجھ کرلے تو دے یا نہیں؟

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبہ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

اور ۴مسجد میں صرف کرے یا مدرسہ علم القرآن وحدیث میں؟اور ۵سِری قربانی کی حجام اپنا حق سمجھ کرلے تودے یانہیں؟

الجواب:

۱قربانی کی کھال کے دام صاحب قربانی اپنے صرف میں نہیں لاسکتا۔حدیث میں ہے:

من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له [1]۔	جو اپنی قربانی کی کھال بیچے اس کی قربانی نہ ہوئی۔

۲مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے۔ایک حصہ اپنا،ایک احباب کا ایک مساکین کا، ۳پیش امام کا اس میں کوئی حق نہیں،دو تو اختیار ہے۔لیکن اگر وہ اس کا نوکر ہے تو تنخواہ میں نہیں دے سکتا، ۴مسجد اور مدرسہ دینیہ دونوں میں صرف کرنا جائز۔ ۵حجام کا اس میں کوئی حق نہیں،دینے کا اختیار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۰: از موضع میونڈی بزرگ ضلع بریلی مسئولہ سید امیر عالم حسین صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلود قربانی مسجد میں لگانا درست ہے یانہیں؟بعض کہتے ہیں کہ فرش وچھت میں لگانا درست نہیں،یعنی جس جگہ سجدہ کیا جائے وہ جگہ قیمت جلود قربانی سے نہ بنائی جائے کہ وہ قیمت صدقہ ہے اس جگہ سجدہ کرنا حرام ہے۔ہاں اس قیمت سے حدود دیوار مسجد یا غسلخانہ وغیرہ بنایا جائے تو درست ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں وغیرہ بنوادیا جائے،توکچھ حرج نہیں خواہ مسجد میں ہو یا اور کہیں،اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں بھی نہ بنایا جائے،کہ وہ قیمت صدقات سے ہے کہ اس کے پانی سے وضو جائز نہ ہوگا،اور نہ اس کا پانی پینے کے قابل ہوگا،تو جناب قبلہ سے امیدوار ہیں کہ اس کا ثبوت غلامان کو کیوں نہ دیا جائے کہ قیمت جلود قربانی کس کام میں صرف کی جائے آیا مسجد یا کنویں وغیرہ میں لگانا درست ہے یانہیں؟

الجواب:

اگر قربانی کی کھال مسجد میں دے دی تو متولی کو اختیار ہے کہ اسے مسجد کے جس صرف میں چاہے صرف کرے،اور اگر مسجد میں دینے کی نیت سے خود اس کے دام کئے تو وہ دام بھی مسجد کے ہر کام میں صرف ہوسکتے ہیں،ہاں اگر اپنے خرچ لانے کی بہ نیت سے کھال بیچے تو یہ حرام دام خبیث ہیں،مسجد میں نہ دے،نہ مسجد کے کسی کام میں صرف ہوں،بلکہ فقیر مسلمان پر صدقہ کئے جائیں،وتحقق المسئلة فی رسالتنا"الصافیة الموحیة لحکم جلود والاضحیة"(اس مسئلہ کی تحقیق ہمارے رسالہ "الصافیة الموحیة لحکم جلود والاضحیة"

[1] المستدرك كتاب التفسير دار الفكر بيروت ۲/ ۳۹۰

میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱: از جزیرہ ضلع فرید پور ڈاک خانہ خاص مرسلہ مولوی مفیض الدین صاحب قاضی ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ونفع المسلمین بعلو مکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ تعمیر مسجد از چرم جائز ست یانہ وتصدق بچرم اضحیہ از قبیل تطوعات ست یا از واجبات، ودر ادائے صدقہ واجبہ تملیک مشروط ست، ھکذا درادائے صدقہ نافلہ تملیک، مشروط است یانہ؟	آپ کا کیا ارشاد ہے اور اللہ تعالٰی آپ کے علوم سے مسلمانوں کو نفع دے، اس مسئلہ میں کہ قربانی کے چرم سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ قربانی کے چرم کا صدقہ واجب ہے یا نفل؟ اور صدقہ واجبہ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے کیا نفلی صدقہ کی ادائیگی میں بھی تملیک شرط ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب:

صدقہ باطلاق عام درگرد تملیک نیست کما نطقت بہ الاحادیث الکثیرۃ وحققناہ فی فتاوٰنا منھا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مااطعمت زوجتك فھو لك صدقۃ، وما اطعمت ولدك فھو لك صدقۃ۔ وما اطعمت خادمك فھو لك صدقۃ [1]۔ بلکہ کفارہ صوم وظہار ویمین خود واجب ست، وشک نیست کہ از قسم صدقہ است، ولہٰذا غنی را روا نیست، معہذا تملیک لازم نکردہ اند۔ اباحت دارد کما نصوا علیہ قاطبۃ۔ برچرم اضحیہ راسا ہیچ وظیفہ از شرع معین نیست، روا ست کہ باستعمال خود دارد، یا بغنی ہدیہ کند پس او بمعنی	مطلق صدقہ تملیک کا پابند نہیں ہے جیسا کہ کثیر احادیث اس پر ناطق ہیں اور اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے ایک حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد ہے: جو تو نے اپنی بیوی کو کھلایا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنی اولاد کو کھلایا وہ تیرا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنے خادم کو کھلایا ہے وہ تیرا صدقہ ہے۔ بلکہ کفارہ صوم، ظہار اور قسم، واجب ہے اور شک نہں کہ از قسم صدقہ ہے اسی لئے غنی کو کھانا جائز نہیں اس کے باوجود تملیک لازمی نہیں ہے بطور اباحت دینا جائز ہے جیسا کہ تمام فقہاء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ چرم قربانی پر تو کوئی شرعی حکم معین نہیں ہے خود استعمال کرنا جائز ہے یا کسی غنی کو ہدیہ کردے تو شرعی مطالبہ کے

[1] کنزالعمال حدیث ۱۶۳۳۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۴۱۵

مطالبہ شرعیہ اصلا صدقہ نیست نہ واجبہ، نہ نافلہ، نہ عامہ، نہ خاصہ، پس شرط تملیک فقیر زیادت ست بر شرع است آری اگر بفقیر بخشید صدقہ خاصہ نافلہ شود وایں معنی موجب آں نبود کہ جزیں کار آں جا ہیچ روا نیست نہ بینی کہ زرے کہ بہ بنائے مسجد یا تکفین میت صرف کنی، اگر بفقیرے دہی، نیز صدقہ خاصہ نافلہ بود، وایں معنی منع نہ کند از صرف زر درکار خود یا درکار خیر، بلکہ آنجا خود مطالبہ شرعیہ بود کہ بنائے مسجد بمحل حاجت، و تکفین میت، ہر دو واجب ست، وبصرف اضحیہ یا چرم او بکار دگر اصلا مطالبہ نیست ناگویند کہ مطلوب شرع صدقہ اوہست ومصرف صدقہ جز محل تملیک نباشد بہ صدقہ اش زنہار از شرع مطالبہ نیست، بلکہ ایں جاسہ کار فرمودہ اند کلو اوادخروا وائتجروا خورید، وبرائے حاجت بردارید، وبکار ثواب صرف کنید، رواہ ابو داؤد [1] عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن البنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ایں سوم خود جمیع میراث ومثوبات راشامل ست، تعمیر مسجد نیز ازان ست، پس بالیقین رواست واللہ تعالٰی اعلم۔	طور پر ہر گز صدقہ نہیں ہے۔ نہ واجب، نہ ہی نفلی، اور نہ عام نہ خاص پس اس میں تملیک فقیر کی شرط کرنا شرع پر زیادتی ہے۔ ہاں اگر فقیر کو دے گا تو خاص نفلی صدقہ ہوگا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقیر کے بغیر کسی کے لئے رواہ نہیں، دیکھئے جو زر آپ نے مسجد کی تعمیر پر کیا یا میت کے کفن پر خرچ کیا اگر فقیر کو دیتا تو وہ بھی خاص نفلی صدقہ ہو جاتا جبکہ وہ اس چیز کو مانع نہیں کہ آپ خود اپنے صرف میں یا کسی بھی کار خیر میں صرف کریں بلکہ مسجد کی تعمیر ضروری ہو یا کفن دینے کی حاجت ہو، تو شرعی مطالبہ ہے اور یہ دونوں واجب ہو جاتے ہیں حالانکہ چرم قربانی کو کسی کام پر خرچ کرنے کا شرعا کوئی مطالبہ نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ اس کو صدقہ کرنا شرعا مطلوب ہے اور اس صدقہ کا مصرف تملیک کے بغیر نہیں ہو سکتا جبکہ شرع نے اس کو صرف کرنے کا کوئی بھی حکم نہیں دیا، ابوداؤد نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، ذخیرہ کرو اور اجر کماؤ، یہ تین کام کرنے کا حکم فرمایا جبکہ تیسرا حکم تمام نیکیوں اور ثواب والے مقامات کو شامل ہے اور مسجد کی تعمیر بھی نیکی کا کام ہے۔ لہٰذا اس کا مصرف تعمیر مسجد کے لئے بالیقین جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از ملا محمد اسمٰعیل ابن محمد رمضان در مسجد رنگریزاں پالی تاریخ ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ہم لوگ سب محلّہ قربانی کی کھالیں ہمارے محلّہ کی مسجد میں دیتے ہیں تاکہ مسجد کی ڈول، رسی وچراغ وبتی میں امداد پہنچے، اور اگر سوائے ہماری مسجد کے اور جگہ ان

[1] سنن ابو داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کھالوں کو صرف کردے، تو اس کو ہم محلّہ سے خارج کردیتے ہیں، عندالشرع ایسا کرنا کس حکم میں داخل ہے؟

الجواب:

مسجد میں چرم قربانی صرف کردینا جائز ہے مگر واجب نہیں، دوسرا اگر اور کسی جائز صرف میں خرچ کرے اس پر کوئی مواخذہ نہیں، اس بناء پر اسے محلّہ سے خارج کردینا ظلم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳و۲۷۴: ازانبیٹھ تحصیل نکوڑ ضلع سہارنپور مسئولہ سید مظفر صاحب ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علمائے ذی شان مسئلہ محررہ ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) زید پوست قربانی بعینہٖ مسجد میں دینے کو اور اس کی ضروریات میں خرچ کرنے کو خواہ تنخواہ مؤذن ہو یا دیگر حوائج مسجد جائز کہتا ہے۔ اور نیز قربانی کرنے والے کو اپنے استعمال میں لانا، خواہ ڈول بنا کر یا دیگر کسی طریقے سے شے معتمد اپنے لئے تیار کرانے کو شرعاً جو جائز کہا گیا، تو اسی ڈول کو جو اس نے استعمال کے لئے تیار کرایا تھا مسجد میں اگر دے دے تو زید مذکور اس کو جائز رکھتا ہے اور عمرو ان دونوں امر کو ناجائز کہتا ہے۔ اور استدلال ہر دو کا کتب فقہ مثل ہدایہ وشامی کی عبارت سے جیسا کہ عبارت ہدایہ مطبوعہ اصح المطابع صفحہ ۴۴۸ میں ہے:

ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منھا اویعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا الخ۔[1]	قربانی کی کھال کو صدقہ کیا جائے کیونکہ یہ قربانی کا جز ہے یا اس کو خود کام میں لاکر گھر میں خوان یا تھیلا یا چھلنی وغیرہ بنالے الخ۔ (ت)

زید کہتا ہے جبکہ پوست قربانی کی اشیاء قربانی کرنے والا اپنی ذات کے لئے تیار کراکر استعمال کرسکتا ہے تو وہ ان کو مسجد میں دے دے تو کیا حرج ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ صدقہ طفر کے معنی تملیک بلا عوض ہے تو مسجد میں پوست قربانی دینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ مسجد تملیک کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، ایسے ہی شارع علیہ السلام نے پوست قربانی کی اشیاء تیار شدہ کو اپنے نفس کے لئے اپنے گھر میں استعمال کرنے کے لئے حکم فرمایا نہ کہ مسجد میں اسی شیئ کو اپنی طرف سے دے دینے کو۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی گائے وغیرہ کے سینگ کے اوپر کا حصہ نیچے تک ٹوٹا ہو تو ہدایہ میں تو مطلقاً مکسورۃ القرن کو جائز لکھا ہے۔ اور شامی میں تفصیل اس طرح کہ اگر کسر مخ تک پہنچی تو ناجائز ہے ونیز مشاش یعنی رؤس عظام تک اگر کسر پہنچے تو ناجائز، تو جس جانور کا اوپر والا حصہ نیچے تک

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

اکھڑ گیا وہ جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) زید کا قول صحیح ہے۔ بیشک اسے امور بروخیر میں صرف کرسکتے ہیں، اور اپنے لئے ایسی چیز جو باقی رکھ کر استعمال کی جائے جیسے ڈول۔ مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بناسکتے ہیں اور اسے بدرجہ اولٰی مسجد میں دے سکتے ہیں، تصدق جس میں تملیک فقیر ضرور ہے۔ صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ میں ہے ہر صدقہ واجبہ میں بھی نہیں، جیسے کفارہ صیام وظہار ویمین کہ ان کے طعام میں تملیک فقیر کی حاجت نہیں اباحت بھی کافی ہے، **کما فی فتح القدیر**[1] **وغیرہ عامۃ الکتب** (فتح القدیر وغیرہ عام کتب میں جیسا کہ موجود ہے۔ت) چرم قربانی کا تصدق اصلا واجب نہیں، ایک صدقہ نافلہ ہے۔ اس میں اشتراط تملیک کہاں سے آیا، بلکہ ہر قربت جائز ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا[2]۔	کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو۔

کیا مسجد میں دینا ثواب کا کام نہیں امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں: **لانہ قربۃ کالتصدق**[3] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)

کیا مسجد میں دینا قربت نہیں۔ اور عجیب منطق یہ ہے کہ مسجد میں دینا تو جائز نہیں کہ تملیک فقیر نہ ہوگی، اور غنی کا اپنے صرف میں رکھنا جائز اس میں تملیک فقیر ہوگئی **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) قرن اوپر ہی کے حصے کو کہتے ہیں۔ جو ظاہر ہوتا ہے وہ اگر کل ٹوٹ گیا حرج نہیں ولہٰذا ہدایہ میں مکسورۃ القرن کو جائز فرمایا، ہاں اگر اندر سے اس کی جڑ نکل آئی کہ سر میں جگہ خالی ہوگئی، تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار کا یہی مفاد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: از تلہر ضلع شاہجہانپور محلّہ ہندوپٹی مرسلہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۲۰ رمضان ۱۳۳۷ھ

مفتیان کرام ذوی الاحترام کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے۔ زید کہتا ہے کہ جلد قربانی وعقیقہ مسجد ومدرسہ کے صرف میں آسکتی ہے۔ بکر کا قول ہے کسی فقیر کو دی جائے وہ خرچ کرسکتا ہے

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدق الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

کیونکہ یہ صدقہ ہے اور صدقات کی تفصیل کلام الٰہی نے فرمادی: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ"[1] الاٰیۃ سورۃ توبہ (صدقات خاص کر فقراء کے لئے ہیں۔ت) اور حکم باری تعالٰی ہے:

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ"[2]	تو اگر تم کسی معاملہ میں تنازع کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو۔(ت)

لہٰذا کلام ربانی کی طرف رجوع کی گئی نیز بکر کا بیان ہے کہ برتقدیر صحت قول زید کا اس کا ماخذ کہاں ہے امید کہ مسئلہ کی توضیح مع نقل عبارات فرمائی جائے۔ فقط

الجواب:

بیشک ہر منازعت میں اللہ ورسول ہی کی طرف رجوع لازم ہے۔ مگر ہر ایک کو بلاواسطہ رجوع کی لیاقت کہاں، یہیں دیکھئے آیہ کریمہ میں صدقات سے زکوٰۃ مراد کہ اسی میں ارشاد ہوتا ہے "وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا"[3] (صدقات پر کام کرنے والوں پر۔ت) اور بکر نے اسے قربانی وعقیقہ کو شامل کردیا یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے تو گوشت کی نسبت خود قرآن عظیم میں ارشاد ہے: فکلوا منھا[4] اس میں سے خود بھی کھاؤ۔ اب کہاں رہی صدقات کی وہ تفصیل جو اس آیہ کریمہ میں بالحصر ارشاد ہوئی تھی کہ "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ"[5] (صدقات فقراء کے لئے ہیں الآیۃ۔ت) یہ بھی نہ سمجھا کہ عوام تک اس کو قربانی کہتے ہیں نہ کہ صدقہ، تو ہر کار تقرب اس میں روا، لہٰذا امام زیلعی نے شرح کنز الدقائق میں فرمایا: لانه قربة کالتصدق[6] (کیونکہ صدقہ کی طرح یہ قربت ہے۔ت) ہاں ہم نے خاص مسئلہ میں اللہ عزوجل کی طرف رجوع کی تو اس کا ارشاد پایا،

"فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾"[7]	خود اس میں سے کھاؤ اور ضرور تمند فقیر کو کھلاؤ۔(ت)

اطعام کے لفظ نے بتایا کہ تصدق ہی واجب نہیں اباحت بھی کافی ہے۔ جو محض ایک قربت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رجوع کی، تو حضور کا ارشاد پایا:

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸۔۳۶

[5] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[6] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[7] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸

فکلوا وادخروا وائتجروا [1] رواه ابوداؤد وغیره عن نبشة الهذلی رضی الله تعالٰی عنه۔	کھاؤ اور اٹھا رکھو اور ثواب کا کام کرو۔اسے ابو داؤد وغیرہ نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

مسجد ومدرسہ دینیہ اہلسنت میں دینا بھی ثواب کا کام مثل اطعام، اور اسی ائتجروا کے حکم میں داخل ہے۔ہاں اگر کوئی شخص اس کی جلد اپنے صرف میں لانے کی نیت سے روپوں پیسوں کو بیچے تو بیشک قیمت اس کے حق میں خبیث ہوگی۔

لانه جزء من التمول کما نصوا علیه وفی حدیث المستدرك من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له [2]۔	کیونکہ یہ مالداری کا جزء ہے جیسا کہ انھوں نے نص فرمائی ہے اور مستدرک کی حدیث میں ہے جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہیں۔(ت)

وہ قیمت نہ مسجد میں دے نہ مدرسہ میں فان الله طیب لایقبل الا الطیب [3] (اللہ طیب ہے وہ صرف طیب کو قبول فرماتا ہے۔ت) بلکہ فقراء پر تقسیم اور تصدق کرے کما ھو حکم مال الخبیث (جیسا کہ ناپاک مال کا حکم ہے۔ت) اور اگر نہ اپنے لئے بلکہ مسجد ومدرسہ یا کسی فقیر ہی کو دینے کے لئے روپوں پیسوں کو بیچے، خود یہ خواہ مسجد ومدرسہ ووکیل فقیر، بہر صورت جائز ہے۔اور وہ دام مدرسہ ومسجد میں صرف ہوسکتے ہیں کہ ممنوع تمول ہے نہ کہ تقرب

وقد مرعن التبیین انه قربة کالتصدق [4] و تمام التحقیق فی رسالتنا "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" والله تعالٰی اعلم۔	تبیین سے گزرا کہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے، مکمل تحقیق ہمارے رسالہ "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶تا۲۷۹: انجمن اسلامیہ رانا واڑ کاٹھیاوار ۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

مجدد مائۃ حاضرہ امام اہلسنت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب قبلہ مد ظلہ العالی ! بعد تسلیم

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲ /۳۹۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل مسند ابو ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۳۲۸

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المکتبة الامیریه بولاق مصر ۶ /۹

بعد تکریم وقدمبوسی عرض یہ ہے کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) قربانی کے چمڑے کے پیسے جو معلم کو مدرسہ کی دینی اور دنیاوی تعلیم پر مقرر کئے گئے ہیں آیا ان کو بطور ماہانہ تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) قربانی کے چمڑے کے پیسے سے غریب اور تونگر کے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مدرسہ کے لئے عمارت بنانے کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) قربانی کے چمڑے کی آمد سے عمارت بنا کر اس کا سود یا کرایہ کہ آئے۔ اس کو بچوں کی تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) قربانی کے چمڑے کی آمد سے غریب یا تونگر طلباء کو کتاب دے سکتے ہیں یا نہیں مانند قرآن شریف وغیرہ **بینوا توجروا**

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق اغنیاء جو ایام نحر میں قربانی کرتے ہیں کہ ابتداء شرع مطہر نے ان پر واجب فرمائی اس کو کھال میں یہ احکام ہیں:

(۱) وہ اسے باقی رکھ کر اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں۔ مثلاً انکے مشک، ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالیں **لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وادخروا**[1] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ "اور ذخیرہ کرو" ت)

(۲) اپنے استعمال کے لئے اس سے وہ چیزیں خرید سکتے ہیں جو باقی رکھ کر استعمال ہوتی ہیں، جیسے برتن، کتابیں، وغیرہا **فان قیام البدل کقیام المبدل منہ** (بدل کا قیام مبدل کے قیام کی طرح ہے۔ ت) اور مختار میں ہے:

یتصدق بجلدہ، اویعمل منہ نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرۃ ودلو اویبدلہ بمایتنفع بہ باقیا کما مر[2]۔	کھال کا صدقہ کرے یا خود غربال۔ تھیلا، مشکیزہ خوان یا ڈول بنالے یا ایسی چیزی تبادلہ کرے جس کو باقی رکھ کر نفع حاصل کرتا رہے جیسا کہ گزرا۔ (ت)

(۳) اسے اپنے لئے داموں کو نہیں بیچ سکتے، اگر بیچیں تصدق کریں **لانہ سبیل ماحصل**

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب جنس لحوم الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۴

بوجہ خبیث (خبیث طریقہ سے حاصل شدہ کا یہی حکم ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

تصدق بالدراھم فیما لو ابدلہ بھا[1]۔	اگر اسے دراہم سے بدلا تو دراہم کو صدقہ کرے۔(ت)

یہاں تک کہ اگر داموں کو بیچے پھر چاہے کہ ان داموں سے کوئی چیز ایسی خریدے جس کی خرید جائز تھی، جیسے برتن وغیرہ، تو اب اس کا اختیار نہیں وہ دام تصدق ہی کرنے ہوں گے، طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

قولہ بما ینتفع بعینہ ظاہرہ انہ لایجوز بیعہ بدراھم ثم یشتری بھا ماذکر[2]۔	قولہ وہ چیز جس کے عین سے نفع حاصل کرے اس کا ظاہر یہ ہے کہ کھال کو دراہم کے عوض فروخت کرکے پھر دراہم کے ساتھ کوئی چیز خریدنا جن کو ذکر کیا۔ جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ویفیدہ مانذکرہ عن البدائع[3]۔	اس کا فائدہ دے گا جو ہم بدائع کے حوالہ سے ذکر کرینگے۔(ت)

(۴) یوں ہی اپنے لئے کسی ایسی چیز سے بیچیں جو خرچ ہو کر کام میں آتی ہے۔ جیسے کھانے پینے کی چیزیں، یہ ناجائز ہے۔ اور ان کی قیمت تصدق کرنی ہوگی، درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

لابمستھلك کخل ولحم ونحوہ کدراھم فان بیع اللحم اوالجلد بہ ای بمستھلك اوبدراھم تصدق بثمنہ[4]۔	ہلاک ہونے والی چیز کے عوض نہیں جیسے سرکہ گوشت وغیرہ مثلاً دراہم، تو اگر گوشت یا کھال کو ایسی ہلاک ہونے والی چیز یا دراہم کے عوض فروخت کیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔(ت)

(۵) اسے باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اسے کرائے پر نہیں دے سکتا مثلاً کھال کی مشک بنائی یا اس سے کوئی برتن خریدا، اور اس مشک یا برتن کو کرایہ پر دیا یہ ناجائز ہے۔ اس کرائے کو تصدق کرنا ہوگا۔ درمختار میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاضحیۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۲

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۱

[4] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۴

لایوجرھافان فعل تصدق بالاجرۃ[1]۔	نہ اجرت پر دے اگر اجرت لی تو صدقہ کردے(ت)

حاوی الفتاوٰی، فتاوٰی ظہیریہ، پھر درمنتقٰی پھر ردالمحتار میں ہے:

لو عمل الجلد جرابا واجرہ لم یجز، وعلیہ التصدق بالاجرۃ[2]۔	اگر کھال تھیلا بنایا اور اجرت پر دیا تو اجرت کو صدقہ کرے۔اجرت لینا جائز نہیں۔(ت)

(۶) اپنے اوپر کسی آتے ہوئے کے بدلے میں، مثلاً نوکر کی تنخواہ یا کسی کام کی اجرت میں نہیں دے سکتے **فانہ ایضا فی معنی البیع للتمول** (کیونکہ یہ بھی تمول کے معنی میں ہے۔ت) درمختار میں ہے:

لایعطی اجر الجزار منہالانہ کبیع[3]۔	قصاب کو اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔(ت)

کفایہ، پھر ردالمحتار میں ہے:

لان کلامنہا معاوضۃ لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرۃ، والبیع مکروہ فکذا مافی معناہ[4]۔	کیونکہ یہ دونوں معاوضہ ہیں کیونکہ قصاب کو اس کی مزدوری کے عوض دے گا اور بیع مکروہ ہے تو اس کا ہم معنی بھی مکروہ ہے۔(ت)

(۷) یونہی اپنی زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے **لانہ ایضا معنی البیع بالدراھم** (کیونکہ یہ بھی دراہم کے بدلے میں بیع کے معنی میں ہے۔ت) اور اگر دیں گے تو فقیر اس کا مالک ہوجائیگا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، قنیہ پھر شرح نقایہ قہستانی پھر ابن عابدین علی الدر میں ہے:

اذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکوٰۃ لایحسب عنہا فی ظاھر الروایۃ[5]۔	جب فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے گوشت دے تو ظاہر الروایۃ میں زکوٰۃ نہ ہوگی۔(ت)

(۸) فقراء کو دینے کی نیت سے داموں کو بھی بیچ سکتے ہیں کہ یہ اپنے لئے تمول نہیں، تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[3] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[5] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

لایبیعه بالدراھم لینفق الدارھم علی نفسه وعیاله، ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق [1]۔	دراہم کے عوض اپنے یا اپنے عیال پر خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اگر دراہم کے عوض فروخت کیا دراہم کو صدقہ کرنے کے لئے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

(۹) غنی کو ہبہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنا تمول نہیں۔ پھر اس غنی کو اختیار ہے چاہے داموں کو بیچ کر اپنے خرچ میں لائے چاہے کسی کی اجرت یا تنخواہ میں دے چاہے اپنی زکوٰۃ میں دے اور اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کہ اب حکم اضحیہ منقطع ہوگیا، وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے۔

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ھو لھا صدقة ولنا ھدیة [2]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے صدقہ اور ہمارے لے ہدیہ ہے۔(ت)

قنیہ پھر جامع الرموز پھر ردالمحتار میں بعبارت مذکورہ ہے۔

لکن اذا دفع لغنی ثم دفع الیه بنیتھا یحسب [3] اھای دفع الموھوب له بنیة الزکوٰۃ جاز واجزأ۔	لیکن اگر غنی کو دیا اور غنی نے اپنی زکوٰۃ میں دیا تو زکوٰۃ شمار ہوگی، یعنی موہوب لہ اپنی زکوٰۃ کی نیت سے دے تو جائز ہے۔(ت)

(۱۰) مسجد میں دے سکتے ہیں:

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وائتجروا [4] رواہ ابو داؤد عن نبشه الھذلی رضی الله تعالٰی عنه۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد کی بناپر کہ اجر کماؤ، اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

پھر مہتممان مسجد کو اختیار ہے کہ اسے بیچ کر جس کام میں چاہیں لائیں اگرچہ امام یا مؤذن یا فراش کی تنخواہ میں۔

لان صار ملك المسجد کمسألة الغنی المذکور فانقطع حکم الاضحیة۔	کیونکہ مسجد کی ملک ہو گئی جس طرح غنی والا مذکور مسئلہ تو قربانی کا حکم ختم ہوگیا۔(ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة ۶/ ۹ و فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیة الباب السادس ۵/ ۳۰۱

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقات علی مولی ازواج النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۲

[3] ردالمحتار باب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[4] سنن ابی داؤد کتاب الاضحیة باب حبس الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

واقعات امام حسام الدین پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

ویمکن تصحیحه تملیکا بالھبة للمسجد اثبات الملك للمسجد علی ھذا الوجه صحیح فیتم بالقبض [1]۔	ہبہ کے طور تملیک کی صحت مسجد کے لئے ممکن ہے اور اس طریقہ سے مسجد کی ملک ثابت کرنا صحیح ہے تو ہبہ قبضہ سے تام ہوجائیگا (ت)

فتاوٰی عتابیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

یصح بطریق التملیك اذا سلمه للقیم [2]۔	جب منتظم کو سونپ دیا تو تملیک کا طریقہ صحیح ہوگیا۔(ت)

(۱۱) یونہی ہر قربت کے کام میں صرف کر سکتے ہیں جیسے مدرسہ دینیہ کی اعانت۔

لا طلاق عموم قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم و ائتجروا [3]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ارشاد کہ "ثواب کماؤ" کے اطلاق کی بناء پر۔(ت)

امام زیلعی سے گزرا: لانه قربة کالتصدق [4] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)

(۱۲) اس کار قربت مثل مسجد یا مدرسہ دینیہ یا تعلیم یتیماں میں صرف کرنے کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ خود اس نیت سے بیچ کر اس کار خیر میں صرف کرنے والوں کو دے دیں۔

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [5]۔ وتقدم فرق الامام فخر الدین بین ما اذا باع بالدراھم لینفقھا علی نفسه وعیاله واما اذا باعھا لاجل الفقراء۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ارشاد کہ "عمل صرف نیت سے اور ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق ملا، اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالٰی کا بیانکردہ گزرا کہ اپنے اور اپنی عیال کے لئے دراہم کے عوض فروخت میں فقراء کے لئے فروخت میں فرق ہے۔(ت)

جب یہ احکام معلوم ہولئے، بعونہٖ تعالٰی سوال کی چاروں صورتوں کا حکم واضح ہوگیا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الواقعات الحسامیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی العتابیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

[3] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

(۱) مدرسہ دنیوی میں نہ دیں کہ وہ قربت نہیں، اور مدرسان مدرسہ دینی اگر اس کے نوکر ہیں جن کی تنخواہ اس پر واجب ہوتی ہے اس میں نہیں دے سکتا کہ یہ اس پر آتا ہے ورنہ مہتمم مدرسہ کو دے دے وہ تنخواہ میں دے، یا جس کار دینی مدرسہ دینیہ میں چاہے صرف کرے۔

(۲) مدرسہ دینیہ کی عمارت میں خرچ کرسکتا ہے کہ قربت ہے۔

(۳) لا الٰہ الا اللہ سود حرام قطعی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سود کھانا ستر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے بدتر ہے[1]۔

ہاں جو عمارت کار خیر مثل تعلیم القرآن علم دین کے لئے وقف کریں کہ اس کے کرایہ سے وہ کار خیر جاری ہو، اس کی تعمیر میں صرف کرسکتا ہے۔

(۴) اسے کتابوں سے بدل کر طلبہ کو دے سکتے ہیں اگرچہ وہ طلبہ غنی ہوں کہ کتاب باقی رہ کر کام آتی ہے۔ اور ایسی چیز کے عوض اپنے لئے بیچنا جائز ہے۔ طلبہ کے لئے بدرجہ اولٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۰: مرسلہ حافظ محمود حسین صاحب مدرس تلمیذ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہفتم ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی کو تنخواہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجرا**

الجواب:

جو مدرسہ تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوا اس میں قربانی کی کھال خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین وخوراک طلباء وغیرہ میں صرف کی جائے۔ مذہب صحیح پر جائز ہے کہ ایسے مدارس اعانت قربت ہے۔ اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت پوست قربانی بیچنے کو مطلقاً اجازت ہے۔

فی الھندیۃ لایبیعہ بالدارھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق، کذا فی التبیین	ہندیہ میں ہے کہ اپنے اور اپنے عیال پر دراہم خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اور گوشت بمنزلہ کھال ہے صحیح قول میں اور دراہم فقیر کو صدقہ کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے یوں تبیین

[1] شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۹۳

وھکذا فی الھدایۃ والکافی [1] اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہدایہ اور کافی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۱: از بنارس محلّہ کنڈی گڈ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مال زکوۃ چرم قربانی سے اعانت مدرسہ کی کی جائے یا نہیں۔مصارف مدرسہ میں تنخواہ مدرسین کے لئے اور وہ اپنی اُجرت لیتا ہے۔اور یہ امر ظاہر ہے کہ اجرت میں مال زکوۃ یا چرم قربانی دینا جائز نہیں ؟

الجواب:

زکوۃ میں تملیک بلاعوض بہ نیت زکوۃ درکار ہے۔بے اس کے اور وجوہ تقرب مثل مسجد ومدرسہ و تکفین موتی وغیرہا میں اس کا صرف کافی نہیں،ہاں مثلاً جو طلبہ علم مصرف ہوں،انھیں نقد یا کپڑے یا کتابیں بروجہ مذکور دے کر اعانت مدرسہ ممکن **کما یظھر من الدر وغیرہ** (جیسا کہ درو غیرہ سے ظاہر ہورہا ہے۔ت) چرم قربانی میں تصدق بمعنی مسطور اصلاً ضرور نہیں۔

منسک متوسط میں ہے:**لایجب التصدق بہ** [2] (اس کا صدقہ نہیں۔ت) مسلک متقسط میں ہے:**لابکلہ ولاببعضہ** [3] (نہ کل نہ بعض۔) مطلق قرب رواہے حدیث میں ہے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واتئجروا [4] روہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ثواب میں خرچ کرو،اس کو ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

امام زیلعی نے شرح کنز میں فرمایا:**لانہ قربۃ کالتصدق** [5] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) ظاہر ہے کہ مدارس دینیہ بھی وجوہ قربت وائتجار سے ہیں اور وہ تنخواہ حق مدرس میں اجرت ہونا حق

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۰۱

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایہ دارالکتب العربی بیروت ص ۳۱۲

[3] المسلک المتقوط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایہ دارالکتب العربی بیروت ص ۳۱۲

[4] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

[5] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

معطی الاعانۃ علم الدین میں قربت ہونے کی منافی نہیں، جیسے سقائے سقایہ و موذن مسجد کی اُجرت

وقد فصلنا القول فیہا فتاوٰنا فی المسئلۃ رسالۃ کافلۃ کافیۃ سمیتہا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ کافلہ کافیہ جس کا نام ہم نے "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا، میں بیان کی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۲: از طالب پور ضلع مرشد آباد کوٹھی راجہ صاحب مرسلہ محمد جان صاحب محمد ۶/ رمضان مبارک

چہ مے فرمایند علمائے شریعت غرا اندریں مسئلہ کہ اگر چرم اضاحی بمتولیاں مدارس دینیہ تملیکا دادہ شود وایشاں بصوابدید خود یا باشارۃ استشارہ دہندگاں چرم او را در ضروریات مدرسہ صرف نمایند سمتے از جواز وارد یانہ؟ **بینوا توجروا**	روشن شریعت کے علماء کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں اگر چرم قربانی مدارس کے متولیوں کو تملیک کردی جائیں اور وہ اپنی صوابدید پر یا دینے والوں کے مشورہ سے مدرسہ کی ضروریات میں صرف کریں تو جواز کی صورت ہے یانہیں؟ بیان کرواجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

در جواز بعد اراقۃ دم واقامت قربت صورت مذکورہ جائے سخن نیست، متولیان اگر فقراء باشند ایں تملیک تصدق باشد ورنہ ہدیہ، وہیچیک از ینہا در اجزائے اضحیہ ممنوع نیست، فی النقایہ وشرحہا للبرجندی یھب من یشاء علی سبیل التملیك فقیرا اوغنیا [1] آنچہ کہ ممنوع ومکروہ است بیع بروجہ تمول ست لحدیث من باع اضحیتہ فلا	قربانی کے خون بہادینے اور قربت قائم کردینے کے بعد مذکورہ صورت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔متولی حضرات اگر خود فقیر ہوں تو ان پر صدقہ ہوگا ورنہ ہدیہ ہوگا، ان میں سے کوئی بھی قربانی کے اجزاء میں ممنوع نہیں ہے۔ نقایہ اور اس کی شرح برجندی میں ہے جس کو چاہے دے کر مالک بنا کر فقیر کو خواہ غنی کو اور منع صرف تمول کے طور پر فروخت کرنا ہے اس حدیث کی بناء پر کہ جس نے قربانی کی کھال فروخت کی اس کی

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۹

اضحیۃ لہ [1] رواہ الحاکم فی المستدرک و البیھقی فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وپیداست کہ ہدیہ از بیع چیزے بناشد۔ بالجملہ ایں مبنی خود در لحم اضحیہ رواست۔ وجلد بالاتر از ونیست، بالاتفاق،وفی الھدایۃ والکافی والتبیین وغیرھا اللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح [2]۔ باز آں گاہ کہ جلد بتملیک مضحی در ملک متولی آمد، حکم اضحیہ منتہی شد، متولیاں راہر گونہ تصرف درو رواباشد لحصول المطلق وانتھاء الحاجز،وذٰلک قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اللحم المتصدق بہ علی بریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا ھولھا صدقۃ ولنا ھدیۃ [3]رواہ البخاری عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا۔ازیں جاست کہ اگر کسے لحم اضحیہ خودش بہ نیت زکوٰۃ بر فقیر تصدق کند زکوٰۃ ادانشود، واگر بغنی ہدیہ داد او از زکوٰۃ خویش بدست فقیرے نہاد زکوتش ادا شود، زیراکہ حکم اضحیہ بآں ہدیہ بپایاں رسید، حالاایں چیزے	قربانی نہیں،اس کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور ظاہر ہے کہ ہدیہ فروخت کی قسم نہیں ہے۔خلاصہ یہ کہ قربانی کے گوشت میں بھی یہ معنی موجود ہے جبکہ کھال اس سے اہم نہیں ہے بالاتفاق،اور ہدایہ،کافی اور تبیین وغیرہا میں ہے کہ گوشت کھال کے حکم میں ہے صحیح قول میں،پھر جب کھال قربانی دینے والے کی طرف سے متولی کی ملک کردی گئی تو قربانی کا حکم تام ہوگیا،متولی حضرات کو اب ہر طرح اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ممانعت ہونے اور اجازت پائے جانے کی وجہ سے، اور یہ اس طرح کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد اس گوشت کے متعلق جو حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو صدقہ ملا کہ وہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے اس حدیث کو بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے رویت کیاہے،اسی سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر قربانی کا گوشت فقیر کو زکوٰۃ میں دے تو زکوٰۃ ادانہ ہوگی اور اگر غنی کو ہدیہ کے طور پر دےا اور اس نے وہ زکوٰۃ میں دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کیونکہ غنی کو ہدیہ دینے سے قربانی کا حکم تام ہوگیااور اب غنی کے لئے یہ مملوکہ

[1] المستدرک کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[2] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[3] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی موالی ازواج النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۲

ست ازآن آں غنی دررنگ سائر مملوکات اوکہ بانکہ ہرچہ خواہد کند،فی ردالمحتار اذا دفع اللحم الی فقیر بنیة الزکوٰة لا یحسب عنها فی ظاهر الروایة لکن اذا دفع لغنی ثم دفعه الیه بینتها یحسب[1]، پس اگر ایشاں درغیر صور قرب استہلاک کردندے۔ہیچ مانع نبودے کہ آنکہ تمول کرد مضحی نبود،وآنکہ مضحی بود تمول نہ کرد،کما اذا تصدق بہ علی فقیر فباعہ بدراهم لنفقتہ،ایں جاکہ صرف ہم باموِر قربت ست،وقربت خود یکے از مصارف اضحیہ است لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وائتجروا رواه ابو داؤد[2] عن نبشة الهذلی رضی الله تعالٰی عنه۔ومن فقیر در فتاوٰی خودم بقدر کفایت، ودر رسالہ "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" (۱۳۰۷ھ) بمالامزید علیہ تحقیق نمودہ کہ آگر مضحی بخودی خود بے تحلل تملیک بدیگرے جلد اضاحی راہمچو امور قربت صرف نماید محذورے نیاید،لاجرم ایں صورت اولٰی بجواز ست کما لا یخفی علی اولی النهی،والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔

قرار پائی،ردالمحتار میں ہے جب قربانی کا گوشت فقیر کو زکوٰة کی نیت سے دیا تو ظاہر الروایة میں زکوٰة میں شمار نہ ہوگا،لیکن جب غنی کو دیا اور غنی نے فقیر کو اپنی زکوٰة میں دیا تو غنی کی زکوٰة ادا ہوگی۔اگر قربانی کی کھال کو قربت کے علاوہ بھی صرف کریں تو کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ قربانی والا تمول نہیں بناتا اور تمول والے نے قربانی نہ بنائی مثلاً جب فقیر پر صدقہ کیا اور فقیر نے دراہم کے عوض فروخت کردی تو یہاں کھال قربت میں صرف ہوئی جبکہ قربت خود احکام قربانی سے ہے۔حضور علیہ الصلوٰة والسلام کے اس ارشاد کی بناء پر کہ "ثواب کماؤ" اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور اس فقیر نے اپنے فتاوٰی میں بقدر کفایت اور رسالہ "الصافیة الموحیه لحکم جلود الاضحیة" میں انتہائی بیان کردیا ہے کہ اگر قربانی والا خود بلاواسطہ تملیک دوسرے کو خود صرف کرلے تو کوئی حرج نہیں تو یہ صورت بطریق اولٰی جائز ہوگی،جیسا کہ صاحب فہم پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۳: از سہسرام ضلع مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۱۳/ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

قیمت کھال قربانی جو پہلے سے بیوہ وبیکس، یتیم وبے بس۔مساکین سکنائے جار واقربائے دیار پر تقسیم ہوتی،ومساجد کے فرش، جانماز، روشنی، ڈول، رسی، وجھاڑو وغیرہ کے مصارف میں صرف

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

ہوا کرتی تھی جس کو اہالیان مدرسہ ناجائز مشتہر کرکے اب مسلم کھال یا کل قیمت باغوائے اہلیان مدرسہ باغوائے بیان واعظین داخل مدرسہ جاتی ہے۔اور مسکینان محروم رہتے ہیں، ستم ہے یانہیں؟اور اہلیان ومہتمان مدرسہ کو اس رقم کا لینا درست ہے یانہیں؟

الجواب:

چرم قربانی کے بارے میں یہ ہے کہ اسے بغیر بیع اپنے کسی صرف میں لائے تو لاسکتا ہے۔مثلاً کتابوں کی جلدیں بنائے یا مشک، ڈول بنوائے،اور ایسے کاموں کے لئے کسی غنی کو ہدیہ بھی دے سکتا ہے۔اور بہتر یہ ہے کہ اسے صارف خیر میں کرے۔مثلا یتامٰی وبیوگاں ومساکین کو دیں یا مساجد کے مصارف مستحبہ میں صرف کرنا یا سنی مدارس دینیہ میں امداد علم دین کے لئے دینا، یہ سب صورتیں جائز ہیں **لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا**[1] (حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ارشاد کی بناء پر کہ کھاؤ، ذخیرہ بناؤ اور ثواب کماؤ۔ت) ان میں سے جن میں زیادہ مناسب اور حاجت وقت کے ملائم جانے صرف کرے، کسی صورت کو ظلم نہیں کہہ سکتے، ہاں یتیموں اور بیواؤں اور مسکینوں کی دینا جو ناجائز بتائے وہ ظلم کرتا ہے کہ یہ اس کا شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔یونہی اگر کچھ لوگ اپنے یہاں کی کھالیں حاجتمند یتیموں، بیواؤں، مسکینوں کو دینا چاہیں کہ ان کی صورت حاجت روائی یہی ہو،اسے کوئی واعظ یا مدرسہ والا روک کر مدرسہ کے لئے لے لے تو یہ اس کا ظلم ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۴: ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک غریب شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی، وہ اس قابل نہیں ہے کہ عقیقہ کرے ساتھ قربانی کے، مگر بسبب سنت ادا ہونے کے اس کو کسی شخص نے کچھ عطیہ کیا تھا اس کو فروخت کرکے اس نے قربانی کی، اور اس کے پاس کسی طرح کا مقدور نہیں ہے۔اور اس قربانی کی کال کے دام اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یانا جائز؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

عقیقہ کے احکام مثل اضحیہ ہیں۔اس سے بھی مثل اضحیہ تقرب الی اللہ عزوجل مقصود ہوتا ہے اور جو چیز تقرب کے لئے رکھی گئی وہ تمول یعنی اپنا مال بنانے سے محفوظ رکھنا چاہئے۔کھال بھی جانور کا جز ہے۔تو داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لایا جیسا کہ اضحیہ میں ناجائز ہے۔یہاں بھی ضرور نامناسب ہونا چاہئے۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

کہ رجوع عن التقریب نہ ہو، ہاں اس سے کتاب کی جلد، یا مشک، ڈول بنا کر اسے اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا اسے کسی محتاج کو دے دے، پھر اس سے خفیف قیمت کو اس کی مرضی سے خرید کر دوسرے کے ہاتھ پوری قیمت کو بیچے **ھذا ماظھر لی** (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۵: از تلسر، محلّہ ہندو پٹی ضلع شہاجہانپور مرسلہ مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب مدظلہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلد قربانی یا عقیقہ براہ راست مسجد یا مدرسہ دینیہ میں صرف کی جاسکتی ہے۔یا تملیک مسکین کی ضرورت واقع ہوگی، **بینوا بالدلیل وتوجروا بالاجرا لجزیل** (دلیل کے ساتھ بیان کرو اور کثیر اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ہاں جلد براہ راست صرف کی جاسکتی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا [1].	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اجر وثواب حاصل کرو۔(ت)

اور اگر مسجد ومدرسہ میں دینے کے لئے داموں کو فروخت کی تو دام بھی براہ راست صرف کئے جاسکتے ہیں، تبیین الحقائق میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق** [2] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) ان صورتوں میں تملیک مسکین ضروری جاننا شرع مطہر میں زیادت کرنا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، تو اپنی طرف سے ایجاد ایجاب ہوا، "**مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ**" [3] (اللہ تعالٰی نے اس پر کوئی دلیل نہ فرمائی۔ت) ہاں اپنے خرچ میں لانے کے لئے داموں کو بیچے تو اس کی سبیل تصدق ہے کہ ملک خبیث ہے، براہ راست مدرسہ ومسجد میں نہ دے، **فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب** [4] (بیشک اللہ تعالٰی طیب ہے اور صرف طیب کوم قبول فرماتا ہے۔ت) اس سوال کا جواب پہلے فتوٰی میں نظر نہ آنا عجیب نظر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

[3] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۳

[4] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۳۲۸

مسئلہ ۲۸۶: از کانپور مرسلہ مولوی سلیمان صاحب

قربانی کے چمڑا کا روپیہ مسکینوں کو نہ دے بلکہ اس روپیہ سے فوائد عوام کے واسطے کتب خانہ میں قرآن شریف وکتب عربیہ و فارسیہ وانگریزی وبنگلہ وغیرہ خرید کرکے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ وہ دینی کتابیں ہوں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از بارہ بنکی مسئولہ ریاض حسین ناظم انجمن نور الاسلام ۱۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کی قیمت ایک ایسی انجمن میں جس کے اغراض ومقاصد دستور العمل منسلکہ سے واضح رائے عالی ہونگے، صرف ہوسکتی ہے؟

الجواب:

مقاصد کے عام الفاظ ہمیشہ دل خوش کن ہوتے ہیں، اعتبار واقع کا ہے۔ اگر یہ انجمن حقیقۃً اہلسنت کی ہے۔ جن کے عقائد وہابیت ودیوبندیت وغیرہما ضلالات سے پاک ہیں، اور بچوں کو اسی مذہب حق کے مطابق تعلیم ہوتی ہے۔ تو بیشک چرم قربانی اس میں صرف کرنے کو دیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے مصارف کے لئے بیچ کر قیمت بھی اس میں دی جاسکتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: از پٹنہ سٹی اشرف منزل مرسلہ سید محمد فرید الدین صاحب ۲۰ / ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر پٹنہ میں ایک انجمن جس کا نام حفظ المساجد ہے قائم ہوئی ہے۔ اس کا مقصد محض مرمت ومساجد وتعمیر منہدم مسجدوں کی ہے۔ اس انجمن میں تمامی امراء وغرباء علی قدر مراتب دامے درمے امداد کرتے ہیں، اب یہ انجمن چاہتی ہے کہ چرم قربانی عیدالاضحٰی بھی اس کی مدد میں شامل کیا جائے اگر چرم قربانی عید الاضحٰی یا قیمت چرم اس انجمن میں دیا جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے **قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا**[2] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اجر وثواب حاصل کرو۔ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶ /۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

زیلعی وعالمگیری میں ہے:لانہ قربۃ کالتصدق[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۹: از قصبہ کٹرہ تحصیل تلہر ضلع شاہجہانپور محلّہ مڑھی مرسلہ عبدالغفار خاں ۱۵ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے اگلے سال گائے قربانی کی تھی،اس کی کھال فروخت کرکے اور وہ روپیہ میں نے خدا کی راہ میں اس طرح پر خیرات کیاکہ کھانا پکایااور بھوکوں کو تقسیم کیا،اور مجھ کو محرم میں چھٹی ملی،اور ادھر اُدھر نہیں ملی،تومجھ سے دوچار لوگوں نے کہا یہ بیکار خرچ کیا،اس کا عذاب تاقیامت تجھ کو ہوگا،اس واسطے کہ تم نے محرم میں اماموں کو خیرات دی،تم کو چاہئے کہ مسجد یااسلامیہ مدرسہ میں فرش دئے ہوتے۔یایہاں ایک فقیر صاحب ایک پیر کا عرس کرتے ہیں ان کو دیاہوتا۔توتم کو تاقیامت ثواب ہوتا،ورنہ تم عذاب میں داخل ہوگئے،یاحضرات کو بھجوادئے ہوتے توثواب ہوتا۔

جناب!یہاں اسلامیہ مدرسہ میں سرکاری انتظام ہے۔اور مسجد میں بھی بہت فرش تھے اس وجہ سے بھوکوں کو کھلادیا میں نے اچھا سمجھ کر،اور آپ کا حال نہیں معلوم تھاکہ جناب کو کٹرہ والے روپیہ روانہ کردیا کرتے ہیں،خیر مجھ سے خطا ہوئی،اب جو حضرت ارشاد فرمائیں وہ فدیہ کرے یاتو اگلے سال کا حرجہ دے یااس سال کا بھی ویسے ہی خرچ کردے،مجھ کو محرم میں چھٹی ہوگی،**بینوا توجروا**۔(فدویہ مدرسہ نسواں اسلامیہ کٹرہ)

الجواب:

آپ نے بہت اچھا کیاکہ مساکین کو کھانا کھلایا،یہ بہت بڑے ثواب کی بات ہے نہ کہ عذاب کی ان لوگوں کا کہنا محض غلط ہے۔ خیرات مولٰی تعالٰی کے نام پر ہوتی ہے۔اور اس کا ثواب اماموں کی ارواح پاک کو پہنچا سکتے ہیں،اور وہ ان پر تصدق نہیں بلکہ ان کی نذر ہے۔یہ فقیر بفضلہٖ تعالٰی غنی ہے اموال خیرات نہیں لے سکتا،ہاں یہ دوسری بات ہے کہ احباب اچھے مصارف میں صرف کرنے کے لئے زکوٰۃ وصدقات کے اموال بھی بھیجتے ہیں کہ اپنی رائے سے مصارف خیر میں صرف کرو۔اور وہ بفضلہٖ تعالٰی صرف کردئے جاتے ہیں،زکوٰۃ اس کی جگہ اور دیگر صدقات ان کی جگہ،یوں یہ فقیر بھی ان احباب کا شریک ثواب ہو جاتاہے کہ صدقہ اگر سوہاتھوں پر نکلے گا سب کو ثواب ملے گا،ایک روٹی کا ٹکڑا کہ زید کے مال سے پکا،اور زید کی بی بی نے خادمہ کے ہاتھ دروازہ کے سائل کو بھیجا،توزید جس کا مال ہے۔اور بی بی جس نے بھیجااور خادمہ جس نے جاکر فقیر کو دیا تینوں یکساں شریک ثواب ہے۔اور مولٰی تعالٰی کا فضل

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹،فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

بہت بڑا ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلطان روم کے ساتھ اور غیر قوم ملکی جو لڑ رہا ہے۔ یہ اظہر من الشمس ہے اور اس سن لڑائی کے خرچہ کے بابت اس دیار کے بڑے بڑے آدمی مل کر مجلس کر رہا ہے۔ کہ اس سال قربانی کا چمڑا ک قیمت جتنا ہوگا وہ سب وہاں بھیجنا ہوگا، اور وہاں بھیجنے سے ہم لوگوں کا ثواب بہت ہوگا اور جہاد کا رتبہ ملے گا، اور ہم لوگ جا کر سلطان کی لشکر کے ساتھ ہمراہ ہونے کا کچھ تو سرانجام نہیں رکھتا ہوں یہ ہم لوگوں کے واسطے بس ہے، بعد اس کے کہئے کہ اس دیار فقراء وغرباء لوگ یہ کہہ رہا ہے کہ اس برس سلطان کی جہت سے ہم لوگ سب کے سب شاید مارا جاوے گا، یہ سب آہ وزاری انھوں کا سن کے کوئی بیچارہ تھوڑا ہی کچھ علم رکھتا تھا، وہ اپنی زبان سے یہ کلام باہر کیا کہ یہ جو بڑے آدمی اور بعض دو عالم، سلطان کی خیر اخواہی کے واسطے جو کمیٹی کیا ہے شاید یہ خیر خواہی نہ ہوگا بلکہ یہ بدخواہی ہوگا کیونکہ ہر سال جو یہاں کا فقراء وغرباء ومساکین لوگ یہ سب چمڑا کا قیمت اپنے دوزن وفرزند لے کر خوشی سے اوقات بسر کرینگے، اس سال وہ لوگ غم میں دو[ع] اوقات بسر کرتے ہیں، اور یہ سب روپیہ اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ فقیروں کا حق ہے۔ اور مجھ کو خوف ہے کہ میرے سلطان المعظم کو کچھ نقصان آجائے اب بڑے دو آدمیوں کو اور بڑے دو عالموں کو جنھوں نے یہ رواج کیا ہے۔ یہ سزاوار ہے۔ کہ گاؤں بگاؤں مجلس کرکے ہر ایک مسلمان سے دو[ع] طاقت کے مطابق کچھ چندہ وغیرہ مقرر کرکے سب کو ملا کر وہاں بھیجنے سے اولٰی ہوگا، اور وہ مسکین لوگ اپنا حصہ پا کر اگر خوشی سے دیوے تو بھی بہتر ہوگا۔ جیسے کہ اور جگہ کے فقیر لوگ دے رہا ہے۔ اور یہ بھی بہتر ہوگا کہ اس موسم میں ہم لوگوں کو اپنے دو حصہ کے مطابق فقیروں کو اور غریبوں کو کچھ للہ دیویں، اور بواسطہ اس کے میرے سلطان مدظلہ العظیم کے لئے خدا عزوجل سے مدد چاہوں یہ بات ان بیچارے کا کوئی بڑے آدمی سنتے ہے۔ وہ بیچارے کو لعن طعن کر رہا ہے۔ احقر حضور سے یہ امید کرتا ہے کہ کون حق پر ہے اور اگر وہ آدمی ناحق پر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

قربانی کا چمڑا کچھ خاص حق فقراء نہیں، ہر کار ثواب میں صرف ہو سکتا ہے۔ حدیث میں فرمایا: **کلوا وادخروا وائتجروا**[1] (کھاؤ، ذخیرہ کرو اور ثواب کماؤ۔ ت) اور واقعی جہاں تک معلوم ہے۔

عــــه: سوال میں جگہ جگہ دو کا لفظ سائل کا تکیہ کلام ہے۔ ۱۲ عبدالمنان۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

مجاہدین کو اس وقت امداد کی بہت ضرورت ہے۔اور اس دین کی بڑی منفعت ہے ان شاء اللہ تعالٰی اور اسی جگہ حکم ہے کہ وہی کام اختیار کریں جس کی حاجت شدید ہو،اور شک نہیں کہ وہاں کی حاجت شدید ہے۔ فقراء کی خبر گیری جہاں تک شرعا ضروری ہے اہل مال پر لازم ہے وہ اگر نہ کریں ان کی بے سعادتی ہے مگر یہ کھالیں جن میں شرع نے فقراء کا کوئی حق معین نہ فرمایا، یہ اگر نہ دی جائیں دوسرے کاراہم میں صرف کی جائیں تو اس پر ان کی ناراضی کی کوئی وجہ نہیں،نہ اس پر ان کا رزق موقوف ہے۔نہ عام طور پر یہ کھالیں ان کو دی جاتی تھیں بلکہ مدارس کو دی جاتی تھیں اور شریعت میں ضرر عام کالحاظ ضرر خاص سے زیادہ اہم ہے، یہاں تک کہ ضرر عام کے دفع کے لئے ضرر خاص کا تحمل کیا جاتا ہے **کما فی الاشباہ والنظائر وغیرہ**[1] (جیسا کہا اشباہ والنظائر وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۱: مسئولہ عنایت بیگ منیجر کارخانہ گلاب کمپنی، سکندرہ راؤ، ضلع علی گڑھ بروز شنبہ ۲۰ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ناصران شرع متین کہ ہمارے قصبہ سکندریہ راؤ میں مدرسہ اسلامیہ ہے۔اس میں قرآن شریف، اردو،انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔اس کی امداد کے لئے چرم قربانی دینا موجب ثواب ہے یا نہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں انگریزی کی تعلیم ہے اس لئے اس کی امداد ٹھیک نہیں ہے۔

الجواب:

مصرف قربانی میں تین باتیں حدیث میں ارشاد ہوئی ہیں **کلوا وادخروا وائتجروا**[2] کھاؤاور ذخیرہ کرواور ثواب کاکام کرو۔ انگریزی پڑھنا بیشک کوئی ثواب کی نہیں،اگر یہ احتیاط ہوسکے کہ اس کے دام صرف قرآن مجید وعلم دین کی تعلیم میں صرف کئے جائیں تو دے سکتے ہیں ورنہ نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۲: از شاہجہانپور تاجر خیل افضل المدارس مرسلہ مولوی محمد الدین صاحب ۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

تاج العلماء افضل الفضلاء حضرت ! یہ استفتاء نہایت ضروری ہے مخالفین کا مقابلہ ہے۔بہت جلد جواب سے مطلع فرمائے گا۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، بعض جگہ دستور ہے چند گائے جمع کرلی گئیں، اور ان میں حصے مقرر کردئے، اور مالک حصص سے کہہ دیا کہ یہ گائے تمھاری طرف سے کی جاتی ہے۔اس شرط پر کہ یہ چرم فلاں مدرسہ میں دینا ہوگا فلاں کام میں صرف کرنا ہوگا اس قسم کے شرائط عندالشرع جائز ہیں یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ کوئی شخص ان میں کسی معین گائے کا ایک حصہ یا چند حصص خریدے اور ان لوگوں کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دے اور یہ شرط ٹھہرے کہ اس کی کھال مدرسہ دینیہ یا فلاں نیک کام میں صرف کرنا ہوگی تو یہ جائز ہے۔اس میں حرج نہیں۔

وھوان کان بیعاً بشرط فلیس شرطاً فیه نفع احد المتعاقدین،اوالمعقود علیه الصالح للاستحقاق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اگرچہ بیع بالشرط ہے لیکن س شرط میں عاقدین اور معقود علیہ میں سے کسی کا نفع نہیں ہے معقود علیہ نفع کے استحقاق کا اہل نہیں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ ۱۳۰۷ھ

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب)

مسئلہ ۲۹۳:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ماقولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیتہ لیصرف ثمنہ فی وجوہ القرب کاعانۃ المدارس الاسلامیۃ وشراء حصر المساجد وزیت قنادیلہ وغیر ذٰلک من القربات التی لا تملیك فیھا۔ فھل ہو جائز والصرف الی تلك الوجوہ سائغ ام لا۔ بل یکون صدقۃ واجبۃ لایصرف الا فی مصارفھا افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔ **الجواب:** الحمد للہ وبہ نستعین، والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔ ما تقرب	**خلاصۃ** "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" **مسئلہ:** علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کے لئے بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت مسجد کے لئے چٹائی، روشنی وغیرہ کار ثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے، جائز یا ناجائز؟ اور ایسا پیسہ ان مصارف میں صرف ہوسکتا ہے یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ بینوا توجروا **جواب:** اللہ تعالٰی کے لئے تعریف ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں درود وسلام سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب پر،

الی اللہ تعالٰی بالقرابین، نعم اذا باعه بالدراہم لالمال یتمول او ربح یتحصل، بل لیصرفه الی وجوه القرب، ومرضات الرب، جازله ذالك وان لم یوجد تملیك ھنالك، فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیك من الفقیر ولذا جازت الاباحة ولو لغنی۔	جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں، قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو بلکہ کار ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو، تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو، کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کار ثواب ہی ہے۔ فقیر کو مالک بنانا نہیں، اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے۔
والمعنی المانع فی البیع انما ہو التصرف علی قصد التمول کما نص علیه الائمة الاعلام، قال فی الھدایة لایشتری به مالا ینتفع به الاباستھلاکه کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراہم والمعنی فیه انه تصرف علی قصد التمول[1] اھ۔	اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو، اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: مسئلہ کے جزئیات: "قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے جیسے سرکہ یا غلہ سے بدلنا (کہ ان کو ختم کرکے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے) دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کار ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتا"۔
وفی مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر لا یبیعه بالدراہم لینفق الدراہم علی نفسه وعیاله والمعنی انه لا یتصرف علی قصد التمول[2] اھ ومثله فی البنایة شرح الھدایة للعلامة البدر وغیرہ من اسفار العلماء، الغر،	مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: "روپیہ کے بدلے بیچنا اس وقت منع ہے کہ وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرکے کہ یہی "تصرف علی

[1] الھدایہ کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

وظاھر ان البیع للقرب لیس من التمول فی شیئ فلا وجه لمنعه بل ھو قربة لکونه فعل لا جل قربة، فیکون اقامة للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجه المنھی، الاتری الی ماقال الامام العلامة فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق[1] اھ فانما علل الجواز بکونه قربة، ومانحن فیه ایضا کذلک، فیکون مثله فی حکم الجواز بکونه قربة، ومانحن فیه ایضا کذلک، فیکون مثله فی حکم الجواز، ویالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انه لم یکن معینا فی القربان راسا ولا حدث اٰخر مایوجبه عینا بخلاف ما اذا باع بالدراھم لینفقھا علی نفسه وعیاله حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنه۔ **اقول:** والسر فی ذٰلك مایستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربة فی الاضحیة انما تقوم باراقة الدم لوجه اللہ	وجه المتول" ہے" یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہوجانے والی چیز کے بدلے میں ہو اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی، تو اس کو بدرجہ اولٰی جائز ہونا چاہئے۔ علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں: "اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ کار ثواب ہے۔ جیسے گوشت ہی صدقہ کردیتا۔" امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقًا کار ثواب بتایا، بیع مسئولہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے۔ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے۔ جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی چیز پیدا بھی نہ ہوئی۔ ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیه المطبعة الکبرٰی الامیریه بالاق مصر ٦/ ٩

تعالٰی فمالم یرق لایجوز الانتفاع بشیئ منه حتی الصوف واللبن وغیر ذٰلك لانه نوی اقامة القربة بجمیع اجزائها فاذا اقیمت وحصل المقصود ساغ الانتفاع علی جمیع الوجوه۔بیدانه لما کان شیئا تقرب به الی المولٰی سبحٰنه وتعالٰی،والتقرب والتمول ضدان متباینان لایلتئمان فقد خرج بذٰلك عن جهة التمول بحیث لاعود الیه ابدا فاذاقصد بشیئ منه التمول فقد خالف واورث ذٰلك خبثا فی البدل، وایما مال حصل بوجه خبیث فسبیله التصدق اما القربات فلا تنافی التقرب بل تحققه ولا تورث خبثا بل تزهقه فمن این تحرم وتجب تصدقه،قال الامام العینی فی البنایة المعنی فی اشتراء مالاینتفع به الابعد استهلاك انه تصرف علی قصد التمول وہو قد خرج عن جهة التمول فاذا تمولته بالبیع وجب التصدق لان ہذا

انتفاع کے لئے ہو،وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے۔کہ اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے۔اور یہ شرعاً منع ہے۔اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل کارِ ثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے۔اسی لئے جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقاً منع ہے۔حد یہ ہے کہ اون اور دودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں،نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو،اور جب اصل غرض حاصل ہو گئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہوگیا،لیکن قربانی شدہ جانور کو کُلًّا یا بعضاً کسب زر کے لئے بیچنا اس کی قرابت اور کارِ ثواب سے پھیر کر دینے کی طرف موڑ دینا ہے۔اور کارِ ثواب اور حصول زر میں منافات ہے۔اسی لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہوگی اور جو روپیہ اس طرح حاصل ہوگا وہ مال خبیث ہوگا اور مال خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے۔اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی منافات نہیں کہ یہ بھی کارِ ثواب اور وہ بھی کارِ ثواب،تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے تو اس سے حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہوگی،لہذا یہ بیع بھی حرام نہ ہوگی،اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بنایہ میں ارشاد فرمایا:"جس چیز سے انتفاع اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو ایسی چیز سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثا، فیجب التصدق [1] اھ وبه تبین وان کان عــــه بینا بنفسه ان لیس کل تبدل بمستهلك تمولا والالما جاز البیع بالدراہم بنیة التصدق ایضا لصدق التمول علیه حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وہو خلاف المنصوص علیه ویکون التصدق اذذاك لازالة الخبث والخروج عن المآثم لا لاکتساب الثواب و التقرب الی رب الارباب ولایجوز له فیه رجاء القبول، فان اللّٰه طیب لایقبل الا الطیب [2]، ولو رجاء لباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم بحیاله کما صرحوا به وہذا کله باطل بالبداہة	تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے۔ تو جب سے بیع کے کسب زر کیا اس کا صدقہ واجب ہوا، اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو خبیث ہوئی، اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا" **سوال وجواب:** یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کھال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے۔ اور حاصل ہونے والی قیمت خبیث ہے۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے یہ بھی بیع بطور تمول ہے تو کار ثواب کے لئے بھی اس طرح بیچنا بطور تمول ہوا۔ جس کو ناجائز ہونا چاہئے۔ اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کررہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آنا

عــــه: فان نفس لفظ التمول یدل بعبارته علی المال وبهیئاته علی تحصیله لنفسه کما لایخفی ۱۲ منه قدس سره	کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲ منہ قدس سرہ،

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الاضحیه المکتبة الامدادیة مکة المکرمه ۴/ ۱۹۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند حدیث ابی ہریرہ رضی اللّٰه عنه المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

فثبت ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا و ان البیع للتصدق خارج عنه فکذا السائر القرب اذلا فارق یقضی بکون ہذا تمول وذاك غیرہ ومن ادعاہ فلیات ببرھان علی دعواہ ولم یقدر علیه ان شاء الله۔

چاہئے۔اور اس کو حرام ہونا چاہئے،اور اس کا تصدق بلانیت ثواب ضروری ہونا چاہئے جو مال خبیث کا حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ ہونا چاہئے اور یہ سب باطل ہے۔کیونکہ یہاں تصدق اور طلب ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی،

پھر بھی امام عینی نے اس کو جائز قرار دیا،توثابت ہوگیاکہ مستملک سے بیع مطلقًا تمول کے لئے نہیں ہوتی۔

فان قال قائل انما جاز البیع للتصدق لان للوسائل حکم المقاصد فالبیع للتصدق مثل التصدق و التصدق جائز فکذا البیع له تقدیر آخر اشمل و اظھر لبیان الفرق تظھر به المسائل جمیعا ان شاء الله تعالٰی۔

قلت کذلك البیع للتقرب مثل القرب والتقرب جائز فکذا البیع له بل یلزم علیه جواز البیع للاکل ایضا لجواز الاکل بنص القراٰن العظیم فالحق فی التعلیل ماقدمنا عن الامام الزیلعی من انه قربة[1] وحینئذ لابد من کلیة الکبرٰی القائلة بان کل قربة تجوز بھنا ینتج ان البیع للتصدق یجوز بھنا وبه یتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فی رابعة النھار ھذا وللعبد الضعیف لطف به القوی اللطیف

ایک اور سوال وجواب: اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے تواس کاوسیلہ بیع بھی جائز ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہٖ دیگر کارثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سارے کار ثواب جائز ہیں،تواس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہئے بلکہ اس توجیہ سے تواشیائے مستہلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہئے۔مثلاً غلہ کے عوض کھال بیچیں اور غلہ کواپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا جائزاور بیع اس کے حصول کاذریعہ،اور جو حکم مقصد کاوہی ذریعہ کا،تویہ بیع بھی جائز۔حالانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے۔

توثابت ہواکہ اصل علت جوازیہ نہیں کہ وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیه المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۹

تقریر آخر اشمل و اظھر لبیان الفرق تطھر به المسائل جمیعا ان شاء الله تعالٰی۔ **فاقول:** وبالله التوفیق الجھات ثلث الاکل والادخار والائتجار وہو طلب الاجر بای وجه کان فقد اخرج ابوداؤد فی سننه بسند صحیح رواته کلھم من رجال الصحیحین ما خلا مسددافثقة حافظ من شیوخ البخاری عن نبیشه الخیر الھذلی رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انا کنا نھیناکم عن لحومھا ان تاکلوہا فوق ثلث لکی تسعکم جاء الله بالسعة فکلوا وادخروا وائتجروا الا وان ہذا الایام ایام اکل و شرب وذکر الله عزوجل [1] اھ والائتجار باطلاقه یشتمل التصدق وسائر وجوہ التقرب کما لایخفی فان فسرہ مفسر بالتصدق فلیکن التصدق فی کلامه بالمعنی الاعم علی ماسیأتیك تحقیقه ان شاء الله تعالٰی۔

کہ حصول زر اور تمول کی غرض سے بیع ناجائز ہے۔اور مقاصد خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام زیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا: "**لانه قربة**" (اس لئے کہ یہ کار ثواب ہے)اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغرٰی ہوا اور نتیجہ دینے کے لئے کبرٰی کا کلیہ ہونا ضروری ہے۔جو اس طرح ہوگا،ہر قربت جائز ہے تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہو گئی کہ ہر قربت اور کار ثواب کے لئے بیع جائز ہے۔ولله الحمد

ایک دوسری تقریر: شرعاً قربانی کے مصرف کے تین جہتیں ہیں: اکل (کھانا) ادخار (جمع کرنا) ایتجار (کار ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی کار ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ میں ہیں،ایک صاحب حضرت مسدد ایسے نہیں تو وہ ثقہ ہیں،حافظ ہیں،اورامام بخاری کے اساتذہ میں ہیں،الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی الله تعالٰی عنہ سے مروی ہے: "حضور صلی الله تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے،اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی،اب الله تعالٰی نے کشادگی فرما دی،تو اب کھاؤ،جمع کرو اور کار ثواب میں صرف کرو۔سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں" تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کار ثواب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری ومسلم وغیرہم عن ام المومنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وتصدقوا[1]، فلیحمل الائتجار علی التصدق لا تحاد الحکم والحادثة۔ **قلت** کلا فان الامر ہھنا لیس للوجوب باجماع عامة العلماء الامة، منہم ساداتنا الائمة الاربعة رضی اللہ تعالٰی عنہم، وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکلہ کلہ ولم یتصدق بشیئ منہ لا شیئ علیہ ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینا فی الترغیب و الترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولا داعی الیہ۔ و سر المقام ان الحمل عندنا ضروری لایصار الیہ الا لضرورة وہو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بہما اما حیث لا تمانع فتحن نجری المطلق علی اطلاقہ حملا للفظ علی ظاہرہ وعملا بالدلیل بتمامہ قال المولی المحقق علی الاطلاق	سوال وجواب: اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کار ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدق کرنا ہے۔ تو ہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امور خیر کو عام ہے۔ اس کو تملیک فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری ومسلم وغیرہ کتب احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایتجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے۔ تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کار ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں پر ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے۔ اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا لہذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب و مستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

محمد بن الھمام قدس سرہ فی فتح القدیر اجیب عنا بانا انما نحمل فی الحادثۃ الواحدۃ للضرورۃ[1] الخ، وقال فی تشیید ہذا الجواب تحقیقۃ ان الحمل لما یجب الا للضرورۃ وہی المعارضۃ بین المطلق والمقید الخ[2]۔ فالمناط عند التنقیح ہو التمانع دون اتحاد الحکم والحادثۃ۔	خاص ہے کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم وواقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے لہٰذا مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں تو جس حدیث میں تصدق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد لیں گے اور جس میں مطلقاً کار ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کار مزیہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، امام ابن ہمام فرماتے ہیں: "حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے" تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحاد حکم وحادثہ نہیں بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔

یجزم بذٰلك من عاشر عرائس نفائس عباراتھم فقد حکموا ان لا حمل ان وردا فی السبب اذ لاتجاذب فی الاسباب والا ان کان منفیین لامکان الجمع بالامتناع مطلقاً وانہ یجب الحمل ان اتیا فی حکمین مختلفین یوجب احدہما تقیید الاخر	مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں: **(الف)** تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ایک شیئ کے چند اسباب ہوسکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو حمل کی ضروت نہیں۔"

[1] فتح القدیر

[2] فتح القدیر

بتوسط لازم، وذٰلك كان ينفي المقيد لازم اطلاق المطلق فينتفي بانتفائه فيتقيد لامحالة كما في اعتق عني رقبة ولا تملكني رقبة كافرة فان النهي عن تمليك كافرة ينفي جواز اعتاقها عنه اذ لا عتاق عنه بدون تمليكها عنه۔ وقد اجابوا القائلين بالحمل في الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض كما في التلويح وغيره، و عللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممثلين له بقوله تعالٰى "فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ"[1] مع قرائة ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بزيادة متتابعات، قالوا فان المطلق يوجب اجزاء غير المتتابع والمقيد يوجب عدم اجزائه كما في التوضيح[2] وغيره فقد افاد وان الحمل خاص بالايجاب دون الجواز و الاستحباب، ولذا	**(ب)** تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق مقید پر حمل کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا، کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔ ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو، جیسے کسی نے کسی سے کہا ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔ اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بنانا، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان خرید کر ہی آزاد کیا جائے گا اگرچہ حکم مطلقاً آزاد کرنے کا ہے۔ لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا اور اسے مالک بنائے بغیر اس کی طرف سے آزاد نہیں ہوسکتا تو جس کا مالک بناسکتا ہے یعنی مسلمان کا، اسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔" **(ج)** توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ تعالٰی نے کفارہ میں مطلقاً تین روزے

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۹

[2] التوضیح ولتلویح فصل فی ذکر المطلق والمقید مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳ و ۶۴

قال المولیٰ بحر العلوم ملك العلماء عبدالعلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، فیه اشارة الی ان الحمل انما ہو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب اوالا باحة اذا لاتمانع فی اباحة المطلق و المقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذہ بترك القید وایجاب المطلق اجزاہ مطلقًا[1] اھ.	رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل اس سے کچھ تعرض نہیں کیا "فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ" (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قرائت ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (مسلسل تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب کئے گئے، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب۔ اس لئے یہاں مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا"
قول الامام السغناقی فی النہایة علی مانقله فی البحر مقرا علیه بل متمسکا به من ان الاصح انه لایجوز حمل المطلق علی المقید عندنا لا فی حادثة ولا حادثتین حتی جوز ابوحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا و طهورا ولم یحمل ہذا المطلق علی المقید وہو حدیث التراب طهورا[2] اھ فلعله اراد نفی زعم من زعم ان مذہب اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنهم وجوب الحمل عند اتحاد	تو ان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا: **(د)** یہی بات ملا عبدالعلی بحر العلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی: "مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے۔ احکام مستحبہ اور مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا، مجرم ہوا، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے۔ مطلق کو

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل المطلق مادل علی فرد منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۳۶۲

[2] بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء و المفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۹۹

الحادثة مطلقاً.فافاد ان لیس ہذا من المناط فی شیئ بل لایجوز فی حادثة ایضاً ای مالم یتمانعا فیضطر الیه لدفع التعارض.الاتری ان امامنا الاعظم رضی اللّٰه تعالٰی عنه لم یحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثة وعلی ہذا التقریر لا یتجه ما اورد علیه العلامة المحقق محمد بن عابدین الشامی قدس سرہ السامی فی ردالمحتار کما اوضحته فیما علقته علیه وللعبد الضعیف ههنا بحث شریف لو لا غرابة المقام لاتیت به۔	مقید مان لیا جاتا ہے۔ (ہ)امام سغناقی نے نہایہ میں فرمایااور صاحب بحر الرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا،" صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا،دیکھو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:"ساری روئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئی"یہ مطلق ہے۔دوسری حدیث میں فرمایا:"التراب طهور" (مٹی پاک ہے)یہ خاص اور مقید ہے۔ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا،اور اس کے سارے اجزا سے ہی تیمّم جائز قرار دیا،اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ وحکم ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا حالانکہ دار ومدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں،تعارض پر ہے۔اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے۔اور اسی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتابوں پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

علی ان لقائل ان یقول ان الائتجار ہہنا لو حمل علی التصدق لکونه معه کالمطلق مع المقید فکذٰلك یجب حمل الاطعام الواردة وعند احمد والشیخین وغیرهم فی حدیث سلمة بن الاکوع رضی اللّٰه تعالٰی عنه کلوا واطعموا وادخروا [1]۔و	ایک اور دلیل:یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد و شیخین نے اس طرح روایت کیا: (۱)کلوا (کھاؤ)اطعموا (کھلاؤ)ادخروا (جمع کرو) اور امام احمد،مسلم،ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کی،

[1] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

عند احمد ومسلم والترمذی من حدیث بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا مابداء لکم واطعموا وادخروا[1] وعند مسلم وغیرہ من روایۃ ابی سعیدن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا واطعموا واحبسوا وادخروا[2]، فان الاطعام ایضا مع التصدق کالائتجار مع انہ باجماع العلماء علی اطلاقہ جار للاتفاق علی اباحۃ الاباحۃ وعدم قصر الامر علی التملیك فافھم و المتأمل الموفق اذا نظر حدیث اُمنا رضی اللہ تعالٰی عنہا مع ھذا الاحادیث عـــہ الاربعۃ القی فی روعہ ان المرادثمہ بالتصدق فی المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالیۃ	(۲)کلوا ما بدا لکم (جتنا چاہے کھاؤ)واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو) اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے: (۳) کلوا (کھاؤ)اطعموا (کھلاؤ)احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو) حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے تو ان چاروں حدیثوں میں "کلوا"اور "ادخروا"کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا"کے بجائے اطعموا ہے۔ باور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں اس مقام پر تصدقوا ہے۔ گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا:ایتجروا،اطعموا،تصدقوا،اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

عـــہ۱: ای احادیث نبیشہ وسلمۃ وبریدۃ وابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنھم ۱۲منہ قدس سرہ۔	یعنی حضرت نبیشہ، سلمہ، بریدہ اور ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم کی احادیث، ۱۲منہ قدس سرہ۔(ت)
عـــہ۲: ظنی انہ لابدھھنا من لفظ علیہ(ای یجب حمل الاطعام الواردۃ فی الاحادیث علی التصدق)	میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ"کا لفظ ضروری ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر محمول کیا جائے۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی باب فی الرخصۃ فی اکلہا بعد ثلاث امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۹

کما سیرد علیك تحقیقہ ان شاء اللہ تعالٰی کیما تلئتم وترد موردا واحدا، و الاحادیث یفسر بعضہا بعضا وباللہ التوفیق۔	حدیث کا لفظ "ایتجروا" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے)

تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ- "ایتجروا" کے بجائے لفظ "اطعموا" ہے۔ تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث "تصدقوا" سے وہی نسبت ہوئی جو ایتجروا کو ہے۔ تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلادے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے۔ کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں۔

الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقات خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کار ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

وناھیك قول الامام الجلیل صاحب الھدایۃ فیھا یستحب ان لاینقص الصدقۃ عن الثلث لان الجھات ثلثۃ الاکل والادخار کما روینا والاطعام لقولہ تعالٰی "وَ اَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَ الۡمُعۡتَرَّ ؕ"، فانقسم علیھا اثلاثا[1] اھ، و معلوم ان الاطعام لایقتصر علی التملیك لالغۃ ولا شرعا وقد اجمعوا ابھنا علی	تائید مزید: اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی عبارت ہی کافی ہے۔ جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: "مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث سے ثابت ہیں: کھانا، اور جمع کرنا، اور تیسری چیز اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "اَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَ الۡمُعۡتَرَّ ؕ" (کھلاؤ صابر اور مانگنے

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

جواز الاباحۃ بل نصوا ان کل ماشرع بلفظ الاطعام جاز فیہ الاباحۃ لما سیأتی فاین تعیین التملیك تدعون،ثم رأیت العلامۃ الاتقانی فی غایۃ البیان قال فی شرح ہذا الکلام وذٰلك لان الایۃ والخبر تضمنا جواز الاکل والتصدق والادخال فکانت الجہات ثلثا فانقسمت علیہا اثلاثا [1] اھ ومعلوم ان لیس فی الایۃ الا لفظ الاطعام المجمع علی شمولہ للاباحۃ،وقد عبر عنہ بالتصدق فعلم ان التصدق المذکور ھھنا ہو المحمول علی الائیتجار دون العکس واللہ الموفق۔	والے فقیر کو)توجب جہتیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کردیا جائے" اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعدوالی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں۔اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں،نہ شرعا نہ لغۃ،بلکہ سب نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز نہ رکھا،بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی،امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: "قرآن وحدیث نے جب کھانا،صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا تو جہتیں تین ہوئیں،لہٰذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہئے"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے۔اور اس سے ہر قسم کا کار خیر مراد ہے۔

ثم ان الحاکم روی فی تفسیر سورۃ الحج من مستدرك بطریق زیدبن الحباب عن عبداللہ بن عیاش المصری عن الاعرج عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ [2]۔	ایک شبہ اور اس کا جواب:امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورہ حج کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے،امام بیہقی نے بھی سنن کبرٰی میں اسے نقل کیا،حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا،لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی،جو کچھ بھی ہو یہ

[1] غایۃ البیان

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

وررواہ البیہقی ایضاً فی سننہ الکبرٰی، قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ[1]۔ قلت وھذا وان ردہ الذھبی فی التلخیص فقد تلقاہ العلماء بالقبول و بھذا یتقوی الحدیث وان ضعف سندا، بیدا نھم کما تری لایجرون علی اطلاقہ فقد اتفقوا علی جواز البیع للتصدق، ونص ائمتنا فی الصحیح عندھم علی جواز البیع بما یبقی فکان الشان فی تنقیح معنی الحدیث، **وانا اقول** وباللہ التوفیق من تامل نظم الحدیث وامعن النظر فی القواعد الفقھیۃ والجأہ ذٰلك الی الجزم بان المراد بیع خاص لامطلق التبدل کیفما کان، کیف وان التصدق من مقاصد لاضحیۃ المأذون فیھا شرعا، وان للبدل حکم المبدل وقد ثبت شرعا جواز دفع القیمۃ فی زکوٰۃ وفطرۃ ونذرو کفارۃ کما نص علیہ فی الھدایۃ والکافی والکنز والتنویر وغیرہا عامۃ کتب المذہب، فاذا جاز ہذا۔والصدقات واجبۃ۔فلان یجوز وھی نافلۃ اولی فافھم، اما عدم جواز ذٰلك فی الھدایۃ والضحایا بان لایریق الدم	حدیث علمائے اسلام میں مقبول ومتداول ہے۔اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنادیتی ہے۔الفاظ حدیث یہ ہیں: من باع جلد اضحیتہ فلااضحیۃ لہ (جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں) اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ امور خیر کے لئے بھی اس حدیث کی رو سے ناجائز ہوئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں جس کے خارجی، داخلی اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں۔ خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کرسکتے، اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے۔ شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے۔ اور از روئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا، چنانچہ زکوٰۃ فطرہ میں جس طرح اصل (غلہ چاندی سونا وغیرہ) ادا کرنا جائز ہے۔اسی طرح اس کی

[1] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ویعطی القیم ،فان القربة فیھا بالاراقة دون التصدق، وھی غیر معقولة،فلا تستبدل ولا تتقوم ، کما افادہ فی الھدایة والبحر وغیرھما،ثم انا نجد الجزاء ای فلا اضحیة له [1]اعظم شاھد علی عدم الاطلاق،فان من باع للتصدق فقد اتی بما کان مندوبا الیه فی الاضاحی، فکیف یجازی بانتفاع قربة مع انه لم یزد علی القربة الا قربة مطلوب فی خصوص المحل، و قضیة الجزاء ،ترتبه علی فعل ینافی التضحیة و ینفی الاضحیة علی مافیه من التاویل لکونه فی معنی الرجوع عن القربة،فلا یمکن ان یکون من باب القربة،بل ولا من باب الاکل والادخار فان الشرع قد رخص فیھما ایضا مثل الائتجار ولو کان فیھما ماینا فی الاضاحی ویصح ان یترتب علیه نفی الاضحیة۔لما اذن فیھما فعند	قیمت بھی،تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس طرح گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اس کی قیمت کا صدقہ بھی جائز ہو۔ **ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب:** اصل قربانی میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعاجائز نہیں،قربانی ہی کرنی ہوگی،اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل ہوتا۔اور چونکہ قربانی کا حکم خلاف قیاس ہے۔اس لئے اس میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں،جیساکہ بحر وہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور گوشت اور کھال کا مقصد صدقہ ہے۔اس لئے قیمت سے بھی ادا ہوجاتا ہے۔ داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطور شرط وجزاء وار دہوئی،شرط یہ جملہ ہے: "جس نے قربانی کی کھال بیچی"اور جزایہ ہے: "اس کی قربانی نہیں ہوئی" پس اس جزاکا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہوسکے،اور قربانی قربانی نہ رہ جائے،نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا مقصد بدرجہ اتم حاصل ہو،یعنی شرط ایسی بیع ہوگی جو ثواب کے لئے نہ ہو،اور وہ بیع جو حصول ثواب

[1] المستدرك للحاکم کتاب الاضحیه تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ذٰلك رأينا ان المراد هو البيع بحيث يخرج عن جميع مارخص له الشرع فيه، وما هو الا البيع بمستهلك لا لان يصرف الى قربة فان الاكل وهو الانتفاع به عاجلا قد ذهب بنفس التبدل والادخار عـــه لكونه لانفع به ببقائه، والائتجار لعدم التقرب فخرج عن الوجوه الثلثة الشرعية، فكان هو الملحوظ بالنهى المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع ماينتفع به باقيا فالاكل وان فقد و الائتجار وان لم يكن فالا دخار باق، لان البدل ينوب المبدل وهو مبقى فيكون مدخرا، وكذا اذا باع بمستهلك لقربة فالاكل و الادخار وان ذهب فالائتجار حاصل، وهو افضل الوجوه فلا معنى للمنع وبه ظهران مانحن فيه اولى بالجواز من البيع بباق وهو مصرح بجوازه فی عامة كتب المذهب	کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھالیا جائے، تو یہ افعال لااضحیہ لہ (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اجازت دی ہے تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کے لئے بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہوگئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہوگیا، یہ ظاہر ہے۔ ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہوگیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام ہے اور طلب ثواب اس لئے منتفی ہوگیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد منتفی ہو گئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لااضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں) اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔ برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا تو اکل وثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے۔ اور ہلاک ہونیوالی چیز سے برائے ثواب

عـــه: الادخار الانتجار كلاهما بالنصب عطفا عن الاكل ۱۲ منه قدس سره۔

ادخار اور ائتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ اکل پر عطف کی بناپر ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

فانکار جواز ھذا ان لیس تحکما فماذا، وانت اذا تأملت ماالقیت علیك واخذت الفطانة بیدیك وجعلت الانصاف بین عینیك لعلمت ان ہذا ہو الغنی المفھوم من الحدیث فی اول النظر کما بعد الطلب الحثیث فان المتبادر من سیاق اللفظ ان یکون بیعه عـــہ لاتنفاع لانه عقد موضوع	بیچا تواکل وادخار تو ضرور منتفی ہوا۔لیکن طیب ثواب بھی باقی ہے۔اور یہ ان وجوہ ثلثہ میں سب سے افضل ہے۔تو یہ جائز ہوگا،اور اس کاانکار زیادتی اور زبردستی ہے، **ایک آسان بات:** یہ لمبی اور دقیق بحث ترک بھی کردی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتاہے۔کیونکہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کے لئے ہوتی ہے۔اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ

عـــہ: ثم بعد زمان لما من المولی سبحنه وتعالٰی علی بشراء غایة البیان للعلامة الاتقانی رایت نقل عن الامام شیخ الاسلام بکل مایشیرالی ھذا الذی نحوت الیه حیث قال قال شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمه الله تعالٰی فی مبسوطه اما اللحم فالجواب فیه کالجواب فی الجلد ان باعه بالدراھم تصدق بثمنه وان باعه بشیئ اٰخر ینتفع به جاز کما فی الجلد وانما ذکر محمد رحمه الله تعالٰی البیع فی حق الجلد دون اللحم لانه بنی الامر علی ماھو الغالب وفی الغالب کما ینتفع بعین الجلد یباع بشیئ اٰخر وینتفع به وفی اللحم فی الغالب ینتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالٰی نے مجھ پر احسان فرمایا علامہ اتقانی کی غایۃ البیان خریدلینے کا،اسے میں نے دیکھا کہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ کیاہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی مبسوط میں فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال میں ہے کہ اگر دراہم سے فروخت کیا تو صدقہ کرے اور اگر کسی اور نفع آور چیز سے فروخت کیا تو جائز ہے جیسا کہ کھال کاحکم ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف کھال کے متعلق بیع کاحکم اس لئے ذکر کیا کہ انھوں نے غالب رواج پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت

(باقی برصفحہ آئندہ)

لذلك وہو الغالب فيه وان يكون بالدراہم لانه البيع المطلق، والبيع من كل وجه اما المقايضة فتستوی فيه جهتا البيع والشراء اما سائر المستهلكات ففی حكم الدراہم، ولذا جعلها فی الهداية هی الاصل۔ وقال فی سائر ہن اعتبار بالبيع بالدراہم [1] ہذا كله ما خطر بالبال مستعجلا فانعم الفكر منصفا متاملا، فان وجدت شيئا يعرف وينكر فلم آلُ جهدا فی اتباع الغرر من ائمة النظر والله الهادی الی عوال الفكر۔	کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے۔اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کااحتمال رہتا ہے،اس لئے صرف لفظ باع بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باع" سے خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنے ذات کے تمول و انتفاع کے لئے ہو۔ **شبہہ اور اس کا جواب:** اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپ کے بیچنا منع ہے۔توآپ کے اس قول کا کیا وزن رہاکہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے۔اس کاجواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہو کر ہے۔اصالۃً نہیں،اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا ہے۔ اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا:اعتبار بالبیع بالدراھم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولا يباع [2] اھ فاشار ان المراد بالبيع هو الذی يقصد به الانتفاع ۱۲ منه قدس سره۔

کیا جاتاہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ اس سے نفع حاصل کیا جاتاہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاتا اھ تواس سے اشارہ ہوا کہ بیع سے مراد صرف وہ جس سے انتفاع مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سرہ، (ت)

[1] الهداية كتاب الاضحيه مطبع يوسفی لكهنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] غاية البيان

(تنبیہ نفیس) اقول: وبھذا التحقیق استبان والحمد للہ معنی قول الھدایۃ "لو باع الجلد واللحم بالدراھم اوبما لاینتفع بہ الابعد استھلاکہ تصدق بثمنہ [1] اھ" فانما معناہ اذا باع بھا لاجل الانتفاع لا البیع بھا مطلقًا فانہ رحمہ اللہ تعالٰی ونفعنا ببرکاتہ فی الاولٰی والاخرٰی قال اولا یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت [2] ثم قال "ولا باس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ [3]" ثم قال "ولایشتری بہ مالا ینتفع بہ الا بعد استھلاکہ [4]"، وقال فی تعلیلہ "اعتبارا بالبیع بالدراہم [5]" قال "والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول [6]" ثم قال "ولو باع الجلد اواللحم [7]" الخ فکلامہ کلہ، بدؤہ وثناؤہ وفتحہ وانتہاؤہ فی البیع لاجل الانتفاع، لا مطلق البیع، فکیف ولو ارید المطلق لما ساغ قولہ "ولایشتری بہ مالا ینتفع بہ" الخ فان شراء ذٰلک لاجل التصدق جائز قطعا و لما صح قولہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم" لمثل مابینا

عبارت ہدایہ کی تشریح: ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا، "اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے" **(ا)** اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کے لئے بیچنا ہے۔ مطلقًا نہیں کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے ______ اس سے بدل بھی سکتے ہیں تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہو جائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لیے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے۔ اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنی تمول ہے تو یہ کلام ابتداء سے انتہاء تک پکار پکار کر اعلان کر رہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

---

[1] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[3] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[4] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[5] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[6] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[7] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

وبطل تعلیه بانه"تصرف علی قصد التمول"فلیس کل بیع بالدراھم مما یصدق علیه ذٰلك کما اسلفنا تحقیقه۔وقوله"ولو باع الجلد الخ"انما ہو متفرع علی تلك المسئلة فلا یراد به الاما ارید بھا،کانه لما بین عدم جوازہ نشاء السوال فقیل اذالم یجزہذا۔فان فعله فاعل فما ذا علیه۔فاجاب بانه یتصدق بثمنه ثم نشاء السوال بان قولکم ہذا یفید صحة البیع فکیف بحدیث"من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له[1]"فاجاب"بانه الحدیث۔انما یفید کراہة البیع اما البیع جائز لقیام الملك والقدرة علی التسلیم[2] اھ"وھذا دلیل اٰخر علی ان لیس کلام فی مطلق البیع بالدراہم،فان البیع بھا لاجل التصدق لایکرہ اصلا،وقد بین ہذا،فابین من ھنا مولانا العلامة العلائی صاحب الدر حیث قال بعد قوله المولی الغزی رحمھما الله تعالٰی"تصدق بثمنه اھ مفادہ صحة البیع	والی بیع ہے مطلقًا بیع نہیں،ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنی نہ ہوں گے"مالاینتفع به"(جس سے نفع نہ اٹھایاجاسکے)اعتبارا بالبیع بالدراھم(بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے)وانه تصرف علی قصد التمول(یہ تمول کی نیت سے تصرف ہوا)اور اسی کے بعد صاحب ہدایہ کی یہ متنازع عبارت"اگر جلد اور گوشت الخ"تو اس کا مطلب مطلقًا بیع کیسے ہوسکتاہے،یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے،گویا کسی نے پوچھا کہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی،اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے،تو فرمایا وہ مال خبیث ہے۔اس کا صدقہ واجب ہے۔اس پر گویا پھر کسی نے پوچھا آپ کے حکم"یہ مال خبیث ہے"سے یہ پتہ چلتاہے کہ بیع ہوئی مگر فاسد،اور حدیث مبارک"لااضحیة له"سے یہ اندازہ ہوتاہے کہ یہ بیع باطل ہے۔تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ"الحدیث انما یفید الکراھة"یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں،مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی ملك ہے۔اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلاسکتاہے۔اس لئے بیع تو ہوگئی،مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

[1] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر(تفسیر سورۃ الحج) درالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[2] الہدایة کتاب الاضحیه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

مع الکراهة۔وعن الثانی باطل لانه کالوقف مجتبٰی[1] اھ فقد نص ان قول التنویر کالهدایة تصدق بثمنه"یفید کراهة البیع فمحال ان یکون الکلام فی مطلق البیع بالدراهم ،بل فی الصورة المکروهة فقط، وهی المارة فی قوله"لایشتری به مالا ینتفع به"الی قوله"تصرف علی قصدالتمول[2] ومن اوضح الدلائل علی ذٰلك ایضا تعلیل الکافی شرح الوافی لمسئلة الهدایة بقوله"لان معنی التمول سقط عن الاضحیة فاذا تمولها بالبیع انتقلت القربة الی بدله فوجب التصدق[3] اھ فافادان الکلام انما هو فی صورة التمول لاغیر ،ولذا جاء تصویر المسئلة فی التبیین ومجمع الانهر وغیرهما من الاسفار الغر بلفظه"لایبیعه	کی وجہ سے فاسد ہوئی **(۲)** صاحب ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع بالدراہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو سبھی جائز کہتے ہیں۔ **(۳)** یہیں سے "صاحب در مختار"کے کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے امام غزی کے قول"تصدق بثمنه" کی شرح میں فرمایا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے البتہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس جانور کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل قرار دیا،اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنہ بالکل ہدایہ کی عبارت تصدق بثمنہ کی طرح ہے۔جو مطلب اس کا ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے۔تو ایسی صورت میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لایشتری به مالا ینتفع" سے تصرف علی قصدالتمول تک میں مراد ہے۔ **(۴)** اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت کافی شرح وافی کی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴
[2] الهدایه کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[3] الکافی شرح الوافی

بالدراہم علی نفسه وعیاله[1]،فقد اوضحوا المرام، وازاحوا الاوہام وہذ الدلیل رابع علی ماذکرت۔ والخامس الموتر والله یحب الوتر،ان نقل کلام التبیین فی الهندیة ثم قال"وهكذا فی الهدایة و الکافی"[2] اھ فقد افصح بملا فیه ان معنی کلام التبیین والهدایة واحد۔	"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کو تمول یعنی کسب زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تواب اس کا صدقہ واجب ہوگا" تو انھوں نے تو نص ہی کر دیا کہ ممانعت کا حکم صورت تمول میں ہے۔ کسی اور صورت میں نہیں،اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا: "کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے" تو انھوں نے تو تسمہ ہی لگا نہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل تھی۔

(۵)اور پانچویں صاحب ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحب تبیین کے کلام کو نقل کرکے فرمایا: "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے" تو انھوں نے تومنہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحب تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔

ثم بعد زمان لما من سبحنه وتعالٰی علی عبده الضعیف بشراء غایة البیان شرح الهدایة للعلامة الاتقانی رحمه الله تعالٰی،رأیته شرح کلامه بمالم یبق للوهم مجالا،حیث قال یرید به ان القربة فاتت عن الجلد بما باعه ولکن الاضحیة ساقط عنها معنی التمول،فلما باعه بالدراہم وجب علیه التصدق بها،لئلا یلزم التمول بشیئ من الاضحیة اوبدلها[3] فافاد کالکافی وغیره ان المنهی عنه	اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی تو انھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کردیا فرماتے ہیں: "ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہوگئے حالانکہ قربانی سے کسب زر اور حصول زر کی غرض ساقط ہے۔ توجب دراہم سے اس کو بیچ دیا تواس کا صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے" تو انھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

[3] غایۃ البیان

ہو البیع للتمول،وزادان المراد بیع یفوت القربة فخرج البیع لاقامة قربة،فانہ لایفوتہا بل یحصلہا وہو تقرب لاتمول،فاتضح الصواب وزال الارتیاب،والحمدللہ فی کل باب ہکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق،ومن المولٰی تعالٰی ہدایہ الطریق فقد بان بنعمة اللہ جل وعلا ان البیع بالدراہم لیس مما یمنع مطلقًا بل اذا کان علی جہة التمول،وہوا لذی یورث الخبث وعلیہ یتفرع وجوب التصدق،اما اذا باع بہا لیصرف فی القربات،فذٰلك سائغ وسائر وجوہ القرب،مطلقة حینئذ لاحجر فی شیئ منہا۔	کردی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو تمول کے لئے ہو،اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کار ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے تو وہ بیع اس حکم ممانعت سے خارج ہوگئی جو ادائے قربت اور حصول ثواب کے لئے ہو،والحمدللہ رب العالمین۔ تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ممنوع مطلقًا بالدراہم نہیں،بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے،اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے۔اور کار ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ کار ثواب کسی قسم کا ہو۔
بذٰلك افتیت غیر مرة وکتبت فیہ فتوٰی مفصلة اذ سئلت عنہ لتسع بقین من ذی الحجة عام الف وثلثمائة وخمس من ہجرة من لولاہ ماصلیت الخمس،ولا لاح قمر ولا بزغت شمس،ولا اقبل غد ولا ادبر امس،علیہ وعلٰی آلہ الغر الکرام افضل صلاة واکمل سلام واخری مجملة اذ ورد علی السؤال لسبع خلون من ذی القعدة الحرام فی العام الذی یلی ذٰلك العام	میں نے بارہا یہی فتوٰی دیا اور اس موضوع پر ایک مفصل فتوٰی ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا،اور دوسرا مجمل فتوٰی آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا یہ دونوں فتاوٰی میرے فتاوٰی کی چوتھی جلد میں ہیں،تو میرے ان فتووں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں،ان کا خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقًا ناجائز ہے۔خواہ نیت کار ثواب کی ہی کیوں نہ ہو،ان کا صدقہ کرنا واجب ہے۔وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اس کا مالک بنادے،کسی بھی

وبما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعة فتاوٰی المبارکة ان شاء الله تعالٰی الملقبة بالعطایا النبویة فی الفتاوٰی الرضویة جعلها الله نافعة للمسلمین و مقبولة لدی العالمین وحجة لعبده یوم الدین اٰمین اله الحق اٰمین۔

فعند ذٰلك نازعنی شرذمة من الهندیین اکثرهم من الوهابیة المبطلین زاعمین ان البیع بالدراهم مطلقًا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لایجوز له الصرف الی مانوی من القرب بل لایخرج عن العهدة الا بالاداء الی الفقیر علی وجه التملیك واحتج الاصاغر منهم علی ذٰلك بعبارتی الهدایة والدر المذکورتین وقد بینا ماهو المراد بهما واثبتنا عرش التحقیق علی انه لامساس لشیئ منهما بمز عوم القوم ،فاغنانا ذٰلك عن الاسترسال مرة اخری فی رد کلامهم۔فانه لشدة وهن نفسه غنی عن ایهان غیره.فلئن سألتهم هل الکلام ههنا اعنی فی قول الهدایة والدر فی بیع یکره لافی غیر۔لیقولن نعم، ولئن سألتهم هل البیع بالدراهم یکره مطلقًا لیقولن لا ،قل فانی تذهبون ،ولئن قالوا فی الاول لا۔ لقضت علیهم حجتهم نفسها بالخطاء والجهالة ولئن

دوسرے مصرف میں خواہ مصرف خیر ہی کیوں نہ ہو صرف کرنا جائز نہیں اصاغر نے تو ہدایہ اور در مختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی ہے، جس کا مفصل بیان اوپر گزرا تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی، ان کی بات حد درجہ کمزور ہے۔ کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور در مختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے۔ یا کسی دوسرے کے بیان کے لئے، تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے پھر ان سے پوچھ کیا کھال کی بیع مطلقًا مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا، اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں، تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلائے گا، اور ثانی میں اگر کہیں ہاں، تو ان کی بات خود انھیں کو جھٹلا رہی ہے کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور اگر وہ اس بیع کے جواز کا انکار کرینگے تو ہم ان کو نصوص علماء کے لشکروں سے آسودہ کردیں گے۔

قالوا فی الاخر نعم فکلامھم انفسھم مناد علیھم بالبھت والبطالۃ، فانھم ایضا معترفون بجواز البیع للتصدق من دون کراہۃ وان لم یعترفوا لاتیناہم بجنود من نصوص العلماء، لاقبل لھم بھا۔ فناہیك بھذاالقدر مشبعالھم ومزیلا لوہم عرض بالھم۔ ولکنی اقول: لاغرو من نفر قاصرین لایکادون یمیزون بین الغیث والسمین والرخیص والثمین والمدین والضمین والشمال والیمین، انما العجب من کبیرہم الگنگوہی المدعی طول الباع وعظم الذراع علی مافیہ من انواع عـــہ الابتداع حیث زاد غباوۃ علی الاتباع واخذ یتشبث بما قدمنا عبارتی العینی والکافی "انہ تصرف علی قصد التمول" الی قولہ "فیکون خبیثا"	اگر یہ چھوٹے لوگ غلطی میں پڑگئے جو موٹے اور دبلے۔ سستے اور مہنگے اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع و وسعت اطلاع کے مدعی ہیں انھوں نے کیسے یہ فتوٰی دیا اور اپنی سابقہ گمراہیوں میں اضافہ کرلیا، اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی، ہدایہ اور در کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں، لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریحی رد ہیں،

عـــہ: ھذا کان اذذاك ثم ترقی بہ الحال فی الغوایۃ و الضلال فوقع فی الکفر البراح واختار الارتداد الصراح واستحب العمی علی الھدی نعوذ باللہ من الھلاك والردی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ العزیز۔

یہ حکم تو اس کے حال سابق پر تھا پھر گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید ترقی کر گیا پس وہ کفر ظاہر میں جا پڑا اور ارتداد صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار کیا، ہم ہلاکت و بربادی سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ (ت)

فیجب التصدق وانه اذ تمولها بالبیع[1] الی قوله فوجب التصدق[2] فان کلامی الهدایة والدر، وان کان حجتین علیهم لالهم لکن لاکهاتین الناصتین بان الکلام فی صورة التمول لامطلق التبدل، لاسیما کلام الامام البدر المبین کالبدر، ان وجوب التصدق لاجل الخبث والخبث لکراهة البیع، وکراهة البیع لقصد التمول فیالیت شعری فیظن الرجل ان کل تبدل بمستهلك تمول، فیحکم بکراهة البیع به مطلقًا ام لا یدری الفرق بین التمول والتقرب حتی یحتج علی الضد بالضد ام یجیز قیاس المباین علی المباین والخبیث علی الطیب، والمنهی عنه علی الماذون فیه۔ بل المندوب الیه فهل هذا الاشیئ، نکرا۔ وامرا امرا۔ وایا ما کان فالی الله الضراعة لمنح البراعة ومنع الشناعة۔

قال الرجل هداه الله تعالٰی الی مسلك اهل السنة و الجماعة اذا باع المضحی جلد الاضحیة بالدراهم سواء کان البیع للتمول اوبنیة التصدق تعین تصدقه ثمنه کالنذر وهذا هو معنی الصدقة الواجبة۔

خصوصا ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے۔اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت تسلیم کیا ہے۔اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو گردانا ہے تو کیا یہ آدمی دراہم کے ساتھ بیع کو مطلقًا بیع متمول گردانتا ہے۔یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا، ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا قرار دیتا ہے، یہ کتنی شنیع بات ہے ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔

رد: اللہ تعالٰی اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے، اس نے کہا: "قربانی کرنیوالے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسب زر) کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے۔ عینی نے شرح ہدایہ میں کہا یہ قصہ تمول پر تصرف ہے اور قربانی کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے۔ تو جب بیچ کر کسب زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا کیونکہ یہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب"۔اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کھال سے منتقل ہو کر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق واجب ہوا۔

اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ شخص

[1] البنایه فی شرح الهدایه کتاب الاضحیه المکتبة الامدادیه مکة المکرمة ۴/ ۱۹۰

[2] الکافی شرح الوافی

قال العینی فی شرح الهدایة انه تصرف علی قصد التمول وقد خرج عن جهة التمول فاذا تمول بالبیع وجب التصدق لان ہذا الثمن حصل بفعل مکروہ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھ وفی الکافی فاذا تمولها بالبیع انتقلت القربة الی بدله فوجب التصدق اھ معربا ملخصا۔

اقول: دلنا کلامك هذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثة المارة فی قولی، یا لیث شعری فعر فنا بتردیدك ان لیس کل بیع بمستهلك تمولا عندک، وانك مائزبین التمول وغیرہ، وان بدلت التقرب بالتصدق جهلا منک، او تجاهلا مع علمك ان الکلام فی سائر القرب، دون التصدق فاذن لا اجد لا حتجاجك بکلام الکافی مثل، الا کمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاته لله تعالٰی اولغیرہ واحتج علیه بقوله عزوجل "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ(۱) لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ(۲)"[1] فان کان الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منه المتنازع فیه اصلا، فلا اری احدا امن

مول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے بھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرف تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا، ہاں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقاً کار ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے۔ الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے۔ اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیر کی سب ناجائز ہے۔ دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے۔ لا اعبد ماتعبدون تو ماتعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کردیا، اسی طرح صاحب کافی کی عبارت تو بیع تمول کو ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقاً بیع حرام کردی،

یہ تو عبارت کافی سے استدلال کا حال ہے۔ اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے۔ اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ مال خبیث اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

[1] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱ و ۲

المبطلین یعجز عن اقامة الف دلیل علی دعواہ ہذا احتجاجك بالکافی، اما التمسك بکلام البدر فبرأك الله من ان تنقص درجة عمن یدعی وجود اللیل البھیم مُسبل الاستار یحتج علیه بوجود الشمس فی وسط السماء بازعة تبھر الابصار۔	کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے اس شخص نے کہا، کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے۔ تو وہ صدقہ واجبہ ہوا، اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کرسکتے۔
قال "فقد اتضح بھاتین الروایتین وجوب التصدق واذا وجب الصدقة فکونھا صدقة واجبة واذا وجب الصدقة فکونھا صدقة واجبة واضح بنفسه فلا یکون مصرفھا الامصرف الصدقة الواجبة کما ہو ظاہر، فلا یجوز صرف الی بناء المساجد والمدارس اھ بالتعریب۔	
اقول: ان ارید الوجوب عند التمول فنعم، والا کلام فیه، او عند التقرب فلا ولا کرامة وای اثر له فی دلیلك فما ثبت بھما لانزاع فیه، وما فیه النزاع لم یثبت بھما، وان کان بحسبك ان یقع فی کلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق فی ای مسئلة من ای باب، فنعم لدعواك فی کل کتاب دلائل عدد الرمل والتراب۔	گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے، تو یہ بات صحیح ہے۔ بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کار ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے۔ تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے، چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو تو
قال والصدقة مطلقًا لابد فیھا من التملیك سواء کان اباحة او تملیکا تاما۔	

اقول: یالیتك اذلم تهتد الی الصواب قنعت۔بما من قبل صنعت، ونفسك عن الاسترسال منعت، ولکنك اجبت ان تزید فی الطنبور نغمة، وفی الشطر نج بغلة فابتدعت القول بان الاباحة من التملیك وانها تجزی فی الصدقة مطلقًا، فجعلت القسیم قسمًا، والضد ندا مع ان کلمات العلماء، فی مسائل الاباحة غیر قلیة ولاخفیة بل دوارة فی کثیر من ابواب الفقه، منها الطهارات، ومنها الزکوٰة، ومنها الطلاق، ومنها اللقطة ومنها الهبة، ومنها الکراهیة وغیر ذٰلك وهذا شرح الوقایه للامام الجلیل صدر الشریعة اول کتاب نتدراسه فی الفقه۔ افاد فیه رحمه الله تعالٰی فی اول کتاب الطهارات من باب التیمم، ان القدرة ثبت بطریق الاباحة، وبطریق التملیك فان قال صاحب الماء لجماعة من المتیممین لیتوضأ بهذا لماء ایکم شاء، والماء یکفی لکل واحد منفردا ینتقض تیمم کل واحد لثبوت القدرة لکل واحد علی الانفراد، اما اذا قال هذا الماء لکم وقبضوا لا ینتقض تیممهم لانه یبقٰی

یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں، ہر کتاب میں آپ کے مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں،
اس شخص نے کہا: "صدقہ میں مطلقًا تملیک واجب ہے عام ازیں کہ بطور اباحت ہو یا بطور تملیک۔"
آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر صبر کرنا چاہئے اور دراز لسانی سے پرہیز کرنا چاہئے، لیکن آپ نے تو ایک نئے سر کا اضافہ کرنا چاہا، اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کردیا کیونکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تملیک کا ایک حصہ ہے، اور صدقہ واجبہ تملیکیہ میں بھی اباحت سے کام چل جائے گا، افسوس کہ اس کلام میں قسیم کو قسم اور ضد کو شریک بنادیا گیا حالانکہ ان دونوں کی تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے ہیں، ابواب طلاق ولقطہ وہبہ کراہیہ وغیرہ میں کثرت سے یہ مسائل ہیں۔
ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدرالشریعۃ کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی ابتداء میں ہی لکھتے ہیں: "پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل ہوجاتی ہے اور تملیک سے بھی تو پانی والے نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرے، اور پانی کسی ایک کے وضو بھر تھا۔ پوری جماعت کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ علی سبیل الانفراد سب کی قدرت ثابت ہو گئی، اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب قبضہ کرلو تو تیمّم نہ ٹوٹے گا، کیونکہ اتنا پانی جب

علی ملك الواہب ولم تثبت الاباحۃ لانہ لما بطل الھبۃ بطل مافی ضمنھا [1] اھ ملخصا ونحوہ فی الفتح والبحر وغیرہا،فانظر کیف باینوا بینھا،واسمع کیف اثبتوا الاباحۃ لکل منفرد بقول المالك لیتوضأ بہ ایکم شاء،مع بداہۃ انہ لاتثبت بقولہ ہذا شیئ من الملك لکل منھم،ولا لاحدہم افما کنت درست ہذا اوما دریت ولا وعیت ضابطالھم،ان ماشرع بلفظ اطعام وطعام جاز فیہ الاباحۃ،وما شرع بلفظ ایتاء واداء شرط فیہ التملیک [2]۔کما فی ظھار الدر ومجمع الانھر وغیرہما فافتح العین،ہل ہما قسیمان او احدہماقسم من الاخر۔ اوما علمت ان مولی الغزی لما قال ان الزکوٰۃ تملیك [3] الخ قال المحقق العلائی خرج الاباحۃ [4] او ما عرفت ان الامام صدر الشریعۃ لما قال فی النقایۃ تصرف تملیك [5]	سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے وہ ہبہ باطل ہوا اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی، ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے۔تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی طرح ہے۔اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں،اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی،در اور مجمع الانہر میں ایک مشہور ومعروف ضابطہ مصرح ہے:"مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "اطعام" سے دی کہ "اسے فلاں کو کھلادو" تو اس میں اباحت کافی ہے۔اور جس کو "ایتاء" سے اجازت دے کہ "اسے فلاں کو دے دو" تو اس میں تملیک ضروری ہے۔" توآنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک واباحت آپس میں قسیم ہیں،یا ایک دوسرے کی قسم! امام غزی نے فرمایا:"الزکوٰۃ تملیک:زکوۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔" علامہ علائی فرماتے ہیں:"اس سے اباحت نکل گئ

[1] شرح الوقایہ کتاب الطہارۃ المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/ ۰۶-۱۰۵

[2] درمختار باب کفارۃ الظھار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الظھار داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۵۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[5] مختصر الوقایہ فی مسائل الھدایۃ فصل مصرف الزکوۃ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص ۳۷

یعنی الزکوٰۃ قال العلامۃ الشمس محمد فی شرحھا فیہ اشارۃ الی انہ لایجوز صرف الاباحۃ [1] الخ اوما عقلتماافاد العلامۃ البحر فی لقطۃ البحر، اذقال انما فسرنا الانتفاع بالتملك لانہ لیس المراد الانتفاع بدونہ کالاباحۃ [2]۔ اوما وقفت علی قول السید الشامی فی لقطۃ ردالمحتار ان التصرف علی وجہ التملك احتراز عن التصرف بطریق الاباحۃ علی ملك صاحبھا [3] اھ اوما سمعت العلماء یصرحون فی غیر ما موضع ان المباح لہ انما یتصرف علی ملك المبیح لا حظ لہ من الملك اصلا، حتی لم یثبتوا لہ ملکا بعد زوال ملك المالک، ایضا قال المولی زین بن نجیم فی شرح الکنز فان قیل المباح یستھلکہ المباح لہ علی ملك المبیع او علی ملك نفسہ، قلت اذا صار ماکولا زال ملك المبیع عنہ، ولم یدخل فی ملك احد [4] اھ واثرہ عنہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر، ہذا وکم اسرد لك یاہذا من نقول الاسفار وہی فی الوفور والاستکثار	"امام صدر الشریعۃ نے فرمایا: "(الزکوٰۃ) تصرف تملیکا" زکوٰۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی، علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا: اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوٰۃ ادانہ ہوگی اسی طرح علماء کی تصریح ہے: "جو چیز مباح کی وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس کے لئے مباح کی گئی، اس کو اس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا"____"وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں: "مالک کی ملک زائل ہوجائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہ کی ملک ثابت ہو۔" مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہ نے اس چیز کو کھالیا تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتی کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی یہی مطلب ہے ملک نفسہ کا، ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب حاشیہ در میں پیش کیا، الغرض اگر میں نقل کرنے پر

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲ /۳۳۸

[2] بحر الرائق کتاب اللقطۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۱۵۸

[3] ردالمحتار کتاب اللقطۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۲۱۔۳۲۰

[4] بحر الرائق باب الظہار فصل فی الکفارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴ /۱۰۹

ماتنتهی دون نقله الاعمار،وانا بحمدالله عالم بمناط غلطک،ومثارغلطك وسأنبهك عليه عن قريب،ان شاء المولى القرب المجيب،واما ماأوہمت من اجزاء الاباحة فی الصدقات مطلقًا فواضح البطلان عند کل من يعلم ان الزکاة وصدقة الفطر لاتغنی فيهما الاباحة علی المذہب الصحيح المفتی به،وقد قدمنا نصوص النقاية و التنوير والدر، وضابط الدرو شرح ملتقی الابحر،وسيأتی زيادة علی ذٰلك ان ارادالمالک۔

وبالجملة کلام الرجل ککلام مدہوش من قرنه الی قدمه مخدوش ونحن اذا قد اوضحنا المرام وازحنا الاوہام بتوفيق ربنا الملك العلام،فلا علينا ان نقصر الکلام ونطوی بساط والردالابرام والحمدلله ولی الانعام۔

تذليل جليل: قال العبد الذليل بعد ہذا وقفت علی تحرير اٰخر لبعض جلة العصر من افاضل اہل السنة جنح فيه نحو ماجنح اولئك القوم،وحکم ان لا بدلہما من التمليك متمسکا بما تعريبه حکم جلود الاضاحی ان يتصدق بها اوينتفع بها بنفسه او يستبدلها بما ينتفع به مع بقاء کالغربال و السجادة وغيرہمافقی صورة

مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں: "مباح کو مباح لہ مباح کرنے والے کی ملک پر ہی ختم کرتا ہے یا وہ چیز خود اپنے ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں"

آؤں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے، تو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقًا اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے۔اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں ہم نے اس بات کی جزئیات تنویر اور در سے پہلے نقل کئے،اور در کا ضابطہ بھی نقل کیا،آئندہ مزید تفصیل کریں گے تو اس قائل کا کلام ازتا پا مخدوش ہی مخدوش ہے اور ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں۔

ایک سنی عالم کا فتوٰی: البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اس قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی،ان کا کلام یہ ہے: "قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے یا اس کو خود استعمال کیا جائے،یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے، جیسے چھلنی، مصلی وغیرہ،تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے"

انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

التصدق لابد من التملك اھ حاصله معربا۔ **اقول**: هذا کلام کما تری لایکاد یرجع الی طائل، فان لزوم التملیك فی التصدق لایستلزم لزومه فی التقرب ولم یلم کلامکم بایجاب التصدق ههنا عینا ونفی سائر وجوه التقرب شیئا فالصغری المطویة هی التی کانت محتاجه الی البیان وقد طویتموها وطویتم الکشح عن بیانها فاختل البرهان، وکان ملحظ هذا الفاضل ومحط نظره ان حکم الجلود اذا کان دائرا بین الاشیاء الثلثة، وبالبیع بالدراهم ولو لاجل التقرب انتفی الاخیران، فتعین الاول، وهو لابد فیه من التملیك هذا غایة مایقال فی تقریر کلامه، علی حسب مرامه هنأه ربه بلطفه واکرامه فالاٰن۔ **اقول**: وبالله التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق، اعلم ان للصدقة اطلاقات:[1] **الاول**: اخصها تملیك المال من الفقیر مجانا، فخرج الاعارة والاباحة و هدیة الغنی، والاقراض وهذا هو المراد فی الزکوٰة و صدقة الفطر، وبهذا المعنی یقال ان الصدقة لابد فیها من التملیك وحینئذ لاتدخل فیها الکفارات لجواز الاباحة	کھال کا صدقہ واجبہ ہے۔نہ یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کار ثواب میں نہیں لگایا جاسکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغری ہے۔بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار ہے۔ان بزرگ کی غلطی کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے بعینہٖ اس سے انتفاع حاصل کرنے یا باقی رہنے، والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے۔اورجب بعینہٖ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی، تو تصدق مُعین ہوگیا، اور اس میں تملیک ضروری ہے (اللہ تعالٰی انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔ لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ شرح میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔ **(۱)تملیك المال من الفقیر**"اس صورت میں عاریۃ، اباحۃ، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوٰۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے۔تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجب ہے لیکن اس معنی

فیھا قطعا(عہ)۔ولذا قال فی ظھار التنویر،صحت الاباحۃ فی طعام الکفارات والفدیۃ دون الصدقات و العشر [1] اھ قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی(قولہ دون الصدقات)ای الزکوٰۃ و صدقۃ الفطر [2] اھ فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات۔ [2] **الثانی**: تمکین الفقیر من المال مجانا وھنا یقطع النظر عن التملیك ویکتفی	میں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اباحت بھی جائز ہے۔ تنویر میں ہے: "کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے۔صدقات اور عشر میں نہیں۔" لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا: "صدقات سے مراد زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے" یہاں کفارہ صدقہ واجبہ ہونے کے باجود صدقات سے خارج ہے۔ **(۲)** "فقیر کو مال پر قابو دے دینا" یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے۔اور یہ انتفاع،تصرف اور

عہ:ای فی نوع الطعام منھا اما الکسوۃ فی کفارۃ الیمین فلا تکفی فیھا الاباحۃ کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ہذا المراد،**وانا اقول**:خروج الکسوۃ ضروری فان الاباحۃ انما تکون ماینتفع بہ باستھلاکہ کالماکولات و المشروبات والکسوۃ لیس ھذا کمالایخفٰی والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحۃ والاعارۃ مطلقًا،واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ قدس سرہ العزیز

یعنی ان اقسام میں سے طعام میں اباحت ہے۔لیکن کفارہ یمین میں لباس میں اباحت کافی نہیں ہے لیکن جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے تو اس مراد کو محفوظ رکھو **اقول**:(اور میں کہتاہوں)لباس کا خروج یہاں ضروری ہے کیونکہ اباحت صرف ایسی چیز میں ہو سکتی ہے جس کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا جائے جیسے ماکولات و مشروبات جبکہ لباس ایسی چیز نہیں ہے جیساکہ مخفی نہیں ہے۔حاصل یہ کہ میرے نزدیک اباحت اور عاریۃ دینے میں فرق ہے۔واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ قدس سرہ العزیز(ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۱

[2] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الطلاق باب الکفارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۸۴،حاشیہ الطحطاوی کتاب الطلاق باب الکفارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۰۲

باطلاق الانتفاع۔والتصرف والاستهلاك الصادق به وبالاباحة وبهذا المعنى تشمل الكفارات فتعد من الصدقات الواجبة كما قال القهستانی والشامی وغيرهما فی مصرف الزكٰوة"انه ہو مصرف ایضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلك من الصدقات الواجبة[1] اھوبه علم ان ہذین المعنیین لا يتعدا هما الواجب من الصدقات والخلط بينهما كانه هوالذی حد ذٰلك الرجل الوہابی ان جعل الاباحة من التمليك،وذٰلك انه رأى فی الفتح مايقصر الصدقة على التمليك ورأى فی ردالمحتار مانقلنا اٰنفا وهو يفيدان الكفارة ايضاً من الصدقات وقد نقل العبارتين فی فتواه فأظن انه نظم منها شكلا و استنتج منه ان الكفارة لابد فيها من التمليك وكان داريا ان الاباحة تسوغ فيها،فلم يتمالك نفسه ان حكم بكون الاباحة قسما من التمليك لانه اضطربت لديه الاقوال۔وضاق عليه ميدان المجال، ولم يدر التفصی عن الاشكال الابايداء ہذا المحال، ولم يعرف المسكين فرق المحال،وان تغير الاوسط يهدم الاشكال	استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے۔جو صدقہ واجبہ سے ہے اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے۔ چنانچہ قہستانی وشامی وغیرہ نے کہا:"جو فقیر مصرف الزکوٰۃ ہے وہی صدقہ فطر،کفارات اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے۔" صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی متحقق ہونگے،شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرأت دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا"صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے"اور رد المحتار کی بھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے۔یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوی میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملیک ضروری ہے اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے۔تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حد اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتا ہے،فتح القدیر کی عبارت"الصدقۃ

[1] ردالمحتار بحوالہ اقہستانی کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

فان التی یجب فیھا التملیك ہی الصدقة بالمعنی الاخص الوارد فیھا لفظ الایتاء او الاداء او مایؤدی مؤادھما،والکفارات لیست من الصدقات بھذا المعنی، فلا شکل ولا اشکال،والحمدﷲ المھین المتعال علی انه ان قطع النظر عن ہذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق،فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیك کما فعل الفاضل القھستانی حیث قال تحت قول النقایة تصرف تملیکا یستثنی منه اباحة الکفارة [1] اھ لا ان یرتکب مثلك ہذا المحال،وباﷲ العصمة عن الزلل و الضلال ہذا ما وعدناك فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقة۔	یجب فیہ التملیک"میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص بمعنی اول ہے۔اور"الکفارات تجوز فیہ الاباحۃ"کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے۔حالانکہ قہستانی ان کی راہ کشادہ کرچکے تھے،وہ فرماتے ہیں"انه تصرف تملیکا یستثنی منه الکفارات" صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ اس سے مستثنٰی ہے۔
۳الثالث وربما یقطع النظر عن الفقر ایضا،فتشمل التملیك والاباحة للفقیر والغنی،قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد الصدقة ماتصدقت به علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلك فانھا علی الغنی جائزة عندنا یثاب به بلاخلاف [2] اھوقال فی	**(۳)** صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک واباحت اور فقیر وغنی،دونوں کو عام ہو،توسط شرح ابوداؤد میں ہے: "صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے(مطلب یہ کہ صدقہ میں عموما یہ ہوتاہے)ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالدار کو بھی دیناجائزہے"۔

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ فصل مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۸۔۳۳۷

[2] التوسط شرح سنن ابوداؤد

ردالمحتار عن البحر الرائق الصدقة تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الھبة عند بعضھم وصرح فی الذخیرة بان فی التصدق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر[1] اھ و روی احمد و الطبرانی فی الکبیر عن المقدام بن معد یکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انك مااطعمت زوجتك فھو لك صدقة وما اطعمت ولدك فھو لك صدقه، وما اطعمت خادمك فھولك صدقة۔[2] وله فیه عن ابی امامة الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماانفق الرجل فی بیته واھله وولدہ فھو له صدقة[3]۔ **الرابع** ربماتطلق حیث لاتملیك ولا اباحة اصلا وانما ھو تصرف مالی قصد به نفع المسلمین کحفر الاٰبار وکروی الانھار وبناء الربط والجسور والمساجد و المدارس وغیر ذلك وعن ھذا تقول انھا صدقات جاریة ومن ذٰلك قولھم فی الاوقاف صدقة مؤبدة و علیه جاء قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	ردالمحتار میں بحر الرائق سے منقول ہے: "صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے کہ مجازاً ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے۔ احمد و طبرانی نے کبیر میں مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وہ بھی صدقہ"۔ طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے: "آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل وعیال اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہے۔" **(۴)** اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہونا ہے۔ جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافر خانے اور پل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اورانھیں امور خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں: اور اوقات کو اسی معنی میں صدقہ موبدہ کہا جاتاہے۔ حدیث شریف میں ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۲۶۸

[3] المعجم الکبیر حدیث ۷۶ ۷۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸/ ۱۱۲

اذ اتاہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یارسول اللہ امی ماتت فای الصدقۃ افضل، قال سقی الماء، فحفر بئرا و قال ھذہ لام سعد [1] کما اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان و الحاکم عن سعد وابو یعلی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقۃ ومعلوم ان لاتملیک فیہ ولااباحۃ فان من شرطھا ان یکون الماء فی ملک المبیح کما لایخفی علی احد وقد قال صدر الشریعۃ انھم لمالم یملکہ لاتصح اباحتھم۔اھ وقد نص علمائنا ان ماء البئر غیر مملوك لصاحبھا، ففی الھدایۃ البئر ونحوھا ماوضع للاحراز ولا یملك المباح بدونہ [2]۔وفی فتاوی العلامۃ خیر الدین الرملی	حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا؟ حضور نے فرمایا: لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا، انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا اور اعلان کردیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے" (احمد وابوداؤد ونسائی ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان عن ابی یعلٰی عن ابن عباس) تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیئ مباح مباح کرنے والے کی ملک ہو، صدرالشریعہ فرماتے ہیں: "جب مال موقوفہ پر مالکوں کی ملک نہ رہی تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں" اس طرح علماء نے تصریح فرمائی: کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں" ہدایہ میں ہے: "کنواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی"۔

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۶، سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۳، مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۸۵و۶/ ۷، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب الزکوٰۃ باب سقی الماء المطبعۃ السلفیہ مکہ المکرمۃ ص ۲۱۸

[2] الہدایۃ کتاب احیاء الموات فصل فی المیاہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۸۳

فی الولوالجیۃ وکثیر من الکتب لو نزح ماء بئر رجل بغیر اذنہ حتی یبست لاشیئ علیہ عـــہ لان صاحب البئر غیر مالك للماء [1] اھ فاذن لایکون الا تقربا الی اللہ تعالٰی بتصرف فی مالہ لنفع المسلمین وعلی ھذا سائر القرب المالیۃ سواء فی دخولھا فی معنی الصدقۃ۔ وقد قال الامام فقیہ النفس قاضی خاں فی الخانیۃ قریۃ فیھا بئر مطویۃ بالاٰجر خربت القریۃ، و انقرض اھلھا وبقرب ہذہ القریۃ قریۃ اخرٰی فیھا حوض یحتاج الی الاٰجر فارادوا ان ینقلوا الاجر من القریۃ التی خربت ویجعلوھا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف بانی تلك البئر لا یجوز صرف الاٰجر الا باذنہ، لانہ عادالی مبلکہ وان لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذٰلك ان

فتاوٰی خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے: "اگر کسی نے کسی کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کردیا تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں"۔
تو یہ صدقہ اسی معنی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کررہاہے اور اس معنی میں سارے مالی کار خیر صدقہ قرار دئے جانے میں برابر ہیں۔
اطلاق نمبر ۴ کی دوسری مثال: امام فقیہ النفس قاضیخان فرماتے ہیں: "ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اجڑ گیا اور کنواں معطل ہوگیا، اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہیں، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہوگئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دے دی جائیں، اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگادے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ

عـــہ: **قلت** ای لا ضمان لان الاتلاف صادف مباحا غیر مملوك لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظھر اذا فعلہ لمحض الاضرار ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام ۱۲منہ۔

میں کہتا ہوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرے کیونکہ اسلام میں ضرر وضرار کی ممانعت ہے ۱۲منہ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب احیاء الموات فصل فی مسائل الشرب دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۸۶

يتصدق بها على فقير ثم ذٰلك الفقير ينفقها فی ذٰلك الحوض لانه بمنزلة اللقطة والاولى ان ينفق القاضی فی ہذا الحوض ولا حاجة فيه الى التصدق على الفقير اھ[1] وفی الهندية عن الواقعات الحسامية فيما اذا لم يعلم الغارس، الحکم فی ذٰلك الى القاضی ان رأى بيعها وصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذٰلك اھ[2] وقال فی الخانية قبله نبت الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان علم غارسها كانت للغارس وان لم يعلم فالرأی للقاضی ان رأی ان يبيع الاشجار و تصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذلک، وتكون فی الحكم كانها وقف اھ[3] قلت ای فی انه مال مصروف الى وجوه البر اما الوقف فلا لما فی الخانية ايضا، رجل جعل ارضه مقبرة وفيها اشجار عظيمة، قال الفقيه ابو جعفر رحمه الله تعالٰی وقف الاشجار لايصح فتكون الاشجار للواقف ولورثته	(گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگادے اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات مل جائے گی" عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے: "اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کرسکتا ہے "خانیہ میں ہے: "زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے۔ اور لگانے والا معلوم نہ ہو تو رائے قاضی کی ہے اسے بیچ کر قبرستان کی مرمت میں لگاسکتا ہے۔ اس کا حکم وقف ہی کا ہے" مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا مال ہے جو مصارف خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح اس درخت کا مصرف بھی مصارف خیر ہیں، وہ درخت خود وقف نہیں ہوجاتا۔ اسی خانیہ میں ہے: "ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں درخت ہیں، فقیہ ابو جعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف کے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الوقف المنقول الخ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۲۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۴۷۴

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۲۴

ان مات، وکذا البناء فی الدار التی جعلها مقبرة [1] اھ۔ ومعلوم ان حکم اللقطة هو التصدق الا ان یکون الملتقط فقیرا، فیصرف الی نفسه وهو ایضا من باب التصدق من المالک، بل قال فی الدرالمختار عن العمدة وجد لقطة وعرفها ولم یر ربها فانتفع بها لفقره ثم ایسر یجب علیه، ان یتصدق بمثله [2] اھ وان کان المختار خلافه کما فی البحر والنهر، عن الولو الجیة والهندیة وجامع الرموز عن الظهیریة قلت لان الصدقة اصابت محلها فلا تتغیر بتغیر حاله کفقیر اخذ الزکوٰة ثم ایسر لیس علیه ردها، وبالجملة الحکم ههنا التصدق وقد نصوا علی جواز صرفه الی عمارة المقبرة واصلاح الحوض، ومن ذٰلك مافی الرحمانیة عن الاجناس اذا خرب مسجد ولا یعرف بانیه وبنی اهل المسجد مسجدا آخر ثم اجمعوا علی بیعه، واستعانوا بثمنه فی ثمن المسجد الاٰخر فلا باس به، وہذا قول محمد خلافا لابی یوسف فانه مسجد ابدا عنده [3] اھ وفی السراجیة مسجد عتیق لایعرف بانیه خربت فاتخذ بجنبه	ہوں گے، اور وہ مر گیا تو اس کے ورثہ کی ملک ہوں گے، اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے دار میں ہو جس کو مقبرہ کردیا گیا ہو۔" رحمانیہ کا جزئیہ ہے: "مسجد ویران ہوگئی جس کے بانی کا پتہ نہیں اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر اس کی قیمت اس مسجد میں لگائیں، تو امام محمد کے نزدیک اس میں حرج نہیں، اور قاضی ابویوسف کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرسکتے کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی" سراجیہ میں ہے: "پرانی مسجد جس کے بانی کا پتہ نہیں وہ ویران ہوگئی لوگوں نے اسی کے قریب دوسری مسجد بنالی، تو قاضی ابویوسف کے نزدیک ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں لگا سکتے، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے۔ اور فتوٰی قاضی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے" اس کی وجہ وہی ہے کہ مسجد ڈھے کر ناقابل استعمال ہوگئی اور لوگ مستغنی ہوگئے، تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک اس کا مالک بانی ہوجاتا ہے۔ اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہوگئی، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵

[2] درمختار کتاب اللقطة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۲

[3] رحمانیہ

مسجد اخر، لیس لاہل المسجد ان یبیعوہ و یستعینوا بثمنہ فی مسجد اُخر عند ابی یوسف خلافا لمحمد وعلیہ الفتوٰی [1]۔ وذلك ان المسجد اذا خرب والعیاذ باللہ واستغنٰی عنہ یعود عند محمد الی ملك البانی، کما فی التنویر وغیرہ فاذا لم یعرف بانیہ صار لقطۃ، وقد قال الامام محمد ح صرفہ الی مسجد اخر فعلم ان التصدق المامور بہ فی اللقطۃ ہو بہذا المعنی الرابع الداخل فیہ الصرف الی المقابر والحیاض والمساجد وہذا الاطلاقات کلہا فقہیۃ کما تری۔

میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

تو جب ہیچوں قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا تو یہ بات صاف ہو گئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے۔ ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے او پر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے۔ بلکہ در مختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ فقیر نے لقطہ پایا اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا، پھر مالدار ہو گیا تو اس کا صدقہ کرے، اگرچہ فتوٰی اس کے خلاف ہے۔ (بحر و نہر عن الولوالجیہ و جامع الرموز من الظہیریۃ)

میں کہتا ہوں قرین قیاس بھی یہی ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا، تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، جیسے فقیر مال زکوۃ کھاتا رہا اب مالدار ہو گیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے اور اسی کو عمارت مقبرہ اور اصلاح حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنی میں ہے اور اس کا مقابر، حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے حالانکہ نہ یہاں تملیک نہ اباحت، نہ مالدار نہ فقیر، اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں۔

الخامس قد یتوسع فیقطع النظر عن قید المال ایضا، ویطلق علی کل نفع للغیر بایصال الخیر اودفع الضیر کیفما کان ومن ذٰلك حدیث تکرار

(۵) کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کر دیجاتی ہے اور مطلقًا غیر کو نفع پہنچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الوقف باب اجارۃ الوقف وبیعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹۳

الجماعة المروی فی جامع الترمذی وغیرہ الارجل یتصدق علی ھذا فیصلی معه [1] وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل سلامٰی من الناس علیه صدقة کل یوم تطلع فیه الشمس تعدل بین الاثنین صدقة بینهما، وتعین الرجل علی دابته فتحمل علیها او ترفع له علیها متاعه صدقة والکلمة الطیبة صدقة ودل الطریق صدقة وتمیط الاذی عن الطریق صدقة [2]۔ اخرجه احمد والشیخان عن ابی ہریرۃ رضی الله تعالٰی عنه، وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مامن رجل مسلم یصاب بشیئ فی جسدہ فیتصدق به الارفعه الله به درجة وحط عنه خطیئته [3]۔ اخرجه احمد والترمذی وابن ماجة عن ابی الدرداء واحمدوالضیاء نحوہ عن عبادۃ رضی الله تعالٰی عنهما باسناد صحیح۔	کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا: "الارجل یتصدق علی ہذا فیصلی معه کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے" یوں ہی سرکار فرماتے ہیں: "آدمی کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ ہے۔ تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے۔ آدمی کا بوجھ لاد دینا صدقہ ہے۔ اچھی بات صدقہ ہے۔ راستہ بتانا صدقہ ہے۔ راستہ سے کوڑا کرکٹ دور کردینا صدقہ ہے۔ (احمد ومسلم وبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) یونہی یہ حدیث شریف: "آدمی کے جسم میں تکلیف ہو تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالٰی اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء، احمد وضیاء نحوہ عن عبادۃ باسناد صحیح)

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصدقات باب فی المجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵، جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الجماعة فی مسجد الخ امین کمپنی کراچی ۱/ ۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من اخذ بالرکاب ومخوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵، مسند احمد بن حنبل مسندا بوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۶

[3] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی العفو امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۷، سنن ابن ماجہ ابواب الدیات باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۷، مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۴۸

السادس قد یستقصی فی التوسع فیقطع النظر عن الغیر ایضاً ویطلق علی کل فعل حسن محمود فی الشرع فانه ان لم یکن تصدقا علی غیره، فتصدق علی نفسه، ومن ذٰلك قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فی حدیث ابی ہریرۃ المار کل خطوۃ تخطوہا الی الصلٰوۃ صدقه [1]۔ وجاء فی حدیث کل تکبیرۃ صدقۃ [2]۔ وقد قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کل معروف صدقۃ [3] اخرجه احمد والبخاری واٰخرون عن جابر واحمد و مسلم وابوداؤد عن حذیفۃ والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والبیهقی فی الشعب عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهم، زاد عبد بن حمید والحاکم، و صححه فی حدیث جابر ہذا وما انفق المسلم من نفقة علی نفسه واہله کتب له بها صدقۃ [4]۔ وتتمه حدیث المقدام المقدم	**(۶)** اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہوجاتی ہے کہ ہر فعل محمود ومشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔ "مسجد کی طرف بڑھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ ہر تکبیر صدقہ ہے۔ ہر نیکی صدقہ ہے۔ (احمد وبخاری وآخرون عن جابر، احمد، ومسلم، ابوداؤد، عن حذیفہ طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بیہقی عن ابن عباس) عبد ابن حمید وحاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی: "مسلمان نے اپنے اور اہل وعیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا" نمبر ۳ میں ذکر کی ہوئی حدیث مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ یہ ہے: "اور جو خود کھایا صدقہ ہے" ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کرلیں، شائد کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے، اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے۔ کہ قربانی کے

[1] صحیح البخاری کتاب الجهاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۴ و۴۱۹، صحیح مسلم کتاب الزکٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵

[2] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ المسافرین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۰ و کتاب الزکٰوۃ ۱/ ۳۲۴

[3] صحیح البخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۰، صحیح مسلم کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۴،
سنن ابوداؤد کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۰، مسند احمد بن حنبل ۵/ ۳۹۷ والمعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۴۷ و۱۰۴۱۲ ۱۰/ ۱۱۰ و۲۳۲

[4] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۵۰

ذکرہ وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة [1] اتقن ہذا فلعلك لاتجدبیان تلك الاطلاقات الا فی ہذہ الوریقات واللہ سبحانہ واہب العطیات۔ ثم ان المراد بالتصدق فی قولھم فی الاضاحی یتصدق بالثلث وقولھم یندب ان لا ینقص الصدقة عن الثلث،لیس ھو المعنی الاخص الاول،کیف،و قد اجمعوا علی اباحة الاباحة فی القربان،فلایمکن تعیین الاخص المنحصر فی التملیك ویتضح ذٰلك فی قوله مجمع الانھر وغیرہ الجھات ثلث الاكل والادخار و التصدق [2] ھ فاین الاطعام العام الغیر المخصوص بالتملیك المنصوص علیه فی قوله عز مجدہ "وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ" [3]۔وقد استدل فی الھدایة بالاٰیة علی قول البدایة یستحب ان لاینقص الصدقة عن الثلث، قائلا ان الجھات ثلث الاكل و الادخار لما روینا و الاطعام لقوله تعالٰی و اطعموا القانع والمعتر و انقسم علیھا اثلاثة [4] اھ	سلسلہ میں جس صدقہ کاذکر آیا ہے وہ ان اطلاقات میں سے کسی اطلاق کے تحت آیا ہے۔تو یہ طے ہے کہ نمبر اول مراد نہیں ہے۔کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلاسکتے ہیں تو اس معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری ہے اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے ملانے سے صاف ظاہر ہوجاتی ہے۔چنانچہ صاحب مجمع فرماتے ہیں: "قربانی کے مصرف کی تین حیثیت ہے: کھانا، جمع کرنا،صدقہ کرنا" حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوجاتی ہے صاحب مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کر اس کو بھی مراد لیا ہے۔ اسی طرح صاحب ہدایہ نے صاحب بدایہ کے اس قول کی دلیل دی: "صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے"۔ صاحب بدایہ کہتے ہیں: "اس لئے کہ جہتیں تین ہیں: کھانا، جمع کرنا،یہ تو حدیث سے ثابت ہے۔اور کھلانا،یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ،تو تینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھاگیا"

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰ /۲۶۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۲۱

[3] القرآن الکریم ۲۲ /۶۳

[4] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۴۸

فلو کان المراد بالصدقة ہو المعنی الاخص لما انطبق الدلیل علی المدعی کما لا یخفی، واذ قد علمت ان الصدقة لها اطلاقات وان لزوم التملیك انما ہو فی المعنی الاول وانہ غیر مراد ہہنا، وجب ان لایکون مرادا ایضا قولھم یتصدق بجلدہا فان التصدق ھھنا ھو عین التصدق فی قولھم یتصدق بالثلث یرشدك الیہ تعلیل الھدایة بقولہ لانہ کجزء منھا فثبت ان لیس تصدق الجلد ممایقتصر علی التملیك حتی لو صنع منہ دلوا، ووقفہ علی بئر مسجد لیستسقی المتوضؤون جاز [عہ] قطعا فسقط الاحتجاج رأسا۔

اب اگر صاحب ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہوچکا تو حسب قول ہدایہ، "کھال بھی قربانی ہی کا جز ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی مسجد میں پانی نکالنے کے لئے اس کا ڈول بن سکتا ہے۔ القصہ ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔

بقی انہ اذ لیس المراد الاول فای البواقی یراد وانما البینة علی من یدعی، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حدیث نبیشہ الخیر الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ یھدینا الی مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوہ القرب، فلیکن المراد ھو المعنی الرابع، وہو الغالب فی الصدقات النافلة۔

اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے۔ مگر تبرعاً ہم وہ بھی بتادیتے ہیں۔

عہ: ای علی المفتی بہ من جواز وقف المنقول حیث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشاعلی اٰبار المساجد اھ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز

یعنی مفتی بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں ڈول اور رسی وغیرہ مساجد کے کنوؤں کے لئے مروج ہے اھ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

علی ان قد بینا ان معنی المنع لیس ترك التصدق المامور به،فانه غیر المامور به ههنا رأسا بل المعنی قصد التمول المنهی عنه فی کل ماتقرب به الی المولی سبحٰنه وتعالٰی وهو لایتحقق فی شیئ من القرب، فلایضرنا عندالتحقیق ارادة شیئ من المعانی اصلا کما لایخفی علی من رزق العقل السلیم والفهم المستقیم،والله سبحنه بکل شیئ علیم،ہذا وجه فی الجواب عن احتجاج ہذا الفاضل المستطاب

اقول: ثانیا مبناه عن حصر السائغ فی الاوجه الثلثه و لا دلیل یدل علی الحصر،وعدم الذکر لیس ذکر العدم وہذا الامام القدوری مقتصرا فی مختصره علی شیئین التصدق وعمل آلة حیث قال ویتصدق بجلودہا اویعمل منه آلة تستعمل فی البیت [1] اھفترك التبدل بمایبقی ایضا،فیظن کلامه هذا معارضه لکلام من ثلث،وہذا المحقق الحلبی قال فی ملتقاه وهو من متون المذہب المعتمدة کما نص علیه العلامة الشامی،یاکل من

حدیث حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایتجار (کار ثواب) کا لفظ آیا ہے جو تمام کار خیر کو عام ہے تو چوتھے معنی میں جو عام طور سے صدقات نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہوگا۔

علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصد تصدق کی ممانعت نہیں قصد تمول کی ممانعت ہے تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصد تمول نہیں پایا جائے گا اور صدقہ جائز ہوگا، اس لئے صدقہ کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہوگا۔

مزید توضیح: جیسا کہ ہم اوپر ذکر کرآئے ہیں کہ اس عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ مصارف قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں، اگر کسی مصنف نے صرف تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زائد نہیں، کہ عدم ذکر، ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں، امام قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو ۲ ہی جہت کا ذکر کیا: "کھال کا صدقہ کردیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے کوئی چیز بنالی جائے" تو انھوں نے باقی رہنے والی چیز سے استبدلال والی شق چھوڑ دی، تو کیا ان کے کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض سمجھا جائے، حضرت ابراہیم حلبی نے فرمایا: "قربانی کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے کھلائے، اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے"۔

[1] مختصر القدوری کتاب الاضحیہ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۹

لحم اضحیته ویطعم من شاء من غنی وفقیر، وندب ان لاینقص الصدقه عن الثلث[1] اھ فلم یذکر التبدل بالباقی فی مسئلة اللحم مع جوازہ قطعا علی المذہب الصحیح، وان اختیر ماصححه فی الظهیریة وغیرها من جواز تبدل الماکول بالماکول کاللحم بالحبوب واللبون وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب و الجواب لاعکسه فی الصورتین فقد ترک ہذا الوجه فی اللحم، وعلی کل فلم یحط، بکل ماہو سائغ، ونظائر ذٰلك ان تتبعت اعیاك عدہا کثرا واذلا حصر فلا ساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحنا ببعض من ہذا فی مطاری کلامنا فی الوجه السابق۔	تو انھوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑدی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے۔اور ظہیریہ میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تھیلی کے ساتھ اس کا الٹا نہیں، تو ایک یہ صورت بھی متروک ہوگئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔اور جب حصرواحاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو۲ قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے۔
واقول: ثالثا ان ابتیم الاالحصر فنبئونی فلا یجوز اهداء غنی، و لیس من الثلثة. اولایجوز الاعارة من فقیر اوملی ولیس منها اولا یجوز البیع بالدراہم للتصدق ولیس البیع للتصدق عین التصدق فاذبقیت ہذہ فلیکن البیع بها لاجل التقرب ایضا من البواقی.	اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا ناجائز ہے یہ دونوں صورتیں بھی توان تینوں میں شامل نہیں کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں، حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے توجب اس کار ثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کار ثواب کے لئے کیوں جائز نہ ہوگی۔
وبالجملة فلا دلیل یظهر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیك	الختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کار ثواب کے لئے بیچنا منع ہواور اس کا تصدق بطور تملیک

[1] ملتقی الابحر کتاب الاضحیه مؤسسة الرسالة بیروت ۲ /۲۲۴

اذا فعل ذٰلك بل الدليل ناطق بخلافه فان المانع انما هو قصد التمول وهذا بمعزله عنه، والمسوغ كما تبين بكلام التبيين قصد القربة وهذا، فلنقتصر على هذا القدر، حامدين لربنا في الورد والصدر، ہذا ما ظهر لفهمي القاصر وفكري الفاتر ومعاذالله ان ابرى نفسي من الخطأ والزلل واصر على رائي بعد وضوح الخلل وسبحن الله اليش انا واليش رأيي و انما النقص بضاعتي والخطأصنا عتي، والجهل صفتي و العجزسمتي فان اصابت فبتوفيق ربي، وله الحمد في كل اٰن وحين، وان اخطأت فبشوم ذنبي و اسأل التوبة ارحم الراحمين، والحمدلله العزيز الوہاب، والصلاة والسلام على النبي الاواب واله و صحبه خير آل واصحاب واذا انتهت الرسالة بحمدى ذى الجلالة وددت ان اسميها بعلم لطيف، يكون علما على عامة التاليف، كما ہو دأبي في جميع التصانيف وقد جاءت بحمدالله تعالٰى مختصرة ومع الاختصار مطهرة مظهرة، فناسب ان اسميها، "الصافية الموحية لحكم جلود الاضحية" وكان ذٰلك ضحوة الخميس لليلة بقيت من ذى القعدة الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من	ہونا ثابت ہو اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم ہے وہ بیع بقصد تمول ہے۔ اور ان دونوں میں بون بعید ہے۔ اور قربانی کے اجزاء سے قصد تقرب جائز ہے۔ اور یہ بیع اسی لئے ہے۔ اس لئے اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔ اب ہم اس پر بس کرتے ہیں، اور ابتداء وانتہا میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس کو خطا ولغزش سے بری نہیں گردانتا اور خلل ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ ! میں کیا اور میری رائے کیا، نقصان ہی میری پونجی ہے اور خطا شان بندگی، لاعلمی میری صفت اور عاجزی میرا نشان اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی توفیق سے ہے۔ اور اسی کے لئے ہر دم تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی برائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی حمد بجالاتا ہوں، اور اس کی حمد پر یہ رسالہ ختم ہوا۔ اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے طریقہ کے مطابق کتاب کا بھی سن تالیف بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی تو اس کا نام "الصافية الموحية لحكم جلو دالاضحية" رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے

بجرۃ المولی سید الانام افضل الصلاۃ واکمل سلام واجمل تحیۃ من الملك المنعام علیه وعلی آله وصحبه الکرام علی مر اللیالی والایام، والحمد ﷲ ذی الجلال والاکرام کتبه العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے ہیں۔ والحمد ﷲ رب العالمین۔

مسئلہ ۲۹۴: از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل از صلٰوۃ العید قربانی کرنا یا مرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں، اور میاں جی اور شاگرد جی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس قیمت کو مدرسہ ومسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

مرغ کی قربانی مکروہ وتشبہ بالمجوس ہے۔ نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہوسکتا ہے اور جائز قربانی شرعی وہ صبح ہی کرسکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرت جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز، اس چمڑے کا یہی حکم ہے۔ جو اصل کا کہ ادخار وابتجار دونوں جائز ہیں خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں یا اسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے، یا بہ نیت مصارف خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرف خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے۔ ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں سے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں اور ان کی سبیل تصدق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۵: از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد طہ صاحب ۴ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنا چاہئے۔ اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے۔ (۱) شرح وقایہ جلد اول۔ کتاب الحج۔ باب الاحصار، بیان احکام الهدی

(۲) عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ (۳) درمختار جلد اول باب الهدی

(۴) ہدایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الهدی (۵) قدوری، باب الهدی (۶) تنقیح الضروری حاشیۃ قدوری

بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ حوالہ پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے:

اول: شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مبحوث عنہ کو **باب الھدی** میں بیان کیا ہے۔حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتاہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

دوم: علی طریق التنزیل یہ ثابت بھی ہوجائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنامدعا ثابت کیا ہے تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراؤں یعنی رسی کے بیان کئے ہیں، ابن اثیر ابوعبیدہ کسی نے تصریح کی ہے۔خطام کے معنی گراؤں کے ہیں۔

سوم: کتاب عمدۃ الرعایۃ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے۔تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے، فقط تمام ہوا کلام بکر کا، بس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟اور بکر کے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟

الجواب:

انقیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں، ایک یہ کہ وسط بینی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کرکے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بناہوا چھلا ڈالیں، اور مضبوط ڈور کا سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسی یا خود اس میں رسی باندھیں، اس حلقے کو برہ بضم موحدہ وفتح رائے مخففہ اور لکڑی کو خشاش بالکسر، اور فارسی میں مہار بالفتح، اور بالوں کے چھلے کو عربی میں میں حرامہ، اور سب کو زمام بالکسر، نیز اس ڈور کو زمام اور اس رسی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقود بالکسر، نیز اسے بھی عربی وفارسی میں زمام ومہار اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں، یہ اس کے انقیاد کا اکمل طریقہ ہے اور اکثر ناقہائے سواری میں یہی مستعمل ہے۔کہ بے اس کے انقیاد تام نہیں ہوتا، گرا دینے کا احتمال رہتاہے۔دوسرا یہ کہ رسی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوش ہار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر، اور ہندی میں مہیر کہتے ہیں، نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اول کو بھی خطام بولتے ہیں، تو خطام کے چار اطلاق ہوئے، مگر وہ رسی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔اسے خطام کوئی نہیں کہتا، نہ مادہ خطام اس کی مساعدت کرتاہے کہ وہ خطم بمعنی بینی سے ماخوذ ہے۔نہایہ ابن اثیر ومجمع البحار میں ہے:

خطام البعیر ان یوخذ حبل من لیف اوشعر اوقطان فیجعل فی احدطرفیہ حلقۃ ثم یشد فیہ الطرف الاٰخر حتی یصیر کالحلقۃ ثم یقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ واما مایجعل	اونٹ کی خطام یہ ہے کہ کھجور کی چھال یا بالوں یا کائی سے رسی بناکر اس کے ایک طرف حلقہ بنایا جائے پھر اس میں دوسرا کنارہ باندھا جائے تاکہ وہ حلقہ کی مثل ہوجائے، پھر اسے اونٹ کی گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹ دیا جائے، اور وہ باریک رسّی جو

فی الانف دقیقا فھو الزمام[1]۔	ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ زمام ہے۔(ت)

فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے:

الخطام الحبل یجعل فی طرفه حلقة ویقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمه[2]۔	خطام وہ رسی ہے جس کے ایک طرح حلقہ بنا کر اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جاتا ہے۔ پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

خطام البعیر معروف وسمی بذٰلك لانه یقع علی خطمه[3]۔	اونٹ کی مہار معروف چیز ہے اس کا خطام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ناک پر لگائی جاتی ہے۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

قال ابن شمیل ھو کل حبل یعلق فی حلق البعیر ثم یعقد علی انفه کان من جلد اوصوف اولیف اوقنب[4]۔	ابن شمیل نے کہا خطام ہر اس رسی کو کہتے ہیں جسے اونٹ کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے پھر اس کی ناک پر گرہ لگادی جاتی ہے چاہے وہ رسی چمڑے کی ہو یا اون کی ہو یا کھجور کی چھال کی ہو یا سن کی ہو۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

(خطام)ھو حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی علی اُنفه[5]۔	(اس کی خطام) وہ رسی ہے جس کو اونٹ کی گردن میں ڈال کر اس کی ناک پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔(ت)

قاموس میں ہے:

الخطم من الدابة مقدم اُنفھا وفمھا۔	چار پائے کا خطم اس کی ناک اور منہ کے اگلے حصے کو

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة ۲/ ۷۱، النھایة لابن اثیر باب الخاء تحت لفظ خطم المکتبة الاسلامیه لصاحبھا ریاض ۲/ ۵۰

[2]

[3] المصباح المنیر الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۷

[4] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[5] جامع الرموز کتاب الحج فصل الاحصار مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۳۸

والخطام کل ما وضع فی انف البعیر لیقاد به[1]۔	کہتے ہیں، اور خطام اس شے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔تاکہ اس کے ذریعے اونٹ کو کھینچا جاسکے۔ (ت)

تاج میں ہے: کذا فی المحکم[2] (محکم میں یوں ہی ہے۔ت) بحر الرائق میں ہے:

الخطام ھو الزمام وہو مایجعل فی انف البعیر[3]۔	خطام زمام ہی ہے اور یہ اسی شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔(ت)

در ثمین میں ہے:

الخطام الحبل الذی یقاد به البعیر[4]۔	خطام وہ رسی ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔(ت)

مجمع البحار میں کرمانی سے ہے:

بخطام عـــه او بزمامه وهما بمعنی والشك فی تعیینه وهو بکسر خاء خیط یشد فیه الحلقة المسماة	(حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ) اس کی خطام یا اس کی زمام دونوں ہم معنی ہیں، شک اس کی تعیین میں ہے۔اور خطام خاء کے کسرہ کے

عـــه: ای فی حدیث البخاری فی کتاب العلم عن ابی بکرة رضی الله تعالٰی عنه ذکر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قعد علی بعیرہ وامسك انسان بخطامه اوبزمامه[5]۔ الحدیث ۱۲منه قدس سرہ العزیز	یعنی امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوبکرہ سے حدیث بیان کی ہے انھوں نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی نکیل کو تھام رکھا تھا، الحدیث ۱۲منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الخاء من باب الجیم مصطفی البابی مصر ۴ /۱۰۹

[2] تاج العروس فصل الخاء من باب الجیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸ /۲۸۲

[3] بحر الرائق کتاب الحج باب الهدی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳ /۷۲

[4] الدر الثمین

[5] صحیح البخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتهی به المجلس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

بالبرة،ویشد فی طرفه المقود [1]۔	ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہےاوراس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے۔(ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے:

البرة حلقة تجعل فی لحم الانف،وربما كانت من شعر [2]۔	برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہےاور بسااوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے۔(ت)

اس میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے:

حلقة یشد بها الزمام [3]۔	وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔(ت)

نیز امام نوری سے ہے:

الزمام مایجعل فی البعیر دقیقا وقیل مایشد به رؤسها من حبل وسیر [4]۔	زمام اس باریک رسی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔(ت)

مصباح منیر میں ہے:

قال بعضهم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرة اوفی الخشاش ثم یشد الیه المقود ثم سمی به المقود نفسه [5]۔	ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ(حلقہ) یالکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود(رسی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

الزمام هو الحبل الذی یجعل فی البرة والخشبة قال الجوهری اوفی الخشاش	زمام اس رسی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے۔جوہری نے کہا یااس کو خشاش(لکڑی)

---

[1] مجمع البحار باب الخاء مع الطاء مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۷۲

[2] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الراء مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۸۷

[3] مجمع البحار باب الباء مع الراء مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۸۷

[4] مجمع البحار باب الزاء مع المیم مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۴۴۰

[5] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت الزمام مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

ثم یشد فی طرفه المقود وقد یسمی المقود زماما[1]۔	میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے اور کبھی اس رسی کا نام زمام رکھا جاتا ہے۔(ت)

صراح میں ہے:

خشاش بالکسر چوب کہ در بینی شتر کنند وہر چہ از مس باشد آں رابرہ گویند، وآنچہ از موئے آں راخزامہ[2]۔	خشاش خاء کے کسرے کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے پیتل کی جو شے اونٹ کی ناک میں ڈالتے ہیں اس کو برہ کہتے ہیں اگر وہ بالوں کی ہو تو اسے خزامہ کہتے ہیں۔(ت)

اسی میں ہے: خطام بالکسر مہار[3] (خطام کسرہ کے ساتھ مہار۔ت) اسی میں ہے:

زمام بالکسر مہار درشتہ کہ در چوب بینی شتر بندند وبروئے مہار بندند[4]۔	زمام کسرہ کے ساتھ مہار اور وہ دھاگہ جو اونٹ کی ناک میں ڈالی ہوئی لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں اور اس پر مہار باندھتے ہیں۔(ت)

برہان میں ہے:

مہار بالفتح چوبیکہ در بینی شتر کنند وریسما براں بندند[5]۔	مہار فتحہ کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس پر ڈوری باندھتے ہیں۔(ت)

قاموس میں ہے: الخزامة ککتابة البرة[6] (خزامۃ بروزن کتابۃ حلقہ کو کہتے ہیں۔ت) تاج میں ہے:

وھی حلقة من شعر تجعل فی وترة انفه یشد بھا الزمام کمافی	اور وہ (خزامہ) بالوں کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک کے بانسہ میں ڈال کر اس کے ساتھ

[1] تاج العروس فصل الزاء من باب المیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۲۸

[2] الصراح من الصحاح باب الشین فصل الخاء مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۷

[3] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ص ۴۶۸

[4] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ۴۷۵

[5] برہان

[6] القاموس المحیط باب المیم فصل الخاء مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۶

الصحاح، وقال اللیث ان کانت من صفر فھی برۃ وان کانت من شعر فھی خزامۃ[1]۔	رسی باندھی جاتی ہے جیسا کہ صحاح میں ہے۔ لیث نے کہا اگروہ حلقہ پیتل کا ہو تو اس کو برہ اور اگروہ بالوں کا ہے تو اس کو خزامہ کہا جاتا ہے۔(ت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھدی عام الحدیبیہ فی ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جملا کان لابی جھل فی راسا، برۃ من فضۃ۔ وفی روایۃ من ذھب یغیظ بذٰلك المشرکین[2]۔	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال قربانی کے لئے جو اونٹ روانہ فرمائے ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جس کے سر(ناک) میں چاندی کا ایک چھلا تھا، ایک روایت ہے کہ سونے کا چھلا تھا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مشرکوں کو جلانے کے لے ایسا کیا تھا۔(ت)

مرقاۃ میں ہے:

(فی راسہ)ای انفہ فان البرۃ حلقۃ من صفر ونحوہ تجعل فی لحم انف البعیر وقال الاصمعی فی احد جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من الراس قال فی راسہ علی الاتساع[3]۔	(اس کے سر میں) یعنی اس کی ناک میں کیونکہ برہ پیتل یا اس جیسی کسی شے کے ایسے حلقہ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک کے گوشت میں ڈالا جاتاہے اور اصمعی نے کہا کہ وہ اونٹ کے نتھنوں کے ایک طرف ڈالا جاتاہے لیکن ناک چونکہ سر ہی کا حصہ ہے اس لئے راوی حدیث نے بطور مجاز کہا کہ اس کے سر میں حلقہ تھا۔(ت)

مجمع البحار میں طیّبی سے ہے: جعلہ فی الرأس اتساعا[4] (اس حلقہ کو سر میں قرار دینا بطور مجاز ہے۔ت) سلمہ بن سحیم کی حدیث میں ہے:

---

[1] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۷۳۔۷۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب فی الھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۴

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب المناسك الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۵۲۸

[4] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الرائ مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۷۸

ان صاحبا لنارکب ناقة لیست بمبراة فسقط فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غرر بنفسہ[1]۔	ہمارا ایک ساتھی بغیر نکیل کے اونٹنی پر سوار ہوا اور گرگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خود کو ہلاکت میں ڈالا۔(ت)

نہایہ میں ہے:

لیست بمبراة ای لیس فی انفھا برة یقال ابریت الناقة فھی مبراة[2]۔	"وہ اونٹنی مبراۃ نہیں تھی" کا معنی یہ ہے کہ اس کی ناک میں برہ (حلقہ) نہیں تھا کہا جاتا ہے کہ میں نے اونٹنی کو حلقہ ڈالا تو وہ مبراۃ (حلقہ والی) ہو گئی (ت)

عمدۃ الرعایۃ میں ہے کہ خطام کی تفسیر زمام گردن بعیر کی اگرچہ کلمات اہل فن سے جدا ہے۔ مگر معنی سوم زمام پر بجا ہے۔ اور اس سے ہر رسن گردن سمجھنا خطا ہے۔ اس میں زمام گردن نہیں بلکہ رسن اور زمام بے تعلق بینی صادق نہیں، حدیث کہ اس میں صحیح بخاری ومسلم کی طرف نسبت کی۔ جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا:

تصدق بجلالھا وبخطمھا، ولا تعطی اجرة الجزار منھا[3]۔	قربانی کے جانور کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کردیا جائے اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت نہ دیا جائے۔ (ت)

غلط صریح ہے۔ نہ صحیح بخاری میں اس کا کہیں نشان نہ صحیح مسلم میں، نہ بحیثیت الفاظ نہ بحیثیت مضمون، صحیح بخاری میں بدنہ بدی کی جھول تصدق کرنے کی حدیث پانچ جگہ روایت کی۔ ۱باب الجلال للبدن۔ ۲باب التصدق بجلود البدن، ۳باب بتصدق بجلال البدن، ۴باب الوکالة۔ ۵باب الایوتی الجزار من الھدی شیئا اور صحیح مسلم میں ایک ہی جگہ پانچ سندوں سے ذکر کی، دسویں جگہ نہ ان الفاظ کا پتہ ہے۔ نہ اس پورے مضمون کا، موضع اول وخامس میں بخاری کے لفظ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہیں:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن	رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے قربانی کے ان جانوروں کی جھلوں اور چمڑوں کو

[1] النہایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض ۱/۱۲۲

[2] النہایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض ۱/۱۲۲

[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایۃ کتاب الحج باب الہدی المکتبہ الرشیدیہ دہلی ۱/۳۶۴

التی نحرت وبجلودھا[1]۔	صدقہ کرنے کاحکم دیا جن کو ذبح کیاگیا تھا۔(ت)

دوم میں:

امرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا و جلودھا[2]۔	رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم کردیا پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں ان کے جھلوں کو تقسیم کردیا۔(ت)

سوم میں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا[3]۔	بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کے پاس کھڑے ہوجائیں اور ان کا گوشت جھل اور چمڑے سب تقسیم کردیں۔(ت)

چہارم میں:

اہدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ بدنۃ فامرنی بلحومھا فقسمتھا ثم امرنی بجلالھا فقسمتھا، ثم بجلودہا فقسمتھا[4]۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے لئے سو اونٹ بھیجے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت تقسیم کروں تو میں نے کر دیا، پھر مجھے ان کی جھلوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کر دیا، پھر مجھے ان کے چمڑوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کر دیا۔(ت)

صحیح مسلم میں تین سندوں سے:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق لحمھا وجلودھا واجلتھا[5]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے پاس کھڑا ہوجاؤں اور ان کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو تقسیم کردوں(ت)

---
[1] صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰
[2] صحیح البخاری باب لایعطی الجزار من الھدی شیئا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲
[3] صحیح البخاری باب التصدق بجلود الھدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲
[4] صحیح البخاری یتصدق بجلال البدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲
[5] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودہا وجلالھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

اور دو سندوں سے مثل لفظ سوم بخاری وزادفی المساکین [1] (یہ لفظ زیادہ کئے کہ مسکینوں میں تقسیم کرو۔ت) ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر بیشی ہے۔ اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدۃ الرعایۃ میں مذکور صحیحین بلکہ متداولہ حدیث میں کہیں نہیں، جیساکہ لامع ارشاد الساری وشرح مؤطا سے ظاہر، علامہ قسطلانی نے فرمایا:

قال صاحب الکواکب وفیہ انہ لایجوز بیع الجلال ولا جلود الھدایا والضحایا کما ہو ظاہر الحدیث اذ الامر حقیقۃ فی الوجوب اھ،وتعقبہ فی اللامع فقال فیہ نظر فذٰلك صیغۃ افعل لالفظ امر [2]۔	صاحب کواکب نے کہا اس میں یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور کھالوں کی بیع جائز نہیں جیساکہ حدیث کاظاہر ہے کیونکہ امر حقیقتًا وجوب کے لئے ہے۔اھ اور لامع میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اس لیے کہ جو امر وجوب میں حقیقت ہے وہ صیغہ اِفعل ہے نہ کہ لفظ امر۔(ت)

شرح علامہ زرقانی میں ہے:

فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذٰلك الجل ولفظ امر لایقتضی الوجوب لان ذلك فی صیغۃ افعل لالفظ امر [3] اھ و رأیتنی کتبت علی ہامش الارشاد مانصہ **اقول:** لیس قول امر الاحکایۃ امرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ان یقال یمکن ان یکون حکایۃ من مثل علیك التصدق۔	اس میں قربانی کے جانوروں پر جھل ڈالنے اور اس جھل کو صدقہ کرنے کا استحباب ثابت ہوتاہے۔اور لفظ امر وجوب کاتقاضا نہیں کرتا کیونکہ وجوب کا متقاضی تو صیغہ افعل ہے نہ کہ لفظ امر اھ مجھے یادپڑتا ہے کہ میں نے ارشاد کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول:** (میں کہتاہوں) اس کا امر کہنا محض حکایت ہے امر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، مگر یوں کہا جاسکتاہے کہ ممکن ہے یہ حکایت ہو علیك بالتصدق (تجھ پر لازم ہے۔ت) جیسے الفاظ سے۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایۃ وجلودھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب الجلال للبدن دار الکتب العربی بیروت ۳/ ۲۲۲

[3] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الحج المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی القاہرہ ۲/ ۳۲۷

ذکر خطام کے لئے فقیر نے جتنی کتب حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ کتابیں دیکھی تھیں، پھر خیال آیا کہ درایہ امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی دیکھی جائے، اس میں ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا اسے دیکھا تو انھوں نے صاف فرمایا:

لم ار فی شیئ من طرقه ذکر الخطام [1]۔	میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکر خطام نہ دیکھا۔

بالجملہ صحیحین کی طرف سے اس کی نسبت لفظاً و معنیً ہر طرح غلط ہے۔ ہاں ہدایہ باب الهدی میں حدیث انھیں الفاظ سے مذکور اور کتاب الاضحیه میں بلفظ:

تصدق بجلالها وخطامها ولا تعط اجر الجزار منها شیئا [2]۔	قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کر اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت مت دے۔ (ت)

اسی طرح کافی امام نسفی باب الهدی میں یہی لفظ دوم ہیں: الالفظة الاجر [3] (سوائے لفظ "اجر" کے۔ت) نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضحیه میں۔ الالفظة شیئا [4] (سوائے لفظ "شیئا" کے۔ت)

اقول: تو حدیث ضرور کہیں مروی ہوئی، اور حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں، امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشاع ذکر کرکے فرمایا:

قصور نظرنا اخفاهما عنا [5]۔	ہماری نظر کے قاصر ہونے نے ان دونوں کو ہم سے مخفی رکھا۔ (ت)

یونہی حافظ الشان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علماء کرام کا ادب ہے۔ بخلاف جہال زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کرمک سنگ سے بڑھ کر وقوف نہیں، اور ائمہ پر سلب مطلق کے دعوے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة کتاب الحج باب الهدی المکتبة الاثریة سانگلہ ہل ۲/ ۵۴

[2] الهدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[3] کافی شرح الوافی

[4] بدائع الصنائع کتاب التضحیة فصل واما بیان مایستحب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۸۱

[5] فتح القدیر

تو حدیث مذکور میں صدقہ خطام کا عنداللہ حکم ہے مگر وہ حدیثا وفقہا صرف جلال وخطام شتران ہدی کے بارے میں ہے۔ قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر در کنار، جہاں تک نظر کی جاتی ہے شتران اضحیہ کے جلال وخطام کا بھی کہیں ذکر نہیں، اب رہا قیاس، وہ مجتہد سے خاص، اس کا کسے اختیار، اور دلالۃ النص **اقول:** اس کی بھی گنجائش نہیں نہ اضحیہ من کل الوجوہ معنی ہدی میں ہے۔ نہ یہ جھولیں ان جلال سے نہ گلے کی رسیاں اس خطام کے مثل۔

اول: توظاہر کہ ہدی کے لئے محل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذبح ونحر نہیں کرسکتے۔

قال اللہ تعالٰی "ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ" [1] وقال تعالٰی "هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا پھر ان (ہدی کے جانوروں) کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہدی ہو کعبہ تک پہنچی۔ (ت)

اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے۔ تو ہدی میں بہ نسبت اضحیہ خصوصیت خاصہ ہے اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب باراقۃ دم میں مساوی ہیں، لہٰذا کیا مستبعد کہ اصل اجزائے متقرب بہ یعنی لحم وجلد میں حکم یکساں ہو اور زوائد ومضافات کی طرف جو سرایت صاحب خصوص میں ہوئی، اضاحی میں نہ ہو، ولہٰذا بدائع وہدایہ وکافی وغیرہا میں حدیث ہدی سے دربارہ لحم وجلد اضحیہ استناد کیا اور جلال وخطام اضحیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا، حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے، اضحیہ میں ان پر دو اقتصار اور ان دو کا ترک اور اس ترک واقتصار پر اتفاق کتب آخر کس لئے۔

دوم: یہ کہ وہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کے لئے بنائی جاتی ہے اگرچہ وہ گاڑی میں جوتنے کے بیل ہوں وہ ۱خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں اور ۲روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتی ہیں، اور ۳ان کے لئے ان کا بنانا سنت ہے۔ ۴تقلید واشعار کی طرح شعائر اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے۔ بدنہ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ یا بٹے ہوئے قلادے ڈالتے اور بالتخصیص اونٹوں پر قلادے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے۔ اور ان کے کوہان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے یہ ان کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں۔

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۹۵

[5] علمائے کرام نے فرمایا: ان جھولوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے۔ ہدی بھیجنے والا جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر کی زیادہ تعظیم ہو سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ان پر بیش بہا کپڑوں کی جھولیں ڈالتے اور [6] مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر اتار کر تہہ کرکے رکھ چھوڑتے، [7] عرفہ کے دن پھر پہناتے اور بعد نحر انھیں کعبہ معظّمہ کا غلاف کرتے جب سے بیت مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا انھیں مساکین پر تصدق کرتے۔

[8] علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں اتار کر رکھ لی جائیں کہ کانٹوں سے ان میں کھونتا نہ لگے ان میں سے کون سا حرف قربانی کی معمولی جھولوں پر صادق ہے کہ یہ ان کے معنی میں ہوں۔

امام اجل ابو زکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

فی ہذا الحدیث فوائد کثیرۃ منہا استحباب سوق الھدی وانہ یتصدق بلحومہا وجلودہا وجلالہا و انہا تجلل واستحبوا ان یکون جلا حسنا، قال القاضی التجلیل سنۃ وھو عند العلماء مختص بالابل وھو مما اشتہر من عمل السلف قالوا ان یکون بعد الاشعار لئلا یتلطخ بالدم قالوا و یستحب ان تکون قیمتہا نفاستہا بحسب حال المھدی، وکان بعض السلف یجلل بالوشی وبعضہم بالحبرۃ وبعضہم بالقباطی والملاحف والازر، قال مالک اما الجلل فتنزع فی اللیل لئلا یخرقہا الشوک قال واستحب ان	اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں قربانی کے جانوروں کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو صدقہ کیا جائے، اور یہ کہ ان جانوروں کو جھل پہنائی جائے، اور مشائخ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ وہ جھل عمدہ ہو۔ قاضی نے کہا کہ جھل پہنانا سنت ہے۔ اور علماء کے نزدیک وہ اونٹوں کے ساتھ مختص ہے اور یہ اسلاف کا مشہور عمل ہے۔ مشائخ نے کہا کہ اشعار یعنی کوہان میں نیزہ مار کر خون نکالنے کے بعد جھل پہنائی جائے تاکہ وہ خون میں لتھڑ نہ جائے، نیز انھوں نے کہا کہ جھل کا قیمت وعمدگی میں قربانی روانہ کرنے والے کی حیثیت کے مطابق ہونا مستحب ہے۔ بعض اسلاف منقش کپڑوں بعض یمنی چادروں، بعض مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑوں۔ لحافوں اور عمدہ چادروں کی جھلیں پہنایا کرتے تھے، امام مالک نے فرمایا۔ جھلوں کو رات

کانت الجلال مرتفعة ان لایجللها حتی یغدوالی عرفات ان کانت بثمن یسیر فمن حین یحرم یجلل[1] (ملخصاً)	کے وقت اتار لیا جائے تاکہ کانٹے انھیں پھاڑ نہ دیں، اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اگر جھلیں گراں قیمت ہوں تو عرفہ کے دن عرفات کی طرف روانگی سے قبل نہ پہنائے اور اگر وہ کم قیمت والی ہو تو احرام باندھتے وقت ہی پہنادے (ملخصا) (ت)

امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

الجلال جمع جل وھو الذی یطرح علی ظھر الحیوان من الابل والفرس والحمار والبغل وہذا من حیث العرف، و لکن العلماء قالوا ان التجلیل مختص بالابل من کساء ونحوها قال ابن بطال کان مالك و ابو حنیفة والشافعی یرون تجلیل البُدن[2]۔	جلال جل کی جمع ہے۔ اور وہ اس شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ جانوروں کی پشت پر ڈالی جاتی ہے۔ یہ عرف کے اعتبار سے ہے۔ لیکن علماء نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ جھل پہنانا صرف اونٹ کے ساتھ مختص ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی ہدی کے جانوروں پر جھل ڈالنے کو جائز سمجھتے تھے۔ (ت)

امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

فان کانت بدنة قلدها بمزادة اونعل والتقلید احب من التجلیل لان التقلید ذکر فی القراٰن قال اللہ تعالٰی ولا القلائد ولا ذکر للتجلیل فیه، وان کان کلاهما ثابتا بالسنة لان هدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کانت مقلدة مجللة ولانه قد تجلل البدنة لا علی وجه التقرب بخلاف التقلید[3]۔	اگر ہدی کا جانور (اونٹ یا گائے) ہو تو اس کو چمڑے یا نعل کا ہار پہنادے اور ہار پہنانا جھل پہنانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ہار پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ولا القلائد (اور نہ وہ جنھیں ہار ڈالے گئے) اور جھل پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اگرچہ دونوں سنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کو ہار اور جھل پہنائے گئے تھے اور اس لئے بھی کہ جھل کبھی بلانیت تقرب

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقة بلحوم الهدایا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴۔۴۲۳

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۱۰/ ۴۴۔۴۵

[3] الکافی شرح الوافی

	پہنائے جاتے ہیں بخلاف ہار پہنانے کے (کہ یہ بنیت تقرب ہی ہوتا ہے)۔(ت)

مؤطا شریف میں ہے:

مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما کان یجلل بدنة القباطی و الانماط والجلل، ثم یبعث بها الی الکعبة فیکسوها ایاها، مالك انه سأل عبدالله بن دینار ماکان عبدالله بن عمر یصنع بجلال بدنه حین کسیت الکعبة عن الکسوة۔ قال کان یتصدق بها[1]۔	حضرت امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ہدی کے جانور کو مصری چادروں، اونی کپڑوں اور حلوں کی جھلیں پہناتے پھر ان جھلوں کو کعبہ شریف بھیج کر غلاف کعبہ بناتے، امام مالک سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن دینار سے پوچھا گیا کہ جب کعبہ شریف کو مستقل کپڑے کا غلاف پہنایا جانے لگا تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو کیا کرتے تھے تو انھوں نے کہا وہ ان کو صدقہ کردیتے تھے۔(ت)

ابن المنذر نے بطریق اسامہ بن زید نافع سے روایت کی:

ان ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما کان یجلل بدنه الانماط والبرود والحبر حتی یخرج من المدینة ینزعها فیطویها، حتی یکون یوم عرفة فیلبسها ایاها حتی ینحرها ثم یتصدق بها، قال نافع وربما دفعها الی بنی شیبة[2]۔	بیشک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے ہدی کے جانوروں کو اونی کپڑوں، دھاری دار اور منقش یمنی چادروں کی جھلیں پہناتے تھے یہاں تک کہ وہ جانور جب مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ ان جھلوں کو اتار لیتے اور لپیٹ کر رکھ دیتے، جب عرفہ کا دن آتا پھر وہ جھلیں جانوروں کو پہنادیتے، جب انھیں ذبح فرماتے پھر جھلیں اتار لیتے بعد ازاں ان کو صدقہ کردیتے، حضرت نافع نے کہا کہ بعض اوقات بنی شیبہ کی طرف بھیج دیتے۔(ت)

اقول: اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع شریف

---

[1] مؤطا الامام مالك کتاب الحج باب العمل فی الهدی حین یساق میر محمد کارخانہ کراچی ص۴۰۰

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا بحواله ابن منذر کتاب الحج دار المعرفة بیروت ۲/ ۳۲۷، فتح الباری بحواله ابن المنذر کتاب المناسك باب الجلال للبدن دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۳۹

میں سو ۱۰۰ اونٹ ہدی بھیجے، ان پر جھولیں تھیں کہ بحکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں کما تقدم عن صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری سے گزرا ـــــ ت) حجۃ الوداع شریف کھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ / ذی الحجہ ۱۰ھ ہجریہ روز جمعہ کو چھٹی مارچ عــــہ ۶۳۲ء تھی۔ ولہذا علماء اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں، صحیح بخاری میں خطبہ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دہم ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا:

الزمان قد استدار کھیئتہ، یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض، وفیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای شہر ھذا قلنا اللہ ورسولہ اعلم۔ قال الیس ذوالحجۃ، قال فای یوم ھذا قلنا اللہ ورسولہ اعلم، قال الیس یوم النحر[1]۔	زمانہ اس دن کی ہیئت پر گردش کررہا ہے جس دن اللہ تعالٰی نے زمین وآسمان پیدا فرمایا تھا۔ اسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے۔ ہم (صحابہ) نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے۔ (ت)

امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدء الخلق میں۔ پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا:

حیث قال زعم یوسف بن عبدالملک فی کتابہ تفضیل الازمنۃ ان ہذہ المقالۃ صدرت من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شہر مارس، وھو ادار	جہاں فرمایا کہ یوسف بن عبدالملک نے اپنی کتاب تفضیل الازمنہ میں کہا ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ گفتگو مارچ کے مہینے میں صادر ہوئی جس کا نام رومی میں اُدار اور

عــــہ: یعنی اس وقت کی تعبیر میں ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب سے دسویں مارچ تھی، جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ "تحقیق سال عیسوی" میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہ۔

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۲

بالرومیة وہو برمھات بالقبطیة وفیہ یستوی اللیل والنھار عند حلول الشمس برج الحمل [1]۔	قبطی برمہارت ہے۔اور اس مہینہ میں سورج کے برج حمل میں حلول کرنے کے وقت رات اور دن برابر ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول: مراد یہ ہے کہ اس مہینے میں تحویل حمل ہوتی ہے نہ یہ کہ اس دن تحویل حمل تھی، ہم نے زیج عـــہ الغ بیگی سلطان اور زیج عـــہ۱ احد بہادر خانی اور دو زیچوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظّمہ دہم ذی الحجہ ۱۰ ہجریہ مطابق یازدہم عـــہ۲ ذی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کے بیس درجے سینتیس دقیقے انتالیس ثانیے، دوم سے بیس درجے چھتیس دقیقے پچاس ثانیے بلاشبہہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصاً مکہ معظّمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے۔نہ رات کو برف نہ دن کو لو،نہ برسات کی مکھیاں، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالتے ہیں،

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دار المعرفۃ بیروت ۶/ ۲۱۱، ارشاد الساری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۵۵

عہ مطلوب ۱۲۶۰ھ کی تقویم ہے، لہذا جدول سالہائے مبسوطہ ناقصہ سے دو سال تلاش کیا کہ ۱۰ الکم کرکے ۳۰ پر صحیح منقسم ہو وہ ۱۲۵۱ھ تھا، طول سمرقند مط کو طول حرم محترم عرحہ سے مابین طولین الحہ او حاصل تفریق ۰۸۰۴

	ج مرکز				ج اوج					
∴ بازاء										
۶۰۰	ا ط مط لج مو				یا ح مط لج سہ					
	ی ح نہ مج ل				ح لط مج مر					
۲۲۰	ما لج مہ ب لو				یا ۷ لط ا ح مط					
بازاء ۱۲۵۱ھ بتفریق آں ازیں	ط ا لہ د ط				ح یا لبر لہ ح					
بہر غرہ ۱۲۶۰ھ	ط لر مر ح مخ				ب ع لج لہ لط					
	ی لک لط ک				مہ ع					
+۱۰ ذی الحجہ ۱۱ یوم ناقص مابین	ط نا کا نت لہ				ب ع لط مط نت					
طولین	ح مر مط									
+ تعدیل الایام	ح لج ا مہ و									
	نہ نہ									
+ تعدیل المرکز	ح لج ب ک ا / ح لہ لج مط									
+ اوج	ط لج ا رج حز / ب ک لہ لج لہ									
تقویم	یا ک لہ ع مہ / ع									

عہ ۱۲۵۱–۱۰ = ۱۲۴۱ فاضل بر تصانیف سی ۱۱ وتضایف ۱۲۳۰+۳۰ = ۱۲۶۰

	ج وسط	ج اوج
∴ بازائے ۱۲۰۰		
۶۰	۷ و ام لو لط	یا لط مہ ی ط
بازاء ۱۱ سال متصاعداً	ب لو حز یا مط	نط ۰ مہ ل
بتفریق آں ازیں بہر غرہ	۵ لج ل سر ح	یا ک لج نت لط
۱۲۶۰ھ	و ما نت لج س	۷ ی مد ح لج
+ ذی الحجہ	یا لج لہ کا الہ	ب لط مر نہ مط
+ ۱۱ یوم ناقص	ی ک د ر لج	ند مو
بازاء سمرقند منہ	ط نا لج لج	ا یا

مابین الطولین سمرقند

بازاء ایں وتعدیل ایام وحصہ لح مر	د نہ مہ / ب لج د / ی	ل لط ما س مر
حصہ اش از وسط لو نہ لج		ش ما لج ما سر لد
+ حصہ تعدیل ایام زائد	ما لج ما ا ا / سو لج	ح لج حز ۵ سر
تعدیل المرکز	ما لج ما سر لد / اح نہ لب	مرکز / لہ لج مہ / لو مط لد
× وسط	ما ع ما سر لد	
تقویم	ما ک لو مط لد	مط ح / نہ

فرق بین ۱۲ منہ قدس سرہ

عہ خیال ایسا ہی تھا کہ اس مہینہ میں تاریخ وسطی، ہلال سے ایک مقدم ہے استخراج تقویمات کے بعد دیکھا تو نہ مہینہ مطابقت پر آیا، تو یہ تقویم ۱۱ ہی ذی الحجہ کی ہوئی، بہرحال مطلوب حاصل ہے کہ ۱۰ کی تقویم ایک درجہ کم حوت کے بیسویں ہی درجہ میں رہی۔ منہ قدس سرہ

ان کا اصلا نام ونشان نہ تھا، لاجرم یہ جھولیں وہ نہ تھیں بلکہ خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں، تو معمولی جھولیں کسی طرح ان کے معنی میں نہیں۔

سوم: یوں کہ خطام ہدی وہ شیئ ہے کہ اسے سبیل اللہ میں لے جاتی اور حرم محترم میں پہنچاتی ہے۔ تو قربانی کی رسیاں اس کے برابر نہیں ہوسکتیں، اور گائے بھینس کی جھولوں رسیوں میں اور بھی فرق ہے۔ شتر نحر کیا جاتا ہے اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں جل وخطام دونوں وقت نحر اس سے جدا کرنے کی حاجت نہیں، گائے بھینس لٹا کر ذبح کی جاتی ہے۔ اس وقت ان کی رسی کھول لیتے ہیں، اور اگر جھول تھی، وہ بھی اتار لیتے ہیں، تو وقت تقرب الی اللہ رسی اور جھول ان کے بدن سے جدا ہوتی ہے۔ اور شتر کے بدن سے متصل تو یہ زیر تقرب آتی ہے، اور وہ نہیں گر باوصف انفضال بھی حکم تصدق سرایت کرے تو اس کھونٹے کے بھی تصدق کا حکم ہو جس سے وہ جانور بندھا تھا، اور اس ناند اور طشت کا بھی جس میں اسے کھانا پانی دیا گیا تھا، بلکہ اس مکان کا بھی جس میں وہ بندھا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں، عمدۃ القاری وفتح الباری شروح صحیح بخاری وغیرہما میں تصدق جلال ہدی کی یہ وجہ نقل کی فرمائی کہ اس پر اہلال لوجہ اللہ واقع ہوا۔

حیث قالوا قال المهلب لیس التصدق بجلال البُدن فرضاً وانما صنع ذٰلك ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما لانه ارادان لایرجع فی شیئ اہل به لله ولا فی شیئ اضیف الیه[1]۔	جہاں انھوں نے فرمایا مہلب نے کہا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو صدقہ کرنا فرض نہیں، سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے تو محض اس لئے ایسا کہا کہ آپ اللہ تعالٰی کے لئے ذبح کئے ہوئے اور اس کی طرف منسوب کئے ہوئے جانوروں کی کسی شیئ کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتے تھے (ت)

اس اہلال سے اگر تلبیہ مراد ہو جب تو ظاہر ہے کہ قربانی پر لبیک کہاں اور اگر تکبیر وقت نحر مراد ہو یہ بھی ان اشیاء کو شامل نہ ہوگا جو وقت نحر وذبح اس کے بدن پر نہ تھیں۔

اقول: اور اول اولٰی ہے کہ حکم جل وخطام کی نسبت آیا، قماط جس سے اونٹ کا ایک پاؤں باندھتے ہیں اور حجۃ الوداع شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سو کے سو اونٹ یوں ہی نحر فرمائے، ۶۳ بدست انور، ۳۷ بدست امیر المومنین حیدر، ان رسیوں کے تصدق کا حکم کہیں نہ آیا،

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۴۵، فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳۹

حالانکہ ضرور وقت نحر بدنوں کے بدن پر تھیں، بلکہ وہی طریقہ مسنونہ نحر کی ضامن ہوئیں، میں زیاد بن جبیر سے ہے:

رأیت ان عمر اتی علی رجل قد اناخ بدنته ینحر قال ابعثھا قیاما مقیدۃ سنة محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[1]۔	میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا آپ ایک ایسے مرد کے پاس آئے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کررہا تھا، انھوں نے فرمایا اس کو کھڑا کرکے باندھو یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔(ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

مقیدۃ معناہ معقولة برجل وھی قائمة علی الثلاث[2]۔	مقیدہ کا معنی ہے کہ رسی سے اس کا ایک پاؤں باندھا ہوا ہو اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو۔(ت)

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کردے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں، رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے۔ اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، ومن ادعی فعلیه البیان (جو دعوی کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ت) ولہذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے ان پر جھولیں ڈالے اور انھیں حسب حثیت مزین وبیش بہا کرے۔ اور اس سے شعائر اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اسے ان جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس سے باز رہنا اسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کرکے رجوع نہ ہو، کما بینا فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالٰی کے ساتھ ہے۔(ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسك باب نحر الابل المقیدۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۱، صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب نحر الابل قیاما معقولا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب نحر الابل المقیدۃ ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۱۰/ ۵۰

باب العقیقہ
(عقیقہ کا بیان)

مسئلہ ۲۹۶: از بریلی مسئولہ نواب سلطان احمد خاں صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

اگر شخصے عقیقہ دو یا زیادہ طفلان خود ادا کند پس بوقت ذبح شاۃ نیت ہر ہمہ کافی بود یا برائے ہر ایک جانور علیحدہ باید۔	اگر کوئی شخص دو یا اس سے زائد بچوں کا عقیقہ کرے تو کیا ایک بکری ذبح کرتے وقت تمام کی طرف سے نیت کرلینا کافی ہے یا ہر ایک کی طرف سے علیحدہ جانور ہونا چاہئے۔(ت)

الجواب:

گاؤ و شتر از ہفت بچہ بسندہ کند و بز گوسفند جز یک را کفایت نیست، کما فی الاضحیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	گائے اور اونٹ سات بچوں کی طرف سے کافی ہے۔ جبکہ بھیڑ اور بکری ایک سے زیادہ بچوں کے لئے کفایت نہیں کرتیں، جیسا کہ اضحیہ میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۹۷: از چتوڑ گڑھ اودے پور میواڑ مرسلہ نور محمد ولد عبدالحکیم چھینبہ ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عقیقہ کیا اور اس کے چمڑے کی قیمت کرکے قبل وصول قیمت کے اتنے ہی روپے کا اپنے پاس سے سامان منگوا کر کھانا پکوا کر کچھ کھانا اباحۃً

اپنے مکان پر فقراء اور مساکین پر اور کچھ تملیکاً ان پر صرف کردیا، نیز قیمت چمڑہ کے علاوہ اس گوشت میں زائد سامان شامل کرکے گھر والوں نے بھی کھایا، اور بلا امتیاز غنی و فقیر اپنے خویش واقارب کو بھی کھلایا، حالانکہ عقیقہ کے چمڑے کے داموں کا فروخت کرنا، یا اشیائے مستہلکہ کے ساتھ مبادلہ کرنا، اپنے تصرف میں لانے کے لئے ناجائز ہے تو اس شخص نے قیمت کی اشیائے مستہلکہ خریدیں، وہ مساکین پر تصدق کیں، اس کے بعد جب اس نے چمڑے کا دام لے کر اس کا تصرف کرنا ناجائز سنا تو ابھی تک کہ چمڑہ کے دام نہیں لئے تھے اسی روز بیع چمڑہ فسخ کرکے قیمت سے انکار اور اس کے مبادلہ میں اشیائے غیر مستہلکہ از قسم پارچہ یا ظروف لینا مقرر کیا،

اندریں صورت اس شخص کا چمڑا کی قیمت کرکے بلا اخذ ثمن اپنے داموں سے منگوا کر پکوا کر مساکین پر تصدق کرنا اور اس میں زائد سامان پکوا کر خویش واقارب کا کھلانا، اور اس کے بعد اس کے ناجائز ہونے کے خیال سے بیع فسخ کرکے اب اس کا مبادلہ کرنا جائز ہوا کہ نہیں؟ **بینوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ یوم الحساب۔**

الجواب:

چرم قربانی سے تمول ممنوع ہے فقراء پر صرف ممنوع نہیں۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا [1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق** [2] (کیونکہ یہ صدقہ کرنے کی مثل قربت ہے۔ ت)

وہ اگر فقراء کے لئے بیچتا اور اسی قیمت میں اور دام ڈال کر کھانا فقراء اور گھر والوں کے لئے پکاتا تو برا کرتا کہ تصدق و تمول کا خلط بلا تمیز تھا، لیکن وہ قیمت ہنوز نہ لی تھی، اپنے ذہن سے اس کے بدلے اور روپیہ لے کر اس کا معاوضہ سمجھا، یہ اس کی جہالت تھی لیکن اس سے اس کھانے میں کوئی خبث نہ آیا اور نہ گھر والوں کے کھانے میں کچھ حرج ہوا، وہ دونوں اس کے خاص اپنے مال تھے، اسے اختیار تھا کہ جہاں چاہے صرف کرے، مگر وہ نیت کہ قیمت چرم قربانی میں فقراء کے لئے یہ کھانا اس کا عوض نہیں ہوسکتا اگر روپے کے عوض بیچتا وہ روپے امور تقرب میں ہی صرف کرنے ہوتے، اب کہ وہ بیع فسخ کردی، اور اشیائے باقیہ سے

[1] سنن ابوداؤد کتاب الضحایا باب حبس الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

بدلا اس تبدیل سے ثیاب وظروف جو حاصل کئے، مباح الاستعمال ہیں، مگر تصدق کی نیت سے عدول ہوا، اور یہ مکروہ ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اسے قربات وفقراء ہی پر صرف کردے۔

غایۃ البیان علامہ اتقانی شرح ہدایہ میں شرح مختصر الکرخی للامام القدوری رحمہم اللہ تعالٰی سے ہے۔

جواز الاشراك بعد الشراء للاضحية محمول على ان ملكه لا يزول بالشراء الا انه يكره لانه قد وعد وعدا فلا ينبغي ان يرجع فيه [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قربانی کے لئے جانور خریدنے کے بعد اس میں دوسرے کو شریک کرنے کا جائز ہونا اس بات پر محمول ہے کہ خریداری کے سبب سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوئی، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس نے ایک وعدہ کیا ہے جس سے رجوع کرنا مناسب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۸و۲۹۹: ۱۴جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے عقیقے کے لئے دو راسیں خریدیں، بائع کہتا ہے میرے قیاس میں یہ راس ساڑھے دس مہینے کی ہے دوسری میں شبہہ ہے، بظاہر فربہ ہیں، ان کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

(۲) قصاب سے عقیقے کے لئے ایک بکری خریدی، وہ کہتا ہے سال بھر کی ہے۔ مگر دیکھنے سے اس کی حالت اس قابل نہیں، سال بھر کا بچہ جو دانت توڑتا ہے وہ اس نے ابھی نہ توڑے، تو اس صورت میں اس کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) سال بھر سے کم کی بکری عقیقے یا قربانی میں نہیں ہوسکتی، اگر مشکوک حالت ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہے۔ کہ سال بھر کی نہ ہونا معلوم ہو لان عدم العلم بتحقق الشرط کعلم العدم (کیونکہ شرط کے متحقق ہونے کا عدم علم اس کے عدم تحقق کے علم کی طرح ہے۔ ت) خصوصا بائع کا بیان کہ وہ اس سے زیادہ آگاہ ہے۔ اور سال بھر سے کم کی ظاہر کرنے میں اس کا کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا عکس متوقع ہے کہ جب مشتری اپنے مطلب کی نہ جانے گا نہ لے گا۔ **واللہ**

---

[1] غایۃ البیان

تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ سال بھر کامل ہونے میں شک ہے تو اس کا عقیقہ نہ کریں، اور قصاب کا قول یہاں کافی نہیں کہ بکنے میں اس کا نفع ہے۔ اور حالت ظاہر اس کی بات کو دفع کر رہی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۰تا۳۱۰: کیا حکم ہے شرع مطہرہ کا دربارہ عقیقہ کے:

(۱) جانور ذبح کئے جائیں ان کی عمر کیا ہونا چاہئے، اور اگر کسی عضو میں نقصان رکھتے ہوں وہ کام میں آسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے، آیا کھانا پکا کر کھلوانا افضل ہے یا گوشت کا تقسیم کر دینا؟

(۳) گوشت میں کوئی حصہ والدین کا بھی ہے یا نہیں؟

(۴) دایہ کسی عضو کی مستحق ہے اور حجام وسقّہ وخاکروب دھوبی وغیرہ؟

(۵) پوست کے دام قیمت جانور میں مجرا کرنا اور خانگی خرچ میں ملانا جائز ہے یا نہیں کیا طریقہ افضل ہے؟

(۶) اور جانور ذبح کس کو کرنا چاہئے؟ اور دعائے عقیقہ کس طرح اور کس کو پڑھنا چاہئے؟

(۷) ہڈیاں توڑنا چاہئے یا نہیں، اور دفن کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۸) مدت اور روز عقیقہ کیا ہونا چاہئے؟

(۹) لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں تعداد جانوروں کی دو دو ایک ہونی چاہئے یا ایک ایک؟

(۱۰) اجرت قصاب کی داموں میں مجرا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۱) اگر دو جانور ہوں تو ان کی سری وپائے ایک حجام کو، ایک سقّہ کو دی جاسکتی ہے یا دونوں حجام کو؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ان امور میں احکام عقیقہ مثل قربانی ہیں، اعضا سلامت ہوں، بکرا بکری ایک سال سے کم کی جائز نہیں، بھیڑ، مینڈھا چھ مہینہ کا بھی ہو سکتا ہے جبکہ اتنا تازہ وفربہ ہو کہ سال بھر والوں میں ملادیں تو دور سے متمیز نہ ہو۔

(۲) گوشت بھی مثل قربانی تین حصے کرنا مستحب ہے۔ ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، اور چاہے تو سب کھالے خواہ سب بانٹ دے، جیسے قربانی، اور پکا کر کھلانا کچا تقسیم کرنے سے افضل ہے۔

(۳) حصہ ضروری کسی کا بھی نہیں، استحبابی حصہ میں تہائی اپنا رکھا گیا ہے۔ والدین کھا سکتے ہیں، اس کی ممانعت جو مشہور ہے صحیح نہیں۔

(۴) دائی یعنی جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ وہ مسلمان ہو جاہلوں میں جو ہندو جنائیاں یا مس ڈاکٹریں بلائی جاتی ہیں یہ حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی خاص حق نہیں۔

(۵) پوست داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لانا منع ہے۔ اور قیمت میں مجرا کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جانور پہلے خرید کر ذبح کرلیا اب پوست قصاب نے مول لے لیا، اس کے آتے ہوئے داموں میں یہ دام وضع کرلئے، یوں اپنے صرف کے لئے بیچنا گناہ ہوا مگر جانور کی خریداری میں خلل نہ آیا دوسرے یہ کہ خریدتے وقت شرط کرلی کہ کھال اتنے کو تجھے لینی ہوگی، یہ سرے سے جانور کی خریداری ہی کو حرام وفاسد کردے گا ان پر فرض ہوگا کہ اس عقد کو فسخ کردیں، پھر از سر نو عقد صحیح سے اسے خرید کر عقیقہ میں ذبح کرے، ہاں بعینہٖ پوست کی جلد یا ڈول یا جانماز وغیرہ بنا کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ یوں ہی برتن کپڑے وغیرہ اشیاء کے عوض بیچ سکتا ہے۔ جو قائم رکھ کر استعمال میں آتی ہیں، نہ دام یا اناج وغیرہ جن کا استعمال ان کو فنا کرنے سے ہوتا ہے۔ اور کار خیر میں دے دینا اپنے صرف میں لانے سے افضل ہے۔

(۶) باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکر نعمت ہے۔ جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے وہ نہ ہو یا ذبح نہ کرسکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے، اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے عقیقہ پسر میں کہ باپ ذبح کرے دعا یوں پڑھے:

اَللّٰھُمَّ ہٰذِہٖ عَقِیْقَةُ ابْنِیْ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعِظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِابْنِیْ مِنَ النَّارِ ط بِسْمِ اللہِ اَللہُ اَکْبَرُ۔	اے اللہ ! یہ میرے فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے اس کا خون اس کے خون، اس کا گوشت اس کے گوشت اس کی ہڈی اس کی ہڈی، اس کا چمڑہ اس کے چمڑے اور اس کے بال اس کے بال کے بدلے میں ہیں، اے اللہ! اس کو میرے بیٹے کے لئے جہنم کی آگ سے فدیہ بنادے۔ اللہ تعالٰی کے نام سے، اللہ بہت بڑا ہے۔ (ت)

فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھتا ہو لے دختر ہو تو دونوں جگہ اِبْنِیْ کی جگہ بِنْتِیْ، اور پانچوں جگہ "ہ" کی جگہ "ھا" کہے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ

فُلاَن اِبْنِ فُلاَن یافُلاَنَه بَنْتِ فُلاَنه کہے۔ بچے کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔

(۷) ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے، اور دفن کرنا افضل ہے۔

(۸) عقیقہ ساتویں دن افضل ہے۔ نہ ہو سکے تو چودھویں، ورنہ اکیسویں، ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو، وقت دن کا ہو۔ رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(۹) کم سے کم ایک تو ہے ہی، اور پسر کے لئے دو افضل ہیں، استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

(۱۰) گوشت بنانے کی اُجرت داموں میں مجرا کر سکتا ہے۔

(۱۱) سرے پائے خود کھائے خواہ اقرباء مساکین جسے چاہے۔ خواہ سب حجام یا سب سقا کو دے دے شرع مطہر نے ان کا کوئی خاص حق اس میں مقرر نہ فرمایا۔ فقط۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۱ تا ۳۱۴: از پچروکھی ضلع گیا ڈاکخانہ اکبر پور مسئولہ سید محمد ولی عالم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) چلہ کے اندر عقیقہ کرنا جائز ہے یا تاخیر؟

(۲) ایک خصی سے عقیقہ ہوگا یا نہیں؟

(۳) گوشت عقیقہ کا آباؤاجداد کو کھانا چاہئے یا نہیں؟

(۴) ہڈی مذبوح کی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنت ہے۔ اور یہی افضل ہے۔ ورنہ چودھویں دن، ورنہ اکیسویں دن۔

(۲) خصی عقیقہ اور قربانی میں افضل ہے۔

(۳) عقیقہ کا گوشت آباء واجداد بھی کھا سکتے ہیں مثل قربانی اس میں بھی تین حصے کرنا مستحب ہے۔

(۴) اس کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں علماء تفاولا نہ توڑنا بہتر جانتے ہیں، پسر کے عقیقہ میں دو جانور افضل ہیں اور ایک بھی کافی ہے اگرچہ خصی نہ ہو، عقود الدریہ میں ہے:

قال فی السراج الوہاج اذا اراد ان یعق عن الولد یذبح عن الغلام شاتین وعن الجاریۃ شاۃ ولو ذبح عن الغلام شاۃ جاز لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عق عن الحسن	السراج الوہاج میں فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی اولاد کا عقیقہ کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے، اگر لڑکے کی طرف سے ایک بکری ذبح کی تب بھی جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت امام حسن

والحسین رضی اللہ تعالٰی عنھما کبشا کبشا، ولو قدم الذبح قبل یوم السابع او اخرعنه جاز الا ان یوم السابع افضل والمستحب ان یفصل لحمھا ولا یکسر عظمھا تفاؤلا بسلامة اعضاء الولد، ویاکل و یطعم ویتصدق [1]۔	اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا، اگر عقیقہ ساتویں دن سے پہلے کرے یا ساتویں دن کے بعد کرے تب بھی جائز ہے مگر ساتویں دن کرنا افضل ہے بچے کے اعضاء کی سلامتی کے لئے نیک فالی کے طور پر مستحب یہ ہے کہ گوشت ہڈیوں سے الگ کرلیا جائے اور ہڈیوں کو توڑا نہ جائے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے اور صدقہ کرے۔(ت)

اسی میں ہے: وحکمھا کاحکام الاضحیه [2] (عقیقہ کا حکم قربانی کے احکام کی طرح ہے) ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع افضل الشاء ان یکون کبشا املح اقرن موجوء [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بدائع میں ہے افضل قربانی یہ ہے کہ مینڈھا چتکبرا، سینگوں والا اور خصی ہو، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۳۱۵: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات، ضلع بریلی

عید الاضحٰی کے روز عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: از مرسنیا تھانہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ شیخ مختار حسین صاحب ۶ /ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے اپنے لڑکے کا عقیقہ کیا، سر کے بال منڈوا کر چاندی وزن کرکے حجام کو دے دی، مسکین کو دینی چاہئے تھی، اور بکری کا سر حجام کو، اور ایک ران بھنگن کو، کہ وہی دائی تھی، اس طرح عقیقہ ہوا یا نہیں؟ جوانی یا بڑھاپے میں عقیقہ کرسکتا ہے یا

[1] العقود الدریة کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

[2] العقود الدریة کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیه داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۱

نہیں؟بینوا توجروا

الجواب:

بھنگن یا کسی کافرہ کو جنائی بنانا سخت حرام ہے۔نہ کافرہ کو ران دی جائے،اور بالوں کی چاندی مسکین کا حق ہے۔نائی مسکین ہو تو مضائقہ نہیں،اصل حکم یہ ہے پھر جس نے اس کے خلاف کیا، بھنگن کو ران، غنی نائی کو چاندی دی تو برا کیا،مگر عقیقہ ہو گیا، سری کے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں ہے جسے چاہے دے،جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ جوانی بڑھاپے میں بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷تا۳۱۹: از موضع خود مئو ڈاک خانہ بدو سرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) حکم ہے کہ عقیقہ میں سرنائی کو اور ران دائی جنائی کو دی جائے،فی زمانا جنائی اکثر چمارن یا ڈومن ہوتی ہے۔اور ان کا مذہب ظاہر ہے تو کیا ان مذکور بموجب حکم جنائی کو جو چمارن ہے یا ڈومن ہے دی جائے۔

(۲) گوشت عقیقہ کا صاحب عقیقہ یا اس کے والد کے کھانے کی نسبت اکثر بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ درست ہے،اور بعض بزرگ تجویز فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔اور نہ کھانا انسب ہے۔تو اب قطعی حکم معلوم ہونا چاہئے،کیا کیا جائے،جو طریقہ وسنت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو،

(۳) اکثر دیکھا گیا کہ لوگ بکرا منگا کر اور اس کو لڑکے یا لڑکی کے نام ذبح کرکے کچھ گوشت چیل، کوا کو کھلاتے ہیں،اور کچھ فقراء کو تقسیم کرتے ہیں،یہ فعل کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب:

(۱) سرنائی کو دینے کا نہ کہیں حکم نہ ممانعت،ایک رواجی بات ہے۔جنائی کو ران دینے کا حکم،البتہ حدیث ہے،مگر کافرہ سے یہ کام لینا حرام ہے۔کافرہ سے مسلمان عورت کو ایسے پردے کا حکم ہے جیسے مرد سے کہ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور تلووں کے کچھ نہ دکھائے،نہ کہ خاص جنائی کا کام۔مجتبٰی شرح قدوری وتنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

الذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ[1]۔	اصح قول کے مطابق ذمیہ عورت اجنبی مرد کی طرح ہے لہٰذا وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار بحوالہ مجتبٰی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

غایۃ البیان میں ہے:

لیس للمؤمنۃ ان تتجرد بین یدی مشرکۃ او کتابیۃ [1]۔	مومنہ عورت کو مشرکہ یا کتابیہ عورت کے سامنے ننگا ہونا جائز نہیں۔ (ت)

سراج الوہاج، نصاب الاحتساب و شرح الدرر للعلامۃ اسمٰعیل و شرح ہدیہ ابن العماد للعارف عبدالغنی و ردالمحتار میں ہے:

لایحل للمسلمۃ ان تنکشف بین یدی یھودیۃ او نصرانیۃ او مشرکۃ الا ان تکون امۃ لھا [2]۔	مسلمان عورت کو یہودی، نصرانی یا مشرک عورت کے سامنے ننگا ہونا حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کی لونڈی ہو۔ (ت)

پھر اگر کسی نے اپنی حماقت سے اس گناہ کا ارتکاب کیا، او کان صحیح الاضطرار الیہ (یا اس کی طرف شدید مجبوری ہو۔ (ت)) تو اس کو ران وغیرہ کچھ نہ دیں کہ کافروں کا صدقات وغیرہ میں کچھ حق نہیں، نہ اس کو دینے کی اجازت، غایہ سروجی و بحرالرائق و درمختار وغیرہا میں ہے:

اما الحربی ولو مستأمنا فجمیع الصدقات لایجوز لہ اتفاقا [3]۔	لیکن کافر حربی اگرچہ مستامن ہو اس کو تمام صدقات دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ (ت)

درایہ میں ہے:

صلتہ لا تکون برا شرعا۔ ولذا لم یجز التطوع الیہ [4]۔	اس کے ساتھ صلہ رحمی شرعی طور پر نیکی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس پر احسان کرنا جائز نہیں۔ (ت)

(۲) عقود الدریہ وغیرہا کتب میں تصریح ہے کہ **احکامھا احکام الاضحیۃ** [5] (عقیقے کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے۔ وہی تین حصے اس میں مستحب ہیں۔ ایک اپنا، ایک عزیزوں دوستوں کا، ایک مسکینوں کا، خود بھی کھائے، ماں باپ بھی کھائیں، ممانعت بے اصل ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

[4] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ کتاب الزکوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸

[5] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

(۳) مساکین کو دیں، چیل، کوؤں کو کھلانا کوئی معنٰی نہیں رکھتا، یہ فاسق ہیں، اور کوؤں کی دعوت رسم ہنود۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ عقیقے کے جانور کی استخوان توڑنا اور گوشت کے ساتھ پکانے کو عدم جواز کہتے ہیں، اور جواز کی دلیل چاہتے ہیں، اور استخوان اور پوست زمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہڈیاں توڑنے میں کوئی حرج نہیں، ناجائز کہنے والا دلیل بیان کرے، کہاں سے ناجائز کہتا ہے۔ یہ شافعیہ کے یہاں ہے۔ وہ بھی مستحب طور پر نہ کہ واجب کہ توڑنا ناجائز ہو، خود بلادلیل ناجائز کہہ دینا اور جواز پر الٹے دلیل مانگنا حماقت ہے۔ اور استخوان خالی دفن کریں، پوست دفن کرنا گناہ ہے۔ کہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۱: از شہر پونا جامع مسجد مسئولہ محمد ابراہیم صاحب بروز شنبہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع مبین کہ بچے کا عقیقہ کیا جائے لڑکے کے ماں باپ نانا، نانی، دادا، ماموں وغیرہ گوشت عقیقہ کا کھائیں یا نہیں؟

الجواب:

سب کھاسکتے ہیں، یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے **کلوا وتصدقوا وائتجروا** [1] (کھاؤ، صدقہ کرو اور اجر کماؤ۔ عقود الدریہ میں ہے: **احکامھا احکام الاضحیہ** [2] (عقیقہ کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے احکام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۲: از کیمپ میرٹھ لال کرتی بازار بنگلہ سول سارجن مرسلہ شیخ احمد بخش ملازم کرنل ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ میں جانور کی ہڈی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النھی عن لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸، سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۳۳

الجواب:

توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے۔

قال الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ انه مذهب الامام مالک، والکسر مذهب الامام شافعی، قلت و قد صرح علمائنا ان مذهب عالم المدینة رضی الله تعالٰی عنه اقرب الی مذهبنا ویصار الیه حیث لانص من اصحابنا کما فی ردالمحتار وغمزالعیون، قلت لاسیما فی مثل مانحن فیه، فان الکسر لاینبغی عند مالک، ولو لم یکسر لم یعاقبه الشافعی رضی الله تعالٰی عن الائمة اجمعین۔ والله تعالٰی اعلم۔	شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ (ہڈی کا) نہ توڑنا امام مالک کا مذہب ہے۔ اور توڑنا امام شافعی کا مذہب ہے۔ میں کہتاہوں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ عالم مدینہ کا مذہب ہمارے مذہب کے زیادہ قریب ہے۔ جہاں ہمارے اصحاب سے کوئی نص موجود نہ ہو وہاں انہی کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ ردالمحتار اور غمز العیون میں ہے۔ میں کہتاہوں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ جیسے مسائل میں کیونکہ امام مالک کے نزدیک توڑنا مناسب نہیں، اور اگر نہ توڑے تو امام شافعی اس پر عتاب نہیں فرماتے۔ اللہ تعالٰی ہمارے تمام اماموں پر راضی ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کا گوشت والدین کو کھانا حرام ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب:

جائز ہے اگر سب آپ ہی کھالیں جب بھی حرج نہیں لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کلوا وادخروا [1] (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ ت) ہاں بہتر یہ ہے کہ "لا اقل بقدر ثلث" (کم از کم تہائی کو۔ ت) خیرات کردے، اور ایک ران دائی کا حق ہے۔ ایک ثلث عزیزوں قریبوں میں تقسیم کریں، ایک ثلث اپنے کھانے کے لئے،

بذلك ورد الحدیث واما جواز الاکل فان النسك انما یقوم باراقة الدم	اس پر حدیث وارد ہے۔ لیکن کھانے کا جواز تو اس لئے ہے کہ عقیقہ تو جانور کا خون بہانے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

والتصدق باللحم خارج عنه کالا ضحیة والدم دم شکر لاجبر، وقد صرح العلماء کالشیخ فی اللمعات وغیرہ فی غیرہا ان العقیقة کالاضحیة فی جمیع الشرائط والاحکام، ومعلوم ان الاضاحی تقسم لحومها اثلاثا ثلث طعمه و ثلث ہدیة وثلث صدقة و ہذا ایضاً علی وجه الاستحباب دون الوجوب حتی لو اکل الکل جاز فکذا العقیقة۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	کے ساتھ ادا ہوجاتا ہے۔اور گوشت کو صدقہ کرنا اس سے خارج ہے جیساکہ قربانی میں ہوتاہے۔اور عقیقہ کے لئے جانور ذبح کرنا بطور شکر ہے اس پر جبر نہیں علماء کرام نے صراحت فرمائی جیساکہ شیخ محقق نے لمعات میں اور دیگر ائمہ نے دیگر کتب میں فرمایاکہ بیشک عقیقہ تمام شرائط واحکام میں قربانی کی مثل ہے۔اور یہ بات معلوم ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کیا جاتاہے ایک حصہ خود کھانے کے لئے دوسرا حصہ ہدیہ و تحفہ کے لئے اور تیسرا حصہ صدقہ کے لئے،اورا یسا کرنا بھی مستحب ہے نہ کہ واجب یہاں تک کہ اگر تمام گوشت خود کھالے تب بھی جائز ہے۔لہٰذا ایسا ہی معاملہ عقیقہ میں ہوگاواللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۲۴و۳۲۵: شیخ احمد حسین صاحب از مقام سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مردہ کے نام پر عقیقہ دیا جاسکتاہے یانہیں؟ اور بعض عالم یہ کہتے ہیں کہ مردہ کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے۔اگر بچہ ہو کہ سات دن سے پہلے مرے توکیا حکم ہے؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار یاسات لڑکی کا عقیقہ دے سکتاہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) مردہ کی طرف سے قربانی بلا شبہ جائز ہے اور عقیقہ شکر نعمت ہے بعد زوال نعمت اس کا محل نہیں، ولہٰذا اموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے۔اور عقیقہ بعد موت کہیں ثابت نہیں،جو بچہ سات دن سے پہلے مرگیا عقیقہ نہ کرنے سے جو الزام آتا کہ وہ شفیع ہوگا،یہاں نہ ہوگا کہ شرع نے جو اس کا وقت مقرر فرمایا اس سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا،اور سات دن بعد مرا اور استطاعت تھی تو اس کی شفاعت کا استحقاق نہیں،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دے سکتاہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۶: از شہر بریلی مدرسہ اہلسنت مسئولہ مولوی اسیر الدین بنگالی یکے از طلباء مدرسہ مذکورہ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بچہ نابالغ اگر قبل عقیقہ کے مرجائے توبعد مرنے کے اگر عقیقہ کیا جائے توثواب عقیقہ کا ملے گا یا

نہیں؟ اور یہ عقیقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

بچہ کی موت کے بعد عقیقہ نہیں ہوسکتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۷: مسئولہ محمد یعقوب علی خاں از مقام کٹھری ضلع گوڑگاؤں ڈاکخانہ ڈھینہ اسٹیشن حاٹون بتاریخ ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ
جو بچہ پیدا ہوا اور کسی سبب سے اس کی زندگی میں عقیقہ نہ ہوا تو بعد مرنے بچہ کے اس کے نام سے عقیقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

عقیقہ بعد موت پسر نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۸ و ۳۲۹: از بریلی محلّہ سوداگران مسئولہ سردار احمد صاحب ۱۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) مُردے کے نام سے عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور بعض عالم کہتے ہیں کہ مردے کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے اگر بچہ پیدا ہوکے سات دن پہلے مرے تو کیا حکم ہے اور سات دن کے بعد مرے تو کیا حکم ہے۔ اور نر یعنی بکرا لڑکے کے لئے خاص ہے یا نہیں؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار سات لڑکے کا عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایک گائے کے گوشت سے دو حصہ لے کر ایک لڑکے کا عقیقہ دیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) مُردے کا عقیقہ نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے، بخلاف قربانی کہ ایصال ثواب ہے۔ سات دن سے پہلے مرگیا تو ابھی عقیقہ کا وقت ہی نہ آیا تھا اور بعد کو مرا تو عقیقہ کیا، اس بچے کی شفاعت کا مستحق نہ ہوگا، اگر بلاوجہ باوصف استطاعت نہ کیا، افضل یہ ہے کہ پسر کے لئے دو نر ہوں اور دختر کے لئے ایک مادہ کہ اس میں مقابلہ اعضا اکمل ہے۔ اور اگر نر و مادہ میں عکس ہو جب بھی کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ایک گائے میں ایک سے سات کا عقیقہ ہوسکتا ہے۔ اگر عقیقہ کے سوا دوسرا حصہ ایک یا دو یا کتنا ہی خفیف غیر قربت مثلاً اپنے کھانے کی نیت کو رکھا تو عقیقہ ادا نہ ہوگا، ہاں اگر وہ حصے

بھی قربت کے ہوں، مثلاً ایک حصہ عقیقہ، ایک حصہ قربانی عید الاضحیٰ تو جائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۳۳۰: ہادی حسین صاحب از شہر بریلی محلّہ ذخیرہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ

علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید وہندہ کے آپس میں ناجائز تعلق تھا، ہندہ کو اس ناجائز تعلق کی وجہ سے حمل رہا، افشائے راز کے باعث زید وہندہ کا باہم نکاح کردیا، اب ہندہ نے وضع حمل کیا، زید اس کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے۔ آیا یہ عقیقہ درست ہوگا اور گوشت یا طعام عزیز واقرباء کو کھانا مباح ہوگا یا نہیں اور نکاح زید صورت مسطورہ میں صحیح ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں زید کوئی کام بھی آئندہ اس مولود کا مثل ختنہ ومکتب وغیرہ کے کرے، اس میں شرکت دینا اور شرینی اور طعام دعوت ان امور کی لینا اور کھانا اعزا کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ عورت کنواری تھی اور بچہ نکاح کے کوئی دو مہینے بعد پیدا ہوا، ایسی صورت میں زید اگر جانتا ہے کہ واقع میں یہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے تو اسے اس کا عقیقہ کرنے کے کوئی معنی نہیں کہ عقیقہ شکر نعمت ولادت ہے اور بچہ کی ولادت زانی کے لئے نہیں ہوتی صرف ماں کے لئے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للعاھر الحجر [1]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا زانی کے لئے پتھر ہے۔ (ت)

اس کا عقیقہ اگر کرے تو اس کی ماں کرے، اس میں شرکت میں حرج نہ ہوگا، اور ختنہ اور شادی اگر زید بھی کرے تو حرج نہیں اور شرکت بھی جائز ہوئی جبکہ کوئی محذور شرعی نہ ہو، **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

مسئلہ ۳۳۱ تا ۳۳۳: مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب حنفی قادری رضوی از آرہ شاہ آباد مدرس فیض الغرباء بروز پنجشنبہ بتاریخ ۷/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

(۱) قیاس عقیقہ قربانی پر صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو ان دونوں کا جامع علت مشترکہ کیا ہے؟

(۲) قربانی کی طرح عقیقہ میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سات لڑکیوں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کے نام سے ایک گائے عقیقہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

---

[1] صحیح البخاری کتاب المحاربین باب للعاھر الحجر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰۷، صحیح البخاری کتاب الاحکام باب من قضی لہ بحق اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۵، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰ و۴۷۱

الجواب:

عقیقہ میں بھی شرکت اسی طرح جائز ہے جیسے قربانی میں جبکہ سب کی نیت خالص لوجہ اللہ ہو۔ اگر ایک کی نیت بھی قربت کی نہ ہوگی اور باقی سب تقرب چاہیں گے کسی کی قربت ادا نہ ہوگی کہ وہ سب گوشت ہو گیا۔

لان اللہ تعالٰی لا یقبل الشرکۃ واغنی الاغنیاء عن الشرکۃ لہ ولغیرہ فکلہ لغیرہ۔	اس لئے کہ اللہ تعالٰی شرکت کو قبول نہیں فرماتا اور وہ تمام اغنیاء شرکت سے بڑا غنی ہے اور جو اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہو تو وہ سب اس کے غیر کے لئے ہے۔(ت)

عقیقہ اور قربانی دونوں اراقت دم لوجہ اللہ ہیں اور اسی کلیہ میں داخل کہ:

ماکان لہ ولغیرہ فھو لغیرہ وماکان خالصا لہ فھولہ۔ وان تعددت الوجوہ ولذا جاز التصدق علی فقیرین بالاشتراك ولامشاع، ان المقصود وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد بخلاف الھبۃ۔	جو کچھ اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہے تو وہ اس کے غیر کے لئے ہے اور جو خالص اس کی رضا کے لئے ہے تو وہ اس کے لئے ہے۔ اگرچہ وجوہ تقرب متعدد ہوں، اسی واسطے دو فقیروں پر بلا تقسیم مشترکہ طور پر صدقہ کرنا جائز ہے کیونکہ مقصود اللہ تعالٰی کی خوشنودی ہے اور وہ ایک ہی ہے بخلاف ہبہ کے (ت)

لہٰذا حاجت قیاس نہیں فان المندرج تحت العمومات غیر مسکوت عنہ لیقاس (کیونکہ جو شے عمومات کے تحت درج ہو وہ مسکوت عنہ نہیں ہوتی تاکہ قیاس کیا جائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴: از قصبہ امریا ڈاک خانہ امریا پاس محمد اکبر یار خاں، بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۳/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر ہفتہ سے کم یا ہفتہ بھر کی عمر یا ہفتہ سے زائد میں انتقال ہوا اب ان کے والدین کو ان مردہ بچوں کا عقیقہ چاہئے یا نہیں؟ اور ہفتہ سے کم عمر میں مرے ان کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں؟ اور قربانی بھی ان بچوں کی جانب سے ہوتی یا نہیں؟ اور والدین جو انتقال کرچکے ہوں ان کی جانب سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی بابت جو جوابات ہوں واضح طور پر تحریر فرمائے جائیں سخت ضرورت ہے۔ جواب جہاں تک ممکن ہو بہت جلد اور ہفتہ کی عمر سے زائد جہاں تک حد ہو اپنی صغر سنی میں، اس کے واسطے کیا حکم ہے۔ اور وہ بچے جن کے ذکر ہوا عقیقہ نہ کرنے میں مواخذہ

کریں گے یا نہیں؟ اگر عقیقہ کردیا جائے تو شفاعت بروز حشر کرادیں گے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

جو مرجائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہوسکتا، بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مرگیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقت عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا عقیقہ کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے سات دن سے پہلے مرجانا درکنار، حدیث میں ہے کہ کچا حمل جو گرجاتا ہے وہ روز قیامت اپنا نال کھینچتا ہوا آئے گا اور اپنے ماں باپ کے لئے (جبکہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہوں) مولٰی عزوجل سے ایسا جھگڑا کرے گا جیسے قرضخواہ اپنے قرضدار سے، یہاں تک کہ حکم ہوگا کہ او کچے بچے، اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں لے جا[1]۔ ہاں جس بچے نے عقیقہ کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہوگیا اور بلاعذر باوصف استطاعت اس کا عقیقہ نہ کیا اس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرنے پائے گا۔ حدیث میں ہے: الغلام مرتھن بعقیقتہ[2] لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے۔ تیسیر میں ہے:

یعنی اذالم یعق عنہ فمات طفلا لایشفع فی ابویہ[3]۔	یعنی اگر بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچپن میں مرگیا تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔ (ت)

اشعۃ اللمعات میں ہے:

امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مے گوید معنی آنست کہ فرزند محبوس وممنوع ست از شفاعت، درحق والدین تاعقیقہ او را نہ کنند، واعتماد بر قول آں امام اجل ست وظاہر آن ست کہ وی شنیدہ است از سلف کہ معنی ایں ست[4]۔	امام احمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بچے کا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے اس کو والدین کے حق میں شفاعت کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور اعتماد اس عظیم الشان امام کے قول پر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام موصوف نے اسلاف سے سنا ہوگا کہ اس کا معنی یہ ہے۔ (ت)

جو بچہ قبل بلوغ مرگیا اور اس کا عقیقہ کردیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مرگیا ان

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۱۶

[2] الجامع الصغیر حدیث ۵۸۱۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۵۹

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۱۶۵

[4] اشعۃ اللمعات کتاب الصید باب العقیقہ الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۸۲

سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں، قربانی جو اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے بعض کے نزدیک واجب ہے وہ اس کی زندگی ہی میں ہے بعد مرگ کسی کے نزدیک لازم نہیں، ہاں ان کی طرف سے کرے تو ان کو ثواب پہنچے گا، یونہی ماں باپ کی طرف سے بعد موت قربانی کرنا اجر عظیم ہے اس کے لئے بھی اور اس کے والدین کے لئے بھی۔ **وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

نوٹ

بیسویں جلد باب العقیقہ پر ختم ہوئی

اکیسویں جلد کا آغاز کتاب الحظر والاباحۃ سے ہوگا۔

مآخذومراجع

	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعة اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایة فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	اٰلام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطا الدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایۃ(بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسی الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایۃ شرح الھدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بھجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	بلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴_۹۱۱
۶۳۔	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تہذیب الاثار	ابوجعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۸٦۔	التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۸۷۔	تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری	۹٦٦
۸۸۔	تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	۱۰۰۸
۸۹۔	التبیان فی بیان مافی لیلة النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۹۰۔	تفسیرات احمدیه	احمد بن ابو سعید المعروف ملا جیون	۱۱۳۰
۹۱۔	التفسیر المظهری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۹۲۔	تحفه اثناء عشریه	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	۱۲۳۹
۹۳۔	تنبیه ذوی الافهام	محمد امین ابن عابدین	۱۲۵۲
۹۴۔	التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۳۲۳
۹۵۔	تذکرة الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	۹۸٦
۹٦۔	تجنیس الملتقط		
۹۷۔	تحفة المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
۹۸۔	تحفة الصلوٰة (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	۹۱۰

ث

۹۹۔	الثمانون فی الحدیث	ابو بکر محمد بن الحسین الآجری	۳٦۰
۱۰۰۔	ثبت ابو محمد بن امیر المکی المصری		

ج

۱۰۱۔	جامع الترمذی	ابو عیسٰی محمد بن عیسی الترمذی	۲۷۹
۱۰۲۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹٦۲
۱۰۳۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵٦
۱۰۴۔	الجامع الصغیر فی الفقه	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۰۵۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲٦۱
۱۰٦۔	جامع الفقه (جوامع الفقه)	ابو نصر احمد بن محمد العتابی	۵۸٦

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیۃ	ابی الحسن عبید اللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابو علی حسن بن عرفہ بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نور الدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

۱۲۶۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

۱۳۰۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی علی العنایۃ	سعد اللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیۃ الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیۃ المحلّی شرح منیۃ المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبیّ المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیٰوۃ الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود القزوینی	۶۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیۃ التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۶۶۸
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیۃ مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیۃ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر علامہ الحفنی		
۱۴۹۔	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانۃ الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃالمفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃالدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃالفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃالوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸
	د		
۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدر النثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
	ذ		
۱۶۵۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
	ر		
۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابو مروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹

۱۷۲۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔	ردعلی الجھمیة	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔	رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔	رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔	رمزالحقائق شرح کنزالدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔	رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔	رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔	رسالہ اتحاف الغرفہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔	رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔	رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔	رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔	رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔	رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔	رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔	الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔	رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔	رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔	رسالہ غایة المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔	زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔	زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔	زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہر الربیٰ علی المجتبیٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲

س

۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۴۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحی لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰۔	شرح الاربعین للنوی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹۔	شرح الغریبین		
۲۳۰۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴۔	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰۔	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۰۔	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۲۴۱۔	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔	الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔	شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۷۔	شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۸۔	شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۴۹
۲۴۹۔	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔	شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔	شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲۔	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔	شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴۔	شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔	شرح حاشیۃ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶۔	شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔	شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸۔	شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۵۹۔	شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۶۰۔	شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۶۱۔	شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۶۲۔	شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۶۳۔	شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴۔	شرف المصطفٰی	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔	شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۸۵۔	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمر قندی	۳۷۸
۲۸۶۔	عقود الدریّة	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷۔	عدّة کمال الدین	محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸۔	عمل الیوم واللیلة	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹۔	عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰۔	عقد الفرید	ابوعبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱۔	عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲۔	عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳۔	عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴۔	عمدة الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحیٔ اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵۔	غایة البیان شیخ قوام الدین	امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷۔	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرة البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹۔	غنیة ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰۔	غنیة المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱۔	غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد با بن الہمام	۸۶۱
۳۰۴۔	فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵۔	فتاوٰی بزازیة	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶۔	فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔	فتاوٰی ولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۳۱۶۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔	فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔	فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقّب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔	فضائل القرآن لابن ضریس	ابوعبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔	فوائد الخلعی	ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔	فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔	فتح المغیث	امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔	فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالٰہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابوعبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوی قاعدیہ	ابوعبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملک المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابوطالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحلیم لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

۳۷۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
۳۸۰۔	کتاب الحجہ	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱۔	کتاب المشیخۃ	امام محمد ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۲۔	کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳۔	کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴۔	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۵۔	کتاب الضعفاء الکبیر	ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶۔	کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷۔	کتاب الرواۃ عن مالک ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸۔	کتاب الحجہ علی تارک الحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹۔	کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰۔	کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القھروانی	ابوالحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱۔	کشف الظنون	مصطفٰی بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲۔	کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳۔	کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴۔	کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵۔	کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶۔	کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقع الانوار القدسیه سید المنتخب من الفتوحات المکیه	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
	م		
۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفی شرح الفقہ النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۲۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۴۲۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۴۲۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۴۲۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۴۲۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۴۲۷۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲
۴۲۸۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۴۲۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۴۳۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۴۳۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۳۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابو بکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۴۳۳۔	مصنّف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۴۳۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰
۴۳۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۴۳۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۹۔	معراج الدرایۃ قوام الدین	محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۴۴۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۴۴۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۴۴۲۔	المغرب	ابو الفتح ناصر بن عبد السید المطرزی	۶۱۰
۴۴۳۔	مختصر القدوری	ابو الحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۴۴۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سید علی	۹۳۱
۴۴۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۴۴۶۔	المقدمۃ العشماویۃ فی الفقہ المالکیۃ	ابو العباس عبد الباری العشماوی المالکی	

۴۴۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری) ناصرالدین محمد بن یوسف الحسینی		۵۵۶
۴۴۸۔	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۴۴۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفه	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲۔	منحة الخالق حاشیه بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵۔	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶۔	مجمع البحرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷۔	المبتغیٰ	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸۔	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱۔	منیة المصلی	سدیدالدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲۔	موطا امام مالك	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳۔	موارد الظمآن	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶۔	میزان الشریعة الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۴۶۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰۔	مسند الامام اعظم	ابوحنیفه نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱۔	مؤطا الامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲۔	المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳۔	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴۔	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵۔	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶۔	الملل والنحل	ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷۔	موضوعات ابن جوزی	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸۔	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹۔	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰۔	مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱۔	المواقف السطانیہ فی علم الکلام	عضدالدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲۔	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳۔	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴۔	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵۔	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶۔	المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷۔	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸۔	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹۔	مسوی مصفی شرح موطا امام مالک	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰۔	مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱۔	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲۔	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳۔	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴۔	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵۔	مجموعہ فتاوٰی	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۲۴۳
۴۹۶۔	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۲۴۳

۴۹۷۔	مظاہرِ حق مولوی	نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸۔	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹۔	مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰۔	مفتاح الصلوٰۃ		
۵۰۱۔	مجتبیٰ شرح قدوری		
۵۰۲۔	مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳۔	معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴۔	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) امام فخر الدین رازی		۶۰۶

ن

۵۰۵۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶۔	الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

ضمیمہ
مآخذومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر البیضاوی ھدیۃ العارفین	۶۸۵/۶۹۶/۶۹۱ ۱/۴۶۳
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابوعمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلداللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴۔	ارشادالساری الٰی مناسك الملاعلی القاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیہ	ابوالفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبداللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابوالمعالی عبدالملک ابن عبداللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسٰی الحازمی الشافعی	۵۸۴

ت

۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترھیب	ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرۃ الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عندالتبییت	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابواسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفہیم المسائل		
۳۰۔	تنبیہ الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲

ث

۳۱۔	ثقفیات	ابوعبداللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴

ج

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبّی)	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبّی	۶۷۱

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبّی)	ابو عبداللہ محمد ابن احمد القرطبیؒ	۶۷۱
۳۴۔	جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	۸۳۲
۳۵۔	جدالممتار علی ردالمحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
ح			
۳۶۔	الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	۶۴۴
۳۷۔	حاشیہ درغرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی	۱۰۶۲
۳۸۔	حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبدالقادر الفاکہی	۹۸۲
۳۹۔	حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
۴۰۔	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
خ			
۴۱۔	خلاصۃ خلاصۃ الوفاء	نورالدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
د			
۴۲۔	دلائل النبوۃ	ابوبکر بن احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۳۔	درثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۴۴۔	درمنظم فی مولد النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالقاسم محمد بن عثمان اللؤلؤی الدمشقی	۸۶۷
۴۵۔	کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۶۔	الدرۃ المغیبۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۷۔	الدرۃ الثمنیہ فی اخبار المدنیۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	۶۴۳
۴۸۔	الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	۱۳۰۴
ذ			
۴۹۔	ذکر الموت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱

ر

۵۰۔	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر با بن عابدین	۱۲۵۲

س

۵۱۔	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲۔	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳۔	سنن الہدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴۔	سنن فی الحدیث	حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

۵۵۔	شرح رسالہ فضالیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶۔	شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷۔	الشامل فی فروع الحنفیہ	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸۔	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹۔	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰۔	شرح صحیح بخاری	ناصرالدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱۔	شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲۔	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

۶۳۔	الصحاح الماثورہ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴۔	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
ط			
۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰
غ			
۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
ف			
۷۱۔	الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴
ق			
۸۲۔	قرۃ عیون الاخبار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۱۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایۃ فی شرح ہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵۔	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسند الشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابد منہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	متشق یادر منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۵۔ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔ نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔ نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔ نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔ النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔ نفع المفتی والمسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔ نوادر الاصول	ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔ نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔ نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔ نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔ نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔ نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔ نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸
و		
۱۳۹۔ وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔ واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔ وفاء الوفا	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
ھ		
۱۴۲۔ ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔ ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۱

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّة فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّةِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۱

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ______________ فتاوٰی رضویہ جلد ۲۱
تصنیف ______________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ______________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ______________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ______________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ______________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام و سرپرستی ______________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ______________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ______________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ______________ ٦٧٦
اشاعت ______________ ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ / مئی ۲۰۰۲ء
مطبع ______________
ناشر ______________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ______________

ملنے کے پتے

* مکتبہ اہلسنّت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمہ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لیے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا بارہ ۱۲ سال کے مختصر عرصہ میں اکیسویں ۲۱ جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارت کتاب الصلٰوۃ کتاب الجنائز کتاب الزکٰوۃ کتاب الصوم کتاب الحج کتاب النکاح کتاب الطلاق کتاب الایمان کتاب الحدود والتعزیر کتاب السیر کتاب الشرکۃ کتاب الوقف کتاب البیوع کتاب الحوالہ کتاب الشہادۃ کتاب القضاء والدعاوی کتاب الوکالہ کتاب الاقرار کتاب الصلح کتاب المضاربہ کتاب الامانات کتاب العاریہ کتاب الھبہ کتاب الاجارہ کتاب الاکراہ کتاب الحجر کتاب الغصب کتاب الشفعہ کتاب القسمہ کتاب المزارعہ کتاب الصید کتاب الذبائح اور کتاب الاضحیہ پر مشتمل بیس جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین مشمولات مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ____ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر ۱۴۲۲ مئی ۲۰۰۱	۶۳۲

اکیسویں جلد:

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضافاؤنڈیشن کی طرف سے اب تک شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ جلدوں (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلٰی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولٰنا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ شائع ہونے والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جاہوئے۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجاہوئے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے، اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں[۲۰] جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیہ پر ہوا لہٰذا اب اکیسویں[۲۱] جلد میں مسائل حظر واباحت کی اشاعت کا آغاز کیا جارہا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق انیق کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ اور رہنمائی حاصل کررہے ہیں۔

یادرہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں کتاب الحظر والاباحۃ کے عنوان پر مشتمل جلد جس کو مکتبہ رضا ایوان عرفان بیسلپور نے جلد دہم اور رضا اکیڈمی بمبئی نے جلد نہم کے نام سے شائع کیا ہے وہ غیر مرتّب وغیر مبوّب ہے اس میں شامل بعض رسائل کی ابتدا وانتہا ممتاز نہیں۔ کچھ رسائل بے نام شامل ہیں جبکہ بعض رسالوں کے مندرجات یکجا ہونے کی بجائے متفرق ومنتشر طور پر مذکور ہیں، اس جلد میں شامل دونوں حصوں کے عنوانات ومسائل ایک جیسے ہونے کے باوجود دونوں کی فہرست یکجا نہیں کی گئی لہٰذا اس کی ترتیب وتبویب خاصا مشکل اور دقّت طلب معاملہ تھا۔ راقم نے متوکّلًا علی اللہ اس پر کام شروع کیا تو اللہ تعالٰی کے فضل وکرم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر عنایت اور اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کے روحانی تصرف وکرامت کے صدقے میں توقع سے بھی کم وقت میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا الحمد للہ علٰی ذالك۔

کتاب الحظر والاباحۃ کی ترتیب جدید میں ہم نے جن امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حظر واباحت سے متعلق فتاوٰی رضویہ قدیم کے دونوں مطبوعہ حصوں کی (استفتاء میں مذکور)

مسائل کے اعتبار سے یکجا تبویب کر دی ہے۔

(ب) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق مسائل مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ باب کے تحت درج کیا ہے۔

(ج) فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) رسائل کی ابتداء وانتہا کو ممتاز کیا ہے۔

(ھ) بے نام رسائل کے ناموں کو ظاہر کیا ہے۔

(و) جن رسائل کے مندرجات ومشمولات یکجانہ تھے ان کو اکٹھا کر دیا ہے۔

(ز) حظروا باحت سے متعلقہ بعض رسائل اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی مناسب جگہ پر شامل اشاعت کر دیا ہے۔

(ح) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب، سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہو گئی ہے لہذا پوری کتاب کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے تیار کرنا پڑی۔

(ط) جلد ہذا میں شامل تمام رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست مرتب کی گئی۔

(ی) اعلٰحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بعض مقامات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے تبحر علمی کے پیش نظر ایسے مسائل بھی زیر بحث لے آتے ہیں جو متعلقہ ابواب میں سے کسی کے تحت مندرج نہیں ہوسکتے ایسے مسائل کے لئے مفصل فہرست کے بعد ہم نے ضمنی مسائل کے عنوان سے الگ فہرست مرتب کی ہے۔

کتاب الحظر والاباحۃ کے مترجم

سوائے ان رسائل کے جن کو اب فتاوٰی میں نئے سرے سے شامل کیا گیا ہے پوری "کتاب الحظر والاباحۃ" کی عربی اور فارسی عبارات کا مکمل ترجمہ جامع منقول ومعقول، فاضل جلیل، محقق شہیر، مصنف کتب کثیرہ، فخر المدرسین حضرت مولانا علامہ مفتی قاضی محمد سیف الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جو استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا قاضی محمد عبد السبحان بن مولٰنا مظہر جمیل بن مولانا مفتی محمد غوث (کھلابٹ، ہزارہ) کے صاحبزادے اور استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولٰینا محمد خلیل صاحب محدّثِ ہزاروی کے نواسے ہیں۔ آپ نے تمام درسیات اپنے والد گرامی سے پڑھیں، فارغ التحصیل ہوتے ہی درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے اور سالہاسال آپ نے اہلسنّت کے معروف ادارے جامعہ رحمانیہ ہری پور میں بطور شیخ الحدیث تدریسی فرائض سرانجام دیئے، آپ کے آباؤ اجداد نے

ڈنکے کی چوٹ پر احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیا، چنانچہ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا قاضی محمد عبدالسبحان صاحب اور برادر اکبر حضرت مولانا قاضی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی متعدد درسی وغیر درسی تصانیف ارباب علم میں معروف ہیں، مناظرہ ورَدِّبدمذہباں خصوصًا ردِّ وہابیہ میں ان بزرگوں کی خدمات کو اہل سنت وجماعت میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اکیسویں جلد

یہ جلد "کتاب الحظر والاباحۃ" کا پہلا حصہ ہے جو ۲۹۱ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں بنیادی طور پر جن چار ابواب سے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) اعتقادیات وسیر (۲) تصوّف وطریقت

(۳) آثار مقدسہ سے تبرک وتوسل (۴) شُرب وطعام

علاوہ ازیں دیگر کئی ایک ابواب کے مسائل کثیرہ پر ضمنًا گفتگو واقع ہوئی لہٰذا راقم الحروف نے مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کی سہولت کے لئے تیار کردی ہے، نیز اس جلد میں شامل چار مستقل ابواب کے مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمنًا مندرج تھے تو ان کی فہرست ہم نے متعلقہ باب کی مفصل فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقت وابہام پیدا نہ ہو۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل نو ۹ رسائل بھی اسی جلد کی زینت ہیں:

(۱) جلی النص فی اماکن الرخص (۱۳۳۷ھ)

اس بات کا بیان کہ بعض اوقات بعض ممنوعات میں رخصت ملتی ہے۔

(۲) الرمز المرصّف علی سؤال مولٰینا السید آصف (۱۳۳۹ھ)

کفار سے معاملات، احکام مرتدہ اور ایک اشتہار (اسلامی پیام) کے بعض مندرجات سے متعلق مولانا سیّد آصف علیہ الرحمۃ کے سوالات کا مفصّل ومدلّل جواب۔

(۳) شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ (۱۳۱۵ھ)

قدم شریف اور مقامات مقدسہ کے نقشے بنانا جائز جبکہ جاندار خصوصًا اولیاء کرام کی تصویریں بنانا ناجائز وگناہ ہیں۔

(۴) برکات الامداد لاھل الاستمداد (۱۳۱۱ھ)

محبوبانِ خدا سے مدد طلب کرنے کا ثبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

(۵) بدرالانوار فی آداب الآثار (۱۳۲۶ھ)

بزرگانِ دین کے آثار وتبرکات کی تعظیم اور اُن کی زیارت پر معاوضہ کا بیان۔

(۶) فقہ شہنشاہ وانّ القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ (۱۳۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شہنشاہ کہنا جائز ہے نیز اس بات کا ثبوت کہ محبوبانِ خدا کو بعطاء الٰہی دلوں کا مالک کہنا درست ہے۔

(۷) نقاء السّلافۃ فی احکام البیعۃ والخلافۃ (۱۳۱۹ھ)

بیعت وخلافت اور سجادہ نشینی کے احکام کا بیان۔

(۸) مقال العرفاء باعزاز شرعٍ وعلماء (۱۳۲۷ھ)

علم وعلماء شریعت کی فضیلت کا بیان اور شریعت وطریقت کے بارے میں ایک شخص کے دس اقوال شنیعہ کا رَدِّ بلیغ۔

(۹) الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ (۱۳۰۹ھ)

تصور شیخ اور شغل برزخ کے اثبات پر دلائل وبراہین۔

ان میں سے مقدم الذکر تین رسالے پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل تھے جبکہ باقی چھ رسائل اب شامل کئے گئے ہیں۔ رسالہ نقاء السلافہ مطبوعہ ڈسکہ کے ساتھ ایک مسئلہ منسک تھا جو فتاوٰی افریقہ سے ماخوذ ہے اس کو بھی اس جلد میں شامل کردیا گیا جو پیش نظر جلد کے صفحہ ۴۹۶ پر مسئلہ نمبر ۱۸۵ کے عنوان سے مذکور ہے۔

ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

مئی ۲۰۰۲ — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فہرست مضامین مفصّل

دارالاسلام میں جب تک کوئی حکم اسلامی موجود ہو تو وہ دار حرب نہ ہوگا اگرچہ مسلمانوں کی غلبہ ختم ہوگیا ہو۔	۲۹۲	ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ چندہ جمع کرنا اور اس کو رفاہ عام مسلمان کرنا مثلاً مرمتِ مسجد اور لاوارث مسلمانوں کی تجہیز و تکفین وغیرہ ممنوع ہے یا نہیں۔	۲۹۶
ہجرت کرنا دارِ کفر سے فرض ہے نہ کہ دارِ اسلام ہے۔	۲۹۲	مدینہ منورہ تمام شہروں سے افضل ہے۔	۲۹۷
ہجرت خاصہ اور ہجرت عامہ میں فرق۔	۲۹۲	مجاورتِ مدینہ منورہ ہمارے ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے۔	۲۹۷
جس نے قصداً کلمہ کفر کہا یا اللہ تعالٰی و رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی گستاخی کی تو وہ کافر ہوگیا اور اس کی بیوی نکاح سے نکل گئی، پھر اگر مسلمان ہو اور توبہ کرے تو عورت کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے یا بعد عدّت کسی اور سے کرے۔	۲۹۴	خلافت اسلامیہ و ہجرت عن الہند کے بارے میں مولانا عبد الباری اور ابو الکلام کی تحریک سے متعلق سوال۔	۲۹۸
عالم ہونے کی وجہ سے عالم دین کو برا کہنا کفر ہے اور بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۲۹۴	زبردستی نماز پڑھنے کو کہا اس نے انکار کردیا تو کیا حکم ہے۔	۲۹۸
بدمذہب و گمراہ اگرچہ عالم کہلاتا ہو اس کو برا کہا جائے گا مگر اسی قدر جتنے کا وہ مستحق ہے۔	۲۹۴	ذابح البقر کی بخشش ہوگی یا نہیں۔	۲۹۹
ہندو پنڈت سے ماتھے پر قشقہ (ٹیکہ) لگوانا کیسا ہے۔	۲۹۴	کالی بھوانی اور شیخ سدّو سے امداد طلب کرنا کیسا ہے۔	۲۹۹
ہندوؤں کے ساتھ غول باندھ کر گاتے بجاتے رامائن وغیرہ کتابوں کو بادب واحترام ساتھ لے کر ان کی مجلس تک مسلمان بھی گئے ان کا یہ عمل کیسا ہے۔	۲۹۵	٥ رسالہ **برکات الامداد لاھل الاستمداد** (محبوبانِ خدا سے مدد طلب کرنے کا ثبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں)	۳۰۱
قرآن مجید کا رامائن اور بائیبل کے ساتھ ملا کر ہندوؤں کے ساتھ پوجا کیا جانا اور مندر میں لے جانا اور اس اہتمام میں مسلمانوں کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں۔	۲۹۶	وہابیوں کے استعانت سے متعلق عقیدے اور اس پر بزعم خویش آیات قرآنیہ، قول سعدی، قول نظامی گنجوی او راقوال صوفیا علیہم الرحمہ سے استدلال کے بارے میں استفتاء۔	۳۰۱

حدیث۱۶و۱۷و۱۸	۴۳۱	جن پانچ بتوں یعنی وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کا ذکر سورہ نوح میں ہے یہ پانچ بندگان صالحین تھے۔	۴۳۳
حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا ایک واقعہ۔	۴۳۲	حدیث ۲۲	۴۳۴
حدیث۱۹	۴۳۲	فتح مکہ کے موقع پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کعبہ میں داخل ہونے اور تصاویر واصنام سے کعبہ کو پاک کرنے کا واقعہ۔	۴۳۴
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس چیز میں تصویر دیکھتے اسے توڑے بغیر نہ چھوڑتے۔	۴۳۲	حدیث ۲۳تا۲۵	۴۳۶
حدیث۲۰	۴۳۲	فتح مکہ کے روز حضور علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی تطہیر کا حکم دیا تو آپ نے اور دیگر صحابہ نے زمزم کے پانی سے کعبہ کو اندر باہر سے دھویا اور چادریں بھگو بھگو کر تصاویر کو مٹایا۔	۴۳۷
تصویریں مٹانے اور حدِ شرع سے بلند قبروں کو پست کرنے کا حکم۔	۴۳۲	حضرت اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پانی کا ڈول منگوا کر دو تصویروں کو مٹانے میں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شرکت فرمائی۔	۴۳۷
بلندی قبر کی حدِ شرع ایک بالشت ہے۔	۴۳۲	حدیث۲۶۔	۴۳۷
حدیث۲۱	۴۳۳	بعض امہات المومنین کی طرف سے ماریہ نامی گرجے کا ذکر بارگاہ رسالت میں کرنا اور آپ کا اس پر ردِّ عمل کر اظہار فرمانا۔	۴۳۸
بتوں کو توڑنے اور تصویروں کو مٹانے کا حکم۔	۴۳۳	حدیث۲۷	۴۳۸
معظمین کی تصاویر کو مٹانے والے حکم سے مستثنٰی ماننا باطل ہے۔	۴۳۳	جب امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ شام تشریف لے گئے ایک زمیندار نے آپ کو دعوت پر بلایا تو آپ نے فرمایا ہم ان کنیسوں میں داخل نہیں ہوتے جن میں تصویریں ہوں۔	۴۳۸
شرع مطہر میں زیادہ شدتِ عذاب تعظیم تصاویر پر ہی آئی ہے۔	۴۳۳	ذی روح کی تصویر بنانا حرام، اس پر ثواب کی نیت جہالت ہے۔	۴۳۹
ابتدائے بت پرستی تعظیم تصاویر معظمین سے ہوئی۔	۴۳۳	تصاویر ذوی الارواح کو نظر عوام وجہال سے بچا کر بیابان جنگل میں دفن کردینا چاہیے۔	۴۳۹

عیسائیوں کے ساتھ مل کر کھانا پینا اور اس قسم کے دوسرے کام کرنا کج فطرت اور فتنہ باز لوگوں کا شعار ہوتا ہے۔	۶۱۵	مسلمان نے بکری ذبح کی، اپنے ہاتھ سے پکایا، اس کو انگریز نے اپنے سامنے رکھ کر چھری اور کانٹے سے کاٹا، اس کا ہاتھ نہ لگا، کوئی مسلمان شخص غفلت سے اس کو کھالے تو کیا حکم ہے۔	۶۱۹
عہدہ امامت ان لوگوں کو نہیں دینا چاہیے جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔	۶۱۵	اصل اشیاء میں طہارت وحلت ہے جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس میں نجس وحرام چیز ملی ہے محض شبہ پر نجس وحرام نہیں کہہ سکتے۔	۶۲۰
حرامزادے، جذامی اور کوڑھ کے مریض کو امام بنانا کیوں ناجائز ہے۔	۶۱۵	کنوؤں، تالابوں اور راستوں میں رکھے ہوئے گھڑوں کا حکم۔	۶۲۰
کافروں کو کھلانے کے لئے مسلمانوں کو حرام چیزیں پکانا یقینا ناجائز و حرام ہے۔	۶۱۵	مشرکین و کفار اور جاہل مسلمانوں کی تیار کردہ اشیاء خورد ونوش کیسی ہیں۔	۶۲۰
ہندو کی دعوت پر اس کی بیٹی کی شادی کا کھانا مسلمانوں نے خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرواکر کھایا تو یہ نامناسب وبے جاحرکت ہے۔	۶۱۷	مشتبہ اشیاء میں احتیاط بہتر ہے۔	۶۲۰
حرام اور ناپاک پیشہ کرنے والوں کا مال خبیث ہے۔	۶۱۷	سینگ ہر جانور کا یہاں تک کہ مردار کا بھی پاک ہے اس کی مسواک جائز ہے۔	۶۲۰
کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور پچھنے لگانے والے کی کمائی خبیث ہے۔	۶۱۷	خنزیر کے بالوں سے بنا ہوا برش نجس ہے۔	۶۲۱
خنزیر خوروں کی کمائی اخبث ہے۔	۶۱۷	سنت مسواک چھوڑ کر نصرانیوں کا برش اختیار کرنا جہالت اور مرض قلب کی دلیل ہے۔	۶۲۱
علاقے کی عادت خضاب وعدم خضاب سے خروج مکروہ ہے۔	۶۱۷	کسی کافر یا غیر مسلم انگریز کے ساتھ کھانے یا اس کا جھوٹا کھانے سے احتراز ضروری ہے۔	۶۲۱
افراط و تفریط دونوں ہی برے ہیں۔	۶۱۹	مسلمانوں کے مذہب میں چھوت نہیں۔	۶۲۲
انگریزوں کے ملک سے بند ڈبوں میں آنے والا دودھ اور مکھن کیسا ہے نیز دانت صاف کرنے والے برش کا کیا حکم ہے۔	۶۱۹	کمہار ہندو اور عام اہل ہنود کی طرف سے بطور ہدیہ یا بطور رسم کچھ بھیجیں تو اس کا لینا اور اس کا کھانا کیسا ہے۔	۶۲۲
		حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسرٰی ایران، بادشاہ فدک اور قیصر روم کے ہدیے قبول فرمائے۔	۶۲۲

خاکروب مسلمان ہوتے ہی غسل کرکے پاک صاف ہوجائے تو اس کے ساتھ کھاناپینا جائز ہے۔	۱۷۲	سبیل اور کھانا، چائے، بسکٹ وغیرہ جو رافضیوں کے مجمع کے لئے کئے جائیں ناجائز وگناہ ہیں، ان میں چندہ دینا گناہ اور اس میں شامل ہونے والوں کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔	۲۴۶
نومسلم خاکروب کے ساتھ کھانا کھانے والے مسلمان کی ہنسی اڑانے والا گنہگار ہے۔	۱۷۴		

فہرست ضمنی مسائل

منبع ودریااور شریعت وطریقت میں کئی وجوہ سے فرق ہے۔	۵۲۵	انسان اور چوپائے میں علم ہی کافرق ہے۔	۵۳۴
ابلیس فانوسِ شریعت کو بجھانے کے لئے کئی حیلوں اور بہانوں سے بندے کو دھوکا دیتاہے۔	۵۲۶	اولیاء طریقت مجتہدین شریعت کے مانند ہوتے ہیں۔	۵۷۵
خلیفہ ووارث میں فرق ہے آدمی کی تمام اولاد اس کی وارث ہے مگر جانشین ہونے کی لیاقت ہر ایک میں نہیں۔	۵۳۲		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحظروالاباحة

(ممنوع اور مباح کاموں کا تفصیل بیان)

اعتقادات وسیر

ایمان، کفر، شرک، تقدیر، ردت، ہجرت، سنیت، گناہ، توبہ وغیرہا سے متعلق مسائل

مسئلہ ۱: ۱۹رجب ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک برات میں کچھ لوگ جمع تھے، ان میں ایک جذامی تھا، لوگوں نے اس کے ساتھ کھانا پسند نہ کیا۔ ایک شخص مصر ہوا، جب بحث بڑھی تو براتیوں نے اس سے کہا واسطے خدا اور رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس وقت اسے علیحدہ کردو اور صاحب مکان کا کھانا خراب نہ کرو۔ وہ بولا ہم خدا اور رسول کو نہیں جانتے۔ اس وقت سب نے کہا یہ شخص کلمہ کفر بولا جذامی کے ساتھ اسے بھی الگ کردیا اور اپنے جلسہ سے نکال دیا چند شخص اور بھی اس کے شریک ہو کر چلے گئے اس صورت میں اس شخص اور اس کے شریکوں کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ)

الجواب:

ہرچند جذامی کے ساتھ کھانا جائز ہے بلکہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجذوم کو اپنے ساتھ کھلایا اور فرمایا:

کل معی بسم اللہ ثقة باللہ وتوکلا علی اللہ۔ رواہ	میرے ساتھ ہو کر اللہ تعالٰی کا نام لے کر کھائیے اللہ تعالٰی پر اعتماد اور اس پر بھروسا رکھتے ہوئے

ابوداؤد والترمذی[1] وابن ماجه بسند حسن وابن حبان والحاکم وصححاه۔	ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اچھی سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر بقصد تواضع وتوکل واتباع ہو تو ثواب پائے گا۔

اخرج الطحطاوی عن ابی ذر رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل مع صاحب البلاء تواضعا لربك وایمانا[2]۔	امام طحطاوی نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے تخریج فرمائی کہ صاحب مصیبت کے ساتھ کھاؤ اپنے پروردگار کے لئے عجز وانکساری کرتے ہوئے اور اس پر یقین رکھتے ہوئے (ت)

مگر خواہی نخواہی اس کے ساتھ کھانا ضرور بھی نہیں بلکہ جس کی نظر اسباب پر مقتصر ہو اور خدا پر سچا توکل نہ رکھتا ہو اس کے حق میں بچنا ہی مناسب ہے نہ یہ سمجھ کر کہ بیماری اڑ کر لگ جاتی ہے۔ کہ یہ خیال تو باطل محض ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں اسے رد فرمایا:

قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاعدوٰی، اخرجه احمد والشیخان[3] وابوداؤد عن ابی ہریرۃ واحمد بن مسلم عن جابر بن عبدالله وعن السائب عن زید رضی الله تعالٰی عنهم قال صلی الله تعالٰی علیه سلم فمن اعدی	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مرض میں تعدیہ نہیں۔ امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے اس کی تخریج فرمائی، مسند احمد اور مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت فرمائی اور حضرت سائب بن یزید سے بھی (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو)

---

[1] جامع الترمذی کتاب الاطعمة باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم امین کمپنی دہلی ۲ /۴، سنن ابی داؤد کتاب الکہانۃ والطہر آفتاب عالم پریس لاہور ۳ /۱۹۱، سنن ابن ماجه ابواب الطب باب الجذام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۶۱

[2] شرح معانی الآثار لطحطاوی الکراہیة باب الاجتناب من ذی داء الطاعون الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۴۱۷

[3] صحیح البخاری کتاب الطب باب لجذام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۵۸۰، صحیح مسلم کتاب السلام باب لاعدوی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۰

الاول اخرجه الشیخان[1] وابوداؤد عن ابی ہریرۃ ایضا رضی الله تعالٰی عنه۔	حضور اقدس نے ارشاد فرمایا پہلے اونٹ میں تعدیہ مرض کیسے ہوا۔ بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسکی تخریج فرمائی۔ (ت)

بلکہ اس نظر سے کہ شائد قضائے الٰہی کے مطابق کچھ واقع ہو اور اس وقت شیطان کے بہکانے سے یہ سمجھ میں آیا کہ فلاں فعل سے ایسا ہوگیا ورنہ نہ ہوتا تو اس میں دین کا نقصان ہوگا۔

فان "لو" تفتح عمل الشیطان قاله النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	لوگو! حرف "لو" سے بچوں کیونکہ یہ شیطان کاموں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ (ت)

غرض قوی الایمان کو توکلا علی اللہ اس سے مخالطت میں کچھ نقصان نہیں، اور ضعیف الاعتقاد کے حق میں اپنے دین کی احتیاط کو احتراز بہتر، ولہٰذا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فر من المجذوم کما تفر من الاسد، اخرجه البخاری[2] عن ابی هریرۃ رضی الله تعالٰی عنه۔	کوڑھے سے اسی طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو، امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ کے حوالہ سے اس کی تخریج فرمائی۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

اتقوا صاحب الجذام کما یتقی السبع اذا هبط وادیا فاهبطوا غیره رواه ابن سعد فی الطبقات[3] عن عبدالله بن جعفر رضی الله تعالٰی عنهما۔	کوڑھ کے مریض سے اسی طرح بچوں جس طرح موذی درندے سے بچاء کیا جاتا ہے۔ جب وہ کسی وادی میں اترے تو تم کسی دوسری میں اتر جاؤ، ابن سعد نے طبقات میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ (ت)

نیز حدیث میں ہے:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب لاعدوٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۵۹، صحیح مسلم کتاب السلام باب لاعدوٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب الجذام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۵۰

[3] طبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ عبداللہ ابن جعفر دار صادر بیروت ۴ /۱۱۷

کلم المجذوم وبینك وبینه قدر رمح اور محین، رواہ ابن السنی[1] وابونعیم فی الطب النبوی عن عبداللہ بن اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	کوڑھی سے اس حالت میں بات کرو کہ تمھارے اور اس کے درمیان ایک دونیزے کی مسافت کی مقدار ہو، محدث ابن سنی اور ابونعیم نے طب نبوی میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰی کے حوالے سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسے روایت کیا ہے۔(ت)

بہر حال برات والوں کا انکار بے جانہ تھا اور اس شخص کا اصرار محض ناحق۔ پھر جب انھوں نے خدا کا واسطہ دیا اس پر بلاوجہ نہ ماننا گناہ ہوا، حدیث میں ہے:

ملعون من سئل بوجه اللہ ثم منع سائله مالم یسئل هجرا اخرجه الطبرانی[2] فی الکبیر بسند حسن عن ابی موسٰی الاشعری عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	وہ شخص ملعون ہے کہ جس سے خدا کے نام پر کچھ مانگا جائے تو وہ سائل کو کچھ نہ دے بشرطیکہ وہ کسی کو چھوڑنے کا سوال نہ کرے۔امام طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابوموسٰی اشعری کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تخریج فرمائی۔(ت)

یہاں تک تو حماقت یا گناہ ہی تھا اس کے بعد وہ لفظ جو اس نے کہا کہ ہم خدا اور رسول کو نہیں مانتے یہ صریح کلمہ کفر ہے۔والعیاذ باللہ تعالٰی،اس شخص پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور از سر نو مسلمان ہو،اور اگر عورت رکھتا ہے تو نئے سرے سے نکاح چاہئے۔اور جس طرح وہ کلمہ مجمع میں کہا تھا توبہ بھی مجمع میں کرے،اگر نہ مانے تو مسلمان ضرور اسے اپنے گروہ سے نکال دیں،نہ اپنے پاس بٹھائیں نہ اس کے پاس بیٹھیں نہ اس کے معاملات میں شریک ہوں،نہ اپنی تقریبوں میں اسے شریک کریں۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

"وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّكَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[3]۔	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔(ت)

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن السنی وابی نعیم فی الطب حدیث ۲۸۳۲۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۵۴

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الزکوٰۃ باب فیمن سأل بوجہ اللہ ۳/ ۱۰۳،الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی کتاب الصدقات ۱/ ۶۰۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اور جو لوگ اس کا ساتھ دے کر اٹھ گئے وہ بھی سخت گنہ گار ہوئے ان پر بھی توبہ واجب اگر نہ کریں تو مسلمانوں کو ان سے بھی جدائی مناسب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیاز اگرچہ حرام مال پر دیتا ہے مگر پھر بھی حضور قبول فرمالیتے ہیں، جیسے کسی امیر کا لڑکا پیدا ہو تو بھاٹ بھکاری وغیرہ جو گھاس کا پودا یا اور کچھ ڈھوئی کے لے جاتے ہیں وہ اسے خوشی سے قبول کرلیتا ہے اسی طرح سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی قبول فرمالیتے ہیں۔ اور کہتا ہے میں نے بعض کتابوں میں بھی ایسا لکھا دیکھا ہے۔ آیا یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

یہ قول اس کا غلط صریح و باطل قبیح اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء فضیح ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار [1]۔	(نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:) جو مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (ت)

زنہار مال حرام قابل قبول نہیں، نہ اسے راہ خدا میں صرف کرنا روا۔ نہ اس پر ثواب ہے بلکہ نرا وبال ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ" [2]	اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزیں ہماری راہ میں خرچ کرو۔

پھر فرماتا ہے:

"وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ" [3]	اور خبیث چیزوں کا قصد نہ کیا کرو کہ اس میں سے ہماری راہ میں اٹھاؤ۔

اور فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝" [4]	خدا قبول نہیں کرتا مگر پرہیزگاروں سے۔

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۷

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲۷

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ خزیمہ اپنی صحاح میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تصدق بعدل تمرۃ من کسب طیب و لایقبل اللہ الا الطیب فان اللہ یقبلھا بیمینه [1] الحدیث۔ وفی روایۃ ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنه ان اللہ طیب لا یقبل الاالطیب [2]۔واخرج الامام احمد و غیرہ عن عبد اللہ بن مسعود رحمه اللہ تعالٰی قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لایکسب عبد ما لامن حرام فیتصدق به فیقبل منه ولا ینفق منه فیبارك له فیه ولایترك خلف ظهرہ والا کان زادہ الی النار ان اللہ لایمحوا السیّئ بالسیّئ ولکن یمحوا السیّئ بالحسن ان الخبیث لا یمحو الخبیث [3] اختصرته من حدیث وقد حسنه بعض العلماء۔ واخرج الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	جو ایک کھجور کے برابر پاک کمائی سے تصدق کرے اور اللہ تعالٰی نہیں قبول فرماتا مگر پاک کو تو حق جلا وعلا سے اپنے یمین قدرت سے قبول فرماتا ہے۔الحدیث۔ یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک اللہ پاک ہے پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔(امام احمد وغیرہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی کہ انھوں نے فرمایا) یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ نہ ہوگا کہ بندہ حرام کما کر اس سے تصدق کرے اور وہ قبول کرلیا جائے گا اور نہ یہ کہ سے اپنے صرف میں لائے تو اس کے لئے اس میں برکت دیں اور نہ اسے اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا مگر یہ کہ وہ اس کا توشہ ہوگا جہنم کی طرف، بیشک اللہ تعالٰی برائی سے برائی کو نہیں مٹاتا، ہاں بھلائی سے برائی کو مٹاتا ہے بیشک خبیث خبیث کو نہ مٹائے گا، (یہ حدیث سے مختصراً بیان کیا ہے اور بعض علماء نے اسے حسن کہا۔ت) (حاکم نے عبداللہ ابن عباس (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) کے حوالے سے تخریج کی کہ

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ من کسب طیب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۹

[2] اسنن الکبرٰی کتاب صلوٰۃ الاستسقاء ۳/ ۳۴۶ و صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن مسعود دار الفکر بیروت ۱/ ۳۸۷

علیه وسلم لایغبطن جامع المال من غیر حله اوقال من غیر حقه فانه ان تصدق لم یقبل منه ومابقی کان زاده الی النار [1] قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یصب ففیه حنش متروك لکن له شاهد عند البیهقی عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔	انھوں نے فرمایا) یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے جو غیر حلال سے جمع کرے اس پر کوئی رشک نہ کی جائے اگر وہ اس سے خیرات کرے گا تو قبول نہ ہوگی اور جو بچ رہے گا وہ اس کا توشہ ہوگا جہنم کی طرف۔ (حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن اس نے ٹھیک نہیں کہا کیونکہ اس میں حنش نامی راوی متروک ہے لیکن امام بیہقی کے نزدیک اس کے لئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے شاہد موجود ہے۔ت)
واخرج ابن خزیمة وابن حبان فی صحیحهما و الحاکم فی المستدرك من طریق دراج عن ابی حجیرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من جمع مالا حراما ثم تصدق به لم یکن له فیه اجر وکان اصره علیه [2]۔	(ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں تخریج کی اور حاکم نے مستدرک میں دراج کے طریقے سے ابوحجیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے فرمایا۔ت) یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو حرام مال جمع کرے پھر اسے خیرات میں دے اس کے لئے ثواب کچھ نہ ہوگا اور اس کا وبال اس پر ہوگا۔
اخرجه الطبرانی من ابی الطفیل رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه سلم من کسب مالا من حرام فاعتق منه ووصل منه رحمه کان ذٰلك اصره علیه [3]۔	(امام طبرانی نے ابوالطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے تخریج فرمائی کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت ہے۔ (ت) یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو حرام مال کھائے پس اس میں سے غلام آزاد کرے اور صلہ رحم کرے تو یہ بھی اس پر وبال ٹھہرے۔

[1] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۵

[2] المستدرك للحاکم کتاب الزکوٰۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۹۰

[3] کنز العمال بحوالہ طب عن ابی الطفیل حدیث ۹۲۷۰ موسسة الرسالة بیروت ۴/ ۱۵

واخرج ابوداؤد فی المراسیل عن القاسم عن مخیمرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکتسب مالا من ماثم فوصلی بہ رحما اوتصدق بہ اوانفقہ فی سبیل اللہ جمع ذٰلك جمیعا فقذف بہ فی جھنم [1]۔	(ابوداؤد نے مراسیل میں بواسطہ قاسم عن مخیمرۃ سے تخریج کی کہ انھوں نے فرمایا۔ت) یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو گناہ کی وجہ سے مال کما کر اس سے صلہ رحم یا تصدق یا راہ خدا میں خرچ کرے یہ سب جمع کرکے اسے جہنم میں پھینک دیا جائے۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔

سبحٰن اللہ ! مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تو یہ قاہر تصریحیں،اور بیباک لوگ حضور پر تہمت رکھیں کہ ناپاک مال بھی سرکار میں قبول ہوجاتا ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اے عزیز ! جو چیز خدا کی بارگاہ سے مردود اور اس کی ناراضی سے آلودہ ہے کیونکر ممکن کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں رضا و قبول سے مشرف ہو بلکہ درحقیقت زید کی یہ جرأت سرکار رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ میں گستاخی واہانت کہ معاذاللہ انھیں ناپاک چیزوں کا پسند و قبول کرنے والا بتاتا ہے۔ ہیہات ہیہات واللہ وہ تمام عالم سے زیادہ ستھرے ہیں اور ستھروں کے لائق نہیں مگر ستھری چیز، گندی چیزیں گندوں کے سزاوار ہیں،

قال اللہ تعالٰی عزوجل: "اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ" [2]۔	گندیاں گندوں کے لئے اور گندے گندیوں کو اور ستھریاں ستھروں کو اور ستھرے ستھریوں کو وہ بری ہیں ان باتوں سے جو لوگ کہتے ہیں۔

انھیں میں یہ بات بھی ہے کہ وہاں ناپاک مال مقبول ہو۔وہ طیب طاہر اس خبیث قول سے بری ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور گھاس کے سیٹھی وغیرہ کی مثال محض حماقت کہ مباح و حرام میں کیا مناسبت، لہٰذا امرائے دنیا بہتیرے خون آلودہ ہزاراں خباثات ہوتے ہیں انھیں تاجدار یطھرکم تطھیرا سے کیا نسبت۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ٹھیک مثال یوں ہے کہ جشن سلطانی میں کوئی احمق بیباک نذر شاہی کو پیشاب کا قارورہ لے جائے پھر دیکھے کہ مقبول ہوتا ہے یا اس مردک کے منہ پر مارا جاتا ہے۔اور وہ جو علماء فرماتے ہیں کہ جس کے پاس مال حرام ہو اور مالک معلوم

[1] کتاب المراسیل باب الزکوٰۃ الفطر حدیث ۱۱۷ المکتبۃ القاسمیہ فیصل آباد ص ۱۷

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

نہ رہیں یا بے وارث مر جائیں تو ان کی طرف سے تصدق کر دے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ صدقہ مقبولہ ہے یا ارادہ خود میں صرف کرنا ٹھہرے گا یا اس پر انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب پائے گا بلکہ وجہ یہ ہے کہ جب اس میں تصرف حرام ہو اور مالک تک پہنچا نہیں سکتا ناچار اس کی نیت سے فقیر کو دے دے کہ اللہ جلالہ، کے پاس امانت رہے اور وہ روز قیامت مالک کو پہنچادے۔

فی اخر متفرقات الغصب من الهندية عن الغاية رجل له خصم فمات ولاوارث له يتصدق عن صاحب الحق الميت بمقدار ذٰلك ليكون وديعة عندالله تعالٰی فيوصل الی خصمائه يوم القيمة[1]۔	فتاوٰی ہندیہ میں متفرق مسائل غصب کے آخر میں الغایہ سے منقول ہے ایک شخص کا فریق مخالف مر گیا کہ جس کا کوئی وارث نہیں، یہ شخص صاحب حق میت کی طرف سے (جتنا مال میت کا اس کے پاس موجود ہے) اتنی مقدار خیرات کر دے تاکہ یہ خیرات کردہ مال اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں بطور امانت رہے تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی اس کے مخالف تمام مدعیوں کو وہ مال پہنچادے۔ (ت)

بالجملہ زید کی جہالت وضلالت میں شک نہیں اور اس کا دعوی کہ میں نے بعض کتابوں میں ایسا ہی دیکھا ہے۔ یا تو محض حکایت بے محکی عنہ ہے یا کسی ایسے ہی سفیہ جاہل خواہ ضال مضل نے کہیں لکھ دیا ہوگا اور اگر فقہائے کرام کے ارشاد سنئے، تو زید کے لئے حکم نہایت سخت وجگر شگاف نکلتا ہے۔ اس کا کہنا کہ حضور میں یہ نیاز قبول ہوتی ہے بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ حق سبحانہ وتعالٰی اس پر ثواب دیتا ہے کہ نیاز کا حاصل نہیں مگر یہ کہ لوجہ اللہ تصدق کریں اور اس کا ثواب کسی محبوب خدا کی نذر ہو ورنہ یہ عین طعام ولباس وہاں نہیں پہنچتے۔

نظیر ذٰلك قوله تعالٰی "لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُہَا وَ لَا دِمَآؤُہَا وَ لٰکِنۡ یَّنَالُہُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ ؕ"[2]	اس کی مثال اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اللہ تعالٰی کی بارگاہ تک قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمھارا تقوٰی پہنچتا ہے۔ (ت)

خود قربات وطاعات میں قبول ووصول ثواب کا ایک حاصل۔ ردالمحتار میں ہے:

القبول ترتب الغرض المطلوب من الشیئ	قبول کہتے ہیں کسی شے کی غرض مطلوب کا کسی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب باب المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۷

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۷

علی شیئ کترتب الثواب علی الطاعۃ[1]۔	شے پر مرتب ہونا جیسے ثواب کا عبادات پر مرتب ہونا۔(ت)

اسی میں ہے:

معنی الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد تردعدم اثابۃ العبد علیہا[2] الخ۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات اقدس پر صلٰوۃ کے مردود ہونیکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بندے کو ثواب نہیں پہنچتا (یعنی اس نے درود تو بھیجا مگر اس کو نفع یعنی ثواب نہ ہوا۔) (ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

قال المتکلمون کل عمل یقبلہ اللہ تعالٰی فھو یثیب صاحبہا ویرضاہ عنہ واللذی لایثیبہ علیہ ولایرضاہ منہ فھو المردود[3]۔	متکلمین نے فرمایا کہ جس عمل کو اللہ تعالٰی قبول فرمائے تو اس کا ثواب اس کے صاحب تک پہنچا دیتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے اور جس کا ثواب اسے نہ پہنچائے اور اس سے راضی نہ ہو تو وہ مردود ہے۔(ت)

تو صاف ثابت کہ زید کے نزدیک مال حرام سے تصدق پر بھی استحقاق ثواب ہے اور علماء فرماتے ہیں جو حرام مال سے تصدق کرکے اس پر ثواب کی امید رکھے کافر ہوجائے، خلاصہ میں ہے:

رجل تصدق من الحرام ویرجوا الثواب یکفر[4] الخ۔	کسی شخص نے حرام مال سے صدقہ کیا اور اس پر ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ کافر ہوجائے گا۔الخ(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لوتصدق علی فقیر شیئامن المال الحرام و	اگر فقیر پر حرام مال میں سے کچھ صدقہ کیا اور ثواب

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صفۃ الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صفۃ الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۴۹

[3] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر)

[4] خلاصہ الفتاوٰی کتاب الکراھیۃ الجنس السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۳۸۷

یرجوا الثواب یکفر [1] الخ۔	کی امید رکھتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔الخ (ت)

زید پر فرض ہے کہ ایسے خرافات سے توبہ کرے اور اسے از سر نو کلمہ اسلام پڑھنا اور اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرنا چاہئے۔

نظرا الی ماقالہ الفقہاء کما یظھر بمراجعۃ الدر المختار وغیرہ من الاسفار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اس بات پر نظر رکھتے ہوئے کہ جو کچھ فقہاء کرام نے ارشاد فرمایا جیسا کہ درمختار وغیرہ بڑی کتابوں کی طرف مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے، اللہ تعالٰی پاک وبرتر۔سب سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اس بزرگی والے کا علم زیادہ کامل اور زیادہ پختہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۳: ۴رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو عارضہ جذام کی ابتداء ہے اس کے بھائی بند اور اولاد نے اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیا ہے اور اس سے کہتے ہیں کہ تجھ سے تیری زوجہ بھی بلاطلاق علیحدہ ہو سکتی ہے، ایسی حالت میں جو حکم شرع مطہرہ میں ایسے مریض کے واسطے ہو بیان فرمائیں، اللہ تعالٰی اجر دے گا۔(ت)

الجواب:

فی الواقع ضعیف الاعتقاد لوگ جنھیں خدائے تعالٰی پر سچا توکل نہ ہو اور وہمی خیالات رکھتے ہوں انھیں جذامی کے ساتھ کھانے پینے سے بچنا چاہئے۔نہ اس خیال سے کہ اس کے ساتھ کھانے کی تاثیر سے دوسرا شخص بیمار ہو جاتا ہے۔یہ خیال محض غلط ہے تقدیر الٰہی میں جو کچھ لکھا ہے ضرور ہوگا اور جو نہیں لکھا ہے ہرگز نہ ہوگا اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ یوں کہیں:

"لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ہُوَ مَوۡلٰىنَا ۚ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾" [2]۔	ہمیں ہرگز نہ پہنچے گی مگر وہ بات جو الہ تعالٰی نے ہمارے لئے لکھ دی، وہ ہمارا مولٰی ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۷۲

[2] القرآن الکریم ۹ /۵۱

خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک جذامی کو اپنے ساتھ کھلایا بلکہ یہ لحاظ کرے کہ اس کے ساتھ کھایا پیا اور معاذاللہ شاید حسب تقدیر الٰہی کچھ واقع ہوا، تو شیطان دل میں ڈالے گا کہ اس فعل نے ایسا کیا ورنہ نہ ہوتا، اس شیطانی خیال سے بچنے کے لئے اس سے احتراز کرے اس لئے حدیث میں حکم ہے کہ: "جذامی سے بچو جیسا کہ شیر سے بچتے ہیں[1] اگر وہ ایک نالے میں اترے تم دوسرے نالے میں اترو[2]"۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ: "جذامی سے نیزہ دو نیزہ کے فاصلہ سے بات کرو"[3]۔

والعیاذ باللہ رب العالمین، یہ اسی کے لئے ہے جسے واقعی جذام ہو نہ یہ کہ خون میں صرف قدرے جوش کی کچھ علامت سی پاکر اسے دور دور کرنے لگیں کہ یہ تو ناحق مسلمان کا دل دکھانا ہے۔ خصوصا بھائی بند اولاد کا ایسا کرنا کس قدر خداترسی وانسانیت سے بعید ہے۔ اللہ تعالٰی کی پناہ مانگیں کیا وہ ان کو مبتلا نہیں کرسکتا والعیاذ باللہ رب العلمین اس طرح کے جوش کی علامت معاذاللہ بعض اوقات بے مرض جذام بھی خون کی حدت وغیرہ سے پیدا ہوجاتی ہے اور باذن الٰہی مصفیات وغیرہا کے استعمال سے جاتی رہتی ہے، اللہ تعالٰی اپنے بلاؤں سے پناہ عطا فرمائے آمین، اور لوگوں کا یہ کہنا کہ تیری زوجہ بلاطلاق علیحدہ ہوسکتی ہے اگر اس سے یہ مقصود کہ بے طلاق اس کے نکاح سے نکل سکتی ہے تو محض خطا ہے، ہمارے مذہب میں جب تک یہ طلاق نہ دے گا وہ ہرگز اس کے نکاح سے باہر نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

لایتجرا حد الزوجین بعیب الاٰخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن[4] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے میں عیب پائے جانے کی وجہ سے خواہ عیب حد سے بھی زیادہ ہو جدائی کا حق نہیں رکھتا، عیب سے مراد دیوانگی، کوڑھ، برص (پھلبہری)، رتق (مقام ستر کا جڑ جانا) قرن (وہاں ہڈی نکل آنا) اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۴: کیا فرماتے ہیں دین اس مسئلہ میں کہ ایک بھنگی نے کسی برتن میں مردار بکری کی چربی رکھی تھی وہ برتن کتا اس کے یہاں سے لاکر ایک مسلمان عورت کے دروازہ پر ڈال دیا گیا وہ عورت جب باہر کے لوٹے میں چربی دیکھ کر گھر میں لے گئی اور تھوڑی سی چربی اپنے بالوں میں لگائی جس شخص نے

---

[1] کنز العمال حدیث ۲۸۳۳۱ ۱۰/ ۵۴

[2] کنز العمال حدیث ۲۸۳۳۱ ۱۰/ ۵۴

[3] کنز العمال حدیث ۲۸۳۲۹ ۱۰/ ۵۴

[4] درمختار کتاب الطلاق کتاب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۴-۵۵

اسے لوٹا لے جاتے دیکھا تھا اس نے مطعون کیا کہ اس نے سور کی چربی استعمال کی۔ یہ سن کر زید اس کے یہاں گیا اور کہا تیرے ایمان میں فرق آگیا تو پھر مسلمان ہو، اسے مسلمان کیا، بعدہ، کہا ہمارا حق مسلمان کرنے کا پانچ روپیہ دے، وہ بیچاری اپنی محتاجی کا عذر بھی کرتی رہی، آخر سوا روپیہ لے کر چھوڑا۔ اور جس نے لوٹا لے جاتے دیکھا تھا اسے بھی دبایا کہ تو نے منع کیوں نہ کیا چار آنہ اس سے لیے۔ یہ ڈیڑھ روپیہ زید کے لئے حلال تھا یا حرام؟ اور وہ عورت اس صورت میں مسلمان رہی تھی یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ت) فقط

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ عورت گنہگار تو بیشک ہوئی کہ اگر جانتی تھی کہ اس میں مردار کی چربی ہے پھر بالوں میں لگائی تو یہ گناہ، اور اگر نہ جانتی تھی تو بزعم خود پرایا مال بے مشہور کے اپنے تصرف میں لانے کی مجرم ہوئی، بہر حال اس کی معصیت میں شک نہیں مگر معاذ اللہ اتنی بات پر کافرہ نہیں ہوسکتی تجدید کلمہ اسلام بہتر ہے مگر اس فعل کے باعث اس کی حاجت نہ تھی، تو زید اس وجہ سے اس عورت کے ایمان میں فرق بتاکر گناہ گار ہوا، پھر تلقین اسلام پر اُجرت لینا اس کا دوسرا گناہ تھ۔ پھر اس دیکھنے والے کو دبا کر اس س چار آنہ لینا تیسرا گناہ ہوا۔

فان ائمتنا لایقولون بالتعزیر بالمال و علی القول بہ فذاك ای الامام دون العوام۔	کیونکہ ہمارے ائمہ کرام مال جرمانہ اور تاوان کے قائل نہیں اور مالی تاوان اور جرمانہ کے قول پر تو یہ امام کو حق ہے عوام کو نہیں۔ (ت)

یہ ڈیڑھ روپیہ کہ زید نے لیا اس کے حق میں حرام ہے اس پر واجب ہے کہ جن جن سے لیا انھیں پھیر دے کہ اگر کھاچکا ہو تو اپنے پاس سے دے۔ بغیر اس کے اس گناہ سے توبہ نہ ہوگی۔

قال تعالٰی: "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم فقط۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو) ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے باہم نہ کھایا کرو۔ اللہ تعالٰی سب کچھ خوب جانتا ہے اور اس بڑی شان والے کا علم زیادہ مکمل اور پختہ ہے فقط (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

مسئلہ ۵: از امروہہ مرسلہ مولوی سید محمد شاہ صاحب میلاد خواں ۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں: **بینوا توجروا** (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

مسئلہ ۵ اُولٰی:

اللہ تعالٰی کو عاشق اور حضور پر نور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا معشوق کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ناجائز ہے کہ معنی عشق اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہے۔ اور ایسا لفظ بے ورود ثبوت شرعی حضرت عزت کی شان میں بولنا ممنوع قطعی۔ ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایھام المعنی المحال کافٍ فی المنع[1]۔	صرف معنی محال کا وہم ممانعت کے لئے کافی ہے۔(ت)

امام علامہ یوسف اردبیلی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کتاب الانوار لاعمال الابرار میں اپنے اور شیخین مذہب امام رافعی وہ ہمارے علماء حنفیّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل فرماتے ہیں:

لو قال انا اعشق اللہ او یعشقنی فبتدع والعبارۃ الصحیحۃ ان یقول احبہ ویحبنی کقولہ تعالٰی "یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ"[2]۔	اگر کوئی شخص کہے میں اللہ تعالٰی سے عشق رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے عشق رکھتا ہے تو وہ بدعتی ہے لہذا عبارت صحیح یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالٰی سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی طرح "اللہ تعالٰی ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ لوگ اللہ تعالٰی سے محبت رکھتے ہیں"۔(ت)

اسی طرح امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی نے اعلام میں نقل فرماکر مقرر رکھا۔

اقول: وظاھر ان منشاء الحکم لفظ یعشقنی دون ادعائہ لنفسہ الاتری الی قولہ ان	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ ہے کہ منشائے حکم لفظ "یعشقنی" ہے نہ کہ وہ لفظ جس میں اپنی ذات کے لئے دعوی عشق کیا گیا ہے کیا تم

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

[2] الانوار لاعمال الابرار کتاب الردۃ المطبعۃ الجمالیہ مصر ۲/ ۳۲۱

العبارۃ الصحیحۃ یحبنی ثم الظاھر ان تکون العبارۃ بواؤالعطف کقولہ احبہ ویحبنی فیکون الحکم لاجل قولہ یعشقنی والا فلا یظھر لہ وجہ بمجرد قولہ اعشقہ فقد قال العلامۃ احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری فی الانتصاف ردا علی الزمخشری تحت قولہ تعالٰی فی سورۃ المائدۃ یحبھم ویحبونہ بعد اثبات ان محبۃ العبد اللہ تعالٰی غیر الطاعۃ وانھا ثابتۃ واقعۃ بالمعنی الحقیقی اللغوی مانصہ ثم اذا ثبت اجراء محبۃ العبد للہ تعالٰی علی حقیقتھا لغۃ فالمحبۃ فی اللغۃ اذا تاکدت سمیت عشقا فمن تاکدت محبتہ للہ تعالٰی وظھرت آثارتأکدھا علیہ من استیعاب الاوقات فی ذکرہ وطاعتہ فلا یمنع ان تسمی محبتہ عشقا اذ العشق لیس الا المحبۃ البالغۃ [1] اھ لکن الذی فی نسختی الانوار ونسختین عندی من الاعلام انما ھو بأو فلیستأمل ولیحرر ثم اقول لست بغافل عما اخرج واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اس قول کو نہیں دیکھتے کہ صحیح عبارت "یحبنی" ہے پھر ظاہر ہے کہ عبارت واؤ عاطفہ کے ساتھ ہے جیسے اس کا قول ہے اُحِبُّہ، وَیُحِبُّنِی یعنی میں اس سے محبت رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے پھر حکم اس کے یعشقنی کہنے کی وجہ سے ہے ورنہ اس کے صرف اعشقہ کہنے سے کوئی امتناعی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ احمد بن محمد منیر اسکندری نے "الانتصاف" میں علامہ زمخشری کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جو اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے ذیل میں جو سورۃ مائدہ میں مذکور ہے: "یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗۤ"، (اللہ تعالٰی ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں) اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ بندے کا اللہ تعالٰی سے محبت کرنا اس کی اطاعت (فرمانبرداری) سے جدا ہے (الگ ہے) اور محبت معنی حقیقی لغوی کے طور پر ثابت اور واقع ہے (جیسا کہ) موصوف نے تصریح فرمائی پھر جب بندے کا اللہ تعالٰی سے محبت کرنے کا اجراء حقیقت لغوی کے طریقہ سے ثابت ہوگیا اور محبت بمعنی لغوی جب پختہ اور مؤکد ہوجائے تو اسی کو عشق کا نام دیا جاتا ہے پھر جس کی اللہ تعالٰی سے پختہ محبت ہوجائے اور اس پر پختگی محبت کے آثار ظاہر ہوجائیں (نظر آنے لگیں) کہ وہ ہمہ اوقات اللہ تعالٰی کے ذکر وفکر اور اس کی اطاعت میں مصروف رہے تو پھر کوئی مانع نہیں کہ اس کی محبت کو عشق کہا جائے۔ کیونکہ

[1] کتاب الانتصاف علی تفسیر الکشاف تحت آیۃ یحبھم ویحبونہ الخ انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/ ۶۲۲

محبت ہی کا دوسرا نام عشق ہے اھ لیکن میرے پاس جو نسخہ "الانوار" ہے وہ دو نسخے میرے پاس "الاعلام" کے ہیں ان میں عبارت مذکورہ صرف "آوٗ" کے ساتھ مذکور ہے لہٰذا غور وفکر کرنا چاہئے اور لکھنا چاہئے میں کہتا ہوں کہ میں نے اس سے بے خبر نہیں جس کی موصوف نے تخریج فرمائی اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس عظمت والے کا علم بڑا کامل اور بہت پختہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۶ ثانیہ: کیا حکم شرع شریف کا اس بارے میں کہ مدینہ شریف کو "یثرب" کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص یہ لفظ کہے اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا ناجائز وممنوع وگناہ ہے اور کہنے والا گنہگار۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سمی المدینۃ یثرب فلیستغفر اللہ ھی طابۃ ھی طابۃ، رواہ الامام[1] احمد بسند صحیح عن البراء ان عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو مدینہ کو یثرب کہے اس پر توبہ واجب ہے۔ مدینہ طابہ ہے مدینہ طابہ ہے۔ (اسے امام احمد نے بسند صحیح براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

فتسمیتھا بذٰلك حرام لان الاستغفار انما ھو عن خطیئۃ[2]۔	یعنی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کا یثرب نام رکھنا حرام ہے کہ یثرب کہنے سے استغفار کا حکم فرمایا اور استغفار گناہ ہی سے ہوتی ہے۔

ملا علی قاری رحمہ الباری مرقاۃ شریف میں فرماتے ہیں:

قد حکی عن بعض السلف تحریم	بعض اسلاف سے حکایت کی گئی ہے کہ مدینہ منورہ

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۲۸۵

[2] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث من سمی المدینۃ یثرب الخ مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۲ /۴۲۴

تسمیة المدینة بیثرب ویؤیدہ مارواہ احمد لافذکر الحدیث المذکور ثم قال) قال الطیبی رحمه الله تعالٰی فظهران من یحقر شان ما عظمه الله تعالٰی ومن وصف ماسماہ الله تعالٰی بالایمان بمالایلیق به یستحق ان یسمی عاصیا[1] الخ۔	کو یثرب کہنا حرام ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمد نے روایت فرمایا ہے۔ پھر حدیث مذکور بیان فرمائی۔ پھر علامہ طیّبی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا پس اس سے ظاہر ہوا کہ جو اس کی شان کی تحقیر کرے کہ جس کو اللہ تعالٰی نے عظمت بخشی اور جس کو اللہ تعلٰی نے ایمان کا نام دیا اس کا ایسا وصف بیان کرے جو اس کے لائق اور شایان شان نہیں تو وہ اس قابل ہے کہ اس کا نام عاصی (گنہگار) رکھا جائے الخ (ت)

قرآن عظیم میں کہ لفظ یثرب آیا وہ رب العزت جل وعلا نے منافقین کا قول نقل فرمایا ہے:

"وَاِذْ قَالَتْ طَّآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ"[2]۔	جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب کے رہنے والو! تمہارے لئے کوئی جگہ اور ٹھکانا نہیں۔ (ت)

یثرب کا لفظ فساد وملامت سے خبر دیتا ہے وہ ناپاک اسی طرف اشارہ کرکے یثرب کہتے اللہ عزوجل نے ان پر رد کے لئے مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یقولون یثرب وھی المدینة۔ رواہ الشیخان[3] عن ابی ھریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	وہ اسے یثرب کہتے ہیں اور وہ تو مدینہ ہے۔ (اس کو بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الله تعالٰی سمی المدینة	بے شک اللہ عزوجل نے مدینہ کا نام

[1] المرقاۃ شرح المشکوٰۃ کتاب المناسک تحت حدیث ۲۷۳۸ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۶۲۲

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۱۳

[3] صحیح البخاری فضائل المدینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۲، صحیح مسلم کتاب الحج باب المدینۃ تنفی خبثھا الخ ۱/ ۴۴۴

طابۃ۔ رواہ الائمۃ احمد ومسلم[1] والنسائی عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	طابہ رکھا۔ (اسے ائمہ احمد، مسلم اور نسائی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

مرقاۃ میں ہے:

المعنی ان اللہ تعالٰی سماھا فی اللوح المحفوظ او امر نبیہ ان یسمیھا بھا ردا علی المنافقین فی تسمیتھا بیثرب ایماء الی تثریبھم فی الرجوع الیھا[2]۔	مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے لوح محفوظ میں مدینہ منورہ کا نام "طابہ" رکھا ہے یا اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ وہ مدینہ پاک کا نام طابہ رکھیں، یثرب رکھنے میں اہل نفاق کا رد کرتے ہوئے ان کی سرزنش (توبیخ) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ انھوں نے پھر نازیبا (یا متروک) نام کی طرف رجوع کرلیا۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال النووی رحمہ اللہ تعالٰی قد حکی عیسٰی بن دینار ان من سماھا یثرب کتب علیہ خطیئۃ واما تسمیتھا فی القراٰن بیثرب فھی حکایۃ قول المنافقین الذین فی قلوبھم مرض[3]۔	امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عیسٰی بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی گئی ہے کہ جس کسی نے مدینہ طیبہ کا نام یثرب رکھا یعنی اس نام سے پکارا تو وہ گناہ گار ہوگا، جہاں تک قرآن مجید میں یثرب نام کے ذکر کا تعلق ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ منافقین کے قول کی حکایت ہے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ (ت)

بعض اشعار اکابر میں کہ یہ لفظ واقع ہوا، ان کی طرف سے عذر یہی ہے کہ اس وقت اس حدیث وحکم پر اطلاع نہ پائی تھی جو مطلع ہو کر کہے اس کے لئے عذر نہیں معہذا شرع مطہر شعر وغیرہ شعر

[1] مسند احمد بن حنبل عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۸۹، صحیح مسلم کتا الحج باب المدینۃ تنفی خبثھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۵

[2] المرقاۃ شرح المشکوٰۃ کتاب المناسک حدیث ۲۷۳۸ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۶۲۲

[3] المرقاۃ شرح المشکوٰۃ کتاب المناسک حدیث ۲۷۳۸ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵ /۶۲۲

سب پر حجت ہے۔ شعر شرع پر حجت نہیں ہوسکتا، مولانا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او رامدینہ نام نہاد از جہت تمدن واجتماعی مردم واستیناس وایتلاف ایشاں دردے ونہی کرد از خواندن یثرب یا از جہت آنکہ نام جاہلیت است یا سبب آنکہ مشتق از یثرب بمعنی ہلاک وفساد وتثریب بمعنی توبیخ وملامت ست یا بتقریب آنکہ دراصل نام صنمے یا یکے از جبابرہ بود، بخاری در تاریخ خود حدیثے آوردہ کہ یکبار یثرب گوید باید کہ دہ بار مدینہ گوید تاتدارک وتلافی آں کند ودر روایتے دیگر آمدہ باید کہ استغفار کند وبعضے گفتہ اند کہ تعزیر باید کرد قائل آں را وآنکہ درقرآن مجید آمدہ است یا اہل یثرب از زباں منافقان ست کہ بذکر آں قصد اہانت آں می کردند عجب کہ برزبان بعضے اکابر دراشعار لفظ یثرب آمدہ[1] انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ۔

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کا نام "مدینہ" رکھا، اس کی وجہ وہاں لوگوں کا رہنا سہنا اور جمع ہونا اور اس سے انس ومحبت رکھنا ہے اور آپ نے اسے یثرب کہنے سے منع فرمایا اس لئے کہ یہ زمانہ جاہلیت کا نام ہے یا اس لئے کہ یہ "ثرب" سے بنا ہے جس کے معنی ہلاکت اور فساد ہے اور تثریب بمعنی سرزنش اور ملامت ہے یا اس وجہ سے کہ یثرب کسی بت یا کسی جابر وسرکش بندے کا نام تھا۔ امام بخاری اپنی تاریخ میں ایک حدیث لائے ہیں کہ جو کوئی ایک مرتبہ "یثرب" کہہ دے تو اسے دس مرتبہ "مدینہ" کہنا چاہئے تاکہ اس کی تلافی اور تدارک ہو جائے قرآن مجید جو "یا اہل یثرب" آیا ہے تو وہ اہل نفاق کی زبان سے ادا ہوا ہے کہ یثرب کہنے سے وہ مدینہ منورہ کی توہین کا ارادہ رکھتے تھے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ یثرب کہنے والا اللہ تعالٰی سے استغفار کرے اور معافی مانگے اور بعض نے فرمایا کہ اس نام سے پکارنے والے کو سزا دینی چاہئے۔ حیرت کی بات ہے کہ بعض بڑے لوگوں کی زبان سے اشعار لفظ یثرب صادر ہوا ہے۔ انتہی، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور عظمت وشان والے کا علم بہت پختہ اور بڑا مکمل ہے۔ (ت)

مسئلہ ۷: از کانپور مرسلہ مولوی وصی احمد سورتی ۲۱ ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بت پرست کافر نے اپنے بت کے نام

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب المناسک باب حرم المدینۃ مکتبہ نوری رضویہ سکھر ۲/ ۹۴۔۳۹۳

بغرض تقرب روپیہ اٹھار کھا اسی مبلغ منذور سے بایں نیت اسباب اکل وشرب خریدا کہ خاص دن جس میں نذرادا کی جاتی ہے۔ دعوت کھلائی جائے جب وہ دن آن پہنچا تو وہ ہندو اہل اسلام سے کہنے لگا کہ میری نیت ہے کہ میں تمام اہل اسلام کو للہ اس مال مذکور سے کھلاؤں اسی موجب اس ہندو نے مسلمانوں کو بکرے چاول وغیرہ دے دئے۔ بروقت دینے کے مکرر سہ کرر للہ دیتا ہو کہا بعض مسلمانوں نے وہ مال منذور قبول کرلیا آپس میں پکا کر دعوتیں کیں بعض لوگ باز رہے لہٰذا باہمی اختلاف واقع ہوا ہے آپ للہ جواب سے سرفراز فرمائیں، آیا اس کافر کا قول "جو للہ دیتا ہوں" کہا معتبر ہے یا نہیں۔ کھانا درست ہوگا یا نہیں؟ در صورت ثانی جو لوگ کھا چکے ہیں وہ لوگ کس امر کے مرتکب ہوئے؟ مفصل تحریر ہو۔ بینوا بالکتاب توجروا بالثواب (کتاب اللہ کے حوالے سے بیان کرو تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

کافر مشرک کا کوئی عمل للہ نہیں **فان الکفر ھو الجھل باللہ فاذا جھلہ فکیف یعمل لہ** (چونکہ اللہ تعالٰی کو نہ جاننا کفر ہے پھر جب یہ اس کو نہیں جانتا (یعنی اس کے معاملے میں جہالت کا برتاؤ کرتا ہے تو اس کے لئے عمل کیسے کرسکتا ہے۔ت) مسلمان مال مذکور (نامکمل)

مسئلہ ۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل اسلام میں سے کوئی شخص بغرض تماشہ دیکھنے کے کسی میلے اہل ہنود کے میں قصدا جائے تو اس کی عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے یا نہیں۔ اگرچہ وہ شخص یہ تو جانتا ہے کہ ہنود کے میلے میں جانا گناہ ہے اور اس شخص کے واسطے کیا حکم ہے جو کسی رئیس قوم ہنود کا ملازم ہے وہ بوجہ ملازمت کے اپنے آقا کے ساتھ مجبورا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کافروں کے میلے میں جانے سے آدمی کافر نہیں ہوتا کہ عورت نکاح سے نکل جائے، جو لوگ ایسے فتوے دیتے ہیں شریعت مطہرہ پر افتراء کرتے ہیں، البتہ اس میں شریک ہونا مسلمان کو منع ہے۔ حدیث میں ہے:

من کثر سواد قوم فھو منھم[1]۔	جس شخص نے کسی قوم کی جماعتی تعداد میں اضافہ کیا تو وہ انہی میں سے ہے۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے:

[1] کنز العمال حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹ /۲۲

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله [1]۔	جو کوئی کسی مشرک کے ساتھ جمع ہوا اور اس کے ساتھ ٹھہرا تو بیشک وہ اسی مشرک کی طرح ہے۔(ت)

علماء فرماتے ہیں مسلمان کو چاہئے کہ مجمع کفار پر ہو کر نہ گزرے کہ ان پر لعنت اترتی ہے اور پر ظاہر کہ ان کا میلہ صدہا کفر کے شعار اور شرک کی باتوں پر مشتمل ہوگا اور یہ ممانعت وازالہ منکر پر قادر نہ ہوگا تو خواہی نخواہی گونگا، شیطان اور کافر کا تابعدار ہو کر مجمع کفار میں رہنا اور ان کے کفریات کو دیکھنا سننا مسلمان کی ذلت ہے اور کافر کی نوکری مسلمان کے لئے وہی جائز ہے جس میں اسلام ومسلم کی ذلت نہ ہو نص علیہ العلماء کما فی الغمز وغیرہ (علماء کرام نے اس کی تصریح فرمائی جیسا کہ الغمز وغیرہ میں مذکور ہے۔ت) رزق اللہ کے ذمہ ہے اور اس کے راستے کھلے ہوئے، تو عذر مجبوری غلط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے اور اس بزرگ وعظیم ذات کا علم بڑا کامل اور زیادہ محکم ہے۔ ت)

مسئلہ ۹: از ڈونگر گڑھ ضلع رائے پور سنٹرل پرونس مرسلہ شیخ حسین الدین احمد صاحب ۱۸/ شعبان ۱۳۱۳ھ

زید شراب پیتا ہے اور زید عمرو کو ورغلا کر شراب پلائی وہ بھی پینے لگا تھوڑے عرصہ میں زید تائب ہوا اور قطعاً شراب چھوڑ دی مگر عمرو پیتا رہا، تو کیا عمرو کے مواخذہ میں زید بھی پکڑا جائے گا، اگر پکڑا جائے گا تو زید کے بچنے کی کون سی صورت ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

سچی توبہ اللہ عزوجل نے وہ نفیس شیئ بنائی ہے کہ ہر گناہ کے ازالہ کو کافی ووافی ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ سچی توبہ کے بعد باقی رہے یہاں تک کہ شرک وکفر، سچی توبہ کے یہ معنی ہیں کہ گناہ پر اس لئے کہ وہ اس کے رب عزوجل کی نافرمانی تھی نادم وپریشان ہو کر فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کبھی اس گناہ کے پاس نہ جانے کا سچے دل سے پورا عزم کرے جو چارہ کار اس کی تلافی کا اپنے ہاتھ میں ہو بجالائے مثلاً نماز روزے کے ترک یا غصب، سرقہ، رشوت، ربا سے توبہ کی تو صرف آئندہ کے لئے ان جرائم کا چھوڑ دینا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو نماز روزے ناغہ کئے ان کی قضا کرے جو مال جس جس سے چھینا، چرایا، رشوت، سود میں لیا انھیں اور وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی الاقامۃ بارض الشرک آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹

واپس کردے یا معاف کرائے، پتانہ چلے تو اتنا مال تصدق کردے اور دل میں نیت رکھے کہ وہ لوگ جب ملے اگر تصدق پر راضی نہ ہوئے اپنے پاس سے انھیں پھیر دوں گا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

قدنصوا علی ان ارکان التوبۃ ثلثۃ الندامۃ علی الماضی والاقلاع فی الحال والعزم علی عدم العود فی الاستقبال ھذا ان کانت التوبۃ فیما بینہ وبین اللہ کشرب الخمر واما ان کانت مما فرط فیہ من حقوق اللہ کصلٰوۃ و صیام وزکوٰۃ فتوبتہ ان یندم علی تفریطہ اولا ثم یعزم علی ان لایعود ابداء ولو بتاخیر صلاۃ عن وقتھا ثم یقضی مافاتہ جمیعا وان کانت مما یتعلق بالعباد فان کانت من مظالم الاموال فتتوقف صحۃ التوبۃ منھا مع ماقدمناہ فی حقوق اللہ تعالٰی علی الخروج عن عھدۃ الاموال وارجاء الخصم بان یتحلل عنھم ایردھا الیھم اوالی من یقوم مقامھم من وکیل او وارث وفی القنیۃ رجل علیہ دیون لاناس لایعرفھم من غصوب اومظالم اوجنایات یتصدق	اہل علم نے تصریح فرمائی ہے کہ توبہ کے ارکان تین ہیں (۱) گزشتہ جرم پر ندامت یعنی نادم وشرمسار ہونا (۲) موجودہ طرز عمل کو درست رکھنا اور گناہ کا ازالہ وبیخ کنی کرنا (۳) آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا، یہ اس وقت کا کام ہے جبکہ توبہ بندے اور اللہ تعالٰی کے درمیان ہو، جیسے شراب نوشی، لیکن اگر اس نے حقوق اللہ میں کوتاہی کی اور ان سے توبہ کرنا چاہے جیسے نماز، روزے اور زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی تو اس کے لئے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کوتاہی پر نادم ہو پھر پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ ان کی ادائیگی میں غفلت سے کام نہیں لے گا اور انھیں ہر گز ضائع نہیں کرے گا، پھر تمام ضائع کردہ حقوق کی قضا کرے اور اگر ضائع کردہ حقوق کا تعلق بندوں سے ہو تو صحت توبہ اس پر موقوف ہے جس کو ہم نے پہلے حقوق اللہ کے ضمن میں بیان کردیا ہے کہ اس کی صورت میں اموال کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا اور مظلوم کو راضی کرنا ضروری ہے جن کا مال غصب کیا گیا، وہ انھیں واپس کیا جائے یا ان سے معاف کرایا جائے اور وہ متعلقہ افراد موجود اور بقید حیات نہ ہوں تو ان کے ورثاء متعلقین اور قائم مقام افراد و وکلاء کے ذریعے اموال کی واپسی اور معافی عمل میں

بقدر ها على الفقراء على عزيمة القضاء ان وجدهم مع التوبة على الله تعالٰى فيعذر انتهى وان كانت المظالم فى الاعراض كالقذف والغيبة فيجب فى التوبة فيها مع قدمناه فى حقوق الله تعالٰى ان يخبرا صحابها بما قال من ذٰلك ويتحلل منهم فان تعذر ذٰلك فليعزم على انه متى وجدهم تحلل منهم فان عجزبان كان ميتا فليستغفر الله والمرجو من فضله وكرمه ان يرضى خصمائه من خزائن احسانه فانه جواد كريم رؤف رحيم [1] اھملتقطا۔	لائی جائے، قنیہ میں ہے اگر کسی شخص پر لوگوں کے قرضہ جات مثلاً غصب، مظالم، اور جنایات کی قسم سے ہوں اور توبہ کرنے والا ان متعلقہ افراد کو نہیں جانتا پہچانتا تو اتنی مقدار فقراء ومساکین میں قضا کی نیت سے خیرات کردے، اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں توبہ کرنے کے باوجود اگر ان افراد کو کہیں پالے تو ان سے معذرت کرے (یعنی ان سے معافی مانگے اھ) اگر مظالم کا تعلق عزت وغیرہ سے ہو جیسے کسی گمراہ کو گالی دینا، غیبت کرنا، تو ان میں وجوب توبہ اس شرط سمیت جو ہم نے حقوق اللہ کے ضمن میں بیان کئے ہیں یہ ہے کہ جو کچھ اس نے ان کے بارے میں کہا انھیں اس جرم پر اطلاع دے اور ان سے معافی مانگے، اگر یہ مشکل ہو تو پختہ ارادہ کرلے کہ جب بھی انھیں پائے گا تو ضرور معذرت کرے گا، اگر اس طریقہ سے بھی عاجز ہوجائے یعنی مظلوم وفات پاگیا ہو تو پھر اللہ تعالٰی سے بخشش مانگے، اور اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے قوی امید ہے کہ وہ مظلوم مرحوم کو اپنے جودواحسان کے خزانوں میں سے دے کر راضی کردے گا اور دونوں میں صلح کرادے گا کیونکہ وہ بے حد سخی، کرم کرنے والا۔ انتہائی شفقت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ انتخاب کردہ عبارت مکمل ہوگئی۔ (ت)

مسئلہ ۱۰: از لکھنؤ محلّہ رام گنج متصل حسین آباد مرسلہ اسد اللہ خاں کوبک غرہ شعبان معظم ۱۳۱۵ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ شیرینی از دکان حلوائی ہندو خرید کردہ اگر فاتحہ خوانند وثواب آں بروح رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا دیگر بزرگان دین رسانند جائزست یانہ، وجمہور ایں طریق	علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ہندو حلوائی کی دکان سے مٹھائی خرید کر فاتحہ پڑھی جائے اور اس کا ثواب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح مبارک یا دیگر بزرگان دین کی ارواح

[1] منح الروض الازهر شرح الفقه الاكبر التوبة وشرائطها مصطفى البابى مصر ص۱۵۹۔۱۵۸

فاتحہ راجواز گفتہ اندیانہ،واحتراز از ایشاں بایآت قرآنی و احادیث نبوی جائز ست یانہ،وایشاں کافراند یا مشرک، و بصورت دیگر اگر کسے ایشاں راکافر ومشرک گوید در بارہ او چہ حکم است بینو توجروا	کو ایصال کیا جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ جمہور اہل علم اس کے جواز کے قائل ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی رو سے یہ لوگ کافر ومشرک قرار پاتے ہیں یا نہیں؟ اور ان سے پرہیز کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص انھیں کافر ومشرک نہ خیال کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

ھندوان قطعاً کافران ومشرکانند ہر کہ ایشاں راکافر ومشرک نداند خود کافرست آرے درویشاں طائفہ تازہ برآمدہ کہ خود را آریہ خوانند وبزبان دعوی توحید کنند ودم تحریم بت پرستی زنند فاما برادری والفت ویک جہتی ایشاں ہرچہ ہست باہمیں بت پرستان ست کہ سنگ وآب ودرخت وپیکر ہائے تراشیدہ را بخدائے پرستند ایناں راہم مذہب وبرادری دینی خواشاں دانند واز نام مسلمانان درآب وآتش مانند "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ "[1]۔ باز ایں خبیثاں اگرچہ بظاہر از پرستش غیر محترز مانند مادہ وروح ہر دو راہیچو خدا اقدیم وغیر مخلوق دانند پس شرک اگر درعبارت نشد در وجوب وجود شد بہر وجہ سہ الٰہ برایشاں لازم ست واو قطعاً بمشرکیت پس آں ادعائے توحید ہمہ پادر ہواست	ہندو بلاشبہہ قطعی طور پر کافر اور مشرک ہیں لہٰذا جو انھیں کافر و مشرک نہ جانے وہ خود کافر ہو جاتا ہے ان میں ایک نیا فرقہ نکلا ہے جو آریہ کہلاتا ہے وہ زبانی طور پر توحید کا دعوی کرتے ہیں اور بت پرستی کے حرام ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں لیکن برادری الفت ومحبت اور اتحاد میں ان کا رویہ بت پرستوں سے مختلف نہیں،ان بت پرستوں کے ساتھ ان کی الفت ومحبت ان کا اتحاد قائم ہے جو پتھر،پانی،درختوں اور تراشیدہ مورتیوں کو خدا سمجھتے ہوئے پوجتے ہیں اور یہ انھیں اپنا ہم مذہب اور دینی بھائی خیال کرتے ہیں(اور مسلمانوں کے نام سے پانی آگ بن جاتے ہیں یعنی ان کے نام سے بھی جلتے ہیں اللہ تعالٰی ان کا ستیاناس کرے کہاں اوندھے پھرے جاتے ہیں۔ پھر یہ خبیث اگرچہ غیر کی عبادت وبندگی سے پرہیز کرتے ہیں مگر مادہ اور

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

واگر فرکنیم غایت آنکہ ہمیں مشرک نباشد اما در کفر ایشاں چہ جائے سخن ہر کہ با محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نگردہ کافرست دہر کہ را کافر نداند خود باو ہمسرست **قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝"** [1] اگر دوستی و موالات با ہر کافر کہ باشد حرام اشد وکبیرہ اعظم ست واگر بربنائے میل دینی باشد خود کفر **قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ"** [2] وصحبت و مخالطت بے دوستی وموانست اگر درکار دنیوی بر بنائے ضرورت بقدر ضرورت بے تعظیم وتکریم وبے مداہنت درکار دین باشد رخصت ست ورنہ اینہم حرام مگر بحالت اکراہ شرعی **قال اللہ تعالٰی "فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝"** [3]۔ **وقال تعالٰی "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ"** [4]۔ و درشرینی ساختہ ایشاں تاآنکہ بالخصوص دروخلط نجاستے یا چیزے حرام معلوم بناشد فتوی جواز ست وتقوی احتراز کما نص علیہ فی الاحتساب ودرفاتحہ از واحتراز انسب ست **فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب** [5] وطیب بودن اشیائے

روح دونوں کہ اللہ تعالٰی کی طرح قدیم اور غیر مخلوق مانتے ہیں اور کہتے ہیں۔ پس اگر عبادت میں شرک نہ ہوا تو وجوب وجود میں شرک ہوگیا پس ہر وجہ سے ان پر تین خدا لازم ہوگئے لہٰذا وہ یقینا مشرک ہیں، ان کا دعوی توحید ہوا میں پاؤں رکھنے کے مترادف ہے۔ اگر ہم آخری درجہ پر فرض کرلیں کہ ہوہ مشرک نہیں تاہم ان کے کفر یعنی کافر ہونے میں بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہ ہو وہ کافر ہے اور جو انھیں کافر نہ جانے وہ خود کفر میں ان کے ساتھ برابر ہے، چنانچہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے (اور اس کا طلب گار ہو) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ بلکہ وہ دار آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا، لہٰذا ہر کافر سے دوستی اور ملاپ سخت منع حرام اور بہت بڑا گناہ ہے اور اگر دینی رجحان کی بناء پر ہو تو بلا شبہ کفر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: جو کوئی تم میں سے ان (کافروں) سے دوستی رکھے گا تو بلا شبہ وہ انہی میں سے ہے۔ اور اگر

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[4] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[5] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

ایشاں اگرچہ بحکم طاہر ست اما بباطن مشکوک پس اسلم ہماں ست کہ حتی الامکان در ہمچوں امور نفیسہ گرد او نگردند کما فصلنا ہ فی فتاوٰنا ورنہ خیر کہ اصل دراشیاء طہارت ست ویقین بہ شک زائل نشود والدین یسر [1] قال محمد بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حرام بعینہ [2] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مجلس اور میل جول بر بنائے ضرورت بقدر ضرورت بغیر دوستی اور انس ومحبت کے بلا تعظیم وتکریم اور بغیر دینی نقصان یا کمزوری کے ہو تو اس کی اجازت اور رخصت ہے۔بصورت دیگر میل جول اور مجلس بھی حرام ہے۔ہاں اگر کوئی فریق مخالف کے جبر واکراہ کے باعث مجبور ہوجائے تو وہ مستثنٰی ہے۔چنانچہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے پاس ہرگز مت بیٹھو نیز ارشاد فرمایا:"کفریہ بات زبان سے نکالنی کفر ہے مگر اس کہ کسی پر زبردستی کی جائے (یعنی اسے کفر کہنے پر مجبور کیا جائے۔مترجم) تو وہ (اپنی جان بچانے کے لئے۔مترجم) کلمہ کفر کہہ سکتا ہے بشرطیکہ اس کا دل (بدستور) ایمان پر قائم اور مطمئن ہو، رہی یہ بات کہ ان کے ہاتھوں کی بنی ہوئی مٹھائی کا استعمال تو جب تک خصوصیت سے اس میں کسی نجاست یا حرام کی ملاوٹ نہ ہو تو بنائے فتوٰی اس کا استعمال جائز ہے۔مگر تقوٰی یہ ہے کہ اس سے بھی پرہیز کیا جائے جیسا کہ "نصاب الاحتساب" میں صراحۃً مذکورہ۔لہٰذا فاتحہ کے عمل کے لئے اس سے پرہیز زیادہ مناسب ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالٰی (بیحد) پاک ہے لہٰذا وہ پاکیزہ چیزوں کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں فرماتا۔اور کافروں کی چیزیں اگرچہ ظاہری اور سرسری حکم میں پاک متصور ہوتی ہیں مگر درحقیقت مشتبہ اور مشکوک ہوتی ہیں لہٰذا وہ سلامتی اسی میں ہے کہ اس قسم کے نفیس کاموں کے سلسلے میں حتی الامکان کفار ومشرکین کے نزدیک نہ جائیں جیسا کہ ہم نے اپنے فتوٰی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ورنہ خیر (کچھ مضائقہ نہیں) کیونکہ اصل اشیاء میں طہارت پائی جاتی ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور دین کی بنیاد آسانی پر ہے، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کو نہ جانیں،اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عالم وفقیہ کو گالی دے یا حقارت کرے تو

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب الدین یسر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

اس کے اوپر حکم کفر جاری ہوگا یا نہیں؟ اور اکثر عوام الناس اس زمانے میں عالموں کو گالی دیتے اور حقارت اور غیبت کرتے ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب:

غیبت تو جاہل کی بھی سوا صور مخصوصہ کے حرام قطعی وگناہ کبیرہ ہے۔ قرآن عظیم میں اسے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا فرمایا۔ حدیث میں آیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والغیبة فان الغیبة اشد من الزنا ان الرجل قد یزنی ویتوب الله علیه وان صاحب الغیبة لایغفر له حتی یغفرله صاحبه، رواه ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة [1] وابو الشیخ فی التوبیخ عن جابر بن عبدالله وابی یوسف الخدری رضی الله تعالٰی عنهم۔	غیبت سے بچو کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زانی توبہ کرے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور غیبت کرنے والے کی بخشش ہی نہ ہوگی جب تک وہ نہ بخشے جس کی غیبت کی تھی (اس کو ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں اور ابو الشیخ نے توبیخ میں جابر بن عبداللہ اور ابوسعید خدری سے روایت کیا اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو۔ (ت)

یوہیں بلاوجہ شرعی کسی مسلمان جاہل کی بھی تحقیر حرام قطعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحسب امری من الشران یحقرا خاه المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه، رواه مسلم [2] عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه۔	آدمی کے بد ہونے کو یہ بہت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی تحقیر کرے مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے خون آبرو مال (اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اسی طرح کسی مسلمان جاہل کو بھی بے اذن شرعی گالی دینا حرام قطعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] الغیبة والنمیمة رسالہ عن رسائل ابن ابی الدنیا باب الغیبة وذمھا حدیث ۲۵ موسسة الکتب الثقافیة ۲/ ۴۶

[2] صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تحریم ظلم المسلم وخذله الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

سباب المسلم فسوق رواہ البخاری ومسلم[1] والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مسلمان کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے(اسے امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

سباب المسلم کالمشرف علی الھلکۃ، رواہ الامام احمد[2] والبزار عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند جید۔	مسلمان کو گالی دینے والا اس شخص کی مانند ہے جو عنقریب ہلاکت میں پڑا چاہتا ہے۔(اسے امام احمد اور بزار نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اٰذی مسلما فقد اذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ۔ رواہ الطبرانی[3] فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالٰی کو ایذا دی(اسے امام طبرانی نے الاوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

جب عام مسلمانوں کے باب میں یہ احکام ہیں تو علماء کرام کی شان تو ارفع و اعلٰی ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایستخف بحقھم الامنافق۔ رواہ الطبرانی[4] فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	علماء کو ہلکا نہ جانے گا مگر منافق(طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب سباب المسلم فسوق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۸، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ ماجاء فی الشتم امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الفتن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۱

[2] الترغیب والترہیب بحوالہ البزار الترھیب من السباب واللعن مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۶۷

[3] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

[4] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایستخف بحقهم الامنافق بین النفاق رواه ابو الشیخ فی التوبیخ[1] عن جابر بن عبدالله الانصاری رضی الله تعالٰی عنهما۔	ان کے حق کو ہلکا نہ سمجھے گا مگر کھلا منافق (اسے ابوالشیخ نے التوبیخ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لیس من امتی من لم یعرف لعالمنا حقه۔رواه احمد[2] والحاکم والطبرانی فی الکبیر عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه۔	جو ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں۔(اسے احمد، حاکم اور طبرانی نے کبیر میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

پھر اگر عالم کو اس لئے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے جب تو صریح کافر ہے اور اگر بوجہ علم اس کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیوی خصومت کے باعث برا کہتا ہے گالی دیتا تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق فاجر ہے اگر بے سبب رنج رکھتا ہے تو مریض القلب خبیث الباطن ہے اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔خلاصہ میں ہے:

من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر[3]۔	جو کسی عالم سے بغیر سبب ظاہری کے عداوت رکھتا ہے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔(ت)

منح الروض الازہر میں ہے۔الظاهر انه یکفر[4] (ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر ہوجائے گا۔ت)

والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا اعلام ہے اور اس عزت ووقیر والے کا علم بڑا کامل اور بہت پختہ (محکم) ہے۔(ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۳۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبادہ ابن صامت دار الفکر بیروت ۵/ ۳۲۳

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الثانی الجنس الثامن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۸

[4] منح الروض الازہر شرح الفقۃ الاکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

مسئلہ ۱۲: ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عیسائی نے براہ فریب دہی مسلمان کا حقہ پیا، مسلمان چونکہ اسے مسلمان سمجھتے تھے انھوں نے اس کا پیا ہوا حقہ پیا، پھر ایک شخص آیا اس نے عیسائی کو حقہ پیتے دیکھ کر کہا تو عیسائی ہو کر مسلمانوں کا حقہ پیتاہے۔اس نے کہا میں فلاں مسجد میں ایک مہینہ ہوا مسلمان ہوگیا ہوں، جب اس مسجد میں تحقیق کیا گیا تو بیان اس کا بے ثبوت نکلاایسی حالت میں وہ مسلمان جنھوں نے اس کا پیا ہوا حقہ پیاہے کیا کریں؟ بینواتوجروا (بیان کروتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

جب نادانستہ پیاان پر کچھ الزام نہیں بلکہ جب وہ کہتاہے میں مسلمان ہوچکا ہوں تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا جب تک اس سے کفر جدید ظاہر نہ ہو اور اس تحقیقات کا کچھ اعتبار نہیں کہ نفی کی گواہی نامعتبر ہے اور کافر کا اقرار کرنا ہی اسے مسلمان ٹھہرانے کے لئے کافی ہے کمانص علیہ فی الدرالمختار وغیرہ (جیساکہ اس پر درمختار وغیرہ میں نص کی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳: از کٹرہ ڈاک خانہ اوبرہ ضلع گیامرسلہ مولوی سید کریم خاں صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کی فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کمھار کا گھر جو رعیت مسلمان زمیندار کا ہے مسجد کے متصل ہے۔ کمھار نے اپنے گھر میں ناقوس بجایا، اس پر ایک مسلمان نے کلوخ اندازی کی اس کمھار نے منیجر زمیندار کے پاس کہ وہ بھی مسلمان ہے نالش کی، منیجر مسلمان نے اس مسلمان کی تنبیہ کی اور اس سے جرمانہ لیا، اس تائید کفر کے سبب منیجر مسلمان گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور کہ اس کا یہ حکم قرآن عظیم کے مطابق نہ تھا۔

"وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۴۷﴾ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جو کوئی اللہ تعالٰی کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی فاسق (نافرمان) ہیں، اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۵ /۴۷

مسئلہ ۱۴: از تحصیل چورو ریاست بیکانیر مرسلہ والد مولوی امتیاز احمد صاحب ۱۴ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو بکرے نذرونیاز یعنی تقرب وعبادت کسی پیر صاحب کے پرورش ہوتے ہیں اور قندوریاں بنائی جاتی ہیں اور پنڈا بھرتے ہیں جیسے ہنوز بھرتے ہیں اور ڈوری اور بدھی اور چوٹی اور جھرولا اور تاتے گلے میں ڈالتے ہیں، یہ امور اخص شرع ہیں یانہیں اور ان امور کا کرنے والا مشرک ہوتا ہے یا نہیں؟ ہمارے شہر چورو ریاست بیکانیر میں اندر ان مسائل کے بحث ہورہی ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اللھم احفظنا (اے اللہ! ہماری حفاظت فرما۔ت) آدمی حقیقۃً کسی بات سے مشرک نہیں ہوتا جب تک غیر خدا کو معبود یا مستقل بالذات وواجب الوجود نہ جانے۔ بعض نصوص میں بعض افعال پر بلااطلاق شرک تشبیہا یا تغلیظا یا بارادہ و مقارنت باعتقاد منافی توحید وامثال ذٰلک من التاویلات المعروفۃ بین العلماء وارد ہوا جیسے کفر نہیں مگر انکار ضروریات دین اگرچہ ایسی ہی تاویلات سے بعض اعمال پر اطلاق کفر آیا ہے یہاں ہرگز علی الاطلاق شرک وکفر مصطلح علم عقائد کہ آدمی کو اسلام سے خارج کردیں اور بے توبہ مغفور نہ ہوں زنہار مراد نہیں کہ یہ عقیدہ اجماعیہ اہلسنت کے خلاف ہے ہر شرک کفر ہے اور کفر مزیل اسلام، اور اہلسنت کا اجماع ہے کہ مومن کسی کبیرہ کے سبب اسلام سے خارج نہیں ہوتا ایسی جگہ نصوص کو علی اطلاقہا کفر وشرک مصطلح پر حمل کرنا اشقیائے خوارج کا مذہب مطرود ہے اور شرک اصغر ٹھہرا کر پھر قطعاً مثل شرک حقیقی غیر مغفور ماننا وہابیہ نجدیہ کا خبط مردود، واللہ المستعان علی کل اعنود (اللہ تعالٰی ہی سے مدد مانگی جاتی ہے ہر عناد کرنے والے کے مقابلے میں۔ت) شرح عقائد میں ہے:

الاشراك هو اثبات الشريك فی الالوهية بمعنی وجوب الوجود كما للمجوس اوبمعنی استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام[1]۔	اشراک یعنی شرک اللہ تعالٰی کی الوہیت میں کسی کو شریک سمجھنا ہے یعنی وجوب وجود میں شریک ماننا جیسے مجوس یا عبادت کے استحقاق میں شریک بنانا جیسے بتوں کے پجاری۔ (ت)

[1] شرح العقائد النسفیہ بحث واللہ تعالٰی خالق لافعال العباد دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ص ۶۱

متون عقائد میں ہے:

الکبیرۃ لاتخریج العبد المومن من الایمان ولا تدخلہ فی الکفر [1]۔	کوئی گناہ کبیرہ بندہ مومن کو ایمان سے نکال کر کفر میں داخل نہیں کرتا۔(ت)

نذر و نیاز کہ مسلمین بقصد ایصال بارواح طیبہ حضرات اولیاء کرام نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم (اللہ تعالٰی ہمیں ان کی برکتوں سے مستفید فرمائے۔ت) کرتے ہیں ہرگز قصد عبادت نہیں رکھتے نہ انھیں معبود والہ و مستحق عبادت جانتے ہیں، نہ یہ نذر شرعی ہے بلکہ اصطلاح عرفی ہے کہ سلاطین و عظماء کے حضور جو چیز پیش کی جائے اسے نذور نیاز کہتے ہیں اور نیاز تو اس سے بھی عام تر ہے۔ عام محاورہ ہے کہ مجھے فلاں صاحب سے نیاز نہیں، میں تو آپ کا نیاز مند ہوں، فقیر نے اپنے فتاوی میں ان اطلاقت کی بحث شافی لکھی ہے اور خود بھی کبائر مانعین سے ان کا اطلاق ثابت کیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثناء عشریہ میں فرماتے ہیں:

حضرت امیر وذریہ طاہرہ اوراتمام امت برمثال پیراں و مرشداں می پیرستند وامور تکوینیہ رابایشاں وابستہ م ی دانند و فاتحہ ودرود وصدقات ونذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ باجمیع اولیاء ہمیں معاملہ است [2]۔	جناب امیر اور ان کی پاکیزہ اولاد کو تمام امت کے لوگ عقیدت ومحبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور تکوینی معاملات کو ان سے وابستہ خیال کرتے ہیں اسی لئے فاتحہ درود وصدقات خیرات اور نذر و نیاز کی کارگزاریاں لوگوں میں ان کے نام کے ساتھ رائج اور معمول بن گئی ہیں جیسا کہ دیگر اولیاء کرام کے معاملے میں یہی صورت حال ہے۔(ت)

محبوبان خدا کی طرف تقرب مطلقًا ممنوع نہیں جب تک بروجہ عبادت نہ ہو، تقرب نزدیکی چاہنے رضامندی تلاش کرنے کو کہتے ہیں اور محبوبات بارگاہ عزت مقربان حضرت صمدیت علیہم الصلٰوۃ والسلام کی نزدیکی ورضا ہر مسلمان کو مطلوب ہے اور وہ افعال کہ اس کے اسباب ہوں بجالانا ضرور محبوب، کہ ان کا قرب بعینہٖ قرب خدا اور ان کی رضا اللہ کی رضا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾" [3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: ایمان والوں کے لئے اللہ تعالٰی اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ انھیں راضی کیا جائے۔(ت)

[1] متن شرح العقائد بحث الکبیرۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ص ۸۳۔۸۲، مجموع المتون فی مختلف الفنون فی التوحید الشؤن الدینیہ وولۃ قطر ص ۶۱۵

[2] تحفہ اثناء عشریہ باب ہفتم درامامۃ تمہید کلام وتقریر مرام سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الصدقة یبتغی بھا وجه الله تعالٰی والھدیة یبتغی بھا وجه الرسول وقضاء الحاجة[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبدالرحمٰن بن علقمة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	صدقے سے اللہ تعالٰی عزوجل کی رضا مطلوب ہوتی ہے اور ہدیہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رضا اور اپنی حاجت روائی منظور ہوتی ہے (امام طبرانی نے اس کو معجم الکبیر میں حضرت عبدالرحمٰن بن علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ت)

درمختار میں ہے:

فی المنیة انا لانسیئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی الادمی بھذا النحر ونحوہ فی شرح الوہبانیة عن الذخیرة[2]۔	منیہ میں ہے کہ ہم کسی مسلمان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس قربانی اور اس جیسے کام سے کسی آدمی کا تقرب چاہتا ہے شرح وہبانیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے اسی طرح مذکور ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله انه یتقرب الی الادمی ای علی وجه العبادة لانه المکفر وھذا بعید من حال المسلم[3]۔	مصنف درمختار کا قول ہے کہ کسی آدمی کی تقرب چاہتا ہو یعنی اس تقرب سے عبادت مراد ہو تو یہ کفر ہے اور یہ چیز مسلمان کے حال سے بعید ہے۔(ت)

ہاں جو شخص عبادت غیر کا قصد کرے ضرور مشرک ہے۔ مگر یہ قصد مسلمان کلمہ گو سے بدے اس کے صریح اقرار کے کہ وہ غیر خدا کو معبود جانتا ہے محض اپنے ظنوں سے ثابت نہ ہوگا، یہ سب سے بدتر بدگمانی ہے اور بدگمانی سب سے سخت تر جھوٹ اور اشد حرام۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن عبدالرحمن بن علقمہ حدیث ۱۵۹۹۷ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۳۴۸

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۷

الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	گناہ ہوتے ہیں۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔رواہ الائمۃ مالک[2] والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	لوگوں سے گمان بد کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔الحدیث(ائمہ کرام مثلا امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، امام ترمذی نے بحوالہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے روات کیا ہے۔ت)

مرد کے سر پر چوٹی رکھنا ویسے ہی حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشابهات من النساء بالرجال و المتشبهین من الرجال بالنساء رواہ الائمۃ احمد و البخاری[3] و ابوداؤد والترمذی وابن ماجة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما وفیه احادیث کثیرہ بالغة حد التواتر۔	اللہ تعالٰی نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں،اور ان مردوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ائمہ کرام مثلا امام احمد، بخاری،ابوداؤد، ترمذی،اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔اس بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جو تواتر کی حدتک

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تحریم الظن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶،جامع الترمذی ابواب البر باب ماجاء فی سوء الظن امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰،صحیح البخاری کتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴،موطاامام مالك ماجاء فی المهاجرۃ کتب خانہ کراچی ص۷۰۶

[3] مسند امام احمد بن حنبل مرویات ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنه دارالفکر بیروت ۱/ ۳۳۹،سنن ابن ماجه کتاب النکاح باب فی المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۳۸،صحیح البخاری کتاب اللباس باب المتشبهین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴،سنن ابی داؤد کتاب اللباس آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰،جامع الترمذی ابواب الادب امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۲

	پہنچی ہوئی ہیں۔(ت)

خصوصا کسی کے نام کی چوٹی کہ رسول کفار ہنود سے ہے یوہیں ڈوری بدھی کلاوہ بھی محض جہالت وبے اصل ہے۔پنڈا بھرنا، قندوری بھرنا،تاتا میری زبان کے الفاظ نہیں،نہ مجھے ان کے معانی معلوم۔یہ بھی اگر بدھی چوٹی وغیرہ کے مثل ہوں توان کا بھی وہی حکم ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵: از چاٹگام موضع قلادجان مرسلہ نظام الدین ۲۳ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علماء دین رحمہکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ زید و عمرو ہر دو عالم اندہرگاہ قطعہ فرائض بعبارت صحیحہ ومسئلہ صریحہ پیش ایشاں وقوع آمد پس زید بربنائے نفاق وعداوت دنیاوی گفتہ کہ اکثر جائے فرائض غلط کردہ ودستخط بہ صحیح مسئلہ آں ممنوع وعمرو او لا فرائض موصوفہ بغور نظر دیدہ دستخط بداں بر تصحیح مسئلہ آں کردہ اند باز از زبانی زید غلط عبارتش شنیدہ ودستخط خود ازوے منقطع کردہ اند ہر دو عالم موصوف، باوجودیکہ حضرات متدینین ادام اللہ فیوضہم آنزا تحقیق کردہ صحیح فرمودہ اند عبارتش رامغلط گویند،دستخط بداں غیر مشروع پندارند پس دریں واقعہ دماغ وغروری منسوب شوند یانہ وآنانکہ صحیح وجائز راناجائز وحلال راحرام بربنائے دماغ وغروری میدانند کافر گردد یا بارتکاب کبیرہ بینوا توجروا۔	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں(اے علم والو! اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے)زید اور عمرو دونوں عالم ہیں ان دونوں کے سامنے قطعہ فرائض عبارت صحیحہ اور مسئلہ صریحہ کے ساتھ پیش کیا گیا تو زید نے نفاق اور دنیوی عداوت کی بناپر کہہ دیا کہ فرائض کے زیادہ تر مقامات میں غلطی کی گئی ہے لہٰذا اس مسئلے کی صحت پر دستخط کرنا جائز نہیں'عمرو نے پہلے فرائض موصوفہ کو غور وفکر سے دیکھا پھر اس مسئلہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے دستخط کردئے،ازاں بعد زید کی زبانی اس کی غلط عبارت سنی تو دونوں موصوف عالموں نے اس سے اپنے اپنے دستخط مٹادئے گرچہ دیندار حضرات(اللہ تعالٰی ان کے فیوض وبرکات ہمیشہ پھیلائے)نے اس کی تحقیق کے بعد اس کی تصحیح فرمائی کیونکہ یہ دونوں اس کے عبارت کو غلط کہہ کر اس پر دستخط کو ناجائز سمجھے پس کیا اس واقعہ میں وہ لوگ عالی دماغ اور تکبر کی طرف منسوب ہوں گے؟اور جو لوگ علو دماغ اور تکبر کی بناء پر صحیح اور جائز کو ناجائز اور حلال کو حرام جانیں کافر قرار پائیں گے یا کبیرہ گناہ کے مرتکب؟ بیان فرماکر اجر وثواب کے مستحق ہوں۔(ت)

الجواب :

دریں سوال کمال اجمال بلکہ اہمال بکار بردہ شدمی بایست نقل آن فتوی فرستند تادیدہ شود کہ آیا فی الواقع غلط است وزید بخطائے او بے بردہ وباز عمرو نیز آگاہ ومتنبہ شدہ تصحیح خود ازوے جدا کردہ دریں صورت ہر دو ہر صواب باشند یاحقیقۃً صحیح ست وآنگاہ دیدنی ست کہ مسئلہ ازاں باب ست کہ خطا وانگاہ دیدنی ست کہ مسئلہ ازاں باب ست کہ خطا در فہم او بایشان عارض شود ودریں صورت درآنچہ کردند معذور باشند یاآنچناں نیست کہ بالقصد مکابرہ حق کردہ اند انگاہ لاجرم آثم وبزہ کار شوند فاما کفر نبود مگرآنکہ مسئلہ از ضروریات دین باشد کہ انکار بلکہ شک دراں کفراست۔ والعیاذباللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔	اس سوال میں مکمل اجمال بلکہ ناقص اجمال چھوڑ دینے سے کام لیا گیا ہے۔(یعنی سوال ہی ادھورا ہے) مناسب تو یہ تھا کہ اس فتوٰی کی نقل ہمراہ سوال بھیجی جاتی تاکہ یہ دیکھا جاتا کہ آیاواقعی وہ غلب ہے اور زید اس کی غلطی کی تہہ تک پہنچا اور عمرو بھی اور وہ اس سے آگاہ اور ہوشیار ہوگئے اس لئے اپنی تصحیح (ضمانت صحت) اس سے الگ کرلی۔ پس اس صورت میں دونوں راہ صواب پر ہیں یا درحقیقت وہ صحیح ہے، پھر یہ دیکھنا ہے کہ مسئلہ اس باب سے ہے کہ اس کے سمجھنے میں ان کو غلطی لاحق ہوگئی اس صورت میں وہ معذور متصور ہوں گے پھر یہ دیکھنا ہے کہ کیا انھوں نے دانستہ حق کا مقابلہ کیا، اگر ایسا ہے تو اس صورت میں وہ ضرور گناہ کے مرتکب ہوئے لیکن کفر پھر بھی نہیں ہوگا الایہ کہ مسئلہ ضروریات دین سے ہو (اور اس کا صراحۃً انکار ہو تو پھر کفر لازم آئے گا۔ مترجم) کہ اس کا انکار یا اس میں شک کیا جائے تو کفر ہے، اللہ تعالٰی کی پناہ۔ اور اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۶: ازیں شہر مرسلہ منشی احمد حسین خرسند نقشہ نویس فیض آباد دفتر اسسٹنٹ ریلوے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسلمانوں کے حق میں جو آریہ سماجوں میں جاکر کاپی نویسی کرتے ہیں یا پریس میں ہیں یا ان کے اخبار اور مذہبی پرچے روانہ یا تقسیم کرتے ہیں حالانکہ ان پرچوں میں قرآن کریم اور رسول رحیم پر کھلے کھلے اعتراض والزام ہوتے ہیں رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نعوذ باللہ منہا اور علمائے متقدمین ومتاخرین کو کھلی کھلی گالیاں دے جاتے ہیں جس کے شاہد سماجی کتب ترک اسلام، تہذیب الاسلام، آریہ مسافر جالندھر، آریہ مسافر میگزین، مسافر بہرائچ، آریہ پتر بریلی، ستیار تھ پرکاش موجود ہیں، نمونے کے طور پر چن الفاظ نقل ذیل ہیں: ستیا،پرکاش، مسافر،

بہرائچ، آیا ان مسلمانوں سے جو سماجوں میں ملازم ہیں میل جول رکا جائے اور مسلمان سمجھے جائیں، ایسے مسلمان جو مخالفین اسلام ودشمنان خدااور رسول کی اعانت کرنے والے ہیں ان کے جنازے کی نماز پڑھنادرست ہے اور ان کے ساتھ شراکت ونکاح جائز ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائے، اللہ اس کااجر عظیم عطافرمائے۔

الجواب:

اللہ عزوجل اپنے غضب سے پناہ دے۔ الحمدللہ فقیرے وہ ناپاک ملعون کلمات نہ دیکھے، جب سوال کی اس سطر پر آیا جس سے معلوم ہوا کہ آگے کلمات لعینہ ملعونہ منقول ہوں گے ان پر نگاہ نہ کی، نیچے کی سطریں جن میں سوال ہے باحتیاط دیکھیں، ایک ہی لفظ اوپر سائل نے نقل کیا اور نادانستگی میں نظر پڑا وہی مسلمان کے دل پر زخم کو کافی ہے اب یہ کہ جواب لکھ رہاہوں کاغذ تہہ کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملعونات کو نہ دکھائے نہ سنائے جو نام کے مسلمان کاپی نویسی کرتے ہیں اور عزوجل وقرآن عظیم ومحمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایسے ملعون کلمات ایسی گالیاں اپنے قلم سے لکھتے چاپتے ہیں یا کسی طرح اس میں اعانت کرتے ہیں ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اترتی ہے وہ اللہ ورسول کے مخالف اور اپنے ایمان کے دشمن ہیں قہر الٰہی کی آگ ان کے لئے بھڑکتی ہے صبح کرتے ہیں تو اللہ کے غضب میں اور شام کرتے ہیں تو اللہ کے غضب میں، اور خاص جس وقت ان ملعون کلموں کو آنکھ سے دیکھتے قلم سے لکھتے۔ مقابلہ وغیرہ میں زبان سے نکالتے یا پتھر پر اس کا ہلکا بھرا بناتے ہیں ہر کلمے پر اللہ عزجل کی سخت لعنتیں، ملائکہ اللہ کی شدید لعنتیں ان پر اترتی ہیں یہ میں نہیں کہتاہوں قرآن فرماتاہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝" [1]	بیشک وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیاواخرت میں اللہ نے ان کے تیار کر رکھا ہے ذلت کا عذاب۔

ان ناپاکوں کا یہ گمان کہ گناہ تو اس خبیث کا ہے جو مصنف ہے ہم تو نقل کردینے یا چھاپ دینے والے ہیں سخت ملعون ومردود وگمان ہے۔ زید کسی دنیا کی عزت دار کو گالیاں لکھ کر چھپوانا چاہے تو ہرگز نہ چھاپیں گے جانتے ہیں کہ مصنف کے ساتھ چھاپنے والی بھی گرفتار ہوں گے مگر اللہ واحد قہار کے قہر وعذاب ولعنت وعتاب کی کیا پرواہ یقینًا یقینًا کاپی لکھنے ولا پتھر بنانے والا، چھاپنے والا، کَل چلانے والا

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

غرض جان کرکے کہ اس میں یہ کچھ ہے کسی طرح اس میں اعانت کرنے والا سب ایک ہی باندھ کر جہنم کی بھڑکتی آگ میں ڈالے جانے کے مستحق ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَاتَعَاوَنُوْاعَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[1]	گناہ اور حد سے بڑھنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینه وھو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام، رواہ الطبرانی[2] فی الکبیر والضیاء فی صحیح المختارۃ عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو دانستہ کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد دینے چلا وہ یقینا اسلام سے نکل گیا (امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور ضیاء نے صحیح مختارہ میں حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

یہ اس ظالم کے لئے ہے جو گرہ بھر زمین یا چار پیسے کسی کے دبالے یا زید وعمرو کسی کو ناحق سست کہے اس کے مددگار کو ارشاد ہوا کہ اسلام سے نکل جاتا ہے نہ کہ یہ اشد ظالمین جو اللہ ورسول کو گالیاں دیتے ہیں ان باتوں میں ان کا مددگار کیونکر مسلمان رہ سکتا ہے۔ طریقہ محمدیہ او عراس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے:

من آفات الید کتابة مایحرم تلفظه من شعر المجون والفواحش والقذف والقصص التی فیھا نحو ذٰلك ولاھاجی نثر اونظما والمصنافات المشتملة علی مذاھب الفرق الضالة فان القلم احدی اللسانین فکانت الکتابة فی معنی الکلام بل ابلغ منه لبقائھا علی صفحات اللیالی والایام والکلمة تذھب فی الھواء و لاتبقی[3] اھ مختصرا۔	ہاتھ کی آفتوں سے ایک ہے کہ وہ کچھ لکھا جائے جس کا بولنا حرام ہے یعنی جیسے مذمت کے اشعار، فحش باتیں۔ گالی گلوچ اور وہ واقعات جو اسی قسم کی باتوں پر مشتمل ہوں اور ہجوں کرنا خواہ نثر میں ہو یا نظم میں اور گمراہ فرقوں کے مذاہب پر مشتمل تصنیفات اس لئے کہ بولنے والی زبان کی طرح قلم بھی ایک زبان ہے (جس کے ذریعے اظہار خیال ہوتا ہے) لہذا لکھنا بولنے ہی کی طرح ہے بلکہ بولنے سے بھی زیادہ بلیغ ہے جبکہ (زبان سے ادا ہونے والے) کلمات ہوا میں (منتشر ہو کر) گم ہو جاتے ہیں اور باقی نہیں رہتے مختصرا۔

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبة الفیصلیه بیروت ۱/ ۲۲۷

[3] الحدیقة الندیة شرح الطریقه المحمدیه الصنف الخامس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۴۳-۴۴۴

ایسے اشد فاسق فاجر اگر توبہ نہ کریں توان سے میل جول ناجائز ہے ان کے پاس دوستانہ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ پھر مناکحت تو بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ "[1]	اگر تجھے شیطان (غلط قسم کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت کا حکم) بھلادے تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت)

اور جو ان میں اس ناپاک کبیرہ کو حلال بتائے اس پر اصرار واستکبار ومقابلہ شرع سے پیش آئے وہ یقینا کافر رہے اس کی عورت اس کے نکاح سے باہر ہے اس کے جنازے کی نماز حرام۔ اسے مسلمانوں کی طرح غسل دینا، کفن دینا، دفن کرنا، اس کے دفن میں شریک ہونا، اس کی قبر پر جانا سب پر حرام ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ "[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	جب ان کافروں میں سے کوئی مرجائے تو اس پر نماز مت پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

فقیر کے یہاں فتاوٰی مجموعہ پر نقل ہوتے ہیں، میں نے نقل فرمانے والے صاحب سے کہہ دیا ہے کہ ان ملعون الفاظ کی نقل نہ کریں، سنا گیا ہے کہ سائل کا قصد اس فتوے کے چھاپنے کا ہے میں درخواست کرتا ہوں کہ ان ملعونات کو نکال ڈالیں ان کی جگہ دو ایک سطریں خالی صرف نقطے لگا کر چھوڑ دیں کہ مسلمانوں کی آنکھیں ان لعنتی ناپاکوں کے دیکھنے سے باذنہ تعالٰی محفوظ رہیں، فاللہ خیر حافظ وھو ارحم الراحمین (اللہ تعالٰی سب سے بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ت)

مسئلہ ۱۷: از گونڈا ملک اودھ مرسلہ مسلمانان گونڈا عموما وحافظ عبدالعزیز صاحب مدرس انجمن اسلامیہ گونڈا ذوالحجہ ۱۳۲۴ھ

زید نے پیشتر جس کو عرصہ قریب چار سال کے ہوا تین چار شخصوں کے سامنے یہ کلمات توہین وبے ادبی کے کہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام نے گناہ کیا اور گناہ میں مبتلا رہے جب بہت کچھ کہا گیا تو پھر زید نے بلا توبہ یہ کلمہ کہا کہ اچھا ہی نبی معصوم سہی مگر ہم سوائے انبیاء کے کسی کو قطعی جنتی نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ کلمات ساٹھ ستر مسلمانوں کے سامنے مکرر سہ کرر کہے، اس کا جواب زید کو دیا گیا کہ تم نے یہ بھی خلاف کلام اللہ وحدیث شریف کے کہا

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

کیونکہ عشرہ مبشرہ واصحاب بدر وشہداء وغیرہ وغیرہ ضرور قطعی جنتی ہیں اور ان کی نسبت حدیث وکلام پاک میں حکم آچکا ہے مگر زید نے ایک نہ مانی اور یہ ہی کہتا رہا کہ ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے بلکہ فوجداری کرنے کو مستعد وامادہ ہوگیا، بروقت استفسار علمائے دین نے فتوی دیا کہ زید ایسے کلمات کہنے سے قطعاً بدمذہب وگمراہ وبے دین وخارج از دائرہ اہلسنت وجماعت ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز ناجائز کیا بلکہ بالکل باطل ہے اس کو مناسب ہے کہ توبہ کرے جبکہ زید مذکور کو توبہ کرنے کے واسطے کہا گیا تو اول تو اس نے کلمات بالاکے کہنے سے انکار کیا جب سب لوگوں پر پورے طور سے کلمات ناشائستہ بالا کا کہنا ثابت ہوگیا تو پھر یہ حیلہ کیا کہ فلاں فلاں دو شخصوں کے روبرو ہم نے توبہ کرلی، اور ان دو شخصوں کا نام لیا جو زید کے دست واحباب ہیں اور جنھوں نے سابقا مثل زید کے یہ کہا تھا کہ ایسے کلمات زید نے نہیں کہے اور پھر وہی دونوں شخص کہنے لگے کہ زید نے توبہ کرلی ہے۔ لیکن دیگر صاحبان نے اس کہنے زید اور ان کے احبابوں کے کہنے کو تسلیم نہ کیا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کردی جب علماء سے دریافت کیا کہ زید دو شخص کو گواہ دیتا ہے کہ ان کے روبرو توبہ کرلی وہ شاہد ہیں تو یہ توبہ لائق پذیرائی ہے یا نہیں۔ تو عالم صاحب نے ارقام فرمایا کہ جب زید نے کلمات ضلالت علانیہ ساٹھ ستر مسلمانوں کے مجمع میں کہے اور مسلمانوں کو اپنی گواہی پر گواہ کرلیا اس کو لازم ہے کہ یونہی علی الاعلان توبہ کرکے مسلمانوں کو ان کلمات کے ضلالت ہونے اور اپنے رجوع کرنے پر گواہ کرلے جبکہ خود زید زندہ ہے تو توبہ کرسکتا ہے شہادت کی کیا حاجت ہے۔ اور مفتی صاحب نے یہ حدیث شریف بھی ارقام فرمادی ہے:

اذا علمت سیئۃ فاحدث عندھا التوبۃ السر بالسر و العلانیۃ بالعلانیۃ، رواہ الطبرانی[1] فی معجمہ الکبیر۔	جب تم کوئی گناہ کرو تو اسی وقت توبہ کرو پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدگی ہے اور اعلانیہ گناہ کی توبہ اعلانیہ، چنانچہ امام طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں اسے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور مولوی صاحب نے یہ کل مسئلہ تحفہ حنفیہ میں طبع کراکے شائع کرادیا ہے۔ اب پھر بعد چار سال کے دو تین آدمیوں کے سامنے کلمات لاطائل کا اقرار کرکے توبہ کرلی ہے اور یہ تین شخص ضرور معتبر اور معتمد ہیں مگر جس وقت زید نے ایک مجمع میں وہ کلمات بیہودہ کہے تھے اس وقت یہ صاحب اس مجمع میں نہ تھے

[1] المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل حدیث ۳۳۱ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۲۰ /۱۵۹، کنز العمال برمزحم فی الفردوس حدیث ۱۰۱۸۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴ /۲۰۹

اور معاملہ کو ضرور سنا تھا، ایک مفتی صاحب سے جو اس بارہ میں استفسار کیا گیا تو وہ فرماتے ہیں کہ جب دو تین شخص معتبر توبہ کے شاہد ہیں اور وہ اس کی توبہ کی خبر دیتے ہیں تو یہ بھی ایک قسم کا اعلان ہے جب مجمع میں کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کے رو بہ رو توبہ کرلی ہے تو اخبار عن التوبہ جو مجمع میں ہوا بمنزلہ توبہ کے ہے پس اعلان حاصل ہو گیا اس لئے یہ توبہ معتبر و صحیح ہو گی اس کا اعتبار کرلینا چاہئے اگرچہ اس فرمان عالم صاحب کو مان لیا گا مگر دوسرے صاحبوں نے کہا کہ آپ سے بھی استفسار لیا جائے یعنی دیگر علماء سے تاکہ کامل اطمینان ہو جائے۔

الجواب:

اقول: وباللّٰه التوفیق (میں اللہ کی توفیق ہی سے کہتا ہوں۔ت) اس مسئلہ میں مجملاً تحقیق حق یہ ہے کہ وہ گناہ جو خلق پر بھی ظاہر ہو جس طرح خود اس کے لئے وہ تعلق ہیں ایک بندے اور خدا میں کہ اللہ عزوجل کی نافرمانی کی اس کا ثمرہ حق جل وعلا کی معاذ اللہ ناراضی اس کے عذاب منقطع یا ابدی کا استحقاق دوسرا بندے اور خلق میں کہ مسلمانوں کے نزدیک وہ آثم وظالم یا گمراہ کافر بحسب حیثیت گناہ ٹھہرے اور اس کے لائق سلام وکلام و تعظیم و کرام واقتدائے نماز وغیرہا امور و معاملات میں اس کے ساتھ انھیں برتا کرنا ہو۔ یوہیں اس سے توبہ کے لئے بھی دو رخ ہیں، ایک جانب خدا، اس کا رکن اعظم بصدق دل اس گناہ سے ندامت ہے فی الحال اس کا ترک اور اس کے آثار کا مٹانا اور آئندہ کبھی نہ کرنے کا یہ صحیح عزم، یہ سب باتیں سچی پریشانی کو لازم ہیں۔ ولہٰذا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الندم توبة[1] رواہ احمد والبخاری فی التاریخ وابن ماجة والحاکم عن ابن مسعود والحاکم والبیھقی فی شعب الایمان عن انس والطبرانی فی الکبیر وابو نعیم	ندامت توبہ ہے (امام احمد اور امام بخاری نے تاریخ میں، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا امام حاکم اور امام بیہقی نے شعب الایمان

[1] مسند امام احمد عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۷۶، سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر التوبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳، المستدرك للحاکم کتاب التوبۃ والانابۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۴۳، شعب الایمان حدیث ۷۰۳۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۳۸۷

فی الحلیة عن ابی سعید الانصاری رضی الله تعالٰی عنهم وهو حدیث صحیح۔	میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے اسے روایت کیا۔امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوسعید انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اسے روایت کیااور وہ صحیح حدیث ہے۔(ت)

یعنی وہی سچی صادقہ ندامت کہ بقیہ ارکان توبہ کو مستلزم ہے اسی نام توبۃ السر ہے۔دوسرا جانب خلق کہ جس طرح ان پر گناہ ظاہر ہوااور ان کے قلوب میں اس کی طرف سے کشیدگی پیدا ہوئی اور معاملات میں اس کے ساتھ اس کے گناہ لائق انھیں احکام دئے گئے اسی طرح ان پر اس کی توبہ ورجوع ظاہر ہو کہ ان کے دل اس سے صاف ہوں اور احکام حالت برات کی طرف مراجعت کریں یہ توبہ علانیہ ہے توبہ سر سے تو کوئی گناہ خالی نہیں ہوسکتا اور گناہ علانیہ کے لئے شرع نے توبہ علانیہ کا حکم دیا ہے امام احمد کتاب الزہد میں بسند حسن اور طبرانی معجم الکبیر اور بیہقی شعب الایمان میں بسند جید سیدنا معاذ بن جبل سے اور ویلمی مسند الفردوسی میں انس بن مالک سے موصولا اور امام احمد زہد میں عطار بن یسار سے مرسلا بالفاظ عدیدہ مطولہ و مختصرہ راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیك بتقوی الله عزوجل مااستطعت و اذکر الله عزوجل عند کل حجر وشجر واذا علمت سیئة فاحدث عندها توبة السر بالسر والعلانیة بالعلانیة[1]۔ هذا لفظ احمد عن معاذ وفی مرسله من قوله اذا عملت سیئة الحدیث[2]۔ولفظ الدیلمی اذا احدثت ذنبا فاحدث عند توبة ان سرا فسر وان علانیة فعلانیة[3]۔	اللہ عزوجل سے تقوی لازم رکھ اور ہر پتھر اور پیڑ کے پاس اللہ کی یاد کر،اور جب کوئی گناہ کرے اس وقت توبہ لا۔خفیہ کی خفیہ اور آشکارا کی آشکارا۔(یہ حضرت معاذ کے حوالے سے مسند احمد کے الفاظ ہیں اور مسند احمد کی مرسل حدیث ہیں ان کے قول اذا عملت (الحدیث) تک الفاظ میں اور محدث ویلمی کے الفاظ ہیں)جب تجھ سے نیا گناہ ہو تو فوراً نئی توبہ کر۔نہاں کی نہاں،اور عیاں کی عیاں۔

[1] الزھد لاحمد بن حنبل مقدمہ الکتاب دار الدیان للتراث القاہرۃ ص ۳۵

[2] اتحاف السادۃ المتقین بر مزاحمد فی الزھد عن عطار بن یسار مرسلا دار الفکر بیروت ۸/ ۶۰۳

[3] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن انس حدیث ۱۰۲۴۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۲۲۰

اقول: **وباللّٰه التوفیق** (اللہ تعالٰی کی عطا کردہ توفیق ہی سے میں کہتا ہوں۔ت) اس حکم میں بکثرت حکمتیں ہیں:

اول: اصلاح ذات بین کا حکم ہے یعنی آپس میں صفائی اور صلح رکھو، یہ گناہ علانیہ میں توبہ علانیہ ہی پر موقوف کہ جب مسلمان اس کے گناہ سے آگاہ ہوئے اگر توبہ سے واقف نہ ہوں توان کے قلوب اس سے ویسے ہی رہیں گے جیسے قبل توبہ تھے۔

دوم: جب وہ اسے برا سمجھتے ہوئے ہیں تو اس کے ساتھ وہی معاملات بعد و تنفر رکھیں گے جو بدون کے ساتھ درکار ہیں علی الخصوص بدمذہب لوگ جیسا زید کا حال ہے یہ بہت برکات سے محرومی کا باعث ہوگا۔

سوم: جب یہ واقع میں تائب ہولے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له [1]۔	گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (ت)

تو اب مسلمانوں کے وہ معاملات نظر بواقع بیجا ہوں گے اور انھیں اس بیجا پر خود یہ شخص حامل ہوا کہ اگر اپنی توبہ کا اعلان کر دیتا ہے تو کیوں وہ معاملات رہتے تو لازم ہوا کہ انھیں مطلع کر دے جیسے کسی کے کپڑے میں نجاست ہو اور وہ مطلع نہیں تو جاننے والے پر اسے خبر دینی ضروری ہے۔

چہارم: ایسے گناہوں میں جو بد دینی ہے جیسے صورت مسئولہ میں زید کے وہ کلمات خبیثہ ان میں ایک اور سخت آفت کا اندیشہ ہے کہ اگر یہ مر گیا اور مسلمانوں پر اس کی توبہ ظاہر نہیں اور بدمذہب کی مذمت اس کے مرنے پر بھی جائز بلکہ کبھی شرعاً واجب ہے تو اہل سنت اسے برا اور بددین اور گمراہ کہیں گے اور ان کے سید و مولٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں زمین میں اللہ عزوجل گواہ بتادیا ہے آسمان میں اس کے گواہ ملائکہ ہیں اور زمین میں اہلسنت تو ان کی گواہی سے اس پر سخت ضرر کا خوف ہے اور وہ خود اس میں تقصیر وار ہے کہ اعلان توبہ سے ان کا قلب صاف نہ کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک جنازہ گزرا حاضرین نے اس کی تعریف کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم نے فرمایا:۔ "**وجبت**" واجب ہوگئی، ایک دوسرا جنازہ گزرا اس کی مذمت کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "**وجبت**" واجب ہوگئی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ

[1] کنز العمال برمز ہ'ق' طب عن ابن مسعود حدیث ۱۰۲۴۹ مؤسسة الرسالة بیروت ۴/ ۲۲۰

کیاواجب ہو گئی۔فرمایا:

ھذا اثنیتم علیه خیرا فوجبت له الجنة و ھذا اثنیتم علیه شرا فوجبت له النار انتم شھداء الله فی الارض۔رواہ احمد والشیخان [1] عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔	پہلے کی تم نے تعریف کی اس کے لئے جنت واجب ہو گئی، دوسرے کی مذمت کی اس کے لئے دوزخ واجب ہو گئی، تم اللہ تعالٰی کے گواہ ہو زمین میں،(امام احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اسے روایت کیا۔ت)

اور یہ نہ بھی ہو تو اتنا ضرور ہے کہ علماء و صلحاء اہلسنت اس کی تجہیز میں شرکت اور اس کے جنازہ پر نماز سے احتراز کریں گے شفاعت اخیار سے محروم رہے گا، یہ شناعت کیا کم ہے،**والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ کی پناہ۔ت)

پنجم: اصل یہ کہ گناہ علانیہ دوہرا گناہ ہے کہ اعلان گناہ دوہرا گناہ بلکہ اس گناہ سے بھی بدتر گناہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل امتی معافی الا المجاھرین،رواہ الشیخان [2] عن ابی ھریرة والطبرانی فی الاوسط عن ابی قتادة رضی الله تعالٰی عنھما۔	میری سب امت عافیت میں ہے سوان کے جو گناہ آشکارا کرتے ہیں(بخاری و مسلم نے حضرت بوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اور امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لایزال العذاب مکشوفا عن العباد لما استتروا بمعاصی الله فاذا اعلنوھا	ہمیشہ اللہ کا عذاب بندوں سے دور رہے گا جبکہ وہ اللہ تعالٰی کی نافرمانیوں کو ڈھانپیں

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ثناء الناس علی المیت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳، صحیح مسلم کتاب الجنائز باب فی وجوب الجنة والنار بشهادة المومنین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۸

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب ستر المؤمن علی نفسه قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۶، صحیح مسلم کتاب الزهد باب عقوبة من یأمر بالمعروف الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۲، المعجم الاوسط حدیث ۴۴۹۵ مکتبة المعارف ریاض ۵/ ۵۲۔۲۵۱

استر جبوا عذاب النار، رواہ فی مسند [1] الفردوس عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اور چھپائیں گے پھر جب علانیہ گناہ ور نافرمانیاں کریں گے تو وہ عذاب کے مستحق اور سزاوار ہوجائیں گے محدث دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا۔(ت)

اعلان پر باعث نفس کہ جرأت وجسارت وسرکشی وبے حیائی اور مرض کاعلاج ضد سے ہوتا ہے جب مسلمانوں کے مجمع میں اپنی ندامت وپشیمانی ظاہر کرے گا اور اپنے قول یا فعل یا عقیدہ کی بدی وشناعت پر اقرار لائے گا تو اس سے جو انکساری پیدا ہوگا اس سرکشی کی دوا ہوگا، فکر حاضر میں اس وقت اتنی حکمتیں خیال میں آئیں اور شریعت مطہرہ کی حکمتوں کو کون حصر کرسکتا ہے ان میں اکثر وجوہ یہ ہوتا ہے کہ جن جن لوگوں کے سامنے گناہ کیا ہے ان سب کے مواجدہ میں توبہ کرے مگر یہ کثرت مجمع کی حالت میں مطلقًا اور بعض صورتیں ویسے بھی حرج سے خالی نہیں اور حرج مدفوع بالنص ہے تاہم اس قدر ضرور چاہئے کہ مجمع توبہ مجمع گناہ کے مشابہ ہو سب میں ادنٰی درجہ کااعلان اگرچہ دو کے سامنے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

کما اجاب علماؤنا تمسك الامام مالك فی اشتراط الاعلان بحدیث اعلنوا النکاح ان من اشھد فقد اعلن کما فی مختصر الکرخی ومبسوط الامام محرر المذھب وغیرھما۔	جیساکہ ہمارے علماء کرام نے حضرت امام مالک کو ان کے استدلال سے جواب دیا کیونکہ امام مالک نے حدیث اعلنوا النکاح (لوگو! نکاح کا اعلان کیا کرو) سے نکاح کے لئے اسے شرط قرار دیا ہے ہمارے ائمہ نے فرمایا: جو شخص نکاح پر گواہ بنائیگا تو بلاشبہہ اس نے نکاح کااعلان کردیا۔(گویا حدیث میں اعلان سے تشہیر مراد ہے۔ مترجم) جیسا کہ مختصر کرخی اور مذہب تحریر کرنے والے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی مبسوط اور ان دو کے علاوہ دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔(ت)

مگر وہ مقاصد شرح یہاں بے مشاکلت ومشابہت حاصل نہ ہوں گے ولہٰذا علامہ مناوی نے فیض القدیر میں اس حدیث کی شرح میں لکھا:

احدث عندھاتوبۃ تجانسھا مع رعایۃ المقابلۃ وتحقق	گناہ کے ہوتے ہی ایسی نئی توبہ کریں جو اس گناہ کی مجانس (اس کی مثل) ہو باوجودیکہ اس

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۷۵۷۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۹۶

المشاکلة[1] اھ مختصرًا۔	میں رعایت مقابلہ وتحقق مشاکلت ہو(مختصرا عبارت مکمل ہوئی)۔(ت)

سو کے سامنے گناہ کیا اور ایک گوشہ میں دو کے آگے اظہار توبہ کردیا تو اس کا اشتہار مثل اشتہار گناہ نہ ہو اور وہ فوائد کہ مطلوب تھے پورے نہ ہوئے بلکہ حقیقۃ وہ مرض کہ باعث اعلان تھا توبہ میں کمی اعلان پر بھی وہی باعث ہے کہ گناہ تو دل کھول کر مجمع کثیر میں کرلیا اور اپنی خطا پر اقرار کرتے عار آتی ہے چپکے سے دو تین کے سامنے کہہ لیا وہ انکساری کہ مطلوب شرع تھا حاصل ہونا درکنار ہنوز خودداری واستنکاف باقی ہے اور جب واقع ایسا ہو تو حاشا توبہ سر کی بھی خبر نہیں کہ وہ ندامت صادقہ چاہتی ہے اور اس کا خلوص مانع استنکاف، پھر انصاف کیجئے تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے توبہ کرلی ہے اور اس مجمع میں توبہ نہ کرنا خود بھی اسی خودداری واستنکاف کی خبر دے رہا ہے ورنہ گزشتہ توبہ کا قصہ پیش کرنا گواہوں کے نام گنانا ان سے تحقیقات پر موقوف رکھنا مگر یہ جھگڑا آسان تھا یا مسلمانوں کے سامنے یہ دو حروف کہہ لینا کہ الٰہی! میں نے اپنے ان ناپاک اقوال سے توبہ کی، پھر یہاں ایک نکتہ اور ہے اس کے ساتھ بندوں کے معاملے تین قسم ہیں ایک یہ کہ گناہ کی اس کی سزا دی جائے اس پر یہاں قدرت کہاں، دوسرے یہ کہ اس کے ارتباط واختلاط سے تحفظ وتحرز نہ کیا جائے کہ بدمذہب کا ضرر سخت معتذر ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ اس کی تعظیم وتکریم مثل قبول شہادت واقتدائے نماز وغیرہ سے احتراز کریں، فاسق وبدمذہب کے اظہار توبہ کرنے سے قسم اول تو فورا موقوف ہوجاتی ہے الا فی بعض صورت مستثنیات مذکورۃ فی الدر وغیرہ (مگر بعض ان صورتوں میں جو درمختار وغیرہ میں مذکور ہیں۔ت) مگر دو قسم باقی ہنوز باقی رہتی ہیں یہاں تک کہ اس کی صلاح حال ظاہر ہو اور مسلمان اس کے صدق توبہ پر اطمنان حاصل ہو اس لیے کہ بہت عیار اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے زبانی توبہ کرلیتے ہیں اور قلب میں وہی فساد بھرا ہوا ہے۔ عراق میں ایک شخص صبیغ بن عسل تمیمی کے سر میں کچھ خیالات بدمذہبی گھومنے لگے، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور عرضی حاضر کی گئی طلبی کا حکم صادر فرمایا وہ حاضر ہوا امیر المومنین نے کھجور کی شاخیں جمع کر رکھیں اور اسے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا فرمایا تو کون ہے؟ کہا میں عبداللہ صبیغ ہوں، فرمایا اور میں عبداللہ عمر ہوں اور ان شاخوں سے مارنا شروع کیا کہ خون بہنے لگا پھر قید خانے بھیج دی، جب زخم اچھے ہوئے پھر بلایا اور ویسا ہی مارا پھر قید کردیا سہ بارہ پھر ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ بولا یا **امیر المومنین**! واللہ اب وہ

---

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی حدیث ۶۳۷ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰۶

ہوا میرے سر سے نکل گئی، امیر المومنین نے اسے حاکم یمن حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس بھیج دیا اور حکم فرمایا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھے وہ جدھر گزرتا اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے سب متفرق ہوجاتے یہاں تک کہ ابوموسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرضی بھیجی کہ یا امیر المومنین! اب اس کا حال صلاح پر ہے اس وقت مسلمانوں کو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت فرمائی، دارمی سنن اور نصر مقدسی وابوالقاسم اصبہانی دونوں کتاب الحجہ ابن الانباری کتاب المصارف اور لالکائی کتاب السنۃ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں سلیمان بن یسار سے راوی:

رجل من بنی تمیم یقال له صبیغ بن عسل قدم المدینة وکان عنده کتب فکان یسأل عن متشابه القرأن فبلغ ذٰلك عمر رضی الله تعالٰی عنه فبعث الیه وقد اعدله عراجین النحل فلما دخل علیه قال من انت قال انا عبدالله صبیغ قال عمر رضی الله تعالٰی عنه وانا عبدالله عمر واوما الیه فجعل یضربه بتلك العراجین فما زال یضربه حتی فما زال یضربه حتی شجه وجعل الدم یسیل علی وجهه فقال حسبك یا امیر المومنین والله فقد ذهب الذی اجد فی رأسی [1] ۔	قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص جس کو "صبیغ بن عسل" کہا جاتا تھا مدینہ منورہ آیا اس کے پاس کچھ کتابیں تھیں اور قرآن مجید کے تشابہات کے بارے میں پوچھتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے ایک آدمی بھیج کر اسے اپنے ہاں بلالیا اور اس کے لئے کھجوروں کی چند بڑی ٹہنیاں تیار رکھیں جب وہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا، میں عبداللہ صبیغ ہوں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں اللہ تعالٰی کا بندہ عمر ہوں، پھر اس کی طرف بڑھے اور ان ٹہنیوں سے اسے مارنے لگے اسے مسلسل مارتے رہے یہاں تک کہ وہ زخمی ہوگیا اور اس کے چہرے پر خون بہنے لگا، اس نے کہا بس بھی کریں کافی ہوگیا ہے امیر المومنین! خدا کی قسم میں اپنے دماغ میں جو کچھ پاتا تھا وہ نکل گیا ہے یعنی ختم

[1] تنہذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ صبیغ بن عسل دار احیاء التراث العربی بیروت ۶ /۳۸۷، سنن الدارمی حدیث ۱۴۶ دار المحاسن للطباعة القاہرۃ ۱/ ۵۱

ولنصر وابن عساکر عن ابی عثمان النھدی عن صبیغ کتب یعنی امیرالمومنین الی اھل البصرۃ ان لاتجالسوا صبیغا قال ابوعثمٰن فلوجاء ونحن مائۃ لتفرقناعنہ [1]۔وللدارمی وابن عبد الحکیم ابن عساکر عن مولی ابن عمر قال قال لہ عمر عماتسأل فحدثہ فارسل الی عمر یطلب الجرید ضربہ بھا حتی ترك ظھرہ دبرۃ ثم ترکہ حتی برء ثم دعا بہ لیعود بہ فقال صبیغ یا امیر المومنین ان کنت ترید قتلی فاقتلنی قتلا جمیلا وان کنت ترید تداوینی فقد و اللہ برئت فاذن لہ الی ارضہ وکتب لہ الی ابی موسٰی الاشعری ان لایجالسہ احد من المسلمین فاشتد ذٰلك علی الرجل	ہوگیا ہے نصر مقدسی اور ابن عساکر نے ابوعثمان نہدی کے حوالے سے صبیغ سے روایت کی،امیر المومنین نے اہل بصرہ کو لکھا کہ وہ صبیغ کے پاس نہ بیٹھا کریں،چنانچہ ابو عثمان نے بیان کیا(کہ اس حکم کے بعد لوگوں کی یہ حالت ہوگئ کہ)اگر وہ شخص آتا او رہم ایک سو کی تعداد میں موجود ہوتے تو ہم ادھر ادھر بکھر جاتے،دارمی،ابن عبدالحکیم اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام سے روایت کی غلام نے کہا حضرت عمر فاروق نے اس سے دریافت فرمایا:تو کس بارے میں سوال کرنا چاہتاہے،اس نے جواب دیا اور بیان کیا۔پھر امیر المومنین نے لاٹھیاں منگوانے کے لیے میرے پاس آدمی بھیجا اور لاٹھیاں منگواکر اس سے مارا پیٹا یہاں تک کہ اس کی پیٹھ زخمی ہوگئ،اسے اس حالت میں رخصت کردیا تاآنکہ وہ صحت یاب ہوکر ٹھیک ہوگیا،پھر اسے طلب کیا تاکہ اسے مزید زدوکوب کریں،صبیغ مذکور نے عرض کی اے امیر المومنین!اگر مجھے ماڈالنا چاہتے ہیں تو مجھے مار ڈالیں اور اگر میرا علاج کرنا چاہتے ہیں تو خدا کی قسم اب میں ٹھیک ہوگیا ہوں،امیر المومنین نے پھر اسے اپنے وطن جانے کی اجازت دے دی اور اس کے بارے میں حضرت

[1] تھذیب دمشق الکبیر ترجمہ صبیغ بن عسل دار احیاء التراث العربی بیروت ۶ /۳۸۷

فکتب ابو موسٰی الی عمر ان قد حسنت ھیأتہ ان ائذن للناس فی مجالستہ [1] ولابن الابناری ولنصر و اللالکائی وابن عساکر عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ وذکر القصۃ قال فلم یزل یعنی صبیغا وضیعافی قومہ حتی ھلك وکان سید قومہ [2]۔	ابو موسٰی اشعری کی طرف یہ ہدایت تحریر بھیجی کہ کوئی مسلمان اس شخص کے پاس نہ بیٹھنے پائے، یہ حکم اسے گراں گزرا، کچھ عرصہ بعد ابو موسٰی اشعری نے امیر المومنین کو لکھا کہ اس کی حالت اچھی ہوگئی ہے۔ آپ نے انھیں جواب بھیجا کہ اب لوگوں کو اس کے پاس بیٹھنے کی اجازت دے دیں، ابن ابی الابناری نصر مقدسی لالکائی اور ابن عساکر نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت فرمائی کہ انھوں نے پورا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ پھر ہمیشہ صبیغ اپنی قم (بے قدر) کہتر ہو گیا یہاں تک کہ اسے موت آگئی، باوجود یہ کہ وہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ (ت)

پھر صحت توبہ پر اطمینان کتنی مدت میں حاصل ہوتا ہے صحیح یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی مدت متعین نہیں کر سکتے جب اس شخص کی حالت کے لحاظ سے اطمینان ہو جائے کہ اب اس کی اصطلاح ہو گئی اس وقت اس سے دو قسم اخیر کے معاملات بر طرف ہوں گے، فتاوٰی امام قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الفاسق اذا تاب لاتقبل شھادتہ مالم یمض علیہ زمان یظھر علیہ اثر التوبۃ والصحیح ان ذٰلك مفوض الی رائی القاضی [3]۔	بدکردار جب تائب ہو جائے تب بھی اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی جب تک کہ کچھ زمانہ بیت جائے تاکہ اس پر توبہ کے آثار ہو جائیں، اور صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے۔ (یعنی جب قاضی کو اس سے مکمل اطمینان ہو جائے تو پھر شہادت مقبول ہوگی۔ مترجم)۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ بات نظر بحالات مختلف ہو جاتی ہے ایک سادہ دل راست گو سے کوئی گناہ ہوا اس نے توبہ کی اس کے صدقہ پر جلد اطمینان ہو جائے گا اور دروغ گو مکار کی توبہ کا اعتبار نہ کریں گے اگرچہ ہزار مجمع میں تائب ہو، امام اجل ملک العلماء ابو بکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی بدائع میں

[1] تھذیب دمشق الکبیر ترجمہ صبیغ بن عسل ۶ /۳۸۷ وسنن الدارامی حدیث ۱۵۰ /۱ ۵۱

[2] تھذیب دمشق ترجمہ صبیغ بن عسل داراحیاء التراث العربی بیروت ۶ /۳۸۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۶۸

فرماتے ہیں:

المعروف بالکذب لاعدالة له ولا تقبل شهادته ابدا وان تاب بخلاف من وقع فی الکذب سهوا اوابتلی به مرة ثم تاب[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کوئی دروغ گوئی یعنی جھوٹ بولنے میں مشہور ہو تو اس کے لئے کوئی عدالت نہیں لہٰذا کبھی بھی اس کی شہادت مقبول نہیں ہوسکتی اگرچہ تائب ہوجائے۔بخلاف اس شخص کے جس نے بھول کر جھوٹ کہہ دیا یا کبھی کبھار اس سے غلط بیان ہوگئی پھر اس نے توبہ کرڈالی (تو اس کی شہادت توبہ کرنے کے بعد مقبول ہوگی، مترجم) اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

زید کہتاہے کہ حضرت محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ صحابہ سے افضل ہیں اور ایصال نفع ونقصان کے مالک ہیں چنانچہ مجھ کو ان کی گیارھویں کرنے سے ترقی ہوئی، گیارھویں اور مولود میرا ایمان ہے۔عمرو کہتاہے کہ حضرت محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ صحابہ کرام سے افضل نہیں اور نہ مالک نفع وضرر ہیں البتہ ان کی مقدس روح کو فاتحہ شرینی وغیرہ کا ثواب پہنچانا موجب خیر وبرکت ہے۔گیارھویں اور مولود اقدس مروجہ داخل ایمان نہیں کیونکہ میں نے یہ دونوں اٰمنت باللہ کے معنی میں سے نہیں سنے، لیکن یہ بات ضرور ہے کہ ذکر ولادت جناب رسالتمآب علیہ افضل التحیات کا مشروع طور پر کرنا ایمان کے لوازمات سے ہے اور باعث فلاح دارین ہے___ کس کا قول درست ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان کروتاکہ اجروثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل کہنا گمراہی ہے اور بعطائے الٰہی مالک نفع وضرر کہنے میں حرج نہیں، مسلمان جب ایسا لفظ کہتاہے اس کی مراد یہی ہوتی ہے نہ یہ کہ معاذاللہ بذات خود بے عطائے الٰہی مالک نفع وضرر جانے کہ یہ کفر خاص ہے اور کوئی مسلمان اس قصہ سے نہیں کہتا۔مجلس میلاد مبارک ویازدہم شریف میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت خصوصی فعل اس طور پر تو فرائض حتی کہ نماز وروزہ بھی داخل ایمان وجزء ایمان نہیں، **اٰمنت باللہ** (میں اللہ پر ایمان لایا۔ت) میں ان کا بھی ذکر صریح نہیں، دوسری حیثیت مقصد ومنشاء یعنی محبت وتعظیم حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو محبت وتعظیم اہلبیت وصحابہ واولیاء وعلماء رضی اللہ تعالٰی

[1] بدائع الصنائع کتاب الشہادۃ فصل اما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹

عنہم بھی اس میں داخل ہے یہ ضرور رکن ایمان ہے:

قال اللہ تعالٰی "وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ" [1]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے (قرآن مجید میں) ارشاد فرمایا ان کی (یعنی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی) تعظیم وتوقیر کرو۔(ت) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں میں اس وقت تک کوئی ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک اس میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤ(یعنی وہ سب سے زیادہ مجھے محبوب رکھے)۔اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۹تا۲۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) زید نے ایک شخص کو حقہ بھر کردیا، شخص مذکور نے حقہ لے کر ایک شعر پڑھا، زید نے لاعلمی کی وجہ سے یہ کہا **سمع اللہ لمن** ہمیں کیا، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۲) دیگر سوال یہ ہے کہ جس شخص کی قرابت داری رافضیوں سے ہو اور ان کے کھانے پینے میں اور زیست ومرگ میں بھی شامل ہو اور کوئی سمجھائے تو اس کا یہ جواب کہ ہم سے یہ ترک ہو نہیں سکتا۔

(۳) اور مسئلہ سوم یہ ہے کہ جو شخص سود خور سے محبت قلبی رکھے اور بعد مرگ اس کے مال کی پیروی بہت سی کرے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۴) چہارم زید کی والدہ کا زید کی شادی کے وقت تک یہ عقیدہ تھا کہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے برابر کسی صحابی کا رتبہ نہیں ہے۔ **بینوا توجروا**۔ (بیان کرو تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) پہلا لفظ ناپاک جس نے بکا اسے نئے سرے سے کلمہ پڑھنا چاہئے اور اپنی عورت سے تجدید نکاح کرے **لانہ استھزاء بکلمۃ الحمد الالٰھی عزجلالہ** (اس لئے کہ یہ اللہ تعالٰی (کہ جس کا جلال ورعب غالب ہے) کے کلمہ حمد کے ساتھ مذاق ہے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۹

[2] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

(۲) رافضیوں سے میل جول حرام ہے اور اس کا مرتکب اگر رافضی نہ بھی ہو تو سخت درجہ کا فاسق فاجر ضرور ہے اور جب وہ اس پر اصرار کرتا ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ خود اس سے ملنا جلنا ترک کردیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے (قرآن مجید میں) ارشاد فرمایا: اگر شیطان تمھیں بُھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت)

(۳) سود خور سے محبت اگر اپنی کسی قرابت، رشتہ، جائز احسان کی وجہ سے ہے تو اس قدر پر انسان مجبور ہے اور بے اس کے اس سے بھی خلط ملط منع ہے۔

فی التفسیر الاحمدی بما ذکر شمول الکریمۃ المتلوۃ لکل کافر والمبتدع والفاسق ان القعود مع کلھم ممنوع[2]۔	تفسیر احمدی میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ اوپر ذکر کردہ آیہ کریمہ ہر کافر بدعتی اور فاسق کو شامل ہے یہ بیان فرمایا کہ ان سب کے پاس بیٹھنا شرعاً منع ہے۔ (ت)

اور بعد مرگ اس کے مال کی پیروی سے اگر مراد یہ ہے کہ اس کا سود جو لوگوں پر پھیلا ہوا تھا وصول میں کوشش کی جب تو یہ کوشش کرنے والا بھی سود خوار کی طرح ملعون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ اکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ[3]۔	سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے سب پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔ (ت)

اور اگر کسی مال حلال کے لئے کوشش کی تو حرج نہیں۔

(۴) زید کی والدی عقیدہ مذکورہ کے سبب اہلسنت سے خارج اور ایک گمراہ فرقے تفضیلیہ میں داخل ہے جن کو ائمہ دین نے رافضیوں کا چھوٹا بھائی کہا ہے مگر اس سے زید پر کچھ الزام

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۶۸

[2] التفسیرات الاحمدیہ تحت آیۃ وما علی الذین یتقون من حسابھم مطبعہ کریمیہ بمبئی ص ۳۸۸

[3] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

نہیں جبکہ وہ اس عقیدہ میں شریک نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: از سنبھل ضلع مراد آباد محلّہ ٹیلہ مرسلہ نادر حسین صاحب ۱۴جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

زید نے بھنگی کے گھر پر جا کر اس کے گھر کے کھانے پکے ہوئے پر فاتحہ جناب شاہ بدیع الدین یعنی مدار صاحب دے کر کچھ دام اور شیرینی اور خشک آٹا وغیرہ اپنے گھر لا کر استعمال میں لایا اور سالہا سال سے ایسا ہی کیا کرتا ہے یعنی وہ اپنا اسے پیر سمجھتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ فعل شرعاً جائز تھا یا ناجائز؟ اگر جائز تھا تو احکام شرعیہ کے کون شے کے جواز سے؟ اور اس کے لائے جنس کا کھانا دوسرے مسلمان کو چاہئے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز تھا تو اس کی نسبت کیا حکم؟ مسلمانوں کو اس سے بچنا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب:

زید بیقید کا یہ فعل بہت ناپاک وبد ہے۔ یہاں علی العموم بھنگی کفار ہیں، اور کافر کی کوئی نیاز کوئی عمل قبول نہیں، نہ ہرگز اس پر ثواب ممکن جسے پہنچایا جائے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے (قرآن مجید میں) ارشاد فرمایا: اور ہم نے ان کاموں کا ارادہ کیا جو انھوں نے (دنیاوی زندگی میں) کئے پھر ہم انھیں بکھرا ہوا گردو غبار بنا کر اڑادیں گے۔ (ت)

اس کے کھانے پر فاتحہ دینا اس کا ثواب پہنچنے کا اعتقاد ہے اور یہ قرآن عظیم کے خلاف ہے زید پر توبہ فرض ہے بلکہ تجدید اسلام ونکاح چاہئے، بھنگی کا صدقہ جو یہ شخص لاتا اور کھاتا ہے اسلام کو ذلیل اور مسلمانوں کو متنفر کرتا ہے مسلمان اسے نہ کھائیں، اور یہ شخص تائب نہ ہو تو اسے بھنگیوں ہی پر چھوڑ دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴: از ڈیسہ اسحاق اللہ ملک گجرات مرسلہ پیرزادہ محمد معصوم شاہ صاحب ۱۷جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

بخدمت جناب مجدد ہند مولانا مولوی صاحب احمد رضا خاں صاحب، بعد تسلیم کے گزارش حال یہ ہے کہ آپ کے نام پیر ڈیسہ سے فتوی لکھا ہے وہ شخص مولوی اشرفعلی کا پیرو ہے اور یہاں پر چار سو مکان اہلسنت وجماعت کے ہیں ان کو مولوی اشرفعلی کے سپرد کرنا چاہتا ہے یعنی ہمارے ہاں

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

دستور ہے کہ شادی میں نکاح کے وقت تاشہ بجایا کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ غیر مقلد ہماری جماعت میں نہ آنے پائیں مگر یہ شخص اشر فعلی کے پیرو ہو کر تاشہ بجانا منع کرتا ہے اور جس شے میں گناہ نہ ہو اس کو بھی منع کرتا ہے اس واسطہ آپ اسحاق اللہ کے نام پر لکھنا تاکہ ہم ان شیطانوں کے پھندوں سے بچیں اگر چہ یہاں پر تاشہ بجن بند ہووے تو ہم کو اپنے مذہب سے پھر جانے کا خوف ہے۔

الجواب:

جناب پیرزادہ صاحب دام مجدہم تسلیم!

شرح مطہر نے شادی میں دف جس میں جلاجل نہ ہوں اور قانون موسیقی پر نہ بجائیں جائز رکھا ہے۔ڈھول تاشے باجے جس طرح رائج ہیں جائز نہیں ناجائز بات کو اگر کوئی بدمذہب یا کافر منع کرے تو اسے جائز نہیں کہا جاسکتا، کل کو کوئی وہابی ناچ کو منع کرے تو کیا اسے بھی جائز کردینا ہوگا، سنی مسلمانوں کو دین پر ایسا بودا پوچ اعتقاد نہ چاہئے کہ گناہ کی اجازت نہ ملے تو دین ہی سے پھر جائیں، دین پر اعتقاد ایسا چاہئے کہ **لاتشرك باللّٰه وان حرقت** (اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اگر چہ تجھے جلادیا جائے۔ت) اگر کوئی جلا کر خاک کردے تو دین سے نہ پھرے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝" [1]۔ **و العیاذ باللّٰه تعالٰی، واللّٰه تعالٰی اعلم۔**	کچھ لوگ کنارے پر کھڑے اللہ کو پوجتے ہیں اگر کوئی بھلائی پہنچی جب تو خوش ہیں اور کوئی آزمائش ہوئی تو الٹے منہ پلٹ گئے ایسوں کا دنیا و آخرت دونوں میں گھاٹا ہے یہی صریح زیاں کاری ہے۔اللہ تعالٰی کی پناہ۔اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

سود کھانا اور جوا کھیلنا اور زانی وغیرہا سب فعل بد کی گناہ ایک برابر ہے یا نہ؟ اور ایسے آدمی کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر و ثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ سب افعال حرام اور سخت کبائر ہیں، اور ان میں سے کسی فعل کا مرتکب مستحق نار و غضب جبار ہے

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱

پھر زنا کہ سخت خبیث کبیرہ ہے اس میں اگر حق العبد شامل نہ ہو تو سود اور جوا اس سے بدتر ہیں سود کی نسبت صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الربٰو ثلث وسبعون حوبا ادناھن ان یقع الرجل علی امه[1]۔	سود کھانا تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے ان میں سے سب سے ہلکا گناہ ایسا ہے جیسے آدمی ماں سے زنا کرے۔

اور اگر زنا میں حق العبد بھی شامل ہے تو وہ سود اور جوئے دونوں سے بدتر ہے کہ سود اور جوئے کا اثر مال پر ہے اور زنا کا ناموس پر اور ناموس مال سے عزیز تر ہے۔ایسے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانا نہ چاہئے۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۶تا۲۹: از مقام سوجت مارواڑ بازار کے اندر مسئولہ شیخ ننے میاں کلاہ فروش داہن منڈی

(۱) یہ کہ کاہنوں اور جوتشیوں سے ہاتھ دکھلا کر تقدیر کا بھلا یا برا دریافت کرنا۔

(۲) اور بیچاری نوجوان بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کو برا سمجھنے اور نکاح ثانی کرنے والوں پر طعن کرنا۔

(۳) اور بیاہ شادیوں میں طوائف اور بھانڈ نچانا

(۴) اور جوئے کا آنکہ لگانا ہار جیت کا جیسا کہ اکثر ہندو مہاجن وغیرہ لگایا کرتے ہیں ایسا کام کرنے والے حنفی المذہب اور اہلسنت و جماعت رہے یا نہیں، کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) کاہنوں اور جوتشیوں سے ہاتھ دکھا کر تقدیر کا بھلا برا دریافت کرنا اگر بطور اعتقاد ہو یعنی جو یہ بتائیں حق ہے تو کفر خالص ہے۔اسی کو حدیث میں فرمایا:

فقد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم[2]۔	بے شک اس سے انکار کیا جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا گیا۔(ت)

اور اگر بطور اعتقاد و تیقن نہ ہو مگر میل ورغبت کے ساتھ ہو تو گناہ کبیرہ ہے۔اسی کو حدیث میں فرمایا:

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب التغلیظ فی الرباء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۶۵

[2] جامع الترمذی کتاب الطہارت بب ماجاء فی کراھیۃ ایتان الحائض امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹

لم یقبل اللّٰہ لہ صلٰوۃ اربعین صباحا۔[1]	اللہ تعالٰی چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ فرمائیگا۔

اور اگر ہزل واستہزاء ہو تو عبث ومکروہ حماقت ہے۔ہاں اگر بقصد تعجیز ہو تو حرج نہیں،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) نکاح ثانی کو برا سمجھنااور اس پر طعن کرنا اگر محض بربنائے رسم ورواج ومصالح عرفیہ ہے نہ یوں کہ اسے شرعاحرام جانیں یا شرعاحلال جان کر تحلیل تکمیل شرع کو برا سمجھے تو چنداں موردالزام نہیں۔

کما فصلناہ باطیب تفصیل فی رسالتنا عقائد التھانی فی حکم النکاح الثانی۔	جیسا کہ ہم نے اس مسئلہ کی بہت عمدہ تفصیل اپنے رسالہ عقائد التہانی فی حکم نکاح الثانی میں بیان کی ہے۔(ت)

اور اگر اسے شرعاحرام سمجھتاہے تو حکم کفر ہےاور شرعاحلال جان کر تحلیل شرع کو معاذاللہ برا جانتاہے تو صریح مرتد،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) طوائفوں کا ناچ مطلقاً حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر متعدد آیات قرآنیہ ناطق ہیں بھانڈ جس طرح نقلیں بنایااور لوگوں کو ہنسایا کرتے ہیں یہ بھی شرعاحرام ہے۔نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قعد وسط الحلقۃ فھو ملعون[2]۔	جو مجلس بری کے درمیان بیٹھاوہ ملعون ہے۔(ت)

اور مزامیر کے ساتھ ان کاگانا بھی حرام ہےاور اگر لچھے توڑے کے ساتھ ناچتے ہوں تو یہ بھی حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) جو ابھی بنص قطعی قرآن حرام ہے مگر ان افعال کے کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے مستحق عذاب نار ہوتا ہے مگر حنفیت یا سنیت سے خارج نہیں ہوتاجب تک اعتقاد میں فرق نہ ہو**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اطاعت والدین وبرادران واجب ہے یافرض؟اور در صورت ارتکاب ان کے یہ گناہ کبیرہ مثلازنا کرنا،چوری کرنا،داڑھی منڈانا،

---

[1] جامع الترمذی کتاب الاشربۃ باب ماجاء فی شارب الخمر امین کمپنی دہلی ۲/ ۸

[2] جامع الترمذی کتاب الادب ماجاء فی کراھیۃ القعود وسط الحلقہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

یا کتروانا، ترک اطاعت ہے یا اب بھی اطاعت کرنا چاہئے، اور اگر بعد ارتکاب کے لڑکا اپنے باپ سے یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے کہے کہ داڑھی منڈانا یا زنا کرنا یا چوری کرنا چھوڑ دو، اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ یہ تو ضرور کروں گا۔ اس حالت میں طاعت کرے یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص توبہ سے انکار کرے تو کافر ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگرچہ وہ خود مرتکب کبیرہ ہوں، ان کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے مگر اس کے سبب یہ امور جائزہ میں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتا، ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی [1]۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت (فرمانبرداری) نہیں۔(ت)

ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں تو ان سے بہ نرمی وادب گزارش کرے اگر مان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کرسکتا بلکہ غیبت میں ان کے لئے دعا کرے، اور ان کا یہ جاہلانہ جواب دینا کہ یہ تو ضرور کروں گا یا توبہ سے انکار کرنا دوسرا سخت کبیرہ ہے مگر مطلقاً کفر نہیں جب تک حرام قطعی کو حلال جاننا یا حکم شرعی کی توہین کے طور پر نہ ہو اس سے بھی جائز باتوں میں ان کی اطاعت منع نہ کی جائے گی ہاں اگر معاذاللہ یہ انکار بروجہ کفر ہو تو وہ مرتد ہوجائیں گے اور مرتد کے لئے مسلمان پر کوئی حق نہیں رہا بڑا بھائی وہ ان احکام میں ماں باپ کا ہمسر نہیں، ہاں اسے بھی حق تعظیم حاصل ہے۔ اور بلاوجہ شرعی ایذارسانی تو کسی مسلمان کی حلال نہیں، اور اللہ تعالٰی سب مخلوق سے زیادہ جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۱: از پیلی بھیت کچہری کلکٹری مرسلہ جناب مولوی عرفان علی صاحب رضوی برکاتی بیسلپوری ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

اہل ہنود کے میلوں میں مثل دسہرہ وغیرہ میں جو مسلمان دیکھنے کی غرض سے جاتے ہیں کیا ان کی عورتیں نکاح سے باہر ہوجاتی ہیں؟ کیا تجارت پیشہ لوگوں کو بھی جانا ممنوع ہے؟

الجواب:

ان کا میلہ دیکھنے کے لئے جانا مطلقاً ناجائز ہے۔ اگر ان کا مذہبی میلہ ہے جس میں وہ اپنا

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل بقیہ حدیث الحکم بن عمرو الغفاری المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۶۶

کفر وشرک کریں گے کفر کی آوازوں سے چلائیں گے جب تو ظاہر ہے اور یہ صورت سخت حرام منجملہ کبائر ہے پھر یہ بھی کفر نہیں اگر کفری باتوں سے نافر ہے ہاں **معاذاللہ** ان میں سے کسی بات کو پسند کرے یا ہلکا جانے تو آپ ہی کافر ہے اس صورت میں عورت نکاح سے نکل جائے گی اور یہ اسلام سے ورنہ فاسق ہے۔ اور فسق سے نکاح نہیں جاتا، پھر بھی وعید شدید ہے اور کفریات کو تماشا بنانا ضلال بعید ہے۔ حدیث میں ہے:

من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریك من عمل بہ، رواہ ابو یعلی [1] فی مسندہ وعلی بن معبد فی کتاب الطاعۃ والمعصیۃ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورواہ الامام عبداللہ بن المبارك فی کتاب الزھد عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ وھو عند الخطیب عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ من سود مع قوم فھو منھم [2]۔	جو کسی قوم کا جتھا بڑھائے وہ انھیں میں سے ہے اور جو کسی قوم کا کوئی کام پسند کرے وہ اس کام کرنے والوں کا شریک ہے (امام ابویعلی نے اپنی مسند میں اس کو روایت فرمایا اور علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والمعصیۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اسے روایت کیا اور امام عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ نے کتاب الزہد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول سے اس کو روایت کیا جبکہ وہ خطیب کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے جو کسی قوم کے ساتھ ہو کر ان کا جتھا بڑھائے تو وہ انہی میں شمار ہے۔ ت)

اور اگر مذہبی میلہ نہیں لہو ولعب کا ہے جب بھی ناممکن کہ منکرات وقبائح سے خالی ہو اور منکرات کا تماشا بنانا جائز نہیں۔ رد المحتار میں ہے:

کرہ کل لھو والاطلاق	ہر کھیل مکروہ یعنی ناپسندیدہ کام ہے اور اس کو

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ بحوالہ ابی یعلی وعلی بن معبد کتاب الجنایات المکتبۃ الاسلامیہ ۳ /۳۴۶

[2] کنزالعمال بحوالہ حن عن انس حدیث ۲۴۶۸۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹ /۱۰، تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن عتاب ۴۱۶۷ دارالکتاب العربی بیروت ۱۰ /۴۰

شامل لنفس الفعل واستماعہ[1]۔	مطلق (بغیر کسی قید) ذکر کرنا اس کے کرنے اور سننے دونوں کو شامل ہے۔(ت)

طحطاوی صدر کتاب بیان علوم مخفی ذکر شعبدہ میں ہے:

یظھر من ذٰلك حرمة التفرج علیھم لان الفرجة علی المحرم حرام[2]۔	اس سے کھیل (تماشا) پر خوشی منانے کی حرمت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ کسی حرام کام پر خوشی منانا بھی حرام ہے۔(ت)

یعنی شعبدہ باز بھان متی بازیگر کے افعال حرام ہے اور اس کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے کہ حرام کو تماشا بنانا حرام ہے خصوصا اگر کافروں کی کسی شیطانی خرافات کو اچھا جانا تو آفت اشد ہے اور اس وقت تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا۔ غمز العیون میں ہے:

اتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترك الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس اوترك المضاجعة عند ھم حال الحیض حسن فھو کافر[3]۔	ہمارے مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھا تو وہ کافر ہوگیا انھوں نے یہاں تک شدت اختیار فرمائی کہ اگر کسی شخص نے (آتش پرستوں کے بارے میں کہا کہ ان کا طعام کھانے کے وقت خاموش رہنا اچھی بات ہے اور اسی طرح ایام ماہواری میں عورت کے پاس نہ لیٹنا عمدہ بات ہے تو وہ کافر ہے، (یعنی اہل کفر کی بات کو بھی اچھا کہنا یا سمجھنا خالص اسلام میں موجب کفر ہے)۔ (ت)

اور اگر تجارت کے لئے جائے تو اگر میلہ ان کے کفر وشرک کا ہے جانا ناجائز وممنوع ہے کہ اب وہ جگہ ان کا معبد ہے اور معبد کفار میں جانا گناہ۔ تیمیہ پھر تتارخانیہ پھر ہندیہ میں ہے:

یکرہ للمسلم الدخول فی البیعة والکنسیة وانما یکرہ من حیث انہ مجمع الشیاطین[4]۔	یہودیوں کی عبادت گاہ اور عیسائیوں کے گرجے (چرچ) میں کسی مسلمان کا داخل ہونا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ شیاطین کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۵۳

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار خطبة الکتاب دارالمعرفة بیروت ۱/ ۳۱

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامی کراچی ۱/ ۲۹۵

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۶

بحر الرائق میں ہے:

والظاہر انہا تحریمیۃ لانہا المرادۃ عند اطلاقہم[1]۔	ظاہر یہ ہے کہ کراہت سے کراہتِ تحریمی مراد ہے کیونکہ "عند الاطلاق" وہی مراد ہوا کرتی ہے۔(ت)

بلکہ ردالمحتار میں ہے:

فاذا حرم الدخول فالصلٰوۃ اولی[2]۔	جب وہاں جانا اور داخل ہونا حرام ہے تو نماز پڑھنا بدرجہ اولٰی حرام ہے۔(ت)

اور اگر لہو ولعب کا ہے اور خود اس سے بچے نہ اس میں شریک ہو نہ اسے دیکھے نہ وہ چیزیں بیچے جو ان کے لہو ولعب ممنوع کی ہوں تو جائز ہے پھر بھی مناسب نہیں کہ ان کا مجمع ہر وقت محل لعنت ہے تو اس سے دوری ہی میں خیر وسلامت ہے ولہذا علماء نے فرمایا کہ ان کے محلّہ میں ہو کر نکلے تو جلد لمکتا ہوا گزر جائے، غنیہ ذوی الاحکام پھر فتح اللہ المعین، پھر طحطاوی میں ہے:

هم محل نزول اللعنة فی کل وقت ولا شك انه یکرہ السکون فی جمیع یکون کذٰلك بل وان یمر فی امکنتهم الا ان یهرول ویسرع وقد ردت بذٰلك اٰثار۔	اس لئے کہ ہر وقت مقامات کفار پر خدا کی لعنت برستی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی مجلس (اور جگہ) میں ٹھہرنا مکروہ ہے (ناپسندیدہ امر) ہے بلکہ ان کے مقامات کے قریب جب کبھی گزرنا پڑے تو جلدی سے دوڑ کر گزرے، چنانچہ آثار یہی وارد ہوا ہے۔(ت)

اور اگر خود شریک ہو یا تماشا دیکھے یا ان کے لہو وممنوع کی چیز بیچے تو آپ ہی گناہ وناجائز ہے، درمختار میں ہے:

قدمنا معزیا للنهر ان ماقامت المعصیة بعینه یکرہ بیعه تحریما والافتنزیها[3]۔	ہم نے "النہر الفائق" کی طرف نسبت کرتے ہوئے پہلے بیان کردیا ہے جس کے ساتھ "بعینہٖ" گناہ قائم ہو اس کا فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر کراہتِ تنزیہی ہوگی(ت)

[1] ردالمحتار بحوالہ بحرالرائق کتاب الصلٰوۃ مطلب تکرہ الصلٰوۃ فی الکنسیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[2] ردالمحتار بحوالہ بحرالرائق کتاب الصلٰوۃ مطلب تکرہ الصلٰوۃ فی الکنسیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۷

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا ارادالمسلم ان یدخل دار الحرب بامان للتجارۃ ومعہ فرسہ وسلاحہ وھو لایرید بیعہ منھم لم یمنع ذٰلک منہ[1]۔	جب کوئی مسلمان دارحرب (دار کفر) میں کاروبار کے لئے جانا چاہے اور اس کے ساتھ گھوڑا اور ہتھیار وغیرہ ہوں اور وہ انھیں (وہاں) بیچنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اسے نہ روکا جائے۔ (ت)

ہاں ایک صورت جواز مطلق کی ہے وہ یہ کہ عالم انھیں ہدایت اور اسلام کی طرف دعوت کے لئے جائے جبکہ اس پر قادر ہو یہ جانا حسن و محمود ہے اگرچہ ان کامذہبی میلہ ہو ایسا تشریف لے جانا خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بارہا ثابت ہے مشرکین کا موسم بھی اعلان شرک ہوتا لبیک میں کہتے:

لاشریک لک الاشریکا ھو لک تملکہ وماملک۔	تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جس کا تو مالک ہے مگر وہ تیرا مالک نہیں۔ (ت)

جب وہ سفہاء لاشریک تک پہنچے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے: ویلکم قط قط خرابی ہو تمھارے لئے بس بس یعنی آگے استثناء نہ بڑھاؤ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ت)

مسئلہ ۳۲: مسئولہ اکبر یار خاں محصل چندہ مدرسہ اہلسنت باشندہ شہر کہنہ روز پنچشنبہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

اس مسئلہ میں کہ حرام اور کفر اور سود کھانے میں کون سا گناہ صغیرہ ہے اور کون سا کبیرہ ہے؟ مہربانی فرما کر کے جواب بالتفصیل وارد ہونا چاہئے؟

الجواب:

لا الٰہ الا اللہ، کفر ہر کبیرہ سے بدتر کبیرہ ہے اور سود بھی کبیرہ ہے "اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ"[2] (جو لوگ بڑے بڑے گناہون اور بیحیائی کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں مگر یہ کبھی (شاذونادر) ان سے کوئی غلطی سرزد ہوجائے یقیناً تمھارا پرودگار وسیع بخشش والا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ (اور اللہ سب کچھ طرح اچھی جانتا ہے۔ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

مسئلہ ۳۳و۳۴: از بناس محلّہ کچی باغ مدرسہ مظہر العلوم حافظ نور محمد طالب علم ساکن مئوی روز پنجشنبہ تاریخ ۹ محرم ۱۳۳۴ھ

(۱) بدعت سیئہ کا عامل ومعتقد گناہ کبیرہ کے عامل سے زیادہ فاسق ہے یا کم یا برابر؟

(۲) غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، کاص کروہ جھوٹ جن سے خلق خدا میں فتنہو، دو دوست میں یا شوہر بی بی میں یا باپ بیٹے میں یا بھائی بھائی میں اُس جھوٹ سے رنجش ہوجائے باہم جدائی ہوکے گھر کی خرابی کی نوبت آجائے، اور مسلمان کے عیب کی تلاش وتجسّس میں رہنا، کوئی مسلمان اگر پوشیدگی سے کوئی گناہ کرتا ہو تو اس کی تجسّس میں لگے رہنا اور پتا پاتے پر یا محض اپنی شبہ وقیاس سے اس کو فاش کرنا شہرت دینا کس درجہ کا گناہ ہے اور گناہان مذکورہ بالا کا مرتکب فاسق ومستحق لعنت خدا اور رسول ہے یانہیں؟ اور یہ سب گناہ شرعادرجہ فسق میں زنا سے کم ہے یا زیادہ یا برابر؟ جواب مفصل اور مدلل درکار ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان کرواور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) عمل بدعت سیئہ مکروہ وحرام وصغیرہ وکبیرہ ہر قسم ہے تو اس کا مرتکب مطلقًا فاسق بھی نہیں ہوسکتا جب تک اصرار نہ کرے اور اعتقاد بالبدعۃ السیئۃ یعنی کسی عقیدہ قطعیہ اجماعیہ اہلسنت کے خلاف اعتقاد رکھنے والا ضرور ہر کبیرہ عمل سے بدتر کبیرہ کا مرتکب اور فاسق عملی سے بدتر فاسق ہے۔ غنیہ میں ہے:

فسق الاعتقاد اشد من فسق العمل [1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	اعتقاد میں فسق، عمل کے فسق سے بدتر ہے، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

(۲) یہ سب گناہان کبیرہ ہیں اور ان کا مرتکب فاسق ومستحق لعنت، حدیث میں فرمایا:

الغیبۃ اشد من الزنا [2]۔	غیبت سخت ہے زنا سے۔

اور ظاہر ہے کہ قتل مومن غیبت سے اشد ہے۔ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج" [3]۔	فتنہ قتل سے سخت تر ہے۔

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[2] شعب الایمان حدیث ۶۷۴۱، ۶۷۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ /۳۰۶، مجمع الزوائد باب ماجاء فی الغیبۃ الی آخرہ دار الکتاب بیروت ۸ /۹۱

[3] القرآن الکریم ۲ /۱۹۱

اور ان سب میں حق العباد ہے تو اس زنا سے ضرور بدتر ہے۔ جس میں حق العباد نہ ہو مگر وہ جھوٹ جس سے کسی کا ضرر نہ ہو کہ بے مصلحت شرعی ہو تو گناہ وضرور ہے مگر اسے زنا کے برابر نہیں کہہ سکتے کہ یہ صغیرہ ہے بعد اصرار کبیرہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵: از موضع سوہاوہ ضلع بجنور محلّہ مولویاں مسئولہ حفظ الرحمٰن روز شنبہ ۱۷/ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

جو مسلمان نماز پڑھتے ہے قبلہ کی طرف، لیکن تصویر کو سجدہ کرتا ہے۔ اس کو کافر کہنا چاہئے یا نہیں؟ اگر کافر کہا جائے تو قول امام **لایکفر اھل القبلۃ** (امام اعظم کے نزدیک) اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ ت) کی کیا توجیہ ہے؟ نیز بخاری میں ہے حضرت انس سے روایت ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے: "جو ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو، ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے، اس کے لئے اللہ ورسول کا ذمہ ہے اس کے ذمہ میں اللہ کا عہد نہ توڑو"۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ فقط

الجواب:

سجدہ تحیت اگر بت یا چاند یا سورج کو کرتا ہے ضرور اس پر حکم کفر ہے، کفر اگر چہ عقد قلبی ہے مگر جس طرح اقوال زبان اس پر دلیل ہوتے ہیں یوہیں بعض افعال جن کو شریعت نے ٹھہرادیا ہے کہ یہ صادر نہیں ہوتے مگر کافر سے انھیں سے اشیاء مذکورہ کو سجدہ ہے یا معاذاللہ مصحف شریف کو نجاست میں پھینک دینا یا کسی نبی کی شان میں گستاخی،

کما صرح بہ علماؤنا المتکلمون فی المسایرۃ وشروح المقاصد والمواقف والفقہ الاکبر وغیرھا۔	جیسا کہ اس کی تصریح ہمارے متکلمین علماء نے (متعدد کتب عقائد) مثلاً المسایرہ، شروح، مقاصد، المواقف اور فقہ اکبر وغیرہ میں (اچھے انداز سے) فرمائی ہے۔ (ت)

یوہیں تصویر اگر مشرکین کے معبودان باطل کی ہو تو اسے سجدہ کرنے پر بھی مطلقاً حکم کفر ہے۔

لاشتراك العلۃ بل لافرق بینھا وبین الوثن الا بالتسطیح بالتجسیم۔	اس لئے کہ علت مشترک ہے (لہٰذا حکم بھی ایک ہے) بلکہ اس میں (یعنی تصویر) اور بت میں سوائے جسمانیت اور کوئی فرق نہیں (مراد یہ کہ وثن (بت) میں جسم ہے جبکہ عکسی اور نقشی تصویر میں جسم نہیں)۔ (ت)

اور اگر ایسی نہیں تو اسے سجدہ کرنا مطلقاً حرام وکبیرہ ہے مگر کفر نہیں جب تک بہ نیت عبادت

نہ ہو، جس صورت پر حکم کفر نہیں اس پر تو حدیث فقہ اکبر سے کوئی اشتباہ ہی نہیں اور جن صورتوں پر حکم کفر ہے ان پر جواب ظاہر ہے اہل قبلہ وہی ہے کہ ضروریات دین پر ایمان لاتا ہو اور کوئی قول وفعل قاطع ایمان اس سے صادر نہ ہو ورنہ صرف قبلہ کی طرف ہماری کی سی نماز پڑھنا اور ہمارا ذبیحہ کھانا بنصوص قطعیہ قرآن ایمان کے لئے کافی نہیں، منافقین یہ سب کچھ کرتے تھے اور یقیناً کافر تھے۔

قال تعالٰی "لَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى "[1] وقال تعالٰی "اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ "[2] الٰی اٰخر الرکوع الشریف، قال تعالٰی "وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ (اہل نفاق) نماز ادا نہیں کرتے مگر جی ہارے سستی سے، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً آپ اللہ تعالٰی کے رسول ہیں، اور اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق نرے جھوٹے ہیں، آخر رکوع شریف تک (یہی ذکر ہے)۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر آپ ان سے پوچھیں (کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو) تو جھوٹ کہہ دیں گے یہ تو ہم ہنسی کھیل کررہے ہیں، (ان سے) فرمادیجئے کیا اللہ تعالٰی، اس کی آیتوں اور اس کے رسول (گرامی) سے ہنسی مذاق کررہے ہو (یعنی کیا تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اپنے مذاق کا محل کسی کو بنارہے ہو) لہذا اب بے جا بہانے نہ بناؤ کیونکہ اب تم اپنے ایمان کے بعد (کھلے) کافر ہوگئے ہو۔ (ت)

مسئلہ شرح فقہ اکبر وردالمحتار وغیرہما میں مصرح ہے اور ہم نے تمہید ایمان وغیرہ میں بارہا اسے مفصل کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] القرآن الکریم ۹/ ۵۴
[2] القرآن الکریم ۱/۶۳
[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۵

مسئلہ ۳۶ تا ۴۱: مسئولہ سید منظور حسین بتوسط احمد حسن خاں رضوی نجیب آباد محلّہ بوعلیخان مرحوم ضلع بجنور ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

اعلیحضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت صاحب حجت قاہرہ، مؤید ملت طاہرہ جناب مولانا صاحب! السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ،!

حضور کا کیا ارشاد ہے حضور کا فضل ہمیشہ رہے درباہ مسئلہ ذیل: کل یہاں نجیب آباد کے بازاروں گلی کوچوں میں مسلمانوں کی ایک جماعت (جس میں پڑھے لکھے بلکہ متعدد ذی اثر ومقتدر شرفاء قصبہ بھی شامل تھے اور جن میں سے بعض تو عوامی کی زبانوں پر **معاذ اللہ** دین کا جھنڈا، اسلام کا رکن واسلام کا پایہ وغیرہ وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں) بہ معیت ایک ہجوم کفار ہنود رنگ پاشی کرتی مغلظ وشرمناک ہولیاں گاتی، جے جے کے نعرے بلند کرتی، دکانوں پر سے مسلمانوں کو ہولی بازی میں حصہ لینے کے لئے بالجبر کھینچتی اور ہر سامنے آنے والے ہندو مسلمان پر رنگ برساتی ہوئی گزری، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، مسلمانوں کی داڑھیاں (جن کے تھیں) چہرے کپڑے گلال ورنگ میں شڈوب تھے باؤلوں دیوانوں کی طرح بے ہوش، آپے سے باہر کودتے پھاندتے چیختے چلاتے پھرتے تھے، غرض ہر باغیرت مسلمان کے پیش نظر ایک ہولناک وحشت خیز منظر جماعت مذکورہ نے بعض غیور مسلمانوں کے مطالبہ کرنے پر یہ جواب دیا کہ یہ حرکت شنیعہ بدیں وجہ کی گئی ہے کہ اس طرح (ان کے زعم میں) ہندو مسلم باہم متحد ومتفق ہوجائیں اور کہ ایسا کرنے میں کوئی دینی مضرت نہیں ہے مسلمان پہلے بھی کھیلا کرتے تھے، بلکہ ایک مقام پر کسی مولوی صاحب نے بھی شرکت کی تھی ہم ہنود کے کندھوں پر تعزیے رکھا کر بدلہ لیں گے جو (ان کے زعم میں) دینکا نفع عظیم ہے اب دریافت طلب امور ذیل ہیں:

(۱) معاذاللہ اگر کسی نے حرکت مذکورہ جائز جان کی کی،

(۲) یا قصدا برضا ورغبت اس کا ارتکاب کیا (جیسا کہ ظاہر ہے کہ جماعت مذکورہ نے کیا اگر وہ نہ چاہتے تو کفار مذکور ہرگز ایسا نہ کرتے، نہ پیشتر کبھی یہاں ایسا ہوا چنانچہ امسال بھی شہر کے اکثر باحمیت مسلمان بحمدہ تعالٰی اس ناپاک وخفیف حرکت سے مجتنب ومحفوظ رہے)

(۳) یا اگر کسی مسلمان نے جماعت مذکورہ کے فعل کو بجائے رنج ونفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھنے کے بنظر مسرت وعظمت واستحسان دیکھا بلکہ غیور معترضین سے الٹا معارضہ کیا اگرچہ خود شریک نہیں ہوا۔

(۴) یا اگر کوئی مسلمان باجماعت مذکورہ کو قبل از اعلانیہ توبہ رکن اسلام سمجھے یا حرکت مذکورہ کی تعریف

کرے یا کسی طرح اس کا ساتھ دے تو ہر چہار اشخاص کے ایمان و نکاح و بیعت پر کسی قسم کا ناقص اثر تو نہیں پڑتا ہے۔ اگر ناقص اثر پڑتا ہے تو ان سے کسی طرح توبہ کرائی جائے۔

(۵) اور کیا ایسا اتحاد جائز ہے، جواب مدلل و مفصل وآسان عبارت میں اور حتی الامکان جلد عطا ہو تاکہ ہر مسلمان سمجھ سکے اور جو بروز جمعہ مساجد میں اعلان کرکے مسلمانوں کو اس قبیح حرکت سے ڈرایا اور بچایا جانے ورنہ معاذاللہ ممکن ہے کہ رسم ناپاک نجیب آباد میں ہمیشہ کے لئے قائم ہوجائے اور نمونہ ملعونہ کی تقلید تمام ضلع بلکہ دور دور شہروں میں کی جائے۔

(۶) نیز ارشاد فرمائے کہ اگر جماعت مذکورہ جناب کے حکم شرعی پر عمل کرکے تائب نہ ہو تو عام مسلمان ان سے سلام کلام کریں یا نہیں؟ جواب دستخط اقدس و مہر شریف سے مزین ہو۔

ہم مستفیان اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضور بباعث ہجوم کام نہایت عدیم الفرصت ہیں لیکن امر ہذا اگر حضور سے (کہ صدی موجود میں واحد نافذ اسلام ہیں) نہ عرض کیا جائے اور کہا جائیں اللہ تعالٰی حضور کو ہم غریبوں کے سروں پر تاعرصہ دراز باعافیت وعزت صحت سلامت باکرامت اعداء دین اللہ پر نمایاں طور پر مظفر و منصور مع جمیع متبعین قائم رکھے اور شب وروز اپنی بے انتہاء برکات نازل فرماتا رہے بطفیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

الجواب:

ظاہر ہے کہ افعال شنیعہ مذکورہ سخت ملعون ہیں جس نے انھیں مستحسن جانا باتفاق ائمہ کرام کافر ہے۔ غمزالعیون البصائر میں ہے:

من استحسن فعلا من افعلال الکفار کفر باتفاق المشائخ[1]۔	جس (بدنصیب) نے کفار کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا سمجھا (اور اس کی تحسین کی) تو وہ مشائخ کے اتفاق سے کافر ہو گیا۔ (ت)

یہ لوگ تو اسلام سے خارج ہوگئے ان کی عورتیں نکاح سے نکل گئیں ان کی بیعتیں جاتی رہیں نیز جس نے ان افعال کو جائز و حلال جانا اور ان پر راضی ہوا اور ان پر معترضین سے معارضہ کیا یہ لوگ بھی اسی حکم میں ہیں کہ مشرکین کے تہوار کی خوشی منانا ان کے ایسے افعال ملعونہ میں شرکت کرنا معصیت قطعیہ ہے۔ اور معصیت قطعیہ کا استحلال کفر ہے۔ اور جنھوں نے ان افعال ملعونہ کو ملعون و شنیع ہی جانا اور انھیں براجان کر

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

اپنی شیطانی مصلحت کے خیال سے شرکت کی ان کے قلب کا حال اللہ عزوجل جانتا ہے مرتکب کبائر ہوئے مستحق عذاب نار ہوئے سزوار لعنت ہوئے مگر عنداللہ کافر نہ ہوئے، لیکن شرع ظاہر پر حکم فرماتی ہے، حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبہ بقوم فھو منھم[1]۔	جو کسی قوم کے سے مشابہت پیدا کرے گا وہ انھیں میں سے ہوگا۔

دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کثر سواد قوم فھو منھم[2]۔	جو کسی قوم کی جماعت بڑھائے وہ انھیں میں سے ہے۔

ان پر بھی توبہ اور تجدید اسلام فرض ہے تائب ہوں اور نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں اور وہ مصلحت ملعونہ اتحاد کہ ان کے قلب میں ابلیس نے القاء کی، وہ خود کب حلال ہے۔ کافر و مومن میں اتحاد کیسا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ"[3]	اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ ٹھہراؤ۔

اور فرماتا ہے:

"لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ"[4]	ایمان والے ایمان والوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

اور فرماتا ہے:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ	تم نہ پاؤ گے انھیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت کے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے مخالفت کی اللہ و رسول کی اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۳

[2] تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن عتاب ۵۱۶۷ دار الکتاب العربی بیروت ۱۰ /۴۰، اتحاف السادۃ المتقین کتاب الحلال والحرام الباب السادس دار الفکر بیروت ۶ /۱۲۸

[3] القرآن الکریم ۶۰ /۱

[4] القرآن الکریم ۳ /۲۸

اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ "[1]	بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا کنبے والے ہوں۔

اور فرماتا ہے:

" وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ "[2]	تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انھیں میں سے ہے۔

کفار میں امور دنیوی مثل تجارت وغیرہا میں موافقت کی جاسکتی ہے جہاں تک مخالفت شرع نہ ہو مگر ان کے امور مذہبی میں موافقت اور وہ بھی معاذاللہ اس حد تک ضرور لعنت الٰہی اترنے کی باعث ہے اور وہ بیہودہ خیال کہ ہم ان سے تعزیہ مسلمانوں کی کوئی عید نہیں بلکہ جُہال نے اسے موسم ماتم بنا رکھا ہے مسلمانوں کا کوئی امر مذہبی نہیں بلکہ مذہب میں ممنوع و ناروا ہے۔ ہندوؤں کے مذہب میں ان کی ممانعت نہیں، اودھ میں بہتیرے ہندو آپ ہی تعزیہ بناتے اور اٹھاتے ہیں بخلاف ہولی کہ عید کفار ہے اور ان کا مذہبی شعار ہے اور دین اسلام میں سخت حرام ہے تو یہ اس کا معاوضہ کیسے ہو سکتا ہے، ایسا ملعون اتحاد منانے والے کیا ہنود سے یہ قرار داد لے سکتے ہیں کہ وہ عید الضحٰی میں ان کا ساتھ دیں گے گائے یہ پچھاڑن چھوٹی سی بچھیا وہ بھی لٹائیں گے سیر بھر یہ کھائیں تو پاؤ بھر وہ بھی کھالیں گے، ایسا ہوتا تو کچھ جاہلانہ معاوضہ کا گمان ممکن تھا کہ عید الضحٰی مسلمانوں کی عید ہے اور گاؤ کشی ان کا مذہبی مسئلہ اور ہندوؤں کے یہاں حرام ہے ان سے کہہ کر دیکھیں کیا جواب ملتا ہے اس وقت کھل جائے گا کہ اس ملعون اتحاد کی تالی ایک ہی ہاتھ سے بجی ہندوؤں اپنے مذہب پر قائم ہیں اور تم مسلمان اپنے دین سے نکل گئے ایسوں کو رکن اسلام کہنا اسلام کی توہین کرنا ہے اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت دے اور شیطان ملعون کے دھوکوں سے بچائے اگر یہ لوگ نہ مانیں اور ایسے ہی اعلان کے ساتھ توبہ نہ کریں جس اعلان کے ساتھ وہ کفریات کئے تھے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کو چھوڑ دیں ان سے میل جول سلام کلام سب ترک کردیں،

قال اللہ تعالٰی: " وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ "[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کہیں تمھیں شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ہر گز ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھوں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۴۲: مرسلہ صالح محمد خاں سابق مدرس ساکن قصبہ بابلکہ ضلع بلند شہر ۵/ صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ کیا حال ہے ایسے شخص کا جوگناہان مندرجہ ذیل کامرتکب ہوا وہ شخص مسلمان رہایا نہیں اور نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ایک شخص نے جان بوجھ کر بسبب دنیوی رنجش کے قصداً فعل حلال شرعی کو حرام کردیا۔

(۲) غیر مقلدین کو جواپنے کو عامل بالحدیث مشہور کرتے ہیں اور امامان مجتہدین رحمہم اللہ تعالٰی کو بدعتی اور اصحاب الرائے کہتے ہیں ان کو درباہ شخصے خلاف شرع مدد دی۔

(۳) شرعی معاملہ میں عمداً بحلف جھوٹی شہادت دی۔

(۴) چار مسلمانان اہلسنت وجماعت حنفی مذہب واقف مسائل شرعی کے روبرو شرعی فعل حلال وجائز کو برحق اور سچا تسلیم کرکے پھر اس کلمہ حق سے منحرف ہوکر ناجواز کا قائل ہوا اور یہ شخص پیش امام مسجد بھی ہے آیا نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟ مع دلیل وحوالہ کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ یاعبارت فقہیہ مرتب فرمایا کرمزین بمہر خاص فرمائیں۔

(۵) اگر قاضی شہر کے علاوہ دوسرا کوئی شخص مطابق شرع شریف نکاح پڑھادے لیکن اندراج اس کا رجسٹر قاضی شہر مذکور میں نہ ہو تو وہ نکاح جائز وصحیح ہے یا نہیں؟ جواب مرحمت ہو۔ **بینوا توجروا** (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ایسے لوگ سخت گنہگار بلکہ گمراہ ہیں کہ حق کے مقابل باطل کی اعانت کرتے ہیں، ایسے شخص کے پیچھے نماز ناجائز ہے بلکہ جب تک توبہ نہ کریں مسلمانوں کو ان سے بالکل قطع علاقہ کردینا چاہئے کہ وہ ظالم ہیں اور ظالم بھی کس پر دین پر، اور اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[1]	اگر تمہیں شیطان بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔(ت)

قاضی کا رجسٹر شرعاً کوئی شرط نکاح نہیں، رجسٹر آج سے نکلے ہیں، پہلے نکاح کیونکر ہوتے تھے ہاں یادداشت کے لئے درج ہونا بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۴۳: مرسلہ حافظ عبدالمجید خاں حنفی از قصبہ بابلکہ ضلع بلند شہر ۵ صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اہل ہنود میں کم زیادہ ایک ہفتہ تک شام سے آدھی رات تک یا بعد تک ایسی مجلس ہوتی رہے کہ جس میں رام و لچھمن وراون وسیتا وغیرہ عورت ومرد کے قسم قسم کی تصویریں دکھائی جائیں اور ساتھ ہی ان کے طرح طرح کا باجابجا کر بھجن وغیرہ گانا گایا جائے اور ان تصویروں کو نعوذ باللہ معبود حقیقی سمجھیں اور ہر طرح کے فحش ولغویات پیدا ہوتے ہوں تو ایسی مجلسوں میں ان مسلمانوں کو جو ازروئے تحقیق مذہب اسلام ایسی تقاریب کی برائیوں سے بھی فی الجملہ واقف ہوں اور نمازی بھی ہوں شریک مجلس ہونا اور دلچسپی حظ نفس اٹھانا وبعض بعض شبیہ ناپاک پر نظر ڈالنا وبعض شبیہ عورات پر شہوت کی نظر ڈالنا اور مثل عقائد باطلہ اہل ہنود تعریف وتوصیف سوانگ وتماشہ میں بتالیف قلوب مشرکین تائید یا ہوں ہاں کرنا اور عشاء وفجر کی نمازیں بایں نمط کہ عشاء بمصروفی تماشہ وفجر کی نماز غلبہ نیند سے قضا کرنا وباعتراض بعض مانعین یہ کہنا کہ ہم تو حق و باطل میں امتیاز ہوجانے کی غرض سے شامل ہوتے ہیں اور ایسی ہی بے سود تاویلات کرنا اور زینت مجلس کے واسطے اپنے گھروں سے جاجم ودیگر فرش وچوکیات وپارچہ وزیورات دینا اور بوقت اختتام جلسہ اپنی نام آوری یا فخر یا شخصیت یا اہل ہنود میں اپنی وقعت ہونے یا بصورت نہ دینے کے اپنی ذلت وحقارت جان کر ہمراہ اہل ہنود روپیہ روپیہ دینا بالخصوص وہ مسلمان جو کسی مسافر مسکین کو باوجود مقدرت آنہ دوآنہ نہ دے سکتے ہوں اور اس مجلس کی شیرینی جو بنام نہاد پرشاد تقسیم ہوتی ہے کھانا تو ایسے مسلمانوں کے واسطے ازروئے احکام شرع شریف کیا کیا حکم ہے صاف صاف مع عبارت قرآن مجید وحدیث شریف وفقہ مبارک جداگانہ ہر امور مستفسرہ صدر کا جواب مفصل ارقام فرمائیں اللہ تعالٰی اجر دے گا **فقط والسلام علی ختم الکلام** (کلام کے اختتام پر سلام ہو۔ت) (یعنی آپ کو الوداعی سلام ہو)۔

الجواب:

ایسے لوگ فساق فجار کبائر مستحق عذاب نار وغضب جبار ہیں، مسلمان کو حکم ہے راہ چلتا ہوا کفار کے محلّہ سے گزرے تو جلد نکل جائے کہ وہ محل لعنت ہے نہ کہ خاص ان کی عبادت کی جگہ، جس وقت وہ غیر خدا کو پوج رہے ہوں قطعاً اس وقت لعنت اترتی ہے اور بلاشبہ اس میں تماشائیوں کا بھی حصہ ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ محض تماشا مقصود ہو اور اسی غرض سے نقد واسباب دے کر اعانت کی جاتی ہو اور اگر ان افعال ملعونہ کو اچھا جانا یا ان تصاویر باطلہ کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا یا ان کے کسی حکم کفر پر ہوں ہاں کہا جیسا کہ سوال میں مذکور، جب تو صریح کفر ہے۔ غمزالعیون

میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ[1]۔	جس شخص نے کافروں کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا سمجھا تو مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بلا شک وشبہ کافر ہوگیا ہے۔(ت)

ان لوگوں کو اگر اسلام عزیز ہے اور یہ جانتے ہیں کہ قیامت کبھی آئے گی اور واحد قہار کے حضور جانا ہوگا تو ان پر فرض ہے کہ توبہ کریں اور ایسی ناپاک مجلسوں سے دور بھاگیں نئے سرے سے کلمہ اسلام اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں ورنہ عذاب الہی کے منتظر رہیں،

قال اللہ تعالٰی: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝۲۰۸"[2]۔	اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، کیونکہ وہ انسان کا کھلا اور واضح دشمن ہے۔(ت)

مسئلہ ۴۴تا۵۲: مرسلہ محمد سوداگر پارچہ الموڑہ متصل مسجد کارخانہ بازار ۱۵/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ:

(۱) زید خاکروب نے مع اپنی ایک بی بی اور جوان لڑکی کے قبول اسلام کی درخواست کی چنانچہ ان کو فوراً مسلمان کرلیا گیا، کیا فوراہی ان کو اپنا حقہ دینا اور ان کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) مسماۃ ہندہ جو اس خاکروب نو مسلم کی جوان نو مسلمہ لڑکی ہے اس کو مسلمان کرنے والے عالم کے پیچھے کیا نماز درست ہے حالانکہ اس کے پیچھے اب تک نماز پڑھتے تھے؟

(۳) کسی عالم باعمل اور صالح پر جس نے خاکروب کی جوان لڑکی کو مسلمان کیا ہو کیا یہ اتہام کرنا گناہ نہیں کہ تو نے اپنے نفس کے لئے اس کو مسلمان کیا ہے اور تو اس سے آشنائی کرے گا۔

(۴) اگر ایک بار قبول اسلام کرنے کے بعد وہ خاکروب پھر اپنی قوم میں مل گیا ہو اور دوبارہ قبول اسلام کی درخواست کرے تو کیا اس کے مسلمان کرنے میں کچھ تامل کرنا چاہئے حالانکہ خوف ہے کہ آریہ اور عیسائی فوراً اس کو لے لیں گے۔

(۵) اگر خاکروب کو مسلمان کرنے اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے اس خوف سے پرہیز کرے

---

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸

کہ اس کے ہمسایہ ہنود اس پر ہنسیں گے اور اعتراض کریں گے تو یہ اس مسلمان کی مذہبی کمزوری ہے یا اس کو کیا کہیں گے؟

(۶) کیا شریعت اسلام کے نزدیک ایک برہمن سے ایک خاکروب ناپاک اور نجس تر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ برہمن کو سخت شرک کی وجہ سے زیادہ ناپاک سمجھنا چاہئے۔

(۷) مستند علمائے دین کے فتاوٰی کو جو شخص ہیچ وپوچ سمجھ کر اس پر عمل نہ کرے اور کہے کہ فتوٰی وہی ہے جو ہمارا دل گواہی دے، ایسا شخص شریعت کے نزدیک کیسا ہے؟

(۸) اگر کوئی مسلمان نو مسلم خاکروب کے ساتھ حقہ پینے، کھانا کھانے پر ایک مسلمان کی ہنسی اڑائے وہ مسلمان کیسا ہے؟

(۹) خاکروب کی بالغہ لڑکی جو مسلمان ہوگئی ہے کیا اس کے پانے کا اس کا شوہر خاکروب مستحق ہے یا قبول اسلام سے پیشتر باقاعدہ طور پر اس کے ماں باپ کے یہاں سے اس کی رسم رخصت عمل میں نہ آئی ہو اور دوران مقدمہ میں (جو اس کے شوہر نے اس کے نام دائر کیا ہے) مسلمان ہوگئی ہو۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتا کہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) اسلام لاتے ہی معاہر قوم والے کو غسل کرنا چاہئے خصوصاً وہ قوم کہ نجاست سے تلوث جن کا پیشہ ہو مسلمان کرتے ہی ان کو خوب پاک کرکے نہلادیں اس کے بعد معًا ان کے ساتھ کھائیں پئیں۔

(۲) جو کافر تلقین اسلام چاہے اسے تلقین فرض ہے اور اس میں دیر لگانا اشد کبیرہ بلکہ اس میں تاخیر کو علماء نے کفر لکھا اگر بلاوجہ شرعی دیر کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز ناجائز ہوتی نہ کہ وہ فرض بجالایا اس بناء پر اس کے پیچھے نماز میں تامل کریں۔

(۳) مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بے شک کچھ گمان گناہ ہے۔

اور فرماتا ہے:

"وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ	غیر یقینی بات کے پیچھے نہ جا بیشک کان اور آنکھ

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾ "[1]	اور دل سب سے پرسش ہونی ہے۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2]	بدگمانی سے دور بھاگو بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔

(۴) ہر گز تامل جائز نہیں، بارگاہ عزت وہ بارگاہ کرم ہے کہ ع

بازآ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و رند و بت پرستی باز آ
ایں در کہ مادر گہ ناامیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(جو کچھ بھی تو ہے اس کام سے مکرر سہ کرر رک جا یعنی اسے چھوڑ دے، اگر تو کافر ہے اوباش اور بت کا پجاری ہے تاہم اس کو چھوڑ دے، یہ دروازہ (یعنی اللہ تعالٰی کی بارگاہ) ہمارے ناامید ہو کر لوٹ جانے کا دروازہ نہیں، اگر تو نے سو مرتبہ بھی توبہ کرکے توڑ دی تو پھر بھی (اس بارگاہ کی طرف) لوٹ آؤ۔ت)

(۵) کافروں کے غلط طعنہ کا لحاظ کرنا اور اس کا خیال نہ کرنا کہ اس مسلمان کی دل شکنی ہوگی کسی ایسے ہی کا کام ہے جو نرا جاہل ہے۔ یا **معاذ اللہ** کافروں کی طرف مائل ہے۔

(۶) کفر کی نجاست میں برہمن خاکروب سے نجس تر ہیں مگر ظاہری نجاست سے تلوث اس کو زائد رہتا ہے والہذا مسلمانوں میں رائج ہے کہ خاکروب کی چھوئی چیز سے جیسا احتراز کرتے ہیں برہمن کی چھوئی ہوئی سے نہیں کرتے لیکن یہ اسی وقت ہے جب تک وہ مسلمان نہ ہوا جب اسلام لے آیا اور طہارت کرلی اب وہ اپنا بھائی ہے۔

(۷) یہ شخص اگر خود عالم کامل نہیں تو مستند علمائے دین کے فتوے نہ ماننے کے سبب ضال و گمراہ ہے، قرآن عظیم نے غیر عالم کے لئے یہ حکم دیا کہ عالم سے پوچھو نہ یہ کہ جس پر تمہارا دل گواہی دے عمل کرو۔ **قال اللہ تعالٰی**:

"فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ "[3]	علم والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تمھیں علم نہ ہو۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[2] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ظن السوء امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳

جاہل کیا اور جاہل کا دل کیا:

نعم من کان عالما فقیھا مبصرا ماھرا متبحرا فھو مامور بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استفت قلبك وان افتاك المفتون [1]۔	ہاں اگر وہ عالم، فقیہ (یعنی قانون فقہ جاننے والا) بصیرت رکھنے والا علم میں مہارت اور تجربہ رکھنے والا اور علم کا سمندر ہو تو اسے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا کہ اپنے دل سے فتوٰی پوچھئے اگرچہ تمھیں مفتیان کرام کچھ فتوٰی دیں (ت)

(۸) یہ ہنسی اڑانے والا سخت گنہ گار ہوگا، قال اللہ تعالٰی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ" [2]۔	اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم سے ہنسی مذاق نہ کرے، کیا خبر، شاید وہ (جن سے ہنسی مذاق کیا گیا) ہنسی کرنے والوں سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے ہنسی مذاق کریں شاید وہ ہنسی مذاق کی جانے والی عورتیں ان سے بہتر ہوں (مقصد یہ کہ کوئی کسی دوسرے کو کہتر اور کمتر نہ سمجھے ہوسکتاہے کہ انجام کے لحاظ سے وہ کمتر اس بالاتر سے اچھا اور افضل ہو)۔ (ت)

کیا معلوم کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس ہنسنے والے سے وہ خاکروب ہی بہتر ہو۔

(۹) عورت جب مسلمان ہوجائے حکم یہ ہے کہ اس کے شوہر سے اسلام کے لئے کہا جائے اگر مان لے فبہا وہ اس کی عورت ہے اور نہ مانے تو اس کا یہ انکار کرنا اس نکاح کو ساقط کرتاہے یہ حکم اس وقت ہے کہ حاکم اسلام اس پر اسلام پیش کرے اور وہ نہ مانے جہاں حاکم اسلام نہیں عورت تین حیض کا انتظار کرے، اس مدت میں اگر وہ مسلمان نہ ہو نکاح زائل ہوجائے گا، بہرحال مسلمہ عورت پر کافر کو شرعا کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳: مسئولہ مولوی محمد واحد صاحب ۱۳/ جمادی الاٰخرہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مستحبات کو بدعت سیئہ کہہ کر روکنے والے یا (قرون ثلثہ میں نہ تھے) کہہ کر منع کرنے والے کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ایسے لوگوں کو کسی مسجد کا امام مستقل

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب عجائب القلب بیان مایؤاخذ بہ العبد من وساوس القلوب الخ دارالفکر بیروت ۷/ ۲۹۸، کنز العمال برمز تخ عن وابعۃ حدیث ۲۹۳۲۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۲۵۰

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۱

بنانا یامدرس مقرر کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

کتب عقائد میں تصریح ہے کہ تحلیل حرام وتحریم حلال دونوں کفرہیں یعنی جو شے مباح ہو جیسے اللہ ورسول نے منع نہ فرمایا اسے ممنوع جاننے والاکافر ہے جبکہ اس کی اباحت وحلت ضروریات دین سے ہو یا کم از کم حنفیّہ کے طور پر قطعی ہو ورنہ اس میں شک نہیں کہ بے منع خداو رسول منع کرنے والا شریعت مطہرہ پر افتراء کرتا ہے اور اللہ عزوجل پر بہتان اٹھاتا ہے اور اس کا ادنٰی درجہ فسق شدید وکبیرہ وخبیثہ ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ "[1]۔	اور جو کچھ تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں (اس کے متعلق یہ نہ کہا کرو کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھو (یادرکھو) جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوتے۔(ت)

وقال اللہ تعالٰی (نیز اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا۔ت)

"اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ "[2]	اللہ تعالٰی کے ذمے وہی لوگ جھوٹا الزام لگاتے ہیں (جو درحقیقت) ایمان نہیں رکھتے (ت)

فاسق ومرتکب کبیرہ ومفتری علی اللہ ہونا ہی اس کے پیچھے نماز ممنوع اور اسے امام بنانا ناجائز ہونے کے لئے بس تھا، فتاوٰی الحجہ وغنیہ میں ہے:

لوقدموا فاسقا یاثمون[3]۔	اگر لوگوں نے کسی فاسق (مرتکب گناہ کبیرہ) کو امام بناکر آگے کیاتولوگ گنہ گار ہونگے (ت)

تبیین الحقائق وطحطاوی میں ہے:

لان فی تقدیمه تعظیمه و	کیونکہ اس کو (یعنی فاسق کو) آگے کھڑا کرنے

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[3] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

قد وجب علیھم اھانتہ شرعا[1]۔	میں اس کی تعظیم ہے جبکہ لوگوں پر شرعا اس کی توہین ضروری ہے۔(ت)

مگر یہ وجہ منع کہ سوال میں مذکور آج کل اصول وہابیت مردودہ مخذولہ سے ہے اور وہابیہ بے دین ہیں اور ان کے پیچھے نماز باطل محض، فتح القدیر میں ہے:

الصلٰوۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز[2]۔	اہل ہوا (خواہش پرست) کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔(ت)

انھیں امام ومدرس بنانا حرام قطعی اور اللہ ورسول کے ساتھ سخت خیانت، اور مسلمانوں کی کمال بدخواہی، صحیح مستدرک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل علی عشرۃ رجلا وفیھم من ھو ارضی للہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین[3]۔	اگر کسی نے دس آدمیوں پر ایک شخص کو حاکم بنایا جبکہ ان میں وہ شخص بھی تھا جو اس حاکم سے اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند تھا، تو اس حاکم بنانے والے شخص نے اللہ تعالٰی، اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔(ت)

اور اگر ان کے عقائد کفر پر مطلع ہو کر ان کے استحسان یا آسان سمجھنے سے ہو تو امام ومدرس بنانے والا خود کافر ہوجائے گا۔

فان الرضی بالکفر کفر ومن انکر شیئا من ضروریات الدین فقد کفر ومن شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[4]۔	پس کفر سے خوشنودی کفر ہے، اور جو کوئی ضروریات دین سے کسی بات کا انکار کرے تو وہ بلاشبہ کافر ہے۔ پھر جو کوئی اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔(ت)

کسی مسجد یا مدرسہ کے مہتمم کیا روا رکھیں گے کہ اپنے اختیار سے اسے امام ومدرس کریں جو ان کے ماں باپ کو علانیہ مغلظہ گالیاں دیا کرے، ہر گز نہیں، پھر وہابیہ تو اللہ عزوجل کے محبوب

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلٰوۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[2] فتح القدیر باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[3] المستدرك للحاکم کتاب الاحکام ۴/ ۹۲ ونصب الرایۃ کتاب ادب القاضی ۴/ ۶۳

[4] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین خطبہ الکتاب مکتبہ نوریہ لاہور ص ۱۳

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیتے لکھتے چھاپتے ہیں، وہ کیسا مسلمان کہ اسے ہلکا جانے اور ایسوں کو مدرس وامام کرے، اللہ تعالٰی سچا اسلام دے اور اس پر سچی استقامت عطافرمائے اور اپنی اور اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سچی محبت دے اور ان کے دشمنوں سے کامل عداوت ونفرت عطافرمائے کہ بغیر اس کے مسلمان نہیں ہوسکتا اگرچہ لاکھ دعوی اسلام کرے اور شبانہ روز نماز روزے میں منہمک رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین [1]۔	(لوگو!) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کی نگاہوں میں اس کے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ (ت)

کاش مسلمان اتناہی کریں کہ اللہ ورسول کی محبت وعظمت کو ایک پلہ میں رکھیں اپنے ماں باپ کی الفت وعزت کو دوسرے میں، پھر دشمنان وبدگویان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتناہی برتاؤ کریں جو اپنی ماں کو گالیاں دینے والے کے ساتھ برتتے ہیں تو یہ صلح کلی یہ بے پرواہی، یہ سہل انگاری یہ نیچیری ملعون تہذیب، سدراہ ایمان نہ ہو ورنہ ماں باپ کی محبت وعزت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت وعزت سے زائد ہو کر ایمان کا دعوی محض باطل اور اسلام قطعاً زائل۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) **قال اللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا۔ت)

"الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾" [2]	کیا لوگ اس گھمنڈ میں پڑگئے کہ وہ صرف اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے، چھوڑ دئے جائینگے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ (ت)

زبان سے سب کہہ دیتے ہیں کہ ہاں ہمیں اللہ ورسول کی محبت وعظمت سب سے زائد ہے مگر عملی کارروائیاں آزمائش کرادیتی ہیں کہ کون اس دعوے میں جھوٹا اور کون سچا۔

"رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۸﴾" [3] وصلی اللہ تعالٰی وسلم وبارک علی	اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو نہ پھیر جبکہ تو نے سیدھی راہ دکھادی اور ہمیں اپنے پاس رحمت سے نواز دے یقینا تو ہی

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۲

[3] القرآن الکریم ۳/ ۸

مالکنا ومولینا والاٰل والاصحاب اٰمین۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بہت زیادہ عطا کرنیوالا ہے۔ہمارے مالک و مولٰی پر اللہ تعالٰی درود وسلام اور برکات کا نزول فرمائے اور ان کی آل اور ساتھیوں پر بھی(درود وسلام اور برکات نازل ہوں)اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۵۴: از شاہجہان پور مرسلہ منصور حسن خاں صاحب تحصیلدار ۹ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

اس وقت ہندوستان میں بہت زور کے ساتھ حکومت خود اختیاری کی بحث چھڑی ہوئی ہے۔حکومت خود اختیاری کے یہ معنی ہیں کہ برائے نام انگریزوں کی نگرانی رہے گی اور حکومت درحقیقت باشندگان ہندوستان کے ہاتھ میں ہوگی،اگر گورنمنٹ نے اسے عطا کردیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو صاحبان جو اعداد اور تمول میں ہم سے بہت زائد ہیں ہم پر فوقیت رکھیں گے بحالت موجودہ ہندو صاحبان کا مسلمانوں کے معاملات میں جو رویہ ہے اس پر مندرجہ ذیل واقعات روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱) کانپور کے پریڈ گراؤنڈ پر ہندو مجارٹی نے فیصلہ دیا کہ مسلمان نماز جنازہ نہ پڑھیں۔

(۲) ساور اجمیر شریف میں یہ احکام نافذ کردئے گئے کہ مسلمان عقیقہ اور قربانی میں بکرا بکری بھی ذبح نہ کرنے پائیں۔

(۳) جبلپور میں تراویح کے وقت باجا بجانا فرض سمجھا گیا اور کسی ہندو تعلیم یافتہ سے مسلمانوں کی فریاد پر توجہ تک نہ کی مسجدوں میں نماز بند کردی گئی۔

(۴) بنگال میں شبرات کی رخصت تک ہندو سپرنٹنڈنٹ کی وجہ سے مسلمانوں کو نہ مل سکی۔

(۵) بنگال کی کونسل میں سرسنہار نے رخصت نماز جمعہ کی مخالفت کی اس لئے ریزولیوشن مسٹر ابوالقاسم نے واپس لے لیا،اگر ہندو ممبر مل کر ووٹ دیتے تو ریزولیوشن پاس ہوجاتا۔

(۶) صوبہ متحدہ میں پیران کلیر شریف کی چھوٹی سی سڑک بننے میں ہندوؤں نے ووٹ نہیں دئے اور سید آل نبی صاحب کا ریزولیوشن پاس نہ ہوسکا۔

(۷) الہ آباد اور لکھنو میں اب تک ہندو میونسپلٹیوں کو چھوڑے ہوئے ہیں اس لئے کہ مسلمانوں کے ساتھ گورنمنٹ نے رعایت کی ہے۔

(۸) ہندو لیڈروں نے جو کانگریس کے ارکان وعناصر ہیں میونسلپٹی کے قانون سے اس لئے مخالفت کی کہ مسلمانوں کو تین جگہ ان کی تعداد سے زیادہ دے دیں اس کے متعلق صرف اخبار لیڈر اور آنریبل مالوی جی اور ہندو سبھا کے جلسوں کا مطالعہ کافی ہے خصوصی اس جلسہ کا جو بنارس میں راجہ

رامپال سنگھ کی صدارت میں ہوا تھا۔

(۹) بنگال گورنمنٹ کے بار باراصرار پر بھی ہندوؤں نے مسلمانوں کو کلر کی لائین میں نہیں گھسنے دیا جس کے لئے گورنمنٹ کو آخری کارروائی کرنی پڑی۔

(۱۰) ہندو ممبروں نے جو مشترکہ ووٹ سے کونسلوں میں جاتے ہیں کبھی مسلمانوں کے حق میں اپنی رائے نہیں دی، نہ مسلمانوں کے حقوق کا خیال کیا۔

(۱۱) چندوسی میں ہندوؤں نے لٹھ کے ذریعہ محفل میلاد شریف بند کردی۔

(۱۲) اردو کی مخالفت صرف مالوی جی اور چنتا منی جی ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ مسٹر گاندھی بھی کرتے ہیں اور نہایت شائستگی سے سمجھاتے ہیں کہ جب تک مسلمان ہندی حروف نہ سیکھ لیں اس وقت تک انھیں اردو خط میں اجازت دی جائے۔

(۱۳) قربانی کا مسئلہ ہمیشہ زیر بحث نہیں بلکہ موجب کشت وخون رہتا ہے اور زبردستی مسلمانوں کو اپنے فرائض سے روکا جاتا ہے اور کوشش اس بات پر کی جاتی ہے کہ بکرا بکری بھی وہ نہ ذبح کرنے پائیں۔

(۱۴) نوکریوں کا یہ حال ہے کہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے ہر صوبہ میں مسلمانوں کو محبان وطن اور ہوم رولر اصحاب گھسنے نہیں دیتے۔

مندرجہ بالا واقعات پر نظر ڈالنے کے بعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کو اس شورش میں جو ہندو صاحبان اس کے متعلق کررہے ہیں مذہباً شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا"[1]	ضرور ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن یہود اور مشرکوں کو پاؤ گے۔

اور فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ	اے ایمان والو اوروں کو اپنا ولی دوست نہ سمجھو وہ تمھاری ضرر رسانی میں گئی نہیں کرتے، ان کی دلی تمنا ہے کہ تم مشقت میں پڑو، دشمنی ان کے منہ سے

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۲

وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ "[1]	ظاہر ہو رہی ہے اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہے بہت زیادہ ہے ہم نے روشن نشانیاں تمھیں بتادیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔

اس ارشاد الٰہی کے بعد کیا کوئی عاقل دیندار مسلمان ہنود کی شورش میں ان کا ساتھ دینا روا رکھے گا اور وقت پر زبانی باتوں کے دھوکے میں آکر بالآخر ان سے اسلام و مسلمین کے ساتھ نیک برتاؤ اور دلی دوستی کی امید رکھے گا اس حکومت با اختیار کا حاصل اگر ہندوستان میں صرف اس قدر ہوا کہ اوپر کی کونسلوں میں ہندو ممبر بکثرت کردئے گئے اور امور انتظامیہ کے سوا دیگر احکام میں ان کی رائے سنی گئی اور کثرت پر فیصلہ ہوا جب تو ظاہر کہ ہر طرح ہنود کی جیت ہے انھیں کی کثرت رہے گی اور انھیں کی بات جیسا کہ بعض وقائع مذکورہ سوال اس کا نمونہ ہیں، نیچر کی کمیٹیوں میں ان کے اور تمھارے حالات وعادات جو سنے گئے وہ اور بھی ان کے مؤید ہیں یعنی یہ کہ بہت ہنود نہ فقط اپنے حفظ حقوق بلکہ مسلمانوں کی پامالی حقوق میں بیدریغ کوشش کرتے ہیں، اور بہتیرے مسلمان ممبر دم نہیں مارتے بلکہ بعض تو صلح کل و بے تعصب بننے کو الٹا ان کا ساتھ دیتے ہیں مسلمانوں کی تعداد ایک تو کم تھی ہی اور بھی کم رہ جاتے ہیں، آخر بارہا پالی ہنود کے ہاتھ رہتا ہے، اب اس کا اثر جزئیات پر پڑتا ہے، اس حالت میں کلیات پر پڑے گا، گورنمنٹ کو مسلمانوں ہندوؤں کے معاملہ میں نہ کسی کی طرفداری نہ کسی سے خصومت، جب ہندوستانی ممبر بڑھے اور کثرت ہنود کی ہوئی اب احکام ان رایوں سے فیصل ہو کر آئیں گے جو ایک قوم کی ذاتی طرفداری اور دوسروں کی ذاتی مخالف ہے اس وقت وہ اسی لئے مسلمان کو بلا رہے ہیں کہ یوں اختیارات اپنے کرلیں اور انھیں کی کوششوں سے ان کی حقوق پامال کرنے پر خاطر خواہ قادر ہوجائیں گے جب یہ جم گئی پھر کیا ہوتا ہے ع

دریغ سود ندارد چو کار رفت از دست

(جب کام ہاتھ سے نکل جائے تو پھر پشیمان ہونے کا کچھ فائدہ نہیں۔ت)

ع مرد آخر بین مبارک بندہ است

(نتیجہ کو دیکھنے والا مرد بابرکت آدمی ہے۔ت)

اور اگر بالفرض حکومت خود اختیاری اپنے حقیقی معنی پر ملی تو وقت سخت تر ہے غور کرو اس وقت کہ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

ملک ان کے ہاتھ میں نہیں تمھارے مذہبی شعائر میں کتنی رکاوٹیں ڈالتے ہیں، رات دن کوشاں رہتے ہیں، اور اپنی کثرت تعداد و کثرت مال کے سبب کچھ نہ کچھ کامیاب ہوتے رہتے ہیں، جب اختیارات ان کے ہاتھ میں ہوئے اس وقت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے مثلاً اس وقت تو قربانیاں ان قیود و حدود کے ساتھ کہ ان کا لگایا جانا بھی شورش ہنود کے باعث ہے ہو بھی جاتی ہیں، اس وقت قتل انسان سے بڑھ کر جرم ٹھہریں گی اور مسلمانوں کو مجبورانہ اپنا یہ شعار دینی بند کرنا پڑے گا کیا گورنمنٹ تنہا تمھیں ملک دے دے گی کہ اس میں خالص احکام اسلام جاری کرو، یہ تو ممکن نہیں، نہ تنہا ان کو ملے، پھر شرکت رکھوگے یا ملک بانٹ لوگے کہ ایک حصہ میں تم اسلامی احکام جاری کرو ایک میں وہ اپنے مذہبی احکام جو تمھاری شریعت کی رو سے احکام کفر ہیں، بر تقدیر ثانی ظاہر ہے کہ ہندوستانی کا کوئی شہر اسلامی آبادی سے خالی نہیں تو ان لاکھوں مسلمانوں پر اپنی شریعت مطہرہ کے خلاف احکام تم نے اپنی کوشش متفقہ سے جاری کرائے اور اس کے تم ذمہ دار ہوئے اور

"وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۵﴾ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۷﴾"[1]	جو کچھ اللہ تعالٰی نے نازل فرمایا) بندوں پر اتارا) جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر، ظالم اور نافرمان ہیں۔ (ت)

کے تمغے پائے۔ بر تقدیر اول کیا ہنود راضی ہو جائیں گے کہ ملک مشترک ہو اور احکام تنہا احکام اسلام ہرگز نہیں، آخر تمھیں ان کے ساتھ کسی نہ کسی قانون خلاف اسلام پر راضی ہونا اور اپنی رضا و سعی سے مسلمانوں کو اس کا پابند کرنا پڑے گا اور قرآن عظیم سے وہی تین خطابوں کا تمغہ ملے گا یہ سب اس وقت ہے کہ جھگڑا نہ اٹھے اور اگر پھوٹ پڑی اور تجربہ کہتا ہے کہ ضرور پڑے گی اس وقت اگر ہنود حسب عادت آپ بے قصور بنے اور سب ڈھلی بگڑی تمھارے سر ڈالی تو زمین میں بیٹھے بٹھائے فساد اٹھانے اور حکم الٰہی "لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ"[2] (لوگو! اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ت) کی مخالفت کرکے خود اپنی اور لاکھوں نا کردہ مسلمانوں کی جان و عزت معرض خطرہ میں ڈالنے کا ذمہ دار کون ہوگا، اللہ عزوجل سیدھی سمجھ دے، آمین! واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---
[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴، ۴۷، ۴۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

مسئلہ ۵۵: خیرآباد اودھ ضلع سیتاپور مرسلہ سید امتیاز حسن صاحب انریری مجسٹریٹ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید مسلمان ہے اور اس کے گلے میں ہندو مذہب کی ایک کتاب بید جزدان میں مثل کلام مجید کے بطور حمائل کے پڑا ہے۔ زید کو علم ہے کہ میرے گلے میں ہندو مذہب کی کتاب ہے یا اور کوئی غیر معظم کتاب ہے مگر کافر اس کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے اور اس کے گلے میں کلام مجید ہے یہ سمجھ کر اس کتاب کی جس کو وہ کافر اپنے خیال میں کلام مجید سمجھتے ہوئے توہین کرنا چاہتا ہے زید اس کی حفاظت کرتا ہے محض اس وجہ سے کہ یہ کافر کلام اللہ سمجھ کر توہین کرتا ہے ایسی صورت میں مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ زید کے شریک ہوں اور اس کافر کے حملہ کو روکیں یا سمجھ کر کہ اس کے اندر غیر مذہب کی کتاب ہے اور کوئی معظم چیز نہیں ہے سکوت اختیار کریں اور زید کو لعنت ملامت کریں، شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر زید کو کوئی نقصان پہنچے اور اس کے معاونین کو مدد کرنے سے تکلیف پہنچے تو وہ عنداللہ ماجور (اللہ تعالٰی کے نزدیک اجر وثواب دئے ہوئے۔ت) ہوں گے، مشرح جواب تحریر فرمائے۔ فقط

الجواب:

سوال تمثیلی ساختہ معلوم ہوتا ہے مثال میں بسااوقات فرق رہ جاتا ہے جس کے سبب حکم بدل جاتا ہے اگرچہ تمثیل قائم کرنے والا اپنے ذہن میں یہ سمجھے کہ میں نے اصل واقعہ کا بالکل چربہ اتار لیا ہے بہر حال اس صورت مستفسرہ کا حکم یہ ہے کہ زید بوجوہ قابل سخت ملامت ہے اول تو سب سے پہلے اس کا جرم شدید یہ ہے کہ اس نے ایک کافر مذہب کی کتاب کو معاذاللہ قرآن مجید سے تشبیہ دی جزدان میں رکھا، گلے میں حمائل کے طور پر ڈالا، یہ خود اس نے قرآن عظیم کی توہین کی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک کنیز کو دیکھا کہ بیبیوں کی طرح دوپٹہ اوڑھے جارہی ہے اس پر درہ لیا اور فرمایا:

ای وفار القی عنك الحمار اتتشبهين بالحرائر [1]۔	اے بدبو والی! اپنی اوڑھنی اتار، کیا بیبیوں کے مشابہ بنتی ہے۔

اور اگر واقعی اس نے کافر مذہب کی کتاب **معاذاللہ** مثل قرآن کریم مستحق تعظیم سمجھا جب تو وہ خود ہی کافر مرتد ہے ورنہ کم از کم مبتلائے حرام ضرور ہے، اور اس حرام کے باقی رکھنے ہی نے اس ہندو کو غلط فہمی پیدا کی تو یہ اس کا دوسرا جرم ہے کہ حرام پر مصر ہے۔ پھر اس کے سبب جو فتنہ فساد پیدا ہوگا اسی کا منشا یہی اس کا اصرار علی الحرام ہے کیوں نہیں اسے جزدان سے نکال کر فوراً پھینک دیتا ہے کہ یہ تیرے ہی مذہب کی ناپاک کتاب ہے اس کی جتنی چاہے توہین کر، یوں یہ خود بھی حرام سے بچے اور فتنہ بھی فرو ہو، اب کہ یہ ایسا نہیں کرتا خود بانی فتنہ ہے۔ یہ اس کا تیسرا جرم ہے۔ اگر پٹا تو ایک پوتھی

[1] الدر المنثور تحت آیۃ ذلك ادنی ان یعرفن فلا یؤذین منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۲۲۱

کی حمایت میں پٹا اور مارا بھی تو ایک پوتھی کے پیچھے مارا، اور اگر وہ غالب آیا اور اس نے اس کتاب کی توہین جسے اس نے اپنے فعل واصرار باطل سے اسے معاذاللہ قرآن عظیم باور کرایا ہے تو اس ہندو کے زعم میں توہین قرآن عظیم پر قادر ہونا اور اس معاملہ دینیہ مذہبیہ میں مسلمان پر فتح پانا اس کا منشا بھی یہی شخص ہے اور اگر وہ مغلوب ہوا اور اس نے مارا اور جیل خانہ گیا محض بلاوجہ شرعی بلکہ برخلاف وجہ شرعی ایک گناہ پر اصرار کے لئے اپنے نفس کو سزا و ذلت پر پیش کیا اور یہ بھی بحکم حدیث حرام ہے۔ اور یہ اس کا چوتھا جرم ہے۔ بہر حال یہ شخص سخت ملامتوں کا مستحق وسزاوار ہے جو اس کی اعانت کرینگے وہ بھی ان جرائم سے حصہ لیں گے اور گناہ پر مدد دے کر گنہ گار ہوں گے،

قال اللہ تعالٰی: ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان [1]۔	لوگو! گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ت)

ان پر لازم ہے کہ اگر وہ فتنہ اٹھاتا ہے یہ فرو کریں اور زعم کافر میں توہین اسلام نہ ہونے دیں اس کے گلے سے لے کر جزدان سے نکال کر وہ ہندوانی پستک اس ہندو کے سامنے پھینک دیں کہ فتنہ بند ہو اور وہ جرائم مذکورہ سب مسدود، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶تا۵۸: از رائے پور چھیتگڑھ مرسلہ گوھر علی عرائض نویس نیا پارہ اکھاڑا

(۱) کہ جہاں مسلمان بستے ہیں وہاں ایک شراب کی بھٹی ہے چند لوگ شیعہ اس راہ سے گزرے جو اپنی قوم میں مقرر ہیں انھیں معلوم ہوا کہ یہاں پر مسلمان شراب پیا کرتے ہیں تو انھوں نے ایک انجمن مقرر کیا اور اپنی قوم کے چند لوگوں کو سکریٹری پریزیڈنٹ انجمن بنایا اور اس میں سنیوں کو ممبر مقرر کیا، ازروئے شرعی سنی بھی ان کی رائے سے موافقت کرسکتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

(۲) اس انجمن میں دو مسئلے پیش ہیں کہ کوئی سنی شراب پیئے یا زنا کرے اس کو خارج از قوم کردینا اور شادی و غمی میں شریک نہ ہونا زنا کس حالت میں سمجھا جائے گا جبکہ کوئی شخص کسی عورت سے صرف بات کررہا ہے یا عورت مذکورہ اس کے گھر میں کسی مزدوری کے لئے بیٹھی ہے یا کسی پیشرو شخص کے مکان کو ضرورت سے آتی ہے کیونکہ اس شہر میں مزدور عورتیں بہت ہیں جو آدمی تنہا نوکری پیشہ وجن کی مستوراتیں نہیں وہ ان کو اپنے گھروں میں کام کرنے کے ساتھ تعلق ہے اور وہ شخص باہر کھڑا ہوا اندر مکان کا حال کیا جانتا ہے کہ مکان کے اندر کیا ہورہا ہے علمائے دین

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

باطن کے حالات کی نسبت کیا بیان کرتے ہیں، کیا یہی زنا کی صورتیں ہیں۔
(۳) شیعہ قوم سے سنی کہاں تک شریک ہوسکتے ہیں؟
ان اوپر کہئے ہوئے وجوہ کی نسبت حضور کرم فرما کر اس فقیر کو جواب سے سرفراز فرمائیں تو بڑی مہربانی ہوگی، خداوند کریم آپ کو جزائے خیر دے گا۔

الجواب:

(۱) سنیوں کو غیر مذہب والوں سے اختلاط میل جول ناجائز ہے خصوصاً یوں کہ وہ افسر ہوں یہ ماتحت۔ **قال اللہ تعالٰی:**

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[1]۔	اگر تجھے شیطان کبھی بھول میں ڈال دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔ (ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

فایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تم ان سے دور رہو اور وہ تم سے دور رہیں کہیں تمھیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) زنا نہیں ثابت ہوسکتا جب تک چار مرد عاقل بالغ، ثقہ، متقی، پرہیزگار اپنی آنکھ سے ایسا مشاہدہ نہ بیان کریں جیسے سرمہ دانی میں سلائی، بغیر اس کے جو شخص کسی مسلمان کی نسبت زنا کی تہمت رکھے گا بحکم قرآن مجید اسی کوڑوں کا مستحق ہوگا پھر اس کی گواہی ہمیشہ کو مردود، ہاں یہ ضرور ہے کہ اجنبی عورت سے خلوت حرام ہے۔ جو لوگ انھیں نوکر رکھتے ہیں ضرور مکان میں دونوں تنہا ہوتے ہوں گے، اور اسے شرع نے حرام فرمایا۔
(۳) کہیں تک بھی نہیں، آیت وحدیث میں مطلقاً ممانعت فرمائی، بلکہ حدیث خاص اس قوم کا نام لے کر آئی کہ:

یاتی قوم لھم نبز یقال لھم الرافضۃ لایشھدون جمعۃ	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایک قوم آنے والی ہے ان کا بدلقب ہوگا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸
[2] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

ولاجماعة ویطعنون السلف [1] فلا تجالسوہم ولا تواکلوھم ولاتشاربوہم ولا تناکحوہم واذا مرضوا فلاتعودوہم واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم ولاتصلوا معھم [2]۔	انھیں رافضی کہا جائے گا وہ نہ جمعہ پڑھیں گے نہ جماعت، اورامت کے اگلوں پر طعنہ کریں گے، تم ان کے پاس مت بیٹھنا، ان کے ساتھ کھانا نہ کھانا، ان کے ساتھ پانی نہ پینا، ان کے ساتھ شادی بیاہت نہ کرنا، وہ بیمار پڑیں تو انھیں پوچھنے کو نہ جانا، مرجائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جانا، نہ ان پر نماز پڑھنا، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا۔

دیکھو حدیث نے موت وحیات کے سب تعلق کو ان سے قطع کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از قصبہ کرت پور ضلع بجنور محلّہ مدھو پاڑہ مرسلہ منشی منیر الدین صاحب ۲۲/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی مسلمان دسہرہ کی جھنڈی کے جلسہ میں ہنود کا شریک ہو یا اس میں گنگا پھری یا بنیٹی یا دیگر کھیل خود کھیلے یا دوسروں کو کھلائے یا اس میں کسی قسم کا باجا خود بجائے یا دوسروں سے بجوائے یا کوئی راگ خود گائے یا اوروں سے گوائے یا اس میں کسی قسم کی امداد دامے درمے قلمے جلوس مذکور کی رونق افزائی کی نیت سے کرے یا اس جلوس کا تماشا تفریحا اور دوسروں کو ترغیب دیکھنے کی دلائے یا میل ملاپ باہمی کی وجہ سے شرکت کرے یا دیگر اغراض دنیا کے باعث ہنود سے بامید حصول خوشنودی ہنود جلوس کی اعانت میں سرپرستانہ پیش آئے یا ایسی سرپرستی کا ارادہ کرے اور اس حد تک کہ اگر اس جلوس میں اس مقام کے رواج ودستور کے خلاف منجانب ہنود امور جدیدہ کے اضافہ کرنے کی آمادگی ہو اور اس کی اطلاع پاکر خواہ اس کا ظہور دیکھ کر وہاں کے غرباء مسلمانان بخوف ہیجان فتنہ حسب ضابطہ کچہری اس کے انسداد کی کوشش وچارہ جوئی کریں اور کوئی شخص مسلمان سرآوردہ خواہ رئیس حکام رس بذات خود یا بذریعہ اپنے آدمیوں کے خود دار ریاست واستطاعت یا سرپنچی ومنبری کے مسلمانان کو چارہ جوئی سے باز رکھے اور تخویف دلائے یا اگر مسلمانان بامید انصاف گورنمنٹ بلاخوف وخطر مصروف چارہ جوئی رہیں اور مسلمان مانع چارہ جوئی جانب دار اہل ہنود ہوکر امر جدید کو جلوس مذکور میں اپنی کوشش سے اضافہ کرے اور اس جلوس مذکور میں ایسی نمایاں سعی وپیروی کرے کہ جس سے ایک مسجد کے اُس احترام میں فرق آجائے جس کو حکام ضلع نے بلحاظ عبادت گاہوں کے بذریعہ احکام تحریری منظور کیا ہو یعنی باوجود ممانعت حاکم علاقہ کے مسجد مسلمانان

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ الفضل بن غانم ۶۷۹۰ دارالکتب العربی بیروت ۱۲/ ۳۵۸

[2] کنز العمال حدیث ۳۲۴۶۸ و ۳۲۵۲۹ و ۳۲۵۴۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹، ۵۴۰، ۵۴۲

کے گرد پچاس پچاس قدم دونوں طرف باجاگاجا شوروغل ہر قسم اہل جلوس جھنڈی سے کرادے تو ایسا مسلمان نیز مسلمانان متذکرہ بالا شرعاً کسی گناہ کے مرتکب ہیں آیا بدعت یا فسق یا کفریا ارتداد اور دیگر مسلمانان کو ان سے میل جول رکھنا کیسا ہے؟ بصراحت وتفصیل فتوٰی میں ارقام فرمایا جائے۔فقط۔

الجواب:

مراسم کفر کی اعانت اوران میں شرکت ممنوع وناجائز وگناہ اور مخالفت حکم الٰہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔(ت)

حدیث میں ارشاد ہوا:

من سود مع قوم فھو منھم وفی لفظ من کثر سواد قوم فھو منھم [2]۔	جو کسی قوم کی جماعت میں شریک ہو کر ان کا گروہ بڑھائے وہ انھیں میں سے ہے۔

خصوصاً توہین مسجد پر اعانت کہ بہت سخت تر ہے پھر اگر یہ باتیں شامت نفس اور طمع دنیا سے ہوں تو صرف استحقاق جہنم ہے اور اگر کسی رسم کفر کے پسند ورضا کے ساتھ ہوں تو کھلا کفر ہے۔غمزالعیون میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ [3]۔	جس شخص نے کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھا تو وہ باتفاق مشائخ کافر ہوگیا۔(ت)

مسلمانوں کو ایسے شخص سے میل جول منع ہے۔اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝۶۸" [4]	اگر تمھیں شیطان کسی بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] کنزالعمال بحوالہ خط عن انس حدیث ۲۴۶۸۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۱۰،کنزالعمال بحوالہ الدیلمی عن ابن مسعود حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

[3] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[4] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اور فرماتا ہے:

"وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1]	(لوگو!) ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمھیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔ (ت)

مسئلہ ۶۰ تا ۶۲: از گودھرہ مدرسہ فیض عام مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن بن مولوی محمد عیسٰی صاحب ۲۳ / ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) قصبہ لوناواڑہ میں ہنود بکثرت رہتے ہیں یہ لوگ بماہ ساون آٹھ روز تہوار مناتے ہیں اس کو اپنی اصطلاح میں "پچوسن" کہتے ہیں، ان دنوں میں آٹھ روزے بھی اپنے مذہب کے موافق رکھتے ہیں اور جاندار شیئ کو مارنا اور تکلیف دینا برا سمجھتے ہیں، چنانچہ مسلمان تیلیوں کو اس بناء پر گھانی چلانے سے روکتے ہیں اس لئے کہ تلوں میں کچھ کیڑے جو ہوتے ہیں وہ پل جاتے ہیں، اس آٹھ روز گھانی نہ چلانے کے عوض میں روپے بھی دینا چاہتے ہیں پس مسلمانوں کو اس آٹھ روز گھانی نہ چلانا اور روپیہ لے کر اس امر میں ان کی اتباع کرنا کیسا ہے؟

(۲) جو مسلمان کہ ہنود کے تہوار میں ان کی موافقت کرے اور اس کو منائے اس کے لئے کیا وعید ہے؟

(۳) کسی قصبہ کا رئیس مسلمانوں کو کہے کہ تم ہنود کے تہواروں میں ان کی اتباع کرو ورنہ تم کو سخت اذیت پہنچاؤں گا، پس مسلمانوں کو اس امر میں رئیس کی اتباع درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوٰی [2]۔	(یاد رکھو) اعمال کا مدار ارادوں پر ہے اور آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔ (ت)

اگر اس سے تیلیوں کی نیت ان کی موافقت اور ان کی رسم مذہبی میں شرکت ہے تو حرام ہے۔ اور حرام فعل کی اُجرت میں جو کچھ لیا جائے وہ بھی حرام کہ اجارہ نہ معاصی پر جائز ہے نہ اطاعت پر، اور اگر انھوں نے یہ سمجھا کہ واقعی تیل پیلنا فعل شنیع ہے کہ اس سے کیڑے پِس جاتے ہیں تو یہ وہی خیالات باطلہ ہنود کی شرکت ہوئی، ایسا ہو تو یہ فعل ہمیشہ ناجائز ہے اور ناجائز کا ترک واجب اور

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

اجرت اس پر لینا حرام، اور اگر انھوں نے یہ سمجھا کہ ہمارا وہ کام ایک مباح شرعی ہے کچھ واجب تو نہیں کہ اس کا کرنا ضرور ہو آٹھ دن محنت سے بچتے ہیں، اور مفت کے دام مال مباح کافر سے ملتے ہیں یہ سمجھ کر آرام کریں اور دام لئے تو حرام نہیں، پھر بھی اغراض فاسدہ کفار کی تحصیل نامناسب ہے ایسے موہومات کہ کیڑے ہوں گے اور پس جائیں گے شرعًا عرفًا عقلًا کسی طرح قابل اعتبار نہیں ورنہ رات کو چلنا منع ہو جائے کیا معلوم اندھیرے میں کوئی چیونٹی پس جائے بلکہ پانی پینا منع ہو جائے کیا معلوم اس میں کوئی باریک کیڑا ہو کہ نظر نہ آتا ہو، بلکہ خوردبین سے مشاہدہ ہوا ہے کہ دودھ اور پانی سب میں یقینا کیڑے ہوتے ہیں، اور یہی مطابق قانون فطرت ہے کہ رطوبت میں حرارت جب عمل کرے گی فیضان روح ہوگا، تو دین ودنیا سب کی عافیت تنگ ہو جائے، ایسے بیہودہ خیال کسی طرح موافق اسلام نہیں ہو سکتے، صحیح حدیث میں ہے:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یفتش التمر عما فیہ، رواہ الطبرانی [1] فی المعجم الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن، واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس وہم کو پالنے سے منع فرمایا کہ کھاتے وقت چھوہارا توڑ کر اس کی تلاشی لیجائے کہ اس میں کوئی کیڑا تو نہیں (طبرانی نے معجم الکبیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن اسے روایت کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اگر ان کے مذہبی تہوار کو اچھا جان کر منائے گا اسلام سے خارج ہو جائے گا، غمز العیون میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ [2]۔	جس آدمی نے کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھا تو مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ کافر ہو گیا۔(ت)

ورنہ فسق ومعصیت ضرور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) اللہ عزوجل کی معصیت میں کسی کا اتباع درست نہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن عمر حدیث ۴۰۸۶۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۲۶۰

[2] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفصل الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۳: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار رضوی برکاتی ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

مباہلہ کیا ہے۔اور وہ کس وقت، کس سے، کس طرح کیا جاتا ہے؟

الجواب:

مباہلہ یہ کہ دو فریق جمع ہو کر اپنا اپنا دعوی بیان کریں اور ہر فریق دعا کرے کہ ان دونوں میں جو جھوٹا ہو اس پر لعنت الٰہی ہو، یہ جائز ہے، اور اب تک مشروع ہے **کمانص علیہ فی ردالمحتار** (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اس پر نص کی گئی ہے۔ت) مباہلہ ہر اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اپنے قول کی حقانیت پر یقین قطعی ہو، مشکوک یا مظنون بات پر مباہلہ سخت جرات ہے مثلاً ہم کسی شافعی المذہب سے اس امر پر مباہلہ نہیں کرسکتے کہ قرات خلف الامام ناجائز ہے۔نہ شافعی ہم سے مباہلہ کرسکتا ہے کہ واجب ہے۔اور ہم اور وہ دونوں غیر مقلدوں سے اس پر مباہلہ کرسکتے ہیں کہ امام اعظم وامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہما ائمہ دین ہیں اور ان کی تقلید جائز، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: از اودیپور میواڑ راجپوتانہ اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب مدرس ۲۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

اس شہر میں روافض فرقہ اسمعیلہ بوہروں کے امام بڑے ملا آئے ہیں ان کا دعوی ہے کہ "میں داعی وقت ہوں، امام اور عامل میں ہی مقرر کرتا ہوں، میں قوم کا مالک ومختار ہوں" ان کو بوہرے سیدنا کے لفظ سے پکارتے ہیں، جب یہ شہر میں آئے تو ان کی سواری بڑی شان وشوکت کے ساتھ مع دو تین ہزار بوہروں کے مدرسہ اسلامیہ حنفیّہ جس راستہ میں واقع ہے اس طرف ہو کر نکلی تو مدرسہ حنفیّہ کے ممبران سنت جماعت حنفی مذہب والوں نے مدرسہ کو رنگ برنگ کے کاغذ کے پھریروں سے آراستہ کیا، اور ایک بڑے سرخ کپڑے پر بڑے بڑے کاغذ کے حروف بنا کر "خوش آمدید" لکھا اور بڑے ملا صاحب کے نظارے کے لئے آویزاں کردیا اور جب ملا صاحب کی سواری مدرسہ کے قریب آئی تو حنفی ممبران مدرسہ نے ادب کے ساتھ ملا صاحب کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور گلدستے نذر کئے اور ان کے سر پر پھول اُچھالے اور بعد میں ممبران مدرسہ

[1] المعجم الکبیر حدیث ۳۱۵۰ مکتبہ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۲۰۸و۲۰۹

ملاصاحب کی قیام گاہ میں ملاصاحب کو مدرسہ میں آنے کی دعوت دینے کو گئے، تو ملاصاحب نے ان لوگوں کو دس دس بیس روپے کاانعام دے کر رخصت کیا، اب ارشاد فرمائیں کہ حنفیوں کا بوہرے فرقہ کے امام کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا کیسا ہے۔ اگر ان ممبروں نے اس لالچ سے کہ ملا صاحب مدرسہ میں کچھ روپیہ دے جائیں گے ایسا کیا تو یہ ان کا ایسا کرنا کیسا ہے اور یہ لوگ حنفی مذہب کے مدرسہ کے ممبر مانے جانے کے قابل ہیں یا نہیں اور بے پڑھے مسلمانوں پر اس کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:

جن لوگوں نے ایسا کیا انھوں نے اپنے لئے جہنم کا سامان پورا کرلیا انھوں نے بدفعلی سے عرش الٰہی کو ہلادیا، انھوں نے واحد قہار کا غضب اپنے سر لیا، انھوں نے قرآن عظیم کی تحقیر کی، انھوں نے دین اسلام کے ڈھانے پر مدد دی، یہ اسی بنا پر ہے کہ انھوں نے روپیہ کے لالچ سے ایسا کیا اگر دل سے اسے ان تعظیموں کا مستحق جانتے تو کھلے کافر ہوتے، اور اب بھی فقہاء کے اطلاق ان کے بارے میں بہت سخت ہیں کہ وہ بخوشی بلاضرورت ان ملعون حرکات کے مرتکب ہوئے ہیں ان پر فرض ہے کہ جس اعلان کے ساتھ ان ناپاک حرکتوں سے شیطان پھیلایا اور بے پڑھے مسلمانوں کا دین ڈھایا ابلیس لعین کا پھریرا سربازار اڑایا اسی اعلان کے ساتھ عام مجمعوں میں توبہ کریں اور مناسب کہ از سر نو کلمہ اسلام پڑھیں پھر اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں، اگر توبہ نہ مانیں تو ایسے لوگ اس قابل بھی نہیں کہ مسلمان ان کو اپنے پاس بیٹھنے دیں سنی مدرسے کی رکنیت تو بڑی چیز ہے، اس حال پر بھی جو انھیں رکن مدرسہ دینیہ رکھیں گے اللہ ورسول ومسلمین سب کے خائن وبدخواہ ہوں گے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ"[1]	ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تم کو دوزخ کی آگ لگے گی۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوا:

"وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ "[2]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

دوحدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتز لذٰلك العرش رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ وابو یعلی فی المسند والبیھقی فی شعب الایمان[1] عن انس وابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے (محدث ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں روایت کیا ہے اور ابویعلٰی نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس کے حوالے سے اور ابن عدی نے "الکامل" میں حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے روایت کیا (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سلم علی صاحب بدعۃ اولقیه بالبشر اواستقبله بما یسرہ فقد استخف بما انزل علی محمد رواہ الخطیب[2] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جو کسی بدمذہب کو سلام کرے یا اس سے بکشادہ پیشانی ملے یا ایسی بات کے ساتھ اس سے پیش آئے جس میں اس کا دل خوش ہو اس نے اس چیز کی تحقیر کی جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اتاری گئی (اسے خطیب نے حضرت ابن عمر (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) سے روایت کیا۔ت)

نیز چھ حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ہدم الدین۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر وابونعیم فی الحلیۃ عن عبد اللہ بن بشیر وابن عدی وابن عساکر عن ام المؤمنین الصدیقۃ والحسن بن سفین فی مسندہ وابونعیم فی الحلیۃ عن معاذ بن جبل	جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی اس نے دین کے ڈھا دینے پر مدد دی (امام طبرانی نے معجم کبیر اور ابونعیم نے الحلیہ میں عبداللہ بن بشیر سے اس کو روایت کیا۔ ابن عدی اور ابن عساکر نے مسلمانوں کی ماں سیدہ عائشہ صدیقہ سے اور حضرت حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابونعیم نے الحلیۃ میں معاذ بن جبل کے حوالہ سے

[1] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰، الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ترجمہ سابق بن عبداللہ الرقی دارالفکر بیروت ۳/ ۱۳۰۷

[2] تاریخ بغداد ترجمہ عبدالرحمن بن نافع ۵۳۷۸ دارالفکر بیروت ۱۰/ ۲۶۴

والسخری فی الابانة عن ابن عمرو ھو وابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم والبیھقی فی شعب الایمان عن ابراھیم بن میسرة التابعی المکی الثقة مرسلا[1]۔	اورالسخری نے الابانۃ میں عبداللہ ابن عمر کے حوالے سے اور اس نے ابن عدی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کو روایت کیا، نیز امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابراہیم بن میسرہ جوکہ تابعی مکی اور قابل اعتماد ہیں نے بصورت ارسال اس کو روایت کیا۔ت)

دوحدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسر و العلانیة بالعلانیة رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد[2] والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن جید واحمد ایضافیه عن عطاء بن یسار مرسلا۔	جب تو کوئی گناہ کرے تو فوراتوبہ کر، پوشیدہ کی پوشیدہ اور علانیہ کی علانیہ، (امام احمد نے کتاب الزہد اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اچھی اور عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا، نیز امام احمد نے اسی میں عطا بن یسار سے بطور مرسل روایت فرمائی۔ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل رجلا من عصابة	جس نے کسی گروہ پر ایسے کو افسر بنایا کہ اس گروہ

---

[1] کنزالعمال بحوالہ طب عن عبداللہ بن بشیر حدیث ۱۱۰۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۱۹، الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ترجمہ الحسن بن یحیی ابوعبدالملک الخشئی دارالفکر بیروت ۲/ ۷۳۶، شعب الایمان دارالدیان للتراث بیروت ص۳۵، حلیۃ الاولیاء وشرح خالد بن معدان ۳۱۸ دارالکتب العربی بیروت ۵/ ۲۱۸، تھذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ حسن بن یحیٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۳

[2] کتاب الزہد لامام احمد بن حنبل دارالدیان للتراث القاہرہ ص۳۵، المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل حدیث ۳۳۱ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ۱۵۹

وفیھم من ھو ارضی اللہ منه فقد خان اللہ ورسوله والمؤمنین، رواہ الحاکم[1] وصححه وابن عدی والعقیلی والطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	میں اس سے زیادہ اللہ کو پسندیدہ شخص موجود ہے اس نے اللہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور مسلمانوں سب کی خیانت کی، (ابن حاکم نے اس کو روایت کرکے صحیح قرار دیا، ابن عدی، عقیلی، طبرانی اور خطیب بغدادی نے حضرت ابن عباس سے اس کو روایت کیا (اللہ تعالٰی باپ، بیٹے دونوں سے راضی ہو)۔ت)

فتاوٰی ظہیریہ امام ظہیر الدین واشباہ والنظائر محقق زین وتنویر الابصار شیخ الاسلام غزی ودر مختار میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر ولوقال لمجوسی یااستاد تبجیلا کفر[2]۔	اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کافر کو بطور عزت وتوقیر سلام کیا تو وہ کافر ہوجائے گا، کیونکہ کافر کی عزت افزائی کفر ہے، اور اگر کسی نے آتش پرست کو تعظیم کے طور پر "اے استاد" کہا تو وہ کافر ہوگیا۔ت)

فصول عمادی وعقد الفرائد ودر مختار وجامع الفصولین ونور العین ومحیط وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا ومافیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح[3]، واللہ تعالٰی اعلم۔	جو چیز بالاتفاق کفر ہے وہ عمل اور نکاح کو باطل کردیتا ہے اس کی اولاد، اولاد زنا ہوگی اور جس چیز کے کفر ہونے میں اختلاف ہے تو ارتکاب کرنے والے کو توبہ استغفار اور تجدید نکاح کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] المستدرک للحاکم کتاب الاحکام دار الفکر بیروت ۴/ ۹۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[3] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

مسئلہ ۶۵: از ریاست لشکر گوالیار بازار پاٹنگر مسئولہ عطا حسین صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن واقع مسجد بازار مذکور ۱۵ صفر ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اعلان کرنے والے صاحب کی بابت جو باوجود اہل علم اور سنت وجماعت ہونے کے اپنے اعلان کی سطر چودہ وپندرہ میں تحریر فرماتے ہیں، اعتراض اول یہ کہ اعلان کے شروع میں نہ حمد ہے۔ نہ نعت۔ اعتراض دوم سطور پندرہ وچودہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وسیلہ بھی تحریر نہیں، یہ دونوں اعتراض صحیح ہیں یا غلط؟ اگر صحیح ہیں تو اعلان کرنے والے صاحب کے حق میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور وہ اہل سنت وجماعت کہے جاسکتے ہیں؟ اور اگر غلط ہے تو کس طرح؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت) امید ہے کہ حسب ذیل پتہ پر جواب باصواب سے مطلع فرمائیں گے تاکہ اس کو شائع کردیا جائے۔

الجواب:

جب سوال میں اعلان دہندہ کے سنی ذی علم ہونے کا اقرار ہے تو سنی خصوصا ذی علم پر ایسی باتوں میں مواخذہ کوئی وجہ نہیں رکھتا، شروع میں حمد ونعت، نہ لکھنا ممکن کہ بلحاظ ادب ہو کہ ایسے پرچے لوگ احتیاط سے نہیں رکھتے، اور وقت تحریر زبان سے ادا کرلینا کافی ہے۔ جیسا کہ امام ابن الحاجب نے کافیہ میں کیا مسلمان پر نیک گمان کا حکم ہے،

قال اللہ تعالٰی: "ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا" [1]۔	مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو اپنے لوگوں پر اچھا گمان کرنا چاہئے۔(ت)

سطر چودہ میں ہے: "وہ ہماری خطاؤں کو محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائے"، اس میں توسل کا ذکر نہیں تو **معاذاللہ** توسل سے انکار بھی تو نہیں، اور سنی کیونکر انکار کرے گا اور انکار کرے تو سنی کب ہوگا، مسلمان کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے توسل رچا ہوا ہے اس کی کوئی دعا توسل سے خالی نہیں ہوتی اگرچہ بعض وقت زبان سے نہ کہے، مولٰنا قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں: ؎

اے بسا ناوردہ استثنا بہ گفت　　　جان او با جان استثناست جفت [2]

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۲

[2] مثنوی معنوی دفتر اول حکایت عاشق شدن بادشاہ برکنیزک نورانی کتب خانہ پشاور ص ۵

(اے شخص کہ بسا اوقات تیرے کلام میں استثناء نہیں لایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی جان استثناء کی جان سے گانٹھی ہوئی ہے۔ت)

اور "محض" کا لفظ معاذاللہ توسل کی نفی نہیں، دین ودنیا وجسم وجان میں جو نعمت کسی کو ملی اور ملتی ہے اور ابدالآباد تک ملے گی سب حضور اقدس خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے اور حضور کے مبارک ہاتھوں سے ملی اور ملتی ہے اور ابدالاباد تک ملیگی قال النبی انما انا قاسم ،واللہ المعطی[1] دینے والا اللہ ہے ور بانٹنے والا میں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

بایں ہمہ جو نعمت ہے اللہ عزوجل کے محض فضل وکرم سے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وسیلہ وواسطہ وقاسم ہر نعمت ہونا یہ بھی تو محض فضل وکرم الٰہی جل وعلا ہے۔ "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ"[2] اے محبوب اللہ کی کتنی رحمت ہے کہ تم ان کے لئے نرم ورحیم ومہربان ہوئے۔ والحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (ہر تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا۔ حضور پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو۔ت)

اعتراض اگرچہ صحیح نہیں مگر میں معترض کے اس حسن اعتقاد کی داد دیتاہوں کہ توسل اقدس کا ذکر نہ آنا اسے ناگوار ہوا، جزاہ اللہ خیرا. واللہ تعالٰی اعلم۔ (اللہ تعالٰی سائل کو بہت اچھا صلہ عطا فرمائے، اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ت)

مسئلہ ۶۶: از ڈربن ناٹال جنوبی افریقہ مسئولہ مولوی عبدالعلیم صاحب قادری برکاتی رضوی میر ٹھی ۲۱ صفر ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے معزز اہل علم مسئلہ ذیل کے متعلق تمہارا کیا ارشاد ہے۔ت) حکومت کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان سے باہر جانا چاہے یا باہر سے ہندوستان آنا چاہے تو اس کو گورنمنٹ سے ایک اجازت نامہ جس کو بزبان انگریزی پاسپورٹ کہتے ہیں لینا ضروری ہوگا ورنہ داخلہ خارجہ کی اجازت نہ دی جائے گی، یہ اجازت نامہ نہیں مل سکتا تاوقتیکہ ایک تصویر کم از کم نصف حصہ اعلٰی بدن کی اجازت لینے والا داخل کرے اس تصویر کی تین نقلیں ہوں گی جو تینوں بھیجی جائیں گی دو گورنمنٹ میں محفوظ رہیں گی اور ایک اجازت نامہ کے ساتھ واپس مل جائے گی جس کا اجازت گیرندہ کو اپنے پاس رکھنا ضروری ہے بعض اشخاص مسلمین اپنے اہل وعیال سے دور بعض

---

[1] مسند احمد بن حنبل ترجمہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۳۴

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

تجارتی کاروبار میں مبتلا نقل وحرکت کے بغیر چارہ نہیں، بعض علماء کو اعلاء کلمۃ الحق کے لئے باہر جانے یا جاکر واپس آنے کی ضرورت ایسی اشد شدید ضروریات میں کہ جہاں بعض شکلوں میں سخت ترین دینی نقصانات بھی ہیں اجازت لینے کی غرض سے نصف حصہ اعلٰی بدن کی تصویر کھنچوانا بذریعہ فوٹو گراف جائز ہے یانہیں اور اس اجازت نامہ کو اپنے پاس رکھنا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

شک نہیں کہ ذی روح کی تصویر کھینچنی بالاتفاق حرام ہے اگرچہ نصف اعلٰی بلکہ صرف چہرہ کی ہی ہو کہ تصویر چہرہ کا نام ہے۔امام طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح معانی الآثار میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی **الصورۃ الرأس** [1] (سر کی تصویر کے لئے یہ حکم نہیں کیونکہ وہ جائز نہیں،اس لئے کہ تصویر چہرہ ہی کا نام ہے۔ت) اگرچہ ان کے پاس رکھنے میں خلاف ہے اور صحیح ومعتمد یہ ہے کہ ان کا بھی رکھنا حرام ہے جیسا پوری تصویر کا مگر جبکہ اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھنے سے اعضاء کی تفصیل نظر نہ آئے یاذلت وخواری کی جگہ مثلاً فرش پا انداز میں ہو یا چہرہ بگاڑدیں کاٹ دیں محو کریں کہ ان صورتوں میں پوری تصویر بھی رکھنی جائز ہے یاضرورت ومجبوری ہو جیسے سکہ کی تصویریں، اس کی کامل تحقیق ہمارے رسالہ "**عطایا القدیر فی حکم التصویر**" (اللہ تعالٰی قدرت وطاقت رکھنے والے کی عطائیں تصویر کا حکم،بیان کرنے میں۔ت) میں ہے اوران صورتوں میں اگرچہ رکھنا جائز ہے کھینچنا ان کا بھی حرام ہے:

لاطلاق نصوص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی احادیث متواترۃ ثم اطلاق الائمۃ فی کتب متکاثرۃ۔	اس لئے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے اس کے متعلق متواتر حدیثوں میں مطلق نصوص وارد ہوئیں،اور پھر ائمہ کرام نے متعدد کتابوں میں اس کو علی الاطلاق (بغیر کسی قید کے) ذکر فرمایا ہے۔(ت)

اور جس کا کھینچنا حرام ہے کھنچوانا بھی حرام ہے۔شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے:

ماحرم اخذہ حرم العطاؤہ [2] **قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"** [3]۔	جس چیز کالینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ مدد نہ کیا کرو۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الکراہیۃ باب التصاویر فی الثوب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۴۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

[3] القرآن الکریم ۵ /۲

وقال تعالٰی " كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ "[1]	اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جو برا کام لوگ کیا کرتے ہیں اہل کتاب اس کے کرنے سے ایک دوسرے کو نہ روکتے، کتنا بُرا رویہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (ت)

مگر مواضع ضرورت مستثنٰی رہتے ہیں، الضرورات تبیح المحظورات[2] (ضرورتیں (مجبوریاں) ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ (ت) اور حرج نہیں بین وضرورت ومشقت شدیدہ کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے۔

" مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ "[3] لاضرر ولاضرار[4]۔ " يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ "[5]۔	اللہ تعالٰی نے دین اسلام میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، نہ تو کسی سے نقصان اٹھاؤ اور نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اللہ تعالٰی تم پر آسانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ تمھیں کسی تنگی میں ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ (ت)

ہاں مجرد تحصیل منفعت کے لئے کوئی ممنوع مباح نہیں ہوسکتا مثلاً جائز نوکری تیس ۳۰ روپیہ ماہوار کی ملتی ہو اور ناجائز ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ کی تو اس ایک سو بیس روپے ماہانہ نفع کے لئے ناجائز کا اختیار حرام ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل اٰخر نفسه من النصارٰی لضرب الناقوس کل یوم بخمسة دراهم ویعطی فی عمل اٰخر کل یوم درهم علیه ان یطلب الرزق من موضع اٰخر[6]۔	ایک شخص نے عیسائیوں کے ہاں اجرت پر بگل بجانے کی ملازمت اختیار کی اس شرط پر کہ اسے یومیہ پانچ درہم ملیں گے، اور کسی دوسرے (جائز کام پر) ہر روز اسے ایک درہم دئے جانے کا وعدہ ہوا تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ دوسری جگہ رزق حلال تلاش کرے لہٰذا تھوڑی اجرت پر جائز کام کرے اور زیادہ پر حرام کام نہ کرے)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۷۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ۱/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[4] مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۱۳

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۵

[6] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ مطبع نولکشور دہلی ۴/ ۷۸۰

اس سوال کے ورود پر ہم نے ایک رسالہ "جلی النص فی اماکن الرخص" (۱۳۳۷ھ) (مقامات رخصت میں واضح اور ظاہر نص کا بیان۔ت) تحقیقات جلیلہ پر مشتمل لکھا ان تمام مباحث کی تنقیح و تشریح اس میں ہے تصویر کھنچوانے میں معصیت بوجہ اعانت معصیت ہے پھر اگر بخوشی ہو تو بلاشبہ خود کھینچے ہی کی مثل ہے یونہی اگر اسے کھنچوانا مقصود نہیں بلکہ دوسرا مقصد مباح مثلاً کوئی جائز سفر، مگر قانوناً تصویر دینی ہوگی تو اگر وہ مقصد ضرورت وحاجت صحیحہ موجب حرام وضرورت مشقت شدیدہ تک نہ پہنچا جب بھی ناجائز کہ منفعت کے لئے ناجائز جائز نہیں ہوسکتا، اور اگر یہ حالت ہے تو ایسی صورت میں فعل کی نسبت فاعل پر مقتصر رہتی ہے اور یہ اس نیت سے بری اور اپنے اوپر سے دفع حرج وضرر کا قاصد ہونے کے سبب "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" [1] (کوئی شخص کسی دوسرے کا شخص کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ت) اور انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [2] (یاد رکھو اعمال کا دارومدار ارادوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔ت) کا فائدہ پاتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

ماذکر انہ لایتوصل الی الحج الا بارشائھم فتکون الطاعۃ سبب المعصیۃ فیہ نظر بل الاثم فی مثلہ علی الاخذ لا المعطی علی ماعرف من تقسیم الرشوۃ فی کتاب القضاء [3]۔	جو کچھ ذکر کیا گیا یہ ہے کہ ادائیگی حج کا سوائے رشوت دینے کے اور کوئی ذریعہ نہیں، تو پھر (اس صورت میں) طاعت گناہ کا سبب ہوجائے گی، اس پر اعتراض اور اشکال ہے وہ یہ ہے کہ اس نوع کے مسائل میں رشوت لینے والے کو گناہ ہوگا نہ کہ دینے والے کو جیسا کہ کتاب القضاء میں "تقسیم رشوت" کے عنوان سے معلوم ہوا۔(ت)

اہل وعیال کے پاس جانے یا انھیں لانے کی ضرورت ہے بیشک ضرورت ہے رؤف ورحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت ہر گز یہ حکم نہ دے گی کہ تصویر لیں گے تم یہیں رہو اور انھیں سمندر پار پڑا رہنے دو کہ نہ تم ان کی موت وحیات میں شریک ہوسکو نہ وہ تمھاری، تجارت اگر پہلے سے وہاں تھی اور اب اسے قطع کرکے مال وہاں سے لانے کے لئے ایک بار جانا ہے اگر نہ جائے تو مال جائے تو یہ بھی صورت اجازت ہے کہ شرع میں مال شقیق نفس ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] فتح القدیر کتاب الحج مقدمۃ یکرہ الخروج الی الحج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۲۹

قال اللہ تعالٰی "اَمۡوَالَكُمُ الَّتِىۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِيٰمًا"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) تمھارے وہ مال کہ جنھیں اللہ تعالٰی نے تمھارے ٹھہراؤ اور قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔(ت)

اور اگر تجارت قائم رکھنے کو جانا ہے مگر ایک ہی بار کہ پھر وہیں توطن کا ارادہ ہے یا بارہا، مگر تصویر اول ہی بار لی جائے گی تو یہ بھی جواز میں ہے کہ ایک بار جانے سے چارہ نہیں، اور اگر ہر بار تصویر دینی ہوگی تو دو صورتیں ہیں:- اول یہ کہ اس کے پاس ذریعہ رزق وہی تجارت ہے اور وہ تجارت وہیں چلتی ہیں، اگر یہاں مال آٹھالائے بیکار جائے یا نقصان شدید اٹھائے تو یہ بھی حرج وضرر کی صورت میں آگیا والحرج مدفوع، اور اگر اس کے قطع میں معتدبہ ضرر نہیں یا وہ تجارت یہاں بھی چلے گی اگرچہ نفع کم ملے گا تو صرف بغرض قطع ایک بار جانے کی اجازت ہے دوبارہ کی نہیں کہ منفعت کے لئے ناروا، روا کرنا ناروا، اعلائے کلمۃ اللہ میں تین صورتیں ہیں اگر کچھ کافروں نے وہاں سے اسے لکھا کہ ہم تمھارے ہی ہاتھ پر مسلمان ہوں گے آکر ہمیں مسلمان کر لو، تو لازم ہے کہ جائے کہ اس کے لئے فرض نماز کی نیت توڑ دینا واجب ہوتا ہے۔ حدیقہ ندیہ بحث آفات الید میں ہے:

وقال ذمی للمسلم اعرض علی الاسلام یقطع وان کان فی الفرض کذا فی خزانۃ الفتاوی[2]۔	اگر کسی ذمی کافر نے مسلمان سے کہا کہ مجھ پر اسلام پیش کیجئے، تو وہ فرض نماز کی نیت توڑ دے (اور پہلی فرصت میں اس کافر کو مسلمان کردے) خزانۃ الفتاوٰی میں یونہی مذکور ہے۔(ت)

یا وہاں کچھ کفار اسلام کی طرف مائل ہیں کوئی ہدایت کرنے والا ہو تو ظن غالب رہے کہ مسلمان ہوجائیں گے، اس صورت میں بھی اجازت ہوگی فان الظن الغالب ملتحق بالیقین (کیونکہ ظن غالب (یعنی غالب گمان) یقین کے ساتھ لاحق ہے۔ ت) بلکہ اس صورت میں بھی وجوب چاہئے کہ ایسی حالت میں تاخیر جائز نہیں، کیا معلوم کہ دیر میں شیطان راہ ماردے اور یہ مستعدی جاتی رہے اور یہاں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ کچھ میں ہی تو متعین نہیں کہ ہر ایک یہی خیال کرے تو کوئی نہ جائے گا اور اگر یہ بھی نہیں عام کفار کی سی حالت ہے تو بحمد اللہ دعوت اسلام ایک ایک ذرہ زمین کو پہنچ چکی، ولہذا اب قتال کفار میں تقدیم دعوت صرف مستحب ہے۔ ہدایہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵

[2] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ الصنف الخامس المکتبۃ النوریۃ الرضویہ لائلپور ۲/ ۴۵۹

یستحب ان یدعو من بلغة الدعوة مبالغة فی الانذار ولایجب ذٰلك [1]۔	جس شخص کو دعوت اسلام پہنچ گئی ہو تو اسے ڈراوے میں مبالغہ کرتے ہوئے دوبارہ اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے لیکن واجب نہیں۔(ت)

اب یہ صرف منفعت کے درجہ میں آگیا اس کے لئے اجازت نہ چاہئے، ہاں اگر معلوم ہو کہ وہاں ہنوز دعوت اسلام پہنچی ہی نہیں تو تبلیغ واجب ہے یہ صورت دوم کی مثل ہو کہ اجازت میں رہے گا، ظاہر ہے کہ صورت سوال وہ نئی تازی حال کی صورت ہے کہ کتب میں ہونا درکنار اس سے پہلے کبھی سننے ہی میں نہیں آئی، فقیر نے جو کچھ ذکر کیا تفقھا ہے اور مولٰی تعالٰی سے امید صواب و ثواب ہے،

فان اصبت فمن ربی ولہ الحمد وان اخطأنت فمنی و من الشیطان واللہ ورسولہ عنہ برئیان جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر میں مصیب ہوا (مراد یہ کہ میں نے ٹھیک کہا) تو پھر یہ میرے پروردگار کی طرف سے ہے اور اگر میں خطاکار ہوا تو پھر یہ میرا قصور اور شیطان کا وسوسہ ہے لہذا اللہ تعالٰی اور اس کا محبوب رسول دونوں اس سے بری الذمہ ہیں، اللہ تعالٰی بڑی شان والا اور بلند مرتبہ ہے۔ رسول گرامی پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو، اور اللہ سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔(ت)

---

[1] الھدایہ کتاب السیر باب کیفیۃ القتال المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۵۴۰

رسالہ
جلی النص فی اماکن الرخص ۱۳۳۷ھ
(مقامات رخصت کے بیان میں واضح نص)

مسئلہ ۶۷: بعض اوقات بعض ممنوعات میں رخصت ملتی ہے ان کی اجمالی تفصیل کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی بعث نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشریعۃ سمحۃ سھلۃ غراء بیضاء لیلھا کنھارھا وافضل الصلوۃ واکمل السلام علی من احل لنا الطیبات وحرم علینا الخبائث ووضع عنا ما کان علی الامم الخالیۃ من الاصرو الاغلال واوزارھا وعلی الہ وصحبہ واولیائہ وحزبہ الذین جعلھم	اللہ تعالٰی کے مقدس نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم کرنے والا مہربان ہے ہر قسم کی تعریف اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے کہ جس نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایسی شریعت دے کر بھیجا جو کشادہ، نرم، آسان اور بے حد روشن ہے جس کی رات دن کی طرح ہے۔ اور عمدہ درود اور سب سے زیادہ کامل سلام ان پر نازل ہو کہ جنھوں نے ہمارے لئے پاک اور ستھری چیزیں حلال فرمادیں، اور گندی چیزیں ہم پر حرام کردیں، اور جو بوجھ طوق اور گناہ گزشتہ امتوں کے ذمے تھے وہ ہم سے اتار دیئے، اور ان کی اولاد، صحابہ، دوست اور ان کے گروہ پر بھی (درود و

ربهم امة وسطا فقالوا بالحق وقاموا بالعدل وفاز وابفیوض الشریعة وانوارہا وعلینا بهم و لهم وفیهم یاارحم الراحمین ابدالابدین فی کل ان وحین عدد اوبار الهدایا واصواف الضحایا واشعارہا اٰمین!	سلام ہو) جن کو ان کے پروردگار نے درمیانی امت بنایا، پھر انھوں نے حق بیان فرمایا اور انصاف قائم کیا، اور شریعت کے فیوضات وانوار کی وجہ سے کامیاب ہوئے، پھر ان کی وجہ سے ہم پر اور ان کے لئے اور ان کے اندر، اے سب سے بڑے رحم کرنے والے ! ہر لمحہ اور ہمیشہ ہمیشہ رہے، قربانی کے اونٹوں کے بال اور مینڈھوں کی اون اور بکریوں کے بالوں کی تعداد کے مطابق رہے، یا اللہ ! ہماری اس دعا کو شرف قبولیت سے نواز دے۔(ت)

اما بعد، یہ چند سطور کا شفۃ الستور بعون الغفور لامعۃ النور (چند سطریں پردہ اٹھانے والی، گناہ بخشنے والے روشن نور کی مدد سے۔ت) اس بیان میں ہیں کہ بعض اوقات بعض ممنوعات میں رخصت ملتی ہے۔اس کی اجمالی تفصیل کیا ہے۔ظاہر ہے کہ نہ ہر ممنوع کسی نہ کسی وقت مباح ہوسکتا ہے نہ ہر وقت ایسا کہ کسی نہ کسی ممنوع میں رخصت کی قابلیت رکھتا ہے ادھر اس کے متعلق بعض قواعد فقہیہ میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے،

ایک: اصل یہ ہے کہ **درء المفاسد اهم من جلب المصالح**[1] مفسدہ کا دفع مصلحت کی تحصیل سے زیادہ اہم ہے۔

حدیث ذکر کی جاتی ہے: **ترك ذرة ممانهی الله عنه افضل من عبادة الثقلین**[2]۔ایک ذرہ ممنوع شرعی کا چھوڑ دینا جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔

یہ قاعدہ مطلقًا لحاظ نہی بتاتا ہے۔

دوم: الضرورات تبیح المحظورات[3] مجبوریاں ممنوح کو مباح کردیتی ہیں۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) اس کا استنباط کریمہ "**فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**"[4] وکریمہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۵
[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۵
[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ اداراۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸
[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

"لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" [1] میں ہے یعنی مقدور رھر پرہیزگاری کرو اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں رکھتا، یہ مطلقًا لحاظ ضرورت فرماتا ہے۔

سوم: من ابتلی بلیتین اختار اھو نهما [2] دو بلاؤں کا مبتلا ان میں ہلکی کو اختیار کرے۔

اقول: (میں کہتاہوں۔ت) یہ کریمہ "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ" [3] (مگر وہ شخص کہ جس پر زبردستی کی جائے جبکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ت) سے ماخوذ ہے یہ قاعدہ دونوں اطلاق نہیں کرتا بلکہ موازنہ چاہتا ہے۔

چہارم: الضرر یزال [4] (نقصان کو دور کیا جاتاہے۔ت) ضرر مدفوع ہے۔ **قال عزوجل** "مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ" [5] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا) تم پر دین میں کوئی تنگی نہ رکھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولا ضرار، رواہ ابن ماجة [6] عن عبادة واحمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهم بسند حسن۔	نہ ضرر لو نہ ضرر دو، (ابن ماجہ نے اس کو حضرت عبادہ سے روایت کیا اور امام احمد نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

ارتکاب ممنوع بھی ضرر ہے تو یہ اصل اول سے موافق ہے اور انسانی ضرورت بھی ضرر ہے تو اصل دوم کے مطابق ہے۔

پنجم: المشقة تجلب التیسیر [7] مشقت آسانی لاتی ہے۔ اور اسی کے معنی میں ہے **ماضاق**

---

[1] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

[2] کشف الخفاء حدیث ۲۳۹۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۲۰۷، الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسة ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۱۲۳

[3] القرآن الکریم ۱۶ /۱۰۶

[4] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۱۱۸

[5] القرآن الکریم ۲۲ /۷۸

[6] سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام باب من بنی فی حقہ مایضر بجارہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۰، مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنهما المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۳۱۳

[7] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعة ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۱۸۹

امر الا اتسع [1] (کوئی معاملہ تنگ نہیں ہوا مگر اس میں کشادگی رکھی گئی۔ت) مولٰی سبحانہ فرماتا ہے:

"یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫" [2]	اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

اس کا دائرہ ضرورت ومجبوری سے وسیع تر ہے۔

ششم: ماحرم اخذہ حرام اعطاؤہ [3] جس کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام۔

قال تعالٰی: "لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ۪" [4] **ہفتم: انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوٰی** [5]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) گناہ اور حد سے بڑھنے پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر ایک کے لئے اس کی نیت۔

قال عزوجل:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۚ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ ؕ" [6]۔	ایمان والو! آپ ٹھیک رہو دوسرے کا بہکنا تمھیں ضرر نہ دے گا جب تم راہ پر ہو۔

ہم دیکھتے ہیں حج میں مدت سے ٹیکس لئے جاتے ہیں اور اس سے حج ممنوع نہیں ہو جاتا م، تجارتوں پر صدہا سال سے تمام دنیا میں ٹیکس اور چنگیاں ہیں اس اس سے تجارت بند نہیں کی جاتی یہ قاعدہ ہفتم کے موافق ہے لیکن سود کا لینا دینا دونوں حرام، حدیث صحیح میں دونوں پر لعنت فرمائی، دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

الراشی والمرتشی کلاہما فی النار [7]۔	رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنم میں ہیں۔

یہ قاعدہ ششم کے مطابق ہے لہذا بقدر وسعت ان مواقع واماکن کا بیان چاہئے جہاں رخصت

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ ۱/ ۱۱۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۵

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الرابعۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲

[5] صحیح البخاری باب کیف ماکان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[6] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

[7] کنزالعمال بحوالہ طب ص حدیث ۱۵۰۷۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۳، الترغیب والترہیب ترہیب الراشی والمرتشی مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۸۰

ملتی ہے اور جہاں نہیں کہ ان قواعد کے موارد واضح ہوں نیز مسائل کثیرہ ومباحث غزیرہ باذنہ تعالٰی روشن ولائح ہوں نیز اس شریعت مطہر کی رحمتیں اور اس کا اعتدال اور برخلاف شرائع یہود نصارٰی سختی ونرمی محض سے انفصال ظاہر ہوں **وباللّٰہ التوفیق** (اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ت)

علماء فرماتے ہیں: مراتب پانچ ہیں:

(۱) ضرورت **(۲)** حاجت **(۳)** منفعت **(۴)** زینت **(۵)** فضول

امام محقق علی الاطلاق نے اسے اقسام اکل میں دکھایا اور ضرورت یہ بتائی کہ بے اس کے ہلاک یا قریب ہلاک ہو، اور حاجت یہ کہ حرج ومشقت میں پڑے، باقیوں کی تعریف نہ فرمائی مثال بتائی، منفعت گیہوں کی روٹی بکری کا گوشت، زینت حلوا، مٹھائی، فضول طعام شبہہ حرام، **ونقلہ فی غمز العیون**[1] **من قاعدۃ الضرر یزال واقتصر علیہ** (غمز العیون میں اسے اس قاعدے سے نقل فرمایا کہ نقصان دور کیا جائے۔ اور اسی پر اکتفاء کیا۔ت)

فقیر بقدر فہم کلام عام کرے **فاقول:** (پس میں کہتا ہوں) پانچ چیزیں ہیں جن کے حفظ کو اقامت شرائع الٰہیہ ہے دین وعقل ونسب ونفس ومال عبث محض کے سوا تمام افعال انھیں میں دورہ کرتے ہیں اب اگر فعل (کہ ترک بمعنی کف کو کہ وہی مقدور وزیر تکلیف ہے نہ کہ بمعنی عدم **کما فی الغمز وغیرہ** بھی شامل) اگر ان میں کسی کا موقوف علیہ ہے کہ بے اس کے یہ فوت یا قریب فوت ہو تو یہ مرتبہ **ضرورت** ہے جیسے دین کے لئے تعلم ایمانیات وفرائض عین، عقل ونسب کے لئے ترک خمر وزنا، نفس کے لئے اکل وشرب بقدر قیام بنیہ، مال کے لئے کسب ودفع غصب امثال ذلک، اور اگر توقف نہیں مگر ترک میں لحوق مشقت وضرر وحرج ہے تو **حاجت** جیسے معیشت کے لئے چراغ کہ موقوف علیہ نہیں ابتدائے زمانہ رسالت **علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ** (صاحب رسالت پر عمدہ درود اور ثناء ہو۔ت) میں ان مبارک مقدس کاشانوں میں چراغ نہ ہوتا، ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

والبیوت یومئذ لیس فیہا مصابیح، رواہ الشیخان[2]۔	گھروں میں ان دنوں چراغ نہیں ہوتے تھے بخاری ومسلم نے اسے روایت کیا۔(ت)

[1] غمز عیون البصائر القاعدۃ الخامسۃ الضرر یزال ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۱۹

[2] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی الفروش قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۶، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب سترۃ المصلی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۸

مگر عامہ کے لئے گھر میں بالکل روشنی نہ ہونا ضرور باعث مشقت وحرج ہے، اور اگر یہ بھی نہ ہو مگر حصول مفید ہے نفس فائدہ مقصودہ اس سے حاصل ہوتا ہے، تو منفعت جیسے مکان کے ہر دالان میں ایک چراغ، اور اگر فائدہ مقصودہ کی تحصیل اس پر نہیں بلکہ ایک امر زائد زیب وزیبائش بقدر اعتدال کے لئے ہے تو زینت جیسے چراغ کی جگہ فانوس، اور اگر اس سے اتنا فائدہ بھی نہیں یا اس میں افراط اور خروج عن الحد ہے فضول جیسے بے کسی نیت محمودہ کے گھر میں چراغاں، اب مواضع ضرورت کا استثناء تو بدیہی جس کے لئے اصل دوم کافی اور اس کی فروع معروف ومشہور اور استفسار سے بعید ومہجور، مثلاً کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھے ورنہ لیٹ کر ورنہ اشارہ سے **الی غیر ذٰلك ممالایخفی** (ان کے علاوہ باقی صورتیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ت) اس کے لئے تمام ممنوعات کہ کسی حال میں قابل اباحت یا متحمل رخصت ہوں یا مرخص ہو جاتے ہیں نہ مثل زنا وقتل ناحق مسلم کہ کسی شدید سے شدید ضرورت کے لئے بھی مرخص نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ اگر صحیح خوف قتل کے سبب بھی ان پر اقدام کرے گا مجرم ہوگا، حکم ہے کہ باز رہے اگرچہ قتل ہو جائے، اگر مارا گیا اجر پائے گا کما نصوا علیہ اصولا وفروعا (جیسا کہ اصول وفروع کے لحاظ سے ائمہ کرام نے اس کی تصریح فرمائی۔ت) پھر اپنی ضرورت تو ضرورت ہے ہی دوسرے مسلم کی ضرورت کا بھی لحاظ فرمایا گیا۔ مثلاً:

(۱) دریا کے کنارے نماز پڑھتا ہے اور کوئی شخص ڈوبنے لگا اور یہ بچا سکتا ہے لازم ہے کہ نیت توڑے اور اسے بچائے، حالانکہ ابطال عمل حرام تھا۔

قال تعالٰی "لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴿۳۳﴾"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو اپنے اعمال کو باطل نہ کیا کرو۔ (ت)

(۲) نماز کا وقت تنگ ہے ڈوبتے کو بچانے میں نکل جائے گا، بچائے، اور نماز قضاء پڑھے اگرچہ قصداً قضا کرنا حرام تھا۔

(۳) نماز کا وقت جاتا ہے اور قابلہ اگر نماز میں مشغول ہو بچے پر ضائع ہونے کا اندیشہ ہے نماز کی تاخیر کرے۔

(۴) نماز پڑھتا ہے اور اندھا کنویں کے قریب پہنچا، اگر یہ نہ بتائے وہ کنویں میں گر جائے نیت توڑ کر بتانا واجب ہے۔ اشباہ میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۴۷/ ۳۳

تخفیفات الشرع انواع الخامس تخفیف تاخیر کتاخیر الصلوٰۃ عن وقتھا فی حق مشتغل بانقاذ غریق ونحوہ[1]۔	شریعت کی سہولتوں کی کئی قسمیں ہیں، پانچویں قسم یہ ہے کہ تاخیر کی سہولت ہے۔ جیسے دو شخص جو کسی ڈوبتے ہوئے کو بچائے تو اس کا اپنی نماز میں تاخیر کرنا۔ (ت)

ردالمحتار کتاب الحج میں ہے:

جاز قطع الصلوٰۃ اوتاخیرہا لخوفہ علی نفسہ اومالہ او نفس غیرہ اومالہ کخوف القابلۃ علی الولد والخوف من تردی اعمی وخوف الراعی من الذئب وامثال ذٰلک[2]۔	نماز توڑنا دینا یا اس میں تاخیر کرنا جائز ہے جبکہ کسی شخص کو اپنی جان یا اپنے مال کا خطرہ ہو، یا کسی دوسرے کی جان ومال کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے دایہ کا بچے کی پیدائش کے وقت ڈر یا اندھے کے کنویں میں گرنے کا خوف، یا چرواہے کا بھیڑیئے سے خطرہ، یا اس قسم کے دوسرے مواقع (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ بھی حقیقۃً اپنے نفس کی طرف راجع کہ یہ شرعاً ان کے بچانے پر مامور ہے۔

اگر بینم کہ نابینا وچاہ است   اگر خاموش نبشینم گناہ است

(اگر میں یہ دیکھوں کہ اندھا اور کنواں ہے تو اگر اس موقع پر خاموش رہوں تو گناہ ہے۔ ت)

ولہٰذا جن کا نفقہ اس پر لازم ہے بے ان کا بندوبست کئے حج کو نہ جائے اور جن کا نفقہ اس پر نہیں اگرچہ اس کے چلے جانے سے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس پر لحاظ لازم نہیں کہ یہ یہاں رہتا جب بھی تو انھیں نفقہ دینے کا شرعاً مامور نہ تھا، پھر عالمگیریہ میں ہے:

کرھت خروجہ(ای للحج)زوجتہ واولادہ او من سواھم ممن تلزمہ نفقتہ وھو لایخاف الضیعۃ علیھم فلا باس بان یخرج ومن لاتلزم نفقتہ لوکان حاضرا فلاباس بالخروج مع کراہتہ وان	اگر اس کی بیوی اور بچے یا ان کے علاوہ دوسرے افراد کنبہ کہ جن کا خرچہ اس پر لازم ہے اگر یہ حج کے لئے جائے اور یہ سب اس کے جانے کو پسند نہ کریں اور اسے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اس صورت میں اس کے جانے میں کوئی حرج نہیں اور جن لوگوں کا خرچہ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ ادارۃ القرآن وعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الحج داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۴۴

کان یخاف الضیعۃ علیھم [1]۔	اس پر لازم نہیں، اگر یہ موجود ہو تو ناپسندیدگی کے باوجود اس کے باہر جانے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو۔ (ت)

اور **زینت وفضول** کے لیے کسی ممنوع شرعی کی اصلا رخصت نہ ہوسکنا بھی ایضاح سے غنی جس پر اصل اول بدرجہ اولٰی دلیل وافی ورنہ احکام معاذاللہ ہوائے نفس کا بازیچہ ہوجائیں،

اقول: یونہی مجرد **منفعت** کے لئے کہ وہ اصل مدلول اصل اول اور اس پر کتب معتمدہ میں فروع کثیرہ دال:

(۱) حقنہ بضرورت مرض جائز ہے اور منفعت ظاہرہ مثلا قوت جماع کے لئے ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ذخیرہ امام اجل برہان الدین محمود سے ہے:

یجوز الاحقان للمرض فلواحتقن لا لضرورۃ بل لمنفعۃ ظاہرۃ بان یتقوی علی الجماع لایحل عندنا [2] اھ	بیمار کے لئے حقنہ کرنے کی اجازت ہے اگر اس نے بغیر ضرورت حقنہ لیا کسی ظاہری فائدے کے لے مثلا اس لئے کہ جماع پر قوی ہو تو ہمارے لئے یہ حلال نہیں اھ (ت)

اس پر حواشی فقیر میں ہے:

اقول: ھذا ظاہر اذا کان معہ من القوۃ مایقدر بہ علی اداء حق المرأۃ فی الدیانۃ وتحصین فرجھا اما اذا عجز عن ذٰلك فھل یعد ضرورۃ الظاہر لالانہ بسبیل من ان یطلقھا فتنکح من شاءت فان الواجب علیہ احد امرین امساك بمعروف او تصریح باحسان فان عجز عن الاول لم یعجز عن	**میں کہتاہوں** کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب اس میں قوت مردمی موجود ہو کہ جس کی وجہ سے یہ عورت کا حق ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے دیانت اور حفاظت فروج کے لحاظ سے لیکن اگر یہ اس سے عاجز ہے تو کیا اس کو بھی ضرورت میں شمار کیا جائے گا؟ ظاہر یہ ہے کہ صورت ضرورت میں شمار نہیں، کیونکہ ز کہ اس صورت میں یہ عورت کو طلاق دے دے تو پھر وہ جس سے چاہے نکاح کرلے، کیونکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المناسک الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۷

الاخر نعم المعهود فی الهندان النساء یتعیرن بالزواج الثانی تعیراشدیدالکن ہذا من قبلهن بجهلهن لیس علیه فیه اخذ فلیتأمل[1] انتهی ما کتبت علیه۔	اس پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہے۔ یا بھلائی کے ساتھ روک رکھنا یا احسان کرتے ہوئے چھوڑ دینا، اگر یہ پہلی بات سے عاجز ہوگیا تو دوسری سے عاجز نہیں، ہاں البتہ ہندوستان میں مشہور ومتعارف یہ ہے کہ عورتیں دوسرا نکاح کرنے سے سخت عار محسوس کرتی ہیں، لیکن یہ پابندی عورتوں کی طرف سے عائد کردہ ہے ان کی ناسمجھی کی وجہ سے، اس میں اس پر کوئی گرفت نہیں، اس بات میں غور وفکر کرنا چاہئے، یہ آخر عبارت ہے جو میں نے اس کے حاشیہ میں لکھی۔ (ت)

(۲) حلال کام میں تیس ۳۰ روپیہ مہینہ پاتا ہے اور نصرانی ناقوس بجانے پر ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار دیں گے اس منفعت کے لئے یہ نوکری جائز نہیں۔

(۳) یوہیں بھٹی کے لئے شیرہ نکالنے کی، فتاوٰی امام اجل قاضی خان میں ہے:

رجل اٰجر نفسه من النصارٰی لضرب الناقوس کل یوم بخسمة دراہم ویعطی فی عمل اٰخر کل یوم درهم قال ابراهیم بن یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی لاینبغی ان یؤاجر نفسه منهم انما علیه ان یطلب الرزق من موضع اٰخر وکذا لو اٰجر نفسه منهم بعصر العنب للخمر لان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لعن العاصر[2] اھ۔	ایک آدمی عیسائیوں کے ہاں بگل بجانے کی نوکری اختیار کرتا ہے کہ اسے ہر دن اس کام پر پانچ درھم ملیں گے لیکن اگر کوئی دوسرا جائز کام کرے تو اس پر یومیہ ایک درہم ملے گا امام ابراہیم بن یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ عیسائیوں کے ہاں بگل بجانے کی نوکری کرے، بلکہ اس کے لئے لازم ہے کہ وہ کسی دوسری جگہ سے رزق حلال تلاش کرے، اور یہی حکم ہے اس شخص کا جو شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑنے کی ملازمت کرتا ہے اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس باب میں جن بدنصیبوں پر لعنت فرمائی ان میں انگور نچوڑنے والا بھی شامل ہے (عبارت مکمل ہوگئی)۔ (ت)

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰

اقول: ولاینبغی ہہنا بمعنی لایجوز بدلیل قولہ "علیہ"فانہ لایجاب وبدلیل تشبیہ فی الحاکم بما صح علیہ اللعن۔	**اقول:** (میں کہتاہوں)لاینبغی یہاں بمعنی لایجوز ہے۔یعنی اس کے لئے یہ جائز ہی نہیں،اور اس کی دلیل مصنف کا یہ قول"علیہ" ہے کیونکہ لفظ علی ایجاب کے لئے آتا ہے اور اس دلیل سے کہ مصنف نے اس مسئلے کو حکم میں اس سے تشبیہ دی کہ جس پر لعنت ہے۔(ت)

(۴و۵) موچی کو نیچری وغیرہ فاسقانہ وضع کا جوتا بنانے یا درزی کو ایسی وضع کے کپڑے سینے پر کتنی ہی اجرت ملے اجازت نہیں، کہ معصیت پر اعانت ہے۔خانیہ میں متصل عبارت مذکورہ ہے:

وکذا الاسکاف اوالخیاط اذا استوجر علی خیاطۃ شیئ من زی الفساق ویعطی لہ فی ذٰلك کثیراجر لا یستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ [1] اھ، **اقول:** ولایستحب ھھنا للنھی لاجل التشبیہ المذکور و بدلیل الدلیل ففی الخانیۃ مسئلۃ الطبل لایجوز لانہ اعانۃعلی المعصیۃ [2] وفی اوائل شہادات الہندیۃ عن المحیط الاعانۃ علی المعاصی من جملۃ الکبائر [3]۔	اور یہی حکم ہے موچی اور درزی کا کہ جب اسے کسی ایسی چیز کے لینے اور بنانے پر اُجرت دی جائے جو فاسقوں کی وضع اور شکل کا لباس ہو،اور اس میں اسے زیادہ اجرت دینے کاوعدہ کیا جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ یہ کام کرے اس لئے کہ گناہ پر یہ دوسرے کی امداد کرنا ہے۔اھ **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) یہاں "لا یستحب" بمعنی نہی ہے تشبیہ مذکور کی وجہ سے،اور دلیل کی دلیل کی وجہ سے چنانچہ فتاوٰی قاضی خاں میں طبلہ بجانے کے متعلق ہے کہ جائز نہیں اس لئے کہ یہ گناہ پر امداد دینا ہے اور فتاوٰی عالمگیری کی بحث"اوائل شہادات"میں محیط سے نقل کیا کہ گناہ کے کاموں میں کسی کی امداد کرنا کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔(ت)

(۶) لکڑی جنگل سے مفت مل سکتی ہے اور ایک شخص لینے نہیں دیتا جب تک اسے رشوت نہ دو، دینا حرام،بحرالرائق میں ہے:

وفی القنیۃ قبیل التحری الظلمۃ تمنع الناس من الاحتطاب من	قنیہ کی بحث تحری،سے تھوڑا پہلے یہ مسئلہ مذکور ہے کہ ظالم لوگ چراگاہ سے لوگوں کو لکڑیاں نہیں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر ولاباحۃ فصل فی التسبیح والتسلیم الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۱

المروج الا بدفع شیئ الیھم فالدفع والاخذ حرام لانہ رشوۃ[1]۔	لانے دیتے جب تک کہ انھیں کچھ نہ دے،اور دینااور لینا دونوں حرام ہیں اس لئے کہ یہ رشوت ہے۔(ت)

(۷)کعبہ معظّمہ کی داخلی کس درجہ منفعت عظیمہ ہے مگر بے لئے دئے نہ کرنے دیں تو جائز نہیں کہ اس پر لینا حرام ہے تو دینا بھی حرام،اور حرام محض منفعت کے لئے حلال نہیں ہو سکتا،ردالمحتار میں ہے:

فی شرح اللباب ویحرم اخذ الاجرۃ لمن یدخل البیت اویقصد زیارۃ مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بلاخلاف بین علماء الاسلام وائمۃ الانام کما صرح بہ فی البحر وغیرہ اھ وقد صرحوا بان ما حرم اخذہ حرم دفعہ الا لضرورۃ ولا ضرورۃ ہنا لان دخول البیت لیس من مناسك الحج[2] اھ۔	شرح لباب میں ہے اس شخص کو اجرت دینا حرام ہے جو کسی کو کعبہ شریف کے اندر لے جائے،یا وہ مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنے کاارادہ کرے،اس مسئلہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔علماء اسلام اور ائمہ انام میں سے کسی کااختلاف نہیں جیساکہ"بحر رائق"وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی اھ،اہل علم نے یہ تصریح فرمائی کہ جس چیز کا لینا حرام اس چیز کا دوسرے کو دینا بھی حرام ہے۔مگریہ کہ خاص مجبوری ہو،اور یہاں کوئی مجبوری نہیں،کیونکہ کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا احکام حج میں سے نہیں اھ(ت)

اس پر حواشی فقیر میں ہے:

ولاہو واجباً فی نفسہ فمن الجھل ارتکابہ لاتیان مستحب بل این الاستحباب مع لزوم الحرام وما عن الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ من بذلہ شطر مالہ للسدنۃ لیبیت لیلۃ فی الکعبۃ الشریفۃ	اور یہ اس بناء پر بذاتہٖ واجب بھی نہیں تو پھر مستحب ادا کرنے کے لئے اجرت دینے کاارتکاب جہالت ہے بلکہ لزوم حرام کے ساتھ استحباب کیسے ہو سکتاہے۔اور جو کچھ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے مال کا کچھ حصہ خادمان کعبہ کے لئے خرچ کیا تاکہ خانہ کعبہ میں رات گزاریں اور وہاں

[1] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۲

[2] ردالمحتار کتاب الحج باب الھدی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵۵۔۵۶

فختم فیھا القراٰن الکریم فی رکعتین فاقول: یجب انہ کان بعد التصریح بنفی الاجرۃ والصریح یفوق الدلالۃ کما نصوا علیہ فی الخانیۃ وغیرہا۔	دو نفلوں میں پورا قرآن مجید ختم کریں، **فاقول:** (پس میں کہتا ہوں) ضروری ہے کہ یہ کام نفی اجرت کی تصریح کے بعد ہو، اور صریح کلام دلالت سے فائق (اوپر) ہوتا ہے، جیسا کہ فتاوٰی قاضیخاں وغیرہ میں ائمہ کرام کی اس پر تصریح موجود ہے۔(ت)

(۸) وقف اگر قابل انتفاع نہ رہے اسے بیچ کر اس کے عوض دوسری زمین خرید کر وقف کرسکتے ہیں لیکن اگر وہ قابل انتفاع ہے اور اس کی قیمت کو دوسری جگہ وہ زمین مل سکتی ہے کہ اس سے سوحصے زائد منفعت رکھتی ہو تبدیل جائز نہیں، فتح القدیر میں ہے:

الاستبدال لا عن شرط ان کان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف علیھم بہ فینبغی ان لا یختلف فیہ وان کان لالذٰلك بل امکن ان یوخذ بثمن الوقف ما ھو خیر منہ فینبغی ان لا یجوز لان الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ اخری[1] (ملتقطا)	تبادلہ کرنا بغیر شرط جبکہ وقف "موقوف علیہ" کے لئے قابل انتفاع نہ ہو، مناسب ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہ کیا جائے، اور اگر یہ نہ ہو (یعنی وقف قابل انتفاع ہو) لیکن وقف کو فروخت کردیا جائے اور اس کے بدل اس سے اعلٰی اور عمدہ زمین خرید لی جائے تو مناسب ہے کہ یہ صورت جائز نہ ہو، کیونکہ واجب یہ ہے کہ جس حالت پر پہلے وقف تھا اسی حالت پر اسے باقی رکھا جائے اور اس میں کوئی زیادت اور اضافہ نہ کیا جائے۔(ت)

بالجملہ مسائل بکثرت ہیں کہ محض منفعت مبیح ممنوع نہیں ہوسکتی۔

فانقلت الیس فی سیر الھندیۃ عن الذخیرۃ وفی کراھیتھا عن المحیط ما نصہ وان اراد الخروج للتجارۃ الی ارض العدو	اگر کہا جائے کہ کیا فتاوٰی عالمگیری بحث سیر، بحوالہ ذخیرہ اور بحث کراہیۃ بحوالہ محیط میں یہ مذکور نہیں کہ جس کی اس نے تصریح فرمائی اگر تجارت کے لئے سرزمین دشمن کی طرف

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

بامان فکرہا(ای الابوان)خروجه فان کان امرا یخاف علیه منه وکانوا قوما یوفون بالعهد یعرفون بذٰلك وله فی ذٰلك منفعة فلا باس بان یعصیهما [1] اھ فقد ابیح عصیانهما للمنفعة اقول: یجب ان یراد به ما اذا کان نهیهما لمجرد محبة وکراہة فراقه غیر جازم ولذا فرضوا خروجه بامان وکونهم معروفین بالوفاء حتی لا یخاف علیه منه اما اذا خیف لم یحل له الخروج بغیر اذنهما لان نهیهما اذن یکون نهی جزم ففی الکتابین بعده وانکان یخرج فی تجارة ارض العدو مع عسکر من عساکر المسلمین فکرہ ذٰلك ابواہ او احدہما فان کان ذٰلك العسکر عظیما لا یخاف علیهم من العدو بالکبر الرائ فلا باس بان یخرج وان کان یخاف علی العسکر من العدو	اجازت نامہ لے کر جانا چاہے لیکن والدین اس کے وہاں جانے کو ناپسند کریں، اگر معاملہ پر امن ہو، اس میں کوئی خطرہ اور اندیشہ نہ ہو، اور وہ وعدہ وفا کرتے ہوں اور اس وصف میں مشہور ومعروف ہوں اور اس کا بھی وہاں جانے میں فائدہ ہو، تو پھر اس صورت میں والدین کا حکم نہ ماننے میں کوئی حرج نہیں اھ (یہاں دیکھئے کہ) حصول فائدہ کے لئے والدین کی نافرمانی کو جائز اور مباح قرار دیا گیا **اقول:** (میں کہتاہوں) واجب ہے کہ اس سے وہ صورت مراد ہو کہ جس میں والدین کا اور اسے روکنا محض محبت اور شفقت کے طور پر ہو اور اس کی جدائی کا ناپسند ہونا غیر یقینی ہو، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے خروج کو امن اور وہاں کے لوگوں کا وفادار ہونے میں مشہور ومعروف ہونے پر مسئلہ کو فرض کیا یہاں تک کہ اسے اس معاملہ میں کوئی خوف وخطرہ نہ ہو، لیکن اگر خطرہ واندیشہ ہو تو پھر والدین کی اجازت بغیر اس کا باہر جانا اور سفر کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ دریں صورت ان کی نہی یقینی ہوگی، پھر ازیں بعد دو کتابوں میں مذکور ہے اگر کاروبار کے لئے دشمن کے ملک میں اسلامی فوجوں میں سے کسی اسلامی فوج کے ساتھ باہر جائے تو والدین یا ان میں سے کوئی ایک اس جانے کو ناپسند

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۸۹، فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۵-۳۶۶

الغالب الرائ لایخرج بغیر اذنھما و کذٰلك ان کانت سریة اوجریدة الخیل لایخرج الاباذنھما لان الغالب ہو الھلاك فی السرایا [1] اھ فتسمیة عصیانًا بحسب الصورة الا تری ان العبد بسبیل من خیرة نفسه فی نھی الشرع الارشادی الغیر الجازم فکیف بنھی الابوین کذٰلك لو لم یرد ذٰلك فکیف یحل عصیانھما لمنفعة مالیة وہذا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قائلا ولا تعقن والدیك وان امراك ان تخرج من اھلك ومالك رواہ احمد [2] بسند صحیح علی اصولنا والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه ولفظه فی اوسط الطبرانی اطع والدیك وان اخرجاك من مالك وعن کل شیئ ہو لك [3] فافھم وتثبت بالتنبه فلیس الفقه الابالتفقه و لا تفقه الا بالتوفیق۔	کریں، پس اگر یہ لشکر عظیم ہو کہ ان کی موجودگی میں غالب رائے کے مطابق دشمن سے کوئی خطرہ اور کھٹکا نہ ہو تو پھر اس صورت میں اس کے باہر جانے میں کچھ حرج نہیں لیکن اگر لشکر اسلام کو غالب رائے کے مطابق دشمن سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ وخطرہ ہو تو پھر والدین کی اجازت کے بغیر نہ جائے اور اسی طرح اگر فوجی دستہ یا گھڑ سواروں کا رسالہ ہو تو بغیر اجازت والدین باہر نہ جائے کیونکہ فوجی دستوں میں غالبا ہلاکت ہوا کرتی ہے اھ پھر اس کو "عصیان" کہنا بلحاظ صورت ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ شرعی غیر جازم نہیں اور شادی کے باوجود بندے کو اپنے نفس کا اختیار رہوتا ہے، پھر جب والدین کی نفی بھی ایسی ہے تو کیسے نہ ہوگا اگر یہ مراد نہ ہو تو پھر ان کا "عصیان" دنیاوی مالی فائدے کے لئے کیسے جائز ہوگا، یہ ہمارے حضور پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمارہے ہیں" اپنے والدین کی نافرمانی نہ کروا اگرچہ وہ تمھیں اہل وعیال اور مال سے الگ ہونے کا حکم دیں" امام احمد نے ہمارے اصولوں کے مطابق سند حسن کے ساتھ اس کو روایت فرمایا، اور امام طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اس کو روایت فرمایا۔ اور اس کے الفاظ "اوسط طبرانی" میں

[1] فتاوی ہندیہ کتاب السیر الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۸۹، فتاوی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ معاذ بن جبل دار الفکر بیروت ۵/ ۲۳۸

[3] المعجم الاوسط للطبرانی ترجمہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ المعارف الریاض ۸/ ۲۶۰

یہ ہیں: "(اے شخص!) اپنے والدین کی اطاعت کیجئے اگرچہ تمھیں تمھارے مال اور تمھارے ہر مملوکہ شے سے تمھیں الگ اور برطرف کردیں" اس کو خوب سمجھ لیجئے، اور ہوشیاری سے ثابت قدم رہیے، کیونکہ فقہ بغیر سمجھے نہیں ہوسکتی، اور سمجھ بوجھ حصول توفیق کے بغیر نہیں ہوسکتی ت) رسالہ جلی النص فی اماکن الرخص ختم شد)

مسئلہ ۶۸و۶۹: مسئولہ عبدالرحیم صاحب دکان محمد عمر صاحب عطار محلّہ پاٹہ نالہ لکھنو

حضرت قامع ضلالت قیم ومروج سنت حسنا تکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

(۱) جناب کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ زید نے مؤذن مسجد کی اذان کے ساتھ تمسخر کیا یعنی لفظ حیّ علی الصلوٰۃ سن کر یوں مضحکہ اڑایا "بھیا لٹھ چلا" آیا زید کے لئے حکم ارتداد وسقوط نکاح ثابت ہوا یا نہیں؟ اور زید کا نکاح ٹوٹا یا نہیں؟ اس کی منکوحہ اس پر حرام ہوئی یا نہیں؟ اور بغیر دوبارہ نکاح میں لائے ہوئے وطی کرنا حرام اور زناکاری ہے یا نہیں؟ اور بعد علم اگر منکوحہ زید نہ مانے اور ہمبستری ہوتی رہے تو منکوحہ زید پر بھی شرعاً جرم زنا عائد ہوگا یا نہیں؟

(۲) زید نے ایک مرتبہ شعار اسلام داڑھی کے متعلق کہا کہ میں داڑھی نہیں رکھوں گا مجھے ان خفاش پروں کی ضرورت نہیں، یہ بھی دین کے ساتھ استہزاء اور موجب ردت وسقوط نکاح ہے یا نہیں؟ اور زید کا عذر کہ ہم کو مسئلہ معلوم نہ تھا لہٰذا ہمارا نکاح باقی ہے۔ شریعت میں مقبول ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

(۱) اذان سے استہزاء ضرور کفر ہے اگر اذان ہی سے اس نے استہزاء کیا تو بلاشبہہ کافر ہوگیا، اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، یہ اگر پھر مسلمان ہو اور عورت اس سے نکاح کرے اس وقت وطی حلال ہوگی ورنہ زنا، اور عورت اگر بلا اسلام ونکاح اس سے قربت پر راضی ہو وہ بھی زانیہ ہے۔ اور اگر اذان سے استہزاء مقصود نہ تھا بلکہ خاص اس مؤذن سے بایں وجہ کہ وہ غلط پڑھتا ہے تو اس حالت میں زید کو تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) داڑھی کے ساتھ استہزاء بھی ضرور کفر ہے۔ زید کا ایمان زائل اور نکاح باطل اور عذر جہل غلط وعاطل کہ زید نہ کسی دور دراز پہاڑ کی تلی کا رہنے والا ہے نہ ابھی تازہ ہندو سے مسلمان ہوا ہے کہ اسے نہ معلوم ہو کہ داڑھی شعار اسلام ہے۔ اور شعار اسلام سے استہزاء اسلام سے

استہزاء ہے۔ہاں یہ ممکن ہے کہ اس سے نکاح ٹوٹ جانا نہ جانتا ہو، مگر اس کا نہ جاننا اس کے نکاح کو محفوظ نہ رکھے گا شیشے پر پتھر پھینکے شیشہ ضرور ٹوٹ جائے گا اگرچہ یہ نہ جانتا ہو کہ اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰: مسئولہ حکیم محمد اکبر صاحب جگدیش کا چوک اودے پور میواڑ

جس شخص کے عقائد کا ٹھکانہ نہ ہو دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟

الجواب:

عقائد کا ٹھکانہ نہ ہونا کئی معنی پر مشتمل ہوتا ہے۔کبھی یہ کہ اس کی صحت عقیدہ پر اطمینان نہیں، کبھی یہ کہ یہ مذبذب العقیدہ متزلزل العقیدہ ہے۔کبھی سنیوں کی سی باتیں کرتا ہے، کبھی بدمذہبوں کی سی، ان دونوں پر معنی اسلام سے خارج ہونا لازم نہیں ہوتا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۱ تا ۷۳: از میرٹھ مرسلہ مولوی محمد حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب مسجد جامع خیر نگر مدرس مدرسہ قومیہ

(۱) ہمزاد کیا ہے؟ اس کے تسخیر کے لئے عمل کرنا کیسا ہے؟

(۲) آسیب، چڑیل وغیرہ شہید وغیرہ جو مشہور ہیں صحیح ہے یا غلط؟

(۳) دست غیب اور مصلی کے نیچے سے اشرفی وغیرہ کا نکلنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ہمزاد از قسم شیاطین ہے۔وہ شیطان کہ ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتا ہے وہ مطلقًا کافر ملعون ابدی ہے سوا اس کے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھا وہ برکت صحبت اقدس سے مسلمان ہوگیا، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامنکم من احد الا وقد وکل اللہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملئکۃ قالوا وایاك یارسول اللہ قال وایای الا ان اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر[1] اھ.اعنی علی	لوگو! تم میں سے کوئی شخص نہیں کہ جس کے ساتھ ہمزاد جن اور ہمزاد فرشتہ نہ ہو، لوگوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالٰی نے میری مدد فرمائی کہ وہ مسلمان ہوگیا

[1] صحیح مسلم کتاب صفۃ المنافقین باب تحریش الشیطان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۷۶، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۸۵

روایۃ الفتح المؤیدۃ بما یأتی من الاحادیث۔	لہٰذا وہ مجھے سوائے بھلائی کے کچھ نہیں کہتا،اھ اس سے میری مراد فتح الباری کی روایت ہے کہ جس کی تائید آئندہ احادیث سے ہوتی ہے۔(ت)

اسی طرح طبرانی نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی اور بزار حضرت عبداللہ بن عباس یا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فضلت علی الانبیاء بخصلتین کان شیطانی کافرا فاعاننی اللہ علیہ حتی اسلم [1] الحدیث	دوسرے انبیاء کرام پر دو باتوں میں مجھے فضیلت بخشی گئی،ایک یہ کہ میرا شیطان کافر تھا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے اس پر قوت دی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگیا الحدیث(ت)

بیہقی وابونعیم دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فضلت علی اٰدم بخصلتین کان شیطانی کافر افاعاننی اللہ علیہ حتی اسلم وکن ازواجی عونالی وکان شیطان اٰدم کافراوزوجتہ عوناله علی خطیئتہ [2]۔	حضرت آدم پر مجھے دو خصلتوں میں فضیلت دی گئی،ایک یہ کہ میرا شیطان کافر تھا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے اس پر غلبہ دیا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگیا اور میری بیویاں میری مددگار ہیں،اور حضرت آدم کا شیطان کافر رہا اور انکی بیوی نے خطا پر ان کی مدد کی۔(ت)

اس کی تسخیر جو سفلیات سے ہو وہ تو حرام قطعی بلکہ اکثر صورتوں میں کفر ہے کہ بے ان کے خوشامد اور مدائح ومرضیات کے نہیں ہوتی،اور جو علویات سے ہو تو اگرچہ بصولت وسطوت ہے مگر اس کا ثمرہ غالبًا اپنے کاموں میں شیطان سے ایک نوع استعانت سے خالی نہیں ہوتا کہ وہ غلبہ قاہرہ کہ:

"وَ مَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾" [3]	اور ان میں سے جو کوئی اس کے حکم سے منہ پھیرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔(ت)

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث ۲۴۳۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۱۴۶، مجمع الزوائد البزار باب عصمتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن القرین ۸/ ۲۲۵ وباب منہ خصائص ۸/ ۲۶۹

[2] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی تحدث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۴۸۸

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۲

جو استجابت دُعا "هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ" [1] (مجھے ایسی بادشاہی دے ڈال جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ت) سے تاشی ہر ایک کو کہاں نصیب اور بالفرض نہ بھی ہو تو کافر شیطان کی مخالطت ضرور مورث تغیر احوال وحدوث ظلمت، حضرت سیدنا شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ کم از کم وہ ضرر کہ صحبت جن سے ہوتا ہے یہ کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے و العیاذ باللہ،تو راہ سلامت اس سے بعد ومجانبت ہی میں ہے،رب عزوجل تو اس دعا کا حکم دے کہ "اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾" [2] (اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتاہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس حاضر ہوں۔ت) اور یہاں یہ رٹ لگائی جائے کہ حاضر شو حاضر شو والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔(حاضر ہوجا،حاضر ہوجا،اور اللہ تعالٰی کی پناہ،اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ت)

(۲) ہاں جن اور ناپاک روحیں مرد وعورت احادیث سے ثابت ہیں اور وہ اکثر ناپاک موقعوں پر ہوتی ہیں،انھیں سے پناہ کے لئے پاخانہ جانے سے پہلے یہ دعا وارد ہوئی:**اعوذباللہ من الخبث والخبائث** [3]۔ میں گندی اور ناپاک چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔(ت) وہ سخت جھوٹے کذاب ہوتے ہیں اپنا نام کبھی شہید بتاتے ہیں اور کبھی کچھ،اس وجہ سے جاہلان بے خرد ہیں شہیدوں کا سر پر آنا مشہور ہوگیا ورنہ شہداء کرام ایسی خبیث حرکات سے منزہ ومبرا ہیں،واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) ہاں صحیح ہے مگر اس عملداری میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔دست غیب کے نہایت درجہ کا حاصل اب صرف فتوح ظاہرہ و وسعت رزق ہونا ہے۔پھر اگر دست غیب اس طرح ہو کہ جن کو تابع کرکے اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مال معصوم منگوائے جائیں تواشد سخت حرام کبیرہ ہے اور اگر سفلیات سے ہو تو قریب کفر اور علویات سے ہو تو خود یہ شخص مارا جائے گا یا کم از کم پاگل ہوجائے گا یا سخت سخت امراض وبلایا میں گرفتار ہو اعمال علویہ کو ذریعہ حرام بنانا ہمیشہ ایسے ثمرے لاتا ہے اور اس کے حرام قطعی ہونے میں کیا شبہہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [4]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:(لوگو!) اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ت)

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۵

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۸

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۰۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

اور اگر کسی دوسرے کی ملک معصوم نہ لائی جاتی ہو بلکہ خزانہ غیب سے اس کو کچھ پہنچایا جائے یا مال مباح غیر معصوم اور وہ جن کہ مسخر کیا جائے مسلمان ہو نہ کہ شیطان، اور اعمال علویہ سے ہو نہ کہ سفلیہ سے اور اسے منگا کر مصارف محمودہ یا مباحہ میں صرف کرے، نہ کہ معاذاللہ حرام واسراف میں، تو یہ عمل جائز ہے، اور جو اس طریقے سے ملے اس کا صرف کرنا بھی جائز کہ جس طرح کسب حلال کے اور طُرق ہیں اسی طرح ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ دست غیب کا، سب سے اعلیٰ عمل قطعی عمل، یقینی عمل، جس میں تخلف ممکن نہیں اور سب اعمال سے سہل تر خود قرآن عظیم میں موجود ہے، لوگ اسے چھوڑ کر دشوار ظنیات بلکہ وہمیات کے پیچھے پڑتے ہیں اور اس سہل وآسان یقینی وقطعی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ۝ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُؕ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جو اللہ سے ڈرے تقوی و پرہیزگاری کرے اللہ تعالٰی عزوجل ہر مشکل سے اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔

اور دست غیب کسے کہتے ہیں، اسی طرح لوگ عمل حُب کے پیچھے خستہ وخوار پھرتے ہیں، اور نہیں ملتا، اور حُب کا سہل ویقینی قطعی عمل قرآن عظیم میں مذکور ہے اس کی غرض نہیں کرتے۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۝ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے قریب ہے کہ یہ رحمان ان کے لئے محبت کردے گا (دلوں میں ان کی حب ڈال دے گا)

نسأل اللہ حسن التوفیق (ہم اللہ تعالٰی سے حسن توفیق مانگتے ہیں۔ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: مرسلہ حامد علی طالب عالم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نصیر الدین طوسی ملوم ومذموم کو بلفظ مولی الاعظم اور قدوۃ العلماء الراسخین اور نصیر الملۃ والدین قدس سرہ تعالٰی نفسہ روح رمسہ (بڑا مولی، پختہ علماء کے پیشوا، دین اور ملت کے مددگار، اللہ تعالٰی ان کے نفس کو پاک کرے اور ان کی ہڈیوں کو آرام پہنچائے۔ت) سے تعبیر کرے تو ایسے کو فاسق یا کافر نہ جاننے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوا یا

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۹۶

نہیں، اگر نہ ہوا تو فاسق بھی ہوا یا نہیں؟ امید کہ دلیل عقلی و نقلی سے اس کا اثبات فرمایا جائے۔

الجواب:

طوسی کا رفض حد کفر نہ تھا بلکہ اس نے حتی الامکان اپنے اگلوں کے کفر کی تاویلات کیں، اور نہ بن پڑی تو منکر ہو گیا اور اس کی ایسی توجیہ گناہ ضرور ہے اور منطقی فلسفی شراح و محشین معصوم نہیں جہاں جہاں اس نے خلاف اہلسنت کیا ہے اس کا رد کر دیا گیا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵: ۲۳ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ جو مشہور ہے کہ گھر اور گھوڑا اور عورت منحوس ہوتے ہیں اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب:

یہ سب محض باطل و مردود خیالات ہندوؤں کے ہیں، شریعت مطہرہ میں ان کی کوئی اصل نہیں، شرعاً گھر کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو، ہمسائے برے ہوں، گھوڑے کی نحوست یہ کہ شریر ہو، بدلگام، بدرکاب ہو، عورت کی نحوست یہ کہ بدزبان ہو، بدرویہ ہو، باقی وہ خیال کہ عورت کے پھیرے سے یہ ہوا، فلاں کے پھیرے سے یہ، یہ سب باطل اور کافروں کے خیال ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۶: از جاورہ مرسلہ مصاحب علی صاحب امام مسجد چھیپیاں ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص تعزیہ ثواب و عبادت جان کر خود بنائے اور لوگوں کو بنانے کی ترغیب دے اور تعزیہ دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو جائے اور اس پر فاتحہ پڑھے اور تعزیہ کے ساتھ ننگے پیر تعظیماً چلے اور مرثیہ بھی پڑھواتا جائے شاہ مولینا عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاوٰی کی جلد اول میں لکھا ہے کہ جو بدعت کو عبادت سمجھ کر کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے [1] اور اس پر ابن ماجہ کی ایک حدیث لائے ہیں اس کا مضمون یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے:

"بدعتی اسلام سے ایسا صاف نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال صاف [2]"

تو شاہ صاحب کے قول "خارج اسلام ہے" سے کیا مطلب ہے یعنی ایسا شخص کافر و مرتد ہے یا گمراہ

---

[1] فتاوٰی عزیزیہ رسالہ بیع کنیزان مطبع مجتبائی دہلی (فوٹوسٹیٹ) ۱/ ۱۷

[2] سنن ابن ماجہ مقدمہ باب اجتناب البدع والجدل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶

ورافضی ہے۔ بہر نوع ایسے شخص کا ذبح کیا ہوا جانور حرام یا حلال؟ ایسے شخص کی نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟ جولوگ ایسے تعزیہ پرست کے مرید ہوں ان کا کیا حکم ہے؟ ایسے تعزیہ پرست اور بت پرست میں کیا فرق ہے؟ ایسے تعزیہ پرست پر لعنت آتی ہے یا نہیں؟ کیا بزرگان چشت سے کسی بزرگ نے تعزیہ بنایا یا بنوایا یا تعظیم دی ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

تعزیہ ضرور ناجائز وبدعت ہے مگر حاشا کفر نہیں کہ نماز جنازہ ناجائز یا ذبیحہ مردار یا بت پرستوں میں شمار ہو، افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں، یہ حدیث ابن ماجہ قطع نظر اس سے کہ شدید الضعف ہے اپنے امثال کی طرح اسلام کامل سے مأول یا بدعت مکفرہ پر محمول، ورنہ ہر بدعت سیئہ کفر ہو جبکہ اس کا صاحب استحسان کرے اور یہی غالب ہے۔ اور بدعت عقیدہ تو مطلقاً کفر ہو جانا لازم کہ اس کی تعریف ہی یہ کہ:

ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و جعل دینا قویما وصراطا مستقیما کما فی البحر الرائق[1]۔	جو حق حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے (بطور یقین) ہمیں موصول ہوا اس کے خلاف کوئی نیا عقیدہ ایجاد کرکے اس کو ٹھیک اور سیدھا دین قرار دینا جیسا کہ بحر الرائق میں مذکور ہے (بدعت اعتقاد کرے)۔ (ت)

حالانکہ باجماع امت بعض بد مذہبیاں کفر نہیں، فتاوٰی خلاصہ وفتح القدیر وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

الروافض ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر[2]۔	اگر رافضی (کٹر شیعہ) جناب علی کو دوسرے خلفاء پر فضیلت دے تو وہ بدعتی ہے لیکن اگر حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا انکار کرے تو پھر وہ کافر ہے۔ (ت)

خلاصہ وغیرہ میں ہے:

اذقال ان للہ یدا او رجلا کما	جب یہ کہے کہ بندوں کی طرح اللہ تعالٰی کے ہاتھ،

---

[1] بحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر باب احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴، خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الفصل الخامس عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

للعباد فھو کافر وان قال جسم لا کاجسام فھو مبتدع [1]۔	پاؤں ہیں، تو وہ کافر ہے اور اگر کہے کہ اللہ تعالٰی کا جسم ہے لیکن دوسرے اجسام کی طرح نہیں تو وہ بدعتی ہے۔(ت)

نیز اسی میں ہے:

وجملۃ ان من کان اہل قبلتنا ولم یغل فی ھواہ حتی لم یحکم بکونہ کافرا یجوز الصلٰوۃ خلفہ ویکرہ [2]۔	خلاصہ کلام اگر ہماری طرح اہل قبلہ ہیں، اور اپنی خواہش پرستی میں حد سے بڑھے ہوئے درجہ غلو میں نہیں یہاں تک کہ ان کے کافر ہونے کا فیصلہ نہیں کیا گیا تو ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔(ت)

ہزارہا مسائل متواترہ اسی تفصیل پر دال ہیں تو حکم مطلق کیسے صحیح ہو سکتا ہے ہاں افعال مذکورہ سوال کا مرتکب قابل بیعت نہیں کہ شرائط پیر سے اس کا سنی العقیدہ غیر فاسق معلن ہونا ہے اور لعنت بہت سخت چیز ہے ہر مسلمان کو اس سے بچایا جائے بلکہ لعین کافر پر بھی لعنت جائز نہیں جب تک اس کا کفر پر مرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو، **والعیاذ باللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۷: از مانیاوالہ ڈاک خانہ قاسم پور گڑھی ضلع بجنور مرسلہ سید کفایت علی صاحب ۵/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی قصبہ دیوبند مدرسہ مولوی اشرفعلی تھانوی کے یہاں سے سند یافتہ ہو ویسے ہی عقائد میں حقہ، سگریٹ وپان نماز خوردنوش میں شرکت، یہ سب باتیں چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

دیوبندیوں کے عقائد والے مرتد ہیں ان کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا میل جول سب حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۸: از گونڈل کاٹھیاوار مرسلہ قاضی قاسم میاں صاحب ۲۶/ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فریمیسن کیا ہے اور اس میں داخل ہونے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

فریمیسن سحر ہے اور جہاں تک اس کی نسبت معلوم ہوا وہ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر ایمان کے سلب کے لئے رکھا گیا ہے فلہذا اس میں صرف مسلمان یا کتابی کو لیتے ہیں، معاذاللہ جو اس کے اثر کا

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل الخامس عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل الخامس عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

معمول ہو جاتا ہے بظاہر اپنے دین پر جو پہلے تھا زیادہ مستقیم ہو جاتا ہے اور باطن میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے محض انکار "نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝۳۶" [1] (لہذا ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں پھر وہ اس کا ہم نشین ہو جاتا ہے۔(اور وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے)۔ت) کا کھلا مصداق ہو جاتا ہے۔ایک شیطان علانیہ اس کے ساتھ رہتا ہے جسے وہ دیکھتا ہے اور اس سے باتیں کرتا ہے اور وہ اسے یہ راز ظاہر کرنے سے ہر وقت مانع رہتا ہے،اور یہی سبب ہے کہ فریمیسن اگر شہر کے ایک کنارے سے گزرے تو دوسرے کو جو شہر کے دوسرے کنارے پر ہے اطلاع ہو جاتی ہے۔ایک کا شیطان دوسرے کے شیطان کو اطلاع کر دیتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹: از موضع ہری پورہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو مسلمان کافر کو نفع پہنچائے اور مسلمانوں کو ضرر اور مسلمانوں کو ضرر،اور مسلمانوں کو برا کہے اور کافروں کو اچھا سمجھے اور ان کی طرفداری کرے اور مسلمانوں کی نہیں،کیا حکم ہے اس شخص پر اور دائرہ اسلام میں ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

تفصیل واقعہ کی لکھی جائے اجمالی لفظ ہولناک ہوتے ہیں،اور تفصیل معلوم کی جائے تو کچھ سے کچھ نکلتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۰: از مراد آباد حسن پور مرسلہ عبدالرحمٰن مدرس ۸/ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کواکب فلکی کے اثرات سعد و نحس پر عقیدت رکھنا کیسا ہے؟اور تعویذات میں عامل کو ان کی رعایت کہاں تک درست ہے؟

الجواب:

مسلمان مطیع پر کوئی چیز نحس نہیں اور کافروں کے لئے کچھ سعد نہیں،اور مسلمان عاصی کے لئے اس کا اسلام سعد ہے۔طاعت بشرط قبول سعد ہے۔معصیت بجائے خود نحس ہے اگر رحمت وشفاعت اس کی نحوست سے بچالیں بلکہ نحوست کو سعادت کر دیں، "فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ" [2] (یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔ت) بلکہ کبھی گناہ

---

[1] القرآن الکریم ۴۳/ ۳۶

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷۰

یوں سعادت ہو جاتا ہے کہ بندہ اس پر خائف وترساں وتائب وکوشاں رہتا ہے وہ دُھل گیا اور بہت سی حسنات مل گئیں، باقی کواکب میں کوئی سعادت ونحوست نہیں اگر ان کو خود مؤثر جانے شرک ہے اور ان سے مدد مانگے تو حرام ہے ورنہ ان کی رعایت ضرور خلاف توکل ہے۔

اشعۃ اللمعات میں ہے: آنچہ اہل عزائم وتکسیر می کنند مثل تبخیر وتلوین وحفظ ساعات نیز مکروہ وحرام ست نزد اہل دیانت و تقوٰی کذا قال العلماء [1]۔	جو کچھ اہل عزائم اور اصحاب تکسیر کرتے ہیں جیسے تبخیر (یعنی بخورات کا استعمال کرنا) اور تلوین (یعنی مصلی وغیرہ کو ستاروں کے خصوصی رنگوں کی طرح رنگین کرنا) اور ان کی ساعات کی حفاظت کرنا پس یہ بھی اہل دیانت اور احباب تقوٰی کے نزدیک مکروہ اور حرام ہے۔ (چنانچہ) علمائے کرام نے اسی طرح فرمایا ہے۔ (ت)

تبخیر سے مراد حسب رعایت کواکب وقت اس کے بخورات خاصہ کا استعمال، ورنہ تعظیم ذکر وتلاوت کے لئے عود ولوبان سلگانا مستحب ہے، اور تلوین سے مراد مصلی وغیر کو الوان خاصہ کواکب سے رنگین کرنا اور فقیر نے اس کے ہامش پر لکھا۔

یعنی چونکہ مقصود استعانت بکواکب باشد حرام ست کہ استعانت بانچہ استقلال او بزعم مشرکان راسخ شدہ است روانبود ورنہ مکروہ وترک اولٰی ست کہ از اعمال اہل توکل نیست ومشابہتے دارد بافعال آنان وظاہر ست کہ اگر استعانت بکواکب نباشد واہل تجربہ صلحاء بتجربہ دانستہ باشد کہ مراعات ایں امور ہمچوں مراعات اوزان و تخصیصات کثیرہ در ادویہ مقصود وبقضاء اللہ تعالٰی مے افتد دریں حال باکے نیست خود اشد ہم فی امر اللہ عزوجل امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی ہنگام استسقاء بمراعات منزل قمر	چونکہ اصل مقصود ستاروں سے طلب امداد ہے اس لئے حرام ہے اس لئے کہ ان اشیاء سے مدد لینا جائز نہیں کہ جن کا استقلال مشرکین کے خیال میں پختہ ہو گیا ہے ورنہ مکروہ اور ترک اولٰی ہے (یعنی بہتر کام نہ کرنا) اس لئے کہ یہ ارباب توکل کے اعمال میں سے نہیں بلکہ ان دوسرے لوگوں کے افعال سے مشابہ ہے اور یہ ظاہر ہے بشرطیکہ طلب امداد ستاروں سے نہ ہو اور صالح اہل تجربہ اپنے تجربہ سے جانتے ہیں کہ ان امور کی رعایت کرنا بالکل اسی طرح ہے جس طرح اوزان اور بے شمار تخصیصات کی رعایت کرنا

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الطب والرقی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۳/ ۵۹۸

امر فرمود وہمبرین محمول باشد آنچہ شاہ محمد غوث گوالیاری وحضرت شیخ محمد شناوی وغیرہما اجلہ اکابر قدست اسرارہم کردہ اندو درکتب نفیسہ خود ہا ہمچو جواہر وشروح آن باوتصریح فرمودہ **فلیکن التوفیق وباللہ التوفیق** [1]۔	دواؤں میں مناسب مقصود، اور وہ اللہ تعالٰی کے فیصلہ کے مطابق واقع ہو (اور ان کا ظہور ہو) پس اس صورت میں کچھ ڈر نہیں (کیا غور نہیں کرتے) کہ خود وہ بزرگ ہستی جو اللہ تعالٰی غالب اور جلیل القدر کے معاملات میں بہت سخت گیر تھے یعنی مومنوں کے امیر حضرت عمر، سب سے بڑے فرق کرنے والے (یعنی حق وباطل میں معیار اور کسوٹی)، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو، نے طلب باراں کی دعا مانگتے وقت منزل قمر کی رعایت کرنے کا حکم فرمایا، اور اسی پر وہ سب باتیں قیاس شدہ ہیں جو شاہ محمد غوث گوالیاری اور حضرت شیخ محمد شناوی اور ان کے علاوہ دوسرے جلیل القدر اکابرین نے (ان کے اسرار ورموز پاک کردئے جائیں) اپنی اپنی عمدہ کتابوں میں ذکر فرمائیں، جیسا کہ جواہر خمسہ اور اس کی شروح میں ان کی صراحت فرمائی، لہذا توفیق ہونی چاہئے، اور حصول توفیق اللہ تعالٰی کے فضل وکرم ہی سے ہو سکتی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۸۱: از شہر کہنہ محلّہ قاضی ٹولہ کلن خاں ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے پالے کی بازی بدی، پھر ایک شخص کے سمجھانے سے منکر ہوگیا، جب پالے والے مصر ہوئے اور کھیل پر مجبور کیا تو اس معصیت کے بچانے کی غرض سے دو شخصوں نے جھوٹ کہہ دیا کہ اس نے بازی نہیں بدی تھی، پس بازی والوں نے ان دو شخصوں سے طعنا پوچھا کیا تمھارے یہاں فقیری میں جھوٹ بولنا اور حرام کھانا جائز ہے؟ ان شخصوں نے جواب دیا: ہاں اس میں جائز ہے۔ اور نیت جانب خیر سے یہ الفاظ کہے، پس اس صورت میں ان پر کیا معصیت ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

سوال میں حرام کھانا بھی تھا اور حرام کھانا کبھی جائز نہیں ہوتا جس وقت جائز ہوتا ہے اس وقت وہ حرام نہیں رہتا اگر "ہاں جائز ہے" کہنے میں حرام کھانا بھی اس نے مراد لیا تو البتہ سخت لفظ کہا توبہ لازم ہے بلکہ تجدید اسلام چاہئے، اور اگر صرف جھوٹ بولنے کی نسبت کہا کہ ایسی صورت میں جہاں حرام سے بچنا ہوتا ہو خلاف واقع بات کہنا جائز ہے تو حرج نہیں، اگرچہ اس میں بھی تفصیل ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] حاشیہ امام احمد رضا خاں علی اشعۃ اللمعات

مسئلہ ۷۲ تا ۷۵: از محلّہ کچی باغ مسئولہ خلیل الرحمٰن بنارسی ۶/ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

معدن عالم صوری ومخزن اسرار معنوی جناب مولانا حافظ مفتی احمد رضاخاں دام ظلہ بعد ہدیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بکمال ادب ملتجی ہوں براہ کرم اپنے اوقات گرانمایہ سے چند منٹ حرج فرماکر جواب سوالات مرسلہ مزین فرماکر بصیغہ بیرنگ پتہ ذیل سے مرحمت فرماکر مجھ مترصد کو شاد فرمائے، ان مسائل کی یہاں سخت ضرورت ہے۔ ہم سب اعلیحضرت دام فیضہ کے معتقدین سے ہیں لہٰذا ہم سب بیحد انتظار کرتے رہیں گے، اگر جلد جواب سے مزین فرماکر مرحمت فرمایاجائے تو عنایت لطف وکرم ہے۔ اس سے پیشتر حقیر نے اعلیحضرت کے دارالافتاء سے ڈھائی سو نسخے رسالہ "**انفس الفکر**" منگواکر مسلمانوں کو تقسیم کیا جس سے بہ نسبت سال گزشتہ سال پیوستہ کے امسال باوجود کوشش بلیغ دشمنان دین کے قربانی گاؤ بکثرت المضاعف ہوئی، **الحمدللہ** حضور کا فیض ایسا ہی ہے۔ زیادہ بجز تمنائے حصول زیارت اور کیا عرض کروں فقط۔

آپ کا خادم عاصی خلیل الرحمٰن عفی عنہ بنارسی از محلّہ کچی باغ مؤرخہ ۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ ہجری

(۱) یہ کہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جس میں عرصہ پچیس سال سے خزانہ گورنمنٹ سے امداد ماہوار ایک سو روپے مقرر ہے جس سے یہ درسگاہ جس میں کتب فقہ واحادیث وقرآن شریف کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس میں ممبران خلافت کمیٹی نے جو تجویز پاس کیا ہے کہ گورنمنٹ سے امداد نہ لینا چاہئے، پس استفسار ہے کہ یہ امداد جو گورنمنٹ سے عرصہ پچیس سال سے برابر ملتی ہے اب لینا جائز ہے یا نہیں؟ مدرسہ ہذا میں سوائے تعلیم دینیات کے ایک حرف کسی غیر ملت وغیر زبان کی نہیں ہوتی۔

(۲) یہ کہ زید جو اس درسگاہ دینی کا منتظم وخادم ہے بسبب حسن انتظام گورنمنٹ نے خطاب دیا ہے اور یہ خطاب بھی عرصہ دس سال سے ملا ہے ممبران خلافت کمیٹی نے یہ بھی پاس کیا ہے کہ گورنمنٹ کو خطاب واپس کردینا چاہئے پس ایسی حالت میں کہ جس خدمت انتظام درسگاہ تعلیم علوم دین کے صلہ میں خطاب دیا ہے اندیشہ ہے کہ واپس کرنے میں یہ امداد بھی نہ ملے ایسی حالت میں خطاب کا واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) یہ کہ زید جلسہ خلافت کمیٹی میں اس سبب سے شرکت نہیں کرتا کہ اس میں اہل ہنود جن کو اس وقت ممبران خلافت کمیٹی اپنا بھائی کہتے ہیں اور ان سے اس قدر ارتباط بڑھا رکھا ہے کہ تلک مہراج کے مرنے کے غم میں بروز دسواں جامع مسجد میں ننگے سر ننگے پیر جمع ہو کر تلک مہراج کے لے دعا اور فاتحہ اور نماز کا ان کی مغفرت کے لئے اشتہار شائع کیا اور قربانی گاؤ کو بخاطر اہل ہنود منع کرتے ہیں اور بکری قربانی کرنا افضل وفعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتلاتے ہیں اور نقصان اور عدم جواز قربانی گاؤ میں رسالے چھاپتے ہیں اور جلسہ خلافت کمیٹی میں کل دشمنان دین محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسپیچ وتقریر کراتے ہیں جو اپنی کتاب "**الجرح علی ابی حنیفۃ**" میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی کو سگ وزندیق وبے علم و

صدہا باتیں ناشائستہ ناگفتہ بہ لکھا ہے۔ اگر ایسے شخصوں کی تقریر نہ سننے کی غرض سے اور کفار کی اعانت وشرکت نہ کرنے کی غرض سے اگر زید ایسے جلسوں میں نہ شریک ہو تو کیا بوجہ ان امور متذکرہ بالا کے زید قابل ملامت وناقابل امامت ہے۔ کیونکہ جو لوگ کہ ان وجوہ سے شرکت نہیں کرتے ان کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز بتلاتے ہیں، ان لوگوں نے اس قدر ارتباط ان کفاروں سے بڑھا رکھا ہے کہ جس وقت ان میں کوئی مقرر ونامور کسی شہر میں جاتا ہے تو اہل اسلام ان کفاروں کی گاڑیاں بدست خود کھینچ لاتے ہیں، ان کفاروں نے اس قدر تعصب اپنے مذہب میں بڑھا رکھا ہے کہ یہاں بعض مسجد میں اذان نہیں کہنے دیتے، بعض مسجدوں کے فرش پر جو ان کی پرستش کے درخت کی ڈالیں لٹکی ہوئی ہیں جس سے حوض دہ در دہ کا پانی پتیوں کے گرنے اور سڑنے سے متغیر ومتعفن ہوجاتا ہے اس درخت کی ڈال کو تعصب مذہبی سے نہیں کاٹتے، بعض مسجد پر صحن مسجد میں جو ان کا بت پرستش کا نصب ہے اس کی پرستش کے لئے فرش مسجد پر سے جو سجدہ گاہ مسلمانان ہے بپائے نجس مرور کرتے ہیں، مگر افسوس کہ مسلمانان اہل ہنود کو اپنا بھائی بناتے ہیں اور ان کی خاطر داری سے گاؤکی قربانی بند کرنے میں بہر نوع کوشش تام کرتے ہیں اپنے مساجد کی بے حرمتی ونقصان اور اذان بند ہونے کا جو بعض مسجد پر بند کر رکھا ہے کچھ صدمہ وخیال نہیں ہوتا، آیا ایسے دشمنوں کے جلسہ میں نہ شرکت ہونے سے کیا آدمی گنہگار ہوتا ہے قابل امامت نہیں رہتا۔

(۴) یہ کہ زید جو پنجگانہ وبروز جمعہ وخطبہ ثانیہ بروز جمعہ وخطبہ عیدین وغیرہا میں بیشتر مسلمانان کی جماعت کثیر میں یہ اعلان تمام دعاء وترقی جاہ وجلال وقیام سلطنت سلطان اعظم والی سلطنت روم بلاد عرب کے لئے محافظت مقامات مقدسہ حرمین شریفین کے لئے دعا کرتا ہے اور خطبہ نباتہ جس کے خطبہ ثانیہ میں سلطان المعظم کے لئے خلد اللہ مبلکہ کے لئے دعا درازطبع ہے پڑھتا ہے سامعین آمین کہتے ہیں، آیا اس طریق پر دعا کرنا سلطان المعظم کے لئے جائز ہے یا جلسہ کفار اور غیر مقلدین میں شریک ہوکر دشنام دہی کرنا اور اظہار وفاداری سلطان المعظم کے لیے کرنا جائز ہے، زید پر بیحد حملہ اس امر کا ہے کہ تو کیوں نہیں ایسے جلسوں میں شریک ہوتا، اس لئے طرح طرح کی بندشیں عدم جواز امامت وواپسی خطاب وغیرہ کے لئے حملہ کرتا ہے، پس آیا اس صورت سے دعا کرنا بعد نماز ودرمیان خطبہ جائز ہے یا اس جلسہ مخالفین میں؟ **بینوا بالکتاب وتوجروا بالصواب** (کتاب کے حوالہ سے (مسئلہ کو) بیان فرماؤ اور راہ صواب یعنی راہ راست کا اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) جبکہ وہ مدرسہ صرف دینیات کا ہے اور امداد کی بناء پر انگریزی وغیرہ اس میں داخل نہ کی گئی تو اس کے لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، تعلیم دینیات کو جو مدد پہنچی تھی اس کا بند کرنا محض بے وجہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) خطاب واپس کرنا نہ کرنا کوئی مسئلہ شرعی نہیں اور اگر یہ اندیشہ صحیح ہے کہ واپسی خطاب میں امداد بھی بند ہو جائے گی تو واپس کرنا حماقت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) اگر یہ امور واقعی ہیں تو ایسے جلسوں کی شرکت حرام ہے اور جو ان میں شریک ہو قابل ملامت اور ناقابل امامت ہے۔ نہ وہ کہ احتراز کرے، دشمنان دین سے احتراز فرض ہے، اور فرض کا تارک موجب ملامت اور مانع امامت ہے نہ کہ اس کا بجالانا، اور کافر کے لئے دعائے مغفرت وفاتحہ خوانی کفر خالص وتکذیب قرآن عظیم ہے **کما فی العالمگیریۃ وغیرھا** (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری اور اس کے علاوہ دوسرے فتاووں میں مسئلہ مذکور ہے۔ت) اور ان کے خار وبوار کے لئے یہی بہت تھا کہ مشرک کے ماتم میں سر ننگا کیا اور اس پر ظلم شدید یہ کہ عبادت گاہ واحد قہار کو مشرک کا ماتم گاہ بنایا پھر اس کے لئے نماز کا اشتہار پورا پورا موجب لعنت جبار قہار ہے۔

قال اللہ تعالٰی " لَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو اس پر نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔(ت)

بلاشبہہ یہ اشتہار دینے اور اس پر عمل کرنے والے سب قطعی مرتد ہیں وہ اسلام سے نکل گئے اور ان کی عورتیں نکاح سے "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ "[2] (اللہ تعالٰی انھیں مارے وہ کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) اور قربانی گاؤ شعار اسلام ہے۔

قال اللہ تعالٰی " وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ہم نے بدنہ (قربانی کا جانور) کو تمھارے لئے اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے کیا ہے۔(ت)

اور ہندوستان میں اس کا جاری رکھنا واجب ہے **کما حققناہ فی انفس الفکر فی قربان البقر** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق (اپنے ایک رسالہ بنام) **انفس الفکر فی قربان البقر** (بہت عمدہ سوچ گائیوں کی قربانی کرنے میں) میں کردی۔ت) اور خوشنودی ہنود کے لئے اس کا بند کرنا حرام ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (لوگو!) ظالموں کی طرف مت جھکو (اور مائل نہو) ورنہ تمھیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔(ت)

ناپاکوں کافروں مرتدوں کو واعظ مسلمین بنانے والے اسلام کو ڈھاتے ہیں اور کفر ولعنت الٰہی کی نیو چنواتے ہیں حدیث تو بد مذہب کی توقیر پر فرماتی ہے:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام [2]۔	جس نے کسی بد مذہب کی توقیر کی اس نے دین اسلام کے ڈھادینے پر مدد دی۔(ت)

نہ کہ کفار و زنادقہ مثل وہابیہ وغیر مقلدین ودیوبندیہ وغیرہم کو واعظ مسلمین و پیشوائے دین بنانا کہ صراحۃً اسلام کو کند چھری سے ذبح کرنا ہے۔ افسوس کہ گائے کی قربانی بند اور ذبح اسلام کے نعرے بلند مگر اسلام گائے سے بھی گیا گزرا، عزت وجبروت ہے اس کے لئے جس نے ان کی دل الٹ دئے اور آنکھیں پلٹ دیں کہ ان کو اسلام کفر سوجھتا ہے اور کفر اسلام۔

فسبحن مقلب القلوب والابصار ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔	پاک اور منزہ ہے دلوں اور آنکھوں کا پھیرنے والا اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کردیجئے اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عطا کر دیجئے، یقینا تو بلامعاوضہ بہت زیادہ بخشش اور عطافرمانے والا ہے۔(ت)

کفار اور مشرکین سے اتحاد و وداد حرام قطعی ہے۔ قرآن عظیم کے نصوص اس کی تحریم سے گونج رہے ہیں اور کچھ نہ ہو تو اتنا کافی ہے کہ:

"وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ" [3]۔	واحد قہار فرماتا ہے کہ تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ بیشک انھیں میں سے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد اور وہ بھی "بیشک" کے ساتھ، آخر اس کے نتائج ظاہر ہیں کہ کفار سے اتحاد و وداد منانے والے موافق ارشاد الٰہی بیشک منهم (انہی میں سے) ہوگئے، کیا آج تک کبھی ہوا تھا

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] کنز العمال حدیث ۱۱۰۲ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱/ ۲۱۹

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

کہ مشرک کے ماتم میں مسلمان سر برہنہ ہوئے ہوں، مسلمانوں نے مسجد کو اس کی ماتم گاہ بنایا ہو، مسلمانوں نے اس کے لئے دعا و نماز کا اشتہار دیا ہو۔ مسلمان مشرکوں کی گاڑی کے بیل بنے ہوں، اور یہ ہونا ہی تھا کہ جب اسلام چھوڑا انسانیت خود گئی، اب جو چاہے بیل بنے چاہے گدھا کہ اللہ عزوجل فرماچکا:

"اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ"[1]۔	وہی لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ بھٹکے ہوئے۔(ت)

بلکہ فرمایا:

"اُولٰٓئِکَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ﴿۶﴾"[2]	وہی لوگ بدترین مخلوق ہیں۔(ت)

کافر تو کافر فاسق کی تعریف پر حدیث میں فرمایا:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذٰلك العرش[3]۔	جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔

نہ کہ مشرک کی تعظیم اور وہ بھی اس درجہ عظیم۔

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَ لٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾"[4]۔	(لوگو!) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں مستور ہیں۔(ت)

سائل بیچارہ اس کا شاکی ہے کہ ہندوؤں نے اذان بند کی اور یہ کیا اور یہ کیا، ان مسلمان کہلانے والوں نے اس کے برعکس یہ کچھ کیا، یہ شکایت محض بے جا و نادانی ہے۔ ہندو اپنے دین باطل پر قائم ہیں وہ کیوں چھوڑیں دین تو انھوں نے چھوڑا ہے۔ ہر جھوٹ انھیں کی طرف سے چاہئے ایسے لوگوں کے جلسوں میں شرکت ہرگز جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) جلسہ مخالفین کا حکم اوپر گزرا اور سلاطین اسلام وممالک اسلام واماکن مقدسہ اسلام کے لئے دعا خطبہ جمعہ وخطبہ عیدین میں اور ہر نماز کے بعد مستحب ومندوب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

[3] کشف الخفاء حدیث ۲۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۷

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

رسالہ
الرمز المرصف علی سوال مولٰنا السید اٰصف
(مولانا سید آصف کے سوال پر مضبوط اشارہ)

مسئلہ ۸۶: از کانپور فیل خانہ قدیم مسئولہ جناب مولٰنا مولوی سید محمد آصف صاحب قادری برکاتی رضوی ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم (یاحبیب محبوب اللہ روحی فداک) قبلہ کونین وکعبہ دارین دامت برکاتہم۔	اللہ تعالٰی کے مقدس نام سے شروع جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے۔ ہم اللہ تعالٰی کی نئی نئی تعریف کرتے ہیں اور اس کے رسول کریم پر نئے نئے انداز سے درود بھیجتے ہیں، اے اللہ کے محبوب کے حبیب! میری روح آپ پر قربان ہو دونوں جہاں کے قبلہ اور دنیا واخرت کے کعبہ، ان کے فیوض وبرکات ہمیشہ رہیں۔ (ت)

بعد تسلیمات فدویانہ تمنائے حصول سعادت آستانہ بوسی التماس ایں کہ بفضلہٖ تعالٰی کمترین بخیریت ہے صحتوری ملازمان سامی کی مدام بارگاہ احدیث سے مطلوب، اشتہار اسلامی پیام میں عبدالماجد کے اس لکھنے پر کہ "مسلمان ڈوب رہا ہے نا مسلم تیراک ہاتھ دے تو جان بچانا چاہئے یا نہیں" یوں

درج ہے کہ "مسلمان کو اگر ڈوبنے پر یقین نہ ہو ہاتھ پاؤں مار کر بچ جانے کی امید ہو یا کوئی مسلمان فریاد رس خواہ کوئی درخت وغیرہ ملنے کا ظن ہو تو کافر کو ہاتھ دینے کی اجازت نہیں الخ"، معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے معاملت کی بھی اجازت نہ ہو ان سے علاج بھی نہ کرائے "لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا" (وہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ت) سے کیا مقصود ہے آیا دین کے معاملہ میں کفار محارب فی الدین نقصان پہنچانے میں کمی نہ کریں گے یا ہر معاملہ میں اور ہر وقت جب موقع پائیں اور ایک کافر گو غیر محارب ہو تفسیر کبیر میں آیہ کریمہ "لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ" الی اٰخر الایۃ (اللہ تعالٰی تمھیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے جنگ نہیں کرتے الی اخر الآیۃ۔ت) کے متعلق لکھا ہے:

وقال اھل التاویل ھذہ الایۃ تدل علی جواز البربین المشرکین والمسلمین وان کانت الموالاۃ منقطعۃ[1]۔	(امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ) ائمہ تفسیر نے اس آیۃ کے متعلق فرمایا کہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل شرک اور اہل اسلام کے درمیان حسن سلوک کرنا جائز ہے اگرچہ موالات منقطع ہے (ت)

رسالہ الرضا بابت ماہ ذیقعدہ حصہ ملفوظات ص ۸۶ میں ہے: "حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھیں سے خلق فرماتے ہیں جو رجوع لانے والے ہوتے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے اور کفار ومرتدین کے ساتھ ہمیشہ سختی فرمائی الخ" بعض کفار کی انکھوں میں سلائی پھیرنا تو قصاصاً تھا کیا رسول کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم قبل نزول آیت "یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ"[2] (اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ت) نرمی نہ فرماتے تھے اور کیا رجوع نہ لانے والے تھے ان سے ہمیشہ بشدت پیش آتے تھے یا پہلے ان سے بھی نرمی سے پیش آتے، کفار مختلف طبائع کے تھے، اور ہیں بعض کو اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت ہے اور بعض کو بہت کم۔ کیا سب سے یکساں حکم ہے یا امر المعروف (نہی عن المنکر میں ان سے حسب مراتب تدریجاً سختی کرنے کا حکم ہے اور محارب وغیر محارب کا فرق ہے۔ حضور فدوی کو اس مسئلہ میں کہ مرتدہ کا نکاح باقی رہتا ہے لیکن فتاوٰی کی کتابوں کے خلاف ہونے کی وجہ خلجان رہتا ہے حضور کے فتاوٰی میں اور کتابوں کے خلاف لکھا ہے گو بعض احکام بوجہ اختلاف زمانہ مختلف ہو جاتے ہیں، لیکن

---

[1] مفاتیح الغیب (تفسیر الکبیر) تحت آیۃ لاینھکم اللہ عن الذین الخ مطبعۃ البھیمۃ المصریۃ مصر ۲۹/ ۳۰۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۳

فتاوٰی ہندیہ جو قریب زمانہ کی ہے اس میں بھی نہیں ہے اگرچہ بوجہ سلطنت اسلامیہ نہ ہونے کے مرتدہ پر احکام شریعت نہیں جاری کئے جاسکتے ہیں مثل ضرب وغیرہ کے، لیکن جب وہ اسلام سے خارج ہو گئی تو نکاح کا باقی رہنا کیسا، کیا وہ ترکہ بھی اپنے سابق شوہر کا شرعاً پائے گی اور اس کے مرنے پر اس کا جو پہلے شوہر تھا ترکہ اس کا شوہر پائے گا، اگر کفار غیر محارب کے ہمراہ محارب کفار کا مقابلہ کیا جائے اور محارب کفار کہ غیر محارب کے امداد سے نقصان پہنچایا جائے تو کیا گناہ ہے اسی "اسلامی پیغام" میں ہے "اب جو قرآن کو جھٹلائے" وہ مشرک یا مرتد کو ڈوبنے سے نجات دینے والا حامی ومددگار جانے" کیا نعوذ باللہ جتنے مسلمان کفار سے علاج کراتے ہیں اور معاملات میں ان سے مدد لیتے ہیں سب قرآن کو جھٹلاتے ہیں فقط والتسلیم عریضہ ادب فدوی محمد آصف یغفر اللہ لہ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم (اللہ تعالٰی اسے اس کے والدین اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو حضور نبی کریم کے طفیل بخش دے، ان پر صلٰوۃ وسلام کا نزول ہو۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، مولانا المکرم اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،	اللہ تعالٰی کے عظیم نام سے شروع جو بیحد رحم کرنے والا ہے، ہم اللہ تعالٰی کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے رسول کریم پر درود بھیجتے ہیں مولانا گرامی! اللہ تعالٰی تمھاری عزت وتوقیر فرمائے تم پر سلام ہو اور اللہ تعالٰی کی برکت اور اس کی برکتیں ہوں۔(ت)

ارشاد الٰہی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ"[1] (اے ایمان والو! اپنے سوا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ت) عام ومطلق ہے کافر کو راز دار بنانا مطلقاً ممنوع ہے اگرچہ امور دنیویہ میں ہو وہ ہرگز تاقدر قدرت ہماری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے "قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫"[2] "وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾ "[3] (فرمادیجئے اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا اور بات کرنے میں اللہ تعالٰی سے زیادہ سچا کون ہوسکتا ہے۔ت) سیدنا امام اجل حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث لاتستضیئوا بنار المشرکین[4] (مشرکین کی آگ سے روشنی نہ لو) کی

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۹۵

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[4] مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۹

تفسیر فرمائی کہ اپنے کسی کام میں ان سے مشورہ نہ لو اور اسے اسی آیہ کریمہ سے ثابت بتایا، ابویعلی مسند اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن المنذر وابن حاتم تفاسیر اور بیہقی شعب الایمان میں بطریق ازہر بن راشد انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لا تستضیئوا بنار المشرکین قال فلم تدر ماذلك حتی اتوالحسن فسألوه فقال نعم، یقول لا تستشیروهم فی شیئ من امورکم قال الحسن و تصدیق ذٰلك فی کتاب اللہ تعالٰی ثم تلا هذه الایة یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ[1]۔	انس بن مالک نے فرمایا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) شرک کرنے والوں کی آگ سے روشنی نہ لو، فرمایا: ہم نہ سمجھے کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ حسن بصری کے پاس گئے ان سے اس کا مفہوم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے کہ "اپنے کسی کام میں شرک کرنے والوں سے مشورہ نہ لو" حضرت حسن نے فرمایا کہ اس کی تصدیق اللہ تعالٰی کی کتاب میں موجود ہے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی، اے ایمان والو! اپنے سوادوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ (ت)

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی آیت کریمہ سے کافر کو محرر بنانا منع فرمایا ابن ابی شیبہ مصنف اور ابنائے حمید وابی حاتم رازی تفاسیر میں اس جناب سے راوی:

انه قیل له ان ههنا غلاما من اهل الحیرة حافظا کاتبا فلوا تخذته کاتبا قال اتخذت اذا بطانة من دون المؤمنین[2]۔	حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں عرض کی گئی کہ یہاں حیرہ کا رہنے والا ایک غلام ہے جو حافظ اور کاتب ہے اگر آپ اس کو اپنے ہاں کاتب مقرر کردیں تو (کیا ہی اچھا ہوگا) اس پر ارشاد فرمایا کہ پھر تو میں نے مسلمانوں کو چھوڑ کر اس کافر کو اپنا رازدار بنالیا۔ (ت)

تفسیر کبیر میں انھیں امور دنیویہ میں ان سے مشاورت وموانست کو سبب نزول کریمہ اور اس سے

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ یٰایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا بطانۃ الخ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۴ /۳۸، شعب الایمان حدیث ۹۳۷۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۷ /۴۰

[2] تفسیر لابن ابی حاتم تحت آیۃ یایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا بطانۃ الخ حدیث ۴۰۳۸ مکتبہ خرار مصطفی الباز مکۃ المکرمہ ۳ /۷۴۳

نہی مطلق کے لئے بتایا اور اسے اس گمان کا کہ ان سے مخالفت تو دین میں ہے دنیوی امور میں بدخواہی نہ کریں گے، رد ٹھہرایا کہ:

ان المسلمین کانوا یشاورونھم فی امورھم و یؤانسونھم لما کان بینھم من الرضاع والحلف ظنا منھم انھم خالفوھم فی الدین فھم ینصحون لھم فی اسباب المعاش فنھاھم اللہ تعالٰی بھذہ الایۃ عنہ. فمنع المؤمنین ان یتخذوا بطانۃ من غیر المومنین فیکون ذٰلك نھیا عن جمیع الکفار وقال تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء ومما یؤکد ذٰلك ماروی انہ قیل لعمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ ھھنا رجل من اھل الحیرۃ نصرانی لا یعرف اقوی حفظا ولا احسن خطا منہ. فان رأیت ان تتخذہ کاتبا فامتنع عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من ذٰلك و قال اذا اتخذت بطانۃ من غیر المومنین فقد جعل عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذہ الایۃ دلیلا علی النھی عن اتخاذ النصرانی بطانۃ[1]۔	مسلمان اپنے دنیوی معاملات میں کافروں سے مشورہ کیا کرتے تھے اور ان سے موانست رکھتے تھے اس لئے دونوں کے درمیان رضاعت اور قسمیں تھیں، پس مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ اگرچہ کافر دین میں ان کے مخالف ہیں تاہم اسباب معاش وغیرہ میں ان کے خیر خواہ ہیں، پھر اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو اس آیۃ مذکورہ میں کافروں کے ساتھ رواداری اور راز داری سے منع فرمایا لہٰذا اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو اہل ایمان کے علاوہ غیروں کو راز دار بنانے کی ممانعت فرمائی، پھر یہ تمام کافروں سے نہی ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ اور اس کی اس روایت سے تاکید ہوتی ہے کہ جس میں یہ مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں یہ درخواست کی گئی کہ یہاں اہل حیرہ میں سے ایک شخص عیسائی ہے اس کی یادداشت (قوت حافظہ) بھی بڑی قوی ہے اور خط بھی خوبصورت (یعنی خوشنویس) ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے ہاں اسے منشی مقرر کرلیں، ارشاد فرمایا پھر تو میں غیر مسلموں کو اپنا راز دار بنالیا، لہٰذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس آیۃ مذکورہ کو اس پر دلیل ٹھہرایا کہ عیسائی کو راز دار بنانے کی ممانعت ہے۔ (ت)

اس سے جملہ انواع معاملت کیوں ناجائز ہوگئے۔ بیع وشراء اجارہ واستئجار وغیرہا میں کیا راز دار

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ یایھا الذین آمنوا لاتتخذوا بطانۃ الخ مطبعۃ البھیمۃ المصریۃ مصر ۸/ ۲۰۹۔۲۱۰

بنانا یااس پر اعتماد کرنا ہے جیسے چمار کو دام دئے جوتا گنٹھوالیا، بھنگی کو مہینہ دیا پاخانہ اٹھوالیا، بزار کو روپے دئے کپڑا مول لے لیا، آپ تاجر ہے کوئی جائز چیز اس کے ہاتھ بیچی دام لے لئے وغیرہ وغیرہ، ہر کافر حربی کافر محارب ہے حربی ومحارب ایک ہی ہے جیسے جدلی ومجادلی۔ وہ ذمی ومعاہد کا مقابل ہے۔ راز دار بنانا ذمی ومعاہد کو بھی جائز نہیں، امیر المومنین کا وہ ارشاد ذمی ہی کے بارے میں ہے یونہی موالات مطلقًا جملہ کفار سے حرام ہے حربی ہو یا ذمی، ہاں صرف در بارہ بر واحسان ان میں فرق ہے معاہد سے جائز ہے کہ

"لَا یَنْہٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ"[1] (اللہ تعالٰی تمھیں ان لوگوں سے (معاملات کرنے سے) نہیں روکتا جو دین میں تم سے جنگ نہیں کرتے۔ت) اور عربی سے حرام کہ "اِنَّمَا یَنْہٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ"[2] (البتہ ان لوگوں سے تمھیں منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے جنگ کرتے ہیں۔ت) عبارت کبیر منقولہ سوال کا یہی مطلب ہے یہی قول اکثر تاویل اور اسی پر اعتماد وتعویل ہے۔ اور ائمہ حنفیہ کے یہاں تو اس پر اتفاق جلیل ہے خود کبیر میں زیر کریمہ لَا یَنْہٰىكُمُ اللّٰهُ ہے:

الاکثرون علی انھم اھل العھد وھذا قول ابن عباس ولمقاتلین والکلبی[3]۔	اکثر ائمہ تفسیر کی رائے یہ ہے کہ اس سے اہل عہد مراد ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس۔ دو مقاتلوں اور کلبی کا یہی قول ہے۔ (ت)

ہم نے المحجۃ المؤتمنہ میں یہ مطلب نفیس ۱جامع صغیر امام محمد و۲ہدایہ و۳درر الحکام و۴غایۃ البیان و۵کفایہ و۶جوہرہ نیرہ و۷مستصفٰی و۸نہایہ و۹فتح القدیر و۱۰بحر الرائق و۱۱کافی و۱۲التبیین الحقائق و۱۳تفسیر احمدی و۱۴فتح اللہ المعین و۱۵غنیہ ذوی الاحکام و۱۶معراج الدرایہ و۱۷عنایہ و۱۸محیط برہانی و۱۹جوی زادہ و۲۰بدائع امام ملک العلماء سے ثابت کیا حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رحمۃ للعلمین ہیں قبل ارشاد **واغلظ علیھم** (کافروں اور منافقوں پر سختی کرو۔ت) انواع انواع کے نرمی وعفو وصفح فرمائے خود اموال غنیمت میں مؤلفۃ القلوب کا ایک سہم مقرر تھا مگر اس ارشاد کریم پر عفو وسفہ کو نسخ فرمادیا اور مؤلفۃ القلوب کا سہم ساقط ہوگیا۔

"وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا"[4]۔	فرمادیجئے حق تمھارے رب کی طرف سے ہے لہٰذا جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے یقینا ہم نے ظالموں کے لئے ایک ایسی آگ تیار کر رکھی ہے کہ جس کی دیواروں نے انھیں گھیرے میں لے رکھا ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۸

[2] القرآن الکریم ۶۰/ ۹

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ لاینھکم الذین لم یقاتلوکم الخ مطبعۃ البھیمۃ المصریۃ مصر ۲۹/ ۳۰۳

[4] القرآن الکریم ۱۸/۲۹

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے افضل الاساتذہ امام عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالٰی عن جن کی نسبت امام فرماتے ہیں میں نے ان سے افضل کسی کو نہ دیکھا وہ کریمہ واغلظ علیہم کو فرماتے ہیں:

نسخت ھذہ الاٰیۃ کل شیئ من العفو والصفح[1]۔	اس آیت کریمہ نے ہر قسم کی معافی اور در گزر کرنے کو منسوخ کر دیا ہے۔(ت)

قرآن عظیم نے یہود مشرکین کو عداوت مسلمین میں سب کافروں سے سخت تر فرمایا:

"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا"[2]	تم اہل ایمان سے عداوت کرنے میں سب سے زیادہ یہودیوں اور مشرکوں کا پاؤگے۔(ت)

مگر ارشاد:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ"[3]	اے نبی مکرم! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کیا کرو، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (ت)

عام آیہ اس میں سب کا استثناء نہ فرمایا کسی وصف پر حکم مرتب ہونا اس کی علیت کا مشعر ہوتا ہے یہاں انھیں وصف کفر سے ذکر فرما کر اس پر جہاد وغلظت کا حکم دیا تو یہ سزا ان کے نفس کفر کی ہے۔نہ کہ عداوت مومنین کی، اور نفس کفر میں وہ سب برابر ہیں، **الکفر ملۃ واحدۃ** (سارا کفر ایک ہی ملت ہے۔ت) ہاں معاہد کا استثناء دلائل قاطعہ متواترہ ہے سے ضرورۃ معلوم ومستقر فی الاذہان کہ حکم جاہد سن کر اس کی طرف ذہن جاتا ہی نہیں فنفس النص لم یتعلق بہ ابتداء کما افادہ فی البحر الرائق (پھر نفس نص ابتداء ہی اس سے متعلق نہیں (یعنی معاہد کو نص شامل ہی نہیں) جیسا کہ البحر الرائق میں یہ افادہ پیش کیا ہے۔(ت) تفاوت عداوت پر بنائے کار ہوتی تو یہود کو حکم مجوسی سے سخت تر ہوتا ہے حالانکہ امر بالعکس ہے اور نصارٰی کا حکم یہود سے کم تر ہوتا ہے حالانکہ یکساں ہے۔ذمی وحربی کافر کا فرق میں بتا چکا ہوں اور یہ کہ ہر حربی محارب ہے حسب حاجت ذلیل قلیل ذمیوں سے حربیوں کے مقاتلہ (مقابلہ میں مدد لے سکتے ہیں ایسی جیسے سدھائے ہوئے مسخر کتے سے شکار میں، امام سرخسی نے شرح صغیر

---

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ واغلظ علیھم الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۳۔۱۲۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۸۲

[3] القرآن الکریم ۹/ ۷۳

میں فرمایا:

والاستعانة باھل الذمة کالاستعانة بالکلاب[1]۔	ذمی کافروں سے مدد لینا سدھائے ہوئے کتوں سے مدد لینے کی طرح ہے۔(ت)

اور بروایت امام طحاوی ہمارے ائمہ ممذہب امام اعظم وصاحبین وغیرہم رضی اللہ تعالی عنہم نے اس میں بھی کتابی کی تخصیص فرمائی مشرک سے استعانت مطلقًا ناجائز رکھی اگرچہ ذمی ہو ان مباحث کی تفصیل جلیل "**المحجة المؤتمنة**" میں ملاحظہ ہو۔ رہا کافر طیب سے علاج کرانا خارجی یا ظاہر مکشوف علاج جس میں اس کی بدخواہی نہ چل سکے وہ تو "لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا"[2] (وہ کافر تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ت) سے بالکل بے علاقہ ہے اور دنیاوی معاملات میں بیع وشراء واجارہ واستئجار کی مثل ہے۔ ہاں اندرونی علاج جس میں اس کے فریب کی گنجائش ہو اس میں اگر کافروں پر یوں اعتماد کیا کہ ان کو پانی مصیبت میں ہمدرد اپنا ولی خیر خواہ اپنا مخلص باخلاص خلوص کے ساتھ ہمدردی کرکے اپنا دوست بنانے والا اس کی بیکسی میں اس کی طرف اتحاد کا ہاتھ بڑھانے والا جانا تو بیشک آیہ کریمہ کا مخالف ہے اور ارشاد آیت جان کر ایسا سمجھا تو نہ صرف اپنی جان بلکہ جان وایمان وقرآن سب کا دشمن اور انھیں اس کی خبر ہو جائے اور اس کے بعد واقعی دل سے اس کی خیر خواہی کریں تو کچھ بعید نہیں کہ وہ تو مسلمان کے دشمن ہیں اور یہ مسلمان ہی نہ رہا **فانه منھم**[3] (وہ انہی میں سے ہے۔ت) ہوگیا، ان کی تو دلی تمنا یہی تھی:

قال تعالٰی "وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً"[4]۔	(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا) ان کی آرزو ہے کہ کسی طرح تم بھی ان کی کسی طرح تم بھی ان کی طرح کافر بنو تو تم اور وہ ایک سے ہوجاؤ۔

والعیاذ باللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) ____ مگر **الحمد للہ** کوئی مسلمان آیہ کریم پر مطلع ہو کر ہرگز نہ جانے گا اور جانے تو آپ ہی اس نے تکذیب قرآن کی، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ ان کا پیشہ ہے اس سے روٹیاں کماتے ہیں ایسا کریں تو بدنام ہوں دکان پھیکی پڑے، کھل جائے تو حکومت کا مواخذہ ہو سزا ہو یوں

---

[1] شرح الجامع الصغیر للسرخسی (محمد بن احمد)

[2] القرآن الکریم ۳ /۱۱۸

[3] سنن ابی داؤد کتاب اللباس ۲ /۲۰۳

[4] القرآن الکریم ۸۹/۴

بدخواہی سے باز رہتے ہیں تو اپنے خیر خواہ ہیں نہ کہ ہمارے، اس میں تکذیب نہ ہوئی، پھر بھی خلاف احتیاط و شنیع ضرور ہے خصوصا یہود ومشرکین سے خصوصا سربرآوردہ مسلمان کو جس کے کم ہونے میں وہ اشقیاء اپنی فتح سمجھیں وہ جسے جان وایمان دونوں عزیز ہیں اس بارے میں کریمہ "لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا" [1] کسی کافر کو رازدار نہ بناؤ وہ تمھاری بد خواہی میں گئی نہ کریں گے۔ وکریمہ "وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً" [2] اللہ ورسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو دخیل کار نہ بنانا، وحدیث مذکور لاتستضیئوا بنار المشرکین [3] (مشرکوں کی آگ سے روشنی نہ لو) بس ہیں۔ اپنی جان کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دینے سے زیادہ کیا رازدار ودخیل کار ومشیر بنانا ہوگا، امام محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

واشد فی القبح واشنع ماارتکبه بعض الناس فی هذا الزمان من معالجة الطبیب والکحال الکافرین اللذین لایرجی منهما نصح ولاخیر بل یقطع بغشهما واذیتهما لمن ظفرا به من المسلمین سیما ان کان المریض کبیرا فی دینه اوعلمه [4]۔	یعنی سخت تر قبیح وشنیع ہے وہ جس کا ارتکاب آجکل بعض لوگ کرتے ہیں، کافر طبیب اور سیتے سے علاج کرانا، جن سے خیر خواہی اور بھلائی کی امید درکنار یقین ہے کہ جس مسلمان پر قابو پائیں اس کی بدسگالی کرینگے اور اسے ایذا پہنچائیں گے خصوصا جبکہ مریض دین یا علم میں عظمت والا ہو۔

پھر فرمایا:

لهم لایعطون لاحد من المسلمین شیئا من الادویة التی تضرها ظاهرا لانهم لو فعلوا ذلك لظهر غشهم و انقطعت مادة معاشهم لکنهم یضیفون له من الادویة مایلیق	یعنی وہ مسلمان کو کھلے ضرر کی دوانہیں دیتے کہ یوں تو ان کی بدخواہی ظاہر ہوجائے اور ان کی روزی میں خلل آئے بلکہ مناسب دوا دیتے اور اس میں اپنی خیر خواہی وفن دانی ظاہر کرتے ہیں اور کبھی مریض اچھا ہوجاتا ہے جس میں ان کا نام ہو اور معاش خوب چلے

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۶

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۹

[4] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین الکحال والطبیب الکافرین دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۱۴

بذلك المرض ویظهرون الصنعة فیه و النصح وقد یتعافی المریض فینسب ذٰلك الی حذق الطبیب و معرفته لیقع علیه المعاش کثیرا بسبب ماوقع له من الثناء علی نصحه فی صنعة لکنه یدس فی اثناء وصفه حاجة لایفطن لما فیها من الضرر غالبا وتکون تلك الحاجة مما تنفع ذٰلك المریض وینتعش منه فی الحال،لکنه یبقی المریض بعدها مدة فی صحة و عافیة ثم یعود علیه بالضرر فی اٰخر الحال وقد یدس حاجة اخری کما تقدم لکنه ان جامع انتکس ومات وکذالك یفعل فی حاجة اٰخری یصح المریض بعد استعمالها لکنه اذا دخل الحمام انتکس ومات وقد یدس حاجة اخری فاذا استعملها المریض صح واقام من مرضه لکن لها مدة فاذا انقضت تلك المدة عادت بالضرر علیه،وتختلف المدة فی ذٰلک،فمنها ما یکون مدتها سنة اواقل اوا کثر الی غیر ذٰلك من غشهم و هو کثیر ثم یتعلل عدواللہ بان هذا مرض اٰخر دخل علیه فلیس له فیه حیلة فلوسلم منه لعاش وصح ویظهر التأسف والحزن علی ما اصاب المریض ثم یصف بعد ذٰلك اشیاء تنفع لمرضه لکنها لاتفید بعد ان فات الامر فیه فینصح حیث لاینفع نصحه فمن یری ذٰلك منه یعتقد انه من الناصحین وهو من اکبر الغاشین وقد قیل؂	اور اسی کے ضمن میں ایسی دوا دیتے ہیں کہ فی الحال مریض کو نفع دے اور آئندہ ضرر لائے یا ایسی دوا کہ اس وقت مرض کھودے مگر جب مریض جماع کرے مرض لوٹ آئے اور مرجائے یا ایسی کہ سردست تندرست کردے مگر جب حمام کرے مرض پلٹے اور موت ہو یا ایسی کہ اسی وقت مریض کھڑا ہوجائے اور ایک مدت سال بھر یا کم وبیش کے بعد وہ اپنا رنگ لائے اور ان کے سوا ان کے فریبوں کے اور بہت طریقے ہیں، پھر جب مرض پلٹا تو اللہ کا دشمن یوں بہانے بناتا ہے کہ یہ جدید مرض ہے اس میں میرا کیا اختیار ہے اور مریض کی حالت پر افسوس کرتا ہے پھر صحیح نافع نسخے بتاتا ہے مگر جب بات ہاتھ سے نکل گئی کیا فائدہ، تو اس وقت خیر خواہی دکھاتا ہے جب اس سے نفع نہیں، دیکھنے والے اسے خیر خواہ سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سخت تربدخواہ ہے۔

کل العداوۃ قد ترجی ازالتہا الاعداوۃ من عاداك فی الدین [1]	ہر عداوت کے ازالہ کے لئے امید کی جاسکتی ہے سوائے اس شخص کے جو تیرے ساتھ دین میں عداوت رکھے۔

پھر فرمایا:

وقد یستعملون النصح فی بعض الناس ممن لاخطر لھم فی الدین ولا علم وذٰلك ایضا من الغش لانھم لولم ینصحوا لما حصلت لھم الشھرۃ بالمعرفۃ بالطب ولتعطل علیھم معاشھم وقد ینفطن لغشھم ومن غشھم نصحھم لبعض ابناء الدنیا لیشتھروا بذٰلك وتحصل لھم الحظوۃ عندھم وعند کثیر ممن شابھھم ویتسلطون بسبب ذٰلك علی قتل العلماء والصالحین وھذا النوع موجود ظاہر،وقد ینصحون العلماء و الصالحین وذٰلك منھم غش ایضا لانھم یفعلون ذٰلك لکی تحصل لھم الشھرۃ وتظھر ضعتھم فیکون سببا الی اتلاف من یریدون اتلافہ منھم وھذا منھم مکر عظیم [2]۔	یعنی وہ کبھی عوام کے علاج میں خیر خواہی کرتے ہیں اور یہ بھی ان کا مکر ہے کہ ایسانہ کریں تو شہرت کیسے ہو روٹیوں میں فرق آئے اور کبھی ان کے فریب پر لوگ چرچ جائیں،یوہیں یہ فریب ہے کہ بعض رئیسوں کاعلاج اچھا کرتے ہیں کہ شہرت اور اس کے نزدیک اور اس جیسوں کی نگاہ میں وقعت ہو پھر علماء وصلحاکے قتل کا موقع ملے اور ایسے اب موجود وظاہر ہیں اور کبھی علماء وصلحاکے علاج میں بھی خیر خواہی کرتے ہیں اور یہ بھی فریب ہے کہ مقصود ساکھ بندھن ہے پھر جس عالم یا دیندار کا قتل مقصود ہے اس کی راہ ملنا اور یہ ان کا بڑا مکر ہے پھر اپنے زمانے کا ایک واقعہ ثقہ معتمد کی زبانی بیان فرمایا کہ مصر میں ایک رئیس کے یہاں ایک یہودی طبیب تھا رئیس نے کسی بات پر ناراض ہو کر اسے نکال دیا وہ خوشامدیں کرتا رہا یہاں تک کہ رئیس راضی ہوگیاکافر وقت کا منتظر رہا پھر رئیس کو کوئی سخت مرض ہوا،میں طبیب مغربی سے طب پڑھ رہا تھالوگ انھیں بلانے آئے انھوں نے عذر کیا لوگوں نے اصرار کیا،گئے،اور مجھے فرماگئے میرے آنے تک بیٹھے رہنا،تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کانپتے تھر تھراتے واپس آئے، میں نے کہا خیر ہے۔فرمایا میں نے پوچھاکہ یہودی نے کیا نسخہ دیا،معلوم ہوا کہ وہ رئیس کاکام تمام کرچکا،میں اندر نہ گیا کہ ایک تو اس کے بچنے کی امید نہیں

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتاب العربی بیروت ۴ /۱۶۔۱۱۵

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتاب العربی بیروت ۴ /۱۷۔۱۱۶

	پھر یہ اندیشہ کہ کہیں یہودی میرے ذمے نہ رکھ دے رئیس کل تک نہ بچے گا، وہی ہوا کہ صبح تک اس کا انتقال ہوگیا، پھر فرمایا کہ بعض لوگ کافر طبیب کے ساتھ مسلمان طبیب کو بھی شریک کرتے ہیں کہ جو نسخہ وہ بتائے مسلمان کو دکھالیں، یوں اس کے مکر سے امن سمجھتے ہیں اور اس میں کچھ حرج نہیں جانتے۔

فرمایا:

وهذا ليس بشيئ ايضاً من وجوه **الاول** ان المسلم قد يفعل عن بعض ماوصفه **الثانی** مافيه اقتداء الغير به **الثالث** مافيه الاعانة لهم على كفرهم بما يعطيه لهم، **الرابع** ما فيه ذلة المسلم لهم **الخامس** مافيه تعظيم شانهم سيما ان كان المريض رئيسا وقد امر الشارع عليه الصلٰوة والسلام بتصغير شانهم وهذا عكسه[1]۔	یہ بوجوہ کچھ نہیں، ایک تو ممکن کہ جو دوا کافر نے بتائی اس وقت مسلمان طبیب کے خیال میں اس کا ضرر نہ آئے پھر اس کو دیکھا دیکھی اور مسلمان بھی کافر سے علاج کرائیں گے۔ فیس وغیرہ جو اسے دی جائے وہ اس کے کفر پر مدد ہوگی، مسلمان کو اس کے لئے تواضع کرنی پڑے گی، علاج کی ناسوری سے کافر کی شان بڑھے گی خصوصا اگر مریض رئیس تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی تقیر کا حکم دیا اور یہ اس کا عکس ہے۔

پھر فرمایا:

ثم مع ذٰلك مايحصل من الانس والودلهم وان قل الامن عصم الله وقليل ماهم وليس ذٰلك من اخلاق اهل الدين[2]۔	پھر ان سب وجوہ کے ساتھ یہ ہے کہ اس سے ان کے ساتھ انس اور کچھ محبت پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ تھوڑی ہی سہی سوا اس کے جسے اللہ محفوظ رکھے اور وہ بہت کم ہیں اور کافر سے انس اہل دین کی شان نہیں۔

پھر فرمایا:

ومع ذلك يخشى على دين بعض من يستطبهم من المسلمين[3]۔	ان سب قباحتوں کے ساتھ سخت آفت یہ ہے کہ کبھی ان سے علاج کروانے والے کے ایمان پر اندیشہ ہوتا ہے۔

---

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتب العربی بیروت ۴/ ۱۸-۱۱۷

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتب العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

[3] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتب العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

پھر اپنے بعض ثقہ معتمد برادران دینی کا واقعہ بیان فرمایا کہ ان کے یہاں بیماری ہوئی مریض نے ایک یہودی طبیب کی طرف رجوع پر اصرار کیا، انھوں نے اسے بلایا، وہ علاج کرتا رہا ایک دن اسے خواب میں دیکھا کہ ان سے کہتا ہے کہ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین قدیم ہے اسی کو اختیار کرنا چاہئے، اور یوہیں میں کیا کیا بکتا رہا، یہ ترساں ولرزاں جاگے اور عہد کرلیا کہ اب وہ میرے گھر نہ آنے پائے راستے میں بھی وہ جہاں ملتا یہ اور راہ ہوجاتے کہ مبادا اس کا وبال انھیں پہنچے، امام فرماتے ہیں:

فھذا قد رحم بسبب انہ کان معتنی بہ فیخاف من استطبھم ولم یکن معتنی بہ ان یھلك معھم ولو لم یکن فیہ الا الخوف من ھذا الامر الخطر لکان متعینا ترکہ فکیف مع وجود ماتقدم[1]۔	ان صاحب پر تو یوں رحمت ہوئی کہ زیر عنایت تھے جو ایسا نہ ہو اور ان سے علاج کرائے اس پر خوف ہے کہ ان کے ساتھ ہلاک ہوجائے ان کے علاج میں اس شدید خطرناک خوف کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو اس قدر سے اس کا ترک لازم ہوتا نہ کہ اور شناعتوں کے ساتھ جن کا ذکر گزرا۔

ان امام ناصح رحمہ اللہ تعالٰی کے ان نفیس بیانوں کے بعد زیادت کی حاجت نہیں اور بالخصوص علمائے وعظمائے دین کے لئے زیادہ خطر کا مؤید امام مازری رحمہ اللہ تعالٰی کا واقعہ ہے علیل ہوئے ایک یہودی معالج تھا اچھے ہوجاتے پھر مرض عود کرتا کئی بار یوہیں ہوا، آخر اسے تنہائی میں بلاکر دریافت فرمایا اس نے کہا اگر آپ سچ پوچھتے ہیں تو ہمارے نزدیک اس سے زیادہ کوئی کار ثواب نہیں کہ آپ جیسے امام کو مسلمانوں کے ہاتھ سے کھودوں، امام نے اسے دفع فرمایا، مولی تعالٰی نے شفا بخشی، پھر امام نے طب کی طرف متوجہ فرمائی اور اس میں تصانیف کیں اور طلبہ کو حاذق اطباء کردیا اور مسلمانوں کو ممانعت فرمادی کہ کافر طبیب سے کبھی علاج نہ کرائیں، یہود کے مثل مشرکین ہیں کہ قرآن عظیم نے دونوں کو ایک ساتھ مسلمانوں کا سب سے سخت تر دشمن بتایا اور "لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا" تو عام کفار کے لئے فرمایا۔

عورت کا مرتد ہو کر نکاح سے نہ نکلنا تمام کتب ظاہر الروایۃ وجملہ متون وعام شروح وفتاوٰی قدیمہ سب کے خلاف ہے اور سب کے موافق، خلاف ہے قول صوری کے اور موافق ہے قول ضروری کے، قول ضروری اور صوری کا فرق میرے رسالہ اجل الاعلام بان الفتوٰی مطلقًا علی قول الامام (بالکل ظاہر اور واضح اعلان ہے کہ فتوٰی دینا علی الاطلاق امام کے قول پر ہے۔ت) میں ملے گا کہ میرے فتاوٰی

[1] المدخل لابن الحاج فی فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۳۰

جلد اول ف میں طبع ہوا اور اس کا قول ضروری کے موافق ہونا میرے فتوئے سے کہ بجواب سول علی گڑھ لکھا ظاہر اس کی نقل حاضر ہوگی اور یہ حکم صرف نکاح میں ہے باقی تمام احکام ارتداد جاری ہوں گے، نہ وہ شوہر کا ترکہ پائے گی نہ شوہر اس کا اگر اپنے مرض الموت میں مرتدہ نہ ہوئی ہو، نیز جب تک وہ اسلام لائے شوہر کو اسے ہاتھ لگانا حرام ہوگا، عالمگیری منشاء مسئلہ مذکورہ سے خالی نہیں باب نکاح الکفار میں دیکھئے:

لواجرت کلمة الکفر علی لسانها مغایظة لزوجها او اخراجا لنفسها عن حبالته او لاستیجاب المهر علیه بنکاح مستانف تحرم علی زوجها فتجبر علی الاسلام ولکل قاض ان یجدد النکاح بادنی شیئ ولو بدینار سخطت او رضیت ولیس لها ان تتزوج الا بزوجها قال الهندوانی اخذ بهذا قال ابو اللیث وبه ناخذ کذا فی التمرتاشی[1]۔	اگر کسی منکوحہ عورت نے اپنی زبان پر کلمہ کفر جاری کیا اپنے شوہر کو طیش دلاتے ہوئے یا اپنی ذات کو اس سے باہر کرنے کے لئے یا اس لئے کہ اس پر جدید نکاح سے مہر واجب ہو تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہوجائے گی پھر اسے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، اور ہر قاضی کے جائز ہے کہ وہ بالکل کسی معمولی چیز سے دوبارہ اس کا نکاح پڑھادے اگرچہ ایک اشرفی ہی کیوں نہ ہو، چاہے عورت ناراض ہو یا راضی، اور عورت کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے، فقیہ ہندوانی نے فرمایا کہ مں اسی کو اختیار کرتا ہوں، فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، یونہی تمر تاشی میں مذکور ہے۔(ت)

اسی کے بیان میں در مختار میں ہے:

صرحوا بتعزیرها خمسة وسبعین وتجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح بمهر یسیر کدینار وعلیه الفتوی والوالجیة[2]۔	فقہاء کرام نے تصریح فرمائی کہ عورت کو پچھتّر کوڑے سزادی جائے اور اسلام لانے پر مجبور کیا جائے اور بالکل معمولی مہر سے جدید نکاح کیا جائے جیسے کہ ایک اشرفی وغیرہ، اور اسی پر فتوٰی ہے ولوالجیہ (ت)

یہ احکام اسی طرح مذہب کے خلاف ہیں جب مرتدہ ہوتے ہیں نکاح فوراً فسخ ہوگیا کہ ارتداد احدہما فسخ فی الحال

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۳۹

[2] درمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

ف: رسالہ اجل الاعلام فتاوٰی رضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور جلد اول کے صفحہ ۹۵ پر موجود ہے۔

(میاں بیوی دونوں میں سے کسی ایک کا اسلام سے روگردانی کرنا فوراً نکاح کو ختم کردیتا ہے۔ت) پھر بعد عدت دوسرے سے اسے نکاح ناجائز ہونا کیا معنی اور پہلے سے تجدید نکاح پر جبر کیا معنی، کیوں نہیں جائز کہ وہ کسی سے نکاح نہ کرے اور اس تجدید میں زبردستی ادنٰی سے ادنی مہر باندھنے کا ہر قاضی کو اختیار ملنا کیا معنی، مہر عوض بضع ہے اور معاوضات میں تراضی شرط
اقول: (میں کہتا ہوں) بلکہ ان اکابر کے قول ماخوذ ومفتٰی بہ کو کہ قول ائمہ بخارا ہے فتوائے ائمہ بلخ رحمہم اللہ تعالٰی سے جسے فقیر نے باتباع نہر الفائق وغیرہ اختیار کیا بعد نہیں تجدید نکاح بنظر احتیاط ہے اور شوہر پر حرام ہوجانا موجب زوال نکاح نہیں، بارہا عورت ایک مدت تک حرام ہوجاتی ہے اور نکاح باقی ہے جیسے بحال نماز وروزہ رمضان واعتکاف واحرام وحیض ونفاس، یونہیں جبکہ زوجہ کی بہن سے نکاح کرکے قربت کرنے زوجہ حرام ہوگئی یہاں تک کہ اس کی بہن کو جدا کردے اور اس کی عدت گزر جائے بلکہ کبھی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے اور نکاح زائل نہیں جیسے حرمت مصاہرت طاری ہونے سے کہ متارکہ لازم ہے تو نکاح قائم ہے اور زن مفضاۃ کہ سبیلین ایک ہوجائیں نکاح میں اصل خلل نہیں، اور حرمت ابدی، دائم ہے **والمسائل منصوص علیھا فی الدر وغیرہ من الاسفار** الخ (مسائل مذکورہ کی درمختار وغیرہ بڑی کتابوں میں صراحت کردی گئی الخ۔ت)
واللہ تعالٰی اعلم۔

(رسالہ "**الرمز المرصف علی سوال مولٰنا السید اٰصف**" ختم شد)

مسئلہ ۸۷: از وزیر احمد مدرس مہارانا ہائی اسکول اودے پور میواڑ ۱۲/ محرم ۱۳۳۹ھ

بُت یا تعزیہ کا چڑھاوا مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسلمان کے نزدیک بت اور تعزیہ برابر نہیں ہوسکتے اگرچہ تعزیہ بھی جائز نہیں، بت کا چڑھاوا غیر خدا کی عبادت ہے اور تعزیہ پر جو ہوتا ہے وہ حضرات شہدائے کرام کی نیاز ہے، اگرچہ تعزیہ پر رکھنا لغو ہے۔ بت کی پوجا اور محبوبان خدا کی نیاز کیونکر برابر ہوسکتی ہے اس کا کھانا مسلمانوں کو حرام ہے، اور اس کا کھانا بھی نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۸: از شہر کہنہ مسئولہ محمد خلیل الدین احمد صاحب ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۸ محرم الحرام کو روافض جریدہ اٹھاتے ہیں گشت کے وقت ان کو اگر کوئی اہل سنت وجماعت شربت کی سبیل لگا کر شربت پلائے یا ان کو چائے بسکٹ یا کھانا کھلائے اور ان کی شمول میں کچھ اہلسنت وجماعت بھی ہوں اور کھائیں پئیں، تو یہ فعل کیسا ہے اور اس سبیل وغیرہ میں چندہ دینا کیسا ہے؟

الجواب:

یہ سبیل اور کھانا چائے بسکٹ کہ رافضیوں کے مجمع کے لئے کئے جائیں جو تبرا ولعنت کا مجمع ہے ناجائز وگناہ ہیں اور ان میں چندہ دینا گناہ ہے۔ اور ان میں شامل ہونے والوں کا حشر بھی انھیں کے ساتھ ہوگا۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کثر سواد قوم فھو منھم [1]۔ **وقال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"** [2] **وقال تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"** [3]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی کسی جماعت کو بڑھائے (اور اس میں اضافہ کرے) تو وہ انہی میں سے شمار ہوگا اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور گناہ اور زیادتی کے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ت)

[1] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن ابن مسعود حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

مسئلہ ۸۹: از موضع لاہور بڑا بازار مسئولہ اللہ دتہ زرگر ۱۶/ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع مزنگ لاہور میں فرقہ وہابیہ ودیوبندیہ نے اس بات پر بہت زور دے رکھا ہے بلکہ جابجا اشتہار جاری کئے ہیں کہ محرم شریف کے دنوں میں تعزیہ نکالنا اور سبیل لگانا اور گھوڑا نکالنا سخت گناہ ہے. برائے مہربانی ان کی تردید فرمائیں، **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

سبیل لگانا ضرور جائز ہے۔ دیوبندی ضرور گمراہ ہیں بے دین ہیں، البتہ تعزیہ ناجائز ہے۔اور گھوڑا نکالنا نقل بنانا ہے اور اکابر کی نقل بنانی بے ادبی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰: خلیل الرحمٰن خاں صاحب رکن انجمن خادم الساجدین قاضی ٹولہ ۳/ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گاندھی کا جلوس جو آنے والا ہے اس کو لیڈر یعنی ہادی اور رہبر سمجھ کر اور یہ جان کر کہ اس کابڑا رتبہ بڑی عزت ہے اور اس کے آنے سے شہر کی خاک پاک ہوجائے گی اس کا استقبال شاندار بنانے کے لئے جانا کیسا ہے۔اور یہ جو بعض جاہلوں نے مشہور کیا ہے کہ کوئی کسی نیت سے جائے مطلقًا کاف ہوجائے گا، یہ سچ ہے یا افتراء؟ **بینوا توجروا** (بیان کروتاکہ اجروثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اس جلوس میں شرکت حرام ہے اور اسے شاندار بنانے کی نیت بدخواہی اسلام ہے اور اس کی آمد سے شہر کی خاک پاک ہونے کا خیال تکذیب کلام ذی الجلال والاکرام ہے۔اور صرف تماشا دیکھنے کی نیت سے جانا ہرگز کفر نہیں البتہ یہ بھی حرام ہے۔ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

التفرج علی المحرم حرام[1]۔	حرام کام پر خوش ہونا حرام ہے۔(ت)

یہ جس نے کہاکہ مطلقًا جانے پر حکم کفر ہے محض افتراء کیا، البتہ ایسی تعظیم کو ائمہ نے کفر لکھا ہے جبکہ بلااکراہ ہو، اشباہ والنظائر وتنویر الابصار ودرمختار وغیرہ میں ہے:

لو سلم علی الذمی تبجیلا کفر[2]۔	اگر کسی نے ذمی کافر کی تعظیم کرتے ہوئے سلام دیا توکافر ہو گیا۔(ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مقدمۃ الکتاب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۱

[2] درمختار کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

انھیں میں ہے:

لوقال لمجوسی یا استاد تجبیلا یکفر [1]۔	اگر آتش پرست کو عزت افزائی سے "اے استاد" کہا تو کافر ہو جائے گا۔(ت)

جو صرف تماشا دیکھنے کو جائے اور شریک تعظیم نہ ہو اسے افر کہنا وہابیوں کا شیوہ ہے ان کے یہاں یہ مسئلہ ہے کہ ہنود کے میلوں میں جانے سے مطلقًا کافر ہو جاتا ہے اور بی بی نکاح سے نکل جاتی ہے حالانکہ وہابیہ خود کافر ہیں، تماشا کافر نہیں ہو سکتا البتہ کو گنہگار ضرور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۱: از شہر محلّہ قانون گویاں مسئولہ دردی بیگ ۱۳/ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی شوکت علی اور مولوی مسٹر گاندھی ان کے جلسہ میں جانا چاہئے یا کہ نہیں؟ اور جیسا حکم حضور دیں۔

الجواب:

اس جلسہ میں جانا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲ تا ۹۴: از کراچی کمپ (سندھ) صدر بازار مسئولہ سیٹھ حاجی ابوبکر وحاجی ایوب عفااللہ عنہ رکن اعلی مجلس منتظمہ مدرسہ اسلامیہ جماعت میمنان ۲۲ صفر ۱۳۳۹ھ

الحمدللہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ و حبیبہ سیدنا وسید المرسلین محمد واٰلہ الطیبین الطاھرین وصحبہ اجمعین۔	سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور درود وسلام اس کے رسول اور اس کے حبیب پر ہو جو ہمارے آقا اور رسول کے سردار ہیں جو کہ محمد کریم ہیں اور ان کی پاک صاف اولاد پر اور ان کے تمام ساتھیوں پر۔(ت)

فامابعد! کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان ومسند آرایان شرع متین حضرت سیدنا وسید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس باب میں کہ:

(۱) آج کل کی شورشہائے سیاسی میں ہندوستان کے اہل اسلام کو ارباب حکومت ہند سے شرعًا قطع علائق ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس حد تک؟

(۲) نیز ایک ایسے صوبہ میں جس کی قریبًا پچاسی فیصد آبادی اسلامی فلاحین اور کاشتکاروں

---

[1] درمختار کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

پر مشتمل ہے جن کے سالانا محاصل اراضی کا ایک حصہ تعلیمی امداد کے ذیل وصولی کرکے پھر سے حصہ رسدی اور بلا تفریق مذہب وملت ومدارس مروجہ امدادیہ کو تقسیم کیا جاتا ہے۔آیا اس حصہ رسدی امداد سے جو ایک طرح سے اپنی ہی رقم ادا کردہ کا حصہ واپس کردہ ہے استفادہ کرنا شرعا جائز ہے یا ناجائز، خصوصا ایسے مدارس ومکاتب کے لئے جو کامل اسلامی اہتمام کے ماتحت جاری ہیں اور جن کے دینی ومذہبی شعبہ تعلیم پر ارباب حکومت ہرگز کسی نہج معترض نہیں ہوتے اور جن کے نصاب تعلیم کا سرکاری حصہ مروجہ تعلیم بھی کسی خفیف سے خفیف شائبہ موانع شرعیہ سے جزءً اوکلا پاک ہے مثلا کلام مجید، حدیث شریف، فقہ حنفِیہ وغیرہ کی تعلیم وتدریس کی پوری پوری آزادی کے پہلو بہ پہلو صرف علوم مروجہ مثل ریاضیات، تاریخ، جغرافیہ اور کتب اردو بھی اس اہتمام خاص کے ساتھ پڑھانے کی اجازت ہے کہ بجائے مقررہ مدارس گورنمنٹی کے کتب السلام پڑھائی جائیں جن کا بیشتر حصہ ارکان خمسہ اسلامی تشریح وتوضیح سے مملواور خالص ومستند اسلامی تاریخ مثل سریات وغزوات نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معمور ہے اس امداد سے متمتع ہونا شرعًا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) نیز بصورت جواز جو شخص (مسلمان) محض مشرکین ہنود سے خراج تحسین وآفرین حاصل کرنے کے لئے ایسے اسلامی مدارس کے لئے جن میں غریب ومفلس وکم استطاعت طلباء اور مساکین ویتامٰی کی تعلیم وتدریس دینی ودنیوی کا اہتمام مفت ہوتا ہو اور انھیں سال بھر میں دوبار سرد وگرم پوشاکیں بمناسبت موسم مفت بہبہ پہنچائی جاتی ہیں اور محض اللہ پاک کے بھروسہ پر اور کافی امدادی فنڈ کے بل بوتے پر ہی ان کی رہائش وخورش کا انتظام مناسب بھی زیر غور ہے نیز ان بیکس طلباء کو آئندہ اپنی تعلیمات دینی ودنیوی کے اس اہتمام کے یعنی اہتمام پابندی جملہ اشعار اسلام کے ساتھ جاری رکھتے ہیں للہ اور محض حسبۃ لوجہ اللہ ہر طرح کی ممکن امداد دی جاتی ہے اسی امدادی سرکاری سے دست کشی پر مجبور کرکے اسے نقصان صریح پہنچانا چاہتا ہو محض بایں خیال کہ چونکہ بعض مشرکین ہنود اسے ناجائز قرار دیتے ہیں لہذا یہ شرعا بھی ناجائز ہے۔اس کے باب میں شرعا کیا رائے ان کی درست ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) حکومت ہو یا رعیت ہند کی ہو یا کہیں کی، ہر شخص سے جتنا تعلق حدود شرعی سے باہر نہیں، اپنے تنوع احوال پر جائز یا مستحسن یا فرض ہے اور جو کچھ حد سے باہر ہو باختلاف احوال مکروہ یا ممنوع یا حرام ہے یہ حکم جیسا پہلے تھا اب بھی ہے جدید شورشوں نے جو نئے احکام جاری کئے بے اصل ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جو مدارس ہر طرح خالص اسلامی ہوں اور ان میں وہابیت نیچریت وغیرہما کا دخل نہ ہو ان کا جاری رکھنا موجب اجر عظیم ہے احادیث کثیرہ ان کے فضائل سے مملو ہیں، ایسے مدارس کے لئے گورنمنٹ

اگر اپنے پاس سے امداد کرتی ہے بلا شبہ اس کا لینا جائز تھا اور اس کا قطع کرنا حماقت خصوصا جبکہ اس کے قطع سے مدرسہ نہ چلے کہ اب یہ سدباب خیر تھا اور مناع للخیر پر وعید شدید وارد ہے، نہ کہ جب وہ امداد بھی رعایا ہی کے مال سے ہو، اب دوہری حماقت بلکہ دونا ظلم ہے کہ اپنے مال سے اپنے دین کو نفع پہنچانا بند کیا اور جب وہ مدارس اسلامیہ میں نہ لیا گیا گورنمنٹ اپنے قانون کے مطابق اسے دوسرے مدارس غیر اسلامیہ میں دے گی تو حاصل یہ ہوا کہ ہمارا مال ہمارے دین کی اشاعت میں صرف نہ ہو بلکہ اور کسی دین باطل کی تائید میں خرچ ہو کیا کوئی مسلم عاقل اسے گوارا کر سکتا ہے، ردالمحتار میں قبیل باب المرتد ہے:

وفی اواخر الفن الثالث من الاشباہ اذا ولی السلطان مدرسا لیس باھل لم تصح تولیتہ وفی البزازیۃ السلطان اذا اعطی غیر المستحق فقد ظلم مرتین بمنع المستحق واعطاء غیرہ اھ ففی توجیہ ھذہ الوضائف لابناء ھؤلاء الجھلۃ ضیاع العلم والدین و اعانتھم علی اضرار المسلمین [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	الاشباہ والنظائر کے تیسرے فن کے آخر میں ہے کہ اگر بادشاہ کوئی ایسا پڑھانے والا استاد مقرر کرے کہ جو قابل نہ ہو تو اس کا تقرر کرنا صحیح نہیں، اور فتاوٰی بزازیہ میں ہے کہ جب بادشاہ کسی غیر مستحق کو کچھ دے تو اس نے دگنا ظلم کیا، ایک یہ کہ مستحق کو نہ دیا، دوسرا یہ کہ غیر مستحق کو دے دیا (اھ) پس یہ وظائف اس قسم کے جاہلوں کو دینا علم اور دین کو ضائع کرنا ہے۔ اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانے پر ان کی مدد کرنا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) ظاہر ہے کہ اس کی یہ رائے باطل و مضر ہے اور مشرک کے کہنے کو شرع کا حکم ماننا سراسر خلاف اسلام ہے احمق جاہلوں نے آج کل مشرکین کو اپنا خیر خواہ سمجھ رکھا ہے۔ اور یہ صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب ہے اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے:

"لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾" [2]۔	وہ تمھاری نقصان رسانی میں گئی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے کہ تم مشقت میں پڑو بے شک عداوت ان کے منہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور وہ جو ان کے دلوں میں دبی ہے اور بڑی ہے بے شک ہم نے نشانیاں صاف بیان فرمادیں اگر تمھیں سمجھ ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۸۱

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۱

مسئلہ ۹۵ تا ۹۷: از سندیلہ ضلع ہردوئی مکان چودھری نبی جان صاحب مرسلہ مولوی مقیم الدین صاحب دامانی ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت وطریقت اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ ۱رابطہ شیخ بدعت اور شرک ہے اور نماز میں کفر ہے۔ اور مکتوب ۳۰ جلد ثانی مکتوبات امام ربانی صاحب کی یہ تاویل کرتا ہے کہ وہ حالت بے اختیار کی تھی اور بے اختیاری خیال نماز میں جائز ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ مذہب فرقہ اسمعیلیہ کا ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ قول زید کا حق ہے یا عمرو کا اگر قول عمرو کا حق ہے تو حکم کفر مطابق حدیث شریف زید پر عائد ہوگا یا نہیں؟ اور زید پر تعزیر شرعی آئے گی یا نہیں؟ زید چونکہ علم سے ناواقف ہو کر فتوی دے بیٹھا تو مورد حدیث **فافتوا بغیر علم فضلوا واضلو**[1] (پھر انھوں نے بغیر علم فتوی دیا تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ت) کا ہوگا یا نہیں؟

اگر کوئی ایسا کامل ظہور ہو کہ جس کے فیض سے علاوہ فوائد دینی ودنیوی کے صدہا لوگ نمازوں میں روتے نظر آئیں اگر کوئی اس فیض کو روکنے کی کوشش کرے تو مورد "**یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ**"[2] (اور وہ دوسروں کو اللہ تعالٰی کے راستہ سے روکتے ہیں۔ ت) کا ہوگا یا نہیں؟

۲دوسرا امر یہ کہ علماء سابق کہ جن کا تقوی ار تبحر علمی شہرہ آفاق تھا انھوں نے مسائل اختلافیہ فقہیہ میں ایک جانب کو راجح سمجھ کر عوام میں رائج اور شائع کردیا اور عوام میں بلحاظ فتنہ وفساد اس اختلاف کو ظاہر نہ کیا، اب اس زمانہ میں بعض علماء نے دوسری جانب کو عوام میں شائع کرکے فتنہ اور فساد میں ڈال دیا کہ اول تو عوام کہنے لگے کہ ہم کس کس مولوی کی مانیں کہ کوئی مولوی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے، دوسرا علمائے سابق کہ تقوی اور تبحر علمی میں مشہور تھے ان پر الزام غلطی کا لگا کر ضمناً راستہ جہنم کا دکھایا۔

۳تیسرے پہلے تو ذبح قبور اور ذبح فوق العقدہ اور ضاد ظا اور سنت فجر وغیرہ میں جھگڑا کرکے اناعتبار جمایا پھر رفع یدین اور جہر آمین تک بھی پہنچیں گے کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے تو جب ان علماء سابق سے تقلید چھڑائی حالانکہ ان کے دلائل ترجیح کی کتابوں میں موجود ہیں کہ بعض رسالہ صیقل میں راقم نے ذکر کئے ایسا ہی بڑے اماموں سے بھی تقلید چھڑا کر اپنا مقلد بنا کر چھوڑیں گے تو ایسے مولویوں کا کیا حکم ہے؟ المستفتی خاکسار محمد مقیم الدین دامانی

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۷/ ۴۵

الجواب:

دربارہ رابطہ قول عمرو حق ہے اور قول زید سراسر باطل۔رابطہ شیخ بلاشبہہ جائز و مستحسن وسنت اکابر ہے فقیر کا رسالہ "الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ" اسی مسئلہ کے بیان میں ہے عبارت مکتوبات کی تاویل کہ زید نے کی، تاویل نہیں، تحویل و تبدیل ہے۔اور اسے شرک وکفر کہنا مسئلہ وہابیت ہے۔اور وہابیہ خود مشرک وکافر ہیں، کسی شخص مسلم پر بلاوجہ شرعی حکم تکفیر بحسب ظواہر احادیث صحیحہ ونصوص صریحہ جمہور فقہاء خود قائل کے لئے مستلزم کفر ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقد باء بہ احدھما [1]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو "او کافر" کہے، تو وہ کفر دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ پڑتا ہے۔(ت)

اوراس پر ضرور تعزیر شرعی لازم ہے کہ حاکم اسلام کی رائے پر ہے سلطان اسلام یا اس کے مقرر کردہ حکام ضرب وحبس سے قتل تک اسے تعزیر دے سکتے ہیں، تعزیر ہم لوگوں کے ہاتھ میں نہیں، ہمارے پاس اسی قدر ہے کہ اس سے میل جول سلام کلام ترک کریں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنونکم [2]۔ و قال تبارک و تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾" [3]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) گمراہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ تمھیں گمراہ نہ کریں اور تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمہیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو(ت)

بے علم فتوٰی دینے والا اگرچہ جاہلوں کا مقتدا ہو تو ضرور حدیث فضلوا واضلوا (وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کا۔ت) کا مصداق ہے آپ بھی گمراہ ہوا اور انھیں بھی گمراہ کرے گا کہ صدر حدیث یوں ہے:

اتخذ الناس رؤسا جھالا	لوگوں نے جاہل سرداروں کو (سربراہ) بنالیا پھر

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱

[2] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا[1]۔	ان سے اسلامی مسائل دریافت کئے گئے تو انھوں نے بے علمی سے فتوے دیئے، خود بھی بھٹک گئے اور دوسروں کو بھی بہکا دیا۔(ت)

اور اگر مقتدائے دیگران نہ ہو تو اس حدیث سے کسی حال بچ کر نہیں جاسکتا کہ:

من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض[2]۔	جو بغیر علم کے فتوٰی دے آسمان وزمین کے فرشتے اس پر لعنت کریں۔(ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) نماز میں حضور قلب وخشوع وخضوع مغز مقصود واعز مطلوب ہے اگر واقعی کسی کامل کے فیض سے حاصل ہو جو شرائط اربعہ مشیخت کا جامع ہے تو اس سے روکنے والے بیشک "فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ"[3] (پھر وہ اوروں کو اللہ تعالٰی کی راہ سے روکتے ہیں۔ت) کے مصداق ہیں باطل یا ضعیف یا مشکوک مسائل پھیلا کر مسلمانوں میں اختلاف وفتنہ وفساد ڈالنا حرام ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بشروا ولاتنفروا[4]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بشارت دیا کرو، نفرت نہ دلایا کرو۔(ت)

جو بنا علم کسب شہرت کے لئے ایسا کرے عالم نہیں، عالم دین نائب رسول ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور مسلمانوں میں بلاوجہ شرعی اختلاف وفتنہ پیدا کرنا نیابت شیطان، حدیث میں ہے:

الفتنة نائمة لعن اللہ من ایقظھا[5]۔	فتنہ سورہا ہے اس کے جگانے والے پر اللہ کی لعنت۔

والعیاذ باللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰

[2] کنز العمال حدیث ۲۹۰۱۸ موسسة الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۶

[4] صحیح البخاری کتاب العلم ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یتخولھم بالموعظة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[5] کشف الخفاء حرف الفاء حدیث ۱۸۱۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۷۷

مسئلہ ۹۸: از قصبہ مالیگاؤں ضلع ناسک احاطہ بمبئی مسئولہ سیکریٹری انجمن ہدایت اسلام ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

بحضور ہادی متین مدظلہ العالی پس از سلام سنت والاسلام ہم چند دردمند مسلمانان قصبہ مالیگاؤں خدمت اقدس میں عرض پرداز ہیں کہ آیا گاندھی کو مہاتما کہنا جائز ہے؟ نان کوآپریشن میں ہم شریک ہوں یا نہیں؟ اور ہمارے مدرسہ میں گورنمنٹ سے گرانٹ ملتی ہے آیا ہمارے لئے اس کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ بات واضح رائے عالی ہے کہ گورنمنٹ مالگزاری کے ساتھ بطریق ابواب ہم لوگوں سے بنام نہاد تعلیم، ڈاکخانہ، سڑک، شفاخانہ وغیرہ وغیرہ روپیہ وصول کرلیتی ہے تو یہ روپیہ ہمارا ہی ہے جو ہم کو ملتا ہے۔ زیادہ ادب!

الجواب:

گاندھی خواہ کسی مشرک یا کافر بدمذہب کو مہاتما کہنا حرام اور سخت حرام ہے۔ "مہاتما" کے معنی ہے روح اعظم۔ یہ وصف سیدنا جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ہے۔ مخالفان دین کی ایسی تعریف اللہ عزوجل و رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلذلك العرش [1]۔ رواہ ابو یعلی فی مسندہ والبیھقی فی شعب الایمان عن انس وابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہا۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔ (ابویعلی نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس سے اس کو روایت کیا اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے روایت کیا۔ ت)

جب فاسق کی مدح پر یہ حکم اس مشرک کی مدح پر اور ایسی عظیم مدح پر کیا حال ہوگا، نان کوآپریشن کہ آج کل کے لیڈر بننے والوں نے نکالا محض بے بنیاد ہے شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں، شرع شریف میں ہر کافر سے مطلقاً ترک موالات کا حکم ہے۔ مجوس ہوں یا ہنود، نصارٰی یا یہود، خصوصاً وہابیہ وغیرہم مرتدین عنود، اور عام طور پر صاف ارشاد ہوا:

"لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ	مسلمان مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے اسے اللہ سے کچھ

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ سابق بن عبداللہ الرقی دارالفکر بیروت ۳ /۱۳۰۷، شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴ /۲۳۰

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ "[1]	علاقہ نہیں۔

اور صاف تر فرمادیا:

"وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ "[2]	جو تم میں ان سے دوستی کرے وہ انھیں میں سے ہے۔

ان ساختہ لیڈروں نے معاملت کانام موالات رکھ کر اسے تو مطلقاً حرام بلکہ کفر ٹھہرایا، اور مشرکوں سے موالات بلکہ اتحاد بابلکہ ان کی غلامی وانقیاد کو حلال بلکہ موجب رضائے الٰہی بنالیا ہر طرح اﷲ ورسول وشریعت پر سخت افتراء کیا، جس مدرسہ میں تعلیم خلاف شرع ہوتی ہو اور کسی طرح مخالفت شرع ہو وہ خود ہی ناجائز ہے اور ناجائز پر امداد لینی بھی ناجائز، ورنہ جو امداد نہ کسی امر خلاف شرع سے مشروط نہ اس کی طرف منجر ہو اس میں حرج نہیں خصوصاً جبکہ ہمارا ہی روپیہ ہم کو دیا جاتا ہے اسے حرام کہنا شریعت پر افتراء ہے۔

" اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ "[3]	جو لوگ اﷲ تعالٰی کے ذمہ جھوٹ لگاتے ہیں وہ کبھی بامراد نہیں ہوسکتے۔(ت)

مسائل موالات وامداد کے روشن بیان میں ہماری کتاب "المحجة المؤتمنه فی اٰیة الممتحنة" زیر طبع عـــہ ہے اس سے تفصیل معلوم ہوسکتی ہے۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹: از امروہہ محلّہ گذری مسئولہ سید خادم علی صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک طرف تو خلافت اسلامیہ کے دردناک مصیبت میں عالم اسلامی گھرا ہوا ہے اور مسلمانوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور دوسری طرف ہندوستان کے بعض مقامات پر مرزائیوں کا بعض مقامات پر شیعوں کا زور بڑھ رہا ہے وہ لوگ اہلسنت وجماعت سے مذہبی چھیڑ چھاڑ کررہے ہیں اور عوام کا بہکا کر اور مطاعن مذہب سنا سنا کر اکثر کو مذہب میں متشکک اور بعض کو بالکل برگشتہ بنارہے ہیں اور اس مقصد کے لئے ان کے یہاں بہت سی انجمنیں

عـــہ: فتاوٰی رضویہ کی جلد ۱۴ میں شامل اشاعت کردی گئی ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

قائم ہیں اور بہت سے رسائل موقت وشیوع وجاری ہیں ہزاروں روپیہ ماہوار وہ لوگ ان کاموں میں صرف کررہے ہیں آیا اس قت بحالت موجودہ اہلسنت کو وعظ کی مجالس قائم کرکے عوام کے خیالات کو صاف کرنے اور ان کو شکوک وشبہات سے بچانے کی غرض سے ان کا جواب دینا اور رد کرنا اور اگر فریق ثانی مباحثہ پر آمادہ ہو اور مطالبہ کرے تو اس کا انتظام کرنا چاہئے یا نہیں اور اگر چاہئے تو یہ کام فرض ہے یا واجب؟ مستحب یا ناجائز؟ اور اگر زمانہ حال کا لحاظ کرکے اس طرف سے چشم پوشی کی جائے تو یہ فعل جائز ہے یا ناجائز، اور بعض ایسے مخصوص مقامات پر جہاں ان لوگوں کا زور ہے ان کی مدافعت کے لئے دو ایک ٹوٹی پھوٹی انجمنیں بھی قائم ہیں اور وہ کبھی کبھی ان کا رد کرتی ہیں اب ان انجمنوں کا قائم رکھنا اور مدافت کرتے رہنا چاہئے یا ان کاموں کو ترک کردینا چاہئے اور اس وقت ان امور مس روپیہ صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لیڈران قوم جن میں کچھ مولوی بھی ہیں جو آج کل مسئلہ خلافت میں بڑے بڑے کام کررہے ہیں زمانہ موجودہ میں کسی رد وجواب اور بحث مباحثہ کو اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی کاموں میں اشتغال کو مسئلہ خلافت کے اہتمام میں مخل خیال فرماکر ناجائز فرماتے ہیں، ان کی یہ رائے صحیح اور ان کا یہ حکم قابل پابندی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

جب کوئی گمراہ بددین رافضی ہو یا مرزائی، وہابی ہو یا دیوبندی وغیرہم **خذلھم اللہ تعالٰی اجمعین** (اللہ تعالٰی ان کو بے یار و مددگار چھوڑے۔ت) مسلمانوں کو بہکائے فتنہ وفساد پیدا کرے تو اس کا دفع اور قلوب مسلمین سے شبہات شیاطین کا رفع فرض اعظم ہے جو اس سے روکتا ہے "**یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا**"[1] میں داخل ہے کہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔ اور خلافت کمیٹی کا حیلہ اللہ کے فرض کو باطل نہیں کرتا نہ شیطان کے مکر کو دفع کرنے سے روکنا شیطان کے سوا کسی کا کام ہوسکتا ہے۔ جو ایسا کہتے ہیں اللہ عزوجل اور شریعت مطہرہ پر افتراء کرتے ہیں مستحق عذاب نار وغضب جبار ہوتے ہیں۔ ادھر ہندو سے وداد واتحاد منایا، ادھر روافض ومرزائیہ وغیرہم ملاعنہ کا سد فتنہ ناجائز ٹھہرایا، غرض یہ ہے کہ ہر طرف سے ہر طرح سے اسلام کو بے چھری حلال کردیں اور خود مسلمان بلکہ لیڈر بنے رہیں،

"**وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ**"[2] (اور اللہ تعالٰی ظالم لوگوں کو راہ نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۷/۴۵

[2] القرآن الکریم ۲/۲۵۸

دکھاتا۔ت) مسلمانوں پر فرض ہے کہ ایسے گمراہوں، گمراہ گرو، بے دینوں کی بات پر کان نہ رکھیں، ان پر فرض ہے کہ روافض و مرزائیہ اور خود ان بے دینوں یا جس کا فتنہ اٹھتا دیکھیں سد باب کریں، وعظ علماء کی ضرورت ہو وعظ کہلوائیں، اشاعت رسائل کی حاجت ہو اشاعت کرائیں، حسب استطاعت اس فرض عظیم میں روپیہ صرف کرنا مسلمانوں پر فرض ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما ظھرت الفتن اوقال البدع فلیظھر العالم علمه ومن لم یفعل ذٰلك فعلیه لعنة الله والملئکة والناس اجمعین لایقبل الله منه صرفا ولاعدلا[1]۔	جب ظاہر ہوں فتنے یا فساد یابدمذہبیاں اور عالم اپنا علم اس وقت ظاہر نہ کرے تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے۔اللہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل،

جب بدمذہبوں کے دفع نہ کرنے والے پر لعنتیں ہیں تو جو خبیث ان کے دفع کرنے سے روکے اس پر کس قدر اشد غضب ولعنت اکبر ہوگی۔

"وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۝۲۲۷"[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور ظالم جلدی جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۰تا۱۰۲: از اجکوٹ کاٹھیاوار مسئولہ قاضی سید عبدالاول صاحب سنی حنفی ۱۳جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو مشرک کا لکچر مسجد میں ہو اور سننے کو مشرک اور مسلمان مسجد میں جمع ہوں اور تالی اور جے اور اللہ اکبر کے نعرے بلند کریں، توآیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ زید کہتا ہے کہ یہ جائز ہے اور علمائے دین نے فتوی دیا ہے اس بابت دہلی وغیرہ شہروں میں ایسا ہوا ہے۔

(۲) اور اس روز جمعہ تھا تو جائے نماز اور مصلی وغیرہ بچھے ہوئے تھے اور اس کے اوپر کھلے پیر پھرنے والے مشرک پیر دھوئے بغیر پھرتے رہے تو اب یہ جائے نماز اور مصلی دھو کر پاک کئے جائیں یا نہیں؟

(۳) اور مولی شوکت علی و محمد علی اور گاندھی وغیرہ خلافت کے نام کا جو چندہ کررہے ہیں اس چندہ میں

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۷ ۱۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۲۱ وصحیح البخاری ۲/ ۱۰۸۴

[2] القرآن الکریم ۲۶ /۲۲۷

روپیہ دیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاور اجر وثواب پاؤ۔ت)

(نوٹ): یہاں پر راجکوٹ میں ایک گاندھی کا چیلا آیا ہوا ہے اور لکچر کرکے ہنود مشرک اور مسلمان کو ایک کرنا چاہتا ہے اور مسلمان کثرت سے شامل ہورہے ہیں اور مالی امداد بھی دے رہے ہیں اور آئندہ بھی خوف ہے کہ مسجد میں لکچر ہوں گے للہ آپ بہت جلد اس مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں تاکہ اس خرافات کا بندوبست ہو۔

الجواب:

(۱) یہ حرام حرام سخت حرام ہے، توہین مسجد ہے۔ تعظیم مشرک ہے۔ تذلیل اسلام ہے۔ جہاں ہوا ابلیس کے فتوے سے ہوا کسی مسلمان عالم اسلام نے اس کے جواز کا فتوٰی نہ دیا، اور جو پابندی اسلام سے آزاد اور کفر ابلیس کے غلام ومنقاد ہوں نہ وہ قابل فتوٰی نہ ان کے بکنے پر التفات روا۔ **والتفصیل فی المحجۃ المؤتمنۃ فی اٰیۃ الممتحنۃ** (اس کی تفصیل رسالہ **المحجۃ المؤتمنۃ فی اٰیۃ الممتحنۃ** میں بیان کی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) کتا اگر جانماز پر چلا جائے اور اس کے پاؤں اور جانماز دونوں خشک ہوں تو بالاتفاق اس کا دھونا لازم نہیں آتا تو مشرکوں کے یوں پھرنے سے مسجد کو توہین ضرور ہوئی مگر مصلّی ناپاک نہ ہوئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) گاندی کو امام بنانا ہندوؤں مشرکوں سے اتحاد منانا سخت سے سخت حرام کبیرہ ودشمنی اسلام ہے۔ اسلام کی بیخ کنی کے لئے چندہ دینا کسی مسلمان کا کام نہیں۔

قال اللہ "فَسَيُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ حَسۡرَةً ثُمَّ يُغۡلَبُوۡنَ ۬ؕ"[1]۔	یعنی اس وقت تو مال دے رہے ہیں پھر قیامت میں اس دینے کی حسرت اٹھائیں گے ہاتھ چاٹیں گے کہ مال بھی دیا اور خدا کا غضب بھی سر پر لیا پھر مغلوب ومقہور کرکے جہنم میں پھینک دئے جائیں گے۔

ترکوں کی حمایت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کا نام دھوکے کی ٹٹی بنا رکھا ہے۔ صاف چھاپ چکے ہیں کہ اگر ترکی مسئلہ حسب خواہش فیصل بھی ہوجائے جب بھی ہماری کوشش برابر جاری رہے گی جب تک گنگا جمنا کی مقدس زمینیں آباد نہ کرالیں، صاف چھاپ چکے ہیں کہ اگر ترک بھی ہندوستان پر چڑھ آئیں تو ہم ان سے بھی لڑیں گے تو اصل غرض ہندوؤں کی جے منانا اور گنگا جمنا کی زمینوں کو مقدس کرانا ہے ایسی کفری غرض کے لئے چندہ دینا اسلام کی دشمنی اور اللہ واحد قہار کی سخت ناراضی ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۸/ ۳۶

مسئلہ ۱۰۳: ضلع بھاگلپور ڈاک خانہ سبور موضع ابراہیم پور مسئولہ محمد شریف عالم صاحب ۱۵ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید، عمرو، بکر تین اشخاص ہیں جن کی تعریف ذیل میں درج ہے:

(۱) زید ایک وہابی کافر مرتد شخص ہے۔

(۲) عمرو ایک پکا سنی خوش عقیدہ مسلمان ہے لیکن زید مذکور کے مکان پر جاتا آتا ہے۔اس سے ہم کلام ہوتا ہے اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے لیکن زید مذکور کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اور نہ مناکحت کرتا ہے بلکہ اس سے عقیدہ و نفرت رکھتا ہے اور اس کے کفر میں شک نہیں کرتا،ایسی صورت میں کیا عمرو بھی مثل زید کے عندالشرع وہابی کافر مرتد ہوجائے گا یا صرف فاسق گنہگار ہوگا یا کچھ بھی نہیں؟

(۳) بکر ایک پکا سنی خوش عقیدہ مسلمان ہے اور زید مذکور کے نہ مکان پر آتا جاتا ہے۔نہ اس سے گفتگو کرتا نہ اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے نہ زید مذکور کے پیچھے نماز پڑھتا اور مناکحت کرتا ہے بلکہ اس کو کافر مرتد سمجھتا اس کے کفر میں شک نہیں کرتا اس سے نفرت دینی و دنیوی ہر دو پہلو رکھتا ہے ہاں عمرو مذکور سے جو پکا سنی صحیح العقیدہ ہے راہ ورسم رکھتا ہے اس سے ہم کلام ہوتا ہے اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے اس کے گھر پر جاتا آتا ہے۔ایسی صورت میں کیا بکر مذکور مثل زید کے عندالشرع وہابی کافر مرتد ہوجائیگا یا صرف فاسق گنہگار ہوگا یا وہابی اور نہ فاسق ہوگا بلکہ مسلمان صحیح العقیدہ رہے گا، صورت مذکورہ بالا نمبر ۲ و نمبر ۳ کا جواب بالتفصیل ارقام فرمائیں۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں عمرو بکر دونوں سنی مسلمان ہیں ان میں کوئی کافر یا گمراہ نہیں مگر عمرو فاسق گنہگار ہے کہ مرتد سے میل جول رکھتا ہے۔

وقد قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"[1]۔وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[2]۔	اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:(لوگو!)ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی،اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:ان سے بچو،کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں اور تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۱۱ /۱۱۳

[2] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۰

اور بکر کا عمرو سے ملنا اگر بربنائے مصلحت شرعیہ ہو کہ اس سے امید ہے کہ اس کی نصیحت مانے اور زید سے ملنا چھوڑ دے تو حرج نہیں ورنہ نامناسب ہے خصوصا اس حالت کہ بکر کوئی اعزاز علمی و دینی رکھتا ہو کہ ایسے کو فاسق سے بے ضرورت اختلاف مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یکرہ للمشهور المقتدٰی به الاختلاط الی رجل من اهل الباطل والشر الابقدر الضرورة لانه یعظم امرہ بین ایدی الناس ولوکان رجلا لایعرف یداربه لیدفع الظلم عن نفسه من غیر اثم فلا باس به کذا فی الملتقط [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جو شخص مشہور ہو اور لوگوں کا پیشوا ہو اسے اہل باطل اور صاحب شر لوگوں سے میل ملاپ رکھنا مکروہ ہے۔ہاں اگر قدرے ضرورت کی اجازت ہے کیونکہ لوگوں میں اس کی شان معظم ہے لیکن اگر کوئی شخص غیر معروف ہو تو اس سے مصالحت رکھنا تاکہ اپنی ذات سے بغیر گناہ ظلم کا دفاع ہو جائے اور اس میں کوئی حرج نہیں، فتاوٰی ملتقط میں اسی طرح مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از شہر محلّہ ذخیرہ چاہ چڑ یماراں مسئولہ شمشیر علی قادری رضوی ۱۱رجب المرجب ۱۳۳۹ھ

حضور پر نور اعلحضرت قبلہ وکعبہ دام برکاتہم، حضور! یہ جلسہ وہابیوں ک جو ۲۴، ۲۵، ۲۶، مارچ کو متصل مسجد نومحلّہ ہونے والا ہے اس میں اہلسنت وجماعت خصوصا حضور کے مریدین کو جلسہ مذکور میں شریک ہونا جائز ہے یا ناجائز؟ اہل وہابیوں وہاں جائیں گے، ایسے جلسے میں جہاں وہابی ہوں ہم اہلسنت وجماعت کو جانا جائز ہے یا ناجائز؟ امید کہ حضور اپنے مہر اور دستخط سے مشرف فرمائیں تاکہ ہم اہل السنت والجماعت شریک ہونے سے پرہیز کریں، بینوا توجروا (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)
شمشیر علی قادری رضوی محلّہ ذخیرہ چاہ چڑ یماراں بریلی نیاز محمد رضوی شمس الحسن رضوی ذخیرہ

الجواب:

وہ کہ وہابیہ ودیوبندیہ ومخالفان دین وغلامان مشرکین کا جلسہ ہو اس میں سنی کو شرکت کیسے حلال ہوسکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [2]۔	ان سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع عشرہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۶
[2] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے متوسلین کو بالخصوص تاکید ہے کہ یک لخت ایسے لوگوں سے دور رہیں تاکہ اپنے رب جل وعلااور اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نزدیک رہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۵تا۱۲۴: ازبدایوں مرسلہ عبدالماجد از نام حبیب الرحمٰن ۱۲رجب ۱۳۳۹ھ

(۱) خلافت ترک صحیح ہے یانہیں؟

(۲) خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کرنے والے کے لئے کیاحکم آیا ہے اس باغی سے قتال واجب ہے یانہیں؟

(۳) بادشاہ اسلام سے کوئی غیر مسلم حکومت جنگ کرے ممالک اسلامیہ پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر جس طرح ممکن ہو بادشاہ کی اعانت اور حکومت کو نقصان پہنچانا فرض ہے یانہیں؟

اہل اسلام کو یہ جائز ہے یانہیں کہ خلیفہ کے مقابلے میں کفار نصارٰی کی مالی امداد کریں

(۵) مسلمانوں پر یہ حرام ہے کہ یانہیں کہ حکومت نصارٰی کی فوج میں ملازم ہو کر اپنے برادران اسلام سے مقابلہ مقاتلہ کریں۔

(۶) شرعاان لوگوں کے واسطے کیاسزا مقرر ہے جو مخالف اسلام لشکر کے ساتھ شریک ہو کر عمداً مسلمانوں کو قتل کریں۔

(۷) نصارٰی کی وہ ملازمتیں جن میں خلاف شرع فیصلے کرنے پڑتے ہیں (مثلاً ڈپٹی کلکٹری وغیرہ) جائز ہیں یانہیں، ارشاد باری عزاسمہ:

"وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ(۴۴)"[1] "وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ(۴۵)"[2] "وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ(۴۷)"[3]	اور جو کوئی اللہ تعالٰی کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ کافر ہیں، اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں، اور جو اللہ کے اتارے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی لوگ نافرمان ہیں۔ (ت)

کے کیامعنٰی ہیں:

(۸) یونہی انریری مجسٹریٹی جس میں قانون کی پابندی لازم ہے اگرچہ وہ خلاف شریعت ہو جائز ہے

[1] القرآن الکریم ۵/۴۴

[2] القرآن الکریم ۵/۴۵

[3] القرآن الکریم ۵/۴۷

یا حرام؟ اور بموجب فرمان الٰہی:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪" [1]	گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ت)

مسلمانوں پر اس کا ترک واجب ہے یا نہیں؟

(۹) نصارٰی سے موالات جائز ہے یا نہیں؟ یونہی ان کی تعظیم درست ہے یا نہیں؟

(۱۰) یہاں مذہبی منافرت میں نصارٰی کا حکم ہنود سے سخت ہے یا نہیں؟

(۱۱) بڑے دن میں نصاری کو ڈالی دینا حرام ہے یا نہیں؟

(۱۲) کسی نصرانی حاکم یا شہزادے کے جلوس میں شرکت کیسی ہے؟ ایسے شخص پر جو اس جلوس میں شریک ہو لزوم کفر و تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم ہے یا نہیں؟

(۱۳) نصارٰی سے ترک معاملت بیع و شراء وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

(۱۴) مشرکین سے اس طور پر مدد لینا کہ کوئی بات خلاف شرع لازم نہ آتی ہو جائز ہے یا ناجائز؟

(۱۵) مسلمانوں کو علی گڑھ کالج کی امداد حرام ہے یا کیا؟

(۱۶) لڑکوں کو اس میں پڑھنا اور پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟

(۱۷) اس کی ملازمت کیسی ہے؟

(۱۸) جزیرۃ العرب خصوصاً مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ بالخصوص حرم شریف کے اندر مشرکین و یہود و نصارٰی کے داخل ہونے کی ممانعت ہے یا نہیں؟

(۱۹) جو شخص قصداً ان کو حرمین محترمین کے اندر داخل کرے اور اس کا باعث ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲۰) بلاد اسلامیہ و مقامات متبرکہ اور مساجد خصوصاً مسجد اقصٰی کا قبضہ ہو جانے یا بیحرمتی ہونے کی حالت میں مسلمانوں پر جلسے کرنا ریزولیوشن پاس کرنا وغیرہ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ترک اور تو نے کیا جانا کیا ترک۔ صدہا سائل سے حامیان دین متین اور حافظان بیضہ دین خادمان حرمین محترمین اور مالاًان قلب و عین ان کے اختیار نہ خلفاء کہ بیسوں خلفاء کہلانے والوں سے افضل و اعلٰی خیر خواہی و نصیحت اور بقدر قدرت اعانت کی فرضیت لفظ خلافت پر موقوف جاننا جہالت

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

اور اس کے لئے محض بلاوجہ احادیث متواترہ واجماع صحابہ واجماع تابعین واجماع ائمہ دین وعقیدہا جملہ اہلسنت وجماعت کارد کرنا اور خارجیوں معتزلیوں کا دامن پکڑنا ضلالت۔

(۲) یہ سوال اول پر متفرع تھا۔

(۳) جو جس قدر پر قادر ہو شرع اسی قدر کا اسے حکم فرماتی ہے اس سے آگے بڑھانا شرع پر زیادت اور اللہ پر افترا اور مسلمانوں کی بدخواہی ہے۔

(۴) لفظ خلیفہ سائل نے حماقۃً بڑھایا کیا سلطنت اسلام کی بدخواہی میں حرج نہیں رسیدیں دیں مددیں دیں چندے دئے، طبّی وفد کا سامان کہ جنگ بلقان میں مسلمانوں نے ترک کے لئے خریدا تھا گورنمنٹ کو دے دے جو بمقابلہ ترک استعمال میں آیا۔

(۵) مسلمان بادشاہ کی فوج میں بھی نوکر ہو کر خواہ بے نوکری مسلمانوں سے مقاتلہ کسی حال میں جائز نہیں مگر باغیوں خارجیوں وامثالہم سے تو اہل خلافت کمیٹی جن کا مقولہ ہے کہ ہم ہندی قوم پرست ہیں ہمارا فرض ہے کہ ترکی بھی ہندوستان پر چڑھائی کرے تو ہم اس کے خلاف تلواریں اٹھائیں، خلافت کمیٹی کے طور پر بھی کافر وخارج از اسلام ہیں۔

(۶) اس کا جواب جواب سابق سے واضح ہے۔ سب جانتے ہیں کہ عمداً قتل ناحق مسلم اشد کبائر سے ہے اگرچہ لشکر مسلمین کے ساتھ ہو اس کی سزا اگر پارٹی دے سکتی ہے تو پہلے اپنے لیڈروں کو دے جن کا قول مذکور ہوا۔

(۷) شرع مطہر کا حکم عام ہے اسلامی ریاست خواہ اسلامی سلطنت کی بھی وہ ملازمت جس میں خلاف شرع حکم کرنا ہو جائز نہیں، قصداً خلاف شریعت حکم کرنا اگر براہ عناد یا استحسان یا استحلال مخالفت یا استخفاف حکم شریعت ہو کفر ہے ورنہ ظلم وفسق، اور یہ کچھ ملازمت ہی پر موقوف نہیں، نہ مقدمات سے خاص ویسے ہی جو شخص خلاف **ما انزل اللہ** حکم کرے گا انھیں صورتوں پر کافر، ظالم، فاسق ہے جیسے یہ لوگ کہ ہندوؤں سے اتحاد منا رہے ہیں، ان سے استمداد کر رہے ہیں ان سے بھائی چارہ گانٹھ رہے ہیں انھیں رہنما اور آپ ان کے پس رو بن رہے ہیں معاملہ دینی میں ان کی اطاعت کر رہے ہیں جو وہ کہتے ہیں وہی مانتے ہیں انھیں مسجدوں میں لیجا کر مسلمانوں کا واعظ بناتے ہیں ان کی خاطر شعار اسلام بند کرتے ہیں ان کے معاہد وحلیف بنتے ہیں انھیں اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ کہ تمام لیڈر بننے والے ان میں مبتلا ہیں اور انھیں باتوں کا عوام کو حکم دیتے ہیں سب انھیں آیات **کفرون، ظلمون، فٰسقون** کے تحت میں داخل ہے کہ یہ سب باتیں خلاف **ما انزل اللہ** ہیں۔

(۸) اس کا جواب جواب سابق سے واضح۔

(۹) موالات کسی غیر مسلم بلکہ کسی غیر سنی سے جائز نہیں، مجرد دنیوی معاملات سوائے مرتد سب جائز ہے ہنود وہابیہ ودیوبندیہ سے جو موالاتیں خلافت کمیٹی والے کر رہے ہیں وہ سخت حرام وتباہی دین وموجب لعنت رب العالمین ہے کتابیوں سے بدتر مجوس ہیں، مجوس سے بدتر مشرکین ہے ں، جیسے ہنود مشرکین سے بدتر مرتدین ہے ں جیسے وہابیہ خصوصا دیوبندیہ سائلوں کی وہ پارٹی ہنود وہابیہ کی کیا کیا تعظیمیں کر رہی ہے جو حسب روشن تصریحات فقہائے کرام کفر ہے۔ کیا پارٹی زیر حکم شریعت نہیں یا مسئلہ تعظیم کفار سے ہنود وہابی، دیوبندی مستثنٰی ہیں، ہرگز نہیں، ہاں صورت ضرورت سلطنت مستثنٰی ہے **کما یفیدہ مافی المدارك والمفاتیح وغیرھما** (جیسا کہ مدارک اور تفسیر کبیر وغیرہ میں اس کا افادہ پیش فرمایا۔ت) خود قرآن عظیم اس استثناء پر دال۔ "**وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ**"[1] (اور اللہ تعالٰی فساد کرنے والے اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے۔ت)

(۱۰) مذہبی منافرت بحسب مراتب کفر وضلالت ہے۔ ہنود مشرک بت پرست ہیں اور شرک بدترین اصناف کفر سے ہے۔ تو ہنود ہی سے مذہبی منافرت اشد وآکد ہے۔ اور ہنود سے بھی سخت تر منافت کے مستحق وہابیہ دیوبندیہ ہیں کہ مرتدین ہیں لیکن ہندوؤں اور دیوبندیوں سے اتحاد منایا جارہا ہے، انھیں جگر کا پارا آنکھ کا تارا بنایا جارہا ہے۔ اسلام واحد قہار کے حضور تمھارا شاکی ہے۔

(۱۱) بڑے دن کا حکم پارٹی کے جگری بھائیوں کی ہولی دوالی سے خفیف تر ہے اور ماتھوں پر ہندوؤں سے قشقے لگوانا سب سے سخت تر۔ اگر ثابت ہو کہ یہ دن ولادت سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے تو بے شک شرع میں ہر نبی کا روز ولادت صاحب عظمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وجوہ فضیلت روز جمعہ سے پہلی وجہ یہی ارشاد فرمائی کہ اس میں تخلیق سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئی، صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر یوم طلعت علیه الشمس یوم الجمعة فیه خلق اٰدم[2]	حدیث سب سے بہتر دن کہ جس پر سورج طلوع ہوا ہو روز جمعہ ہے۔ اس میں حضرت آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پیدا کئے گئے۔ الحدیث (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] صحیح مسلم کتاب الجمعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۸۲

ابن ماجہ نے ابولبابہ ابن عبدالمنذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان یوم الجمعۃ سید الایام واعظمھا عند اللہ تعالٰی فیہ خمس خصال خلق اللہ فیہ اٰدم [1]۔	یقینا روز جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ تعالٰی کے نزدیک ان سب سے عظیم تر ہے۔اس میں پانچ خصلتیں ہیں۔ایک یہ کہ اس میں اللہ تعالٰی نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا۔(ت)

اگر کوئی اس نکتے سے غافل ہو کر(جس سے آج بڑے بڑے لیڈر بننے والے اور تمام عوام غافل ہیں کہ شرع مطہر میں تاریخ قمری معتبر ہے نہ کہ شمسی، علماء نے فرمایا اپنے معاملات میں بھی مسلمانوں کو اس کے اعتبار کی اجازت نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ" [2]۔)	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: یقینا مہینوں کا شمار اللہ تعالٰی کے نزدیک بارہ مہینے ہیں نوشتہ الٰہی میں، جب سے اس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے، ان میں چار عزت وحرمت رکھتے ہیں اور یہی ٹھیک دین ہے۔(ت)

اسے روز ولادت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام جان کر بہ نیت تعظیم نبوت نہ کہ بہ نیت تشبہ نصارٰی تعظیم کرے، وہ ہرگز ہولی دوالی کی تعظیم مثل نہیں ہوسکتا کہ وہ اسی غفلت نکتہ کے باعث غلطی ہوئی، اور یہ کفر ہے، تنویر الابصار میں ہے:

الاعطاء باسم النیروز والمھر جان لایجوز وان قصد تعظیمہ یکفر [3]۔	نیزور اور مہرجان کے نام پر کچھ دینا جائز نہیں، اگر ان کی تعظیم کا ارادہ کرے تو کافر ہوجائے گا۔(ت)

پھر ڈالی والوں کی نیت بوجہ سلطنت خوشامد ہوتی ہے جس میں کسی نہ کسی وجہ پر عوام کو ابتلاء ہے اور خود لیڈر بننے والوں کو اب تک یا آج سے پہلے کل تک تھا بلکہ غناء کے سبب خوشامد مسلمان امراء کے ساتھ

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیھا باب فی فضل الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۷

[2] القرآن الکریم ۹/ ۳۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۰

کب رواہے،

من تواضع لغنی لاجل غناہ ذھب ثلث دینہ [1]۔	جس نے کسی مالدار کی اس کے سرمایہ دار ہونے کی وجہ سے عزت وتواضع کی اس کا دو حصے دین ضائع ہوگیا۔(ت)

اس سے بچتے ہیں تو وہی بچتے ہیں جن کو اللہ عزوجل نے نعمت زہد وقناعت ومجانبت امراء عطافرمائی ہے "وَ قَلِیۡلٌ مَّا ہُمۡ" [2] (اور وہ بچنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ت)

یوں بھی تحائف ہوولی ودوالی ناجائز تر ہیں کہ بلاوجہ کفار کی طرف میل ہیں خصوصا جب اس اتحاد ملعون کے سبب ہوں جس کی آگ نے آج مشتعل ہو کر ان لوگوں کا دین یکسر پھونک دیا۔

(۱۲) عجب کی وہ پارٹی جسے عمر بھر ایسی ہی باتوں اور ان سے زائد میں ابتلا رہا اور ہنود کے ساتھ بہت اخبث واخنع ہیں اب علانیہ مبتلا ہے ایسے سوال ان بندگان خدا سے کرے جن کو ہمیشہ تلوث دنیا سے بکرمہ تعالٰی محفوظ رکھا ایسے افعال اگر بضرورت صحیحہ ہوں محذور نہیں اور خوشامد سلطنت کے لئے ہوں جب بھی شرکت کفر نہیں کہ لزوم کفر ہو، آگے حکم وفرق اسی طرح ہیں جو ابھی گزرے خوشامد سلطنت نہ اضطرار ہے نہ مفید دین ٹھہرا کر خالص طیب قلب سے استحسان واختیار. بخلاف پرستش جلوس گاندھی وغیرہ مشرکین کہ اس اتحاد ملعون کی بنا پر ہے جسے بہبود دین بنا کر غایت درجہ استحسان میں بتایا جاتا ہے تو وہ ضرور شرکت کفر ہے۔اور اس پر لزوم کفر اور تجدید ایمان ونکاح کا حکم،ہاں جسے نہ یہ اتحاد منظور تھا نہ تعظیم شرک مقصود محض بطور تماشا جلوس گاندھی میں شریک ہوا اس پر بھی لزوم کفر نہیں،البتہ اتنا کہا گیا اور یہ ضرور حق ہے کہ حرام فعل کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے۔

(۱۳) معاملات مجردہ مثل بیع وشرائے اشیاء مباحہ شرع نے کسی خاص قوم سے واجب کئے نہ حرام، مباح کا فعل وترک یکساں ہے جب تک خارج سے کوئی وجہ داعی یا مانع نہ پیدا ہو مگر کسی امر مباح کو شرعا فرض ٹھہرا لینا جائز جیسا پارٹی والے کررہے ہیں یہ قطعاً حرام اور شریعت مطہرہ پر افتراء واتہام ہے

(۱۴) ان مشرکین سے دین میں مدد لینی ہی حرام ہے۔ کوئی بات خلاف شرع لازم نہ آنا کیا معنی، اس کی تفصیل المحجۃ المؤتمنہ میں ہے:

(۱۵و۱۶) کالج ہو یا مدرسہ اگرچہ کیسا ہی دینی کہلاتا ہو اعتبار تعلیم کا ہے اگر اس میں دین اسلام یا مذہب اہلسنت یا شریعت مطہرہ کے خلاف تعلیم دی جاتی تلقین کی جاتی ہے تو اس کی امداد بھی حرام

---

[1] کشف الخفاء حدیث ۲۴۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۲۱۵

[2] القرآن الکریم ۳۸ /۲۴

اوراس میں پڑھناپڑھوانا بھی حرام، علی گڑھ کالج زمانہ پیر نیچر میں ان باتوں کا معدن تھااور اب اس کی حالت جہاں تک معلوم ہے عام کالجوں کی ہے مسلمانوں بچوں کو زندیق وبے دین بنانے کی خاص لگاتار جان توڑ کوشش جو پیر نیچر کو تھی ظاہراً اب اس میں اس کا جانشین کوئی نہیں۔ایک انگریزی کی تعلیم گاہ ہے جس میں حساب، ریاضی، ہندسہ، جبر ومقابلہ وغیرہ علوم جائزہ کے ساتھ سائنس وجغرافیہ بھی پڑھائے جاتے ہیں کہ بعض کفریات پر مشتمل ہیں جس طرح درس نظامی کے عام مدارس میں فلسفہ قدیمہ پڑھاتے ہیں وہ کیا کفریات سے خالی ہے قدم زمانہ وقدم عقول وقدم افلاک وقدم انواع عناصر خالقیت عقول ومسئلة الواحد لای صدر عنه الاالواحد (اور یہ مسئلہ ہے کہ سے صرف ایک ہی صادر ہوتا ہے۔ت) فلاسفہ قدیم کا یہ خیال ہے) ونفی علم جزئیات وغیرہا کثیر کفریات کیا اس میں نہیں پھر اگر پڑھانے والے پڑھائیں اور پوری کوشش سے اس کا رد طلبہ کے ذہن نشین نہ کریں تو وہ سب نظامی مدارس علی گڑھ کالج ہی ہیں اور اگر علی گڑھ کالج کے معلم حرکت ارض وسکون شمس وغیرہا کفریات کا رد متعلّمین کے ذہن نشین کریں تو وہ بھی ایک مدرسہ نظامیہ کے رنگ پر ہے۔ہاں اب خصوصیت کے ساتھ تمام ہندوستان میں تعلیم کفر وتلقین ارتداد وسلب ایمان کا مرکز مدرسہ دیوبند ہے جو کمیٹی کے شیخ الہند اور بہت جو شیلے لیڈروں کا مرجع وماوی ہے یونہی دہلی، سہارن پور، میرٹھ، بریلی وغیرہا کے مدرسے جو اسی مدرسہ دیوبند کی فاسد شاخیں ہیں ان سب میں امداد قطعاً حرام اور پڑھناپڑھانا حرام قاطع اسلام، اب علی گڑھ کے متعدد پڑھے ہوئے مسلمان پائے لیکن دیوبند اور اس کی شاخوں کا رنگ جس پر چڑھا وہ اللہ ورسول کو گالیاں دینے والا مرتد ہی نظر پڑا۔

(۱۷) کالج ہو یا مدرسہ جس کی ملازمت اعانت کفر یا ضلال یا حرام کے لئے ہو باختلاف احوال کفر یا ضلال یا حرام ہے، اور جو ملازمت اس سے پاک ہو اس میں حرج نہیں، اور اگر کوئی عالم خدا شناس خداترس، سنی المذہب، حامی دین، ایسی جگہ تعلیم کی ملازمت اس نیت سے کرے کہ کفریات سے طلبہ کو بچاؤں گا ان کا رد ذہن نشین کروں گا گمراہی کی طرف نہ جانے دوں گا، اور ایسا ہی کرے تو اس کے لئے اجر عظیم ہے۔وہ بازار میں ذاکر کے مثل ہے کہ اموات میں زندہ ہے نہیں نہیں بلکہ جو موت کے منہ میں ہیں انھیں زندگی کی طرف لانے والا۔

(۱۸و۱۹) حرم شریف سے سائلوں کی مراد مسجد الحرام شریف ہے ورنہ مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ خود حرم ہیں بلکہ ان کے گرد وپیش کے جنگل بھی، مسجد الحرام شریف نہ صرف مسجد الحرام، کسی مسجد میں کسی کافر حربی کا لے جانا مطلقًا ناجائز ہے خصوصاً یہ ظلم جو اہل پارٹی نے متعدد مساجد کے ساتھ برتا کہ ان میں مشرکین کو بطور استعلاء لے گئے اور انھیں واعظ مسلمین بناکر مسلمانوں سے اونچا کھڑا کیا اور مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ

وسلم کے مسند پر جلوہ دیا یہ خاص وحی شیطان ومخالف دین وایمان ہوا پھر اسکی حلت پر زور دینا اور اغوائے مسلمین کے لئے اس کے جواز میں رسائل لکھنا صریح نیابت ابلیس اور اپنے باطنی کفر کی تلبیس ہے جزیرہ عرب شریف میں کفار کو ساکن ومتوطن کرنا ناجائز ہے مگر مدتوں سے سلاطین جہاں حدود وغیرہ احکام شرعیہ بدل دیئے اس حکم پر بھی عامل نہ رہے تجارت وغیرہا کے لئے نہ آمد ورفت ممنوع نہ اس کی اجازت مدفوع۔

(۲۰) جلسے اور ریزولیوشن اگر معاملہ مسجد کانپور میں کئے جاتے تو ضرور امید منفعت تھی جس کا بیان "ابانۃ المتواری" سے واضح ہے۔ملک اور وہ بھی اتنا وسیع اور وہ بھی مسلمانوں کا اور وہ بھی نصارٰی سے محض چیخ وپکار کی بناء پر واپس مل جانا کسی طرح قرین قیاس نہیں، شرع مطہر مہمل بات فرض نہیں کرتی، ہندوستان یا ذرا سا لکھنو ہی واپس لینے کے لئے لیڈر بننے والوں میں جن جن کے باپ دادا اہل علم تھے انھوں نے کتنے جلسے کئے کتنے ریزولیوشن پاس کئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۵: از بھاگلپور مسئولہ عظمت حسین صاحب پیشکار سب جج، ۷رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک شخص پکا سنی ہے اور اس کے یہاں برادری کی قید ہے اور چند لوگ اس کی برادری کے پکے وہابی ہیں، ان وہابیوں کی چند عورات زید سنی کے یہاں آیا کرتی ہیں اور زید ان کی پوری خاطر مدارات کرتا ہے اور پلاؤ قورمہ پکا کر کھلاتا ہے مطابق فتوی حسام الحرمین کے زید سنی رہا یا وہابی ہوگیا؟ آیا اسلام میں اس کے کسی قسم کا فرق آیا یا نہیں؟ دائرہ اسلام کے اندر رہا یا خارج ہوگیا؟ بیان زید یہ ہے کہ ہم اس کے عقیدہ کو برا سمجھتے ہیں مگر بخیال رشتہ کے اس کی خاطر کرتے ہیں بینوا توجروا

الجواب:

اگر فی الواقع زید اس کے مذہب کو برا اور وہابیہ کو کافر جانتا ہے تو وہ اس حرکت سے وہابی تو نہ ہوا مگر گنہ گار فاسق ضرور ہوا، اس پر توبہ لازم ہے اور آئندہ احتیاط فرض،برادری ہی کب رہی جب دین مختلف ہے۔اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۲۳"[1]	اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی پکا ظالم ہوگا۔

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتصاحب الا مؤمنا ولایاکل طعامك الاتقی، رواہ احمد وابوداؤد الترمذی [1] وابن حبان والحاکم باسانید صحیحۃ عن ابن سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رفاقت نہ کر مگر مسلمان سے، اور تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیز گار یعنی سنی، (امام احمد، ابوداؤد، جامع ترمذی، ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا، انھوں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت فرمائی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۶ تا ۱۳۶: از مہرونا گھاٹ ڈاکخانہ قصبہ لار ضلع گورکھپور مسئولہ شیخ عباس و شیخ غوث علی و شیخ فضل حسین و شیخ رخت علی زمینداران ۲۲ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ذیل کے مسائل میں، زید خیالات مندرجہ کی عام پر طور پر تبلیغ کرتا ہے جواب بحوالہ نام کتاب و عبارت وصفحہ وسطر درکار ہے۔

(۱) مشرک وکفار کے جنازہ میں مشایعت، کاندھا دینا اہل اسلام کے لئے نہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔

(۲) مساجد وعیدگاہ میں جلسہ وسبھا کرتا ہے اور تمام بت پرست بلاروک ٹوک آتے جاتے ہیں جس میں صدر جلسہ وسبھابت پرست مشرک ہوتا ہے عیدگاہ میں اس مشرک صدر کے لئے کرسی بچھائی جاتی ہے وہ اس پر بیٹھتا ہے اور نام کے اہل اسلام زمین پر ہوتے ہیں ستر عورت مشرکین کا عام طور پر کھلا ہوتا ہے جلسہ میں عام پر طور پر تالیاں بجتی اور مشرکین کے جے کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔

(۳) سوم بکرے کے گوشت کا نرخ چھ پیسے مقرر کیا ہے اس لئے کہ ارزاں دیکھ کر اہل السلام کھائیں اور گائے کے گوشت سے احتراز کریں اور کہتا ہے کہ جو اس مقرر نرخ سے زائد دام لے یا زائد دام سے خریدے وہ سوئر بیچتا ہے اور سوئر خریدتا ہے۔ اور جو نرخ مقرر سے زائد دام دے کر بکرے کا گوشت کھائے وہ سوئر کھاتا ہے۔

---
[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب من یؤمر ان یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۰۸، جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی صحبۃ المؤمن امین کمپنی کراچی ۲ /۶۲

(۴) شوالہ مندر میں جاکر لکچر دیتا ہے جس میں عالم اہل اسلام کو بھی شریک کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جیسے مسلمانوں کا قرآن ایسا ہنود کا وید ہے مسلمانوں کو قرآن پر اور ہنود کو اپنے وید پر عمل کرنا چاہیے،

(۵) ہزار داڑھی بڑھاؤ ہزار مسجد بناؤ مسلمان نہیں کچھ ثواب نہیں جب تک ہنود کے ساتھ میل جول کرکے ساتھ ہو کر مالک کی بہبود میں سعی نہ کرو دیس بھگت نہ بنو۔

(۶) مسلمانوں کے امور فیصلہ کے لئے پنچایت مقرر کی ہے جس میں ہنود سر پنچ و پنچ میں ہر قسم کے فیصلہ جات شرعی کو بھی ان پنچوں سے کراتا ہے۔ بعض مواقع پر اہل اسلام نے کہا کہ ہم لوگ فلاں معاملہ کا فیصلہ بحسب شریعت چاہتے ہیں اس میں بھی دیگر اہل اسلام پنچ کے ساتھ ایک مشرک ہندو کو پنچ بناکر شریک فیصلہ کیا جب اہل اسلام نے اس پر اعتماد کیا کہ ہندو شرعی معاملہ میں کیسے پنچ ہوسکتا ہے تو ناراض ہو کر اس ہندو کی خاطر سے بلا فیصلہ اٹھ گیا اور کہا کہ میں اس وقت تک شریک فیصلہ نہیں ہوسکتا جب تک ہندو کو بحیثیت پنچ شریک فیصلہ نہ کروگے۔

(۷) لوگوں کو ترغیب و تحریص کرتا ہے کہ ہندو بھائی کی خاطر سے گائے کا ذبح کرنا اس کا گوشت کھانا چوڑ دو، اور اگر کوئی چھپا کر دوسرے گاؤں سے گائے کا گوشت لاتا ہے۔ اس پر تشدد کیا جاتا ہے۔

(۸) باجود یہ کہ ہر گاؤں میں قیام کر موقع مسجد کے علاوہ دوسرے مکان اہل اسلام پر آسانی سے ممکن ہے اور ہر اہل اسلام مکان پر قیام کو کہتا بھی ہے لیکن مسجد میں قیام، بود و باش خورد و نوش رکھتا ہے اور ہر وقت مشرکین و عوام کا مجمع عام رہتا ہے جس میں ہر قسم کا فیصلہ مسلم و غیر مسلم ہوتا ہے۔

(۹) مسلمانوں سے محض دباؤ کے خیال سے ایک پرامیسری پرونوٹ ہر فیصلے سے پہلے رکھوالیتا ہے کہ بعد فیصلہ اگر فیصلے سے انکار کروگے تو یہ پرونوٹ کا روپیہ تم سے وصول کرلیا جائے گا یا نقد روپیہ جمع کراتا ہے اور اگر فیصلہ پنچی سے انکار کروگے تو یہ روپیہ سوخت ہوجائے گا، جس خیال کی تبلیغ کرتا ہے اس پر وہ ترک صلوٰۃ وارتکاب منہیات پر جرمانہ ایک مقدار میں وصول کرتا ہے۔

(۱۰) فیصلہ معاملات کے لئے جو لوگ درخواست پنچایت میں دیتے ہیں ان میں سے عہ ۴/ یا کم سے کم ۵/ رسوم وصول کیا جاتا ہے۔

(۱۱) اہل ہنود سے بلا کسی معاوضہ کے بناء مسجد کے لئے زمین لی ہے اور اس کی تعمیر میں بھی ان سے ہر قسم کی مدد لیتا ہے۔

الجواب:

(۱) زید شریعت مطہر پر افتراء کرتا ہے جلد بتائے کہ کہاں شریعت نے مشرک وکافر کے جنازے

کو کندھا دینا اور مشایعت کرنا ضروری بتایا ہے ورنہ کریمہ:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ" [1]	(لوگو! جو کچھ تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں اس کے متعلق یہ نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھو بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی کے ذمے جھوٹ لگاتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔(ت)

میں داخل ہونے کا اقرار کرے، حدیث میں تو روافض کے لئے فرمایا: **وذا ماتوا فلا تشھدوھم** [2] (اور جب وہ مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ میں حاضر نہ ہوں۔ت) نہ کہ کفار اگر اس کا حکم ہوتا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضرور جنازہ ابوطالب کی مشایعت فرماتے۔

(۲) یہ تعظیم مشرک ہے اور تعظیم مشرک کفر ہے۔ ظہیریہ واشباہ ودرمختار میں ہے: **تبجیل الکافر کفر** [3] (کافر کی تعظیم کفر ہے۔(ت) مشرک کا اس طرح مسجد میں لے جانا بلا شبہ حرام ہے۔ المحجۃ المؤتمنہ میں اس کی تفصیل تام ہے۔ اور مساجد وعیدگاہ میں ایسے جلسے اور سبھائیں حرام ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ان المساجد لم تبن لھذا** [4] (مسجدیں اس لئے تعمیر نہیں ہوئیں۔ت) مشرک کی جے پکارنا مشرک کا کام ہے رب عزوجل اس پر غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے **کما فی الحدیث** [5] **عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (جیسا کہ حدیث پاک میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے۔ت)

(۳) یہ اس کے منہ کا سوئر ہے، مسلمانوں پر اس کا کیا اثر ہے۔ وہ اس شریعت پر افترا گر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لاتسعرو** [6] (لوگو! قیمتیں مقرر نہ کرو۔ت) بلکہ اگر بیچنے والے اس کے جبر سے اتنا ارزاں بیچیں تو خریدنا اور کھانا حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] کنز العمال حدیث ۳۲۵۴۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۴۲، تھذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ حسین بن الولید السمین النیسابوری دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۹

[3] درمختار کتاب الحظر و الاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[4] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی کراھیۃ انشاد الضالۃ فی المسجد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۸

[5] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

[6] کشف الخفاء حدیث ۳۰۱۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۲۱

"اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]	مگر یہ کہ تجارت تمھاری آپس کی رضامندی سے ہو۔(ت)

(۴) مندر ماوائے شیاطین ہے۔اس میں مسلمانوں کو جانا منع ہے۔ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیة یکرہ للمسلم الدخول فی البیعة و الکنیسة حیث انہ مجمع الشیاطین قال فی البحر الظاھر انھا تحریمة لانھا المرادة عند اطلاقھم اھ فاذا حرم الدخول فالصلٰوۃ اولی[2]۔	فتاوٰی تاتارخانیہ میں ہے کسی مسلمانوں کو یہودیوں، عیسائیوں کے گرجوں میں جانا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ شیطانوں کے جمع ہونے کے مکانات ہیں،بحرالرائق میں فرمایاظاہر یہ ہے کہ یہاں کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے کیونکہ اطلاق کے وقت یہی مراد ہوا کرتی ہے اھ جب وہاں جانا حرام ہے تو پھر نماز پڑھنا بدرجہ اولٰی حرام ہے۔(ت)

جب اس میں یونہی جانا حرام ہے جن مقاصد فاسد کے لئے زید سا شخص لے جاتا ہو ان کا کا ذکر،قرآن عظیم کو مثل وید بتانا کفر ہے۔اور ہندوؤں کے وید پر عمل کا حکم کفر کفر ہے اور حکمِ کفر کفر ہے۔

عام کتب میں ہے:الرضا بالکفر کفر[3] (کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔ت)

(۵) مشرکین ہند سے میل جول حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی " وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ "[4]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی۔(ت)

حرام کو مدار اسلام بنانا کفر ہے۔والتفصیل فی المحجة المؤتمنة(اور تفصیل المحجۃ المؤتمنہ میں ہے۔ت)

(۶) یہ حرام ہے اور بحکم قرآن سخت ضلالت وبے دینی۔

قال اللہ تعالٰی "يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ "[5]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:وہ چاہتے ہیں کہ شیطان کے پاس اپنا فیصلہ لے جائیں حالانکہ انھیں حکم دیا گیا کہ اس کا انکار کریں حالانکہ شیطان چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں بہکادے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[3] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایةً مصطفی البابی مصر ص ۱۷۷

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[5] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

(۷) یہ حرام ہے۔ بدخواہی اسلام ہے۔ مشرک کی خوشی کو شعار اسلام کا بند کرنا حرام ہے۔ مسلمان پر اس کے جائز فعل کے سبب تشدد کرنا ظلم صریح اور شیطان کا کام ہے۔ خود ان کے بڑے لیڈر مولوی عبدالباری صاحب نے اپنے رسالہ ''قربانی گاؤ'' میں تصریح کردی ہے کہ ہنود کی خاطر یا مروت کے لئے گاؤکشی چھوڑنا حرام ہے۔ والتفصیل فی الطاری الداری (اور پوری تفصیل رسالہ مذکورہ الطاری الداری میں ہے۔ت)۔

(۸) مسجد میں سکونت وخورد ونوش سوائے معتکف کسی کو جائز نہیں، فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

یکرہ النوم والاکل فیہ لغیر المعتکف[1]۔	معتکف کے علاوہ کسی کو مسجد میں سونا، کھانا پینا مکروہ ہے۔(ت)

اور مشرکین کا مجمع توہین مسجد ہے۔ **وانظر المحجۃ المؤتمنۃ** (اور تفصیل **المحجۃ المؤتمنہ** میں دیکھئے۔ت)

(۹) وہ نوٹ لکھوانا یا روپیہ جمع کراکر ضبط کرنا یا گناہ پر مالی جرمانہ ڈالنا یہ سب حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) اپنے مال آپس میں ناجائز طور پر مت نہ کھاؤ۔(ت)

مالی جرمانہ منسوخ ہوگیا اور منسوخ پر عمل حرام ہے۔

(۱۰) یہ سنت نصارٰی اور شرعاً حرام ورشوت ہے اور رشوت لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الراشی والمرتشی کلاھما فی النار[3]۔	رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں دوزخی ہیں۔(ت)

(۱۱) کافر کی زمین پر مسجد تعمیر نہیں ہوسکتی، نہ وہ مسجد مسجد ہوگی، نہ مسجد وقف ہوگی۔

قال اللہ تعالٰی "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں۔(ت)

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکراھیۃ باب المسجد نولکشور لکھنؤ ص ۷۱

[2] القرآن الکریم ۲ /۱۸۸

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۰۷۷ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۶ /۱۱۳

[4] القرآن الکریم ۷۲ /۱۸

مسلمان اسے وقف نہیں کرسکتے کہ پرائی ملک ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

الواقف لابدان یکون مالکالہ وقت الوقف ملکا باتا[1]۔	کسی چیز کو وقف کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقف کرتے وقت اس چیز کا مکمل طور پر مالک ہو۔ (ت)

مسجد کے لئے کافر وقف نہیں کرسکتا کہ وہ اس کا اہل نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: شرک کرنے والوں کو لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کے گھروں کی تعمیر کریں۔ (ت)

ہاں اگر کافر کسی مسلمان کو اپنی زمین بیعا یا ہبۃ دے دیتا اور مسلمان کی ملک ہوجاتی وہ اپنی طرف سے وقف کرتا تو جائز تھا اور مشرک سے امور دینیہ میں مدد لینی بھی جائز نہیں، تفسیر ارشاد العقل و تفسیر فتوحات الٰہیہ زیر آیہ کریمہ "لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ" اولیاء (مسلمانوں کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ت) ہے:

نھوا عن موالاتھم وعن الاستعانۃ بھم فی الغزو و سائر الامور الدینیۃ[3]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	انھیں (مسلمانوں کو) کافروں کی دوستی سے روک دیا گیا اور غزوات اور تمام دینی کاموں میں کافروں سے مدد لینے کی ممانعت ہے۔ اور اللہ تعالٰی پاک اور برتر سب سے بڑا عالم ہے۔ اور اس بڑی شان والے کا علم زیادہ کامل اور زیادہ پختہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۷: از پوکھریرا محلّہ نور الحلیم شاہ شریف آباد مسئولہ ارکین انجمن نور الاسلام ۹ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس جلسہ میں وہابی، ندوی، نیچری، دیوبندی، ہندو مقرر، لکچرار، واعظ ہوں اور ان کا صدر دیوبندی وغیرہا یا ہندو ہوا ایسے جلسوں میں مسلمانان اہلسنت وجماعت

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۹

[2] القرآن الکریم ۹ /۱۷

[3] الفتوحات الٰھیہ تحت آیۃ لایتخذ المومنون الخ ۳ /۲۸ مصطفی البابی مصر ۱ /۲۵۷

کو شرعاً شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو مسلمان ایسے جلسوں میں شریک نہ ہو وہ خارج از اسلام ہے یا نہیں؟ اس سے ترک موالات کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایسے جلسوں میں شریک ہونا قطعاً حرام اور سخت مضر اسلام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[1]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔

اللہ تعالٰی ان کے پاس بیٹھنے کو شیطانی کام بتاتا ہے اور بھولے سے بیٹھ گیا ہو تو یاد آنے پر فوراً اٹھ آنے کا حکم فرماتا ہے نہ کہ ان کا وعظ ولکچر سننا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم[2]۔	ان سے دور بھاگو انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

نہ کہ انھیں مسند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بٹھانا، انھیں صدر یا واعظ بنانے میں ان کی تعظیم وتوقیر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام**[3]۔ جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی بے شک اس نے دین اسلام ڈھادینے پر مدد کی۔ فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر ومنح الغفار ودرمختار وغیرہا میں ہے: **تبجیل الکافر کفر**[4] کافر کی تعظیم کفر ہے۔ تو جو مسلمان ایسے جلسوں میں شریک نہ ہو وہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم مانتے ہیں اپنے اسلام کو دستبردِ کفار ومرتدین وشیاطین سے بچاتے ہیں، اس بناء پر جو ان کو خارج از اسلام بتاتا ہے خود خارج از اسلام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **فقد باء بھا احدھما**[5] جو کسی کو کافر کہے اگر وہ کافر

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۶۸

[2] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۰

[3] شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷ /۶۱

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵۱

[5] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۰۱

نہیں تو یہ کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے جو ان سے اس بناء پر ترک موالات کرے وہ ابلیس سے موالات کرتا ہے مسلمانوں کو اس سے ترک موالات چاہئے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ" [1]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمھیں دوزخ کی آگ چھوئے گی، اللہ تعالٰی کی پناہ اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۱۳۸: از بنارس محلّہ مدنپورہ متصل دہتوریاپورہ مسئولہ محمد امین ومحمد سلیمان ۱۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

شہر بنارس میں جس میں تاریخ کو آپ کا اشتہار جماعت رضائے مصطفٰی کی طرف سے بابت نکاح کے جو آیا ہے اس پر مخالف لوگ اعتراض کر رہے ہیں ہم لوگ بہت پریشان ہیں لہذا ہم نے دوسرے ہفتہ کو جو کاروبار بند کر دیا ہے یہ مسئلہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ بند کرنے سے ہم کو کلمہ پڑھنے کے بعد نکاح دوبارہ کرنے کی ضرورت ہوگی، اور ہم لوگوں کو خلافت کمیٹی سے حکم ہوا تھا کہ تم لوگ ہڑتال کردو یعنی اپنا کاروبار بند کردو جس میں سے کچھ لوگ مسجد میں دعا کرنے کے لئے گئے اور کچھ لوگ فضول ادھر ادھر گھومتے رہے، لہذا ہم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے موقع پر جو لوگ دعا مانگنے کے لئے گئے تو ان کے واسطے کیا مسئلہ ہے اور جو لوگ کہ فضول گھومتے رہے ان کے لئے کیا مسئلہ ہے۔ مگر خاص کہ ہڑتال کی وجہ سے بند تھا بالکل کاروبار، مہربانی فرماکر جواب سے جلد مشرف فرمایا جائے۔

الجواب:

مخالفوں کے اعتراض کی پرواہ نہ کیجئے، وہ تو قرآن وحدیث کو پیٹھ دے کر مشرک کے پیرو ہو لئے ہیں، مشرک کو اپنا رہنما بنالیا ہے۔ مشرک جو کہتا ہے وہی مانتے ہیں حالانکہ مشرک کی اطاعت کو قرآن مجید نے حرام فرمایا ہے۔ مشرکوں کا سوگ درکنار تین دن بعد مسلمان کا سوگ بھی صحیح حدیثوں نے حرام فرمایا ہے۔ مشرکوں کے سوگ میں بازار بند کرنا مشرک کی تعظیم ہے۔ اور کافر کی تعظیم کو فقہائے کرام نے کفر فرمایا ہے۔ مشرکوں سے اتحاد حرام وکفر ہے۔ مشرک کے حکم سے کاروبار بند کرنا حرام ہے۔ حرام کو حلال وخوب سمجھنا کفر ہے، جن لوگون نے مفسدوں کے مجبور کرنے سے دفع فتنہ کے لئے دکان بند کی ان پر تجدید اسلام ونکاح کا حکم نہیں کہ وہ اس پر راضی نہ تھے، ہاں یہ الزام ہے کہ بلا مجبوری خلاف شرع بات کرنے میں مجبور بن گئے اگر کوئی دس روپے چھیننا چاہتا ہے تو یوں سہل مجبور بن جاتے ہیں اور جن لوگوں نے خوشی سے بند کئے وہ سخت کبیرہ گناہ کے

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

مرتکب ہوئے، پھر اگر مشرک کا سوگ منانا یا مشرک کا حکم اس کی فرمانبرداری کو ماننا منظور تھا تو بیشک ان پر لازم ہے کہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں، اس کے بعد اگر اپنی عورتیں رکھنا چاہیں تو ان سے دوبارہ نکاح کریں، فضول گھومنا برا ہے، اور دعا اگر اچھی ہے خوب ہے مگر مشرک کا حکم ماننے کو دعا کرنا روزہ رکھنا رسالت میں شرک ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۹: از راندیر ضلع سورت ڈاکخانہ خاص مسئولہ جناب مولانا مولوی فقیر غلام محی الدین صاحب ۷ ۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کسی ضروری امر کے لئے سورت گیا قریب مغرب ایک مسجد میں پہنچا، امام نے گاندھوی خبثا کے لئے ہار بنائے تھے، اقامت ہونے کے سبب امامت تو مصلی پر کھڑا ہوگیا، یہ خبثا آئے تو اس شخص کو چند احباب نے گھیر کر کہا کہ یہ ہار پہنادو، ان احباب کے کہنے سے شخص مذکور نے ہار پہنا کر اپنی جان چھڑائی اور بعد میں اس امام کے پیچھے امام بلکہ اس مسجد ہی میں نماز نہ پڑھی، اس کے دل میں نہ امام کی عظمت نہ ان خبثا کی عزت، لیکن مجبوراً شرماشرمی ہار پہنائے ہیں، اس میں کچھ گناہ ثابت ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر و ثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

یہ ہار پہنانا عرفاً تعظیم ہے اور یہ لوگ فساق و گمراہ ہیں بلکہ ان میں بعض فنافی المشرکین ہوکر اسلام سے بھی گزر گئے، تعظیم فاسق ناجائز ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمة وقد وجب علیهم اهانته شرعاً[1]۔	چونکہ اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شریعت میں لوگوں پر اس کی توہین وتذلیل واجب ہے۔ (ت)

اور تعظیم کافر کو علماء کرام نے کفر لکھا ہے۔ درمختار وغیرہ میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا کفر لان تبجیل الکافر کفر[2]۔	اگر کافر کے احترام میں اس کو سلام کیا تو کافر ہوگا کیونکہ کافر کا احترام کفر ہے۔ (ت)

شخص مذکور نے اس امام کے پیچھے نماز نہ پڑھی بہت اچھا کیا مگر یہ ہار پہنانا اس سے بڑی خطا ہوئی توبہ فرض ہے منکر کا حکم دینے والے احباب نہ تھے نہ احباب کی خاطر کوئی شرعی مجبوری، ہاں

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامة والحدث فی الصلوٰة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

اکراہ کی حالت ہوتی تو معذوری تھی، **وھو تعالٰی اعلم** (اور اللہ سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۴۰: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

رئیس المحققین قاطع بیدین عمدۃ الامین دام لطفہ تسلیم کے بعد حضور انور کی خدمت اقدس میں غلامانہ عرض ہے کہ ایک مولوی صاحب نے ارشاد کیا ہے کہ جو شخص غیر مقلدین اور مرزائی کے ساتھ نشست برخاست کرے گا وہ کافر اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی حالانکہ نشست و برخاست ان کے ساتھ برائے امور دنیا ہے قرابت یا کسی امر ضروری کے سبب سے ان کے شریک مجلس ہونا ضروری پڑتا ہے ان کے افعال واقوال کو اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے تب بھی ان کی مجلس میں شرکت کفر ہے۔ اب جو حکم شرعی ہو بیان فرمائیں۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

وہابیہ وغیر مقلدین و دیوبندی و مرزائی وغیرہم فرقے آج کل سب کفار مرتدین ہیں ان کے پاس نشست و برخاست حرام ہے ان سے میل جول حرام ہے اگرچہ اپنا باپ یا بھائی بیٹے ہوں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸" [1] وقال تعالٰی "لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم لوگوں کو ایسا نہ پاؤ گے کہ جو اللہ تعالٰی اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان سے دوستی رکھیں کہ جنہوں نے اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ دادا یا انکے بھائی یا انکے قبیلہ کے لوگ ہوں۔(ت)

اور ان لوگوں سے کسی دنیاوی معاملت کی بھی اجازت نہیں، **کما بیناہ فی المحجۃ المؤتمنہ** (جیسا کہ ہم نے اسے اپنی کتاب **المحجۃ المؤتمنہ** میں بیان کردیا ہے۔ت) ان کے پاس بیٹھنے والا اگر ان کو مسلمان سمجھ کر ان کے پاس بیٹھتا ہے یا ان کے کفر میں شک رکھتا ہے اور وہ ان کے اقوال سے مطلع ہے تو بلاشبہ خود کافر ہے۔ فتاوٰی بزازیہ و مجمع الانہر و درمختار وغیرہا میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر [1]۔	جس نے ان کے عذاب اور کفر میں شک کیا تو بلا شبہ وہ بھی کافر ہوگیا۔(ت)

اور اگر ان کو یقینا کافر جانتا ہے اور پھر ان سے میل جول رکھتا ہے تو اگرچہ اس قدر سے کافر نہ ہوگا مگر فاسق ضرور ہے اور اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی قریب بحرام کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، اور معاذاللہ بالآخر اس پر اندیشہ کفر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح الصدور میں فرماتے ہیں ایک شخص رافضیوں کے پاس بیٹھا کرتا تھا اس کے مرتے وقت لوگوں نے اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کی، اس نے کہا نہیں کہا جاتا، پوچھا کیوں؟ کہا یہ دو شخص کھڑے ہیں یہ کہتے ہیں تو ان کے پاس بیٹھا کرتا تھا جو ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) کو برا کہتے تھے اب چاہتا ہے کہ کلمہ پڑھ کر اٹھے نہ پڑھنے دیں گے [2]۔ جب صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما) کو برا کہنے والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو یہ حالت ہے تو یہ لوگ تو اللہ جل وعلا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو برا کہتے ہیں ان کی تنقیص شان کرتے ہیں انھیں طرح طرح کے عیب لگاتے ہیں ان کے پاس بیٹھنے والے کو کلمہ نصیب ہونا اور بھی دشوار ہے۔ **نسأل الله العفو والعافية** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت چاہتے ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۱تا۱۴۳: مسئولہ مولٰنا مولوی احمد مختار صاحب میرٹھی مورخہ ۸ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ

ماقولکم ایها العلماء الکرام (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد گرامی ہے۔ت)

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی کو مجدد، مہدی، مسیح موعود اور پیغمبر صاحب وحی والہام ماننے والے مسلم ہیں یا خارج از اسلام اور مرتد؟

(۲) بشکل ثانی اس کا نکاح کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ یا ان کی ہم عقیدہ عورت سے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۳) بصورت ثانیہ جن عورات کا نکاح ان لوگوں کے ساتھ منعقد کیا گیا ہے ان عورات کو اختیار حاصل ہے کہ بغیر طلاق لئے اور بلاعدت کسی مرد مسلم سے عقد نکاح کرلیں، **بینوا اجرکم اللہ تعالٰی** (بیان کرو اللہ تعالٰی تمھیں اجر وثواب عطا فرمائے۔ت)

الجواب:

(۱) لا اله الا الله محمد رسول الله صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنے کا جو قائل ہو وہ تو مطلق کافر مرتد ہے۔ اگرچہ کسی ولی یا صحابی کے لئے مانے۔

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] شرح الصدور باب مایقول الانسان فی مرض الموت مصطفی البابی مصر ص ۱۶

قال اللہ تعالٰی "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ"[1] وقال صلی اللہ علیہ وسلم انا خاتم النبیین لانبی بعدی[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لیکن محمد کریم اللہ تعالٰی کے رسول ہیں اور سب نبیوں سے آخر ہیں، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: میں تمام انبیاء کرام سے آخر میں آیا لہٰذا میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (ت)

لیکن قادیانی توایسا مرتد ہے جس کی نسبت تمام علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ:

من شك فی کفرہ فقد کفر[3]۔	جس نے ساکے کفر میں شک کیاوہ بھی کافر ہوگیا۔ (ت)

اسے معاذاللہ مسیح موعود یا مہدی یا مجدد یا ایک ادنٰی درج کا مسلمان جاننا درکنار جو اس کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں ادنٰی شک کرے وہ خود کافر مرتد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) قادیانی عقیدے والے یا قادیانی کو کافر مرتد نہ ماننے والے مرد خواہ عورت کا نکاح اصلاً قطعاً ہرگز زنہار کسی مسلم کافر یا مرتد اس کے ہم عقیدہ یا مخالفت العقیدہ غرض تمام جہان میں انسان حیوان جن شیطان کسی سے نہیں ہوسکتا جس سے ہوگا زنائے خالص ہوگا، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذٰلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط[4]۔	کسی مرتد مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مرتد عورت سے یا کسی اصلی کافر عورت سے نکاح کرے، اسی طرح کسی مرتد عورت کو بھی جائز نہیں کہ وہ کسی شخص سے نکاح کرے، مبسوط میں یونہی ہے۔ (ت)

اسی میں درباہ تصرفات مرتد ہے:

منها ماهو باطل بالاتفاق نحو النکاح لایجوز له ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولاذمیۃ ولاحرۃ	مرتد آدمی کے بعض تصرفات بالاتفاق باطل ہیں جیسے نکاح کرنا، لہٰذا مرتد شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان عورت یا اپنے جیسی کسی مرتد عورت یا ذمی

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] اللآلی المصنوعۃ کتاب المناقب دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۳، الموضوعات لابن جوزی کتاب الفضائل باب ذکر انہ لانبی بعدہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۸۰

[3] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب النکاح الباب لثالث القسم السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

ولو مملوکۃ [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کافرہ عورت چاہے آزاد ہو یا لونڈی سے نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) جس مسلمان عورت کا غلطی یا جہالت سے کسی ایسے کے ساتھ نکاح باندھا گیا اس پر فرض فرض ہے کہ فوراً فوراً فوراً اس سے جدا ہو جائے کہ زنائے سے بچے، اور طلاق کی کچھ حاجت نہیں، بلکہ طلاق کا کوئی محل ہی نہیں، طلاق تو جب ہو کہ نکاح ہوا ہو، نکاح ہی سرے سے نہ ہوا، نہ اصلا عدت کی ضرورت کہ زنائے کے لئے عدت نہیں، بلا طلاق و بلا عدت جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

نکح کافر مسلمۃ فولدت منہ لایثبت النسب منہ ولا تجب العدۃ لانہ نکاح باطل [2]۔	کسی کافر نے کسی مسلمان عورت سے (اپنے خیال میں) نکاح کرلیا تو اس سے عورت نے بچہ جنا تو اس سے بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ اور نہ عورت پر عدت واجب ہوگی، اس لئے کہ وہ ایک باطل نکاح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فالوطء فیہ زنا لایثبت بہ النسب [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ وطی زنا قرار پائے گی اس سے بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۴: از لاہور مسجد بیگم شاہی مرسلہ مولوی احمد الدین صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں اکثر واعظین لوگوں کو کابل ہجرت کرنے پر مجبور کر رہے ہیں اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

شریعت مجبور نہیں کرتی، ہندوستان میں بکثرت شعائر اسلام اب تک جاری ہیں تو ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بدستور دارالاسلام ہے،

مابقیت علقۃ من علائق الاسلام فان الاسلام یعلو و لا یعلو	جب تک اسلام کے ذرائع میں سے کوئی ذریعہ اسلام موجود ہو تو وہ دار اسلام ہے۔ کیونکہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۵

[2] درمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۳

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۳

کما فی جامع الفصولین والدرالمختار و جلائل الاسفار۔	اسلام ہمیشہ غالب ہوتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا، جیسا کہ جامع الفصولین، درمختار اور دوسری بڑی بڑی کتابوں میں (یہ مسئلہ) مذکور ہے۔(ت)

اور دار اسلام سے ہجرت فرض نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاھجرۃ بعد الفتح[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فتح کے بعد ہجرت جائز نہیں۔(ت)

اور یہ ہجرت جائز ہمیشہ تھی اور اب بھی ہے مگر عالم دین کو جس کے علم کی طرف یہاں کے لوگوں کو حاجت ہے اسے ہجرت ناجائز ہے۔ ہجرت درکنار اسے سفر طویل کی اجازت نہیں دیتے، حتی کہ بزازیہ وتنویر الابصار وغیرہا میں ہے:

فقیہ فی بلدۃ لیس فیھا غیرہ افقہ منہ یرید ان یغز و لیس لہ ذٰلك ولفظ الدر من صدر کتاب الجھاد وعمم فی البزازیۃ السفر ولایخفی ان المقید یفید غیرہ بالاولی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی شہر میں کوئی ایسا عالم ہو کہ اس سے بڑا اس شہر میں کوئی اور عالم نہ ہو اگر وہ جہاد پر جانا چاہے تو یہ اس کے لئے مناسب نہیں، یعنی وہ جہاد کے لئے نہ جائے، درمختار کے کتاب الجہاد میں ہے کہ فتاوٰی بزازیہ میں سفر کو عام رکھا ہے۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ سفر مقید، یہ فائدہ دیتا ہے کہ سفیر غیر مقید میں بطریق اولٰی یہ حکم جاری ہے (اس کی وضاحت یہ ہے جب جہاد کے لئے جانا جائز نہیں تو پھر دوسرے کاموں کے لئے سفر کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۵تا۱۴۹: از حسن پور ضلع مراد آباد مسئولہ عبدالرحمٰن مدرس ۸ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) تمام علماء دیوبند قطعی کافر ہیں جو ان کو کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہیں۔

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب وجوب النفیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۷، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب المبایعۃ بعد الفتح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۱، المعجم الکبیر حدیث ۳۳۹۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۲۷۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۹

(۲) جو علمائے دیوبند یہ ظاہر کریں کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں جو منسوب کیا جاتا ہے بلکہ ہم لوگ بھی ایسے عقائد رکھنے والے کو کافر سمجھتے ہیں تو اس حیلہ شرعی سے بریت ہوسکتی ہے یا نہیں۔ علاوہ ازیں وہ تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارت کی تاویل کرکے ان کا اچھا مطلب نکالتے ہیں، تو ایسے علماء کے متعلق شرع شریف میں کیا حکم ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور یہ لوگ امکان کذب کے قائل ہیں، اور اقرار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو امکان کذب کا قائل نہیں وہ کافر ہے۔ تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اور ہم کو گزشتہ نمازیں جو ان کے پیچھے ادا کی گئی ہیں لوٹانی چاہئیں یا نہیں؟

(۳) جو اشخاص نہ عالم ہیں نہ دیوبند کے تعلیم یافتہ، نہ ان سے بیعت و عقیدت رکھتے ہیں محض اپنی لاعلمی عقائد کی وجہ سے ان کو کافر نہیں سمجھتے اور ان کے عقائد بھی ایسے بالکل نہیں ہیں جن پر تکفیر لازم آتی ہے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے یا تنہا بہتر ہے۔ اور جو امام مسجدوں کے اور حافظ ایسے ہیں کہ تقویۃ الایمان وغیرہ کو برا سمجھتے ہیں اور نہ ان کے عقائد باطلہ میں صرف علمائے دیوبند کو کافر نہیں سمجھے اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو کیا ایسے لوگ بھی کافر ہیں اور قابل اقتداء نہیں۔

(۴) کیا یہ حدیث ہے کہ کسی کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہئے اور کیوں؟ اور اگر کسی نے علمائے دیوبند یا اور کسی کافر کو کہا تو اس کے ذمہ کتنا گناہ ہوگا؟

(۵) مصنف تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، تحذیر الناس، حفظ الایمان، یکروزی کے کون کون ہیں؟ اور شرع شریف میں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

مدلل ومفصل جواب حوالہ کتب مع مہر و دستخط فرمادیں، خدائے عزوجل جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!

الجواب:

بیشک وہ سب کفار ہیں اور جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر انھیں کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہے، علمائے کرام حرمین طیبین نے بالاتفاق ان کی نسبت فرمایا ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جو ان کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر۔
(۲) قال اللہ تعالٰی "یَحْلِفُوْنَ	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: وہ اللہ تعالٰی کی قسمیں

[1] حسام الحرمین علی منح الکفر والمین مقدمۃ الکتاب مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

بِاللّٰہِ مَاقَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِہِمْ "[1]	کھاتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا اور بیشک وہ کفر کا بول بولے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہوگئے۔

یہ حیلہ شرعی نہیں حیلہ شیطانی ہے اور اس سے برات نہیں ہوسکتی وہ ملعون عقائد واقوال ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور ان پر اب تک مصر ہیں ان کو بار بار چھاپ رہے ہیں تو وہ کافقط ناواقف کے بہلادینے کو ہوتا ہے اور جو واقف ہے مگر ذی علم نہیں اس کے سامنے یہ حیلہ ہوتا ہے کہ ان عبارتوں کا یہ مطلب نہیں، اور جو ذی علم ہے اس کے سامنے یہ ہوتا ہے کہ رنگون پہنچے وہاں سے بھاگا کلکتے میں پیچھا کیا وہاں سے بھی اڑگیا، اہل علم کے سامنے یہ ہوتا ہے کہ میں اس فن سے جاہل ہوں میرے اساتذہ بھی جاہل تھے تم مجھے معقول بھی کردو تو میں وہی کہے جاؤں گا، تقویۃ الایمان کو جو اچھا سمجھے یا امکان کذب ماننے والے کو کافر کہے ان سب پر ستر ستر اور زائد زائد وجوہ سے کفر لازم ہے۔ جس کی تفصیل سبحٰن السبوح و کوکبۃ شھابیہ وکشف ضلال دیوبند شرح الاستمداد وغیرہا میں ہے اس کے پیچھے نماز باطل ہے اور جو پہلے پڑھیں ان کا پھیرنا فرض ہے اور نہ پھیرنا فسق۔

(۳) سائل صورت وہ فرض کرتا ہے جو واقع نہ ہوگی، دیوبندیوں کے عقائد کفر طشت از بان ہوگئے منکر بننے والے اپنی جان چھڑانے کے لئے انکار کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں جو منکر ہو اس سے کہئے فتاوٰی موجود وشائع ہیں دیکھو کہ کافروں کا کفر معلوم ہو اور دھوکے سے بچے اور ان کے پیچھے نمازیں غارت نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دشمنوں سے دشمنی فرض ہے اس فرض پر قائم ہو تو کہتے ہیں ہمیں کتابیں دیکھنے کی حاجت نہیں، یہ ان کا کید ہے ان کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم کی عظمت ہوتی تو جن کی نسبت ایسی عام اشاعت سنتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دشنام دہندہ ہے۔ اس سے فوراً خود ہی کنارہ کشی ہوتے اور آپ ہی اس کی تحقیق کو بیقرار ہوتے، کیا کوئی کسی کو سنتے کہ تیرے قتل کے لئے گھات میں بیٹھا ہے اعتبار نہ آئے تو چل تجھے دکھادیں، وہ یوں ہی بے پروائی برتے گا اور کہے گا مجھے نہ تحقیقات کی ضرورت ہے نہ اس سے احتراز کی حاجت تو یہ لوگ ضرور مکار اور بباطن انھیں سے انفار یا دین سے محض بے علاقہ و بیزار ہوتے ہیں ان کے پیچھے نماز سے احتراز فرض ہے۔ ہاں اگر واقع میں کوئی نوارد یا نرا جاہل یا ناواقف ایسا ہو جس کے کان تک یہ اوازیں نہ گئیں اور بوجہ ناواقفی محض انھیں کافر نہ سمجھا وہ اس وقت تک معذور ہے جبکہ سمجھانے سے فوراً قبول کرے۔

---

[1] القرآن الکریم ۹ /۷۴

(۴) یہ حدیث پر کافر پرستوں کا افتراء ہے جس نے دیوبندیہ وغیرہم کفار کو کفار کہا اس پر کوئی گناہ نہیں، اللہ عزوجل نے کافر کو کافر کہنے کا حکم دیا "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ۝۱" [1] (اے نبی! فرمادیجئے اے کافرو!) ہاں کافر ذمی کہ سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام ہو کر رہتا ہے اسے کافر کہہ کر پکارنا منع ہے اگر اسے ناگوار ہو، درمختار میں ہے:

شتم مسلم ذمیا عزروفی القنیة قال لیھودی او مجوسی یاکافر یأثم ان شق علیه [2]۔	کسی مسلمان نے کسی ذمی کافر کو گالی دی تو اس پر تعزیر جاری کی جائے گی، قنیہ میں ہے: کسی یہودی یا آتش پرست کو "اے کافر" کہا تو کہنے والا گنہگار ہوگا اگر اسے ناگوار گزرا۔ (ت)

یوں ہی گڑی سلطنت اسلام میں جبکہ کافر کو "او کافر" کہہ کر پکارنے میں مقدمہ چلتا ہو۔

فانه لایحل لمسلم ان یذل نفسه الا بضرورة شرعیة۔	تو کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے مگر جبکہ کوئی شرعی مجبوری ہو۔ (ت)

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ کافر کو کافر نہ جانے یہ خود کفر ہے۔

من شك فی عذابه و کفره فقد کفر [3]۔	جس نے ان کے عذاب اور کفر میں شک کیا تو وہ بلاشبہ کافر ہوگیا۔ (ت)

اسی طرح جب کسی کافر کی نسبت پوچھا جائے کہ وہ کیسا ہے اس وقت اس کا حکم واقعی بتانا واجب ہے، حدیث میں ہے:

اترعون من ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکرو الفاجر بما فیه یحذره الناس [4]۔	کیا تم بدکار کا ذکر کرنے سے گھبراتے اور خوف رکھتے ہو تو پھر لوگ اسے کب پہچانیں گے لہٰذا وہ بدکار کا ان برائیوں سے ذکر کرو جو اس میں موجود ہیں تاکہ لوگ اس سے بچیں اور ہوشیار رہیں۔ (ت)

یہ کافر کہنا بطور دشنام نہیں ہوتا بلکہ حکم شرعی کا بیان، شرع مطہر میں کافر ہر غیر مسلم کا نام ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱

[2] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۹

[3] درمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[4] نوادر الاصول للترمذی الاصل السادس والستون والمائة دار صادر بیروت ص ۲۱۳

قال اللہ تعالٰی "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ وہی ہے جس نے تمھیں پیدا فرمایا پھر کچھ تمھارے اندر کافر ہیں اور کچھ تمھارے اندر مومن ہیں۔(ت)

سوال حکم کے وقت حکم کو چھپانا اگر یوں ہے کہ اسے یقینا کافر جانتا ہے اور اسے کافر کہنا معیوب نہیں جانتا مگر اپنی مصلحت کے سبب بچتا ہے تو صرف گنہگار ہے جبکہ وہ مصلحت صحیحہ تاحد ضرورت شرعیہ نہ ہو، اور اگر واقعی کافر کو کافر کہنا معیوب وخلاف تہذیب جانتا ہے تو قرآن عظیم کو عیب لگاتا ہے اور قرآن عظیم کو عیب لگانا کفر ہے اور اسے کافر جانتا ہی نہیں تو خود اس کے کافر ہونے میں کیا کلام ہے کہ اس نے کفر کو کفر نہ جانا تو ضرور کفر کو اسلام جانا لعدم الواسطہ کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان کوئی واسطہ نہیں) تو اسلام کو کفر جانا

لان ماکان کفرا فضدہ الاسلام فاذا جعلہ اسلاما فقد جعل ضدہ کفرا لان الاسلام لایضادہ الا الکفر والعیاذ باللہ تعالٰی۔	اس لئے کہ جو کچھ کفر ہو تو اس اس کی ضد اسلام ہے۔ پھر جب کفر کو اسلام ٹھہرایا تو پھر اس کی ضد کفر ہوگی (یعنی اسلام کفر اور کفر اسلام ہو جائے گا) کیونکہ اسلام کے مخالف صرف کفر ہے اور اللہ تعالٰی کی پناہ (ت)

(۵) تقویۃ الایمان وصراط مستقیم ویکروزی کا مصنف اسمٰعیل دہلوی ہے اس پر صدہا وجہ سے لزوم کفر ہے۔ دیکھو "سبحٰن السبوح" و"کوکبہ شہابیہ" ومتن و"شرح الاستمداد" اور تحذیر الناس نانوتوی وبراہین قاطعہ گنگوہی وحفظ الایمان تھانوی میں قطعی یقینی اللہ ورسول کو گالیاں ہیں اور ان کے مصنفین مرتدین ان کی نسبت علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[2]۔	جو ان کے کفر وعذاب میں شک ہی کرے وہ بھی کافر ہے۔

دیکھو کتاب "مستطاب حسام الحرمین"، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۴/ ۲

[2] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مقدمۃ الکتاب مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

مسئلہ ۱۵۰: از دفتر ریلوے انجنئیر سرسہ ضلع حصار مسئولہ سید محمد ابراہیم نقشہ نویس صاحب ۱۳ ذی القعدہ الحرام ۱۳۳۸ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے بارے میں جو حضرت غوث پاک کی توہین اور ان کے خاندان کی بے عزتی روبرو اہل اسلام علانیہ کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے آیا ایسا شخص مومن ہے یا دائرہ اسلام سے خارج ہے؟ ایسے شخص سے سلام یا کلام کرنا مسلمانوں کو چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

حضور سیدنا غوث الاعظم قطب اکرم، جگر پارہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین فی نفسہٖ زہر قاتل وموجب بربادی دین ودنیا، بہجہ مقدسہ میں ہے:

تکذیبکم لی سم قاتل لادیانکم وسبب لذھاب دنیاکم واخراکم [1]۔	تم لوگوں کا مجھے جھٹلانا زہر قاتل اور تمھاری دنیا اور آخرت کی تباہی وبربادی کا سبب ہے۔(ت)

اور یہاں نظر بر واقع اس طرح توہین علانیہ کا مرتکب ومصر نہ ہوگا مگر کٹر رافضی بغیض یا پکا وہابی خبیث، اور یہ دونوں قطعاً دائرہ اسلام سے خارج ہیں کما ھو مفصل فی حسام الحرمین و فتاوٰی الحرمین وردالرفضۃ (جیسا کہ مسائل مذکورہ کی پوری تفصیل حسام الحرمین، فتاوی حرمین اور ردالرفضہ میں ہے۔ت) مسلمانوں کو ان سے میل جول رکھنا، سلام کرنا، پاس بیٹھنا، پاس بٹھانا سب حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو (ورنہ ان جیسے ہی ہوجاؤگے)۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	(لوگو!) تم ان سے دور بھاگو، اور انھیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں اور تمھیں کسی فتنے میں نہ ڈالدیں، اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔(ت)

---

[1] بھجۃ الاسرار ذکر کلمات اخبر بھا عن نفسہ محدثا بنعمۃ ربہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۴

[2] القرآن الکریم ۶ /۶۸

[3] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۰

مسئلہ ۱۵۱: از بمبئی مرسلہ سید فیاض الدین بریلوی نواب مسجد لائن ۷۵ پوسٹ ۹، ۲۳ ذی القعدہ الحرام ۱۳۳۸ھ

الجواب:

انھوں نے اللہ واحد قہار جل جلالہ اور اس کے رسول حبیب مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذا دی ابلیس لعین کے قدموں پر اس کی پیروی کی نام اسلام کو ذلیل کیا کفر و کفار کو فروغ دیا غضب الٰہی اپنے سر پر لیا اپنی ملعونہ حرکات سے عرش الٰہی کو لرزادیا کفار کے ساتھ ان کے خاص دفتر میں اپنا چہرہ دکھایا اللہ اور رسولوں اور ملائکہ سب کی لعنت کے کام کئے "هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ"[1] (وہ لوگ اس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ت) میں صراحۃً داخل ہوئے ان پر ہر فرض سے اعظم فرض ہے کہ اپنی ان کفری حرکات سے علی الاعلان توبہ کریں نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں پھر اپنی عورتوں کو رکھنا ہو تو ان سے دوبارہ نکاح کریں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝۲۰۸"[2] الٰی قولہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُؕ"[3]۔	(لوگو!) شیطان کے قدموں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک) وہ نہیں انتظار کرتے مگر یہ کہ ان پر چھائے ہوئے بادلوں میں (اللہ تعالٰی کا) عذاب آجائے اور فرشتے نازل ہوجائے اور کافر کا فیصلہ ہوجائے (تو پھر ایمان لانے کا کیا فائدہ)۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله[4] اھ فاذا كان فی محض المساكنة فكيف فی مثل المعاونة۔	جو کوئی کسی مشرک کے ساتھ جمع ہوا اور اس کے ساتھ سکونت اختیار کی تو وہ اس جیسا ہو جائے گا اھ جب صرف رہنے سہنے کا یہ حکم ہے تو پھر مدد کرنے میں کتنا سخت حکم ہوگا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۰

[4] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی الاقامۃ بارض المشرک آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹

دوسری حدیث میں ہے:

من کثر سواد قوم فھو منھم [1]۔	جس شخص نے کسی جماعت کو بڑھایا (اور پھیلایا) تو وہ اسی میں شمار ہوگا۔(ت)

تیسری حدیث میں ہے:

من سود مع قوم فھو معھم [2] اھ فاذا کان ھذا فی مجرد التسوید فکیف مع المشارکۃ المذکورۃ التایید۔	جو کوئی کسی قوم کے ساتھ ہو کر انھیں بڑھائے (اور ان کی کثرت میں اضافہ کرے) تو وہ ان ہی کے ساتھ ہوگا اھ پھر جب طلب کثرت کا یہ حکم ہے تو پھر ان کے ساتھ شراکت مذکورہ کہ جس میں ان کی تائید و تصدیق ہے اس کا کتنا سخت حکم ہوگا۔(ت)

چوتھی حدیث میں ہے:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتز لذٰلك العرش [3] اھ فاذا کان ھذا فی الفاسق فماظنك بالکافر المارق۔	جب کسی نافرمان کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالٰی غضب ناک ہوجاتا ہے اور اس وجہ سے اس کا عرش کانپ جاتا ہے اھ جب فاسق کا یہ حکم ہے تو پھر کافر سرکش کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے۔(ت)

شفاء شریف امام قاضی عیاض واعلام امام ابن حجر مکی میں ہے:

وکذا (یکفر) من فعل فعلا اجمع المسلمون علی انه لایصدر الا من کافر وان کان صاحبه مصرحا بالاسلام مع فعله [4]۔	اور اسی طرح وہ شخص کافر ہوجائے جس نے کوئی ایسا کام کیا کہ مسلمانوں کا جس پر اتفاق ہے کہ ایسا کام بغیر کسی کافر کے نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ کام کرنے والا اپنا کام کرنے کے باوجود اسلام کا اظہار کرے۔(ت)

جامع الفصولین و منح الروض الازہر میں ہے:

من خرج الی السدۃ کفر اذفیه	جو کوئی کفار کی مجلس میں جائے تو کافر ہوگیا اس لئے

---

[1] کنز العمال بحوالہ عن ابن مسعود حدیث ۲۴۷۳۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹ /۲۲

[2] کنز العمال بحوالہ خط عن انس حدیث ۲۴۶۸۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹ /۱۰

[3] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴ /۲۳۰

[4] الاعلام بقواطع الاسلام الفصل الثالث مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی ص ۳۷۸

اعلان الکفر وکانه اعان الیه [1] اھ فاذا کان ھذا فی کانه فکیف فی انه۔	کہ اس میں کفر کااعلان ہے گویا وہ اس کے پاس امداد کے لئے گیا ہے اھ، جب گویا میں یہ حکم ہے تو پھر اصل اور تحقیق میں کیا حکم ہوگا۔(ت)

فتاوٰی امام ظہیر الدین واشباہ والنظائر وتنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر اوقال لمجوسی یااستاذ تبجیلا کفر [2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی ذمی کافر کو تعظیم کے طور پر سلام دے تو کافر ہو جائے گا اس لئے کہ کافر کی تعظیم کفر ہے۔ اگر کسی نے آتش پرست کو بطور تعظیم "اے کافر" کہا تو کافر ہوگیا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۲: واقع در بارہ عالیہ بھر چونڈی شریف اسٹیشن ڈھر کی ضلع سکھر (سند) مسئولہ عاکف فقیر عبداللّٰه قادری ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

بسم اللّٰه الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم۔

بخدمت تاج الفقہاء سراج العلماء المدققین حامی السنۃ والدین غیاث الاسلام والمسلمین مجدد مائۃ حاضر جناب سید احمد رضا خاں صاحب قادری بعد الوف تسلیمات مع التکریمات بصد آداب واضح برائے عالی باد کہ مسئلہ ہجرت معروفہ معلومہ کہ درہندوسندھ کہ بتمام جوش وخروش علماء وقت بفرضیت او قائل شدہ اند واعظ دینیہ وزاہد وجاہد بعام وخاص بمجالس مخصوصہ بشدت وحدت تمام دریں بارہ گشتہ اند بحدیکہ از اکثر علماء وقت مقال بدین منوال رفتہ کہ	بخدمت فقہا کے تاج، باریک بین علمائے کرام کے چراغ، سنت اور دین کے مددگار، اسلام اور مسلمانوں کے فریاد رس اس موجودہ صدی کے مجدد، جناب سید احمد رضا خاں صاحب قادری، ہزاروں ہزاروں سلام عزت واحترام کے ساتھ، سیکڑں قسم کے آداب بجالاتے ہوئے حضور کی رائے عالی پر ظاہر ہو کہ مسئلہ ہجرت جو مشہور ومعروف ہے کہ ہند اور سند میں پورے جوش وخروش سے وقت علماء اس کی فرضیت کے قائل ہوگئے ہیں پس دینی وعظ کرنے والے گوشہ نشین زاہد اور جہاد کرنیوالے عام اور خاص خصوصی مجالس میں انتہائی

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۳، منح الروض الازھر شرح الفقه الاکبر فصل فی الکفر صریحاً الخ مصطفی البابی مصر ص۱۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

ہر آنکہ ہجرت نکنند ویا قائل بفرضیت او نشوند خارج از ایمان اندوزنان برایشاں حرام گردند آیا آں مفتی الزمان دریں مسئلہ کہ منزلۃ الاقوام است چہ فرمایند بدلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ دریں باب چہ تحریر دارند براہ نوازش وعنایت بترسیم حقیقت مسئلہ حق مسئولہ شتاب بہ جواب سرفراز فرمایند کہ مادر فرضیت واستحبابیت ایں ہجرت سخت متردد ومتشکک ومضطرب حال مذبذب بایم تاکید مزید۔	وحدت اختیار کرتے ہوئے اس معاملہ میں ایک ہوگئے ہیں یہاں تک کہ اکثر علماء سے اس طرز پر گفتگو کرتے وقت وہ اس طرف گئے ہیں، جو لوگ ہجرت نہیں کرتے یا اس کی فرضیت کے قائل نہیں تو وہ ایمان سے خارج ہیں اور منکوحہ عورتیں ان پر حرام ہیں، کیا زمانے کے مفتی حضرات اس مسئلہ میں شواہد کے پیش نظر اس باب میں کیا تحریر رکھتے ہیں رائے نوازش اور نظر عنایت سے اس مسئلہ مسئولہ کا جلدی جواب عنایت فرماکر سرفراز فرمائیں اس لئے کہ ہم اس ہجرت کے فرض اور مستحب ہونے میں سخت تردد، شک اور اضطراب اور تذبذب میں اپنے آپ کو پاتے ہیں اور مزید تاکید سے عرض کرتے ہیں۔ (ت)

الجواب:

بحمداللہ ہندوسند تاحال داراسلام است کما حققناہ فی رسالتنا اعلام الاعلام بان ھندستان دارالاسلام جمعہ وعیدین واذان واقامت وغیرہا بکثرت شعار اسلام جاری ست وشہرے کہ دارالاسلام بود تا رشتہ از رشتہاء اسلام برجاست ہمچناں دارالاسلام ست کہ اسلام غالب ست ومغلو نتواں شد وللہ الحجۃ البالغۃ درجامع الفصولین ست مابقی شیئ من احکام دار الاسلام تبقی دار الاسلام علی ماعرف ان الحکم اذا ثبت بعلۃ فی	اللہ تعالٰی کی تعریف وستائش کرتے ہوئے گزارش ہے کہ ہندوستان ابھی تک داراسلام ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ موسومہ "اعلام الاعلام بان ھندوستان دار الاسلام" میں اس کی تحقیق کی ہے نماز، جمعہ، عیدین، اذان اور اقامت وغیرہ بے شمار شعائر اسلامیہ اس میں جاری ہیں اور جو شہر کہ داراسلام سے کوئی رشتہ قائم ہے تو وہ حسب سابق دارالاسلام ہی ہے کیونکہ اسلام غالب ہے اور کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا اور کامل دلیل اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ جامع الفصولین میں ہے جب تک داراسلام کا کوئی حکم باقی ہو تو وہ دار الاسلام ہی رہے گا، جیسا کہ معلوم ہے کہ کوئی حکم جب کسی

مابقی شیئ من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ [1] ھکذا ذکر شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح سیر الاصل۔ ودر فصول عمادی ست دارالاسلام لاتصیر دارالحرب اذا بقی شیئ من احکام الاسلام وان زال غلبۃ اھل السلام [2] امام ناصر الدین فرماید مابقیت علقۃ من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام [3]۔ و در شرح نقایہ است ان الدار محکومۃ بدارالاسلام ببقاء حکم واحد فیھا کمافی الحمادی [4] وغیرھا وہجرت از دارالحرب فرض است نہ از دارالاسلام، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاھجرۃ بعد الفتح رواہ الشیخان [5]۔ ہجرت خاصہ کہ بر شخصے بوجہ خاص لازم آید چیزے دیگر ست وآواز محلّہ بمحلہ بلکہ از خانہ بخانہ دیگر توان شد والیھا الاشارۃ فی حدیث من	علت کی وجہ سے ثابت ہو تو جب تک وہ علت موجود رہے گی وہ حکم باقی رہے گا، شیخ الاسلام حضرت ابوبکر نے شرح سیر الاصل میں اسی طرح بیان فرمایا۔ اور فصول عماوی میں ہے کہ دارالاسلام میں جب تک کوئی حکم اسلامی موجود ہو تو وہ "دار حرب" نہ ہوگا اگرچہ مسلمانوں کا غلبہ ختم ہوگیا ہے۔ امام ناصر الدین فرماتے ہیں کہ جب تک اسلام کے رشتوں میں سے کوئی رشتہ باقی ہو تو اسلام کی جانب ترجیح ہوگی۔ اور "شرح نقایہ" میں مذکور ہے کہ اگر ملک میں ایک بھی اسلامی حکم باقی ہو تو اس پر دارالاسلام کا حکم لگایا جائے گا جیسا کہ "حمادی" وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور ہجرت کرنا دار کفر سے فرض ہے نہ کہ دارالاسلام سے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فتح مکّہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں، بخاری ومسلم نے اسے روایت فرمایا۔ خاص ہجرت کہ کسی شخص پر کسی خاص وجہ کی بناء پر لزم ہو تو یہ ایک دوسری بات ہے۔ ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ تک بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر تک آواز پہنچ سکتی ہے۔

[1] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[2] فتاوٰی جامع الفوائد بحوالہ فصل العمادی کتاب الجہاد مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۴۴

[3] فتاوٰی جامع الفوائد ناصر الدین مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۴۵

[4] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۶

[5] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب وجوب النفیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۶، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب المبایعۃ بعد الفتح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۱

فر بدینہ [1] الحدیث، واما ہجرت عامہ نباشد مگر از دار الحرب و ادعائے فرضیتش از دارالاسلام باطل محض ست و اصلی ندارد و تفوہ بتکفیر فرضیت غلو فی الدین ست و تکفیر تارک ازاں ہم بالاتر ضلال مبین ست مگر آنا نترسند از احادیث کثیرہ ناطقہ بانکہ اکفار مسلم کفر ست قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **ایما امرء قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما فان کان کما قال والا رجعت علیہ رواہ مسلم** [2] **والترمذی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما** موجب ہجرت اگر تسلط نصارٰی است او نہ از امروز ست صد سال بیش می گزرد اینہا و آباء ایناں تاحال قیامت داشتند وبرزعم خود بترک تخم کدام حکم کاشتند واگر چیزے ست کہ درممالک دیر ناشیئ پس ایں حکم عجیبے ست کہ حادثے بملکے رود ہجرت از ملک دیگر واجب شود، **نسأل اللہ العفو والعافیۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔**	حدیث میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو کوئی اپنے دین کی حفاظت فرمائے گا الحدیث، لیکن عام ہجرت سوائے دار حرب کے نہیں ہوسکتی لہٰذا دارالاسلام سے ہجرت کی فرضیت کا دعوی کرنا بلاشبہہ باطل ہے یہ اپنے اندر کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ اور جو کوئی اس کی فرضیت کا انکار کرے اسے کافر قرار دینا دین میں بڑی زیادتی ہے پھر تارک کی تکفیر اس سے بھی بڑھ کر گمراہی ہے، مگر کیا وہ لوگ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ بے شمار روایات اس پر ناطق ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کفر ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس آدمی نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو یہ کفر ان دونوں میں سے کسی ایک پر پلٹ جائے گا، لہٰذا اگر کہنے والے کے مطابق وہ کافر ہے تو وہی کافر ہوگا ورنہ کہنے والے پر کفر لوٹ آئے گا، امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس حدیث کو روایت کیا (جو لوگ ہجرت کے قائل ہیں اور اسے فریضہ ایمان قرار دیتے ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ) ہجرت کرنے کا سبب اور وجہ کیا ہے؟ اگر عیسائیوں کا تسلط ہے تو وہ کوئی آج نہیں ہوا بلکہ آج سے سو سال پہلے کا ہے پھر اتنی مدت پر یہ لوگ اور ان کے باپ دادے اب تک یہاں کیوں ٹھہرے رہے اور اپنے خیال میں ہجرت نہ کرکے انھوں نے کون سے حکم کا بیج بویا؟ اور اگر ہجرت

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن مردویہ تحت آیۃ ۵۷/ ۱۹ مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۱۷۶/ ۶

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ یاکافر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۵۷/ ۱، جامع الترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی من رمی اخاہ بکفر امین کمپنی دہلی ۱۸/ ۲

	کسی ایسے کم کی وجہ سے ہے جو کسی دوسرے ممالک میں پیدا ہوگیا، تو پھر یہ حکم عجیب ہے کہ کوئی جدید حادثہ کسی ملک یں پیدا ہوجائے تو پھر ہجرت کرنا کسی دوسرے ملک پر واجب ہو جائے۔ (خلاصہ کلام) ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۳و۱۵۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی کی زبان سے کلمہ کفر نکل گیا یااللہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالی دی پھرنادم ہو کر فوراً توبہ کی، اب بی بی اس کی نکاح میں اس کی رہے گی یا نہیں؟

(۲) یہ جو مسئلہ مشہور ہے کہ اگر کوئی جاہل عالم کو گالی دے تو بی بی پر اس کے طلاق واقع ہو جاتی ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو عالم کو کس مرتبہ کاہونااور گالی کا کس مرتبہ کا ہونا شرط ہے اور اگر عالم بدخو یا فاسد العقیدہ کو گالی دے یا صحیح العقیدہ کو کسی بات پر خواہ دنیاوی یااُخروی یامسئلہ اختلافی لے کر جھگڑا کرکے باہم گالی گلوچ کی، یہ جھگڑامابین دو عالموں کے ہو تو شرع شریف کا کیاحکم ہے؟

الجواب:

(۱) جس نے کلمہ کفر قصداً کہا یااللہ یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی وہ کافر ہو جاتاہے اس کی عورت نکاح سے نکل جاتی ہے پھر اگر مسلمان ہو اور توبہ کرے عورت کو اختیار ہے کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے خواہ بعد عدت کے اور سے کرے۔

(۲) عالم دین کو برا کہنا اگر اس کے عالم دین ہونے کے سبب ہے تو کفر ہے اور عورت نکاح سے باہر، خواہ براکہنے والا خود عالم ہو یا جاہل، اور عالم سنی العقیدہ کی توہین جاہل کو جائز نہیں، اگرچہ اس کے عمل کیسے ہی ہوں، اور بدمذہب وگمراہ اگرچہ عالم کہلاتا ہو اسے براکہاجائے گامگر اسی قدر جتنے کاوہ مستحق ہے۔ اور فحش کلمہ سے ہمیشہ اجتناب چاہیے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۵تا۱۵۸: ازآورہ محلّہ نوادہ ڈاک بنگلہ مرسلہ محبوب علی وعبدالغفور صاحب آخری ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

ایک پنڈت صاحب ساکن بلیاکے وہ آج کل آرہ میں آکر بہت زوروں کے ساتھ ہندو مسلمانوں کو ایک جامجمع کرکے لکچر دیا کرتے ہیں بعد ختم لکچر کے پنڈت صاحب اکثر موقعوں پر خود اپنے ہاتھ ہندوؤں مسلمانوں کو ٹیکا دیتے ہیں بعد اس کے مسلمان سے گلے گلے ملتے ہیں مگر قبل ٹیکا دینے کے مسلمانوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے یہاں ممانعت ہے یا نہیں؟ اس پر چند مسلمانوں نے جواب دیا کہ کوئی ممانعت نہیں ہے اور نہ ٹیکے سے انکار ہے۔ اس کہنے پر وہ ٹیکا دیتے ہیں اور گلے گلے ملتے ہیں اور اسی لکچر کے اندر یہ کہاکہ ہندو ومسلمان ایک دل ہو کر اپنے اپنے گھروں میں انتظام کریں بلکہ اس کے انتظام کے لئے چند

مسلمان ممبر بنائے گئے اور یہ رائے مانی کہ اس غلہ کو بیچ کر ایک جگہ جمع کیا جائے، اسی رائے کو دونوں فریق نے پاس کرکے ایک ہندو کے یہاں جمع کرنے کے لئے قرار دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ دونوں فریق کی رائے سے یہ پیسہ اپنے کار خیر کے لئے خرچ کریں، اب میں علمائے دین سے اس امر کو دریافت کرتا ہوں کہ وہ شراکت کا پیسہ ہم لوگ اپنے کار خیر میں جیسے مسجد کی مرمت یا تجہیز وتکفین مدارات میت وغیرہ وغیرہ میں لاسکتے ہیں یا نہیں۔ اور ایک روز پنڈت صاحب نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج ہم اپنے رامائن کا اور مسلمانوں کے قرآن مجید کی اور انگریزوں کی بائبل کی یعنی تینوں کتابوں کی پوجا کریں گے، اس کے انتظام اور اہتمام کے لئے یہ تھا کہ ایک ڈولہ جس کو وہ لوگ سنگاسن کہتے ہیں اس کو بڑے تکلف کے ساتھ ہار پھول سے سجوا کر اس کے اندر ایک طرف رامائن یاک طرف بائبل اور بیچ میں قرآن مجید منگوا کر رکھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ بھجن گاتے اور ڈھول وجھانج وغیرہ بجاتے اور اس میں مسلمان بھی شریک ہو کر شہر سے گھماتے ہوئے اپنے مندر کے اندر لیجا کر رکھا، خیر کہا ہماری شریعت میں علماء نے اس امر کو کہ کلام پاک غیر مذہب میں بے دین کی مجلس میں لے جانا اور یہ برتاؤ کرنا اور مندر کے اندر لیجا کر رکھنا کیا جائز ہے؟ جب مسلمانوں سے کہا گیا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ اس میں حرج ہی کیا ہوا اگر ایسا کیا گیا کیونکہ ہم لوگوں نے شہر کے ایک ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ٹیکا کے بارے میں بھی یہی جواب ملا، ان سب واقعات کو لکھ کر خدمت بابرکت میں اپنے علمائے دین شرع متین کے پیش کرتا ہوں کہ فی الحقیقت یہ سب بات شرع کے اندر جائز ہے یا نہیں جیسا کہ یہاں پر مسلمان ہم کو جواب دیتے ہیں کہ ہم نے یہ سب مولوی صاحب سے دریافت کرلیا ہے لہٰذا ذیل چند جملے درج کرتا ہوں جو مضمون بالا کا لب لباب ہو سکتا ہے ان سوالوں کے جواب سے بالتفصیل سرفراز فرمایا جائے تاکہ ان بھائی مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرکے ان کی اصلاح کی جائے، ان کے عقائد در باہ مذکورہ درست نہیں ہیں اور ان کی ان خود پرستیوں کی پوری پوری گوشمالی ہو جائے، وہ مذہب پر دھبہ لگانے والی حرکت سے باز آکر راہ راست پر آجائیں، اس لئے گزارش خدمت عالی ہے کہ جلد جواب اسی پرچہ کی پشت پر تحریر فرمائیں،

(۱) مسلمانوں کو پیشانی پر ٹیکا لگانا خواہ وہ کسی قسم کا مانند زعفران وصندل وغیرہ کے ہو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہندوؤں کے شال غول باندھا کر گاتے بجاتے رامائن وغیرہ ہندوؤں کی کتابوں کو بڑے اہتمام کے ساتھ سنگاسن وغیرہ میں رکھ کر ہندوؤں کی مجلس میں جانا جہاں پر "رام چندر کی جے" کی صدا بلند ہوتی ہو مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قرآن مجید کا دوسری کتابوں کے شامل مانند رامائن بائبل وغیرہ ہندوؤں کے ساتھ پوجا کیا نا خواہ مندر کے اندر لیجانا اور اس کے اہتمام میں مسلمانوں کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟

(۴) ہندوؤں کے شامل چندہ جمع کرنا اور اس چندہ سے رفاہ عام مسلمان کرنا مثلاً مرمت مسجد تجہیر و تکفین میت لاوارث مسلمانی، امداد بیوگان، مسلم یا یتیم بچوں کی تربیت و تعلیم وغیرہ وغیرہ ممنوع ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ماتھے پر قشقہ (ٹیکا) لگانا خاص شعار کفر ہے اور اپنے لئے جو شعار کفر پر راضی ہو اس پر لزوم کفر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من تشبہ بقوم فھو منہ**[1] جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انھیں میں سے ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

عبادۃ الصنم کفر ولا اعتبار فی قلبہ وکذا لوتزنر بزنار الیھود والنصارٰی دخل کنیستھم اولم یدخل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بت کی پوجا کرنا کفر ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اسی طرح اگر کسی نے یہودیوں اور عیسائیوں کا زنار گلے میں ڈالا چاہے ان کے گرجوں میں جائے نہ جائے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) مسائل یہ پوچھتا ہے کہ وہ حرکات ملعونہ جائز ہیں یا نہیں۔ یہ پوچھے کہ کفر ہے یا نہیں۔ ان کی عورتیں نکاح سے نکلیں یا نہیں ان حرکات سے۔ جامع الفصولین منح الروح الازہر میں ہے:

من خرج الی السدۃ (قال القاری ای مجمع اھل الکفر) کفر لان فیہ اعلام الکفر وکانہ اعان علیہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کوئی (دارالاسلام کو چھوڑ کر) کفار و مشرکین کے مجمع میں جائے (السدۃ۔ محدث ملا علی قاری نے فرمایا: اس کا معنی مجمع اہل کفر ہے) تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس میں کفر کا اعلان ہے۔ گو یا وہ کفر پر ان کی امداد کر رہا ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ زیادہ جاننے والا ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ / ۲۰۳

[2] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱ / ۲۹۵

[3] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۶، جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ / ۳۱۳

(۳) قرآن عظیم کا مندر میں لیجانا اس کی توہین ہے اور قرآن عظیم کی توہین کفر اور رامائن کی پوجا اگر کفر نہ ہوئی تو دنیا میں کوئی بات کفر نہیں ہو سکتی، اور کفر کے اہتمام میں شریک ہونا اور اس پر راضی ہونا کفر ہے **الرضا بالکفر کفر** (کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔ت) وہ لوگ اسلام سے نکل گئے اور ان کی عورتیں ان کے نکاح سے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) ممنوع ہے اور سخت ممنوع ہے شرکت کے سبب اگر ان کا روپیہ ہمارے یہاں کے کار خیر میں میں صرف ہوگا تو مسلمان کا روپیہ ان کے کفر کے کاموں میں صرف ہوگا جن کو وہ کار خیر سمجھتے ہیں مثلا مندروں کی اعانت بتوں کی زینت وغیرہ، اور ان پر راضی ہونا کفر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۹: از امر تسر کٹرہ پرجہ مرسلہ غلام محمد صاحب دکاندار ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرح متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر ہجرت ہی کرنی ہے تو بجائے کابل کے مدینہ منورہ ہجرت کروں گا کم از کم یہ تو ہوگا کہ مسجد نبوی شریف میں ایک نماز پڑھنے سے بچاس ہزار نماز کا ثواب ہوگا اور کہتا ہے دین مدینہ منورہ سے نکلا ہے اور پھر اسی طرف پلٹ جائے گا، پس اس جگہ سے کون جگہ افضل ہوگی، اور اس زمانہ میں جبکہ نصارٰی کا قبضہ اس جگہ سے ہے کابل سے ہزار درجہ اس جگہ کی ہجرت کو افضل کہتا ہے اور اپنے لئے باعث سلامتی دین وشفاعت تصور کرتا ہے، زید کا یہ خیال درست ہے یا نہیں؟ یہ ہجرت اس کی درست ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ہجرت میں یہ نیت کرے کہ جب تک بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ پر کفار کا قبضہ ہے اتنی مدت اپنے وطن میں نہ آئے گا، ایسی نیت اس کی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

زید کے بالائی خیالات سب صحیح ہیں بیشک مدینہ طیبہ سے کسی شہر کو نسبت نہیں ہو سکتی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

والمدینۃ خیرلھم لو کانوا یعلمون[1]۔	مدینہ ان کے لئے سب سے بہتر ہے اور وہ جانیں۔

مگر مدینہ طیبہ میں مجاورت ہمارے ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے کہ حفظ آداب نہ ہو سکے گا اور قبضہ کفار کا بیان غلط ہے اور ہو تو یہ نیت کہ ان کے قبضہ تک وہیں رہے گا الٹی نیت ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] صحیح البخاری فضائل المدینۃ باب من رغب عن المدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۲، صحیح مسلم کتاب الحج باب ترغیب الناس فی سکنی المدینہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۵

مسئلہ ۱۶۰و۱۶۱: از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۳۳ مرسلہ حکیم سعید الرحمٰن صاحب دہلوی ۱۳ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

حضرت اقدس جناب مولانا صاحب قبلہ دام فیضہ السلام علیکم، مزاج گرامی! نہایت ادب سے مگر بیتابی کے ساتھ خدمت والا میں گزارش ہیں کہ برائے کرم امور ذیل کاجواب مرحمت فرماکر خادم کی تسلی فرمائیں۔

(۱) مسائل خلافت اسلامیہ وہجرت عن الہند کے متعلق مولوی عبدالباری اور ابوالکلام وغیرہ نے جو کچھ آواز اٹھائی ہے یہ حدود اسلامیہ وشرعیہ کے موافق ہے یاخلاف؟

(۲) ہر لحاظ سے جناب والا کی خاموشی کن مصالح کی بناپر ہے؟ اگر موافق ہے تو کیوں ان اصحاب کی تائید میں آواز نہیں اٹھاتے؟ اور اگر خلاف ہے تو دوسرے مسلمانوں کو خطرناک ہلاکت سے نہیں روکا گیا جناب والا نے اپنے لیے کیا راہ عمل تجویز فرمائی ہے؟

الجواب:

مقصد بتایا جاتاہے اماکن مقدسہ کی حفاظت، اس میں کون مسلمان خلاف کرسکتاہے اور کاروائی کی جاتی ہے کفار سے اتحاد مشرک لیڈروں کی غلامی و تقلید قرآن وحدیث کی عمر کو بت پرستی پر نثار کرنا مسلمانوں کا قشقہ لگوانا، کافروں کی جے بولنا، رام لچھمن پر پھول چڑھانا، رامائن کی پوجا میں شریک ہونا، مشرک کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کی جے بولتے ہوئے مرگھٹ کو لے جانا، کافروں کو مسجد میں لیجاکر مسلمانوں کا واعظ بنانا، شعار اسلام قربانی گاؤ کو کفار کی خوشامد میں بند کرنا ایک ایسے مذہب کی فکر میں ہونا جو اسلام وکفر کی تمیز اٹھادے اور بتوں کے معبد پر آگ کو مقدس ٹھہرائے، اور اسی طرح کے بہت اقوال احوال افعال جن کا پانی سر سے گزر گیا اور جنھوں نے اسلام پر یکسر پانی پھیر دیا، کون مسلمان ان میں موافقت کرسکتاہے ان حرکات خبیثہ کے رد میں فتوے لکھے گئے اور لکھے جارہے ہیں اس سے زیادہ کیا اختیار ہے پاکی ہے اسے جو مقلب القلوب والابصار ہے۔ **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** (اور ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ گناہوں سے تحفظ اور نیکی بجالانے کی طاقت کسی میں نہیں مگر اللہ تعالٰی بلند شان والے، بڑی عظمت والے کی توفیق سے ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۲تا۱۶۴: از گوری ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالجبار صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک شخص نماز نہیں پڑھتاہے لوگوں نے زبردستی نماز پڑھنے کو کہااور اس نے انکار کیا، اس صورت میں انکار کرنے والے اور تاکید کرنے والے کے ایمان میں نقص آیا یانہیں؟ اگر نقص کیا تو کس درجہ کا؟ بصورت اکراہ وخوف سزا اسے جبر یہ نماز پڑھتاہے۔ نہ معلوم نماز ریاادا کرتاہے

یاخلوص، لیکن ظاہر اسباب زبردستی دباؤ ہے۔ پس نماز عام جاہل کے دباؤ سے مقبول ہے یانہیں؟
(۲) ذابح البقر جس نے اپنا پیشہ ذبح کرنا مویشیوں کا ونفع اٹھانا فروخت گوشت سے ہمیشہ اختیار کرلیا ہے بخشا جائے گا یانہیں؟ وپرسش خون ناحق کایوم الحشر میں ہوگا یانہیں؟
(۳) ایک مسلمان نذر لغیر اللہ کھاتا ہے اور امداد مخلوق مثل شیخ سدو وخواجہ حضر وکالی بھوانی وغیرہ تعزیہ پرستی سے طلب کرتا ہے وبصورت حصول مراد نہیں نذر دینے سے ضرر جان ومال کا تصور کرتا ہے۔ ان صورتوں میں نقص ایمان واقع ہوا یا نہیں؟ وذبیحہ اس کا کھانا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) تاکید کرنے والے پر الزام نہیں، اور انکار اگریوں ہے کہ تیرے کہنے سے نہیں پڑھتا توگناہ ہی ہے اور اگر فرضیت نماز سے انکار کرے توکفر **کمافی جامع الفصولین**[1] **وغیرہ** (جیساکہ جامع الفصولین وغیرہ میں ہے۔ت)
قبول وعدم قبول کو بیان اوپر گزرا سقوط فرض ہوجائے گا **لاریاء فی الفرائض کما فی الاشباہ وغیرھا** (فرائض میں دکھاوا نہیں جیساکہ الاشباہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ت) مسلمانوں پر بدگمانی حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**
(۲) ذبح بقر کو خون ناحق کہنا کلمہ کفر ہے اور اس کی بخشش نہ جاننا ضلالت وگمراہی اور اس پیشے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں اور ذابح البقر کی وعید موضوع وبے اصل ہے حوالہ اس پر ہے جوان دعاوی باطلہ کامدعی ہوا الٹا مطالبہ جہالت وہابیہ ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**
(۳) کالی بھولالی سے مدد مانگنے والے کو مسلمان کہنا کفر ہے۔ کہنے والے پر تجدید اسلام وتجدید نکاح لازم ہے۔ اور کالی بھوانی، شیخ سدو اور ارواح خبیثہ کے ساتھ نبی اللہ حضر علیہ الصلٰوۃ والسلام سے استمداد کوملانا صریح گمراہی اور اور نبی اللہ کی توہین اور امام الوہابیہ مخزولی کی طرز لعین ہے۔ توبہ فرض ہے اور جب وہ کالی بھوانی سے مدد مانگتا ہے تو قطعاً کافر مشرک ہے اس کے ایمان کے نقصان کمال اور اس کے ذبیحہ سے سوال نادانی ہے۔ نہ اسکے بعد کسی امر محتمل سے بحث کی حاجت نہ کہ جائز مستحب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ص ۳۰۶

رسالہ

برکات الامداد لاھل الاستمداد ۱۳۱۱ھ

(مدد طلب کرنے والوں کے لئے امداد کی برکتیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۶۵: از سہسواں محلہ شہباز پورہ مرسلہ احمد نبی خان ۱۴/ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیہ **وایاك نستعین** کے معنی وہابی یوں بیان کرتا ہے کہ استعانت غیر حق سے شرک ہے۔

دیکھ حصر نستعین اے پاک دیں — استعانت غیر سے لائق نہیں

ذات حق بیشک ہے نعم المستعان — حیف ہے جو غیر حق کا ہو دھیان

اور علمائے صوفیہ کرام کا عقیدہ یوں ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مصلح الدین سعدی شیرازی رحمہ اللہ تعالٰی کا بھی یہی ایمان تھا کہ ع

ندار یم غیر از تو فریاد رس

(ہم تیرے سوا کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں رکھتے۔ت)

اور حضرت مولانا نظامی گنجوی رحمہ اللہ تعالٰی بھی دعا میں عرض کرتے تھے۔

بزرگا بزرگی دہا بیکسم توئی یاوری بخشش و یاری رسم

(اے بزرگ! بزرگی عطا فرما کہ میں بیکس ہوں، تو ہی حمایت کرنے والا اور میری مدد کو پہنچنے والا ہے)

اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کا قصہ دلچسپ وعبرت دلہا بیان کرتا ہے جو تحفۃ العاشقین میں لکھا ہے کہ ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے جب نستعین پر پہنچے بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش ہوا فرمایا: جب رب العالمین ایاک نستعین فرمائے اور میں غیر حق سے مانگوں مجھ سے زیادہ بے ادب کون ہوگا، دوسری آیت شریف جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قصہ کی کہ انی وجہت وجھی للذی سے بیان کرتا ہے اور بہت سی آیت شریفہ اور حدیث پاک اور قول علماء وصوفیہ بتاتا ہے لہذا مستدعی خدمت عالی ہوں کہ تردید اس کی مرحمت ہو کہ اس وہابی سے بیان کروں جواب قرآن کا قرآن سے، حدیث کا حدیث سے، اقوال کا اقوال سے، ارشاد فرمائے گا اور معنی لفظی ہوں، **بینوا توجروا** راقم نیاز احمد نبی خاں، سہسوان

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وبہ نستعین والصلٰوۃ والسلام علی اعظم غوث اکرم ومعین محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین۔	سب حمدیں اللہ تعالٰی کے لیے، اور اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں، اور صلٰوۃ وسلام سب سے بڑے بزرگی والے غوث ومددگار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وصحبہ اجمعین۔ (ت)

الحمدُ للہ آیات کریمہ تو مسلمان کی ہیں اور حضرت مولٰنا سعدی و مولٰنا نظامی قدس سرہ السامی کے جو اشعار نقل کئے وہ بھی حق ہیں، مگر وہابی حق باتوں سے باطل معنی کا ثبوت چاہتا ہے جو ہرگز نہ ہوگا آیہ کریمہ انی وجّہت وَجْہِیَ کو تو اس مقام سے کوئی علاقہ ہی نہیں اس میں توجہ بقصد عبادت کا ذکر ہے کہ میں اپنی عبادت سے اسی کا قصد کرتا ہوں جس نے پیدا کئے زمین وآسمان، نہ یہ کہ مطلق توجہ کا جس میں انبیاء واولیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے استعانت بھی داخل ہوسکے، جلالین شریفین میں اس آیہ کریمہ کی تفسیر فرمائی۔

قالوا الہ ما تعبد قال انی وجہت وجھی قصدت بعبادتی الخ۔[1]	یعنی کافروں نے سیدنا ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والسلام سے کہا تم کسے پوجتے ہو فرمایا: میں اپنی عبادت سے اس کا قصد کرتا ہوں جس نے بنائے آسمان وزمین۔

[1] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۶/ ۷۹ اصح المطابع دہلی ص ۱۱۹

آیت میں اگر مطلق توجہ مراد ہو تو کسی کی طرف منہ کرکے باتیں کرنا بھی شرک ہو نماز میں قبلہ کی طرف توجہ بھی شرک ہو کہ قبلہ بھی غیر خدا ہے خدا نہیں، اور رب العزت جل وعلا کا ارشاد ہے:

"حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ" [1]۔	جہاں کہیں ہو اپنا منہ قبلہ کی طرف کرو۔

معاذاللہ شرک کا حکم دینا ٹھہرے، مگر وہابیہ کی عقل کم ہے۔ آیہ کریمہ وایاک نستعین مناجات سعدی ونظامی میں استعانت و فریادرسی ویاوری دیاری حقیقی کا حضرت عزوجل وعلا میں حصر ہے نہ کہ مطلق کا، اور بلاشبہہ حقیقت ان امور بلکہ ہر کمال بلکہ ہر وجود ہستی کی خاص بجناب احدیت عزوجل ہے استعانت حقیقیہ یہ کہ اسے قادر بالذات ومالک مستقل وغنی بے نیاز جانے کہ بے عطائے الٰہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے، اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے نہ ہرگز کوئی مسلمان غیر کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے بلکہ واسطہ وصول فیض وذریعہ ووسیلہ قضائے حاجات جانتے ہیں اور یہ قطعاً حق ہے۔ خود رب العزت تبارک وتعالٰی نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا: "وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" [2] اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

بایں معنی استعانت بالغیر ہرگز اس سے حصر ایاك نستعين کے منافی نہیں، جس طرح وجود حقیقی کہ خود اپنی ذات سے بے کسی کے پیدا کئے موجود ہونا خالص بجناب الٰہی تعالٰی وتقدس ہے۔ پھر اس کے سبب دوسرے کو موجود کہنا شرک نہ ہوگیا جب تک وہی وجود حقیقی نہ مراد لے۔ حقائق الاشياء ثابتة پہلا عقیدہ اہل اسلام کا ہے۔ یونہی علم حقیقی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، اور تعلیم حقیقی کہ بذات خود بے حاجت بہ دیگرے القائے علم کرے، اللہ جل جلالہ سے خاص ہیں، پھر دوسرے کو عالم کہنا یا اس سے علم طلب کرنا شرک نہیں ہوسکتا جب تک وہی معنی اصلی مقصود نہ ہوں، خود رب العزت تبارک وتعالٰی قرآن عظیم میں اپنے بندوں کو علیم وعلماء فرماتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت ارشاد کرتا ہے:

"يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" [3] یہ نبی انھیں کتاب وحکمت کا علم عطا کرتا ہے۔

یہی حال استعانت وفریادرسی کا ہے کہ ان کی حقیقت خاص بخدا اور بمعنی وسیلہ وتوسل وتوسط غیر کے لئے ثابت اور قطعاً روا، بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لئے خاص ہیں اللہ عزوجل وسیلہ وتوسل وتوسط بننے سے

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۱۴۴

[2] القرآن الکریم ۵ /۳۵

[3] القرآن الکریم ۳ /۱۶۴

پاک ہے۔اس سے اوپر کون ہے کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگااور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے۔ کہ یہ بیچ میں واسطہ بنے گا، ولہٰذا حدیث میں ہے جب اعرابی نے حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! ہم حضور کو اللہ تعالٰی کی طرف شفیع بناتے ہیں اور اللہ عزوجل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سخت گراں گزرا دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے۔ پھر فرمایا:

ویحك انہ لایستشفع باللہ علی احد شان اللہ اعظم من ذٰلک، روہ ابوداؤد[1] عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ارے نادان ! اللہ کو کسی کے پاس سفارشی نہیں لاتے ہیں کہ اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے (اسے ابوداؤد نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اہل اسلام انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام سے یہی استعانت کرتے ہیں جو اللہ عزوجل سے کیجئے تو اللہ اور اس کا رسول [عـــہ۱] غضب فرمائیں اور اسے اللہ جل وعلا کی شان میں بے ادبی ٹھہرائیں، اور حق تو یہ ہے کہ اس استعانت کے معنی اعتقاد کرکے جناب الٰہی جل وعلا سے کرے تو کافر ہوجائے مگر وہابیہ کی بد عقلی کو کیا کہئے، نہ اللہ [عـــہ۲] کا ادب نہ رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے خوف، نہ ایمان کا پاس خواہی نخواہی اس استعانت کو ایک نستعین میں داخل کرکے جو اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہے اسے اللہ تعالٰی سے خاص کئے دیتے ہیں۔ایک بیوقوف وہابی نے کہا تھا ؎

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے   جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے کہا ؎

توسل کر نہیں سکتے خدا سے   اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

یعنی یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ خدا سے توسل کرکے اسے کسی کے یہاں وسیلہ وذریعہ بنائے اس وسیلہ بننے کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ دربارہ الٰہی میں ہمارا وسیلہ وذریعہ وواسطہ قضائے حاجات ہوجائیں اس بے وقوفی کے سوال کا جواب اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں دیا ہے۔

عـــہ۱: جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔   عـــہ۲: جل جلالہ۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی الجھیمۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۴

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾"[1]	اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کرکے تیرے پاس حاضر ہوں اور اللہ سے معافی چاہیں اور معافی مانگے ان کے لئے رسول، تو بیشک اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں گے۔

کیا اللہ تعالٰی اپنے آپ نہیں بخش سکتا تھا۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ اے نبی! تیرے پاس حاضر ہوں اور تو اللہ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت و نعمت پائیں گے۔ یہی ہمارا مطلب ہے۔ جو قرآن کی آیت صاف فرمارہی ہے۔ مگر وہابیہ تو عقل نہیں رکھتے۔ خدارا انصاف! اگر آیہ کریمہ **ایاك نستعین** میں مطلق استعانت کا ذات الٰہی جل وعلا میں حصر مقصود ہو تو کیا صرف انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام ہی سے استعانت شرک ہوگی، کیا یہی غیر خدا ہیں، اور سب اشخاص واشیاء وہابیہ کے نزدیک خدا ہیں یا آیت میں خاص انھیں کا نام لے دیا ہے کہ ان سے شرک اوروں سے روا ہے۔ نہیں نہیں، جب مطلقاً ذات احدیت سے تخصیص اور غیر سے شرک ماننے کی ٹھہری تو کیسی ہی استعانت کسی غیر خدا سے کی جائے ہمیشہ ہر طرح شرک ہی ہوگی کہ انسان ہوں یا جمادات، احیاء ہوں یا اموات، ذوات ہوں یا صفات، افعال ہوں یا حالات، غیر خدا ہونے میں سب داخل ہیں، اب کیا جواب ہے آیہ کریمہ کا کہ رب جل وعلا فرماتا ہے:

"اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ"[2]	استعانت کرو صبر و نماز سے۔

کیا صبر خدا ہے جس سے استعانت کا حکم ہوا ہے۔ کیا نماز خدا ہے جس سے استعانت کو ارشاد کیا ہے۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے:

"وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى"[3]	آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور پرہیزگاری پر۔

کیوں صاحب! اگر غیر خدا سے مدد لینی مطلقاً محال ہے تو اس حکم الٰہی کا حاصل کیا، اور اگر ممکن ہو تو جس سے مدد مل سکتی ہے اس سے مدد مانگنے میں کیا زہر گھل گیا۔

احادیث مبارکہ: ___ حدیثوں کی تو گنتی ہی نہیں بکثرت احادیث میں صاف صاف حکم ہے۔ کہ ___ صبح کی عبادت سے استعانت کرو ___ شام کی عبادت سے استعانت کرو ___

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

کچھ رات رہے کی عبارت سے استعانت کرو____ علم کے لکھنے سے استعانت کرو____ سحری کے کھانے سے استعانت کرو ____ دوپہر کے سونے سے وصدقہ سے استعانت کرو____ عورتوں کی خانہ نشینی میں انھیں ننگا رکھنے سے استعانت کرو____ حاجت روائیوں میں حاجتیں چھپانے سے استعانت کرو____ کیا یہ سب چیزیں وہابیہ کی خدا ہیں کہ ان سے استعانت کا حکم آیا۔ یہ حدیثیں خیال میں نہ ہوں تو مجھ سے سنئے:

(۱)البخاری والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اِسْتَعِیْنُوْا بِالْغُدْوَۃِ وَالرَّوْحَۃِ وَشَیْئٍ مِّنَ الدُّلْجَۃِ[1]۔	امام بخاری اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ میں عبادت سے استعانت کرو۔(ت)
(۲)الترمذی عن ابی ھریرۃ[2]۔	ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کیا۔(ت)
(۳)والحکیم الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم استعن بیمینك علی حفظك[3]۔	حکیم ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ اپنے حافظہ کی امداد کرواپنے ہاتھ سے۔(ت)
(۴)ابن ماجه والحاکم والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی شعب الایمان عنه رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم استعینوا بطعام السحر علی صیام النھار وبالقیلولة علی قیام اللیل[4]۔	ابن ماجہ اور حاکم اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دن کے روزے رکھنے پر سحری کے کھانے سے استعانت کرو اور رات کے قیام کے لئے قیلولہ سے استعانت کرو۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب الدین یسر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی الرخصة فیه امین کمپنی کراچی ۲/ ۹۱

[3] کنز العمال حدیث ۲۹۳۰۵ ۱۰/ ۲۴۵ و مجمع الزوائد کتاب العلم باب کتاب العلم ۱/ ۱۵۲

[4] سنن ابن ماجة ابواب الصیام باب ماجاء فی السحور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۳، المستدرك للحاکم کتاب الصوم الاستعانة بطعام السحر دارالفکر بیروت ۱/ ۴۲۵

(۵)الدیلمی فی مسند الفردوس عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم استعینوا علی الرزق بالصدقة[1] ۔	دیلمی نے مسند فردوس میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ رزق پر صدقہ سے استعانت کرو۔(ت)
(۶)ابن عدی فی الکامل عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم استعینوا علی النساء بالعری فان احدهن اذا کثرت ثیابها واحسنت زینتها اعجبها الخروج[2] ۔	ابن عدی نے کامل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ عورتوں کے خلاف استعانت حاصل کرو تنگی لباس سے، کیونکہ جب وہ ان کے جوڑے زیادہ ہوں گے اور ان کی زینت اچھی بنے گی وہ باہر نکلنا پسند کریں گی۔(ت)
(۷)الطبرانی فی الکبیر والعقیلی و ابن عدی وابو نعیم فی الحلیة والبیهقی فی الشعب عن معاذ بن جبل[3] ۔	طبرانی نے کبیر میں اور عقیلی اور ابن عدی اور ابونعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے شعب میں معاذ بن جبل سے روایت کیا۔ (ت)
(۸)والخطیب عن ابن عباس[4] ۔	خطیب نے ابن عباس سے روایت کیا(ت)
(۹)والخلعی فی فوائده عن امیر المؤمنین علی ن المرتضی[5] ۔	خلعی نے اپنی فوائد میں امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔ت(ت)
(۱۰)والخرائطی فی اعتلال القلوب عن امیر المومنین عمر الفاروق رضی الله تعالٰی عنهم عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم	خرائطی نے اعتلال میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حاجت روائیوں میں

[1] کنز العمال بحواله فر عن عبدالله بن عمرو حدیث ۱۵۹۶۱ موسسة الرسالة بیروت ۶ /۳۴۳

[2] کنز العمال بحواله عد عن انس حدیث ۴۴۹۵۲ موسسة الرسالة بیروت ۱۶ /۳۷۲

[3] حلیة الاولیاء ترجمه خالد بن معدان دار الکتب العلمیه بیروت ۵ /۲۱۵

[4] تاریخ بغداد ترجمه حسین بن عبیدالله ۴۱۲۴ دار الکتب العلمیه بیروت ۸ /۵۷

[5] الجامع الصغیر حدیث ۹۸۵ دار الکتب العلمیه بیروت ۱ /۶۶

استعینوا علی انجاح الحوائج بالکتمان [1]۔	حاجتیں چھپانے سے استعانت کرو۔(ت)

یہ دس حدیثیں تو افعال سے استعانت میں ہوئیں، بیس ۲۰ حدیثیں اشخاص سے استعانت میں لیجئے کہ تیس ۳۰ احادیث کا عدد کامل ہو۔

حدیث ۱۱: احمد وابوداؤد وابن ماجہ بسند صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: انا لانستعین بمشرك [2] ہم کسی مشرک سے استعانت نہیں کرتے۔

اگر مسلمان سے استعانت بھی ناجائز ہوتی تو مشرک کی تخصیص کیوں فرمائی جاتی، ولہذا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا ارشاد فرماتے ہیں:

اَسْلِمْ اَسْتَعِنْ بِكَ عَلٰی اَمَانَةِ الْمُسْلِمِیْن۔	مسلمان ہوجا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کروں۔

وہ نہ مانتا تو فرماتے ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے۔

حدیث ۱۲: امام بخاری تاریخ میں حبیب بن یساف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لانستعین بالمشرکین علی المشرکین [3]۔ ورواہ الامام احمد ایضًا۔	ہم مشرکوں سے مشرکوں پر استعانت نہیں کرتے۔(امام احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۱۳: صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن نسائی میں ہے چند قبائل عرب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی

---

[1] کنز العمال بحوالہ عق، عد، طب، حل، ھب عن معاذ بن جبل، الخرائطی فی اعتلال القلوب عن عمر خط وابن عساکر خل فی فوائدہ عن علی، حدیث ۱۶۸۰۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۵۱۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی المشرك یسھم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۶۸، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب الاستعانۃ بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعانۃ بالمشرکین ادارۃ القرآن ۱۲/ ۳۹۴، مسند احمد بن حنبل حدیث جد خبیب رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۵۴

علیہ وسلم سے استعانت کی، حضور والا نے مدد عطافرمائی۔

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتاہ رعل وذکوان وعصیۃ وبنو لحیان فزعموا انھم قد اسلموا واستمدوہ علی قومھم فامدھم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] الحدیث۔	حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان قبائل کے لوگ آئے اور انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ اسلام قبول کرچکے ہیں اور اپنی قوم کے لئے آپ سے مدد طلب کی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی مدد کی۔الحدیث۔ (ت)

حدیث ۱۴: صحیح مسلم وابوداؤد وابن ماجہ ومعجم کبیر طبرانی میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطافرمائیں، عرض کی میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں حضور کی رفاقت عطا ہو، فرمایا بھلا اور کچھ، عرض کی بس میری مراد تو یہی ہے، فرمایا تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔ قال کنت ابیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاتیتہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سل، ولفظ الطبرانی فقال یوما یاربیعۃ سلنی فاعطیك رجعنا الی لفظ مسلم فقال فقلت اسألك مرافقتك فی الجنۃ، قال اوغیر ذٰلک۔ قلت ھو ذاک، قال فاعنی علی نفسك بکثرۃ السجود [2]۔

الحمد للہ یہ جلیل ونفیس حدیث صحیح اپنے ہر ہر فقرہ سے وہابیت کش ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اَعِنِّیْ فرمایا کہ میری اعانت کر، اسی کو استعانت کہتے ہیں، یہ درکنار حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مطلق طور پر سَلْ فرمانا کہ مانگ کیا مانگتا ہے، جان وہابیت پر کیسا پہاڑ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرماسکتے ہیں، دنیا وآخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں جب تو بلاتقیید وتخصیص فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب العون بالمدد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۱

[2] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب فضل السجود والحث علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۳، المعجم الکبیر عن ربیعہ بن کعب حدیث ۴۵۷۶ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۵/ ۵۸

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی شرح مشکوۃ شریف میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

ازاطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ وتخصیص نکرد بمطلوبی خاص معلوم میشود کہ کارہمہ بدست ہمت وکرامت اوست صلی تعالٰی علیہ وسلم ہرچہ خواہد وہرکراخواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ فان من جودك الدنیا وضرتھا ومن علومك علم اللوح والقلم [1]۔	مطلق سوال کے متعلق فرمایا "سوال کر" جس میں کسی مطلوب کی تخصیص نہ فرمائی، تومعلوم ہوا کہ تمام اختیارات آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دست کرامت میں ہیں، جو چاہیں جس کو چاہیں اللہ تعالٰی کے اذن سے عطا کریں، آپ کی عطا کا ایک حصہ دنیا وآخرت ہے اور آپ کے علوم کا ایک حصہ لوح وقلم کا علم۔(ت)

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

یوخذ من اطلاق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الامر بالسؤال ان اللہ مکنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق [2]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالٰی کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔(ت)

پھر لکھا:

وذکر ابن سبع فی خصائصہ وغیرہ ان اللہ تعالٰی اقطعہ ارض الجنۃ یعطی منہا ماشاء لمن یشاء [3]۔	یعنی امام ابن سبع وغیرہ علماء نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا ہے کہ جنت کی زمین اللہ عزوجل نے حضور کی جاگیر کردی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں۔(ت)

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی "جوہر منظم" میں فرماتے ہیں:

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب السجود وفضلہ فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۹۶

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلٰوۃ مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۶۱۵

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلٰوۃ مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۶۱۵

انه صلی تعالٰی علیه وسلم خلیفة الله الذی جعل خزائن کرمه وموائد نعمه طوع یدیه وتحت ارادته یعطی منها من یشاء ویمنع من یشاء [1]۔	بے شک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں، اللہ تعالٰی نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور کے دست قدرت کے فرمانبردار اور حضور کے زیر حکم وارادہ واختیار کردئے ہیں کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں اور جسے چاہیں نہیں دیتے۔(ت)

اس مضمون کی تصریحیں کلمات ائمہ وعلماء واولیاء وعرفاء میں حد تواتر پر ہیں جو ان کے انوار سے دیدہ ایمان منور کرنا چاہے فقیر کا رسالہ **سلطنة المصطفی فی ملکوت کل الورٰی** (۱۲۹۷ھ) مطالعہ کرے۔

اس جلیل حدیث میں سب سے بڑھ کر جان وہابیت پر یہ کیسی آفت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جنت مانگی کہ **اسألك مرافقتك فی الجنة یارسول الله!** میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقت والا سے مشرف ہوں، وہابیہ کے طور سے یہ کیسا کھلا شرک ہے مگر اس کی شکایت کیا، ابھی فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے بجواب سوال دہلی ایک نفیس رسالہ "**اکمال الطامة علی شرك سوی بالامور العامة**" تالیف کیا اور بتوفیقہ تعالٰی اس میں تین سو ساٹھ آیتوں حدیثوں سے ثبوت دیا کہ وہابیہ کے طور پر حضرات انبیاء کرام وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام سے لے کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خود حضرت رب العزت جل جلالہ تک **معاذ اللہ** کوئی شرک سے محفوظ نہیں، **ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم**۔

اشراک بمذہبے کہ تا حق برسد
مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

(ایک مذہب میں شرک اللہ تعالٰی تک پہنچتا ہے وہ سب کو معلوم ہے اور مذہب والے بھی سب کو معلوم ہیں)

حدیث ۱۵ تا ۲۸: چودہ ۱۴ حدیثوں میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اطلبوا الخیر عند حسان الوجوه [2]۔	خیر طلب کرو نیک رویوں کے پاس۔

[1] الجوہر المنظم الفصل السادس المطبعة الخیرة مصر ص ۴۲

[2] التاریخ الکبیر حدیث ۴۶۸ دار الباز مکة المکرمة ۱/ ۱۵۷، موسوعه رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۵۱ مؤسسة الکتب الثقافیة بیروت ۲/ ۴۹، کشف الخفاء حدیث ۳۹۴ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۲۲

وفی لفظ (دوسرے الفاظ میں):

اطلبوا الخیر والحوائج من حسان الوجوہ[1]۔	نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔

وفی لفظ (بالفاظ دیگر):

اذا ابتغیتم المعروف فاطلبوہ عند حسان الوجوہ[2]۔	جب نیکی چاہو تو خوبرویوں کے پاس طلب کرو،

وفی لفظ (دوسرے لفظوں میں):

اذا طلبتم الحاجات فاطلبوھا عند حسان الوجوہ[3]۔	جب حاجتیں طلب کرو خوش چہروں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ بزیادۃ (اضافہ کے ساتھ دیگر الفاظ میں):

فان قضٰی حاجتك قضاھا بوجه طلق و ان ردك ردك بوجه طلق، اخرجه الامام البخاری فی التاریخ[4] وابو بکر بن ابی الدنیا فی قضاء[5] الحوائج وابو یعلی فی مسندہ[6] والطبرانی فی الکبیر والعقیلی[7] وابن عدی[8]	خوش جمال آدمی اگر تیری حاجت روا کرے گا تو بکشادہ روئی اور تجھے پھیرے گا تو بکشادہ پیشانی۔ (اسے امام بخاری نے تاریخ میں، ابوبکر بن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں ابویعلٰی نے اپنی مسند میں طبرانی نے کبیر میں۔ عقیلی نے عدی نے

---

[1] المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۱۱۱۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۸۱

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ یعلی بن ابی الاشدق الخ دار الفکر بیروت ۷/ ۲۶۴۲، کنز العمال حدیث ۱۶۷۹۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۵۱۶

[3] اتحاف السادۃ کتاب الصبر والشکر بیان حقیقۃ النعمۃ الخ دار الفکر بیروت ۹/ ۹۱

[4] التاریخ الکبیر حدیث ۴۶۸ دار الباز مکۃ المکرمۃ ۱/ ۱۵۷

[5] موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۵۴ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۲/ ۵۱

[6] مسند ابی یعلی عن عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث ۴۷۴۰ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۳۸۶)

[7] الضعفاء الکبیر حدیث ۵۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۲۱

[8] الکامل لابن عدی ترجمہ حکم بن عبداللہ بن سعد دار الفکر بیروت ۲/ ۶۲۲

والبیھقی فی شعب الایمان[1] وابن عساکر[2]۔	بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے روایت کیا۔ت)
(۱۵)عن ام المؤمنین الصدیقة وعبد بن حمید فی مسندہ،وابن حبان فی الضعفاء وابن عدی فی الکامل[3] والسلفی فی الطیوریات۔	(۱۵) حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کو عبد بن حمید نے اپنی مسند اور ابن حبان نے ضعفاء اور ابن عدی نے کامل اور سلفی نے طیوریات میں ذکر کیا۔(ت)
(۱۶)عن عبداللہ بن عمر الفاروق،وابن عساکر[4] وکذا الخطیب[5] فی تاریخھما۔	(۱۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت کو اور ابن عساکر اور ایسے ہی خطیب نے اپنی اپنی تاریخ میں ذکر کیا۔(ت)
(۱۷)عن انس بن مالك بلفظ التمسواء والطبرانی فی الاوسط[6] والعقیلی[7] و الخرائطی فی اعتلال القلوب و تمام فی فوائدہ وابو سھل عبد الصمد بن عبد الرحمن البزار فی جزئه وصاحب المھروانیات۔	(۱۷) حضرت انس بن مالک کی روایت میں المتسوا کالفظ ہے اور اس کو طبرانی نے اوسط اور عقیلی اور خرائطی نے اعتلال القلوب اور تمام نے اپنی فوائد میں اور ابو سہیل عبدالصمد بن عبد الرحمٰن بزار نے اپنی جزء میں اور مہروانیات والے نے روایت کیا ہے۔(ت)
(۱۸)عن جابر بن عبداللہ والدارقطنی فی الافراد[8] بلفظ ابتغوا والعقیلی و	(۱۸) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کہ دارقطنی "ابتغوا" کے لفظ کے ساتھ اور عقیلی اور

---

[1] شعب الایمان حدیث ۳۵۴۱و۳۵۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳ /۲۷۸

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن عائشہ حدیث ۱۶۷۹۳ موسسة الرسالہ بیروت ۶ /۵۱۶

[3] الکامل لابن عدی ترجمہ یعلی بن اشدق دار الفکر بیروت ۷/ ۲۷۴۲

[4] تھذیب تاریخ ابن عساکر ترجمہ خیثمہ بن سلیمان دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

[5] تاریخ بغداد ترجمہ ۱۲۸۷ محمد بن محمد المقری دار الکتب العربی بیروت ۳/۲۲۶

[6] المعجم الاوسط حدیث ۶۱۱۳ مکتبہ المعارف ریاض ۷ /۱۷

[7] الضعفاء الکبیر حدیث ۶۲۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۱۳۹

[8] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد حدیث ۱۶۷۹۲ موسسة الرسالہ بیروت ۶ /۵۱۶

ابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج[1] و الطبرانی فی الاسط وتمام والخطیب فی رواۃ مالک۔	ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں اور طبرانی نے اوسط میں اور تمام اور خطیب نے رواۃ مالک میں ذکر کیا ہے۔(ت)
(۱۹)عن ابی ہریرۃ وابن النجار فی تاریخۃ[2]۔	(۱۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کو ابن النجار نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔(ت)
(۲۰)عن امیر المومنین علی المرتضی والطبرانی فی الکبیر[3]۔	(۲۰) حضرت امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کو طبرانی نے کبیر میں ذکر کیا۔
(۲۱)عن یزید بن خصیفه عن ابیه عن جده ابی خصیفه بلفظ التمسوا وتمام فی الفوائد۔	(۲۱) حضرت یزید بن خصیفہ نے اپنے والد انھوں نے یزید کے دادا ابی خصیفہ سے "المتسوا" کے لفظ کے ساتھ اور تمام نے فوائد میں ذکر کیا۔
(۲۲)عن ابی بکرۃ والخطیب[4] وتمام ولفظ التمسوا والبیهقی فی الشعب والطبرانی[5]۔	(۲۲) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کو اور خطیب اور تمام نے "المتسوا" کے لفظ کو اور بیہقی نے شعب میں اور طبرانی نے ذکر کیا۔(ت)
(۲۳)عن عبداللہ بن عباس هذا الاخیر منهم خاصة عن ابن عباس باللفظ الثانی وابن عدی عن ام المومنین باللفظ الثالث،واخرجه بن عدی فی الکامل والبیهقی فی الشعب[6]۔	(۲۳) یہ آخری ان سے خاص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثانی لفظ کے ساتھ اور ابن عدی نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تیسرے لفظ کے ساتھ اس کو ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں ذکر کیا۔(ت)

[1] موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۵۳ موسسۃ الکتب بیروت ۲ /۵۱

[2] کشف الخفاء بحوالہ ابن النجار فی تاریخ بغداد حدیث ۵۲۷ موسسۃ الکتب العلمیہ ۱ /۱۶۰

[3] المعجم الکبیر عن ابی خصیفہ حدیث ۹۸۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۲ /۳۹۶

[4] تاریخ بغداد ترجمہ محمد بن محمد ابوبکر المقری ۱۲۸۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳ /۲۲۶

[5] المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۱۱۱۰ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱ /۸۱

[6] شعب الایمان حدیث ۱۰۸۷۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۲۳۵

(۲۴)عن عبداللہ بن جراد باللفظ الرابع، واحمد بن منیع فی مسندہ عن الحجاج بن یزید۔ (۲۵)عن ابیہ یزید القسملی[1] باللفظ الخامس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ہذہ کلہا مسندات وابو بکر ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ۔ (۲۶)عن ابن مصعب[2] الانصاری و (۲۷)عن عطاء[3] و(۲۸)عن الزہری[4] مرسلات۔	(۲۴)حضرت عبداللہ بن جراد سے چوتھے لفظ کے ساتھ اور احمد بن منیع نے اپنی مسند میں حجاج بن یزید نے ذکر کیا۔(ت) (۲۵)اس نے اپنے باپ یزید قسملی سے پانچویں لفظ کے ساتھ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین یہ تمام مسندات اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا۔(ت) (۲۶)ابن مصعب انصاری سے اور (۲۷) عطاء سے (۲۸)اور زہری سے سب مرسلات ہیں۔

امام محقق جلال الملۃ والدین سیوطی فرماتے ہیں: الحدیث فی نقدی حسن صحیح[5] یہ حدیث میری پرکھ میں حسن صحیح ہے۔

قلت وقولہ ہذا لاشك حسن صحیح فقد بلغ حد التواتر علی رائی (میں کہتا ہوں اور ان کا یہ قول حق ہے بیشک یہ حسن صحیح حد تواتر کو پہنچی ہے میری رائے میں)

حضرت عبداللہ بن رواحہ یا حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

قد سمعنا نبینا قال قولا   ھو لمن یطلب الحوائج راحۃ

اغتدوا واطلبوا الحوائج ممن   زین اللہ وجہہ بصباحۃ[6]

یعنی بے شک ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک بات فرماتے سنا کہ وہ حاجت مانگنے والوں کے لئے آسائش ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ صبح کرو اور حاجتیں اس سے مانگو جس کا چہرہ اللہ تعالٰی نے گورے رنگ سے آراستہ کیا ہے۔رواہ العسکری۔

---

[1] کشف الخفاء بحوالہ القسمی حدیث ۵۲۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۶۰

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الادب ماذکر فی طلب الحوائج حدیث ۶۳۲۷ کراچی ۹/ ۱۰

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الادب ماذکر فی طلب الحوائج حدیث ۶۳۲۸ کراچی ۹/ ۱۰

[4] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الادب ماذکر فی طلب الحوائج حدیث ۶۳۲۹ کراچی ۹/ ۱۰

[5] کشف الخفاء تحت حدیث ۵۲۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۶۰

[6] الدر المنثور فی الاحادیث المشتہرہ تحت حدیث ۸۸ المکتب الاسلامی بیروت ص ۶۸

حدیث۲۹: کہ حضرت پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ فرماتے ہیں:

اطلبوا الفضل عند الرحماء من امتی تعیشوا فی اکنافھم فان فیھم رحمتی [1]۔	فضل میرے رحمدل امتیوں کے پاس طلب کرو کہ ان کے سائے میں چین کروگے کہ ان میں میری رحمت ہے۔

وفی لفظ (اور دوسرے الفاظ میں۔ت):

اطلبوا الحوائج الی ذوی الرحمة من امتی ترزقوا تنجحوا [2]۔	اپنی حاجتیں میرے رحمدل امتیوں سے مانگو رزق پاؤگے مرادیں پاؤگے۔

وفی لفظ قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (بالفاظ دیگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت):

یقول اللہ عزوجل اطلبوا الفضل من الرحماء من عبادی تعیشوا فی اکنافھم فانی جعلت فیھم رحمتی [3]۔ رواہ باللفظ الاول ابن حبان والخرائطی فی مکارم الاخلاق والقضاعی فی مسند الشھاب والحاکم فی التاریخ وابوالحسن الموصلی وبالثانی العقیلی و الطبرانی فی الاوسط وبالثالث العقیلی، کلھم عن ابی سعیدن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے فضل میرے رحمدل بندوں سے مانگوان کے دامن میں عیش کروگے کہ میں نے اپنی رحمت ان میں رکھی ہے۔ روایت کیا پہلی حدیث کو ابن حبان اور خرائطی نے مکارم الاخلاق میں اور قضاعی نے مسند الشہاب میں اور حاکم نے تاریخ میں، اور ابوالحسن موصلی نے اور دوسری حدیث کو عقیلی اور طبرانی نے اوسط میں، اور تیسری حدیث کو عقیلی نے یہ ساری حدیثیں ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی گئیں۔(ت)

حدیث۳۰: کہ حضور والاارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اطلبوا المعروف من رحماء امتی	میرے نرم دل امتیوں سے نیکی واحسان مانگو

[1] کنز العمال بحوالہ الخراطی فی مکارم الاخلاق حدیث ۱۶۸۰۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۵۱۹

[2] کنز العمال بحوالہ عق وطس عن ابی سعید خدری حدیث ۱۱۸۰۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۵۱۸

[3] الضعفاء الکبیر حدیث ۹۵۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳

تعیشوا فی اکنافھم .اخرجه الحاکم [1] فی المستدرك عن امیر المومنین علی المرتضی کرم الله وجهه الاسنی۔	ان کے ظل عنایت میں آرام کروگے۔(اسے حاکم نے مستدرک میں امیر المومنین علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الاسنی سے روایت کیا۔ت)

انصاف کی آنکھیں کہاں ہیں، ذرا ایمان کی نگاہ سے دیکھیں یہ سولہ بلکہ سترہ حدیثیں کیسا صاف صاف واشگاف فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے نیک امتیوں سے استعانت کرنے ان سے حاجتیں مانگنے، ان سے خیر واحسان کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمھاری حاجتیں بکشادہ پیشانی روا کرینگے، ان سے مانگو تو رزق پاؤگے، مرادیں پاؤگے، ان کے دامن حمایت میں چین کروگے ان کے سایہ عنایت میں عیش اٹھاؤگے۔

یارب! مگر استعانت اور کس چیز کا نام ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا صورت استعانت ہوگی، پھر حضرات اولیاء سے زیادہ کون سا امتی نیک ورحمدل ہوگا کہ ان سے استعانت شرک ٹھہرا کہ اس سے حاجتیں مانگنے کا حکم دیا جائے گا، **الحمدللہ** حق کا آفتاب بے پردہ وحجاب روشن ہوا، مگر وہابیہ کا منہ خدا نے مارا ہے انھیں اس عیش چین آرام، خیر، برکت، سایہ رحمت، دامن رافت میں حصہ کہاں، جس کی طرف مہربان خدا مہربان رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے امتیوں کو بلارہا ہے ع

گر بر تو حرام ست حرامت بادا

(اگر تجھ پر حرام ہے تو حرام رہے۔ت)

والحمدللہ رب العلمین تیس حدیث کا وعدہ **بحمداللہ** پورا ہوا، آخر میں تین ۳ حدیثیں وہابیت کش اور سنتے جائیے کہ عدد وتر اللہ عزوجل کو محبوب ہے:

حدیث۳۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا ضل احد کم شیئا وارادعونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یاعباد الله اعینونی یاعبادالله اعینونی یا عبادالله اعینونی فان الله عبادالایراھم [2]۔ (والحمدالله)	جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہوجائے یا راہ بھول جائے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہیے یوں پکارے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو

[1] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴ /۳۲۱

[2] المعجم الکبیر عن عتبه بن غزوان حدیث ۲۹۰ المکتبه الفیصیلة بیروت ۱۷ /۱۸۔۱۱۷

رواہ الطبرانی عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میری مدد کرو۔کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنھیں یہ نہیں دیکھتا وہ اس کی مدد کرینگے (والحمدللہ) (اسے طبرانی نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے **فلیناد یاعباد اللہ احبسوا** تو یوں ندا کرے اے اللہ کے بندو! روک دو، عباداللہ اسے روک دیں گے، **رواہ ابن السنی**[1] **عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے ابن السنی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳۳: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

یوں ندا کرے **اعینوا یا عباداللہ** مدد کرو اے اللہ کے بندو۔ **رواہ ابن ابی شیبہ**[2] **والبزار عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما** (اسے ابن ابی شیبہ اور بزار نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

یہ حدیثیں کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روایت فرمائیں قدیم سے اکابر علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی کی مقبول و معمول و مجرب ہیں، اس مطلب کی قدرے تفصیل اور ان حدیثوں کی شوکت قاہرہ کے حضور وہابیہ کی حرکت مذبوحی کا حال دیکھنا ہو تو فقیر کا رسالہ "**انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار**" ملاحظہ ہو۔ اور اس سے زائد ان حضرات کی بری حالت حدیث اجل و اعظم **یامحمد انی توجھت بك الی ربی**[3] (یا محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ ت) کے حضور ہے کہ وہ حدیث صحیح و جلیل و مشہور منجملہ اعظم واکبر احادیث استعانت ہے جس سے ہمیشہ ائمہ دین مسئلہ استعانت میں استدلال فرماتے رہے۔ اس کی تفصیل بھی فقیر کے اسی رسالے میں مسطور ہے کہ یہاں بخوف تطویل ذکر نہ کی۔

---

[1] عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی باب مایقول اذا انفلتت الدابۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۷۰

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الدعاء باب مایدعو بہ الرجل الخ حدیث ۹۷۷۰ ۱۰/ ۳۹۰

[3] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۷، المستدرک للحاکم کتاب صلٰوۃ التطوع دار الفکر بیروت ۱/ ۳۱۳ و ۵۱۹

اقوال علماء: رہے اقوال علماء ان کا نام لینا تو وہابی صاحبوں کی بڑی حیاداری ہے صدہا قول علماء اہلسنت وائمہ ملت کے نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار نہ صرف ایک آدھ رسالے بلکہ تصانیف کثیرہ اہلسنت میں ان حضرات کے سامنے پیش ہوچکے، دیکھ چکے، سن چکے، جانچ چکے، جن کے جواب سے آج تک عاجز ہیں اور بحوالہ تعالٰی قیامت تک عاجز رہیں گے۔ مگر آنکھوں کے ڈھلے پانی کا علاج کیا کہ اب بھی اقوال علماء کا نام لئے جاتے ہیں یعنی ہزار بار مارا تو مارا اب کی بار مار لو تو جانیں۔ سبحان اللہ!

[1]شفاء السقام امام علامہ مجتہد فہامہ سیدی تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی و[2]کتاب الاذکار امام اجل اکمل سیدی ابو زکریا نووی و[3]احیاء العلوم وغیرہ تصانیف عظیمہ امام الانام حجۃ الاسلام قطب الوجود محمد غزالی و[4]روض الریاحین و[5]خلاصۃ المفاخر، و[6]نشر المحاسن وغیرہا تصانیف جلیلہ امام اجل اکرم عارف باللہ فقیہ محقق عبداللہ بن سعد یافعی و[7]حصن حصین امام شمس الدین ابوالخیر ابن جزری و[8]مدخل امام ابن الحاج محمد عبدری مکی و[9]مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ امام احمد قسطلانی و[10]افضل القری لقری ام القری و[11]جوہر منظم و[12]عقود الجمان وغیرہ تصانیف امام عارف باللہ سیدی، ابن حجر مکی و[13]میزان امام اجل عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی وحرز[14]ثمین ملا علی قاری و[15]مجمع بحار الانوار علامہ طاہر فتنی و[16]لمعات التنقیح و[17]اشعۃ اللمعات و[18]جذب القلوب و[19]مجمع البرکات و[20]مدارج النبوۃ وغیرہا تالیف شیخ الشیوخ علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی و[21]فتاوٰی خیریہ خیر الملۃ والدین رملی و[22]مراقی الفلاح علامہ حسن وفائی شرنبلالی و[23]مطالع المسرات علامہ فاسی وشرح[24]مواہب علامہ محمد زرقانی و[25]نسیم الریاض علامہ شہاب الدین خفاجی وغیرہا تصانیف کثیرہ علمائے کرام وسادات اسلام جن کی تحقیق وتنقیح واثبات وتصریح استمداد واعانت سے زمین وآسمان گونج رہے ہیں، اگر مطالعہ کرنے کی لیاقت نہ تھی تو کیا [1]تصحیح المسائل و[2]سیف الجبار و[3]بوارق محمدیہ وغیرہا تصانیف نفیسہ عمادالسنۃ معین الحق حضرت مولانا فضل رسول قدس سرہ المقبول بھی نہ دیکھیں یہ تو عام فہم زبان اردو فارسی میں خاص تمھارے ہی مذہب نامذہب کے رد میں تصنیف ہوئیں اور بحمد اللہ بارہا مطبوع ہو کر راحت قلوب صادقین وغیظ صدور مارقین ہوا کیں، علی الخصوص کتاب جلیل فیوض ارواح اقدس جس میں خاندان عزیزی کے صدہا اقوال صریحہ قاتل وہابیت قبیحہ منقول، مگر ہے یہ کہ ع

بیحیا باش وآنچہ خواہی کن

بیحیا ہو جا پھر جو چاہے کر۔ت

تصانیف فقیر غفراللہ تعالٰی لہ سے [5]کتاب حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات و[6]رسالہ انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار و[7]رسالہ انوار الانتباہ فی حل ندا یارسول اللہ

و۸ رسالہ الاھلال بفیض الاولیاء بعد الوصال و۹ کتاب الامن والعلی لنا عتی المصطفی بدافع البلاء خصوصًا کتاب مستطاب ۱۰سلطنۃ المصطفی فی ملکوت کل الورٰی وغیرہا میں جابجا بکثرت ارشادات واقوال ائمہ وعلماء واولیائے کرام مذکور یہاں ان کے ذکر سے اطالت کی حاجت نہیں اور خود اسی تحریر میں جو اقوال حضرت شیخ محقق ومولانا علی قاری وامام ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالٰی زیر حدیث ۱۴مذکور ہوئے قتل وہابیت کو کیا کم ہیں، پھر وہابی صاحب کی اس سے بڑھ کر پرلے سرے کی شوخ چشمی یہ کہ علماء کے ساتھ صوفیاء کرام کا نام پاک بھی لے دیا، کیا وہابیت وحیا میں ایسا ہی تناقض تام ہے کہ ایک آن کو بھی حیا کا کوئی شمہ وہابیت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دربارۂ استعانت صوفیاء کرام کے اقوال افعال، اعمال سے دفتر بھرے ہیں دریا بہہ رہے ہیں اس دیدے کی صفائی کا کیا کہنا، ذرا آنکھوں پر ایمان کی عینک لگا کر حضرت شیخ محقق مولنا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف ملاحظہ ہو، اس مسئلہ میں حضرات اولیائے کرام قدست اسرارھم سے کیا ذکر کرتے ہیں فرماتے ہیں:

آنچہ مروی ومحکی ست از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل واستفادہ ازاں خارج از حصر است ومذکورست در کتب ورسائل ایشاں ومشہوراست میاں ایشاں کہ حاجت نیست کہ آں راذکر کنیم وشاید کہ منکر ومتعصب سود نہ کند او راکلمات ایشاں عافانا اللہ من ذٰلك[1]۔	مشائخ اہل کشف سے کامل لوگوں کی ارواح سے استمداد اور استفادہ گنتی سے باہر ہے اور ان کی کتب ورسائل میں مذکور ہے اور ان میں مشہور ہے لہذا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ ان کے کلمات منکر ومتعصب لوگوں کو فائدہ نہ دیں۔اللہ تعالٰی اس سے محفوظ رکھے(ت)

اللہ اکبر، ان منکران بے دولت کی بے نصیبی یہاں تک پہنچی کہ اکابر علماء وعرفاء کو کلمات

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الجہاد باب حکم الاسراء فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۲

حضرت اولیائے کرام سے انھیں نفع پہنچنے کی امید نہ رہی اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔یوں نہ مانئے تو آزمالیجئے اور ان ہزار در ہزار ارشادات بیشمار سے امتحانا صرف ایک کلام پاک فرزند دلبند صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کریں جو بتصریح اعاظم اولیاء سید الاولیاء وامام الاصفیاء وقطب الاقطاب وتاج الاوتاد ومرجع الابدال ومفزع الافراد اور باعتراف اکابر علماء امام شریعت وسردار امت ومحی دین وملت ونظام طریقت وبحر حقیقت وعین ہدایت ودریائے کرامت ہے۔وہ کون،ہاں وہ سید الاسیاد واہب المراد سیدنا ومولٰنا وملاذنا وماوٰنا وغوثنا وغیثنا حضرت قطب عالم وغوث اعظم سید ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الاکرام وعلی آلہ وعلیہ وبارک وسلم،اور وہ کلام پاک نہ ایسا کہ کسی ایسے ویسے رسالے یا محض زبانوں پر مشہور ہوا بلکہ اکابر واجلہ ائمہ کرام وعلمائے عظام مثل امام اجل عارف باللہ سید الفقراء ثقہ ثبت،حجت فقیہ محدث راویۃ الحضرۃ والعلیۃ القادریۃ سیدنا امام ابوالحسن نور الدین علی بن الجریر لخمی شطنوفی پھر امام کرام شیخ الفقہاء فرد الوفاء عالم ربانی لوائے حکمت یمانی سیدنا امام عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی مکی پھر فاضل اجل فقیہ اکمل محدث اجمل شیخ الحرم المحترم مولٰنا علی قادری حنفی ہروی مکی وبقیۃ السلف جلیل الشرف صاحب کرامات عالی وبرکات معالی ومولٰنا محمد ابوالمعالی سلمی معالی پھر شیخ شیوخ علماء الہند محقق فقیہ عارف نبیہ مولٰنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت وعظمائے امت قدسنا اللہ تعالٰی باسرارہم وافاض علینا من برکاتہم وانوارہم نے اپنی تصانیف جلیلہ جمیلہ ومستندہ ومثل بہجۃ الاسرار شریف وخلاصۃ المفاخر ونزہۃ الخاطر الفاتر وتحفۃ قادریہ واخبار الاخیار وزبدۃ الآثار وغیرہ میں ذکر وروایت فرمایا کہ حضور پر نور جگر پارہ شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ فعلیہ وبارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من استغاث فی کربۃ کشف عنه ومن نادانی باسمی فی شدۃ فرجت عنه ومن توسل بی الی الله فی حاجۃ قضیت له ومن صلی رکعتین یقراء فی کل رکعۃ بعد الفاتحۃ سورۃ الاخلاص احدی عشرۃ مرۃ ثم یصلی و یسلم علی رسول الله	جو کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے وہ مصیبت دور ہو اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دفع ہو اور جو اللہ عزوجل کی طرف کسی حاجت میں مجھ سے وسیلہ کرے وہ حاجت پوری ہو،اور جو دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں بعد فاتحہ گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے پھر سلام پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد السلام ویذکرنی ثم یخطو الی جھۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ ویذکر اسمی ویذکر حاجتہ فانہا تقضی باذن اللہ تعالیٰ [1]۔ یقول العبد صدقت یا سیدی یا مولائی رضی اللہ تعالیٰ عنك وعن کل من کان لك ومنك فالحمدللہ الذی جعل وارث ابیك المرسل رحمۃ ومولی النعمۃ و صلی اللہ تعالیٰ علی ابیك وعلیك وعلی کل من انتمی الیك وبارك وسلم وشرف وکرم اٰمین اٰمین یاارحم الراحمین والحمدللہ رب العالمین۔	درود وسلام بھیجے اور مجھے یاد کرے، پھر بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلے اور میرا نام لے اور اپنی حاجت کاذکر کرے تو بیشک اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ حاجت روا ہو۔ یہ بندہ (یعنی احمد رضا) عرض کرتاہے کہ میرے آقا مولیٰ! آپ نے سچ فرمایااللہ تعالیٰ آپ سے اور آپ کے متوسلین اور آپ کی اولاد سے راضی ہو، تمام حمدیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے آپ کے والد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وارث، رحمت اور آقائے نعمت بتایا، اللہ تعالیٰ آپ کے والد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ پر اور آپ سے منسوب سب پر رحمتیں نازل فرمائے اور برکتیں اور سلامتی اور کرم فرمائے، آمین یاارحم الراحمین۔ والحمدللہ رب العالمین (ت)

حضرت ابوالمعالی قدس سرہ العالی کی روایت میں الفاظ کریمہ **کشفتُ فرّجتُ قضیت** بصیغہ متکلم معلوم ہیں، وہ ان کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

عمربزاز قدس سرہ میگوید من شنیدہ ام از حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ہرکہ درکربتے بمن استغاثہ کند **کشفت عنہ** دور گردانم آن کربت راازو، وہرکہ درشدتے بنام من ندا کند **فرجت عنہ** خلاص بخشم اورا ازاں	عمربزاز فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ جو شخص مصیبت میں مجھ سے استغاثہ کرے گا میں مدد کروں گا، اس سے اس کی تکلیف دور کروں گا اور جو سختی میں مجھے ندا کرے گا اس کی سختی کو دور

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراہم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲

شدت وہر کہ درحاجتے توسل بمن کند در حضرت جل وعلا قضیت لہ حاجت اورا برآرم[1]۔	کردوں گا اور خلاصی دلاؤں گا، اور جو اپنی حاجت میں مجھ سے توسل کرے گا اللہ تعالٰی کے دربار میں اس کی حاجت پوری کروں گا۔ (ت)

علامہ علی قاری بعد ذکر روایت فرماتے ہیں:

قَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ مِرَارًا فَصَحَّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ[2]۔	بیشک یہ بار ہا تجربہ کیا گیا ٹھیک اترا، اللہ تعالٰی کی رضا شیخ پر ہو۔ (ت)

فقیر غفرلہ نے اس نماز مبارک کی ترکیب وبعض نکات ولطائف غریب میں ایک مختصر رسالہ مسمّٰی بہ ازھار الانوار من صباء صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ) میں اس کے ہر ہر فعل کے ثبوت کو کافی، ہر ہر جز کے احادیث کثیرہ واقوال ائمہ وحکم شرعیہ سے اثبات وافی ہیں ایک مفصل رسالہ نفیسہ بر فوائد جلیلہ مسمّٰی بہ "ازھار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ)" تصنیف کیا جس کی خداداد شوکت قاہرہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے وللہ الحمد۔ ایمان سے کہنا یہ وہی اولیاء ہیں جن پر تم یہ جیتا بہتان اٹھاتے ہو مگر وہ تو حضرات اولیاء تمہیں منکر متعصب فرماہی چکے، تم پر ارشادات اولیاء کا کیا اثر ہو، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ عنان قلم روکتے روکتے سخن طویل ہوا جاتا ہے۔ چند فوائد ضروریہ لکھ کر ختم کیا چاہئے۔

فائدہ ضروریہ

حضرت امام سفیان ثوری قدس سرہ النوری کی نقل قول میں مخالف نے ستم کار سازی کو کام فرمایا ہے۔ اصل حکایت شاہ عبدالعزیز صاحب کی فتح العزیز سے سنئے، لکھتے ہیں:

شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ در نماز شام امامت میکرد، چوں ایاك نعبد وایاك	شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شام کی نماز میں امامت فرمائی جب ایاک نعبد و

[1] تحفہ قادریہ باب دہم فی التوسل الیہ الخ قلمی ص۷۶

[2] نزہۃ الخاطر والفاتر

نستعین گفت بیہوش افتاد، چوں بخود آمد گفتند اے شیخ! تراچہ شدہ بود؟ گفت چوں **وایاك نستعین** گفتم ترسیدم کہ مرا بگویند کہ اے دروغ گو! چرا از طبیب دارو می خواہی واز امیر روزی واز بادشاہ یاری می جوئی، ولہذا بعضے از علماء گفتہ اند کہ مرد را باید کہ شرم کند ازانکہ ہر روز وشب پنج نوبت در مواجہہ پروردگار خود استادہ دروغ گفتہ باشد، لیکن دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآں غیر باشد واو را مظہر عون الٰہی نداند حرام است، واگر التفات محض بجانب حق است واو را مظاہر عون دانستہ ونظر بہ کارخانہ اسباب وحکمت او تعالٰی درآں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید، دور از عرفان نخواہد بود، ودر شرع نیز جائز وروا ست، وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند ودرحقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر۔[1]	**ایاك نستعین** پر پہنچے بیہوش ہو کر گرپڑے، جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے دریافت کیا، اے شیخ! آپ کو کیا ہوگیا تھا؟ فرمایا: جب ایاک نستعین کہا تو خوف ہوا کہ مجھ سے یہ نہ کہا جائے اے جھوٹے، پھر طبیب سے دوا کیوں لیتا ہے۔ امیر سے روزی اور بادشاہ سے مدد کیوں مانگتا ہے؟ اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کو خدا سے شرم کرنی چاہئے کہ پانچ وقت اس کے حضور کھڑا ہو کر جھوٹ بولتا ہے مگر یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ غیر اللہ سے اس طرح مدد مانگنا کہ اسی پر اعتماد ہو اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر نہ جانا جائے حرام ہے اور اگر توجہ حضرت حق ہی کی طرف ہے اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر جانتا ہے اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب پر نظر کرتے ہوئے ظاہری طور پر غیر سے مدد چاہتا ہے تو یہ عرفان سے دور نہیں، اور شریعت میں بھی جائز اور روا ہے اور انبیاء اور اولیاء نے ایسی استعانت کی ہے۔ اور درحقیقت یہ استعانت غیر سے نہیں ہے بلکہ یہ حضرت حق سے ہی استعانت ہے۔ (ت)

مخالف صاحب نے دیکھا کہ حکایت اگر صحیح طور پر نقل کریں تو ساری قلعی کھل جاتی ہے طبیبوں سے دوا چاہنی، امیروں سے نوکری مانگنی، بادشاہوں سے مقدمات وغیرہا میں رجوع کرنا سب شرک ہوا جاتا ہے جس میں خود بھی مبتلا ہے۔ لہٰذا از طبیب دواوغیرہ الفاظ کی جگہ یوں بتایا کہ "غیر حق سے مدد مانگو مجھ سے زیادہ بے ادب کون ہوگا" تاکہ جاہلوں کے بہکانے کو اسے بہ زور زبان

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تفسیر سورہ فاتحہ پارالم افغانی دارالکتب دہلی ص۸

حضرت انبیاء واولیاء علیہم السلام والثناء سے استعانت پر جمائیں اور آپ حکیم جی سے دوا کرانے، نواب راجہ کی نوکری کرنے، منصف ڈپٹی کے یہاں نالش لڑانے کو الگ بچ جائیں، سبحان اللہ کہاں وہ تبتل تام واسقاط تدبیر واسباب کا مقام جس کی طرف امام رحمۃاللہ تعالٰی علیہ نے اس قول میں ارشاد فرمایا جس کے اہل مریض ہوں تو دوانہ کریں۔ بیماری کو کسی سبب کی طرف نسبت نہ فرمائیں، عین معرکہ جہاد میں کوڑا ہاتھ سے گر پڑے تو دوسرے سے نہ کہیں آپ ہی اتر کے اٹھائیں، اور کہاں مقام شریعت مطہرہ واحکام جواز ومنع وشرک واسلام مگران ذی ہوشوں کے نزدیک کمال تبتل وشرک متقابل ہیں کہ جو اس اعلٰی درجہ انقطاع محض وتفویض تام پر نہ ہوا مشرک ٹھہرایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو، اسی حکایت کے بعد شاہ صاحب نے کیسی تصریح فرمادی کہ استعانت بالغیر وہی ناجائز ہے کہ اس غیر کو مظہر عون الٰہی نہ جانے بلکہ اپنی ذات سے اعانت کا مالک جان کر اس پر بھروسا کرے، اور اگر مظہر عون الٰہی سمجھ کر استعانت بالغیر کرتا ہے تو شرک وحرمت بالائے طاق، مقام معرفت کے بھی خلاف نہیں خود حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام نے ایسی استعانت بالغیر کی ہے۔

مسلمانو! مخالفین کے اس ظلم وتعصب کا ٹھکانا ہے کہ بیمار پڑیں تو حکیم کے دوڑیں، دوا پر گریں، کوئی مارے پیٹے تو تھانے کو جائیں، رپٹ لکھائیں، ڈپٹی وغیرہ سے فریاد کریں، کسی نے زمین دبالی کہ تمسک کا روپیہ نہ دیا تو منصف صاحب مدد کیجیو، جج بہادر خبر لیجیو، نالش کریں، استغاثہ کریں، غرض دنیا بھر سے استعانت کریں اور حصر ایاك نستعین کو اس کے منافی نہ جانیں، ہاں انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء سے استعانت کی اور شرک آیا، ان کاموں کے وقت آیت کا حصر کیوں نہیں یاد آتا، وہاں تو یہ ہے کہ ہم خاص تجھی سے استعانت کرتے ہیں، کیا مخالفین کے نزدیک "خاص تجھی" میں بید، حکیم، تھانیدار، جمعدار، ڈپٹی، منصف، جج وغیرہ سب آگئے کہ یہ اس حصر سے خارج نہ ہوئے، یامعاذاللہ آیہ کریمہ کا حکم ان پر جاری نہیں، یہ خدا کے ملک سے کہیں الگ بستے ہیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غرض مخالفین خود بھی دل میں خوب جانتے ہیں کہ آیہ کریمہ مطلق استعانت بالغیر کی اصلا ممانعت نہیں، نہ وہ ہرگز شرک یا ممنوع ہو سکتی ہے بلکہ استعانت حقیقیہ ہی رب العزۃ جل وعلا سے خاص فرمائی گئی ہے اور اس کا اختصاص کسی طرح حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام

سے استعانت جائزہ کا منافی نہیں ہو سکتا مگر عوام بیچاروں کو بہکانے اور محبوبان خدا کا نام پاک ان کی زبان سے چھڑانے کو دیدہ و دانستہ قرآن وحدیث کے معنی بدلتے ہیں، تو بات کیا سر کی کھلی اور دل کی بند ہیں، پاؤں تلے کی نظر آتی ہے۔ حکیم جی کو علاج کرتے، تھانیدار کو چوریاں نکالتے، نواب راجہ کو نوکریاں دیتے، ڈپٹی منصف کو مقدمات بگاڑتے سنبھالتے، آنکھوں دیکھ رہے ہیں، ان کہ امداد و اعانت سے کیونکر منکر ہوں اور حضرات علیہ انبیاء واولیاء علیہم ال۔صلوٰۃ والثناء سے جو باطن وظاہر قاہر و باہر مددیں پہنچ رہیں ہیں، وہ نہ دل کے اندھوں کو سوجھیں اور نہ ہی اپنے نصیبے میں ان کی برکات کا حصر سمجھیں پھر بلا کیونکر یقین لائیں، جیسے معتزلہ خذلھم اللہ تعالٰی کہ ان کے پیشوا ظاہری عبادتیں کرتے کرتے مر گئے، کرامات اولیاء کی اپنے میں بو ندنہ پائی، ناچار منکر ہو گئے ع

چونہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(جب انھوں نے حقیقت کو نہ سمجھا تو افسانہ کی راہ اختیار کی۔ت)

پھر ان حضرات کو ڈپٹی، منصف، حکیم سے خود بھی کام پڑتا رہتا ہے ان سے استعانت کیونکر شرک کہیں، معہذا ان لوگوں سے کوئی کاوش بھی نہیں۔ دل میں آزار تو حضرات انبیاء واولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء سے ہے۔ ان کا نام تعظیم و محبت سے نہ آنے پائے ان کی طرف کوئی سچی عقیدت سے رجوع نہ لائے۔ "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[1] (عنقریب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ (ت)

فائدہ مہمّہ

مخالفین بیچارے کم علموں کو اکثر دھوکا دیتے ہیں کہ یہ تو زندہ ہیں فلاں عقیدہ یا معاملہ ان سے شرک نہیں، وہ مردہ ہیں ان سے شرک ہے۔ یا یہ تو پاس بیٹھے ہیں ان سے شرک نہیں، وہ دور ہیں ان سے شرک ہے وعلی ھذا القیاس طرح طرح کے بیہودہ وسواس، مگر یہ سخت جہالت بے مزہ ہے جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے شرک ہی ہوگا، اور ایک کے لئے شرک نہیں تو کسی کے لئے بھی شرک نہیں ہو سکتا، کیا اللہ کے شریک مردے نہیں زندے ہو سکتے ہیں دور کے نہیں ہو سکتے پاس کے ہو سکتے ہیں، انبیاء نہیں ہو سکتے حکیم ہو سکتے ہیں، انسان نہیں ہو سکتے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۶ /۲۲۷

فرشتے ہوسکتے ہیں، حاشاللہ اللہ تبارک وتعالٰی کاکوئی شریک نہیں ہوسکتا، تومثلاجوبات نداخواہ کوئی شے جس اعتقاد کے ساتھ کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں وہ اسی اعتقاد سے کسی دوروالے یامردے بلکہ اینٹ پتھر سے بھی شرک نہیں ہوسکتی، اور جو ان میں سے کسی سے شرک ٹھہرے وہ قطعاً یقینا تمام عالم سے شرک ہوگی، اس استعانت ہی کو دیکھئے کہ جس معنی پر خدا سے شرک ہے یعنی اسے قادر بالذات ومالک مستقل جان کر مدد مانگنا۔ بہ ایں معنی اگر دفع مرض میں طبیب یادوا سے استمداد کرے یاحاجت فقر میں امیر یابادشاہ کے پاس جائے یاانصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے، بلکہ کسی سے روز مرہ کے معمولی کاموں ہی میں مدد لے جو بالیقین تمام مخالفین روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں، مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھادے یاکھانا پکادے، یاپانی پلادے سب شرک قطعی ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کر دینے پر انھیں خود اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر اور شرک میں کیاشبہہ رہا، اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی مظہر عون الٰہی وواسطہ و سیلہ وسبب سمجھنا اس معنی پر حضرات انبیاء واولیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والثناء سے کیوں شرک ہونے لگی، مگر حکیم، امیر، جج، اولاد، نوکر، جورو، ان سب کو مظہر عون وسبب ووسیلہ جاننا جائز ہے۔ اور ان حضرات عالیہ کو کہ وہ اعلٰی مظہر واعظم سبب وافضل وسائل بلکہ منتہی الاسباب وغایۃ الوسائط ونہایۃ الوسائل ہیں، ایسا سمجھنا شرک ہوگیا، ہزار تف بریں بے عقلی وناانصافی، غرض پانی وہیں مرتاہے کہ جو کچھ غصہ ہے۔ وہ حضرات محبوبان خدا کے بارے میں ہے۔ جورو، یار، بچے مددگار، نوکر، کارگزار مگرانبیاء، واولیاء کانام آیا اور سرپر شرک کا بھوت سوار یہ کیادین ہے۔ کیساایمان ہے! ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمین اس نکتے کو خوب محفوظ ملحوظ رکھیں، جہاں ان چالاکوں، عیاروں کو کوئی فرق کرتے دیکھیں کہ فلاں عمل یافلاں اعتقاد فلاں کے ساتھ شرک ہے فلاں سے نہیں، یقین جان لیجئے کہ نرے جھوٹے ہیں، جب ایک جگہ شرک نہیں تواس اعتقاد سے کسی جگہ شرک نہیں ہوسکتا، واللہ الھادی الی طریق سوی۔

فائدہ ضروریہ

مخالفین جب سب طرح عاجز آجاتے ہیں اور کسی طرف راہ مفر نہیں پاتے توایک نیاشگوفہ

چھوڑتے ہیں کہ صاحبو! ہم بھی اسی استعانت کو شرک کہتے ہیں جو غیر خدا کو قادر بالذات ومالک مستقل بے عطائے الٰہی جان کر کی جائے، اور اپنی بات بنانے اور خجلت مٹانے کو ناحق ناروا بیچارے عوام مومنین پر جیتا بہتان باندھتے ہیں کہ وہ ایسا ہی سمجھ کر انبیاء واولیاء سے استعانت کرتے ہیں ہمارا یہ حکم شرک انھیں کی نسبت ہے۔ اس ہارے درجہ کی بناوٹ کا لفافہ تین طرح کھل جائے گا۔

اوّلاً: صریح جھوٹے ہیں کہ صرف اسی صورت کو شرک جانتے ہیں ان کے امام خود تقویۃ الایمان میں لکھ گئے ہیں:

"کہ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہوتا ہے۔" [1]

کیوں اب کہاں گئے وہ جھوٹے دعوے۔

ثانیاً: ان کے سامنے یوں کہئے کہ یارسول اللہ! حضور کو اللہ تعالٰی نے اپنا خلیفہ اعظم ونائب اکرم وقاسم نعم کیا، دنیا کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، خزانوں کی کنجیاں، مدد کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں حضور کے دست مبارک میں رکھیں، روزانہ دو وقت تمام امت کے اعمال حضور کی بارگاہ میں پیش کرائے، یارسول اللہ! میرے کام میں نظر رحمت فرمائے اللہ کے حکم سے میری مدد وعافیت فرمائے۔

اب ان لفظوں میں تو صراحۃً قدرت ذاتی کا انکار اور مظہر عون الٰہی کی تصریح ہے ان میں تو معاذاللہ اس ناپاک گمان کی بو بھی نہیں آسکتی، یہ کہتے جائے اور ان صاحبوں کے چہرے کو غور کرتے جائے، اگر بکشادہ پیشانی سے سنیں اور آثار کراہت وغیظ ظاہر نہ ہو جب تو خیر، اور اگر دیکھئے کہ صورت بگڑی، ناک بھوں سمٹی، منہ پر دھوئیں کی مانند تاریکی دوڑی، تو جان لیجئے کہ دلی آگ اپنا رنگ لائی ع

کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

سبحان اللہ! میں عبث امتحان کو کہتا ہوں بارہا امتحان ہو ہی لیا، ان صاحبوں میں نواب دہلوی مصنف ظفر جلیل تھے، حدیث عظیم وجلیل ثابت یامحمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی [2] کہ صحاح ستہ سے تین صحاح جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ،

---

[1] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۷

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات ۲/ ۱۹۷ والمستدرك کتاب صلٰوۃ التطوع ۱/ ۳۱۳، وکتاب الدعا ۵۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی صلٰوۃ الحاجۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰

میں مروی اور اکابر محدثین مثل امام ترمذی وامام طبرانی وامام بیہقی وابو عبداللہ حاکم امام عبدالعظیم منذری وغیر ہم اسے صحیح فرماتے آئے ہیں جسے خود حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قضائے حاجت کے لئے تعلیم، اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے زمانہ اقدس اور حضور کے بعد زمانہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاجت روائی کا ذریعہ بنایا، اس میں کیا تھا، یہی نا کہ یار سول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ وہ میری حاجت روا فرمائے، اس میں معاذاللہ قدرت بالذات کی کہاں بو تھی جو نواب صاحب کو پسند نہ آئی کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد کا پاس نہ صحابہ وتابعین کی تعلیم وعمل کا لحاظ نہ اکابر حفاظ حدیث کی تصحیح کا خیال، سخت ڈھٹائی کے ساتھ حاشیہ ظفر جلیل پر حدیث صحیح کو بزور زبان وزور بہتان رد کرنے کے لئے عقل وشرع کی قید سے بے دھڑک بے پر کی اڑادی کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں، **اناللہ وانا الیہ راجعون۔**

اس واقعہ عبرت خیز کا بیان ہمارے رسالہ انھار الانوار میں ہے۔ اب دیکھئے کہ نہ فقط اولیاء بلکہ خود حضور پر نور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلٰوۃ والثناء سے استعانت جائز ومحمودہ، خود حضور اقدس کی فرمودہ، صحابہ وتابعین کی معمولہ ومقبولہ، صحیح حدیث میں ان لوگوں کا یہ حال ہے "**قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴿۱۱۹﴾**"[1]۔

ثالثًا: سب جانے دو، سرے سے یہ ناپاک ادعا ہے کہ بندگان خدا محبوبان خدا کو قادر مستقل جان کر استعانت کرتے ہیں، ایک ایسی سخت بات ہے جس کی شناعت پر اطلاع پاؤ تو مدتوں تمھیں توبہ کرنی پڑے اہل لا الٰہ الا اللہ پر بدگمانی حرام، اور ان کے کام کہ جس کے صحیح معنی بے تکلف درست ہوں خواہی نخواہی **معاذاللہ** معنی کفر کی طرف ڈھال لے جانا قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔ حق سبحانہ وتعالٰی فرماتا ہے:

"**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ**"[2]	اے ایمان والو! بہت گمانوں کے پاس نہ جاؤ، بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"**وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ**"	پیچھے نہ پڑ اس بات کے جو تجھے تحقیق نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۹

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

"اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾" [1]	بیشک کان آنکھ، دل سب سے سوال ہونا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًاۙ" [2]	کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو مسلمان مردوں عورتوں نے اپنی جانوں یعنی اپنے بھائی مسلمانوں پر نیک گمان کیا ہوتا۔

اور فرماتا ہے:

"یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ۚ" [3]	اللہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب ایسا نہ کرنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [4] رواہ مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی۔	گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔ (اسے امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤ، اور ترمذی نے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

افلا شققت عن قلبه [5] رواہ مسلم وغیرہ۔	تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا (اسے امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔ ت)

علماء کرام فرماتے ہیں کلمہ گو کے کلام میں اگر ننانوے ۹۹ معنی کفر کے نکلیں اور ایک تاویل اسلام کی پیدا ہو تو واجب ہے اسی تاویل کو اختیار کریں اور اسے مسلمان ٹھہرائیں کہ حدیث میں آیا ہے۔

الاسلام یعلو ولا یعلٰی [6] رواہ الرؤیانی	اسلام غالب رہتا ہے اور مغلوب نہیں کیا جاتا،

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۷

[4] صحیح بخاری باب قول اللہ عزوجل من بعد وصیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

[5] سنن ابی داؤد باب علی مایقاتل المشرکون آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۵۵

[6] سنن الدارقطنی کتاب النکاح باب المھر دار المحاسن اللطباعۃ قاہرۃ ۳/ ۲۵۲

والدارقطنی والبیھقی والضیاء والخلیل عن عائذ بن عمر المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم۔	(اسے رؤیائی، دارقطنی، بیہقی، ضیاء اور خلیل نے عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ت)

نہ کہ بلاوجہ منہ زوری سے صاف ظاہر، واضح، معلوم، معروف معنی کا انکار کرکے اپنی طرف سے ایک ملعون، مردود، مصنوع مطرود احتمال گھڑیں اور اپنے لئے علم غیب اور اطلاع حال کا دعوی کرکے زبردستی وہی ناپاک مراد مسلمانوں کے سر باندھیں، قیامت تو نہ آئے گی، حساب تو نہ ہوگا، ان بہتانوں، طوفانوں پر بارگاہ قہار سے مطالبہ جواب تو نہ ہوگا، ہاں ہاں جواب تیار کر رکھو اس سخت وقت کے لئے جب مسلمانوں کی طرف سے جھگڑتا آئے گا، لا الٰہ الا اللہ ہاں اب جانا چاہتے ہیں ستمگر لوگ کہ کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں، یوں اعتبار نہ آئے تو اپنے کذب کا امتحان کرلو، اہل استعانت سے پوچھو تو کہ تم انبیاء واولیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والسلام والثناء کو عیاذا باللہ خدا یا خدا کا ہمسر یا قادر بالذات یا معین مستقل جانتے ہو یا اللہ عزوجل کے مقبول بندے اس کی سرکار میں عزت ووجاہت والے اس کے حکم سے اس کی نعمتیں بانٹنے والے مانتے ہو، دیکھو تو تمھیں کیا جواب ملتا ہے۔

امام علامہ خاتمۃ المجتہدین تقی الملۃ والدین فقیہ محدث ناصر السنۃ ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب مستطاب شفاء السقام میں استمداد واستعانت کو بہت احادیث صریحہ سے ثابت کرکے ارشاد فرماتے ہیں:

لیس المراد نسبۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی الخلق والاستقلال بالافعال ھذا لا یقصدہ مسلم فصرف الکلام الیہ ومنعہ من باب التلبیس فی الدین و التشویش علی عوام الموحدین[1]۔ صدقت یا سیدی جزاک اللہ عن الاسلام و	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور کو خالق اور فاعل مستقل ٹھہراتے ہوں یہ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استعانت سے منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے اے میرے آقا! آپ نے سچ فرمایا اللہ تعالٰی

[1] شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام الباب الثامن فی التوسل الخ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۷۵

المسلمین خیرا، اٰمین!	آپ کو سلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین (ت)

فقیہ محدث علامہ محقق عارف باللہ امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی کتاب افادت نصاب جوہر منظّم میں حدیثوں سے استعانت کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں:

فالتوجه والاستغاثة به صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بغیرہ لیس لهما معنی فی قلوب المسلمین غیر ذٰلك و لایقصد بهما احد منهم سواہ فمن لم یشرح صدرہ لذٰلك فلیبك علی نفسه نسأل اللہ العافیة و المستغاث به فی الحقیقة هو اللہ و النبی صلی اللہ تعالٰی علیه واسطة بینه وبین المستغیث فهو سبحٰنه مستغاث به والغوث منه خلقا وایجادا والنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مستغاث والغوث منه سببا وکسبا[1]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا حضور اقدس کے سوااور انبیاء واولیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والثناء کی طرف توجہ اور ان سے فریاد کے یہی معنی مسلمانوں کے دل میں ہیں اس کے سوا کوئی مسلمان اور معنی نہیں سمجھتا ہے نہ قصد کرتا ہے تو جس کا دل اسے قبول نہ کرے وہ آپ اپنے حال پر روئے، ہم اللہ تبارک وتعالٰی سے عافیت مانگتے ہیں حقیقۃً فریاد اللہ عزوجل کے حضور ہے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے اور اس فریادی کے بیچ میں وسیلہ و واسطہ ہیں، تو اللہ عزوجل کے حضور فریاد ہے اور اس کی فریاد رسی یوں ہے کہ مراد کو خلق وایجاد کرے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور فریاد ہے اور حضور کی فریاد رسی یوں ہے کہ حاجت روائی کے سبب ہوں اور اپنی رحمت سے وہ کام کریں جس کے باعث اس کی حاجت رواہو۔

مخالف کو کریما کا مصرعہ یاد رہا کہ:

نداریم غیر از تو فریادرس

(ہم تیرے سوا کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں رکھتے۔ت)

اور وہ بیشک حق ہے جس کے معنی ہم اوپر بیان کر آئے مگر یہ یاد نہ آیا کہ اس کے کبرائے طائفہ کے اکابر وعمائد حضور پر نور سیدنا ومولانا وغوثنا وماوٰینا حضرت غوث اعظم غوث الثقلین صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الکریم وآبائہ الکرام وعلیہ وعلی مریدیہ ومحبیہ وبارک وسلم کو فریادرس مان رہے ہیں۔

---

[1] الجوہر المنظم الفصل السابع فیما ینبغی للزائر الخ المطبعۃ الخیریہ مصر ص ۶۲

شاہ ولی اللہ صاحب ہمعات میں لکھتے ہیں:

امروز اگر کسے را مناسبت بروح خاص پیدا شود وازآں جا فیض بردار غالبا بیروں نیست از آنکہ ایں معنی بہ نسبت پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باشد یا بہ نسبت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ یا بہ نسبت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ [1]۔	آج اگر کسی کو روح خاص سے مناسبت پیدا ہو جائے اور وہاں سے فیضیاب ہو تو غالبا بعید نہیں کہ یہ کمال حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مناسبت سے حاصل ہوا ہوگا یا بہ نسبت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ملا ہوگا۔ (ت)

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں حضرت اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبوبیت بیان کرکے فرماتے ہیں:

ایں مرتبہ ازاں مراتب است کہ ہیچکس راازبشر نہ دادہ اند، مگر بہ طفیل ایں محبوبے برخے از اولیاء امت اورا شمہ محبوبیت آں نصیب شدہ مسجود خلائق ومحبوبیت دلہا گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم وسلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہما [2]۔	یہ وہ مرتبہ ہے جو کسی انسان کو نصیب نہ ہوا، ہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طفیل سے اس کا کچھ حصہ اولیائے امت تک پہنچا، پھر یہ حضرات اس کی برکت سے مسجود خلائق اور محبوب قلوب ہوئے جیسے حضرت غوث الاعظم اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہما (ت)

مرزا مظہر جانجاناں اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

آنچہ درتاویل قول حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ نوشتہ اند [3]۔	حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کہ "میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے" کی تاویل میں انھوں نے لکھا ہے۔ (ت)

---

[1] ہمعات ہمعہ ۱۱ اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ حیدرآباد ص ۶۲

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) سورۃ الم نشرح مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۲۲

[3] کلمات طیبات فصل دوم در مکاتیب مرزا مظہر جانجاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۹

انہی کے ملفوظات میں ہے:

التفات غوث الثقلین بحال متوسلان طریقہ علیہ ایشاں بسیار معلوم باشد باہیچ کس از اہل ایں طریقہ ملاقات نشدہ کہ توجہ مبارک آں حضرت بحالش مبذول نیست [1]۔	غوث الثقلین کی توجہ اپنے سلسلے سے وابستہ حضرات کی طرف بہت معلوم ہوئی ہے آپ کے سلسلے کے کسی ایسے شخص سے ملاقات نہ ہوئی جو آپ کی توجہ سے محروم ہیں۔(ت)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی سیف المسلول میں لکھتے ہیں:

فیوض وبرکات کارخانہ ولایت اول بریک شخص نازل می شود وازاں تقسیم شدہ بہریک از اولیائے عصرمی رسدوبہ ہیچ کس از اولیاء اللہ بے توسط اوفیضے نمی رسد ایں منصب عالی تاوقت ظہور سید الشرفاء حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر الجیلانی بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بودہ چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد،ایں منصب مبارک بوئے متعلق شدہ تاظہور محمد مہدی ایں منصب بروح مبارک حضرت غوث الثقلین متعلق باشد ولہذاآں حضرت قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ فرمودہ،وقول حضرت غوث الثقلین اخی وخلیلی کان موسٰی بن عمران نیز براں دلالت دارد [2]۔	کارخانہ ولایت کے فیوض پہلے ایک شخص پر نازل ہوئے۔پھر اس سے منقسم ہوکر ہر زمانے کے اولیاء کو ملے اور کسی ولی کو ان کے توسط کے بغیر فیض نہ ملا،حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ظہور سے قبل یہ منصب عالی حسن عسکری علیہ السلام کی روح سے متعلق تھا،جب غوث الثقلین پیدا ہوئے تو یہ منصب آپ سے متعلق ہوا اور محمد مہدی کے ظہور تک یہ منصب حضرت غوث الثقلین کی روح سے متعلق رہے گا،اس لئے آپ نے فرمایا میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔پھر غوث پاک کا یہ قول"میرے بھائی اور دوست موسٰی بن عمران تھے"بھی اس پر دلالت کرتا ہے(ت)

یہ سب ایک طرف،خود امام الطائفہ میاں اسمٰعیل دہلوی صراط مستقیم میں اپنے پیر کا حال لکھتے ہیں:

"روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و	حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاؤالدین

[1] کلمات طیبات ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

[2] السیف المسلول لقاضی ثناء اللہ پانی پتی(مترجم اردو) فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۲۷

جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ[1]۔	نقشبند کی ارواح مبارکہ ان کے حال پر متوجہ تھیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

شخصیکہ در طریقہ قادریہ قصد بیعت مے کند البتہ او رادر جناب غوث الاعظم اعتقادے عظیم بہم می رسد (الی قولہ) کہ خودرا از زمرہ غلامان آن جناب می شمارد اھ ملخصا[2]۔	ایک شخص نے قادری طریقے میں بیعت کا ارادہ کیا یقینا اس کو جناب حضرت غوث الثقلین میں بہت گہرا اعتقاد تھا (الی قولہ) خود کو آنجناب کے غلاموں میں شمار کیا اھ ملخصا (ت)

اسی میں ہے:

اولیائے عظام مثل حضرت غوث الاعظم وحضرت خواجہ بزرگ[3] الخ۔	اولیائے عظام جیسے غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت خواجہ بزرگ (ت)

یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندرج مجموعہ زبدۃ النصائح میں لکھتے ہیں:

اگر شخصے بزے راخانہ پرور کند تا گوشت او خوب شود واو راذبح وپختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست[4]۔	اگر کوئی شخص کوئی بکرا گھر میں پالے تاکہ اس کا گوشت اچھا ہو جائے اور اس کو ذبح کرکے پکاکر غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ دلائے اور لوگوں کو کھلائے تو کوئی خلل نہیں۔ (ت)

ایمان سے کہیو، "غوث الاعظم" کے یہی معنی ہوئے کہ "سب سے بڑے فریاد رس" یا کچھ اور۔ خدا کو ایک جان کر کہنا "**غوث الثقلین**" کا یہی ترجمہ ہوا کہ "جن وبشر کے فریاد رس" یا کچھ اور، پھر یہ کیسا کھلا شرک تمہارا امام اور اس کا سارا خاندان بول رہا ہے قول کے سچے ہو تو ان سب کو ذرا جی کرا کرکے مشرک بے ایمان کہہ دو، ورنہ شریعت کیا ان کی خانگی ساخت ہے کہ فقط باہر والوں کے لئے خاص ہے گھر والے سب اس سے مستثنٰی ہیں۔

---

[1] صراط مستقیم خاتمہ دربیان پارہ از وارادات ومعاملات الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۶

[2] صراط مستقیم تکملہ باب چہارم دربیان طریق الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۴۷

[3] صراط مستقیم تکملہ دربیان سلوک ثانی راہ ولایت المکتبہ السلفیہ لاہور ص ۱۳۲

[4] زبدۃ النصائح رسالہ نذور

افسوس اس امام کی تلون مزاجیوں نے طائفہ کی مٹی اور بھی خراب کی ہے۔آپ ہی تو شرک کا قانون سکھائے جس کی بناء پر طائفہ کے نواب بھوپالی بہادر دبی زبان سے کہہ بھی گئے، غوث اعظم یا غوث الثقلین کہنا شرک سے خالی نہیں اور آپ ہی جب تلون کی لہر آئے تو اپنی موج میں آکر انھیں گہرے میں دھکا دے اور خود دور کھڑا قہقہے لگائے کہ
"اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ" [1] (میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہاں کا رب ہے) اب یہ بیچارے رویا کریں ؎

اپنا بیڑا کھے گئے اور ہو گئے ندیا پار
بانھ نہ میری تھام لی سو آن پڑی منجدھار

کون سنتا ہے الحق ؎

دو گونہ رنج وعذاب است جان مجنوں را بلائے صحبت لیلٰی وفرقت لیلٰی
(مجنون کی جان کے لئے دوہرا دکھ اور عذاب ہے صحبت لیلٰی کی مصیبت اور لیلٰی کا فراق)

ضعف الطالب والمطلوب o لبئس المولٰی ولبئس العشیر، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم، نعم المولٰی ونعم النصیر، والحمد للہ رب العالمین، وقیل بعدا للقوم الظلمین، وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین غوث الدنیا وغیاث الدین سیدنا ومولٰنا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ اٰمین!	طالب ومطلوب کمزور ہوئے، تو برا مددگار اور براخاندان، ہمیں اللہ تعالٰی کافی اور وہ اچھا وکیل، نیکی کی طرف پھرنا اور قوت صرف اللہ تعالٰی کی مدد سے ہے جو غالب حکمت والا ہے۔ وہی اچھا مددگار اور اچھا آقا ہے۔ اور رب العالمین کے لئے تمام حمدیں، اور ظالم قوم کو کہا گیا تمھارے لئے بُعد ہے۔ وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین غوث الدنیا وغیاث الدین سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ آمین! (ت)

الحمد للہ کہ یہ نہایت اجمالی جواب اور اتنے اجمال پر کافی ووافی موضع صواب چند جلسات میں ۱۶/ شعبان المعظم روز مبارک جمعہ ۱۳۱۱ھ ہجریہ قدسیہ کو بوقت عصر تمام اور بلحاظ تاریخ

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۶

برکات الامداد لاهل الاستمداد (۱۳۱۱ھ) نام ہوا، نفعنی اللّٰه به وبسائر تصانیفی والمسلمین فی الدارین بالنفع الاتم، وصلی اللّٰه تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد واٰله وصحبه وسلم، واللّٰه سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

تمّت

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــــــه

عبده المذنب احمد رضا البریلوی

عفی عنه بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم

رسالہ

فقہ شنہشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ ۱۳۲۶ھ

(لفظ شہنشاہ کا مفہوم اور یہ کہ بیشک محبوبانِ خدا کا بعطاء الٰہی دلوں پر قبضہ ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۶۶: از کانپور محلّہ فیل خانہ کہنہ مکان مولوی سید محمد اشرف صاحب وکیل۔ مرسلہ سید محمد آصف صاحب ۸/ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

حامی سنت، ماحی بدعت جناب مولانا صاحب دَامَتْ فُیُوْضُھُمْ، بعد سلام مسنون الاسلام، التماس مرام اینکہ ان دنوں جناب والا کا دیوان نعتیہ کمترین کے زیر مطالعہ ہے۔ بصد آداب ملازمان کی خدمت بابرکت میں ملتمس ہوں کہ وہ مصرع کے الفاظ شرعاً قابل ترمیم معلوم ہوتے ہیں اور غالباً اس ہیچمدان کی رائے سے ملازمان سامی بھی متفق ہوں اور ودر صورت عدم اتفاق جواب باصواب سے تشفی فرمائیں ع

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

اس مصرح میں لفظ "شہنشاہ" خلاف حدیث ممانعت در بارہ قول ملک الملوک ہے بجائے "شہنشاہ" اگر "مرے شاہ" ہو تو کسی قسم کا نقصان نہیں، دوسرا یہ مصرع حضرت غوث اعظم قدس سرہ، کی تعریف میں: ع

بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے کہ دل خداوند کریم کے قبضہ قدرت میں ہیں، اور وہی ذات مقلب القلوب ہے، چونکہ اس ہیچمداں سراپا عصیان کو ملازمان جناب والا سے خاص عقیدت وارادت ہے۔ لہٰذا امیدوار ہے کہ یہ تحریر محض اَلدِّیْنُ النُّصْحُ (دین نصیحت ہے۔ت) پر محمول فرمائی جائے، بخدا فدوری نے کسی اور غرض سے نہیں لکھا۔

عریضہ ادب سید محمد آصف عفی عنہ

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ھو الشاہ، والشّاہ الشاھنشاہ، لا ملك سواہ، فمن ادعا دونه فقد ضل وتاہ، وصلی اللہ تعالٰی علیه سید العالم، مالك الناس دیان العرب والعجم، الذی ملك الارض ورقاب الامم، وعلی اله وصحبه وبارك وسلم، اٰمین!	سب حمدیں اللہ تعالٰی کے لئے جو حقیقی بادشاہ اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی حقیقی بادشاہ نہیں ہے تو جو اس کے غیر کو مقابلہ میں سمجھے تو وہ گمراہ اور بھٹکا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالٰی رحمت نازل فرمائے جہاں کے سردار، عرب وعجم کے جزادہندہ جوروئے زمین اور امتوں کے مالک بنے اور آپ کی آل پاک واصحابہ پر اور برکت اور سلامتی فرمائے۔ آمین۔ (ت)

کرم فرمائے مکرم ذی الطف والکرم مکرمی سیدی محمد آصف صاحب زید کرمھم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

نوازش نامہ تشریف لایا، ممنون فرمایا، حق سبحانہ وتعالٰی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کے صرف انھیں دو مصرعوں میں تامل فرماتے سے شکر الٰہی بجالایا کہ اس میں بحمداللہ تعالٰی آپ کی سنیت خالصہ اور محبت وتعظیم حضور پرنور سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والثناء کا شاہد پایا، ورنہ قوم بے ادب خذلہ اللہ تعالٰی کے نزدیک تو ان اوراق میں معاذاللہ ہزاروں شرک بھرے ہیں، کہ ان دو لفظوں کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں، حالانکہ بحمداللہ تعالٰی اس میں جو کچھ ہے اکابر ائمہ دین واعاظم عرفائے کاملین کے ایمان کامل

کا ایک مختصر نمونہ ہے۔ جیسا کہ فقیر کی کتاب "سلطنۃ المصطفی فی ملکوت کل الورٰی" کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ وللہ الحمد۔
اب شکریہ کے ساتھ بتوفیقہٖ تعالٰی جواب عرض کروں، امید کہ جس خالص اسلامی محبت سے یہ اطلاع دی اسی پر ان جوابوں کو مبنی سمجھ کر ویسی ہی نظر سے ملاحظہ کرینگے، وباللہ التوفیق۔

جواب سوال اول: لفظ "شہنشاہ" اوّلاً بمعنی سلطان عظیم السلطنۃ محاورات میں شائع، وذائع ہے۔ اور عرف ومحاورہ کو افادہ مقاصد میں دخل تام، قال اللہ تعالٰی: "وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ"[1] (اور بھلائی کا حکم دو۔ ت)
خود ہمارے فقہاء کرام میں امام اجل علاء الدین ابوالعلاء لیثی ناصحی رحمۃ اللہ تعالٰی کا لقب "شاہان شہد، ملک الملوک" تھا ائمہ وعلمائے مابعد جوان کے فتاوٰی نقل کرتے ہیں اسی لقب سے انھیں یاد فرماتے ہیں اور وہ جناب فقاہت مآب خود اپنے دستخط! انھیں الفاظ سے کرتے، امام رکن الدین ابوبکر محمد بن المفاخرین عبدالرشید کرمانی جواہر الفتاوٰی کتاب الاجارہ باب سادس میں فرماتے ہیں:

قال الامام القاضی ملك الملوك ابوالعلاء الناصحی لماسئل عمن اجر ارضاموقوفة مائة سنة هل یجوز افتی ببطلان الاجارة معشر من زمرة الفقهاء قطعالازما وبذلك افتی للمتدین حسبة كیلااكون بمااحرز ظالما ملك الملوك ابوالعلا مجیبه لمعز دین الله مدعوادائما[2]۔	امام، قاضی، شاہوں کے شاہ ابوالعلا ناصحی سے یہ استفتاء کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک موقوفہ زمین سال بھر کے لئے اجارہ میں دی تو کیا اس کا یہ فعل از روئے شرع جائز ودرست ہے ۱۲م، فقہاء کی ایک جماعت نے فتوٰی دیا کہ یہ اجارہ قطعی اور لازمی طور پر باطل ہے۔ ۱۲م، میرا عدم جواز کا یہ فتوٰی دینا دینداروں کے لئے کافی ہے تاکہ میں اپنی جمع کردہ چیزوں کی وجہ سے ظالم نہ ہو جاؤ۔ ۱۲م شاہوں کے شاہ ابوالعلاء اس کا مجیب ہے دین الٰہی کے غلبہ کے لئے ہمیشہ دعا گو ہے۔ ۱۲م

---
[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۹۹
[2] جواہر الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الباب السادس قلمی نسخہ ورق ۱۳۸ صفحہ ۲۷۵

اسی کی ۳ کتاب القضاء میں ایک اور مسئلہ اس جناب سے بایں عنوان نقل فرمایا:

قال القاضی الامام ملك الملوك ابو العلاء الناصحی [1] ۔	قاضی امام شاہوں کے شاہ ابو العلاء ناصحی نے کہا ۱۲م۔

پھر ۴ تیسرے مسئلے میں فرمایا:

قال القاضی الامام ملك الملوك هذا ما عرض علیه محضر [2] ۔	قاضی امام، شاہوں کے شاہ نے یہ کہا، جب ان کے پاس دستاویز پیش کیا گیا۔ ۱۲م

۵ اس میں ان کا منظوم فتوٰی نقل کیا جس کے آخر میں فرمایا:

شاهان شه ملك الملوك ابو العُلاء نظم الجواب، منظما و مفصلا۔	شاہوں کے شاہ ابو العلاء نے اس جواب کو نظم اور ترتیب اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ۱۲م

۶ پھر فرمایا: قال ملك الملوك [3] (شاہوں کے شاہ نے فرمایا۔ ت) اور ان کا چوتھا فتوٰی نقل کیا جس کے ۷ آخر میں فرمایا:

شاهان شه ملك الملوك ابو العلا نظم الجواب لکل من هو قد عرف	شہنشاہ وقت ابو العلاء نے اس جواب کو ہر جانکار شخص کے لئے مرتب کیا۔ ۱۲م

۸ پھر ان کا پانچواں فتوٰی نقل فرمایا جس کے دستخط یوں فرمائے ہیں:

شاهان شه ملك الملوك ابو العلاء نظم الجواب مبینا لمنارہٖ [4]	شاہوں کے شاہ ابو العلاء نے جواب کو یوں مرتب فرمایا کہ اس کے ہر پہلو کو واشگاف کردیا۔ ۱۲م

۹ پھر ان کا چھٹا فتوٰی نقل کیا جس کے دستخط ہیں:

شاهان شه ملك الموك ابو العلاء هادی امیر المومنین لقد نظم [5] ۔	شاہوں کے شاہ ملک الملوک ابو العلاء مسلمانوں کے امیر ورہبر نے اس جواب کو مرتب کیا۔ ۱۲م

۱۰ یونہی کتاب الوقف میں ان کے متعدد فتاوے نقل فرمائے ازاں جملہ ایک کلام کا ختم یہ ہے:

---

[1] جواھر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۳ ورق ۱۷۷

[2] جواھر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۳ ورق ۱۷۷

[3] جواھر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۳ ورق ۱۷۷

[4] جواھر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۳ ورق ۱۷۷

[5] جواھر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۴ ورق ۱۷۷

ملك الملوك ابو العلاء مجيبه معز دين الله يشكر داعيا[1]۔	شاہوں کے شاہ ابوالعلاء اس کا مجیب ہے جو دین الٰہی کے غلبہ کے لئے شکر کے ساتھ دعا کرتا ہے۔ ۱۲م

"ایک کے آخر میں ہے:

شاهان شه ملك الملوك ابو العلاء نظم الجواب لمن تعفى بالٰه[2]۔	شہنشاہ ملک الملوک ابوالعلاء نے یہ جواب اس شخص کے لئے مرتب کیا جو اللہ عزوجل کی پناہ کا طالب ہے۔ ۱۲م

یونہی ۱۲ تا ۱۵ کتاب البیوع میں ان کے چار[۴] فتوے نقل فرمائے ہر ایک کی ابتداء انھیں لفظوں سے کی:

قال القاضی الامام ملك الملوك[3]۔	قاضی، امام، ملک الملوک نے کہا۔ (ت)

[۱۶] غرض کتاب مستطاب ان کے فتاوٰئے صواب اور ان کے ان گرامی الفاظ سے مشحون ہے۔

علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار رحمہما اللہ تعالٰی نے فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ میں نوازل سے نقل فرمایا:

قال سئل ملك الملوك ابو العلاء فيمن اُجر دار موقوفة مائة سنة[4] الخ۔	شاہوں کے شاہ ابوالعلاء سے اس شخص کے بارے میں استفتاء کیا گیا جس نے ایک وقف کی ہوئی زمین کو سال بھر کے لئے اجرت میں دیا تو کیا حکم ہے۔ ۱۲م۔

[۱۷] اسی کی کتاب القضا باب خلل المحاضرہ والسجلات میں دربارہ ساعی فرمایا:

فحول المتاخرين افتوا بجواز قتله حتى قال ملك الملوك الناصحی رحمه الله تعالٰی[5]۔	متاخرین میں معتمد و مستند علماء نے فتوٰی دیا ہے کہ ایسے شخص کو قتل کرنا جائز ہے حتی کہ شاہوں کے شاہ ناصحی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے ۱۲م۔

[1] جواہر الفتاوٰی کتاب الوقف، قلمی ص ۳۰۹ ورق ۱۵۵

[2] جواہر الفتاوٰی کتاب الوقف ص ۳۱۰ ورق ۱۵۵

[3] جواہر الفتاوٰی کتاب البیوع الباب السادس قلمی نسخہ ص ۲۵۹ ورق ۱۳۰

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۲۱

[5] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی باب خلل المحاضر والسجلات دار المعرفۃ بیروت ۲ /۲۰

[18] پھر ان کا منظوم فتوٰی نقل فرمایا:

القتل مشروع علیہ واجب زجرالہ والقتل فیہ مقنع شاھان شہ ملك الملوك ابو العلاء نظم الجواب لکل من ھو یبرع [1]۔	ایسے شخص کو قتل کرنا مشروع بلکہ اس کے زجر وتوبیخ کے لئے واجب ہے اور اس میں قتل عین عدل ہے۔شاہوں کے شاہ ملک الملوک ابوالعلاء نے ہر فضیلت وعلم رکھنے والوں کے لئے اس جواب کو مرتب کیا ۱۲م

[19] حضرت عمدۃ العلماء والاتقیاء زبدۃ العرفاء والاولیاء مولوی معنوی سیدی محمد جلال الملۃ والدین رومی بلخی قدس سرہ الشریف مثنوی شریف میں ایک بادشاہ کی حکایت میں فرماتے ہیں:

گفت شاہنشاہ جرائش کم کنید در بجنگد نامش از خط برزنید [2]	بادشاہ نے کہا اس کی اجرت کم کردی جائے اور اگر وہ آمادہ جنگ ہو تو روزنامچہ سے اس کا نام نکال دو۔۱۲م

[20] نیز ابتدائے مثنوی مبارک میں فرماتے ہیں:

تاسمرقند آمدند آن دو امیر پیش آں زرگر زشاہنشہ بشیر [3]	بادشاہ کے دونوں امیر (ایلچی) شہر سمرقند آئے اور اس مرد زرگر کو بادشاہ کی جانب سے خوشخبری دی ۱۲م

[21] وہی فرماتے ہیں:

پیش شاہنشاہ بردش خوش بناز تابسوزد برسر شمع طراز [4]	اس خوش نصیب مرد زرگر کو بادشاہ کے پاس لے آئے تاکہ اس شمع طراز معشوقہ پر اسے قربان کردے۔۱۲م

[22] اسی میں فرمایا:

ہم زانواع اوانی بے عدد کانچناں دربزم شاہنشاہ سزد [5]	اور بہت سے مختلف قسم کے برتن بھی (بنا) جو بادشاہوں کی بزم مسرت کی زیب وزینت نہیں ۱۲م

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی باب خلل المحاضر والسجلات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰

[2] مثنوی معنوی دربیان آنکہ ترك الجواب جواب مقرر ایں سخن الخ نورانی کتب خانہ پشاور دفتر چہارم ص۳۸

[3] مثنوی معنوی فرستادن بادشاہ رسولاں سمرقند در طلب زرگر نورانی کتب خانہ پشاور دفتر اول ص۹

[4] مثنوی معنوی فرستادن بادشاہ رسولاں سمرقند در طلب زرگر نورانی کتب خانہ پشاور دفتر اول ص۹

[5] مثنوی معنوی فرستان بادشاہ رسولاں سمرقند در طلب زرگر نورانی کتب خانہ پشاور دفتر اول ص۹

۲۳حضرت عارف باللہ داعی الی اللہ سیدی مصلح الدین سعد شیرازی قدس سرہ، فرماتے ہیں:

جمال الانام مفخر الاسلام سعد ابن الاتابك الاعظم شاهنشاه المعظّم مالك رقاب الامم مولى ملوك العرب و العجم[1]۔	مخلوق کے جمال، اسلام کے لئے قابل فخر، سعد ابن اتابک اعظم، قابل عظمت شہنشاہ لوگوں کی گردنوں کے مالک عرب وعجم کے بادشاہوں کے مولٰی وآقا ۱۲م۔

۲۴نیز فرماتے ہیں: ؎

بارعیت صلح کن وزجنگ خصم ایمن نشین زانکہ شاہنشاہِ عادل رارعیت لشکر است[2]	رعایا کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آ، اور پھر دشمن کی جانب لڑائی سے بے خوف رہ، کیونکہ عادل بادشاہ کے لئے رعایہ ہی لشکر ہے۔ ۱۲م۔

۲۵نیز فرماتے ہیں: ؎

شہنشہ برآشفت کاینک وزیر تعلل میندیش وحجت مگیر[3]	بادشاہ نے غصے سے کہا اے وزیر! بہانہ مت بنا اور حجت مت لا ۱۲م

۲۶نیز فرماتے ہیں: ؎

سرپُر غرور از تحمل تہی حرامش بود تاج شاہنشہی[4]	جو سر صبر و تحمل سے خالی اور کبرہ و نخوت سے پر ہو وہ بادشاہی کے تاج سے محروم ہوتا ہے۔ ۱۲م

۲۷نیز فرماتے ہیں: ؎

دواں آمدش گلہ بانے زپیش شہنشہ برآورد تغلق زکیش[5]	بادشاہ کے پاس سامنے سے ایک چرواہا دوڑتا آیا بادشاہ نے (اسی وقت) تیر ترکش سے نکال لیا ۱۲م

[1] گلستان سعدی دیباچہ کتاب دانش سعدی تہران ایران ص ۱۲
[2] گلستان سعدی باب اول تہران ایران ص ۳۰
[3] بوستان باب اول ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ص ۳۴
[4] بوستان باب اول ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ص ۳۸
[5] بوستان باب اول ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ص ۴۲

۲۸محبوب محبوب الٰہی حضرت عارف باللہ سیدی خسرو قدس سرہ، اواخر قران السعدین صفت تخت شاہی میں فرماتے ہیں: ؎

کیست جز از وے کہ نہد پائے راست پیش شکوہ کہ شہنشاہ راست [1] ۔	اس کے سوا کون ہے جو بادشاہ کی شان و شوکت کے سامنے سیدھا پاؤں رکھے ۱۲م

۲۹عارف باللہ اماالعلماء حضرت مولانا نورالدین جامی قدس سرہ السامی تحفہ الاحرار میں فرماتے ہیں:

زد بجہاں نوبت شاہنشہی کوکبہ فخر عبید اللّٰہی [2]	حضرت عبید اللہ احرار رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ستارہ افتخار نے دنیا میں اپنی شہنشاہی کا نقارہ بجادیا ۱۲

۳۰حضرت خواجہ شمس الدین حافظ قدس سرہ فرماتے ہیں: ؎

خان بن خان شہنشاہ شہنشاہ نژاد آنکہ مے زیبد اگر جان جہانش خوانی [3]	خان بن خان خاندانی شاہوں کے شاہ جسے جان جہاں کا خطاب زیب دیتاہے۔ ۱۲م۔

۳۱نیز فرماتے ہیں: ؎

ہم نسل شہنشہ زمان است ہم نقد خلیفہ زمین است [4] ۔	زمانہ کے بادشاہوں کا ہم رتبہ، خلیفہ زمین کا ہم جنس ہے۔ ۱۲م

۳۲حضرت مولانا نظامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں: ؎

گزارندہ شرح شاہنشہی چنیں داد پرسندہ را آگہی [5]	احکام شاہی کی تفصیل سنانے والے نے سائل کو یوں آگاہ کیا۔ ۱۲م

۳۳مخدوم قاضی شیخ شہاب الدین تفسیر بحر مواج میں فرماتے ہیں:

"سلطان السلاطین خداوند باعز و تمکین بادشاہ سلیمان فرالخ" [6]

1

[2] تحفة الاحرار

[3] دیوان حافظ ردیف الباء حامد اینڈ کمپنی لاہور ص ۳۸۳

[4] دیوان حافظ ترکیب بند حامد اینڈ کمپنی لاہور ص۴۶۹

5

[6] تفسیر بحر مواج

غرض کلمات اکابر میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے، ہمیں کیا لائق ہے کہ ان تمام ائمہ ورفقہاء وعلماء وعرفاء رحمہم اللہ تعالٰی قدست اسرارھم پر طعن کریں وہ ہم سے ہر طرح اعرف واعلم تھے، لہٰذا واجب کہ بتوفیق الٰہی نظر فقہی سے کام لیں، اور اس لفظ کے منع وجواز میں تحقیق مناط کریں کہ مسئلہ قطعاً معقول المعنی ہے نہ کہ محض تعبدی

فاقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) ظاہر ہے کہ اصل منشائے منع اس لفظ کا ستغراق حقیقی پر حمل ہے یعنی موصوف کا استثناء تو عقلی ہے کہ خود اپنے نفس پر بادشاہ ہونا معقول نہیں۔ اس کے سوا جمیع ملوک پر سلطنت اور یہ معنٰی قطعاً مختص بحضرت عزت عزجلالہ ہیں، اور اس معنی کے ارادے سے اگر غیر پر اطلاق ہو تو صراحۃ کفر ہے کہ اس کے استغراق حقیقی میں رب عزوجل بھی داخل ہوگا یعنی معاذاللہ موصوف کو اس پر بھی سلطنت ہے یہ ہر کفر سے بدتر کفر ہے۔ مگر حاشاہرگز کوئی مسلمان اس کاارادہ کرسکتاہے نہ زنہار کلام مسلم میں یہ لفظ سن کر کسی کااس طرف ذہن جاسکتاہے، بلکہ قطعاً قطعا عہد یا استغراق عرفی ہی مراد اور وہی مفہوم ومستفاد ہوتاہے کہ قائل کا اسلام ہی اس ارادہ پر قرینہ قاطعہ ہے۔ جیسا کہ علماء نے موحد کے اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقَلَ (موسم ربیع نے سبزہ اگایا) کہنے میں تصریح فرمائی، نیز فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل حلف لایدخل ھذہ الدار الا ان یحکم علیہ الدھر فدخل ھل یحنث(اجاب)لا، وھذا مجاز لصدورہ عن الموحد والحکم القضاء واذا ادخلھا فقد حکم ای قضٰی علیہ رب الدھر بدخولھا وھو مستثنٰی من یمینہ. فلاحنث[1]۔	ایک ایسے شخص کے بارے میں استفتاء کیا گیا جس نے یہ قسم کھالی تھی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوں گا، جب تک کہ اس پر زمانہ کا حکم نہ ہو، پھر وہ اس گھر میں داخل ہوا تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائیگی، جواب نفی میں ملا، چونکہ موحد سے یہ جملہ صادر ہوا اس لئے مجاز قرار پائے گا اور حکم بمعنی قضاء ہے وار جب وہ شخص داخل ہوا تو اس کا دخول رب الدہر کے حکم اور قضاء سے ہوا ہے اور یہ اس قسم سے مستثنٰی ہے لہٰذا حانث نہ ہوگا الخ۔

اب رہا یہ کہ استغراق حقیقی اگرچہ نہ مراد نہ مفہوم مگر مجرد احتمال ہی موجب منع ہے۔ یہ قطعاً

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الایمان دار المعرفۃ بیروت ۱/۸۷

باطل ہے۔ یوں تو ہزاروں الفاظ کہ تمام عالم میں دائر وسائر ہیں منع ہوجائیں گے، پہلے خود اسی لفظ "شہنشاہ" کی وضع وترکیب لیجئے، مثلا قاضی القضاۃ امام الائمہ شیخ الشیوخ، شیخ المشائخ، عالم العلماء، صدر الصدور، امیر الامراء، خان خاناں بگاء بگ وغیرہما کہ علماء ومشائخ وعامہ سب میں رائج ہیں، شیخ المشائخ، سلطان الاولیاء، محبوب الٰہی اور شیخ الشیوخ حضرت سیدنا شہاب الحق والدین عمر سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا لقب ہے۔ جواھر الفتاوٰی کتاب اصول الدین وکتاب اصول فقہ وکتاب الایمان وکتاب الغصب وکتاب الدعوٰی وکتاب الکراھت وغیرہا سب کے باب سادس میں امام علاء الدین سمرقندی کو عالم العلماء فرمایا۔

امام اجل عبدالرحمٰن اوزاعی امام اہل الشام کہ امام اعظم ابوحنیفہ وامام مالک کے زمانے میں تھے اور تبع تابعین کے اعلٰی طبقے میں ہیں، امام مالک کو عالم العلماء فرمایا کرتے۔ زرقانی علی الموطا میں ہے:

امامالك فهو الامام المشهور صدر الصدور اکمل العقلاء واعقل الفضلاء کان الاوزاعی اذا ذکر مالکا قال قال عالم العلماء وعالم اهل المدینة ومفتی الحرمین[1]۔	امام مالک تو مشہور امام ہیں، رئیسوں میں رئیس، عقلاء میں کامل تر، فضلا میں سب سے فہیم، امام اوزاعی جب امام مالک کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ عالم العلماء مدینہ والوں کے عالم اور حرمین طیبین کے مفتی نے فرمایا ہے۔ ۱۲م

امام الائمہ امام محمد بن خزیمہ حافظ الحدیث کا لقب ہے۔ قاضی القضاۃ اسلامی سلطنتوں کا معرف عہدہ ہے۔ عامہ کتب فقہ میں اس کا اطلاق موجود، اور ائمہ کی زبانوں پر شائع، درمختار کتاب القضاء میں ہے:

لایستخلف قاض نائبا الا اذا فوض الیه کجعلتك قاضی القضاة وهو الذی یتصرف فیهم مطلقا تقلید اولا[2]۔	کوئی بھی قاضی اپنا نائب اس وقت مقرر کرسکتا ہے جب اس کو نائب بنانے کے اختیارات سپرد کردئے گئے ہوں مثلا یہ کہے میں نے تمھیں قاضی القضاۃ بنایا۔ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) وہ ہے جسے علی الاطلاق تصرف کا حق حاصل ہو چاہے تقلید ہو یا نہ ہو ۱۲م۔

[1] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك مقدمة الکتاب دار المعرفة بیروت ۱/ ۲و۳

[2] الدر المختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۸

بحر الرائق و ردالمحتار کتاب الوقف میں ہے:

قولهم فی الاستدانة بامر القاضی المراد به قاضی القضاة وفی کل موضع ذکر والقاضی فی امور الاوقاف[1]۔	استدانت بامر القاضی میں ان کی مراد قاضی سے "قاضی القضاۃ" ہے اور امور اوقاف میں جہاں بھی "قاضی" کا لفظ آیا ہے اس سے یہی (قاض القضاۃ) مراد ہے۔ ۱۲م۔

امیر الامراء، خان خاناں، بگاء بگ عربی فارسی ترکی تین مختلف زبانوں کے الفاظ ہیں اور معنی ایک، یعنی سرور سرواں، سردار اسرداراں، سید الاسیاد، اور اگر امیر امر بمعنی حکم سے لیجئے تو امیر الامراء بمعنی حاکم الحاکمین، شک نہیں کہ ان الفاظ کو عموم و استغراق حقیقی پر رکھیں تو قاضی القضاۃ وحاکم الحاکمین وعالم العلماء وسید الاسیاد حضرت رب العزت عزوجل ہی کے لئے خاص ہیں اور دوسرے پر ان کا اطلاق صریح کفر، بلکہ بنظر حقیقت اصلیہ صرف قاضی وحاکم وسید وعالم بھی اسی کے ساتھ خاص،

قال الله تعالٰی: "وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾"[2]۔	اور الله سچا فیصلہ فرماتا ہے اور اس کے سوا جن کو پوچتے ہیں وہ کچھ فیصلہ نہیں کرتے، بیشک الله ہی سنتا دیکھتا ہے۔

وقال الله تبارك وتعالٰی:

"لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾"[3]۔	اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھرے جاؤگے۔

وقال الله تعالٰی:

"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[4]۔	حکم نہیں مگر الله کا۔

وقال الله تعالٰی:

"وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾"[5]۔	وہی علم وحکمت والا ہے۔

وقال الله تعالٰی:

"يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ	جس دن الله جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸

[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[5] القرآن الکریم ۶۶/ ۲

"مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ"[1]	تمھیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔

وفد بنی عامر نے حاضر ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: اَنْتَ سَیِّدُنَا حضور ہمارے سید ہیں۔ فرمایا: اَلسَّیِّدُ اللّٰہُ سید تو خدا تعالٰی ہی ہے۔

رواہ احمد ابوداؤد[2] عن عبداللہ بن الشخیر العامری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اسے روایت کیا ہے احمد اور ابوداؤد نے عبداللہ بن شخیر عامری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے (ت)

یوں ہی نہ ملک الملوک بلکہ صرف مالک ہی، قال اللہ تعالٰی:

"لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ؗ"[3]	اسی کے لئے ملک اور اسی کے لئے تعریف۔

وقال اللہ تعالٰی:

"لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ"[4]	آج کس کی بادشاہی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسی حدیث مَلِكُ الْمُلُوْك کی تعلیل میں فرمایا: لَا مَلِكَ اِلَّا اللّٰہُ بادشاہ کوئی نہیں سوائے اللہ تعالٰی کے۔ رواہ مسلم[5] عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے روایت کیا ہے مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ ت) اور امام الائمہ، شیخ الشیوخ شیخ المشائخ اپنے استغراق حقیقی پر یقینا حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ خاص، اور دوسرے پر اطلاق قطعاً کفر کہ اس کے عموم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی داخل ہوں گے، اور معنی یہ ٹھہریں گے کہ فلاں شخص معاذاللہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بھی شیخ وامام ہے۔ اور یہ صراحۃ کفر ہے۔ مگر حاشا ان تمام الفاظ میں نہ ہرگز یہ معنی قائلین کی مراد نہ ان کے اطلاق سے مفہوم ومفاد اور اس پر

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی کراھیۃ التماح آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۰۶، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۲۴

[3] القرآن الکریم ۶۴ /۱

[4] القرآن الکریم ۴۰ /۱۶

[5] صحیح مسلم کتاب الادب باب تحریم التسمی بملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۰۸

دلیل ظاہر و باہر یہ ہے کہ متکبر مغرور جبار سلاطین کہ اپنے آپ کو مابدولت واقبال اور اپنے بڑے عہدہ داروں، امراء وزراء کو بندہ حضور وفدوی خاص لکھتے ہیں جن کے تکبر کی یہ حالت کہ اللہ ورسول کی توہین پر شاید چشم پوشی بھی کر جائیں، مگر ہر گز اپنی ادنٰی سی توہین پر در گزر نہ کریں گے، یہی جبار انہیں امراء کو قاضی القضاۃ امیر الامراء وخان خاناں وبگاء بگ خطاب دیتے اور خود لکھتے، اور اوروں سے لکھواتے، اور لوگوں کو کہتے، لکھتے دیکھتے، سنتے اور پسند ومقرر رکھتے ہیں بلکہ جو انکے اس خطاب پر اعتراض کرے عتاب پائے اگر ان میں استغراق حقیقی کا ادنٰی ایہام بھی ہوتا جس سے متوہم ہوتا کہ یہ امراء خود ان سلاطین پر بھی حاکم وافسر و بالا وبرتر وسردار وسرور ہیں، تو کیا امکان تھا کہ اسے ایک آن کے لئے بھی روا رکھتے، تو ثابت ہوا کہ عرف عام میں امثال الفاظ میں استغراق حقیقی ارادۃ وافادۃ ہر طرح قطعاً یقینا متروک ومہجور ہے۔ جس کی طرف اصلا خیال بھی نہیں جاتا، بعینہٖ بداہۃً یہی حال شاہنشاہ کا ہے۔ کیا پکے مجنون کے سوا کوئی گمان ہو سکتا ہے کہ امام اجل ابوالعلاء علاء الدین ناصحی امام اجل ابوبکر رکن الدین کرمانی، علامہ اجل خیر الملۃ والدین رملی، عارف باللہ شیخ مصلح الدین _____ عارف باللہ حضرت امیر، عارف باللہ حضرت حافظ، عارف باللہ حضرت مولوی معنوی، عارف باللہ حضرت مولانا نظامی، عارف باللہ حضرت مولانا جامی، فاضل جلیل مخدوم شہاب الدین وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم وقدست اسرارھم کے کلام میں یہ ناپاک معنی مراد ہونا درکنار، اسے سن کر کسی مسلمان کا وہم بھی اس طرف جاسکتا ہے تو بے ارادہ وبے افادہ اگر مجرد احتمال منع کے لئے کافی ہوتا وہ تمام الفاظ بھی حرام ہوتے حالانکہ خواص وعام سب میں شائع وذائع ہیں خصوصا قاضی القضاۃ کہ انہیں فقہائے کرام کا لفظ اور قدیما وحدیثا کے ان کے عامہ کتب میں موجود ہے۔ اس میں اور شہنشاہ میں کیا فرق ہے۔ لاجرم امام قاضی عیاض مالکی المذہب نے فرمایا:

ومنھم قولھم شاہ ملوك وکذا مایقولون قاضی القضاۃ[1] اھ نقلہ فی المرقاۃ۔	ان میں بادشاہوں کا بادشاہ اور یوں وہ قاضی القضاۃ کا قول کہتے ہیں اھ مرقات میں اس کو نقل کیا۔ (ت)

اسی کی مانند امام حجر شافعی المذہب نے زواجر میں اپنے یہاں کے بعض ائمہ سے نقل کیا۔

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب اسامی الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۱۷، اکمال المعلم بفوائد مسلم باب تحریم التسمی بملك الاملاك دار الوفاء بیروت ۷ /۱۹، ۲۰

مگر جانتے ہو کہ یہ قاضی القضاۃ عـــــہ کس کا لقب ہے اور کب سے رائج ہے۔ سب میں پہلے یہ لقب ہمارے امام

عـــــہ: امام ماوردی کا لقب "اقضی القضاۃ" تھا:

کمافی ارشاد الساری [1] وظنی انہ اول من تسمی بہ و زعم الامام البدر ان ھذا ابلغ من قاضی القضاۃ لانہ افعل التفصیل قال ومن جھلاء ھذا الزمان من مسطری سجلات القضاۃ یکتبون للنائب اقضی القضاۃ وللقاضی الکبیر قاضی القضاۃ[2] اھ واقرہ الامام القسطلانی اقول و عندی ان الامر بالعکس فان اقضی القضاۃ من لہ مزیۃ فی القضاء علی سائر القضاۃ و لایلزم ان یکون حاکما علیھم ومتصرفا فیھم بخلاف قاضی القضاۃ کما نقلنا عن الدرالمختار و نظیرہ املک الملوک یصدق اذا کان اکثر ملکا عنھم بخلاف ملک الملوک فھو الذی نسبۃ الملوک الیہ کنسبۃ الرعایا الی الملوک کما لایخفی فھذا ھو الابلغ وبہ یندفع اعتراض الامام الماوردی وللہ الحمد منہ عفی عنہ۔

جیسا کہ ارشاد الساری میں ہے: اور گمان یہ ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جن کا یہ نام رکھا گیا اور امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالٰی کا گمان ہے کہ اقضی القضاۃ زیادہ ابلغ ہے قاضی القضاۃ کی نسبت کیونکہ اس میں افعل تفصیل ہے اور انھوں نے فرمایا ہمارے زمانے کے جاہل قاضیوں کے دفتری لوگ مثلا نائب قاضی، کو اقضی القضاۃ لکھتے ہیں اور قاضی کبیر کو قاضی القضاۃ لکھتے ہیں اھ، اس کلام کو امام قسطلانی نے ثابت رکھا ہے میں کہتا ہوں حالانکہ میرے نزدیک معاملہ بالعکس ہے کیونکہ اقضی القضاۃ وہ ہے جس کے فیصلے دوسرے قاضیوں کی نسبت زیادہ ہوں اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ قاضیوں کا حاکم ہو اور ان کے متعلق اختیار رکھتا ہو اس کے برخلاف قاضی القضاۃ ہے جیسا کہ ہم نے درمختار سے نقل کیا ہے اس کی نظیر املک الملوک کا مصداق کثیر مملکت والا دوسروں کے مقابلہ میں بخلاف ملک الملوک اس کو کہتے ہیں جو بادشاہوں کا سردار ہو جس طرح کہ بادشاہ کے لئے رعایا ہوتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں لہٰذا یہ ابلغ ہے اس سے امام ماوردی کا اعتراض ختم ہوگیا، اللہ تعالٰی کے لیے ہی تمام حمدیں ہیں۔ (ت)

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الادب دار الکتب العربی بیروت ۹/ ۱۱۸

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الادب باب البغض لاسماء الی اللہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۲/ ۲۱۵

مذہب سیدنا امام ابویوسف تلمیذ اکبر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ہوا اور اس زمانہ خیر کے ائمہ کرام تبع تابعین و اتباع اعلام نے اسے مقبول و مقرر رکھا، اور جب سے آج تمام علمائے حنفیہ اور بہت دیگر علمائے مذاہب ثلاثہ میں رائج و جاری و ساری ہے۔ امام اجل علامہ بدرالملۃ والدین محمود عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری شریف میں فرماتے ہیں:

اول من تسمّٰی قاضی القضاۃ ابویوسف من اصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما وفی زمنہ کان اساطین الفقہاء و العلماء والمحدثین فلم ینقل عن احد منھم عنکار عن ذٰلك[1]۔	یعنی سب میں پہلے جس کا لقب قاضی القضاۃ ہوا امام اعظم کے شاگرد امام ابویوسف ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما، اس جناب نے یہ لقب قبول فرمایا اور ان کے زمانہ میں فقہاء وعلماء ومحدثین کے اکابر وعمائد تھے، ان میں کسی سے اس کا انکار منقول نہ ہوا۔

اب ثابت ہوا کہ وہ طعن نہ فقط انھیں ائمہ وفقہاء واولیاء پر ہوگا جن سے لفظ "شہنشاہ" کی سندیں گزریں، بلکہ ائمہ تبع تابعین اور ان کے اتباع اور امام مذہب حنفی ابویوسف اور اس وقت سے آج تک کے تمام علماء حنفیہ اور بکثرت علمائے بقیہ مذاہب سب پر طعن لازم آئے گا اور اس پر جرات ظلم شدید وجہل مدید ہوگی، لاجرم بات وہی ہے کہ لفظ جب ارادۃ وافادۃ ہر طرح سے شناعت سے پاک ہے تو صرف احتمال باطل سے ممنوع نہ کردے گا ورنہ سب سے بڑھ کر نماز میں تَعَالٰی جَدُّك حرام ہو، کہ دوسرے معنی کس قدر شنیع وفظیع رکھتا ہے۔ ہاں صدر اسلام میں کہ شرک کی گھٹائیں عالمگیر چھائی ہوئی تھیں، فقیر وقطمیر کے ساتھ نہایت تدقیق فرمائی جاتی کہ توحید بروجہ اتم اذہان میں متمکن ہو، ولہذا نہ فقط شہنشاہ بلکہ اَنْتَ سَیِّدُنَا کے جواب میں ارشاد ہوا اَلسَّیِّدُ اللہ سید اللہ ہی ہے۔ ابوالحکم کنیت رکھنے پر فرمایا:

ان اللہ ھو الحکم والیہ الحکم فلم تکنی اباالحکم رواہ ابوداؤد[2] والنسائی عن ابی شُرَیح	بے شک اللہ ہی حکم ہے اور حکم کا اعتبار اسی کو ہے تو تیری کنیت ابوالحکم کیوں ہے (اس کو

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الادب باب البغض الاسماء الی اللہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۲۲ /۲۱۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغیر الاسم القبیح آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۲۱، سنن النسائی ادب القضاۃ باب اذا حکموا رجلا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۰۴

رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	روایت کیا ہے ابوداؤد اور نسائی نے ابی شریح رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ت)

غلاموں کو ارشاد ہوا تھا:

لَایَقُوْلُ الْعَبْدُ لِسَیِّدِہٖ مَوْلَایَ فَاِنَّ مَوْلَاکُمُ اللہُ[1]۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	غلام اپنے آقا کو مولٰی نہ کہے کیونکہ تمھارا مولٰی تو اللہ تعالٰی ہی ہے(اسے روایت کیا مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔(ت)

ایک حدیث شریف میں آیا:

لَاتُسَمُّوْا اَبْنَائَکُمْ حَکِیْمًا وَّلَا اَبَاالْحَکَمِ فَاِنَّ اللہَ ھُوَالْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ۔ رواہ عطاء عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم ذکرہ الامام البدر[2] محمود فی عمدۃ القاری۔	اپنے بیٹوں کا نام حکیم یا ابوالحکم نہ رکھو کہ اللہ تعالٰی ہی حکیم وعلیم ہے۔ اس کو عطا نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے (اسے امام بدر محمود نے عمدۃ القاری میں روایت کیا ہے۔ت)

۵،۶ ایک حدیث شریف میں آیا:

اَبْغَضَ الْاَسْمَاءِ اِلَی اللہِ خَالِدٌ وَمَالِکٌ وَذٰلِکَ اِنَّ اَحَدًا لَیْسَ یَخْلُدُ وَالْمَالِکُ ھُوَاللہُ۔ ذکرہ الامام البدر[3] عن الداودی۔	اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ نام خالد اور مالک ہے اس لئے کہ کوئی ہمیشہ نہ رہے گا اور مالک اللہ تعالٰی ہی ہے (اسی کو امام بدر نے داؤدی سے ذکر کیا ہے۔)

یوں ہی عزیز وحکم ناموں کو تبدیل فرمادیا۔ سنن ابی داؤد میں ہے:

غَیَّرَ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم اِسْمَ عَزِیْزٍ وَالْحَکَمِ۔ قال ترکت اسانیدھا اختصارًا[4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسم عزیز وحکم کو تبدیل فرمادیا، فرمایا اس کی سانید کو بوجہ اختصار ترک کردیا۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الالفاظ باب حکم اطلاق لفظۃ العبد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۸

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الادب باب البغض الاسماء ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۲/ ۲۱۵

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الادب باب البغض الاسماء ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۲/ ۲۱۵

[4] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب تغیر الاسم القبیح آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۱

حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتسمه عزیزا۔ رواہ احمد[1] والطبرانی فی الکبیر عن عبد الرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اس کا نام عزیز نہ رکھ۔ (اس کو روایت کیا ہے احمد اور طبرانی نے کبیر میں عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ ت)

نیز حدیث شریف میں ہے:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اَنْ یُّسَمَّی الرَّجُلُ حَرْبًا وَّوَلِیْدًا اَوْ مُرَّۃً اَوْ اَبَا الْحَکَمِ۔ راواہ[2] الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ حرب یا ولید یا مرۃ یا حکم نام رکھا جائے۔ (اس کو طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حالانکہ یہ الفاظ اوصاف غیر خدا کے لئے خود قرآن عظیم واحادیث، اقوال علماء میں بکثرت وارد، قال اللہ تعالٰی:

"سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۳۹﴾"[3]	سردار اور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔

وقال اللہ تعالٰی:

"وَّاَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَا الْبَابِ ؕ"[4]	اور دونوں کو عورتوں کا میاں (سید) دروازے کے۔

وقال اللہ تعالٰی:

"فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِهٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا ۚ"[5]	تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورتوں والوں کی طرف سے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبدالرحمن المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۷۸

[2] المعجم الکبیر حدیث ۹۹۹۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۸۹

[3] القرآن الکریم ۳/ ۳۹

[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۲۵

[5] القرآن الکریم ۴/ ۳۵

وقال اللہ تعالٰی:

"وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ" [1]	اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

وقال اللہ تبارك وتعالٰی:

"وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا" [2]	اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی۔

وقال اللہ تبارك وتعالٰی:

"فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ" [3]	تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرئیل اور نیک ایمان والے۔

وقال اللہ تعالٰی عن عبدہٖ زکریا علیہ الصلٰوۃ والسلام:

"وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ" [4]	اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔

وقال اللہ تعالٰی:

"هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ" [5]	انھیں ہمیشہ اس میں رہنا۔

وقال اللہ تعالٰی:

"فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ" [6]	یہ تو ان کے مالک ہیں۔

وقال اللہ تعالٰی:

"وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ" [7]	اور وہ پکاریں گے اے مالک!

وقال اللہ تعالٰی:

"وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ" [8]	اور ہم نے اسے حکمت دی۔

وقال اللہ تعالٰی:

"وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" [9]	اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۲

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۶۶/ ۴

[4] القرآن الکریم ۱۹/ ۵

[5] القرآن الکریم ۲/ ۸۱ و ۸۲

[6] القرآن الکریم ۳۶/ ۷۱

[7] القرآن الکریم ۴۳/ ۷۷

[8] القرآن الکریم ۳۸/ ۲۰

[9] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۹

وقال اللہ تبارك وتعالٰی:

"وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۠ ۸" [1]	عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا سید وُلدِ اٰدم۔ رواہ مسلم [2] و ابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں تمام اولاد آدم کا سید (سردارہ) ہوں، (اسے روایت کیا ہے مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اِنَّ اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّد رواہ البخاری [3] عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک یہ میرا بیٹا سید ہے (یعنی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ (اس کو روایت کیا ہے امام بخاری نے ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مَوْلٰی مَنْ لَا مَوْلٰی لَہٗ۔ رواہ الترمذی [4] و حسنہ وابن ماجۃ عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ اور اس کا رسول ہر بے مولٰی کے مولٰی ہے۔ (اس کو روایت کیا ہے ترمذی نے اور اسے حسن کہا اور ابن ماجہ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

لَقَدْ حَکَمْتَ فِیْھِمْ بِحُکْمِ اللہ،	بے شک تم نے ان یہود کے بارے میں وہ حکم

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۵، سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی التخییر بن الانبیاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۶

[3] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مناقب الحسن والحسین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۳۰

[4] جامع الترمذی ابواب الفرائض باب ماجاء فی میراث الخال امین کمپنی کراچی ۲/ ۳۱، سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۰۱

رواہ مسلم [1] عن عائشۃ وعن ابی سعید ن الخدری و النسائی عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	دیا جو خدائے تعالٰی کا حکم تھا (اس کو مسلم نے عائشہ اور ابی سعید خدری سے اور نساء نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

اسی حدیث شریف میں ہے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے حکم کے لئے فرمایا۔ انھوں نے عرض کی:

اللہ ورسولہ احق بالحکم رواہ الحافظ [2] محمد بن عائذ فی المغازی بسندہٖ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	حکم دینا تو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کا حق ہے (اس روایت کیا ہے حافظ محمد بن عائذ نے مغازی میں اپنی مسند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیمایروی الطبرانی فی اوسطہ۔

حَکِیْمُ اُمَّتِی عَوَیْمَر۔ [3]	میری امت کے حکیم عویمر (ابودرداء) ہیں۔

انصار کرام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

یا رسول اللہ اَنْتَ وَاللہِ الْاَعَزُّ العزیز [4]۔ رواہ ابوبکر ابن ابی شیبۃ استاد البخاری ومسلم عن عروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	یارسول اللہ! خدا تعالٰی کی قسم حضور ہی سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ (اسے روایت کیا ہے ابوبکر بن ابی شیبہ استاد بخاری ومسلم نے عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ت)

صرف حضور ہی کے لئے عزت ہے عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن عبداللہ ابن ابی منافق نے اپنے باپ سے فرمایا:

انك الذلیل ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	بے شک تو ہی ذلیل ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد باب جواز قتال من نقض العہد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۵

[2] المواہب اللدنیہ غزوہ بنی قریظہ حکم سعد بن معاذ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۶۷

[3] کنز العمال بحوالہ طس حدیث ۳۳۵۰۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۷۸

[4] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ تحت آیۃ وللہ العزۃ ولرسولہ الخ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۶/ ۲۲۶

علیه وسلم العزیز، رواہ الترمذی[1] عن جابر بن عبداللّٰه رضی اللّٰه تعالٰی عنهما ونحوہ الطبرانی عن اسامة بن یزید رضی اللّٰه تعالٰی عنهما۔	علیہ وسلم ہی عزیز وصاحب عزت ہیں (اسے روایت کیا ہے ترمذی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ یونہی طبرانی نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔

صحابہ کرام میں بیس ۲۰ سے زائد کا نام حکم ہے۔ تقریبا دس کا نام حکیم۔ اور ساٹھ سے زیادہ کا خالد، اور ایک سو دس ۱۱۰ سے زیادہ کا مالک___ ان وقائع او ان کے امثال کثیرہ پر نظر سے ظاہر ہے کہ ایسی نہی میں شرع مطہر کا مقصود کیا تھا اور اس پر قرینہ واضحہ یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس کی تعلیل یوں اراد ہوئی کہ:

لَامَلِكَ اِلَّا اللّٰه[2] خدا تعالٰی کے سوا کوئی بادشاہ ہی نہیں۔

ظاہر ہے کہ حصر اسی السید ھو اللّٰه ومولٰکم اللّٰه (سید اللہ تعالٰی ہی ہے اور تمھارا مولٰی اللہ تعالٰی ہے۔ ت) کے قبیل سے ہے۔ ورنہ خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

"وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی"[3]	اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا۔

اور فرمایا:

"وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ"[4]	اور بادشاہ بولا کہ انھیں میرے پاس لے آؤ۔

اور فرمایا:

"اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً"[5]	بیشک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں اس معنٰی کی طرف اشارہ کیا۔ حدیث انما الکرم قلب المؤمن (مومن کا دل کرم کا خزانہ ہے) کے نیچے فرماتے ہیں:

وقد قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم انما المفلس الذی یفلس یوم القیمه	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: صحیح معنٰی میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المنافقون امین کمپنی کراچی ۲ /۱۶۵

[2] صحیح مسلم کتاب الادب باب تحریم التسمی بملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۰۸

[3] القرآن الکریم ۱۲ /۴۳

[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۰

[5] القرآن الکریم ۲۷/ ۳۴

کقوله انما الصرعة الذی یملك نفسه عند الغضب کقوله لاملك الا الله فوصفه بانتهاء الملك ثم ذکر الملوك ایضًا قال ان الملوك اذا دخلوا قریة افسدوها اھ[1]	حالت افلاس میں ہو جس طرح آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ حلیم وبردبار وہ شخص ہے جو غیظ وغضب میں اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھے، اور اسی کے ہم مثل آپ کا یہ ارشاد بھی ہے۔ "بادشاہت تو صرف الله کے لئے ہے: یہاں ذات باری تک بادشاہت کی انتہاء مانی گئی حالانکہ دوسروں کے لیے بھی بادشاہ ہونے کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا: بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے اھ ۱۲م

وہابیہ وخوارج اسی نکتہ جلیلہ سے غافل ہو کر شرک وکفر میں پڑے کہ الله تعالٰی تو "اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ"[2] حکم تو اللہ ہی کا ہے۔ فرماتا ہے، مولٰی علی نے کیسے ابو موسٰی کو حکم فرمایا ___ الله تعالٰی تو "اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝"[3] فرماتا ہے۔ مسلمانوں نے انبیاء واولیاء سے کیسے استعانت کی ___ الله تعالٰی تو "قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ"[4] الایۃ فرماتا ہے۔ اہلسنت نے کیسے نبی صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کے لئے اطلاع غیوب مان لی ___ اور اندھوں نے نہ دیکھا کہ وہی خدا تعالٰی "فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا"[5] ایک پنچ بھیجو ___ اور "تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪"[6] اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو ___ اور "وَ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ ؕ"[7] اور صبر اور نماز سے مدد چاہو ___ اور "اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ"[8] سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے ___ اور "یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ۪"[9] چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے ___ اور "تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ"[10] یہ غیب کی خبریں ہم تمھاری طرف وحی کرتے ہیں ___ اور "یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ"[11] بے دیکھے ایمان لائے، وغیرہا فرمارہا ہے "اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَ تَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ"[12] تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔ ۱۲م

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الکرم قلب المؤمن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۱۳

[2] القرآن الکریم ۱۲ /۴۰

[3] القرآن الکریم ۱ /۴

[4] القرآن الکریم ۲۷ /۶۵

[5] القرآن الکریم ۴ /۳۵

[6] القرآن الکریم ۵ /۲

[7] القرآن الکریم ۲ /۴۵

[8] القرآن الکریم ۷۲ /۲۷

[9] القرآن الکریم ۳ /۱۷۹

[10] القرآن الکریم ۱۱ /۴۹

[11] القرآن الکریم ۲ /۳

[12] القرآن الکریم ۲ /۸۵

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، اس مقصد کی شرع کی نظر واقعہ تحریم خمر پر ہے کہ ابتداء میں نقیر ومزفت جرہ وحنتم یعنی مضبوط برتنوں میں نبیذ ڈالنے سے منع فرمایا تھا کہ تساہل نہ واقع ہو، جب اسکی حرمت اور اس سے نفرت مسلمانوں کے دل میں جم گئی اور اس سے کامل تحفظ واحتیاط نے قلوب میں جگہ پائی۔ فرمایا:

ان ظرفا لایحل شیئا ولا یحرمہ [1]۔	برتن کسی چیز کو حلال وحرام نہیں کرتا۔

بالجملہ ان اکابر ائمہ وعلماء واولیاء نے مقصود پر نظر فرماکر لفظ شاہنشاہ کا اطلاق فرمایا اور جن کی نظر لفظ پر گئی منع بتایا **کما نقلہ فی التتارخانیہ** (جیسا کہ تتارخانیہ میں نقل کیا گیا ہے۔ت) دونوں فریق کے لئے ایک وجہ موجہ ہے "**لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا**" [2] (ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے وہ اس طرف پھریگا) اس کی نظیر واقعہ نماز ظہر یا عصر ہے کہ جب یہودی بنی قریظہ پر لشکر کشی فرمائی عسکر ظفر پیکر میں اس منادی کا حکم فرمایا کہ:

من کان سامعا مطیعا فلا یصلین العصر الا فی بنی قریضۃ۔	جو بات سنتا اور حکم مانتا ہو وہ ہرگز عصر نہ پڑھے مگر آبادی بنی قریضہ میں۔

صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم رواں ہوئے، راہ میں وقت عصر ہوا، اس پر دو فرقے ہوگئے بعض نے کہا **لانصلی حتی نأتیھا** ہم تو جب تک اس آبادی میں نہ پہنچ جائیں نماز نہ پڑھیں گے کہ ہمیں ارشاد فرمادیا ہے کہ نماز وہیں پہنچ کر پڑھنا۔ بعض نے کہا **بل نصلی لم یرد منا ذلك** بلکہ ہم نماز راہ ہی میں پڑھ لیں گے، ارشاد سے مقصود جلدی تھی نہ یہ نماز قضا کردی جائے، غرض کچھ نے نماز راہ میں پڑھ لی اور جاملے، کچھ نے نہ پڑھی، یہاں تک کہ عشاء کے وقت وہاں پہنچے۔ دونوں فریق کا حال بارگاہ اقدس میں معروض ہوا، **ولم یعنف واحدا منھم**، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان میں سے کسی پر اعتراض نہ فرمایا۔ **رواہ الائمۃ منھم الشیخان** [3] **عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما** (اس کو ائمہ حدیث خصوصا شیخین نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب النہی عن الانتباذ فی الحنتم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۶۷

[2] القرآن الکریم ۲ /۱۴۸

[3] صحیح البخاری ابواب صلٰوۃ والخوف باب صلٰوۃ الطالب والمطلوب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۲۹

علماء فرماتے ہیں ایک فریق نے مقصود پر نظر کی اور دوسرے نے لفظ کو دیکھا۔

اقول: یعنی اور اس پر عمل خلاف مقصود نہ تھا بخلاف جمود ظاہر یہ کہ مقصود سے یکسر دور پڑتا، اور احکام شرعیہ کو **معاذ اللہ** محض بے معنی ٹھہراتا ہے **کما ھو مَعۡھُوۡدمِن دا بھم** (جیسا کہ ان کی عادت معروف ہے۔ت) لہٰذا فریقین میں کسی پر ملامت نہ فرمائی، یہی حال یہاں ہے۔

ثانیًا: اسے یوں بھی تحریر کرسکتے ہیں کہ مانعین نے ظاہر نہی پر نظر کی کہ اس میں اصل تحریم ہے اور اطلاق کرنے والوں نے دیکھا کہ لفظ ارادۃ وافادۃ ہر طرح شناعت سے پاک ہے تو نہی صرف تنزیہی ہے کہ منافی جواز واباحت نہیں، جس طرح حدیث میں ارشاد ہوا۔

لَا یَقُلِ الۡعَبۡدُ رَبِّیۡ[1]۔	غلام اپنے آقا کو اپنا رب نہ کہے۔

اور فرماتا ہے:

لَا یَقُلۡ اَحَدُکُمۡ اَسۡقِ رَبَّكَ اَطۡعِمۡ رِبَّكَ وَضِّیٔ رَبَّكَ وَلاَ یَقُلۡ اَحَدُکُمۡ رَبِّیۡ[2]۔	تم میں سے کوئی نہ کہے کہ اپنے رب کو پانی پلا۔ اپنے رب کو کھانا کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، اور نہ کوئی کسی کو اپنا رب کہے۔

اور علماء نے تصریح فرمائی کہ یہ نہی صرف تنزیہی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی شرح صحیح مسلم شریف میں اسی حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:

النھی للادب وکراھۃ التنزیہ لا للتحریم[3]۔	ممانعت بطور ادب ہے اور کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

امام بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

باب کراھۃ التطاول علی الرقیق و قولہ عبدی وامتی وقال اللہ تعالٰی "الصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ" وقال عبدا	یہ باب ہے اس بارے میں کہ غلام پر زیادتی مکروہ ہے اور آقا کے اس قول کے سلسلہ میں کہ میرا عبد اور میری باندی ہے۔ اور اللہ تعالٰی عزوجل کا یہ ارشاد "اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا"

[1] صحیح مسلم کتاب الفاظ باب حکم اطلاق لفظۃ العبد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۸

[2] صحیح مسلم کتاب الفاظ بابحکم اطلاق لفظۃ العبد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۸

[3] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الالفاظ بابحکم اطلاق لفظۃ العبد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۸

مملوکا واذکرنی عند ربك ای عند سیدك [1]۔	اور فرمایا: عبد مموک اور مجھے اپنے رب یعنی اپنے آقا کے پاس یاد کرو۔ ۱۲م

امام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ذکر ھذا کلہ دلیلا لجواز ان یقول عبدی وامتی وان النھی الذی ورد فی الحدیث عن قول الرجل عبدی و امتی وعن قولہ اسق ربك ونحوہ للتنزیہ لاللتحریم [2]۔	یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ (مملوک اور مملوکہ) کو "عبدی" اور "امتی" (میرا بندہ اور باندی) کہنا جائز ہے۔ اور احادیث کریمہ میں جو یہ وارد ہے کہ کوئی ادمی "عبدی" (میرا عبد) اور امتی (میری باندی) نہ کہے، یونہی اپنے رب کو پانی پلا" نہ کہے یا اس قسم کی دیگر ممانعت تو یہ تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہہ کے لئے ہے۔ ۱۲م

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری شریف میں فرماتے ہیں:

فان قلت قد قال تعالٰی اذکرنی عند ربك وارجع الی ربك اجیب انہ و رد لبیان الجواز والنھی للادب و التنزیۃ دون التحریم [3]۔	اگر یہ اعتراض ہو کہ اللہ تعالٰی عزوجل نے فرمایا ہے "مجھے اپنے رب کے پاس یاد کرو" اور اپنے رب کی طرف لوٹو" تو جواب یہ ہوگا کہ یہ بیان جواز کے لئے ہے اور نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ تادیبا اور تنزیہا ہے۔ ۱۲م

ثالثًا: مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں نقل کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل زبور مقدس میں فرماتا ہے:

اَمتلَاَتِ الاَرْضُ مِنْ تَحْمِیْدِ اَحْمَدَ وَتَقْدِیْسِه۔ وَمَلَكَ الْاَرْضَ وَرِقَابَ الاُمَمِ [4]۔	زمین بھر گئی احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حمد اور اس کی پاکی کے بیان سے، احمد مالک ہوا تمام زمین اور سب امتوں کی گردنوں کا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب العتق باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۶

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب العتق باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۳/ ۱۱۰

[3] ارشاد الساری کتاب العتق باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق الخ دارالکتاب بیروت ۴/ ۳۲۴

[4] تحفہ اثنا عشریہ باب ششم دربحث نبوت وایمان انبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۹

امام احمد مسند، اور عبداللہ بن احمد زوائد مسند، اور امام طحاوی شرح معانی الآثار اور امام بغوی وابن السکن وابن ابی عاصم وابن شاہین وابن ابی خیثمہ وابویعلٰی بطریق عَدیدَہ حضرت اعشٰی مازنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ وہ خدمت اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں فریادی آئے اور اپنی عرضی حضور میں گزاردی جس کی ابتداء یہ تھی:

یَامَالِكَ النَّاسِ وَدَیَّانَ الْعَرَبِ۔	اے تمام آدمیوں کے مالک اور عرب کے جزاوسزادینے والے!

مسند احمد وشرح معانی الآثار میں مَالِكَ النَّاسِ [1] ہے اور زوائد مسند نیز ثلثہ متصلہ کی روایت سے بعض نسخ میں یَاملكَ النَّاسِ وَدَیَّانَ الْعَرَبِ [2] یعنی اے تمام آدمیوں کے بادشاہ اور عرب کے جزاء دہندہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی فریاد کو سن کر حاجت روائی فرمائی، پر ظاہر کہ آدمیوں اور امتوں میں سلاطین وغیر سلاطین سب داخل ہیں۔ جب حضور تمام ادمیوں کے مالک، تمام آدمیوں کے بادشاہ، تمام امتوں کی گردنوں کے مالک ہیں تو بلاشبہہ تمام بادشاہوں کے بھی مالک تمام سلاطین کے بھی بادشاہ تمام بادشاہوں کی گردنوں کے بھی مالک ہوئے، مَلِكَ النَّاس کا نسخہ تو عین مدعا ہے اور مَالِكَ النَّاسِ اس سے بھی اعظم واعلٰی ہے کہ بادشاہ لوگوں پر حاکم ہوتا ہے ان کی گردنوں کا مالک نہیں ہوتا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بحکم آیت وحدیث جلل تمام بادشاہوں کی گردنوں کے بھی مالک ہیں۔ وللہ الحمد۔

زمخشری معتزلی نے کشاف سورہ ہود میں زیر قولہٖ تعالٰی وانت احکم الحاکمین اقضی القضاۃ پر اعتراض کیا۔ امام ابن المنیر سنی نے انتصاف میں اس کارد فرمایا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا: اقضاکم علی [3] (علی رضی اللہ عنہ تم سب سے زیادہ فیصلے کرنیوالے ہیں۔ ت) اس سے جواز ثابت

[1] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۱، شرح معانی الآثار کتاب الکراھیۃ باب الشعر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۱۰

[2] مسند ابو یعلٰی حدیث ۶۸۳۶ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۶/ ۲۳۰، مجمع الزوائد بحوالہ عبداللہ بن احمد کتاب النکاح ۴/ ۲۳۱ وکتاب الادب باب جواز الشعر الخ ۸/ ۱۲۷

[3] فیض القدیر بحوالہ ابن المنیر تحت حدیث ۳۰۳ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۰

ہوتا ہے یعنی جب اقضٰی کی اضافت سب کی طرف ہے۔ اور اس میں قضاۃ بھی داخل۔ تو اَقْضَاکُمْ سے اقضی القضاۃ بھی حاصل، ظاہر ہے کہ اقضاکُمْ عموم میں مالك الناس و مَلِكُ النَّاس ومَالِكُ رِقَابِ الْاُمَمِ کے برابر نہیں کہ وہ بظاہر صرف مخاطبین سے خاص ہے، تو ان الفاظ کریمہ سے مالک الملوک وملک الملوک ومالک رقاب الملوک وشہنشاہ بدرجہ اولٰی ثابت پس آیت وحدیث میں ان ارشادات عالیہ کا آنا دلیل روشن ہے کہ نہی صرف اسی طور پر ہے جیسے مولٰی وسید کہنے سے منع فرمایا حالانکہ قرآن وحدیث خود ان کا اطلاق فرمارہے ہیں وللہ الحمد۔

رابعًا: اگر یہاں کوئی حدیث در بارہ نہی ثابت بھی ہو تو کلام مذکور اس کے لئے کافی ووافی ہے نظر دقت میں یہاں ایک حدیث ابن النجار ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمع رجلا یقول شاھان شاہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اَللّٰہُ مَلِكُ الْمُلُوْك [1]۔	یعنی ایک شخص نے دوسرے کو پکارا: اے شاہان شاہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: شاہان شاہ اللہ ہے۔ اس کی تو صحت بھی ثابت نہیں۔

رہی حدیث جلیل صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ صحیحین وسنن ابی داؤد وجامع الترمذی میں مروی:

اخنع الاسماء عنداللہ یوم القیمۃ رجل تسمّٰی مَلِكُ الْاَمْلَاك [2]۔	روز قیامت اللہ تعالٰی کے نزدیک سب ناموں میں زیادہ ذلیل وخوار وہ شخص ہے جس نے اپنا نام مالک الاملاک رکھا۔

یہ بداہۃً طالب تاویل ہے ک وہ شخص خود نام نہیں، اور اس روایت کے لفظ یہ ہیں کہ وہ شخص سب سے برا نام ہے۔ علماء نے اس میں دو ۲ تاویلیں فرمائیں:

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۴۵۹۹۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۹۶

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب البغض الاسماء الی اللہ تعالٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۶، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغییر اسم القبیح آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۲، جامع الترمذی کتاب الادب باب مایکرہ من الاسماء امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۷، صحیح مسلم کتاب الالفاظ باب تحریم بملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

ایک یہ کہ مجازا نام سے ذات مراد ہے۔ یعنی روز قیامت اللہ تعالٰی کے نزدیک سب آدمیوں سے بدتر وہ شخص ہے جس نے اپنا یہ نام رکھے۔

دوسری یہ کہ خبر میں حذف مضاف ہے یعنی اللہ تعالٰی کے نزدیک روز قیامت سب ناموں سے بدتر یہ نام ہے۔

مصابیح واشعۃ اللمعات وسراج المنیر شرح جامع صغیر میں تاویل ثانی ذکر کی، امام قرطبی نے مفہم، اور امام نووی نے منہاج اور علامہ حفنی نے حواشی جامع الصغیر میں اول پر جزم واختصار کیا، فیض القدیر میں قرطبی سے ہے:

المراد بالاسم المسمی بدلیل روایۃ اغیظ رجل و اخبثہ [1]۔	نام سے ذات مراد ہے کیونکہ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں "آدمیوں میں سب سے بدتر اور خبیث" ۱۲م

شرح امام نووی میں ہے:

قالوا معناہ اشد ذلا وصغارا یوم القیامۃ والمراد صاحب الاسم وتدل علیہ الروایۃ الثانیۃ اغیظ رجل [2]۔	علماء نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ ذلیل وحقیر، اور اس سے مراد مسمّٰی ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اغیظ رجل (لوگوں میں سب سے بدتر) کا لفظ بتارہا ہے۔ ۱۲م

حواشی حفنی میں ہے:

اخنع الاسماء ای مسمی الاسماء بدلیل قولہ رجل لانہ المسمی لاالاسم [3]۔	ناموں میں سب سے زیادہ ذلیل یعنی نام والوں میں سب سے زیادہ ذلیل، کیونکہ ایک روایت میں رجل (آدمی) کا لفظ آیا ہے۔ اور ادمی مسمّٰی ہے نہ کہ اسم ۱۲م

علامہ طیبی نے شرح مشکوٰۃ، پھر علامہ قسطلانی نے شرح بخاری پھر علامہ مناوی نے فیض القدیر،

---

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۳۰۳ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۰

[2] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الالفاظ باب تحریم التسمی بملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

[3] حواشی الحفنی علی الجامع الصغیر مع السراج المنیر المطبعۃ الاھریۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۸

پھر تیسیر شروح جامع الصغیر اور علامہ طاہر نے مجمع البحار، اور علامہ قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں دونوں ذکر فرمائیں، طیّبی پھر ارشاد الساری پھر فیض القدیر نے اشارہ کیا کہ تاویل اول ابلغ ہے۔

حیث قال اَغْنِی الطیبی یمکن ان یراد بالاسم المسمی ای اخنع الرجال کقوله سبحانه وتعالٰی سبح اسم ربك الاعلٰی وفیه مبالغة لانه اذا قدس اسمه عما لا یلیق بذاته فذاته بالتقدیس اولی واذا کان الاسم محکوما علیه بالصغار والهوان فکیف المسمی به [1] اھ نقله فی فیض القدیر ونحوه فی الارشاد۔	چنانچہ طیّبی نے کہا یہاں اسم سے مسمّٰی مراد لیا جاسکتا ہے یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل وپست، جیسا کہ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد "اپنے رب اکبر کے نام کی پاکی بولو" اور اس میں مبالغہ ہے کیونکہ جب نامناسب چیزوں سے اسم الٰہی کی تقدیس ضروری ہے تو خود ذات باری تقدیس کی کتنی مستحق ہوگی، لہٰذا جب (ملک الملوک جیسے) نام پر ذلت (حقارت) کا حکم ہے تو اس کے مسمّٰی کا کیا حال ہوگا ۱۲م۔

مرقاۃ نے تصریح کی کہ یہی تاویل بہتر ہے:

حیث قال بعد نقله نحوما مر عن القبض ومثل مافی الارشاد ما نصه، وهذا التاویل ابلغ واولی لانه موافق لروایة اغیظ رجل اھ [2]۔	چنانچہ فیض القدیر کی مذکورہ عبارت کے ہم معنی اور عبارت ارشاد کے ہم مثل ایک عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ تاویل بلیغ تر اور سب سے بہتر ہے کیونکہ یہ اس روایت کے مطابق ہے جس میں ایسے نام رکھنے والوں کو سب سے زیادہ خبیث بتایا ۱۲م

بلکہ تاویل دوم پر افعل التفضیل اس کے غیر پر صادق آئے گا، کہ بلاشبہہ ملک الاملاک نام رکھنے سے اللہ یا رحمٰن نام رکھنا بدرجہا بدتر وخبیث تر ہے۔ ابوالعتاہیہ شاعر کی نسبت منقول ہوا کہ اس کی دو۲ بیٹیاں تھیں ایک کا نام اللہ اور دوسری کا نام رحمٰن۔ والعیاذ باللہ تعالٰی: ذکر کیا جاتا ہے کہ پھر اس نے اس سے توبہ کرلی تھی، فیض القدیر علامہ مناوی میں ہے:

---

[1] شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب باب الاسماء ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۶۸

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب الاسماء المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۱۶

من العجائب التی لا تخطر بالبال مانقله ابن بزیزة عن بعض شیوخه ان اباالعتاهیة کان له ابنتان تسمی احدٰیهما الله والاخرٰی الرحمٰن وهذا من عظیم القبائح وقیل انه تاب[1]۔	ابن بزیرہ نے اپنے بعض مشائخ سے ایک ایسی تعجب خیز بات نقل کی ہے جس کا دل میں خطرہ بھی نہیں گزرتا، وہ یہ کہ ابو العتاہیہ کے دو بیٹیاں تھیں، ایک کا نام اللہ اور دوسری کا نام رحمٰن رکھا تھا، اور یہ تو بڑی ہی قبیح بات ہے اور ایک قول کے مطابق وہ اس سے تائب ہوگیا تھا ۱۲م۔

اور قاطع ہر کلام یہ کہ حدیث کی تفسیر کرنے والا خود حدیث سے بہتر کون ہوگا، یہی حدیث صحیح مسلم شریف کی دوسری روایت میں ان لفظوں سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اغیظ رجل علی الله یوم	قیامت کے دن سب سے زیادہ عـــہ خدا کے غضب

عـــہ: تبعنا فیه الشراح وقد اضطربوا فی تاویل قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اغیظ رجل علی الله اضطرابًا کثیرا وحاملهم علیه ان ظاهرا للمغیظ کون اشد تغیظا علی الله فیکون الغیظ صادرا منه و متعلقا به تعالٰی وهو خلاف عن المقصود فان المراد بیان شدة غضب الله تعالٰی علیه وهذا معنی ماقال الطیبی ان علی ههنا لیست بصلة لاغیظ کما یقال اغتاظ علٰی	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ارشاد "اغیظ رجل علی اللہ" کی تاویل میں ہم نے شارحین حضرات کو بہت مضطرب پایا، اس تاویل پر ان کو آمادگی اس لئے ہوئی کہ حدیث کے ظاہر الفاظ میں وہ شخص اللہ تعالٰی پر شدید غیظ والا ہے تو غیظ بندے سے صادر ہو کر اللہ تعالٰی سے متعلق ہوگا حالانکہ یہ خلاف مقصود ہے کیونکہ مقصد تو یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالٰی کا شدید غضب اس شخص پر ہوگا اور طیّبی رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کا بھی یہی معنٰی ہے کہ "علی" یہاں پر "اغیظ" کا صلہ نہیں ہے جیسے کہ اغتاظ علی (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۳۰۳ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۰

القیمة واخبثه واغیظه	میں اور سب سے بڑھ کر خبیث اور سب سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صاحبه و یغیظ علیه وهو مغیظ مخنق لان المعنی یاباه کما لایخفی ثم اخذ فی التاویل فقال ولکن بیان کانه لما قیل اغیظ رجل قیل علی من؟ قیل علی الله [1] اھ. وانت تعلم انه لم یأت بشیئ وانما جعله صلة الاغیظ کما کان وقال القاضی الامام اسم تفضیل بنی للمفعول [2] اھ۔ اقول و انت تعلمانه خلاف الاصل ثم بهٰذا التاویل لما صار الغیظ مضافا الی الله تعالٰی وهو محال منه لانه غضب العاجز عن الانتقام کما فی المرقاة احتاجوا الی تاویله بانه مجاز عن عقوبته کما فی النهایة والطیبی والمرقاة ثم بعد هذا الکل لم یتضح کلمة علی. فالتجأ القاری الی انه علی حذف مضاف ای بناء علی حکمه تعالٰی [3] اھ. **اقول**: ولا یخفٰی علیك مافیه

صاحبه" اور "**یغیظ علیه**" میں صلہ بن رہا ہے کیونکہ "علٰی" کا "**اغیظ**" کے لئے صلہ ہونا معنی کے خلاف ہے جیسا کہ ظاہر ہے، طیّبی نے یہ بیان کرنے کے بعد تاویل شروع کی، گویا بیان یوں ہے کہ جب "**اغیظ رجل**" کہا گیا تو سوال ہوا کہ کس پر، تو جواب میں کہا گیا اللہ پر اھ، حالانکہ آپ پر واضح ہے کہ یہ تاویل بے مقصد ہے اور "علی" ویسے ہی "**اغیظ**" کا صلہ رہا ہے۔ اور قاضی نے تاویل میں فرمایا کہ **اغیظ** اسم تفضیل مفعول کے معنٰی میں ہے اھ، **اقول**: (میں کہتا ہوں) آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھی خلاف اصل ہے نیز یہ کہ جب غیظ کی اضافت اللہ تعالٰی کی طرف ہوئی تو اللہ تعالٰی کے لئے یہ معنی محال ہے کیونکہ یہ انتقام سے عاجز والا غضب ہے۔ (جبکہ اللہ تعالٰی عجز سے پاک ہے) جیسا کہ مرقاۃ میں ہے سب اس کی تاویل پر ہیں کہ یہ کلام اس شخص پر اللہ تعالٰی کے عقاب وعذاب سے مجاز ہے جیسا کہ نہایہ، طیّبی، مرقاۃ

(باقی بر صفحہ آ)

---

[1] شرح الطیبی کتاب الادب باب الاسامی حدیث ۴۷۵۵ ادارۃ القرآن کراچی ۹ /۶۸ و ۶۹

[2] مرقاة المفاتیح بحوالہ القاضی کتاب الادب باب الاسامی المکتبة الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۱۶

[3] مرقاة المفاتیح بحوالہ القاضی کتاب الادب باب الاسامی المکتبة الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۱۵

رجل کان یسمّٰی مَلِك الاَمْلاك لاَمَلِكَ الا الله [1]۔	خدا کا مبغوض وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک کہا جاتا ہے بادشاہ کوئی نہیں خدا تعالٰی کے سوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من البعد الشدید وبالجملة رجع الکلام علی تاویلھم الی ان اشد الناس مغضوبیة بناءً علی حکم الله تعالٰی وانا **اقول**: وبالله التوفیق ان جعلنا الغیظ وھو غضب العاجز صادرا عن الرجل وعلی صلة له تخلصنا عن ذٰلك کله ولا نسلم اباء المعنی فان المجرم المعذب الکافر بعظمة الملك ونعمته لابدله من التغیظ علی الملك عند حلول نقمته به وکلما کان اشد عذابا کان اشد تغیظا والتھابا فکان کنایة عن انه اشد الناس عذابا وناسب ذکرہ بھذا الوجه اشارة الی کونه متکبرا علی ربه منازعاله فی کبریائه متکبرا علی ربه منازعاله فی کبریائه فاذا احس مس العذاب جعل یتغیظ علی من لایقدر علیه ولایستطیع الفرار منه وقد کان یزعم مساواة فی العظمة والاقتدار فمن یقدر تغیظه الاالواحد القھار والعیاذ بالله العزیز الغفار۔والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔۱۲ منه عفی عنه۔

میں ہے لیکن اس کے باوجود کہ "علی" کی وضاحت نہ ہوسکی اس لئے ملا علی قاری "لفظ اللہ" سے قبل مضاف مقدر ماننے پر مجبور ہوئے یعنی اغیظ رجل علی حکم اللہ تعالٰی اھ۔

اقول: (میں کہتاہوں) تجھ پر مخفی نہیں ہے کہ اس تاویل میں شدید بعد ہے خلاصہ یہ کہ ان حضرات کی تاویل کاماحاصل یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالٰی کے حکم پر لوگوں میں سے شدید مغضوب ہوگا حالانکہ میں کہتاہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے مگر ہم غیظ کو عاجز کا غضب قرار دے کر اس کا صدور شخص مذکور سے بنائیں تو ہم تمام اعتراض سے بچ جائیں گے اور اس معنی کا انکار ہمارے لیے قابل قبول نہ ہوگا کیونکہ عذاب میں مبتلا ہونیوالے اللہ تعالٰی کی عظمت ونعمت کے منکر شخص کو لازما اپنے ملک ہونے کی بناء پر عذاب کی وجہ سے غصہ آئیگا،اور جیسے جیسے عذاب کی شدت ہوگی اس کے غصے میں شدت آئیگی تو یہ تمام لوگوں سے بڑھ کر عذاب سے کنایہ ہے۔اس انداز سے اس کے ذکر کی مناسبت میں اپنے رب تعالٰی پر تکبر اور اس کی کبریائی میں مقابل بننے کی طرف اشارہ ہے توجب اس کو عذاب ہوگا تو اپنے گمان میں اللہ تعالٰی کی عظمت واقتداء میں مساوی ہونے کے باوجود عذاب سے خلاصی میں اپنے بے بسی پر غیظ میں آئیگا تواس کے غیظ کی مقدار کو اللہ تعالٰی کے بغیر کوئی نہ جان سکے گا،والعیاذباللہ تعالٰی۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

[1] شرح مسلم کتاب الالفاظ باب تحریم التسمی بلملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

بالجملہ حدیث حکم فرمارہی ہے کہ اس نام والا روز قیامت تمام جہان سے زیادہ خداتعالٰی کے غضب وعذاب میں ہے۔امام قاضی عیاض نے فرمایا: **ای اکبر من یغضب علیه**[1] یعنی سب سے بڑھ کر جس پر غضب الٰہی ہوگا۔علامہ طیبی نے کہا: **یعذبه اشد العذاب الله تعالٰی** اسے سخت تر عذاب فرمائے گا۔**نقلهما فی المرقاة**[2] (انھیں مرقاۃ میں نقل کیا گیا ہے۔ت) اور شک نہیں کہ سب سے سخت تر عذاب وغضب نہ ہوگا مگر کافر پر اور "**ملك الاملاك**" نام رکھنا بالاجماع کفر نہیں ہوسکتا،جب تک استغراق حقیقی مراد نہ لے،تو حاصل حدیث یہ نکلا کہ جس شخص نے بدعوی الوہیت وخدائی اپنا نام ملک الاملاک رکھا اس پر سب سے زیادہ سخت عذاب وغضب رب الارباب ہے،اور یہ قطعاً حق ہے اور اسے مانحن فیہ سے علاقہ نہیں،**کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

خامسًا: اس معنی حق حقیقت سے جس میں وہ نام رکھنے والا ضرور صفت خاص رب العزت بلکہ الوہیت سے بھی بڑھ کر منزلت کامدعی قطعاً مستحق **اشد العذاب الابدی** ہے تنزل کیجئے تو علماء نے سبب نہی یہ بتایا ہے کہ اس نام سے اس کا متکبر ہونا پیدا ہے۔شرح مشکوٰۃ علامہ طیبی میں ہے:

المالك الحقیقی لیس الاهو ومالكیة الغیر مستردة الی مالك الملوك فمن تسمی بهذا الاسم نازع الله سبحٰنه فی رداء كبریائه واستنكف ان یكون عبدالله لان وصف المالكیة مختص بالله تعالٰی لا یتجاوزه و المملوكیة بالعبد لایتجاوزه فمن تعدی طوره،فله،فی الدنیا الخزی والعار وفی الاخرة والالقاء فی النار[3]۔	مالک حقیقی تو صرف وہی ذات ہے اور دوسروں کی بادشاہت وملکیت اسی شہنشاہ کی رہینِ منّت تو جس نے "ملک الملوک" اپنا نام رکھا تو اس نے کبریائی کی چادر میں اللہ سے منازعت مول لی اور اپنے کو بندہ خدا ہونے سے تکبر کیا کیونکہ مالک ہونا ایک ایسا وصف ہے جو ذات باری کے ساتھ خاص ہے۔دوسروں میں یہ پایا نہیں جاسکتا،یونہی مملوک ہونا یہ بندوں کے ساتھ خاص ہے ان سے متجاوز نہیں ہوسکتا،تو جو اس دارہ کار سے آگے بڑھ گیا وہ دنیا میں رسوا اور ذلیل اور آخرت میں عذاب نار کا سزاوار ہے۔۱۲م۔

[1] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ القاضی کتاب الادب باب الاسامی تحت حدیث ۴۷۵۵ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۱۶

[2] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الطیبی کتاب الادب باب الاسامی تحت حدیث ۴۷۵۵ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۱۷

[3] شرح الطیبی علی المشکوٰۃ کتاب الادب باب الاسامی تحت حدیث ۴۷۵۵ ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۷۵

مرقاۃ میں ہے:

الملك الحقيقی ليس الا هو وملكية غيره مستعارة فمن سمی بهذا الاسم نازع الله بردائه وكبريائه و لما استنكف ان يكون عبدالله جعل له الخزی علی رؤس الاشهاد[1]۔	مالک حقیقی تو ہی ذات ہے اور دوسروں کی ملکیت عارضی لہٰذا جس نے اس نام "ملک الملوک" سے اپنا نام رکھا، اس نے ردائے الٰہی اور اس کی کبریائی سے منازعت کی، اور جب اس نے بندہ خدا ہونے سے تکبر کیا تو علی الاعلان ذلت ورسوائی اس کے لئے مقرر کردی گئی۔ ۱۲م

تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

لامالك لجميع الخلائق الا الله ومالكية الغير مستردة الی ملك الملوك فمن تسمی بذٰلك نازع الله فی رداء كبريائه واستنكف ان يكون عبدالله[2]۔	مخلوقات کا مالک تو صرف اللہ ہے۔ اور غیر کا مالک ہونا اسی شہنشاہ کا صدقہ ہے تو جس نے یہ (ملک الملوک) نام رکھا تو اس نے اللہ عزوجل سے اس کی کبریائی کی چادر مول لی اور بندہ الٰہی ہونے سے تکبر کیا۔ ۱۲م

بعینہٖ یونہی سراج المنیر میں ہے: من قوله فمن تسمّٰی بذٰلك[3] الخ۔ ارشاد الساری میں ہے:

المالك الحقيقی ليس الا هو مثل مامر عن الطيبی الی قوله استنكف ان يكون عبدالله وزاد فيكون له الخزی والنكال[4]۔	مالک حقیقی تو صرف وہی ذات ہے استنکف ان یکون عبد اللہ (اللہ کا بندہ ہونے سے تکبر کیا) تک من وعن طیّبی کے قول کی طرح، البتہ اس میں یکون لہ الخ کا لفظ زائد ہے یعنی اس کے لئے ذلت ورسوائی ۱۲م

---

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب الاسامی تحت حدیث ۴۷۵۵ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۱۵

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۳۰۳ اخنع الاسماء عنداللہ مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۱۔ ۵۲

[3] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۳۰۳ اخنع الاسماء عنداللہ المطبعۃ الازہریہ المصریۃ مصر ۱/ ۶۸

[4] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الادب باب البغض الاسماء الخ دارالکتاب العربی بیروت ۹/ ۱۸۔ ۱۱۷

ان سب عبارات کا حاصل یہ کہ علت نہی ہے کہ اس نے تکبر کیا اور اللہ تعالٰی کا بندہ بننے سے نفرت کی، ان کلمات کو اگر ان کی حقیقت پر پر کھئے جب تو وہی وجہ سابق ہے کہ حدیث اسی کی نسبت ہے جو حقیقی اصل شاہنشہی یعنی الوہیت کا مدعی اور عبدیت سے منکر ہو ورنہ کم از کم اس قدر ضرور کہ علت منع تکبر بتاتے ہیں، تو ممانعت خود اپنے آپ شہنشاہ کہنے سے ہوئی کہ اپنے تعظیم کی ور اپنے آپ کو بڑا جانا، دوسرے نے اگر معظم دینی کی تعظیم کی اسے خدا تعالٰی کے بڑا کئے سے بڑا جانا تو اسے تکبر سے کیا علاقہ، اب یہ حدیث اس طریق کی طرف راجع ہوئی کہ آقا کو منع فرمایا کہ اپنے غلام کو اپنا بندہ نہ کہے حالانکہ قرآن وحدیث واقوال جمیع علمائے امت میں واقع ہے۔ قال اللہ تبارك وتعالٰی:

"وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ"[1]	اور اپنے لائق بندوں۔

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم:

لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فرسہ صدقة[2]۔	مسلمان کے عبد (غلام) اور گھوڑے میں صدقہ نہیں۔

اس مسئلے کی تحقیق فتاوائے فقیر میں بحمد اللہ تعالٰی بروجہ اتم ہے۔ امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

قال فی مصابیح الجامع ساق المؤلف فی الباب قولہ تعالٰی والصالحین من عبادکم وامائکم وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قوموا الی سیدکم تنبیہا علی ان النھی انما جاء متوجھا علی جانب السید اذھو فی مظنة الاستطالة وان قول الغیر ھذا عبدُ زید	مصابیح الجامع میں فرمایا کہ مؤلف کا باب کی مناسبت سے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد اپنے لائق بندوں اور کنیزوں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول "اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ" پیش کرنا اس بات پر تنبیہ کے لئے ہے کہ ممانعت خود ذات سید کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے کیونکہ یہ کبر کی جاہے رہا کسی غیر کا یہ کہنا یہ زید کا عبد (غلام)

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۲

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۶، سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الرقیق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۲۵، سنن ابن ماجہ ابوب الزکوٰۃ باب صدقۃ الخیل والرقیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۱

و ھذا امة خالد جائز لانہ یقولہ اخبارا وتعریفا و لیس فی مظنة الاستطالة والاٰیة والحدیث مما یوید ھذا الفرق[1]۔	ہے، یہ خالد کی باندی ہے۔تو یہ جائز ہے کیونکہ اس قول سے مقصود خبر دینا اور تعریف کرنا ہے یہاں تک کبر ونخوت کی کوئی جگہ نہیں، آیت کریمہ اور حدیث پاک سے بھی اسی فرق کی تائید ہوتی ہے۔۱۲م

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

المعنی فی ذٰلك كل راجع البراءة من الكبر[2]	یہ معنی کبر ونخوت سے براءت کے لیے ہے ۱۲م۔

شرح السنہ امام بغوی پھر مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

معنی ھذا راجع الی براءة من الكبر والتزام الذل والخضوع۔[3]	یہ تمامی تاویلات کبر اور ذلت وخواری کے التزام سے براءت کے لئے ہے ۱۲م۔

ان سب عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ ساری ممانعتیں تکبر سے بچنے کے لئے ہیں اور یہ کہ تکبر خود اپنے کہنے میں ہو سکتا ہے دوسرے کو کہتے ہیں میں تکبر کا کیا محل۔ پھر اپنے آپ کو کہنے میں بھی حقیقۃً حکم نیت پر دائر ہوگا، اگر بوجہ تعلّی و تکبر ہے قطعاً حرام، ورنہ نہیں،

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرءٍ مانوٰی[4]۔	اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے کیا۔

اس کی نظیر یہی کہ اپنے غلام کو "اے میرے بندے" کہنا بہ نیت تکبر نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، امام نووی پھر امام عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

المراد بالنھی من استعملہ علی جھة التعاظم لامن	ممانعت سے مراد اس خاص صورت میں ممانعت ہے جب اسے بڑائی بیان کرنے کے لئے استعمال

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب العتق باب الکراھیة التطاول علی الرقیق دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۲۴

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب العتق باب الکراھیة التطاول علی الرقیق ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۱۳/ ۱۱۰

[3] شرح السنة للبغوی باب یقول العبد بمالکہ الخ تحت حدیث ۳۳۸۱ المکتب الاسلامی بیروت ۱۲/ ۳۵۱، مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب الادب باب الاسامی حدیث ۴۷۶۰ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۲۰

[4] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

مرادہ التعریف [1]۔	کرے اور جس کی مراد دسرے کی تعریف ہو اس کے لئے ممانعت نہیں۔ ۱۲م

مرقاۃ میں ہے:

ولذا قیل فی کراھۃ ھذا الاسماء ھو ان یقول ذٰلك علی طریق التطاول علی الرقیق والتحقیر لشانہ والا فقد جاء بہ القراٰن قال اللہ تعالٰی والصالحین من عباد کم وامائکم وقال اذکر نی عند ربك [2]۔	اس وجہ سے بعض علماء نے کہا ایسا نام رکھنا اس وقت مکروہ ہے کہ جب کہنے والے کا مقصد غلام پر فخر کرنا اور اس کی شان کی حقارت ظاہر کرنا ہو ورنہ خود قرآن ناطق ہے اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: "اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا" او فرماتا ہے: "اور اپنے آقا کے پاس ہمیں یاد کرو" ۱۲م

اشعۃ اللمعات میں ہے:

وگفتہ اند کہ منع ونہی از اطلاق عبد واُمہ بر تقدیرے است کہ بروجہ تطاوُل وتحقیر تصغیر باشد والا اطلاق عبد واَمۃ در قراٰن و احادیث آمدہ [3]۔	علماء نے فرمایا ہے کہ (اپنے غلام اور اپنے باندی پر) عبد اور امۃ کا اطلاق اس صورت میں منع ہے کہ جب یہ ازراہ تکبر اور تحقیر و تصغیر ہو، ورنہ خود قرآن واحادیث میں لفظ عبد اور اَمۃ موجود ہے۔ ۱۲م

دوسری نظیر اپنے آپ کو عالم کہنا ہے کہ بر سبیل تفاخر حرام ورنہ جائز، حدیث میں شریف میں ہے:

من قال انا عالم فھو جاھل، رواہ الطبرانی فی الاوسط [4]۔	جو شخص یہ کہے میں عالم ہوں وہ جاہل ہے (اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے اوسط میں

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب العتق ادارۃ الطباعۃ لنیریۃ بیروت ۱۳ /۱۱۳

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب تحت حدیث ۴۷۶۰ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۲۰

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب الاسامی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴ /۴۷

[4] المعجم الاوسط حدیث ۶۸۴۲ مکتبہ المعارض ریاض ۷ /۴۳۳

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ت)

حالانکہ نبی اللہ سیدنا یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: "اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۝" [1] بے شک میں حفاظت کرنے والاہوں عالم ہوں۔

تیسری نظیر اسبال ازار ہے یعنی تہبند یا پائچے ٹخنوں سے نیچے خصوصاً زمین تک پہنچتے رکھنا کہ اس کے بارے میں کیا کیا سخت وعیدیں وارد، یہاں تک کہ فرمایا:

ثلثة لایکلمھم اللہ یوم القیمة ولاینظر الیھم ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم المسبل ازارہ والمنان و المنفق سلعته بالحلف الکاذب، رواہ [2] الستة الا البخاری عن ابی ذر النجاری علیہ رضوان الباری۔	تین شخص ہیں کہ اللہ تعالٰی روز قیامت ان سے بات نہ کرے گااور ان کی طرف نظر نہ فرمائیے گااور انھیں پاک نہیں کرے گااور ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔یہ تہبند لٹکانے والا اور دے کر احسان رکھنے والا، اور جھوٹی قسم کھاکر اپنا مال چلتا کرنے والا (اسے روایت کیاگیا صحاح ستہ میں بخاری کے سوا ابی ذر نجاری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ت)

پھر جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی:

اِنَّ اِزاری یسترخی الا ان تعاھدہ۔	یا رسول اللہ! بیشک میرا تہبند ضرور لٹک جاتاہے مگر یہ کہ میں اس کی خاص احتیاط اور خیال رکھوں۔

فرمایا:

انت لست ممن یفعله خُیَلاَء۔	تم ان میں سے نہیں جو براہ تکبر و ناز ایسا کریں۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۱، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۶۲، ۱۶۸، ۱۷۸، سنن الدارمی کتاب البیوع باب ۶۳، حدیث ۲۶۹۸ دارالمحاسن للطباعۃ قاہرہ ۲/ ۱۸۰۔ سنن النسائی کتاب البیوع باب المنفق سلعتہ بالحلف الکاذب نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۱۱، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب ماجاء فی کراہیۃ الایمان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۰

رواہ الشیخان [1] وابوداؤد والنسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	(اسے روایت کیا شیخان اور ابوداؤد اور نسائی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ت)

سادسًا: عــہ حدیث میں ممانعت ہے تو نام رکھنے کی، کسی کے وصف میں کوئی بات بیان کرنے اور نام رکھنے میں بڑا بل ہے۔آخر نہ دیکھا کہ حدیثوں میں عزیز وحکم وحکیم نام رکھنے کی ممانعت آئی،اور عزت وحکم وحکمت سے قرآن وحدیث میں بندوں کا وصف فرمایا گیا جن کی سندیں اوپر گزریں، نیز اس کی نظیر حابس الفیل وسائق البقرات ہے کہ رب عزوجل کے یہ نام رکھنا حرام اور وصف وارد، جب واقعہ حدیبیہ میں ناقہ قصواء، شریف بیٹھ گیا،اور لوگوں نے کہا ناقہ نے سرکشی کی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: نہ اس نے سرکشی کی نہ اس کی یہ عادت ولکن حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْل [2] اسے حابس فیل نے روک دیا، یعنی جس نے ابرہہ کے ہاتھی کو بٹھادیا اور کعبہ معظّمہ پر حملہ کرنے سے روکا تھا۔ عزوجلالہ،زرقانی علی المواہب میں علامہ ابن المنیر سے ہے:

یجوز اطلاق ذٰلك فی حق اللہ تعالٰی فیقال حبسہا اللہ حابس الفیل وانما الذی یمکن ان یمنع تسمیتہ سبحانہ حابس الفیل ونحوہ اھ قال الزرقانی وھو مبنی علی الصحیح من الاسماء توقیفیہ [3]۔	اللہ تبارک وتعالٰی پر اس کا اطلاق جائز ہے۔اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ حابس فیل نے اسے روک لیا،ہاں ممانعت اس صورت میں ہوسکتی ہے جب "حابس فیل" یا اس کے ہم معنی کو اسم الٰہی قرار دے دیا جائے،زرقانی نے کہا اس کی بناء وہ قول صحیح ہے جس میں اسمائے الٰہی کو توفیقی قرار دیا ہے۔ ۱۲م

عــہ:الوجوہ الخمسۃ الاول عامۃ وھذا خاص بغیر التسمیۃ ۱۲منہ عفی عنہ۔	پہلے پانچ وجوہ عام اور یہ غیر تسمیہ سے خاص ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۷، صحیح البخاری کتاب اللباس باب من جرازارہ من غیر خیلاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۰، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم جر الثوب خیلاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۹

[2] المواہب اللدنیہ بیان صلح الحدیبیہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۹۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ امر الحدیبیہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۸۴

اکیدر بادشاہ دومۃ الجندل کے واقعہ میں حضرت بُجیر طائی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:ـ

تبارك سائق البقرات انی رأیت اللہ یھدی کل ھاد [1]ـ	اللہ تبارک وتعالٰی گائیوں کو چلانے والا ہے میں نے اللہ تعالٰی کو ہر رہنما کا رہنما پایا ہے۔(ت)

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کا کلام پسند کیا اور فرمایا:

لایَفۡضُضِ اللہ فَاکَ۔رواہ ابن السکن [2] وابو نعیم ومندہ۔	اللہ تیرا منہ بے دندان نہ کرے(نوے برس جئے کسی دانت کو جنبش نہ ہوئی)(اس کو روایت کیا ابن السکن اور ابونعیم اور ابن مندہ نے۔ت)

یہ ہے تمام وہ کلام کہ ان اکابر متقدمین ومتاخرین ائمہ دین وفقہائے معتمدین وعرفائے کاملین کی طرف سے فقیر نے حاضر کیا، اور ممکن کہ خود ان کے پاس اسے بھی بہتر جواب ہو، "وَفَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ﴿۷۶﴾" [3]ـ

سابعًا: اس سب سے قطع نظر کرکے یہی فرض کرلیجئے کہ **معاذاللہ** ان تمام اکابر پر طعن ثابت ہو اور جواب معدوم، تو انصافا فقیر کا مصرع اب بھی اس روش پر نہیں کہ ان ائمہ وعلماء نے قطعاً غیر خدا کو شہنشاہ وقاضی القضاۃ کہا ہے حتی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بھی نہیں بلکہ کسی عالم یا ولی یا نرے حکام دنیوی کو، اور وہ مصرح اس معنی میں ہرگز متعین نہیں۔ہم پوچھتے ہیں لفظ شہنشاہ حضرت عزجلالہ سے مخصوص ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو سرے سے منشاء شبہہ زائل، اور اگر ہے تو جو لفظ اللہ عزوجل کے لئے خاص تھا اسے غیر اللہ پر کیوں حمل کیجئے؟ شہنشاہ سے اللہ ہی کیوں نہ مراد لیجئے کہ روضہ بمعنی قبر نہیں بلکہ خیابان اور کیاری کو کہتے ہیں، قال اللہ تعالٰی "فَھُمۡ فِیۡ رَوۡضَۃٍ یُّحۡبَرُوۡنَ﴿۱۵﴾" [4](اللہ تعالٰی نے فرمایا: باغ کی کیاری میں ان کی خاطر داری ہوگی۔ت) قبر پر اس کا اطلاق تشبیہ بلیغ ہے جیسے رَاَیۡتُ اَسَدًا یَرۡمِیۡ(میں نے شیر کو تیر اندازی کرتے دیکھا) حدیث شریف میں قبر مومن کو روضۃ من ریاض الجنۃ [5] فرمایا جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری، تو روضہ شہنشاہ کے معنی ہوئے

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم ذکر ماکان فی غزوۃ تبوك عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۹۲

[2] شرح الزرقانی المواہب اللدینۃ بحوالہ ابن مندہ وابونعیم وابن السکن دار المعرفۃ بیروت ۳ /۷۸

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۷۶

[4] القرآن الکریم ۳۰ /۱۵

[5] جامع الترمذی ابواب صفۃ یوم القیمۃ امین کمپنی دہلی ۲ /۶۹

الٰہی خیابان، خدا کی کیاری، اس میں کیا حرج ہے، جب قرآن عظیم نے مدینہ طیبہ کو ساری زمین کو اللہ عزوجل کی طرف اضافت فرمایا:

"اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا" [1] ۔	کیا خدا کی زمین یعنی زمین مدینہ کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔

توخاص روضہ انور کو الٰہی روضہ شاہنشاہی خیابان، ربانی کیاری کہنے میں کیا حرج ہے، وللہ الحمد،

بایں ہمہ جب فقیر بعون القدیر آیت وحدیث سے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مَالِكُ النَّاس، مَلِكُ النَّاسِ، مَالِكُ الْاَرْضِ، مَالِكُ رِقَابِ الْاُمَمِ ہونا ثابت کرچکا تو لفظ پر اصرار یا روایت خلاف پر انکار کی حاجت نہیں، یہ بھی ہمارے علماء سے بعض متاخرین کا قول ہے اس کے لحاظ بجائے "شاہنشاہ طیبہ" کہئے، کہ وہ شاہ طیبہ بھی ہیں اور شاہ تمام روئے زمین بھی اور شاہ تمام اولین وآخرین بھی جن میں ملوک وسلاطین سب داخل بادشاہ ہو یا رعیت، وہ کون ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دائرہ غلامی سے سر باہر نکال سکتا ہے۔

محمد عربی کہ ابروئے ہر دو سراست کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سراو

(محمد عربی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دونوں جہانوں کی عزت ہیں جو ان کے در کی خاک نہیں اس کے سر پر خاک)

وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، ولیکن ھذا ھذا اٰخرا لکلام فی المسئلۃ الاول الحمدللہ فی الاولٰی والاخرٰی۔	اللہ تعالٰی ک رحمت نازل ہو ہمارے آقا مولٰی پر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کی آل واصحاب سب پر، یہ پہلے مسئلہ میں آخری کلام ہے۔ دنیاواخرت میں تمام حمدیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔(ت)

جواب سوال دوم: الحق اللہ عزوجل ہی مقلب القلوب ہے سب کے دلوں، نہ صرف دل بلکہ عالم کے ذرے ذرے پر حقیقی قبضہ اسی کا ہے۔ مگر نہ اس کی قدرت نہ محدود نہ اس کی عطاء کا باب وسیع مسدود، "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝" [2] بے شک اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے "وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝" [3] اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں، وہ علی الاطلاق فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۹۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۰

"وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ"[1]	اللہ تعالٰی اپنے رسولوں کو جس پر چاہے قبضہ و قابو دیتا ہے۔

اس کا اطلاق اجسام وابصار واسماع وقلوب سب کو شامل ہے وہ اپنے محبوبوں کو جس کے چاہے دست وپا پر قدرت دے چاہے چشم وگوش پر، چاہے دل وہوش پر، اس کی قدرت میں کمی نہ عطا میں تنگی، کیا ملائکہ دلوں میں القائے خیر نہیں کرتے، نیک ارادے نہیں ڈالتے، برے خطروں سے نہیں پھرتے؟ ضرور سب کچھ باذن اللہ کرتے ہیں پھر دلوں میں تصرف کے اور کیا معنی، قال اللہ تعالٰی:

"اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ"[2]	جب وحی فرماتا ہے تیرا رب فرشتوں کو کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تو تم دل قائم رکھو مسلمانوں کے۔

سیرت ابن اسحاق وسیرت ابن ہشام میں ہے بنی قریضہ کو جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راہ میں اپنے کچھ اصحاب پر گزرے، ان سے دریافت فرمایا: تم نے ادھر جاتے ہوئے کوئی شخص دیکھا؟ عرض کی: دحیہ بن خلیفہ کو نقرہ جنگ پر سوار جاتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا:

ذاك جبریل بعث الی بنی قریضة یزلزل بهم حصونهم ویقذف الرعب فی قلوبهم[3]۔	وہ جبریل تھا کہ بنی قریظہ کی طرف بھیجا گیا کہ ان کے قلعوں میں زلزلے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالے۔ ۱۲م

امام بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا جلس القاضی مجلسه هبط علیه ملكان یسددانه ویوفقانه ویرشدانه مالم یجر فاذا جار عرجا وترکاه[4]۔	جب قاضی مجلس حکم میں بیٹھتا ہے تو دو فرشتے اترتے ہیں کہ اس کی ائے کو درستی دیتے ہیں اور اسے ٹھیک بات سمجھنے کی توفیق دیتے ہیں اور اسے نیک راستہ سمجھاتے ہں جب تک حق سے میل نہ کرے جہاں اس نے میل کیا فرشتوں نے اسے چھوڑا اور آسمان پر اڑ گئے۔ ۱۲م

---
[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۶

[2] القرآن الکریم ۱۲/۸

[3] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام مع الروض الانف غزوہ بنی قریظہ مکتبہ فاروقیہ ملتان ۲/ ۱۹۵

[4] السنن الکبرٰی کتاب آداب القاضی باب من ابتلی بشیئ الخ دار صادر بیروت ۱۰/ ۸۸

دیلمی مسند الفردوس میں صدیق اکبر وابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دونوں سے روای کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو لم ابعث فیکم لبعث عمر اید الله عمر بملکین یوفقانه ویسدد انه فاذا اخطا صرفاه حتی یکون صوابا[1]۔	اگر میں بھی تم میں ظہور نہ فرماتا تو بیشک عمر نبی کیا جاتا۔اللہ عزوجل نے دو فرشتوں سے تائید فرمائی ہے کہ وہ دونوں عمر کو توفیق دیتے اور ہر بات میں اسے راہ پر رکھتے،اگر عمر کی رائے لغزش کرنے کو ہوتی ہے وہ پھیر دیتے ہیں یہاں تک کہ عمر سے حق ہی صادر ہوتا ہے۔۱۲م

ملائکہ کی شان تو بلند ہے۔شیاطین کو قلوب عوام میں تصرف دیا ہے جس سے فقط اپنے چنے ہوئے بندوں کو مستثنٰی کیا ہے کہ:

" اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ ؕ "[2]	میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ:

" یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾ "[3]	شیطان جن اور لوگ، لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔

وقال اللہ تعالیٰ:

" شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ یُوۡحِیۡ بَعۡضُہُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا ؕ "[4]	شیطان آدمی اور جن ایک دوسرے کے دل میں ڈالتے ہیں بناوٹ کی بات دھوکے کی۔۱۲م

بخاری، مسلم، ابوداؤد مثل امام احمد، حضرت انس بن مالک اور مثل ابن ماجہ حضرت ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۵۱۲۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳ /۳۷۲

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۵

[3] القرآن الکریم ۱۱۴/ ۵و۶

[4] القرآن الکریم ۶ /۱۱۲

ان الشیطن یجری من الانسان مجری الدم [1]۔	بے شک شیطان انسان(آدمی) کی رگ رگ میں خون کی طرح ساری وجاری ہے۔

صحیحین وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جب اذان ہوتی ہے شیطان گوز زناں بھاگ جاتا ہے کہ اذان کی آواز نہ سنے، جب اذان ہوچکتی ہے پھر آتا ہے۔ جب تکبیر ہوتی ہے پھر بھاگ جاتا ہے، جب تکبیر ہوچکتی ہے پھر آتا ہے حتی یخطرا بین المراء ونفسہ یقول اذکر کذا اذکر کذا لما لم یکن یذکرہ، حتی یظل الرجل مایدری کم صلّی [2] یہاں تک کہ آدمی اور اس کے دل کے اندر حائل ہوکر خطرے ڈالتا ہے کہتا ہے کہ یہ بات یاد کروہ بات یاد کر ان باتوں کے لئے جو آدمی کے خیال میں بھی نہ تھیں، یہاں تک کہ انسان کو یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ کتنی پڑھی" امام ابوبکر ابی الدنیا کتاب مکائد الشیطان، اور امام اجل ترمذی نوادر الاصول میں بسند حسن، اور ابویعلٰی مسند، اور ابن شاہین کتاب الترغیب، اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان الشیطان واضع خطمہ علی قلب ابن اٰدم فان ذکر اللہ خنس وان نسی التقم قلبہ فذٰلك الوسواس	بیشک شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل پر رکھے ہوئے ہے، جب آدمی خدا تعالٰی کو یاد کرتا ہے شیطان دبک جاتا ہے اور جب آدمی (ذکر سے) غفلت کرتا ہے (بھول جاتا ہے) تو شیطان اس کا

[1] صحیح البخاری باب الاعتکاف ۱/ ۲۷۲ کتاب بدء الخلق ۱/ ۴۶۴ کتاب الاحکام ۲/ ۱۰۶۳ قدیمی کتب خانہ کراچی، سنن ابی داؤد کتاب الصوم باب المعتکف یدخل البیت لحاجتہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳۵

[2] صحیح البخاری کتاب الاذان باب فضل التاذین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۵، صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب فضل الاذان وھرب الشیطن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۸، صحیح مسلم کتاب المساجد باب السھو فی الصلٰوۃ والمسجود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۱، مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۳، ۵۲۲، ۴۶۰

الخناس [1]۔	دل اپنے منہ میں لے لیتا ہے تو یہ ہے (شیطان خناس) وسوسہ ڈالنے والا دبک جانیوالا۔

لمہ شیطان ولمہ ملکہ دونوں مشہور اور حدیثوں میں مذکور ہیں پھر اولیاء کرام کو قلوب میں تصرف کی قدرت عطا ہونی کیا محل انکار ہے۔ حضرت علامہ سلجماسی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کتاب ابریز میں اپنے شیخ حضرت سیدی عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عوام جو اپنے حاجات میں اولیاء کرام مثل حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے استعانت کرتے ہیں نہ کہ اللہ عزوجل سے، حضرات اولیاء نے ان کو قصداادھر لگالیا ہے کہ دعا میں مراد ملنی نہ ملنی دونوں پہلو ہیں، عوام (مراد) نہ ملنے کی حکمتوں پر مطلع نہیں کئے جاتے، تو اگر بالکلیہ خالص اللہ عزوجل ہی سے مانگتے پھر مراد ملتی نہ دیکھتے تو احتمال تھا کہ خدا کے وجود ہی سے منکر ہو جاتے، اس لئے اولیاء نے ان کے دلوں کو اپنی طرف پھیر لیا کہ اب اگر (مراد) نہ ملنے پر بے اعتقادی کا وسوسہ آیا بھی تو اس ولی کی نسبت آئے گا جس سے مدد چاہی تھ، اس میں ایمان تو سلامت رہے گا۔

حدیث اول: اور سنئے، مولانا علی قاری علیہ الرحمۃالباری کتاب مستطاب نُزْهَةُ الْخَاطِرِ الْفَاتِرِ فی ترجمۃ سیدی الشریف عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

روی الشیخ الجلیل ابوصالح المغربی رحمه الله تعالٰی انه قال قال لی سیدی الشیخ ابو مدین قدس سره، یا ابا صالح سافر الی بغداد وأت الشیخ محی الدین عبدالقادر لیعلمك الفقر، فسافرت الی بغداد فلما رأیته رأیت رجلا ما رأیت اکثر هیبة منه (فساق الحدیث الی اٰخره الی ان قال) قلت یا سیدی ارید ان تمدنی ملك بهذا الوصف فنظر نظرة	یعنی شیخ جلیل ابوصالح مغربی رحمہ اللہ تعالٰی نے روایت کی، مجھ کو میرے شیخ حضرت ابوشعیب مدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: اے ابوصالح! سفر کرکے حضرت شیخ محی الدین عبد القادری کے حضور حاضر ہو کر وہ تجھ کو فقر تعلیم فرمائیں، میں بغداد گیا جب حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا میں نے اس ہیبت و جلال کا کوئی بندہ خدا نہ دیکھا تھا حضور نے مجھ کو ایک سو بیس ۱۲۰ دن یعنی تین چلے خلوت میں بٹھایا پھر میرے پاس تشریف لائے اور قبلہ کی طرف

[1] شعب الایمان حدیث ۵۴۰ دار المکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۰۳، نوادر الاصول الاصل التاسع والخمسون والمائتان الخ دار صادر بیروت ص ۳۵۴

فتفرقت عن قلبی جواذب الارادات کما یتفرق الظلام بھجوم النھار وانا الاٰن انفق من تلك النظرۃ[1]۔	اشارہ کرکے فرمایا: اے ابوصالح! ادھر کو دیکھو تجھ کو کیا نظر آتا ہے؟ میں نے عرض کی۔ کعبہ معظّمہ، پھر مغرب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ادھر دیکھ تجھے کیا نظر آتا ہے۔ میں نے عرض کی: میرے پیر ابومدین۔ فرمایا: کدھر جانا چاہتا ہے کعبہ کو یا اپنے پیر کے پاس؟ اپنے پیر کے پاس۔ فرمایا: ایک قدم میں جانا چاہتا ہے یا جس طرح آیا تھا؟ میں نے عرض کی: بلکہ جس طرح آیا تھا: یہ افضل ہے۔ پھر فرمایا: اے ابوصالح! اگر تو فقر چاہتا ہے تو ہر گز بے زینہ اس تک نہ پہنچے گا اور اس کا زینہ توحید ہے اور توحید کا مدار یہ ہے کہ عین السر کے ساتھ دل سے ہر خطرہ مٹا دے لوح دل بالکل پاک وصاف کرلے، میں نے عرض کی: اے میرے آقا! میں چاہتاہوں کہ حضور اپنی مدد سے یہ صفت مجھ کو عطا فرمائیں، یہ سن کر حضور نے ایک نگاہ کرم مجھ پر فرمائی کہ ارادوں کی تمام کششیں میرے دل سے ایسی کافور ہو گئیں جیسے دن کے آنے سے رات کی اندھیری، اور میں آج تک حضور کی اسی ایک نگاہ سے کام چلا رہا ہوں۔

دیکھئے خاطر پر اس سے بڑھ کر اور کیا قبضہ ہوگا کہ ایک نگاہ میں دل کو تمام خطرات سے پاک فرمادیا اور نہ فقط اسی وقت بلکہ ہمیشہ کے لئے۔

امام اجل مصنف بہجۃ الاسرار کی جلالت شان اور اس کتاب جلیل کی صحت وعظمت

فائدہ: یہ حدیث جلیل حضرت اما اجل سید العلماء شیخ القراء عمدہ العرفاء نور الملۃ والدین ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنونی قدس سرہ العزیز نے صرف دو واسطہ سے حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مرید ہیں، امام جلیل الشان، شیخ القراء، ابوالخیر شمس الدین محمد محمد محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی مصنف حصن حصین شریف کے استاذ ہیں، امام ذہبی صاحب میزان الاعتدال ان کی مجلس مبارک میں حاضر ہوئے، اور طبقات القراء میں ان کی مدح ستائش کی اور ان کو اپنا امام یکتا لکھا۔

حیث قال علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشَّطنوفی الامام الاوحد المقری نور الدین	چنانچہ کہا کہ علی بن یوسف بن جریری لخمی شطنونی نور الدین امام یکتا، مدرس قراءت اور

---

[1] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ عبدالقادر

شیخ القراء بالدیار المصریة [1]۔	بلاد مصری کے شیخ القرء ہیں ۱۲م

اور امام اجل عارف باللہ سیدی عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی یمعنی رحمہ اللہ تعالٰی "فی آمرۃ الجنان میں اس جناب کو ان مناقب جلیلہ سے یاد رفرمایا:

روی الشیخ الامام الفقیه العالم المقری ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد الشافی اللخمی فی مناب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه بسندہ [2]الخ	شیخ امام زبردست فقیہ مدرس قراءت علی ابن یوسف بن جریر بن معضاد شافی لخمی نے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ روایت بیان کی۔ ۱۲م

اور امام اجل شمس الملۃ والدین ابوالخیر الجزری مصنف حصن حصین نے نہایۃ الدرائت فی اسماء الرجال القرائت میں فرمایا:

علی بن یوسف بن جریر بن فضل بن معضاہ نورالدین ابوالحسن اللخمی الشطنونی الشافعی الاستاذ المحقق البارع شیخ الدیار المصریة ولد بالقاہرۃ سنة اربع واربعین وستمائة وتصدر للاقراء بالجامع الازہر من القاہرۃ وتکاثر علیه الناس لاجل الفوائد والتحقیق وبلغنی انه عمل علی الشاطبیة شرحا فلوکان ظهر لکان من اجود شروحها توفی یوم السبت اوان الظهر دفن یوم الاحد العشرین من ذی الحجة سنة ثلث عشرۃ وسبع مائة رحمه اللہ تعالٰی۔[3] (مختصرًا)	یعنی علی بن یوسف نور الدین ابوالحسن شافعی استاد محقق اپنے کمال والے جو عقلوں کو حیران کردے، بلاد مصر کے شیخ قاہرہ مصر میں پیدا ہوئے اور مصر کی جامع ازہر میں صدر تعلیم پر جلوس فرمایا، ان کے فوائد و تحقیق کے سبب خلائق کا ان پر ہجوم ہوا، میں نے سنا کہ شاطبیہ پر بھی اس جناب نے شرح لکھی، یہ شرح اگر ظاہر ہوتی تو ان کی تمام شرحوں سے بہتر شروح میں ہوتی، روز دوشنبہ بوقت ظہر وفات پائی اور بروز یک شنبہ بستم ذی الحجہ ۷۱۳ھ میں دفن ہوئے، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ انتہی ۱۲م

[1] زبدۃ الآثار بحوالہ طبقات المقرئین مطبع بکسلنگ کمپنی جزیرہ ص ۳

[2] مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفة مایعتبر من حوادث الزمان

[3] زبدۃ الآثار بحوالہ نہایة الدرایات فی اسماء الرجال واالقرأت مطبع بکسلنگ کمپنی جزیرہ ص ۵

اور امام اجل جلال الملۃ والدین سیوطی نے "حُسن المَحَاضَرۃ بِاَخبَارِ مصر والقاھرۃ" میں فرمایا:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنونی الامام الاوحد نور الدین ابوالحسن شیخ القراء بالدیار المصریۃ تصد للاقراء بالجامع الازہر وتکاثر علیہ الطلبۃ[1]۔	یعنی علی بن یوسف ابوالحسن نور الدین امام یکتا ہیں، اور بلاد مصر میں شیخ القراء پھر ان کا مسند تعلیم پر جلوس اور طلبہ کا ہجوم اور تاریخ ولادت ووفات اسی طرح ذکر فرمائی۔

نیز امام سیوطی نے اس جناب کا تذکرہ اپنی کتاب "بغیۃ الوعادۃ" میں لکھا اور اس میں نقل فرمایا کہ:

لہ الید الطولیٰ فی علم التفسیر[2]۔	علم تفسیر میں اس جناب کو ید طولیٰ تھا۔

اور حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے کتاب "زبدۃ الاسرار" میں اس جناب کے فضائل عالیہ یوں بیان فرمائے:

بھجۃ الاسرار من تصنیف الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری، الاوحد البارع نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمی وبینہ وبین الشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واسطتان وھو داخل فی بشارۃ قولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طوبیٰ لمن رانی ولمن راٰی من رانی ولمن رای من رانی[3]۔	یعنی امام اجل، فقیہ، عالم، مدرس قرائت یکتا، عجب صاحب کمال نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف شافعی لخمی، ان میں اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں صرف دو واسطے ہیں اور وہ حضور پرنور سرکار غوثیت کی اس بشارت میں داخل ہیں کہ شادمانی ہے اسے جس نے مجھ کو دیکھا اور اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا اور اسے جس نے میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ انتہی

ان امام اجل یکتا نے کہ ایسے اکابر ائمہ جن کی امامت وعظمت وجلالت شان کے ایسے مداح ہوئے، اپنی کتاب مستطاب بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار شریف میں (کہ امام اجل یافعی وغیرہ اکابر اس سے سند لیتے آئے امام اجل شمس الملۃ والدین ابوالخیر ابن الجزری مصنف حصن حصین نے یہ کتاب مستطاب

---

[1] حسن المحاضرۃ باخبار مصر والقاھرۃ

[2] بغیۃ الوعاۃ للیسوطی

[3] زبدۃ الاسرار خطبۃ الکتاب مطبع بکسلنگ کمپنی جزیرہ ص ۵

حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر حنفی وشطوطی رحمہ اللہ تعالٰی سے پڑھی، اور حدیث کی طرح اس کی سندھ حاصل کی اور علامہ عمر بن عبدالوہاب حلبی نے اس کی روایات معتمد ہونے کی تصریح کی، اور حضرت شیخ محقق محدث دہلوی نے زبدۃ الآثار شریف میں فرمایا:

ایں کتاب بہجۃ الاسرار کتابے عظیم وشریعت ومشہور است[1]۔	یہ کتاب بہجۃ الاسرار ایک عظیم شریعت اور مشہور کتاب ہے۔ ۱۲م

اور زبدۃ الاسرار شریف میں اس کی روایات صحیح وثابت ہونے کی تصریح کی) یوں بسند صحیح روایت فرمائی کہ:

حدثنا الفقیہ ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحیم بن حجاج بن یعلی الفاسی المالکی المحدث بالقاہرۃ ۶۷۱ھ قال اخبرنا جدی حجاج بفاس ۶۲۳ھ قال حججت مع الشیخ ابی محمد صالح بن ویرجان الدکالی رضی اللہ تعالٰی عنہ ۵۸۸ھ فلما کنا بعرفات وافینا بہا الشیخ اباالقاسم عمر بن مسعود المعروف بالبزار فتسالما وجلسا یتذکران ایام الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال الشیخ ابومحمد قال لی سیدی الشیخ ابو مدین رضی اللہ تعالٰی عنہ یاصالح سافر الی بغداد الحدیث[2]۔	یعنی فقیہ محدث ابوالحجاج نے ہم سے حدیث بیان کی کہ میرے جدامجد حجاج بن یعلی بن عیسٰی فاسی نے مجھے خبر دی کہ میں نے شیخ ابومحمد صالح کے ساتھ ۵۸۸ھ میں حج کیا، عرفات میں ہم کو حضرت شیخ ابوالقاسم عمر بزار ملے، دونوں شیخ بعد سلام بیٹھ کر حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر فرمانے لگے، ابومحمد صالح نے فرمایا مجھ سے میرے شیخ حضرت شعیب ابومدین نے فرمایا: اے صالح! سفر کرکے بغداد حاضر ہو، الی آخرہ۔

تنبیہ: یہاں سے معلوم ہوا کہ ان شیخ کا نام گرامی صالح ہے اور کنیت ابومحمد نزہۃ الخاطر میں ابوصالح واقع ہوا سہو قلم ہے۔

[1] زبدۃ الآثار مع زبدۃ الاسرار خطبہ الکتاب مطبع بکسلنگ کمپنی جزیرہ ص ۲

[2] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۲

حدیث دوم: اور سنیے، اسی حدیث جلیل میں ہے کہ حضرت صالح یہ روایت فرماچکے تو حضرت سید عمر بزار قدس سرہ، نے فرمایا:

وانا ایضا کنت جالسا بین یدیه فی خلوته فضرب بیده فی صدری فاشرق فی قبله نورعلی قدر دائرة الشمس ووجدت الحق من وقتی وانا الی الاٰن فی زیادة من ذٰلك النور [1]۔	یعنی یونہی میں بھی ایک روز حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سامنے خلوت میں حاضر تھا حضور نے اپنے دست مبارک کو میرے سینے پر مارا، فورا ایک نور قرص آفتاب کے برابر میرے دل میں چمک اٹھا، اور اس وقت سے میں نے حق کو پایا، اور آج تک وہ نور ترقی کررہاہے۔

حدیث سوم: اور سنیے، امام ممدوح اسی بہجۃ الاسرار شریف میں بایں سند راوی:

حدثنا الشیخ ابوالفتوح محمد ابن الشیخ ابی المحاسن یوسف بن اسمٰعیل التیمی البکری البغدادی قال اخبرنا الشیخ الشریف ابوجعفر محمد بن ابی القاسم العلوی قال الخبرنا الشیخ العارف ابوالخیر بشر بن محفوظ ببغداد بمنزله الحدیث۔	یعنی ہم سے شیخ ابوالفتوح محمد صدیق بغدادی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو سید ابوجعفر محمد علوی نے خبر دی کہ ہم سے شیخ عارف باللہ ابوالخیر بشر بن محفوظ بغدادی نے اپنے دولت خانے پر بیان فرمایا کہ ایک روز میں اور بارہ صاحب اور) جن کے نام حدیث میں مفصل مذکور ہیں) خدمت اقدس حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاضر تھے کہ حضور نے فرمایا: لِیَطْلُبْ کُلَّ مِنْکُمْ حَاجَةً اَعْطِیْهَا لَه، تم میں سے ہر ایک ایک ایک مراد مانگے کہ ہم عطا فرمائیں (اس پر دس صاحبوں نے دینی حاجتیں متعلق علم ومعرفت اور تین شخصوں نے دنیوی عہدہ ومنصب کی مرادیں مانگیں جو بتفصیل مذکور ہیں)

حضور پرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

"كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَ هٰۤؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰ "۔	ہم ان اہل دین اور اہل دنیا سب کی مدد کرتے ہیں تیرے رب کی عطا سے، اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں۔

[1] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۳

خدا کی قسم! جس نے جو مانگا تھا پایا، میں نے یہ مراد چاہی تھی کہ ایسی معرفت مل جائے کہ واردات قلبی میں مجھے تمیز ہو جائے کہ یہ وارد اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ اور یہ نہیں (اوروں کو ان کی مرادیں ملنے کی تفصیل بیان کرکے فرماتے ہیں):

واما انا فان الشیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ وضع یدہ علی صدری وانا جالس بین یدیہ فی مجلسہ ذٰلک فوجدت فی الوقت العاجل نورا فی صدری وانا الی الاٰن افرق بہ بین مواردا الحق والباطل وامیز بہ بین احوال الھدٰی والضلال وکنت قبل ذٰلک شدید القلق لالتباسھا علی[1]۔	اور میری یہ کیفیت ہوئی کہ میں حضور کے سامنے حاضر تھا، حضور نے اسی مجلس میں اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا کہ فوراً ایک نور میرے سینے میں چمکا کہ آج تک میں اسی نور سے تمیز کرلیتاہوں کہ یہ وارد حق ہے اور یہ باطل، یہ حال ہدایت ہے اور یہ گمراہی اور اس سے پہلے مجھے تمیز نہ ہو سکنے کے باعث سخت قلق رہا کرتا تھا۔

حدیث چہارم: اور سنیے، امام ممدوح اسی کتاب جلیل میں اس سند عالی سے راوی کہ: اخبرنا ابو محمد الحسن ابن ابی عمران القرشی وابومحمد سالم بن علیا الدمیاطی قال اخبرنا الشیخ العالم الربانی شھاب الدین عمر السھروردی الحدیث یعنی ہمیں ابو محمد قرشی وابو محمد میاطی نے خبر دی، دونوں نے فرمایا کہ ہمیں شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین عمر سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار سلسلہ سہروردیہ نے خبر دی کہ مجھ علم کلام کا بہت شوق تھا، میں نے اس کی کتابیں از بر حفظ کرلی تھیں اور اس میں خوب ماہر ہوگیا تھا میرے عم مکرم پیر معظم حضرت سیدی نجیب الدین عبدالقاہر سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ مجھ کو منع فرماتے تھے اور میں باز نہ آتا تھا ایک روز مجھے ساتھ لے کر بارگاہ غوثیت پناہ میں حاضر ہوئے، راہ میں مجھ سے فرمایا: اے عمر! ہم اس وقت اس کے حضور حاضر ہونے کو ہیں جس کا دل اللہ تعالٰی کی طرف سے خبر دیتا ہے دیکھو ان کے سامنے باحتیاط حاضر ہونا کہ ان کے دیدار سے برکت پاؤ۔

جب ہم حاضر بارگاہ ہوئے میرے پیر نے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی: اے میرے آقا! یہ میرا بھتیجا علم کلام میں آلودہ ہے میں منع کرتا ہوں، نہیں مانتا، حضور نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! تم نے علم کلام میں کون سی کتاب حفظ کی ہے؟ میں نے عرض کی: فلاں فلاں کتابیں۔

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فضول من کلامہ مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص ۳۰ و ۳۱

فامریدہ علی صدری فواللہ ما نزعها وانا احفظ من تلك الكتب لفظة وانسانی اللہ جمیع مسائلها ولکن وفر اللہ فی صدری العلم اللدنی فی الوقت العاجل فقمت من بین یدیه وانا انطق بالحکمة وقال لی یاعمر انت اخر المشهورین بالعراق، قال وکان الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه سلطان الطریق والتصرف فی الوجود علی التحقیق۔ حضور نے دست مبارک میرے سینے پر پھیرا، خدا تعالٰی کی قسم! ہاتھ ہٹانے نہ پائے تھے کہ مجھے ان کتابوں سے ایک لفظ بھی یاد نہ رہا، اور ان کے تمام مطالب اللہ تعالٰی نے مجھے بھلادیے، ہاں! اللہ تعالٰی نے میرے سینے میں فوراً علم لدنی بھردیا، تو میں حضور کے پاس سے علم الٰہی کا گویا ہو کر اٹھا، اور حضور نے مجھ سے فرمایا ملک عراق میں سب سے پہلے نامور تم ہوگئے یعنی تمھارے بعد عراق بھر میں کوئی اس درجہ شہرت کو نہ پہنچے گا، اس کے بعد امام شیخ الشیوخ سہروردی فرماتے ہیں حضرت شیخ عبدالقادری رضی اللہ تعالٰی عنہ بادشاہ طریق ہیں اور تمام عالم میں یقیناً تصرف فرمانے والے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

پھر امام مذکور بسند خود حضرت شیخ نجم الدین تفلیسی رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت فرماتے ہیں میرے شیخ حضرت شیخ الشیوخ نے مجھے بغداد مقدس میں چلے میں بٹھایا تھا، چالیسویں روز میں واقعہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ الشیوخ ایک بلند پہاڑ پر تشریف فرما ہیں اور ان کے پاس بکثرت جواہر ہیں اور پہاڑ کے نیچے انبوہ کثیر جمع ہے حضرت شیخ پیمانے بھر بھر کر وہ جواہر خلق پر پھینکتے ہیں اور لوگ ٹوٹ رہے ہیں جب جواہر کمی پر آتے ہیں خود بخود بڑھ جاتے ہیں گویا چشمے سے ابل رہے ہیں، دن ختم کرکے میں خلوت سے باہر نکلا اور حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ جو دیکھا تھا عرض کروں۔ میں کہنے نہ پایا تھا کہ حضرت شیخ نے فرمایا: جو تم نے دیکھا وہ حق ہے۔ اور اس جیسے کتنے ہی، یعنی صرف اپنے ہی جواہر نہیں جو تم نے دیکھے، بلکہ اتنے اتنے اور بہت سے ہیں، یہ وہ جواہر ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے علم کلام کے بدلے میرے سینے میں بھر دئے ہیں[1]، رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اس سے بڑھ کر دلوں پر قابو اور کیا ہوگا کہ ایک ہاتھ مار کر تمام حفظ کی ہوئی کتابیں یکسر محو فرمادیں کہ نہ ان کا ایک لفظ یاد رہے اور نہ اس علم کا کوئی مسئلہ اور ساتھ ہی علم لدنی سے سینہ بھر دیں۔

حدیث پنجم: اور سنیے، امام ممدوح اسی کتاب جلیل الفتوح میں اس سند عالی سے راوی: **حدثنا الشیخ الصالح ابوعبداللہ محمد بن کامل بن ابوالمعالی الحسینی قال سمعت**

---

[1] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص ۳۲ و ۳۳

الشیخ العارف ابا محمد مفرج بن بنھان بن رکاف الشیبانی یعنی ہم سے شیخ صالح ابو عبداللہ محمد حسینی نے حدیث بیان کی کہ میں نے شیخ عارف ابو محمد مفرج کو فرماتے سنا کہ جب حضور پر نور رضی اللہ تعالٰی عنہ کا شہرہ ہوا فقہائے بغداد سے سو فقیہ کو فقاہت میں سب سے اعلٰی اور ذہین تھے، اس بات پر متفق ہوئے کہ انواع علوم سے سو مختلف مسئلے حضور سے پوچھیں، ہر فقیہ اپنا جدا مسئلہ پیش کرے تاکہ انھیں جواب سے بند کردیں، یہ مشوہ گانٹھ کر سو مسئلے الگ الگ چھانٹ کر حضور اقدس کی مجلس وعظ میں آئے، حضرت شیخ مفرج فرماتے ہیں میں اس وقت مجلس وعظ میں حاضر تھا جب وہ فقہاء آکر بیٹھ لئے حضور پر نور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سر مبارک جھکایا اور سینہ انور کی ایک بجلی چمکی جو کسی کو نظر نہ آئی مگر جسے خدا نے چاہا اس بجلی نے ان سب فقیہوں کے سینیوں پر دورہ کیا۔ جس جس کے سینے پر گزرتی ہے وہ حسرت زدہ ہو کر تڑپنے لگتا ہے۔ پھر وہ سب فقہاء ایک ساتھ سب چلانے لگے اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سر ننگے ہو کر ممبر اقدس پر گئے اور اپنے سر حضور پر نور کے قدموں پر رکھے، تمام مجلس سے ایک شور اٹھا جس سے میں نے سمجھا کہ بغداد پھر ہل گیا، حضور پر نور ان فقیہوں کو ایک ایک کرکے اپنے سینہ مبارک سے لگاتے اور فرماتے تیرا سوال یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے، یونہی ان سب کے مسائل اور ان کے جواب ارشاد فرمادئے۔

جب مجلس مبارک ختم ہوئی تو میں ان فقیہوں کے پاس گیا اور ان سے کہا: یہ تمھارا حال کیا ہوا تھا؟ بولے:

لما جلسنا فقدنا جمیع مانعرفه من العلم حتی کانه نسخ منا فلم یمر بنا قط فلما ضمنا الی صدرہ رجع الی کل منا مانزع عنه من العلم ولقد ذکرنا مسائلنا التی ھیأنا حاله وذکر فیھا اجوبته[1]۔	جب ہم وہاں بیٹھے جتنا آتا تھا دفعۃً سب ہم سے گم ہوگیا ایسا مٹ گیا کہ کبھی ہمارے پاس ہو کر نہ گزرا تھا، جب حضور نے ہمیں اپنے سینہ مبارک سے لگایا ہر ایک کے پاس اس کا چھینا ہوا علم پلٹ آیا، ہمیں وہ اپنے مسئلے بھی یاد نہ رہے تھے جو حضور کے لئے تیار کرکے لے گئے تھے۔ حضور نے وہ مسائل بھی ہمیں یاد دلائے اور ان کے وہ جواب ارشاد فرمائے جو ہمارے خیال میں بھی نہ تھے۔

اس سے یہ زیادہ قلوب پر اور کیا قبضہ درکار ہے کہ ایک آن میں اکابر علماء کو تمام عمر کا پڑھا لکھا

[1] بھجۃ الاسرار ذکر وعظہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مصطفی البابی مصر ص۹۶

سب بھلادیں اور پھر ایک آن میں عطا فرمادیں۔

حدیث ششم: اور سنیے، امام ممدوح اسی کتاب مبارک میں اس سند جلیل سے راوی کہ: اخبرنا الشیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ الابھری وابومحمد سالم الدمیاطی اصوفی قالا سمعنا الشیخ شھاب الدین السھروردی الحدیث۔ یعنی ہمیں ابوالحسن ابہری و ابومحمد اسالم الدمیاطی الصوفی نے خبر دی، دونوں نے فرمایا کہ ہم نے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو فرماتے سنا کہ میں ۵۶۰ھ میں اپنے شیخ معظم و عم مکرم سیدی نجیب الدین عبدالقادر سہروردی کے ہمراہ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور حاضر ہوا، میرے شیخ نے حضور کے ساتھ عظیم ادب برتا، اور حضور کے ساتھ ہمہ تن گوش بے زبان ہو کر بیٹھے جب ہم مدرسہ نظامیہ کو واپس آئے میں نے اس ادب کا حال پوچھا۔ فرمایا:

کیف لا اتادب مع من صرفه مالکی فی قلبی وحالی وقلوب الاولیاء واحوالھم ان شاء امسکھا وان شاء ارسلھا[1]۔	میں کیونکر ان کا ادب نہ کروں جن کو میرے مالک نے دل اور میرے حال اور تمام اولیاء کے قلوب و احوال پر تصرف بخشا ہے۔ چاہیں روک لیں چاہیں چھوڑ دیں۔

کہئے قلوب پر کیسا عظیم قبضہ ہے۔

حدیث ہفتم: اور سنیے، اور سب سے اجل واعلٰی سنیے، امام ممدوح قدس سرہ، اسی کتاب عالی نصاب میں اسی سند صحیح سے روایت فرماتے ہیں کہ: حدثنا الشیخ ابومحمد القاسم بن احمد الھاشمی الحرمی، الحنبلی قال اخبرنا الشیخ ابوالحسن علی الخباز قال اخبرنا الشیخ ابوالقاسم عمر بن مسعود البزار، الحدیث۔

یعنی شیخ ابو محمد ہاشمی ساکن حرم محترم نے ہم سے حدیث بیان کی کہ انھیں عارف حضرت ابوالحسن علی خباز نے خبر دی کہ انھیں امام اجل عارف اکمل سیدی عمر بزار نے خبر دی کہ میں ۱۵ / جمادی الآخرہ ۵۵۶ھ روزہ جمعہ کو حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہمراہ جامع مسجد کو جاتا تھا، راہ میں کسی شخص نے حضور کو سلام نہ کیا، میں نے اپنے جی میں کہا سخت تعجب ہے، ہر جمعہ کو تو خلائق کا حضور پر وہ اژدحام ہوتا تھا کہ ہم مسجد تک بمشکل پہنچ پائے تھے آج کیا واقعہ ہے کہ کوئی سلام تک نہیں کرتا، یہ بات

---

[1] بھجة الاسرار ذکر الشیخ ابوالنجیب عبدالقاہر السھروردی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۵

ابھی میرے دل میں پوری آنے بھی نہ پائی تھی کہ حضور پر نور رضی اللہ تعالٰی عنہم نے تبسم فرماتے ہوئے میری طرف دیکھا اور معالوگ تسلیم ومجرا کے لئے چاروں طرف سے دوڑ پڑے، یہاں تک کہ میرے اور حضور کے بیچ میں حائل ہوگئے، میں اس ہجوم میں حضور سے دور رہ گیا، میں نے اپنے جی میں کہا کہ اس حالت میں تو وہی پہلا حال اچھا تھا یعنی دولت قرب تو نصیب تھی، یہ خطرہ میرے دل میں آتے ہی معا حضور نے میرے طرف پھر کر دیکھا اور تبسم فرمایا: اور ارشاد کیا: اے عمر! تم ہی نے اس کی خواہش کی تھی، **اوما علمت ان قلوب الناس بیدی ان شئت صرفتہا عنی وان شئت اقبلت بہا الی**[1] یعنی کیا تمھیں معلوم نہیں کہ لوگوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں چاہوں تو اپنی طرف سے پھیر دوں اور چاہوں تو اپنی طرف متوجہ کرلوں، **رضی اللہ تعالٰی عنہ ورحمنا بہ وجعلنا لہ وبہ الیہ ولم یقطعنا بجاہہ لدیہ اٰمین۔**

یہ حدیث کریم (مذکورہ بالا) بعینہٖ انھیں الفاظ سے مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے نزہۃ الخاطر الفاتر شریف میں ذکر کی، عارب باللہ سیدی نورالملۃ والدین جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں اس حدیث کو لاکر ارشاد اقدس کا ترجمہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

نادانستی کہ دلہائے مردماں بدست من است اگر خواہم دلہائے ایشاں راز خود بگردانم واگر خواہم روئے درخود کنم[2]۔	تو نہیں جانتا کہ لوگوں کے دل میرے ہاتھ میں ہے اگر چاہوں تو ان لوگوں کے قلوب از خود پھیر دوں اور اگر چاہوں تو اپنی طرف متوجہ کرلو ۱۲م۔

یہی تو اس سگ کوئے قادری غفرلہ بمولاہ نے عرض کیا تھا، ع

بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

اور دو شعر بعد میں عرض کیا تھا: ؎

کنجیاں دل کی خدا نے تجھے دیں ایسی کر کہ یہ سینہ ہو محبت کا خزینہ تیرا

اس قصیدہ مبارک کے وصل چہارم میں ان اشقیاء کا رد تھا جو حضور پر نور رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تنقیص شان کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے ناپاک کلموں سے غلامان بارگاہ کے قلب پر کیا کچھ صدمہ نہیں پہنچتا اپنے اور اپنے خواجہ تاشوں کی تسکین کو وہ مصرع تھا جس طرح دوسری جگہ عرض کیا ہے ؎

رنج اعدا کا رضا چارہ ہی کیا ہے جب انھیں آپ گستاخ رکھے حلم وشکیبائی دوست

---

[1] بہجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ مصطفی البابی مصر ص ۷۶

[2] نفحات الانس من حضرات القدس ترجمہ شیخ ابوعمرو یفینی از انتشارات کتاب فروشی محمودی ص ۵۲۱

اور یہ اس آیہ کریمہ کا اتباع ہے کہ:

"لَوْشَآءَاللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ ﴿۳۵﴾"[1]	اللہ چاہتا تو سبھی کو ہدایت پر جمع فرمادیتا تو نادان نہ بن۔

اب اس کلام کو ایک حدیث مقید مسلمین ومحافظ ایمان ودین پر ختم کریں، امام ممدوح قدس سرہ، فرماتے ہیں:

حدثنا الشیخ الفقیہ ابوالحسن علی بن الشیخ ابو العباس احمد بن المبارك البغدادی الحریمی قال اخبرنا الفقیہ الشیخ محمد بن عبداللطیف الترمسی البغدادی الصوفی قال کان شیخنا الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا تکلم بالکلام العظیم یقول عقیبہ باللہ قولوا صدقت وانما اتکلم عن یقین لاشك فیہ انما انطق فانطق واعطی فافرق واومر فافعل والعھدۃ علی من امرنی ولدیۃ علی العاقلۃ تکذیبکم لی سم ساعۃ لادیانکم وسبب لاذھاب دنیاکم واخرکم اناسیاف اناقتال و یحذرکم اللہ نفسہ لو لالجام الشریعۃ علی لسانی لا خبرتکم بما تاکلون وماتدخرون فی بیوتکم انتم بین یدیّ کالقواریر یری مافی بطونکم وظواھرکم	یعنی حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ جب کوئی عظیم بات فرماتے اس کے بعد ارشاد فرماتے تم پر اللہ عزوجل کا عہد ہے کہ کہو حضور نے سچ کہا میں اس یقین سے کلام فرماتا ہوں جس میں اصلا کوئی شک نہیں میں کہلوایا جاتا ہوں تو کہتا ہوں اور مجھے عطا کرتے ہیں تو تقسیم فرماتا ہوں اور مجھے حکم ہوتا ہے تو میں کام کرتا ہوں، اور ذمہ داری اس پر ہے جس نے مجھے حکم دیا، اور خون بہا مددگاروں پر، تمھارا میری بات کو جھٹلانا تمھارے دین کے حق میں زہر ہلاہل ہے جو اسی ساعت ہلاک کردے اور اس میں تمھاری دنیا وآخرت کی بربادی ہے۔ میں تیغ زن ہوں، میں سخت کش ہوں، اور اللہ تعالٰی کی روک میری غضب سے ڈراتا ہے۔ اگر شریعت کی روک میری زبان پر نہ ہوتی تو میں تمھیں بتادیتا جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو، تم سب میرے سامنے شیشے کی طرح ہو، تمھارے فقط ظاہر ہی نہیں بلکہ جو کچھ تمھارے دلوں کے اندر ہے وہ سب ہمارے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۳۵

لولالجام الحکم علی لسانی لنطق صاع یوسف بما فیه لکن العلم مستجیر بذیل العالم کیلا یبدئ مکنونة[1]۔ صدقت یاسیدی واللہ انت الصادق المصدوق من عند اللہ وجلی لسان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و علیك وبارك وسلم وشرف ومجد وعظم و کرم۔	پیش نظر ہے اگر حکم الٰہی کی روک میری زبان پر نہ ہوتی تو یوسف کا پیمانہ خود بول اٹھتا کہ اس میں کیا ہے، مگر ہے یہ کہ عالم عالم کے دامن سے لپٹا ہوا پناہ مانگ رہا ہے کہ راز کی باتیں فاش نہ فرمائے۔ اے میرے آقا! آپ نے سچ فرمایا۔ قسم خدا کی اللہ عزوجل کے نزدیک اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ بڑے سچے ہیں، آپ پر بھی اللہ کی رحمت وبرکت اور سلام۔ ۱۲م۔

یہ مختصر عجالہ بصورت رسالہ ظاہر ہوا، اور اس میں دو مسئلوں پر کلام تھا، ایک لفظ "شہنشاہ" دوسرے یہ کہ قلوب پر سید اکرم مولائے افخم حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قبضہ وتصرف ہے۔ لہٰذا مناسب کہ اس کا تاریخی نام فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ رکھا جائے۔

والحمدللہ رب العالمین، وافضل الصلٰوۃ والسلام علی افضل المرسلین واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین۔ اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدن المصطفی علیہ افضل التحیۃ والثناء

---

[1] بهجة الاسرار کلمات اخبر بها عن نفسه مصطفی البابی مصر ص ۲۴

آثار مقدسہ اور اُن سے تبرک وتوسل

رسالہ

بدرالانوار فی اٰداب الاٰثار ۱۳۲۶ھ

(آثار مقدسہ کے آداب کے بارے میں روشنیوں کا ماہِ کامل)

فصل اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۶۷: اجمیر شریف درگاہ معلیٰ مرسلہ سید حبیب اللہ قادری دمشقی طرابلسی شامی ۲۸/ جمادی الاآخرہ ۱۳۲۳ھ

ماقولکم دام فضلکم (اللہ تعالٰی کا ہمیشہ آپ پر فضل ہو آپ کا کیا ارشاد مبارک ہے۔ت) ایک شخص اپنے وعظ میں صاف انکار کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی تبرک اور حضور کے آثار شریفہ سے کوئی چیز اصلا باقی نہیں، نہ صحابہ کے پاس تبرکات شریفہ سے کچھ تھا نہ کبھی کسی نبی کے آثار سے کچھ تھا، امید کہ اس کا جوب بحوالہ احادیث وکتاب ارشاد ہو۔ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، الحمد للہ حمدا یکافئنی فضلہ وانعامہ ویحلنا برضاہ دارالمقامۃ دارا ذات برکۃ وسلامۃ لامخافۃ فیہا والاسامۃ والصلوٰۃ والسلام	اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ اللہ تعالٰی کے لئے تمام حمدیں جو مجھے اپنے فضل وانعام میں کفایت دے اور ہمیں اپنی رضا سے برکت اور سلامتی والے گھر (جنت) میں

علی نبی التھامۃ خیر من لبس الجبۃ والنعل والعمامۃ وعلی الہ وصحبہ ذوی الکرامۃ الناصحین لامتہ المبلغین احکامہ، المعظمین اٰثارہ بعدہ وامامہ صلوٰۃ تنمی وتنمی الی یوم القیمۃ۔	داخل کرے جہاں خوف ہے نہ تکلیف اور صلوٰۃ وسلام تہامہ کے نبی پر جو جبہ وچپل اور عمامہ پہننے والوں میں سب سے افضل ہیں اور آپ کی آل واصحاب کرامت والوں پر جو امت کے مخلص اور ان کو احکام پہنچانے والے ہیں اور آپ کے آثار مبارکہ کی آپ کے بعد اور سامنے بھی تعظیم کرنے والے ہیں، بڑھنے والی صلوٰۃ قیامت تک بڑھتی رہے۔ (ت)

امابعد، یہ فتاوٰی ہیں متعلق تبرکات شریفہ وآثار لطیفہ کہ ان کا ادب کیسا ہے اور ان کے ثبوت میں کیا دیکھا ہے اور بے سند ہوں تو کیا چاہئے اور زیارت پر نذرانہ لینے دینے مانگنے کے مسئلے جن کا فقیر سے سوال ہوا اور مجموع کا بدر الانوار فی اٰداب الآثار نام ٹھہرا، والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ علی المولٰی والہٖ اجمعین۔

ایسا شخص آیات واحادیث کا منکر اور سخت جاہل خاسر یا کمال گمراہ فاجر ہے اس پر توبہ فرض ہے اور بعد اطلاع بھی تائب نہ ہو تو ضرور گمراہ بے دین ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ"[1]	بیشک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کو راہ دکھاتا اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر۔

جس پر کھڑے ہو کر انھوں نے کعبہ معظّمہ بنایا ان کے قدم پاک کا نشان اس میں بن گیا، اجلہ محدثین عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وارزقی نے امام اجل مجاہد تلمیذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں روایت کی:

قال اثر قدمیہ فی المقام اٰیۃ بینۃ[2]۔	فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں قدم پاک کا اس پتھر میں نشان ہو جانا یہ کھلی نشانی ہے جسے اللہ عزوجل آیات بینات فرمارہا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۹۶

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۳/ ۹۶ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۴/ ۸، تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت آیۃ ۳/ ۹۶ مکتبہ نزار مکۃ المکرمۃ ۳/ ۷۱۱

تفسیر کبیر میں ہے:

الفضیلة الثانیة لهذا البیت مقام ابراهیم وهو الحجر الذی وضع ابراهیم قدمه علیه فجعل الله ما تحت قدم ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام من ذٰلك الحجر دون سائر اجزائه کالطین حتی غاص فیه قدم ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام وهذا مما لایقدر علیه الا الله تعالٰی،۔ولا یظهره الا علی انبیاء ،ثم لما رفع ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام قدمه عنه خلق فیه الصلٰوبة الحجریة مرة اخری،ثم انه تعالٰی ابقی ذٰلك الحجر علی سبیل الاستمرار والدوام فهٰذه انواع من الاٰیات العجیبة و المعجزات الباهرة اظهرها الله تعالٰی فی ذٰلك الحجر[1]۔	یعنی کعبہ معظّمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہم ہے یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہوگیا یہاں تک کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں پیر گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ و معجزہ انبیاء ہے پھر جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم اٹھایا اللہ تعالٰی نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سختی پیدا کردی کہ وہ نشان قدم محفوظ رہ گیا پھر اسے حق سبحنہ نے مدتہا مدت باقی رکھا تو یہ اقسام اقسام کے عجیب و غریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے۔

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

ان کل واحد من اثر قدمیه فی صخرة صماء و غوصه فیها الی الکعبین والانة بعض الصخور دون بعض و ابقائه دون سائر اٰیات الانبیاء علیهم الصلوٰة و السلام وحفظه مع کثرة الاعداء طوف سنة اٰیة مستقلة[2]۔	یعنی اس ایک پتھر کو مولٰی تعالٰی نے متعدد آیات فرمایا اس لئے کہ اس میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نشان قدم ہوجانا ایک اور ان کے قدموں کا گٹوں تک اس میں پیر جانا دو اور پتھر کا ایک ٹکڑا نرم ہوجانا باقی کا اپنے حال پر رہنا تین اور معجزات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم میں اس معجزے کا باقی رکھنا چار اور باوصف کثرت اعداء ہزاروں برس اس کا محفوظ رہنا پانچ، یہ ہر ایک بجائے خود ایک آیت معجزہ ہے۔

---

[1] مفاتیح الغیب(التفیسر الکبیر) تحت آیۃ ۳/ ۹۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۸/ ۱۵۵

[2] ارشاد العقل السلیم تحت آیۃ ۲/ ۹۶۳ داراحیاء التراث العربی بیروت الجزء الثانی ۶۱

مولٰی سبحانہ تعالٰی فرماتا ہے:

"قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىٕكَةُؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۠(۲۴۸)" [1]	بنی اسرائیل کے نبی شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمھارے پاس تابوت جس میں تمھارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور موسٰی وہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں، بے شک اس میں تمھارے لئے عظیم نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

وہ تبرکات کیا تھے، موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ مقدسہ وغیرہا، ان کی برکات تھیں کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے اور جس مراد میں اس سے توسل کرتے اجابت دیکھتے، ابن جریر وابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال:

وبقیۃ مماترك اٰل موسٰی عصاہ ورضاض الالواح۔ [2]	تابوت سکینہ میں تبرکات موسویہ سے ان کا عصا تھا اور تختیوں کی کرچیں۔

وکیع بن الجراح وسعید بن منصور وعبد بن حمید وابن ابی حاتم وابوصالح تلمیذ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال:

کان فی التابوت عصا موسٰی وعصا ھٰرون وثیاب موسٰی وثیاب ہرون ولوحان من التوراۃ والمن وکلمۃ الفرح لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم و سبحٰن اللہ رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین [3]۔	تابوت میں موسٰی وہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے عصاء اور دونوں حضرات کے ملبوس اور توریت کی دو تختیاں اور قدرے من کہ بنی اسرایل پر اترا اور یہ دعائے کشائش لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم الخ۔

معالم التنزیل میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۸

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۲/ ۲۴۸ المطبعۃ الیمنیۃ مصر ۲/ ۳۶۶

[3] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم حدیث ۲۴۸۵، ۲۴۸۶ مکتبۃ نزار مکۃ المکرمہ ۲/ ۴۷۰

کان فیہ عصاموسٰی ونعلاہ وعمامۃ ھرون وعصاہ الخ [1]۔	تابوت میں موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کا عصااور ان کی نعلین اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ و عصاالخ (ت)

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعا بالحلاق وناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ ثم دعا اباطلحۃ الانصاری فاعطاہ ایاہ ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ اباطلحۃ فقال اقسمہ بین الناس [2]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجام کو بلاکر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا پھر ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلاکر وہ سب بال انھیں عطا فرمادئے پھر بائیں جانب کے بالوں کو حکم فرمایا اور وہ ابوطلحہ کو دئے کہ انھیں لوگوں میں تقسیم کردو۔

صحیح بخاری شریف کتاب اللباس میں عیسٰی بن طہمان سے ہے:

قال اخرج الینا انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ نعلین لھما قبالان فقال ثابت البنانی ہذا نعل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [3]۔	انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے کہ ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعل مقدس ہے۔

صحیحین میں ابوبردہ سے ہے:

قال اخرجت الینا عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا کساء ملبدا وازارا غلیظا فقالت قبض روح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ایک رضائی یا کمبل اور ایک موٹا تہبند نکال کر ہمیں دکھایا اور فرمایا کہ وقت وصال اقدس حضور پر نور

---

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۲/ ۲۴۸ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۷

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب بیان ان السنۃ یوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۱

[3] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۸، صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۱

علیہ وسلم فی ھٰذین[1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے یہ دو کپڑے تھے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

انہا اخرجت جبۃ طیالسیۃ کسروانیۃ لہا لبنۃ دیباج وفرجیہا مکفوفین بالدیباج وقالت ہذہ جبۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانت عند عائشۃ فلما قبضت قبضتہا وکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یلبسہا فنحن نغسلہا للمرضی نستشفی بہا[2]۔	یعنی انھوں نے ایک اُونی جبہ کسروانی ساخت نکالا، اس کی پلیٹ ریشمین تھی اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جبہ ہے ام المومنین صدیقہ کے پاس تھا ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھو دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں۔

صحیح بخاری میں عثمٰن بن عبداللہ بن موہب سے ہے:

قالت دخلت علی ام سلمۃ فاخرجت الینا شعرا من شعر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مخضوبا[3]۔	میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے موئے مبارک کی ہمیں زیارت کرائی اس پر خضاب کا اثر تھا۔

یہ چند احادیث خاص صحیحین سے لکھ دیں اور یہاں احادیث میں کثرت اور اقوال ائمہ کا تواتر بشدت اور مسئلہ خود واضح، اور اس کا انکار جہل فاضح ہے لہٰذا صرف ایک عبارت شفاء شریف پر اقتصار کریں، فرماتے ہیں:

ومن اعظامہ واکبارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابہ ومالمسہ اوعرف بہ وکانت فی	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا ایک جزیہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور سے کچھ علاقہ ہو حضور کی طرف منسوب ہو حضور نے اُسے

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد ۱/ ۴۳۸ و کتاب اللباس باب الاکسیہ والخماص ۲/ ۸۶۵ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب اللباس باب التواضع فی اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۴۔۱۹۳

[2] صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۰

[3] صحیح البخاری باب یذکر فی الشیب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

قلنسوۃ خالد بن الولید رضی اللہ تعالٰی عنہ شعرات من شعرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فسقطت قلنسوتہ فی بعض حروبہ فشد علیہا شدۃ انکر علیہ اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کثرۃ من قتل فیہا فقال لم افعلہا بسبب القلنسوۃ بل لما تضمنتہ من شعرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لئلا اسلب برکتہا وتقع فی ایدی المشرکین ورأی ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما واضعایدہ علی مقعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من المنبر ثم وضعہا علی وجہہ [1] (ملخصًا) اللہم ارزقنا حب حبیبك وحسن الادب معہ ومع اولیائہ اٰمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وبارك وسلم وعلیہم اجمعین۔	چھوا ہو یا حضور کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو اس سب کی تعظیم کی جائے خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک تھے کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے لئے ایسا شدید حملہ فرمایا جس پر اور صحابہ کرام نے انکار کیا اس لئے کہ اس شدید وسخت حملہ میں بہت مسلمان کام آئے خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میرا یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا کہ مبادا اس کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگیں اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا گیا کہ منبر اطہر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں جو جگہ جلوس اقدس کی تھی اسے ہاتھ سے مس کرکے وہ ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیا۔ (ملخصًا) اے اللہ! ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام کی محبت اور حسن ادب نصیب فرما۔ آمین! (ت)

خالد بن ولید کی حدیث ابویعلی اور عبداللہ بن عمر کی حدیث ابن سعد نے طبقات میں روایت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل دوم

مسئلہ ۱۶۸: از بستی مرسلہ مولوی مفتی عزیز الحسن صاحب رجسٹرار ۹/ شوال ۱۳۱۰ھ

جناب مولانا سراپا فیض مجسم علم وحلم، معظم ومکرم دام مجدہم، پس از سلام مسنون باعث تکلیف آنجناب یہ ہے کہ ایک شخص برکت آثار بزرگان سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ بزرگوں کے خرقہ وجبّہ

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامہ واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۴۴

وغیرہما سے کوئی برکت حاصل نہیں ہوتی، چونکہ وہ پڑھے لکھے ہیں یہ امر قرار پایا ہے کہ اگر سو برس سے قبل کے کسی عالم نے اپنی کتاب میں اس برکت کو تحریر کیا ہو تو میں مان لوں گا، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے جبہ وغیرہ میں گفتگو نہیں ہے۔ والسلام۔

الجواب:

برکت آثار بزرگان سے انکار آفتاب روشن کا انکار ہے معہذا جب برکت آثار شریفہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور پر ظاہر کہ اولیاء وعلماء حضور کے ورثاء ہیں تو ان کے آثار میں برکت کیوں نہ ہوگی کہ آخر وارث برکات ووارث ایراث برکات ہیں، فقیر غفراللہ تعالٰی کہ اتمام حجت کے لئے چند عبارات ائمہ وعلماء کہ وہ سب آج سے سو برس پہلے اور بعض پانسو چھ سو برس پہلے کے تھے حاضر کرتا ہے۔ کتب مطبوعہ کا نشان جلد وصفحہ بھی ظاہر کردیا جائے گا، کہ مراجعت میں آسانی ہو،

(۱) امام اجل زکریا نووی جن کی ولادت باسعادت ۶۳۱ھ اور وفات شریف ۶۷۷ھ میں ہوئی شرح صحیح مسلم شریف میں زیر حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ: **انی احب ان تاتینی وتصلی فی منزلہ فاتخذہ المصلی** (میری تمنا ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لاکر کسی جگہ نماز پڑھ لیں تاکہ میں اس جگہ کو نماز پڑھنے کے لئے متعین کرلوں۔ت) فرماتے ہیں:

فی ہذا الحدیث انواع من العلم وفیہ التبرک باٰثار الصالحین وفیہ زیارۃ العلماء والصلحاء والکبار واتباعھم وتبریکھم ایاھم[1]۔	اس حدیث میں کئی قسم کے علوم ومعارف ہیں اور اس میں بزرگان دین کے آثار سے تبرک اور علماء صلحاء، اور بزرگوں اور ان کے متبعین کی زیارت اور ان سے برکات کا حصول ثابت ہے۔(ت)

(۲) نیز اسی حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

فی حدیث عتبان فی ہذا فوائد کثیرۃ منہا التبرک بالصالحین واٰثارھم والصلوٰۃ فی المواضع التی صلوا بہا وطلب التبریك منھم[2]۔	حضرت عتبان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث میں بہت فوائد ہیں ان میں سے صالحین اور ان کے آثار سے تبرک اور ان کی جائے نماز پر نماز اور ان سے تبرکات حاصل کرنا ثابت ہے۔ (ت)

[1] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من رضی باللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷

[2] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب المساجد باب الرخصۃ فی التخلف عن الجماعۃ لعذر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۳

(۳) اسی میں زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ **فخرج بلال بوضوئہ فمن نائل و ناضح** (حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر باہر نکلے لوگوں نے اس پانی کو مل لیا، کسی کو پانی مل گا اور کسی نے اس پانی کو چھڑک لیا۔ت) فرمایا:

فیہ التبرك باثار الصالحین واستعمال فضل طھورھم وطعامھم وشرابھم ولباسھم [1]۔	اس حدیث سے بزرگان دین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہوتا ہے اور اس کے وضو سے بچے ہوئے پانی طعام مشروب اور لباس کے استعمال سے برکت حاصل ہونا ثابت ہے۔(ت)

(۴) اسی میں زیر حدیث انس رضی اللہ تعالٰی **مایوتی باناء الا غمس یدہ فیہ** (مدینہ کے خدام پانی سے بھرے ہوئے اپنے اپنے برتن لے کر آتے حضور ہر برتن میں اپنا ہاتھ ڈبودیتے۔ت) فرمایا:

فیہ التبرك باثار الصالحین [2]۔	اس میں صالحین کے آثار سے تبرک ثابت ہے۔(ت)

(۵) اسی میں زیر حدیث ابوایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ **اکل منہ وبعث بفضلۃ الی** (طعام سے کھایا اور بقیہ میری طرف بھیج دیا۔ت) فرمایا:

قال العلماء فی ہذہ انہ یستحب للاٰکل والشارب ان یفضل مما یاکل ویشرب فضلۃ لیواسی بھا من بعدہ لاسیما ان کان ممن یتبرك بفضلتہ [3]۔	علماء کرام نے فرمایا اس میں فائدہ ہے کہ کھانے اور پینے والے کو مستحب ہے کہ اپنے کھانے پینے سے کچھ بچا رکھے تاکہ دوسرے حصہ پائیں خصوصاً ایسے لوگوں جن کے بچے ہوئے سے تبرک حاصل کیا جاتا ہو۔(ت)

(۶) اسی میں زیر حدیث سأل عن موضع اصابعہ **فیتتبع موضع اصابعہ** (آپ کی انگشت مبارک کے مقام سے متعلق پوچھتے توآپ کی انگشت مبارک کی جگہ تلاش کرتے۔ت) فرمایا:

فیہ التبرك باثار الخیر فی الطعام وغیرہ [4]۔	اس میں آثار صالحین سے تبرک طعام وغیرہ میں ثابت ہے۔(ت)

---

[1] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الصلوٰۃ باب سترۃ المصلی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۶

[2] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الفضائل باب قربہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الناس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵۶

[3] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸۳

[4] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸۳

(۷) امام احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں زیر حدیث ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فجعل الناس یتمسحون بوضوئہ فرماتے ہیں:

استنبط منه التبرك بما يلامس اجساد الصالحين [1]۔	اس میں صالحین کے اجسام سے مس کرنیوالی چیز سے تبرک کا ثبوت ہے۔(ت)

(۸) اسی میں زیر حدیث انی واللہ ماسألته لالبسها انما سألته لتكون كفنی فرمایا:

فيه التبرك بآثار الصالحين قال اصحابنا لاينذب ان يعد نفسه كفنا الا ان يكون من اثرذی صلاح فحسن اعادته كما هنا [2] انتهی ملخصا۔	اس میں آثار صالحین سے تبرک کا ثبوت ہے۔ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ کسی صالح کے اثر والا کفن اپنے لئے تیار کرنا بہترین کفن جیسے یہاں حدیث میں ہے انتہی ملخصا۔(ت)

(۹) مولنا علی قاری مکی متوفی ۱۰۱۴ھ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث سنن نسائی کے نیچے کہ طلق بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ بقیہ آب وضوئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور سے مانگ کر اپنے ملک کو لے گئے یہ فائدہ لکھ کر کہ:

فيه التبرك بفضله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ونقله الى البلاد نظيره ماء زمزم۔	اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استعمال سے بچی ہوئی چیز سے تبرک حاصل کرنا اور اسے دوسرے شہروں میں لے جانا آب زمزم کی نظیر ہے۔(ت)

فرمایا:

ويوخذ من ذٰلك ان فضلة وارثيه من العلماء و الصلحاء كذٰلك [3]۔	اور اس سے اخذ ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارثوں علماء وصلحاء کا بچا ہوا بھی اسی طرح متبرک ہے۔(ت)

(۱۰) مولٰنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۲۵ھ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا:

دریں حدیث استحباب است بہ بقیہ آب وضوے وپس ماندہ آنحضرت ونقل آں بلاد و	اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضو سے بچا ہوا پانی اور دیگر پسماندہ اشیاء کا متبرک ہونا

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ابواب سترۃ المصلی باب السترۃ بمکۃ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۶۷

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ابواب الجنائز باب من استعد الکفن فی زمن نبی دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۳۹۶

[3] مرقاۃ المفاتیح باب المساجد مواضع الصلوٰۃ افضل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۴۲۰

مواضع بعیدہ مانند آب زمزم وآنحضرت چوں در مدینہ مے بود آب زمزم رااز حاکم مکہ مے طلبید و تبرک مے ساخت وفضلہ وارثان او کہ علماء وصلحاء اند و تبرک بآثار وانوار ایشاں ہم بریں قیاس ست[1]۔	اور ان کو دوسرے بعید شہروں میں منتقل کرنے کی نظیر آب زمزم شریف ہے۔ جب آپ مدینہ منورہ میں تھے تو آپ حاکم مکہ سے اب زمزم طلب فرماتے اور متبرک بناتے اور آپ کے وارث علماء وصلحاء کی بچی ہوئی چیز اور ان کے آثار وانوار کا اسی پر قیاس ہے۔ (ت)

(۱۱) امام علامہ احمد بن محمد مصری مالکی معاصر شیخ محقق دہلوی نے کتاب مستطاب فتح المتعال فی مدح خیر النعال میں امام اجل خاتمۃ المجتہدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی شافعی متوفی ۷۵۶ء کا ایک کلام نفیس تبرک بہ آثار امام شیخ الاسلام ابوزکریا نووی قدست اسرارہم میں نقل فرمایا:

وھذا لفظ حکی جماعۃ من الشافعیۃ ان الشیخ العلامۃ تقی الدین ابا الحسن علیا السبکی الشافعی لما تولی تدریس دارالحدیث بالاشرافیۃ بالشام بعد وفاۃ الامام النووی احد من یفتخر بہ المسلمون خصوصا الشافعیۃ انشد لنفسہ۔ وفی دارالحدیث لطیف معنی الی بسط لھا اصبو واٰوی لعلی ان امس بحر وجھی مکانا مسہ قدم النواوی واذا کان ہذا فی اٰثار من ذکر فما بالك باٰثار من شرف	اس بات کو شوافع کی ایک جماعت نے حکایت کیا ہے کہ علامہ شیخ تقی الدین ابوالحسن علی سبکی شافعی جب شام میں امام نووی کی وفات کے بعد مدرسہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث کے منصب پرت فائز ہوئے تو انھوں نے اپنے متعلق یہ پڑھا: دارالحدیث میں ایک لطیف معنی سے بسط کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف میں مائل اور راجع ہوں یہ کہ ہوسکتا ہے کہ محبت کی شدت میں اس جگہ کو اپنے چہرے سے مس کروں جس کو امام نووی کے قدموں نے مس کیا ہے جب یہ مذکور حضرات کے آثار کا معاملہ ہے تو اس ذات کے آثار کے متعلق تیرا حال کیا ہوگا جس ذات سے سب نے

[1] اشعۃ اللمعات باب المساجد مواضع الصلوٰۃ الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۳۱

الجمیع بہ[1]۔	شرف پایا۔(ت)

(۱۲) شاہ ولی اللہ دہلی متوفی ۱۱۷۴ھ فیوض الحرمین صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں:

من اراد ان یحصل لہ ماللملاء السافل من الملئکۃ فلا سبیل الی ذٰلک الا الاعتصام بالطھارۃ و الحلول بالمساجد القدیمۃ التی صلی فیھا جماعات من الاولیاء الخ[2]۔	جو شخص ملاء سافل کے فرشتوں کا مقام چاہتا ہے اس کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ طہارت اور قدیم مساجد جہاں اولیائے کرام نے نماز پڑھی ہو، میں داخل ہونے کا التزام کرے الخ۔ (ت)

(۱۳) اسی میں ہے ص۴۹:

ان الانسان اذا صار محبوبا فکان منظورا للحق و للملاء الاعلی عروساجمیلا فکل مکان حل فیہ انعقدت و تعلقت بہ ہمم الملاء الاعلی وان ساق الیہ افواج الملئکۃ واموج النور لاسیما اذا کانت ہمتہ تعلقت بھذا المکان والعارف الکامل معرفۃ وحالا لہ ھمۃ یحل فیھا نظر الحق یتعلق باھلہ ومالہ وبیتہ و نسلہ ونسبہ وقرابتہ واصحابہ یشمل المال والجاہ وغیرہا ویصلحھا فمن ذٰلک تمیزت ماٰثر الکمل من ماٰثر الکمل من ماٰثر غیرھم[3]۔	تحقیق جب انسان محبوب بن جاتا ہے تو وہ حق تعالٰی کا منظور اور ملاء اعلٰی کا خوب صورت دولھا بن جاتا ہے تو وہ جس مکان میں ہوتا ہے وہاں ملاء اعلی، کی ہمتیں مرکوز ہو جاتی ہیں اور فرشتوں کی فوج اور نور کی امواج اس جگہ وارد ہوتی ہیں خصوصا وہ مکان جہاں اس کی ہمت مرکوز ہوتی ہے اور معروف میں کامل عارف کی ہمت میں حق تعالٰی کی نظر رحمت مرکوز ہوتی ہے جس کا عارف کے اہل مال، گھر، نسل ونسب، قرابت اور اس کے اصحاب سے یوں تعلق ہوتا ہے کہ اس سے متعلق ہر چیز کو وہ تعلق شامل ہو جاتا ہے اسی بناء پر لوگوں کے آثار کامل اور غیر کامل حضرات کے آثار سے ممتاز ہوتے ہیں (ت)

---

[1] فتح المتعارف فی مدح خیر النعال

[2] فیوض الحرمین (مترجم اردو) مشہد ۵ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۶۲

[3] فیوض الحرمین (مترجم اردو) مشہد ۲۰ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۳۹۔۱۳۸

(۱۴) اسی میں ہے ص ۵۷:

ان تأم المعرفة لروحه تحديق و غاية بكل شيئ من طريقته ومذهبه وسلسلته ونسبه وقرابته وكل ما يليه وينسب اليه وعنايته هذه يختلف بها عناية الحق [1]۔	بیشک تمام معرفت والے کی روح کو اپنے متعلق ہر چیز طریقہ، مذہب، سلسلہ، نسب وقرابت بلکہ اس کی طرف ہر منسوب پر نظر واہتمام ہوتا ہے جس کی وجہ سے حق تعالٰی کی عنایت اس کو شامل ہو جاتی ہے۔(ت)

(۱۵) یہی شاہ صاحب ہمعات میں لکھتے ہیں:

از ینجاست حفظ اعراس مشائخ ومواظبت زیارت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن وصدقہ دادن برائے ایشاں واعتنائے تمام کردن بہ تعظیم آثار واولاد ومنتبان ایشاں [2]۔	اسی وجہ سے مشائخ کے عرس ان کے قبروں کی زیارت، ان کے لئے فاتحہ خوانی اور صدقات کا اہتمام والتزام ضروری ہوجاتا ہے اور ان کے آثار واولاد اور جو چیز ان کی طرف منسوب ہو ان کی تعظیم کا مکمل اہتمام لازم قرار پاتا ہے۔(ت)

(۱۶) انھیں شاہ صاحب کی انفاس العارفین میں ہے:

درحرمین شخصے از بزرگان خود کلاہ حضرت غوث الثقلین تبرک یافتہ بود شبے در واقعہ حضرت غوث الاعظم رادید کہ می فرمایند ایں کلاہ بہ ابوالقاسم اکبر آبادی برساں آں شخص برائے امتحان یک جبہ قیمتی ہمراہ آں کلاہ کردہ گرفت کہ ایں ہر دو تبرک حضرت غوث الاعظم ہستند حکم شد کہ بشمار سانم حضرت شاں بسیار خوش شد گرفتند آن شخص گفت کہ برائے شکر حصول ایں تبرک اہل شہر را	حرمین شریفین میں ایک ایسا شخص مقیم تھا جسے حضرت غوث الاعظم کی کلاہ مبارک تبرکا سلسلہ وار اپنے آباء واجداد سے ملی ہوئی تھی جس کی برکت سے وہ شخص حرمین شریفین کے نواح میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور شہرت کی بلندیوں پر فائز تھا ایک رات حضرت غوث الاعظم کو (کشف میں) اپنے سامنے موجود پایا جو فرمارہے تھے کہ یہ کلاہ ابو القاسم اکبرآبادی تک پہنچادو، حضرت غوث اعظم کا

---

[1] فیوض الحرمین (مترجم اردو) مشہد ۲۶ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۱۶۱، ۱۶۲

[2] ہمعات ہمہ ۱۱ اکادیمہ الشاہ ولی اللہ الدہلوی حیدر آباد ص ۵۸

دعوت کنید فرمودند کہ وقت صبح بیائید مردمان بسیار بوقت صبح آمدند طعامہائے خوب خوردند وفاتحہ خواندند بعد آں پرسیدند کہ شمار مرد فقیر ہستید ایں قدر طعام از کجا آمد فرمود کہ جبہ رافروختم وتبرک را نگاہداشتم ہمہ گفتند کہ للہ الحمد کہ تبرک بمستحق رسید[1]۔	یہ فرمان سن کر اس شخص کے دل میں آیا کہ اس بزرگ کی تخصیص لازما کوئی سبب رکھتی ہے، چنانچہ امتحان کی نیت سے کلاہ مبارک کے ساتھ ایک قیمتی جبہ بھی شامل کرلیا اور پوچھ گچھ کرتے حضرت خلیفہ کی خدمت میں جاپہنچا اور ان سے کہا کہ یہ دونوں تبرک حضرت غوث اعظم کے ہیں اور انھوں نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ یہ تبرکات ابوالقاسم اکبر آبادی کو دے دو، یہ کہہ کر تبرکات ان کے سامنے رکھ دئے، خلیفہ ابوالقاسم نے تبرکات قبول فرماکر انتہائی مسرت کا اظہار کیا، اس شخص نے کہا یہ تبرک ایک بہت بڑے بزرگ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں لہٰذا اس شکریے میں ایک بڑی دعوت کا انتظام کرکے رؤسائے شہر کو مدعو کیجئے، حضرت خلیفہ نے فرمایا کل تشریف لانا ہم کافی سارا طعام تیار کرائیں گے آپ جس جس کو چاہیں بلالیجئے، دوسرے روز علی الصباح وہ درویش روسائے شہر کے ساتھ آیا دعوت تناول کی اور فاتحہ پڑھی فراعت کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ آپ تو متوکل ہیں ظاہری سامان کچھ بھی نہیں رکھتے، اس قدر طعام کہاں سے مہیا فرمایا؟ فرمایا کہ اس قیمتی جبے کو بیچ کر ضروری اشیاء خریدی ہیں، یہ سن کر وہ شخص چیخ اٹھا کہ میں نے اس فقیر کو اہل اللہ سمجھا تھا مگر یہ تو مکار ثابت ہوا، ایسے تبرکات کی قدر اس نے نہ پہچانی، آپ نے فرمایا چپ رہو جو چیز تبرک تھی وہ میں نے محفوظ کرلی ہے اور جو سامان امتحان تھا ہم نے اسے بیچ کر دعوت شکرانہ کا انتظام کرڈالا، یہ سن کر وہ شخص متنبہ ہوگیا اور اس نے تمام اہل مجلس پر ساری حقیقت حال کھول دی جس پر سب نے کہا کہ الحمدللہ تبرک اپنے مستحق تک پہنچ گیا۔ (ت)

اسی طرح صدہا عبارات ہیں جس کے حصر واستقصاء میں محل طمع نہیں، یہ سب ایک طرف فقیر غفراللہ تعالٰی لہ حدیث صحیح سے ثابت کرے کہ خود حضور پر نور سید یوم النشور افضل صلوات اللہ تعالٰی واجل تسلیمات علیہ وعلٰی آلہ وذریاتہ آثار مسلمین سے تبرک فرماتے۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔ طبرانی معجم اوسط اور ابونعیم حلیہ میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	یعنی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] انفاس العارفین (مترجم اردو) قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ص ۷۷

یبعث للمطاہر فیوتی بالماء فیشربہ یرجوبہ برکۃ ایدی المسلمین[1]۔	مسلمانوں کی طہارت گاہوں مثل حوض وغیرہ سے جہاں اہل اسلام وضو کیا کرتے پانی منگا کر نوش فرماتے اور اس سے مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت لینا چاہتے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہ وصحبہ وبارک وکرم۔

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر ج ۲ ص ۲۶۹، پھر علامہ علی بن احمد عزیزی سراج المنیر ج ۳ ص ۱۴۷ شروح جامع صغیر میں اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں: باسناد صحیح[2] (صحیح اسناد کے ساتھ ہے۔ت) علامہ محمد حفنی اپنی تعلیقات علی الجامع میں فرماتے ہیں:

یرجو بہ برکۃ الخ لانھم محبوبون للہ تعالٰی بدلیل ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین[3]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقیہ آب وضوئے مسلمین میں اس وجہ سے امید برکت رکھتے کہ وہ محبوبان خدا ہیں۔ قرآن عظیم میں فرمایا بیشک اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے طہارت والوں کو۔

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اعلی واجل واکبر، یہ حضور پر نور سید المبارکین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں جن کی خاک نعلین پاک تمام جہانوں کے لئے تبرک دل وجان وسرمہ چشم دین وایمان ہے وہ اس پانی کو جس میں مسلمانوں کے ہاتھ دھلے تبرک ٹھہرائیں اور اسے منگا کر بغرض حصول برکت نوش فرمائیں حالانکہ واللہ مسلمانوں کے دست وزبان ودل وجان میں جو برکتیں ہیں سب انھیں نے عطا فرمائیں، انھیں کی نعلین پاک کے صدقے میں ہاتھ آئیں، یہ سب تعلیم امت وتنبیہ مشغولان خواب غفلت کے لئے تھا کہ یوں نہ سمجھیں تو اپنے مولٰی وآقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فعل سن کر بیدار اور برکت آثار اولیاء وعلماء کے طلبگار ہوں، پھر کیسا جاہل ومحروم ونافہم ملوم کہ محبوبان خدا کے آثار کو تبرک نہ جانے اور اس سے حصول برکت نہ مانے

[1] المعجم الاوسط حدیث ۷۹۸ مکتبہ المعارف ریاض ۱/ ۴۴۳

[2] التیسیر لشرح الجامع الصغیر تحت حدیث مذکور مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۲۶۹، السراج المنیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث مذکور المطبعۃ الازہریۃ المصریۃ مصر ۳/ ۱۵۱

[3] تعلیقات للحفنی علی ہامش السراج المنیر المطبعۃ الازہریۃ المصریۃ مصر ۳/ ۱۵۱

ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ واولیائہ وعلمائہ وامتہ وحزبہ اجمعین اٰمین۔ واللہ وتعالٰی اعلم۔

فصل سوم

مسئلہ ۱۶۹: غرہ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تبرک آثار شریفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیسااور اس کے لئے ثبوت یقینی درکار ہے۔ یا صرف شہرت کافی ہے اور نعلین شریفین کی تمثال کو بوسہ دینا کیسا ہے اور اس سے توسل جائز ہے یانہیں؟اور بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ تمثال نعل شریف کے اوپر بعد بسم اللہ کے لکھتے ہیں:

اللھم ارنی برکۃ صاحب ھذین النعلین الشریفین۔	یااللہ! مجھے ان نعلین پاک کی برکت سے نواز۔(ت)

اور اس کے نیچے دعائے حاجت لکھتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

فی الواقع آثار شریفہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تبرک سلفاو خلفازمانہ اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آج تک بلانکیر رائج ومعمول اور باجماع مسلمین مندوب ومحبوب بکثرت احادیث صحیحہ بخاری ومسلم وغیرہما صحاح وسنن وکتب حدیث اس پر ناطق جن میں بعض کی تفصیل فقیر نے کتاب البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ میں ذکر کی۔ اور ایسی جگہ ثبوت یقینی یا سند محدثانہ کی اصلا حاجت نہیں اس کی تحقیق وتنقیح کے پیچھے پڑنا اور بغیر اس کے تعظیم وتبرک سے باز رہنا سخت محرومی کم نصیبی ہے ائمہ دین نے صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام سے اس شے کا معروف ہونا کافی سمجھا ہے۔ امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں:

من اعظامہ واکبارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابہ واکرام مشاھدہ وامکنتہ من مکۃ والمدینۃ ومعاھدہ ومالمسہ علیہ الصلوٰۃ والسلام او اعرف بہ[1]۔	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تمام متعلقات کی تعظیم اور آپ کے نشانات اور مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کے مقامات اور آپ کے محسوسات اور آپ کی طرف منسوب ہونے کی شہرت والی اشیاء کا احترام یہ سب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تعظیم وتکریم ہے۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامہ واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۴۴

اسی طرح طبقۃً فطبقۃً شرقاً غرباً عرباً عجماً علمائے دین وائمہ معتمدین نعل مطہر حضور سید البشر علیہ افضل الصلٰوۃ واکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے کتابوں میں تحریر فرماتے آئے اور انھیں بوسہ دینے آنکھوں سے لگانے سر پر رکھنے کا حکم فرماتے رہے اور دفع امراض وحصول اغراض میں اس سے توسل فرمایا کئے، اور بفضل الٰہی عظیم وجلیل برکات وآثار اس سے پایا کئے۔ علامہ ابو الیمن ابن عساکر وشیخ ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی وغیرہما علماء نے اس باب میں مستقل کتابیں تصنیف کیں اور علامہ احمد مقتری کی فتح المتعال فی مدح خیر النعال اس مسئلہ میں اجمع وانفع تصانیف سے ہے۔ محدث علامہ ابوالربیع سلیمن بن سالم کلاعی وقاضی شمس الدین ضیف اللہ رشیدی وشیخ فتح اللہ بیلونی حلبی معاصر علامہ مقتری وسید محمد موسٰی حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح وشیخ محمد بن فرج سبتی وشیخ محمد بن رشید فہری سبتی وعلامہ احمد بن محمد تلمسانی موصوف وعلامہ ابوالیمن ابن عساکر وعلامہ ابوالحکم مالک بن عبدالرحمٰن بن علی مغربی وامام ابوبکر احمد ابو محمد عبداللہ بن حسین انصاری قرطبی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے نقشہ نعل مقدس کی مدح میں قصائد عالیہ تصنیف فرمائے ان سب میں اسے بوسہ دینے سر پر رکھنے کا حکم واستحسان مذکور اور یہی مواہب لدنیہ امام احمد قسطلانی وشرح مواہب علامہ زرقانی وغیرہما کتب جلیلہ میں مسطور **وقد لخصنا اکثر ذٰلك فی کتابنا المزبور** (اور ہم نے اکثر کا خلاصہ اپنی مذکور کتاب میں ذکر کیا ہے۔ت)

علماء فرماتے ہیں جس کے پاس یہ نقشہ متبرکہ ہو ظلم ظالمین وشر شیطان وچشم زخم حاسدین سے محفوظ رہے عورت دردزہ کے وقت اپنے داہنے ہاتھ میں لے آسانی ہو، جو ہمیشہ پاس رکھے نگاہ خلق میں معزز ہو زیارت روضہ مقدس نصیب ہو یا خواب میں زیارت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہو، جس لشکر میں ہو نہ بھاگے جس قافلہ میں ہو نہ لٹے، جس کشتی میں ہو نہ ڈوبے جس مال میں ہو نہ چُرے، جس حاجت میں اس سے توسل کیا جائے پوری ہو جس مراد کی نیت سے پاس رکھیں حاصل ہو، موضع درد ومرض پر اسے رکھ کر شفائیں ملی ہیں، مہلکوں مصیبتوں میں اس سے توسل کرکے نجات وفلاح کی راہیں کھلی ہیں، اس باب میں حکایت صلحاء وروایات علماء بکثرت ہیں کہ امام تلسمانی وغیرہ نے فتح المتعال وغیرہ میں ذکر فرمائیں اور بسم اللہ شریف اس پر لکھنے میں کچھ حرج نہیں، اگر یہ خیال کیجئے کہ نعل مقدس قطعاً تاج فرق اہل ایمان ہے مگر اللہ عزوجل کا نام وکلام ہر شے سے اجل واعظم وارفع واعلٰی ہے۔ یوہیں تمثال میں بھی احتراز چاہئے تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نام الٰہی یا بسم اللہ شریف حضور کی نعل مقدس پر لکھی جائے تو پسند نہ فرماتے مگر اس قدر ضروری ہے کہ نعل بحالت استعمال وتمثال محفوظ عن الابتذال میں تفاوت بدیہی ہے اور اعمال کا

مدار نیت پر ہے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جانوران صدقہ کی رانوں پر جیس فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں وقف ہے۔ت) داغ فرمایا تھا حالانکہ ان کی رانیں بہت محل بے احتیاطی ہیں۔ بلکہ سنن دارمی شریف میں ہے:

اخبرنا مالك بن اسمعيل ثنا مندل بن علی الغزی حدثنی جعفر بن ابی المغيرة عن سعيد بن جبير قال کنت اجلس الی ابن عباس فاکتب فی الصحيفة حتی تمتلی ثم اقلب نعلی فاکتب فی ظهورهما [1] واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	مالک بن اسمٰعیل نے خبر دی کہ مندل بن علی الغذی نے بیان کیا کہ مجھے جعفر بن ابی مغیرہ نے سعید بن جبیر کے حوالے سے فرمایا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس بیٹھا ایک کاغذ پر لکھ رہا تھا کہ وہ کاغذ پر ہوگیا پھر میں نے اپنا جوتا الٹا کرکے لکھا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

فصل چہارم

مسئلہ ۱۷۰: مسئولہ حضرت سید حبیب اللہ زعبی دمشقی طرابلسی جیلانی وارد حال بریلی ۱۷/ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ جولوگ تبرکات شریف بلاسند لاتے ہیں ان کی زیارت کرنا چاہئے یانہیں؟ اور اکثر لوگ کہتے ہیں کہ آج کل مصنوعی تبرکات زیادہ لئے پھرتے ہیں یہ ان کا کہنا کیسا ہے؟ اور جو زائر کچھ نذر کرے اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ اور جو شخص خود مانگے اس کا مانگنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آثار و تبرکات شریفہ کی تعظیم دین مسلمان کا فرض عظیم ہے تابوت سکینہ جس کا ذکر قرآن عظیم میں ہے جس کی برکت سے بنی اسرائیل ہمیشہ کافروں پر فتح پاتے اس میں کیا تھا "**بَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ**" [2] موسی اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات سے کچھ بقیہ تھا۔ موسی علیہ السلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ وغیرہا، والہذا تواتر سے ثابت کہ جس چیز کو کسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے

---

[1] سنن الدارمی باب من اخص فی کتابۃ العلم حدیث ۵۰۷ دار المحاسن قاہرہ ۱/ ۱۰۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہو تا صحابہ وتابعین وائمہ دین ہمیشہ اس کی تعظیم وحرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی ہے کہ اس کے لئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں بلکہ وہ چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین سے ہے۔شفا شریف ومواہب لدنیہ ومدارج شریف وغیرہا میں ہے:

من اعظامه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اعظامه جمیع اسبابه ومالمسه او عرف به صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم[1]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم میں سے ہے ان تمام اشیاء کی تعظیم جسکو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ علاقہ ہو اور جسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چھوا ہو یا جو حضور کے نام پاک سے مشہور ہو۔

یہاں تک کہ برابر ائمہ دین وعلمائے معتمدین نعل اقدس کی شبیہ ومثال کی تعظیم فرماتے رہے اور اس سے صدہا عجیب مددیں پائیں اور اس کے باب میں مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں،جب نقشے کی یہ برکت وعظمت ہے تو خود نعل اقدس کی عظمت وبرکت کو خیال کیجئے پھر ردائے اقدس جبہ مقدسہ وعمامہ مکرمہ پر نظر کیجئے پھر ان تمام آثار وتبرکات شریفہ سے ہزاروں درجے اعظم واعلٰی واکرم واولٰی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ناخن پاک کا تراشہ ہے کہ یہ سب ملبوسات تھے اور وہ جزء بدن والا ہے اور اس سے اجل واعظم وارفع واکرم حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ریش مبارک کا موئے مطہر ہے مسلمانوں کا ایمان گواہ ہے کہ ہفت آسمان وزمین ہرگز اس ایک موئے مبارک کی عظمت کو نہیں پہنچتے اور ابھی تصریحات ائمہ سے معلوم ہولیا کہ تعظیم کے لئے نہ یقین درکار ہے نہ کوئی خاص سند بلکہ صرف نام پاک سے اس شے کا اشتہار کافی ہے ایسی جگہ بے ادراک سند تعظیم سے باز نہ رہے گا مگر بیمار دل پر ازار دل جس میں نہ عظمت شان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بروجہ کافی نہ ایمان کامل اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنۡ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیۡهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنۡ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبۡكُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُكُمۡ ؕ"[2]	اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر،اور اگر سچا ہے تو تمھیں پہنچ جائیں گے بعض وہ عذاب جن کا وہ تمھیں وعدہ فرماتا ہے۔

اور خصوصًا جہاں سند بھی موجود ہو پھر تو تعظیم واعزاز وتکریم سے باز نہیں رہ سکتا مگر کوئی کھلا کافر یا چھپا

[1] کتاب الشفاء للقاضی فصل ومن اعظامه الخ المطبعة الشرکة الصحافیة ۲/ ۴۸۔۴۷

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۲۸

منافق۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اور یہ کہنا کہ آج کل اکثر لوگ مصنوعی تبرکات لئے پھرتے ہیں مگر یوہیں مجمل بلاتعین شخص ہو یعنی کسی شخص معین پر اس کی وجہ سے الزام یا بدگمانی مقصود نہ ہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں، اور بلا ثبوت شرعی کسی خاص شخص کی نسبت حکم لگادینا کہ یہ انھیں میں سے ہے جو مصنوعی تبرکات لئے پھرتے ہیں ضرورتاً ناجائز وگناہ وحرام ہے کہ اس کا منشا صرف بدگمانی ہے اور بدگمانی سے بڑھ کر کوئی جھوٹی بات نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[1]۔	بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔

ائمہ دین فرماتے ہیں:

انماینشوء الظن الخبیث من القلب الخبیث[2]۔	خبیث گمان خبیث ہی دل سے پیدا ہوتا ہے۔

تبرکات شریفہ جس کے پاس ہوں ان کی زیارت کرنے پر لوگوں سے اس کا کچھ مانگنا سخت شنیع ہے۔جو تندرست ہو اعضاء صحیح رکھتا ہو نوکری خواہ مزدوری اگرچہ ڈلیا ڈھونے کے ذریعہ سے روٹی کما سکتا ہو اسے سوال کرنا حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتحل الصدقۃ لغنی ولالذی مرۃ سوی[3]۔	غنی یا سکت والے تندرست کے لئے صدقہ حلال نہیں۔

علماء فرماتے ہیں:

ماجمع السائل بالتکدی فھو الخبیث[4]۔	سائل جو کچھ مانگ کر جمع کرتا ہے وہ خبیث ہے۔

اس پر ایک تو شناعت یہ ہوئی، دوسری شناعت سخت تو یہ ہے کہ دین کے نام سے دنیا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوصایا ۱/ ۳۸۴ وکتاب الفرائض ۲/ ۹۹۵ صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ ۲/ ۳۱۶، جامع الترمذی ابواب البر ۲/ ۲۰ مؤطا امام مالک باب ماجاء فی المہاجرۃ ص۷۰۲

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۲۹۰۱ ایاکم والظن الخ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۲

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۹۲

[4] ردالمحتار کتاب الکراہیۃ ۵/ ۲۴۷ وفتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ ۵/ ۳۴۹

کماتا ہے اور "یَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا" [1] (میری آیات کے ذریعہ قلیل رقم حاصل کرتے ہیں۔ت) کے قبیل میں داخل ہوتا ہے۔ تبرکات شریفہ بھی اللہ عزوجل کی نشانیوں سے عمدہ نشانیاں ہیں ان کے ذریعہ سے دنیا کی ذلیل قلیل پونجی حاصل کرنے والا دنیا کے بدلے دین بیچنے والا ہے شناعت سخت تر یہ ہے کہ اپنے اس مقصد فاسد کے لئے تبرکات شریفہ کو شہر بشہر دربدر لئے پھرتے ہیں اور کس وناکس کے پاس لے جاتے ہیں یہ آثار شریفہ کی سخت توہین ہے۔ خلیفہ ہارون رشید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے عالم دار الہجرۃ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے درخواست کی تھی کہ ان کے یہاں جاکر خلیفہ زادوں کو پڑھا دیا کریں، فرمایا: میں علم کو ذلیل نہ کروں گا انھیں پڑھنا ہے تو خود حاضر ہوا کریں، عرض کی: وہی حاضر ہونگے مگر اور طلباء پر ان کو تقدیم دی جائے، فرمایا: یہ بھی نہ ہوگا سب یکساں رکھے جائیں گے آخر خلیفہ کو یہی منظور کرنا پڑا ــــــ یونہی امام شریک نخعی سے خلیفہ وقت نے چاہا تھا کہ ان کے گھر جاکر شہزادوں کو پڑھا دیا کریں، انکار کیا۔ کہا: آپ امیر المومنین کا حکم ماننا نہیں چاہتے۔ فرمایا: یہ نہیں بلکہ علم کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔

رہا یہ کہ بے اس کے مانگے زائرین کچھ اسے دیں اور یہ لے۔ اس میں تفصیل ہے شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ **المعھود عرفاً کالمشروط لفظاً** (عرفاً مقررہ چیز لفظاً مشروط کی طرح ہے۔ت) یہ لوگ تبرکات شریفہ شہر بشہر لئے پھرتے ہیں ان کی نیت وعادت قطعاً معلوم کہ اس کے عوض تحصیل زر وجمع مال چاہتے ہیں یہ قصد نہ ہو تو کیوں دور دراز سفر کی مشقت اٹھائیں، ریلوں کے کرائے دیں، اگر کوئی ان میں زبانی کہے بھی کہ ہماری نیت فقط مسلمانوں کو زیارت سے بہرہ مند کرنا ہے تو ان کا حال ان کے قال کی صریح تکذیب کررہا ہے ان میں علی العموم وہ لوگ ہیں جو ضروری ضروری طہارت وصلوٰۃ سے بھی آگاہ نہیں اس فرض قطعی کے حال کرنے کو کبھی دس پانچ کوس یا شہر ہی کے کسی عالم کے پاس گھر سے آدھ میل جانا پسند نہ کیا مسلمانوں کو زیارت کرانے کے لئے ہزاروں کوس سفر کرتے ہیں پھر جہاں زیارتیں ہوں اور لوگ کچھ نہ دیں وہاں ان صاحبوں کے غصے دیکھئے پہلا حکم یہ لگایا جاتا ہے کہ تم لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ محبت نہیں گویا ان کے نزدیک محبت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ایمان اسی میں منحصر ہے کہ حرام طور پر کچھ ان کی نذر کردیا جائے، پھر جہاں کہیں سے ملے بھی مگر ان کے خیال سے تھوڑا ہو ان کی سخت شکایتیں اور مذمتیں ان سے سن لیجئے اگرچہ وہ دینے والے صلحاء وعلماء ہوں اور مال حلال سے دیا ہو اور جہاں پیٹ بھر کے مل گیا وہاں کی لمبی چوڑی تعریفیں لے لیجئے اگرچہ وہ دینے والے فساق فجار بلکہ بدمذہب ہوں اور مال حرام سے دیا ہو قطعاً معلوم ہے کہ وہ زیارت نہیں کراتے بلکہ لینے کے لئے اور زیارت کرنے والے بھی جانتے ہیں کہ ضرور کچھ دینا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۴

پڑے گاتواب یہ صرف سوال ہی نہ ہوا بلکہ بحسب عرف زیارت شریفہ پر اجارہ ہو گیا اور وہ بچند وجہ حرام ہے۔
اولا زیارت آثار شریفہ کی کوئی ایسی چیز نہیں جو زیر اجارہ داخل ہوسکے۔

کما صرح بہ فی ردالمحتار وغیرہ ان مایؤخذ من النصارٰی علی زیارۃ بیت المقدس حرام [1]۔وھذا اذا کان حراما اخذہ من کفار دور الحرب کالروس وغیرہم فکیف من المسلمین ان ہو الا ضلال مبین۔	جس طرح اس کی تصریح ردالمحتار وغیرہ میں ہے کہ بیت المقدس کی زیارت کے عوض عیسائیوں سے وصولی حرام ہے یہ حربی کافروں اور سرداروں وغیرہ سے وصولی حرام ہے تو مسلمانوں سے وصولی کیسے حرام نہ ہوگی یہ نہیں مگر کھلی گمراہی۔(ت)

ثانیًا: اجرت مقرر نہیں ہوئی کیا دیا جائے گا اور جو اجارے شرعا جائز ہیں ان میں بھی اجرت مجہول رکھی جانا اسے حرام کردیتا ہے نہ کہ جو سرے سے حرام ہے کہ حرام در حرام ہوا، اور یہ حکم جس طرح گشتی صاحبوں کو شامل ہے مقامی حضرات بھی اس سے محفوظ نہیں جبکہ اس نیت سے زیارت کراتے ہوں اور ان کا یہ طریقہ معلوم ومعروف ہو، ہاں اگر بندہ خدا کے پاس کچھ آثار شریفہ ہوں اور وہ انھیں بہ تعظیم اپنے مکان میں رکھے اور جو مسلمان اس کی درخواست کرے محض لوجہ اللہ اسے زیارت کرادیا کرے کبھی کسی معاوضہ نذرانہ کی تمنا نہ رکھے، پھر اگر وہ آسودہ حال نہیں اور مسلمان بطور خود قلیل یا کثیر بنظر اعانت اسے کچھ دے تو اس کے لے لینے میں اس کو کچھ حرج نہیں باقی گشتی صاحبوں کو عموما اور مقامی صاحبوں میں خاص ان کو جو اس امر پر اخذ نذور کے ساتھ معروف ومشہور ہیں شرعا جواز کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی مگر ایک وہ یہ کہ خدائے تعالٰی ان کو توفیق دے نیت اپنی درست کریں اور اس شرط عرفی کے رد کے لئے صراحۃً اعلان کے ساتھ ہر جلسے میں کہہ دیا کریں کہ مسلمانو! یہ آثار شریفہ تمھارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا فلاں ولی معزز ومکرم کے ہیں کہ محض خالصا لوجہ اللہ تعالٰی تمھیں ان کی زیارت کرائی جاتی ہے ہرگز ہرگز کوئی بدلہ یا معاوضہ مطلوب نہیں، اس کے بعد اگر مسلمان کچھ نذر کریں تو اسے قبول کرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا، فتاوٰی قاضی خاں وغیرہا میں ہے: **ان الصریح یفوق الدلالۃ** [2] (کہ صراحت کو دلالت پر فوقیت ہے۔ت)

1

2 ردالمحتار کتاب النکاح ۲/ ۳۵۷ وکتاب الدعوٰی ۴/ ۴۳۷

اور اس کی صحت نیت پر دلیل یہ ہوگی کہ کم پر ناراض نہ ہو بلکہ اگر جلسے گزر جائیں لوگ فوج فوج زیارتیں کرکے یوں ہی چلے جائیں اور کوئی پیسہ نہ دے جب بھی اصلا دل تنگ نہ ہو اور اسی خوشی وشادمانی کے ساتھ مسلمانوں کو زیارت کرایا کرے، اس صورت میں یہ لینا دینا دونوں جائز وحلال ہوں گے اور زائرین ومزور دونوں اعانت مسلمین کا ثواب پائیں گے اس نے سعادت وبرکت دے کر ان کی مدد کی انھوں نے دنیا کی متاع قلیل سے فائدہ پہنچایا، اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعه رواہ مسلم[1] فی صحیحه عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچائے، پہنچائے (اسے مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیه۔رواہ الشیخان[2]۔	اللہ اپنے بندہ کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے (اسے امام بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ت)

علی الخصوص جب یہ تبرکات والے حضرات سادات کرام ہوں تو اب کی خدمت اعلٰی درجہ کی برکت وسعادت ہے۔
حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو شخص اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کا صلہ دنیا میں نہ پائے میں بہ نفس نفیس روز قیامت اس کا صلہ عطا فرماؤں گا" اور اگر زیارت کرانے والے کو اس کی توفیق نہ ہو تو زیارت کرنے والے کو چاہئے خود ان سے صاف صراحۃ کہہ دے کہ نذر کچھ نہیں دی جائے گی خالصا لوجہ اللہ اگر آپ زیارت کراتے ہیں کرائے اس پر اگر وہ صاحب نہ مانیں ہر گز زیارت نہ کرے کہ زیارت ایک مستحب ہے اور یہ لین دین حرام، کسی مستحب شے کے حاصل کرنے کے واسطے حرام کو اختیار نہیں کرسکتے، الاشباہ والنظائر وغیرہا میں ہے:

ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ[3]۔	جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے۔(ت)

[1] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۲۴
[2] صحیح مسلم کتاب الذکر والدعا باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۵
[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول ۱/ ۱۸۹ و ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ۲/ ۵۶

درمختار میں ہے:**الاٰخذ والمعطی اٰثمان**[1] (لینے اور دینے والے دونوں گنہ گار ہوں گے۔ت)

اسی درمختار میں تصریح ہے کہ جو تندرست ہو اور کسب پر قادر ہو اسے دینا حرام ہے کہ دینے والے اس سوال حرام پر اس کی اعانت کرتے ہیں اگرنہ دیں خواہی نخواہی عاجز ہو اور کسب کرے اور اگر اس کی غرض زیارت کرنے والے صاحب نے قبول کرلی تو اب سوال واجرت کا قدم درمیان سے اٹھ گیا بے تکلف زیارت کرے دونوں کے لئے اجر ہے اس کے بعد حسب استطاعت ان کی نذر کردے، یہ لینا دینا دونوں کے لئے حلال اور دونوں کے لئے اجر ہے۔ بحمداللہ فقیر کا یہی معمول ہے اور توفیق خیر اللہ تعالٰی سے مسئول ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۱: بتاریخ ۹/ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

جناب من! ایک نئی بات سنی گئی ہے اس کی بابت عرض کرتا ہوں اطمینان فرمائے۔

سوال: نقل روضۂ منورہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور نقل روضہ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ اور تعزیہ میں کیا فرق ہے شرعا کس کی تعظیم کم وبیش کرنا چاہئے، اعنی کون افضل ہے۔اور زیارت کرنا روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی درست ہے یا نہیں، یعنی نقل روضہ منورہ کو جو مقبول حسین کے یہاں ہے بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ کاریگر کی کاریگری دیکھ لو۔لفظ زیارت کا کہنا اور وقت زیارت درود شریف پڑھنا اور مثل اصل کے تعظیم کرنا درست ہے ہر گز نہیں چاہئے، اتنا کہنا تو مثل نسبت درست کہتے ہیں الا بالکل تعظیم کرنا محض برا بتاتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو مثل ہنود کے جانتے ہیں اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب:

روضہ منورہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نقل صحیح بلاشبہہ معظمات دینیہ سے ہے اس کی تعظیم وتکریم بروجہ شرعی ہر مسلمان صحیح الایمان کا مقتضاء ایمان ہے۔ ع

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

(اے پھول میں تجھے اس لئے سونگھتا ہوں کہ تجھ میں کسی کی خوشبو ہے۔ت)

اس کی زیارت بآداب شریعت اور اس وقت درود شریف کی کثرت ہر مومن کی شہادت قلب وبداہت عقل

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۳

مستحب و مطلوب ہے۔ علامہ تاج فاکہانی فجر منیر میں فرماتے ہیں:

من فوائد ذلك ان من لم یمکنه زیارة الروضة فلیبرز مثالها ولیلثمه مشتاقا لانه ناب مناب الاصل کما قد بان مثال نعله الشریفة مناب عینها فی المنافع و الخواص بشهادة التجربة الصحیحة ولذا جعلوا له من الاکرام والاحترام مایجعلون للمنوب عنه[1]۔	یعنی روضہ مبارک سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نقل میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضہ اقدس کی زیارت نہ ملے وہ اس کی زیارت کرے اور شوق دل کے ساتھ اسے بوسہ دے کہ یہ نقل اسی اصل کے قائم مقام ہے جیسے نعل مبارک کا نقشہ منافع وخواص میں یقینا خود اس کا قائم مقام ہے جس پر صحیح تجربہ گواہ ہے ولہٰذا علمائے دین نے اس کی نقل کا اعزاز واکرام وہی رکھا جو اصل کا رکھتے ہیں۔

اسی طرح دلائل الخیرات ومطالع المسرات وغیرہما معتبرات میں ہے اس بحث کی تفصیل جمیل فقیر کے رسالہ **شفاء الواله فی صور الحبیب ومزارہ ونعاله** ۱۳۱۵ھ میں ہے یہاں لفظ زیارت کی ممانعت محض جہالت ہے اور **معاذاللہ** درود شریف کی ممانعت اور سخت حماقت اور صراحۃً شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔

علامہ طاہر فتنی مجمع البحار میں اپنے استاد امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل فرماتے ہیں:

من استقیظ عنداُخذ الطیب وشمه الی ماکان علیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من محبته للطیب فصلی علیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لما وقر فی قلبه من جلالته واستحقاقه علی کل امة ان یلحظوا بعین نهایة الاجلال عند رؤیة شیئ من اٰثارہ او مایدل علیها فهو اٰت بماله فیه اکمل الثواب الجزیل وقد استحبه العلماء لمن رأی	خوشبو والے کے پاس خوشبو دیکھ کر متوجہ ہوا اور اسے سونگھا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام خوشبو کو پسند فرماتے تھے تو اس وقت درود شریف پڑھا اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جلالت شان کا دل میں وقار پایا اور تمام امت پر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یہ استحقاق جانتے ہوئے کہ آپ کے آثار مبارکہ کو دیکھتے ہوئے ان کی تعظیم واہتمام کو ملحوظ رکھیں تو خوشبو سونگھنے پر درود شریف پڑھنے والے

[1] فجر منیر

شیئا من اٰثارہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ولا شك ان من استحضر ماذکرتہ عند شمہ للطیب یکون کالرائی شیئ من اٰثارہ الشریفة فی المعنی فلیس بہ الاا کثار من الصلوٰۃ والسلام علیہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم حینئذٍ[1] اھمختصرا۔	نے اس پر کامل اور بھاری ثواب پایا جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آثار کو دیکھنے والے کے لئے علماء کرام نے اس کو مستحب قرار دیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ خوشبو سونگھنے پر مذکورہ امور کو مستحضر کرنے والے نے گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آثار شریفہ کو معنی دیکھا تو اس وقت صرف درود شریف کی کثرت ہی اس کو مناسب ہے اھ مختصرا(ت)

اسی ارشاد جمیل میں صاف تصریح جلیل ہے کہ تمام امت پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حق ہے کہ جب حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آثار شریفہ سے کوئی چیز دیکھیں یا وہ شے دیکھیں جو حضور کے آثار شریفہ سے کسی چیز پر دلالت کرتی ہو تو اس وقت کمال ادب و تعظیم کے ساتھ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصور لائیں اور درود وسلام کی کثرت کریں ولہذا جو خوشبو لیتے یا سونگھتے وقت یاد کرے کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے دوست رکھتے تھے وہ بھی گویا معنی آثار شریفہ کی زیارت کر رہا ہے اسے اس وقت درود پڑھنے کی کثرت مسنون ہونی چاہئے تو نقل روضہ مبارک کہ صاف صاف مایدل علیہا میں داخل ہے اس کی زیارت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر درود وتسلیم کیوں نہ مستحب ہوگی ایسی تعظیم کرنے والے کو معاذاللہ کفار ومشرکین کے مثل بتانا سخت ناپاک کلمہ بیباک ہے قائل جاہل پر توبہ فرض ہے بلکہ از سر نو کلمہ اسلام کی تجدید کرکے اپنی عورت سے نکاح دوبارہ کرے کہ اس نے بلاوجہ مسلمانوں کو مثل کفار بتایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللّٰہ ولیس کذلك الا حار علیہ رواہ الشیخان[2]۔	جس نے کسی کو کفر کے ساتھ پکارا یا اس کو عدو اللہ کہا حالانکہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو وہ کلمہ کہنے والے

[1] مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرۃ علی الالسن مکتبہ الایمان المدینۃ المنورۃ ۵/ ۲۳۷

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ یاکافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کی طرف لوٹے گا۔اس کو شیخین (بخاری و مسلم) نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

یونہی اگر روضہ مبارک حضرت شہزادہ گلگوں قبا حسین شہید ظلم وجفا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علی جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بنا کر محض بہ نیت تبرک بے آمیزش منکرات شرعیہ مکان میں رکھتے تو شرعاً کوئی حرج نہ تھا، مگر حاشا تعزیہ ہر گزاس کی نقل نہیں، نقل ہونا درکنار بنانے والوں کو نقل کا قصد بھی نہیں، ہر جگہ نئی تراش نئی گھڑت جسے اس اصل سے نہ کچھ علاقہ نہ نسبت پھر کسی میں پریاں کسی میں براق کسی میں اور بیہودہ طمطراق پھر کوچہ بکوچہ ودشت بدشت اشاعت غم کے لئے ان کا گشت، اور اس کے گرد سینہ زنی ماتم سازشی کی شور افگنی، حرام مرثیوں سے نوحہ کنی، عقل ونقل سے کٹی چھنی، کوئی ان پھپچیوں کو جھک جھک کر سلام کررہا ہے کوئی مشغول طواف کوئی سجدہ میں گرا ہے کوئی اس مایہ بدعات کو معاذاللہ جلوہ گاہ حضرت امام عالی مقام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا منتیں مانتا ہے۔عرضیاں باندھتا حاجت رواجانتا۔پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طُرہ ہیں، غرض عشرہ محرام الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت ومحل عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بیہودہ رسموں نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کردیا، پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا، ریا، وتفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے، روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں، رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے۔پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مالک کی اضافت ہو رہی ہے مگر نام تو ہوگیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹارہے ہیں اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے، بجتے چلے۔رنگ رنگ کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن فاسقانہ، یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ ڈھانچ بعینہا حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کے پاک جنازے ہیں: ع

اے مومنو! اٹھاؤ جنازہ حسین کا

گاتے ہوئے مصنوعی کربلا پہنچے، وہاں کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ دفن کردئے، یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم ووبال جداگانہ رہے اللہ تعالٰی صدقہ حضرات شہدائے کرام کربلا علیہم الرضوان والثناء کا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور بدعات سے توبہ دے اٰمین اٰمین!

تعزیہ داری کہ اس طریقہ نا مرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے۔ان خرافات کے

شیوع نے اس اصل مشروع کو بھی اب مخدور ومحظور کردیا کہ اس میں اہل بدعت سے مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے ومایؤدی الی محظور محظور (جو چیزیں ممنوع تک پہنچائے وہ ممنوع ہے۔ت)۔ حدیث میں ہے اتقوا مواضع التھم[1] (تہمت کے مواقع سے بچو۔ت) اور وارد ہوا:

من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم[2]۔	جو شخص اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمت کے مواقع میں ہرگز نہ کھڑا ہو۔(ت)

لہٰذا دربارہ کربلائے معلی اب صرف کاغذ پر صحیح نقشہ لکھا ہوا محض بقصد تبرک بے آمیزش منہیات پاس رکھنے کی اجازت ہوسکتی ہے والسلام علی من اتبع الھدٰی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

(ختم شد رسالہ بدرالانوار فی اٰداب الاٰثار)

[1] کشف الخفاء حدیث ۸۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۷، اتحاف السادۃ المتقین کتاب عجائب القلب دارالفکر بیروت ۷/ ۲۸۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ باب ادراک الفریضۃ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص۲۴۹

رسالہ

شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ ۱۳۱۵ھ

(محبوب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ کے مزار اور آپ کے نعلین مقدسہ کے نقشوں میں غمزدہ کی شفاء)

مسئلہ ۱۷۲ تا ۱۷۵: از ریاست ریواں مرسلہ مولوی عبدالرحیم خاں ۲۶/ذی القعدہ ۱۳۱۵ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام فی ھذہ المسائل (اے علماء کرام! ان مسائل کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ت):

(۱) بنانا تصویر آنحضرت علیہ الصلٰوۃ والسلام کا بغرض حصول ثواب زیارت کے درست وجائز ہے یانہ؟ اور بنانے والا اور خریدار مثوب ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی تصویر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتصویر براق نبوی ونیز تصویر حضرت جبرئیل علیہ الصلٰوۃ والسلام بناکر یا بنوا کر واسطے حصول ثواب زیارت کے اپنے پاس رکھے اور اکثر مجالس میلاد نبوی میں تصاویر مذکورین کو بتکلف تمام نمائشًا بوقت ذکر معراج شریف حاضرین مجلس کے روبرو پیش کرے، اور یقین اس امر کا دلائے کہ گویا حضور معراج کو تشریف لئے جاتے ہیں اور لوگوں کو لمس وبوسہ کے لئے ہدایت وفہمائش کرے تو یہ فعل اس کا شرعاً جائز ہوسکتا ہے اور امور مندرجہ سوالات دوم مشروع ہوں گے یا غیر مشروع؟

(۳) نقشہ روضہ مقدسہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغرض حصول ثواب زیارت بنواکر اپنے پاس

رکھنا اور یہ گمان کرنا کہ جس طرح اصل کی تعظیم وتکریم سے ہم کو ثواب حاصل ہوتا ہے تعظیم نقل وشبیہ سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے کیسا ہے۔ جائز ہے یا کیا؟ اور دلائل الخیرات میں جو نقشہ روضہ مطہرہ کا دیا گیا ہے دراصل دینا چاہئے یا نہیں؟

(۴) بصورت ناجوازی وغیر مشروع ہونے تصاویر کے ان تصاویر کو کیا کرنا چاہئے اور نقشہ روضہ مطہر دلائل الخیرات میں سے نکال دینا بہتر ہوگا یا بدستور باقی و قائم رکھنا؟ **افتونا بالصواب و اسقونا بالجواب توجروا بالاجرین وتکرموا فی الدارین** (ہمیں ٹھیک ٹھیک فتوٰی دو اور بہترین جواب سے سرفراز فرماؤ تاکہ تمھیں دوہرا اجر ملے اور دونوں جہان میں عزت پاؤ۔ت)

الجواب:

اللھم لك الحمد صل علی نبیك نبی الحمد و اٰله وصحبه الخیار بالحمد اسألك حسن الادب وصدق الحب لحبیبك الکریم علیه وعلٰی اله افضل الصلوٰة و التسلیم رب انی اعوذبك من ہمزات الشیطین واعوذ بك رب ان یحضرون۔	اے اللہ! درحقیقت تیرے ہی لئے سب تعریف وتوصیف ہے اور نزول رحمت فرما اپنے نبی پر جو نبی حمد ہیں، اور ان کی آل اور ان کے ساتھیوں پر رحمت نازل فرما جو اچھی حمد کرنے والے ہیں ____ ہم تجھ سے بہترین ادب اور تیرے حبیب مکرم کی سچی محبت کا سوال کرتے ہیں، آپ پر اور آپ کی اولاد پر سب سے بہتر درود ہو، اے میرے پروردگار! بیشک میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ وہ (شیاطین) میرے پاس (شر کے لئے) حاضر ہوں۔(ت)

اللہ عزوجل پناہ دے ابلیس لعین کے مکائد سے سخت تر کید یہ ہے کہ آدمی سے حسنات کے دھوکے میں سیآت کراتا ہے اور شہد کے بہانے زہر پلاتا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین اس مسکین تینوں تصویرات مذکورہ بنانے والے ان کی زیارت ولمس و تقبیل کرانے والے نے گمان کیا کہ وہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حق محبت بجالاتا اور حضور کو راضی کرتا ہے حالانکہ حقیقۃً وہ اپنی ان حرکات باطلہ سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح نافرمانی کررہا ہے اس پر پہلے ناراض ہونے والے حضور والا ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ حضور سرور عالم صلی للہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا، اعزازًا اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا ہے اور اس پر سخت سخت وعیدیں ارشاد کیں اور ان کے دور کرنے مٹانے کا حکم دیا، احادیث اس بارے میں حد تواتر پر ہیں، یہاں بعض مذکور ہوتی ہیں:

حدیث ۱: صحیحین ومسند امام محمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل مصور فی النار یجعل اللہ لہ بکل صورۃ صورہ نفسا فتعذبہ فی جھنم [1]۔	ہر مصور جہنم میں ہے اللہ تعالٰی ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی تھی ایک مخلوق پیدا کرے گا کہ وہ جہنم میں اسے عذاب کرے گی۔

حدیث ۲: انھیں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اشد الناس عذابا یوم القیمۃ المصورون [2]۔	بیشک نہایت سخت عذاب روز قیامت تصویر بنانے والوں پر ہے۔

حدیث ۳: انھیں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن ذھب یخلق خلقا کخلقی فلیخلقوا ذرۃ اولیخلقوا حبۃ اولیخلقوا شعیرۃ [3]۔	اللہ عزوجل فرماتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون جو میرے بنائے ہوئے کی طرح بنانے چلے بھلا کوئی چیونٹی یا گیہوں یا جو کا دانہ تو بنادیں۔

حدیث ۴: صحیحین وسنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ المتفق علیہ کتاب اللباس باب التصاویر مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۸۵، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۲، مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۰۸

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب التصاویر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۰، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۱

[3] صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۲، صحیح بخاری کتاب اللباس باب التصاویر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۰

ان الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیمۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم[1]۔	بیشک یہ جو تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب کئے جائیں گے ان سے کہا جائے گا یہ صورتیں جو تم نے بنائی تھیں ان میں جان ڈالو۔

حدیث ۵: مسند احمد و صحیحین و سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صور صورۃ فان اللہ معذبہ حتی ینفخ فیھا الروح ولیس بنافخ[2]۔	جو کوئی تصویر بنائے تو بیشک اللہ تعالٰی اسے عذاب کرے گا یہاں تک کہ اس میں روح پھونکے اور نہ پھونک سکے گا۔

حدیث ۶: مسند احمد وجامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یخرج عنق من النار یوم القیمۃ لہ عینان تبصران و اذنان تسمعان ولسان ینطق یقول انی وکلت بثلثۃ بکل جبار عنید وبکل من دعا مع اللہ الھا اٰخرو بالمصورین[3]۔	قیامت کے دن جہنم سے ایک گردن نکلے گی جس کے دو آنکھیں ہوں گی دیکھنے والی اور دو کان سننے والے اور ایک زبان کلام کرتی وہ کہے گی میں تین فرقوں پر مسلط کی گئی ہوں جو اللہ تعالٰی کا شریک بتائے اور ہر ظالم ہٹ دھرم اور تصویر بنانے والے ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب عذاب المصورین یوم القیمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۰، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۱، سنن النسائی کتاب الزینۃ ذکر ما یکلف اصحاب الصور یوم القیامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۰۰

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع التصاویر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۶، صحیح مسلم کتاب البیوع باب تحریم صورۃ الحیوان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۴۱و۲۴۶، سنن النسائی کتاب الزینۃ ذکر ما یکلف اصحاب الصور الخ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۰۰

[3] جامع الترمذی ابواب صفۃ جھنم باب ماجاء فی صفۃ النار امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۱، مسند احمد بن حنبل از مسند ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۳۶

حدیث ۷: امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اشد اھل النار عذابا یوم القیمۃ من قتل نبیا او قتلہ نبی اوامام جائر وہولاء المصورون ولفظ احمد اشد الناس عذابا یوم القیمۃ رجل قتل نبیا اوقتلہ نبی او رجل یضل الناس بغیر علم او مصور یصور التماثیل[1]۔	بیشک روز قیامت سب دوزخیوں میں زیادہ سخت عذاب اس پر ہے جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا کسی نبی نے جہاد میں اسے قتل کیا یا بادشاہ ظالم یا جو شخص بے علم حاصل کئے لوگوں کو بہکانے لگے اور ان تصویر بنانے والوں پر۔

حدیث ۸: بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اشد الناس عذابا یوم القیمۃ من قتل نبیا اوقتلہ نبی اوقتل احد والدیہ والمصورون وعالم لم ینتفع بعلمہ[2]۔	بیشک روز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ ہے جو کسی نبی کو شہید کرے یا کوئی نبی اسے جہاد میں قتل فرمائے یا جو اپنے ماں باپ کو قتل کرے اور تصویر بنانے والے اور وہ عالم جو علم پڑھ کر گمراہ ہو۔

حدیث ۹: امام مالک وامام احمد وامام بخاری وامام مسلم ونسائی وابن ماجہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سفر و قد سترت سھوۃ لی بقرام فیہ تمأثیل فلما راٰہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر سے تشریف فرما ہوئے تھے میں نے ایک کھڑکی پر تصویر دار پردہ لٹکایا ہوا تھا جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واپس تشریف لائے اسے

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۲۶۰، حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۲۵۳ خثیمہ بن عبدالرحمن دارالکتب العربی بیروت ۴/ ۱۲۲، مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن مسعود المکتبہ الاسلامی بیروت ۱/ ۴۰۷

[2] شعب الایمان حدیث ۷۸۸۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۹۷

تلون وجهه وقال یاعائشة اشد الناس عذابا عندالله یوم القیمة الذین یضاهؤن بخلق الله [1] وفی روایة للشیخین قام علی الباب فلم یدخل فعرفت فی وجه الکراهیة فقلت یا رسول الله اتوب الی الله والی رسوله فماذا اذنبت فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان اصحاب هذه الصور یعذبون یوم القیمة فیقال لهم احیوا ما خلقتم و قال ان البیت الذی فیه الصور لا تدخله الملئکة [2] وفی اخری لهما تناول الستر فهتکه وقال من اشد الناس عذابا یوم القیمة الذین یشبهون بخلق الله [3]۔	ملاحظہ فرما کر رنگ چہرہ انور کا بدل گیا اندر تشریف نہ لائے، ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا خطا ہوئی؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ پردہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا اے عائشہ! اللہ تعالٰی کے یہاں سخت تر عذاب روز قیامت ان مصوروں پر ہے جو خدا کے بنائے ہوئے کی نقل کرتے ہیں ان پر روز قیامت عذاب ہوگا ان سے کہا جائے گا یہ جو تم نے بنایا ہے اس میں جان ڈالو جس گھر میں یہ تصویریں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

حدیث ۱۰: ابوداؤد وترمذی ونسائی وابن حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتانی جبریل علیه الصلٰوۃ والسلام فقال لی مر برأس التماثیل یقطع فتصیر کهیأة الشجرة و امر بالستر فلیقطع فلیجعل وسادتین منبوذتین توطأن [4] هذا مختصرا۔	میرے پاس جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی حضور! مورتوں کے لئے حکم دیں کہ ان کے سر کاٹ دئے جائیں کہ پیڑ کی طرح رہ جائیں اور تصویر دار پردے کے لئے حکم فرمائیں کہ کاٹ کر دو مسندیں بنالی جائیں کہ زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندی جائیں۔

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] صحیح البخاری ۲/ ۸۸۰ وصحیح مسلم ۲/ ۲۰۱ وسنن النسائی ۲/ ۳۰۰ ومسند احمد بن حنبل ۶/ ۸۳و۲۱۹

[2] صحیح البخاری ۲/ ۸۸۱ وصحیح مسلم ۲/ ۲۰۱

[3] صحیح مسلم ۲/ ۲۰۰ وصحیح البخاری ۲/ ۸۸۰

[4] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الصور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۷، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی الملئکة لاتدخل بیتا الخ امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۰۴

حدیث ۱۱تا۱۴: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر اور صحیح مسلم میں حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور نیز اسی میں حضرت ام المومنین میمونہ اور مسند امام احمد میں بسند صحیح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کی:

انا لاندخل بیتا فیہ کلب وصورۃ[1]۔	ہم ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

حدیث ۱۵: احمد ونسائی وابن اماجہ وابن خزیمہ وسعید بن منصور حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل امین نے عرض کی:

انھا ثلث لم یلج ملك مادام فیھا واحد منھا کلب او جنابۃ اوصورۃ روح[2]۔	تین چیزیں ہیں کہ جب تک ان میں سے ایک بھی گھر میں ہوگی کوئی فرشتہ رحمت وبرکت کا اس گھر میں داخل نہ ہوگا کتا یا جنب یا جاندار کی تصویر۔

حدیث ۱۶و۱۷: مسند احمد و صحیح بخاری و صحیح مسلم وجامع الترمذی وسنن نسائی وابن ماجہ میں حضرت ابو طلحہ اور سنن ابی داؤد و نسائی و صحیح ابن حبان میں حضرت امیر المؤمنین مولی علی رضی اللہ تعالی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب ولاصورۃ[3]۔	رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

حدیث ۱۸: نسائی وابن ماجہ وشاشی وابویعلی اور ابو نعیم حلیہ اور ضیاء صحیح مختارہ میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی:

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس ۲/ ۸۸۱ وصحیح مسلم کتاب اللباس ۲/ ۱۹۹و۲۰۰

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند علی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۵

[3] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۸، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۰، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الصور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۶، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء ان الملائکۃ لاتدخل بیتا امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۳، سنن النسائی کتاب الزینۃ التصاویر ۲/ ۲۹۹ و کتاب الطہارۃ ۱/ ۵۱

صنعت طعاما فدعوت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فجاء فرأی تصاویر فرجع(زاد الاربعۃ الا خیرون)فقلت یا رسول اللہ مارجعك بابی وامی قال ان فی البیت سترا فیہ تصاویر وان الملئکۃ لاتدخل بیتا فیہ تصاویر [1]۔	میں نے حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کی دعوت کی حضور تشریف فرما ہوئے پردے پر کچھ تصویریں بنی دیکھیں،واپس تشریف لے گئے(آخری چار میں یہ اضافہ ہے)میں نے عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر نثار کس سبب سے حضور واپس ہوئے،فرمایا گھر میں ایک پردے پر تصویریں تھیں اور ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں۔

حدیث ۱۹: صحیح بخاری وسنن ابی داؤد میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یکن یترك فی بیتہ شیئا فیہ تصالیب الا نقضہ [2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس چیز میں تصویر ملاحظہ فرماتے اسے بے توڑے نہ چھوڑتے۔

حدیث ۲۰: مسلم وابوداؤد وترمذی حبان بن حصین سے راوی:

قال لی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ الا ابعثك علی مابعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان لاتدع صورۃ الاطمستہا ولاقبرا مشرفا الا سویتہ [3]۔ورواہ ابو یعلی [4] و ابن جریر فلم یسمیا حبان انما قالا عن علی انہ دعا صاحب شرطتہ	مجھ سے امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں تمھیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مامور فرماکر بھیجا کہ جو تصویر دیکھو اسے مٹادو اور جو قبر حد شرع سے زیادہ اونچی پاؤ اسے حد شرع کے برابر کردو(بلندی قبر میں حد شرع ایک بالشت ہے)

---

[1] سنن النسائی کتاب الزینۃ التصاویر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۰۰،کنز العمال بحوالہ الشاشی ع حل ص حدیث ۹۸۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۳۱ و ۱۳۲

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس ۲/ ۸۸۰ وسنن ابی داؤد کتاب اللباس ۲/ ۲۱۶

[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز ۱/ ۳۱۲ وسنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب تسویۃ القبر ۲/ ۱۰۳،جامع الترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء فی تسویۃ القبر امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲۵

[4] مسند ابی یعلی حدیث ۳۳۸ مؤسسۃ الرسالہ علوم القرآن بیروت ۱/ ۱۹۹

فقال لہ فذکرا بمعناہ۔	(اس کو ابویعلٰی اور ابن جریر دونوں نے روایت کیا مگر ان دونوں نے حبان بن حصین کانام نہیں بلکہ یوں فرمایا کہ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے کو توال کو بلایا اور اس سے ارشاد فرمایا۔ آگے دونوں نے حدیث کا مفہوم ذکر فرمایا۔ (ت)

حدیث ۲۱: امام بسند جید امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک جنازے میں تھے حضور نے ارشاد فرمایا:

ایکم ینطلق الی المدینۃ فلا یدع بھا وثنا الا کسرہ ولا قبرا الا سواہ ولا صورۃ الا لطخھا۔	تم میں کون ایسا ہے مدینے جا کر ہر بت کو توڑ دے اور ہر قبر برابر کردے اور ہر تصویر مٹادے۔

ایک صاحب نے عرض کی: یارسول اللہ۔ فرمایا: تو جاؤ۔ وہ جاکر واپس آئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے سب بت توڑ دئے اور سب قبریں برابر کردیں اور سب تصویریں مٹادیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من عاد لصنعۃ شیئ من ھذا فقد کفر بما انزل علی محمد[1]۔	اب جو یہ سب چیزیں بنائے گا وہ کفروانکار کریگا اس چیز کے ساتھ جو محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پر نازل ہوئی۔

والعیاذ باللہ رب العالمین (اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

مسلمان بنظر ایمان دیکھے کہ صحیح وصریح حدیثوں میں اس پر کیسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئیں اور یہ تمام احادیث عام شامل محیط کامل ہیں جن میں اصلاً کسی تصویر کسی طریقے کی تخصیص نہیں تو معظمین دین کی تصویروں کو ان احکام خدا اور رسول سے خارج کرنا محض باطل ووہم عاطل ہے بلکہ شرع مطہر میں زیادہ شدت عذاب تصاویر کی تعظیم ہی پر ہے۔ اور خود ابتدائے بت پرستی انھیں تصویرات معظمین سے ہوئی، قرآن عظیم میں جو پانچ بتوں کا ذکر سورۂ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام میں فرمایا ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر[2] یہ پانچ بندگان صالحین تھے کہ لوگوں نے ان کے انتقال کے بعد باغوائے ابلیس لعین ان کی تصویریں بناکر ان کی مجلسوں میں قائم کیں، پھر بعد کی آنے والی نسلوں نے انھیں معبود سمجھ لیا۔

[1] مسند احمد بن حنبل از مسند علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۷

[2] القرآن الکریم ۷۱/ ۲۳

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ود و سواع و یغوث و یعوق و نسر اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما ہلکوا اوحی الشیطن الی قومھم ان انصبوا الی مجالسھم التی کانوا یجلسون انصابا وسموہا باسماھم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا ھلك اولئك وتنسخ العلم عبدت[1] ھذا مختصرا۔	ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں جب وہ فوت ہوگئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ جہاں وہ بیٹھتے تھے وہاں ان کی مجالس میں ان کے بت نصب کرو اور ان کے نام لیا کرو، تو وہ ایسا ہی کرنے لگے، پھر اس دور میں تو ان کی عبادت نہیں ہوئی مگر جب وہ لوگ ہلاک ہوگئے اور علم مٹ گیا سابق لوگوں کے بارے میں جہالت کا پردہ چھا گیا تو رفتہ رفتہ ان مجسموں کی عبادت و پرستش شروع ہوگئی، یہ حدیث کے مختصر الفاظ ہیں۔(ت)

بااں ہمہ اگر وساوس و ہوا جس سے تسکین نہ پائیں تو احادیث صحیحہ صریحہ سے خاص تصاویر معظمین کا جزئیہ لیجئے۔

حدیث ۲۲: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

انہ قال دخل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم البیت فوجد فیہ صورۃ ابراہیم وصورۃ مریم علیہما الصلوۃ والسلام فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما لھم فقد سمعوا ان الملئکۃ لا تدخل بیتا فیہ صورۃ الحدیث[2] ھذا لفظہ فی الانبیاء وفیہ ایضا ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ شریف کے اندر تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے حضرت ابراہیم اور سیدہ مریم علیہما الصلوۃ والسلام کی تصاویر پائیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ کہ آگاہ ہو جاؤ کہ تصویریں بنانے والوں نے بھی یہ بات سن رکھی تھی (یعنی ان کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی ہوئی تھی کہ) بیشک جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں آتے (الحدیث) یہ الفاظ حدیث کتاب الانبیاء میں

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر باب ودّا و سواعا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳۲

[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراھیم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۳

لما رأى الصور فی البیت لم یدخل حتی امر بها فمحیت الحدیث [1] وفی المغازی فاخرج صورة ابراهیم واسمعیل علیهما الصلوٰة والسلام [2] الحدیث ہذہ کلها روایات البخاری وذکر ابن هشام فی سیرته قال وحدثنی بعض اهل العلم ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخل البیت یوم الفتح فرأى فیه صور الملئکة وغیرهم فرأى ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام مصورا فذکر الحدیث الی ان قال ثم امر بتلك الصور کلها فطمست [3]۔	آئے ہیں، اور اسی میں ہے ___ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کعبہ شریف میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے یہاں تک کہ ان کے متعلق حکم فرمایا تو وہ مٹادی گئیں الحدیث، اور مغازی میں ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تصاویر باہر نکال دی گئیں الحدیث، یہ سب بخاری شریف کی روایات ہیں اور ابن ہشام نے اپنی سیرت میں بیان فرمایا کہ مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتح کے روز بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو وہاں فرشتوں وغیرہ کی تصاویر دیکھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ دیکھا، پھر بقیہ حدیث ذکر فرمائی، یہاں تک کہ فرمایا پھر تمام تصاویر کے بارے میں حکم فرمایا کہ مٹادی جائیں تو وہ مٹادی گئیں (ت)

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز فتح مکہ کعبہ معظّمہ کے اندر تشریف فرما ہوئے اس میں حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل وحضرت مریم وملائکہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہم کی تصویریں نظر پڑیں کچھ پیکر دار کچھ نقش دیوار، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویسے ہی پلٹ آئے اور فرمایا خبردار رہو بیشک ان بنانے والوں کے کان تک بھی یہ بات پہنچی ہوئی تھی کہ جس گھر میں کوئی تصویر ہو اس میں ملائکہ رحمت نہیں جاتے، پھر حکم فرمایا کہ جتنی تصویریں منقوش تھیں سب مٹادی گئیں اور جتنی مجسم تھیں سب باہر نکال دی گئیں انھیں بھی حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ وحضرت سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی ابنیہما الاکرم وعلیہما وبارک وسلم کی تصویریں بھی باہر لائی گئیں جب تک کعبہ معظّمہ سب تصاویر سے پاک نہ ہوگیا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے قدم اکرم سے اسے شرف نہ بخشا۔

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۳

[2] صحیح البخاری کتاب المغازی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۱۴

[3] سیرۃ النبی لابن ہشام امر الرسول بطمس ما بالبیت من صور دار ابن کثیر ۴/ ۳۲

حدیث ۲۳: مسند امام احمد میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

قال کان فی الکعبۃ صور فامر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عمر بن الخطاب ان یمحوھا فبل عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ثوبا ومحاھا بہ فدخلھا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وما فیھا منھا شیئ[1]۔ وفی حدیثہ عند الامام الواقدی وکان عمر قد ترک صورۃ ابراھیم فلما دخل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راھا فقال یاعمر الم آمرك ان لاتدع فیھا صورۃ ثم رای صورۃ مریم فقال امحوا ما فیھا من الصور قاتل اللہ قوما یصورون ما لایخلقون[2]۔ ھذا مختصرًا۔	حضرت جابر نے فرمایا ایام جاہلیت میں کعبہ شریفہ کے اندر تصویریں تھیں، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حکم فرمایا کہ تصویری نقوش مٹادو، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے گیلے کپڑے کے ساتھ ان نقوش کو مٹادیا اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی تصویری نقش موجود نہ تھا، اس سند میں امام واقدی کا یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہاں حضرت ابراہیم علیہم السلام کی تصویر چھوڑ دی تھی یعنی اسے نہیں مٹایا تھا۔ پھر جب اندر تشریف لے جا کر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم نے اسے دیکھا تو ارشاد فرمایا اے عمر! کیا میں نے تمھیں حکم نہ دیا تھا کہ یہاں کوئی تصویر باقی نہ رہنے دو، پھر آپ نے سیدہ مریم کی تصویر دیکھی تو فرمایا یہاں جتنی بھی تصویریں ہیں ان سب کو مٹا دیا جائے اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کو برباد کرے جو ایسی چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں جنھیں وہ پیدا نہیں کر سکتے۔

حدیث ۲۴: عمر بن شبہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دخل الکعبۃ فامرنی فاتیتہ بماء فی دلو فجعل یبل الثوب ویضرب بہ علی الصور و یقول قاتل اللہ قوما یصورون ما لا یخلقون[3]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو مجھے حکم فرمایا تو میں پانی کا ڈول بھر کر لایا آپ خود بنفس نفیس اس پانی سے کپڑا تر کرنے لگے پھر ان تصویروں پر وہ بھیگا ہوا کپڑا رگڑتے ہوئے فرمانے لگے اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کو ہلاک کرے جو ایسی چیزوں کی تصویر کشی کرتے ہیں جنھیں وہ پیدا نہیں کر سکتے۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل از مسند جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۹۶

[2] کتاب المغازی للواقدی شان غزوۃ الفتح موسسۃ الاعلمی بیروت ۲/ ۸۳۴

[3] فتح الباری بحوالہ عمر بن شبہ کتاب المغازی مصطفی البابی مصر ۹/ ۸۷، المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب العقیقہ حدیث ۵۲۶۵ وکتاب المغازی حدیث ۱۸۷۵۶ ۸/ ۲۹۶ و ۱۴/ ۴۹۰

حدیث ۲۵: ابوبکر بن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان المسلمین تجردوا فی الازر و اخذ وا الدلاء و ارتجزوا علی زمزم یغسلون الکعبۃ ظہرھا و بطنھا فلم یدعوا اثرا من المشرکین الا محوہ اوغسلوہ[1]۔	(اس وقت) مسلمانوں نے اپنی اپنی چادریں اتاریں اور ڈول میں آب زمزم بھر بھر کر کعبہ شریف کو اندرون وبیرون سے خوب دھونے لگے چنانچہ مشرکین کے تمام نشانات شرک دھو ڈالے اور مٹادئے۔(ت)

حاصل ان احادیث کا یہ ہے کہ کعبہ میں جو تصویریں تھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حکم فرمایا کہ انھیں مٹادو۔ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور دیگر صحابہ کرام چادریں اتار اتار کر امتثال حکم اقدس میں سر گرم ہوئے زمزم شریف سے ڈول کے ڈول بھر کر آتے اور کعبہ کو اندر باہر سے دھویا جاتا، کپڑے بھگو بھگو کر تصویریں مٹائی جاتیں، یہاں تک کہ وہ مشرکوں کے آثار سب دھو کر مٹادئے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر پائی کہ اب کوئی نشان باقی نہ رہا اس وقت اندر رونق افروز ہوئے، اتفاق سے بعض تصاویر مثل تصویر ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نشان رہ گیا تھا، پھر نظر فرمائی تو حضرت مریم کی تصویر بھی صاف نہ دھلی تھی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک ڈول پانی منگا کر بنفس نفیس کپڑا تر کرکے ان کے مٹانے میں شرکت فرمائی اور ارشاد فرمایا: اللہ کی مار ان تصویر بنانے والوں پر۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے:

فی حدیث اسامۃ انہ صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم دخل الکعبۃ فرأی صورۃ ابراھیم فدعا بماء فجعل یمحوھا وھو محمول علی انہ بقیۃ تخفی علی من محاھا اولا[2]۔	حضرت اسامہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ شریف کے اندر تشریف لے گئے توکچھ تصاویر انمٹی دیکھ کر پانی منگوایا اور انھیں اپنے دست اقدس سے خود مٹانے لگے، یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ بعض تصویروں کے کچھ نشانات باقی رہ گئے تھے جنھیں پہلی دفعہ مٹانے والا نہ دیکھ سکا، (تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دوبارہ انھیں مٹادیا) (ت)

حدیث ۲۶: صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

لما اشتکی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرض میں بعض

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب المغازی حدیث ۱۸۷۶۵ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴/ ۴۹۴

[2] فتح الباری کتاب المغازی باب این رکز النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح مصطفی البابی مصر ۹/ ۷۷،۷۸

ذکر بعض نسائه کنیسة یقال لها ماریة وکانت ام سلمة وام حبیبة اتتاارض الحبشة فذکرتا من حسنها وتصاویر فیها فرفع رأسه فقال اولئك اذا مات فیهم الرجل الصالح بنوا علی قبره مسجدا ثم صوروا فیه تلك الصور اولئك شرار خلق الله [1]۔ فی المرقاۃ الرجل الصالح ای من نبی او ولی تلك الصور ای صور الصلحاء تذکیرا بھم وترغیبا فی العبادۃ لاجلھم الخ [2]۔	ازواج مطہرات نے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا اور حضرت ام المومنین ام سلمہ وام المومنین ام حبیبہ ملک حبشہ میں ہو آئی تھیں ان دونوں بیبیوں نے ماریہ کی خوبصورتی اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا یہ لوگ جب ان میں کوئی نیک بندہ نبی یا ولی انتقال کرتا ہے اس کی قبر پر مسجد بنا کر اس میں تبرکا اس کی تصویر لگاتے ہیں یہ لوگ بدترین خلق ہیں۔(ت) مرقاۃ(از محدث علی قاری) میں ہے مرد صالح یعنی وہ نبی یا ولی فوت ہو جاتا اس کی تصاویر بناتے اور لٹکایا کرتے تھے ان کی یادگار اور ان کی وجہ سے عبادت میں رغبت دلانے کے لئے الخ(ت)

حدیث ۲۷: امام بخاری کتاب الصلوۃ جامع صحیح میں تعلیقا بلا قصہ اور عبدالرزاق وابوبکر بن ابی شیبہ اپنے اپنے مصنف اور بیہقی سنن میں اسلم مولی امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موصولا مع القصہ راوی جب امیر المومنین ملک شام کو تشریف لے گئے ایک زمیندار نے آکر عرض کی میں نے حضور کے لئے کھانا تیار کرایا ہے میں چاہتا ہوں حضور قدم رنجہ فرمائیں کہ ہمچشموں میں میری عزت ہو امیر المومنین نے فرمایا:

انا لاندخل کنائسکم من اجل الصور التی فیھا [3]۔	ہم ان کنیسوں میں نہیں جاتے جن میں یہ تصویریں ہوتی ہیں۔

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ فی البیعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲، صحیح البخاری کتاب الجنائز باب المسجد علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۹، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النھی عن بناء المسجد علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب التصاویر الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۸۲

[3] المصنف لعبد الرزاق باب التماثیل وماجاء فیه حدیث ۱۹۴۸۶ المکتب الاسلامی بیروت ۱۰/ ۳۹۷، صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ فی البیعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲

بالجملہ حکم واضح ہے اور مسئلہ مستبین اور حرکات مذکورہ حرام بالیقین اور ان میں اعتقاد ثواب ضلال مبین اس شخص پر فرض ہے کہ اس حرکت سے باز آئے اور حرام میں ثواب کی امید سے نہ خود گمراہ ہو نہ جاہل مسلمانوں کو گمراہ بنائے ان تصویروں کو ناآباد جنگل میں راہ سے دور نظر عوام سے بچا کر اس طرح دفن کردیں کہ جہال کو ان پر اصلا اطلاع نہ ہو یا کسی ایسے دریا میں کہ کبھی پایاب نہ ہوتا ہو نگاہ جاہلان سے خفیہ عمیق کنڈے میں یوں سپرد کریں کہ پانی کی موجوں سے کبھی ظاہر ہونے کا احتمال نہ ہو، "وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾"[1] (اور اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ ت) یہ سب متعلق بتصاویر ذی روح تھا۔ رہا نقشہ **روضۂ مبارکہ** اس کے جواز میں اصلا مجال سخن وجائے دم زدن نہیں، جس طرح ان تصویروں کی حرمت یقینی ہے یوں ہی اس کا جواز اجماعی ہے۔ ہر شرع مطہر میں ذی روح کی تصویر حرام فرمائی، حدیث پانزدہم میں اس قید کی تصریح کردی، حدیث اول میں ہے کہ ایک مصور نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خدمت والا میں حاضر ہو کر عرض کی، میں تصویریں بنایا کرتا ہوں اس کا فتوٰی دیجئے، فرمایا: پاس آ، وہ پاس آیا، فرمایا: پاس آ۔ وہ اور پاس آیا یہاں تک کہ حضرت نے اپنا دست مبارک اس کے سر پر رکھ کر فرمایا کیا میں تجھے نہ بتادوں وہ حدیث جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنی، پھر حدیث مذکور مصوروں کے جہنمی ہونے کی ارشاد فرمائی، اس نے نہایت ٹھنڈی سانس لی، حضرت نے فرمایا:

ویحك ان ابیت الا ان تصنع فعلیك بهذا الشجر وکل شیئ لیس فیه روح[2]	افسوس تجھ پر اگر بے بنائے نہ بن آئے تو پیڑ اور غیر ذی روح چیزوں کی تصویریں بنایا کر۔

ائمہ مذاہب اربعہ وغیرہم نے اس کے جواز کی تصریحیں فرمائیں تمام کتب مذاہب اس سے مملو ومشحون ہیں ہر چند مسئلہ واضح اور حق لائح ہے مگر تسکین اوہام وتثبیت عوام کے لئے ائمہ کرام علماء اعلام کی بعض سندیں اسباب میں پیش کروں کہ کن کن اکابر دین واعاظم معتمدین نے مزار مقدس اور اس کے مثل نعل اقدس کے نقشے بنائے اور ان کی تعظیم اور ان سے تبرک کرتے آئے اور اسباب میں کیا کیا کلمات روح افزائے مومنین وجانگزائے منافقین ارشاد فرمائے:

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۰۸، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۲، صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع التصاویر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۶

(۱) امام عثیم بن نسطاس تابعی مدنی۔
(۲) امام محدث جلیل القدر ابو نعیم صاحب حلیۃ الاولیاء
(۳) امام محدث علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی حنبلی
(۴) امام ابوالیمن ابن عساکر
(۵) امام تاج الدین فاکہانی صاحب فجر منیر۔
(۶) علامہ سید نورالدین علی بن احمد سمہودی مدنی شافعی صاحب کتاب الوفاء ووفاء الوفاء۔
(۷) سیدی عارف باللہ محمد بن سلیمن جزولی صاحب الدلائل۔
(۸) امام محدث فقیہ احمد بن حجر مکی شافعی صاحب جوہر منظّم۔
(۹) علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری صاحب الخمیس فی احوال النفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔
(۱۰) علامہ سیدی محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی شارح مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ۔
(۱۱) شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی صاحب جذب القلوب۔
(۱۲) محمد العاشق بن عمر الحافظ الرومی حنفی صاحب خلاصۃ الاخبار ترجمہ خلاصۃ الوفاء وغیرہم ائمہ وعلماء نے مزار اقدس واکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقبور مقدسہ حضرات صدیق وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نقشے بنائے۔ مواہب اور اس کی شرح میں ہے:

(قدروی ابوداؤد والحاکم من طریق القاسم بن محمد بن ابی بکر)الصدیق(قال دخلت علی عائشة فقلت یا امه اکشفی لی عن قبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم)و صاحبیه الحدیث(زاد الحاکم فرأیت رسول الله)ای قبره(صلی الله تعالٰی علیه وسلم) مقدما وابابکر راسه بین کتفی النبی صلی الله تعالٰی علیه	امام ابوداؤد اور حاکم نے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق کی سند سے روایت کیا۔ فرمایا: میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے ان سے عرض کیا: اماں جان! حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے دو ساتھیوں کی قبور سے پردہ اٹھادیجئے، (الحدیث) امام حاکم نے یہ اضافہ کیا (جب مائی صاحبہ نے قبور سے پردہ اٹھایا) تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اطہر سب سے آگے دیکھی اور دوسری دو قبروں کی صورت یہ تھی کہ ابوبکر صدیق

وسلم وعمر راسه عند رجلی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم)قال ابو الیمن بن عساکر وهذه صفته۔	کا سر مبارک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دو کندھوں کے پاس تھا جبکہ فاروق اعظم کا سر مبارک حضور کے مبارک پاؤں کے متوازی و متصل تھا، امام ابوالیمن بن عساکر نے فرمایا صورت نقشہ سامنے ہے:

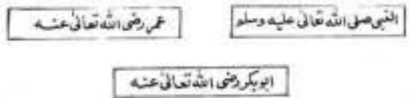

(وروی ابوبکر الاجری)الحافظ الامام توفی فی محرم سنة ست وثلثمائة(فی کتاب صفة قبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن عثیم بن نسطاس المدنی)تابعی مقبول کما فی التقریب(قال رأیت قبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی امارة عمر بن عبدالعزیز فرأیته مرتفعا نحوا من اربع اصابع و رأیت قبر ابی بکر وراء قبره ورأیت قبر ابی بکر اسفل منه)ورواه ابو نعیم بزیادة وصوره لنا۔	امام حافظ ابوبکر آجری (متوفی محرم ۳۰۶ھ) نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اطہر کے بیان میں ارشاد فرمایا: عثیم بن نسطاس مدنی تابعی (جو مقبول رواۃ میں سے ہیں جیسا کہ التقریب میں ہے) سے روایت ہے فرمایا میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اقدس کی زیارت کی، قبر اطہر زمین سے چار انگشت کے بقدر بلند تھی اور میں نے دیکھا کہ جناب صدیق اکبر کی قبر مبارک اس کے پیچھے اور اس سے نیچے تھی، محدث ابونعیم نے کچھ اضافہ کرتے ہوئے راویت کیا ہے اور ہمارے لئے اس کی یہ تصویری صورت بیان فرمائی: (ت)

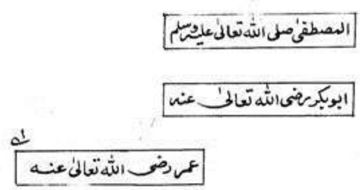

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدینۃ المقصد العاشر الفصل الثانی دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۲۹۴

(وقد اختلف اہل السیر وغیرہم فی صفة القبور المقدسة علی سبع روایات اوردھا)ابوالیمن(ابن عساکر فی)کتابہ(تحفة الزائر)والصحیح منہا روایتان احدہما ماتقدم عن القاسم والاخری وبہا جزم رزین وغیرہ وعلیہا الاکثر کما قال المصنف فی الفصل الثانی وقال النووی انہا المشہورة والسمہودی انہا اشہر الروایات ان قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی القبلة مقدما بجدارہا ثم قبر ابی بکر حذاء منکبی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقبر عمر حذا منکبی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما وہذا صفتہا:

سیرت نگاروں نے قبور مقدسہ کی وضع یا ساخت میں جو اختلاف کیا ہے اس سلسلے میں سات روایات پائی جاتی ہیں، ابوالیمن ابن عساکر نے وہ روایات اپنی کتاب "تحفہ الزائر" میں بیان کی ہیں ان میں سے صرف دوروایات صحیح ہیں ایک ان میں سے وہ ہے جو ابوالقاسم کے حوالے سے بیان ہوچکی ہے۔ اور دوسری روایت وہ جس پر محدث رزین وغیرہ نے اعتماد کیا ہے اور اسی پر اکثر اہل علم قائم ہیں جیسا کہ مصنف نے دوسری فصل میں فرمایا امام نووی کہتے ہیں کہ یہی مشہور ہے اور علامہ سمہودی نے فرمایا: زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اطہر دیوار قبلہ سے متصل سب سے آگے ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شانوں کے بالمقابل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قبر ہے پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے شانوں (کندھوں) کے بالمقابل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قبر ہے۔ یہ ان قبور کی صورت ساخت ہے: (ت)

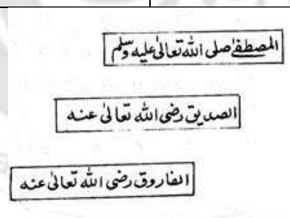

ومرت واحدة من الضعیفة ولاحاجة لذکر باقیها[1] اھ مافی المواہب و شرحها ملتقطا قلت وقد ذکر السبع جمیعا الامام البدر محمود العینی فی عمدة القاری فراجعها ان ھویت۔	ایک ضعیف روایت گزر چکی ہے اور بقیہ کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں جو کچھ موہب لدنیہ اور اس کی شرح میں منتخب کردہ عبارت تھی وہ مکمل ہوگئی، میں کہتاہوں کہ پوری سات روایتوں کو امام بدرالدین محمود عینی نے اپنی شہرآفاق تصنیف عمدۃ القاری (شرح صحیح بخاری) میں ذکر فرمایا ہے اگر خواہش مطالعہ ہو تو اس سے رجوع کیا جائے۔ت)

مطالع المسرات میں ہے:

وضع المولف صفة الروضة ھکذا۔	مؤلف نے روضۃ کی ساخت بیان کی جو کہ نقشہ ذیل کے مطابق کچھ اس طرح ہے۔(ت)

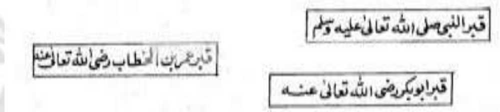

ابوبکر مؤخر قلیلا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خلفه وعمر خلف رجل ابی بکر وروی ابوداؤد والحاکم وصحح اسنادہ عن القاسم بن محمد الحدیث قال السمهودی وھذا ارجح ماروی عن القاسم ثم صورھا عن ابن عساکر ھکذا۔	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ تھوڑا پیچھے ہیں اور حضرت عمر فاروق حضرت ابوبکر صدیق کے پاؤں والی حد سے قدرے پیچھے ہیں، امام ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت قاسم بن محمد سے روایت کی ہے۔(الحدیث)علامہ سمہودی نے فرمایا کہ یہ زیادہ راجح ہے جو کچھ حضرت قاسم سے روایت کیا گیا ہے پھر انھوں نے ابن عساکر کے حوالے سے اس کی تصویر (نقشہ) کچھ اس طرح بیان فرمائی: (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة المقصد العاشر الفصل الثانی دارالمعرفة بیروت ۸/ ۹۶۔۲۹۵

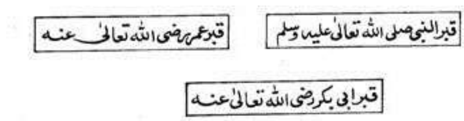

وصدر ابوالفتح ابن الجوزی بوضعها هکذا ونسب ابن حجر هذه الصفة الی الاکثر[1] اهمختصرا، **قلت** وقع ههنا فی الکتاب تخلیط واضطراب نبهت علیه علی هامشه وزاده سید المرتضی فی النقل عنه فی شرح الاحیاء لم اجده فی نسختی شرح الدلائل ولا ہو صحیح فی نفسه وذٰلك انه لم یذکر فی المطالع عن ابن الجوزی صورة جدیدة فکان قوله ہکذا اشارة الی مامر و ہو الذی نسبه ابن حجر الی الجمهور والاکثر کما ستمسع فیما یذکر اما المرتضی فنقل تصویره عن المطالع عن ابن الجوزی بعد قوله

حافظ ابوالفرج بن جوزی نے ان کی وضع (یعنی قبور مقدسہ کی ساخت) کچھ اس طرح بیان فرمائی اور علامہ ابن حجر نے اس صورت وضع کو اکثر اہل علم سے منسوب کیا ہے (مختصر عبارت مکمل ہوئی) **میں کہتا ہوں** کہ اس کے باوجود یہاں کتاب میں کچھ خلط ملط اور اشتباہ پایا جاتا ہے میں نے اس پر اس کے حاشیہ میں تنبیہ کی ہے سید مرتضی نے شرح احیاء العلوم میں اپنے حاشیہ میں تنبیہ فرماتے ہوئے ان سے نقل کرنے میں کچھ اضافہ فرمایا لیکن میں نے اسے شرح دلائل الخیرات کے اپنے نسخہ میں نہیں پایا اور فی ذاتہ وہ صحیح بھی نہیں اس لئے کہ مطالع المسرات میں ابن جوزی کے حوالے سے کوئی نئی صورت نہیں ذکر کی گئی لہٰذا ابن جوزی کا قول ہٰکذا اسی گزشتہ قول کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ وہی ہے جس کو علامہ ابن حجر نے جمہور اور اکثر کی طرف سے منسوب کیا ہے جیسا کہ آئندہ ذکر کیا جاتا ہے آپ سنیں گے لیکن سید مرتضی نے اس کی تصویر مطالع المسرات سے ابن جوزی کے قول ہٰکذا کہنے کے بعد کچھ اس طرح نقل فرمائی ہے جو نقشہ ذیل

[1] مطالع المسرات المکتبه النوریة الرضویة فیصل آباد ص ۱۴۹۔۱۴۸

ھکذا ھکذا۔	سے ظاہر ہے: (ت)

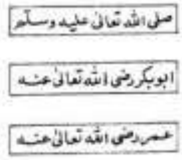

ثم عقبہ بقولہ ونسب ابن حجر ہذاہ الصفۃ الی الاکثر [1] الخ فلا ادری لعل ھذا الغلط فی التصویر من النساخ واللہ تعالٰی اعلم۔	پھر اسے اپنے اس قول کے بعد لائے ہیں کہ علامہ ابن حجر نے اس صفت کو اکثر کی طرف منسوب کیا ہے الخ میں نہیں جانتا کہ شاید تصویر میں یہ لفظ غلطی کرنے والوں کی طرف سے اضافہ ہوگیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جوہر منظّم امام ابن حجر میں ہے:

یسن لہ بل یتأکد علیہ اذا فرغ من السلام علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یتاخر الی صوب یمینہ قدر ذراع للسلام علی ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ وکرم وجھہ لان راسہ عند منکب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یتأخر الی یمینہ ایضاً قدر ذراع للسلام علی سیدنا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لان راسہ عند منکب ابی بکر وہذہ صورۃ القبور الثلثۃ الکریمۃ علی الاصح المذکور وعلیہ الجمھور،	تاکیدی سنت ہے کہ جب زائر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سلام پیش کرنے سے فارغ ہو تو حضرت ابو بکر صدیق کو سلام پیش کرنے کے لئے بقدر ایک ہاتھ اپنی دائیں جنوبی سمت پیچھے ہٹ جائے (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو اور ان کے چہرے کو رونق بخشے) کیونکہ ان کا سر مبارک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شانوں کے بالمقابل ہے پھر دائیں جانب ایک ہاتھ کے بقدر مزید پیچھے ہو جائے تاکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرسکے کیونکہ ان کا سر مبارک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کندھوں کے بالمقابل ہے۔ زیادہ صحیح قول مذکور کے مطابق

[1] اتحاف السادۃ المتقین الجملۃ العاشرۃ صفۃ الروضۃ المشرفۃ الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۴۲۰-۴۲۱

ثم قال بعد التصویر اخترت وضعها علی ہذہ الکیفیۃ لانها لمطابقۃ للواقع عند توجہ الزائر الیهم[1] الخ۔	قبور ثلاثہ کی یہی صورت واقع ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے پھر تصویر کے بعد فرمایا میں نے اس کیفیت کے مطابق صورت وضع قبر اختیار کی ہے اس لئے کہ یہی واقع کے مطابق ہے جب زائر ان کی طرف منہ کرے الخ(ت)

اگر معاذاللہ دلائل الخیرات شریف سے نقشہ مقدسہ نکالا جائے تو نہ صرف دلائل بلکہ ان سب کتب احادیث وسیر وغیرہما کے اوراق چاک کئے جائیں اور ان ائمہ محدثین کے بنائے ہوئے نقشوں کا کیا علاج ہو جو زمانہ تابعین وتبع تابعین سے قرناً فقرناً روایت حدیث میں نقشے بناتے آئے اللہ عزوجل افراط و تفریط کی آفت سے بچائے دلائل الخیرات شریف کو تالیف ہوئے پونے پانسو برس گزرے جب سے یہ کتاب مستطاب شرقاً غرباً عرباً عجماً تمام جہاں کے علماء واولیاء وصلحاء میں حرزجان ووظیفہ ودین وایمان ہو رہی ہے، یہ حسن قبول خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زید وعمر کے مٹائے نہیں مٹ سکتا۔

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(دنیا کے سارے شیر اسی سلسلے میں بندھے ہوئے ہیں لہذا کسی حیلہ سے لومڑی اس سلسلہ کو کیسے کاٹ سکتی ہے۔ت)

ہاں اب نئے زمانے فتنہ کے گھرانے میں وہ گمراہ بھی پیدا ہوئے جو عیاذاً باللہ دلائل الخیرات کو معدن شرک وبدعات کہتے ہیں مگر ان کے بکنے سے امت مرحومہ کا اتفاق واطباق نہیں ٹوٹ سکتا۔

مہ فشاند نور وسگ عوعو کند ہر کسے بر خلقت خودمی تند

(چاند نور بکھیرتا ہے مگر کتے اسے بھونکتے ہیں، درحقیقت ہر ایک اپنی اپنی تخلیق میں تنا ہوا اور کسا ہوا ہے۔ت)

کشف الظنون میں ہے:

دلائل الخیرات آیۃ من اٰیات اللہ یواظب بقراءتہ فی المشارق والمغارب وللدلائل اختلاف فی النسخ لکثرۃ روایتها عن المؤلف رحمہ اللہ تعالٰی	یعنی کتاب دلائل الخیرات اللہ تعالٰی کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے کہ مشارق ومغارب میں ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اس کے نسخے مختلف ہیں کہ مؤلف رحمہ اللہ تعالٰی سے اس کی روایت بکثرت ہوئی مگر

[1] الجوہر المنظم الفصل السابع فیما ینبغی للزائر فعلہ الخ المکتبۃ القادریہ جامع نظامیہ لاہور ص ۵۰

لکن المعتبر نسخة ابی عبدالله محمد السهیلی کان المؤلف صححها قبل وفاته بثمان سنین سادس ربیع الاول ۸۶۲ھ [1] ملخصًا۔	معتبر ابو عبداللہ محمد سہیلی کا نسخہ ہے کہ مؤلف قدس سرہ نے وصال شریف سے آٹھ برس پہلے ششم ربیع الاول ۸۶۲ھ کو اس کی تصحیح فرمائی تھی۔

(۱۳) علامہ محمد بن احمد بن علی فاسی قصری مطالع میں فرماتے ہیں:

اعقب المؤلف رحمه الله تعالٰی ورضی عنه، ترجمة الاسماء بترجمة صفة الروضة المبارکة موافقا وتابعا للشیخ تاج الدین الفاکهانی فانه عقد فی کتاب الفجر المنیر بابا فی صفة القبور المقدسة ومن فوائد ذٰلك ان یزور المثال من لم یتمکن من زیارة الروضة ویشاهده مشتاق ویلثمه ویزداد فیه حبا وشوقا [2]۔	مؤلف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فصل اسماء طیبہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد صفت روضہ مبارکہ کی فصل بہ تبعیت وموافقت امام تاج الدین فاکہانی ذکر فرمائی کہ انھوں نے بھی اپنی کتاب فجر منیر میں خاص ایک باب ذکر کیا اور اس میں بہت فائدے ہیں از انجملہ یہ کہ جسے روضہ مبارکہ کی زیارت میسر نہ ہوئی وہ اس نقشہ پاک کی زیارت کرے مشتاق اسے دیکھے اور بوسہ دے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت اور حضور کا شوق اس کے دل میں بڑھے۔

اللھم ارزقنا اٰمین (اے اللہ! ہمیں بھی یہ نصیب فرما اور ہماری یہ درخواست قبول فرما۔ ت)

(۱۴) اسی میں ہے:

قد کنت رأیت تألیفا لبعض المشارقة یقول فیما انه ینبغی لذاکر (اسم) الجلالة من المریدین ان یکتبه بالذهب فی ورقة ویجعله نصب عینیه فاذا صور قاری هذا الکتاب الروضة صورة حسنة بالوان حسنة و خصوصا بالذهب فهو من معنی ذٰلك [3]۔	میں نے بعض علماء مشرق کی تالیف میں دیکھا کہ جو مرید اسم پاک اللہ کا ذکر کرے اسے چاہئے کہ نام پاک اللہ ایک ورق میں سونے سے لکھ کر اپنے پیش نظر رکھے تو جب اس کتاب کو پڑھنے والا روضہ مقدسہ کی خوبصورت تصویر خوشنما رنگوں سے رنگین خصوصاً آب زر سے بنائے تو وہ اسی قبیل سے ہے۔

[1] کشف الظنون باب الدال المهملة دلائل الخیرات منشورات مکتبه المثنی بغداد ۱/ ۷۵۹

[2] مطالع المسرات المکتبة النوریة الرضویة فیصل آباد ص ۱۴۴

[3] مطالع المسرات المکتبة النوریة الرضویة فیصل آباد ص ۱۴۵

(۱۵) اسی میں ہے:

وقد ذکر بعض من تکلم علی الاذکار و کیفیتة التربیة بها انه اذا کمل لا اله الا الله بمحمد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلیشخص بین عینیه ذاته الکریمة بشریة من نور فی ثیاب من نور یعنی لتنطبع صورته صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی روحانیته و یتألف معها تألفا یتمکن به من الاستفادة من اسراره والاقتباس من انواره صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال فان لم یزرق تشخص صورته فیری کانه جالس عند قبره المبارك یشیر الیه متی ماذکره فان القلب متی ماشغله شیئ امتنع من قبول غیره فی الوقت الی اٰخر کلامه فیحتاج الی تصویر الروضة المشرفة والقبور المقدسة لیعرف صورتها و یشخصها بین عینیه من لم یعرف من المصلین علیه فی هذا الکتاب وهم عامة الناس وجمهورهم۔[1]	بعض اولیاء کرام جنھوں نے ذکر و شغل سے تربیت مریدین کی کیفیت ارشاد کی بیان فرماتے ہیں کہ جب ذکر لا اله الا الله کو محمد رسول الله صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کامل کرلے تو چاہئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصور اپنے پیش نظر جمائے بشری صورت نور کی طلعت نور کے لباس میں تاکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ اس کے آئینہ دل میں جم جائے اور اس سے وہ الفت پیدا ہو جس کے سبب حضور کے اسرار سے فائدہ لے حضور کے انوار کے پھول چنے اور جسے یہ تصور میسر نہ ہو وہ یہی خیال جمائے کہ گویا مزار مبارک کے سامنے حاضر ہے اور ہر بار جب ذکر میں نام پاک آئے تصور میں مزار اقدس کی طرف اشارہ کرتا جائے کہ دل جب ایک چیز سے مشغول ہو جاتا ہے پھر اس وقت دوسری چیز قبول نہیں کرتا، تو اب روضہ مطہرہ و قبور مطہرہ کی تصویر بنانے کی حاجت ہوئی کہ جن دلائل الخیرات پڑھنے والوں نے ان کی زیارت نہ کی اور اکثر ایسے ہی ہیں وہ انھیں پہچان لیں اور ذکر کے وقت ان کا تصور ذہن میں جمائیں۔

(۱۶) اسی میں ہے:

وقد استنابوامثال النعل عن النعل وجعلوه له من الاکرام والاحترام ماللمنوب عنه وذکرواله خواصاً و برکات وقد جربت وقال فیه اشعارا	علمائے کرام نے نعل مقدس کے نقشے کو نعل مقدس کا قائم مقام بنایا اور اس کے لئے وہی اکرام واحترام جو اصل کے لئے تھا ثابت ٹھہرایا اور اس

[1] مطالع المسرات المکتبہ النوریۃ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴۴، ۱۴۵

كثيرة والفوا فی صورته ورووه بالاسانيد وقد قال القائل۔ اذا ماالشوق اقلقنی اليها ولم اظفر بمطلوبی لديها نقشت مثالها فی الكف نقشا وقلت لناظری قصرا عليها[1]	نقشہ مبارک کے لئے خواص وبرکات ذکر فرمائے اور بلاشبہہ وہ تجربے میں آئے اور اس میں بکثرت اشعار کہے اور اس کی تصویر میں رسالے تصنیف کئے اور اسے سندوں کے ساتھ روایت کیا اور کہنے والے نے کہا: جب اس کی آتش شوق میرے سینے میں بھڑکتی ہے اور اس کا دیدار میسر نہیں ہوتا اس کی تصویر ہاتھ پر کھینچ کر آنکھ سے کہتاہوں اسی پر بس کر۔

(۱۷) علامہ تاج فاکہانی فجر منیر میں فرماتے ہیں:

من فوائد ذلك ان من لم يمكنه زيارة الروضة فليبرز مثالها وليلثمه مشتاقا لانه ناب مناب الاصل كما قد ناب مثال نعله الشريفة مناب عينها فی المنافع والخواص شهادة التجربة الصحيحة و لذا جعلوا له من الاكرام والاحترام مايجعلون للمنوب عنه الخ۔[2]	نقشہ روضہ مبارک کے لکھنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضہ اقدس کی زیارت نہ ملی وہ اس کی زیارت کرے اور شوق دل کے ساتھ اسے بوسہ دے کہ یہ مثال اسی اصل کے قائم مقام ہے جیسے نقشہ نعل مقدس منافع وخواص میں بالیقین اس کا قائم مقام ہے جس پر صحیح تجربہ شاہد عدل ہے ولہٰذا علمائے دین نے نقشے کا اعزاز واعظام وہی رکھا جو اصل کا رکھتے ہیں۔

(۱۸) حضرت مصنف دلائل قدس سرہ العزیز اس کی شرح کبیر میں اسے نقل فرماتے اور علامہ ممدوح کی متابعت ظاہر کرتے ہیں:

حيث قال انما ذكرتها تابعا للشيخ تاج الدين الفاكهانی فانه عقد فی كتابه الفجر المنير بابا فی صفة القبور المقدسة و	چنانچہ مصنف دلائل الخیرات نے فرمایا میں نے علامہ تاج الدین فاکہانی کے اتباع میں اس کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ موصوف نے اپنی کتاب الفجر المنیر میں قبور مقدسہ کی صورت وضع

[1] مطالع المسرات المکتبہ النوریۃ الرضویۃ فیصل آباد ص ۱۴۴

[2] فجر منیر

قال ومن فوائد ذٰلك[1] الخ۔	میں ایک باب باندھا اور فرمایا ان فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے الخ۔ (ت)

(۱۹) امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن خلف السلمی الشہیر بابن الحاج المترلی الاندلسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نقشہ نعل مقدس کے بیان میں مستقل کتاب تالیف فرمائی۔

(۲۰) اسی طرح ان کے تلمیذ شیخ عزیز ابوالیمن ابن عساکر نے نفیس وجلیل کتاب مسمّٰی بہ خدمت النعل للقدم المحمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکھی جس کے ساتھ اکابر ائمہ نے مثل کتب حدیث روایۃً وسماعاً وقرائۃً اعتنائے تام کیا۔

(۲۱) امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

قدذکر ابوالیمن ابن عساکر تمثال نعله الکریمة علیه افضل الصلٰوۃ والتسلیم فی جزء مفرد رویته قرائة وسماعا وکذا افرده بالتالیف ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن خلف السلمی المشهور بابن الحاج من اهل المریة بالاندلس وکذا غیرهما والله درابی الیمن بن عساکر حیث قال:

یامنشدا فی رسم ربع خال ومناشدًا لدوارس الاطلال	دع ندب آثار وذکر مآثر
لاحبة بانوا وعصر خال والثم ثری الاثر الکریم فحبذا	ان فزت منه بلثم ذا التمثال
صافح بها خدا اوعفر وجنة فی تربها وجدا اوفرط تغال،	یاشبه نعل المصطفٰی روحی الفدا
لمحلك الاسنی الشریف العال هملت لمرآك العیون وقد نأی	مرمی العیان بغیر ما اہمال،
وتذکرت عهد العقیق فتاثرت شوقا عقیق المدمع الهطال	اذکرتنی قدمالها قدم العلاء
والجود والمعروف والافضال لوان خدی یحتذی نعلا لها	لبلغت من نیل المنی آمال
اوان اجفانی لوطء نعالها ارض سمت عزابذا الاذلال	اهبالالتقاط[2]

خلاصہ یہ کہ ابوالیمن ابن عساکر نے نقشہ نعل اقدس کے باب میں ایک مستقل جز تالیف کیا جسے میں نے استاد پر پڑھ کر اور استاد سے سن کر روایت کیا اور اسی طرح ابن الحاج اندلسی وغیرہما علماء نے اس

[1] مطالع المسرات المکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴۴

[2] اللمواہب اللدینہ المقصد الثالث الفصل الثالث لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۶ تا ۴۶۸

بارہ میں مستقل تصنیفیں کیں اور اللہ عزوجل کے لئے ہے خوبی ابوالیمن ابن عساکر کی کیا خوب قصیدہ مدح شبیہ شریف میں لکھا ہے جس میں فرماتے ہیں اے فانی کی یاد کرنے والے ان چیزوں کی یاد چھوڑ اور تبرکات شریفہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خاکبوسی کر، زہے نصیب اگر تجھے اس تصویر نعل مبارک کا بوسہ ملے اپنا رخسارہ اس پر رکھ اور اس کی خاک پر اپنا چہرہ مل، اے نعل مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصویر! تیری عزت وشرف بلند پر میری جان قربان تجھے دیکھ کر آنکھیں ایسی بہ نکلیں کہ اب تھمنا بہت دور ہے تجھے دیکھ کر انھیں مدینے کی وادی عقیق میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رفتار یاد آگئی لہٰذا اب اپنے اشک رواں کے سرخ سرخ عقیق نچھاور کررہے ہیں، اے تصویر نعل مبارک! تو نے مجھے وہ قدم پاک یاد دلادیا جس کے بلندی وجود واحسان وفضل قدیم سے ہیں، اگر میرا رخسارہ تراش کر اس قدم پاک کے لئے کفش بناتے تو دل کی تمنا بر آتی یا میری آنکھ ان کی کفش مبارک کے لئے زمین ہوتی تو اس زمین ہونے سے عزت کا آسمان بن جاتی ع

جزاك الله خيرا يا ابا اليمن

(اے ابوالیمن! اللہ تعالٰی تمھیں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ ت)

(۲۲) ابوالحکم بن عبدالرحمٰن الشہیر بابن المرحل کہ فضلائے مغاربہ سے ہیں امام بقیۃ الحفاظ ابن حجر عسقلانی نے تبصیر میں ان کا ذکر لکھا وصف نقش مبارک میں ان کا قصیدہ غرا شیخ ابن الحاج نے اپنی کتاب مذکور میں ذکر کیا امام قسطلانی نے اسے مااحسنہا کہا یعنی کیا خوب فرمایا، اس کے بعض ابیات کریمہ مواہب میں یہ ہیں:

مثال لنعلی من احب ھویتہ	فھا انا فی یومی ولیلی لاثمہ
اُجر علی راسی ووجھی ادیمہ	والثمہ طورا وطورا الازمہ
امثلہ فی رجل اکرم من مشی	فتبصرہ عینی وما انا حالمہ
احرك خدی ثم احسب وقعہ	علی وجنتی خطوا ھناك یداومہ
ومن لی بوقع النعل فی حر وجنتی	لماش علت فوق النجوم براجمہ
ساجعلہ فوق الترائب عوذۃ	لقلبی لعل القلب یبرد حاجمہ
واربطہ فوق الشوؤن تمیمۃ	لجفنی لعل الجفن یرقاء ساجمہ
الا بابی تمثال نعل محمد	لطاب لحاذیہ وقدس خادمہ
یودھلال الافق لو انہ ھوی	ینراحمنا فی لثمہ ونزاحمہ

سلام علیه کلما هبت الصبا　　وغنت باغصان الاراك حمائمه [1]

اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصویر نعل پاک کو میں دوست رکھتا اور رات دن اسے بوسہ دیتاہوں اپنے سر اور منہ پر رکھتااور کبھی چومتا کبھی سینے سے لگاتاہوں، میں اپنے دھیان میں اسے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پائے اقدس میں تصور کرتا ہوں تو شدت صدق تصور سے گویا اپنی آنکھوں سے جاگتے میں دیکھ لیتاہوں اس نقش پاک کو اپنے رخسارے پر رکھ کر جنبش دیتااور یہ خیال کرتا ہوں کہ گویا وہ اسے پہنے ہوئے میرے رخسارے پر چل رہے ہیں آہ کون ایسی صورت کردے کہ وہ پائے مبارک جو ستارگان آسمان ہشتم کے سروں پر بلند ہوئے ان کی کفش مبارک چلنے میں میرے رخسارے پر پڑے میں نقشہ نعل پاک کو اپنے سینے پر دل کا تعویز بنا کر رکھوں گا شاید دل کی آنکھ ٹھنڈی ہو، میں اسے سر پر آنکھوں کا تعویذ بنا کر باندھوں گا شاید بہتی پلکیں رکیں، سن لو تصویر کفش مقدس پر میرا باپ نثار، کیااچھا ہے اس کا بنانے والا اور جو اس کی خدمت کرے پاک ہوجائے، ماہ نور کی تمنا ہے کاش آسمان سے اتر کر اس نقشہ مبارک کے بوسے میں ہم اور وہ باہم مزاحمت کرتے، اللہ عزوجل کا سلام اترے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جب تک باد صبا چلے اور جب تک درخت اراک کی ڈالیوں پر کبوتر گونجیں، **اللهم صل وسلم وبارك عليه وعلى اله وامته ابدا آمين** (یااللہ! ان پر درود وسلام اور برکت نازل فرمااور ان کی آل اور امت پر ہمیشہ ہمیشہ اپنی رحمت فرما، یہی میری دعاہے اسے قبول فرما۔ت) **(۲۳)** نیز مواہب لدنیہ میں ہے:

من بعض ماذکر من فضلها وجرب من نفعها وبرکتها ماذکرہ ابوجعفر احمد بن عبدالمجید وکان شیخا صالحا ورعاقال حذوت ہذا المثال لبض الطلبة فجاء نی یوم فقال رأیت البارحة من برکة ہذا النعل عجبا اصاب زوجی وجع شدید کادیهلکها فجعلت النعل علی موضع الوجع و قلت اللهم ارنی برکة صاحب ہذا النعل فشفاها الله للحین [2]۔	اس مثال مبارک کے فضائل جو ذکر کیئے گئے ہیں اور اس کے منافع وبرکات جو تجربے میں آئے ان میں سے وہ ہیں جو شیخ صالح صاحب ورع وتقوی ابوجعفر احمد بن عبدالمجید نے بیان فرمائے کہ میں نے نعل مقدس کی مثال اپنے بعض تلامذہ کو بنادی تھی ایک روز انھوں نے آکر کہا رات میں نے اسے اس مثال مبارک کی عجیب برکت دیکھی میری زوجہ کو ایک سخت درد لاحق ہوا کہ مرنے کے قریب ہوگئی میں نے مثال مبارک موضع درد پر رکھ کر دعا کی کہ الٰہی! اس کی برکت سے شفاء دے اللہ عزوجل نے فورا شفا بخشی۔

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الثالث الفصل الثالث لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۹

[2] المواہب اللدنیہ المقصد الثالث الفصل الثالث لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۹

(۲۴) نیز امام قسطلانی فرماتے ہس کہ ابواسحاق ابراہیم بن الحاج فرماتے ہیں کہ ان کے شیخ الشیخ ابوالقاسم بن محمد فرماتے ہیں:

ومما جرب من برکتہ ان من امسکہ عندہ متبرکابہ کان لہ امانامن بغی البغاۃ وغلبۃ العداۃ وحرزامن کل شیطان مارد وعین کل حاسد وان امسکت المرأۃ الحامل بیمینھا وقد اشتد علیھا الطلق تیسر امرھا بحول اللہ تعالٰی وقوتہ[1]۔	نقشہ نعل مبارک کی آزمائی ہوئی برکات سے یہ ہے کہ جو شخص بہ نیت تبرک اسے اپنے پاس رکھے ظالموں کے ظلم اور دشمنوں کے غلبے سے امان پائے، اور وہ نقشہ مبارک ہر شیطان سرکش اور حاسد کے چشم زخم سے اس کی پناہ ہوجائے اور زن حاملہ میں شدت دردزہ میں اگر اسے اپنے داہنے ہاتھ میں لے بعنایت الٰہی اس کاکام آسان ہو۔

(۲۵) علامہ ابن حجر مقری تلمسانی نے اس باب میں دو مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ایک النفحات العنبریۃ فی وصف نعل خیرا لبریۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ وجیز ونافع ہے۔ دوسری فتح المتعال فی مدح خیر النعال کہ بسیط وجامع ہے ان کتب مبارک میں عجب عجب فضائل وبرکات ودفع بلیات وقضائے حاجات کے جو اس نقشہ مبارکہ سے مشاہدہ کئے اور سلف صالح ومعاصرین صالحین نے دیکھے بکثرت بیان فرمائے ان کاذکر باعث تطویل ہے جو چاہے فتح المتعال مطالعہ کرے اب ہم بنظر اختصار ان باقی ائمہ واعلام کے بعض گرامی نام شمار کرنے پر اقتصار کریں جنھوں نے نقشہ مبارکہ بنوایا، بناکر اپنے تلامذہ کو عطافرمایا۔ اس سے تبرک کیا، اس کی مدحیں لکھیں، اس سے فیض وبرکت حاصل کرنے، اسے سرآنکھوں پر رکھنے، بوسہ دینے کی ترغیبیں کیں، احادیث کی طرح باہتمام تام اس کی روایتیں فرمائیں، جسے تفصیل دیکھنی ہو فتح المتعال وغیرہ کی طرف رجوع لائے، **وباللہ التوفیق**۔

(۲۶) امام اجل ابواویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس ابوالفضل بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی کہ اکابر علماء مدینہ طیبہ وائمہ محدثین ورجال صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وترمذی ونسائی وبن ماجہ اور تبع تابعین کے طبقہ اعلٰی سے ہیں، امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بہنوئی اور بھتیجے یعنی ان کے حقیقی چچازاد بھائی کے بیٹے ہیں، ۱۶۷ھ میں انتقال فرمایا: انھوں نے خود اپنے واسطے امام مالک وغیرہ اکابر تابعین وتبع تابعین کے زمانے میں نعل اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مثال بنواکر اپنے پاس رکھی اور قرنًا فقرنًا

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الثالث الفصل الثالث لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۷

اس مثال کے نقشے ہر طبقے کے علماء لیتے رہے۔

(۲۷) ان کے صاحبزادے امام مالک کے بھانجے اسمٰعیل بن ابی اویس کہ امام بخاری وامام مسلم کے استاذ اور رجال صحیحین اور اتباع تبع تابعین کے طبقہ اعلی سے ہیں اور امام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے معاصر، ۲۲۶ ہجری میں وفات پائی۔

(۲۸) ان کے شاگرد ابو یحیٰی بن ابی میسرہ۔

(۲۹) ان کے تلمیذ ابو محمد ابراہیم بن سہل سبتی۔

(۳۰) ان کے شاگرد ابو سعید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ مکی۔

(۳۱) ان کے تلمیذ محمد بن جعفر تمیمی۔

(۳۲) ان کے تلمیذ محمد بن الحسین الفارسی۔

(۳۳) ان کے شاگرد شیخ ابوزکریا عبدالرحیم بن احمد بن نصر بن اسحاق بخاری۔

(۳۴) ان کے تلمیذ شیخ فقیہ ابوالقاسم حلی ابن عبدالسلام بن حسن رمیلی۔

(۳۵) ان کے شاگرد شیخ عیاض۔

(۳۶) دوسرے تلمیذ اجل امام اکمل حافظ الحدیث قاضی ابوبکر بن العربی اشبیلی اندلسی۔

(۳۷) ان دونوں کے شاگرد امام ابن العربی کے صاحبزادے فقیہ ابو زید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ۔

(۳۸) ان کے تلمیذ ابن الحبیہ۔

(۳۹) ان کے شاگرد شیخ ابن البر تونسی۔

(۴۰) ان کے تلمیذ شیخ ابن فہد مکی۔

(۴۱) ح امام اجل ابن العربی ممدوح کے دوسرے شاگرد ابوالقاسم خلف بن بشکوال۔

(۴۲) ان کے تلمیذ ابو جعفر احمد بن علی اوسی جن کے شاگرد ابوالقاسم بن محمد اور ان کے تلمیذ ابواسحٰق ابراہیم بن الحاج ان کے شاگرد ابوالیمن ابن عساکر مذکورین ہیں جن کے اقوال طیبہ اوپر مرقوم ہوئے۔

(۴۳) ح امام اسمٰعیل بن ابی اویس مدنی ممدوح کے دوسرے تلمیذ ابواسحٰق ابراہیم ابن الحسین۔

(۴۴) ان کے شاگرد محمد بن احمد خزاری اصبہانی۔

(۴۵) ان کے تلمیذ ابو عثمٰن سعید بن حسن تستری۔

(۴۶) ان کے شاگرد ابوبکر محمد بن علی منقری۔

(۴۷) ان کے تلمیذ ابو طالب عبداللہ بن حسن بن احمد عنبری۔

(۴۸)ان کے شاگرد ابو محمد عبدالعزیز بن احمد کنانی۔

(۴۹)ان کے تلمیذ ابو محمد ہبۃ اللہ بن احمد بن محمد اکفانی دمشقی۔

(۵۰)ان کے شاگرد حافظ ابوطاہر احمد بن محمد بن احمد اسکندرانی۔

(۵۱)ان کے تلمیذ ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن تجیبی۔

(۵۲)ان کے شاگرد ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ سبتی ان کے تلمیذ ابواسحٰق ابراہیم بن الحاج سلمٰی ممدوح ان کے شاگرد ابن عساکر۔

(۵۳)ان کے تلمیذ بدر فارقی، یہ تین سلسلے مثل سلاسل حدیث تھے ان کے علاوہ

(۵۴)امام ابو حفص عمر فاکہانی اسکندرانی۔

(۵۵) شیخ یوسف تتائی مالکی۔

(۵۶) فقیہ ابو عبداللہ بن سلامہ۔

(۵۷) فقیہ محدث ابویعقوب۔

(۵۸)ان کے شاگرد ابو عبداللہ محمد بن رشید فہری۔

(۵۹)حافظ شہیر ابوالربیع بن سالم کلاعی۔

(۶۰)ان کے تلمیذ حافظ ابو عبداللہ بن الابار قضاعی۔

(۶۱)ابو عبداللہ محمد بن جابر دادی۔

(۶۲)خطیب ابو عبداللہ بن مرزوق تلمسانی۔

(۶۳)ابن عبدالملک مراکش۔

(۶۴) شیخ ابوالخصال۔

(۶۵)ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبدالحق انصاری معروف بابن القصاب۔

(۶۶) شیخ فتح اللہ حلبی بیلونی۔

(۶۷) قاضی شمس الدین ضعیف اللہ ترابی رشیدی۔

(۶۸) شیخ عبدالمنعم سیوطی۔

(۶۹) محمد بن فرج سبتی۔

(۷۰) شیخ ابن حبیب النبی جن سے علامہ تلمسانی نے نقشہ مقدسہ کی عجیب برکت شفا ہار وایت کی۔

(۷۱) سید محمد موسٰی حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح۔

(۷۲) سید جمال الدین محدث صاحب روضۃ الاحباب۔
(۷۳) علامہ شہاب الدین خفاجی جنھوں نے فتح المتعال کی تعریف کی اور ہو مصنف حسن فرمایا یعنی وہ خوب کتاب ہے۔
(۷۴) فاضل کاتب چلپی صاحب کشف الظنون۔
(۷۵) فاضل علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شارح مواہب ومؤطا امام مالک۔
اب اور پانچ ائمہ کرام کے اسماء طیبہ عالیہ پر اختتام کیجئے جن کی امامت کبری پر اجماع اور ان کی جلالت شان وعظمت مکان مشہور ومعروف بلاد وبقاع:
(۷۶) امام اجل حافظ الحدیث زین الدین عراقی استاذ امام الشان ابن حجر عسقلانی صاحب الفیہ سیرت وغیرہا۔
(۷۷) ان کے ابن کریم علامہ عظیم سیدی ابوزرعہ عراقی۔
(۷۸) امام اجل سراج الفقہ والحدیث والملۃ والدین بلقینی۔
(۷۹) امام جلیل محدث نبیل حافظ شمس الدین سخاوی۔
(۸۰) امام اجل واکرم علامہ عالم خاتم الحفاظ والمحدثین جلال الملۃ والشرع والدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنابہم یوم الدین آمین یارب العالمین۔
بالجملہ مزار اقدس کا نقشہ تابعین کرام اور نعل مبارک کی تصویر تبع تابعین اعلام سے ثابت اور جب سے آج تک ہر قرن وطبقہ کے علماء وصلحا میں معمول اور رائج ہمیشہ اکابر دین ان سے تبرک کرتے اور ان کی تکریم وتعظیم رکھتے آئے ہیں تو اب انھیں بدعت شنیعہ اور شرک وحرام نہ کہے گا مگر جاہل بیباک یا گمراہ بددین مریض القلب ناپاک **والعیاذ باللہ من مهاوی الهلاک** (اللہ تعالٰی کی پناہ ہلاکت وبربادی کے ٹھکانوں سے۔ ت) آج کل کے کسی نوآموز قاصر ناقص فاتر کی بات ان اکابر ائمہ دین واعاظم علماء معتمدین کے ارشادات عالیہ کے حضور کسی ذی عقل دیندار کے نزدیک کیا وقعت رکھتی ہے، عاقل منصف کے لئے اسی قدر کافی ہے **واللہ الھادی وولی الایادی بہ ثقتی وعلیہ اعتمادی** (اللہ تعالٰی ہی راہ ہدایت دکھانے والا ہے اور جملہ احسانات وانعامات کا مالک ووالی ہے پس اسی پر بھروسا واعتماد ہے۔ ت) **الحمدللہ** کہ یہ مجمل جواب موضع صواب اواخر ذی الحجہ مبارک ۱۳۱۵ھ کے چند جلسوں میں تمام اور بلحاظ تاریخ شفاء^عہ^ **الواله فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ** (۱۳۱۵ھ) (حیرت زدہ (عاشق) کی شفا (صحت یابی) صور حبیب ان کے مزار اور ان کے جوتوں کے دیدار میں ہے۔ ت) نام ہو، **الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی**

عـــہ: ہمزہ بے مرکز ملحوظ العدد ست ۱۲۔

سیدنا و مولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

(سب خوبیاں خدا کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار (مربی) ہے اللہ تعالٰی ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر اور ساتھیوں پر رحمت نازل فرمائے، اللہ تعالی سب سے بڑا عالم ہے۔ اور اس جلیل القدر ذات کا علم بہت کامل واکمل اور نہایت درجہ پختہ و محکم ہے۔ ت)

اس تحریر کے چند ماہ بعد آج کل کے بعض ہندی عـــہ صاحبوں نے اس کے مخالف تحریریں پیش کیں جن میں کسی امام معتمد یا عالم مستند سے اس کے خلاف پر اصلا سند نہ دی گئی، ہم ابھی گزارش کرچکے ہیں کہ ارشادات ائمہ دین وعلماء معتمدین کے مقابل ایں وآں کے بے سند اقوال کیا قابل استدلال، قرون ثلاثہ میں باوصف تحقق ضرورت اس کی طرف قولا وفعلا اصلا توجہ نہ پائے جانے کا جواب بھی واضح ہوچکا کہ زمانہ تابعین وتبع تابعین سے متوارث ہے، اور ضرورت شرعیہ بمعنی افتراض ووجوب نہ ہونا، تو بدیہی یوہیں بایں معنی کہ کوئی امر مامور بہ فی الشرع عینًا اس پر موقوف ہو واضح المنع نہ سہی مسلم کہ مقتضی عین موجود مذکر حاصل موانع مقصود جس سے باوصف تحقق خطور بالبال وخصوص احتیاج بالقصد امتناع پر اطباق واجماع مفہوم ہو اور جہاں ایسا نہیں وہاں عدم وقوع ہرگز مفید کف قصدی نہیں کہ وہی مقدور ہے اور اس میں اتباع وقد حققنا ھذہ المباحث فی کتابنا المبارك ان شاء اللہ تعالٰی البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ (ان مباحث کی تحقیق ہم نے اپنی بابرکت کتاب میں کردی ہے کتاب کا نام ہے البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ (چمکدار تیز تلواریں دین سے نکلنے والے مشرقی خوارج پر)۔ ت) اس قضیہ کو اگر یوہیں مرسل رکھیں تو صدہا مسائل شرعیہ خود صاحب تحریر مذکور کے تحریرات کثیرہ اس کے ناقض و مناقض موجود ہیں جن میں بعض ہمارے رسالہ سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید (عید مبارک کی خوشیاں نماز عید کے بعد دعا کے جواز میں۔ ت) بحوالہ جلد وصفحہ مذکور ہوئیں، رہا یہ کہ نقشہ کعبہ معظّمہ وروضہ منورہ کو ان کا عین یا تمام احکام میں مساوی سمجھنا کہ نقشہ کعبہ کے طواف سے حج ادا ہوجائے اور حج کے بعد نقشہ روضہ کے پاس حاضر زیارت مقدسہ کی حاضری سے مغنی ہوجائے یہ کسی جاہل کا بھی زعم نہیں، ایسے اوہام باطلہ البتہ مشرکین وروافض کو پیدا ہوتے ہیں، رسالہ اسلمی میں قطع نظر اس سے کہ وہ کیا اور کیسا رسالہ

عـــہ: یعنی فتوٰی عبدالحی لکھنوی ۱۲۔

اور کہاں تک محل استناد میں پیش ہونے کی لیاقت رکھتا ہے اسی وہم پر اعتراض ہے وہ اس طریقہ انیقہ پر جو ائمہ کرام و علمائے اعلام میں معمول ومقبول رہا اصلا وارد نہیں، **وباللہ التوفیق واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**۔ (اللہ تعالٰی کے فضل ہی سے توفیق حاصل ہے اور اللہ پاک اور برتر سب سے بڑا عالم ہے۔ت)

(رسالہ **شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ** ختم شد)

تصوف وطریقت وبیعت وسجادہ نشینی وغیرہ

تصور شیخ، مراقبہ، پیری مریدی کے آداب نیز سچے اور جھوٹے پیر کا بیان

مسئلہ ۱۷۶: از شہر کہنہ ۱۷/ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ستار بجاتا ہے وصف اس میں یہ ہیں حافظ قرآن ہے۔ خاندان چشتیہ میں بیعت ہے۔ بے دینوں سے نفرت رکھتا ہے، خداوند تعالٰی کے فضل وکرم سے اس کے مکان پر سب خورد وکلاں نمازی ہیں یعنی بالغ اور نابالغ کو خدا تعالٰی نے اپنے فضل وکرم سے یہ وصف دیا ہے اور حکم خدا اور سول سے اس کو کسی وقت میں انکار نہیں اگرچہ اس کا ظاہر نقصان ہو، جب کوئی اس کو ستار بجانے سے منع کرتا ہے تو جواب منع کرنے والے کو یوں دیتا ہے کہ بیشک میں خطاوار خدا تعالٰی کا بلکہ از حد گنہگار ہوں کہ فی زمانہ مسلمانوں میں کوئی خطاوار مجھ سے بڑھ کر نہ ہوگا مگر ستار میں نے خدا تعالٰی کے ذکر یاد کرنے کے واسطے سیکھا ہے وہ یاد کرنا یہ ہے کہ اکثر جانوروں کی بولیاں اس سے سمجھ میں آتی ہیں جو شخص عاقل اور ذی فہم ہیں اس وقت خوب جان لیتے ہیں اس بات کو کہ ادنٰی درجہ کی اشیاء خدا کے ذکر میں مشغول ہوں اور ہم اشرف المخلوقات ہو کر خدا کی یاد سے غافل ہوں پھر بہت سا افسوس کرکے خدا تعالٰی کے ذکر میں مشغول ہوجاتے ہیں اس کو علم معرفت کہتے ہیں اور درجے چار[۴] ہیں: [۱]شریعت، [۲]طریقت، [۳]معرفت، [۴]حقیقت، علمائے دین سے ہر ایک کے معنی دریافت کرلو یعنی شریعت کے معنی لغت میں کیا ہے۔ اور اصطلاح میں کیا۔ اسی طرح پر طریقت، معرفت

حقیقت کے معنی بتا کر حکم فرمائیں کہ اس طرح پر خدا تعالٰی سے محبت کا سلسلہ پیدا کرنا چاروں طریقوں میں منع ہے ان شاء اللہ تعالٰی فورًا چھوڑ دوں گا، **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت میں باہم اصلا کوئی تخالف نہیں اس کا مدعی اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل ہے اور سمجھ کر کہے تو گمراہ بددین، شریعت حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اقوال ہیں، اور طریقت حضور کے افعال، اور حقیقت حضور کے احوال، اور معرفت حضور کے علوم بے مثال، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ الی مالایزال (ان پر (یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر) ان کی آل پر اور اصحابہ کرام پر اللہ تعالٰی رحمت برسائے جب تک مولٰی تعالٰی فرمائے۔ت)

رسالہ

نَقَاءُ السَّلَافَہ فِیْ اَحْکَامِ الْبیْعَۃِ وَالْخِلَافہ ۱۳۱۹ھ

(بیعت وخلافت کے احکام میں خوبصورت نچوڑ)

مسئلہ ۱۷۷: ۲۵/ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

زید کہتا ہے کہ میں مسلمان اور مسلمان کے یہاں پیدا ہوا، روز پیدائش سے طریقہ اسلام پر اہلسنت وجماعت کا پیرو، غیر طریقے کی بے جابات جو خلاف سنت ہے حجت کو تیار، اور جو باتیں پیر بتاتا ہے وہ قرآن وحدیث سے بتاتا ہے وہ باتیں مجھ کو معلوم ہیں۔ پہلے سے عمل کرتا ہوں اور نہیں بھی، پھر روز قیامت کو گروہ امتیان حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اٹھیں گے پھر کیا ضرورت ہے بیعت کرنے کی اور سلسلے میں آنے کی؟ ایک فقرہ جواب اس خیال جاہلانہ کا لکھ دیجئے تاکہ وسوسہ شیطانی دل سے دور ہو جائے آئندہ توبہ واستغفار کریں، **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

قرآن وحدیث میں شریعت، طریقت، حقیقت سب کچھ ہے اور ان میں سب سے زیادہ ظاہر وآسان مسائل شریعت ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین انکی شرح نہ فرماتے تو علماء نہ سمجھتے اور علماء کرام اقوال ائمہ مجتہدین کی تشریح وتوضیح نہ کرتے تو ہم لوگ ارشادات ائمہ کے سمجھنے سے بھی عاجز

رہتے اوراب اگر اہل علم عوام کے سامنے مطالب کتب کی تفصیل اور صورت خاصہ پر حکم کی تطبیق نہ کریں، تو عام لوگ ہر گز ہر گز کتابوں سے احکام نکال لینے پر قادر نہیں، ہزار جگہ غلطی کریں گے اور کچھ کا کچھ سمجھیں گے اس لئے یہ سلسلہ مقرر ہے کہ عوام آج کل کے اہل علم ودین کا دامن تھامیں اور وہ تصانیف علمائے ماہرین کا اور وہ مشائخ فتوٰی کا اور وہ ائمہ ہدٰی کا اور وہ قرآن وحدیث کا، جس شخص نے اس سلسلے کو توڑا وہ اندھا ہے۔ جس نے دامن ہادی ہاتھ سے چھوڑا عنقریب کسی عمیق، (گہرے) کنویں میں گرا چاہتا ہے۔ امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

لو قدان اهل دور تعدوا من فوقهم الى الدور الذى قبله لا انقطعت وصلتهم بالشارع ولم يهتدوا لايضاح مشكل ولا تفصيل مجمل وتامل ياأخى لولا ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فصل بشريعته مااجمل فى القراٰن لبقى على اجماله كما ان الائمة المجتهدين لو لم يفصلوا مااجمل فى السنة ابقيت السنة على اجمالها وهكذا الى عصرنا هذا[1] الخ۔	اگر بالفرض اہل زمانہ تجاوز کر جائیں اپنے اوپر والوں سے طرف اس زمانہ کے کہ وہ ان سے پہلے ہو تو ان کا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملنا منقطع ہو جائے گا، اور وہ مشکل کو واضح کرنے اور مجمل کی تفصیل کی راہ نہ پائیں، غور کراے بھائی، اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قرآن کے اجمال کی اپنی شریعت سے تفصیل نہ فرماتے تو قرآن اپنے اجمال پر باقی رہتا جیسا کہ تحقیق اگر ائمہ مجتہدین حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کے اجمال کی تفصیل نہ کرتے تو سنت اپنے اجمال پر باقی رہتی اور ایسے ہی ہمارے اس زمانہ تک الخ (ت)

اسی میں ہے:

كما ان اشارع بين لنا بسنته ما اجمل فى القراٰن و كذلك الائمة المجتهدين بينوا لنا ما اجمل فى احاديث الشريعة ولو لابيانهم لنا ذٰلك لبقيت الشريعة على اجمالها	جیسا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی سنت کے ساتھ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل کی ہے، اور ایسے ائمہ مجتہدین نے ہمارے لئے احادیث شریعت کے اجمال کا بیان فرمایا ہے اور بالفرض ان کا بیان نہ ہوتا تو شریعت اپنے اجمال پر باقی

[1] المیزان الکبرٰی فصل ومما یدلك علی صحۃ ارتباط جمیع اقوال علماء الشریعۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۷

وہکذا القول فی اہل کل دور بالنسبة للدور الذین قبلہم الی یوم القیمة فان الاجمال لم یزل ساریا فی کلام علماء الامة الی یوم القیمة ولو لا ذٰلك ماشرحت الکتب ولاعمل علی الشروح حواش کمامر[1]۔	رہتی، اور یہی بات ہر اہل دور کی بنسبت اپنے پہلے دور والوں کی ہے قیامت تک، اس لئے کہ اجمال علماء امت کے کلام میں قیامت تک جاری رہتا، اگر ایسا نہ ہوتا تو کتابوں کی شرحیں اور شرحوں پر حواشی نہ لکھے جاتے۔ جیسا کہ گزر چکا۔ (ت)

غیر مقلدین اس سلسلے کو توڑ کر گمراہ ہوئے اور نہ جانا کہ: ع

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(دنیا کے تمام شیر اس سلسلہ میں بندھے ہوئے ہیں لومڑی اپنے حیلہ سے اس سلسلہ کو کیسے کمزور بنا سکتی ہے۔ ت)

جب احکام شریعت میں یہ حال ہے تو صاف روشن کہ دقائق سلوک اور حقائق معرفت بے مرشد کامل خود بخود قرآن وحدیث سے نکال لینا کس قدر محال ہے۔ یہ راہ سخت باریک اور بے شمع مرشد نہایت تاریک ہے، بڑے بڑوں کو شیطان لعین نے اس راہ میں ایسا مارا کہ تحت الثرٰی تک پہنچادیا، تیری کیا حقیقت کہ بے رہبر کامل اس میں چلے اور سلامت نکل جانے کا ادعا کرے، ائمہ کرام فرماتے ہیں: آدمی اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم زاہد کامل ہو اس پر واجب ہے کہ ولی عارف کو اپنا مرشد بنائے بغیر اس کے ہرگز چارہ نہیں، میزان الشریعۃ میں ارشاد فرمایا:

فعلم من جمیع ماقررناہ وجوب اتخاذ الشیخ لکل عالم طلب الوصول الی شہود عین الشریعة الکبرٰی ولواجمع جمیع اقرانہ علی علمہ وعملہ وزہدہ وورعہ ولقبوہ بالقطبیة الکبرٰی فان لطریق القوم شروطا لایعرفہا الا المحققون منہم دون	پس معلوم ہوا اس تمام سے جو کہ ہم نے ثابت کیا ہے شیخ کے پکڑنے کا وجوب ہر عالم کے لئے جو طلب کرے عین شریعت الکبرٰی کے مشاہدہ تک پہنچنے کو اگرچہ اس کے تمام ہم عصر اس کے علم وعمل او زہد وورع پر جمع ہو جائیں، اور اس کو قطبیت کبرٰی کا لقب دیں اس لئے کہ اس قوم (یعنی صوفیہ) کے طریق کی کچھ شرطیں ہیں جن کو کہ سوائے ان کے محققین کے

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان استحالہ خروج شیئ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۶

الدخیل فیھم بالدعاوی والاوہام وربما کان من لقبوہ بالقطبیۃ لایصلح ان یکون مریدا القطب[1] الخ۔	کوئی نہیں پہچان سکتا نہ کہ وہ لوگ جو صرف اپنے دعاوی اور اوہام کے ساتھ ان میں داخل ہوتے ہیں اور بسا اوقات جن کو انھوں نے قطب ہونے کا لقب دیا ہے وہ اس لائق نہیں ہے کہ کسی حقیقی قطب کا مرید ہو۔(ت)

یہ اس لئے جو اس راہ کا چلنا چاہے اور ہمت پست کوتاہ دست لوگ اگر سلوک نہ بھی چاہیں تو انھیں توسل کے لئے شیخ کی حاجت ہے یوں اللہ عزوجل اپنے بندوں کو بس تھا۔ قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

"اَلَیۡسَ اللہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ؕ"[2]	کیا خدا اپنے بندوں کو کافی نہیں۔

مگر قرآن عظیم نے حکم فرمایا:

"وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ"[3]	اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

اللہ کی طرف وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف وسیلہ مشائخ کرام، سلسلہ بہ سلسلہ جس طرح اللہ عزوجل تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے یونہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک رسائی بے وسیلہ دشوار عادی ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صاحب شفاعت ہیں اللہ عزوجل کے حضور وہ شفیع ہونگے اور ان کے حضور علماء واولیاء اپنے متوسلوں کی شفاعت کریں گے، مشائخ کرام دنیاودین ونزع وقبر وحشر سب حالتوں میں اپنے مریدین کی امداد فرماتے ہیں، میزان الشریعہ میں ارشاد فرمایا:

قد ذکرنا فی کتاب الاجوبة عن ائمة الفقھاء و الصوفیۃ ان ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ کلھم یشفعون فی مقلدیھم و یلاحظون احدھم عندطلوع روحه و عندسوال منکرونکیر له وعند	تحقیق ہم نے ذکر کیا ہے کتاب الاجوبہ عن ائمۃ الفقہاء و الصوفیہ میں کہ فقہاء اور صوفیہ سب کے سب اپنے متبعین کی شفاعت کریں گے اور وہ اپنے متبعین اور مریدین کے نزع کی حالت میں روح کے نکلنے اور منکر نکیر کے سوالات

[1] المیزان الکبرٰی فصل ان القائل کیف الوصول الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۳۶

[3] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

النشر والحشر والحساب والمیزان والصراط ولا یغفلون عنھم فی موقف من المواقف [1] الخ۔	نشر وحشر اور حساب اور میزان عدل پر اعمال تلنے اور پر صراط گزرنے کے وقت ملاحظہ فرماتے ہیں اور تمام مواقف میں سے کسی ٹھہرنے کی جگہ سے غافل نہیں ہوتے الخ (ت)

اس محتاج وبے دست وپا سے بڑھ کر کون احمق اپنی عافیت کا دشمن کون جو اپنی سختیوں کے وقت اپنے مددگار نہ بنائے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

استکثروا من الاخوان فان لکل مؤمن شفاعۃ یوم القیمۃ رواہ ابن النجار [2] فی تاریخہ عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ کے بکثرت نیک بندوں سے رشتہ وعلاقہ محبت پیدا کرو کہ قیامت میں ہر مسلمان کامل کو شفاعت دی جائے گی کہ اپنے علاقہ والوں کی سفارش کرے، (اس کو ابن النجار نے اپنی تاریخ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اور بالفرض معاذاللہ اور کچھ نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک اتصال سلسلہ کی برکت کیا تھوڑی تھی جس کے لئے علماء کرام آج تک حدیث کی سندیں لیتے ہیں یہاں کہ رتن ہندی وغیرہ کی اسانید سے طلب برکت کرتے ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی اصابہ فی تمیز الصحابہ میں فرماتے ہیں:

انتقیت عن المحدث للرحال جمال الدین محمد بن احمد بن امین الاقشھری نزیل المدینۃ النبویۃ فی فوائد رحلتہ اخبرنا ابوالفضل وابو القاسم بن ابی عبداللہ بن علی بن ابراھیم بن عتیق اللواتی المعروف بابن الخباز المھدوی (فذکر بسندہ حدیثا عن خواجہ رتن) قال وذکر خواجہ رتن بن عبداللہ انہ شھد	کوچ کرنے والے محدث جمال الدین محمد بن احمد بن اقشہری مدینہ منورہ میں رہائش پذیر سے خبر دیا گیا، میں اپنی فوائد رحلت میں بیان کیا ہم سے ابوالفضل اور ابوالقاسم ابن عبداللہ بن ابراہیم بن عتیق اللواتی المعروف بہ بن خباز مہدوی کہ انھوں نے اپنی سند سے حدیث ذکر کی حضرت خواجہ رتن سے فرمایا اور ذکر کیا کہ خواجہ رتن بن عبداللہ نے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان جملۃ من الامثلۃ المحسوسۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳

[2] کنز العمال بحوالہ ابن نجار عن انس حدیث ۲۴۶۴۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۴

مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخندق وسمع منہ ہذا الحدیث ورجع الی بلاد الھند ومات بھا وعاش سبع مائۃ سنۃ ومات لسنۃ ست وتسعین وخمسمائۃ وقال الاقشھری وہذا السند یتبرك بہ وان لم یوثق بصحتہ [1]۔	کی معیت میں غزوہ خندق میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس حدیث کو سنا اور ہندوستان کے شہروں میں واپس آئے اور وہاں فوت ہوئے اور سات سو سال زندہ رہے اور ۵۹۶ھ میں وفات پائی، اور اقشہری نے فرمایا اس سند سے برکت حاصل کی جاتی ہے اگرچہ اس کی صحت کا وثوق (اعتماد) نہیں ہے۔(ت)

توسلاسل واسانید اولیائے کرام کا کیا کہنا خصوصا سلسلہ عالیہ علیہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم قطب عالم صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الکریم وابائہ الکرام وعلیہ وسلم جو ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"میرا ہاتھ میرے مرید پر ایسا ہے جیسے زمین پر آسمان" [2]

اور فرماتے ہیں: "اگر میرے مرید کا پاؤں پھسلے گا میں ہاتھ پکڑ لوں گا" [3]

اسی لئے حضور کو پیر دستگیر (ہاتھ پکڑنے والے) کہتے ہیں ____ اور فرماتے ہیں:

"اگر میرا مرید مشرق میں ہو اور میں مغرب میں ہوں اور اس کا پردہ کھلے میں ڈھانک دوں گا" [4]

اور فرماتے ہیں: مجھے ایک دفتر دیا گیا حد نگاہ تک کہ اس میں میرے مریدوں کے نام تھے قیامت تک اور مجھ سے فرمایا گیا وھبتھم لك [5] یہ سب ہم نے تمھیں دے ڈالے"

رواھا عنہ الائمۃ الثقات رضی اللہ تعالٰی	اس ارشاد کو معتمد ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے

[1] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ انس بن عبداللہ ۲۷۵۹ دار صادر بیروت ۱/ ۵۳۷

[2] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۰

[3] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲

[4] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۹۹

[5] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۰

عنھم ، وعنابھم ، اٰمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	آپ سے روایت کیا ہے۔ آمین ! واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۸: مرسلہ حضور پر نور مولٰنا حضرت سید نا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب مارہری دامت برکاتہم ۱۲۹۸ھ

یہ سوال چند امور متعلقہ خلافت وسجادہ نشینی حضرات اولیائے کرام سے استفسار تھا جس کے مقاصد تقریر وجواب سے واضح ہیں۔

الجواب:

الحمدللہ والصلوۃ والسلام علی حبیبہ المصطفی والہ الکرام السادات الشرفا وصحابۃ العظام والاولیاء العرفاء وعلینا معھم دائما ابدا۔

اما بعد، خلافت حضرات اولیائے کرام **نفعنا اللہ ببرکاتھم فی الدنیا والاخرۃ** (نفع دے ہم کو اللہ تعالٰی ان کی برکات سے دنیا اور آخرت میں) دو[۲] طرح ہے: [۱]عامہ اور [۲]خاصہ۔

عامہ یہ کہ مرشد مربی (تربیت دینے والا) اپنے مریدین اقارب اور اجانب سے جس جس کو صالح ارشاد ولائق تربیت سمجھے اپنا خلیفہ ونائب کرے اور اسے اخذ بیعت وتلقین اذکار واشغال واوراد واعمال وتربیت طالبین وہدایت مسترشدین کے لئے مثال خلافت کرامت فرمائے، یہ معنی صرف منصب دینی ہے اور اس میں تعدد خلفاء بیحد وانتہا جائز وواقع حضور سید العالمین مرشد الکل محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سب صحابہ کرام بایں معنی حضور کے خلفاء تھے اور اسی خلافت کو وراثت انبیاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور بایں معنی علمائے دین ومشائخ کاملین اہل شریعت وطریقت تا بقیام قیامت سب حضرت رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ کے نواب خلفاء ہیں اور یہ خلافت حیات مستخلف (جس کا خلیفہ ہو) اسے مجتمع ہوتی ہے **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

اور خاصہ یہ ہے کہ اس مرشد مربی کے بعد وصال یہ شخص اس کی مسند خاص پر جس پر اس کی زندگی میں سوا اس کے دوسرا نہ بیٹھ سکتا جلوس کرے اور تمام نظم ونسق ورتق وفتق وجمع وتقسیم وعزل ونصب خدام وتقدیم وتاخیر مصالح وتولیت اوقاف درگاہی وقوامت مصارف خانقاہی میں اس کی جگہ قائم ہو، یہ معنی بھی ہر چند باطن ان کا دین ہے مگر روئے بظاہر بسوئے دنیا رکھتے ہیں۔

کما قال سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ	جیسے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا

فی خلافة سیدنا الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه رضیه رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا[1]۔	حضرت سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی خلافت کے بارے میں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آپ کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو بس ہم اس کو اپنی دنیا کے لئے کیوں پسند نہ کریں۔(ت)

یہ خلافت خلافت وامامت کبرٰی سے بہت مشابہ ولہذا احیات مستخلف سے مجتمع نہیں ہوتی اسی کو سجادہ نشینی کہتے ہیں یہاں مرجع اول مستخلف ہے کہ جس شخص کو وہ ولیعہد کرے یا اس کے لئے قریب وصال وصیت کر جائے بشرطیکہ وہ وصیت شرعاً معتبر اور وصی مذکور اہل ولائق اور متعلق درگارہ کچھ اوقاف ہوں تو ان کی تولیت کی بھی صلاحت رکھتا ہو وہی سجادہ نشین قرار پائے گا اور باوجود اس کے نص مقبول ومعتبر شرعی کے کام کو ناتمام جان کر بحث ارباب شورٰی واہل حل وعقد کے سامنے پیش نہ کریں گے کما فی الامامة الکبرٰی والخلافة العظمٰی (جیسا کہ امامت کبرٰی اور بڑی خلافت ہے) اور مجرد تقریر وعدم انکار نص صریح کے مقابل خصوصاً جبکہ نص متاخر ہو ہرگز رنگ قبول نہیں پاسکتی مثلاً اگر کوئی شخص اس مرشد مربی کے حضور کہے کہ بعد حضور زید سجادہ نشین ہے یا کسی شخص کی تحریر، اس مضمون پر مشتمل اس مرشد مربی کے سامنے پڑھی جائے اور وہ اس قول یا تحریر کو سن کر سکوت فرمائے بعدہ وصیت سجادہ نشینی بنام عمرو یا باشتراک زید وعمرو کرے تو یہ وصیت ہی معتبر ہوگی اور وہ سکوت پایہ اعتبا سے ساقط رہا۔

والدلیل علی ذٰلك قاعدتان من الفقة الاولٰی لا ینسب الی ساکت قول[2] والاخری ان الصریح یفوق الدلائل[3]۔	اور دلیل اس پر دو قانون فقہ کے ہیں پہلا خاموش کی طرف کوئی قول منسوب نہیں ہوتا، دوسرا تحقیق صریح دلالت پر راجح ہوتا ہے۔(ت)

اور اگر نص صریح دو پائے جائیں ایک میں تصریح وصیت زید کے لئے ہو اور دوسرے میں عمرو خواہ دونوں کے لئے، اور ان میں ایک کی تاریخ دوسرے سے متاخر ہو، تاہم دنوں نص معمول بہ (عمل کیا جائے گا) رہیں گے اور زید وعمرو دونوں وصی قرار پائیں گے، ہاں اگر نص متاخر میں نص اول سے

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر بیعة ابی بکر دارصادر بیروت ۳/ ۱۸۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الثانیه عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۴

[3] ردالمحتار کتاب النکاح باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۷

رجوع اور وصی پیشین کو معزول کیا ہے تو بیشک متاخر متقدم کا ناسخ ہو جائے گا۔

وھذا کما فی ردالمحتار عن ادب الاوصیاء عن التتارخانیۃ اوصی الی رجل ومکث زمانا فاوصی الی اٰخر فھما وصیان فی کل وصایاہ سواء تذکر ایصاہ الی الاول او نسی لان الوصی عندنا لاینعزل مالم یعزل الموصی حتی لو کان بین وصیتہ مدۃ سنۃ او اکثر لاینعزل الاول عن الوصایہ[1]۔	اور یہ جیساکہ ردالمحتار میں ادب الاوصیاء سے وہ تاتارخانیہ سے کسی نے کسی مرد کو اپنا وصی (نائب) بنایا اور کچھ زمانہ ٹھہرا تو دوسرے مرد کو وصی (نائب) بنادیا تو وہ دونوں اس کے تمام وصایا میں نائب ہوں گے، برابر ہے کہ پہلے شخص کو نائب بنانا ایسے یاد ہو یا بھول گیا ہو کیونکہ وصی (نائب) ہمارے مذہب میں جب تک وصیت کرنے والا معزول نہ کرے معزول نہیں ہوتا حتی کہ دونوں وصیتوں کے درمیان مدت ایک برس یا زیادہ ہو پھر بھی پہلا وصی (نائب) ہونے سے معزول نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر اس کا نص نہیں تو اس درگاہ وخانقاہ میں جو دستور قدیم سے چلا آیا ہے اس پر کاربندی ہوگی یا اہل حل وعقد جس پر اتفاق کریں مگر ان دونوں صورتوں میں یہ ضرور ہے کہ شخص مذکور اس مرشد مربی سے خلافت عامہ بطور مقبول رکھتا ہو ورنہ بسبب تعامل یا ہمارے بلاد میں بوجہ عدم قضاۃ اتفاق ناس سے تولیت اوقاف اگرچہ صحیح ہو جائے مگر سجادہ نشینی ہرگز درست نہ ہوگی کہ وہ خلافت خاصہ ہے اور کوئی خاص بے عام کے متحقق نہیں ہو سکتا اور خلافت عامہ بے اجازت صحیحہ زنہار حاصل نہیں ہوتی، حضرت اسد العارفین سیدنا ومولانا حضرت سید شاہ حمزہ علی مارہری قدس اللہ تعالٰی سرہ الزکی اپنی بیاض شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

معلوم باد کہ خلافت مشائخ کہ دریں ولایت مروج ست بر ہفت نوع ست، بعضے ازاں مقبول بعضے ازاں مجہول، اول اصالۃً دوم اجازۃً، سوم اجماعًا، چہارم وراثۃً، پنجم حکمًا، ششم تکلیفًا، ہفتم اویسیًا، اما اصالۃً آنکہ بزرگے بامر الٰہی شخصے راخلیفہ	معلوم ہو کہ مشائخ کی خلافت کہ اس ولایت ہندو پاک میں مروج ہے سات قسموں پر ہے۔ بعض مقبول ہیں اور بعض مجہول، پہلی قسم اصالۃً ہے۔ اور دوسری اجازۃً، تیسری اجماعًا، چوتھی وراثۃً، پانچویں حکمًا، چھٹی تکلیفًا، ساتویں اویسیًا، اصالۃً یہ کوئی بزرگ اللہ تعالٰی کے حکم سے کسی

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجازتہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

خود گیر د و جانشین خود گرداند۔ **اقول**: وذٰلك كما في الحديث عنه صلى الله تعالٰى عليه وسلم ماقدمت ابابكر وعمر ولكن الله قدمهما [1] وعنه صلى الله تعالٰى عليه وسلم سألت الله ثلثا ان يقدمك يا على فابى على الا تقديم ابى بكر [2] وقال صلى الله تعالٰى عليه وسلم يابى الله والمؤمنون الا ابى بكر [3] الى غير ذٰلك من الاحاديث، رجعنا الى كلام سيدنا حمزه قدس سره العزيز واجازۃً آنکہ شیخ مریدے راخواہ وارث خواہ بیگانہ قابل کار دیدہ برضا ورغبت خود خلیفہ کرد۔ **اقول**: كاستخلاف امير المومنين حسن بن على رضى الله تعالٰى عنهما)۔ واجماعاً آنکہ شیخ ازیں عالم نقل کرد کسے راخلیفہ نگرفت قوم وقبیلہ وارثے یا مریدے رابخلافت	شخص کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنالے۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں ہے میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے آگے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالٰی نے ان کو مقدم کیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہے کہ میں نے اے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ! تمھارے بارے میں اللہ تعالٰی سے تین مرتبہ سوال کیا کہ وہ آپ کو مقدم کرے لیکن اللہ تعالٰی نے ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا دوسرے کو مقدم کرنے سے انکار فرمایا ہے اور فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا اور کو امام بنائے جانے پر اللہ تعالٰی اور مومن انکار کرینگے ان کے علاوہ دیگر احادیث مبارک میں بھی یونہی آیا ہے۔ ہم سیدنا حمزہ قدس سرہ کے کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اجازۃ یہ کہ کوئی شیخ کسی مرید کو خواہ وہ وارث ہو یا بیگانہ کام کے لائق دیکھ کر اپنی رضا ورغبت سے اپنا خلیفہ کرے۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) جس طرح

[1] کنز العمال ابن النجار عن انس حدیث ۳۲۷۰۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۲

[2] کنز العمال حدیث ۳۲۶۳۷ و ۳۲۶۳۸ و ۳۵۶۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۹۔ ۵۵۸ و ۱۲/ ۵۱۵

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر الصلوٰۃ التی امر بھا رسول اللہ ابابکر عند وفاتہ دار صادر بیروت ۳/ ۱۸۰

وے تجویز نمایند۔ **اقول:** کاستخلاف اهل الحل والعقد امیر المومنین علی کرم الله وجهه بعد شهادة امیر المومنین عثمان رضی الله تعالٰی عنه) اما ایں خلافت نزدیک مشائخ روا نیست وایں نوع خلافت راخلافت اختر ائی گویند۔ **اقول:** یعنی لانعدام الخلافة العامة المشروطة لصحة الخلافة الخاصة فی باب الطریقه اما علی کرم الله تعالٰی وجهه فقد کان من اجل خلفاء رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم) و وراثتاً آنکه مشائخے ازیں جہاں واگزاشت وخلیفه راجائے خود نگزاشت وراثے که شایان ایں امر بود بر جادہ او نشست وخود راخلیفه گرفت۔ **اقول:** کخلافت الامیر معاویة رضی الله تعالٰی عنه بعد ابن عمه امیر المومنین الغنی قبل تفویض الامام المجتبٰی ایاه وہذا ان ثبت انه کان یدعی قبله انه خلیفة والا فقد صح انه رضی الله تعالٰی عنه کان ینکر دعوی الخلافة و	امیر المومنین علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلیفہ بنایا، اور اجماعا یہ کہ شیخ اس عالم سے انتقال کرجائے اور کسی کو خلیفہ نہ بنائے قوم اور قبیلہ شیخ کے وارث یا کسی مرید کو شیخ کا خلیفہ یعنی جانشین تجویز کرلیں۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) جس طرح اہل حل وعقد یعنی اصحاب الرائے نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنایا) لیکن یہ خلافت مشائخ کے نزدیک روا نہیں، اور اس قسم کی خلافت کو اختر ائی خلافت کہتے ہیں۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) یعنی بوجہ معدوم ہونے اس خلافت عامہ کے جو کہ خلافت خاصہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے لیکن علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جلیل القدر خلفاء سے تھے) اور وراثتاً یہ کہ کوئی شیخ اس جہاں سے انتقال کرجائے اور اپنی جگہ خلیفہ نہ چھوڑے کوئی اس بزرگ کا وارث جو کہ اس امر خلافت کا اہل ہو وہ اس کی جگہ بیٹھ جائے اور اپنے آپ کو خلیفہ بنائے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) جیسے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت ان کے چچا کے بیٹے امیر المومنین عثمان الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد حضرت امام مجتبٰی حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سپرد کرنے سے پہلے، اور یہ تب ہے جبکہ ثابت ہوجائے کہ وہ خلافت کا دعوی اس سے قبل کرتے اور

یقول انی لاعلم انه یعنی علی کرم الله تعالٰی وجهه افضل منی واحق بالامر ولکن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمه وولیه اطلب بدمه، رواه یحیٰی بن سلیمٰن الجعفی شیخ البخاری فی کتاب الصفین [1] بسند جید عن ابی مسلم الخولانی واما بعد تفویض الامام المجتبٰی ایاہ فلا شك انه امام حق وامیر صدق کما بینه العلامة ابن حجر فی الصواعق [2] ایں نوع رامشائخ منظور نداشتہ اند۔ واحیانا آں شیخ او را در باطن امر فرماید روا بود کہ نزد صوفیہ حکم ارواح جائزست۔	تحقیق یہ صحیح ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دعوی خلافت کا انکار فرماتے تھے اور فرماتے بیشک میں جانتاہوں کہ علی کرم اللہ وجہہ مجھ سے افضل ہیں اور خلافت کے زیادہ حقدار ہیں لیکن کیا تم جانتے ہو کہ تحقیق عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ ظلماً قتل کئے گئے ہیں اور میں ان کے چچا کا بیٹا ان کا بھائی اور ان کا ولی ہوں میں ان کے خون کا بدلہ طلب کرتاہوں، اس کو یحیٰی بن سلیمان الجعفی شیخ البخاری نے کتاب الصفین میں سند جید کے ساتھ ابو مسلم الخولانی سے روایت کیا۔ لیکن امام مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب امر خلافت ان کو تفویض یعنی سپرد کردیا تو بیشک وہ امام حق اور امیر صادق تھے جیسا کہ اس کو علامہ ابن حجر مکی نے صواعق میں بیان فرمایا ہے۔ اس قسم کو مشائخ نے منظور نہیں رکھا۔ اور احیاناً کسی وقت وہ شیخ اس کو باطن میں حکم فرمائیں تو جائز ہے اس لئے کہ صوفیہ کے نزدیک ارواح کا حکم جائز ہے۔
اقول: وح یرجع الی الاویسیة کما ان سید ابا الحسن الخرقانی خلیفة سیدی ابی یزید البسطامی قدس الله تعالٰی اسرارهما ولکن لایسلم هذا لکل مدع مالم نعلم ثقته وعدالته اویشهد له اهل الباطن) الی اٰخر ماافاده واجاد قدس الله تعالٰی	**اقول:** (میں کہتاہوں) اس وقت حضرات اویسیہ کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ حضرت سیدی ابوالحسن الخرقانی حضرت سیدی ابویزید البسطامی قدس سرہما کے خلیفہ تھے لیکن یہ امر ہر مدعی سے تسلیم نہیں کیا جائیگا۔

[1] کتاب الصفین لیحیٰی بن سلیمان الجعفی

[2] الصواعق المحرقة الخاتمة فی بیان اعتقاد اهل السنة الخ مکتبۃ مجیدیہ ملتان ص ۲۱۸

سرہ العزیز۔	تاوقتیکہ ہم کو اس کی عدالت اور ثقہ ہونے کا علم نہ ہو یا اہل باطن حضرات اس کے متعلق شہادت نہ دیں یہاں سے آخر تک جو کہ حضرت مارہری قدس سرہ العزیز نے افادہ فرمایا اور اچھی باتیں فرمائیں۔(ت)

ہاں بعد صحت خلافت عامہ تعامل (یعنی خلیفہ جیسا معاملہ کرنا) اور اجماع معتبر کافی ہے۔

لان المعھود عرفا کالمشروط لفظا[1] وما راٰہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن[2]۔	اس لئے کہ جو شے عرف میں معروف (مقرر) ہو وہ گویا لفظًا مشروط ہے۔(لفظوں میں شرط قرار دی گئی ہے) جو چیز کہ مسلمان اس کو اچھی دیکھیں تو وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی اچھی ہے۔(ت)

ایسی جگہ عرف غالب یہی ہے کہ اکبر اولاد کو استحقاق ہوتا ہے اور اس کے ہوتے دوسرا نہیں ہوسکتا، مگر جبکہ وہ اہلیت سے عاری ہو یا مستخلف (شیخ) صرف دوسرے کے نام یا دوسرے کو اس کا شریک و سہیم بنا کر) وصیت معتبرہ کرجائے تو البتہ اس پر عمل سے چارہ نہیں اور جس طرح مستخلف کا کسی مصلحت شرعیہ کی بناپر قرابت دار قریبہ کو بالکلیہ محروم کردینا روا ہے یونہی دوسرے کو بربنائے مصلحت اس کا شریک و سہیم کرنا، اور وجوہ مصلحت سے ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جب اس منصب شریف کا ایک رخ جانب دنیا اور دوسرا جانب دین ٹھہرا تو جو تنہا ایک امر میں رشد کافی رکھتا ہے اس سے تمام انتظامات کا تکفل غیر مظنون (کفیل بننا غیر یقینی) لہٰذا اگر مستخلف (شیخ) عارف بالصالح (مصلحتوں کا عارف ہو) اپنے اقارب سے ایک کا رشد ادھر اور دوسرے کا ادھر، زائد دیکھے تو کون مانع ہے کہ وہ عارف صاحب بصیرت وعالم عـــہ۱ بعواقب الامور الارشد فی الدین کو خلیفہ وبنظر جہت اخری ارشد فی الدنیا کو اس کا شریک و بازو کردے تاکہ باتفاق آراء ایک ہیئت اجتماعیہ حاصل ہو کہ اس منصب عظیم کے تمام احیاء کا تحمل بروجہ احسن ظہور میں آئے اور امامت کبرٰی میں جو تعدد ناجائز ہو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہاں اثنینیت عـــہ۲ مظنہ فتن عظیمہ ومعارک ہائلہ ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) مثل مشہور

عـــہ۱: معاملات کے نتائج کا جاننے والا، دین میں سب سے زیادہ ہدایت والا، سیدھے راستے چلنے والا اور دوسری جہت کے لحاظ سے دنیوی معاملات میں سب سے بہتر جاننے والا ہو۔

عـــہ۲: دو کا ہونا بہت بڑے فتنوں کے پیدا ہونے اور تباہ کرنے والے معرکوں کی جائے گاہ ہے۔ ۱۲

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۳/ ۷۸

دو بادشاہ دراقلیمے نگنجد (دو بادشاہ ایک ولایت میں نہیں سماتے) اور یہ خلافت ہر چند امامت کبرٰی سے بغایت مشابہ ولہذا وہ کثرت وتعدد جو خلافت اولٰی میں واقع یہاں متصور نہیں لیکن تمام احکام میں اس سے اتحاد نہیں رکھتی اسی لئے قرشیت مشروط نہ ہوئی اور جس مصلحت پر تمثیلا فقیر نے تقریر کی مثلا اگر اثنینیت واقع ہو کوئی دلیل اس کے بطلان پر ظاہر نہیں **ومن ادعی فعلیہ البیان** (اور جو دعوی کرے اس پر بیان لازم۔ ت) اور صرف تولیت اوقاف میں تو اپنے محل پر تعدد نظار بدیہی الجواز (اس کی متعدد نظیریں واضح جواز کی دلیل ہے) ہاں اس میں شک نہیں کہ رسم سجادہ نشینی میں عام متوارث وحدت ہے۔ (جو عام جاری رسم چلی آرہی ہے وہ وحدت ہے) اور بلاوجہ وجیہ (معقول وجہ کے بغیر) اس کی مخالفت نہ چاہئے مگر کلام اس میں ہے کہ جب مرشد مربی کہ اعرف بالمصالح واعلم بالشان ہے دو ۲ کو جانشین فرماچکا تو اس کے رد کی طرف کوئی سبیل نہیں، ہاں صورت مذکورہ میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ارشد فی الدین اصل جانشین اور دوسرا ناظرہ ومشرف (دیکھ بھال کرنے والا) ہے،

کما اشرنا الیہ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد والہ والاصحاب والخلفاء والنواب والاتباع والاحباب اٰمین۔	جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا اور اللہ بے عیب اور برتر صواب کو بہتر جاننے والا ہے اور اس کے پاس ہے اصل لکھا ہوا، اور درود بھیجے اللہ تعالٰی ہمارے سردار محمد اور آل اور اصحاب اور خلفاء اور نائبین اور تابعین اور دوستوں پر۔ آمین (ت)

مسئلہ ۱۷۹: مع رسالہ "زیب غرفہ" بغرض تصدیق دربارہ منع تعدد بیعت مرسلہ جناب مولوی محمد عبدالسمیع صاحب مرحوم و مغفور مصنف رسالہ "**انوار ساطعہ**" از میرٹھ ۲۳/ شوال ۱۳۰۹ھ

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الواحد الاحد المنزہ من کل شرك وعدد و الصلوٰۃ والسلام علی النبی الاوحد واٰلہ وصحبہ و تابعیھم فی الرشد من الازل الی ابد الابد۔	سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو کہ واحد احد ہے ہر شرک اور متعدد ہونے سے پاک ہے اور رحمت کاملہ اور سلامتی ہو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جو یکتا ہیں مخلوق ہیں اور ان کی آل اور اصحاب اور ہدایت میں ان کی اتباع کرنے والوں پر ہو ازل سے لے ابد تک۔ (ت)

فی الواقع بے ضرورت صحیحہ صادقہ ملجئہ (مجبور کرنے والا) باوجود پیر غیر کے ہاتھ پر بیعت ارادت سے احتراز تام لازم سمجھے **وھوالمختار وفیہ الخیر وفی غیرہ ضیر ایما ضیر** (یہی مختار ہے اس میں بہتری اس کے غیر میں نقصان ہے کامل نقصان ۔ت) پریشان نظری وآوارہ گردی باعث محرومی ہے **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

یا ھذا قرآن عظیم صاف صاف فرمارہا ہے کہ "رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ"[1] (ایک غلام صرف ایک مولا کا۔ت) ہی ہونا بھلا ہے۔

"هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۲۹"[2]	کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں، بلکہ اکثر ان کے نہیں جانتے۔(ت)

یا ھذا پیر صادق قبلہ توجہ ہے اور قبلہ سے انحراف نماز کو جواب صاف باآنکہ "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ"[3] (توتم جدھر منہ کروادھر وجہ اللہ یعنی خدا کی رحمت تمھاری طرف متوجہ ہے۔ت) فرماتے ہیں پھر طالبان وجہ اللہ کو حکم یہی سناتے ہیں کہ:

"حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ"[4]	تم جہاں کہیں ہو پس اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔(ت)

یہ محل تحری ہے اور صاحب تحری کا قبلہ قبلہ تحری۔

یا ھذا ارباب وفا آقایان دنیا کا دروازہ چھوڑ کر دوسرے در پر جانا کور نمکی جانتے ہیں ع

سر اینجا سجدہ اینجا بندگی اینجا قرار اینجا

(سر اس جگہ ہے سجدہ اس جگہ بندگی اس جگہ قرار واطمینان اس جگہ ہے۔ت)

پھر احسانات دنیا کو احسانات حضرت شیخ سے کیا نسبت عجب اس سے کہ محبت واخلاص پیر کا دعوی کرے اور اس کے ہوتے این وآن کا دم بھرے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴و۱۵۰

چو دل با دلبری آرام گیرد   زوصل دیگرے کے کام گیرد
نہی صد دستہ ریحاں پیش بلبل   نخواہد خاطرش جزء نکہت گل

(جب دل ساتھ ایک محبوب کے آرام پکڑے دوسرے کے ملنے سے کب مقصود پکڑے گا، بلبل کے سامنے نیاز بو کے سو دستے رکھے تو لیکن پھول کی نکہت یعنی خوشبو کے سوا اس کا دل نہیں چاہے گا۔ت)

یاھذا فیض پیر من وسلوی ہے اور "لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ"[1] (ہم ہر گز ایک طعام پر صبر نہیں کرسکتے۔ت) کہنے کا نتیجہ برا۔

فلا تکن اسرائیلیا وکن محمد یا یاتك رزقك بکرۃ وعشیا۔	پس تو اسرائیل نہ ہو تو محمدی بن، تیرے پاس رزق صبح وشام آئے گا۔ت (ت)

یاھذا باپ پدر گل ہے اور پیر پدر دل، مولیٰ معتق مشت خاک ہے اور پیر معتق جان پاک، اہل ہوس کے زجر کو یہی حدیث بس ہے کہ "جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کو باپ بتائے یا اپنے مولیٰ کے ہوتے غیر کو مولیٰ بنائے اس پر خدا وملائکہ وناس سب کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل"

الائمۃ الخمسۃ عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجهه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من ادعی الی غیر ابیه اوانتمی الی غیر موالیه فعلیه لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللہ منه صرفا ولا عدلا[2]۔	پانچوں اماموں نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے انھوں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرمایا: جو شخص اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف ادعا کرے یعنی کسی دوسرے کو باپ بنائے یا اپنے مولیٰ کے سوا دوسرے کو اپنا مولی بنائے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے نہ انکا فرض قبول اور نہ نفل (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۱

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۲، جامع الترمذی ابواب الوصایا باب ماجاء فی من تولی غیر موالیه الخ امین کمپنی کراچی ۲/ ۳۴، مسند احمد بن حنبل عن علی المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۱

جو لوگ مبتلا عبانہ ان حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں کیا خوف نہیں کرتے کہ مبادا بحکم قیاس جلی اس حدیث صحیح کی وعید شدید سے حصہ پائیں۔

یاھذا سعادت منداں ازلی نے خود باوصف حکم پیر ترک پیر روانہ رکھا، اور پھر ترک بھی کیسا کہ چشمہ کے پاس سے بحر زخار کی بندگی میں آنا بااین ہمہ آستان پیر چھوڑنا گوارانہ کیا، اور ان کا یہ ادب محبوبان خدا نے پسند فرمایا حضور پر نور سید الاولیاء الکرام امام العرفاء العظام حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت سیدی علی بن ہیتی قدس سرہ الملکوتی کے یہاں رونق افروز ہوئے حضرت علی بن ہیتی نے اپنے مرید خاص ولی بااختصاص سیدی ابوالحسن علی جوسقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو حکم دیا کہ خدمت حضرت غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ملازمت اختیار کریں، اور یہ پہلے فرما چکے تھے کہ میں حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلاموں سے ہوں، سیدی ابوالحسن قدس سرہ پیر سے یہ کچھ سن کر اس پر رونے لگے اور آستانہ پیر چھوڑنا کسی طرح نہ چاہا، حضرت غوث الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں روتا دیکھ کر فرمایا:

مایحب الا الثدی الذی رضع منہ۔	جس پستان سے دودھ پیا ہے اس کے غیر کو نہیں چاہتا۔

اور انھیں حکم فرمایا کہ اپنے پیر کی ملازمت میں رہیں۔

اخرج سیدی الامام نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف اللخمی قدس سرہ فی کتابہ بھجۃ[1] الاسرار ومعدن الانوار بسند صحیح عن سیدی ابی حفص عمر البزار قدس اللہ تعالٰی سرہ۔	سیدی امام نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف اللخمی قدس سرہ نے اپنی کتاب بہجۃ الاسرار و معدن الانوار میں اس کو سند صحیح کے ساتھ سیدی ابوحفص عمر البزار (پاکیزہ کرے اللہ تعالٰی ان کے بھید چنے ہوئے کو) سے اخراج کیا ہے یعنی بیان فرمایا اور روایت کیا ہے۔(ت)

سیدی عارف باللہ امام اجل عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

سمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ یقول انما امر علماء الشریعۃ الطالب	یعنی میں نے اپنے سردار علی خواص رحمہ تعالٰی کو فرماتے سنا کہ علمائے شریعت نے طالب کو

[1] بھجۃ الاسرار ذکر ابوالحسن علی الجوسقی مصطفی البابی مصر ص ۲۰۵

بالتزام مذھب معین وعلماء الحقیقة المرید بالتزام شیخ واحد[1]۔	حکم دیا ہے کہ مذہب ائمہ میں خاص ایک مذہب معین کی تقلید اپنے اوپر لازم کرے اور علمائے باطن نے مرید کو فرمایا کہ ایک ہی پیر کا التزام رکھے (ت)

اس کے بعد ولی موصوف قدس سرہ المعروف نے ایک روشن مثال سے اس امر کو واضح فرمایا ہے امام علامہ محمد عبدری مکی شہیر بابن الحاج رحمۃاللہ تعالٰی علیہ مدخل شریف میں فرماتے ہیں:

المرید یعظم شیخه ویؤثرہ علی غیرہ ممن ھو فی وقته لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول من رزق فی شیئ فلیلزمه[2] (الٰی اٰخر ما افاد واجاد ہذا مختصرًا)	یعنی مرید اپنے پیر کی تعظیم کرے اور اسے تمام اولیائے زمانہ پر مرجح رکھے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی شیئ میں رزق دیا جائے چاہئے کہ اسے لازم پکڑے۔

اسی میں ہے:

ان المرید له اتساع فی حسن الظن بھم وفی ارتباطه علی شخص واحد یعول علیه فی امورہ ویحذر من تقضی اوقاته لغیرہ فائدۃ[3]۔	مرید کے لئے وسعت اس میں ہے کہ اپنے زمانہ کے تمام مشائخ کے ساتھ گمان نیک رکھے اور ایک شیخ کے دامن سے وابستہ ہو رہے اور اپنے تمام کاموں میں اس پر اعتماد کرے اور بے فائدہ تضیع اوقات سے بچے۔ (ت)

فائدہ: یہ حدیث کہ امام ممدوح نے معضلاً ذکر کی حدیث حسن ہے۔

اخرجه البیھقی فی شعب الایمان[4] بسند حسن عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه وھو عند ابن ماجة من حدیثه	اخراج کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور یہی روایت ابن ماجہ کے نزدیک

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فان قلت فاذا انفك قلب الولی عن التقلید الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۳

[2] المدخل لابن الحاج حقیقة اخذ العھد دار الکتب العربی بیروت ۳/ ۲۲۳و ۲۲۴

[3] المدخل لابن الحاج فصل فی دخول المرید الخلوۃ دار الکتب العربی بیروت ۳/ ۱۶۰

[4] شعب الایمان حدیث ۱۲۴۱ دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۸۹

ومن حدیث ام المومنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بلفظ من بورك له فی شیئ فلیلزمه [1]۔	آپ کی حدیث اور حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ جس کو کسی شے میں برکت دی گئی ہو تو چاہے اسے لازم پکڑے۔(ت)

اور اس سے یہ استنباط عجب نفیس واحسن۔

والحمدلله علی مارزق ومن والصلٰوة والسلام علی رسوله الامن واله وصحبه وکل من اٰمن والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم وحکمه عزشانه احکم۔	اور سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں اس کے عطا فرمانے اور احسان کرنے پر اور صلٰوۃ وسلام ہو اس کے ایسے رسول پر جو سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں اور ان کی آل واصحاب پر جو ایمان لائیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم پورا ہے اور اس کا حکم مضبوط ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۸۰: ۱۵/ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مین کہ زید کہتا ہے اور اپنی کتاب میں لکھتا ہے **من لا شیخ له فی الدنیا فشیخ له شیطان فی الاخرة** یعنی جس کا شیخ نہیں ہے بیچ دنیا کے پس شیخ ہے واسطے اس کے شیطان بیچ اخرت کے یعنی قیامت کے روز گروہ شیطان میں شیطان کے ساتھ اٹھایا جائے گا، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **الشیخ فی قومه کالنبی فی الامه** [2] یعنی شیخ بیچ قوم اپنی کے مثل نبی کے ہے بیچ امت اپنی کے یعنی جس طرح نبی سے ہدایت امت کی ہوتی ہے اس طرح شیخ یعنی مرشد سے مرید کو ہدایت ہوتی ہے جس قوم پر نبی نہیں آیا ہے وہ قوم گمراہ ہے ایسا ہی جو شخص بے پیر ہے وہ گمراہ ہے۔
حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے راحت القلوب میں ارقام فرمایا ہے، جو شخص پلہ دامن اولیاء اللہ میں نہیں ہے یعنی بے پیر ہے وہ شخص دائرہ اسلام سے باہر ہے یہاں تک کہ

[1] الاسرار المرفوعة بحواله سنن ابن ماجة حدیث ۸۸۷ دار الکتب العلمیه بیروت ص ۲۲۵
[2] المقاصد الحسنة حدیث ۶۰۹ دار الکتب العلمیه بیروت ص ۲۵۷

بندگی اس کی قبول نہیں ہوتی، نماز وروزہ اس کا ایسا ہے جیسا چراغ بے روغن، اور بعض حضرات صوفیہ کرام نے فرمایا: بے پیر کے سلام کا جواب ہداک اللہ دینا چاہئے جس کس نے علیک جواب بے پیر کو جان کر دیا اس نے ساتھ شیطان کے آشنائی کی، بیت:

اگر بے پیر کارے پیش گیرد ہلاکی راز بہر خویش گیرد

(اگر بغیر پیر کے کوئی کام پکڑے تو وہ ہلاکت کو اپنے لئے پکڑے گا۔ت)

ع بنا گرو کی مالا جپنا جنم اکارت جائے۔

(پیشوا اور شیخ کے سوا تسبیح پھیرنا اور درود ووظیفہ کرنا زندگی برباد کرنے کے برابر ہے۔ت)

اور بکر کہتا ہے کہ میں کسی شخص بیعت نہیں ہوں اور نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں اور احکامات شرع شریف اور کلام مجید کو اور جو علمائے دین فرماتے ہیں برحق جانتا ہوں لیکن کسی پیر فقیر کا مرید نہیں ہوں اور نہ مرید ہونے کو برا کہتا ہوں، تو اس صورت میں بموجب کہنے زید کے بکر کی کوئی عبادت کسی قسم کی درگاہ باری تعالٰی میں قبول نہیں سب عبادت بکر کی بلا مرید ہوئے برباد گئی اور سلام علیک بکر سے ناجائز ٹھہری اور بکر دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا اور گروہ شیاطین کے ساتھ بکر کا حشر ہوگا تو اس صورت میں بکر کیا کرے؟

الجواب:

شیخ یعنی مرشد وراہنما وہادی راہ خدا دو طور پر ہے: عام ہادی کلام اللہ وکلام ائمہ شریعت وطریقت کلام علمائے اہل ظاہر وباطن ہے اسی سلسلہ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام علماء علماء کا رہنما کلام ائمہ، ائمہ کا مرشد کلام رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ، اور خاص یہ کہ زید کسی خاص بندہ خدا ہادی مہتدی قابل پیشوائی وہدایت جامع شرائط بیعت کے ہاتھ پر بیعت کرے اور اپنے اقوال وافعال وحرکات وسکنات میں اس کی ہدایت مطابقہ شریعت وطریقت کا پابند رہے۔ شیخ مرشد بمعنی اول ہر شخص کو ضرور اور ایسا بے پیر قطعاً دائرہ اسلام سے دور، اس کی عبادت تباہ ومہجور، اور اس سے ابتداء بسلام ممنوع، ومحظور، اور روز قیامت گروہ شیطان میں محشور، قال اللہ تعالٰی:

"یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ"[1]	جس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ لائیں گے۔

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۱

جب اس شخص نے ائمہ ہدی کو اپنا مرشد وامام نہ مانا تو امام ضلالت یعنی شیطان لعین کا مرید ہوا، لاجرم روز قیامت اسی کے گروہ میں اٹھے گا، **والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی**۔ مگر کلمہ گویوں میں اس طرح کے بے پیرے چار گروہ ہو سکتے ہیں۔

اول: وہ کافر جو سرے سے قرآن وحدیث ہی کو نہ مانے جیسے نیچری کو حدیثوں کو صراحۃً مردود وبے سود بتاتے ہیں اور قرآن کے یقینی قطعی معانی حق کو رد کرکے اپنے دل سے گھڑ کر کہانی پہیلی بناتے ہیں **لعنھم اللہ لعنا کبیرا**۔

دوم: غیر مقلد کہ بظاہر قرآن وحدیث کو مانتے اور ارشادات ائمہ دین وحاملان شرع متین کو باطل و نامعتبر جانتے ہیں یہ سلسلہ بیعت توڑ کر براہ راست خدا اور رسول سے ہاتھ ملایا چاہتے ہیں، "**وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴿۲۲۷﴾**"[1] (اور عنقریب جان لیں گے کیسا پلٹا کھائیں گے۔ت)

سوم: وہابیہ مقدلین کہ اگرچہ بظاہر فروع فقہیہ میں تقلید ائمہ کا نام لیتے ہیں مگر اصول وعقائد میں صراحۃً سواد اعظم کے خلاف چلتے ہیں اور مقامات ومناسب وتصرفات ومراتب اولیائے کرام کے نام سے جلتے ہیں۔

چہارم: اسی طرح تمام طوائف ضالہ بدمذہب گمراہ رافضی خارجی معتزلہ قدری جبری وغیرہم **خذلھم اللہ** کہ ان سب نے راہ ہدی چھوڑ کر اپنی ہوا کو امام بنایا اور اپنا سلسلہ بیعت شیطان لعین سے جا کر ملایا، **قال اللہ تعالٰی:**

"**اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ**"[2]	کیا تو نے دیکھا وہ شخص جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود ٹھہرایا۔(ت)

بالجملہ کلمہ جامعہ یہی ہے کہ جو اہل ہوا ہیں یعنی مخالفان اہلسنت وجماعت وہی اس معنی پر بے پیر صادق اور ان تمام احکام کے ٹھیک مستحق ہیں "**قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ﴿۳۰﴾**"[3] (اللہ تعالٰی ان کو ہلاک کرے کہاں اوندھے پھرتے ہیں۔ت) سنی صحیح العقیدہ کہ ائمہ ہدی کو مانتا تقلید ائمہ ضروری جانتا اولیائے کرام کا سچا معتقد تمام عقائد میں راہ حق پر مستقیم وہ ہرگز بے پیر نہیں دو چاروں مرشداں پاک یعنی کلام خداو

---

[1] القرآن الکریم ۲۶ /۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۴۵ /۲۳

[3] القرآن الکریم ۹ /۳۰

رسول وائمہ علمائے ظاہر وباطن اس کے پیر ہیں بلکہ اگر اسی حالت پر ہے تو مثل اور لاکھوں مسلمانان اہلسنت کے اس کا ہاتھ شریعت مطہرہ کے ہاتھ میں ہے اگرچہ بظاہر کسی خاص بندہ خدا کے دست مبارک پر شرف بیعت سے مشرف نہ ہوا ہو۔

عہد ما بالب شیریں دہنا بست خدائے ماہمہ بندہ وایں قوم خداوندانند

(ہمارے عہد کو میٹھے منہ والے لوگوں سے خدا نے باندھ دیا ہے ہم سب بندے ہیں اور یہ لوگ آقا و مولٰی ہیں۔ت)

شیخ ومرشد بمعنی دوم سے بھی اس شخص کو چارہ نہیں جو سلوک راہ طریقت چاہے یہ راہ ایسی نہیں کہ آدمی اپنی رائے سے یا کتابیں دیکھ بھال کر چل سکے اس میں ہر شخص کو نئے مشکلات اپنی اپنی قابلیت وحالات کے لائق پیش آتے ہیں جس کی عقد وکشائی بے توجہ خاص رہبر کامل نہیں ہوسکتی مگر اس کے ترک پر وہ جبروتی احکام لگادینا محض باطل وکذب عاطل وظلم صریح اور دین الٰہی پر افترائے صحیح ہے اول تو اس راہ کے قاصد اقل قلیل، اور جو طلب بھی کرے اسے اس زمانہ تاریکی وظلمت وغیبت اکثر اصحاب ولایت وہجوم دنیا طلبان ریاخصلت میں شیخ کامل ہر وقت میسر آنا مشکل ہے۔

اے بسا ابلیس آدم ہوئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

(یعنی بہت سے ابلیس صفت شکل وصورت میں آدمی ہیں پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ت)

ہزاروں علماء وصلحاء گزرے کہ بظاہر اس خاص طریقت بیعت میں ان کا انسلاک ثابت نہیں، کیا معاذاللہ انھیں ان سخت احکام کا مصداق کہا جاسکتا ہے۔ اور جو منسلک بھی ہوئے کیا سب ہوش سنبھالتے ہی منسلک ہوگئے تھے حاشا بلکہ بہت اس وقت جبکہ علم ظاہر میں پایہ عالیہ امامت تک پہنچ چکے تھے اس وقت تک عیاذ باللہ ان احکام کے مستحق تھے یہ سخت جہالت فاضحہ واضحہ ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

پہلی حدیث جو زید نے بیان کی کلام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کا نشان نہیں ہاں قول اولیاء ہے اور دوسری حدیث: **الشیخ فی قومہ کالنبی فی امہ**[1] (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں)۔ جسے ابن حبان نے کتب الضعفاء اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابورافع

---

[1] المقاصد الحسنۃ حدیث ۶۰۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۵۷

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا اگرچہ امام ابن حجر عسقلانی اور ان سے پہلے ابن تیمیہ نے موضوع اور امام سخاوی نے باطل کہا مگر صنیع امام جلیل جلال سیوطی سے ظاہر کہ وہ صرف ضعیف ہے باطل وموضوع نہیں انھوں نے یہ حدیث دووجہ سے جامع صغیر میں ایراد فرمائی۔

حیث قال الشیخ فی اھلہ کالنبی فی امتہ والخلیل فی مشیختہ وابن النجار من ابی رافع [1] الشیخ فی بیتہ کالنبی فی قومہ حب (ابن حبان) فی الضعفاء والشیرازی فی الالقاب عن ابن عمر [2]۔	جیسے فرمایا کہ شیخ اپنے اہل یعنی اپنی قوم میں ایسے ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں، اسے ذکر کیا خلیل نے اپنی کتاب مشیخت میں اور ابن نجار نے ابورافع سے روایت کی، شیخ اپنے بیت میں جیسے نبی اپنی قوم میں، ابن حبان نے ضعفاء میں اور شیرازی نے القاب میں حضرت ابن عمر سے روایت کی۔(ت)

اور خطبہ کتاب میں وعدہ فرمایا کہ اس میں کوئی حدیث موضوع نہ لاؤں گا۔

حیث قال ترکت القشر واخذات اللباب وصنتہ عما تفرد بہ وضاع اوکذاب [3]۔	چھلکے کو چھوڑا میں نے اور مغز کو لیا میں نے، اور جس چیز کے ساتھ گھڑنے والا یا جھوٹ بولنے والا اکیلا ہوا اس سے بچایا میں نے۔(ت)

مگر اس سے اس قدر ثابت کہ ہادیان اخدا کی اطاعت لازم ہے۔ اس میں کیا کلام ہے اس کے لئے خود آیہ کریمہ:

"اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج" [4]	اطاعت کرو تم اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنے صاحب امر کی۔(ت)

کافی ہے قول اصح وارجح پر اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں کہ علمائے شریعت وطریقت دونوں کو شامل، اس سے زیادہ یہ معنی اس کے لینا کہ جس نے بیعت ظاہری کسی کے ہاتھ پر نہ کی وہ گمراہ

---

[1] الجامع الصغیر حدیث ۴۹۶۹ و ۴۹۷۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۰۶

[2] الجامع الصغیر حدیث ۴۹۶۹ و ۴۹۷۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۰۶

[3] الجامع الصغیر خطبۃ المؤلف دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۵

[4] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

ہے ہر گز مفاد حدیث نہیں یہ افتراء و تہمت یا جہل وسفاہت ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، ہاں بیعت و امامت کبرٰی کے لئے صحیح حدیث میں ارشاد ہوا:

من خلع یدا من طاعة لقی اللہ یوم القیمة لاحجة له و من مات و لیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة رواہ مسلم [1] عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	جس نے کھینچا ہاتھ کو اطاعت سے ملے گا اللہ تعالٰی کو اس حال میں کہ اس کے پاس قیامت کے دن کوئی دلیل نہ ہوگی، اور جو مرجائے اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا پٹکا نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ (ت)

یہ بھی اس صورت میں ہے کہ امام موجود و متیسر ہو۔

کما لایخفی والا فلایکلف اللہ نفسا الاوسعها واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے ورنہ اللہ تعالٰی کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کے وسعت کے مطابق۔ **واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۱: از کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد مرسلہ حضرت سید چاہ ابوالمحمود مولٰنا مولوی احمد اشرف میاں صاحب اشرفی دام مجدھم ۱۷/ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام و حضرات مشائخ کرام اس مسئلہ میں کہ پانسو برس کا زمانہ ہوا زید و عمرو دونوں برادر حقیقی کو ایک ہی مرشد یعنی اپنے والد ماجد سے علیحدہ علیحدہ دو خرقے عطا ہو کر خلافت و سجادہ نشینی حاصل ہوئی، زید خلف اکبر برابر اپنے مرشد کے یوم العرس خرقہ عطیہ مرشد کو خاص خانقاہ و مرشد میں پہن کر فاتحہ عرس حسب دستور مشائخ کرتا رہا یونہی آٹھ پشت تک زید کے خاندان میں خلافت خاندانی وخرقہ پوشی بحیثیت سجادہ نشینی قائم رہی اٹھویں پشت کا اخیر سجادہ نشینی بکر پانی زوجہ ہندہ اور برادر و خلیفہ خاص خالد کو چھوڑ کر انتقال کرگیا ہندہ بعد وفات شوہر خرقہ مذکورہ لے کر اپنے میکے چلی گئی خالد سے سلسلہ بیعت وخلافت خاندانی قریب سو برس سے جارہ ہے مگر بوجہ مذکور خرقہ پوشی اس مدت میں نہ ہوسکی، عمرو خلف اصغر کی نسل میں نو پشت تک خرقہ پوشی ایک روز قبل عرس ہوا کہ خاص روز عرس کی خرقہ پوشی نسل خلف اکبر میں

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۸

ہوئی جب زمانہ خالد میں خرقہ نہ رہنے کے سبب وہ رسم ادانہ ہوسکی رشید نے کہ نسل عمرو کا نواں[9] سجادہ نشین اور معاصر خالد تھا دونوں روز خرقہ پوشی کی اب عمرو کے سلسہ میں حامداور زید کے خاندان میں محمود ہے جس نے علاوہ بیعت وخلافت خاندانی بزرگ ہوا خرقہ بھی واپس لیااور رسم رفتہ پھراز سرنو تازہ کی،اب حامداس کے استحاق خرقہ پوشی میں منازع ہے مرشد مرشد محمود تک خلافت خاندانی بہت معززین اہل خاندان وغیرہم کو مسلم اور ان میں مشہور ہے بعض اکابر اہل خاندان نے اپنے رسائل شائع شدہ میں بھی اسے درج کیاہے، مرشد محمود کو کہ ثقاب عدول سے تھے ان کے مرشد نے خلافت نامہ تحریری دستخطی اپنے قلم مبارک سے دیا جسے خود ان کے صاحبزادے وغیرہ بہت جانتے ہیں انھوں نے مدت سے اس سلسلہ کو اجرا فرمایا،لوگ ان کے پھر محمود پھر خلیفائے محمود کے مرید ہوتے رہے اور ہوتے ہیں کبرائے علماء ومشائخ عصر نے محمود کو خلیفہ وسجادہ نشین خاندان مانا اور اس پر مہریں کی ہیں بلکہ خود مرشد مرشد محمود نے ایک خط دستخطی کے القاب میں نام محمود کے ساتھ لفظ سجادہ نشین تحریر فرمایا،کیااس صورت میں یہ سلسلہ خلافت وسجادہ نشینی ثابت ومسلم مانا جائے گا یا انکار بعض منازعین کے باعث تسلیم نہ ہوگا،اور چار سو برس تک رسم خرقہ پوشی خاندان محمود میں جاری رہ کر تقریبا سو برس تک بوجہ مذکور منقطع اور حامد کے یہاں دونوں روز خرقہ پوشی ہونے سے اب حق محمود زائل ہوگیا، یا وہ اس رسم کو تازہ کرسکتا ہے حامد کو بوجوہ مذکورہ یوم العرس خصوصا حدود خانقاہ میں خرقہ پوشی محمود سے تعرض ومزاحمت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ **بینو توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ (دریافت کردہ صورت) میں محمود کی خلافت خاندانی وسجادہ نشینی ضرور ثابت ومسلم ہے اور انکار منازعین اصلا مسموع نہیں شرعًا وعقلاً ایسے امور کے ثبوت کے دو طریقے ہیں ایک اتصال سند،دوسرے شہرت ____ تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ محمود کو دونوں وجہ شہرت۔بروجہ احسن حاصل،تو نفی نافی قطعاً نا مسموع وباطل (نفی کرنے والے کی نفی نہ سنی ہوئی) فتح القدیر وبحر الرائق ونہر الفائق ومنح الغفار ورد المحتار میں ہے:

طریق نقله لذٰلك عن المجتهد احد امرین اما ان یکون له سند فیه اویاخذه من کتاب معروف تد اولته الایدی نحو کتب محمد بن الحسن ونحوها	اس قول کو مجتہد سے نقل کرنے کا طریقہ دو میں سے ایک ہے یا تو یہ کہ اس کی سند اس میں موجود ہو یا اس کو کسی مشہور کتاب سے پکڑے جو ہاتھوں میں متداول ہو جیساکہ محمد بن حسن کی کتابیں اور

من التصانیف المشھورۃ للمجتھدین لانہ بمنزلۃ الخبر المتواتر المشھور ھکذا ذکر الرازی[1]۔	ان کی مثل مجتہدین کی مشہور تصانیف اس لئے کہ وہ بمنزلہ خبر متواتر مشہور کے ہے، رازی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔(ت)

جب بتصریح ائمہ کرام دین خدا واحکام شرع ومسائل حلال وحرام وفتوٰی وقضا متعلق بدماء ومحارم میں انھیں دو طریقہ سند و شہرت سے صرف ایک کاوجود کافی جس کی بناء پر اجرائے حدود وقصاص تک کیاجائے گاامر سجادہ نشینی میں دونوں کااجتماع بھی کافی نہ جاننا سراسر بعید از انصاف ہے سند کی تو یہ حالت ہے کہ زید مسموع القول جب کوئی حدیث یامسئلہ فقہیہ اپنے شیخ سے روایت کرے اور اس میں تصریح سماع بھی نہ ہو، تاہم امام بخاری وغیرہ بعض ائمہ کے نزدیک شیخ و تلمیذ کی صرف کبھی ملاقات ہونا تسلیم کے لئے بس ہے اور امام مسلم وغیرہ جمہور اکابر کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں محض معاصرت یعنی دونوں کاایک زمانہ میں ہونا اور امکان لقاہی کافی ہے۔ ہمارے علماء کے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے نہ کہ جب وہ کہے کہ میں نے سنا یا مجھے خبر دی یا مجھ سے حدیث بیان کی کہ اب تو بالاجماع بے شرط مذکور قبول اور صاحب سند سے دعوی سماع پر گواہ مانگنا ضروری جاننا باجماع ائمہ باطل ومخذول امام مسلم اپنے مقدمہ صحیح میں فرماتے ہیں:

زعم القائل الذی افتتحنا الکلام علی الحکایۃ عن قولہ ان کل اسناد فیہ فلان عن فلانہ وقد احاط العلم بانھما کانا فی عصر واحد وجائز ان یکون سمعہ منہ غیر انہ لم تجد فی الروایات انھما التقیا لم یکن حجۃ وھذا القول مخترع مستحدث والمتفق علیہ بین اھل العلم قدیما وحدیثا ان الروایۃ ثابتۃ و الحجۃ بھا لازمۃ	گمان کیا ہے اس قائل نے کہ شروکیا ہم نے کلام کو اس کے قول کی حکایت پر تحقیق ہر استاد کہ اس میں فلان عن فلاں ہو، اور حال یہ کہ علم نے اس کا احاطہ کیا ہو کہ وہ دونوں ایک ہی زمانہ میں ہوں اور جائز ہے کہ اس نے اس سے سنا ہو سوا اس کے کہ ہم روایات میں نہ پائیں ان کی باہم ملاقات کو کہ وہ حجت نہ ہو اور یہ قول نیا گھڑا ہوا ہے اور پرانے اور نئے اہل علم میں یہ اتفاقی بات ہے کہ روایت ثابت ہے اور حجت اس کے ساتھ لازم ہے مگر یہ کہ اس

[1] ردالمحتار بحوالہ الفتح والبحر والمنح کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۶

الاان تکون ہناك دلالة بينة ان الراوی لم یلق من روی عنه اھ[1] ملخصا۔	جگہ دلالت ظاہر کہ روای نے جس سے روایت کی ہے اس سے ملاقات نہیں کی اھ ملخصا۔(ت)

شرح امام نووی میں ہے:

ھذا الذی صار الیه مسلم قد انکرہ المحققون وقالو اھذا ضعیف والذی ردہ ھوالمختار الصحیح الذی علیه ائمة الفن علی بن المدینی والبخاری وغیرھما[2]۔	یہ وہ ہے جس کی طرف مائل ہوئے ہیں امام مسلم، حال یہ ہے کہ محققوں نے اس کا انکار کیا ہے اور انھوں نے کہا ہے یہ ضعیف ہے اور جس کو اس نے رد کیا ہے وہی مختار صحیح ہے جس پر ائمہ فن علی بن المدینی اور امام بخاری وغیرہما جمع ہوئے ہیں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

مانقل عن البخاری من انه اعلم بقوله لایعرف سماع بعض ھؤلاء من بعض فبناء علی اشتراطه العلم باللقی والصحیح الاکتفاء بامکان اللقی[3]۔	جو نقل کیا گیا ہے امام بخاری سے کہ انھوں نے ضعیف قرار دیا ہے ساتھ اپنے قول کہ نہیں پہچانا جاتا سننا بعض ان حضرات کا بعض سے، تو یہ اس پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک ملاقت کا علم ہونا شرط ہے اور صحیح یہ ہے کہ ملاقات کا امکان ہی کافی ہے۔(ت)

نیز کتاب الزکوٰۃ فصل فی البقر میں فرمایا:

قول الجمھور الاکتفاء بالمعاصرۃ مالم یعلم عدم اللقاء و شرط البخاری ابن المدینی العلم باجتما عھماولو مرۃ	جمہور کا قول کفایت کرتاہے ہم عصر ہونے کے ساتھ جبکہ ملاقات کے نہ ہونے کا علم نہ ہو اور شرط قرار دیا ہے امام بخاری اور ابن المدینی نے ان کے اجتماع کو اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہوا ہو۔

[1] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱و۲۲

[2] شرح صحیح مسلم للنووی مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱

[3] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۰

والحق خلافه [1] اھ ملتقطا۔	حال یہ ہے کہ حق اس کے خلاف ہے ھ ملتقطا (ت)

زید وعمرو کی خلافت وسجادہ نشینی در کنار خود حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صحابیت (جس کا اثر اعمال سے گزر کر عقائد تک پہنچتا ہے کہ صحابہ کی تعظیم ومحبت ضروری، مذہب اہلسنت اور معاذاللہ ان کی توہین وتنقیص گمراہی وضلالت) اس کے بارے میں محققین علماء فرماتے ہیں، ثقہ عادل کا خود اپنی خبر دینا کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرف صحبت حاصل ہوا کافی ہے اگرچہ کسی دوسرے طریقے سے اس کی صحابیت کا اصلاً ثابت نہ ہو جبکہ وہ ایسے وقت میں تھا کہ فضل اسے ملنا متصور ہو، امام ابن حجر عسقلانی فی تمیز الصحابہ میں فرماتے ہیں:

الفصل الثانی فی الطریق الی معرفة کون الشخص صحابیا وذٰلك باشیاء اولها ان یثبت بطریق التواتر انه صحابی ثم بالاستفاضة والشهرة ثم بان یروی عن احد من الصحابة ان فلانا له صحبة مثلا وکذا عن احاد التابعین بناء علی قبول التزکیة من واحد وهو الراجح ثم بان یقول هو اذاکان ثابت العدالة والمعاصرة انا صحابی [2]۔	دوسری فصل کسی شخص کے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی پہچان کے طریق میں اور چند چیزوں سے ہے، اول یہ کہ تواتر کے طریق سے ثابت ہو کہ وہ صحابی ہے پھر ساتھ طریق استفاضہ اور شہرت کے، پھر بایں طور کہ کسی صحابی سے روایت کیا جائے کہ فلاں کو صحبت نصیب ہے مثلاً اور ایسے ہی کسی ایک تابعی سے بنا پر قبول کرنے تزکیہ کے کسی ایک سے اور یہی راجح ہے پھر بایں طور کہ کہے وہ جب کہ اس کی عدالت اور ہم عصر ہونا ثابت ہو کہ میں صحابی ہوں۔ (ت)

مسلم الثبوت میں ہے:

اخبار العدل عن نفسه بانه صحابی اذا کان معاصرا لاکالرتن لیس کتعدیله نفسه [3]۔	کہ عادل کا خبر دینا اپنی ذات کے بارے میں کہ وہ صحابہ ہے جبکہ وہ ہمعصر ہو، خواجہ رتن کی طرح نہ ہو اپنی تعدیل کے حکم میں نہیں ہے۔ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ فصل فی البقر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۳۳

[2] الاصابة فی تمییز الصحابة خطبة الکتاب الفصل الثانی دار صادر بیروت ۱/ ۸

[3] مسلم الثبوت الاصل الثانی السنة مسئلہ اخبار عن نفسه الخ مطبع انصاری دہلی ص ۱۹۸

کتنے صحابہ ہیں جن کی احادیث ائمہ حدیث قدیم وحدیث نے اپنے صحاح ومسانید وسنن معاجیم میں تخریج فرمائیں نہ ان کے پاس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی فرمان تھا کہ فلاں ہمارے حضور بارگاہ علام پناہ سے شرف یاب ہوا نہ ان سے اس پر کوئی شہادت لی گئی نہ اور صحابہ کا محضر طلب ہوا ان ثقات کا خود ہی کہا کہ:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شھدت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔(ت)

مسموع ومقبول ہوا۔

کما افادہ الامام ابو عمر بن عبدالبر فی الاستیعاب و اقرہ علیہ حافظ الشان۔	جیسا کہ افادہ فرمایا ہے امام ابو عمر بن عبدالبر نے استیعاب میں اور ثابت رکھا ہے اس پر حافظ الشان ابن حجر نے (ت)

شہرت وہ چیز ہے جس سے رشتہ خلافت درکنار رشتہ نسب کہ صدہا احکام حلال وحرام وحقوق وذمام کا مدار ہے شرعاً وعقلاً اجماعاً عرفاً ہر طرح ثابت ہوجاتا ہے ہم شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پسر اطہر اور امام زین العابدین حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے خلف مطہر میں سوا شہرت کے ہمارے پاس اس پر اور کیا دلیل ہے۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

اما النسب فصورتہ اذا سمع من انسان ان فلانا ابن فلان الفلانی، ومعہ ان یشھد بذٰلك وان لم یعاین الولادۃ علی فراشہ الا یری انا نشھد ان ابابکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن ابی قحافۃ وما رأینا اباقحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ [1]۔	لیکن نسب تو صورت اس کی یہ ہے کہ سنا کسی انسان سے تحقیق فلاں بیٹا فلاں کا فلان ہے تو اس کو گنجائش ہے اس بات کی شہادت دے اس کی اگرچہ اس کے فرش پر اس کی ولادت کا اس نے معائنہ نہ کیا ہو، کیا نہیں دیکھتا کہ ہم گواہی دیتے ہیں اس بات کی کہ تحقیق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ابوقحافہ کے بیٹے ہیں حالانکہ ہم نے ابوقحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا نہیں۔(ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشھادۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵۲/۴

اور دونوں طریق ثبوت کر ناکافی سمجھا جائے تو تمام سلاسل اولیاء اللہ سے **معاذاللہ** ہاتھ دھونا ہو گیا کوئی قادر ہے کہ شروع سلسلہ سے منتہی تک ہر بندہ خدا کا اپنے شیخ سے خلافت واجازت پانا ان کے سوا اور کسی طریقہ انیقہ سے ثابت کر سکے، حاشا وکلا تو اس کے انکار میں عیاذا باللہ تمام سلاسل کا انکار لازم آتا ہے۔**وھو کما تری** (یہ وہ معاملہ جسے آپ سمجھتے ہیں) اور جب دلیل شرعی سے محمود کا سلسلہ سجادہ نشینی وخلافت ثابت تو خانقاہ مبارک میں رسم خرقہ پوشی سے اسے مانع ہونے کا کوئی حق حامد کو نہیں، نہ حامد خوہ کسی کا انکار قابل قبول ہو سکتا ہے۔ عقل ونقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے کہ نفی پر مثبت مقدم ہوتا ہے دو ثقہ گواہی دیں کہ زید وہندہ کا نکاح ہوا اور ہزار گواہ ہوں کہ نہ ہوا ان نافیوں کی بات ہرگز نہ سنی جائے گی کہ اس کا حاصل صرف اپنے علم کی نفی ہے یعنی ہمارے سامنے نہ ہوا اور اس سے نفی وقوع لازم نہیں آتی، اصول مسلمہ میں سے ہے:

المثبت مقدم علی النافی لان من یعلم حجۃ من لا یعلم۔	مثبت نافی پر مقدم ہے اس لئے کہ ہو جاتا ہے وہ حجت ہے اس پر جو نہیں جانتا۔ (ت)

الاشباہ میں ہے:

بینۃ النفی غیر مقبولۃ الا فی عشر (الی قولہ) وفی ایمان الھدایۃ لافرق بین ان یحیط علم الشاھد اولا[1]۔	نفی کی دلیل غیر مقبول ہے مگر دس چیزوں میں ہدایہ کی کتاب الایمان میں ہے کہ نہیں فرق درمیان اس کے کہ گواہ کا علم احاطہ کرے یانہ (ت)

دور کیوں جائے سلاسل طریقت ہی دیکھئے ہر سلسلہ میں بتوسط امام حسن بصری حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے انتساب موجود حالانکہ جماہیر اکابر ائمہ محدثین کہ فن رجال میں انھیں پر اعتماد اور انھیں کی طرف رجوع ہے۔ حضرت مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ان کے لئے سماع ہرگز نہیں مانتے مگر اسی قاعدہ عقلیہ ونقلیہ **المثبت مقدم علی النافی لان من حفظ حجۃ علی من لم یحفظ** (مثبت نافی پر مقدم ہے اس لئے کہ جس نے محفوظ رکھا اس کی بات حجت ہے اس پر جس نے محفوظ نہ رکھا) نے اتصال سلاسل میں اصلا خلل نہ آنے دیا جب اثبات کے سامنے ایسے اکابر کی نفی مقبول نہ ہوئی توآج کل کے کسی صاحب کا انکار کیا اثر ڈال سکتا ہے۔ رہا سو برس تک اس رسم کا بعذر

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۵۲-۳۵۱

مذکورہ ادانہ ہونا وہ بعد ثبوت سجادہ نشینی کا قابل احتجاج ہے حامد کے یہاں چار سو برس تک روز عرس خرقہ پوشی نہ ہونے نے اسے ممنوع نہ کیا حالانکہ اول یہ امر اس کے خاندان میں نہ تھا تو محمود کے یہاں چار سو برس جاری رہ کر سو برس بعذر منقطع ہونا کیا مخل ہوسکتا ہے، شرع کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ: **البقاء اسھل من الابتداء**، ابتداء سے بقاء آسان ہے۔(ت) بنی اسرائیل سے عمالقہ تابوت سکینہ چھین لے گئے مدتہا مدت کے بعد واپس آیا تھا تو کیا ان کا حق تبرک اس سے زائل ہوگیا تھا۔ **قال اللہ تعالٰی**:

"وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ"[1]	اور کہا ان کو ان کے نبی نے تحقیق نشانی اس کی شاہی کی یہ ہے کہ آئے گا تابوت تمھارے پاس اس میں تمھارے رب کی طرف سے سکینت ہوگی۔(ت)

یا جب قرامطہ مخذولین کعبہ معظّمہ سے حجر اسود اکھیڑ کر ہجر کو لے گئے اور بائیس برس بعد مسلمانوں نے بحمد اللہ تعالٰی واپس پایا تو کیا اہل اسلام یا اہل بیت الحرام کا حق تبرک واستلام اس میں باقی نہ رہا، یہ امور واضحہ ہیں نہایت درجہ روشن وصاف، **والانصاف خیر الاوصاف واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**۔(اور انصاف تمام اوصاف سے بہتر ہے اور اللہ تعالٰی پاک اور برتر سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۸۲:

چہ می فرمایند علمائے دین کہ بردست کدام کس بیعت نمودن جائز وعدم جواز ست وکدام کس قابل مرشد شدن ست وباینہمہ کسیکہ قابل بیعت نمود نیست واگر کسے رابیعت نماید بحق اوشان چہ حکم ست۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کس شخص کے ہاتھ پر بیعت ہونا جائز ہے اور کس کے ہاتھ پر ناجائز ہے اور کون شخص مرشد ہونے کے قابل ہے اور باوجود ان سب باتوں کے جو شخص بیعت کرنے کے قابل نہیں اگر وہ کسی کو بیعت کرے اس کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

بیعت گرفتن ودر مسند ارشاد نشستن را از چار	بیعت لینے اور مسند ارشاد پر بیٹھنے کے لئے چار

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۸

شرط ناگزیرست:	شرطیں ضروری ہیں:
یکے آنکہ سنی صحیح العقیدہ باشد زیراکہ بدمذہبیاں سگان دوزخ اند بدترین خلق چنانچہ درحدیث آمدہ ست۔	**ایک** یہ کہ سنی صحیح العقیدہ ہو اس لئے کہ بدمذہب دوزخ کے لئے کتے ہیں اور بدترین مخلوق، جیساکہ حدیث میں آیا ہے۔
دوم عالم بعلم ضروری بودن کہ ع بے علم نتواں خدارا شناخت	**دوسری** شرط ضروری علم کا ہونا، اس لئے کہ بے علم خدا کو پہچان نہیں سکتا۔
سوم اجتناب کبائر کہ فاسق واجب التوہین است و مرشد واجب التعظیم ہر دو چہ گونہ بہم آید۔	**تیسری** یہ کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنا اس لئے کہ فاسق کی توہین واجب ہے اور مرشد واجب التعظیم ہے دونوں چیزیں کیسے اکھٹی ہوں گی۔
چہارم اجازت صحیحہ متصلہ **کما اجمع علیہ اہل الباطن**۔	**چوتھی** اجازت صحیح متصل ہو جیسا کہ اس پر اہل باطن کا اجماع ہے۔
ہر کہ از نہا ہیچ شرطے رافاقدست اور انشاید پیر گرفتن۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔	جس شخص میں ان شرائط من سے کوئی ایک شرط نہ ہو تو اس کو پیر نہیں پکڑنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۳: ۸/ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں احمد ایک ولی اللہ امام وقت کا مرید وغلام اور امام ممدوح کی طرف سے مجاز وماذون ہے بعد وصال شریف اپنے شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے احمد کو بوجہ کثرت ذنوب خیال تجدید بیعت آیا احمد نے اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی بعض تصانیف میں دیکھا تھا کہ اگر شیخ تک بوجہ وصال یا بعد کے وصول نہ ہوسکے اور تجدید بیعت چاہے تو شیخ کے کپڑے پر تجدید کرے بایں لحاظ احمد نے مولانا حسین بن حسن خلیفہ وسجادہ نشین حضرت شیخ سے جامہ شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی استدعا کی مولانا نے فرمایا جب جانشین شیخ موجود ہے کپڑے کی کیاحاجت ہے۔ احمد کے بھی ذہن میں آیا کہ واقعی نیابت جانشین نیابت جامہ سے اتم واکمل ہونی چاہئے اس نیت سے مولانا کے ہاتھ پر بیعت کی مگر کبھی اپنا شیخ حضرت ولی اللہ امام ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا دوسرے کو نہ جانا نہ قراءت شجرہ طیبہ میں کسی اور کا نام داخل کیا، نہ جو شجرے اپنے بیعت کرنے والوں کو دئے ان میں کبھی حضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد کوئی نام

لکھا اب جانشین موصوف کو بوجہ تجدید مذکور یہ خیال ہے کہ احمد میرا مرید ہے اور احمد اپنے ذہن میں اپنی بیعت اولٰی پر ہے۔ اس صورت میں امر حق کیا ہے۔ احمد چاہتا ہے کہ اگر میرے خیال کی غلطی ثابت ہو تو میں تائب ہو کر از سر نو دست مولٰنا پر بیعت مستقلہ بجالاؤں اور اگر اسی کا خیال صحیح ہے تو شرع مطہر سے اس پر کیا دلیل ہے کہ باوصف یکہ احمد نے دوبارہ بیعت دست مولٰنا پر کی، مولٰنا کا مرید متصور نہ ہو۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں احمد کا خیال ہے صحیح ہے وہ اپنی بیعت اولٰی پر ہے بوجہ تجدید مذکور جانشین موصوف کا مرید قرار نہ پائے گا۔

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امریئ مانوی [1]۔	سوائے اس کے نہیں کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور سوا اس کے نہیں کہ ہر آدمی کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی۔(ت)

شرع مطہر سے اس پر دلیل واضح حضرت سیدنا طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فعل اور حضرت امیر المومنین امام العارفین مولی المسلمین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کا قول ہے:

وناھیك بھما قدوۃ فی الدین۔	تیرے لئے ان دونوں حضرات کا دین میں پیشوا ہونا کافی ہے۔(ت)

جب حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی خطائے اجتہادی سے رجوع فرما کر دست حق پرست حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ پر تجدید بیعت چاہی ظالم کے ہاتھ سے زخمی ہوچکے تھے امیر المومنین علی تک وصول کی طاقت نہ تھی امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر کا ایک سپاہی گزرا اسے بلا کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے ہاتھ پر تجدید بیعت فرمائی اور روح اقدس جوار اقدس رحمت الٰہی میں پہنچی، امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے یہ حال سن کر فرمایا:

ابی اللہ ان یدخل طلحۃ الجنۃ الا وبیعتی فی عنقہ۔	اللہ عزوجل نے طلحہ کا جنت میں جانا نہ مانا جب تک میری بیعت ان کی گردن میں نہ ہو۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۰

دیکھو امیر المومنین نے اس بیعت کو اپنی ہی بیعت قرار دیا نہ کہ لشکری کی، اور حضرت طلحہ نے امیر المومنین ہی کو امیر المومنین مستحق بیعت سمجھا نہ کہ معاذاللہ لشکری کو۔

ذٰلك برهانان من ربك وقد عرضته علی محقق الشريعة والطريقة مولٰينا محب الرسول عبدالقادر القادری البدايونی حفظه الله تعالٰی عن شر كل مجونی وفتونی فاقره وصوبه واستحسنه واعجبه، والله سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	یہ دونوں برہان تیرے رب کی طرف سے ہیں اور تحقیق میں نے پیش کیا اس کو شریعت و طریقت کے محقق مولانا محب رسول عبدالقادر قادری بدایونی پر، اللہ تعالٰی ان کو محفوظ رکھے ہر بے حیا اور فتنین کے شر سے، پس اس کو ثابت رکھا اور اس کو صواب قرار دیا اور اس کو عجیب اور مستحسن قرار دیا، اور اللہ تعالٰی پاک ہر عیب سے اور برتر ہے سب سے زیادہ جاننے والا اور اس کا علم جلیل اس کی بزرگی اتم اور مضبوط ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۴: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۲۰/ شوال ۱۳۱۴ھ

اگر عورت نیک خصلت پابند شریعت واقف طریقت اپنے ہاتھ پر عورتوں اور مردوں کو بیعت کرنا شروع کردے تو ازروئے طریقت اور شریعت یہ بیعت درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب مع عبارات تحریر فرمائیں۔

الجواب:

اولیائے کرام کا اجماع ہے کہ داعی الی اللہ کا مرد ہونا ضرور ہے لہٰذا سلف صالحین سے آج تک کوئی عورت نہ پیر بنی نہ بیعت کیا۔ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لن يفلح قوم ولو امرهم امرأة [1] رواه الائمة احمد و البخاری والترمذی والنسائی	ہرگزوہ قوم فلاں نہ پائے گی جنھوں نے کسی عورت کو والی بنایا، اس کو ائمہ کرام احمد و بخاری و

[1] صحیح البخاری کتاب الفتن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۲، جامع الترمذی ابوب الفتن امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۱، سنن النسائی کتاب ادب القضاۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۰۴، مسند احمد بن حنبل عن ابی بکرۃ المکتب الاسلامیۃ بیروت ۵ /۵۱

عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ترمذی اور نسائی نے ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ میزان الشریعۃ کتاب الاقضیہ میں فرماتے ہیں:

قد اجمع اھل الکشف علی اشتراط المذکورۃ فی کل داع الی اللہ تعالٰی ولم یبلغنا ان احدا من نساء السلف الصالح تصدرت لتربیۃ المریدین ابدا النقص النساء فی الدرجۃ وان ورد الکمال فی بعضھن کمریم بنت عمران وآسیۃ امرأۃ فرعون فذلك کمال بالنسبۃ للتقوٰی والدین لابالنسبۃ للحکم بین الناس وتسلیکھم فی مقامات الولایۃ،وغایۃامر المرأۃ ان تکون عابدۃ وزاھدۃ کرابعۃ العدویۃ[1]، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ فقط	بیشک اہل کشف نے اجماع کیا ہے اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کے لئے مرد ہونا شرط قرار دینے پر،اور نہیں پہنچی کہ ہم کو خبر کہ سلف صالحین کی عورتوں میں سے کوئی عورت مریدین کی تربیت کرنے کے درپے ہوئی ہو ہمیشہ بوجہ عورتوں کے درجہ میں ناقص ہونے کے،اگرچہ ان کے بعض میں کمال وارد ہوا ہے۔ جیسے کہ مریم بن عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی،پس یہ کمال تقوٰی اور دین کے لحاظ سے ہے نہ کہ لوگوں کے درمیان حکومت کرنے کی نسبت سے اور ان کو مقامات ولایت میں چلانے کی وجہ سے عورت کی غایت امر یہی ہے کہ وہ عابدہ زاہدہ ہو،جیسا کہ رابعہ عدویہ بصریہ،اور اللہ سبحنہ وتعالٰی سب سے زیادہ علم جاننے والا ہے اور اس کا علم بزرگ تر،اکمل اور مضبوط ہے۔ فقط۔ (ت)

رسالہ

نقاء السلافۃ فی البعیۃ والخلافۃ

ختم شد

---

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب الاقضیہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۸۹

(مندرجہ ذیل مسئلہ فتاوٰی افریقہ سے منقول ہے)

مسئلہ ۱۸۵:

اگر زید کا پیر ومرشد نہ ہو تو وہ فلاح پائے گا یا نہیں؟ اور اس کا پیر ومرشد شیطان ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ رب عزوجل حکم کرتا ہے: **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** اور ڈھونڈو طرف اس کی وسیلہ۔

الجواب:

ہاں اولیاء کرام قدسنا اللہ باسرارہم کے ارشاد سے دونوں باتیں ثابت ہیں اور عنقریب ہم ان دونوں کو قرآن عظیم سے استنباط کریں گے، ایک یہ کہ بے پیرا فلاح نہ پائے گا، حضرت سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس سرہ، عوارف المتعارف شریف میں فرماتے ہیں:

سمعت کثیرا من المشائخ یقولون من لم یر مفلحا لا یفلح [1]۔	یعنی میں نے بہت اولیائے کرام کو فرماتے سنا کہ جس نے کسی فلاح پائے ہوئے کی زیارت نہ کی وہ فلاح نہ پائے گا۔

دوسرے یہ کہ بے پیر کا پیر شیطان ہے عوارف شریف میں ہے:

روی عن ابی یزید (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	یعنی سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

[1] عوارف المعارف الباب الثانی مطبعۃ المشہد الحسینی ص۷۸

انہ قال من لم یکن لہ استاد فامامہ الشیطان [1]۔	مروی ہوا کہ فرماتے ہے جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔

رسالہ مبارکہ امام اجل ابوالقاسم قشیری میں ہے:

یجب علی المرید ان یتادب بشیخ فان لم یکن لہ استاذ لایفلح ابدا ھذا ابو یزید یقول من لم یکن لہ استاذ نا فامامہ الشیطان [2]۔	یعنی مرید پر واجب ہے کہ کسی پیر سے تربیت لے کہ بے پیرا فلاح نہ پائے گا۔ یہ میں ابویزید کہ فرماتے ہیں جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔

پھر فرمایا:

سمعت الاستاذ ابا علی الدقاق یقول الشجرۃ اذا انبتت بنفسھا من غیر غارس فانھا تورق ولکن لا تثمر کذٰلك المرید اذا لم یکن لہ استاذ یأ خذ منہ طریقۃ نفسا فنفسا فھو عابد ھواہ لایجد نفاذا [3]۔	یعنی میں نے حضرت ابوعلی دقاق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا کہ پیڑ جب بے کس بونے والے کے آپ سے اُگے تو پتے لاتا ہے مگر پھل نہیں دیتا یونہی مرید کے لئے اگر کوئی پیر نہ ہو جس سے ایک ایک سانس پر راستہ سیکھے تو وہ اپنی خواہش نفس کا پجاری ہے راہ نہ پائے گا۔

حضرت سیدنا میر سید عبدلواحد بلگرامی قدس سرہ، سبع سنابل شریف میں فرمات ہیں:

چو پیرت نیست پرتست ابلیس　　　که راه دین نه زدست از مکر و تلبیس [4]

(جب تیرا پیر نہیں ہے تو تیرا پیر ابلیس ہے کہ اس نے دین کی راہ ماری ہے مکروفریب سے۔ت)

یہ مقام بہت تفصیل وتوضیح چاہتاہے، **فاقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) فلاح دو ۲ قسم کی ہے:

اول: انجام کار رستگاری اگرچہ **معاذاللہ** سبقت عذاب کے بعد ہو، یہ عقیدہ اہلسنت میں ہر مسلمان کے لئے لازم اور کسی بیعت ومریدی پر موقوف نہیں اس کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے۔

---

[1] عوارف المعارف الباب الثانی مطبعۃ المشھد الحسینی ص ۷۸

[2] الرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین مصطفی البابی مصر ص ۱۸۱

[3] الرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین مصطفی البابی مصر ص ۱۸۱

[4] سبع سنابل

بلکہ ابتدائے اسلام میں کسی دور دراز پہاڑ یا گمنام ٹاپو کے رہنے والے غافل جن کو نبوت کی خبر ہی نہ پہنچی اور دنیا سے صرف توحید پر گئے، بالاخران کے لئے بھی یہ فلاح ثابت۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل محشر اور انبیاء سے مایوس پھر کر میرے حضور حاضر ہوں گے میں فرماؤں گا انا لھا میں ہوں شفاعت کے لئے۔ پھر اپنے رب سے اذن چاہوں گا وہ مجھے اذن دے گا میں سجدے میں گروں گا ارشاد ہوا۔ یا محمد ارفع راسک وقال تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو کہ تمھاری بات سنی جائے گی اور مانگو تمھیں عطا کیا جائے گا، اور شفاعت کرو کہ تمھاری شفاعت قبول ہے۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب! میری امت میری امت، فرمایا جائے گا جاؤ جس کے دل میں جَو بھر ایمان ہو اسے دوزخ سے نکال لو، انھیں نکال کر میں دوبارہ حاضر ہوں گا سجدہ کروں گا وہی ارشاد ہوگا کہ اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو کہ سنا جائے گا مانگو کہ دیا جائے گا، شفاعت کرو کہ قبول ہے، میں عرض کروں گا اے میرے رب! میری امت میری امت۔ ارشاد ہوگا جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو نکال لو، میں انھیں نکال کر سہ بارہ حاضر ہو کر سجدہ کروں گا فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، اور جو کہو منظور ہے جو مانگو عطا ہے شفاعت کرو مقبول ہے، میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت میری امت، ارشاد ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم تر ایمان ہو اسے نکال لو میں انھیں نکال کر چھوتھی بار حاضر وساجد ہوں گا ارشاد ہوگا اے محمد! پنا سر اٹھاؤ اور کہو کہ سنیں گے مانگو کہ دیں گے شفاعت کرو کہ قبول کرینگے۔ میں عرض کروں گا الٰہی! مجھے ان کے نکالنے کی اجازت دے جنھوں نے تجھے ایک جانا ہے۔ ارشاد ہوگا یہ تمھارے سبب نہیں بلکہ مجھے اپنے عزت وجلال وکبریا وعظمت کی قسم ہر موحد کو اس سے نکال لوں گا [1]

اقول: یہ ان کے بارے میں رد شفاعت حضور نہیں بلکہ عین قبول ہے کہ حضور کے عرض کرنے ہی پر تو جہنم سے نکالے گئے، فقط یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کو رسالت سے توسل کا موقع نہ ملا مجرد وعقل جتنے ایمان کے لئے کافی تھی یعنی توحید اسی قدر رکھتے تھے، ثم اقول معنی حدیث کی یہ تقریر کہ ہم نے کی اس سے ظاہر ہوا کہ یہ اس حدیث صحیح کے معارض نہیں کہ فرمایا:

ما زلت اتردد علی ربی فلا اقوم فیہ مقاما الا	میں اپنے رب کے حضور آتا جاتا رہوں گا جس

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید باب کلام الرب یوم القیمۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۱۸۔۱۹، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۰

شفعت حتی اعطانی اللّٰہ من ذٰلك ان قال یامحمد ادخل من امتك من خلق اللّٰہ من شھدان لا الٰہ الا اللّٰہ یوما واحدا مخلصا ومات علی ذٰلك رواہ احمد [1] بسند صحیح عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	شفاعت کے لئے کھڑا ہوں گا قبول ہوگی، یہاں تک کہ میرا رب فرمائے گا کہ تمام مخلوق میں جتنی تمھاری امت ہے ان میں جو توحید پر مرا ہو اسے جنت میں داخل کردو۔(اسے احمد نے بسند صحیح حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

کہ یہاں کلام امت میں ہے تو یہاں لا الٰہ الا اللہ سے پورا کلمہ طیبہ مراد ہے جیسا کہ انھوں نے امام احمد صحیح ابن حبان حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

شفاعتی لمن شھدان لا الٰہ الا اللّٰہ ملخصا وان محمد رسول اللّٰہ یصدق لسانہ قلبہ و قلبہ لسانہ [2]۔ اللھم اشھد وکفی بك شھیدا انی اشھد بقلبی ولسانی انہ لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم حنیفا مخلصا وما انا من المشرکین و الحمدللّٰہ رب العالمین۔	میری شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہے جواللہ کی توحیداور میری رسالت پر اخلاص سے گواہی دیتا ہو کہ زبان دل کے موافق ہواور دل زبان کے۔ الٰہی! گواہ ہو جا اور تیری ہی گواہی کافی ہے کہ میں اپنے دل و زبان سے گواہی دیتاہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسکے رسول ہیں سب باطل دینوں سے کنارہ کرتاہوا خالص اسلام والاہو کر،اور میں مشرکوں میں سے نہیں اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔(ت)

دوم: کامل رستگاری کہ بے سبقت عذاب دخول جنت ہواس کے دو پہلو ہیں:

اول: وقوع یہ مذہب اہلسنت میں محض مشیت الٰہی پر ہے جسے چاہے ایسی فلاح عطافرمائے اگرچہ لاکھوں کبائر کا مرتکب ہواور چاہے تو ایک عـــہ گناہ صغیرہ پر گرفت کرلے اگرچہ لاکھوں حسنات رکھتاہو۔

عـــہ: اگرچہ وہ ایسا کرے گا نہیں۔ (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۷۸

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۰۷،موارد الظمأن باب جامع فی البعث والشفاعۃ حدیث ۲۵۹۴ المطبعۃ السلفیہ مکۃ المکرمہ ص ۶۴۵

یہ عدل ہے اور وہ فضل:

"فَيَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ"[1]	جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت سے بے گنتی اہل کبائر ایسی فلاح پائیں گے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔رواہ احمد[2]	میری شفاعت میری امت سے کبیرہ گناہوں والوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لقولہ تعالٰی "وَيَجۡزِيَ الَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا بِالۡحُسۡنٰى ۚ اَلَّذِيۡنَ يَجۡتَنِبُوۡنَ كَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَةِ ؕ"[3] وقولہ تعالٰی "اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ۝"[4] وقولہ تعالٰی "اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۝"[5] ۱۲ منہ غفرلہ۔

ارشاری تعالٰی ہے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے وہ جو گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور رک گئے، بیشک تمھارے رب کی مغفرت وسیع ہے۔اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمھیں ممانعت ہے تو تمھارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمھیں عزت کی جگہ داخل کریں گے،اور اللہ تعالٰی کا فرمان ہے بے شک نیکیاں برائیوں کی مٹادیتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کو۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ فی الشفاعۃ ۲/ ۲۹۶ و جامع الترمذی ابواب صفۃ القیمۃ ۲/ ۶۶،سنن ابن ماجہ ابو باب الزہد باب ذکر الشفاعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۳۲۹،مسند احمد بن حنبل عن انس دارالکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۱۳،شعب ایمان حدیث ۳۱۰،۳۱۱۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸۷،السنن الکبرٰی کتاب الجنایات دارصادر بیروت ۸/ ۱۷،موارد الظمآن حدیث ۲۵۹۶ص ۶۴۵ و المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۵۴ ۱۱/ ۱۸۹

[3] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۱ و ۳۲

[4] القرآن الکریم ۴/ ۳۱

[5] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۴

وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم والبیہقی وصححه عن انس بن مالك والترمذی وابن ماجة وابن حبان والحاکم عن جابر بن عبد الله والطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس والخطیب عن کعب بن عجرة وعن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین۔	کے لئے ہے (یہ حدیث احمد وابوداؤد وترمذی ونسائی وبن حبان وحاکم وبیہقی نے انس بن مالک سے روایت کی، اور بیہقی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ترمذی وابن ماجہ وابن حبان وحاکم نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی، اور طبرانی نے معجم الکبیر میں عبداللہ بن عباس سے اور خطیب نے کعب بن عجرہ سے اور عبداللہ بن عمر سے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خیرت بین الشفاعة وبین ان یدخل شطر امتی الجنة فاخترت الشفاعة لانها اعم واکفی اترونها للمؤمنین المتقین لاولکنها للمذنبین المتلوثین الخطائین رواه احمد[1] بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر باسناد جید عن ابن عمر وابن ماجة عن ابی موسٰی الاشعری رضی الله تعالٰی عنهم۔	مجھ سے میرے رب نے فرمایا تم کو اختیار ہے چاہے شفاعت لے لو چاہے یہ کہ تمھاری آدھی امت بلا عذاب داخل جنت ہو۔ میں نے شفاعت اختیار فرمائی کہ وہ زیادہ عام اور زیادہ کافی ہے کیا اسے ستھرے مومنوں کے لئے سمجھتے ہو۔ نہیں بلکہ وہ گناہگاں آلودہ بزرگاروں سخت خطا کاروں کے لئے ہے۔ (یہ حدیث احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے معجم کبیر میں بہ سند جید عبداللہ بن عمر سے روایت کی، اور ابن ماجہ نے ابن موسٰی اشعری سے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ت)

بلکہ وہ بھی ہونگے جن کے گناہ نیکیوں سے بدل دئے جائیں گے۔ قال اللہ تعالٰی:

"فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝"[2]	اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

[1] سنن ابن ماجه ابواب الزہد باب ذکر الشفاعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۳۲۹، مسند احمد بن حنبل عبدالله بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷۰

حدیث میں ہے ایک شخص روز قیامت حاضر لایا جائے گا، ارشاد ہوگا اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کرو اور بڑے بڑے ظاہر نہ کرو۔ اس سے کہا جائے گا تو نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام کئے وہ مقر ہوگا اور اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ ارشاد ہوگا **اعطوہ مکان کل سیئۃ حسنۃ** اسے ہر گناہ کی جگہ ایک نیکی دو۔ اب کہہ اٹھے گا کہ الٰہی! میرے اور بہت سے گناہ ہیں وہ تو سننے میں آئے ہی نہیں، یہ فرما کر حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتنا ہنسے کہ آس پاس کے دندان مبارک ظاہر ہوئے **رواہ الترمذی**[1] **عن ابن ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ** (ترمذی نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت) بالجملہ وقوع کے لئے سوا اسلام اور اللہ ورسول کی رحمت کے اور کوئی شرط نہیں جل وعلاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

دوم: امید یعنی انسان کے اعمال، افعال، اقوال، احوال ایسے ہوناکہ اگر انہی پر خاتمہ ہو تو کرم الٰہی سے امید واثق ہو کہ بلاعذاب داخل جنت کیا جائے۔ یہی وہ فلاح ہے جس کی تلاش کا حکم ہے کہ

"سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ"[2]	جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف جس کی چوڑان آسمان وزمین کے پھیلاؤ کی مانند ہے۔(ت)

اس لئے کہ کسب انسانی اسی سے متعلق یہ پھر دو۲ قسم:

اول: فلاح ظاہر، حاشا اس سے وہ مراد نہیں کہ نرے ظاہر دارو کو مطلوب جن کی نظر صرف اعمال جوارح پر مقصور ظاہر احکام شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزہ کرلیا اور متقی بن گئے اگرچہ باطل ریا و عجب وحسد وکینہ وحب مدح وحب جاہ ومحبت دنیا و طلب شہرت وتعظیم امراء وتحقیر مساکین واتباع شہوات ومداہنت۱ وکفران۲ نعم وحرص، وبخل وطول۳ امل وسوئے ظن و عناد حق اور اصرار باطل ومکر وغدر وخیانت وغفلت وقسوت۴ وطمع وتملق۵ واعتماد خلق ونسیان خالق۶ ونسیان موت و جرات علی اللہ ونفاق واتباع شیطان وبندگی نفس ورغبت بطالت۷ وکراہت عمل و۸ قلّت خشیت وجزع۹ وعدم۱۰ خشوع وغضب۱۱ للنفس وتساہل۱۲ فی اللہ وغیرہا مہلکات۱۳ آفات سے گندہ ہورہا ہو جے سے مزبلہ پر زربفت

۱ دین میں سستی ۲ نعمتوں کی ناشکری ۳ لمبی آرزو ۴ دل کی سختی ۵ چاپلوسی ۶ خدا کو بھول جانا ۷ باطل کی رغبت ۸ ڈر کی کمی ۹ بے صبری ۱۰ خشوع کا نہ ہونا ۱۱ نفس کے لئے ناراض ہونا ۱۲ اللہ کے بارے میں سستی کرنا۔ ۱۳ ہلاک کرنے والی آفتیں (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب صفۃ جہنم باب ماجاء ان للنار نفیس الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۳

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۱

کا خیمہ اوپر زینت اور اندر نجاست پھر کیا یہ باطنی خباثتیں ظاہری صلاح پر قائم رہنے دیں گی،
حاشا معاملہ پڑنے دیجئے کون کسی ناگفتنی ہے کہ نہ کہیں گے کون سی ناکردنی ہے کہ اٹھار کھیں گے اور پھر بدستور صالح عوام کی کیا گنتی آج کل بہت علمائے ظاہر اگر متقی ہیں بھی تو اسی قسم کے **الا من شاء اللہ وقلیل ماھم** (اگر جو اللہ تعالٰی چاہے اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔ت) میں اسے زیادہ مشرح کرتا مگر کیا فائدہ کہ حق تلخ ہوتا ہے اسسے نفع پانا اور اپنی اصلاح کی طرف آنا درکنار بتانے والے کے الٹے دشمن ہوجاتے ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ ہزار اوف اس نام علم پر کہ آجکل بہت بے دین مرتدین اللہ ورسول کی جناب میں کیسی کیسی سخت گالیاں بکتے لکھتے اور چھاپتے ہیں ان سے کان پر جوں نہ رینگے، کہیں بے پروائی کہیں آرام خواہی، کہیں نیچری تہذیب کہیں طمع کی تخریب، کہیں ملاقات کا پاس کہیں اس کا ہراس (ڈر) کہ ان مرتدوں کا رد کریں، مسلمانوں کو ان کا کفر بتائیں تو یہ سر ہوجائیں گے اخباروں اشتہاروں میں ہماری مذمتیں گائیں گے، ہزاروں جھوٹے بہتان لگائیں گے کون اپنی عافیت تنگ کرے، ان ناپاک وجوہ کے باعث وہاں خموشی اور خود ان سے اعمال میں خطا بلکہ عقائد میں غلطی ہوا سے کوئی بتائے تو نہ اب وہ تہذیب نہ آرام طلبی، نہ بے پروائی، نہ سلامت روی، بلکہ جامے سے باہر ہو کر جس طرح بنے اس کی عداوت میں گرمجوشی حق کا جواب نہ بن آئے تو عناد ومکابرہ سے کام لینا حتی کہ کتابوں کی عبارتیں گھڑلیں، جھوٹے حوالے دل سے تراش لیں کہ کہیں اپنی ہی بات بالا رہے۔ عوام کے سامنے شیخی کرکری نہ ہو یا وہ جو وعظ وغیرہ کے ذریعے سے مل رہتا ہے اس میں کھنڈت نہ پڑے۔ کیا اس کا نام تقوی ہے حاش للہ بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدگویوں کے مقابل وہ خواب خرگوش اور اپنے نفس کی بے جا حمایت میں یہ جوش وخروش، تو یہ کہتا ہے کہ اللہ اور رسول کی عظمت سے اپنے نفس کی عظمت دل میں سوا ہے۔ اب اسے کیا کہئے سوا اس کی طرف

انا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم	بیشک ہم اللہ ہی کے لئے میں اور ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہمیں اور نہیں طاقت اور نہ قوت مگر ساتھ اللہ بلند تر عظمت والے کے۔ (ت)

بالجملہ اس صورت کہ فلاح سے علاقہ نہیں صاف ہلاک ہے بلکہ فلاح ظاہر یہ کہ دل وبدن دونوں پر جتنے احکام الٰہیہ میں سب بجالائے، نہ کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے، نہ کسی صغیرہ پر مصر رہے نفس کے خصائل ذمیمہ اگر دفع نہ ہو تو معطل رہیں، ان پر کار بند نہ ہو، مثلاً دل میں بخل ہے تو نفس پر جبر کرکے ہاتھ کشادہ رکھے، حسد سے تو محسود کی برائی نا چاہئے۔ **علی ھذا القیاس** کہ یہ جہاد اکبر ہے اور اس کے بعد مواخذہ نہیں بلکہ اجر عظیم ہے۔ حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاث لم تسلم منها هذا ا لامة الحسد و الظن و الطيرة الاانبئكم بالمخرج منها اذا ظننت فلا تحقق واذا حسدت فلاتبغ واذا تطيرت فامض، رواه رسته فی کتاب الایمان[1] عن الامام الحسن البصری مرسلا ووصله ابن عدی عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بلفظ اذاحسدتم فلاتبغوا واذا ظننتم فلا تحققوا واذا تطيرتم فامضوا وعلی الله فتوكلوا[2]۔	تین خصلتیں اس امت سے نہ چھوٹیں گی، حسد، بدگمانی اور بدشگونی، کیامیں تمھیں ان کا علاج نہ بتادوں، بدگمانی آئے تو اس پر کاربند نہ ہو اور حسد آئے تو محسود پر زیادتی نہ کراور بدشگونی کے باعث کے سے کام رک نہ رہو (اس حدیث کو رستہ نے کتاب الایمان میں امام حسن بصری سے بے ذکر صحابہ سے روایت اور ابن عدی نے متصل ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تمھارے دل میں حسد آئے توزیادتی نہ کرو اور بدگمانی آئے تواسے جما نہ دواور بدشگونی آئے تورکو نہیں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ت)

یہ فلاح قوی ہےاس سے آدمی سچا متقی ہو جاتا ہے۔ہم نے اسے فلاح ظاہر بایں معنیٰ کہا کہ اس میں جو کچھ کرنا نہ کرنا ہے اس کے احکام ظاہر وواضح ہو چکے ہیں "قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ"[3]۔(بیشک ہدایت ظاہر ہو گئی گمراہی سے۔ت)

دوم: فلاح باطنی کہ قلب و قالب رذائل سے متخلی اور فضائل سے متجلی کرکے بقایائے شرک خفی دل سے دور کئے جائیں یہاں تک کہ **لا مقصود الا اللہ** (کوئی مقصود نہیں سوائے اللہ کے۔ت) پھر **لامشھود الا اللہ** (کوئی نظر میں نہیں سوائے اللہ کے) پھر **لاموجود الا اللہ** (کوئی وجود ذاتی نہیں رکھتا سوائے اللہ کے) متجلی ہو یعنی اولا ارادہ غیر سے خالی ہو پھر غیر نظر سے معدم ہو پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اسی کے لئے ہے باقی سب ظلال وپرتو، یہ منتہائے فلاح وفلاح احسان ہے۔فلاح تقوی میں توعذاب سے دور اور جنت کا چین تھا کہ:

"فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ	جو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیاگیاوہ ضرور

---

[1] کنز العمال بحوالہ سة فی کتاب الایمان حدیث ۴۳۷۸۹ موسسة الرسالہ بیروت ۱۶/ ۲۷و۲۸

[2] کنز العمال بحوالہ عد عن ابی ہریرہ حدیث ۷۴۴۱ موسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۴۶۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۶

فَقَدْ فَازَ ؕ "[1]	فلاح کو پہنچا۔

اور فلاح احسان سے اعظم ہے کہ عذاب کا کیا ذکر کسی قسم کا اندیشہ و غم بھی ان کے پاس نہیں آتا۔

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَ لَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ "[2]	خبردار! اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(ت)

بہر حال اس فلاح کے لئے ضرور پیر و مرشد کی حاجت ہے چاہے قسم اول کی ہو یا دوم کی۔

اقول: اب مرشد بھی دو۲ قسم ہے:

اول: عام کہ کلام اللہ وکلام الرسول ائمہ شریعت وطریقت وکلام علمائے دین اہل رشد وہدایت ہے اسی سلسلہ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام علماء، علماء کا رہنما کلام ائمہ ائمہ کا مرشد کلام رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فلاح ظاہر ہو یا فلاح باطن اسے اس مرشد سے چارہ نہیں جو اس سے ہے بلا شبہ کافر ہے یا گمراہ اور اس کی عبادت برباد و تباہ۔

دوم: خاص کہ بندہ کسی عالم سنی صحیح العقیدہ صحیح الاعمال جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے، یہ مرشد خاص جسے پیر و شیخ کہتے ہیں۔ پھر دو قسم ہے:

اول شیخ اتصال (بنائے فوقانی) یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو جائے اس کے لئے چارہ نہیں شرطیں ہیں:

(۱) شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ سے اتصال ناممکن۔ بعض لوگ بلا بیعت محض بزعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں یا بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی بلا اذن مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں یا سلسلہ ہی وہ ہو کہ قطع کر دیا گیا اس میں فیض نہ رکھا گیا لوگ براہ ہوس اس میں اذن وخلافت دیتے چلے آتے ہیں۔ یا سلسلہ فی نفسہٖ اچھا تھا مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا جو بوجہ انتفائے بعض شرائط قابل بیعت نہ تھا اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے ان صورتوں میں اس بیعت

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۵

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۲

سے ہر گز اتصال حاصل نہ ہوگا، بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگے کی مت جدا ہے۔

(۲) شیخ سنی العقیدہ ہو بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک آج کل بہت کھلے ہوئے بددینوں بلکہ بے دینو حتی کہ وہابیہ نے کہ سرے سے منکر و دشمن اولیاء ہیں مکاری کے لئے پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار خبردار احتیاط احتیاط ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نباید داد دست

(بہت سے ابلیس انسانی شکلوں میں ہیں پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ت)

(۳) عالم ہو اقول علم فقہ اسی کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہلسنت سے پورا واقف کفر و اسلام وضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو ورنہ آج بدمذہب نہیں کل ہو جائے گا ع

فمن لم یعرف الشر فیوما یقع فیه

(جو شر سے آگاہ نہیں آگاہ نہیں ایک دن اس میں پڑ جائیگا۔ت)

صدہا کلمات وحرکات ہیں جن سے کفر ولازم آتا ہے اور جاہل براہ جہالت ان میں پڑ جاتے ہیں، اول تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان کے قول یا فعل سے کفر سرزد ہوا اور بے اطلاع توبہ ناممکن تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل ڈر بھی جائے تو یہ بھی کرلے مگر وہ جو سجادہ مشیخت پر ہادی و مرشد بنے بیٹھے ہیں ان کی عظمت کہ خود ان کے قلوب میں ہے کب قبول کرنے دے۔

"وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ"[1]	جب اس سے کہا جائے اللہ تعالٰی سے ڈر تو اسے اور ضد چڑھتی ہے گناہ کی۔ (ت)

اور اگر ایسے ہی حق پرست ہوئے اور مانا تو کتنا، اتنا کہ آپ توبہ کرلیں گے۔ قول وفعل کفر سے جو بیعت فسخ ہو گئی اب کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں اور شجرہ اس جدید شیخ کے نام سے دین اگرچہ شیخ اول ہی کا خلیفہ ہو یہ ان کا نفس کیونکر گوارا کرے، نہ اسی پر راضی ہوں گے کہ آج سے سلسلہ بند کریں مرید کرنا چھوڑیں لاجرم وہی سلسلہ کہ ٹوٹ چکا جاری رکھیں گے لہٰذا علم عقائد ہونا لازم ہے۔

(۴) فاسق معلن نہ ہو، اقول اس شرط پر حصول اتصال کا توقف نہیں کہ مجرد فسق باعث فسخ نہیں مگر

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۶

پیر کی تعظیم لازم ہے اور فاسق کی توہین واجب ہے۔ دونوں کا اجتماع باطل، تبیین الحقائق امام زیلعی وغیرہ میں دربارہ فاسق ہے:

فی تقدیمۃ للامامۃ تعظیمۃ قد وجب علیھم اھانتہ شرعًا[1]۔	امامت کے لئے اسے آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے اور شرع میں تو اس کی توہین واجب ہے۔(ت)

دوم: شیخ ایصال کہ شرائط مذکورہ کے ساتھ مفاسد نفس انفس کے فسادات ومکائد شیطان (شیطان کی مکاریاں) ومصائر ہوا (خواہشات کا شکار) سے آگاہ ہو، دوسرے کی تربیت جانتا اور اپنے متوسل پر شفقت تامہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب پر اسے مطلع کرے ان کا علاج بتائے جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب، عوارف شریف میں فرمایا: یہ دونوں قابل پیری نہیں۔

اقول: اس لئے کہ اول خود ہنوز راہ میں ہے اور دوسرا طریق تربیت سے غافل، بلکہ مجذوب سالک ہو یا سالک مجذوب، اور اول اولٰی ہے۔

اقول: اس لئے کہ وہ مراد ہے اور یہ مرید، پھر بیعت بھی دو۲ قسم ہے:

اوّل: بیعت برکت کہ صرف تبرک کے لئے داخل سلسلہ ہوجانا آج کل عام بیعتیں یہی ہیں، وہ بھی نیک نیتوں کی، ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اغراض فاسدہ کے لئے ہوتی ہے۔ وہ خارج از بحث ہے۔ اس بیعت کے لئے شیخ اتصال کہ شرائط اربع کا جامع ہو بس ہے۔

اقول: بیکار یہ بھی نہیں، مفید اور بہت مفید، اور دنیا واخرت میں بکار آمد ہے۔ محبوبان خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھا جانا ان سے سلسلہ متصل ہوجانا فی نفسہٖ سعادت ہے۔

اوّلاً: ان کے خاص غلاموں سالکان راہ سے اس امر میں مشابہت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبہ بقوم فھو منھم[2]۔	جو جس قوم سے مشابہت پیدا کرلے وہ انہی میں سے ہے۔

[1] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الامامۃ الخ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳، مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۰ و ۹۲

سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ عوارف المعارف شریف میں فرماتے ہیں:

واعلم ان الخرقۃ خرقتان خرقۃ الارادۃ وخرقۃ التبرك والاصل الذی قصدہ المشایخ للمریدین خرقۃ الارادۃ وخرقۃ التبرك تشبہ بخرقۃ الارادۃ فخرقۃ الارادۃ للمرید الحقیقی وخرقۃ التبرك للمتشبہ ومن تشبہ بقوم فھو منھم[1]۔	واضح ہو کہ خرقے دو ہیں: خرقہ ارادات وخرقہ تبرک، مشائخ کا مریدوں سے اصل مطالعہ خرقہ ارادت ہے اور خرقہ تبرک کو اس سے مشابہت ہے تو حقیقی مرید کے لئے خرقہ ارادت ہے اور مشابہت چاہنے والوں کے لئے خرقہ تبرک اور جو کسی قوم سے مشابہت چاہے وہ انہی میں ہے۔(ت)

ثانیًا: ان غلامان خاص کے ساتھ ایک سلک میں منسلک ہونا ع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

(بلبل کو یہی کہ پھول کی صحبت ہو کافی ہے۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم[2]۔	وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

ثالثًا: محبوبان خدا آیہ رحمت ہیں، وہ اپنا نام لینے والے کو اپنا کرلیتے ہیں اور اس پر نظر رحمت رکھتے ہیں امام یکتا سیدی ابوالحسن نورالملۃ والدین علی قدس سرہ، بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں: حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کہ اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو اور اس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو کیا وہ آپ کے مریدوں میں شمار ہوگا فرمایا:

من انتمی الی وتسمی لی قبلہ اللہ تعالٰی وتاب علیہ ان کان علی سبیل مکروہ وھو من جملۃ اصحابی وان ربی عزوجل وعدنی ان یدخل اصحابی واھل مذھبی وکل محب	جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے غلاموں کے دفتر میں شامل کرے اللہ اسے قبول فرمائے گا اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اسے توبہ دے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرے

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ الشھد الحسینی القاہرۃ ص۷۹

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات ۲/ ۱۹۹ و مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲۵۳ و ۳۵۹ و ۳۸۳

لی الجنة[1]۔	میں ہے اور میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں اور ہم مذہبوں اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا(والحمدللہ رب العالمین)

دوم: بیعت ارادت کہ اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد ہادی برحق واصل حق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کردے اسے مطلقاً اپنا حاکم ومالک ومتصرف جانے، اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے اس کے لئے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام اگر اس کے صحیح نہ معلوم ہوں انھیں افعال خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل سمجھے اپنے عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔ یہ بیعت سالکین ہے اور یہی مقصود ومشائخ مرشدین ہے۔ یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے یہی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے لی ہے جسے سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ:

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی السمع والطاعة فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ و ان لاننازع الامر اھلہ[2]۔	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی ودشواری ہر خوشی وناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چون چرانہ کریں گے،

شیخ ہادی کا حکم رسول کا حکم ہے اور رسول کا حکم اللہ کا حکم اور اللہ کے حکم میں مجال دم زدن نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ	کسی مسلمان مرد وعورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ ورسول کسی معاملہ میں کچھ فرمادیں تو پھر انھیں کام کا کوئی اختیار رہے اور جو اللہ ورسول کی نافرمانی

[1] بهجة الاسرار ذکر فصل اصحابه وبشراهم مصطفی البابی مصر ص۱۰

[2] صحیح بخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سترون بعدی امورا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۵، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة له، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۴

ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ "[1]	کرے وہ کھلا گمراہ ہوا۔

عوارف شریف میں ارشاد فرمایا:

دخوله فی حکم الشیخ دخوله فی حکم الله ورسوله واحیاء سنة المبایعة[2]۔	شیخ کے زیر حکم ہونا اللہ ورسول کے زیر حکم ہونا ہے اور اس بیعت کی سنت کازندہ کرنا۔

نیز فرمایا:

ولایکون هذا الالمرید حصر نفسه مع الشیخ وانسلخ من ارادة نفسه وفنی فی الشیخ بترك اختیار نفسه[3]۔	یہ نہیں ہوتا مگر اس مرید کے لئے جس نے اپنی جان کو شیخ کی قید کر دیا اور پانے ارادے سے بالکل باہر آیا اپنا اختیار چھوڑ کر شیخ میں فنا ہوگیا۔

پھر فرمایا:

ویحذر الاعتراض علی الشیوخ فانه السم القاتل للمریدین، وقل ان یکون مرید یعترض علی الشیخ بباطنه فیفلح، ویذکر المرید فی کل ما اشکل علیه من تصاریف الشیخ قصة الخضر علیه السلام کیف کان یصدر من الخضر قصاریف ینکرها موسٰی، ثم لما کشف له عن معناها بان بزلموسی وجه الصواب فی ذٰلك فهکذا ینبغی للمرید ان یعلم ان کل تصرف اشکل علیه صحته من الشیخ عند الشیخ فیه	پیروں پر اعتراض سے بچے کہ یہ مریدوں کے لئے زہر قاتل ہے۔ کم کوئی مرید ہوگا جو اپنے دل میں شیخ پر کوئی اعتراض کرے پھر فلاح پائے، شیخ کے تصرفات سے جو کچھ اسے صحیح نہ معلوم ہوتے ہوں ان میں خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام کے واقعات یاد کرلے کیونکہ ان سے وہ باتیں صادر ہوتی تھیں بظاہر جن پر سخت اعتراض تھا (جیسے مسکینوں کی کشتی میں سوراخ کردینا، بے گناہ بچے کو قتل کردینا) پھر جب وہ اس کی وجہ بتاتے تھے ظاہر ہوجاتا تھا کہ حق یہی ہے تھا جو انھوں نے کہا، یوں ہی مرید کو یقین رکھنا چاہئے کہ شیخ کا جو فعل

[1] القرآن الکریم ۳۳ /۳۶

[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ص۷۸

[3] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ص۷۸

بیان وبرھان للصحۃ[1]۔	مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ شیخ کے پاس اس کی صحت پر دلیل قطعی ہے۔

اما ابوالقاسم قشیری رسالہ میں فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ ان سے ان کے شیخ حضرت ابو سہل صعلوکی نے فرمایا:

من قال الاستاذہ لم، لایفلح ابدا[2]۔	جو اپنے پیر سے کسی بات میں کیوں کہے گا کبھی فلاح نہ پائے گا۔

نسأل اللہ العفو والعافیۃ (اللہ تعالٰی سے ہم معافی اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔ت)

جب یہ اقسام معلوم ہولئے تو اب حکم مسئلہ کی طرف چلئے، مطلق فلاح کے لئے مرشد عام کی قطعاً ضرورت ہے۔ فلاح تقوٰی ہو یا فلاح احسان مرشد سے جدا ہو کر ہرگز نہیں مل سکتی اگرچہ مرشد خاص رکھتا بلکہ خود مرشد خاص بنتا ہو، **اقول**: (میں کہتا ہوں۔ت) پھر اس سے جدائی دو طرح ہے:

اوّل: صرف عمل میں جیسے کسی کبیرے کا مرتکب یا صغیرے پر مصر، اور اس سے بدتر ہے وہ جاہل کہ علماء کی طرح رجوع ہی نہ لائے اور اس سے بدتر کہ باوصف جہل ذی رائے بنے، احکام علماء میں اپنی رائے کو دخل دے یا حکم کے خلاف اپنے یہاں کے باطل رواج پر اڑے اور اسے حدیث وفقہ سے بتادیا جائے کہ یہ رواج بے اصل ہے جب بھی اس کو حق کہے، بہر حال یہ لوگ فلاح پر نہیں۔ اور بعض بعض سے زائد ہلاکت میں ہیں مگر صرف ترک عمل کے سبب نہ بے پیرا ہو نہ اس کا پیر شیطان جبکہ اولیاء وعلمائے دین کا سچے دل سے مقتد ہو اگرچہ شامت نفس نافرمانی پر لائے کہ بیعت جس طرح باعتبار پیر خاص دو[۲] قسم تھی یوں ہی باعتبار مرشد عام بھی، اگر اس کے حکم پر چلتا ہے، بیعت ارادت رکھتا ہے ورنہ بیعت برکت سے خالی نہیں کہ ایمان واعتقادت تو ہے تو گنہ گار سنی اگر کسی پیر جامع شرائط اربعہ کا مرید ہے فبہا اور نہ بوجہ حسن اعتقاد مرشد عام کے منتسبوں میں ہے اگرچہ نا فرمانی کے باعث فلاح پر نہیں دوم منکر ہو کہ جدائی مثلاً (۱) وہ ابلیس مسخرے کہ علمائے دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں انہی میں وہ جھوٹے مدعیان فقر جو کہتے ہیں کہ عالموں فقیروں کی سدا سے ہوتی آئی ہے

---

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرہ مطبعہ المشھد الحسینی قاہرہ ص۷۹

[2] رسالۃ القشیریۃ باب حفظ قلوب المشائخ وترک الخلاف علیھم مصطفی البابی مصر ص۱۵۰

یہاں تک کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطب وقت بننے والوں کو یہ لفظ کہتے سنے گئے کہ عالم کون ہے۔سب پنڈت ہیں،عالم تو وہ جو انبیائے نبی اسرائیل کے سے معجزے دکھائے (۲) وہ دہرئے ملحد فقیر وولی بننے والے کو کہتے ہیں شریعت راستہ ہے ہم تو پہنچ گئے، ہمیں راستے سے کیاکام،ان خبیثوں کارد ہمارے رسالے "مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء" میں ہے،

اماابوالقاسم قشیری قدس سرہ،رسالہ مبارک میں فرماتے ہیں:

ابوعلی الروذباری بغدادی اقام بمصر ومات بھا سنة اثنتین وعشرین و ثلثمائة صحب الجنید والنوری اظرف المشائخ واعلمھم بالطریقة سئل عمن یسمع الملاھی ویقول ھی لی حلال لانی وصلت الی درجة لا توثر فی اختلاف الاحوال فقال نعم قدر وصل ولکن الی سقر۔[1]	یعنی سیدی ابوعلی روذباری رضی اللہ تعالٰی عنہ بغدادی ہیں۔مصر میں اقامت فرمائی اور اسی میں ۳۲۲ھ میں وفات پائی، سیر الطائفۃ جنید و حضرت ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اصحاب سے ہیں،مشائخ میں ان سے زیادہ علم طریقت کسی کو نہ تھا۔اس جناب میں سوال ہوا کہ ایک شخص مزامیر سنتا اور کہتاہے یہ میرے لئے حلال ہیں اس لئے کہ میں ایسے درجے تک پہنچ گیاکہ احوال کااختلاف مجھ پر کیوں اثر نہیں ڈالتا،فرمایاہاں پہنچاتو ضرور مگر کہاں تک جہنم تک،

عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ،کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں فرماتے ہیں فرماتے ہیں: حضور سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کچھ لوگ کہتے ہیں ان التکالیف کانت وسیلة الی الوصول وقد وصلنا شریعت کے احکام تو وصول کے وسیلہ تھے اور ہم دار صل ہوگئے،فرمایا صدقوا فی الوصول ولکن الی سقر والذی یسرق ویزنی خیر ممن یعتقد ذٰلك [2] وہ سچ کہتے ہیں،واصل تو ضرور ہوئے مگر جہنم تک،چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہے۔

(۳) وہ جاہل اجہل یا ضال اضل کہ بے پڑھے کتابیں پڑھ کر بزعم خود عالم بن کر ائمہ سے بے نیاز ہو بیٹھے جیسا کہ قرآن وحدیث ابوحنیفہ وشافعی سمجھتے تھے ان کے زعم میں یہ بھی سمجھتے ہیں بلکہ ان سے بھی

---

[1] الرسالة القشیریة منھم ابوعلی احمد بن محمد الروذھاری مصطفی البابی مصر ص۲۶

[2] الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر المبحث السادس والعشرون داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳ ۲۷و۲۷۲

بہتر کہ انھوں نے قرآن وحدیث کے خلاف حکم دئے، یہ ان کی غلطیاں نکال رہے ہیں، یہ گمراہی بددین غیر مقلد ہے۔

(۴) اس سے بدتر وہابیت کی اصل علت کہ تقویۃ الایمان پر سر منڈا بیٹھے، اس کے مقابل قرآن وحدیث پس پشت پھینک دئے اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک اس ناپاک کتاب کے طور **معاذاللہ** مشرک ٹھہریں اور یہ اللہ ورسول کو پیٹھ دے کر اسی کے مسائل پر ایمان لائیں۔

(۵) ان سے بدتر ان میں دیوبندی کہ انھوں نے گنگوہی ونانوتوی وتھانوی اپنے احبارورہبان کفر کو اسلام بنانے کے لئے اللہ ورسول کو سخت سخت گالیاں قبول کیں۔

(۶) قادیانی **(۷)** نیچیری **(۸)** چکڑالوی **(۹)** روافض **(۱۰)** خوارج **(۱۱)** نواصب **(۱۲)** معتزلہ وغیرہم۔

بالجملہ جملہ مرتدین یا ضالین معاندین دین کہ سب مرشد عام کے مخالف ومنکر ہیں، یہ اشد ہالک ہیں اور ان سب کا پیر شیطان اگرچہ بظاہر کسی کی بیعت کا نام لیں بلکہ خود پیر وولی وقطب بنیں۔ قال اللہ تعالٰی:

"اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾"[1]	شیطان نے انھیں اپنے گھیرے میں لے کر اللہ تعالٰی کی یاد بھلادی وہی شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے شیطان ہی کے گروہ زیاں کار ہیں۔

فلاح تقوٰی

اقول: (میں کہتاہوں) اس کے لئے مرشد خاص کی ضرورت بایں معنی نہیں کہ بے اس کے یہ فلاح مل ہی نہ سکے یہ جیسا کہ اوپر گزرا، فلاں ظاہر ہے اس کے کلام واضح ہیں، آدمی اپنے علم سے یا علماء سے پوچھ پوچھ کر متقی بن سکتا ہے اعمال قلب میں اگرچہ بعض دقائق ہیں مگر محدود اور کتب ائمہ مثل امام ابوطالب مکی وامام حجۃ الاسلام الی وغیرہما میں مشروح تو بے بیعت بھی اس کی راہ کشادہ اور اس کا دروازہ مفتوح، یہ جب کہ اسی قدر پر اقتصار کرے تو ہم اوپر بیان کر آئے کہ غیر متقی سنی بھی بے پیرا نہیں،

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۹

متقی کیونکر بے پیرا، یا معاذاللہ مرید شیطان ہوسکتا ہے اگرچہ کسی کاص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو کہ یہ جس راہ میں ہے اس میں مرشد عام کے سوا مرشد خاص کی ضرورت ہی نہیں، تو جتنا پیرا سے درکار ہے حاصل ہے۔ تو اولیاء کا قول دوم کہ جس کے لئے شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے اس سے متعلق نہیں ہوسکتا اور قول اول کہ بے پیر افلاح نہیں پاتا۔ یہ تو بداہۃً اس پر صادق نہیں فلاح تقوٰی بلاشبہہ فلاح ہے اگرچہ فلاح احسان اس سے اعظم واجل ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا(۳۱)"[1]	اگر تم گناہوں سے بچے تو ہم تمھاری برائیاں مٹادیں گے اور تمھیں عزت والے مکان میں داخل فرمائیں گے۔

یہ بلاشبہہ نفوز عظیم ہے مولٰی تعالٰی نے اہل تقوٰی واہل احسان دونوں کے لئے اپنی معیت ارشاد فرمائی:

"اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ(۱۲۸)"[2]	بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے اور ان کے جو اہل احسان ہیں۔

یہ کیسا افضل عظیم ہے اور فلاح کے لئے کیا چاہئے اقول بات یہ ہے کہ تقوٰی عموماً ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس فلاح اعلی یعنی عذاب سے رستگاری کے لئے بفضل الٰہی حسب وعدہ صادقہ کافی ووافی، احسان یعنی سلوک راہ ولایت اعلٰی درجے کا مطلب و محبوب ہے مگر اس کی طرح فرض نہیں ورنہ اولیاء کے سوا کہ ہر دور میں صرف اایک لاکھ بیس ہزار ہوتے ہیں باقی کروڑ ہا کروڑ مسلمان ہزار ہا علماء وصلحاء سب معاذاللہ تارک فرض وفساق ہوں اولیاء نے بھی کبھی اس راہ کی عام دعورت نہ دی کروڑوں میں سے معدودے چند کو اس پر چلایا اور اس کے طالبوں میں سے بھی جسے اس بار کے قابل نہ پایا واپس فرمایا فرض دے واپس کرنا کیونکر ممکن تھا:

"لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ"[3] "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَاؕ"[4]	اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت بھر اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اتنے کی جو اسے دیا ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۲۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[4] القرآن الکریم ۶۵/ ۷

عوارف شریف میں ہے:

اماخرقۃ التبرك فیطبلھا من مقصودہ التبرك بزی القوم ومثل ھذا لایطالب بشرائط الصحۃ بل یوصی بلزوم حدود الشرع و مخالطۃ ھذا الطائفۃ لتعود علیہ برکتھم ویتادب بادابھم فسوف یرقیہ ذٰلك الی الاھلیۃ الخرقۃ الارادۃ فعلی ھذہ خرقۃ التبرك مبذولۃ لکل طالب وخرقۃ الارادۃ ممنوعۃ الامن الصادق الراغب[1]۔	جو شخص خرقہ تبرک کاخواہاں ہے تواس کا مقصود صرف یہ ہے کہ وہ صوفیائے کے اس لباس سے برکت حاصل کرے اس کے لئے وہ تمام شرائط مخلوق نہیں رکھے جاتے جو خرقہ وارادت کے لئے ضروری ہیں بلکہ صرف اتنا کہیں گے کہ شریعت کا پابند رہ اور اولیاء کی صحبت اختیار کر کہ شاید اس کی برکت اسے خرقہ ارادت کااہل کردے یہی وجہ ہے کہ خرقہ تبرک تو ہر طالب حقیقت کو دیا جاسکتا ہے مگر خرقہ ارادت صرف طلب صادق کے لئے مخصوص ہے۔(ت)

توظاہر ہوا کہ اس کاترک نافی فلاح نہیں۔نہ کہ معاذاللہ مرید شیطان کردے۔

اکابر علماء وائمہ میں ہزار ہاوہ گزرے ہیں جن سے یہ بیعت خاصہ ثابت نہیں یاکی توآخر عمر میں بعد حصول مرتبہ امامت اور وہ بھی بیعت برکت جیسے امام ابن حجر عسقلانی نے سیدی مدین قدس سرہ،کے دست مبارک پر،اقول ہاں جو اس کاترک بوجہ انکار کرے اسے باطل ولغو جانے وہ ضرور گمراہ اور بے فلاں و مرید شیطان ہے جب کہ اس انکار مطلق ہو،اوراگر اپنے عصر ومصر میں کسی کو بیعت کے لئے کافی نہ جانے تواس کا حکم اختلاف منشا سے مختلف ہوگا،اگر یہ اپنے تکبر کے باعث ہے تو

" اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ "[2] کیا جہنم میں متکبروں کاٹھکانا نہیں،اور اگر بلاوجہ شرعی اپنی بدگمانی کے باعث سب کو نااہل جانے تویہ بھی میری کبیرہ ہے اور مرتکب کبیرہ مفلح نہیں۔اوراگر ان میں وہ باتیں ہیں کہ اشتباہ میں ڈالتی ہیں اور یہ بنظر احتیاط بچتا ہے تو الزام نہیں۔

ان من الحزم سوء الظن دع مایریبك الی مالایریبک۔	بیشک احتیاط میں داخل ہے،برا پہلو بچنے کے لئے سوچ لینا جس بات میں تجھے دغدغہ ہو اسے چھوڑ کر وہ اختیار کر جو بے دغدغہ ہو۔

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ص۸۰

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

فلاح انسان

فلاح انسان کے لئے بے شک مرشد خاص کی حاجت ہے اور وہ بھی شیخ ایصال کی شیخ اتصال اس کے لئے کافی نہیں اور اس کے ہاتھ پر بھی بیعت ارادت ہو، بیعت برکت یہاں بس نہیں اس راہ میں وہ شدید باریکیاں اور سخت تاریکیاں ہیں کہ جب تک کامل مکمل اس راہ کے جملہ نشیب وفراز سے آگاہ وماہر حل نہ کرے حل نہ ہوں گے نہ کتب سلوک کا مطالعہ کام دے گا کہ یہ دقائق تقوی کی طرح محدود نہیں جن کا ضبط کتاب کرسکے **الطرق الی اللّٰہ بعدد انفاس الخلائق** اللہ تک راستے اتنے ہیں جتنی تمام مخلوقات کی سانسیں، حضور سیدنا غوث رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ان اللّٰہ لایتجلی لعبد فی صفتین ولا فی صفۃ لعبدین [1] **الخ۔ رواہ فی البھجۃ الشریفۃ وفیہ ثنیا یطول شرحھا۔**	اللہ تعالٰی عزوجل نہ ایک بندے پر دو صفتوں میں تجلی فرمائے نہ ایک صفت سے دو بندوں پر (یہ ارشاد مبارک بہجۃ الاسرار شریف میں روایت کیا اور اس میں ایک استثناء ہے جس کی شرح طویل ہے۔ت)

اور ہر راہ کی دشواریاں، باریکیاں، گھاٹیاں جدا ہیں جن کو نہ یہ خود سمجھ سکے گا نہ کتاب بتائے گی اور وہ پرانا دشمن مکار پرفن ابلیس لعین ہر وقت ساتھ ہے۔ اگر بتانے والا آنکھیں کھولنے والا ہاتھ پکڑنے والا مدد فرمانے والا ساتھ نہ ہو تو خدا جانے کس کھوہ میں گرائے کس گھاٹی میں ہلاک کرے، ممکن ہے کہ سلوک درکنار **معاذاللہ** ایمان تک ہاتھ سے جائے جیسا کہ اس کا کہنا بارہا واقع ہوچکا ہے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ابلیس کے مکر کو رد فرمانا اور اس کا کہنا اے عبدالقادر! تمھیں تمھارے علم نے بچالیا ورنہ اسی دھوکے سے میں نے ستر اہل طریق ہلاک کئے ہیں، معروف ومشہور اور کتب ائمہ مثل بہجۃ الاسرار شریف وغیرہا میں مروی (یعنی یہ روایت لکھی ہوئی ہے) ومسطور۔

اقول: حاشا یہ مرشد عام کا عجز نہیں بلکہ اس کے سمجھنے سے سالک کا عجز ہے مرشد عام میں سب کچھ ہے "**مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ**" [2] ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی مگر احکام

---

[1] بھجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ مصطفی البابی مصر ص ۸۲

[2] القرآن الکریم ۶ /۳۸

ظاہر عام لوگ نہیں سمجھ سکتے جس کے سبب عوام کو علماء علماء کو ائمہ، ائمہ کو رسول کی طرف رجوع فرض ہوئی کہ:

"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ "[1]	ذکر والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

یہی حکم یہاں بھی ہے اور یہاں اہل اللہ کروہ مرشد خاص باوصاف مذکورہ ہے تو جو اس راہ میں قدم رکھے اور (۱) کسی کو پیر نہ بنائے (۲) کسی مبتدع (۳) کسی جاہل کا مرید ہو جو پیر اتصال بھی نہیں (۴) ایسے پیر کا مرید ہو جو صرف پیر اتصال ہے قابل ایصال نہیں اور اس کے بھروسے پر یہ راہ طے کرنا چاہے (۵) شیخ ایصال ہی کا مرید ہو مگر خود رائی برتے اس کے احکام پر نہ چلے تو یہ شخص اس فلاح کو نہ پہنچے گا، اور اس راہ میں ضرور اس کا پیر شیطان ہوگا جس سے تعجب نہیں کہ اسے فلاح بلکہ نفس ایمان سے دور کردے **والعیاذ باللہ رب العالمین اقول:** بلکہ اس کا نہ ہونا ہی تعجب ہے یہ نہ سمجھو کہ غلطی پڑے گی تو اسی قدر کہ اس راہ میں بہکے گا یہ فرض نہ تھی کہ اس کے نہ پانے سے اصلی فلاح نہ رہے۔ نہیں نہیں عدو لعین تو دشمن ایمان ہے وقت و موقع کا منتظر ہے وہ کرشمے دکھاتا ہے جن سے عقائد ایمانی پر حرف آتا ہے۔ آدمی ایک بات سنے ہوئے ہے اور اب آنکھوں سے اس کے خلاف دیکھے تو کس قدر مشکل ہے کہ اپنے مشاہدے کو غلط جانے اور اسی اعتقاد پر جمارہے حالانکہ **لیس الخبر کالمعاینۃ** شنیدہ کے بعد مانند دیدہ (سنی ہوئی بات دیکھنے کے مانند کب ہو سکتی ہے۔ت) پیر کامل کو چاہئے کہ ان شبہان کا کشف کرے۔ رسالہ مبارک اما قشیری میں ہے:

اعلم ان فی هذه الحالة قلما یخلوالمرید فی اوان خلوته فی ابتداء ارادته من الوساوس فی الاعتقاد[2] الی اٰخر ما افاد واجاد علینا به وعلیه رحمة الملك الجواد۔	واضح ہو کہ اس حالت میں ابتدائے ارادت کے زمانہ خلوت میں کم کوئی مرید ہوگا جسے عقائد میں وسوسہ نہ آتے ہو آخر مفید او جید بیان تک، اور ان پر اللہ تعالٰی کی رحمت ہو۔ (ت)

ثم اقول: غالب یہی ہے کہ بے پیر اس راہ کا چلنے والا ان آفتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور گرگ شیطان اسے بے راعی کی بھیڑ پا کر نوالہ کرلیتا ہے اگرچہ ممکن کہ لاکھوں میں ایک ایسا ہو جسے

[1] القرآن الکریم ۱۶ / ۴۳ و۲۱

[2] الرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین مصطفی البابی مصر ص ۱۸۲

جذب ربانی ہی کفایت و کفالت کرے اور بے توسط پیر اسے مکائد نفس و شیطان سے بچا کر نکال لے جائے اس کے لئے مرشد عام مرشد خاص کا کام دے گا۔ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے مرشد خاص ہوں گے کہ بے توسط نبی کوئی وصول ممکن نہیں مگر یہ ہے تو نہایت نادر ہے اور نادر کے لئے حکم نہیں ہوتا **ثم اقول:** بے مرشد خاص اراہ میں قدم رکھنے والوں میں بڑا خوش نصیب وہ ہے کہ ریاضتیں چلے مجاہدے کرے اور اس پر اصلاح فتح یاب نہ ہو راہ ہی نہ کھلے جس کی شواریاں پیش آئیں یہ آپنی فلاح تقوے پر قائم رہے گا دو ۲ شرط سے: ایک یہ کہ اس کا مجاہدہ اسے عجب نہ دلائے اپنے آپ کو اوروں سے اچھا نہ سمجھنے لگے، ورنہ فلاح تقوی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ دوسرے یہ کہ عظیم محنتوں کے بعد محرومی کی تنگ دلی کسی عظیم امر میں نہ ڈال دے کہ کوئی کلمہ سخت کہہ بیٹھے یا دل سے منکر ہو جائے کہ اس وقت فلاں تو در کنار اس کا پیر شیطان ہو جائے گا اور اگر اپنی تقصیر سمجھا اور تذلل وانکسار پر قائم رہا تو اس حکم سے مستثنٰی رہے گا یوں کہ جب راہ نہی کھلی تو راہ چلا ہی نہیں اور اس کے مثل ہوا جو فلاح تقوی پر مقتصر رہا۔ **اقول:** قرآن کریم کے لطائف لامتناہی ہیں اس بیان سے آیہ کریمہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ "[1]	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جان لڑاؤ اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ (ت)

کے مبارک جملوں کا حسن ترتیب واضح ہوا، یہ فلاح احسان کی طرف دعوت ہے اس کے لئے تقوی شرط ہے تو اولا اس کا حکم فرمایا کہ **اتقوا اللہ** (اللہ سے ڈرو۔ت) اب کہ تقوی پر قائم ہو کر راہ احسان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور یہ عادۃً بے وسیلہ شیخ ناممکن ہے لہٰذا دوسرے مرتبہ میں قبل سلوک تلاش پیر کو مقدم فرمایا: **وابتغوا الیه الوسیلة** (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ت) اس لئے کہ **الرفیق ثم الطریق** (پہلے ساتھ تلاش کرو پھر راستہ لو۔ت) اب کہ سامان مہیا ہو لیا اصل مقصود کا حکم دیا کہ **جاھدوا فی سبیله** اس کی راہ میں مجاہدہ کرو **لعلکم تفلحون** تاکہ فلاح احسان پاؤ۔

جعلنا اللہ من المفلحین بفضل	اللہ ہمیں فلاح والوں میں کرے اس کی رحمت کے

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

رحمته بهم انه هوالرؤف الرحيم وصلى الله تعالٰى عليه وسلم وبارك على من به الصلاح والفلاح وعلى اله وصحبه وابنه وحزبه اجمعين اٰمين۔	فضل سے جو فلاح والوں پر کی بیشک وہی بڑا مہربان رحم والا ہے اور اللہ درود وسلام و برکت اتارے ان پر جن کے صدقے میں ہر صلاح وفلاح ہے اور ان کے آل واصحاب اور ان کے بیٹے حضور غوث اعظم اور ان کے سب گروہ پر آمین۔(ت)

ثم اقول: یہاں سے ظاہر ہوا کہ اس میں راہ فلاح وسیلہ پر موقوف کہ اس کو اس پر مرتب فرمایا تو ثابت ہوا کہ یہاں بے پیرا فلاح نہ پائے گا اور جب فلاح نہ پائے گا خاسر ہوگا تو حزب اللہ سے نہ ہوا حزب الشیطان سے ہوگا کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾"[1] "اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾"[2]	سنتا ہے شیطان ہی کا گروہ خاسر ہے سنتا ہے اللہ ہی کا گروہ فلاح والا ہے۔

تو دوسرا جملہ بھی ثابت ہوا کہ بے پیرے کا پیر شیطان ہے جس کا بیان ابھی گزر **انسأل الله العفو والعافية** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت)

بالجملہ **حاصل تحقیق** یہ چند جملے ہوئے:

(۱) ہر بدمذہب فلاح سے دور ہلاکت میں چورہ۔ مطلقاً بے پیرا ہے، اور ابلیس اس کا پیر، اگرچہ بظاہر کسی انسان کا مرید ہو بلکہ خود پیر بنے راہ سلوک میں قدم رکھے نہ رکھے ہر طرح **لایفلح وشیخه الشیطان** (فلاح نہیں پائے گا اور اس کا پیر شیطان ہے۔ ت) کا مصداق ہے۔

(۲) سنی صحیح العقیدہ کہ راہ سلوک نہ پڑا اگر فسق کرے فلاح پر نہیں مگر پھر بھی نہ بے پیرا ہے نہ اس کا پیر شیطان بلکہ جس شیخ جامع شرائط کا مرید ہو اس کا مرید ہے ورنہ مرشد عام کا۔

(۳) یہ اگر تقوٰی کرے تو فلاح پر بھی ہے اور بدستور اپنے شیخ یا مرشد کا عام کا مرید غرض سنی کا مضایق سلوک میں نہ پڑا کسی خاص بیعت نہ کرنے سے بے پیرا نہیں ہوتا نہ شیطان کا مرد ہاں فسق کرے تو فلاح پر نہیں اور متقی ہو تو مفلح بھی ہے۔

(۴) اگر مضایق سلوک میں بے پیر خاص قدم رکھا اور راہ کھل ہی نہیں نہ کوئی مرض مثل عجب وانکار پیدا ہو تو اپنی پہلی حالت پر ہے اس میں کوئی تغیر نہ آیا شیطان اس کا پیر نہ ہوگا اور متقی تھا

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

توفلاح پر بھی ہے۔

(۵) یہ مرض پیدا ہوئے تو فلاح پر نہ رہا اور بحالت انکار وفساد عقیدہ مرید شیطان بھی ہوگیا۔

(۶) اگر راہ کھلی تو جب تک پیر ایصال کے ہاتھ پر بیعت ارادت نہ رکھتا ہو غالب ہلاک ہے اس بے پیرے کا پیر شیطان ہوگا اگرچہ بظاہر کسی نا قابل پیر یا محض شیخ اتصال کا مرید یا خود شیخ بنتا ہو۔

(۷) ہاں اگر محض جذب ربانی کفالت فرمائے تو ہر بلا دور ہے اور اس کے پیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الحمدللہ ! یہ وہ تفصیل جمیل و تحقیق جلیل ہے کہ ان اوراق کے سوا کہیں نہ ملے گی، بیس برس ہوئے جب بھی یہ سوال ہوا اور ایک مختصر جواب لکھا گیا تھا جس کی تکمیل و تفصیل یہ ہے کہ اس وقت قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائض ہوئی۔

والحمدللہ رب العالمین وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی سید المرسلین وصحبہ اجمعین، واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

رسالہ

مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء ۱۳۲۷ھ

(علماء اور شریعت کی افضیلت پر اہل معرفت کا کلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۸۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین متین ووارثان انبیاء ومرسلین صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین اس مسئلہ میں کہ زید کہتاہے کہ حدیث شریف العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ت) میں علمائے شریعت وطریقت دونوں داخل ہیں، اور جامع جو شریعت وطریقت ہیں وہ وراثت کے رتبہ اعظم واجل ودرجہ اتم واکمل پر فائز ہیں، اور عمرو کا بیان ہے:

(۱) شریعت نام ہے چند فرائض وواجبات وسنن ومستحبات وچند مسائل حلال وحرام کا، جیسے صورت وضو ونماز وغیرہ۔

(۲) اور طریقت نام ہے وصول الی اللہ تعالٰی کا۔

(۳) اس میں حقیقت نماز وغیرہ منکشف ہوتی ہے۔

(۴) یہ بحر ناپیدا کنار ودریائے ذخار ہے اور وہ بمقابلہ اس دریا کے ایک قطرہ ہے۔

(۵) وراثت انبیاء کا یہی وصول الی اللہ مقصود ومنشاء اور یہی شان رسالت ونبوت کا مقتضٰی خاص اسی کے لئے وہ مبعوث ہوئے۔

(۶) بھائیو! علمائے صوری وقشری کسی طرح اس وراثت کی قابلیت نہیں رکھتے۔

(۷) نہ وہ علمائے ربانی کہے جاسکتے ہیں۔

(۸) ان کے دام تزویر سے اپنے آپ کو دور رکھنا **العیاذ باللہ** یہ شیطان ہیں۔

(۹) منزل اصل طریقت کے سدراہ ہوئے ہیں۔

(۱۰) یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، بہت سے علمائے حقانی واولیائے ربانی نے اپنی اپنی تصانیف میں ان کو تصریح سے لکھاہے الی آخر الہذیانات التماس یہ کہ ان دونوں میں کس کا قول صحیح اور اس مسئلہ کی کیا تنقیح ہے۔ اگر عمرو غلطی پر ہے تو اس پر کوئی شرعی تعزیر بھی ہے یا نہیں؟ وہ کہتاہے میری غلطی جب ثابت ہو گی کہ میرے اقوال کا ابطال اولیاء کے اقوال ہدایت مآل سے کیا جائے ورنہ نہیں۔ **بینوا بالتفصیل التام توجروا یوم القیام** (پوری تفصیل بیان کرواور روز قیامت اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

الحمدللہ الذی انزل الشریعۃ وجعلھا للوصول الیہ ہی الذریعۃ لمن ابتغی الیہ طریقا دونھا فقد خاب و ھوی وضل وغوٰی وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی اکرم الرسل و افضل داع الی سبل السلام الذی شریعتہ ھی الطریقۃ بعین الحقیقۃ فبھا الوصول الی العلی الاکبر ومن خالفھا فسیصل ولکن الی این الی سقر وعلی الہ واصحابہ وعلمائہ واحزابہ وارثی علمہ و حاملی اٰدابہ اٰمین یارب العالمین* اللھم لك الحمد رب انی اعوذبك من ہمزات الشیطین واعوذبك رب ان یحضرون۔	تمام حمدیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے شریعت نازل فرمائی اور اس کو اپنی طرف وصول کا ذریعہ بنایا یہی وسیلہ ہے اس کی طرف جانے والے کا کوئی اور راستہ ہو تو وہ ناکام ہو اور خواہش نفس گمراہی اور ضلالت میں مبتلا رہے تمام رسولوں سے اکرم رسول پر افضل صلوٰۃ واکمل سلام ہو جو سب سے بہتر دعوت دینے والا سلامتی کی راہ کا یہ وہ ذات ہے جس کی شریعت ہی طریقت اور عین حقیقت ہے اسی کے سبب اللہ تعالٰی کے دربار میں وصول ہے اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ پہنچے گا کہاں جہنم میں، آپ کی آل پاک وصحابہ وعلماء اور جماعت پر جو آپ کے علم کے وارث ہیں اور آپ کے آداب کے حامل ہیں، آمین یارب العالمین، یا اللہ! حمد تیرے ہی لئے، میرے رب! میں تیری پناہ لیتاہوں شیطان کے وسوسوں سے اور تیری پناہ لیتا میرے رب! ان کے حاضر ہونے سے۔(ت)

زید کا قول حق و صحیح اور عمرو کا زعم باطل و قبیح والحاد صریح ہے۔اس کے کلام شیطنت نظام میں دس فقرے ہیں ہم سب کے متعلق مجمل بحث کریں کہ ان شاء اللہ الکریم مسلمانوں کو مفید و نافع اور شیطانوں کی قالع و قامع ہو **وباللہ التوفیق**۔

(۱) عمرو کا قول کہ شریعت چند احکام فرض وواجب وحلال وحرام کا نام ہے محض اندھا پن ہے۔شریعت تمام احکام جسم وجان و روح وقلب وجملہ علوم الٰہیہ ومعارف نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے ولہٰذا باجماع قطعی جملہ اولیائے کرام تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے۔اگر شریعت کے مطابق ہوں حق ومقبول ہیں ورنہ مردود ومخذول،تو یقینا قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے۔شریعت ہی مناط ومدار ہے۔شریعت ہی محکم ومعیار ہے۔ شریعت "راہ" کو کہتے ہیں اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کا ترجمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راہ،یہ قطعاً عام ومطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص،یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر ثبات واستقامت کی دعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ "[1] ہم کو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راہ چلا ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ،عبداللہ بن عباس وامام ابو عالیہ وامام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

الصراط المستقیم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصاحباہ،رواہ عن ابن عباس الحاکم [2] فی صحیحہ وعن ابی العالیۃ من طریق عاصم الاحول عنہ عبد بن حمید وابناء جریج وابی حاتم وعدی وعساکر وفیہ ابی حاتم وعدی وعساکر وفیہ فذکرنا ذٰلک للحسن فقال صدق ابو العالیۃ ونصح [3]۔	صراط مستقیم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق وعمر فاروق ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما(اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ابو العالیہ سے بطریق عاصم الاحول ان سے عبد بن حمید اور جریج وابی حاتم وعدی اور عساکر کے بیٹوں نے اور اس میں ہے کہ ہم نے یہ حدیث حسن سے ذکر کی تو انھوں نے فرمایا ابو العالیہ نے خالص سچ کہا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۱/ ۵

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر شرح الصراط المستقیم دار الفکر بیروت ۲/ ۲۵۹

[3] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تفسیر سورۃ الفاتحہ مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض ۱/ ۳۰

یہی وہ راہ ہے جس کا منتہا اللہ ہے۔قرآن عظیم میں فرمایا: "اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ "[1] بیشک اس سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بددین گمراہ ہے،قرآن عظیم نے فرمایا:

"وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ "[2]	(شروع رکوع سے احکام شریعت بیان کرکے فرماتا ہے)اور اے محبوب! تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرواور اس کے سوااور راستوں کے پیچھے نہ جاؤکہ وہ تمھیں اس کی راہ سے جدا کردیں گے۔یہ تمھیں تاکید فرماتا ہے تاکہ تم پرہیز گاری کرو۔

دیکھو قرآن مجید نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے اور اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دور پڑے گا۔

(۲) عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون وجہالت ہے۔ہر دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے۔کہ طریق طریقہ طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو،تو یقینا طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن مجید خدا تک نہ پہنچائے گی،بلکہ شیطان تک جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن مجید باطل ومردود فرماچکا۔لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت ہی شریعت ہے کہ اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے اس کا اس سے جدا ہونا محال وناسزا ہے جو اسے شریعت سے جدا جانتا ہے اسے راہ خدا سے توڑ کر راہ ابلیس مانتا ہے مگر حاشا طریقت حقہ راہ ابلیس نہیں قطعاً راہ خدا ہے تو یقینا وہ شریعت مطہرہ ہی کا ٹکڑا ہے۔

(۳) طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں،جوگیوں،سنیاسیوں کو ہوتے ہیں،پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اسی نار جحیم وعذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔

(۴) شریعت کو قطرہ طریقت کو دریا کہنا اس مجنون پکے پاگل کا کام ہے جس نے دریا کا پاٹ

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۵۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۵۳

کسی سے سن لیا اور نہ جانا کہ یہ وسعت نہ ہوتی تو اس میں کس گھر سے آتی، شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا۔ بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے۔ منبع سے پانی نکل کر دریا بن کر جن زمینوں پر گزرے انھیں سیراب کرنے میں اسے منبع کی احتیاج نہیں۔ نہ اس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت، مگر شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے منبع سے اس کا تعلق ٹوٹے تو یہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لئے مدد موقوف ہو جائے فی الحال جتنا پانی آچکا ہے چند روز تک پینے، نہانے، کھیتیاں، باغات سینچنے کا کام دے نہیں نہیں منبع سے اس کا تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہو جائے گا، بوند تو بوند نم کا بھی نام نظر نہ آئے گا، نہیں نہیں، میں نے غلطی کی، کاش اتنا ہی ہوتا کہ دریا سوکھ گیا، پانی معدوم ہوا، باغ سوکھے، کھیت مرجھائے، آدمی پیاسے تڑپ رہے ہیں، ہرگز نہیں، بلکہ یہاں سے اس مبارک منبع سے تعلق چھوٹتے ہی یہ تمام دریا البحر المسجور ہو کر شعلہ فشاں آگ ہو جاتا ہے جس کے شعلوں سے کہیں پناہ نہیں، پھر کاش وہ شعلے ظاہری آنکھوں سے سوجھتے تو جو تعلق توڑنے والے جلے خاک سیاہ ہوئے تھے اتنے ہی جل کر باقی بچ جاتے کہ ان کا یہ انجام دیکھ کر عبرت پاتے مگر نہیں وہ تو "نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـٕدَةِ ؕ" [1] ہے۔ اللہ کی بھڑکاتی ہوئی آگ کہ دلوں پر چڑھتی ہے۔ اندر سے دل جل گئے، ایمان خاک سیاہ ہوگئے۔ اور ظاہر میں وہی پانی نظر آرہا ہے دیکھنے میں دریا اور باطن میں آگ کا دہرا، آہ آہ کہ اس پردے نے لاکھوں کو ہلاک کیا، پھر دریا منبع کی مثال سے ایک اور فرق عظیم ہے جس کی طرف اشارہ گزرا کہ نفع لینے والوں کو اس وقت منبع کی حاجت نہیں، مگر حاشا یہاں منبع سے تعلق نہ توڑیئے کہ پانی باقی رہے اور آگ نہ ہو جائے جب بھی ہر آن منبع سے اس کی جانچ پڑتال کی حاجت ہے وہ یوں کہ یہ پاکیزہ شیریں دریا جو اس برکت والے منبع سے نکل کر اس دار الالتباس کی وادیوں میں لہریں لے رہا ہے۔ یہاں اس کے ساتھ ایک سخت ناپاک کھاری دریا بھی بہتا ہے۔ "هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ" [2] ایک خوب میٹھا شیریں ہے اور ایک سخت نمک کھاری، وہ دریائے شور کیا ہے شیطان ملعون کے وسوسے دھوکے، تو دریائے شیریں سے نفع لینے والوں کو ہر آن احتیاج ہے کہ ہر نئی

---

[1] القرآن الکریم ۱۰۴/ ۶و۷

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۵۳

لہرپر اس کی رنگت مزے بو کو اصل منبع کے لون طعم ریح سے ملاتے رہیں کہ یہ لہر اس منبع سے آئی ہے یا شیطانی پیشاب کی بدبو کھاری دھار دھوکا دے رہی ہے۔ سخت دقت یہ ہے کہ اس پاک مبارک منبع کی کمال لطافت سے اس کا مزہ جلد زبان سے اتر جاتا ہے۔ رنگت بو کچھ یاد نہیں رہتی اور ساتھ ہی ذائقہ شامہ باصرہ کا معنوی حس فاسد ہو جاتا ہے کہ آدمی منبع سے جدا ہو اور اسے گلاب اور پیشاب میں تمیز نہیں رہتی، ابلیس کا کھاری بدبو رنگ موت عنٹ عنٹ چڑھاتا اور گمان کرتا ہے کہ دریائے طریقت کا شیریں خوشبو خوش رنگ پانی پی رہا ہوں، لہٰذا شریعت منبع و دریا کی مثال سے بھی نہایت متعالی ہے وللہ المثل الاعلٰی شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے۔ کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اس کی روشنی بڑھتے بڑھتے صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا اور نور حق تجلی فرماتا ہے یہ مرتبہ علم میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت ہے تو حقیقت بین وہی ایک شریعت ہے کہ باختلاف مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں جب یہ نور بڑھ کر صبح روشن کے مثل ہوتا ہے ابلیس لعین خیر خواہ بن کر آتا ہے اور اس سے کہتا ہے "اطفی المصباح فقد اشرق الاصباح" چراغ ٹھنڈا کر کہ اب تو صبح خوب روشن ہو گئی، اگر آدمی دھوکے میں نہ آیا اور نور فانوس بڑھ کر دن ہو گیا ابلیس کہتا ہے کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا آفتاب روشن ہے۔ احمق اب تجھے چراغ کی کیا حاجت ہے۔ ع

ابلہے کو روز روشن شمع کافوری نہد

(بیوقوف روشن دن کافوری شمع رکھتا ہے۔ت)

ہدایت الٰہی اگر دستگیر ہے تو بندہ لاحول پڑھتا اور اس ملعون کو دفع کرتا ہے کہ او عدو اللہ! یہ جسے تو دن یا آفتاب کہہ رہا ہے آخر کیا ہے۔ اسی فانوس کا تو نور ہے۔ اسے بجھایا تو نور کہاں سے آئے گا، اس وقت وہ دغاباز خائب و خاسر پھرتا ہے اور بندہ "نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ"[1] (نور پر نور ہے اور اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔ت) کی حمایت میں نور حقیقی تک پہنچتا ہے اور اگر دم میں آگیا اور سمجھا کہ ہاں دن تو ہو گیا اب مجھے چراغ کی کیا حاجت ہے ادھر فانوس بجھا اور معًا اندھیرا گھپ کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۵

" ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَاؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۠(۴۰) " [1]	ایک پر ایک اندھیریاں ہیں، اپنا ہاتھ نکالے تو نہ سوجھے اور جسے خدا نور نہ دے اس کے لئے نور کہاں۔

یہ ہیں وہ کہ طریقت بلکہ حقیقت تک پہنچ کر اپنے آپ کو شریعت سے مستغنی سمجھے اور ابلیس کے فریب میں آکر اس الٰہی فانوس کو بجھا بیٹھے کاش یہی ہوتا کہ اس کے بجھنے سے جو عالمگیر اندھیرا ان کی آنکھوں میں چھایا جسے دن دہاڑے چوپٹ کردیا ان کو اس کی خبر ہوتی کہ شاید توبہ کرتے فانوس کا مالک ندامت والوں پر مہر رکھتا ہے۔ پھر انھیں روشنی دیتا، مگر ستم اندھیر تو یہ ہے کہ دشمن ملعون نے جہاں فانوس خاموش کرائی اس کے ساتھ ہی معًا اپنی سازشی بتی جلا کر ان کے ہاتھ میں دے دی یہ اسے نور سمجھ رہے ہیں اور وہ حقیقۃً نار ہے۔ یہ مگن ہیں کہ شریعت والوں کے پاس کیا ہے۔ ایک چراغ ہے ہمارا نور آفتاب کو لئے جارہا ہے۔ وہ قطرہ اور یہ ایک دریا ہے۔ اور خبر نہیں کہ وہ حقیقۃً نور ہے۔ اور یہ دھوکے کی ٹٹی، آنکھ بند ہوتے ہی حال کھل جائے گا کہ ع

باکہ باختہ عشق درشب دیجور

(اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی۔ ت)

بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس ایک ایک پل ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اس قدر ہادی کی زیادہ حاجت ولہٰذا حدیث میں آیا حضور سیدی عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون، رواہ ابونعیم فی الحلیة [2] عن واثلة بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا کہ چکی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں (اسے ابونعیم نے حلیہ میں واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

قصم ظھری اثنان جھل	دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑدی (یعنی وہ

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[2] حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

متنسك وعالم متهتك [1]۔	بلائے بے درماں ہیں) جاہل عابد اور عالم جو علانیہ بیباکانہ گناہوں کا ارتکاب کرے۔

اے عزیز! شریعت عمارت ہے اور اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی، پھر اعمال ظاہر وہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے، اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آسمان تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی اور نہ صرف نیو کہ بلکہ اعلیٰ حصہ اسفل کا بھی محتاج ہے۔ اگر دیوار نیچے سے خالی کردی جائے اوپر سے بھی گر پڑے گی، احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کرکے اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں ڈالا کہ اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گزر گئے ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت ہے۔ نیو سے دیوار جدا کرلی اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن مجید نے فرمایا کہ "فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ" [2] اس کی عمارت اسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی، والعیاذ باللہ رب العالمین اسی لئے اولیائے کرام فرماتے ہیں صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد، رواہ الترمذی [3] وابن ماجة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے "وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾" [4] اور وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔

(۵) عمرو کا طریقت کو غیر شریعت جان کر حصر کردینا کہ یہی مقصود ہے انبیاء صرف اس کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ صراحۃً شریعت مطہرہ کو معاذاللہ معطل و مہمل ولغو باطل کردینا ہے اور یہ صریح

1

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۱۰

[3] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۳، سنن ابن ماجه باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۰

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۰۴

کفر وارتداد اور وہ زندقہ والحاد موجب لعنت ابعاد ہے۔ہاں یہ کہنا تو حق ہے کہ اصل مقصود وصول الی اللہ ہے۔مگر حیف اس پر جو اپنی جہالت شدیدہ سے نجانے یا جانے اور عناد شریعت کے باعث نہ مانے کہ وصول الی اللہ کا راستہ یہی شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے وبس، ہم اوپر قرآن مجید سے ثابت کرآئے ہیں کہ شریعت کے سوااللہ تک راہیں بند ہیں، طریقت اگر وہ اپنے زعم میں کسی راہ مخالف کا نام سمجھا ہے تو حاشا وہ خداتک پہنچائے بلکہ وہ مسدود اور اس کا چلنے والا مردود،اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اس کی تہمت ملعون ومطرود، کیا کوئی ثبوت دے سکتاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی کو شریعت کے خلاف دوسری راہ کی طرف بلایا ہے حاشا وکلا۔

(۶) جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عمر بھر اسی کی طرف بلایا اور یہی راستہ ہمارے لئے چھوڑا تو اس کا حامل اس کا خادم اس کا حامی اس کا عالم کیونکر ان کا وارث نہ ہوگا، ہم پوچھتے ہیں اگر بالفرض شریعت صرف فرض واجب سنت مستحب حلال وحرام ہی کے علم کا نام ہو تو یہ علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے یا ان کے غیر سے اگر اسلام کا دعوٰی رکھتا ہے تو ضرور کہے گا کہ حضور ہی سے ہے۔ پھر اس کا عالم حضور کا وارث نہ ہوا تو اور کس کا ہوگا، علم ان کا ترکہ پھر اس پانے والا اس کا وارث نہ ہو اس کے کیا معنی۔اگر کہے کہ یہ علم تو ضرور ان کا ہے مگر دوسرا حصہ یعنی علم باطن اس نے نہ پایا لہذا وارث نہ ٹھہرا تو اے جاہل! کیا وارث کے لئے یہ ضرور ہے کہ مورث کا کل مال پائے یوں تو عالم میں کوئی صدیق ان کا وارث نہ ٹھہرے گا،اور ارشاد اقدس **ان العلماء ورثۃ الانبیاء معاذاللہ** غلط بن کر محال ہوجائے گا،کہ ان کا کل علم تو کسی کو مل ہی نہیں سکتا اور اگر بالفرض غلط شریعت وطریقت دو جدا رہیں بنیں اور قطرہ دریا کی نسبت جانیں جس طرح یہ جاہل بکتاہے جب بھی علمائے شریعت سے وراثت انبیاء کا سلب کرنا جنون محض ہوگا، کیا ترکہ مورث سے تھوڑا حصہ پانے والا وارث نہیں ہوتا، جیسے ملا ان کے علم میں سے تھوڑا ہی ملا "**وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا**" [1] اگر یہ شریعت طریقت کی **معاذاللہ** برائی فرض کرلیں تو انصافا حدیث ان مسخرگان شیطان پر الٹی پڑے گی یعنی علمائے ظاہری وارثان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء ٹھہرینگے اور علمائے باطن **عیاذا باللہ** اس سے محروم،انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی بھی ہوتے ہیں اور ولی بھی ان کے علوم نبوت یہ ہیں جن کو شریعت کہتے ہیں، جن کی طرف وہ عام امت کو دعوت کرتے ہیں،اور علوم ولایت وہ ہیں جن کو یہ جاہل طریقت کہتاہے اور وہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۵

خاص خاص لوگوں کو خفیہ تعلیم ہوتے ہیں تو علمائے باطن کہ علوم ولایت کے وارث ہوئے وارثان اولیاء ٹھہرے نہ کہ وارثان انبیاء، وارثان انبیاء یہی علمائے ظاہر رہے جنھوں نے علوم نبوت پائے، مگر یہ اس جاہل کی اشد جہالت ہے۔ حاشا نہ شریعت وطریقت دوراہیں ہیں نہ اولیاء کبھی غیر علماء ہو سکتے ہیں علامہ مناوی شرح جامع صغیر پھر عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

علم الباطن لایعرف الا من عرف علم الظاهر[1]۔	علم باطن نہ جانے گا مگر وہ جو علم ظاہر جانتا ہے۔

امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

وما اتخذ الله ولیا جاهلا[2]۔	اللہ نے کبھی کسی جاہل کو اپنا ولی نہ بنایا۔

یعنی بنانا چاہا تو پہلے اسے علم دے دیا اس کے بعد ولی کیا کہ جو علم ظاہر نہیں رکھتا علم باطن کہ اس کا ثمرہ ونتیجہ ہے کیونکر پاسکتا ہے، حق سبحانہ وتعالٰی کے متعلق بندوں کے لئے پانچ علم ہیں: علم ذات، علم صفات، علم افعال، علم اسماء، علم احکام۔

ان میں ہر پہلا دوسرے سے مشکل تر ہے۔ جو سب سے آسان علم احکام میں عاجز ہوگا سب سے مشکل علم ذات کیونکر پاسکے گا اور قرآن شریف انھیں مطلقًا وارث بتارہا ہے حتی کہ ان کے بے عمل کو بھی یعنی جبکہ عقائد حق پر مستقیم اور ہدایت کی طرف داعی ہو کہ گمراہ اور گمراہی کی طرف بلانے والا وارث نبی نہیں نائب ابلیس ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ ہاں رب عزوجل نے تمام علماء شریعت کو کہاں وارث فرمایا ہے یہاں تک کہ ان کے بے عمل کو بھی، ہاں وہ ہم سے پوچھئے، مولٰی عزوجل فرماتا ہے:

"ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾"[3]	پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی متوسط حال کا اور کوئی بحکم خدا بھلائیوں میں پیشی لے جانے والا یہی بڑا فضل ہے۔

1

2

[3] القرآن الکریم ۳۵/ ۳۲

دیکھو بے عمل کہ گناہوں سے اپنی جان پر ظلم کررہے ہیں انھیں بھی کتاب کا وارث بتایا اور نرا وارث ہی نہیں بلکہ اپنے چنے ہوئے بندوں میں گنا، احادیث میں آیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

سابقنا سابق ومقتصدنا ناج وظالمنا مغفورله والحمدلله رب محمد الرؤف الرحیم علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوة والتسلیم، رواه العقیلی وابن لال و ابن مردویه والبیهقی فی البعث والبغوی فی المعالم [1] عن امیر المومنین عمر، والبیهقی وابن مردویه عن ابن عمر وابن النجار عن انس رضی الله تعالٰی عنهم۔	ہم میں کا جو سبقت لے گیا وہ تو سبقت لے ہی گیا اور جو متوسط حال کا ہوا، وہ بھی نجات والا ہے اور جو اپنی جان پر ظالم ہے اس کی بھی مغفرت ہے۔ (والحمدللہ رب محمد الرؤف الرحیم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم۔ اسے عقیلی، ابن لال، ابن مردویہ اور بیہقی نے بعث میں اور بغوی نے معالم میں امیر المومنین عمر سے اور بیہقی اور ابن مردویہ نے ابن عمر سے اور ابن نجار نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ت)

عالم شریعت اگر اپنے علم پر عامل بھی ہو چاند ہے کہ آپ ٹھنڈا اور تمھیں روشنی دے ورنہ شمع ہے کہ خود جلے مگر تمھیں نفع دے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل الذی یعلم الناس الخیر وینسٰی نفسه مثل الفتیلة تضیئ للناس وتحرق نفسها، رواه البزار [2] عن ابی هریرة والطبرانی عن جندب بن عبدالله الازدی وعن ابی برزة الاسلمی رضی الله تعالٰی عنهم بسند حسن۔	اس شخص کی مثال جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا اور اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اس فتیلہ کی طرح ہے کہ لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور خود جلتا ہے اس کو بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے حضرت جندب بن عبداللہ ازدی اور حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بسند حسن روایت کیا۔ ت)

[1] معالم التنزیل تحت آیة ۳۵/۳۲ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۰۲

[2] الترغیب والترهیب بحواله الطبرانی والبزار مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷-۱۲۶ و ۳/ ۲۳۵

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا قرأ الرجل القراٰن واحتشی من احادیث رسول اللہ صلی علیہ وسلم وکانت ھناك غریزۃ کان خلیفۃ من خلفاء الانبیاء رواہ الامام الرافعی فی تاریخہ[1] عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب آدمی قرآن مجید پڑھ لے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں جی بھر کر حاصل کرے اور اس کے ساتھ طبیعت سلیقہ دار رکھتا ہو تو وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نائبوں سے ایک ہے۔(اسے امام رافعی نے اپنی تاریخ میں ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

دیکھو حدیث نے وارث تو وارث خلیفۃ الانبیاء ہونے کے لئے صرف تین شرطیں مقرر فرمائیں قرآن وحدیث جانے اور ان کی سمجھ رکھتا ہو، خلیفہ ووارث میں فرق ظاہر ہے آدمی کی تمام اولاد اس کی وارث ہے مگر جانشین ہونے کی لیاقت ہر ایک میں نہیں۔

(۷)جب قرآن مجید نے سب وارثان کتاب کو اپنے چنے ہوئے بندے فرمایا، تو وہ قطعاً اللہ والے ہوئے اور جب اللہ والے ہوئے تو ضرور ربانی ہوئے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾"[2]	ربانی ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس لئے کہ تم پڑھتے ہو۔

اور فرماتا ہے:

"اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌۚ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَۚ"[3]	بیشک ہم نے اتاری توریت اس میں ہدایت ونور ہے اس سے ہمارے فرمانبردار نبی اور ربانی اور دانشمند لوگ یہودیوں پر حکم کرتے تھے یوں کہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان ٹھہرائے گے اور وہ اس سے خبردار تھے۔

[1] کنز العمال بحوالہ الرافعی فی تاریخہ حدیث ۲۸۶۹۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۳۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۷۹

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

ان آیات میں اللہ عزوجل نے ربانی ہونے کی وجہ اور ربانیوں کی صفات اس قدر بیان فرمائیں کہ کتاب پڑھنا پڑھانا اس کے احکام سے خبردار ہونا اور اس کی نگہداشت رکھنا اس کے ساتھ حکم کرنا، ظاہر ہے کہ یہ سب اوصاف علمائے شریعت میں ہیں تو وہ ضرور ربانی ہیں، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

ربانیین فقهاء معلمین، رواه ابن ابی حاتم[1] عن سعید بن جبیر۔	ربانی کے معنی ہیں فقیہ مدرس (اسے ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا۔ت)

نیز وہ اور ان کے تلامذہ امام مجاہد و امام سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

ربانیین علماء فقهاء رواه عن ابن عباس ابن جریرة وابن ابی حاتم وعن مجاهد ابن جریر و عن ابن جبیر الدارمی[2] فی سننه۔	ربانی عالم فقیہ کو کہتے ہیں (اسے ابن عباس ابن جریرۃ وابن حاتم سے اور مجاھد ابن جریر وابن جبیر دارمی کی سنن میں روایت کیا گیا۔ت)

(۸) جبکہ اللہ عزوجل علمائے شریعت کو اپنا چنا ہوا بندہ کہتا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھیں اپنا وارث اپنا خلیفہ انبیاء کا جانشین بتاتے ہیں تو انھیں شیطان نہ کہے گا مگر ابلیس یا اس کی ذریت کا کوئی منافق خبیث یہ میں نہیں کہتا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثه لایستخف بحقهم الامنافق بین النفاق ذو الشیبة فی الاسلام وذوالعلم وامام مقسط رواه ابو الشیخ فی التوبیخ عن جابر والطبرانی[3] فی الکبیر	تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر منافق منافق بھی کون سا کھلا منافق۔ایک بوڑھا مسلمان جسے اسلام ہی میں بڑھاپا آیا، دوسرا عالم دین، تیسرا بادشاہ مسلمان عادل، (اس کو

---

[1] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت آیۃ ۳/ ۷۹ مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض ۲/ ۶۹۱

[2] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت آیۃ ۳/ ۷۹ مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض ۲/ ۶۹۲، جامع البیان (تفسیر ابن جریر) بحواله مجاہد وابن عباس المطبعة المیمنة مصر الجزء الثانی ص ۲۱۲، سنن الدارمی باب فضل العلم والعالم حدیث ۳۲۷ نشر السنة ملتان ۱/ ۸۱

[3] المعجم الکبیر عن ابی امامه حدیث ۷۸۱۸ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸/ ۲۳۸، کنز العمال بحواله ابی الشیخ فی التوبیخ حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۶/ ۳۲

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسنہ الترمذی فی غیر ھذا الحدیث۔	ابوالشیخ نے توبیخ میں جابر سے اور طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایبغی علی الناس الاولد بغی والامن فیہ عرق منہ۔ رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	لوگوں پر زیادتی نہ کرے گامگر ولد الزنا یا وہ جس میں اس کی کوئی رگ ہو۔(اسے طبرانی نے کبیر میں ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

جب عام لوگوں پر زیادتی کے بارے میں یہ حکم ہے پھر علماء کی شان ارفع واعلٰی ہے بلکہ حدیث میں لفظ ناس فرمایا،اور اس کے سچے مصداق علماء ہی ہیں۔امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:سئل ابن المبارک من الناس فقال العلماء [2] یعنی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے تلمیذ رشید عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حدیث وفقہ ومعرفت وولایت سب میں امام اجل ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ ناس یعنی آدمی کون ہیں،فرمایا:علماء۔امام غزالی فرماتے ہیں:"جو عالم نہ ہو امام ابن المبارک نے اسے آدمی نہ گنا اس لئے کہ انسان اور چوپائے میں علم کا فرق ہے،انسان اس سبب سے انسان ہے نہ جسم کے باعث کہ اس کا شرف جسمانی طاقت سے نہیں کہ اونٹ اس سے زیادہ طاقت ور ہے۔نہ بڑے جثہ کے سبب کہ ہاتھی کا جثہ اس سے بڑا ہے۔نہ بہادری کے باعث کہ شیر اس سے زیادہ بہادر ہے۔نہ خوراک کی وجہ سے کہ بیل کا پیٹ اس سے بڑا ہے نہ جماع کی غرض سے کہ چڑوٹا جو سب میں ذلیل چڑیا ہے اس سے زیادہ جفتی کی قوت رکھتا ہے آدمی تو صرف علم کے عــہ لئے بنایا گیا اور اسی سے

عــہ: قال تعالٰی "وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ | اللہ تعالٰی نے فرمایا اور نہیں پیدا کیا جن وانس کو (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الخلافۃ باب فی عمال السؤالخ دارالکتاب بیروت ۵/ ۲۳۳ و ۶/ ۲۵۸،کنز العمال بحوالہ طب حدیث ۱۳۰۹۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۳۳۳

[2] احیاء العلوم کتاب العلم الباب الاول مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۷

اس کا شرف ہے [1] **انتہی**"۔

(۹) بیانات بالا سے واضح ہے کہ علمائے شریعت ہر گز طریقت کے سد راہ نہیں بلکہ وہی اس کے فتح باب اور وہی اس کے نگاہبان راہ ہیں، ہاں وہ طریقت جسے بندگان شیطان طریقت نام رکھیں اور اسے شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جدا کریں علماء اس کے لئے ضرور سد راہ ہیں علماء کیا خود اللہ عزوجل نے اس راہ کو مسدود و مردود وملعون ومطرود فرمایا اوپر گزرا کہ علمائے شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ہر آن ہے اور یہ طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ ورنہ حدیث میں اسے چکی کھینچنے والا گدھا فرمایا۔ تو اگر علماء نے تمھیں گدھا بننے سے روکا کیا گناہ کیا۔

(۱۰) عمرو کا اپنی خرافات شیطانیہ توہین شریعت وسب وشتم علمائے شریعت علمائے مقامی واولیائے ربانی کی طرف نسبت کرنا اس کا محض کذب مہین وافترائے لعین ہے۔ اس کی خواہش کے مطابق ہم صرف حضرات اولیاء کرام قدست اسرارہم کے ارشادات عالیہ محض بطور نمونہ ذکر کریں جن سے شریعت مطہرہ کی عظمت ظاہر ہو اور یہ کہ طریقت اس سے جدا نہیں اور یہ کہ طریقت اس کی محتاج ہے اور یہ کہ شریعت ہی اصل کار ومدار ومعیار ہے غرض جو بیانات ہم نے کئے ان سب کا ثبوت وافی اور عمرو کے دعاوی وخرافات ملعونہ کا رد کافی **وباللہ التوفیق**۔

قول۱: حضور پر نور سید الافراد قطب الارشاد غوث عالم قطب عالم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لاتری لغیر ربك وجودا مع لزوم الحدود وحفظ الاوامر والنواھی فان انخرم	غیر خدا کو موجود نہ دیکھنا اس کے ساتھ ہو تو اس کی باندھی ہوئی حدوں سے کبھی جدا نہ ہو اور اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ**۝۵۶" [2] | مگر عبادت کے لئے۔ (ت)

سیدنا امام ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اجل اکابر صوفیہ کرام سے ہیں اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **الالیعرفون**۔ [3] یعنی ہم نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر معرفت حاصل کرنے کے لئے۔ ۱۲۔

[1] احیاء العلوم کتاب العلم الباب الاول مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۷

[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۵۶

3

فیك شیئ من الحدود فاعلم انك مفتون قد لعب بك الشیطان فارجع الی حکم الشرع والزمه ودع منك الھوی لان کل حقیقة لاتشھد له الشریعة فھی باطلة[1] (الطبقات الکبرٰی)	ہرامر ونہی کی حفاظت کرے اگر حدود شریعت سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے بیشک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے تو فورا حکم شریت کی طرف پلٹ آاور اس سے لپٹ جا اور اپنی خواہش نفسانی چھوڑ اس لئے کہ جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ حقیقت باطل ہے۔

سعادت مند کے لے حضور پر نور سید الاولیاء غوث العرفاء رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک یہی ارشاد کافی ہے کہ اس میں سب کچھ جمع فرمادیا ہے۔وللہ الحمد۔

قول ۲: حضور پر نور غوث الثقلین غیاث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اذا وجدت فی قلبك بغض شخص اوحبه فاعرض افعاله علی الکتب والسنة فان کانت محبوبة فیھما فاحبه وان کانت مکروھة فاکرھه لئلا تحبه بھواك وتبغضه بھواك قال اللہ ولاتتبع الھوی فیضلك عن سبیل اللہ[2]۔	جب تو اپنے دل میں کسی کی دشمنی یا محبت پائے تو اس کے کاموں کو قرآن وحدیث پر پیش کر،اگر ان میں پسندیدہ ہوں تو اس سے محبت رکھ اور اگر ناپسند ہوں تو کراہت،تاکہ اپنی خواہش سے نہ کوئی دوست رکھے نہ دشمن،اللہ تعالٰی فرماتا ہے: خواہش کی پیروی نہ کر کہ تجھے بہکادیگی خدا کی راہ سے۔

قول ۳: حضور پر نور غوث الاغواث رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الولایة ظل النبوة والنبوة ظل الالھیة وکرامة الولی استقامة فعل علی قانون قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[3]۔	ولایت پر تو نبوت ہے اور نبوت پر تو الوہیت،اور ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول کے قانون پر ٹھیک اُترے۔

[1] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ترجمہ ۲۴۸ سید عبدالقادر الجیلی مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۱

[2] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ترجمہ ۲۴۸ سید عبدالقادر الجیلی مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۱

[3] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص ۳۹

قول۴: حضور سیدنا محی الدین محبوب سبحانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الشرع حکم محق سیف سطوۃ قھرہ من خالفہ وناواہ واعتصمت بحبل حمایتہ وثیقات عری الاسلام و علیہ مدار امر الدارین وباسبابہ انیطت منازل الکونین[1]۔	شرع وہ ہے جس کے صولت قہر کی تلوار اپنے مخالف ومقابل کو مٹادیتی ہے اور اسلام کی مضبوط رسیاں اس کی حمایت کی ڈوری پکڑے ہوئے ہیں۔دوجہاں کے کام کامدار فقط شریعت پر ہے۔اور اس کی ڈوریوں سے دونوں عالم کی منزلیں وابستہ ہیں۔

قول۵: حضور پر نور سیدنا باز اشہب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الشریعۃ المطھرۃ المحمدیۃ ثمرۃ شجرۃ الملۃ الاسلامیۃ شمس اضاءت بنورھا ظلمۃ الکونین اتباع شرعہ یعطی سعادۃ الدارین احذر ان تخرج من دائرتہ ایاك ان تفارق اجماع اھلہ[2]۔	شریعت پاکیزہ محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درخت دین اسلام کا پھل ہے شریعت وہ آفتاب ہے جس کی چمک سے تمام جہاں کی اندھیریاں جگمگا اٹھیں شرع کی پیروی دونوں جہان کی سعادت بخشی ہے خبردار اس کے دائرہ سے باہر نہ جانا،خبردار اہل شریعت کی جماعت سے جدانہ ہونا۔

قول۶: حضور پر نور سیدالاولیاء قطب الکونین رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اقرب الطرق الی اللہ تعالٰی لزوم قانون العبودیۃ والاستمساك بعروۃ الشریعۃ[3]۔	اللہ عزوجل کی طرف سے سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کولازم پکڑنااور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔

قول۷: حضور پر نور سیدنا وارث المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غوث الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

تفقہ ثم اعتزل من عبداللہ بغیر علم کان مایفسدہ اکثر ممایصلحہ خذ	فقہ حاصل کر اس کے بعد خلوت نشین ہو جو بغیر علم کے خدا کی عبادت کرے وہ جتنا سنوارے گا

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص۴۰

[2] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص۴۹

[3] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص۵۰

معك مصباح شرع ربك[1]۔	اس سے زیادہ بگاڑے گا، اپنے ساتھ شریعت الٰہیہ کی شمع لے لے۔

قول ۸: حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میرے پیر حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے دعا دی:

جعلك الله صاحب حديث صوفيا و لاجعلك صوفيا صاحب حديث[2]۔	اللہ تعالٰی تمھیں حدیث داں کرکے صوفی بنائے اور حدیث داں ہونے سے پہلے تمھیں صوفی نہ کرے۔

قول ۹: امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی اس دعائے حضرت سیدی سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شرح فرماتے ہیں:

اشار الى ان من حصل الحديث والعلم ثم تصوف افلح ومن تصوف قبل العلم خاطر بنفسه[3]۔	حضرت سری سقطی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے پہلے حدیث وعلم حاصل کرکے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہنچا، اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا، (والعیاذ باللہ تعالٰی)

قول ۱۰: حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کچھ لوگ زعم کرتے ہیں کہ:

ان التكاليف كانت وسيلة الى الوصول وقد وصلنا۔	یعنی احکام شریعت تو صول کا وسیلہ تھے اور ہم واصل ہوگئے اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت۔

فرمایا:

صدقوا فى الوصول ولكن الى سقر والذى يسرق ويزنى خير ممن يعتقد ذلك ولو انى بقيت الف عام مانقصت من	سچ کہتے ہیں واصل ضرور ہوئے، کہاں تک جہنم تک چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں، میں اگر ہزار برس جیوں تو فرائض واجبات

[1] بهجة الاسرار ذكر فصول من كلام مرصعا بشيئ الخ مصطفى البابى مصر ص ۵۳

[2] احياء العلوم كتاب العلم الباب الثانى مطبعة المشهد الحسينى قاہرہ ۱/ ۲۲

[3] احياء العلوم كتاب العلم الباب الثانى مطبعة المشهد الحسينى قاہرہ ۱/ ۲۲

اورادی شیئًا الابعذر شرعی [1]۔	تو بڑی چیز ہیں جو نوافل و مستحبات مقرر کرلئے ہیں بے عذر شرعی ان میں سے کچھ کم نہ کروں۔

قول ۱۱: حضرت سیدی ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے رسالہ مبارک میں حضرت سیدی ابوالقاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

من لم یحفظ القراٰن ولم یکتب الحدیث لایقتدٰی بہ فی ھذا الامر لان علمنا ھذا مقید بالکتاب والسنۃ [2]۔	جس نے نہ قرآن یاد کیا نہ حدیث لکھی یعنی جو علم شریعت سے آگاہ نہیں در بارہ طریقت اس کی اقتدا نہ کریں اسے اپنا پیر نہ بنائیں کہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب وسنت کا پابند ہے۔

نیز فرمایا:

الطریق کلھا مسدودۃ علی الخلق الاعلی من اقتفی اثر الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام [3]۔	خلق پر تمام راستے بند ہیں مگر وہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نشان قدم کی پیروی کرے۔

؎ خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　　　کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(جس نے پیغمبر کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل مقصود پر نہ پہنچے گا)

قول ۱۲: حضرت سیدنا ابویزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عمی بسطامی کے والد رحمہما اللہ تعالٰی سے فرمایا: چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو بنام ولایت مشہور کیا ہے، وہ شخص مرجع ناس ومشہور بہ زہد تھا، جب وہاں تشریف لے گئے اتفاقاً اس نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ حضرت ابویزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ فوراً واپس آئے اور اس سے سلام علیک نہ کی اور فرمایا:

ھذا رجل غیر مامون علی ادب من اداب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکیف یکون مامونا علی ما یدعیہ [4]۔	یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آداب سے ایک ادب پر توامین ہے نہیں جس چیز کا ادعا رکھتا ہے اس پر کیا امین ہوگا۔

[1] الیواقیت والجواہر المبحث السادس والعشرون مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۱
[2] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابی القاسم الجنید بن محمد مصطفی البابی مصر ص۲۰
[3] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابی القاسم الجنید بن محمد مصطفی البابی مصر ص۲۰
[4] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابو یزید البسطامی مصطفی البابی مصر ص۱۵

اور دوسری روایت میں ہے۔فرمایا:

هذا رجل غیر مامون علی ادب من اداب الشریعة فکیف یکون امیناً علی اسرار الحق[1]۔	یہ شخص شریعت کے ایک ادب پر توامین ہے نہیں اسرار الٰہیہ پر کیونکہ امین ہوگا۔

قول ۱۳: نیز حضرت بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لو نظر تم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتقی (وفی نسخة یتربع) فی الهواء فلا تغتروا به حتی تنظروا کیف تجدونه عند الامر والنهی وحفظ الحدود وآداب الشریعة۔[2]	اگر تم کسی شخص کو دیکھو ایسی کرامت دیا گیا کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض، واجب ومکروہ وحرام ومحافظت حدود وآداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے۔

قول ۱۴: حضرت ابو سعید خراز رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حضرت ذوالنون مصری سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اصحاب اور سید الطائفہ جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقران سے ہیں فرماتے ہیں:

کل باطن یخالفه ظاهر فهو باطل[3]۔	جو باطن کہ ظاہر اس کی مخالفت کرے وہ باطن نہیں باطل ہے۔

علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی اس قول مبارک کی شرح میں فرماتے ہیں:

لانه وسوسة شیطانیة وزخرفة نفسانیة حیث خالف الظاهر[4]۔	اس لئے کہ جب اس نے ظاہر کی مخالفت کی تو وہ شیطانی وسوسہ اور نفس کی بناوٹ ہے۔

قول ۱۵: حضرت سیدنا حارث محاسبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اکابر ائمہ اولیاء معاصرین حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں فرماتے ہیں:

من صحح باطنه بالمراقبة والاخلاص	جو اپنے باطن کو مراقبہ اور اخلاص سے صحیح

[1] الرسالة القشیریة باب الولایة مصطفی البابی مصر ص۱۱۷

[2] الرسالة القشیریة ذکر ابو یزید البسطامی مصطفی البابی مصر ص۱۵

[3] الرسالة القشیریة ذکر ابو سعید خراز مصطفی البابی مصر ص۲۴

[4] الحدیقة الندیة الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۸۶

زین اللہ ظاھرہ بالمجاھدۃ و اتباع السنۃ[1]۔	کرلے گا۔لازم ہے کہ اللہ تعالٰی اس کے ظاہر کو مجاہدہ و پیروی سنت سے آراستہ فرمادے۔

ظاہر ہے کہ انتفائے لازم کو انتفائے ملزوم لازم تو ثابت ہوا کہ جس کا ظاہر زیور شرع سے آراستہ نہیں وہ باطن میں بھی اللہ عزوجل کے ساتھ اخلاص نہیں رکھتا۔

قول ۱۶: حضرت سیدنا ابو عثمان حیری رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اجلہ اکابر اولیاء معاصرین حضرت سید الطائفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں وقت انتقال اپنے صاحبزادے ابوبکر رحمہ اللہ تعالٰی سے فرمایا:

خلاف السنۃ یابنی فی الظاہر علامۃ ریاء فی الباطن[2]۔	اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کا خلاف اس کی علامت ہے کہ باطن میں ریاکاری ہے۔

قول ۱۷: نیز حضرت سعید بن اسمٰعیل حیری ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الصحبۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باتباع السنۃ ولزوم ظاھر العلم[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ زندگانی کا طریقہ یہ ہے کہ سنت کی پیروی کرے اور علم ظاہر کو لازم پکڑے۔

قول ۱۸: حضرت سید ابوالحسین احمد بن الحواری رضی اللہ تعالٰی عنہ جن کو حضرت سید الطائفہ ریحانۃ الشام یعنی ملک شام کا پھول کہتے تھے فرماتے ہیں:

من عمل عملاً بلا اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فباطل عملہ[4]۔	جو کسی قسم کا کوئی عمل بے اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرے وہ عمل باطل ہے۔

قول ۱۹: حضرت سیدی ابو حفص عمر حداد رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اکابر ائمہ عرفاء و معاصرین

[1] الرسالۃ القشیریۃ ذکر حارث محاسبی مصطفی البابی مصر ص ۱۳

[2] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابو عثمن سعید بن اسمعیل الحیری مصطفی البابی مصر ص ۲۱

[3] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابو عثمن سعید بن اسمعیل الحیری مصطفی البابی مصر ص ۲۱

[4] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابو الحسین احمد بن الحواری مصطفی البابی مصر ص ۱۸

حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں فرماتے ہیں:

من لم یزن افعاله واحواله فی کل وقت بالکتاب و السنة ولم یتھم خواطرہ فلا تعدہ فی دیوان الرجال[1]۔	جو ہر وقت اپنے تمام کام احوال کو قرآن وحدیث کی میزان میں نہ تولے او راپنے وارادات قلب پر اعتماد کرلے اسے مردوں کے دفتر میں نہ گن۔

ع راوی کم زززن لاف مردی مزن

قول۲۰: حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اصحاب اور حضرت سید الطائفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقران سے ہیں فرماتے ہیں:

من رأیته یدعی مع اللہ حالة تخرجه عن حد العلم الشرعی فلا تقربن منه[2]۔	تو جسے دیکھے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ ایسے حال کا ادعا کرتا ہے جو اسے علم شریعت کی حد سے باہر کرے اس کے پاس نہ پھٹک۔

قول۲۱: حضرت سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سید الطائفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقران سے ہیں فرماتے ہیں:

من الزم نفسه آداب الشریعة نور اللہ تعالٰی قلبه بنور المعرفة ولامقام اشرف من مقام متابعة الحبیب صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی اوامرہ وافعاله واخلاقه[3]	جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کرے اللہ تعالٰی اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کردے گا اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احکام، افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔

قول۲۲: حضرت سیدنا ممشاد دینوری رضی اللہ تعالٰی عنہ مرجع سلسلہ چشتیہ بہشتیہ

---

[1] الرسالہ القشیریة ذکر ابوحفص عمر الحداد مصطفی البابی مصر ص۱۸

[2] الرسالہ القشیریة ذکر ابوالحسین احمد نوری مصطفی البابی مصر ص۲۱

[3] الرسالہ القشیریة ذکر ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی مصطفی البابی مصر ص۲۵

فرماتے ہیں:

ادب المرید حفظ آداب الشرع علی نفسه [1]۔	مرید کا ادب یہ ہے کہ آداب شرع کی اپنے نفس پر محافظت کرے۔

قول ۲۳: حضرت سید نا سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

التصوف اسم لثلاث معان وھوالذی لایطفی نور معرفته نور ورعه ولایتکلم بباطن فی علم ینقضه ظاھر الکتب او السنة ولاتحمله الکرامات علی ھتك استار محارم الله تعالٰی [2]۔	تصوف تین وصفوں کا نام ہیں، ایک یہ کہ اس کا نور معرفت اس کے نور ورع کو نہ بجھائے دوسرے یہ کہ باطن سے کسی ایسے علم میں بات نہ کرے کہ ظاہر قرآن یا ظاہر سنت کے خلاف ہو، تیسرے یہ کہ امتیں اسے ان چیزوں کی پردہ دری پر نہ لائیں جو اللہ تعالٰی نے حرام فرمائیں۔

قول ۲۴: حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سید ابو سلیمان دارانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ربما یقع فی قلبی النکتة من نکت القوم ایاما فلا اقبل منه الا بشاھدین عدلین الکتاب والسنة [3]۔	بارہا میرے دل میں تصوف کا کوئی نکتہ مدتوں آتا ہے جب تک قرآن وحدیث دو گواہ عادل اس کی تصدیق نہیں کرتے میں قبول نہیں کرتا۔

دوسری روایت میں ہے، فرمایا:

ربما ینکث الحقیقة فی قلبی اربعین یوما فلا آذن لھا ان تدخل فی قلبی الا بشاھدین من الکتاب والسنة [4]۔	بارہا کوئی نکتہ حقیقت میرے دل میں چالیس چالیس دن کھٹکتا رہتا ہے، جب تک کتاب وسنت کے دو گواہ اس کے ساتھ نہ ہوں میں اپنے دل میں داخل ہونے کا اسے اذن نہیں دیتا۔

---

[1] الرسالة القشیریة ذکر ممشاد الدینوری مصطفی البابی مصر ص ۲۷

[2] الرسالة القشیریة ذکر ابولحسن عن سری بن المغلس السقطی مصطفی البابی مصر ص ۱۱

[3] الرسالة القشیریة ذکر ابوسلیمان عبدالرحمن بن عطیه الدارانی مصطفی البابی مصر ص ۱۵

[4] نفحات الانس ذکر ابوسلیمان عبدالرحمن بن عطیه الدارانی انتشارات کتاب فروشی محمودی تہران ایران ص ۴۰

قول ۲۵: حضرت عالی منزلت امام طریقت سید نا ابو علی رود باری بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اجلہ خلفائے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں حضرت عارف باللہ سید نا استاذ ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: مشائخ میں ان کے برابر علم طریقت کسی کو نہ تھا۔اس جناب گردوں قباب سے سوال ہوا کہ ایک شخص مزامیر سنتا ہے اور کہتا ہے یہ میرے لئے حلال ہے اس لئے کہ میں ایسے درجے تک پہنچ گیا ہوں کہ احوال کے اختلاف کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا فرمایا:

نعم قد وصل ولکن الی سقر [1]	ہاں پہنچا تو ضرور ہے مگر جہنم تک، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

قول۲۶: حضرت سیدی ابو عبداللہ محمد بن خفیف ضبی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

التصوف تصفیه القلوب وذکر اوصاف الی ان قال واتباع النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی الشریعة [2]۔	تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی ہو۔

قول۲۷: امام اجل عارف باللہ ابو بکر محمد ابراہیم بخاری کلاباذی قدس سرہ نے کتاب التعرف لمذہب التصوف جس کی شان میں اولیاء نے فرمایا **لو لا التعرف لما عرف التصوف** (کتاب تعرف نہ ہوتی تو تصوف نہ پہچانا جاتا) تصوف کی ایسی ہی تعریف حضرت سید الطائفہ جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرمائی کہ تصوف ان ان اوصاف کا نام ہے۔ان میں ختم اس پر فرمایا کہ:

واتباع الرسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی الشریعة [3]۔	شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اتباع۔

قول۲۸: حضرت سیدی ابوالقاسم نصرآبادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت سید نا ابو بکر شبلی وحضرت سید نا ابو علی رود باری رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اجلہ اصحاب سے ہیں فرماتے ہیں:

التصوف ملازمة الکتاب	تصوف کی جڑ یہ ہے کہ کتاب وسنت کو لازم

[1] الرسالة القشیریة ابو علی احمد بن محمد رودباری مصطفی البابی مصر ص ۲۸

[2] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ذکر ابی عبداللہ بن محمد الضبی مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲۱

[3] التعرف لمذہب التصوف

والسنۃ[1] الخ۔	پکڑے رہے۔

قول ۲۹: حضرت سیدی جعفر بن محمد خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ مرید و خلیفہ حضرت سید الطائفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لااعرف شیئا افضل من العلم باللہ و باحکام فان الاعمال لاتزکوا الابالعلم ومن لا علم عندہ فلیس لہ عمل وبالعلم عرف اللہ واطیع ولایکرہ العلم الا منقوص[2]۔	میں کوئی چیز معرفت الٰہی وعلم احکام الٰہی سے بہتر نہیں جانتا۔ اعمال بے علم کے پاک نہیں ہوتے، بے علم کے سب عمل برباد ہیں، علم ہی سے اللہ کی معرفت و معرفت اطاعت ہوئی، علم کو وہ ہی ناپسند رکھے گا جو کم بخت ہو۔

قول ۳۰: حضرت سید داود کبیر بن ماخلا رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ ولی اللہ وعالم جلیل حضرت سید محمد وفا شاذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پیر و مرشد ہیں فرماتے ہیں:

قلوب علماء الظاھر وسائط بین عالم الصفاء ومظاہر الاکدار رحمۃ بالعامۃ الذین لم یصلوا الی ادراك المعانی الغیبۃ والادراکات الحقیقۃ[3]۔	علماء ظاہر کے دل عالم صفاء و مظہر تکدر کے اندر واسطہ ہیں ان عام خلائق پر رحمت کے لئے کہ معانی غیب وعلوم حقیقت تک جن کی رسائی نہ ہو۔

یہ صراحۃً وراثت نبوت کی شان ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ خالق و خلق میں واسطہ ہوں، ان خلائق پر رحمت کے لئے کہ بارگاہ غیب وحقیقت تک جن کی رسائی نہیں۔

قول ۳۱: حضرت سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار سلسلہ علیہ سہروردیہ اپنی کتاب مستطاب میں فرماتے ہیں:

قوم من المفتونین لبسوا لبسۃ الصوفیۃ لینتسبوا بھا الی الصوفیۃ وماھم من الصوفیۃ بشیئ بل ھم فی غرور	یعنی کچھ فتنہ کے مارے ہوؤں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا ہے کہ صوفی کہلائیں حالانکہ ان کو صوفیہ سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ ضرور غلط میں ہیں بکتے

[1] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ذکر ابی القاسم ابراہیم بن محمد النصر آبادی مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲۳

[2] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ذکر سید جعفر بن محمد الخواص مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۹۔۱۱۸

[3] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ترجمہ ۲۸۹ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۹۰

غلط یزعمون ان ضمائرھم خلصت الی اللّٰه تعالٰی و یقولون ھذا ھو الظفر بالمراد و الارتسام بمراسم الشریعة رتبة العوام وھذا ھو عین الالحاد الزندقة و الابعاد فکل حقیقة ردتھا الشریعة فھی زندقة [1]۔	کہ ان کے دل خالص خدا کی طرف ہوگئے اور یہی مراد کو پہنچ جانا ہے اور رسوم شریعت کی پابندی عوام کا مرتبہ ہے ان کا یہ خالص الحاد وزندقہ اللہ کی بارگاہ سے دور کیا جانا ہے اس لئے کہ جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے۔

پھر جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جو چوری اور زنا کرے وہ ان لوگوں سے بہتر ہے [2]۔

قول ۳۲: نیز حضرت الشیوخ سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب مستطاب اعلام الہدٰی و عقیدہ ارباب التقٰی میں عقیدہ کرامات اولیاء بیان کرکے فرماتے ہیں:

ومن ظھرله وعلی یدہ من المخترقات وھو علی غیر الالتزام باحکام الشریعة نعتقد انه زندیق وان الذی ظھرله مکر واستدراج [3]۔	ہمارا عقیدہ ہے کہ جس کے لئے اور اس کے ہاتھ پر خوارق عادات ظاہر ہوں اور وہ احکام شریعت کا پورا پابند نہ ہو وہ شخص زندیق ہے اور وہ خوارق کہ اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوں مکر واستدارج ہیں۔

قول ۳۳: حضرت سیدنا امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی فرماتے ہیں:

فرقة ادعت المعرفة الوصول و لایعرف(احد ھم) ھذہ الامور الا بالاسامی ویظن ان ذٰلك اعلی من علم الاولین والاخرین فینظر الی الفقھاء والمفسرین و المحدثین بعین الازرا ویستحقر بذٰلك جمیع العباد و العلماء ویدعی	مختصراً ایک گروہ معرفت ووصول کا دعوی رکھتا ہے حالانکہ معرفت ووصول کا نام ہی نام جانتا ہے اور گمان کرتا کہ یہ سب اگلے پچھلوں کے علم سے اعلٰی ہے تو وہ فقہیوں مفسروں محدثوں سب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور تمام مسلمانوں اور علماء کو حقیر جانتا ہے اپنے

[1] عوارف المعارف الباب التاسع فی ذکر من الصوفیة الخ مطبعة المشھد الحسینی قاہرہ ص ۷۱ و ۷۲

[2] عوارف المعارف الباب التاسع فی ذکر من الصوفیة الخ مطبعة المشھد الحسینی قاہرہ ص ۷۱ و ۷۲

[3] نفحات الانس بحوالہ اعلام الھدی از انتشارات کتاب فروش محمودی تہران ایران ص ۲۶

لنفسہ انہ الواصل الی الحق وہو عند اللہ من الفجار و المنافقین[1] (ملخصا)	واصل بخدا ہونے کا ادعا کرتا ہے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک فاجروں اور منافقوں میں سے ہے اھ

قول ۳۴: حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین محمد بن العربی رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں:

ایاك ان ترمی میزان الشرع من یدك فی العلم الرسمی بل بادر الی العمل بکل ماحکم بہ وان فھمت منہ خلاف مایفھمہ الناس مما یجول بینك وبین امضاء ظاھر الحکم بہ فلا تعول علیہ فانہ مکر الٰھی بصورت علم الٰھی من حیث لاتشعر[2]۔	خبردار علم ظاہر میں جو شرع کی میزان ہے اسے ہاتھ سے نہ پھینکنا بلکہ جو کچھ اس کا حکم ہے فوراً اس پر عمل کر اور اگر عام علماء کے خلاف تیری سمجھ میں اس سے کوئی ایسی چیز آئے جو ظاہر شرع کا حکم نافذ کرنے سے تجھے روکنا چاہے تو اس پر اعتماد نہ کرنا وہ علم الٰہی کی صورت میں ایک مکر ہے جس کی تجھے خبر نہیں۔

قول ۳۵: نیز حضرت سید محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات میں فرماتے ہیں:

اعلم ان میزان الشرع الموضوعۃ فی الارض ہی مابایدی العلماء من الشریعۃ فمھما خرج ولی عن میزان الشرع المذکورۃ مع وجود عقل التکلیف وجب الانکار علیہ[3]۔	یقین جان کہ میزان شرع جو اللہ عزوجل نے زمین میں مقرر فرمائی ہے وہ یہی ہے جو علماء شریعت کے ہاتھ میں ہے توجب کبھی کوئی ولی اس میزان شرع سے باہر نکلے اور اس کی عقل کہ مدار احکام شرعیہ ہے باقی ہو تو اس پر انکار واجب ہے۔

قول ۳۶: نیز حضرت بحرالحقائق ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اعلم ان موازین الاولیاء المکملین لاتخطی الشریعۃ ابدافھم	یقین جان کہ اولیاء مرشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی میزانیں کبھی شریعت سے خطا نہیں

---

[1] احیاء العلوم کتاب ذم الغرور بیان اصناف المغترین الخ الصنف الثالث المشھد الحسینی قاہرہ ۳/ ۴۰۵

[2] الیواقیت والجواہر الفصل الرابع مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۶

[3] الیواقیت والجواہر الفصل الرابع مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۶

محفوظون من مخالفۃ الشریعۃ[1] الخ۔	کرتیں وہ مخالف شرع سے محفوظ ہیں۔

قول ۳۷: نیز حضرت خاتم الولایۃ المحمدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اعلم ان عین الشریعۃ ھی عین الحقیقۃ اذ الشریعۃ لھا دائرتان علیا وسفلی فالعلیا لاھل الکشف و السفلی لاھل الفکر فلما فتش اھل الفکر علی ماقال اھل الکشف فلم یجدوہ فی دائرۃ فکرھم قالوا ھذا خارج عن الشریعۃ فاھل الفکر ینکرون علی اھل الکشف واھل الکشف لاینکرون علی اھل الفکر، من کان ذا کشف وفکر فھو حکیم الزمان فکما ان علوم الفکر احد طرفی الشریعۃ فکذالك علوم اھل الکشف فھما متلازمان ولکن لما کان الجامع بین الطرفین عزیز افرق اھل الظاھر بینھما[2]۔	یقین جان کہ شریعت ہی کا چشمہ حقیقت کا چشمہ ہے اس لئے کہ شریعت کے دو دائرے ہیں ایک اوپر اور ایک نیچے اوپر کا دائرہ اہل کشف کے لئے ہے اور نیچے کا اہل فکر کے لئے، اہل فکر جب اہل کشف کے اقوال کو تلاش کرتے اور اپنے دائرہ فکر میں نہیں پاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ قول شریعت سے باہر ہے۔ تو اہل فکر اہل کشف پر معترض ہوتے ہیں مگر اہل کشف اہل فکر پر انکار نہیں رکھتے۔ جو کشف وفکر دونوں رکھتا ہے وہ اپنے وقت کا حکیم ہے پس جس طرح علوم فکر شریعت کا ایک حصہ ہیں یونہی علوم اہل کشف بھی، تو وہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں اور جبکہ دونوں کناروں کا جامع نادر ہے، لہٰذا ظاہر بینوں نے شریعت وحقیقت کو جدا سمجھا۔

سبحان اللہ! اہل ظاہر اگر علوم حقیقت کو نہ سمجھیں عذر رکھتے ہیں کہ شریعت کے دائرے زیریں میں ہیں، مدعی ولایت جو علم ظاہر سے منکر ہو معلوم ہوا قطعاً جھوٹا کذاب فریبی ہے کہ اگر دائرہ بالا تک پہنچتا تو دائرہ زیریں سے جاہل نہ ہوتا۔ جڑ والے اگر شاخ تراشیں اصل درخت قائم رہے۔ مگر بلند شاخ تک پہنچنے والے جڑ کاٹیں تو ان کی ہڈی پسلی کی خیر نہیں۔ اس عبارت شریفہ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اہل ظاہر اگر شریعت وحقیقت کو جدا سمجھیں ان کی غلطی مگر وہ اپنے علم میں کاذب نہیں اور مدعی تصوف اگر انھیں جدا بتائے تو قطعاً دروغ باف ولاف زن ہے۔

[1] الیواقیت والجواہر الفصل الرابع مصطفی البابی مصر ص۲۶و۲۷

[2] الیواقیت والجواہر الفصل الرابع مصطفی البابی مصر ص۲۶

قول۳۸: نیز حضرت لسان القوم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لایتعدی کشف الولی فی العلوم الالھیۃ فوق مایعطیہ کتاب نبیہ و وحیہ قال الجنید فی ہذا المقام علمنا ہذا مقید بالکتاب و السنۃ وقال الاخر کل فتح لا یشھد لہ الکتاب والسنۃ فلیس بشیئ فلا یفتح لولی قط الا فی الفھم فی الکتاب العزیز فلھذا قال تعالٰی ما فرطنا فی الکتاب من شیئ وقال سبحنہ فی الواح موسی وکتبنالہ فی الالواح من کل شیئ الآیۃ فلاتخرج علم الولی جملۃ واحدۃ عن الکتاب والسنۃ فان خرج احد عن ذٰلک فلیس بعلم ولاعلم ولایۃ معا بل اذا حققتہ وجدتہ جھلا [1]۔	علوم الٰہیہ میں ولی کا کشف اس علم سے تجاوز نہیں کرسکتا جو اس کے نبی کی وحی وکتاب عطافرمارہی ہے اس مقام میں جنید نے فرمایا ہمارا یہ علم کتاب وسنت کا مقید ہے۔اور ایک عارف نے فرمایا جس کشف کی شہادت کتاب وسنت نہ دیں وہ محض لاشیئ ہے توہرگز ولی کے لئے کچھ کشف نہیں ہوتا مگر قرآن عظیم کے فہم میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا اور موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تختیوں کو فرماتا ہے ہم نے اس کے لئے الواح میں ہر چیز سے کچھ بیان لکھ دیا، توسوبات کی ایک بات یہ ہے کہ ولی کا علم کتاب وسنت سے۔باہر نہ جائے گا اگر کچھ باہر جائے تو وہ علم ہوگا نہ کہ کشف بلکہ تحقیق کرے تو تجھے ثابت ہوجائے گا کہ وہ جہالت تھا۔

قول۳۹: نیز حضرت عین المکاشفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اعلم ایدك اللہ ان الکرامۃ من الحق من اسمہ البر فلا تکون الاللابرار وھی حسیۃ ومعنویۃ.فالعامۃ ما تعرف الاالحسیۃ مثل الکلام علی الخاطر والاخبار المغیبات الماضیۃ والکائنۃ والاٰتیۃ والمشی علی الماء و اختراق الھوا وطی الارض والاحتجاب	یقین جان اللہ تیری مدد کرے کہ کرامت حق سبحانہ کے نام بریعنی محسن کی بارگاہ سے آتی ہے تو اسے صرف ابرار نیکوکار ہی پاتے ہیں اور وہ دو قسم ہے، محسوس ظاہری ومعقول معنوی، عوام صرف کرامت محسوسہ کو جانتے ہیں جیسے کسی کو دل کی بات بتادینا گزشتہ وموجودہ وآئندہ غیبوں کی خبر دینا، پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا۔صدہا منزل زمین ایک قدم میں طے کرنا، آنکھوں سے

[1] الفتوحات المکیۃ لابن عربی الباب الرابع عشروثلثمائۃ فی معرفۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۶

عن الابصار ومعنویۃ لایعرفھا الاالخواص وہی ان تحفظ علیہ اٰداب الشریعۃ و یوفق لاتیان مکارم الاخلاق واجتناب سفسافھا والمحافظۃ علی اداء الواجبات مطلقا فی اوقاتھا فھذہ کرامات لا یدخل مکر ولا استدراج والکرامات التی ذکرنا ان العامۃ تعرفھا فکلھا یمکن ان یدخلھا المکر الخفی ثم لابد ان تکون نتیجۃ عن استقامۃ اوتنتج استقامۃ والا فلیست بکرامۃ والمعنویۃ لایدخلھا شیئ مما ذکرنا فان العلم یصحبھا وقوۃ العلم وشرفہ تعطیك و ان المکر لایدخلھا فان الحدود الشرعیۃ لاتنصب حبالۃ للمکر الالٰھی فانھا عین الطریق الواضحۃ الی نیل السعادۃ لان العلم ہو المطلوب وبہ تقع المنفعۃ ولو لم یعمل بہ فانہ لایستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون فالعلماء ھم الامنون من التلبیس[1] اھ اختصار۔	چھپ جانا کہ سامنے موجود ہو اور کسی کو نظر نہ آئیں اور کرامات معنویہ کہ صرف خواص پہچانتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اپنے نفس پر آداب شرعیہ کی حفاظت رکھے، عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بری عادتوں سے بچنے کی توفیق دیا جائے تمام واجبات ٹھیک ادا کرنے پر التزام رکھے، ان کرامتوں میں مکر واستدراج کو دخل نہیں اور کرامتیں جنھیں عوام پہچانتے ہیں ان سب میں مکرنہاں کی مداخلت ہوسکتی ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ظاہری کرامتیں استقامت کا نتیجہ ہوں یاخود استقامت پیدا کریں ورنہ کرامت نہ ہوگی اور کرامت معنویہ میں مکر واستدراج کی مداخلت نہیں اس لئے کہ علم ان کے ساتھ ہے علم کا شرف خودہی تجھے بتائے گا کہ ان میں مکر کا دخل نہیں اس لئے کہ شریعت کی حدیں کسی کے لئے مکر کا پھندا قائم نہیں کرتیں اس وجہ سے کہ شریعت سعادت پانے کا عین صاف وروشن راستہ ہے علم ہی مقصود ہے اور اسی نے نفع پہنچانا ہے اگرچہ اس پر عمل نہ ہو کہ مطلقًا ارشاد ہوا ہے کہ عالم وبے علم برابر نہیں تو علماء ہی مکرواشتباہ سے امان میں ہیں وبس۔

قول ۴۰: حضرت سیدی ابراہیم دسوقی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اقطاب اربعہ سے ہیں یعنی ان چہار میں جو تمام اقطاب میں اعلٰی و ممتاز گنے جاتے ہیں اول حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ دوم سید احمد رفاعی، سوم حضرت سید احمد کبیر بدوی، چہارم حضرت سید ابراہیم دسوقی رضی اللہ تعالٰی عنہم ونفعنا ببرکاتھم فی الدنیا والآخرۃ) فرماتے ہیں:

[1] الفتوحات المکیۃ للشیخ ابن عربی الباب الرابع والثمانون ومائۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۹

الشریعۃ ھی الشجرۃ والحقیقۃ ھی الثمرۃ [1]۔	شریعت درخت ہے اور حقیقت پھل ہے۔

درخت و ثمر کی نسبت بھی وہی بتا رہی ہے کہ درخت قائم ہے تو اصل موجود ہے مگر جو اصل کاٹ بیٹھا وہ نرا محروم و مردود ہے۔ پھر اس کی مثال کی بھی وہی حالت ہے جو ہم منبع و بحر میں بیان کر آئے ہیں، درخت کٹ جائے تو آئندہ پھل کی امید نہ رہی مگر جو پھل آچکے ہیں یہاں درخت کٹتے ہی آئے ہوئے پھل بھی فنا ہو جاتے ہیں اور فنا ہوتے ہی پھر بس نہیں بلکہ انسان کا دشمن ابلیس لعین غلیظ اور گوبر کے پھل جادو سے بنا کر اس کے منہ میں دیتا ہے اور یہ اپنی حالت سے انھیں ثمر حقیقت جان کر خوش خوش نگلتا ہے جب آنکھ بند ہو گئی اس وقت کھلے گا کہ منہ میں کیا بھرا تھا **والعیاذ باللہ تعالٰی** ان درختوں میں قریب تر مثال پان اور اس کی بیل کی ہے خوشبو، خوشرنگ، خوش ذائقہ، مفرح، مقوی دل ودماغ، مصفی خون مطیب نکہت وجہ سرخروئی باعث زینت، اور پھر عجیب خاصہ یہ کہ بیل سوکھے تو اس کے پان جہاں جہاں ہوں معاً سوکھ جائیں گے یہ ایک ادنٰی مثال شریعت و حقیقت یا اس جاہل کے طور پر شریعت و طریقت کی ہے۔

قول ۴۱: عارف باللہ حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ پیر و مرشد امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

علم الکشف اخبار بالامور علی ماھی علیہ فی نفسھا و ھذا اذا حققتہ وجدتہ لایخالف الشریعۃ فی شیئ بل ھو الشریعۃ بعینھا [2]۔	یعنی علم کشف یہ ہے کہ اشیاء جس طرح واقع و حقیقت میں ہیں اسی طرح ان سے خبر دے اسے اگر تو تحقیق کرے تو اصلا کسی بات میں شریعت کے خلاف نہ پائے گا بلکہ وہ عین شریعت ہے۔

قول ۴۲: نیز ولی ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

جمیع مصابیح علماء الظاھر والباطن قد اتقدت من نور الشریعۃ فما من قول من اقوال المجتھدین و مقلدیھم الاوھو مؤید باقوال اھل الحقیقۃ	علمائے ظاہر ہوں خواہ علمائے باطن سب کے چراغ شریعت ہی کے نور سے روشن ہیں، تو ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین کسی کا کوئی قول ایسا نہیں کہ اہل حقیقت کے اقوال اس کی تائید

[1] الطبقات الکبرٰی ترجمہ ابراہیم الدسوقی ۲۸۶ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۹

[2] میزان الشریعۃ الکبرٰی فصل فی بیان استحالہ خروج شیئ لخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۴

لاشك عندنا فی ذٰلك [1]۔	نہ کرتے ہوں، ہمارے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں۔

نیز فرمایا:

امداد قلبه صلی الله تعالٰی علیه سلم لجمیع قلوب علماء امته فما اتقد مصباح عالم الا عن مشکوٰة نور قلب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم [2]۔	تمام علمائے امت کے دلوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قلب اقدس سے مدد پہنچتی ہے تو ہر عالم کا چراغ حضور ہی کے نور باطن کے شمع دان سے روشن ہے۔

قول ۴۳: نیز یہی مفتوح ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

علم الکشف الصحیح لایاتی قط الاموافقا للشریعة المطهرة [3]۔	سچا علم کشف کبھی نہیں آتا مگر شریعت مطہرہ کے موافق۔

قول ۴۴: حضرت سید افضل الدین اجل خلفائے سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

کل حقیقة شریعة وعکسه [4]۔	حقیقت عین شریعت ہے اور شریعت عین حقیقت۔

قول ۴۵: امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

ان الله تعالٰی قد اقدر ابلیس کما قال الغزالی وغیره علی ان یقیم للمکاشف صورة المحل الذی یاخذ علمه منه من سماء او عرش اوکرسی اوقلم او لوح فربما ظن المکاشف ان ذٰلك العلم عن الله عزوجل	بیشک اللہ تعالٰی نے ابلیس کو قدرت دی ہے جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ اکابر نے تصریح کی ہے کہ صاحب کشف آسمان، عرش، کرسی، لوح، قلم جہاں سے اپنے علوم حاصل کرتا ہے اس مکان کی ساختہ تصویر اس کے سامنے قائم

[1] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فی بیان استحاله خروج شیئ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵

[2] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فی بیان استحاله خروج شیئ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵

[3] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فان قال قائل ان احدا لایحتاج الی ذوق الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲

[4] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فی بیان استحالة الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵

فاخذ به فضل فاضل فمن هنا اوجبوا على المكاشف انه يعرض مااخذه من العلم من طريق كشفه على الكتاب و السنة قبل العمل به فان وافق فذاك و الاحرام عليه العمل به [1]۔	کر دے (اور حقیقت میں وہ عرش کرسی لوح و قلم نہ ہوں شیطان کا دھوکا ہوں اب شیطان اس دھوکے کی ٹٹی سے اپنا علم شیطانی القاء کرے) اور یہ صاحب کشف اسے اللہ عزوجل کی طرف سے گمان کرکے عمل کر بیٹھے خود بھی گمراہ ہوا اور وں کو بھی گمراہ کرے اس لئے ائمہ اولیائے کشف والے پر واجب کیا ہے کہ جو علم بذریعہ کشف حاصل ہوا اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے کتاب وسنت پر عرض کرے اگر موافق ہو تو بہتر ورنہ اس پر عمل حرام ہے۔

نابیناؤ! تم نے شریعت کی حاجت دیکھی شریعت کا دامن نہ تھا مو تو شیطان کچے دھاگے کی لگام دے کر تمھیں گھمائے پھرے، جب تو حدیث نے فرمایا: "عابد بے فقہ چکی کا گدھا" [2]

قول۴۶: نیز امام ممدوح قدس سرہ فرماتے ہیں:

لاتلحق نهاية الولاية بداية النبوة ابدا ولو ان وليا تقدم الى العين التى ياخذ منها الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام لاحترق وغاية امر الاولياء انهم يتعبدون بشريعة محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم قبل الفتح عليهم وبعده ومتى ماخرجوا عن شريعة محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم هلكوا وانقطع عنهم الامداد فلا يمكنهم ان يستقلوا بالاخذ عن الله تعالٰى	کبھی ولایت کی نہایت نبوت کی ابتداء تک نہیں پہنچ سکتی اور اگر کوئی ولی اس چشمہ تک بڑھے جس سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام فیض لیتے ہیں۔ تو وہ ولی جل جائے، اولیاء کی نہایت کار یہ ہے کہ شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر عبادت بجالاتے ہیں خواہ کشف حاصل ہوا ہو یا نہیں اور جب کبھی شریعت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نکلیں گے ہلاک ہو جائیں گے اور ان کی مدد قطع ہو جائے گی تو انھیں کبھی ممکن نہیں کہ اللہ عزوجل سے خود بالاستقلال لے سکیں اور

[1] المیزان الکبرٰی فصل فان قائل ان احدالایحتاج الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲

[2] حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

ابدا وقد تقدم ان جمیع الانبیاء والاولیاء مستمدون من محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	ہم اوپر بیان کر آئے کہ تمام انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مدد لیتے ہیں۔

قول۴۷: نیز ولی موصوف قدس سرہ فرماتے ہیں:

التصوف انما ھو زبدۃ عمل العبد باحکام الشریعۃ [2]۔	تصوف کیا ہے بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔

قول۴۸: پھر فرمایا:

علم التصوف تفرع من عین الشریعۃ [3]۔	علم تصوف چشمہ شریعت سے نکلی ہوئی جھیل ہے۔

قول۴۹: پھر فرمایا:

من دقق النظر علم انہ لایخرج شیئ من علوم اھل اللہ تعالٰی عن الشریعۃ وکیف تخرج علومھم عن الشریعۃ و الشریعۃ ھی وصلتھم الی اللہ عزوجل فی کل لحظۃ [4]۔	جو نظر غور کرے جان لے گا کہ علوم اولیاء سے کوئی چیز شریعت سے باہر نہیں اور کیونکر ان کے علم شریعت سے باہر ہوں حالانکہ ہر ہر لحظہ شریعت ہی ان کے وصول بخدا کا ذریعہ ہے۔

قول۵۰: پھر فرمایا:

قد اجمع القوم علی انہ لایصلح للتصدر فی طرق اللہ عزوجل الامن تبحر فی علم الشریعۃ وعلم منطوقھا ومفھومھا وخاصھا وعامھا وناسخھا ومنسوخھا و تبحر فی لغۃ العرب حتی عرف مجازاتھا	تمام اولیائے کرام کا اجماع ہے کہ طریقت میں صدر بننے کا لائق نہیں مگر وہ جو علم شریعت کا دریا ہو اس کے منطوق مفہوم خاص عام ناسخ منسوخ سے آگاہ ہو زبان عرب کا کمال ماہر ہو یہاں تک کہ اس کے مجاز اور استعارے وغیرہ

[1] الیواقیت الجواہر المبحث الثانی والاربعون مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۱

[2] الطبقات الکبرٰی للشعرانی مقدمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۴

[3] الطبقات الکبرٰی للشعرانی مقدمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۴

[4] الطبقات الکبرٰی للشعرانی مقدمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۴

واستعاراتھا وغیر ذٰلك فکل صوفی فقیہ ولاعکس[1]۔	جانتا ہو تو ہر صوفی فقیہ ہوتا ہے اور ہر فقیہ صوفی نہیں۔

قول۵۱: نیز عارف معروف قدس سرہ فرماتے ہیں:

الکشف الصحیح لا یاتی دائما الا موافقا للشریعة کماھو مقرر بین العلماء[2]۔	سچا کشف ہمیشہ شریعت کے مطابق ہی آتا ہے جیسا کہ اس فن کے علماء میں مقرر ہو چکا ہے۔

قول۵۲: حضرت عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی فرماتے ہیں:

مایدعیه بعض المتصوفة فی زماننا انکم معشر اھل العلم الظاھر تاخذون احکامکم من الکتاب والسنة وانا ناخذ من صاحبه ہذا کفر لامحالة بالاجماع من وجوه الاول التصریح بعدم الدخول تحت احکام الکتاب والسنة مع وجود شروط التکلیف من العقل والبلوغ[3]۔	وہ جو ہمارے زمانے کے بعض صوفی بننے والے ادعا کرتے ہیں کہ اے علم ظاہر والو! تم اپنے احکام کتاب وسنت سے لیتے ہو اور ہم خود صاحب قرآن سے لیتے ہیں یہ بالاجماع قطعاً بوجوہ کثیرہ کفر ہے ازانجملہ یہ عقل وبلوغ شرائط تکلیف ہوتے ہوئے کہہ دیا کہ ہم زیر احکام شریعت نہیں۔

یہیں فرمایا:

ان اراد بترك العلم الظاھر عدم تعلم ذلك وعدم الاعتناء به لان العلم الظاھر لاحاجة الیه فقد سفه الخطاب الالٰھی وسفه الانبیاء ونسب العبث والبطلان الی ارسال الرسل وانزال الکتب فلا شك فی کفرہ اشد الکفر[4] (ملتقطا)	اگر علم ظاہر چھوڑنے سے اس کا نہ سیکھنا اور اس کا اہتمام نہ کرنا مراد لے اس خیال سے کہ علم ظاہر کی طرف حاجت نہیں تو اس نے کلام الٰہی کو احمق بتایا اور انبیاء کو بیوقوف ٹھہرایا، رسولوں کے بھیجنے کتابوں کے اتارنے کو عبث وباطل کی طرف نسبت کیا تو کچھ شک نہیں کہ وہ کافر ہے اور اس کا کفر سب سے سخت تر کفر۔

---

[1] الطبقات الکبرٰی للشعرانی مقدمة الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۴

[2] المیزان الکبرٰی فصل فان قال قائل ان احدالا یحتاج الٰی ذوق مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲

[3] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۵۸تا۱۵۵

[4] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۵۹

قول ۵۳: نیز عارف ممدوح قدس سرہ تعظیم شریعت مطہرہ کے بارے میں حضرات عالیہ سید الطائفہ وسری سقطی وابویزید بسطامی وابو سلیمان دارانی وذوالنون مصری وبشر حافی وابوسعید خراز وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقوال کریمہ ذکر کرکے فرماتے ہیں:

انظر ایھا العاقل الطالب للحق ان ھؤلاء عظماء مشائخ الطریقۃ وکبراء ارباب الحقیقۃ کلھم یعظمون الشریعۃ المحمدیۃ وکیف وہم ماوصلوا الا بذٰلک التعظیم و السلوک علی ہذا المسلک المستقیم ولم ینقل عن احد منھم ولا عن غیرھم من السادۃ الصوفیۃ الکاملین انہ احتقر شیئا من احکام الشریعۃ المطھرۃ ولا امتنع من قبولہ بل کلھم مسلمون لہ و یبنون علومھم الباطنۃ علی السیرۃ الاحمدیۃ فلا یغرنک طامات الجھال المتنسکین الفاسدین المفسدین الضالین المضلین الزائغین عن الشرع القویم الی صراط الجحیم خارجین عن مناھج علماء الشریعۃ المحمدیۃ مارقین من مسالک مشائخ الطریقۃ لاعراضھم عن التادب بآداب الشریعۃ وترکھم الدخول فی حصونھا المنیعۃ فھم کافرون بانکارھا مدعون الاستنارۃ بانوارھا ومشائخ الطریقۃ قائمون بالاداب الشریعۃ معتقدون تعظیم احکام اللہ تعالٰی ولھذا	یعنی اے عاقل! اے حق کے طالب! دیکھ کہ یہ عظمائے مشائخ طریقت یہ کبرائے ارباب حقیقت سب کے سب شریعت مطہرہ کی تعظیم کر رہے اور کیوں نہ کریں کہ وہ واصل نہ ہوئے مگر اسی تعظیم اقدس سیدھی راہ شریعت پر چلنے کے سبب یا ان سے یا ان کے سوا اور سرداران اولیائے کاملین کسی ایک سے بھی منقول نہیں کہ اس نے شریعت مطہرہ کے کسی حکم کی تحقیر کی یا اس کے قبول سے باز رہا ہو بلکہ وہ سب اس کے حضور گردن رکھے ہوئے ہیں اور اپنے باطنی علوم کی سیرت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بنا کرتے ہیں تو تجھے زنہار دھوکا میں نہ ڈالیں حد سے گزری ہوئی باتیں ان جاہلوں کی کہ سالک بنتے ہیں خود بگڑے اوروں کو بگاڑتے ہیں آپ گمراہ اوروں کو گمراہ کرتے ہیں شرع مستقیم سے کج ہو کر جہنم کی راہ چلتے ہیں علمائے شریعت کی راہ سے باہر مشائخ طریقت کے مسلک سے خارج اس لئے کہ آداب شریعت اختیار کرنے سے روگردانی کئے اور اس کے مستحکم قلعوں میں پناہ لینے کو چھوڑے بیٹھے ہیں تو وہ انکار شریعت کے سبب کافر ہیں اور دعوے یہ کہ اس کے انوار سے روشن ہیں مشائخ طریقت تو آداب شریعت پر قائم ہیں احکام الٰہی کی تعظیم کے معتقد ہیں اسی لئے

اتحفهم الله تعالٰی بالکمالات القدسیة وہولاء المغرورون بالفشار اللابسون حلة العار الذین ہم مسلمون فی الظاہر واذا حققتهم فهم کفار لم یزالوا معتکفین علی اصنام الاوهام مفتونین بمایلقی لهم الشیطان من الوساوس فی الافهام فالویل لهم ولمن تبعهم او حسن امرهم فهم قطاع طریق الله تعالٰی[1] اھملتقطا۔	اللہ تعالٰی نے انھیں کمالات اقدس کا تحفہ دیا اور یہ اپنی خرافات پر مغرور یہ عار لباس پہنے ہوئے کہ ظاہر میں مسلمان اور حقیقت میں کافر ہیں یہ ہمیشہ اپنے اوہام کے بتوں کے آگے آسن مارے بیٹھے ہیں۔ شیطان جو وسوسے ان کے افکار میں ڈالتا ہے انھیں پر مفتون ہوئے ہیں تو خرابی پوری خرابی ان کے لئے اور اس کے لئے اور ان کے لئے جو ان کا پیرو ہو یا ان کے کام کو اچھا جانے اس لئے کہ وہ راہ خدا کے راہزن ہیں اھ ملتقطًا

قول ۵۴: حضرت قطب ربانی محبوب یزدانی مخدوم اشرف جہانگیر چشتی سمنانی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار سلسلہ چشتیہ اشرفیہ فرماتے ہیں:

خارق عادت اگر ازولی موصوف باوصاف ولایت ظاہر بود کرامت گویند واگر از مخالف شریعت صادر شود استدراج حفظنا اللہ وایاکم[2]۔	اگر اوصاف ولایت والے ولی سے خارق عادت ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے اور اگر مخالف شریعت سے صادر ہو تو استدارج ہے۔ اللہ تعالٰی ہمیں اور آپ کو محفوظ فرمائے۔(ت)

قول ۵۵: حضرت سیدی ابوالمکارم رکن الدین خلیفہ حضرت سیدی نور الدین عبدالرحمٰن اسفرائنی خلیفہ وقت حضرت سیدی جمال الدین احمد جوزقانی خلیفہ سیدی رضی الدین لالا خلیفہ حضرت سیدی نجم الدین کبرٰی سردار سلسلہ کبرویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اپنے شیخ ومرشد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرماتے ہیں:

ولی تاشریعت رابکمال نگیرد قدم درولایت نتواں نہاد بلکہ اگر انکار کند کافر گردد[3]۔	ولی جب تک شرعیت کو مکمل طور پر نہ اپنائے ولایت میں قدم نہیں رکھ سکتا بلکہ اگر اس کاانکار کرے تو کافر ہے۔(ت)

[1] الحدیقة الندیة شرح الطریقه المحمدیه الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۸۷تا۱۸۹

[2] لطائف اشرفی لطیفہ پنجم مکتبہ سمنانی کراچی ۱/ ۱۲۶

[3] نفحات الانس ذکر ابی المکارم رکن الدین احمد بن محمد ازانتشارات کتابفروشی تہران ایران ص ۴۴۳

قول ۵۶: حضرت سیدی شیخ الاسلام احمد نامقی جامی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سیدی خواجہ مودود چشتی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

اول مصلی رابر طاق نہ و برو علم آموز کہ زاہد بے علم مسخرہ شیطان است [1]۔	پہلے عبادت کا مصلی طاق پر رکھ اور جا کر علم حاصل کر کیونکہ جاہل شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔(ت)

یہ حکایت شریف بہت نفیس ولطیف ہے۔ اس کا خلاصہ عرض کریں کہ اس کلام کریم کا منشاء معلوم ہو اور حضرت خواجہ مودود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ سرور وسردار سلسلہ عالیہ چشتیہ بہشتیہ ہیں دفع وہم ہو اور آج کل کے بہت مدعیان ناکار کے لئے کہ مسند ولایت کو ترکہ پدری جانتے ہیں۔ باعث ہدایت وعبرت وفہم ہو، حضرت ممدوح سلالہ خاندان اولیائے کرام ہین ان کے آباء کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجلہ اکابر محبوبان خدا سرداران شریعت وطریقت واصحاب علم وکرامت تھے اور ان کے بعد حضرت خواجہ مودود چشتی نے مسند آبائی پر جلوس فرمایا۔ ہزاروں آدمی مرید ہوگئے مگر صاحبزادہ والاقدر ابھی عالم نہ ہوئے تھے نہ راہ طریقت کسی مرشد کامل کی تعلیم سے چلے تھے عنایت ازلی ہی ان کے حال شریف پر متوجہ تھی حضرت شیخ الاسلام قطب الکرام سیدی احمد نامقی جامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ان کی تعلیم وتفہیم کے لئے ہرات بھیجا، یہاں خواص وعام اس جناب کی کرامات عالیہ دیکھ کر مرید ومعتقد ہوئے اور تمام اطراف میں ان کا شہرہ ہوا، صاحبزادہ خواجگان رضی اللہ تعالٰی عنہم کو ناگوار ہوا، قصد فرمایا کہ حضرت والا کو اس ملک سے باہر کریں لشکر مریدان لے کر جنبش فرمائی، اصحاب حضرت شیخ الاسلام کو اس کی اطلاع ہوئی انھوں نے براہ ادب اسے شیخ الاسلام سے چھپایا مگر حضرت خود ہی خوب جانتے تھے ایک دن جب صبح کا ناشتہ حاضر کیا گیا تو ارشاد فرمایا: ایک ساعت صبر کرو کہ کچھ قاصد آتے ہیں، تھوڑی دیر بعد قاصدان صاحبزادہ حاضر ہوئے، حضرت والا نے انھیں کھانا کھلایا پھر فرمایا: تم کہوگے یا میں بتاؤں کہ کس لئے آئے ہو عرض کی: حضرت فرمائیں۔ فرمایا: خواجہ مودود نے تمھیں بھیجا ہے کہ احمد سے کہو وہ ہماری ولایت میں کیوں آیا سیدھی طرح واپس جاتا ہے تو جائے ورنہ جس طرح چاہے نکالا جائے گا، قاصدوں نے تصدیق کی کہ ہاں حضرت خواجہ نے یہی پیام دے کر ہمیں بھیجا ہے حضرت والا نے فرمایا:

[1] نفحات الانس ذکر خواجہ قطب الدین مودود چشتی انتشارات کتابفروشی تہران ایران ص ۳۲۹

کہ ولایت سے یہ دیہات مراد ہیں تو یہ اوروں کی ملک ہیں نہ کہ خواجہ مودود کی، اور اگر ولایت سے یہ لوگ مراد ہیں تو یہ بادشاہ سنجر کی رعیت ہیں تو یوں بادشاہ شیخ الشیوخ ٹھہرے گا، اور اگر ولایت سے وہ مراد ہے جو میں جانتا ہوں اور جسے اولیاء اللہ جانتے ہیں تو کل ہم انھیں دکھادیں گے کہ ولایت کا کام کیا اور کیسا ہوتا ہے قاصدوں کو یہ جواب عطا فرمایا اور ادھر ابر عظیم آیا، اور ایک رات دن ابر برسادم بھر کو نہ دم لیا۔ دوسرے دن صبح کو حضرت والا نے فرمایا: گھوڑے کسو کہ خواجہ مودود کی طرف چلیں، اصحاب نے عرض کی، ندی چڑھ گئی اب جب تک چند روز بارش موقوف نہ ہو کوئی ملاح کشتی بھی نہیں لے جاسکتا۔ فرمایا: کچھ مشکل نہیں آج ہم ملاحی کریں گے جب سوار ہو کر جنگل میں پہنچے ملاحظہ فرمایا کہ ایک انبوہ مسلح حضرت کے ہمراہ ہے۔ فرمایا: یہ کون لوگ ہیں۔ عرض کی: حضور کے مرید ومحب ہیں، یہ سن کر کہ ایک جماعت حضور کے مقابلے کو آئی ہے یہ حضور کے ہمراہ ہو لئے، فرمایا: انھیں واپس کرو تیر و تلوار تو سنجر کا کام ہے اولیاء کے ہتھیار اور ہی ہیں، غرض چند خدام کے ساتھ ندی کنارے پہنچے پانی طغیانی پر تھا، فرمایا: آج یہ ٹھہری ہے کہ ہم ملاحی کریں گے، معرفت الٰہی میں کلام فرمانا شروع کیا تمام حاضرین ذوق سے بیخود ہوگئے، فرمایا: آنکھیں بند کرلو اور **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کہہ کر چلو، لوگوں نے ایسا ہی کیا، جس نے آنکھ جلدی کھول دی اس کا جوتا تر ہوا اور جس نے ذرا دیر کر کھولی اس کا جوتا بھی خشک رہا، اور سب نے اپنے آپ کو دریا کے اس پار پایا، قاصدوں نے جو یہ ماجرا دیکھا جلدی کرکے حضرت صاحبزادہ خواجگان کے حضور حاضر ہوئے اور حال عرض کیا، کسی کو یقین نہ آیا، صاحبزادہ دوہزار مرید مسلح کے ساتھ متوجہ ہوئے اور جیسے حضرت شیخ الاسلام سے نظر دوچار ہوئی صاحبزادہ بے اختیار پیادہ ہوئے اور حضرت والا کے پائے مبارک پر بوسہ دیا حضرت ان کی پیٹھ ٹھونکتے اور فرماتے تھے، ولایت کا کام دیکھا تم نہیں جانتے مردان خدا کی فوج سلاح سے نہیں جاؤ سوار ہوا ابھی بچے ہو تمھیں نہیں معلوم کہ کیا کرتے ہو۔ جب بستی آئے حضرت شیخ الاسلام مع اپنے اصحاب کے ایک محلّہ میں اترے اور حضرت صاحبزادہ مع مریدان دوسرے محلّہ میں، دوسرے دن ان مریدین صاحبزادہ نے کہا ہم آئے تھے شیخ احمد کو اس ملک سے نکالنے اور آج وہ ہمارے ساتھ ایک ہی گاؤں میں مقیم ہیں کوئی فکر عمدہ کرنی چاہئے، حضرت خواجہ مودود نے فرمایا: میری رائے میں صواب یہ ہے کہ صبح ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اجازت لیں ان کا کام ہمارے بس کا نہیں۔ مریدوں نے کہا: بلکہ رائے صواب یہ ہے کہ کوئی کام پر جاسوس مقرر کریں جب ان کے قیلولہ یعنی دوپہر کو آرام کا وقت آئے اور لوگ ان کے پاس سے چلے جائیں وہ تنہا رہیں اس وقت ہماری ایک جماعت

آپ کے ساتھ ان کے پاس جائے اور سماع شروع کریں، اور حال لائیں اسی حالت میں کوئی حربہ ان پر ماردیں، حضرت خواجہ نے فرمایا: ٹھیک نہیں، وہ ولی ہیں صاحب کرامات ہیں مگر مریدوں نے نہ مانا، جب دوپہر کو حضرت شیخ الاسلام کے آرام کا وقت آیا خادم نے چاہا کہ بچھونا بچھائے، فرمایا: ایک ساعت توقف کرو کچھ آرام ہوگا ایک کام درپیش ہے، ناگاہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، خادم نے دروازہ کھولا دیکھا کہ حضرت خواجہ مودود ایک انبوہ کے ساتھ تشریف لائے، سلام کرکے سماع شروع ہوا، ساتھ والے نعرے لگانے لگے، انھوں نے چاہا تھا کہ اپنا ارادہ فاسدہ پورا کریں، کہ حضرت شیخ الاسلام نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا ہے سہلا کجائی ہے (اے سہلا! تو کہاں ہے) سہلا نام ایک صاحب شہر سرخس کے ساکن، صاحب کرامات وعاقل، مجنون نما تھے، ہمیشہ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں رہتے، حضرت کے آواز دیتے ہی وہ فوراً حاضر ہوئے اور ایک نعرہ ان مفسدوں پر لگایا، وہ سب کے سب معاجوتیاں پگڑیاں چھوڑ کر بھاگ گئے صرف صاحبزادہ خواجگان باقی رہے۔ نہایت ندامت کے ساتھ کھڑے ہوئے اور سر برہنہ کرکے معافی مانگی اور عرض کی: حضرت کو روشن ہے کہ اس دفعہ یہ میری مرضی نہ تھی فرمایا: تم سچ کہتے ہو مگر تم ان کے ساتھ کیوں آئے، عرض کی: میں نے برا کیا حضرت معاف فرمائیں، فرمایا: میں نے معاف کیا جاؤ اور ان لوگوں کو واپس لاؤ اور دو خدمت گار مقرر کرو اور تین دن ٹھہراؤ، حضرت خواجہ مودود نے ایسا ہی کیا، بعد ازاں حضرت شیخ الاسلام کے پاس آکر گزارش کی: جو حکم ہوا تھا بجالایا اب کیا فرمان ہے۔ فرمایا: سجادہ طاق پر رکھو اور اول جاکر علم پڑھو کہ زاہد بے علم مسخرہ شیطان ہے خواجہ نے فرمایا: میں نے قبول کیا اور کیا ارشاد ہے۔ فرمایا: جب تحصیل علم سے فارغ ہو اپنا خاندان زندہ کرو، تمھارے باپ دادا اولیاء وصاحب کرامت تھے، خواجہ مودود نے عرض کی، خاندان زندہ کرنے کو ارشاد ہوتا ہے تو پہلے تبرک کا حضرت والا مجھے مسند پر بٹھادیں، فرمایا: آگے آؤ۔ یہ آگے گئے، حضرت نے ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند مبارک کے کنارے پر بٹھایا اور فرمایا: بشرط علم بشرط علم بشرط علم تین بار فرمایا: حضرت خواجہ تین روز اور حاضر خدمت رہے فائدے لئے، نوازشیں پائیں، پھر تحصیل علم کے لئے بلخ بخارا تشریف لے گئے، چار سال میں ماہر کامل ہوئے، ہر شہر میں حضرت سے کرامات ظاہر ہوئیں، پھر چشت کو مراجعت فرمائی، تربیت مریدان میں مشغول ہوئے، اطراف سے طالبان خدا حاضر خدمت ہوئے اور حضرت کی برکت انفاس سے دولت معرفت ورتبہ ولایت کو پہنچے، حضرت خواجہ شریف زندنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ نہایت عالی درجہ ولی وعارف وواصل ہیں، اسی جناب کے مرید وتربیت یافتہ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم اجمعین [1]۔

[1] نفحات الانس ذکر خواجہ قطب الدین مودود چشتی از انتشارات کتابفروشی محمودی تہران ایران ص۳۲۶تا۳۲۹

قول ۵۷: حضرت مولانا نورالدین جامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

اگر صد ہزار خارق عادات برایشاں ظاہر شود چوں نہ ظاہر ایشاں موافق احکام شریعت ست و نہ باطن ایشاں موافق آداب طریقت باشد وآں از قبیل مکرو استدراج خواہد بود نہ از مقولہ ولایت و کرامت[1]۔	اگر لاکھ خارق عادات ظاہر ہوں جب تک ظاہر و باطن شریعت وآداب طریقت کے موافق نہ ہو تو وہ مکر اور استدراج ہوگا ولایت و کرامت کا مصداق نہ ہوگا۔(ت)

بعینہٖ اسی طرح لطائف اشرفی[2] ص۱۲۹ میں ہے۔ پھر دونوں کتابوں میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وہ عبارت کریمہ منقول قول ۳۲ ذکر فرمائی، فائدہ نفیسہ اسی نفحات الانس شریعت میں حضرت شیخ الاسلام عبداللہ ہروی انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول کہ حضرت شیخ احمد چشتی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تعریف کرکے فرماتے ہیں:

چشتیاں ہمہ چناں بودند از خلق بیباک ودر باطن پاک ودر معرفت وفراست چالاک ہمہ احوال ایشاں باخلاص وترک ریا بود ہیچ گونہ در شرع سستی روا نداشتندے۔[3]	تمام چشتی حضرات ایسے ہی تھے کہ مخلوق سے بے خوف، باطن میں پاک اور معرفت وفراست میں باکمال ان کے تمام احوال اخلاص اور بے ریائی پر مبنی تھے اور کسی طرح بھی شریعت میں سستی برداشت نہ کرتے۔(ت)

اور نسخہ قدیمہ نفحات شریف میں کہ تین سو برس کا لکھا ہوا ہے یوں ہے:

ہیچگونہ سستی روا نداشتندے در شرع تا بہتاون چہ رسد[4]۔	کسی طرح بھی شرع میں سستی روا نہ رکھتے تو کوتاہی کہاں ہوتی۔(ت)

ہمارے چشتی بھائی حضرات چشت رضی اللہ تعالٰی عنہم کا حال کریم مشاہدہ کریں کہ اصلاً

[1] نفحات الانس القول فی اثبات الکرامۃ للاولیاء از انتشارات کتابفروشی محمودی تہران ایران ص ۲۶
[2] لطائف اشرفی لطیفہ پنجم مکتبہ سمنانی کراچی ۱۰/ ۱۲۹
[3] نفحات الانس ذکر شیخ احمد چشتی از انتشارات کتاب فروشی محمودی تہران ایران ص ۳۴۰
[4] نفحات الانس ذکر شیخ احمد چشتی از انتشارات کتاب فروشی محمودی تہران ایران ص ۳۴۰

شرع میں سستی وکاہلی بھی جائز نہ رکھتے نہ کہ معاذاللہ احکام شرعیہ کو ہلکا جاننا چشتی ہونے کو بندگی شرع سے پروانہ آزادی ماننا والعیاذباللہ رب العالمین۔ سردار سلسلہ علیہ بہشتیہ حضرت سلطان الاولیاء شیخ المشائخ محبوب الٰہی نظام الحق والدین محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشادات عالیہ سنئے فرماتے:

(۱) چندیں چیز می باید تا سماع مباح شود مستمع و مسمع آلہ سماع، مسمع یعنی گوینده، مرد تمام باشد کودک نباشد و عورت نباشد و مستمع آنکہ می شنود از یاد حق خالی نباشد و مسموع انچہ بگویند فحش و مسخرگی نباشد وآلہ سماع مزامیر است چوں چنگ درباب ومثل آں می باید درمیان نباشد ایں چنیں سماع حلال است [1]۔	چند چیزیں پائی جائیں تو سماع حلال ہوگا، سنانے والے تمام مرد بالغ ہوں بچے اور عورت نہ ہوں سننے والے اللہ تعالٰی کی یاد سے خالی نہ ہوں کلام فحش ومذاق سے خالی ہو اور آلات سماع سرنگی اور طبلہ وغیرہ نہ ہو تو ایسا سماع حلال ہوگا(ت)

(۲) ایک بار حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کسی نے عرض کی آجکل بعضے خانقاہ دار درویشوں نے مزامیر کے مجمع میں وجد کیا۔ فرمایا:

نیکونہ کردہ اند انچہ نامشروع ست ناپسندیدہ ست [2]۔	اچھانہ کیا جو بات شرع میں ناروا ہے وہ کسی طرح پسندیدہ نہیں۔

(۳) کسی نے عرض کی کہ جب وہ لوگ وہاں سے باہر آئے ان سے کہا گیا کہ تم نے یہ کیا کیا وہاں تو مزامیر تھے تم نے وہاں جاکر کیوں قوالی سنی اور وجد کیا، وہ بولے ہم ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں مزامیر کی خبر نہ ہوئی، حضرت شیخ المشائخ نظام الحق والدین نے فرمایا:

ایں جواب ہم چیزے نیست ایں سخن درہمہ معصیتہا بیاید [3]۔	یہ جواب بھی محض مہمل ہے سب گناہوں میں یہی حیلہ ہو سکتا ہے۔

[1] سیرالاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ص ۰۲-۵۰۱

[2] سیرالاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ص ۵۳۰

[3] سیرالاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ص ۵۳۱

دیکھو کیسا قاطع جواب ارشاد ہوا۔ آدمی شراب پئے اور کہہ دے کمال استغراق کے سبب ہمیں خبر نہ ہوئی کہ شراب ہے یا پانی، زنا کرے اور کہہ دے ہمیں تمیز نہ ہوئی کہ جورو ہے یا بیگانی۔

(۴) ایک بار کسی نے عرض کی کہ فلاں موضع میں بعض یاروں نے مجمع کیا اور مزامیر وغیرہ حرام چیزیں ہیں، حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

من منع کردہ ام کہ مزامیر ومحرمات درمیان نباشد نیکونہ کردہ اند[1]۔	میں نے منع فرمادیا ہے کہ مزامیر ومحرمات درمیان نہ ہوں، ان لوگوں نے اچھا نہ کیا۔

(۵) حضور کے خلیفہ شیخ محمد بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں حضرت محبوبیت منزلت نے اس باب میں نہایت شدت اور سخت تاکید سے ممانعت فرمائی یہاں تک کہ فرمایا کہ اگر امام نماز پڑھاتا ہو اور جماعت میں کچھ عورتیں بھی ہوں امام کو سہو واقع ہو، مرد تو سبحان اللہ کہہ کر امام کو مطلع کریں عورت بتانا چاہے تو کیا کرے۔ سبحان اللہ تو کہے گی نہیں کہ اسے اپنی آواز سنانی نہ چاہئے پھر کیا کرے۔

پشت دست بر کف دست زند وکف دست بر کف دست نہ زند کہ آں بہ لہو می ماند تا ایں غایت از ملاہی وامثال آں پرہیز آمدہ است پس در سماع طریق اولٰی کہ ازیں بابت نباشد[2]۔	ہاتھ کی پشت کو ہتھیلی پر مارے ہتھیلی کو ہتھیلی پر نہ مارے کیونکہ تالی لہو میں شمار ہوتی ہے۔ جب یہاں تک کہ آپ لہو والی چیزوں سے پرہیز فرماتے تو سماع میں بطریق اولٰی ضروری ہے کہ ایسا نہ ہو۔ (ت)

شیخ مبارک فرماتے ہیں:

یعنی در منع دستک چندیں احتیاط آمدہ است پس در سماع مزامیر بطریق اولٰی منع است[3]۔	یعنی تالی بجانے میں منع کے لئے یہ احتیاط تھی تو سماع میں مزامیر سے منع بطریق اولٰی ہے۔ (ت)

سبحان اللہ! جو بندگان خدا تالی کو ناجائز جانیں بندگان نفس ان کے سر ستار اور ڈھولک کی تہمت باندھیں۔

[1] سیر الاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ص ۵۳۲
[2] سیر الاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ص ۵۳۲
[3] سیر الاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ص ۵۳۲

(۶) حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات کریمہ فوائد الفواد کہ حضرت کے مرید رشید میر حسن علا سجزی قدس سرہ کے جمع کئے ہوئے ہیں ان میں بھی حضور کا صاف ارشاد مذکور ہے کہ: مزامیر احرام ست [1]۔

(۷) حضور کے خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زراوی قدس سرہ نے حضور کے زمانہ میں حضور کے حکم سے دربارہ سماع ایک رسالہ عربیہ مسمّٰی بہ کشف القناع عن اصول السماع تالیف فرمایا، اس میں ہے:

اما سماع مشایخنا رضی الله تعالٰی عنهم فبریئ عن هذه التهمة وهو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرة من کمال صنعة الله تعالٰی [2]۔	یعنی ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے پاک ہے وہ تو صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی کی خبر دیتے ہیں۔

مسلمانو! یہ سچے یا وہ جو اپنی ہوائے نفس کی حمایت کو ان بندگان خدا پر مزامیر کی تہمت دھرتے ہیں اللہ تعالٰی ہمارے بھائی مسلمانوں کو توفیق وہدایت بخشے آمین!

قول ۵۸: حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی کہ اجلہ اولیائے خاندان عالیشان چشت سے ہیں اور صرف ایک واسطہ سے حضرت مخدوم شاہ صفی قدس سرہ الوفی کے مرید ہیں جو صرف ایک واسطہ سے حضرت مخدوم شاہ مینا رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مرید ہیں: حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی جہاں آبادی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

شبے درمدینہ منورہ پہلو بربستر خواب گزاشتم درواقعہ دیدم کہ من وسید صبغۃ اللہ بروجی معا در مجلس اقدس حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باریاب شدیم جمعے از صحبہ کرام واولیائے عظام حاضر اند دریںہا شخصے ست کہ آنحضرت	میں مدینہ منورہ میں ایک شب بستر خواب پر لیٹا تھا کہ میں نے عالم واقعہ میں دیکھا کہ میں اور سید صبغۃ اللہ بروجی دونوں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور صحابہ کرام اور اولیائے عظام کی ایک جماعت بھی موجود ہے انھیں میں ایک صاحب ایسے ہیں

[1] فوائد الفواد

[2] کشف القناع عن اصول السماع

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باولب بہ تبسم شیریں کردہ حرفہائے زنند والتفات تمام باو میدارند چوں مجلس آخر شد از سید صبغۃ اللہ استفسار کردم کہ ایں شخص کیست کہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم با او التفات بایں مرتبہ دارند گفت میر عبدالواحد بلگرامی ست و باعث مزید احترام او ایں ست کہ سبع سنابل تصنیف او درجناب رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقبول افتاد[1]۔	جن سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لب شیریں سے تبسم آمیز گفتگو فرمارہے اور ان کی جانب توجہ خاص رکھتے ہیں، جب یہ مجلس برخاست ہوئی تو میں نے سید صبغۃ اللہ صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب تھے جن کی جانب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس درجہ التفات ہے۔ انھوں نے فرمایا یہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں، اور اس عزت و کرامت کا باعث یہ ہے کہ ان کی تصنیف کردہ کتاب سبع سنابل شریف بارگاہ نبوی میں سے شرف قبول پاچکی ہے۔ (ت)

یہی حضرت میر قدس سرہ المنیر اسی کتاب مقبول بارگاہ اقدس سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

اے صاحب تحقیق علمائے راہ دین کہ ورثہ انبیاء اندسہ طائفہ ہستند اصحاب حدیث وفقہاء وصوفیہ[2]۔	اے حق کے طلب کرنے والے وہ علماء جو دین کے راستوں پر چلتے ہیں کہ ورثہ انبیاء ہیں ان کے تین گروہ ہیں اول محدثین، دوم فقہاء اور سوم صوفیاء (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریح ہے کہ علمائے ظاہر و باطن سب وارثان انبیاء کرام ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام والثناء۔

قول ۵۹: یہی حضرت میر رضی اللہ تعالٰی عنہ اسی سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

شریعت محمدی و دین احمدی راہے ست سلیم و جادہ ایست مستقیم خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باچندیں ہزار افواج امت از اولیاء و اصفیاء و شہداء و صدیقان بران جادہ رفتہ و آنرا از خار و خاشاک شکوک و شبہات پاک رفتہ اعلام و منازل آں معین و مبین کردہ از ہر قدمے	شریعت محمدی و دین احمدی وہ راہ سلیم و جادہ مستقیم ہے جس پر خاتم الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ اپنی امت کے ہزارہا اولیاء و اصفیاء اور صدیقین و شہداء کے جلو میں گامزن رہے اور اسے ہر قسم کے خس وخاشاک اور شکوک و شبہات سے پاک فرمایا، اس کے مقامات و منازل متعین و

[1] اصح التواریخ ۱/ ۱۶۸

[2] سبع سنابل سنبلہ اول مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۴

نشانے باز دادہ درہر منزلے نزلے نہادہ ورفع قطاع الطریق را بدرقہ ہمت بہمراہی فرستادہ اگر مہو سے مبتدعے بطریق دیگر دعوت کند باید کہ قول او مسموع ندارند واہل بدعت وضلالت طائفہ باشند کہ خود را در لباس اسلام بہ تلبیس پیدا آرند وعقائد فاسدہ خویش در باطن پوشیدہ دارند ایں جماعت اند اعدائے دین واخوان شیاطین وچوں بنور علم علمائے دین و مشائخ اسلام ظلمات بدعت ایشاں مکشوف میگردد ناچار علمائے شریعت را دشمن پندارند علمائے ربانی کہ نجوم سپہر اسلام اند مردم را از شر ایں شیاطین الانس محفوظ میدارند وانفاس نورانی ایشاں بمشابہ شہب ثواقب پیوستہ ایں مسترقاں (یعنی دزداں) شریعت ازہر جانبے میرانند وبرجم وقذف پراگندہ میگردانند[1]۔	روشن فرمادئے، قدم قدم پر نشانات ہیں اور منزل منزل بنیات اور رہزنوں سے حفاظت کے لیے جگہ جگہ رہنمائی کرنیوالے مقرر ہیں اور اولیائے کرام و صوفیائے عظام کے مسلک قدیم کے بر خلاف کوئی اور راہ دکھاتا ہے کسی اور طریقے کی طرف بلاتا ہے تو اس کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہئے بلکہ حمایت و نصرت حق کی نیت سے اس کی تردید وتغلیط کو منجملہ فرائض دینیہ سمجھنا چاہئے اہل بدعت وضلالت وہی تو ہیں جواز راہ فریب دہی لباس اسلام پہن کر (عوام اہل اسلام میں) آتے اور اپنے عقائد فاسدہ کو پوشیدہ رکھتے ہیں یہی لوگ اعدائے دین واخوان شیاطین ہیں اور چونکہ علمائے دین ومشائخ اسلام کے علم کے نور سے انکی گمراہی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں لامحالہ یہ لوگ علمائے شریعت کو دشمن سمجھنے لگے ہیں، علمائے ربانی کہ آسمان اسلام کے روشن ستارے ہیں عوام کو ان شیاطین الانس کے شر سے محفوظ رکھتے ہیں اوراپنے نورانی انفاس سے شہاب ثاقب کی مانند ہمیشہ ان دین کے لٹیروں اور چوروں کو ہر ہر طرف سے ہنکاتے اور ان پر لعنت ورد کے پتھر مار مار کر دُر دُراتے رہتے ہیں۔(ت)

اس جاہل نے کہ علمائے شریعت کو **معاذاللہ** شیاطین کہا تھا **الحمدللہ** کہ اولیائے کرام کی زبان درفشاں سے اللہ عزوجل نے ثابت کردیا کہ یہ جاہل اور اس کے ہم مشرب ہی شیاطین ودشمنان دین ہیں اور ہزار درہزار حمد اس کے وجہ کریم کو یہ کلمات عالیات بارگاہ رسالت میں معروض ہو کر مسجل بمہر قبول ہولئے **وللہ الحمد**۔

قول ۶۰: یہی سید جلیل عارف جمیل رضی اللہ تعالٰی عنہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

چند شرائط می داں کہ بے آں شرائط اصلا پیری مریدی درست نیست یکے آنکہ پیر	پیری مریدی چند شرائط پر مبنی ہے جن کے بغیر پیری مریدی صحیح نہیں، ان شرائط میں پہلی شرط

[1] سبع سنابل سنبلہ اول مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص۸تا۹

مسلک صحیح داشتہ باشد، دوم آنکہ پیر درادائے حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد سوم آنکہ پیر راعقائد درست بود موافق مذہب سنت و جماعت پیری ومریدی بے ایں سہ شرائط اصلا درست نیست [1]۔	یہ ہے کہ پیر مسلک صحیح رکھتا ہو دوسری شرط یہ ہے کہ پیر حقوق شرعیہ ادا کرے، اور تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقائد مذہب اہلسنت وجماعت کے مطابق ہوں یہ وہ شرطیں ہیں جن کے بغیر پیری ومریدی ہرگز صحیح نہیں ہوسکتی، (یعنی اتباع احکام شریعت میں سست اور کاہل نہ ہوں) (ت)

پھر شرط اول کی تفصیل ارشاد فرماکر شرط دوم کے متعلق فرمایا:

شرط دوم پیر آنست کہ عالم وعامل باشد بر جملہ عبادات بر انواع ودرادائے احکام قاصر ومتہاون نبود واگر برانواع عبادات عالم نبود عامل نتواند شد، واز حد شرع بیفتد پس پیری رانشاید زیراکہ ہر کہ از مقام حقیقت بیفتد بر طریقت قرار گیرد، و ہر کہ از شریعت بیفتد گمراہ گردد وگمراہ پیر رانشاید امادر ویشے کہ مرجع خلائق بوداو رااحتیاط درجزئیات شریعت فرض لازم ست باید کہ یک دقیقہ از دقائق شرع ازوفوت نشود کہ وسیلہ گمراہی مریدان ست بجہت آنکہ گویند کہ پیر ما ایں چنیں کار کردہ است پس اوضال ومضل گردد [2]۔	پیری کی دوسری شرط کی توضیح یہ ہے کہ پیر کو عامل باعمل ہونا ضروری ہے، شریعت کی مقررہ فرمودہ عبادات واحکام میں کوتاہی اور سستی کو دخل نہ دے اب اگر کوئی شخص عبادات و(فرائض وواجبات، سنن ومستحبات، محرمات ومکروہات) سے واقف نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ان پر عمل نہ کرسکے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حد شریعت سے گر جائے گا، اور اب پیر بننے کا اہل نہ رہے گا، اس لئے جو شخص مقام حقیت سے گرتا ہے وہ طریقت پر رک جاتا ہے اور جو طریقت سے گرتا ہے شرعیت پر ٹھہر جاتا ہے اور جو شخص شریعت سے گرتا ہے وہ گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ اور گمراہ آدمی پیری کے قابل نہیں، پھر جو درویش کہ مرجع خلائق ہو اس پر شریعت کے احکام جزئی کی احتیاط فرض ولازم ہوجاتی ہے لہذا اس پر فرض ہے کہ شریعت کے آداب ومستحبات سے بھی کسی ادب ومستحب سے غافل نہ رہے اور اسے فوت نہ ہونے دے کہ یہ چیز مریدوں کی گمراہی کی سند ہوجاتی ہے۔

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص۳۹و۴۰

[2] سبع سنابل سنبلہ دوم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۲

	اور مریدیں اسے حجت بنا کر کہتے ہیں کہ ہمارے پیر صاحب نے تو یہ کیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گمراہ و گمراہ کن بن جاتے ہیں۔(ت)

پھر تینوں شرطیں بیان کرکے فرمایا:

مرید کہ پیررا بایں ہر سہ شرائط موصوف یابد بیعت با او کند کہ جائز و مستحسن است واگر در پیر ازیں ہر سہ شرائط یکے مفقود بود بیعت با او جائز نہ باشد واگر کسے از سبب نادانی باو بیعت کردہ باشد باید کہ ازاں بیعت بگردد[1]۔	غرض یہ کہ مرید جب پیر کو ان تینوں شرطوں کا جامع پائے تو اب اس کے ہاتھ پر بیعت کرے کہ جائز و مستحسن ہے اور اگر پیر میں ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس سے بیعت جائز نہیں بلکہ اگر کسی نے نادانستہ ایسے پیر سے بیعت کرلی تو اس پر اس بیعت کا توڑ دینا واجب ہے۔(ت)

خاتمہ رزقنا اللّٰہ حسنہا

یہ بظاہر اگرچہ ساٹھ ۶۰ قول ہیں مگر حقیقۃً چالیس ۴۰ اولیاء کرام کے اسی ۸۰ ارشادات عالیہ ہیں کہ صدر کلام میں ۱مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد امر چہارم میں اور ۲امام مالک اور ۳امام شافعی کے اقوال امر ششم میں اور ۴سید الطائفہ کا ارشاد زیر قول ۱۱، ۵سیدی نابلسی کا زیر قول ۱۴، ۶ایک ولی کا قول جن سے شیخ اکبر نے استفسار کیا بضمن قول ۳۸، ۷علی خواص کا قول زیر قول ۴۲، ۸علامہ نابلسی کا زیر قول ۵۲، ۹حضرت خواجہ مودود کا قول بضمن قول ۵۶، ۱۰شیخ الاسلام ہروی کا ایک قول اور حضرت سلطان الاولیاء محبوب ۱۱تا۱۶ الٰہی کے چھ اور حضرت شیخ ۱۷، ۱۸محمد بن مبارک مرید شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دو قول، یہ سب زیر قول ۵۷، اور حضرت میر عبدالواحد کے دو قول ۱۹تا۲۰ زیر قول ۶۰، یہ بیس ۲۰ شمار میں آئے۔

رسالہ

مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء

ختم شد

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۳

رسالہ

الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ ۱۳۰۹ھ

(وہ یاقوت جو خالص عقد رابطہ کا ذریعہ ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۸۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص صورت شیخ کو واسطہ وصول فیض جان کر وقت ذکر یا مراقبہ کے اس کا تصور کرتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اشتغال نقشبندیہ کے بیان میں اپنی کتاب قول الجمیل میں فرمایا ہے:

و اذا غاب الشیخ عنہ یتخیل صورتہ بین عینیہ بوصف المحبۃ والتعظیم فتفید صورتہ ماتفید صحبتہ [1]۔	جب کسی کا شیخ غائب ہو تو محبت اور تعظیم کے ساتھ اس کی صورت کو اپنی آنکھوں کے سامنے خیال کرے تو اس کی صورت وہی فائدہ دے گی جو اس کی مجلس دیتی ہے۔(ت)

اس طور پر کہ حق سبحانہ وتعالٰی کی ذات پاک سے مرشد کے لطائف میں فیض نازل ہو کر مرید کے لطائف

[1] القول الجمیل مع شفاء العلیل الفصل السادس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۸۱ و ۸۲

پر وارد ہوتا ہے۔ اور یہ بھی جب تک کہ اس کو مناسبت کاملہ ذات حق سبحانہ وتعالٰی سے نہ ہو اور جب مناسبت کاملہ پیدا ہو جائے پھر ضروری نہ جانے اور مرشد کو فقط واسطہ اور وسیلہ فیض کا جانتا ہے۔ نہ عالم الغیب جانے نہ حاضر و ناظر اور معبود و مسجود مقرر کرے بلکہ ان امور کا غیر خدا کے واسطے ثابت کرنا شرک سمجھے جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو اس کی سند قرآن ہے یا حدیث یا قول مجتہد یا اجماع؟ اگر نہیں جائز تو ادلہ اربعہ سے اس کے لئے کون سی دلیل ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمدللہ الذی ہدٰنا لربط القلوب باعظم برزخٍ بین الامکان والوجوب والصلوٰۃ والسلام علی اجمل مطلوب اجل وسیلۃ لاصلاح الخطوب صلوٰۃ تمحورین العیوب وتمثل فی الفواد صورۃ المحبوب منشہدا بالتوحید لعلام الغیوب وبالرسالۃ الکبرٰی لشفیع الذنوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسائط الکرم قال الفقیر عبدالمصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی لمّ اللہ تعالٰی شعثہ وتحت اللواء الغوثی بعثہ۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے دلوں کے ربط کے لئے امکان اور وجوب کے درمیان برزخ اعظم کی رہنمائی عطا فرمائی اور صلوٰۃ وسلام خوبصورت مطلوب اور خطرات کی اصلاح کے لئے جلیل وسیلہ پر، ایسی صلوٰۃ جو عیوب کو مٹادے اور دلوں میں محبوب کی صورت کو قائم کردے علام الغیوب کی توحید اور شفیع المذنبین کی رسالت کبری کی شہادت دیتے ہوئے، صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وصحبہ پر جو برگزیدہ واسطے ہیں، زفقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی کہتا ہے اللہ تعالٰی اس کو پراگندگی سے محفوظ فرمائے اور حضور غوث اعظم کے جھنڈے تلے اٹھائے۔(ت)

تصور متن۱۲ بشیخ بروجہ رابطہ جسے برزخ بھی کہتے ہیں جس طرح حضرات صوفیہ صافیہ قدسنا اللہ تعالٰی باسرارھم الوافیہ میں خلفا عن سلف معمول وماثور اور ان کی تصانیف منیفہ ومکتوبات شریفہ وملفوظات لطیفہ میں بتواتر مذکور ومسطور وغیر مسطور کہ شبح شیخ حاشا بلکہ عین شیخ (کہ شیخ حضورا وغیبۃً مرآت ملاحظہ ہے۔ اور کار حقیقۃً کار روح جو بعد صفائی کدورات حیوانیہ وانجلائے ظلمات نفسانیہ صورت واحدۃ شہادت وہیاکل متکثرہ مثالیہ میں، دفعۃً ہزار جگہ کام کرسکتی ہے جیسا کہ بارہا مشاہدہ

ومرئی اور حضرات اولیاء سے بکثرت مروی اور عالم رؤیا میں بے شرط ولایت جاری، جسے افعال عجیبہ وتصرفات غریبہ روح انسانی پر اطلاع حاصل وہ جانتاہے کہ یہ تو اس کے بحار ذاخرہ وامواج قاہرہ سے ایک قطرہ قلیلہ ہے اور خود بعد تمرن واعتیاد و تکامل مناسبت اس صورت متخیلہ کا بے اعانت تخییل حرکت وکلام اور مشکلات راہ میں قیام واہتمام اور دقائق وحقائق کا شفاہًا حل تام کماتشھد بہ شھود الشھود والتجربۃ (جیساکہ مشاہدہ اور تجربہ گواہ ہے۔ ت) دلیل جلی وسلیل ہے کہ یہ فقط پیکر مخزون کا علی عکس المعتاد خزانہ خیال سے حس مشترک کی طرف عود قہقری نہیں بلکہ وہی مرکب مثال میں شہسوار روح کی جولانیاں ہیں اگرچہ خود فاعل کو شعور یعنی شعور بالشعور نہ ہو،

کماھو المشھود لعموم الناس فی غیبۃ الرؤیا۔	جیساکہ عوام الناس کو خواب کے بارے میں معلوم ہے۔ (ت)

ورنہ صدور افعال اختیاریہ کو شعور سے انفکاک نہیں۔

اتقن ھذا فانہ مھم نافع ولاکثر الشبھات حاسم قالع۔	اس کو خوب یاد رکھو کیونکہ یہ اہم نافع ہے اور بہت سے شبہات کو ختم کرتاہے۔ (ت)

صرف واسطہ وصول وناؤدان فیض وباعث جمیعت خاطر وزوال تفرقہ ہائے شرعا جائز جس کے منع پر شرع سے اصلاً دلیل نہیں، نہ کہ معاذ اللہ شرک وکفر کہنا جیساکہ زبان زد سفہائے منکرین ہے۔ والناس اعداء لما جھلوا (لوگ جس سے ناواقف ہوں اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ ت)۔

منعم کنی زعشق وے اے زاہد زماں　　　معذور دارمت کہ تو او راندیدہ

(اے زمانہ کے زاہد! تو مجھے عشق سے منع کرتا ہے مجھے معذور رکھ کیونکہ تو نے اسے دیکھا نہیں۔ ت)

ورحم اللہ القائل (اس قائل پر اللہ رحم فرمائے۔ ت)۔

جنگ ہفتاد وملت ہمہ راعذر بنہ　　　چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(بہتر ۷۲ فرقوں سے جنگ میں ان سب کو معذور جان جب وہ حقیقت سے آگاہ نہیں تو اس راہ پر نہ چلیں گے۔ ت)

یا ھذا بقاعدہ اصول وتصادق وتطابق معقول ومنقول، بینہ ذمہ مدعی ہے اور قائل جواز متمسک باصل جسے ہرگز کسی دلیل کی حاجت نہیں، بعض حضرات جہلا یا تجاہلا مانع فقہی وبحثی میں فرق نہ کرکے دھوکا کھاتے ہیں یا مغالطہ دیتے ہیں کہ تم قائل جواز اور ہم مانع ومنکر تو دلیل تم پر چاہئے۔ حالانکہ یہ سخت ذہول وغفلت یا

کید وخدیعت ہے نہ جانا یا جانا اور نہ مانا کہ قول جواز کا حاصل کتنا صرف اس قدر کہ لم ینه عنه یالم یؤمر به ولم ینه عنه (یہ ممنوع نہیں یانہ مامور ہے نہ ممنوع۔ت) تو مجوز نافی امر و نہی ہے اور نافی پر شرعا وعقلا بینہ نہیں جو حرام وممنوع کہے وہ نہی شرعی کا مدعی ہے ثبوت دینا اسکے ذمے ہے کہ شرع نے کہاں منع کیا ہے۔ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی رسالۃ الصلح بین الاخوان میں فرماتے ہیں:

ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالٰی باثبات الحرمة والکراھة الذین لابدلھما من دلیل بل فی الاباحة التی ھی الاصل [1]۔	حرام اور مکروہ قرار دینے میں الله تعالٰی پر افتراء باندھنے میں احتیاط نہیں ہے ان دونوں حکموں کے لئے دلیل چاہئے بلکہ احتیاط اباحت میں ہے جو اصل حکم ہے۔(ت)

علامہ علی مکی رسالہ اقتدا بالمخالف میں فرماتے ہیں:

من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلة ھو الصحة واما القول بالفساد والکراھة فیحتاج الی حجة [2]۔	مسلمہ بات ہے کہ ہر مسئلہ میں اصل صرف اباحت ہے فساد اور کراہت کے حکم کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔(ت)

غرض مانع فقہی مدعی بحثی ہے اور جواز کا قائل مثل سائل مدعا علیہ جس سے مطالبہ دلیل محض جنون یا تسویل اس کے لئے یہی دلیل بس ہے کہ منع پر کوئی دلیل نہیں۔ مسلم الثبوت میں ہے:

کل ماعدم فیه المدرك الشرعی للحرج فی فعله وترکه فذلك مدرك شرعی لحکم الشارع بالتخییر [3]۔	کسی کام کے کرنے میں اور نہ کرنے میں حرج کے مسئلہ میں کوئی شرعی دلیل نہ ہو تو یہ خود شرعی دلیل ہے کہ شرعا اختیار ہے۔(ت)

فقیر غفر الله تعالٰی لہ رسالہ اقامة القیامة علی طاعن القیام لنبی تھامه (۱۲۹۹ھ) ورسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین (۱۳۰۱ھ) وغیرہما میں اس بحث کو واضح کرچکا وللہ الحمد امثال مقام میں نہایت سعی منکرین عدم نقل سے استدلال ہے۔ ذٰلك مبلغھم من العلم (یہی ان کے

---

[1] الصلح بین الاخوان (رسالہ)

[2] الاقتداء بالمخالف (رسالہ)

[3] مسلم الثبوت المقالة الثانیه الباب الثانی مطبع انصاری دہلی ص ۲۴

علم کی پہنچ ہے۔ت) مگر نزد عقلاء، فضلاء عن الفضلاء یہ بے اصل استناد تشبت بالحشیش وخرط القتاد (تنکے کا سہارا اور مشکل میں پھنسنا ہے۔ت) عدم نقل، نقل عدم نہیں، نہ عدم فعل منع کو مستلزم، کاش خود معنی جواز لم یؤمر بہ ولم ینہ عنہ (نہ اس کا حکم اور نہ اس کی ممانعت ہے۔ت) کو سمجھتے تو جانتے کہ جس امر سے اس کا ابطال چاہتے ہیں وہ خود اس کی حد کا احد المصادیق ہے۔ کہ نقل مع عدم الطلب فعلا و کفا وعدم ذکر راسا دونوں اسی انعدام امر و نہی کی صورتیں ہیں تو یہ استدلال ایسا ہوا کہ ثبوت اخص کو ارتفاعِ اعم پر دلیل بنائے وھل ھوالا بھت بحت (یہ خاص بہتان ہے۔ت) یہ بحث بھی فقیر نے اپنے رسائل مذکورہ ونیز رسالہ انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ) ورسالہ سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلٰوۃ العید (۱۳۰۷ھ) وغیرہا میں تمام کردی۔

ولمن احسن تفصیل تلك المباحث ختام المحققین امام المدققین اعلم العلماء سیف السنة علم الاسلام سیدنا الوالد قدس الواجد سرالماجد فی کتابه الجلیل"اذاقة الاثام لمانعی عمل المولد و القیام" وسفرہ الجمیل"اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" و غیرھما من تصانیفه الجیاد علیه الرحمة الجواد۔	ان مباحث کی اچھی تفصیل کرنے والوں میں سب سے بہتر خاتم المحققین علماء کرام کے بڑے سنت کی تلوار، اسلام کے جھنڈے حضرت والد گرامی کی کتاب "اذاقة الاثام لمانعی عمل المولد والقیام" اور کتاب جمیل "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" وغیرہما میں ہے۔ اللہ تعالٰی ان پر رحمت فرمائے۔(ت)

اور اگر عدم ورود ہی پر مدار منع ٹھہرا تو ایک شغل برزخ ہی پر کیا موقوف، عامہ اشغال وافکار اور ان کے طریق واطوار کہ طبقہ فطبقۃً تمام اکابر اولیائے قدست اسرارہم میں رائج ومعمول رہے سب معاذاللہ بدعت شنیعہ وحرام وممنوع قرار پائیں گے کہ ان میں بہت تو راسًا اور بہت بایں ہیئات خاصہ واوضاع جزئیہ ہرگز حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں ہاں ہاں قول الٰہی عزوجل:

فیمایرویه عنه نبیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من عادی لی ولیا فقد اٰذنته بالحرب، کمافی الجامع الصحیح وغیرہ[1]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالٰی سے روایت فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں جیسا کہ صحیح بخاری میں وغیرہ میں ہے۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب التواضع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳

بھلا کر بہنایت و قاحت اس لازم شنیع کا التزام کرلینا اور جماہیر اساطین طریقت وسلاطین حقیقت کو معاذاللہ مخترع بدعات و مروج سیئات کہہ دینا اگرچہ منکر مکابر کے نزدیک سہل ہو،

"قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ"[1]	بغض ان کے منہ سے ظاہر اور جو ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے۔(ت)

مگر اتنا یاد رہے کہ یہ مان کر گھر کی بھی جائے گی ذرا امام الطائفہ کے نسبًا دادا، تلمذ ادادا، بیعتًہ پردادا، جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی سن لو کہ وہ قول الجمیل میں جس کی وضع انھیں افکار محدثہ واشغال حادثہ کی ترویج وتعلیم کے لئے ہے کیسا کھلا اقرار فرماتے ہیں:

صحبتنا متصلة الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وان لم یثبت تعین الاداب ولا تلك الاشغال[2] اھ ملخصاً۔	ہماری صحبت تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہے اگرچہ خاص یہ آداب واشغال ثابت نہیں۔ اھ ملخصا۔

اسی میں ہے:

لاتظن النسبة لاتحصل الابهذا الاشغال بل هذا طریق لتحصیلها من غیر حصر فیها وغالب الرائ عندی ان الصحابة والتابعین کانوا یحصلون السکینة بطرق اخری[3] الخ۔	یہ نہ سمجھنا کہ نسبت بس انھیں اشغال سے حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ بھی اس کی تحصیل کے طریقے ہیں کچھ ان میں حصر نہیں اور میرا زیادہ گمان یہ ہے کہ صحابہ وتابعین اور ہی طریقوں سے نسبت حاصل فرماتے تھے الخ۔

معلم ثالث وہابیہ مولوی خرم علی صاحب مصنف نصیحۃ المسلمین کے ترجمہ شفاء العلیل میں اس کے بعد لکھتے ہیں:

"مترجم کہتا ہے کہ مصنف نے کلام دلپذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑ دیا، بعض نادان کہتے ہیں کہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ وتابعین کے زمانے میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئی، خلاصہ جواب یہ ہے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القول الجمیل مع شفاء العلیل الفصل السابع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص

[3] القول الجمیل مع شفاء العلیل الفصل الحادی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ تعالٰی عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمانہ رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طرق اس کی تحصیل کے مختلف ہیں فی الواقع اولیائے طریقت مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے، اولیائے طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بسبب صفائی طبیعت اور حضور خورشید رسالت تحصیل نسبت میں اشغال کی حاجت نہ تھی بخلاف متاخرین کے ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی، جیسے صحابہ کرام کو قرآن وحدیث کے فہم میں قواعد صرف ونحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل کے عرب اس کے محتاج ہیں واللہ اعلم۔"[1]

امام الطائفہ کے نسبا چچا علمًا باپ طریقۃً دادا مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب حاشیہ قول الجمیل میں فرماتے ہیں:

"اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات وہیئات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الدین اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الٰی قولہ) تواس کو یادرکھنا چاہئے[2]" اھ بترجمہ البلہوری۔

مولوی بلہوری اسے نقل کرکے کہتے ہیں: "یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں[3]"

مرزا مظہر جان جاناں صاحب (جنھیں شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے مکتوبات میں نفس زکیہ وقیم طریقہ احمد وداعی سنت نبویہ ومتجلی بانواع فضائل وفواضل کہا) اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

"مراقبات باطوار معمولہ کہ درقرون متاخرہ	موجودہ طریقوں کے مراقبات جوآخر زمانہ میں

[1] شفاء العلیل مع القول الجمیل ساتویں فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۰۷و۱۰۸

[2] شفاء العلیل مع القول الجمیل چوتھی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵۱و۵۲

[3] شفاء العلیل مع القول الجمیل چوتھی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵۲

رواج یافتہ از کتاب وسنت ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشائخ بطریق الہام واعلام از مبدء فیاض اخذ نمودہ اند شرع ازاں ساکت ست وداخل دائرہ اباحت "[1]	مروج ہوئے کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں ہیں بلکہ مشائخ حضرات نے بطور الہام اللہ تعالٰی سے پائے ہیں جبکہ شریعت ان کی تفصیل سے ساکت ہے اور اباحت کے درجہ میں ہیں ۔(ت)

انھیں کے ملفوظات میں ہے:

"حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ طریقہ نو بیان نمودہ اند[2] "۔	حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نئے طریقے بیان فرمائے ہیں(ت)

اسی میں ہے:

"حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند[3] "	حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جدید طریقہ بیان فرمایا ہے۔(ت)

بات کے پورے توجب ہیں کہ آنکھیں بند کرکے ان صاحبوں کو بھی بدعتی کہہ بھاگیں ورنہ یہ توستم سینہ زوری ہوئی کہ اکابر محبوبان خدا قرون متطاولہ سے سب **معاذاللہ** مجرم احداث چنیں وچناں ٹھہریں اور ان صاحبوں پر صرف لالچ سے کہ امام الطائفہ کے علاقہ والے ہیں آنچ نہ آئے یہ تو دین نہ ہوا دھینگا مشتی ہوئی، اے حضرت! یہ سب ایک طرف خود امام الطائفہ کی خبر لیجئے وہ سربازار اپنا اور اپنے پیر ومرشد کا بدعتی و مخترع الدین ہونا پکار رہا ہے صراط مستقیم میں لکھتا ہے:

"اشغال مناسبہ ہر وقت ریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدامے باشند و لہٰذا محققین ہر وقت از اکابر ہر طرق در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند بناء علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعین کردہ شود "[4]	ہر وقت کے مناسب اشغال اور ریاضات ہر زمانہ کے مناسب جدا جدا ہیں اور اسی لئے وقت کے محقق لوگ اپنے طریقہ وسلسلہ کے اکابر سے اشغال کی تجدید میں کوشش کرتے رہے ہیں، اسی بناء پر وقتی مصلحت کے تحت اس کتاب کا ایک باب موجودہ وقت کے اشغال جدیدہ کے بیان کے لئے مختص کیا گیا ہے۔(ت)

[1] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مکتوب یازدہم مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۳

[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مکتوب یازدہم مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۰

[3] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مکتوب یازدہم مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

[4] صراط مستقیم مقدمۃ الکتاب المکتبہ السلفیہ لاہور ص ۷، ۸

خدارا ذرا ہٹ دھرمی کی نہیں سہی خدا لگتی کہو تو نہ صرف اشغال بلکہ تمام بحث تعریف بدعت کا یہیں خاتمہ ہو گیا اب کیا ہوئے وہ قرون ثلثہ کی تخصیص پر جبروتی اصرار، اب کدھر گئی، وہ بات بات پر **من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد**[1] (جس نے نیا عمل جاری کیا جو ہمارے امر میں سے نہیں وہ مردود ہے۔ت) اور **کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار**[2] (ہر بدعت ضلالۃ ہے اور ہر ضلالت جہنم میں ہے۔ت) کی تکرار امام وہابیت کیشاں اور ان کے حضرت ایشاں تیرھویں صدی میں بیٹھے خاص امر اعظم دین و وجوہ تقرب رب العالمین میں نئی نئی باتیں گھڑ رہے ہیں جن کا خود ان کے اقرار سے تین قرن کیا معنٰی تین تین چھ اور چھ اور چھ بارہ قرن تک نام ونشاں نہیں، لیکن وہ بدعتی ٹھہرتے ہیں نہ ان کے اصل ایمان میں خلل آتا ہے نہ ان کے لئے **اصحاب البدع کلاب اھل النار**[3] (بدعت والے اہل جہنم کے کتے ہیں۔ت) پڑھا جاتا ہے نہ یہ باتیں رد وضلالت وفی النار ہوتی ہیں، یہ **یجوز للوھابی مالا یجوز لغیرہ** (جو غیر کے لئے جائز نہیں وہابی کے لئے جائز ہے۔ت) کا فتوٰی کہاں سے آگیا، اب اسے کیا کہئے، مگر یہ کہ **اذالم تستحی فاصنع ماشئت**[4] (جب تجھے حیا نہیں تو جو چاہے کر۔ت) مولٰی عزوجل ہدایت بخشے، آمین!

خیر بات دور پہنچی خاص مسئلہ شغل برزخ کے متعلق نصوص اکابر و عمائد حاضر کردن مگر حاشانہ ارشادات حضرات اولیائے قدست اسرارہم کہ:

اوّلاً: وہ بنہایت ظہور محتاج اظہار نہیں موافق ومخالف کون نہیں جانتا کہ طریقہ اکابر اولیاء کا معمول رہا اور ان کی تصانیف جلیلہ میں جابجا اس کی روشن تصریحیں ہیں۔

ثانیاً: شاید ان کے ارشاد منکر متعصب کو نفع بھی نہ دیں، ہاں شاید کیوں یقیناً نہ دیں گے کہ منکر خود بھی ارشاد اولیاء سے قولاً و فعلاً اس کے متواتر ثبوت پر مطلع پھر بھی برسر انکار وابطال وادعائے ضلال ہے اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں شیخ شیوخ الہند عاشق المصطفٰی وارث الانبیاء ناصر الاولیاء مولانا وبرکتنا حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس اللہ تعالٰی سرہ القوی پر کہ

[1] صحیح البخاری کتاب الصلح ۱/ ۳۷۱ وسنن ابی داؤد کتاب السنۃ ۲/ ۲۷۹، کنز العمال حدیث ۱۱۰۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] الدر المنثور تحت آیۃ ۷/ ۱۷۸ مکتبہ آیۃ اللہ العظیمی قم ایران ۳/ ۱۴۷

[3] کنز العمال حدیث ۱۰۹۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۱۸

[4] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷/ ۲۳۷

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"وآنچہ مروی ومحکی ست از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل واستفادہ ازاں خارج از حصر ست در کتب و رسائل ایشاں ومشہور ست میاں ایشاں وحاجت نیست کہ آں را ذکر کنیم وشاید کہ منکر متعصب سود نکند او را کلمات ایشاں عافانا اللہ من ذٰلك [1]"	کاملین کی روح سے استمداد واستفادہ جو اہل کشف مشائخ سے مروی ہے اور ان کی کتب ورسائل میں مذکور ومشہور ہے ان بے شمار مرویات کو ذکر کرنے کی ہمیں حاجت نہیں اور شاید متعصب منکرین کو ان کا کلام سود مند بھی نہ ہو، اللہ تعالٰی ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔(ت)

افسوس ان مدعیان حقانیت کی حالت یہاں تک پہنچی کہ بندگان خدا محبوبان خدا کے کلام ان کے سامنے پیش کرنا عبث وبے سود سمجھتے ہیں بلکہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے مقابلے میں اور بھی گستاخیوں پر نہ اتر آئیں عافانا اللہ تعالٰی من کل ذٰلک (اللہ تعالٰی ہمیں اس سب سے محفوظ رکھے۔ت) لہٰذا میں صرف اقوال علماء پر اکتفا کروں جنھیں مانے بغیر بے چارے مخالف کو چارہ نہیں۔

۱شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت تو سائل نے سوال میں نقل کی جس کے ترجمہ میں ۲معلم ثالث وہابیہ شفاء العلیل میں یوں کہتے ہیں: "جب مرشد اس کے پاس نہ ہو تو اس کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان خیال کرتا رہے بطریق محبت اور تعظیم کے تو اس کی خیالی صورت وہ فائدے دے گی جو اس کی صحبت فائدہ دیتی ہے۔[2]"

یہیں ۳مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کیا مولانا نے فرمایا: "حق یہ ہے کہ سب راہوں سے یہ راہ زیادہ تر قریب ہے[3] انتہی۔

اب کون کہے کہ شاہ صاحب! یہ وہی راہ ہے جسے کچھ دنوں بعد آپ کے قریب گھر والے ٹھیٹ بت پرستی بتانے کو ہیں، ۴شاہ ولی اللہ صاحب انتباہ میں فرماتے ہیں:

الطریق الثالث طریق الرابطۃ بالشیخ	یعنی خدا تک پہنچنے کی تیسری راہ شیخ کے ساتھ رابطہ کا

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الجہاد باب حکم الاسراء فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۲

[2] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چھٹی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۸۱و۸۲

[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چھٹی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۸۰

(الی ان قال)ینبغی ان تحفظ صورته فی الخیال و تتوجه الی القلب الصنوبری حتی تحصل الغیبة و الفناء من النفس[1]۔	طریقہ ہے چاہئے کہ اس کی صورت اپنے خیال میں محفوظ رکھ کر قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو یہاں تک کہ اپنے نفس سے غیبت وفنا ہاتھ آئے (ت)

۵ اسی میں ہے:

ان وقفت عن الترقی فینبغی ان تجعل صورة الشیخ علی کتفك الایمن وتعتبر من کتفك الی قلبك امراً ممتدا وتاتی بالشیخ علی ذٰلك الامر الممتد و تجعله فی قلبك فانه یرجی لك بذلك حصول الغیبة والفناء[2]۔	یعنی اگر تو ترقی سے رک رہے تو یوں چاہئے کہ صورت شیخ کو اپنے داہنے شانے پر اور شانے سے دل تک ایک امر کشیدہ فرض کرلے اور اس پر صورت شیخ کو لاکر اپنے دل میں رکھے کہ اس سے تیرے لئے غیبت وفنا ملنے کی امید ہے۔

یہ عبارتیں شاہ صاحب نے رسالہ ۶ تاجیہ نقشبندیہ سے نقل کیں جن کی نسبت لکھا کہ حضرت والد بزرگوار یعنی ۷ شاہ عبدالرحیم صاحب اسے بہت پسند فرماتے اور مریدوں کو اس کے سلسلہ پر چلاتے[3]۔ ۸ اسی میں یہ بھی لکھا کہ:

"تفرقہ مستمر ہو تو اپنے مرشد مربی کی صورت خیال میں حاضر کر، امید ہے کہ اس کی برکت سے تفرقہ مبدل بجمیعت ہو[4]"

اسی انتباہ میں رسالہ ۹ عزیزیہ سے جس کی اجازت اپنے والد ماجد سے پائی لکھا:

"صورت مرشد پیش خود تصور کردہ بعد ذکر گوید الرفیق ثم الطریق در حق ایشاں ست وبرائے نفی خواطر نفسانی وہواجس شیطانی ووساوس ظلمانی اثرے تمام دارد[5]"	مرشد کی صورت کو پیش خاطر رکھے اور ذکر کے بعد کہے الرفیق اور پھر الطریق مرشد کے حق میں ہے یہ طریق نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کی نفی میں مؤثر ہے۔ (ت)

---

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ طریقہ نقشبندیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص ۴۱ و ۴۲

[2] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ طریقہ نقشبندیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص ۴۲

[3] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ طریقہ نقشبندیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص ۳۲

[4] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ بیان دفع وسوسہ عباسی کتب خانہ کراچی ص ۴۷

[5] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ بیان طریقہ چشتیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص ۹۲

"اسی رسالہ مذکور سے لکھا:

بلکہ حضرت سلطان موحودیں برہان العاشقین حجۃ المتکلمین شیخ جلال الحق والشرع والدین مخدوم مولانا قاضی خاں یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز چنیں می فرمودند کہ صورت مرشد کہ ظاہر دید میشود مشاہدہ حق سبحانہ وتعالٰی ست در پردہ آب وگل واما صورت مرشد کہ درخلوت نمودارم شہود آں مشاہدہ حق تعالٰی ست بے پردہ آب وگل کہ ان اللہ تعالٰی خلق اٰدم علی صورۃ الرحمٰن من رانی فقد رای الحق در حق اودرست شدہ[1]۔"	بلکہ حضرت شیخ جلال الدین مولانا قاضی خاں یوسف ناصحی قدس سرہ بمع القابہ یوں فرماتے ہیں کہ مرشد کی صورت کا ظاہری مشاہدہ آب وگل کے پردہ میں اللہ تعالٰی کا مشاہدہ ہے اور مرشد کی خلوت میں نمودار ہونے والی صورت یہ اللہ تعالٰی کا آب وگل کے پردہ کے بغیر مشاہدہ ہے اللہ تعالٰی نے آدم کی صورت رحمٰن کی صفت پر پیدا کی جس نے مجھے دیکھا تو بیشک اس نے حق دیکھا، اس پر درست ثابت ہوگا۔(ت)

"شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں زیر قولہ تعالٰی **واذکر اسم ربك** لکھتے ہیں:

یعنی یاد کن نام پروردگار خود را بر سبیل دوام وہر وقت وہر شغل خواہ بزبان خواہ بقلب خواہ بروح خواہ بہ سر خواہ بخفی خواہ باخفی خواہ بنفس خواہ ذکر یک ضربی خواہ دو ضربی خواہ بحبس نفس خواہ بے حبس خواہ بدون برزخ خواہ بابرزخ الی غیر ذٰلك من **الخصوصیات التی استنبطھا الماھرون من اھل الطرائق** وتعین احد الشقین ازیں خصوصیات مذکورہ مفوض بصوابدید شیخ ومرشد ست کہ بحسب حال ہرچہ راا صلح داند تلقین فرمایا ید چنانچہ درآیت دیگر فرمودہ **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم**	اللہ تعالٰی کو ہر وقت اور ہر شغل میں یاد رکھ دل روح، سری، خفی، سانس یک ضربی یا دو ضربی ہو یا سانس بند کرکے ہو یا بغیر بند کئے ہو، برزخ کے ذریعے یا بے برزخ وغیرہا خصوصیات جن کو اہل طریقت سے ماہرین نے اخذ کیا ہے ان میں سے کسی مخصوص طریقہ کو متعین کرنا مرشد کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ حال کے مطابق جس کو مناسب سمجھے اس کی تلقین کرے جس طرح دوسری آیہ کریمہ میں ارشاد ہے کہ اگر تم

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ بیان طریقہ چشتیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص۹۲و۹۳

لاتعلمون[1] اھ ملتقطا۔	نہ جانو تو اہل ذکر سے سوال کرو اھ ملتقطا(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) اس عبارت سے جیسا کہ تصور برزخ کا جواز ثابت ہوا اس کے سوا اور بھی فوائد جلیل حاصل مثلاً:

۱**ایک:** یہ کہ شغل برزخ کے ساتھ ذکر کرنا اطلاق آیت قرآنی کے تحت میں داخل۔

۲**دوم:** مطلق ذکر پر قرآن وحدیث میں جو عظیم ترغیبیں آئیں اسے بھی شامل۔

۳**سوم:** مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور اس کا حکم اس کے جمیع مقیدات میں ساری شرع میں صرف اس کی اجازت ان کی اجازت کے لئے کافی جس کے بعد خصوصیات خاصہ کے ثبوت خاص کی حاجت نہیں مطلق اصولی کو مطلق منطقی سمجھنا محض خطا ہے۔

۴**چہارم:** نیک بات بانضمام اوضاع خاصہ بد نہیں ہوسکتی جب تک اس منضم میں کوئی محذور خاص شرع سے ثابت نہ ہو،

۵**پنجم:** قائل جواز کو صرف اس قدر بس کہ یہ مقید زیر مطلق داخل، جو ممنوع بتائے وہ مدعی ہے اس صورت خاصہ سے منع ثابت کرے۔

۶**ششم:** ہیئات عبادات توقیفی ہے ولہذا سیر ووقوف دونوں میں شرع مطہر کا اتباع واجب جہاں وہ تھم رہے ہم آگے نہ بڑھیں جہاں وہ آگے چلے ہم تھم نہ رہیں تو اپنی طرف سے اطلاق مقید وتقیید مطلق دونوں ممنوع جس طرح بعد حصر فی وجہ احداث وجہ، آخر شرع پر زیادت یونہی بعد اطلاق اجازت منع بعض صور شرع کی مخالفت اس توقیف وتوقف کے یہ معنی ہیں نہ وہ کہ عبادت الٰہیہ کو **معاذاللہ** غیر معقول المعنی، سمجھ کر مطلقاً وارد و مورد پر مقتصر کردیجئے **کما زعم المتکلم القنوجی** (جیسا کہ قنوجی متکلم نے سمجھا ہے۔ت)

۷**ہفتم:** بدعت شرعیہ کی یہ تفسیر کہ جو بات زمانہ اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نہ تھی یا جو کام صحابہ نے نہ کیا یا جو کچھ قرون ثلثہ میں نہ تھا۔

کما تزعمه النجدية على تفرق كلمهم فيما بينهم تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ "[2]۔	جیسا کہ نجدی حضرات متفرق باتیں کرتے ہیں "تم ان کو جمع خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں یہ اس لئے کہ وہ بے عقل قوم ہیں" (ت)

۸**ہشتم:** بدعت لغویہ کہ تفاسیر مذکور حقیقۃً اسی پر منطبق ہر گزسیئہ میں منحصر نہیں اس تقدیر پر

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۷۳/۸ ص ۲۷۹

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۴

قضیہ کل بدعۃ ضلالۃ[1] (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) قطعاً عام مخصوص منہ البعض، ہاں اگر بدعت شرعیہ لیجئے یعنی:

ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل شدہ حق کے خلاف کوئی نئی چیز ہو(ت)

تو بیشک وہ اپنی صراحت عموم و محوضت اطلاق پر ہے علماء تفسیر حدیث میں دونوں طرف گئے مگر یہ اعجوبہ ملفقہ کو پہلوں سے تفسیر لیں اور دوسروں سے اطلاق یہ خاص ایجاد حضرات انجاد ہے جس پر شرع سے اصلا دلیل نہیں اور جس کی بناء پر شاہ عبد العزیز وشاہ ولی اللہ سے ہزار برس تک کے ائمہ شریعت وسادات طریقت یاہزاروں تابعین یا صدہا صحابہ بھی معاذاللہ بدعتی قرار پاتے ہیں، اور ان کے بعض جری بیباکوں مثل بھوپالی بہادر وغیرہ نے اس کی صاف تصریح بھی کردی وہ بھی کہاں، خاص امیر المومنین غیظ المنافقین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں

"وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾"[2] (اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)

۹ نہم عدم نقل نقل عدم نہیں۔

۱۰ دہم عدم فعل قاضی منع نہیں کف میں اتباع ہے نہ مجرد ترک میں۔

۱۱ **یازدہم** یہ جاہلی مغالطہ کہ اس طریقے میں کوئی بھلائی ہوتی توصحابہ ہی کرتے تم کیاان سے بھی زیادہ دین کی سمجھ رکھتے تو محض بیہودہ ونامسموع ہے۔

۱۲ **دوازدہم** اولیائے کرام کے ایجادات محمود ومقبول ہیں۔

۱۳ **سیزدہم** وہ اہل الذکر ہیں دوسروں کوان پر اعتراض نہیں پہنچتا بلکہ ان کی طرف رجوع اور جو وہ فرمائیں اس پر عمل چاہئے۔

۱۴ **چہاردہم** کفار سے غیر شعار میں اتفاقی مشابہت ہر گز وجہ ممانعت نہیں ورنہ حبس دم کہ جوگیوں کا مشہور طریقہ ہے ممنوع ہوتا۔

۱۵ **پانزدہم** آیۃ" فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ"[3] (وجوب تقلید میں نص ہے۔اہل ذکر سے علمائے اہل کتاب

---

[1] الدرالمنثور تحت آیۃ ۷/ ۷۸ امکتبہ آیۃ اللہ العظیمی قم ایران ۳/ ۱۴۷

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و۲۱/ ۷

مراد لے کر مبحث تقلیدی سے آیت کو بیگانہ بتانا غیر مقلد وہابیوں کی نری جہالت ہے،

اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ مخصوص سبب کا **الی ذٰلک من الفوائد مما یستخرجه البصیر الناقد** (دیگر فوائد جن کو پرکھنے والے صاحب بصیرت نے ظاہر کیا ہے۔ت) شاہ صاحب کی یہ نفیس عبارت کس قدر قابل قدر و منزلت کہ معدود حرفوں میں کتنے فوائد نفیسہ بتاگئے اور آدھی بلکہ دو تہائی وہابیت کو خاک میں ملاگئے والحمدللہ رب العالمین۔

اب پھر شمار عبارات کی طرف چلئے، "۲تمام خاندان دہلی کے آقائے نعمت وخداوند دولت و مرجع ومنتہٰی و مفرع وملجاو سید و مولٰی جناب شیخ مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے مکتوبات کی جلد اول میں فرماتے ہیں:

ہیچ طریقے اقرب بوصول از طریق رابطہ نیست تا کدام دولتمند راباآں سعادت مستسعد سازند [1]"	وصول کے طریقوں میں سے اقرب ترین طریقہ رابطہ ہے کہ بہت سے ابدی دولت والے اس سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔(ت)

"۳اسی میں ہے:

"مخدوما مقصد اقصٰی ومطلب اسنٰی وصول بجناب قدس خداوندی ست جل سلطانہ لیکن چوں طالب در ابتداء بواسطہ تعلقات شتی درکمال تدنس وتنزل ست وجناب قدس او تعالٰی درنہایت تنزہ وترفع ومناسبتے کہ سبب افاضہ واستفاضہ است درمیان مطلوب وطالب مسلوب ست لاجرم از پیر راہ دان راہ بین چارہ نمودہ کہ برزخ بود (الی قولہ) پس درابتدا و در توسط مطلوب را بے آئینہ پیر نمیتواں دید [2]"	اے میرے مخدوم! سب سے بڑا اور اعلٰی مقصد اللہ جل شانہ تک رسائی ہے لیکن کوئی طالب ابتدائی مرحلہ میں دنیاوی مشاغل کی وجہ سے انتہائی کثافت اور کہتری میں ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالٰی انتہائی پاک اور بلند ذات ہے اس وجہ سے طالب ومطلوب کے درمیان فیض کے حصول وعطا کے لئے کوئی مناسبت نہیں ہے لہٰذا ضروری ہے راستہ جاننے اور دیکھنے والا مرشد واسطہ بنے،(اور یہاں تک فرمایا) ابتدائی اور درمیانے مرحلہ میں پیر کے آئینہ کے بغیر مطلوب کو نہیں دیکھ سکتا۔(ت)

[1] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب صد وہشتاد وہفتم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۷

[2] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۱۶۹ استانبول ترکیہ ۱/ ۲۸۱

[14] جلد دوم میں فرمایا:

"نسبت رابطہ ہموارہ شمار باصاحب رابطہ می دارد وواسطہ فیض انعکاسی می شود شکراین نعمت عظمی بجاباید آورد"[1]۔	تمھارے رابطہ کی نسبت صاحب رابطہ کے ساتھ ہموار ہوجائے اور فیوض کاواسطہ عکس ڈالے تواس عظیم نعمت کاشکر بجالاناچاہئے۔(ت)

[15] جلد سوم میں لکھا:

پرسیدہ بودند کہ لم ایں چیست کہ چوں درنسبت رابطہ فتور میرود دراتیان سائر طاعات التذاذ نمی یابد بدانند کہ ہماں وجہیکہ سبب فتور رابطہ گشتہ است مانع التذاذ ست(الی قولہ)استغفار باید نمود تابکرم اللہ سبحنہ اثرآں مرتفع گردد"[2]	آپ سے پوچھاگیاکہ کیاوجہ ہے کہ جب رابطہ والی نسبت میں فتور ہوجائے تمام عبادات کی لذت میں فتور پیدا ہوجاتاہے توفرمایا یاد رکھوکہ جس وجہ سے رابطہ میں فتورآتا ہے وہی لذت سے مانع ہوجاتی ہے اور(بعد میں یہاں تک فرمایا) اس موقعہ پر استغفار کرنی ضروری ہے تاکہ اللہ تعالٰی اپنے کرم سے اس مانع اثر کواٹھادے۔(ت)

اور [16] ذراوہ بھی ملاحظہ ہوجائے جوانھوں نے مکتوبات کی جلد دوم مکتوب سیم میں فرمایا:

"خواجہ محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ از نوشتہ بودند کہ سجدے استیلا یافتہ است کہ درصلوات آں را مسجود خود مے داند وے بیند واگر فرضا نفی کند منتفی نمیگر دد محبت اطوار ایں دولت متمنائے طلاب است ازھزاراں یکے رامگر بد ہند صاحب ایں معاملہ مستعد تام المناسبۃ سبب یحتمل کہ باندک صحبت شیخ مقتدا جمیع کمالات اواجذب نماید رابطہ راچرا	خواجہ محمد اشرف نے نسبت رابطہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سجدے میں رفعت ہوتی ہے جب شیخ کو نمازوں میں مسجود سمجھے اور دیکھے اگر بالفرض وہ اس کی نفی کرے بھی تومنتفی نہ ہو، یہ محبت کاایک مرحلہ ہے طالب حضرات ہزاروں اس دولت کی تمنا کرتے ہیں مگر حاصل کسی ایک کو ہوتا ہے یہ عطاکا معاملہ مناسبت تامہ کی وجہ سے ہوتا ہے شیخ کی تھوڑی سی صحبت کے سبب کبھی

[1] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب بست وچہارم نولکشور لکھنو، ۲/ ۲۱

[2] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب صدو ہفتم نولکشور لکھنو، ۳/ ۱۹۸

نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب و مساجد را نفی نکنند ظہور ایں قسم دولت سعادت منداں را میسر است نادر جمیع احوال صاحب رابطہ متوسط خود دانند ودر جمیع اوقات متوجہ او باشتند وددر رنگ جماعہ بے دولت کہ خود را مستغنی دانند و قبلہ توجہ از شیخ خود منحرف سازند و معاملہ خود رابرہم زنند"[1]	تمام کمالات شیخ اس طالب میں جذب کر دیتا ہے رابطہ کی نفی لوگ کیوں کرتے ہیں حالانکہ شیخ و مقتداء مسجود الیہ ہوتا ہے نہ کہ مسجود لہ، یہ لوگ محراب اور مساجد کی نفی کیوں نہیں کرتے ہیں (حالانکہ وہ بھی مسجود الیہ ہیں) یہ دولت خاص سعادتمندوں کو میسر ہوتی ہے حتی کہ وہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو واسطہ جانتے ہیں اور تمام اوقات میں اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان لوگوں کی طرح نہیں جو بے دولت ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو مستغنی سمجھتے ہیں، اور شیخ سے اپنی توجہ کا قبلہ موڑ لیتے ہیں اور اپنا معاملہ خود خراب کر لیتے ہیں۔(ت)

الحمدللہ اس عبارت باہرہ کا ایک ایک کلمہ قاہرہ ازبیخ برکن نجدیت بائرہ ہے **وللہ الحجۃ الظاہرہ**.

آمدیم و نصوص علماء کتاب مستطاب ۲۷ حدائق الانوار فی الصلوٰۃ والسلام علی النبی المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

الحدیقۃ الخامسۃ فی الثمرات التی یجتنیھا العبد بالصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والفوائد التی یکتسبھا ویقتنیھا[2]۔	پانچواں حدیقہ ان پھلوں کے بیان میں ہے جنھیں بندہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیج کر چنتا ہے اور ان فائدوں میں جنھیں درود کی برکت سے کسب و تحصیل کرتا ہے۔

پھر چالیس ۴۰ فائدے گنا کر کہتے ہیں:

الاحدی والاربعون من اعظم الثمرات و اجل الفوائد المکتسبات بالصلوۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انطباع صورۃ الکریمۃ فی النفس[3]۔	وہ فائدے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دورد بھیج کر حاصل کرتے ہیں ان میں اجل و اعظم فائدوں سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ کا دل میں نقش ہونا ہے۔

[1] المکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۳۰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۶

[2] حدائق الانورا فی الصلوٰۃ والسلام علی النبی المختار

[3] حدائق الانورا فی الصلوٰۃ والسلام علی النبی المختار

۱۸امام ابو عبداللہ ساحلی رضی اللہ تعالٰی عنہ بغیۃ السالک میں فرماتے ہیں:

ان من اعظم الثمرات واجل الفوائد المکتسبات بالصلوٰۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انطباع صورتہ الکریمۃ فی النفس انطباعا ثابتا متا صلامتصلا و ذٰلك بالمداومۃ علی الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باخلاص القصد وتحصیل الشروط و الاداب و تدبر المعانی حتی یتمکن حبہ من الباطن تمکنا صادقا خالصا یصل بین نفس الذاکر ونفس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویؤلف بینھما فی محل القرب و الصفا[1] الخ۔	ثمرات وفوائد کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دورد بھیج کر حاصل کئے جاتے ہیں ان کے اعظم واجل سے یہ ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ کا پائدار ومستحکم ودائمی نقش دل میں ہوجائے یہ یوں حاصل ہوتا ہے کہ نیت خالص ورعایت شروط آداب وغور وفکر معانی کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی مداومت کریں یہاں تک کہ حضور کی محبت ایسے سچے خالص طور پر دل میں جم جائے جس کے سبب نفس ذاکر کو نفس اقدس حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتصال اور محل تقرب و صفامیں باہم الفت حاصل ہو۔

۱۹علامہ فاسی محمد بن احمد بن علی قصری رحمۃ اللہ علیہ مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں فرماتے ہیں:

قد ذکر بعض من تکلم علی الاذکار وکیفیۃ التربیۃ بھا انہ اذا کمل لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلیشخص بین عینیہ ذاتہ الکریمۃ بشریۃ من نور فی ثیاب من نور یعنی لتنطلع صورتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی روحانیتہ ویتالف معھا تالفا یتمکن بہ من الاستفادۃ من اسرارہ و الاقتباس من انوارہ صلی اللہ تعالٰی	یعنی بعض علماء جنھوں نے اذکار اور ان سے تربیت مریدین کی کیفیت بیان کی، فرماتے ہیں کہ جب ذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو کامل کرے تو چاہیئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصور اپنے پیش نظر جمائے بشری صورت نور کی طلعت نور کے کپڑوں میں اس غرض سے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت اس کے آئینہ روح میں منقش ہوجائے اور وہ الفت پیدا ہو جس کے سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسرار سے استفادہ اور انوار سے

[1] بغیۃ السالک

علیه وسلم قال فان لم یرزق تشخص صورة فیری کانه جالس عند قبره المبارك یشیر الیه متی ماذکره فان القلب متی ماشغله شیئ امتنع من قبوله غیره فی الوقت الی اخر کلامه فیحتاج الی تصویر الروضة المشرفة والقبور المقدسة لیعرف صورتها یشخصها بین عینیه من لم یعرف من المصلین علیه فی ہذا الکتب وہم عامة الناس وجمهورهم [1] اھملخصاً۔	اقتباس کرسکے وہی عالم فرماتے ہیں جسے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ کا تصور روزی نہ ہو وہ یہی خیال جمائے کہ گویا مزار مبارک کے سامنے حاضر ہے اور ہر بار ذکر شریف کے ساتھ مزار اقدس کی طرف اشارہ کرتا رہے یہ اس لئے کہ دل کو جب ایک چیز مشغول کرلیتی ہے تو اس وقت دوسری کسی شے کو قبول نہیں کرتا، اسے نقل کرکے علامہ فاسی فرماتے ہیں جب بات یہ ٹھہری تو روضہ مطہرہ وقبور معطرہ کی تصویر بنانے کی حاجت ہوئی کہ جن دلائل الخیرات پڑھنے والوں کو ان کا نقشہ معلوم نہیں اور اکثر ایسے ہی ہیں وہ پہچان لیں اور ان کا تصور پیش نظر رکھیں۔

۲۱ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ جذب القلوب الی دیار المحبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکتاب ترغیب اہل السعادات میں فرماتے ہیں:

از فوائد صلاۃ بر سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ ست تمثل خیال وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در عین کہ لازم کثرت صلاۃ ست بانعت حضور وتوجہ اللھم صل وسلم علیہ [2] اھ ملتقطاً۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک کے فوائد میں سے یہ ہے کہ آنکھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیالی صورت قائم ہوجاتی ہے جس کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعت شریف کے ساتھ دورد شریف کی کثرت لازم ہے اور توجہ سے اللھم صل وسلم علیہ اھ ملتقطاً (ت)

۲۲ امام محمد ابن الحاج عبدری مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

من لم یقدر له بزیارة صلی الله تعالٰی	یعنی جسے مزار اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی

[1] مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴۴و۱۴۵

[2] جذب القلوب الی دیار المحبوب باب ہفدہم مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور ص۱۸۰تا۱۸۲

علیہ وسلم بجسمہ فلینوھا کل وقت بقلبہ ولیحضر قلبہ انہ حاضر بین یدیہ متشفعا بہ الی من من بہ علیہ کما قال الامام ابومحمد بن السید البطلیوسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی رقعتہ التی ارسلھا الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ابیات۔ الیك افر من زللی وذنبی وانت اذا لقیت اللہ حسبی وزورۃ قبرك المحجوج قدما منای وبغیتی ولوشاء ربی فان احرم زیارتہ بجسمی فلم احرم زیارتہ بقلبی الیك غدت رسول اللہ منی تحید مومن دنف محب۔[1]	علیہ وسلم کی زیارت جسم سے نصیب نہ ہوئی ہو وہ ہر وقت دل سے اس کی نیت رکھے اور دل میں یہ تصور جمائے کہ میں حضور پر نور صلوٰۃ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کے حضور حاضر ہوں حضور سے اس کی بارگاہ میں اپنے لئے شفاعت چاہ رہا ہوں جس نے حضور کی امت میں داخل فرما کر مجھ پر احسان کیا جیسا کہ امام محمد بن السید بطلمیوسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی اس عرضی میں کہ مزار پر انوار بھیجی یہ ابیات عرض کیں کہ یارسول اللہ! میں اپنی لغزش وگناہ سے حضور ہی کی طرف بھاگتا ہوں اور رجب میں خدا سے ملوں تو حضور مجھے کافی ہیں حضور کی قبر مبارک کی زیارت کی کہ ہمیشہ سے جس کا حج ہوتا ہے (یعنی مسلمان اس کی نیت کرکے دور دور سے حاضر ہوتے ہیں) میری آرزو مراد ہے۔ اگر میرا رب چاہے اگر جسم سے اس کی زیارت مجھے نصیب نہ ہوئی تو دل کی زیارت سے محروم نہیں ہوں صبحدم حضور کی بارگاہ میں حاضر ہے یارسول اللہ! میری طرف سے ایک مسلمان محب بیمار محبت کا مجرا۔

۲۳ امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ اور ۲۴ علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

یلازم الادب والخشوع والتواضع غاض البصر فی مقام الھیبۃ کما کان یفعل بین یدیہ فی حیاتہ (اذھو حی) ویستحضر علمہ	یعنی زائر ادب وخشوع وتواضع کو لازم پکڑے آنکھیں بند کئے مقام ہیبت میں کھڑا ہو جیسا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالم حیات ظاہری میں حضور کے سامنے کرتا کہ

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی الکلام علی زیارۃ سید المرسلین الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۸

بوقوفه بین یدیه علیه الصلوٰۃ والسلام سماعه لسلامه کما ہو فی حال حیاته اذلا فرق بین موته و حیاته فی مشاهدته لامته ومعرفته باحوالهم و نیاتهم وعزائمهم وخواطرهم وذٰلك عنده جلی لاخفاء به ویمثل(یصور)الزائر وجهه الکریم علیه الصلوٰۃ و السلام فی ذهنه ویحضر قلبه جلال رتبته و علم منزلته وعظیم حرمته[1] اهملخصا	وہ اب بھی زندہ ہیں اور تصور کرے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی حاضری سے آگاہ ہیں اس کا سلام سن رہے ہیں بعینہٖ اسی طرح جیسے حال حیات ظاہری میں کہ حضور کی وفات و حیات دونوں ان امور میں یکساں ہیں کہ حضور اپنی امت کو دیکھتے اور ان کے احوال کو پہچانتے ہیں اور ان کی نیتوں اور ارادوں اور دل کے خطروں سے آگاہ ہیں اور یہ سب باتیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسی روشن ہیں جنھیں اصلا پوشیدگی نہیں اور زائر اپنے ذہن میں حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چہرہ کریمہ کا تصور جمائے اور دل میں حضور کی بزرگی مرتبہ وبلندی قدر واحترام عظیم کا خیال لائے۔

۲۵علامہ رحمت اللہ ہندی تلمیذ امام ابن الہمام منسک متوسط اور ۲۶علامہ علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

ثم توجه(ای بالقلب والقالب)مع رعایة الادب فقام تجاه الوجه الشریف متواضعا خاضعا خاشعا مع الذلة والانکسار والخشیة والوقار والهیبة والافتقار غاض الطرف مکفوف الجوارح فارغ القلب(من سوی مرامه)واضعا یمینه علی شماله مستقبلا لوجه الکریم مستدبر القبلة متمثلا صورته الکریمة فی خیالک(ای فی تخیلات بالك لتحسین حالک)مستشعرا	یعنی زائر دل وبدن دونوں سے بنہایت ادب مزار اقدس کی طرف متوجہ ہو کر مواجہہ شریف میں کھڑا ہو تواضع وخشوع و خضوع وتذلل وانکسار وخوف ووقار وہیبت ومحتاجی کے ساتھ آنکھیں بند کئے اعضاء کو حرکت سے روکے دل اس مقصود مبارک کے سوا سب فارغ کئے ہوئے داہنا ہاتھ بائیں پر باندھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منہ اور قبلہ کو پیٹھ کرے دل میں حضور انور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کی صورت کریمہ کا تصور باندھے کہ یہ خیال تجھے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد العاشر الفصل الثانی دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۳۰۵

بانه علیه الصلوٰۃ والسلام عالم بحضورك وقیامك وسلامك (ای بل بجمیع افعالك واحوالك وارتحالك ومقامك) وكانه حاضر جالس بازائك مستحضرا عظمته وجلاله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [1] اھ ملخصا۔	خوشحال کردے گا اور خوب ہوشیار ہوجا کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تیری حاضری وقیام وسلام بلکہ تمام افعال واحوال اور منزل منزل کے کوچ ومقام سے آگاہ ہیں اور یہ تصور کر کہ گویا حضور تیرے سامنے حاضر وتشریف فرماہیں اور حضور کی عظمت وجلال کا خیال اپنے ذہن میں حاضر رکھ۔

۲۷ امام مجدالدین ابوالفضل عبداللہ بن محمود موصلی اپنے متن مختار کی شرح اختیار میں پھر علمائے دولت علیہ سلطان اورنگزیب انار اللہ برہانہ فتاوٰی عالمگیری میں فرماتے ہیں:

یقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورته الكریمة البهیة كانه نائم فی لحدہ عالم به یسمع كلامه [2]۔	یعنی زائر روضہ منورہ کے حضور دست بستہ باادب یوں کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ روشن کا تصور باندھے گویا حضور مرقد اطہر میں لیٹے ہیں زائر کو جانتے اور اس کا کلام سنتے ہیں۔

۲۸ امام اجل قاضی عیاض نے شفاشریف میں امام ابواہیم تجیبی سے نقل فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں:

واجب علی كل مؤمن متی ذكرہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم او ذكر عندہ ان یخضع ویخشع ویتوقر ویسكن من حركته ویاخذ فی هیبته واجلاله بما كان یاخذ نفسه لو كان بین یدیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ویتادب بما ادبنا اللہ تعالٰی به [3]	ہر مسلمان پر واجب ہے جب حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرے یا حضور کا ذکر اس کے سامنے کیا جائے کہ خشوع وخضوع ووقار بجالائے جسم کا کوئی ذرہ حرکت نہ کرے جس طرح خود حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے خاص حضوری میں رہتا ہے حضور کا ادب کرے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں اس جناب کے لئے مودب ہونا سکھایا۔

[1] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری دار الكتاب العربی بیروت ص ۳۳۷، ۳۳۸

[2] الاختیار لتعلیل المختار فصل فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دار المعرفه بیروت ۱/ ۱۷۶

[3] الشفا بتعریف حقوق المصطفی فصل واعلم ان حرمة النبی الخ الشركة الصحافیة فی البلاد العثمانیه ۲/ ۳۴

۲۹علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح نسیم الریاض میں اس پر فرماتے ہیں:

یفرض ذٰلك ویلاحظہ ویتمثلہ فکانہ عندہ[1]۔	یعنی ذکر شریف کے وقت یہ فرض ملاحظہ کرے کہ خاص حضوری میں ہوں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کا تصور جمالیا جائے کہ گویا حضور اس کے پاس جلوہ فرماہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

۳۰فاضل رفیع الدین خان مرادآبادی تاریخ الحرمین میں لکھتے ہیں:

شبے در طواف بودم وہجوم بسیار بود بخیال خود حضور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاد کردم تصور نمودم کہ آں سرور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام وطوائف ہستند وجماعت صحابہ باآنحضرت طواف میکنند ومن بطفیل ایشاں درمجمع حاضرم وروزے پیش باب بیت اللہ ایستادہ دعا میکردم وباخود قصہ روز فتح یاد کردم وتصور نمودم کہ جناب اقدس نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در دروازہ ایستادہ اند وصحابہ کرام بحسب مرتبہ ومقام خود درخدمت شریف حاضر اند وکفار قریش ترساں وہراساں درحضور آمدہ اند وآنحضرت ازایشاں عفو فرمودہ ملاحظہ ایں حال باعث شد بتوسل ازآنجناب ودعا درحضرت عزت جلت عظمتہ برائے مغفرت خود جمیع اقارب واحباب وقضائے حوائج دین ودنیاونرجو من اللہ الاجابۃ ان شاء اللہ تعالٰی۔	ایک رات میں طواف کررہا تھا ہجوم کثیر تھا میں نے اپنے خیال میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یاد کیا اور تصور کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طواف فرمارہے ہیں اور صحابہ کرام کی جماعت بھی حضور کے ساتھ طواف کررہی ہے اور میں بھی آپ کے طفیل وہاں مجمع میں حاضر ہوں، اور ایک روز میں بیت اللہ شریف کے آگے کھڑا دعا کررہا تھا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فتح مکہ والا منظر یاد آیا اور تصور کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فتح کے روز بیت اللہ شریف کے دروازے پر تشریف فرماہیں اور صحابہ کرام اپنے مراتب کے لحاظ سے اپنی جگہ پر خدمت میں حاضر ہیں اور کفار مکہ ڈرتے ہوئے پریشان آپ کے سامنے آرہے ہیں اور آپ ان کو معاف فرمارہے ہیں اس تصور کی برکت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے اور اللہ تعالٰی کے دربار میں دعا کے

[1] نسیم الریاض فی شرح الشفا للعیاض فصل واعلم ان حرمۃ النبی الخ ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان ۳/ ۳۹۶

دوستاں راکجا کُنی محروم توکہ بادشمناں نظرداری [1]	سبب تمام اقارب واحباب کی مغفرت اور حاجتیں تمام دنیاوی اور دینی قبول ہونے کی امید ہوئی ان شاء اللہ تعالٰی، دوستوں کو تو آپ کیا محروم کریں گے آپ تو دشمنوں پر بھی نظر رکھتے ہیں۔(ت)

الحمدللہ! یہ سردست تیس نصوص عظیم الفوائد ہیں اور جو باقی رہ گئے وہ ان سے بہت زائد پھر نصف کہ اس قدر بھی کافی اور مکابر متعسف کو دفتر ناوافی، **نسأل اللہ العفو والعافیہ** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت مانگتے ہیں۔ت)

تنبیہ لطیف: یہ تو شاہ عبدالعزیز صاحب کی تقریر سے روشن ہولیا کہ جواز برزخ اطلاق آیات قرآنیہ سے ثابت ومستفاد اور یہ بھی کہ حضرت اولیاء کا امور طریقت میں مرجع ومسؤل اور ان کے ارشادات کا معمول ومقبول ہونا آیۂ کریمہ **فاسئلوا اھل الذکر** کا مفاد اور یہ بھی ان کے کلام میں اشارۃً اور تقریر معلم ثالث میں صراحۃً گزرا کہ اولیائے طریقت مثل مجتہدان شریعت ہیں اور خود امام الطائفہ نے بھی صراط المستقیم میں ان کا مجتہد فی الطریقۃ ہونا تسلیم کیا۔ **حیث قال:**

اولیائے کبار از اصحاب طرق کہ امامت درفن باطن شریعت حاصل کردہ واجتہاد در قواعد اصلاح قلب کہ خلاصہ دین متین ست بہم رسانیدہ بودند [2]۔	بڑے بڑے اولیائے کرام اور اصحاب طریقت نے فن باطن شریعت میں امامت حاصل کی اور اپنے اجتہاد سے انھوں نے اصلاح قلب کے قواعد عطا کئے جو کہ کتاب وسنت کا خلاصہ ہے۔(ت)

مگر مجھے یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ بطور حضرات نہ صرف جواز برزخ بلکہ اس کی ترغیب شدید وتحریص اکید اور اس کا اقرب الطرق الی اللہ ہونا خود امام المجتہد شریعت کے صریح وروشن اشاروں سے ثابت ہولیا پوچھئے وہ کیونکر، ہاں وہ یوں کہ کلمات مذکورہ جناب شیخ مجدد صاحب پر پھر نظر ڈالیے دیکھئے یہ باتیں ان میں صاف صریح موجود ہیں یا نہیں جب دیکھ لیجئے تو اب جناب مرزا مظہر جان جاناں صاحب کا کلام سنئے جنھیں سن چکے کہ امام الطائفہ کے جد وفرجد جناب شاہ ولی اللہ صاحب کیسا کچھ جانتے وہ تصریح فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد نہ فقط طریقت میں مجدد بلکہ شریعت میں بھی امام مجتہد تھے مکتوب پانزدہم میں لکھتے ہیں:

---

[1] تاریخ الحرمین رفیع الدین مرادآبادی

[2] صراط مستقیم باب اول فصل ثانی ہدایت رابعہ فادہ نمبر ۵ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۴۱

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ نائب کامل آنحضرت اند بنائے طریقہ خود رابراتباع کتاب وسنت گزاشتہ اند وعلماء دراثبات رفع سبابہ رسالہا مشتمل بر احادیث صحیحہ و روایات فقہیہ حنفیہ تصنیف کردہ اند تابجائیکہ حضرت شاہ یحیٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد نیز دریں باب رسالہ تحریر نمودہ اند ودر نفی رفع یک حدیث بہ ثبوت نہ رسیدہ وترک رفع از جناب حضرت مجدد بنا؏ بر اجتہاد واقع شدہ وسنت محفوظ از نسخ براجتہاد مجتہد مقدم ست[1]۔	حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالٰی عنہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل نائب ہیں انھوں نے کتاب وسنت کی پیروی میں اپنے طریقہ کے قواعد بنائے اور علمائے کرام احادیث صحیحہ اور منتخب حنفی روایات پر مشتمل رسائل رفع سبابہ کے مسئلہ کے اثبات میں لکھے حتی کہ مجدد صاحب کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ یحیٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی اس مسئلہ کے اثبات میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور لکھا کہ رفع سبابہ کی نفی میں ایک حدیث بھی پایہ ثبوت کو نہ پہنچی اور ترک رفع سبابہ پر حضرت مجدد صاحب نے جو لکھا وہ ان کے اجتہاد پر مبنی ہے جبکہ غیر منسوخ سنت مجتہد کے اجتہاد پر مقدم ہوتی ہے۔ (ت)

؏: جاناں ایں سخن مرزا صاحب بہ اجتہاد خود گفتہ باشند ورنہ ملاحظہ مکتوبات حضرت مجدد گواہ عادل ست کہ ترک رفع محض بربنائے تقلید ائمہ حنفیّہ فرمودہ اند وآنہم بمجرد تقدیم ظاہر الروایۃ برنوادر وترک اتباع احادیث صحیحہ صریحہ کثیرہ بمقابلہ روایت ظاہرہ فقہیہ ایں بار سالہ الکوکبۃ الشہابیۃ دیدن وارد بعونہ تعالٰی بروہابیہ لہابیہ آتش قہرے باردو باللہ التوفیق ۱۲۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا یہ کلام اپنے اجتہاد پر مبنی ہے ورنہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مکتوبات کو ملاحظہ کرنے پر واضح گواہی ملتی ہے کہ رفع سبابہ کا ترک خالص امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تقلید پر مبنی ہے کہ مذہب کی ظاہر الروایت نوادر کے مقابلہ میں اور صریح صحیح احادیث کی اتباع کی بجائے فقہی ظاہر الروایت کو مقدم رکھا جاتا ہے میرے رسالہ **الکوکبۃ الشہابیۃ** کا یہ مقام دیکھنا چاہئے وہابیوں پر وہ آتش قہر ہے وباللہ التوفیق ۱۲۔ (ت)

[1] کلمات طیبات فصل دوم مکاتیب مرزا مظہر جانجاناں مکتوبات پانزدہم مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸

اب امام الطائفہ وغیرہ منکرین جنھیں نہ طریقت میں لیاقت نہ شریعت میں مہارت بھلا منصف تجدید واجتہاد تو بڑی بات ہے ولی مجدد امام مجتہد کے مقابل ایسوں کی زق زق کون سنتا ہے۔ اگرچہ ع

مغز ماخورد و حلق خود بدرید

(ہمارا مغز کھالیا اور اپنا گلا پھاڑ لیا)

تنبیہ الطف: یہاں تک تو امام مجتہد ہی کے قول سے ثبوت تھا امام الطائفہ کے ایمان پر خود ایک معصوم صاحب وحی کی نص جلی سے جواز برزخ ثابت، اب زیادہ توجہ کیجئے گا کہ یہ کیا مگر امام الطائفہ کی سنی ہوتی تو تعجب نہ آتا وہ صراط مستقیم میں تصریح کرتا ہے کہ اولیاء میں جو حکیم ہوتا ہے جسے صدیق وامام ووصی بھی کہتے ہیں اس پر خدا کے یہاں سے وحی آتی ہے اسے نہ صرف بعض احکام کونیہ غیب وشہادات ومعاملات جزئیہ سلوک وطریقت بلکہ خاص احکام کلیہ شریعت وملت بے واسطہ انبیاء بھی پہنچتے ہیں وہ انبیاء کا ہم استاذ ہوتا ہے وہ انبیاء کی مثل معصوم ہوتا ہے اس پر خاص امور شرعیہ میں کچھ تقلید انبیاء مطلقًا ضرور نہیں بلکہ ایک وجہ سے وہ خود محقق ہوتا ہے اس کا علم جسے حکمت کہتے ہیں علم انبیاء سے اصلا کم نہیں ہوتا صرف اتنا فرق ہے کہ انبیاء پر علانیہ وحی آتی ہے اور اس پر پوشیدہ، **قال:**

پوشیدہ نخواہد ماند کہ صدیق من وجہ مقلد انبیاء مے باشد ومن وجہ محقق در شرائع علوم کلیہ شرعیہ او رابدو واسطہ مے رسد بوساطت نور جبلی وبوساطت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پس در کلیات شریعت وحکم احکام ملت اوراشاگرد انبیاء ہم مے تواں گفت وہم استاذ انبیاء ہم ونیز طریقہ اخذ آں ہم شعبہ ایست از شعب وحی کہ آں را در عرف شرع بنفث فی الروح تعبیر می فرمایند وبعضے اہل کمال آں را بوحی باطنی مے نامند ہمیں معنی را بامامت ووصایت تعبیر می کنند و	پوشیدہ نہ رہے کہ صدیق من وجہ انبیاء کا مقلد ہوتا ہے اور من وجہ شریعت میں محقق ہوتا ہے علوم شرعیہ کلیہ اس کو دو ذریعوں سے حاصل ہوتے ہیں ایک بذریعہ فطری نور اور دوسرا بذریعہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لہٰذا اس کو شریعت کے کلیات اور احکام کے حکم میں انبیاء کا شاگرد کہہ سکتے ہیں اور انبیاء کا استاذ بھی، نیز ان کا طریقہ اخذ بھی وحی کی طرح ہوتا ہے اس کو عرف شرع میں نفث فی الروح سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اہل کمال اس کو باطنی وحی قرار دیتے ہیں اس معنی میں اس کو امامت اور وصایت سے تعبیر کرتے ہیں اور

علم ایشاں راکہ بعینہٖ علم انبیاء ست لیکن بوحی ظاہری متلقی نشد بحکمت مے نامند، لابد اورا بمحافظتے مثل محافظت انبیاء کہ مسمّٰی بعصمت ست فائز مے کنند وایں حفظ نصبیہ انبیاء وحکماء ست وہمیں را عصمت نامند ندانی کہ اثبات وحی باطن حکمت و وجاہت وعصمت مر غیر انبیاء رامخالف سنت واز جنس اختراع بدعت ست ندانی کہ ار باب ایں کمال از عالم منقطع شدہ اند اھ ملتقطا[1]۔	اس کا علم بعینہٖ انبیاء کا علم ہوتا ہے لیکن ظاہری وحی نہیں پاتا اس کو حکمت کہتے ہیں اس لئے کہ انبیاء کی طرح اس کو حفاظت حاصل ہوتی ہے جس کو عصمت کہتے ہیں جو انبیاء اور حکماء کو نصیب ہوتی ہے یہ نہ سمجھنا کہ وحی باطن اور حکمت، وجاہت اور عصمت غیر انبیاء کے لئے ثابت کرنا سنت کے خلاف اور نئی اختراع ہے اور بدعت ہے اور یہ بھی نہ سمجھنا کہ اس کمال کے لوگ دنیا سے ختم ہوچکے ہیں اھ ملتقطا (ت)

صراط مستقیم معوج وناستقیم چھپی نہیں چھپی ہے مطبوع مطبع ضیائی میرٹھ ۱۲۸۵ھ کے آخر صفحہ ۳۸ سے ثلث صفحہ ۴۲ تک ان کفریات شنیعہ ورفضیات فظیعہ کا جوش دیکھ لیجئے خیر ان کی اصطلاح شیطانی پر حکیم وحکمت کے معنی تو معلوم ہولئے کہ حکمت یہی علوم صدیقیت ہیں جو ان باطنی ساختہ نبیوں کو بذریعہ وحی نہانی ملتے ہیں۔

اب ملاحظہ ہو کہ یہیں اسی بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کو نہ نرا حکیم بلکہ سید الحکماء کہا، حیث قال:

ایں صدیقیت راجناب سید الحکماء وسید العلماء اعنی الشیخ ولی اللہ بقرب الوجود تعبیر میفرمایند[2]۔	اس صدیقیت کو جناب سید الحکماء وسید العلماء جس سے مرا دشاہ ولی اللہ ہیں قرب الوجود سے تعبیر کرتے ہیں۔(ت)

اب کیا شک رہا کہ ان کے یہاں پر شاہ صاحب بھی (**استغفر اللہ**) انھیں چھپے رسولوں بوڑھے معصوموں میں ہیں اور ان کے علوم میں وحی نہانی سے ان پر اترے اور ان کی سن چکے کہ وہ انتباہ وغیرہ میں مثالی برزخ کی کیسی کیسی تجویز وتحسین وتعلیم وتلقین کرتے ہیں پھر اس کا انکار نہ ہوگا مگر اپنے ساختہ پیغمبر کا رد کرکے اپنے طور پر کافر ہوجانا غایت یہ کہ ظاہری پیغمبر کا منکر کھلا کافر اور نہانی کا منکر ڈھکا کافر۔ **والعیاذ باللہ رب العالمین العزۃ للہ** ان حضرات نے بات بات پر مسلمانوں کو کافر مشرک بنایا یہاں تک کہ

[1] صراط مستقیم باب اول فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۳ تا ۳۶

[2] صراط مستقیم باب اول فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

ان کے مذہب پر صلحاء وتابعین درکنار ان کے ساختہ پیغمبروں سے ہمارے سچے رسولوں تک کوئی ارتکاب شرک سے محفوظ نہ رہا یہ اس کی سزا ہے کہ ہر جگہ اپنے منہ آپ کافر ٹھہرتے ہیں کہ کردونیافت کماتدین تدان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز المنان (جیسا کرے گا بدلہ دیا جائے ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العزیز المنان۔ ت) مولٰی تعالٰی صدقہ اپنے محبوبوں کا دین حق پر قائم رکھے اور ملت وسنت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دنیا سے اٹھائے اٰمین!

الحمدللہ کہ یہ مختصر جواب مظہر صواب اوائل جمادی الاٰخرہ ۱۳۰۹ھ میں مرتب اور بلحاظ تاریخ "الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ" ملقب ہوا۔ ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد والہ واصحابہ اجمعین اٰمین الحمدللہ رب العٰلمین واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

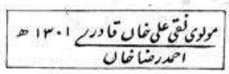

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

محمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مسئلہ ۱۸۸: مرسلہ منشی عبیداللہ حسن قلعہ بھنگیاں امرتسر رجب ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنے مریدوں سے اشعار ذیل سنے اور سن کو خوش ہو بلکہ تمغاء انعام دے ایسا شخص لائق بیعت ہے یا نہیں؟ خدا رسیدہ ہے یا نفس کا مطیع اہلسنت ہے یا اہل بدعت؟ شعار یہ ہیں: ؎

آفتاب چرخ علم وفضل شمس العارفین ۔۔۔ قبلہ عالم سراج المتقین شاہ جہاں
سید السادات مطلوب علی شیر خدا ۔۔۔ عاشق محبوب رب العالمین فخر زماں
ماہر علم لدنی واقف اسرار غیب ۔۔۔ قطب عالم غوث اعظم وارث پیغمبراں
کس طرح اہل جہاں پر راز ان کا کھل سکے ۔۔۔ راز داں ان کا خدا ہے وہ خدا کے راز داں
اولیاء ہونے کو دنیا میں بہت ہیں اولیاء ۔۔۔ ان کی صوران کی سیرت ان کی عادت کا کہاں
کچھ عجب ہیں یہ بھی حسن وعشق کے راز ونیاز ۔۔۔ مدح خواں ان کا خدا ہے وہ خدا کے مدح خوان

الجواب:

حب ثناء غالبا خصلت مذمومہ ہے اور کم از کم کوئی خصلت محمودہ نہیں اور اس کے عواقب خطرناک ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حب الثناء من الناس یعمی ویصم۔	ستائش پسندی آدمی کو اندھا بہرا کردیتی ہے۔

رواہ فی مسند الفردوس [1] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	(اس کو مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اگر اپنی جھوٹی تعریف کو دوست رکھے کہ لوگ ان فضائل سے اس کی ثناء کریں جو اس میں نہیں جب تو صریح حرام قطعی ہے۔

قال اللہ "لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾" [2] والعیاذ باللہ تعالٰی۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) ہرگز گمان نہ کرنا ان کو جو اپنے کئے پر خوش ہوتے اور دوست رکھتے ہیں کہ بے کئے پر سراہے جائیں تو زنہار انھیں عذاب کے بچاؤ کی جگہ نہ گمان کرنا اور ان کے لئے دردناک مار ہے۔والعیاذ باللہ تعالٰی (ت)

ہاں اگر تعریف واقعی ہو تو اگرچہ تاویل معروف ومشہور کے ساتھ، جیسے شمس الائمہ وفخر العلماء وتاج العارفین وامثال ذٰلک (اماموں کے آفتاب، اہل علم کے لئے فخر، اور عارفوں کے تاج، اور اسی قسم اور نوع کے دوسرے توصیف کلمات (جو مدح کی تعریف وتوصیف ظاہر کریں)۔ت) کہ مقصود اپنے عصر یا مصر کے لوگ ہوتے ہیں اور اس پر اس لئے خوش نہ ہو کہ میری تعریف ہورہی ہے بلکہ اس لئے کہ ان لوگوں کی ان کو نفع دینی پہنچائے گی سمع قبول سے سنیں گے جو ان کو نصیحت کی جائے گی تو یہ حقیقۃً حبّ مدح نہیں بلکہ حب نصح مسلمین ہے اور وہ محض ایمان ہے "وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ" [3] (اور اللہ تعالٰی اصلاح کرنے والے بگاڑنے والے سے جانتا ہے۔ (یعنی وہ جانتا ہے کون مصلح اور کون مفسد ہے)۔ت) طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:

سبب حب الریاسۃ ثلثۃ ثانیہا التوسل بہ الی تنقیذ الحق واعزاز الدین واصلاح الخلق فھذا ان خلا عن المحذور کالریا والتلبیس وترك الواجب	ریاست کی چاہت اور محبت کے تین اسباب ہیں، دوسرا یہ ہے کہ اقتدار اس لئے چاہتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے نفاذ حق اعزاز دین اور لوگوں کی اصلاح کرسکے، اگر یہ ممنوع امور مثلاً ریاء تلبیس، اور واجب اور سنت کے چھوڑنے سے

[1] الفردوس بماثور المخطاب حدیث ۲۷۲۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۴۲

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

والسنة فجائز بل مستحب قال اللہ تعالٰی عن العباد الصالحین واجعلنا للمتقین اماما [1] اھ ملتقطا۔	خالی ہو تو نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب (موجب اجر و ثواب ہے) چنانچہ اللہ تعالٰی نے نیک بندوں کی حکایت بیان فرمائی (کہ وہ بارگاہ رب العزت میں عرض گزار ہوتے ہیں) اے پروردگار! ہمیں پرہیزگار اور ڈرنے والے لوگوں کا امام (یعنی پیشوا) بنادے۔ چیدہ اور منتخب عبارت مکمل ہوگئی۔ (ت)

اور جب معاملہ نیت پر ٹھہرا اور دلوں کا مالک اللہ عزوجل ہے تو اس شخص کے حالات پر نظر لازم ہے۔ اگر بے شرع ہے معاصی میں بیباک ہے یا جاہل بے ادراک ہے اور شوق پیری میں انہماک ہے تو خود ہی اس کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں اور اب اس کا ان تعریفوں پر خوش ہونا ضرور قسم دوم میں ہے جسے قرآن عظیم میں فرمایا کہ انھیں عذاب سے دور نہ جانیو ان کے لئے دردناک سزا ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ سنی صحیح العقیدہ صالح الاعمال متصل السلسلہ ہے خلق اللہ کو حق کی طرف دعوت کرتا منکرات سے روکتا باز رکھتا ہے تو ضرور قابل بیعت ہے اور اب اس کے فعل مذکور کو اسی محل حسن پر حمل کرنا فرض اور اس پر بدگمانی حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [2]۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب [3]۔ الحدیث۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) اے مسلمانو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:) گمان سے دور بھاگو کہ گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ الحدیث۔

پھر بھی اسے چاہئے کہ اظہار تواضع میں کمی نہ کرے مریدوں کو اس پر انعام تمغے دے کر اور زیادہ برانگیختہ نہ کرے۔ لوگوں کو اپنے اوپر بدگمانی کی راہ نہ دے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

---

[1] الطریقۃ المحمدیہ باب حب الناس یعمی ویصم مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/ ۵۴۔۱۵۳، الحدیقہ الندیہ حب الریاستہ الدنیویۃ ھو الخلق الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصلہ آباد ۱/ ۴۲۔۴۴۱

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲ صحیح البخاری کتاب الوصایا ۱/ ۳۸۴ و کتاب الفرائض ۲/ ۹۹۵ قدیمی کتب خانہ کراچی

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا ۱/ ۳۸۴ و کتاب الفرائض ۲/ ۹۹۵ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظن ۲/ ۳۱۶ و جامع الترمذی ابواب البر باب ماجاء فی سوء الظن ۲/ ۲۰

اپنی نعت کریم کے قصائد سنے اور ان پر انعام عطا فرمائے اس پر قیاس نہ کرے خاک کو عالم پاک سے نسبت نہ دے ان کی تعظیم ان کی محبت، ان کی ثناء ان کی مدحت سب عین ایمان ہے اور اس کا اظہار واعلان فرض اہم اور ان کا ذکر عین ذکر الٰہی، ان کی ثناء عین حمد الٰہی، امیر المومنین خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور ایک شاعر حاضر ہوا کہ میں نے حضرت کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں فرمایا میں سننا نہیں چاہتا، عرض کی نعت شریف میں کچھ عرض کیا ہے۔ فرمایا سناؤ ایسے ائمہ راشدین کا اتباع کرے خصوصا قطب عالم غوث اعظم جیسے الفاظ کہ غالبا وہ اپنے وجدان سے ان الفاظ کو اپنے لئے صادق نہ جان سکے گا۔ **نسأل الله العفو والعافية والتوفيق لاتباع اقوام طريق۔** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی، صحت اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق مانگتے ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: مرسلہ عبدالغفور صاحب جمعدار اسٹیشن سورون ضلع ایٹہ ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

گزارش یہ ہے کہ قادریہ میں سے سدا سہاگن ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو کیا چیز پہننے کا حکم ہے؟ **فقط۔**

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اس مرد پر کہ عورتوں کی وضع بنائے، قادریہ چشتیہ کسی فرقہ کا کوئی شخص سدا سہاگن نہیں پہن سکتا سب کو حرام ہے۔ اللہ ورسول کا حکم عام ہے۔ بعض مجذوبین قدست اسرارہم نے جو کچھ بحال جذب کیا وہ سند نہیں ہو سکتا، مجذوب عقل وہوش دنیا نہیں رکھتا۔ اس کے افعال اس کے ارادہ واختیار صالح سے نہیں ہوتے وہ معذور ہے۔ ع

ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

ع که سلطان نگیرد خراج از خراب

(کیونکہ بادشاہ غیر آباد اور ویران زمین سے ٹیکس نہیں لیتا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۰: از شیر گڑھ ضلع بریلی تحصیل بہیڑی ڈاکخانہ خاص درمدرسہ مرسلہ مسمّی عظیم اللہ نائب مدرس ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوٰة على رسوله محمد واٰله و	ہر تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے اور اس کے رسول محمد کریم پر نزول رحمت ہو اور ان کی تمام آل اور سب

اصحابہ اجمعین۔	ساتھیوں پر باران رحمت ہو۔ (ت)

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص داڑھی اور مونچھیں اور بھنویں منڈائے ہوئے ہوں تو مسلمانوں کو ایسے شخص کا مرید ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور جو شخص داڑھی مونچھ منڈائے ہو اور کانوں میں مندرے پہنے ہو تو اس کا بھی مرید ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور جو شخص گیسو دراز ہو اور گیسو اس کے مقام ہنسلی سے نیچے ہوں تو ایسے شخص کا بھی مرید ہونا چاہئے یا نہیں یعنی یہ تینوں شخص قابل پیشوائی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

داڑھی منڈانا حرام ہے بھنویں منڈانا حرام ہے۔ مرد ہو کر کانوں میں مندرے پہنا حرام ہے۔ شانوں سے نیچے ڈھلکے ہوئے عورتوں کے سے بال رکھنا حرام ہے۔ مرد کو زنانی وضع کی کوئی بات اختیار کرنا حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔ اور جو اللہ و رسول کا ملعون ہو پیشوا نہیں ہو سکتا اس کا مرید ہونا حرام ہے بات یہ ہے کہ عورت کے رحم میں دو خانے ہیں دہنا خانہ لڑکے کے لئے اور بایاں لڑکی کے واسطے، اور نطفہ مرد کا غالب آئے تو لڑکا بنتا ہے اور عورت کا غالب پڑا تو لڑکی بنتی ہے پھر اگر مرد کا نطفہ غالب آیا اور رحم کے سیدھے خانے میں میں پڑا تو لڑکی ہوگی، ظاہر و باطن عورت اور اگر نطفہ مرد کا غالب آیا اور رحم کے بائیں خانے میں گرا تو ہوگا صورت میں لڑکا، مگر دل میں زنانہ، اسے داڑھی منڈانے گہنا پہننے، ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانے، عورتوں کے سے بال بڑھا کر چوٹی گندھوانے یا جوڑا باندھنے یا بکھرے ہوئے رکھنے، کلیوں دار غرارہ دار پائچہ پہننے، سرخ نیفہ ڈالنے وغیرہ وغیرہ کسی زنانی وضع کا شوق ہوگا اور اس حالت میں مرد کا نطفہ خفیف غالب تھا تو بالکل زنانہ زنخہ بن جائے گا اور اگر نطفہ عورت کا غالب آیا اور رحم کے دہنے خانے میں گرا ہو تو ہوگی صورت میں لڑکی مگر دل میں مردانی، اسے انگرکھا پہننے، ٹوپی رکھنے، عمامہ باندھنے، گھوڑے پر چڑھنے، تلوار اٹھانے، تیر اندازی کرنے، مردانہ جوتا پہننے وغیرہ وغیرہ کسی مردانی وضع کا ذوق ہوگا بہر حال یہ دونوں خانے بہکے ہوئے اللہ و رسول کے ملعون ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشبہات من النساء بالرجال والمتشبہین من الرجال بالنساء،	اللہ کی لعت ان عورتوں پر کہ مردوں کی وضع بنائیں اور ان مردوں پر کہ عورتوں کی وضع اختیار کریں۔

رواہ احمد[1] والبخاری ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	(مسند احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

حضور نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا کہ ایک عورت کمان کندھے میں لٹکائے دیکھا رواہ اطبرانی فی معجمہ الکبیر[2] (امام طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں اس کو روایت فرمایا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الرجل یلبس لبسۃ المرأۃ والمرأۃ تلبس لبسۃ الرجل۔ رواہ ابوداؤد[3] والنسائی وابن ماجۃ والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اللہ کی لعنت اس مرد پر کہ عورتوں کے پہننے کی چیز پہنے اور اس عورت پر کہ مردوں کے پہننے کی چیز استعمال کرے (ابوداؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے الفاظ "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی" سے اس کو روایت کیا۔ت)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے عرض کی گئی، فلاں عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے۔ فرمایا:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرجلۃ من النساء[4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر کہ مردانی وضع لے۔

[1] مسند حمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۲۹، صحیح بخاری کتاب اللباس باب المتشبھین بالنساء والتشبھات بالرجال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰، جامع الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی المتشبھات بالرجال الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۲، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب فی المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر کتاب الادب باب فی المشبھین من الرجال الخ دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۰۳۔۱۰۲

[3] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفاتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[4] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفاتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ کسی ایک بات میں مرد کو عورت، عورت کو مرد کی وضع لینی حرام وموجب لعنت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گیسوانتہا درجہ شانہ مبارک تک رہتے بس یہیں تک حلال ہے آگے وہی زنانہ خصلت ہے بلکہ علماء نے اس سے بھی ہلکی بات میں مشابہت پر وہی حکم لعنت بتایا۔درمختار میں ہے:

غزل الرجل علی ھیأۃ غزل المرأۃ یکرہ[1]۔	کسی مرد کا کسی عورت کے بال گوندنے کی طرح اور اس کی ہیئیت پر بال گوندنا مکروہ (ناپسندیدہ) فعل ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لما فیہ من التشبہ بالنساء وقد لعن علیہ الصلوٰۃ والسلام والمتشبھین والمتشبھات[2]۔	اس لئے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے۔اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان مردوں پر لعنت فرمائی (جو عورتوں سے) مشابہت اختیار کریں،اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں۔(ت)

فتح القدیر ودرمختار میں ہے:

اما الاخذ منھا (ای من اللحیۃ) وھی دون ذٰلک (ای القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند ومجوس الاعاجم[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	لیکن داڑھی تراشنا جبکہ مشت بھر سے کم ہو جیسا کہ بعض مغاربہ (مغربی باشندے) اور زنانہ وضع کے مرد کیا کرتے ہیں پس اہل علم میں سے کسی عالم نے اس کو مباح نہیں فرمایا اور پوری داڑھی مونڈنا تو یہ ہند کے یہودیوں اور عجمی آتش پرستوں کا فعل اور طریقہ ہے (جو بالکل ناجائز ہے)۔(ت)

مسئلہ ۱۹۱تا ۱۹۲: از شیر گڑھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ عظیم اللہ نائب مدرس ۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) جواشخاص بوجہ لاعلمی کے خلاف شرع پیر مثل داڑھی منڈا اور کانوں میں مندرے پہنے ہوئے اور

---

[1] درمختار کتاب الحظر ولاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظر ولاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۷۴

[3] درمختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم ومالایفسد مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۵۲،فتح القدیر کتاب الصوم باب مایوجہ القضاء والکفارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۲۷۰

گیسو دراز کے مرید ہو چکے ہوں ان کی بیعت جائز ہوگی اور ان کو جائے دیگر بیعت ہونے کا حکم ہے یا نہیں؟
(۲) جس پیر کے یہاں قوالی مع مزامیر ہوتی ہو اور اپنے مریدوں کو بھی اسی جلسہ میں شامل کراکے راگ مع مزامیر سنواتا ہو تو ایسے پیر کا مرید ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) فاسق کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں۔ اگر کرلی ہو فسخ کرکے کسی پیر متقی، سنی، صحیح العقیدہ، عالم دین، متصل السلسلۃ کے ہاتھ پر بیعت کرے۔

(۲) مزامیر جائز نہیں۔ حضور سیدنا سلطان المشائخ نظام الحق والدین سردار سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں: "مزامیر حرام ست[1]" (مزامیر حرام ہیں۔ت) ایسے شخص سے بیعت کا حکم ہے جو کم از کم یہ چاروں شرطیں رکھتا ہو:

اول سنی صحیح العقیدہ ہو۔

دوم علم دین رکھتا ہو۔

سوم فاسق نہ ہو۔

چہارم اس کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو،

اگر ان میں سے ایک بات بھی کم ہے تو اس کے ہاتھ پر بیعت کی اجازت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۳: بمقام بریلی صدر بازار چھاؤنی رسیدہ پاس مظہر حسین کے پہنچے بروز شنبہ بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بزرگ سے خاندان قادریہ میں بیعت ہے اور اس کی طبیعت خاندان چشتیہ صابریہ میں بھی بیعت ہونے کو چاہتی ہے اور اس کا پیر صرف خاندان قادریہ میں بیعت کرتا ہے اور کسی دوسرے خاندان چشتیہ صابریہ وغیرہ میں بیعت نہیں کرتا۔ اگر زید کسی دوسرے بزرگ سے خاندان چشتیہ صابریہ میں بیعت ہوجائے اور نیز اس کا پیر زندہ ہو تو ایسی صورت کچھ حرج تو نہیں ہے۔ زید کا خیال ہے کہ وہ دونوں پیروں کو برابر سمجھے گا اور حسب معمول دونوں شجرے پڑھے گا اور دونوں پر عمل کرے گا۔

الجواب:

اکابر فرماتے ہیں ایک شخص کے دو۲ باپ نہیں ہوسکتے۔ ایک وقت میں ایک عورت کے دو۲ شوہر

---

[1] فوائد الفواد

نہیں ہوسکتے ایک مرید کے دو۲ پیر نہیں ہوسکتے۔ یہ وسوسہ ہے اس پر عمل نہ کیا جائے، یک در گیر محکم گیر (ایک ہی دروازہ پکڑو مگر پکڑو مضبوطی سے۔ت) پریشان نظری والا کسی کی طرف سے فیض نہیں پاتا۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق شیئ فلیلزمه[1]۔	جس کو کسی چیز میں (یعنی اس کے سبب سے) رزق دیا جائے تو چاہئے کہ اس پر لزوم اختیار کرے۔(ت)

قرآن عظیم کی آیت بھی اسی معنی کا افادہ فرماتی ہے جو کارڈ پر نہیں لکھی جاسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۴: مسئولہ جناب حکیم مقیم الدین صاحب بہیڑی ضلع بریلی ۱۱ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان متقی تصور سے بذریعہ میز کہ سہ پایہ ہوتی ہے اور تختہ پر اس کے کچھ ایات قران عظیم کی مع تسمیہ لکھی ہوتی ہے اور میز مذکورہ کے تینوں پایوں پر حروف تہجی لکھے ہوتے ہیں ارواح مسلمانان سے اور اس بات چیت کرتا ہے کہ زید اور چار پانچ اشخاص مسلمان نمازی میز کے آس پاس کرسیوں وغیرہ پر حلقہ باندھ کر آنکھیں بند کرکے مکان پاک صاف میں کہ خالی از عوام ہوتا ہے میز پر ہاتھ رکھ کر جس روح کو میز پر بلانا ہوتا ہے تصور کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی روح میز میں داخل ہوئی اور زید کہ تسبیح:

سبحان ذی الملك والملکوت سبحان ذی العزة و العظمة والهيبة والقدرة والکمال والجمال والکبریاء والجبروت، سبحان الملك الحی الذی لاینام ولا یموت سبوح قدوس ربنا ورب الملئکة والروح۔	اللہ تعالٰی ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جو چھوٹی اور بڑی بادشاہی رکھنے والا ہے۔(الملك[1] و الملکوت[2]) (۱) بادشاہی (۲) بڑی بادشاہی، جیسا کہ لغت وغیرہ میں مرقوم ہے۔ اللہ پاک ہے جو عزت والا بزرگی والا، رب، طاقت، کمال اجمال اور بڑی رکھنے والا ہے (الجبروت) تسلط رکھنے والا، قدرت اور عظمت والا ہے۔ پاک ہے وہ بادشاہ جو ہمیشہ ہمیشہ زندہ ہے جو کبھی سوتا نہیں اور نہ اس پر کبھی موت طاری ہوتی ہے۔ بڑا منزہ اور بیحد پاک ہے۔ اور وہ ہم سب کا پروردگار ہے۔ تمام فرشتوں اور حضرت جبریل کا بھی پرودگار ہے۔(ت)

کا عامل ہے۔ وقت حلقہ زید اس تسبیح کی تلاوت کرتا ہے۔ اس اثناء میں میز کا پایہ اٹھتا ہے تو سوال کیا جاتا ہے جو کچھ سوال کرنا ہوتا ہے پایوں کے ذریعے سے اگر روح پڑھی ہوتی ہے تو حروف تہجی سے کہ میزے کے پایوں پر لکھے ہوتے ہیں ان کے ذریعہ سے بتلاتی ہے اور ان پڑھ روح سے کلام بہت دشواری سے ہوتا ہے اور بعض روح تو

[1] کنز العمال برمذہب عن انس حدیث ۹۲۸۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۹

بہت کچھ بیان کرتی ہے یہاں تک کہ جو کچھ اس پر عذاب اور ثواب بعد مرنے کے ہوتا ہے بتلادیتی ہے۔اور اپنے گھر وغیرہ کی کیفیت بھی بیان کردیتی ہے۔اور اکثر اتفاق ایسا ہوا کہ جو کچھ کسی نے پڑھ کر بخشا وہ بھی بتلادیا تو کیا ایسی میز سے کسی قسم کی قباحت از روئے شروع شریف لازم آتی ہے کیونکہ ظاہر میں کوئی فعل خلاف نہیں معلوم ہوتا۔**بینوا توجروا**۔(بیان فرماؤتاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر اس کی حقیقت اسی قدر ہے تو فی نفسہٖ اس فعل میں حرج نہیں معلوم ہوتا جبکہ روحوں کا بلانا واقعیت رکھتا ہو اور یہ بظاہر دشوار معلوم ہوتا ہے۔جو ارواح معذب ومحبوس ہیں **العیاذ باللہ** ان کا آنا کیا معنی اور جو ارواح طیبہ معظّمہ ہیں ان کا یوں بلانا سوء ادب سے خالی نہیں ہوتا بظاہر اس عامل کے صرف تصور کا تصرف ہوتا ہے اس تقدیر پر اسے ارواح کی طرف نسبت کرنا کذب اور دھوکا اور محض ناجائز ہوگا اس کا امتحان بہت آسان ہے جن علوم سے یہ عامل آگاہ نہ ہو ان کے کسی جاننے والے کی روح بلائے اور ان علوم کا سوال کیجئے مثلاً ہندسہ وہیأت کے واسطے نصیر طوسی کی روح بلائے اگر وہ دقائق علوم ہندسہ کا جواب دے دے جن سے یہ عامل ناواقف ہو تو احتمال صدق ہوسکتا ہے اگرچہ دوسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معلم الملکوت کا کوئی کرشمہ ہو اور اگر جواب نہ دے سکے تو دھوکا ظاہر ہے بعض اوقات تجربہ ہوا ہے کہ میز نے وہی جواب دئے جو عامل کے علم میں ہیں اس سے زیادہ کچھ میز نہ بتاسکی، بالجملہ اس سے احتراز چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: مولوی نذیر احمد صاحب ساکن سموہاں پرگنہ نواب گنج بریلی مورخہ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل میں: مرد نمازی اور صالح ناخواندہ کی بیعت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

ناجائز ہے کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از فیض آباد مسجد مغل پورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن ومولوی عبدالعلی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

اگر پیر کی اولاد کسی دنیا کے معاملات میں ناخوش ہوں اور اس کی کشیدگی کا اثر عورت پر ہو اور مرید یہ کہتا ہے کہ اگر میں قصور وار سمجھا گیا تو میں معافی مانگتا توبہ کرتا ہوں خواہش دنیا میں تلقین کیجئے صراط مستقیم کی تلاش ہے تو اس کی نہ سنی اس مرید کو زیادہ اشتعال وطیش دلاکر گمراہ کیا جاتا ہے یہ جائز ہے؟

الجواب:

سوال بہت مجمل ہے۔کیا دنیا کا معاملہ اور کیا وجہ کشیدگی،اور کسی عورت پر اثر،اور کیا اشتعال و

طیش دلایا، جب تک مفصل نہ معلوم ہو یہ ظاہر نہیں ہوسکتا کہ کس کا قصور ہے۔ مرید اشتعال وطیش کے لئے نہیں بنایا گیا اور معافی تقصیر میں کبھی تاخیر ہی مصلحت ہوتی ہے۔ جیسے حضرت کعب بن مالک اور ان کے دونوں ہمراہیوں کے ساتھ پچاس شب تک کی گئی "حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ"[1] یہاں تک کہ اتنی وسیع زمین ان پر تنگ ہوگئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹۷: از شہر کانپور محلّہ موتی محال بردکان محمد خاں و بادل خاں سوداگران مرسلہ امیر الدین شاہ ۲۴صفر ۱۳۳۸ھ

جناب پیر و مرشد روشن ضمیر مولوی احمد رضا خاں صاحب، السلام علیکم! بعد آداب گزارش خدمت شریف میں یہ ہے کہ میں نے آپ کا نام سنا ہے۔ اور لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ بہت بڑے بزرگ ہیں مگر جب میرا کام آپ سے ہو جائے تو میں سمجھوں، پیر وہ ہی ہے جو پیر میرے میرا پردہ آپ اٹھا سکتے ہیں۔ یا نہیں۔ عمل بات کا جھگڑا ہے اور میں مولا فضل الرحمٰن صاحب کے در کا خادم ہوں صرف بات چیت کرنا چاہتا ہوں جن اور ملائکہ سے۔ پھر آپ کا بیعت بھی ہو جاؤں گا۔

الجواب:

ملائکہ سے ملاقات اور کلام کے لئے ولایت درکار، اور ولایت کسبی نہیں محض عطائی ہے۔ ہاں کوشش اور مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہ دکھاتے ہے جنوں سے مکالمہ کی خواہش اور مصاحبت کی تمنا اصلاً خیر نہیں۔ کم سے کم جو اس کا ضرر ہے یہ کہ آدمی متکبر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے تصریح فرمائی اور قرآن عظیم میں ہے کہ متکبروں کا ٹھکانا جہنم، **والعیاذ بہ تعالٰی ھو تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۱۸

شرب وطعام

دعوت ولیمہ، مہمانی، ذبیحہ، شکار، گوشت وغیرہا سے متعلق مسائل

مسئلہ ۱۹۸: ۱۱/ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ہنود جو اپنے معبودان باطلہ کو وذبیحہ کے سوااور قسم طعام وشیرینی وغیرہ چڑھاتے ہیں اور اس کا بھوگ یاپرشاد نام رکھتے ہیں اس کا کھانا شرعاً حلال ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حلال ہے **لعدم المحرم** (حرمت کی دلیل ہونے کی وجہ سے۔ت) مگر مسلمان کو احتراز چاہئے **لخبث النسبة** (نسبت کی خباثت کی وجہ سے۔ت) عالمگیریہ میں ہے:

مسلم ذبح شاة المجوسی لبیت نارھم اوالکافر لالھتھم توکل لانه سمی الله تعالٰی ویکره للمسلم کذا فی التاتارخانیة ناقلا عن جامع الفتاوٰی [1] اھ **اقول:** فاذا حلت ھذه وھی ذبیحة فالمسئول عنه اولٰی بالحل۔	اگر کسی مسلمان نے آتش پرست کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یاکافر کے جھوٹے خداؤں کے لئے ذبح کرڈالی تو اسے کھایا جائے گا (یعنی کھانا چاہے تو کھاسکتا ہے) اس لئے کہ مسلمان نے اس پر خدا کا نام لیاہے لیکن ایسا کرنا مسلمان کے لئے مکروہ ہے تاتارخانیہ میں جامع الفتاوٰی کے حوالہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۸۶

	سے اسی طرح منقول ہے۔اھ۔**اقول**:(میں کہتاہوں)جب یہ ذبیحہ ہونے کے بعد حلال ہے تو پھر جس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا وہ بطریق اولٰی حلال ہے۔(ت)

اور شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی نے مجمع البرکات میں فرماتے ہیں:

مایاتی المجوس فی نیروز هم من الاطعمة یحل اخذ ذلك ولا حتراز عنه اسلم كذا فی مطالب المومنین ناقلا عن الذخیرة[1] اھ ملخصا اقول فاذا كان الاحتراز عن هذا اسلم مع انه لیس الاطعاما صنعه لیوم زینتهم فالمستفسر عنه اجدر بالاحتراز واحری كما لایخفی۔	آتش پرست اپنی عید میں جو کھانے وغیرہ لاتے ہیں ان کا لینا حلال ہے ہاں البتہ ان سے بچنا زیادہ سلامتی کی راہ ہے۔اسی طرح مطالب المومنین میں ذخیرہ کے حوالے سے منقول ہے۔ تلخیص پوری ہوئی،اقول(میں کہتاہوں)جب اس سے بچنا زیادہ سلامتی ہے باجودیکہ یہ صرف وہ کھانا ہے جو انھوں نے اپنی زیب وزینت کے دن کے لئے تیار کیا ہے لہٰذا جس کے متعلق سوال کیا گیا وہ بچنے کے زیادہ قابل اور لائق ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔(ت)

اگر کفار اس پرشاد کو بطور تصدق بانٹ رہے ہوں جب تو ہرگز پاس نہ جانے یارب مگر بضرورت شدیدہ کہ صدقہ کے طور پر لینے میں معاذاللہ مسلمان کی ذلت اور گویا کافر کے ہاتھ اس کے ہاتھ پر بالا کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الیدالعلیا خیر من الید السفلی والید العلیا ھی المنفقة والید السفلی ھی السائلة اخرجة الشیخان[2] وغیرهما عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔والله تعالٰی اعلم۔	اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے اور دینے والا ہاتھ اونچا ہے اور مانگنے والا نیچا،(بخاری، مسلم اور ان دو کے علاوہ باقی لوگوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی تخریج کی۔ ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس درخت کو پاخانہ وغیرہ کے ناپاک پانی دئے گئے ہوں اس کا میوہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

---

[1] مجمع البرکات

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب لاصدقہ الا عن ظھر غنی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۲، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۲

الجواب:

بلا کراہت جائز ہے۔ یہی مذہب ہے اکثر فقہاء کا۔

فی ردالمحتار عن ابی مسعود الزروع المسقیة بالنجاسات لاتحرم ولاتکرہ عند اکثر الفقہاء [1] انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔	فتاوی شامی میں ابو مسعود کے حوالے سے ہے کہ جن کھیتوں کو ناپاک پانیوں سے سیراب کیا گیا تو وہ اکثر فقہاء کے نزدیک حرام اور مکروہ نہیں انتھی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۰: ۱۱ رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک برات یہاں سے پیلی بھیت جائے گی میزبان وعدہ کرتا ہے کہ کوئی ممنوع شرعی برات کے ساتھ راہ میں نہ ہوگا اسٹیشن ریل پیلی بھیت پر پہنچ کر سب ہمراہیوں کو کھانا کھلایا جائے گا اور ان میں جو لوگ ممنوعات شرعیہ سے پرہیز رکھتے ہیں۔ انھیں کھانا کھلاتے ہی دلھن کے مکان پر معا بھیج دیا جائے گا کہ وہ علیحدہ مکانوں میں قیام کریں اور ممنوعات کے جلسہ سے بچیں انھیں بھیجنے کے بعد برات ہمراہ باجہ وغیرہ کے دلھن کے گھر جائے گی اور وہاں دوسرے مکان میں ناچ اور آتشبازی وغیرہ ہوگی، اس صورت میں ایسی برات کی شرکت درست ہے یا نہیں؟ اور کچھ لوگوں نے عہد نامہ لکھا تھا کہ جو اپنی شادیوں میں ناچ گانا کریں گے ہم ہرگز ان سے نہ ملیں گے انھیں بھی شرکت چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

اگر یہ شخص جانتا ہے کہ میری خاطر ان لوگوں کو ایسی عزیز ہے کہ بحالت منکرات شرعیہ میں شرکت سے انکار کروں گا تو وہ مجبورانہ ممنوعات سے باز رہیں گے اور میرا شریک نہ ہونا گوارا نہ کریں گے تو اس پر واجب ہے کہ بے ترک منکرات شرکت سے انکار کرے۔ خزانۃ المفتین میں ہے:

رجل اتخذ ضیافة للقرابة اوولیمة اواتخذ مجلسا لاھل الفساد فدعا رجلا صالحا الی الولیمة قالوا ان کان ھذا الرجل	ایک شخص نے اپنے رشتہ داروں اور قرابتداروں کے لئے عام دعوت طعام یا دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اور ساتھ ہی کھیل تماشے لہو ولعب کی مجلس بھی فسادیوں کے لئے آراستہ کی اور

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۱۷

بحال لوامتنع عن الاجابة منعهم عن فسقهم لا تباح له الاجابة بل يجب عليه ان لايجب لانه نهى عن المنكر [1]۔	خاندان سے غیر متعلق ایک نیک شخص کو بھی دعوت نامہ بھیجا ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص اس دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے انھیں غلط قسم محفل آرائی اور بدکاری سے روک سکتا ہوں تو اس کے لئے اس دعوت کو قبول کرنا مباح نہیں بلکہ اس پر دعوت کو قبول نہ کرنا واجب ہے کیونکہ گناہ سے روکنے کا عمل اس کے لئے مقدم ہے۔(ت)

اور اگر جانتا ہے کہ میری عزت وعظمت ان کی نگاہوں میں ایسی ہے کہ میں ساتھ ہوں گا تو وہ منکرات شرعیہ نہ کرسکیں گے تو اس پر واجب ہے وموجب ثواب عظیم ہے کہ شریک ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

اذا علم انهم يتركون ذٰلك احتراما له فعليه ان يذهب اتقانى [2]۔	جب وہ جانتا ہے کہ اس کے احترام کی وجہ سے وہ گناہ والے کام چھوڑ دیں گے تو اس پر ضروری ہے کہ وہاں جائے اور شرکت کرے۔ اتقانی۔(ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو اگر جانتا ہے کہ جہاں کھانا کھلایا جائے گا وہیں منکرات شرعیہ ہوں گے اور برات والے کا وعدہ محض حیلہ ہی حیلہ ہے تو ہرگز نہ جائے۔

قال اللہ تعالٰی "فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸" [3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو اور مجلس نہ کرو۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

لو علم قبل الحضور لايحضرلانه لم يلزمه حق الدعوة [4]۔	اگر جانے سے پہلے ہی اسے (منکرات شرعیہ کا) علم ہوجائے تو وہاں نہ جائے کیونکہ اس پر دعورت کا حق لازم نہیں ہوا۔(ت)

کفایہ میں ہے:

لان اجابة الدعوة انماتلزم اذاكانت	اس لئے کہ دعوت قبول کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۳۴۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۲

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[4] الھدایۃ کتاب الکراھیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۳

الدعوۃ علی وجہ السنۃ[1]۔	جبکہ دعوت سنت کے مطابق ہو۔(ت)

اور اگر واقعی ایسا ہی ہے کہ نفس دعوت منکرات سے خالی ہوگی اگرچہ دوسرے مکان میں لوگ مشغول گناہ ہوں توشرکت میں کوئی حرج نہیں۔

قال تعالٰی "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى"[2]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

غایت یہ کہ میزبان گنہ گارہے پھر شرعاً گنہگار کی دعوت ہے جبکہ وہ خود گناہ پر مشتمل نہ ہو، خزانۃ المفتین میں ہے:

ان لم یکن الرجل بحال لولم یجب لایمنعھم من الفسق لاباس بان یجیب ویطعم وینکر معصیتھم وفسقھم لانہ اجابۃ الدعوۃ واجابۃ الدعوۃ واجبۃ اومندوبۃ فلا یمتنع بمعصیۃ افترنت بھا[3]۔	اگر کسی شخص کی ایسی پوزیشن ہو کہ کہ اگر یہ دعوت قبول نہ کرے تب بھی وہ گناہ اور نافرمانی سے باز نہیں آئیں گے۔تو پھر دعوت کی قبولیت میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔البتہ ان کے گناہ اور نافرمانی کا انکار کرے کیونکہ اس نے تو دعوت قبول کی(یعنی خود کوئی خلاف ورزی نہیں کی)اور دعوت قبول کرنا واجب ہے یا مستحب لہٰذا ایسی دعوت جس سے گناہ پیوست ہو ممنوع نہیں۔(ت)

مگر عالم اگر جانے کہ میری اتنی شرکت پر بھی عوام مجھے متہم ومطعون کرینگے تو نہ جائے کہ مواقع تہمت سے بچنا چاہئے اور مسلمانوں پر فتح باب غیبت ممنوع ہے۔

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم ذکرہ الشرنبلالی وغیرہ[4]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مقامات تہمت سے بچے،اس کو علامہ حسن شرنبلالی وغیرہ نے ذکر کیا۔(ت)

---

[1] الکفایۃ مع الفتح القدیر کتاب الکراھیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۵۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۳۴۳

[4] مراقی الفلاح شرح نورالایضاح مع حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلٰوۃ باب ادراك الفریضۃ ص۲۴۹

یونہی وہ عہد کرنے والے نہ جائیں کہ خلاف عہد معیوب ہے۔

قال تعالٰی "وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: (لوگو!) وعدہ پورا کیا کرو کیونکہ وعدہ کے متعلق قیامت کے دن پوچھ ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰۱: از اوجین مرسلہ مولوی یعقوب علی خاں ۹ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

چہ می فرمایند علمائے شریعت ومفتیان طریقت دریں مسئلہ کہ زید منصب نیابت وامامت دارد وطعام بخانہ کسانیکہ لحم خوک ومردار پختہ نصارٰے رامی خورانند بخورد ومی گوید کہ پختن مردار وخوک باکے نیست دست بشوید پاک شود وازیں سبب اکثرے مردماں شہر سند کامل دانستہ تناول طعام بخانہ اومی نمایند دریں بارہ حقارت اہل اسلام وتہلکہ ونزاع درمیان مسلماناں واقع گردیدہ پس بحق گوئندہ ایں کلام مخالف التیام شرعی وممد ومعاون آنچہ حکم وطعام خوردن برمکان آں شخص کہ دریں کار زشتیہ وناقصہ ملوث اند درست ست یانہ بیان فرمایند بسند کتاب۔**بینوا توجروا۔**	علمائے شریعت اور مفتیان طریقت اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید ایک مقام پر امامت و نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے لیکن جو لوگ سور اور مردار کا گوشت پکا کر عیسائیوں کو کھلاتے ہیں زید ان لوگوں کے گھروں سے کھانا کھتا ہے اور کہتا ہے کہ مردار اور سور کا گوشت عیسائیوں کے لئے پکانے میں کوئی حرج نہیں۔پکانے کے بعد ہاتھ دھو ڈالے تو پاک ہوجاتے ہیں۔شہر کے اکثر لوگ زید کے اس طرز عمل کو دیکھ کر ان لوگوں کے گھروسے کھانا کھانے لگے ہیں جبکہ کچھ لوگ اس عمل سے نفرت اور سخت اختلاف کررہے ہیں اور نزاع کی صورت بن گئی ہے۔لہذا کتاب وسنت کی روشنی میں بیان فرمایا جائے کہ شخص مذکور کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے اور اس کی معاونت وامداد اور اس سے تعاون کرنے والوں کے بارے میں شریعت کیا فرماتی ہے۔بیان فرماؤتاکہ اجر وثواب پاؤ۔(ت)

الجواب:

ہمچوں بیباک فجار کہ بہر خوردن کفار پختن چنیں اخبث نجاسات وانجس محرمات پیشہ ساختہ اند ونظافت طبع ونزاہت	ایسے نڈر،بے خوف اور تقوی سے عاری لوگ جو کافروں غیر مسلموں کے لئے خبیث ترین اور نجس وحرام چیزیں پکانے کھلانے کا پیشہ اختیار

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۴

شرح ہمہ را یک لخت پس پشت انداختہ مسلمان متدین راطعام بخانہ ایشاں فشاید خورد بقطع نظر از انکہ تجربہ صادقہ شاہد است کہ کثرت مزاولت چیزے حرمتش از نگاہ برمی اندازد پس مظنون آنکہ دراب وظروب خود شان از ناجسات ملعونہ مذکورہ بے احتیاط باشند اقدام بریں امر باعث مطعونی وتہمت باشد ودرحدیث آوردہ اند **من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم**[1] مومن متدین راچہ شایان ست کہ بے ضرورت شرعیہ آبروئے خود ریختہ بررخ خویشتن وبرطعن وتہمت مفتوح سازد وبراہ ران دینی رادرگناہان کبیرہ غیبت وحقد وتنابز بالالقاب وغیرہا اندزاہد درحدیث فرمودہ اند **ایاك ومایسوء الاذن**[2]۔ودرحدیث دیگر ست **ایاك وکل امر یعتذر منه**[3]،زیادتے روایت کنند **فان الخیر لا یعتذر منه** بازایں امر باعث نفرت مسلماناں باشد وتنفیر مسلماناں بے ضرورت شرعیہ قطعاً ممنوع سید عالم فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **بشروا ولا تنفروا**[4] مقصود شرع ایتلاف	کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کے ہاں سے دینداروں اور تقوٰی دار لوگوں کو کھانا ہرگز نہیں کھانا چاہئے کیونکہ جہاں حرام چیزوں کا استعمال کثرت سے ہو وہاں برتنوں کے ناپاک اشیاء سے آلودہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔اور دیندار و تقوٰی دار لوگوں کا ایسے لوگوں کے ہاں جانا اور ان کے ہاں سے ایسے مشکوک برتنوں میں کھانا، کھانا عوام الناس کی نگاہوں میں باعث الزام و باعث تہمت ہوسکتا ہے۔حدیث شریف میں ہے: "جو کوئی اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مقامات تہمت سے بچے" لہٰذا ایسی صورت حال میں الزام، طعن اور تہمت سے بچنا ضروری ہے بصورت دیگر یہ اقدام اپنے دینی بھائیوں کو کبیرہ گناہوں غیبت، بہتان، کینہ اور برے القاب کے استعمال میں مبتلا کردے گا۔حدیث مبارک ہے۔لوگو! جن کاموں کو کان ناپسند کرتے ہیں ان سے بچو اور ایسے کاموں سے پرہیز کرو جن کے ارتکاب پر معذرت کرنی پڑے۔اور بغیر شرعی مجبوری کے مسلمانوں کو متنفر کرنا ممنوع ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کو خوشخبری دو یعنی سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔شریعت کا مقصد جوڑنا اتحاد پیدا کرنا ہے نہ کہ توڑنا۔عقل سلیم کا تقاضا۔

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب ادراك الفریضہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۲۴۹

[2] مسند امام احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغاویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۷

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۷۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۳۱

[4] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی یتخولیم بالموعظہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶،مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۹۹

است نہ اختلاف وخود قضیہ عقل سلیم نیست بے ضرورتے ملجبہ باجہانے طرف افتادن وبموقف مقت وکراہت قوم استادن درحدیث آمدہ رأس العقل بعد الایمان باللہ التودو التوددالی الناس [1] وبروایتے دیگر راس العقل بعد الایمان باللہ مداراۃ الناس [2] فقیر احادیث ایں باب در رسالہ خود جمال الاجمال وشرح اوکمال الاکمال ہر چہ تمامتر رنگ وتفصیل دادہ ام، بالجملہ عقلا ونقلا ایں چنیں کار شناعتہائے نامحمودہ دارد وعاقبت ہائے نامحمودہ باز چوں کار بفتنہ فساد وتفریق کلمہ مسلمین انجامد سخت جریمہ عظیمہ گردد وقال اللہ تعالٰی "وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ" [3]۔ ودرحدیث است الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من ایقظھا [4] باز چوں نیک، بنگری آزمودن وانماست	بھی یہی ہے کہ لوگوں کو بیقراری میں ڈال کرنا راض کیا جائے اور کراہت ولزام والی جگہ کھڑے ہونے سے پرہیز کیا جائے، حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے اللہ تعالٰی پر ایمان لانے کے بعد عقل کی بنیاد لوگوں سے دوستی اور محبت رکھتاہے ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی پر ایمان لانے والے ے بعد عقل مندی ودانشمندی لوگوں سے صلح جوئی میں ہے۔ فقیر (صاحب فتاوٰی) نے اس باب کی حدیثوں کو اپنے رسالہ جمال الاجمال اور اس کی شرح کمال الاکمال میں تفصیلا بیان کردیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عقل ونقل کے اعتبار سے اس طرح کاکام یا اقدام اپنے اندر کئی قسم کی قباحتیں رکھتاہے کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور ایسے کاموں کا انجام مذموم ہوتاہے جب یہ کام یااقدام فتنہ وفساد اور مسلمانوں کے درمیان تفریق اور پھوٹ پڑنے کی حد تک جاپہنچے تو جرم عظیم بن جاتاہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: فتنہ قتل سے بدتر ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ فتنہ خوابیدہ (یعنی سویا ہوا ہوتا ہے) جو کوئی اسے بیدار کرے اس پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہو۔ اگر آپ اچھی طرح غور کریں تو یہ واضح ہوگا کہ اس قسم کے افعال انہی لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں جو

[1] کنزا العمال بحوالہ الشیرازی فی الالقاب حدیث ۴۳۵۸۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۹۱۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الادب حدیث ۵۴۸۰ اداراۃ القرآن کراچی ۸/ ۳۶۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱

[4] کشف االخفاء حرف الفاء حدیث ۱۸۱۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۷۷

کہ دریں اعصار وامثال ایں کار نخیز مگراز دست کسانیکہ چنداں پرائے دین ندارند وبے باک زیستن وآزاد گزراند راحاصل زندگانی انگارندلیت ولعل چیزے دیگرست ووقع وفعل دیگر اگر انصاف کنی واقع چنیں ست کہ درلم وتسلیم فراز مباش بہمیں تقریر نفیس بحمداللہ تعالٰی منکشف شد حکم طعام بانصارٰی خوردن وامثال ذٰلک ازکارہائے اہل زیغ وفتن نسأل اللہ السلامۃ والعز والکرامۃ باز مقرر فقہ است کہ منسب امامت نشاید داد ہمچوں کسے راکہ مردماں را از ونفرتے باشد وکار بتقلیل جماعت کشد اگرچہ دریں باب گناہے از ذات آں کس نباشد چوں ولد الزنا واجذام وابرص وغیرھم ایں نکتہ ہم بنظر داشتنی است وآنکہ گفت درپختن خوک ومردار باکے نیست پر غلط گفت بلے بے ضرورت شرعیہ تلوث بنجاسات ممنوع ست خاصہ بہمچوکارے کہ حاملش قصد اصلاح ماافسدہ اللہ باشد وپختن بہر خوارندن کفار قطعاً ناجائز وحرام ماحرم اخذہ حرام اعطاؤہ [1] وقال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪" [2]، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	دین اور تقاضائے دین کو چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ بے خوف ہو کر بالکل آزادانہ لاپروائی والی زندگی گزارنا زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ ٹال مٹول اور لیت ولعل سے کام لینا الگ چیز ہے۔ اور کام کہ گزرنا الگ اور جداگانہ چیز، اگر تم انصاف سے کام لو تو درحقیقت بات یہی درست اور صحیح ہے۔ گو لِمَ اور لانسلم کہہ کر اس سے صف نظر کیا جائے (میں نہیں مانتا اور کیوں کیسے کا تو کوئی علاج نہیں مترجم) پس اس نفیس اور عمدۃ تقریر سے بحمداللہ تعالٰی ظاہر ہوگیا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ مل کر کھانا پینا اور اس قسم کے دوسرے کام کرنا فطرت اور فتنہ باز لوگوں کا شعار ہوتا ہے (مخلص اہل ایمان نہ ایسا کرتے ہیں اور نہ انھیں ایسا کرنا زیب دیتا ہے۔) نیز فقہ میں یہ اصول مسلمہ ہے اور طے شدہ ہے کہ عہدہ امامت ان لوگوں کو نہیں دینا چاہئے جن سے لوگ نفرت کرتے ہوں اور بوجہ نفرت جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑدیں اگرچہ عہدہ امات پر فائز ہونے والا بے قصور وبے گناہ ہو جیسے حرامزادہ۔ کوڑ والا، مرض برص والا۔ اسی طرح دیگر امراض کا شکار آدمی، لہٰذا یہ نکتہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور جس کسی نے یہ کہا کہ سور اور مردار کا گوشت پکانے اور غیر مسلموں کو کھلانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا یا کچھ مضائقہ نہیں اور خطرہ نہیں وہ شخص مذکور غلط بات کہنے کا

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۸۹

[2] القرآن الکریم ۵ /۲

مرتکب ہوا بغیر علم و تحقیق کے اس قسم کا فیصلہ صادر کردینا ہر گز مناسب نہیں بغیر شرعی مجبوری کے گندگیوں سے آلودہ ہونا سخت ممنوع اور ناجائز ہے بالخصوص ایسے کاموں سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے جن کا حاصل ان کاموں کی اصلاح کرنے کا ارادہ کرنا ہے جنھیں اللہ تعالٰی نے بگاڑ دیا ہے۔ اور کافروں کو کھانا کھلانے کے لئے مسلمانوں کا اپنے ہاتھوں ناجائز وحرام چیزوں کو پکانا یقینا ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہ قاعدہ واصول ہے کہ جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) گناہ اور زیادتی والے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔ اور اللہ تعالٰی پاک، برتر اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۲: ازاوجین مرسلہ محمد یعقوب علی خاں ۱۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

چہ مے فرمایند علمائے افضل الکملائے ومفتیان اکمل الفضلاء دریں مسئلہ کہ حلانزد کسے معتبر بہمراہی طباخ رفتہ گفت کہ من می خواہم کہ مردمان اہل اسلام طعام شادی دخترم تیار کنانیدہ بخورند چنانچہ مسلم ضعیف العقیدہ وغیرہ چیزے از قسم خوردنی گرفتہ پختہ بخوردن ازیں حرکات خرافاتیہ اوشان مضحکہ درمیان اہل ہنود اظہر شدہ وجماعت مسلمان خجل پس دعوت مردار خوار وخوکیاں درست است یاحرام وخورندگان دعوت تاتائب نشوند بطریق تنبیہ زمرہ اہل اسلام خارج سازند وپرہیز نمایند جائز ست ی نہ کہ دیگراں راعبرت شود وبار دوم ملوث ایں کار خراب نباشند دریں مسئلہ ہرچہ حکم شرعی درحق خورندہ وبزندہ گردد بحوالہ عبارت کتب بیان فرمایند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

کیا فرماتے ہیں ایسے علمائے جو کاملوں میں اکمل ور فاضلوں میں افضل ہیں کہ ایک غیر مسلم (ہندو) مسلمانوں کی بستی میں کسی معتبر آدمی کے پاس باورچی ہمراہ لے گیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان لوگ میری بیٹی کی شادی کا کھانا خود اپنے ہاتھوں تیار کرواکر کھائیں (تاکہ کوئی شک وشبہہ نہ ہو) چنانچہ کچھ کمزور عقیدہ والے لوگوں نے کھانے کا سامان وغیرہ لے کر پکایا اور کھایا جس سے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں میں ہنسی مذاق ہونے لگا اور مسلمان شرمندہ ہوئے، کیا حرام خوروں کی دعوت میں کھانا جائز ہے یا حرام؟ دعوت کھانے والے جب تک تائب نہ ہوجائیں کیا انھیں گروہ اسلام سے بطور تنبیہ خارج تصور کیا جائے اور ان سے اگر علیحدگی اختیار کی جائے تو کیا یہ جائز ہوگی کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ دوبارہ اس طرح کی گھٹیا حرکت نہ کرنے پائیں۔ اس سلسلے میں کھانے اور پکانے والوں کے بارے میں شرعا کیا حکم ہے؟ بحوالہ عبارات کتب جواب مرحمت فرمایا جائے۔ (ت)

الجواب:

اگرچہ کسان مذکور ایں قدر احتیاط کردن کہ طعام پختہ ہمچوں ناکساں نخوردند بلکہ خوردنیہا گرفتہ خود پختہ بکار بردند اما تاہم ایں کارخبط اوبے جاافتادہ کہ اموال ہمچوں حرام وناپاک پیشگان خبیث ست در حدیث کسب حجام را بسبب ملابست بجاست خون خبیث فرمودہ اند باآنکہ پیشہ او کہ خون کشیدن ست شرعاً حلال است احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن رافع بن خدیج رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثمن الکب خبیث ومھر البغی خبیث وکسب الحجام خبیث [1]، پس کسب خوکیاناں بدرجہ اولٰی اخبث واشنع باشد باز ایں کاربحب عرف دیار باعث تنفیر مسلمین وانگشت نمائی در برادران دین مے شود ہر کاریکہ چناں ست شرعا مکروہ ناشایانست تاآنکہ علماء گفتہ اند در شہرے کہ مردمان بخضاب اعنی خضاب جائز کہ غیر سوا دست خو کردہ باشند آنجاترک	اگرچہ مذکورہ لوگوں نے اس قدر احتیاط برتی کہ ان نااہلوں کا پکایا ہوا کھانا نہیں کھایا بلکہ کھانے کی اشیاء خود لے کر پکائیں اور اس طرح اپنے ہاتھوں سے پکا کر کھایا مگر پھر بھی ان کی یہ حرکت نامناسب اور بے جاقرار پاتی ہے۔ حرام اور ناپاک پیشہ کرنے والوں کا مال خبیث (گندہ) ہے، چنانچہ حدیث میں پچھنے لگانے والوں کی کمائی کو ناپاک اور خون کے تلبس کی وجہ سے خبیث فرمایا گیا حالانکہ اس کا پیشہ خون کھینچنا شرعا جائز ہے۔ چنانچہ مسند احمد، مسلم، ابوداؤد اور سنن نسائی میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتے کی قیمت، بدکار عورت کا مہر یعنی اس کی کمائی اور پچھنے لگانے والے کی کمائی یہ سب خبیث یعنی گندے کام ہیں۔ تو خنزیر خوروں کی کمائی بطریق اولٰی خبیث ہے۔ نیز یہ کام علاقہ کے عرف میں مسلمانوں کی نفرت اور انگشت نمائی کا سبب ہے جبکہ ہر ایساکام شرعا ممنوع ہے یہاں تک کہ علماء نے فرمایا ہے کہ جس شہر میں جائز خضاب یعنی سیاہ خضاب لگانے کی عادت ہو وہاں خضاب نہ لگانا اور جہاں خضاب

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب تحرم ثمن الکلب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۹، سنن ابی داؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۱۳۰

خضاب وجائیکہ تبرک باشند آنجا فعل خضاب مکروہ ونا پسندیدہ است زیراکہ خروج از عادت باعث شہرت و موجب کراہت ست،امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی درحدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ فرمود **من کان فی موضع عادۃ اھلہ الصبغ اوترکہ فخر وجہ عن العادۃ شھرۃ ومکروہ**[1] اینہا بآنکہ خضاب وترک ہر دو شرعا رواست وخوکردگان یکے از انہامر اں دیگر راز نہار مخالف دین ودیانت نمے دادند فکیف کہ آں فعل فی نفسہٖ نیز شرعا ناپسندیدگی دارد درعامہ بلاد در اذہان و قلوب عامہ مسلمین نفرت شدیدہ ازوجائیگیر باشند وارتکاب ہمچوں افعال پیش ایشاں امارت بیباکی ودناءت قلب وقلّت دین وضعف دیانت بود بچناں رے پرداختن وخود راہدف سہام طعن وملام اہل اسلام ساختن وباجہانے طرف شدہ رعایت شرع ومراعات خاطر مسلمانان یکسر پس پشت انداختن خود چہ زیباست شرع مطہر ہرگز ہمچوں کارے رضاندہد	نہ لگانے کارواج ہو وہاں خضاب لگانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں شہر کی عادت سے خروج کے باعث بدنامی ہوتی ہے جو کہ مکروہ ہے امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ میں فرمایا جو شخص علاقہ کی عادت خضاب یا عدم خضاب کی عادت سے خروج کرے تو شہرت کی وجہ سے مکروہ ہے حالانکہ خضاب اور ترک خضاب اور عادت کے خلاف کرنا شرعا دین ودیانت کے خلاف نہیں ہے تو ایسے کام کے متعلق کیا حال ہوگا جو شرعا خود ناپسندیدہ ہے اور تمام بلاد میں اسکی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں شدید نفرت پائی جاتی ہے اس نوع کے کاموں میں مشغول ہوجانا اور اپنے آپ کو اہل اسلام کے طعن وملامت کے تیروں کا نشانہ بنانا اور دنیا والوں سے ایک طرف ہوجانا شریعت کی رعایت اور اہل اسلام کی مراعات کو یکدم پس پشت ڈال دینا کیسے اچھا ہوسکتا ہے،شریعت مطہرہ اس قسم کے کاموں سے خوش نہیں ہوتی

[1] حدیقۃ الندیہ شرح طریقہ محمدیہ ومنہا ای من الافات اضاعۃ الرجل الخ المکتبہ النوریۃ الرضویۃ لائلپور ۲ /۵۸۲

کسان مذکور را باید کہ چارہ کار خود سازند و بمجمع مسلمین بتوبہ ومعذرت پردہ زند کہ بے سبب افروختہ اند بآب اعتذار بنشانند وغبار ملالے کہ برخاطر مسلمانان از جانب آناں نشستہ است بیفشانند حکم ایں قدرست اماکار مسطور باخراج ایشاں از زمرہ مسلمان نیز زد تفریط وافراط ہر دو بدست ومیزان اعتدال بدست حق پرست نظرست۔ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	لہٰذا مذکورہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے کام کی تدبیر (چارہ) کریں اور مسلمانوں کی مجلس میں توبہ اور معذرت میں مشغول ہوں کہ بغیر سبب جلائی ہوئی آگ کو معذرت کے پانی سے بجھائیں۔ اور بے چینی وتنگ دلی کا گردوغبار جو ان کی طرف سے مسلمانوں کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے اسے جھاڑ دیں۔ صرف اتنا ہی حکم ہے لیکن یہ کام جو سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ انھیں مسلمانوں کے گروہ سے نکال دیا جائے یہ جائز اور مناسب نہیں۔ پس افراط وتفریط (زیادتی وکمی) دونوں ہی برے ہیں۔ اور حق پرستوں کے ہاتھوں میں عدل ترازو محفوظ ہے۔ اللہ تعالٰی پاک، برتر اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۳تا۲۰۶: از گلگت چھاؤنی جو نٔال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب شعبان ۱۳۱۲ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم مکرم سلامت، بعد آداب تسلیمات کے گزارش یہ ہے کہ براہ مہربانی اس کا جواب بہت جلد مرحمت فرمائے گا کیونکہ اس جگہ پر خط عرصہ سے پہنچتا ہے۔ بوجہ برف کے جواب کے واسطے عرصہ دو ماہ کا ہونا چاہئے۔ بندہ کو اس وقت سوا آپ کے اور کوئی نہیں یاد آیا۔ امیدوار ہوں کہ اکثر یہاں کے لوگ ناواقف ہیں۔ چند باتیں میں سوال میں لاتا ہوں ان کا جواب دیجئے گا۔ فقط۔

(۱) انگریز کے ولایت کی چند چیزیں ایسی ہیں جو کہ بوجہ یہاں دستیاب نہ ہونے کو ان کو استعمال کرنا اول تو مکھن وہاں سے گائے کے دودھ کا بن کے ٹین کے بکس میں بند ہو کر آتا ہے اس پر گائے کا نمونہ بھی بنا ہوتا ہے اس کو خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس طرف سے گائے کا دودھ ٹین کے بکس میں آتا ہے چند شخص کہتے ہیں یہ اچھا ہے چند شخص اعتراض کرتے ہیں دیکھا ہوا کوئی صحیح نہیں بتلاتا صرف سنے ہوئے پر برتتے ہیں۔

(۳) ایک قسم کا دانت صفا کرنے کا بجائے مسواک کے انگریزی برش ہے اس سے دانت خوب صفا ہوتے ہیں چند شخص کہتے ہیں اس کا دستہ ہاتھی دانت کا ہے اور سینگ کے بال ہیں فرض کا اگر سینگ کے بال ہیں ان کو منہ میں لینا کیسا ہے؟ چونکہ کوئی اس سے اصلا خبر نہیں رکھتا عقل سے ہاتھی دانت بتاتے ہیں۔

(۴) یہ کہ بکری ہم نے اپنے ہاتھ سے ذبح کردی اس کو اپنے ہاتھ سے پکایا اس کو انگریز نے اپنے

سامنے رکھ کر چھری اور کانٹے سے علیحدہ کاٹا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ نہ لگا ہے اگر اس کو کوئی شخص غفلت سے کھائے تو کیسا ہے؟

الجواب:

(۱تا۳) اصل اشیاء میں طہارت وحلت ہے جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس میں کوئی ناپاک یا حرام چیز ملی ہے محض شبہہ پر نجس وناجائز نہیں کہہ سکتے۔ ردالمحتار میں ہے:

لایحکم بنجاستها قبل العلم بحقیقتها [1]۔	حقیقت حال معلوم ہونے سے پہلے اشیاء کی نجاست کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

اسی میں ہے:

فی التاتارخانیة من شك فی انائه اوثوبه اوبدنه اصابته نجاسة او لافهو طاهر مالم یستیقن وکذا الاٰبار والحیاض والحباب الموضوعة فی الطرقات و یستقی منها الصغار والمسلمون والکفار وکذا ما یتخذه اهل الشرك اوالجهلة من المسلمین کالسمن و الخبز والاطعمة والثیاب [2] اھ ملخصًا۔	تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے جسم، لباس یا برتن کے بارے میں شک ہو کہ آیا وہ ناپاک ہیں یا نہیں تو جب تک اس کا شک یقین کی حد تک نہ پہنچے وہ پاک ہی تصور ہوں گے اور یہی حکم ہے کنووں، تالابوں اور گھڑوں کے بارے میں جو راہوں میں رکھے گئے ہوں اور مسلمان، کافر، چھوٹے بڑے سب ان سے سیراب ہوتے ہوں اسی طرح مشرکین وکفار اور جاہل وناواقف مسلمانوں کی تیار کردہ اشیائے خوردو نوش کا حکم ہے (کہ محض شک سے ناپاک متصور نہیں ہوں گی) اھ ملخصًا۔(ت)

ہاں اگر کچھ شبہہ ڈالنے والی خبر سن کر احتیاط کرے تو بہتر ہے لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیف وقد قیل [3] (اس لئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ (اس کے متعلق) ایسا کہا گیا ہے۔ت) مگر ناجائز وممنوع نہیں کہہ سکتے، سینگ ہر جانور یہاں تک کہ مردار کا بھی پاک ہے

[1] ردالمحتار کتاب الطهارة باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الطهارة باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۲

[3] صحیح البخاری کتاب العلم باب الرحلة فی المسئلة النازلة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹، مسند امام احمد بن حنبل عن عقبه بن حرث دارالفکر بیروت ۴/ ۷

اس کی بنی مسواک منہ میں لینی جائز ہے۔ در مختار میں ہے:

شعر المیتة غیر الخنزیر وحافرها وقرنها طاهر [1] اھ ملتقطا۔	سوائے سور کے ہر مردار کے بال، کھر اور سینگ پاک ہوتے ہیں۔ اھ متقلطا (ت)

البتہ خنزیر کے بالوں کا برش نجس ہے اور اس کا استعمال حرام اس سے دانت مانجنا ایسا ہے جیسے پاخانے سے اور وہ بھی بلاد یورپ سے آتے اور علانیہ بکتے ہیں۔ معلوم ہونے کی صورت میں تو صریح حرام ہی ہے اور شبہہ کی حالت میں بھی بچنا ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ مسواک کی سنت چھوڑ کر نصرانیوں کا برش اختیار کرنا ہی سخت جہالت وحماقت اور مرض قلب کی دلیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) اس کھانے والے پر کچھ الزام نہیں۔ ہاں کسی کافر خصوصا ان بلاد میں انگریز کے ساتھ کھانے یا معاذاللہ اس کا جھوٹا کھانے یا پینے سے احتراز ضرور ہے۔

لما فیه من مخالفة الکافر وقد قدمنا کراهة مخالطة اهل الباطل والشر مطلقا فکیف الکافر فکیف اذا کان مسلطا بالحکومة والنفوس والموسوسة تحب التقرب الیه ولما فیه من اساء ظنون المسلمین بنفسه وقد روی الامام احمد عن ابی الغادیة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ایاك و مایسوء الاذن [2] و لما فیه من ایقاع غیره فی الغیبة ونفسه فی التهمة قد جاء عن امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنه من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التهم بل یروی فی ذٰلك عن النبی صلی اللہ	کیونکہ اس میں کفار سے میل جول پایا جاتا ہے حالانکہ ہم اس سے پہلے اہل باطل اور اہل شر سے ملطقا میل جول کی کراہت بیان کر آئے ہیں پھر کیسے کافر سے اور کیسے حکومت پر جبرا مسلط شخص سے میل جول کا جواز ہو سکتا ہے (یعنی اس کا حال تو زیادہ سنگین اور خطرناک ہے پس یہ کیسے روا ہو سکتا ہے) اور وسوسے ڈالنے والے نفوس تو چاہتے ہیں کہ ان کے تقرب میں گرفتار ہوں نیز اس میں مسلمانوں کے ہاں بدگمانی پائی جانے کا امکان ہوتا ہے۔ امام احمد نے ابو الغادیۃ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ (اے بندو!) اپنے آپ کو ان کاموں سے بچاؤ جو کانوں کو بُرے

[1] درمختار کتاب الطهارة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل بقیه حدیث ابی الغادیه المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶

تعالٰی علیہ وسلم [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	لگیں اور اس میں دوسروں کو غیبت میں اور اپنے آپ کو تہمت میں ڈالنا ہے جبکہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالٰی او ریوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مقامات تہمت سے بچے یعنی وہاں نہ ٹھہرے بلکہ اس باب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی روایت کیا کی گئی ہے۔اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۰۷: از گلگت مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں :ایک ڈنڈی دار پیالے میں جس میں کچھ بال نہ پڑا ہوا گر ہم نے اس میں چائے بنائی اس کو قوم نصارٰی نے آکر ڈنڈی پکڑ کر صرف اٹھالیااور وہ چائے ہم کو پینا جائز ہے یانہیں؟ **بینواتوجروا** (بیان فرماؤاجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

جائز ہے۔مسلمان کے مذہب میں چھوت نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸: ۲۰ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ مسلمان جو اینٹ کے کاروبار کرتے ہیں ان کے یہاں کمھار نوکر ہیں،اگر یہ کمھار ہندو کبھی اپنے یہاں سے پوری پکوا کرلائیں یا بازار سے اپنی آمدنی میں سے مٹھائی وغیرہ خرید کرکے دیں تو اس کا لینا اور کھانا درست ہوگا یا نہیں؟اور نیز عام اہل ہنود کے یہاں کے کھانے کا جو طریق رسم کچھ بھیجیں لینااور کھانا درست ہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کافروں کے ہدیے قبول بھی فرمائے اور رد بھی فرمائے۔کسرٰی بادشاہ ایران نے ایک خچر نذر کیا۔قبول فرمایا:

الحاکم فی المستدرك عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال ان کسرٰی اھدی للنبی صلی اللہ تعالٰی	حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا کسرٰی شاہ ایران نے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی

[1] مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی باب ادراك الفریضۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۲۴۹،حاشیہ الطحطاوی فصل مایکرہ للصائم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۷۱

علیه وسلم بغلة فرکبها بحبل من شعر ثم اردفنی خلفه[1] قال الحافظ الدمیاطی فی ذٰلك نظر لان کسرٰی مزق کتابه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فبعید ان یهدی له [2] **اقول:** یرد نظره حدیث الآتی واما استبعاده فقد اجاب عنه العلماء بجوابین ذکرهما الزرقانی فی شرحه[3] علی المواهب فی ذکر بغاله صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک خچر بطور تحفہ بھیجااور آپ نے اس پر سواری فرمائی جبکہ اس کی لگان بالوں کی رسی تھی اور آپ نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا، حافظ دمیاطی نے فرمایا اس میں اشکال ہے اس لئے کسرٰی نے آپ کا نامہ مبارک چاک کردیا تھا، اور یہ بات ناقابل فہم اور بعید ہے کہ اس نے آپ کے لیے تحفہ بھیجا ہو، **میں کہتاہوں** محدث دمیاطی کے اعتراض کو اگلی حدیث مسترد کررہی ہے۔رہا اس کا بعید کہنا تو اہل علم حضرات نے اس کے دو جواب دیئے ہیں جن کو علامہ زرقانی نے مواہب اللدنیہ کی شرح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآلہ وسلم کے خچروں کے شمار کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔(ت)

یونہی بادشاہ فدک نے چار اونٹنیاں پر بار نذر کیں۔قبول فرمائیں، اور بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بخش دیں۔

رواہ ابو اداؤد[4] عن بلال المؤذن رضی الله تعالٰی عنه وفیه انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال لبلال فاقبضهن واقض دینک۔	اس کو امام ابوداؤد نے حضرت بلال مؤذن کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔(رضی اللہ تعالٰی عنہ) اس میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: ان پر قبضہ کرکے اپنا قرض ادا کرو۔(ت)

قیصر روم وغیرہ سلاطین کفار کے ہدایا قبول فرمائے۔

احمد والترمذی عن امیر المومنین علی کرم الله تعالٰی وجهه، قال اهدی کسرٰی لرسول الله صلی الله تعالٰی	امام احمد اور ترمذی نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا کی ہے کہ آپ نے فرمایا کسرٰی بادشاہ ایران نے حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابیة تعلیم النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لابن عباس دار الفکر بیروت ۳ /۵۴۱

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدینه ذکر بغاله علیه الصلٰوة والسلام دار المعرفة بیروت ۳ /۳۸۹

[3] شرح الزرقانی علی المواهب اللدینه ذکر بغاله علیه الصلٰوة والسلام دار المعرفة بیروت ۳ /۳۸۹

[4] سنن ابی داؤد کتاب الخراج والفی باب فی الامام یقبل هدایا المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۷۸

علیه وسلم فقبل منه واهدی قیصر فقبل منه واهدت له الملوك فقبل منها[1]۔	علیہ وآلہ وسلم کو تحفہ بھیجا تو آپ نے اس کا تحفہ قبول فرمایا۔اسی طرح قیصر روم(روم کے بادشاہ) نے تحفہ بھیجا وہ بھی آپ نے قبول فرمایا۔اسی طرح دیگر بادشاہوں نے بھی ہدئے بھیجے تو آپ نے وہ بھی قبول فرمائے۔(ت)

قتیلہ بنت عبدالعزٰی بن سعد اپنی بیٹی حضرت سید تنا اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس آئی اور کچھ گوشت کے زندہ جانور، پنیر، گھی ہدیہ لائی،بنت صدیق نے نہ لیا،نہ ماں کو گھر میں آنے دیا کہ تو کافرہ ہے۔ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا،آیت اتری:

" لَا یَنۡهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ "[2]	اللہ تعالٰی نے ان کافروں کے ساتھ نیک سلوک سے تمھیں منع نہیں فرماتا جو تم سے دیں میں نہ لڑیں۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہدیہ لو اور گھر میں آنے دو[3]۔

رواہ الامام احمد عن عامر بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	امام احمد نے بن اس کو عامر بن عبداللہ زبیر سے روایت کیا ہے۔رضی اللہ تعالٰی عنہم۔(ت)

یہ حدیثیں تو جواز کی ہیں ____ اور عیاض رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پیش از اسلام کوئی ہدیہ یا ناقہ نذر کیا،فرمایا: تو مسلمان ہے؟ عرض کی نہ۔فرمایا:

ان نهیت عن زبد المشرکین رواہ عن احمد وابوداؤد والترمذی[4] وقال حسن صحیح۔	میں کافروں کی دی ہوئی چیزیں لینے سے منع کیا گیا ہوں(امام احمد،ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو روایت کیا۔اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حسن صحیح ہے۔ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن علی بن ابی طالب المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۵۔۹۶، جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول هدایا المشرکین آمین کمپنی اردو بازار لاہور ۱/ ۱۹۱

[2] القرآن الکریم ۶۰/ ۸

[3] مسند احمد بن حنبل عن علی ابی طالب المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۵

[4] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول هدایا للمشرکین آمین کمپنی اردو بازار لاہور ۱/ ۱۹۱

یونہی ملاعب الاسنہ نے کچھ ہدیہ نذر کیا۔ فرمایا: اسلام لا۔ انکار کیا۔ فرمایا:

انی لا اقبل ہدیۃ مشرك رواہ الطبرانی فی الکبیر[1] عن کعب بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح۔	میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں فرماتا۔ (امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے بسند صحیح اسے روایت کیا ہے۔ت)

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

انا لا نقبل شیئا من المشرکین۔ رواہ احمد[2] والحاکم عن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح۔	ہم مشرکوں سے کوئی چیز قبول نہیں فرماتے (اس کو امام احمد اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اسی طرح اور بھی حدیثیں رد وقبول دونوں میں وارد ہیں:

فمنھم من زعم ان الرد نسخ القبول ورد بجھل التاریخ ومنھم من وفق بان من قبله منھم فاھل کتاب لا مشرك کما فی مجمع البحار **اقول:** قد قبل عن کسرٰی ولم یکن کتابیا الا ان یتمسك فی المجوس سنوابھم سنة اھل الکتاب غیر ناکحی نسألھم ولا اٰکل ذبائحھم[3]۔	ان میں کچھ وہ لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ ہدیہ رد کرنے سے اس کا قبول کرنا منسوخ ہوا اور یہ غلط ہے کیونکہ تاریخ معلوم نہیں۔ اور بعض نے دونوں میں مطابقت اور موافقت پیدا کی کہ جن کا ہدیہ قبول فرمایا وہ اہل کتاب تھے مشرک نہ تھے جیسا کہ مجمع البحار میں ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ آپ نے کسرٰی شاہ ایران کا ہدیہ قبول فرمایا حالانکہ وہ اہل کتاب نہ میں سے نہ تھا بلکہ مجوس سے تھا۔ مگر یوں استدلال کیا جائے کہ مجوسی نے اہل کتاب کی روش اختیار کی البتہ ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کا کھانا جائز نہیں۔ (ت)

اس بارہ میں تحقیق یہ ہے کہ یہ امر مصلحت وقت وہ حالت ہدیہ آرندہ وہدیہ گیرندہ پر ہے اگر تالیف قلب کی نیت ہے اور امید رکھتا ہے کہ اس سے ہدایا د تحائف لینے دینے کا معاملہ رکھنے میں اسے اسلام

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۳۸ المکتبۃ الفیصلیۃ ۱۹/ ۷۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن حکیم ابن حزام المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۰۳

[3] التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر حدیث ۱۵۳۳ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۳/ ۱۷۲

کی طرف رغبت ہوگی تو ضرور لے اور اگر حالت ایسی ہے کہ نہ لینے میں اسے کوفت پہنچے گی اور اپنے مذہب باطل سے بیزار ہوگا توہر گز نہ لے، اور گر اندیشہ ہے کہ لینے کے باعث معاذاللہ اپنے قلب میں کافر کی طرف سے کچھ میل یا اس کے ساتھ کسی امر دینی میں نرمی ومداہنت راہ پائے گی تو اس ہدیہ کو آگ جانے اور بیشک تحفوں کا رغبت ومحبت پیدا کرنے میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تهادوا تحابوا۔رواه ابو يعلى [1] بسند جيد عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه زاد ابن عساكر وتصافحوا يذهب الغل عنكم [2] وعنده عن ام المومنين الصديقة رفعته تهادوا تزدادوا احبا [3] الحديث۔	ایک دوسرے کو ہدیہ دے دیا کرو تاکہ آپس کی محبت میں اضافہ ہو، ابویعلی نے اس کو جید سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ابن عساکر نے یہ اضافہ کیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کیا کرو۔ (یعنی ہاتھ ملایا کرو) اس سے تمہارا باہمی کینہ دور ہوگا اور اسی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مرفوعا روایت کیا ہے ہدیہ دیا کرو تاکہ تمہاری باہمی محبت میں اضافہ اور ترقی ہو الحدیث (ت)

ایک حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الهدية تذهب بالسمع والقلب والبصر۔رواه الطبرانی [4] فی الكبير عن عصمة بن مالك رضی الله تعالٰی عنه حسنه السيوطی وضعفه الهيثمی وغيره۔	ہدیہ آدمی کو اندھا، بہرا، دیوانہ کردیتا ہے (امام طبرانی نے اس کو معجم کبیر میں عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام سیوطی نے اس کی تحسین فرمائی جبکہ ہیثمی وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا۔ (ت)

نیز حدیث میں ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الهدية تعور عين الحكيم، اخرجه الديلمی [5]	ہدیہ حکیم کی آنکھ اندھی کردیتا ہے (دیلمی نے بسند

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ حدیث ۱۵۰۵۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۰

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ حدیث ۱۵۰۵۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۰

[3] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن عائشہ حدیث ۱۵۰۵۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۰

[4] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۴۸۸ المکتبہ الفیصلیہ ۱۷/ ۱۸۳

[5] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۶۹۶۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۳۵

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند ضعیف۔	ضعیف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی۔ت)

اور اگر نہ کچھ مصلحت ہو نہ کچھ اندیشہ تو مباح ہے چاہے لے چاہے نہ لے۔

وقد بنی الامر فی ذلك علی المصالح علماؤنا الکرام کما نقلہ فی الباب الرابع عشر من کراھیۃ الھندیۃ[1] عن المحیط عن الامام الفقیہ ابی جعفر وغیرہ فراجعہ۔	ہمارے علماء کرام نے اس معاملہ میں مختلف مصالح پر بنیاد رکھی ہے جیسا کہ اس کو فتاوٰی ہندیہ کی بحث کراہت چودھویں باب میں بحوالہ محیط امام فقیہ ابو جعفر وغیرہ نے نقل کیا ہے لہذا اس کی طرف رجوع کیا جائے۔(ت)

پھر ان کا پکایا ہوا یا ہدیہ دیا ہوا گوشت تو حرام ہے جب تک اپنے سامنے جانور ذبح ہو کر بغیر نگاہ سے غائب ہوئے سامنے نہ پکا ہو اور اس کے سوا پکائی ہوئی چیزیں اور بازار کی مٹھائی دودھ دہی گھی ملائی سب کا ایک حکم ہے کہ فتوی جواز اور تقوی احتراز۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۹: از ملک بنگالہ شہر نصیرآباد قصبہ لاماپڑا مرسلہ محمد علیم الدین صاحب ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: ایک شخص مسلمان سود ورشوت وغیرہ حرام کھاتا ہے اور تجارتی وغیرہ حلال پیشہ بھی اس کا ہے یعنی مال مختلط حرام وحلال شے ہے۔ اور وہ نماز پڑھتا نہیں اس کے مکان پر کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

جائز بایں معنی تو ہے کہ کھائے گا تو کوئی شے حرام نہ کھائی جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ شے جو میرے سامنے آئی بعینہٖ حرام ہے۔

بہ ناخذ مالم تعرف شیئا حراما بعینہ نص علیہ محرر المذھب الامام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کما فی الذخیرۃ[2] وغیرھا۔	ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین شے کے حرام ہونے کو پہچان نہ لیں چنانچہ مذہب قلمبند کرنے والے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کی صراحت فرمائی ہے جیسا کہ ذخیرہ وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۸۔۳۴۷

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظھیریۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

مگر احتراز اولٰی خصوصاجب کہ غالب حرام ہو۔

خروجا عن الخلاف وکما فی ردالمحتار عن الذخیرۃ عن الامام ابی جعفر احب الی فی دینہ ان لایأکل ویسعہ حکما ان لم یکن(ذٰلك الطعام)غصبا ورشوۃ الخ۔[1]	تاکہ اختلاف سے نکل جائیں جیسا کہ فتاوٰی شامی میں ذخیرہ کے حوالے سے امام ابو جعفر سے روایت کیا ہے کہ آدمی کے دین کے معاملے میں یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے کہ وہ نہ کھائے جبکہ حکم میں اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ طعام مال غصب شدہ اور شوت وغیرہ سے نہ ہوالخ۔(ت)

خصوصًا جب کہ یہ شخص سود اور رشوت لینے کے باعث نہ صرف فاسق بلکہ عباداللہ پر ظالم ہے ایسے فساق سے اظہار بغض و نفرت پر سلف صالح اجماع قائم ہے۔امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

طرق السلف قد اختلف فی اظہار البغض مع اھل المعاصی وکلھم اتفقوا علی اظہار البغض للظلمۃ و المبتدعۃ وکل من عصی اللہ تعالٰی بمعصیۃ متعدیۃ منہ الی غیرہ[2] الخ۔	علمائے سلف کی روشن گناہ کرنے والے کے ساتھ اظہار بغض میں مختلف رہی ہے لیکن ظالموں اور بدعتیوں کے خلاف بغض کرنے پر سب کا اتفاق ہے۔اور جو کوئی گناہ کرکے اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرتا ہے اس کی یہ کاروائی دوسروں تک متجاوز ہوتی ہے۔الخ(ت)

تو اس کے یہاں کھانے سے اور زیادہ احتراز چاہئے خصوصا اس کے ساتھ کھانے سے،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۰: از بلگرام شریف مرسلہ حضرت سید محمد زاہد صاحب دوم رجب ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میز پر اور ٹیک لگا کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

ٹیک لگا کر کھانا اگر بہ نیت تکبر ہو تو کراہت کیسی حرام ہے۔

قال تعالٰی " اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:کیا دوزخ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں(یعنی یقینًا ہے)۔(ت)

ورنہ بلا کراہت درست بعض اوقات حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی اس کا فعل

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۷

[2] احیاء العلوم کتاب آداب الالفۃ واخوۃ بیان البغض فی اللہ مطبعۃ المشھد الحسینی ۲/ ۱۶۸

[3] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

مروی،

فقد اخرج ابونعیم عن عبداللہ بن السائب عن ابیه عن جده وقال ھو وھم والصواب ابن عبداللہ بن السائب عن ابیه عن جده رضی اللہ تعالٰی عنهما قال رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یأکل ثریدا متکئا علی سریر ثم یشرب من فخارۃ[1]۔	بیشک عبداللہ بن سائب سے بواسطہ اپنے باپ اپنے دادا، محدث ابونعیم نے اس کو تخریج کیا اور فرمایا۔ یہ وہم ہے ٹھیک یوں ہے ابن عبداللہ بن سائب عن ابیہ عن جدہ (رضی اللہ تعالٰی عنہما) فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تخت پر تکیہ لگائے کھانا (ثرید) کھاتے ہوئے دیکھا پھر پختہ مٹی کے برتن سے پانی پیتے ہوئے بھی دیکھا (ت)

ہاں عادت کریمہ زمین پر دستر خوان بچھا کر کھانا تناول فرمانا تھی اور یہی افضل،

اخرج الامام احمد فی کتاب الزھد عن الحسن مرسلا والبزار نحوہ عن ابن ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا اتی بطعام وضعه علی الارض[2]، واخرج الدیلمی فی مسند الفردوس عنه رضی اللہ تعالٰی عنه یرفعه الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم صنعها علی الحضیض ثم قال انما انا عبد اٰکل کما یاکل العبد واشرب کما یشرب العبد[3]، واخرج الدارمی و	امام احمد نے کتاب الزہد میں امام حسن سے بغیر سند (یعنی مرسلًا) تخریج فرمائی، محدث بزار نے اسی کی مثل ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عن سے تخریج فرمائی، جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا جاتا تو آپ اسے زمین پر خود رکھ دیتے، محدث دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعا تخریج فرمائی یعنی حضرت ابوہریرہ نے حضور اقدس سے روایت کی حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا طریقہ کار یہ تھا کہ کھانا زمین پر رکھ کر خود زمین پر بیٹھ جاتے اور فرماتے میں ایک بندہ ہوں اس لئے اس طریقے سے

[1] ابونعیم

[2] الزھد الاحمد بن حنبل دار الدیان للتراث القاھرہ ص۱۱

[3] اتحاف السادۃ بحوالہ الدیلمی عن ابی ھریرۃ ۸ /۳۹۳ وابن عدی فی الکامل دار الفکر بیروت ۵ /۱۹۷۱

الحاکم وصححه واقروه عن انس رضی الله تعالٰی عنه قال قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذوضع الطعام فاخلعوا نعالکم فانه اروح لاقدامکم[1] و اخرجه ابو یعلی بمعناه وزاد وهو السنة۔	کھاتا اور پیتا ہوں جس طریقے سے ایک غلام یعنی بندہ کھاتا اور پیتا ہے۔ نیز دارمی اور حاکم نے تخریج کی اور اسے صحیح قرار دیا، اور انھوں نے اسے ثابت رکھا اور حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتاردو کیونکہ ایسا کرنا تمھارے قدموں کے لئے زیادہ باعث راحت ہے اور ابویعلٰی نے اس مفہوم کی تخریج کی البتہ اس میں یہ اضافہ کیا کہ یہ سنت ہے۔(ت)

شرعۃ الاسلام اور اس کی شرح میں ہے:

(وضع الطعام علی الارض احب الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی السفرة وهی)ای والحال ان السفرة(علی الارض)لاعلی شیئ اٰخر فوق الارض[2]۔	دسترخوان پر کھانا رکھ کر کھانا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو زیادہ پسند تھا اور حالت یہ ہوتی تھی کہ دسترخوان زمین پر بچھا ہوتا تھا نہ کہ کسی اور چیز پر جو زمین کے اوپر ہو۔

عین العلم اور اس کی شرح میں ہے:

(یاکل علی السفرة الموضوعة علی الارض)فهو اقرب الی ادبه علیه الصلٰوة والسلام و تواضعه لمقام الانعام (فالخوان والمنخل والاشنان والشبع من البدع وان لم تکن مذمومات غیر الشبع)فانه	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اس دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے جو زمین پر بچھا ہوتا پس مقام انعام میں یہ چیز حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ادب اور تواضع کے زیادہ قریب ہے لہٰذا دسترخوان بچھانا جو زمین کی بجائے کسی اور چیز پر بچھا ہو یہ آپ کو ناپسند تھا چھلنی سے چھانا ہوا آٹا، اشنان، (خوشبودار گھاس)

---

[1] سنن الدارمی کتاب الاطعمة باب خلع النعال عند الاکل دار المحاسن القاهرة ۲/ ۳۴

[2] شرح شرعة الاسلام لسید علی زادہ فصل فی سنن الاکل والشرب مکتبہ اسلامیہ کانسی روڈ کوئٹہ ص ۲۴۳

مذموم [1] اھ مختصر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور سیر ہو کر کھانا یہ سب بدعات میں سے ہیں (یعنی سنت میں شامل نہیں) اگرچہ سیری کے علاوہ باقی کام مذموم نہیں البتہ سیری مذموم ہے۔ اھ مختصر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۱: از بریلی محمڈن بورڈنگ ہاؤس بریلی مرسلہ عظمت حسین صاحب ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت وجماعت اس بارے میں کہ آیا شیعوں کے ہمراہ ان کے مکان پر تیار شدہ کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور یہ بات جو مشہور ہے کہ شیعہ اہلسنت وجماعت کو کھانا خراب کھلاتے ہیں اس کا کیا ثبوت عقلی یا نقلی ہے؟ اور نقلی ہے تو کس کی کتاب سے اور کس کتاب سے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

روافض کے ساتھ کھانا کھانا، ان کی تقریبات سرور میں دوستانہ شریک ہونا اور جو امور ولاء ووداد ومحبت پر دلالت کریں ان سے احتراز واجتناب کی نسبت احادیث کثیرہ واقوال ائمہ وافرہ متظافرہ وارد ہیں۔ ازاں جملہ حدیث ابن جہاں وعقیلی وغیرہما کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتواکلوھم ولاتشاربواھم ولاتجالسوھم [2]۔	نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ پانی پیو نہ ان کے پاس بیٹھو۔

قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ" [3]	میل نہ کرو ظالموں کی طرف کہ تمھیں چھوئے دوزخ کی آگ۔

اور فرماتا ہے:

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾" [4]	یاد آنے پر پاس نہ بیٹھ ظالموں کے۔

یہ بات کہ یہ نامقید فرقہ جب اہلسنت کے بعض ناواقفو کو کھانا دیتا ہے خراب کرکے دیتا ہے اس پر

---

[1] شرح عین العلم لملا علی قاری الباب السابع مطبع السلامیہ لاہور ص

[2] الضعفاء الکبیر للعقیلی ترجمہ ۱۵۳ احمد بن عمران الاخنس در الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶

[3] القرآن العظیم ۱۱ / ۱۱۳

[4] القرآن العظیم ۶ / ۶۸

کسی دلیل اور برہان عقل کے قیام کے کیا معنی، یہ امور متعلق بشہادت ہیں مشہور اسی طرح ہے **والعلم عنداللہ** (حقیقی علم کامالک اللہ تعالٰی ہے۔ت) اور اس کا پتاان کی ان حرکات سے چلتاہے جو خاص حرم محترم مکہ معظّمہ میں ان کی بیباکوں سے صادر ہوتی ہوئی سنی ہیں اور بعد اطلاع سزائیں دی جاتی ہیں فقیر جس زمانے میں حاضر الحج تھاخدام کرام کعبہ معظّمہ کی زبانی معلوم ہوا کہ ایک رافضی نے حرم مبارک میں پیشاب کیا کہ اہلسنت کے کپڑے خراب ہوں اس زمانے میں مسموع ہوا کہ کوئی خدا ناترس **معاذاللہ** حجراسود شریف پر کوئی گندی چیز لگاگیا کہ مسلمان ایذا پائیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲: ۲۰ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ از شہر کہنہ مرسلہ سید عبدالواحد متھراوی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر عرق جو انگریزی دواخانوں میں فروخت ہوتے ہیں اور نہایت ہاضم مشتی مبہی مسمن بدن ہیں مگر ہم کو ان کی ساخت کی کیفیت بالکل معلوم نہیں، اور ان میں نشہ بھی مطلق نہیں، نہ کچھ سرور اور کیفیت ہے۔ لیکن وہ شراب کے نام سے موسوم ہیں اور بیقیمت گراں فروخت ہوتے ہیں لیکن منشّی مطلق نہیں خواہ کئی گلاس پی لئے جائیں، تو ایسے عرق کے جواز میں کیاحکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اصل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت واباحت ہے۔جب تک نجاست یاحرمت معلوم نہ ہو حکم جواز ہے۔

فی ردالمحتار ھذا الدودۃ ان کانت غیر مائیۃ المولد وکان لھا دم سائل فھی نجسۃ والافطاھرۃ فلایحکم بنجاستھا قبل العلم بحقیقتھا [1] اھ و فیہ عن التتارخانیۃ من شك فی انائہ اوثوبہ اوبدنہ اصابتہ نجاسۃ اولافھو طاھر مالم یستیقن وکذا مایتخذہ اھل الشرك کالسمن و الخبزوالاطعمۃ والثیاب [2] اھ ملخصًا۔	ردالمحتار میں ہے۔اگر کیڑے پانی میں پیدا نہ ہوں اور ان میں بہتاخون ہو تو نجس (ناپاک) ہیں بصورت دیگر یہ پاک ہیں لہٰذا جب تک ان کی حقیقت معلوم نہ ہو ان پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اھ اور اسی میں تتارخانیہ کے حوالے سے ہے کہ جس شخص کو اپنے جسم۔لباس اور برتن کے پاک ہونے میں شک ہو توجب تک شک یقین میں نہ بدل جائے وہ پاک ہی متصور ہونگے۔اسی طرح مشرکین کی تیار کردہ اشیاء خوردونوش اور ملبوسات وغیرہ از قسم گھی،

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۰

[2] ردالمحتار باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۲

	مٹھائی، کھانا اور کپڑے وغیرہ اس وقت تک پاک اور قابل استعمال سمجھی جائیں گی جب تک ان میں کسی ناپاک ونجس چیز کی ملاوٹ یا لگاوٹ کا یقین حاصل نہ ہو اھ ملخصا۔(ت)

مگر ان عرقوں کا بنام شراب مشہور ہونا سخت شبہہ ڈالنے والا ہے۔اور اس کا مؤید یہ ہے کہ نصارٰی کو شراب سے بے حد اشتغال ہے ان کے یہاں کی رقیق اشیاء میں کم کوئی چیز اس نجاست غلیظہ سے خالی ہوگی اور کچھ نہ ہو تو سپرٹ کی شرکت اکثر ہوتی ہی ہے کوئی ٹنچر اس سے پاک نہیں اور ایسی شرکت اگرچہ موجب سکر نہ ہو نجس وحرام کر دیتی ہے اگر شراب کا کچھ میل نہ ہوتا تو اسے شراب کا نام دینے کی کیا وجہ ہوتی، توجب تک حال تحقیق نہ ہو اس سے احتراز ہی میں سلامت ہے۔حدیث میں ہے:

ایاك ومایسوء الاذن [1]۔	جو کچھ کانوں کو برا لگے اس سے بچو۔(ت)

ہمیں شرع مطہر نے جس طرح بےرکام سے بچنے کا حکم فرمایا برے نام سے بھی احتراز کی طرف بلایا، سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لوگوں نے دریائی سور کا حکم پوچھا، فرمایا: حرام ہے۔عرض کی: وہ سور نہیں ہوتا۔فرمایا: تمھیں نے اسے اس نام سے تعبیر کیا۔واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۲: حامدا ومصلیا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سود خوار کے یہاں کھانا کھانا مسلمانوں کو اور وعظ مولود شریف پڑھ کر اسے سود خوار سے کچھ لینا اور اس کا پیسہ مسجد میں لگانا گیارھویں مولود شریف میں مٹھائی تقسیم کرنا اور کپڑا وغیرہ خیرات کرنا حالانکہ اسی زید سود خوار کے یہاں تجارت چرم فروشی وغیرہ زمینداری مالگزاری بھی ہوتی ہے ان سب صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

جب اس کے یہاں رزق حلال کے ذرائع تجارت زراعت بھی موجود ہیں تو امور مذکور میں کچھ حرج نہیں جب تک کسی خاص روپیہ کی نسبت معلوم نہ ہو کہ یہ وجہ حرام سے ہے۔امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ کما فی الھندیۃ عن الذخیرۃ [2]۔	ہم اس کو لیتے ہیں جب تک کسی معین چیز کا حرام ہونا واضح نہ ہو جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری میں ذخیرہ سے نقل کیا گیا ہے۔(ت)

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۷۶

[2] الفتاوی الھندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

ہاں بنظر مصالح شریعہ اس کی زجر وتوبیخ اور نگاہ مسلمانان میں اسی کے فعل کی تقبیح کے لئے اس کی دعوت سے احتراز خصوصا مقتداء عالم کو انسب واولٰی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید نے ظاہر پیر کے نام پر بکرا یا مرغا چڑھایااور رات بھرا گیاری کرائی یعنی بکرے کے گوشت کو آگ کے پاس رکھ کر اور جھنڈی گاڑ کر آگ میں لونگ جلائی اور گھی جلایااور ڈبرو یعنی دف بجوا کر گانا کرایااور اس نے اس گوشت کا کھانا پکوا کر مسلمانوں کی دعوت کی اور جس شخص نے نیاز کرائی ہے وہ مردہ بھی کھاتا ہے۔اس کے یہاں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟اور جو شخص اس قسم کا کھانا نہ کھائے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مسلمانوں کو اس کے یہاں کھانا کھانا اس سے بات چیت کلام سلام کرنا نہ چاہئے جب تک وہ توبہ نہ کرے اس پر توبہ فرض ہے اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۵ تا ۲۱۶: از بنگالہ ضلع سلہٹ موضع قاسم نگر مرسلہ مولوی اکرم یکم ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سود خوار کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟اگر جواز کی کوئی صورت ہے تو بیان فرمائیے۔

(۲) بے نمازی کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟اگر جواز کی کوئی صورت ہو تو ارشاد فرمائے۔اور کبھی کبھی جو شخص نماز پڑھتا ہے اس کو بے نمازی کہنا جائز ہے یا نہیں؟اور جو مطلقاً نہیں پڑھتا ہے اور جو گاہے گاہے پڑھتا ہے ان دونوں شخصوں میں کیا فرق ہے۔**بینوا اللہ،توجروا عنداللہ**(اللہ تعالٰی کی خوشنودی کے لئے بیان کرو تاکہ اس کے ہاں اجر وثواب پاؤ۔ت)فقط۔

الجواب:

(۱) جائز ہے جب تک خاص اس شیئ کا جو اس کے سامنے لائی گئی حرام ہونا تحقیق نہ ہو۔

فی الهندیة عن الظهریة عن الفقیه ابی اللیث قال قال محمد وبه ناخذ مالك نعرف شیأا حراما بعینه وهو قول ابی حنیفه واصحابه رضی الله تعالٰی عنهم [1] ۔	فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی ظہیریہ،فقیہ ابواللیث سے مروی ہے۔فرمایا امام محمد نے ارشاد فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کی صورت کو نہ جائیں،امام بوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی مذہب ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

ہاں عالم مقتدا کو بلاضرورت مطلقاً احتراز کرنا چاہئے کہ اس کا گناہ عوام کی نظر میں ہلکا نہ ہو جائے۔

فی الهندیة عن المحیط عن الملتقیط یکره للمشهور المقتدٰی به الاختلاط الی رجل من اهل الباطل والشر الا بقدر الضرورة لانه یعظم امره بین ایدی الناس [1] الخ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	فتاوٰی ہندیہ میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ کسی مشہور مقتداء اور پیشوا کو اہل باطل اور اہل شر سے میل جول اور آمد و رفت رکھنا مکروہ ہے مگر بقدر ضرورت، کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے بڑے ہو جائینگے الخ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) یہاں جواز پہلی صورت سے بھی اظہر ہے کہ ترک نماز کا مال وطعام پر کیا اثر ہے اور عالم مقتدا کو بے ضرورت اس سے احتراز مؤکد تر ہے کہ ترک نماز کبیرہ اخبث واکبر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ترك الصلٰوة متعمدا فقد کفر جهارًا رواه الطبرانی [2] فی الاوسط عن انس رضی اللّٰه تعالٰی عنه بسند حسن۔	جس کسی نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی تو وہ کھلم کھلا کافر ہو گیا۔ (یعنی حد کفر تک پہنچ گیا کیونکہ مرتکب کبیرہ بغیر انکار کے کافر نہیں ہوتا جیسا کہ اصول مقررہ ہے) امام طبرانی نے اس کو الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

اور نماز کبھی نہ پڑھنا یا بلاعذر شرعی ترک کر دینا احکام میں دونوں یکساں ہیں جب تک توبہ نہ کریں دونوں سخت اشد فاسق مرتکب اخبث کبیرہ ہیں ہاں جتنی بار زیادہ ترک کریگا کبائر کا شمار اور گناہوں کا بار بڑھتا جائے گا۔ **والعیاذ باللّٰه تعالٰی واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم۔**

مسئلہ ۲۱۷ تا ۲۲۳: ازاترولی ضلع اعظم گڑھ محلّہ مغلاں مرسلہ اکرام اعظم صاحب ۱۸/ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ملت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم از روئے قرآن وحدیث وفقہ کے اس بارے میں کہ ایک فرقہ مسلمان گازروں یعنی دھوبیوں کا جو اپنا پیشہ پارچہ شوئی کا کرتے ہیں اور اس وقت تک بموجب رواج قدیم اس قصبہ اترولی کے مسلمانوں کے کھانے پینے میں شریک نہیں ہیں یعنی مسلمان یہاں کے ان کا کھانا پانی نہیں کھاتے پیتے ہیں اور اس کو سخت برا سمجھتے ہیں اب وہ فرقہ مسلمان دھوبیوں کا اس امر کا خواہشمند ہے کہ ہمارا کھانا پینا سب مسلمان کھائیں پئیں اور ہم کو مسلمانوں میں ملائیں اور ہم کو احکام شرع سکھائے جائیں اور اب ہم نماز پڑھیں گے اور اس کو ترک نہ کرینگے چنانچہ وہ اکثر نمازی ہوگئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں اور مسجد میں آکر

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۶

[2] المعجم الکبیرالاوسط للبرانی حدیث ۳۳۷۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۲۱۱

کلمہ ونماز وغیرہ یاد کرتے ہیں آیا ان مسلمانوں دھوبیوں کو مسلمانوں میں شامل نہ کیا جائے اور ان کو احکام شرع نہ سکھائے جائیں اور ان کا کھانا پانی مسلمان نہ کھائیں پئیں اور ان سے موافق رواج قدیم اس قصبہ کے متنفر رہیں اور ان کی دلجوئی نہ کریں، یا یہ سب امور ان کے ساتھ کئے جائیں؟

(۲) جن مسلمانوں نے ان مسلمانوں دھوبیوں کے گھر کا کھانا پانی کھایا ہے بعد ان کے نمازی ہونے کے کیا وہ مسلمان کھانے والے کچھ گنہگار ہیں یا نہیں؟

(۳) بے نمازی مسلمان دھوبیوں کے گھر کا جو اپنا پیشہ پارچہ شوئی کا کرتے ہیں پینا درست ہے یا نہیں اور اس مسئلہ کا حکم شرعی کیا صرف دھوبیوں کی قوم سے خصوصیت رکھتا ہے یا سب اقوام اہل اسلام اس حکم میں شامل ہیں؟

(۴) جو مسلمان اس قصبہ کے بموجب رواج قدیم کہتے ہیں کہ مسلمانوں دھوبیوں کو مسلمانوں میں نہ ملایا جائے ان کا کھانا پانی نہ کھایا پیا جائے اور ان مسلمانوں کو بھی برا کہتے ہیں جو کہ نمازی مسلمان دھوبیوں کے گھر کا کھا آئے ہیں اور ان سے نفرت رکھتے ہیں۔ مسلمان تنفر کرنے والے اور برا کہنے والے گنہگار ہیں یا نہیں؟

(۵) جو مسلمان بے نمازی یا نمازی پیشہ ناجائز کھلم کھلا کرتے ہیں جیسے نقالی وقوالی وشراب فروشی وسود خواری وغیرہ ان کے گھروں کا کھانا پینا اور مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟

(۶) جن اقوام مسلمان نمازی بے نمازی کی عورات بموجب روایت قدیم کے پردہ نشین نہیں ہیں ان کے گھروں کا کھانا پینا اور مسلمانوں کو درست ہے یا نہیں؟

(۷) اہل ہنود کی دکان یا مکان یا ہاتھ کی اشیاء تر وخشک خوردنی یا نوشیدنی غذائی یا دوائی کھنا پینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) انھیں مسلمانوں میں ملانا اور احکام دین سکھانا فرض ہے اور نفرت دینا دلانا باوصف درخواست تعلیم شریعت سے محروم رکھنا حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشروا ولاتنفروا**[1] (خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔ت)

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "**لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ**"[2] (تم اسے لوگوں کے لئے ضروریات بیان کرو۔ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخذلھم بالموعظہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۳ /۱۸۷

(۲) انھوں نے بہت اچھا کیا ان پر کچھ الزام نہیں۔

(۳) عوامِ ہندوستان نے چھوت کا مسئلہ کفار ہند سے سیکھا ہے۔ دھوبی ہر قسم کے کپڑے طاہر و نجس سب کچھ دھوتے ہیں اس لئے ہندو چھوت مانتے ہیں۔ جاہل مسلمان بھی انھیں کی پیروی کرتے ہیں اور خود ہندوؤں کے مکانوں اور دکانوں سے دودھ، دہی، پوری، کچوری، مٹھائی سب کچھ کھاتے ہیں حالانکہ تمام ہندو سخت گندے رہتے ہیں اور ان کے پانی برتن نہایت گھن کے قابل ہیں مسلمان دھوبیوں سے ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرور اپنے کھانے پانی میں طہارت کا خیال رکھتے ہونگے اور ہندوؤں سے اصلا اس کی امید نہیں جس قوم کے یہاں گوبر پوتر ہو یعنی پاک کرنے والا، انھیں طہارت سے کیا علاقہ۔ البتہ جو دھوبی یا کوئی قوم طہارت کا لحاظ نہ رکھے اس کے کھانے پینے سے احتراز بہتر ہے اور نہ کیا جائے تو کچھ گناہ نہیں جب تک کسی خاص کھانے کی نجاست تحقیق نہ ہو، اسی بناء پر ہنود کے یہاں کھانا پینا سوائے گوشت کے جائز رکھا گیا ہے۔ اگرچہ بہتر بچنا ہے۔

کما نص علیہ فی نصاب الاحتساب وغیرہ وبیناہ فی فتاوٰنا غیر مرۃ۔ جیسا کہ نصاب الاحتساب میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں متعدد بار بیان کیا ہے۔ (ت)

(۴) ہاں یہ بے جا و بلا وجہ شرعی تنفر کرنے اور مسلمانوں کو برا کہنے والے گنہگار ہوئے۔

(۵) جس کا ذریعہ معاش صرف مال حرام ہے۔ اس کے یہاں سے بچنا ہی اولٰی ہے **تحرزا عن الخلاف** (اختلاف سے بچتے ہوئے۔ ت) مگر کوئی کھانا حرام نہیں جب تک تحقیق نہ ہو کہ خاص یہ کھانا وجہ حرام سے ہے **عملا باصل الحل** (حل کے اصل ہونے پر عمل کرتے ہوئے۔ ت) ہاں یہ جدام بات ہے کہ ایسے فاسقوں سے خلط ملط مناسب نہیں خصوصًا ذی علم کو۔

(۶) اگر وہ موٹے اور خوب گھیر دار کپڑے پہنے سرے سے پاؤں تک جسم ڈھانپنے نکلتی ہیں کہ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں کے بال یا گلا یا بازو و کلائی یا پیٹ یا پنڈلی کچھ ظاہر نہیں ہوتا جب تو حرج نہیں ورنہ وہ عورتیں فاسقہ اور ان کے مرد دیوث ہیں ان سے احتراز کرنا چاہئے۔ اسی بناء پر کہ فاسقوں سے میل جول مناسب نہیں ورنہ اصل کھانے میں حرج نہیں۔

(۷) اس کا جواب نمبر ۳ میں آگیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۴: مرسلہ ڈاکٹر محمد واعظ الحق سعد اللہ لودی ڈاکخانہ خسروپور ضلع پٹنہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرق تاڑ جس کو اس ہندوستان میں تاڑی کہتے ہیں بذانہ حلال ہے یا حرام، تاڑی ایسی صورت میں کہ شب کو نیا برتن تاڑ میں لگایا جائے اور علی الصباح اتار لیا جائے اور اس میں کسی قسم کا سکہ نہ پید ہو تو حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

تاڑی فی نفسہٖ ایک درخت کا عرق ہے۔ جب تک اس میں جوش وسکر نہ آئے طیب وحلال ہے جیسے شیرہ انگور، لوگوں کا بیان ہے کہ اگر کورا گھڑا وقت مغرب باندھیں اور وقت طلوع اتار کر اسی وقت استعمال کریں تو اس میں جوش نہیں آتا۔ اگر یہ امر ثابت ہو تو اس وقت تک وہ حلال وطاہر ہوتی ہے۔ جب جوش لائے ناپاک وحرام ہوئی، مگر اس میں تنقیح طلب یہ امر ہے کہ آیا حرارت ہوا بھی چند گھنٹے یا چند پہر ٹھہرنے کے بعد اس عرق میں جوش وتغیر لاتی ہے یا نہیں، اگر ثابت ہو تو شام کے وقت تاڑی چند پیڑوں سے بقدر معتدبہ نکال کر کسی ظرف میں بند کرکے صبح تک رکھ چھوڑیں تو ہرگز متغیر نہ ہوگی جب تک آفتاب نکل کر دیر تک دھوپ سے اس میں فعل نہ کرے جوش نہیں لاتی تو اس صورت میں وہ بیان مذکور ضرور پایہ ثبوت کو پہنچے گا ورنہ صراحت معلوم ہے کہ شام کو جو گھڑا لگایا جائے گا تاڑی اس میں صبح تک بتدریج آیا کرے گی تو وہ اجزاء کہ اول شام آئے تھے طول مدت کے سبب حرارت ہوا سے ان کا تغیر منظنون ہے اور جوش وتغیر محسوس نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اجزاء جنھیں مدت اس قدر نہ گزرے کہ ہنوز تغیر کی حد تک نہ پہنچے کثیر وغالب میں اس تقدیر پر اس سے احتراز میں سلامتی ہے۔

مسئلہ ۲۲۵: مرسلہ شیخ ممتاز حسین صاحب از رمپورہ تھانہ بھوجی پورہ پرگنہ بریلی ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دو لڑکی اور ایک لڑکے نے خاکروب کی لڑکی سے روٹی چھین کر کھالی، ایک لڑکی کی عمر چودہ برس کی اور دوسری کی گیارہ برس کی، اور لڑکے کی عمر دس برس کی اب ان کے ساتھ کھانا کھانا یا ان کے ہاتھ کی کوئی چیز لینا اور کنویں سے پانی بھروانا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت) بعض صاحبوں نے فرمایا ہے کہ روٹی کے کھانے سے یا خاکروب کے چھونے سے کوئی نقصان نہیں، اگر یہ بات درست ہے تو جس مسلمان کا جی چاہے وہ خاکروب کی روٹی کھائے اور پانی پیئے، پھر علیحدہ کیوں کیا ہے۔ خاکروب کو

بھی اپنے کنویں سے پانی بھرنے دینااور اس کو کنویں سے آپ پینا جائز ہے لہٰذا بندہ امیدوار ہے کہ جناب جواب باصواب مع مہر اعلیٰ کے مرحمت فرمائیں۔آپ کا کفش بردار ممتاز حسین۔

الجواب:

اول لڑکی لڑکوں کے مربیوں پر لازم ہے کہ انھیں پوری کافی تنبیہ کریں کہ آئندہ ایسی حرکت پھر نہ کریں اول تو روٹی چھین کر کھانا کیسی ناپاک حرکت ہے۔نابالغ پر اگرچہ گناہ نہ ہو۔مگر ایسی حرکات سے انھیں بچانا لازم ہے ورنہ ان کی یہی عادت رہے گی،اور پھر بدخصلت شرعاً معصیت بھی ہو جائے گی،لہٰذا اگرچہ نماز بچوں پر فرض نہیں،حدیث میں ارشاد ہوا:

مروا صبیانکم بالصلٰوۃ اذا بلغوا سبعا و اضربوھم علیھا اذا بلغوا عشرا [1]۔	اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہوں اور نماز پر انھیں مارو جب وہ دس برس کی ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ بھنگی کی روٹی کھانی ضرور شرعاً ممنوع اور آدمی کی سخت بے قدری پر دلیل ہے جس نے یہ کہا کہ بھنگی کی روٹی کھانے پینے میں حرج نہیں اس نے محض غلط کہا وہ شریعت مطہرہ کے مصالح سے آگاہ نہیں'جو بات عام مسلمانوں کی نفرت کی موجوب ہو شرعاً منع ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشروا ولاتنفروا [2]۔	خوشخبری سناؤاور نفرت نہ دلاؤ۔(ت)

۲جس بات میں آدمی متہم ہو مطعون ہو انگشت نما ہو شرعاً منع ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث ہے:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقف مواقف التھم [3]۔	جو کوئی اللہ تعالٰی اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمت والے مقامات پر ٹھہرنے سے پرہیز کرے۔(ت)

[1] مسند امام احمد عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۱۸۰

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم بالموعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراك الفریضہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹،حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب مایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۷۱

جو بات مسلمانوں پر فتح باب غیبت کرے انھیں فتنے میں ڈالے گی اور انھیں فتنے میں ڈالنا حرام ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا فَلَهُمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمۡ عَذَابُ الۡحَرِیۡقِ ؕ﴿۱۰﴾ "[1]	بلاشبہ جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو فتنے میں ڈالا (پھر اس جرم) سے توبہ نہ کی تو ان کے لئے عذاب دوزخ ہے اور جلا دینے والی آگ کا عذاب ہے۔(ت)

مسلمان کہ بھنگیوں سے احتراز کرتے ہیں شرعاً منع نہیں۔ نہ شرعاً اصل ہے، اور وہ عادت فاشیہ ہونے کے باعث طبیعت ثانیہ ہو رہا ہے تو ضرور وہ ایسے شخص کے ساتھ کھانا پینا اور اپنے کنویں سے اس کا پانی بھرنا گوارہ نہ کریں گے اب اگر اس نے اس پر صبر کیا تو خود اپنے ہاتھوں بلا میں پڑا۔ اپنی عاقبت تنگ کی اور اس کے قریب رشتہ داروں نے بھی اسے برادری سے نکالا تو قطع رحم کا بھی باعث ہوا اور وہ سخت حرام ہے۔ اور اگر اس سے صبر نہ ہوا تو ضرور اس کے باعث فتنہ اٹھے فساد پھیلنے کا اندیشہ قوی ہے اور مسلمانوں میں فساد پیدا کرنا حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ الۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ"[2]	فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت جرم ہے۔(ت)

حدیث میں ہے:

الفتنة نائمة لعن الله من ایقظها[3]۔	فتنہ سوئی ہوئی خرابی ہے لہٰذا جو کوئی اسے جگائے اس پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔(ت)

غرض بہت وجوہ سے یہ فعل شرعاً نادرست ہے اول لڑکی لڑکوں کو ان کے مربی تنبیہ کریں اور مسلمانوں کو ان سے توبہ کرائیں اس کے بعد ان کے ساتھ کھانا پینے، کنویں سے پانی بھرنے میں حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم (اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۲۶ تا ۲۲۸: بھیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خاں ۷ ۲ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر موضع میں بدجانور کا گوشت

---

[1] القرآن الکریم ۸۵ /۱۰

[2] القرآن الکریم ۲ /۱۹۱

[3] الجامع الصغیر بحوالہ الرافعی عن انس حدیث ۵۹۷۶ دارلکتب العلمیہ بیروت ۲ /۳۷۰

کھاتے ہیں ان کے یہاں کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟(ت)

(۲) مسلمانوں کو قصداً شکار سور کا کھانا اور بلم سے مارنا اور کتے سے اور اہل ہنود کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سود لینے والے کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ اگر اس کی آمدنی اور جگہ سے بھی ہے تو اس کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر و ثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) جو کفار اس بد جانور کو کھاتے ہیں جیسے ٹھاکر وغیرہ، بہتر یہ ہے کہ ان کے یہاں کی روٹی سے بھی احتراز کیا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ ان کے برتن اور بدن سب نجس ہوتے ہیں، اور یہی حال ان کے بامنوں وغیرہ اقوام کا بھی ہے کہ وہ سوئر نہ کھائیں تو گوبر اور بچھیا کا موت تو ان سب کے نزدیک پاک بلکہ پیتر ہے وہ سب نجس ہیں مگر شریعت آسان ہے جب تک کسی خاص شے میں حرمت یا نجاست کا حال معلوم نہ ہو ہمارے لئے پاک وحلال ہے ورنہ بازار کا دودھ، گھی، مٹھائی سب کا یہی حال ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔	ہم اسی کو لیتے ہیں (یعنی عمل کرتے ہیں) جب تک کسی شیئ کے حرام ہونے کو پہچان نہ لیں۔(ت)

(۲) سوئر اگر کھیتی وغیرہ کو ضرر دے یا اس سے انسان یا مویشی پر حملہ آوری کا اندیشہ ہو تو اسے کتے سے شکار کرنا خواہ بلم یا بندوق سے مارنا جائز بلکہ مستحب، بلکہ بعض اوقات میں فرض وواجب ہے۔ مگر ہندو وغیرہ کسی کافر کو اس کا کھلانا یا اس کے پاس بھجوانا سخت حرام ہے۔ کہ کھانے اور کھلانا ایک حکم ہے۔ اشباہ میں ہے:

ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ[2]۔	جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔(ت)

(۳) سود خوار کے یہاں نہ کھانا بہتر ہے خصوصاً عالم ومقتداء کو اور فتوٰی وہی ہے کہ جب تک کسی خاص مال کی حرمت معلوم نہ ہو منع نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

مسئلہ ۲۲۹: از شہر محلّہ جامع مسجد ۱۴ جمادی الاولٰی

حلال جانور مادہ سے نر جانور حرام جفتی کرے جو بچہ اس سے پیدا ہو خواہ بشکل مادہ یا نر یا دونوں کی شکل ہو وہ بچہ حرام ہوگا یا حلال؟

الجواب:

مادہ جب حلال ہے تو بچہ حلال ہے کہ جانور میں نسب ماں سے ہے نہ کہ باپ سے، **وھو الصحیح کما فی الھدایۃ**[1] **وغیرھا** (اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ (کتب فقہ احناف) میں مذکور ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۰: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ کا کھانا مردوں کو کھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

چاہئے، کوئی ممانعت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: ضرورت کو حرام چیز کھانا یا استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر بھوک پیاس سے مرتا ہو اور کوئی شے پاس نہیں اور جانے کہ اس وقت کھائے پیئے گا نہیں تو مرجائے گا ایسی صورت حرام شے کھانا پینا اس قدر جس سے اس وقت جان بچ جائے جائز ہے۔ یوہیں اگر سردی سخت ہے اور پہننے کو حرام کے سوا کچھ پاس نہیں اور نہ پہنے تو مرجائے گا یا ضرر پائے گا تو اتنی دیر پہن لینا جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: شراب پینا خدا کے راستے کو روکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر و ثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

بیشک ضرور روکتا ہے اور اس کے پینے والے پر اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الھدایۃ

مسئلہ ۲۳۳تا۲۳۷: از بمبئی محلّہ چوٹا بھٹی مسئولہ مولوی عبدالقادر صاحب مدرس اول مدرسہ کمون سیٹھ ۵رجب المرجب ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) اولیائے کرام کے مزار پر واسطے فاتحہ وامداد مردوں اور عورتوں کو جانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) شادی میں دف تاشہ بجانا درست ہے یا نہیں؟

(۳) شادی میں لڑکیوں کا گانا درست ہے یا نہیں؟

(۴) تیجہ، دسواں، چہلم کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۵) مسائل بالا کو نادرست کہنے والا کیا سمجھا جائے ازروئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بینو توجروا (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) مزارات اولیاء کرام پر بلحاظ آداب ومراعات احکام شرعیہ فاتحہ واستمداد واستفادہ کے لئے مردوں کا جانا جائز ومندوب ومحبوب ومرغوب ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں:

ازاولیاء مدفونین انتفاع واستفادہ جاری ست[1]۔	اہل قبور اولیاء سے فائدہ اور استعفادہ جاری ہے یعنی ہر دور میں لوگوں کا معمول ہے۔ (ت)

مگر عورتوں کو حاضری سے روکنا ہی انسب واسلم ہے،

کما افادہ فی الغنیۃ وبیناہ فی فتاوٰنا واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	جیسا کہ الغنیہ میں اس کا افادہ پیش کیا اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کیاواللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

(۲) دف کہ بے جلاجل یعنی بغیر جھانجھ کا ہو اور تال سم کی رعایت سے نہ بجایا جائے اور بجانے والے نہ مرد ہوں نہ ذی عزت عورتیں، بلکہ کنیزیں یاایسی کم حیثیت عورتیں اور وہ غیر محل فتنہ میں بجائیں تونہ صرف جائز بلکہ مستحب ومندوب ہے۔

للامر بہ فی الحدیث والقیود مذکورۃ فی ردالمحتار وغیرہ شرحناھا	حدیث میں مشروط دف کے بجانے کاحکم دیا گیااور اس کی تمام قیود کو فتاوٰی شامی وغیرہ میں ذکر

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم استفادہ ازاولیاء مدفونین سورۃ عبس مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

فی فتاوٰنا۔	کردیا گیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تشریح کردی ہے۔(ت)

اس کے سوا اور باجوں سے احتراز کیا جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) جواری کا طلاق لڑکوں وار چھوکریوں دونوں پر آتا ہے کنیزوں کا گانا کہ محض طبعی طور پر ہو، نہ قواعد موسیقی پر تعلیم کیا ہوا اور اس میں فحش وغیرہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہو، نہ اس میں فی الحال فتنہ ہو نہ آئندہ فتنے کا اندیشہ ہو، محل سرور مثل نکاح وعیدین میں مضائقہ نہیں رکھتا اور بہت چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اگر بطور خود کچھ آوازیں نکالیں جو غیر مردوں کو نہ پہنچے تو یہ بھی فی نفسہٖ ایسا منکر نہیں جس پر شرعا مواخذہ ہو اور اپنی حیثیت وعزت وعرف وعادت کے اختلاف سے یہاں اختلاف ہوجائے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) تیجہ، دسواں، چہلم سب جائز ہیں جب بہ نیت محمود وبطور محمود ہو اور ان کا کھانا مساکین وفقراء کے لئے چاہئے برادری کی دعوت کے طور پر نہ ہو۔

فان الدعوۃ انما اشرعت فی السرور لا فی الشرور فتح وغیرہ۔[1]	دعوت کا جواز خوشی میں ہوتا ہے نہ کہ مواقع غم میں، فتح القدیر وغیرہ(ت)

(۵) یہ مسائل محض فرعیہ ہیں مگر اول وچہارم میں مطلقًا کلام ان بلاد میں شعار وہابیہ ہے اور وہابی ایک سخت گمراہ بددین فرقہ ہے جس کا حال الکوکبۃ الشھابیہ وسل السیوف الھندیہ والنھی الاکید وفتاوی الحرمین وحسام الحرمین وغیرہا تصانیف فقیر سے ظاہر، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۸: از نجیب آباد ضلع بجنور مسئولہ جناب محمد احمد حسین خاں صاحب ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

کسی شخص کی ضیافت خواہ مسلمان ہو خواہ کافر نہ کرنی چاہئے اور کس شخص کی نامنظور کرنی چاہئے اور کیوں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرتد کی نہ دعوت کرے نہ اس کی دعوت میں جائے نہ اس سے کوئی معاملہ میل جول کا رکھے، یونہی کفار خصوصا وہ جو ذمی یعنی سلطنت اسلامیہ میں رہ کر مطیع الاسلام نہ ہوں ان سے بھی کوئی برتاؤ محبت ودوستی کا نہ کرے ہاں مصلحت شرعیہ ہو تو اس کی دعوت کرے بھی اور کھائے بھی جس کی بدمذہبی

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الشہید مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۰۲

حد کفر تک نہ پہنچی ہو اور بلا مصلحت اس سے کیا فاسق معلن بیباک سے بھی بچے خصوصا مضرت دینی کا خوف ہو جب تو احتراز سنت لازم ہوگا مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے یہاں شادی میں ناچ یا ناجائز باجا ہے وہ اسے بلاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ میں جاؤں گا تو اسے روک سکوں گا اسے میرا کہنا ضرور ماننا ہوگا تو بالقصد جائے اور اگر سمجھے کہ میں اپنا شریک ہونا ممنوعات کے نہ ہونے پر موقوف کردوں کہ اگر یہ باتیں نہ کروں تو آؤں گا تو اسے میری ایسی خاطر ہے کہ ان باتوں سے باز رہے گا تو ہرگز نہ جائے جب تک وہ منہیات ترک نہ کردے۔ دوسری مثال اس سے میل جول نرم برتاؤ رکھنے میں امید ہے کہ یہ راہ پر آجائے اس کا دل نرم ہے حق قبول کرلے گا تو حد جائز تک آشتی برتے اور جانے کی میل جول میں مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی محبت اثر کرجائے تو آگ سمجھے دور بھاگے عام لوگوں کو اسی اخیر صورت کا لحاظ چاہئے۔ ولہذا حدیث میں صاف فرمایا:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [1]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ان سے دور ہو اور ان کو اپنے سے دور رکھوں کہیں وہ تم کو بہکانہ دیں کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اور اللہ تعالٰی کی پناہ اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے اور اس کا علم (جس کی بزرگی سب سے بڑھ کر ہے) سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ بختہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۹: مرسلہ محمد بشیر الدین طالب عالم مدرسہ امداد العلوم محلّہ بانسمنڈی کانپور ۲۵ صفر ۱۳۳۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر از مال حلال واز مال کسبے چاہے کندہ مال حرام زیادہ باشد آب آں چاہ حلال ست یا حرام وچاہ را چہ حکم ست ویراں کنند یا نہ؟ بینوا توجروا۔	اہل علم اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص حلال اور کمائی کے مال سے کنواں کھدوائے جبکہ حرام مال زیادہ نہ ہو تو ایسے کنویں کا پانی استعمال کرنا جائز ہے یا حرام، اور کنویں کا کیا حکم ہے؟ کیا اسے ویران (غیر آباد) کردے یا نہ کرے؟ بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ (ت)

الجواب:

آب بر حلال حلال ست لانہ مباح حتی لایملکہ مالك البئر کماھو	بہر حال اس کنویں کا پانی استعمال کرنا جائز ہے اس لئے کہ وہ مباح ہے۔ یہاں تک کہ کنویں کا

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

مصرح بہ فی عامة کتب المذهب وچاہ را ویران کردن ضرور نیست اگر آں مال حرام زر نقد بود فان اشتراء بہ لایورث خبثاً فی المشتری علی مذهب الکرخی المعنی بہ مالم یجتمع علیه العقد والنقد ولیس معهودا فی البیاعات هنا بل اختار فی الطریقه المحمدیة الفتوٰی علی القول الثالث ان الخبث لایسری الیه اصلا ولو اجتمعا واگر نفس خشت وخشت کہ بآنہا تعمیر چاہ کردند مال حرام بود اگر مالک معلوم ست باذن او اباحت توان شد واگر مضائقہ کند قیمت تواں گرفت علی التفصیل المعلوم فی الساجة المذکور فی الدر وغیرہ واگر معلوم نیست لقطہ شد پس باذن قاضی وآنجا کہ قاضی نیست باجازت عالم سنی فقہ بلد وصوابدید عمائد مسلمین صرف چاہ تواں شد کمافی الخانیة وغیرھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مالک بھی اس کا مالک نہیں۔ (یعنی اس میں تصرف اور پابندی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا) جیسا کہ مذہب کی عام کتابوں میں تصریح موجود ہے اور کنویں کو غیر آباد کرنا کوئی ضروری نہیں، اگر وہ مال حرام نقدی زر ہو تو اس کے ساتھ اسے خریدنا امام کرخی کے مذہب میں خرید کردہ چیز میں خباثت نہیں پیدا کرتا، اور یہی قابل قبول فتوٰی مذہب ہے بشرطیکہ اس پر عقد اور نقد کا اجتماع نہ ہو پس خرید وفروخت کے باب میں یہاں یہ معہود (متعین) نہیں بلکہ طریقہ محمدیہ میں ایک تیسرے قول کو پسند فرمایا کہ بالکل خباثت اس تک سرایت ہی نہیں کرتی اگرچہ دونوں عقد ونقد کا اجتماع ہو، اگر صرف اینٹ، لکڑی کہ جس سے کنویں کی تعمیر کرتے ہیں حرام مال کی ہو، اگر مالک معلوم ہو تو اس سے اجازت اور اباحت ہوسکتی ہے (یعنی لی جاسکتی ہے) لیکن اگر تنگدل ہو تو قیمت وصول کرلے اس معلوم تفصیل کے مطابق جو درمختار وغیرہ میں مذکور ساگوان لکڑی کے متعلق گزر چکی ہے۔ اور اگر مالک اشیاء معلوم نہ ہو تو پھر وہ چیزیں لقطہ (یعنی گری پڑی چیز) کی طرح ہوگئیں، تو فتاوٰی قاضی خاں وغیرہ کی تصریح کے مطابق ان چیزوں کو کنویں پر خرچ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ قاضی اجازت دے اگر وہاں قاضی موجود نہ ہو تو پھر وہاں کے بڑے فقیہ سنی عالم اور عام مسلمانوں کے اکابرین کا صوابدید پر ایسا کیا جاسکتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۰: از مشہر محلہ بحاری پور متصل مسجد بی بی جی مرحومہ مسئولہ جناب سلطان احمد خاں صاحب ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ

خاکی انڈا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے کہ وہ تنہامادہ کی منی منعقدہ مستحیل بطیّب ہے جیسے اور انڈے نر ومادہ دونوں کی منی مستحیل۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۱: ۱۱/جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جو کہ فی الحال امامت کرتا ہے وہ جاکر نوروز کو رافضی کے یہاں کھانا کھاآیا جبکہ ہم لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کیا لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کیا کہ امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ ہم نے کہا کہ روافض کے یہاں کھانا پینا مجالست شریعت مطہرہ میں قطعاً حرام ہے ان میں سے بعض لوگوں نے یہ کہا کہ زمانہ حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں یہود ونصارٰی بھی تھے جبکہ انھوں نے حضور پر نور شافع یوم النشور کی دعوت کی حضور نے قبول فرمایا اور تناول بھی فرمایا ہم نے یہ کہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی یہودی ونصرانی کے یہاں تناول نہ فرمایا، اس کے اوپر انھوں نے کہا کہ رنڈی وسود خوار وزانی کے یہاں بھی نہ کھانا چاہئے کیونکہ وہ بھی گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، اس کے اوپر ہم نے کہا کہ رافضی ویہودی ونصرانی قطعی کافر ہے اس لحاظ سے ہم کو ان کے یہاں کھانا حرام اور رنڈی وزانی وسود خوار سب کے سب گناہ کبیرہ ہیں۔ آپ اس کا ثبوت دیجئے کہ کافر ہیں، اس پر وہ کوئی ثبوت نہ لاسکے خاموش بیٹھے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر ان کے نزدیک بھی نہیں ہیں اب ہم کو بحکم شریعت زید کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور روافض وغیر کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ اس کا جواب بالتشریح والتوضیح وحوالہ کتاب تحریر فرمائے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

زانی، شرابی، سود خوار کے یہاں کھانا خلاف اولٰی ہے مگر وہ کافر نہیں۔ اور یہود ونصرانی کافر ہیں پھر یہود ونصاری باوصف کفر کے کافر اصلی میں مرتد نہیں، اور رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی مرتد ہیں، احکام دنیا میں مرتد سب کافروں سے بدتر ہے۔ اور کافروں کو بادشاہ اسلام جزیہ لے کر اپنے ملک میں رکھے گا بشرطیکہ جزیہ ان کے جان ومال کی حفاظت کرے گا لیکن مرتد کو تین دن سے زیادہ زندہ نہ رکھے گا تین دن میں مسلمان ہوگیا تو بہتر ورنہ سلطان اسلام اسے قتل کردے گا۔ مرتد کے یہاں کھانا کھانے جانا اس سے میل جول سب حرام ہے۔ زید اگر جاہل ہے اور ناواقفی میں یہ حرکت اس سے ہوئی اور اب معلوم ہونے پر علانیہ توبہ کرے تو خیر ورنہ وہ امامت کے قابل نہیں۔ فوراً معزول

کیا جائے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1] وقال تعالٰی "وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸" [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) ظالموں کی طرف مت جھکو (یعنی ان سے میل نہ رکھو) ورنہ تمھیں آگ (دوزخ) چھوئے گی (مرادیہ کہ آتش دوزخ میں داخل ہو جاؤگے) اور نیز ارشاد فرمایا: اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۴۲: ۱/جمادی الاخری ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درمیان اس مسئلہ کے کہ زید خاندان قادریہ وچشتیہ میں خلیفہ ہے اور مولو دخواں بھی ہے، اور علم فارسی میں دخل رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں کلام نعتیہ اس کی تصنیفات بھی موجود ہیں اور حاجی بھی ہے اور یہ زید کو علم تھا کہ بکر قادیانی ہے دانستہ اس کے مکان پر واسطے کھانا کھانے گیا لہٰذا اس کی نسبت از روئے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اور زید سے محفل مولود شریف پڑھوانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید گنہگار ہوا اس نے حکم شریعت کے خلاف کیا۔ اس سے علانیہ توبہ لی جائے، اگر نہ مانے تو اس سے محفل شریف نہ پڑھوائی جائے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸" [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو، اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۴۳: مرسلہ ہیڈ ماسٹر اسکول نمبر ۸ شہر تھانہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شہر کی مارکیٹ جس میں گوشت بکتا ہے اس میں ایک مجوسی نے سوئر کاٹا اور صاف کیا، لوگوں نے گوشت لینا بند کر دیا، اور مسلمانوں کا خیال ہے

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

کہ جب تک اس مارکیٹ کا فرش اور وہ مقام جس پر ہم کو شک ہے نکال نہ دیا جائے ہم گوشت اس مقام ہر گز نہ خریدیں گے۔ کیا آپ اجازت دیں گے کہ فرش وغیرہ مشکوک اشیاء کو خارج کر دیا جائے یا کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے تاکہ شک رفع ہو اور وہ کیا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسی ناپاک ملعون جانور کی نجاست مثل پاخانے کے ہے ہر نجاست دھو کر زائل کر دینے سے پاک ہو جاتی ہے اس کے لئے فروش وغیرہ بالکل نکال دینا ضروری نہیں اور نکال دیا جائے تو اور بہتر ہے مگر یہاں زیادہ قابل توجہ یہ ہے کہ مجوسی کے ہاتھ کی بکری ذبح کی ہوئی بھی سور کے مثل ہے۔ اور جہاں مجوسی ذابح ہو یا مجوسی بھی ذابح ہو اور اس کا کاٹا ہوا اور مسلمان کا ذبیحہ دلیل صحیح شرعی سے متمیز نہ ہوں وہاں سے کسی حلال جانور کا گوشت خریدنا، کھانا، کھلانا سب حرام ہے۔ یونہی اگر مجوسی گوشت بیچتا ہو اور حلفاً کہے کہ یہ جانور مسلمان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا ہے جب بھی اس کا خرید کرنا حرام ہے مگر یہ کہ مسلمان نے ذبح کیا اور وہ یا اور مسلمان اس وقت سے خریداری کے وقت تک اس جانور کو دیکھتا رہا یا کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا اور وہ مسلمان کہے کہ یہ میرا فلاں مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے اس وقت خریداری جائز ہے، حدیث میں مجوسی کی نسبت ہے:

سنوابهم سنة اهل الكتاب غير ناكحي نسائهم ولا اٰكل ذبائحهم[1]۔	ان (آتش پرستوں) سے اہل کتاب کے روش اور طریقہ اختیار کرو سوائے اس کے کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیه عن جامع الجوامع لابی یوسف من اشتری لحما فعلم انه مجوسی واراد الرد فقال ذبحه مسلم یکره اکله اھ ومفاده ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمة[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	تتارخانیہ میں جامع الجوامع سے حضرت امام ابویوسف سے روایت ہے کہ جس شخص نے گوشت خریدا پھر اسے معلوم ہوا فروخت کرنے والا تو آتش پرست ہے تو اس نے واپس کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے جھٹ کہہ دیا کہ مسلمان نے اس کو ذبح کیا ہے تو اس گوشت کا کھانا مکروہ ہے اھ پس اس کا حاصل یہ ہوا کہ صرف بیچنے والے کا آتش پرست ہونا (گوشت

[1] تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر حدیث ۱۵۳۳ المکتبہ الاثریۃ سانگلہ ہل ۳/ ۱۷۲

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

میں) حرمت پیدا کردیتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۲۴۴تا۲۴۶: مرسلہ منشی حاجی محمد ظہور خان ۱۷جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) چند سوداگر مسلمان ایسے ہیں کہ تجارت بھی کرتے ہیں اور سود بھی کھاتے ہیں اور زمیندار بھی ہیں ایسوں کے یہاں کا کھانا پینا اور لڑکی لڑکوں کا بیاہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہنود عام طور پر سود کھاتے اور زمینداری ودکانداری بھی کرتے ہیں ان کے یہاں کا کھانا جو بسبب رسم بھیجتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہر دو شخصوں کے یہاں کا کھانا آئے اور نہ کھایا جائے تو کس کو دیا جائے؟

(۳) ایک شخص بسبب اپنی ضرورتوں کے روپیہ لے کر سود دیتا ہے اس کے یہاں کا کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر معلوم ہو کہ یہ کھانا جو ہمارے سامنے آیا بعینہٖ سود کا ہے مثلاً سود میں چاول لئے تھے یا چاولوں کی کٹوتی بغیر شرائط شرعی کی تھی وہی چاول پکائے ہیں تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ اور اگر مال خریدا ہوا ہے اگرچہ سودی روپے سے تو اس کا کھانا حرام نہیں کہ اس کا وہ روپیہ حرام تھا خریدنا حرام نہ تھا اور کچھ معلوم نہ ہو جب بھی حکم حلت ہے۔ یہ تو اصل اس کھانے کا حکم تھا باقی ایسے لوگوں سے اتحاد میل جول خلا ملا نہ چاہئے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]	اگر تمہیں شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان سے شادی بیاہت کا رشتہ ہرگز نہ کیا جائے کہ اس سے بڑھ کر میل جول اور کیا ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ہندو کے یہاں کا گوشت حرام ہے۔ یونہی اگر گھی میں چربی ملی ہوئی ہو تو ہندو سے خریدنا بھی حرام ہے اور اگر ان کی پوجا کا کھانا ہو تو مطلقاً لینا منع ہے۔ اور اگر مفاسد سے خالی ہو تو لے لینے بھی حرج نہیں اور نہ لینا بہتر۔ اور اگر لینے میں اسلام کی طرف اس کی رغبت کی امید ہے تو لینا بہتر، جو کھانا

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

ان دونوں جوابوں میں ناجائز بتایا اس کا لینا ہی منع ہے لے لیا ہو تو واپس دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) جو خود سود نہیں کھاتا صحیح ضرورت کے سبب سودی قرض لیتا ہے اس کے یہاں کھانے میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷و۲۴۸: از ضلع نینی تال کاشی پور ڈاکٹر اشتیاق علی بروز یکشنبہ ۱۸ / صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مخدومی مکرمی جناب مولانا صاحب دام اقبالہ، بعد آداب کے معلوم ہو کہ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت وعافیت کا خواہاں، باعث تکلیف یہ ہے کہ برائے نوازش ذیل سوالوں کا جواب بھیج دیں گے تو بندہ بہت مشکور ہوگا۔

(۱) اہل کتاب کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اہل کتاب عیسائی ہو یا انگریز، ان کا باورچی مسلمان ہو یا عیسائی یہ بات ضرور ہے کہ یہ لوگ شراب پیتے ہیں اور بد جناور کھاتے ہیں۔

(۲) اہل ہنود کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) یہاں عیسائیوں کا خصوصا انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

لاتوأکلوھم ولاتشاربوھم[1]۔	نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان کے ساتھ پانی پیو۔

ان کے برتن نجاست سے خالی نہیں ہوتے، اور ان کا باورچی اگرچہ مسلمان ہو ناپاک گوشت پکاتا ہے۔

ومن یرتع حول الحمی یوشك ان یقع فیه[2]۔ وھو تعالٰی اعلم۔	جو کوئی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چرائے تو قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے۔ **وھو تعالٰی اعلم۔** (ت)

(۲) ہندوؤں کے ہاتھ پکا ہوا گوشت حرام ہے مگر اس صورت میں کہ مسلمان نے ذبح کیا اور اپنی آنکھ سے غائب ہونے نہ دیا یا اس کے سامنے پکایا اور باقی کھانے اس کے پکائے ہوئے جائز ہیں۔

[1] کنز العمال برمز عق عن انس حدیث ۳۲۴۶۸ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب الحلال بین والحرام بین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۵، صحیح مسلم کتاب المسقات باب اخذ الحلال وترك الشبھات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸

جبکہ پانی یا برتن میں خلط نجاست معلوم نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۹تا۲۵۱: از بنارس چھاؤنی محلّہ دبٹوری محال تھانہ سکرور رسیدہ مومولوی عبدالوہاب بروز چہارشنبہ بتاریخ ۲۱صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) یہ کہ اگر کسی شخص کو دعوت دے کر بلائے اور وہ شخص دعوت کھا کر کھانے میں عیب نکالے تو وہ شخص گنہگار شرعاً ہے یا نہیں۔ جائز کہ نہیں۔ مثلاً کہے کہ گھی کم ہے مرچ زیادہ ہے۔

(۲) یہ کہ کسی مرد مسلمان کا سر برہنہ ہو کر کھانا کھانا ازروئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کے ساتھ جو سر برہنہ کھاتا ہو شیطان کھاتا ہے یا نہیں؟ اور خلاف سنت ہے یا نہیں؟

(۳) یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایک شخص کی دعوت کرے تو چند آدمیوں کو لے کر اس شخص کا دعوت میں جانا اور ان لوگوں کو بھی مجبور کرکے دعوت کھلانا جائز ہے یا نہیں حالانکہ یہ لوگ بلادعوت ہیں؟

الجواب:

(۱) کھانے میں عیب نکالنا اپنے گھر پر بھی نہ چاہئے مکروہ وخلاف سنت ہے عادت کریمہ یہ تھی کہ پسند آیا تو تناول فرمایا ورنہ نہیں اور پرائے گھر عیب نکالنا تو مسلمانوں کی دل شکنی ہے اور کمال حرص وبے مروتی پر دلیل ہے۔ گھی کم ہے یا مزہ کا نہیں یہ عیب نکالنا ہے اور اگر کوئی شے اسے مضر ہے اسے نہ کھانے کے عذر کے لئے اس کا اظہار کیا نہ کہ بطور طعن وعیب، مثلاً اس میں مرچ زائد ہے میں اتنی مرچ کا عادی نہیں تو یہ عیب نکالنا نہیں اور اتنا بھی بے تکلفی خاص کی جگہ ہو اور اس کے سبب دعوت کنندہ کو اور تکلیف نہ کرنی پڑے مثلاً دو قسم کا سالن ہے ایک میں مرچ زائد ہے اور یہ عادی نہیں تو اسے نہ کھائے اور وجہ پوچھی جائے بتادے، اور اگر ایک ہی قسم کا کھانا ہے اب اگر نہیں کھاتا تو دعوت کنندہ کو اس کے لئے کچھ اور منگانا پڑے گا اسے ندامت ہوگی اور تنگدست ہے تو تکلیف ہوگی، ایسی حالت میں مروت یہ ہے کہ صبر کرے اور کھائے اور اپنی اذیت ظاہر نہ کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جو بسم اللہ کہہ کر کھانا کھاتا ہے شیطان اس کے ساتھ نہیں کھاسکتا اور جو بغیر بسم اللہ کھائے شیطان اس کے ساتھ کھائے گا اگرچہ سر پر سو کپڑے ہوں، ننگے سر کھانا، ہنود کی رسم ہے اور خلاف سنت ہے ہاں کوئی عذر ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) بلادعوت جو دعوت میں جائے اسے صحیح حدیث میں فرمایا: **دخل سارقا وخرج معیرا**[1] چور بن کر گیا اور

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاطعمة باب ماجاء فی اجابة الدعوة امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۹

لٹیرا ہو کر نکلا۔ خصوصًا جبکہ دعوت عام نہ ہو تو معہود و معروف سے زائد آدمی لے جانا سخت ناجائز ہے مثلاً جو لوگ عادی ہیں کہ بے آدمی کے ساتھ لئے ہوئے کہیں نہیں جاتے ان کی جو دعوت کرے گا آپ جانے گا کہ ساتھ آدمی ہوگا **المعروف کالمشروط** (جو بات لوگوں کے عرف اور رواج میں مشہور ہے وہ طے شدہ شرط کی طرح ہے۔ت) ہاں اگر کسی بے تکلفی والے نے دعوت کی اور کچھ حاجتمند ہیں کہ یہ ان کا ساتھ لے گیا اور ان کا بار اس پر نہ پڑے گا خواہ یوں کہ دستر خوان وسیع ہے اور دل فراخ یا یوں کہ ان کی کفالت یہ خود کرے گا اور اسے ناگوار نہ ہوگا تو حرج نہیں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما نے غزوہ خندق میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعوت کی اور دو صاحبوں کے قابل کھانا پکایا، جب یہ دعوت کو عرض کرنے گئے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بآواز بلند ارشاد فرمایا کہ اہل خندق ! جابر تمھاری ضیافت کرتا ہے، وہ ایک ہزار صحابہ کرام تھے رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: جب تک ہم تشریف نہ لائیں کھانا نہ اتارا جائے او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (جیساکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا) جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ گھبرائے ہوئے اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی زوجہ مقدسہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے حال بیان کیا کہ یہاں دو ہی آدمیوں کے قابل کھانا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع ایک ہزار صحابہ کے تشریف لاتے ہیں، ان بی بی نے کہا: آپ کو اس کی کیا فکر ہے جو لاتے ہیں وہی سامان فرمانے والے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے آٹے اور ہانڈی میں لعاب دہن اقدس ڈالا اور ارشاد فرمایا کہ روٹی پکانے والی بلالو اور ہانڈی چولھے پر رہنے دو۔ اس قلیل آٹے اور گوشت سے ایک ہزار صحابہ کو پیٹ بھر کر کھلادیا اور ہانڈی ویسا ہی جوش مارتی رہی اور آٹا ذرا کم نہ ہوا [1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۲: مرسلہ شیخ احمد از بمبئی معرفت حکمت یار خاں بریلی بروز دوشنبہ ۱۱/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ ملفوظ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قمار باز جس کا پیشہ سوائے جوا کے اور کچھ نہ ہو، یا کوئی طوائف ناچنے گانے والی یا کوئی کسبی حرام پیشہ بارھویں شریف یا گیارھویں شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضرت غوث اعظم قدس سرہ، کی نیاز کرے اس کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرمائیں، بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

جس کا پیشہ محض حرام کا ہو اس سے مخالطت ویسے ہی نہ چاہئے۔

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸۹

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴿۶۸﴾"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر شیطان تمھیں بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ہر گز ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت)

اس کے یہاں کھانا اور زیادہ معیوب ہے مگر مذہب صحیح میں نفس طعام حرام نہیں سوا اس صورت کے کہ وہ خود اسے وجہ حرام میں ملا ہو مثلاً اجرت غنا یا زنا یا رشوت زانیہ میں ناج دیا گیا وہ ناج اس کھانے میں ہے یا اس نے اسے زر حرام سے خریدا اور خریداری میں عقد و نقد اسی مال حرام پر جمع ہوئے مثلاً وہ زر حرام دکھا کر کہا اس کے عوض دے دو یہ تو حرام پر عقد ہوا پھر جب اس نے دے دیا وہی زر حرام ثمن میں دیا یہ حرام کا نقد ہوا ان دونوں صورتوں میں وہ کھانا حرام ہے ورنہ نہیں۔

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حرامًا بعینہ ھندیۃ[2] عن الذخیرۃ عن محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہم اس کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین شے کے متعلق حرام ہونے کو نہ جانیں، فتاوٰی ہندیہ بحوالہ ذخیرہ، حضرت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۵: مسئولہ اشرف علی طالب علم بنگالی مدرسہ اہلسنت وجماعت بروز پنجشنبہ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک رنڈی سے نکاح کرلیا ہے اور اس رنڈی کا مال اسباب بھی اپنے مکان پر لے آیا ہے اب وہ مال طیب ہوسکتا ہے یا نہیں اور اس کے گھر میں کھانا پینا کیسا ہے اور اس شخص نے اپنا مال بھی اس رنڈی کے مال میں ملادیا ہے۔ بیان کرو ثواب پاؤ گے۔

الجواب:

وہ مال یوں ہر گز طیب نہیں ہوسکتا اور اس نے اپنا مال اس سے ملا کر یہ بھی خبیث کردیا اس کے یہاں کھانا پینا نہ چاہئے جبکہ رنڈی کا مال غالب ہو اور اگر معلوم ہو کہ یہ مال جو سامنے آیا ہے رنڈی کا مال ہے جب تو اس کا کھالینا عین حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲۹

مسئلہ ۲۵۴: بروز شنبہ بتاریخ ۲/ جمادی الاولیٰ شریف ۱۳۳۴ھ

کیا حکم ہے شرع مطہرہ کا اس میں کہ دعوت طعام کون سی سنت ہے کہ کس دعوت طعام سے انکار کرنا اور قبول نہ کرنا گناہ ہے؟ بالتفصیل ارشاد ہو، **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجر پائے۔ت)

الجواب:

دعوت ولیمہ کا قبول کرنا سنت مؤکدہ ہے جبکہ وہاں کوئی معصیت مثل مزامیر وغیرہا نہ ہو نہ اور کوئی مانع شرعی ہو، اور اس کا قبول وہاں جانے میں ہے، کھانے نہ کھانے کا اختیار ہے باقی عام دعوتوں کا قبول افضل ہے جبکہ نہ کوئی مانع ہو نہ کوئی اس سے زیادہ اہم کام ہو، اور خاص اس کی کوئی دعوت کرے تو قبول کرنے نہ کرنے کا اسے مطلقاً اختیار ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

دعی الی الولیمۃ ھی طعام العرس وقیل الولیمۃ اسم لکل طعام وفی الھندیۃ عن التمرتاشی اختلف فی اجابۃ الدعوۃ وقال بعضھم واجبۃ لایسع ترکھا و قال العامۃ ھی سنۃ والا فضل ان یجیب اذا کانت ولیمۃ والا فھو مخیر والاجابہ افضل لان فیھا ادخال السرور فی قلب المؤمن واذا اجاب فعل ما علیہ اکل اولا والافضل ان یأکل لو غیر صائم وفی البنایۃ اجابۃ الدعوۃ سنۃ ولیمۃ اوغیرہا و امادعوۃ یقصد بھا التطاول وانشاء الحمد او	کسی کو ولیمہ میں شمولیت کی دعوت دی گئی، اور ولیمہ شادی کی دعوت کا نام ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ ہر دعوت طعام ولیمہ کہلاتی ہے۔ فتاوی عالمگیری میں امام تمرتاشی سے روایت ہے کہ دعوت قبول کرنے میں اختلاف کیا گیا (یعنی اس کی شرعی حیثیت ونوعیت میں ماہرین قانون فقہ کا اختلاف ہے) چنانچہ بعض ائمہ کے نزدیک دعوت قبول کرنا شرعا واجب ہے، لہٰذا اس کے ترک کی کوئی گنجائش نہیں لیکن علماء کرام نے فرمایا کہ وہ سنت ہے۔ اور افضل (اور عمدہ) یہ ہے کہ دعوت طعام ضرور قبول کرے بشرطیکہ دعوت ولیمہ ہو ورنہ اسے اختیار ہے کہ (یعنی دعوت قبول کرنے نہ کرنے میں وہ خود مختار ہے) لیکن اجابت بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں ایک مسلمان کے دل کی خوشنودی ہے (کہ اس طرح کرنے سے اس کو دلی مسرت ہوگی جو کہ اسلام میں مطلوب ہے) اور جب دعوت قبول کرلے تو پھر جو کچھ اس کی ذمہ داری ہے اسے نبھائے کھانا

ما اشبهه فلا ینبغی اجابتها لاسیما اهل العلم اھ ومقتضاه انها سنة مؤکدة بخلاف غیرها وصرح شراح الهدایة بانها قریبة من الواجب وفی التاتارخانیة عن الینابیع لو دعی الی دعوة فالواجب الاجابة ان لم یکن هنالك معصیة ولا بدعة و الامتناع اسلم فی زماننا الا اذا اعلم یقینا ان لا بدعة ولا معصیة اھ والظاهر حمله علی غیر الولیمة لما مر تأمل اھ [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	خواہ کھائے یا نہ کھائے، لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اگر روزہ دار نہ ہو تو کھانا ضرور کھائے، اور البنایۃ شرح الہدایۃ میں ہے کہ اجابت دعوت طعام سنت ہے خواہ دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور دعوت ہو، رہی وہ دعوت کہ جس سے نام و نمود، نمائش اور فخر وریا اور قصیدہ گوئی وغیرہ مقصود ہو، تو پھر اس قسم کی دعوت کو قبول نہ کرنا اور مسترد کردینا ہی زیادہ مناسب ہے خصوصاً اہل علم حضرات کے لئے (یہی زیادہ موزوں ہے) اھ اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ دعوت ولیمہ سنت مؤکدہ ہے جس کے علاوہ یہ حکم نہیں البتہ شارحین ہدایہ نے یہ تصریح فرمائی کہ دعوت کا حکم واجب کے قریب ہے۔ تاتارخانیہ میں ینابیع کے حوالے سے منقول ہے کہ اگر کسی کو شمولیت دعوت کے لئے مدعو کیا جائے تو اسے قبول کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہاں کوئی گناہ اور بدعت کا کام نہ ہو، اور ہمارے زمانے میں زیادہ سلامتی اسی میں ہے کہ دعوت میں شمولیت سے باز رہے۔ ہاں البتہ اگر اسے قوی یقین ہو کہ وہاں کوئی گناہ اور بدعت نہیں (تو پھر ضرور شریک ہو) اور ظاہر یہ ہے کہ اسے غیر ولیمہ پر حمل کیا جائے۔ اس وجہ سے جو بات گزرچکی۔ غور وفکر کیجئے اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۵: از بمبئی سندھر سٹ روڈ نمبر ۹ شیخ امام علی صاحب اسکریم والے روز شنبہ ۶ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

جھینگا مچھلی کا شمار مچھلیوں میں ہے یا نہیں اور اس کا کھانا ہمارے مذہب میں جائز ہے یا مکروہ یا کیا؟ فقط۔

الجواب:

جھینگے میں اختلاف ہے کہ وہ مچھلی ہے یا نہیں۔ اگر مچھلی ہے حلال ورنہ حرام۔ لہٰذا اس سے بچنے میں احتیاط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: از ملک کاٹھیاواڑ مقام اڑتیان امین احمد پنجشنبہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

گوشت ہمیشہ کے واسطے کھانا بعض بولتے ہیں کہ یہ قرآن شریف سے ثابت نہیں اس کا

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۱

خلاصہ لکھنا۔

الجواب:

قرآن مجید میں گوشت ہمیشہ کھانے کی کہیں ممانعت نہیں۔ یہ غلط بات ہے ہاں نفس پروری کو قرآن مجید نے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ ۲۵۷: بریلی نو محلّہ ۷/صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس امر کے، عشرہ محرم الحرام میں شکار کھیلنا مسلمانوں کو درست ہے یانادرست؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جسے کھانے یا دوا کے لئے کسی جانور کی حاجت ہے وہ اگر بقدر حاجت وہ ایک جانور مار لائے تو یہ کسی کھیل یا تفریح کا فعل نہ ہوگا آیہ کریمہ "اِذَاحَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا"[1] (لوگو! جب تم (احرام سے فارغ ہو کر) حلال ہو جاؤ تو پھر شکار کرنا چاہو تو کرسکتے ہو۔ت) اسی کا ذکر ہے مگر بے حاجت مذکورہ تفریح طبع کے لئے جو شکار کیا جاتا ہے وہ خود ناجائز ہے کہ ایک لہو ولعب لوگ خود اسے شکار کھیلنا کہتے ہیں، اور کھیل کے لئے بے زبانوں کی جان ہلاک کرنا ظلم وبے دردی ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

الصید مباح الا للتلھی[2]۔	(یادرکھو) شکار کرنا مباح ہے مگر جب کہ بطور کھیل ہو (تو اس کی اجازت نہیں)۔(ت)

اسی طرح وجیز کردری وتنویر الابصار میں ہے تو کھیل اور ناجائز کھیل اور عشرہ محرم۔

انا للہ وانا الیہ راجعون وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بے شک ہم اللہ تعالٰی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے، اور اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۵۸: مرسلہ محمد حسن صاحب فاروقی ضلع پورینہ ڈاکخانہ اسلام پور ۲۲صفر ۱۳۳۵ھ

سود خوار کے مکان کا کھانا درست ہے یانہیں؟ اور جس مال میں کہ سود کا شبہہ ہو اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور اگر زید تمام عمر سود کا مال جمع کرتا رہا اور اس کے بیٹے عمرو کو بخوبی معلوم کہ یہ مال تمام سود کا ہے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الصید ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۰۴

تو اس صورت میں بعد مرنے زید کے وہ مال عمرو کے حق میں حلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور در صورت نہ معلوم ہونے عمرو کے کہ یہ مال سود کا ہے یا کہ تجارت کا یا اور کوئی کمال حلال کا، مگر در حقیقت وہ مال سود کا تھا، اگر وہ مال حلال سمجھ کر کھائے تو کون گنہگار ہوگا؟ فقط۔

الجواب:

جو چیز بعینہٖ سود میں آئی ہو مثلاً گیہوں یا چاول، اس کا کھانا بلا شبہہ حرام ہے۔ اور اگر سود کے روپے سے خریدی گئی یوں کہ وہ روپیہ دکھا کر کہا گیا کہ اس کے بدلے دے دے اور پھر وہی روپیہ قیمت میں دے دیا تو یہ چیز بھی ناجائز ہو گئی، اور اگر ایسا نہیں تو حرمت نہیں، مگر سود خوار کے یہاں کھانے سے احتراز مناسب ہے۔ اور شبہہ کے مال سے زیادہ احتراز چاہئے مگر حرمت نہیں جب تک معلوم نہ ہو،

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ ہندیۃ[1] عن الذخیرۃ عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔	ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کو نہ پہچانیں، ہندیہ (فتاوٰی عالمگیری) میں ذخیرہ کے حوالے سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے۔ (ت)

وارث اگر جانتا ہے کہ فلاں روپیہ سود کا ہے تو اسے لینا جائز نہیں مورث نے جس سے لیا تھا اسے واپس دے یا تصدق کرے اور اگر کسی معین روپے کی نسبت علم نہیں اتنا جانتا ہے کہ اس میں اس قدر روپے حرام کے ہیں تو اتنا روپیہ مستحق کو پہنچائے، اور اگر یہ بھی نہیں معلوم تو لینے والے پر وبال اور اس کے لئے حلال۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹: مرسلہ محمد تقی مقام بکسر متصل اسٹیشن ریلوے بتوسط حاجی رحیم بخش ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

پیشہ تصویر سے اکل وشرب کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب:

تصویر حرام کے پیشہ سے اکل وشرب جائز نہیں کہ وہ کسب خبیث ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۰ و ۲۶۱: از پیلی بھیت محلّہ محمد شیر محمد متصل مارکیٹ گوشت مرسلہ حبیب احمد صاحب ۲۲/ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) ہندو کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا یا شرینی وغیرہ کھانا یا پانی شربت وغیرہ پینا کیسا ہے؟ اور گڑ اور تیل اور گھی وغیرہ جن میں پانی نہیں جذب ہوتا ہے ان کا کھانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ کسی گاؤں میں جہاں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳۴۲/۵

مسلمان نہ ہو یا ریل کے اسٹیشن پر جہاں مسلمان نہ ہو کیا کرنا چاہئے، ایک واعظ نے کہا تھا کہ ہندو کے یہاں کھانے سے دل میں اندھیرا ہوتا ہے اور ایک مرتبہ کھانے سے چالیس یوم تک دعا قبول نہیں ہوتی، جب ایک دفعہ کھانے سے چالیس یوم دعا قبول نہیں ہوتی تو روز مرہ کھانے سے قلب بالکل سیاہ ہو جائے گا تو اس کھانے پر حرام قطعی ہونے کا فتوٰی ہونا چاہئے، امید کہ جواب مشرح تحریر فرمایا جائے۔

(۲) بے نمازی قطعی جسے کلمہ تک اچھی تک یاد نہ ہو اس کے ہمراہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور گاؤں والے جو رشتہ دار ہوں اور صفت مذکور سے موصوف ہوں ان سے کس طرح سلوک کیا جائے؟

الجواب:

(۱) ہندو کے یہاں گوشت کھانا حرام ہے اور اور چیز میں فتوٰی جواز اور تقوٰی احتراز، امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔	ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کی حرمت کو نہ پہچانیں (ت)

چالیس دن دعا قبول نہ ہونا محض غلط ہے اور ہندوستان میں رہ کر احتراز دشوار۔

"مَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے دین (اسلام) میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) فاسقوں کے ساتھ سلوک میں سلف صالح کا عمل مختلف رہا ہے اور اس کا مبنی مصلحت شرعیہ ہے جسے یہ جانے کہ نرمی سے راہ پر آئے گا اس سے ہدایت کے لئے میل جول کرے اور جسے یہ جانے کہ میرے قطع تعلق سے اس پر اثر پڑے گا اور گناہ چھوڑے گا اس سے ہدایت کے لئے قطع کرے مگر ماں باپ سے کہ ان سے قطع کی کسی طرح اجازت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۲: از رائے پور چھتی گڑھ مرسلہ گوہر علی عرائض نویس نیاپارہ اکھاڑا

شراب خواری کی نسبت کیا مسئلہ ہے؟

الجواب:

شراب حرام ہے اور سب نجاستوں گندگیوں کی ماں ہے اس کے پینے والے کو دوزخ میں دوزخیوں کا جلتا لہو اور پیپ پلایا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

مسئلہ ۲۶۳تا۲۶۵: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدابخش زردوز مالک فلورمل اسلامیہ ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

تقریب طعام شادی کی تین صورتیں ہیں، ہر ایک کی شرکت کا علیحدہ حکم بیان فرمائیں:

(۱) بعض ایسا کرتے ہیں پہلے لوگوں کو دعوت کھلا کر اسی روز یا دوسرے روز بارات نکالتے ہیں اگرچہ جلسہ دعوت میں باجہ وغیرہ نہیں ہوتا مگر دعوت کھانے والے کو معلوم ہے کہ دو ایک روز میں جو بارات یہاں سے نکلے گی اس میں باجہ وغیرہ سب ہوگا۔

(۲) بعض لوگ جب دلھن کو رخصت کرکے گھر لاتے ہیں تب کھانا کرتے ہیں اگرچہ جلسہ دعوت میں کچھ نہیں ہے مگر بارات میں سب کچھ تھا۔

(۳) دلھن کے گھر دعوت ہے اور اس کے یہاں کچھ باجہ وغیرہ نہیں ہے مگر اس کے یہاں جو بارات آئی ہے اس میں باجہ وغیرہ سب کچھ ہے اور دلھن کے گھر والوں کی تین حالتیں ہیں ہر ایک کا علیحدہ حکم تحریر فرمائیں:

(۱) بعض تو دولھا والوں کو فرمائش دے کر باجہ وغیرہ منگاتے ہیں:

(۲) بعض نہ فرمائیش دیتے ہیں نہ منع کرتے ہیں۔

(۳) بعض منع کرتے ہیں مگر دولھا نہیں مانتا اور باجے کے ساتھ آتا ہے۔

ان تینوں میں کس کے یہاں شرکت جائز ہے اور کیا اس تیسرے پر شرعاً الزام ہوسکتا ہے، کیوں نہ اس نے بارات واپس کردی اور کیوں نکاح کردیا، شرکت میں اگر عوام و خواص کا فرق ہو تحریر ہو۔

الجواب:

پہلی دو صورتوں میں شرکت دعوت میں کوئی حرج خصوصاً نہیں خصوصاً دعوت ولیمہ کو سنت ہے اور اس میں بلاعذر شرعی نہ جانا مکروہ۔

ومن لم یجب الدعوۃ فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	جس نے کسی کی دعوت قبول نہ کی اس نے ابا القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (ت)

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ کتاب الکراھیۃ الحدیث الثالث المکتبہ الاسلامیہ ۴/ ۲۲۱

اور تیسرے صورت میں وہی دو صورتیں ہیں جو اوپر گزریں وہ منکرات مکان دعوت میں ہیں یا دوسرے مکان میں اور وہی احکام ہیں جو اوپر بیان ہوئے، وہ کہ فرمائش کرکے ممنوعات شرعیہ منگاتے ہیں سخت گنہ گار اور ان ممنوعات کے کرنے والوں سننے والوں سب کے گناہوں کے ذمہ دار ہیں ان سب پر گناہ ہوگا اور ان سب کی برابر ان پر۔

من دعٰی الی ضلالۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیمۃ لاینقص من اوزارھم شیئا [1]۔	جس شخص نے کسی دوسرے شخص کو گمراہی کی طرف بلایا (اور گمراہی کی دعوت دی) تو اسی داعی پر اس کا گناہ ہے اور اس شخص کا بھی گناہ قیامت تک جس نے اس گمراہی پر عمل کیا لیکن ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہ کی جائے گی (یعنی کاسب اور موجد دونوں کی سزا میں کچھ کمی نہ ہوگی)۔ (ت)

اور وہ جو نہ منگائیں نہ منع کریں وہ بھی گنہ گار ہیں کہ اپنے یہاں گناہ کرنے سے منع کرنا ہر شخص پر واجب ہے اور وہ کہ منع کریں اور ادھر والے نہ مانیں تو اس کا ان پر الزام نہیں۔

"لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ" [2]	کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائیگی۔ (ت)

اور برات کا پھیر دینا یہ مصالح پر موقوف ہے۔ اگر کوئی ضرر نہیں ضرور پھیر دے ورنہ اس ضرر اور اس مفسدہ میں موازنہ کیا جائے جو زیادہ مضر ہو اس سے بچیں۔

من ابتلٰی بلیتین فاختار اھونھما [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کوئی دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے تو وہ ان دونوں میں سے اسے اختیار کرے جو زیادہ آسان اور ہلکی ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۶: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدا بخش زردوز مالک فلور مل اسلامیہ ۲۰/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

تقریب ولادت یا ختنہ یا گھر بھوج یعنی تیاری مکان میں اکثر لوگ کھانا کرتے ہیں یہ اسراف

---

[1] صحیح مسلم کتاب العلم باب من سن سنۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۴۱، جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء من دعا الی ھذا الخ امین کمپنی دہلی ۲ /۹۲، سنن ابن ماجہ باب من سن سنۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹

[2] القرآن الکریم ۶ /۱۶۵

[3] اسرار المرفوعۃ حدیث ۸۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص۲۱۵

ہے یا نہیں اور ان دعوتوں میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں جبکہ اس تقریب میں عورتیں مکان کے اندر ڈھولک سے گاتی بجاتی ہیں اگرچہ مجلس دعوت میں کچھ نہ ہو۔

الجواب:

مجلس دعوت میں ہو یا دوسرے مکان میں سب کے احکام مفصل اوپر گزرے، اور جبکہ منکرات شرعیہ نہ ہوں اور کھانا نیت محمودہ سے ہو تو اسراف نہیں۔ اور ریاء وتفاخر کے لئے ہو تو حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۷: از موضع کسگنجہ ڈاکخانہ گھونگچائی تحصیل پورنپور ضلع پیلی بھیت مرسلہ امانت اللہ محرر ۲۱/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے ہندوؤں کی کسی تقریب میں کھانا کھایا اس میں گوشت مردار جھٹکے کا جس کو ہندو گردن مویشی کی مار کر کاٹتے ہیں زید کے کھانے کے واسطے نہیں دیا، زید نے گوشت مانگا تو ہندوؤں نے انکار کیا کہ مسلمان جھٹکا نہیں کھاتے ہیں زید نے کہا ہمیں کھانے کو دو ہم جھٹکا کھاتیں ہیں ہندوؤں نے زید کو بھی کھانے کے لئے دیا زید نے کھایا، جب اہل اسلام کو معلوم ہوا تو اسے ترک کرکے کھانا کھلانے اور کھانے سے علیحدہ کر دیا، جب زید تائب ہوا تو اہل اسلام نے اس کا قصور معاف کرکے زید کو از سر نو ایمان کی تلقین کی اور میلاد شریف پڑھوا کر اسے شریک کرلیا جس کو عرصہ پانچ برس کا ہوا، اب زید مذکور نے بہمراہی بکر کے ایک چیتل مردار شیر کی ماری ہوئی کاٹ کر گاؤں میں فروخت کی، ایک سپاہی نے خریدنا چاہا تو بوجہ خوف کے سپاہی کو گوشت دینے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ تمھارے کھانے کا نہیں ہے مردار ہے۔ اس چپراسی نے زید کو زدوکوب کیا، اب شرع شریف کا زید کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زید بقید مسخرہ شیطان ہے، اس کے دین ایمان کا کچھ ٹھیک نہیں، مسلمانوں کو اس سے پرہیز لازم ہے۔ اس سے سلام کلام میل جول سب ترک کردیں اس کے ہاتھ کا پانی تک کوئی نہ پئے کیا اعتبار ہے کہ وہ ناپاک پانی مسلمان کو پلائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۸: ۲۲/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

میلاد شریف جس کے یہاں پڑھنے والے کی دعوت کرے تو پڑھنے والے کو چاہئے یا نہیں؟ اور اگر کھایا تو پڑھنے والے کو کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پڑھنے کے عوض کھانا کھلاتا ہے تو یہ کھانا نہ کھلانا چاہئے نہ کھانا چاہئے، اور اگر کھائے گا تو یہی کھانا اس کا ثواب ہوگیا اور ثواب کیا چاہتا ہے بلکہ جاہل میں جو یہ دستور ہے کہ پڑھنے والوں کو عام حصوں سے دونا دیتے ہیں اور بعض احمق پڑھنے والے اگر ان کو اوروں سے دونا نہ دیا جائے تو اس پر جھگڑتے ہیں۔ یہ زیادہ لینا دینا بھی منع ہے اور یہی اس کا ثواب ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا" [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۹: ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص کے یہاں کچھ مویشی ہے اور کنبے کا کھانا ہے اس نے میلاد شریف پڑھنے والوں کو بھی کہا ہے کہ تمھاری دعوت ہے تو کھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

جب کسی کے یہاں شادی میں عام دوت ہے جیسے سب کو کھلایا جائے گا پڑھنے والوں کو بھی کھلایا جائے گا اس میں کوئی زیادت و تخصیص نہ ہوگی تو یہ کھانا پڑھنے کا معاوضہ نہیں۔ کھانا بھی جائز اور کھلانا بھی جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰: از باگ ضلع امجھرہ ریاست گوالیاء مکان منشی اوصاف علی صاحب مرسلہ شیخ اشرف علی صاحب سب انسپکٹر ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید کو کوئی خبر خوشی کی آئے اور زید اس کے شکریہ میں کھانا یا مٹھائی تقسیم کی تو کیا اس میں اغنیاء و فقراء دونوں شامل ہو سکتے ہیں یا صرف اغنیاء؟

الجواب:

فقیر اور اغنیاء دونوں شامل ہو سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱ و ۲۷۲: از پودل سوپول ڈاکخانہ ہیرول ضلع (دربھنگہ بلگرام مرسلہ عبدالحکیم صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) ہندو کے یہاں کا پکا ہوا، شیرینی یا کوئی چیز مسلمان کو کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور میلاد شریف وغیرہ میں ہندو کے یہں کا پکا ہوا یا بنا ہوا تقسیم کرنا چاہئے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۴۱

(۲) میلاد شریف میں قوالی کی طرح پڑھنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ہندو کے یہاں کا گوشت اور اس کی جس شے کی نسبت معلوم ہو کہ اس میں کوئی چیز حرام یا نجس ملی ہے وہ ضرور حرام ہے اور جس شے کا حال معلوم نہیں وہ جائز ہے مجلس شریف میں بھی اسے خرچ کر سکتے ہیں اور بہتر بچنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) قوالی کی طرح پڑھنے سے اگر یہ مراد کہ ڈھول ستار کے ساتھ جب تو حرام اور سخت حرام ہے۔ اور اگر صرف خوش الحانی مراد ہے تو کوئی امر مورث فتنہ نہ ہو تو جائز بلکہ محمود ہے اور اگر بے مزامیر گانے کے طور پر راگنی کی رعایت سے ہو تو ناپسند ہے کہ یہ امر ذکر شریف کے مناسب نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳: از مدرسہ منظر الاسلام مرسلہ عبدالقوی صاحب بنگالی متعلّم مدرسہ مذکور ۱رجب المرجب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صدف کو بجائے چامیس یعنی چمچے کے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔ سیپ کا کھانا حرام ہے سیپ کے چمچے سے کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: از اروہ نگلہ ڈاکخانہ اچھنیرا ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں صاحب ۲۵ شوال ۱۳۳۶ھ

ایک شخص کہتا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا پینا، اپنے برتنوں میں کھلانا، ان کے برتنوں میں کھانا اور ان کا حقہ پینا اور ان کو اپنا پلانا جائز ہے۔ دلیل جواز میں یہ آیت پیش کرتا ہے:

"اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫"[1]	(لوگو!) تمھارے لئے ستھری اشیاء حلال کردی گئی اور ان لوگوں کا کھانا جنھیں کتاب دی گئی تمھارے لئے حلال ہے اور تمھارا کھانا انکے لئے حلال ہے۔ (ت)

الجواب:

امور مذکور ممنوع ہیں۔ اس میں ان کے ساتھ مجالست ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸"[2]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھ بے انصافوں کے۔

[1] القرآن الکریم ۵/۵

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

علماء فرماتے ہیں۔اس میں قباحت تک ہر کافر وبدمذہب داخل ہے **والقعود مع کلھم ممتنع** (ہر کافر کے ساتھ بیٹھنا ممنوع ہے۔ت) یہ ان کی طرف میل کا موجب ہے۔اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1]	بے انصافوں کی طرف میل نہ کروکہ تمھیں جہنم کی آگ چھوئے گی۔

بدمذہب کے لئے حدیث میں ارشاد ہے:

لاتؤاکلوھم ولاتشاربوھم [2]	نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤنہ پیو۔

نہ کہ جو مسلمان ہی نہیں اس میں مسلمانوں کو اپنے سے نفرت دلانا ہے۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشروا ولاتنفروا [3]	بشارت دو اور نفرت نہ دلاؤ۔

آیہ کریمہ میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے گیہوں، چاول، دودھ، دہی تو مشرک کے یہاں کا بھی حلال ہے جبکہ نجس نہ ہو، اہل کتاب کی کیا تخصیص، ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم تفاسیر اور بیہقی سنن میں حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ ابن حمید حضرت مجاہد اور عبدالرزاق مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی فرماتے ہیں:

طعام الذین اوتو الکتب ذبائحھم [4]	طعام اہل کتاب سے ان کے ذبیحہ حرام مراد ہیں۔

شرع مطہر میں ہر غیر مسلم کافر ہے یہودی ہو یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک، جو اہل کتاب کو کافر نہ جانے خود کافر ہے۔اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا" [5]	بیشک وہ جو کافر ہیں کتابی اور مشرک، سب جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] کنز العمال حدیث ۳۲۴۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹

[3] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[4] الدر المنثور بحوالہ ابن المنذر وابن ابی حاتم والبیھقی فی النن وعبد بن عن مجاہد وعبدالرزاق عن ابراہیم النخعی ۲/ ۲۶۱

[5] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

" لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ "[1]	بیشک کافر ہیں وہ جو مسیح ابن مریم کو خدا کہتے ہیں۔

مسئلہ ۲۷۵: از موضع سران ڈاکخانہ بشندور تحصیل وضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۸/ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طعام کو حاضر رکھ کر کھانا سے پہلے دعا کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے بلکہ مطلق دعا مسنون ہے کہ حدیث میں ہے، جب کھانا لاکر رکھا جائے کہو:

بسم اللہ وباللہ بسم اللہ خیرالاسماء فی الارض وفی السماء لایضر مع اسمہ داء اجعل فیہ رحمۃ وشفاء[2]۔	اللہ تعالٰی کے بابرکت نام سے اور اس کی مقدس ذات سے۔ اللہ تعالٰی کے نام سے کہ زمین وآسمان میں جس کے سب سے اچھے نام ہیں، اس کے نام کے ساتھ کوئی بیماری تکلیف نہیں دیتی۔ اللہ تعالٰی اس میں شفاء اور رحمت فرمائے۔(ت)

یہ دعا نہیں تو کیا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶و۲۷۷: از بھیرہ ضلع شاہ پور محلّہ پراچگان مسئولہ محمد رحیم پراچہ باب لی ۷/ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) شہد کا اتارنا جائز ہے یا ممنوع؟ **(۲)** اگر جائز ہے تو شرعاً کچھ بیت النحل میں چھوڑنا لابدی ہے یانہ؟

الجواب:

(۱) و **(۲)** شہد کا اتارنا بلاشبہ جائز ہے:

قال اللہ تعالٰی " یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے ایک مشروب (پینے کی چیز) نکلتا ہے کہ جس کے رنگ الگ الگ (اور جدا) ہیں اس میں لوگوں کے لئے شفا (تندرستی) ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۷۲

[2] کنزالعمال حدیث ۴۰۷۹۹ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۲۴۹

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۶۹

اور بیت النحل میں اس کا کچھ حصہ چھوڑنا ضروری نہیں کہ وہ ان کی غذا نہیں ان کی غذا پھل پھول ہیں۔

قال تعالٰی "ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: پھر تو ہر قسم کے پھلوں سے کھالیجئے۔ (ت)

شہد تمام و کمال ہمارے لئے ہے:

قال تعالٰی "خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (لوگو!) اللہ تعالٰی نے تمھارے لئے پیدا فرمایا وہ سب کچھ جو زمین میں موجود ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی عبید اللہ صاحب بنگالی ۱۴/ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی کافر ایک برتن میں کھانا کھائے اور برتن میں کچھ کھانا باقی رہے تو باقی کھانا مسلمان کھاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں حضرت شیخ سعدی قدس سرہ پر کہ فرماتے ہیں:

نیم خوردہ سگ ہم سگ راشاید

(کتے کا جھوٹا کتے ہی کے لائق ہے یعنی وہی کھائے۔ ت)

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشروا ولاتنفروا**[3] (خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۹: از جبلپور بازار لارڈ گنج مرسلہ احمد علی محمد کچھی ۱۴/ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عالم صاحب اپنی ایک گجراتی تصنیف میں تحریر فرماتے ہیں کہ کچا انڈا حرام ہے اور پکا ہوا جائز ہے۔ تو ظاہر فرمائیے کہ اس میں شریعت مطہر کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حلال جانور کا کچا پکا انڈہ سب حلال ہے۔ ہاں وہ کہ خون ہو جائے نجس و حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۹

[3] سنن ابی داؤد باب کراھیۃ المراء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

مسئلہ ۲۸۰تا۲۸۲: از ڈاکخانہ شیر پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ شبیر الحسن صاحب ۱۲/ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) اہل ہنود کی اشیاء خوردنی کااستعمال ایک مسلمان کے لئے کہاں تک جائز ہے؟

(۲) یونہی اہل ہنود کے ہمراہ کھانا کھانا۔

(۳) کیااوپر کے مسائل کے جواب ہر غیر مسلم پر عائد ہوسکتے ہیں اگرنہ توغیر مسلم کے بارے میں اوپر کے ہر دو مسائل کاکیاجواب ہوگا؟

الجواب:

(۱) اشیائے خوردنی جو شریعت نے حلال فرمائی ہیں حلال ہیں ہنود کی کوئی تخصیص نہیں کہ وہ چیزیں خاص ہندوؤں کے کھانے کی ہیں ہاں ہندو کے یہاں کا کھانا اگر گوشت ہے حرام ہے اور اس کے سوا ار چیزیں مباح ہیں، جب تک ان کی حرمت یانجاست تحقیق نہ ہو، اور بچنااولٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ہندو کے ساتھ کھانا کھانے کاسوال بے معنی ہے۔ ہندو کب اسی کے ساتھ کھائے گا۔ اور ایسا ہو تواسے نہ چاہئے۔ حدیث میں ہے:

لاتواکلوھم ولاتشاربواھم[1] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان کے ساتھ پانی پیو۔

(۳) غیر مسلم چار قسم ہیں: کتابی، مجوسی، مشرک، مرتد، کتابی اگر کتابی ہو ملحد نہ ہو تواس کا ذبیحہ اور اس کے یہاں کا گوشت بھی حلال ہے اور باقیوں کے یہاں کا گوشت حرام۔ اور مرتد ان میں سب سے خبیث تر ہے اس کے پاس نشست برخاست مطلقًا ناجائز ہے۔ اور ساتھ کھانا ہر کافر کے ساتھ برا ہے۔ پھر اگر اس میں بدمذہبی کی تہمت ہو جیسے نصرانی کے ساتھ کھانا مسلمانوں کے لئے زیادہ باعث نفرت ہو تواس کاحکم اور سخت تر ہوگا ورنہ اس اصل حکم میں کہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ پانی نہ پیو سب برابر ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۳: از آلہ باد مدرسہ سبحانیہ مولوی ابراہیم صاحب ۱۷/ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے اپنی لڑکی کی شادی کی اور اس کا مہر لے کر لوگوں کو کھانا کھلایا کھانے تیار ہوجانے پر لڑکی سے اجازت لی یہ کھانا کھانا کیسا ہے۔ عمرو کہتاہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ بعد تیار ہونے کی اجازت لی ہے تواس وقت

[1] کنزالعمال حدیث ۳۲۵۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۴۰

لڑکی نے مجبوراً اجازت دے دی پہلے اس سے اجازت نہ لی۔

الجواب:

شرع مطہر ظاہر کو دیکھتی ہے جب اس نے اجازت دی اجازت ہو گئی، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[1]۔	پچھلی اجازت سابقہ وکالت کی طرح ہے۔(ت)

اور یہ احتمال کہ مجبوری سے اجازت دی پہلے سے اجازت لینے میں بھی قائم تھا بلاد اوہام کا اعتبار نہیں، اس کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۴: از چتورگڑھ میواڑ محلّہ چھیپیاں بر مکان قاضی اسمٰعیل محمد صاحب مسئولہ جمیع مسلمان کنگرار ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہیجڑہ اگر دعوت کرے اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

ہیجڑے کے یہاں دعوت کھانے کو نہ جایا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۵و۲۸۶: از محلّہ میاں ہٹے ضلع سارن ڈاک خانہ مانجن مسئولہ عبدالعزیز میاں مدرس مدرسہ ۱۴/ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

(۱) کھڑے ہو کر پانی پینا کیوں منع ہے؟ اس کا ثبوت مع حدیث۔

(۲) روٹی چار ٹکڑے کرکے کیوں کھاتے ہیں اور ایک ہاتھ سے روٹی پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے توڑ کر کیوں کھاتے ہیں۔ اس کا ثبوت مع حدیث دیجئے، اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ کس مذہب میں امام اعظم کے نزدیک یا کس امام کے نزدیک جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

(۱) سوائے زمزم شریف وبقیہ وضو کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے۔ اس کی حدیثیں وفقہی بحث کتب علماء میں موجود ہے۔

(۲) روٹی کے چار ٹکڑے کرنا کوئی ضروری بات نہیں، بائیں ہاتھ میں لے کر دہنے ہاتھ سے نوالہ توڑنا دفع تکبر کے لئے ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح باب اولیاء والاکفاء دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۵

مسئلہ ۲۸۷: از رچھا روڈ ضلع بریلی مسئولہ حکیم حمد احسن ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان دھوبی کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: از داناپور کیمپ محلّہ شاہ ٹوپی مکان جناب حکیم محمد کفیل صاحب مسئولہ حافظ محمد جعفر ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ دسترخوان پر صحابہ کرام یا اور کوئی مہمان طعام تناول فرماتے تھے تو آپ کو جو کچھ اشیائے خوردنی دسترخوان پر موجود تھیں تھوڑی تھوڑی سب چیز لوگوں کو تقسیم کرتے تھے۔ یا خود تناول فرماتے تھے مع حوالہ حدیث مطلع فرمائے۔ اس ہندوستان میں لوگوں نے دسترخوان میں فرسٹ سکینڈ بنا رکھا ہے۔ جیسے انگریزی کلاس ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دسترخوان پر قسم قسم کے متعدد کھانے نہ ہوتے تھے کہ تھوڑا تھوڑا سب میں تقسیم ہوتا **ما اجتمع لونان فی فی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دہن اقدس میں کبھی دو رنگ کے کھانے جمع نہیں ہوئے۔ت) دسترخوان میں فرسٹ سکینڈ سے کیا مقصود ہے۔ ظاہراً یہ کہ کوئی سنت نصارٰی کا اتباع ہوگا حاضرین میں تفریق بدعت ہے اور ایک فریق کی تذلیل ودل شکنی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹ و ۲۹۰: از بنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں عالم اہلسنت ناصر ملت علامہ زماں محقق دوراں راس العلماء رئیس الفضلا حضرت مولانا الشیخ الحاج احمد رضاخاں صاحب مجدد المائۃ الحاضرہ ادامہ اللہ تعالٰی بفیوضہ الباطنۃ الظاہرۃ (سنت اور اہل سنت کے عالم دین کے مددگار، زمانے میں سب سے زیادہ جاننے والے، دور حاضر میں مسائل کی تحقیق کرنے والے، علماء کے سرتاج فاضلوں کے امام حضرت مولانا شیخ حاجی احمد رضاخاں صاحب موجودہ صدی کے مجدد، اللہ تعالٰی ظاہر اور باطنی فیض کے ساتھ انھیں ہمیشہ رکھے۔ت)

(ا) دعوت ولیمہ اور طعام کے متعلق ظاہر الروایۃ کا صرف یہ حکم ہے:

رجل دعی الی ولیمۃ او طعام جد ھناك لعبا اوغناء فلا باس بان یقعد ویاکل کما فی الجامع الصغیر [1] ۔	کسی شخص کو دعوت ولیمہ یا ویسے کھانے کی طرف مدعو کیا گیا پھر اس نے وہاں کھیل کود اور گانا بجانا پایا تو کوئی حرج نہیں کہ وہ وہاں بیٹھ جائے اور کھانا کھائے جیسے کہ جامع صغیر میں موجود ہے۔(ت)

لیکن شرح وفتاوٰی میں اس کے متعلق بہت سے قیدیں ہیں۔ چنانچہ عبارت ہدایہ یہ ہے کہ:

ولو کان ذٰلك علی المائدۃ لاینبغی ان یقعد ان لم یکن مقتدٰی لقولہٖ تعالٰی فلا تقعد الایۃ وھذا کله بعد الحضور ولم علم قبول الحضور ولایحضر الخ ملخصًا [2] وھکذا فی الدر والکنز والھدایۃ وقاضی خاں وغیرھا۔	اگر یہ بدعات کھانے کے دستر خوان کے پاس موجود ہوں تو پھر مناسب نہیں کہ یہ بیٹھے اگرچہ یہ پیشوانہ ہو، اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو" (الآیۃ) اور یہ سب کچھ حاضر ہونے کے بعد ہے۔ اگر جانے سے پہلے ہی بدعات کا پایا جانا معلوم ہو تو پھر وہاں نہ جائے الخ ملخصًا۔ اور ایسے ہی در، کنز، ہدایہ اور قاضی خاں وغیرہ میں ہے۔(ت)

ظاہر الروایت میں ھنالک عام ہے منزل اور مائدہ دونوں کو شامل، مگر شروح فتاوٰی میں تفریق کرکے جداگانہ حکم لکھا ہے۔ اسی طرح رجل عام ہے عالم وجاہل سب کو شامل ہے۔ مگر فتاوٰی تفصیل کرکے دونوں کا حکم علیحدہ لکھا علی ھذا علم قبل الحضور اور بعد الحضور سے احکام مختلف ہوجاتے ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ظاہر روایت میں شارحین کی یہ تقییدات معتبر ہوں گی یا نہیں اگر معتبر ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارحین علیہم الرحمۃ کی تقیید کے موافق جب یہ مسئلہ ہے کہ اگر عامی دعوت میں جائے اور وہاں لعب وغنا پائے اگر مائدہ کے پاس ہو تو چلا آئے اور اگر منزل میں ہو تو کھالے حالانکہ حرمت استماع ملاہی دونوں صورتوں پائی جاتی ہے پھر تشقیق کا حاصل کیا ہے اسی طرح علم قبل الحضور کی صورت میں عام وخاص سب کے لئے ممانعت ہے کہ نہ جائے، اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا شرکت کی ممانعت عام ہے کہ نہ جائے، اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا شرکت کی ممانعت اسی وقت ہے جبکہ کھانے کے وقت لعب وغنا کا وجود ہو اور اگر کھانے کا وقت

[1] الجامع الصغیر کتاب الکراھیۃ مسائل من کتاب الکراھیۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۵۲

[2] الھدایہ کتاب الکراھیۃ فصل الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۵۳

گزار کر دوسرے وقت لعب وغنا کا وجود ہو مگر کھانے کے وقت نہ ہو تو جائز ہے اگر یہ صحیح ہے تو سوال یہ ہے کہ نفس ارتکاب مناہی وملاہی میں دونوں برابر ہیں وجہ تفریق کیا ہے بعض لوگ دوپہر کو کھانا کرتے ہیں اور شام کو برات میں تمامی خرافات باجے وغیرہ رکھتے ہیں تو کیا اس کے یہاں علم قبل الحضور کی صورت میں جائز ہوگا؟

(۲) زید کہتا ہے کہ فی زمانناجو دعوتیں دی جاتی ہیں ان میں عموما فخر وتطاول وانشاء الحمد کا خیال ہوتا ہے اور فقہاء اس قسم کی دعوتوں کو منع فرماتے ہیں لہٰذا وہ کسی دعوت میں نہیں جانا اس کا یہ فعل کیسا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ آج کل حبوب طعام کی بہت بے قدری ہوتی ہے **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) تقیید مطلق وتخصیص عمومات وتفصیل مجمل وتوضیح مبہمات منصب شراح ہے اسی غرض کے لئے وضع شروح ہے وہ اس سے مبائن نہ سمجھے جائیں گے بلکہ مبین **کما فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار** (جیسا کہ ردالمحتار (فتاوٰی شامی) وغیرہ قابل اعتماد بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔ت) استماع یعنی قصد سننا یہ تو اس کا فعل ہے اور اس میں منزل بھی شرط نہیں کہیں ہو اور کتنی ہی دور ہو جہاں سے آواز آئے، یہاں نظر علماء اس عاصی بالقصد کی طرف نہیں بلکہ متقی کی جانب جو اتباع شرع چاہتا ہے اس کے لئے مائدہ ومنزل کا فرق ظاہر ہے مائدہ پر ہو تو فساق کے ساتھ بیٹھنا ہوگا اور آیہ کریمہ

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸"[1] (یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ت) کا خلاف، بخلاف منزل۔ جب یہ شرکت دعوت کے لئے جاتا ہے اور دعوت کے وقت ملاہی نہیں تو یہ شریک اثم نہ ہو بعد کو وہ جو کچھ کریں ان کا فعل ہے **فافترقا** (پس دونوں فرق ظاہر ہوگیا۔ت) اور یہ حکم شراح ہنوز محل وطالب تفصیل ہے جسے فقیر نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اس کا خلاصہ یہ کہ اس کا ان پر ایسا رعب ہے کہ اس کے سامنے نہ کرسکیں گے تو ضرور جائے کہ اس کا جانا نہی عن المنکر ہے۔ اور اگر انھیں اس سے ایسا علاقہ محبت ہے کہ اس کا شریک نہ ہونا کسی طرح گوارہ نہ کریں گے تو ضرور شرکت سے انکار کرے جب تک وہ ترک ملاہی کا عہد وپیمان نہ دیں، اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو تفصیل وہ ہے کہ شراح نے ذکر فرمائی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) قبول دعوت سنت ہے فقہاء کرام کا حکم غیر معین پر ہے اور نہ ہر گز ان کے یہاں تعمیم، نہ اصلا اس پر دلیل قویم۔ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جہاں ایسا ہو وہاں نہ جانا چاہئے۔ غیر معین پر حکم کسی معیّن

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۶۸

مسلمان کے لئے سمجھ لینا بدگمانی ہے جب تک اس کے قرائن واضحہ نہ ہو اور بدگمانی حرام۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [1] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم الظن فان الظن اکذب [2] الحدیث۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ الحدیث۔ (ت)

بحال قصد تفاخر اگر یہ جاتا تو ایک نامناسب ہی بات ہوتی۔ بنایہ امام عینی میں ہے:

اجابۃ الدعوۃ سنۃ ولیمۃ اوغیرہا واما دعوۃ یقصد بہا التطاول اوابتغاء المحمدۃ اوما اشبہہ فلیس ینبغی اجابتہا لاسیما اھل العلم فقد قیل ماضع احد یدہ فی قصعۃ غیرہ الاذل لہ [3]۔ ملخصًا۔	دعوت قبول کرنا سنت ہے خواہ دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور، لیکن جس دعوت میں تفاخر اور مدح سرائی یا اس قسم کی باتیں ہوں تو پھر ایسی دعوت قبول کرنا مناسب نہیں خصوصا علم و فضل رکھنے والوں کے لئے، کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ کسی نے ہاتھ دوسرے کے پیالے میں رکھا تو یہ اس کے لئے ذلت اختیار کرے گا۔ ملخصًا۔ (ت)

اور اب کہ ایک مسلمان پر بلادلیل یہ گمان کیا کہ اس کی نیت ریا وتفاخر و ناموری ہے تو یہ حرام قطعی ہوا، حبوب طعام کی اگر بے ادبی ہوتی ہے تو جائے اور اس سے منع کرے اگر نہ مانے تو وبال ان پر ہے۔ امام ابوالقاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں میں آج کل دعوت میں جانے کی کوئی نیت نہیں پاتا ہوں سوا اس کے کہ نمک دانی روٹی پر سے اٹھاؤں۔ ہندیہ میں ہے:

لایجوز وضع القصاص علی الخبز و السکرجۃ کذا فی القنیۃ قال الامام الصفار لااجد فی نیۃ الذھاب الی الضیافۃ سوی ان	روٹی اور چپاتی پر پیالوں کا رکھنا درست نہیں۔ اسی طرح قنیہ میں مذکور ہے۔ امام صفار نے فرمایا میرا دعوت میں جانے کا سوائے اس کے کوئی مقصد

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح بخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ عزوجل من بعد وصیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

[3] البنایہ فی شرح الہدایہ کتاب الکراھیۃ فصل فی الاکل والشرب المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۴/ ۲۰۴

ارفع المملحة عن الخبز کذا فی الخلاصة[1]	نہیں کہ میں نمک دانی روٹی پر سے اٹھالوں ایسے ہی خلاصہ میں ہے۔(ت)

جب یہ نہی عن المنکر کی نیت سے جائے گا ثواب پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۱: از ڈاکخانہ گریفہ مقام چٹکل گوری پور ضلع ۲۴ پرگنہ مسئولہ تبارک حسین ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سود خوار، بے نمازی، شرابی، ہیجڑا، مخنث اور جس کی بی بی سر بازار باہر نکلتی ہوں ان کے ساتھ کھانا کیسا ہے ایک شخص دوسرے کی بی بی کو زبردستی لے آیا ہے تین برس بعد نکاح کیا پہلے شوہر نے اب تک طلاق نہ دی یہ نکاح اور اس کے ساتھ کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سود خوار، بے نمازی، شرابی، مخنث کسی کے ساتھ کھانا نہ چاہئے خصوصا شرابی کہ اس کے ہاتھ اور منہ پاک ہونے کا کچھ اعتبار نہیں جس کی بی بی سر عام بے پردہ پھرتی ہو اگر ستر کامل نہیں کرتی مثلا سر کے بالوں یا گردن یا پیٹ یا بازوں یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ کھلا ہوا یا باریک کپڑے سے چمکتا ہو اور وہ اس پر مطلع ہے اور منع نہیں کرتا تو دیوث ہے اس کے ساتھ بھی کھانا نہ چاہئے، جو پرائی عورت کو بھگا لایا ہے اور شوہر زندہ ہے اور طلاق نہ دی اور نکاح کرلیا وہ اس نکاح کے بعد بھی زانی ہے۔ اور یہ نکاح باطل محض ہوا ایسے شخص سے میل جول اصلا نہ کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

جلد ۲۱ شرب وطعام کے عنوان پر ختم ہو گئی

جلد ۲۲ ان شاء اللہ ظروف کے عنوان سے شروع ہو گی۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الحادی عشرۃ فی الکراھیۃ فی الاکل نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۱

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۲

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡہُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۲

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ _______ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء _______ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۲۲
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج وتصحیح ________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین
باہتمام وسرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۶۹۲
اشاعت ________ جمادی الاخرٰی ۱۴۲۳ھ / اگست ۲۰۰۲ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ اہلسنّت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوھڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا۔ اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسول الکریم تقریبًا بارہ ۱۲ سال کے مختصر عرصہ میں بائیسویں ۲۲ جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارۃ کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی، کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المغاربہ، کتاب لامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب، کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید، کتاب الذبائح، کتاب الاضحیہ اور کتاب الحظر والاباحۃ کے حصول اول پر مشتمل اکیس ۲۱ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات، اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے۔

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ____ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

۲۰	کتاب الشفعه، کتاب القسمه، کتاب المزارعه، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیه	۳۳۴	۳	صفر المظفر ____ ۱۴۲۲ ____ مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر والاباحة (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل ____ ۱۴۲۳ ____ مئی ۲۰۰۲	۶۷۶

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضافاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس ۲۰ جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھاگیاہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء و مشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ شائع ہونے والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، عام طور پر فقہ وفتاوٰی رضویہ کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتاہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا لہٰذا اکیسویں جلد سے مسائل حظر واباحت کی اشاعت کاآغاز کیاگیا۔ اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق انیق کو انتہا قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کررہے ہیں۔

یاد رہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم جلد میں کتاب الحظر والاباحۃ کے عنوان پر مشتمل جلد جس کی مکتبہ رضا ایوان عرفان بیسلپور نے جلد دہم اور رضا اکیڈمی بمبئی نے جلد نہم کے شائع کیا ہے وہ غیر مرتب اور غیر مبوب ہے اس میں شامل بعض رسائل کی ابتداء وانتہا ممتاز نہیں، کچھ رسائل بے نام شامل ہیں جبکہ بعض رسالوں کے مندرجات یکجا ہونے کی بجائے متفرق منتشر طور پر مذکور ہیں اس جلد میں شامل دونوں حصوں کے عنوانات ومسائل ایک جیسے ہونے کے باوجود دونوں کی فہرست یکجا نہیں کی گئی۔ لہٰذا اس کی ترتیب وتبویب خاصا مشکل اور وقت طلب معاملہ تھا۔ راقم نے متوکلا علی اللہ اس پر کام شروع کیا تو اللہ تعالٰی کے فضل وکرم، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظر عنایت اور اعلحضرت علیہ الرحمۃ کے روحانی تصرف وکرامت کے صدقے میں توقع سے بھی کم وقت میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ **الحمدُللہ علی ذٰلک۔**

کتاب الحظر والاباحۃ کی ترتیب میں ہم نے جن امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) حظروا باحت سے متعلق فتاوٰی رضویہ قدیم کے دونوں مطبوعہ حصوں کی (استفتاء میں مذکور) مسائل کے اعتبار سے یکجا بتویب کردی ہے۔
(ب) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق مسائل مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلق باب کے تحت درج کیا ہے۔
(ج) فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل مسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیا ہے۔
(د) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔
(ھ) بے نام رسائل کے ناموں کو ظاہر کیا ہے۔
(و) جن رسائل کے مندرجہات ومشمولات یکجانہ تھے ان کو اکٹھا کردیا ہے۔
(ز) حظروا باحت سے متعلقہ بعض رسائل اعلیحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی مناسب جگہ پر شامل اشاعت کردیا ہے۔
(ح) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب سابق ترتیب سے مختلف ہوگئی، لہذا پوری کتاب کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے تیار کرنا پڑی۔
(ط) جلد ہذا میں شامل تمام رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست مرتب کی گئی۔
(ی) اعلحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بعض مقامات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے تبحر علمی کے پیش نظر ایسے مسائل بھی زیر بحث لے آتے ہیں جو متعلقہ ابواب میں سے کسی کے تحت مندرج نہیں ہوسکتے ایسے مسائل کے لئے مفصل فہرست کے بعد ہم نے ضمنی مسائل کے عنوان سے الگ فہرست مرتب کی ہے۔

کتاب الحظروالاباحۃ کے مترجم

سوائے ان رسائل کے جن کو اب فتاوٰی نئے سرے سے شامل کیا گیا ہے پوری ''کتاب الحظروالاباحۃ'' کی عربی اور فارسی عبارات کا مکمل ترجمہ جامع منقول ومعقول، فاضل جلیل، محقق شہیر، مصنف کتب کثیرہ، فخر المدرسین حضرت مولانا علامہ مفتی قاضی محمد سیف الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جو استاذ الاستاذہ حضرت علامہ مولانا محمد عبدالسبحان بن مولانا مظہر جمیل بن مولانا مفتی محمد غوث (کھلابٹ، ہزارہ) کے صاحبزادے اور اساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد خلیل صاحب محدث ہزاروی کے نواسے ہیں، آپ نے تمام درسیات اپنے والد گرامی سے پڑھیں فارغ التحصیل ہوتے ہی

درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے اور یہاں سالہا سال آپ نے اہلسنت کے معروف ادارے جامعہ رحمانیہ ہری پور میں بطور شیخ الحدیث تدریسی فرائض سرانجام دئے، آپ کے آباء واجداد نے ڈنکے کی چوٹ پر احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیا، چنانچہ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا قاضی محمد عبدالسبحان صاحب اور برادر اکبر حضرت مولانا قاضی غلام محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی متعدد درسی وغیر درسی تصانیف ارباب علم میں معروف ہیں۔ مناظرہ ورد بدمذہبیاں خصوصا رد وہابیہ میں ان بزرگوں کی خدمات کو اہل سنت وجماعت میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

بائیسویں جلد

یہ جلد "کتاب الحظر ولاباحۃ" کا دوسرا حصہ ہے جو ۲۴۱ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۹۲ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں بنیادی طور پر جن پانچ ابواب سے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) ظروف وزیورات

(۲) لباس ووضع قطع

(۳) دیکھنا اور چھونا

(۴) سلام وتحیت وتعظیم سادات

(۵) داڑھی، حلق وقصر، ختنہ وحجامت

دیگر کئی ایک ابواب سے مسائل کثیرہ پر ضمناً گفتگو واقع ہوئی لہذا راقم الحروف نے مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی ایک فہرست بھی قارئین کی سہولت کے لئے تیار کردی ہے نیز اس جلد میں شامل پانچ پر مستقل ابواب سے مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمناً مندرج تھے، تو ان کی فہرست ہم نے متعلقہ باب کی مفصل فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقّت ابہام پیدا نہ ہو۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ رسائل بھی اسی جلد کی زینت ہیں:

(۱) الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ (۱۳۳۷ھ)

سجدۂ تعظیمی کی حرمت کا مفصل بیان اور اس پر قرآن وحدیث سے دلائل وبراہین

(۲) لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی (۱۳۱۵ھ)

داڑھی کے وجوب، اس کی حد اور اس کو کتروانے یا منڈانے کی مذمت کا مدلل بیان

(۳) الطیب الوجیز فی امتعۃ الورث والابریز (۱۳۰۹ھ)

مرد و عورت کون سی دھاتیں کس وزن تک استعمال کر سکتے ہیں نیز ان کا مدار جوتے اور ٹوپی کی حد جواز کا بیان

(۴) مروج النجاء لخروج النساء (۱۳۱۵ھ)

عورتوں کے شرم پردہ کے احکام۔

(۵) صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین (۱۳۰۶ھ)

اس بات کا ثبوت کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہونا چاہئے۔

(۶) ابر المقال فی قبلۃ الاجلال (۱۳۰۸ھ)

بوسۂ تعظیمی کے جواز کا بیان

ان میں سے مقدم الذکر دو[۲] رسالے پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل تھے جبکہ چار رسائل اب شامل کئے گئے ہیں۔

O

جمادی الاخری ۱۴۲۳ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

اگست ۲۰۰۲ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین مفصّل

تانبہ، پیتل، لوہا اور کانسہ تو عورت کو پہننا بھی ممنوع ہے اس سے نماز بھی مکروہ ہوگی۔	۱۳۰	سیم وزر کے چراغ میں فتیلہ روشن کرنا ممنوع ہے اگرچہ روشنی لینا مقصود نہ ہو۔	۱۴۶
چاندی کا چھلا عورتیں پہن سکتی ہیں مرد نہیں۔	۱۳۰	مردوں کو چاندی کا چھلا ہاتھ یا پاؤں میں پہننا حرام ہے۔	۱۴۷
مکروہ چیز پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔	۱۳۰	چاندی کی انگوٹھی بے ضرورت مہر کے لئے پہننا کیسا ہے۔	۱۴۸
مسجد میں امام کو پاؤں دبوانے میں کوئی حرج نہیں۔	۱۳۰	جھوٹے کام کا جوتا پہننا مردوزن کے لئے مکروہ ہے۔	۱۵۰
○ رسالہ **الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز** (مرد اور عورت کون کونسی دھاتیں اور کس وزن تک استعمال کرسکتے ہیں اور کامدار جوتے ٹوپی وغیرہ کے استعمال کی حد جواز کیا ہے۔)	۱۳۱	سونے، چاندی، گلٹ اور ریشم کی چین گھڑی میں لگانا اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔	۱۵۲
انگرکھے اور کرتے میں چاندی سونے کے بوتام بے زنجیر کے لگانے جائز ہیں،	۱۳۱	جس ٹوپی پر ریشم کا کام ہو تو اس کا پہننا جائز ہے یا ناجائز۔	۱۵۲
سونے چاندی کا استعمال مرد کے لئے مطلقًا حرام ہے۔	۱۳۲	ریشم کا ازار بند استعمال کرنا مرد کے لئے ناجائز ہے اور ناجائز کپڑا پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔	۱۵۳
چودہ صورتوں میں مرد کے لئے سونے چاندی کا استعمال جائز ہے۔	۱۳۲	لوہے۔ پیتل اور تانبے وغیرہ کا چھلا اور زیور عورتوں کے لئے بھی ناجائز ہے چہ جائیکہ مردوں کے لئے۔	۱۵۳
فاسقانہ تراش کے کپڑے یا جوتا پہننا گناہ اور درزی اور موچی کو ایسے کپڑے اور جوتے سینا مکروہ ہے۔	۱۳۷	**لباس وضع وقطع**	
مرد کے لئے شرعاً کیسی انگوٹھی جائز اور کیسی ناجائز ہے۔	۱۴۱	(لحاف توشک، عمامہ، ٹوپی، جوتا، وضع وقطع، رنگ وغیرہ)	۱۵۵
سونے اور چاندی کی گھڑیاں رکھنا ممنوع ہے۔	۱۴۵	ریشمی کپڑا پہننا مرد کو حرام ہے حدیث میں اس پر شدید وعیدیں وارد ہیں۔	۱۵۵

عورتوں کو جنگلوں اور پہاڑوں میں بھیجنے والے اور ان کو غیر محرم مردوں سے ہنسی مذاق کی کھلی اجازت دینے والے مرد دیوث ہیں۔	۲۴۴	ایک طوائف کا باقاعدہ نکاح ہوا اس کی نائکہ اور نائکہ کے پیروکار وکیل اور طوائف کے پرانے یار اب اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح یہ نکاح ناجائز قرار دے دیا جائے تاکہ پھر وہ طوائف پرانی حرامکاریاں شروع کردے۔ اس سلسلہ میں ہر ایک پر حکم شرع کیا ہے۔	۲۴۶
دیوث پر جنت حرام ہے۔	۲۴۴	فضول وبے مقصد بات کے بارے میں فتوی نہیں پوچھنا چاہئے۔	۲۴۶
احکام شریعت سے تمسخر واستہزاء اور عالم دین پر لعن طعن کرنا کفر صریح ہے اور اس سے عورتیں نکاح سے نکل جاتی ہیں۔	۲۴۴	جو لوگ اللہ ورسول کو پیٹھ دے کر دیدہ ودانستہ علانیہ کبائر عظیمہ کا ارتکاب کریں ان پر فتوی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔	۲۴۶
مشت زنی کرنیوالے کے لئے وعیدات شدیدہ اور اس گناہ سے بچنے کا طریقہ۔	۲۴۴	منکوحہ طوائف کو شوہر سے الگ کرنے اور حرامکاری پر مجبور کرنے والوں سے مسلمانوں کو قطع تعلق کرنا اور ان سے میل جول سلام کلام چھوڑ دینا ضروری ہے۔	۲۴۶
اجنبی جوان عورت کو جوان مرد کے ہاتھ پاؤں چھونا جائز نہیں اگرچہ پیر ہو۔	۲۴۴	ایک شخص اپنی بیوی سمیت خسر کے گھر رہتا ہے اور سالی سے زنا کرتا ہے جس سے لڑکی کے باپ دادا سب واقف ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں شرعا کیا حکم ہے۔	۲۴۷
جوان لڑکیوں کا اپنی ماں کے پیر اور پیر کی اولاد کے سامنے آنا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۲۴۵	دیوث لعنتی ہے اسے امام بنانا ناجائز ہے۔	۲۴۷
بالغ دولھا کے بدن پر محرم ونامحرم عورتیں ابٹن ملا کرتی ہیں یہ عمل کیسا ہے۔	۲۴۵	مرتکب کبیرہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں، نہ اس پر مرتدوں والے احکام جاری ہوتے ہیں۔	۲۴۷
شریعت نے مرد وعورت میں مذاق کا کوئی رشتہ نہیں رکھا یہ شیطانی وہندوانی رسم ہے۔	۲۴۵	عورت کا غیر محرم منہار کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور اس سے چوڑیاں ڈلوانا اور شوہر کا اس پر راضی ہونا کیسا ہے۔	۲۴۷
عورتوں کا باہم گلا ملا کر مولود شریف پڑھنا جس سے ان کی آوازیں غیر محرموں کو سنائیں دیں باعث ثواب نہیں بلکہ باعث گناہ ہے۔	۲۴۵		

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کسی سنت کا رافع نہیں۔	۳۰۹	جس امر میں شرع سے نہی نہ آئی ہو اور صدر اول کے بعد معمول ہو اس میں موافقت کرکے لوگوں کو خوش کرنا اچھا ہے اگرچہ بدعت ہی سہی۔	۳۱۲
بدعت مذمومہ وہی ہے جو سنت ثابتہ سے متصادم ہو۔	۳۰۹	لوگوں کے طریقہ رائجہ کی مخالفت کرنا اپنے آپ کو مشہور بنانا اور شرعاً مکروہ وناپسندیدہ ہے۔	۳۱۳
مصافحہ کی نظیر تلبیہ حج ہے۔	۳۰۹	حدیث میں شہرت پسندی پر وعید شدید۔	۳۱۳
تلبیہ حج میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم شدت اتباع سنت کے باوجود کچھ الفاظ کا تلبیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اضافہ کرتے تھے۔	۳۰۹	فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۱۴
ہمارے علماء فرماتے ہیں تلبیہ سے مقصود ثناء الٰہی اور اظہار عبودیت ہے لہٰذا اس پر اور کلمات بڑھانا ممنوع نہیں۔	۳۱۰	مصافحہ صدہا سال سے مسلمانوں میں معتاد ومرسوم ہے۔	۳۱۵
مصافحہ سے مقصود جب اظہار محبت ہے تو دوسرے ہاتھ کی زیادت جو کہ ہرگز اس کے منافی نہیں بلکہ بحسب عرف بلاد مؤید ومؤکد ہے زنہار منع نہیں ہوسکتی۔	۳۱۰	مولانا عبدالقادر کا ذکر خیر۔	۳۱۵
دلیل نہم (تاسعًا)	۳۱۰	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کہاں مستحب اور کہاں کہاں ممنوع ہیں۔	۳۱۵
دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مسلمانوں میں صدہا سال سے متوارث ہے۔	۳۱۰	انگوٹھے چومنے کا ایک ناپسندیدہ طریقہ۔	۳۱۶
جو بات مسلمانوں میں متوارث ہو وہ بے اصل نہیں ہوسکتی۔	۳۱۰	کفار وہنود کو سلام کیسے کیا جائے اور وہ سلام کریں تو جواب کیسے دیا جائے۔	۳۱۶
دلیل دہم (عاشرًا)۔	۳۱۱	شیوخ کی قدمبوسی مزارات اولیاء پر جھک کر سلام کرنا اور انھیں چومنا شریعت وطریقت کیسا ہے۔	۳۱۷
لوگوں سے وہ برتاؤ کرو جس کے وہ عادی ہیں۔	۳۱۱	وفد عبدالقیس کی بارگاہ رسالتمآب میں آمد اور والہانہ انداز میں دست وپائے اقدس کو چومنا۔	۳۱۸
لوگوں میں جو امر رائج ہو جب تک اس سے صریح نہی وارد نہ ہو ہرگز اس میں خلاف نہ کیا جائے۔	۳۱۱	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی دعا سے آپس میں نفرت کرنے والے میاں بیوی ایک دوسرے سے گہری محبت کرنے لگے۔	۳۲۰

فہرست ضمنی مسائل

بے زیور عورت کا نماز پڑھنا ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی نظر میں۔	۱۲۸	نیت شرط نماز ہے نہ کہ رکن نماز۔	۳۸۷
سونے کی گھڑی جیب میں ہو تو نماز میں حرج نہیں۔	۱۲۹	مزامیر و سجدہ تحیہ کو جائز قرار دینے والے پیر اور اس کے مرید قابل امامت نہیں۔	۴۰۷
تانبہ، پیتل، لوہا اور کانسہ تو عورت کو پہننا بھی ممنوع ہے اس سے نماز بھی مکروہ ہوگی۔	۱۳۰	خارج نماز آیت سجدہ تلاوت کی گئی تو اس کو سن کر نمازی پر سجدہ واجب نہ ہوگا۔	۳۰۹
مکروہ چیز پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔	۱۳۰	نماز کی تلاوت سے خارج نماز پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔	۴۰۹
سونے، چاندی، گلٹ اور ریشم کی چین گھڑی میں لگانا اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔	۱۵۲	ختم نماز پر سلام کی حکمت۔	۴۰۹
ریشم کا ازار بند استعمال کرنا مرد کے لئے ناجائز ہے اور ناجائز کپڑا پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔	۱۵۳	قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔	۴۵۲
ریشمی جانماز پر نماز پڑھنا جائز ہے۔	۱۷۶	نہ قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو نہ ہی قبر پر نماز پڑھو۔	۴۵۲
بدمذہب مستحق تذلیل ہیں، لہٰذا نماز کی امامت نہیں کراسکتے کیونکہ امامت اعلٰی درجہ کی تعظیم ہے۔	۲۱۲	کسی آدمی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت۔	۴۵۲
فاسق کی امامت ممنوع ہے۔	۲۱۲	یہود و نصارٰی نے قبور انبیاء کو محل سجدہ بنایا جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان پر لعنت وہلاکت کی دعا کی۔	۴۵۳
تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں جاتی یعنی قبول نہیں ہوتی۔	۲۱۷	قبر کے سامنے رکوع و سجود والی نماز مکروہ ہے۔	۴۷۷
ناپسندیدہ امام کے لئے وعید شدید۔	۲۱۸	نماز جنازہ قبر کے سامنے پڑھ سکتے ہیں۔	۴۷۸
عورتیں نماز مسجد سے ممنوع ہیں۔	۲۳۹	بلا جنازہ دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب تک ظن سلامت ہے۔	۴۷۸
دیوث لعنتی ہے اسے امام بنانا ناجائز ہے۔	۲۴۷	قبر کے سامنے نماز ممنوع ہے چاہے مسجد میں ہو، مکان میں ہو یا صحرا میں۔	۴۷۹

ابوداؤد اعمٰی رافضی سخت مجروح متروک ہے امام ابن معین نے اسے کاذب کہا۔	۲۷۷	بخاری ومسلم کا علم محیط نہ تھا۔	۲۹۶
علماء محدثین یحیٰی بن مسلم طائفی کا حافظہ برا بتاتے ہیں۔	۲۷۹	ابراہیم بن بکر راویوں میں چھ ہیں اور سوائے ابراہیم بن بکر شیبانی کے کسی میں ضعف نہیں۔	۲۹۸
حنظلہ بن عبداللہ سدوسی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔	۲۸۷	ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔	۳۳۴
وہ صحیح الحواس نہیں رہا تھا یحیٰی بن سعید قطان)۔	۲۸۷	امام عینی علامہ قہستانی سے اوثق ہیں۔	۴۶۰
وہ ضعیف منکر الحدیث ہے (امام احمد)	۲۸۷	جبرون متہم ہے۔	۴۹۷
وہ تعجب خیز روایات لاتا ہے۔ (امام احمد)	۲۸۷	امام اجل محمد بن عباد تابعی ہیں اور ام المومنین صدیقہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ اور جابر بن عبداللہ کے شاگرد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۵۲۳
وہ کوئی چیز نہ تھا آخر عمر میں متغیر ہوگیا تھا۔ (یحیٰی بن معین)	۲۸۸	امام ابن جریج تابعین سے ہیں امام جعفر صادق کے شاگرد اور امام شافعی کے دادا استاد ہیں۔	۵۲۳
وہ قوی نہیں۔ (امام نسائی)	۲۸۸	امام عطاء بن ابی رباح امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں۔	۵۲۹
امام محدث ابوالخطاب ابن دحیہ بقول شاہ ولی اللہ دہلوی حافظ حدیث متقن ہیں۔	۲۸۸	سلمہ بن محمد مجہول ہے۔	۶۱۲
حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت کردہ احادیث حضرت ابوہریرہ کی مرویات سے زائد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۲۹۵	علی بن جدعان شیعی ضعیف ہے۔	۶۱۲
تصانیف محدثین میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کردہ صرف سات سو جبکہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کردہ پانچ ہزار تین سو احادیث پائی جاتی ہیں۔	۲۹۵	ابن عباس صحابی اور مجاھد وبکر وطلق تابعی ہیں۔	۶۱۵
عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ مصر میں جبکہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے۔	۲۹۵	ام یعقوب اسدیہ کبار تابعین ثقات وصالحات سے ہیں بعض نے صحابیہ کہا۔	۶۲۹
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرنے والے تقریبًا آٹھ سو افراد تھے۔	۲۹۵		

محققین کے نزدیک مفہوم مخالف حجت نہیں۔	۲۸۰	عدم نقل اور نقل عدم میں تمیز نہ کرنا مفاسد جہل وتعصب میں سے ہے۔	۳۰۵
بہت جگہ ید اور یدین میں کوئی فرق نہیں کرتے اور بے تکلف تثنیہ کی جگہ مفرد لاتے ہیں اور ایک ہی امر میں کبھی مفرد اور کبھی تثنیہ بولتے ہیں۔	۲۸۵	نہ کرنا اور بات ہے اور منع فرمانا اور بات ہے۔	۳۰۵
افراد کو نفی تثنیہ کی دلیل سمجھنا عقل سے بعید ہے۔	۲۸۵	ممنوع وہ چیز ہے جو حضور اکرم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے منع فرمائی نہ کہ وہ جو آپ نے نہ کی۔	۳۰۵
دنیا بھر کے مفہوم مخالف ماننے والے یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ کلام کسی سوال کے جواب میں نہ آیا ہو ورنہ بالاجماع نفی ماعدا مفہوم نہ ہوگی۔	۲۸۷	نفی استحباب سے اثبات کراہت لازم نہیں آتا۔	۳۰۶
عدم وجدان کو عدم وجود کی دلیل ٹھہرانا باطل ہے۔	۲۹۴	فعل دلیل جواز ہے اور عدم فعل دلیل ممانعت نہیں۔	۳۰۶
امام بخاری کا کسی حدیث کو نہ جاننا اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام ابوحنیفہ وامام مالک بھی اس حدیث کو نہ جانتے تھے۔	۲۹۶	نہ کردن چیزے دیگر است ومنع فرمودن چیزے دیگر۔	۳۰۶
بخاری ومسلم کے کسی حدیث کے بارے میں عدم علم سے اس حدیث کا عدم وجود لازم نہیں آتا۔	۲۹۶	جو امر جس طرح قوم میں رائج اور ان کے نزدیک الفت و موانست اور اس کی زیادت پر دلیل ہو وہ عین مقصود شرع ہوگا جب تک بالخصوص اس میں کوئی نہی وارد نہ ہو۔	۳۰۷
عدم علم کو علم بالعدم ٹھہرانا سفاہت ہے۔	۳۰۲	کسی قوم کی جو رسم مقاصد شرع کے خلاف ہو وہ بیشک ناپسند ہوگی۔	۳۰۸
حفظ حدیث فہم حدیث کو مستلزم نہیں۔	۳۰۳	جو امر نو پیدا کسی سنت ثابتہ کی ضد واقع ہو اور اس کا فعل فعل سنت کا مزیل ورافع ہو وہ بے شک ممنوع ومذموم ہے۔	۳۰۹
بہت سے حامل فقہ افقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔	۳۰۳	دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کسی سنت کا رافع نہیں۔	۳۰۹
بہت سے حامل فقہ خود فقیہ نہیں ہوتے، عدم نقل اور نقل عدم میں بہت فرق ہے۔	۳۰۳	بدعت مذمومہ وہی ہے جو سنت ثابتہ سے متصادم ہو۔	۳۰۹
عدم النقل لاینفی الوجود یعنی عدم نقل نافی وجود نہیں۔	۳۰۵		

بعض جگہ عدد مذکور سے مقصود حصر نہیں بلکہ اعانت ضبط وحفظ کے لئے صرف مذکورات کا شمار ہوتا ہے۔	۶۱۳	حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا استدلال کہ منہیات رسول منہیات خدا ہیں۔	۶۲۹
احادیث فضائل وخصائص عدد ومعدود کے مختلف ہونے کے باوجود آپس میں متعارض نہیں۔	۶۱۴	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی عادت کریمہ تھی کہ کوئی چیز کتنی ہی مرغوب وپسندیدہ موجب شرعا لازم وضروری نہ ہو تو بیان جواز کے لئے گاہے ترک بھی فرمادیتے یا قولا خواہ تقریرا جواز ترک بتادیتے۔	۶۳۴
جب حرمت تسلیم ہو تو پھر اباحت کہاں۔	۶۱۷	سنت کی تعریف۔	۶۳۴
ایضاح حق ازاحت باطل، استیصال شبہات اور استحصال دلائل کے لئے چند تنبیہات۔	۶۱۸	واجب کی تعریف، اور سنت اور واجب میں فرق۔	۶۳۴
فرض وواجب اور اسی طرح حرام ومکروہ تحریمی کا فرق دربارہ اعتقاد ہے مگر عمل میں دونوں کا حکم ایک ہے۔	۶۲۶	**فوائد فقہیہ**	
فرض وحرام کا منکر کافر۔ ان کی مخالفت میں گناہ، امتثال میں رہ جائے ثواب اور خلاف میں استحقاق غضب وعذاب ہے۔	۶۲۶	گھنڈی اور بوتام ایک ہی چیز ہیں صرف صورت کا فرق ہے۔	۱۱۲
مکروہ تحریمہ صغیرہ ہے۔	۶۲۶	مرد کے لئے چاندی کی چند چیزوں کا استعمال حرمت سے مستثنٰی ہے۔	۱۱۲
ہر صغیرہ اصرار سے کبیرہ اور ہلکا جاننے سے اشد کبیرہ ہو جاتا ہے۔	۶۲۶	ریشم کا لبس یعنی پہننا، اوڑھنا اور جس امر میں ان کی مشابہت ہو ممنوع ہے باقی تمام طرق استعمال روا ہیں۔	۱۱۳
وہ تمام احکام جو حدیث میں ارشاد ہوئے سب قرآن عظیم سے ثابت ہیں۔	۶۲۸	چاندی کی زنجیروں کو چاندی کے کام پر قیاس کرنا درست نہیں کہ دونوں میں فرق بدیہی ہے۔	۱۱۳
جو اخلاقی حکم حدیث میں ہے کتاب اللہ اس سے ہرگز خالی نہیں اگرچہ بظاہر تصریح جزئیہ ہماری نظر میں نہ ہو۔	۶۲۸	کانچ کی چوڑیاں عورتوں کے لئے جائز بلکہ شوہر کے لئے سنگھار کی نیت سے مستحب ہے اور اگر شوہر یا والدین کا حکم ہو تو واجب ہیں۔	۱۱۵

قرآن مجید کو چومنا اور تعظیماً سر اور آنکھوں پر رکھنا سینے سے لگانا مستحب ہے۔	۵۶۳	مسلمان کا جھوٹا کھانا کوئی ذلت نہیں حدیث میں اس کو شفاء فرمایا گیا۔	۵۶۸
والدین کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز اور علماء و صلحاء کی دست بوسی سنت مستحبہ ہے۔	۵۶۶	جس شخص کے لبوں کے بال بڑھے ہوئے ہوں اس کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے۔	۶۰۶
علماء دین و مشائخ صالحین کی دست بوسی و قدمبوسی سنت ہے۔	۵۶۷	بھنگ، چرس اور شراب سب حرام ہیں مگر شراب سب میں بدتر ہے۔	۶۰۶
قرآن مجید ہر شے کا روشن بیان اور کامل شرح ہے۔	۶۱۸	مذہب مفتٰی بہ پر مستعمل پانی پینا مکروہ ہے۔	۶۰۶
علم علی و عمر و صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم کا بیان۔	۶۱۹	شرم وحیاء	
جتنا علم اتنی ہی فہم، جس قدر فہم اس قدر علم۔	۶۱۹	بے حیائی کی بات سے حیا والا ناراض ہو جاتا ہے۔	۲۱۳
علم کے مدارج بے حد متفاوت ہیں وفوق کل ذی علم علیم الاٰیۃ۔	۶۱۹	شیطان ملعون بے حیائی کا استاد ہے۔	۲۱۳
امام شافعی علیہ الرحمۃ کی عالمانہ شان کہ قتل زنبور کا حکم محرم کے لئے قرآن سے ثابت فرمایا۔	۶۳۰	بے ضرورت وحاجت شرعیہ لوگوں سے فحش کلامی ناجائز و خلاف حیاء ہے۔	۲۱۴
ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اٹھارہ انبیاء و رسول سے ہیں جن کا نام پاک سورہ انعام کے ایک رکوع میں بالتصریح ذکر فرما کر ان کی اقتداء کا حکم ہوا۔	۶۳۸	حیا ایمان ہے اور ایمان والا جنت میں ہے۔	۲۱۴
اللہ تعالٰی کے کچھ فرشتے یوں قسم کھاتے ہیں اس کی قسم جس نے فرزندان آدم کو داڑھی سے زینت بخشی۔	۶۳۹	شرم اور کم سخنی ایمان کی دو شاخیں ہیں۔	۲۱۴
شرب و طعام		فحش کسی چیز میں داخل ہو تو اس کو معیوب اور حیاء کسی چیز میں داخل ہو تو اس کو مزین کر دیتا ہے۔	۲۱۴
فاسقوں کے ساتھ کھانے پینے کا اثر	۲۱۱	بدزبان و بے حیاء کے نسب میں خلل ہوتا ہے۔	۲۱۵

حضرت یحیٰی علیہ السلام نے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کیاجب کہ دونوں ہی شکم مادر میں تھے۔	۴۱۷	صحابی کا پیشانی اقدس پر سجدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ تحیہ نہ تھا بلکہ اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ عبادت تھا البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی اس وقت مسجد یعنی موضع سجود تھی۔	۵۵۰
صحابہ کرام نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سجدہ تحیت کی اجازت مانگی تھی نہ کہ سجدہ عبادت کی۔	۴۳۴	حضرت سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سماع کے حاضرین کو ہدایت کہ تالی کیسے بجائیں۔	۵۵۱
ائمہ وعلماء نے رنگ برنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں۔	۴۳۷	حضرت جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے خوشی سے سرشار ہو کر رقص کیااور آپ نے منع نہ فرمایا۔	۵۵۴
شام کے نصاری اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے تھے۔	۴۴۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر کہ تم ہمارے مولٰی ہو حضرت زید رضی اللہ تعالٰی عنہ والہانہ رقص کرنے لگے۔	۵۵۴
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سجدہ کرنے سے منع فرمادیا۔	۴۴۸	حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آخر عمر میں سماع ترک فرمادیا تھا کیونکہ گانیوالا کوئی اہل نہیں ملتا تھا۔	۵۵۶
اہل یمن ایک دوسرے کو سجدہ کرتے تھے۔	۴۴۹	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سجدہ عبادت کی درخواست کرنے والا شخص کون تھا۔	۵۶۱
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلمان فارسی کو سجدہ سے روک دیا۔	۴۵۰	حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے اصحاب نے کہاکہ ہمیں ایک خدا بنادے توآپ نے فرمایاکہ تم جاہل قوم ہو۔	۵۶۱
سلطنت نصاری کا سفیر حضرت کے پاس آیا سجدہ کرنا چاہامگر آپ نے روک دیا۔	۴۵۱	زنا کو اپنے لئے حلال کرنے کی درخواست کرنے والے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکمت سے مسئلہ سمجھایا۔	۵۶۱
تقرر قبلہ روز اول سے ہے۔	۵۱۰	قلندریہ کن کو کہا جاتا ہے۔	۵۷۲
سجدہ تحیہ اور تواجد کے بارے میں ایک مباحثہ کا حال جس کے مصنف مولوی عبدالقادر جونپوری تھے اور انھوں نے ہی مصنف علیہ الرحمۃ کی خدمت میں استفتاء بھیجا۔	۵۴۳	ایک عالم کبیر نے حدیث ممانعت کو صحیح الاسناد نہ سمجھتے ہوئے بدھ کے روز ناخن دانستہ تراشے تو فوراً برص میں مبتلا ہوئے پھر خواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دست اقدس کی برکت سے شفا ہوئی اور فوراً تائب ہوئے۔	۵۷۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

ظروف وزیورات

انگوٹھی سونے، چاندی، تانبے، پیتل اور لوہے وغیرہ کے استعمال سے متعلق مسائل

مسئلہ ۱: از میرٹھ دروازہ کارخانہ داروغہ یادالٰہی صاحب مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناکرتوں اور صدریوں میں چاندی کے بوتام مع زنجیر لگاتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ مولوی رشید احمد صاحب کے شاگرد فارغ التحصیل کہتے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کرتے شریف میں قریب گریبان چاندی کا پتر لگایا ہے اس قیاس پر بوتام مع زنجیر لگانا جائز ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

چاندی کے صرف بوتام ٹانکنے میں حرج نہیں کہ کتب فقہ میں سونے گھنڈیوں کی اجازت مصرح۔

فی الدرالمختار عن التتارخانیہ عن السیر الکبر لا بأس بازرار الدیباج والذہب [1]۔	درمختار میں تتارخانیہ کے حوالے سے سیر کبیر سے منقول ہے کہ ریشم اور سونے کی گھنڈی کے استعمال میں کچھ حرج نہیں۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الکراھیۃ فصل فی اللباس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۹

اور گھنڈی اور بوتام ایک چیز ہے صرف صورت کا فرق ہے، اور جب سونا جائز تو چاندی بدرجہ اولٰی جائز، مگر یہ چاندی کی زنجیریں کہ بوتاموں کے ساتھ لگائی جاتی ہیں سخت محل نظر ہیں، کلمات آئمہ سے جب تک ان کے جواز کی دلیل واضح کہ آفتاب روشن کی طرح ظاہر و جلی ہو نہ ملے حکم جواز دینا محض جرات ہے کہ چاندی سونے کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔ شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اصل در استعمال ذہب و فضہ حرمت ست[1]۔	سونے اور چاندی کے استعمال کرنے میں اصل حرمت ہے۔ (ت)

یعنی جب شرع مطہر نے حکم تحریر فرما کر ان کی اباحت اصلیہ کو نسخ کردیا تواب ان میں اصل حرمت ہو گئی، کہ جب تک کسی خاص چیز کی رخصت شرع سے واضح وآشکار نہ ہو ہر گز اجازت نہ دی جائے گی بلکہ مطلق تحریم کے تحت میں دخل رہے گی ھذا وجہ۔

واقول ثانیًا: ظاہر ہے کہ ان زنجیروں کے اس طرح لگانے سے تزین مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ تزین ہی مقصود ہوتا ہے اور ایسے ہی تزین کو تحلی کہتے ہیں، اور علماء تصریح فرماتے ہیں مرد کو سوا انگوٹھی پیٹی اور تلوار کے سامان مثل پرتلے وغیرہ کے چاندی سے تحلی کسی طرح جائز نہیں، تنویر الابصار میں فرماتے ہیں:

لایتحلی ای لایتزین درر[2]۔	چاندی کا کوئی زیور (سوائے مخصوص اشیاء کے) نہ پہنے یعنی اس سے زیب وزینت کا فائدہ نہ اٹھائے درر (ت)

جب یہ زنجیریں مستثنیات سے خارج ہیں تو لاجرم حکم نہی میں داخل ہیں۔

واقول ثالثًا: اس طرح لگانا اگر حقیقۃً زنجیر پہننا نہیں تو پہننے سے مشابہ ہے اور محرمات میں شبہ مثل یقین ہے۔

فی ردالمحتار التعلیق یشبہ اللبس فحرم لذٰلك لما علم ان الشبھۃ فی باب المحرمات ملحقۃ بالیقین رملی[3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ لٹکانے کے مشابہ ہے اس لئے حرام ہے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ محرمات کے باب میں شبہ یقین کا درجہ رکھتا ہے، رملی (ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس فصل باب الخاتم مکتبہ نوری رضویہ سکھر ۳/ ۵۶۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللباس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللباس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۹

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللباس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۵

انصاف کیجئے تو یہ اس مسئلہ کا گویا صریح جزئ ہے، پھر علماء کی تشریح ریشم کے بارے میں ہے جس کا صرف لبس یعنی پہننا اوڑھنا اور جس امر میں ان کی مشابہت ہو ممنوع ہے باقی تمام طرق استعمال روا۔

فی شرح الملتقی للعلائی لاتکرہ الصلٰوۃ علی سجادۃ من الابریشم لان الحرام ھو اللبس اما الانتفاع بسائر الوجوہ فلیس بحرام کما فی صلٰوۃ الجواہر و اقرہ القھستانی وغیرہ[1] اھ نقلہ العلامتان محشیا الدر ط و ش واقراہ۔	علامہ علائی کی شرح ملتقی میں ہے ریشمی مصلی پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ اس کا صرف پہننا حرام ہے۔ لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے باقی تمام طریقے حرام نہیں جیسا کہ صلٰوۃ الجواہر میں مذکور ہے اس کو قہستانی وغیرہ نے برقرار رکھا ہے اھ اس کو دو علاموں یعنی علامہ شامی اور علامہ طحطاوی نے درمختار کے حواشی میں نقل کرتے ہوئے قائم رکھا ہے۔ (ت)

پھر کیا گمان ہے اشیائے فضہ کے باب میں جن کا صور معدودہ کے سوا استعمال مطلقاً ناروا، ردالمحتار میں ہے:

الذی کلہ فضۃ یحرم استعمالہ بای وجہ کان کما قدمناہ ولو بلامس بالجسد ولذا حرم ایقاد العود فی مجمرۃ الفضۃ والساعۃ وقدرۃ التنباک التی یوضع فیھا الماء وان کان لایمسہ بیدہ ولا بفمہ لانہ استعمال فیما صنعت لہ[2] الخ۔	صرف چاندی کا استعمال خواہ کسی طریقے سے ہو اور خواہ جسم کے ساتھ نہ ہو تب بھی حرام ہے۔ لہٰذا چاندی کی انگیٹھی میں عود سلگانا، گھڑی باندھنا، حقہ کا وہ حصہ چاندی کا بنانا جس میں پانی ڈالا جاتا ہے یہ سب حرام ہیں اگرچہ وہ ہاتھ اور منہ سے مس بھی نہ ہونے پائیں کیونکہ اس مقصد کے لئے استعمال ہے جس کے لئے یہ بنائی گئی ہے۔ الخ۔ (ت)

اور یہ خیال کہ اگر یہاں چار انگل کے عرض تک کا کام ہوتا ہے جائز ہوتا کہ تابع تھا اسی کی جگہ یہ زنجیریں ہیں انھیں بھی تابع ٹھہرا کر مباح ماننا چاہئے۔ محض خیال محال ہے کام اور زنجیروں میں فرق بدیہی ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مذہب صحیح میں مردوں کو ریشمیں کمربند ناروا ہے کہ وہ پاجامہ تابع نہیں بلکہ مستقل جداگانہ چیز ہے۔ درمختار میں ہے:

تکرہ التکۃ منہ ای من الدیباج وھو الصحیح[3]۔	ریشمی کمربند کا استعمال مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

[1] الدر المنتقی فی شرح الملتقی علی ہامش مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الکراھیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء الت التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۸

[3] درمختار کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۹

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے: **ھو الصحیح لانھا مستقلۃ**[1] (یہی صحیح ہے کیونکہ یہ ایک مستقل چیز ہے۔ت) جب کمر بند با آنکہ پاجامہ کی غرض اس سے متعلق ہے بلکہ جس طرح اس کا لبس معروف و معہود ہے وہ غرض بے اس کے تمام نہیں ہوتی مستقل قرار پایا تو یہ زنجیریں جن سے کپڑے کو کچھ علاقہ نہیں، نہ اس کی کوئی غرض ان سے متعلق کیونکر تابع ٹھہر سکتی ہے اور اگر بالغرض کام کی جگہ لگایا جانا پتر کو بھ کام کے حکم میں کردے تولازم کہ چاندی کے کنگن توڑے، چنپا کلی، جھومر وغیرہا زیور بھی جائز ہیں جبکہ وہ آستینوں، گریبان، ٹوپی وغیرہا میں کام کے قائم مام ٹانکے جائیں بلکہ واجب کہ وہ زنجیریں اور یہ سب گہنے سونے کے بھی حلال ہوں کہ تابع قلیل ذہب و فضہ دونوں سے روا، ردالمحتار میں ہے:

ویؤید عدم الفرق مامر من اباحۃ الثوب المنسوج من ذھب اربعۃ اصابع[2] **الخ۔**	فرق نہ ہونے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ بمقدار چار انگشت سونے کی تاروں سے بنا ہوا کپڑا مباح ہے الخ (ت)

غرض کوئی وجہ ان زنجیروں کے جواز کی نظر نہیں آئی اور جب تک کلمات ائمہ سے اجازت نہ ثابت ہو حکم ممانعت ہے لما بینا۔

رہی وہ حدیث کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قریب گریبان مبارک چاندی کا پتر لگایا فقیر کو کسی کتاب سے یاد نہیں۔ نہ عادات بلاد اس کی مساعدت کریں کہ گریبانوں میں چاندی کے پتر لگائے جاتے ہوں، ہاں یہ بیشک حدیث میں آیا ہے کہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جبہ پہنا جس کے گریبان اور آستینوں اور چاکوں پر ریشم کی خیاطت تھی۔

کما فی حدیث اسماء بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنھما اخرجہ الائمۃ احمد فی المسند والبخاری فی الادب المفرد ومسلم فی صحیحہ وابوداؤد فی السنن[3]**۔**	جیسا کہ سیدہ اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں آیا ہے جس کو ائمہ کرام امام احمد نے مسند میں امام بخاری نے ادب المفرد میں امام مسلم نے صحیح میں اور امام ابوداؤد نے السنن میں اس کی تخریج فرمائی ہے۔ (ت)

[1] حاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۷۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۶

[3] صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۰، سنن ابی داؤد کتاب اللباس والزینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۵، مسند احمد بن حنبل عن اسماء بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۴۸۔۳۴۷

اس کے جواز میں کسے کلام ہے خواہ ریشم کا کام ہو یا گوٹ سنجاف جبکہ کوئی بوٹی یا ٹکڑہ چار انگل عرض سے زائد نہ ہو پتر کی حدیث کا پتا دینا ذمہ مدعی ہے کہ دیکھا جائے وہ کس مرتبہ کی حدیث ہے اور اس کا مطلب کا اور اس سے مدعی کو تمسک کہاں تک روا۔

سیدین علامتین طحطاوی وشامی حواشی در میں فرماتے ہیں:

الوارد عن الشارع صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم انہ لبس الجبة المکفوفة بحریر فلیس فیہ ذکر فضة و لا ذھب [1]۔واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایسا جبہ زیب تن فرمایا جس پر ریشم کا کام کیا ہوا تھا لیکن اس میں چاندی سونے کا ذکر نہیں۔اللہ تعالٰی پاک برتر اور خوب جاننے والا ہے۔اور اس شرف وعظمت والے کا علم سب سے زیادہ کامل اور پختہ ہے(ت)

مسئلہ ۲: یہ زیور علی بند اور پری بند جو حامل ہذا کے ہمدست مرسل ہے اس کو تحریر فرمائیں کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں بوجہ آوز نکلنے کے عورات کو اور اور مکان مسکونہ اگرچہ علیحدہ قطع رکھتا ہے مگر آمدورفت ہم مستورات کی اور نیز ہمارے مکان ہی کے قطع جات ملصقہ میں غیر بھی رہتے ہیں۔واللہ عندہ حسن الجزاء۔

الجواب:

یہ زیور ہاتھ کا ہے اور اس میں وغیرہا ایسی اشیاء بھی نہیں جن سے زیادہ آواز پیدا ہو اتنی آواز تو ہاتھ کی چوڑیوں سے نکلتی ہے جبکہ پھنسی ہوئی نہ ہوں اس کے پہننے میں کوئی حرج شرعی نہیں آمدورفت سے پاؤں کے گہنے بجتے ہیں نہ ہاتھ کے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳: مرسلہ از چاندہ ضلع بجنور محلّہ پتیا پاڑہ مکان محمد حسین خاں زمیندار

چوڑیاں کانچ کی عورتوں کو جائز ہیں پہننا۔یا ناجائز ہیں؟

الجواب:

جائز ہیں لعدم المنع الشرعی(اس لئے کہ کوئی شرعی مانع نہیں۔ت)بلکہ شوہر کے لئے سنگار کی نیت سے مستحب وانما الاعمال بالنیات [2] (اعمال کا دار ومدار ارادوں پر ہے۔ت)بلکہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۶

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

شوہر یا ماں یا باپ کا حکم ہو تو واجب:

لحرمۃ العقوق ولوجوب طاعۃ الزوج فیما یرجع الی الزوجیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ والدین اور شوہر کی نافرمانی حرام ہے اور شوہر کی فرمانبرداری بسلسلہ حقوق زوجیت واجب ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۴: از گولڑہ ضلع راولپنڈی مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب ۹ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

زر بالکسر جس کو ہندی میں گھنڈی کہتے ہیں اور ابریشم و باکلا بتو سیم وزر سے بنائی جاتی ہے جیسا کہ اطراف بمبئی وغیرہ میں ساز صدریہ اور اطراف بخارا وغیرہ میں جبہ وچغہ کی گھنڈیاں ہوتی ہیں اور بوجہ تخلیط رشتہا وخیاطت ان کا تجزء ہو کر تحت تبعیت آجاتی ہے۔بخلاف بٹن مروجہ سیم وزر کہ بظاہر حکم تبعیت نہیں رکھتا ہے کیونکہ اس جگہ تبعیت بظاہر با فتگی ودوختگی وخلط سیم وزر مع غیر سیم وزر میں منحصر معلوم ہوتی ہے جیسے عبارات طحطاوی سے مستفاد ہوتا ہے۔

قال فی المنتقی عن محمد لابأس ان تکون عروۃ القمیص وزرہ حریرا وھو کالعلم یکون فی الثوب ومعہ غیرہ فلا باس بہ وان کان وحدہ کراھتہ[1]۔	المنتقی میں امام محمد سے روایت ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کرتے کا گریبان اور اس کی گھنڈی(بٹن) ریشم کے ہوں اور وہ کپڑے میں نشان نقوش کی طرح ہو اگر اس کے ساتھ کچھ اور ہو تو کچھ حرج نہیں،اور اگر اکیلا ہو تو پھر کراہت ہوگی۔(ت)

اور بٹن مروجہ ای،شے مستقل صورت حلی سوراخ گریبان پیراہن میں معلق معلوم ہوتا ہے پس اگر اس کو حلی کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو ولایتحلی الرجل بذھب وفضۃ مطلقا الابخاتم ومنطقہ وحلیۃ سیف منھا ای فضۃ اذا لم یرد بہ التزیین[2] (کوئی شخص مطلقاً سونے اور چاندی کا زیور نہ پہنے مگر یہ کہ انگوٹھی،کمر بند اور تلوار کا دستہ چاندی کا ہو یعنی یہ سب چیزیں چاندی کی جائز ہیں بشرطیکہ زیب وزینت اور نمائش کا ارادہ نہ ہو۔ت) مانع اباحت ہے اور محض تعلیق کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو مضمون عبارت والظاھر فی وجھہ ان التعلیق یشبہ اللبس فحرام لذٰلک لما علم ان الشبھۃ فی باب المحرمات ملحقہ بالیقن[3] شامی(اس کی وجہ میں ظاہر یہ ہے کہ لٹکانا دراصل پہننے کے مشابہ ہے

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ باب فی اللبس دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۷۹۔۱۷۸

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۵

لہٰذا اس وجہ سے حرام ہے۔ کپڑے کے کنارے کے نقوش کی طرح ہے کیونکہ حرام کے باب میں شبہ یقین کے ساتھ وابستہ ہے۔ ت)۔ حرمت کی طرف لے جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بٹن مروجہ محض تبر یعنی ٹکڑہ سیم وزر کُرتے کے ساتھ معلق ہے نہ یافتہ نہ دوختہ نہ کسی اور چیز کا اس کے ساتھ خلط ہے پس اس کو تابع کہنے اور گھنڈی پر قیاس کرنے کی کیا دلیل ہے، مہربانی فرما کر اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں ونیز جس علت تعلیق سے زنجیر ناجائز ہے وہی علت بٹن میں موجود ہے پس کیا وجہ ہے کہ بٹن جائز ہو اور زنجیر بٹن ناجائز، ونیز اگر تابع کے یہ معنی ہیں کہ بٹن بدون کرتے کے مستعمل نہیں ہوتا ہے تو یہ بات ازار بند میں بھی موجود ہے حالانکہ ازار بند ریشمی وغیرہ مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد عبدالرحمٰن بقلم خود

الجواب:

درمختار میں ہے:

لاباس بعروۃ القمیص وزرہ من الحریر لانہ تبع[1]۔	قمیص کا گریبان اور اس کے بٹن ریشمی ہوں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تابع ہیں۔ (ت)

سیر کبیر پھر تاتارخانیہ پھر شرح علائی ہے:

لاباس بازرار الدیباج والذھب[2]۔	ریشم اور سونے کے بٹن میں کچھ حرج نہیں۔ (ت)

ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے:

لاباس یلبس الثوب فی غیر الحرب اذا کان ازرارہ دیباجا اوذھبا[3]۔	جنگ کے علاوہ اگر ایسا کپڑا پہنے کہ جس کے بٹن ریشمی یا سونے کے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ ت) یہاں چیز فوائد قابل لحاظ ہیں۔

اول: زر کے لئے کپڑے میں سلا ہونا ضرور نہیں بلکہ مخیط و مربوط مغروز و مرکوز سب کو عام ہے ولہٰذا ائمہ لغت میں اس کی تعریف میں صرف لفظ وضع اخذ کیا جس مس اصل تخصیص خیاطت نہیں، قاموس میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۹

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۲

الزر بالکسر الذی یوضع فی القمیص وبالفتح شدہ الازار[1]۔	"اَلزِرّ" اگر حرکت زیر کے ساتھ ہو تواس کو معنی ہے وہ چیز جو کرنے میں موضوع ہو یعنی رکھی جائے "اگریہ حرکت زبر کے ساتھ ہو تواس کا معنی ہے اِزرار باندھنا۔(ت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قال ابن سیدۃ الزر الذی یوضع فی القمیص والجمع ازرار وزَرُوْرُ وازرّ القمیص جعل لہ زر او ازرہ شد علیہ ازرارہ وقال ابن الاعرابی زر القمیص اذا کان محلولا فشدہ وزر الرجل شد زرہ[2]۔	ابن سیدہ لغوی نے کہا کہ "زر" وہ چیز ہے جو کرتے میں لگائی جاتی ہےاس کی جمع ازرار اورزَرُوْرُ ہے،ازرّ القمیص اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ قمیص کے بٹن لگائے جائیں اور اَزرّہ،اس قت کہا جاتا ہے جبکہ قمیص پراس کے بٹن باندھے جائیں،ابن الاعرابی نے کہاجب قمیص کے بٹن کھلے ہوں پھرانھیں باندھے تو اس وقت زرالقمیص کہا جاتاہے اور زرالرجل کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے بٹن باندھ دئے۔(جبکہ وہ کھلے ہوں)۔(ت)

ملحہ جرمی کا بھی شعر بھی اس کا پتا دیتاہے:ـ

کان زرور القبطریۃ علقت علائقھا منہ بجذع مقوم[3] القبطریۃ ثیاب کتاب بیض والکنایۃ للممدوح و العلائق جمع علاقۃ بالکسر بند۔ فی القاموس وتاج العروس العلاقۃ بالکسر فی السوط ونحوہ کالسیف والقدح والمصحف والقوس وما اشبہ ذٰلك وعلاقۃ السوط	گویا سلکی کپڑے لٹکادئے گئے اور ان کی بندشیں سیدھے تنے سے پیوستہ ہیں۔ القبطریۃ السی کے سفید کپڑے اور ممدوح کی طرف اشارہ ہے۔ "علائق" جمع ہے۔اس کا واحد "علاقہ" ہے حرکت زیر کے ساتھ ہے بمعنی بند ہے۔ چنانچہ القاموس اور اس کی شرح تاج العروس میں ہے "العلاقۃ" بحرکت زیر کوڑا اور اس چیز جیسے تلوار،پیالہ، مصحف،کمان اور اس کے مشابہ

[1] القاموس المحیط فصل الزاء من باب الراء مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ وباب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ دمشق ۴/ ۵۴

[3] تاج العروس فصل الزاء من باب الراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۶

مافی مقبضه من السیر اھ [1] ثم قالا اعلق القوس جعل لها علاقة وعلقها علی الوتد وکذٰلك السوط المصحف والقدح [2]۔	اشیاء میں استعمال ہوتا ہے "علاقۃ السوط" وہ تسمہ جو اس کے دستہ میں لگا ہوا ھ پھر دونوں (صاحب قاموس اور مصنف تاج العروس) نے کہا اعلق القوس اس وقت کہا جاتا ہے جب کمان کو بندھن لگا کر کسی کلی وغیرہ پر لٹکا دے اور یہی حال کوڑے مصحف اور پیالے کا ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ بحال خیاطت فی الثوب زر کو علاقہ سے کیا علاقہ ، فتاوٰی ولوالجی پھر شلبی علی التبیین میں ہے:

لاباس بان یلبس المحرم الطیلسان و لایزرہ علیه فان زرہ یوما فعلیه دم لانه صار منتفعا به انتفاع المخیط [3]۔	اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم (بحال احرام) بڑی چادر پہنے لیکن اسے گرہ نہ لگائے پھر اگر پورا دن اسے گرہ لگا رکھی تو اس دم (جانور ذبح کرنا) لازم ہوگا اس لئے کہ اس نے پہنے ہوئے کپڑے کی طرح اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ (ت)

منسک متوسط اور اس کی شرح مسلک متقسط بیان محرمات احرام میں ہے:

(زر الطیلسان) ای ربطه بالزر وعقدہ علی عنقه [4]۔	بڑی چادر کو گرہ لگانا یعنی اسے گرہ لگا کر گردن پر باندھنا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

ان زر الطیلسان یوما لزمه دم لحصول الاستمساك بالزر مع الاشتمال بالخیاطة [5]۔	اگر بڑی چادر کو دن بھر گرہ لگائے تو اس صورت میں اس پر دم (جانور ذبح کرنا) لازم آئے گا اس لئے کہ بوجہ گرہ لگانے اس کا تھم جانا (رک جانا) حاصل ہوا باوجود یہ کہ سلائی پر بھی شامل ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] تاج العروس فصل العین من باب القاف دار احیاء التراث العربی بیروت ۷ /۲۱

[2] تاج العروس فصل العین من باب القاف دار حیاء التراث العربی بیروت ۷ /۲۲

[3] شلبی علی التبیین کتاب الحج باب لجنایات المطبعة الکبری الامیریه بولاق مصر ۲ /۵۴

[4] المسلك المتقسط شرح المنسك المتوسط فصل فی المحرمات الاحرام دار الکتاب العربی بیروت ص ۸۱

[5] فتح القدیر کتاب الحج باب الجنایات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۴۴۳

یستحب لبس ازار ورداء فان زررہ اوخللہ اوعقدہ اساء ولادم علیہ[1]۔	تہبند اور چادر کا پہننا مستحب ہے پھر اگر اسے گرہ لگائے یا اسے کھولے یا اسے گرہ لگا کر باندھے تو اس نے برا کیا لیکن اس پر دم نہیں (یعنی جانور ذبح کرنا لازم نہیں)۔(ت)

ظاہر ہے کہ طیلسان وچادر میں گھنڈیاں سلی نہیں ہوتی اور اطحام مذکورہ خیاطت پر موقوف نہیں بلکہ بلاخیاطت صورت ربط ہی زیادہ مقصود بالافادہ ہے کہ محرم کا مخیط سے احتراز تو معہود ومشہور ار بجائے خود مذکور ہے ابوداؤد ونسائی وابن خزیمہ وابن حبان وحاکم سب اپنی صحاح میں اور امام اجل ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال قلت یارسول اللہ انی رجل اصید افاصلی فی القمیص الواحد قال نعم وازررہ لوبشوکۃ[2]۔	(حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارگاہ سالت میں) عرض کی: میں ایک شکاری آدمی ہوں ایک کرتے میں نماز پڑھ سکتا ہوں، ارشاد فرمایا: ہاں (پڑھ سکتے ہو) لیکن اسے باندھ لو اگرچہ کسی کانٹے ہی سے کیوں نہ ہو، مطلب یہ کہ اسے جوڑ کر نماز پڑھو۔(ت)

یہاں کانٹے کو بھی زر فرمایا،

والاصل الحقیقۃ والعدول الی المجاز من دون ضرورۃ غیر مجاز	حقیقت اصل ہے۔اور بغیر کسی ضرورت (حقیقت چھوڑ کر) مجاز کی طرف جانا جائز نہیں۔(ت)

تو بوتام یا بٹن نفس معنی زر میں داخل ہیں نہ کہ ان کا گھنڈی پر قیاس ہو۔

دوم: لفظ ذہب منسوج وحرج دونوں کو شامل، بلکہ وہ حجر میں اصل حقیقت پر ہے اور کلابتوں پر اس کا اطلاق از قبیل تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے کہ اس میں ریشم بھی ہوتا ہے اور گھنڈیاں انھیں منسوجات سے خاص نہیں بلکہ امراء کے یہاں سونے چاندی اور لعل ویاقوت کی بھی ہوتی۔قال قائلھم (ان کے کسی کہنے والے نے کہا۔ت): ؎

ترانہ تکمہ لعل ست بر قبائے حرر   شدست قطرہ خون منت گریباں گیر

(ریشمی جبے پر تیرے لئے لعل وگوہر کی گھنڈیاں (بٹن) میرے خون کے ایک قطرہ

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الرجل یصلی فی قمیص واحد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۲، شرح معانی لآثار کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۰

نے تیرا گریبان پکڑ لیا۔ت) تکمہ فارسی میں زر کا ترجمہ ہے جسے عربی میں زِیْر ، دَجَّہ، جَوْزَہ، جَوِیْزَہ، حبہ بھی کہتے ہیں۔اور وہ حلقہ جسے اردو میں تکمہ بولتے ہیں، فارسی میں انگلہ اور عربی میں عروہ و وعلہ ہے تو سیر کبیر وذخیرہ وتاتارخانیہ ودرمختار و عالمگیریہ وغیرہا کے نصوص مذکورہ سونے کے بٹن کا خاص جزئیہ ہیں، ولاکلام لاحد بعد صرائح النصوص (صریح اور واضح نصوص کے بعد کسی کو کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ت)

سوم: یہیں سے کھل گیا کہ یہ بٹن بھی گھنڈیوں کی طرح تابع ہیں کہ علماء نے مطلقًا زر کو تابع بتایا اور زر انھیں میں شامل مگر تکثیر فوائد کے لئے معنی تابع پر بحث کریں اصلاً کسی کتاب سے ثابت نہیں کہ تبعیت کے لئے دوختہ یا بافتہ یا نفس ذات تابع میں سیم وزر وابریشم کا کسی چیز مخلوط ہونا ضرور ہو۔ہاں تابع کی متبوع سے معیت چاہئے کہ نہ خود اجناس مختلفہ سے ترکب، متون مذہب میں تصریح ہے کہ انگوٹھی کے نگ میں سونے کے کیل جائز ہے اور شراح اس کی یہی تعلیل فرماتے ہیں کہ وہ تبع ہے حالانکہ وہ دوختہ بافتہ مخلوب کچھ نہیں۔ نیز تصریح ہے کہ جبہ وغیرہ میں ریشم کا ابرہ یا استر مرد کو ناجائز ہیں کہ دونوں مقصود ہیں اور اس کے اندر ریشم کا حشو جائز کہ وہ تابع ہے حالانکہ یہ بھی نہ بافتہ ہے نہ مخلوط۔اس کے جمے ہرنے کہ دو تین ڈورے ڈالتے ہیں اور اگر نہ ڈالیں جب بھی یقینا حکم نہ بدلے گا کہ علماء نے حشویت پر مدار جواز رکھا ہے اور وہ بغیر ڈورے پڑے بھی حشو ہے تو دختہ بھی نہ ہوا، جامع صغیر محرر مزہب وہدایہ وکنز و وافی ووقایہ ونقایہ وغرر واصلاح وملتقی ودرر وغرہا میں ہے:

حل مسمار الذهب یجعل فی جحر الفص [1]۔	نگینے کے سوراخ میں سونے کی کیل لگانا جائز ہے۔(ت)

ہدایہ وتبیین الحقائق ومجمع الانہر وجامع الرموز وتکملہ والبحر وشرح نقایہ برجندی ودر وغیرہا میں ہے:

لاباس بمسمار الذهب یجعل فی جحر الفص ای فی ثقبة لانه تابع کالعلم فی الثوب فلا یعد لابساله [2]۔	پتھر کے نگینے یعنی اس کے سوراخ میں سونے کی کیل لگانے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ تابع ہے کپڑے کے نقش ونگار میں کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ تابع ہے کپڑے کے نقش ونگار کی طرح لہٰذا آدمی اسے پہننے والا شمار نہیں کیا جاتا (تاکہ ممانعت پیدا نہ ہو)۔(ت)

محیط امام شمس الائمہ سرخسی پھر عالمگیریہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لوجعل القز حشو اللقباء فلا باس به لانه تبع ولو جعلت ظهارته	اگر جبہ میں ریشم کی بھرتی ہو تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ تابع ہے ہاں اگر ابرہ یا استر

[1] کنزالدقائق کتاب الکراھیۃ ص ۳۶۸

[2] الھدایہ کتاب الحظر والاباحۃ ۴/ ۴۵۵

او بطانتہ فھو مکروہ لان کلیھما مقصود[1]۔	ریشمی ہو تو مکروہ ہے کیوں؟ اس لئے کہ وہ دونوں مقصود ہے۔(ت)

بزازیہ پھر ہندیہ میں ہے:

لاباس بلبس الجبۃ المحشوۃ من الخز[2]۔	جس جبے میں ریشم کی بھرتی ہو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

عبارۃ طحطاوی عن المنتقی عن محمد میں یہی تابع و مستقل کا تفرقہ بنایا گیا ہے کہ یہ شے مستقل نہیں بلکہ دوسرے کے ساتھ ہے اور تنہا ہوتی تو ناروا ہوتی کہ تابع نہ رہتی خود مستقل ہوجاتی اس کے بعد فقیر نے مجمع الانہر میں اس معنی کی تصریح دیکھی روایت مذکورہ کا تتمہ یہ نقل کیا کہ امام محمد نے فرمایا:

لانہ اذا کان ھو غیرہ فاللبس لایکون مضافا الیہ بل یکون تبعا فی اللبس[3]۔	اس لئے کہ جب تابع غیر متبوع ہو تو پہننا اس کی طرف منسوب نہ ہوگا بلکہ وہ پہننے میں (متبوع کے) تابع ہوگا۔(ت)

صاف روشن ہوگیا کہ غیر سے مراد وہی متبوع ہے نہ یہ کہ گھنڈی تکمے، آنچل، پلو میں ریشم دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرکے لگائیں جب تو جائز ہو اور غیر مخلوط اگرچہ چار انگل سے زائد ہو ممنوع ٹھہرے یہ قطعاً باطل ہے کہ تصریحات تمام کتب کے خلاف ہے بلاشبہہ خاص ریشمی کپڑے کے گوٹ سنجاف پلیٹ کنٹھا ترنج اور ان کے مانند اور توابع سب جائز ہیں جبکہ چار انگل عرض سے زائد نہ ہو اور یہ وہم کسی عاقل کو نہ گزرے گا کہ کپڑا اگرچہ خالص ریشم کا ہو سینے میں ڈورا تو اس کے ساتھ ہوگا یہی معہ غیرہ ہوگیا حالانکہ یہی کیا ضرور کہ ریشم کی گوٹ وغیرہ سوت کے ڈورے سے سیئیں بلکہ ریشم سے سیئیں، جیسا کہ اکثر یہی متعارف ہے جب بھی قطعاً بشرط مذکور جائز ہے کیا کوئی اس قید کا پتا بلکہ اس کی ہوا کسی کتاب سے دے سکتا ہے کہ سوت سے سیو تو روا اور ریشم سے تو ناروا، ہرگز نہیں۔ اور حشو کے ریشم کو تو کہئے اس کے ساتے ایک تاگے کی بھی حاجت نہیں، کما عرفت (جیسا کہ تو نے معلوم کرلیا۔ت)

چہارم: سونے چاندے خواہ کلابتوں کے بٹن یا آنچل پلو پر روپہلے سنہرے کلابتوں یا کامدانی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع فی اللبس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲

[3] مجمع الانہر کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۳۴

کاکام حلی سے مشابہ نہیں بلکہ خود حلی ہے۔ درمختار میں ہے:

المنسوج بذھب یحل اذا کان ھذا المقدار اربع اصابع والالایحل للرجل [1]۔	سونے کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا جائز ہے جبکہ اس کی مقدار چار انگلی ہو ورنہ مردوں کے لئے جائز نہیں (جبکہ زائد ہوں) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الحلی کما فی القاموس مایتزین بہ ولا شك ان الثوب المنسوج بالذھب حلی [2]۔	جس شیئ سے زیب وزینت کی جائے وہ حلی (زیور) ہے جیسا کہ قاموس میں ہے اور اس میں کوئی شک وشبہہ نہں کہ جو کپڑا سونے کے تاروں سے بناگیا وہ حلی (زیور) میں شمار ہے۔ (ت)

مگر یہ حلیہ ہی شرع نے جائز فرمایا ہے جبکہ تابع قلیل ہو ولہذا ردالمحتار میں اسے حلی بتا کر مسئلہ شرح کی تائید سے نقل فرمائی:

لاباس بالعلم المنسوج بالذھب للنساء فاما للرجال فقدر اربع اصابع ومافوقہ یکرہ [3]۔	اگر سونے کے تاروں سے کپڑے پر نقش ونگار بنائے جائیں تو عورتوں کے لئے اس کے استعمال کرنے میں کچھ حرج نہیں لیکن مردوں کے استعمال کے لئے (شرط یہ ہے کہ) اس کی مقدار بقدر چار انگشت ہو اور اس سے زائد مکروہ ہے۔ (ت)

عبارات متون لایتحلی الرجل بذھب [4] الخ (مرد کے لئے سونا پہننا جائز نہیں الخ۔ت) میں تحلی باشیائے مستقلہ کا ذکر ہے نہ کہ توابع کا ولہذا چاندی کی انگوٹھی پٹی پر تلے مستقل ہی چیزوں کا استثناء فرمایا۔ عام مراد ہوتا تو خود ان کی بالاتفاق تصریحات اباحت منسوج بالذھب قدر اربع اصابع وزرو عروہ ذہب وغیرہا کا صریح مناقض ہوتا۔

یہیں سے ظاہر ہوا کہ سونے کے بٹن اور کلابتوں کی گھنڈیوں میں فرق ضائع ہے وہ اگر حلی ہیں تو یہ کیا نہیں اور لایتحلی (جائز نہیں۔ت) استثناء میں ان کا ذکر نہیں تو ان کا بھی نہیں، یوں ہوتا تو گھنڈیاں بھی ممنوع ہوجائیں۔

پنجم: قطع نظر اور تنقیحات مسئلہ تعلیق سے جب حقیقت لبس تابع قلیل میں معاف ہے۔ تو

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۴

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

شبہہ لبس کہ تعلیق میں ہے بدرجہ اولی ہدایہ وکافی وتبیین وغیرہا میں ہے:

وھذا لفظ الامام النسفی فی الکافی اجمعنا ان القلیل من الملبوس حلال وھو الاعلام فکذا القلیل من اللبس والاستعمال والجامع انه انموذج لنعیم الآخرۃ ترغیبا فیما ھو فی الاٰخرۃ لامقصود[1]۔	الکافی میں امام نسفی کے یہ الفاظ آئے ہیں ہم نے اس پر اتفاق کیا کہ تھوڑا ملبوس جائز ہے۔اور وہ کپڑے کے نقش ونگار ہیں اور اسی طرح تھوڑا پہننا اور استعمال کرنا بھی (جائز ہے) اور (دونوں میں) جامع یہ ہے کہ یہ طریقہ تعلیم آخرت کے لئے نمونہ ہے تاکہ اموراخرت کی طرف رغبت پیدا ہو لہٰذا بالذات مقصود نہیں (جیسا کہ دلائل وشواہد سے معلوم ہوتا ہے۔)۔(ت)

ششم: ہمارادعوی نہ تھا کہ ہر چیز جو دوسرے کے ساتھ استعمال میں آتی ہو مطلقًا تابع ہے واقعات امام صدر شہید وفتاوٰی صغرٰی وفتاوٰی ذخیرہ ومحیط وغایۃ البیان وبعض شروح جامع صغیر وشرح قدروری وفتاوٰی منصوریہ وشرح نقایہ برجندی ومجمع الانہر وغیرہا میں نص فرمایا اور منیۃ الفقہاء وجامع الرموز وتتار خانیہ وتکملہ طوری وغیرہا میں اسی پر جزم واعتماد کیا کما فصلناہ کل ذٰلك فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے ان سب باتوں کو (اپنے مشہور زمانہ) فتاوٰی رضویہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت) یہاں وارد نہیں بلکہ تبعیت اس لئے کہ لبس اس کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔ہدایہ وتبیین وبرجندی ودر کی عبارتیں گزریں لانه تابع کالعلم فی الثوب فلا یعد لابسالہ[2] (اس لے کہ وہ تابع ہے جیسا کہ کپڑے کے نقش ونگار،پھر اسے پہننے والا شمار نہیں کیا جاتا۔ت) شرح ملتقی کی عبارت گزری:

اللبس لایکون مضافا الیه بل یکون تبعا فی اللبس[3]۔	پہننا اس کی طرف منسوب نہیں بلکہ وہ پہننے میں تابع ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶ /۱۵۔۱۴،الھدایۃ کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۵۴

[2] الھدایۃ کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۵۵

[3] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس مطبع یوسفی لکھنؤ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۳۴

وانما جاز منہ کان تبعا لان اللبس لایکون مضافا الیہ[1]۔	اور اس کا وہ حصہ جائز ہے جو تابع ہو، اس لئے کہ پہننا اس کی طرف منسوب نہیں۔ (ت)

ہفتم: زنجیروں کے لئے نہ زر کی طرح کوئی نص فقیر نے پایا نہ جواز پر کوئی صاف دلیل بلکہ وہ بظاہر مقصود بنفسہا ہیں۔ نہ زر کی طرح کپڑے کی، کوئی غرض ان سے متعلق نہ علم کی طرح ثوب میں مستہلک کہ تابع ثواب ٹھہریں، نہ ان سے سنگار اور زینت کے سوا کوئی فائدہ مقصود اور وہ زیور زناں سے کمال مشابہ ہیں۔ ان کی ہیئت وحالت بالکل سہاروں کی سی ہے کہ ایک طرف ان کے کنڈوں میں بالیاں پرو کر ان کو دونوں جانب سے پیشانی کے بالوں میں لاکر کانٹا ڈال کر ملادیتے ہیں وہ بھی ان زنجیروں کی طرح لڑیاں ہی ہیں بلکہ ان سے علاوہ تزین ایک فائدہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ بالیوں کا بوجھ کانوں پر نہ پڑے یہ انھیں اٹھا کر سہارا دئے رہیں اسی لئے ان کو "سہارے" کہتے ہیں۔ اور ان زنجیروں کی لڑیاں سوا زینت کے کوئی فائدہ نہیں دیتیں تو بہ نسبت سہاروں کے ان کی لڑیاں جھومر کی لڑیوں سے اشبہ ہیں اور سہاروں کی طرح یہ بھی داخل ملبوس ہیں بلکہ ان کا صرف زینت کے لئے بالذات مقصود اور کپڑے کی اغراض سے محض بے تعلق ونامستہلک ہونا جھومر کی طرح انکے اور بھی زیادہ لبس مستقل کا مقتضی ہے اور ذہب وفضہ میں اصل حرمت ہے تو جب تک صریح دلیل سے جواز ثابت نہ ہو زنجیروں پر عدم جواز ہی کا حکم دیں گے، ہدایہ میں ہے:

الاصل فیہ التحریم[2]۔	اصل اس کی حرمت ہے (یعنی سونے، چاندی میں اصل یہ ہے کہ دونوں مردوں کے لئے حرام ہیں اور عورتوں کے لئے جواز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

الفضۃ والذہب من جنس واحد والاصل الحرمۃ فیہما[3] اھ ہذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ تعالٰی اعلم۔	سونا، چاندی ایک ہی جنس ہیں۔ اور ان دونوں میں اصل حرمت ہے۔ (یعنی بلحاظ اصل دونوں حرام ہیں) اور یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے) یہ میری تحقیق اور عندیہ ہے۔ لیکن واقعی اور صحیح علم میرے رب کے پاس ہے، کیونکہ اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار المعرفۃ بیروت ۴ /۱۷۸

[2] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی اللبس مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۵۵

[3] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ فصل فی اللبس المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶ /۱۶

مسئلہ ۵: از پیلی بھیت کچہری کلکٹری مرسلہ جناب مولوی عرفان علی صاحب رضوی برکاتی بیسلپوری ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے یا ناجائز؟ بر تقدیر اول کیا بجنے اور نہ بجنے والے ہر قسم کے زیوارات سونے اور چاندی کے بلا تخصیص جائز ہیں؟ جائز وناجائز ہر دو صورتوں میں کتب فقہ کی دوایک عبارتیں اور کم سے کم دو تین حدیثیں نقل فرمادیجئے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاجر پاؤ۔ت)

الجواب:

عورتوں کو سونے چاندی کازیور پہننا جائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اَوَمَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَةِ"۔ [1]	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا، کیاوہ جو زیور میں پروان چڑھے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الذھب والحریر حل لاناث امتی وحرام علی ذکورھا، رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ عن زید بن ارقم والطبرانی فی الکبیر عنہ وعن واثلۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما [2]	سونااور ریشم میری امت کی عورتوں کو حلال اور مردوں پر حرام ہے۔(ابوبکر بن ابی شیبہ حضرت زید بن ارقم سے اور طبرانی نے الکبیر میں ان سے اور حضرت واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کو راویت کیاہے۔ت)

بلکہ عورت کا اپنے شوہر کے لئے گہنا پہننا، بناؤ سنگار کرنا باعث اجر عظیم اور اس کے حق میں نماز نفل سے افضل ہے بعض صالحات کہ کود اور ان کے شوہر دونوں صاحب اولیاء کرام سے تھے ہر شب بعد نماز عشا پورا سنگار کرکے دلھن بن کر اپنے شوہر کے پاس آتیں اگر انھیں اپنی طرف حاجت پاتیں حاضر رہتیں ورنہ زیور ولباس اتار کر مصلی بچھاتیں اور نماز میں مشغول ہو جاتیں۔ اور دلھن کو سجانا تو سنت قدیمہ اور بہت احادیث سے ثابت ہے بلکہ کنواری لڑکیوں کو زیور ولباس سے آراستہ رکھنا کہ انکی منگنیاں آتیں۔ یہ بھی سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۴۳/ ۱۸

[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۵۱۲۵ مکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۵/ ۲۱۱

لوکان اسامة جارية لکسوته وحليته انفقه رواه احمد[1] وابن ماجة عن ام المومنين رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن۔	اگر حضرت اسامہ لڑکی ہوتے تو میں انھیں زنانہ کپڑے اور زیور پہناتا یہاں تک کہ وہ انھیں استعمال کرتے، چنانچہ مسند احمد اور محدث ابن ماجہ ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے سند حسن کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔(ت)

بلکہ عورتوں کا باوصف قدرت بالکل بے زیور رہنا مکروہ ہے کہ مردوں سے تشبہ ہے۔ حدیث میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ تعطر النساء وتشبھھن بالرجال[2]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عورتوں کے تعطّر (یعنی بے زیور رہنے) کو اور مردوں سے مشابہت بنانے والی عورتوں کو ناپسند فرماتے۔(ت)

(حدیث مذکور میں لفظ "**تعطر**" استعمال ہوا ہے جس کا معنی "خوشبو لگانا ہے، مگر) مجمع البحار میں ہے:

قیل ارادتعطل النساء باللام وھی من لاحلی علیھا ولاخضاب واللام والراء یتعاقبان[3]۔	کہا گیا ہے کہ لفظ مذکور سے "تعطّل النساء" حرج لام کے ساتھ مراد ہے اور اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو نہ تو زیور پہنے ہوں نہ خضاب لگائے ہوں پس یہاں لام اور راء ایک دوسرے کی جگہ آتے ہیں۔(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مولی علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا:

یاعلی مر نسائك لایصلین عطلا[4]۔ رواہ ابن اثیر فی النھایة۔	اے علی! اپنے مخدرات کو حکم دو کہ بے گہنے نماز نہ پڑھیں۔ (امام ابن اثیر نے النہایہ میں اس کو روایت فرمایا۔ت)

[1] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الشفاعة فی التزویج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳، مسند امام احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۳۹

[2] نہایة لابن ابی اثیر باب العین مع الطاء تحف لفظ عطر "المکتبة الاسلامیہ ۳/ ۲۵۶

[3] مجمع بحار الانوار باب العین مع الطاء تحت لفظ "عطر "مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۳/ ۶۲۱

[4] نہایة لابن اثیر باب العین مع الطاء تحت لفظ عطل المکتبة الاسلامیة ریاض ۳/ ۲۵۷

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا عورت کا بے زیور نماز پڑھنا مکروہ جانتیں اور فرماتیں "کچھ نہ پائے تو ایک ڈورا ہی گلے میں باندھ لے" مجمع بحار میں ہے:

عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما کرھت ان تصلی المرأۃ عطلا ولو ان تعلق فی عنقھا خیطا[1]۔	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا عورتوں کے بغیر زیور نماز پڑھنے کو ناپسند فرماتیں (اور فرمایا کرتیں اگر اور کچھ نہ ہو تو ایک ڈورا ہی گلے میں لٹکالے۔(ت)

بجنے والا زیور عورت کے لئے اس حالت میں جائز ہے کہ نامحرموں مثلاً خالہ، ماموں، چچا، پھوپھی کے بیٹوں، جیٹھ، دیور، بہنوئی کے سامنے نہ آتی ہو نہ اس کے زیور کی جھنکار نامحرم تک پہنچے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَہُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِہِنَّ" الاٰیۃ[2]۔	عورتیں اپنا سنگار شوہر یا محرم کے سوا کسی پر ظاہر نہ کریں۔

اور فرماتا ہے:

"وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ ؕ"[3]	عورتیں پاؤں دھمک کر نہ رکھے کہ ان کا چھپا ہوا سنگار ظاہر ہو۔

فائدہ: یہ آیہ کریمہ جس طرح نامحرم کو گہنے کی آواز پہنچنا منع فرماتی ہے یونہی جب آواز نہ پہنچے اس کا پہننا عورتوں کے لئے جائز بتاتی ہیں کہ دھمک کر پاؤں رکھنے کو منع فرمایا نہ کہ پہننے کو بخلاف جہل وہابیہ کہ بجتا گہنا ہی حرام کہتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶ و ۷: از کاٹھیاواڑ مسئولہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ۷ اذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) ایک شخص لوہے اور پیتل کا زیور بیچتا ہے اور ہندو مسلمان سب خریدتے ہیں اور ہر قوم کے ہاتھ

---

[1] مجمع بحار الانوار باب العین مع الطاء تحت لفظ عطل مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۳/ ۶۲۲

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۱

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۱

وہ بیچتا ہے۔ غرضکہ یہ وہ جانتا ہے کہ جب مسلمان خرید کریں گے تو اس کو پہنیں گے۔ تو ایسی چیزوں کا فروخت کرنا مسلمان کے ہاتھ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کانسہ جو بشکل پیتل ہوتا ہے استعمال کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسلمان کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) کانسہ کے برتن میں حرج نہیں اور اس کا زیور پہننا مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸و۹: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار اسمٰعیل صاحب یکم صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت ان مسائل میں:

(۱) سونے یا چاندی کی گھڑی جیب میں رکھنے کی مرد استعمال کرسکتا ہے یا نہیں۔ نیز اس قسم کی گھڑی جیب میں پڑی ہے اور نماز ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) وہ اشیاء جن پر سونے چاندی کا پانی چڑھا ہو جسے گلٹ کہتے ہیں مرد استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سونے کی گھڑی جیب میں ہو تو نماز میں حرج نہیں کہ جیب میں رکھنا پہننا نہیں۔ جیسے جیب میں اشرفیاں پڑی ہوں، ہاں سونے کی گھڑی چاندی کی گھڑی وقت دیکھنا امر دو عورت سب کو حرام ہے کہ عورتوں کو پہننے کی اجازت ہے نہ کہ اور طرق استعمال کی۔

(۲) کرسکتا ہے۔ سونے یا چاندی کا پانی وجہ ممانعت نہیں۔ ہاں اگر وہ شے فی نفسہٖ ممنوع ہو تو دوسری بات ہے جیسے سونے کا ملمع کی ہوئی تانبے کی انگوٹھی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰: از مبارکپور محلہ مرحی محال متصل کنجڑا محال مرسلہ حافظ محمد جعفر صاحب پیش امام ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تانبے پیتل کے برتن میں طعام تناول پانی نوش فرمایا کرتے یا کسی دوسری چیز کے برتن میں:

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تانبے، پیتل کے برتنوں میں کھانا پینا ثابت نہیں۔ مٹی یا کاٹھ کے برتن تھے اور پانی کے لئے مشکیزے بھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱و۱۲: سید صفر علی صاحب ڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنگی موضع خود مئو

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) سونے یاچاندی یاپیتل یاجست یاتانبے یالوہے کی منہنال نیچے میں لگا کر حقہ پینا جائز ہے؟

(۲) یشب یا کسی دوسرے پتھر کی منہنال استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سونے یاچاندی کی منہنال حرام ہے باقیوں میں حرج نہیں۔

(۲) یشب وغیرہ پتھروں کی منہنال جائز ہے۔**واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳و۱۴: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ قاضی قاسم میاں صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) لڑکیوں کوزیور کے لئے کان چھدوانے کا کوئی خاص حصہ مقرر ہے یاجس حصہ میں زیور پہننا چاہیں وہ حصہ چھدوا سکتی ہیں؟

(۲) عورتیں ناک کا پھول دہنی طرف پہنیں یا بائیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) کوئی خاص مقرر نہیں۔ہاں مشابہت کفار سے بچنا ضرور ہے۔بعض طریقے خاص کفار کے یہاں ہیں جیسے یہاں انوٹ کہتے ہیں ان سے بچیں۔**واﷲ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اس میں کوئی تخصیص شرعی نہیں جدھر چاہیں۔**واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵و۱۶: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ شمس الدین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں حضور پرنور اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہر قبلہ مدظلہ العالی کہ:

(۱) چھلہ چاندی یاپیتل کا پہننا کیسا ہے؟اور اس کے پہنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) مسجد میں امام کو بدن دبوانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) تانبہ،پیتل،کانسہ،لوہا تو عورت کو بھی پہننا ممنوع ہے۔اور اس سے نماز ان کی بھی مکروہ ہے۔اور چاندی کا چھلا خاص لباس زنان ہے مردوں کو مکروہ۔اور مکروہ چیز پہن کر نماز بھی مکروہ۔مرد کو چاندی کی انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی جائز ہے۔**واﷲ تعالٰی اعلم۔** **(۲)** کوئی حرج نہیں۔**واﷲ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ
الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز ۱۳۰۹ھ
(سونے اور چاندی کی اشیاء کو استعمال کرنے کے بارے میں مزیدار مختصر کلام)

مسئلہ ۱۷: از اکولہ صوبہ برابر مرسلہ حافظ یقین الدین صاحب ۲۷ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گھنڈی تکمہ یا بند کے عوض انگوکھے کرتے ہیں چاندی سونے کے بوتام بے زنجیر لگانے جائز ہیں یا نہیں؟ بعض صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اور سونے چاندی کا استعمال مرد کو مطلقاً حرام ہے۔ یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ اگر غلط ہے تو چاندی سونے کی کیا کیا چیزیں استعمال کرنی مرد کو جائز ہیں؟ اور چاندی کی انگوٹھی میں کیا کیا شرطیں ہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

سونے چاندی کے بوتام بطور مذکور لگانے جائز ہیں جن کا جواز سیر کبیر وذخیرہ ومنتقی وتاتارخانیہ ودرمختار وطحاوی وہندیہ وغیرہا کتب معتمدہ سے ثابت۔ درمختار میں ہے:

فی التتارخانیۃ عن السیر کبیر لاباس بازار الدیباج والذھب [1]۔	تتارخانیہ میں سیر کبیر سے نقل کیا گیا ہے کہ ریشم اور سونے کی گھنڈیوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۹

عالمگیری میں ہے:

لاباس بلبس الثوب فی غیر الحرب اذا کان ازرارہ دیبا او ذھب کذا فی الذخیرۃ[1]۔	جنگ کے بغیر ایسا کپڑا پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں جس کی گھنڈیاں ریشم یا سونے کی ہوں۔اسی طرح ذخیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

اور سونے چاندی کا استعمال مرد کو مطلقاً حرام ہو یہ صحیح نہیں۔شرع مطہر نے جہاں بے شمار صورتوں کی ممانعت فرمائی ہے وہاں بہت سی صورتوں کی اجازت بھی دی ہے۔مثلاً:

(۱) سونے کی گھنڈیاں **کماسمعت انفاً** (جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ت)

(۲) سونے کا تکمہ،

فی الدرالمختار عن شرح الوھبانیۃ عن المنتقی لاباس بعروۃ القمیص وزرہ عن الحریر لانہ تبع[2] الخ وستسمع فی اللبس ترخیص الحریر ترخیص النقدین بل سیأتیك نص المسئلۃ عن ردالمحتار۔	درمختار میں شرح وہبانیہ نے "المنتقٰی" سے نقل کیا ہے کہ قمیص کا تکمہ اور اس کی گھنڈیاں ریشمی ہوں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ تابع کی حیثیت رکھتی ہیں الخ۔عنقریب تم سنوگے کہ ریشم کے پہننے میں رخصت دینا سونے چاندی (نقدین) کے استعمال کرنے کی سی رخصت ہے۔عنقریب فتاوٰی شامی کے حوالے سے تمہارے پاس اس مسئلہ کی تصریح آئے گی۔(ت)

(۳) انگوٹھی کے نگ میں سونے کی کیل۔فی الدر حل مسمار الذھب فی حجر الفص[3] (پتھر کے نگینے میں سونے کی کیل لگانا جائز ہے۔ت)

(۴) چاندی کی انگوٹھی کی انگشتری میں سونے کے دندانے۔

فی درالمحتار کالاسنان المتخذۃ من الذھب علی حوالی خاتم الفضۃ فان الناس یجوزونہ من غیر نکیر	اور دالمحتار میں ہے کہ جیسے سونے کے دندانے چاندی کی انگوٹھی کے آس پاس لگے ہوں تو جائز ہے کیونکہ لوگ بغیر کسی انکار کے اس کو جائز کہتے ہیں،

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع فی اللبس نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۳۳۲

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

ویلبسون تلك الخواتم [1]۔	اور اس قسم کی انگوٹھیاں پہنتے ہیں۔(ت)

(۵) کواڑوں یا صندوقچی یا قلمدان وغیرہا میں سونے کی گل میخیں بر یخیں اور خود یہ چیزیں سونے چاندی کی ہوں تو عورتوں کو بھی ناجائز یہ بعینہٖ اس صورت کی نظریں ہیں کہ انگرکھا کرتا تاش بادلے کا حرام اور گھنڈی بوتام سونے کے رواکہ یہ قلیل وتابع ہیں۔

فی الھندیۃ لاباس بمسامیر ذھب وفضۃ ویکرہ الباب منه [2]۔	ہندیہ میں ہے سونے یا چاندی کی کیلیں لگانے میں کوئی حرج نہیں البتہ سونے چاندی کا دروازہ بنانا مکروہ ہے۔(ت)

(٦) یوہیں چاندی سونے کے کام کے دوشالے چادر کے آنچلوں۔ عمامے کے پلوؤں، انگرکھے، کرتے، صدری، مرزائی وغیرہا کی آستینوں، دامنوں، چاکوں، پردوں، تولیوں، جیبوں پر ہوں گریبان کا کنٹھا، شانوں پشت کے پان ترنج، ٹوپی کا طرہ، مانگ، گوٹ پر کام، جوتے کا کنٹھا، گچھا۔ کسی چیز میں کہیں کیسی ہی متفرق بوٹیاں یہ سب جائز ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی تنہا چار انگل کے عرض سے زائد نہ ہو اگرچہ متفرق کام ملا کر دیکھے تو چار انگل سے بڑھ جائے اس کا کچھ ڈر نہیں کہ یہ بھی تابع قلیل ہے۔اور اگر کوئی بیل بوٹا تنہا چار انگل عرض سے زیادہ ہو تو ناجائز کہ اگرچہ تابع ہے مگر قلیل نہیں اور کوئی مستقل چیز بالکل مغرق یا ایسے گھنے کام کی ہو کہ مغرق معلوم ہو تو بھی ناروا اگرچہ خود اس کی ہستی ایک ہی انگل عرض کی ہو کہ یہ اگرچہ قلیل ہے مگر تابع نہیں۔ جیسے ریشم یا لچکے پٹھے کے تعویز یا ریشمی کمربند یا جوتے کی اڈیوں پنجوں پر مغرق کام یا ریشم یا سونے چاندی کے کام سے مغرق ٹوپی، ہاں ایک قول پر آنچل پلو مطلقاً حلال ہیں خواہ کتنے ہی چوڑے ہوں اس میں کارچوبی دوشالے یا بنارسی عمامے والوں کے لئے بہت وسعت ہے مگر یہ زیادہ قوت اسی پہلے قول کو ہے کہ چار انگل سے زیادہ نہ ہو۔

فی الدرالمختار یحرم لبس الحریر علی الرجل الا قدر اربع اصابع کاعلام الثوب وظاھر المذھب عدم	درمختار میں ہے کہ مرد کے لئے ریشم پہننا حرام ہے البتہ چار انگل کی مقدار ممنوع نہیں جیسے کپڑے پر نقوش وغیرہ بنالینا۔ اور ظاہر مذہب یہ ہے

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ کراچی ۵ /۳۳۵

ومثله لو رقع الثوب بقطعة دیباج وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق ومقتضاه حل الثوب المنقوش بالحریر تطریزا ونسجا اذا لم تبلغ کل واحدة من نقشة اربع اصابع وان زادت بالجمع مالم یرکله حریرا قال ط وهل حکم المتفرق من الذهب و الفضة کذالك یحرر [1]۔ قال فی القنیة وکذا فی القلنسوة فی ظاهر المذهب یجوز قدر اربع اصابع وفی التبیین عن اسماء رضی الله تعالٰی عنها انها اخرجت جبة طیالسة علیها لبنة شبر من دیباج کسوانی وفرجاها مکفوفان به فقالت هذه جبة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یلبسها وفی القاموس کف الثوب کفا خاط حاشیّته ولبنة القمیص نبیقته فی الهندیة یکره ان یلبس الذکور قلنسوة من الحریر اوالذهب او الفضة اوالکرباس الذی خیط علیه ابریسم کثیر اوشق من الذهب اوالفضة اکثر من قدر اربع اصابع اهوبه یعلم حکم العرقیة المسماة بالطافیة	طول میں زیادہ ہوں اور یہی حکم ہے اس کپڑے کا جس کو ریشمی پیوند لگایا گیا ہو اور ظاہر مذہب میں متفرق کو جمع کرنا نہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ کپڑے پر ریشمی نقوش خواہ بنائے گئے ہوں یا بُنے ہوئے ہوں جائز ہیں جبکہ اس کا کوئی نقش بھی چار انگلیوں کی مقدار تک نہ پہنچنے پائے اگرچہ جمع کرنے سے زیادہ ہوجائیں بشرطیکہ سارا ریشمی نہ ہو۔علامہ طحطاوی نے فرمایا متفرق سونے چاندی کا جو حکم پہنچا ہے وہ یوں ہی تحریر کیا جاتا ہے۔قنیہ میں ہے اسی طرح ظاہر مذہب کے مطابق ٹوپی میں چار انگشت کے برابر کی مقدار جائز ہے۔ تبیین میں سیدہ اسماء رضی اللہ تعالٰی عنہا کی روایت ہے کہ انھوں نے (زیادت کرانے کے لئے ایک طیالسی جبہ باہر نکالا کہ جس پر ایک بالشت کی مقدار کسروانی ریشم کا گریبان تھا اس کے دونوں اطراف ریشم سے مخطوط تھے پھر مائی صاحبہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جبہ مبارک ہے جو آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے، قاموس اللغات میں ہے (کف الثوب) اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب کسی چیز کا کنارہ مخطوط و، فتاوٰی عالمگیری میں ہے کہ مردوں کو سونا چاندی ریشمی لباس پہننا یا ایسی سوتی ٹوپی پہننا جس پر بہت سے ریشم کی سلائی کی گئی ہو یا سونا چاندی چار انگلیوں کی مقدار سے زیادہ ہو تو یہ عمل مکروہ ہے (عبارت مکمل ہوگئی) اور اس سے عرفیہ جس کو طافیہ کہا جاتا ہے کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے، جب

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیرت ۵ /۲۲۴

جمع المتفرق للتفرق ولو فی عمامة وکذا المنسوج بذهب یحل اذا کان اربع اصابع والا لایحل للرجل وفی السراج عن السیر الکبیر العلم حلال مطلقًا صغیرا کان او کبیرا قال المصنف هو مخالف لما مر من التقیید باربع اصابع وفیه رخصة عظیمة لمن ابتلی به فی زماننا [1] اھ ملخصا۔ وفی ردالمحتار العلم عندنا یدخل فیه السجاف وما یخیط علی اطراف الاکمام ومایجعل فی طوق الجبة وهو المسمی قبة وکذا العروة و الزر و مثله فیما یظهر طرة الطربوش ای القلنسوة مالم تزد علی عرض اربع اصابع وما علی اکناف العباءة علی ظهرها وما فی اطراف الشاش سواء کان تطریزا بالابرة اونسجا ومایرکب فی اطراف العمامة المسمی صجقا فجمیع ذٰلك لاباس به اذا کان عرض اربع اصابع وان زاد علی طولها و	کہ متفرق کو جمع نہ کیا جائے اگرچہ پگڑی میں ہو، اسی طرح سونے کی تاروں سے بنے ہوئے کپڑے کا استعمال جائز ہے جبکہ بمقدار چار انگشت ہو، ورنہ مرد کے لئے جائز نہیں۔ سراج میں سیر کبیر کے حوالے سے منقول ہے نقوش علی الاطلاق جائز ہیں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ مصنف نے فرمایا کہ یہ چار انگلیوں کی قید کے مخالف ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اس میں بڑی رخصت ہے اس شخص کے لئے جو ہمارے دور میں اس میں مبتلا ہوگیا ہے (ملخص مکمل ہوا) فتاوٰی شامی میں ہمارے نزدیک نقوش میں نقش ونگار پردے کے بھی داخل ہیں اور وہ جس کی آستینوں پر سلائی کی گئی ہو اور جو کچھ طوق جبہ پر کام کیا گیا جس کو "قبہ" کہا جاتا ہے اور اسی طرح تکمہ اور گھنڈی، اور یہی حکم ظاہر ہوتا ہے ٹوپی کے کناروں پر نقش ونگار کا جبکہ وہ چوڑائی میں چار انگشت کی مقدار سے زیادہ نہ ہوں۔ اور جو کچھ گدڑی کے کناروں اور اس کے پشت پر ہو اور جو کچھ سنہری نقش دار لباس کے کناروں پر کام کیا ہوا ہو، خواہ سوئی کے ساتھ بیل بوٹے بنائے گئے ہوں، چاہے بنے ہوئے ہوں یا پگڑی کے کناروں میں جس کو "صجق" کہا جاتا ہے جوڑے گئے ہوں ان سب میں حرج نہیں۔ بشرطیکہ چوڑائی میں بمقدار چار انگلی ہوں اگرچہ

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۹۔۲۳۸

فاذا کانت منقشة بالحریر وکان احد نقوشها اکثر من اربع اصابع لاتحل و ان کان اقل تحل وان زاد مجموع نقوشها علی اربع اصابع. وفی الهندیة تکرہ عصابة المفتصد وان کانت اقل من اربع اصابع لان اصل بنفسه کذا فی التمرتاشی اھ ط [1] اھ ملتقطا. **اقول:** وما وقف علیه ط وامر بتحریرہ فهو بحمد اللہ تعالٰی محرر عندی لاشبهة فیه و لقد رأیتنی کتبت علی هامشی نسختی ردالمحتار عند قوله وهل حکم المتفرق. الخ۔ مانصه. **اقول:** معلوم ان الحریر و الذهب والفضة کلها متساویة فی حرمة اللبس حیث حرم فالترخیص فی لبس الحریر ترخیص فیهما واللہ تعالٰی اعلم [2] اھ۔ ثم رأیت العلامة الشامی ذکر بعد نحو ورقتین عین ماذکرته وللہ الحمد حیث قال "قد استوی کل من الذهب والفضة والحریر فی الحرمة فترخیص	اس پر ریشمی نقوش ہوں اور اس کا کوئی ایک نقش چار انگلیوں کی مقدار سے زیادہ ہوں تو جائز نہیں اور اگر کم ہو تو جائز ہے اگرچہ اس کے مجموعی نقوش چار انگلیوں کی مقدار سے بڑھ جائیں۔ فتاوٰی ہندیہ یعنی عالمگیری میں ہے پچھنے لگوانے والے کی پٹی اگر چارانگلیوں کی مقدار سے کم ریشمی ہوں تب بھی اس کا استعمال مکروہ ہے (اس لئے کہ وہ تابع نہیں۔ بلکہ خود بذتہ، اصل ہے یونہی تمرتاشی میں مذکور ہے (طحطاوی کی عبارت پوری ہو گئی)۔ **میں** (مراد صاحب فتاوٰی) **کہتاہوں** کہ جس میں علامہ طحطاوی نے توقف کیا تھااور اس کی تحریر کا حکم دیا تھا بحمداللہ تعالٰی وہ میرے نزدیک محرر ہے جس میں کوئی شبہہ نہیں۔ بیشک میں نے ردالمحتار کے اپنے نسخہ کے حاشیہ میں علامہ موصوف کے قول ھل حکم المتفرق الخ جس کی موصوف نے تصریح فرمائی، لکھا ہے۔ **میں کہتاہوں** یہ تو معلوم ہے کہ ریشم سونا اور چاندی پہننے کی حرمت برابر ہے۔ کیونکہ سب کا استعمال کرنا حرام ہے۔ لہٰذا ریشم کی رخصت ان سب کی رخصت ہے۔ اللہ تعالٰی خوب جانتاہے پھر میں نے علامہ شامی کو دیکھا کہ انھوں نے دو اوراق کے بعد بالکل وہی کچھ ذکر کیا جو کچھ میں نے ذکر کیا تھا اللہ تعالٰی ہی لائق حمد وثنا ہے۔ چنانچہ انھوں نے

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۵۔۲۲۶

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

العلم و الکفاف من الحریر ترخیص لھما من غیرہ ایضا بدلالۃ المساواۃ ویؤید عدم الفرق مامر من اباحۃ الثوب المنسوج من ذھب اربعۃ اصابع وکذا کتابۃ الثوب بذھب او فضۃ [1] الخ۔ فھذا تحریرہ وللہ الحمد۔	فرمایا سونا، چاندی اور ریشم یہ سب حرام ہونے میں مساوی اور برابر ہیں۔ لہٰذا ریشمی نقش ونگار اور کفاف (کناروں کا مخطوط ہونا) کی رخصت دینا بعینہٖ سونے چاندی کی رخصت دینا ہے۔ کیونکہ دلالت حرمت میں یہ سب برابر ہیں، پس اس بات کی تائید گزشتہ عدم تفریق سے ہوتی ہے کہ سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا بمقدار چار انگشت مباح ہے اور سونے چاندی کی کتابت (تحریر) کا بھی یہی حکم ہے۔ الخ۔ لہٰذا یہ ان کی تحریر ہے۔ خدا ہی کے لئے حمد وستائش ہے۔ (ت)

ان عبارات سے بھی یہ واضح ہوا کہ چاندی سونے کے کام بشرائط مذکورہ ہر طرح جائز ہیں خواہ اصل کپڑے کی بناوٹ میں ہوں یا بعد کی کلابتوں کامدانی وغیرہ سے بنائے جائیں خواہ کوئی جدا چیز۔ جیسے فیتوں۔ لیس، پیچک، بانکڑی وغیرہا ٹانکی جائے، ہاں یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ عورتوں یا بدوضع آوارہ فاسقوں کی مشابہت نہ پیدا ہو، مثلاً مرد کو چولی دامن میں گوٹا پٹھا ٹانکنا مکروہ ہوگا اگرچہ چار انگلی سے زیادہ نہ ہو کہ وضع خاص فساق بلکہ زنانوں کی ہے۔ علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص فاسقانہ وضع کے کپڑے یا جوتے سلوائے (جیسے ہمارے زمانے میں نیچری وردی) تو درزی اور موچی کو ان کا سینا مکروہ ہے کہ یہ معصیت پر اعانت ہے اس سے ثابت ہوا کہ فاسقانہ تراش کے کپڑے یا جوتے پہننا گناہ ہے۔

فی فتاوٰی الامام قاضیخاں ان الاسکاف او الخیاط اذا استوجر علی خیاطۃ شیئ من ذی الفساق ویعطی لہ فی ذلک کثیرا جرلا یستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ [2]۔	امام قاضی خاں کے فتاوٰی میں ہے کہ موچی اور درزی اگر بدکار لوگوں کی وضع کے مطابق جوتے اور کپڑے تیار کرنے کی اجرت مانگے اور اسے اس کام پر بہت زیادہ اجرت دی جائے تو اس کے لئے یہ کام کرنا مستحب نہیں رہتا کیونکہ اس میں گناہ پر مدد کرنا پایا جاتا ہے۔ (ت)

(۷) وہ کپڑے پہننے جن پر سونے چاندی کے پانی سے لکھا ہو جائز ہے۔

(۸) یوہی جائز الاستعمال برتنوں وغیرہ پر ان کا ملمع،

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۸۰

فی الهندیة لایکره لبس ثیاب کتب علیها بالفضة والذهب وکذلك استعمال کل مموه لانه اذا زوب لم یخلص منه شیئ کذا فی الینا بیع [1] اھ وفی الدرحل کتابة الثوب بذهب اوفضة والمطلی لاباس به بالاجماع [2] اھملخصا۔	فتاوٰی ہندیہ میں ہے ایسے کپڑے پہننے مکروہ نہیں کہ جن پر سونے یا چاندی سے کتابت کی گئی ہو اور اسی طرح تمام ملمع کاری والے کپڑوں کے استعمال کا یہی حکم ہے کیونکہ جب اسے ڈھالا جائے تو اس سے کچھ برآمد نہیں ہوتا ینابیع میں یہی مذکور ہے۔ درمختار میں ہے کہ کپڑے پر سونے چاندی کی کتابت جائز ہے اور ملمع کاری میں بالاجماع کوئی مضائقہ نہیں اھ ملتقطا (ت)

(۹) اسی طرح کسی چیز میں چاندی سونے کے تار پتر جوتے ہونا بشرطیکہ وہ شیئ جس عضو سے استعمال میں آتی ہے اس عضو کی جگہ سے جدا ہوں مثلاً گلاس یا کٹورے میں وہاں منہ لگا کر پانی نہ پئیں۔ تخت، پلنگ، کرسی، کاٹھی میں موضع نشست پر نہ ہوں، رکاب میں پاؤں ان پر نہ رہے لگام، تلوار، نیزہ، تیر کمان، بندوق قلم، آئینہ کے گھر میں ہاتھ کی گرفت سے الگ ہوں، دیچی پوزی میں چاندی سونے کے پھول جائز کہ وہ جسم لگنے کی جگہ نہیں۔ چھڑی میں نیچے کی شام روا اوپر کی ناجائز کہ وہ ہاتھ رکھنے کی جگہ ہے، حقہ میں چاندی سونے کی مُنہنال حرام کہ پینے میں اس سے منہ لگتا ہے مگر دہن نَے سے نیچے سِر کی ہو کہ اسے منہ ہاتھ نہ لگایا جائے تو رواہ وعلی ہذا القیاس اشیائے کثیرہ جنھیں بعد علم قاعدہ فہیم آدمی سمجھ سکتا ہے اسی قلیل سے تھیں کواڑوں، صندوق، قلمدان، انگوٹھی کے رنگ میں سونے کی کیلیں جن کا ذکر اوپر گزرا۔

فی الدرالمختار حل الشرب من اناء مفضض ای مزوق بالفضة والرکوب علی سرج مفضض والجلوس علی کرسی مفضض لکن یشترط ان یتقی موضع الفضة بفم وجلوس ونحوه وکذا الاناء المضبب بذهب او	درمختار میں ہے جس برتن پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو اس سے پانی پینا جائز ہے اور چاندی کی ملمع کاری والی زین پر سوار ہونا اور اسی نوع کی کرسی پر بیٹھنا بھی جائز ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ جہاں چاندی پیوستہ ہو وہاں منہ نہ لگایا جائے اور نہ اس جگہ بیٹھے اور نہ سوار ہو، اسی طرح سے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۴

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

فضة والکرسی المضبب بهما وحلیة مرأة و مصحف بهما کما لو جعله فی نصل سیف اوسکین اوقبضتها او لجام او رکاب ولم یضع یده موضع الذهب والفضة [1] اه ملخصا، وفی ردالمحتار **قوله مفضض** وفی حکمه المذهب قهستانی قوله ای مزوق وفسره الشمنی بالمرصع بها قال فی غرر الافکار یجتنب فی المصحف ونحوه موضع الاخذ وفی السرج ونحوه موضع الجلوس وفی الرکاب موضع الرجل و فی الاناء موضع الفم ونحوه فی ایضاح الاصلاح ویجتنب فی النصل والقبضة واللجام موضع الید فالحاصل ان المراد الاتقاء بالعضو الذی یقصد الاستعمال به ففی الشرب لما کان المقصود الاستعمال بالفم اعتبر الاتقاء به دون الید، ولا یخفی ان الکلام فی المفضض والا فالذی کله فضة یحرم استعماله بای وجه کان ولو بلامس

جس برتن سے سونا چاندی پیوستہ ہوں اور وہ کرسی جس پر یہ دونوں لگے ہوئے ہوں شیشہ اور مصحف جن پر سونے چاندی کا زیور لپٹا ہو، تلوار یا چھری کی دھار یا ان دونوں کے دستے، لگان یا رکاب پر سونا چاندی لگے ہوں لیکن بوقت استعمال ان سے ہاتھ مس نہ ہوں تو یہ سب جائز ہیں۔ردالمحتار میں ہے مصنف کا قول ای مزوق،علامہ شمنی نے اس کی تشریح "المرصع" (یعنی اس پر چاندی کا جڑاؤ ہو) سے فرمائی یعنی وہ جس پر چاندی جڑی ہوئی ہو، غرر الافکار میں فرمایا مصحف اور اس جیسی کسی چیز (جس پر ہاتھ رکھنے والی جگہ پر سونا چاندی پیوستہ ہو) تو اس کے پکڑنے میں پرہیز کرے اور سونے چاندی کو مس نہ کرے۔اسی طرح زین یا کرسی جس کے بیٹھنے کی جگہ پر سونا چاندی لگا ہو تو اس سے پرہیز کرے یعنی اس پر نہ بیٹھنے اور رکاب میں پاؤں والی جگہ سونا چاندی ہوت پاؤں نہ رکھے۔ اور برتن میں منہ لگانے کی جگہ سونا چاندی ہو تو منہ نہ لگائے یعنی استعمال نہ کرے۔اور اسی طرح ایضاح الاصلاح میں ہے تیر کے پھل۔ تلوار کے دستے اور لگام کو بھی بایں وجہ ہاتھ نہ لگائے اور اس سے بچے۔ حاصل کلام، یہ ہوا کہ اس حصہ جسم اور عضو کو بچایا جائے جو کسی شے کے استعمال کرنے میں مقصود ہوتا ہے۔چونکہ

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶ و ۲۳۷

بالجسد بخلاف القصب الذی یلف علی طرف قبضۃ النتن فانہ تزویق فھو من المفضض فیعتبر اتقاؤہ بالید والفم ولا یشبہ ذٰلك مایکون کلہ فضۃ کما ھو صریح کلامھم وھو ظاھر قولہ المضبب ای مشدد بالضباب وھی الحدیدۃ العریضۃ التی یضبب بھا وضبب بالفضۃ شدبھا مغرب. قولہ وحلیۃ مرأۃ الذی فی المنح والھدایۃ وغیرھما حلقۃ بالقاف قال فی الکفایۃ والمراد بھا التی تکون حوالی المرأۃ لا ماتاخذ المرأۃ بیدھا فانہ مکروہ اتفاقا[1] اھ ملتقطا وفی الھندیۃ لاباس بالمضبب من السریر اذالم یقعد علی الذھب والفضۃ وکذا الثغر[2] اھ ملخصًا۔	پینے کے لئے منہ کا استعمال مقصود ہوتا ہے لہٰذا اس کے بچاؤ کا اعتبار ہوگا نہ کہ ہاتھ کا، اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کلام سونے اور چاندی کی ملمع کاری میں ہے ورنہ جو چیز تمام کی تمام چاندی کی ہو اس کا استعمال تو سرے سے حرام ہے خواہ استعمال ہاتھ سے ہو یا بغیر ہاتھ لگائے ہو۔ بخلاف اس کانے کے جو تمباکو کے کانے کے کنارے پر لپیٹ دیا جاتا ہے کیونکہ وہ "تزویق" ہے جو مفضض میں شامل ہے لہٰذا ہاتھ اور منہ سے اس کے بچاؤ کا اعتبار ہوگا اور یہ اس کے مشابہ نہیں جو تمام چاندی ہو جیسا کہ فقہائے کرام کا صریح کلام ہے اور یہی ظاہر ہے مصنف کا ارشاد المضبب یعنی ضباب کے ساتھ باندھا ہوا۔ اور ضباب وہ چوڑا لوہا ہوتا ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو باندھا جاتا ہے "ضبب بالفضۃ" کے معنی ہیں چاندی کے ساتھ باندھا گیا (مغرب) قولہ حلیۃ المراٰۃ منح الغفار اور ہدایہ وغیرہ میں یہ لفظ حلقۃ صرف قاف کے ساتھ ہے۔ الکفایۃ میں فرمایا کہ اس سے شیشے کا آس پاس (یعنی چاروں اطراف) مراد ہیں نہ کہ وہ جگہ جس کو عورت اپنے ہاتھ سے پکڑتی ہے کیونکہ وہ تو بالاتفاق مکروہ ہے (ملخص مکمل ہوا) فتاوٰی ہندیہ میں ہے کہ سونے چاندی کے تاروں سے جڑا اور کسا ہوا تخت استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ سونے چاندی والی جگہ پر بیٹھنے سے پرہیز کرے۔ (ت)

یہاں تک جن چیزوں کا جواز بیان ہوا یہ سب اور ان کے سوا بعض اور بھی چاندی سونے دونوں کی جائز ہیں۔ اور بعض اشیاء وہ ہیں کہ سونے کی حرام اور چاندی کی جائز انھیں

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۸و۲۱۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۴

میں انگشتری ہے جس سے سائل نے سوال کیا۔ شرعاً چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی کہ وزن میں ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو پہننا جائز ہے اگرچہ بے حاجت مہر اس کا ترک افضل ہے۔ اور مہر کی غرض سے خالی جواز نہیں بلکہ سنت ہے ہاں تکبر یا زنانہ پن کا سنگار یا اور کوئی غرض مذموم نیت میں ہو تو ایک انگوٹھی کیا اس نیت سے اچھے کپڑے پہننے بھی جائز نہیں اس کی بات جدا ہے۔ یہ قید ہر جگہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ سارا دارومدار نیت پر ہے۔

فی الدر المختار یتحلی الرجل بخاتم فضة اذا لم یرد به التزین ویحرم بغیرها وترك التختم لغیر ذی حاجة افضل وکل ما فعل تجبرا کرہ وما فعل لحاجة لا[1] اھ ملتقطا۔ وفی الهندیة لبس الثیاب الجمیلة مباح اذا لم یتکبر وتفسیرہ ان یکون معها کما کان قبلها کذا فی السراجیه[2] اھ۔ **اقول**: وبما فسرت التزین ظهر الجواب عما اورد العلامة الشامی علی استثنائه انه سیأتی ان ترك التختم لمن لایحتاج الی الختم افضل وظاهرہ انه لایکرہ للزینة بلا تجبر[3] اھ یعنی ان	درمختار میں ہے کہ آدمی چاندی کی انگوٹھی پہن سکتا ہے بشرطیکہ نیت زیب وزینت کی نہ ہو، اور چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی بنی ہوئی انگوٹھیاں پہننا حرام ہے۔ جس کو پہننے کی ضرورت نہ ہو اس کے لئے انگوٹھی نہ پہننا زیادہ بہتر ہے اور جو کام تکبر کی وجہ سے کیا جائے مکروہ ہے اور جو کام کسی ضرورت کے تحت کیا جائے وہ مکروہ نہیں بلکہ جائز ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے کہ اچھا لباس پہننا مباح ہے جبکہ تکبر نہ کیا جائے اور تکبر نہ ہونے کی تشریح یا علامت یہ ہے کہ عمدہ لباس پہننے کے بعد بھی وہی حالت و کیفیت ہو جو پہلے تھی۔ یونہی سراجیہ میں بھی مذکور ہے، **میں کہتا ہوں** کہ جو کچھ میں نے "تزئین" کی تشریح کی ہے اس کے استثناء تزئین پر علامہ شامی کے اشکال کا جواب واضح ہوگیا کہ عنقریب آئیگا کہ بغیر حاجت انگوٹھی نہ پہننا (ترک تختم) انگوٹھی پہننے سے بہتر ہے اس سے ظاہر ہے کہ زینت کے لئے پہننا مکروہ نہیں اھ یعنی اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر حاجت انگوٹھی پہننے سے زیب وزینت کے علاوہ کوئی غرض نہیں ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۲

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۹

المسئلة تفید الجواز من دون حاجة الختم وح لم یبق غرض الاالتزین ورأیتنی کتبت علی ہامشہ ما نصہ **اقول**:قد فرق وان مسئلة الاکتحال بین الزینة والجمال فھلا یراد بہ مثلہ بھا فیباح التجمل دون التزین [1] اھ وحاصل مااشرت الیہ ان الزینة تطلق ویراد بھا مایعم الجمال وھو جائز بل مندوب الیہ بنیة حسنة فان اللہ جمیل یحب الجمال وھو اثرادب النفس وسھا متھا وتطلق ویراد بھا ماینحو التخنث والتصنع مثل المرأة وھو مذموم ودلیل علی ضعف النفس ودناء تھا ویرشدك الی الاطلاقین قول علمائنا لایکرہ دھن شارب ولا کحل اذا لم یقصد الزینة [2] وقولھم کما فی الفتح بالخضاب وردت السنة ولم یکن لقصد الزینة [3] مع قولہ تعالٰی قل من حرم زینة اللہ [4] فلیکن	اس کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول: میں کہتا ہوں** اہل علم نے سرمہ کے مسئلے میں زینت اور جمال کے درمیان فرق کیا ہے پس یہی معنی مماثل یہاں کیوں نہیں مراد لیا جاتا۔ لہٰذا تجمل کے لئے یہ کام مباح ہو نہ کہ زیب و زینت کے لئے اھ جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کبھی لفظ زینت بول کر اس سے وہ معنی مراد لیا جاتا ہے جو لفظ جمال سے لیا جاتا ہے اور وہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ بشرطیکہ نیت اچھی ہو کیونکہ اللہ تعالٰی جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے یہ ادب نفس اور اس کے حصہ کا اثر ہے کبھی لفظ زینت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے تخنث (ہیجڑا پن) اور تصنع (بناوٹ و نمائش) کا مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ جذبہ عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ مذموم ہے اور نفس کی کمزوری، کمینگی اور گھٹیا پن کی علامت ہے۔ پس علمائے کرام کی طرف سے ان الفاظ کے دونوں اطلاق کی وضاحت تمھاری راہنمائی کرے گی۔ مونچھوں کو تیل لگانا اور سرمہ آنکھوں میں لگانا مکروہ نہیں جبکہ زینب وزینت

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

[2] الدالمختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم ومالایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲

[3] فتح القدیر کتاب الصوم باب مایوجب القضاء والکفارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۷۰

[4] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

المراد هناهو المعنی الثانی فلا ایراد ولاتخالف والله تعالٰی الموفق هذا فی ردالمحتار التختم سنة لمن یحتاج الیه کما فی الاختیار وانما یجوز التختم بالفضة لو علی هیأة خاتم الرجال امالو له فصان او اکثر حرم [1] اهملخصا۔	مقصود نہ ہو، فتح القدیر میں ہے کہ خضاب لگانے کا ذکر حدیث میں وادرد ہوا ہے جبکہ زینت کے ارادہ سے نہ ہو باوجود یہ کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے" کس نے اللہ تعالٰی کی زینت کو حرام ٹھہرایا ہے"اللہ تعالٰی ہی اس کی توفیق دینے والا ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ عورتوں کے لئے انگوٹھی پہننا سنت ہے انھیں اس کی ضرورت اور حتیاج ہوتی ہے جیسا کہ الاختیار میں ہے چاندی کی انگوٹھی مردوں کے لئے جائز ہے بشرطیکہ انگوٹھی مردانہ وضع کی ہو اور اس کے نگینے دو یا دو سے زیادہ ہوں تو اس کا استعمال ممنوع اور حرام ہے اھ ملخصا (ت)

(۱۰) یوہیں چاندی کی پیٹی **(۱۱)** کمربند **(۱۲)** تلوار کا پرتلا جائز

فی الدرالمختار ولا یتحلی الرجل بذھب وفضة مطلقًا الا بخاتم ومنطقة وحلیة سیف منها ای الفضة [2] اھ،وفی ردالمحتار وحمائله من جملة حلیته شرنبلالیة اھ **قلت** ومثله للطحطاوی عن ابن السعود عن الشرنبلالی عن البزازیة وعنها نقل فی الهندیة وقال فی الغرائب لاباس باستعمال منطقة حلقنا هافضة [3]۔	درمختار میں ہے کوئی آدمی مطلقًا سونے اور چاندی کا زیور نہ پہنے بجز چاندی کی انگوٹھی کے یا کمربند (پیٹی یا بیلٹ) اور تلوار کو دستہ بھی استعمال کرنا مذکورہ دھاتوں کے سے جائز ہے اھ۔ ردالمحتار (فتاوٰی شامی) میں ہے کہ تلوار کا پرتلا از قسم زیور ہے۔ شرنبلالیہ۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) یوں ہی طحطاوی میں مذکور ہے ابوالسعود بحوالہ شرنبلالی اس نے فتاوٰی بزازیہ سے اس سے فتاوٰی ہندیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ الغرائب میں فرمایا ایسے کمربند (پیٹی یا بیلٹ) کے استعال کرنے کوئی حرج نہیں ہے،

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث لعربی بیروت ۵ /۲۳۱

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۰

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الکراهیة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲، حاشیه الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس دارالمعرفة بیروت ۴ /۱۸۰

(۱۳) ہلتے دانتوں میں چاندی کا تار باندھنا۔

(۱۴) افتادہ دانت کی جگہ چاندی کا دانت لگانا جائز، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک سونے کے تار اور دانت بھی روا۔

فی الدر المختار لایشد سنہ المتحرك بذھب بل بفضۃ وجوزھما محمد [1] اھ وفی ردالمحتار عن التاتارخانیۃ جدع اذنہ او سقط سنہ فعند الامام یتخذ ذلك من الفضۃ فقط وعند محمد من الذھب ایضًا [2] اھ ملخصاً۔	درمختار میں ہے کہ ہلتے ہوئے دانت چاندی سے نہ کہ سونے کی تاروں سے مضبوط نہ کئے جائیں لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے دونوں سے جائز قرار دیا ہے فتاوٰی شامی میں تتارخانیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کان کٹ جائے یا دانت گر جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ صرف چاندی کے بنا کر لگائے جائیں جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک سونے کے لگانے بھی جائز ہیں اھ ملخصا۔ (ت)

(۱۵) صاحبین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما حالت جہاد میں سونے چاندی کے خود، زرہ، دستانے بھی جائز رکھتے ہیں مگر امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ناجائز۔

فی الدر المختار استثنی القھستانی وغیرہ استعمال البیضۃ والجوشن والساعدان منھما فی الحرب للضرورۃ [3] اھ وفی خزانۃ المفتین لاباس بالجوشن و البیضۃ من الذھب و الفضۃ فی الحرب [4] اھ وفی رد المحتار قال فی الذخیرۃ قالوا ھذا قولھما [5] الخ۔	درمختار میں ہے قہستانی وغیرہ نے جنگی ضرورت کے پیش نظر سونے چاندی کا خود، زرہ، اور دستانوں کا استعمال جائز قرار دیا ہے خزانۃ المفتین میں ہے جنگ میں سونے چاندی کی زرہ اور خود کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ردالمحتار میں ہے کہ ذخیرہ میں فرمایا گیا کہ لوگوں نے کہاں ہے کہ یہ قول امام صاحب کے دو [۲] (مایہ ناز) شاگردوں قاضی امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے الخ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار حیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۱

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۶

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۵

[5] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۱۸

اس تفصیل سے بحمدہٖ اللہ تعالٰی نے اس تحریم مطلق کا بطلان بھی واضح ہوا اور تمام اور مسئلہ کا جواب بھی لائح **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸: از مارہرہ مطہرہ مسئولہ ابوالقاسم حضرت سید اسمٰعیل صاحب دامت برکاتہم ۲۷ محرم ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاندی سونے کی گھڑیاں رکھنا یا سیم وزر کے چراغ میں بغرض بعض اعمال کے فتیلہ روشن کرنا جس سے روشنی لینا کہ مقصود متعارف چراغ ہے مراد نہیں ہوتا بلکہ قوت عمل وسرعت اثر وتنبیہ موکلات مقصود ہوتی ہے۔ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ)

الجواب:

دونوں ممنوع ہیں، علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

قال العلامۃ الوانی المنھی عنہ استعمال الذھب و الفضۃ اذالاصل فی ھذا الباب قولہ علیہ الصلٰوۃ و السلام ھذان حرامان علی ذکور امتی حل لاناثھم و لما بین ان المراد من قولہ حل لاناثھم مایکون حلیا لھن بقی ماعداہ علی حرمتہ سواء استعمل بالذات او بالواسطۃ اھ واقرہ العلامۃ نوح و ایدہ باطلاق الاحادیث الواردۃ فی ھذا الباب اھ ابوالسعود ومنہ تعلم حرمۃ استعمال ظروف فناجین القھوۃ و الساعات من الذھب والفضۃ[1] اھ ملخصًا۔	علامہ وانی نے فرمایا کہ سونے چاندی کا استعمال ممنوع ہے اس لئے کہ اصل اس باب میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے: یعنی سونا، چاندی دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں البتہ ان کی عورتوں کے لئے حلال ہیں اور جب یہ بیان کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد "حل لاناثھم" (ان کی عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ت) سے مراد وہ سونا، چاندی ہے جو عورتوں کے لئے بطور زیور ہو، تو پھر اس کے علاوہ باقی سونا چاندی خواہ بالذات استعمال کیا جائے یا بالواسطہ، اپنی حرمت پر رہے گا اھ علامہ نوح نے اسی کو برقرار رکھا اور مطلق حدیثوں سے اس کی تائید کی جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔ ابوسعود کی عبارت پوری ہوئی۔ لہٰذا اس سے قہوہ کی پیالیوں اور سونے چاندی کی گھڑیوں کی حرمت معلوم ہوئی۔ تلخیص پوری ہوگئی۔ (ت)

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۷۲

علامہ شامی ردالمحتار میں ان تصریحات علامہ طحطاوی کو ذکر کرکے فرماتے ہیں: وھو ظاھر[1] (اور یہ ظاہر ہے۔ت) اسی میں ہے:

الذی کلہ فضۃ یحرم استعمال بای وجہ کان کما قدمناہ ولو بلامس بالجسد ولذا حرم ایقاد العود فی مجمرۃ الفضۃ کما صرح بہ فی الخلاصۃ ومثلہ بالاولی ظروف فنجان القھوۃ والساعۃ وقدرۃ التنباك التی یوضع فیھا الماء وان کان لایمسھا بیدہ ولا بفمہ لان استعمال فیما صنعت لہ[2] الخ۔	جو چیز مکمل چاندی ہے جس طریقے سے بھی اس کا استعمال کیا جائے حرام ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا اگرچہ جسم سے مس نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ چاندی کی انگیٹھی میں "عود" جلانا حرام ہے جیسا کہ خلاصہ میں اس کی تصریح کی گئی اور یہ بطریق اولٰی اس کی طرح ہے کہ قہوے کی پیالیاں گھڑی اور حقہ کے زیریں حصہ کا استعمال جس میں پانی ڈالا جاتا ہے اگرچہ اسے ہاتھ یا منہ سے مس نہ کرے اس لئے کہ جس مقصد کے لئے یہ چیزیں بنائی گئیں ان میں ان کا استعمال ہو رہا ہے۔ الخ (ت)

اور یہ عذر کہ چراغ استصباح یعنی روشنی لینے کے لئے ہوتا ہے اور یہاں اس نیت سے مستعمل نہیں تو جواز چاہیے۔

لما فی الدرالمختار ان ھذا استعملت ابتداء فیما صنعت لہ بحسب متعارف الناس والا فلا کراھۃ[3]۔	اس دلیل سے کہ درمختار میں ہے کہ یہ حکم رتب ہے جب ابتداء جس مقصد کے لئے چیز بنائی گئی لوگوں کے تعارف کے مطابق اس میں استعمال کی جائے ورنہ کراہت نہ ہوگی۔ (ت)

نامقبول ہے کہ **اولًا**: عندالتحقیق مطلق استعمال ممنوع ہے اگرچہ خلاف متعارف ہے لاطلاق الاحادیث والادلۃ کما مر (اس لئے کہ اس باب میں احادیث اور دلائل بغیر کسی قید کے مطلق ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) کٹورا پانی پینے کے لئے بنتا ہے اور رکابی کھانا کھانے کو، پھر کوئی نہ کہے گا کہ چاندی سونے کے کٹورے میں کھانا کھانا یا اس کی رکابی میں پانی پینا جائز ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹-۲۱۸

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

ماذکرہ فی الدرر من اناطۃ الحرمۃ بالاستعمال فیما صنعت لہ عرفا فیہ نظر فانہ یقتضی انہ لو شرب او اغتسل بانیۃ الدھن او الطعام انہ لایحرم مع ان ذٰلك استعمال بلاشبھۃ داخل تحت اطلاق المتون و الادلۃ الواردۃ فی ذٰلك[1] الخ۔	جو کچھ درر میں بیان فرمایا کہ حرمت کا مدار عرفا اس کی بناوٹ کے مطابق استعمال کرنے پر ہے۔اس پر ایک اشکال ہے اس لئے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی پانی پئے، یا غسل کرے تیل اور کھانے کے برتن میں توحرمت نہ ہوں حالانکہ یہ بلا شبہہ استعمال ان متون اور دلائل کے اطلاق کے نیچے داخل ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں الخ (ت)

ثانیًا: استصباح چراغ خانہ سے مقصود ہوتا ہے یہ چراغ اس غرض کے لئے بنتا ہی نہیں، اور جس غرض کے لئے بنتا ہے اس میں استعمال قطعاً متحقق تو استعمال فیما صنع لہ موجود ہے اور حکم تحریم سے مفر مفقود ہاں اگر سونے یا چاندی کی قلعی کرلیں تو کچھ حرج نہیں۔علامہ عینی فرماتے ہیں:

اما التمویہ الذی لایخلص فلا باس بہ بالاجماع لانہ مستھلك فلا عبرۃ ببقائہ لونا[2] انتھی واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	رہی وہ ملمع سازی کہ جس کا چھٹکارا نہ ہو تو بالاجماع اس کے ہونے میں کچھ حرج نہیں اس لئے کہ وہ اصالتاہلاک شدہ ہے لہٰذا اس کی رنگت کا باقی رہنا معتبر نہیں۔عبارت پوری ہوئی۔اور اللہ تعالٰی ٹھیک بات کو خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف جائے رجوع اور ٹھکانہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مردوں کو چاندی کا چھلا ہاتھ یا پاؤں میں پہننا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

حرام ہے،

فقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الذھب والفضۃ انھما محرمان علی	سونے چاندی کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۱۷

[2] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الکراھیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۴ /۱۹۸

ذکور امته [1]، **قلت** ولایجوز القیاس علی خاتم الفضة لانه لایختص بالنساء بخلاف مانحن فیه فینهی عنه الاتری الی مافی ردالمحتار عن شرح النقایة انما یجوز التختم بالفضة لو علی هیئة خاتم الرجال امالو له فصان او اکثر حرم [2] انتهی ولان الخاتم یکون للتزین وللختم اما هذا فلاشیئ فیه الاالتزین وقد قال فی الدرالمختار لایتحلی الرجل بفضة الا بخاتم اذالم یرد به التزین [3] اهملخصا۔ وفی الکفایة قوله الا بالخاتم هذا اذا لم یرد به التزیین [4] اھ انتهی، والله تعالٰی اعلم۔	پر حرام ہیں **میں کہتا ہوں** اس کو چاندی کی انگوٹھی پر قیاس کرنا جائز نہیں (کہ یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہونا چاہئے) کیونکہ چاندی کی انگوٹھی عورتوں کے ساتھ مختص نہیں بخلاف اس کے جس کی ہم بحث کررہے ہیں (یعنی چاندی کا چھلا) کہ اس سے مردوں کو منع کیا جائے گا کیا تم اس کی طرف نہیں دیکھتے جو فتاوٰی شامی میں شرح نقایہ کے حوالے سے آیا ہے کہ چاندی کی انگوٹھی پہننا اگر مردانہ ہیئت کے مطابق ہو تو جائز ہے لیکن اگر اس کے دو یا نگینے ہو تو حرام ہے اور اس لئے کہ انگوٹھی زیب وزینت اور مہر کے لئے ہوا کرتی ہے لیکن چھلے میں زیب وزینت کے علاوہ کوئی مقصد باقی نہیں رہتا حالانکہ درمختار میں فرمایا کہ مرد سرائے انگوٹھی کے چاندی کا کوئی زیور نہ پہنے اور اس سے بھی زیب وزینت مراد نہ ہو، تلخیص پوری ہوگئی، کفایہ میں ہے کہ مصنف کا یہ کہنا "الا بالخاتم" اس استشہاد کا جواز اس وقت ہے جبکہ انگوٹھی پہننے سے زیب وزینت کا ارادہ نہ ہو، عبارت پوری ہوگئی اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد کو چاندی کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے، اور بے ضرورت مہر اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

مہر کے لئے چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم کی جسے مہر کی ضرورت

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحظر والاباحة دارالمعرفة بیروت ۴ /۱۷۲

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۱

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۰

[4] الکفایة مع فتح القدیر کتاب الکراهیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸ /۴۵۷

ہوتی ہو بے شبہہ مسنون اور سونے کی یا ایک مثقال سے زیادہ چاندی کی حرام، اور پورے مثقال بھر میں روایتیں مختلف۔ اور حدیث سے صریح ممانعت ثابت تو اسی پر عمل چاہئے۔ اور بے ضرورت مہر ایسی انگشتری پہننا مکروہ تنزیہی بہتر یہ کہ بچے، اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی ہیئت انگشتری زنانہ سے جدا ہو ورنہ محض ناجائز، جیسے ایک سے زیادہ نگ ہوتا ہے کہ یہ صورت عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

فی درالمختار التختم سنة لمن یحتاج الیه کما فی الاختیار قال القهستانی وفی الکرمانی نهی الحلوانی بعض تلامذته عنه وقال اذا صرت قاضیا فتختم وفی البستان عن بعض التابعین لایختم، الا ثلثة امیر او کاتب او احمق وظاهره انه یکره لغیر ذی الحاجة لکن قول المصنف افضل کالهدایة وغیرها بفید الجواز وعبر فی الدرر باولی وفی الاصلاح باحب فالنهی للتنزیه[1] الخ وفیه قوله ولایزیده علی مثقال قیل ولا یبلغ به المثقال ذخیرة، **اقول**: ویؤیده نص الحدیث السابق من قوله علیه الصلٰوۃ والسلام ولا تتمه	فتاوٰی شامی میں ہے جس شخص کو مہر لگانے کی ضرورت ہو اسے انگوٹھی پہننا سنت ہے جیسا کہ "الاختیار" میں ہے قہستانی نے فرمایا کہ کرمانی میں ہے شمس الائمہ حلوانی نے اپنے بعض شاگردوں کو انگوٹھی پہننے سے منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب تو قاضی بن جائے گا تو پھر مہر کی ضرورت کی وجہ سے انگوٹھی پہن لینا، بستان میں بعض تابعین سے مروی ہے کہ صرف تین آدمی انگوٹھی پہنتے ہیں: ایک امیر، دوسرا کاتب اور تیسرا بے وقوف، اس کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ جو صاحب ضرورت نہ ہو اس کے لئے انگوٹھی پہننا مکروہ ہے لیکن مصنف کا قول ہدایہ وغیرہ کی طرح زیادہ عمدہ ہے۔ جو جواز کا فائدہ دیتا ہے چنانچہ درر میں لفظ "اولی" اور اصلاح میں لفظ "احب" سے تعبیر کی گئی یعنی نہ پہننا زیادہ پسندیدہ ہے۔ لہٰذا نہی تنزیہ کے لیے ہے الخ اور اسی میں ہے کہ مصنف کا قول "ولایزیدہ علی مثقال" یعنی مثقال سے زیادہ نہ ہو، اور یہ بھی کہا گیا کہ مثقال تک نہ پہنچے ذخیرہ، **میں کہتا ہوں**

[1] الدر المختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۱

مثقالا[1] انتھی،وفی الھندیة عن المحیط ینبغی ان تکون فضة الخاتم المثقال ولایزاد علیه وقیل لا یبلغ به المثقال وبه ورود الاثر انتھی[2]۔وفی الخلاصه انما یجوز التختم بالفضة اذا کان علی ھیئة ختم النساء بان کان له فصان اوثلثة یکرہ استعماله للرجال[3] انتھی۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حدیث سابق کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ انگوٹھی پوری مثقال نہ ہو، عبارت پوری ہوئی۔فتاوٰی ہندیہ محیط کے حوالے سے مذکور ہے مناسب یہ ہے کہ چاندی کی انگوٹھی صرف ایک مثقال ہو اس سے زیادہ نہ ہو اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ مثقال تک بھی نہ پہنچے چنانچہ اثر میں یہی وار دہوا ہے۔عبارت پوری ہوئی، خلاصہ میں ہے چاندی کی انگوٹھی پہننا اس وقت جائز ہے جبکہ مردانہ انگوٹھیوں جیسی ہو لیکن اگر عورتوں کی انگوٹھیوں جیسی بنی ہو کہ اس میں دو یا تین نگینے ہوں تو ایسی انگوٹھی کا مردوں کو استعمال کرنا مکروہ ہے عبارت پوری ہوئی،اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے(ت)

مسئلہ ۲۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جھوٹے کام کا جوتا مردوزن کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ جزئیہ کتب متداولہ میں فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی کی نظر سے نہ گزرا مگر بظاہر یہ ہے **والعلم عنداللہ** (پورا علم اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ت) کہ جھوٹے کام کا جوتا مردوزن سب کے لئے مکروہ ہونا چاہئے۔

فن المنسوج کغیرہ ولا شك ان النعال عن انواع الملبوسات والنساء والرجل سواء فی کراھة لبس النحاس۔	اس لئے کہ بُنی ہوئی چیز غیر بُنی ہوئی کی طرح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جوتا پہنی ہوئی چیزوں کی اقسام میں داخل ہے۔اور مرد عورتیں تانبے کے استعمال کے مکروہ ہونے میں برابر ہیں یعنی دونوں کے لئے مکروہ ہے۔(ت)

ہاسچے کام کا جوتا عورتوں کے لئے مطلقًا جائز اور مردوں کے واسطے بشرطیکہ مغرق نہ ہو

[1] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب العاشرع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۳۵

[3] خلاصة الفتاوٰی کتاب الکراھیة الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۷۰

نہ اس کی کوئی بوٹی چار انگل سے زیادہ کی ہو یعنی اگر متفرق کام کا ہے اور ہر بوٹی چار انگل یا کم کی تو کچھ مضائقہ نہیں اگرچہ جمع کرنے سے چار انگل سے زیادہ ہو جائے، خلاصہ یہ ہے کہ جوتی اور ٹوپی کا ایک ہی حکم ہونا چاہئے۔

وفی الفتاوٰی الهندیة یکره ان یلبس الذکور قلنسوة من الحریر والذهب والفضة والکرباس الذی خیط علیه ابریسم کثیر اوشیئ من الذهب اوالفضة اکثر من قدر اربع اصابع [1] انتهی، قال العلامة الشامی وبه یعلم حکم العرقیة المسماة بالطافیة فاذ کانت منقشة بالحریر وکان احد نقوشها اکثر من اربع اصابع لاتحل وان کان اقل تحل وان زاد مجموع نقوشها علی اربع اصابع بناء علی مامر من ان ظاهر المذهب عدم جمع المتفرق [2] انتهی، وقد قال العلامة الشامی ایضاً ان قد استوی کل من الذهب والفضة والحریر فی الحرمة فترخیص الحریر ترخیص غیره ایضاً بدلائل المساواة ویؤید عدم الفرق مامر من اباحة الثوب المنسوج من ذهب اربعة اصابع [3] اھ۔	فتاوٰی ہندیہ میں ہے مردوں کے لئے ریشم یا سونے یا چاندی کی ٹوپی پہننا مکروہ ہے اور اسی طرح وہ سوتی کہ جس پر زیادہ تر ریشم کی سلائی کی گئی ہو ــــــــــــ یا چار انگلیوں سے زیادہ سونا چاندی لگا ہوا نتہی۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ اسے پگڑی اور ٹوپی کے نچلے کپڑے کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے کہ جس کو "طافیہ" کہتے ہیں۔ جب اس میں ریشمی نقوش ہوں اور اس کا کوئی ایک نقش چار انگشت سے زیادہ ہو تو اس کا استعمال جائز نہیں لیکن اگر اس سے کم ہو تو جائز ہے اگرچہ اس کے مجموعی نقوش چار انگلیوں سے زیادہ ہو جائیں۔ یہ اس بناء پر ہے جیسا کہ گزر چکا کہ ظاہر مذہب میں متفرق کو جمع کرنا نہیں انتہی حالانکہ علامہ شامی نے یہ بھی فرمایا کہ سونا چاندی اور ریشم یہ سب حرمت میں برابر ہیں۔ لہٰذا ریشم میں رخصت دوسری چیزوں کی رخصت کی طرح ہے دلالت مساوی ہونے کی وجہ سے، اور گزشتہ کلام سے عدم فرق کی تائید ہوتی ہے کہ سونے کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا چار انگلی تک مباح ہے اھ ملخصًا۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۶

ملخصًا فافهم وتثبت اذبه تحرر ماكان العلامة الطحطاوی متوقفافیه۔واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	لہٰذا سمجھئے اور ثابت رہئے، اس سے وہ بھی تحریر ہوگیا جس میں علامہ طحطاوی نے توقف کیا تھا۔اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا علم جس کی بزرگی بڑی ہے زیادہ کامل اور زیادہ پختہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۲: از کلکتہ دھر تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام احمد قادر بیگ صاحب ۹/ ذی القعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سونے، چاندی، گلٹ، ریشم کی چین گھڑی میں لگانا اور اسے لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

سونے یاچاندی کے چین تومطلق منع ہے اگرچہ انگرکھے میں نہ لگائی جائے صرف کھونٹی میں لٹکائیں یاگھڑی کے بکس ہی میں گھڑی رکھیں، اور جو چیز ممنوع ہے اس کے ساتھ نماز میں کراہت آئے گی، اور گلٹ میں اگر چاندی زائد یابرابر ہے تواس کا حکم بھی چاندی کا ہے۔اور اگر تانبا غالب ہے تواس میں اور ریشم کی چین میں میں جبکہ وہ انگرکھے میں نہ لگائی جائیں کوئی حرج نہیں۔رہا انگرکھے میں لگانا اگر یہ لگانا پہننے کے مشابہ ٹھہرے تومکروہ ہوگا اور اس سے نماز بھی مکروہ کہ پہننا تانبے اور ریشم کا ممنوع ہے اور جو ممنوع کے مشابہ ہے مکروہ ہے۔اور اگر پہننے کے مشابہ نہ ٹھہرے تونہ اس میں حرج نہ نماز میں کراہت، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کاکلام اسی طرف ناظر کہ یہ پہننے سے مشابہ نہیں مگر فقیر کواس میں تامل ہے اور وہ خود بھی اس پر جزم نہیں رکھتے اور اسے لکھ کر تامل کاحکم فرماتے ہیں توبہتر ہے اس سے احتراز ہی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳و۲۴: از کلکتہ دھرم تالہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان دو مسئلوں میں:

(۱) ٹوپی جس پر ریشم یاکلابتوں کاکام ایسا ہو جس نے نصف سے زائد کپڑا چھپالیا ہواس کا پہننا جائز یاحرام اور جس کاتمام کپڑا چھپا لیا ہواس کی نسبت کیاحکم ہے؟

(۲) ازار بند ریشم کامرد کو جائز یاحرام اور اس کے پاجامہ میں ہونے سے نماز کاکیاحال؟

الجواب:

(۱) مغرق کہ تمام کپڑا کام میں چھپ گیا ہو یا ظاہر ہو تو خال خال کہ دور سے دیکھنے والے کو سب کام ہی نظر آئے مطلقًا ناجائز ہے اگرچہ وہ ٹوپی عرض میں چار ہی انگل یا اسے بھی کم ہو یونہی اگر اس میں کوئی بیل بوٹا چار اُنگل عرض سے زائد ہو تو بھی ناجائز اگرچہ سارے کپڑے میں صرف یہی ایک بوٹی ہو، اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں تو مطلقًا جائز اگرچہ نصف سے زائد کپڑا کام میں چھپا ہوا گرچہ متفرق بوٹیاں جمع کرنے سے چار اُنگل عرض سے زائد کو پہنچے۔

کل ذٰلك محقق فی فتاوٰنا مستفادا من ردالمحتار وغیرہ من الاسفار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار وغیرہ کتب معتبرہ سے استفادہ کرتے ہوئے اس تمام کی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں کردی گئی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) مذہب صحیح پر ناجائز ہے **کما فی العالمگیریة والطحطاویة وغیرہما** (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیریہ اور طحطاوی وغیرہا میں ہے۔ ت)

اور ناجائز کپڑا پہن کر نماز مکروہ تحریمی کہ اسے اتار کر پھر اعادہ کی جائے۔

کماھو معلوم من الفقة فی غیرما موضع نعم الجواز بمعنی الصحة حاصل وھو معنی مافی الھندیة عن التاتارخانیة عن جامع الفتاوی عن محمد بن سلمة من صلی مع تکة ابریسم جاز وھو مسیئ[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ فقہ کے متعدد مقامات سے معلوم ہے ہاں جواز اگر صحت کے معنی میں ہو تو صحت حاصل ہے اور یہی معنی مراد ہے جو ہندیہ میں تاتارخانیہ سے بحوالہ جامع الفتاوٰی محمد بن سلمہ سے منقول ہے کہ جس نے ریشم کے ازاربند کے ساتھ نماز ادا کی جائز ہے مگر وہ گنہگار ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لوہے یا تانبے کا چھلا یہ پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض لوگ اس گمان سے پہنتے ہیں کہ ہمیں مہاسے وغیرہ کو مفید ہوتا ہے انھیں بھی جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

چاندی سونے کے سوا لوہے، پیتل، رانگ کا زیور عورتوں کو بھی مباح نہیں چہ جائیکہ مردوں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب التاسع فی اللبس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲

کے لئے اور عوام کا یہ احتراز خیال ممانعت شرع کو رفع نہیں کرسکتا کہ اگر ناجائز چیز کو دو کے لئے استعمال کرنا بھی ہو تو وہاں کہ اس کے سوا دوا نہ ملے، اور یہ امر طبیب حاذق مسلمان غیر فاسق کے اخبار سے معلوم ہوا اور یہاں دونوں امر متحقق نہیں۔

فی الشامیۃ عن الجوھرۃ التختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء [1] انتہی، وفیھا عن غایۃ البیان التختم بالذھب والحدید والصفر حرام [2] الخ وفی الدرالمختار کل تداوی لایجوز الابطاھر وجوزہ فی النھایۃ بمحرم اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیہ شفاء ولم یجد مباحا یقوم مقامہ [3] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔فقط۔	فتاوٰی شامی میں جوہرہ کے حوالے سے مذکور ہے لوہے، پیتل، تانبے، اور قلعی کی انگوٹھی مردوں اور عورتوں کو پہننا ممنوع ہے انتہی، اس میں غایۃ البیان کے حوالے سے ہے سونے لوہے اور پیتل کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ درمختار میں ہے کہ کسی دوا کا استعمال کرنا جائز نہیں مگر جبکہ پاک ہو، نہایہ میں اس حرام دوا کے استعمال کرنے کا جائز قرار دیا ہے کہ جس کے متعلق کوئی مسلمان طبیب بتائے کہ اس میں شفا ہے اور کوئی ایسی مباح دوا نہ پائے جو اس کے قائم مقام ہوسکے الخ۔ اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ فقط (ت)

رسالہ

الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز

ختم شد

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۴۶

لباس ووضع وقطع

لحاف، توشک، عمامہ، ٹوپی، جوتے، وضع وقطع اور رنگ وغیرہ سے متعلق

مسئلہ ۲۶: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ریشمی کپڑا مرد کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

نہ بلکہ حرام ہے۔ حدیث میں اس پر سخت وعیدیں وارد۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتلبسوا الحریر فانه من لبسه فی الدنیا لم یلبسه فی الاٰخرة، رواه الشیخان [1] عن الامیر المومنین عمر	ریشم نہ پہنو کہ جو اسے دنیا میں پہنے گا آخر میں نہ پہنے گا۔ (اس کو بخاری ومسلم نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب لبس الحریر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۶۷، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۹۱، الترغیب والترهیب بحواله البخاری ومسلم والترمذی والنسائی ترهیب الرجال من لبسهم الحریر مصطفی البابی مصر ۳ /۹۶

والنسائی وابن حبان والحاکم وصححه عن ابی سعید الخدری والحاکم عن ابی ھریرۃ و ابن حبان عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	کیا ہے، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ (ت)

نسائی کی ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من لبسه فی الدنیا لم یدخل الجنة [1]۔ رواہ عن الامیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو دنیا میں ریشم پہنے گا جنت میں نہ جائے گا، (امام نسائی نے اس کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انما یلبس الحریر من لاخلاق له فی الاخرۃ رواہ الشیخان [2] واللفظ للبخاری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ریشم وہ پہنے گا جس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں (اس کو شیخین (بخاری و مسلم) نے روایت کیا اور الفاظ امام بخاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہیں۔ ت)

ایک حدیث میں ہے حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من لبس ثوب حریر البسه اللہ عزوجل یوم القیمة ثوبا من النار۔ رواہ احمد [3] والطبرانی عن جویریة رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	جو ریشم پہنے گا اللہ تعالٰی عزوجل اسے قیامت کے دن آگ کا کپڑا پہنائے گا (امام بخاری وطبرانی نے اس کو سیدہ جویریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ ت)

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ النسائی ترھیب الرجال من لبسھم الحریر الخ حدیث ۲۰ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۰۰

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب لبس الحریر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۷، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۱

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث جویریة بنت الحرث المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۲۴، المعجم الاوسط عن جویریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا حدیث ۱۷۰، ۱۷۱ المکتب الفیصلیة بیروت ۲۴/ ۶۵

حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

من لبس ثوب حریر البسه الله تعالٰی یوما من نار لیس من ایامکم ولکن من ایام الله تعالٰی الطوال [1] رواہ الطبرانی وقال الله تعالٰی "وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" [2]۔	جو ریشم پہنے اللہ تعالٰی اسے ایک دن کامل آگ پہنائے گا وہ دن تمھارے دنوں میں سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کے ان لمبے دنوں سے یعنی ہزار برس کا ایک دن (اس کو امام طبرانی نے روایت کیا) جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے اپنے دہنے ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا لیا پھر فرمایا:

ان هذین حرام علی ذکور امتی۔ رواہ ابوداؤد [3] والنسائی۔ والله تعالٰی اعلم۔	بیشک یہ دونوں (ریشم اور سونا) میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ (ابوداؤد اور نسائی نے اسے روایت کیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷: از اٹاوہ مرسلہ مولوی وصی علی صاحب نائب ناظر کلکٹری اٹاوہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی جواب هذا السوال (اس سوال کے جواب میں آپ (رحمکم اللہ تعالٰی) کا کیا ارشاد گرامی ہے۔ ت): پائجامے دو طرح کے فی زماننا اکثر مروج و مستعمل ہیں: **اوّل:** غرارہ دار فراخ پائچہ جس کا استعمال بیشتر بزرگان دین کرتے ہیں اور اکثر علماء و صلحاء واولیائے امت کے لباس میں داخل ہے۔

دوم: پائچہ عوام مومنین اور بعض خواص علماء خصوصاً پچھان کی طرف کے باشندے استعمال کرتے ہیں ان دونوں میں سے کون باعتبار شرح شریف کے افضل واستر ہے اور کس کے استعمال کی بابت شرع سے صریح رخصت ہوسکتی ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

---

[1] الترغیب والترهیب بحوالہ حذیفہ موقوفاً ترهیب الرجال من لبسهم الحریر الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۹۹

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۷

[3] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الحریر النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۵

الجواب:

اصل سنت مستمرہ فعلیہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین ازار یعنی تہبند ہے۔ اگرچہ ایک حدیث میں مروی ہوا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور پرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے عرض کیا۔ حضور پاجامہ پہنتے ہیں۔ فرمایا:

اجل فی السفر والحضر وفی اللیل والنھار فانی امرت بالتر فلم اجد شیئا استر منه۔ رواہ ابویعلی [1] وابن حبان فی الضعفاء والطبرانی فی الاوسط والدارقطنی فی الافراد والعقیلی فی الضعفاء عنه رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ہاں سفر وحضر میں شب و روز پہنتا ہوں اس لئے کہ مجھے ستر کا حکم ہوا ہے میں نے اس سے زیادہ ساتر کسی شیئ کو نہ پایا (اس کو ابویعلی اور ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے الاوسط میں اور امام دارقطنی نے الافراد میں اور امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

مگر یہ حدیث بشدت ضعیف ہے۔

حتی ان اباالفرج اوردہ علی عادته ف الموضوعات والصواب کما بینه الامام السیوطی، واقتصر علیه الحافظ ابن حجر وغیرہ انه ضعیف فقط۔ تفرد به یوسف بن زیاد الواسطی اھ۔	یہاں تک کہ حافظ ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی عادت کے مطابق اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ٹھیک بات جیسا کہ امام سیوطی نے بیان فرمائی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اسی پر اکتفاء کیا وہ یہ ہے کہ وہ صرف ضعیف ہے چنانچہ یوسف بن زیاد واسطی اسے روایت کرنے میں متفرد (یعنی تنہا) ہے اور وہ کمزور ہے۔ (ت)

ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے خریدنا بسند صحیح ثابت ہے۔

رواہ الائمة احمد والاربعة وابن حبان وصححه عن سوید بن قیس	ائمہ کرام مثلاً امام احمد ودیگر چار ائمہ اور ابن حبان نے اس کو روایت کیا ہے اور سوید بن قیس کے حوالہ

[1] مجمع الزوائد بحوالہ ابویعلی والمعجم الاوسط للطبرانی کتاب اللباس باب فی السراویل دار الکتب العربی بیروت ۵/ ۱۲۲

واحمد والنسائی فی القصة اخرٰی عن مالك بن عمیرة الاسدی رضی الله تعالٰی عنهما۔	سے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔امام احمد اور امام نسائی نے ایک دوسرے قصے میں حضرت مالک بن عمیرہ اسدی کے حوالے سے روایت کی۔رضی اللہ تعالٰی عنہما۔(ت)

اور ظاہر ہے یہی ہے کہ خرید نا پہننے ہی کے لئے ہوگا۔بہر حال اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم زمانہ اقدس میں باذن اقدس پاجامہ پہنتے کما فی الهدٰی والمواهب وشرح سفر السعادة وغیرها (جیسا کہ الہدٰی،المواہب اور شرح سفر السعادۃ وغیرہ میں مذکور ہے۔ت) امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ روز شہادت پاجامہ پہنے ہوئے تھے کما فی تهذیب الامام النووی وغیرہ (جیسا کہ تہذیب الاسماء امام نووی وغیرہ میں مذکور ہے۔ت)

ایک حدیث میں ہے کہ سید نا موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام روز مکالمہ طور اون کا پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔

رواه الترمذی واستقربه والحاکم وصححه عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان علی موسٰی یوم کلمه ربه کساء صرف وکمه صوف وجبة صوف وسراویل صوف وکانت نعلاه من جلد حمار میت[1]۔	اس کو امام ترمذی نے روایت کرتے ہوئے برقرار رکھا اور حاکم نے روایت کرکے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کی تصحیح فرمائی۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام سے اللہ تعالٰی نے کلام فرمایا تو اس دن وہ اون کی بنی ہوئی چادر اونی جبہ اونی ٹوپی اور اونی شلوار میں ملبوس تھے البتہ ان کے جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے کہ سب میں پہلے جس نے پاجامہ پہنا ابراھیم خلیل اللہ صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ ہیں،

رواه ابو نعیم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله	ابو نعیم نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ

[1] جامع الترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی لبس الصوف امین کمپنی کراچی ۱/۲۰۶-۲۰۷

تعالٰی علیہ وسلم اول من لبس السراویل ابراھیم الخلیل۔[1]	تعالٰی علیہ وسلم کافرمان وارشاد ہے کہ سب سے پہلے جس نے شلوار پہنی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلٰوۃ والسلام تھے۔(ت)

تیسری حدیث میں ہے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی امت سے پاجامہ پہننے والی عورتوں کے لئے دعا مغفرت کی اور مردوں کو تاکید فرمائی کہ خود بھی پہنیں اور اپنی عورتوں کو بھی پہنائیں کہ اس میں ستر زیادہ ہے۔

رواہ الترمذی والعقیلی والضعفاء وابن عدی و الدیلمی عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ بلفظ اللھم اغفر للمتسرولات من امتی یایھا الناس اتخذوا السراویلات فانھا من استر ثیابکم و حصنوا بھا نساءکم اذاخرجن[2] وفی الحدیث قصۃ و فی اسانیدہ مقال رضبی یتقوی بتعدد طرقہ خلافہ الصنیع ابی الفرج۔	ترمذی نے اس کو روایت کیااور عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ابن عدی اور دیلمی نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کی: اے اللہ! میری امت سے پاجامہ پہننے والی عورتوں کو بخشش فرما۔اے لوگو، پاجامہ (یعنی شلوار) پہنا کرو کیونکہ یہ تمھاری لباس ہیں سب سے زیادہ ستر پوش لباس ہے شلوار سے اپنی عورتوں کو محفوظ کرو جب وہ باہر نکلیں۔اور حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے اس کی سندوں میں اشکال پایا جاتا ہے۔بسا اوقات متعدد سندوں اور طرق کی وجہ سے حدیث قوی ہوجاتی ہے لیکن اس میں علامہ ابوالفرج ابن جوزی کا اپنی کارکردگی کی وجہ سے اختلاف ہے۔(ت)

بالجملہ پاجامہ پہننا بلاشبہہ مستحب بلکہ سنت ہے،

ان لم یکن فعلا فقولا والافلا اقل من السنتان تقریرا کماعلمت۔	اگر فعلی سنت نہ بھی ہو تو قولی سنت ضرور ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو کم از کم آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تقریری سنت تولامحالہ ہے۔جیساکہ تم نے جان بھی لیا۔(ت)

---

[1] تھذیب تاریخ ان عساکر ذکر ماکان من امر ابراھیم علیہ السلام بعد ذٰلک داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۴۹،الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱ /۲۸

[2] کنزالعمال بحوالہ البزار حدیث ۴۱۸۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵ /۴۶۳،الکامل لابن عدی ترجمہ ابراہیم بن زکریا العلم الخ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱ /۲۵۵،الموضوعات لابن جوزی کتاب اللباس دارالفکر بیروت ۳ /۴۶

لاجرم فتاوٰی عالمگیریہ میں فرمایا:

لیس السراویل سنۃ وھو من استر الثیاب للرجال والنساء کذا فی الغرائب[1]۔	پاجامہ (شلوار) سنت ہے اور یہ مردوں عورتوں دونوں اصناف کے لئے زیادہ ستر پوش ہے یونہی الغرائب میں مذکور ہے۔ (ت)

اور روایت میں کوئی تخصیص پائچہ فراخ وتنگ کی نظر سے نہ گزری، یہ عادات قوم وبلد پر ہے مگر فراخ کے یہ معنی کہ عرض کے پائچے نہ غرارے دار جس میں کلیاں ڈال کر گھیر بڑھایا جاتا ہے۔ یہ مردوں کے لئے بلاشبہ ناجائز ہے کہ ان بلاد میں کلیوں دار پائچے خاص لباس عورات ہیں اور عورتوں سے تشبیہ حرام مرد اگر پہنتے ہیں تو وہی زنانے یا نقال یا بدوضع فساق، ان لوگوں سے بھی مشابہت ممنوع، کما نص علیہ فی الخانیۃ وغیرھا من معتمدات المذھب (جیساکہ فتاوٰی قاضیخاں وغیرہ مذہب کی معتبر کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ ت) یونہی طول میں نہ ٹخنوں سے زائد ہوں کہ لٹکتے ہوئے پائچے اگر براہ تکبر ہوں تو حرام وگناہ کبیرہ ورنہ مردوں کے لئے مکروہ وخلاف اولٰی۔ ہندیہ میں ہے:

اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیہ کذا فی الغرائب[2]۔	مرد کا اپنے تہبند کو ٹخنوں کے نیچے تک لٹکانا اگر بربنائے تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اس طرح الغرائب میں مذکور ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

یکرہ للرجل لبس السراویل المخرفجۃ و ھی التی تقع علی ظھر القدمین کذا فی الفتاوی العتابیۃ[3]۔	مردوں کے لئے ایسے پاجاموں کا استعمال مکروہ ہے جو المخرفجہ یعنی پاؤں کی پشت سے نیچے تک ہوں، یونہی فتاوٰی عتابیہ میں بھی مذکور ہے۔ (ت)

گھٹنوں کے قریب ہو جیساکہ آج کل جہال وہابیہ نے اختراع کیا ہے کہ فراخ پائچے جب اتنے چھوٹے ہوں گے تو بیٹھنے لیٹنے میں ران کا کوئی حصہ کھل جانا مظنوں بلکہ مشاہد ہے۔ شرح مطہر کی عادت کریمہ ہے کہ ایسی جگہ جب ایک مقدار کو فرض فرماتی ہے اس کی تکمیل وتوثیق کے لئے ایک حد معتدل تک اس سے زیادت سنت بتاتی ہے عورتوں کا سارا پاؤں عورت تھا تو انھیں ایک بالشت ازار یا پائچے لٹکانے کا حکم عزیمت اور دو بالشت تک رخصت ہوئی کہ قدم ہی تک رکھتیں تو حرکات میں بعض حصہ ساق یا

---

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۳

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۳

[3] فتاوی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۳

کعب کھل جاتا۔

روی النسائی وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن ام المؤمنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کم تجر المرأۃ من ذیلہا قال شبرا قالت اذا ینکشف عنہا قال فزراع لایزید علیہ[1]۔	نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ عورت اپنے دامن کو کتنی مقدار تک گھسیٹ سکتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بالشت تک، عرض کی گئی کہ پھر تو اس کا پاؤں کھل جائے گا،، پھر آپ نے فرمایا کہ کہ پھر ایک ہاتھ تک، اس سے زائد نہ ہو۔ (ت)

یوہیں مرد کا ستر عورت کے گھٹنے کے نیچے تک ہے تو فراخ پائچہ جب وہیں تک ہوگا حرکات میں کوئی حصہ زانوں یا ران منکشف ہوجائے گا لہذا نیم ساق تک عزیمت اور کعبین تک رخصت ہوئی کہ تقریباً وہی ایک اور دو بالشت کا حساب ہے۔

فی المواھب وشرحہ للعلامۃ الزرقانی حاصل ماذکر فی ذٰلک الاحادیث ان للرجال حالین حال استحباب وھو ان یقتصر بالازار وغیرہ علی نصف الساق وحال جواز وھو الی الکعبین وکذٰلک النساء حالان حال استحباب وھو مایزید علی ماھو زائد للرجال بقدر ذراع[2] الخ۔	مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح جو علامہ زرقانی نے لکھی میں مذکور ہے کہ جو کچھ حدیثوں میں اس سلسلے میں ذکر کیا گیا اس کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لئے دو حالتیں ہیں ایک حالت استحباب ہے اور وہ یہ ہے کہ ازار وغیرہ (تہبند) میں نصف پنڈلی تک اکتفا کرے دوسری حالت جواز ہے اور وہ یہ ہے کہ ٹخنوں تک ہو، اور یونہی عورتوں کے لئے بھی دو حالتیں ہیں ایک حالت جواز ہے اور وہ یہ ہے کہ جتنی مقدار مردوں کے ہاں زائد ہے اس بمقدار ایک ہاتھ اضافہ کرے۔ الخ (ت)

یونہی تنگ پائچے بھی نہ چوڑی دار ہوں نہ ٹخنوں سے نیچے، نہ خوب چست بدن سے سلے۔ کہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس ۲ /۲۰۶ وسنن النسائی کتاب الرینۃ ذیول النساء ۲ /۲۹۸، سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب ذیل المرأۃ کم یکون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۴، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الذیل آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۱۲

[2] المواھب اللدنیۃ النوع الثانی فی اللباس باب الخلاصۃ فی طول الازار المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۴۳۱، شرح الزرقانی علی المواھب النوع الثانی فی اللباس باب الخلاصۃ فی طول الازار دار المعرفۃ بیروت ۵ /۹

یہ سب وضع فساق ہے۔اور ساتر عورت کا ایسا چست ہونا کہ عضو کا پورا انداز بتائے۔یہ بھی ایک طرح کی بے ستری ہے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو پیشگوئی فرمائی کہ نساء کاسیات عاریات ہوں گی کپڑے پہننے ننگیاں،اس کی وجوہ تفسیر سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کپڑے ایسے تنگ چست ہوں گے کہ بدن کی گولائی فربہی انداز اوپر سے بتائیں گے جیسے بعض لکھنؤ والیوں کی تنگ شلواریں چست کرتیاں۔ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرۃ وغیرھا ان کان علی المرأۃ ثیاب فلا باس ان یتامل جسدھا اذا لم تکن ثیابھا ملتزقۃ بھا بحیث نصف ماتحتھا وفی التتبیین قالوا ولا باس بالتأمل فی جسدھا وعلیھا ثیاب مالم یکن ثوب یبین حجمھا فلا ینظر الیہ حنیئذ لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام من تامل خلف امرأۃ ورأی ثیابھا حتی تبین لہ حجم عظامھا لم یرح رائحۃ الجنۃ ولانہ متی کان یصف یکون ناظرا الی اعضائھا [1] اھملخصًا۔	ذخیرہ وغیرہ میں ہے کہ اگر عورت نے لباس پہن رکھا ہو تو اس کے جسم کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ لباس اس قدر تنگ اور چست نہ ہو کہ سب کچھ عیاں ہونے لگے۔التبیین میں ہے کہ ائمہ کرام نے فرمایا جب عورت لباس پہنے ہو تو اس کی طرف دیکھنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ لباس ایسا تنگ اور چست نہ ہو جو اس کے حجم کو ظاہر کرنے لگے (اگر ایسی صورت حال ہو تو پھر اس طرف نہ دیکھا جائے۔مترجم) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے کہ آپ نے فرمایا کہ جس کسی نے عورت کو پیچھے سے دیکھا اور اس کے لباس پر نظر پڑی یہاں تک کہ اس کی ہڈیوں کا حجم واضح اور ظاہر ہوگیا تو ایسا شخص (جو غیر محرم کو بغور دیکھ کر لطف اندوز ہونے والا ہے) جنت کی خوشبو تک نہ پائیگا اور اس لئے کہ لباس سے انداز قدوقامت ظاہر ہو تو اس لباس کو دیکھنا مخفی اعضاء کو دیکھنے کے مترادف ہے۔اھ ملخصًا (ت)

نہ بہت اونچے گھٹنوں کے قریب ہوں کہ تنگ پائچوں میں اگرچہ احتمال کشف نہیں مگر پاؤں کے لباس میں جو حد مسنون ہے اس سے تجاوز یہ افراط ہوا،شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رسالہ آداب اللباس میں فرماتے ہیں:

ہمبرین قیاس سراویل کہ در عجم متعارفست	اس پر "سراویل" کو قیاس کرنا چاہئے کہ جو دیار عجم

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۴

وآں راشلواری گویند بمقدار ازاں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باشد واگرزیر شتالنگ باشد یا دوسہ چین واقع شود بدعت وگناہ است [1]۔	میں مشہور ہے جس کو شلوار کہتے ہیں پس یہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ازار مبارک کی مقدار کے مطابق ہو لیکن اگر ٹخنوں سے نیچے ہو یا دو تین شکن نیچے واقع ہو جائے تو بدعت اور گناہ ہے۔(ت)

یہ افراط بدعت وہابیہ ہند ہے توان سے تشبیہ مکروہ ہے۔ غرض ڈھیلے پائچے جب ان قباحتوں اور تنگ ان شناعتوں سے پاک ہوں تو دونوں شرعامرخص وپسند اور ادائے مستحب میں کافی وبسند ہیں ہاں غالب عادات علماء واولیاء میں وہی عرض کے پائچے دیکھے گئے اور انھیں کو اصل سنت فعلیہ یعنی تہبند سے زیادہ مشابہت، **کمالایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ٹخنوں سے نیچے پائچے رکھنا مردوں کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

پائچوں کا کعبین سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر راہ عجب وتکبر ہے تو قطعاً ممنوع وحرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد۔

اخرج الامام الھمام محمد بن اسمعیل البخاری فی صحیحه قال حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالك عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال لاینظر الله یوم القیمة	امام ہمام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تخریج فرمائی اور فرمایا ہم سے عبداللہ ابن یوسف نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بتایا انھوں نے ابوالزناد سے اس نے اعرج سے اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی قیامت کے روز اس

[1] آداب اللباس

الی من جواز ارہ بطرا [1]، **قلت** وبنحوہ روی ابوداؤد ابن ماجۃ من حدیث ابی سعیدن الخدری فی حدیث عبداللہ بن عمر انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من جر ثوبہ مخیلۃ لم ینظر اللہ الیہ یوم القیمۃ [2] الحدیث واخرج الامام العلام مسلم بن الحجاج القشیری فی صحیحہ قال حدثنا یحیی بن یحیٰی قال قرأت علی مالك عن نافع وعبداللہ بن دینار وزید بن اسلم کلھم یخبرہ عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لاینظر اللہ الی من جرثوبہ خیلا [3]۔ **قلت** وبمثلہ روی البخاری والنسائی والترمذی فی صحاحھم بالاسانید المختلفۃ والالفاظ المتقاربۃ۔	شخص پر نظر شفقت نہیں فرمائے گا جس نے از راہ تکبر اپنے تہبند کو زمین پر گھسیٹا، **قلت** (میں کہتا ہوں) یونہی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے حضرت عبداللہ ابن عمر کی حدیث میں روایت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تکبر سے ازار لٹکائے (یعنی زمین پر گھسیٹے) تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا، الحدیث امام علام مسلم بن حجاج قشیری نے اپنی صحیح میں تخریج کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سے یحیٰی بن یحیٰی نے بیان کی اس نے کہا میں نے حضرت امام مالک کے سامنے پڑھا، امام مالک نے نافع عبداللہ بن دینار اور زید بن اسلم سے روایت کی، ان سب نے حضرت عبداللہ بن دینار اور زید بن اسلم سے روایت کی، ان سب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے انھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی اس کی طرف نہیں دیکھے گا (یعنی اس کی طرف نگاہ رحمت نہیں فرمائے گا) جو از راہ تکبر اپنا کپڑا لٹکائے، قلت (میں کہتا ہوں) اس جیسی حدیث بخاری، نسائی اور ترمذی نے اپنی اپنی کتابوں (صحاح) میں مختلف سندوں اور قریبی ویکساں الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب جر ثوبہ من الخیلا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۱

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب من جر ثوبہ من الخیلا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۱، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی السبال الازار آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۸، سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب من جر ثوبہ من الخیلا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۳

[3] صحیح البخاری کتاب اللباس باب من جر ثوبہ من الخیلا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۰، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم جر الثوب خیلاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۴، الجامع الترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی الکراھیۃ الازار امین کمپنی کراچی ۱/ ۲۰۶

اور اگر بوجہ تکبر نہیں تو بحکم ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے۔

لاباس بہ کما یرشك الیہ التقیید بالبطر والمخیلۃ۔	تو اس میں کچھ حرج نہیں جیسا کہ اس کی طرف "البطر و المخیلۃ" (اترانا اور تکبر کرنا) کی قید لگانا تمھاری راہنمائی کر رہا ہے۔ (ت)

حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے عرض کیا۔ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)! میری ازار ایک جانب سے لٹک جاتی ہے۔ فرمایا: تو ان میں سے نہیں ہے جو ایسا براہ تکبر کرتا ہو۔

اخرج البخاری فی صحیحہ قال حدثنا احمد بن یونس فذکر باسنادہ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من جرثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیمۃ فقال ابوبکر یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احد شقی ازاری یسترخی الا ان اتعاھد ذٰلك منہ فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لست ممن یصنعہ خیلاء [1] **قلت** وبنحوہ روی ابوداؤد والنسائی۔	امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج فرمائی۔ فرمایا ہم سے احمد ابن یونس نے بیان کیا۔ پھر اس کی اسناد سے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: جس شخص نے ازراہ تکبر کپڑا لٹکایا اور نیچے گھسیٹا تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! میرا تہبند ایک طرف نیچے لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ میں اس کی پوری حفاظت کرتا ہوں (یعنی حفاظت میں ذرا سی کوتاہی یا لاپروائی ہو جائے تو تہبند ایک طرف لٹک جاتا ہے) آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو طرز تکبر سے ایسا کرتے ہیں (یعنی علت تکبر نہ ہونے کی وجہ سے تمھارے ازار کے لٹک جانے سے کوئی حرج نہیں **قلت** (میں کہتا ہوں) اسی کی مثل ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ (ت)

حدیث بخاری ونسائی میں کہ:

ما اسفل الکعبین من الازار ففی النار [2]۔	ازار کا جو حصہ لٹک کا ٹخنوں سے نیچے ہوگیا وہ آگ میں ہوگا۔ (ت)

---

[1] الصحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۰

[2] الصحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۱

اور حدیث طویل مسلم وابوداؤد میں:

ثلثة لایکلمهم الله یوم القیمة ولاینظر الیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الکاذب [1]۔	تین شخص (یعنی تین قسم کے لوگ) ایسے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے قیامت کے دن نہ تو انھیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے درد ناک عذاب ہوگا: (۱) ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا (۳) جھوٹی قسم کھاکر اپنے اسباب کو رائج کرنیوالا (یعنی فروغ دینے والا ہے) (ت)

علی الاطلاق وارد ہوا کہ اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بتکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہرگز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں۔ مگر علماء در صورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں:

فی الفتاوٰی العالمگیری اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیه کراهة تنزیه کذافی الغرائب [2]۔	فتاوٰی عالمگیری میں ہے مرد کا اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر بوجہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح غرائب میں ہے۔ (ت)

بالجملہ اسبال اگر براہ عجب وتکبر ہے حرام ورنہ مکروہ اور خلاف اولٰی، نہ حرام مستحق وعید، اور یہ بھی اسی صورت میں ہے کہ پائچے جانب پاشنہ نیچے ہوں، اور اگر اس طرف کعبین سے بلند ہیں گو پنجہ کی جانب پشت پا پر ہوں ہرگز کچھ مضائقہ نہیں۔ اس طرح کا لٹکانا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ بلکہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

روی ابو داؤد فی سننه قال حدثنا مسدد نایحیٰی عن محمد بن ابی یحیٰی حدثنی	امام ابوداؤد نے اپنی کتاب سنن ابوداؤد میں روایت فرمائی ہے کہ ہم سے مسدد نے بیان کیا اس سے یحیٰی نے اس نے محمد بن ابی یحیٰی سے روایت

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۱، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

عکرمة انه رای ابن عباس یاتزر فیضع حاشیة ازاره من مقدمه علی ظهر قدمه ویرفعه مؤخره قلت لم تاتزر هذه الازارة قال رأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یاتزرها [1] **قلت** ورجال الحدیث کلهم ثقات عدول ممن یروی عنهم البخاری کما لایخفی علی الفطن الماهر بالفن۔	کی ہے اس نے کہا مجھ سے عکرمہ تابعی نے بیان فرمایا اس نے ابن عباس کو دیکھا کہ جب ازار باندھتے تو اپنی ازار کی اگلی جانب کو اپنے قدم کی پشت پر رکھتے اور پچھلے حصہ کو اونچا اور بلند رکھتے۔ میں نے عرض کی آپ اس طرح تہبند کیوں باندھتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح ازار باندھتے دیکھا ہے۔**قلت** (میں کہتا ہوں) حدیث کے تمام روای ثقہ (معتبر) اور عادل ہیں۔ان سے امام بخاری روایت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ذہین۔ فہیم اور ماہر فن پر پوشیدہ نہیں۔ (ت)

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ازیں جا معلوم شود کہ بلند داشتن ازار از جانب پس کافی ست در عدم اسبال [2] اھ۔	اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازار کو پچھلی جانب یعنی ٹخنوں کی طرف سے اونچا اور بلند رکھنا عدم اسبال (یعنی نہ لٹکانا) میں کافی ہے۔اھ (ت)

ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ نصف ساق تک پائچوں کا ہونا بہتر وعزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہیں تک ہوتی تھی۔

فی صحیح مسلم حدثنی ابو الطاهر قال انا ابن وهب قال اخبرنی عمر بن محمد عن عبدالله ارفع ازارك فرفعته ثم قل زد فزدت فازلت اتجرها بعد فقال بعض القوم الی این	صحیح مسلم شریف میں ہے: مجھ سے ابوطاہر نے بیان کیا اس نے کہا مجھے ابن وہب نے بتایا، اس نے کہا مجھے عمر بن محمد نے حضرت عبداللہ کے حوالے سے بتایا (ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا) اپنا ازار اپر کیجئے، میں نے اوپر کیا۔ پھر فرمایا مزید اوپر کیجئے، پھر اس کے بعد

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی الکبر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس فصل ۳ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۳/ ۵۵۶

فقال انصاف الساقین [1] وفی حدیث ابی سعیدن الخدری مما رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول ازارۃ المؤمن الی انصاف ساقیہ [2] الحدیث۔	ہمیشہ میں اسے کھینچتا رہا، پھر لوگوں نے پوچھا آپ کس حد تک اوپر کرتے رہے؟ ارشاد فرمایا دو پنڈلیوں کے نصف تک۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں آیا ہے جو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت فرمائی۔ راوی نے فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ مسلمانوں کا تہبند دونوں پنڈلیوں کے نصف تک ہونا چاہئے۔ الحدیث (ت)

امام نووی فرماتے ہیں:

فالمستحب نصف الساقین والجائز بلاکراھۃ ماتحتہ الی الکعبین [3] فی الفتاوٰی العالمگیریۃ ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق [4] واللہ تعالٰی اعلم۔	مستحب ہے کہ ازار (تہبند) پنڈلیوں کے نصف تک ہو اور بغیر کراہت جائز ہے کہ نیچے ٹخنوں تک ہو، اور فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے کہ مناسب ہے کہ ازار ٹخنوں سے اوپر نصف پنڈلی تک ہو، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۹و۳۰: ۲۱ شعبان ۱۳۳۳ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کرتہ شریف کتنا نیچا تھا۔ اور گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا یا دائیں بائیں۔ اور چاک مبارک کھلی تھی یا یادوختہ، اور بٹن لگے تھے یا گھنڈی۔ اور کون سی رنگت کا مرغوب تھا؟

(۲) عمامہ شریف کے (کتنے) گز کا لانبا (لمبا) تھا اور وہ گز کتنا لانبا تھا؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

[1] صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم جر الثوب خیلاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۵

[2] سنن ابن ماجہ کتاب اللباس موضع الازار این ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۴

[3] شرح الصحیح المسلم للنوی کتاب اللباس باب تحریم جر الثواب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۵

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

الجواب:

(۱) قمیص مبارک نیم ساق تک تھا۔ مواہب شریف میں ہے:

کان ذیل قمیصه وردانه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الی انصاف الساقین[1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قمیص مبارک کا دامن اور چادر مبارک یعنی تہبند یہ دونوں آدھی پنڈلیوں تک ہوا کرتے تھے۔(ت)

حاکم نے بتصحیح اور ابوالشیخ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے:

ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لبس قمیصاً وکان فوق الکعبین[2]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ایسا کرتہ زیب تن فرمایا جو ٹخنوں سے اوپر تک زرالمبا تھا(ت)۔

اور کم طول کا بھی وارد ہے بیہقی نے شعب الایمان میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

کان له صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قمیص من قطنٍ قصیر الطول قصیر الکم[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک ایسا سوتی کرتہ تھا جس کا طول کم اور آستین مختصر تھی۔(ت)

گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا۔ اشعۃ اللمعات میں ہے:

جیب قمیص آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر سینہ مبارک وے بود چنانکہ احادیث بسیار برآں دلالت دارد وعلمائے حدیث تحقیق ایں نمودہ اند[4]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قمیص مبارک کا گریبان آپ کے سینہ مبارک پر تھا۔ چنانچہ بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور محدثین حضرات نے اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

تحقیق آنست کہ گریبان پیراہن نبوی صلی اللہ تعالٰی	تحقیق یہ ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے مبارک کرتے کا گریبان آپ کے سینہ

---

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الثالث النوع الثانی مکتب اسلامی بیروت ۲ /۴۲۸

[2] المستدرک للحاکم کتاب اللباس دار الفکر بیروت ۴ /۱۹۵

[3] شعب الایمان حدیث ۶۱۶۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵ /۱۵۴

[4] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳ /۵۴۴

علیہ وسلم بر سینہ بود [1]	مبارک پر تھا۔(ت)

دامن کے چاک کھلے ہونا ثابت ہے کہ ان پر ریشمی کپڑے کی گوٹ تھی اور گوٹ کھلے ہوئے چاکوں پر لگاتے ہیں۔ صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

انہا اخرجت جبۃ طیالسۃ کسروانیۃ لہا لبنۃ دیباج وفرجیہا مکفوفین بالدیباج [2]۔	سیدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ایک طیاسی کسروانی جبہ (لوگوں کو دکھانے کے لئے) باہر نکالا جس کے گریبان پر ریشمی کپڑے کی گوٹ لگی ہوئی تھی اور اس کی دونوں اطراف ریشم گھری ہوئی تھیں۔(ت)

اس زمانہ میں گھنڈی تکمے ہوتے جن کو زر وعروہ کہتے بٹن ثابت نہیں۔نہ ان میں کوئی حرج ہے۔رنگ سبز وسرخ بھی ثابت ہے۔اور محبوب تر سفید۔حدیث میں ہے:

البسوا الثیاب البیض فانہا اطہر واطیب وکفنوا فیہا موتاکم۔رواہ احمد [3] والاربعۃ الاعن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سفید کپڑے پہنو کہ وہ زیادہ پاکیزہ اور خوب ہیں۔اور اپنے اموات کو سفید کفن دو۔(امام احمد اور دیگر ائمہ اربعہ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

(۲) عمامہ اقدس کے طول میں کچھ ثابت نہیں۔امام ابن الحاج مکی سات ہاتھ یا اس کے قریب کہتا ہے۔اور حفظ فقیر میں کلمات علماء سے ہے کہ کم از کم پانچ ہاتھ ہو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہاتھ۔اور شیخ عبدالحق کے رسالہ لباس میں اکتیس ہاتھ تک لکھا ہے۔اور ہے یہ کہ یہ امر عادت پر ہے جہاں علماء وعوام کی جیسی عادت ہو اور اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہو اس قدر اختیار کریں۔

فقد نص العلماء ان الخروج عن العادۃ شہرۃ و مکروہ [4]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اہل علم نے تصریح کی ہے کہ معاشرے کی عادت سے باہر ہونا باعث شہرت اور مکروہ ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۴۴

[2] صحیح مسلم کتاب اللباس ۲/ ۱۹۰ وسنن ابی داؤد کتاب اللباس ۲/ ۲۰۵

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سمرہ بن جندب المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۷

[4] الحدیقہ الندیۃ شرح الطریقہ المحمدیہ الصنف التاسع نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۵۸۲

مسئلہ ۳۱: ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

علمائے شرع شریف اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ چوڑی دار پائجامہ پہننا کیسا ہے اور جو اشخاص بوتام لگا کر پہنتے ہیں پنڈلیوں کو چمٹا ہوا اور تعبیر کرتے ہیں کہ یہ پائجامہ شرعی ہے۔ یہ قول ان کا صحیح ہے یا غلط۔ یعنی اسے شرعی پائجامہ کہنا۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

چوڑی دار پاجامہ پہننا منع ہے کہ وضع فاسقوں کی ہے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی عنہ آداب اللباس میں فرماتے ہیں:

سراویل کہ در عجم متعارف است کہ اگر زیر شتالنگ باشد یا دوسہ چین واقع شود بدعت وگناہ است[1]۔	شلوار جو عجمی علاقوں میں مشہور و معروف ہے اگر ٹخنوں سے نیچے ہو یا دو تین انچ (شکن) نیچے ہو تو بدعت اور گناہ ہے۔ (ت)

یونہی بوتام لگا کر پنڈلیوں سے چمٹا ہوا بھی ثقہ لوگوں کی وضع نہیں۔ آدمی کو بد وضع لوگوں کی وضع سے بھی بچنے کا حکم ہے یہاں تک کہ علماء درزی اور موچی کو فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فاسقوں کے وضع کے کپڑے یا جوتے سلوائے نہ سیئے اگرچہ اس میں اجر کثیر ملتا ہو۔ فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

الاسکاف اوالخیاط اذا استوجر علی خیاطۃ شیئ من زی الفساق ویعطی لہ فی ذٰلك کثیر الاجر لایستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[2]۔	اگر موچی یا درزی سے جب فاسقوں کی وضع کے مطابق کوئی چیز بنوانے یا سلوانے کے لئے اجارہ دی جائے تو اس کام کے لئے اسے بہت اجرت دی جائے تو اس کے لئے یہ کام کرنا بہتر نہیں اس لئے کہ یہ گناہ کے سلسلے میں امداد ہے۔ (ت)

تو یہ پاجامہ بھی اس راہ سے شرعی نہ ہوا اگرچہ ٹخنوں سے اونچا ہونے میں حد شرع سے متجاوز نہیں، شرعی کہنا اگر صرف اسی حیثیت سے ہے تو وجہ صحت رکھتا ہے۔ اور اگر مطلقاً مرضی و پسندیدہ شرعی مراد جیسا کہ ظاہر لفظ کا یہی مفاد تو صحیح نہیں۔ **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

---

[1] آداب اللباس

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰

مسئلہ ۳۲: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ احمد خاں صاحب ۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایڑی والی جوتی یعنی مثل جوتی مردوں کے عورت پہن لے تو درست ہے یا نہیں؟ مردانی جوتی عورت نمازی کے واسطے پاؤں کو ناپاکی سے بچانے کے لئے بہت خوب ہے۔ خیر جیسا شریعت میں حکم ہے باسند بحوالہ کتاب ارشاد فرمائیں۔

الجواب:

ناجائز۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللّٰه المتشبهات من النساء بالرجال و المتشبهين من الرجال بالنساء، رواه الائمة احمد و البخاری و ابوداؤد والترمذی و ابن ماجة عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما[1]۔	اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں اور ان مردوں پر جو عورتوں سے تشبہ کریں۔ (ائمہ کرام مثلا مام احمد بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے اس کو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لعن اللّٰه الرجل یلبس لبسة المراة والمرأة تلبس لبسة الرجل۔ رواه ابوداؤد والحاکم عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه بسند صحیح[2]۔	اللہ تعالٰی اس مرد پر لعنت کرے جو عورت جیسا لباس پہنے اور عورت پر بھی لعنت کرے جو مرد جیسا لباس پہنے۔ ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب المتشبهین بالنساء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴، سنن ابی داؤد باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰، جامع الترمذی ابوب الاستیذان والادب باب ماجاء فی المتشبهات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۲، سنن ابن ماجه ابوب النکاح باب فی المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۳۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

درمختار میں ہے:

غزل الرجل علی ھیأۃ غزل المرأۃ یکرہ[1]۔	عورت کے انداز سے مرد کا بال گوندنا مکروہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لمافیہ من التشبہ بالنساء[2]۔	اس لئے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہوتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

انما یجوز التختم بالفضۃ لو علی ھیأۃ خاتم الرجال امالو لہ فصان اوا کثر حرم قھستانی[3]۔	فقہی اعتبار سے چاندی کی ایسی انگوٹھی پہننا جائز ہے جو مردوں کے لئے مروج ہو لیکن اگر اس میں دو یا دو سے زائد نگینے ہوں تو ایسی انگوٹھی کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے۔ قہستانی (ت)

بلکہ بحمداللہ تعالٰی خاص اس جزئیہ میں حدیث حسن وارد، سنن ابوداؤد میں ہے:

حدثنا محمد بن سلیمان لُوَین وبعضہ قرأت علیہ عن سفیان عن ابن جزئیج عن ابن ابی ملیکۃ قال قیل لعائشۃ ان امرأۃ تلبس النعل فقالت لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والرجلۃ من النساء[4] محمد بن سلیمان بن حبیب الاسدی بالتصغیر ثقۃ من العاشرۃ تقریب[5] والبقیۃ ائمۃ جلۃ معروفون وقدکان	(ہم سے محمد بن سلیمان لوین نے بیان کیا اس کا کچھ حصہ میں نے اس کے سامنے پڑھا اس نے سفیان، اس نے ابن جریج، اس نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی اور کہا۔ت) یعنی ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے عرض کی گئی ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی مردانی عورتوں پر۔ (محمد بن سلیمان بن حبیب اسدی (یہ تصغیر کے ساتھ

---

[1] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۴

[3] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۱

[4] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[5] تقریب التہذیب لابن حجر العسقلانی ترجمہ ۵۹۴۴ حرف المیم فصل س دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۲

الحکم بالصحة لولا عنعنة ابن جریج لاجرم قال المناوی[1] فی التیسیر والقاری فی المرقاة اسنادہ حسن۔	ہے) دسویں طبقہ کا معتبر راوی ہے۔ تقریب، باقی چند مشہور جلیل القدر ائمہ ہیں۔ حدیث پر صحت کا حکم ہوتا اگر ابن جریج کی روایت میں عنعنہ نہ ہوتا بیشک علامہ مناوی نے التیسیر میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں فرمایا کہ اس کی سند حسن ہے۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

تلبس النعل ای التی تختص بالرجال[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	تلبس النعل یعنی عورت اگر ایسا جوتا پہنتی ہے جو مردوں کے لئے مختص ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳: کیا ہے حکم شرع شریف میں نسبت پہننے ٹوپی سچی یا جھوٹی سلمہ ستارہ یا ریشم کی۔

الجواب:

چار انگل سے زائد ناجائز اور اس کا استعمال ممنوع ہے۔ اور متفرق ریشم کا کام ہو خواہ سونے چاندی کا جمع نہ کیا جائے گا جب تک مثل مغرق کے نظر نہ آتا ہو۔ اور جھوٹے کام کا جزئیہ اس وقت نظر میں حاضر نہیں اگر سونا چاندی غالب یا مساوی ہے تو اس کا حکم سونے چاندی ہی کے مثل ہے اور مغلوب ہے یا صرف تابنا تاہم ظاہرا کراہت سے خالی نہیں خصوصا ایسی حالت میں کہ نساء یا فساق کی وضع مخصوص ہو کہ اس صورت میں کراہت یقینی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴: ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رومال ریشمیں مرد کے واسطے استعمال کرنا یعنی ہاتھ میں یا کندھے پر رکھنا جائز ہے یا ناجائز یا مکروہ؟ اگر مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

ہاتھ میں لینا جیب میں رکھنا، اس سے منہ پوچھنا یہ سب جائز (اگر بہ نیت تکبر نہ ہو کہ اس نیت سے تو کوئی روا نہیں) اور کندھے پر ڈلنا مکروہ تحریمی۔ اصل یہ ہے کہ ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث لعن اللہ الرجلہ من النساء مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۲۹۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الرجل حدیث ۴۴۷۰ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۴۶

کے نزدیک ریشم کا پہننا ہی مرد کو ممنوع ہے نہ کہ باقی طرق استعمال، اور رومال حسب معمول کندھے پر ڈالنا ایک نوع لبس ہے۔ ہاتھ یا جیب میں رکھنا پہننا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

التعلیق یشبه اللبس فحرم لذٰلك لما علم ان الشبهة فی باب المحرمات ملحقة بالیقین رملی، والظاهر ان المراد بالکیس المعلق نحو کیس التمائم المسماة بالحمائلی فانه یعلق بالعنق بخلاف کیس الدارهم اذا کان یضعه فی جیبه مثلا بدون تعلیق وفی الدرالمنتقی ولا تکره الصلٰوة علی سجادة فی الابریسم لان الحرام هو اللبس اما الانتفاع بسائر الوجوه فلیس بحرام کما فی صلٰوة الجواهر واقره القهستانی وغیره [1]۔	لٹکانا حرام شیئ کا پہننے کے مشابہ ہے اس لئے کہ یہ معلوم ہے کہ محرمات کے باب میں شبہہ یقین کے ساتھ لاحق ہوتا ہے۔ رملی اور ظاہر یہ ہے کہ تھیلا سے مراد لٹکایا ہوا ہے جیسے تعویزات کا تھیلا کہ جس کو حمائلی کہا جاتا ہے کیونکہ اس گلے میں لٹکایا جاتا ہے بخلاف اس کے کہ دراہم کا تھیلا (بٹوہ) جبکہ اسے بغیر لٹکائے جیب میں رکھا جاتا ہے۔ درمنتقی میں ہے کہ ریشمی مصلی (جائے نماز) پر نماز ادا کرنا مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ ریشم کا پہننا حرام ہے۔ لیکن پہننے کے سوا اور طریقوں سے فائدہ اٹھانا حرام نہیں جیسا کہ صلٰوۃ الجواہر میں مذکور ہے اور قہستانی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وفی القنیة دلال یلقی ثوب الدیباج علی منکبیه یجوز اذا لم یدخل یدیه فی الکمین وقال عین الائمة الکرابیسی فیه کلام بین المشائخ اهووجه الاول ان القاء الثوب علی الکتفین نما قصد به الحمل دون الاستعمال فلم یشبه اللبس المقصود للانتفاع تأمل [2]۔	قنیہ میں ہے کہ دلال نے ریشمی کپڑا بیچنے کے لئے کندھوں پر اٹھا تو یہ جائز ہے جبکہ دونوں ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے۔ عین الائمۃ کرابیسی نے فرمایا اس میں مشائخ کرام کی گفتگو ہے (یعنی اعتراض اور اختلاف ہے) اھ۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کندھوں پر لٹکانے سے اٹھانا مقصود ہوتا ہے۔ نہ کہ پہننا لہذا یہ پہننے کے مشابہ نہیں جو انتفاع سے مقصود ہے۔ غور کیجئے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۶

اسی میں ہے:

الحرام ھو اللبس دون الانتفاع **اقول**: ومفادہ جواز اتخاذ خرقۃ الوضوء منہ بلا تکبر اذ لیس یلبس لاحقیقۃ ولا حکما بخلاف اللحاف والتکۃ وعصابۃ المفتصد تامل [1] اھ ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔	حرام صرف پہننا ہے صرف فائدہ اٹھانا حرام نہیں **میں کہتا ہوں** اس کا مفاد (حاصل) یہ ہے کہ ریشمی رومال سے اعضائے وضو پونچھنا اگر بلا تکبر ہو تو جائز ہے اس لئے کہ یہ نہ حقیقتاً پہننا ہے نہ حکماً بخلاف لحاف، تکمہ اور فصد کی پٹی کے۔ غور و فکر کیجئے اھ یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسلہ ۳۵: از ریاست کوچ بہار ملک بنگال مدرسہ محسنیہ راجشاہیہ مرسلہ مولوی خلیل اللہ صاحب مدرس اول مدرسہ مذکورہ ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

مخدوم ومکرم من زاد مجد کم بعد از السلام علیکم ملتمس ہوں کہ مرسلا گرامی بنابر طلب نمونہ پارچہ رینڈی پہنچ کر باعث سرفرازی ہوا حسب فرمائش عالی پارچہ مذکور کا کسی قدر نمونہ مرسل ہے میرا اپنا مسلک یہ ہے کہ پارچہ مذکورہ شرعا مباح الاستعمال ہے اور میں نے یہ مسلک بہت تحقیق اور بڑی جستجو اور قال اقول کے بعد اختیار کیا ہے۔ حضرت مخدومنا وشیخنا ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالٰی کے حضور میں ایک بزرک کے ساتھ جو اباحت استعمال کے قائل تھے میرا زبانی مباحثہ ہوا میں مدعی حرمت کا تھا آخر محاکمہ مولانائے مغفور سے انھیں کا مدعا صحیح ثابت ہوا یہاں ایک بنگالی مولوی صاحب نے آج کل اس کے حرام ہونے کا بہت بڑا زور و شور سے ایک فتوٰی لکھا ہے بلکہ زہر اگلا ہے کہ مباح کہنے والے کو یکبارگی کافر بنادیا ہے **نعوذ باللہ**!

مخفی باد کہ وجہ حرمت جامہ رینڈی درایۃ وروایۃ ہیچک وجہ بر نمی آرد وآں از قسم حریر منصوص الحرمۃ فی القرآن والحدیث نیست چہ عندالتعمیق والتفتیش بوضوع می پیوندد کہ ماہیت حریر وثوب مسطور الصدر یکے نبود بلکہ فرقے درمیان می باشد غذائے کرم آبریشم برگ تودست	واضح رہے کہ رینڈی کپڑے کی حرمت کی کوئی وجہ عقلا نقلا دکھائی نہیں دیتی اور وہ ریشم کی اس قسم سے نہیں جس کی حرمت قرآن وحدیث میں صراحۃ موجود ہے کیونکہ تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ریشم اور مذکورہ کپڑے میں کوئی مماثلت نہیں بلکہ دونوں کے درمیان فرق ہے۔اس لئے کہ ریشم کے کیڑے کی

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۷

کماقال النظام الگنجوی۔ کریمے کہ از تود واز برگ تود زحلواو زار بریشم آورد سود تو وہماں توت است اہل راجشاہی کہ منبت و مخزن ابریشم ست زراعت توت مے کنند و کرم ابریشم رامی خورانند ومی پرور ندچنانچہ ایں ہمہ بچشم سر دیدہ ام ومی بینم وغزائے کرم جامہ مذکور ورق بیدانجیرست کہ ہندی آں را ریںڈی ست وعلاوہ برآں وجہ حرمت حریر تفاخر وتنعّم وزینت و نفاست وتشبہ بالاکا سرہ والجبابرہ واخوت آن ست وایں ہمہ در حریر یافتہ شود نہ در ریںڈی و علی فرض المحال اگرآں جامہ از قسم ابریشم ہم باشد پس وجہ عدم حرمت آں ایں خواہد بود کہ مراد از حریر منصوص حریر جید باشد نہ ردی بحکم ضابطہ اصول المطلق ینصرف نظرا الی فردہ الکامل ھذا ماخطر ببالی الکسیر واللہ تعالٰی اعلم بحقائق الاشیاء نمقه العبد المشتاق الی ربه الجلیل ابواسعیل محمد خلیل اللہ المدرس الاول فی المدرسة المحسنیة الراجشاھیة تجاوز اللہ عن ذنوبه۔	خوراک توت کے پتے ہیں۔ جیسا کہ مولٰنا نظامی گنجوی نے فرمایا: "وہ ایسا سخی ہے کہ توت اور اس کے پتوں سے اس نے حلوے اور ریشم کا فائدہ عنایت کیا" "تود" وہی درخت توت ہے جو ریشم کی پیداوار کا ذریعہ ہے چنانچہ راجشاہی کے باشندے توت کی باقاعدہ کاشت کرتے ہیں اور ریشم پیدا کرنے والے کیڑوں کو بطور خوراک کھلاتے ہیں اور ان کیڑوں کی پرورش کرتے ہیں یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دیکھ رہاں ہوں اور مذکورہ کپڑے کیڑے کی خوارک بیدانجیر ہے کہ ہندی میں اس کو ریںڈی کہتے ہیں اس کے علاوہ ریشم کی وجہ حرمت، تفاخر، تنعّم، زیب وزینت نفاست اور اکاسرہ جبابرہ یعنی متکبر اور سرکش لوگوں سے مشابہت ہے (کہ وہ نرم و نازک مائل و نفیس ریشم کو برائے تکبرہ غرور اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھتے ہیں) اور یہ چیزیں توت کے اصل ریشے میں پائی جایت ہے نہ کہ ریںڈی میں لیکن اگر بفرض محال وہ کپڑا از قسم ریشم ہی ہو تو پھر اس کے حرام نہ ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ ریشم جس کی حرمت منصوص ہے اس سے اعلی وعمدہ ریشم مراد ہے کہ ردی اور گھٹیا۔ اور اہل اصول کے قاعدہ کے مطابق جب مطلق بولا جائے تو اس سے اس کا "فرد کامل" مراد ہوگا۔ پس یہ عدم حرمت کی چند وجوہات میرے شکستہ دل میں کھٹکتی تھیں جو بیان ہوئیں اللہ تعالٰی حقائق اشیاء کو سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ اس کو رب جلیل کا شوق رکھنے والے بندے نے لکھا جو ابواسمٰعیل محمد خلیل اللہ مدرس اول مدرسہ محسنیہ راجشاہیہ میں ہے اللہ تعالٰی اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے۔ (ت)

باردوم: از حیدرآباد دکن محلّہ سلطانپور مرسلہ سید عبدالرزاق صاحب وکیل ہائی کورٹ وسیکرٹری اسٹیٹ نواب فخر الملک بہادر وزیر جوڈیشل وپولیس ڈیپارٹمنٹ

بدیں عبارت بعالی خدمت عالی جناب مولوی احمد خاں صاحب قبلہ جو نمونہ کپڑے کا پیش ہے کہاجاتا ہے یہ ٹسر ہے۔ ٹسر اور ریشم کی تعریف ذیل میں ہے:

ریشم: ریشم کے کیڑے پرورش کئے جاتے ہیں جب ان کے انڈے بچے ہو کر بڑے ہوتے ہیں تو پانی میں ان کو جوش دیا جاتا ہے جب وہ گھل جاتے ہیں توان سے تار نکالا جاتا ہے وہی ریشم ہے۔

ٹسر: ٹسر کے کیڑے اس ملک میں بھی ہوتے ہیں جیسے بیر کے درخت کے کیڑے۔ یہ مثل ریشم کے کیڑوں کے پرورش نہیں کئے جاتے بلکہ قدرتاً ایک بونڈی میں پرورش پاتے ہیں۔جب وہ خود بخود ہونے کے بعد مر جاتے ہیں تو بونڈی سے تار نکال لئے جاتے ہیں وہی ٹسر ہے۔

ریشم کی چمک اور ملائمت ٹسر میں نہیں ہوتی۔اور چنیا سلک عورتوں کے لباس کے کام میں نہیں آتا۔اور یہ کپڑا مثل چھلواری کے متعدد بار دھل سکتا ہے اور چھلواری سے مضبوط ہوتا ہے۔اکثر علماء ومشائخ اسے پہنتے ہیں۔مکہ مکرمہ ومدینہ طیبہ میں بھی علماء وخطباء کو پہنتے دیکھا گیا،اب یہ شبہہ پیدا ہورہا ہے کہ شرعاً اس خاص کپڑے کا پہنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس سے نماز جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہم نے حریر، دیبا خبز عہ، کے احکام صحیح بخاری ومسلم ومشکوٰۃ شریف وہدایہ وفتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں تفصیل سے دیکھے لیکن یہ تشفی نہیں ہوئی کہ یہ خاص کپڑا مشروع ہے یا نہیں؟ لہٰذا صرف اس قدر دریافت کرنا منظور ہے کہ یہ کپڑا جو اس کے ساتھ پیش ہے مشروع ہے اور اس سے نماز جائز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج کل اس کپڑے کا بہت رواج ہورہا ہے اس لئے مسلمانوں کو شک وشبہہ سے بچانے کے لئے اس خاص کپڑے کے جواز یا عدم جواز کا فتوٰی ضرور ہے۔

الجواب:

اللھم لك الحمد، جو کپڑا فقیر نے دیکھا ہے اواس کے متعلق بیان سائل نظر سے گزرا،اس نے صورۃً وصفۃً حریر سے مشابہت نہ پائی۔یہ بہت خشن کثیف، ردی،اکثر معمولی کپڑوں سے بھی گری حالت میں ہے اسے نعومت،ملاست، نظافت، ابراش، تزین، وتکبر وتفاخر سے کچھ علاقہ نہیں۔ قیمت میں بھی سنا گیا ہے، کہ بہت ارزاں ہے۔وہ کرم جس سے یہ پیدا ہوتا ہے مسموع ہوا کہ وہ دود القز کے علاوہ اور کیڑا ہے۔اس کی غذا ورق فرصاد یعنی برگ توت ہے۔اور اس کی ورق الخروع یعنی برگ بید انجیر جسے ہندی میں انڈی اور دیار بنگلہ میں رینڈی کہتے ہیں۔اسی مناسبت سے یہ کپڑا وہاں انھیں ناموں

سے مسمّٰی ہے، اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تک شرع سے تحریم ثابت نہ ہو اس پر جرأت ممنوع و معصیت ہے۔

قال اللہ تعالٰی "قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾"[1] وقال تعالٰی "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ؕ"[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان لوگوں سے فرمادیں (یعنی دریافت کریں) کیااللہ تعالٰی نے تمھیں ایسا کرنے کی اجازت دے رکھی ہے یا تم ویسے ہی اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھ رہے ہو؟ (ت) ایک اور مقام پر اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ (لوگو!) تمھاری زبانیں جو کچھ جھوٹ بیان کرتی ہیں اس سلسلے میں یہ نہ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھو، یقینا جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ (ت)

علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لابدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل[3]۔	اللہ تعالٰی پر افتراء کرنے میں کوئی احتیاط نہیں کہ حرمت اور کراہت ثابت کرے اس لئے کہ ان دونوں کے لئے دلیل ضروری ہے بلکہ احتیاط اس کو مباح کہتے ہیں اس لئے کہ یہی اشیاء میں اصل ہے۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

فی الھدایۃ من فصل الحداد ان الاباحۃ اصل انتھی ویظھر ھذا الاختلاف فی المسکوت عنہ ویتخرج علیھا ما اشکل حال فمنھا الحیوان المشکل امرہ	ہدایہ کی فصل حداد میں ہے کہ اباحت اصل ہے انتہی اور جس چیز سے سکوت ہے (یعنی مسکوت عنہ) میں یہ اختلاف ظاہر ہوتا ہے اباحت پر ان مسائل کی تخریج کی جاتی ہے۔ جن کا حال معلوم کرنا مشکل ہو،

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[3] ردالمحتار بحوالہ الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۹۶/۵

والنبات المجہول وسمیتہ[1]۔	پس ان میں سے ایک تو وہ حیوان ہے جس کا معاملہ مشتبہ ہو اور دوسرے وہ نامعلوم جڑی بوٹیاں ہیں اور ان کا زہریلا ہونا ہے۔ (ت)

غمزالعیون میں ہے:

قولہ والنبات المجہول الخ یعلم منہ شرب الدخان[2]۔	مصنف کا اندیشہ ہے والنبات المجہول الخ اس سے دھواں نوشی کا حکم معلوم ہوجاتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الذی یظہر ان ہذہ الدودۃ ان کانت غیر مائیۃ المولد وکان لہا دم سائل فہی نجسۃ ولا فطاہرۃ فلا یحکم نجاستہا قبل العلم بحقیقتہا[3]۔	وہ جو ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ان کیڑوں کی جائے پیدائش پانی نہیں اور ان میں بہنے والا خون ہے تو وہ ناپاک ہیں بصورت دیگر پاک ہیں لہٰذا ان کی حقیقت معلوم ہونے سے قبل ان پر نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ (ت)

ادعائے تحریم کے لئے لازم ہے کہ شرع سے خاص اس کپڑے کی حرمت پر دلیل قائم ہو یا ثبوت کافی دیا جائے کہ شرعاً حریر اس کپڑے کو کہتے ہیں کہ جو کیڑے کے لعاب سے بنایا جایا اگرچہ دودالقز کا غیر ہو اگرچہ اس میں کوئی وجہ تزئین وتفاخر وتشبہ بالجبابرۃ والاکاسرۃ کی نہ ہو وودونہما خرط القتاد (اور ان دو کے بغیر صرف کانٹوں پر ہاتھ پھیرنا ہے یعنی سوائے تکلیف کچھ حاصل نہیں۔ت) یہ ایک مثال ہے جو کسی کام کے غیر حصول کے لئے بیان کی جاتی ہے۔ مترجم) بالجملہ جب تک تحریم ثابت نہ ہو اباحت اصلیہ شرعیہ پر عمل سے کوئی مانع نہیں،

قال اللہ تعالٰی "خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا"[4] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے پیدا کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول قاعدہ ہل الاصل فی الاشیاء الاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۸۔۹۷

[2] غمز العیون الفن الاول قاعدہ ہل الاصل فی الاشیاء الاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۸

[3] ردالمحتار کتاب الطہارت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۰

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۹

مسئلہ ۳۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دستار کے شملہ کہاں تک رکھنا مسنون ہے۔اور کہاں تک رکھنا مباح اور کہاں تک رکھنا ممنوع وغیر مشروع حرام ہے۔اگر کسی شخص نے ڈیڑھ ہاتھ شملہ رکھادوسرے نے بولاڈیڑھ ہاتھ شملہ رکھنا حرام ہے۔آیایہ کہنا بموجب شرع کے ہے یانہیں؟آیایہ قائل گنہگار ہوایانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاجر پاؤ۔ت)

الجواب:

شملے کی اقل مقدار چار انگشت ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ اور بعض نے نشستگاہ تک رخصت دی یعنی اس قدر کہ بیٹھنے سے موضع جلوس تک پہنچے،اور زیادہ راجح یہی ہے کہ نصف پشت سے زیادہ نہ ہو جس کی مقدار تقریباوہی ایک ہاتھ ہے۔حد سے زیادہ داخل اسراف ہے۔اور بہ نیت تکبر ہو تو حرام،یونہی نشست گاہ سے بھی نیچامثلارانوں یازانوں تک یہ سخت شنیع و ممنوع،زاور بعض نے انسان بدوضع آوارہ رندوں کی وضع ہے۔ڈیڑھ ہاتھ کا شملہ اگر بہ نیت تکبر نہ ہو تو اسے حرام کہنا نہ چاہئے۔خصوصا اس حالت میں کہ بعض علماء نے موضع جلوس تک بھی اجازت دی مگر حرام کہنے والے کو گنہگار بھی نہ کہیں گے جبکہ اس نے حرام بمعنی عام یعنی ممنوع لیاہو جو مکروہ تحریمی کو شامل ہے۔اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

اقل مقدارِ عذبہ چہار انگشت ست و تطویل آں متجاوز از نصف ظہر بدعت ست وداخل اسبال واسراف ممنوع واگر بطریق تکبر وخیلاء باشد حرام و الامکروہ مخالف سنت[1]۔	پگڑی کے شملہ کی کم سے کم مقدار چار انگلیوں کے برابر ہے اور شملے کو اتنا لمبار کھنا کہ آدھی پشت سے بھی آگے چلا جائے بدعت ہے کپڑا لٹکانے میں اسراف ہے جو ممنوع ہے۔اور اگر تکبر اور تفاخر کے طور پر ہو تو حرام ہے۔ورنہ مکروہ اور خلاف سنت ہے۔(ت)

دستوار اللباس میں ہے:

از فتاوٰی حجۃ وجامع آوردہ کہ الذنب ستۃ انواع للقاضی خمس وثلثون اصابع واللخطیب احدی وعشرون اصابع وللعالم سبع وعشرون اصابع وللمتعلم سبعۃ عشر اصبعا وللصوفی سبع اصابع وللعامی اربع اصابع[2]۔	فتاوٰی حجۃ اور جامع میں نقل کی گیاہے کہ شملہ کی چھ اقسام ہیں: (۱) قاضی کے لئے ۳۵ انگشت کے بمقدار (۲) خطیب کے لئے بمقدار ۲۱ انگشت (۳) عالم کے لئے بمقدار ۲۷ انگشت (۴) متعلّم کے لئے بمقدار ۱۷ انگشت (۵) صوفی کے لئے بمقدار ۷ انگشت (۶) عام آدمی کے لئے بمقدار ۴ انگشت۔(ت)

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس فصل دوم مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۵

[2] دستور اللباس

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے:

قال فی خزانة الفتاوٰی والمستحب ارسال ذنب العمامة بین کتفیه الی وسط الظهر ومنهم من قال الی موضع الجلوس ومنهم من قدر بالشبر [1]۔	خزانۃ الفتاوٰی میں فرمایا: پگڑی کا شملہ دو کندھوں کے درمیان نصف پشت تک لٹکانا مستحب (موجب ثواب) ہے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا: سرین تک ہو جبکہ بعض نے اس کی مقدار صرف ایک بالشت بتائی ہے۔ (ت)

عین العلم میں ہے:

یرسل الذیل بین الکتفین الی قدر الشبر اوموضع القعود اونصف الظهر وهو وسط مرضی والکل مروی [2]۔	شملہ دو کندھوں کے درمیان ایک بالشت کی مقدار لٹکائے (اور چھوڑے) یا سرین تک ہو یا نصف پشت تک ہو اور یہ متوسط اور پسندیدہ طریقہ ہے اور یہ سب کچھ مروی ہے۔ (ت)

شرح علامہ علی قاری میں ہے:

الاول اشهر واکثر واظهر والکل قد جمعته فی رسالة مستقلة اھ [3]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	پہلا قول اکثر ور زیادہ مشہور ہے اور زیادہ ظاہر ہے اور ان سب اقوال کو میں نے ایک مستقل رسالہ میں جمع کیا ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷: مسئولہ مولوی حکیم امجد علی صاحب ۱۱ رجب المرجب ۱۳۳۰ھ

زعفران اور کسم اگر دوسرے رنگوں میں تھوڑے شامل کردئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر تھوڑے ملائے کہ مستہلک ہوگئے اور ان کا رنگ نہ آیا تو حرج نہیں۔

اذلا حکم للمستهلك ویشیر الیه کلام التنویر کسره لبس	جو چیز نیست و نابود ہوجائے تو اس کے لئے کوئی حکم نہیں۔ صاحب تنویر کا کلام اسی طرف

[1] شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن اللباس مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص ۲۸۳۔۲۸۴

[2] عین اعلم الباب السابع فی الاتباع فی المعیشۃ مطبع امرت پریس لاہور ص ۲۴۸

[3] شرح عین العلم لملا علی قاری (بین السطور) مطبع امرت پریس لاہور ص ۲۴۸

المعصفر والمزعفر الاحمر اوالاصفر للرجال [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اشارہ کرتا ہے معصفر اور زعفرانی سرخ اورزرد رنگ مردوں کے لئے مکروہ ہے۔اور اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۸: نیا کپڑا یا جوتا استعمال کرنے پر کیا پڑھے اور کون سے روز استعمال کرے؟ درزی کو کون سے روز سلنے کو دے؟

الجواب:

بسم اللہ کہہ کر پہنے اور پہن کر پڑھے۔

الحمدللہ الذی کسانی ھذا و رزقنیه من غیر حول منی ولاقوۃ [2]۔	سب تعریف اور ستائش اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میری قوت وطاقت (بچاؤ و تحفظ کے بغیر مجھے اس کے پہننے کی توفیق بخشی) (ت)

اور کپڑے کے استعمال یا درزی کو دینے کے لئے کوئی خصوصیت نہیں، ہاں منگل کے دن کپڑا قطع نہ کیا جائے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: "جو کپڑا منگل کے روز قطع کیا جائے وہ جلے یا ڈوبے یا چوری ہو جائے" واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹: از کالج علی گڑھ کمرہ نمبر ۶ مرسلہ عبدالمجید خاں یوسف زئی سرسید کورٹ ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

زید انگریزی ٹوپی یعنی ہیٹ کو استعمال نہیں کرتا ہے مگر پتلون پہنتا ہے اور پتلون پر ترکی کوٹ پہنتا ہے یہ لباس درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

دربارہ لباس اصل کلی یہ ہے کہ جو لباس جس جگہ کفار یا مبتدعین یا فساق کی وضع ہے اپنے اختصاص و شعاریت کے مقدار پر مکروہ یا حرام یا بعض صور میں کفر تک ہے۔ حدیقہ ندیہ میں ہے:

لبس زی الافرنج کفر علی الصحیح [3]۔	افرنگیوں کا لباس صحیح قول کی بناپر کفر ہے۔(ت)

ہیٹ اسی قسم میں ہے اور پتلون قسم اول میں اور دوسرے ملک میں کسی اسلامی قوم کی وضع ہو ناکافی

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[2] عمل یوم واللیلۃ باب مایقول از ستجد ثوبا حدیث ۲۷۱ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ص ۷۴

[3] الحدیقہ الندیہ النوع الثامنن من الانواع الستین السخیریہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

نہیں جبکہ اس ملک میں کفار یا فساق کی وضع ہو **فان کل بلدۃ وعوائدھا** (کیونکہ ہر شہر اور اس کے رہنے وال۔ت) خصوصا اس حالت میں کہ ترک نے بھی یہ وضع بہت قریب زمانے سے اختیار کی اور وہ بھی نہ طوعا بلکہ جبرًا، سلطان محمود خاں کے زمانہ میں سلطنت کی طرف سے اس پر مجبور کیا گیا اور ینگچری فوج نے اس پر مخالفت کی اور کشت وخون وقع ہوا باآخر بمجبوری مانی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰: مسئولہ حافظ بنو علی صاحب از خاص ضلع بھنڈارہ محلّہ کہم تالاب متوسط ضلع ناگپور ۱۳ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ خام رنگ مثلاً سرخ، سبز، نیلا، پیلا ایسے رنگ کے کپڑے پہن کر نماز جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

عورت کو ہر قسم کا رنگ جائز ہے جب تک اس میں کوئی نجاست نہ ہو، اور مرد کے لئے دو رنگوں کا استثناء ہے۔ معصفر ار مزعفر یعنی کسم اور کیسر، یہ دونوں مرد کو ناجائز ہیں اور خالص شوخ رنگ بھی اسے مناسب نہیں۔ حدیث میں ہے:

ایاکم والحمرۃ فانھا من زی الشیطان[1]۔	سرخ رنگ سے بچو اس لئے کہ وہ شیطانی صورت اور ہیئت ہے۔(ت)

باقی رنگ فی نفسہٖ جائز ہیں کچے ہوں یا پکے ہاں اگر کوئی کسی عارض کی وجہ ممانعت ہوجائے تو وہ دوسری بات ہے جیسے ماتم کی وجہ سے سیاہ لباس پہننا حرام ہے۔ **کما فی الھندیۃ**[2] (جیسا کہ فتاوٰی ہندیہ میں ہے۔ت) بلکہ ماتم کے لئے کسی قسم کی تغییر وضع حرام ہے کما فی المرقاۃ شرح المشکوۃ لعلی القاری (جیسا کہ ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح المشکوۃ میں ہے۔ت) ولہٰذا ایام محرم شریف میں سبز لباس جس طرح جاہلوں میں مروج ہے ناجائز وگناہ ہے۔ اور اودا یا نیلا یا آبی یا سیاہ اور بدتر واخبث ہے۔ کہ روافض کا شعار اور ان کی تشبہ ہے اس طرح ان ایام میں سرخ بھی ناصبی خبیث بہ نیت خوشی وشادی پہنتے ہیں یونہی ہولی کے دنوں میں چنریاں اور بسنت کے دنوں میں بسنتی کہ کفار ہنود کی رسم ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۳۱۷ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۸ /۱۴۸، کنز العمال بحوالہ ابن جریر عثمان عن قتادہ حدیث ۴۱۱۷۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵ /۳۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکرھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۳

مسئلہ ۴۱: ز موضع میر پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ یوسف علی ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لباس مسنون کیا ہے اور روایت مشہورہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ تہبند ہی استعمال فرمایا اور قمیص بلا بٹن یعنی گھنڈی دار پہنی ہیں تو بھی مسنون ہوا اور جب یہ مسنون ہوا تو اگر کوئی شخص پائجامہ پہنے یا قمیص یا بٹن پہنے یا چین لگائے یا کالر لگائے یہ سب خلاف سنت ہے۔ تو کیا وہ مخالف سنت کہلا یا جائے گا اور مثلاً آپ نے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نان جویں ہی تناول فرمائی ہیں اور دعوت میں جیسی بھی تو کیا جو شخص اپنے مکان پر نان گندم کھائے اور نان جو نہ کھائے تو مخالفین سنت میں داخل ہوگا؟ **بینوا توجروا**

(بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

یہ سنن زوائد ہیں بہ نیت اتباع اجر ہے ورنہ:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ" [1]	فرمادیجئے اللہ تعالٰی کی زیب وزینت کس نے حرام ٹھہرائی جو اس نے بندوں کے لیے نکالی (یعنی ظاہر فرمائی) اور ستھری روزی (ت)

ہاں یہ ضرور ہے کہ کفار یا بدمذہبوں یا فساق کی وضع نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲: از بریلی شہر کہنہ محلّہ سہسوانی ٹولہ مرسلہ حافظ رحیم اللہ صاحب ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عمامہ شریف کَے گز کا باندھا تھا جیسا کہ عرب شریف کے لوگ باندھتے ہیں۔ یہاں کے لوگ باندھتے ہیں اور حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تہبند باندھا تھا کہ پائجامہ پہنا تھا۔ اور حضور کے کرتہ شریف میں گھنڈی لگی تھی یا بٹن اور کرتہ شریف میں چاک کھلے تھے یا نہیں؟ گھنڈی آپ کے کرتہ مبارک میں سامنے تھی یا ادھر ادھر؟

الجواب:

عمامہ میں سنت یہ ہے کہ ڈھائی گز سے کم نہ ہو نہ چھ گز سے زیادہ، اور اس کی بندش گنبد نما ہو جس طرح فقیر باندھتا ہے۔ عرب شریف کے لوگ جیسا کہ اب باندھتے ہیں طریقہ سنت نہیں اسے اعتجار کہتے ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

کہ بیچ میں سر کھلا ہے۔اور اعتجار کو علماء نے مکروہ لکھا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تہبند باندھا اور پاجامہ خریدنا اور پاجامہ پہننے کی تعریف فرمانا ثابت ہے پہننا ثابت نہیں۔کرتہ مبارک میں بٹن ثابت نہیں۔چاک دونوں طرف تھے، صحیح مسلم شریف میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں ہے:

وفرجیها مکفوفین بالدیباج[1]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرتہ مبارک کے دونوں چاک ریشم سے سلے ہوئے تھے۔(ت)

گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا۔اشعۃ اللمعات میں ہے:

جیب قمیص آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر سینہ مبارک وی بود چنانکہ احادیث بسیار برآں دلالت دارد[2]۔	آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرتہ مبارک کا گریبان آپ کے مقدس سینے پر تھا جیسا کہ بہت سی حدیثیں (ارشادات صحابہ کرام) اس پر دلالت (اور راہنمائی کرتی ہیں۔ت)

اسی میں ہے:

تحقیق آنست کہ گریبان پیراہن نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر سینہ بود[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تحقیق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرتے مبارک کا گریبان سینہ اقدس پر تھا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۳: از برلٹس گائناڈمرار اپترس حضال وپچ ایسٹ بنگ مسئولہ عبدالغفور بتاریخ ۲۴ صفر المظفر روز شنبہ ۱۳۳۴ھ

زرد رنگ کپڑا مرد کو پہنا کیسا ہے خصوصا جو شخص اپنے کو عالم کہے اور پھر زرد کپڑا پہنتا ہو۔

الجواب:

زعفران کا رنگا ہوا کپڑا مرد پر حرام ہے۔اور کسی طرح کا زرد رنگ حرام نہیں۔ہاں اگر وہ کسی ایسی وضع مخصوص

---

[1] صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذہب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۰

[2] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۴۴

[3] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۴۴

پر ہے جس سے انگشت نمائی و شہرت ہو تو مطلقاً مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۴: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مسئولہ عبدالستار بن اسمٰعیل سنی حنفی قادری رضوی ۱۴ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

رومال خالص ریشمی کپڑے کا مرد استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

رومال سے مراد اگر ہاتھ میں لینے کا ہے تو کر سکتا ہے اور گر اوڑنے کا ہے تو نہیں۔

مسئلہ ۴۵: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب یکم صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مخمل اور کمخواب سوتی یا ریشمی کا استعمال مرد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس طرف اکثر مسلمان مخمل کی ٹوپی اور سدری وغیرہ پہنتے ہیں۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر و ثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

کمخواب یا مخمل سوتی مرد کو جائز ہے اور ریشمی ناجائز؟ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۶ و ۴۷: مرسلہ مصاحب علی طالب علم ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

(۱) عورت نے اپنے خاوند کو اپنے ساتھ لٹا کر اپنا لحاف ریشمی یا چادر ریشمی خاوند کو بھی اڑھا دی تو کیا یہ استعمال ریشمی کپڑے کا بہ تبع عورت کے، مرد کو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مرد کو مخمل پہننا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب

(۱) ناجائز ہے اور اوڑھنے میں تبعیت کے کوئی معنی نہیں۔ دونوں مستقل ہیں۔ اور یہ تبعیت کی کوئی صورت نہیں کہ ملک عورت کی ہے یا بناء اس کے لئے ہاں ریشمی توشک پر لیٹنا امام کے نزدیک جائز ہے۔

(۲) ریشمی مخمل ناجائز سوتی جائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۸: از بنارس محلّہ پر کنڈہ مسئولہ مولانا مولوی عبدالحمید صاحب ۱۰ شعبان ۱۳۳۵ھ

عورات کو پائجامہ ٹخنا کھول کر پہننا چاہئے یا ڈھانک کر؟

الجواب:

عورات کے گٹے ستر عورت میں داخل ہیں غیر محرم کو ان کا دیکھنا حرام ہے۔ عورت کو حکم ہے کہ اس کے پائچے خوب نیچے ہوں کہ چلتے میں ساق یا گٹے کھلنے کا احتمال نہ رہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اعضاء عورۃ الحورۃ الساقان مع الکعبین والثدیان الخ۔[1]	آزاد (شریف داری) عورت کا محل ستر (چھپانے کی جگہ) ٹخنوں سمیت دو پنڈلیاں اور دو چھاتیاں ہیں۔ (ت)

مالک وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ ام المومنین ام سلمہ اور ترمذی ونسائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

حدیث ام المومنین انھا قالت لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین ذکر الازار فالمرأۃ یارسول اللہ قال ترخی شبرا قالت اذن تنکشف عنا قال فذراع لاتزید علیہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ سیدہ ام سلمہ (رضی اللہ تعالٰی عنہا) کی حدیث ہے کہ انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ جبکہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تہبند کا ذکر فرمایا یارسول اللہ! عورت کا کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا: وہ بالشت بھر (اپنا تہبند) لٹکائے رکھے، عرض کی: پھر اس کا پاؤں برہنہ ہوگا۔ ارشاد فرمایا: ایک ہاتھ چھوڑ دے (یعنی لٹکائے) لیکن اس سے زیادہ تو نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۹: از موضع گھورٹی ڈاکخانہ کرشن گڑھ ضلع ندیاں مرسلہ نذیر احمد صاحب ۶ جمادی الاولٰی

لباس مسنون مر مردان وزنان چیست وخلافش مثلاً شیروانی و چپکن واچکن وکوٹ انگریزی وفارسی وپاجامہ انگریزی و دھوتی وہ گزری وکلاہ ترکی و انگریزی وغیرہ از لباس مردان وبڈی ہندواں کہ طولش تاکمر وبدن دچسپاں بود وشامیز کہ پیراہن درازست زیر ساڑی دہ گزی می پوشدہ وساڑی دہ زراع وغیرہ از لباس زنان رواست	مردوں اور عورتوں کے لئے کون سا لباس سنت ہے اور اس کے مخالف کون سا لباس ہے۔ مثلاً شیروانی، چپکن، اچکن، کوٹ انگریزی اور فارسی، پاجامہ انگریزی، دس گزدھوتی، ترکی اور انگریزی ٹوپی وغیرہ جو مردوں کا لباس ہے اور ہندوؤں کی "بڈی" کہ جس کی درازی کمر تک ہوتی ہے اور وہ جسم سے پیوستہ ہوا کرتی ہے۔ اور "شامیز"

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب شروط الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الذیل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۲، سنن النسائی کتاب الزینۃ باب ماجاء فی ذیول النساء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۹۸، جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی ذیول النساء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب ذیل المرأۃ کم یکون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۴

یانہ؟	کہ لمبا پیراہن ہے جو ساڑھی کے نیچے دس گز کا پہنتے ہیں۔اور ساڑھی کی مقدار دس ہاتھ وغیرہ ہوتی ہے۔یہ عورتوں کا لباس ہے۔کیا یہ دونوں جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب:

کلیہ در لباس آنست کہ دردے رعایت سہ امرے باید کردیکے اصل اوحلال باشد ہمچو لباس ریشمیں یازری یار نگین معصر و زعفران کہ مرد را مطلقاً روانیست دوم رعایت ستر آنچہ کہ متعلق بستر است چنانچہ مرد رازیر جامہ وزنان آزاد راازسرتاپا ہمہ لباس پیش اجانب وآنچہ پشت وشکم از ناف تا زیر زانوپوشد پیش محارم واگر تنہا پیش شوھر خودست حاجت ہیچ ستر ندارد الا حیاء۔واز فروع اینہم ست کہ لباس بموضع ستر آنچناں چسپیدہ کہ ہیأت آن عضو رانماید **کما ذکرہ فی ردالمحتار حققناہ فی ما علقناہ علیہ**۔سوم لحاظ وضع کہ نہ زی کفار باشد نہ طرق وفساق وایں بردوگونہ است یکے آنکہ شعار مذہب ایشان باشد ہمچوں زنار ہنود وکلاہ مخصوص نصارٰی کہ ہیٹ نامند بس اینہا کفر بودواگر شعار مذہب نیست از خصوصیات قوم آنہا آنست ممنوع وناروا باشد حدیث صحیح **من تشبہ بقوم فھو منھم**[1]	قاعدہ کلیہ لباس پہننے میں یہ ہے کہ اس میں تین امور کی رعایت کرنی چاہئے ایک یہ کہ اصل میں اس کا استعمال کرنا جائز ہو مثلاً جیسے ریشمی یا سنہری لباس۔یا سرخ یا زرد، زعفرانی رنگ کا لباس کہ علی الاطلاق مرد کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔(دوسری بات)ستر کی رعایت ہو اس لباس میں کہ جس کا ستر سے تعلق ہے۔جیسے مرد کئے لئے زیر جامہ۔اور آزاد عورتیں سرے سے لے کر پاؤں تک غیر محرم (اجنبی)مردوں کے سامنے مکمل لباس پہنے ہوں۔البتہ محرم مردوں کے روبرو،پشت اور ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک پردہ پوش ہوں۔ہاں اگر تنہا شوہر کے پاس ہو تو پھر اہتمام ستر کی کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر شرم وحیاء مانع ہو تو الگ بات ہے۔اور اس کے ذیلی پہلوؤں میں سے یہ بھی ہے کہ لباس محل ستر پر کچھ اس طرح چسپاں ہو کہ اس عضو کی ہئیت نہ دکھائی دے۔جیسا کہ فتاوٰی شامی میں ذکر فرمایا اور میں نے اس کے حواشی میں اس کی تحقیق کردی۔(تیسری بات)لباس کی وضع کا لحاظ رکھا جائے کہ کافروں کی شکل و

[1] سنن ابی داوٗد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳

در صورت اولیٰ محمول برظاهر خود ست دور ثانیہ بر زجر و تهدید **ودر ثانیہ امر** باختلاف ممالک ومراسم مختلف شود مثلا دربنگالہ ساڑی عام ست مر زنان مسلمات ومشرکات راپس از باب تشبہ نباشد اچکن وچپکن وشیروانی از تراشہائے جدیدہ است وجدت درعادت ممنوع نیست تامشتمل بر ممنوع شرعی نباشد دررنگ ملبوس مرداں کہ انگرکھا نامند نوپیدا ست فاما منع شرعی باخود ندارد مگر آنگاہ کہ چاک پردہ اش جانب راست باشد کہ بوجہ مشابہت ہنود حرام ست کوٹ انگریزی ممنوع ست وکوٹ فارسی ندیدہ ام واگر خصوصیت بقوم کفرہ یافسقہ دارد نیز ممنوع ست ہمچناں زیر جامہ انگریزی کہ پتلون نامند اگر مانع سجود باشد خود کبیرہ مردود باشد ورنہ بوجہ مشابہت ممنوع بود لباس مسنون ازارست یعنی تہبند وایں دھوتی بدوجہ ممنوع ست یکے لباس ہنود، دوم اسراف بے سود کہ بجائے دہ گز سہ چار گز کافی بود، کلاہ ترکی ابتدائے اودر نیچریاں شد آناں رابہرہ از اسلام نیست اگر ہم چناں می ماند دریں ممالک حکم جوازش نبودی کہ ایں جاترکان نیند بیدیناں باوعاوی اند مگر حالا مشاہدہ است کہ در بسیارے از مسلمانان نیزایں تپ سرخ سرایت کردہ پس شعار نیچریت نماند اہل علم وتقوی را از احتراز باید کہ تاحال وضع علماء	صورت اور فاسقوں کے طرز وطریقے پر نہ ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ ان کا مذہبی شعار ہو جیسے ہندوؤں کا زنار اور عیسائیوں کی خصوصی ٹوپی کہ "ہیٹ" کہتے ہیں۔ پس ان کا استعمال کفر ہے۔ اور اگر ان کے مذہب کا شعار تو نہیں لیکن ان کی قوم کا خصوصی لباس ہے تو اس صورت میں بھی اس کا استعمال ممنوع (ناجائز ہے) چنانچہ حدیث صحیح میں فرمایا: جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ اسی میں شمار ہے۔ **پس پہلی دوسری** صورت میں یہ اپنے ظاہر پر محول ہے لیکن دوسری صورت میں ڈانٹ ڈپٹ اور ڈراوے پر محمول ہے۔ اور امر ثانی میں اختلاف ممالک اور مراسم کی بناء پر مختلف ہو جاتا ہے۔ مثلا بنگلہ دیش میں ساڑھی ایک عام لباس ہے جو میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کی شامل ہیں (لہذا اس میں کسی ایک کی کوئی خصوصیت نہیں) لہذا اس اس حالت میں از قبیل تشبہ نہیں۔ اچکن، چپکن اور شیروانی یہ ایک جدید (نیا) لباس ہے۔ اور عادۃ "جدت" ممنوع نہیں۔ بشرطیکہ کسی ممنوع شرعی میں شامل نہ ہو، نیز شکل مردانہ لباس کہ جس کو "انگرکھا" کہتے ہیں یہ بھی ایک جدید پیداوار ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اپنے اندر ممانعت شرعی نہیں رکھتا۔ مگر جبکہ اس کے پردے کا چاک دائیں طرف ہو تو پھر ہندوؤں کی مشابہت کی وجہ سے حرام ہے۔ اور کوٹ انگریزی پہننا منع

وصلحاء شدہ است ہمچناں حال شیر وانی کہ کہ اگر چہ عوام را ازہر دو ممانعت برآمد خواص را از احتراز باید، وبڈی وشامیز، معلوم نشد چیست بہمہ کلیہ کہ بالا گفتہ ایم رجوع باید کرد اگر وضع مخصوص کفار یا فساق ست احتراز لازم ست و نکتہ دیگر یاد باید داشت کہ در ملک وشہر خود ہر چہ وضع مسلماناں باشد اور اترک گفتن وو ضع دیگر کہ موجب شہرت و انگشت نمائی باشد اختیار کردن نیز مکروہ ست علماء فرمودہ اند **الخروج عن عادۃ البلد شهرة ومکروہ**[1]، لباس مسنون مرزناں و مرداں را چادر وتہبند وجبہ و قمیص بود وسراویل یعنی زیر جامہ نیز کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگرچہ نپوشید، پوشندگان را ستود وخریدن خود ثابت ست زنے در راہ می گزشت پایش لغزیش برفتاد سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روئے ازاں سو گردانید حاضران عرضہ داشتند کہ او زیر جامہ دارد فرمود **اللهم اغفر للتسرولات**[2] الٰہی زنان زیر جامہ پوش را مغفرت کن مرداں را فرمودی کہ ازار تانیم ساق دارند کعبین را از نہار نپوشند زنان را یک وجب فروہشتن رخصت دارد عرضہ کردند اذًا ینکشفن یا رسول اللہ ایں گاہ در مشی وغیرہ احتمال انکشاف ست فرمود یک زراع وبیش ازیں[3] نے نیز از

ہے۔ اور کوٹ فارسی میں نے نہیں دیکھا، اگر کافروں یا فاسقوں سے کوئی خصوصیت رکھتا ہو تو پھر اس کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ اور اسی طرح زیر جامہ انگریزی کہ جس کو "پتلون" کہتے ہیں اگر سجدہ کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے تو پھر گناہ کبیرہ قابل رد ہے۔ ورنہ (کمتر یہ ہے) کہ بوجہ مشابہت ممنوع ہے۔ لباس مسنون ازار یعنی تہبند ہے۔ اور دھوتی دو وجوہ کی بناء پر ممنوع قابل ترک ہے اور ایک اس لئے کہ ہندوؤں کا لباس ہے۔ دوسری وجہ بے فائدہ اسراف (فضول خرچہ) ہے۔ کیونکہ دس گز کی بجائے صرف چار گز ہی کافی ہے۔ ترکی ٹوپی کہ اس کی ابتداء نیچریوں سے ہوئی اور ان کا اسلام میں وئی حصہ نہیں۔ اگر یہی حالت رہتی تو ان ممالک میں اس کا جواز نہ ہوتا کیونکہ یہاں کوئی ترکی نہیں۔ صرف بے دین اس کے استعمال کی عادت رکھتے ہیں۔ لیکن اب دیکھنے میں آیا ہے (اور یہ مشاہدہ ہوا ہے) کہ بہت سے مسلمانوں میں بھی یہ سرخ بخار سرایت کر گیا ہے۔ لہٰذا اب نیچریت کا شعار نہیں رہا پس اہل علم اور اصحاب تقوی کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے یہاں تک کہ علماء اور صلحاء کا معمول ہو جائے اسی طرح شیر وانی کہ اگرچہ عوام کو دونوں سے ممانعت نہیں لیکن خاص لوگوں کو پرہیز کرنا چاہئے۔ بڈی اور شامیز کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ یہ دونوں

---

[1] الحدیقه الندیة شرح الطریقه محمدیه الصنف التاسع تمتة الاصناف الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۵۸۲

[2] کنز العمال بحواله البزار، عقد، عد، ق فی الادب وغیرہ حدیث ۴۱۸۳۸ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۵/ ۴۶۳

[3] سنن ابی داؤد ۲/ ۲۱۲ وسنن النسائی ۲/ ۲۹۸ وسنن ابن ماجه ص ۲۶۴ و جامع الترمذی ۱/ ۲۰۶

لباس زنان خمار بودکہ باوسرمی پوشیدند ونطاق کہ برکمر بالائے ازرامی بستند، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیا چیز ہیں۔ لیکن اسی ضابطہ کلیہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ جس کو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، اگر کافروں یا فاسقوں کی وضع ہو تو پرہیز کرے۔

(یہاں) ایک اور نکتہ یادرکھنا چاہئے کہ اپنے ملک اور شہر میں عام مسلمانوں کی جو وضع اور طرز و طریقہ ہو اسے چھوڑ دینا اور دوسری وضع جو تشہیر اور انگشت نمائی کا سبب ہے اسے اختیار کرنا مکروہ ہے۔ چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں اپنے شہر کی عادت اور طریقہ کار سے باہر ہوجانا وجہ شہرت اور مکروہ ہے۔ پس مردوں اور عورتوں کا مسنون لباس چادر، تہبند، جبہ، کرتہ ہے۔ شلوار یعنی زیر جامہ، اگرچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے نہیں پہنا لیکن پہننے والوں کی تعریف فرمائی اور آپ کا اسے خریدنا ثابت ہے۔ ایک عورت راہ سے گزررہی تھی کہ اس کا پاؤں پھسلا اور گر گئی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس طرف سے اپنا منہ پھیر لیا چنانچہ حاضرین نے عرض کی کہ یہ عورت شلوار پہنے ہوئی تھی۔ آپ نے یہ دعا مانگی: "اے اللہ! شلوار پہننے والی عورتوں کو بخش دے" اور مردوں کو حکم دیا کہ تہبند نصف پنڈلی تک رکھیں اور ٹخنوں کو کبھی نہ ڈھانپیں، اور عورتوں کو "ازار" ایک بالشت چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ (علیک الصلوۃ والسلام) پھر تو برہنہ ہوجائیں گی، یعنی اے اللہ کے رسول: پھر تو ان کے چلنے میں برہنگی کا امکان ہے، ارشاد فرمایا: اچھا ایک ہاتھ لٹکا رکھیں لیکن اس سے زیادہ نہ ہو۔ اور عورتوں کے لباس میں دوپٹہ (خمار) بھی ہے کہ اس سے سرڈھانپتی ہیں اور تسمہ (نطاق) جو کرم پھر تہبند کے اوپر باندھتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۰: ازاردہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرا ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں صاحب ۲۵ شوال ۱۳۳۶ھ

ایسا لباس پہننا جس سے فرق کافر مسلمان کا نہ رہے شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب:

حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبہ بقوم فھو منھم [1]۔	جو کوئی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔ (ت)

بلکہ اس میں بہت صورتیں کفر ہیں۔ جیسے زنار باندھنا۔ بلکہ شرح الدرر للعلامۃ عبدالغنی النابلسی بن اسمٰعیل رحمہما اللہ تعالٰی میں ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۳

لبس زی الافرج کفر علی الصحیح [1]۔	یعنی صحیح مذہب یہ ہے کہ فرنگیوں کی وضع پہننا کفر ہے۔(ت)

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

امرأۃ شدت علی وسطہا حبلا وقالت ہذا زنار تکفر [2]۔	کسی عورت نے اپنی کمر میں رسی باندھی اور کہا یہ جنیو ہے کافرہ ہوگئی۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۱: از حبیب گنج ضلع علیگڑھ مرسلہ روح اللہ منشی ریاست ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ معمولی جاپانی اور ولایتی کپڑے سلک کے بنے ہوئے جس میں کچھ بے چمک اور کچھ مختلف چمکدار ہوتے ہیں کچھ نرم ہوتے کچھ نہیں ہوتے حریر میں داخل ہیں اور ان کا استعمال مردوزن کو ناجائز ہے یا نہیں؟ ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

سلک کو بعض نے کہا کہ انگریزی میں ریشم کا نام ہے۔ اگر ایسا ہو بھی تو اعتبار حقیقت کا ہے نہ کہ مجرد نام کا، بربنائے تشبیہ بھی ہوتا ہے جیسے ریگ ماہی مچھلی نہیں۔ جرمن سلور، چاندی نہیں۔ جو کپڑے رام بانس یا کسی چھال وغیرہ چیز غیر ریشم کے ہوں اگرچہ صناعی سے ان کو کتنا ہی نرم اور چمکیلا کیا ہو مرد کو حلال ہیں اور اگر خالص ریشم کے ہوں یا بانا ریشم ہو اگرچہ تانا کچھ ہو تو حرام ہے۔ یہ امر ان کپڑوں کو دیکھ کر یا ان کا تار جلا کر واقفین سے تحقیق کرکے معلوم ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۲: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ رحیم بخش صاحب بنگالی ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مخمل کا کپڑا مرد کے لئے پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جس مخمل پر ریشم کا رواں پورا اچھا ہوا ہوتا ہے اس کا پہننا مرد کو جائز نہیں ورنہ جائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۳: از احمد آباد گجرات پانچ پیلی مرسلہ حکیم انور حسین صاحب صفدری ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

علمائے کرام اہلسنت وجماعت ادام اللہ فضلہم کا اس بات میں کیا ارشاد ہے کہ سرخ اور

---

[1] الحدیقہ الندیہ النوع التاسع مع انواع الستین السخریۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲ /۲۳۰

[2] خلاصہ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الجنس السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۸۷

زرد (پیلا) رنگ کا کپڑا پہننا مرد کا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے نماز درست ہے نہیں؟ اگر پہننا مکروہ ہے تو اس میں کراہیت تنزیہی ہے یا تحریمی؟ بعض احادیث سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سرخ جبہ زیب تن فرمانا ثابت اور زرد ملبوس رنگنا ظاہر۔ مثلاً:

عن جابر بن سمرۃ قال رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی لیلۃ مقمرۃ اضحیان فجعلت انظر الیہ والی القمر وعلیہ حلۃ حمراء فاذا ھو احسن عندی من القمر۔ رواہ الدارمی والترمذی[1]۔	حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو (ایک دفعہ) چاندنی روشن رات میں دیکھا تو پھر آپ کو اور چاند کو مسلسل دیکھنے لگا اور آپ اس وقت سرخ جبہ پہنے ہوئے تھے (پھر آخر میں نے یہ نتیجہ نکالا) کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین ہیں (یعنی آسمانی چاند سے مدنی چاند کا حسن بڑھا ہوا ہے) اس کو دارمی اور ترمذی نے روایت کیا (ت)

[کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہہ دوں ان کے چہرے کو
میں ان کے نقش پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں مترجم]

نیز:

عن جابر بن عبداللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یلبس بردۃ الاحمر فی العیدین والجمعۃ[2] (مواہب) وعن یحیی بن عبداللہ بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصبغ بالورس والزعفران ثیابہ حتی عمامتہ (ابوداؤد)[3]۔	حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دونوں عیدوں اور روز جمعہ سرخ جوڑا پہنا کرتے تھے۔ (مواہب اللدنیہ) اور حضرت یحیی بن عبداللہ بن مالک سے روایت ہے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسم اور زعفران (یعنی سرخ اور زرد رنگ) سے اپنے کپڑے یہاں تک کہ اپنی دستار مبارک بھی رنگین

[1] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والادب باب ماجاء فی الرخصۃ فی لبس الحمرۃ الخ امین کمپنی دہلی ۲ /۱۰۴

[2] المواھب اللدنیہ النوع الثانی فی اللباس باب لبس الثواب الاحمر المکتبۃ الاسلامی بیروت ۲ /۴۴۵

[3] المواھب اللدنیہ بحوالہ ابی داؤد النوع الثانی فی اللباس باب لبس الثواب الاحمر المکتبۃ الاسلامی بیروت ۲ / ۴۴۵

کرتے تھے (ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے)۔(ت)

اور بعض احادیث سے اس کی نہی پیدا وہویدا۔ مثلاً

عن ابن عمر قال رأی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیّ ثوبین معصفرین فقال ان ھذا لباس الکفار فلا تلبسھا (مسلم[1]) ومعلوم ان ذٰلك یصبغ صباغا احمر (مواھب[2]) وفی الصحیح انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن التزعفر[3]۔	حضرت عبداللہ بن عمر (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) سے روایت ہے کہ فرمایا: آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میرے جسم پر "کسم" کے رنگ سے رنگے ہوئے دو کپڑے ملاحظہ فرمائے تو ارشاد فرمایا: یہ کافروں کا لباس ہے لہٰذا اسے نہ پہنو (مسلم) اور یہ معلوم ہی ہے کہ وہ سرخ رنگ سے رنگین کئے ہوئے تھے (مواہب لدنیہ)۔ اور صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زعفرانی (زرد) رنگ سے رنگین کئے ہوئے کپڑوں سے منع فرمایا (یعنی اس رنگ سے رنگین کئے ہوئے کپڑے مت استعمال کرو)۔(ت)

معصفر ومزعفر کی کیا تشریح ہے؟ موجودہ ولایتی پختہ وخام الوان بھی معصفر ومزعفر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:

کسم کا رنگا ہوا سرخ اور کیسر کا زرد جنھیں معصفر ومزعفر کہتے ہیں مرد کو پہننا ناجائز وممنوع ہے اور ان سے نماز مکروہ تحریمی۔ اور ان کے سوا اور رنگ کا زرد بلا کراہت مباح خالص ہے۔ خصوصاً زرد جوتا مورث سرور وفرحت۔

قال سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما واستند بقولہ تعالٰی صفراء فاقع لونھا تسر النظرین[4]۔	چنانچہ زرد جوتے کے متعلق سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ارشاد فرمایا اور اللہ تعالٰی کے اس قول "اس گائے کا رنگ خالص زرد ہے جو دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے" سے استدلال فرمایا۔(ت)

---

[1] المواھب اللدنیہ النوع الثانی اللباس باب لبس الثواب الاحمر الکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۴۴، صحیح مسلم کتاب اللباس باب نھی عن لبس الرجل الثوب المعصفر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۳

[2] المواھب اللدنیہ النوع الثانی فی اللباس باب لبس الثوب الاحمر المکتب االاسلامی بیروت ۲/ ۴۴۴

[3] صحیح مسلم کتاب اللباس باب نھی الرجل عن التزعفر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۸

[4] القرآن الکریم ۲/ ۶۹

اور خالص سرخ غیر معصفر اضطراب اقوال ہے اور صحیح و معتمد جواز بلکہ علامہ حسن شرنبلالی نے فرمایا: اس کا پہننا مستحب۔ حق یہ کہ احادیث نہی سرخ معصفر کے بارے میں ہیں جیسے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مذکور سوال اور احادیث جواز سرخ غیر معصفر میں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا بیان جواز کے لئے ہے۔ منتخب الفتاوٰی میں ہے:

قال صاحب الروضۃ یجوز للرجال والنساء لبس الثواب الاحمر والاخضر بلاکراھۃ[1]۔	مصنف روضہ نے فرمایا: مردوں اور عورتوں کے لئے سرخ اور سبز کپڑا پہننا بغیر کراہت جائز ہے۔ (ت)

حاوی میں متعدد کتب سے نقل کیا:

یکرہ للرجال لبس المعصفر والمزعفر و المورس والمحمر ای الاحمر حریرا کان او غیرہ اذا کان فی صبغہ دم والافلا[2]۔	"معصر" (کسم کے رنگ سرخ کیا ہوا) اور "مزعفر" (زرد و زعفرانی رنگ) "مورس" (ورس سے رنگا ہوا) اور ویسے سرخ کپڑا خواہ ریشمی ہو یا نہ ہو جبکہ اس کے رنگ کرنے میں خون کی امیزش ہو، مردوں کے لئے ان سب کا استعمال کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر خون کی امیزش نہ ہو تو پھر کراہت نہیں۔ (ت)

مجمع الفتاوٰی میں ہے:

لو صبغ بالشجر البقم لایکرہ ولو صبغ بقشر الجوز عسلیا لایکرہ اجماعا[3]۔	اگر کپڑا درخت "بقم" سے رنگ لیا تو اس کا استعمال مکروہ نہیں۔ نیز اگر اخروٹ کے چھلکے سے شہد جیسی رنگ کرلی تو بالاتفاق مکروہ نہیں۔ (ت)

تحفۃ الاکمل علامہ حنس شرنبلالی میں جواز کی نقول کثیرہ لکھ کر فرمایا:

وجدنا نص الامام الاعظم علی الجواز ودلیلا قاطعا علی الاباحۃ وھو اطلاق الامر باخذ الزینۃ و وجدنا فی الصحیحین	حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ سے ہم نے جواز کی تصریح پائی اور اباحت پر ایک دلیل قاطع، اور زیب وزینت اختیار کرنے کے بارے میں ایک "مطلق امر" ہے (یعنی بغیر کسی قید اور پابند کرکے علی وجہ الاطلاق

---

[1] ردالمحتار بحوالہ منتخب الفتاوی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۸

[2] ردالمحتار بحوالہ الحاوی الزاھدی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۸

[3] ردالمحتار بحوالہ مجمع الفتاوی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۸

علی اوجه الاطلاق موجبه وبه تنتفی الحرمة والکراھة بل یثبت الاستحباب اقتداء بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	زیبائش کاحکم دیا گیا)اوربخاری ومسلم میں ہم نے اس کا موجب (سبب) پالیا۔لہٰذا اس سے حرمت اور کراہت ختم (منتفی) ہو گئی۔بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اقتداء (پیروی) کرتے ہوئے استحباب ثابت ہوگیا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذاالنقول مع ماذکرہ عن المجتبٰی و القھستانی وشرح ابی المکارم تعارض القول بکراھة التحریم ان لم یدع التوفیق محمل التحریم علی المصبوغ بالنجس اونحو ذلک۔[2]	یہ متعدد نقول بشمول ان اقوال جو المجتبٰی قہستانی اور شرح ابی المکارم میں مذکور ہیں کراہت تحریمی کے معارض اور متصادم ہیں جبکہ دونوں میں اس طرح موافقت اور مطابقت نہ پیدا کی جائے کہ قول بالحرمۃ کامبنٰی اور محل یہ ہے کہ رنگ کرنے میں نجاست یااس جیسی کسی ممنوع اور ناپاک چیز کی ملاوٹ ہو اور اگر یہ نہ ہو پھر قول بالجواز ہے۔(یعنی دونوں قولوں میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں)۔(ت)

بالجملہ انصاف یہ کہ شدت اختلاف کے باعث احتراز اولٰی اور اعتراض بے جا، عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

قال الامام الغزالی فی الاحیاء فی شروط المنکر ان یکون کونه منکرا معلوما بغیر اجتھاد فکل ما ہو فی محل الاجتھاد فلا حسبته فیه [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حجۃ الاسلام امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں ارشاد فرمایا: منکر کی شرائط میں یہ ہے کہ اس کامنکر ہونا بغیر اجتہاد معلوم ہو پھر جو محل اجتہاد میں ہو۔میں اس کو منکر گمان نہیں کرتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۴: عین الیقین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران ۱۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طریقہ مسنونہ دستار باندھنے کا کیاہے دہنی طرف سے یا بائیں طرف سے اور کس طرف سے شروع کرنا کیسا ہے؟ مع دلیل۔

[1] ردالمحتار بحوالہ تحفۃ الاکمل کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۸

[2] ردالمحتار بحوالہ تحفۃ الاکمل کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۸

[3] الحدیقہ الندیۃ الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱ /۱۵۷

الجواب:

حدیث میں ہے:

کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم یجب التیامن فی کل شیئ حتی فی تنعله[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر بات میں دہنی طرف سے ابتداء کو پسند فرماتے یہاں تک کہ جوتا پہننے میں۔

لہٰذا مناسب یہ ہے کہ عمامہ کا پہلا پیچ سر کی دہنی جانب جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۵: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ مولوی محمد ثناء اللہ صاحب طالب علم ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طریقہ مسنونہ دستار باندھنے کا کیا دہنے سے یا بائیں طرف سے۔ اور کس طرف سے شروع کرنا چاہئے؟

الجواب:

دہنی جانب پہلا پیچ لے جائیں۔

کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم یحب التیامن فی کل شیئ حتی فی تنعله[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر کام میں دائیں طرف سے ابتداء کو پسند فرماتے تھے یہاں تک کہ جوتا پہننے میں بھی (ت)

مسئلہ ۵۶: از پپی ڈاکخانہ خاص ضلع پشاور مدرسہ قادریہ محمودیہ مسجد چھنگری مسئولہ مولٰنا مولوی حمداللہ صاحب قادری محمودی ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعض صوفیہ بے علم شملہ ثانیہ کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ فقیر کے تلمیذ مولوی اسرار محمد کا بیان ہے کہ یہ جو بعض لوگ جزء اخیر دستار کو بالائے دستار کشادہ رکھتے ہیں جائز ہے کہ دلیل امتناع موجود نہیں تو اصل اباحت پر باقی ہے۔ یہ اصول فقہ کا مسلمہ مسئلہ ہے۔ فقیر نے اپنے تلمیذ کی تائید کی۔ اس بارے میں فیصلہ مفصلہ تحریر فرمائیں۔ والسلام

الجواب:

حدیث سے میرے خیال میں ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو شملے چھوڑے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب النہی عن الاستنجاء بالیمین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۲، اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الطہارۃ کیفیۃ الوضوء دار الفکر بیروت ۲/ ۳۶۱، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۰۲

[2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب النہی عن الاستنجاء بالیمین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۲، اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الطہارۃ کیفیۃ الوضوء دار الفکر بیروت ۲/ ۳۶۱، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۰۲

خیال ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سر پر دست اقدس سے عمامہ باندھا اور دو شملے چھوڑے۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سر پر اپنے دست انور سے عمامہ باندھنا اور آگے پیچھے دو شملے چھوڑنا سنن ابی داؤد [1] میں ہے۔ تو یہ سنت ہوا نہ کہ **معاذاللہ** بدعت سیئہ۔ فقیر اسی سنت کے اتباع سے بارہا دو شملے رکھتا ہے۔ مگر شملہ ایک بالشت سے کم نہ ہونا چاہئے۔ یہ جو بعض لوگ طرہ کے طور پر چند انگل اونچا سر پر چھوڑتے ہیں اس کا ثبوت میری نظر میں نہیں۔ نہ کہیں ممانعت۔ تو اباحت اصلیہ پر ہے۔ مگر اس حالت میں کہ یہ کسی شہر میں آوارہ وفساق لوگوں کی وضع ہو تو اس عارض کے سبب اس سے احتراز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** والسلام۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب العمائم آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۸

دیکھنا اور چھونا

پردہ، حجاب، ستر عورت، زناء، مُشت زنی، دیوثی، خلوت اور بلوغ وغیرہ سے متعلق

مسئلہ ۵۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جیسا کہ مرد کے واسطے غیر عورت کو دیکھنا حرام ہے ویسا ہی عورت کو غیر مرد کی طرف نظر کرنا حرام ہے۔ یا کچھ فرق ہے۔؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

دونوں صورتوں کا ایک حکم کچھ فرق نہیں۔

فان نظر کل الی عورته الاخر محرم قطعا وکذا الی غیر العورة ان لم یؤمن الشهوة هو الصحیح فی الفصلین ودرمختار [1] عن التاتارخانیه عن المضمرات اما عند الامن فالمنع لخوف الافتتان لفساد الزمان وفیه ایضًا	کیونکہ ہر ایک کا دوسرے کی عورت (یعنی مقام ستر) کو دیکھنا قطعی حرام ہے اور اسی طرح غیر جائے ستر کو دیکھنا بھی حرام ہے جبکہ شہوت سے امن نہ ہو، دونوں صورتوں میں یہی صحیح ہے۔ درمختار میں تاتارخانیہ سے بحوالہ المضمرات ہے اگر شہوت کا خطرہ نہ ہو تو پھر فتنہ کی وجہ سے ممانعت ہے۔ اور یہ فساد زمانہ کی وجہ سے ہے۔

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

یتفق الفصلان فافھم واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اسی میں یہ بھی ہے کہ دونوں صورتیں برابر ہیں لہٰذا اس کو سمجھ لیجئے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۸: از گلگت چھاؤنی جو ئنال مرسل سید محمد یوسف علی صاحب شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کہ زلخ لگانے کا اللہ پاک کیا گناہ فرماتا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجر پائے۔ت)

الجواب:

یہ فعل ناپاک حرام وناجائز ہے اللہ جل وعلانے اس حاجت کے پورا کرنے کو صرف زوجہ وکنیز شرعی بتائی ہیں اور صاف ارشاد فرمادیا ہے کہ:

"فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾" [1]	جو اس کے سوا اور کوئی طریقہ ڈھونڈھے تو ہی لوگ ہیں حد سے بڑھنے والے۔

حدیث میں ہے: **ناکح الید ملعون** [2] جلق لگانے والے پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔ہاں اگر کوئی شخص جوان تیز خواہش ہو کہ نہ زوجہ رکھتا ہو نہ شرعی کنیز اور جوش شہوت سخت مجبور کرے اور اس وقت کسی کام میں مشغول ہو جانے یا مردوں کے پاس جابیٹھنے سے بھی دل نہ بٹے غرض کسی طرح وہ جوش کم نہ ہو یہاں تک کہ یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ اس وقت اگر یہ فعل نہیں کرتا تو حرام میں گرفتار ہو جائے گا تو ایسی حالت میں زنا ولواطت سے بچنے کے لئے صرف بغرض تسکین شہوت نہ کہ بقصد تحصیل لذت و قضائے شہوت اگر یہ فعل واقع ہو تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالٰی مواخذہ نہ فرمائے گا۔پھر اس کے ساتھ ہی واجب ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو فورا نکاح یا خریداری کنیز شرعی کی فکر کرے ورنہ سخت گنہگار و مستحق لعنت ہوگا۔یہ اجازت اس لئے نہ تھی کہ اس فعل ناپاک کی عادت ڈال لے اور بجائے طریقہ پسندیدہ خدا ورسول اسی پر قناعت کرے۔طریقہ محمدیہ میں ہے:

اما الاستمناء فحرام الا عند شروط ثلثة ان یکون عزب وبہ شبق وفرط شھوۃ(بحیث لو لم یفعل	مشت زنی حرام ہے مگر تین شرائط کے ساتھ جواز کی گنجائش ہے: (۱) مجرد ہو اور غلبہ شہوت ہو (۲) شہوت اس قدر غالب ہو کہ بدکاری زناء

---

[1] القرآن الکریم ۷۰ /۳۱

[2] الحدیقہ الندیہ الصنف السابع من الاصناف التسعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲ /۴۹۱، الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ حدیث نمبر ۱۰۲۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۵۷

ذٰلك لحملته شدة الشهوة على الزناء او اللواط والشرط الثالث ان يريد به تكسين الشهوة لاقضائها [1] اھ مزیدا من شرحها الحدیقة الندیة۔	یالونڈے بازی وغیرہ کا اندیشہ ہو (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے محض تسکین شہوت مقصود ہو نہ کہ حصول لذت۔ طریقہ محمدیہ کی عبارت مکمل ہوگئی جس میں اس کی شرح حدیقہ ندیہ سے کچھ اضافہ بھی شامل ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

یکون (ای) واجبا عند التوقان [2]۔	غلبہ شہوت کے وقت نکاح کرنا واجب ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت وکذا فیما یظھر لو کان لایمکنه منع نفسه عن النظر المحرم او عن الاستمناء بالکف فیجب التزوج وان لم یخف الوقوع فی الزناء [3] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	**میں کہتاہوں** اور اسی طرح کچھ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حالت ایسی ہو کہ یہ اپنے آپ کو نظر حرام اور مشت زنی سے نہ روک سکے تو شادی کرنا واجب ہے۔ اگرچہ زناء میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اللہ تعالٰی ہی بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۵۹: از گلگت مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جو شخص اپنا ستر غلیظ کھول کر خواہ مخواہ ہر شخص کے سامنے آئے وہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

فاسق، فاجر سخت تعزیر شدید کا مستحق ہے۔ حدیث میں اس پر لعنت آئی کہ:

لعن اللّٰه الناظر والمنظور الیه، رواہ البیھقی فی شعب [4] الایمان عن الحسن مرسلا عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه۔	دیکھنے والا اور جس کی طرف دیکھا گیا دونوں ملعون ہیں (یعنی ان پر اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی ہے۔) امام بیہقی نے اس کو شعب الایمان میں بغیر سند نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حضرت حسن کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] الطریقه محمدیه الصنف السابع من الاصناف التسعة الاستمناء بالید مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲/ ۲۵۵، الحدیقه الندیه الصنف السابع من الاصناف التسعة الاستمناء بالید مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲/ ۴۹۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۵

[3] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۰

[4] شعب الایمان للبیھقی حدیث ۷۷۸۸ دارالکتب العلمیه بیروت ۶/ ۱۶۲

مسئلہ ۶۰: ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت میاں صاحب قبلہ دام ظلہم العالی ۳۰ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک فاحشہ مسلمہ سے پردہ جوآیا ہے وہ جس مصلحت سے معلوم ہے مگر ایسا موقع ہو کہ باہم فاحشہ اور غیر فاحشہ مسلمہ قرابت اخت عینی کی رکھتے ہوں تو وہ بھی اس حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ اور اگر کبھی کبھی بتقاضائے محبت خون اسے اپنے سے مل لینے دے توکیا مرتکب کبیرہ ہوگی؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاجروثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

قول علماء:

لاینبغی للمرأۃ الصالحۃ ان تنظر الیه المرأۃ الفاجرۃ کمافی السراج الوہاج والهندیۃ وردالمحتار[1]۔	یہ مناسب نہیں کہ نیک اور پارسا عورت کی طرف بدکار عورت دیکھے، جیساکہ سراج وہاج فتاوٰی ہندیہ اور رد المحتار میں ہے۔(ت)

اوراسی طرح ارشادالٰہی عزوجل:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[2]	اگر تجھے شیطان (بری مجلس سے اٹھ کر چلے جانا) بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ (کم از کم مزید تو) نہ بیٹھو۔(ت)

ہرصورت کو عام ہےاور مصلحت بھی عام بلکہ ایسی قرابت قریبہ میں براا ثر پڑنے کازیادہ احتمال کہ اجنبیہ سے نہ اتنا میل ہوتا ہے نہ اس کی طرف اتنا میل۔

والمهاجرۃ لامثال هذا لایعد من القطع المنهی عنه فقد صح مثله عن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم فی اقل من هذا منهم عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	اس قسم کے چھوڑنے کو اس انقطاع میں شمار نہیں کیا جاتا کہ حدیث میں جس کی نہی وارد ہوئی ہے کیونکہ اس سے کم درجہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس نوع کی کاروائی بصحت ثابت ہے ان میں سے نہیں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہیں(ت)

ہاں یہ حکم احتیاطی ہے اگر نادرا کبھی کچھ دیر کو اسے مل لینے دے توکبیرہ نہیں کمایدل علیه

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ بالنظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

قولھم لاینبغی (جیسا کہ اس پر ان کے قول "یہ مناسب نہیں" سے دلیل دی جاسکتی ہے) مگر احتیاط ضروری ہے جب دیکھے کہ اب کچھ بھی برا اثر پڑتا معلوم ہوتا ہے فوراً انقطاع کلی کرے اور اس کی صحبت کو آگ جانے، اور انصاف یہ ہے کہ برا اثر پڑتے معلوم نہیں ہوتا اور جب پڑ جاتا ہے تو پھر احتیاط کی طرف ذہن جانا قدرے دشوار ہے لہٰذا امان و سلامت جدا رہنے ہی میں ہے **وباللہ التوفیق** (اور اللہ تعالٰی ہی کی مدد سے توفیق میسر آتی ہے۔ت)

مولانا قدس سرہ العزیز مثنوی شریف میں فرماتے ہیں: ؎

تاتوانی دور شو از یار بد　　یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمیں بر جان زند　　یار بد بر جان وایمان زند[1]

(جب تک ممکن ہو برے یار (ساتھی) سے دور رہو کیونکہ برا ساتھی برے سانپ سے بھی زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے اس لئے کہ خطرناک سانپ تو صرف جان یعنی جسم کو تکلیف یا نقصان پہنچاتا ہے جبکہ برا ساتھی جان اور ایمان دونوں کو برباد کردیتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی شیخ احمد جان صاحب مرحوم مرسلہ محمد احمد صاحب ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عورت جوان یا بڑھیا کسی عالم شریعت، واقف طریقت جامع شرائط سے بیعت کرے اور اپنے پیر سے فیض لے حجاب شرعی تو ہو یعنی کل بدن چھپا ہوا بلا چہرے کے مگر حجاب عرفی نہ ہو تو یہ بیعت کرنے اور اس طریق سے فیض لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پردہ کے باب میں پیر وغیر پیر ہر اجنبی کا حکم یکساں ہے جوان عورت کو چہرہ کھول کر بھی سامنے آنا منع ہے۔

فی الدرالمختار تمنع المرأۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین رجال لخوف الفتنۃ[2]۔	درمختار میں ہے کہ جوان عورت کو اندیشہ فتنہ کی وجہ سے مردوں کے سامنے چہرہ کشائی سے روکا جائے۔(ت)

[1] گلدستہ مثنوی بکھرے موتی نذیر سنز لاہور ص ۹۴ و ۹۵

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۶

اسی میں ہے:

امافی زماننافمنع من الشابۃ قھستانی [1]۔	لیکن ہمارے زمانے میں جوان لڑکی کو نقاب کشائی سے منع کیا گیا ہے۔ قہستانی (ت)

اور بڑھیاکے لئے جس سے احتمال فتنہ نہ ہو مضائقہ نہیں۔

فیہ ایضًا اما العجوز التی لاتشتھی فلا بأس بمصافحتھا ومس یدھا ان امن [2]۔	اسی کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ ایسی بوڑھی عورت جو نفسانی یعنی جنسی خواہش نہ رکھتی ہو اس سے مصافحہ کرنے اور اس کے ہاتھ کو مس کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اطمینان خاطر حاصل ہو۔ (ت)

مگر ایسے خاندان کی نہ ہو جس کایوں بھی سامنے آنااس کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار یاخود اس کے واسطے وجہ انگشت نمائی ہو۔

فانا قدامرنا ان ننزل الناس منازلھم کما فی حدیث [3] ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنھا وفی حدیث مرفوع ایاك ومایسوء الاذن [4]۔	اس لئے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیاکہ ہم لوگوں سے ان کے مراتب کے مطابق سلوک کریں جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں آیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اپنے آپ کو ان باتوں سے بچاؤ جو کانوں کو بری لگیں (ت)

خصوصا جبکہ اس کے سبب جانب اقربا سے احتمال ثوران فساد ہو فان الفتنۃ اکبر من القتل (کیونکہ فتنہ برپا کرنا قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۲: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی شیخ احمد جان صاحب مرحوم مرسلہ محمد احمد صاحب ۲۸ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی اپنے پیر ومرشد کے پیر چوم لے بطور بزرگی کے تو درست ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جائز ہے۔ ابوداؤد [5] وغیرہ کی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کحدیث وفد عبدالقیس

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲۔۲۴۱

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲۔۲۴۱

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب تنزیل الناس منازلھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

[4] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶

[5] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب قبلۃ الرجل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

وغیرهم من الصحابة[1] رضی اللہ تعالٰی عنهم (جیسا کہ وفد عبدالقیس وغیرہ کی حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے۔ت) اس بارہ میں فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے مفصل کلام لکھا کہ ہمارے مجموعہ فتاوٰی میں منسلک ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۳: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی شیخ احمد جان صاحب مرحوم مرسلہ محمد احمد صاحب ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نہایت نیک بخت ہے وہ چاہتی ہے کہ کسی بزرگ عالم شریعت اور واقف طریقت سے بیعت حاصل کرکے صفائی قلب اور صفائی باطن حاصل کروں مگر اس کا خاوند اس کار خیر سے بند کرتا ہے۔ آیا اگر وہ عورت اپنے خاوند کی چوری کسی صالح بزرگ سے بیعت حاصل کرے تو درست ہے یا نہیں اور بلا اطلاع اپنے خاوند کے تعلیم سلوک باطنیہ کی اپنے پیر سے جا کرلے تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا یوم الحساب** (بیان فرماؤ تاکہ بروز قیامت اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

عالم عامل عارف کامل کے ہاتھ پر شرف بیعت حاصل کرنے اور اس سے علم دین وراہ سلوک سیکھنے کے لئے شوہر کی اجازت درکار نہیں۔ نہ اس باب میں اس کی ممانعت کا لحاظ لازم جب کہ اس کے حقوق میں کسی خلل کا اندیشہ نہ ہو۔

فی کتاب الجهاد من البحر والنهر والدر وغیرها انما یلزمها امره فیما یرجع الی النکاح وتوابعه[2]۔	چنانچہ البحر الرائق، النہر الفائق، الدر وغیرہ اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں کتاب الجہاد میں ہے کہ عورت پر مرد کی اطاعت ان معاملات میں ضروری ہے کہ جن کا مرجع نکاح اور اس کے متعلقات ہوں۔

ہاں امر غیر واجب عینی کے سیکھنے کو پیر کے گھر بے اذن شوہر جانے کی اجازت نہیں ہوسکتی بلکہ واجب کے لئے بھی جبکہ شوہر کے توسط سے سیکھ سکتی ہو۔

والمسألة دائرة فی الکتب سائرة وقد فصلناها بتوفیق اللہ تعالٰی فی کتاب النکاح من فتاوٰنا۔	یہ مسئلہ کتب فقہ میں دائر یعنی گھومنے والا اور سائر یعنی چلنے والا ہے چنانچہ اللہ تعالٰی کے توفیق دینے سے ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی کی بحث نکاح میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب قبلة الرجل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

[2] الدر المختار کتاب الجهاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۹

بلکہ اجنبی مردوں کے پاس بے ضرورت شرعیہ باذن شوہر جانے کی اجازت نہیں۔

حتی لو اذن کانا عاصیین کما فی الخلاصۃ والاشباہ [1] والدر وغیرہا من الاسفار الغروان بغیت التفصیل فعلیك بفتاوٰنا ومن لم یعرف ناس زمانہ فھو جاھل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حتی کہ اگر شوہر بیوی کو بغیر ضرورت شرعی باہر جانے کی اجازت دے تو بصورت عمل میاں بیوی دونوں گنہگار ہوں گے جیسا کہ خلاصہ، الاشباہ، الدر اور دوسری بڑی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر تمھیں تفصیل مطلوب ہو تو ہمارے فتاوٰی سے رجوع کریں۔ اور جو شخص اپنے زمانے کے لوگوں کی معرفت نہیں رکھتا وہ نرا جاہل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۴: از شہر کہنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص غیر منکوحہ عورت بالغہ سے خدمت لے اور کوئی شے اس لحاظ سے کہ مجھے ملے اور میں دل خوش کروں اور پاؤں دباؤں اور آپس میں باتیں کروں اور ایک ہی مکان میں رہنا اور عورت مذکورہ غیر محرم ہو تو یہ سب جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جو عورت حد شہوت کو نہ پہنچے یعنی ہنوز نو برس سے کم عمر کی ہے یا حد فتنہ سے نکل گئی یعنی ضعیفہ بڑھیا بد صورت کریہہ منظر ہے اس سے جائز خدمت یعنی اگرچہ خلوت میں بھی ہو حرام نہیں۔ اور جو عورت اجنبیہ ان دونوں صورتوں سے جدا ہے وہ محل اندیشہ فتنہ ہے اس سے خلوت حرام ہے اور اگر بلا خلوت روٹی پکانے وغیرہ کے کام پر ہے تو مضائقہ نہیں۔ باقی رہا پاؤں دبانا دبوانا اس سے تنہائی میں باتیں کرکے نفس کو خوش کرنا یہ خود صریح حرام اور شیطانی کام ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

مسئلہ ۶۵: از ایوان کچہری فوجداری مجسٹریٹ مرسلہ بخش اللہ خاں ۳ رمضان مبارک ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورات طوائف پیشہ خواہ بلا نکاح ایک کی پابند ہوں یا نہ ہوں ان سے اور ان کے ذکور سے اختلاط و اتحاد رکھنا اور شادی اور مجلسوں میں اپنے مکانات پر ان کو بطور برادرانہ بلانا اور اپنی عورتوں کو بے پردہ طوائفوں کے سامنے کرنا اور جو لوگ شامل و شریک ان طوائفوں کے رہتے ہیں ان کو بہ نیت ترقی اعزاز و افتخار ایک دستر خوان پر اور دیگر اہل اسلام کو بھی ان کے ساتھ کھلانا پلانا اور ایسے ذکور روانات کے یہاں خود جاکر کھانا اور دوسروں کو طوائفوں کی دعوتوں میں

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح الفصل الخامس عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۵۳

لے جانا اور جو مسلمان ایسے برتاؤ کو اچھا نہ سمجھتا ہو اس کو برا کہنا بلکہ اس رواج کے قائم دائم اپنی کوشش کرنا یہ سب جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟ اور موروثوں کو نابالغ بچوں کو فحش گیت گانے یا فحش کلام کرنے سے منع نہ کرنا کس درجہ کا گناہ ہے؟ کتاب سے بیان فرماؤ رحمٰن سے ثواب پاؤگے۔

الجواب:

ایسی حرکات نہایت شنیع وناپاک اور ایسے اشخاص سراسر خطاکار وبیباک اور ایسے برتاؤ معاذاللہ باعث عذاب وہلاک ہیں، رنڈی اگرچہ بلانکاح ایک کی پابند ہو علانیہ فاحشہ زانیہ اور اس کے مرد قلتبان و دیوث ہیں، یہ سب کے سب ہر وقت اللہ عزوجل کے غضب میں ہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تفتح ابواب السماء نصف اللیل فینادی مناد ہل من داع فستجاب له هل من سائل فیعطی هل من مکروب فیفرج عنه لا یبقی مسلم یدعو الله بدعوة الا استجاب الله عزوجل له الا زانیة تسعی بفرجها او عشار، رواه احمد بسند مقارب والطبرانی [1] فی الکبیر واللفظ له عن عثمان بن ابی العاص رضی الله تعالٰی عنه۔	آدھی رات کو آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور منادی ندا کرتا ہے کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول فرمائی جائے۔ ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کریں۔ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ اس کی مشکلکشائی ہو۔ اس وقت جو مسلمان اللہ عزوجل سے کوئی دعا کرتا ہے مولٰی سبحانہ وتعالٰی قبول فرماتا ہے مگر زانیہ کہ اپنی فرج کی کمائی کھاتی ہے۔ یا لوگوں سے بے جا محاصل تحصیلنے والا۔ (امام احمد نے اس کو سند مقارب کے ساتھ روایت کیا۔ اور امام طبرانی نے "الکبیر" میں روایت کی اور الفاظ اسی کے ہیں حضرت عثمان بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمائی۔ ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لا یدخلون الجنة ابدا الدیوث والرجلة من النساء ومدمن الخمر۔ رواه الطبرانی [2] عن عمار بن یاسر رضی الله تعالٰی عنهما بسند حسن۔	تین شخص کبھی جنت میں نہ جائیں گے دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت اور شرابی (امام طبرانی نے اس کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب حدیث ۷۵ ۳۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۰۵، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الزکوٰۃ باب فی العشارین والعرفاء دارالکتاب بیروت ۳/ ۸۸

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب النکاح باب فیمن یرضی لاہلہ بالخبث دارالکتاب بیروت ۴/ ۳۲۷

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه و الدیوث و رجلة النساء، رواہ الحاکم فی المستدرك [1] و البیهقی فی الشعب بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کو آزار دینے والا اور دیوث اور مرد بننے والی عورت، (حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب میں صحیح سند کے ساتھ اسے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

یہ لوگ کہ ان بدکار عورتوں دیوث مردوں سے دوستی رکھتے ہیں روز قیامت انھیں کے ساتھ اٹھیں گے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحب رجل قوما الاجعله اللہ معهم، رواہ النسائی [2] عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو جس قوم سے محبت رکھے گا اللہ تعالٰی اسے انھیں کے ساتھ کردے گا (اسے نسائی نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من احب قوما حشرہ اللہ فی زمرتهم رواہ الطبرانی [3] فی الکبیر والضیاء فی المختارہ عن ابی قرصافة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو جس قوم سے دوستی کرے گا اللہ تعالٰی انھیں کے گروہ میں اٹھائے گا۔(طبرانی نے معجم کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں حضرت ابوقرصافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

المرء مع من احب۔رواہ الشیخان [4] عن ابن مسعود عن انس رضی اللہ تعالٰی	آدمی اپنے دوست کے ساتھ ہوگا (اس کو امام بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ

[1] المستدرك للحاکم کتاب الایمان دارالفکر بیروت ۱/ ۷۲، شعب الایمان حدیث ۱۰۷۹۹ دارالکتب العلمیه بیروت ۷/ ۴۱۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن عائشه ۶/ ۱۶۰، ۱۴۵ و کنز العمال حدیث ۳۴۴۲۲ ۱۵/ ۸۶۰

[3] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۱۹ المکتبه الفیصلیة ۳/ ۱۹

[4] صحیح البخاری کتاب الآداب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۱، صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب المرء مع من احب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۲

عنہما، ہو متواتر۔	تعالٰی عنہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا یہ حدیث متواتر ہے۔ت)

اُن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے کا حال بھی سن لیجئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اول مادخل النقص علی بنی اسرائیل کان الرجل یلقی الرجل فیقول یاھذا اتق اللہ ودع ماتصنع فانہ لایحل لك ثم یلقاہ من الغدوھو علی حالہ فلا یمنعہ ذٰلك ان یکون اکیلہ وشریبہ وقعیدہ فلما فعلوا ذٰلك ضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض ثم قال لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسٰی ابن مریم ذٰلك بما عصوا وکانوا یعتدون o کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ماکانوا یفعلون o الحدیث۔ رواہ ابوداؤد[1] واللفظ لہ والترمذی وحسنہ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بنی اسرائیل میں پہلی خرابی جوآئی وہ یہ تھی کہ ان میں ایک شخص دوسرے سے ملتا اس سے کہتا اے شخص! اللہ سے ڈر اور اپنے کام سے باز آکہ یہ حلال نہیں پھر دوسرے دن اس سے ملتا اور وہ اپنے اسی حال پر ہوتا تو یہ مرد اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے پاس بیٹھنے سے نہ روکتا جب انھوں نے یہ حرکت کی اللہ تعالٰی نے ان کے دل باہم ایک دوسرے پر مارے کہ منع کرنے والوں کا حال بھی انھیں خطا والوں کے مثل ہوگیا۔ پھر فرمایا بنی اسرائیل کے کافر لعنت کے گئے داؤد و عیسٰی بن مریم کی زبان پر۔ یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کام سے نہ روکتے تھے۔ البتہ یہ سخت بری حرکت تھی کہ وہ کرتے تھے۔ (امام ابوداؤد نے حدیث مذکور کو روایت کیا اور یہ الفاظ انھیں کے ہیں۔ امام ترمذی نے اس کی تحسین فرمائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا۔ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[2]	اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھ۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدۃ تحت آیۃ لعن الذین کفروا الخ امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۳۰، سنن ابی داؤد کتاب الملاحم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

تفسیر احمدی میں ہے:

ھم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع [1]۔	ظالم لوگ بدمذہب اور فاسق اور کافر ہیں ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔

مروی ہوا اللہ عزوجل نے یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی میں تیری بستی سے چالیس ہزار اچھے اور ساٹھ ہزار برے لوگ ہلاک کروں گا۔ عرض کی الٰہی! برے تو برے ہیں اچھے کیوں ہلاک ہوں گے۔ فرمایا:

انھم لم یغضبوا بغضبی واٰکلوھم وشاربوھم رواہ ابن ابی الدنیا[2] وابوالشیخ عن ابراھیم عن عمر الصنعانی۔	اس لئے کہ جن پر میرا غضب تھا انھوں نے ان پر غضب نہ کیا اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہے (ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ابراہیم سے انھوں نے عمر صنعانی سے اس کو روایت کیا۔ (ت)

ایسے لوگ شرعا مستحق تذلیل واہانت ہیں اور نماز کی امامت ایک اعلٰی درجہ کی تعظیم وتکریم ہے۔ شرع مطہر جس کی اہانت کا حکم دے اس کی تعظیم کیونکر روا ہوگی، ولہٰذا علماء کرام فرماتے ہیں کہ فاسق اگرچہ سب موجود میں سے علم میں زائد ہو اسے امام نہ کیا جائے کہ امامت میں اس کی تعظیم ہو حالانکہ شرعا اس کی توہین واجب ہے۔ مراقی الفلاح وفتح اللہ المعین وطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

اما الفاسق الاعلم فلا یقدم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا [3]۔	امام کے طور پر کسی فاسق کو برائے امامت آگے کرنا جائز اور درست نہیں خواہ وہ بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے اور فاسق کی تعظیم نہیں بلکہ ازروئے شرع اس کی توہین ضروری ہوتی ہے۔ (ت)

اپنی عورتوں کو رنڈیوں کے سامنے بے پردہ حجاب کرنے والے ان سے میل ملاقات کرانے والے یا سخت احمق مجنون بدعقل ہیں یا نرے بے حیا بے غیرت بے شرم۔ عورت موم کی ناک بلکہ رال کی پڑیاں بلکہ بارود کی ڈبیا ہے آگ ایک ادنٰی سے لگاؤ میں بھق سے ہوجانے والی ہے عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص اور طینت میں کجی اور شہوت میں مرد سے سو حصہ بیشی، اور صحبت بد کا اثر مستقل مردوں کو بگاڑ دیتا

---

[1] التفسیرات الاحمدیہ زیر آیت واما ینیسنك الشیطن فلا تقعد مطبعہ کریمیہ بمبئی ص ۳۸۸

[2] فیض القدیر بحوالہ ابن ابی الدنیا تحت حدیث ۲۱۳۶ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۹۹

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۳

ہے۔ پھر ان نازک شیشوں کا کیا کہنا، جو خفیف ٹھیس سے پاش پاش ہوجائیں۔ یہ سب مضمون یعنی عورات کا ناقصات العقل والدین اور کج طبع اور شہوت میں زائد اور نازک شیشیاں ہونا صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوئے ہیں۔ اور صحبت بد کے اثر میں تو بکثرت احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ ازاں جملہ یہ حدیث جلیل کہ مشکوٰۃ حکمت نبوت کی نورانی قندیل ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کمثل صاحب المسك وکیر الحداد لایعدمك من صاحب المسك اما ان تشتریه اوتجد ریحه وکیر الحداد یحرق بیتك او ثوبك اوتجد منه ریحا خبیثة وفی حدیث ان لم یصبك من سوادہ اصابك من دخانه، رواہ البخاری[1] عن ابی موسٰی الاشعری والمتاخر لابی داؤد والنسائی عن انس رضی الله تعالٰی عنهما۔	اچھے مصاحب اور برے ہمنشین کی کہاوت ایسی ہے جیسے مشک والا اور لوہار کی بھٹی کہ مشک والا تیرے لئے نفع سے خالی نہیں یا تو تو اس سے خریدے گا کہ خود بھی مشک والا ہوجائے گا ورنہ خوشبو تو ضرور پائے گا۔ اور لوہار کی بھٹی تیرا گھر پھونک دے گی یا کپڑے جلادے گی یا کچھ نہیں تو اتنا ہوگا کہ تجھے بدبو پہنچے۔ اگر تیرے کپڑے اس سے کالے نہ ہوئے تو دھواں تو ضرور پہنچے گا۔ (امام بخاری نے اسے حضرت ابوموسٰی اشعری سے روایت کیا ہے اور پچھلی حدیث ابوداؤد ونسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے۔ (ت)

فحش گیت شیطانی رسم اور کافروں کی ریت ہے۔ شیطان ملعون بے حیا ہے اور اللہ عزوجل کمال حیاوالا۔ بیحیائی کی بات سے حیا والا ناراض ہوگا اور وہ بے حیاؤں کا استاد انھیں اپنا مسخرہ بنائے گا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الجنة حرام علی کل فاحش ان ید خلها اخرجه ابن ابی الدنیا[2] فی فضل الصمت و ابو نعیم فی الحلیة عن عبدالله بن عمرو	جنت ہر فحش بکنے والے پر حرام ہے۔ (محدث ابن ابی الدنیا نے فضل الصمت میں اور محدث ابو نعیم نے حلیہ، میں حضرت عبداللہ بن عمرو

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب فی العطار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۸۲، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب من یومران یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۸

[2] موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۳۲۵ موسسۃ الرسالہ المکتبہ الثقافیہ بیروت ۵/ ۲۰۶

رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی۔ت)

یونہی بے ضرورت وحاجت شرعیہ لوگوں سے فحش کلامی بھی ناجائز وخلاف حیاء ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار ،رواہ الترمذی [1] والحاکم و البیہقی فی الشعب عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہم بسند صحیح۔	حیاء ایمان سے ہے،اور ایمان جنت میں ہے اور فحش بکنا بے ادبی ہے اور بے ادبی دوزخ میں ہے۔(ترمذی اور حاکم نے اس کی روایت فرمائی اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں سند صحیح کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی للہ تعالٰی عنہم سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الحیاء والعی شعبتان من الایمان والبذاء والبیان شعبتان من النفاق۔احمد [2] والترمذی وحسنہ الحاکم وصححہ عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	شرم اور کم سخنی ایمان کی دو شاخیں ہیں اور فحش بکنا اور زبان کا طرار ہونا نفاق کے دو ۲ شعبے ہیں (امام احمد اور ترمذی نے اس کی روایت اور تحسین فرمائی اور حاکم نے بتصحیح اس کی روایت کی اور سب نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ماکان الفحش فی شیئ قط الاشانہ وماکان الحیاء فی شیئ قط الازانہ۔احمد [3] والبخاری	فحش جب کسی چیز میں دخل پائے گا اسے عیب دار کردے گا اور حیاء جب کسی چیز میں شامل

[1] جامع الترمذی کتاب البروالصلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲،المستدرك للحاکم کتاب الایمان دار الفکر بیروت ۱/ ۵۲

[2] جامع الترمذی کتاب البروالصلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۳،المستدرك للحاکم کتاب الایمان ۱/ ۵۲ مسند احمد بن حنبل عن ابی امامۃ باھلی ۵/ ۲۶۹

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب الحیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۸،مسند احمد بن حنبل عن انس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۶۵

فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجة عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	ہو گی اس کا سنگار کر دے گی۔ (امام احمد اور بخاری نے "الادب المفرد" میں ترمذی اور ابن ماجہ نے بسند حسن حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

البذاء شوم۔اخرجہ الطبرانی[1] عن ابی الدردا رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	فحش بکنا منحوس ہے۔ (طبرانی نے ابی درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن اسے روایت کیا ہے۔ت)

یحیٰی بن خالد نے کہا:

اذا رایت الرجل بذی اللسان وقاحادل علی انہ مدخول فی نسبہ، حکاہ المناوی فی التیسیر[2]۔	جب تو کسی کو دیکھے کہ فحش بکنے والا بے حیاء ہے تو جان لے کہ اس کی اصل میں خطا ہے۔ (مناوی نے تیسیر میں اس کی حکایت فرمائی۔ت)

بچپن سے جو عادت پڑتی ہے کم چھوٹتی ہے تو اپنے نابالغ بچوں کو ایسی ناپاکیوں سے نہ روکنا ان کے لئے **معاذاللہ** جہنم کا سامان تیار کرنا اور خود سخت گناہ میں گرفتار ہونا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝"[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر سخت درشت خو فرشتے موکل ہیں کہ اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انھیں فرمایا جائے وہی کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو نیک عادتوں کی توفیق دے اور بری عادتوں بری باتوں سے پناہ بخشے آمین۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] الجامع الصغیر برمز طب عن ابی الدرداء حدیث ۳۱۹۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۹۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر برمز عن ابی الدرداء تحت حدیث ۳۱۹۵ مکتبہ الامام الشافعی الریاض ۱/ ۴۳۸

[3] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

مسئلہ ۶۶:

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ کسی لڑکے کو اپنے ماں باپ اور بہنوں کے ایک مکان کی موجودگی میں اسی مکان کی کوٹھری میں کسی غیر عورت کے ساتھ زناکاری اور ہم مجلس ہونا کیسا ہے یعنی ماں باپ کو اس کی حرکت کا متحمل ہونا چاہئے یا نہیں، کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجروثواب پائے۔ت)

الجواب:

زناکاری یا اجنبیہ عورت سے خلوت جہاں ہو حرام ہے خصوصًا باپ کے محل حضور میں دوسرا کبیرہ سخت واشد اور اس میں شامل ہے یعنی باپ کے ساتھ گستاخی اس کو ایذارسانی، ایسے شخص کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا کہ "وہ اور دیوث جنت میں نہ جائیں گے" باپ کو ایسی حرکت ناپاک کا تحمل کرنا ہر گز روا نہیں بلکہ جہاں تک حد قدرت ہو باز رکھے۔ نہ باز رہے تو گھر سے دور کرے ورنہ اس کی آفت اس پر بھی آئے گی۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی** (خدا کی پناہ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۷ تا ۷۱: از شہر کہنہ ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) زید اپنی زوجہ کو پردہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے، دیور، بہنوئی وغیرہ سے پردہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید کی زوجہ پردہ کرنے سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اپنے کنبہ میں ایسے قریب رشتہ کے پردہ کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ رسم بزرگوں سے جاری ہے میں ہر گز پردہ نہ کروں گی بدیں وجہ دیگر اشخاص کے گھر کی نسبت اور مثال دیتی ہے کہ یہ لوگ بھی اس طریقہ کے پابند نہیں ہیں میں کیونکر پابندی کروں۔

(۳) وہ ہی لوگ جن کو کہ ایسے قریب کے رشتہ کے پردہ سے انکار ہے درپردہ فتنہ وفساد ہیں بلکہ مسماۃ کو ترغیب بد دینے والے اور کہنے والے ہیں کہ ایسے نوایجاد طریقوں سے اب یہ گھر برباد ہوگا۔ ان شخصوں کا یہ خیال بد کیسا ہے اور ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۴) وہ لوگ جو کہ رشتہ میں دیور وبہنوئی وغیرہ پردہ کرنے سے ناراض ہوتے ہیں بلکہ طعن کرتے ہیں کہ یہ خوب نیا رسم جاری ہے۔

(۵) زوجہ زوج سے اسی سبب سے کہتی ہے کہ تم مجھ کو طلاق دے دو ورنہ میں پردہ ہرگز نہ کروں گی ان لوگوں سے تو اس زوجہ کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جیٹھ، دیور، بہنوئی، پھپا، خالو، چچازاد، ماموں زاد پھپی زاد، خالہ زاد بھائی یہ سب لوگ عورت کے لئے محض اجنبی ہیں بلکہ ان کا ضرر نرے بیگانے شخص کے ضرر سے زائد ہے کہ محض غیر آدمی گھر میں آتے ہوئے ڈرے گا اور یہ آپس کے میل جول کے باعث خوف نہیں رکھتے عورت نرے اجنبی شخص سے دفعۃً میل نہیں کھا سکتی اور ان سے لحاظ ٹوٹا ہوتا ہے۔ ولہذا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غیر عورتوں کے پاس جانے کو منع فرمایا ایک صحابی انصاری نے عرض کی، یارسول اللہ ! جیٹھ دیور کے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا:

الحمو الموت، رواہ احمد [1] والبخاری عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جیٹھ دیور تو موت ہیں۔ امام احمد اور بخاری نے اسے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

خصوصًا جو وضع لباس وطریقہ پوشش اب عورات میں رائج ہے کہ کپڑے باریک جن میں سے بدن چمکتا ہے یا سر کے بالوں یا گلے یا بازو یا کلائی یا پیٹ یا پنڈلی کا کوئی حصہ کھلا ہو یوں تو خاص محارم کے جن سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے کسی کے سامنے ہونا سخت حرام قطعی ہے اور اگر بفرض غلط کوئی عورت ایسی ہو بھی کہ ان امور کی پوری احتیاط رکھے کپڑے موٹے سر سے پاؤں تک پہنے رہے کہ منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں تلووں کے سوا جسم کا کوئی بال کبھی نہ ظاہر ہو تو اس صورت میں جبکہ شوہر ان لوگوں کے سامنے آنے کو منع کرتا اور ناراض ہوتا ہے تو اب یوں سامنے آنا بھی حرام ہوگیا۔ عورت اگر نہ مانے گی اللہ قہار کے غضب میں گرفتار ہوگی جب تک شوہر ناراض رہے گا عورت کی کوئی نماز قبول نہ ہوگی اللہ کے فرشتے عورت پر لعنت کریں گے اگر طلاق مانگے گی منافقہ ہوگی۔ جو لوگ عورت کو بھڑکاتے شوہر سے بگاڑ پر ابھارتے ہیں وہ شیطان کے پیارے ہیں۔

حدیث ۱: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لاتجاوز صلوٰتھم اذانھم العبد الابق حتی یرجع وامرأۃ باتت وزوجھا علیھا ساخط وامام قوم	تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں اٹھتی، آقا سے بھاگا ہوا غلام جب تک پلٹ کر نہ آئے۔ اور عورت کہ سوائے اور اس کا شوہر اس سے

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب لایخلون رجل بامرأۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۷، مسند احمد بن حنبل عن عقبہ بن عامر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۴۹ و ۱۵۳، جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۳۹

وھم له کارھون۔رواہ الترمذی [1] وحسنه عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه۔	ناراض ہو اور جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس کے عیب کے باعث اس کی امامت پر راضی نہ ہوں (امام ترمذی نے اس کو حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہوئے اس کی تحسین فرمائی۔ت)

حدیث ۲: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لاترفع صلاتھم فوق رؤسھم شبرا رجل ام قوما وھم له کارھون وامرأة باتت وزوجھا علیھا ساخط واخوان متصارمان،رواہ ابن ماجة [2] ابن حبان بسند حسن عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنھما۔	تین آدمیوں کی نماز ان کے سروں سے بالشت بھراوپر بلند نہیں ہوتی۔ایک وہی امام اور عورت کے سوائے اور شوہر ناراض ہے اور دو بھائی کہ آپس میں علاقہ محبت قطع کئے ہوں۔(ابن ماجہ اور ابن حبان نے بسند حسن اسے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایقبل الله لھم صلوة ولاتصعدلھم الی السماء حسنة العبدالاٰبق حتی یرجع الی موالیه فیضع یدہ فی ایدیھم والمرأة الساخط علیھا حتی یرضی والسکران حتی یصحو رواہ الطبرانی فی الاوسط [3] وابناء خزیمة وحبان فی صحیحھماعن جابر	تین شخصوں کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی نہ کوئی نیکی آسمان کو چڑھے،بھاگا ہوا غلام جب تک اپنے آقاؤں کی طرف پلٹ کر اپنے آپ کو ان کے قابو میں دے۔اور عورت جس سے اس کا خاوند ناراض ہو یہاں تک کہ راضی ہوجائے اور نشے والا جب تک ہوش میں آئے۔(طبرانی نے "الاوسط" میں ابن خزیمہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب من ام قوما وہم لہ کارھون امین کمپنی دہلی ۱/ ۴۷

[2] سنن ابن ماجہ ابواب اقامة الصلوٰۃ باب من ام قوما وھم لہ کارھون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹، الترغیب والترھیب بحوالہ ابن ماجہ وابن حبان الترھیب من امامة الرجل القوم الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۱۴

[3] المعجم الاوسط حدیث ۹۲۲۷ عن جابر بن عبداللہ مکتبہ المعارف الریاض ۱۰/ ۰۸،۱۰۷، صحیح ابن خزیمہ حدیث ۹۴۰ المکتب الاسلامی ۲/ ۶۹ و موارد الظمآن حدیث ۱۲۹۷ ص ۳۱۵، الترغیب والترھیب بحوالہ المعجم الاوسط وابن خزیمہ وابن حبان والترھیب من شرب الخمر ۳/ ۲۶۱

بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں اس کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

حدیث ۴: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا باتت المرأۃ ھاجرۃ فراش زوجھا لعنتھا الملئکۃ حتی تصبح۔ رواہ البخاری [1] ومسلم والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب عورت اپنے شوہر کا بچھونا چھوڑ کر سوئے تو صبح تک اس پر فرشتے لعنت کریں (اسے امام بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المرأۃ اذا خرجت من بیتھا وزوجھا کارہ لذلك لعنھا کل ملك فی السماء وکل شیئ تمر علیہ غیر الجن و الانس حتی ترجع۔ روہ الطبرانی [2] فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو عورت اپنے گھر سے باہر جائے اور اس کے شوہر کو ناگوار ہو جب تک پلٹ کر نہ آئے آسمان میں ہر فرشتہ اس پر لعنت کرے اور جن وآدمی کے سوا جس جس چیز پر گزرے سب اس پر لعنت کریں (طبرانی نے الاوسط میں ابن عمر رضی اللہ تالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ت)

حدیث ۶: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرأۃ سألت زوجھا الطلاق من غیر بأس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ۔ رواہ احمد [3] و	جو عورت بے ضرورت شرعی خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔ (امام احمد،

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب اذا باتت المرأۃ مہاجرۃ فراش زوجھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۲، صحیح مسلم کتاب النکاح باب تحریم امتناعھا من الفراش زوجھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۴

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۵۱۷ مکتبۃ المعارف الریاض ۱/ ۳۱۴

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق کراھیۃ الخلع للمرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۹، مسند امام احمد عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۷۷، المستدرك للحاکم کتاب الطلاق کراہیۃ سوال الطلاق عن الزوج المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۰

ابوداؤد والترمذی وحسنه وابن ماجة وابن حبان والحاکم وقال صحیح علی شرط البخاری ومسلم واقروہ عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی تحسین فرمائی۔ ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے بخاری ومسلم کی شرط پر اسے صحیح قرار دیا۔ پھر ان سب نے اسے برقرار رکھتے ہوئے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۷: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المختلعات ھن المنافقات رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر بسند حسن عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنه۔	خاوندوں سے طلاق مول لینے والیاں وہی منافقہ ہیں۔ (امام طبرانی نے معجم الکبیر میں بسند حسن اسے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۸تا۱۱: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من خبب علی امرئ زوجته او مملوکه فلیس منا رواہ احمد [2] والبزار وابن حبان والحاکم وقال صحیح و اقروہ عن بریدة وابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرة والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	جو کسی شخص پر اس کی زوجہ یا اس کی باندی غلام کو بگاڑدے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ (امام احمد، بزار، ابن حبان اور حاکم نے اسے روایت کیا اور کہا یہ حدیث صحیح ہے اور سب نے اسے برقرار رکھتے ہوئے حضرت بریدہ سے روایت کیا۔ ابوداؤد اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور طبرانی نے اوسط میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے روایت کیا۔ ت)

رہا اس پر طعن کرنا اور نئی رسم بتانا یہ حکم خدا اور رسول پر طعنہ ہے۔ ان لوگوں کو اپنے ایمان کی فکر چاہئے اور حکم شرع کے مطابق اپنی ناجائز رسم کی سند پکڑنی اور جاہل بزرگوں کا حوالہ دینا یہ کافروں کی خصلت تھی ان سب پر توبہ فرض ہے۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۹۳۵ عن عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ المکتبہ الفیصیلة بیروت ۱۷/ ۳۳۹

[2] مسند امام احمد عن بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۵۲، الترغیب والترھیب بحوالہ احمد وبزار وابن حبان کتاب النکاح مصطفی البابی مصر ۳/ ۸۲، مورد الظمآن حدیث ۱۳۱۸ المطبعة السلفیہ ص ۳۲۰، المعجم الاوسط حدیث ۴۸۳۴ ۵/ ۴۲۰ وسنن ابی داؤد کتاب الادب ۲/ ۳۴۷

رسالہ

مروج النجاء لخروج النساء ۱۳۱۶ھ

(عورتوں کے نکلنے کے بارے میں خلاصی کی چراگاہیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۷۲ تا ۷۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) عورات کو اس مکاں میں جہاں محارم وغیر محارم مرد اور عورتیں ہوں جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) جس گھر میں نامحرم مرد وعورات ہیں وہاں عورت کو کسی تقریب یا شادی یا غمی میں برقعہ کے ساتھ جانا اور شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جس مکان کا مالک نامحرم ہے لیکن اس جلسہ عورات میں نہیں ہے اور اس کا سامنا بھی نہیں ہوتا ہے مگر مالک مکان کی جورو اس عورت کی محرم ہے تو اس کو وہاں جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایسے گھر میں جس کے مالک تو نامحرم ہیں۔ مگر اس گھر میں کوئی عورت بھی اس عورت کی محرم نہیں ہے تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) ایسے گھر میں کہ جس کا مالک نامحرم ہے۔ مگر وہاں ایک عورت اس عورت کی محرم ہے۔ اور جو عورت محرم ہے وہ مالک مکان کی نامحرم ہے۔ تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) ایسے گھر میں جہاں مالک تو نامحرم ہے مگر اس گھر میں عورات اس عورت کی محرم ہیں اور مالک جو نامحرم ہے وہ گھر میں جہاں جلسہ عورات ہے آتا نہیں ہے تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۷) جس گھر کا مالک تو نامحرم ہے اور گھر میں آتا نہیں اور عورات بھی اس گھر کی نامحرم ہیں تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۸) جس گھر کا مالک محرم ہے اور لوگ نامحرم ہیں تو جانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۹) جس گھر میں مالک نامحرم ہے مگر دوسرے شخص محرم ہیں حالانکہ سامنا نامحرموں سے نہیں ہوتا تو اس عورت کا جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۱۰) جس گھر کے دو مالک ہیں ایک اس عورت کا خاوند اور دوسرا نامحرم ہے تو اس گھر میں جانا جائز ہے یا ناجائز۔

(۱۱) جس گھر میں عام محفل ہے جہاں مذکور الصدر سب اقسام موجود ہیں اور عورات پردہ نشین وغیر پردہ نشین دونوں قسم کی موجود ہیں اور مرد بھی محارم اور غیر محارم ہیں مگر یہ عورت نامحرم مرد سے چادر وغیرہ سے پردہ کئے ان عورتوں میں بیٹھ سکتی ہے تو ایسی حالت میں جانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۱۲) جس گھر میں ایسی تقریب ہورہی ہے جس میں منہیات شرعیہ ہورہے ہیں اس میں کسی مرد یا عورت کو اس طرح سے جانا کہ وہ علیحدہ ایک گوشہ میں بیٹھے جہاں مواجہہ تو اس کی شرکت میں نہیں ہے مگر آواز وغیرہ آرہی ہے گو اس آواز وغیرہ ناجائز امور سے اسے حظ بھی نہیں ہے اور نہ متوجہ اس طرف ہے تو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳) جس گھر میں مالک وغیرہ نامحرم مگر اس عورت کے ساتھ محارم عورات بھی ہیں گو اس گھر کے لوگ ان عورات کے نامحرم ہیں تو اس کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۴) شقوق مذکور الصدر میں سے جو شقوق ناجائز ہیں ان میں سے کسی شق میں عورت کو شوہر کا اتباع جائز ہے یا نہیں؟

(۱۵) مرد کو اپنی بی بی کو ایسی مجالس ومحافل میں شرکت سے منع کرنے اور نہ کرنے کا کیا حکم ہے اور عورت پر اتباع وعدم اتباع سے کس درجہ نافرمانی کا اطلاق اور کیا اثر ہوگا اور مرد کو شریک ہونے اور نہ ہونے کا کیا حکم ہے؟

(۱۶) جس مکاں میں مجمع عورات محارم وغیر محارم کا ہو اور عورات محارم و نامحارم ایک طرف خاص پردہ میں باہم مجتمع ہوں اور مجمع مردوں کا بھی ہر قسم کے اسی مکاں میں عورات سے علیحدہ ہو لیکن آواز نامحرم مردوں کی عورات سنتی ہیں اور ایسے مکان میں مجلس وعظ یا ذکر شریف نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام منعقد ہے تو ایسے جلسہ میں اپنے محارم کو بھیجنا یا نہ بھیجنا کیا حکم ہے اور نہ بھیجنے سے کیا محظور شرعی لازم ہوتا ہے اور انعقاد ایسی مجالس کا اپنے زنانہ مکانات میں کیسا ہے اور اس ذاکر یا واعظ کو اپنے محارم یا غیر محارم کے ایسے مکان میں جانا چاہئے یا نہیں **فقط بینوا توجروا عنداللّٰہ الوہاب**(بیان کرو اللہ وہاب سے اجر پاؤ گے۔ت) مقصود سائل عورات محارم سے وہ قرابت دار ہیں جن کے مرد فرض کرنے سے نکاح جائز نہ ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صور جزئیہ کے عرض جواب سے پہلے چند اصول وفوائد ملحوظ خاطر عاطر رہیں کہ بعونہ عزمجدہ شقوق مذکورہ وغیر مزبورہ سب کا بیان مبین اور فہم حکم کے مؤید ومعین ہوں **وباللہ التوفیق**۔

اوّل: اصل کلی یہ ہے کہ عورت کا اپنے محارم رجال خواہ نساء کے پاس ان کے یہاں عیادت یا تعزیت یا اور کسی مندوب یا مباح دینی یا دنیوی حاجت یا صرف ملنے کے لئے جانا مطلقًا جائز ہے جبکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو مثلاً بے ستری نہ ہو، مجمع فساق نہ ہو۔ تقریب ممنوع شرعی نہ ہو، ناچ یا گانے کی محفل نہ ہو، زنان فواحش وبیباک کی صحبت نہ ہو، چوبے شریعت کے شیطانی گیت نہ ہوں۔ سدھنوں کی گالیاں سننا سنانا نہ ہو، نامحرم دولھا کو دیکھنا دکھانا نہ ہو، رتجگے وغیرہ میں ڈھول بجانا گانا نہ ہو۔

دوم: اجانب کے یہاں جہاں کے مرد وزن سب اس کے نامحرم ہوں شادی غمی زیارت عیادت ان کی کسی تقریب میں جانے کی اجازت نہیں اگرچہ شوہر کے اذن سے، اگر اذن دے گا خود بھی گنہگار ہوگا سوا چند صور مفصلہ ذیل کے۔ اور ان میں بھی حتی الوسع تستر وتحرز اور فتنہ سے تحفظ فرض۔

سوم: کسی کے مکان سے مراد اس کا مکان سکونت ہے نہ مکان ملک مثلًا اجنبی کے مکان میں بھائی کرایہ پر رہتا ہے جانا جائز بھائی کے مکان میں اجنبی عاریۃً ساکن ہے جانا ناجائز۔

چہارم: محارم میں مردوں سے مراد وہ ہیں جن سے بوجہ علاقہ [عہ] جزئیت ہمیشہ ہمیشہ کو نکاح حرام کہ

عـــہ: ارادالحد المتفق علیہ من ائمتنا واحترز بہ عن اللعان عند ابی یوسف فانہ عندہ حرمۃ ابدیۃ۔

کسی صورت سے حلت نہیں ہوسکتی نہ بہنوئی یا پھوپھا یا خالو کہ بہن پھوپھی خالہ کے بعد ان سے نکاح ممکن علاقہ جزئیت رضاع ومصاہرت کو بھی عام مگر زنان جوان خصوصًا حسینوں کو بلاضرورت ان سے احتراز ہی چاہئے۔اور برعکس رواج عوام بیاہیوں کو کنواریوں سے زیادہ کہ ان میں نہ وہ حیا ہوتی ہے، نہ اتنا خوف، نہ اس قدر لحاظ اور نہ ان کا وہ رعب، نہ عامہ محافظین کو اس درجہ ان کی نگہداشت اور ذوق چشیدہ کی رغبت انجان نادان سے کہیں زائد، **لیس الخبر کالمعاینۃ** (خبر معائنہ کی طرح نہیں ہوتی۔ت) تو ان میں موانع ہلکے اور مقتضی بھاری اور صلاح وتقوٰی پر اعتماد سخت غلط کاری، مرد خود اپنے نفس پر اعتماد نہیں کرسکتا اور کرے تو جھوٹا اذ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** نہ کہ عورت جو عقل ودین میں اس سے آدھی اور رغبت نفسانی میں سو گنی۔ ہر مرد کے ساتھ ایک شیطان اور ہر عورت کے ساتھ دو۔ ایک آگے اور ایک پیچھے، **تقبل شیطان وتدبر شیطان**[1]

والعیاذ باللہ العزیز الرحمٰن اللھم انی اسألك العفو والعافیۃ فی الدین والدنیا والاٰخرۃ لی وللمؤمنین وللمؤمنات جمیعا، اٰمین!	اللہ عزیز ورحمٰن بچائے۔ یا اللہ! میں تجھ سے دنیا وآخرت میں اپنے لئے اور تمام مومنین ومومنات کے لئے معافی وعافیت طلب کرتا ہوں آمین! (ت)

پنجم: محرم عورتوں سے وہ مراد کہ دونوں میں جسے مرد فرض کیجئے نکاح حرام ابدی ہو ایک جانب سے جریان کافی نہیں مثلاً ساس بہو تو باہم نامحرم ہی ہیں کہ ان میں جسے مرد فرض کریں دوسرے سے بیگانہ ہے سوتیلی ماں بیٹیاں بھی آپس میں محرم نہیں کہ اگر بیٹی کو مرد فرض کرنے سے حرمت ابدیہ ہے کہ وہ اس کے باپ کی مدخولہ ہے مگر ماں کو مرد فرض کرنے سے محض بیگانگی کہ اب وہ اس کے باپ کی کوئی نہیں۔

ششم: رہے وہ مواضع جو محارم واجانب کسی کے مکان نہیں اگر وہاں تنہائی وخلوت ہے تو شوہر یا محرم کے ساتھ جانا ایسا ہی ہے جیسے اپنے مکان میں شوہر ومحارم کے ساتھ رہنا اور مکان قید وحفاظت ہے کہ ستر وتحفظ پر اطمینان حاصل اور اندیشائے فتنہ یکسر زائل۔ تو یوں بھی حرج نہیں اس قید کے بعد استثناء یک روزہ راہ کی حاجت نہیں کہ بے معیت شوہر یا محرم عاقل بالغ قابل اعتماد حرام ہے اگرچہ محل خالی کی طرف۔ وجہ یہ ہے کہ عورت کا تنہا مقام دور کو جانا اندیشہ فتنہ سے عاری نہیں تو وہی قید

---

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح باب ندب من رأی امراۃ فوقعت فی نفسہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۹

اس کے اخراج کو کافی، اور اگر مجمع محل جلوت ہے تو بے حاجت شرعی اجازت نہیں خصوصاً جہاں فضولیات وبطالات وخطیئات وجہالت کا جلسہ ہو۔ جیسے سیر و تماشے، باجے تاشے، ندیوں کے پن گھٹ، ناؤ چڑھانے کے جمگھٹ، بینظیر کے میلے پھول والوں کے جھمیلے۔ نوچندی کی بلائیں، مصنوعی کر بلائیں۔ علم تعزیوں کے کاوے، تخت جریدوں کے دھاوے، حسین آباد کے جلوے، عباسی درگاہ کے بلوے، ایسے مواقع مردوں کے جانے کے بھی نہیں۔ نہ کہ یہ نازک شیشیاں جنھیں صحیح حدیث میں ارشاد ہوا:

رویدك انجشه رفقا بالقواریر [1]۔	انجشہ! دیکھنا، شیشیوں کو آہستہ لے چل۔ (ت)

اور محل حاجت میں جس کی صورتیں مذکور ہوں گی بشرط تستر وتحفظ و تحرز فتنہ اجازت یک روزہ راہ بلکہ نزد تحقیق مناط اس سے کم میں بھی محافظ مذکور کی حاجت۔

ہفتم: یہ اور وہ سب یعنی مکان غیر وغیر مکان میں جانا بشرائط مذکورہ جائز ہونے کی نو ۹ صورتیں ہیں:

(۱) قابلہ **(۲)** غاسلہ **(۳)** نازلہ **(۴)** مریضہ **(۵)** مضطرہ **(۶)** حاجہ **(۷)** مجاہدہ **(۸)** مسافرہ **(۹)** کاسبہ۔

قابلہ: یہ کہ کسی عورت کو درد زہ ہو یہ دائی ہے۔

غاسلہ: جب کوئی عورت مرے یہ نہلانے والی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اگر شوہر دار ہے تو اذن شوہر ضرور جبکہ مہر معجّل نہ ہو یا تھا تو پاچکی۔

نازلہ: جب اسے کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئے اور خود عالم کے یہاں جائے بغیر کام نہیں نکل سکتا۔

مریضہ: کہ طبیب کو بلا نہیں سکتی نبض کو دکھانے کی ضرورت ہے اسی طرح زچہ ومریضہ کا علاجًا حمام کو جانا جبکہ وہاں کسی طرف سے کشف عورت اور بند مکان میں گرم پانی سے گھر میں نہانا کفایت نہ ہو۔

مضطرہ: کہ مکان میں آگ لگی یا گرا پڑتا ہے یا چور گھس آئے یا درندہ آتا ہے غرض ایسی کوئی حالت واقع ہوئی کہ حفظ دین یا ناموس یا جان کے لئے گھر چھوڑ کر کسی جائے امن وامان میں جائے بغیر چارہ نہیں اور عضو شق نفس اور مال اس کا شقیق ہے۔

حاجہ: ظاہر ہے اور زائرہ اس میں داخل کہ زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب المعاریض مندوحۃ عن الکذب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۷، مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۲۷

علیہ وسلم تتمہ حج بلکہ متمم حج ہے۔

مجاھدہ: جب عیاذا باﷲ عیاذا باﷲ عیاذا باﷲ اسلام کو حاجت اور بحکم امام نفیر عام کی نوبت ہو فرض ہے کہ ہر غلام بے اذن مولٰی ہر پسر بے اذن والدین ہر پردہ نشین بے اذن شوہر جہاد کو نکلے جبکہ استطاعت جہاد وسلاح وزاد ہو۔

مسافرہ: جو عورت سفر جائز کو جائے مثلاً والدین مدت سفر پر ہیں یا شوہر نے کہ دور نوکر ہے اپنے پاس بلایا اور محرم ساتھ ہے تو منزلوں پر سراوغیرہ میں اترنے سے چارہ نہیں۔

کاسبہ: عورت بے شوہر ہے یا شوہر بے جوہر کہ خبر گیری نہیں کرتا۔نہ اپنے پاس کچھ کہ دن کاٹے،نہ اقارب کو توفیق یا استطاعت،نہ بیت المال منتظم۔نہ گھر بیٹھے دستکاری پر قدرت،نہ محارم کے یہاں ذریعہ خدمت،نہ بحال بے شوہری کسی کو اس سے نکاح کی رغبت تو جائز ہے کہ بشرط تحفظ وتحرزاجانب کے یہاں جائز وسیلہ رزق پیدا کرے جس میں کسی مرد سے خلوت نہ ہو حتی الامکان وہاں ایساکام لے جو اپنے گھر آکر کرلے جیسے سینا پیسنا،ورنہ اس گھر میں نوکری کرلے جس میں صرف عورتیں ہوں یا نابالغ بچے،ورنہ جہاں کا مرد متقی پرہیزگار ہو اور ساٹھ ستر برس کی پیرزال بدشکل کریہہ النظر کو خلوت میں بھی مضائقہ نہیں۔

تنبیہ: ان کے سوا تین صورتیں اور بھی ہیں:شاہدہ،طالبہ،مطلوبہ۔

شاھدہ: وہ جس کے پاس کسی حق اﷲ مثل رؤیت ہلال رمضان وسماع طلاق وعتق وغیرہا میں شہادت ہو اور ثبوت اس کی گواہی وحاضری دارالقضاپر موقوف خواہ بشرط مذکور کسی حق العبد مثل عتق غلام ونکاح معاملات مالیہ کی گواہی اور مدعی اس سے طالب اور قاضی عادل اور قبول مامول اور دن کے دن گواہی دے کر واپس آسکے۔

طالبہ: جب اس کا کسی پر حق آتا ہو اور بے جائے دعوی نہیں ہوسکتا۔

مطلوبہ: جب اس پر کسی نے غلط دعوی کیا اور جواب دہی میں جانا ضرور۔

یہ صورتیں بھی علماء نے شمار فرمائیں۔مگر بحمداﷲ تعالٰی پردہ نشینوں کو ان کی حاجت نہیں کہ ان کی طرف سے وکالت مقبول اور حاکم شرع کاخود آکر نائب بھیج کر ان سے شہادت لینا معمول۔یہ بیان کافی وصافی،بحمداﷲ تعالٰی تمام صور کو حاوی ووافی،بعونہ تعالٰی اب جواب جزئیات ملاحظہ ہو۔

جواب سوال اول: وہ مکان محارم ہے یا مکان غیر یا غیر مکان اور وہاں جانے کی طرف حاجت شرعیہ داعی یا نہیں سب صور کا مفصل بیان مع شرائط ومستثنیات گزرا۔

جواب سوال دوم: اگر یہ مراد کہ نامحرم بھی ہیں تو وہی سوال اول ہے اور اگر یہ مقصود کہ نامحرم ہی ہیں تو جواب ناجائز مگر بصور استثناء۔

جواب سوال سوم: زن محرم کے یہاں اس کی زیارت عیادت تعزیت کسی شرعی حاجت کے لئے جانا بشرائط مذکورہ اصل اول جائز مگر کتب معتمدہ مثل مجموع النوازل وخلاصۃ وفتح القدیر وبحر الرائق واشباہ وغمزالعیون وطریقہ محمدیہ ودر مختار وابوالسعود و شرنبلالیہ وہندیہ وغیرہ میں ظاہر کلمات ائمہ کرام شادیوں میں جانے سے مطلقاً ممانعت ہے اگرچہ محارم کے یہاں علامہ احمد طحطاوی نے اسی پر جزم اور علامہ مصطفیٰ رحمتی وعلامہ شامی نے اسی کا استظہار کیا اور یہی مقتضی ہے حدیث عبداللہ بن عمرو وحدیث خولہ بنت الیمان وحدیث عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا،

فلتنظر نفس ما ذا تری، (پس ہر جان کو غور کرنا چاہئے جو کچھ غور کرنا ہے۔ت) اور اگر شادیاں ان فواحش ومنکرات پر مشتمل ہوں جن کی طرف ہم نے اصل اول میں اشارہ کیا تو منع یقینی ہے اور شوہر دار کو تو شوہر بہر حال اس سے روک سکتا ہے جبکہ مہر معجّل سے کچھ باقی نہ ہو۔

جواب سوال چہارم: نہ مگر باستثناء مذکور۔

جواب سوال پنجم: وہ مکان اگر اس زن محرم کا مسکن ہے تو اس کے پاس جانا تفصیل مذکور جواب سوم پر ہے ورنہ یوں کہ نامحرموں کے یہاں دو بہنیں جائیں کہ وہاں ہر ایک دوسرے کی محرم ہوگی اجازت نہیں کہ ممنوع وممنوع مل کر ناممنوع نہ ہوں گے۔

جواب سوال ششم: اگر وہ مکان ان زنان محارم کا ہے تو جواب جواب سوم ہے کہ گزرا اور نہ جواب ہفتم کہ آتا ہے۔

جواب سوال ہفتم: **اللھم انی اعوذبك من الفتن والاٰفات وعوار العورات** (اے اللہ! فتنوں، آفتوں اور عورتوں کے مکر سے تیری پناہ۔ت) یہ مسئلہ مکان اجانب میں زنان اجنبیہ کے پاس عورتوں کے جانے کا ہے علماء کرام نے مواضع استثناء ذکر کرکے فرمادیا:

وفیما عدا ذٰلك وان اذن کانا عاصیین منه [1]۔	ان کے ماوراء میں اور اگر شوہر اذن دے تو وہ بھی گنہ گار۔

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح الفصل الخامس عشر فی الحظر والاباحۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۵۳

اس نفی کا عموم سب کو شامل پھر ان مواضع میں ماں کے پاس جانا بھی شمار فرمایا اور دیگر محارم کے پاس بھی، اور اس کی مثال خانیہ [1] وغیرہا میں خالہ وعمہ وخواہر سے دی نیز علماء نے قابلہ وغاسلہ کا استثناء کیا اور پر ظاہر کہ وہ نہ جائیں گی مگر عورات کے پاس اگر زنان اجنبیہ کے پاس جانا مواضع استثناء سے مخصوص نہ ہوتا تو استثناء میں مادر وخالہ وخواہر وعمہ وقابلہ وغاسلہ کے ذکر کے کوئی معنی نہ تھے احادیث ثلثہ مشار الیہا میں ارشاد ہوا عورتوں کے اجتماع میں خیر نہیں [2] حدیثین اولین میں اس کی علت فرمائی کہ وہ جب اکٹھی ہوتی ہیں بیہودہ باتیں کرتی ہیں [3]۔ حدیث ثالث میں فرمایا ان کے جمع ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے صیقل کرنے لوہا تپایا جب آگ ہوگیا کوٹنا شروع کیا جس چیز پر اس کا پھول پڑا جلادی [4] **رواھن جمیعا الطبرانی فی الکبیر** (جمیع احادیث کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا) عورتیں کہ بوجہ نقصان عقل ودین سنگدل اور امر حق سے کم منفعل ہیں **ولذا لم یکمل منھن الا قلیل** (عورتوں سے کوئی کام کامل نہ ہو مگر قلیل۔ ت) لوہے سے تشبہ دی گئیں اور نار شہوات وخلاعات کہ ان میں رجال سے سو حصہ زائد مشتعل لوہار کی بھٹی اور ان کا محلے بالطبع ہوکر اجتماع لوہے اور ہتھوڑے کی صحبت اب جو چنگاریاں اڑیں گی دین، ناموس، حیاء، غیرت، جس پر پڑیں گی صاف پھونک دیں گی، سلمٰی پارسا ہے ہاں پارسا ہے وبارک اللہ۔ مگر جان برادر! کیا پارسائیں معصوم ہوتی ہیں کیا صحبت بد میں اثر نہیں جب قیموں سے جدا خود سر وآزاد ایک مکان میں جمع اور قیموں کے آنے دیکھنے سے بھی اطمینان حاصل **فانما خلقت من ضلع اعوج** [5] کج سے بنی کج ہی چلے گی آپ نادان ہے تو شدہ شدہ سیکھ کر رنگ بدلے گی جسے تشقیف زنان کی پروانہیں یا حالات زماں سے آگاہ نہیں اول ظالم کا تو نام نہ لیجئے اور ثانی صالح سے گزارش کیجئے ع

معذور دارمت کہ تو اورا ندانديده

(مجھے معذور رکھ کر تونے اسے دیکھا نہیں۔ ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح باب النفقۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۹۴

[2] المعجم الکبیر مروی عن عبداللہ بن عمر حدیث ۱۳۲۲۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۳۱۷

[3] المعجم الکبیر خولہ بنت الیمان حدیث ۶۳۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۴/ ۲۴۶، المعجم الاوسط حدیث ۱۲۶۷ مکتبۃ المعارف الریاض ۸/ ۶۴

[4] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الاذکار باب ماجاء فی مجالس الذکر دار الکتب بیروت ۱۰/ ۷۷۔۷۸

[5] صحیح البخاری کتاب الانبیاء ۱/ ۴۶۹ وکتاب النکاح ۱/ ۷۷۹ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الوصیۃ بالنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۵

مجمع زنان کی شناعت وہ ہیں کہ **لاینبغی ان تذکر فضلا ان تسطر** (جن کا ذکر نامناسب ہے چہ جائیکہ لکھا جائے۔ت) جسے ان نازک شیشوں کو صدمے سے بچانا ہو تو راہ یہی ہے کہ شیشیاں شیشیاں بھی بے حاجت شرعیہ نہ ملنے پائیں کہ آپس میں مل کر بھی ٹھیس کھا جاتی ہیں حاجات شرعیہ وہی جو علمائے کرام نے استثناء فرمادیں، غرض احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہلکا نہیں کہ اجتماع نساء میں خیر وصلاح نہیں آئندہ اختیار بدست مختار۔

جواب سوال ہشتم ونہم: ان دونوں سوالوں کا جواب بعد ملاحظہ اصل سوم وجوابات سابقہ ظاہر کہ بعد اسقاط اعتبار ملک ولحاظ سکونت یہ ان سے جدا کوئی صورت نہیں۔

جواب سوال دہم: ملک کا حال وہی ہے جو اوپر گزرا، اور شوہر کے پاس جانا مطلقًا جائز جبکہ ستر حاصل اور تحفظ کامل اور ہر گونہ اندیشہ فتنہ زائل اور موقع غیر موقع ممنوع وباطل ہو۔اور شوہر جس مکان میں رہے اگرچہ ملک مشترک بلکہ غیر کی ملک ہو اس کے پاس رہنے کی بھی بشرائط معلومہ مطلقًا اجازت بلکہ جب نہ مہر معجّل کا تقاضا نہ مکان مغصوب ہونے کے باعث دین یا جان کا ضرر ہو اور شوہر شرائط سکنائے واجبہ مذکورہ فقہ بجا لایا ہو تو واجب انھیں شرائط سے واضح ہو گا کہ مسکن میں اوروں کی شرکت سکونت کہاں تک تحمل کی جاسکتی ہے اتنا ضروری ہے کہ عورت کو ضرر دینا بنص قطعی قرآن عظیم حرام ہے۔اور شک نہیں کہ اجنبی مرد تو مرد ہیں سوتن کی شرکت بھی ضرررساں، اور جہاں ساس، نند، دیورانی، جٹھانی سے ایذا ہو تو ان سے بھی جدا رکھنا حق زنان **والتفصیل فی ردالمحتار**۔

جواب سوال یازدہم: یہ تقریبًا وہی سوال ہے محارم کے یہاں بشرائط جائز، جواب سوم بھی ملحوظ رہے ورنہ خدا کے گھر یعنی مساجد سے بہتر عام محفل کہاں ہو گی۔اور ستر بھی کیسا کہ مردوں کی ادھر ایسی پیٹھ کہ منہ نہیں کرسکتے اور انھیں حکم کہ بعد سلام جب تک عورتیں نہ نکل جائیں نہ اٹھو مگر علماء نے اوّلًا کچھ تخصیصیں کیں جب زمانہ فتن کا آیا مطلقًا ناجائز فرمادیا۔

جواب سوال دوازدہم: اگر جانے میں اس حالت میں جانے سے انکار کروں تو انھیں منہیات کا چھوڑنا پڑے گا تو جب تک ترک نہ کریں جانا ناجائز، اور جانے کہ میں جاؤں تو میرے سامنے منہیات نہ کرسکیں گے تو جانا واجب۔ جبکہ خود اس جانے میں منکر کا ارتکاب نہ ہو۔اور اگر نہ یہ نہ وہ تو محل عار وطعن وبدگوئی وبدگمانی سے احتراز لازم۔ خصوصًا مقتدا کو۔ورنہ بشرائط معلومہ جبکہ حالت مذکورہ سوال ہو کہ اسے نہ حظ نہ توجہ، اگرچہ تحریم نہیں مگر حدیث ابن عمر

رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ شہنا کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں دیں اور یہی فعل حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نقل کیا اس سے احتراز کی طرف داعی خصوصاً نازک دل عورتوں کے لئے حدیث انجشہ ابھی گزری اور صلاح پر اعتماد نری غلطی ع

بسا کیں آفت از آواز خیزد

(بہت دفعہ آواز سے آفت آپڑتی ہے۔ت)

ع حسن بلائے چشم ہے نغمہ وبال گوش ہے۔

جواب سوال سیزدہم: جواب پنجم ملاحظہ ہو، عورت کا عورت کے ساتھ ہونا زیادت عورت ہے نہ حفاظت کی صورت سونے پر سونا جتنا بڑھاتے جائے محافظ کی ضرورت ہوگی نہ کہ ایک توڑا دوسرے کی نگہداشت کرے۔

جواب سوال چہاردہم: گناہ میں کسی کا اتباع نہیں ہاں وہ صورتیں جہاں منع صرف حق شوہر کے لئے ہے جیسے مہر معجّل نہ رکھنے والی کا ہفتے کے اندر والدین یا سال کے اندر دے کر محارم کے یہاں جانا وہاں شب باش ہونا یہ اجازت شوہر سے جائز ہوجائے گا۔ والّالا۔

جواب سوال پانزدہم: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ"[1] (مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ت) مرد کو لازم کہ اپنی اہلیہ کو حتی المقدور مناہی سے روکے "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا"[2] (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو آگ سے بچاؤ۔ عورت بحال نافرمانی دہری گناہگار ہوگی۔ ایک گناہ شرع، دوسرے گناہ نافرمانی شوہر، اس سے زیادہ اثر جو عوام میں مشتہر کہ بے اذن جائے تو نکاح سے جائے غلط اور باطل۔ مگر جبکہ شوہر نے ایسے جانے پر طلاق بائن معلق کی ہو، مرد ہر مجلس خالی عن المنکرات میں شریک ہوسکتا ہے اور نہی عن المنکر کے لئے مجالس منکرہ میں بھی جانا ممکن جبکہ مثیر فتنہ نہ ہو، "وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِؕ"[3] (فتنہ قتل سے بڑا ہے۔ت) مگر تجسّس واتباع عورات ودخول دار غیر بے اذن کی اجازت نہیں۔

جواب سوال شانزدہم: عورتوں کے لئے محرم عورت کے معنی اصل پنجم میں گزرے اور نہ بھیجنے

---

[1] القرآن الکریم ۴ / ۳۴

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۷

میں اصلًا محذور شرعی نہیں اگرچہ مجلس محارم زن کے یہاں ہو بلکہ اگر واعظ اکثر واعظان زمانہ کی طرح کہ جاہل وناعاقل وبیباک وناقابل ہوتے ہیں مبلغ علم کچھ اشعار خوانی یا بے سروپا کہانی یا تفسیر مصنوع یا تحدیث موضوع، نہ عقائد کا پاس نہ مسائل کا احتفاظ۔ نہ خدا سے شرم نہ رسول کا لحاظ، غایت مقصود پسند عوام اور نہایت مراد جمع حطام۔ یا ذاکر ایسے ہی ذاکرین غافلین مبطلین جاہلین سے کہ رسائل پڑھیں تو جہال مغرور کے اشعار گائیں تو شعراء بے شعور کے انبیاء کی توہین خدا پر اتہام اور نعت ومنقبت کا نام بدنام، جب تو جانا بھی گناہ بھیجنا بھی حرام۔ اور اپنے یہاں انعقاد مجمع اثام۔ آج کل اکثر مواعظ ومجالس عوام کا یہی حال پر ملال۔ **فانالله وانا الیه راجعون**۔ اسی طرح اگر عادت نساء سے معلوم یا مظنون کہ بنام مجلس وعظ وذکر اقدس جائیں اور سنیں نہ سنائیں بلکہ عین وقت ذکر اپنی کھچریاں پکائیں جیسا کہ غالب احوال زنان زمان، تو بھی ممانعت ہی سبیل ہے کہ اب یہ جانا اگرچہ بنام خیر مگر مروجہ غیر ہے ذکر وتذکیر کے وقت لغو ولفظ شرعًا ممنوع وغلط، اور اگر ان سب مفاسد سے خالی ہو اور وہ قلیل ونادر ہے تو محارم کے یہاں بشرائط معلومہ بھیجنے میں حرج نہیں اور غیر محارم یعنی مکان غیر یا غیر مکان میں بھیجنا اگر کسی طرح احتمال فتنہ یا منکر کا مظنہ یا وعظ وذکر سے پہلے پہنچ کر اپنی مجلس جمانا یا بعد ختم اسی مجمع زنان کا رنگ منانا ہو تو بھی نہ بھیجے کہ منکر ونامنکر اور بلحاظ تقریر جواب سوم وہفتم یہ شرائط عام تر، اور اگر فرض کیجئے کہ واعظ وذاکر عالم سنی متدین ماہر اور عورتیں جاکر حسب آداب شرع بحضور قلب سمع میں مشغول رہیں اور حال مجلس وسابق ولاحق وذہاب وایاب بلکہ جملہ اوقات میں جمیع منکرات وشنائع مالوفہ وغیر مالوفہ معروفہ وغیر معروفہ سب سے تحفظ تام وتحرز تمام پر اطمینان کافی ووافی ہو، اور **سبحان الله** کہاں تحرز اور کہاں اطمینان تو محارم کے یہاں بھیجنے میں اصلا حرج نہیں ہے نہ اجانب **فهذا مما استخیر الله تعالٰی فیه** (یہ وہ جس میں اللہ تعالٰی سے خیر کی دعا ہے۔ت) وجیز کردری میں فرمایا: عورت کا وعظ سننے کو جانا لا باس بہ ہے [1]۔ جس کا حاصل کراہت تنزیہی۔ امام فخر الاسلام نے فرمایا: وعظ کی طرف عورت کا خروج مطلقًا مکروہ ہے۔ جس کا اطلاق مفید کراہت تحریمی، اور انصاف کیجئے تو عورت کا بستر کامل وحفظ شامل اپنے گھر کے پاس مسجد میں صلحاء محارم کے ساتھ تکبیر کے وقت جاکر نماز میں شریک ہونا اور سلام ہوتے ہی دو قدم رکھ کر گھر میں جانا ہرگز فتنہ کی گنجائشوں توسیعوں کا ویسا ہی احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ غیر محلّہ غیر جگہ بے معیت محرم

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الفصل الثامن عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۵۷

مکان اجانب واحاطہ مقبوضہ اباعد میں جاکر مجمع ناقصات العقل والدین کے ساتھ مخلی بالطبع ہونا پھر اسے علماء نے بلحاظ زمان مطلقاً منع فرمادیا باآنکہ صحیح حدیثوں میں اس سے ممانعت کی ممانعت موجود اور حاضرین عیدین پر تو یہاں تک تاکید اکید کہ حیض والیاں بھی نکلیں۔اگر چادر نہ رکھتی ہوں دوسری اپنی چادروں میں شریک کرلیں۔مصلے سے الگ بیٹھیں خیر ودعاء مسلمین کی برکت لیں تو یہ صورت اولٰی بالمنع ہے شرع مطہر فقط فتنہ ہی سے منع نہیں فرماتی بلکہ کلیۃً اس کا سد باب کرتی اور حیلہ ووسیلہ شرک کے یکسر پر کترتی ہے غیروں کے گھر جہاں نہ اپنا قابو نہ اپنا گزر حدیث میں تو اپنے مکانوں کی نسبت آیا **لاتسکنوھن الغرف**[1] عورتوں کو بالاخانوں پر نہ رکھو۔یہ وہی طائر نگاہ کے پر کترتے ہیں شرع مطہر نہیں فرماتی کہ تم خاص لیلٰی وسلمٰی پر بدگمانی کرو یا خاص زید وعمرو کے مکانوں کو مظنہ فتنہ کہو یا خاص کسی جماعت زنان کو مجمع نا بایستنی بتاؤ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتی ہے کہ **ان من الخرز سوء الظن** (بدگمانی میں حفاظت ہے۔ت)۔

نگہ دارد آں شوخ در کیسہ دُر کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

(نگاہ رکھ اے ہوشیار آدمی جیب میں موتی والے۔کیونکہ جیب کترے ہر ایک کو جانتے ہیں۔ت)

صالح وطالح کسی کے منہ پر نہیں لکھا ہوتا ظاہر ہزار جگہ خصوصاً اس زمن فتن میں باطن کے خلاف ہوتا ہے۔اور مطابق بھی ہو تو صالحین وصالحات معصوم نہیں اور علم باطن وادراک غیب کی طرف راہ کہاں اور سب سے در گزرے تو آج کل عامہ ناس خصوصاً نساء میں بڑا ہنر آن ہوی جوڑ لینا طوفان لگادینا ہے کاجل کی کوٹھڑی کے پاس ہی کیوں جائے کہ دھبا کھائیے۔لاجرم سبیل یہی ہے کہ بالکل در با ہی جلادیا جائے ع

وہ سر ہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہو سامان کا

شرع مطہر حکیم ہے اور مؤمنین اور مومنات پر رؤف ورحیم۔اس کی عادت کریمہ ہے کہ ایسے مواضع احتیاط میں مابہ باس کے اندیشہ سے مالاباس بہ کہہ کر منع فرماتی ہے جب شراب حرام فرمائی اس صورت کے برتنوں میں نبیذ ڈالنی منع فرمادی جن میں شراب اٹھایا کرتے تھے کہ زید کہے بارہا ایسے مجامع ہوتے ہیں کبھی فتنہ نہ ہوا جان برادر علاج واقعہ کیا بعد الوقوع چاہئے **ماکل مرۃ تسلم الجرۃ** (مٹکا ہر مرتبہ سالم نہیں رہتا۔ت) ع

[1] تاریخ بغداد ترجمہ یحیٰی بن زکریا نمبر ۷۵۲۰ دارالکتاب العربی بیروت ۱۴/ ۲۲۴

ہر بار سبو ز چاہ سالم نرسید
(بھرا مٹکا ہر بار کنویں سے سالم نہیں پہنچتا۔ت)

اکل وشرب وغیر ہما کی صدہا صورتوں میں اطباء لکھتے ہیں یہ مضر ہے اور لوگ ہزار بار کرتے ہیں طبیعت کی قوت ضد کی مقاومت تقدیر کی مساعدت کہ ضرر نہیں ہوتا اس سے اس کا بے غائلہ ہونا سمجھا جائے گا خدا پناہ دے۔بری گھڑی کہہ کر نہیں آتی اجنبیوں سے علماء کا ایجاب حجاب آخر اسی سد فتنہ کے لئے ہے پھر سوا چند توفیق رفیق بندوں کے چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹوں کنبے بھر کے رشتہ داروں کے سامنے ہونے کا کیسا رواج ہے اور اللہ بچاتا ہے فتنہ نہیں ہوتا اس سے بدتر عام خدا ناترس ہندیوں کے وہ بدلحاظی کے لباس آدھے سر کے بال اور کلائیاں اور کچھ حصہ گلو وشکم وساق کا کھلا رہنا تو کسی گنتی شمار ہی میں نہیں،اور زیادہ بانکپن ہوا تو دوپٹہ شانوں پر ڈھلکا ہوا کریب یا جالی باریک یا خاص ململ کا جس سے سب بدن چمکے اور اس حالت کے ساتھ ان رشتہ داروں کے سامنے پھرنا باایں ہمہ وہ رؤف ورحیم حفظ فرماتا ہے فتنہ نہیں ہوتا ان اعضاء کا ستر کیا بعینہٖ واجب تھا حاشا بلکہ وہی دواعی وسد باب پھر اگر ہزار بار داعی نہ ہوئے تو کیا وہ حکم حکمت باطل ہو جائیں گے شرع مطہر جب مظنہ پر حکم دائر فرماتی ہے اصل علت پر اصلا مدار نہیں رکھتی وہ چاہے کبھی نہ ہو نفس مظنہ پر حکم چلے گا فقیر کے پاس تو یہ ہے اور جو اس سے بہتر جانتا ہو مجھے مطلع کرے بہر حال اس قدر یقینی کہ بھیجنا محتمل اور نہ بھیجنا بالاجماع جائز وبے خلل،لہذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے نزدیک اسی پر عمل رہا واعظ وذاکر وہ بشرطیکہ جس منکر پر اطلاع پائے حسب قدرت انکار وہدایت کرے ہر مجلس میں جاسکتا ہے **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

کتب عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ **مروج النجا لخروج النساء** ختم شد

مسئلہ ۸۸: از الموڑہ محلّہ نقاری ٹولہ متصل تحصیل مرزا قاسم بیگ عنایت بیگ ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ

جناب مولانا صاحب مخدوم ومطاع بندہ زاداللہ اشفاقہم بعد از تسلیم مع التکریم مدعا یہ ہے کہ ایک لڑکی ہے اس نے اپنے نان ونفقہ کا دعوی کیا ہے۔اور اس لڑکی کو اس کے خاوند نے مار کر نکال دیا اس نے اپنے نان ونفقہ کا دعوی کیا ہے مگر اس میں یہ ہے کہ اس لڑکی کا دعوی کیا فوجداری میں صاحب مجسٹریٹ نے یہ حکم دیا کہ بڑے سول سرجن کا ملاحظہ کراؤ تو اس میں یہ ہے کہ اگر بڑا ڈاکٹر ملاحظہ کرے تو اس میں نکاح سے باہر ہوگی یا نہ ہوگی،دیکھنا بڑے ڈاکٹر کا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بڑا ڈاکٹر خواہ چھوٹا،مسلمان ہو خواہ غیر مذہب کا اپنا ہو یا خواہ پرایا۔باپ ہو یا خواہ بیٹا۔غرض

شوہر کے سوا کوئی مرد ہو اسے دکھانا حرام قطعی ہے سخت گناہ شدید ہے۔ اول تو نان نفقہ کے دعوے میں عورت کا ستر عورت دکھانے کی ضرورت نہیں، اگر ضرورت ہو بھی کہ مرد دعوی کرے یہ عورت مرد کے قابل نہیں تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ حاکم کسی مسلمان عورت کو حکم دے کہ وہ دیکھ کر بیان کرے مرد کو دکھانا مذہب اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۹: مرسلہ محمد اکرم حسین از دوہری بوساطت مولانا حامد حسین صاحب رامپوری مدرس اول مدرسہ اہل سنت بریلی ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شوہر اپنی بی بی اور بی بی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کا چھونا کیسا ہے یعنی مرد کو اپنی عورت کو اور عورت اپنے شوہر کو چھو سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زن وشو کا باہم ایک دوسرے کو حیات میں چھونا مطلقًا جائز ہے حتی کہ فرج وذکر کو بلکہ بہ نیت صالحہ موجب ثواب واجر ہے **کما نص علیه سیدنا الامام اعظم رضی الله تعالٰی عنه** (جیسا کہ ہمارے سردار امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کی تصریح فرمائی۔ت) البتہ بحالت حیض ونفاس زیر ناف زن سے زیر زانو تک چھونا منع ہوتا ہے **علی قول الشیخین رضی الله تعالٰی عنهما به یفتی** (امام اعظم اور قاضی امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ارشاد کے مطابق یہ حکم ہے اور اس کے مطابق فتوی دیا جاتا ہے۔ت) اسی طرح اور عوارض خاصہ مثل اعتکاف واحرام وغیرہا کے باعث ان عوارض تک ممانعت ہو جاتی ہے۔ اور شوہر بعد وفات اپنی عورت کو دیکھ سکتا ہے مگر اس کے بدن کو چھونے کی اجازت نہیں **لانقطاع النکاح بالموت** (اس لئے کہ موت واقع ہو جانے سے نکاح منقطع ہو جاتا ہے۔ت) اور عورت جب تک عدت میں ہے شوہر مرد کا بدن چھو سکتی اسے غسل دے سکتی ہے جبکہ اس سے پہلے بائن نہ ہو چکی ہو۔

لبقاء النکاح فی حقها بالعدة نص علی ذٰلك فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرهما من معتمدات الاسفار۔ والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ عدت کی وجہ سے عورت کے حق میں اس کا نکاح باقی رہتا ہے چنانچہ تنویر الابصار اور در مختار اور ان کے علاوہ دیگر متعدد بڑی کتب میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۰: ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ کون اشخاص ہیں کہ جن سے نکاح حرام اور

وہ کون کون ہے جن سے پردہ کرنا درست نہیں۔ **بینوا توجروا**۔ (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

پردہ صرف ان سے نادرست ہے جو بسبب نسب کے عورت پر ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہوں اور کبھی کسی حالت میں ان سے نکاح ناممکن ہو جیسے باپ، دادا، نانا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، چچا، ماموں، بیٹا، پوتا، نواسا، ان کے سوا جن سے نکاح کبھی درست ہے اگرچہ فی الحال ناجائز ہو جیسے بہنوئی جب تک بہن زندہ ہے یا چاچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کے بیٹے، یا جیٹھ، دیور ان سے پردہ واجب ہے اور جن سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے کبھی حلال نہیں ہوسکتا مگر وجہ حرمت علاقہ نسب نہیں بلکہ علاقہ رضاعت ہے جیسے دودھ کے رشتے سے باپ، دادا، نانا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، چچا، ماموں، بیٹا، پوتا، نواسا، یا علاقہ صہر ہو جیسے خسر، ساس، داماد، بہو، ان سب سے نہ پردہ واجب نہ نادرست ہے کرنا نہ کرنا دونوں جائز اور بحالت جوانی یا احتمال فتنہ پردہ کرنا ہی مناسب۔ خصوصاً دودھ کے رشتے میں کہ عوام کے خیال میں اس کی ہیبت بہت کم ہوتی ہے جن سے نکاح حرام ہے ان کی بعض مثالیں اوپر گزریں اور پوری تفصیل آٹھ دس ورق میں آئے گی کتب فقہ میں مفصل مسطور ہے جو خاص امر درپیش ہوا سی سے سوال کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۱: نامحرم عورتوں کو اندھے سے پردہ کرنا لازم ہے اس زمانہ میں یا نہیں؟ اور مقتضٰی احتیاط کیا ہے؟

الجواب:

اندھے سے پردہ ویسا ہی ہے جیسا کہ آنکھ والے سے اور اس کا گھر میں جانا عورت کے پاس بیٹھنا ویسا ہی ہے جیسا آنکھ والے کا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ[1] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	کیا تم دونوں اندھی ہو کیا تم اسے دیکھ نہیں رہی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خلوت اجنبیہ کے ساتھ جائز اور زنان شوہر دار پر پردہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خلوت اجنبیہ کے ساتھ حرام ہے۔ احادیث امیر المومنین عمر وعبداللہ بن عمر وجابر بن سمرہ وعامر

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والادب باب ماجاء احتجاب النساء من الرجال امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۱

بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں مرفوعا وراد:

الالا یخلون رجل بامرأۃ الاکان ثالثھما الشیطان [1] وفی الاشباہ وتحرم الخلوۃ بالاجنبیۃ ویکرہ الکلام معھا۔	سن لو یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ کوئی مرد کسی غیر محرم عورت کے پاس اکیلا نہیں بیٹھتا مگر حال یہ ہوتا ہے کہ تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔(لہٰذا وہ لعین انھیں برائی میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے) اور الاشباہ والنظائر (کتب فقہ میں ہے) کہ غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا بیٹھنا (اور خلوت اختیار کرنا) شرعًا حرام ہے اور اس سے باتیں کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ کام ہے۔(ت)

اور زنان حرام کو بنص قرآن ستر واجب اور جوان عورتوں کو اس زمانہ میں حجاب لازم۔

فی الدرالمختار وینظر من الاجنبیۃ الی وجھھا فحل النظر مقید بعدم الشھوۃ والافحرام وھذا فی زمانھم اما فی زماننا فمنع من الشابۃ قھستانی وغیرہ انتھی [2] ملخصًا [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کسی اجنبی (غیر متعلقہ) عورت کو (مرد) دیکھ سکتا ہے لیکن اس دیکھنے کا جائز ہونا اس قید سے مقید ہے کہ دیکھنے والا بشہوت نہ دیکھے ورنہ عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے اور یہ حکم بھی ان کے زمانے میں تھا (مرادیہ کہ زمانہ سابق میں تھا) لیکن اب ہمارے زمانے میں یہ حکم ہے کہ جوان عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔قہستانی وغیرہ میں یہی مذکور ہے انتھی ملخصًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۳: از محلّہ شہر کہنہ سہسوانی ٹولہ مرسلہ تفضل حسین صاحب

علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ جو شخص نامحرم عورتوں سے اپنی پیٹھ اور ہاتھ اور پیر وقت نہانے کے ملوائے اور وقت سونے کے اپنے پیر دبوائے اور ناچنے والی عورتوں کو یعنی طوائفوں کو مرید کرے اور نال ان لوگوں کا کھائے، اور بعد مرید کرنے وہ طوائفیں جو کام کرتی تھیں وہی کام کرتی رہیں اس شخص کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] جامع الترمذی کتاب الرضاع باب ماجاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۰، جامع الترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹، موارد الظمآن حدیث ۲۳۸۲ کتاب المناقب المطبعۃ السلفیہ ومکتبتہا ص ۵۶۸، المستدرك للحاکم کتاب العلم خطبہ عمر رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۵۔۱۱۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الانثی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۷۵

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب فی النظر والمس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲۔۲۴۱

الجواب:

نامحرم عورتوں سے ہاتھ اور پیٹھ اور پنڈلیاں ملوانا یا دبوانا اگر نہ تو تنہائی میں ہو نہ محل فتنہ ہو تو حرج نہیں ورنہ گناہ ہے اور رنڈیوں سے اگر توبہ لے کر مرید کرے اور انھیں ہدایت کرے اور وہ نہ مانیں تو انھیں دور کرے اور ان کا حرام مال کسی حال میں نہ لے تو جائز ہے۔ مگر آج کل جو یہ طریقہ رائج ہے کہ دنیاپرست پیر رنڈیوں کو بلاتوبہ مرید کرلیتے ہیں اور انھیں توبہ کی ہدایت نہیں کرتے اور ان کے نہ ماننے پر بقدر مقدور ان پر سختی نہیں کرتے ان سے بیزاری وجدائی نہیں کرتے ان کا حرام مال کھاتے ہیں ایسے پیر ضرور سخت شدید فاسق ہیں جو ایسا ہو اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۴: از سنبھل محلّہ کوٹ ضلع مرادآباد مرسلہ حافظ اکرام صاحب ۲۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اپنی حقیقی ہمشیرہ کے شوہر سے عورت کو پردہ کرنا فرض ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بہنوئی کا حکم شرع میں بالکل مثل حکم اجنبی ہے بلکہ اس سے بھی زائد کہ وہ جس بے تکلفی سے آمدورفت نشست وبرخاست کرسکتا ہے غیر شخص کی اتنی ہمت نہیں ہوسکتی لہٰذا صحیح حدیث میں ہے:

قالوا یارسول اللہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت[1]۔	صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! جیٹھ، دیور، اور ان کے مثل رشتہ داران شوہر کا کیا حکم ہے۔ فرمایا یہ تو موت ہیں۔

خصوصًا ہندوستان میں بہنوئی کہ باتباع رسوم کفار ہند سالی بہنوئی میں ہنسی ہوا کرتی ہے۔ یہ بہت جلد شیطان کا دروازہ کھولنے والی ہیں۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۵: مسئولہ محمد حسین سوداگر لکھیم پور ضلع کھیری اودھ بر دکان محمد ضامن علی سوداگر ۴ رجب المرجب ۱۳۳۳ھ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فتوی دیتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک طوائف سے تعلقات ناجائز کئے جس کو عرصہ آٹھ برس کا ہوگیا۔ زشروع زمانہ میں طوائف قسم کی رو سے پابند کی گئی مگر بعد کو عہد شکنی کی، ایک سال تک غیر پابندی کے ساتھ تعلقات رہے لیکن بعد کو پھر طوائف نے بہ کوشش خود پابندی اختیار کی۔ ظاہرہ ہر چند کوشش کی لیکن اس وقت تک پابند ظاہر ہے۔ اس درمیان میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جو اس

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب لایخلون رجل بامرأۃ الاذو محرم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۷، جامع الترمذی ابواب الرضاع ۱/ ۱۳۹ و مسند احمد بن حنبل عن عقبہ بن عامر ۴/ ۱۴۹ و ۱۵۳

وقت تک بعمر گیارہ ماہ ہے وہ شخص اس ناجائز تعلق سے کنارہ کش ہونا چاہتا ہے مگر احباب لوگ رائے دیتے ہیں کہ اگر لڑکی اپنی عمر کو پہنچ کر اپنے پیشہ میں رہی تو اس شخص کا نامہ اعمال خراب ہوگا لہذا اس شخص کو یہ دریافت طلب ہے کہ دفعۃً وہ شخص تعلقات سے کنارہ کشی اختیار کرے تو شرع سے اس کے ذمہ گناہ عائد ہوگا یا نہیں، اگر صریح گناہ ہے تو اس کی بریت کی کیا دلیل ہوسکتی ہے اس شخص کے بیوی اور بچے بھی موجود ہیں اس وجہ سے وہ نکاح سے بھی علیحدہ رہنا چاہتا ہے اور وہ شخص عرصہ سات برس سے اسی طوائف کے مکان پر مقیم ہے کبھی گاہے گاہے مہینہ پندرہ روز کو بتلاش روزگار باہر بھی چلا جاتا ہے طوائف اور اس کے دیگر عزیز واقارب کا مکان ایک ہی ہے لیکن اس کی نشست وبرخاست کی سرحد علیحدہ ہے اس میں کسی کا گزر نہیں بے پردگی ضرور ہے بہر حال جو کچھ احکام شرعی ونیز علمائے دین کی رائے ہو بواپسی ڈاک دستخط ثبت فرما کر احقر کے نام روانہ فرمائیں تاکہ اس شخص کو اس سے نجات ملے اور وہ شخص اپنی حرکات ناشائستہ سے توبہ بھی کرتا ہے۔ فقط۔

الجواب:

اللہ عزوجل ہدایت دے، شخص مذکورہ پر فرض قطعی ہے کہ فوراً فوراً یا تو اس عورت سے نکاح کرلے یا ابھی ابھی اسے جدا کردے جو آن دیر میں گزرے گی استحقاق عذاب الٰہی اس پر برابر رہے گا اور بے اس کے اس کی توبہ ہر گز مقبول نہیں۔ حدیث میں فرمایا کہ:

المستغفر من الذنب وہو مقیم علیہ کالمستھزئی بربہ، رواہ البیھقی [1] فی شعب الایمان وابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جو گناہ پر قائم رہ کر توبہ کرے وہ اپنے رب جل جلالہ سے (**معاذاللہ**) تمسخر کرتا ہے۔ (امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت فرمائی۔ ت)

اور وہ لڑکی شرعاً اس کی لڑکی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **للعاھر الحجر** [2]

---

[1] شعب الایمان حدیث ۷۱۷۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۴۳۶

[2] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول الموصی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۳، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۳۹

(بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو) اور زانی کے لئے کنکر و پتھر ہیں۔ (یعنی اس سے نسب ثابت نہیں) اور جب یہ توبہ کرے گا وہ اگر گناہ کرے گی اس کا وبال اس پر عائد نہ ہوگا۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[1]	کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائیگی (روز قیامت)۔ (ت)

ہاں اگر یہ گناہ سے بچ کر آئندہ کسی تدبیر سے لڑکی کو گناہ سے بچاسکے تو ضرور ہے کہ ایسا کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶: ازمارواڑ موضع کنوٹوڑہ علاقہ بھاؤنگر مسئولہ مولوی فضل امیر امام مسجد روز یک شنبہ بتاریخ ۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر مسجد کے اندر وعظ یا میلاد کی محفل ہوتی ہو تو کیا عورتوں کو مسجد کے اندر باپردہ آنے کی اجازت ہے یا کہ نماز پڑھنا عورتوں کو مسجد کے اندر جائز یا کہ نہیں؟

الجواب:

عورتیں نماز مسجد سے ممنوع ہیں اور واعظ یا میلاد خواں اگر عالم سنی صحیح العقیدہ ہو اور اس کا وعظ و بیان صحیح و مطابق شرع ہو اور جانے میں پوری احتیاط اور کامل پردہ ہو اور کوئی احتمال فتنہ نہ ہو اور مجلس رجال سے دور ان کی نشست ہو تو حرج نہیں مگر مساجد کے جانے میں ان شرائط کا اجتماع خیال و تصور سے باہر شاید نہ ہوسکے، **ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل**[2] (جو کوئی اپنے زمانے والوں کو نہ پہچانے تو نادان (اور ناسمجھ) ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷: از بنارس چھاؤنی محلّہ دبٹوری محال تھانہ سکرور رسیدہ مولوی عبدالوہاب بروز چہار شنبہ بتاریخ ۲۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

یہ کہ ایسے شخص کے سامنے جو ابھی جوان ہو اور وہ پیری مریدی کرتا ہو تو عورتوں کو بلاپردہ جانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جبکہ خود پیر صاحب خواہش سے مجبور کرکے بلاتے ہیں۔

الجواب:

بے پردہ بایں معنٰی کہ جن اعضاء کا چھپانا فرض ہے ان میں سے کچھ کھلا ہو جیسے سر کے بالوں کا کچھ

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

حصہ یا گلے یا کلائی یا پیٹ یا پنڈلی کا کوئی جز تو اس طور پو تو عورت کو غیر محرم کے سامنے جانا مطلقاً حرام ہے خواہ وہ پیر ہو یا عالم۔ یا عامی جوان ہو، یا بوڑھا، اور اگر بدن موٹے اور ڈھیلے کپڑوں سے ڈھکا ہے نہ ایسے باریک کہ بدن یا بالوں کی رنگت چمکے۔ نہ ایسے تنگ کہ بدن کی حالت دکھائیں اور جانا تنہائی میں نہ ہو اور پیر جوان نہ ہو، غرض کوئی فتنہ نہ فی الحال ہو، نہ اس کا اندیشہ ہو تو علم دین امور راہ خدا سیکھنے کے لئے جانے اور بلانے میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸: ماہ صفر کے آخر چہار شنبہ کو عورتیں بطور سفر شہر سے باہر جائیں اور قبروں پر نیاز وغیرہ دلائیں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر گز نہ ہو سخت فتنہ ہے۔ اور چہار شنبہ محض بے اصل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: مسئولہ مسلمانان جام جودھپور کاٹھیاواڑ معرفت شیخ عبدالستار صاحب پوربند کاٹھیاواڑ متصل قندیل ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

چند عورتیں ایک ساتھ ملک کر گھر میں میلاد شریف پڑھتی ہیں اور آواز باہر تک سنائی دیتی ہے یونہی محرم کے مہینے میں کتاب شہادت وغیرہ بھی ایک ساتھ آواز ملا کر پڑھتی ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناجائز ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور عورت کی خوش الحانی کہ اجنبی سے محل فتنہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ عبدالستار بن اسمٰعیل رضوی بروز شنبہ تاریخ ۱۷ رجب ۱۳۳۴ھ

بہو اپنے خسر کا پردہ کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح جیٹھ دیور کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

جیٹھ اور دیور سے پردہ واجب ہے کہ وہ نامحرم ہیں اور خسر سے پردہ واجب نہیں جائز ہے۔ اس کا ضابطہ کلیہ ہے کہ نامحرموں سے پردہ مطلقاً واجب۔ اور محارم نسبی سے پردہ نہ کرنا واجب اگر کریگی گنہگار ہوگی اور محارم غیر نسبی مثل علاقہ مصاہرت و رضاعت ان سے پردہ کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز۔ مصلحت و حالت پر لحاظ ہوگا۔ اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ جوان ساس کو داماد سے پردہ مناسب ہے۔ یہی حکم خسر اور بہو کا ہے۔ اور جہاں **معاذاللہ** فتنہ ہو پردہ واجب ہو جائے گا۔ " **وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ**

مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ "[1] (اللہ تعالیٰ فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے سے جانتا ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۱و۱۰۲: از فرخ آباد شمس الدین احمد ۱۸ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک شخص اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ کبھی تو ایک دالان میں تنہا رات کو سوتا ہے اور دروازہ دالان کا موٹی چکوں سے پردہ دار ہوتا ہے۔ باہر سے اندر کا کچھ حال کسی کو نظر نہیں آتا اور چراغ وغیرہ بھی نہیں ہوتا۔ سوتے وقت اندھیرا کرلیا جاتا ہے، اور کبھی کوٹھری کے اندر ایک شخص اور کوٹھری کے باہر دوسرا شخص اور تیسرا کوئی نہیں۔ اس طرح سے سوتے ہیں۔ اور کبھی تنہا ایک مکان میں۔

(۲) روزانہ کے برتاؤ بالکل ایسے ہیں جیسے میاں بی بی کے ان دونوں کے بہت قریبی لوگوں سے جو سنا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مسائل شریعت معلوم نہیں ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ان دونوں نے آپس میں خفیہ نکاح کرلیا ہے۔ یہ ان لوگوں کا بیان ہے جو اس مکان میں یا تو ہمیشہ رہتے ہیں یا کبھی جاکر دو چار روز رہتے ہیں اور حالات دیکھتے ہیں کیا ان دونوں شخصوں کا ایسا تخلیہ جائز ہے۔ اور ان دونوں یا ایک کے کسی رشتہ دار کو جو چھوٹا ہو اس معاملہ سے منع کرنا چاہئے حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ ان دونوں کو اس بات سے منع کیا جائے گا تو بہت سخت مخالف اور رنجیدہ منع کرنے والے سے ہوں گے۔ فقط۔

الجواب:

(۱) اس کی اجازت نہیں اگرچہ وہ اس پر حرام ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم [2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔	بیشک شیطان جسم انسانی میں اس کے خون کی طرح رواں دواں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(ت)

(۲) ایسے برتاؤ سے ان پر احتراز لازم ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

من کان یؤمن باللہ وبالیوم الاخر فلا یقفن مواقف	جو کوئی، اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر صدق دل سے یقین رکھتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب صفۃ ابلیس وجنودہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۴

التھم [1]۔	کہ وہ مقامات تہمت میں نہ ٹھہرے(تاکہ بلا وجہ بدنام نہ ہو جائے)۔(ت)

علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جوان ساس کو داماد سے پردہ چاہئے۔یونہی حقیقی رضاعی بہن سے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۳: از بنارس محلّہ پیر کنڈہ مسئولہ مولوی عبدالحمید صاحب ۷ شعبان ۱۳۳۵ھ

عورتوں کا بیان میلاد شریف آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زنانی محفل میں بآواز بلند نثر و نظم پڑھنا اور نظم خوش آواز ولحن کے ساتھ پڑھنا اور مکان کے باہر سے ہمسایہ کے مردوں اور نامحرموں کا سننا تو ایسا پڑھنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

عورت کا خوش الحانی سے بآواز پڑھنا کہ نامحرموں کو اس کے نغمہ کی آواز جائے حرام ہے نوازل میں فقیہ ابواللیث میں ہے:

نغمۃ المرأۃ عورۃ [2]۔	عورت کا خوش آواز کرکے پڑھنا "عورۃ" یعنی محل ستر ہے۔(ت)

کافی امام ابوالبرکات نسفی میں ہے:

لاتلبی جھرا لان صوتھا عورۃ [3]۔	عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے اس لئے کہ اس کی آواز قابل ستر ہے۔(ت)

امام ابوالعباس قرطبی کی کتاب السماع پھر بحوالہ علامہ علی مقدسی امداد الفتاح علامہ شرنبلالی پھر ردالمحتار علامہ شامی میں ہے:

لانجیز لھن رفع اصواتھن ولا تمطیطھا ولا تلیینھا وتقطیعھا لما فی ذٰلک من استمالۃ الرجال الیھن وتحریک الشھوات منھم ،ومن ھذا لم یجز	عورتوں کو اپنی آوازیں بلند کرنا،انھیں لمبا اور دراز کرنا،ان میں نرم لہجہ اختیار کرنا اور ان میں تقطیع کرنا(یعنی کاٹ کاٹ کر تحلیل عروض کے مطابق)اشعار کی طرح آوازیں نکالنا،ہم ان سب کاموں

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی باب ادراک الفریضہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

[2] ردالمحتار بحوالہ النوازل باب شروط الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۲

[3] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب شروط الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۲

ان تؤذن المرأة [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کی عورتوں کو اجازت نہیں دیتے اس لئے کہ ان سب باتوں میں مردوں کاان کی طرف مائل ہونا پایا جائے گا۔اور ان مردوں میں جذبات شہوانی کی تحریک پیدا ہوگی۔اس وجہ سے عورت کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اذان دے۔اور اللہ سب سے بڑاعالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۰۴: از قصبہ باراں ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ قاضی امتیاز علی صاحب ۶ شوال ۱۳۳۵ھ

زانی اور دیوث سے کہاں تک احتراز کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زانی اور دیوث فاسق ہیں ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے میل جول سے احتراز چاہئے۔

قال اللہ "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ " [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں کبھی شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالم گروہ کے پاس مت بیٹھو۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۵و۱۰۶: مولوی نذیر احمد صاحب ساکن سموہاں پرگنہ نواب گنج بریلی مورخہ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام مسائل مفصلہ ذیل میں کہ:

(۱) وہ شخص کتنے ہیں جن سے عورتوں کو پردہ نہ کرنا جائز ہے؟

(۲) کتنے شخص ایسے ہیں جن سے عورتوں کو گفتگو کرنا اوران کو اپنا آواز سنانا جائز ہے؟

الجواب:

(۱) تمام محارم مگر رضاعی محارم سے جوان عورت کو پردہ اولٰی ہے۔اور ممکن ہو تو محارم صہری سے بھی۔

(۲) تمام محارم اور حاجت ہو اور اندیشہ فتنہ نہ ہو،نہ خلوت ہو تو پردہ کے اندر سے بعض نامحرم سے بھی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: از ڈاکخانہ چیگانگ محلّہ میدنگ ضلع اکیاب مرسلہ محمد عمر ۵/ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

یہاں کے مسلمان اپنی عورتوں کو پہاڑوں اور جنگلوں میں بھیجتے ہیں اور غیر محرم آدمیوں سے کلام اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب شروط الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۲

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

ہنسی مذاق کرتی ہیں بالکل ہی بے دریغ و بے پردہ ہے۔ اگر ان لوگوں کو کوئی عالم وعظ ونصیحت کرے تو اس کو تمسخر واستہزاء کرتے ہیں اور طعن لعن کرتے ہیں حسب شریعت ان لوگوں پر کیا حکم ہے؟

الجواب:

یہ لوگ دیوث ہیں اور دیوث کو فرمایا کہ اس پر جنت حرام ہے۔ دیوثی بھی فقط اس فعل تک ہے وہ جو سائل نے بیان کیا کہ احکام شریعت کے ساتھ تمسخر واستہزاء اور عالم پر طعن ولعن کرتے ہیں یہ تو صریح کفر ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی** وہ ایمان سے نکل جاتے ہیں اور ان کی عورتیں نکاح سے۔

قال اللہ تعالٰی " اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ " [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ اللہ تعالٰی اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے ہو، لہٰذا معذرت نہ کرو اور بہانے نہ بناؤ۔ بلاشبہہ تم ایمان کے بعد کافر ہوگئے ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از چتوڑ ضلع مرادآباد تحصیل مرسلہ اشرف علی خاں ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مجلّوق ہے وہ اپنے اس فعل سے نہیں مانتا ہر چند اس کو سمجھایا ہے آپ تحریر فرمائیں کہ اس کا کیا حشر ہوگا اور اس کو کیا دعا پڑھنا چاہئے جس سے اس کی عادت چھوٹے۔

الجواب:

وہ گنہگار ہے۔ عاصی ہے۔ اصرار کے سبب مرتکب کبیرہ ہے۔ فاسق ہے۔ حشر میں ایسوں کی ہتھیلیاں گابھن اٹھیں گی جس سے مجمع اعظم میں ان کی رسوائی ہوگی اگر توبہ نہ کریں اور اللہ معاف فرماتا ہے جسے چاہے اور عذاب فرماتا ہے جسے چاہے۔ اسے چاہئے لاحول شریف کی کثرت کرے اور جب شیطان اس حرکت کی طرف بلائے فوراً دل سے متوجہ بخدا ہو کر لاحول پڑھے نماز پنجگانہ کی پابندی کرے نماز صبح کے بعد بلاناغہ سورۃ اخلاص شریف کا ورد رکھے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۹و۱۱۰: از فیض آباد مسجد مغل پورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن ومولوی عبدالعلی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) اگر پیر ضعیف نہیں ہے جوان ہے اور مستورات اپنی خوشی سے بےپردہ اس کی خدمت کریں ہاتھ پیر دابیں جائز ہے؟

(۲) اگر لڑکیاں جوان جن کی صرف ماں مرید ہے وہ لڑکیاں مع اپنی ماں کے پیر کے اور پیر کی اولاد کے سامنے

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۵و۶۶

آئیں شوہر یا رشتہ دار کی اجازت اس پر ہے وہ پیر اور وہ عورت اور رشتہ دار اور شوہر سب کو جائز ہے یا حرام ہے؟

الجواب:

(۱) اجنبی جوان عورت کو جوان مرد کے ہاتھ پاؤں چھونا جائز نہیں اگرچہ پیر ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر سامنے آنا بے ستری سے ہے کہ کپڑے باریک ہیں جن سے بدن چمکتا ہے یا سر کے بال یا گلے یا کلائیوں کا کوئی حصہ کھلا ہے تو سب کو حرام ہے۔ اور ستر کامل کے ساتھ ہو اور خلوت نہ ہو اور احتمال فتنہ نہ ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۱: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدابخش زردوز مالک فلور مل اسلامیہ ۲۰ ربیع الاخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ: تخمیناً ماہ سوا ماہ شادی سے قبل دولھا اور دولھن کو ابٹن ملا جاتا ہے اس کے لئے اپنے خویش واقارب برادری کی عورتیں بلائی جاتی ہیں دولھا خود بالغ ہو یا نابالغ ان کو اکثر وہ عورتیں جن سے رشتہ مذاق کا ہوتا ہے وہی بدن وغیرہ سارے بدن میں ابٹن لگاتی ہیں اور اس کے بعد سب کو گڑ تقسیم کیا جاتا ہے یہ اسراف ہے یا نہیں؟

الجواب:

ابٹن ملنا جائز ہے اور کسی خوشی پر گڑ کی تقسیم اسراف نہیں اور دولھا کی عمر نو دس سال کی ہو تو اجنبی عورتوں کا اس کے بدن میں ابٹن ملنا بھی گناہ وممنوع نہیں۔ ہاں بالغ کے بدن میں نامحرم عورتوں کا ملنا ناجائز ہے اور بدن کو ہاتھ تو ماں بھی نہیں لگاسکتی یہ حرام اور سخت حرام ہے۔ اور عورت ومرد کے مذاق کا رشتہ شریعت نے کوئی نہیں رکھا یہ شیطانی وہندوانی رسم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲: از باگ ضلع امجھرہ ریاست گوالیار مکان منشی اوصاف علی صاحب مرسلہ شیخ اشرف علی صاحب سب انسپکٹر ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

عورتیں باہم گلا ملا کر مولود شریف پڑھتی ہیں اور ان کی آوازیں غیر مرد باہر سنتے ہیں تو اب ان کا اس طریقہ سے مولود شریف پڑھنا ان کے حق میں باعث ثواب کا ہے یا کیا؟

الجواب:

عورتوں کا اس طرح پڑھنا کہ ان کی آواز نامحرم سنیں باعث ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۳: مسئولہ تاج محمد صاحب محلّہ مرزاواری از اوجین ملک مالوہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں بارہ کہ مسماۃ ہر دلعزیز طوائف بالغہ نے جلسہ عام سودوسوآدمی میں مسمّٰی دلگداز خاں سے بخوشی خاطر نکاح کیا قاضی صاحب شریعت پناہ کے نائب حسب قاعدہ شہر تشریف لائے اور باقاعدہ نکاح پڑھایا، دوروز منکوحہ مذکورہ ناکح مذکور کے گھر رہی اور پھر چار کوس مقام پر کہ وہاں دلگداز خان کا قیام ہے وہ اسے لے گیا ادھر مسماۃ ہر دلعزیز کی نائکہ مسماۃ دلکش نے بصلاح وکیل دلاور خاں بنام دلگداز خاں فراری کا مقدمہ قائم کرکے ذریعہ پولیس دلگداز خاں کو پھنسادیا اب دلاور خاں وکیل باوجود علم نکاح کے مسماۃ دلکش سے روپیہ مختنانہ معقول رقم کھا کر تدابیر اس قسم کی کررہے ہیں کہ مسماہ ہر دلعزیز دلگداز خاں سے علیحدہ کی جائے اور سپرد نائکہ ہوکر پیشہ حرام کاری کرے۔ دوران تحقیقات میں مسماۃ ہر دلعزیز کو بھی ورغلادیا ہے کہ وہ اب یہ کہتی ہے کہ میں نے بخوشی خود نکاح نہیں کیا بلکہ مجھے نشہ پلادیا تھا اور ہیچو قسم تعلیم گواہان وغیرہ جھوٹی کارروائی وکیل موصوف ونیز چند پیروکاران مسلمان منجانب مسماۃ دلکش بطمع زروبعض بسلسلہ تعلقات ناجائز کررہے ہیں اگر ان کی کوشش سے ایسا ہوگیا کہ مسماۃ ہر دلعزیز کا نکاح ناجائز قرار پایا اور وہ سپرد اس نائکہ کے ہوگئی اور طوائف کا پیشہ کرنے لگی اور اس کے بطن سے حرام کاری کی لڑکی پیدا ہوئی اور اس کی اولاد در اولاد تا قیامت حرام کاری کرتی رہی تو اس کا مواخذہ بروز حشر کس سے ہوگا عنداللہ جواب دیں فقط۔

الجواب:

ایسی بات پوچھنا فضول ہے کوئی چھپا ہوا مسئلہ ہوتا تو احتمال ہوتا کہ ان کو معلوم نہیں حکم بتادیا جاتا اور جو لوگ اللہ ورسول کو پیٹھ دے کر دیدہ ودانستہ علانیہ ایسے کبائر عظیمہ کا ارتکاب کریں ان پر فتوی کا کیا اثر ہوگا جان رہے ہیں کہ اللہ واحد قہار کا غضب اپنے سرلے رہے ہیں پھر فتوے سے کیا متاثر ہوسکتے ہیں۔ ہاں مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے قطعاً قطع تعلق کرلیں اور ان سے سلام کلام میل جول یک لخط چھوڑ دیں ایسا نہ ہو کہ ان کی آگ میں یہ بھی جل جائیں۔

قال اللہ تعالٰی وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[1]۔ وقال تعالٰی "وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ "[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا اور ظالموں کی طرف نہ جھکو ورنہ تمھیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

مسئلہ ۱۱۴: مرسلہ نظام خاں از ریوان محلّہ گھر گھر ۲۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا کہتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک بہن ہے دوسری کے ساتھ وہ زنا کا مرتکب ہے۔اور لڑکی کا باپ اور دادا حرام کرنے والے کو رکھے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی ان کی مدد کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کے معاون پڑھے لکھے ہیں شریعت سے واقف ہیں مگر اس فعل سے باز نہیں رکھتے اگر یہ تاکید کریں یقینا یہ لوگ اپنے فعل ناشائستہ سے باز رہیں۔ایسی حالت میں یہ لوگ دائرہ اسلام سے باہر ہوئے یا نہیں؟ ان سے سلام کلام،ان کا چھوا کھانا،ان کے پیچھے نماز،ان کی بیمار پرسی،ان کے جنازے کی نماز،ان کو مٹی دینا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ اگر واقعی ہے اور اس میں بدگمانی کو دخل نہیں تو وہ مرد وعورت زانی وزانیہ ہیں۔اور وہ اس کے معاون اور شنیع کبیرہ پر راضی ہونے والے،بندوبست نہ کرنے والے دیوث ہیں دیوث پر لعنت آئی ہے اسے امام بنانا ناجائز ہے۔اس سے سلام کلام ترک کردینا مناسب ہے مگر اتنی بات سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوئے۔نہ ان پر مرتدین کے احکام آسکیں جب تک **معاذاللہ** اس کبیرہ کو حلال نہ جانیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۵: از شہر محلّہ کنگھی ٹولہ مسئولہ نبی بخش ۱۱ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر عورتیں منہار کو بلا کر پردہ میں سے ہاتھ نکال کر منہار کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چوڑیاں پہنتی ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض عورتیں اپنے مردوں کے سامنے منہار کے ہاتھ سے چوڑیاں پہنتی ہیں اور بعض شخص خود اپنے موجودگی میں بلاپردہ کے اپنی عورت کو چوڑیاں پہناتے ہیں۔یہ چوڑیاں غیر مرد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر خواہ پردہ میں سے یا بلاپردہ کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حرام حرام حرام ہے۔ہاتھ دکھانا غیر مرد کو حرام ہے۔اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا حرام ہے۔جو مرد اپنی عورتوں کے ساتھ اسے روا رکھتے ہیں دیوث ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۶: از شہر بریلی مسئولہ ننھے میاں صاحب ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت بسبب ناداری کے ایک معتبر جگہ پر ملازم ہے اور زید اور اس کی عورت شریف القوم ہے کپڑا اس طرح پر نہیں استعمال کیا جاتا کہ جس سے ستر کو

نقصان پہنچے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نماز زید کے پیچھے نہیں پڑھنا چاہئے کہ اس کی عورت غیر محرم کے یہاں بے پردہ رہتی ہیں۔ اگر زوجہ زید ملازمت نہ کرے تو صرف تنخواہ زید کافی بسر اوقات کو نہیں ہو سکتی ہے۔

الجواب:

یہاں پانچ شرطیں ہیں:

(۱) کپڑے باریک نہ ہوں جن سے سر کے بال یا کلائی وغیرہ ستر کا کوئی حصہ چمکے۔

(۲) کپڑے تنگ وچست نہ ہو جو بدن کی ہیأت ظاہر کریں۔

(۳) بالوں یا گلے یا پیٹ یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔

(۴) کبھی نامحرم کے ساتھ کسی خفیف دیر کے لئے بھی تنہائی نہ ہوتی ہو۔

(۵) اس کے وہاں رہنے یا باہر آنے جانے میں کوئی مظنہ فتنہ نہ ہو۔

یہ پانچ شرطیں اگر جمع ہیں تو حرج نہیں اور ان میں ایک بھی کم ہے تو حرام پھر اگر زید اس پر راضی ہے یا بقدر قدرت بندوبست نہیں کرتا تو ضرور اس پر بھی الزام ورنہ نہیں۔

قال تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اللّٰه تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ (وزن) نہ اٹھائے گی۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۷: از ناتھ دوارہ ریاست اودیپور ملک میواڑ

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم ط ے اے کارساز قبلہ حاجات کارہا آغاز کردہ ایم رسانی بانتہا الحمدللّٰه رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰۃ و السلام علی رسوله محمد واله واصحابه اجمعین۔	اللّٰه تعالٰی کے بابرکت نام سے شروع، جو بے حد رحم کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ (ت) اے کارساز اور اے حاجتوں میں قبلہ (کی حثیت رکھنے والے) ہم نے کاموں کی ابتداء تو کردی لیکن انتہا اور تکمیل پہنچا دینا تیرا کام) ہے۔ (ت) جملہ تعریف وستائش اس اللّٰه تعالٰی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اچھا انجام ان خوش نصیب حضرات کے لئے ہے جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور درود وسلام اس کے برگزیدہ رسول محمد کریم پر ہو اور ان کی سب اولاد اور تمام ساتھیوں پر ہو۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۸

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب جو کہ علم فقہ وحدیث سے واقف ہیں لوگوں کو پندووعظ بھی کیا کرتے ہیں مگر ان کی مستورات نہایت بدعت وشرک میں مبتلا ہوتی ہیں جس کااظہار مندرجہ ذیل ہے کہ محرم شریف کی تاریخ ۱۳ کو مستورات کو جمع کرکے اور ان سے چندہ جمع کرواکر چند اشیاء بازار سے خود جاکر مع مستورات کے خرید کرکے لانا، ۱ چاول خام و ۲ پھل و ۳ مٹھائیاں، و ۴ نخودبریاں و ۵ پھولی جوار و ۶ عطر و ۷ اگربتی وغیرہم مہیا کرکے قبرستان میں مع مستورات مذکورہ کے لے جانا اور وہاں جاکر ایک سفید چادر کازمین پر بچھانا اور کامل اشیاء مذکورہ بالا کو چادر کے چاروں کونہ اور وہاں حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اہلبیت وشہیدان کربلا کو اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی روح مطہر کو حاضر جان کر وہاں مع جملہ مستورات کے سینہ زنی وماتم پرسی کروانا اور خود بھی بے پردگی کرنا بعدہ نہایت ادب وتعظیم کے ساتھ ان اشیاء مذکورہ بالاپر فاتحہ وغیرہ دے کر تقسیم کرنا اور اولاد ودیگر امور کے بارے میں دعا کرنا اور ان مستورات کے خاوندوں کاان کو ہدایت نہ کرنا اور ایسے شخص کے بارہ میں اللہ ورسول کا کیا حکم ہے اور ایسے شخص کو شرع شریف میں کیا کہنا لازم آتا ہے اور مسلمانوں کو ایسے آدمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ براہ مہربانی جیسا حکم موافق شرع کے ہو وہ مع حدیث وفقہ وحوالہ وآیت کلام اللہ وحدیث کے ارقام فرمادیں تاکہ مستورات خوف خدا کرکے باز آئیں اللہ تعالٰی آپ کو اجر عظیم فرمائے گا۔

الجواب:

عورات کا قبرستان جانا ممنوع ہے۔ اور سینہ زنی حرام ہے۔ اور یہ طریقہ بدعت ہے اور بے پردگی فاحشہ ہے۔ ایسا شخص مبتدع ہے۔ مسلمانوں کو اس سے احتراز چاہئے۔

مسئلہ ۱۱۸: از شہر بالجتی کنواں ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین جن کی بیویاں تعزیہ دیکھنے دروازہ پر جائیں یانویں محرم الحرام کو تنہا یا دیگر عورات کے ہمراہ یاخورد سالہ بچے کے ہمراہ یاتمام شب تعزیہ دیکھیں اور خاوند محافظ گھر رہیں ان کا نکاح رہا؟ ایسی بیویوں کی اولاد حلالی ہے یانہیں؟

الجواب:

عورتوں کا گھر سے نکلنا خصوصًا تماشہ دیکھنے کو ناجائز ہے اور مردوں کا اسے روا رکھنا بے غیرتی ہے مگر اس سے نکاح یااولاد میں کوئی خلل نہیں آتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۹و۱۲۰: از موضع ضلع گوڑگانوہ ڈاک خانہ ڈہنیہ مسئولہ محمد یسین خان ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں:

(۱) پیر سے پردہ ہے یا نہیں؟

(۲) ایک بزرگ عورتوں سے بغیر حجاب کے حلقہ کراتے ہیں اور حلقہ کے بیچ میں خود بزرگ صاحب بیٹھتے ہیں توجہ ایسی دیتے ہیں کہ عورتیں بیہوش ہوجاتی ہیں اچھلتی کودتی ہیں اور اللہ کی آواز مکان سے باہر دور دور سنائی دیتی ہے۔ان سے بیعت ہونا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) پیر سے پردہ واجب ہے جبکہ محرم نہ ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) یہ صورت محض خلاف شرع وخلاف حیاء ہے۔ایسے پیر سے بیعت نہ چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

سلام وتحیت وتعظیم سادات

مصافحہ، معانقہ، بوسہ دست وپاوقبر، طواف قبر اور سجدہ تعظیمی وغیرہ

مسئلہ ۱۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید کہتا ہے کہ معانقہ ہر وقت میں حرام اور مصافحہ کرنا مسنون، عمرو کہتا ہے کہ معانقہ کرنا وقت آمد ورفت سفر اور یوم عید اور ہنگام خوشی اور خصوصًا معانقہ کرنا ایک دلیل قوی بنابر افزونی اخلاص ومحبت مابین اہل اسلام ہے۔ جب زید معتقد اس امر کا ہے کہ معانقہ حرام اور مصافحہ مسنون زید مرتکب گناہ صغیرہ کا ہے یا گناہ کبیرہ کا پس جس شخص پر گناہ کبیرہ عاید ہوا یا صغیرہ تو اس پر توبہ جلسہ عام میں آئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پائے۔ت) فقط۔

الجواب:

کپڑوں کے اوپر معانقہ جہاں خوف فتنہ، شہوت نہ ہو بلاریب مشروع ہے اس کے جواز پر تمام ائمہ مجتہدین کا اجماع اور سفر وغیر سفر میں بشرائط مذکورہ مطلقًا جائز۔ تخصیص سفر کی حدیث وفقہ سے ثابت نہیں نہ کہ استغفر اللہ مطلقًا حرام ہو ابو جعفر عقیلی حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال سالت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم وصالح ودھم وان اول من عانق خلیل اللہ ابراھیم[1]۔	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معانقہ کا مسئلہ دریافت کیا۔ارشاد فرمایا تحیت ہے امتوں کی اور اچھی دوستی ہے ان کی،اور بیشک پہلے جس نے معانقہ کیا اللہ تعالٰی کے خلیل ابراہیم ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اس حدیث میں صریح تائید ہے عمرو کے قول کی کہ معانقہ ایک دلیل قوی ہے۔افزونی محبت پر۔شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

امامعانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع است خصوصًا نزد قدوم از سفر[2] الخ۔	اگر کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو گلے ملنا جائز ہے خصوصًا جبکہ آدمی سفر سے آئے الخ۔(ت)

درمختار میں ہے:

وکرہ تحریما تقبل الرجل ومعانقتہ فی ازار واحد،وقال ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی لاباس بالتقبیل و المعانقۃ فی ازار واحد ولو کان علیہ قمیص اوجبۃ جاز بلا کراھۃ بالاجماع وصححہ فی الھدایۃ وعلیہ المتون[3] انتھی ملخصًا۔	کسی مرد کو بوسہ دینا اور اس سے گلے ملنا ایک چادر میں مکروہ تحریمی ہے۔امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:ایک ازار میں بوسہ دینے اور معانقہ کرنے میں حرج نہیں اور اگر وہ کرتہ پہنے ہو یا جبہ تو بغیر کسی کراہت کے بالاجماع جائز ہے ہدایہ میں اس کی تصحیح فرمائی اور اسی کے مطابق سارے متون ہیں انتہی ملخصًا۔(ت)

اور ایسا ہی شیخ محقق نے کافی سے نقل کیا:

حیث قال وگفتہ اند کہ خلاف در جائیست کہ برہنہ تن باشند اما باقمیص وجبہ لاباس بہ است باجماع	شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ لوگوں نے کہا ہے کہ معانقہ وغیرہ میں اس جگہ اختلاف ہے کہ جہاں ننگے ہوں،

---

[1] الضعفاء الکبیر للعقیلی حدیث ۱۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۵۵

[2] اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب المصافحۃ والمعانقۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۰

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

وھو الصحیح کذافی الکافی [1]۔	لیکن اگر کرتہ یا جبہ پہنے ہوں تو پھر بالاجماع کوئی حرج نہیں، اور یہی صحیح ہے یونہی کافی میں مذکور ہے۔(ت)

البتہ اگر دونوں ننگے بدن ہوں تو اس صورت کو بعض روایات میں مکروہ کہا ہے۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یوں بھی کچھ حرج نہیں۔ بیشک جہاں خوف فتنہ ہو مثلاً عورت یا امرد خوبصورت سے معانقہ کرنا خصوصاً جبکہ بنظر شہوت ہو تو اس صورت کی کراہت وعدم جواز میں کسی کو کلام نہیں شرح وقایہ کی کتاب الکراہیۃ میں ہے:

وکرہ تقبیل الرجل و عناقہ فی ازار واحد وجاز مع قمیص ومصافحۃ ش عطف علی الضمیر فی جاز ھذا عند ابی حنیفہ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی عنہ لاباس بھما فی ازار واحد و امامع القمیص فلا باس بالاجماع والخلاف فیما یکون للمحبۃ واما بالشھوۃ فلا شك فی الحرمۃ اجماعًا [2] انتھی۔	کسی مرد کو بوسہ دینا اور ایک چادر میں اس سے گلے ملنا مکروہ ہے البتہ کرتہ پہنے ہوں تو جائز ہے۔ اور مصافحہ کرنا بھی جائز ہے۔(تشریح) "مصافحتہ" اس عبارت کا عطف "جاز" کی ضمیر پر ہے۔ اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے لیکن امام ابویوسف نے فرمایا: اللہ تعالٰی سب پر رحم فرمائے بوسہ دینا اور معانقہ کرنا اگر ایک چادر میں ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر قمیص پہنے ہو تو پھر بالاتفاق کچھ مضائقہ نہیں۔ اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ یہ کام پیار ومحبت کے انداز میں ہو لیکن اگر شہوت سے ہو تو پھر اجماعاً حرمت میں کوئی شک نہیں انتہی (ت)

جن روایتوں میں معانقہ سے نفی آئی ہے ان میں جمعا بین الاحادیث یہی صورت مقصود، امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کہ اہل سنت کے پیشوا ہیں اس معنی کی تصریح فرمائی کماذکرہ الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ (جیسا کہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں بیان فرمایا۔ت) سو اس صورت میں مصافحہ بھی نادرست ہے کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) احادیث کثیرہ میں وارد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام سے بارہا بحالت سفر اور بلا سفر معانقہ فرمایا اور اسے جائز رکھا۔ صحیح ترمذی میں عائشہ صدیقہ

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب المصافحۃ والمعانقۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۱

[2] شرح الوقایہ کتاب الکراہیۃ مسئلۃ التقبیل والاعتناق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۵۴ تا ۵۶

رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ شریف آئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے معانقہ کیااور بوسہ دیا:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت قدم زید بن حارثۃ المدینۃ و رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی بیتی فاتاہ فقرع الباب فقام الیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عریانا یجر ثوبہ واللہ مارأیتہ عریانا قبلہ ولابعدہ فاعتنقہ وقبلہ[1]۔	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: جب زید بن حارثہ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرماتھے۔جب حضرت زید نے آکر دروازے پر دستک دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برہنہ ہی اٹھ کر اسی حالت میں ان سے ملنے تشریف لے گئے۔حالت یہ تھی کہ اس وقت اپنا کپڑا گھسیٹے جارہے تھے خدا کی قسم میں نے آپ کو اس سے پہلے یااس کے بعد کبھی برہنہ نہیں دیکھا،پھرآپ نے انھیں گلے لگالیااور انھیں بوسہ دیا۔(ت)

سنن ابوداؤد اور بیہقی میں شعبی سے مروی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو گلے لگایااور بوسہ دیا،

عن الشعبی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تلقی جعفر بن ابی طالب فالتزمہ وقبلہ بین عینیہ[2]۔	امام شعبی سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعفر بن ابی طالب سے ملے تو انھیں گلے لگایا اور دو آنکھوں کے درمیان انھیں بوسہ دیا۔(یعنی ان کی پیشانی چومی)۔(ت)

امام احمد وابوداؤد ونسائی وغیرہم بہیسہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی کہ ان کے والد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اذن لے کر قمیص مبارک کے اندر اپنا سر لے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گلے لگا کر بوسہ دینا شروع کیااور عرض کی یارسول اللہ! کیا چیز روکنا جائز نہیں؟ فرمایا: پانی۔عن امرأۃ یقال لہا بھیسۃ عن ابیہا قالت استأذن ابی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] جامع الترمذی کتاب الاستیذان والادب باب ماجاء فی المعانقۃ والقبلۃ امین کمپنی کراچی ۲/ ۹۸۔۹۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ مابین العینین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

وسلم فدخل بینہ وبین قمیصہ فجعل یقبل ویلتزم ثم قال یانبی اللہ ماالشیئ الذی لایحل منعہ قال الماء [1] الحدیث۔

امام ابوالقاسم سلیمن بن احمد طبرانی جناب ہالہ بن ابی ہالہ فرزندار جمند حضرت ام المومنین خدیجہ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور آرام فرماتے تھے۔ ان کی آواز سن کر جاگے اور انھیں سینہ اقدس سے لگایا اور بغایت محبت فرمایا۔ ہالہ، ہالہ، ہالہ!

عن ہالۃ بن ابی ہالۃ انہ دخل علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہو راقد فاستیقظ فضم ہالۃ الی صدرہ وقال ہالۃ ہالۃ ہالۃ [2]۔

طبرانی معجم کبیر اور ابن شاہین کتاب السنۃ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے ایک غدیر میں تشریف لے گئے۔ پھر فرمایا ہر شخص اپنے اپنے یار کی طرف پیرے۔ اور خود حضور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف پیر گئے اور انھیں گلے لگا کر فرمایا یہ میرا یار ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال دخل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ غدیرا فقال لیسبح کل رجل الی صاحبہ فسبح کل رجل منہم الی صاحبہ حتی بقی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فسبح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ حتی اعتنقہ ف فقال لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکنہ صاحبی ف [3]۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھی ایک تالاب میں داخل ہوگئے۔ پھر فرمایا: ہر آدمی اپنے ساتھی کی طرف تیرے۔ پھر ہر شخص اپنے اپنے دوست کی طرف تیرنے لگا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صدیق اکبر رہ گئے پھر آپ اپنے ساتھی ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ تیرنے لگے اور انھیں گلے لگایا اور فرمایا: اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا دوست ہے۔ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب مایجوز منعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۵

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۳۸۰۶ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۷۶۴

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۶۷۶ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/ ۲۶۱

ف: خط کشیدہ الفاظ حدیث المعجم الکبیر کی حدیث ۱۱۹۳۸ میں ۱۱/ ۳۳۹ پر ملاحظہ ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہاں سفر سے آنا جانا بھی نہ تھا اور سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کرتہ اٹھانے کو عرض کیا: حضور نے اپنے بدن اقدس سے کرتہ اٹھادیا وہ حضور کو لپٹ گئے اور تہیگاہ اقدس پر بوسہ دیا اور حضور نے منع نہ فرمایا:

عن اُسید بن حضیر رجل من الانصار قال بینما ھو یحدث القوم وکان فیه مزاح بیننا یضحکھم فطعنه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی خاصرته بعود فقال اصبرنی قال اصطبر قال ان علیك قمیصا ولیس علی قمیص فرفع النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن قمیصه فاحتضنه وجعل یقبل کشحه قال انما اردت ھذا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [1]۔	حضرت اسید بن حضیر سے روایت ہے کہ جو ایک انصاری آدمی تھے، وہ لوگوں سے باتیں کررہے تھے، اور وہ ہمارے درمیان ایک مزاح کرنے والے آدمی تھے جو لوگوں کو ہنسایا کرتے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لکڑی سے ان کے پہلوں میں ٹھونک ماری تو وہ کہنے لگے میرے لئے صبر کیجئے، آپ نے فرمایا: میں صبر کرتا ہوں، وہ کہنے لگے کہ آپ تو کرتہ پہنے ہوئے ہیں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جسم اقدس سے کپڑا اٹھایا تو وہ آپ کے جسم اقدس سے لپٹ گئے اور آپ کے پہلو مبارک کو بوسہ دینے لگے۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو یہی ارادہ رکھتا تھا۔ (ت)

احمد یعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں ایک بار حسن و حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما دوڑتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے، حضور نے اپنے بدن اقدس سے چپٹا لیا۔ **عن یعلی قال ان جاء حسن وحسین رضی اللہ تعالٰی عنھما یستبقان الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فضمھما الیه** [2]۔

ابوداؤد اپنے سنن میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملتا حضور مجھ سے مصافحہ فرماتے ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا میں گھر میں نہ تھا، جب آیا خبر پائی، حاضر ہوا، حضور نے مجھے اپنے بدن سے لپٹا لیا۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ الجسد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن یعلی بن مرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۷۲

عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنزۃ انہ قال قلت لابی ذر ھل کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصافحکم اذا لقیتموہ قال مالقیتہ قط الاصافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت انہ ارسل الی فاتیتہ وھو علی سریرہ فالتزمنی فکانت تلك اجود واجود[1]۔	حضرت ایوب بن بشیر قبیلہ عنزہ میں سے ایک صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں فرمایا میں نے حضرت ابوذر سے پوچھا: جب تم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرتے تو کیا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تم سے مصافحہ کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی مگر آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا، ایک دن آپ نے مجھے آدمی بھیج کر بلایا مگر اس وقت میں گھر پر نہ تھا۔ جب میں واپس آیا اور مجھے آپ کے یاد فرمانے کی اطلاع ہوئی تو حاضر خدمت ہوا اور اس وقت آپ ایک تخت پر جلوہ افروز تھے پھر آپ نے اسی حالت میں مجھے گلے لگایا۔ یہ موقعہ بڑا اچھا اور بڑا شاندار تھا۔ (ت)

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں:

حافظ خطیب بغدادی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت می کند کہ روزے نزد آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر بودیم ارشاد فرمودند کہ حالا شخصے می آید کہ حق تعالٰی بعد ازیں کسے را بہتر از وپیدانہ کردہ است وشفاعت او را روز قیامت مثل شفاعت پیغمبران باشد، جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ گوید ملتے نگزشتہ بود کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف آوردند۔ پس آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برخاستند وبرپیشانی ایشاں بوسہ دادند ودر کنار گرفتہ ساعتے آنست حاصل کردند[2]۔	حافظ خطیب بغدادی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی ایک شخص آئے گا کہ اللہ تعالٰی نے اس کے بعد اس سے بہتر کوئی نہیں پیدا فرمایا۔ قیامت کے دن لوگوں کے حق میں اس کی شفاعت انبیاء کرام کی طرح ہوگی۔ حضرت جابر (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو) نے فرمایا کہ کچھ زیادہ دیر نہ گزری کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لے آئے پھر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے (استقبال) کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ان سے بغلگیر

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی المعانقۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۲

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) پارہ عم سورۃ اللیل مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۰۶-۳۰۷

	ہوئے اور کچھ دیر تک ایک دوسرے سے مانوس ہوتے رہے۔(ت)

یہ سب صورتیں معانقہ بے سفر کی ہیں اور شیخ محقق ترجمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

سیوطی در جمع الجوامع از معصب بن عبداللہ آوردہ کہ چوں آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن ابی جہل رادید بایستادہ وبجانب اور فت واعتناق کرد فرمود مرحبابالراکب المھاجر [1]	علامہ سیوطی "جوامع الجوامع" میں حضرت مصعب بن عبد اللہ سے روایت لائے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بن ابوجہل کو دیکھ تو اٹھ کھڑے ہوئے اور چند قدم چل کر اس کی طرف تشریف لے گئے پھر اسے گلے لگایا اور ارشاد فرمایا: خوش آمدید اے ہجرت کرنے والے سوار!(ت)

بالجملہ احادیث اس بارے میں بکثرت وارد، اور فقہاء کا قول سن ہی چکے کہ بے خوف فتنہ کپڑوں کے اوپر معانقہ بالاجماع بلا کراہت جائز ہے تو قول زید کہ معانقہ کرنا ہر وقت میں حرام ہے محض غلط و باطل ہے۔ اور شریعت مطہرہ پر کھلا افتراء وہ اپنے اس قول میں صحیح حدیثوں کو جھٹلاتا اور اجماع ائمہ کا خرق کرتا ہے اگر سچا ہے تو حدیث وفقہ سے اپنا دعوی علی الاطلاق ثابت کردے ورنہ خدا اور سول پر بہتان کرنے کا اقرار کرے اور جب معانقہ بشرائط مذکورہ بالا بلا تخصیص وقت وحال حدیث وفقہ سے مشروع ٹھہرا تو جس وقت وجس زمانہ میں کیا جائے گا مشروع ہی رہے گا اور مجرد خصوصیت وقت باعث حرمت نہ ہوجائیگی پس وہ معانقہ جو بعد نماز عید ہمارے زمانہ میں رائج ہے بشرائط مسطورہ بالا بلاشبہہ مشروع وجائز ہے اصل اس کی احادیث واجماع سے ثابت۔ گو تخصیص اس وقت کی قرون ثلثہ میں نہ پائی جائے،

کما صرح بمثل ذٰلك الامام العلامۃ النووی فی الاذکار والفاضل علاؤالدین فی الدر المختار وغیرھما فی غیرھما۔	جیسا کہ امام نووی نے "الاذکار" میں اور فاضل علاؤالدین نے "در مختار" میں اور ان دونوں کے علاوہ باقی اہل علم نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی۔(ت)

اور جو گناہ علانیہ کیا ہو اس کی توبہ بھی علانیہ چاہئے اور پوشیدہ کی پوشیدہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب** (اللہ تعالٰی ٹھیک بات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۲۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معانقہ بے حالت سفر بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کہ اسے قدوم مسافر کے ساتھ خاص اور اس کے غیر میں ناجائز بتاتا ہے۔ قول اس کا شرعًا

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب الادب باب المصافحۃ والمعانقۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۳

کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

کپڑوں کے اوپر سے معانقہ بطور بر و کرامت واظہار محبت بے فساد نیت و مواد شہوت بالاجماع جائز، جس کے جواز پر اعادیث کثیرہ وروایات شہیرہ ناطق۔ اور تخصیص سفر کا دعوٰی محض بے دلیل۔ احادیث نبویہ وتصریحات فقہیہ اس بارے میں بروجہ اطلاق وارد۔ اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب۔ اور بے مدرک شرعی تقیید اور تخصیص مردود و باطل ورنہ نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) ابن ابی الدنیا کتاب الاخوان اور دیلمی مسند الفردوس میں اور ابو جعفر اپنی کتاب میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

واللفظ للعقیلی انہ قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم وصالح ودھم وان اول من عانق خلیل اللہ ابراھیم[1]۔	(الفاظ محدث عقیلی کے ہیں کہ تمیم داری نے فرمایا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معانقہ کو پوچھا۔ فرمایا: تحیت ہے امتوں کی اور اچھی دوستی ان کی، اور بیشک پہلے معانقہ کرنے والے ابراہیم خلیل اللہ ہیں علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

خانیہ میں ہے:

ان کانت المعانقۃ من فوق قمیص اوجبۃ جاز عند کل اھ ملخصًا[2]۔	گلے ملنا اگر قمیص یا جبہ پہن کر ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ اھ ملخصًا (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

اذا کان علیھما قمیص اوجبۃ جاز بالاجماع[3] **اھ مختصرًا**۔	اگر دونوں نے قمیص یا جبہ پہن رکھا ہو تو بالاتفاق جائز ہے اھ مختصرًا (ت)

ہدایہ میں ہے:

[1] الضعفاء الکبیر حدیث ۱۱۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ باب فیما یکرہ من النظر والمس نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۳

[3] مجمع الانہر کتاب الکراہیۃ فصل فی بیان احکام النظر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۱

قالوا الخلاف فی المعانقة فی ازار واحد واما اذا کان علیه قمیص او جبة فلا باس بها بالاجماع وھو الصحیح[1]۔	فقہائے کرام نے فرمایا اختلاف اس معانقہ میں ہے جو صرف ایک چادر کے ساتھ ہو لیکن جب قمیص یا جبہ پہن رکھا ہو تو بالاتفاق گلے ملنے میں کوئی قباحت نہیں۔اور یہی صحیح ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوکان علیه قمیص او جبة جاز بلا کراھة بالاجماع وصححه فی الھدایة وعلیه المتون[2]۔	اگر آدمی قمیص یا جبہ پہنے ہو پھر معانقہ کرنا بغیر کراہت بالاتفاق جائز ہے۔ہدایہ میں اس کو صحیح قرار دیا گیا اور متون فقہ اسی کے مطابق ہیں۔(ت)

شرح نقایہ میں ہے:

عناقه اذا کان معه قمیص او جبة او غیر لم یکرہ بالاجماع وھو الصحیح[3] اھ ملخصًا۔	معانقہ کرنا بایں صورت کہ جبہ یا قمیص پہن رکھی ہو بالاتفاق مکروہ نہیں۔اور یہی صحیح ہے اھ ملتقطًا(ت)

اسی طرح امام نسفی نے کافی پھر علامہ اسمٰعیل نابلسی نے حاشیہ درر،اور شیخ محقق نے لمعات میں تصریح فرمائی۔اور اسی پر فتاوٰی ہندیہ وحدیقہ ندیہ وشرح درر مولٰی خسرو وغیرہا میں جزم کیا اور یہی وقایہ ونقایہ وکنز واصلاح وغیرہا متون کا مفاد اور شروح ہدایہ وحواشی درمختار وغیرہا میں مقرر،ان سب میں کلام مطلق ہے کہیں تخصیص سفر کی بو نہیں۔اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع است خصوصًا نزد قدوم از سفر[4]۔	اگر کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو معانقہ جائز ہے بالخصوص اس وقت جبکہ سفر سے واپسی ہو۔(ت)

یہ خصوصًا بطلاں تخصیص پر نص صریح ہے رہیں احادیث نہی ان میں زید کے لئے حجت نہیں کہ ان سے اگر ثابت ہے تو نہی مطلق،پھر اطلاق پر رکھئے تو حالت سفر بھی گئی حالانکہ اس میں زید بھی ہم سے موافق۔اور توفیق پر چلے تو علماء فرماتے ہیں وہاں معانقہ بروجہ شہوت مراد،اور پر ظاہر کہ ایسی صورت

---

[1] الھدایة کتاب الحظر والاباحة فصل فی الاستبراء مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۶۶

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

[3] شرح النقایة للبرجندی باب الکراھیة نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۸۱

[4] اشعة اللمعات کتاب الادب باب المصافحة والمعانقة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۰

میں تو بحالت سفر بھی بلکہ مصافحہ بھی ممنوع تا بمعانقہ چہ رسد، امام فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق اور اکمل الدین بابرتی عنایہ اور شمس الدین قہستانی جامع الرموز اور آفندی شیخی زادہ شرح ملتقی الابحر اور شیخ محقق دہلوی شرح مشکوٰۃ اور امام حافظ الدین شرح وافی اور سید امین الدین آفندی حاشیہ شرح تنویر مولٰی عبدالغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں اور ان کے سوا اور علماء ارشاد فرماتے ہیں:

وھذا لفظ الاکمل قال وفق الشیخ ابومنصور (یعنی الماتریدی امام اھل السنت و سید الحنفیۃ) بین الاحادیث فقال المکروہ من المعانقۃ ماکان علی وجہ الشھوۃ عبر عنہ المصنف (یعنی امام برہان الدین الفرغانی) بقولہ فی ازار واحد فانہ سبب یفضی الیھا فاما علی وجہ البر والکرامۃ اذا کان علیہ قمیص اوجبۃ فلا باس بہ اھ[1]۔	یہ الفاظ امام اکمل الدین بابرتی کے ہیں انھوں نے فرمایا شیخ ابومنصور ماتریدی جو اہلسنت کے امام اور احناف کے پیشوا ہیں انھوں نے بظاہر باہم متعارض حدیثوں میں مطابقت اور موافقت کی روش اختیار کی، چنانچہ فرمایا وہ معانقہ مکروہ ہے جو شہوانی جذبات کے ساتھ ہو جس کی تعبیر مصنف یعنی امام برہان الدین فرغانی نے اپنے قول "فی ازار واحد" (صرف ایک چادر کے ساتھ) کی ہے کیونکہ یہ ایک ایسا سبب ہے جو شہوت رانی تک پہنچادیتا ہے۔ لیکن اگر معانقہ نیکی اور اکرام کے جذبے کے ساتھ ہو اور قمیص یا جبہ پہن کر کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اھ (ت)

اور کیونکر روا ہوگا کہ بحالت سفر کے معانقہ کو مطلقاً ممنوع ٹھہرائے حالانکہ احادیث کثیرہ میں ثابت کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہا بے صورت مذکورہ بھی معانقہ فرمایا:

حدیث اوّل: بخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ بطریق عدیدہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

وھذا لفظ مولف منھا دخل حدیث بعضھم فی بعض قال خرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فجلس بفناء بیت فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال ادعی الحسن بن	یعنی ایک بار سید دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلایا۔ حضرت زہرا نے

[1] الغنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الکراہیۃ فصل فی الاستبراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۸۵

علی فحبسته شیئا فظننت انها تلبسه سخابا او تغسله فجاء یشتد وفی عنقه السخاب فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بیده هکذا فقال الحسن بیده هکذا حتی اعتنق کل واحد منهما صاحبه فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اللهم انی احبه فاحببه واحب من یحبه[1]۔	بھیجنے میں کچھ دیر کی میں سمجھا انھیں ہار پہناتی ہوں گی یا نہلا رہی ہوں گی اتنے میں دوڑتے ہوئے حاضر ہوئے گلے میں ہار پڑا تھا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دست اقدس بڑھائے حضور کو دیکھ کر امام حسن نے بھی ہاتھ پھیلا دئے یہاں تک کہ ایک دوسرے کو لپٹ گئے۔ حضور نے گلے لگا کر دعا کی: الٰہی! میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اسے دوست رکھ، جو اسے دوست رکھے گا اسے دوست رکھ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث دوم: صحیح بخاری میں امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یاخذ بیدی فیقعدنی علی فخذه ویقعد الحسن علی فخذه الاخری ثم یضمها ثم یقول اللهم ارحمها فانی ارحمها[2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر ایک ران پر مجھے بٹھا لیتے اور دوسری پر امام حسن کو پھر دونوں کو لپٹا لیتے۔ پھر دعا فرماتے الٰہی! میں ان پر مہر کرتا ہوں تو ان پر رحم فرما۔

حدیث سوم: اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے:

ضمنی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی صدره وقال اللهم علمه الحکمة[3]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے سینے سے لپٹا لیا اور دعا فرمائی: الٰہی! اسے حکمت سکھا دے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب السخاب للصبیان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل الحسن والحسین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸۲

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب وضع الصبی علی الفخذ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۸

[3] صحیح البخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مناقب ابن عباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۳۱

حدیث چہارم: امام احمد اپنی مسند میں یعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انه جاء حسن وحسین رضی الله تعالٰی عنه عنهما یستبقان الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فضمهما الیه[1]۔	ایک بار دونوں صاحبزادے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آپس میں دوڑ کرتے ہوئے آئے حضور نے دونوں کو لپٹا لیا

حدیث پنجم: جامع ترمذی میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث ہے:

سئل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ای اهل بیتك احب الیك قال الحسن والحسین وکان یقول لفاطمة ادعی لی ابنی فیشمهما ویضمهما الیه[2]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضور کو اپنے اہلبیت میں سے زیادہ پیارا کون ہے۔ فرمایا: حسن وحسین۔ اور حضور دونوں صاحبزادوں کو حضرت زہرا سے بلوا کر سینے سے لگاتے اور ان کی خوشبو سونگھتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث ششم: امام ابوداؤد اپنی سنن حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالٰی تعالٰی عنہما سے راوی:

بینما هو یحدث القوم وکان فیه مزاح بینما یضحکهم فطعنه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی خاصرته بعود فقال اصبرنی فقال اصطبر قال ان علیك قمیصا ولیس علی قمیص فرفع النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن قمیصه فاحتضنه وجعل یقبل کشحه قال انما	اس اثناء میں کہ وہ باتیں کررہے تھے اور ان کے مزاج میں مزاح تھا لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لکڑی ان کے پہلوں میں چبھوئی، انھوں نے عرض کی: مجھے بدلہ دیجئے۔ فرمایا: لے۔ عرض کی: حضور تو کرتا پہنے ہیں اور میں ننگا تھا۔ حضور نے کرتا اٹھادیا انھوں نے حضور کو اپنے کنار میں

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن یعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۷۲
[2] جامع الترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۸

اردت ہذا یارسول اللہ [1]۔	لیا اور تہیگاہ اقدس کو چومنا شروع کیا پھر عرض کی: یارسول اللہ! میرا یہی مقصود تھا۔ ع دل عشاق حیلہ گر باشد (عاشقوں کا دل کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ تلاش کرلیتا ہے۔ت) صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی کل من احبہ وبارک وسلم۔

حدیث ہفتم: اسی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے:

مالقیتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قط الاصافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت انہ ارسل الی فاتیتہ وھو علی سریرہ فالتزمنی فکانت تلك اجود واجود [2]۔	میں جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے۔ ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا۔ میں گھر میں نہ تھا۔ آیا تو خبر پائی حاضر ہوا۔ حضور تخت پر جلوہ فرما تھے۔ مجھے گلے سے لگایا تو یہ اور زیادہ جید و نفیس تر تھا۔

حدیث ہشتم: ابویعلی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

قالت رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم التزم علیا وقبلہ ویقول بابی الوحید الشھید [3]۔	میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے مولا علی کو گلے لگایا اور پیار کیا، اور فرماتے تھے میرا باپ نثار اس وحید شہید پر۔

حدیث نہم: طبرانی معجم کبیر اور ابن شاہین کتاب السنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں:

دخل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ غدیرا فقال لیسبح کل رجل الی صاحبہ فسبح کل رجل منھم الی صاحبہ	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ایک تالاب میں تشریف لے گئے حضور نے ارشاد فرمایا: ہر شخص اپنے یار کی طرف پیرے۔ سب نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ صرف

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ الجسد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی المعانقۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۲

[3] مسند ابویعلی ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۴۵۵۸ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۳۱۸

حتی بقی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر فسبح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی ابی بکر حتی اعتنقہ فقال لوکنت ف متخذ اخلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکنہ صاحبی[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق باقی رہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدیق کی طرف پیر کر تشریف لے گئے اور انھیں گلے لگا کر فرمایا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا یار ہے۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی صاحبہ وبارک وسلم۔

حدیث دہم: خطیب بغدادی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال کنا عند النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یطلع علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احداھو خیر منہ ولا افضل۔ولہ شفاعۃ مثل شفاعۃ النبیین فما برحنا حتی طلع ابوبکر الصدیق فقام النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقبلہ والتزمہ[2]۔	ہم خدمت اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر تھے ارشاد فرمایا اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالٰی نے میرے بعد اس سے بہتر وبزرگ تر کسی کو نہ بنایا اور اس کی شفاعت انبیاء کی مانند ہوگی ہم حاضر ہی تھے کہ ابوبکر نظر آئے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قیام کیا اور صدیق کو پیار کیا اور گلے لگایا۔

حدیث یازدہم: حافظ عمر بن محمد ملا اپنی سیرت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واقفا مع علی بن ابی طالب اذ اقبل ابوبکر فصافحہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعانقہ وقبل فاہ قال علی اتقبل فا ابی بکر فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا ابا الحسن منزلۃ	میں نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کھڑے دیکھا، اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ حاضر ہوئے۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے مصافحہ فرمایا اور گلے لگایا اور ان کے دہن پر بوسہ دیا۔ مولٰی علی

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۶۷۶ و ۱۱۹۳۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۲۶۱ و ۳۳۹

[2] تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ترجمہ محمد بن العباس ابوبکر القاص دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۲۴

ف: خط کشیدہ الفاظ حدیث المعجم الکبیر کی حدیث ۱۱۹۳۸ میں ۱۱/ ۳۳۹ پر ملاحظہ ہوں

ابوبکر عندی کمنزلتی عند ربی [1]۔	کرم اللہ وجہہ نے عرض کی کیا حضور ابوبکر کا منہ چومتے ہیں، فرمایا اے ابوالحسن! ابوبکر کا مرتبہ میرے یہاں ایسا ہے جیسا کہ میرا مرتبہ اپنے رب کے حضور۔

حدیث دوازدہم: ابن عبدربہ کتاب بہجۃ المجالس میں مختصرا اور ریاض نضرہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مطولا صدیق اکبر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ابتدائے اسلام میں اظہار اسلام اور کفار سے ضرب وقتال فرمانا اور ان کے چہرہ مبارک پر ضرب شدید آنا اس سخت صدمہ میں بھی حضور اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال رہنا۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالارقم میں تشریف فرما تھے اپنی ماں سے خدمت اقدس میں لے چلنے کی درخواست کرنا مفصلا مروی یہ حدیث بتمامہ ہماری کتاب مطلع القمرین فی ابانۃ العمرین میں مذکور، اس کے آخر میں ہے:

حتی اذاھدأت الرجل وسکن الناس خرجتابہ یتکیئ علیھما حتی ادخلتاہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قالت فانکب علیہ فقبلہ وانکب علیہ المسلمون ورق لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رقۃ شدیدۃ الحدیث [2]۔	یعنی جب پچل موقوف ہوئی اور لوگ سو رہے ان کی والدہ ام الخیر اور حضرت فاروق اعظم کی بہن ام جمیل رضی اللہ تعالٰی عنہما انھیں لے کر چلیں بوجہ ضعف دونوں پر تکیہ لگائے تھے یہاں تک کہ خدمت اقدس میں حاضر کیا دیکھتے ہی پروانہ وار شمع رسالت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر گرپڑے اور بوسہ دینے لگے اور صحابہ غایت محبت سے ان پر گرے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لئے رقت فرمائی الحدیث۔

حدیث سیزدہم: حافظ ابوسعید شرف المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسم علی المنبر ثم قال این عثمان بن عفان، فوثب وقال ھا انا ذا یارسول اللہ فقال	حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: عثمان کہاں ہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ بے تابانہ اٹھے اور عرض کی: حضور!

[1] سیرت حافظ عمر بن محمد ملا

[2] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۱/ ۷۹

ادن منی فدنا منہ فضمہ الی صدرہ و قبل بین عینیہ[1] الحدیث۔	میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! فرمایا: پاس آؤ۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں سینے سے لگایا اور آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔ الحدیث۔

حدیث چہاردہم: حاکم صحیح مستدرک بافادۃ التصحیح اور ابویعلٰی اپنی مسند اور ابونعیم فضائل صحابہ میں اور برہان خجندی کتاب اربعین مسمّٰی بالماء المعین اور عمر بن محمد ملا سیرت میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال بینانحن مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی نفر من المھاجرین منھم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحۃ والزبیر وعبدالرحمٰن بن عوف وسعدبن ابی وقاص فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لینھض کل رجل الی کفؤہ فنھض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی عثمان فاعتنقہ وقال انت ولی فی الدنیا والاخرۃ[2]۔	ہم چند مہاجرین کے ساتھ خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے، حاضرین میں خلفاء اربعہ (ابوبکر، عمر، عثمان، علی) وطلحہ و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں ہر شخص اپنے جوڑ کی طرف اٹھ کر جائے، اور خود حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اٹھ کر تشریف لائے اور ان سے معانقہ کیا اور فرمایا: تو میرا دوست ہے دنیا وآخرت میں۔

حدیث پانزدہم: ابن عساکر تاریخ میں حضرت امام حسن مجتبٰی وہ اپنے والد ماجد حضرت مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجوھما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عانق عثمٰن بن عفان فقال قدعانقت اخی عثمان فمن کان لہ اخ فلیعانقہ[3]۔	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے معانقہ کیا اور فرمایا میں نے اپنے بھائی عثمان سے معانقہ کیا جس کے کوئی بھائی ہو اسے چاہئے اپنے بھائی سے معانقہ کرے۔

---

[1] اشرف النبی (فارسی) باب بست ونہم مطبوعہ تہران ص ۲۸۸ و ۲۹۰

[2] المستدرك باب فضائل عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ دارلفکر بیروت ۳/ ۹۷

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۳۶۲۴۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۵۷

اس حدیث میں علاوہ فعل کے مطلقًا حکم بھی ارشاد ہوا کہ ہر شخص کو اپنے بھائیوں سے معانقہ کرنا چاہئے:

حدیث شانزدہم: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بتول زہراء سے فرمایا: عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی کہ نامحرم شخص اسے نہ دیکھے، حضور نے گلے سے لگالیا اور فرمایا:

ذریۃ بعضھا من بعض[1]۔ او کما ورد صلی اللہ تعالٰی علی الجیب وآلہ وبارك وسلم۔	یہ ایک دوسرے کی نسل ہے۔(ت) جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اللہ تعالٰی کی رحمت وبرکت اور سلام ہو اس کے حبیب مکرم اور ان کی سب آل پر۔(ت)

بالجملہ احادیث اس بارے میں بکثرت وارد۔ اور تخصیص سفر محض بے اصل وفاسد، بلکہ سفر وبے سفر ہر صورت میں معانقہ سنت، اور سنت جب ادا کی جائے گی سنت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحًا نہی ثابت نہ ہو یہاں تک کہ خود امام مانعین مولوی اسمٰعیل دہلوی اپنے رسالہ نذور میں کہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں مطبوع ہوا صاف مقر کہ معانقہ روز عید گو بدعت ہو بدعت حسنہ ہے۔

حیث قال ہمہ اوضاع از قران خوانی وفاتحہ خوانی وطعام خورانیدن سوائے کنند چاہ وامثالہ دعا واستغفار واضحیہ بدعت است گوبدعت حسنہ بالخصوص ست مثل معانقہ عید ومصافحہ بعد نماز صبح یا عصر[2] انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	چنانچہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے کہا ہے۔ قرآن خوانی فاتحہ خوانی اور کھانا کھلانے کے تمام طریقے بدعت ہیں سوائے کنواں کھدوانے اور اسی نوع کے دوسرے کام، قربانی کرنے اور دعا استغفار کرنے کے۔ گویہ بدعت حسنہ بالخصوص ہیں جیسے عید کے دن گلے ملنا اور نماز فجر اور نماز عصر کے بعد مصافحہ کرنا انتھی اللہ تعالٰی سب کچھ جانتا ہے اور اس شان والے کا علم سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ پختہ ہے۔(ت)

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب النکاح الباب الثالث دار الفکر بیروت ۵/ ۳۶۲

[2] زبدۃ النصائح (رسالہ نذور)

رسالہ

صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین ۱۳۰۶ھ

(دونوں ہتھیلیوں سے مصافحہ ہونے میں چاندی کی تختیاں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۲۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ جائز ہے یا نہیں؟ اور آج کل جو غیر مقلد لوگ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو ناجائز وخلاف احادیث جانتے ہیں ان کا یہ دعوٰی صحیح ہے یا غلط؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ)

الجواب:

الحمدللہ اللھم لك الحمد یاباسط الیدین بالرحمۃ تنفق کیف تشاء، تصافح حمدك بمزید رفدك کما تعانق شکرك والعطاء، صل وسلم وبارك علی من یداہ بحر النوال، ومتبعا الزلال وجنتا البلاء، وعلی الہ وصحبہ و اھلہ وحزبہ ما تصافحت الایدی عند اللقاء واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ الباسط کفیہ بالجود والصلۃ وعلی الہ وصحبہ اولی الود والاخاء والفیض والسخاء فی العسر والرخاء الی تصافح الاحباب وتعانق الاخلاء۔ اٰمین الہ الحق امین۔

بیشک، دونوں ہاتھ سے مصافحہ جائز ہے۔ اکابر علماء نے اس کے مسنون ومندوب ہونے

کی تصریح فرمائی اور ہرگز ہرگز نام کو بھی کوئی حدیث اس سے ممانعت میں نہ آئی۔ جائز شرعی کی ممانعت ومذمت پر اترنا شریعت مطہرہ پر افتراء کرنا ہے **والعیاذ باللّٰہ رب العالمین**۔

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ قبل اس کے کہ اس اجمال کی تفصیل کرے، ایک واقعہ طیبہ ورؤیائے صالحہ ذکر کرتا ہے۔ **وللّٰہ الحمد والمنۃ ومنہ الفضل والنعمۃ**۔

یہ مسئلہ فقیر غفرلہ المولی القدیر سے روز جمعہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ کو بعد نماز پوچھا گیا۔ جواب زبانی بیان میں آیا اور ازانجا کہ آج کل قدرے علالت اور بوجہ مشاغل درس قلتِ مہلت تھی قصد کیا کہ جمعہ آئندہ کی تعطیل **ان شاء اللّٰہ تعالٰی** تحریر جواب کی کفیل ہوگی۔ اس اثناء میں سوال مذکور کا خیال بھی دل سے اتر گیا۔ ناگاہ شب سہ شنبہ ۲۳ ماہ مسطور کہ سر بشمال و روبقبلہ میں سوتا اور بخت بیدار تھا۔ خاص صبح کے وقت **بحمد اللّٰہ** دیکھا کہ سمت مدینہ طیبہ سے امام علام، مرشد الانام، قاضی البلاد و مفتی العباد، فقیہ النفس، مقارب الاجتہاد، امام اجل، ابوالمحاسن فخر الملۃ والدین ابوالمفاخر، حسن ابن امام بدرالدین منصور ابن امام شمس الدین محمود ابوالقاسم بن عبدالعزیز اوزجندی فرغانی معروف بہ امام قاضی خاں **قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی سِرَّہ، فَاَفَاضَ عَلَیْنَا نُوْرَہ**، (جن کے فتاوٰی کے لئے شرقاغرباً اعلٰی درجہ کا اعتبار اور اشتہار اور ان کا امام مجتہد، فقیہ النفس اعظم عمائد سے ہونا آشکار) فقیر کے سرہانے تشریف لائے، بلند بالا متوسط بدن، سفید پوشاک زیب تن، وسیع گھیر نیچے دامن، اور بزبان فارسی یہ دو جملے ارشاد فرمائے:

"مسند ایشاں حدیث انس است واو را مفہوم نیست"	اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ والی حدیث ہے اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں۔(ت)

لفظ یہی تھے یا اس کے قریب، معاجمال مبارک دیکھتے ہی قلب فقیر میں القاء ہوا کہ یہ امام قاضی خاں رحمہ اللہ تعالٰی ہیں۔ اور کلام مقدس سنتے ہی دل میں آیا کہ اسی مسئلہ مصافحہ کی نسبت ارشاد ہے **والحمد للّٰہ رب العالمین**۔

فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی کو اس خواب مبارک کے ذکر سے مخالفین پر حجت لانا مقصود نہیں کہ وہ تو خواب کے اصلا قدر و قیمت نہیں رکھتے اگرچہ احادیث صحیحہ سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے امر عظیم جانتے اور اس کے سننے، پوچھنے، بتانے، بیان فرمانے میں نہایت درجے کا اہتمام فرماتے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز صبح پڑھ کر حاضرین سے دریافت فرماتے:

هَلْ رَاٰی اَحَدٌ اللَّیْلَةَ رُؤْیَا[1]۔	آج کے شب کسی نے کوئی خواب دیکھا؟

جس نے دیکھا ہوتا عرض کرتا۔ حضور تعبیر فرماتے۔ احمد وبخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ وطبرانی وحکیم ترمذی وابن جریر وابن عبدالبر وابن النجار وغیرہم محدثین کبار کے یہاں احادیث انس وابوہریرہ وعبادہ بن صامت وابوسعید خدری وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عمرو وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عباس وجابر بن عبداللہ وعوف بن مالک وابورزین عقیلی وعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان کی خواب نبوت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکرا عــــہ ہے"[2]

صحیح بخاری میں ابوہریرہ اور صحیح مسلم وسنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عباس اور احمد وابنائے ماجہ وخزیمہ وحبان کے یہاں بسند صحیح ام کرز کعبیہ ـــ اور مسند احمد میں ام المومنین صدیقہ ـــ اور معجم کبیر طبرانی میں بسند صحیح حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی وھذا لفظ الطبرانی (یہ الفاظ طبرانی کے ہیں۔ت) حضور لامع النور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ فَلَا نُبُوَّةَ بَعْدِیْ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ قِیْلَ وَمَا الْمُبَشَّرَاتُ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ یَرَاهَا الرَّجُلُ اَوْتُرٰی لَهٗ[3]۔	نبوت گئی اب میرے بعد نبوت نہ ہوگی مگر بشارتیں، عرض کی گئی وہ بشارتیں کیا ہیں؟ فرمایا: نیک آدمی کہ خواب خود دیکھے یا اس کے لئے دیکھی جائے۔

اسی طرح احادیث اس بارہ میں متوافر اور اس کا امر عظیم مہتم بالشان ہونا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عــــہ: حدیثیں اس بارے میں مختلف آئیں۔ چوبیسواں، پچیسواں، چھبیسواں، چالیسواں، چوالیسواں پینتالیسواں، چھیالیسواں، پچاسواں، سترھواں، چھہتر واں ٹکڑا سب وارد ہیں۔ لہٰذا فقیر نے مطلق ایک ٹکرا کہا اور اکثر احادیث صحیحہ میں چھیالیسواں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ۱۲منہ

[1] جامع الترمذی ابواب الرؤیا امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۳، صحیح البخاری کتاب التعبیر باب تعبیر الرؤیا بعد صلٰوۃ الصبح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۳، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الرؤیا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الرؤیا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۹، صحیح البخاری کتاب التعبیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۴ و ۱۰۳۵

[3] المعجم الکبیر حدیث ۳۰۵۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۷۹

سے متواتر۔ان کی تفصیل موجب تطویل۔

اور احمد وبخاری وترمذی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَااَرٰی اَحَدُکُمُ الرُّؤْیَا یُحِبُّھَافَاِنَّمَاھِیَ مِنَ اللّٰہِ فَلْیَحْمَدِ اللّٰہ عَلَیْھَاوَلِیُحَدِّثْ بِھَاغَیْرہ [1]۔	جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے پیارا معلوم ہو تو وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے چاہئے کہ اس پر اللہ تعالٰی کی حمد بجالائے اور لوگوں کے سامنے بیان کرے۔

فقیر بے نوا کو اس سے زیادہ کیا پیارا ہوگا کہ ایک امام اجل، رکن شریعت، ہادی ملت اس پر اپنا پر تو اجلال ڈالے۔اور محض اس کی امداد اور ارشاد کے لئے غریب خانہ پر بنفس نفیس کرم فرمائے اور بے سابقہ عرض و درخواست خود بکمال مہربانی مسئلہ دین ورد مخالفین تعلیم کرے۔کیا وہ غریب خستہ فقیر دل شکستہ اس سے امید نہ کرے گا کہ باوجود میرے ان عظیم وشدید گناہوں کے میرا رؤف ورحیم مولٰی عزوجل وعلا میرے ساتھ ایک نظر خاص رکھتا ہے اور مجھ سے ذلیل۔بے وقعت، خوار، بے حیثیت کا افتاء بھی اس بارگاہ رحمت میں گنتی شمار کے قابل ٹھہرائے۔

فالحمدللہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی کنز الفقراء، حرز الضعفاء عظیم الرجاء، عمیم العطیات وعلی الہ و صحبہ اجمعین ۔ و الحمدللہ رب العالمین۔	تمامی تعریف ثابت ہے اس معبود حقیقی کے لئے جس کی نعمت وعظمت کے طفیل نیکیاں تمام وکمال کو پہنچیں، اور درود وسلام نازل ہو اس ذات اقدس پر جو فقیروں کا خزانہ، کمزوروں کی پناہ گاہ، بڑی امید والے اور عام بخشش کرنے والے ہیں اور ان کے تمام آل واصحاب پر تمامی تعریف سارے جہاں کے پالنہار کے لئے ہے۔(ت)

معہذا یہ بھی سنت صحابہ سے ثابت کہ جو خواب ایسا دیکھا گیا جس میں ان کے قول کی تائید نکلی اس پر ارشاد ہوئے اور دیکھنے والے کی توقیر بڑھادی، صحیحین [2] میں ہے ابوحمزہ ضبعی نے تمتع حج میں خواب دیکھا

---

[1] صحیح البخاری کتاب التعبیر باب الرؤیا من اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۴، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۸

[2] صحیح البخاری کتاب المناسك باب التمتع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۳

جس سے مذہب ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تائید ہوئی، ابن عباس نے ان کا وظیفہ مقرر کردیا اور اس روز سے انھیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھانا شروع کیا،

ان وجوہ پر نظر تھی کہ فقیر نے یہ خواب ذکر کی، خواب دیکھتے ہی آنکھ کھلی، نماز کا وقت تھا، وضو میں مشغول ہوا، اثنائے وضو ہی میں خیال کیا تو یاد آیا کہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث جامع ترمذی میں مروی کہ سائل نے عرض کی:

افیاخذ بیدہ و یصافحه قال نعم [1]۔	یعنی یارسول اللہ! جب مسلمان مسلمان سے ملے تو اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے۔ فرمایا ہاں۔

اس میں لفظ "یدہ" بصیغہ مفرد واقع ہوا لہٰذا ان صاحبوں کا محل استناد ٹھہرا۔

اب قبل اس کے کہ جواب امام علیہ الرحمۃ المنعام کی توضیح اور دیگر مباحث نفیسہ کی جو بحمد اللہ قلب فقیر پر فائض ہوئے تصریح کروں، پہلے اس کا بیان کرنا ہے کہ امام ہمام قدس سرہ نے خاص حدیث انس کو کیوں ان کا مستند بنایا حالانکہ کلمہ ید بصیغہ مفرد اس کے سوا اور بھی کئی حدیثوں میں آیا، اس تحقیق کے ضمن میں ان شاء اللہ تعالٰی ان حدیثوں سے بھی جواب کھل جائے گا۔

فاقول: وباللہ التوفیق وہ احادیث مصافحہ جن میں لفظ ید بصیغہ مفرد واقع تین قسم ہیں:

قسم اول: احادیث فضائل جن میں مصافحہ کی ترغیب اور اس کی خوبیوں کا بیان ہے ــــــ مثلاً:

حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما جسے طبرانی نے معجم اوسط اور بیہقی نے شعب الایمان میں بسند صالح روایت کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَالَقِیَ الْمُؤْمِنَ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ وَاَخَذَبِیَدِهٖ فَصَافَحَه تَنَاثَرَتْ خَطَایَاهُمَا کَمَاتَنَاثَرُوَرَقُ الشَّجَرِ [2]۔	جب مسلمان سے مسلمان مل کر سلام کرتا اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے ان کے گناہ جھڑپڑتے ہیں جیسے پیڑوں کے پتے۔

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحه امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

[2] المعجم الاوسط حدیث ۷۲۴۰ مکتبۃ المعارف ریاض ۱/ ۱۸۴، شعب الایمان فصل فی المصافحه حدیث ۸۹۵۱ دار الکتب العلمیه بیروت ۶/ ۴۷۳

حدیث سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ معجم کبیر طبرانی میں بسند حسن مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَلَقِیَ اَخَاہ المُسلم فاخذ بِیَدِہٖ تَحَاتَتْ عَنْھُمَا ذُنُوْبُھُمَا[1]۔	مسلمان جب اپنے بھائی سے مل کر اس کا ہاتھ پکڑتا ہے ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ امام احمد نے ایسی سند سے جس کے سب رجال سوا میمون بن موسٰی مرئی بصری صدوق مدلس کے ثقات عدول ہیں اور نیز ابو یعلی وبزار نے روایت کی:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ مُسْلِمِیْنِ الْتَقِیَا فَاَخَذَ اَحَدُ ھُمَا بِیَدِ صَاحِبِہٖ اِلّاَ مَاکَانَ حَقًّا عَلَی اللہِ عَزَّوَ جَلَّ اَنْ یَّحْضر دُعَاءَ ھُمَا وَلَا یُفَرِّقُ بَیْنَ اَیْدِیْھِمَا حَتّٰی یَغْفِرَ لَھُمَا[2]۔	جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں اللہ تعالٰی پر حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور ان کے ہاتھ جدا نہ ہونے پائیں کہ ان کے گناہ بخش دے۔

حدیث براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ احمد نے مسند اور ضیاء نے مختارہ میں بسند صحیح روایت کی حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ایما مسلمین التقیا فاخذ احد ہما بید صاحبہ و تصافحا وحمدالله جمیعاتفرقالیس بینھما خطیئۃ[3]۔	جو دو مسلمان آپس میں مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں اور مصافحہ کریں اور دونوں حمد الٰہی بجالائیں بیگناہ ہو کر جدا ہوں۔

نیز **حدیث** براء رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ بیہقی نے بطریق یزید بن براء تخریج کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لایلقی مسلم مسلمافیر حب بہ ویاخذ	جو مسلمان مسلمان سے مل کر مرحبا کہے اور ہاتھ

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۵۰ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۶/ ۲۵۶

[2] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۴۲، الترغیب والترہیب بحوالہ احمد والبزار وابی یعلی الترغیب فی المصافحہ حدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن براء بن عازب المکتبۃ الاسلامی بیروت ۴/ ۲۹۳و ۲۹۴

بیدہ الاتناثرت الذنوب بینھما کما یتناثر ورق الشجر [1]۔	ملائے ان کے گناہ برگ درخت کی طرح جھڑ جائیں۔

اقول: اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ الفاظ وحدت ید میں ہیں تاہم ان دونوں حدیثوں میں منکرین کے لئے حجت نہیں۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ مقام ترغیب وترھیب میں غالباً ادنٰی کو بھی ذکر کرتے ہیں کہ جب اس قدر پر یہ ثواب یا عقاب ہے تو زائد میں کتنا ہوگا۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اس سے زائد مندوب یا محذور نہیں۔ ترھیب کی مثال تو یہ لیجئے۔

ابن ماجہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اعان علی قتل مومن بشطر کلمۃ لقی اللہ مکتوبا بین عینیہ ایس من رحمۃ اللہ [2]۔	جو کسی مسلمان کے قتل پر آدھی بات کہہ کر اعانت کرے اللہ سے اس حالت پر ملے کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہو خدا کی رحمت سے ناامید۔

کیا اس کے یہ معنٰی ہیں کہ آدھی بات کہہ کر اعانت کرے تو مستحق عذاب اور ساری بات سے مدد کرے تو نہیں؟ یہاں محل ترغیب ہے زیادہ مثالیں اسی کی سنئے، مثلاً اگر کوئی یوں کہے کہ جو شخص اللہ تعالٰی کی راہ میں ایک پیسہ دے اللہ تعالٰی اس پر رحمت فرمائے اس کے یہ معنٰی نہ ہوں گے کہ دو پیسے دے گا تو رحمت نہ ہوگی۔

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور امام مالک مؤطا میں بطریق سعید بن یسار مرسلاً اور طبرانی وابن حبان ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور معجم کبیر میں ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

وھذا حدیث ابن حبان فی صحیحہ عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان اللہ	یعنی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جو ایک چھوہارا یا ایک نوالہ اللہ کی راہ میں دے اللہ تعالٰی اسے ایسا بڑھاتا

[1] شعب الایمان حدیث ۸۹۵۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۴۷۵

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الدیات باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلماً ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۱

لیربی لاحد کم التمرة واللقمة کما یربی احد کم فلوه اوفصیله حتی یکون مثل احد[1]۔	اور پالتا ہے جیسے آدمی اپنے بچھرے یا بوتے کو پرورش کرے یہاں تک کہ بڑھ کر کوہ احد کے برابر ہو جاتا ہے۔

اور صحاح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ یوں ہیں:

قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب ولا یقبل الله الا الطیب فان الله یتقبلها بیمینه[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو ایک چھوہارے برابر پاک مال سے خیرات کرے اور اللہ تعالٰی قبول نہیں کرتا مگر پاک کو، تو رب عزوجل اسے اپنے داہنے دست قدرت سے قبول فرماتا ہے۔

کوئی احمق سے احمق بھی ان حدیثوں سے یہ معنی نہ سمجھے گا کہ ایک چھوہارے یا ایک ہی نوالہ کی خصوصیت ہے ایک دے گا تو قبول بھی ہوگا اور ثواب بھی بڑھے گا، جہاں دو یا زائد دے پھر نہ قبول کی توقع نہ ثواب کی ترقی ___ نہیں نہیں، بالیقین یہی معنٰی ہیں کہ ایک لقمہ یا ایک خرما بھی ان نیک جزاؤں کا باعث ہے۔ یوں ہی ان احادیث کا یہ مضمون نہیں کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوگا تو وہ ثواب ملے گا دو ہاتھ سے کیا تو ناجائز ہوا یا اجر گیا۔ بلکہ برتقدیر[عہ] مذکور ان کا اسی قدر مفاد کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ بھی اس جزائے نیک کے لئے کافی ہے۔

قسم دوم: وہ احادیث جن میں وقائع جزئیہ کی حکایت ہے یعنی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا فلاں صحابی نے فلاں شخص سے یوں مصافحہ فرمایا۔

حدیث حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ سنن ابی داؤد میں بروایت ام المومنین

عــــہ: یعنی اس تقدیر پر کہ وہ الفاظ ارادہ وحدت ید میں فرض کرلئے جائیں۔

---

[1] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۸۱۹ المطبعة السلفیه ص۲۰۹

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقه من کسب طیب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان اسم الصدقه یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶، جامع الترمذی ابوب الزکوٰۃ باب ماجاء فی فضل الصدقة امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۴

صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مروی:

كانت اذا دخلت عليه صلى الله تعالٰى عليه وسلم قام اليها فاخذ بيدها فتقبلها و اجلسها فى مجلسه وكان اذا دخل عليها قامت اليه فاخذته بيده فتقبلته و اجلسته فى مجلسها[1]۔	جب حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا خدمت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوتیں حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قیام فرماتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے یہاں تشریف لے جاتے وہ حضور کے لئے قیام کرتیں اور دست اقدس لے کر بوسہ دیتیں اور حضور والا کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہا وبارک وسلم۔

حدیث معجم طبرانی کبیر:

عن ابى داؤد الاعمٰى قال لقينى البراء بن عازب فاخذ بيدى وصافحنى و ضحك فى وجهى فقال تدرى لما اخذت بيدك قلت لا الا انى ظننت انك لم تفعله الالخير۔ فقال ان النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم لقينى ففعل بى ذلك۔[2] الحديث	یعنی ابوداؤد اعمٰی نے کہا حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ مجھے ملے میرا ہاتھ پکڑا اور مصافحہ کیا اور میرے سامنے ہنسے پھر فرمایا: تو جانتا ہے میں نے کیوں تیرا ہاتھ پکڑا؟ میں نے عرض کی: نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ آپ نے کچھ بہتر ہی کے لئے ایسا کیا، فرمایا: بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجھ سے ملے تو حضور نے میرے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمایا۔

اقول: یہ بھی اصلا قابل استناد نہیں۔ قطع نظر اس سے یہ حدیث طبرانی پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ ابی داؤد اعمٰی رافضی سخت مجروح متروک ہے۔ امام ابن معین نے اسے کاذب کہا، اور حدیث حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا میں ممکن کہ ہاتھ پکڑنا بوسہ دینے کے لئے ہو۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی القیام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۸

[2] الترغیب والترہیب بحوالہ الطبرانی الترغیب فی المصافحۃ حدیث ۳ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی باب المصافحۃ الخ دار الکتاب بیروت ۸/ ۳۷

بہر حال ان میں نہیں مگر وقائع جزئیہ کی حکایت اور عقلا ونقلا مبرہن وثابت کہ وہ حکم عام کو مفید نہیں ہزار جگہ ائمہ دین کو فرماتے سنئے گا۔

واقعۃ حال لاعموم لھا قضیۃ عین فلا تعم۔	واقعہ حال کے لئے عموم نہیں اور قضیہ معین عام نہیں ہوتا۔(ت)

خلاصہ یہ کہ ان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوا یا ہمیشہ ایسا ہی ہونا چاہئے بلکہ صرف اتنا مستفاد کہ اس بار ایسا ہوا پھر کسی واقعے میں دوامروں سے ایک کا وقوع کبھی یوں ہوتا ہے کہ یہ جو واقع ہوا دوسرے سے افضل تھا بوجہ فضیلت اسے اختیار کیا کبھی یوں کہ دونوں مساوی تھے،ایک مساوی کرلیا، کبھی یوں کہ وہ دوسرا ہی افضل تھا اور اس واقعے میں بیان جواز کے لئے یہ مفضول صادر ہوا۔ کبھی یوں کہ اس پر کوئی ضرورت حائل تھی۔

الی غیر ذٰلك من الاحتمالات الکثیرۃ الشائعۃ التی لاتبقی للاستدلال علینا ولا اثرا۔	اس کے علاوہ بہت سے احتمالات مشہور ہیں جو ہمارے خلاف استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتے۔(ت)

اسی لئے جو لوگ مفہوم مخالف کے قائل ہیں وہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ واقعہ جزئیہ میں نہ ہو،ورنہ بالاجماع ماعدا سے نفی کو مفید نہ ہوگا کمانص عَلَیْہِ عُلَمَاءُ الاُصُوْل (جیسا کہ علمائے اصول نے اس پر نص قائم کی ہے۔ت)

قسم سوم: وہ روایات جو خاص کیفیت مصافحہ میں وارد ہیں۔ یہ البتہ قابل لحاظ ہیں کہ اگر کچھ بوئے استناد نکل سکتی ہے تو انھیں میں ہے، یہ دو حدیثیں ہیں:

حدیث اول: جامع ترمذی میں ہے:

حدثنا احمد بن عبدۃ الضبی نا یحیی بن مسلم الطائفی عن سفین عن منصور عن خیثمۃ عن رجل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من تمام التحیۃ الاخذ بالید[1]۔	احمد بن عبدۃ الضبی نے یحیٰی بن مسلم سے اس نے سفین سے انھوں نے منصور انھوں نے منصور انھوں نے خیثمہ انھوں نے ایک شخص کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ پکڑنا کامل سلام میں سے ہے۔

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

اقول: یہ حدیث بھی لائق احتجاج نہیں۔

اوّلا: اس کی سند ضعیف ہے۔ جس میں **عن خیثمۃ عن رجل**۔ ایک مجہول واقع۔

ثانیًا: امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری نے یہ حدیث تسلیم نہ فرمائی اور اس کے غیر محفوظ ہونے کی تصریح کی۔ یحیٰی بن مسلم طائفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جن پر اس حدیث کا مدار ہے **کما فی الترمذی**[1] جیسا کہ ترمذی میں ہے۔ت) علماء محدثین ان کا حافظہ برا بتاتے ہیں کما فی التقریب (جیسا کہ تقریب میں ہے۔ت) امام بخاری کہتے ہیں میرے نزدیک یہاں بھی ان کے حفظ نے غلطی کی۔ انھوں نے سند مذکور سے حدیث: **لا سمر الا لمصل او مسافر**[2] (رات کی گفتگو صرف نمازی یا مسافر کے لئے جائز ہے۔ یعنی بعد نماز عشاء باتیں کرنا سمر کے معنی رات میں بات کرنا ہے۔ت) سنی بھی بھول کر اس کی جگہ یہ روایت کر گئے حالانکہ یہ تو صرف عبدالرحمٰن بن یزید یا اور کسی شخص کا قول ہے **نقلہ الترمذی** (اسے ترمذی نے نقل کیا۔ت)

ثالثًا اقول: وباللہ التوفیق اس سب سے در گزریئے اور ذرا غور وتامل سے کام لیجئے۔ تو یہ حدیث دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا پتا دیتی ہے کہ اس میں **اخذ بالید** بصیغہ مفرد کو تمامی تحیت کا ایک ٹکڑا رکھا ہے۔ نہ یہ کہ صرف اسی پر تمامی وانتہا ہے۔ تحیت کی ابتداء سلام اور مصافحہ تمام اور ایک ہاتھ ملانا اسی تمامی کا ایک ٹکڑا۔

لہٰذا جامع ترمذی میں حدیث ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان لفظوں سے آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

تمام تحیتکم بینکم المصافحۃ[3]۔	تمھارا آپس میں تمامی تحیت کا مصافحہ ہے۔

یہاں "**من**" تبعیضیہ نہ لایا گیا کہ صرف ایک ہاتھ کا ذکر نہ تھا جو ہنوز تمامی کا بقیہ باقی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

حدیث دوم: وہی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ جس کی طرف امام ہمام فقیہ الانام قاضی خاں قدس سرہ نے اشارہ فرمایا۔ جامع ترمذی میں ہے:

---

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

[2] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

[3] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

حدثنا سوید نا عبداللہ نا حنظلۃ بن عبیداللہ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رجل یا رسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ قال لا، قال افیلتزمہ ویقبلہ قال لا، قال فیاخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم [1]۔	یعنی ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! ہم میں کوئی آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھکے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کی کیا اسے گلے لگائے اور پیار کرے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کی: اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ فرمایا: ہاں۔

اس حدیث کو ترمذی نے حسن بتایا بخلاف اول کہ خود ترمذی نے امام بخاری سے اس کی تضعیف نقل کردی تھی۔ تو ثابت ہوگیا کہ حضرات مخالفین اگر سند لائیں گے تو اسی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، باقی خیریت ـــــ لہٰذا امام ممدوح قدس سرہ نے اسی حدیث کی تخصیص فرمائی۔

اب بحمداللہ تعالٰی جواب جناب امام ہمام قدس سرہ کی توضیح سنئے ـــــ ظاہر ہے کہ افراد ید سے اس حدیث خواہ کسی حدیث میں اگر نفی یدین پر استدلال ہوگا تو لاجرم بطریق مفہوم مخالف ہوگا اور وہ محققین کے نزدیک حجت نہیں جس کی بحث کتب اصول میں ختم ہوچکی۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت)

اوّلاً: قرآن عزیز میں ہے:

"بِیَدِكَ الْخَیْرُؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۶" [2]	تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بیشک تو ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ تیرے ایک ہی ہاتھ میں بھلائی ہے؟ **معاذاللہ** دوسرے میں نہیں۔

ثانیاً: احمد، بخاری، مسلم اور ترمذی حضرت سیدنا سعد بن مالک بن سنان رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۲۶

ان اللہ تعالٰی یقول لاھل الجنۃ یا اھل الجنۃ فیقولون لبیك یا ربنا وسعدیك والخیر فی یدیك الحدیث[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی جنتیوں سے فرمائے گا: اے جنت والو۔ عرض کریں گے۔ لبیک اے رب ہمارے! ہم تیری خدمت میں حاضر ہیں، تیرے دونوں ہاتھوں میں بھلائی ہے۔

اسی طرح تفسیر مقام محمود میں حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ نسائی نے بسند صحیح اور حاکم نے بافادہ تصحیح اور طبرانی اور ابن مندہ نے روایت کی___ یوں آئی:

یجمع اللہ الناس فی صعید واحد فلا تکلم نفس فاول مدعو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیقول لبیك وسعدیك والخیر فی یدیك[2] الحدیث۔	اللہ تعالٰی روز قیامت لوگوں کو ایک میدان میں جمع میں فرمائے گا تو کوئی کلام نہ کرے گا سب سے پہلے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ندا ہوگی، حضور عرض کریں گے: الٰہی! میں حاضر ہوں خدمتی ہوں تیرے دونوں ہاتھوں میں بھلائی ہے۔

ابن مندہ نے کہا:

حدیث مجمع علی صحۃ اسنادہ وثقۃ رجالہ[3]۔	اس حدیث کی صحت اسناد وعدالت رواۃ پر اجماع ہے۔

یونہی حدیث بعث النار میں اللہ تعالٰی کا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ندا فرمانا___ اور ان کا جواب میں لبیك وسعدیك و الخیر بیدیك[4] عرض کرنا مروی___ الی غیر ذلك من الاحادیث کیا یہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید کلام الرب مع اہل الجنۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۱، صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۷۸، جامع الترمذی ابواب صفۃ الجنۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۸۸

[2] المطالب العالیۃ حدیث ۴۶۴۵ توزیع عباس احمد الباز (مکہ المکرمہ) ۴/ ۳۸۶، المستدرك للحاکم کتاب التفسیر ذکر المقام المحمود دار الفکر بیروت ۲/ ۳۶۳، مجمع الزوائد کتاب البعث باب منہ فی الشفاعۃ دار الکتاب بیروت ۱۰/ ۳۷۷

[3] المواہب اللدنیہ المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۴۲

[4] مسند ابی عوانۃ بیان انہ لایدخل الجنۃ الانفس مسلمۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۸۹

حدیثیں **معاذاللہ** اس آیت کے مخالف ہیں؟

ثالثًا: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ"[1]	تو فرماؤ بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

کیا اس کے یہ معنٰی ہیں کہ ایک ہی ہاتھ میں فضل ہے؟

رابعًا: فرماتا ہے: بیدہ

"بَلْ یَدٰهُ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ"[2]	اسی کے ہاتھ میں ہے قدرت ہر چیز کی۔

کیا معاذاللہ دوسرے ہاتھ میں مالکیت ومقدرت نہیں؟

خامسًا: دیلمی کی حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ید اللہ مبسوطۃ[3]۔	اللہ کا ہاتھ کشادہ ہے۔

کیا معاذاللہ اس کا یہ مفہوم کہ ایک ہی ہاتھ کشادہ ہے قال اللہ تعالٰی:

"مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ"[4]	بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں خرچ فرماتا ہے جیسے چاہے۔

سادسًا: حدیث میں ہے:

ید اللہ ملأی[5]۔	اللہ تعالٰی کا ہاتھ غنی ہے۔

کیا دوسرے ہاتھ سے غنا منفی ہے؟

سابعًا: حدیث شریف میں ہے:

ید اللہ ھی العلیا[6]۔	اللہ ہی کا ہاتھ اونچا ہے۔

کیا **عیاذًا باللہ** ایک ہی ہاتھ بلند وبالا ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷۳

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۸۳

[3] کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق برمز "فر" حدیث ۱۰۱۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۷۵

[4] القرآن الکریم ۵/ ۶۴

[5] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورہ ہود ۲/ ۶۷ و کتاب التوحید ۲/ ۱۱۰۲

[6] مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۶ و ۳/ ۴۷۳ و ۴/ ۱۳۷

ثامنًا: قال اللہ تعالٰی:

"اِذَآ اَخۡرَجَ يَدَهٗ لَمۡ يَكَدۡ يَرٰىهَا ؕ"[1]	کافر ایسی اندھیری میں ہے کہ اپنا ہاتھ نکالے تو نظر نہ آئے۔

کیا اس کے یہ معنٰی کہ دونوں ہاتھ نکالے تو نظر آئیں گے۔

تاسعًا: قال اللہ تعالٰی:

"خُذۡ بِيَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ ؕ"[2]	اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر مار اور قسم جھوٹی نہ کر۔

علماء فرماتے ہیں یہ حکم اب بھی باقی ہے یعنی اگر مثلاً کسی نے غصے میں قسم کھائی کہ زید کو سو لکڑیاں ماروں گا۔ اب غصہ فرو ہوا چاہتا ہے کہ قسم بھی سچی ہو اور زید ضرب شدید سے بچے بھی تو جھاڑو وغیرہ کی سو شاخیں جمع کرکے اسی طرح زید کے بدن پر مارے کہ وہ سب جسم پر جدا جدا پہنچیں کیا اگر دونوں ہاتھ میں جھاڑو لے کر ماریں تو اس ارشاد کا خلاف ہوگا؟

عاشرًا: قال تعالٰی:

"يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴿۲۹﴾"[3]	جزیہ دیں ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔

کیا اگر دونوں ہاتھ سے دیں تو تعمیل حکم نہ ہو۔

حادی عشر: بخاری، ابوداؤد اور نسائی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما اور احمد ترمذی و نسائی و حاکم ابن حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ[4]۔	مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کے زبان اور ہاتھ سے امان میں رہیں۔

کیا اس کے یہ معنی کہ ایک ہاتھ سے امان میں ہوں اور دوسرے سے ایذا میں!

ثانی عشر: احمد و بخاری مقداد بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۲۹

[4] صحیح البخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶، جامع الترمذی ابواب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۷

سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مااکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ[1]	کسی نے کبھی کھانا اس سے بہتر نہ کھایا کہ اپنے ہاتھ کے کسب سے کھائے۔

اور احمد بسند صحیح اور طبرانی وحاکم حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ اور نیز طبرانی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اطیب الکسب عمل الرجل بیدہ[2]۔	سب سے بہتر کمائی آدمی کی اپنے ہاتھ کا کسب ہے۔

کیا اگر دونوں ہاتھ کا کسب ہو تو وہ کھانا اس فضل سے باہر ہے!

ثم اقول: بلکہ بارہا لفظ ید بصیغہ مفرد لاتے ہیں اور دونوں ہاتھ مراد ہوتے ہیں:

(۱) ید اللہ مبسوطۃ (اللہ تعالٰی جل مجدہ کا دست قدرت کشادہ ہے)

(۲) ید اللہ ملاٰی (دست قدرت بھرا ہوا ہے)

(۳) ید اللہ ھی العلیا (دست قدرت ہی بلند وبرتر ہے)

(۴) المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ[3] (مسلمان وہ ہے جس کی زبان وہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے) میں یہی معنٰی مراد ہیں۔

(۵) حدیث **عمل یدیہ** (اس کے دونوں ہاتھ کا کسب) بھی ایسے ہی موقع پر وارد کہ غالبا کسب انسان دونوں ہاتھ سے ہوتا ہے اسی حدیث مقدام کی اسی صحیح بخاری میں دوسری روایت **من عمل بیدہ** ہے۔

(۶) اسی طرح حاکم وغیرہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کرتے:

اللھم انی اسئلك من کل خیر خزائنہ	الٰہی! میں تجھ سے مانگتا ہوں ان سب

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۸، مسند احمد بن حنبل عن مقدام بن معدیکرب المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۳۱ و ۱۳۲

[2] کنز العمال بحوالہ حم، طب، ك عن رافع بن خدیج حدیث ۹۱۹۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/ ۴

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶، صحیح مسلم کتاب الایمان باب جامع اوصاف الاسلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸

بیدك واعوذبك من کل شر خزائنه بیدك [1]۔	بھلائیوں سے جن کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں اور تیری پناہ مانگتا ہوں ان سب برائیوں سے جن کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں۔

یہ حدیث دونوں جگہ دونوں طور پر مروی ہوئی بیدک اور بیدیک۔

(۷) صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان داؤد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایاکل الا من عمل یدہٖ [2]۔	داؤد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ کھاتے تھے مگر اپنے ہاتھ کے عمل سے۔

اور یوہیں حدیث مقدام کے تتمہ میں احمد وبخاری نے روایت کیا:

ان نبی داؤد کان یاکل من عمل یدہٖ [3]۔	بے شک داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھ کے عمل سے ہی کھاتے تھے۔

سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل قرآن عظیم سے معلوم ہے کہ زرہیں بنانا تھا اور وہ دوہی ہاتھ سے ہوتا ہے۔

لہٰذا صحیح بخاری میں دونوں حدیثوں کی دوسری روایتیں بلفظ "یدہ" آئیں ___ پس ثابت ہوا کہ بہت جگہ یدویدَین میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور بے تکلف تثنیہ کی جگہ مفرد لاتے ہیں اور ایک ہی امر میں کبھی تثنیہ کبھی مفرد بولتے ہیں پھر افراد کو نفی تثنیہ کی دلیل سمجھا کس قدر عقل سے بعید ہے۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں۔ت) میں موارد استعمال اور مواقع خاصہ سے استدلال کرتا ہوں وہ قاعدہ ہی کیوں نہ ذکر کروں جو خاص اسباب میں ائمہ عربیت نے وضع کیا اور ایسے الفاظ میں تثنیہ وافراد یکساں ہونے کا ہمیں عام ضابطہ دیا علامہ زین بن نجیم مصری قدس سرہ نے جہاں خطبہ اشباہ میں فرمایا:

اعملت بدنی اعمال الجدمابین	میں اپنے بدن کو کوشش کے کام میں لایا جو

[1] المستدرك للحاکم کتاب الدعاء دار الفکر بیروت ۱/ ۵۲۵

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہٖ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۸

[3] صحیح البخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہٖ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۸

بصری ویدی وظنونی [1]۔	میری آنکھ، ہاتھ اور گمان کے درمیان ہے۔

اس پر علامہ ادیب سید احمد حموی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

اطلق الید واراد الیدین لانہ اذا کان الشیئان لا یفترقان من خلق اوغیرہ اجزأ من ذکرھما ذکر احدھما کالعین تقول کحلت عینی وانت ترید عینیك ومثل العینین المنخرین عـــہ والرجلین والخفین والنعلین تقول لبست خفی ترید خفیك کذا فی شرح الحماسۃ [2]۔	یعنی مصنف نے لفظ ید بولا اور مراد دونوں ہاتھ ہیں کہ دو چیزیں جب آپس میں جدانہ ہوتی ہوں خواہ اصل پیدائش میں (جیسے ہاتھ۔ پاؤں، آنکھ، کان) یا اور طرح (جیسے موزے، جوتے، دستانے کہ جوڑا ہی مستعمل ہے) توان میں ایک کا ذکر دونوں کے ذکر کا کام دیتا ہے۔ کہتے ہیں آنکھ میں سرمہ لگایا اور مراد دونوں آنکھوں میں لگانا ہوتا ہے یونہیں نتھنے، قدم، موزے، کفش، تو کہتا ہے میں نے موزہ پہنا اور مراد یہ کہ دونوں موزے پہنے۔ اسی طرح شرح حماسہ میں ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں یہ محاورہ نہ فقط عرب بلکہ فارس۔ ہند میں بھی بعینہا رائج، جیسا کہ مطالعہ اشعار سابقین ولاحقین سے واضح ولائح، خیر یہ تو ایک خاص قاعدہ تھا۔ علامہ ممدوح نے اس سے چند سطر اوپر اس سے عام تر تصریح فرمائی کہ:

اِسْتِعْمَالُ الْمُفْرَدِ مَوضِعَ الْمثنّٰی عَرَبِیٌّ شَائِعٌ سَائِغٌ [3]۔	یعنی تثنیہ کی جگہ مفرد لانا اہل عرب میں مشہور ومقبول ہے۔

اور اس کی سند میں ابوذؤیب کا شعر پیش کیا۔

فالعین بعدھم کان حداقھا ۔۔۔ سملت بشوك فھی عور تدمع [4]

(ان ممدوحین کے بعد آنکھ گویا اس کی پتلیاں کانٹے سے پھوڑدی گئی ہیں تو وہ اندھی ہو کر

عـــہ: المنخرین الی اٰخرہ کذا فی نسختی الغمز والظاھر الرفع۔منہ	منخرین میرے غمز کے نسخہ میں اسی طرح ہے، ظاہر یہ ہے کہ مرفوع ہونا چاہئے۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۹

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۹

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۹

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۹

آنسو بہارہی ہیں۔(ت)

دیکھو،اس نے ایک آنکھ کہااور دونوں مراد لیں___ لہٰذا حداق کو جمع لایا ورنہ ایک آنکھ میں چند حدقے نہیں ہوتے،اب تو اوہام جاہلانہ کا کوئی محل ہی نہ رہا۔اور حدیث سے استناد کا بھرم کھل گیا۔**والحمدللہ رب العالمین۔**

ثم اقول: وباللہ التوفیق سب سے قطع نظر کیجئے اور بفرض غلط مان ہی لیجئے کہ لفظ "اَلْیَدَیْن" کا مفہوم مخالف نفی یدین ہوتی ہے تاہم حدیث مذکور محل استناد منکرین یعنی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں اس مفہوم کی گنجائش نہیں کہ وہاں تو لفظ یَد بصیغہ مفرد کلام امجد سید اوحد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے ہی نہیں۔سائل کے کلام میں ہے اس نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کاحکم پوچھا:

فیاخذ بیدہ ویصافحہ۔	کیااس کاہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرے؟

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سوال کاجواب ارشاد فرمادیا کہ ہاں جائز ہے[1]۔

یہاں نہ دوہاتھ سے مصافحہ کا ذکر ہے نہ اس سے سوال،پھر اس کلام سے اس کی نسبت نفی نکالنا محض خیال محال،دنیا بھر کے مفہوم مخالف ماننے والے بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ کلام کسی سوال کے جواب میں نہ آیا ہو ورنہ بالاجماع نفی ماعدا مفہوم نہ ہوگی___ **صَرَّحَ بِهٖ اَئِمَّةُ الْاُصُوْلِ**(ائمہ اصول نے اس کی صراحت کردی ہے۔ت)___مثلا کوئی سائل سوال کرے صبح کی نماز میں قراءت جہری ہے یا نہیں؟ مجیب کہے ہاں۔اس سے کوئی عاقل یہ نہ سمجھے کہ ماورائے صبح میں جہر نہیں۔بلکہ جس قدر سے سوال تھا اسی قدر سے جواب دیا گیا۔یہ بحمداللہ تعالٰی دوسرے معنٰی ہیں کلام امام قاضی خاں قدس سرہ کے کہ "اور امفہوم نیست" یعنی اس حدیث میں مفہوم مخالف کاسرے سے محل ہی نہیں۔

وباللہ التوفیق ثم اقول:(اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ پھر میں کہتا ہوں۔ت) یہ اس وقت ہے کہ حدیث مذکور کو قابل احتجاج مان بھی لیں ورنہ اگر نقد وتنقیح پر آئے تو وہ ہر گز نہ صحیح نہ حسن بلکہ ضعیف منکر ہے مداراس کا حنظلہ بن عبداللہ سدوسی پر ہے اور حنظلہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔امام یحیٰی بن سعید قطان نے کہا: **ترکته عمدا کان قد اختلط**[2] میں نے اسے عمدا متروک کیا صحیح الحواس نہ رہا تھا___ امام احمد نے فرمایا: ضعیف منکر الحدیث ہے **یحدّث باعاجیب**[3] تعجب خیز روایات لاتا ہے___

---

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی کراچی ۲/ ۹۷

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۲۳۷۳ حنظلۃ السدوسی دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۶۲۱

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۲۳۷۳ حنظلۃ السدوسی دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۶۲۱

امام یحیٰی بن معین نے کہا: **لیس بشیئ تغیر فی اٰخر عمرہٖ**[1] کوئی چیز نہ تھا آخر عمر میں متغیر ہوگیا تھا ___ امام نسائی نے کہا: ضعیف ایک بار فرمایا: **لیس بقوی**[2] وہ قوی نہیں۔ **ذکر کل ذٰلك الذھبی فی المیزان** (ہر ایک کو امام ذہبی نے میزان مین بیان کیا۔ت) یوہیں امام ابوحاتم نے کہا: قوی نہیں ___

فی المغنی للامام الذہبی حنظلۃ السدوسی صاحب انس ضعفہ س، وقال ابوحاتم لیس بالقوی[3]۔	امام ذہبی کی مغنی میں ہے کہ حنظلہ سدوسی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے شاگرد کو اس نے ضعیف کہا ہے اور ابوحاتم نے کہا قوی نہیں ہے۔(ت)

لاجرم امام خاتم الحفاظ نے تقریب میں اس کے ضعف پر جزم فرمایا:

حیث قال حنظلۃ السدوسی ابوعبدالرحیم ضعیف[4]۔	جہاں انھوں نے فرمایا کہ حنظلہ سدوسی ابوعبدالرحیم ضعیف ہے۔(ت)

اگر کہئے کہ امام ترمذی نے جو اس حدیث کی تحسین کی ___ **اقول:** ائمہ ناقدین نے امام ترمذی پر اس بارے میں انتقادات کئے ہیں اور وہ قریب قریب ان لوگوں میں ہیں جو تصحیح وتحسین میں تساہل رکھتے ___ امام عبدالعظیم منذری کتاب الترغیب میں فرماتے ہیں:

انتقد علیہ الحفاظ تصحیحہ لہ بل وتحسینہ[5]۔	حفاظ نے ان کی تصحیح پر بلکہ تحسین پر بھی تنقید کی ہے۔(ت)

ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

وَلھٰذا لایعتمد العلماء علی تصحیح الترمذی[6]۔	اسی لئے ترمذی کی تصحیح پر علماء اعتماد نہیں کرتے۔(ت)

یہاں تک امام محدث ابوالخطاب ابن دحیہ نے جنھیں شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرۃ العینین

---

[1] میزان الاعتدلال ترجمہ ۲۳۷۳ حنظلۃ السدوسی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۶۲۱

[2] میزان الاعتدلال ترجمہ ۲۳۷۳ حنظلۃ السدوسی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۶۲۱

[3] المغنی فی الضعفاء للامام الذہبی

[4] تقریب التہذیب ترجمہ ۱۵۸۸ حنظلۃ السدوسی دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۵۰

[5] الترغیب والترہیب کتاب الجمعہ حدیث ۲۴ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۴

[6] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۹۴۳ کثیر بن عبداللہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۷

فی تفضیل الشیخین میں الحافظ المحدث المتقن [1] کہا۔ تحسین ترمذی کی نسبت وہ کچھ تحریر فرمایا جو امام فخر الدین زیلعی نے "نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ" میں نقل فرماکر مقرر رکھا۔

حیث قال قال ابنُ دِحْیَۃ فی العلم المشھور وکم حسن الترمذی فی کتابہ من احادیث موضوعۃ واسانید واھیۃ منھا ھذا الحدیث [2] اھ یعنی حدیث عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی عدد تکبیرات العیدین۔	جہاں انھوں نے فرمایا کہ ابن دحیہ نے "العلم المشہور" میں کہا ہے کہ ترمذی نے اپنی کتاب میں کتنی ہی موضوع احادیث اور کمزور سندوں کو حسن قرار دیا ہے انہی میں سے یہ حدیث ہے یعنی حدیث عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ عیدین کی تکبیرات کی تعداد کے بیان میں۔ (ت)

اور قاطع نزاع یہ ہے کہ خود اسی حدیث حنظلہ کو امام ائمۃ المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے تصریحا فرمادیا کہ منکر ہے__ امام ذہبی تہذیب میں لکھتے ہیں:

حنظلۃ بن عبداللہ ویقال ابنُ عبیداللہ وقیل ابن ابی صفیۃ السدوسی وامام مسجد بنی سدوس بالبصرہ ابوعبید الرحیم عن انس قال یحیٰی القطان ترکتہ کان قد اختلط وضعفہ احمد وقال یروی عن انس مناکیر منھا قلنا أینحنی بعضنا لبعض [3] اھ ملخصا۔	حنظلہ بن عبداللہ اور ابن عبیداللہ اور ابن ابی صفیہ السدوس بھی ان کو کہا گیا ہے یہ بصرہ میں بنی سدوس کی مسجد کے امام ہیں کنیت ابوعبدالرحیم ہے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں یحیٰی بن قطان نے کہا میں نے ان کو متروک قرار دیا ہے کہ اختلاط ہوگیا تھا اور امام احمد نے ان کو ضعیف کہا ہے اور فرمایا یہ حضرت انس سے منکرات لاتے ہیں انہی میں سے ہے کہ ہم نے کہا کیا ہم آپس میں ایک دوسرے کے لئے جھکا کریں اھ ملخصا (ت)

امام ہمام مرجع ائمۃ الحدیث کی تضعیف کے مقابل امام ترمذی کی تحسین کب مقبول ہوسکتی ہے۔

بالجملہ بحمدہٖ تعالٰی آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ منکرین کے ہاتھ میں اصلا کوئی حدیث نہیں جس میں ان کے قول کی بو بھی نکل سکے۔ ثبوت ممانعت تو بڑی چیز ہے اور اگر یہ حدیثیں اور ان جیسی ہزار

---

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین فصل سوم المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۰۰

[2] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور ۲/ ۲۲۵

[3] تہذیب التہذیب للذہبی من اسمہ حنظلہ حنظلۃ بن عبداللہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۲/ ۶۲

اور ہوں اور وہ بالفرض سب صحاح وحسان ہوں تاہم تحقیقات بالانے روشن کردیا کہ اصلا مفید انکار نہ ہوں گی__ یہ کسی حدیث میں دکھائیں کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تالیٰ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو منع فرمایا یا ارشاد ہوا کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کیا کرو۔ بغیر اس کے ثبوت ممانعت کا دعوی محض ہوس پکانا ہے یا جنون خام۔ والحمدللہ ولی الانعام۔

اب رہا یہ کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت کیا ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق، اوّلاً: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

علمنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و کفی بین کفیہ التشہد[1] الحدیث۔	حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے کر مجھے التحیات تعلیم فرمائی۔

امام المحدثین امام بخاری نے اپنی جامع صحیح کی کتاب الاستیذان میں مصافحہ کے لئے جو باب وضع کیا اس میں سب سے پہلے اسی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نشان دیا۔ پھر اس باب مصافحہ کے برابر دوسرا باب وضع کیا **بَابُ الْاَخْذِ بِالْیَدَیْنِ** یعنی یہ باب ہے دونوں ہاتھ میں ہاتھ لینے کا۔ اس میں بھی وہی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسندا روایت کی، اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ لینا مصافحہ نہ تھا تو اس حدیث کو باب المصافحہ سے کیا تعلق ہوتا۔ صحیح بخاری کی اس تحریر پر دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت۔ ہاں اگر حضرات منکرین جس طرح ائمہ فقہ کو نہیں مانتے اب امام بخاری کی نسبت کہہ دیں کہ وہ حدیث غلط سمجھتے تھے ہم ٹھیک سمجھتے ہیں۔ تو وہ جانیں اور ان کا کام۔

معہذا مصافحہ دونوں جانب سے صفحات کف ملانا ہے اور یہ معنی اس صورت **کفّی بَیْنَ کفیه** (میرا ہاتھ دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے۔ت) میں ضرور متحقق، تو اس کے مصافحہ ہونے سے انکار پر کیا باعث رہا__ بعض جہلاء کا کہنا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے تو ایک ہی ہاتھ تھا۔ یہ محض جہالت وادعائے بے ثبوت ہے۔ دونوں طرف سے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاستیذان باب المصافحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۲۶، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۴

دونوں ہاتھ ملائے جائیں تو ایک کا ایک ہی ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوگا نہ کہ دونوں ___ **وَھٰذَا ظَاھِر جدًّا** (اور یہ بہت زیادہ ظاہر ہے۔ت) اور جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے دونوں ہاتھ کا ثبوت ہوا تو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے ثبوت نہ ہونا کیا زیر نظر رہا۔

ثانیًا: اکابر علماء عامہ کتب مثل خزانۃ الفتاوٰی وفتاوٰی عالمگیریہ وفتاوٰی زاہدی ودرمختار ومنتقٰی شرح ملتقی ومنیۃ الفقہاء وشرح نقایہ ورسالہ علامہ شرنبلالی ومجمع الانہر شرح ملتقی الابحر وفتح اللہ المعین للعلامۃ السید ابی المسعود الازہری وحاشیہ طحطاوی وحاشیہ شامی وغیرہا میں تصریح فرماتے ہیں کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے سنت ہے۔ ہندیہ میں ہے:

یجوز المصافحۃ والسنۃ فیہا ان یضع یدیہ علی یدیہ من غیر حائل من ثوب او غیرہ کذا فی خزانۃ الفتاوٰی[1]۔	مصافحہ جائز ہے۔ سنت اس میں یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طور پر رکھے کہ درمیان میں کوئی کپڑا یا اور کوئی چیز حائل نہ ہو، ایسے ہی خزانۃ الفتاوٰی میں ہے۔(ت)

شرح تنویر پھر حواشی الکنز للسید میں ہے:

فی القنیۃ السنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ[2]۔	قنیہ میں ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے سنت ہے۔(ت)

شرح متن الحلبی للعلامۃ العلائی پھر ردالمحتار میں ہے:

السنۃ ان تکون بکلتا یدیہ[3]۔	سنت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرے۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

السنۃ فیہا ان تکون بکلتا یدیہ کما فی المنیۃ[4]۔	مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے کرے۔ جیسا کہ منیہ میں ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۴

[4] جامع الرموز کتاب الکراھیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۱۶

شرح علامہ شیخی زادہ قاضی رومی میں ہے:

السنة فی المصافحة بکلتا یدیه[1]	مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے کرے۔(ت)

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

مصافحہ سنت است نزد ملاقات و باید کہ بہر دو دست بود[2]۔	ملاقات کے وقت مصافحہ سنت ہے اور چاہئے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔(ت)

مخالفین کا یہ دعوی ہے کہ فقہاء کی جو بات ہم اپنے زعم میں حدیث کے خلاف سمجھیں گے اسے نہ مانیں گے یہاں تک کہ ان کے ارشادات کو اصلا کسی حدیث کے مخالف نہیں بتاسکتے۔ نہ ماننے کی وجہ کیا ہے مگر یہ کہیے کہ فقہ و فقہاء سے خاص عداوت ہے کہ اگرچہ ان کی بات میں ادعائے مخالف حدیث کی راہ نہ پائیں تاہم قابل تسلیم نہیں جانتے۔

ثالثاً: صحیح بخاری شریف کے اسی باب مذکور میں ہے:

صافح حماد بن زید ابن المبارك بیدیه[3]۔	امام حماد بن زید نے امام اجل عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

تاریخ امام بخاری میں ہے:

حدثنی اصحابنا یحیی وغیرہ عن اسمعیل بن ابراھیم قال رأیت حماد بن زید وجاءہ ابن المبارك بمکة فصافحه بکلتا یدیه[4]۔	یعنی مجھ سے میرے اصحاب یحیٰی ابوجعفر بیکندی وغیرہ اسمٰعیل بن ابراہیم سے حدیث بیان کی کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حماد بن زید کو دیکھا اور ابن المبارک ان کے پاس مکہ معظّمہ میں آئے تھے تو انھوں نے ان سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

یہ امام اجل حماد بن زید ازدی بصری قدس سرہ اجلہ ائمہ تبع تابعین سے ہیں۔ انس بن سیرین و ثابت بنانی و عاصم بن بہدلہ و عمرو بن دینار و محمد بن واسع وغیرہم علمائے تابعین شاگردان حضرت انس

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الکراہیۃ فصل فی احکام النظر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۱

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الآداب باب المصافحہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۰

[3] صحیح البخاری کتاب الاستیذان باب الاخذ بالیدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۲۶

[4] التاریخ البخاری باب اسمعیل ترجمہ ۱۰۸۴ دار الباز مکہ المکرمہ ۱/ ۳۴۳

بن مالک وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے علم حاصل کیا۔اور اجلہ ائمہ محدثین وعلمائے مجتہدین مثل امام سفیان ثوری وامام یحیٰی بن سعید قطان وامام عبدالرحمٰن بن مہدی وامام علی بن مدینی وغیرہم کہ امام بخاری وامام مسلم کے اساتذہ واساتذۃ الاساتذہ تھے اس جناب کے شاگرد ہوئے امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرمایا کرتے:

ائمۃ الناس فی زمانھم اربعۃسفٰین بالکوفۃ ومالك بالحجاز و الاوزاعی بالشام وحمادبن زید بالبصرۃ [1]	مسلمانوں کے امام اپنے زمانے میں چار ہیں۔کوفہ میں سفیان۔ حجاز میں مالک،شام میں اوزاعی،بصرۃ میں حماد بن زید۔

اور یہ بھی فرماتے:

مارأیت اعلم من مالك وسفین وحمادبن زید [2]۔	میں نے مالک وسفیان وحماد بن زید سے زیادہ کوئی علم والانہ دیکھا۔

اور یہ بھی فرماتے کہ:

مارأیت بالبصرۃ افقه منه ولم ار احدا اعلم بالسنۃ منه [3]۔	میں نے بصرے میں ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ دیکھااور میں نے ان سے زیادہ حدیث جاننے والا کوئی نہ پایا۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

حمادبن زید من ائمۃ المسلمین [4]۔	حماد بن زید مسلمانوں کے اماموں میں سے ہے۔

اس جناب نے ماہ رمضان ۱۷۹ھ میں وفات پائی،جس دن انتقال ہوایزید بن زریع بصری کو خبر پہنچی فرمایا: **الیوم مات سید المسلمین** [5] آج مسلمانوں کے سردار نے انتقال کیارحمۃاللہ تعالٰی علیہ۔

ذکر کل ذٰلك الامام الذہبی فی تہذیب التہذیب۔	امام ذہبی نے ان میں سے ہر ایک کو تہذیب التہذیب میں ذکر فرمایا۔(ت)

اور دوسرے صاحب حضرت الانام علم الہدی شیخ الاسلام عبداللہ بن مبارک مروزی کاتو ذکر ہی کیا ہے۔عالم میں کون ساقدرے لکھاپڑھا ہے جواس جناب کی جلالت شان ورفعت مکان سے آگاہ نہیں۔وہ بھی اجلہ ائمہ تبع تابعین سادات محدثین، کبرائے مجتہدین اور امام بخاری ومسلم کے استاذالاساتذین اور ہمارے امام اعظم کے خاص شاگردان ومستفدین سے ہیں رحمۃاللہ علیہم اجمعین۔

---

[1] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

[2] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

[3] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

[4] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

[5] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

علمائے دین فرماتے ہیں تمام جہاں کی خوبیاں اللہ تعالٰی نے ان میں جمع فرمادی تھیں **قالہ فی التقریب**[1] (اسے تقریب میں بیان کیا گیا۔ت اور فرماتے ہیں جہاں عبداللہ بن مبارک کا ذکر ہوتا ہے وہاں رحمت الٰہی اترتی ہے ذکرہ الزرقانی وغیرہ (اسے زرقانی وغیرہ نے ذکر کیا۔ت) ان کا کچھ تذکرہ دیکھنا چاہو تو سردست شاہ عبدالعزیز صاحب کی **بستان المحدثین**[2] ہی دیکھو۔

ہم نے **بحمداللہ** خاص صحیح بخاری سے ایسے دو امام جلیل تبع تابعین سے دونوں ہاتھ کا مصافحہ ثابت کردیا۔ مخالف بھی تو کہیں سے ممانعت ثابت کرے یا ایسے حضرات تبع تابعین پر بھی **معاذاللہ** بدعت و مخالفت سنت کا گمان ہوگا یا اقرار کردیجئے گا کہ وہ بھی حدیث وسنت نہ جانتے تھے، محدث مجتہد جو کچھ ہیں بس آپ ہی تیرہ صدی کی چھٹن چند جاہلان ہندی وطن **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

رابعًا: ان حضرات کا داب کلی ہے کہ جس امر پر اپنی قاصر نظر ناقص تلاش میں حدیث نہیں پاتے اس پر بے اصل وبے ثبوت ہونے کا حکم لگادیتے اور اس کے ساتھ ہی صرف اس بناء پر اسے ممنوع وناجائز ٹھہرادیتے ہیں۔ پھر اس طوفان بے ضابطگی کا وہ جوش ہوتا ہے کہ اس اپنے نہ پانے کے مقابل علماء ومشائخ کی تو کیا گنتی حضرات عالیہ ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے ارشادات بھی پایہ اعتبار سے ساقط اور ان کے احکام کو بھی یونہی **معاذاللہ** باطل وغیر ثابت بتاتے ہیں۔ یہ وہ جہالت بے مزہ ہے جسے کوئی ادنٰی عقل والا بھی قبول نہیں کرسکتا ان حضرات سے کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں کہ "کے آمدی وکے پیر شدی" (کب آئے اور کب بوڑھے ہوئے۔ت) بڑے بڑے اکابر محدثین ایسی جگہ "**لم ار ولم اجد**" پر اختصار کرتے ہیں یعنی ہم نے نہ دیکھی ہمیں نہ ملی، نہ کہ تمہاری طرح عدم وجدان کہ عدم وجود کی دلیل ٹھہرادیں،

صاحبو! لاکھوں حدیثیں اپنے سینوں میں لے گئے کہ اصلا تدوین میں بھی نہ آئیں۔ امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔ امام مسلم کو تین لاکھ، پھر صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں۔ امام احمد کو دس لاکھ محفوظ تھیں مسند میں فقط تیس ہزار ہیں۔ خود شیخین وغیرہما ائمہ سے منقول کہ ہم سب احادیث صحاح کا استیعاب نہیں چاہتے۔ اور اگر ادعائے استیعاب فرض کیجئے تو لازم آئے کہ افراد بخاری، امام مسلم اور افراد مسلم، امام بخاری اور صحاح افراد سنن اربعہ دونوں اماموں کے نزدیک صحیح نہ ہوں، اور اگر اس ادعا کو آگے بڑھائے تو یونہی صحیحین کی وہ متفق علیہ حدیثیں جنھیں امام نسائی نے مجتبٰی میں داخل نہ کیا ان کے نزدیک حلیہ صحت سے عاری ہوں **وھو کما تری** (یہ وہ چیز ہے جسے تم جانتے ہو۔ت) صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

مامن اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	اصحاب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کسی نے

[1] تقریب التہذیب ترجمہ ۳۵۸۱ عبداللہ بن مبارک ۱/ ۵۲۷

[2] بستان المحدثین کتاب الزہد والرقاق ص۱۴۹تا۱۵۹

احد اکثر حدیثا عنہ منی الاماکان من عبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولااکتب [1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت نہ کیں سوا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کے کہ وہ لکھ لیا کرتے اور میں نہ لکھتا۔

دیکھو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ صاف فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے زیادہ احادیث روایت فرمائیں۔ حالانکہ تصانیف محدثین میں ان کی حدیثیں ان کی احادیث سے بدرجہا کم ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صرف سات سو حدیثیں پائی گئیں اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پانچ ہزار تین سو۔ علامہ قسطلانی ارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں:

یفھم منہ جزم ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بانہ لیس فی الصحابۃ اکثر حدیثا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منہ الا عبداللہ بن عمرو ومع ان الموجود عن عبداللہ بن عمرواقل من الموجود المروی عن ابی ھریرۃ باضعاف لانہ سکن مصر وکان الواردون الیہا قلیلا بخلاف ابی ھریرۃ فانہ استوطن المدینۃ وھی مقصد المسلمین من کل جھۃ وروی عنہ فیما قالہ المؤلف نحو من ثمان مائۃ رجل وروی عنہ من الحدیث خمسۃ الاف وثلاث مأۃ حدیث ووجد لعبداللہ سبع مأۃ حدیث [2]۔	اس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جزم ویقین سمجھ میں آتا ہے کہ صحابہ کرام میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کسی نے اتنی کثیر تعداد میں حدیثیں روایت نہیں کیں سوائے عبداللہ بن عمرو کے، مگر اس کے باجود عبد اللہ بن عمرو کی مرویات ابوہریرہ سے کئی گنا کم ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو مصر میں سکونت پذیر تھے اور احادیث کریمہ کی تلاش وجستجو کرنے والوں کا ورود وہاں بہت کم ہوتا تھا بخلاف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے آپ کا تو مدینہ میں ہی قیام تھا جو ہر چہار جانب سے مسلمانوں کا مرجع تھا۔ حضرت مولف علیہ الرحمہ کا کہنا یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنیوالے لگ بھگ آٹھ سو افراد تھے، اور حضرت ابوہریرہ سے کل پانچ ہزار تین سو حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی سات سو حدیث ملتی ہیں۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کنایۃ العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب العلم باب کنایۃ العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۶)

اب کہئے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وہ ہزاروں حدیثیں کیا ہوئیں۔اور کتب حدیث میں ان میں سے کتنی ہاتھ آئیں۔بس اسی پر قیاس کرلیجئے اور یہیں سے ظاہر کہ ائمہ اربعہ خصوصًاامام الائمہ مالک الازمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب پر اگر ان کتب میں حدیثیں نہ ملیں تواس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے مذہب پر واقع میں حدیث نہیں بلکہ اگر بخاری ومسلم اور ان کے امثال تصریح بھی کردیں کہ فلاں مذہب امام ابوحنیفہ یامام مالک پر کوئی حدیث نہیں تو بھی منصف ذی عقل کے نزدیک ان کے پاک مبارک مذہبوں میں اصلا قادح نہیں ہوسکتا۔آخر بخاری ومسلم کا علم محیط نہ تھا،کیاجو کچھ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور صحابہ نے امت مرحومہ تک پہنچایا اس سب کا علم بخاری ومسلم کو حاصل تھا۔خوداجلہ صحابہ کرام جوگاہ بگاہ سفر وحضر میں دائما بارگاہ عرش جاہ حضور رسالت پناہ علیہ وعلیہم صلوات اللہ میں حاضر رہتے یہاں تک کہ حضرات خلفائے اربعہ وحضرت عبداللہ بن مسعود وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی یہ دعوی نہیں کرسکتے تھے،کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کل اقوال وافعال پر ہمیں اطلاع ہے،کتب احادیث پر جسے نظر ہے وہ خوب جانتاہے کہ بعض باتیں ان حضرات پر بھی خفی رہیں "تا بدیگرے چہ رسد" (دوسروں تک کیا پہنچے۔ت) پھر بخاری ومسلم وغیرہما کیونکر علم کل کادعوی کرسکتے ہیں۔اگر وہ نفی کریں بھی تواس کا محصل صرف اپنے علم کی نفی ہوگا یعنی ہمیں نہیں معلوم پھر اس سے واقع میں حدیث نہ ہونا درکنار،یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ابوحنیفہ ومالک کو بھی اپنے مذہب پر حدیث نہ معلوم ہو ان کا زمانہ زمانہ اقدس سے قریب تر تھااور اس وقت تک زمانہ خیر القرون تھا۔بوجہ قلّت کذب وکثرت خیر سندیں نظیف اور وسائط کم تھے،یہ ممکن کہ جو حدیثیں ابوحنیفہ ومالک کے پاس تھیں بخاری ومسلم کو نہ پہنچیں،ممکن کہ جو حدیثیں ان کے پاس بسند صحیح تھیں ان تک بذریعہ روایت ضعاف پہنچیں۔پھر کیونکر ان کانہ جاننا ان کے نہ جاننے پر قاضی ہوسکتاہے۔امام اجل ابویوسف رحمۃاللہ تعالٰی علیہ (جنھیں محدثین اہل جرح وتعدیل بھی باآنکہ ان میں بہت کو حضرات حنفیہ کرام سے ایک تعنت ہے تصریحا صاحب حدیث منصف فی الحدیث واتبع القوم للحدیث لکھتے ہیں۔بلکہ اپنے زعم میں امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے بھی زیادہ محدث وکثیر الحدیث جانتے ہیں امام ذہبی شافعی نے اس جناب کو حفاظ حدیث میں شمار اور کتاب تذکرۃالحفاظ میں بعنوان الامام العلامۃ فقیہ العراقین ذکر کیا) یہ ارشاد فرماتے ہیں: بارہا ہوتا کہ امام ایک قول ارشاد فرماتے کہ میری نظر میں حدیث کے خلاف ہوتا میں جانب حدیث جھکتا۔بعد تحقیق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام نے اس حدیث سے فرمایا ہے جو میرے خواب میں بھی نہ تھی،امام ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان میں فرماتے ہیں:

عن ابی یوسف ما رأیت احدا اعلم بتفسیر الحدیث ومواضع النکت التی فیه من الفقة من ابی حنیفة وقال ایضا ماخالفته فی شیئ قط فتدبرته الارایت مذہبه الذی ذہب الیه انجٰی فی الاخرة وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان ہو ابصر بالحدیث الصحیح منی وقال کان اذا صمم علی قوله درت علی مشائخ الکوفة ہل اجد فی تقویة قوله حدیثا او اثرا فربما وجدت الحدیثین والثلاثة فاتیته بها فمنها مایقول فیه ہذا غیر صحیح اوغیر معروف فاقول له وما علمك بذٰلك مع انه یوافق قولك فیقول انا عالم بعلم اہل الکوفة[1]۔	حضرت ابویوسف سے روایت ہے کہ میں نے احادیث کی تشریح اور فقہ کی نکتہ آفرینی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے زیادہ جانکار شخص نہیں دیکھا نیز انھوں نے فرمایا میں نے جب بھی کسی مسئلہ میں ان سے مخالفت کی پھر میں نے اس میں غور وخوض کیا تو مجھے یہی محسوس ہوا کہ آخرت میں نجات دینے والا وہی مذہب ہے جس کی طرف امام ابوحنیفہ گئے ہیں۔ مجھ سے زیادہ حدیثوں پر ان کی نظر تھی۔ نیز فرمایا جب وہ کسی بات پر اڑ جاتے ہیں تو میں کوفہ کے مشائخ کے پاس اس غرض سے حاضر ہوتا کہ اس قول کی تقویت میں مجھے کوئی حدیث یا اثر ملے تو بسااوقات مجھے دو تین حدیثیں مل جاتیں، تو میں ان کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتا۔ آپ فرماتے اس میں یہ فلاں حدیث صحیح نہیں ہے یا غیر معروف ہے۔ میں عرض کرتا حضور! یہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ یہ حدیثیں تو آپ کے قول کی تائید میں ہیں۔ تو فرماتے کوفہ والوں کے علم ہی سے تو مجھے علم ہوا ہے۔ (ت)

خیر **ایک درجہ** تو یہ ہوا۔

درجہ دوئم: اب جو حدیثیں تدوین میں آئیں ان میں سے فرمائے کتنی باقی ہیں، صدہا کتابیں کہ ائمہ دین نے تالیف فرمائیں محض بے نشان ہو گئیں اور یہ آج سے نہیں ابتداء ہی سے ہے۔ امام مالک کے زمانے میں اسّی ۸۰ علماء نے مؤطا لکھیں پھر سوائے مؤطائے مالک ومؤطائے ابن وہب کے اور بھی کسی کا پتا باقی ہے۔ امام مسلم کے زمانے کو ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک کے زمانے سے ایسا کتنا فاصلہ تھا۔ پھر بعض تصانیف مسلم کی نسبت امام ابن حجر نے حاکم سے نقل کیا کہ معدوم ہیں وعلی ہذہ القیاس صدہا بلکہ ہزارہا تصانیف ائمہ کا کوئی نشان نہیں دے سکتا، مگر اتنا کہ تذکروں تاریخوں میں نام لکھا رہ گیا۔

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون فی سندہ فی الحدیث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

درجہ سوم: اس سے بھی گزرئے جو کتابیں باقی رہیں ان میں سے اس خراب آباد ہند میں کَے پائی جاتی ہیں ذرا کوئی حضرت غیر مقلد صاحب اپنے یہاں کی کتب حدیث کی فہرست تو دکھائیں کہ معلوم ہو کہ کس پونجی پر یہ اونچا دعوی ہے۔

درجہ چہارم: اب سب کے بعد یہ فرمایئے کہ جو کتابیں ہندوستان میں ہیں ان پر حضرات مدعین کو کہاں تک نظر ہے اور ان کی احادیث کس قدر محفوظ ہیں۔

سبحان اللہ! کیا صرف اتنا کافی ہے کہ جو مسئلہ پیش آیا اسے خاص اسی کے باب میں دو چار کتابوں میں جو اپنے پاس ہیں دیکھ بھال لیا اور اپنے زعم میں باطل میں کوئی حدیث نہ ملی تو بے ثبوت ہونے کا دعوی کردیا۔ جان برادر! بارہا واقع ہوگا کہ اس مسئلہ کی حدیث انھیں کتابوں میں ملے گی اور آپ کی نظر اس پر نہ پہنچے گی کہ اول تو ہر مطلب کے لئے محدثین نے تراجم وابواب وضع نہ کئے اور جس کے لئے وضع کئے ان کی مثبت بہت حدیثیں ایسی ہوں گی جو بوجہ دوسری مناسبت کے دیگر ابواب میں لکھ آئے یا لکھیں گے اور یہاں بخیال تکرار ان کے اعادہ واثبات سے باز رہے۔ اگر یوں نہ مانئے اور اپنی وسعت نظر واحاطہ علم کا دعوی ہی کیجئے تو حضرات بے امتحان نہیں سہی اپنے میں جس صاحب کو بڑا محدث جانئے معین کیجئے، ہم دس سوال کرتے ہیں کہ ان کی نسبت جو حکم احادیث میں وارد ہو ارشاد فرمائیں پھر دیکھئے ان شاء اللہ تعالٰی کیسے غوطے کھاتے ہیں۔ اللہ عزوجل چاہے تو اکثر کا حکم نہ نکال سکیں گے، اور رب تبارک وتعالٰی کو منظور ہے تو انھیں کتابوں میں ان کی احادیث نکل آئیں گی، اس وقت معلوم ہوگا کہ دعوی اجتہاد کرنے والے کتنے پانی میں تھے۔ وائے بے انصافی ان لیاقتوں پر ائمہ مجتہدین سے ہمسری کا دعوی ہیہات ہیہات "چھوٹا منہ بڑی بات" آدمی کو کتنی بھاتی ہے مگر امتحان دیتے وقت مزا آتا ہے۔ ہاں ہاں یہ بات میں نے اس لئے نہیں کہی کہ سنئے اور اڑا جائے، نہیں نہیں ضرور اپنے کسی اعلٰی محدث کا نام رکھئے اور ہم جو سوالات کریں ان کا جواب ان سے بذریعہ احادیث لکھوایئے، ہم بھی تو دیکھیں کس برتے پر تتا پانی! جان برادر! حصر رواۃ ممکن نہیں، حصر رواۃ کیونکر ممکن نہیں۔ ابراہیم بن بکر شیبانی کے ذکر میں امام ابن الجوزی نے کہا:

ابراھیم بن بکر فی الرواۃ ستۃ لااعلم فیھم ضعفا سوٰی ھذا [1]	ابراہیم بن بکر راویوں میں چھ ہیں۔ میں ان میں سے کسی میں ضعف نہیں جانتا سوا اس شیبانی کے۔

[1] میزان الاعتدال عن ابن الجوزی ترجمہ ۵۲ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴

اس پر امام ذہبی جیسے جلیل القدر عمدۃ الفن امام الشان نے فرمایا:

لوسماھم لافادنا فما ذکر ابن ابی حاتم منھم احدا[1]۔	اگر ان سب کا تذکرہ فرمادیتے تو ہمیں فائدہ بخشتے کہ ابن ابی حاتم نے توان میں سے ایک کا بھی تذکرہ نہ کیا۔

امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام نے جن کی جلالت قدر آفتاب نیمروز سے اظہر جب بعض احادیث کہ مشائخ کرام نے ذکر کیں نہ پائیں یوں فرمایا کہ:

لعل قصور نظرنا اخفاھا عنا۔	امید ہے کہ ہماری نظر کے قصور نے انھیں ہم سے چھپالیا۔

دیکھو علماء یوں فرماتے ہیں اور جاہلوں کے دعوے وہ طویل وعریض ہوتے ہیں۔

حدیث اختلاف امتی رحمۃ[2] (میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ت) امام جلال شلدین سیوطی جیسے حافظ جلیل نے کتاب جامع صغیر میں ذکر فرمائی اور اس کا کوئی مخرج نہ بتاسکے کہ کس محدث نے اپنی کتاب میں روایت کی۔ان بعض علماء کے نام لکھ کر جنھوں نے بے سند اپنی کتابوں میں اسے ذکر کیا لکھ دیا کہ:

لعلہ خرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل الینا[3]۔	شاید وہ حافظان حدیث کی بعض کتابوں میں روایت کی گئی جو ہم تک نہ پہنچیں۔

یہ وہ امام ہیں کہ فن حدیث میں جن کے بعد ان کا نظیر نہ آیا، جنھوں نے کتاب جمع الجوامع تالیف فرمائی اور اس کی نسبت فرمایا:

قصدت فیہ جمیع الاحادیث النبویۃ باسرھا[4]۔	میں نے ارادہ کیا کہ اس میں تمام احادیث نبویہ جمع کردوں۔

اس پر بھی علماء نے فرمایا:

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۶ دار المعرفہ بیروت ۱/ ۲۴

[2] الجامع الصغیر للسیوطی حدیث ۲۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴

[3] الجامع الصغیر للسیوطی حدیث ۲۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴

[4] الجامع الصغیر للسیوطی خطبہ مؤلف دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۵

ہذا بحسب ما اطلع علیہ المصنف لاباعتبار ما فی نفس الامر[1] قالہ المناوی۔	یہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ یہ کہ واقع میں جس قدر حدیثیں ہیں سب کو جمع کرنا۔ (ت)

وہ اپنے نہ پانے پر یوں فرماتے ہیں کہ شاید یہ حدیث ان کتب ائمہ میں تخریج ہوئی جو ہمیں نہ ملیں۔ اور پھر یہ دیکھئے ہوا بھی ایسا ہی، عبارت مذکورہ بعد علامہ مناوی صاحب تیسیر شرح جامع صغیر نے لکھ دیا الامر کذلك[2] یعنی واقع ایسا ہی ہے۔ پھر اس کی تخریج بتائی کہ بیہقی نے مدخل اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایت عبدالله بن عباس رضی الله تعالٰی عنہما روایت کی۔ اور اس حدیث کی سند پر نہ صرف امام سیوطی بلکہ اکثر ائمہ کو اطلاع نہ ہوئی، امام خاتم الحفاظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

زعم کثیر من الائمۃ انہ لااصل لہ[3]	بہت سے اماموں نے یہی زعم کیا کہ اس کے لئے کوئی سند نہیں۔

پھر امام عسقلانی نے اس کی بعض تخریجیں ظاہر فرمائیں۔

حدیث الوضوء علی الوضوء نور علی نورٍ (وضوء پر وضو کرنا نورٌ علی نور ہے۔ ت) کی نسبت امام عبدالعظیم منذری نے کتاب الترغیب اور امام عراقی نے تخریج احادیث الاحیاء میں تصریح کردی کہ لم نقف علیہ[4] ہمیں اس پر اطلاع نہیں۔ حالانکہ وہ مسند امام رزین میں موجود۔ تیسیر میں ہے:

حدیث الوضوء علی الوضوء نور علی نور اخرجہ رزین ولم یطلع علیہ العراقی کالمنذری فقالا لم یقف علیہ[5]۔	وضوء پر وضوء کرنا نورٌ علی نور ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی تخریج حضرت رزین نے کی ہے اور منذری کی طرح امام عراقی اس پر مطلع نہیں ہیں تو انھوں نے کہا ہم اس پر واقف نہیں ہیں (ت)

---

[1] التسیر شرح الجامع الصغیر خطبہ مؤلف مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵

[2] التسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اختلاف امتی الخ مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۴۹

[3] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ ابن حجر کتاب العلم الباب الثانی دار الفکر بیروت ۱/ ۲۰۵

[4] الترغیب والترہیب الترغیب فی المحافظۃ علی الوضو، مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۳، المغنی عن حمل الاسفار للعراقی مع احیاء العلوم کتاب الطہارۃ باب فضیلۃ الوضوء مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۳۵

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث من توضأ علی طہر مکتبۃ الامام شافعی ریاض ۱/ ۱۲-۴۱۱

اس سے عجیب تر سنئے۔

حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ انھوں نے رکوع میں دونوں ہاتھ ملا کر زانوں کے بیچ میں رکھے اور بعد نماز کے فرمایا:

ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	ایسا ہی کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

اس کی نسبت امام ابوعمر بن عبدالبر نے فرمایا؛ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ محدثین کے نزدیک صرف اس قدر صحیح ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے ایسا کیا۔ اور امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے توکتاب الخلاصۃ میں سخت ہی تعجب خیز بات واقع ہوئی کہ فرمایا صحیح مسلم شریف میں بھی صرف اسی قدر ہے کہ ابن مسعود نے ایسا کیا اور یہ نہیں کہ ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حالانکہ بعینہٖ یہی الفاظ صحیح مسلم میں موجود، امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

فی صحیح مسلم عن علقمۃ والاسود انہما دخلا علی عبداللہ فقال أصلی من خلفکما قالا نعم فقام بینہما فجعل احدھما عن یمینہ والاخر عن شمالہ ثم رکعنا فوضعنا ایدینا علی رکبنا ثم طبق بین یدیہ ثم جعلہما بین فخذیہ فلما صلی قال ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ابن عبدالبر لایصح رفعہ والصحیح عندھم الوقف علی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ وقال النووی فی الخلاصۃ الثابت فی صحیح مسلم ان ابن مسعود فعل ذلك و لم یقل	صحیح مسلم میں حضرت علقمہ اور اسود سے روایت ہے یہ دونوں حضرات عبداللہ ابن مسعود کے پاس آئے کہا کیا دوسروں نے نماز پڑھ لی ہے۔ دونوں نے عرض کی ہاں حضور، پھر آپ دونوں کے بیچ میں کھڑے ہوگئے ایک کو داہنے طرف دوسرے کو بائیں طرف کرلیا، پھر ہم سبھوں نے رکوع کیا تو ہم نے اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ پھر دونوں ہاتھ کو ملایا، پھر انھوں نے دونوں رانوں کے بیچ میں رکھ دیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے توآپ نے فرمایا: ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا، ابن عبدالبر نے کہا: اس روایت کا حضور تک پہنچنا ثابت نہیں۔ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث عبداللہ ابن مسعود تک موقوف ہے۔ امام نووی نے خلاصہ میں کہا کہ صحیح مسلم میں

ہکذا کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعلہ قیل کانہما ذہلافان مسلما اخرجہ من ثلث طرق لم یرفعہ فی الاولین ورفعہ فی الثالثۃ وقال ہکذا فعل الخ[1]۔	یہ روایت ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے ایسا کیا۔انھوں نے یہ نہیں کہاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔یہ بھی کہا گیاکہ ان دونوں سے ذہول ہوگیا کیونکہ امام مسلم نے تین طریقوں سے اسے تخریج فرمایا،پہلی دو روایتیں مرفوع نہیں البتہ تیسری روایت میں انھوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب کیاہےاور فرمایااسی طرح کیاالخ(ت)

میں یہاں اگر اس کی نظیریں جمع کرنے پر آؤں کہ خبر وحدیث میں مشہور ومتداول کتابوں یہاں تک خود صحاح ستہ سے اکابر محدثین کو کیسے کیسے ذہول واقع ہوئے ہیں تو کلام طویل ہوجائے،بعض مثالیں اس کی فقیر نے اپنے رسالہ نور عینی فی الانتصار للامام العینی میں لکھیں یہاں مقصوداسی قدر کہ مدعی آنکھ کھول کر دیکھے کہ کس بضاعت پر کمال علم واحاطہ نظرکادعوی ہے۔کیاان ائمہ سے غفلت ہوئی اور تم معصوم ہو؟___ کیا نہیں ممکن کہ حدیث انھیں کتابوں میں ہواور تمھاری نظر سے غائب رہے؟___ ماناکہ ان کتابوں میں نہیں کیاسب کتابیں تمھارے پاس ہیں؟___ ممکن کہ ان کتابوں میں ہوجواور بندگان خدا کے پاس دیگر بلاد میں موجود ہیں___ ماناکہ ان میں بھی نہیں پھر کیااسی قدر کتابیں تصنیف ہوئی تھیں ممکن کہ ان کتابوں میں ہوجومعدوم ہوگئیں ماناکہ ان میں بھی نہیں پھر کیا تمام احادیث کتابوں میں مندرج ہوگئ تھیں؟___ ممکن کہ ان احادیث میں ہوجو علماء اپنے سینوں میں لے گئے___ پھر"ہلدی کی گرہ پر پنساری بننا کس نے مانا"اپنے نہ پانے کو نہ ہونے کی دلیل سمجھنااور عدم علم کو علم بالعدم ٹھہرالینا کیسی سخت سفاہت ہے۔خاص نظیر اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز اپنی کوٹھری کی چار دیواری میں ڈھونڈھ کر بیٹھ رہے اور کہدے ہم تلاش کرچکے تمام جہاں میں کہیں نشان نہیں کیااس بات پر عقلاء اسے مجنون نہ جانیں گے!___ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

درجۂ پنجم: الطف واہم،ان سب سے گزریئے بفرض ہزار درہزار باطل تمام جہاں کی اگلی پچھلی سب کتب حدیث آپ کی الماری میں بھری ہیں اور ان سب کے آپ پورے حافظ ہیں آنکھیں بند کرکے ہر حدیث کا پتادے سکتے ہیں پھر حافظ جی صاحب یہ تو طوطے کی طرح حق اللہ تعالٰی پاک ذات اللہ کی یاد ہوئی۔فہم حدیث کا منصب ارفع واعظم کدھر گیا۔لاکھ بار ہوگاکہ ایک مطلب کی حدیث انھیں

[1] فتح القدیر باب الصلوٰۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۹

احادیث میں ہوں گی جو آپ کو برزبان یاد ہیں اور آپ کی خواب میں بھی خطرہ نہ گزرے گا کہ اس سے وہ مطلب نکلتا ہے۔ آپ کیا اور آپ کے علم و فہم کی حقیقت کتنی۔ اکابر اجلہ محدثین یہاں آکر زانو ٹیک دیتے ہیں اور فقہائے کرام کا دامن پکڑتے ہیں۔ حفظ حدیث فہم حدیث کو مستلزم ہوتا تو حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے کیا معنٰی تھے:

رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَیْسَ بِفَقِیْهٍ [1] رواہ الائمۃ الشافعی والاحمد والدارمی و ابوداؤد والترمذی وصححہ والضیاء فی المختارۃ والبیہقی فی المدخل عن زید بن ثابت والدارمی عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہما ونحوہ لاحمد و الترمذی وابن حبان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسند صحیح وللدارمی عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	بہتیرے حاملان فقہ ان کے پاس فقہ لے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ اس کی سمجھ رکھتے ہیں اور بہتیرے وہ کہ فقہ کے حامل و حافظ وراوی ہیں مگر خود اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔ اس کی روایت ائمہ شافعی، احمد، دارمی، ابوداؤد اور ترمذی نے کی اور اسے صحیح قرار دیا۔ اور ضیاء نے مختارہ میں اور بیہقی نے مدخل میں حضرت زید ابن ثابت سے اور دارمی نے حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی۔ اور اسی طرح احمد و ترمذی اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی، اور حضرت دارمی کی روایت جو مروی ہے حضرت ابودرداء سے انھوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

ذرا خدا کے لئے آئینہ لے کر اپنا منہ دیکھئے اور امام اجل سلیمن اعمش کا علم عزیز و فضل کبیر خیال کیجئے جو خود حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے شاگرد جلیل الشان اور اجلہ ائمہ تابعین اور تمام

[1] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی البحث علی تبلیغ السماع امین کمپنی کراچی ۲/ ۹۰، سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فضل نشر العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۹، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲۲۵ و ۳/ ۸۰ و ۸۲ المکتب الاسلامی بیروت، سنن الدارمی باب الاقتداء بالعلماء حدیث ۲۳۴ دارالمحاسن القاهرۃ ۱/ ۶۵

ائمہ حدیث کے اساتذہ الاساتذہ سے ہیں۔امام ابن حجر مکی شافعی کتاب خیرات الحسان میں فرماتے ہیں کسی نے ان امام اعمش سے کچھ مسائل پوچھے ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ سراج الامہ سید نا ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (کہ اس زمانے میں انھیں امام اعمش سے حدیث پڑھتے تھے) حاضر مجلس تھے،امام اعمش نے وہ مسائل ہمارے امام اعظم سے پوچھے امام نے فورًا جواب دئے۔امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کئے،فرمایا: ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں۔اور وہ حدیثیں مع سند روایت فرمائیں۔امام اعمش نے کہا:

حسبك ماحدثتك به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ماعلمت انك تعمل بهذه الاحادیث یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیادله وانت ایها الرجل اخذت بكلا الطرفین[1]۔	بس کیجئے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ ایک گھڑی میں مجھے سنائے دیتے ہیں مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں۔اے فقہ والو! تم طبیب ہو اور ہم محدث لوگ عطار ہیں اور اے ابو حنیفہ! تم نے فقہ وحدیث دونوں کنارے لئے۔والحمدللہ۔

یہ تو یہ خود ان سے بھی بدرجہا اجل واعظم ان کے استاد اکرم واقدم امام عامر شعبی جنھوں نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو پایا،حضرت امیر المومنین مولی علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وابوھریرہ وانس بن مالک وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر وعمران بن حصین وجریر بن عبداللہ ومغیرہ بن شعبہ وعدی بن حاتم وامام حسن وامام حسین وغیرہم بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے استاد ہیں جن کا پایہ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس سے زائد نہ ہو،ایسے امام والامقام باآں جلالت شان فرماتے:

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحدیث فرویناه الفقهاء من اذا علم عمل۔نقله الذهبی فی تذكرة الحفاظ[2]۔	ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں ہمیں مطالب حدیث کی کامل سمجھ نہیں ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے،روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائی

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون فی سندہ فی الحدیث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۴

[2] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ۷۷ عامر بن شرحبیل الشعبی دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱/ ۷۹

	کریں گے، (اسے ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔ت)

مگر آج کل کے نامشخص حضرات کو اپنی یاد وفہم اور اپنے دو حرفی نام علم پر وہ اعتماد ہے جو ابلیس لعین کو اپنی اصل آگ پر تھا کہ دو حرف رٹ کر ہر امام امت کے مقابل **انا خیر منه** (میں اس سے بہتر ہوں۔ت) کی بنیٹی گھمانے کے سوا کچھ نہیں جانتے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

خامسًا: بالفرض مان ہی لیجئے کہ حدیث واقع میں مروی نہ ہوئی پھر کہاں عدم نقل اور کہاں نقل عدم، یعنی اگر کسی فعل کا کرنا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور نے کیا ہی نہ ہو، اس کا حاصل اتنا ہوگا کہ حدیث میں اس فعل کا نہ ہونا آیا ان دونوں عبارتوں میں جو فرق ہے ذی عقل پر پوشیدہ نہیں۔ امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

عدم النقل لاینفی الوجود [1]۔	کسی مسئلہ کا منقول نہ ہونا وجود کی نفی نہیں کرتا (ت)

شاہ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی عدم نقل ونقل عدم میں تمیز نہ کرنے کو جہل وتعصب کے مفاسد سے کہتے ہیں:

حیث قال وجدت بعضهم لایمیز بین قولنا لیست الاشارۃ فی ظاهر المذهب وقولنا ظاهرا لمذهب انها لیست ومفاسد الجهل والتعصب اکثر من ان تحصی [2]۔	میں نے بعض حضرات کو یہاں تک دیکھا کہ وہ ہمارے قول لیست الاشارۃ فی ظاهر المذهب (ظاہر مذہب میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں) اور ہمارے قول ظاهر المذهب انها لیست (ظاہر مذہب اس کے برخلاف ہے) والے اصولی قول میں امتیاز ہی نہیں کرتے جہالت وتعصب کے مفاسد تو بیشمار ہیں۔ (ت)

سادسًا: یہ بھی سہی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس فعل کا نہ کرنا اور بات ہے اور منع فرمانا اور بات، ممنوع وہ چیز ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع کی، نہ کہ وہ چیز جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کی، قرآن عظیم نے یوں فرمایا:

"مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ" [3]	رسول جو تمھیں دے لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰

[2] حجۃ اللہ البالغہ الامور التی لابد منها فی الصلوٰۃ المکتبہ السلفیہ لاہور ۲/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

یوں نہیں فرمایا ہے کہ: مَاۤ فَعَلَ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا لَمْ يَفْعَلْ فَانْتَهُوْا جو رسول نے کیا کرو اور جو نہ کیا اس سے باز رہو۔
امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نفل کی نسبت یہ تحقیق فرما کر کہ نہ ان کا فعل حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہ کسی صحابی سے ثابت، ارشاد فرماتے ہیں:

الثابت بعد هذا هو نفي المندوبية اما ثبوت الكراهة فلا الا ان يدل دليل اٰخر [1]۔	ان سب سے یہ ثابت ہوا کہ مستحب نہیں رہی کراہت وہ ثابت نہ ہوئی، اس کے لئے دوسری دلیل چاہئے۔

امام احمد محمد خطیب قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ و منح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

اَلْفِعْلُ يَدُلُّ عَلَى الْجَوَازِ وَعَدَمُ الْفِعْلِ لَا يَدُلُّ عَلَى الْمَنْعِ [2]۔	فعل تو جواز کے لئے دلیل ہوتا ہے اور نہ کرنے سے منع کرنا نہیں سمجھا جاتا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

نہ کردن چیزے دیگر است و منع فرمودن چیزے دیگر [3]۔	نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز۔

پھر کیسی جہالت ہے کہ نہ کرنے کو منع کرنا ٹھہرا رکھا ہے۔
سابعًا: مصافحہ امور معاشرت سے ایک امر ہے جس سے مقصود شرع باہم مسلمانوں میں ازدیاد الفت اور ملتے وقت اظہار انس و محبت ہے حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تصافحوا يذهب الغل عن قلوبكم [4]۔ اخرجه ابن عدی عن ابن عمر رضی الله	آپس میں مصافحہ کرو تمہارے سینوں سے کینے نکل جائیں گے۔ (ابن عدی نے حضرت عبداللہ

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب النوافل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۹
[2] المواهب اللدنیه
[3] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم در مطاعن خلفائے ثلثہ الخ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹
[4] الکامل لابن عدی ترجمہ محمد بن ابی زعیزعۃ الخ دار الفکر بیروت ۶/ ۲۲۱۱، کنز العمال بحوالہ عد عن ابن عمر حدیث ۲۵۳۴۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۱۳۰، الترغیب والترہیب بحوالہ مالک عن عطاء الخراسانی الترغیب فی المصافحۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۴

تعالٰی عنہما ونحوہ ابن عساکر عن ابی ھریرۃ اولہ تھادوا وتحابوا ونحوھذا اخرجہ مالك فی المؤطا [1] بسند جید عن عطاء الخراسانی مرسلا۔	ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی تخریج کی ہے اور اس کی مثل ابن عساکر نے ابوہریرہ سے روایت کیا جس کی ابتداء ان الفاظ سے ہے ہدیہ لینا دینا چاہئے تم آپس میں محبت کروگے اور اس کی مثل امام مالک نے مؤطا میں جید سند کے ساتھ مراسل طریقہ پر عطاء خراسانی سے روایت کی ہے۔(ت)

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

السر فی المصافحۃ وقولہ مرحبا بفلان ومعانقۃ القادم ونحوھا انھا زیادۃ المؤدۃ والتبشیش ورفع للوحشۃ والتدابر [2]۔	مصافحہ اور مرحبا فلاں کو، اور آنے والے سے معانقہ جیسے امور میں محبت اور خوشی زیادہ ہوتی ہے اور ان سے وحشت اور اجنبیت ختم ہوتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

التحابب فی الناس خصلۃ یرضاھا اللہ تعالٰی وافشاء السلام اٰلۃ صالحۃ لانشاء المحبۃ وکذالك المصافحۃ و تقبیل الید ونحو ذلك [3]۔	لوگوں میں محبت وہ خصلت ہے جو اللہ تعالٰی کی رضا کا باعث ہے اور سلام کی عادت محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور یوں ہی مصافحہ اور دست بوسی وغیرہ بھی(ت)

اور بیشك یہ امور عرف وعادت قوم پر مبنی ہوتے ہیں جو امر جس طرح جس قوم میں رائج اور ان کے نزدیك الفت وموانست اور اس کی زیادت پر دلیل ہو وہ عین مقصود شرع ہوگا جب تك بالخصوص اس میں کوئی نہی وارد نہ ہو وجہ یہ کہ اس کی کسی خصوصیت سے شرع مطہر کی کوئی خاص غرض متعلق نہیں۔اصل مقصود سے کام ہے جس ہیئت سے حاصل ہو۔آخر نہ دیکھا کہ انھیں امور میں جو وقت ملاقات بغرض مذکور مشروع ہوئے ایك مرحبا کہنا تھا کہ اس سے بھی خوشدلی اور اس شخص کے آنے پر فرحت ظاہر ہوتی ہے۔حدیث براء ابن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گزرا کہ حضور صلی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] مؤطا امام مالك باب ماجاء فی المھاجرۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۷۰۷، کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ حدیث ۱۵۰۵۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۰

[2] حجۃ اللہ البالغۃ آداب الصحبۃ السر فی افشاء السلام الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۱۹۸

[3] حجۃ اللہ البالغۃ آداب الصحبۃ السر فی افشاء السلام الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۱۹۷

لایلقی مسلم مسلما فیر حب بہ ویأخذ بیدہ الا تناثرت الذنوب بینھما [1]۔الحدیث۔	جو مسلمان مسلمان سے مل کر مرحبا کہے اور ہاتھ ملائے ان کے گناہ جھڑ جائیں۔

پھر بلاد عجمیہ میں اس کا رواج نہیں، فارس میں اس کی جگہ خوش آمدی کہتے ہیں۔اور ہندوستان میں آیئے آیئے تشریف لایئے،اور اس کی مثل کلمات ــــ اب کوئی عاقل اسے مخالفت حدیث ومزاحمت سنت نہ جانے گا،رات دن دیکھا جاتا ہے کہ خود حضرات منکرین میں دوستوں کے ملتے وقت اسی قسم کے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔یہ کیوں نہیں بدعت وممنوع وخلاف سنت قرار پاتے۔تو وجہ کیا کہ اصل مقصود شرع وہی اظہار خوشدلی بغرض ازدیاد محبت ہے۔یہ مطلب عرب میں لفظ مرحبا سے مفھوم ہوتا تھا۔یہاں ان لفظوں سے ادا کیا جاتاہے۔تو غرض شریعت کی ہر طرح حاصل ہے۔خود مصافحہ بھی شرع مطہر کا اپنا وضع فرمایا ہوانہیں بلکہ اہل یمن آئے انھوں نے اپنے رسم ورواج کے مطابق مصافحہ کیا،شرع نے اس رسم کو اپنے مقصود یعنی ایتلاف مسلمین کے موافق پاکر مقرر رکھا۔اگر رسم کسی اور طریقے سے ہوتی اور اسکی خصوصیت میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا تو شرع اسے مقرر رکھتی اور ایسے ہی وعدہائے ثواب اس پر فرماتی۔ہاں ! وہ بات جس میں کسی طرح مقاصد شرع سے مخالفت ہوبے شک ناپسند ہوگی اگرچہ کسی قوم میں اس کی رسم پڑی ہو۔جیسے سلام کے عوض بلاضرورت شرعیہ انگلی یا ہتھیلی کا اشارہ کہ بوجہ مشابہت یہود ونصارے اس سے ممانعت آئی،حدیث ضعیف میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منامن تشبہ بغیرنالاتشبھوا بالیھود ولا بالنصارٰی فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وان تسلیم النصارٰی بالاکف [2] رواہ الترمذی والطبرانی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال الترمذی ھذا حدیث اسنادہ ضعیف۔	ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیر سے مشابہت پیدا کرے۔یہود ونصارٰی سے تشبہ نہ کرو کہ یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ ہے اور نصارٰی کا سلام ہتھیلیوں سے ہے(اس کو ترمذی اور طبرانی نے عمرو بن شعیب سے انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا۔ترمذی نے کہا اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔

[1] نصب الرایۃ کتاب الکراھیۃ فصل فی الاستبراء نوریہ رضویہ لاہور ۴ /۵۶۶،شعب الایمان حدیث ۸۹۵۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶ /۴۷۵

[2] جامع الترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی فضل الذی یبدأ بالسلام امین کمپنی دہلی ۲ /۹۴

ثامنًا: جو امر نو پیدا کہ کسی سنت ثابتہ کی ضد واقع اور اس کا فعل فعل سنت کا مزیل ورافع ہو وہ بیشک ممنوع ومذموم ہے جیسے السلام علیکم کی جگہ آج کل عوام ہند میں آداب مجرا کورنش، بندگی کا رواج ہے____اگر غریب بندے بعض معززوں سے بطریق سنت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم السلام علیکم کہیں اپنے حق میں گویا گالی سمجھیں، اس احداث نے ان سے سنت سلام اٹھادی۔ یہ بیشک ذم وانکار کے لائق ہے۔ بخلاف دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے کہ بالفرض اگر سنت میں ایک ہی ہاتھ کا رواج تھا تو دو ہاتھ سے مصافحہ سے وہ بھی ادا ہوئی اور اس کے ساتھ ایک اور امر زائد ہوا جو کسی طرح اس کے منافی نہ تھا، اس میں سنت ثابتہ کا اصلا رد و رفع نہیں پھر ممنوع ومذموم ٹھہرانا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

انما البدع المذمومة ماتصادم السنن الثابتة [1]۔	بدعت مذمومہ وہی ہے جو سنن ثابتہ کا رد کرے۔

یہاں مصافحے کی نظیر تلبیہ حج ہے کہ صحاح ستہ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسی قدر منقول:

لبیك اللھم لبیك، لبیك لا شریك لك لبیك، ان الحمد والنعمة لك والملك، لا شریك لك۔

پھر خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما باآں شدت اتباع سنت اس میں یہ لفظ بڑھایا کرتے:

لبیك وسَعَدَیْك وَالْخَیْرُ بِیَدَیْك وَالرَّغْبَاءُ اِلَیْك والْعَمَل۔

اور یہ زیادت امیر المومنین فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی فرماتے کما اخرجه مسلم [2]۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لبیك عددالتراب زیادہ کیا اخرجه اسحق بن راھویة فی مسندہ [3]۔

اور سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لبیك ذا النعماء والفضل الحسن بڑھایا اخرجه ابن سعد فی الطبقات [4]

[1] احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد المقام الثالث من السماع مطبعة المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب التلبیة وصفتھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۵

[3] نصب الرایة بحوالہ اسحق بن راہویہ کتاب الحج باب الاحرام نوریہ رضویہ لاہور ۳/ ۲۹

[4] نصب الرایة بحوالہ ابن سعد فی الطبقات کتاب الحج باب الاحرام نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۰

ہمارے علماء اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ان المقصود الثناء واظهار العبودية فلايمنع من الزيادة عليه۔قاله الامام برهان الدين علی ابو الحسن الفرغانی قدس الله تعالٰی سره الصمدانی فی الهداية ثم الامام فخر الدين الزيلعی فی تبيين [1] الحقائق شرح كنز الدقائق وغيرهمافی غيرهما۔	تلبیہ سے مقصود اللہ تعالٰی کی تعریف اور بندگی کا اظہار ہے تو اس پر اور کلمات بڑھانا ممنوع نہیں (اسے برہان الدین علی ابو الحسن فرغانی قدس سرہ الصمدانی نے ہدایہ میں پھر امام فخر الدین زیلعی نے تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق میں اور دیگر حضرات نے اپنی کتابوں میں فرمایا۔(ت)

یونہی جبکہ مصافحے سے اظہار محبت وازدیاد الفت مقصود تو دوسرے ہاتھ کی زیادت کہ ہرگز اس کے منافی نہیں بلکہ بحسب عرف بلد مؤید ومؤکد ہے۔زنہار ممنوع نہیں ہوسکتی۔

تاسعًا: دونوں ہاتھ سے مصافحہ مسلمانوں میں صدہاسال سے متوارث،ائمہ دین کی عبارتیں اوپر گزریں اور اس کا زمانہ تبع تابعین میں ہونا بھی معلوم ہولیا۔خود ائمہ تبع تابعین نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔تمام بلاد اسلام مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ سے ہندو سندھ تک علماء وعوام اہل اسلام دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور جو بات مسلمانوں میں متوارث ہو بے اصل نہیں ہو سکتی۔امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

انه المتوارث ومثله لايطلب فيه سند بخصوصه [2]۔	وہ متوارث ہے اور ایسی چیز کے لئے کوئی خاص سند درکار نہیں ہوتی۔

محقق علائی دمشقی شرح تنویر میں فرماتے ہیں:

ان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم [3]۔	بے شک یہ امر مسلمانوں میں متوارث ہے تو ان کا اتباع ضرور ہوا۔

[1] الہدایۃ کتاب الحج باب الاحرام المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۲۱۷،تبیین الحقائق کتاب الحج باب الاحرام المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۲/ ۱۱

[2] فتح القدیر کتاب السرقہ فصل فی کیفیۃ القطع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۱۵۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

عاشرًا حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خالقواالناس باخلاقھم اخرجه الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین [1]۔	لوگوں سے وہ برتاؤ کرو جس کے وہ عادی ہو رہے ہیں (اس کو حاکم نے روایت کیا اور اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا۔ت)

یہ حدیث عسکری نے کتاب الامثال میں یوں روایت کی: خالطواالناس باخلاقھم [2]۔ لوگوں کے ساتھ ان کی عادتوں سے میل کرو۔ ولہٰذا ائمہ دین ارشاد فرماتے ہیں لوگوں میں جو امر رائج ہو جب تک اس سے صریح نہی ثابت نہ ہو ہرگز اس میں اختلاف نہ کیا جائے بلکہ انھیں کی عادات واخلاق کے ساتھ ان سے برتاؤ چاہئے۔ شریعت مطہرہ سنی مسلمانوں میں میل پسند فرماتی ہے اور ان کو بھڑکانا۔ نفرت دلانا۔ اپنا مخالف بنانا، ناجائز رکھتی ہے۔ بے ضرورت تامہ لوگوں کی راہ سے الگ چلنا سخت احمق جاہل کا کام ہے۔ امام حجۃ الاسلام قدس سرہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

الموافقة فی ہذہ الامور من حسن الصحبة والعشرة اذ المخالفة موحشة وکل قوم رسم ولا بد من مخالطة الناس باخلاقھم کما ورد فی الخبر لاسیما اذا کانت اخلاقًا فیھا حسن العشرة والمجاملة وتطیب القلب بالمساعدة [3]۔	ان امور میں لوگوں سے موافقت صحبت ومعاشرت کی خوبی سے ہے اس لئے کہ مخالفت وحشت دلاتی ہے اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور بالضرورۃ لوگوں کے ساتھ ان کی عادات کا برتاؤ کرنا چاہئے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا، خصوصًا وہ عادتیں جن میں اچھا برتاؤ اور نیک سلوک اور موافقت کرکے دل خوش کرنا ہے۔

یہاں تک کہ فرمایا:

کذالك سائر انواع المساعدات اذا قصد بھا تطییب القلب واصطلح علیھا	ایسے ہی مساعدت کی ساری قسمیں جبکہ اس سے دل خوش کرنا منظور ہو اور کچھ لوگوں نے وہ روش

[1] المغنی عن حمل الاسفار مع احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد مطبعه المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

[2] کنز العمال بحوالہ العسکری فی الامثال حدیث ۵۲۳۰ مؤسسة الرسالة بیروت ۳/ ۱۹

[3] احیاء العلوم کتاب آداب السماع الوجد المقام الثالث من السماع مطبعة المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

جماعة فلا باس بمساعدتھم علیھا بل الاحسن المساعدة الافیما ورد فیہ نھی لایقبل التاویل [1]۔	قرار دے لی ہو تو ان کے موافق ہو کر اس پر عمل کرنا کچھ مضائقہ نہیں رکھتا۔ بلکہ موافقت کرنا ہی بہتر ہے۔ مگر جس امر میں شرع سے ایسی نہی آگئی ہو جو قابل تاویل نہیں۔

عین العلم میں ہے:

الاسرار بالمساعدة فیما لم ینه عنه و صار معتادا بعد عصرھم حسنة وان کان بدعة [2]۔	جس امر میں شرع سے نہی نہ آئی اور صدر اول کے بعد معمول ہو اس میں موافقت کرکے لوگوں کو خوش کرنا اچھا ہے اگرچہ بدعت ہی سہی۔

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے رسالہ جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلٰوۃ فی النعال میں یہ مضمون بہت حدیثوں سے ثابت کیا اور بیشک مقصود شرع کے یہی مطابق ہے مگر جن لوگوں کو مقاصد شریعت سے کچھ غرض نہیں اپنی ہوائے نفس کے تابع ہیں وہ خواہی نخواہی ذرا ذرا سی بات میں مسلمانوں سے الجھتے اور ان کی عادات و افعال کو جن پر شرع سے اصلاممانعت ثابت نہیں کرسکتے ممنوع وناجائز قرار دیتے ہیں۔ حاشا کہ ان کی غرض حمایت شرع ہو ____ حمایت شرع چاہئے تو جن امور کی تحریم وممانعت میں کوئی آیت وحدیث نہ آئی خواہ مخواہ بزور زبان انھیں گناہ ومذموم ٹھہرا کر شرع مطہر پر افتراء کیوں کرتے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ۱۱۶" [3]	اور نہ کہو اسے جو تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ صرف مقصود ان حضرات کا عوام مسلمین میں تفرقہ ڈالنا اور براہ تلبیس وتدلیس اپنے لئے ایک جدا روش نکالنا اور اس کے ذریعہ سے اپنی شہرت کے سامان جمع کرنا ہے کہ اگر وہی مسائل بیان کریں جو تمام علماء اسلام فرماتے ہیں تو ان جیسے اور ان سے بہتر ہزاروں لاکھوں ہیں۔ یہ خاص کرکے کیوں کر گنے جائیں۔ ہاں

[1] احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد المقام الثالث من السماع مطبعة المشھد الحسینی قاہرہ ۲ /۳۰۵

[2] عین العلم الباب التاسع فی الصمت الخ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۲۰۶

[3] القرآن الکریم ۱۶ /۱۱۶

جب یوں فتنہ ڈالیں اور نیا مذہب نکالیں گے تو آپ ہی نزدیک ودور معروف ومشہور ہو جائیں گے۔ آخر نہ دیکھا کہ امام علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرمایا کہ امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

خروجه عن العادة شهرة ومكروه [1]۔	یعنی جس جگہ جو طریقہ لوگوں میں رائج ہے اس کی مخالفت کرنا اپنے آپ کو مشہور بنانا شرعاً مکروہ وناپسند ہے۔

اسی طرح مجمع بحار الانوار میں منقول:

هو على عادة البلدان فالخروج عنها شهرة ومكروه [2]۔	یہ علاقوں کی عادت پر ہے جس سے خروج نری شہرت اور ناپسندیدگی ہے۔(ت)

اسی کو مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں ناقل کہ:

خروج از عادت واہل بلد موجب شہرت است ومکروہ است [3]۔	علاقہ والوں کی عادت سے خروج شہرت کے لیے ہوتا ہے اور یہ ناپسند بات ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لبس ثوب شهرة البسه الله يوم القيمة ثوب مذلة ثم يلهب فيه النار۔ رواه ابوداؤد [4] وابن ماجة عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما بسند حسن۔	جو شہرت کا لباس پہنے اللہ تعالٰی اسے روز قیامت ذلت کا کپڑا پہنائے پھر اس میں آگ بھڑکادی جائے۔(اس کو ابوداؤد و ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند حسن روایت کیا۔ت)

جب دوہاتھوں سے مصافحہ اب تمام مسلمانوں میں رائج اور تم کسی حدیث سے اس کی ممانعت ثابت نہیں کرسکتے تو بلاوجہ عادت مسلمین کا خلاف کرنا سوا اپنی شہرت چاہنے نکو بننے اور اس وعید شدید

---

[1] الحدیقہ الندیہ الباب الثانی الصنف التاسع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲ /۵۸۲

[2]

[3] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳ /۵۷۰

[4] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشهرة آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۲، سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب فی لبس الشهرة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۶

کے مستحق ہونے کے اور کس غرض پر محمول ہو سکتا ہے ___ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق رفیق عنایت فرمائے (آمین!) یہ چند جملے ہیں کہ بطور اختصار بر سبیل ارتجال زبان قلم سے سیر زد ہوئے اور وہ مباحث نفیسہ واصول جلیلہ جن کی طرف ضمن کلام میں جابجا اشارہ ہوا اگر ان کی تحقیق تام و تنقیح تمام پر آئیں تو مبسوط کتابیں لکھنا چاہئے جسے بیان کافی وارشاد شافی پر اطلاع منظور ہو کتب علماء مثل اذاقۃ الاثام واصول الرشاد وغیرہما تالیف طیبات امام المحققین سراج المدققین حضرت والد قدس سرہ الماجد کی طرف رجوع کرے۔امید کرتا ہوں کہ اس مسئلہ مصافحہ بالیدین میں یہ مباحث رائقہ وابحاث فائقہ خاص علم فقیر کا حصہ ہوں۔**والحمدللہ رب العلمین والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین والہ وصحبہ اجمعین۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ

"صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین"

ختم شد

مسئلہ ۱۲۴: از ضلع سورت اسٹیشن سائیں مقام کٹھور مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ھ

فجر کی نماز کے بعد مصافحہ لیتے ہیں سو جائز ہے یا نہیں ہر روز؟

الجواب:

جو لوگ بعد قیام جماعت یا شروع تکبیر آکر نماز میں شامل ہوئے کہ امام و دیگر مقتدین سے قبل نماز

ملاقات نہ کرنے پائے انھیں تو ان سے بعد سلام مصافحہ کرنا قطعاً سنت۔

لانھا سنۃ لانھا عند ابتداء کل لقاء و ھذا ابتداء لقائھم ھذا۔	کہ ہر ملاقات پر مصافحہ کرنا سنت ہے (یعنی ملاقات کا آغاز مصافحہ کرنا مسنون ہے)۔(ت)

اور وہ جو بے لحاظ اس تخصیص کے مصافحہ بعد فجر وعصر یا بعد عصر ومغرب مطلقاً صدہا سال سے مسلمین میں معتاد و مرسوم، اس بارے میں اصح یہی ہے کہ جائز و مباح ہے۔

کما حققہ المولی المحقق سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد فی بعض فتاواہ وذکرھھنا المولی الفاضل زینۃ عصرنا محب الرسول عبدالقادر القادری فی رسالتہ المناصحۃ فی تحقیق المصافحۃ تحقیقا جمیلا یتضح بہ الصواب توفیقا انیقا یندفع بہ الاضطراب۔	جیسا کہ ہمارے والد بزرگوار قدس سرہ الماجد نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق فرمائی، یہاں ہمارے دور کی ایک نفیس اور خوبصورت ہستی عاشق زار رسول والاتبار مولانا فاضل عبد القادر قادری نے اپنے رسالہ المناصحہ فی تحقیق مسائل المصافحۃ (یعنی باہم خیر خواہی کرنا ہاتھ ملانے کے احکام کی تحقیق بیان کرنے میں) تحقیق پیش فرمائی ہے اور خوبصورت موافقت پیدا کی ہے جس سے حقیقت واشگاف ہوتی ہے۔ اور اضطراب دور ہوتا ہے۔(ت)

علامہ شہاب الدین مصری شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: الاصح انھا مباحۃ [1] (زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ مصافحہ کرنا مباح ہے۔ت) ہاں جہاں مداومت سے خوف ہو کہ جہال اس خصوصیت خاصہ کو واجب یا سنت بخصوصہا نہ سمجھنے لگیں وہاں اہل علم کو مناسب کہ ان اوقات میں کبھی کبھی ترک بھی کردیں۔ ھذا ھو الانصاف فی امثال الباب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب (اس قسم کے باب میں یہی انصاف ہے۔ اللہ تعالٰی راہ صواب کو اچھی طرح جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۲۵: ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوقت سننے اسم پاک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے انگوٹھے چومنے ضرور ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو کس کس موقع اور کون کون محل پر۔ بینوا توجروا

[1] نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی فصل فی نظافۃ جسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالکتب العلمیہ بیروت ۲ /۱۳

الجواب:

ضرور بمعنی فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ تو اصلا نہیں۔ہاں اذان سننے میں علمائے فقہ نے مستحب رکھا ہے۔اور اس خاص موقع پر کچھ احادیث بھی وارد جو ایسی جگہ قابل تمسک ہیں **کما حققناہ فی رسالتنا منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین** (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ **منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین** یعنی آنکھوں کو روشن کرنا انگوٹھے چومنے کے عمل سے میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر نماز میں یا خطبہ یا قرآن مجید سنتے وقت نہ چاہئے، نماز میں اس کی ممانعت تو ظاہر، اور استماع خطبہ و قرآن کے وقت یوں کہ اس وقت ہمہ تن گوش ہو کر تمام حرکات سے بازرہنا چاہئے۔پنچایت کے وقت جو آیہ کریمہ "**مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ**"[1] پر اس قدر کثرت سے انگوٹھے چومے جاتے ہیں گویا صدہا چڑیاں جمع ہو کر چہک رہی ہیں یہاں تک کہ دور والوں کو قرآن عظیم کے بعض الفاظ کریمہ بھی اس وقت اچھی طرح سننے میں نہیں آتے۔یہ فقیر کو سخت ناپسند و گراں گزرتا ہے صرف انگوٹھے لبوں سے لگا کر آنکھوں پر رکھنے میں اس وقت کوئی حرج نہ بھی ہو تو بوسہ تعظیم میں آواز نکلنے کا خود حکم نہیں۔ جیسے بوسہ سنگ اسود و آستانہ کعبہ و قرآن عظیم و دست و پائے علمائے و صلحاء نہ کہ ایسی آوازیں کہ چڑیاں بسیرا لے رہی ہیں۔**واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۱۲۶: از بلگرام شریف محلہ میدانپورہ مرسلہ سید ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جواب سلام کفار و ہنادک کن الفاظ میں دیا جائے؟ اور خود بھی ضرورت اور بے ضرورت ان کو سلام کرے تو کس طور سے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر و ثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

کافر کو بے ضرورت ابتداء بسلام ناجائز ہے **نص علیہ فی الحدیث والفقہ** (حدیث پاک اور فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ت) اور ہندوستان میں وہ طرق تحیت جاری ہیں کہ بضرورت بھی انھیں سلام شرعی کرنے کی حاجت نہیں مثلا یہی کافی کہ لالہ صاحب، بابو صاحب، منشی صاحب، یا بے سر جھکائے سر پر ہاتھ رکھ لینا **وغیر ذٰلک**، کافر اگر بے لفظ سلام سلام کرے تو ایسے ہی الفاظ رائجہ جواب میں بس ہیں۔اور بلفظ سلام ابتداء کرے تو علماء فرماتے ہیں جواب میں **وعلیک** ہے مگر یہ لفظ یہاں مخصوص باہل اسلام ٹھہرا ہوا ہے۔اور وہ کافر بھی اسے جواب سلام نہ سمجھے گا بلکہ اپنے ساتھ استہزاء

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

خیال کرے گا تو جس لفظ سے مناسب جانے جواب دے لے اگرچہ سلام کے جواب میں سلام ہی کہہ کر۔

فقد نص محمد انه ینوی فی الجواب السلام فافهم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیشک امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے تصریح فرمائی کہ جواب میں سلام کی نیت کی جائے۔ اور اللہ تعالٰی بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۷: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں بستم ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

چہ مے فرمایند علمائے راہ شریعت و طریقت و مفتیان مطاع حقیقت و معرفت دریں مسئلہ کہ مرشدان چند مریدان خود راہدایت سخت بپابوسی بدہن کنانیدہ می بوسانند می گویند کہ ایں درست ست و برمزار بزرگان دین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین خم شدہ سلام نمایند و بر قبر بوسہ می دہند مانند روافض این فعل در شریعت و طریقت درست است یا اشد شرک وکفر ؟ بیان فرمایند بعبارت کتب کہ عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور خواہند شد۔	کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت وطریقت و مفتیان راز داران معرفت و حقیقت اس مسئلہ میں کہ بعض شیوخ و مرشدین نے اپنے کچھ مریدین کو ہدایت وتاکید کر رکھی ہے کہ وہ ان کے پاؤں کو بوسہ دیا کریں یعنی چوما کریں۔ بزرگان دین رحمہم اللہ تعالٰی کے مزارات پر جھک کر سلام کیا کریں اور ان کی قبور کو روافض کی طرح بوسہ دیا کریں بقول ان کے ایسا کرنا جائز ہے۔ کیا واقعی شریعت و طریقت میں ایسا کرنے کی اجازت ہے اور یہ شرک وکفر نہیں ہے؟ کتب اسلامی کے حوالے سے بیان فرمائیں تاکہ اللہ تعالٰی کے ہاں ماجور ہوں اور لوگوں کے ہاں مشکور (ت)

الجواب:

بوسہ قبر بمذہب راجح ممنوع است فی شرح عین العلم لعلی قاری ولا یمس ای القبر ولا التابوت والجدار فورد النھی عن مثل ذٰلک بقبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکیف بقبور سائر الانام و	صحیح اور قابل ترجیح مذہب میں کسی بھی قبر کو بوسہ دینے یعنی چومنے کی اجازت نہیں بلکہ ممانعت ہے۔ چنانچہ محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی شرح عین العلم میں ہے کہ قبر، تابوت اور دیوار کو ہاتھ نہ لگایا جائے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اطہر کے بارے میں اس طرح کرنے سے روکا اور منع کیا گیا ہے پھر باقی

لایقبل فانه زیادة علی المس فهو اولی بالنهی[1] ہمچناں خم شد سلام دادن فی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنه عند الترمذی قال اینحنی له قال لا[2]، اما چیزے ازینہا شرک و کفر نتواں بود این غلو وہابیہ ضالہ است ودست و پائے اولیائے وعلماء رابوسہ دادن زنہار ممنوع ھم نیست بلکہ ثابت ودرست ست، وفد عبدالقیس رضی اللہ تعالٰی عنہم چوں بخدمت اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رسیدند واز دور نگاہ شان بر جمال جہاں آرائے حضور اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم افتاد بے تابانہ خود را ازپشت سوار یہا افگندند ودواں دواں بحضور رسیدہ بوسہ بر دست وپائے اقدس دادند سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انکار نفرمودہ امام بخاری درادب مفرد	لوگوں کی قبور کے ساتھ یہ معاملہ کیسے روا ہوسکتا ہے اور قبر کو بوسہ نہ دیا جائے کیونکہ یہ تو ہاتھ لگانے سے کہیں بڑھ کر ہے لہٰذا اس کے لئے نہی بطریق اولٰی ہے۔اسی طرح جھک کر سلام کرنا منع ہے چنانچہ امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے، انھوں نے استفسار کیا کیا اسکے آگے جھک جائے، ارشاد فرمایا: نہیں، مگر واضح رہے کہ ان میں سے کوئی کام بھی کفر وشرک نہیں ہو سکتا۔یہ گمراہ کرنے والے وہابیوں کا غلو ہے۔جہاں تک اولیاء کرام اور علمائے عظام کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے کا تعلق ہے تو یہ عمل ہر گز منع نہیں بلکہ جائز اور ثابت ہے، چنانچہ وفد عبدالقیس رضی اللہ تعالٰی عنہم کے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچنے کے بارے میں یہ روایت مذکور ہے کہ جب دور سے ان کی نگاہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جمال جہاں پر پڑی تو وہ بے تاب ہو کر اپنی اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترے اور دوڑ کر بارگاہ اقدس میں پہنچے اور آپ کے مبارک ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو منع نہیں فرمایا (جو بلاشبہ دلیل جواز ہے) امام بخاری الادب المفرد

[1] شرح عین العلم لمنلا علی قاری الباب الثامن مطبع الاسلامیہ لاہور ص ۱۶۷

[2] جامع الترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی المصافحة امین کمپنی دہلی ۲ /۹۷

وامام ابوداؤد در سنن وبیہقی از زارع بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کنند **فجعلنا نتبادر فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورجلہ**[1] ودرحدیث ست کہ زنے از شوئے خودش گلہ پیش حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلی الہ آورد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود آیا تو اورادشمن می داری؟ عرضہ داد بلی۔ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مر او را وشوھر او رافرمود سرہائے خود نزدیک کنید ہمچناں کردند سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیشانی زن بر پیشانی مرد نہادہ دعا کرد کہ خدایا بامیاں ایناں الفت نہ ویکے رامحبوب دیگرے کن بازآں زن بخدمت انور رسید وبوسہ بردہن وپائے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چید سرور جہانیاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرسید کہ حالا تو وشوے تو برچہ حالا عرضہ

میں امام ابوداؤد وسنن میں اور امام بیہقی یہ سب حضرت زارع بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پھر ہم لوگ (خدمت اقدس میں پہنچنے کے لئے) جلدی کرنے لگے پھر ہم (وہاں پہنچ کر) حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے مبارک ہاتھ پاؤں کو چومنے لگے۔حدیث پاک میں ہے کہ ایک عورت نے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے شوہر کے خلاف شکایت کی۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ تو اس کو (یعنی اپنے خاوند کو) پسند نہیں کرتی؟ اس نے جواب ہاں میں دیا یعنی مجھے شوہر پسند نہیں ہے۔اس کے بعد آپ نے اس سے اور اس کے شوہر سے فرمایا کہ تم دونوں اپنے اپنے سر میرے قریب کرو۔جب دونوں نے اپنے اپنے سر آپ کے بالکل قریب کردیئے تو آپ نے عورت کی پیشانی مرد کی پیشانی پر رکھی اور دعا فرمائی۔اے اللہ! ان دونوں کے درمیان الفت و محبت رکھ دے انھیں ایک دوسرے کا محبوب بنادے۔ پھر اس عورت نے ایک دفعہ حاضر ہو کر آپ کے چہرہ انور اور آپ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ سردار دوجہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اب اپنے شوہر کے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب قبلۃ الرجل الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۵۳، السنن الکبرٰی کتاب النکاح باب ماجاء فی قبلہ الجسد المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۷ /۱۰۲، الادب المفرد باب ۴۴۵ تقبیل الرجل المکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل ص ۲۵۳

داد کہ ہیچ نو و کہن وہیچ پسر نیز مرا زوے محبوب تر نیست سید اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود من گواہی می دہم کہ من رسول خدا یم، عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ گفت و من گواہی می دہم کہ تو رسول خدا فقیر گوید ومن فقیر یکے از سگان کوئے شما گواہی می دہد کہ واللہ العظیم تو رسول خدائے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی الک و صحبک وبارک وکرم۔ البیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ان امرأۃ شکت زوجہا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال اتبغضیہ قالت نعم فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادنیا رؤسکما فوضع جبہتہا علی جبہۃ زوجہا ثم قال اللہم الف بینہما وحبب احدہما الی صاحبہ ثم لقیتہ المرأۃ بعد ذٰلک فقبلت رجلیہ فقال کیف انت وزوجک قال ماطارف ولا تالد ولا ولد احب الی منہ فقال اشہد انی رسول اللہ فقال عمر وانا اشہد انک رسول اللہ [1]۔ ونیز	بارے میں تمھاری کیا کیفیت ہے؟ اس نے جواباً عرض کیا کوئی جوان کوئی بوڑھا اور کوئی لڑکا مجھے اس سے زیادہ محبوب نہیں، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالٰی کا رسول ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالٰی کے رسول ہیں۔ فقیر کہتا ہے میں بندہ محتاج آپ کی گلی کے کتوں میں سے ایک کتا بھی گواہی دیتا ہے کہ اللہ العظیم کی قسم آپ اللہ تعالٰی کے سچے رسول ہیں آپ پر آپ کی آل پر اور آپ کے ساتھیوں پر اللہ تعالٰی کی رحمت وبرکت اور کرم فرمائے، امام بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اپنے شوہر کے خلاف شکوہ کیا آپ نے فرمایا: کیا تو اس سے بغض رکھتی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: تم دونوں اپنے سر میرے قریب کرو۔ پھر آپ نے عورت کی پیشانی اس کی شوہر کی پیشانی پر رکھی اور فرمایا: اے اللہ! ان دونوں میں الفت پیدا کردے اور انھیں ایک دوسرے کا محبوب بنادے پھر اس کے بعد اس عورت کی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کے پاؤں مبارک چومے، آپ نے اس سے

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی دعائہ لزوجین احدہما یبغض الأخر بالالفہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۲۲۹

درحدیث ست کہ مردے حاضر خدمت شدہ عرضہ داشت کہ یارسول اللہ! مراچیزے بنما کہ باویقینم فزاید فرمود بسوئے ایں درخت رفتہ او را بخواں رفت گفت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ترامیخواند درخت ہماندم آمد وبرسید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلام گفت باز گرد بازگشت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آن صحابی را پروانگی داد تابوسہ برسر مبارک وہر دو پائے اقدس زد،الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد ان رجلا اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ علمنی شیئا ازداد بہ یقینا فقال اذھب الی تلک الشجرۃ فادعھا فذھب الیھا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یدعوک فجاءت حتی سلمت علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم قال لھا ارجعی فرجعت قال ثم اذن لہ فقبل	فرمایا: تمھارے شوہر کا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا: اب مجھے اس سے زیادہ کوئی جوان، بوڑھا اور بچہ محبوب نہیں۔آپ نے فرمایا: میں گواہی دیتاہوں کہ یقینا میں اللہ تعالٰی کا رسول ہوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں بھی گواہی دیتاہوں کہ آپ بلا شبہ اللہ تعالٰی کے رسول ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ تعالٰی کے رسول! مجھے کوئی ایسی چیز دکھاؤ جس سے میرے یقین میں اضافہ ہو۔ارشاد فرمایا: اس درخت کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلاتے ہیں: وہ شخص اس درخت کے پاس گیا اور اس سے کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلارہے ہیں وہ درخت اسی وقت بارگاہ اقدس میں حاضر ہوگیا اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ واپس اپنی جگہ پر چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ درخت واپس چلا گیا۔اس صحابی نے آپ کے سر مبارک اور مبارک ومقدس پاؤں کو بوسہ دینے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی،اور اس نے بوسہ دیا۔حاکم نے المستدرک میں روایت کی اور فرمایا اس کی سند صحیح ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اس نے عرض کی اے

راسہ ورجلیہ وقال لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا [1]۔امام اجل سیدنا جعفر صادق وامام سفیان ثوری ومقاتل بن حیان وحماد بن سلمہ وغیرھم ائمہ مجتہدین پیش امام اعظم سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم آمدہ گفتند بمار سیدہ است کہ تو در مسائل قیاس بکثرت میکنی امام باایشاں مناظرہ کرد ومذہب خود پیش نمود وگفت کہ پیش از ہمہ عمل بقرآن عظیم میکنم باز بحدیث باز باجماع باز باقوال صحابہ وچوں دریں ہمہ نیابم آں گاہ براہ قیاس شتابم ایں مناظرہ در مسجد جامع کوفہ روز جمعہ از آغاز نہار تاوقت زوال جاری بود آخر ہاہمہ ائمہ مذکورین برخاستند وبوسہ برسرو زانوئے امام اعظم دادند وگفتند توسردار علمائے پیش ازیں انچہ نادانستہ بحق تو گفتہ بودیم بما عفو کن امام گفت حق جل وعلا ماوشمار ہم را مغفرت کند الامام العارف الشعرانی قدس سرہ فی المیزان کان ابو مطیع	اللہ تعالٰی کے رسول: مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیں جس سے میرے یقین میں ترقی (زیادتی) ہو،فرمایااس درخت کے پاس جاؤاور اسے میرے ہاں بلالاؤ۔پھر وہ اس درخت کے پاس گیا اور اس سے کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلارہے ہیں چنانچہ وہ درخت بارگاہ نبوی میں حاضر ہوگیا اور اس نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا،پھر آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ لوٹ جاؤ،وہ حسب ارشاد لوٹ گیا۔راوی فرماتے ہیں پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس شخص کو اجازت دی تو اس نے آپ کے سر مبارک اور دونوں پاؤں کو بوسہ دیا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔امام کبیر سیدنا امام جعفر صادق،امام سفیان ثوری،مقاتل بن حیان اور حماد بن سلمہ اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ درجہ اجتہاد پر فائز ہونے والے امام اعظم سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں گئے اور امام صاحب سے فرمانے لگے کہ ہمیں یہ اطلاع پہنچی ہے آپ مسائل شرعی میں بہت زیادہ قیاس آرائی سے کام لیتے ہیں۔امام صاحب نے ان سے مناظرہ کیا اور وضاحت سے اپنا مذہب (نظریہ) پیش کیا اور فرمایا میں تو سب سے پہلے قرآن پر عمل کرتا ہوں اس کے

[1] المستدرک للحاکم کتاب البر والصلۃ باب حق الزوج علی الزوجۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۷۲

یقول کنت یوما عندالامام ابی حنیفة فی جامع الکوفة فدخل علیه سفین الثوری ومقاتل بن حیان وحماد بن سلمة وجعفر الصادق وغیرہم من الفقهاء فکلموا الامام اباحنیفة وقالوا قد بلغنا انک تکثر من القیاس فی الدین وانانخاف علیک منه فان اول من قاس ابلیس فناظر هم الامام من بکرة نهار الجمعة الی الزوال وعرض علیهم مذہبه وقال انی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنة ثم باقضیة الصحابة مقدما مااتفقوا علیه علی مااختلفوا فیه وحینئذ اقیس فقاموا کلهم وقبلوا یدیه ورکبته وقالوا له انت سیدالعلماء فاعف عنافیما مضی منا من وقیعتنا فیک بغیر علم فقال غفر الله لناولکم اجمعین [1] انتهی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	بعد حدیث پھر اجماع امت، پھر اقوال صحابہ کرام پر، جب ان سب میں کوئی مسئلہ نہ پاؤں تو پھر قیاس سے کام لیتا ہوں، یہ مناظرہ جامع مسجد کوفہ میں جمعہ کے دن صبح سے لے کر زوال کے وقت تک جاری رہا۔ بالآخر مذکورہ تمام امام اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت امام اعظم رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کے سر اور زانوؤں پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ آپ علماء کرام کے سرخیل ہیں اور ہم اس سے پہلے بے خبری میں آپ کے متعلق جو سنی سنائی کہتے رہے وہ ہمیں معاف کردیں۔ امام صاحب نے فرمایا: اللہ تعالٰی بزرگ وبرتر مجھے اور آپ سب کو معاف کردے۔ امام عارف عبدالوہاب شعرانی "المیزان" میں فرماتے ہیں حضرت ابومطیع فرمایا کرتے تھے کہ میں جامع مسجد کوفہ میں امام صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس سفیان ثوری، مقاتل بن حیان حماد بن سلمہ، امام جعفر صادق اور بعض دیگر فقہائے کرام تشریف لائے اور امام صاحب سے گفتگو کرنے لگے کہ ہمیں اطلاع پہنچی کہ آپ دین میں زیادہ تر قیاس سے کام لیتے ہیں لہٰذا ہم اس طرز عمل سے خوف محسوس کرتے ہیں کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ شیطان تھا۔ ان کی یہ مناظرانہ گفتگو جمعہ کے روز فجر سے لے کر سورج ڈھلنے تک ہوتی رہی۔ امام صاحب نے اپنا مذہب وموقف ان کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: میں عمل کرنے میں کتاب اللہ کو سب سے مقدم سمجھتاہوں، پھر سنت کو، پھر صحابہ کرام کے متفق فیصلوں کو ان کے اختلافی فیصلوں سے مقدم سمجھتاہوں، اور جب قرآن حدیث اور اجماع صحابہ سے کسی مسئلہ میں براہ راست واضح ہدایت اور مثال نہ مل سکے تو پھر اس وقت قیاس کے ذریعے مسئلے کا حل ڈھونڈتاہوں، یہ سننے کے بعد تمام علماء وفقہاء نے اٹھ کر امام صاحب کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو

[1] میزان الشریعة الکبرٰی فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام اباحنیفه الی انه یقدم القیاس الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۵و۶۶

	بوسہ دیا اور کہا آپ تو سید العلماء ہیں ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں کیونکہ ہم بلاوجہ بغیر کسی تحقیق کے آپ کے پیچھے پڑے رہے آپ ہماری کوتاہی اور خطا معاف فرمادیں آپ نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہمیں اور آپ سب کو معاف فرمائے، اللہ تعالٰی پاک برتر اور سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۲۸: از سیتاپور منشی مشرف احمد صاحب سررشتہ دار کلکٹری سیتاپور ۲۹ صفر ۱۳۱۳ھ

عالی جناب مولانا صاحب مخدوم ومطاع نیاز کیشاں زاد مجدکم وافضالکم بعد بجاآوری تسلیم عرض یہ ہے کہ اللہ تعالٰی اور جناب سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب گھر میں داخل ہو تو سلام کرے" حدیث شریف میں ہے کہ باعث برکت ہے۔ اگر گھر میں سوا اہلیہ کے نہ ہو تو زوجہ پر سلام علیک کرے یا نہیں؟ ایک صاحب اس بارہ میں حجت کرتے ہیں کہ ازواج مطہرات پر سلام علیک کرنا کہیں حدیث سے ثابت نہیں ہوا ہے حالانکہ سیاق اس امر پر وارد ہے کہ اہلیہ پر بھی سلام علیک کرنا چاہئے۔ اس کا جواب ان آیات واحادیث سے جن میں گھر جانے کے وقت سلام کرنے کا حکم ہے اور جن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سلام ازواج مطہرات سے کرنا ثابت ہو ارقام فرمائیں۔ فقط۔

الجواب:

قال اللہ "فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً" [1]۔	(اللہ عزوجل نے فرمایا) جب تم گھروں میں جاؤ تو سلام کرو اپنی جانوں پر ملتے وقت کی اچھی دعا اللہ کی طرف سے برکت والی پاکیزہ۔

معالم التنزیل میں ہے:

ای یسلم بعضکم علی بعض ھذا فی دخول الرجل بیت نفسہ یسلم علی اھلہ ومن فی بیتہ وھو قول جابر وطاؤس والزھری وقتادہ والضحاک وعمرو بن دینار قال قتادہ اذا دخلت بیتک فسلم علی اھلک فھم احق من سلمت علیہ [2]۔	یعنی تمہارے بعض بعض کو (ایک دوسرے کو) سلام کیا کریں۔ یہ اس وقت کے لئے ہے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں جائے تو گھر میں موجود اپنوں اور دیگر وہاں حاضرین کو سلام دے۔ جابر، طاؤس، زہری، قتادہ، ضحاک اور عمرو بن دینار کا یہی قول ہے۔ اور حضرت قتادہ نے فرمایا جب تم اپنے گھر میں جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام پیش کیا کرو، جن کو تم سلام دیتے ہو ان سے زیادہ حق گھر والے رکھتے ہیں۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

[2] معالم التنزیل علی ھامش تفسیر خازن تحت آیۃ ۲۴/ ۶۱ مصطفی البابی مصر ۵/ ۹۱

حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

یابنی اذادخلت علی اھلک فسلم یکون برکۃ علیک وعلی اھل بیتک، رواہ عنہ الترمذی وقال حسن غریب[1]۔	اے میرے بیٹے! جب تو اپنے اہل پر داخل ہو تو سلام کر، وہ برکت ہوگا تجھ پر اور تیرے اہل خانہ پر (امام ترمذی نے اس کو حضرت انس سے روایت کیا اور فرمایا حدیث حسن غریب ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلی آلہ نے فرمایا:

اذا دخلتم بیوتکم فسلموا علی اھلھا فان الشیطان اذا سلم احدکم لم یدخل بیتہ، رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما[2]۔	جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو اہل خانہ پر سلام کرو کہ جب تم میں کوئی گھر میں جاتے سلام کرتا ہے تو شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوتا (خرائطی نے مکارم الاخلاق میں اس کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ت)

علامہ مجد الدین فیروز آبادی صراط مستقیم میں فرماتے ہیں:

کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جاء الی البیت بلیل سلم سلاما یستمعہ المستیقظون ولا ینتبہ منہ الراقدون[3]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب رات کو مکان میں تشریف فرما ہوتے ایسی آواز سے سلام فرماتے کہ جاگنے والے سن لیتے اور سوتے نہ جاگتے۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں:

سلام سنت ست نزد درآمدن درخانہ براہل خانہ[4]۔	گھر میں داخل ہونے پر گھر والوں کو سلام کرنا سنت ہے۔(ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والآداب باب فی التسلیم اذا دخل بیتہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۵

[2] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ خرائطی فی مکارم الاخلاق کتاب آداب الاخوۃ والصحبۃ الباب الثالث دارالفکر بیروت ۶/ ۲۷۴

[3] شرح سفر السعادۃ (صراط مستقیم) فصل در اسلام وآداب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۴۱۰

[4] شرح سفر السعادۃ (صراط مستقیم) فصل در اسلام وآداب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۴۱۰

صحیح مسلم و سنن ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا دخل بیتہ بدا بالسواک [1]۔	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کاشانہ اقدس میں تشریف فرما ہوتے پہلے مسواک فرماتے۔

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

لاجل السلام علی اھلہ فان السلام اسم تشریف فاستعمل السواک للاتیان بہ [2]۔	یہ مسواک اپنے اہل پاک پر سلام فرمانے کے لئے تھی کہ سلام معظم نام ہے تو اس کے ادا کو مسواک فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

عین العلم میں ہے:

یسلم عندالدخول فی بیتہ لئلا یدخل الشیطان معہ وھو مامور بہ [3] اھ ملخصًا۔	اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب اپنے گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں کو سلام کریں تاکہ شیطان ان کے ساتھ داخل نہ ہو سکے اھ ملخصًا (ت)

عالمگیری میں محیط سے ہے:

اذا دخل الرجل فی بیتہ یسلم علی اھل بیتہ [4]۔	جب آدمی اپنے گھر میں جائے تو اپنے گھر والوں کو سلام پیش کرے (ت)

صیر فیہ پھر تتار خانیہ پھر ہندیہ میں ہے: ویسلم فی کل دخلۃ [5] (گھر میں ہر بار داخل ہوتے وقت سلام کیا جائے۔ت)

بالجملہ یہ سنت قرآن وحدیث سب سے ثابت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب السواک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸، سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب السواک نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۷، سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث کان اذا دخل الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۲۴۸

[3] عین العلم الباب الثامن مطبع السلامیہ لاہور ص ۱۵۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۵

[5] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۵

مسئلہ ۱۲۹: از شہر مذکور

بواپسی ڈاک بعد بجاآوری تسلیم دست بستہ گزارش ہے فتوی عطیہ حضور ملا، وہ صاحب یہ چاہتے ہیں کہ کسی حدیث میں خاص تصریح ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ازواج مطہرات پر سلام کیا، زیادہ بجز آں کیا عرض کروں۔ خاکسار۔

الجواب:

صحیح مسلم شریف کتاب النکاح، باب فضیلۃ اعتاق امتہ ثم یتزوجہا حدیث طویل انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نکاح ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وام المومنین زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا میں ہے:

فجعل یمر علی نسائہ فیسلم علی کل واحدۃ منھن سلام علیک کیف انتم یا اھل البیت[1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات پر گزرنا شروع فرماتے ان میں ہر ایک پر سلام فرماتے اور سلام علیکم کے بعد مزاج پرسی کرتے۔

دوسری روایت میں ہے:

فخرج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واتبعتہ فجعل یتبع حجر نسائہ یسلم علیھن[2] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور میں سایہ دار ہمراہ تھا ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور انھیں سلام فرماتے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۰: از کٹرہ پرگنہ منورہ ضلع گیا مکان سید ابو صالح صاحب خاں بہادر مرسلہ مولوی کریم رضا خاں صاحب ۲۴ صفر ۱۳۱۴ھ

مصافحہ بعد نماز جمعہ وعیدین وصبح وعصر بعد وعظ کے اور یہ معانقہ بعد عیدین کے جائز ہے یا نہیں اور جو کوئی اس فعل کے کرنیوالے کو جہنمی اور مردود اور رافضی کہے اس کا کیا حکم ہے: ؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

مصافحہ ومعانقہ مذکورہ جبکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہوں جائز ہیں۔ اور بہ نیت محمود مستحب ومندوب

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح باب فضیلۃ اعتاقہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۰۔۶۱

[2] صحیح مسلم کتاب النکاح باب فضیلۃ اعتاقہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۰۔۶۱

اس فعل پر جہنمی و مردود و رافضی کا حکم لگانے والا خود ان الفاظ کا مستحق اور ضال و مضل و فاسق ہے۔

قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم سباب المسلم فسق[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔(ت)

غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درروغرر میں ہے:

المصافحة سنة عقب الصلوات کلها وعند کل لقی ولنا فیها رسالة سیتها سعادة اهل الاسلام بالمصافحة عقب الصلٰوة والسلام[2]۔	مصافحہ کرنا تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے موقع پر سنت ہے۔اسی موضوع پر ہمارا ایک رسالہ ہے جس کا نام سعادة اهل الاسلام بالمصافحة عقب الصلٰوة والسلام رکھا ہے۔(یعنی درود وسلام پڑھنے کے بعد مصافحہ کرنے میں مسلمانوں کے لئے سعادت ہے)۔(ت)

حاشیۃ الکنز لعلامۃ السید الازہری میں ہے:

من المستحب(ای یوم العید)اظهار الفرح و البشاشة والتهنیة والمصافحة بل هی سنة عقب الصلوات کلها[3]۔	عید کے دن خوشی فرحت اور مبارکباد کا اظہار کرنا اور باہم ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا مستحب ہے بلکہ ہر نماز کے بعد مصافحہ سنت ہے۔(ت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

کذا تطلب المصافحة فهی سنة عقب الصلٰوة کلهاؤ[4]۔	یوں ہی مصافحہ کی طلب کی جائے کیونکہ یہ ہر نماز کے بعد سنت ہے۔(ت)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں:

قال النووی اعلم ان المصافحة مستحبة عند کل لقاء واما ما اعتاده	امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جان لیجئے کہ ہر میل ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے لیکن

---

[1] صحیح البخاری کتاب الآداب باب ماینھی عن السباب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۳

[2] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ الدرر الحکام باب الصلٰوۃ العیدین میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۲

[3] فتح المعین شرح الکنز لملا مسکین باب الصلٰوۃ العیدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۵

[4] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام العیدین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۹

الناس من المصافحة بعد صلوۃ الصبح و العصر فلا اصل له فی الشرع علی ہذا الوجه ولکن لاباس به فان اصل المصافحة سنة و کونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال لایخرج ذٰلک البعض من کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها **اقول**: هکذا ینبغی ان یقال فی المصافحة یوم العید [1]۔	نماز فجر اور نماز عصر کے بعد عام لوگوں نے مصافحہ کرنے کی جو عادت بنالی ہے شریعت میں اس طریقے کی کوئی اصل نہیں مگر ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اصل مصافحہ سنت ہے لیکن لوگوں کا بعض حالات میں اس کی محافظت کرنا اس بعض کو اس مصافحہ سے نہیں نکالتا کہ جس کی اصل شریعت میں وارد ہوئی ہے۔ **میں کہتاہوں** کہ اسی طرح مناسب ہے کہ عید کے دن مصافحہ کرنے کو کہا جائے۔(ت)

خود مولائے وہابیہ معلم ثانی نجدیہ منکرین زمانہ کے امام الائمہ میاں اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنی تقریر ذبیحہ میں اصول وہابیت کو یوں ذبح فرماتے ہیں:

ہمہ اوضاع از قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و طعام خورانیدن سوائے کندن چاہ و امثالہ دعا و استغفار واضحیہ بدعت ست گو بدعت حسنہ بالخصوص ست مثل معانقہ روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح یا عصر۔[2]	قرآن خوانی وفاتحہ خوانی کے تمام طریقے یوں ہی کھانا کھلانا، یہ سب کام بدعت ہیں گو کہ بدعت حسنہ ہیں جیسے عید کے دن بغلگیر ہونا اور نماز فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کرنا(ہاں البتہ میت کے ایصال ثواب کے لئے) کنواں کھودنا اور اسی طرح کا کوئی اور عمل کرنا مثلاً دعا، استغفار اور قربانی کرنا یہ سب کام جائز ہیں۔(ت)

حضرات منکرین جوش پاسداری مذہب میں ائمہ وعلمائے سابقین کو جو چاہیں کہیں اور شاید بکمال جرأت شاہ ولی اللہ صاحب سے بھی آنکھ پھیر لیں، مگر کیا اپنے بڑے پیشوا میاں اسمٰعیل صاحب کو بھی جہنمی مردود رافضی مان لیں گے ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو بلند مرتبہ اور ذی شان ہے۔ت) تفصیل اسی مسئلہ کی ہمارے رسالہ وشاح الجید فی تحلیل معانقة العید (گلے میں ہار عید کے دن بغلگیر ہونے کے جواز

---

[1] مسوی مصفی شرح موطا امام مالک باب یستحب المصافحة اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۱

[2] زبدة النصائح (رسالہ نذور)

میں۔ت) میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: از کٹرہ پرگنہ منورہ ضلع گیامکان سید ابوصالح صاحب خان بہادر مرسلہ مولوی عبدالکریم خاں صاحب ۲۴ صفر ۱۳۱۴ھ

کسی عالم یا کسی دوسرے بزرگ کا ہاتھ چومنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

ہاں جائز ہے بلکہ مستحب ومندوب ومسنون ومحبوب ہے جبکہ بہ نیت صالحہ محمودہ ہو، امام بخاری ادب مفرد میں اور ابوداؤد و بیہقی زارع بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

فجعلنا نتبادر فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورجلہ [1]۔	پھر ہم جلدی کرنے لگے تاکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ کر ان کے ہاتھ اور پاؤں چومیں (ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

لاباس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک درر ونقل المصنف عن الجامع انہ لاباس بتقبیل ید الحاکم المتدین والسلطان العادل وقیل سنۃ مجتبٰی [2]۔	کسی عالم اور پارسا شخص کے بطور تبرک ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں (درر) مصنف نے الجامع سے نقل فرمایا کہ دیندار حاکم اور عادل بادشاہ کے ہاتھوں کو بھی بوسہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ سنت ہے (مجتبٰی)۔(ت)

رد المحتار میں ہے:

قولہ وقیل سنۃ ای تقبیل ید العادل والسلطان العادل قال الشرنبلالی وعلمت ان مفاد الاحادیث سنیتہ اوندبہ کما	مصنف کا قول "کہا گیا کہ یہ سنت ہے" (یعنی عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا) علامہ شرنبلالی نے فرمایا کہ حدیثوں کا مفاد سنیت یا استحباب ہے جیسا کہ علامہ عینی نے اس کی طرف

[1] الادب المفرد باب ۴۴۵ تقبیل الرجل ص ۳۵۳ والسنن الکبرٰی کتاب النکاح ۷ /۱۰۲، سنن ابی داؤد کتاب الآداب باب قبلہ الرجل آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۵۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۴

اشار الیه العینی [1]۔	اشارہ کیا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قدم عن الخانیة والحقائق ان التقبیل علی سبیل البر بلا شهوة جائز بالاجماع [2]۔	فتاوٰی قاضی خاں اور الحقائق کے حوالے سے پہلے بیان کیا گیا کہ نیکی کے انداز پر بغیر شہوت بوسہ دینا بالاتفاق جائز ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

اما علی وجه البر فجائز عند الکل خانیة [3]۔والله تعالٰی اعلم	بھلائی کے طریقے پر بوسہ دینا سب کے نزدیک جائز ہے۔ فتاوٰی قاضیخان اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳۲: ۱۶ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کہ مصافحہ صبح کے وقت بعد نماز کرنا مسنون ہے یا نہیں اور اگر کسی نے بعد نماز صبح کے مصافحہ کیا تو وہ بدعت ہے یا سنت؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر نماز سے پیشتر آج ملاقات نہ ہوئی تھی بعد نماز ملے یہ مصافحہ خاص مسنون ہے **لکونها عند اول اللقاء** (اس لئے کہ یہ مصافحہ پہلی ملاقات کے وقت ہوا ہے۔ت) اور اگر پہلے مل چکے تھے تو اب بعد نماز کے گویا بعد غیبت ملاقات جدیدہ ہے مصافحہ مذہب اصح میں مباح ہے۔

کما حققه فی المرقاة وقال فی نسیم الریاض انه الاصح [4]۔والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	جیسا کہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس کی تحقیق فرمائی گئی، اور نسیم الریاض میں فرمایا: یہی زیادہ صحیح ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۴

[4] نسیم الریاض فی شرح الشفاء الباب الثامن فی نظافة جسمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم دارالکتب العلمیه بیروت ۲/ ۱۳

مسئلہ ۱۳۳: ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص ایک جگہ پر بیٹھے ہوں اور ایک شخص نے آکر کہا اسلام علیکم اس کے جواب میں انھوں نے جواب دیا: آداب عرض یا تسلیمات یا بندگی۔ یا ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ ماتھے تک اٹھایا اور منہ سے کچھ جواب نہ دیا۔ پس کفایہ اشخاص مذکورہ اس صورت میں اٹھ گیا یا نہیں؟ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

نہ۔ اور سب گنہگار رہے۔ جب تک ان میں سے کوئی وعلیکم السلام، وعلیک یا اسلام علیکم نہ کہے کہ الفاظ مذکورہ بندگی، آداب، تسلیمات وغیرہا الفاظ سلام سے نہیں ہیں۔ اور صرف ہاتھ اٹھادینا کوئی چیز نہں جب تک اس کے ساتھ کوئی لفظ سلام نہ ہو۔ ردالمحتار میں ظہیریہ سے ہے:

لفظ السلام فی المواضع کلھا السلام علیکم اوسلامٌ علیکم بالتنوین وبدون ھذین کما یقول الجھال لایکون سلاما [1] اھ **اقول**: فلا یکون جوابا لان جواب السلام لیس الا بالسلام اما وحدہ او بزیادۃ الرحمۃ والبرکات لقولہ تعالٰی "اِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡہَاۤ اَوۡ رُدُّوۡہَا" [2]۔ ومعلوم ان مااخترعوا من الالفاظ اوالاجزاء بالایماء اما ان یکون تحیۃ اولا علی الثانی عدم براءۃ الذمۃ ظاھر لان المامور بہ التحیۃ وعلی الاول لیس عین السلام وھو ظاھر ولا احسن منہ فان المخترع لایمکن ان یکون احسن من الوارد فخرج عن کلا الوجھین و بقی الواجب الکفائی علی کل عین۔	سب مقامات پر لفظ سلام (بصورت) السلام علیکم (بغیر تنوین معرف بہ لام ذکر کرنا) یا دوسری صورت تنوین کے ساتھ ذکر کرنا ہے سلامٌ علیکم ان دونوں صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کرنا جائز نہیں جیسے جہلاء کا طریقہ ہے لہٰذا وہ سلام تصور نہیں ہوگا۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سلام کا جواب نہ ہوگا کیونکہ لفظ سلام کا جواب اسی لفظ سے ہوسکتا ہے یا صرف یہی لفظ جواب میں کہا جائے یا اس کے ساتھ رحمت اور برکات کا اضافہ کیا جائے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر جواب دو اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم وہی لوٹا دو (یعنی اگر کوئی شخص تمھیں اسلام علیکم کہے تو اسے اضافی الفاظ کے ساتھ یوں جواب دو

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۶

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔اور اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر اتنا ہی جواباً کہہ دو علیکم السلام) اسی سے معلوم ہوا کہ سلام کا جواب فقط سلام ہی سے ہو سکتا ہے اور یہ معلوم ہی ہے کہ لوگوں نے جو الفاظ یا طریقے سلام کے لئے اشارہ وغیرہ کی صورت میں از خود گھڑ لئے ہیں ان کی دو صورتیں ہی ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ تحیہ ہو یعنی سلام تصور ہو اور دوسرے یہ کہ وہ تحیہ یعنی سلام نہ ہو۔بصورت ثانی ذمہ داری پوری نہ ہونا (عدم براءت ذمہ) ظاہر ہے کیونکہ جس بات کا حکم دیا گیا (مامور بہ) وہ تحیہ یعنی سلام ہے اور پہلی صورت میں نہ تو وہ بعینہٖ سلام ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور نہ اس سے بہتر (احسن)۔اس لئے کہ خود ساختہ اور بناوٹی چیز منقول اور وارد شدہ سے کسی طرح اچھی قرار نہیں دی جاسکتی۔پس دونوں صورتوں میں سلام کا جواب نہ ہوا۔لہٰذا واجب کفایہ بذمہ ہر فرد باقی رہا اور ادانہ ہوا۔(ت) مرقاۃ شریف میں ہے:

قد صح بالاحادیث المتواترۃ معنی ان السلام باللفظ سنۃ وجوابہ واجب کذٰلک [1]۔	جو احادیث تواتر معنی کے درجے تک پہنچی ہوئی ہیں ان سے بصحت ثابت ہے کہ سلام دینا اس کے الفاظ کے ساتھ سنت ہے اور اس کا جواب دینا بھی اسی لفظ سے واجب ہے۔(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من تشبہ بغیرنا لاتشبھوا بالیھود ولا بالنصارٰی فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع و تسلیم النصارٰی الاشارۃ بالکف، رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما وقال اسنادہ ضعیف [2] قال العلامۃ القاری لعل وجھہ انہ من عمرو بن شیعب عن ابیہ عن جدہ وقد تقدم الخلاف فیہ وان المعتمد ان سندہ حسن	ہمارے گروہ سے نہیں جو ہمارے غیروں کی شکل بنے،نہ یہود سے مشابہت پیدا کرنہ نصارٰی سے کہ یہود کا سلام انگلی سے اشارہ کرنا ہے اور نصارٰی کا سلام ہتھیلی سے اشارہ (امام ترمذی نے اس کو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے اور فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۔ ملا علی قاری نے فرمایا شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت مذکورہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند کے ساتھ

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ المصابیح کتاب الاداب الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۴۳۱

[2] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی فضل الذی یبدأ الخ امین کمپنی دہلی ۲ /۹۴

لاسیما وقد اسندہ السیوطی فی الجامع الصغیر الی ابن عمرو فارتفع النزاع وزال الاشکال [1] اھ. **اقول:** رحم اللہ مولانا القاری انما حالہ الامام السیوطی علی ت یعنی الترمذی ففیم یرتفع النزاع ویزول الاشکال ثم لیس تضعیف الترمذی لما ظن فان الجمہور ومنہم الترمذی علی الاحتجاج بعمرو بن شعیب وبروایتہ عن عن ابیہ عن جدہ بل الوجہ انہ من روایۃ ابن لہیعۃ اذیقول الترمذی، حدثنا قتیبۃ نا ابن لہیعۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فذکرہ قال الترمذی ہذا حدیث اسنادہ ضعیف وروی ابن المبارک ھذا الحدیث عن ابن لہیعۃ فلم یرفعہ اھ [2] وقد قال فی کتاب النکاح باب	مذکور ہے اور اس میں پہلے اختلاف گزر چکا ہے۔ لیکن معتمد یہ ہے کہ اس کی سند حسن ہے خصوصًا جبکہ امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس کو ابن عمرو کی طرف منسوب اور حوالے کیا ہے۔ لہٰذا نزاع ختم اور اشکال زائل ہوگیا۔ اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی ملا علی پر رحم فرمائے کہ امام سیوطی نے تو اسے "ت" یعنی ترمذی کے حوالے کیا ہے پھر نزاع کیسے ختم اور اشکال کیسے زائل ہوسکتا ہے پھر امام ترمذی کا ضعیف کہنا بھی ملا علی قاری کے خیال اور زعم کے مطابق نہیں اس لئے کہ جمہور نے (جن میں امام ترمذی بھی شامل ہیں) عمرو بن شعیب بروایتہ عن ابیہ عن جدہٖ سے روایت کرنے سے استدلال کیا ہے (لہٰذا یہ وجہ ضعف نہیں ہوسکتی) بلکہ وجہ ضعف یہ ہے کہ حدیث مذکور ابن لہیعہ کی روایت ہے اس لئے کہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم سے قتیبہ نے بیان کیا (اس نے کہا) ہم سے ابن لہیعہ نے بیان کیا اس نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پھر پوری حدیث ذکر فرمائی (اس کے متعلق) امام ترمذی نے فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مبارک نے حدیث ابن لہیعہ سے غیر مرفوع روایت فرمائی اھ۔ اور امام ترمذی نے

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۴۳۱

[2] جامع الترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی فصل الذی یبدأ بالسلام امین کمپنی دہلی ۲ / ۹۴

ماجاء فی من یتزوج المرأۃ ثم یطلقھا قبل ان یدخل بھا رواہ بعین السند ثم قال ھذا حدیث لایصح ابن لھیعۃ یضعف فی الحدیث[1] اھ مختصرًا۔ وکذا ضعفہ فی غیر ہذا المحل فالیہ یشیر ھنا نعم الاظھر عندی ان حدیث ابن لھیعۃ لاینزل عن الحسن وقد صرح المناوی فی التیسیر ان حدیثہ حسن[2]۔	کتاب النکاح میں یہ باب ذکر فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے شادی کرے اور پھر ہمبستری سے پہلے ہی اسے طلاق دے دے (تو کیا حکم ہے امام ترمذی نے بالکل بعینہٖ اسی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں (کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعہ نامی راوی ہے جسے حدیث کے سلسلے میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے اھ مختصرا۔ یونہی اس مقام کے علاوہ بھی امام ترمذی نے اس کی تضعیف کی ہے لہٰذا امام ترمذی یہاں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں (یعنی ابن الہیعہ کے ضعف کی طرف) ہاں البتہ میرے نزدیک زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ابن لہیعہ کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں چنانچہ علامہ مناوی نے "التسیر" میں تصریح فرمائی کہ اس کی حدیث حسن ہے۔ (ت)

ہاں لفظ سلام کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ بھی ہو تو مضائقہ نہیں۔

اخرج الترمذی قال حدثنا سوید نا عبداللّٰہ بن المبارک نا عبدالحمید بن بھرام انہ سمع شھر بن حوشب یقول سمعت اسماء بنت یزید تحدث ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم	امام ترمذی نے تخریج کیا اور فرمایا ہم سے سوید نے بیان کیا ہے۔ ان سے عبداللّٰہ بن مبارک نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے عبدالحمید بن بہرام نے بیان کیا کہ اس نے شہر بن حوشب کو یہ فرماتے سنا کہ میں نے اسماء دختر یزید سے سنا کہ وہ بیان کرتی تھیں کہ ایک دن مسجد میں رسول اللّٰہ

[1] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی من یتزوج الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۳

[2] التیسیر للامام المناوی تحت حرف للام مکتبہ الامام الشافعی الریاض ۲/ ۳۲۹

مر فی المسجد یوما وعصبة من النساء قعود فالوی بیدہ ھذا حدیث حسن [1] الخ۔قال الامام النووی وھو محمول علی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع بین اللفظ والاشارۃ ویدل علی ھذا ان اباداؤد روی ھذا الحدیث وقال فی روایتہ فسلم علینا اھ.قال العلامة القاری بعد نقلہ قلت علی تقدیر عدم تلفظہ علیہ الصلٰوۃ والسلام بالسلام لامحذور فیہ لانہ ماشرع السلام علی من مر علی جماعة من النسوان وان مامر عنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام مما تقدم علی السلام المصرح فھو من خصوصیاتہ علیہ الصلٰوۃ والسلام فلہ ان یسلم ولا یسلم وان یشیر و لایشیر علی انہ قدیراد بالاشارۃ مجرد التواضع من غیر قصد	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا گزر ہوا جبکہ کچھ عورتوں کی ایک جماعت وہاں موجود تھی آپ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا۔یہ حدیث حسن ہے الخ۔امام نووی نے فرمایا یہ اس بات پر محمول سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ نے لفظ سلام اور اشارہ دونوں کو بیک وقت جمع کرکے استعمال کیا(یعنی زبان مبارک سے انھیں سلام کہا اور ہاتھ مبارک سے انھیں متوجہ کرنے کے لئے اشارہ فرمایا جو جائز اور درست اقدام ہے۔مترجم)اور اس پر دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا اھ۔حضرت ملا علی قاری نے اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا میں کہتا ہوں اس تقدیر پر کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اپنی زبان مبارک سے لفظ سلام نہ بولا ہو تو پھر کوئی شرعی محذور(خلاف ورزی)نہیں کیونکہ جو کوئی عورتوں کے گروہ کے پاس سے گزرے اس کے لئے انھیں سلام کرنا مشروع نہیں۔اور اگر آپ نے زبان مبارک سے مستورات کی جماعت کو سلام کیا ہو جیسا کہ گزشتہ حدیث میں سلام کرنے کی تصریح موجود ہے تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی آپ کی خصوصیت ہو

[1] جامع الترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی التسلیم علی النساء امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۴

السلام [1] الخ	لہٰذا آپ کی مرضی پر منحصر ہے کہ مستورات کے گروہ کو سلام کریں یا نہ کریں۔ اشارہ فرمائیں یا نہ فرمائیں۔ (گویا آپ کی ذات پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ مترجم) علاوہ یہ کہ کبھی اشارہ سے بغیر قصد سلام کے صرف تواضع مراد ہوتی ہے الخ۔
اقول: مبنی کله علی انه لم یرد السلام ولایظهر فرق بین ماذکر اولا ومازاد فی العلاوة سوی انه ذکر فیها للاشارة محملاوهو التواضع وهذه شاهدة الواقعة سیدتنا اسماء رضی الله تعالٰی عنها شاهدة بانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم سلم فان لم یحمل علی التلفظ لزم ان تکون نفس الاشارة تسلیماً وهو معلوم الانتفاء من الشرع فوجب الحمل علی الجمع تأمل لعل لکلامه محملا لست احصله۔والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس سب کی بنیاد اس پر ہے کہ آپ نے ارادہ سلام نہ فرمایا ہو۔ لہٰذا پہلے مذکورہ کلام اور اس کے علاوہ اضافی کلام میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اس دوسری توجیہ میں اشارہ کا محل تواضع بیان کردیا گیا۔ اور اس واقعہ کی عینی گواہ سیدہ اسماء رضی اللہ تعالٰی عنہا ہیں جو چشم دید واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عورتوں کو سلام کیا (لہٰذا اس کا محمل تلفظ ہے۔ مترجم) اور اگر اس کو تلفظ پر حمل نہ کیا جائے تو پھر نفس اشارہ کا سلام ہونا لازم آئے گا اور شریعت میں اس کی نفی معلوم ہی ہے۔ پھر لامحالہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طریقہ مذکورہ کو سلام اور اشارہ دونوں کے جمع پر حمل کرنا واجب (ضروری) ہوا۔ یہاں اچھی طرح غور وفکر کرلیجئے شاید ان کے کلام کا کوئی اور قابل قدر محمل بھی ہو جو میں نہیں حاصل کرسکا، اور اللہ تعالٰی پاک۔ برتر سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بالالتزام بعد صلوٰۃ فجر مصافحہ کرنا مسنون ہے یا مستحب؟ یا عبث یا مکروہ؟ **بینوا توجروا عندالله** (اللہ تعالٰی کے لئے بیان فرماؤ تاکہ اس کے ہاں اجر وثواب پاؤ۔ت) فقط۔

الجواب:

مباح ہے۔ فی نسیم الریاض الاصح انها بدعة مباحة [2]۔ والله تعالٰی اعلم بالصواب (نسیم الریاض میں ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مصافحہ کرنا ایسی بدعت ہے جو مباح ہے۔ اور اللہ تعالٰی

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الآدب الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۴۳۱

[2] نسیم الریاض فی شرح الشفاء الباب الثانی فصل فی نظافة جسمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ۲/ ۱۳

ہی اچھی طرح راہ صواب کا عالم ہے۔ت)

مسئلہ ۱۳۵تا۱۳۹: مرسلہ عبدالمجید خاں ضلع ہگلی ڈاکخانہ ریشڑا سرکاری

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں بعد مصافحہ زید نے بکر کا ہاتھ چومہ آنکھوں سے لگایا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مرید اپنے پیر کا ہاتھ بعد مصافحہ چومنا ایک ضروری امر اپنے لئے سمجھے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) پیر کو اپنے مرید سے اپنا ہاتھ چوموانا چاہئے یا نہیں؟

(۴) ہاتھ چومنا کسی کا بزرگ سمجھ کر جائز ہے یا ناجائز؟

(۵) ہاتھ چومنا سنت ہے یا فعل بزرگان دین یا فعل تابعین یا فعل صحابہ کرام؟ جواب ازروئے فقہ وحدیث نہ رسوم شیوخ پابند طریق۔

الجواب:

بزرگان دین مثل پیر مہتدی وعالم سنی کے ہاتھ چومنا جائز بلکہ مستحب بلکہ سنت ہے ہاں کسی دنیادار کا ہاتھ دنیا کے لئے چومنا منع ہے۔ درمختار میں ہے:

لاباس بتقبیل ید العالم والمتورع علی سبیل التبرک[1]۔	کچھ حرج نہیں کہ کسی عالم اور زاہد کے ہاتھوں کو حصول برکت کے لئے بوسہ دیا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الشرنبلالی وعلمت ان مفاد الاحادیث سنیتہ او ندبہ کما اشار الیہ العینی[2]۔	علامہ شرنبلالی نے فرمایا: تونے یہ سمجھ لیا کہ حدیثوں کا مفاد (اس کام کا) سنت یا مستحب ہونا ہے جیسا کہ علامہ عینی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فی المحیط ان التعظیم اسلامہ واکرامہ جاز وان لنیل الدنیا کرہ[3]۔	محیط میں ہے اس کی تعظیم اور عزت افزائی کی خاطر (ایسا کرنا) جائز ہے لیکن حصول دنیا کے لئے (ایسا کام کرنا) مکروہ ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

مگر ہاتھ چومنا بایں معنی ضروری نہیں کہ فرض یا واجب ہے۔ہاں رسم وعرف مسلمین میں اس کی دست بوسی شائع ہو تو اسکا ایک فعل مسنون یا مستحب ہے۔احتراز کرکے مسلمانوں کی عادت کاخلاف کرنااور وحشت دلانا یہ جائز نہیں حدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے:

خروجہ عن العادۃ شھرۃ ومکروہ[1]۔	لوگوں کی مقرر عادت سے باہر ہونا(اور اس کا خلاف کرنا) ایک گونہ شہرت (نمائش) اور مکروہ ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشروا ولاتنفروا[2]۔	خوشخبری سناؤاور (لوگوں کو) نفرت نہ دلاؤ۔(ت)

اور پیر کا اپنے مریدوں سے ہاتھ چوموانا بایں معنی کہ وہ چومنا چاہیں تو یہ منع نہیں کرتا بلکہ ہاتھ بڑھادیتا ہے کوئی حرج نہیں رکھتا بلکہ اگر قدم چومنا چاہیں اور یہ منع نہ کرے جب بھی جائز ہے۔درمختار میں ہے:

طلب من عالم اوزاھد ان یدفع الیہ قدمہ ویمکنہ من قدمہ لیقبلہ اجابہ وقیل لا[3]۔	کسی عالم یا کسی زاہد (پرہیزگار) سے کسی نیاز مند نے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے پاؤں اس کے حوالے کردے اور ان پر اسے تسلط اور قابو پانے کا اختیار دے تاکہ وہ انھیں بوسہ دے تو عالم اور زاہد اس کی درخواست قبول فرمائے،(یعنی پاؤں چومنے کی اجازت دے)اور (ایک ضعیف روایت میں) کہا گیا کہ ایسا کرنے کی اجازت نہ دے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لما اخرجہ الحاکم ان رجلااتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاذن لہ فقبل رجلیہ[4]۔	اس لئے محدث حاکم نے اس روایت کی تخریج فرمائی کہ ایک صاحب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے (انھوں نے آپ کے پاؤں چومنے کی درخواست کی) تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں اجازت دی تو انھوں نے آپ کے قدم چومے واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الحدیقہ الندیہ شرح الطریقہ محمدیہ الصنف التاسع تتمۃ الاصناف التسعۃ نوریہ رضویہ ۲/ ۵۸۲

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

رسالہ
ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال ۱۳۰۸ھ
(بوسہ تعظیمی کے مستحسن ہونے میں درست ترین کلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۴۰: از سورت کٹھور مسجد پرب مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب از علیگڑھ مدرسہ مولانا مولوی محمد لطیف اللہ صاحب مرسلہ مولوی سندی صاحب طرفہ ایں کہ از ہر دو جا بوقت واحد سوال آمد (طرفہ یہ کہ ایک ہی وقت دونوں جگہوں سے سوال آیا۔ت) ۱۳ اذی الحجہ ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذامیں کہ شہر موریس میں قبلہ رخ کی دیوار کے ساتھ محراب کے متصل بیت اللہ شریف کے غلاف کا ٹکڑادو گز لمبااور سوا گز چوڑا لٹکا ہوا ہے اور وہاں کے باشندے میمن وغیرہ سب سوداگر خاص وعام بعد پنچگانہ اس ٹکڑے کو بوسہ دیتے ہیں اور بعد نماز جمعہ کے تو بوجہ کثرت نمازیوں کے بوسہ دینے میں بہت ہی ہجوم کرتے ہیں۔ کوئی چار بوسے دیتا ہے کوئی زیادہ کوئی کم، جیسا کسی کا موقع لگا ویسا ہی اس نے کیا، اور کوئی ہجوم اور کثرت کی وجہ سے محروم بھی رہ جاتا ہے۔ اور اس امر میں اس کو معظم چیز سمجھا کر کمال کوشش کرتے ہیں۔ کسی قدر جاننے والے لوگ تو تعظیم کا بوسہ دیتے ہیں۔ اور عوام کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیا سمجھ کر بوسہ دیتے ہیں

لیکن ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اس میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔آیا یہ امر شرعاً موجب ثواب ہے یا کسی امر خارجی کی وجہ سے مستوجب عذاب ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ،نحمدہ،ونصلی علی رسولہ الکریم ط

بوسہ تعظیم شرعاً وعرفاً انحاء تعظیم سے ہے اسی قبیل سے ہے بوسہ آستانہ کعبہ وبوسہ مصحف وبوسہ نان وبوسہ دست وپائے علماء واولیاء۔

وکل ذٰلك مصرح به فی الکتب کالدرالمختار [1] من معتمدات الاسفار۔	درمختار جیسی دیگر معتمد کتب میں اس تمام کی تصریح کی گئی ہے۔(ت)

خود احادیث کثیرہ میں صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا دست وپائے اقدس حضور پرنور سید یوم المنشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومہر نبوت کو بوسہ دینا وارد۔

کما فصلنا بعضه فی کتابنا البارقة الشارقة علی المارقة المشارقة۔	جیسا کہ ہم نے بعض کو اپنے کتاب البارقۃ الشارقۃ علی المار المشارقۃ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔(ت)

اور ما نحن فیہ سے اقرب واوفق حدیث عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ہے کہ انھوں نے منبر انور سرور اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے موضع جلوس اقدس کو مس کرکے اپنے چہرے سے لگایا رواہ **ابن سعد فی طبقاتہ** [2] (ابن سعد نے اپنی طبقات میں اسے روایت کیا۔ت) اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے مروی کہ رمّانا اعطر کو جو مزار اقدس وازہر پر ہے یعنی اس کے بازو پر جو گول شکل کا ایک کنگرہ سا بنا دیتے اسے دہنے ہاتھ سے مس کرکے دعا مانگا کرتے،امام قاضی عیاض رتعت روحہ فی الریاض شفا شریف میں فرماتے ہیں:

قال نافع کان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما یسلم علی القبور اُتیه مائة مرة واکثر یجیئ الی القبر فیقول السلام علی النبی،السلام علی ابی بکر ثم ینصرف ورئی (بمعنی ابصر) واضعا یدہ علی مقعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	حضرت نافع رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما جب حجرہ پاک کی قبروں پر سلام کرنے حاضر ہو کر سو سے زائد مرتبہ کہتے" حضور علیہ الصلوٰہ والسلام پر سلام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سلام" پھر پلٹتے ہوئے منبر شریف پر

---

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر منبر رسول اللہ صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۱/ ۲۵۴

من المنبر ثم وضعها علی وجهه وعن ابن قسیط والعتبی کان اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا اخلا المسجد حسوا رمانة المنبر التی تلی القبر بیامنهم ثم استقبلوا القبلة یدعون[1]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بیٹھنے کی جگہ کو ہاتھ سے مس کرکے اپنے چہرے پر لگاتے۔ ابن قسیط اور عتبی سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جب مسجد نبوی سے نکلتے تو قبر انور کے کناروں کو اپنے داہنے ہاتھ سے مس کرتے اور پھر قبلہ رو ہو کر دعا کرتے (ت)

غرض شرعا وعرفا معلوم ومعروف کہ جس چیز کو معظم شرعی سے شرف حاصل ہو اس کا وہ شرف بعد انتہائے مماست بھی باقی رہتا ہے اور اس کی تعظیم اس کی معظم کی انحائے تعظیم سے گنی جاتی ہے اور معاذاللہ اس کی توہین اس معظم کی توہین تاج سلطان کو مثلا زمین پر ڈالنا صرف اسی وقت اہانت سلطان نہ ہوگا جبکہ وہ اس کے سر پر رکھا ہی بلکہ جدا ہونے کی حالت میں بھی ہر عاقل کے نزدیک یہی حکم ہے یونہی تعظیم۔ شفاء شریف میں ہے:

من اعظامه واکبارہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اعظام جمیع اسبابه واکرام مشاهده وامکنته من مکة المدینة ومعاهده ومالمسه علیه الصلٰوۃ والسلام او عرف به صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[2]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تعظیم میں سے یہ ہے کہ آپ کے تمام اسباب تمام مشاہد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں آپ کے تمام مکانات، متعلقہ اشیاء اور جن چیزوں کو آپ نے مس فرمایا یا جو آپ سے معروف ہیں کی تعظیم وتکریم بجالانا ہے۔ (ت)

اور بیشک تعظیم، منسوب بلحاظ نسبت تعظیم منسوب الیہ ہے۔ اور بیشک کعبہ شعائر اللہ سے ہے تو تعظیم غلاف تعظیم کعبہ و تعظیم شعائر اللہ شرعًا مطلوب۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی حکم زیارۃ قبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلکم عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۷۰

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فعلك ومن اعظامه واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۴۴

"وَ مَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ "[1]	اور جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کا تقوٰی ہے۔(ت)

بلکہ نظر ایمان سے مس ولمس کی بھی تخصیص نہیں جس شے کو معظم شرعی سے کسی طرح نسبت سے واجب التعظیم ومورث محبت ہے والہذا بلدۃ طیبہ مدینہ طیبہ سکینہ علی صاحبہا الصلٰوۃ والتحیۃ کے درودیوار کو مس کرنا اور بوسہ دینا اہل حب وولا کا دستور اور کلمات ائمہ وعلماء میں مسطور، اگرچہ ان عمارات کازمانہ اقدس میں وجود ہی نہ ہو شرف مس سے تشرف درکنار وللہ درمن قال(اللہ تعالٰی کے لئے خوبی جس نے کہا)ے

آمرُ علی الدیار دیار لیلی   اقبل ذالجدار وذوالجدارا

وصاحب الدیار شغفن قلبی   ولکن حب من سکن الدیارا[2]

(میں دیار لیلٰی سے گزرتے ہوئے دیواروں اور دیواروں کو بوسہ دے رہا تھا اور میرے دل میں اس دیار والی رچی بسی ہے لیکن اس دیار کے باسیوں سے محبت ہے۔ت)

شفاء شریف میں ہے:

وجدیر لمواطن اشتملت تربتہا علی جسد سید البشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدارس ومشاھد وموافقت ان تعظم عرصاتہا وتنستسم نفحاتہا وتقبل ربوعہا وجدراتہا[3] اھ ملخصًا۔	جن مقامات کی مٹی حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے جسد پاک کو لگی ہے ان راستوں، مشاہد اور مواقف کے میدانوں کی تعظیم، فضاؤں کی تکریم، ٹیلوں اور دیواروں کو بوسہ دینا مناسب ہے۔اھ ملخصًا۔(ت)

پھر ارشاد فرماتے ہیں:ے

یادار خیر المرسلین ومن بہ   ھدی الانام وخص بالایات

عندی لاجلك لوعۃ وصبابۃ   وتشوق متوقد الجمرات

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[2] شفاء السقام الباب الرابع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۷۳، جواہر البحار ومنھم امام المقری فمن جواہر فرح المتحال فی مدح النعال النبویہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۷۷، نسیم الریاض فصل ومن اعظامہ واکبارہ الخ دارالفکر بیروت ۳/ ۴۳۴

[3] الشفاء بتعریف المصطفٰی فصل ومن اعظامہ واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۴۵و۴۶

وعلیّ عهد ان ملأت محاجری ۔۔۔ من تلکم الجدرات والعرصات

لاعفرن مصون شیبی بینها ۔۔۔ من کثرة التقبیل والرشفات[1]

(خیر المرسلین جہاں کے ہادی اور معجزات والے کی رہائش گاہ میرے ہاں آپ کی وجہ سے درد، عشق اور اظہار جس سے کنکریاں جل رہی ہیں جس وقت میں ان دیواروں اور میدانوں کی زیارت سے اپنی نگاہوں کو سیراب کروں تو بوسے اور چوسنے کی کثرت سے اپنی سفید ریش کو ضرور مٹی سے ملوث کروں گا۔ت)

اس سے بھی ارفع واعلیٰ واضح وجلی یہ ہے کہ طبقۃً فطبقۃً شرقاً وغرباً عجماً عرباً علمائے دین وائمہ معتمدین نعل مطہر وروضہ معطر حضور سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے، کتابوں میں تحریر فرماتے آئے اور انھیں بوسہ دینے والی آنکھوں سے لگانے سر پر رکھنے کا حکم فرماتے رہے۔ علامہ ابوالیمن ابن عساکر شیخ ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی وغیرہما علماء نے اس باب میں مستقل تالیفیں کیں اور علامہ احمد مقری کی فتح المتعال فی مدح خیر النعال اس مسئلہ میں اجمع وانفع تصانیف ہے۔ **جزاهم وبهم جزاء حسنا ورزقهم ببرکة خیر النعال امنا وسکنا اٰمین** (اللہ تعالٰی ان کو جزاء حسن اور اس بہتر نعال شریف کی برکت سے امن وسکون عطا فرمائے آمین۔ت)

۱محدث علامہ فقیہ ابوالربیع سلیمن بن سالم کلاعی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:ع

یاناظر اتمثال نعل نبیه ۔۔۔ قبل مثل النعل لامتکبرا[2]

(اے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نقشہ نعل مبارک دیکھنے والے! اس نقشہ کو بوسہ دے بے تکبر کے)

۲قاضی شمس الدین صیف اللہ رشیدی فرماتے ہیں:ع

لمن قدمس شکل نعال طٰه ۔۔۔ جزیل الخیر فی یوم الحسان

وفی الدنیا یکون بخیر عیش ۔۔۔ وعز فی النهاء بلا ارتیاب

فبادروا لثم الاثار منها ۔۔۔ بقصد الفوز فی یوم حسان[3]

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامه واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی ملتان ۲/ ۴۶

[2] جواهر البحار ومنهم الامام احمد المقری الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۶۳

3

نقش نعل طٰہٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مس کرنے والے کو قیامت میں خیر کثیر ملے گی اور دنیا میں یقینا نہایت اچھے عیش وعزت وسرور میں رہے گا تو روز قیامت مراد ملنے کی نیت سے جلد اس اثر کریم کو بوسہ دے)

۳شیخ فتح اللہ بیلونی حلبی معاصر علامہ مقری نعل مقدس سے عرض کرتے ہیں ؎

فی مثلك یا نعال اعلی النجبا اسرار بیمنها شهدنا العجبا

من مرغ خدہ به مبتهلا قد قام له ببعض ما قد وجب [1]

(اے سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نعل مبارک! تیرے نقشہ میں وہ اسرار ہیں جن کی عجیب برکتیں ہم نے مشاہدہ کیں جو اظہار عجز و نیاز کے ساتھ اپنا رخسار اس پر رگڑے وہ بعض حق اس نقشہ مقدسہ کے جو اس پر واجب ہیں ادا کرے)

وہی فرماتے ہیں:؎

مثال نعل بوطی المصطفٰی سُعدا فامد الی لثمه بالذل منك یدا

واجعله منك علی العینین معترفا بحق توقیرہ بالقلب معتقدا

وقبله واعلن بالصلاۃ علی خیر الانام وکرر ذاك مجتهدا [2]

(یہ نقشہ اس نعل مبارک کا جو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم سے ہمایوں ہوئے تو اس کے بوسہ دینے کو تذلل کے ساتھ ہاتھ بڑھا اور زبان سے اس کے وجوب وتوقیر کا اقرار اور دل سے اعتقاد کرتا ہوا اسے آنکھوں پر رکھ اور بوسہ دے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر باعلان درود بھیج اور کوشش کے ساتھ اسے بار بار بجالا)

۴سید محمد موسٰی حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح فرماتے ہیں:؎

مثال نعال المصطفٰی اشرف الورٰی به مورد لا تبغی عنه مصدرا

فقبله لثما وامسح الوجه موقنا بنیت صدق تلق ما کنت مضما [3]

(مصطفٰی اشرف الخلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نقشہ نعل اقدس میں وہ مقام حضور ہے

1

2

3

جس سے تو نے رجوع نہ چاہے تو اسے یقین اور سچی نیت کے ساتھ چہرہ سے لگا دل کی مراد پائے گا)

۵محمد بن سبتی فرماتے ہیں: ؎

فمی قبلتها مثل نعل کریمة بتقبیلها یشفی سقام من اسمه استشفٰی [1]

اے میرے منہ اسے بوسہ دے یہ نعل کریم کا نقشہ ہے اس کے بوسہ سے شفا طلب کر مرض دور ہوتا ہے)

۶علامہ احمد بن مقری تلمسائی صاحب فتح المتعال میں فرماتے ہیں: ؎

اکرم بتمثال حکی نعل من فاق الوری بالشرف الباذخ

طوبی لمن قبله منبأء یلثمه عن حبه الراسخ [2]

(کس قدر معزز ہے ان کی نعل مقدس کا نقشہ جو اپنے شرف عظیم میں تمام عالم سے بالا ہیں خوشی ہو اسے جو اسے بوسہ دے اپنی راسخ محبت ظاہر کرتا ہوا)

۷علامہ ابو الیمن ابن عساکر فرماتے ہیں: ؎

الثم ثری الاثر الکریم فحبذا ان غزت منه بلثم ذا التمثال [3]

نعل مبارک کی خاک پر بوسہ دے کر اس کے نقشے ہی کا بوسہ دینا تجھے نصیب ہو تو کیا خوب بات ہے)

۸علامہ ابو الحکم مالک بن عبدالرحمٰن بن علی مغربی جنھیں علامہ عبدالباقی زرقانی نے شرح مواہب شریف میں احد الفضلاء المغاربة (فضلائے مغرب میں سے ایک۔ت) کہا۔اپنی مدحیہ میں فرماتے ہیں: ؎

مثل نعل من احب هویته فها انا فی یوم و لیلی الثمه [4]

(میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعلین مبارک دوست رکھتا اور رات دن

1

2 فتح المتعال

3

4 شرح الزرقانی علی المواهب نعله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مصر ۵/ ۵۷

اسے بوسہ دیتا ہوں)

۹ امام ابوبکر احمد ابن امام ابومحمد بن حسین انصاری قرطبیؒ فرماتے ہیں: ؎

ونعل خضعنا ھیبۃ لبھائھا وانا متی نخضع لھا ابدا نعلو

فضعھا علی اعلی المفارق انھا حقیقتھا تاج وصورتھا نعل [1]

(اس نعل مبارک کے جلال انور سے ہم نے اس کے لئے خضوع کیا اور جب تک ہم اس کے حضور جھکیں گے بلند رہیں گے تو اسے بالائے سر رکھ کہ حقیقت میں تاج اور صورت پر نعل ہے)

۱۰ شرح مواہب میں ان امام کا ترجمہ عظیمہ جلیلہ مذکور اور ان کا فقیہ محدث وماہر وضابط ومتین الدین وصادق الودع وبے نظیر ہونا مسطور امام علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری نے مواہب اللدنیہ ومنح محمدیہ میں ان امام کے یہ اشعار ذکر نقشہ نعل اقدس میں انشاد کئے اور مدحیہ علامہ ابوالحکم مغربی کما احسنھا [2] (کیا ہی اچھا ہے۔ت) اور نظم

۱۱ علامہ ابن عساکر سے للّٰہ درہ [3] (اللہ اکیلے اس کی بھلائی ہے) فرمایا۔

۱۲ علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

الثم التراب الذی حصل لہ النداوۃ من اثر النعل الکریمۃ ان امکن ذٰلک والا فقبل مثالھا [4]۔	اگر ہوسکے تو واس خاک کو بسہ دے جسے نعل مبارک کے اثر سے نم حاصل ہوئے ورنہ اس کے نقشہ ہی کو بوسہ دے۔

علامہ تاج الدین فاکہانی نے فجر منیر میں ایک باب نقشہ قبور لامعۃ النور کا لکھا اور فرمایا:

من فوائد ذٰلک ان من لم یمکنہ زیارۃ الروضۃ فلیزر مثالھا ولیلثمہ مشتاقا لانہ ناب مناب الاصل	یعنی اس نقشہ کے لکھنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضہ عالیہ کی زیارت نہ ملی وہ اس کی زیارت کرلے اور شوق سے اسے بوسہ دے

[1] المواہب اللدنیۃ بحوالہ القرطبی لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۷۰

[2] المواہب اللدنیہ بحوالہ القرطبی لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۸

[3] المواہب اللدنیہ بحوالہ القرطبی لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۷

[4] شرح الزرقانی علی المواہب ذکر نعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۵/ ۴۸

کما قدناب مثال نعله الشریفة مناب عینها فی المنافع والخواص بشهادة التجربة الصحیحة ولذا جعلواله من الاکرام ولااحترام مایجعلون للمنوب عنه[1] الخ۔	کہ یہ مثال اس اصل کے قائم مقام ہے جیسے نعل مقدس کا نقشہ منافع وخواص میں یقینا یہ اس کا قائم مقام ہوا جس پر تجربہ صحیحہ گواہ ہے ولہذا علمائے دین نے نقشہ اعزاز واحترام وہی رکھا ہے جو اصل کا رکھتے ہیں الخ۔

۳سیدی علامہ محمد بن سلیمن جزولی قدس سرہ، صاحب دلائل الخیرات نے بھی علامہ مذکور کی پیروی کی اور دلائل شریف میں نقشہ روضہ مبارک کا لکھا اور خود اس کی شرح کبیر میں فرمایا:

انما ذکرتها تابعا للشیخ تاج الدین الفاکهانی فانه عقد فی کتابه "الفجر المنیر" بابا فی صفة القبور المقدسة وقال ومن فوائد ذٰلک[2] الخ۔	میں نے شیخ تاج الدین فاکہانی کی اتباع میں اس کو ذکر کیا انھوں نے اپنی کتاب الفجر المنیر میں قبور مقدسہ کا باب قائم کیا اور فرمایا اس کے فوائد سے یہ ہے الخ (ت)

۴اسی طرح علامہ محمد بن احمد بن علی فاسی نے مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں فرمایا:

حیث قال اعقب المؤلف رحمه اللہ تعالٰی ورضی عنه ترجمة الاسماء بترجمة صفة الروضة المبارکة و القبور المقدسة وموافقافی ذٰلك وتابعا للشیخ تاج الدین فاکهانی فانه عقد فی کتابه الفجر المنیر بابا فی صفة القبور المقدسة ومن فوائد ذٰلك ان یزور المثال من لم	جہاں انھوں نے فرمایا مؤلف رحمہ اللہ تعالٰی نے اسماء کے عنوان کے بعد روضہ مبارک اور قبور مقدسہ کے بیان کے لئے باب قائم فرمایا شیخ تاج الدین فاکہانی کی موافقت کرتے ہوئے کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب "الفجر المنیر" میں قبور مقدسہ کے بیان کے لئے عنوان قائم فرمایا اور اس کے فوائد میں یہ بھی ہے کہ جس کا اصل روضہ پاک

[1] الفجر المنیر

[2] شرح دلائل الخیرات للجزولی

یتمکن من زیارۃ الروضۃ ویشاھدہ مشتاقا ویلثمہ ویزداد فیہ حبا وقد استنابوا مثال النعل عن النعل وجعلوا لہ من الاکراہ والاحترام ماللمنوب عنہ وذکروا لہ خواصا وبرکات وقد جربت[1] الخ۔	کی زیارت نصیب نہ ہو تو وہ نقش نعل کی زیارت کرے اور بوسہ دے اور خوب محبت کا مظاہرہ کرے علماء نے نعل کے نقشہ کو نعل کے قائم مقام قرار دے کر اس کے لئے وہی اکرام واحترام اقرار دیا جو اصل نعل شریف کے لئے ہے اور انھوں نے اس کے خواص وبرکات ذکر کئے جن کا تجربہ ہوچکا ہے۔(ت)

دیکھو علمائے کرام کے یہ ارشادات نقشوں کے باب میں ہیں جو خود عین منتسب بھی نہیں بلکہ اس کی مثال وتصویر ہیں تو غلاف کعبہ معظم شرعی یعنی کعبہ معظّمہ سے خاص نسبت مس رکھتا ہے اس کی نسبت بہ نیت تعظیم وتبرک ان افعال کے جواز میں شک وشبہہ کیا ہے،

قال المقتضی فی العموم موجود والمانع فی الخصوص مفقود وذٰلك کاف فی حصول المقصود والحمد ﷲ العلی الودود	عموم کا تقاضا ہے جبکہ خاص کے لئے کوئی مانع نہیں ہے مقصد کے حصول کے لئے یہ کافی ہے۔اللہ تعالٰی بلند وذات کے لئے حمد ہے۔(ت)

رہا لوگوں کا اس پر ہجوم کرنا یہ بھی آج کی بات نہیں قدیم سے آثار متبرکہ پر اہل محبت وایمان یونہی ہجوم کرتے آئے۔ صحیح بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث میں ہے جب عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سال حدیبیہ قریش کی طرف سے خدمت اقدس حضور پرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ میں حاضر ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو دیکھا۔

انہ لایتوضأ الا ابتدروا وضوءہ وکادوا یقتتلون علیہ ولا یبصق بصاقا ولایتنخم نخامۃ الا تلقوھا باکفھم فدلکوا بھا	یعنی جب حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وضوفرماتے ہیں حضور کے آب وضو پر بیتابانہ دوڑتے ہیں قریب ہے کہ آپس میں کٹ مریں اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] مطالعات المسرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴۴

وجوھھم واجسادھم الحدیث[1]	لعاب دہن مبارک ڈالتے یا کھکھارتے ہیں اسے ہاتھوں میں لیتے اور اپنے چہروں اور بدنوں پر ملتے ہیں۔

کادوایقتلون علیہ کی حالت کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے خود حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مواجہہ عالیہ میں ثابت **کادوایکونون علیہ لبدا** سے کہ یہاں سوال میں مذکور جہاز ائد ہے یونہی بوسہ سنگ اسود پر ہجوم وتزاحم قدیم سے ہے بالجملہ اس نفس فعل کا جواز یقینی اور جب نیت تبرک وتعظیم شعائر اللہ ہے تو قطعاً مندوب اور شرعا مطلوب مگر پنجگانہ نماز کے بعد علی الدوام اس کی زیارت وتقبیل کاالتزام اور جمعہ کے دن عام عوام کے بیقیدانہ ہجوم واژدحام میں اگر اندیشہ بعضم فاسد دینیہ ہو تو اس تقیید والتزام واطلاق اژدحام سے بچنا چاہئے اور خود ہر وقت پیش نظر معلق رہنا باعث اسقاط حرمت ہوتا ہے ولہٰذا حرمین طیبین کی مجاورت ممنوع ہوئی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بعد حج تمام قوافل پر درہ لئے دروہ فرماتے اور ارشاد کرتے اے اہل یمن یمین کو جاؤ۔ اے اہل شام! شام کا راستہ لو۔ اے اہل عراق! عراق کو کوچ کرو کہ اس سے تمھارے رب کے بیت کی ہیبت تمھاری نگاہوں میں زیادہ رہے گی" راہ اسلم وطریق اقوم یہ ہے کہ اسے کسی صندوقچہ میں ادب وحرمت کے ساتھ رکھیں اور احیانا خواہ مہینے میں کچھ دن قرار دے کر بروجہ اجلال حسن واعظام مستحسن اس کی زیارت مسلمین کو کرادیا کریں جس طرح سلطان اشرف عادل نے شہر دمشق الشام کے مدرسہ اشرفیہ میں خاص درس حدیث کے لئے ایک مکان مسمّٰی بدار الحدیث بنایا اور اس پر جائداد کثیر وقف فرمائی اور اس کی جانب قبلہ مسجد بنائی اور محراب مسجد سے شرق کی طرف ایک مکان نعل مقدس حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے تعمیر کیا اور اس کے دروازے پر مسی کواڑ رز سے ملمع کرکے لگائے کہ بالکل سونے کے معلوم ہوتے تھے۔ اور نعل مبارک کو آبنوس کے صندوق میں بادب رکھا اور بیش بہا پردوں سے مزین کیا یہ دروازہ ہر دوشنبہ وپنجشنبہ کو کھولا جاتا اور لوگ فیض زیارت سراپا طہارت سے برکات حاصل کرتے۔ **کماذکر العلامۃ المقری فی فتح المتعال وغیرہ وغیرہ** (جیسا کہ علامہ مقری نے فتح المتعال میں اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے دیگر کتابوں میں ذکر کیا ہے) یہ مدرسہ ودار الحدیث مذکور ہمیشہ مجمع ائمہ وعلماء رہے امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم اس میں مدرس تھے پھر امام

---

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشرط فی الجہاد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۹، الشفاء الشریف حقوق المصطفٰی فصل فی عادۃ الصحابۃ فی تعظیمہ الخ عبدالتواب اکیڈمی ملتان ۲/ ۳۱

خاتم المجتہدین ابوالحسن تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی صاحب شفاء السقام ان کے جانشین ہوئے یونہی اکابر علماء درس فرمایا کئے۔ سلطان موصوف کے اس فعل محمود پر کسی امام سے انکار وماثور نہ ہوا بلکہ امید کی جاتی ہے کہ خود وہ اکابر اس کی زیارت میں شریک ہوتے اور فیض وبرکت حاصل کرتے ہوں، محدث علامہ حافظ برہان الدین حلبی رحمہ اللہ تعالٰی نور النبراس میں فرماتے ہیں قال شیخنا الامام المحدث امین المالکی:

وفی دار الحدیث لطیف معنی	وفیہا منتہی اربی وسؤلی
احادیث الرسول علی تتلی	وتقبیلی لاثار الرسول [1]

(یعنی ہمارے استاذ امام محدث امین الدین مالکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں مدرسہ دار الحدیث میں ایک لطیف مقصد ہے اور اس میں میرا مقصد اور مطلوب بروجہ کامل حاصل ہے حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ پر پڑھی جاتی ہے اور حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آثار شریفہ کا بوسہ مجھے نصیب ہوتا ہے)

غرض طریقہ زیارت تو یہ رکھیں پھر جسے یہ ادب وحرمت بے دقت وزحمت شرف بوس مل سکے فبہا ورنہ صرف نظر پر قناعت کرے بوسہ سنگ اسود کہ سنت مؤکدہ ہے۔ جب اپنی یا غیر کی اذیت کا باعث ہو ترک کیا جاتا ہے تو اس بوسہ کا تو پھر دوسرا درجہ ہے۔

ھذا ھو الطریق اسلم والحاکم الوسط القوم الاقوم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	یہ سلامتی کا طریقہ ہے اور درمیانہ حکم مضبوط و قوی ہے اور اللہ تعالٰی زیادہ علم والا ہے اس کا علم اتم واحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۱: اکثر مخلوق خدا کا یہ طریقہ ہے کہ وقت اذان اور وقت فاتحہ خوانی یعنی پنجایت پڑھنے کے وقت انگوٹھے چومتے ہیں اور علماء بھی درست بتلاتے ہیں اور حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں آیا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انگوٹھے کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے

[1] نور النبراس حافظ برہان الدین حلبی

کلام سے خالی پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون ومؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بیشک غلطی پر ہے۔ ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد۔

اخرجه الديلمی مسند الفردوس و اورده الامام السخاوی فی المقاصد الحسنه[1] والعلامة خير الدين الرملی فی حواشی البحر الرائق وذكره العلامة الجراحی فاطال وبدالتيا والتی قال لم يصح فی المرفوع من هذا شيئ كما اثره المحقق الشامی فی ردالمختار[2]	اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں خیر الدین رملی نے بحر الرائق کے حاشیہ میں اور علامہ جراحی نے طویل بیان فرمایا اور بحث کے بعد فرمایا اس بارے میں مرفوع صحیح حدیث نہیں ہے جیسا کہ محقق علی شامی نے ردالمحتار میں نقل فرمایا ہے (ت)

اور بعض کتب فقہ میں مثل جامع الرموز شرح نقایہ وفتاوٰی صوفیہ وکنز العباد وشامی حاشیہ درمختار کے کہ اکثر ان میں مستندات علماء طائفہ اسمعیلیہ سے ہیں وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔ فاضل قہستانی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں:

واعلم انه يستجب ان يقال عند سماع الاولی من الشهادة الثانية صلی الله تعالٰی عليك يا رسول الله وعند سماع الثانية منها قرة عينی بك يا رسول الله ثم يقال اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ضفری الابهامين علی اليعينين فانه صلی الله تعالٰی عليه وسلم يكون قائد اله الی الجنة كما فی كنز العباد انتهی[3]	جان لو بیشک اذان کی پہلی شہادت کے سننے پر صلی اللہ تعالٰی علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے سننے پر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن چھوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے جیسا کہ کنز العباد میں ہے انتہی (ت)

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں:

[1] المقاصد الحسنه حديث ۱۰۲۱ دار الكتب العلميه بيروت ص ۳۸۴

[2] ردالمحتار كتاب الصلٰوة باب الاذان دار احياء التراث العربی بيروت ۱/ ۲۶۷

[3] جامع الرموز كتاب الصلٰوة فضل الاذان مكتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۵

ونحوہ فی الفتاوی الصوفیۃ[1] الخ	ایسے ہی فتاوٰی صوفیہ میں ہے الخ (ت)

پس حق اس میں اس قدر کہ جو کوئی بامید زیادت روشنائی بصر مثلاً از قبیل اعمال مشائخ جان کر یا بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد سنیت وفعل وصحت حدیث وشناعت ترک اسے عمل میں لائے اس پر بہ نظر اپنے نفس فعل واعتقاد سنیت کے خیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی ومنع کہ مستلزم نہیں کما صرح بہ الفاضل علی القاری فی شرح الاربعین وھذا ظاھر جدا (جیساکہ فاضل علی قاری نے شرح الاربعین میں اس کی وضاحت کی اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت) اور صیغہ اعمال میں تصرف استخراج مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے جیساکہ تصانیف شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی سے ظاہر اور خود یہ نفس حکم تجویز استخراج بھی ان کے کلام میں مصرح ہوامع میں لکھتے ہیں:

اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطبا نسخہائے قرابادین فقیر را معلوم شدہ است کہ در وقت طلوع صبح صادق باسفار مقابل صبح نشستن وچشم را بآں نور دوختن ویا نور را گفتن تا ہزار بار کیفیت ملکیہ را قوت میدہد[2] الخ۔	جاری اعمال میں اجتہاد سے اختراع کا راستہ کشادہ ہے جیساکہ طبیب حضرات کے ہاں قرابادین کے نسخوں میں ہے اس فقیر کو معلوم ہے کہ از صبح صادق تا روشنی بیٹھنا اور منہ مشرق کی طرف کرنا اور آنکھوں کو صبح کے نور پر لگانا اور یانور ہزار بار تک پڑھنے سے قوت ملکیہ حاصل ہوتی ہے (ت)

اور اسی میں ہے:

چند نواع از کرامت از ہیچ ولی الاماشاء اللہ منفک نمی شود از انجملہ منامات صادقہ کشف واشراف بر خواطر واز انجملہ ظہور تاثیر در دعائے او ورقی واعمال تصریفیہ او تا عاملے بقیض او منتفع شوند[3] الخ	چند کرامتیں ایسی ہیں جو کسی ولی سے جدا نہیں ہو پاتیں جن میں ایک سچی خوابیں اور دلوں کی خواہشوں پر اطلاع اور انہی میں سے دعاؤں کی تاثیر اور دم وغیرہ جاری اعمال اس سے عامل کو فیض حاصل ہوتا ہے الخ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الاذان داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۷

[2] ہوامع لشاہ ولی اللہ

[3] ہوامع لشاہ ولی اللہ

البتہ اسمعیلیہ کا حکم لزومی والتزامی کہ یہ فعل اور اس کے امثال محض حرام و سخت بدیدینی و مثل شرک مخل اصل ایمان اور زنا وقتل ومومن سے بد ترجس کے صغرٰی یعنی فعل ابتداع پر اسمعیلیہ کو خود اقرار اور کبرٰی تصریحات وتفویۃ الایمان سے آشکارا اگرچہ علمائے اسمیعلیہ بنظر مصلحت اس سے تنزل کیا کریں محض باطل ومردود ومخذول ومطرود ہے۔

وعلیھم اثباتہ بالبرھان ولنا رد علیھم باوضع بیان ان شاء اللہ الرحمٰن المستعان۔	اور ان پر شرک اور حرام کو ثابت کرنا لازم ہے اور ہمیں ان کا رد کرنا واضح دلائل سے ان شاء اللہ لازم ہے۔(ت)

اور پنچائت کے وقت اس فعل کا ذکر کسی کتاب میں نہ دیکھا گیا اور فقیر کے نزدیک یہاں پر بنائے مذہب ارجح واصح غالباترک زیادہ انسب والیق ہونا چاہئے۔والعلم بالحق عن الملک العلام الجلیل۔

مسئلہ ۱۴۲: ازاوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خان از مکان میر خادم علی اسسٹنٹ ۳ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ

چہ میفرمایند علمائے شریعت محمدی وفضلائے طریقہ احمدی دریں مسئلہ کہ مس ابہامین ونہادن علی العینین در وقت اذان موذن وغیرہ فعل وطریقہ انیقہ مستحب صحابہ کرام وسنت خیر البشر آدم علیہ السلام ست او ر اعلمائے ظواہر غیر مقلدین بہ سبب حقارت واستخاف واہانت وحرام گویند مرتد وکافرمی شوند یا نہ؟ بیان فرمایند بسند کتاب اجر یابند روز حساب رحمۃ اللہ علیکم اجمعین۔	کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت وفضلائے طریقت اس مسئلہ میں کہ مؤذن کی اذان کے وقت اپنی آنکھوں پر انگوٹھے چوم کر لگانا یہ فعل وطریقہ صحابہ کرام اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اس عمل کو غیر مقلدین فرقہ کے لوگ حقارت کے طور پر حرام کہتے ہیں کیا وہ کافر اور مرتد ہوں گے یا نہیں؟ کتاب کے حوالہ سے بیان فرمائیں اللہ تعالٰی اجر عطا فرمائے قیامت کے روز۔تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔(ت)

الجواب:

قال سیدنا اللہ صلی اللہ تعالٰی	سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

علیه وسلم من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذٰلك اضعف الایمان [1] ہر کہ از شما امر ناروا بیند باید کہ بدست خویش تغیرش دہد واگر نہ تواند پس بزبان واگر نتواند پس بدل وآں ضعیف ترین الایمان ست رواه الائمة احمد والستة الاالبخاری عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ونیز در حدیث آمد النصح لکل مسلم [2] دین آنست کہ ہر مسلمان راخیر خواہی کنند اصله عند احمد والشیخین و ابی داؤد والنسائی عن تمیم الداری والترمذی و النسائی ابی ھریرة واحمد عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین۔ پس بیش از جواب امرے ضروری ومہم تر باید شنید خیر البشر وخیر الناس وافضل الخلق واکرم البریہ جناب سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول رب العلمین ست صلی اللہ تعالٰی علیہ علیہم	فرمایا: تم میں سے جب کوئی برائی دیکھے تو ہاتھ سے اسے روکے اور اگر اس کی طاقت نہیں تو زبان سے منع کرے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اس کو ائمہ ستہ میں سے بخاری کے علاوہ سب نے اور امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ نیز حدیث میں ہے ہر مسلمان کی خیر خواہی دین ہے، اس کو امام احمد، شیخین، ابوداؤد اور نسائی نے ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے پس جواب سے قبل ایک ضروری بات اور اہم امر سن لینا چاہئے کہ افضل الخلق اور اکرم الناس اور خیر البشر اور اکرم البریۃ جناب سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول رب العالمین ہیں آپ پر اور آپ کی آل واصحاب سب پر درود وسلام ہو

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النهی عن المنکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۹ و ۵۲

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث جریر بن عبدالله المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۶۵۔۶۶، صحیح البخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الدین النصیحة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳، صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدین النصیحة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۔۵۵

وعلی الہ وصحبہ اجمعین کافہ مسلمین بریں معنی اجماع دارند فقیر غفرلہ اللہ المولٰی القدیر در تفضیل مطلق حضور افضل برحق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رسالہ مبسوط گرد آوردہ ام مسمّٰی بہ "قلائد نحور الحور من فرائد بحور النور" ملقب بنام **تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین** ۱۳۰۵ھ" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین آنجا بہ دہ آیت وصد حدیث نقش حق برکرسی تحقیق نشاندہ ام کہ ہیچ یکے از انبیائے مرسلین وخلق اللہ اجمعین بکمال رفیع وجلال منیع حضور سید العالمین اکرم الاولین والاٰخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمیرسد، ماناکہ قلم سائل طغیان کردد بجائے ابوالبشر خیر البشر سرزد او ارادہ الخیریۃ الجزئیۃ من جھۃ الابوۃ متاؤلا لبعض مایذکر فی الباب والاول اسلم بل ھو المفرع ان سائد الواقع وللہ بذات الصدور اعلم حق آنست کہ ہمچو عبارت احتراز واجب ولازم وفرض متحتم ست واللہ الھادی، اکنوں بجواب مسئلہ پردازیم آرے دریں باب از خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر وریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تمام مسلمانوں کااس معنی پر اجماع ہے۔ فقیر غفرلہ اللہ المولٰی القدیر (مصنف علیہ الرحمۃ) نے حضور افضل برحق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی فضیلت مطلقہ پر مبسوط رسالہ مسمّٰی بہ "قلائد نحور الحور من فوائد بحور النور" ملقب بنام "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین ۱۳۰۵ھ" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین لکھا ہے۔اس میں دس آیات کریمہ اور سو حدیث شریف سے حق کو اجاگر کیا گیا ہے کہ کوئی حدیث شریف سے حق کو اجاگر کیا گیا ہے کہ کوئی بھی انبیاء ومرسلین اور تمام مخلوق میں سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے مرتبہ کمال بلند وبالا کو نہ پہنچا، ہوسکتا ہے کہ سائل کا قلم پھسل گیا ہو ابوالبشر کی جگہ آدم علیہ السلام کی خیر البشر لکھنا سرزد ہوگیا ہو یا سائل نے تاویل سے کام لے کر ابوت والی جزوی فضیلت کی بناء پر آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو خیر البشر کہہ دیا ہو۔ جیسا کہ بعض مقامات پر ایسی تاویل سے کام لیا جاتا ہے لیکن پہلا احتمال اگر واقع میں ایسا ہو تو اس میں احتیاط ہے اللہ تعالٰی دلوں کا حال بہتر جانتا ہے حق یہی ہے کہ ایسی عبارت سے پرہیز لازم بلکہ اہم فرض ہے۔ اللہ تعالٰی ہدایت کا مالک ہے۔اب سوال کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، یہ درست ہے کہ اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پھول حضرت

امام حسن مجتبٰی وحضرت سیدنا ابوالعباس خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام وغیرہم حدیثہا اور کتب علماء مرویست کہ امام شمس الدین سخاوی در مقاصد حسنہ بتفصیل برخے از انہا پرداخت ومحو کلام محدثین کرام محققین اعلام کہ در تصحیح وتضعیف وجرح وتوثیق راتساہل وتشدید سپردہ اند آنست کہ دریں باب حدیثے از حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدرجہ صحت فائز نشدہ در مقاصد فرمود **لا یصح فی المرفوع من کل ھذا شیئ**[1] در موضوعات کبیر ست **مایروی فی ھذا فلا یصح رفعہ البتہ**[2] در ردالمحتار علامہ اسمعیل جراحی نقل فرماید **لم یصح فی المرفوع من ھذا شیئ**[3]۔ وبر خادم حدیث مخفی نیست کہ در اصطلاح محدثین نفی صحت نفی حسن ہم نمی کند تا بہ نفی صلاح وتماسک وصلاح تمسک یا دعوی وضع چہ رسد، **قال القاری فی الموضوعات قال ابوالفتح الازدی لایصح فی العقل حدیث قالہ ابو جعفر العقیلی**

امام حسن مجتبٰی اور حضرت سیدنا ابوالعباس خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام وغیرھم سے علماء کی کتب میں مرویات موجود ہیں جبکہ امام شمس الدین سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔روایات کی تصحیح وتضعیف اور جرح وتوثیق میں سختی اور نرمی سے کام لینے والے محدثین ومحققین کے کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی کوئی مرفوع حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچی،مقاصد حسنہ میں فرمایا اس مسئلہ کے متعلق کوئی حدیث مرفوع صحت کو نہیں پہنچی۔موضوعات کبیر میں ہے اس مسئلہ میں مرویات کا مرفوع ہونا یقینا صحیح نہیں ہے۔ردالمحتار میں علامہ اسمٰعیل جراحی سے منقول ہے کہ اس میں کوئی مرفوع روایت صحیح نہیں ہے۔کسی بھی خادم حدیث پر مخفی نہیں ہے۔کہ محدثین کی اصطلاح میں کسی حدیث کی صحت کا منتفی ہونا اس کے حسن کے انتفاء کو مستلزم نہیں کہ اس سے استدلال کی نفی لازم آئے چہ جائیکہ وہاں حدیث کے موضوع ہونے کا دعوی کیا جائے،ملا علی قاری نے موضوعات میں فرمایا کہ ابوالفتح الازدی نے فرمایا ہے کہ عقل کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں۔یہ بات ابو جعفر عقیلی

---

[1] المقاصد الحسنہ حرف المیم حدیث ۱۰۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۵

[2] اسرار المرفوعۃ حدیث ۸۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۱۰

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الاذان دار حیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۷

وابو حاتم بن حبان انتھی ولایلزم من عدم الصحة وجود الوضع کما لایخفی [1] اھ ملخصًا۔ امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ، فرمود قول من قال فی حدیث انه لم یصح ان سلم لم یقدح لان الحجة لایتوقف علی الصحة بل الحسن کاف [2]۔ باز در فضائل اعمال حدیث ضعیفہ باجماع ائمہ مقبول ست نص علیه غیر واحد من الحفاظ منھم الامام النووی رحمة الله تعالٰی علیه۔ باز چوں نیک درنگری کلمات مذکورہ علمائے محدثین ظاہر ست درآنکہ نفی صحت ہمیں باحادیث مرفوعہ مخصوص ست وایں جاخود درآثار موقوفہ کفایتے ست کافیہ و حجتے وافیہ، لاجرم علامہ علی قاری مکی رحمہ الله تعالٰی درکتاب مذکور بعد قول مسطور لایصح رفعة البتة [3] میفرد مایدِ قلت و اذا ثبت رفعه الی الصدیق رضی الله تعالٰی عنه فیکفی للعمل به لقوله علیه الصلٰوة والسلام

اور ابوحاتم بن حبان نے فرمائی ہے اھ اور اس عدم صحت سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ واضح ہے اھ ملخصًا۔ محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین محمد بن الہمام نے فرمایا کسی حدیث کے متعلق عدم صحت کا قول اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے حدیث کی حجیت ختم نہ ہوگی کیونکہ حجیت محض صحت پر موقوف نہیں بلکہ حدیث کا حسن ہونا بھی حجیت کے لئے کافی ہے۔ نیز اعمال کے فضائل میں ضعیف احادیث بھی اجماع ائمہ کے مطابق مقبول ہے۔ یہ بات کئی ائمہ وحفاظ حدیث سے منصوصہ ان میں امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی بھی شامل ہیں اور پھر یہ کہ اس مسئلہ میں علمائے حدیث کے الفاظ کو غور سے دیکھا جائے تو انھوں نے یہاں صرف مرفوع حدیث کی صحت کی نفی فرمائی ہے جبکہ موقوف روایات یہاں حجت کے لئے کافی ہیں، چنانچہ ملا علی قاری نے اپنے قول مذکور "یہ روایت بطور مرفوع صحیح نہیں ہے" کے بعد لکھا ہے **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) جب اس روایت کا رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تک ثابت ہے تو اس پر عمل کے لئے یہ کافی دلیل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام

[1] الاسرار المرفوعة تحت حدیث ۱۲۲۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۱۸
[2] فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸
[3] الاسرار المرفوعة تحت حدیث ۸۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۰

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین [1] یعنی چوں اسناد ایں فعل بجانب جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ بہ پایہ ثبوت رسید در عمل بسند ست زیرا کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ لازم باد برشماسنت من وسنت خلفائے راشدین من رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین درکنزالعباد وشرح نقایہ علامہ شمس ہروی وفتاوٰی صوفیہ وردالمحتار حاشیہ درمختار وغیرہا اسفار کہ ایں ہمہ از مستندات کبرے مانعین ست باستحباب ایں عمل تصریح رفت سیدی خاتمۃ المحققین امین الدین محمد عابدین شامی قدس سرہ السامی فرماید یستحب ان یقال عند سماع الاولٰی من الشھادۃ الثانیۃ صلی اللہ علیك یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منھا قرۃ عینی بك یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ الصلٰوۃ والسلام یکون قائدا لہ الی الجنۃ کما فی کنز العباد اھ قھستانی ونحوہ فی الفتاوٰی الصوفیۃ [2] الخ باز اگر بالفرض ہیچ نبودی تا از قبیل اعمال علماء ومشائخ ہست رحمہ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین	نے فرمایا: تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل لازم ہے یعنی چونکہ اس فعل کی اسناد جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تک پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہیں اس لئے عمل کے لئے سند ہے کیونکہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ "تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سنت پر عمل لازم ہے" کنزالعباد، شرح نقایہ، علامہ شمس ہروی، فتاوٰی صوفیہ، رد المحتار حاشیہ درمختار وغیرہا کتب جو مانعین حضرات کے بڑوں کی مستند کتابیں ہیں یہ تمام اس عمل کے استحباب پر متفق ہیں سید محمد عابدین شامی قدس سرہ، نے فرمایا: اذان میں پہلی بار شہادت سن کر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری بار سن کر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہہ کر آنکھوں پر انگوٹھے رکھ کر کہے اے اللہ! مجھے سمع وبصر سے فائدہ عطا فرما (اس عمل کی برکت سے) حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اس کے لئے جنت لے جانے میں قیادت فرمائیں گے، جیسا کہ کنزالعباد میں ہے اھ قہستانی فتاوٰی صوفیہ میں اسی طرح کی عبارت ہے الخ۔ پھر بالفرض اگر کوئی روایت بھی نہ ہو تو کم از کم علماء ومشائخ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اعمال اور وظائف میں

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی لزوم السنۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ والسلام باب الاذن داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۷

کہ بغرض زیادت روشنائی بصر بجا آوردہ وبحسن نیت وصدق طویت ببرکت او فائدہ حاصل کردہ اندا امام سخاوی رحمہ اللہ تعالٰی از جمعی کثیر از علماء وصلحاء نقلش نمود، علامہ طاہر فتنی علیہ رحمۃ الغنی در مجمع بحار الانوار فرمودہ روی تجربۃ ذٰلك عن کثیرین [1] ودر ہمچوں مقام زنہار بورود تصریح درقرآن وحدیث حاجت نیست علماء راسلفاء وخلفاء اجماع عملی وسکوتی قائم ست کہ درامثال امور بہر جلب سرور سلب شرور گونا گو اعمال واوفاق واذکار واوراد وادعیہ ونقوش ورقی وتعاویز برآرند وخود خوانند ونویسند وبکار برند وبہ دیگراں تعلیم کنند واجازت دہند وبریں معنی از ہیچ معتمدی انکار نشوند ودر مواہب اللدنیہ ومنح فعتمدی انکار نشوندو در مواہب للدنیہ ومنح محمدیہ امام قسطلانی صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ومدارج النبوۃ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہا چیزہا ازیں باب مذکور ست، واینک علامہ ابن الحاج مکی مالکی صاحب کتاب المدخل کہ تشدیدے بلیغ وارد درانکار بدع و موادث اوخویشتن در ہمیں کتاب اعمال جدیدہ بہر غرض عدیدہ ذکر کردہ واز سیدی عارف باللہ ابو محمد مرجانی	یہ شامل ہے کہ وہ انکھوں کی بینائی میں اضافہ کے لئے یہ وظیفہ کرتے چلے آئے ہیں اور اپنی حسن نیت اور صدق عزم سے اس وظیفہ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں امام سخاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے کثیر علماء وصلحاء کی جماعت سے نقل فرمایا ہے۔ علامہ طاہر فتنی علیہ الرحمۃ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں کثیر بزرگوں سے اس کا مجرب ہونا مروی ہے۔ ایسے مقام میں قرآن وحدیث کی تصریح کی کوئی حاجت نہیں علماء کرام کا سلفا خلفا اجماع عملی اور سکوتی چلا آرہا ہے کہ خوشی کے حصول شر کے دفعیہ کے لئے گونا گو اعمال اذکار اوراد، دعائیں، تعویذ ونقوش کرتے خود لکھتے اور پڑھتے اور دوسروں کو تلیم دیتے اور اجازتیں دیتے چلے آرہے ہیں ان امور میں کسی بھی معتمد علیہ شخصیت کا انکار ثابت نہیں۔ مواہب اللدنیہ و منح امام محمدیہ امام قسطلانی شارح بخاری اور مدارج النبوت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہما میں ایسے بہت سے امور مذکور ہیں، علامہ ابن الحاج مکی مالکی رحمہ اللہ تعالٰی جو کہ بدعات کے رد میں شدت فرماتے ہیں نے اپنی کتاب المدخل میں متعدد واغراض کے لئے جدید اعمال ذکر فرمائے ہیں اور انھوں نے اپنے اساتذہ ومشائخ مثلا عارف باللہ ابو محمد مرجانی

[1] مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتهرۃ علی الاسن الخ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۵/ ۲۳۴

وغیرہ مشائخ واساتذہ خود آورد کہ ہر گز چیزے از آنہا از حضرت رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ بلکہ از صحابہ وتابعین ہم روئے ثبوت ندیدہ است بلکہ چیز ہا بینی کہ خود دار مختراعا ایں علماء باشد ہم ازیں باب ست عمل جدی یعنی مرض چیچک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی در تفسیر سورۃ بقرۃ ذکر نمود وخود از قول الجمیل وغیرہ تصانیف شاہ ولی اللہ دہلوی چہ پرسی کہ از انجا ازیں قبیل تودہ مخترعات ومحدثات تواں یافتہ شاہ صاحب مذکور در ہوامع شرح حزب البحر سپید گفت کہ "اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راکشادہ ست مانند استخراج اطباء نسخہائے قرابادیں را ایں فقیر معلوم شد است کہ در وقت طلوع رامعلوم شدہ است کہ دروقت طلوع صبح صادق باسفار مقابل صبح نشستن وچشم راباآن نور دوختن و" یانور "را گفتن تاہزار بار کیفیت ملکیہ راقوت میدہد[1] الخ، بالجملہ درجواز ایں فعل اصلا مجال مقال ومحل شبہ واحتمال نیست وہیچ ولیلی از دلائل شرع مرمنع وتحریمش دلالت ندارد وفقیر غفراللہ تعالٰی دریں مسئلہ رسالہ حافلہ

وغیرہ سے یہ اعمال ذکر فرمائے ہیں اور خود فرمایا کہ یہ جدید وظائف واعمال حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام و تابعین تک سے ہر گز ثابت نہیں بلکہ آپ کو معلوم ہے کہ تمام اعمال ان علماء کے ایجاد کردہ ہیں۔انہی امور میں سے چیچک کے لئے ایک عمل تفسیر عزیزی میں حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالٰی نے سورۃ بقرہ میں ذکر فرمایا اس معاملہ میں شاہ ولی اللہ تعالٰی محدث دہلوی کی کتاب قول الجمیل وغیرہ تصانیف کا کیا کہنا ان میں جگہ جگہ اس قسم کے جدید ایجاد کردہ اعمال کا ذکر موجود ہے۔حضرت شاہ صاحب نے ہوامع شرح حزب البحر میں فرمایا کہ "اعمال تصریفیہ میں اجتہاد کو اختراع اعمال میں کافی دخل ہے جسطرح کہ اتباع حضرات قرابادین کے نسخوں میں استخراج کرتے ہیں چنانچہ اس فقیر (شاہ ولی اللہ صاحب) کو معلوم ہے کہ صبح صادق کے طلوع کے وقت مطلع کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا اور اپنی آنکھوں کو صبح کی روشنی کے سامنے کھلا رکھنا اور ہزار بار "یانور" کا ورد کرنا ملکی قوت میں اضافہ کی کیفیت پیدا کرتا ہے الخ۔خلاصہ یہ کہ اس تقبیل ابہامین کے عمل کے جواز میں کسی اعتراض یا شبہہ کی گنجائش نہیں ہے،اور اس کے منع پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔اس فقیر (مصنف علیہ الرحمۃ) کا

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

کافلہ مسمّٰی بنام تاریخی منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین تصنیف کردہ ام وآنجا بحول اللہ تعالٰی کلام را باقصی مراتب نقد وتحقیق رسانیدہ ہر کرا ہوائے اطلاع بر قول فیصل وفصل مفصل درسرشت گو خویش بباد بسوئے آن رسالہ مراجعت اینجا جواب سائل راہمیں قدر پسند ست کہ چیزے کہ حرمتیں از شرع مطہر ثابت نیست ہر کہ حرامش گوید افترا بر شرع مطہر میکنند وافتراء برخدا ورسول وآسان کارے ست والعیاذباللہ سبحانہ وتعالٰی، قال ربنا تبارك قدس "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ" [1] ایناں کہ اصول کا سدہ وفروع فاسدہ در دین اختراع کردہ صدہا مباحات شرعیہ بلکہ مستحبات قطعیہ بلکہ سنن ثابتہ رابدعت شنیعہ وحرام شدید بلکہ مخل اصل ایمان وشرک صریح وواجب العقاب و قطعی الوعید میگویند قطعاً برخدا ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ سلم دروغ می بندند ودر مغاک ہلاک فقد باء باحدھما [2] "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ	اس مسئلہ میں ایک مستقل جامع رسالہ مسمّٰی بہ اسم تاریخ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" تصنیف کردہ ہے جس میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کلام کو انتہائی مرتبہ تک پہنچانے میں تحقیق وتنقیح سے کام لیا ہے، جس کو اس معاملہ میں قول فیصل پر اطلاع کا شوق ہو تو وہ اس رسالہ میں قول فیصل پر اطلاع کا شوق ہو تو وہ اس رسالہ کی طرف رجوع کرے، یہاں سائل کے لئے جواب میں اتنا ہی کافی ہے۔ کہ جس چیز کی حرمت شرعاً ثابت نہیں اس کو حرام کہنا شریعت پر افتراء ہے اور اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کیا آسان کام ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تعالٰی پر افتراء کرتے ہوئے اپنی زبانوں سے جھوٹ مت بتاؤ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے جو لوگ اللہ تعالٰی پر افتراء کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے" ان لوگوں نے دین میں من گھڑت اصول اور فاسد مسائل کا اختراع کرکے صدہا شرعی مباحات بلکہ مستحبات کو بلکہ سنن ثابتہ کو بدعت سیئہ اور حرام بلکہ اصل ایمان کے لئے مخل اور صریح شرک اور واجب العقاب والوعید قرار دیا ہے یہ اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جھوٹ افتراء باندھتے ہیں اور ہلاکت کا راستہ اپناتے ہیں اور متعدد آیات وعید کا مصداق بنتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب من کفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

گذِبًا"[1] وغیرہ ذٰلك من المھالك می افتند وایں معنی ایشاں بجہت رانہ ہمیں بر فسق وارتکاب کبیرہ مقتصرہ دارد بلکہ بجہت عقد قلب واتخاذ مذہب بفسق عقیدہ وضلالت بعیدہ وبدعت طریدہ کشد وآنہمہ احکام خلل اصل ایمان و وجوب عذاب وقطیعت عقاب بحکم حدیث انا عند ظن عندی بی[2]۔ وقاعدہ عقلی ونقلی اقرار مرد آزار مرد ہم بروئے ایشاں برگردد وحکم تیر بازگشت پیدا کنند اماہیات کفر چیزے عظیم ست وزنہار آدمی رابر بیارد، از دائرہ اسلام مگر انکار امرے کہ درآوردہ بودش اقرارش ورود فعل اینکار از حضرت ابوالبشر یادیگر انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام ہنوز بپایہ صحت نرسیدہ است پس کجا تواتر پس کجابودنش از ضروریات دین وخود انکار واستحقاق ایشاں مبنی برآنست کہ ثابت ندانند نہ آنکہ ثابت کہ گویند وراہ اہانت پویند پس تکفیر راز نہار مساعی نیست وخود از عظم خطایائے۔ ایں بیباکان زبان بتکفیر مسلماناں کشادن وبکمترین چیزے حکم شرک وکفر سردادن ست وھم	عمل ان کو نہ صرف فسق وگناہ کبیرہ میں مبتلا کرتا ہے بلکہ ان کے دل عقیدہ اور مذہب کی بناپر فسق عقیدہ۔ ضلالت وگمراہی شدیدہ سے بڑھ کر ان کے اصل ایمان میں خلل اور عذاب کی قطعیت کی طرف ان کو ڈالتا ہے۔ "میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں" حدیث کے حکم کی وجہ سے کہ جیسا کہ عقیدہ ویسا نتیجہ پائیں گے۔ اور عقلی و نقلی قاعدہ ہے۔ کہ اپنے اقرار پر آدمی پھنس جاتا ہے تاہم کسی پر کفر کا حکم بہت بڑا معاملہ ہے۔ دائرہ اسلام سے کسی شخص کو خارج نہیں کرتا مگر اسلام میں داخل کرنے والے امر کا انکار جبکہ بتقبیل کا عمل حضرت آدم علیہ السلام یا دیگر انبیاء علیہم السلام سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا چہ جائیکہ درجہ تواتر کو پہنچے اور ضروریات دین کے درجہ میں ہو جائے ان لوگوں کا اس عمل سے انکار صرف اس بات پر مبنی ہے کہ یہ عمل ثابت نہیں نہ کہ ثابت مان کر ازراہ اہانت انکار کرتے ہیں لہٰذا اس بناء پر ان کو کافر کہنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اس بناء پر کافر کہنا کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اس بناء پر کافر کہنا خود خطرناک معاملہ ہے۔ یہ بدبخت لوگ ہیں جو مسلمانوں کو اپنی زبانوں سے کفر میں مبتلا کرتے ہیں اور معمولی معمولی باتوں پر ان کو مشرک اور کافر

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۱

[2] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی ویحذرکم اللہ نفسہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۱، صحیح مسلم کتاب التوبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵۴

لؤلون عنه یوم الجزاء وعلیهم لخروج عن عهدته فی دار القضاء حذر باید کہ خصلت شنیعہ وشنعت قطعیہ ایں مبتدعان بخود سرایت نکند وباللہ العصمۃ ارے اگر بظواہر احادیث صحیحہ مثل **باء بها بعدهما وحار علیه وکفر بتکفیره**[1]، کہ زاعاظم ائمہ محدثین مثل امام مالک واحمد وبخاری ومسلم و ابوداؤد وترمذی وابن حبان در صحاح ومسانید وسنن وخود شان از حضرات عبداللہ بن عمرو وابوہریرہ وابوذر وابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم روایت نمودند نظر کردہ آید خاصہ کہ ایں جہولان رابزعم خودشان ہم بعمل بر ظواہر احادیث جمعہ ونام ست یا بفتوائے امام فقیہ ابوبکر اعمش وسائر ائمہ بلخ وبسیاری از ائمہ بخارا کہ مکفر مسلم رامطلقاً کافر گویند عمل نمودہ شود بلکہ ہم بر مذہب مصحح ومعتمد ومختار للفتوی کہ اگر تکفیر مسلم نہ بروجہ شتم بلکہ بطور اعتقاد وجزم ست کافر گردد ودر درمختار ست **به یفتی**[2]،	کہتے ہیں یہ قیامت کے روز جوابدہ ہوں گے اور ان کو فیصلہ کے وقت اس الزام کا جواب دینا ہوگا، بہت احتیاط کرنی ضروری ہے تاکہ ان لوگوں کی خصلت قبیحہ اور قطعیہ بدبختی کا ارتکاب لازم نہ آئے، ہاں کافر ومشرک کہنے کی بناء پر کفر دونوں میں کسی کی ایک پر ضرور عائد ہوتا ہے اور ہلاک کرتا ہے اور کسی کی بلاوجہ تکفیر پر کفر کا حکم لازم ہوتا ہے۔ احمد، بخاری، مسلم ابوداؤد، ترمذی، اور ابن حبان نے صحاح مسانید، سنن میں حضرت عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ ابوذر اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرمائی ہیں، یہ جاہل لوگ جو کہ ظاہر حدیث پر عمل بزعم خواہش لازم کہلاتے ہیں اور اہل حدیث کہلاتے ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ ان روایات کا مصداق ہیں یا نہیں اور کیا امام فقیہ ابوبکر اعمش اور تمام ائمہ بلخ اور بہت سے ائمہ بخارا کا فتوی ہے کہ کسی مسلمان کی تکفیر سے انسان مطلقاً کافر ہوجاتا ہے پر عمل لازم آتا ہے بلکہ معتمد اور صحیح مذہب پر فتوی ہے کہ کسی مسلمان کو بطور اعتقاد جازم کافر قرار دینے سے انسان کافر ہوجاتا ہے اور درمختار میں ہے اسی پر فتوی ہے

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یاکافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[2] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

ودر شرح نقایہ قہستانی **انہ المختار**[1]۔ ودرذخیرہ واحکام و جواہر اخلاطی وفصول عمادی وشرح درر وغرر وشرح نقایہ برجندی وشرح وہبانیہ علامہ ابن الشحنہ ونہر الفائق وحدیقہ ندیہ وفتاوٰی ہندیہ وردالمحتار وغیرہا **انہ المختار للفتوٰی بالقطع والیقین**[2] بریں طائفہ مکفرہ مسلمین حکم کفر وارتداد بلاریب لازم ست چنانکہ من فقیر در رسالہ مسمّٰی بنان تاریخ **النہی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید** ۱۳۰۵ھ مفصل گفتہ ام امابحمداللہ تعالٰی مارا ہنوز احتیاط درکاراست واز کفار ایں اہل اکفار اجتناب وانکار کمابینتہ ایضا فیہا وفی غیرہا من تصانیفی وفتاوی **واللہ الھادی انہ مولائی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**	اور شرح نقایہ قہستانی میں "**انہ المختار**" ذخیرہ احکام جواہر الاخلاطی فصول عمادی۔ شرح درر غرر، شرح نقایہ برجندی، شرح وہبانیہ، علامہ ابن الشحنہ، نہر الفائق، حدیقہ ندیہ فتاوٰی ہندیہ اور ردالمحتار وغیرہا کتب میں **انہ المختار للفتوٰی بالقطع والیقین** فرمایا ہے تو مسلمانوں کو کافر کہنے والے اس طائفہ پر ان فتاوٰی پر ان فتاوٰی کی روشنی میں کفر وارتداد کا حکم بلا شک وشبہہ لازم آتا ہے، جیسا کہ اس فقیر (مصنف علیہ الرحمۃ) نے اپنے رسالہ مبارکہ مسمّٰی باسم التاریخ "**النہی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید**" میں مفصل بحث ذکر کی ہے تاہم ہمیں بحمدہ تعالٰی ابھی احتیاط لازم اور ضروری ہے اور ان کافر بتانے والوں کو کافر کہنے سے اجتناب کریں گے جیسا کہ میں نے اسی رسالہ میں اور دیگر تصانیف میں بیان کیاہے۔اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا اور وہی میرا مولٰی ہے **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**(ت)

مسئلہ ۱۴۳: از بہار شریف محلّہ شیخانہ متصل عیدگاہ مرسلہ محمد یسین ومحمد حسین طالبان علم ۹ شوال ۱۳۱۶ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ بزرگوں کی قبر پر جانے کے وقت دروازے کی چوکھٹ چومنا اور پھر باوجود تعظیم اس پر پیر رکھ کے اندر جانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اصل کلی یہ ہے کہ تعظیم ہر منتسب بارگاہ کبریا علی الخصوص محبوبان خدا انحائے تعظیم حضرت

---

[1] جامع الرموز کتاب الحدود فصل فی القذف مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۳۵

[2] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۳

عزت جل وعلا ہے۔قال اللہ تعالٰی:

"وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰہِ فَہُوَ خَیۡرٌ لَّہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ ؕ "[1]	جو اللہ تعالٰی کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے پروردگار کے یہاں۔

وقال تعالٰی:

"وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ "[2]	جو اللہ کے شعاروں کی تعظیم کرے وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم وحامل القراٰن غیر الغالی فیہ والجافی عنہ واکرام ذی السطان المقسط[3]۔رواہ ابوداؤد عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	یعنی بوڑھے مسلمان اور عالم باعمل اور حاکم عادل کی تعظیمیں اللہ تعالٰی کی تعظیم سے ہیں۔(اسے ابوداؤد نے ابوموسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ت)

اور علمائے کرام قدیماوحدیثافقہاوحدیثا تصریحات فرماتے ہیں کہ حرمۃ المسلم حیاو میتا سواء، مسلمانو زندہ ومردہ کی حرمت یکساں ہے،ولہٰذا علماء نے وصیت فرمائی کہ قبر سے اتنا ہی قریب ہو جتنا زندگی دنیا میں صاحب قبر سے قریب ہو سکتا ہے اس سے زیادہ آگے نہ جائے،عالمگیریہ میں ہے:

فی التھذیب یستحب زیارۃ القبور وکیفیۃ الزیارۃ کزیارۃ ذٰلک المیت فی حیاتہ من القرب والبعد کذا فی خزانۃ الفتاوٰی[4]۔	تہذیب میں ہے زیارت قبور مستحب ہے۔زیارت کی کیفیت یہ ہے کہ جتنا قرب وبعد میت کی زندگی میں اس کی زیارت کے لئے ہوتا تھا بعد مرگ بھی اتنا ہی ہو،خزانۃ الفتاوٰی میں یونہی ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۰

اور شک نہیں کہ تعظیم وتوہین کا مدار عرف وعادت پر ہے کما حققه خاتمة المحققين سيدنا الوالد قدس سره فی اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد (جیسا کہ خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ نے "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) تو جس کی تعظیم شرعاً مطلوب ہے وہاں جو جو افعال وطرق حسب عرف وعادت قوم کئے جاتے ہیں اسی مطلوب شرعی کی تحت میں داخل ہوں گے جب تک کسی خاص فعل سے نہی شرعی نہ ثابت ہو، جیسے سجدہ یا قبر کی طرف نماز کہ یہ شرعاً ممنوع ہیں۔ ولہٰذا امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر، پھر علامہ ابن سندھی نے لباب میں اور ان کے سوا اور علمائے کرام نے زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں فرمایا:

کلمه کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنًا[1]۔	جو کچھ تعظیم واجلال میں زیادہ داخل ہوں خوب ہے۔

ابن حجر مکی نے جوہر منظّم میں فرمایا:

تعظيم النبی صلی تعالٰی علیه وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیها مشارکة الله تعالٰی فی الالوهیة امر مستحسن عند من نور الله ابصارهم[2]۔ "وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۞"[3]	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ان جمیع اقسام تعظیم کے ساتھ جس میں حضرت عزت سے الوہیت ہیں شریک کرنا لازم نہ آئے امر مستحسن ہے ان سب کے نزدیک جن کی آنکھیں اللہ تعالٰی نے روشن کی ہیں یعنی جنھیں نور ایمان بخشا ہے۔ اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کہیں نور نہیں۔(ت)

جب یہ اصل کلی معلوم ہو ہو گئی حکم صور مسئلہ منکشف ہوگیا آستانہ بوسی پر یہ اعتراض کہ اول چومیں گے پھر پاؤں رکھ کر جائیں گے محض نادانی ہے کعبہ معظّمہ ومسجد حرام شریف میں بھی یہی صورت ہے اور ضرورت ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ منسک متوسط میں ہے:

ثم یأتی الملتزم ویأتی الباب ویقبل العتبة	طواف کرنیوالا ملتزم پر آئے اور دروازے پر

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منشورة المقصد الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴، لباب المناسك مع ارشاد الساری باب زیارة سید المرسلین فصل ولو توجه الی الزیادة دار الکتب العربی بیروت ص ۳۳۶

[2] الجواہر النظم الفصل الاول المکتبة القادریة جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۲

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

ویدعو ودخل البیت [1] الخ۔	آکر چوکھٹ کو بوسہ دے اور دعا کرکے اندر داخل ہوالخ (ت)

مسلک متقسط میں ہے:

ان یدخل المسجد من باب السلام حافیا وزاد فی کنز العباد ویقبل عتبتہ [2] (ملخصًا)	مسجد حرام میں باب السلام سے ننگے پاؤں داخل ہو، کنز العباد میں یہ لفظ زائد ہے اور بوسہ دے چوکھٹ کو، ملخصًا (ت)

اور شک نہیں کہ آستانہ بوسی عرفا انحائے تعظیم سے ہے اور شرعا اس سے منع ثابت نہیں تو حکم جواز چاہئے، **اقول: وباللہ التوفیق** (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) مگر یہاں ایک دقیقہ انیقہ اور ہے جس پر اطلاع نہیں ہوتی مگر بتوفیق حضرت عزت عزجلالہ شرع مطہرہ کا قاعدہ عظیمہ وجلیلہ معروفہ ومشہورہ ہے کہ "**الامور بمقاصدھا**" (امور میں مقاصد کا اعتبار ہے۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات وانکالکل امری مانوی [3]۔	اعمال نیات کے ساتھ ہیں اور ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے۔ (ت)

انحنا یعنی جھکنے اور پیٹھ دوہری کرنے سے کسی کی تعظیم شرعا مکروہ ہے اور جب بقدر رکوع یا اس سے زائد ہو تو کراہت سخت واشد ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رجل یارسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ اوصدیقہ اینحنی لہ قال لا الحدیث، رواہ الترمذی [4] وابن ماجۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ! ہم اپنے کسی بھائی یا دوست کو ملتے ہیں تو کیا ملاقات میں اس کے لئے جھکا جائے تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ الحدیث، اس کو ترمذی نے اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

[1] المنسك المتوسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ طواف الوداع دار الکتب العربی بیروت ص ۱۷۰

[2] المسلك المتقسط فصل یستحب ان یدخل المسجد من باب السلام الخ دار الکتب العربی بیروت ص ۷۸

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[4] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء علی الجالس فی الطریق امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

عالمگیری میں ہے:

الانحناء للسلطان اولغیرہ مکروہ لانہ یشبہ فعل المجوس کذا فی جواھر الاخلاطی،ویکرہ الانحناء عندالتحیۃ وبہ وردالنھی کذا فی التمرتاشی،تجوز الخدمۃ لغیرہ اللہ تعالٰی بالقیام واخذ الیدین و الانحناء و لایجوز السجود الا للہ تعالٰی کذا فی الغرائب [1] انتھٰی **قلت** وکان محمل ھذا علی ما اذا لم یبلغ الرکوع فیکرہ تنزیھا وھو یجامع الجواز کما نصوا علیہ واللہ تعالٰی اعلم۔	سلطان وغیرہ کے لئے جھکنا مکروہ ہے کیونکہ یہ عمل مجوس کے فعل کے مشابہ ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں ہے۔اور سلام کے وقت جھکنا مکروہ ہے اس پر نہی وارد ہے۔جیسا کہ تمرتاشی میں ہے۔غیر اللہ کی تعظیم کے لئے قیام،مصافحہ،اور جھکنا جائز ہے ہاں سجدہ سوائے اللہ تعالٰی کے کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔یوں غرائب میں ہے اھ **میں کہتا ہوں** اس قیام کا محمل وہ قیام ہے جو رکوع کی حد تک نہ ہو کیونکہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔یہ کراہت جواز کو جامع ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص فرمائی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مگر محل ممانعت یہی ہے کہ نفس انحناء ہے مقصود اصل غرض تعظیم ہو۔

کما ھو مفاد قولہ اینحنی لہ،وفحوی قولھم عندا لتحیۃ،ویعطیہ الحصر فی قولھم بہ وردالنھی۔	جیسا کہ سائل کے قول "کیا اس کے لئے جھکے" اور فقہاء کے قول "عندالتحیۃ" سے مفاد اور ان کے قول "بہ ورد النھی" نے اس کا حصر دیا ہے۔(ت)

اور اگر مقصود کوئی اور فعل ہے اور انحناء خود مقصود نہیں بلکہ اس فعل کا محض وسیلہ وذریعہ ہے تو ہر گز ممانعت نہیں **وھو اظھر من ان یظھر** (یہ ظاہر سے اظہر ہے۔ت) عالم دین یا سلطان عادل کی خدمت کے لئے اس کا گھوڑا باندھنا یا کھول کر حاضر لانا یا بچھونا کرنا، یا وضو کرانا، پاؤں دھلانا یا اس کا جوتا اٹھانا یا مجلس سے اٹھتے وقت اس کی جوتیاں سیدھی کرنا، یہ سب افعال تعظیم وتکریم ہی ہیں اور ان کے لئے جھکنا ضرور مگر انحناء زنہار ممنوع نہیں کہ مقصود ان افعال سے تعظیم ہے نہ جھکنے سے، یہاں تک کہ اگر بے جھکے یہ افعال ممکن ہو جھکنا نہ ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بستر مبارک بچھانا، وضو کرانا، حضور جب مجلس میں تشریف رکھیں نعلین اقدس اٹھا کر اپنے پاس

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

رکھنا جب تشریف لے چلے حاضر لاکر سامنے رکھنا، یہ دونوں جہان کی عزتیں مبارک، معزز خدمتیں بارگاہ رسالت ہے۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سپرد تھی، بخاری شریف میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

اولیس عندکم ابن ام عبد صاحب النعلین والوسادۃ والمطھرۃ[1]۔	کیا تمھارے ہاں نعلین اور بستر، طہارت والے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) موجود نہیں۔(ت)

مرقاۃ میں ہے:

قال القاضی یرید بہ انہ کان یخدم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویلازمہ فی الحالات کلھا فیصاحبہ فی المجالس ویأخذ نعلہ ویضعھا اذا جلس وحین نھض ویکون معہ فی الخلوات فیسوی مضجعہ ویضع وسادتہ اذا ارادان ینام ویھی لہ طھورہ ویحمل معہ المطھرۃ اذا قام الی الوضوع[2]۔اھ	قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود حضور کی خدمت میں تمام وقت حاضر رہتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلسوں میں ساتھ رہ کر آپ کے نعل مبارک اٹھاتے اور رکھتے جب تشریف فرما ہوتے اور مجلس سے اٹھتے اور تخلیہ میں آپ کے ساتھ رہتے آپ کے بستر مبارک کو درست بچھاتے اور تکیہ رکھتے جب آپ نے آرام فرمانا ہوتا اور طہارت کا انتظام کرتے اور آپ کے ہمراہ لوٹا لے جاتے جب آپ قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے جاتے (ت)

اور سب سے اظہر وازہر وہ حدیثیں ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم مبارک چومنا وارد فقیر نے یہ حدیثیں اپنے فتاوٰی میں جمع کردی ہیں، از انجملہ حدیث وفد عبدالقیس کہ امام بخاری نے ادب مفرد اور ابوداؤد نے سنن میں حضرت زارع بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

فجعلنا نتبادر فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورجلہ[3]۔	ہم ایک دوسرے سے بڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے(ت)

ظاہر ہے کہ پاؤں چومنے کے لئے تو زمین تک جھکنا ہوگا مگر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب مناقب عمار وحذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۹

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب المناقب باب جامع المناقب الفصل الاول تحت حدیث ۶۲۰۰ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۰/ ۵۷۰

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب قبلۃ الرجل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳، الادب المفرد باب تقبیل الرجل مطبع اثریہ سانگلہ ہل ص ۳۵۳

جائز رکھا کہ مقصود بوسہ قدم سے تعظیم ہے نہ کہ نفس انحناء، یہی سر نفیس ہے کہ علماء کرام نے تحیت ومجرا کے لئے زمین بوسی کو حرام بتایا کہ اس میں جھکنے ہی سے تعظیم کی جاتی ہے یہاں تک کہ زمین کو منہ لگادیا۔ عالمگیریہ میں ہے:

من سجد للسلطان علی وجه التحیة او قبل الارض بین یدیه لایکفر ولکن یأثم لارتکابه الکبیرة وهو المختار کذا فی جواهر الاخلاطی وفی الجامع الصغیر تقبیل الارض بین یدی العظیم حرام وان الفاعل والراضی اثم کذا فی التاتارخانیه، وتقبیل الارض بین یدی العلماء والزهاد فعل الجهال والفاعل والراضی اثمان کذا فی الغرائب[1] انتهی باختصار.	جس نے سلطان کی سلامی کے لئے سجدہ کیا یا زمین کو بسہ دیا کافر نہ ہوگا، لیکن کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی بناء پر گنہگار ضرور ہوگا پس یہی مختار ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے عظیم (سلطان) کے سامنے زمین کو بوسہ دینا حرام ہے۔ جبکہ یہ کام کرنے ولا اور اس پر خوش ہونے والا گنہگار ہوگا، یوں تاتارخانیہ میں ہے اور علماء اور زاہد لوگوں کے سامنے زمین کو بوسہ دینا جہالت ہے۔ ایسا کرنے والے اور اس پر خوش ہونے والے سب گنہگار ہوں گے جیسا کہ غرائب میں ہے انتہی باختصار (ت)

اور علماء کبار بے تکیرہ وانکار زمین مدینہ طیبہ کو بوسہ دینے اور اس کی خاک پر منہ اور رخسار ملنے کی قسمیں کھاتے ہیں اور ممکن ہو تو وہاں آنکھوں اور سر سے چلنے کی تمنائیں فرماتے ہیں اور اسی کو واجب بلکہ پوردے واجب سے بھی کم بتاتے ہیں کہ یہاں تعظیم بالانحناء مقصود نہیں بلکہ براہ محبت بطور تبرک اس زمین پاک کو بوسہ دینا اس کی خاک سے چہرہ نورانی کرنا بن پڑے تو پاؤں رکھنے سے اس عظمت والے مقام کو بچانا، امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں فرماتے ہیں:

وجدیر لمواطن اشتملت تربتها علی جسد الشریف ومواقف سید المرسلین ومتبوأ خاتم النبیین واول ارض مس	یعنی لائق ہے ان موضع کو جن کی زمین جسم پاک سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قیام گاہیں

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۸ـ۶۹

جلد المصطفٰی ترابھا ان تعظم عرصاتھا وتتنسم نفحاتھا وتتقبل ربوعھا وجدارتھا۔ وعلیّ عھد ان ملات محاجری من تلکم الجدرات والعرصات لاعفرن مصون شیبی بینھما من کثرۃ التقبیل والرشفات [1] اھ مختصرًا۔	خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائے قرار اور پہلی وہ زمین جس کی مٹی نے جسم پاک مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مس کیا گیا کہ اس کے میدانوں کی تعظیم کی جائے اور اس کی مہکتی ہوئی خوشبوئیں سونگھی جائیں اور منزلیں اور دیواریں چومی جائیں۔اور مجھ پر عہد ہے کہ اپنی آنکھوں کے گوشے ان دیواروں اور میدانوں سے بھروں گا،خدا کی قسم میں اپنی سفید داڑھی کہ گرد وغبار سے بچائی جاتی ہے ان میدانوں میں کثرت بوسہ بازی سے ضرور خاک آلودہ کروں گا اھ مختصرًا۔

علامہ سندھی تلمیذ امام ابن الہمام نے لباب المناسک میں فرمایا:

اذا وقع بصرہ علی طیبۃ المطیبۃ واشجارھا العطرۃ دعا بخیر الدارین وصلی وسلم علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والاحسن ان ینزل عن راحلتہ بقربھا،ویمشی باکیا حافیا ان اطاق تواضعا للہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکلما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا بل لو مشی ھناك علی احداقہ و بذل المجھود من تذللہ وتواضعہ کان بعض الواجب بل لم یف بمعشار عشرہ [2]۔اللھم صل وسلم وبارك علیہ و	یعنی جب مدینہ طیبہ او اس کے مہکتے ہوئے درختوں پر نظر پڑے دونوں جہان کی بھلائی مانگے،اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صلٰوۃ سلام عرض کرے اور بہتر یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے قریب سواری سے اترے اور ہوسکے تو روتا ہو برہنہ پا چلے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے واسطے تواضع کے لئے اور جو کچھ ادب و تعظیم میں زیادہ دخل رکھے خوب ہے بلکہ وہاں آنکھوں کے بل چلے اور تذلل وفروتنی میں پوری کوشش خرچ کردے تو واجب کا ایک حصہ ہو بلکہ سوواں ۱۰۰ بھی ادا نہ ہو۔یا اللہ! صلٰوۃ وسلام اور برکت ہو آپ صلی اللہ

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامۃ واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی ملتان ۲/ ۴۶۔۴۵

[2] لباب المناسك مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین فصل ولو توجہ الی الزیارۃ دار الکتاب بیروت ص ۳۳۶۔۳۳۵

علی اله وصحبه کما ینبغی لاداء حقه العظیم اٰمین۔	علیه وسلم اور آپ کی آل واصحاب پر کما حقہ۔ آمین۔

امام احمد قسطلانی صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری مواہب شریف میں امام حافظ الحدیث فقیہ علامہ ابو عبداللہ محمد بن رشید سے نقل فرماتے ہیں: سفر مدینہ طیبہ میں میرے رفیق ابو عبداللہ وزیر ابن القاسم بن الحکم ساتھ تھے ان کی آنکھیں دکھتی تھیں جب میقات مدینہ طیبہ پر آئے ہم سواریوں سے اتر لئے، پیادہ چلتے ہیں انھیں آثار شفا نظر آئے، فوراً حسب حال ارشاد کیا:۔

وبالتراب منها اذا کحلنا جفوننا شفینا فلا بأسا نخاف ولا کربا

نسح سجال الدمع فی عرصاته ونلثم من حب لواطئه الترابا[1]

جب اس کی خاک کا ہم نے سرمہ لگایا شفاء پائی تو اب کسی شدت وتکلیف کا اندیشہ نہیں ہم آنسوؤں کے ڈول اس کے میدانوں میں بہاتے ہیں اور اس زمین پر چلنے والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت میں خاک کو چومتے ہیں۔

پھر خود اپنے حال میں فرماتے ہیں جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور سب اہل قافلہ پیادہ ہوئے میں نے کہا:۔

اتیتك زائرا وودت انی جعلت سواد عینی امتطیه

ومالی لا اسیر علی المآتی الی قبر رسول الله فیه[2]

میں زیارت کے لئے حضور میں حاضر ہوا اور تمنا تھی کہ اپنے آنکھ کی پتلی پر اس راہ میں چلوں اور کیوں نہ چلوں آنکھوں کے بل اس مزار پاک کی طرف جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ فرمائیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض شفاء قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

کان الشیخ احمد بن الرفاعی کل عام یرسل مع الحجاج السلام علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم	یعنی امام اجل قطب اکمل حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر سال حاجیوں کے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام

[1] المواھب اللدنیه المقصد العاشر الفصل الثانی (اشواق) المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۶

[2] المواھب اللدنیه المقصد العاشر الفصل الثانی (اشواق) المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۷

فلما زارہ وقف تجاہ مرقدہ وانشد:ـ فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا تقبل الارض عنی فھی نائبتی وھذہ نوبۃ الاشباح قد حضرت فامدد یدیك لکی تحظی بھا شفتی فقیل ان الید الشریفۃ بدت لہ فقبلھا فھنیئًا لہ ثم ھنیئًا[1]۔	عرض کر بھیجتے،جب خود حاضر آئے مزار اقدس کے سامنے کھڑے ہوئے اور عرض کی: "میں جب دور تھا تو اپنی روح بھیج دیتا کہ میری طرف سے زمین کو بوسہ دے تو وہ میری نائب تھی،اور اب باری بدن کی ہے۔کہ جسم خود حاضر ہے دست مبارک عطا ہو کہ میرے لب اس بسے بہرا پائیں۔کہا گیا کہ دست اقدس ان کے لئے ظاہر ہوا انھوں نے بوسہ دیا تو بہت بہت مبارکی ہو ان کو۔

علامہ احمد بن مقری فتح المتعال میں فرماتے ہیں جب امام اجل علامہ تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی سبکی ملک شام میں بعد وفات امام اجل ابو زکریا مدرسہ جلیلہ اشرفیہ میں دارالحدیث کے درس دینے پر مقرر ہوئے فرمایا:ـ

وفی دار الحدیث لطیف معنی الی بسط لھا اصبو واٰوی

لعلی ان امس بحر وجھی مکانا مسہ قدم النواوی[2]

"دارالحدیث میں ایک معنی لطیف ہے میں اس کے بستروں کی طرف میل کرتا اور قرار پکڑتا ہوں شاید میرا چہرا لگ جائے اس جگہ پر جہاں امام نوری کے قدم چھوگئے ہوں۔

خلاصہ امر یہ قرار پایا کہ اگر آستانہ بلند ہو کہ بے جھکے بوسہ دے سکے تو بلا شبہ اجازت ہے۔اور اگر پست خصوصا زمین دوز ہو تو اگر ولی زندہ یا مزار سامنے ہے اس کے مجرے کی نیت سے جھک کر بوسہ دیا تو ناجائز ہے۔اور اگر محض بنظر تبرک وحب اپنے ہی نفس انحنا سے تعظیم مقصود نہ ہو تو کچھ حرج نہیں،ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (یوں تحقیق چاہئے اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت) پھر بھی عالم متقدا اور اسی طرح پیر اور اس شخص کو جس کے کچھ اتباع ہوں کہ اس کے افعال کا اتباع کریں اسے مناسب ہے کہ اپنے عوام متبعین کے سامنے نہ کرے مبادا وہ فرق نیت پر آگاہ نہ ہوں اور اس کے فعل کو سند جان کر بے محل بجالائیں،ایسی حالت میں صرف اس

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل ومن اعظامہ واکبارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالفکر بیروت ۳/ ۴۴۲

[2] فتح المتعال

قدر کافی ہے کہ آستانہ کو ہاتھ لگا کر اپنی آنکھوں اور منہ پھیر لے جس طرح عبداللہ بن عمر غیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم منبر انور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے، شفاء شریف میں ہے:

روی ابن عمرو اضعایدہ علی مقعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المنبر ثم وضعہا علی وجہ، وعن ابن قسیط والعتبی کان اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا خلا المسجد حسوا امّانة المنبر التی تلی القبر بمیامنھم ثم استقبلوا القبلة یدعون[1]۔	مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما منبر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹھنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرے پر ہاتھ کو رکھتے۔ ابن قسیط اور عتبی سے مروی ہے۔ کہ صحابہ کرام جب مسجد نبوی میں داخل ہوتے تو قبر انور کے کناروں کو اپنے دائیں ہاتھ سے مس کرتے اور پھر قبلہ رو ہو کر دعا کرتے۔ (ت)

یہ دونوں حدیثیں امام ابن سعد نے کتاب الطبقات میں روایت کیں کما فی مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء (جیسا کہ مناہل الصفا فی احادیث الشفا میں ہے۔ت) علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

وھذا یدل علی جوز التبرک بالانبیاء والصالحین واٰثارھم ومایتعلق بھم مالم یؤد الی فتنة اوفساد عقیدة و علی ھذا یحمل ماروی عن ابن عمر عـــہ رضی اللہ تعالٰی عنہ من انہ قطع الشجرة التی واقعت تحتھا البیعة لئلا یفتتن بھا الناس لقرب عھدھم	یہ واقعہ اس بات پر دال ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صلحاء اور ان کے آثار اور متعلقات سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے جبکہ فتنہ اور عقیدے کے فساد کا احتمال نہ ہو اسی معنی پر محمول ہے جو عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے بیعت رضوان والے درخت کو کاٹ دیا تاکہ نو مسلم لوگ

عـــہ: کماھو فی نسختی النسیم وصوابہ عن عمر ۱۲ منہ۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فی حکم زیارۃ قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدالتواب اکیڈمی ملتان ۲/ ۷۰

بالجاھلیۃ فلامنافاۃ بینھما ولاعبرۃ بمن انکر مثلہ من جھلۃ عصرنا وفی معناہ انشدوا۔ امر علی الدیار لیلٰی اقبل ذاالجدار وذاالجدارا وصاحب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس درخت کی وجہ سے فتنہ میں مبتلانہ ہو جائیں تو تبرک کے جواز اور درخت کٹوانے میں منافات نہیں ہے اور ہمارے زمانے کے جاہلوں کا جو ایسے امور کا انکار کرتے ہیں کوئی اعتبار نہیں اہل محبت آثار کے متعلق شعر کہتے ہیں: میں خاص دیار پر جو لیلٰی کا دیار رہے گزرتا ہوں، میں اس کی دیوار اور اس دیوار کو بوسہ دیتاہوں، دیار والے میرے دل میں گھر کر چکے ہیں لیکن دیار میں رہنے والوں سے محبت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

"ابرالمقال فی استحسان قبلۃ الاجلال"

ختم شد

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل ومن اعظامہ واکبارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالفکر بیروت ۳/ ۴۳۴

مسئلہ ۱۴۴: مرسلہ محمد صدیق بیگ صاحب مراد آباد از بریلی
کافر کو سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

حرام ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم بالصواب واللّٰہ یرجع الیہ مآب (اور اللہ تعالٰی ٹھیک بات کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی ہی ہر چیز کا مرجع اور ٹھکانا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۴۵: از نجیب آباد ضلع بجنور مسئولہ جناب احمد حسین صاحب ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ
سلام کے متعلق جملہ مسائل کیا ہیں؟

الجواب:

سلام کے متعلق بہت مسائل ہیں جو خاص بات دریافت کرنی ہو کیجئے۔ غالباً آپ کی مراد یہ ہوگی کہ کس کس کو سلام کرنا منع ہے۔ ہاں بدمذہب کو سلام کرنا حرام ہے۔ فاسق کو سلام کرنا ناجائز ہے۔ جو برہنہ ہو یا استنجا کررہا ہو اسے سلام نہ کرے۔ جو کھانا کھارہا ہو اسے سلام نہ کرے۔ جو اذان یا تلاوت یا کسی ذکر میں مشغول ہو اسے سلام نہ کرے۔ کافر یا مبتدع یا فاسق کو سلام کرنے کی صحیح ضرورت پیش آئے تو لفظ سلام نہ کہے بلکہ ہاتھ اٹھانے یا کوئی لفظ کہ نہ سلام ہو نہ تعظیم کہنے پر قناعت کرے یا مجبور ہو تو آداب کہے یعنی آ میرے پاؤں داب، یا آداب شریعت کہ تونے اپنے فسق سے ترک کردئے ہیں۔ بجالا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۶: از گورکھپور کا احاطہ مسئولہ حافظ رسول بخش صاحب ۲۱ محرام الحرام ۱۳۳۱ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص طالب یا مرید یا عام مسلمان فرط ارادت و جوش محبت سے بنابر حصول برکت تعظیماً تکریماً کسی بزرگ عالم یا صوفی کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دے آنکھوں سے لگائے تو آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ سلف سے یہ طریقہ

جاری وساری رہااور محمود سمجھا گیا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اولیاء وعلماء ومعظمان دین کے ہاتھ پاؤں چومنا مستحب ہے بلکہ مسنون ہے۔ صحابہ کرام بلکہ خود زمانہ رسالت سے رائج ہیں جس پر بکثرت حدیثیں ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۷و۱۴۸: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۴رجب ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) قرآن شریف پڑھنے کے وقت سلام کرنا یا لینا کیسا ہے؟

(۲) کن شخصوں کی تعظیم کے لئے تلاوت قرآن مجید کی موقوف کرسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) قرآن شریف پڑھنے والے پر سلام کرنا ناجائز ہے اور اسے اختیار ہے کہ جواب نہ دے، اور قرآن پڑھنے والے کو دوسرے پر سلام کرنے کی اجازت ہے جبکہ وہ معظیم دینی ہو یا اسے سلام نہ کرنے میں اندیشہ مضرت ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) قرآن شریف پڑھنے میں کسی کی تعظیم کو قیام جائز نہیں مگر باپ یا علم دین کا استاذ یا پیرومرشد یا عالم دین یا بادشاہ اسلام یا بمجبوری اس کے لئے کہ اگر قیام نہ کرے تواس سے ضرر پہنچنے کا ظن غالب ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۹: مسئولہ محمود حسن صاحب از بمبئی پوسٹ بائی کھلا ۲۰صفر ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر نماز سے تمام فارغ ہونے کے بعد مصافحہ کے سوا پاؤں پڑنا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ والہ مع ثبت دوتین علماء ومہر رقم فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

پاؤں پڑنا بایں معنی کہ پاؤں پر سر رکھنا ممنوع ہے۔ اور پاؤں کو بوسہ دینا اگر کسی معظم دینی کی تعظیم دینے کے لئے ہو تو جائز بلکہ سنت ہے احادیث کثیرہ اس پر ناطق ہیں۔ **کما بیناھا فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے ان سب مسائل کو اپنے فتاوٰی میں بیان فرمایا ہے۔ت) اور اگر کسی مالدار کی دنیوی تعظیم کے لئے ہو تو مطلقًا ناجائز ہے۔

فی الملتقط والھندیۃ والدر وغیرھا	فتاوٰی ملتقط، فتاوٰی عالمگیری، درمختار اور

التواضع لغیر اللہ تعالٰی حرام [1]۔	ان کے علاوہ باقی کتب فقہ میں بھی ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا کسی کی تواضع کرنا حرام۔ (ت)

مگر جبکہ صحیح مجبوری شرعی ہو کہ اس کے ترک میں ضرر پہنچنے کا صحیح اندیشہ ہو تو اپنے بچاؤ کے لئے اجازت ہوگی **فان الضرورات تبیح المحظورات** (انسانی ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح کر دیتی ہیں۔ت) مگر قلب میں اس کی کراہت رکھنا لازم ہے **فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف لایمان** (اگر کسی گناہ کے کام کو ہاتھ سے نہ روک سکے تو دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۰: مسئولہ افتخار الزاہدین صاحب از بمبئی عقب مارکیٹ پولیس کمشنر صاحب آفس ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو جو کہ آپس میں عزیز داری رکھتے ہیں اتفاقاً زید ایک راستہ عمرو دوسرے راستہ سے جارہے تھے ایک جاپر دونوں صاحبوں کی ملاقات ہوگئی زید نے بدیدن عمرو فوراً السلام علیکم کہا بجواب اس کے کہ عمرو وعلیکم السلام کہے جواب دیا کہ تم بہت چھوٹے آدمی ہو تمھارا سلام لینا درست نہیں جواب سلام علیکم نہیں دیا یعنی وعلیکم السلام نہیں کہا، کیا عمرو اللہ پاک اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برحق کے نزدیک گنہگار ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو کیا صدقہ یا کیا معذرت خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چاہئے کہ اس کا دفعیہ ہوجائے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید اگر شرعاً ان الفاظ اور اس طریقہ عمل کا مستحق نہ تھا، جو عمرو نے کہے اور برتا تو عمرو ضرور گنہگار اور حق اللہ و حق العبد دونوں میں گرفتار ہوا، حق اللہ تو یہ کہ اس کے حکم کا خلاف کیا، اس کا ارشاد ہے:

"وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ" [2]	(لوگو!) جب تمھیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر جواب دیا کرو یا وہی الفاظ لوٹا دیا کرو۔ (ت)

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۶۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۶

اور دوسرا اس سے اشد، حق اللہ تعالٰی یہ کہ شریعت مطہرہ پر افتراء کیا کہ تیرا اسلام دینا درست نہیں اور حق العبد یہ کہ بلاوجہ شرعی زید نے مسلم کو ایذا دی، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلماً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔ رواہ الطبرانی[1] فی الکبیر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔ (اس کو طبرانی نے کبیر میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ ت)

اس پر فرض ہے کہ اپنی ان حرکات شنیعہ سے رب العزۃ کے حضور توبہ کرے اور زید سے اپنے قصور کی معافی چاہے۔ اور اگر واقع میں زید اس کا مستحق تھا مثلاً وہابی یا رافضی یا غیر مقلد یا قادیانی یا نیچری یا چکڑالوی تو عمرو پر کچھ الزام نہیں اس نے بہت اچھا کیا اور ایسا ہی چاہئے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خدمت میں کسی نے ایک شخص کا سلام پہنچایا فرمایا:

لاتقرأہ منی السلام فانی سمعت انہ احدث[2]۔ فاذا کان ھذا فی مبتدع فکیف بالکفار کالاولئک الفجار عجل اللہ بھم النار والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسے میرا اسلام نہ کہنا کہ میں نے سنا ہے اس نے بدمذہبی نکالی ہے۔ (ت) جب ایک بدعتی کا یہ حکم ہے کہ تو پھر کافروں کا کیا حکم ہوگا ان فاجروں بدکاروں کی طرح کہ اللہ تعالٰی جلدی انھیں آگ میں پہنچائے۔ اللہ تعالٰی سب سے بڑا زیادہ غالب اور بہت بڑے بخشنے والے کی پناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۱: از بنارس محلّہ کچی باغ مرسلہ مولوی خلیل الرحمٰن ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوسہ دینا قبر اولیاء کرام اور طواف کرنا گرد قبر کے اور سجدہ کرنا تعظیماً از روئے شرع شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب (کتاب کے حوالے سے بیان فرماؤ اور روز حساب (روز قیامت) اجر وثواب پاؤ۔ ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۴۳۷۰۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۱۰، المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبہ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

[2] جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء فی الرضاء بالقضاء امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۸

الجواب:

بلاشبہ غیر کعبہ معظّمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے۔اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے۔اور بوسہ قبر میں علماء کو اختلاف ہے۔اور احوط منع ہے۔خصوصامزارات طیبہ اولیاء کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو یہی ادب ہے پھر تقبیل کیونکر متصور ہے یہ وہ ہے جس کا فتوٰی عوام کو دیا جاتا ہے۔اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔

لکل مقام مقال ولکل مقال رجال ولکل رجال مجال ولکل مجال مآل نسأل اللہ حسن مال وعندہ علم بحقیقۃ کل حال۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر جگہ کے لئے ایک مناسب گفتگو ہے اور ہر گفتگو کے لائق کچھ خاص مرد ہیں اور ہر مرد کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔اور ہر گنجائش کے لئے ایک انجام ہے لہٰذا ہم اللہ تعالٰی سے اچھا انجام چاہتے ہیں کیونکہ اسی کے پاس ہر حال کا حقیقی علم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۲: از بنارس محلّہ پتر کنڈا مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب پانی پتی ۷ا ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ہمارے سنی حنفی علماء کثرھم اللہ تعالٰی وابقاہم الی یوم الجزاء (اللہ تعالٰی انھیں زیادہ کرے اور روز قیامت تک انھیں باقی رکھے۔ت) اس میں کیا فرماتے ہیں کہ زید سے خالد نے سوال کیا کہ کسی مقبول بارگاہ رب العزت جل جلالہ کی قبر شریف کے طواف کو بعض علماء حرام بلکہ شرک کہتے ہیں اور بعض جائز فرماتے ہیں پس ان میں صحیح قول کس کا ہے۔زید نے جواب دیا کہ اس زمانہ میں جو لوگ اپنے کو حنفی کہتے ہیں ان میں تین فرقے ہیں:

(۱) اسحاقیہ،شاہ اسحاق کا پیرو۔

(۲) اسمعیلیہ،مولوی اسمٰعیل دہلوی کا متبع۔

(۳) سنی حنفی،حضرت مولانا فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا احمد رضاخاں صاحب بریلوی دام ظلہ کا مطیع۔

پس **(۱)** اور **(۲)** کے نزدیک بالاتفاق غیر کعبہ شریف کا طواف مثل سجدہ تحیہ کے ہے لیکن اس کے حکم میں دونوں میں اختلاف ہے پہلے فرقہ کے نزدیک حرام ہے۔اور دوسرے کے نزدیک شرک چنانچہ مائۃ مسائل اور مسائل اربعین اور تقویۃ الایمان دیکھنے والے پر یہ بات ظاہر ہے۔حالانکہ بغیر دلیل قطعی کے یہ حرام اور شرک کہنا خود انھیں کے گھر میں آگ لگانا ہے کہ ان کے بزرگوار شاہ ولی اللہ کو مرتکب حرام اور مشرک بنانا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب انتباہ میں اس کے کرنے کا حکم کیا اور **(۳)** فرقے

اعنی سنی حنفی کے نزدیک مطلقًا مثل تعریف اعنی نقل وقوف عرفات کے ہے۔ چنانچہ محقق بدایونی حضرت مولانا فضل رسول صاحب تغمدہ اللہ تعالٰی بغفرانہ واسکنہ بجبوحۃ جنانہ (اللہ تعالٰی انھیں اپنی بخشش سے ڈھانپ دے اور وسط جنت میں انھیں بسائے۔ت) بوارق محمدیہ میں فرماتے ہیں:

وحق آنست کہ طواف در حکم سجدہ تحیۃ نیست مثل تعریف است متقارب بتقبیل [1] اھ بلفظ الشریف۔	حق یہ ہے کہ طواف سجدہ تعظیمی کے حکم میں نہیں بلکہ) وہ تعریف ف کی طرح (مانند) بوسہ دینے کے قریب ہے یعنی اس کا حکم اس کے قریب ہے شریف الفاظ مکمل ہوگئے۔(ت)

اور تعریف کے باب میں علامہ حلبی نے تو شرح منیہ میں مطلقًا **لیس بشیئ مندوب ولا مکروہ** [2] (اس میں کوئی کام مستحب اور مکروہ نہیں۔ت) فرما کر آخر بحث میں عطا خراسانی علیہ الرحمۃ کا قول۔

ان استطعت ان تخلو بنفسك عشیۃ عرفۃ فافعل [3]۔	اگر تو یوم عرفہ پچھلے پہر اپنے آپ کو خلوت گزیں بنا سکتا ہے تو بنا ڈال۔(ت)

دال بر ندب نقل کرکے اسی کو معتمد بتایا۔ چنانچہ فرمایا:

وھذا ھو المعتمد واللہ تعالٰی سبحنہ اعلم۔ [4]	اور یہی قابل اعتماد ہے۔ اور اللہ پاک اور برتر سب سے اچھا جانتا ہے۔(ت)

لیکن قول باقلانی علیہ الرحمۃ:

لواجتمعوا لشرف ذٰلك الیوم لسماع الوعظ بلا وقوف و کشف راس جاز بلا کراھۃ	اگر لوگ اس دن (یعنی روز عرفہ (۹ ذوالحجہ) اس کی شرافت وبزرگی اور وعظ ونصیحت سننے کے لئے کسی جگہ جمع ہو جائیں بشرطیکہ

[1] البوارق المحمدیہ باب اول در عقائد نجدیہ مطبع سویل ملیٹری اپر فنج ص ۴۶

[2] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فروع خروج الی المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۳

[3] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فروع خروج الی المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۴

[4] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فروع خروج الی المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۴

ف: ذوالحجہ کی ۹ تاریخ کو اہل عرفات کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہوئے اجتماعی صورت میں کسی جگہ کھڑا ہونے کو ائمہ فقہ "تعریف" کا نام دیتے ہیں۔ مترجم۔

اتفاقا [1]۔	وقوف عرفات کی نیت اور سر ننگا نہ ہو بالاتفاق بغیر کراہت جائز ہے۔(ت)

سے جس کا حاصل علامہ شامی نے :

ان المکروہ ھو الخروج مع الوقوف وکشف الراس بلا سبب موجب کاستسقاء امامجردا لاجتماع فیہ علی طاعۃ بدون ذٰلك فلا یکرہ [2]۔	مکروہ یہ ہے کہ وقوف اہل عرفات کے ساتھ تشبہ اور بغیر کسی وجہ سر ننگا کرکے نکلے جیسے استسقاء یعنی بارش کی دعا مانگتے وقت سر برہنہ ہوتے ہیں۔ یا کچھ نہ ہو بلکہ صرف طاعت و فرمانبرداری کے لئے اجتماع ہو تو مکروہ نہیں۔(ت)

فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ تعریف کی دو صورتیں ہیں:

(۱) وہ جو کہ اہل عرفہ کی نیت اور صورت اعنی اور کشف رؤس کے ساتھ ہو۔

(۲) وہ جو کہ ایسی نہ ہو بلکہ کسی اور ہی غرض مثل اس روز کے شرف اور وعظ کے سماع کے لئے اور بغیر وقوف اور کشف رؤس کے ہو۔

اور پہلی بقول صحیح مکروہ تحریمی اور دوسری بالاتفاق بلا کراہت جائز۔ پس طواف کی بھی دو صورتیں ہوں گی۔

(۱) وہ جو کہ طائفین بیت اللہ عزوجل کی نیت اور صورت کے ساتھ ہو۔

(۲) وہ جو کہ ایسی نہ ہو بلکہ اور صورت اور کسی اور ہی غرض مثلاً محض افاضہ کے لئے جیسے علی مافی صحیح البخاری حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خرما کے ڈھیر کا طواف فرمایا [3] یا محض استفاضہ کے لئے جیسے کسی ولی کے مزار شریف کا طواف یا محض کسی اور ایسی ہی غرض سے ہو جیسے علی مافی الشفاء للقاضی عیاض علیہ الرحمہ کا حلاق کے سر مبارک کو حلق کرنے کے وقت کسی موئے مبارک کے زمین پر گرنے نہ دینے کی غرض سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف کرنا [4]۔

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۶۲

[3] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قولہ تعالٰی اذھمت طائفتان منکم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۰

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل عادۃ الصحابۃ فی تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۳۳

اور یہ ظاہر ہے کہ بعض اعمال کی صورت ایک ہوتی ہے لیکن نیت کے اختلاف سے حکم مختلف ہو جاتا ہے جیسے سجدہ تحیت اور سجدہ عبادت کہ صورت دونوں کی ایک ہے مگر حکم مختلف کہ پہلا حرام موجب فسق اور دوسرا شرک پس پہلی صورت تو ہم سنی حنفیوں کے نزدیک بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔اور صاحب بحر اور نہر وغیرہما کا عدم جواز کا قول اسی صورت پر محمول ہے اور دوسری صورت میں اختلاف ہے بعض غیر حسن فرماتے ہیں اور بعضے مستحسن کہتے ہیں۔فاضل بدایونی علیہ الرحمۃ بوارق محمدیہ ہی میں فرماتے ہیں:

وکراہت ایں اشیاء مختلف فیہ بین الفقہاء وہچو امور باعث نکیر و نفریں برمرتکبین ہم نمی تواند شد چہ جائے تکفیر چراکہ بسیارے از اکابر تصریح بجواز آں کردہ اند گو نزد جماعتے رجحان بجانب عدم استحسان است وفقیر ہم بہمیں مسلک سالک است [1] اھ۔	ان چیزوں کی کراہت عندالفقہاء "مختلف فیہ" ہے۔یعنی ایک اختلافی چیز ہے۔اور اس قسم کے امور موجب انکار،اور ارتکاب کرنے والوں پر طعن و تشنیع بھی نہیں ہو سکتے،چہ جائیکہ ان کی تکفیر کی جائے،کیوں؟اس لئے کہ بہت سے اکابر نے اس کے جائز ہونے کی تصریح کی ہے۔گو ایک گروہ کا عدم استحسان کی طرف رجحان اور میلان ہے۔اور یہ فقیر بھی اسی مسلک کے مطابق گامزن ہے۔اھ(ت)

مگر ما ثلث تعریف قول باستحسان کی صحت کی مقتضی ہے کما لایخفی(جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)اور علاوہ اس کے یہ ہے کہ محبت اور عظمت کی بھری ہوئی آنکھیں وہ دیکھا کرتی ہیں جو ان سے خالی آنکھیں نہیں دیکھتیں اور ان آنکھوں والوں کے واسطے وہ جائز ہوتا ہے۔جو ان آنکھوں والوں کے واسطے نہیں ہوتا کیا اس کو نہیں دیکھا جاتا کہ علی مافی الشفاء حضرت امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس حضور کا اسم شریف لیا جاتا تو ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آپ جھک جاتے۔آپ کے جلساء کو یہ بات ناگوار گزرتی،ایک روز عرض کیا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں۔فرمایا:

لو رأیتم لما انکرتم علی ماترون [2]۔	اگر تم لوگ وہ کچھ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں تو پھر تم اس کارروائی پر انکار نہ کرتے جو مجھ سے دیکھتے ہو(ت)

اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پیشانی پر کچھ بال تھے اتنے بڑے بڑے کہ جب وہ ان کو بیٹھ کر کھول دیتے تھے تو زمین تک پہنچ جاتے تھے،ان سے کہا گیا:ان کو منڈا کیوں نہیں دیتے؟

[1] البوارق المحمدیہ باب اول در عقابہ نجدیہ مطبع سویل ملٹری اپر فنج ص ۴۶

[2] کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۳۶

فرمایا:

لم اکن بالذی احلقھا وقد مسھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدہ[1]۔	میں وہ نہیں ہوں جوان بالوں کو مونڈ ڈالوں کہ جن کو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ لگے ہیں۔(ت)

حالانکہ انحناء اور قزع کا حکم اہل علم پر ظاہر ہے اور حضرت کابس بن ربیعہ کی صورت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کے مشابہ تھی پس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خبر ہوئی آپ نے ان کو بلایا پس جب وہ ان کے گھر میں داخل ہوئے تو حضرت امیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے تخت سے اتر کر ان سے ملاقات کی اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور ایک گاؤں مرغاب نام ان کو دیا یہ سب حضور کی صورت مبارک کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کیا۔

باادب باعظمت انسان دیگر اند　　　　بے ادب ہم خشک مغزاں دیگر اند

(باادب عظمت وشرف والے انسان اور ہیں۔اور بے ادب خشک مغز رکھنے والے (انسان) اور ہیں۔ت)

پس زید کا یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (میں کہتاہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا۔ت) طواف لغۃً وعرفاً وشرعاً پھیرے کرنے کو کہتے ہیں عام ازیں کہ دو چیزوں کے درمیان آمد ورفت ہو جس میں ایک پھیرے کے مبدا ومنتہی متغائر ہوں گے یا ایک ہی چیز کے گرد جس میں دائرہ کی طرح مبداء ومنتہی ایک ہوگا، دونوں صورتوں کو لغت وعرف عرب نے طواف کہا اور دونوں کو شرع مطہر نے طواف مانا، صورت اولٰی صفا ومروہ کے درمیان سعی۔

قال اللہ تعالٰی "فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِ اَنۡ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جو صفا ومروہ کے درمیان چکر لگائے۔(ت)

اور صورت ثانیہ کعبہ معظّمہ کے گرد پھرنا۔

---

[1] کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامہ وتوقیرہ وبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۴۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۸

قال اللہ تعالٰی "وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو چاہئے کہ اس کے قدیم (آزاد) گھر کا طواف کریں۔ (ت)

حقیقت طواف اس قدر ہے۔ نیت وغایت کا اختلاف حقیقت کی تغییر نہیں کرتا کہ نیت وغایت رکن شے نہیں۔ آخر نہ دیکھا کہ ائمہ کرام نے نیت کو شرط نماز قرار دیا نہ کہ رکن نماز، اور غایت کا خروج تو غایت ظہور میں ہے۔ غرض پھیرے کرنا جہاں اور جس طرح اور جس نیت اور جس غرض سے ہو طواف ہی ہے۔ پھر فعل اختیاری کو تصور بروجہ مّا وتصدیق بفائدۃ مّا سے چارہ نہیں مگر فعل کبھی غایت اصلیہ تک آپ مؤدی ہوتا ہے کبھی دوسرے فعل مؤدی الی الغایۃ کا وسیلہ اول کو مقصود لذاتہٖ کہتے ہیں جیسے نماز اور دوم کو وسیلہ و مقصود لغیرہ جیسے وضو، طواف میں یہ دونوں صورتیں ہیں مثلاً گلگشت یعنی تفریح نفس وشم وروائح طیبہ و چستی بدن وتنسم ہوا کے لئے چمن کی روشوں میں ٹہلنا پھرنا خواہ وہ خطوط مستقیم پر ہو یا مثلاً کسی حوض کے گرد مستدیر یہاں طواف مقصود لذاتہٖ ہے یا مثلاً کسی شیئ کی تقسیم کو حلقہ یا صفوں پہ دورہ کرنا یہاں مقصود لغیرہٖ ہے۔ پھر طواف کی غایت مقصودہ تعظیم ہی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے غیر کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے امثلہ مذکورہ بلکہ توہین بلکہ تعذیب کے لئے جیسے ڈرل کہ یہاں آمد وشد کہ طواف ہے مقصود لذاتہٖ ہے اور نار سے حمیم، حمیم سے نار کی طرف کفار کے پھیرے کہ یہ طواف مقصود لغیرہ ہے اور دونوں تعذیب کے لئے ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: وہ دوزخی اس کے یعنی آگ اور گرم اور ابلتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے۔ (ت)

لاجرم طواف چار ۴ قسم ہے:

قسم اول: نہ طواف مقصود لذاتہٖ ہو نہ اس سے غرض وغایت نفس تعظیم بلکہ طواف کسی اور فعل کا وسیلہ ہو اور اس فعل سے کوئی اور حاجت مقصود جیسے سائلوں کا دروازوں پر گشت، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہمیشہ کاشانہ نبوت کا ایسا طواف فرمایا کرتے، ابوداؤد وابن ماجہ ودارمی ایاس بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۵۵/ ۴۴

لقد طاف بآل محمد نساء کثیر یشکون ازواجهن لیس اولئك بخیارکم[1]۔	آج کی رات بہت سی عورتوں نے ہماری بارگاہ اقدس کا طواف کیا کہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی تھیں وہ تم میں کے بہتر لوگ نہیں جو عورتوں کو ایذا دیتے ہیں۔

اور صحیح حدیث میں بلی کے نسبت فرمایا:

انہامن الطوافین علیکم والطوافات[2]۔	بیشک وہ ان نرومادہ میں ہے جو بکثرت تم پر طواف کرنے والے ہیں۔

قسم دوم: طواف مقصود لذاتہ ہو اور غایت غیر تعظیم، صحیح بخاری شریف میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے میرے والد عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بہت قرض اور تھوڑے خرمے چھوڑ کر شہید ہوئے میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور کو معلوم ہے کہ میرے باپ احد میں شہید ہوئے اور بہت قرض چھوڑ گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ حضور قدم رنجہ فرمائیں کہ قرضخواہ حضور کو دیکھیں یعنی شاید حضور کے خیال سے اپنے مطالبہ میں کمی کردیں، ارشاد فرمایا: جاؤ ہر قسم کے چھوہاروں کے الگ الگ ڈھیر لگاؤ، پھر تشریف فرما ہوئے۔ قرض خواہوں نے حضور کو دیکھا مجھ سے نہایت سخت تقاضے کرنے لگے کہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ کیا تھا یعنی ان کے خیال کے برعکس ہوا، حضور کے تشریف لے جانے سے قرض خواہ اپنا پلہ بھاری سمجھے کہ حضور ضرور ہمارا پورا حق دلادینگے۔ جب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ حال ملاحظہ فرمایا فطاف حول اعظمها بیدرا ثلث مرات ثم جلس علیه حضور نے ان میں سب میں بڑے ڈھیر کے گرد تین بار طواف فرمایا اور اس پر تشریف رکھی پھر ناپ کر انہیں دینا شروع فرمایا حتی ادی اللہ عن والدی امانته وسلم اللہ البیادر کلها[3] یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے میرے باپ کا سب قرض ادا کردیا اور سب ڈھیر سلامت بچ رہے۔

اسی قسم میں ہے عسس کا گرد شہر گشت کرنا ولہذا عسس کو عرب میں طائف کہتے ہیں۔ مفردات راغب میں ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی ضرب النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۲، سنن ابن ماجه کتاب النکاح باب القسمة بین النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۴

[2] جامع الترمذی کتاب الطهارة باب ماجاء فی سؤر الهرة امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴

[3] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قوله تعالٰی اذ همت طائفتان منکم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۰

منه الطائف لمن یدور حول البیوت حافظا[1]۔	اس سے (یعنی لفظ طواف سے) لفظ "طائف" ماخوذ ہے۔اور "طائف وہ ہے جو لوگوں کے گھروں کے آس پاس برائے حفاظت چکر لگاتا ہے۔(ت)

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ کا طواف فرمایا کرتے،ابن عساکر تاریخ میں اسلم مولٰی امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه طاف لیلة فاذا ھو بامرأۃ فی جوف دارلھا وحولھا صبیان یبکون۔ الحدیث۔یعنی امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک رات مدینہ طیبہ کا طواف کر رہے تھے دیکھا کہ ایک بی بی اپنے گھر میں بیٹھی ہیں اور ان کے بچے ان کے گرد رو رہے ہیں اور چولھے پر ایک دیگچی چڑھی ہے۔امیر المومنین قریب گئے اور فرمایا اے اللہ کی لونڈی ! یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ انھوں نے عرض کی: یہ بھوکے روتے ہیں۔فرمایا: تو اس دیگچی میں کیا ہے؟ میں نے ان کے بہلانے کو پانی بھر کر چڑھادی ہے کہ وہ سمجھیں اس میں کچھ پک رہا ہے۔اور انتظار میں سو جائیں۔امیر المؤمنین فوراً واپس آئے اور ایک بڑی بوری میں آٹا اور گھی اور چربی اور چھوہارے اور کپڑے اور روپے منہ تک بھرے پھر اپنے غلام اسلم سے فرمایا: یہ میری پیٹھ پر لاد دو۔اسلم کہتے ہیں میں نے عرض کی: یا امیر المومنین! میں اٹھا کر لے چلوں گا۔فرمایا: اے اسلم! بلکہ میں اٹھاؤں گا کہ اس کا سوال تو آخرت میں مجھ سے ہونا ہے پھر اپنی پشت مبارک پر اٹھا کر ان بی بی کے گھر تک لے گئے پھر دیگچی میں آٹا اور چربی اور چھوہارے چڑھا کر اپنے دست مبارک سے پکاتے رہے پھر پکا کر انھیں کھلایا کہ سب کا پیٹ بھر گیا۔پھر باہر صحن میں نکل کر ان بچوں کے سامنے ایسے بیٹھے جیسے جانور بیٹھتا ہے اور میں ہیبت کے سبب بات نہ کرسکا امیر المومنین یوں ہی بیٹھے رہے یہاں تک کہ بچے اس نئی نشست کو دیکھ کر امیر المومنین کے ساتھ کھیلنے اور ہنسنے لگے۔اب امیر المومنین واپس تشریف لائے اور فرمایا: اسلم! تم نے جانا کہ میں ان کے ساتھ یوں کیوں بیٹھا، میں نے عرض کی: نہ۔ فرمایا: میں نے انھیں روتے دیکھا تھا تو مجھے پسند نہ آیا کہ میں انھیں چھوڑ کر چلا جاؤں جب تک انھیں ہنسا نہ لوں جب وہ ہنس لئے تو میرا دل شاد ہوا۔ واخرجه[2] ایضا الدینوری فی المجالسة واحمد بن ابراھیم بن شاذان البزار فی مشیخته (نیز دینوری نے المجالسۃ میں اور

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن باب الطاء مع الواو کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۱۴

[2] کنز العمال برمز "کر" ابن عساکر وبحوالہ الدینور وابن شاذان حدیث ۳۵۹۷۸ موسستہ الرسالہ بیروت ۲/ ۶۴۹۔۶۴۸، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ذکر شفقتہ علی رعیتہ رضی اللہ تعالٰی چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۲/ ۳۸۵

احمد بن ابراہیم بن ساذان البزار نے مشیخۃ میں اس کی تخریج فرمائی۔ت) امام محب الدین طبری ریاض النضرہ پھر شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا میں مناقب امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لکھتے ہیں: انہ کان یطوف لیلۃ فی المدینۃ فسمع امراۃ تقول[1] یعنی امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک رات مدینہ طیبہ میں طواف کررہے تھے کہ ایک بی بی کو یوں کہتے سنا فذکر الحدیث (پھر پوری حدیث ذکر فرمائی۔ت)

قسم سوم: طواف وسیلہ مقصود ہو اور غرض وغایت تعظیم جیسے نوکر چاکر غلاموں کا اپنے مخدوم وآقا پر طواف اس کے کام خدمت کو اس کے گرد پھرنا۔

قال اللہ تعالٰی "طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ"[2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) تمھارے نوکر غلام تمھارے گرد بکثرت طواف کرنیوالے ہیں تین وقت ترک حجاب کے سوا ہر وقت اذن لینے میں انھیں حرج ہوگا۔

اور اہل جنت کے حق میں فرماتا ہے:

"یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ" [3]	ہمیشہ رہنے والے لڑکے ان کے گرد طواف کریں گے۔

اور فرماتا ہے:

"یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ" [4]	ان پر طواف کیا جائے گا پیالوں میں وہ پانی لے کر جو آنکھوں کے سامنے بہتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ" [5]	چاندی کے برتن اور کوزے لے کر ان پر طواف کیا جائے گا۔

اس میں وہ صورت بھی آتی ہے کہ طواف غیر کعبہ کا ہو اور غرض وغایت عبادت الٰہی، صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ذکر شفقتہ علی رعیتہ چشتی کتب خانہ فیصل آباد ص ۳۹۲، ازالۃ الخفاء حکایات گشت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۷۷

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۵۸

[3] القرآن الکریم ۵۶/ ۱۷

[4] القرآن الکریم ۳۷/ ۴۵

[5] القرآن الکریم ۷۶/ ۱۵

قال سلیمان لاطوفن اللیلة علی تسعین امرأة وفی روایة بمائة امرأة کلھن تاتی بفارس یجاھد فی سبیل اللہ فطاف علیھن [1] الحدیث۔	سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قسم ہے آج کی رات میں نوے اور ایک روایت میں سو عورتوں پر طواف کروں گا کہ ہر ایک سے ایک سوار پیدا ہوگا جو اللہ تعالٰی کی راہ میں جہاد کرے۔ پھر انھوں نے ان کا طواف کیا۔

صحیح مسلم شریف میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یطوف علی النساء بغسل واحد [2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک ہی غسل سے اپنی ازواج مطہرات پر طواف کرتے۔

اشباہ والنظائر ودرمختار میں ہے:

لیس لنا عبادة شرعت من عھد اٰدم الی الاٰن ثم تستمر فی الجنة الا النکاح والایمان [3]۔	ہمارے لئے کوئی عبادت ایسی نہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے اب تک مشروع ہے پھر ہمیشہ ہمیشہ جنت میں مشروع رہے گی مگر ایمان یعنی یادِ خدا اور نکاح یعنی جماع زوجہ۔

قسم چہارم: طواف بھی مقصود لذاتہ ہو اور غرض وغایت بھی تعظیم یعنی نہ طواف کسی اور فعل کے لئے وسیلہ ہو نہ اس سے سوائے تعظیم کچھ مقصود بلکہ نفس طواف سے محض تعظیم مقصود ہو۔ اسی کا نام طواف تعظیمی ہے جیسے طواف کعبہ یا طواف صفا ومروہ۔ پھر اوضاع بدن کہ عبادت میں مقرر کئے گئے ہیں تین نوع ہیں۔

ایک وہ کہ تعظیم میں منحصر ہے۔

اور دوسرے وہ کہ وسیلۃً ومقصوداً دونوں طرح پائے جاتے ہیں اور ان کی غایت تعظیم میں منحصر نہیں مگر بحال قصد تعظیم نوع اول سے قریب ہیں جیسے رکوع تک انحنا کہ بلا تعظیم بھی ہوتا ہے۔ بلکہ بقصد توہین بھی جیسے کسی کے مارنے کے لئے اینٹ وغیرہ اٹھانے کو جھکنا، اور تعظیم کے لئے بھی ہوتا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد ۱/ ۳۹۵ کتاب النکاح ۲/ ۷۸۸ وکتاب الایمان والنذور ۲/ ۹۸۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاستثناء فی الیمین وغیرہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۹

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب جواز نوم الجنب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۴

[3] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵

مگر نہ خود مقصود بلکہ وسیلہ جیسے علماء وصلحاء کی قدمبوسی وغیرہ خدمات کو جھکنا اور بذاتہٖ مقصود بھی ہوتا ہے جیسے سلام کرنے میں رکوع تک جھکنا۔

تیسرے وہ کہ نوع اول سے بعید ہیں جیسے قیام یا قعود یا رکوع سے کم جھکنا، ظاہر ہے کہ ان میں بھی نوع دوم کی طرح قصد و توسل وغایت مختلفہ کی سب صورتیں پائی جاتی ہیں۔

انواع ثلثہ میں حکم عام تو یہ ہے کہ اگر بہ نیت عبادت غیر ہے تو کچھ بھی ہو مطلقاً شرک وکفر ہے۔ اور بے نیت عبادت ہر گز شرک وکفر نہیں اگرچہ سجدہ ہی ہو جب تک کہ وہ فعل بخصوصہ شعار کفر نہ ہوگیا ہو، جیسے بت یا آفتاب کو سجدہ۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ ت) اور جب عبادت غیر کی نیت سے نہ ہو تو ان میں فرق احکام یہ ہے کہ نوع اول غیر خدا کے لئے مطلقاً ناجائز، اور نوع دوم اس وقت ممنوع ہے جبکہ مقصوداً اسی کو بہ نیت تعظیم بجالایا جائے، اور نوع سوم مطلقاً جائز ہے اگرچہ اس سے تعظیم مقصود ہو۔ اختیار شرح مختار وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں حاضری روضہ اقدس کی نسبت فرماتے ہیں: **یقف کما یقف فی الصلوٰۃ**[1] حضور کے روضہ انور میں نماز کی طرح کھڑا ہو، منسک متوسط ومسلک متقسط میں ہے:

(ثم توجه) ای بقلب والقالب مع رعایة غایة الادب فقام تجاه الوجه الشریف خاضعا خاشعا مع الذلة و الانکسار والهیبة والافتقار واضعا ریمینه علی شماله ای تأدبا فی حال اجلاله[2]۔	یعنی پھر نہایت ادب کی رعایت کے ساتھ روضہ اقدس کی طرف دل اور بدن دونوں سے منہ کرکے چہرہ انور کے مقابل خضوع وخشوع وذلت وانکسار اور حضوری کی ہیبت اور حضور کی طرف محتاجی کے ساتھ سیدھا ہاتھ بائیں پر حضور کے ادب وتعظیم کے لئے باندھے ہوئے کھڑا ہو۔

صحیح حدیث میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حضور کے سامنے ایسے بیٹھتے **کان علی رؤسھم الطیر**[3] گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں یعنی بے حس وحرکت کہ پرندے لکڑی سمجھ کر سر پر آبیٹھیں۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحج خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[2] المسلك المتقسط فی المنسلك المتوسط مع ارشاد الساری دار الکتب العربی بیروت ص ۳۳۷

[3] صحیح البخاری کتاب الجهاد باب فضل النفقة فی سبیل اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۸

شفاء شریف میں ہے:

کان مالك اذا ذکر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یتغیر لونه وینحنی حتی یصعب ذٰلك علی جلسائه [1]۔	سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سامنے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر پاک آتا ان کا رنگ بدل جاتا اور جھک جاتے یہاں تک کہ حاضران مجلس کو ان کی وہ حالت دشوار گزرتی۔

حدیقہ ندیہ میں ہے:

الانحناء البالغ حدالرکوع لایفعل لاحد کالسجود و لاباس بما نقص من حدالرکوع لمن یکرم من اهل الاسلام [2]۔	یعنی رکوع کی حد تک جھکنا کسی غیر خدا کے لئے نہ کیا جائے جیسے سجدہ اور دینی عزت والوں کے لئے رکوع سے کم جھکنے میں حرج نہیں۔

جب یہ امور سب معلوم ہولئے تو منجملہ اوضاع تعظیمیہ کہ رب عزوجل نے اپنی عبادات کے لئے مقرر فرمائے دونوں قسم کا طواف بھی ہے مستقیم جیسے صفاومروہ میں خواہ متدیر جیسے گرد کعبہ دونوں عبادت ہیں اور دونوں کو قرآن عظیم میں طواف فرمایا۔ توان میں فرق بے معنی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ طواف ان انواع ثلثہ سے کس نوع میں ہے۔ ہر عاقل کے نزدیک بدیہیات سے ہے کہ وہ مثل سجود نوع اول سے نہیں ورنہ سجدہ غیر کی طرح مطلقاً حرام ہوتا حالانکہ اس کی تین قسم اول کا جواز و وقوع ہم قرآن عظیم وحدیث کریم وخود فعل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کرآئے نہ ہر گز وہ مثل قیام نوع سوم سے ہے ورنہ ہر شخص ومکان معظم کا طواف تعظیمی جائز ہوتا بلکہ وہ مثل رکوع نوع متوسط سے ہے کہ اگر نفس طواف سے تعظیم مقصود ہو تو غیر خدا کے لئے ناجائز بلکہ غیر کعبہ وصفاومروہ کا طواف اگرچہ خالصاﷲ عزوجل ہی کی تعظیم کو کیا جائے، ممنوع وبدعت ہے کہ نفس طواف سے تعظیم امر تعبدی اور امر تعبدی میں قیاس تک جائز نہیں۔ نہ کہ احداث کہ تشریع جدید ہے۔ منسک متوسط میں ہے:

ولایمس عند الزیارۃ الجدار ولایلتصق به ولا یطوف ولایقبل الارض فانه	زیارت روضہ اقدس کے وقت دیواروں کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ ان سے چمٹے اورنہ ان کے آس پاس طواف کرے (یعنی چکر لگائے) اور نہ جُھکے

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی عادۃ الصحابه المطبعة الشرکة الصحافیة ۲/ ۳

[2] الحدیقه الندیه الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۷ ۵۴

بدعۃ[1]۔	اور نہ زمین چومے، کیونکہ یہ کام بدعت ہے۔(ت)

مسلک متقسط میں ہے:

لایطوف ای لایدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء[2]۔	اور متبرک مقام کا طواف نہ کرے یعنی اس کے گرداگرد نہ گھومے، اس لئے کہ طواف کرنا کعبہ معظّمہ کی خصوصیات سے ہے۔ لہٰذا انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی قبروں کے آس پاس گھومنا(طواف کرنا) حرام ہے۔(ت)

اور اگر غرض وغایت تعظیم نہ ہو اگرچہ طواف مقصد لذاتہ ہو جیسے قسم دوم میں۔ یا طواف مقصود لذاتہ نہ ہو اگرچہ غرض تعظیم ہو جیسے قسم سوم میں، تو بلاشبہ جائز ہے۔ اور اگر دونوں سے خالی طواف ہو جیسے قسم اول میں تو یہ بدرجہ اولیٰ۔ یہ بحمداللہ تحقیق ناصح ہے۔ جس سے حق متجاوز نہیں۔ وللہ الحمد طواف قبر بھی اس کلیہ سے باہر نہیں ہوسکتا اگر دونوں باتیں جمع ہیں یعنی طواف خود مقصود بالذات ہے اور اس سے تعظیم ہی مراد ہے تو بلاشبہہ حرام ہے۔ اور اگر طواف کسی اور فعل کا وسیلہ ہے مگر مکان مزار کے گرد قلعی کرنا یا فانوس کہ اس کے اطراف میں نصب ہیں ان کی روشنی کے لئے دورہ کرنا یا مساکین کہ گرد مزار بیٹھے ہیں ان پر کچھ تقسیم کے لئے پھیرا کرنا، یہ بلاشبہہ جائز ہے۔ یونہی اگر طواف مقصود بالذات ہو مگر اس سے غرض وغایت تعظیم مزار نہ ہو بلکہ مثلاً محض تبرک واستفادہ ہو تو اس کے منع پر بھی شرع سے کوئی دلیل نہیں۔ مزار انور حضور سید اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تو ثابت ہے کہ روزانہ صبح کو ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور مزار اطہر کے گرد حلقہ باندھے صلوٰۃ وسلام عرض کرتے شام کو وہ بدل دئے جاتے ہیں اور ستر ہزار اور آتے ہیں کہ صبح تک ماہ رسالت پر ہالہ ہو کر عرض صلوٰۃ وسلام کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است (ہر پھول کا ایک نیا رنگ اور جداگانہ خوشبو ہے۔ت) محبوبان خدا کے مقام متفاوت ہوتے ہیں اور افاضہ برکات میں ان کے احوال مختلف اور مفیض مستفیض میں کچھ نسبت خفیہ ہوتی ہے جو اسے معلوم نہیں کہ ان میں کس کے ساتھ حاصل ہے لہٰذا یہ دریوزہ گر محتاج روضہ اطہر کے گرد دورہ کرتا ہے اس امید پر کہ ان بندگان معصومین پر فردافردا گزرے اور ان میں سے جس کسی کی نظر اس پر پڑ جائے اس کا کام بنادے، علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدی شیخ الشیوخ شہاب الملۃ والحق والدین سہروردی قدسنا اللہ الکریم ایام منٰی

---

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتب العربی بیروت ص ۳۴۲

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتب العربی بیروت ص ۳۴۲

میں مسجد خیف شریف میں صفوں پر دورہ فرماتے ہیں۔ کسی نے وجہ پوچھی، فرمایا:

ان للہ عبادا اذا نظروا الی احد اکسبوہ سعادۃ الابد [1]۔	اللہ کے کچھ بندے ہیں کہ جب ان کی نگاہ کسی پر پڑجاتی ہے اسے ہمیشہ کی سعادت عطا فرماتی ہے میں اس نگاہ کی تلاش میں دورہ کرتا ہوں۔

تو یہ تعرض نفحات رحمۃ اللہ ہوا جس کا خود حدیث میں حکم ہے۔ اولیائے کرام وارثان سرکار رسالت ہیں ممکن کہ ملائکہ انکے مزارات کے گرد بھی ہوں اور ایسے امور میں علم درکار نہیں۔ تعرض نفحات کی شان ہی یہ ہے کہ شاید ولعل پر ہو۔ معہذا مزارات اولیائے کرام ہر جانب سے ممر اقدام صلحائے عظام ہوتے ہیں، سیدنا عیسٰی علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کی گئی کہ حضور ایک جگہ قیام کیوں نہیں فرماتے، شہروں شہروں جنگلوں جنگلوں دورے کیوں فرماتے ہیں؟ فرمایا: "اس امید پر کہ کسی بندہ خدا کے نشان قدم پر قدم پڑ جائے تو میری نجات ہوجائے" جب نبی اللہ ورسول اللہ کہ خمسہ اولوالعزم میں ہیں کہ صلوات اللہ وسلام علیہم، ان کا یہ ارشاد تو اضع ہے تو ہم سخت محتاج ہیں علاوہ بریں یہاں تک نکتہ دقیقہ اور ہے۔ "وَمَا یُلَقّٰہَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾" [2] (اس کو بڑی قسمت اور مقتدر والے ہی پاسکتے ہیں۔ت) شریعت مطہرہ نے انسان کے سر سے پاؤں تک جمیع جہات میں جدا جدا احکام رکھے ہیں، چہرہ پر جو احکام ہیں پاؤں پر نہیں۔ دہنے ہاتھ پر جو احکام ہیں پاؤں پر نہیں۔ وعلی ہذا القیاس اور احکام مختلفہ کے ثواب بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ یونہی سر سے پاؤں تک جملہ جوارح میں معاصی جدا جدا ہیں۔ اور ہر معصیت ایک جداگانہ رنگ کا مرض ہے۔ اور ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے ہے۔ تو یہ مریض معاصی اس سراپا مجموعہ برکات کے گرد دورہ کرتا ہے کہ اس کے ہر عضو وہر جہت کی رنگ برنگ برکات سے فیض اور اپنے ہر عضو وہر جہت کا مرض دور کرے، امام مبرد کامل میں پھر امام علامہ عارف باللہ کمال الدین دمیری پھر سیدی علامہ محمد بن عبداللہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

مما کفر بہ الفقہاء الحجاج انہ رأی الناس یطفون حول حجرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ	یعنی حجاج نے مسلمانوں کو دیکھ کر روضہ انور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف کررہے ہیں اس طواف سے اس نے ایک

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۵

وسلم فقال انما یطوفون باعواد ورمة [1]۔	نہایت ملعون لفظ کہا جس پر فقہاء کرام نے اس کی تکفیر کی۔

وہ زمانہ بکثرت صحابہ کرام کی رونق افروز کا تھا خصوصا مدینہ طیبہ میں تو یہ طواف کرنے والے حضرات اگر صحابہ کرام نہ تھے لا اقل تابعین تھے۔عارف باللہ حضرت مولوی قدس اللہ سرہ المعنوی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

(۱) سوئے مکہ شیخ امت بایزید — از برائے حج وعمرہ می روید
(۲) دید پیرے باقدے ہمچوں ہلال — بود دروے فرد گفتاری رجال۔
(۳) بایزید او راچو از اقطاب یافت — مسکنت بنمود ودر خدمت شتافت
(۴) گفت عزم تو کجا اے بایزید — رخت غربت راکجا خواہی کشید
(۵) گفت قصہ کعبہ دارم از ولہ — گفت ہین باخود چہ داری زادرہ
(۶) گفت دارم از درم نقرہ ویست نک بہ — بستہ سخت بر گوشہ رویست
(۷) گفت طوفے کن بہ گردم ہفت بار — دین نکوتر از طواف حج شمار
(۸) حق آں حقے کہ جانت دیدہ است — کہ مرا بر بیت خود بگزیدہ است
(۹) کعبہ ہر چندے کہ خانہ بر اوست — خلقت من نیز خانہ سر اوست
(۱۰) تابکرد آں خانہ را در وے نہ رفت — واندریں خانہ بجز آں حی نرفت
(۱۱) چوں مرا دیدی خدا را دیدہ — گرد کعبہ صدق بر گردیدہ
(۱۲) خدمت من طاعت حمد خداست — تانہ پنداری کہ حق از من جداست
(۱۳) چشم نیکوں باز کن در من نگر — تابہ بینی نور حق اندر بشر
(۱۴) کعبہ را یکبار بیتے گفت یار — گفت یا عبدی مرا ہفتاد بار
(۱۵) بایزیدا کعبہ را در یافتی — صد بہاء وعزیز وصد فر یافتی
(۱۶) بایزید آں نکتہا را ہوش داشت — ہمچو زریں حلقہ اش در گوش داشت
(۱۷) آمد از وے بایزید اندر مزید — منتہی در منتہی آخر رسید [2]

[1] الشرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ

[2] مثنوی معنوی دفتر دوم باب رفتن بایزید بسطامی بہ کعبہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۵۴۔۵۵

(ترجمہ اشعار:

(۱) لوگوں کے پیشوا حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالٰی مکہ معظّمہ کی جانب حج اور عمرہ کے ارادے سے تیز چلے۔

(۲) (راہ میں) نئے چاند کی طرح ایک کُبڑا بزرگ دیکھا اس میں شان وشوکت (دبدبہ) اور مردوں جیسی گفتگو پائی۔

(۳) جب حضرت بایزید نے اسے اقطاب زمانہ میں سے پایا تو عجز وانکساری کا اظہار کرکے اس کی خدمت کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔

(۴) اس نے فرمایا: اے بایزید! کہاں جانے کا ارادہ ہے تونے کہاں جانے کے لئے سامان سفر اختیار کیا ہے۔

(۵) حضرت بایزید نے انھیں جواب دیا کہ آج بڑے شوق سے کعبہ شریف کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے۔ پھر فرمایا وہاں تو اپنے ساتھ کیا زادراہ رکھتا ہے۔

(۶) عرض کی: میں چاندی کے دو سو درھم اپنے پاس رکھتا ہوں، میں نے اپنی چادر کے ایک کونے میں انھیں مضبوط باندھ رکھا ہے۔

(۷) انھوں نے فرمایا: توسات مرتبہ میرے گردا گرد طواف کر (یعنی چکر لگا) اور پھر طواف حج سے اسے زیادہ بہتر شمار کر۔

(۸) درحقیقت وہ حق ہے جو تیری جان نے دیکھا ہے کہ اس نے مجھے اپنے گھر پر فضیلت اور فوقیت بخشی ہے۔

(۹) اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ کعبہ شریف اس کی بھلائیوں کا گھر (مرکز) ہے لیکن میری تخلیق تو اس کے اندرون خانہ سے ہوئی ہے۔

(۱۰) جب وہ گھر بنایا تو اس کا چکر نہ لگایا، اور اس گھر میں بغیر اس زندہ جاوید کے کوئی دوسرا نہیں آیا۔

(۱۱) جب تونے مجھے دیکھا تو اللہ تعالٰی کو دیکھا، گویا تونے سچائی کے کعبہ کے آس پاس پھیرے لگائے۔

(۱۲) میری خدمت کرنا دراصل اللہ تعالٰی کی اطاعت اور تعریف ہے۔ لہٰذا یہ نہ سمجھنا کہ حق مجھ سے جدا ہے۔

(۱۳) اچھی طرح آنکھ کھول کر مجھے دیکھ تاکہ توانسانی لباس میں نور حق دیکھے۔

(۱۴) کعبہ شریف کو ایک دفعہ یار نے اپنا گھر فرمایا لیکن اس نے ستر مرتبہ مجھے "اے میرے بندے" کہہ کر بلایا۔

(۱۵) اے بایزید! اگر تو نے کعبہ شریف کو پالیا تو یوں سمجھ لیجئے کہ تو نے سیکڑوں عزت و شوکت اور مرتبے کو پالیا۔

(۱۶) جب وہ باریک باتیں حضرت بایزید کے عقل وہوش میں بیٹھ گئیں تو گویا انھوں نے سنہری بالی اپنے کان میں ڈال لی۔

(۱۷) ان کی زیارت سے حضرت بایزید میں معرفت کا اضافہ ہوگیا اور سلوک میں انتہائی طالب اپنے مدعا کی انتہا کو پہنچ گیا)

جناب شاہ ولی اللہ صاحب انتباہ میں فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں اپنا خلف ناخلف اسمٰعیل دہلوی کی جان پر قہر کی بجلیاں توڑنے کو فرماتے ہیں:

چوں بمقبرہ در آید دوگانہ بروح آں بزرگوار ادا کند بعدہ قبلہ راپشت دادہ بنشیند بعد قل گوید پس فاتحہ بخواند بعدہ ہفت کرت طواف کند وآغاز از راست بکند بعدہ طرف پایان رخسارہ نہد وبیاید نزدیک روئے میت بہ نشیند وبگوید یارب بست ویک بار بعد طرف آسماں بگوید یاروح و دردل ضرب کند یاروح الروح مادام کہ انشراح یابد ایں ذکر بکند ان شاء اللہ تعالٰی کشف قبور وکشف ارواح حاصل آید[1]۔	پھر جب مقبرہ کے پاس آئے تو دورکعت نوافل اس بزرگ کی روح اقدس کے ایصال ثواب کے لئے ادا کرے۔ اور کعبہ شریف کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھ جائے، پھر سورۃ اخلاص پڑھے پھر فاتحہ پڑھے پھر سات چکر (طواف) بزرگ کے مزار کے گرداگرد لگائے، دائیں طرف سے شروع کرے، پھر بائیں طرف اپنا رخسار رکھے اور میت کے منہ کے نزدیک ہو کر پھر منہ کے نزدیک ہو کر بیٹھے پھر اکیس مرتبہ یارب کا ورد کرے پھر آسمان کی طرف منہ کرکے "یاروح" پڑھے اور اپنے دل پر "یاروح الروح" کی ضرب لگائے جب تک انشراح نہ ہو یہ ذکر کرتا رہے ان شاء اللہ تعالٰی کشف قبور اور کشف ارواح یہ دونوں حاصل ہوجائیں گے۔ (ت)

تحفۃ الموحدین شاہ صاحب کی کتاب نہیں بہت قریب زمانہ میں کسی وہابی صاحب نے شاہ صاحب

[1] الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ذکر برائے کشف قبور آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۰۰۔۹۹

کی تصانیف مشہورہ کے رد کو کچھ الٹی سیدھی تکیں جوڑ کر وہابیوں کے ادعائی نام موحد کی طرف اسے نسبت کرکے تحفۃ الموحدین نام رکھا اور بکمال بے ایمانی شاہ صاحب کی طرف منسوب کردیا، بے حیا گمراہ لوگ ایسی اکثر کرچکے ہیں جس کا بیان شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ کی تحفہ اثناعشرہ وغیرہ میں ہے۔ کہ ابھی قریب زمانہ میں بمبئی میں ایک عربی کتاب بنام عقائد امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ چھپی ہے۔ اس میں بھی یہی کارروائی ہے کم کوئی شیطانی عقیدہ چھوڑا ہوگا جسے اس امام الاسلام سیف السنہ کی طرف نسبت نہ کیا ہو "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴿۲۲۷﴾"[1] (بہت جلد ظالموں کو معلوم ہوجائے گا کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) بالجملہ اگر طواف مقصود بالذات نہیں جب تو جواز ظاہر ہے اور اگر مقصود بالذات ہے تو صرف فرق نیات ہے اگر بہ نیت تعظیم قبر ہے تو بلاشبہہ حرام ہے اور تبرک واستفاضہ وغیرہما نیات محمودہ سے ہے تو فی نفسہ اس میں حرج نہیں اور یہ ٹھہرالینا کہ اس میں مسلمان کی نیت طواف سے تعظیم قبر ہے قلب پر حکم ہے اور یہ غیب کا ادعا اور محض حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾[2] "وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمھیں علم نہیں یقیناً کان، آنکھ اور دل ان سب سے پوچھا جائے گا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کیا تو نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا کہ تجھے معلوم ہوجاتا۔ (ت)

یہ بدگمانی ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام۔

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[4] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[5]۔	(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ کچھ گمان گناہ ہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) بدگمانی سے بچو کیونکہ گمان کرنا سب سے جھوٹی بات ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب علی مایقاتل المشرکون آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۵۵

[4] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[5] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول عزوجل من بعد وصیۃ یوصی بہا اودین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

ائمہ دین فرماتے ہیں:

الظن الخبیث انما ینشؤ عن قلب الخبیث [1]۔	خبیث گمان خبیث دل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔(ت)

مگر حضرات وہابیہ سے کیا شکایت کہ وہ حضرت مولوی اور حضرت سید العارفین بایزید بسطامی اور ان غوث گرامی سب کو جیسا دل میں جانتے ہیں معلوم وہ توان تابعین پر بھی حکم شرک ہی لگائیں گے جنھوں نے روضہ انور کا طواف کیا، مگر شاہ ولی اللہ صاحب کا معاملہ ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ ع

پتھر کے تلے دبا ہے دامن

شاہ صاحب یہاں محض سکوت نہیں کر رہے ہیں بلکہ مریدین ومستفیدین کو تعلیم فرمارہے ہیں اور اگراسے بھی اوڑھ لیجئے کہ اس وقت شاہ صاحب کو تعلیم حرام ہی کا کچھ ذوق تھا تو ذرا تقویۃ الایمان کی گولی بچاتے ہوئے کہ نرا حرام ہی نہیں بلکہ شرک سکھارہے ہیں اور اس پر بڑی بشاشت سے فرمارہے ہیں کہ یوں کروتوان شاء اللہ تعالٰی یہ حاصل ہوجائے گا، عاقل تو جانتا ہے کہ کسی مکروہ وناگوار بات پر بھی ایسا نہیں کہا جاتا نہ کہ شرک وکفر، دھرم سے کہنا اگر دھرم رکھاتے ہو کہ کیا شاہ صاحب یہ لکھ سکتے تھے کہ اے مریدو عزیزو! روز صبح کو مندر میں جاکر سات دفعہ مہادیوجی ڈنڈوت کرو توان شاء اللہ تعالٰی تین تلوک کھل جائیں گے۔ تقویۃ الایمان کے حکم پر شاہ صاحب کے اس کلام اور اس قول کے حکم میں کیا فرق ہوسکتا ہے۔ہاں یہ امر ضرور قابل لحاظ ہے کہ یہاں نیت جائز ونیت حرام ایسی متقارب ہیں جیسے آنکھ کی سیاہی سے سپیدی تو عوام کے لئے اس میں ہرگز خیر نہیں اور خواص میں سے جو ایسا کرنا چاہے ہرگز عوام کے سامنے نہ کرے۔ ہر سخن وقتے وہر نکتہ مقامے وارد (ہر بات کا وقت ہے اور ہر نکتے کا محل ہے۔ت) یہ بحمداللہ تعالٰی تحقیق حکم ہے اور احتراز واحتیاط ہر طرح اسلم ہے۔وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔ (اور اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے حصول توفیق ہے۔اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ت)

مسئلہ ۱۵۳و۱۵۴: مسئولہ سید محمد میاں ۱۷شوال المکرم ۱۳۳۶ھ

حضرت مولانا صاحب معظم مکرم دامت برکاتہم العالیہ پس از تسلیم مع التعظیم والتکریم معروض کل جو فتوٰی جناب سے لایا تھا اس کے متعلق بعض امور دریافت طلب رہے:

(۱) جناب فرماتے ہیں کہ نفس طواف سے تعظیم امر تعبدی ہے۔امر تعبدی سے یہاں کیا مراد ہے اور پھر اس تعظیم سے امر تعبدی ہونے کا کیا ثبوت ہے۔؟

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۲۹۰۱ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۲

(۲) تعظیم سے مراد مطلق تعظیم ہے تو تعظیم قبر کے تعبدی ہونے کا ثبوت درکار ہے اور تعظیم الٰہی مراد ہے تو اس کے تعبدی ہونے سے تعظیم قبر کے لئے طواف کیسے ممنوع وبدعت ٹھہرے گا۔امید کہ جواب باصواب سے ممتاز فرمائیں۔والتسلیم مع التکریم زیادہ ادب۔

الجواب:

حضرت والا! آداب۔ میرے اس بیان میں دو دعوے ہیں: ایک یہ کہ طواف تعظیمی غیر خدا کے لئے حرام ہے۔دوسرے یہ کہ حضرت عزت کے لئے بھی اگر کعبہ معظّمہ وصفاومروہ کے سوا کوئی اور طواف مقرر کیا تو ناجائز ہے۔اول کا ثبوت عبارات منسک ومسلک میں اور دوم کا یہ بیان کہ تعظیم الٰہی کا بطواف امکنہ امر تعبدی غیر معقول المعنی ہے جس کی تصریح ائمہ نے فرمائی ہے کہ افعال حج تعبدی ہیں۔امید کرتا ہوں کہ اس گزارش سے دونوں سوالوں کا حل ہوگیا۔فقط۔

مسئلہ ۱۵۵: مسئولہ محمد میاں قادری از مارہرہ ۲۰ شوال ۱۳۳۶ھ

حضرت مولانا المعظم المکرم دامت برکاتہم العالیہ پس از سلام مسنونہ معروض درباره مسئلہ طواف تعظیمی قبر میں بعض اہل لاہور کہتے ہیں کہ جب تعظیم قبر ایک امر جائز کم از کم ہے تو وہ ہیئت اور صورت کے لحاظ سے اپنے اطلاق پر رہنا چاہئے جب تک کہ شرع سے کسی خاص میں کوئی تقیید نہ آئے اور صورت طواف میں بھی مسلک ومنسک کے مصنفین کے منع کرنے کو وہ کافی نہیں سمجھتے اس کی کفایت یا اور کافی سند مذہب کی زیادت کی ضرورت ہے جناب ارشاد فرمائیں۔ فقیر محمد میاں قادری

الجواب:

حضرت والا التسلیم، یا کتاب نامعتمد ہو یا اسے معتمد تر کتب میں اس کا خلاف مصرح ہو ورنہ کتب امام محمد یا مسندات کے سوا تمام متون وشروح وفتاوٰی ردی ہوجائیں گے۔منسک ومسلک ضرور کتب معتمدہ ہیں اور ان کے مصنفین اپنا اجتہاد نہیں لکھتے، بلکہ مذہب کتب مذہب میں اس کا خلاف کس کس نے کیا، اور نہیں تو وجہ رد کیا ہے۔فقط۔

مسئلہ ۱۵۶: مسئولہ مولوی عبدالحمید صاحب از بنارس محلّہ پتراکنڈہ تالاب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ہمارے سنی حنفی علماء کثرھم اللہ تعالٰی وابقاھم الی یوم الجزاء (اللہ تعالٰی انھیں زیادہ کرے اور قیامت کے دن تک انھیں باقی رکھے۔ت) اس میں کیا فرماتے ہیں کہ خالد نے زید سے سوال کیا کہ کسی ولی کی قبر شریف کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ زید نے جواب دیا اس میں علماء کا اختلاف ہے۔بعضے ناجائز فرماتے ہیں بعضے جائز کہتے ہیں لیکن جواز ان کا قولاً وفعلاً بہت سے اکابر سے منقول ہے ___

مطالب المومنین میں ہے کہ بسند جید وارد ہے۔ کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ جب شام سے مزار اقدس کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو روتے تھے اور اپنے چہرہ مبارک کو لٹاتے اعنی مزار قدس سے ملتے تھے۔ اور مسند امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ میں ہے کہ ایک روز مروان نے ایک شخص کو مزار اقدس پر منہ رکھے ہوئے دیکھا تو کہا کہ اے شخص، تو جانتا ہے کہ کیا کرتا ہے۔ تو پھر نزدیک آکر دیکھا تو ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے۔

خلاصۃ الوفا میں ہے کہ حضرت امام بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص تبرکا منبر شریف کو بوسہ دے اور ہاتھ لگائے مزار اقدس کے ساتھ بھی ثواب کی امید پر ایسا ہی کرے تو فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لابأس بتقبیل قبر والدیہ [1]۔	اپنے والدین کے قبر کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ت)

اور عینی شرح بخاری میں ہے:

ان تقبیل الاماکن الشریفۃ علی قصد التبرك وکذلك تقبیل ایدی الصالحین وارجلھم فھو حسن محمود باعتبار القصد والنیۃ [2]۔	شریف مقامات کو چومنا بشرطیکہ تبرک کے ارادے سے ہو اور اسی طرح نیک لوگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا اچھا اور قابل تعریف کام ہے بشرطیکہ اچھے ارادے اور نیت سے ہو۔ (ت)

اور شاہ عبدالعزیز صاحب کا اپنے باپ دادا کی قبروں کو بوسہ دینا بوارق محمدیہ میں منقول ہے۔

باقی رہا عدم جواز سو بعضے اس کی علت اس کا عادت نصارٰی سے ہونا بتاتے ہیں اور بعضے اس کا مسنون ہونا فرماتے ہیں، سو پہلی بات میں تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ شرعی ہے جب ہمارے اور غیر کے درمیان کسی امر میں کچھ فرق ہوگیا تو حکم تشبہ باطل ہوتا ہے۔ تنہا عاشورے کے روز نیز روز شنبہ کے روزے کا مکروہ ہونا اور نویں یا گیارھویں اور جمعہ یا یکشنبہ کا ملادینے سے بلاکراہت جائز ہونا اسی طرح اہل مصیبت کے لوگوں کی تعزیت کے لئے آنے کی غرض سے گھر کے دروازے پر بیٹھنے کا مکروہ ہونا اور گھر کے اندر بیٹھنے کا بلاکراہت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب ماذکر فی الحجر الاسود ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۹/ ۲۴۱

جائز ہونا کتب فقہ میں مصرح ہے پس کسی ولی کے مزار شریف کو صرف بوسہ دے کے چلا آنا بعجلت مذکورہ مکروہ ہوگا اور جب سلام بھی عرض کیا اور بوسہ بھی دیا اور آنکھوں سے بھی لگایا اور فاتحہ بھی پڑھی تو بلا کراہت جائز ہوگا، اور دوسری بات میں یہ کہ کسی امر کے غیر مسنون ہونے کو اس کا حرام یا مکروہ ہونا لازم نہیں۔ دیکھئے مثلاً نماز کی نیت کے ساتھ تلفظ باجودیکہ علی ماقال الشرنبلالی فی حاشیۃ علی الدرر الغرر ورنہ حضور سے نہ صحابہ کرام سے نہ تابعین سے نہ ائمہ اربعہ سے کسی سے منقول نہیں مگر فقہاء اس کو مستحب فرماتے ہیں پس زید کا یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

فی الواقع بوسہ قبر میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ایک امر ہے دو چیزوں داعی و مانع کے درمیان دائر، داعی محبت ہے اور مانع ادب، تو جسے غلبہ محبت ہو اس سے مواخذہ نہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت ہے اور عوام کے لئے منع ہی احوط ہے۔ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مزار کا بر سے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو پھر تقبیل کی کیا سبیل۔ عالم مدینہ علامہ سید نور الدین سمہودی قدس اللہ سرہ خلاصۃ الوفا شریف میں جدار مزار انور کے لمس و تقبیل و طواف سے ممانعت کے اقوال نقل کرکے فرماتے ہیں:

وکتاب العلل والسؤالات لعبداللہ بن احمد بن حنبل سألت ابی عن الرجل یمس منبر رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم ویتبرك بمسہ ویقبلہ ویفعل بالقبر مثل ذٰلك رجاء ثواب اللہ تعالٰی فقال لابأس بہ[1]۔

یعنی احمد بن حنبل کے صاحبزادے فرماتے ہیں میں نے باپ سے پوچھا کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر کو چھوئے اور بوسہ دے اور ثواب الٰہی کی امید پر ایسا ہی قبر شریف کے ساتھ کرے۔ فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

امام اجل تقی الملۃ والدین علی ابن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی شفاء السقام پھر سید نور الدین خلاصۃ الوفاء میں بروایۃ یحیٰی بن الحسن عن عمر بن خالد عن ابی نباتۃ عن کثیر بن یزید عن المطلب بن عبداللہ بن حنطب ذکر فرماتے ہیں کہ مروان نے ایک صاحب کو دیکھا مزار اعطر سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لپٹے ہوئے ہیں قبر شریف پر اپنا منہ رکھے ہیں مروان نے ان کی گردن پکڑ کر کہا جانتے ہو یہ تم کیا کر رہے ہیں انھوں نے اس کی طرف منہ کیا اور فرمایا: **نعم اُتی لم اٰت الحجر انما جئت رسول اللہ صلی اللہ**

---

[1] وفاء الوفاء الفصل الرابع باب مایلزم الزائر من الادب الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۴

تعالٰی علیہ وسلم ہاں میں پتھر کے پاس نہ آیا میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لاتبکوا علی الدین اذا ولیہ اھلہ ولکن ابکوا علی الدین اذا ولیہ غیر اھلہ[1]۔ دین پر نہ روجب اس کا والی اس کا اہل ہو ہاں دین پر روجب نااہل اس کا والی ہو۔ سید قدس سرہ فرماتے ہیں: رواہ احمد بسند حسن امام احمد نے یہ حدیث بسند حسن روایت فرمائی۔ نیز فرماتے ہیں:

روی ابن عساکر بسند جید عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ ان بلالا رای فی منامہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو یقول لہ ماھذہ الجفوۃ یا بلال اما ان لك ان تزورنی فانتبہ حزینا خائفا فرکب راحلتہ وقصد المدینۃ فاتی قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ[2]۔	یعنی ابن عساکر نے بسند صحیح ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ شام کو چلے گئے تھے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان سے فرماتے ہیں یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہ آیا کہ تو ہماری زیارت کو حاضر ہو، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ غمگین اور ڈرتے ہوئے جاگے اور بقصد زیارت اقدس سوار ہوئے، مزار پر انوار پر حاضر ہو کر رونا شروع کیا اور اپنا منہ قبر شریف پر ملتے تھے۔

امام حافظ عبدالغنی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں:

لیس الاعتماد فی السفر للزیارۃ علی مجرد منامہ بل علی فعلہ ذٰلك والصحابۃ متوفرون ولم تخف علیھم القصۃ[3]۔	یعنی زیارت اقدس کے لئے شدالرحال کرنے میں ہم فقط خواب پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس پر کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم بکثرت موجود تھے اور انھیں معلوم ہوا کسی نے اس پر انکار نہ فرمایا۔

عالم مدینہ فرماتے ہیں:

[1] شفاء السقام ابواب السابع الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۵۲، وفاء الوفاء الباب الثامن الفصل الثانی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۹

[2] وفاء الوفاء الباب الثامن الفصل الثانی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۶

[3] وفاء الوفاء الباب الثامن الفصل الثانی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۷

ذکر الخطیب بن حملة ان بلالا رضی الله تعالٰی عنه وضع خدیه علی القبر الشریف وان ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما کان یضع یده الیمین علیه ثم قال ولا شك ان الاستغراق فی المحبة یحمل علی الاذن فی ذٰلك والقصد به التعظیم والناس تختلف مراتبهم کما فی الحیوة فمنهم من لایملك نفسه بل یبادر الیه ومنهم من فیه اناة فیتاخر [1] اھ ملخصا۔ونقل عن ابن الصیف والمحب الطبری جواز تقبیل قبور الصالحین وعن اسمعیل التیمی قال کان ابن المنکدر یصیبه الصمات فکان یقوم فیضع خده علی قبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعوتب فی ذٰلك فقال استشفیت بقبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم [2]۔	یعنی خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر انور پر اپنے دونوں رخسارے رکھے اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنا داہنا ہاتھ اس پر رکھتے پھر کہا شک نہیں کہ محبت میں استغراق اس میں اذن پر باعث ہوتا ہے اور اس سے مقصود تعظیم ہے اور لوگوں کے مرتبے مختلف ہیں جیسے زندگی میں تو کوئی بے اختیارانہ اس کی طرف سبقت کرتا ہے اور کسی میں تحمل ہے وہ پیچھے رہتا ہے۔اور ابن الصیف اور امام محب الطبری سے نقل کیا کہ مزارات اولیاء کو بوسہ دینا جائز ہے۔اور اسمٰعیل تیمی سے نقل کیا کہ ابن المنکدر تابعی کو ایک مرض لاحق ہوتا کہ کلام دشوار ہو جاتا تو وہ کھڑے ہوتے اور اپنا رخسارہ قبر انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر رکھتے، کسی نے اس پر اعتراض کیا،فرمایا: میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار اقدس سے شفا حاصل کرتا ہوں،

علامہ شیخ عبدالقادر فاکہی مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب مستطاب حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل میں فرماتے ہیں:

تمریغ الوجه والخد واللحیة بتراب الحضرة الشریفة واعتابها فی زمن الخلوة المأمومن فیها توهم عامی محذورا شرعیا بسببه امر محبوب حسن لطلابها وامر لابأس به فیما یظهر لکن لمن کان له فی ذٰلك قصد صالح	یعنی خلوت میں جہاں اس کا اندیشہ نہ ہو کہ کسی جاہل کا وہم اس کے سبب کسی ناجائز شرعی کی طرف جائیگا ایسے وقت بارگاہ اقدس کی مٹی اور آستانے پر اپنا منہ اور رخسارہ اور داڑھی رگڑنا مستحب و مستحسن ہے جس میں کوئی حرج معلوم نہیں مگر اس کے لئے جس کی نیت اچھی ہو اور افراط شوق اور غلبہ محبت

[1] وفاء الوفاء الفصل الرابع باب مایلزم الزائر من الادب داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۵

[2] وفاء الوفاء الفصل الرابع باب مایلزم الزائر من الادب داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۶

وحمله علیه فرط الشوق والحب الطافح [1]۔	اسے اس پر باعث ہو۔

پھر فرماتے ہیں:

الاانی اتحفك بامر یلوح لك منه المعنی بان الشیخ الامام السبکی وضع خد وجهه علی بساط دار الحدیث التی مسها القدم النووی یسأل برکة قدمه وینوه بمزید عظمة کما اشار الی ذٰلك بقوله وفی دار الحدیث لطیف معنی* الی بسط له اصبو واٰوی* لعلی ان انال بحر وجهی *مکان مسه قدم النواوی *وبان شیخنا تاج العارفین امام السنة خاتم المجتهدین کان یمرغ وجهه ولحیته علی عتبة البیت الحرام بحجر اسمعیل [2]۔	یعنی علاوہ بریں میں تجھے یہاں ایک ایسا تحفہ دیتا ہوں جس سے معنی تجھ پرظاہر ہوجائیں وہ یہ کہ امام اجل تقی الملۃ والدین سبکی دارالحدیث کے اس بچھونے پر جس پر امام نووی قدس سرہ العزیز قدم رکھتے تھے ان کے قدم کی برکت لینے اور ان کی زیادت تعظیم کے شہرہ دینے کو اپنا چہرہ اس پر ملا کرتے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ دارالحدیث میں ایک لطیف معنی ہے جس کے ظاہر کرنے کا مجھے عشق ہے کہ شاید میرا چہرہ پہنچ جائے اس جگہ پر جس کو قدم نووی نے چھوا تھا اور ہمارے شیخ تاج العارفین امام سنت خاتمہ المجتہدین آستانہ بیت الحرام میں حطیم شریف پر جہاں سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار کریم ہے اپنا چہرہ اور داڑھی ملا کرتے تھے۔

بالجملہ یہ کوئی امر ایسا نہیں جس پر انکار واجب ہو جبکہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اور اجلہ ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی سے ثابت ہے تو اس پر شورش کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ ہمارے نزدیک عوام کو اس سے بچنے ہی میں احتیاط ہے امام علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

المسألة متی امکن تخریجها علی قول من الاقوال فی مذهبنا او مذهب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکاره و النهی عنه وانما المنکر ماوقع الاجماع	جب کسی مسئلے کی ہمارے مذہب کے اقوال میں سے کسی قول پر یا کسی دوسرے مذہب پر تخریج ممکن ہو تو ایسا مسئلہ قابل انکار نہیں ہوتا کہ جس کا انکار واجب ہو اور اس سے منع کیا جائے قابل انکار

[1] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل

[2]

علی حرمته والنهی عنه۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ مسئلہ ہوتا ہے کہ جس کی حرمت پر اہل عالم کا اتفاق ہو اور اس سے منع کیا گیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۷: مرسلہ جناب محمد زاہد بخش صاحب از ملک بنگالہ ڈاکخانہ ڈام اکانڈہ موضع فرید پور ضلع میمن سنگھ ۴ جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ

ایک پیر مرید کرتا ہے اس طریقہ پر کہ اول نے، ڈھول اور طنبورہ اور مردنگ اور سارنگی اور ستار اور بیلا اور تالی بجانا اور گیت گانا اور ناچنا شروع کرتا ہے تو پھر بے ہوش ہوتا ہے۔ اور گانا اور بجانا ایسی زور سے کرتا ہے کہ ایک میل سے سنا جاتا ہے۔ اور اس پیر کے نزدیک جب سب مرید آتے ہیں اول سجدہ کرتے ہیں یا کہ قدم چومتے ہیں تو اس شرط میں اس ملک کے عالم منع کرتے ہیں اور وہ پیر یہ جواب دیتے ہیں کہ سجدہ کرنا قرآن میں جائز ہے پیر کو۔ سورہ یوسف کی اس آیت میں "وَرَفَعَ اَبَوَیۡهِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا" [2]۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اوپر کرکے تخت پر بٹھایا اور وہ سب اس کے لئے سجدہ میں گر گئے۔ ت) اور ع وہ پیر یا کہ وہ مرید امامت کریں تو ان کے پیچھے اقتداء کرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

مزامیر ناجائز ہیں اور سجدہ غیر خدا کو حرام قطعی ہے۔ اور قرآن عظیم کی طرف اس کے جواز کی نسبت کرنا افتراء ہے۔ قرآن عظیم نے اگلی شریعت والوں کا واقعہ ذکر فرمایا ہے ان کی شریعت میں سجدہ تحیت حلال تھا ہماری شریعت نے حرام فرمادیا تو اب اس سے سند لانا ایسا ہے جیسے کوئی شراب کو حلال بتائے کہ اگلی شریعتوں میں جہاں تک نشہ نہ دے حلال تھی بلکہ شریعت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سگی بہن سے نکاح جائز تھا اب اس کی سند لاکر جو حلال بتائے کافر ہو جائے گا، ایسے پیر اور ایسے مریدوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنا گناہ ہے اور پڑھی ہو تو پھیرنا واجب ہے۔ اور انھیں امام بنانا ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۸ تا ۱۶۳: ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے دوسرے سے السلام علیکم کہا دوسرے نے بھی جواب میں السلام علیکم ہی کہا دیگر یہ کہ سلام کے جواب میں آداب بندگی، تسلیمات وغیرہ وغیرہ کہے ایسی صورت میں اول السلام علیکم کہنے والا خاموش رہے یا کیا کہے اور جواب سلام کا

---

[1] الحدیقه الندیه النوع الثالث والثلاثون المکتبه النوریة الرضویة فیصل آباد ۲/ ۳۰۹

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۰

مسنون طریقہ سے جس نے نہیں دیا ہے وہ کس خطا کا مرتکب ہوا؟

(۲) دوسرے یہ کہ بہتر اور آسان طریقہ سلام اور اس کے جواب کا کیا ہے کس قدر الفاظ کہنا چاہئے؟

(۳) تیسرے یہ کہ ایک مقام پر چند یا ایک شخص بیٹھا ہو اور کوئی شخص آئے اور بعد سلام علیکم کرنے کے اور کوئی بات چیت کرکے فوراً چلا جائے قیام نہ کرے ایسی صورت میں مذکور کو جاتے وقت پھر السلام علیکم کہنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) چوتھے یہ کہ ان لوگوں کو جو دوسرے دن یا روز مرہ بلکہ کبھی ایک دن میں چند بار بھی ملنے کا اتفاق پڑتا ہو ان کو بعد سلام اور جواب سلام کے اگرچہ دوسرا شخص اپنے کام ضروری میں مصروف ہو مگر مصافحہ کرنا بھی امر ضروری ہے۔ دیگر یہ کہ مصافحہ کون کون سے موقعوں پر کرنا ضروری ہے اور مصافحہ فرض ہے یا واجب یا سنت؟

(۵) پانچویں یہ کہ اگر کوئی مسلمان اگرچہ وہ خود گنہگار ہو اور اپنے آپ کو گنہ گار جانتا بھی ہو لیکن اپنے بھائی مسلمانوں کی حالت خلاف طریقہ اور برتاؤ کو دیکھ کر اور باوجود نصیحت اور ہدایت کرسکنے کے اور نہ کرے تو اس مسلمان مذکور کی بابت کیا حکم ہے؟ دیگر یہ کہ اگر شخص مذکور کسی وجہ خاص یعنی دوسرے کی خفگی وغیرہ کے باعث کچھ نہ کہے مگر خود غمگین ہو اور افسوس کرے اور اس کے حق میں دعائے خیر کرے تو شخص مذکور کچھ اجر پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

(۶) چھٹی یہ کہ منافقانہ طریقے سے ملنا اور سلام کرنا کیسا ہے؟ چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) السلام علیکم کے جواب میں السلام علیکم کہنے سے جواب ادا ہوجائے گا اگرچہ سنت یہ ہے کہ وعلیکم السلام کہے، آداب، تسلیمات، بندگی کہنا ایک مہمل بات ہے اور خلاف سنت ہے، اس کا جواب کچھ ضرور نہیں، وہاں مصلحت پر نظر کرے۔ اگر صورت یہ ہے کہ اس کا جواب نہ دینے سے وہ متنبہ ہوگا اور آئندہ خلاف سنت سے باز رہے گا تو کچھ جواب نہ دے، اور اگر وہ دنیا کے اعتبار سے بڑا شخص ہے اور اسے جواب نہ دینے میں ضرر وایذا کا اندیشہ ہے تو ویسا ہی کوئی مہمل جواب دے دے۔ اسی طرح اگر اسے جواب نہ دینے سے کینہ پیدا ہوگا یا اپنی ناواقفی کے باعث اس کی دل شکنی ہوگی جب بھی جواب دینا اولٰی ہے اور سلام جب مسنون طریقہ سے کیا گیا ہو اور سلام کرنے والا سنی مسلمان صحیح العقیدہ ہو تو جواب دینا واجب ہے اور اس کا ترک گناہ مگر اجنبی جوان عورت اگر سلام کرے تو دل میں جواب دینا چاہئے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) کم از کم السلام علیکم اور اس سے بہتر ورحمۃ اللہ ملانا اور سب سے بہتر وبرکاتہ شامل کرنا اور اس پر زیادت نہیں۔ پھر سلام کرنے والے نے جتنے الفاظ میں سلام کیا ہے جواب میں اتنے کا اعادہ تو ضرور ہے اور افضل یہ ہے کہ جواب میں زیادہ کہے۔ اس نے السلام علیکم کہا تو یہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے۔ اور اگر اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو یہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اور اگر اس نے وبرکاتہ تک کہا تو یہ بھی اتنا ہی کہے کہ اس سے زیادت نہیں۔

(۳) جاتے وقت پھر کہے **لیست الاولی باحق من الاخرۃ** (پہلا جواب دوسرے سے زیادہ بہتر نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) مصافحہ سنت ہے اور اس کا وقت ابتدائے ملاقات ہے خواہ ابتدائے حقیقی ہو جیسے جو شخص ابھی آیا یا حکمی جیسے کوئی بدمذہب آیا اور بیٹھا اور گفتگو کرتا رہا اور ہدایت پائی اور سنی ہوا تو جتنے حاضرین اہلسنت ہیں ان سب کو اس سے مصافحہ چاہئے جیسا کہ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کا حکم دیا۔ نماز کے بعد بھی مصافحہ اسی ابتدائے حکمی میں داخل ہے کہ نمازی نماز میں دوسرے عالم میں ہوتا ہے ولہذا جو خارج نماز آیت سجدہ کی تلاوت کرے اس کے سننے سے نمازی پر سجدہ واجب نہیں۔ اور نمازی تلاوت کرے تو جو نماز سے باہر ہے اس پر واجب نہیں۔ اس لئے شریعت مطہرہ میں ختم نماز میں ایک، دوسرے پر سلام رکھا۔ دن میں اگر کئی بار ملتا ہو تو ہر بار مصافحہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) احکام الٰہی بجالانا اور گناہ سے خود بچنا ہر شخص پر فرض ہے اور دوسرے کو اتباع شرع کا حکم دینا اور گناہ سے بقدر قدرت منع کرنا ہر اہل پر فرض ہے آپ گناہ کرنے کے سبب دوسرے کو نہ منع کرنا دوسرا گناہ ہے ہاں اگر منع کرنے کے سبب فتنہ وفساد وحشت ونفرت کا ظن غالب ہو تو سکوت کی اجازت ہے اور اس کے ساتھ دل میں غمگین ہونا اور مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا یہ ایمان کی علامت ہے اس پر ثواب پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۶) بلاضرورت ومجبوری شرعی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۴تا ۱۶۸: از اٹاوہ ادریا مسئولہ حیات اللہ بروز پنجشنبہ بتاریخ ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) آیا عورت مومنہ کو مومنہ سے السلام علیکم کہنا اور اس کا جواب وعلیکم السلام کہنا جائز ہے؟

(۲) عورت مومنہ کا اپنے باپ بھائی دادا سے السلام علیکم کہنا اور جواب میں وعلیکم السلام کہنا جائز ہے؟

(۳) لڑکے اور بھائی کو اپنی ماں اور بہن سے السلام علیکم کہنا جائز ہے اور جواب میں وعلیکم السلام کہنا کیسا ہے؟

(۴) عورت کو خاوند سے اور خاوند کو عورت سے السلام علیکم کہنا اور جواب میں وعلیکم السلام کہنا کیسا ہے؟

(۵) عورتوں کو اگر السلام علیکم کہنا درست نہیں تو اور کون الفاظ بروئے شرع آپس میں ملتے وقت کہنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب:

ان سب صورتوں میں السلام علیکم اور جواب وعلیکم السلام کہنا بلاشبہہ جائز ہے زمانہ اقدس میں بھی رواج تھا۔ بیبیوں سے بھی السلام علیکم فرمایا ہے مگر یہاں ایک دقیقہ واجب اللحاظ ہے جو سنت مؤکدہ نہ ہو یا اس کا ایک طریقہ متعین نہ ہو اور بعض طرق عوام میں ایسے اوپری ہوگئے ہوں کہ اس کے بجالانے سے سنت پر ہنسیں گے تو وہاں اس غیر مؤکدہ اور مؤکدہ کے اس طریقہ خاصہ کا ترک ہی مصلحت ہوتا ہے کہ ایک استحباب کے لئے لوگوں کا دین کیوں فاسد ہو سنت پر ہنسا **معاذ اللہ** کفر تک لے جاتا ہے اور مسلمانوں کو کفر سے بچانا فرض ہے مسئلہ خفاض نساء میں علماء نے اس دقیقہ کی تصریح کی ہے نیز شملہ عمامہ میں فرمایا کہ جہاں جہاں اس پر ہنستے ہیں اور دم سے تشبیہ دیتے ہوں وہاں شملہ نہ چھوڑا جائے، باہم عورتوں کا یا عورتوں سے السلام علیکم کی حالت قریب قریب ایسی ہی ہے اور اسے اچنبا جانیں گے اور اس پر ہنسنے کا احتمال ہے اور لفظ سلام اس کا قائم مقام، **قالوا سلاما قال سلام** تو اس پر اکتفا مناسب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۹: از مقام کیلا کھیڑا تحصیل باز پور ضلع نینی تال مسئولہ عبدالمجید خاں مدرسہ زنانہ بروز شنبہ بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

احوال اینست کہ بابت مصافحہ کے کوئی کہتا ہے کہ بعد نماز کے نہیں کرنا چاہئے اور کوئی کہتا ہے کہ بعد نماز کے کرنا چاہئے لہٰذا آپ سے معروض ہوں کہ کون سا قول صحیح تر ہے۔ اور طریقہ بھی صاف الفاظوں میں تحریر فرمائیں تاکہ مخالف زیر ہو۔

الجواب:

نمازوں کے بعد مصافحہ صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔ نسیم الریاض میں ہے:

الاصح انہا بدعۃ مباحۃ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت مباحہ ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۰ تا ۱۷۱: از موضع سیوہارہ ضلع بجنور محلّہ مولویاں مسئولہ حفظ الرحمٰن روز شنبہ بتاریخ ۱۷ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) زید اپنے پیر کی تصویر کو نہایت احترام سے رکھتا ہے بوسہ دیتا ہے سجدہ تحیت کرتا ہے لہٰذا تصویر کو بوسہ دینا تصویر کو سجدہ تحیت کرنا کیسا ہے۔ ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ نص صریح یا حدیث صحیح یا قول امام سے بحوالہ کتب تحریر فرمادیں۔ اور زید ثبوت سجدہ تحیت میں کتاب انوار العیون فی اسرار المکنون مصنفہ شیخ عبدالقدوس کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

مریدان حضرت شیخ العالم قدس سرہ پیش حضرت شیخ العالم سر پیش می آوردند و سجدہ پیش می رفتند و می نشستند وامروز ہماں سنت مریداں حضرت شیخ العالم جاری کہ پیش قبر حضرت شیخ العالم و پیش صاحب سجادہ سر بر زمین می نہند و سجدہ می کنند [2]۔	حضرت شیخ العالم قدس سرہ (یعنی شیخ عبدالقدوس گنگوہی) کے مرید سر آگے کرکے ان کے روبرو سجدہ کرتے اور پھر بیٹھتے ہیں۔ آج حضرت شیخ العالم کے مریدوں میں وہی طریقہ جاری وساری ہے۔ کہ حضرت موصوف کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں اور پھر ان کے سجادہ نشین کے آگے زمین پر سر رکھ کر انھیں سجدہ کرتے ہیں۔ (ت)

اس قول کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ سجدہ تحیت کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے۔ درمختار میں ہے:

وکذا مایفعلون من تقبیل الارض بین یدی العلماء العظماء فحرام والفاعل والراضی بہ اثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن وھل یکفران علی وجہ العبادۃ والتعظیم	اور اسی طرح جو کچھ جہلا اور نادان کیا کرتے ہیں کہ بڑے بڑے عظیم علماء کے آگے زمین کو بوسہ دیتے (تو یاد رکھو کہ) یہ فعل حرام ہے لہٰذا کرنے والا اور اس سے خوش ہونے والا (دونوں) گنہگار ہیں اس لئے کہ یہ کام بت کی عبادت سے مشابہت رکھتا ہے۔

[1] نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی فصل فی نظافۃ جسمہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۳

[2] انوار العیون فی اسرار المکنون

کفر وان علی وجه التحیة لاوصار اثما مرتکبا للکبیرة[1] وفی الشامی قال الزیلعی وذکر الصدر الشهید انه لا یکفر بهذا السجود لانه یرید به التحیة[2]۔	اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنے والا کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر اس نے یہ کام بطور عبادت کیا اور اس کی تعظیم کی تو بلا شبہہ کافر ہوگیا۔ اور اگر تعظیم و بزرگی کی خاطر ایسا کیا تو کافر نہ ہوا لیکن پھر بھی گنہگار، گناہ کبیرہ بجالانے والا ہوا۔ اور فتاوٰی شامی میں ہے کہ علامہ زیلعی نے فرمایا امام صدر شہید نے ذکر فرمایا کہ اس طرح سجدہ کرنے سے وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ اس سے اس کی مراد صرف تعظیم ہے۔ (ت)

یعنی زیلعی و صدر شہید سجدہ تحیت کرنے والے کو کافر نہیں کہتے۔

(۲) سجدہ عبادت سجدہ تعظیم، سجدہ تحیت، سجدہ شکر، تقبیل ارض ان سب کی تعریف وفرق تحریر فرمادیں نیز ان میں کون مخصوص ہے زندہ بزرگوں کے لئے اور کون ہے قبور و تصاویر کے لئے مع حوالہ کتاب۔

الجواب:

(۱) غیر کو سجدہ بلا شبہہ حرام ہے پھر اگر بروجہ عبادت ہو تو یقیناً اجماعاً کفر ہے اور بروجہ تحیت ہو تو کفر میں اختلاف ہے اس کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں اور حق یہی ہے کہ بے نیت عبادت حرام ہے کبیرہ ہے مگر کفر نہیں زیلعی کی عبارت کا صاف یہی مطلب ہے نفی کفر کرتے ہیں نہ کہ نفی حرمت، احادیث صحیح اس بارے میں بکثرت وارد اور کتب ہر چہار مذہب اس کی تحریم پر متفق۔ بعض ملفوظات کہ بعض اولیاء کرام کی طرف بلا سند صحیح متصل منسوب ہوں ایسے مسئلہ جلیہ واضحہ متفق علیہا کے مقابل ہر گز قابل استناد نہیں۔ اور بالخصوص سجدہ قبر کے بارہ میں وہ حدیث موجود ہے۔

ارأیت لومررت بقبری اکنت تسجد له قال فلا تفعل[3]۔	بھلا دیکھئے اگر میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اس کو سجدہ کرو گے؟ عرض کی: نہیں۔ (ت)

اور تصویر کو سجدہ تو کھلا پھاٹک بت پرستی کا ہے۔ دنیا میں بت پرستی کا آغاز تصاویر کو جانب قبلہ صرف نصب کرنے سے ہوا کما فی صحیح البخاری وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما (جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے۔ ت) نہ کہ سجدہ

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المرأۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱

کہ جانب قبلہ نصب سے ہزار ہا درجہ بدتر اور کفر سے ایسا ہی قریب ہے جیسے آنکھ کی سپیدی سے سیاہی۔ تصویر کی تعظیم مطلقاً حرام ہے بلکہ غیر محل اہانت میں اس کا رکھنا ہی حرام ومانع دخول ملائکہ رحمت ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ [1]۔	فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ (ت)

یہ سب وساوس ابلیس ہیں۔ مسلمان اگر اس کے ہاتھوں میں نرم ہوا اور وہ اسے ہلاک کردے گا جلد کھچے اور اس عدو مبین سے جدا ہو کر شریعت مطہرہ کی باگ تھام لے "وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾" [2] (اور اللہ تعالٰی جسے چاہے سیدھا راستہ دکھائے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) سجدہ کسی قسم کا شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ میں غیر خدا کے لئے مطلقاً جائز نہیں اور احکام منسوخہ سے استناد جہل وخرط انقیاد ورنہ سگی بہن سے نکاح بھی جائز ہوا اپنا رب حقیقی ومالک بالذات جان کر اس کے حضور غایت تذلل کے لئے زمین پر پیشانی رکھنا سجدہ عبادت ہے اور معبود نہ جان کر صرف اس کی عظمت کے لئے روبخاک ہونا سجدہ تعظیم ہے اور وقت لقا باہمی موانست کے لئے سجدہ تحیت اور ہر شناسی نعمت کے اظہار کو سجدہ شکر اول وآخر مولی عزوجل کے لیے ہیں۔ پہلا فرض اور پچھلا مستحب۔ اور دوم سوم کہ غیر خدا کے لئے ہوں حرام ہیں کفر نہیں۔ یونہی چہارم بھی، اور پہلا کفر قطعی۔ اور غیر خدا کے لئے تقبیل ارض بھی حرام ہے اور جو کرے اور جس کے لئے کی جائے اور وہ راضی ہو دونوں مرتکب کبیرہ اور بہ نیت عبادت ہو تو یہ بھی کفر کہ عبادت غیر کی نیت خود ہی کفر ہے اگرچہ اس کے ساتھ کوئی فعل نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے:

وفی الجامع الصغیر تقبیل الارض بین یدی العظیم حرام وان الفاعل والراضی اٰثمان کذا فی التاتارخانیۃ وتقبیل	جامع صغیر میں ہے کسی بڑے کے آگے زمین بوسی حرام ہے۔ اور ایسا کرنے والا اس پر راضی ہونے والا دونوں گناہ گار ہیں تاتارخانیہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ اہل علم اور

[1] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب اذا قال احد کم امین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۸، جامع الترمذی ابواب الآداب باب ماجاء ان الملئکۃ لاتدخل الخ امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۰۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

الارض بین یدی العلماء والزهاد فعل الجهال و الفاعل والراضی اٰثمان کذا فی الغرائب[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جامع صغیر میں ہے کسی بڑے کے آگے زمین بوسی حرام ہے۔ اور ایسا کرنے والا اس پر راضی ہونے والا دونوں گناہ گار ہیں تاتارخانیہ میں اسی طرح مذکور ہے۔اہل علم اور زاہدوں کے آگے زمین چومنا جاہلوں (ناواقف لوگوں) کا طریقہ ہے۔ لہٰذا ایسا کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا (دونوں) گنہگار ہیں فتاوٰی الغرائب میں یہی مذکور ہے۔اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۷۲: از ضلع گیا پردہ چک ڈاکخانہ شمشیر نگر مسئولہ ابوالبرکات بروز شنبہ بتاریخ ۷ اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز عید وبقر عید مصافحہ ومعانقہ کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے یاکہ نہیں؟ حدیث مع حوالہ کتب تحریر ہو اور ان اوقات میں مصافحہ کرنا کتب حنفیّہ سے ثابت ہے کہ نہیں؟ فقط۔

الجواب:

احادیث صحیحہ سے مصافحہ کی سنیت ثابت ہے اور خصوصیت وقت اسے ناجائز نہ کردے گی۔حدیث میں ہے:

صوم یوم السبت لالك ولاعلیك[2]۔	صرف سنیچر کے دن روزہ رکھنا نہ تو تیرے لئے مفید ہے نہ مضر۔(ت)

شاہ ولی اللہ دہلوی نے مسوی شرح مؤطا میں جواز مصافحہ بعد نماز عید کی اور نسیم الریاض میں مصافحہ بعد صلوۃ کی نسبت ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث امرأۃ رضی اللہ عنہا دارالفکر بیروت ۶/ ۳۶۸

الاصح انہا بدعۃ مباحۃ [1]۔	زیادہ صحیح یہ ہے کہ مصافحہ (بعد از نماز) ایک مباح (جائز) بدعت ہے۔ (ت)

عین العلم میں ہے:

الاصرار بما لم ینہ عنہ حسن [2]۔	اس کام پر اصرار و تکرار کرنا کہ جس سے منع نہ کیا گیا ہو اچھا کام ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے:

خالقوا الناس باخلاقھم [3]۔	لوگوں سے اخلاق رکھو ان کے اخلاق کی وجہ سے۔ (ت)

ایسے مباحات کہ عوام میں رائج ہوں وہ موافقت مسلمین کے باعث مباح نہیں بلکہ مستحب ہو جاتے ہیں اور اس میں مخالفت مکروہ ہے۔ اور یہ وہی کرے گا جو اپنی شہرت اور نکو بننا چاہتا ہے۔ شرح صحیح مسلم شریف و مجمع البحار وغیرہما میں ہے:

الخروج عن العادۃ شہرۃ ومکروہ [4]۔	لوگوں کی عادات سے نکلنا (قدم باہر رکھنا) باعث شہرت اور مکروہ ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۷۳: نماز کے وقت مسجد میں تمام نمازی کسی شخص کے آنے پر تعظیماً کھڑے ہونا اور مثل سجدے کے قدموں پر سر رکھ کر بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عالم دین اور سلطان اسلام اور علم دین میں اپنا استاذ ان کی تعظیم مسجد میں بھی کی جائے گی اور مجالس خیر میں بھی کی جائے گی اور مجالس خیر میں بھی اور تلاوت قرآن عظیم میں بھی عالم دین کے قدموں پر بوسہ دینا سنت ہے اور قدموں پر سر رکھنا جہالت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی فصل فی نظافۃ جسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب العربی بیروت ۲/ ۱۳

[2] عین العلم الباب التاسع فی الصمت وآفات اللسان مطبع اسلامیہ لاہور ص ۲۰۶

[3] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزلۃ الفائدۃ الثانیۃ الخ دار الفکر بیروت ۶/ ۳۵۴

[4] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ الصنف التاسع تتمۃ الاصناف مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۱۲

مسئلہ ۱۷۴: از پوپوری جتارن مار قوار مسئولہ حبیب اللہ بروز سہ شنبہ ۲ رجب ۱۳۳۴ھ
مصافحہ کرتے وقت درود شریف پڑھنا چاہئے یا دعا پڑھنا چاہئے؟

الجواب:

درود اور دعا دونوں ہوں اور صرف درود کافی ہے۔ کہ **الحمدللہ** کے بعد ہر دعا سے **افضل** ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۵: مسئولہ عبدالستار بن اسمٰعیل از شہر گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مورخہ ۹ شعبان یکشنبہ ۱۳۳۴ھ
سلام کرنا اشارہ کے ساتھ یعنی وقت سلام مسنون ہاتھ پیشانی تک لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاضرورت فقط اشارہ پر قناعت بدعت اور یہود و نصارٰی کی سنت ہے اور سلام مسنون کے ساتھ محل حاجت عرفیہ میں اشارہ بھی ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۶: از کلکتہ ڈاک خانہ ہٹ تلابڑا صاحب کاہاٹ محمد غلام فرہاد بروز چہار شنبہ ۱۳ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ
مکرمی و معظمی جناب مولانا شاہ عبدالمصطفٰی احمد رضاخاں صاحب بعد آداب و تسلیم معروض آنکہ ہم لوگ احاطہ بنگال ضلع فرید پور تھانہ پالنگ موضع لاکرتلہ میں سب لوگ اہلسنت وجماعت کے ہیں مگر ان میں سے بعض لوگ ایسے حنفی کہلاتے ہیں مگر عقیدہ وہابیت کا ہے یعنی دیوبند کا۔ چونکہ وہ لوگ دیوبند کا کیفیت سے اچھی طرح واقف نہیں اور ہمارے بنگال کا ہادی جونپور کے مولانا کرامت علی صاحب کی اولاد ہیں وہ لوگ بھی دیوبند کے عقیدہ پر چلتے ہیں یعنی قیام وفاتحہ وثانی جماعت وغیرہ کو ناجائز کرتے ہیں لہذا ہم لوگ نے حضور کی کتاب کوکبۃ الشہابیۃ اور چند پرچہ کلکتہ منشی لعل خان صاحب سے منگا کر دکھلایا کہ تم لوگوں کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے خلاف ہے بہرحال ہم لوگ سے اختلاف کرتا رہا مگر اس وقت مسئلہ قدمبوسی اور سجدہ تحیہ میں ہم لوگوں کو بہت مجبور کیا، ہم لوگ قادریہ شریف میں سلسلہ بھاگل پور کے مریدان اسلام آباد احاطہ بنگال کے مولانا شاہ محمد عبدالحہ صاحب سے دست بیعت کیا ہوں انھوں نے سجدہ تحیہ کو جائز رکھتے ہیں اور دیوبندی خلاف ہیں اب ہم لوگوں نے کہا کہ یہ مسئلہ ایسے آدمی سے دریافت کرنا چاہئے جو کہ متوسط سنت وجماعت کے ہیں۔ لہذا ہم لوگ حضور کو بمقابلہ مقتدا اسلام اور حامی سنت وجماعت کا جانتا ہوں اب یہاں سے دو فتوٰی دیا جاتا ہے کہ ہم لوگ سجدہ تحیۃ کو جائز رکھتا ہوں اور مقتدا دیوبندی کفر اور حرام ناجائز کہتے ہیں۔ خیر گزارش ضروری یہ ہے کہ حضور اگر جائز کرتے ہیں تو بہت خوب اور اگر ناجائز کریں

بسر تسلیم مان لیتاہوں مگر امید کرتاہوں کہ جواب اس طرح ہونا چاہئے کہ فتوی دیوبندی ہم پر غالب نہ ہو جائے، والسلام۔

الجواب:

بزرگان دین کی قدمبوسی بلا شبہ جائز بلکہ سنت ہے۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پائے مبارک چومے اور حضور نے منع نہ فرمایا۔ رہا سجدہ تحیت، اگلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ملائکہ نے بحکم الٰہی حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ حضرت سیدنا یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام اور ان کی زوجہ مقدسہ اور ان کے گیارہ صاحبزادوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ سیدنا عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام جو حضرت سیدنا مریم (علیہا السلام) کے شکم مبارک میں تھے اور سیدنا یحیٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام ان کی بہن کے شکم مقدس میں جب حضرت مریم اپنی بہن کے پاس تشریف لائیں ان کی بہن عرض کرتی ہیں:

انی اری مافی بطنی یسجد لما فی بطنك[1]۔	میں دیکھتی ہوں کہ وہ جو میرے پیٹ میں ہے اس کے لئے سجدہ کرتا ہے جو تمھارے پیٹ میں ہے۔

وہابیہ خذلہم اللہ تعالٰی کہ اس کو شرک کہتے اللہ کے رسولوں اور فرشتوں کو شرک کا مرتکب اور اللہ عزوجل کو معاذ اللہ شرک کا حکم دینے والا ٹھہراتے ہیں

قال اللہ تعالٰی: "وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ"[2]۔ وقال اللہ تعالٰی "وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ"[3]۔	حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین کو تخت کے اوپر بٹھایا اور وہ سب (والدین وبرادران) حضرت یوسف کے آگے سجدہ کرتے ہوئے گر گئے (ت) اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہہ دیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو تو سوائے شیطان کے سب نے سجدہ کیا۔ (ت)

دیوبندیہ خود مرتدین ہیں ان کو مسائل اسلامی میں دخل دینے کا کیا حق۔ علمائے حرمین شریفین نے

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ان اللہ یبشرك بیحیٰی الخ المطبعۃ البہیمۃ مصر الجزء الرابع ص ۳۸، روح المعانی تحت آیۃ ان اللہ یبشرك بیحیٰی مصدقا بکلمۃ الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر الجزء الثالث ص ۱۳۰

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۴

ان کے پیشواؤں کو نام بنام لکھا ہے کہ **من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر**[1] جوان کے عقائد پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے خود کافر۔ ہاں ہماری شریعت مطہرہ نے غیر خدا کے لئے سجدہ تحیت حرام کیا ہے اس سے بچنا فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۷۷: مرسلہ حکمت یار خاں ساکن بریلی محدث شاہ آباد ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بمبئی اور اس کے اطراف وجوانب میں قدیم سے یہ طریقہ جاری ہے کہ ہر جماعت پنجگانہ کے بعد نماز اور دعا خیر سے فارغ ہو کر مصلیان مسجد باہم مصافحہ کرکے رخصت ہوتے ہیں آج کل موضع کرلا میں ایک مولوی صاحب اس کو بدعت قبیحہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کسی قول وفعل سے یہ ثابت نہیں اس لئے ہر گز ایسا نہ کرنا چاہئے، دوسرے ایک صاحب کا قول ہے کہ مسلمان خانہ خدا میں پنجگانہ نماز ادا کرنے کے بعد باہم مصافحہ کرکے محبت واتفاق واتحاد کا ثبوت دیتے ہیں یہ نہایت مستحسن طریقہ ہے اگر بدعت قبیحہ ہوتا تو علمائے دین ضرور اس سے منع فرماتے حالانکہ آج تک کسی سنی عالم نے اس سے ممانعت نہیں کی۔ پس اس کے لئے قول فیصل بدلائل قوی تحریر فرمائیں کہ رفع نزاع ہو۔ **بینوا توجروا**۔ بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ وہ جائز اور بہ نیت حسنہ مستحب ومستحسن ہے۔ اور جہاں کے مسلمانوں میں اس کی عادت ہے وہاں انکار سے مسلمانوں میں فتنہ وتفرقہ پیدا کرنا جہالت اور بربنائے اصول وہابیت ہو جیسا کہ آج کل اکثر یہی ہے تو صریح ضلالت **والعیاذ باللہ**۔ نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں ہے:

الاصح انھا بدعة مباحة[2]۔	زیادہ صحیح یہ ہے کہ مصافحہ کرنا ایک جائز بدعت ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وقولھم انه بدعة ای مباحة	ان کا یہ فرمانا کہ مصافحہ کرنا بدعت ہے یعنی جائز اور

[1] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مطبع اہلسنت وجماعت بریلی ص ۹۴

[2] نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۳

حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ [1]۔	اچھی بدعت ہے جیسا کہ امام نووی نے کتاب الاذکار میں اور دوسرے ائمہ کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

اور تفصیل مرام وازلہ اوہام ہمارے رسالہ وشاح الجید میں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۸: موضع کٹیاڈاک خانہ سکندرپور ضلع فیض آباد مرسلہ محمد ناظر خاں صاحب زمیندار مؤرخہ ۲۴ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

بوسہ قبر جائز ہے یانہیں؟**بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے۔بکثرت اکابر جواز و منع دونوں طرف ہیں اور عوام کے لئے زیادہ احتیاط منع میں ہے۔خصوصا مزارات طیبہ اولیاء کرام پر کہ ان کے اتنا قریب جانا ادب کے خلاف ہے۔کم از کم چارہاتھ فاصلے سے کھڑا ہو **کما فی العالمگیریۃ وغیرھا** (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) تو بوسہ کیسے دے سکتا ہے۔**وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۹: از ڈاکخانہ دھامونکے تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ مرسلہ محمد قاسم قریشی مدرس مدرسہ مورخہ ۷ ۲ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

ایک مسلم کو کون کون سے مواقع اور کون کون سے اشخاص پر پہلے السلام علیکم کہنا واجب ہے وکذالک کیا کوئی مواقع واشخاص ایسے بھی ہیں جبکہ تحیات کا جواب دینا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

الجواب:

ابتدابہ سلام مسلمان سنی صالح پر سنت ہے اور اعلی درجہ کی قربت ہے مگر واجب کبھی نہیں سوا اس صورت کے کہ سلام نہ کرنے میں اس کی طرف سے ضرر کا اندیشہ صحیح ہو جن صورتوں میں سلام مکروہ ہے جیسے مصلی یا تالی یا ذاکر یا مستنجی یا آکل پر ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جواب دیں یا نہ دیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰تا۱۸۳: از کلکتہ امر تلالین ۲۶ گدی دیوان رحمت اللہ مرسلہ حاجی پیر محمد ۳ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) جو لوگ سیدوں کو کلمات بے ادبانہ کہا کرتے ہیں اور ان کے مراتب کو خیال نہیں کرتے بلکہ کلمہ تحقیر آمیز کہہ بیٹھتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

(۲) حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دربارہ محبت واطاعت آل کے لئے کچھ ارشاد فرمایا ہے یا نہیں؟

(۳) اور جو لوگ سیدوں سے محبت رکھتے ہیں ان کے لئے یوم محشر میں آسانی ہوگی یا نہیں؟

(۴) ایک جلسہ میں دو مولوی صاحبان تشریف رکھتے ہیں ایک ان میں سے سید ہیں تو مسلمان کسے صدر بتائیں؟

الجواب:

(۱) سادات کرام کی تعظیم فرض ہے۔ اور ان کی توہین حرام بلکہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا جو کسی عالم کو مولویا یا کسی کو میروا بروجہ تحقیر کہے کافر ہے۔ مجمع الانہر میں ہے:

الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال لعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا به الاستخفاف کفر[1]۔	سادات کرام اور علماء کی تحقیر کفر ہے جس نے عالم کی تصغیر کرکے عویلم یا علوی کو علیوی تحقیر کی نیت سے کہا تو کفر کیا۔ (ت)

بیہقی امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ سے اور ابوالشیخ ودیلمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یعرف حق عترتی والانصار والعرب فھو لاحدی ثلاث امامنافقا وامالزنیة وامالغیر طھور[2]۔ ھذا لفظ البیھقی من حدیث زید بن جبیر عن داؤد بن الحصین عن ابن ابی رافع عن ابیه عن علی رضی الله تعالٰی عنه ولفظ غیرہ امامنافق واما ولد زنیة واما امرء حملت به امه فی غیر طھر[3]۔	جو میری اولاد اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین علتوں سے خالی نہیں۔ یا تو منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ۔ (یہ بیہقی کے الفاظ زید بن جبیر نے اپنے والد کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کئے دوسروں کے الفاظ یوں ہیں۔ یا منافق، ولدزنا یا اس کی ماں نے ناپاکی کی حالت میں اس کا حمل لیا۔ ت)

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ الکفر الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[2] شعب الایمان حدیث ۱۶۱۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۲

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۹۵۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۶۲۶

بلکہ علماء وانصار وعرب سے تو وہ مراد ہیں جو گمراہ بددین نہ ہوں اور سادات کرام کی تعظیم ہمیشہ جب تک ان کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہنچے کہ اس کے بعد وہ سید ہی نہیں نسب منقطع ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (اے نوح (علیہ السلام)! وہ تیرا بیٹا (کنعان) تیرے گھروالوں میں سے نہیں اس لئے کہ اس کے کام اچھے نہیں۔(ت)

جیسے نیچری، قادیانی، وہابی غیر مقلد، دیوبندی اگرچہ سید مشہور ہوں نہ سید ہیں نہ ان کی تعظیم حلال بلکہ توہین و تکفیر فرض، اور روافض کے یہاں تو سیادت بہت آسان ہے کسی قوم کا رافضی ہوجائے، دودن بعد میر صاحب ہوجائے گا، ان کا بھی وہی حال ہے۔ کہ ان فرقوں کی طرح تبرائیان زمانہ بھی عموماً مرتدین ہیں۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

(۲) محبت آل اطہار کے بارے میں متواتر حدیثیں بلکہ قرآن عظیم کی آیت کریمہ ہے۔

"قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى" [2]۔	(ان سے) فرمادیجئے (لوگو!) اس دعوت حق پر میں تم سے کچھ نہیں مانگتا مگر رشتہ کی الفت و محبت (ت)

ان کی محبت بحمد اللہ تعالٰی مسلمان کا دین ہے۔ اور اس سے محروم ناصبی خارجی جہنمی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، مگر محبت صادقہ نہ روافض کی سی محبت کاذبہ جنھیں ائمہ اطہار فرمایا کرتے تھے خدا کی قسم تمھاری محبت ہم پر عار ہوگی۔ اطاعت عامہ اللہ و رسول کی پھر علمائے دین کی ہے"

قال اللہ تعالٰی "اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی کا حکم مانو، اور رسول کا حکم مانو، اور تم میں سے جو صاحب امر ہیں (یعنی امراء و خلفاء)۔ (ت)

اصل اطاعت اللہ و رسول کی ہے اور علمائے دین ان کے احکام سے آگاہ۔ پھر اگر عالم سید بھی ہو تو نور علی نور، امور مباحہ میں جہاں تک نہ شرعی حرج ہو نہ کوئی ضرر سید غیر عالم کے بھی احکام کی اطاعت کرے کہ اس میں اس کی خوشنودی ہے اور سادات کرام کی خوشی میں کہ حد شرع کے اندر ہو حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رضا ہے اور حضور کی رضا اللہ عزوجل کی رضا۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

[2] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۳

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

(۳) ہاں سچے محبان اہلبیت کرام کے لئے روز قیامت نعمتیں، برکتیں راحتیں ہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الزموا مودتنا اھل البیت فانہ من لقی اللہ وھو یودنا دخل الجنۃ بشفاعتنا والذی نفسی بیدہ لاینفع عبدا عملہ الا بمعرفۃ حقنا[1]۔	ہم اہلبیت کی محبت لازم پکڑو کہ جو اللہ سے ہماری دوستی کے ساتھ ملے گا وہ ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کسی بندے کو اس کا عمل نفع نہ دے گا جب تک ہمارا حق نہ پہچانے۔

(۴) اگر دونوں عالم دین سنی صحیح العقیدہ اور جس کام کے لئے صدارت مطلوب ہے اس کے اہل ہوں تو سید کو ترجیح ہے ورنہ ان میں جو عالم یا علم میں زائد یا سنی ہو اور دونوں علم دین میں مساوی ہوں تو جو اس کام کا زیادہ اہل ہو۔

الاتری ان الاحق بالامامۃ الاعلم وما عد شرف النسب الابعد وجودہ وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ رواہ البخاری[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیا تم نہیں دیکھتے کہ امامت کے زیادہ لائق وہ شخص ہے جو سب سے بڑا عالم ہو اور شرافت نسب کا شمار نہیں کیا جاتا مگر اس کے پائے جانے کے بعد، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی کام کسی نا اہل کے حوالے کیا جائے تو قیامت آنے کا انتظار کیجئے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ بخوبی جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۴: از ضلع سیتاپور محلّہ قضیارہ مرسلہ الیاس حسین ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص سید ہے لیکن اس کے اعمال واخلاق خراب ہیں اور باعث ننگ وعار ہیں تو اس سید سے اس کے اعمال کی وجہ سے تنفر رکھنا نسبی حیثیت سے اس کی تکریم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سید کے مقابل کوئی غیر مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ وغیرہ کا آدمی نیک اعمال ہوں تو اس کو سید پر بحیثیت اعمال کے ترجیح

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۲۵۱ مکتبہ المعارف ریاض ۳/ ۱۲۲

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب من سئل علما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ شرع شریف میں ایسی حالت میں اعمال کو ترجیح ہے کہ نسب کو؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہوں ان اعمال کے سبب اس سے تنفر نہ کیا جائے نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی ہاں اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچے جیسے رافضی وہابی قادیانی نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت وہی نہ رہی۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ٘ۗ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے نوح (علیہ السلام) وہ یعنی تیرا بیٹا تیرے خاندان اور گھرانے والوں میں سے نہیں اس لئے کہ اس کے کام اچھے نہیں۔(ت)

شریعت نے تقوٰی کو فضیلت دی ہے " اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ "[2] (اللہ تعالٰی کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ت) مگر یہ فضل ذاتی ہے فضل نسب منتہائے نسب کی افضلیت پر ہے سادات کرام کی انتہائے نسب حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ہے۔ اس فضل انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: از مراد آباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ عبدالودود صاحب بنگال قادری برکاتی رضوی طالب علم مدرسہ مذکور ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

سجدہ کے قسم پر ہے اور کون سا کس لئے خاص ہے اور باقی کیسے ہیں؟

الجواب:

سجدہ دو۲ قسم ہے سجدہ عبادت و سجدہ تحیت۔ سجدہ عبادت غیر خدا کے لئے کفر ہے اور سجدہ تحیت غیر خدا کے لئے حرام مگر کفر و شرک نہیں۔ کہ اگلی شریعتوں میں جائز تھا اور کفر و شرک کبھی جائز نہیں ہوسکتا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

الزبدة الزکیة لتحریم سجود التحیة ۱۳۳۷ھ

(سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے کے بارے میں پاکیزہ مکھن)

مسئلہ ۱۸۶: بار اول از بنارس پھاٹک شیخ سلیم مدرسہ ابراہیمیہ مرسلہ مولوی حافظ عبدالسمیع صاحب ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ قال زید سجدہ تعظیم وتحیت مرشد طریقت کے لئے اب بھی جائز ہے اور استدلال کرتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کے مسجود ملائکہ ہونے سے ونیز واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے، اور کہتا ہے "فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیْنَ ﴿۴۶﴾" [1]۔ساحروں نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ قال عمرو سجدہ تحیت ادیان ماضیہ میں جائز تھا ہماری شریعت غراء محمدیہ علی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام میں وہ حکم منسوخ ہوا۔ جیسا کہ تفسیر جلالین، مدارک، خازن، روح البیان، جامع البیان، تفسیر کبیر، فتح العزیز وغیرہم میں مصرح ہے۔ اور ساحروں کو عرفان حق حاصل ہوا اور انھوں نے معبود حقیقی کو سجدہ کیا۔ جیسا کہ "قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾" [2] (جادو گر کہنے لگے ہم تمام جہانوں کے رب پر

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۴۶

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۲۱

ایمان لے آئے جو حضرت موسٰی اور حضرت ہارون کا پروگار ہے۔ت) اس پر دال ہے نہ کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو سجدہ کیا۔
قال زید آیات اخبار و قصص ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا کما فی نور الانوار (جیسا کہ نورالانوار میں ہے۔ت) لہذا اباحت اس کی باقی ہے۔ قال عمرو علمائے مفسرین نے اس حکم کا منسوخ ہونا مصرح بیان فرمایا۔ قال زید مفسرین کی مجرد رائے ہم پر حجت نہیں تاوقتیکہ کوئی آیت اس کی ناسخ یا ممانعت میں نہ وارد ہو۔ قال عمرو آیات قرآنی اس کی ممانعت میں نص صریح ہیں مثلاً:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ"[1]	پس الله تعالٰی کے لئے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔(ت)

پس معلوم ہوا سجدہ عبادت ہے پس عبادت غیر خدا کی شرک ہے نیز

"فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ۟"[2]	پس الله کے لیے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

اور:

"وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۟"[3]	الله تعالٰی کے لئے سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا۔اگر تم خاص اسی کی عبادت اور بندگی کرتے ہو۔(ت)

میں لام واسطے تخصیص کے ہے اور ایاہ بھی تخصیص کے لئے آتا ہے۔ لہذا سجدہ مخصوص ذات باری تعالٰی کے لئے ہے اور غیر کے لئے شرک وحرام وکفر۔

قال زید ان آیتوں میں سجدہ عبادت کی تخصیص ہے نہ سجدہ تحیت کی۔لہذا وہ جائز ہے۔

قال عمرو "لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ"[4] (نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو۔ت) سے غیر الله کے لئے سجدہ ممنوع ہونا ثابت ہے اگرچہ سجدہ تحیت ہو اور فقہاء و متکلمین نے اس کو حرام وکفر فرمایا ہے۔

کما فی شرح فقہ اکبر "ملا علی "انجاح الحاجۃ،	جیسا کہ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری،انجاح الحاجۃ

---

[1] القران الکریم ۲۲/ ۷۷

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۶۲

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۷

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۷

حلبی شرح المنیة مالا بدمنه، عالمگیری۔	شرح سنن ابن ماجہ، حلبی کبیر وصغرٰی شرح منیۃ المصلی اور مالابدمنہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور عالمگیری میں ہے۔(ت)

نیز احادیث صحیحہ اس کی مخالفت میں بکثرت وارد ہیں۔ قال زید آیت میں یہ کہا ہے لا تسجدوا للانسان (کسی انسان کو سجدہ نہ کرو۔ت) حدیثوں میں جواز ہے عکرمہ بن ابوجہل مشرف باسلام ہوئے اور انھوں نے حضرت کو سجدہ کیا آپ نے منع نہ فرمایا کما فی مدارج النبوۃ وروضۃ الاحباب (جیسا کہ مدارج النبوۃ اور روضہ الاحباب میں ہے۔ت) ایک صحابی نے حضرت کی پیشانی پر سجدہ کیا تو حضرت نے فرمایا تو نے اپنا خواب سچا کیا۔ پس ثابت ہوا کہ سجدہ جائز، کما فی مشکوٰۃ (جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے۔ت) قال عمرو عکرمہ کی روایت سے سجدہ مراد لینا اہل علم پر مخفی نہیں کہ کس قدر سادہ لوح ہے کیونکہ منقول ہے۔

فطأطأ رأسه من الحياء، كما في سيرة الحلبي وسيرة النبوية۔	پس اس نے شرم وحیاء کی وجہ سے اپنا سر جھکا دیا جیسا کہ سیرت حلبیہ اور سیرت نبویہ میں ہے۔(ت)

اور مدارج النبوۃ میں ہے۔

انگاہ از غایت شرمندگی سر در پیش افگند[1]۔	اس وقت غایت شرم وندامت کی وجہ سے اس نے اپنا سر ان کے آگے جھکا دیا۔(ت)

حدیث مشکوٰۃ سے معلوم ہوا کہ پیشانی انور مسجود علیہ تھی نہ مسجود لہ، لہٰذا وہ مفید مدعی نہیں۔ جس چیز پر سجدہ کیا وہ مسجود لہ قرار نہیں پاتی، فتدبر (پس خوب غور وفکر کیجئے۔ت) فالعجب کل العجب (انتہائی حیرت اور تعجب کی بات ہے۔ت) ونیز حدیث قیس ومعاذ بن جبل میں سجدہ تحیت کی نفی صریح وارد ہے۔ لاتفعلوا مشکوٰۃ ابن ماجہ[2] (ایسا مت کرو۔ مشکوٰۃ وابن ماجہ۔ت) نیز دیگر احادیث جو پرچہ صوفی نمبر ۱۲۴ جلد ۲۱ ماہ رجب ۱۳۷ھ میں شائع ہو چکی ہے ملاحظہ ہو۔ قال زید یہ سب حدیثیں خبر احاد ہیں۔ یہ نفی پر حجت ہو سکتیں ونیز آیات، قرآنی سے اباحت ثابت ہے اگرچہ مور خاص ہے مگر حکم عام ہے۔ قال عمرو آیات قرآن واحادیث نبوی وتصریحات فقہاء ومتکلمین سے حرمت وکفر

---

[1] مدارج النبوۃ ذکر عکرمہ بن ابی جہل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۹

[2] مشکوٰۃ والمصابیح کتاب النکاح الفصل الثالث مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸۲، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

ہونا ثابت ہے اس کی اباحت پر حالت اختیاری میں کوئی روایت ضعیف بھی وارد نہیں لہٰذا دعوی بلا دلیل ہے وہ مقبول نہیں۔
پس مفتیان دین بیان فرمائیں کہ قول حق وصواب کس کا ہے۔

"فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ "[1] بینوا توجروا	پھر دو گروہوں میں سے امن کے زیادہ لائق کون ہے اگر تم علم رکھتے ہو (تو بتاؤ) انھوں نے اپنے ایمان میں ظلم کی امیزش نہ کی ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پانے والے ہیں۔ بیان فرماؤ اجر پاؤ۔(ت)

باردوم: از میرٹھ خیر نگر دروازہ مرسلہ مظہر الاسلام صاحب نبیرہ نواب ممتاز علی خان ۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ

مجدد مائۃ حاضرہ حضرت مولانا بالفضل اولٰنا جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب دامت برکاتہم سلام وآداب کے بعد گزارش خدمت کہ ۲۸ جون ۲۹ رمضان المبارک کو رسالہ نظام المشائخ خدمت والا میں روانہ کرکے استدعا کی گئی تھی کہ براہ کرام سجدہ تحیت کے جواز وعدم جواز کی بابت شرع شریف کے مطابق اپنی قیمتی رائے سے خادم کو مطلع فرمایا جائے تاکہ یہ بے بضاعت جناب کے احسان وکرم کی وجہ سے اس عظیم شام مسئلہ میں تشفی واطمینان حاصل کرسکے چند روز ہوئے کہ جناب کہ معرکۃ الآرا تصنیف جو کہ تقویۃ الایمان کے روہ ابطال میں تحریر خادم کی نظر سے گزری اس کے صفحہ ۴۳ پر سجدہ تحیت کے جواز میں جو عبارت مزین ہے وہ حسب ذیل ہے:

"وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ"[2]	اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کہ وہ سب سجدہ میں گرے سوائے ابلیس کے۔
"وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ"[3]	یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا اور وہ سب یوسف کے لئے سجدے میں گرے۔

یہ خاک بدہن گستاخ اللہ تعالٰی ملائکہ آدم ویعقوب ویوسف علیہم الصلٰوۃ والسلام سب کا شرک ہوا۔ اللہ تعالٰی نے حکم دیا ملائکہ نے سجدہ کیا آدم راضی ہوئے یعقوب ساجد، یوسف رضامند"

[1] القرآن الکریم ۶/ ۸۲۔۸۱
[2] القرآن الکریم ۲/ ۳۴
[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۰

پھر جناب والا تحریر فرماتے ہیں: "اور یہاں نسخ کا جھگڑا پیش کرنا ہے محض جہالت۔ شرک کسی شریعت میں حلال نہیں ہو سکتا کبھی ممکن نہیں کہ اللہ تعالٰی شرک کا حکم دے اگرچہ اسے پھر کبھی منسوخ بھی فرمادے"

اگر جناب براہ کرام اپنی محققانہ رائے سے اس ناچیز کو مطلع فرمائیں گے تو یہ درحقیقت ایک بہت بڑی اسلامی خدمت متصور ہوگی۔ جناب کی مذکورہ بالا تحریر کے صریح معنی تو یہی سمجھ میں آئے کہ سجدہ تحیت جائز ہے والسلام مع الاکرام۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم لك الحمد یامن خشعت له القلوب وخضعت له الاعناق وسجدت له الجباہ * وحرم السجود فی ھذا الدین المحمود * والشرع المسعود * لمن سواہ * صل وسلم وبارك علی اکرم من سجد لك لیلا ونھارا * وحرم السجود لغیرك تحریما جھارا * وعلی اله وصحبه الفائزین بخیرہ * الذین لم یشن الله وجوھھم بالخرور بغیرہ * نورنا الله بانوارھم * ووفقنا الاتباع اٰثارھم * اٰمین۔	اے اللہ! تعریف وتوصیف تیرے لئے ہے۔ اے وہ ذات کہ جس کے لئے دل عاجز ہوگئے۔ (یعنی ان میں فروتنی پیدا ہوگئی) اور اس کے لئے گردنیں جھک گئیں اور پیشانیاں سجدہ ریز ہوگئیں۔ اور اس اچھے دین اور باسعادت شریعت میں اس کے سوا کسی غیر کو سجدہ حرام ہوگیا۔ اے اللہ! درود وسلام اور برکت نازل فرما اس مقدس ہستی پر جو ان لوگوں میں سب سے بڑے کریم ہیں۔ جنھوں نے رات دن تجھے سجدہ کیا۔ اور تیرے سوا کسی دوسرے کو واضح طور پر سجدہ کرنا حرام فرمایا۔ اور ان کی آل اور ساتھیوں پر (نیز درود وسلام اور برکات نازل ہو) جو اس کی بھلائی میں کامیاب ہوگئے۔ وہ ایسے ہیں کہ کسی غیر کے آگے گرنے سے۔ اللہ تعالٰی نے ان کے چہروں کو عیبناک نہیں کیا۔ اللہ تعالٰی ہمیں ان کے انوار سے روشن فرمائے اور ہمیں ان کے نشانات قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ اے اللہ! ہماری یہ دعا قبول فرمایئے! (ت)

مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدہ عبادت یقینا اجماعا شرک مہین وکفر مبین اور سجدہ تحیت حرام وگناہ کبیرہ بالیقین اور اس کے کفر ہونے میں اختلاف علمائے دین

ایک جماعت فقہاء سے تکفیر منقول اور عندالتحقیق وہ کفر صوری پر محمول۔ کما سیأتی بتوفیق المولی سبحنه وتعالٰی (جیسا کہ اللہ تعالٰی پاک وبرتر کے توفیق دینے سے عنقریب یہ مسئلہ آئے گا۔ت) ہاں مثل صنم وصلیب وشمس وقمر کے لئے سجدے پر مطلقًا کفار، کمافی شرح المواقف وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ شرح مواقف وغیرہ بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔ ت) ان کے سوا مثل پیر ومزار کے لئے ہرگز ہرگز نہ جائز ومباح جیسا کہ زید کا ادعائے باطل نہ شرک حقیقی نا مغفور جیسا کہ وہابیہ کا زعم عاطل۔ بلکہ حرام ہے۔ اور کبیرہ وفحشاء۔ "فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ"[1] (اللہ تعالٰی جس کو چاہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہے سزا دیتا ہے۔ت) ابطال شرک کے لئے تو وہی واقعہ حضرت آدم اور مشہور جمہور پر حضرت یوسف بھی علیہما الصلٰوۃ والسلام دلیل کافی ہے۔ محال ہے کہ مولٰی کہ ملائکہ وانبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام میں سے کوئی کسی مخلوق کو اپنا شریک کرنے کا حکم دے اگرچہ پھر اس منسوخ بھی فرمائے اور محال ہے کہ ملائکہ وانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام میں سے کوئی کسی کو ایک آن کے لئے شریک خدا بنائے یا اسے روا ٹھہرائے، کوکبۃ الشہابیۃ میں اسی کا بیان اور زعم وہابی کا ابطال بین البرہان۔ اس کا صرف اتنا مفاد و مقصود کہ وہابی کا شرک باطل و مردود، وہابی نے اس پر شرک نامغفور کا حکم لگا کر آدم ویعقوب ویوسف وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام سب کو معاذاللہ مشرک بنادیا۔ اور رب عزوجل کو (خاک بدہن گستاخ) شرک کا حکم دینے اور جائز رکھنے والا ٹھہرادیا۔ یہ ضرور حق اور افادہ جواز سے اجنبی مطلق کیا جو کچھ شرک نہ ہو سب جائز وروا ہے۔ یوں تو زناء وقتل وشرب وخمر واکل خنزیر سب کچھ حلال ٹھہرتا ہے کہ یہ باتیں بھی شرک نہیں تو معاذاللہ سب جائز ہوئی اور جہل صریح وضلال مبین۔ **والعیاذ باللہ رب العالمین** (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ت) اور ابطال اباحت کو احادیث متواترہ اور ائمہ دین کے نصوص وافرہ مسئلہ شرعیہ حدیث وفقہ سے لیا جائے گا اور ان میں اس کی تحریم متواتر اس کے ممنوع وناجائز وگناہ کبیرہ ہونے کی تصریحات متظافر، پرچہ نظام المشائخ دہلی رجب ۱۳۳۷ھ کا اس سوال کے ساتھ آیا اس میں متعلق سجدہ تحریر بے تحریر نے ایک ایسے نام سے انتساب پایا جس کی طرف اس کی نسبت نے عجب تعجب دلایا۔ اس تحریر میں اول تا آخر جہالتیں سفاہتیں عبارات و مطالب میں طرفہ خیانتیں، شرح مطہر پر شدید جراتیں حتی کہ خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سخت حملہ ہائے بے باک حضور ورب حضور پر افتراہائے ناپاک۔ پھر صحابہ وائمہ وفقہاء واولیاء کا کیا ذکر ان

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۴

کی رفیع شان میں کمال زبان درازوں کی کیا فکر یہاں تک کہ ان کو نہ صرف جاہل ضدی سنگدل بتایا بلکہ بھر منہ شقی ملعون شیطان راندہ درگاہ ٹھہرایا۔ **وسیجزی اللہ الفاسقین کذٰلک یجزی الظالمین** (عنقریب اللہ تعالٰی نافرمانوں کو سزادے گا اور اسی طرح ظالموں کو بدلہ دے گا۔ت) یہ سب بھی اینہم پر علم تھے کہ اور ضلال کیا کم تھے جب مذہب نہیں کچھ عجب نہیں مگر سخت آفت یہ کہ عبارتیں کی عبارتیں جی سے گھڑیں اور صاف بے دھڑک مشہور کتابوں کی طرف نسبت کردیں تو وہ بھی اس جسارت کی شان سے کہ جلد و صفحہ و باب کے نشان سے مذہبی حالت کچھ سہی۔ جسے ادنی حیاوانسانیت کے دائرے میں رہنا پسند ہو کیونکر ان کا مرتکب ہوسکے اگر نہ رسالہ خبیثہ سیف النقی کی طرح پابند اثر دیوبند ہو نہ کہ ایک مشہور شخص جو پیش خویش صوفی و شیخ بننے کا خواہشمند ہو بہر حال مسلمانوں کو اس کے فریبوں سے بچانا لازم اشد جسے ہم نے بکر سے تعبیر کیا ہے کسے باشد مذکور سوال زید کے جتنے مگر ہیں سب مشتے از خروارہ بکر ہیں لہٰذا خبر گیری اسی کی کافی آئی **وکل الصید فی جوف الفراء**[1] (ہر شکار فراء کے پیٹ میں ہے۔ت) ایسی تحریرات اگرچہ قطعاً نا قابل التفات بعد اشاعت فاحشہ اس کا انسداد امر مہم۔

اب یہ مبارک جواب بتوفیق الوہاب چھ ۶ فصل پر منقسم:

فصل ۱: قرآن کریم سے سجدہ تحیت کی تحریم، یہ اس کا رد ہے جو بکر نے صفحہ ۸ پر کہا: "کوئی آیت سجدہ انسان کے خلاف قرآن میں کہیں بھی نہیں"

فصل ۲: چالیس حدیثوں سے سجدہ تحیت کی تحریم: یہ اس کا رد ہے جو بکر نے ایک ضعیف حدیث دکھا کر صفحہ ۹ پر کہا: "اسی حدیث کو سجدہ تعظیمی کے مخالف سند میں پیش کیا کرتے ہیں سوائے اس کے اور کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں" اللہ اکبر۔ متواترہ حدیثوں کے مقابل یہ ڈھٹائی۔

فصل ۳: ایک سو دس نصوص فقہ سے سجدہ تحیت کی تحریم۔ یہ اس کا رد ہے جو بکر نے صفحہ ۲۳ پر کہا: "سوائے چند جاہل ضدی لوگوں کے کوئی سجدہ تعظیم کے خلاف نہ تھا" صفحہ ۲۴: "اس سے انکار کرنے والے شیطان کی طرح راندہ درگاہ ہوں گے" صفحہ ۱۰: سجدہ تعظیمی کا انکار موجب لعنت و پھٹکار "**وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾**"[2] (بہت جلدی ظالم جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ الدیلمی حدیث ۴۴۱۳۸ ۱۶/ ۱۲۱ و تاج العروس فصل الفاء من باب الھمزۃ ۱/ ۹۶

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

فصل ۴: خود بکر کی سندوں اور اسی کے مستندوں اور اسی کے منہ سے قرآن مجید واحادیث متواترہ واجماع علماء واجماع اولیاء سے سجدہ تحیت حرام ہونے کا ثبوت یہ کاہے کا رد ہے اسے بکر سے پوچھئے۔

فصل ۵: اس ذراسی تحریر میں بکر کے افتراء اختراع، کذب، خیانت، جہالت، سفاہت، کا اظہار

فصل ۶: سجدہ آدم ویوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بحث اور اس سے استدلال مجوز کا قاہر ابطال۔

وباللّٰہ التوفیق والوصول الی التحقیق والحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا والہ وصحبہ اجمعین۔ آمین!	اور اللہ تعالٰی ہی سے کرم سے حصول توفیق ہے۔ اور تحقیق تک رسائی ہوسکتی ہے۔ ہر تعریف اللہ تعالٰی ہی کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ہمارے آقا اور مولٰی اور ان عذاب کی سب آل اور تمام ساتھیوں پر اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہو اے اللہ! ہماری دعا قبول فرمالیجئے۔ (ت)

فصل اول: قرآن کریم سے سجدۂ تحیت کی تحریم

قال ربنا تبارك وتعالٰی "وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾" [1]۔	(ہمارے رب تبارک وتعالٰی نے فرمایا) نبی کو یہ نہیں پہنچتا کہ تمھیں حکم فرمائے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب ٹھہرالو کیا نبی تمھیں کفر کا حکم دے بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

عبد بن حمید اپنی مسند میں سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ فرمایا:

بلغنی ان رجلا قال یارسول اللّٰہ نسلم علیك لما یسلم بعضنا علی بعض افلا نسجدلك قال لا ولکن اکرموا نبیکم واعرفوا الحق لاھلہ	مجھے حدیث پہنچی کہ ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہم حضور کو بھی ایسا ہی سلام کرتے ہیں جیسا کہ آپس میں کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کریں، فرمایا نہ بلکہ اپنے نبی کی تعظیم کرو اور سجدہ خاص حق خدا کا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۰

فانہ لاینبغی ان یسجدوا لاحد من دون تعالٰی فانزل اللہ تعالٰی ماکان لبشر الٰی قول بعد اذ انتم مسلمون ٥[1]	اسے اسی کے لئے رکھو اس لئے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ سزاوار نہیں اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔

اکلیل فی استنباط التنزیل میں اس آیت کے نیچے یہی حدیث اختصار ذکر کرکے فرمایا: ففیہ تحریم السجود لغیر اللہ تعالٰی[2] (اس میں غیر خدا کے لئے حرمت سجدہ کا بیان ہے۔ت)

تو اس آیہ کریمہ نے غیر خدا کو سجدہ حرام فرمایا: آیت کی ایک شان نزول یہ بھی ہے کہ نصارٰی نے کہا ہمیں عیسٰی نے حکم دیا ہے کہ ہم ان کو خدا مانیں اس پر اتری، امام خاتم الحفاظ نے جلالین میں دونوں سبب یکساں بیان کئے:

نزل لما قال نصارٰی نجران ان عیسٰی امر ھم ان یتخذوا ربا اولما طلب بعض المسلمین السجود لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔	آیت مذکورہ اس وقت نازل ہوئی جب بخران کے عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسٰی السلام نے انھیں حکم دیا کہ وہ حضرت عیسٰی کو رب بنالیں، یا اس کا نزول اس وقت ہوا جب بعض مسلمانوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انھیں سجدہ کرنے کا مطالبہ کیا۔(ت)

اس نے ظاہر کردیا کہ دونوں سبب قوی ہیں کہ خطبہ میں وعدہ ہے کہ تفسیر میں وہی قول لائیں گے جو سب سے صحیح تر ہو اور بیضاوی ومدارک وابوسعود وکشاف وتفسیر کبیر میں وشہاب وجمل وغیرہم عامہ مفسرین نے اسی سبب اول کو ترجیح دی ہے کہ مسلمانوں نے حضور کو سجدے کی درخواست کی اس پر اتری خود آخر آیت میں فرمایا گیا تمھیں کفر کا حکم دیں بعد اس کہ تم مسلمان ہو تو ضرور مسلمان مخاطب ہیں جو خواہان سجدہ ہوئے تھے نہ کہ نصارٰی۔ مدارک شریف وکشاف میں ہے:

بعد اذ انتم مسلمون یدل علی ان المخاطبین کانوا مسلمین وھم الذین استأذنوہ ان	آیت کے الفاظ "بعد اذ انتم مسلمون" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آیت کریمہ کے مخاطب مسلمان تھے

[1] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید الحسن تحت آیۃ ۳/ ۸۰ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۴۷

[2] الاکلیل فی استنباط التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۵۴

[3] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۳/ ۸۰ اصح المطابع دہلی ۱/ ۲۴۰

یسجدوا له[1]۔	اور یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے انھیں سجدہ کرنے کی اجازت مانگی۔ (ت)

بیضاوی وارشاد العقل میں ہے:

دلیل ان الخطاب للمسلمین وھم المستأذنون لان یسجدوا له[2]۔	آیت میں یہ دلیل ہے کہ اس میں خطاب مسلمانوں کو ہے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں کہ جنھوں نے حضور پاک سے انھیں سجدہ کرنے کی اجازت مانگی۔ (ت)

کبیر[3] میں قول کشاف نقل کرکے مقرر رکھا فتوحات میں ہے:

یقرب ھذا الاحتمال فی اٰخر الایة بعد اذ انتم مسلمون[4]۔	آیت کریمہ کے آخر میں "بعد اذ انتم مسلمون" کے الفاظ اس احتمال کے قریبی ہونے کو چاہتے ہیں۔ (ت)

عنایۃ القاضی میں ہے:

ھذا الفاصلة رجیح القول بانھا نزلت فی المسلمین القائلین افلا نسجدلك[5]۔	یہ فاصلہ اس قول کی ترجیح ہے کہ آیت اللہ مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی کہ جو حضور پاک سے عرض کررہے تھے کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں (ت)

تفسیر نیشاپوری میں بھی اس کی تقویت کی اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں) خطاب نصارٰی پر انتم مسلمون میں مجاز کی ضرورت ہے کہ نصارٰی نجران مسلمان کب تھے تو معنی عـــہ یہ لینے ہونگے ایامرکم اٰباءکم الاولین بالکفر بعد ان کانوا مسلمین۔ کیا عیسٰی تمھارے اگلے

عـــہ: **اقول:** وتاویلی ھذا اصح و | **اقول:** میری یہ تاویل بیضاوی کے حاشیہ میں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] مدارك التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰۔ ۱/ ۱۶۶ وتفسیر کشاف تحت ۳/ ۸۰ انتشارات آفتاب تہران ۱/ ۴۴۰

[2] انوار التزیل (تفسیر بیضاوی) النصف الاول ص ۶۶ وارشاد العقل السلیم تحت آیۃ ۳/ ۸۰ الجزء الثانی ص ۵۳

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۳/ ۸۰ المطبعة البھیة المصریة مصر الجزء الثامن ص ۱۲۱

[4] الفتوحات الالٰھیہ تحت آیۃ ۳/ ۸۰ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۹۱

[5] عنایۃ القاضی علی انوازل التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ دار صادر بیروت ۳/ ۴۱

باپ داداؤں کو جو ان کے زمانے میں دین حق پر تھے کفر کا حکم کرتے بعد اس کے کہ وہ ایمان لاچکے تھے اور خطاب مسلمین پر کفر حل تاویل کی حاجت ہے کہ مسلمان نے ہر گز سجدہ عبادت نہ چاہا۔

اوّلاً: یہ صحابہ سے معقول تھا روز اول سے توحید کا آفتاب عالم آشکار فرمادیا تھا موافق مخالف نزدیک کا دور ہر شخص جانتا تھا ہر گھر میں چرچا تھا کہ یہ ایک اللہ کی عبادت بلاتے اور شرک کے برابر کسی شیئ کو دشمن نہیں رکھتے تو کسی صحابی سے عبادات نبی کی درخواست اور وہ بھی خود نبی سے کیونکہ متصور تھی خصوصا سجدہ کی درخواست کرنے والے کون تھے، اجلہ صحابہ معاذ بن جنبل و قیس بن سعد و سلمان فارسی حتی کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہم جیسا کہ فصل احادیث میں آتا ہے۔

ثانیاً: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جواب میں یہی فرمایا کہ ایسا نہ کرو، یہ نہ فرمایا کہ تم عبادت غیر کی درخواست کرکے کافر ہوگئے تمھاری عورتیں نکاح سے نکل گئیں توبہ کرو دوبارہ اسلام لاؤ، پھر عورتیں راضی ہوں توان سے نکاح کرو۔

ثالثاً: سب سے زائد یہ کہ مولٰی تعالٰی بھی توخود اسی آیت میں ان کو مسلمان بتارہا ہے کہ تم تو مسلمان ہو کیا تمھیں کفر کا حکم دیں۔

لہٰذا امام محمد بن حافظ الدین وجیز میں فرماتے ہیں:

قول تعالٰی مخاطبا الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ایأمرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون، نزلت حین استأذنوا فی	اللہ عزوجل نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرمایا کیا نبی تمھیں کفر کا حکم دیں بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو یہ آیت اس وقت اتری جب صحابہ نے رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اظھر من تاویل الشھاب فی حاشیۃ البیضاوی اذ قال وان جاز ان یقال للنصارٰی انامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون ای منقادون و مستعدون لقبول الدین الحق ارخاء للعنان واستدراجا[1] اھ ففیہ مالایخفی علی نبیہ ۱۲منہ۔	شہاب کی اس تاویل سے اصح واظہر ہے جو انھوں نے فرمایا کہ نصارٰی کو یہ کہنا کیا ہم تمھیں کفر کا حکم کرتے جب تم مسلمان ہو چکے اگر جائز ہے تو اس معنی میں کہ مطیع ہو چکے ہو اور دین حق کو قبول کرنے میں رغبت پیدا کر چکے ہو یہ بطور ارضاء عنان و استدراج ہے اھ تو اس تاویل میں اعتراض ہے جو سمجھدار پر مخفی نہیں ہے۔ ۱۲منہ (ت)

[1] عنایۃ القاضی علی انوار التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ دار صادر بیروت ۳/ ۴۱

السجود له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولایخفی ان الاستئذان لسجود التحیة بدلالة بعد اذ انتم مسلمون، ومع اعتقاد جواز سجدۃ العبادۃ لایکون مسلما فکیف یطلق علیهم بعد اذا انتم مسلمون[1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کی اجازت چاہی اور ظاہر ہے کہ انھوں نے سجدہ تحیت کی درخواست کی تھی اس دلیل سے کہ فرماتا ہے کہ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو اور سجدہ عبادت جائز مان کر مسلمان نہیں رہتا تو یہ کیونکر فرمایا جاتا کہ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔(ت)

اقول: (میں کہتاہوں) بعدہ یہی دلیل روشن کررہی ہے کہ کفر سے کفر حقیقی مراد نہیں کہ کفر حقیقی کی درخواست کرکے بھی مسلمان نہیں رہتا پھر کیونکر فرمایا جاتا کہ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو،

وقد کان استدل به البعض القائلون بان سجدۃ التحیة کفر مطلقا، وذکرہ فی الوجیز دلیلا لهم، فانقلب الدلیل علی المدعی وثبت انها لیست بکفر کما علیه الجمهور والمحققون فاحفظ وتثبت وللہ الحمد۔	بعض لوگوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جو سجدہ تعظیمی کے علی الاطلاق کفر کے قائل ہیں، وجیز میں ان کی دلیل ذکر فرمائی۔ پھر دلیل دعوی پر پلٹ آئی تو یہ ثابت ہوگیا کہ سجدہ تعظیمی کفر نہیں جیسا کہ جمہور اور اہل تحقیق کا یہ مؤقف ہے۔ لہٰذا اس کو یاد رکھو اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔(ت)

لاجرم کفر سے مراد کفر دون کفر ہوگا جو محاورات شارح میں شائع ہے خصوصا سجدہ کہ نہایت مشابہ پرستش غیر ہے فصل دوم میں زمین بوسی کی نسبت کافی شرح وافی وکفایہ شرح ہدایہ وتبیین شرح کنز ودرمختار ومجمع الانہر وفتح اللہ المعین وجواہر اخلاطی وغیرہا سے آئے گا لانه یشبه عبادۃ الوثن[2] بت پرستی کے مشابہ ہے، تو سجدہ تو مشابہ تر کفر ہوگا، اس کی صورت بعینہا صورت کفر بلاادنی تفاوت ہے تو کفر صوری ضرور ہے جیسا کہ فصل دوم میں خلاصہ ومحیط ومنح الروض ونصاب الاحتساب وغیرہا سے آتا ہے ان هذا کفر صورۃ[3] سجدہ صورت کفر ہے۔

وهو احد منازع هذا الاطلاق فی	اہل علم کے کلام میں جو اطلاق ہے اس میں یہ

[1] فتاوٰی بزازیہ علی هامش الفتاوٰی الهندیه کتاب الفاظ تکون اسلاما اوکفرا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۴۳

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[3] منح الروض الازهر علی الفقه الاکبر فصل فی الکفر المصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

کلامھم کما سیأتی بعونہ عزوجل۔	ایک تنازع کی جگہ ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی عزت والے اور بڑی شان والے کی مدد سے عنقریب آئے گا(ت)

بہر حال آیۃ کریمہ میں ایک طریقہ تجوز ہے لہٰذا امام خاتم الحفاظ نے دونوں شان نزول برابر رکھیں اور شک نہیں کہ ایک ایک آیت کے لئے کئی کئی شان نزول ہوتے ہیں اور قرآن کریم اپنے جمیع وجوہ پر حجت ہے **کما فی التفسیر الکبیر وشرح المواھب للزرقانی وغیرھما** (جیسا کہ تفسیر کبیر اور شارح مواہب اللزرقانی وغیرہما میں ہے۔ت) تو قرآن عظیم نے ثابت فرمایا کہ سجدہ تحیت ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی** صحابہ کرام نے حضور کو سجدہ تحیت کی اجازت چاہی اس پر ارشاد ہوا کیا تمھیں کفر کا حکم دیں، معلوم ہوا کہ سجدہ تحیت ایسی قبیح چیز ایسا سخت حرام ہے جسے کفر سے تعبیر فرمایا: جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سجدہ تحیت کا یہ حکم ہے پھر اوروں کا کیا ذکر۔ **واللہ الھادی۔**

فصل دوم: چالیس حدیثوں سے تحریم سجدۂ تحیّت کا ثبوت

حدیث میں چہل حدیث کی بہت فضیلت آتی ہے۔ ائمہ وصلحاء نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں ہم بتوفیقہ تعالٰی یہاں غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی چہل حدیث لکھتے ہیں یہ حدیثیں دو نوع:

نوع اول: سجدہ غیر کی مطلقًا ممانعت۔

حدیث عـــہ اول[1]: جامع ترمذی وصحیح ابن حبان وصحیح مستدرک ومسند بزار وسنن بیہقی میں ابوہریرہ

عـــہ: رأیتہ فی جامع الترمذی وغرہ فی الدر المنثور[1] تحت قولہ عزوجل الرجال قوامون علی النساء للبزار والحاکم والبیھقی وفی نکاح والترغیب،[2] وذیل الجامع[3] الصغیر لابن حبان اقتصر فی ھذا علی مرفوعہ مشیا من الکتاب علی موضوعہ ووقع فی کنز العمال[4] رمزن للنسائی وھو تصحیف ت للترمذی ۱۲منہ۔	میں نے یہ حدیث جامع ترمذی میں دیکھی ہے اور اس کو در منثور نے آیۃ کریمہ "الرجال قوامون علی النساء" کی تفسیر میں بزار حاکم اور بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے اور ترغیب کے باب نکاح اور جامع صغیر کے ذیل میں اس کو ابن حبان کی طرف منسوب کیا اور اس میں صرف مرفوع حصہ پر اقتصار کیا ہے اپنی کتاب کے موضوع کے مطابق اور کنزالعمال میں رمزن نسائی واقع ہے حالانکہ یہ رمزت کی جگہ ن کو ذکر کر دیا گیا ہے یعنی ترمذی کے بجائے غلطی سے نسائی کا رمز کر دیا ہے۔ ۱۲منہ (ت)

---

[1] الدر المنثور تحت آیۃ الرجال قوامون الخ ۲/ ۱۵۲

[2] الترغیب والترھیب حدیث ۱۹ /۳/ ۵۴

[3] کنز العمال حدیث ۴۴۷۹۴ /۱۶/ ۳۳۶

[4] کنز العمال حدیث ۴۴۷۷۳ /۱۶/ ۳۳۲

رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال جاءت امرأۃ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقالت یارسول اللہ اخبرنی ماحق الزوج علی الزوجۃ قال لوکان ینبغی لبشر ان یسجد لبشر لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا اذا دخل علیھالما فضلہ اللہ علیھا ھذا لفظ البزار[1] والحاکم والبیھقی وعندالترمذی المرفوع منہ بلفظ لوکنت آمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا[2]۔	ایک عورت نے بارگاہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ شوہر کا عورت پر کیا حق ہے۔ فرمایا اگر کسی بشر کو لائق ہوتا کہ وہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے تو میں عورت کو فرماتا کہ جب شوہر گھر میں آئے اسے سجدہ کرے اس فضیلت کے سبب جو اللہ نے اسے اس پر رکھی ہے یہ الفاظ بزر، حاکم اور بیہقی کے ہیں۔ امام ترمذی کے ہاں مرفوع الفاظ یہ ہیں کہ اگر کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم فرماتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث حسن صحیح ہے۔ (ت)

حدیث عـــہ **دوم** ۲: بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال دخل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حائطا فجاء بعیر فسجد لہ فقالوا ھذہ بھیمۃ لاتعقل سجدت لك ونحن نعقل فنحن ان نسجد لك فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لبشر ان یسجد بشرلو صلح لامرت المرأۃ	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے ایک اونٹ نے حاضر ہو کر حضور کو سجدہ کیا صحابہ نے عرض کی یہ بے عقل چوپایہ ہے اس نے حضور کو سجدہ کیا ہم تو عقل رکھتے ہیں ہمیں زیادہ لائق ہے کہ حضور کو سجدہ کریں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

عـــہ: شروح الشفاء الخفاجی والقاری و مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء للامام خاتم الحافظ ۱۲منہ۔	شفاء شریف کی شروح خفاجی اور قاری کی اور مناہل الصفا تخریج احادیث الشفاء امام خاتم الحفظ کی۔ ۱۲منہ (ت)

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث ۱۴۶۶ باب حق الزوج علی زوجتہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۷۸، المستدرك للحاکم کتاب النکاح ۲/ ۱۸۹ و الترغیب والترھیب بحوالہ البزار والحاکم ۳/ ۵۴

[2] جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی الزوج علی المرأۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۸

ان تسجد لزوجها لما له من الحق علیها[1]۔	آدمی کو لائق نہیں کہ آدمی کو سجدہ کرے ایسا مناسب ہوتا تو میں عورت کو فرماتا کہ شوہر کو سجدہ کرے اس حق کے سبب جو اس کا اس پر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے مناہل الصفا میں فرمایا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حدیث عـــہ **سوم** ۳: احمد ونسائی وبزار وابو نعیم انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کان اهل بیت من الانصار لهم جمل یسنون علیه وانه استصعب علیهم (فذکر القصة الی قوله) فلما نظر الجمل الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خر ساجدا بین یدیه فقال له اصحابه یا رسول الله هذه بهیمة لاتعقل تسجد لك ونحن نعقل فنحن احق ان	یعنی انصار میں ایک گھر کا آبکشی کا اونٹ بگڑ گیا کسی کو پاس نہ آنے دیتا کھیتی اور کھجوریں پیاسی ہوئیں۔ سرکار میں شکایت عرض کی، صحابہ سے ارشاد ہوا چلو باغ میں تشریف فرما ہوں۔ اونٹ اس کنارے پر تھا۔ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف چلے۔ انصار نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ بورانے (باؤلے) کتے کی طرح ہوگیا ہے مبادا حملہ کرے۔ فرمایا ہمیں اس کا اندیشہ نہیں۔ اونٹ حضور کو دیکھ کر

عـــہ: عزاه لاحمد فی الدرالمنثور[2] وله للنسائی فی المواهب[3] وفی الترغیب البزار قال المنذری رواه النسائی مختصرا[4] اھ ورأیته لابی نعیم فی دلائل النبوة ووقع فی کنزالعمال[5] رمز ت للترمذی وهو تصحیف ن للنسائی عکس ماسبق علقه الترمذی عن کثیرین تحت حدیث ابی هریرة الاول منهم الانس رضی الله تعالٰی عنهم ۱۲منہ غفرلہ۔

درمنثور میں احمد اور مواہب میں حمد اور نسائی کی طرف منسوب ہے اور ترغیب میں بزار کا اضافہ ہے۔ امام منذری نے کہا۔ اور اس کو نسائی نے مختصرا روایت کیا ہے اھ اور میں نے ابو نعیم کی دلائل النبوۃ میں دیکھا کہ اور گزشتہ غلطی کے برعکس یہاں غلطی ہے اس کو ترمذی نے ابوہریرہ کی حدیث کے تحت حضرات سے بطور تعلیق روایت کیا ہے ان حضرات میں پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہم ہیں۔ ۱۲منہ (ت)

[1] مجمع الزوائد بحوالہ احمد والبزار باب فی معجزاته صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار الکتب بیروت ۹/ ۱۷، نسیم الریاض فصل فی الآیات فی ضروب الحیوانات ۳/ ۸۰، ۸۱ و شرح الشفاء لملاعلی قاری علی ہامش نسیم الریاض ۳/ ۸۰

[2] الدرالمنثور ۲/ ۱۵۴

[3] المواهب اللدنیه معجزات کلام الحیوانات ۲/ ۵۴۹

[4] الترغیب والترهیب حدیث ۲۰ ۳/ ۵۵

[5] کنزالعمال حدیث ۳۴۴۷۷ ۱۲/ ۳۳۳

نسجد لك قال لایصلح لبشران یسجد لبشرولو صلح ان یسجد بشر لبشر لامرت المرأة ان تسجد لزوجها من عظم حقه علیها [1] وعند النسائی مختصرًا۔	چلا اور قریب آکر حضور کے لئے سجدہ میں گرا حضور نے اس کے ماتھے کے بال پکڑ کر کام میں دے دیا وہ بکری کی طرح ہو گیا (آگے وہی ہے کہ) صحابہ نے عرض کی ہم تو ذی عقل ہیں ہم زیادہ مستحق ہیں کہ حضور کو سجدہ کریں۔ فرمایا آدمی کو لائق نہیں کہ کسی بشر کو سجدہ کرے ورنہ میں عورت کو مرد کے سجدے کا حکم فرماتا۔

امام منذری نے کہا اس حدیث کی سند جید ہے اور اس کے راوی مشاہیر ثقہ۔

حدیث عـــہ **چہارم** ۴: امام احمد و بزار و ابونعیم انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال دخل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حائطا الانصار ومعہ ابوبکر وعمر فی رجال من الانصار وفی الحائط غنم فسجدن لہ فقال ابوبکر یا رسول اللہ کنا نحن احق بالسجود لك من ھذہ الغنم قال انہ لاینبغی فی امتی ان یسجد احد لاحد ولو کان ینبغی ان یسجد احد لاحد	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں تشریف فرما ہوئے صدیق وفاروق اور کچھ انصار رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمرارکاب تھے باغ میں بکریاں تھیں انھوں نے حضور کو سجدہ کیا صدیق نے عرض کی یارسول اللہ! ان بکریوں سے ہم زیادہ حقدار ہیں اس کے کہ حضور کو سجدہ کریں، تو فرمایا بیشک میری امت میں نہ چاہئے کہ کوئی کسی کو سجدہ کرے۔

عـــہ: عزاہ فی المواھب [2] لابی محمد عبداللہ بن حامد الفقیہ فی کتاب دلائل النبوۃ لہ فقال الزرقانی مابعد المصنف التجوز فقد رواہ احمد والبزار [3] وکذلك عزاہ لھما الامام السیوطی فی مناھل الصفا فی تخریج حدیث الشفاء ورأیتہ ابی نعیم فی دلائل النبوۃ والیہ عزا فی الخصائص [4] ۱۲ منہ۔	مواہب میں اس کو ابو محمد بن عبداللہ بن حامد فقیہ کی کتاب دلائل النبوۃ کی طرف منسوب کیا ہے تو زرقانی نے کہا مصنف کا مجازا ذکر ہے۔ تو اس کو احمد اور بزار نے روایت کیا اور یونہی امام سیوطی نے مناھل الصفا میں ان دونوں کی طرف منسوب کیا اور میں نے اس کو ابونعیم کی دلائل النبوۃ میں دیکھا ہے اور امام السیوطی نے خصائص میں اس کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثانی والعشرون الجزء الثانی عالم الکتب بیروت ص ۱۳۷، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۵۹۔۵۸

[2] المواہب اللدنیہ ۲/ ۵۵۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ۵/ ۱۴۳

[4] الخصائص الکبرٰی ۲/ ۲۶۵

لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[1]۔	اور ایسا مناسب ہوتا تو میں عورت کو شوہر کو سجدے کا حکم فرماتا۔

ملا علی قاری نے شرح الشفاء امام قاضی عیاض میں کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پنجم ۵: بیہقی وابونعیم دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

بینما نحن قعود مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا تاه ات فقال یا رسول الله ناضح آل فلاں قد ابق علیهم فنهض رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم (فذکر القصة وفیه سجود البعیر له صلی الله تعالٰی علیه وسلم) قال فقال اصحابه یا رسول الله بهیمة من البهائم تسجد لك لتعظیم حقك فنحن احق ان نسجد لك قال لا لو کنت آمرا احدا من امتی ان یسجد بعضهم لبعض لامرت النساء ان یسجدن لازواجهن[2]۔	ہم خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے کسی نے آکر عرض کی فلاں گھر کا شتر آبکش بے قابو ہوگیا حضور اٹھے اور ہم ہمراہ رکاب اٹھے ہم نے عرض کی حضور! اس کے پاس نہ جائیں۔ حضور تشریف لے گئے اونٹ کی نظر جمال انور پر پڑنا اور اس کا سجدے میں گرنا صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ایک چوپایہ تو حضور کی تعظیم حق کے لئے حضور کو سجدہ کرے ہم زیادہ اس کے لائق ہیں کہ حضور کو سجدہ کریں، فرمایا: نہیں اگر میں اپنی امت میں ایک دوسرے کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورتوں کو فرماتا کہ شوہروں کو سجدہ کریں۔

حدیث ششم ۶: احمد مسند اور حاکم مستدرک اور طبرانی معجم کبیر اور بیہقی ابونعیم دلائل النبوۃ اور بغوی شرح سنہ میں یعلٰی بن مرۃ ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال خرج النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم	ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] نسیم الریاض فصل فی الآیات فی ضروب الحیوانات مرکز اہلسنت برکات رضا عجزات للھند ۳/ ۸۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثامن والعشرون ذکر سجود البهائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۵

[2] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثامن والعشرون ذکر سجود البهائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۷

یوماً فجاء بعیر یرغو حتی سجد له فقال المسلمون نحن احق ان نسجد للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال لوکنت اُمرا احدا ان یسجد لغیر الله تعالٰی لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[1]۔	باہر تشریف لئے جاتے تھے ایک اونٹ بولتا ہوا آیا قریب آکر حضور کو سجدہ کیا۔ مسلمانوں نے کہا ہمیں تو زیادہ لائق ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں کسی کو غیر خدا کے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو فرماتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

جانتے ہو یہ اونٹ کیا کہتا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے چالیس برس اپنے آقا کی خدمت کی جب بوڑھا ہوا انھوں نے اس کا چارہ کم اور کام زیادہ کردیا اب کہ ان کے یہاں شادی ہے چھری لی کہ حلال کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے مالکوں سے فرما بھیجا کہ اونٹ یہ شکایت کرتا ہے۔ انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! واللہ وہ سچ کہتا ہے۔ فرمایا میں تو چاہتا ہوں کہ تم اسے میری خاطر چھوڑدو، انھوں نے چھوڑ دیا۔ مطالع المسرات میں کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حدیث ہفتم ۷: مسند امام احمد میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان فی نفر من المهاجرین والانصار فجاء بعیر فسجد له فقال اصحابه یا رسول الله تسجد لك البهائم والشجر فنحن احق ان نسجد لك فقال اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم ولوکنت آمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک جماعت مہاجرین وانصار میں تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ نے آکر حضور کو سجدہ کیا صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ چوپائے اور درخت حضور کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم تو زیادہ مستحق ہیں کہ حضور کو سجدہ کریں۔ فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور ہماری تعظیم۔ اگر میں کسی کو کسی کے سجدے کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

اس حدیث کا صرف اخیر ٹکڑا کہ "اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا" سنن ابن ماجہ میں بھی ہے اور اسی قدر ترغیب میں ابن حبان اور در منثور میں ابوبکر بن ابی شیبہ کی طرف نسبت کیا۔

---

[1] مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص۲۴۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثانی والعشرون ذکر سجود البهائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص۱۳۶

[2] مسند احمد بن حنبل عن عائشه رضی الله عنها المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۷۶

حدیث ہشتم: ابونعیم دلائل میں ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے راوی:

قال اشتری انسان من بنی سلمۃ جملا ینضح علیہ فادخلہ فی مربد فجرد کیما یحمل فلم یقدر احد ان یدخل علیہ الاتخبطہ فجاء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فذکر لہ ذٰلک فقال افتحوا عنہ فقالوا انا نخشی علیک یا رسول اللہ فقال افتحوا منہ فقتحوا فلما راٰہ الجمل خر ساجدا فسبح القوم وقالوا یارسول اللہ کنا احق بالسجود من ھذہ البھیمۃ قال لو ینبغی شیئ من الخلق ان یسجد لشیئ دون اللہ ینبغی للمرأۃان تسجد لزوجھا[1]۔	بنی سلمہ میں کسی نے ایک اونٹ آبکشی کو خرید کر سار میں کر دیا جب اسے لادنا چاہا جو پاس جاتا اس پر حملہ کرتا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے۔ سرکار میں یہ حال معروض ہوا ارشاد ہوا دروازہ کھولو، کھول دیا۔ اونٹ کی نگاں جمال انور پر پڑنی تھی کہ حضور کے لئے سجدہ میں جاگرا۔ حاضرین میں سبحان اللہ سبحان اللہ کا شور پڑگیا۔ پھر عرض کی: یارسول اللہ! ہم تو اس چوپائے سے زیادہ سجدہ کرنے کے سزاوار ہیں۔ فرمایا: اگر مخلوق میں کسی کو کسی غیر خدا کے لئے سجدہ مناسب ہوتا تو عورت کو چاہئے تھا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

حدیث نہم ۹: ابونعیم غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی بعض اسفارہ فرأینا عنہ عجبا من ذٰلک انا مضینا فنزلنا فجاء رجل فقال یا نبی اللہ انہ کان لی حائط فیہ عیشی وعیش عیالی ولی فیہ ناضحان فاغتلما علی فمنعانی نفسھما وحائطی وما فیہ ولایقدر احد ان یدنو منھما فنھض نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	ہم ایک سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رکاب انور میں تھے ہم نے ایک عجیب بات دیکھی ہم ایک منزل میں اترے وہاں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی: یا نبی اللہ! میرا ایک باغ ہے کہ میری اور میرے عیال کی وہی وجہ معاش ہے اس میں میرے دوشتر آبکش تھے دونوں مست ہوگئے ہیں نہ اپنے پاس آنے دیں نہ باغ میں قدم رکھنے دیں کسی کی طاقت نہیں کہ قریب جائے، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع صحابہ کرام آٹھ کر

[1] دلائل النبوۃ الفصل الثانی والعشرون ذکر سجود البھائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۶

باصحابه حتی اتی الحائط فقال لصاحبه افتح فقال یانبی الله امرهما اعظم من ذلك قال افتح فلما حرك الباب قبلا لهما جلبة کحفیف الریح فلما انفرج الباب ونظرا الی نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم برکا ثم سجدا فاخذ نبی الله بروسهما ثم دفعهما الی صحابهما فقال استعملهما واحسن علفهما فقال القوم یانبی الله تسجدلك البهائم فبلاء الله عندنا بك احسن حین هدانا الله من الضلالة واستنقذنا بك من المهالك افلا تأذن لنا فی السجود لك فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان السجود لیس لی الا للحی الذی لایموت ولو انی امراحدا من هذه الامة بالسجود لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[1]۔	اس کے باغ کو گئے، فرمایا کھول دے، عرض کی یانبی اللہ! ان کا معاملہ اس سے سخت تر ہے۔ فرمایا کھول، دروازے کو جنبش ہوئی تھی کہ دونوں شور کرتے ہوا کی طرح جھپٹے، دروازہ کھلا اور انھوں نے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا تو فوراً سجدے میں گر پڑے۔ حضور نے ان کے سر پکڑ کر مالک کے سپرد کردئے اور فرمایا ان سے کام لے اور چارہ بخوبی دے۔ حاضرین نے عرض کی یانبی اللہ! چوپائے حضور کو سجدہ کرتے ہیں تو حضور کے سبب ہم پر اللہ کی نعمت تو بہتر ہے، اللہ نے گمراہی سے ہم کو راہ دکھائی اور حضور کے ہاتھوں پر ہمیں دنیا و آخرت کے مہلکوں سے نجات دی کیا حضور ہم کو اجازت نہ دیں گے کہ ہم حضور کو سجدہ کریں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ میرے لئے نہیں وہ تو اسی زندہ کے لئے ہے جو کبھی نہ مرے گا امت میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا۔

حدیث دہم ۱۰: طبرانی کبیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان رجلا من الانصار کان له فحلان فاغتلما فادخلها حائطا فسد علیهما الباب ثم جاء الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاراد ان یدعوله والنبی صلی الله تعالٰی علیه	اس میں بھی حدیث ہشتم کی طرح دو اونٹوں کا مست ہونا ہے وہ سفر کا قصہ تھا اس میں یہ ہے کہ ان کے مالک انصاری دعا کرانے آئے کہ اللہ تعالٰی ان اونٹوں کو مسخر فرمادے اور حضور تشریف لے گئے دروازہ کھلوایا

[1] دلائل النبوۃ الفصل الثانی والعشرون ذکر سجود البہائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۶۔۱۳۷

وسلم قاعد ومعه نفر من الانصار (فساق الحديث وفيه) فقال افتح ففتح الباب فاذا احدا الفحلين قريب من الباب فلما رأى النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم سجد له فشد رأسه وامكنه منه ثم مشى الى اقصى الحائط الى الفحل الاخر فلما رأه وقع له ساجدا فشد رأسه وامكنه منه وقال اذهب فانهما لا يعصيانك وفيه قول صلى الله تعالٰى عليه وسلم لا آمر احدا ان يسجد لاحد ولا آمرت احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها [1]۔	ایک دروازے کے قریب تھا دیکھتے ہی سجدے میں گرا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باندھ کر حوالہ مالک کیا پھر منتہائے باغ پر تشریف لے گئے دوسرا وہاں ملا اس نے بھی سجدہ کیا اسے بھی باندھ کر حوالہ کیا اور درخواست سجدہ پر ارشاد ہوا میں کسی کو کسی کے سجدہ کے لئے نہیں فرماتا ایسا فرمانا ہوتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا حکم کرتا۔ تغایر سیاق دلیل ہے کہ یہ جدا وقعہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

حدیث یازدہم": عبد بن حمید وابو بکر بن ابی شیبہ ودارمی واحمد وبزار وبیہقی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

وهذا لفظ الدارمى فى حديث طويل مشتمل على معجزات قال خرجت مع النبى صلى الله تعالٰى عليه و سلم فى سفر (فذكر معجز تين الى ان قال) ثم سرنا و رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم بيننا كانما على رؤسنا الطير تظلنا فاذا جمل ناد، حتى اذا كان بين سماطين خر ساجدا (ثم ساق الحديث الى ان قال) قال المسلمون	"میں ایک سفر میں ہمراہ رکاب والا تھا قضائے حاجت کے لئے پردے کی ضرورت تھی دو پیڑ چار گز کے فاصلے سے تھے مجھ سے فرمایا: اے جابر اس پیڑ سے کہہ دے کہ دوسرے سے مل جا۔ فورا مل گئے۔ بعد فراغ اپنی اپنی جگہ چلے گئے پھر سوار ہوا راہ میں ایک عورت اپنا بچہ لئے ملی۔ عرض کی: یا رسول اللہ ! اسے ہر روز تین دفعہ شیطان دباتا ہے حضور نے اس سے بچہ لے کر تین بار فرمایا: دور ہو اے خدا کے دشمن ! میں

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۰۰۳ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۵۷۔۳۵۶

عند ذٰلك یا رسول اللہ نحن احق بالسجود لك من البھائم قال لاینبغی لشیئ ان یسجد لشیئ ولو کان ذٰلك کان النساء لازواجھن [1]۔	اللہ کا رسول ہوں پھر بچہ اس کی ماں کو دے دیا۔ جب ہم پلٹتے ہوئے اسی منزل میں پہنچے وہی بی بی اپنا بچہ اور دو دنبے لئے حاضر ہوئی عرض کی یا رسول اللہ میرا ہدیہ قبول فرمائیں قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا کہ جب سے بچے کے خلل نہ ہوا۔ حضور نے فرمایا ایک دنبہ لے لو ایک پھیر دو۔ پھر ہم چلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیچ میں تھے گویا ہمارے سروں پر پرندے سایہ کئے ہیں ناگاہ ایک اونٹ چھوٹا ہوا آیا جب دونوں قطاروں کے بیچ میں ہوا سجدہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اس کا مالک حاضر ہو کچھ انصاری جوان حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ! یہ ہمارا ہے فرمایا اس کا کیا قصہ ہے۔ عرض کی بیس برس سے ہم نے اس پر آبکشی نہ کی یہ فربہ چربی دار ہے اب چاہا کہ اسے حلال کرکے بانٹ لیں یہ ہم سے چھوٹ آیا۔ فرمایا یہ ہمارے ہاتھ فروخت کردو۔ عرض کی بلکہ یارسول اللہ! وہ حضور کی نذر ہے۔ فرمایا اگر میرا ہے تو اس کے مرتے دم تک اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، یہ دیکھ کر مسلمان نے عرض کی: یارسول اللہ! چوپاؤں سے زیادہ ہمیں لائق ہے کہ حضور کو سجدہ کریں، فرمایا: کسی کو کسی کا سجدہ مناسب نہیں ورنہ عورتیں شوہر کو کرتیں"۔

امام جلیل سیوطی نے مناہل میں فرمایا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام قسطلانی نے مواہب شریف اور علامہ فاسی نے مطالع میں فرمایا: جید ہے۔ زرقانی نے کہا: اس کے سب راوی ثقہ ہے۔

حدیث دوازدہم [۲]: بزار مسند اور حاکم مستدرک اور ابونعیم دلائل اور امام فقیہ ابواللیث تنبیہ الغافلین میں باسانید خود بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

[1] سنن الدارمی باب ما اکرم اللہ بہ نبیہ من ایمان الشجر بہ والبھائم والجن دار المحاسن للطباعۃ القاہرہ ص ۱۸۔۱۹

واللفظ لابی نعیم تعالٰی جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد اسلمت فأرنی شیئا ازددبہ یقینا فقال ماالذی ترید قال ادع تلك الشجرۃ ان تاتیك قال اذھب فادعھا فاتاھا الاعرابی فقال اجیبی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمالت علی جانب من جوانبھا فقطعت عروقھا ثم مالت علی الجانب الأخر فقطعت عروقھا حتی اتت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقالت السلام علیك یا رسول اللہ فقال الاعرابی حسبی حسبی فقال لھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارجعی فرجعت فجلست علی عروقھا وفروعھا فقال الاعرابی ائذن لی یا رسول اللہ ان اقبل راسك ورجلیك ففعل ثم قال ائذن لی ان اسجد لك قال لا یسجد احد لاحد ولو امرت احدا ان یسجد لاحد لا مرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا لعظم حقہ علیھا [1] ولفظ الفقیہ قال اتأذن لی ان اسجد لك قال لاتسجد لی ولا یسجد احد لاحد من الخلق ولو کنت اٰمرا احدا بذٰلك لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا تعظیما لحقہ [2]۔	ایک اعرابی نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! میں اسلام لایا ہوں مجھے ایسی چیز دکھائے کہ میرا یقین بڑھے۔ فرمایا: کیا چاہتا ہے۔ عرض کی: حضور! اس درخت کو بلائیں کہ حضور میں حضور فرمایا: جا بلا۔ وہ اعرابی درخت کے پاس گئے اور کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاد فرماتے ہیں۔ وہ فورا ایک طرف کو اتنا جھکا کہ ادھر کے ریشے ٹوٹ گئے پھر ادھر اتنا جھکا کہ ادھر کے ریشے ٹوٹ گئے پھر چلا اور حضور انور میں حاضر ہو کر صاف زبان سے کہا سلام حضور پر اے اللہ کے رسول۔ اعرابی نے کہا: مجھے کافی مجھے کافی۔ رسول اللہ صلی الہ تعالٰی علیہ وسلم نے درخت سے فرمایا: پلٹ جا، فورا واپس ہوا اور انھیں ریشوں پر مع شاخوں کے بدستور جم گیا۔ اعرابی نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے اجازت عطا ہو کہ سر اقدس اور دونوں پائے مبارک کو بوسہ دوں حضور نے اجازت دی۔ پھر عرض کی اجازت عطا ہو کو حضور کو سجدہ کرو۔ فرمایا: مجھے سجدہ نہ کرنا مخلوق میں کوئی کسی کے لئے سجدہ نہ کریں میں کسی کے لیے اس کا حکم کرتا تو عورت کو حکم کرتا کہ حق شوہر کی تعظیم کے لئے اسے سجدہ کرے۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث سیزدہم ۱۳: امام احمد وابن ماجد وابن حبان وبیہقی عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

واللفظ لابن ماجۃ قال لما قدم معاذ من	جب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ شام سے آئے تو رسول اللہ

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثالث والعشرون عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۸

[2] تنبیہ الغافلین باب حق الزوج علی زوجتہ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۴۰۶

الشام سجد للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ماھذا یا معاذ. قال اتیت الشام فوافقتھم یسجدون لاساقفتھم وبطارقتھم فوددت فی نفسی ان نفعل ذٰلك بك فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلا تفعلوا فانی لوکنت امرا احدا ان یسجد لغیر اللہ تعالٰی لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا[1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ حضور نے فرمایا: معاذ! یہ کیا، عرض کی: میں ملک شام کو گیا وہاں نصارٰی کو دیکھا کہ اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرا دل چاہا کہ ہم حضور کو سجدہ کریں، فرمایا: نہ کرو۔ میں اگر سجدہ غیر خدا کا حکم دیتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ حدیث حسن ہے اس کی سند میں کوئی ضعیف نہیں۔ ابن حبان نے اس کو صحیح روایت کیا اور منذری نے اس کے صالح ہونے کا اشارہ کیا۔

حدیث چہاردہم ۱۴: حاکم صحیح مستدرک میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انہ اتی الشام فرأی النصارٰی یسجدون لاساقفتھم و رھبانھم ورأی الیھود یسجدون لاحبارھم و ربانیھم فقال لای شیئ تفعلون ھذا؟ قالو اھذا تحیۃ لانبیاء قلت فنحن احق ان نصنع بنبینا فقال نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھم کذبوا علی انبیاءھم کما حرفوا کتابھم لو امرت احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا من عظم حقہ علیھا[2]۔	وہ شام کو گئے دیکھا نصارٰی نے اپنے پادریوں اور فقیروں کو سجدہ کرتے ہیں اور یہود اپنے عالموں اور عابدوں کو، ان سے پوچھا یہ کیوں کرتے ہو بولے یہ انبیا کی تحیت ہے۔ معاذ فرماتے ہیں میں نے کہا تو ہمیں زیادہ سزاوار ہے کہ ہم اپنے نبی کو کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اپنے انبیاء پر بہتان کرتے ہیں جیسے انھوں نے اپنی کتاب بدل دی ہے کسی کو کسی کے سجدہ کا حکم فرماتا تو شوہر کے عظیم حق کے سبب عورت کو۔

[1] سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

[2] الدر المنثور بحوالہ حاکم عن معاذ بن جبل تحت آیۃ ۴/ ۳۴ مکتبہ آیۃ العظمٰی قم ایران ۲/ ۱۵۴، مجمع الزوائد عن معاذ بن رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب النکاح حق الزوج علی المرأۃ دار الکتاب بیروت ۴/ ۱۰۔۳۰۹

حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پانزدہم ۱۵: امام احمد مسند اور ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف اور طبرانی کبیر میں معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انہ لما رجع من الیمن قال یارسول اللہ رأیت رجالا بالیمن یسجد بعضھم لبعض افلا نسجد لك قال لو کنت اٰمرا بشرا یسجد بشرا لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا[1]۔	وہ جب یمن سے واپس آئے عرض کی یارسول اللہ میں نے یمن میں لوگوں کو دیکھا ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں تو کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کریں، فرمایا: اگر میں کسی بشر کے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ حدیث صحیح ہے اس کے سب راوی رجال بخاری و مسلم ہیں اور جب دونوں حدیثیں صحیح ہیں لاجرم دو واقعے ہیں اول بار شام میں یہود ونصارٰی کو دیکھ کر آئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کیا جس پر ممانعت فرمائی دوبارہ اہل یمن کو دیکھ کر آئے اب اپنے مولٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کے کمال شوق میں یا تو پہلا واقعہ ذہن سے اتر گیا یا اس میں بوجہ مخالفت یہود ونصارٰی کہ آخر میں عمل نبوی اسی پر تھا نہی ارشاد کو محتمل سمجھا اور بسبب احتمال نہی حتمی اس بار پہلے کی طرح سجدہ کیا نہیں حرف اذن چاہا اور ممانعت فرمائی گئی **واللہ تعالٰی اعلم**۔

حدیث شانزدہم ۱۶: ابوداؤد سنن اور طبرانی کبیر میں اور حاکم و بیہقی نے قیس بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال اتیت الحیرۃ فرأیتھم یسجدون لمرزبان لھم فقلت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احق ان یسجد لہ، قال فاتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلت انی اتیت الحیرۃ فرأیتھم	میں شہر حیرہ میں (کہ قریب کوفہ ہے) گیا وہاں کے لوگوں کو دیکھا اپنے شہر یار کو سجدہ کرتے ہیں میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیادہ مستحق سجدہ ہیں۔ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ حال وخیال عرض کیا: فرمایا بھلا اگر تمہارے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۲۷-۲۲۸، الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ واحمد تحت آیۃ ۴/ ۳۴ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۱۵۳، المعجم الکبیر حدیث ۳۷۳ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ص۱۷۵، ۱۷۴

یسجدون لمرزبان لهم فانت یارسول الله احق ان نسجد لك قال ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد له قلت لا قال فلا تفعلوا لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجهن لما جعل الله لهم علیهن من الحق [1]۔	مزار کو پر گزرو تو کیا مزار کو سجدہ کروگے۔ میں نے عرض کی: نہ۔ فرمایا: تو نہ کرو۔ میں کسی کو کسی کے سجدے کا حکم دیتا تو عورتوں کو شوہروں کے سجدے کا حکم فرماتا اس حق کے سبب جو اللہ تعالٰی نے ان کا ان پر رکھا ہے۔ اور ابوداؤد نے سکوت اس حدیث کو حسن بتایا اور حاکم نے تصریحا کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے تلخیص میں اسے مقرر کھا۔ کما فی الاتحاف (جیسا کہ اتحاف میں ہے۔ت)

حدیث ہفدہم ۱۷ تا حدیث بست ویکم ۲۱: طبرانی معجم کبیر اور ضیاء صحیح مختارہ میں زید بن ارقم سے موصولا، اور امام ترمذی جامع میں سراقہ بن مالک بن جعشم وطلق بن علی وام المومنین ام سلمہ وعبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تعلیقا راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو کنت اُمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها [2]۔	اگر مجھے کسی کو کسی کے لئے سجدے کا حکم ہوتا تو عورت کو فرماتا کو شوہر کو سجدہ کرے۔

حدیث بست ودوم ۲۲: عبد بن حمید امام حسن بصری سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا اذن مانگنے پر وہ آیت اتری کہ کیا تمھیں کفر کا حکم دیں [3]۔ یہ حدیث فصل اول میں گزری۔

تذییل اول: مدارک شریف میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا حضور نے فرمایا:

لاینبغی لمخلوق ان یسجد لاحد الا الله	کسی مخلوق کو جائز نہیں کہ وہ کسی کو سجدہ کرے

[1] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المرأة آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱، المستدرك للحاکم کتاب النکاح دار الفکر بیروت ۲/ ۱۸۷، السنن الکبرٰی کتاب القسم والنشوز باب ماجاء فی عظم حق الزوج علی المرأة دار صادر بیروت ۷/ ۲۹۱

[2] جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۸، المعجم الکبیر عن زید بن ارقم حدیث ۵۱۱۶ و ۵۱۱۷ /۵ ۲۰۹-۲۰۸ وکنز العمال حدیث ۴۴۷۹۹ ۱۶/ ۳۳۲

[3] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید عن الحسن تحت آیۃ ۳/ ۸۰ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۴۷

تعالٰی [1]۔	ماسوائے اللہ تعالٰی کے۔(ت)

تذئیل دوم: تفسیر کبیر میں بروایت امام سفین ثوری سماک بن ہانی سے ہے:

قال دخل الجاثلیق علی علی ابن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه فارادان یسجد له فقال له علی اسجد لله ولاتسجدلی [2]۔	امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ میں سلطنت نصارٰی کو سفیر حاضر ہوگا، حضرت کو سجدہ کرنا چاہا، فرمایا: مجھے سجدہ نہ کرو اللہ عزوجل کو سجدہ کرو۔

حدیث بست وسوم ۲۳: جامع ترمذی میں بطریق الامام عبداللہ بن المبارک عن حنظلہ بن عبیداللہ اور سنن ابن ماجہ میں بطریق جریر بن حازم عن حنظلہ بن عبدالرحمٰن الدوسی اور شرح معانی الآثار امام طحاوی میں بطریق حماد بن سلمہ وحماد بن زید ویزید بن زریع وابی ہلال کلھم عن حنظلۃ الدوسی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال قال رجل یا رسول الله الرجل منا یلقی اخاه اوصدیقه اینحنی له قال لا [3]۔	ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم میں کوئی شخص اپنے بھائی یادوست سے ملے تواس کے لئے جھکے۔ فرمایا: نہ۔

امام طحاوی کے لفظ یہ ہیں:

انهم قالوا یارسول الله اینحنی بعضنا لبعض اذا التقینا قال لا [4]۔	صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ملتے وقت ہم ایک دوسرے کے لئے جھکے فرمایا: نہ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

نوع دوم: قبر کی طرف سجدہ کی ممانعت حدیث بست وچہارم ۲۴: امام احمد وامام مسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وامام طحاوی ابومرثد غنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] مدارک التنزیل(تفسیر النسفی) تحت آیۃ ۲/ ۳۴ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۲

[2] مفاتیح الغیب تحت آیۃ ۲/ ۳۴ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲/ ۲۱۳

[3] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷، سنن ابن ماجہ باب المصافحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۱

[4] شرح معانی الآثار کتاب الکراھیۃ باب المعانقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۹۹

لا تصلوا الی القبور ولا تجلسوا علیها [1]۔	قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو نہ ان پر بیٹھو۔

حدیث بست و پنجم ۲۵: طبرانی معجم کبیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تصلوا الی قبر ولا تصلوا علی قبر [2]۔	نہ قبر کی طرف نماز پڑھو نہ قبر پر نماز پڑھو۔ تیسیر میں ہے اس حدیث کی سند حسن ہے،

حدیث بست و ششم: صحیح ابن حبان میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الصلٰوۃ الی القبور [3]۔	قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

علامہ مناوی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حدیث بست و ہفتم ۲۷: ابوالفرج کتاب العلل میں بطریق رشد بن کریب عن ابیہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الا لا یصلین احد الی احد ولا الی قبر [4]۔ فیه جبارۃ عن مندل رضی رشدین	خبردار! ہرگز نہ کوئی کسی آدمی کی طرف نماز میں منہ کرے نہ کسی قبر کی طرف،

حدیث وبست و ہشتم ۲۸: امام بخاری اپنی صحیح میں تعلیقا اور امام احمد وعبدالرزاق وابوبکر بن ابی شیبہ ووکیع بن الجراح وابونعیم استاد امام بخاری وابن منیع سند انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

رأنی عمر رضی اللہ تعالٰی عنه وانا اصلی الی قبر فقال القبر امامك	مجھے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر کی طرف نماز پڑھتے دیکھا فرمایا تمھارے

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز ۱/ ۳۱۲ و سنن ابی داؤد کتاب الجنائز ۲/ ۱۰۴، جامع الترمذی ابواب الجنائز ۱/ ۱۲۵ و شرح معانی الآثار کتاب الجنائز ۱/ ۳۴۶

[2] المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۲۰۵۱ المکتبه الفیصلیة بیروت ۱۱/ ۳۷۶

[3] کنز العمال بحواله حب عن انس حدیث ۱۹۱۹۱ مؤسسة الرساله بیروت ۷/ ۳۴۴

[4] العلل المتناهیة لابی الفرج حدیث فی الصلٰوۃ الی النائم والمتحدث دار نشر الکتب الاسلامیه لاہور ۱/ ۴۳۴

فنهانی [1] وفی روایة للوکیع قال لی القبر لاتصل الیه وفی روایة الفضل بن دکین فناداه عمر القبر القبر فتقدم وصلی وجاز القبر۔	آگے قبر ہے قبر سے بچو قبر سے بچو اس کی طرف نماز نہ پڑھو۔ (اور فضل بن دکین کی روایت میں ہے کہ عمر نے پکارا قبر قبر۔ت) یہ نماز ہی میں قدم بڑھائے کر آگے ہوگئے

حدیث بست ونہم ۲۹: احمد، وبخاری، مسلم، نسائی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال فی مرضه الذی لم یقم منه لعن اللہ الیهود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائهم مساجد قالت ولولا ذٰلك لابرز قبرة غیرانه خشی ان یتخذ مسجدا [2] وفی روایة لهم عنها عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اولئك شرار الخلق عند اللہ عزوجل یوم القیمة [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی وفات اقدس کے مرض میں فرمایا: یہود ونصارٰی پر اللہ کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو محل سجدہ بنالیا اور فرمایا ایسا کرنے والے اللہ عزوجل کے نزدیک روز قیامت بد ترین خلق ہیں۔ام المومنین نے فرمایا: یہ نہ ہوتا تو مزار اطہر کھول دیا جاتا مگر اندیشہ ہوا کہ کہیں سجدہ نہ ہونے لگے لہذا احاطہ مخفی رکھا گیا۔

حدیث سیم ۳۰: اجلہ ائمہ مالک ومحمد وبخاری ومسلم وابوداؤد ونسائی وابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] کنز العمال بحوالہ عب.ش وابن منیع عن انس حدیث ۲۲۵۱۰ مؤسسة الرساله بیروت ۸/ ۱۹۳

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب مایکره من اتخاذ المسجد علی القبور موسسة الرساله بیروت ۱/ ۱۷۷،صحیح البخاری باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر موسسة الرساله بیروت ۱/ ۱۸۶،صحیح البخاری کتاب المغازی باب مرض النبی وفاته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۹،صحیح مسلم کتاب المساجد باب النهی عن بناء المسجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱،مسند احمد بن حنبل عن عائشه رضی اللہ تعالٰی عنها المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۲۱و۲۵۵

[3] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۱،صحیح مسلم کتاب المساجد باب النهی عن بناء المسجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱

قاتل الله الیهود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائهم مساجد [1]۔	یہود ونصارٰی کو اللہ مارے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدے کا مقام کرلیا۔

حدیث سی ویکم ۳۱: مسلم اپنی صحیح اور عبدالرزاق مصنف اور دارمی سنن میں ام المومنین وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قالا لما نزلت برسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم طفق یطرح خمیصة له علی وجهه فاذا اغتم کشفها عن وجهه فقال وهو کذٰلك لعنة الله علی الیهود و النصارٰی اتخذوا قبور انبیائهم مساجد یحذر مثل ماصنعوا [2]۔	نزع روح اقدس کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چادر روئے اقدس پر ڈال لیتے جب ناگوار ہوئی مٹہ کھول دیتے۔اسی حالت میں فرمایا: یہود ونصارٰی پر اللہ کی لعنت انھوں نے اپنے انبیاء کی قبریں مساجد کرلیں،ڈراتے تھے کہ ہمارے مزار پرانوار کے ساتھ ایسا نہ ہو۔

حدیث سی ودوم ۳۲: بزار مسند میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی:

قال لی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی مرضه الذی مات فیه ائذن للناس علی فاذنت للناس علیه فقال لعن الله قوما اتخذوا قبور انبیائهم مسجدا ثم اغمی علیه فلما افاق قال یا علی ائذن للناس فاذنت لهم فقال لعن	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وفات انور کے مرض میں مجھ سے فرمایا: لوگوں کو ہمارے حضور حاضر ہونے دو۔ میں نے اذن دیا۔جب لوگ حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو ہر اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبریں جائے سجدہ ٹھہرالیں،پھر حضور پر غشی طاری

[1] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ ۱/ ۶۲ و صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۲۰۱ وسنن ابی داؤد باب النباء علی القبر ۳/ ۱۰۴

[2] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲،صحیح مسلم کتا بالمساجد باب النهی عن بناء المسجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱،المصنف عبدالرزاق حدیث ۱۵۸۸ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۰۶،کنز العمال بحواله عب عن عائشه وابن عباس حدیث ۲۲۵۱۸ مؤسسته الرساله بیروت ۸/ ۱۹۴،سنن الدارمی حدیث ۱۴۱۰ دار المحاسن للطباعة ۱/ ۲۶۷

اللہ قوما اتخذوا قبور انبیائھم مسجدا ثلثا فی مرض موتہ[1]۔	ہوگئی جب افاقہ ہوا فرمایا: اے علی! لوگوں کو اذن دو۔ میں نے اذن دیا فرمایا: اللہ کی لعنت ہوتی ہے اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبریں جائے سجدہ کرلیں۔ تین بار ایسا ہوا۔

حدیث سی وسوم ۳۳: ابوداؤد طیالسی وامام احمد مسند اور طبرانی کبیر میں بسند جید اور ابونعیم معرفۃ الصحابۃ اور ضیاء صحیح مختارہ میں اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی مات فیہ ادخلوا علی اصحابی فدخلوا علیہ وھو متقنع ببرد معافری فکشف القناع ثم قال لعن اللہ الیھود النصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجد[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرض وفات شریف میں فرمایا: میرے اصحاب کو میرے حضور لاؤ۔ حاضر ہوئے، حضور نے رخ انور سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: یہود ونصارٰی پر اللہ کی لعنت انھوں نے اپنے انبیاء کی قبریں محل سجدہ قرار دے لیں،

حدیث سی وچہارم ۳۴: امام احمد و طبرانی بسند جید عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من شرار الناس من تدرکھم الساعۃ وھم احیاء ومن یتخذ القبور مساجد[3]۔	بیشک سب لوگوں سے بدتروں میں وہ ہیں جن کے جیتے جی قیامت قائم ہوگی اور وہ کہ قبروں کو جائے سجدہ ٹھہراتے ہیں۔

حدیث سی وپنجم ۳۵: عبدالرزاق مصنف میں مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من شرار الناس من یتخذ القبور مساجد[4]۔	بدتر لوگوں میں ہیں وہ کہ قبروں کو محل سجود قرار دیں۔

حدیث سی وششم ۳۶ وسی وہفتم ۳۷: صحیح مسلم میں جندب اور معجم طبرانی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے:

قال سمعت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل ان یموت بخمس وھو یقول الا ان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور	میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات پاک سے پانچ روز پہلے حضور کو فرماتے سنا خبردار! تم سے اگلے اپنے انبیاء اولیاء کی قبروں کو محل سجدہ گاہ قرار دیتے تھے خبردار۔ تم ایسا

[1] کشف الاستار حدیث ۴۳۶ ۱/ ۲۱۹، ۲۲۰

[2] کنز العمال حدیث ۲۲۵۲۳ ۸/ ۱۹۵

[3] مسند احمد بن حنبل ۱/ ۴۰۵ و ۴۳۵ والمعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۱۳ ۱۰/ ۲۳۳

[4] المصنف لعبدالرزاق ۱/ ۴۰۵

مساجد انی انھا کم عن ذٰلك[1]۔	نہ کرنا ضرور تمھیں اس سے منع فرماتا ہوں۔

تنبیہ: شرح منتقی میں حدیث جندب پر کہا اس کے مانند مضمون طبرانی نے بسند جید زید بن ثابت اور بزار نے مسند میں ابوعبیدہ بن الجراح وابن عدی نے کامل میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا: اس کے ثبوت پر تین حدیثیں اور ہوں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث سی وہشتم ۳۸: عقیلی بطریق سہل بن ابی صالح عن ابیہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

اللھم لاتجعل قبری وثنا لعن اللہ قوما اتخذوا قبور انبیائھم مساجد[2]۔	الٰہی: میرے مزار کریم کو بت نہ ہونے دینا اللہ کی لعنت ان پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبریں مسجد کرلیں۔

حدیث سی ونہم: امام مالک مؤطا میں عطا بن یسار سے مرسلا اور بزار مسند میں ابوبطریق عطا بن یسار ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موصولا راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اشد غضب اللہ تعالٰی علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجدا[3]۔	اللہ کا غضب اس قوم پر ہوا جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو محل سجدہ ٹھہرایا۔

حدیث چہلم: عبدالرزاق مصنف میں عمرو بن دینار سے مرسلا راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

کانت بنواسرائیل اتخذوا قبور انبیائھم مساجد فلعنھم اللہ تعالٰی[4]	بنی اسرائیل نے اپنے انبیاء کی قبروں کو محل سجدہ کرلیا تو اللہ عزوجل نے ان پر لعنت فرمائی۔ والعیاذ باللہ۔

افادہ: علامہ قاضی بیضاوی پھر علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ پھر علامہ قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

کانت الیھود والنصارٰی یسجدون القبور انبیاھم و یجعلونھا قبلۃ ویتوجھون فی الصلوٰۃ نحوھا فقد اتخذوھا اوثانا فلذلك لعنھم ومنع المسلمین عن مثل ذٰلك[5]۔	یہود ونصارٰی اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مزاروں کو سجدہ کرتے اور انھیں قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منہ کرتے تو انھوں نے ان کو بت بنالیا، لہٰذا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔

---

[1] صحیح مسلم ۲/ ۲۰۱ والمعجم الکبیر حدیث ۸۹ ۱۹/ ۴۱

[2] الشفاء فصل فی حکم زیارۃ قبر ۲/ ۷۵

[3] مؤطا امام مالك باب جامع الصلوٰۃ ص۱۵۹ و کشف الاستار حدیث ۴۴۰ ۱/ ۲۲۰

[4] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۵۹۱ ۱/ ۴۰۶

[5] مرقاۃ المفاتیح حدیث ۷۱۲ ۲/ ۴۱۶

مجمع بحار الانوار میں ہے:

کانوا یجعلونہا قبلۃ یسجدون الیہا فی الصلٰوۃ کالوثن[1]۔	مزارات انبیاء کو قبلہ ٹھہرا کر نماز میں ان کی طرف سجدہ کرتے تھے جیسے بت۔

تیسیر نیز سراج منیر شروح جامع صغیر میں ہے: اتخذوھا جھۃ قبلتھم[2] مراد حدیث یہ ہے کہ انھوں نے مزارات کو سمت سجدہ بنالیا۔ زواجر امام ابن حجر مکی میں ہے:

اتخاذ القبور مسجدا معناہ الصلٰوۃ علیہ او الیہ[3]۔	قبروں کا محل سجدہ بنالینے کے یہ معنی ہیں کہ ان پر یا ان کی طرف نماز پڑھی جائے۔

علامہ تورپشتی نے شرح مصابیح میں دونوں صورتیں لکھیں:

احدھما کانوا یسجدون بقبور الانبیاء تعظیما لھم وقصد العبادۃ۔ ثانیھا التوجہ الی قبورھم فی الصلٰوۃ[4]،	ایک یہ کہ بقصد عبادت قبور انبیاء کو سجدہ کرتے، دوسرے یہ کہ ان کی طرف سجدہ کرتے۔

پھر فرمایا: وکلا الطریقین غیر مرضیۃ۔ دونوں صورتیں ناپسند ہیں۔

شیخ محقق لمعات میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں وفی شرح الشیخ ایضا مثلہ[5] (شیخ کی شرح میں بھی ایسا ہے۔ت)

شرح امام ابن الحجر مکی م یں بھی یوں ہیں ہے تو ظاہر کہ سجدہ اور قبر کی طرف سجدہ دونوں حرام ہے۔ اور ان احادیث کے تحت میں داخل ہیں، اور دونوں کو وہ سخت وعیدیں شامل۔

اقول: (میں کہتاہوں۔ت) بلکہ صورت دوم اظہر وارجح یہود سے عبادت غیر خدا معروف نہیں۔ ولہٰذا علماء نے فرمایا کہ یہودیت سے نصرانیت بدتر ہے کہ نصارٰی کاخلاف توحید ہے۔ اور یہود کا صرف رسالت میں۔

---

[1] مجمع بحار الانوار تحت لفظ "قبر" مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۴/ ۱۹۶

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث قاتل اللہ الیہود الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۱۸۱

[3] الزواجر کتاب الصلٰوۃ اتخاذ القبور مساجد دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۶

[4] لمعات التنقیح شرح مشکٰوۃ المصابیح عن التورپشی باب المساجد الخ مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور ۳/ ۵۲

[5] لمعات التنقیح شرح مشکٰوۃ المصابیح عن التورپشی باب المساجد الخ مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور ۳/ ۵۲

درمختار میں ہے:

النصرانی شرمن الیہودی فی الدارین[1]۔	عیسائی، یہودیوں سے دونوں جہانوں میں بدتر ہیں۔(ت)

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

لان نزاع النصارٰی فی الالیہات ونزاع الیہود فی النبوات[2]۔	اس لئے کہ عیسائیوں کا (ہم سے اختلاف) الٰہیات یعنی توحید میں ہے جبکہ یہودیوں کا اختلاف رسالت میں ہے۔(ت)

لاجرم محرر مذہب سیدنا امام محمد نے مؤطا میں صورت دوم کے داخل وعید ومشمول حدیث ہونے کی طرف صاف ارشاد فرمایا: باب وضع کیا:

باب القبر یتخذ مسجدا اویصلی الیہ[3]۔	"باب" قبر کو سجدہ گاہ بنایا جائے یا اس کے طرف منہ کرکے نماز پڑھی جائے۔(ت)

اور اس میں یہی حدیث ابوہریرہ لائے۔

قاتل اللہ الیہود اتخذ واقبور انبیائھم مساجد[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی یہودیوں کو مارے کہ انھوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

فصل سوم: ڈیڑھ سو ۱۵۰ نصوص فقہ سے سجدہ تحیت کے حرام ہونے کا ثبوت

اور وہ بھی دو ۲ نوع ہیں:

نوع اوّل: تین قسم:

قسم اوّل: نفس سجدہ کا حکم کہ غیر خدا کے لئے مطلقًا حرام ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) تحریم متفق علیہ ہے اور اسی قدر ہمارا مقصود، اور تکفیر میں

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۵

[3] مؤطا للامام محمد باب القبر یتخذ مسجدا الخ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۷۲

[4] مؤطا للامام محمد باب القبر یتخذ مسجدا الخ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۷۲

عبارات چھ طور پر آئیں گی: **(۱)** غیر خدا کے لئے سجدہ کفر ہے۔اس کا ظاہر الاطلاق ہے۔

(۲) غیر خدا کو سجدہ مطلقاً کفر ہے اس میں تصریح اطلاق ہے۔

(۳) بحال اکراہ کفر نہیں ورنہ کفر یہ قید اولین میں بھی ضروری ہے۔

(۴) غیر کی نیت سے کفر اور اللہ عزوجل کے لئے نیت ہو یا کچھ نیت نہ ہو تو کفر نہیں،

(۵) بہ نیت عبادت کفر، اور بہ نیت تحیت کفر نہیں، اور کچھ نیت نہ ہو جب بھی کفر۔

(۶) غیر کی طرف اصلا کفر نہیں جب تک نیت عبادت نہ ہو، اور یہی صحیح و معتمد ہے وحق و معتقد ہے اور باقی کفر صوری وغیرہ سے مؤول و باللہ التوفیق۔

نص ۱: تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی جلد اول ص ۲۰۲ (۲) غنیہ المستملی محقق ابراہیم حلبی ص ۲۶۶ (۳) فتح اللہ المعین العلامۃ السید ابی السعود الازہری جلد اول ص ۲۹۰:

التواضع نہایۃ توجد فی السجود و لھذا الوسجد لغیر اللہ تعالٰی یکفر [1]۔	تواضع کا ختم سجدہ پر ہے اس نے غیر خدا کو سجدہ کفر ہے۔

(۴) نصاب الاحتساب قلمی باب ۴۹ **(۵)** کفایۃ شعبی سے:

اذا سجد لغیر اللہ تعالٰی یکفر لان وضع الجھۃ علی الارض لایجوز الاللہ تعالٰی [2]۔	غیر خدا کو سجدہ کرے تو کافر ہے کہ زمین پر پیشانی رکھنا دوسرے کے لئے جائز نہیں۔

نص ۶: مبسوط الامام جلیل شمس الائمہ سرخسی **(۷)** اس سے جامع الرموز ص ۵۳۵:

من سجد لغیر اللہ تعالٰی علی وجہ التعظیم کفر [3]۔	غیر خدا کو سجدہ تعظیمی کرنے والا کافر ہے۔

نص ۸: منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر ص ۲۳۴:

اقول: وضع الجبین اقبح من وضع الخد	**میں کہتا ہوں** زمین پر ماتھا رکھنا رخسارہ رکھنے سے

---

[1] تبیین الحقائق باب صلٰوۃ المریض ۱/ ۲۰۲ وغنیۃ المستملی الثانی القیام سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۶، فتح المعین باب صلٰوۃ المریض کراچی ۱/ ۲۹۰

[2] فتاوٰی نور الھدٰی بحوالہ المبسوط کتاب الکراھیۃ فصل فیما یصیر بہ المسلم کافرا مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۳۹

[3] جامع الرموز کتاب الکراھیۃ مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۱۵

فینبغی ان لایکفر الایوضع الجبین دون غیرہ لان ھذہ سجدۃ مختصتہ للہ تعالٰی [1]۔ اقول: اوّلًا ان کان علی وجہ العبادۃ کفر ولو لم یزد علی تقبیل ارض او انحناء بل بمجرد النیۃ والافلا کفر فی المعتمد وھو الحق المعتقد وثانیا الجبین احد جانبی الجبھۃ و ھما جبینان وانما السجود وضع الجبھۃ فلیتنبہ۔	بھی بدتر ہے تو چاہئے کہ اس میں کفر نہ ہو اور میں کہ یہ سجدہ ہے کہ اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے۔ اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) اوّلًا اگر زمین پر بطور عبادت پیشانی رکھے تو کافر ہوجائے گا اگرچہ زمین چومنے یا صرف جھکنے بلکہ صرف نیت کرنے پر اکتفاء کیا (اور اس سے مزید کچھ نہ کہا) تو قابل اعتماد کیا مذہب میں کفر نہیں لہٰذا یہی حق قابل اعتقاد ہے۔ ثانیًا جبین "پیشانی کی ایک جانب اور طرف ہے۔ اور پیشانی میں دو جبین ہیں۔ اور سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے۔ لہٰذا اس سے آگاہ ہونا چاہئے۔(ت)

نص ۹: شرح نقایہ علامہ قہستانی ص ۳۳۵ **(۱۰)** مجمع الانہر ملتقی الابحر جلد ۴ ص ۲۲۰۔ دونوں فتاوٰی ظہیریہ سے **(۱۱)** ردالمحتار علامہ شامی جلد ۵ ص ۴۷۸ جامع الرموز سے:

یکفر بالسجدۃ مطلقًا [2]۔	غیر خدا کو سجدے سے مطلقًا کافر ہوجائے گا۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) امام عینی کے اختصار اور علی قاری کی نقل سے ظہیریہ میں یہ حکم جزمی نہیں بلکہ بعض کی طرف نسبت ہے کہ بعض نے مطلقًا کافر کہا **کماسیأتی** (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) مجمع الانہر وشامی دونوں کے مستند نقل علامہ قہستانی ہیں اور شک نہیں کہ امام عینی ان سے اوثق ہیں لہٰذا ہم نے یہاں ظہیریہ کو نہ گنا۔

نص ۱۲: غایۃ البیان علامہ اتقانی قلمی کتاب الکراھیۃ قبیل فصل من البیع:

اما السجود لغیر اللہ فھو کافر اذاکان من غیر اکراہ [3]۔	غیر خدا کو بلااکراہ سجدہ کفر ہے۔

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

[2] مجمع الانھر کتاب الکراھیۃ بیروت ۲/ ۵۴۲ وجامع الرموز کتاب الراھیۃ ایران ۳/ ۳۱۵، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[3] غایۃ البیان کتاب الکراھیۃ قبیل نص من البیع (قلمی)

نص ۱۳: منح الروض ص ۲۳۵:

اذا سجد بغیر الاکراہ یکفر عندھم بلا خلاف [1]۔	اگر بلا کراہ سجدہ کیا تو باتفاق علماء کافر ہو جائے گا۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) دعوی اتفاق بے محل ہے **اوّلاً:** بلکہ صحیح و مختارہ وہی تفصیل نیت عبادت و تحیت ہے جن پر نصوص کثیرہ مطلقہ عنقریب آتے ہیں:

ثانیاً: اجلہ اکابر نے خاص صورت عدم اکراہ میں بھی سجدہ تحیت کفر نہ ہونے کی تصریحیں فرمائیں۔ فتاوٰی کبرٰی میں پھر خزانۃ المفتین قلمی کتاب الکراھیۃ نیز واقعات امام صدر شہید پھر خود یہی غایۃ البیان مذکور میں مسئلہ اکراہ لکھ کر فرمایا:

فھذا دلیل علی ان السجود بنیۃ التحیۃ اذا کان خائفا لایکون کفرا فعلی ھذا القیاس من سجدہ عن السلاطین علی وجہ التحیۃ لایصیر کافرا [2]۔	یہ اس کی دلیل ہے کہ سجدہ تعظیمی جبکہ خائف (اور خطر محسوس کرے) تو کفر نہ ہوگا۔ لہٰذا اسی پر یہ مسئلہ قیاس کیا گیا ہے کہ جو بادشاہوں کو سجدہ تعظیمی کرے تو کافر نہ ہوگا۔

جامع الفصولین جلد دوم میں بعد مسئلہ اکراہ ہے:

فھذا تؤید ماامر ان من سجد للسلطان تکریما لا یکفر [3]۔	یہ مسئلہ گزشتہ کلام کی تائید کرتا ہے کہ جس نے کسی بادشاہ کو بطور تعظیم سجدہ کیا تو (اس کاروائی سے) وہ کافر نہ ہوگا۔ (ت)

ثالثاً: خود علی قاری کی عبارت آتی ہے کہ روضہ انور کے سجدے کو صرف حرام کہا نہ کہ کفر،

رابعاً: بلکہ نص ۲۷ میں وہی کہیں گے کہ بعض علماء نے تکفیر کی اور ظاہر تر عدم تکفیر ہے۔ پھر اتفاق درکنار وہ قول راجح بھی نہیں ضعیف و مرجوح ہے۔

نص ۱۴: امام ابن حجر مکی کی اعلام بقواطع الاسلام ص ۵۵:

علم من کلامھم ان السجود بین یدی	کلام علماء سے معلوم ہوا کہ غیر کو سجدہ کبھی کفر ہے

---

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

[2] خزانۃ الفتاوٰی کتاب الکراھیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۱۳

[3] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۴

الغیر منہ ماھو کفر ومنہ ماھو حرام غیر کفر فالکفر ان یقصد السجود المخلوق و الحرام ان یقصدہ ﷲ تعالٰی معظما بہ ذٰلک للمخلوق من غیر ان یقصدہ بہ اولایکون لہ قصد[1]۔	اور کبھی صرف حرام۔ کفر تو یہ ہے کہ مخلوق کے لئے سجدہ کا قصد کرے اور حرام یہ کہ سجدہ اللہ تعالٰی کے لئے کرے اور مخلوق کی طرف کرنے سے اس کی تعظیم یا یہ کہ اصلا کچھ نہ ہو۔

نص ۱۵: جواہر الاخلاطی کتاب الاستحسان **(۱۶)** پھر ہندیہ جلد ۵ ص ۳۶۸، ۳۶۹ **(۱۷)** نصاب الاحتساب باب ۴۹ **(۱۸)** یہ سب امام اجل فقیہ ابو جعفر ہندوانی سے:

وھذا لفظ النصاب وھو اتم من قبل الارض بین ایدی السلطان اوالامیرا اوسجد لہ فان کان علی وجہ التحیۃ لایکفر ولکن یصیر آثما مرتکبا الکبیرۃ وان کان سجد بنیۃ العبادۃ للسطان اولم تحضرہ النیۃ فقد کفر[2]۔	جس نے بادشاہ یاسردار کے سامنے زمین چومی یا اسے سجدہ کیا اگر بطور تحیت تھا تو کافر تو نہ ہوا مگر گنہگار مرتکب کبیرہ ہوا، اور اگر پرستش بادشاہ کی نیت کی یا عبادت وتحیت کوئی نیت اس وقت نہ تھی تو بیشک کافر ہوگیا۔

نص ۱۹: فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی **(۲۰)** اس کا مختصر للامام عینی **(۲۱)** اس سے غمز العیون والبصائر ص ۳۱ **(۲۲)** فتاوٰی خلاصہ قلمی قبیل کتاب الھبۃ **(۲۳)** اس سے منح الروض ص ۲۳۵:

وھذا الفظ الامام العینی قال بعضھم یکفر مطلقا و قال اکثرھم ھو علی وجوہ ان اراد بہ العبادۃ یکفر و ان ارادبہ التحیۃ لایکفر و یحرم علیہ ذٰلک وان لم تکن لہ ارادۃ کفر عند اکثر اھل العلم[3]۔	غیر خدا کو سجدے سے بعض نے کہا مطلقاً کافر ہے، اور اکثر نے اس میں کئی صورتیں ہیں اگر اس کی عبادت چاہی تو کافر ہے اور تحیت کی نیت کی تو کفر نہیں حرام ہے اور اگر کچھ نیت نہ تھی تو اکثر ائمہ کے نزدیک کافر ہے۔

خلاصہ کے لفظ یہ ہیں:

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبیل النجاۃ مکتبۃ الحقیقۃ دار الشفقت استانبول ترکی ص ۳۸۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۶۹-۳۶۸

[3] غمز العیون البصائر بحوالہ العینی فی مختصر الفتاوٰی الظھیریۃ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۵

اماالسجدۃ لھٰؤلاء الجبابرۃ فھی کبیرۃ ھل یکفر قال بعضھم یکفر مطلقًا وقال بعضھم(وفی نسخۃ الطبع اکثر ھم)المسالۃ علی التفصیل ان اراد بھا العبادۃ یکفر وان ارادبھا التحیۃ لایکفر قال وھذا موافق لما قال وھذا موافق لما فی سیر الفتاوٰی والاصل[1]۔	رہاان سلاطین کو سجدہ وہ گناہ کبیرہ ہے۔اور کافر بھی ہوگا یا نہیں بعض نے کہا مطلقًا کافر ہوجائے گا اور اکثر نے فرمایا مسئلہ میں تفصیل ہے اگر عبادت چاہی کافر ہوجائے گا اور تحیت تو نہیں۔اور یہی اس مسئلہ کے موافق ہے جو فتاوٰی کی کتاب السیر اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتاب مبسوط میں ہے۔

علی قاری نے اسے یوں نقل بالمعنی کیا:

فی الخلاصۃ من سجد لھم ان ارادبہ التعظیم ای کتعظیم اللہ سبحانہ کفروا ان ارادبہ التحیۃ اختار بعض العلماء انہ لایکفر اقولوھذا ھو الاظھر وفی الظھیریۃ قال بعضھم یکفر مطلقًا[2]۔ **اقول:**لیس فی الخلاصۃ لفظ التعظیم بل العبادۃ فلا حاجۃ الی ایرادہ ثم تفسیرہ بما یرجع الی العبادۃ الا ان یکون فی نسخۃ لفظ التعظیم کما ان فیھا بعضھم مکان اکثر ھم کنسخۃ القلم واللہ تعالٰی اعلم۔	خلاصہ میں ہے جس نے انھیں سجدہ کیا اگر تعظیم کا قصد تھا یعنی مثل تعظیم الٰہی تو کافر ہوگیا اور تحیت کا ارادہ نہ تھا تو بعض علماء نے اختیار فرمایا کہ کافر نہ ہوگا، میں کہتا ہوں یہی ظاہر تر ہے۔اور فتاوٰی ظہیریہ میں ہے کہ بعض نے کہا مطلقًا کافر ہوجائے گا۔ **اقول:**(میں کہتاہوں کہ خلاصۃ میں لفظ "التعظیم" نہیں بلکہ لفظ "عبادت" مذکور ہے لہٰذا اس کے لانے کی کچھ ضرورت نہیں پھر اس کی ایسے کلام سے تشریح کرنا کہ عبادت کی طرف راجح ہے مگر یہ کہ اس کے ایک نسخہ میں لفظ "تعظیم" موجود ہو جیسا کہ اس کے ایک "نسخہ "میں اکثر ھم کی جگہ **بعضھم** جیسا کہ قلمی نسخہ میں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

نص ۲۴: امام اجل صدر شہید شرح جامع صغیر میں **(۲۵)** ان سے امام سمعانی خزانۃ المفتین قلمی

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الثانی الجنس الحادی عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۹

[2] منح الروض الازھر الشرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

کتاب الکراھیۃ میں (۲۶) جواہر الاخلاطی قلمی کتاب الاستحسان (۲۷) اس سے عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۸ (۲۸) جامع الفصولین جلد ۲ س ۳۱۴ (۲۹) برمز من مجمع النوازل (۳۰) مرموز جز یعنی وجیز المحیط سے (۳۱) جامع الرموز ص ۵۳۵ (۳۲) جامع الفصولین ص ۱۱ (۳۴) مجمع الانہر جلد ۲ ص ۵۲۰، اور یہ لفظ امام صدر شہید کے ہیں:

من قبل الارض بین یدی السلطان او امیر او سجد له فان کان علی وجه التحیة لایکفر ولکن ارتکب الکبیرة[1]۔	جس نے بادشاہ کو کسی سردار کے سامنے زمین چومی یا اسے سجدہ کیا اگر بطور تحیت ہو کافر نہ ہوگا ہاں مرتکب کبیرہ ہوا۔

جامع الرموز وغیرہ کے لفظ یہ ہیں: لایجوز فانه کبیرة[2] زمین بوسی وسجدہ تحیت ناجائز وکبیرہ ہیں۔ جواہر وہندیہ میں یوں ہے:

لایکفر ولکن یاثم بارتکابه الکبیرة هو المختار[3]۔	یعنی مذہب مختار میں زمین بوسی سجدہ تحیت سے کافر نہ ہوگا مگر مجرم ہوگا کہ اس نے کبیرہ کیا۔

جامع الفصولین کے لفظ دوم یہ ہیں:

اثم لو سجده علی وجه التحیة لارتکاب ماحرم[4]۔	سجدہ تحیت سے گنہگار ہوگا کہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا۔

مجمع الانہر کے لفظ یہ ہیں:

من سجد له علی وجه التحیة لایکفر ولکن یصیر آثما مرتکبا الکبیرة[5]۔	سجدہ تحیت سے کافر تو نہ ہوگا ہاں گنہگار مرتکب کبیرہ ہوگا۔

---

[1] خزانة المفتین کتاب الکراهیة قلمی ۲/ ۲۱۳ و جامع المفصولین الفصل الثامن والثلاثون ۲/ ۳۱۴

[2] خلاصة الفتاوٰی کتاب الکراهیة مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۱۵

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ جواہر الاخلاطی کتاب الکراهیة الباب الثامن والعشرون ۵/ ۳۶۸

[4] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۴

[5] مجمع الانهر کتاب الکراهیة فصل فی بیان احکام النظره ونحوه داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۲

نص ۳۵: در مختار کتاب الحظر قبیل فصل البیع **(۳۶)** مجمع الانہر محل مذکور:

وھل یکفر ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفروان علی وجہ التحیۃ لاوصار آثما مرتکبا للکبیرۃ[1]۔	اس سے کافر بھی ہوگا یا نہیں؟اگر بروجہ عبادت و تعظیم کرے کافر ہے۔اور بروجہ تحیت توکافر نہیں مجرم و مرتکب کبیرہ ہے۔

(۳۷) علامہ ابن عابدین جلد ۵ ص ۳۸۷ کلام مذکور درپر:

تلفیق القولین قال الزیلعی وذکر الصدر الشھید انہ لایکفر بھذا السجود لانہ یرید بہ التحیۃ وقال شمس الائمۃ السرخسی ان کان لغیر اللہ تعالٰی علی وجہ التعظیم کفر[2]۔	یعنی یہاں دو قول تھے:ایک یہ کہ سجدہ تعظیمی کفر ہے امام شمس الائمہ سرخسی کا یہی قول ہے دوسرا یہ کہ سجدہ تحیت کفر نہیں۔امام صدر شہید کا یہی مختار ہے شارح نے دونوں کا ایک ایک حصہ لے کر یہ تفصیل کی کہ تعظیم مقصود ہو تو کفر اور تحیت تو نہیں۔

اقول:وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) امام صدر شہید صرف نفی کفر فرماتے ہیں: سجدہ تحیت کے گناہ کبیرہ ہونے کی خود انھوں نے تصریح فرمائی کہ نص ۲۰ میں گزری اور تعظیم سے کبھی مطلق مراد لیتے ہیں بایں معنی تحیت بھی تعظیم ہے خصوصا تحیت عظماء نص ۴۵ میں امام فقیہ النفس اور نص ۵۱ میں سیدی عبدالغنی قدس سرہ،سے آتا ہے کہ تحیت و تعظیم کو ایک صورت رکھا اور عبادت کے مقابل لیا اور کبھی خاص تعظیم مثل تعظیم الٰہی مراد لیتے ہیں جیسا کہ نص ۲۳ میں منح الروض سے گزرا اس وقت وہ مساوی عبادت ہے اس کی نظیر قسم دوم میں خود صاحب در مختار کی در منتقی سے آتی ہے کہ تعظیم کو تحیت کے مقابل لیا قول شمس الائمہ میں یہی مراد ہے تو یہ تلفیق نہیں توفیق ہے دونوں مرادوں کی تحقیق ہے اور اللہ عزوجل ولی توفیق ہے۔

نص ۳۸: کتاب الاصل اللامام محمد **(۳۹)** فتاوٰی کتاب السیر **(۴۰)** ان دونوں سے فتاوٰی خلاصہ فتاوٰی قلمی آخر کتاب الفاظ الکفر **(۴۱)** فتاوٰی غیاثیہ ۱۰۷ **(۴۲)** محیط **(۴۳)** اس سے شرح فقہ اکبر ص ۳۵ **(۴۴)** نصاب الاحتساب باب ۴۹ **(۴۵)** وجیز امام کردری جلد ۶ ص ۳۴۳

[1] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ص ۲۴۶

(۴۶)اختیار شرح مختار (۴۷)اس سے علامہ شیخی زادہ شارح ملتقی جلد ۲ ص ۵۲۰:

اذا قال اھل الحرب لمسلم اسجد للملك والا قتلناك فالا فضل ان لایسجد لان ھذا کفر صورۃ والافضل ان لایأتی بما ھو کفر صورۃ وان کان فی حالۃ الاکراہ[1]۔	جب حربی کافر کسی مسلمان سے کہیں بادشاہ کو سجدہ کر ورنہ ہم تجھے قتل کردیں گے تو افضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے کہ یہ صورۃ کفر ہے اور صورۃ کفر سے بچنا بہتر اگرچہ حالت اکراہ ہو۔

نص ۴۸: فتاوی امام قاضی خان جلد ۴ ص ۷۸۳ **(۴۹)**اس سے فتاوی ہندیہ جلد ۵ ص ۳۶۸ **(۵۰)** نیز اشباہ والنظائر قلمی فن اول قاعدہ ثانیہ **(۵۱)**اس سے حدیقہ ندیہ امام عارف باللہ نابلسی جلد اول ص ۳۸۱ **(۵۲)**خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ **(۵۳)** فتاوی کبری سے **(۵۴)**واقعات امام ناطفی **(۵۵)**اس سے عیون المسائل **(۵۶)**اس سے واقعات امام صدر شہید باب العین للعیون برمز وللواقعات **(۵۷)**اس سے غایۃ البیان انزاری قلمی کتاب الکراھیۃ محل مذکور **(۵۸)**واقعات ناطفی سے جامع الفصولین جلد دوم ص ۳۱۴:

لو قال للمسلم اسجد للملك والاقتلناك قالوا ان امروہ بذلك للعبادۃ فالافضل لہ ان لا یسجد کمن اکرہ علی ان یکفر کان الصبر افضل وان امروہ بالسجود للتحیۃ والتعظیم کالعبادۃ فالافضل لہ ان یسجد[2]۔	اگر کافر نے مسلمان سے کہا بادشاہ کو سجدہ کر ورنہ تجھے قتل کر دیں گے، علماء نے فرمایا اگر کافر اس سے سجدہ عبادت کو کہہ رہا ہے تو افضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے جیسے کفر پر اکراہ میں صبر افضل ہے، اور اگر سجدہ تحیت کو کہہ رہا ہے تو افضل یہ ہے کہ سجدہ کرکے جان بچائے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) ان دس عبارات نے روشن کیا کہ غیر خدا کو سجدہ تحیت شراب پینے اور سوئر کھانے سے بدتر ہے ان میں یہ حکم ہے کہ اگر قتل بلکہ قطع عضو بلکہ ضرب شدید ہی کی تخویف سے ان کے کھانے پینے پر اکراہ کیا جائے تو کھانا پینا فرض ہے ورنہ گنہگار ہوگا، عالمگیریہ میں ہے:

اذا اخذ رجلا وقال لاقتلنك او	اگر کسی نے کسی شخص کو پکڑا اور کہا اس سور کا

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ المحیط فصل فی صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضی خاں کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

لتاکلن لحم ھذا الخنزیر یفترض علیہ التناول [1]۔	گوشت کھائے ورنہ میں تجھے قتل کردوں گا۔ تو اس پر گوشت کھانا (اپنی جان کے تحفظ کے لئے) فرض ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

اکرہ علی اکل لحم خنزیر بقتل اوقطع عضو اوضرب مبرح فرض فان صبر فقتل اثم [2]۔	اگر کسی کو قتل کی دھمکی یا قطع اندام یا ضرب شدید سے ڈراتے ہوئے سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا گیا (تو ایسی حالت میں) اس پر سور کا گوشت کھالینا (اپنی جان کے تحفظ کے لئے) فرض ہے (پھر اگر اس نے نہ کھایا) اور مصیبت پر صبر کیا اور قتل کردیا گیا تو گنہگار ہوگا۔

لیکن یہاں اگر قتل سے بھی اکراہ ہو تو سجدہ تحیت کرلینا صرف افضل کہا فرض کیسا واجب بھی نہ کیا یعنی جائز یہ بھی کہ قتل ہوجائے اور سجدہ تحیت نہ کرے اگرچہ جان بچالینا بہتر ہے تو ظاہر ہوا کہ غیر خدا کو سجدہ تحیت شراب پینے اور سوئر کھانے سے بھی بدتر ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اور ہوا ہی چاہئے کہ اکل خنزیر میں عبادات غیر خدا کی مشابہت نہیں نہ اسے بلااستحلال کسی نے کفر کہا بخلاف سجدہ تحیت کہ ایک جماعت علماء سے اس پر حکم تکفیر آیا اور اس کا دوسرے کے لئے کرنا واحد قہار عزوجلالہ کے حق پر دست اندازی ہے۔ آدمی دین وانصاف رکھتا ہو تو یہی عبارات اس کی ہدایت کو بس ہے۔ **ولایزید الظلمین الا خسارا** (اور ظالموں کے سوائے گھاٹے کے کچھ نہ بڑھائے گا۔ ت)

نص۵۹: عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۹ (۶۰) فتاوٰی غرائب سے:

لایجوز السجود الا للہ تعالٰی [3]۔	سجدہ غیر خدا کے لئے جائز نہیں۔

نص۶۱: اکلیل امام جلیل خاتم الحفاظ سے فصل اول میں گزرا: **فیہ تحریم السجود لغیر اللہ تعالٰی** [4]

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۸

[2] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۶

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی غرائب کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[4] الاکلیل فی استنباط التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۵۴

اس آیت سے ثابت ہوا کہ غیر خدا کے لئے سجدہ حرام ہے۔

نص ۶۲: نصاب الاحتساب باب ۴۹ (۶۳) ایک تابعی جلیل سے کہ اکابر تابعین طبقہ اولٰی خلافت فاروقی کے مجاہدین سے تھے:

ان السجود فی دین محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل الا للہ تعالٰی [1]۔	بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دین میں اللہ عزوجل کے سوا سجدہ کسی کے لئے حلال نہیں

نص ۶۴: طریقہ محمدیہ قلمی نوع سیزدہم آفات قلب میں تذلل کو حرام بتا کر فرمایا:

ومنہ السجود والرکوع والانحناء للکبراء عنہ الملاقاۃ والسلام وردہ [2]۔	اسی حرام فروتنی سے ہے بزرگوں کے ملتے اور انھیں سلام کرتے یا جواب دیتے وقت انھیں سجدہ یا ان کے لئے رکوع کرنا یا اقرب رکوع تک جھکنا۔

نص ۶۵: منح الروض ص ۲۲۷:

السجد حرام لغیرہ سبحانہ تعالٰی [3]۔	غیر خدا کو سجدہ حرام۔

نص ۶۶: روضہ امام جل ابوزکریا نووی۔

نص ۶۷: پھر امام ابن حجر مکی کی اعلام بقواطع الاسلام ص ۱۳:

مایفعلہ کثیرون من الجھلۃ الظالمین من السجود بین یدی المشائخ فان ذٰلک حرام قطعا بکل حال سواء کان للقبلۃ اولغیرھا وسواء قصد السجود للہ تعالٰی اوغفل وفی بعض صورہ مایقتضی الکفر عافانا اللہ تعالٰی من ذٰلک [4]۔	وہ جو بہت ظالم جاہل پیروں کو سجدہ کرتے ہیں یہ ہر حال میں حرام قطعی ہے چاہے قبلہ کی جانب ہو یا اور طرف اور چاہے خدا کو سجدہ کی نیت کرے یا اس نیت سے غافل ہو پھر اس کی بعض صورتیں تو مقتضی کفر ہیں اللہ تعالٰی ہمیں اس سے پناہ دے۔

نص ۶۸: اعلام ص ۵۵:

---

[1] نصاب الاحتساب

[2] الطریقہ المحمدیہ التذلیل للمخلوق ھو الثالث عشر من آفات القلب مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲/ ۲۳۸

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا کنایۃ المصطفی البابی حلبی مصر ص ۱۸۷

[4] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبہ الحقیقیہ دار الشفقت استانبول ترکی ص ۳۴۹

قد صرحوا بان سجود جهلة الصوفية بين يدى مشايخهم حرام وفى بعض صوره مايقتضى الكفر [1]۔	بیشک آئمہ نے تصریح فرمائی کہ پیروں کو سجدہ کہ جاہل صوفی کرتے ہیں حرام اور اس کی بعض صورتیں حکم کفر لگاتی ہے۔

نص ۶۹: غایۃ البیان قلمی شرح ہدایۃ العلامۃ الاتقانی محل مذکور بحث سجدہ میں:

ومايفعله بعضالجهال من الصوفية بين يدى شيخهم فحرم محض اقبح البدع فينهون عن ذالك لامحالة[2]	سجدہ کہ بعض جاہل صوفی اپنے پیر کے آگے کرتے ہیں نرا حرام اور سب سے بدتر بدعت ہے وہ جبراً اس سے باز رکھیں جائیں۔

نص ۷۰: وجیز امام حفظ الدین محمد بن محمد کردری جلد ۶ ص ۳۴۳:

وبهذا علم ان مايفعله الجهلة لطواغيتهم ويسمونه پايكاه كفر عند بعض المشائخ وكبيرة عند الكل فلو عتقدهامباحة يشخه فهو كافر وان امره شيخه به ورضى به مستحسناله فالشيخ النجدى ايضا كافر ان كان اسلم فى عمره [3]۔	یہاں سے معلوم ہوا کہ سجدہ کہ جہال اپنے سرکش پیروں کو کرتے اور اسے پائگاہ کہتے ہیں بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے اور گناہ کبیرہ تو بالاجماع ہے پس اگر اسے اپنے پیر کے لئے جائز جانے تو کافر ہے اور اگر اس کے پیر نے اسے سجدہ کا حکم کیا اور اسے پسند کرکے اس پر راضی ہوا تو وہ شیخ نجدی خود بھی کافر ہوا اگر کبھی مسلمان تھا بھی۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یعنی ایسے متکبر خدافراموش خود پسند اپنے لئے سجدے کے خوہشمند غالبا شرع سے آزاد بے قید وبند ہوتے ہیں یوں تو آپ ہی کافر ہیں اور اگر کبھی ایسے نہ بھی تھے تو حرام قطعی یقینی اجماعی کو اچھا جان کو اب ہوئے والعیاذ باللہ تعالٰی۔

الحمدللہ یہ نفس سجدہ تحیت کے حکم میں ستر نص ہیں کہ سجدہ اللہ واحد قہار ہی کے لئے ہے اور اس کے غیر کے لئے مطلقاً کسی نیت سے ہو حرام حرام کبیرہ کبیرہ۔ **والحمدلله حمدا كثيرا و صلى الله تعالٰى وسلم على سيدنا ومولٰنا وآله وصحبه تعزيرا وتعزيرا اٰمين!**

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سب النجاۃ مکتبہ الحقیقۃ دار الشفقت استانبول ترکی ص ۳۸۸

[2] البنایۃ فی شرح الهدایۃ کتاب الکراهیۃ گصل فی الستبراء وغیرہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۲۵۶

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الفاظ تکون اسلاما الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۴۳ و ۳۴۴

قسم دوم: سجدہ تو سجدہ زمین بوسی حرام ہے۔اس پر پندرہ نص قسم اول میں تھے ۱۵تا ۲۸ و ۲۴تا ۳۴ و ۳۵تا ۳۶ کہ دونوں اصالۃً دربارہ تقبیل ارض ہیں ۲۶ اور سنئے کہ مجموع ۴۱ نص ہوں۔

نص ۷۱: جامع صغیر امام کبیر (۷۲)اس سے فتاوٰی تاتارخانیہ (۷۳)اس سے عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۹ (۷۴)کافی شرح وافی قلمی ہر دو تصنیف امام جلیل ابوالبرکات نسفی صاحب کنز(۷۵) غایۃ البیان علامہ انزاری قلمی شرح ہدایہ ہر دو در کتاب الکراھیۃ قبیل فصل فی البیع (۷٦) کفایۃ امام جلال الدین کرمانی شرح ہدایہ جلد ۴ ص ۴۳ (۷۷) تبیین الحقائق امام زیلعی شرح کنز جلد ٦ ص ۲۵ (۷۸) تنویر الابصار امام شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی (۷۹) درمختار علامہ مدقق علاؤالدین دمشقی کتاب الحظر محل مذکور (۸۰) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر جلد ۲ ص ۵۲۰ (۸۱) فتح المعین علی الکنز جلد ۳ ص ۴۰۲ (۸۲) جواہر الاخلاطی قلمی کتاب الاستحسان (۸۳) تکملۃ للعلامۃ الطوری جلد ۸ ص ۲۲٦ (۸۴) شرح الکنز للملامسکین محل مذکور (۸۵) فتاوٰی غرائب (۸٦)اس سے فتاوٰی ہندیہ صفحہ مذکورہ۔ ان سولہ نصوص جلیلہ میں ہے:

مایفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ آثمان [1]۔	عالموں اور بزرگوں کے سامنے چومنا حرام ہے اور چومنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہ گار۔

کافی و کفایہ وغایۃ و تبیین و درو مجمع وابوالسعود و جواہر نے زائد کیا۔لانہ یشبہ عبادۃ الوثن [2] اس لئے کہ وہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔

طوری کے لفظ یہ ہیں لانہ اشبہ بعبدۃ الاوثان [3]۔ایسا کرنے والا بت پرستوں سے نہایت مشابہ ہے۔

نص ۸۷: علامہ سید احمد مصری طحطاوی جلد ۴ ص زیر قول مذکور در:

یشبہ عبادۃ الوثن لانہ فیہ صورۃ السجود لغیر اللہ تعالٰی [4]۔	زمین بوسی اس لئے بت پرستی کے مشابہ ہے کہ اس میں غیر خدا کو سجدہ کی صورت ہے۔

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[3] تکملہ البحر الرائق کتاب الکراھیۃ فصل فی الاستبراء وغیرہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۹۸

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الکراھیۃ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۹۲

اقول: (میں کہتا ہوں) زمین بوسی حقیقۃً سجدہ نہیں کہ سجدہ میں پیشانی رکھنی ضروری ہے جب یہ اس وجہ سے حرام مشابہ بت پرستی ہوئی کہ صورۃً قریب سجدہ ہے تو خود سجدہ کس درجہ سخت حرام اور بت پرستی کا مشابہ تام ہوگا۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

نص ۸۸: غنیہ ذوی الاحکام للعلامۃ الشرنبلالی جلد اول ص ۳۱۸ (۸۹) متن مواہب الرحمٰن سے:

یحرم تقبیل الارض بین یدی العالم للتحیۃ[1]۔	عالم کے سامنے تحیت کی نیت سے زمین بوسی حرام ہے۔

نص ۹۰: خادمی علی الدرر ص ۱۵۵:

تقبیل الارض والانحناء لیس بجائز بل محرم[2]۔	زمین چومنا اور جھکنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

نص ۹۱: ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۷۹ (۹۲) درمنتقی شرح ملتقی سے اقسام بوسہ میں:

حرام لارض تحۃ وکفر لھا تعظیما[3]۔	زمین بوسی بطور تحیت حرام اور بروجہ تعظیم کفر ہے۔

نص ۳۹: فتاوٰی ظہیریہ (۹۴) مختصر امام عینی (۹۵) اس سے غمز العیون ص ۱۳۱ (۹۶) شرح فقہ اکبر ص ۳۳۵:

اما تقبیل الارض فھو قریب من السجود الا ان وضع الجبین او الخد علی الارض افحش واقبح من تقبیل الارض[4]۔	زمین چومنا سجدے کے قریب ہے اور جبین یا رخسارہ زمین پر رکھنا اس سے بھی زیادہ فحش و قبیح ہے۔

قسم سوم: زمین بوسی بالائے طاق رکوع کے قریب تک جھکنا منع ہے اس پر ۶۴، ۹ دو نص اوپر گزرے، تیس ۳۰ اور سنئے۔

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر والغرر کتاب الکراھیۃ فصل من ملک آمۃ بشراء میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۸

[2] حاشیہ الخادمی علی الدرر شرح الغرر کتاب الکراھیۃ فصل قولہ مشربۃ عن محرمھا مطبوعہ عثمانیہ ص ۱۵۵

[3] الدرالمنتقی فی شرح الملتقی علی ہامش مجمع الانہر کتاب الکراھیۃ فصل فی بیان احکام داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۲

[4] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۹۳

نص ۹۷: زاہدی (**۹۸**) اس سے جامع الرموز ص ۵۳۵ (**۹۹**) اس سے ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۷۸ (**۱۰۰**) نیز شیخی زادہ علی الملتقی جلد ۲ ص ۵۲۰:

الانخناء فی السلام الی قریب الرکوع کالسجود [1]۔	سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا بھی مثل سجدہ ہے۔

نص ۱۰۱: شرعۃ الاسلام (**۱۰۲**) اس کی شرح مفاتیح الجنان ص ۳۱۲:

(لایقبله ولاینحنی له) لکونهما مکروهین [2]۔	نہ بوسہ دے نہ جھکے کہ دونوں مکروہ ہیں۔

نص ۱۰۳: احیاء العلوم جلد ۲ ص ۱۲۴ (**۱۰۴**) اتحاف السادہ جلد ۶ ص ۲۸۱:

(الانحناء عند السلام منهی عنه) وهو عن فعل الاعاجم [3]۔	سلام کے وقت جھکنا منع فرمایا گیا اور وہ مجوسی کا فعل ہے۔

(**۱۰۵**) عین العلم قلمی باب ثامن (**۱۰۶**) شرح علی قاری جلد اول ص ۲۷۴ (**۱۰۷**) ذخیرہ سے (**۱۰۸**) نیز محیط سے:

(لاینحنی) لان الانحناء یکره للسلاطین وغیرهم ولانه صنیع اهل الکتاب [4]۔	سلام میں نہ جھکے کہ بادشاہ ہو یا کوئی کسی کے لئے جھکنے کی اجازت نہیں اور ایک وجہ ممانعت یہ ہے کہ وہ یہود ونصارٰی کا فعل ہے۔

نص ۱۰۹: حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد اول ص ۳۸۱:

معلوم ان من لقی احدا من الاکابر فحنی له رأسه او ظهره ولوبالغ فی ذٰلك فمراده التحیة والتعظیم دون العبادة فلا یکفر بهذا الصنیع	معلوم ہے کہ جو اکابر میں کسی سے ملتے وقت اس کے لئے سر یا پیٹھ جھکائے اگرچہ اس میں مبالغہ کرے اس کا ارادہ تحیت و تعظیم ہی کا ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کا تو اس فعل سے کافر نہ ہوجائیگا۔

---

[1] جامع الرموز کتاب الکراھیۃ ۳/ ۳۱۵ و مجمع الانہر ۲/ ۵۴۲

[2] شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن المشی وآدابہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۱۲

[3] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب الاخوۃ والصحبۃ الباب الثالث دارالفکر بیروت ۶/ ۲۸۱

[4] شرح عین العلم لملا علی قاری بحوالہ المحیط والذخیرۃ الباب الثامن امرت پریس لاہور ص ۲۱۳

وحال المسلم مشعر بذلك على كل حال واما العبادة فلا يقصدها الا كافر اصل فی الغالب ولکن التملق الموصل الى هذا المقدار من التذلل مذموم ولهذا جعله المصنف رحمه الله تعالٰی من التذلل الحرام ولم یجعله کفرا [1]۔	بہر حال خود مسلمان کا حال اس نیت کو بتارہا ہے عبادت کا ارادہ تو غالبا وہی کرے گا جو سرے سے کافر ہو۔ہاں اتنی چاپلوسی جو اس حد کے ذلیل بننے تک پہنچادے بد ہے اسی لئے جھکنے کو مصنف رحمہ اللہ تعالٰی نے حرام کہا کفر نہ ٹھہرایا۔

نص ۱۱۰: امام اجل عزالدین بن عبدالسلام **(۱۱۱)** ان سے امام ابن حجر مکی فتاوٰی کبرٰی میں جلد ۴ ص ۲۴۷ **(۱۱۲)** ان سے امام عارف نابلسی حدیقہ ص ۳۸۱ میں:

الانحناء البالغ الى حد الركوع لایفعله احد لا حد کالسجود ولا بأس بما نقص من حد الرکوع لمن یکرہ من اھل الاسلام [2]۔ **اقول:** ھذا ھوا الجمع بین النصوص المتوافرة المتظافرة علی المنع وبین مافی الھندیة عن الغرائب تجوز الخدمة الھندیة عن الغرائب تجوز الخدمة لغیر الله تعالٰی بالقیام واخذ الیدین والانحناء [3] اھو قد اشاروا الیه فی النصوص الاربعة التی صدرنا بھا فتلك سبعة وبالله التوفیق۔	حد رکوع تک کوئی کسی کے لئے نہ جھکے جیسے سجدہ اور اس قدر سے کم میں حرج نہیں کہ کسی اسلامی عزت والے کے لئے جھکے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہی جمع کرنا ہے (یعنی دونوں قولوں میں مواخذہ اور مطابقت پیدا کرنا) درمیان ان نصوص کثیرہ جو باہم ایک دوسرے کی مؤید ہیں اور اس قول کے درمیان جو فتاوٰی عالمگیری میں فتاوٰی غرائب سے منقول ہے کہ کسی مخلوق (یعنی غیر خدا) کی قیام مصافحہ کرنے اور جھکنے سے خدمت کرنا جائز ہے اھ بیشک انھوں (ائمہ کرام) نے اس کی طرف ان چار نصوص میں اشارہ فرمایا جن کو ہم پہلے لائے ہیں پس سات ہوگئیں اور اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے حصول توفیق ہے۔(ت)

نص ۱۱۳: واقعات امام ناطقی **(۱۱۴)** ملتقط امام ناصر الدین **(۱۱۵)** ان دونوں نصاب الاحتساب اول وآخر باب ۴۹ **(۱۱۶)** جواھر الاخلاطی کتاب الاستحسان **(۱۱۷)** اس سے عالمگیری جلد ۵

[1] الحدیقه الندیه شرح الطریقه المحمدیه والخلق الثانی عشر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۵۴۷

[2] الحدیقه الندیه شرح الطریقه المحمدیه بحواله ابن حجر فی فتاوٰی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۵۴۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

ص ۳۶۹:

الانحناء للسلطان اولغیرہ مکروہ لانہ یشبہ فعل المجوس[1]۔	بادشاہ ہو کوئی، اس کے لئے جھکنا منع ہے کہ یہ مجوس کے فعل سے مشابہ ہے۔

نص ۱۱۸: مجمع الانہر جلد ۲ ص ۵۲۱ **(۱۱۹)** فصول عمادی ہے:

یکرہ الانحناء لانہ یشبہ فعل المجوسی[2]۔	جھکنا منع ہے کہ مجوسی کے فعل سے مشابہ ہے۔

نص ۱۲۰: مواہب الرحمٰن **(۱۲۱)** اس سے شرنبلالیہ جلد اول ص ۳۱۸ **(۱۲۲)** محیط **(۱۲۳)** اس سے جامع الرموز ص ۵۳۵ **(۱۲۴)** اس سے ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۷۸:

یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ[3]۔	بادشاہ ہو خواہ کوئی اس کے لئے جھکنا منع ہے۔

نص ۱۲۵: فتاوٰی کبرٰی للامام الہیتمی: الانحناء بالظھر یکرہ[4] پیٹھ جھکانا مکروہ ہے۔

نص ۱۲۶: عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۹ **(۱۲۷)** فتاوی امام تمرتاشی سے:

یکرہ الانحناء عندالتحیۃ وبہ ورد النھی[5]۔	سلام کرتے جھکنا منع ہے حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی ہے۔

نوع دوم: متعلق مزارات یہ بھی تین قسم:

قسم اوّل: مزارات کو سجدہ یا ان کے سامنے زمین چومنا حرام اور حدِ رکوع تک جھکنا ممنوع۔

نص ۱۲۸: منسک متوسط علامہ رحمۃ اللہ تلمیذ امام ابن الہمام **(۱۲۹)** مسلک متقسط شرح ملا علی قاری ص ۲۹۳:

(لایمس عند زیارۃ الجدار) ولایقبلہ (ولا یلتصق بہ ولایطوف ولاینحنی	زیارت روضہ انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رزقنا اللہ العود المیھاد بقبولہ)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[2] مجمع الانہر بحوالہ فصول عمادی کتاب الکراھیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۲

[3] ردالمحتار بحوالہ المحیط کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[4] الفتاوٰی الکبرٰی لابن حجر مکی باب السیر دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۴۷

[5] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ التمرتاشی کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

ولا یقبل الارض فانه)ای کل واحد(بدعة)غیر مستحسنه [1]۔	(ہمیں اللہ تعالٰی دوبارہ روضہ اطہر کی زیارت نصیب فرمائے بشرطیکہ قبولیت ہو) کے وقت نہ دیوار کریم کو ہاتھ لگائے، نہ چومے، نہ اس سے چمٹے، نہ طواف کرے نہ جھکے نہ زمین چومے کہ یہ سب بدعت قبیحہ ہیں۔

اقول: (میں کہتاہوں) بوسہ میں اختلاف ہے اور چھونا چمٹنا اس کے مثل اور احوط منع اور علت خلاف ادب ہونا۔

لاماقاله القاری فی القبلة انه من خواص بعض ارکان القبلة کیف وقد نصوا علی استحسان تقبیل المصحف وایدی العلماء ارجلهم والخبز۔	وہ بات نہیں جو ملا علی قاری سے بوسہ دینے کے بارے میں صادر ہوئی کہ وہ بعض ارکان قبلہ کے خواص میں سے ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے اس لئے کہ ائمہ کرام نے مصحف شریف اور علمائے کرام کے ہاتھ پاؤں چومنے کے مستحسن ہونے کی تصریح فرمائی۔ نیز روٹی کو بوسہ دینے کی صراحت فرمائی۔ (ت)

اور جھکنے سے مراد بدستور تاحد رکوع، اور طواف سے یہ کہ نفس طواف بغرض تعظیم مقصود ہو کما حققناه فی فتاوٰی بما لا مزید علیه (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بڑی تفصیل سے اس کی تحقیق کردی کہ جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔ ت)

نص ۱۳۰: شرح لباب صفحہ مذکورہ:

اما السجدة فلا شك انها حرام فلا یغتر الزائر بمایری من فعل الجاهلین بل یتبع العلماء العالمین [2]۔	رہامزار انور کو مسجدہ وہ توحرام قطعی ہے توزائر جاہلوں کے فعل سے دھوکانہ کھائے بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کرے۔

نص ۱۳۱: زواجر عن اقراب الکبائر جلد اول ص ۱۱۰:

قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاتتخذوا	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاارشاد کہ

---

[1] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری فصل والیغتتم ایام مقامه الخ دار الکتب بیروت ص ۳۴۲

[2] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری فصل والیغتتم ایام مقامه الخ دار الکتب بیروت ص ۳۴۲

قبری وثنا یعبدی بعدی ای لاتعظموہ تعظیم غیر کم لاوثانھم بالسجود له اونحوہ فان ذٰلك کبیرۃ بل کفر بشرطه [1]۔	میرے مزار اقدس کو پرستش کا بت نہ بنانا اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی تعظیم سجدے یا اس کے مثل سے نہ کرنا جیسے تمھارے اغیار اپنے بتوں کے لئے کرتے ہیں کہ سجدہ ضرور کبیرہ ہے بلکہ نیت عبادت ہو تو کفر۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

قسم دوم: مزار کو سجدہ در کنار کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو سجدہ جائز نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف ہو۔

نص ۱۳۲: طحطاوی الدر جلد اول ص ۱۸۳:

قوله مقبرۃ لان فیه التوجه الی القبر غالبا الصلٰوۃ الیه مکروھۃ [2]۔	مقبرے میں نماز مکروہ ہے کہ اس مین غالبا کسی قبر کو منہ ہوگا اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے

نص ۱۳۳: حلیہ امام ابن امیر الحاج قلمی اواخر مایکرہ فی الصلٰوۃ (۱۳۴) ردالمحتار جلد اول ص ۳۹۴:

المقبرۃ اذا کان فیھا موضع اعد للصلٰوۃ ولیس فیه قبرولا نجاسۃ وقبلۃ الی قبر فالصلٰوۃ مکروھۃ [3]۔	قبرستان میں جب کوئی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی ہو اور وہاں نہ قبر ہو نہ نجاست مگر اس کا قبلہ قبر کی طرف ہو جب بھی نماز مکروہ ہے۔

نص ۱۳۵: مجتبٰی شرح قدوری **(۱۳۶)** بحر الرائق جلد دوم ص ۲۰۹ (۱۳۷) فتح اللہ المعین جلد اول ص ۳۶۲:

یکرہ ان یطأ القبراو یجلس اوینام علیه اویصلی علیه اوالیه [4]۔	مکروہ ہے کہ قبر کو پامال کرے یا اس پر بیٹھے یا اس پر چڑھ کر سوئے یا اس پر یا اس کی طرف نماز پڑھے۔ (ت)

(۱۳۸) حلیہ آخر کتاب **(۱۳۹)** شامی ص ۹۳۵:

[1] الزواجر عن اقتراف الکبائر کتاب الصلٰوۃ باب اتخاذ القبور المساجد الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلٰوۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[3] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الصلٰوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[4] فتح المعین باب الجنائز ۱/ ۳۶۲ و بحر الرائق بحوالہ المجتبٰی کتاب الجنائز ۲/ ۱۹۴

تکرہ الصلٰوۃ علیہ والیہ لورود النھی عن ذٰلك [1]۔	قبر پر اور قبر کی طرف نماز منع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی۔

نص ۱۴۰: تبیین الحقائق امام زیلعی جلد اول ص ۲۴۶:

یکرہ ان ینبغی علی القبر اویقعد علیہ او یصلی الیہ نھی علیہ الصلٰوۃ والسلام عن اتخاذ القبور مساجد [2]۔	قبر کے اوپر کوئی چنائی قائم کرنا یا قبر پر بیٹھنا یا اس کی طرف نماز میں منہ کرنا سب منع ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبروں کو محل سجدہ قرار دینے سے منع فرمایا۔

نص ۱۴۱: زواجر جلد اول ص ۱۱۷:

من ثم قال اصحابنا تحرم الصلٰوۃ الی قبور الانبیاء والاولیاء تبکا واعظاما [3]۔	اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے مزارات شریفہ کی طرف نماز حرام ہے اگرچہ صرف تبرک وتعظیم کی نیت ہو۔

نص ۱۴۲: ایضًا ص ۱۱۶: **(۱۴۳)** بعض ائمہ نے گناہان کبیرہ متعلقہ بقبور میں فرمایا **والصلٰوۃ الیھا** [4] قبر کے سامنے نماز پڑھنا گناہ کبیرہ ہے۔

نص ۱۴۴: ارشاد الساری امام احمد قسطلانی **(۱۴۵)** تحقیق امام الفرج سے:

یحرم ان یصلی متوجھا الی قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [5]۔	حرام ہے کہ مزار انور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) رکوع سجود والی نماز میں قبر سامنے ہونے کی کراہت اس کی نماز

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[2] تبیین الحقائق باب الجنائز فصل السلطان احق فی الصلٰوۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۲۴۶

[3] الزواجر عن اقتراف الکبائر کتاب الصلٰوۃ باب التخاذ قبور المساجد دارالفکر بیروت ۱/ ۲۴۶

[4] الزواجر عن قتراف الکبائر کتاب الصلٰوۃ باب التخاذ قبور المساجد دارالفکر بیروت ۱/ ۲۴۶

[5] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب حل تنبش قبور الخ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۳۰

ہونے کے سبب نہیں نماز تو جنازہ بھی ہے اور اس میں میت کا سامنے ہونا شرط اور نماز ہی نہ ہوگی اور بغیر نماز دفن کردیا تو جب تک ظن سلامت ہے قبر پر نماز پڑھنا خود حکم شریعت ہے تو قطعاً یہ کراہت نماز کے سبب نہیں بلکہ رکوع و سجود کے باعث اور یقینا معلوم کہ نماز کا رکوع و سجود اللہ عزوجل ہی کے لئے ہے اور مصلی یقیناً استقبال قبلہ ہی کی نیت کرتا ہے نہ کہ توجہ الی القبر کی۔ بایں ہمہ صرف قبر کا سامنے ہونا اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ کو ممنوع کرتا ہے تو خود قبر کو سجدہ کرنا یا اسے سجدہ میں قبلہ توجہ بنانا کسی درجہ سخت اشد ممنوع وحرام ہوگا، انصاف شرط ہے اور اس قسم کے نصوص اور نوع دوم کی، احادیث کی باقی تقریر و تقریب آئندہ آئی ہے وباللہ التوفیق۔

قسم سوم: نماز تو نماز قبر کی طرف مسجد کا قبلہ ہونا منع ہے اگرچہ نمازی کا سامنا نہ ہو مثلاً امام کے سامنے کوئی ستون یا انگلی برابر دل کی آدھ گز اونچی لکڑی ہو کہ جماعت کا سامنا نہ رہا۔ پھر بھی مسجد کے قبلے میں قبر کی ممانعت ہے جب تک بیچ میں دیوار حائل نہ ہو۔

نص ۱۴۶: محرر مذہب امام محمد کی کتاب الاصل (۱۴۶) ان سے محیط (۱۴۸) ان سے ہندیہ جلد ۵:

اکرہ ان تکون قبلۃ المسجد الحمام و القبر [1]۔	میں مکروہ رکھتا ہوں اسے کہ مسجد کا قبلہ حمام یا قبلہ کی طرف ہو۔

نص ۱۴۹: غنیہ شرح منیہ ص۳۶۶:

یکرہ ان تکون قبلۃ المسجد الی الحمام او قبرلانہ فیہ ترك تعظیم المسجد [2]۔	مکروہ ہے کہ مسجد کا قبلہ حمام یا قبر کی طرف ہو کہ اس میں مسجد کی بے تعظیمی ہے۔

نص ۱۵۰: خلاصہ جلد اول ص ۵۶:

یکرہ ان تکون قبلۃ المسجد الی حمام او قبر اذا لم یکن بین المصلی وبین ھذا المواضع حائل	مکروہ ہے کہ مسجد کا قبلہ حمام یا قبر کی طرف ہو جبکہ محل نماز اور ان مواضع میں دیوار کی مثل کوئی حائل نہ ہو ہاں بیچ میں دیوار ہو تو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی کراھیۃ الصلوٰۃ فروع فی الخلاصۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص۳۶۶

کالحائط وان کان حائط لایکرہ[1]۔	مکروہ نہیں۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں) یہاں دو مسئلے ہیں:

ایک یہ کہ قبر کے سامنے ممنوع ہے۔ یہ حکم عام ہے مسجد میں ہو خواہ مکان میں خواہ صحرا میں، اور اس کا علاج سترہ ہے۔ کہ انگلی کا دل (موٹائی) اور آدھ گز طول رکھتا ہو، یا صحرا میں مصلی خاشع کے موضع نظر سے دور ہونا **کما فی جامع المضمرات ثم جامع الرموز ثم ردالمحتار و الطحطاوی علی مراقی الفلاح** (جیسا کہ جامع المضمرات، جامع الرموز، فتاوٰی شامی اور طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔ت) اور امام کا سترہ ساری جماعت کو کافی ہے تمام کتب میں اس کی تصریح ہے۔ گنگوہی نے کہ عداوت اولیائے کرام سے اپنے فتاوٰی حصہ اول ص ۳۰ میں یہ حکم لگایا کہ "قبرستان میں سب کے واسطے امام اور مقتدی کے سترہ کا حاجت ہے سترہ امام کا مقتدی کو کافی ہونا مرور حیوان اور انسان میں کافی ہے قبور کا حضور مشابہ بشرک وبت پرستی ہے اس میں کفایت نہیں ہر ہر نمازی کے سامنے پردہ واجب ہے"[2] یہ شرع مطہر پر افتراء اور دل سے شریعت گھڑنا ہے۔

دوسرا یہ کہ مسجد کا قبلہ جانب قبر نہ ہو، یہ حکم مسجد سے خاص ہے یہاں تک کہ گھر میں جو جگہ نماز کے لئے مقرر کرلیں جسے مسجد البیت کہتے ہیں اس کے قبلہ میں حمام یا بیت الخلا ہو تو کچھ حرج نہیں نہ قبر میں مضائقہ، **کمانص علیہ فی المحیط الھندیۃ و غیرھا** (جیسا کہ محیط، فتاوٰی عالمگیری اور ان دو کے علاوہ یہ حکم تعظیم مسجد کے لئے ہے **کما افادہ المحقق ابراھیم الحلبی** (جیسا کہ محقق ابراہیم حلبی نے اس کا افادہ پیش کیا ہے۔ت) اور وہ جگہ حقیقۃً مسجد نہیں یہاں تک کہ اس میں جنب کو جانا بلکہ جماع بھی جائز ہے۔ ذخیرہ وحلیہ وغیرہما میں ہے:

لیس لمساجد البیوت حکم المساجد الا تری انہ یدخلہ الجنب من غیر کراھۃ ویأتی فیہ اھلہ ویبیع و یشتری	گھروں کی مساجد کا حقیقی مساجد جیسا حکم نہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ مساجد بیوت میں بغیر کراہت جنبی (ناپاک) داخل ہوسکتا ہے۔ اور وہاں

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۶۰

[2] فتاوٰی رشیدیہ باب قضاء الفوائت محمد سعید اینڈ سنز مسافر خانہ کراچی ص ۲۸۸

من غیر کراھۃ[1]۔	وہ اپنی منکوحہ سے ہمبستری بھی کرسکتا ہے پھر اس میں بلا کراہت خرید وفروخت بھی ہوسکتی ہے۔(ت)

مسجد حقیقی میں یہ کراہت نہ بعد قلیل سے زائل ہو نہ اس سترہ سے بلکہ دیوار درکار۔

کما سمعت فظھر الجواب وللہ الحمد عما اوردالمحقق الحلبی فی الحلیۃ اذ قال لقائل ان یقول لا یلزم من مفارقۃ مساجد البیوت لمساجد الجماعات فی الاحکام المذکورہ عدم کراھۃ الاستقبال المذکور فی الصلوٰۃ فی البیوت بلاحائل بینہ وبین ذٰلك بل ینبغی ان یکون ھذا مما یساوی فیہ الصلوٰۃ فی البیوت و الصلوٰۃ فی مساجد الجماعات فلیتأمل[2] اھ وتقریر الجواب ظاہر مماقررنا فالتفرقۃ التی ذکر فی المحیط وغیرہ غیر قائمۃ والتسویۃ التی یریدھا المحقق حاصلۃ والحمدللہ وعلی حبیبہ والہ الصلوٰۃ الکاملۃ اٰمین۔	اللہ تعالٰی ہی کے لئے ستائش وخوبی ہے لہٰذا اس اشکال کا جواب بالکل ظاہر اور واضح ہوگیا کہ جس کو محقق حلبی نے الحلیۃ میں ذکر فرمایا کہ کسی کہنے والے کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ یوں کہے کہ احکام مذکورہ میں مساجد بیوت (گھروں کی مسجدیں) اور مساجد جماعات (وہ مساجد جو نماز باجماعت کے لئے تعمیر ہوئیں) میں فرق بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر لوگ گھروں کی مساجد میں آڑ اور پردہ کے بغیر نماز پڑھیں تو قبلہ کی طرف منہ کرنے میں کراہت نہ ہو، (بلکہ اس صورت میں ضرور کراہۃ ہونی چاہئے) بلکہ مناسب اور موزوں یہ ہے کہ اس حکم میں مسجد بیت اور مسجد جماعات دونوں برابر یا مساوی ہوں، اس کو سوچنا چاہئے اھ۔جو کچھ ہم نے ثابت کیا اس سے تقریر جواب ظاہر ہوگئی۔لہٰذا وہ تفرقہ جو محیط وغیرہ میں ذکر کیا وہ قائم نہیں۔اور وہ "تسویہ" جو محقق موصوف چاہتے ہیں وہ حاصل ہے۔جملہ انواع تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ثابت ہیں۔اور اللہ تعالٰی کے محبوب کریم اور ان کی تمام آل پر کامل رحمتیں نازل ہوں، آمین۔(ت)

ہم اس مختصر بیان کو چار فصل کرتے ہیں:

فصل اول: صحابہ وائمہ واولیاء وکتب پر بکر کے افتراخود اس کے مستندات اور اجماع وفقہ و

1

2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

جماہیر اولیاء سے تحریم سجدہ تحیت کا ثبوت۔

فصل دوم: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بکر کے افترائ، حدیثوں سے تحریم سجدہ کا ثبوت۔

فصل سوم: اللہ عزوجل پر بکر کے افترائ، خود اس کے منہ قرآن عظیم سے تحریم سجدہ کا ثبوت

فصل چہارم: سجدہ آدم ویوسف علیہما الصلٰوۃ والسلام کی بحث اور دلائل قاہرہ سے بطلان استدلال مجوزین کا ثبوت۔

وباللہ التوفیق والوصول الی ذری التحقیق (اور اللہ تعالٰی ہی کی مدد سے حصول توفیق ہے اور تحقیق کی چوٹی تک رسائی حاصل ہوسکتی ہے۔ت) ہر فصل میں اس کے متعلق بکر کے اور کمالات کثیرہ کا بھی اظہار ہوگا کہ مسلمان دھوکے سے بچیں **وباللہ الھادی** (اور اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ت)

فصل اول: صحابہ وائمہ اولیاء وکتب پر بکر کے فتراء خود اس کے مستندات اور اجماع وفقہ وجماہیر اولیائے سے تحریم سجدۂ تحیۃ کا ثبوت

(۱) بکر نے ص ۱۳ میں عالمگیریہ کی جلد خامس باب ۲۸ صفحہ ۳۷۸ کی طرف نسبت کیا:

قال الامام ابومنصور اذا قبل احد بین یدی احد الارض اوانحنی له اوطأطأ له راسه فلا باس به لانه یرید تعظیمه لاعبادته۔	امام ابومنصور نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی کے آگے زمین چومے یا اس کے لئے جھکے یا اپنا سر جھکائے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے وہ اس کی تعظیم کا ارادہ رکھتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کرنے کا(ت)

یہ محض افتراء ہے عالمگیری میں اصلا اس عبارت کا نشان نہیں نری خود ساختہ ہے کیا امر دین میں اغوا عوام کے لئے ایسی حرکات کسی مسلمان کہلانے والے کو زیبا ہیں۔

(۲) جلد خامس **(۳)** باب ۲۸ **(۴)** ص ۳۷۸ یہ تین شدید جراتیں ہیں کذب صریح اور اتنی جسارت وشوخ دچشمی سے کہ پوری تعیین مقام بھی کردیجائے **(۵)** اسی عالمگیری کی اسی جلد خامس کتاب الکراھیۃ ۲۸ ص ۳۶۸ میں ہے:

من سجد للسلطان علی وجه التحیة اوقبل الارض بین یدیه لایکفر ولکن یأثم لارتکاب الکبیرة هو المختار کذافی جواہر الاخلاطی[1]۔	یعنی جواہر الاخلاطی ہے بادشاہ کے لئے سجدہ تحیت یا اس کے سامنے زمین چومنے سے مذہب مختار میں کافر تو نہ ہوگا ہاں گنہگار ہوگا کہ اس نے کبیرہ کاارتکاب کیا۔اسے چھوڑا،ایک خیانت۔

(۶) اسی میں وہیں ص ۳۶۹ میں ہے:

وفی الجامع الصغیر تقبیل الارض بین یدی العظیم حرام وان الفاعل والراضی آثمان کذافی التتارخانیة[2]۔	یعنی جامع الصغیر پھر تاتارخانیہ میں ہے۔بڑے کے آگے زمین چومنا حرام ہے اور چومنے والا اور وہ کہ اس پر راضی ہو بیشک دونوں مجرم ہیں۔

دو۲ خیانت۔(۷) اسی میں اس کے متصل ہے:

وتقبیل الارض بین یدی العلماء والزهاد فعل الجهال والفاعل والراضی آثمان کذافی الغرائب[3]۔	یعنی غرائب علماء ومشائخ کے سامنے زمین بوسی جاہلوں کا کام ہے اور فاعل وراضی دونوں گنہگار۔

تین خیانت۔ (۸) اسی کے متصل ہے:

الانحناء للسلطان اولغیره مکروه لانه یشبه فعل المجوس کذافی جواهر الاخلاطی[4]۔	یعنی جواھر اخلاطی میں ہے بادشاہ خواہ کسی کے لئے جھکنا مکروہ ہے کہ فعل مجوس کے مانند ہے۔

چار خیانت۔**اقول:** (میں کہتاہوں) یہاں جھکنے سے بقدر رکوع جھکنا مقصود ہے جس طرح رسم مجوس و

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

ہنود ہے۔ **(۹)** اسی کے متصل ہے:

ویکرہ الانحناء عند التحیۃ وبہ ورد النھی کذا فی التمرتاشی [1]۔	یعنی فتاوٰی امام تمرتاشی میں ہے سلام کرتے وقت جھکنا مکروہ ہے حدیث میں اس سے ممانعت آئی۔

پانچ خیانت (۱۰) اسی کے متصل ہے:

تجوز الخدمۃ لغیر اللہ تعالٰی بالقیام واخذ الیدین والانحناء ولایجوز السجود الا للہ تعالٰی کذا فی الغرائب [2]۔	یعنی فتاوٰی غرائب میں ہے قیامت اور مصافحے اور جھکنے سے غیر خدا کی خدمت جائز ہے اور سجدہ جائز نہیں مگر اللہ تعالٰی کے لئے۔

چھ خیانت اقول: (میں کہتا ہوں) یہاں خفیف جھکنا مراد ہے کہ حد رکوع ؏ تک نہ پہنچے۔ حدیقہ ندیہ امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی میں ہے:

الانحناء البالغ حد الرکوع لایفعل لاحد کالسجود ولا بأس بما نقص من حد الرکوع لمن یکرہ من اھل الاسلام [3]۔	یعنی حد رکوع تک جھکنا غیر خدا کے لئے جائز نہیں جیسے سجدہ اور حد رکوع سے کم میں حرج نہیں کہ کسی اسلامی عزت والے کے لئے جھکیں۔

عالمگیری میں اگر کچھ نہ ہوتا تو دل سے عبارت گھڑ کر اس کے سر باندھنی تہمت تھی نہ کہ اس میں یہ قاہر عبارات اپنے خلاف موجود ہوں اور اسی جلد اسی باب میں ہوں پھر وہ شدید جرات ہزار افتراء کا ایک افتراء ہے۔

(۱۱) پھر کہا ص ۱۱۳ اس کے بعد اسی کتاب میں لکھا ہے۔

وقد تبین بذٰلك ان وضع الجباہ بین یدی المشائخ جائز بلاریب۔	بیشک اس سے ظاہر اور واضح ہوگیا کہ مشائخ کرام کے روبرو زمین پر اپنی پیشانیاں رکھ دینا بلاشک وشبہہ جائز ہے۔

؏: بہ تقیید زاھدی وردالمحتار نمبر ۲۶ میں آتی ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[3] الحدیقہ الندیہ شرح الطریقہ محمدیہ الخلق الثانی عشر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۷۴۵

اور ایک عبارت ۳ سطر کی گھڑلی، یہ بھی نرا کذب ہے۔

(۱۲) اسی طرح سو ¨¨ افتراء کا ایک ہے۔ **(۱۳)** صفحہ ۱۳ میں جامع صغیر کی طرف نسبت کیا:

لاباس بوضع الخدین بین یدی المشائخ۔	مشائخ کے سامنے رخساروں کے رگڑنے میں حرج نہیں۔ (ت)

یہ بھی خالص دروغ۔

(۱۴) ویساہی سوافتراء کے برابر ہے جامع صغیر کی عبارت ابھی گزری کہ زمین چومنا حرام ہے نہ کہ زمین پر رخسارے رکھنا۔

(۱۵) اسی صفحہ میں فتاوٰی عزیزیہ کہ نسبت ادعا کیا "اس میں بہت شرح وبسط سے تعظیمی سجدہ کی اباحت پر زور دیا ہے" یہ بھی صریح ہٹ دھرمی ہے۔ فتاوٰی عزیزیہ میں بعد ذکر شبہات یہ جواب قاطع دیا کہ اجماع قطعی ست بر تحریم سجدہ[1] یعنی غیر خدا کو سجدۂ تحیت حرام ہونے پر اجماع قطعی قائم ہے۔

(۱۶) تو یہ بھی سو ¨¨ افتراء کے مثل ہوا۔

(۱۷) یہیں یہی مضمون فتاوٰی سراجیہ کی نسبت کیا، یہ بھی خالص جھوٹ ہے سراجیہ بہت شرح وبسط در کنار کا نشان تک نہیں۔

(۱۸) یہی ادعا شرح مشکوٰۃ شیخ محقق کی نسبت کیا، یہ بھی محض بہتان اسی میں تو یہ ہے سجدہ برائے زندہ باید کرد کہ ہر گز نمیرد و ملک اوزائل نگردد[2] (سجدہ اس زندے (خدا) کے لئے کرنا چاہئے جو کبھی مرتا نہیں اور اس کی بادشاہی کبھی زوال پذیر نہیں ہوتی۔ ت)

(۱۹) صفحہ ۱۳ میں عالمگیری سے نقل کیا:

وان امرہ بالسجود للتحیۃ والتعظیم لالعبادۃ فلا فضل لہ ان یسجد۔	اگر کفار نے کسی کو سجدۂ تحیۃ اور تعظیمی کرنے کا نہ کہ سجدہ عبادت کرنے کا، تو افضل یہ ہے کہ وہ سجدہ کرے اھ (ت)

اور اس کی یہ سرخی دی "تعظیمی سجدہ کرنا افضل ہے" یعنی وہی سجدہ جس کی بحث ہے کہ بحالت اختیار زید

---

[1] فتاوٰی عزیزیہ سجدہ تحیۃ مطبع مجتبائی دہلی اول ص ۱۰۷

[2] اشعۃ اللمعات

عمرو کو سجدہ تحیت کرنا، اسے عالمگیری میں افضل لکھا۔ یہ بھاری خیانت ہے۔ عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

ولوقال اھل الحرب للمسلم اسجد للملك والاقتلناك قالوا ان امروہ بذلك العبادۃ فالافضل له ان لایسجد کمن اکرہ علی ان یکفر کان الصبر افضل[1]۔	یعنی اگر حربی کفار مسلمان سے کہیں کہ بادشاہ کو سجدہ کرو ورنہ ہم تمھیں قتل کردیں گے، یہ جبراً اگر انھوں نے سجدہ عبادت پر کیا تو افضل یہ ہے کہ نہ کرے۔ اور جان دے دے جیسے کفر پر اکراہ میں صبر افضل ہے اور اگر یہ جبر سجدہ تحیت پر کیا تو افضل یہ ہے کہ کرلے اور جان بچالے۔

اس کے بعد وہ عبادت ہے وان امرہ بالسجود للتحیۃ[2] (اگر داراحرب والے اسے سجدہ تحیت کرنیکا حکم دیں۔ت)
اول سے وہ اری عبارت اڑادی کہ عوام نہ جانیں کہ کلمات حالت اکراہ میں ہے جہاں یہ جانتا ہو کہ نہ کرے تو قتل کیا جائے گا۔ ایسی جگہ جان بچالینے کو افضل کہا ہے۔

(۲۰) غالباً ایسا حوالہ دینے والا سوئر اور شراب بھی بحالت اختیار حلال کرلے گا کہ آخر بحالت اضطرار ان کی اباحت تو خود قرآن عظیم میں ہے:

(۲۱) یہاں تک تو خیانت ہی تھی اب کمال سفاہت وخودکشی ملاحظہ ہو اس عبارت سے استناد کیا جو اس کے زعم میں باطل کی پوری قائل ہے سجدہ تحیت پر قتل سے اکراہ ہو اس وقت سجدہ کرلینا صرف افضل کہا۔ معلوم ہوا کہ جائز یہ بھی ہے کہ نہ کرے اور قتل ہوجائے، توظاہر ہوا کہ سجدہ تحیت ایسا سخت حرام ہے جس سے بچنے کو جان دے دینا اور قتل ہوجانا روا ہے تو سئر کھانے سے بھی سخت تر حرام ہوا کہ مضطر یا مکرہ اگر اسے بقدر ضرورت نہ کھائے اور مرجائے یا مارا جائے گنہگار مرے کمانصوا علیه قاطبة (جیسا کہ بالاتفاق ان سب نے اس کی تصریح فرمائی۔ت) عالمگیری میں ہے:

السلطان اذا اخذ رجلا وقال الاقتلنك او لتاکل لحم ھذا الخنزیر یفترض علیه التناول فان لم یتناول حتی قتل کان آثما[3]۔	اگر بادشاہ نے کسی شخص کو گرفتار کیا اور کہا کہ اس سور کا گوشت کھائے ورنہ میں تمھیں قتل کردوں گا تو اس پر کھانا فرض ہے اگر اس نے نہ کھایا یہاں تک کہ وہ قتل کردیا گیا تو وہ گناہگار ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن ولعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹
[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن ولعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۸

درمختار میں ہے:

اکرہ علی اکل لحم خنزیر بقتل او قطع عضو او ضرب مبرح فرض فان صبر فقتل اثم [1]	قتل یا قطع اندام یا ضرب شدید کی دھمکی دے کر سور کے گوشت کھانے پر مجبور کیا گیا تو اس پر کھانا فرض ہے۔(پھر اگر اس نے نہ کھایا) اور صبر کیا تو گناہگار ہوگا۔(ت)

اکل خنزیر میں اگر اتنا ہی اکراہ ہو کہ نہ کھایا تو انگلی کاٹی جائے تو کھانا فرض، نہ کھائے گنہ گار، اور غیر خدا کو سجدہ تحیت میں اگر قتل سے اکراہ ہو جب بھی سجدہ ضرور نہیں اور جان دے دینی جائز اگرچہ بہتر حفظ جان تھا۔

کتنا فرق عظیم ہوا اور ہونا یہ تھا کہ اکل خنزیر میں عبادت غیر کی مشابہت نہیں بخلاف سجدہ تو اس کا دوسرے کے لئے کرنا واحد قہار جلہ وعلاکے خاص حق پرست درازی ہے۔ آدمی انصاف ودین رکھتا ہو تو صرف یہی نمبر اس کی ہدیت کو بس ہے **ولا یزید الظلمین الا خسارًا** (ظالموں کو سوائے نقصان اور گھاٹے کے کچھ نہیں بڑھاتا۔ت)

(۲۲) پھر کہا "اس قسم کا مضمون فتاوٰی قاضی خاں میں بھی ہے" اس قسم کا مضمون نہیں بلکہ وہ عبادت ہی فتاوٰی قاضی خاں کی ہے عالمگیری نے اسی سے نقل کی ہے تو اس کا حوالہ بھی وہی سخت فریب دہی ہے۔

(۲۳) نہیں نہیں نری فریب دہی نہیں بلکہ خود کشی اور اپنے منہ اپنے زعم باطل کی پوری بیخکنی بکر مذکور نے اسی تحریر ص ۱۲ میں کہا "ہدایہ" ردالمختار، فتاوٰی قاضی خان نہایت معتبر کتابیں ہیں قرآن وحدیث کے غور واحقاق کے بعد ان کو مرتب کیا ہے "اسی فتاوٰی قاضی خاں سے ایک ہی صفحے بعد خود وہ عبارت پیش کی جس نے ثابت کردیا کہ سجدہ تحیت اکل خنزیر سے بھی بدتر حرام ہے۔ عرب تو **علی اھلھا** کہتے تھے یہاں **علی نفسھا تجنی براقش**۔

(۲۴) یہ تو فتاوٰی قاضی خاں کا فیصلہ تھا بکر کی دوسری مسلم کتاب ممدوح کتاب منقح کتاب ردالمحتار کی سنئے درمختار میں فرمایا:

مایفعلونه من تقبل الارض بین یدی العلماء و العظماء فحرام	علماء وبزرگان کے سامنے زمین بوسی جو لوگ کرتے ہیں حرام ہے اور کرنے والا اور اس پر

[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۶

والفاعل والرضی بہ آثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن[1]	راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں اس لئے کہ وہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔

ایسی عمدہ پُر تحقیق کتاب ردالمحتار نے اسے مقرر رکھا۔

(۲۵) پھر درمختار میں فرمایا:

وھل یکفر ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر وان علی وجہ التحیۃ لاوصار آثما مرتکبا للکبیرۃ[2]	یعنی آیا زمیں بوسی سے کافر ہوگا یا نہیں اگر بطور عبادت و تعظیم ہے کافر ہوجائے گا اور اگر بطور تحیت ہے کافر نہ ہوگا ہاں مجرم و مرتکب کبیرہ ہوگا۔

اسی پر اسی نہایت معتمد کتاب ردالمحتار نے فرمایا:

تلفیق لقولین قال الزیلعی وذکر الصدور الشہید انہ لایکفر بھذا السجود لانہ یرید بہ التحیۃ وقال شمس الائمۃ السرخسی ان کان لغیر اللہ تعالٰی علی وجہ التعظیم کفر اھ قال القھستانی وفی الظھیرۃ یکفر بالسجدۃ مطلقا[3]	خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو قول تھے، ایک پر کہ سجدہ سے مطلقًا کافر ہوجائے گا یہی فتاوٰی ظہیریہ میں ہے اور پھر امام شمس الائمہ سرخسی بھی سجدہ تعظیمی کو مطلقًا کفر فرماتے ہیں دوسرا یہ کہ مرتکب کبیرہ ہوگا مگر کفر نہیں۔ امام صدر شہید نے اسی کو اختیار فرمایا اس لئے کہ اس سے تحیت مقصود ہوتی ہے نہ کہ عبادت

شارح نے ان دونوں قولوں کو یوں فرمایا کہ کافر کہنے والوں کی مراد وہ ہے کہ بروجہ عبادت ہو، اور صرف گناہ کبیرہ کہنے والوں کی مراد ہو ہے کہ محض بروجہ تحیت ہو۔ کہئے اس اعلٰی معتمد کتاب نے بھی دو ہی قول بتائے کفر یا گناہ کبیرہ، جوز کا بھی کہیں پتا دیا۔

(۲۶) پھر اسی پر تحقیق کتاب نے اور رجسٹری کی، اس کے متصل فرمایا:

وفی الزاھدی الایماء فی السلام الی قریب	یعنی مجتبٰی میں ہے کہ سلام میں رکوع کے قریب

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

الرکوع کالسجود فی المحیط انه یکره الانحناء للسلطان وغیرہ[1]	تک جھکنا بھی سجدے کے مثل ہے اور محیط میں فرمایا کہ بادشاہ وغیرہ کسی کے لئے جھکنا ہو منع ہے۔

(۲۷) ہنوز بس نہیں، چند سطریں بعد اقسام بوسہ میں فرمایا:

حرام للارض تحیة وکفر لهاتعظیما[2]	زمین بوسی بطور تحیت حرام ہے اور بطور تعظیم کفر۔

افسوس کہ خود بکر معتمد کتابیں زعم بکر کو کیسا کیسا باطل کررہی ہے واللہ الحمد اور آگے آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے **فصل چہارم** آنے دیجئے۔

(۲۸) ص ۲۳ "سجدہ تعظیمی تمام بزرگوں کو کیا جاتا ہے" یہ جھوٹ لاکھوں جھوٹ کا ایک جھوٹ، اور عامہ اولیائے کرام پر تہمت ہے جس کا رد خود اسی کی مستند سے عنقریب آتا ہے۔

(۲۹تا۴۵) صفہ ۲۳ "ہر خاندان ہر سلسلہ کے بزرگوں کو تعظیمی سجدہ کرنے کا ثبوت کتابوں میں ہے" حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افتراء، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی پر افتراء حضرت بہاؤ الحق والدین نقشبندی پر افتراء، حضرت شیخ عبدالواحد بن زید پر افتراء، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض پر افتراء، حضرت ابراہیم بن ادھم پر افتراء، حضرت ہبیرہ بصری پر افتراء، حضرت سید الطائفہ جنید پر افتراء، حضرت حبیب عجمی پر افتراء، حضرت عمشاد دینوری پر افتراء، حضرت بایزید بسطامی پر افتراء، حضرت معروف کرخی پر افتراء، حضرت سری سقطی پر افتراء، سلطان ابوالحق کاذرونی پر افتراء، حضرت نجم الدین کبری پر افتراء، حضرت سری سقطی پر افتراء، سلطان ابو اسحٰق گاذرونی پر افتراء، حضرت نجم الدین کبری پر افتراء، حضرت علاؤ الدین طوسی پر افتراء، حضرت ضیاء الدین عبدلا قاہر پر افتراء، یہ حضرات سلسلوں اور خانوادوں کے سردار ہیں ثبوت دے ان کو کب سجدہ ہوا اور انھوں نے جائز رکھا، یہ افتراء بھی ہزاروں افتراؤں کا ایک ہے۔

(۴۶تا۴۸) ان سے بھی بدرجہا سخت سے سخت بیباکی یہ کہ "حضرت علی وصحابہ کبار سے لے کر تمام بڑے بڑے علماء مشائخ اولیاء سے سجدہ تعظیمی ثابت ہے" ص ۲۳۔ یہ مولیٰ علی پر افتراء صحابہ کبار پر افتراء، تمام ائمہ کرام پر افتراء، یہ تین افترالاکھوں افتراؤں کا مجموعہ ہیں۔ بکر سچا ہے تو مولیٰ علی یا کسی

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

صحابی یا کسی امام تابعی یا امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام ابویوسف، امام محمد، امام بخاری، امام مسلم یا ان کے یا ان کے کسی ایک شاگرد سے ثبوت صحیح دکھائے کہ انھوں نے کسی غیر خدا کو سجدہ کیا یا اسے جائز بتایا ورنہ قرآن مجید میں جو کچھ کاذبین پر ہے اس سے ڈرے اور جلد سے جلد توبہ کرے، کذب فی الدنیا سے فی الدین سخت تر ہے۔ اور بحکم حدیث **لعنتہ ملائکۃ السماء والارض**[1] (اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ت) کا استحقاق ہے اور زید وعمرو پر افتراء سے صحابہ وائمہ پر افتراء خبیث تر ہے اور قرآن کریم میں "**اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ**"[2] (جھوٹ وہی لوگ تراشتے (اور باندھتے ہیں) جو درحقیقت ایمان نہیں رکھتے۔ت) کا احقاق ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی الاعلی** (اللہ تعالٰی کی پناہ گناہوں سے بچنا اور حصول نیکی کی طاقت سوائے اللہ تعالٰی بلند وبالا کی توفیق دئے بغیر کسی میں نہیں۔ت)

(۴۹) آگے افتراء واختراع کی اور بھی پوری تند چڑھی کہ "ان سب کا اجماع مسئلہ سجدۂ تعظیمی میں ثابت ہے اور کوئی شخص انکار کی مجال نہیں رکھتا تو پس عـــہ اگر سجدہ تعظیمی گمراہی بھی ہے تو اجماع امت سے گمراہی اس کی جاتی رہی" ص ۲۳ **انا اللہ وانا الیہ رجعون** (یقیناً ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ت) سچ فرمایا حدیث مجید نے:

حُبُّكَ الشیئَ یُعمِی ویُصِم[3]	کسی چیز کی محبت اندھا وبہرا کردیتی ہے۔(ت)

تعصب آدمی کو اندھا بہرا کردیتا ہے۔ سچ فرمایا رب العزت عزجلالہ نے:

"**فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ**"[4]	آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

سجدہ غیر پر امت کرشن کافر کا ضرور اجماع ہے جس پنڈت سے چاہوں پوچھ لو جس مندر میں چاہو دیکھ لو لیکن امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم اس ملعون تہمت سے بری ہے۔ "**وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ**"[5] (عنقریب ظالموں کو معلوم ہوجائے گا کہ وہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے، ت)

عـــہ: تو بھی دو پس ہی رہے فصاحت، ف کہا چھوڑی یوں کہا ہوتا فتوپس کہ تینوں زبانیں جمع ہوجاتیں ۱۲منہ۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۱۹۰۱۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[3] مسند احمد بن حنبل باقی حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۹۴

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[5] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

بلکہ ابھی بکر کے مستند فتاوٰی عزیزی سے سن چکے کہ غیر کے لئے سجدہ تحیت حرام ہونے پر اجماع قطعی ہے۔

(۵۰) طرفہ یہ کہ "گمراہی بھی ہے تو اجماع سے جاتی رہی" یعنی امت گمراہی پر اجماع تو کرلیتی ہے لیکن اس اجماع سے گمراہی کی کایا پلٹ ہوکر ہدایت ہوجاتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ رجعون زہے گمراہی وجنون "لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ(۱۷۰)"[1] (نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں اور نہ راہ پاتے ہیں۔ت)

(۵۱) صفحہ ۲۰ پر لطائف اشرفی کی عبارت نقل کی اور اس کی ابتداء سے یہ عبارت چھوڑدی:

اما وضع جبہہ بین یدی الشیوخ بعضے از مشائخ روا داشتہ اما اکثر مشائخ اعراض کردہ اند واصحاب خود را ازاں امتناع ساختہ کہ سجدہ تحیت در امت پیشین بود حال منسوخ ست[2]۔	مشائخ کرام کے سامنے پیشانی زمین پر رکھنا بعض نے اس روایت کو جائز فرمایا اکثر مشائخ نے اس کا انکار کیا ہے اور اس سے اظہار نفرت فرمایا) اور اپنے اصحاب کو اس سے منع فرمایا کہ سجدہ تحیت پہلی امتوں میں جائز تھا لیکن اس امت میں منسوخ ہے۔(ت)

یہ کتنی بھاری خیانت ہے اس کلام لطائف میں بہت لطائف تھے۔

اوّلاً: سجدہ تحیت کی منسوخی جس کا بکر کو انکار ہے۔

ثانیًا: بکر کے ادعائے کاذب اجماع کا رد کہ اکثر اولیاء انکار سجدہ پر ہیں۔

ثالثًا: بلکہ ممانعت سجدہ پر اجماع کا ثبوت کہ بکر نے خود اپنے ادعائے کاذب اجماع کی یونہی مرہم پٹی کی ہے کہ "اکثر اجماع ہے وللاکثر حکم الکل اکثر واسطے کال کا حکم ہے" ص ۲۴۔ اسی کی مستند لطائف سے ثابت ہوا کہ اکثر مشائخ کرام ممانعت سجدہ پر ہیں اور اکثر کے واسطے کا حکم ہے تو تحریم سجدہ پر اجماع اولیائے کرام ثابت ہوا اور اجماع علماء خود ظاہر اور بکر کی دوسری مستند فتاوٰی عزیزیہ میں مصرح تو غیر خدا کے لئے سجدہ تحیت ہونے پر اولیاء وعلماء کا اجماع ہوا تو یہ بکر خود اپنی مستندوں سے اجامع کا منکر اور علمائے کرام واولیائے عظام سب کا مخالف ہے وکفی بہ خسرانا مبینا (اور یہی کھلا گھاٹا کافی ہے۔ت)۔

رابعًا: بکر کے اس کذب صریح وافترائے قبیح کا رد کہ "سجدہ تعظیمی تمام بزرگوں کو کیا جاتا تھا" ص ۲۳ وہ فرماتے ہیں جمہور اولیائے منع فرماتے تھے یہ کہتا ہے سب اولیار وار کھتے تھے ع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(دیکھو تو سہی راستے کا فرق کہ کہاں سے کہاں تک ہے۔ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۰

[2] لطائف اشرفی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنانی کراچی حصہ دوم ص ۲۹

خامسًا: الحمدللہ فوائد الفواد وغیرہ کی سند کا خود ہی جواب دے لیا جب جمہور اولیاء کا ممانعت پر ہیں اور اکثر کے لئے حکم کل تو اجماع اولیاء تحریم پر ہوا اجماع کے مقابل کوئی قول سند نہیں ہوسکتا خود بکر نے کہا "اجماع ثابت ہے کوئی شخص انکار کی مجال نہیں رکھتا" ص ۲۳۔

عبارت لطائف میں تین لطائف اور بھی ہیں آئندہ کا انتظار کیجئے، لطائف کے اس کلام میں بکر پر یہ قاہر رد تھے کہ تمام کاروائی دریا برد تھی لہذا دو ٹکڑا صاف کتر لیا دین میں ایسی دغا بازی کیا شان اسلام ہے۔

(۵۲) ص ۲۳ میں دلیل العارفین فوائد السالکین تحفۃ العاشقین کا نام لیا اور عبارت نقل نہ کی جہاں بحوالہ صفحہ عبارت نقل کی وہاں تو وہ صریح کذب جری کی راہ لی یہاں کیا اعتبار ہے اور اگر ان میں وہ مضمون ہو اور بکر نے خیانت بھی نہ کی ہو تو **اولًا** اسی کا ثبوت درکار کہ یہ کتابیں حضرات منسوخ الیہم رضی اللہ تعالٰی عنہم کی ہیں بہت کتابیں محض جھوٹ نسبت کرکے چھاپ دی ہیں جس کا ذکر آخر فصل سوم میں آتا ہے۔

(۵۳) ثانیًا: اگر بیان ثقات سے ثابت ہو کہ ان حضرات کی کوئی کتاب اس نام سے تھی تو بلاشبہ یہ مشہور متداول نہیں بلکہ کتب غریبہ پر اعتماد جائز نہیں۔ علامہ سید احمد حموی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں محقق بحر صاحب بحرالرائق سے ناقل: لایجوز النقل من الکتب الغریبۃ التی لم تشتھر [1]۔ غیر مشہور کتابوں سے نقل جائز نہیں، فتح القدیر وبحرالرائق ونہرالفائق ومنح الغفار وغیرہا میں ہے:

لووجد بعض نسخ النوادر فی زماننا لایحل عزوما فیھا الٰی محمد ولا الی ابی یوسف لانھا لم تشتھر فی عصرنا فی دیارنا ولم تتداول نعم اذا وجد النقل عن النوادر مثلا فی کتاب مشھور معروف کالھدایۃ والمبسوط کان ذٰلك تعویلا علی ذٰلك الکتاب [2]۔	اگر ہمارے زمانے میں نوادر میں نوادر کا کوئی نسخہ پایا جائے تو اس میں جو کچھ ہے اسے ابویوسف یا محمد کی طرف نسبت کرنا حرام ہے اسی لئے کہ وہ کتاب ہمارے زمانے میں یہاں مشہور ومتداول نہیں ہاں نوادر سے اگر مثلا ہدایہ یا مبسوط کسی مشہور معروف کتاب میں نقل ہو تو اس نقل کا ماننا اس مشہور کتاب کے اعتماد پر ہوگا۔

اپنے زمانے میں غیر مشہور کی قید سے افادہ فرمایا کہ پہلے اگر مشہور بھی تھی تو اب معتبر نہیں نہ کہ

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن الکریم ۱/ ۱۶

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۰

وہ رسالہ کہ کبھی مشہور نہ تھے، نہ ہیں۔ کسی الماری سے کوئی نسخہ نقل ہو کر چھپ جانا اسے کتاب مشہور نہ کردے گا۔

(۵۴) ثالث تمام مدارج طے ہونے کے بعد یہی جواب کافی ووافی کہ جمہور اولیاء وجمیع ائمہ منع پر ہیں تو اجماع ہوا اور اجماع کے خلاف اقوال شان مستند نہیں ہو سکتے۔

(۵۵) یہی عبارت مباحث معدن المعانی میں ہیں۔

(۵۶) جب بکر کی جراتیں یہاں تک ہیں تو اس تحریف کی کیا شکایت کہ لطائف میں در بارہ سجدہ ملائکہ ملتقط سے نقل ہوا:

کان السجدة لهاطر فان طرف التحية و طرف العبادة فالتحية كانت لأدم والعبادة لله تعالٰی [1]۔	یعنی اس سجدے کی دو طرفیں تھیں۔ طرف تحیت وطرف عبادت، ان میں تحیت تو حضرت آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے لئے تھی اور عبادت اللہ عزوجل کے لئے۔

اسے یوں بنالیا ص ۲۲ کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں: ایک سجدہ تحیت، ایک سجدہ عبادت، پس سجدہ تحیت آدمی کے لئے ہے اور سجدہ عبادت خدا تعالٰی کے لئے "شاید دہلی کے شاعر نے بکر ہی سے کہا تھا کہ ؎

عیار ہو بیباک ہو جو آج ہو تم ہو　　بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

(۵۷) ایسا ہی جُل عبارت کا کشاف سے کھیلا اس کی اصل عبارت یہ ہے:

فان قلت کیف جاز لهم ان یسجد والغیر الله قلت كانت السجدة عندهم جارية مجرى التحية والتكرمة كالقيام و المصافحة وتقبيل اليد ونحوها مما جرت عليه عادة الناس من افعال شهرت فی التعظيم والتوقير [2]۔	یعنی اگر تو کہے یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام اور ان کے بیٹوں کو غیر خدا کے لئے سجدہ کیسے جائز ہوگیا تو میں کہوں گا ان کے یہاں سجدہ تحیت کا رواج تھا جیسے قیام (مصافحہ ودست بوسی وغیرہ افعال تعظیم وتوقیر جن کا لوگوں میں رواج ہے۔

اسے یہ بنالیا کہ ص ۱۳ "سجدۂ تعظیمی قرن اول سے جاری ہے" اول تو رواج حال میں سجدہ کا نام

[1] لطائف اشرفی فی طوائف صوفی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنانی کراچی حصہ دوم ص ۲۹

[2] الکشاف (تفسیر الزمخشری) تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ انتشارات آفتاب تہران ۲/ ۳۴۴

کہاں تھا قیام ومصافحہ ودست بوسی کا ذکر تھا جس کا صاف یہ مطلب کہ جیسے اب یہ افعال تحیت ہیں یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام کے زمانے میں سجدہ تحیت تھا۔ پھر جرت علیہ عادۃ الناس" سے اتنا ثابت کہ زمخشری کے زمانے میں ان کا رواج ہے قرن اول کا یہاں کون سا حرف تھا، نہ قرن اول میں قیام ودست بوسی عادت ناس تھی، وقوع خاص وعادت ناس میں جو فرق نہ کرے جو ہل ہے تو یہ کشاف پر دھورا افترا ہے۔

(۵۸) بکر اس کی عبارت میں بھی قطعوبرید سے نہ چوکا، وہ جو اس نے سوال قیام کیا تھا کہ اگر تو کہے انھیں غیر خدا کے لئے سجدہ جائز ہوگیا صاف اڑادیا جس سے کھلتا تھا کہ ہماری شریعت میں ناجائز ہے جس پر سوال ناشیئ ہوا، اگر ہماری شریعت میں بھی جائز ہوتا تو سوال کا کیا منشا تھا۔

(۵۹) اسی طرح کشاف میں عبادت وتحیت کا فرق بتا کر کہا:

یجوز ان یختلف الاحوال والاوقات فیه [1]۔	اس میں احوال واوقات کا اختلاف ہوسکتا ہے۔

یعنی جب جائز تھا اب حرام، یہ کسے کہا، سجدہ تحیت کو یا سجدہ عبادت کو، کیا وہ بھی کسی زمانے میں غیر خدا کے لئے جائز وھو سکتا ہے۔ یہ ہے کل جمع کشاف کا کلام جس پر وہ صریح تہمت رکھدی کہ "بہت شرح وبسط سے تعظیمی سجدہ کی اباحت پر زور دیا ہے" ص ۱۴۔

غرض او مفتری نتواں برآمد — کہ اواز خود سخن می آفریند

(جھوٹ کہنے والے سے یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خود بات کو گھڑلیتا ہے۔ت)

(۶۰) شاہ عبدالعزیز صاحب کو قول افتراء کے ساتھ فعلی افترا سے بھی نہ چھوڑا کہ "وہ خود والدین واولیاء اللہ کے مزارات پر سجدہ تعظیمی ادا کرتے تھے" ص ۱۴۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "ھَاتُوْا بُرْھَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾" [2] اپنی برہان لاؤ اگر سچے ہو۔

(۶۱) یہ وہی شاہ عبدالعزیز صاحب ہیں جن کے فتوی سے سن چکے کہ سجدہ تحیت باجماع قطعی حرام ہے یہ وہی شاہ صاحب ہیں جو تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

درامتہائے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصہ	پہلی امتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا، جیسا کہ

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل تحت آیۃ ۲ /۳۴ انتشارات آفتاب تہران ۱ /۲۷۳

[2] القرآن الکریم ۲ /۱۱۱

حضرت یوسف واخوان ایشان واقع شدہ کہ "وخروالہ سجدا درشریعت ماایں طریق ہم فیما بین مخلوقات حرام ست بدلیل احادیث متواترہ کہ دیں باب وارد شدہ[1]۔	حضرت ابویوسف کے بھائیوں کے واقعہ میں مذکور کہ انھوں نے یوسف کو سجدہ کیا۔ لیکن ہماری شریعت میں یہ طریقہ بھی لوگوں کا آپس میں اختیار کرنا حرام ہے ان متواتر حدیثوں کی وجہ سے جو اس باب میں وارد ہوتیں۔(ت) تو یہ افتراء بھی سوافتراء ہے۔

(۶۲) جس کی یہ قاہر تصریحیں ہوں اس کے ایک محاورہ کے لفظ مسجود خلائق کو معنی حقیقی شرع پر حمل کرنا اوراس سے اس کے نزدیک جواز نکالنا صریح ہٹ دھرمی ہے یوں تو شاہ صاحبسے بدرجہاں اعلم واعظم حضرت شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کی مدارج شریف میں ہے رب عزوجل نے حضور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت فرمایا:

تسمیہ کردم او را بحمد واحد محمود و گردانیدم او را عابدو معبود[2]۔	میں نے ان کا نام محمد، احمد اور محمود رکھا، اور میں نے ان کو عابد اور معبود بنایا(یعنی خدا کی عبادت کرنے والا اور لوگوں کا محبوب اور مخدوم)(ت)

اب یہاں بھی کہنا کہ حضرت محدث دہلوی "معبود" کا لفظ کسی بندے کے حق میں لکھتے ہیں یا کسی خدا کے ص ۱۶، سجدہ تحیت بالائے طاق عبادت مخلوق بھی جائز کرلینا اور یہ "کسی خدا" بھی عجیب لفظ ہے۔ معلوم نہیں بکر کے نزدیک کتنے خدا ہیں شاید کرشن مت کے چھپن کروڑ لئے ہوں۔

(۶۳) بکر نے جو مضمون فوائد الفواد سے نقل کیا بعینہٖ یہی مضمون سیر الاولیاء میں حضرت سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

دریں حال کہ او پیش ما بود وحید الدین قریشی درآمد وسر بر زمین نہاد۔ شیخ سعدی خویش گوید۔ ہر جا کہ روئے زندہ دلے بر زمین تست ہر جا کہ دست غمزدہ در دعائے تست	اسی حال میں جب وہ میرے سامنے تھا وحید الدین قریشی آیا اور اس سر زمین پر رکھا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کیا خوب فرماتے ہیں:۔ "جس جگہ چہرتازہ ہو تو وہ تیری زمین پر بچھا ہے

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۳۴/۲ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۷۷

[2] مدارج النبوۃ

بزرگے دیگر گوید ؎ شعاع روز بہی تابد از جبین کسے کہ در پرستش تو بر نہد بخاک جبین [1]	اور جس جگہ غمزدہ ہو تو ہاتھ تجھ سے دعا کے لیے ہیں"۔ "ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں: ؎ "ابد تک روشن شعاع کسی کی پیشانی سے پھوٹتی ہیں کہ تیری پرستش کے لئے وہ پیشانی زمین پر رکھ دیتا ہے" (ت)

یہاں تو نہ نرا مسجود بلکہ پرستش موجود، اب کہہ دینا کہ حضرت سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ معاذاللہ غیر خدا کے لئے سجدہ عبادت روا جانتے تھے جیسے یہاں پرستش بمعنی عبادت نہیں بلکہ خدمت یونہی وہاں مسجود بمعنی مخدوم ومطاع، یہ خود مشہور معنٰی ہیں اور عام محاورہ میں مستعمل ہے۔ مگر عناد کا کیا علاج۔

(۶۴) بکر کو ہر قسم اختراع میں کمال ہے لغت میں بھی اجتہاد ہے لفظ کے معنی بھی دل سے تراش لیے جاتے ہیں عالمگیری پر افتراء نمبر اول میں یہ لفظ گھڑے "**اوطأطأ راسه فلا باس**" جس کا صاف ترجمہ یہ تھا" یا سر خم کیا تو حرج نہیں" اسے یہ بنالیا ص ۱۳"، یا اپنے سر کو زمین پر رگڑے تو کچھ مضائقہ نہیں" بکر سے پوچھئے **طأطأة** کا ترجمہ "زمین پر رگڑنا" کہاں کی زبان ہے۔ مقام حیرت ہے جب اصل عبارت ہی اپنی ساختہ پرداختہ تھی جس کا عالمگیری میں نقل نہ بیڑا تو سرے سے **اوسجدله** کیوں نہ گھڑلیا اس کی کیا ضرورت آڑے آئی کہ لفظ **طأطأ** رکھ کر ترجمہ بھی جھوٹا کرے مگر یہ کہ اختراع میں اپنی مہارت دکھانی کہ عبارت بھی دل سے تراشیں پھر اس جھوٹ کا ترجمہ جھوٹ در جھوٹ گھڑیں "**ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ**ؕ"[2] (اتنے زیادہ اندھیرے ہیں کہ وہ ایک دوسرے پر چھائے ہوئے ہیں۔ت)

(۶۵) سیر الاولیاء میں تھا: مرید زمین بوسید[3] اس کا ترجمہ یہ تراشہ گیا" مرید زمین پر سربسجود ہو گیا"۔ اگر ترجمہ کتاب پر یہ حسب عادت بکری افتراء ہے تو ظاہر ورنہ فحوائے حدیث صحیح مسلم "**فھو احد الکاذبین**" تو وہ ایک جھوٹا ہے۔ت) نقد وقت ہے لطائف میں تھا بعضے اصحاب روایت شرعی ہم آوردہ آند[4]" جس کا ترجمہ بکر نے یہ کیا" بعض اصحاب شرعی کی روایت بھی لاتے ہیں" کہ استمرار پر دلالت کرے حالانکہ اس کا حاصل صرف اس قدر کہ کوئی صاحب اس پر روایت شرعی بھی لائے۔

---

[1] سیدالاولیاء باب ششم نکتہ درمیان اعتقاد مرید الخ مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ص ۳۵۰

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[3] سیر الاولیاء باب ششم مؤسسۃ انتشارات اسلامی بیروت ص ۳۵۰

[4] لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنانی کراچی حصہ دوم ص ۲۹

جس سے ظاہر کہ مصنف لطائف نے نہ وہ روایت آپ دیکھی نہ اس پر ایسا اعتماد کہ جزما فرماتے کہ یہاں روایت شرعی بھی ہے بلکہ ایک شخص مجہول کا حوالہ دیا یہ سند نہیں ہوسکتا کہ ارشاد حضرت قدوۃ الکبراء تو درکنار قول صاحب لطائف بھی نہیں نہ ناقل معلوم بلکہ مجہول الاسم والمسمی۔

(۶۶تا۶۹) اس ناقل مجہول کی نقل کی حالت یہاں سے کھلتی ہے کہ اس نے ایک مضمون میں نقل کیا کہ نبی و پیر و بادشاہ و والدین و مولی کو سجدہ تحیت جائز ہے اور بے دھڑک کہہ دیا یہ سب بیان فتاوی قاضیخان اور صغیر خانی اور تیسیر اور سراجی اور خانی اور کافی میں ہے، فتاوی قاضی خان اور افتراء صغیر خانی پر افتراء، سراجی پر افتراء، "هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾"[1] (لوگو! اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ت)

(۷۰) جہالت کی یہ حالت کہ فتاوی قاضی خان کو جدا گنا اور خانی کو جدا، حالانکہ یہ وہی ہے۔

(۷۱) تیسیر جسے بکر نے ص ۱۴ پر فتاوی تیسیر کہا ہمارے مذہب کا کوئی فتاوی اس نام کا نہیں اس ناقل اور اب اس کے متبع بکر پر لازم کہ بتائے یہ کیا کتاب کس کی تصنیف اور اس میں یہ مضمون کہاں ہے۔

(۷۲) ملتقط کے معنی میں جو تحریف کی نمبر ۳۲ میں گزری اسی سلسلہ میں لکھا ص ۲۲ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے "سجدہ تحیت مثل سلام کے ہے اور کچھ نہیں حرج نہیں اگر پیروں کے سامنے رخسارے رکھے جائیں" یہ اگر مقولہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما شامل کی اتو ابن عباس پر افتراء ہے ورنہ ملتقط پر۔

(۷۳) اگر ابن عباس نے گزشتہ امتوں میں سجدہ تحیت کو بجائے سلام کہا تو ہمیں کیا مضر اور مخالف کو کیا مفید اور اگر یہ مطلب کہ ابن عباس اب سجدہ تحیت کو مثل سلام کہتے ہیں تو قطعاً ان پر افتراء۔ رہا یہ کہ پھر صاحب لطائف نے ایسی افتراء بھری نقل کو درج کتاب کیوں کیا، جب انھوں نے فرمادیا کہ بعض یہ روایت لائے وہ بری الذمہ ہوگئے جیسے بہت محدثین احادیث باطلہ موضوعہ روایت کرتے اور جانتے کہ جب ہم نے سند لکھ دی ہم پر الزام نہ رہا علاوہ بریں مولنا ملک العلماء بحر العلوم فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

العدول من غیر الائمة لایبالون عمن اخذوا و رووا الاتری الشیخ علاء الدولة السمنانی کیف اعتمد علی الرتن الهندی و ای رجل	یعنی اماموں کے سوا اور ثقہ عادل حضرات اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ کس سے لیتے کس سے روایت کرتے ہیں حضرت شیخ علاء الدولۃ سمنانی قدس سرہ کو نہ دیکھا کیونکر رتن ہندی پر اعتماد فرمالیا حضرت

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱

یکون مثلہ فی العدالۃ[1]۔	ممدوح کے برابر کون عادل ہوگا۔

(۷۴) ص ۱۴ پر جہاں چند حوالوں میں بے نقل عبارت صرف نام گنائے ہیں جن میں خاص کر معارف وسراجیہ وعزیزیہ وشرح مشکوٰۃ کے حوالے یقیناً جھوٹ ہونا اوپر واضح ہوچکا اور فتاوی تیسیر کوئی فتاوی ہی نہیں انھیں میں چھٹا نام معین الدین واعظ کی تفسیر سورہ یوسف کا ہے بکر جب اس قدر شدید الاجتراء کثیر الافتراء ہے تو اس حوالے پر کیا اعتماد، اور ہو تو تصریحات ائمہ وارشادات حدیث کے مقابل ایک واعظ کی بات سے کیا استناد، یہ حقیقت ہے بکر کی سندوں کی، **ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** (گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت بلند مرتبہ اور عظیم شان والے اللہ تعالٰی کی توفیق دینے کے سوا کسی میں نہیں۔ت)

فصل دوم: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بکر کے افتراء اور حدیث سے تحریم سجدہ تحیت کا ثبوت

(۷۵) بھلا یہاں تک تو لغت وفقہ وائمہ وصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم ہی پر افتراء تھے مگر بکر کی بڑھتی ہمت کیا صبر کرے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بھی افتراء سے باز نہ آئی ص ۹ پر کہا: خود آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **کلامی لاینسخ کلام اللہ**[2] میرا کلام خدا کے کلام کو منسوخ نہیں کرسکتا، یہ حدیث ابن عدی ودار قطنی نے بطریق محمد بن داؤد القنطری عن جبرون بن واقد الافریقی روایت کی ابن عدی نے کامل اور ابن جوزی نے علل میں کہا یہ حدیث منکر ہے، ذہبی نے میزان میں کہا جبرون متہم ہے اس نے قلّت حیا سے یہ حدیث روایت کی ترجمہ، قنطری میں کہا یہ حدیث باطل ہے، ترجمہ افریقی میں کہا یہ حدیث موضوع ہے، امام حجر نے لسان المیزان میں دونوں جگہ ان کے یہ کلام مقرر رکھے، بعد وضوح امر ایک منکر، باطل، موضوع حدیث متہم بالکذب کی روایت کو کہنا کہ حضور نے فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کی جرأت ہے۔

(۷۶) بکر مدعی حنفیت حنفیت سے جدا چلا، مذہب حنفی میں بیشک آیت حدیث سے منسوخ ہوسکتی ہے **کما ھو مصرح فی کتب اصولھم قاطبۃ** (جیسا کہ اصول کی عام کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ت) احکام میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام اللہ عزوجل ہی کا کلام ہے تو کلام خدا کلام خدا ہی سے منسوخ ہوا۔

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی الاصل الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۷۵

[2] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جبرون بن واقد الافریقی دار الفکر بیروت ۲/ ۶۰۲

قال اللہ تعالٰی "وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ "[1]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے وہ تو نہیں مگر وحی کہ بھیجی گئی۔

(۷۷) صفحہ ۱۵ پر سرخی دی: "آنحضرت نے خود سجدے کی اجازت دی" یعنی غیر خدا کو سجدہ تحیت کی جس کی بحث ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر منہ بھر کر شدید افتراء ہے "ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾ "[2] اپنی برہان لاؤ اگر سچے ہو۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ "[3]	ایسے جھوٹ افتراء وہی کرتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔

لاالٰہ الا اللہ بلکہ حضور نے اسے حرام فرمایا۔

(۷۸) اس سرخی کے نیچے کہا: مشکوٰۃ میں ابن خزیمہ بن ثابت سے ہے کہ انھوں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشانی پر اپنے آپ کو سجدہ کرتے دیکھا انھوں نے یہ خواب حضرت سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا تیرا خواب سچا ہے آپ فوراً لیٹ گئے اور ابن خزیمہ کو اپنی پیشانی پر سجدہ کرنے کی اجازت دی" مسلمانو! اس ظلم عظیم کو دیکھو کہاں پیشانی پر سجدہ کہاں خود حضور کو سجدہ، شاید بکر جانماز یا زمین پر سجدہ کرتے یہ سمجھتا ہوگا کہ وہ اس کپڑے یا زمین کے ٹکڑے کو سجدہ کررہا ہے۔

(۷۹) بے علمی کی یہ حالت کہ مشکوٰۃ شریف میں تھا:

عن ابن خزیمہ بن ثابت عن عمہ ابی خزیمۃ انہ رأی فیما یری النائم[4]۔	یعنی ابن خزیمہ بن ثابت اپنے چچا ابوخزیمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے خواب دیکھا۔

وہ خواب راوی خواب کی طرف نسبت کردیا کہ: ابن خزیمہ بن ثابت نے خواب دیکھا" اور اس جہالت کے صدقے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایک افترا دانستہ کردیا کہ "ابن خزیمہ کو اپنی پیشانی پر سجدہ کی اجازت دی"

(۸۰) ایسی ہی بے علمی اور اس کے سبب نادانستہ افترا یہ ہے کہ حدیث میں تھا:

---

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۳

[2] القرآن الکریم ۲ /۱۱۱

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[4] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرؤیا الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۹۶

فاضطجع لہ وقال صدق رؤیاك [1]۔	حضور نے پہلوئے مبارک پر آرام کرکے ابوخزیمہ سے فرمایا اپنا خواب سچ کرلو۔

مرقاۃ میں ہے:

(صدق رؤیاک)امر من التصدیق ای اعمل بمقتضاھا [2]۔	اپنے خواب کی تصدیق کردیجئے، یعنی لفظ صَدِّقْ یہ تصدیق کاامر ہے یعنی اس کے مقتضا کے مطابق عمل کیجئے۔(ت)

عربی سمجھ میں نہ آئے تو شیخ محقق کا فارسی ترجمہ سنئے:

گفت آنحضرت صدق رؤیاک راست گردان خواب خود راکہ دیدہ وسجدہ کن برجبہۃ من [3]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اپنے خواب کی تصدیق کرو جو تم نے دیکھا ہے لہٰذا میری پیشانی پر سجدہ کیجئے۔(ت) سے یہ بنالیا کہ "آپ نے فرمایا: تیرا خواب سچا ہے"

(۸۱) ممانعت سجدہ غیر اللہ کے بارے میں حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ مسند امام احمد میں ہے نقل کی جس میں ایک اونٹ کا حاضر ہو کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا اور اس پر صحابہ کی خواہش کہ انھیں بھی اجازت سجدہ ملے اور حضور کا اجازت نہ دینا ہے [4]۔ اور خود کہا ص ۹ "اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ حدیث صاف صاف سجدہ غیر اللہ کی مخالفت کرتی ہے اور کوئی گنجائش رسول خدا کے صریح الفاظ کے خلاف عذر کرنے کی باقی نہیں رہتی پھر جو تحریف کلام الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رگ اچھلی ان صاف صاف تصریح الفاظ نبوی کی یوں تبدیل و تغییر کی "ص ۹ "حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ اگر سجدہ غیر اللہ جائز ہوتا تو میں بیوں کو شوہر کے سجدہ کا امر کرتا اور امر سے وجوب ہوتا ہے لہٰذا حضور کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تعظیمی وجوب کے حد میں جائز ہوتا تو میں عورت پر مرد کا سجدہ واجب کرتا یعنی سجدہ تعظیمی واجب نہیں بلکہ مباح ہے" یہ "یعنی "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افتراء ہے حدیث کے کون سے حرف میں ہے کہ "بلکہ مباح ہے" جب حسب اقرار بکر شرط میں صرف ذکر جواز

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرؤیا الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۹۶

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ کتاب الرؤیا الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۴۰۶

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الرؤیا الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ ۳/ ۶۵۲

[4] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۷۶

ہے کہ "اگر سجدہ غیر اللہ جائز ہوتا" اور جزا میں وہ امر ہے کہ یقیناً منتفی یعنی عورت کو سجدہ کا حکم ہونا اور انتفائے جزا انتفائے شرط ہے تو حدیث کا صاف مفاد سجدہ کا عدم جواز ہوا یعنی جائز ہوتا تو عورت کو حکم ہوتا لیکن عورت کو حکم نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ سجدہ جائز نہیں ذکر امر جزا میں ہے کہ " عورت پر سجدہ واجب کرتا" جزا کا وجوب شرط میں کیسے داخل ہوگیا جواز پر ایجاب کا ترتیب بعید نہیں کہ واجب نہ ہوسکے گا مگر وہ جو جواز رکھتا ہو تو حاصل یہ کہ کوئی اگر سجدہ غیر میں جواز کی گنجائش ہوتی تو میں عورت پر مرد کے لئے واجب کردیتا لیکن وہ جائز نہیں ہوسکتا لہٰذا عورت کو اس کا حکم نہ دیا۔

(۸۲) طرفہ جہالت جبکہ عورت پر وجوب امر سے ہوتا تو قبل امر وجوب نہ ہونا چاہئے تھا۔ نہ یہ کہ سجدہ غیر خدا واجب ہوتا تو میں عورت پر حکم سے واجب کردیتا۔

(۸۳) صحابہ نے اجازت ہی تو طلب کی تھی نہ کہ ایجاب تو نفی وجوب سے اس کا کیا جواب۔

(۸۴) بکر نے تتمہ حدیث نقل کیا ص ۸: **ولکن لاینبغی لبشر ان یسجد لغیر اللّٰہ**۔ اور خود اس کا ترجمہ کیا" لیکن آدمی کو زیبا نہیں کہ سوا خدا کے کسی کو سجدہ کرے" پھر اس کا یہ مطلب گھڑتا کہ واجب نہیں مباح ہے کیسی کھلی تحریف ہے۔

(۸۵) حدیث قیس بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ سنن ابی داؤد شریف میں ہے جنھوں نے شہر حیرہ میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے حاکم کو سجدہ کرتے ہیں واپس آکر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حضور کو سجدہ کی اجازت مانگی، ارشاد ہوا:

لاتفعلوا لوکنت آمر احد ان یسجد لاحد لامرت النساء وان یسجدن لازواجھن لما جعل اللّٰہ لھم علیھن من حق[1]۔	نہ کرو اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم دینے والا ہوتا تو ضرور عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس حق کے سبب جو شوہروں کا ان پر ہے۔

یہاں صریح صیغہ نفی موجود ہے لاتفعلوا سجدہ نہ کرو۔ اب بکر سے کہو اپنی اصول دانی لے کر چلے۔ ص ۹ "شارح علیہ السلام کسی بات کا حکم امر کے صیغہ سے دیں تو وہ کام واجب ہوتا ہے" یونہی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بات سے بصیغہ نہی منع فرمائیں تو وہ کام حرام ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ سجدہ غیر حرام ہے اور حدیث کا وہ مطلب گھڑنا کہ "واجب نہیں بلکہ مباح ہے" محض افترائے ناکام۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المرأۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲۹۱/۱

(۸۶) بکر ہے ہوشیار حدیث ام المومنین صدیقہ نقل کی جس میں صریح صیغہ نہی تھا اور عوام کو دھوکا دینے کو لکھ دیا ص ۹"، اسی حدیث کو سجدہ تعظیمی کے مخالف سند میں پیش کیا کرتے ہیں سوا اس کے اور کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ اول تو سند کا حدیث میں حصہ جھوٹ ہم نے بکر ہی کی مسلم سندوں سے ثابت کر دیا کہ غیر خدا کو سجدہ تحیت حرام حرام حرام، سوئر کھانے سے بھی بدتر حرام۔

(۸۷) پھر حدیث کا اس ایک میں حصہ سفید جھوٹ، وہ حدیث صدیقہ شاید بکر نے مشکوٰۃ سے لی ہو کہ بکر کی اس تک رسائی ص ۱۵ سے نمبر ۴۲ میں ہو چکی ہے مشکوٰۃ کے اسی باب اسی فصل میں اس سے دو حدیث اوپر حدیث قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ موجود تھی جس میں صریح ممانعت موجود، اس نے چھپالیا اور کہہ دیا۔ اور کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں"۔

(۸۸) نیز وہیں مشکوٰۃ میں تیسری حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کا پتا دیا تھا اسے بھی اڑا دیا اور کہہ دیا کہ "اور کوئی ثبوت نہیں" دین میں یہ چالاکیاں مسلمان کہلا کر نازیبا ہیں۔ حدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ مسند امام احمد میں بسند رجال صحیح بخاری و صحیح مسلم یوں ہے۔

حدثنا وکیع ثنا الاعمش عن ابی ظبیان عن معاذ بن جبل انه لما رجع من الیمن قال یا رسول الله رأیت رجالا بالیمن یسجد بعضهم لبعض افلا نسجد لك قال لو کنت آمرا بشرا یسجد لبشر لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[1]۔	(ہم سے وکیع نے بیان کیا کہ اعمش نے ابی ظبیان سے انھوں نے معاذ بن جبل سے روایت کیا) یعنی جب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ یمن سے واپس آئے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے یمن میں کچھ لوگوں کو دیکھا آپس میں ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں، تو کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کرے، فرمایا: میں اگر آدمی کو آدمی کے سجدہ کا حکم دینے والا ہوتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(۸۹) اپنے ہی پاؤں پر تیشہ زنی، یہ کہ حدیث ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کے تتمہ میں وہ الفاظ بڑھا دئے:

لاینبغی بشر ان یسجد لغیر الله۔	کسی انسان کے لئے لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے۔

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۲۲۷۔۲۲۸

اس کی مبلغ علم مشکوٰۃ میں یہ حدیث ام المومنین کا تتمہ نہیں بلکہ چوتھی حدیث سلیمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا حضور نے فرمایا:

لاینبغی لمخلوق ان یسجد لاحد الاللہ تعالٰی۔ اوردہ الامام النسفی فی المدارک[1]۔	کسی مخلوق کو سزاوار نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرے۔ (امام نسفی اس کو مدارک میں لائے ہیں۔ت)

یہ چار واقعہ جدا جدا ہیں حدیث صدیقہ میں اونٹ کا سجدہ دیکھ کر صحابہ نے اجازت چاہی،
قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حیرہ متصل کوفہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یمن میں سجدہ حکام دیکھ کر اجازت مانگی اور ہر بار ایک ہی جواب ارشاد ہوا کسی بار اجازت نہ ہوئی۔
سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خود سجدہ ہی کرنا چاہا منع فرمایا۔
ان تینوں حدیثوں میں ایک فائدہ اور ہے جس کے لئے بکر نے ان کو چھپایا کہ عنقریب ظاہر ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔

(۹۰) حدیث صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر بکر کا ظلم اشد واخبث حد سے گزر گیا۔ صفحہ ۹ پر کہا "سب سے بڑی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے صحابہ کی خواہش کو سجدہ عبادت تصور کرکے جواب دیا تھا جبھی تو فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا احترام واکرام بجالاؤ آپ کے ذہن میں سجدہ تعظیمی ہوتا تو عبادت رب کا حوالہ نہ دیتے اور احترام و تعظیم کو عبادت سے الگ کرکے ظاہر نہ فرماتے اس وقت توآپ کے ذہن میں سجدہ عبادت تھا

انا للہ وانا الیہ راجعون o "کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝" [2]۔	(یقیناً ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور (بلا شبہہ اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) کیا بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکل رہا ہے وہ تونرا جھوٹ بک رہے ہیں۔

مسلمانو! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن پر قرآن کریم میں اترا:

---

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ۲/ ۳۴ دار الکتب العربی بیروت ۱/ ۴۲

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو خود فرماتے :

ایاك والظن فان الظن اکذب الحدیث[2]۔	گمان سے دور رہ کہ گمان سے بڑھ کر کوئی جھوٹ بات نہیں الحدیث۔

وہ اور اپنے صحابہ کرام حاضران بارگاہ پر یہ بدگمانی کہ یہ میری عبادت چاہتے ہیں مجھے دوسرا خدا بنانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○ (ہم اللہ تعالٰی کا مال ہیں اور یقیناً اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ت) کلاواللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تو یہ گمان نہ ہوا نہ اس درخواست سے کسی عاقل کو تعظیم وتکریم کے سوا کوئی گمان عبادت گزرتا مگر بکر نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر یہ خبیث بدگمانی کرکے اپنے لئے استحقاق جہنم کرلیا اگر توبہ نہ کرے۔

(۹۱) یہی نہیں بلکہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور سخت تر الزام ہے حضور نے یہ سمجھا کہ صحابہ میری عبادت کیا چاہتے ہیں اس پر نہ غضب فرمایا نہ انکار نہ صحابہ کو توبہ کی ہدایت نہ تجدید اسلام ونکاح کا حکم اس کا ذکر تک نہ کیا یہ ہلکی سی بات فرماکر چپ ہو رہے کہ میں اس کا حکم کرتا تو عورت کو معاذاللہ وہ گمان فرمایا ہوتا تو اسی قدر فرماتے یا یہ کہ ارے تم عبادت غیر چاہ کر مرتد ہوگئے ارے توبہ کرو اسلام لاؤ اپنی عورتوں سے پھر نکاح کرو۔ ایک بادیہ نشین ناواقف کے منہ سے اتنی بات نکلی تھی کہ ہم حضور کو اللہ تعالٰی کے یہاں شفیع لاتے ہیں اور اللہ تعالٰی کو حضور کے پاس۔ اس پر وہ غضب شدید فرمایا کہ در و دیوار تجلی شان جلال سے بھر گئے دیر تک سبحٰن اللہ سبحٰن اللہ فرماتے رہے پھر اس اعرابی سے فرمایا: اجعلتنی للہ ندا کیا تو نے مجھے اللہ کا ہمسر ٹھہرایا، ویحك اتدری مااللہ افسوس تجھ پر ارے تو جانتا ہے کہ اللہ کیا ہے۔ پھر اس واحد قہار کی عظمت بیان فرمائی رواہ ابوداؤد[3]۔ یہاں مخلص صحابہ حاضران بارگاہ علیہم الرضوان

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب قولہ تعالٰی یا یھاالذین اٰمنوا اجتنبوا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی الجھمیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۴

سے معاذاللہ دوسرا خدا بنانے غیر خدا کی پوجا کرنے کی خواہش سمجھتے اور ساکت رہتے ہیں کیا یہ ممکن ہے، کلا واللہ کیا یہ شان رسالت ہے حاشاللہ، جو رسول کو کفر وارتداد پر سکوت کرنے والا ٹھہرائے وہ خود کفر وارتداد کے گھاٹ تک پہنچ گیا کہ نبی کی ایسی شدید توہین کی " هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ "[1] (وہ اس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ت) بکر نے تو یہ سمجھا کہ میں نے حدیث صدیقہ کی مدافعت میں اپنا زرو علم و قلم دکھایا اور نہ جانا کہ اس کے جہل وبیباکانہ قول نے اسے کہاں تک پہنچایا، سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے:

ان الرجل لیتکلم بالکلمۃ لایری بہا بأسًا یھوی بہا سبعین خریفا فی النار[2]۔	بیشک آدمی ایک بات کہتا ہے جس میں کچھ برائی نہیں سمجھتا اس کے سبب ستر برس کی راہ جہنم میں اتر جاتا ہے۔

اور فرمایا:

ان الرجل لیتکلم بالکلمۃ من سخط اللہ مایظن ان تبلغ مابلغت فیکتب اللہ علیہ بہا سخطہ الی یوم القیمۃ[3]۔	بیشک آدمی ایک بات ناراضی خدا کی کہتا ہے اس کے گمان میں نہیں ہوتا کہ کہاں تک پہنچی، اس کے سبب اللہ اس پر قیامت تک اپنا غضب لکھ دیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اللہ عزوجل کی طرف شکر ہے اس پر فتن زمانے سے کہ جسے الٹے سیدھے دو حرج اردو کے لکھنے آگئے وہ مصنف و محقق ومجتہدین بیٹھا اور دین متین میں اپنی ناقص عقل فاسد رائے سے دخل دینے لگا قرآن وحدیث وعقاید وارشادات ائمہ سب کا مخالف ہو کر پہنچا جہاں پہنچا۔

ویتوب اللہ علی من تاب ومن یتول	اور اللہ توبہ فرماتا ہے جو کوئی توبہ کرے۔ اور

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء من تکلم بالکلمۃ لیضحك الناس امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۵، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۳۶، ۲۹۷، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب کف اللسان فی الفتنۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۴

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث بلال ابن حارث المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۶۹، المعجم الکبیر حدیث ۱۱۲۹ مکتبہ فیصلیۃ بیروت ۱/ ۳۶۷

فان اللّٰہ ھو الغفور الحمید۔	جو کوئی پھر جائے تو بیشک اللہ تعالٰی بخشنے والا تعریف والا ہے۔ (ت)

(۹۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اونٹ کا سجدہ کرنا کیا حضور کو معبود وخدا بنا کر تھا، حاش للہ۔ معجم کبیر طبرانی میں یعلٰی بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن شیئ الایعلم انی رسول اللّٰہ الا کفرۃ الجن والانس [1]۔	ہر چیز مجھے اللہ کا رسول جانتی ہے سوائے کافر جن اور آدمیوں کے،

یوہیں حیرہ ویمن میں لوگوں کا زمینداروں کو سجدہ کرنا قطعاً سجدہ تحیت ہی تھا نہ کہ سجدہ عبادت، انھیں سجدوں کی بناپر صحابہ نے حضور کو سجدے کی اجازت مانگی تھی جس سے کسی عاقل کا بھی وہم معبود والہ بنانے کی طرف نہیں جاسکتا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسی باطل سمجھ کا الزام کسی دریدہ دہنی ہے۔

(۹۳) غنیمت ہے کہ سجدہ غیر کی سخت شناعت خود بکر کے منہ ثابت ہوئی، صحابہ وہ صحابہ جن کے کانوں میں ہر وقت **لا الٰہ الا اللّٰہ** کے نغمے گونج رہے تھے جنھیں بات بات میں توحید کا سبق دیا جاتا جن کے دلوں میں اللہ کی وحدانیت پر ایمان پہاڑوں زیادہ گراں ومتمکن تھا۔ قرآن عظیم بار بار جن کے ایمان کی گواہی دے چکا تھا دوسرے کو سجدہ تحیت ایسی سخت چیز ہے کہ اس کا فعل نہیں صرف اس کی خواہش سنتے ہی ان کے یہ تمام فضائل جلیلہ اور ان کے ایمان وتوحید کی قوت سب حضور کے ذہن اقدس سے اتر گئے اور یہی خیال گیا کہ یہ مجھے خدا بنانا چاہتے ہیں تو ایسا ناپاک فعل دوسروں کو کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔

(۹۴) بیشک سجدہ افعال عبادت سے ہے۔ سجدہ عبادت وسجدہ تحیت میں سوائے نیت کوئی فرق نہیں، سجدہ تو سجدہ زمین بوسی کی نسبت درمختار سے گزرا کہ **یشبہ عبادۃ الوثن** [2] بت پرستی کے مشابہ ہے۔ اور بکر کی مسلم کامل التحقیق ردالمحتار نے اسے مسلم رکھا، اور اخلاص عبادت یہ ہے کہ عبادت غیر کی مشابہت سے بھی بچے، لہٰذا حضور نے ذکر عبادت فرمایا کہ افعال عبادت صرف اپنے رب کے لئے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۷۲ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۲/ ۲۶۲

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحہ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

کرواسے اس ناپاک محمل پر ڈھالنا جس سے وہ تین الزام شدید شان رسالت پر عائد کئے سخت خلاف دین ہے۔

(۹۵) خود بکر نے اسی سجدہ تحیت کو کہا ہے ص ۱۱"، سجدہ ایک ایسی چیز تھی جس میں سجدہ عبادت شریک تھا اور خدا کی عظمت کے انتہائی طریقہ میں خوا مخواہ آدم کا شریک ہوتا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی خود مرضی تھی کہ میری خلافت کی تعظیم وہی ہونی چاہئے جو خود میری ہے اس واسطے آدم کی عزت ایسے طریقے سے کرائی جو خدا کے سوا کسی کو زیبانہ تھا تاکہ سند ہو جائے کہ آدم خلافت کے بعد مجازی حیثت سے آخری تعظیم کا مستحق ہے جو حقیقت میں عبادت کی آخری شان ہے ایسی چیز سے ممانعت کے لئے "اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ" [1] (اپنے رب کی عبادت کرو۔ت) فرمانا کیا مستبعد تھا۔

(۹۶) حدیث قیس وحدیث معاذ وحدیث سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہم میں تو "اعبدوا" نہیں ہے یہاں تو "**لا تفعلوا** اور **لا ینبغی**" ہے یہاں کس ذریعہ اس بدگمانی پر ڈھالے گا اسی لئے ان کو چھپایا اور کہہ دیا تھا کہ اور کوئی ثبوت نہیں۔

(۹۷) بکر نے چاند سورج بلکہ بت کو سجدہ اور مہادیو کی ڈنڈوت حلال کرلی جیسے یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عبادت کا ذکر فرمایا اور اس سے بکر نے یہ ٹھہرالیا کہ صرف سجدہ عبادت کو منع کیا ہے یونہی آیہ کریمہ "لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ" [2] (لوگو! سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔ت) جس میں سجدہ شمس وقمر سے ممانعت اور سجدہ الٰہی کا حکم ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝" [3] اگر تم اسے پوجتے ہو۔ یہاں بھی اللہ عزوجل نے عبادت کا ذکر فرمایا ہے تو یہاں بھی چاند سورج کو صرف سجدہ کی ممانعت ہوئی، اب بت پرستی یا بھوت کسی بلا کو سجدہ تحیت کی ممانعت پر قرآن کریم میں کوئی آیت نہ رہی، کیا بکر کوئی آیت دکھا سکتا ہے، ہر گز نہیں، اب بکر اپنی لفاظیاں یاد کرے اور "انسانی" کی قید سے ہاتھ اٹھا کر یوں کہے جو اس نے ص ۷ پر کہا ہے قرآن میں کسی سجدہ تعظیم کی ممانعت نہیں ایسی کوئی آیت نہیں جہاں کسی سجدہ کی تعظیم کی ممانعت کی گئی ہو، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعظیمی سجدہ کے خلاف قرآن خاموش رہنا چاہتا ہے یعنی وہ مسلمانوں سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۱

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۷

نہ یہ کہتا ہے کہ غیر خدا کو سجدہ کرو نہ یہ کہتا ہے کہ تم پر سجدہ تعظیمی حرام کیا گیا ہے تم کسی غیر خدا کو سجدہ نہ کرنا" یہ " کسی "کا لفظ یاد رکھنے کے قابل ہے، اس کے بعد ص ۸ کا نتیجہ دیکھئے "پس جب قرآن نے ایسا کوئی صاف حکم نہیں دیا تو سجدہ تعظیمی کا حرام ہونا یا ناجائز ثابت نہیں ہوسکتا" دیکھئے کیسی کھلم کھلا بت کی سجدے تعظیم اور بے نیت عبادت مہادیو کی ڈنڈوت حلال کی ہے۔ کیوں نہ ہو جن کا کرشن نبی ہو ان کا دین آپ ہی ایسا ہو۔

(۹۸) چاند سورج کو جسدہ کی ممانعت جو قرآن کریم نے فرمائی اس پر بکر کا یہ عذر ص ۷ و ۸ کہ "اس آیت میں غیر انسان کے سجدہ کا ذکر ہے۔ اور گفتگو سجدہ انسانی میں ہے سورج چاند اور چیز ہے انسان خلیفۃ اللہ دوسری چیز ہے"

اوّلاً: عجب پادر ہوا ہے اس کے طور پر آیت میں تو چاند سورج کو سجدہ عبادت کی ممانعت ہے کہ فرمایا: "اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۝" [1] (اگر تم خاص اس کی عبادت کرتے ہو۔ت) سجدہ عبادت میں خلیفہ و غیر خلیفہ کا کیا فرق۔

ثانیاً: سجدہ آدم علیہم الصلٰوۃ والسلام سے استناد کی خود بیخکنی کرلی اس آیت میں غیر انسان کے سجدہ کا ذکر ہے (یعنی ملائکہ نے سجدہ کیا) اور گفتگو سجدہ انسانی میں ہے (کہ انسان دوسرے کو سجدہ کرے) فرشتہ اور چیز ہے۔ انسان خلیفۃ اللہ دوسری چیز ہے۔ غیر خلیفہ نے خلیفہ کو سجدہ کیا اس سے خود خلیفہ کا سجدہ کرنا کیسے جائز کرلیا علی نفسہا تجی براقش

(۹۹) قرآن کریم میں سجدہ تحیت کی ممانعت نہ سوجھنی قرآن عظیم سے غفلت پر مبنی، کیا قرآن مجید نے نہ فرمایا:

" اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" [2]	حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

کیا قرآن عزیز نے نہ فرمایا:

" مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ" [3]	جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

کیا قرآن حکیم نے نہ فرمایا:

[1] القرآن الکریم ۴۱ /۳۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۴ /۸۰

"وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ "[1]	جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی بیشک اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔

کیا قرآن حمید نے نہ فرمایا:

وَ مَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ ٭ وَ مَا نَہٰىکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۘ "[2]	رسول جو تمھیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ تعالٰی سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

کیا قرآن جلیل نے نہ فرمایا:

"فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۶۵﴾ "[3]	اے محبوب، تمھارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک تمھیں حاکم نہ بنائیں اپنے آپس کے اختلاف میں پھر جو تم فیصلہ فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے تنگی نہ پائیں، اور خوب اچھی طرح مان لیں۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس نزاع کا فیصلہ نہ فرمادیا کہ **لاتفعلوا** سجدہ تحیت نہ کرو۔ تو قطعاً قرآن عظیم ہی سجدہ تحیت سے منع فرمارہا ہے اور جو اس فیصلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ مانے اس کا حکم جو ارشاد ہوا اللہ تعالٰی مسلمان کو اس سے پناہ دے۔

(۱۰۰) قرآن مجید میں تصریح نہ پانے پر بکر کا وہ حکم ص ۸ جب قرآن نے کوئی صاف حکم نہ دیا تو ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوسکتا وہ شدید بدمذہبی ہے جس کی خبر عالم **ماکان ومایکون** صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پہلے ہی دی ہے۔

الا انی اوتیت القراٰن ومثلہ معہ الایوشك رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا	سنتے ہو مجھے قرآن عطا ہوا اور اس کے ساتھ اس کا مثل، خبر دار نزدیک ہے کہ کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے یہی قرآن لئے رہو۔

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

القراٰن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه وان ماحرم رسول الله کما حرم الله الا لایحل لکم الحمار الاھلی والاکل ذی ناب من السباع [1] الحدیث	اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور اس میں جو حرام پاؤ اسے حرام مانو حالانکہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حرام کی وہی اسی کی مثل ہے جو اللہ نے حرام فرمائی، سن لو پالتو گدھا تمھارے لئے حلال نہیں۔نہ کوئی کیلے والا درندہ الحدیث۔(ت)

سجدہ تحیت بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حرام فرمایا تو وہ حرام ہے اگرچہ قرآم کریم میں اس کی حرمت کی تصریح عوام کو نہ سوجھے۔

(۱۰۱و ۱۰۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو ۲ مثالیں ارشاد فرمائیں پالتو گدھا اور کیلے والا درندہ ان کی حرمت قرآن میں مصرح نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حرام فرمایا۔بکر کیوں ماننے لگا وہ یہی کہے گا ص ۸ کہ "جب قرآن نے کوئی صاف حکم نہ دیا تو حرام یا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوسکتا" تو بکر نے گدھا اور کتا حلال کرلیا۔

(۱۰۳تا۱۱۰) انھیں پر بس نہیں قرآن میں لحم خنزیر کا ذکر ہے گردے کلیجی کھال اور جھڑی تلی ہڈی کا نام کہاں ہے بلکہ سری پائے بھی عرفاً لحم میں نہیں تو بکر نے سوئر کے اجزا بھی حلال مانے کہ "جب قرآن نے صاف حکم نہ دیا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوسکتا"

(۱۱۱تا۱۱۳) غرض صاف حکم قرآن دلیل کا حصر کرکے بکر نے سنت اجماع، قیاس تین اصول شرع کو رد کرکے چکڑالوی مذہب لیا۔

فصل سوم: اللہ عزوجل پر بکر کے افتراء اور خود اسی کے منہ قرآن عظیم سے تحریم سجدہ تحیت کا ثبوت

(۱۱۴) سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء اگرچہ اللہ عزوجل پر افتراء ہے مگر بکر تو صریح خاص کا طالب ہے قرآن میں تصریح نہ ہو تو حدیث نہیں سنتا لہٰذا بالخصوص رب العزت پر بھی جرأتیں کیں ص ۹۵ میں اس کی عبارت دیکھ چکے خود مانا کہ سجدہ تحیت سے خدا کی عظمت کے انتہائی طریقے میں آدم کا شرک ہوتا تھا" پھر اسی کو اللہ کی مرضی ٹھہرایا کہ "خدا کی مرضی تھی کہ میری خلافت کی تعظیم وہی چاہئے جو خود میری ہے" یہ اللہ پر

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۹

افتراء ہے اور کھلا شرک اس کے ذمہ باندھنا ایسے ہی افتراؤں کو کفر فرمایا:

"اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ"[1]	ایسے افتراء وہی کرتے ہیں جو مسلمان نہیں

(۱۱۵) ص ٦ پر کہا "خدا نے اپنے عبادت کے سجدے کے لئے کعبہ کو سمت قرار دیا ہے اس میں ایک بڑا فلسفہ پرشیدہ ہے وہ یہ کہ خدا سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیم امتیاز قام کرنا چاہتا تھا تاکہ مسلمان جان جائیں کہ سمت کعبہ کا سجدہ عبادت ہے جو غیر خدا کو جائز نہیں اور غیر مقرر سمت کے سجدے جائز ہیں۔ سمت کعبہ مقرر ہونے سے پہلے خدا نے فرمایا تھا:

"فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ"[2]	تم جدھر متوجہ ہو خدا اسی طرف ہے۔

یعنی جس سمت سجدہ کرو خدا ہی کو ہوگا مگر بعد میں سمت کعبہ مقرر ہو گئی اس کی وجہ یہی تھی کہ خدا سجدہ عبادت و سجدہ تعظیم میں فرق کرنا چاہتا تھا جو اس سمت نے کردیا" یہ اللہ عزوجل پر دوسرا افتراء ہے۔ بکر جلد بتائے کہ سمت کعبہ مقرر فرمانے کی یہ وجہ اللہ عزوجل یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہا بتائی ہے "اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞"[3] (کیا تم اللہ تعالٰی کے متعلق وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ت) اللہ و رسول کی طرف بے ثبوت بات نسبت کرنی بھی افتراء ہے "هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۞"[4] (اپنی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو۔ت) نہ کہ غلط بات جس کی غلطی ابھی ظاہر ہوتی ہے۔

(۱۱٦) کریمہ "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ"[5] (تم جدھر منہ کرو اسی طرف اللہ تعالٰی کا جلوہ ہے۔ت) حسب حدیث جامع الترمذی شریف قبلہ تحری میں ہے اس کا یہ مطلب ٹھہرانا کہ اس آیت کے نزول تک سمت قبلہ مقرر نہ تھی اللہ عزوجل نے اختیار دیا تھا جدھر چاہو نماز پڑھو۔ یہ اللہ تعالٰی پر تیسرا افتراء ہے۔ تقرر قبلہ روز اول سے ہے۔

"اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا"[6]	سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (زمین پر) تعمیر کیا گیا وہ ہے جو مکہ مکرمہ میں بابرکت شان سے موجود ہے۔(ت)

(۱۱۷) بفرض باطل امتیاز سجدہ عبادت و سجدہ تحیت ہی کے لئے وضع قبلہ ہوتی تو یوں کہ وہ سجدہ جو

---

[1] القرآن الکریم ١٦/ ١٠٥
[2] القرآن الکریم ٢/ ١١٥
[3] القرآن الکریم ٢/ ٨٠
[4] القرآن الکریم ٢/ ١١١
[5] القرآن الکریم ٢/ ١١٥
[6] القرآن الکریم ٣/ ٩٦

دوسرے کو کفر ہے اس سجدہ سے ممتاز ہوجائے جو صرف حرام ہے اللہ عزوجل کا جواز سجدہ تحیت کے لئے یہ امتیاز رکھنا اللہ عزوجل پر چوتھا افترا ہے۔

(۱۱۸) سجدۂ تحیت و سجدہ عبادت کا امتیاز اللہ عزوجل اور خود ساجد کے نزدیک نیت سے ہے ساجد اور اس کا رب جانتا ہے کہ یہ سجدہ کس نیت سے ہے ساجد کو ممتاز قطعی کے امتیاز کی حاجت اور اگر یہ امتیاز ناظر کے لیے رکھا ہے تو جب کہ سجدہ تحیت کے لئے کوئی سمت مقرر نہیں سمت کعبہ بھی ہوگا پھر دونوں سجدوں کا خلط ہوگیا اور امتیاز نہ رہا ناظر اس وقت نہیں کہہ سکتا کہ یہ سجدہ عبادت ہے یا سجدہ تحیت بالجملہ یہ امتیاز ساجد کے لئے رکھا تو لغو وفضول اور ناظر کے لئے تو ناقص ومدخول، اللہ عزوجل ان دونوں سے پاک ومنزہ ہے۔ اور اگر امتیاز محض ذہنی ہے کہ جس میں تقید سمت ملحوظ ہو سجدہ عبادت ہے۔ ورنہ سجدہ تحیت۔ تو کام پھر نیت کی طرف عود کرگیا ناظر کو اس سے کیا فائدہ اور ساجد کو اس کی کیا حاجت، امتیاز نیت ان میں بالذات تھا یہ بالعرض کس لئے بہر حال اللہ عزوجل کی طرف اس کی نسبت اللہ پر سخت جرات۔

(۱۱۹) نوافل میں بیرون شہر سواری پر اور نوافل وفرائض میں ہنگام تحری اور اس مریض کو بوجہ مرض اور اس ہارب کو کہ بخوف دشمن استقبال پر قادر نہ ہو سمت کعبہ مقرر نہیں اور یہ سب سجدہ عبادت ہیں تو امتیاز باطل۔

(۱۲۰) بکر ہی کی مستند عبارات عالمگیری وفتاوٰی قاضیخان گزرا کہ اگر کفار بادشاہ کے لئے سجدہ عبادت پر اکراہ کریں صبر افضل ہے ظاہر ہے کہ کفار تعیین سمت کعبہ نہ چاہیں گے بلکہ جدھر بادشاہ ہو تو یہ بے تقرر سمت کیونکہ سجدہ عبادت ہوگیا **ولکن الجھلۃ یفترون** (لیکن نادان لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں۔ت)

(۱۲۱) طرفہ یہ کہ امتیاز خدا نے ایسا خفیہ مقرر کیا کہ اس کے رسول کو بھی خبر نہ ہوئی بالا بالا بکر کو چھپی پاتی بھیج دی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدے کی اجازت حضور سے مانگی وہ کب تعیین سمت سے تھی اگر اجازت ملتی تو جدھر حضور جلوہ افروز ہوتے اسی طرف سجدہ کیا جاتا اور زعم بکر میں خدا سجدہ عبادت کا وہ امتیاز مقرر کرچکا تھا کہ یہ پابندی سمت ہو تو اس درخواست سے کسی طرح سجدہ عبادت مفہوم نہ ہوسکتا تھا لیکن بکر کہتا ہے ص ۹" حضور نے صحابہ کی خواہش کو سجدہ عبادت تصور کیا اس وقت آپ کے ذہن میں سجدہ عبادت تھا۔ اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو بکر کے نزدیک خدا نے ایسا بیہودہ بے معنٰی امتیاز مقرر کیا جس سے رسول تک کو تمیز

نہ ہوئی تو امتیاز کیا خاک ہوا یا زعم بکر میں معاذاللہ رسول اللہ کی عقل اتنی موٹی بکر کی مَت سے بھی گئی گزری کہ خدا کے واضح امتیاز کے بعد بھی تمیز نہ ہوئی اور دونوں کفر صریح ہیں ہم نہ کہتے تھے کہ جاہل کو مصنف ہی بننا سخت آفت کا سامنا ہے نہ کہ محقق نہ کہ مجتہد نہ کہ شارع کہ تصنیف تو تیار ہو جاتی ہے اور ایمان رخصت، **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** (گناہ سے بچاؤ اور نیکی کی قوت بجز اللہ تعالٰی بلند مرتبہ بڑی شان والے کے کرم کے بغیر کسی میں نہیں۔ت)

(۱۲۲) جب یہ ٹھہری کہ ص ٦ "سمت کعبہ کا سجدہ عبادت کا سجدہ ہے جو غیر خدا کو جائز نہیں اور غیر مقرر سمت کے سجدے جائز ہیں" تو بلاشبہہ مندروں میں جو سجدے کئے جاتے ہیں غیر مقرر سمت کے ہیں تو بکر نے دوبارہ بتوں اور لنگ جلہری کو سجدے جائز قرار دئے کیونکہ یہی کرشن مت ہے۔

(۱۲۳) جبکہ تقرر سمت سے سجدہ عبادت وسجدہ تحیت میں امتیاز ہوا نزول "**فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ**" تک امتیاز نہ تھا تو قطعاً اس وقت سجدہ تحیت حرام تھا کہ غیر خدا کے لئے وہ فعل جسے عبادت سے کچھ فرق نہ ہو حلال نہیں ہو سکتا اور جب سجدہ تحیت اس وقت حرام تھا تو غیر ملت آدم ویوسف علیہما الصلٰوۃ والسلام میں اگر اس کی حلت بھی تھی یقینا منسوخ ہو گئی اور اب اس ناسخ کا ناسخ کوئی ہے نہیں تو یقیناً سجدہ تحیت حرام ہے اور تاقیامت حرام رہے گا اچھی تقریر سنائی کہ اپنی ساری چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۱۲۴) ص ۱۰ "خدا نے فرمایا ہے: "**فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ**" [1]، عبادت کریں اس گھر کے پالنے والے کی۔ اس صورت میں رب ھذا البیت کا لفظ ہے اور قاعدہ عرب کے بموجب رب کا لفظ ذی روح پر آتا ہے اور کعبہ زی روح نہیں پتھر کا مکان ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس بیت سے مراد قلب آدم ہے" یہ اللہ سبحانہ پر پانچواں افتراء بھی ہے اور قرآن کی تفسیر بالرائے بھی اور بتصریح کتب عقائد الحاد بھی کہ معنی ظاہر باطل کرکے باطنیہ کی طرح باطنی گھڑے، متن عقائد امام اجل نسفی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

النصوص تحمل علی ظواھرھا والعدول عنھا الی معان یدعیھا اھل الباطن الحاد [2]۔	نصوص اپنے ظاہر پر حمل کئے جاتے ہیں، لہٰذا ظاہر معانی سے ہٹ کر اپنے معانی تراش لینا کہ جن کا اہل باطن دعوی کرتے ہیں سراسر بے دینی ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۰٦/ ۳

[2] مجموع المتون فی مختلف الفنون متن العقائد النسفیہ فی التوحید الشؤن الدینیۃ دولۃ قطر ص ٦۱۸

(۱۲۵) عرب پر بھی افتراء رب المال ورب الدار نہ سنئے، حدیث میں ہے: **کلا ورب الکعبة**[1] (ہر گز نہیں، رب کعبہ کی قسم۔ ت) "**رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ**"[2] (دو مشرق اور دو مغرب کے رب کی قسم۔ ت)

اور فرماتا ہے: "**فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ**"[3] (متعدد مشرق اور متعدد مغرب کے مالک کی میں قسم کھاتا ہوں۔ ت)

اور فرماتا ہے: "**وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى**"[4] (بیشک وہ شعرٰی ستارے کا رب ہے۔ ت)

اور فرماتا ہے: "**رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**"[5] (وہ آسمان وزمین کا مالک ہے۔ ت)

اور فرماتا ہے: "**سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ**"[6] (تمھارا رب عزت والا رب ہر عیب سے پاک ہے۔ ت)

کیا افق کا وہ حصہ جس سے تحویل سرطان کا آفتاب نکلتا ہے اور وہ جس سے تحویل جدی کا اور وہ حصے جن میں یہ ڈوبتے ہیں اور وہ جن سے ہر روز کا آفتاب نکلتا ہے اور وہ جن میں ڈوبتا ہے اور شعرٰی ستارہ اور وہ آسمان وزمین وعزت یہ سب ذی روح ہیں۔ اس سے بڑھ کر جھوٹا کون جسے قرآن جھٹلائے۔

(۱۲۶) یہ عیاری دیکھئے کہ ذی روح پر جمانے کے لئے ترجمہ کیا "اس گھر کے پانے والے" اور نہ جانا کہ گھر کے ساتھ پالنے کا لفظ چسپاں ہی نہیں جب تک گھر سے مجازًا اس کے ساکن مراد نہ لیں۔ یہ بھی کلام الٰہی میں معنی تحریف ہے۔

(۱۲۷) مسلمان دیکھیں ہم نے حدیث سے ثابت کر دیا کہ سجدہ تحیت حرام ہے خود بکر کی مسلم ونہایت معتمد کتب فقہ سے ثابت کر دیا کہ سجدۂ تحیت سوئر کھانے سے بھی بدتر حرام ہے۔ اس کے مستند

---

[1] شعب الایمان حدیث ۵۱۵۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۴ /۲۹۴

[2] القرآن الکریم ۵۵ /۱۷

[3] القرآن الکریم ۷۰ /۴۰

[4] القرآن الکریم ۵۳ /۴۹

[5] القرآن الکریم ۳۷ /۵

[6] القرآن الکریم ۳۷ /۱۸۰

کی تصریح نے دکھادیا کہ اس کے حرام ہونے پر اجماع قطعی ہے۔اسی کے منہ قرآن عظیم نے ثابت کردیا کہ حرام ہے۔اسی کی مستند لطائف کی تصریح دکھادی کہ جمہور اولیاء اس کی ممانعت پر ہیں،اب بکر کی ناپاک بدزبانیاں دیکھئے ص ۱۰"تعظیمی کاانکار موجب لعنت وپھٹکار ہے"ص ۲۳"سوائے چند جاہل وضدی لوگوں کے کوئی شخص اس سجدہ تعظیمی کے خلاف نہ تھا"ص ۲۴" اس میں مخالفانہ کلام کرنا شقاوت وسنگدلی ہے"ص ۲۴"اس سے انکار کرنیوالے شیطان کی طرح راندہ درگاہ ہونگے"اب کہئے اس کی یہ لعنت وشقاوت وشیطنت کس کس پر ہوئی قرآن پر،حدیث پر،فقہ پر،اجماع پر،ائمہ پر،اولیاء پر،**الحمدﷲ** کہ یہ سب تواس تواس سے پاک ومنزہ ہیں لیکن وہ تمام خباشتیں اپنے قابل ہی پر پلٹیں۔

"وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۟" [1] "وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۟" [2]	ظالموں کی یہی سزا ہے۔اب ظالم جان لیں گے کہ اب کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے(ت)

چھٹا فائدہ تھا عبارت لطائف کا کہ بکر ائمہ کرام وفقہائے عظام وعلمائے اعلام بلکہ جمہور حضرات اولیائے فخام کو بھی شیطان ملعون،شقی،سنگدل،راند درگاہ،جاہل،ضدی کہتا ہے مگر قرآن عظیم سے نہ سنا "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۟" [3] (خبر دار،ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ت)

(۱۲۸) ہم نے دکھادیا کہ بکر نے ائمہ پر افتراء کئے کتابوں پر چٹے جوڑے،،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تہمتیں باندھیں،واحد قہار پر بہتان اٹھائے جل وعلاوصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،قرآن عظیم توایسوں ہی پر لعنت کرتا ہے ہاں کر شن مت جدا ہے۔

(۱۲۹) اپنی ان ناپاکیوں کے ہوتے ہوئے اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتا اور قرآن وحدیث وفقہ واجماع وائمہ اولیائ،پر ایک اور ملعون تہمت گھڑتا ہے ص ۱۹"جو لوگ سجدہ تعظیمی کو منع کرتے ہیں وہ حضرت محبوب الٰہی اور ان کے پیران عظام کو جاہل وفاسق بنانا چاہتے ہیں"

لا الہ الا اللہ" كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۟" [4]	اللہ تعالٰی کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔وہ تو نہیں کہتے مگر نرا جھوٹ۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵ /۲۹و ۵۹ /۱۷

[2] القرآن الکریم ۲۶ /۲۲۷

[3] القرآن الکریم ۱۱ /۱۸

[4] القرآن الکریم ۱۸ /۵

ہر عاقل مسلمان جانتا ہے کہ نوع بشر میں عصمت خاصہ انبیاء ہے نبی کے سوا کوئی کیسے ہی عالی مرتبے والا ایسا نہیں جس سے کوئی نہ کوئی قول ضعیف خلاف دلیل یاخلاف جمہور نہ صادر ہوا ہو **کل ماخوذ من قولہ ومردود علیہ الا صاحب ھذا القبر صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم**[1] (ہر آدمی کی اس کے کہنے سے گرفت ہوگی، اور اس پر وہ قول لوٹا دیا جائے گا سوائے اس قبر والے کے کہ ان پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو (یعنی حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ذات اقدس)۔ت) اتباع جمہور کا ہوگا **علیکم بالسواد الاعظم**[2] (لوگو! بڑی جماعت کو اختیار کرو۔ت) اور قول شاذ ماننے والے پر شرعی الزام شدید عائد ہوگا نہ کہ معاذاللہ صاحب قول پر تصحیح قدوری ودرمختار اور بحر کی مسلم نہایت معتمد محقق منقح کتاب ردالمحتار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[3]۔	قول مرجوح پر حکم اور فتوی جہل ہے اور اجماع کا توڑنا۔

اور قطعاً معلوم کہ اجماع امت کا توڑنے والا کم از کم فاسق ائمہ میں کون ایسا ہے حتی کہ صحابہ جس کا کوئی نہ کوئی قول مرجوح نہیں وہ **معاذاللہ** نہ جاہل نہ فاسق لیکن جو قول جمہور کے خلاف ان میں کسی کے قول مرجوح پر حکم یا فتوی دے وہ ضرور جاہل وفاسق ہے۔ تو حضرت سیدنا محبوب الٰہی اور ان کے پیران عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم محبوبان خدا ہیں اور جواز سجدہ تحیت کہ جمہور اولیاء واجماع فتوی وفقہ وحدیث وقرآن کے خلاف ہے مرجوح ومجہور اور ایسے قول کی سند سے یہ جو اس پر فتوی دے رہا ہے جاہل وفاسق ضرور، جاہل وفاسق کی کیا گنتی جبکہ وہ جمہ ائمہ وجمہور اولیاء کو شقی، ملعون، شیطان، راندہ درگاہ کہہ کر خوداہ ایسا ہوچکا "**سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾**"[4] (عنقریب وہ کل جان جائیں گے کہ کون بڑا جھوٹا اور لاف زن ہے۔ت)

تنبیہ: فقیر کا رسالہ؎ **مقالہ العرفاء باعزاز شرع وعلماء** ۱۳۲۷ھ ملاحظہ ہو، اکابر اولیاء کے عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ارشادات کثیرہ سے ثابت کیا ہے کہ شریعت مطہرہ سب پر حجت ہے۔ اور

؎: رسالہ ہذا فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کی جلد ۲۱ ص ۵۲۱ پر مرقوم ہے۔

---

[1] الیواقیت والجواہر المبحث التاسع والاربعون داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۴۷۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب السواد الاعظم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۹۲

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۰۲ و ۶۱۴

[4] القرآن الکریم ۵۴ /۲۶

شریعت مطہرہ پر کوئی چیز حجت نہیں، حضرات اولیاء جن کی ولایت ثابت و محقق ہے ان سے جو قول یا فعل یا حال ایسا منقول ہو کہ بظاہر خلاف شرع مطہر ہو۔

اوّلاً: اگر وہ سند صحیح واجب الاعتماد سے ثابت نہیں ناقل پر مردود ہے اور دامن اولیاء اس سے پاک بلکہ اولیاء تو اولیاء حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ، نے احیاء شریف میں تصریح فرمائی کہ کسی مسلمان کی طرف کسی کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک ثبوت کامل نہ ہو۔

لاتجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیاً فان ذٰلك ثبت متواترا فلا یجوز ان یرمی مسلم بفسق وکفر من غیر تحقیق[1]۔	بغیر تحقیق کئے کسی مسلمان کی کبیرہ گناہ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں، لیکن ہاں یہ جائز ہے کہ کہا جائے کہ ابن ملجم نے جناب علی (کرم اللہ وجہہ) کو شہید کیا اس لئے کہ یہ تواتر سے ثابت ہے لہٰذا کسی مسلمان کو فسق اور کفر کی تحقیق کئے بغیر تہمت لگانا جائز نہیں۔ (ت)

اور یہ تواتر نہیں کہ کوئی نسخہ کسی کی طرف منسوب کسی الماری میں ملا چھاپے نے اسے چھاپ کر شائع کردیا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی مجہول ناشناختہ بازار میں کوئی بات منہ سے نکالے اور اسے ہزار آدمی سنیں اور نقل کریں، ناقل ہزار نہیں لاکھ سہی منتہائے سند تو ایک فرد مجہول ہے تو تواتر درکنار صحت ہی نہیں، آج کل حضرات اولیائے کرام کے نام سے بہت کتابیں نظم ونثر ایسی شائع ہورہی ہیں ع

پس بہر دستے نباید داد دست

(لہٰذا ہر ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا نہ چاہئے۔ت)

یہ چال بعض علماء کے ساتھ بھی چلی گئی ہے۔ ایک کتاب عقائد امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام سے چھپی جس سے وہ ایسے ہی بری ہے جیسا اس کا مفتری حیاودیانت سے، شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتابوں میں وہابی کشش دفتر دیکھ کر کسی وہابی نے ان کے نام سے ایک کتاب گھڑی اور چھاپی گئی ہے۔

ثانیاً: اگر بہ ثبوت معتمد ثابت ہو اور گنجائش تاویل رکھتا ہے تاویل واجب اور مخالفت

[1] احیاء العلوم کتاب آفات اللسان الآفة الثامنة اللعن مطبعة المشهد الحسینی قاہرة ۳/ ۱۲۵

مندفع۔اولیاء کی شان تو ارفع ہر مسلمان سنی کے کلام میں تاحد امکان تاویل لازم، امام علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

قال الامام النووی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی ادب العلم والتعلم من مقدمۃ شرح المھذب یجب علی الطالب ان یحمل اخوانہ علی المحامل الحسنۃ فی کلام یفھم منہ نقص الی سبعین محملا ثم قال۔لایعجز عن ذٰلک الاکل قلیل التوفیق [1]۔	امام نووی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شرح مہذب کے مقدمہ "آداب العلم والمتعلم" میں ارشاد فرمایا"طالب پر واجب ہے کہ اپنے بھائیوں کے کلام کو اچھے محمل پر حمل کرے کسی ایسے کلام میں کہ جس میں نقص سمجھا جائے لہٰذا اس کے لئے ستر تک محمل تلاش کرے۔پھر ارشاد فرمایا کہ اس سے عاجز نہیں ہوتا۔مگر ہر ایسا شخص کہ جس کو کم توفیق عنایت کی گئی۔(ت)

ثالثاً: اگر تاویل ناممکن مگر محتمل ہو کہ وہ کلام ان کے مناسب رفیعہ ولایت وامامت تک پہنچنے سے پہلے کا ہے تو اسی پر حمل کریں گے اور نہ اس سے استناد جائز نہ ان پر اعتراض،امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ، میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

یحتمل ان من خطأ غیر من الائمۃ انما وقع ذٰلک منہ قبل بلوغہ مقام الکشف کما یقع فیہ کثیر ممن ینقل کلام الائمۃ من غیر ذوق فلا یفرق بین ماقالہ العالم ایام بدایتہ وتوسطہ ولابینہ ماقالہ یام نہایتہ [2]۔	جن لوگوں نے ائمہ کرام کو (ان کے بعض نظریات کی وجہ سے) انھیں خطاکار ٹھہرایا ہے احتمال ہے کہ یہ ان سے (درجہ عالیہ) مقام کشف تک ان کی رسائی سے پہلے صادر ہوئے ہوں جیسا کہ بہت سے بے ذوق حضرات جب ائمہ کرام کا کلام نقل کرتے ہیں تو وہ اس خطا میں پڑ جاتے ہیں لہٰذا عالم نے ابتدائی اور درمیانی دور اور آخری ایام میں جو کچھ فرمایا ہے یہ لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے (ت)

رابعًا: یہ بھی ناممکن ہو تو جن کی ولایت وامامت ثابت و متحقق ہے ان کے ایسے فعل کو افعال خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام کے قبیل سے ٹھہرائیں گے اور ایسے کلام کو متشابہات سے کہ ان پر

---

[1] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ الفصل الثانی النوع الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۷۹

[2] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فی بیان تقریر قولہ من قال الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۳

طعن کریں نہ اس سے بحث اور گمراہ ہے وہ کہ متشابہات کا اتباع کرے۔

قال اللہ تعالٰی "فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: وہ لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اللہ تعالٰی کے متشابہ کلام کی پیروی کرتے ہیں۔(ت)

متشابہات جس طرح اللہ ورسول کے کلام میں یونہی ان کے اکابر کے کلام میں ہوتے ہیں کما افادہ اما الطریقۃ لسان الحقیقۃ سیدی محی الملۃ والدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ (جیسا کہ طریقت کے امام، حقیقت کی زبان، میرے آقا، دین ملت کو زندگی بخشنے والے شیخ ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے افادہ فرمایا۔ت) یہ ہے بحمداللہ سلامت اور اللہ عزوجل کے ہاتھ ہدایت، واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم والحمدللہ رب العالمین (اور اللہ تعالٰی جسے چاہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

فصل چہارم: آدم ویوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بحث اور دلائل قاہرہ سے بطلان استدلال مجوزین کا ثبوت

مجوزین کے ہاتھ میں لے دے کر جو کچھ سند ہے یہی ہے اور اسے یوں رنگتے ہیں کہ قرآن عظیم سے ثابت ہوا کہ یہ شریعت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ویوسف کا حکم تھا اور شرائع سابقہ قطعاً حجت ہیں جب تک اللہ ورسول انکار نہ فرمائیں اور یہاں انکار نہیں تو قرآن عظیم سے قطعاً جواز ہے اور یہ حکم تاقیامت باقی ہے کہ اول تو یہ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوسکتی اور ہو تو قطعی کا ناسخ قطعی چاہئے وہ یہاں مفقود اور حدیث احاد نامسموع ومردود، یہ ہے وہ جسے بکر نے طویل تقریرات پریشان میں بیان کیا نصف ص ۱۱ سے اخیر ص ۱۲ تک اور ص ۹ میں ۵ سطریں ص ۲۴ میں ۹ سطریں نیز ص ۴ و ۵ میں ۱۲ سطریں اسی کی تکمیل ہیں غرض ڈیڑھ ورق سے زائد میں یہی ہے بلکہ اس انضباط سے ہے بھی نہیں جو ہم نے ان دو سطروں میں کردیا مگر یہ حقیقۃً نسج العنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اس میں ایک فقرہ بھی صحیح نہیں جیسا کہ بعونہ تعالٰی ابھی مشاہدہ ہوگا۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/۷

(۱۳۰) اگر دین و عقل وادب ائمہ نصیب ہو اگر آدمی آئینہ میں اپنا منہ دیکھے اگر چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کو شناخت جانے، اگر ہلدی کی گرہ پر پنساری نہ بننے تواتنا ہی دیکھنا بس تھا کہ قرآن کریم کی یہ آیتیں ائمہ دین وجماہیر اولیائے کاملین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مخفی نہ تھیں حجت شرائع سابقہ ونسخ وفرق قطعی وظنی کے مسائل یقینا ان کے پیش نظر تھے آخر انھوں نے سجدہ تحیت کی تحریم وممانعت کچھ دیکھ بھال ہی کر رکھی ہو گی یا ایسے پیش یا افتادہ اعتراضوں کی ان میں کسی کو سوجھ نہ ہوئی کیا وہ سب کے سب تم سے بھی علم وفہم عقل ودین میں گئے گزرے تھے۔

(۱۳۱) جانے دو ردالمحتار وفتاوٰی قاضی خاں پر تمھارا ایمان ہے کہ ص ۱۲ "نہایت مشہور معتبر کتابیں ہیں قرآن وحدیث کے غور واحقاق کے بعد ان کو مرتب کیا ہے" ہم نے انھیں کتابوں سے دکھادیا کہ سجدہ تحیت کم از کم حرام وگناہ کبیرہ ہے اور سوئر کھانے سے بھی بدتر، قرآن مجید میں سجدہ آدم ویوسف علیہما الصلٰوۃ والسلام کی آیتیں انھیں نہ سوجھیں تو خاک غور واحقاق کیا، یہ بھی جانے دو اسی غور واتحقاق والی ردالمحتار سے اس تمام بے سروپا تقریر کا خاص رد لو، ردالمحتار کی جلد پنجم کتاب الحظر والاباحۃ میں قبیل فصل فی البیع ہے:

اختلفوا فی سجود الملئکۃ قبل کان ﷲ تعالٰی والتوجہ الی آدم للتشریف کاستقبال الکعبۃ وقیل بل لاٰدم علی وجہ التحیۃ والاکرام ثم نسخ بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوامرت احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا تاترخانیۃ قال فی تبیین المحارم والصحیح الثانی ولم یکن عبادۃ لہ بل تحیۃ واکراما ولذا امتنع عنہ ابلیس وکان جائزا فیما مضی کما فی قصۃ یوسف قال ابومنصور الماتریدی وفیہ دلیل علی نسخ الکتاب بالسنۃ [1]۔	یعنی سجدہ ملائکہ میں علماء کو اختلاف ہوا بعض نے کہا سجدہ اللہ تعالٰی کے لئے تھا اور آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اعزاز کے لئے منہ ان کی طرف تھا جیسے کعبہ کو منہ کرنے میں ہے اور بعض نے کہا بلکہ سجدہ ہی آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو تحیت وتکریم کے طور پر تھا پھر اس حدیث سے منسوخ ہوگیا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے یہ تاتارخانیہ میں ہے، اور تبیین المحارم میں فرمایا صحیح قول دوم ہے اور یہ ان کی عبادت نہ تھا بلکہ تحیت وتکریم، ولہذا ابلیس اس سے باز رہا اور سجدہ تحیت اگلی شریعتوں میں جائز تھا جیسا کہ قصہ یوسف علیہ الصلٰوۃ وسلام میں ہے۔امام اجل علم الہدٰی امام اہلسنت

[1] ردالمحتار باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

سیدنا ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس پر دلیل ہے کہ حکم قرآن حدیث سے منسوخ ہو جاتا ہے **انتھی**۔
للہ انصاف، اس پر غور واحقاق قرآن والی مشہور کتاب نے آپ کا کوئی فقرہ کسی فقرے کا کوئی تسمہ لگا رکھا **وللہ الحمد**۔
(۱۳۲) اگر بکر ربقہ تقلید گردن سے نکال کر خود محقق بن کر یہ استدلال کرے تو استغفر اللہ، کیا امکان ہے کہ ایک حرف چل سکے۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ۔ت) **اولا** سرے سے اس کا آدم یا یوسف یا کسی نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ہونے ہی کا ثبوت دے اور ہر گز نہ دے سکے گا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آفرینش سے پہلے رب عزوجل نے یہ حکم ملائکہ کو دیا تھا۔

"فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾" [1]	جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونک دوں اس وقت تم اس کے لئے سجدہ میں گرنا۔

تو اس وقت نہ کوئی نبی تشریف لایا تھا نہ کوئی شریعت اتری، ملائکہ وبشر کے احکام جدا ہیں جو حکم فرشتوں کو دیا گیا وہ شریعت میں **من قبلنا** (جو انبیاء ہم سے پہلے گزرے، ان کی شریعت۔ت) نہیں، قصہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اتنا ثابت کہ شریعت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سجدہ تحیت کی ممانعت نہ تھی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فعل ممنوع نہیں کرتے، ممانعت نہ ہونا دونوں طرح ہوتا ہے یا تو ان کی شریعت میں اس کے جواز کا حکم ہو یہ اباحت شرعیہ ہوگی کہ حکم شرعی ہے یا ان کی شریعت میں اس کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو فعل جب تک شرع منع نہ فرمائے مباح ہے یہ اباحت اصلیہ ہوگی کہ حکم شرعی نہیں بلکہ عدم حکم ہے۔ اور جب دونوں صورتیں محتمل تو ہر گز ثابت نہیں کہ شریعت یعقوبیہ میں اس کی نسبت کوئی حکم تھا تو شریعت میں من قبلنا ہونا کب ثابت، بحمدہٖ تعالیٰ شبہ کا اصل معنی ہی ساقط۔

(۱۳۳) ثانیًا: قرآن عظیم سے سجدہ مبحوث عنہا (جو زیر بحث ہے۔ت) کا جواز قطعاً

---

[1] القرآن ۱۵/ ۲۹ و ۳۸/ ۷۲

ثابت ہونا بوجوہ باطل:

وجہ اول: علماء کو اختلاف ہے کہ یہ سجدہ زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا، سر خم کرنا، ابوالشیخ کتاب العظمہ میں امام محمد بن عباد بن جعفر مخزومی سے راوی:

قال کان سجود الملئکۃ لاٰدم ایماء [1]۔	آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملائکہ کا سجدہ اشارہ تھا۔

ابن جریر وابن المنذر وابوالشیخ امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج سے تفسیر **قولہ تعالٰی** "وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا" (اللہ تعالٰی کے ارشاد خروالہ سجدا یعنی حضرت یوسف کے والدین اور ان کے برادر حضرت یوسف کے لئے سجدے میں گر گئے۔ت) میں راوی:

قال بلغنا ان ابویہ واخوتہ سجدوا یوسف ایماء برؤسھم کھیئۃ الاعاجم وکانت تلك تحیتھم کما یصنع ذٰلك ناس الیوم [2]۔	ہمیں حدیث پہنچی کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ واسلام کو ان کے ماں باپ بھائیوں کا سجدہ سرے اشارہ کرنا تھا جیسے اہل عجم کے یہاں یہ ان کی تحیت تھی جس طرح اب بھی کچھ لوگ کرتے ہیں کہ سلام میں سر جھکاتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی وغیرہ نے محاورات وغیرہ نے عرب سے اس معنی سجدہ کا اثبات کیا، امام بغوی نے معالم التنزیل اور امام خازن نے لباب میں اسی کو اختیار فرمایا اور قول اول کو ضعیف کہا سجدہ ملائکہ میں فرماتے ہیں:

لم یکن فیہ وضع الوجہ علی الارض انما کان انحناء فلما جاء الاسلام ابطل ذٰلك بالسلام [3]۔	یعنی وہ زمین پر منہ رکھنا نہ تھا صرف جھکنا تھا جب اسلام آیا اسے بھی سلام مقرر کرکے باطل فرمادیا۔

سجدہ یوسف میں فرماتے ہیں:

لم یرد بالسجود وضع الجباہ علی الارض و	یعنی سجدے سے زمین پر پیشانی رکھنا مراد نہیں

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابی الشیخ فی العظمۃ عن محمد بن عباد تحت آیۃ ۲/ ۳۴ مکتبہ آیۃ العظمٰی قم ایران ۱/ ۴۸

[2] الدرالمنثور بحوالہ ابن جریر وابن المنذر وابی الشیخ عن ابن جریج آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ مکتبہ آیۃ العظمٰی قم ایران ۴/ ۳۸

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۲/ ۳۴ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸

انما ھا الانحناء والتواضع وقیل وضعوا الجباہ علی الارض علی طریق التحیۃ والتعظیم وکان جائزا فی الامم السابقۃ فنسخ فی ھذا الشریعۃ [1]۔	وہ تو صرف جھکنا اور تواضع کرنا تھا اور بعض نے کہا بطور تحیت وتعظیم پیشانی ہی زمین پر رکھی اور اگلی امتوں میں جائز تھا۔اس شریعت میں منسوخ ہوگیا۔

بیعنہٖ یونہ خازن میں ہے دونوں امام جلال الدین نے تفسیر جلالین میں اسی پر اقتصار فرمایا۔جلال سیوطی سجدہ آدم میں فرماتے ہیں:

اذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لاٰدم سجود تحیۃ بالانحناء [2]۔	یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے (بطور حکم) فرمادیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو یعنی سجدہ سے بطور تحیت صرف جھکنا مراد ہے۔(ت)

سورہ یوسف میں فرماتے ہیں:

خرواله سجدا سجود انحناء لاوضع جبھۃ وکان تحیتھم فی ذٰلك الزمان [3]۔	وہ سب حضرت یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لئے سجدہ میں گر گئے یعنی ان کے سامنے جھک گئے نہ کہ پیشانی زمین پر رکھی اور یہ کاروائی اس زمانے میں ان کی تحیت یعنی تعظیم تھی۔(ت)

جلال محلّی سورہ کہف میں فرماتے ہیں:

واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لادم سجود انحناء لاوضع جبھۃ [4]،	اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا حضرت آدم کو سجدہ کرو یعنی ان کے سامنے جھک جاؤنہ کہ زمین پر پیشانی رکھو۔(ت)

اور یہ دونوں حضرات اصح الاقوال لیتے ہیں۔ خطبہ جلالین میں ہے:

ھذا تکملۃ ؤتفسیر القراٰن الکریم الذی الفه الامام جلال الدین المحلی علی	یہ قرآن کریم کی تفسیر کا تکملہ ہے جس کو جلال الدین محلّی نے تالیف کیا اس کی طرز پر سب سے

---

[1] معالم التنزیل علی ھامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۱۲ /۱۰۰ مصطفی البابی مصر ۳ /۳۱۷

[2] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۲ /۳۴ اصح المطابع دہلی نصف اول ص ۸

[3] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۱۲ /۱۰۰ اصح المطابع دہلی نصف اول ص ۱۹۸

[4] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۱۸ /۵۰ اصح المطابع دہلی نصف ثانی ص ۲۴۷

نمطہ من الاعتماد علی ارجح الاقول[1]۔	زیادہ راجح قول پر اعتماد کرتے ہوئے۔(ت)

تو ان چاروں اکابر کے نزدیک راجح قول دوم ہے کہ محض جھکنا تھا نہ کہ سجدہ معروفہ، بعض گروہ دیگر کے نزدیک قول اول راجح ہے وبہ اقول لقعوا وخروا (اور میں یہی کہتا ہوں (ترجیح قول اول) اس لئے کہ قرآن مجید میں الفاظ "قعوا" اور "خروا" ہیں یعنی اس کے لئے سجدہ میں پڑ جاؤ اور اس کے لئے وہ سجدہ میں گر گئے۔ بہر حال خود اختلاف نافی قطعیت ہے نہ کہ ترجیح بھی مختلف۔

(۱۳۴) بکر ص ۵ پر اس سے بچاؤ کے لئے زعم کہ سجدے کی صورت سوائے موجودہ شکل کے اور کوئی نہیں ہے۔اور بعض غیر مسلم اقوام میں جو سجدہ کی تعریف ہے وہ اسلامی سجدہ نہیں بلکہ رکوع کے مشابہ ہے" سخت جہالت ہے کیا امام اجل محمد بن تابعی تلمیذ ام المومنین صدیقہ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر وابوہریرہ وجابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم وامام جلیل احد التابعین ابن جریج تلمیذ امام ہمام جعفر صادق واستاد الاستاذ امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی اور امام محی السنۃ بغوی وامام فخر الدین رازی وامام خازن وامام جلال الدین المحلی وامام جلال الدین سیوطی وغیرہم اکابر معاذاللہ غیر مسلم اقوام سے ہیں یا اصطلاحات کفار سے قرآن عظیم کی تفسیر کرتے ہیں۔

(۱۳۵) سجدہ تلاوت کہ نماز میں واجب ہو فورا بشکل رکوع بھی ادا ہو جاتا ہے یونہی رکوع نماز میں اس سجدہ کی نیت کرنے سے جبکہ چار آیت کا فصل دے کر نہ ہو،اور ایک روایت میں بیرون نماز بھی اس سجدہ میں رکوع کافی ہے۔ تنویر الابصار ودر مختار میں ہے :

(تودی) برکوع وسجود) غیر رکوع الصلٰوۃ وسجودھا (فی الصلٰوۃ لھا) ای للتلاوۃ و تودی (برکوع صلٰوۃ علی الفور[2]۔	جو سجدہ تلاوت کو نماز میں تلاوت کی وجہ سے واجب ہو وہ نماز کے رکوع، سجدہ کے علاوہ الگ رکوع اور سجدہ سے ادا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر نماز میں ایک دو، یا تین آیتیں پڑھنے سے فورًا رکوع کیا تو سجدہ تلاوت اس سے بھی ادا ہو جائے گا بشرطیکہ رکوع میں اسے ادا کرنے کی نیت کرے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وروی فی غیر الظاھر ان الرکوع ینوب عنھا	غیر ظاہر روایت میں مروی ہے کہ رکوع بیرون نماز

[1] تفسیر جلالین خطبۃ الکتاب اصح المطابع دہلی ص ۴

[2] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب سجود التلاوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۵

خارج الصلٰوۃ ایضا [1]۔	سجدۂ تلاوت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔(ت)

جہالت سے شرعی احکام کو غیر اسلامی کردیا۔

(۱۳۶) وجہ دوم: اگر یہ سجدہ مشہور تھا تو ائمہ کو اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ آدم و یوسف کو تھا یا سجدہ اللہ عزوجل کو اور آدم و یوسف قبلہ، ابن عساکر و ابو ابراہیم مزنی سے راوی:

انہ سئل عن سجود الملئکۃ لاٰدم فقال ان اللہ جعل آدم کالکعبۃ [2]۔	یعنی ان سے سجدہ ملائکہ کے بارے میں استفسار ہوا، فرمایا اللہ عزوجل نے آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو کعبہ کی طرح کردیا تھا۔

معالم وخازن وغیرہما میں ہے:

وقیل معنی قولہ اسجدوا لاٰدم ای الی آدم فکان آدم قبلۃ والسجود للہ تعالٰی کما جعلت الکعبۃ قبلۃ للصلٰوۃ والصلٰوۃ للہ تعالٰی [3]۔	یعنی بعض نے کہا معنی آیت یہ ہیں کہ آدم کی طرف سجدہ کرو تو آدم قبلہ تھے اور سجدہ اللہ تعالٰی کو۔ جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے اور نماز اللہ تعالٰی کے لئے۔

نیز سورہ یوسف میں ہے:

وروی عن ابن عباس معناہ خروالہ عزوجل۔ سجدا بین یدی یوسف والاول اصح [4]۔	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی کے لئے یوسف کے سامنے سجدہ میں گرے، اور اول زیادہ صحیح ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس قول دوم کی تحسین کی۔

حیث قال الوجہ الثانی انہم جعلوا یوسف کالقبلۃ وسجدوا للہ شکرا النعمۃ وجدانہ وھذا	جیسا کہ امام رازی نے فرمایا یا کہ دوسری وجہ یہ ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف کو قبلہ کی طرح ٹھہرایا تھا (یعنی ان کی طرف سجدہ کیا) لیکن

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب سجود التلاوۃ دار حیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۸

[2] الدرالمنثور بحوالہ ابن عساکر تحت آیۃ واذقلنا للملائکۃ اسجدوا لاٰدم الخ قم ایران ۱/ ۱۵۰

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۲/ ۳۴ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸

[4] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۱۷

التاویل حسن فانه یقال صلیت للکعبة کما یقال صلیت الی الکعبة قال حسان ع الیس اول من صلی لقبلتکم [1]۔	سجدہ اللہ تعالٰی کے لئے کیا تھا حضرت یوسف کو پالینے کی نعمت کا شکرادا کرتے ہوئے۔اور یہ توجیہ اچھی ہے کیونکہ صلیت للکعبۃ کہا جاتا ہے جیسا کہ صلیت الی الکعبۃ کہا جاتا ہے یعنی دونوں میں کوئی فرق نہیں یعنی میں نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی) اور حضرت حسان نے فرمایا ع کیا وہ پہلا شخص نہیں جس نے تمھارے قبلہ کے لئے یعنی اس کی طرف نماز پڑھی۔ (ت)

اور ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر محل نزاع سے خارج ہے نزاع اس میں ہے کہ غیر خدا کو سجدہ تعظیمی کیا جائے ص ۴ پر تحریر بکر کا سرنامہ: "پیروں اور مزاروں کو تعظیمی سجدہ" ص ۵ "عبادت کے سجدے اور تعظیم کے سجدے میں بہت فرق ہیں عبادت کا سجدہ غیر خدا کو کرنے کی ممانعت فرمائی" ص ٦ "عبادت کا سجدہ غیر خدا کو جائز نہیں اور غیر مقرر سمت کے جائز ہیں" ص ۷ "تعظیمی سجدے کے خلاف قرآن خاموش ہے نہ یہ کہتا ہے کہ غیر خدا کو سجدہ کرو نہ یہ کہ غیر خدا کو سجدہ نہ کرنا" ص ۷ و ۸ "وہ آیت کہ سجدہ نہ کرو سورج اور چاند کو اس میں غیر انسان کے سجدہ کا ذکر ہے اور گفتگو سجدہ انسانی میں ہے" ص ۸ "صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں" ص ۱۱ خدا کی مرضی تھی کہ کلافت کی تعظیم وہی ہو جو میری،اس واسطے آدم کو سجدہ کرایا" ص ۱۵"، مسجود خلائق کسی بندہ کے حق میں لکھتے ہیں یا کسی خدا کے" ص ۱٦ "ہر حاضر ہونے والا آپ کو سجدہ تعظیمی کرتا تھا" ص ۱۷ سیر الاولیاء سے:

درامم ماضیہ رعیت مر بادشاہ راوامت مر پیغمبر راسجدہ می کردند [2]۔	پہلی امتوں میں رعیت بادشاہ کو امت پیغمبر کو سجدہ کرتی تھی۔

لطائف سے:

القوم للنبی والمرید للشیخ والرعیة للملك والولد للوالدین والعبد للمولٰی [3]۔	قوم،پیغمبر کو،مرید،پیر کو،رعیت،بادشاہ کو،بیٹا والدین کو،اور غلام آقا کو سجدہ کیا کرتے تھے (ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۸/ ۲۱۲

[2] سیر الاولیاء باب ششم مؤسستہ انتشارات اسلامی لاہور ص ۳۵۱

[3] لطائف اشرفی فی بیان طوائف موتی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنانی کراچی حصہ دوم ص ۹

صفحہ ۲۱:

سجد الرجل للسلطان ولغیرہ یرید بہ التحیۃ لایکفر [1]۔	کسی شخص نے بادشاہ یا کسی اور کو سجدہ کیا کہ جس سے اس کی تعظیم مراد تھی تو وہ (اس کام سے کافر نہ ہوگا۔

صفحہ ۲۲ "سجدہ تحیت آدمی کے لئے ہے سجدہ عبادت خدا کے لئے" ایضا، سجدہ تحیت نبی کے لئے، پیر کے لئے، بادشاہ کے لئے، والدین کے لئے، آقا کے لئے، ایضا" بادشاہ کو سجدہ کیا یا اور کسی کو اور تعظیم کی نیت ہوئی تو کافر نہیں" ص ۲۳ " سجدہ تعظیمی تمام بزرگوں کو کیا جاتا تھا" ایضا" بزرگوں کو تعظیمی سجدہ" ص ۲۴ "مزاروں کو سجدہ" غرض اول تا آخر تحریر بکر شاہد اور خود ہر شخص آگاہ غیر خدا کو سجدہ کرنے میں کلام ہے نہ کہ غیر کی طرف، کعبہ کی طرف ہر مسلمان سجدہ کرتا ہے اور کعبہ کو سجدہ کرے تو کافر۔

(۱۳۷) بکر نے بعلت عادت خود کشی کہ **اوھو فی الخصام غیر مبین** o (وہ کھل کر واضح طور پر جھگڑالو نہیں۔ت) ص ۱۰ پر "سجدہ کی مجازی و حقیقی سمت" کی سرخی دے کر اپنی اگلی پچھلی ساری کاروائی خاک میں ملائی نافع ومضر میں بے تمیزی اس پر لائی کہ وہی قول مان لیا جس پر سجدہ آدم کو سجدہ نزاعی سے کچھ تعلق نہ رہا اور اسی کو اپنے مزعوم سجدہ کا مطلب قرار دیا تصریح کر دی کہ "درحقیقت آدم کا سجدہ نہ تھا بلکہ وہ خدا کی جانب سجدہ تھا آدم محض ایک سمت تھے جیسا کعبہ ہمارے سجدوں کی سمت ہے تو کیا پتھروں کا بنا ہوا کعبہ تو سمت سجدہ ہو سکتا ہے اور آدم کا وجود جو خلیفہ اللہ اور انوار الٰہی کا زندہ خزانہ ہے سجدہ کی سمت نہیں ہو سکتا بالکل عیاں ہے کہ کعبہ کی طرح آدم بھی سجدہ تعظیمی کی سمت مجازی ہے" چلے فراعنت شہ سارا دفتر گاؤں خورد (سارا دفتر گائے کے کھالیا۔ت) جس شخص کو یہ تمیز نہ ہو کہ اس کے سر میں کیا ہے اور منہ سے کیا نکلتا ہے یہ ادراک نہ ہو کہ وہ اپنا گھر بناتا یا یکسر ڈھارہا ہے اس کا مدارک علیہ میں دخل دینا عجب تماشا ہے۔

(۱۳۸) وہ جو ص ۲۱ پر بحوالہ لطائف مرصاد سے نقل اور ص ۲۲ پر اس کا ترجمہ کیا کہ "مشائخ کے سامنے جو سجدہ کیا جاتا ہے یہ سجدہ نہیں بلکہ تعظیم ہے اپنے معبود کے نور کی جو مشائخ میں جلوہ فگن ہوتا ہے" یہ بھی وہی سارے گھر کا ستیاناس لگا لینا ہے۔ یہ عبارت لطائف کا ساتواں فائدہ ہے مشائخ

[1] لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنعانی کراچی حصہ دوم ص ۲۹

کو سجدہ کہ مشائخ کے سامنے سجدہ رہ گیا اب کسے روئیں گے۔ وہ چھتیس ۳۶ جگہ لام اور را اور کو جو نمبر ۱۳۴ میں گزرے۔

(۱۳۹) مگر یہ بھی وقتی بول ہے کہ مُنہ سے نکل گیا۔ ہر گز یہ بکر کے دل کی نہیں کہ مشائخ کو سجدہ تحیت نہ ہو صرف اس کے سامنے ہو۔ نہ ہر گز یہ اس کے فاعلوں کی نیت ہوتی ہے بلکہ یقینا مشائخ ومزارات ہی کو سجدہ کرتے اور اسی کا قصد رکھتے اور اسی پر لڑتے جھگڑتے ہیں تو بکر پر "**یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ**"[1] (وہ اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ت) صادق، ع

مُنہ سے کہتے ہیں جو دل میں نہیں

(۱۴۰) جب یہ ٹھہری کہ سجدہ مشائخ کو نہیں وہ صرف سمت ہیں اور سجدہ اللہ تعالٰی عزوجل کو، تو اب سجدہ عبادت وتحیت کا تعدد وباطل، کیا اللہ کو کبھی سجدہ معبود سمجھ کر ہوگا وہ سجدہ عبادت ہے اور کبھی بغیر معبود سمجھے وہ سجدہ تحیت ہے حاشا اسے ہر سجدہ معبود ہی جان کر ہوگا تو صرف سجدہ عبادت رہ گیا سجدہ تحیت خود ہی باطل ہوا اور صفحہ ۵، ۶، ۷ وغیرہا کی ساری لفاظیاں باطل ولغو ہو گئیں۔

(۱۴۱) لغو ہی نہیں بلکہ مراد بکر پر پانی پھر گئیں۔ جب ہر سجدہ سجدۂ عبادت ہے اور اسے اقرار ہے کہ سجدہ عبادت کے لئے اللہ تعالٰی نے کعبہ کو سمت ٹھہرایا ہے تو مشائخ یا مزارات کو اس کی سمت بنانا اللہ عزوجل سے صریح مخالفت وحرام ہے۔

(۱۴۲) اب شرائع سابقہ اور نسخ اور قطعی وظنی کا سب جھگڑا خود ہی چکا دیا اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماچکا:

"**حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ**"[2]	تم جہاں کہیں ہو کعبہ ہی کو منہ کرو۔

تو جس طرح اس آیت سے بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہو گیا اور جو اس طرف نماز کا قصد کرے مستحق جہنم ہے یونہی آدم و یوسف علیہما الصلٰوۃ والسلام کے یہاں جو معظمین دین کو سمت بنانا تھا وہ بھی بعینہٖ اسی آیت سے منسوخ ہو گیا اور مشائخ ومزارات کو سمت بنانے والا حکم الٰہی کا مخالف و مستحق نار ہوا جیسے کوئی بہن سے نکاح کرے اس سند سے کہ شریعت آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام میں جائز تھا۔ واقعی علی نفسہا تجنی براقش۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴ و ۱۵۰

(۱۴۳) اب وہ بیہودہ قیاس کہ "کیا پتھروں کا بنا ہوا کعبہ الخ" خود ہی مردود ہو گیا نص قطعی کے مقابل قیاس کار ابلیس ہے کہ:

"اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ۚ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ "[1]	میں اس (آدم) سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے (آدم کو) کیچڑ سے پیدا کیا۔ (ت)

(۱۴۴) اور وہ قیاس میں کتنا اوندھا، پھتروں کا بنا ہوا بے جان کعبہ تو اعلٰی سجدے سجدہ عبادت کی سمت حقیقی ہو اور خلیفہ اللہ زندہ خزانہ انوار الٰہی ادنٰی سجدے سجدہ تحیت کی بھی سمت حقیقی نہ بن سکے صرف مجازی ہو یہ قیاس صحیح ہوتا تو عکس ہوتا۔

(۱۴۵) جب سجدہ مشائخ کی طرف ہے تو سمت حقیقۃً متحقق موجود مشاہد کو مجازی ماننا کن آنکھوں کا کام ہے۔

(۱۴۶) جو آنکھیں مشاہدات کو مجازی مانیں ان سے اس کی کیا شکایت کہ کعبہ ان پتھروں سے بنے ہوئے مکان کا نام نہیں ورنہ پہاڑوں اور کنویں میں نماز باطل ہو ہاں کرشن مت میں کعبہ کی حقیقت اتنی ہی ہو گی کہ پتھر کا گھر جیسے مندر کی مورتیں

(۱۴۷) اس بیہودہ قرارداد و بیمعنٰی قیاس کلام حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا رد کر دیا۔ عبارت سیر الاولیاء کہ بکر نے ص ۱۹ پر جس کا حوالہ دیا قصہ سیاح کے بعد اس کی ابتداء یوں ہے:

بعد فرمود معہذا در پیش من روئے برزمین می آورند من کارہ ام۔	اس کے بعد فرمایا اس کے باوجود لوگ میرے سامنے اپنے چہرے زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ (ت)

جب یہ سجدہ اللہ ہی کو ہے خدا کے سجدے کو برا سمجھنا کیا معنٰی، اپنے سمت بنے کو برا جاننا کس لئے کیا" پتھروں کا کعبہ سمت سجدہ ہو سکتا ہے۔ اور خلیفۃ اللہ اور انوار الٰہی کا زندہ خزانہ نہیں ہو سکتا، اگر وہ اپنے آپ کو کزانہ انوار الٰہی نجانتے تھے تو منع کیوں نہیں فرماتے تھے، یہ کیا حجت ہوئی کہ ص ۱۹ "اپنے شیخ کے ہاں ایسا دیکھا ہے" شیخ تو خزانہ انوار الٰہی تھے یہاں منع کرنے کو معاذاللہ وہاں کی تجہیل و

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۲ و ۳۸/ ۷۶

تفسیق سے کیا علاقہ۔

(۱۴۸) صدر کلام سے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سجدہ تحیت سے کارہ ہونا اڑادیا۔ یہ خیانت کی فہرست میں اضافہ ہے۔

(۱۴۹) یہی رد عبارت لطائف کا کرلیا خود ص ۲۱ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عالم کے سوال اور حضرت کے ارشاد کا ترجمہ کیا "ایک مولوی صاحب نے مخدوم سے سوال کیا یہ سجدہ نامشروع ہے مخدوم نے فرمایا میں نے بارہا منع کیا اور اس حرکت سے روکا ہے یہ باز نہیں آتے۔ اللہ کو سجدے سے روکنا اور بار بار منع کرنا اور بکر صاحب کا ترجمہ میں اسے حرکت کہنا کیا معنٰی!

(۱۵۰) عالم نے کہا یہ سجدہ نامشروع ہے حضرت مخدوم نے اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ اور تائید فرمائی کہ میں نے تو بارہا منع کیا ہے معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم بھی اسی پر سجدہ کو نامشروع جانتے تھے ورنہ حق سے سکوت درکنار باطل کی تائید نہ فرماتے۔ یہ عبارت لطائف کا اٹھواں فائدہ ہوا، وجہ دوم میں یہ ۱۴ نمبر اس وجہ پر زائد تھا مگر اصل مبحث کے کمال مؤید کہ بکر کے ہاتھوں "يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ" آشکار ہوا اپنے ہاتھوں اپنا گھر ویران کرتے ہیں۔ رہا وبایدی المؤمنین اور مسلمانوں کے ہاتھوں یہ اوپر کے گزشتہ وآئندہ کے کثیر نمبروں سے آشکار "فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ۝" [1] (پھر نصیحت اور پند پذیر ہو اے نگاہیں رکھنے والو!۔ت)

(۱۵۱) وجہ سوم: آیت سورہ یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام میں ایک وجہ نفیس اور ہے جس سے سمت بنانا بھی برقرار نہیں رہتا، ابن عبا بن ابی رباح استاذ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا معنی آیت یہ ہے کہ یوسف کے پانے پر اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ شکر کیا، امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں میرے نزدیک آیت کے یہی معنٰی متعین ہیں یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یوسف علیہ الصلوٰہ والسلام کو سجدہ کرنا از بس بعید ہے اور یوسف علیہ الصلوٰہ والسلام کا اسے روا رکھنا ان کے دین وعقل سے مستبعد کہ باپ اور بوڑھے اور نبی اللہ اور علم دین ورد رجات نبوت میں ان سے زیادہ اور وہ الٹا انھیں سجدہ کریں، تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہیں:

وھو قول ابن عباس فی روایۃ	پہلی بات اور وہ عبدالہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما

[1] القرآن الکریم ۵۹ /۲

عطاء ان المراد بهذه الأية انهم خرواله ای لا جل وجد انه سجد لله تعالٰی و حاصل الکلام ان ذٰلك السجود کان سجود الشکر فالمسجود له هو الله تعالٰی الا ان ذٰلك السجود انما کان لاجله، وعندی ان هذا التاویل متعین لانه لایستبعد من عقل یوسف و دینه ان یرضی بان یسجد له ابوه مع سابقته فی حقوق الابوة و الشیخوخة والعلم والدین وکمال النبوة[1]۔

کا ارشاد ہے۔بروایت عطا بن ابی رباح رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اس آیۃ خرواله سجدا سے مراد یہ ہے کہ وہ سب حضرت یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام کے پالینے کی نعمت پر اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ ریز ہوئے۔لہٰذا خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ سجدہ تو اللہ تعالٰی کے شکر ادا کرنے کا سجدہ تھا لہٰذا اس میں "مسجود لہ" (وہ جس کے لئے سجدہ کیا جائے "اللہ تعالٰی ہے۔البتہ وہ سجدہ حضرت یوسف کی وجہ سے تھا یعنی ان کو پالینے کی خوشی میں اللہ تعالٰی کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کے لئے سجدہ بجالایا گیا اور میرے (یعنی امام فخر الدین رازی کے) نزدیک یہی تاویل و توجیہ متعین ہے۔کیوں؟اس لئے کہ حضرت یوسف کی ذہانت اور کمال عقل اور صاحب دین ہونے کی وجہ سے یہ بعید ہے کہ وہ اس بات پر راضی ہوجائیں کہ ان کے بوڑھے باپ جو حقوق ابوت (پدری حقوق) مقام نبوت، بڑھاپے، علم اور دین اور ان تمام اوصاف میں) ان سے درجہ اولویت اور سبقت رکھتے ہوں،ان کے آگے سجدہ کریں۔(ت)

پھر فرمایا:

الوجه الخامس لعل التحية فی ذٰلك الوقت هوا لسجود وهذا فی غاية البعد لان المبالغة فی التعظيم كانت اليق بيوسف منها يعقوب عليهما الصلٰوة و السلام فلو كان الامر كما قلتم لكان من الواجب ان يسجد يوسف يعقوب عليهما الصلٰوة والسلام[2]۔

پانچویں وجہ:اس دور میں،شائد تعظیم کے لئے سجدہ ہوا کرتا تھا(اور جو کچھ مروی ہوا)یہ عقل ہے انتہائی بعید ہے کیونکہ تعظیم میں مبالغہ اختیار کرنا حضرت یوسف کے زیادہ لائق اور مناسب تھا کہ وہ اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام کے لئے کرتے،لہٰذا اگر معاملہ اب ایسا ہے جیسا کہ تم نے کہا تو پھر حضرت یوسف کے لئے واجب تھا کہ وہ اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہما الصلٰوۃ والسلام کو سجدہ کرتے۔(ت)

---

[1] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ المطبعة البهية المصرية مصر ۱۸/ ۲۱۲

[2] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ المطبعة البهية المصرية مصر ۱۸/ ۲۱۳

(۱۵۲) وجہ چہارم: سب جانے دو وہ انھیں کو سجدہ معروفہ سہی اور وہ ان کی شریعتوں کا حکم ہی سہی تو شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا ہی قطعی نہیں ائمہ اہلسنت کا مختلف فیہ ظنی مسئلہ ہے بعض کے نزدیک وہ اصلاً حجت نہیں، نہ ان پر عمل جائز جب تک ہماری شرع سے کوئی دلیل قائم نہ ہو اور یہی مذہب اکثر متکلمین اور ایک گروہ حنفیہ وشافعیہ کا ہے۔ اور اسی پر امام اہلسنت قاضی ابوبکر باقلانی اور امام فخر الدین رازی ویوسف آمدی ہیں۔ بعض کے نزدیک حجت ہیں جب تک نسخ پر دلیل قائم نہ ہو، اکثر حنفیّہ اسی پر ہیں اصول امام فخر الاسلام میں ہے:

قال بعض العلماء یلزمنا شرائع من قبلنا حتی یقوم الدلیل علی النسخ و قال بعضهم لایلزمنا حتی یقوم الدلیل[1]۔	بعض علماء کرام نے فرمایا شرائع (اور ادیان) جو ہم سے پہلے ہلوئے ان کے مطابق عمل کرنا ہمارے لئے لازم (اور ضروری) ہے جب تک کوئی دلیل ان کے نسخ پر قائم نہ ہو، بعض نے فرمایا وہ ہم پر لازم نہ ہوں یہاں تک کوئی دلیل (جواز عمل) قائم ہو (ت)

شرح امام عبدالعزیز بخاری میں ہے:

ذهب اکثر المتکلمین وطائفة من اصحابنا واصحاب الشافعی الی انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یکن متعبدا بشرائع من قبلنا وان شریعة کل نبی تنتهی بوفاته علی ماذکر صاحب المیزان اویبعث نبی آخر علی ماذکر شمس الائمة ویتجدد للثانی شریعة اخری فعلی هذا لایجوز العمل بها الابما قام الدلیل علی بقائه وقال بعضهم یلزمنا فیما لم یثبت انتساخه[2]۔	اکثر اہل کلام اور ہمارے اصحاب میں سے ایک گروہ اور اصحاب امام شافعی اس نظریہ کی طرف گئے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شرائع سابقہ پر عامل نہ تھے کیونکہ ہر نبی کی شریعت اس کی وفات پر منتہی ہوجاتی ہے جیسا کہ صاحب المیزان نے ذکر فرمایا، (یہاں تک کہ) کوئی دوسرا نبی مبعوث ہوتا ہے پھر اس دوسرے نبی کے لئے تجدید شریعت ہوتی ہے جیسا کہ شمس الائمہ نے بیان فرمایا، لہٰذا شرائع سابقہ پر عمل کرنا جائز نہیں مگر جبکہ اس کے بقاپر کوئی دلیل قائم نہ ہو، اور بعض نے فرمایا

[1] اصول البزدوی باب شرائع من قبلها قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۳۲

[2] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب شرائع من قبلها دار الکتاب العربی بیروت ۳ /۲۱۲

ہمیں ایسے احکام پر عمل کرنا لازم ہے جن کا نسخ ثابت نہ ہو (ت) مسلم الثبوت میں ہے:

وعن الاکثرین المنع وعلیہ القاضی والرازی والآمدی[1]۔	اکثر اہل علم سے اس پر عمل کرنے کی ممانعت منقول ہے۔ چنانچہ قاضی، رازی اور علامہ آمدی کی یہی رائے ہے۔ (ت)

(۱۵۳) وجہ پنجم: وہ کوئی حکم عام نہیں وہ واقعہ حال ہیں اور باتفاق عقل ونقل واقعہ حال کے لئے عموم نہیں ہوتا اب جو اس سے ایک عام استنباط کرنا چاہیں تو وہ نہ ہوگا مگر یوں کہ علت جامعہ نکال کر مسکوت عنہ کو منصوص پر قیاس کریں تو نص نہ رہا کہ قطعی ہو بلکہ قیاس کہ ظنی ہے۔

(۱۵۴) ثالثاً: حجت ماننے والے بھی اس حالت میں حجت مانتے ہیں کہ ہماری شرع نے اس پر انکار نہ فرمایا ہو اور یہاں انکار ثابت ہے کہ فرمایا: **لاتفعلوا**[2] نہ کرو۔ **لاینبغی لمخلوق ان یسجد لاحد الا ﷲ تعالٰی**[3] کسی مخلوق کو غیر خدا کا سجدہ لائق نہیں، بالفرض اگر یہاں ظنیت ہو تو وہاں ظنیت در ظنیت کتنی ظنیتیں ہیں ظنی کے انکار کو ظنی بس ہے اور انکار خاص اس بیان کے ساتھ ہونا کچھ ضرور نہیں ورنہ بکثرت استحالہ لازم آئیں گے، "**وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا**"[4] (اسی جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ت) سے اصل وفرع مثلاً باپ بیٹی کا نکاح جائز ہوجائے گا، "**وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَآءً**"[5] (اور ان دونوں (آدم وحوا) سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ت) سے بہن بھائی کا، "**فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ**"[6] (پھر وہ قرعہ اندازی میں شریک ہوئے پھر وہ دریا میں) دھکیلے ہوئے لوگوں میں سے ہوگئے۔ت) سے محض بربنائے قرعہ کسی مسلمان کو سمندر میں

---

[1] مسلم الثبوت فصل فی افعالہ الجبلیۃ الاباحۃ مسئلہ نحن والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم متعبدون الخ مطبع انصاری دہلی ص ۲۰۷

[2] سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴، سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱

[3] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ۲/ ۳۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۲

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱

[5] القرآن الکریم ۴/ ۱

[6] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۴۱

پھینکنا "فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا" [1] (پھر اللہ تعالٰی نے بزرگوں کے غلط کہنے سے اسے بری کردیا۔ت) سے برملا برہنہ نکلنا "وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا" [2] (پھر اس عورت (ملکہ سبا) نے اپنی دونو پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا۔ت) سے حرہ اجنبیہ کی ساقین دیکھنا مجمع کو دکھانا "يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ" [3] (وہ (سلیمان علیہ الصلٰوۃ والسلام) جو کچھ چاہتے جنات ان کے لیے بنادیتے یعنی پختہ عمارتیں اور مجسمے۔ت) سے زید وعمرو کے بت بنانا "فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ" [4] (پھر وہ (سلیمان علیہ السلام) ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگے۔ت) سے اپنے نسیان کے بدلے گھوڑے کا قتل الی غیر ذٰلک (اس کے علاوہ اور بہت سی آیت ہیں۔ت)۔

(۱۵۵) بکر نے حسب عادت یہاں بھی تین کتابوں پر افتراء کئے ہدایہ میں امام محمد کا ایک فرق اصطلاح بیان کیا کہ:

المروی عن محمد نصاً ان کل مکروہ حرام الا انہ لمالم یجد فیہ نصاقاطعالم یطلق علیہ لفظ الحرام [5]۔	یعنی امام محمد کی تصریح ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے مگر جہاں وہ نص قطعی نہیں پاتے وہاں لفظ حرام نہیں کہتے۔

اس کا ترجمہ یہ بیان کیا ص ۱۱ "جس میں کوئی نص قطعی نہ پائی جائے اس پر حرام کا اطلاق نہیں ہوسکتا" وہ صاف صاف تو فرمارہے ہیں کہ ہر مکروہ حرام ہے اور پھر حرام کا اطلاق نہیں ہوسکتا، یہ ھدایہ پر افتراء ہے۔

(۱۵۶) ابتدائے عبادت سے وہ الفاظ کہ امام کی تصریح ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے صاف کترلئے کہ چال نہ کھلے، یہ خیانت ہے۔

(۱۵۷) ص ۱۱ ردالمحتار کی عبارت نقل کی:

شرع من قبلنا حجۃ لنا اذاقصہ اللہ تعالٰی او رسولہ من غیر انکار ولم یظھر	جو حضرات ہم سے پہلے ہوئے ان کی شریعت (اور دین) ہمارے لئے دلیل ہے جبکہ اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۴۴

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۳

[4] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۳

[5] الهدایۃ کتاب الکراھیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۰

نسخہ ففائد نزول الاٰیۃ تقریر الحکم الثابت [1]۔	اور اس کا رسول گرامی بغیر انکار کئے، اسے بیان فرمائیں اور اس کا نسخ ظاہر اور ثابت نہو۔ پھر نزول آیت کا فائدہ حکم ثابت کو برقرار رکھتا ہے۔ (ت)

اور ص ۱۲ پر اس کا ترجمہ کیا نفیس ہوتا ہے: "تو نزول آیت کا فائدہ حکم ثبوت کو پہنچے گا" زہے بیعلمی۔

(۱۵۸) ص ۱۲ پر قاضی خان کی عبارت الاصل فی الاشیاء الاباحۃ [2] (اشیاء میں اصل ان کا مباح ہونا ہے۔ت) کا یہ ترجمہ کیا تمام اشیاء میں اصلیت مباح ہوتا ہے۔ زہے منشی گری۔

(۱۵۹ تا ۱۶۱) خیر یہ تو معمولی کمالات بکری ہیں، کہنا یہ ہے کہ ہدایہ و ردالمحتار و قاضی خان کی عبارتیں تو یہ نقل کیں اور ص ۱۲ پر نتیجہ یہ دیا "یہ کتابیں صاف صاف کہتی ہیں کہ سابقہ شریعت کی بات کے خلاف کوئی نص قطعی موجود نہ ہو تو اس کے مباح ہونے میں کسی دلیل کی حاجت نہیں" ہدایہ و قاضی خاں کی عبارتوں میں تو شریعت سابقہ کا نام تک نہ تھا، ردالمحتار میں ذکر تھا نص قطعی کا ذکر تک نہ تھا، یہ تینوں کتابوں پر تین افتراء ہوئے،

(۱۶۲) رابعاً اگر قطعیت درکار ہو تو نمبر ۱۶ میں تفسیر عزیزی سے گزرا کہ سجدہ تحیت حرام ہونے میں متواتر حدیثیں ہیں۔

(۱۶۳) اگر روایۃ متواتر نہ بھی ہو قبولاً متواتر ہے کہ تمام ائمہ اسے مانے ہوئے ہیں تو اس سے قطعی کا نسخ روا ہے جیسے حدیث لاوصیۃ لوارث [3] (کسی وارث کے لئے وصیت نہیں۔ت) جس سے وصیت والدین واقربین کو منصوص قرآن بھی منسوخ کہی گئی، امام اجل بخاری کشف الاسرار میں فرماتے ہیں:

ھذا الحدیث فی قوۃ المتواتر اذالمتواتر نوعان متواتر من حیث الروایۃ ومتواتر من حیث ظھور العمل بہ من غیر نکیر	یہ حدیث متواتر کے زمرہ میں ہے۔ اس لئے کہ متواتر کی دو ۲ قسمیں ہیں: (۱) متواتر بلحاظ روایت (۲) اس حقیقت سے متواتر کہ بغیر انکار اس پر ظہور عمل ہے (خلاصہ) (i) متواتر

---

[1] ردالمحتار

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۸

[3] سنن ابی داؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۰

فان ظھورہ یغنی الناس عن روایتہ وھو بھذہ المثابۃ فان العمل ظھر بہ مع القبول من ائمۃ الفتوٰی بلا تنازع فیجوز النسخ بہ[1]۔	روایتی (ii) متواتر عملی، کیونکہ اس کا ظہور لوگوں کو اس کی روایت کرنے سے بے نیاز کردیتا ہے۔اور وہ اس درجہ میں ہے کیونکہ اس پر عمل کرنا بالکل ظاہر اور واضح ہوگیا، اور اس کے باوجود ائمہ فتوٰی نے اسے بغیر کسی نزاع کے قبول اور تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ نسخ جائز ہے۔(ت)

(۱۶۴) نہ سہی تو خود بکر کے مستند فتاوٰی عزیزی سے نمبر ۱۵ میں گزرا کہ سجدہ تحیت حرام ہونے پر اجماع قطعی ہے اجماع اگرچہ ناسخ ومنسوخ نہ ہو دلیل نسخ یقینا ہے کہ:

لاتجتمع امتی علی الضلالۃ[2]۔	میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔(ت)

کشف میں ہے:

الاجماع لاینعقد البتۃ بخلاف الکتاب والسنۃ فلا یتصوران یکون ناسخا لھما ولو وجد الاجماع بخلافھا لکان ذٰلك بناء علی نص آخر ثبت عندھم انہ ناسخ للکتاب والسنۃ[3]۔	یقینا اجماع کتاب وسنت کے خلاف کبھی منعقد نہیں ہوتا، لہٰذا یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اجماع کتاب وسنت کے لئے ناسخ ہوگا، پھر اگر اجماع ان دونوں کے خلاف پایا جائے تو یہ کسی ایسی دوسری نص کی بناء پر ہوگا جو ائمہ کرام کے نزدیک کتاب وسنت کی ناسخ ہوگی۔(ت)

مسلم وفواتح میں ہے:

الاجماع دلیل علی الناسخ کعمل الصحابی خلاف النص المفسر[4]۔	اجماع ناسخ پر دلیل ہے جیسے کسی صحابی کا اپنی نص مفسر کے خلاف عمل کرنا۔(ت)

(۱۶۵) خبر منسوخ نہونے کا مسئلہ یہاں پیش کرنا سخت جہالت ہے۔ خبر یہ تھی کہ ملائکہ ویعقوب

---

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب تقسیم الناسخ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۷۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب السواد الاعظم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۲

[3] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب تقسیم الناسخ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۷۶

[4] فواتح الرحموت بذیل المستصفی باب فی النسخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۸۱

علیہم الصلٰوۃ والسلام نے سجدہ کیا۔اسے کون منسوخ مانتا ہے کیا واقع غیر واقع ہوسکتا ہے اس خبر سے یہ حکم مستنبط کرتے ہوئے کہ سجدہ تحیت غیر خدا کو جائز ہے یہ حکم اگر تھا تو منسوخ ہوا، مسلم وفواتح میں ہے:

ھھنا امران الاخبار بتعلق الامر بالخاطبین والامر المتعلق بھم الموجب ولم ینتسخ الخبرلان وقوع الامرواقع ولم یرتفع وانما نسخ الامر المخبر عنه وھو لیس خبرا فماھو خبر لم ینتسخ وما انتسخ لیس بخبر[1]۔	یہاں دو امر ہیں: ایک یہ کہ خبر "امر بالمخاطبین" سے متعلق ہے۔دوسری یہ کہ جو امر ان سے متعلق ہے وہ موجب ہے۔لہٰذا خبر میں نسخ نہیں اس لئے کہ وقوع امر واقع ہے کہ جس میں ارتفاع ممکن نہ ہو،البتہ امر مخبر عنہ میں نسخ واقع ہوا ہے۔اور وہ خبر نہیں، لہٰذا جو خبر ہے وہ منسوخ نہیں اور جو منسوخ ہے وہ خبر نہیں۔(ت)

(۱۶۶) بکر نے اپنے افتراءات علی اللہ تعالٰی میں زعم کیا تھا ص ۶ "کہ خدا نے قرآن میں فرمایا تھا "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ"[2] تم جدھر متوجہ ہو خدا اسی طرف ہے یعنی جس طرف سجدہ کرو خدا ہی کو ہوگا، بعد میں سمت کعبہ مقرر ہوگئی یہ آیت بھی جملہ خبر یہ تھی کس طرح منسوخ ہوگئی۔

(۱۶۷تا۱۷۲) اب باپ بیٹی۔بہن بھائی کے نکاح اور دیگر امور مذکورہ نمبر ۱۵۴ کی حرمت کی کوئی راہ نہ رہی کہ وہ تمام آیات اخبار ہی تھیں اور "اخبار منسوخ نہیں ہوتے"

(۱۷۳) بلکہ یہ سب زائد حاجت ہے ہم ثابت کرچکے کہ اس سجدہ تحیت کا جواز نص کا حکم نہیں، ہوگا تو قیاس سے قیاس مجتہدین پر ختم ہوگیا۔

(۱۷۴) قیاس بھی سہی تو سجدہ غایت تعظیم ہے۔خود بکر نے ص ۵ پر کہا "تعظیم کا اظہار اس سے زیادہ انسان اور کسی صورت سے نہیں کرسکتا" ص ۱۱ "آخری تعظیم ہے جو حقیقت میں عبادت کی آخری شان ہے" اور غایت تعظیم کے لئے نہایت عظمت درکار، کم درجہ معظم کے لئے انتہا درجہ کی تعظیم ظلم صریح ہے اور اعلٰی معظمین کے حق میں دست اندازی ع

گرفرق مراتب نکنی زندیقی

(اگر تم مراتب کا فرق ملحوظ نہ رکھوگے تو نری بے دینی ہوگی۔ت)

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی باب فی النسخ جاز نسخ ایقاع الخبر اتفاقا منشورات الشریف قم ایران ۲/ ۷۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۵

مخلوق میں نہایت عظمت انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے لئے ہے آدم ویوسف علیہما الصلٰوۃ والسلام دونوں نبی تھے تو غیر انبیاء مشائخ ومزارات کو ان پر قیاس کرکے ان کے لئے سجدہ تعظیمی بتانا ظلم شدید ہے اور انبیاء کا حق تلف کرنا۔

(۱۷۵) یہ سب اسے شریعت سابقہ مان کر ہے۔ ہم بیان کرچکے کہ سرے سے اسی کا ثبوت نہیں اب نہ حکم ثابت نہ نسخ کی حاجت سجدہ آدم کا حکم بشر کو نہ تھا ملائکہ کے لئے اب بھی ہو تو ہمیں کیا، سجدہ یوسف بربنائے اباحت اصلیہ ہونا ممکن اور اباحت اصلیہ کا رفع نسخ نہیں، مسلم الثبوت میں ہے:

رفع مباح الاصل لیس بنسخ [1]۔	اصل اباحت کا اٹھ جانا نسخ نہیں۔ (ت)

اس طرح کشف الاسرار میں ہے تو ارشاد حدیث **لاتفعلوا** [2] (ایسا نہ کرو۔ ت) واجب القبول اور سجدہ تحیت کا حرام ہونا ہی حکم خدا اور سول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

رسالہ "

الزبدۃ الزکیۃ تحریم سجود التحیۃ"

ختم شد

---

[1] مسلم الثبوت باب فی النسخ مسئلہ اجمع اھل الشرائع علی جواز عقلا مطبع انصاری دہلی ص ۱۶۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

حواشی

الزبدۃ الزکیۃ کے بعض صفحات پر مصنف علیہ الرحمۃ کے عربی حواشی جو کہ خالص فنی اور علمی ہیں اور عام قاری سے غیر متعلق ہیں لہٰذا ان کا ترجمہ نہ کیا گیا۔ ان عربی حواشی کو ہر صفحہ اور حدیث ونص کے حوالے سے مرتب کرکے رسالہ کے اخیر میں شامل کیا گیا ہے۔

ص ۴۴۱: حدیث ۶،۵

۱۔ رأیته فی دلائل ابی نعیم وعزاہ الفاسی فی مطالع المسرات للبیہقی ۱۲ منه۔

۲۔ عزاہ فی الخصائص للطبرانی وأبی ورأیته له وزاد فی آخرہ "فتر کوہ" وعزاہ فی مطلع المسرات لاحمد والحاکم والبیہقی والبغوی ۱۲ منه

ص ۴۴۴، حدیث ۱۰

۱۔ ذکرہ مستندا فی الجامع الکبیر وقصه الزرقانی ۱۲ منه۔

ص ۴۴۵، حدیث ۱۱

۱۔ عزاہ خاتم حفاظ فی الدر المنثور لابن ابی شیبة وفی الجامع الکبیر لعبد بن حمید وفی مناهل الصفاء للبقیة ۱۲ منه۔

ص ۴۴۶، حدیث ۱۲

۱۔ رأیته لابی نعیم وتلفقیه وعزاہ فی الدر المنثور والجامع الصغیر للحاکم. وشیخنا السید احمد دحلان فی السیرة النبویة للبزار ۱۲ منه۔

ص ۴۴۷، حدیث ۱۳۔

۱۔ رأیته فی ابن ماجة ورد فی الترغیب ابن حبان، وعزاہ فی الجامع الکبیر لاحمد وفی اتحاف السادة للبیہقی ۱۲ منه

ص ۴۴۸، حدیث ۱۳ میں اقوال کے تحت وحدیث ۱۴

۱۔ قال ابن ماجة حدثنا حماد بن زید عن أیوب عن القاسم الشیبانی عن عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالٰی عنهما۔ القاسم: هو من رجال مسلم والنسائی هو وأزهر صدوقان وحماد وأیوب تفتان جلیلان لایسأل عن مثلهما ۱۲ منه

۲۔ خاتم الحفاظ فی الدر المنثور ۱۲ منه۔

ص ۴۴۹۔ حدیث ۱۵ میں اقول کے تحت وحدیث ۱۶

۱۔ رأیته فی المسند عزاہ مرفوعة فی الدر المنثور له ولأبی بکر، وفی الجامع الکبیر للطبرانی فی الکبیر ۱۲ منه

۲۔ اذ قال الامام احمد حدثنا وکیع، ثنا الاعمش عن ابی ظبیان عن معاذ بن جبل رضی الله تعالٰی عنه انه لما رجع من الیمن۔۔۔۔الحدیث ۱۲ منه

۳۔ رأیته فی ابی داؤد له عزاہ فی الترغیب وللبقیة فی اتحاف السادة ۱۲ منه

ص ۴۵۰، حدیث ۱۷ تا ۲۱

۱۔ جمع الجوامع ۱۲ منه

۲۔ بسند حدیث ابی هریرة الاول ثم قال وفی الباب عن معاذ بن جبل وسراقة بن مالك بن جعشم وعائشة وابن عباس وعبدالله بن ابی اوفی وطلق بن علی وام سلمة وأنس وابن عمر رضی الله تعالٰی عنهم حدیث ابی هریرة حدیث حسن غریب من هذا الوجه اھ ۱۲ منه۔

ص ۴۵۵، حدیث ۳۶، ۳۷ وحدیث ۳۸

۱۔ رأیته فی صحیح مسلم وانما عزاہ فی جمع الجوامع لابن سعد فی الطبقات وتبعه فی الزواجر وزاد حدیث الطبرانی عن کعب رضی الله تعالٰی عنه ۱۲ منه۔

۲۔ ذکرہ کالموصول الآتی بعدہ الزرقانی علی المؤطا ۱۲ منه

ص ۴۶۶۔ نصوص ۳۸ تا ۴۷

۱۔ ههنا تنبیهات لابد منها فاقول **اولا** وقع فی نسختی الوجیز "ضرورة" مکان "صورة" اذ قال الافضل ان لا یسجد لانه کفر، فلا یاتی بما هو کفر ضرورة کما قلنا فی الاکراہ علی اجراء کلمة الکفر اھ وهذا تصحیف "صورة" بشهادة اصله الخلاصة وسائر الکتب وان لم یکن فمتعلق بلا یأتی"، لا ناظر الی "کفر" وکیف یکون اذا بالاکراہ کفرا ضرورة، بل المعنی، لا یاتی لاضطرارہ بما هو کفر، فیکون قوله ضرورة مکان قولهم وان کان فی حالة الاکراہ۔

وثانیًا، الثلاثة الآخیرون ترکوا لفظ صورة کالوجیز علی تلك النسخة وھو ان ترك صورة معنی، معنی ضرورة لما علمت ان لا کفر حقیقة بالاکراہ ومن الدلیل علیه قوله بجمع الانھر عن الاختیار، متصلا به، ولو سجد عند السلطان علی وجه التحیة لایصیر کافرا اھ، وقول الوجیز فی مسألة متصلا به، کفر عند بعض المشائخ اھ۔

وثالثًا، ھھنا سقط شدید فی نسخة الخلاصة المطبوعة اذ کتب بعد قوله المار فی نمرۃ ۱۹ وان اراد به التحیة لایکفر، قوله و الافضل ان لایأتی بما ھو کفر صورۃ اھ فیتوھم الجاھل ان السجدۃ لیست الا خلاف الاصل وکیف سقیم ھذا مع صدر کلامه، ھی کبیرۃ والعبادۃ الصحیحة التامة ما نقلنا ثمه، ذکر تلك المسألة المستشھد بھا المذکورۃ فی سیر الفتاوی والاصل فقال اذا قیل لمسلم اسجد للملك والا قتلناك فالافضل ان لا یسجد لانه کفر، والافضل ان لایاتی بما ھو کفر صورۃ۔۔۔۔اھ فسقط کل ھذا من نسخة الطبع من قوله قال وھذا موافق الی قوله والافضل فلیعلم۔

ورابعًا: عزا المسألة فی الغیاثیة ونصاب الاحتساب ومنح الروض عن المحیط الی واقعات الناطفی، وفیه اختصار، بل اقتصار، وذلك لان الناطفی ذکر کمثل مایأتی فی نمرۃ ۴۵ الی ۵۵ صورتین حکم فی احداھما بان الافضل ان لایسجد لانه کفر صورۃ وفی الاخری وھی ما اذکر ھو علی سجدۃ التحیة بان الافضل ان یسجد والنقلة الثلاثة حذفوا الصورۃ الاخری، فعم الحکم باطلاقه الصورتین وانما عبارۃ الناطفی کما فی غایة البیان عن واقعات الامام الصدر الشھید عن المسائل عن واقعات الناطفی، ھکذا اذا قیل لمسلم اسجد للملك والا قتلناك فالافضل ان لایسجد لانه کفر والافضل ان لایاتی بما کفر صورۃ وان کان فی حالة الاکراہ، وان کان السجود سجود التحیة فالا فضل ان یسجد لانه لیس بکفر، فھذا دلیل علی ان السجود بنیة التحیة اذا کان خائفا لایکون کفرا، فعلی ھذا القیاس لا یصیر من سجد عند السلطان علی وجه التحیة کافرا اھ قال الاتقانی الی ھنا لفظ الواقعات۔۔۔اھ۔

اقول: فعلی هذا التفصیل تخصیص کونه کفرا صورة اذا لم یأمره بسجود التحیة ای بل امره بسجود العبادة خاصة۔ واطلقوا کماهو مفاد اطلاق الواقعات الصورة المقابلة لسجود التحیة مستند الی نزع دقیق وهو ان السجود ظاهرا لعبادة. فاذا اطلقوا کان الظاهر طلب الکفر فکیف اذا رضوا علی العبادة. فان فعل کان آتیًا بما هو کفر صورة اذ لاحقیقة مع الاکراه مادام قلبه مطمئنا بالایمان فالافضل ان یصبر واذا صرحوا بطلب سجود التحیة ولیس بکفر لم یکن الاکراه علی الکفر فان فعل لم یات بالکفر معنی ولا صورة فالافضل حفظ المهجة واما علی طریقة هؤلاء الذین ترکوا الصورة الاخیرة، ومثلهم نص الاصل وغیره السبعة الباقین۔

فاقول: ومنزوعان الاول ان السجدة کفر مطلقًا لکن لا کفر حقیقة مع الاکراه فانه صورة کفر. فالافضل ان یأتی بما مطلقا، والثانی ان لا کفر الا سجود العبادة ومعلوم ان المکره المطمئن قلبه بالایمان لاینویها۔ فلا یکون کفرا حقیقة غیر ان السجدة کیف کانت ولو بنیة التحیة او بدون نیة انما تقع علی صورة کفر اذلا فرق فی الصورة ههنا وبین سجود العبادة. فالافضل ان لایأتی بها مطلقًا والی هذا النزع الثانی ذهب الامام صاحب الخلاصة ثم البزازی اذ جعلا هذا المسألة فی اصل الفتاوی مؤیده، الان سجود التحیة لیس بکفر. هکذا ینبغی ان یفهم کلمات العلماء الکرام والحمدلله ولی الانعام ۱۲منه۔

ص ۲۷۴، نص ۱۰۰ فصل اول

۱۔ لفظه فی القهستانی یکره الانحناء ای قریب الرکوع کالسجود اھ

اقول: لیس فی القهستانی "لفظة یکره" انما نصه مااسمعنك ثم تاویله انه تشبه الانحناء بالسجود کما قال، المنقول عنه. انه کالسجود لا فی الحکم. فیکون غلطا فی الحوالة۔ ومخالفا لماقدمه نفسه قبل هذا بثلاثة اسطر. ان من سجد علی وجه یصیر آثما مرتکبا للکبیرة۔۔۔اھ فلیتنبه ۱۲منه۔

ص ۴۷۴، نص ۱۱۹ فصل اول

۱۔ وقع بعدہ فی الجمع ما نصہ وفی القہستانی یکرہ عند الطبرانی لاعند ابی یوسف۔۔۔۔۔ اھ۔

کتبت علیہ اقول، رحم اللہ الشارح، وقع منہ سبق نظر، انما نص القہستانی، وفی المحیط انہ یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ انتہت المسئلۃ الی ھھنا، [ثم شرع فی مسئلۃ المتن وعناقہ فی ازار واحد فشرحہ بقولہ [و] یکرہ عند الطرفین لاعند ابی یوسف [عناقہ] الخ وقد قدر المشارح نفسہ ومتنہ قبل ھذا باسطر اذا قالا [یکرہ ان ازار بلا قمیص عند الطرفین [وعند ابی یوسف لایکرہ] اھ فسبحان من لایزل ولا ینسی ۱۲ منہ]

ص ۵۰۴، نص ۱۹۱ فصل دوم

۱۹۔ بکر اگر مصنف سیف النقی جیسا ہے تو رجوع ناممکن "یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ثم لایعودون" اور اگر وہی صاحب ہیں جن کے نام سے یہ تحریر شائع ہوئی تو وہ صوفی بننا چاہتے ہیں اور صوفی فوراً رجوع الی الحق کرتا ہے۔ کہ وہ نفس کا بندہ نہیں ہوتا۔ عجب نہیں کہ بنگاہ انصاف اس رسالہ کو دیکھ کر اپنے قول سے توبہ اور سجدہ غیر کی تحریم شائع کریں۔ واللہ الہادی ۱۲ منہ

مسئلہ ۱۸۷: از مرآدآباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ مولوی عبدالودود صاحب بنگالی قادری برکاتی رضوی طالبعلم مدرسہ مذکور ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک شخص کو اس کے مریدین سجدہ کرتے ہیں اس سے دریافت کیا گیا کہ آپ مریدین کو سجدہ سے منع نہیں کرتے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں مریدون کو منع بھی نہیں کرتا اور حکم بھی نہیں کرتا۔ ان کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ شخص بہت خطا پر ہے۔ اس پر فرض ہے کہ مریدوں کو منع کرے۔ اور مریدوں پر فرض ہے کہ اس فعل حرام سے باز آئیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۸: از پوسٹ آفس سراج گنج ضلع پابنہ مرسلہ مولوی محمد عبدالقادر صاحب مدرس اول مدرسہ جونپوری ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

فریق اول مولوی محمد سالم جونپوری فریق دوم مولوی عبدالباری نواکھالوی،

بتاریخ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۷ء تھانہ قاضی پور مضافات سراج گنج پابنہ فریق اول وثانی کا بموجودگی مجسٹریٹ وافسر پولیس سب ڈویژن سراج گنج مباحثہ ہوا جس میں میں منصف مانا گیا تھا فریق اول کا یہ بیان ہے کہ سجدہ تحیت انحناء ووضع الجبہہ کے طور پر اور مثل رکوع کے ہر طرح سے کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور غناء ورقص اور وجد اور تالیاں بجانا اور زور سے چلانا اور شور کرنا اور تواجد یعنی اپنے کو زبردستی وجد میں لانا جلسہ میں عوام کو مجتمع کرکے چنانچہ صوفیائے زمانہ حال کیا کرتے ہیں جس میں لوگوں کو اور بچے بوڑھے اور مریضوں کو ایذا پہنچے اور ان کی نیند میں خلل ہو بالکل ناجائز ہے اس دعوی کے دلائل اس فریق نے ذیل میں پیش کئے:

(اول) شرائع سابقہ میں سجدہ تحیت جائز تھا اور ہماری شریعت میں منسوخ ہوگیا بدلیل آیہ قرآنی:

"وَلَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىٕكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًاؕ اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۠ﮒ"[1]	اور نہ تمھیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور انبیاء کرام کو رب بنالو اس کے بعد کہ تم مسلمان ہوگئے ہو۔ (ت)

یہ آیت خاص سجدہ تحیت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کما اخرج عبدالرزاق فی تفسیرہ (جیسا کہ

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۰

عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اس کی تخریج فرمائی۔ت) ایسا ہی تفسیر بیضاوی و تفسیر کبیر وابوالسعود و تفسیر مدارک میں ہے۔

(دوسری) حدیث **لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجها**[1] (اگر سجدہ کسی کے لئے جائز ہوتا تو میں عورت (بیوی) کو حکم دیتا کہ شوہر کے لئے سجدہ کرے۔ت) کی ہے کیونکہ سجدہ تحیت کی ممانعت کی حدیث متواتر ہے جیسا کہ تفسیر عزیز و فتاوی بزازیہ میں ہے۔اور ردالمحتار میں ہے: **فیہ دلیل علی نسخ الکتاب بالسنۃ**[2] (اس میں یہ دلیل ہے کہ کتاب اللہ (یعنی کسی آیت قرآنی) کا نسخ حدیث پاک سے جائز اور درست ہے۔ت)

(سوم) یہ کہ ہم مقلد ہیں ہم پر اللہ صاحب کی تقلید واجب ہے اور تمام فقہاء وائمہ نے سجدہ تحیت وغنا ورقص کو حرام لکھا ہے اور اس پر امت کا اجماع بھی ہوگیا ہے اور دیگر دلائل اس پر فریق اوّل کے کتب ذیل میں ہیں نظم الدرر ومؤلفہ مولانا عبدالحق مہاجر مکی، مکتوب امام ربانی فتاوی شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم، فتاوی قاضی خاں، عالمگیری، کفایہ وعینی شرح ہدیا۔شامی، اشعۃ اللمعات، ترمذی، عینی شرح بخاری، تفسیر کبیر، جلالین، خازن، بیضاوی، سراج المنیر، کشاف، ابوالسعود، احمدی، تفسیر محی الدین ابن عربی وغیرہا اور فریق ثانی کا یہ دعوی ہے کہ تعظیم کے واسطے سجدہ تحیت کرنا اور اس میں گرنا اور جھکنا جائز ومباح ہے بشریکہ نماز کی ہیت پر نہ ہو اور نہ پیشانی زمین پر لگائے اور باطہارت نہ ہو اور ہر طرح سے جائز ہے بلکہ بشرطیکہ اس میں ہجو مسلم وہجو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کلمات کفریا وصف شراب ومزنیہ امرونہر ہے اور اس میں ترغیب الی العبادۃ اور ایقاظ عن الغفلۃ ہو اور سامع صدق دل اور صدق نیت سے سنے اور قوال بھی برعایت شرائط مذکورہ گائے اور اضطراری حالت میں رقص ووجد وتواجد یعنی بہ تکلف اپنے کو وجد میں لانا سچی نیت سے محمود ہے ورنہ مذموم ہے اور غلبہ اضطرار میں تالیاں بجانا بھی جائز ہے جواز سجدہ تحیت میں اس فریق کے یہ دلائل ہیں:

(اول) آیت: "**وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا**" الخ[3] (اور یاد کرو جب ہم نے (بطور حکم) فرشتوں سے فرمایا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو تو سب نے (سوائے شیطان) انھیں سجدہ کیا الخ۔ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۸، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۴

(دوم) الاصل فی الاشیاء الاباحۃ[1] (تمام اشیاء میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔ (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو)

(سوم) شرائع من قبلنا حجۃ لنا مالم یظھر لنا ناسخ فی شرعنا[2] (ہم سے پہلی شریعتوں ہمارے لئے دلیل جب تک ہماری شریعت میں ان کا کوئی ناسخ ظاہر نہ ہو۔ت)

(چہارم) حدیث رؤیا ابن خزیمہ اور ان کا رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر سجدہ کرنا اور دیگر دلائل کتب ذیل ہے: تفسیر کبیر، ابن مسعود، تفسیر بیضاوی، واحمدی و حسینی وکشاف و مدارک و عزیزی و تفسیر کلائی عبدالکریم گجراتی جس کا ذکر فتاوٰی عزیزی میں ہے اور عالمگیری قاضی خان، مسلم الثبوت و تنقیح تلویح وغیرہا، میں چونکہ اس میں منصف اور ثالث قرار دیا گیا تھا لہٰذا دونوں فریق کے دلائل میں بلارعایت میں نے غور کیا بیشک ملائکہ نے آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں نے یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام کو بقول راجح سجدہ تحیت ہی کیا تھا اس وقت سجدہ تحیت جائز تھا اب منسوخ ہوگیا اور بجائے سجدہ تحیت کے اللہ تعالٰی نے ہم کو سلام عطا فرمایا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔

"فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً"[3] الخ۔	جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو (وہاں) اپنے لوگوں کو سلامتی کی دعا دیا کرو وہ دعا جو اللہ تعالٰی کی طرف بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے الخ (یعنی گھروالوں کو سلام کیا کرو)۔ت)

معلوم ہوا کہ اس امت کی تحیت سلام ہے اور اس کی مؤید آیت "وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا"[4] (جب تمھیں لفظ دعا سے سلام کیا جائے تو اس سے عمدہ الفاظ سے سلام کرو یا کم از کم وہی الفاظ لوٹا دو۔ت) بھی ہے اس آیت سے تحیت کا جواب دینا فرض ہوا پس اگر تحیت سے یہاں سجدہ تحیت مراد ہو تو سامع کو بھی سجدہ تحیت جوابا کرنا فرض ہوگا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں اور آیت "وَ لَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىٕكَةَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا"[5] الخ (اور وہ تمھیں ہرگز یہ حکم نہ دے گا کہ فرشتوں اور

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۸۷

[2] اصول البزدوی باب شرائع من قبلنا قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۳۲، مسلم الثبوت الاصل الثانی السنۃ مسئلہ نحن والنبی علیہ السلام متعبدون شرائع من قبلنا مطبع انصاری دہلی ص ۲۰۷

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

[4] القرآن الکریم ۴/ ۸۶

[5] القرآن الکریم ۳/ ۸۰

نبیوں کو "رب" بنالو الخ۔ت) کی ذیل میں مفسرین جیسے تفسیر کبیر، تفسیر ابوالسعود، تفسیر کشاف ومدارک وغیرہم لکھتے ہیں کہ یہ آیت سجدہ تحیت کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے۔

کما اخرج عبدالرزاق فی تفسیرہ واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن ابن جریج و عن الحسن قال بلغنی ان رجلا قال یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نسلم علیك کما یسلم بعضنا علی بعض افلا نسجدلك قال لاولکن اکرموا نبیکم واعرفوا الحق لاھلہ فانہ لاینبغی ان یسجد لاحد من دون اللہ فانزل اللہ تعالٰی ماکان لبشر [1] الخ واخرج عبد بن حمید عن الحسن مثلہ۔	جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اس کی تخریج کی، اور ابن جریر اور ابن حاتم نے ابن جریج اور خواجہ حسن بصری سے تخریج کی، فرمایا مجھے یہ اطلاع پہنچی کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی: یارسول اللہ (علیک الصلٰوۃ و السلام) ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جس طرح ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ ارشاد فرمایا: نہیں، ہاں البتہ اپنے نبی کی عزت وتوقیر کرو۔ اور حق کو اس کے اہل کے لئے پہچانو کیونکر کسی کے لئے یہ زیبا اور لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کے علاوہ کسی کو سجدہ کرے تو پھر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی ماکان لبشر الخ۔ اور عبد بن حمید نے حضرت حسن سے اسی طرح تخریج فرمائی۔ (ت)

علاوہ ازیں تمام کتب احادیث اور کتب فقہ میں اس کی ممانعت بھری پڑی ہے کما لایخفی علی اھل العلم (جیسا کہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔ت) اور غنا ووجد تواجد ورقص وتالیا بجانا گوان میں بعض امور جیسے غنا ووجد بعض صوفیہ نے رکیک اور کمزور دلائل سے جواز ثابت کیا ہے مگر وہ بالکل لاشیئ ہے کیونکہ صوفیہ کے اقوال وافعال شریعت ومذہب میں حجت نہیں ہوسکتے ولنعم ماقال شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالٰی (حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالٰی کیا خوب فرمایا۔ت)

وجود صوفیہ راغنیمت داں وقول وفعل ایشاں وقعتی ندارد۔	صوفیائے کرام کے وجود کو غنیمت جانئے لیکن ان کا قول اور فعل (کتاب وسنت کے مقابلہ میں) اپنے اندر کوئی قدر وقعت نہیں رکھتا (لہٰذا حجت اور دلیل وہی ہے جو اللہ تعالٰی اور اس کا رسول فرمائیں۔ت)

---

[1] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید عن الحسن تحت آیۃ ۳/ ۷۹ قم ایران ۲/ ۴۴، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ۸/ ۱۱۷، الکشاف ۱/ ۴۴۰، مدارك التنزیل ۱/ ۱۶۶

اور تفسیر احمدی وعوارف وغیرہ میں لکھاہے کہ جنید رحمہ اللہ تعالٰی اخر عمر میں غنا سے توبہ کرلی تھی۔قرآن مجید میں اللہ پاک فرماتاہے:

"وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ"[1]	اور ان میں سے جس پر تو قابو پاسکتا ہے اسے اپنی آواز کے ذریعے (راہ حق سے) پھسلادے۔(ت)

تفسیر احمدی میں ہے:

ذکر فی الفتاوٰی العمادیۃ والعوارف قال مجاھد انھا تدل علی حرمۃ التغنی وذٰلك لان قولہ استفزز خطاب لابلیس علیہ اللعنۃ ومعناہ حرك من استطعت من بنی آدم بصوتك وھو صوت التغنی والمزامیر[2]۔	فتاوٰی عمادیہ اور عوارف میں ذکر کیا گیا کہ امام مجاہد نے فرمایا: آیۃ مذکورہ گانا بجانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالٰی کاارشاد: "استفزز" ابلیس علیہ اللعنۃ کو خطاب ہےاور اس کا مفہوم یہ ہے اولاد آدم میں سے جس پر تو طاقت پائے (اور اس پر تیرا بس چلے) اسے اپنی آواز سے حرکت میں لا،اور وہ گانے اور اس کے ساز کی آواز ہے۔(ت)

اور تفسیر احمدی میں تحت آیت "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَالْحَدِيْثِ"[3] (اور لوگوں میں کوئی وہ ہے جو کھیل کود کی باتوں کا خریدار اور متلاشی رہتاہے۔ت) میں ہے:

انھا نزلت فی نضر بن الحارث اشتری کتب الاعاجم وکان یحدث بھا قریشا وقیل کان یشتری الفتیات المغنیات الخ وانما قلنا تدل علی حرمۃ الغناء لان اللہ تعالٰی قد ذم من یشتغل بھوالحدیث واوعدہ بعذاب مھین و	(ملاجیون رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا) آیۃ مذکورہ بالانضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی کہ جس نے اہل عجم کی کتابیں خریدیں اور قریش کو پڑھ کر سناتا اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ گانے والی لونڈیاں خریدا کرتا تھا اور یہ جو ہم نے کہا کہ آیۃ مذکورہ گانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جو

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۴

[2] التفسیرات احمدیہ تحت آیۃ ۳۱/ ۶ المطبعۃ الکریمیۃ دہلی ص ۶۰۰

[3] القرآن الکریم ۳۱/ ۶

لھو الحدیث وان کان ظاھرہ عاما فی کل مایلھی عما یعنی الا انہ ذکر فی الفتاوی العمادیۃ وکذا فی العوارف وغیرہ ان ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھما کانا یحلفان انا قد سمعنا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان المراد بہ التغنی و یوافقہ الروایۃ الثانیۃ من النزول فیکون دلیلا علی حرمتہ[1] اھ وقال الطبری واجمع علماء الامصار علی کراھۃ الغناء والمنع منہ وانما فارق الجماعۃ۔	کھیل کی باتوں میں شغل رکھتے ہیں اور انھیں توہین آمیز عذاب سے ڈرایا، اور کھیل کی باتیں اگرچہ بظاہر عام ہیں جوہر اس چیز کو شامل ہیں جو انسان کو فائدہ بخش کام سے غافل کردے لیکن فتاوٰی عمادیہ اور اسی طرح "عوارف" وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس سے گانا بجانا مراد ہے اور شان نزول کی دوسری روایت اس کی موافقت کرتی ہے لہٰذا یہ حرمت غنا پر دلیل ہے اھ۔ اور امام طبری، نے فرمایا: تمام شہروں کے علماء کرام کا گانے کی کراہت (ناپسندیدگی) اور ممانعت پر اجماع اور اتفاق ہے۔ (ت)

ابراہیم بن سعد وعبداللہ عنبری جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس عمرو بن قرۃ آیا اور اس نے غناء فاحشہ کی رخصت چاہی حضرت نے جازت نہ دی علاوہ بریں تمام فقہائے اور صوفیائے کرام نے غناو رقص وغیرہ سے منع فرمایاہے۔ مضمرات میں ہے:

من اباح الغناء یکون فاسقا[2]۔	جو گانے بجانے کو مباح قرار دے تو وہ فاسق ہے۔ (ت)

اور شیخ شہاب الدین سہروری عوارف میں فرماتے ہیں:

سماع الغناء من الذنوب[3] الخ۔	گانا سننا گناہ ہے۔ الخ (ت)

اور چونکہ غناو رقص وغیرہ خصوصًا اس زمانہ فتنہ وفساد میں جیساکہ صوفی لوگ مجلس قائم کرکے کرتے ہیں عوام وجہال

[1] التفسیرات احمدیہ تحت آیۃ ۳۱/ ۶ المطبعۃ الکریمۃ دہلی ص۵۹۹۔ ۶۰۰

[2] فتاوٰی جامع الفوائد بحوالہ المضمرات کتاب الکراھیۃ فصل فی الغناء مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۲۸

[3] عوارف المعارف الباب الثالث والعشرون مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ص ۱۱۴

کے لئے سخت مضرت رساں وگمراہی ہے پھر اگر وجد یا رقص میں ستر عورت کھل جائے تو حاضرین جلسہ بجائے نیکی حاصل کرنے کے گنہگار ہوجائیں گے۔

یہ کل وجوہات بالا کی طرف نظر کرکے میری یہی رائے ہے کہ سجدہ وتحیت ورقص وغناووجد وتواجد بالکل حرام وناجائز ہے۔ پھر جیسا کہ آج کل کے صوفی گندم نماجو فروش جلسوں میں یا چند آدمی مل کر کرتے ہیں بالکل ناجائز ہے اور مرتکب ان امور مذکور کا گنہگار ہے۔اور جب ان کی حرمت کتاب وسنت وفقہ واجماع امت سے ثابت ہے تو اس کے مستحل پر کفر کا خوف ہے کیونکہ ابونصر دبوسی قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے روایت کرتے ہیں:

من سمع الغناء من المغنی اورای فعلا من الحرام فحسن ذٰلك باعتقاد اوبغیر اعتقاد یصیر مرتدا فی الحال بناء علی انه ابطل فلایکون الشریعة ومن ابطل حکم الشریعة فلا یکون مؤمنا عند کل مجتهد ولایقبل اللّٰه تعالٰی طاعة واحبط اللّٰه کل حسنائه[1] الخ کمافی حاشیة جامع الفوائد۔	جس نے کسی گویّے سے گانا سنا یا کوئی حرام فعل دیکھا اور اعتقاد یا بے اعتقاد اس کو اچھا سمجھا (اور اس کی تحسین کی) تو وہ فوراً مرتد ہوجائے گا اس بناء پر کہ اس نے شرعی حکم کو باطل کیا،اورع جو شریعت کے حکم کو باطل کردے وہ کسی مجتہد کے نزدیک مومن نہیں ہوسکتا،اور اللّٰه تعالٰی اس کی کوئی طاعت قبول نہیں فرماتا اور اللّٰه تعالٰی اس کی ساری نیکیاں ضائع کردیتا ہے الخ۔ جیسا کہ حاشیہ جامع الفوائد میں مذکور ہے۔(ت)

بناء علیہ میرے نزدیک فریق اول کا قول نہایت صحیح اور موافق قرآن وحدیث وفقہ مذہب اہلسنت وصوفیائے کرام ہے اور فریق ثانی کا قول قرآن وحدیث وفقہ جمہور صوفیہ کے بالکل خلاف ہے اور غیر صحیح یہ لوگ سخت غلطی اور دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ان کو ایسے امور کے ارتکاب سے اجتناب وتوبہ کرنی چاہئے اور وہ دوسروں کو ایسے فعل ناجائز سے حتی الامکان روکیں۔وما علینا الا البلاغ۔

محمد عبدالقادر عفی عنہ مدرس اول مدرسہ منیر سراج گنج ضلع پاپنہ بنگال

الجواب:

بلاشبہ ہماری شریعت مطہرہ میں غیر خدا کے لئے سجدہ تحیت حرام فرمایا،تمام کتب اس کی تحریم سے مالامال ہیں۔شرائع من قبلنا اس وقت تک حجت ہیں کہ ہماری شریعت ممانعت نہ فرمائے اور منع کے

[1] حاشیہ فتاوٰی جامع الفوائد کتاب الکراھیة فصل فی الغناء مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۲۸

بعد اباحت سابقہ سے استدلال نہیں ہوسکتا۔ جیسے شراب وغیرہ، اصل اشیاء میں ضرور اباحت ہے مگر بعد ممنوع شرع اباحت نہیں رہ سکتی۔

قال اللہ تعالٰی "مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ" [1]۔	اللہ تعالٰی جو کچھ تمھیں رسول گرامی عطافرمائیں اسے لے لو اور جس سے تمھیں رسول منع فرمائیں اس سے باز رہو۔(ت)

ان صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا پیشانی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سجدہ کرنا حضور کو سجدہ تحیت نہ تھا بلکہ اللہ عزوجل کو سجدہ عبادت اور پیشانی اقدس اس وقت مسجد تھی یعنی موضع سجود، انھوں نے اسی طرح خواب دیکھا تھا اس کی تصدیق کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اجازت عطافرمائی کہ پیشانی انور پر سر رکھ کر اللہ عزوجل کو سجدہ کرلیں۔ فریق ثانے نے سجدہ تحیت کو جائز کہا ہے جب پیشانی زمین کو لگائیں، ہیئت نماز پر نہ ہو، پیشانی زمین پر نہ لگے، باطہارت نہ ہو یہ صریح تناقص ہے جب پیشانی زمین کو نہ لگی سجدہ ہی نہ ہوگا اور باطھارت نی ہونے کی قید عجیب ہے معظمان دینی کو وہ کون سی تعظیم ہے جس میں محدث ہونا شرط ہے شاید مقصود یہ ہو کہ سجدہ نماز کی طرح طہارت اس میں ضروری نہ جانیں، طرفہ یہ کہ قدمبوسی میں بھی شرط لگائی حالانکہ معظمان دینی کی قدمبوسی بلاشبہ بحال طہارت بھی جائز ہے بلکہ یہی مستحب ہے کہ اس میں تعظیم زائد ہے، فتح القدیر میں فرمایا:

کل ماکان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا [2]۔	جس چیز کا ادب اور تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ اچھی ہے۔(ت)

قدمبوسی سنت سے ثابت اور اس میں احادیث کثیرہ وارد، کما بیناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) انحناء یعنی جھکنا دو قسم ہے۔ مقصود و وسیلہ، اگر خود نفس انحناء سے تعظیم مقصود نہیں بلکہ دوسرے فعل سے جس کا یہ ذریعہ ہے تو اس صورت میں اس کا حکم اس فعل کا حکم ہوگا قدمبوسی جائز بلکہ مسنون ہے تو اس کے لئے جھکنا بھی مباح بلکہ سنت ہے اور غیر خدا کو سجدہ تحیت حرام ہے تو اس کے لئے جھکنا بھی حرام ہے۔ دوسری قسم کہ نفس انحناء سے تعظیم مقصود ہو یہ اگر رکوع تک ہے ناجائز وگناہ ہے اور اس سے کم ہے تو حرج نہیں۔ امام عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[2] فتح القدیر باب الھدی مسائل منشورۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

القدسی حدیقہ ندیہ شرح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

الانحناء البالغ حد الرکوع لایفعل لاحد کالسجود ولاباس بمانقص من حد الرکوع لمن یکرم من اھل الاسلام [1]۔	رکوع کی حد تک جھکنا کسی کے لئے نہ کیا جائے جیسے سجدہ (یعنی یہ دونوں مخلوق کے لئے روا نہیں) اور اگر رکوع کی حد سے کم جھکاؤ ہو تو پھر معزز اہل اسلام کے لئے ایسا کرنے کا کچھ حرج نہیں (ت)

وجد کو حرام کہنا عجیب بات ہے وہ حالت اضطراری ہے جس پر حکم ہو ہی نہیں سکتا نہ کہ تحریم نہ کہ بالاجماع نہ کہ تحلیل پر خوف کفر، یہ احکام اصلا درجہ صحت نہیں رکھتے۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل (اللہ تعالٰی حق بیان فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ت) یوہیں تصفیق اگر اضطراری جیساکہ فریق ثانی نے ایک بار مطلق کہہ کے دوبارہ اس کو مقید کیا تو بلاشبہ اسے بھی زیر حکم لانا جائز وحرام ٹھہرانا اسی طرح باطل ہے کہ مورد احکام افعال اختیاریہ ہیں نہ کہ اضطراریہ، ہاں اگر بالاختیار نہ ہو تو ضرور مکروہ ہے کہ نساء وفساق سے مشابہت ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

التسبیح للرجال والتصفیق للنساء [2]۔	مرد "سبحان اللہ" کہیں اور عورتیں تالی بجائیں (امام کو نماز میں آگاہ کرنے کے لئے)۔ (ت)

حضرت سیدنا محبوب الٰہی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی مجلس مبارک سماع کے حاضرین کو فرماتے کہ:

کف دست بر پشت دست زنند، کف دست بر کف دست نہ زنند کہ مشابہہ لہو نگردد [3]۔	ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی پشت پر ماریں لہذا ہتھیلی کو ہتھیلی پر نہ ماریں تاکہ کھیل کے مشابہ نہ ہو۔ (ت)

رقص میں بھی دو ۲ صورتیں ہیں اگر بیخودانہ ہے تو سلطانگیر وخراج از خراب (اس لئے کہ بادشاہ کسی غیر آباد اور ویران زمین میں کسی سے ٹیکس نہیں لیتا۔ت) وہ کسی طرح زیر حکم نہیں آسکتا، اور اگر بالاختیار ہے تو

---

[1] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ المبحث الاول المکتب النوریۃ الرضویہ ۱/ ۵۴۷

[2] صحیح البخاری کتاب التہجد باب التصفیق للنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰، صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب تسبیح الرجل وتصفیق المرأۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

[3] فوائد الفوائد

پھراس کی دو۲ صورتیں ہیں اگر تثنی وتکسر کے ساتھ ہے تو بلاشبہہ ناجائز ہے۔ تکسر لچکا تثنی توڑا یہ رقص فواحش میں ہوتے ہیں اور ان سے تشبہ حرام۔اور اگر ان سے خالی ہے تو اہل بیعت کو مجلس عالم ومحضر عوام میں اس سے احتراز ہی چاہئے، کہ ان کی نگاہوں میں ہلکا ہونے کا باعث ہے۔اور اگر جلسہ خاص صالحین وسالکین کا ہو تو داخل تواجد ہے۔تواجد یعنی اہل وجد کی صورت بنانا، اگر معاذاللہ بطور ریا ہے تو اس کی حرمت میں شبہ نہیں کہ ریاکے لئے تو نماز بھی حرام ہے۔اور اگر نیت صالحہ ہے تو ہر گز کوئی وجہ ممانعت نہیں، یہاں نیت صالحہ دو ہوسکتی ہیں ایک عام یعنی تشبہ بصلحائے کرام۔

ان لم تکونوا مثلھم فتشبھوا ان التشبہ بالکرام فلاح

(اگر تم ان کی مثل نہیں ہو تو پھر ان سے مشابہت اختیار کرو کیونکہ شرفاء اور معزز لوگوں سے تشبہ کامیابی کا ذریعہ ہے۔ت)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبہ بقوم فھو منھم [1]۔	جو کسی قوم سے تشبہ کرے گا وہ انھیں میں سے ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان لم تبکوا فتباکوا [2]۔	رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔

دوسری نیت طالبان راہ کے لئے وجد کی صورت بنائے کہ حقیقت حاصل ہوجائے نیت صادقہ کے ساتھ بتکلف بننا بھی رفتہ رفتہ حصول حقیقت کی طرف منجر ہوجاتا ہے۔امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

التواجد المتکلف فمنہ مذموم یقصد بہ الریاء ومنہ محمود وھو التوسل الی استدعاء الاحوال الشریفۃ واکتسابھا واجتلابھا بالحیلۃ فان للکسب مدخلا فی جلب الاحوال الشریفۃ ولذٰلك	تکلف سے "وجد" طلب طاری کرنا اسکی ایک قسم ہے تو مذموم ہے کہ جس میں دکھاوے (ریا) کا ارادہ کیا جائے اور اس کی ایک قسم محمود (اچھی) ہے کہ جس کو شریفانہ حالات کے چاہنے ان کے اکتساب اور حصول کا حیلہ سازی سے ذریعہ بنایا جائے کیونکہ انسانی کسب کو شریفانہ حالات کے حصول میں ایک

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳

[2] سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلوٰت باب فی حسن الصوت بالقرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۹۶

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من لم یحضرہ البکاء فی قراءۃ القراٰن ان یتباکی ویتحازن [1]۔	طرح دخل ہوتا ہے اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلاوت قرآن کے وقت جس شخص کو رونا نہ آئے اسے حکم دیا کہ وہ رونے اور غمگین ہونے کی صورت بنائے۔ (ت)

سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی ندیہ میں فرماتے ہیں:

لاشك ان التواجد وھو تکلف الوجد واظھارہ من غیر ان یکون لہ وجد حقیقۃ فیہ تشبہ باھل الوجد الحقیقی وھو جائز بل مطلوب شرعا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم [2]۔	اس میں کوئی شک نہیں کہ "تواجد" بناوٹ اور تکلف سے وجد لانا اور اس کا اظہار کرنا ہے بغیر اس کے کہ اسے حقیقی طور پر حالت وجد ہو، پس اس میں جو حقیقۃ اہل وجد ہیں ان سے تشبہ ہے۔ اور یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شرعا مطلوب ہے (کیا تمھیں معلوم نہیں کہ) آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔ (ت)

فتاوٰی علامہ خیر رملی استاذ صاحب درمختار علیہما رحمۃ الغفار میں ہے:

اما الرقص ففیہ للفقھاء کلام منھم من منعہ ومنھم من لم یمنع حیث وجد لذۃ الشھوۃ وغلب علیہ الوجد واستدلوا بما وقع لجعفر بن ابی طالب لما قال لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اشبھت خلقی وخلقی فی لفظ جعفر اشبہ الناس بی خلقا وخلقا فحجل ای مشی علی رجل واحدۃ	رہا رقص (ناچ) تو اس میں فقہائے کرام کا کلام (اختلاف) ہے پس بعض ائمہ نے تو اس سے منع فرمایا لیکن بعض نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ جہاں شہوۃ کی لذت پائے اور اس پر وجد غالب ہو تو (جائز ہے) اور انھوں نے اس واقعہ سے استدلال کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت بن ابی طالب سے ارشاد فرمایا: تم صورت وسیرت میں میرے مشابہ ہو۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئیں ہیں: جعفر

[1] احیاء العلوم کتاب آدب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثانی المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۹۶۔۲۹۵

[2] الحدیقہ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ الصنف التاسع تتمہ الاصناف التسعۃ المکتبہ نوریہ رضویہ ۲/ ۵۲۵

وفی روایة رقص من لذة هذا الخطاب ولم ینکر علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم رقصه وجعل ذٰلك اصلا لجواز رقص الصوفیة عند مایجدونه من لذة المواجید فی مجالس الذکر والسماع وفی التتارخانیة مایدل علی جوازه للمغلوب الذی حرکاته کحرکات المرتعش وبهذا افتی البلقینی وبرهان الدین الابناسی وبمثله اجاب بعض ائمة الحنفیه والمالکیة وکل ذٰلك اذاخصلت النیة وکانوا صادقین فی الوجد مغلوبین فی القیام والحرکة عند شدة الهیام والشیئ قدیتصف تارة بالحلال وتارة بالحرام باختلاف القصد والمرام وبتقریر جمیع ماقالوه یطول الکلام [1]۔	سب لوگوں سے صورت وسیرت میں میرے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے (یہ سن کر) حضرت جعفر ایک پاؤں پر چلے یعنی رقص کیا۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت جعفر اس خطاب کی لذت اور سرور سے ناچنے لگے، اس کے باوجود حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ان کے رقص کرنے پر انکار نہیں فرمایا۔ پس اس کو صوفیائے کرام نے رقص کرنے کے جواز پر دلیل ٹھہرایا گیا ہے جبکہ مجالس ذکر اور سماع میں صوفیائے کرام وجد کی لذت محسوس کریں۔ فتاوٰی تتارخانیہ میں کچھ ایسا کلام ہے جو اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے ان مغلوب الحال لوگوں کے لئے کہ جن کی حرکات رعشہ والے مریض کی حرکات جیسی ہوں (رعشہ ایک مرض ہے جس میں غیر اختیاری طور پر ہاتھ کانپتے رہتے ہیں) چنانچہ علامہ عینی اور برہان الدین ابناسی نے یہی فتوٰی دیا ہے اور بعض حنفی اور مالکی ائمہ کرام نے اسی کے مطابق فتوٰی دیا ہے۔ یہ سب کچھ جائز ہے بشرطیکہ ایسا کرنے والوں کی نیت خالص ہو اور حالت وجد میں سچے ہوں اور قیام وحرکت شدت حیرت اور وارفتگی کی وجہ سے مغلوب ہوں (اور نیم دیوانہ ہو) اور حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی چیز ارادے اور مقصد کے اعتبار سے کبھی حلال اور کبھی حرام سے متصف ہوسکتی ہے اور جو کچھ (اس باب میں) اہل علم نے ارشاد فرمایا اس سب کی تقریر باعث طول کلام ہے۔ (ت)

نہایہ ابن اثیر ہ مجمع البحار میں ہے:

قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم لزید انت مولٰینافحجل	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت زید سے ارشاد فرمایا: تم ہمارے "مولٰی" ہو۔

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الکراهیة والاستحسان دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۸۲

الحجل ان یرفع رجلا ویقفز علی الاخرٰی من الفرح زادف النھایۃ وقد یکون بالرجلین الا انہ قفز [1]۔	تو حضرت زید خوشی اور مسرت، سے ناچنے لگے اس طور پر کہ ایک پاؤں اٹھاتے اور دوسرے پا ناچتے اور نہایہ (ابن اثیر) میں اتنا زیادہ ہے کبھی یہ دو پاؤں سے ہوتا ہے مگر یہ وہ کودے۔ (ت)

چلانا بھی اگر بے اختیاری سے ہو تو مثل وجد کسی طرح زید حکم نہیں آسکتا، اور اگر ریا سے ہے تو نماز بھی حرام ہے۔ اور اگر کوئی نیت فاسدہ نہیں مگر وہاں کسی مریض یا نائم کو تکلیف یا نمازی یا ذاکر یا مشتغل علم کی تشویش ہو تو ممنوع ہے امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے وقت نماز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرنے والوں کو جہر قرآن سے منع فرمایا اور اگر تمام مفاسد سے پاک ہو تو کوئی حرج نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی منہوات شفاء العلیل میں نور العین فی اصلاح جامع الفصولین علامہ ابن کمال وزیر کا فتوٰی نقل فرماتے ہیں:۔

مافی التواجد ان حققت من حرج ولا التمایل ان اخلصت من بأس فقمت تسعی علی رجل وحق لمن دعاوہ لاہ ان یسعی علی الرأس الرخصۃ فیما ذکر من الاوضاع عند الذکر والسماع للعارفین الصارفین اوقاتھم الی احسن الاعمال السالکین المالکین لضبط انفسھم عن قبائح الاحوال فھم لا یستمعون الامن الالہ ولایشتاقون اللہ ان ذکروہ ناحوا وان وجدوہ صاحوا اذا وجد علیھم الوجد فمنھم من طرقتہ طوارق الھیبۃ	وجد کی صورت اختیار کرنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ محقق اور ثابت ہو جائے، جھومنے اور لڑکھڑانے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ خالص ہو، اگر تو ایک پاؤں پر دوڑے اور ناچ کرے تو یہ اس کے لئے حق ہے کہ جس کو اپنا مولٰی بلائے کہ وہ اپنے سر کے بل دوڑ لگائے۔ اور جن اوضاع (انواع اقسام) میں یہ ذکر کیا گیا کہ ذکر اور سماع کے وقت ان کی اجازت (رخصت) سے وہ ان خداشناس لوگوں کے لئے ہے جو اپنے اوقات کو اچھے کاموں میں صرف کرتے ہیں اور راہ خداوندی پر چلنے والے ہیں مذموم حالات سے اپنے نفس کو قابو رکھنے کی دسترس رکھتے ہیں (یعنی بری حرکات سے انھیں روک سکتے ہیں) پھر وہ

[1] النھایۃ لابن لاثیر باب الحاء مع الجیم تحت لفظ "حجل" المکتبۃ الاسلامیۃ ۱/ ۳۴۶

فخروذاب ومنهم برقت له بوارق اللطف فتحرك وطاب هذا ماعن لى فى الجواب [1] والله تعالٰى اعلم بالصواب۔	اللہ تعالٰی کے سواکچھ نہیں سنتے، اور وہ صرف اس کا اشتیاق رکھتے ہیں اگر اس کا ذکر کریں تو یہ آہ وزاری کرتے ہیں اور اگر اسے پائیں تو چیخیں چلائیں جبکہ ان پر وجد طاری ہوجائے پھر ان میں کوئی وہ ہے کہ جس کو مصائب ہیبت دستک دیں تو وہ گر کر پگھل جائے، اور کوئی وہ ہے کہ جس کے لیے لطف وکرم کی بجلیاں چمکیں تو وہ متحرک ہوکر خوش وخرم ہوجائے اس جواب میں مجھ پر یہی کچھ ظاہر ہوا، اور راہ صواب کو سب سے زیادہ اللہ تعالٰی ہی جانتا ہے۔ (ت)

غنا اگر منکرات شرعیہ پر مشتمل ہو مثلاً مزامیر کو حرام ہیں یا عورت کا گانا کہ باعث ہیجان فتنہ ہے یونہی محل فتنہ ارمرد کا گانا، یا جو کچھ گایا جائے اس کا امور مخالف شرع پر مشتمل ہونا یا ایسے امور پر خیالات کاسدہ وشہوات فاسدہ کے باعث ہوں خصوصاً مجمع عوام میں بلا شبہ ممنوع ہے اور تمام مفاسد سے خالی ہو تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کما حققناہ فی اجل التحبیر (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ اجل التحبیر میں اس کی تحقیق کردی۔ت)

غنا کا غالب اطلاق انھیں مہیجات شہوات باطلہ پر آتا ہے کما نبہ علیہ فی ارشاد الساری (جیسا کہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اس پر آگاہ کیا گیا ہے۔ت) احادیث واقوال مذمت اسی پر محمول ہیں ورنہ اذکار حسنہ اصوات حسنہ والحانات حسنہ سننے کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس میں احادیث وارد، اور اب وہ لہو نہیں نہ وہ شیطانی آواز ہے تو آیہ کریمہ "وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ" [2] (اس میں سے جس پر تو قابو پائے (اور تیرا بس چلے) انھیں اپنی آواز سے پھسلا دے۔ ت) اس پر صادق نہیں حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جو آخر عمر شریف سماع سننا ترک فرمایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اب کوئی گانے والا اہل نہ ملتا تھا۔ عوارف شریف میں ہے:

قيل ان الجنيد ترك السماع فقيل له كنت تستمع فقال مع من قيل له تسمع لنفسك فقال ممن لانهم كانوا لا يسمعون الامن اهل	کہا گیا کہ حضرت جنید بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) نے سماع چھوڑ دیا تھا ان سے عرض کی گئی آپ سماع پر کاربند تھے (پھر کیوں ترک کردیا؟) آپ نے ارشاد فرمایا: کن لوگوں کے ساتھ ہو کر سنتا

[1] رسائل ابن عابدین رسالہ شفاء العلیل وبل الغلیل الخ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۷۲

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۴

مع اھل فلما فقد الاخوان ترک [1]۔	تھا (مراد یہ کہ وہ اہل تھے) پھر ان سے کہا گیا اپنی ذات کے لئے سنا کریں۔ فرمایا: کس سے سنوں، کیونکہ وہ سماع صرف اہل اسے اور اہل کی معیت میں ہو کر سنا کرتے تھے، پھر جب ایسے احباب نایاب اور ناپید ہوگئے تو سماع چھوڑ دیا۔ (ت)

حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہ، نے عوارف شریف میں پہلے ایک باب قبول وپسند سماع میں تحریر فرمایا اور اس میں بہت احادیث وارشادات ذکر فرمائے۔ اور فرماما:

وقد ذکر الشیخ ابو طالب المکی رحمه الله تعالٰی ما یدل علی تجویزہ ونقل عن کثیر من السلف صحابی وتابعی وغیرھم وقول الشیخ ابی طالب المکی یعتبر لو فور علمه وکمال حاله وعلمه باحوال السلف ومکان ورعه وتقواہ وتحریر الاصواب والاول وقال فی السماع حلال وحرام وشبه فمن سمعه بنفس مشاھدۃ شھوۃ وھوی فھو حرام ومن سمعه بمعقوله علی صفة مباح من جاریة اوزوجة کان شبھة لدخول اللھو فیه ومن سمعه بقلب یشاھد معانی تدل علی الدلیل ویشھد طرقات الجلیل فھو مباح وھذا قول الشیخ ابی الطالب المکی وھو الصحیح [2]۔	بیشک شیخ ابوطالب مکی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے کچھ ایسے دلائل وشواہد بیان فرمائے جو سماع کے جواز پر دلالت کرتے ہیں اور بہت سے اسلاف، صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ان کے علاوہ دوسرے اکابرین سے نقل فرمایا، اور شیخ ابوطالب مکی علیہ الرحمۃ کا قول معتبر اور مستند ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ کثیر علم سے معمور ہیں، حال میں صاحب کمالیں۔ اور اسلاف کے حلات کو بخوبی جانتے ہیں۔ اور تقوی وورع میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ اور زیادہ صواب اور زیادہ بہتر امور میں گہری سوچ اور فکر کامل رکھتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: سماع میں حلال، حرام اور شبہ کی اقسام ہیں، لہٰذا جس نے نفس مشاہدہ شہوت اور خواہش کے پیش نظر سماع سنا تو یہ حرام ہے۔ اور جس نے معقولیت کے پیش نظر مباح طریقے سے لونڈی یا اہلیہ سے استفادہ سماع کیا تو اس صورت میں شبہہ پیدا ہوگیا کیونکہ اس میں کھیل داخل ہوگیا۔ اور جس شخص نے ایسے نفیس دل کے ساتھ سماع سنا جو ایسے معانی کا مشاہدہ کررہا تھا جو دلیل کی راہنمائی کرتے ہیں۔

[1] عوارف المعارف الباب الثالث والعشرون مطبعه المشھد الحسینی قاہرہ ص ۱۱۴

[2] عوارف المعارف الباب الثانی والعشرون مطبعه المشھد الحسینی قاہرہ ص ۱۰۹

اور اس کے لئے رب جلیل کے راستے گواہ ہوں۔ لہٰذا یہ سماع مباح ہے۔ شیخ ابو طالب مکی کا یہ ارشاد ہے اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

تو وہ کیونکر مطلقاً غنا کو ذنوب سے شمار فرماسکتے ہیں اس کے بعد انھوں نے دوسرا باب انکار سماع میں وضع فرمایا اور یہاں اس سماع پر کلام فرمایا شہوات نفسانیہ پر مشتمل اس میں یہ قول تحریر فرمایا ہے عبارت ملخصاً یہ ہے:

وقد ذکرنا وجه صحة السماع ومایلیق منه باهل الصدق وحیث کثرت الفتنة وزالت العصمة وتصدی للحرص علیه اقوام فسدت احوالهم واکثروا الاجماع للسماع وربما یتخذ للاجتماع طعام تطلب النفوس الاجتماع لذٰلك لارغبة للقلوب فی السماع کما کان من سیر الصادقین فیصیر السماع معلولا ترکن الیه النفوس للشهوات واستحلاء لمواطن اللهو والغفلات وتکون الرغبة فی الاجتماع طلبا لتناول الشهوة واستروا حا لاولی الطرب واللهو والعشرة ولایخفی ان هذا الاجتماع مردود عند اهل الصدق الی ان قال وسماع الغنا من الذنوب[1]۔	بلاشبہہ صحت سماع کی وجہ ہم نے بیان کردی اور وہ کوائف بھی ذکر فرمادئے جو ارباب صدق وصفا کے لائق اور موزوں ہیں، جہاں فتنہ بکثرت پھیل جائے عصمت زائل اور ختم ہو جائے اور کچھ لوگ بربنائے حرص اس کے درپے ہوں جن کے حالات بگڑے ہوئے اور خراب ہوں اور وہ سماع کے لئے زیادہ تر اجتماعات کا پروگرام بنائیں اور کبھی اجتماع کو بارونق اور مؤثر بنانے کے لئے دکھانے کا اہتمام کیا جائے کہ لوگ صرف کھانے کے شوق میں ایسے اجتماع کو تلاش کریں اس لئے نہیں کہ دلوں کو سماع کی طرف رغبت اور چاہت ہے کہ جیسے سچے عاشقوں کی سیرت ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا سماع (اصل غرض و غایت کا) بظاہر سبب بن گیا کہ نفوس اس کی طرف طلب شہوات کے لئے مائل ہوگئے اور اس لئے کہ انھیں مقامات لہو (کھیل وتفریح) اور انواع غفلت کی مٹھاس دستیاب ہو جائے۔ لہٰذا مجالس سماع کی طرف رغبت محض طلب شہرت کے لئے ہوگی۔ اور اس لئے کہ عیش وعشرت اور کھیل تماشوں میں دلچسپی رکھنے والوں کو حسب منشاء آرام وراحت حاصل ہو جائے اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ایسا اجتماع اہل صدق کے نزدیک مردود ہے یہاں تک کہ یہ فرمایا کہ گانا سننا گناہوں میں شمار ہے۔ (ت)

[1] عوارف المعارف الباب الثالث والعشرون مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ص ۱۱۴

صوفیہ کرام کی نسبت یہ کہنا کہ ان کا قول وفعل معاذاللہ کچھ وقعت نہیں رکھتا بہت سخت بات ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ"[1]	جو میری جھکے ان کی راہ کی پیروی کر۔

صوفیہ کرام سے زیادہ اللہ کی طرف جھکنے والا کون ہوگا، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

انما یتمسك بافعال اهل الدین[2]۔	دینداروں کے افعال سے سند لائی جاتی ہے۔

صوفیہ کرام سے بڑھ کر اور کون دیندار ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس سرہ، کی عارف سے سند لائی جائز نہ ہونا چاہئے کہ وہ بھی صوفی تھے یونہی حضرت سید الطائفہ جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ترک سے جس کا قول و فعل حجت نہیں اس کا ترک کیا حجت ہوسکتا ہے کہ ترک بھی فعل ہی ٹھہر کر قابل تمسک ہوتا ہے نہ کہ بمعنٰی عدم کہ نہ متعدو رنہ اس میں اتباع منقول کما نص علیه فی غمز العیون والبصائر (جیسا کہ غمزالعیون والبصائر میں اس پر نص ہے۔ ت) اور شاہ ولی اللہ صاحب کب اپنے آپ کو صوفیہ سے خارج کرسکتے ہیں تو ان کا قول و فعل سب سے بڑھ کر بے وقعت ہونا چاہئے محل ادب میں ایسا ارسال لسان خصوصا پیش عوام غنا کے مفاسد سے سخت تر مفسدہ ہے اس کا جواز تو مختلف فیہ ہے اس کا عدم جواز متفق علیہ ہے بالجملہ فریق ثانی کے اکثر احکام صحیح ہیں اس کی بڑی فاحش غلطی سجدہ تحیت کی تحلیل ہے صحیح یہی ہے کہ سجدہ تحیت حرام ہے یہی مسئلہ ان سب میں بڑا ہے عندالتحقیق یہ بھی اس حد تک نہیں کہ قائل خلاف پر اندیشہ کفر ہو۔

کیف وقد به سلطان الاولیاء سیدنا نظام الحق و الدین رضی اللہ تعالٰی عنه واستدل بانه کان واجبا للامر ثم نسخ الوجوب فبقی الندب۔	یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ سلطان الاولیاء سیدنا نظام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا اور اس بات پر استدلال کیا کہ سجدہ صیغہ امر کی وجہ سے پہلے واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہوگیا تو استحباب باقی رہ گیا۔ (ت)

اسی تحریم میں ہماری سند تصریح فقہائے کرام ہے اور اسی قدر ہمیں بس ہے ہم مقلد ہیں دلیل مجتہد کے پاس ہے آیات سے اس پر استدلال کسی طرح تام نہیں، کریمہ "وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ بِتَحِيَّةٍ"[3]۔ (جب تمھیں سلام

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۸۶

کیا جائے۔ت) میں سلام مراد ہے نہ کہ ہر تحیت تحیتیں کثیر ہیں۔سلام، مصافحہ، معانقہ، قلیل انحناء دست بوسی، قدمبوسی، قیام، انحنا تاحد رکوع، سجدہ تحیت سلام سے سجود تک سب تحیت ہی ہیں اور اخیرین کے سواسب جائز بلکہ انحناء کے سواسب حدیث وسنت سے ثابت ہے۔کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اگر بیٹا چومے تو باپ پر بھی فرض ہے کہ اس کے قدم چومے کیونکہ اس نے تحیت کا معاوضہ فرض ہے یہ محض باطل ہے۔ولہذا کتابوں میں وجوب جواب صرف سلام کے لئے فرمایا ہے۔کریمہ "اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۠" [1] (کیا وہ تمہیں کفر کرنے کا حکم دے گا جبکہ تم مسلمان ہوچکے ہو۔ت) خود شاہد عدل ہے کہ وہ درباره سجدہ عبادت ہے سجدہ تحیت کو کون کفر کہہ سکتا ہے کفر ہوتا تو اگلی شریعتوں میں کیونکر جائز ہوسکتا کیا کوئی شریعت جواز کفر بھی لاسکتی ہے کفر ہوتا تو رب عزوجل ملائکہ کو اس کا حکم کیونکہ فرماتا کیا رب عزوجل کبھی کفر کا بھی حکم فرماتا ہے تو سجدہ تحیت قطعاً کفر نہیں اور یہ آیت فرمارہی کہ اس چیز کا ذکر ہے جو قطعاً کفر ہے تو اگر درباره سجود نازل ہے تو یقیناً درباره سجدہ عبادت ہی نازل ہے۔کبیرہ وابوالسعود وکشاف ومدارک جن کا حوالہ دیا گیا ان میں کہیں اس کی تصریح نہیں کہ یہ سجدہ تحیت کے بارے میں اتری۔یہاں تفسیر ماثور دو۲ ہیں:

ایک امام ائمہ المفسرین ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے جسے ابن ابی حاتم وابن جریر وابن المنذر اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا کہ ابورافع قرظی یہودی اور سی رئیس نصرانی نجراتی نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کیا حضور یہ چاہتے ہیں کہ ہم حضور کی عبادت کریں جیسے نصارٰی نے عیسٰی کو پوجا، فرمایا معاذاللہ غیر خدا کی عبادت نہیں ہوسکتی، نہ مجھے اس کا حکم ہوا نہ میں اس لئے بھیجا گیا [2] **او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (یا جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت)

دوسری۲ تفسیر کہ حسن بصری سے مرسلاً ہے وقد قال المحدثون ان مراسیل الحسن عندھم شبہ الریح (جبکہ محدثین حضرات نے ارشاد فرمایا حضرت حسن کی مرسل حدیثیں ان کے نزدیک ہوا کے مشابہ ہیں یعنی درجہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ت) ایک شخص نے عرض کی ہم حضور کو ایسے ہی سلام کرتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کریں۔اس پر انکار فرمایا اور یہ آیت [3] اتری۔

تفسیر **اول** کہ ہر طرح اصح واقوی ہے اس پر تو مطلع صاف ہے یہودی ونصرانی نے عبادت ہی کو پوچھا تھا جس پر یہ جواب ارشاد ہوا اور اسی تفسیر پر رب عزوجل کا روئے سخن اپنے مسلمان بندوں کی طرف

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۰

[2] الدرالمنثور بحوالہ ابن جریر وابن ابی حاتم والبیہقی فی الدلائل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ ۲/ ۴۱

[3] الدرلمنثور بحوالہ عبد بن حمید عن الحسن مکتبہ آیۃ اللہ الاعظمی قم ایران ۲/ ۴۶ و ۴۷

رکھنا خبیث سائلوں کی تفسیر اور ان کے حال کی تقبیح ہے کہ یہ حمیر قابل جواب نہیں، اے میرے مسلمان بندو! تم خیال کرو کہ یہ اگر ایسا چاہتے تو تم سے فرماتے کہ تم اپنے غلامان فرمانبردار، پھر کیا ایسا ہو سکتا تھا کہ تمھیں اسلام کے بعد کفر کا حکم دیتے، **معاذاللہ**، اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ بوجہ خطاب یہ گمان کہ سائل مسلمان تھے جیسا کہ اس معتزلی کی کشاف میں گزرا اور بعض بعد والوں نے اتباع کیا باطل ہے۔ اور اس کی تفسیر صحیح کے خلاف جو سلطان المفسرین صحابی وابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، دوم مرسل موقطوع اگر ثابت ہو جائے تو اس میں رجلا ہے یعنی ایک شخص نے عرض کی، ضرر یہ کوئی اعرابی بادیہ نشیں کفر کا حکم دیں گے اور ایسے بعض اشخاص سے ایسے سوال کا اصدور مستبعد نہیں بلکہ ہو نا ہی چاہئے تھا۔ رب عزوجل فرماتا ہے: "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾" [1] (ضرور تم زینہ بہ زینہ (بتدریج) چڑھتے جاؤ گے۔ت) سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگلوں میں کوئی ایسا ہو گزرا ہو جس نے علانیہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا ہو تو ضرور تم میں بھی کوئی ایسا ہوگا "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾" [2] سیدنا موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ان کے متعدد اصحاب نے سوال کیا "يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ" [3] (اے موسٰی! ہمیں بھی ایک خدا بنادے جیسے ان کے بہت سے خداہیں فرمایا بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ [4] بلکہ تم نرے جاہل ہو۔ تو یہاں بھی اگر کسی بادیہ نشین نو مسلم جاہل ناواقف نے اپنی نادانی سے ایسی درخواست کی کیا بعید ہے اور اسی قرب عہد کے سبب ہدایت فرمادی گئی تکفیر نہ ہوئی جیسے موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے **تجھلون** (تم نرے نادان لوگ ہو۔ت) فرمایا نہ کہ **تکفرون** (تم کفر کر رہے ہو۔ت) جس طرح ایک جوان حاضر خدمت اقدس ہوا اور آکر بے دھڑک عرض کی یا رسول اللہ! میرے لئے زنا حلال کر دیجئے۔ نبی سے براہ راست یہ درخواست کس حد کس حد تک پہنچتی ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس کو قتل کرنا چاہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اسے قریب بلایا یہاں تک کہ اس کے زانو زانوئے اقدس سے مل گئے پھر فرمایا: کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے زنا کرے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: تیری بہن سے؟

[1] القرآن الکریم ۸۴/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۸۴/ ۱۹

[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۳۸

[4] القرآن الکریم ۲۷/ ۵۵

عرض کی: نہ فرمایا: تیر بیٹی سے؟ عرض کی، نہ۔ فرمایا: تیری پھوپی سے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: تیری خالہ سے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: توجس سے زنا کرے گا وہ بھی تو کسی کی ماں بہن بیٹی پھوپھی خالہ ہوگی، جب اپنے لئے پسند نہیں کرتا اوروں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے۔ پھر دست اقدس اس کے سینہ پر ملا اور دعا کی: الٰہی! اس کے دل سے زنا کی محبت نکال دے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں اس وقت سے زنا سے زیادہ کوئی چیز مجھے دشمن نہ تھی۔ پھر صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ اس وقت اگر تم اسے قتل کردیتے تو جہنم میں جاتا میری تمھاری مثل ایسی ہے جیسے کسی کا ناقہ بھاگ گیا لوگ اسے پکڑنے کو اسکے پیچھے دوڑتے ہیں وہ بھڑکتا اور زیادہ بھاگتا ہے اس کے مالک نے کہا تم رہنے دو تمھیں اس کی ترکیب نہیں آتی پھر گھاس کا ایک مٹھا ہاتھ میں لیا اور اسے دکھایا اور چمکارتا ہوا اس کے پاس گیا یہاں تک کہ بٹھا کر اس پر سوار ہوگیا۔ **او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (یا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: از قادر گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسینی قادری رزاقی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کسی شیئ متبرک کو تعظیما چومنے یا تعظیما اپنے پیر و مرشد اور استاد والدین اور پیرزادہ اور سادات کرام اور علمائے عظام کے ہاتھ اور پاؤں چومنے اور ان لوگوں کو دیکھ کر تعظیما اٹھنے سے کفر وشرکت لازم آتا ہے یا یہ امر جائز و مستحسن ہے اور احادیث شریفہ وفقہ سے ثابت ہے یا نہیں یا یہ کہ لوگوں نے ان کو بدعۃ مثل اور بدرسموں کے ایجاد کیا ہے؟

الجواب:

اشیاء معظّمہ کو تعظیما بوسہ دینا جائز ہے جبکہ کسی حرج شرعی پر مشتمل نہ ہو۔

وقد ثبت عن ابی ایوب الانصاری کما فی مسند الامام احمد وعن عبداللہ بن عمر کما فی الشفاء للامام قاضی عیاض رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری سے یہ ثابت ہے جیسا کہ مسند امام احمد میں مذکور ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے جیسا کہ "الشفاء" قاضی عیاض میں موجود ہے۔ اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو۔ (ت)

اور معظمانِ دینی کے ہاتھ پاؤں چومنا بھی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے یونہی انھیں دیکھ کر قیام مگر ہاتھ باندھے

کھڑے رہنانہ چاہئے اور اگر کوئی معظم اس کی خواہش کرے اس کی یہ خواہش حرام ہے۔حدیث میں ہے:

من سرہ ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کوئی اس بات سے خوش اورع مسرور ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے رہیں تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالینا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۹۰: از ڈاکخانہ راموچکماء کول ضلع چٹاگانگ مدرسہ عزیزیہ مرسلہ مفیض الرحمٰن صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

قرآن مجید کو بعد تلاوت ماتھے پر رکھنا بہ نیت تعظیم کیسا ہے؟

الجواب:

مصحف شریف کو تعظیماً سر اور آنکھوں اور سینے سے لگانا اور بوسہ دینا جائز و مستحب ہے کہ وہ اعظم شعائر سے ہے اور تعظیم شعائر تقوی القلوب سے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۱: از کوٹلی لوہاران مغربی ضلع سیالکوٹ مرسلہ ابوالیاس محمد امام الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کے ساتھ السلام علیکم کا کیا حکم ہے کہنا چاہئے یا نہ؟ اگر کہنا چاہئے تو بوڑھی جوان کا فرق ہے یا نہیں؟ اور اپنے بیگانے کی تمیز ہوگی یا نہیں؟ اور عورتیں آپس میں کن الفاظ سے سلام کیا کریں اور مرد عورتوں سے کن الفاظ سے کہا کریں؟

الجواب:

محارم وازواج پر سلام مطلقاً ہے اور اجنبیات میں جوانوں کو سلام نہ کیا جائے بوڑھیوں کو کیا جائے بلکہ جوانیں اگر سلام نہ کریں تو جواب دل میں دیا جائے انھیں نہ سنائے حالانکہ جواب دینا واجب ہے اور لفظ سلام کا مرد و عورت کا باہم اور ایک دوسرے کے ساتھ مطلقاً السلام علیکم ہے اور سلام بھی کافی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲: از رامپور مسئولہ محمد سعید

بعد نماز فجر اور عصر مصلحین باہم مصافحہ بالخصوص اور ضروری جان کر کرنا عندالحنفیہ سنت ہے یا مستحب یا مکروہ؟

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی کراھیۃ قیام الرجل للرجل امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

الجواب:

فجر وعصر کے بعد مصافحہ جائز ہے۔ اصل میں سنت ہے اور تخصیص مباح، کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح المؤطا والامام النووی فی الاذکار وغیرھما (جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے شرح مؤطا میں اور امام نووی نے اذکار میں اور ان دو کے علاوہ باقیوں نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان فرمایا ہے۔ت) اور ضروری عرفی جاننے میں حرج نہیں اور ضروری شرعی خود نفس مصافحہ بھی نہیں حالانکہ سنت ہے نہ اسے کوئی غرض وہ واجب شرعی کہتا ہے، نسیم الریاض میں ہے:

الاصح انہا بدعۃ مباحۃ[1]۔	زیادہ صحیح یہ ہے کہ مصافحہ کرنا ایک جائز بدعت ہے۔(ت)

تمام تفصیل ہمارے رسالہ وشاح الجید ف میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۳: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی رمضان علی صاحب بنگالی ۱۵صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچھ لوگ ایک مسجد میں سنتیں پڑھ رہے ہیں کچھ لوگ تسبیح و تہلیل کررہے ہیں اور کچھ تلاوت کلام اللہ شریف کررہے ہیں اور کچھ لوگ یونہی بیٹھے ہوئے ہیں تو ایسی حالت میں انھیں سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر کچھ لوگ خالی بیٹھے ہوں ان کو سلام کرسکتا ہے اور جو لوگ نماز یا تلاوت یا ذکر میں ہیں ان کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۴: از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف میں محلّہ دودہان مرسلہ جناب شیخ محمد عمر صاحب ۲۱رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے پیر کو سجدہ تعظیمی کیا کرتا ہے اور جب اس کو منع کیا جاتا ہے کہ تعظیمی سجدہ سوائے خدا کے کسی کو درست نہیں خواہ پیغمبر ہو یا پیر، تو زید مذکور پیر کو سجدہ تعظیمی کرنے کی نفی میں قرآن مجید واحادیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت طلب کرتا ہے لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ تعظیمی سجدہ جو اپنے پیر یا استاد کو کیا جاتا ہے از روئے شرع شریف جائز ہے یا حرام؟ اور پیر کو تعظیمی سجدہ کرنے والا مومن ہے یا مشرک۔ فقط۔ بینوا توجروا۔

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی دارلکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۳

ف: رسالہ وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید فتاوٰی رضویہ جلد ہشتم مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاہور میں مرقوم ہے۔

الجواب:

غیر خدا کو سجدہ عبادت شرک ہے سجدہ تعظیمی شرک نہیں مگر حرام ہے گناہ کبیرہ ہے متواتر حدیثیں اور متواتر نصوص فقہیہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحریم پر چالیس حدیثیں روایت کیں اور نصوص فقہیہ کی گنتی نہیں، فتاوٰی عزیزیہ میں ہے کہ اس کی حرمت پر اجماع امت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: از امؤپور میواڑ راجپوتانہ مہارانا اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب مدرس ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

دس آدمی جاہل بیٹھے ہوئے ہوں اور عالم مولوی ان کے پاس آئے تو وہ سلام کریں یا یہ انھیں، پہلے کون کرے؟

الجواب:

آنے والے کو پہلے سلام کرنا چاہئے، اور انکا جاہل ہونا ابتداء السلام کے مانع نہیں جبکہ فاسق نہ ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۶: از دہلی مدرسہ نعمانیہ محلّہ بلی ماراں مرسلہ مولوی عبدالرشید صاحب مہتمم ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین والدین واستاد وعلماء کے ہاتھ پاؤں چومنا زید حرام کہتا ہے۔

جواب: از مولوی عماد الدین صاحب سنبھلی مدرس اول مدرسہ نعمانیہ

بالاتفاق جائز ودرست ہے منصف کے لئے اس قدر کافی ہے معاند منکر کا علاج نہیں۔

قاضی خان، عالمگیری، عینی شرح ہدایہ، درمختار، ردالمحتار، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد، اشعۃ اللمعات سے اس کا جواز بلکہ امر ممدوح ہونا ثابت ہوگیا۔ لہٰذا بدتراز بول زید پر کید کا قول باطل ہوا کہ وہ اپنے گھر سے نئی شریعت گھڑتا ہے الخ

تصدیقات کثیرہ: دہلی واجمیر شریف ولاہور والہ اباد وغیرہا

تحریر کفایت اللہ مدرسہ امینیہ:

کسی بزرگ مثلاً والد یا پیر یا عالم کے ہاتھ پاؤں چومنا فی حد ذاتہ مباح ہے اور اس کی اباحت احادیث وروایات فقہیہ سے ثابت ہے جیسا کہ جوابات مذکورہ بالا میں علماء کرام نے مفصل ومدلل بیان فرمادیا ہے البتہ ذرا یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ بہت سے عوام بحیلہ پابوسی پیروں کو سجدہ کرنے لگتے ہیں اور سجدے کی تاویل میں پابوسی کے جواز کو حیلہ بنالیتے ہیں تو اگر کسی ایسی خاص صورت میں کوئی عالم کسی خاص شخص کو پابوسی سے منع کردے تو درحقیقت وہ ممانعت پابوسی کی نہیں بلکہ سجدے کی ہوگی اور صحیح ہوگی اور عوام سے

اس بارے میں اس قدر غلو کرلینا مستبعد نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم، محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب (تحریر دارالافتاء)

مولٰنا مولوی عمادالدین صاحب سلمہ کا جواب بہت صحیح ہے، والدین کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے۔ اور علماء وصلحاء ورثہ سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلٰوۃ والثناء کی دست بوسی وقدمبوسی سنت مستحبہ ہے۔

کما فصلناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیہ واکثرنا من الاحادیث الناصبۃ بہ والداعیۃ الیہ وفی ماذکر المجیب کفایۃ واللہ ولی الھدایۃ۔	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ بیان کردیا کہ جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا اور اس بارے میں ہم بکثرت ایسی حدیثیں لائے جو اس مسئلہ پر قائم اور باعث تھیں۔ اور جو کچھ فاضل مجیب نے (سوال مذکور کے) جواب میں ذکر فرمایا وہ راہنمائی کے لئے کافی ہے۔ اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے کا مالک اور ذمہ دار ہے۔ (ت)

اور اس میں انکار کی شق وہی نکالتے ہیں جو تعظیم محبوبات ومقبولان خدا سے منکر ہیں قدمبوسی کو سجدہ سے کیا تعلق۔ قدم بوسی سر بر پا نہادن (پاؤں سر پر رکھنا۔ ت) اور سجدہ پیشانی بر زمین نہادن (پیشانی زمین پر رکھنا۔ ت) ہے، مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2]۔ وقال سیدی زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ الظن الخبیث انما ینشؤ من القلب الخبیث[3]۔	(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہو اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے (ت) (سیدی زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا) گمان خبیث خبیث ہی دل میں پیدا ہوتا ہے۔

والعیاذ باللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ عزوجل من بعد وصیۃ یوصی بہا اودین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

[3] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۲۹۰۱ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۲

ہاں اگر کوئی سجدہ کرے تو اسے منع کرنا فرض ہے یہ دوسری بات ہے قدمبوسی کو سجدہ سمجھ کر منع کرنا وہی گمان خبیث ہے اور براہ تواضع اگر دست بوسی کو بھی منع کرے تو وہ اس سے منع نہیں بلکہ اپنے آپ کو اس قابل نہ سمجھنا ہے،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اعمال کا دارومدار انسانی ارادوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۷: از بذلہ بارٹہ ڈاکخانہ خاص تحصیل وضلع ہوشیار پور محمد عطاء الٰہی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ عمر نے اپنے شیخ طریقت کا دست بوسی وپابوسی سے استقبال کیا۔ زید نے جو کہ اپنے آپ کو ایک عالم شخص تصور کرتا ہے فی البدیہہ کہا کہ عمر اس فعل کے ارتکاب سے مشرک ہوگیا اور اس کا نکاح بھی باطل ہوگیا شریعت غرا کا اس مسئلہ میں کیا فیصلہ ہے۔ اگر زید کا عمر کو مشرک کہنا جائز نہیں تو زید کس عتاب کا مرتکب ہے؟

الجواب:

علمائے دین ومشائخ صالحین کی دست بوسی وقدمبوسی سنت ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) زید نے کہ اس بناء پر بلاوجہ مسلمان کو کافر اور اس کے نکاح کو ساقط بتایا وہ بحکم احادیث فقہ خود اس حکم کا قابل ہے از سر نو کلمہ اسلام پڑھے اور اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرے بشرطیکہ وہابی نہ ہوا اور جو وہابی ہے وہ خود مرتد ہے نہ وہ توبہ کرے نہ اس کی توبہ ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ثم لا یعودون [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حضور اکرم صلی تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے پھر وہ دین کی طرف نہ لوٹیں گے۔اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

[1] الصحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] المستدرك للحاکم کتاب قتال اھل البغی باب صفات الخوارج الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۴۷

مسئلہ ۱۹۸: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوڑاہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سید کے لڑکے سے جب شاگرد ہو یا ملازم ہو دینی یا دنیاوی خدمت لینا اور اس کو مارنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ذلیل خدمت اس سے لینا جائز نہیں۔ نہ ایسی خدمت پر اسے ملازم رکھنا جائز۔ اور جس خدمت میں ذلت نہیں اس پر ملازم رکھ سکتا ہے۔ بحال شاگرد بھی جہاں تک عرف اور معروف ہو شرعاً جائز ہے لے سکتا ہے اور اسے مارنے سے مطلق احتراز کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوڑاہ

کوئی لڑکا ایسا ہے کہ ماں اس کی شیخ ہے اور باپ سید اور وہ لڑکا خدمت کرنے کے لئے اپنے کو چھپا کے شیخ کہتا ہے کہ استاد یا آقا کی خدمت کریں اور اُش کھائیں ہر چند منع کیا جاتا ہے لیکن وہ نہیں مانتا ایسی حالت میں کیا کیا جائے اس سے خدمت لی جائے اور اس کو جھوٹا دیا جائے یا نہیں؟

الجواب:

جب معلوم ہے کہ وہ سید کا بیٹا ہے اگرچہ ماں شیخ یا کوئی قوم ہے تو اس کا جواب مسئلہ ماقبل میں گزرا اس کا انکار کچھ معتبر نہیں۔ باقی رہا مسلمان کا جھوٹا وہ کھانا کوئی ذلت نہیں۔ حدیث میں اسے شفا فرمایا وہ مانگے تو اسے اسی نیت سے دیا جائے نہ کہ بہ نیت اوش۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۰: از شہر بالجتی کنواں ۲۵ محرم ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین جو شخص السلام علیکم کے جواب میں سلامت یا سلاملیکم یا سلامالکم یا ولیکم کہے اور اس کو السلام علیکم وعلیکم السلام بتایا جائے لیکن وہ غلط کو صحیح جانے یا صحیح کی صحت میں سعی نہ کرے تو اس کو السلام علیک کرنا یا جواب دینا چاہئے یا نہ چاہئے؟

الجواب:

سنی مسلمان غیر فاسق معلن کو ابتداء سلام کرے، وہ اگر جواب خلاف سنت دے سمجھائے، ورنہ اس پر الزام نہیں۔ نہ اس کے سبب سنت سلام ترک کی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۱: مولوی عبداللہ صاحب بہادری مدرس مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وجو، وظیفہ، تلاوت قرآن مجید میں کوئی شخص سلام علیک کرے اس کا جواب دے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وضو میں جواب دے۔ اور وظیفہ وتلاوت میں جواب نہ دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ کہ اس حال میں اس پر سلام مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

داڑھی وحلق وقصر وختنہ وحجامت

داڑھی، مونچھ، سر وغیرہ کے بالوں، ختنہ اور ناخن وغیرہ سے متعلق مسائل

مسئلہ ۲۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ داڑھی کترانا اور منڈانا اور چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ در صورت ثانی مرتکب کا یہ عذر کہ اگر داڑھی مطابق شرع اور باطن خراب اور برا ہو اس سے بہتر ہے کہ داڑھی خلاف شریعت اور باطن آراستہ ہو صحیح اور دافع الزام ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کے ساتھ داڑھی چھوڑنے اور نیچی رکھنے کی تحقیر کرے اور جو ایسا کرتے ہوں ان سے باستہزا پیش آئے اور انھیں تشبیہات وتمثیلات شنیعہ سے یاد کرے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

داڑھی حد مقرر شرع سے کم نہ کرانا واجب اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت دائمی اور اہل اسلام کے شعائر سے ہے اور اس کا خلاف ممنوع وحرام اور کفار کا شعار۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ	یعنی دس چیزیں سنت قدیم انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہیں ان سے مونچھیں کم کرانا اور داڑھی

الحدیث، رواہ مسلم [1]۔	حد شرع تک چھوڑ دینا (اس کو مسلم نے روایت کیا۔ت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح میں فرماتے ہیں:

حلق کردن لحیہ حرام ست وروش افرنج وہنود وجوالقیان کہ ایشاں را قلندریہ نیز گویند و گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست وآں کہ آنرا سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک دردین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آں بہ سنت ست چنانکہ نماز عیدرا سنت گفتہ اند [2]۔	داڑھی منڈانا حرام ہے، یہ افرنگیوں، ہندوؤں اور جوالقیوں کا طریقہ ہے جو قلندریہ بھی کہلاتے ہیں۔ اور داڑھی بمقدار ایک مٹھی چھوڑنا واجب ہے اور داڑھی کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ یہ سنت ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ دین میں ایک جاری طریقہ ہے یا یہ وجہ ہے کہ اس کا ثبوت سنت کے ساتھ ہے جیسا کہ نماز عید کو سنت کہتے ہیں۔(ت)

اور حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ارشاد فرماتے ہیں:

خالفوا المشرکین واوفوا اللحی واعفوا الشوارب۔ رواہ الشیخان [3] فی صحیحھما۔	مشرکین سے مخالفت کرو داڑھیاں پوری اور مونچھیں کم کردو (اس کو بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ت)

اور بعض احادیث میں وارد مونچھیں کم کراؤ اور داڑھیاں چھوڑدو اور مجوسی کی سی شکل نہ بناؤ، سنت سنیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ترک اور مشرکین ومجوس کی رسم اختیار کرنا مسلمان کامل کا کام نہیں، علاوہ بریں اس میں تغییر خلقت خدا بطریق ممنوع ہے اور وہ بنص قرآن اثر اضلال شیطان اور بحکم حدیث رسالت پناہی موجب لعنت الٰہی ہے:

قال اللہ عزاسمہ حاکیا عن ابلیس "وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ	اللہ تعالٰی معزز نام والے نے شیطان کی حکایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: میں (یعنی

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

[2] اشعۃ اللمعات کتاب الطہارۃ باب السواک الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۲

[3] صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

" وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ " [1] وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لعن الله الواشمات والمتوشمات والمتنمصات و المتفلجات للحسن المغیرات خلق الله متفق علیه [2]۔	شیطان) لوگوں کو ضرور گمراہ کروں گا اور انھیں امیدوں اور آرزوؤں کے سبز باغ دکھاؤں گا اور (بذریعہ وسوسہ اندازی) حکم دوں گا کہ جانوروں کے کان کاٹ ڈالیں اور انھیں کہوں گا کہ اللہ تعالٰی کی خلقت (یعنی بناوٹ) میں تبدیلی کریں۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی خال گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت کرے، بال اکھاڑنے والی عورتوں پر خوبصورتی کے لئے دانتوں میں (مصنوعی) فاصلہ بنانے والیوں پر اور بناوٹ خداوندی میں ردو بدل کرنے والی عورتوں پر لعنت ہو۔اس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ (ت)

اسی طرح داڑھی غیر جہاد میں چڑھانا ناجائز وممنوع۔ ایسے شخصوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لوگوں کو خبر دے دو کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان سے بیزار ہیں رواہ الترمذی اور پر ظاہر کہ داڑھی کتروانا یا منڈانا چڑھانے سے سخت تر ہے کہ اس میں فقط تغییر صفت سنت ہے اور ان میں تغییر یا اعدام اصل معہذا اگر توبہ نصیب ہو تو یہ سریع الزوال اور ان کا ازالہ نہ ہوگا مگر بعد ایک زمانہ کے جب چڑھانے کی نسبت ایسی وعید شدید وارد اور حضور اس کے مرتکب سے اپنی بیزاری ظاہر فرمائیں تو کترنے اور منڈانے سے کس قدر ناراض وبیزار ہوں گے اور العیاذ باللہ اس حبیب مرتجٰی ورسول مجتبٰی صلی اللہ تعالٰی وسلم کی ناراضی پر دنیا وآخرت میں جو ثمرات بد مرتب ہیں دل مومن ان سے خوب واقف ہے باقی عذر مذکور فی السوال وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں بلکہ قائل کی سفاہت وضلالت پر دال ہے اس میں شک نہیں کہ اصلاح باطن آرائش ظاہر سے اہم تر مگر اس کے ساتھ افساد ظاہر وارتکاب محرمات وممنوعات کی کس نے اجازت دی کیا تعمیل حکم شرع واتباع سنت شارع کہ داڑھی بڑھانے اور نیچی رکھنے میں پائی جاتی ہے آراستگی باطن میں کچھ خلل انداز ہے بلکہ وہ اپنے اس دعوے ہی میں جھوٹا ہے کہ باطن میرا آراستہ ہے اگرچہ داڑھی خلاف شرع ہو کہ اگر فی الواقع باطن اس کا زیور اصلاح سے مزین اور بحکم خدا ورسول منقاد ہوتا تو اتباع سنت چھوڑ کر شعار کفر وشرک وبدعت کی پیروی پسند نہ کرتا اور حکم شرع سن کر سر جھکاتا اپنے فعل شنیع پر مصر نہ ہوتا اور ایسے بیہودہ عذروں کو سپر نہ بناتا استغفر اللہ ایسے اعذار باردہ موجب تحلیل

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۹

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۹، صحیح مسلم کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۵

محرمات نہیں ہوسکتے نہ ان سے وبال میں کچھ کمی ہو بلکہ موجب زیادت نکال ہیں کہ جب ارتکاب ممنوع کے ساتھ ندامت واعتراف بجرم لاحق ہو تو وہ باعث تخفیف عذاب اور عزم مع الترک موجب محوگناہ ہوجاتی ہے اور جب حکم شرع کے سامنے گردن نہ جھکائیں بلکہ باصرار پیش آئیں اور ایسے جھوٹے بہانوں کا دامن پکڑیں تو شامت اس کی ایک سے ہزار ہوجاتی ہے اور اگر داڑھی چھوڑنے یا نیچی رکھنے کی تحقیر اور ان لوگوں سے کہ ایسا کرتے ہیں استہزاء اور انھیں تشبیہات وتمثیلات قبیحہ سے یاد کرے گا تو قطعاً کافر ہے کہ یہ سنن سے ہے اور اس کی سنیت قطعی الثبوت، ایسی سنت کی توہین وتحقیر اور اس کے اتباع پر استہزاء بالاجماع کفر **کما ھو مصرح فی الکتب الفقھیۃ والکلامیۃ** (جیسا کہ فقہ اور علم کلام کی کتابوں میں صراحۃً یہ مذکور ہے۔ت) عورت اس کی نکاح سے نکل جائے گی اور بعد اس کے جو بچے ہوں گے اولاد حرام ہوں گے اہل اسلام کو اس سے معاملہ کفار برتنا لازم۔ بعد مرگ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں اور مقابر مسلمین میں دفن نہ کریں بلکہ جہاں تک ممکن اس جنازہ ناپاک کی تذلیل کریں کہ اس نے ایسے عزت والے پیغمبر افضل المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کو ذلیل سمجھا **العیاذ باللہ، واللہ نسئل حسن الخواتیم والعلم بالحق عند ربی ان ربی خبیر علیم** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ ہم اللہ تعالٰی سے خاتمہ بالخیر کا سوال کرتے ہیں اور حق کا علم میرے پروردگار ہی کے پاس ہے۔ بلاشبہہ میرا پروردگار (ہر چیز سے) پوری طرح خبر دار اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۰۳: مسئولہ محمد حسین شاگرد رشید احمد گنگوہی ۲۵ شوال ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدھ کے دن ناخن کتروانا چاہئے یا نہیں؟ اگر نہ چاہئے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

نہ چاہئے، حدیث میں اس سے نہی آئی کہ معاذاللہ مورث برص ہوتا ہے۔ بعض علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے بدھ کو ناخن کتروائے، کسی نے بربنائے حدیث منع کیا، فرمایا صحیح نہ ہوئی، فوراً برص ہوگئی، شب کو زیارت جمال بے مثال حضور پر نور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہوئے شافی کافی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی، حضور والا صلی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہ سنا تھا کہ ہم نے اس سے نہی فرمائی ہے۔ عرض کی حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی، ارشاد ہوا تمھیں اتنا کافی تھا کہ یہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمھارے کان تک پہنچی، یہ فرما کر حضور **مبرئ الاکمہ والابرص ومحی الموتی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (حضور اندھوں کوڑھیوں

اور مردوں کو صحت وحیات بخشنے والی ہستی پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو۔ت) نے اپنا دست اقدس کہ پناہ دوجہاں ودستگیر بیکساں ہے ان کے بدن پر لگایا فوراً اچھے ہوگئے اور اسی وقت سے توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سن کر ایسی مخالفت نہ کروں گا،

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

قص الاظفار وتقليمها سنة ورد النهى عنه فى يوم الاربعاء وانه يورث البرص و حكى عن بعض العلماء انه فعله فنهى عنه فقال لم يثبت هذا فلحقه البرص من ساعته فراى النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم فى منامه فشكى اليه مااصابه فقال له الم تسمع نهى عنه فقال لم يصح عندى فقال صلى الله تعالٰى عليه وسلم يكفيك انه سمع ثم مسح بيده الشريفة فذهب مابه فتاب عن مخالفة ماسمع[1] اهـ	ناخن کاٹنے سنت ہیں لیکن بدھ کے دن ایسا کرنے سے حدیث میں ممانعت وارد ہوئی کیونکہ اس سے مرض برص (جسم پر سفید داغ پیدا ہوتا ہے۔ بعض اہل علم کی حکایت ہے کہ انھوں نے بدھ کے روز ناخن کٹوائے انھیں اس سے منع کیا گیا لیکن انھوں نے فرمایا یہ حدیث ثابت نہیں، انھیں فوراً مرض برص لاحق ہوگیا پھر انھیں خواب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور انھوں نے آپ سے مرض برص کی شکایت کی آپ نے ان سے فرمایا کیا تم نے بدھ کے روز ناخن کٹوانے کی ممانعت نہیں سنی تھی؟ انھوں نے جواباً عرض کیا کہ ہمارے نزدیک وہ حدیث پایہ صحت کو نہیں پہنچی تھی۔ زاس پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے لئے اتنا ہی کافی ہونا چاہئے تھا کہ حدیث سن لی تھی۔ ازاں بعد آپ نے اپنا دست اقدس ان کے جسم پر پھیرا تو فوراً مرض زائل ہوگیا۔ اس کے بعد عالم موصوف نے اسی وقت سماع کردہ حدیث کی مخالفت سے توبہ کی اھ (ت)

یہ بعض علماء امام علامہ ابن الحاج مکی مالکی قدس سرہ العزیز تھے علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

ورد فى بعض الاثار النهى عن قص	بدھ کے روز ناخن کترنے سے بعض آثار میں نہی

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض فصل واما نظافۃ جسمہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۴۴

الاظفار یوم الاربعاء فانه یورث البرص وعن ابن الحاج صاحب المدخل انه هم بقص اظفارہ یوم الاربعاء فتذکر ذٰلك فترك ثم رای ان قص الاظفار سنة حاضرة ولم یصح عندہ النهی فقصها فلحقه ای اصابه البرص فرای النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی النوم فقال الم تسمع نهی عن ذلك فقال یارسول الله لم یصح عندی ذلك فقال یکفیك ان تسمع ثم مسح صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی بدنه فزال البرص جمیعا قال ابن الحاج رحمه الله تعالٰی فجددت مع الله توبة الی لا اخالف ماسمعت عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ابدا [1]۔والله سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب فقط۔	وارد ہوئی ہے کیونکہ یہ عمل باعث مرض برص ہے ابن الحاج صاحب مدخل سے مروی ہے کہ انھوں نے بدھ کے دن اسی نہی کے پیش نظر ناخن نہ کاٹے پھر خیال آیا کہ ناخن کاٹنے کا عمل توسنت ہے اور نہی والی روایت صحیح نہیں چنانچہ اسی خیال کے ساتھ ناخن کاٹ ڈالے اور انھیں مرض برص لاحق ہوگیا پھر خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ نے فرمایا کیا تم نے ممانعت نہیں سنی تھی؟ انھوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! میرے نزدیک یہ حدیث صحیح نہ تھی۔آپ نے ارشاد فرمایا تمھارے لئے میرے نام کی نسبت سے سننا ہی کافی تھا (یعنی کافی ہونا چاہئے تھا) پھر آپ نے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو مرض برص سے شفا ہوگئی اور مرض مکمل طور پر زائل ہوگیا۔ابن الحاج رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں پھر میں نے اللہ تعالٰی کے حضور نئے سرے سے توبہ کی کہ اب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت اور حوالے سے جو کچھ بھی سنوں گا اس کی مخالفت کبھی نہیں کروں گا۔اللہ تعالٰی پاک وبلند وبالا ہے اور راہ صواب کو خوب جانتا ہے۔فقط۔(ت)

مسئلہ ۲۰۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۱سر کے بال جو تالو پر سے کھلوادئے جاتے ہیں آیا درست ہے ان کا منڈوانا یا نہیں؟

۲دوسرے یہ کہ سر کے بال کتروانا اور ایک انگشت کے قریب رکھنا یاکہ اگلی جانب کے کچھ بڑے اور پیچھے کی جانب سے چھوٹے کرتے ہوں، جو حکم شرع مطہر کا اس بارے میں ہو بیان فرمائیں۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۲۰۲

اللہ تعالٰی اجر دے گا فقط۔

الجواب:

تالو کے بال منڈانا جس طرح یہاں کے لوگوں عادت ہے بشرطیکہ پیشانی کے بال باقی رکھے جائیں جسے پان بنوانا کہتے ہیں جائز ہے مگر اولٰی نہیں۔ہاں متفرق مواضع سے قطعے قطعے منڈوانا جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں بیچ سر منڈوادیا آس پاس کے بال چھوڑ دئے اور کنپٹیوں پر ببریاں رکھیں آس پاس منڈوادئے اور گدی پر ایک قطعہ بالوں کا چھوڑ دہنے بائیں حلق کئے اسے عربی میں قزع کہتے ہیں اور وہ ممنوع ہے بالوں کی نسبت شرع مطہر میں صرف دو۲ طریقے آئے ہیں:

ایک یہ کہ سارے سر پر رکھیں اور مانگ نکالیں۔یہ خاص سنت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہے۔حج وحجامت یعنی پچھنوں کی ضرورت کے سوا حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حلق شعر ثابت نہیں۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دس سال مدینہ میں قیام فرمایا اس مدت میں صرف تین بار یعنی سال حدیبیہ وعمرۃ القضاء وحجۃ الوداع میں حلق فرمایا علی مانقلہ علی القاری فی جمع الوسائل عن بعض شراح المصابیح[1] (جیسا کہ ملاعلی قاری نے مصابیح کے بعض شارحین سے جمع الوسائل میں نقل کیا ہے۔ت)

دوسرے یہ کہ سارا سر منڈائیں یہ حضرت سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عادت تھی وہ جناب بخوف جنابت کہ مبادا نہانے میں کوئی بال پانی بہنے سے باقی نہ رہ جائے حلق فرمایا کرتے ان کے سوا جتنے طریقے ہیں سب خلاف سنت اور یہ نئی نئی تراشیں ایک ایک انگل کے بال رکھنا جب اس سے بڑھیں کتروا دینا یا آگے سے بڑے پیچھے سے کترے ہوئے یا وسط تالو سے پیشانی تک کھلوادینا یا گدی کے بال منڈانا یا پیشانی سے گدی تک سڑک نکالنا یا منڈے سر خواہ بالوں کی حالت میں یعنی چوڑی قلمیں بڑھا کر رخساروں پر جھکانا یا داڑھی میں ملادینا، یہ باتیں مخالف سنت وخلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں جن کی مشابہت سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔ردالمحتار میں ہے:

فی الروضۃ للزندویسی ان السنۃ فی شعر الراس اما الفرق او	امام زندویسی کی روضہ میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ سر کے بال رکھے جائیں اور ان میں مانگ

[1] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۸۲

الحلق وذکر الطحاوی ان الحلق سنۃ و نسب ذٰلک الی العلماء الثلثۃ و فی الذخیرۃ ولا باس ان یحلق وسط راسہ ویرسل شعرہ من غیر ان یفتلہ وان فتلہ فذٰلک مکروہ لانہ یصیر مشبھا ببعض الکفرۃ و المجوس فی دیارنا یرسلون الشعر من غیر فتل ولکن لایحلقون وسط الراس بل یجزون التاصیۃ تاتر خانیہ[1]۔	نکالی جائے یا بال منڈوادئے جائیں اور سر بالکل صاف کرادیا جائے، امام طحطاوی نے بیان فرمایا ہے کہ سر منڈوانا سنت ہے اور یہ بات ائمہ ثلثہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اور ذخیرہ میں یوں مذکور ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ سر کے درمیانی حصہ کو مونڈ ڈالا جائے اور بالوں کو بغیر بٹنے کے کھلا چھوڑ دیا جائے اور اگر انھیں کھلا نہ چھوڑے اور بٹنے والا عمل کرے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ اس طرح کرنے سے بعض کافروں اور آتش پرستوں سے مشابہت ہو جاتی ہے البتہ وہ سر کے درمیانی حصے کو مونڈتے نہیں بلکہ پیشانی والے بالوں کو کاٹ ڈالتے ہیں تاتر خانیہ (ت)

عالمگیری میں ہے:

یکرہ القزع وھو ان یحلق البعض فیترك البعض قطعامقدار ثلثۃ اصابع کذا فی الغرائب[2]۔	"قزع" مکروہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ سر کے بعض بال مونڈ ڈالے جائیں اور بعض بال بمقدار تین انگشت چھوڑ دئے جائیں اسی طرح الغرائب میں مذکور ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں ہے:

منہ ح نھی عن القزع ھو ان یحلق راس الصبی ویترك منہ مواضع متفرقۃ تشبیھا بقزع السحاب ط اجمعوا علی کراھتہ اذا کان فی مواضع متفرقۃ الا ان یکون لمداوۃ لانہ من عادۃ الکفرۃ لقباحتہ صورۃ[3]۔	منہ ح، قزع سے منع کیا گیا ہے اور اس کی صورت یہ ہے بچوں کے سروں کے کچھ بال مونڈ ڈالے جائیں اور کچھ بال بادلوں کی ٹکڑیوں کی مانند چھوڑ دیے جائیں، ائمہ کرام اس کی کراہت پر متفق ہیں جبکہ مختلف جگہوں سے اس طرح کیا جائے البتہ برائے علاج ایسا کرنا مستثنٰی ہے۔ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ یہ کافروں کا معمول ہے اور صورۃً اس کی قباحت کی وجہ سے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[3] مجمع بحار الانوار باب القاف مع الرای مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۴/ ۲۷۱

اشعۃ اللمعات میں زیر حدیث صحیحین:

عن نافع عن ابن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہی عن القزع قیل لنافع ما القزع قال یحلق بعض رأس الصبی ویترك البعض۔	بحوالہ حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام نے سنا کہ آپ نے قزع سے منع فرمایا حضرت نافع سے پوچھا گیا کہ قزع کیا ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا قزع یہ ہے کہ بچہ کے سر کے کچھ بال مونڈ دیئے جائیں اور کچھ رہنے دیئے جائیں۔(ت)

تحریر فرمایا:

گفتہ اند قزع حلق راس است از مواضع متفرقہ آں واگرچہ ظاہر عبارت کہ در تفسیر وے واقع شدہ مطلق است ولیکن شراح ہمہ تصریح کردہ اند بایں قید ودر روایت فقہیہ نیز ہمچنیں آمدہ است[1]۔	کہتے ہیں کہ "قزع" سر کے بالوں کو مختلف مقامات سے مونڈ ڈالنا ہوتا ہے اگرچہ بظاہر وہ عبارت جو تفسیر "قزع" میں واقع ہوئی ہے وہ مطلق ہے لیکن تمام شارحین نے اس قید کا صراحتا ذکر کیا ہے (قید یہ ہے کہ سر کے مختلف حصے مونڈ دیئے جائیں) اور فقہی روایات میں بھی یونہی آیا ہے۔(ت)

شرح شمائل شریف میں ہے:

لم یروتقصیر الشعر منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الامرۃ واحدۃ[2] الخ۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بال کترنے صرف ایک ہی مرتبہ مروی ہیں۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی یکرہ ان یحلق قفاہ الا عند الحجامۃ کذا فی	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے کہ گدی کے بال مونڈنا مکروہ ہے مگر پچھنے لگوانے کی صورت میں جائز ہیں۔ یونہی الینابیع

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۱

[2] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۸۱

الینابیع [1]۔	میں مذکور ہے۔ (ت)

عین العلم میں ہے:

یکرہ الزیادۃ فی العارضین بارسال الصدع المتجاوزۃ عن عظمہا [2] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔	رخساروں پر بالوں کو بڑھانا کنپٹیوں کے بال چھوڑتے ہوئے جوان کی ہڈیوں سے متجاوز ہوں مکروہ ہے اھ ملخصا۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس بڑی شان والے کا علم سب سے زیادہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۵ تا ۲۰۸:

الحمدللہ الذی انبت الشعر علی رؤسنا یزید فی الخلق مایشاء والصلوٰۃ والسلام علی بھجۃ نفوسنا واٰلہ وصحبہ الی یوم الخیراء۔	سب تعریف اس خدائے بزرگ وبرتر کے لئے ہے جس نے ہمارے سروں پر بال اگائے اور وہ جو چاہے خلق میں اضافہ کرتا ہے اور درود وسلام ہو اس محبوب ذات پر جو ہماری جانوں کی رونق ہے اور ان کی اولاد اور ساتھوں پر حسرتوں والے دن یعنی قیامت تک درود وسلام ہو۔ (ت)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ریش ایک مشت سے زیادہ رکھنا سنت ہے یامکروہ؟

(۲) اور فخر عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ریش مبارک اپنی کو کبھی زیادہ ایک مشت سے ترشوایا ہے یانہیں؟

(۳) اور دیگر سوال یہ ہے کہ زید کہتاہے کہ سید الموجودات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ریش مبارک ایک مشت سے زیادہ کبھی نہ ہوئی یعنی پیدائشی آپ کی ایک ہی مشت تھی۔

(۴) اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زیادہ ایک مشت سے تھی یاایک ہی مشت؟ **بینوا توجروا** (بیان کرواور اجر پاؤ۔ ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[2] عین العلم الباب السابع مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۳۵

الجواب:

جواب سوال اول: ریش ایک مشت یعنی چار انگل تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز۔ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست وآنکہ آنرا سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک دین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آن بسنت ست چنانچہ نماز عید راسنت گفتہ اند[1]۔	داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے اور جو اسے سنت قرار دیتے ہیں وہ اس معنی میں ہے کہ یہ دین میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جاری کردہ طریقہ ہے یا اس وجہ سے کہ اس کا ثبوت سنت نبوی سے ہے جیسا کہ نماز عید کو سنت کہا جاتا ہے حالانکہ وہ واجب ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الاخذ منھا وھی دون ذٰلك کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال[2]۔	داڑھی تراشنا یا کترنا کہ وہ مشت کی مقدار سے کم ہوجائے ناجائز ہے جیسا کہ بعض مغربیت زدہ لوگ اور ہیجڑے کرتے ہیں۔(ت)

غرض لحیہ سے کچھ لینا بھی اسی حالت سے مشروط ہے جبکہ طول میں حد شرع تک پہنچ جائے۔

فی الھندیہ من الملتقط لاباس اذا طالت لحیتہ طولا وعرضا لکنہ مقید بما اذا زاد علی القبضۃ[3]۔	فتاوٰی ہندیہ میں بحوالہ "الملتقط" منقول ہے کہ جب داڑھی طول اور عرض میں بڑھ جائے تو ایک مشت مقدار سے زائد کاٹ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(ت)

اور پر ظاہر کہ مقدار ٹھوڑی کے نیچے سے لی جائے گی یعنی چھوٹے ہوئے بال اس قدر ہوں وہ جو بعض بیباک جہال لب زیریں کے نیچے سے ہاتھ رکھ کر چار انگل ناپتے ہیں کہ ٹھوڑی سے نیچے ایک ہی انگل رہے یہ محض جہالت اور شرع مطہر میں بیباکی ہے غرض اس قدر میں تو علمائے سنت کا اتفاق ہے۔ اس سے زائد اگر طول فاحش حد اعتدال سے خارج بے موقع بدنما ہو تو بلاشبہہ خلاف سنت مکروہ کہ

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب السواك مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۲

[2] فتح القدیر باب الصیام باب مایوجب القضاۃ والکفارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۷۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

صورت بد نما بنانا اپنے منہ پر دروازہ طعن مسخریہ کھولنا مسلمانوں کو استہزاء وغیبت کی آفت میں ڈالنا ہرگز مرضی شرع مطہر نہیں، نہ معاذاللہ زنہار کہ ریش اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیاذا باللہ کبھی حد بد نمائی تک پہنچی سنت ہونا اس کا معقول نہیں۔

وان ذهب بعض العلماء من غير اصحابنا الى اعفاء اللحى جملة واحدة وكراهة اخذ شيئ منها مطلقًا وهو الذى اختاره الامام الاجل النووى والعجب من ابن ملك حيث تابعه على ذٰلك مستدركا به على قول نفسه ان الاخذ من اطراف اللحية طولها وعرضها للتناسب حسن كما نقل عنه المولى على القارى فى كتاب الطهارة من المرقاة [1] والعجب انه ايضا سكت عليه ههنا مع انه خلاف ما عليه ائمتنا الكرام كما ترٰى۔	اگرچہ ہمارے اصحاب علم کے سوا کچھ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ داڑھی کو یک لخت مجموعی طور پر بڑھنے دیا جائے اور محدود نہ کیا جائے وہ داڑھی کو تراشنے کے حق میں مطلقًا نہیں اور وہ تراشنے کو مکروہ خیال کرتے ہیں جلیل القدر امام نووی نے اسی چیز کو پسند کیا ہے لیکن ابن ملک پر تعجب ہے کہ اس نے اس مسئلہ میں امام نووی کی متابعت کرتے ہوئے اپنے قول پر استدراک کیا کہ داڑھی کی اطراف طول وعرض سے تناسب قائم رکھنے کے لئے کچھ تراش خراش کرنا مستحسن یعنی اچھا ہے جیسا کہ اس سے محدث ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی بحث طہارت میں نقل کیا ہے اور ان پر بھی تعجب ہے کہ وہ یہاں خاموش رہے حالانکہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر ہمارے ائمہ کرام قائم ہیں جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ (ت)

ولہٰذا حدیث میں آیا حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من سعادة المرء خفة لحيته [2]۔ اخرجه الطبرانى فى الكبير وابن عدى فى الكامل عن ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما۔	آدمی کی سعادت سے ہے داڑھی کا ہلکا ہونا یعنی یہ کہ بیحد دراز نہ ہو۔ (امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے تخریج فرمائی۔ ت)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطہارۃ باب السواک الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۹۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۸۲۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۲۱۱، الکامل لابن عدی ترجمہ یوسف بن فرق بن لمازۃ قاضی الاھواز دارالفکر بیروت ۷/ ۲۶۲۴، ۲۶۲۵

علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

المراد من ذٰلك عدم طولها جدا لما ورد فی ذمه [1]۔	یقیناً اس سے مراد غیر طویل ہے کیونکہ اس کی مذمت میں حدیث وارد ہوئی ہے۔(ت)

امام حجۃ الاسلام غزالی احیاء العلوم پھر مولانا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

قد اختلفوا فیما طال من اللحیة فقیل ان قبض الرجل علی لحیته واخذ ماتحت القبضة فلا باس به و قد فعله ابن عمر و جماعة من التابعین واستحسنه الشعبی و ابن سیرین وکرهه الحسن وقتادة ومن تبعهما وقالوا ترکها عافیة احب لقوله علیه الصلوٰة و السلام اعفوا اللحی لکن الظاهر هوالقول الاول فان الطول المفرط یشوه الخلقة ویطلق السنة المغتابین بالنسبة الیه فلا باس للاحتراز عنه علی ہذه النیة، قال النخعی عجبت لرجل عاقل طویل اللحیة کیف لایاخذ من لحیته فیجعلها بین لحیتین ای طویل و قصیر فان التوسط من کل شیئ احسن ومنه قیل خیر الامور اوسطها ومن ثم قیل کلما طالت اللحیة نقص العقل [2]۔	بے شک داڑھی کے دراز حصہ میں (یعنی اس کی درازی کے بارے میں) اہل علم نے اختلاف کیا ہے پس یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی مشت بھر داڑھی کو پکڑ کر مشت سے زائد بالوں کو کاٹ ڈالے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور حضرات تابعین کے ایک گروہ نے اس طرح کیا تھا اور امام شعبی اور محمد بن سیرین نے اس کو اچھا سمجھا البتہ حضرت حسن بصری اور امام قتادہ اور ان کے ہمنوا لوگوں نے اس کو مکروہ کہا اور انھوں نے فرمایا کہ اسے بڑھتے ہوئے چھوڑ دینا زیادہ مناسب اور پسندیدہ بات ہے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ داڑھیاں بڑھاؤ، لیکن ظاہر وہی پہلی بات ہے کیونکہ فحش درازی صورت کو بدنما بنادے گی اور اس کی نسبت (لوگوں کی) زبانیں دراز ہوجائیں گی پھر اس نیت سے اس سے بچنے میں کوئی حرج نہیں پھر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اگر کوئی عقلمند آدمی لمبی داڑھی والا ہو یعنی اس کی داڑھی زیادہ لمبی ہونے لگے تو وہ کیونکر داڑھی نہ تراشے گا، پھر وہ لمبی اور چھوٹی دو قسم کی داڑھیوں کے

[1] نسیم الریاض الباب لثانی فصل الثالث ادارۃ تالیف اشرفیہ ملتان ۱/ ۳۳۱

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب الترجل الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۲۳

	درمیان کردے گا اس لئے کہ ہر چیز میں میانہ روی اچھی ہوتی ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ بہترین کام درمیانہ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے یہ بھی کہا گیا کہ جب بھی داڑھی لمبی ہو تو عقل کم ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشتھر ان طول اللحیۃ دلیل علی خفۃ العقل[1]۔	مشہور ہے کہ لمبی داڑھی بے وقوف ہونے کی علامت ہے۔(ت)

اور اگر حد سے زائد نہ ہو تو بعض ائمہ سلف رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ریش مبارک کما نص علیہ الامام ابن حجر فی الاصابۃ وکذالك نقل الفاضل ابن عبداللہ الشافعی نزیل المدینۃ الطیبۃ فی کتابہ الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء عن الامام البغوی (جیسا کہ امام ابن حجر نے "اصابہ" میں تصریح فرمائی ہے اور اسی طرح امام بغوی کے حوالے سے فاضل بن عبداللہ شافعی جو مدینہ طیبہ کے باسی ہیں، نے اپنی کتاب "الاکتفاء" فی فضل الاربعۃ الخلفاء" میں نقل کیا ہے۔ت) امام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی قدس سرہ الشریف فرماتے ہیں:

کان شیخنا شیخ الاسلام محی الدین ابو محمد عبد القادر الجیلی نحیف البدن ربع القامۃ عریض الصدر عریض اللحیۃ طویلھا الخ۔ اخرجہ الامام الثقۃ الفقیہ امام القراء سیدی ابوالحسن نور الدین علی الشطنوفی قدس سرہ فی بھجۃ الاسرار[2]۔	ہمارے مرشد حضور شیخ الاسلام محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بدن مبارک دبلا تھا اور قامت شریف میانہ، سینہ مقدس چوڑا، ریش منور پہن ودراز الخ۔ (مستند امام، علم فقہ کے ماہر، قاریوں کے پیشوا سیدی ابوالحسن نورالدین علی شطنوفی قدس سرہ نے بہجۃ الاسرار میں اس کی تخریج فرمائی ہے۔(ت)

شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

عادت سلف دریں باب مختلف بود آوردہ اند کہ لحیہ امیر المومنین علی پر می کرد سینہ اُورا	اسلاف کی عادت اس بارے میں مختلف تھی چنانچہ منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

[2] بھجۃ الاسرار نسبہ وصفتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مصطفی البابی مصر ص۹۰

وہمچنیں عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین و نوشتہ اند کان الشیخ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ طویل اللحیۃ وعریضھا[1]۔	کی داڑھی ان کے سینے کو بھر دیتی تھی اس طرح حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مبارک داڑھیاں تھیں، اور لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمبی داڑھی اور چوڑی داڑھی والے تھے۔(ت)

شاید انھیں آثار کی بناپر شیخ محقق نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

مشہور قدر یک مشت ست چنانکہ کمتر ازیں نباید واگر زیادہ براں بگزارد نیز جائز ست بشرطیکہ از حد اعتدال نگزرد[2]۔	مشہور مقدار ایک مشت ہے پس اس مقدار سے کم نہیں ہونی چاہئے اور اگر اس سے زیادہ چھوڑ دے تو بھی جائز ہے بشرطیکہ اعتدال برتا جائے۔(ت)

اور مدارج میں ایک قول یہ نقل فرمایا کہ علماء ومشائخ کو ایک مشت سے زیادہ رکھنا بھی درست ہے،

حیث قال مشہور در مذہب حنفی چہار انگشت وظاہر آنست کہ مراد آں باشد کہ کم ازیں نمی باید ولیکن در روایت آمدہ است کہ واجب ست قطع زیادہ برآں وگفتہ اند کہ اگر علماء ومشائخ زیادہ براں بگزارند نیز درست ست[3]۔	جیسا کہ فرمایا مذہب حنفی میں مشہور یہ ہے کہ مقدار داڑھی چار انگشت ہو اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے کم نہیں ہونی چاہئے لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس سے زائد کو قطع کرنا واجب ہے اور فرماتے ہیں اگر علماء اور مشائخ اس سے زائد رکھیں تو بھی جائز ہے۔(ت)

مگر سیدنا عبداللہ بن عمر وابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی ریش مبارک مٹھی میں لے کر جس قدر زیادہ ہوتی کم فرما دیتے۔ بلکہ یہ کم فرمانا خود حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے ماثور امام محمد کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

اخبرنا ابو حنیفہ عن الھیثم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ	ہم سے امام ابوحنیفہ نے ارشاد فرمایا ان سے ابوالہیثم نے ان سے حضرت عبداللہ ابن عمر

[1] مدارج النبوت باب اول بیان لحیۃ شریف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

[2] اشعۃ اللمعات کتاب الطہارۃ باب السواک فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۲

[3] مدارج النبوۃ باب اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

عنهما انه کان یقبض علی لحیته ثم یقص ماتحت القبضه[1]۔	رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہ حضرت عبداللہ اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑ کر زائد حصہ کو کتر ڈالتے تھے۔(ت)

ابوداؤد ونسائی مروان بن سالم سے راوی:

رأیت ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما یقبض علی لحیته فیقطع مازاد علی الکف[2]۔	میں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا کہ اپنی داڑھی مٹھی میں لے کر زائد بالوں کو کاٹ ڈالا کرتے تھے۔(ت)

مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں ہے:

کان ابوهریرہ رضی الله تعالٰی عنه یقبض علی لحیته ثم یأخذ مافضل عن القبضه[3]۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں پکڑ کر مٹھی سے زائد حصہ کو کتر ڈالتے تھے۔(ت)

فتح القدیر میں ان آثار کو نقل کرکے فرمایا:

انه روی عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم[4]۔	باوجود اس کے کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راویت کی گئی۔(ت)

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اسی کو اختیار فرمایا اور عامہ کتب مذہب میں تصریح فرمائی کہ داڑھی میں سنت یہی ہے کہ جب ایک مشت سے زائد ہو کم کردی جائے بلکہ بعض اکابر نے اسے واجب فرمایا اگرچہ ظاہر یہی ہے کہ یہاں وجوب سے مراد ثبوت ہے نہ کہ وجوب مصطلح، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی بعد روایت حدیث مذکور فرماتے ہیں:

به ناخذ وهو قول ابی حنیفة[5]۔	ہم اسی کو لیتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔(ت)

---

[1] کتاب الآثار باب خف الشعر من الوجه روایة ۹۰۰ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۹۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصوم باب القول عند الافطار آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۲۱

[3] المصنف ابن ابی شیبه کتاب الحظر والاباحة باب ماقالوا من الاخذ من اللحیة ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۳۷۴

[4] فتح القدیر کتاب الصوم باب مایوجب القضاء والکفارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۷۰

[5] کتاب الآثار باب خف الشعر من الوجه روایة ۹۰۰ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۹۸

نہایہ سے منقول:

بہ اخذ ابوحنیفۃ وابویوسف ومحمد[1] کذا ذکرا بوالیسر فی جامعہ الصغیر۔	اسی کو حضرت امام ابوحنیفہ، قاضی ابویوسف، اور امام محمد نے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح ابوالیسر نے اس کو جامع صغیر میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

مرقاۃ باب الترجل میں ہے:

مقدار قبضہ علی ماھو السنۃ والاعتدال المتعارف[2]۔	مقدار مشت ہی سنت ہے اور مشہور مبنی بر میانہ روی ہے اور یہی راہ اعتدال ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

صرح فی النھایۃ بوجوب قطع مازاد علی القبضۃ بالضم ومقتضاہ الاثم بترکہ الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت[3]	نہایہ میں تصریح کی گئی ہے کہ داڑھی کے جو بال مقدار مشت سے زیادہ ہوں انھیں کتر ڈالنا واجب ہے (القُبضہ میں "ق" حرکت پیش کے ساتھ ہے) اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ اس کا ترک یعنی ایسا نہ کرنا گناہ ہے مگر یہ کہ یہاں وجوب سے ثبوت مراد لیا جائے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ صرح فی النھایۃ ومثلہ فی المعراج وقد نقلہ عنھا فی الفتح و اقرہ قال فی النھر وسمعت من بعض اعزاء الموالی ان قول النھایۃ یحب بالحاء المھملۃ ولا باس بہ اھ قال الشیخ اسمٰعیل	مصنف کا قول "صرح فی النھایۃ" اور یونہی معراج الدرایہ میں بھی ہے، اور محقق ابن الہمام نے اسی نہایہ سے نقل کرکے اس کو برقرار رکھا ہے، النہر میں فرمایا میں نے (بعض موالی کی نسبت کرنے سے) سنا ہے کہ النہایۃ کا یحب کہنا صرف حاء بے نقطہ کے ساتھ ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں اھ شیخ اسمٰعیل نے

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصوم باب مایوجب القضاء الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۶۹

[2] مرقات المفاتیح کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۱۱

[3] درمختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲

ولکنه خلاف الظاهر واستعمالهم فی مثله یستحب قوله الا ان یحمل یؤیدہ ان ما استدل صاحب النهایة لایدل علی الوجوب لما صرح به فی البحر وغیرہ ان کان یفعل لایقتضی التکرار والدوام ولذا حذف الزیلعی لفظ یجب وقال ومازاد یقص۔وفی شرح الشیخ اسمعیل لا باس بان یقبض علی لحیته فاذا زاد علی قبضه شیئ جزہ کما فی المنیة وھی سنة کما فی المبتغی [1]۔	فرمایا لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ لوگ اس قسم پر لفظ یستحب استعمال کرتے ہیں مصنف کے قول "الاان یحمل" سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ صاحب نہایہ نے جو استدلال کیا ہے وہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا، چنانچہ البحرالرائق وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اگر وہ ایسا کرتے تھے تو یہ تکرار اور دوام نہیں چاہتا اس لئے علامہ زیلعی نے اس کلمہ یجب کو حذف کردیا اور فرمایا جو کوئی مشت سے زیادہ ہو اسے کتروائے اور شیخ اسمٰعیل کی شرح میں ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ آدمی اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑے اور جو بال مٹھی سے زائد ہوں انھیں کتر دے۔ جیسا کہ المنیہ میں ہے اور یہ سنت ہے جیسا کہ المبتغٰی میں ہے۔(ت)

مرقاۃ میں قول نہایہ نقل کرکے فرمایا:

قوله یجب بمعنٰی ینبغی اوالمراد به انه سنة مؤکدة قریبة الی الوجوب والا فلا یصح علی اطلاقه [2]۔	صاحب نہایہ کا یجب کہنا ینبغی کے معنی میں ہے یعنی مناسب ہے یا اس سے ایسی سنت مؤکدہ مراد ہے جو وجوب کے قریب ہے ورنہ یہ علی الاطلاق صحیح نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو ان یقبض الرجل لحیته فمازاد منها علی قبضة قطعه کذا ذکر محمد فی کتاب الآثار عن	مرد اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں لے کر زائد حصہ کو کاٹ دے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الآثار میں امام صاحب کے حوالہ سے یہی ذکر فرمایا ہے

[1] ردالمحتار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۱۳

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب الترجیل المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۲۳

الامام قال وبہ ناخذ محیط اھط [1]۔	اور مزید فرمایا ہم اسی مؤقف کے قائل ہیں محیط اھ ط (ت)

ہندیہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

القص سنۃ فیھا وھو ان یقبض الی آخر مامر [2]۔	داڑھی کے زائد حصہ کو کتر دینا سنت ہے اور وہ یہ ہے کہ بقدر ایک مشت داڑھی چھوڑ کر باقی زائد کو کتر ڈالے (ت)

اختیار شرح مختار سے منقول ہے۔

التقصیر فیھا سنۃ وھو ان یقبض [3] الخ۔	ایک مٹھی بھر داڑھی سے زائد بالوں کا کتر دینا سنت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ داڑھی کو مٹھی بھر میں پکڑ کر زائد حصہ کتر ڈالا جائے الخ (ت)

اسی طرح اور کتب مذہب میں ہے تو ہمارے علماکے نزدیک ایک مشت سے زائد کی سنت ہر گز ثابت نہیں بلکہ وہ زائد کے تراشنے کو سنت فرماتے ہیں۔ تو اس کا زیادہ بڑھانا خلاف سنت مکروہ تنزیہی ہوگا۔ لاجرم مولانا علی قاری نے جمع الوسائل شرح شمائل ترمذی شریف میں فرمایا:

ان کان الطول الزائد بان تکون زیادۃ علی القبضۃ فغیر ممدوح شرعا [4]۔	اگر داڑھی زیادہ لمبی ہو یعنی ایک مشت سے زائد ہو تو ایسا ہونا شریعت میں قابل تعریف اور مستحسن نہیں۔ (ت)

رہا شیخ محقق کا اسے جائز فرمانا وہ کچھ اس کے منافی نہیں کہ خلاف اولٰی بھی ناجائز نہیں، بالجملہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کا حاصل مسلک یہ ہے کہ ایک مشت تک بڑھانا واجب اور اس سے زائد رکھنا خلاف افضل ہے اور اس کا ترشوانا سنت ہاں تھوڑی زیادت جو خط سے خط تک ہو جاتی ہے اس خلاف اولٰی سے بالضرورۃ مستثنٰی ہونا چاہئے ورنہ کس چیز کا تراشنا سنت ہوگا۔ ھذا ما ظھر لی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (یہ تحقیق مجھ پر ظاہر ہوئی۔ اور اللہ تعالٰی پاک بلند و بالا اور بڑا ہے۔ ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحظر والاباحۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

[3] الاختیار لتعلیل المختار کتاب الکراہیۃ فصل فی آداب ینبغی للمؤمن دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۷

[4] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۷

جواب سوال دوم: جامع الترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یاخذ من لحیتہ من عرضہا وطولہا[1]۔	یعنی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے بال عرض وطول سے لیتے تھے۔

علماء فرماتے ہیں یہ اس وقت ہوتا تھا جب ریش اقدس ایک مشت سے تجاوز فرماتی۔ بلکہ بعض نے یہ قید نفس حدیث میں ذکر کی کمانقل عن التنویر والمفاتیح والغرائب (جیسا کہ تنویر، مفاتیح اور غرائب سے نقل کیا گیا ہے۔ت) مرقاۃ شریف میں ہے:

قید الحدیث فی شرح الشرعۃ بقولہ اذا زاد علی قدرا القبضۃ وجعلہ فی التنویر من نفس الحدیث وزاد فی الشرعۃ وکان یفعل ذٰلک فی الخمیس والجمعۃ ولایترکہ مدۃ طویلۃ[2]۔	حدیث میں قید "الشرعۃ" کی شرح میں اس قول سے مذکور ہے جب آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کے بال قدر مشت سے زائد ہوجاتے تو آپ زائد بالوں کو کتروادیتے تھے، اور "تنویر" میں قید مذکور کو نفس حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اور "الشرعۃ" میں اتنا اضافہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بروز جمعہ یا جمعرات کوایسا کرتے تھے اور زیادہ عرصہ نہیں چھوڑتے تھے۔ (ت)

ہمارے علماء کے اقوال گزرے کہ قبضہ سے زیادہ کا تراشنا سنت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ت)

جواب سوال سوم: یہ امر محض بے اصل ہے۔ حدیث مذکور ترمذی اس کا صریح رد ہے کہ اگر قبضہ سے کبھی زائد نہ ہوتی تو عرض وطول سے لینا کیونکر متصور تھا۔ مدارج النبوۃ میں ہے:

در لحیۂ شریف در طول قدرے معین در کتب بنظر نمی آید ودر وظائف النبی گفتہ کہ لحیہ آن حضرت صلی تعالٰی علیہ وسلم	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی کسی معین مقدار پر درازی کا ذکر مشہور کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی نظر سے نہیں گزرا البتہ

[1] جامع الترمذی ابواب الآداب باب ماجاء فی الاخذ من اللحیۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب الترجل الفصل الثانی المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۲۳

چہار انگشت بود طبعا یعنی ہمیں مقدار بود از روئے خلقت و دراز و کم نمی شد بریں یافتہ نمی شود[1]۔	وظائف النبی میں کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ریش مبارک چار انگشت کے بقدر تھی یعنی قدرتی طور پر ہی مٹھی بھر تھی۔ اور گھٹتی بڑھتی نہ تھی پس اس کا حوالہ نہیں پایا گیا۔ (ت)

ہاں ظاہر کلمات مذکورہ علما یہ ہے کہ ریش انور مقدار قبضہ پر رہتی تھی جب زیادہ ہوتی کم فرمادیتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور شفا شریف میں امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کا ارشاد **کث اللحیۃ تملؤ صدرہ**[2] (حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گنجان تھی جو سینہ مبارک پر چھائی ہوتی تھی۔ ت) اس کے منافی نہیں جبکہ صدر سے نحر یعنی اعلائے صدر مراد ہو۔ نسیم الریاض میں زیر قول مذکور متن ہے:

مثلہ قولھم قد ملأت نحرہ ونحر الصدر اعلاہ او موضع القلادۃ منہ فمراد المصنف رحمہ اللہ تعالٰی اعلی الصدر والا لطالت وقد ثبت قصرھا[3] الخ فاحفظہ فانہ مھم واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے ملأت نحرہ یعنی اس سے ان کا نحر بھر جاتا تھا اور سینے کا نحر اس کا بالائی حصہ ہوتا ہے یا سینے کی جگہ ہے لہٰذا مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد سینے کا اوپر والا حصہ ہے ورنہ آپ کی مقدس داڑھی کہ طویل ماننا پڑے گا جو خلاف واقعہ ہے اور اس کا کترنا بھی ثابت ہے الخ، لہٰذا یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے اس لئے کہ یہ ضروری ہے، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

جواب سوال چہارم: ریش مبارک امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی نسبت مدارج سے گزرا: پُرمی کرد سینہ اُورا[4] (ان کے سینے کو بھر دیتی تھی۔ ت) مگر اس میں وہی احتمال قائم کہ سینہ سے مراد سینہ کا بالائی حصہ متصل گلو ہو تو ایک مشت سے زیادت پر دلیل نہ ہوگی۔

[1] مدارج النبوۃ باب اول بیان لحیہ شریف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۴

[2] الشفاء بتعریف المصطفٰی الباب الثانی فصل الثالث المطبعۃ الشرکۃ الصحافۃ ۱/ ۵۰

[3] نسیم الریاض الباب الثانی مبحث شمائلۃ الشریفۃ ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱/ ۳۳۱

[4] مدارج النبوۃ باب اول بیان لحیہ شریف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

ہاں تہذیب الاسماء امام نووی سے اتنا منقول **کانت کثة طویلة**[1] حضرت مولٰی کی ریش مبارک گھنی دراز تھی اس سے ظاہر قبضہ پر دلالت ہے کہ قبضہ تو اصل مقدار لحیہ شرعیہ ہے جس سے کمی جائز نہیں تو اتنی مقدار سے جب تک زائد نہ ہو طویل نہ کہیں گے۔ ولہذا علامہ خفاجی نے ریش اطہر انور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تابسینہ ہونے کے انکار کی یہی وجہ لکھی کہ ایسا ہوتا تو ریش اقدس طویل ہوتی حالانکہ اس کا قصیر ہونا ثابت ہوا ہے اس تقدیر پر ریش مبارک امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں وہ لفظ کہ پرمی کرد سینہ اورا (ان کے سینے کو بھر دیتی تھی۔ت) اپنے معنی ظاہر پر محمول رہنا چاہئے **اقول: وباللہ التوفیق** (میں اللہ کی توفیق سے کے ساتھ کہتاہوں۔ت) حضرات حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا یہ قول شاید بخیال جہاد ہو کہ بسیاری مو چشم عدو میں مورث زیادت ہیبت ہے ولہذا مجاہدین کو لبیں بڑھانے کی اجازت ہوئی حالانکہ اوروں کو بالاتفاق مکروہ۔

كما على ذٰلك حمل ما عن بعض الصحابة الكرام كاميرالمومنين عثمٰن الغنى و سيدنا الامام الحسن المجتبٰى رضى الله تعالٰى عنهما من الاختضاب بالسواد مع صحة الحديث بتحريمه لغير اهل الجهاد۔	جیسا کہ اسی پر محمول کیا گیا جو بعض صحابہ کرام سے ثابت ہوا ہے جیسے امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور سیدنا حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ بالوں کو سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے حالانکہ غیر مجاہدین کے لئے حدیث صحیح سے اس کی حرمت ثابت ہے۔(ت)

بنظر اطلاق ارشاد اقدس **اعفوا اللحٰی**[2] (داڑھیاں بڑھاؤ۔ت) ان کا اجتہاد اس طرف موَدی ہوا **کما ذھب الیہ الحسن البصری وغیرہ** (جیسا کہ حسن بصری وغیرہ اس طرف گئے ہیں۔ت) تو یہ آثار ہمیں اس امر سے عدول پر باعث نہیں ہوسکتے جو ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک سنت ثابت ہو اور حقیقت امر یہ کہ ہم پر اتباع مذہب لازم۔ دلائل میں نظر ائمہ مجتہدین فرماچکے **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم** (اور اللہ تعالٰی پاک وبرتر ہے اور خوب جانتاہے اور اس عظمت وشان والے کا علم کامل اور پختہ ہے۔ت)

---

[1] تھذیب الاسماء واللغات ترجمہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ ۴۲۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۴۸

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

مسئلہ ۲۰۹: از گلگٹ چھاؤنی جو ئنال مرسلہ سید محمد علی صاحب شعبان ۱۳۱۲ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم مکرم وسلامت۔بعد آداب تسلیمات کے گزارش یہ ہے کہ براہ مہربانی اس کا جواب بہت جلد مرحمت فرمائے گا کیونکہ اس جگہ پر خط عرصہ سے پہنچتا ہے بوجہ برف کے جواب کے واسطے عرصہ دو ماہ کا ہونا چاہئے۔بندہ کو اس وقت سوا آپ کے اور کوئی یاد نہیں آیا امیدوار ہوں کہ اکثر یہاں کے لوگ ناواقف ہیں اس سوال کا جواب دیجئے گا۔فقط۔

جو شخص کہ قریب تیس برس کی عمر میں اسلام قبول کرے اس کی سنت کرانا جائز ہے یا ناجائز؟ فقط زیادہ تسلیم۔بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر ختنہ کی طاقت رکھتا ہو تو ضرور کیا جائے۔حدیث میں ہے کہ ایک صاحب خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الق عنك شعر الكفر ثم اختتن۔[1] رواه الامام احمد وابوداؤد عن عثيم بن كليب الحضرمي الجهني عن ابيه عن جده رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	زمانہ کفر کے بال اتار پھر اپنا ختنہ کر (اس کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے عثیم بن کلیب حضرمی جہنی سے اس نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ت)

ہاں اگر خود کر سکتا ہو تو آپ اپنے ہاتھ سے کرلے یا کوئی عورت جو اس کام کو کر سکتی ہو ممکن ہو تو اس سے نکاح کرادیا جائے وہ ختنہ کردے، اس کے بعد چاہے تو اسے چھوڑ دے یا کوئی کنیز شرعی واقف ہو تو وہ خریدی جائے۔اور اگر یہ تینوں صورتیں نہ ہو سکیں تو حجام ختنہ کردے عــــہ کہ ایسی ضرورت کے لئے ستر دیکھنا دکھانا منع نہیں۔درمختار میں ہے:

ينظر الطبيب الى موضع مرضها	بوقت ضرورت بقدر ضرورت طبیب جائے مرض

عــــہ: فتاوٰی افریقہ بھی یہ مسئلہ دیکھیں۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب الرجل یسلم فیؤمر بالغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۵۲، مسند احمد بن حنبل حدیث ابی کلیب رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۱۵

بقدر الضرورة اذ الضرورات تتقدر بقدرها وکذا نظر قابلۃ وختان [1]۔	(خواہ وہ جائے پردہ ہو) کو دیکھ سکتا ہے۔اور قدر ضرورت محض اندازے سے ہوگی۔اسی طرح دایہ اور ختنہ کرنے والے کا معاملہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ و ختان کذا جزم بہ فی الھدایۃ والخانیۃ وغیرھما لان الختان سنۃ للرجال من جملۃ الفطرۃ لایمکن ترکھا [2] اھ ملخصًا۔	مصنف کا ارشاد ہے وختان اسی طرح ہدایہ اور خانیہ اور دیگر کتب میں اس پر یقین ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ مردوں کے لئے ختنہ سنت ہے اور ان فطری کاموں میں سے ہے کہ جس کا چھوڑنا مناسب نہیں اھ ملخصا(ت)

درمختار میں ہے:

وقیل فی ختان الکبیر اذا امکنہ ان یختن نفسہ فعل والا لم یفعل الا ان یمکنہ النکاح او شراء الجاریۃ و الظاھر فی الکبیر انہ یختن [3]۔	بڑی عمر کے آدمی کے ختنے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ خود اپنا ختنہ کرسکے تو خود کرے ورنہ کیا ہی نہ جائے،ہاں اگر اس کے لئے نکاح کرنا یا لونڈی خریدنا ممکن ہو تو ان سے ختنہ کرائے اور ظاہر یہ ہے کہ بالغ آدمی کا بھی ختنہ کیا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الختان مطلق یشمل ختان الکبیر و الصغیر ھکذا اطلقہ فی النھایۃ کما قدمناہ واقرہ الشراح والظاھر ترجیحہ ولذا عبرھنا عن التفصیل بقیل [4]۔	ختنہ کرنا مطلق بلاقید ذکر کیا ہے لہٰذا یہ بڑے اور چھوٹے دونوں کو شامل جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور شارحین نے اس کو برقرار رکھا ہے لہٰذا بظاہر یہی راجح ہے اس لئے یہاں لفظ قیل سے تفصیل کی تعبیر فرمائی گئی۔(ت)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب النظر والمس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب النظر والمس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۷

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

ہندیہ میں ہے:

ذکر الکرخی فی الجامع الصغیر ویختنہ الحمامی کذا فی الفتاوٰی العتابیۃ [1]۔	امام کرخی نے جامع صغیر میں فرمایا کہ بالغ آدمی کا ختنہ حمام والا کرے۔ یونہی فتاوٰی عتابیہ میں مذکور ہے۔ (ت)

خلاصہ میں ہے:

الشیخ الضعیف اذا اسلم ولایطیق الختن ان قال اهل البصر لایطیق یترک [2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بہت بوڑھا شخص اگر اسلام قبول کرے اور بوجہ ضعف وکمزوری ختنہ نہ کرسکے یا نہ کراسکے تو چند اہل بصیرت حضرات سے رائے لی جائے اگر وہ کہیں کہ واقعی یہ شخص ختنہ کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے بلاختنہ ہی رہنے دیا جائے اور اس کا ختنہ نہ کیا جائے الخ۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۰ تا ۲۱۲: از گوالیار محکمہ ڈاک مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۳ ذی القعدہ ۱۳۱۲ھ

مخدوم متاع ونیاز مندانہ، آداب نیاز کے بعد عرض پرداز مسائل ذیل کے جواب عنایت فرمائے جائیں:

(۱) داڑھی کا ارسال تابہ یکمشت تو معلوم ہے مگر اس کے حدود کہاں تک ہیں یعنی چہرہ پر کل بال خواہ آنکھوں تک کیوں نہ ہوں داخل ریش ہیں یا کہاں تک اور خط بنوانے میں کہاں تک احتیاط مناسب ہے؟

(۲) نیچے کے ہونٹ کے نیچے جو وسط میں ذرا سے بال چھوڑ کر ادھر ادھر منڈاتے ہیں جیسے اس شکل میں اس کا منڈانا درست ہے یا کچھ نہ منڈائے خواہ لب زیریں کے نیچے سب بال ہی بال ہوں اور سوا منہ کے کوئی جگہ نہ بچی ہو۔

(۳) بال سر کے چھوڑنا تابگوش خواہ دوش تک یا سارے سر کے حجامت کرانا تو معلوم ہے لیکن چھوٹے چھوٹے بال بقدر تین چار حجامتوں کے رکھنا جیسا کہ آج کل شائع ہے اور پھر گردن پر سے ان کی درستی گردن کی صفائی یہ کہاں تک جائز ہے؟ زیادہ نیاز۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۴۰

الجواب:

جواب سوال اول: داڑھی قلموں کے نیچے سے کنپٹیوں، جبڑوں، ٹھوڑی پر جمتی ہے اور عرضا اس کا بالائی حصہ کانوں اور گالوں کے بیچ میں ہوتا ہے جس طرح بعض لوگوں کے کانوں پر رونگٹے ہوتے ہیں وہ داڑھی سے خارج ہیں، یوں ہی گالوں پر جو خفیف بال کسی کے کم کسی کے آنکھوں تک نکلتے ہیں وہ بھی داڑھی میں داخل نہیں یہ بال قدرتی طور پر موئے ریش سے جدا ممتاز ہوتے ہیں اس کا مسلسل راستہ جو قلموں کے نیچے سے ایک مخروطی شکل پر جانب ذقن جاتا ہے یہ بال اس راہ سے جدا ہوتے ہیں نہ ان میں موئے محاسن کے مثل قوت نامیہ ان کے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بسا اوقات ان کی پرورش باعث تشویہ خلق و تقبیح صورت ہوتی ہے جو شرعا ہرگز پسندیدہ نہیں، غرائب میں ہے:

کان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما یقول للحلاق بلغ العظمین فانهما منتهی اللحیة یعنی حدها ولذٰلك سمیت لحیة لان حدها اللحی[1]۔	حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حجام سے فرمایا کرتے تھے کہ دو ہڈیوں تک پہنچ جا، کیونکہ وہ دونوں داڑھی کی حدود یعنی آخری حصہ ہیں اسی لئے داڑھی کو "لحیہ" کہا گیا ہے کیونکہ اس کی حدود جبڑے (اللحی) تک ہیں۔ت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب تقلیم الاظفار میں تعریف علامہ ابن حجر ھی اسم لمانبت علی الخدین والذقن (داڑھی دراصل ان بالوں کا نام ہے جو دو رخساروں اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔ت) کو موہوم پاکر اس پر اعتراض فرمایا:

قلت علی الخدین لیس بشیئ ولو قال علی العارضین لکان صوابا اھ[2]۔	یعنی میں ابن حجر کہتا ہوں، کہ علی الخدین (دونوں رخساروں پر) کہنا ٹھیک نہیں البتہ علی العارضین (دونوں گالوں پر) کہتے تو ٹھیک ہوتا اھ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لاباس باخذ الحاجبین وشعر وجهه	دو ابروؤں اور چہرے کے بالوں کو کاٹنے میں

---

[1] غرائب

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب اللباس باب تقلیم الاظفار محمد امین دمج بیروت ۴۶/۲۲

مالم یتشبه بالمخنث کذا فی الینابیع [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ہجڑوں سے مشابہت پیدا نہ ہو، اسی طرح ینابیع میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جواب سوال دوم: یہ بال بداہۃً سلسلہ ریش میں واقع ہیں کہ اس سے کسی طرح امتیاز نہیں رکھتے تو انھیں داڑھی سے جدا ٹھہرانے کی کوئی وجہ وجیہ نہیں۔ وسط میں جو بال ذرا سے چھوڑے جاتے ہیں جنھیں عربی میں عنفقۃ اور ہندی میں بچی کہتے ہیں۔ داخل ریش ہیں کما نص علیه الامام العینی وعنه نقل فی السیرۃ الشامیۃ (جیسا کہ امام بدرالدین عینی نے اس کی تصریح فرمائی اور ان سے سیرت شامیہ میں نقل کیا گیا۔ ت) ولہذا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوا کہ جو کوئی انھیں منڈاتا اس کی گواہی رد فرماتے کما ذکرہ الشیخ المحدث فی مدارج النبوۃ (جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں ذکر فرمایا۔ ت) تو بیچ میں یہ دونوں طرف کے بال جنھیں عربی میں فنیکین ہندی میں کوٹھے کہتے ہیں کیونکر داڑھی سے خارج ہوسکتے ہیں داڑھی کے باب میں حکم احکم حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **اعفوا اللحی واوفروا اللحی** [2] (داڑھیاں بڑھاؤ اور زیادہ کرو۔ ت) ہے تو اس کے کسی جز کا مونڈنا جائز نہیں۔ لاجرم علماء نے تصریح فرمائی کہ کوٹھوں کا نتف یعنی اکھیڑنا بدعت ہے امیر المومنین عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایسے شخص کی گواہی رد فرمائی۔ غرائب میں ہے:

نتف الفنیکین بدعة وهو جنبا العنفقة وهی شعر الشفة السفلی [3] وشهد رجل عند عمر بن عبدالعزیز وکان ینتف فنیکیه فرد شهادته [4] اھ وعنها نقل فی الهندیة الی	دونوں کوٹھوں کو اکھاڑنا بدعت ہے اور وہ عنفقہ (بچی) کے دونوں جانب کے بال ہیں اور عنفقہ لب زیریں کے بال ہیں، ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عدالت میں (کسی معاملے میں) گواہی دی اور وہ شخص دونوں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

[4] غرائب

قوله السفلی وظاهر ان الاثر فی ذٰلك لخصوص النتف ففی معناه الحلق وانما وقع التعبير به نظرا الی ماكانوا تعودوه كما فی قوله صلی الله تعالٰی عليه وسلم لا تنتفوا الشيب[1] وقول الفقهاء يكره نتف الشيب مع كراهة قصه ايضا لشمول العلة وبه تبين ان ماوقع فی المدارج الشريفة من ان فی حلق العنفقة وتركها خلافا والا فضل تركها اما حلق طرفيها فلا باس به اھ معربا[2] محل تأمل حيث افاده بظاهره كراهة التنزيه وبمقابلته بافضلية الترك الاباحة الخالصة مع ان العنفقة وطرفيها جميعا من اجزاء اللحية وهی واجبة الاعفاء فلا ينبغی الاقدام علی ذٰلك مالم يثبت من حديث صحيح اونص من امام المذهب صريح فليتأمل۔

کوٹھوں کے بال اکھاڑنے والا تھا آپ نے اس کی گواہی رد کردی۔ فتاوٰی غرائب سے فتاوٰی عالمگیری میں اس کا قول "السفلی" تک نقل کیا گیا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں اکھاڑنے کی خصوصیت کا کوئی اثر نہیں پس اسی کے معنی میں "حلق" ہے یعنی بال مونڈنا ہے۔ اور بال اکھاڑنے سے تعبیر ان کی عادت کے مطابق واقع ہوئی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: سفید بال نہ اکھاڑا کرو۔ اور فقہائے کرام کا ارشاد سفید بال اکھاڑنے مکروہ ہیں۔ باوجود یہ کہ ان کے کترنے میں بھی کراہت ہے کیونکہ علت دونوں کو شامل ہے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ جو کچھ مدارج شریف میں وارد ہے وہ محل تامل یعنی غور وفکر کے لائق ہے کہ عنفقہ کے بال مونڈنے اور نہ مونڈنے میں اختلاف ہے اور بہتر یہ ہے کہ نہ مونڈے جائیں۔ لیکن دونوں کناروں کے بال مونڈ دینے میں کوئی حرج نہیں (معرب عبارت پوری ہوگئی) کیونکہ شیخ کی عبارت کا بظاہر مفاد کراہت تنزیہی ہے اور اس کا تقابل "ترک افضل" خالص اباحت بتارہا ہے حالانکہ عنفقہ اور داڑھی کی دونوں اطراف اجزائے داڑھی میں شامل ہیں اور ان کا چھوڑنا واجب ہے۔ لہٰذا اس پر جرات اقدام کسی طرح مناسب نہیں جب تک کسی حدیث صحیح سے یا امام مذہب کی طرف سے کسی صریح نص کے ساتھ ثابت نہ ہو، پس اس میں گہری سوچ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی نتف الشیب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۲

[2] مدارج النبوۃ باب اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

ہاں اگر یہاں بال اس قدر طویل وانبوہ ہو کہ کھانا کھانے، پانی پینے، کلی کرنے میں مزاحمت کریں تو ان کا قینچی سے بقدر حاجت کم کر دینا روا ہے۔ خزانۃ الروایات میں تتارخانیہ سے ہے:

یجوز قص الاشعار التی کانت من الفنیکین اذا زحمت فی المضمضۃ او الاکل او الشرب [1]۔	زیریں لب کے دونوں کناروں کے بال کترنے جائز ہیں جبکہ کلی کرنے اور کھانے پینے میں رکاوٹ ہوں۔ (ت)

یہ روایت بھی دلیل واضح ہے کہ بغیر اس مزاحمت کے ان بالوں کا کترنا بھی ممنوع ہے نہ کہ مونڈنا **فان المفاھیم معتبرۃ فی الکتب وکلام العلماء وبالاجماع ھذا ماعندی** (کیونکہ مفہوم مخالف، کتابوں، کلام علماء میں ساتھ اجماع کے معتبر ہے میرے نزدیک تو یہی ہے۔ ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

جواب سوال سوم: یہ نئی نئی تراشیں سب خلاف سنت ہیں۔

فی الھندیۃ عن التتارخانیہ عن الروضۃ ان السنۃ فی شعر الراس اما الفرق واما الحلق [2]۔	فتاوٰی ہندیہ میں تتارخانیہ سے اور تتارخانیہ نے الروضہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے سر کے بالوں کو مونڈ ڈالنا یا بال رکھ کر ان میں مانگ نکالنا دونوں سنت عمل ہیں۔ (ت)

گردن کی صفائی سے اگر قفا یعنی گدی کے بال منڈانا مراد ہے جس طرح آج کل بعض جہال کا معمول، تو یہ صرف پچھنوں کی ضرورت سے جائز ہے۔ بلاضرورت مکروہ۔

فی الھندیہ عن الینابیع عن الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یکرہ ان یحلق قفاہ الا عند الحجامۃ [3]۔	فتاوٰی ہندیہ میں ینابیع کے حوالے سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے حوالے سے روایت ہے کہ گدی کے بال مونڈنا مکروہ ہیں سوائے پچھنے لگوانے کی ضرورت کے۔ (ت)

اور اگر ان رونگٹوں کا صاف کرنا مقصود جو گدی کے نیچے صفحہ گردن پر تھوڑے تھوڑے متفرق

---

[1] خزانۃ الروایات باب فی شعور الانسان قلمی نسخہ ص۵۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

نکلتے ہیں توظاہرا موئے سینہ وپشت کے حکم میں ہونا چاہئے کہ جائز ہے اور ترک بہتر۔

فی الهندية عن القنية فی حلق شعر الصدر والظهر ترك الادب [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	فتاوٰی عالمگیری میں بحوالہ قنیہ مذکور ہے سینہ اور پشت کے بال مونڈنے میں ترک ادب ہے یعنی بہتر نہیں۔اھ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد اگر اپنے زیر ناف کے بال مقراض سے تراشے یا عورت استرہ لے تو جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

حلق وقصر ونتف وتنور یعنی مونڈنا، کترنا، اکھیڑنا، نورہ لگانا سب صورتیں جائز ہیں کہ مقصود اس موضع کا پاک کرنا ہے اور وہ سب طریقوں میں حاصل۔

فی صحیح مسلم ابن الحجاج رضی اللہ تعالٰی عنه عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال قال الفطرة خمس اوخمس من الفطرة الختان و الا ستحداد وتقلیم الاظفار ونتف الابط وقص الشارب [2] قال الشارح النووی واما الاستحداد فهو حلق العانة وهو سنة والمراد به نظافة ذٰلك الموضع [3] انتهی ملخصًا وبمثله قال الغزالی فی احیائه وغیره فی غیره۔	صحیح مسلم بن الحجاج میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا امور فطرت پانچ ہیں۔یا یوں فرمایا پانچ کام فطرت میں سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا (۲) زیر ناف کے بال مونڈنا (۳) ناخن کاٹنا (۴) بغلوں کے بال اکھیڑنا اور (۵) مونچھیں کترنا، شارح صحیح مسلم امام نووی نے فرمایا رہا استحداد تو وہ مقام ستر کے بال مونڈنے ہیں اور وہ عمل سنت ہے اور اس عمل سے اس جگہ کی طہارت مقصود ہے (تلخیص پوری ہوگئی) امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی نے احیاء علوم الدین میں اور دوسروں نے دوسری کتابوں میں اس طرح صراحت فرمائی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

[2] صحیح مسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

[3] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الطهارة باب خصال الفطرة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

مگر حلق مرد میں بہ نسبت قصر ونتف وتنور کے افضل ہے کہ احادیث خصال وعامہ کتب فقہ میں اس خصلت کا ذکر بلفظ حلق واستحداد وغیرہ۔

قال النووی والافضل فیه الحلق ویجوز بالقص والنتف والنورة[1] وفی الفتاوٰی الهندیة الافضل ان یقلم اظفارہ ویحلق عانته[2] انتهی مختصر۔	امام نووی نے فرمایا کہ زیر ناف بال ہٹانے کے لئے زیادہ بہتر عمل مونڈنا ہے البتہ کترنا، اکھیڑنا اور چونا وغیرہ لگانا بھی جائز ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ناخن کاٹے جائیں اور زیر ناف بال مونڈے جائیں اھ مختصراً(ت)

اور عورت کے لئے بعض علماء نے نتف (اکھاڑنا) حلق (مونڈنا) سے افضل قرار دیا اور بعض علماء نے بالعکس ملا علی قاری مرقاۃ[3] میں پہلا مذہب اختیار کرتے ہیں۔ اور حدیث صحیحین میں وارد: حتی تستحد المغیبة[4] (یہاں تک کہ زیر ناف بال صاف کرے۔ت) اشعۃ اللمعات میں علامہ تورپشتی سے نقل کیا یہاں استحداد سے بال دور کرنا مراد ہے نہ کہ خاص استعمال قدسی ابن عربی محاکمہ کرتے ہیں کہ نوجوان عورت کو احتراز مناسب اور عمر رسیدہ کو مضرت نہیں۔ اور نتف ایام ضعف میں باعث استرخائے فرج تو میانہ کو اس سے بچنا زیبا اور نوجوان میں بوجہ شباب قوت پر احتمال نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب مدرس اول مدرسہ عربیہ درگاہ شریف ۲۴رجب ۱۳۱۸ھ

"مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ ۙ"[5] (تم لوگ اپنے سروں کے بال منڈواتے اور کتراتے ہوئے مسجد حرام میں داخل ہوگے۔ت) سے سر منڈانا اور کترانا مفہوم ہوتا ہے بابولوگ یا نیا چہرہ منڈاتے نہیں بہت چھوٹے چھوٹے بال رکھتے ہیں ذرا بڑھے کترا ڈالے۔ کیا یہ شکل مقصرین سے مفہوم ہے فقہ میں کیا

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۰۸

[4] صحیح بخاری کتاب النکاح باب طلب الولد قدیمی کتب خانہ ۲/ ، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب استحباب النکاح قدیمی کتب خانہ ۱/ ۴۷۴

[5] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۷

ثابت ہے؟

الجواب:

آیہ کریمہ میں حلق و تقصیرِ حج کا ذکر ہے۔ تقصیرِ حج یہ کہ ہر بال سے بقدر ایک پورے کے کم کریں چہارم، سر کے بالوں کی تقصیر واجب ہے کل کی مندوب و مسنون اسے عادی امور سے تعلق نہیں یہ طریقہ کہ ان کفرہ یا بعض فسقہ میں معمول ہے کہ چھوٹی چھوٹی کھونٹیاں رکھتے ہیں جہاں ذرا بڑھیں کتروادیں خلاف سنت و مکروہ ہے سنت یا سارے سر پر بال رکھ کر مانگ نکالنا یا سارا منڈانا۔

فی ردالمحتار عن الروضۃ السنۃ فی شعر الراس اما الفرق واما الحلق[1]۔	فتاوٰی شامی میں "روضہ" سے نقل کیا گیا کہ سروں کے بالوں میں مانگ نکالنا سنت ہے یا تمام بال منڈوادینا سنت ہے۔ (ت)

اور کراہت اس لئے کہ وضع کفرہ وفسقہ ہے۔

فی الھندیہ عن الذخیرۃ والشامیۃ عن التتارخانیہ عن الذخیرۃ ان یحلق وسط راسہ ویرسل شعرہ من غیر ان یفتلہ فان فتلہ فذلك مکروہ لانہ یصیر مشابھا ببعض الکفرۃ[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	فتاوٰی ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ اور فتاوٰی شامی میں تتارخانیہ سے بحوالہ ذخیرہ منقول ہے اور وہ یہ کہ سر کے چوٹی کے بال منڈوادے اور باقی بال گوندھے بغیر چھوڑدے۔ پھر اگر انھیں گوندھ ڈالے تو یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنا بعض کفار سے مشابہ ہوجائے گا (اور کفار سے مشابہت جائز نہیں) اور اللہ تعالٰی پاک وبلند وبالا اور سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۵: از شہر کہنہ ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

جناب عالی! قصص الانبیاء میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں لکھا ہے کہ بی بی سارا نے بی بی ہاجرہ کے کان چھیدے اور ختنہ کرادی یہ سنت زن ومرد پر قیامت تک قائم رکھیں گے تو عورت کی ختنہ کیسی؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحظر والاباحۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

الجواب:

اندام زن کے دونوں لبوں کے بیچ جو گوشت پارہ تند و بلند سرخ رنگ مثل تاج خروس کے ہے اس میں سے ایک ٹکڑا کھال کا جدا کرتے ہیں یہ ختنہ زنان ہے جہاں اس کا رواج ہے مستحب ہے ان بلاد میں اس کا نشان نہیں۔ اگر واقع ہو تو جہال ہنسیں، اور یہ مسئلہ شرعیہ پر ہنسنا اپنا دین برباد کرنا ہے تو یہاں اس پر اقدام کی حاجت نہیں۔ خود ایک مستحب بات کرنی اور مسلمانوں کو ایسی سخت بلا میں ڈالنا پسندیدہ نہیں۔

کما نصوا علیه فی ترك عذبة العمامة حیث یستهزأ فی الجملة بها ویشبهونها بالذنب ومن لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل وقد كلمنا على عدة نظائر لهذا فی رسالتنا اطائب التهانی فی حكم النكاح الثانی۔ والله تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ فقہاء نے پگڑی کا شملہ نہ چھوڑنے کی تصریح فرمائی ہے کہ جہاں کہیں اس سے مذاق اور استہزاء کیا جاتا ہو اور عوام اسے "دم" سے تشبیہ دیتے ہوں وہاں شملہ نہ چھوڑا جائے، اور جو کوئی اہل زمانہ کے حالات سے بے خبر ہو وہ بڑا جاہل اور نادان ہے اور ہم نے اس کے چند نظائر (امثال) پر اپنے رسالہ اطائب التہانی فی حکم النکاح الثانی[عہ] (پاکیزہ مبارکبادیں دوسرا نکاح کرنے کے حکم میں) میں کلام کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۶: مرسلہ مولوی کاظم الدین صاحب بنگالہ شہر کمرلہ تاریخ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کے لڑکا یا لڑکی پیدا ہوئی ولی وارث کو اس مولود کی ناف بریدہ کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کیا دلیل، بالتفصیل تحریر فرمائے وگر ولی اور وارث نہ کرے کوئی دائی سے کروایا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر دائی سے اس کام کو کراتا ہے لیکن دائی کم یابی کے سبب سے فی لڑکا اتنا روپیہ مانگتا ہے اس کا ولی ووارث اتنا مزدوری دے کر یہ کام نہیں کرواسکتا اس صورت میں خود کرنا جائز ہے یا نہیں اور اگر دائی اس کام کو نہیں کرتی بلکہ اس کی خواند کو بھیجتی ہے یا ملک کا رواج پڑ گیا ہے مردانہ دائی سے یہ کام کروانا ہے اب مسلمانوں کو اتفاق یہ ہوا چونکہ بیگانہ مرد عورت کے نفاس کی حالت میں جانا حرام ہے۔ اگر شریعت میں خود بخود کرنا جائز نکلے اور مفتی بھی فتوٰی دے ہم لوگ خود کرنے کا تو اس حرام کو کیوں اختیار کریں؟ **بینوا**

عـــہ: رسالہ اطائب التہانی۔ فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور جلد ۱۲ میں موجود ہے۔

توجروا واللہ اعلم (بیان فرماؤتا کہ اجر وثواب پاؤ۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

الجواب:

لڑکا یا لڑکی اس کی ناف کاٹنا اس کے ولی غیر ولی سب کو جائز ہے۔ در مختار میں ہے:

لاعورۃ لصغیر جدا [1]۔	بلاشبہہ چھوٹے بچے کی کوئی جگہ چھپانے کی نہیں۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے:

للاب ان یختن ولدہ الصغیر [2]۔	یعنی باپ کو جائز ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کی ختنے کی کھال کاٹے۔

جب ختنے کی کھال کاٹنا باپ کو جائز ہے تو ناف کا نال کاٹنا بدرجہ اولٰی جائز ہے اور ہرگز ضرور نہیں کہ خواہی نخواہی دایہ ہی سے نال کٹوائے اگرچہ وہ کتنی ہی مزدوری مانگے، یہ محض ظلم ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" [3]	الہ تعالٰی کسی جان کو تکلیف میں نہیں ڈالتا مگر اس قدر جتنی اس میں ہمت اور گنجائش ہو۔(ت)

یہ جو سائل نے لکھا کہ بیگانہ مرد عورت کی نفاس کی حالت میں جانا حرام ہے یہ بھی محض بے معنی ہے بیگانہ مرد کا بے پردہ عورت کے پاس جانا ہر حالت میں حرام ہے۔اور پردہ کی حالت میں نفاس وغیر نفاس یکساں ہے اور نال کاٹنے کے لئے عورت کے پاس جانے کی کوئی حاجت بھی نہیں۔بچہ کاٹنے والے کے سامنے لاسکتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷تا۲۱۹: از شیر گڑھ ڈاکخانہ خاص ضلع بریلی مکان سید احمد علی شاہ مرسلہ بندہ علی طالب عالم

(۱) زید کا طریقہ صوفیانہ ہے اور اس کے بال دراز ہیں یعنی کندھوں تک چھوٹے ہیں آیا وہ شعر طویل نماز کی صحت کے مانع ہے یا نہیں؟

(۲) اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگی یا نہیں؟ غرضکہ وہ بال نماز کی صحت میں خلل پیدا کرینگے یا نہیں؟

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب شروط الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

(۳) فقراء کے واسطے بال بڑھانے کا حکم ہے یا نہیں؟ اگر حکم ہے تو کہاں تک؟ کیونکہ بد مذہب اس طریقہ کے منکر ہیں **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ہاں نصف کان سے کندھوں تک بڑھانا شرعًا جائز ہے اور اس سے زیادہ بڑھانا مرد کو حرام ہے۔ خواہ فقرا ہوں خواہ دنیادار احکام شرع سب پر یکساں ہیں زیادہ میں عورتوں سے تشبہ ہے اور صحیح حدیث میں لعنت فرمائی ہے اس مرد پر جو عورت کی وضع بنائے اور اس عورت پر جو مرد کی وضع بنائے اگرچہ وہ وضع بنانا ایک ہی بات میں ہو۔ جو لوگ چوٹی گندھواتے یا جوڑا باندھتے یا کمر یا سینہ کے قریب تک بال بڑھاتے ہیں وہ شرعا فاسق معلن ہیں اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یعنی پھیرنا واجب اگرچہ پڑھے ہوئے دس برس گزر گئے ہوں، اور یہ خیال کہ باطن صاف ہونا چاہئے ظاہر کیسا ہی ہو محض باطل ہے۔ حدیث میں فرمایا کہ اس کا دل ٹھیک ہوتا تو ظاہر آپ ٹھیک ہو جاتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۰: از شیر گڑھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ عظیم اللہ نائب مدرس ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسلمان کو داڑھی کتروانا اور ٹھوڑی کھلوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

داڑھی اتنی کتروانا کہ ایک مشت سے کم ہو جائے گناہ و ناجائز ہے۔ یونہی ٹھوڑی پر سے کھلوانا حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۱ و ۲۲۶: مسئولہ اکبر یار خاں از شہر کہنہ محصل چندہ مدرسہ اہلسنت وجماعت بروز دوشنبہ بتاریخ ۹ ذوالقعدہ ۱۳۲۳ھ

(۱) یہ کہ داڑھی کا طول ایک مشت و دو انگشت ہے یا کم یا کس قدر کہ جس سے کم رکھنے میں گنہگار ہوگا؟

(۲) یہ کہ منڈوانا استرے سے اور قینچی سے کتروانا، چھوٹا چھوٹا کرانا ایک ہی بات ہے یا قینیچی سے چاہے جس قدر کترواکر چھوٹا کردے اس میں حرج نہیں ہے؟

(۳) یہ کہنا کہ عرب شریف اسلام کا گھر ہے وہاں کے لوگ داڑھی کٹوا کر چھوٹا کر لیتے ہیں اگر اور کوئی شخص داڑھی کتروائے تو کیا مضائقہ ہے۔ ایسے کہنے والے شخص کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۴) یہ کہ لبوں کے بال بڑھے ہوئے شخص کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے؟

(۵) یہ کہ ایسے لوگوں کی نسبت یعنی داڑھی منڈوانے والے، کترنے والے۔ لبوں کے بال بڑھانے والے کس خطا کے مرتکب ہیں ان کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۶) یہ کہ مثل داڑھی کے مقدار کے لبوں کے بال کی بابت کہ کس قدر ہوں کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص لبوں کے بال منڈوائے یا بہت باریک کرے تو کیا قباحت ہے؟

الجواب:

(۱) داڑھی کا طول ایک مشت یعنی ٹھوڑی سے نیچے چار انگل چاہئے اس سے کم کرانا حرام ہے۔

(۲) قینچی سے کترے خواہ استرے سے لے سب یکساں ہے، ہاں تھوڑی کترنے سے سب منڈا دینا سخت وخبیث تر ہے کہ حرام حرام میں فرق ہوتا ہے۔ بھنگ، چرس، شراب سب حرام ہیں مگر شراب سب میں بدتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) شریعت پر کسی کا قول وفعل حجت نہیں۔ اللہ ورسول سب پر حاکم ہیں اللہ ورسول پر کوئی حاکم نہیں، یہ فعل وہاں کے جاہلوں کا ہے اور جاہلوں کا فعل سند نہیں ہوسکتا کہیں کے ہوں، ایسا کہنے والا اگر جاہل ہے اسے سمجھا دیا جائے اور اگر ذی علم ہو کر ایسا کہتا ہے یا سمجھانے کے بعد بھی نہ مانے اصرار کئے جائے وہ سخت فاسق وگمراہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) اگر اسے وضو نہ تھا اس حالت میں اس نے پانی پیا اور لبوں کے بال پانی کو لگے تو پانی مستعمل ہوگیا۔ مستعمل پانی کا پینا ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اصل مذہب میں حرام ہے۔ ان کے نزدیک وہ پانی ناپاک ہوگیا خود اس نے جو پیا ناپاک پیا اور اب جو پئے گا ناپاک پئے گا۔ اور مذہب مفتٰی بہ پر مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے۔ اس نے جو پیا مکروہ پیا اور اب جو بچا ہوا پئے گا مکروہ پئے گا۔ ہاں اگر اسے وضو تھا یا منہ دھلا تھا تو شرعًا حرج نہیں۔ اگرچہ اس کی مونچھوں کا دھوون پینے سے قلب کراہت کرے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) حد شرع سے کم داڑھی رکھنا حد شرع سے زیادہ مونچھیں رکھنا سب خلاف شرع اور مجوسیوں کی سنت اور نصرانیوں کی عادت ہے آدمی اس سے گنہگار ہوتا ہے اور اس کی عادت رکھنے سے فاسق ہوجاتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۶) لبوں کی نسبت یہ حکم ہے کہ لبیں پست کرو کہ نہ ہونے کے قریب ہوں البتہ منڈاونا نہ چاہئے اس میں علماء کو اختلاف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ
لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی ۱۳۱۵ھ
(چاشت کی روشنی میں داڑھیاں بڑھانے میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۲۲۷: از حیدر آباد ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ولید کہتا ہے داڑھی منڈانا حرام نہیں **الحرام ماثبت ترکہ بدلیل قطعی لا شبھۃ فیہ** (حرام وہ ہے جس کا چھوڑ دینا ایسی قطعی دلیل سے ثابت ہو کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہ پایا جائے۔ت) حرام وہ جس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو قرآن شریف میں تو اس کا کہیں حکم نہیں "یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ"[1] (اے میرے ماں جائے! میری داڑھی نہ پکڑ۔ت) سے کوئی حکم نہیں نکلتا بلکہ ایک بات ہمارے لئے مفید البتہ پیدا ہوتی ہے کہ داڑھی بڑھانا بعض وقت مضر ہوتا ہے دشمن نے بڑی داڑھی پکڑ کر مارنا شروع کیا تو پٹنا ہی پڑا۔ سنن ابی داؤد میں یوں مروی ہے۔

عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء	دس کام فطرت میں سے ہیں: مونچھیں کترنا، داڑھی

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۹۴

اللحیة الخ حدثنا موسی بن اسمعیل وداؤد بن شعیب قالا حدثنا حماد عن علی بن زید عن سلمة الخ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان من الفطرة المضمضة والاستنشاق بالماء ولم یذکر وا عفاء اللحیة وروی نحوہ عن ابن عباس قال خمس کلھا فی الرؤس ذکر فیہ الفرق ولم یذکر اعفاء اللحیة قال ابوداؤد روی نحوہ حدیث حماد عن طلق بن حبیب ومجاھد وعن بکر المزنی قولھم ولم یذکر اعفاء اللحیة[1]۔	بڑھانا الخ۔ ہم سے موسٰی بن اسمٰعیل اور داؤد بن شعیب نے بیان کیا دونوں نے کہا ہم سے حماد نے بیان کیا اس نے علی بن زید اس نے سلمہ سے روایت کیا۔ الخ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امور فطرت یہ ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، اس میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں۔ یونہی عبداللہ ابن عباس سے بھی روایت کی گئی (چنانچہ) آپ نے فرمایا: پانچ کام ہیں اور وہ سب سر کے متعلق ہیں ان میں سر میں مانگ نکالنے کا ذکر فرمایا مگر داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں فرمایا۔

امام ابوداؤد نے فرمایا: اسی جیسی حدیث حماد بواسطہ طلق بن حبیب اور مجاہد سے روایت کی گئی ہے اور بکر مزنی سے بھی۔ ان سب کا قول مروی ہے مگر اس میں اِعْفَاءُ اللِّحْیَة یعنی داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں۔ ت)

حاصل اس کا یہ کہ ان نودس رواۃ نے یہ روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حدیث میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ مانگ کو فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانا بھی ویسی ہی سنت ہے جیسے مانگ کا رکھنا، معہذا یہ حدیث مختلف فیہ تو ضرور ہے پس لائق اعتبار نہ رہی۔ پھر صحیح بخاری میں یوں ہے:

خالفوا المشرکین قصوا الشوارب واعفوا اللحی[2]۔	مخالفت کرو مشرکین کی، ترشواؤ مونچھ، اور بڑھاؤ داڑھی۔

خالفوا المشرکین یہ جملہ "ففیہ نظر" اس واسطے کہ بعض مشرکین داڑھی بڑھاتے رہتے ہیں پس ان کی مخالفت یہ ہے کہ داڑھی منڈاؤ، اور بعض منڈاتے ہیں تو ان کی مخالفت یہ ہے کہ بڑھاؤ بہر حال بڑھانے اور منڈانے والے دونوں خالفوا المشرکین میں داخل ہیں کیونکہ مخالفت کا حکم عام ہے۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸
[2] صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

جس مشرک کی چاہیں مخالفت کریں باقی رہا اس کا جواب "وقصواالشوارب واعفوا اللحی" (مونچھیں کترآؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ت) مخفی نہ رہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ درستگی اخلاق کے واسطے مبعوث ہوئے، اسی لئے ہمارے پیغمبر آخر زمان بھی مبعوث ہوئے، ان پر دین کامل اور نبوت ختم ہوگئی۔ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ"[1] آج کے دن ہم نے تمھارا دین تم پر کامل کردیا۔ داڑھی بڑھانا اخلاق میں داخل ہے تو باوجود اس کے قرآن کامل کتاب اللہ کی ہے۔ اخلاقی احکام سے خالی ہے تو دین کامل نہ ٹھہرا۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ یہ اخلاق میں داخل نہیں اور اس سے ہمارا مطلب حاصل ہوجاتا ہے۔

داڑھی بڑھانا مستحب البتہ ہے یا بہت ہوگا تو سنت۔ لیکن یہ بھی حد اعتدال تک ۔

ریش بایدت دوسہ موئے وزنخداں پوشی نہ کہ درسایہ اوبچہ دہد خرگوشی

(تجھے ایسی داڑھی چاہئے کہ جس کے چند بال ہوں جو ٹھوڑی چھپادیں۔ نہ کہ ایسی کہ جس کے سائے میں خرگوش بچہ دے۔ت)

قول عرب ہے:

من طال لحیتہ فقد نقص عقلہ۔	جس کی داڑھی طویل (لمبی) ہو اس کی عقل کم ہوتی ہے۔(ت)

بغرض محال تسلیم بھی کرلیں کہ داڑھی بڑھانا فرض یا منڈوانا حرام ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ"[2] (یعنی احرام سے فارغ ہونے کے بعد شکار کرو۔ شکار کرنا صیغہ امر میں فرمایا گیا جو علامت فرضیت ہے لیکن آج تک اس پر عمل درآمد نہ ہوا، سبب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم طبائع پر موقوف رکھا گیا کہ جی چاہے تو شکار کرو۔

حاصل یہ کہ شریعت کے بعض احکام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا نہ کرنا موجب عتاب شرعی نہیں۔ فرضیت یا حرمت قرآن ہی سے ثابت ہوسکتی ہے یا حدیث متواتر یا مشہور ہو، حرام فرض کے مقابلہ میں آتا ہے۔ تو جب داڑھی منڈانا حرام ہوا تو رکھنا فرض ہوا مگر فرض کسی نے نہ لکھا۔

زقرآن سخن گفتہ ام وزحدیث سر از من نہ پیچد جزاب لہ خبیث

سخن راست گر تو بگوئی ہے بدست حقائق بپوئی ہے

پس اعفائے لحیہ چرا گوئی فرض تنت راخباثت مگر گشت مرض

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

گرایدوں کہ قرآں ہمی کامل ست پس اعفائے لحیہ چرا مضمر ست

(قرآن وحدیث کے حوالے سے بات کرر ہاہوں لہٰذا میری بات سے بیوقوف خبیث کے علاوہ کوئی برانہ منائیگا اگر تو سچی بات کہتا رہے گا تو حقائق کے ہاتھوں میں دوڑتا رہے گا ___ پھر تو داڑھی بڑھانے کو کیوں فرض کہتا ہے؟ شاید تیرے جسم میں خباثت کا مرض پیدا ہوگیا ہے۔ اے بے ہمت اگر قرآن مجید کامل ہے تو پھر اس میں داڑھی کا ذکر کیوں پوشیدہ ہے۔ت) **انتھی**۔ یہ قول ولید کا کیسا اور داڑھی منڈوانے کا حکم کیا؟

الجواب:

بسم الله الرحمٰن الرحیم الحمدلله الذی ھدٰنا للاسلام ووفقنا لاقتفاء اٰثار انبیائه الکرام و اجتناب اقذار الکفرة الانجاس الارجاس اللیام و افضل الصلوٰة والسلام علی سیدالھادین الی سبیل السلام* الذی اوتی القراٰن ومثله معه فی احکام الاحکام وان رغم انف الملحدین فی الدین المارٰدین الطغام وعلی اٰله واصحابه المتأدبین باٰدابه الذین اداروا بالقتل والاسر الھدم الرحی علی الجمع المقبوح المنبوح المحلوق اللحی من علوج الاردام ومجوس الاعجام فصلی الله تعالٰی علی الحبیب واله مظاھر جماله وعلینا معھم الی یوم القیمة o	الله تعالٰی کے نام سے ابتداء کرر ہاہوں جو بڑا رحم کرنے والا۔ مہربان ہے۔ تمام تعریفیں اس الله تعالٰی کے لئے ہیں جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت بخشی اور ہمیں انبیاء کرام کے آثار پر چلنے کی توفیق دی اور کمینے کافروں کی ظاہری باطنی گندگیوں (آلودگیوں) سے بچایا۔ اعلٰی وافضل درود وسلام اس آقا کے لئے جو لوگوں کو سلامتی کی راہوں سے روشناس کرانے والے ہیں وہ جنھیں قرآن مجید اور اس کے ساتھ اس جیسا اور کلام احکام کی مضبوطی کے لئے عطا کیا گیا ہے اگرچہ امور دین میں کمینے (بے وقوف) بے دین سرکشوں کی ناک خاک آلود ہو، اور درود وسلام ہو آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر۔ جو ان کے آداب سے ادب پانے والے ہیں۔ وہ جنھوں نے قتل، قید اور شکست کی ایسی چکی چلائی جو قوی کافروں اور عجم کے رہنے والے مجوسیوں کے ایسے گروہ پر جو بگڑے ہوئے بھونکے ہوئے، اور داڑھیاں منڈوائے ہوئے تھے۔ پس قیامت تک حبیب خدا ان کی آل اور ان کی معیت ہم سب پر الله تعالٰی کی (بے مثال) رحمت ہو۔ (ت)

رب انی اعوذبك من همزات الشیٰطین و اعوذبك رب ان یحضرون، قال ربنا تبارك و تعالیٰ: "وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ "[1]	اے میرے پروردگار! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے میرے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں، ہمارے پروردگار نے ارشاد فرمایا جو پاک اور برتر ہے جاہلوں سے منہ پھیرلے۔

ولید پلید جس کی علمی لیاقت پر ماشاء اللہ خود اسی تحریر کاایک ایک فقرہ گواہ:

(۱) خاک برسر مضامین الفاظ تک ٹھیک نہیں نثر، نثرہ نثار نظم نظم پر دیں۔

(۲) عبارت ماثبت ترکہ ترجمہ جس کی حرمت۔

(۳) اصل عبارت خود مضر مقصود کہ ترک حلق یقینا قطعاً متواتر بلکہ ضروریات دین سے ہے۔

(۴) ترجمہ دیکھئے تو دور موجود کہ حرام کی حد میں حرمت ماخوذ۔

(۵) سنن ابی داؤد شریف سے نقل عجب مضحکہ خیز جہل وسفاہت از روئے چالاکی کچھ براہ جہالت اصل حدیث حسن متصل مسند کہ نہ صرف سنن ابی داؤد بلکہ صحیح مسلم و سنن نسائی وجامع ترمذی و سنن ابن ماجہ و مسند احمد وغیرہا اجلہ کتب مشہورہ میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کہ خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں: دس چیزیں اصل فطرت و شرائع قدیمہ مستمرہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتحیۃ سے ہیں از انجملہ لبیں کتروانی داڑھی بڑھانی یہ حدیث جلیل جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج فرمایا، امام ابوداؤد نے سکوت کیا، امام ترمذی نے **ھذا حدیث حسن**[2] (یہ حدیث حسن ہے۔ت) کہا، اس کی وقعت چھپانے کو سند تو سند یہ بھی نقل نہ کیا کہ کس کی روایت ہے۔ (ام المومنین) کس کاارشاد ہے (حضور افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلیہاوسلم) دوسری حدیث کہ خود نفس اسناد میں امام ابوداؤد نے اس کی سند میں ارسال یا انقطاع

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۹۹

[2] صحیح مسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، سنن ابی داؤد باب السواك من الفطرة آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی تقلیم الاظفار امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۰۰

کا پتا بتاد یا تھا تابعی تک رکھتے ہیں تو مرسل ہوتی ہے۔ صحابی تک پہنچاتے ہیں تو منقطع ہوئی جاتی ہے۔ ناقل عاقل ابتداء سے اس کی سند نقل کرلایا۔ جب اس پر آیا صاف قطع کرکے الی اخرہ پر دہ چھپایا حالانکہ اہل علم کے نزدیک اسی قدر نقل اس کا حال جاننے کو بس تھی ارسال وانقطاع سے قطع نظر کیجئے خود سند مین سلمہ بن محمد مجہول اور علی بن جدعان شیعی ضعیف واقع، اصل عبارت سنن ابی داؤد یوں ہے:

حدثنا موسٰی بن اسمعیل وداؤد بن شبیب قالا حدثنا حماد عن علی بن زید عـــہ۱ ۔عن سلمۃ عـــہ۲ عن محمد بن عمار بن یاسر قال موسٰی عن ابیہ عـــہ۳ وقال داؤد عن عمار عـــہ۴ بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان من الفطرۃ المضمضہ والا ستنشاق فذکر نحوہ ولم یذکر اعفاء اللحیۃ زادوا الختان [1] الخ۔	موسٰی بن اسمٰعیل اور داؤد بن شبیب نے ہم سے بیان کیا دونوں نے کہا ہم سے حماد نے بیان کیا، اس نے علی بن زید، اس نے سلمہ بن محمد بن عمار بن یاسر سے روایت کی، موسی نے کہا (عن ابیہ) یعنی اس نے اپنے باپ سے اسے روایت کیا۔ داؤد نے کہا عن عمار بن یاسر یعنی اس نے عمار بن یاسر سے روایت کی (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امور فطرت میں سے ہیں: کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا، پھر اس طرح حدیث بیان کی اور داڑھی بڑھانے کا ذکر نہ کیا اور ختنہ کرنے کا اضافہ فرمایا، الخ (ت)

(۶) پھر اس حدیث کو اس کے مخالف سمجھنا کیسی جہالت بے مزہ اس میں تو خود من تبعیضیہ موجود ہے کہ فرمایا خصال فطرت سے بعض چیزیں یہ ہیں خود معلوم ہوا کہ بعض اور بھی ہیں۔ تو داڑھی بڑھانے

عـــہ۱: ضعیف من الرابعۃ ۱۲ (تقریب التہذیب ترجمہ ۴۷۵۰ علی بن زید بیروت ۱/ ۶۹۴)

عـــہ۲: مجہول من الخامسۃ ۱۲ (تقریب التہذیب ترجمہ ۲۵۱۷ سلمہ بن محمد بیروت ۱/ ۳۷۹)

عـــہ۳: مقبول من الثالثۃ ۱۲ (تقریب التہذیب ترجمہ ۷۰۴۱ موسٰی بن ابی موسٰی بیروت ۲/ ۲۲۹)

عـــہ۴: روایتہ عن جدہ مرسلہ ۱۲ میزان۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸

کااس میں ذکر نہ آنا حدیث ام المومنین کا کب مخالف ہوسکتا ہے اور یہ تو جاہلوں سے کیا کہا جائے اہل علم جانتے ہیں کہ ایسی جگہ عدد میں بھی حصر مقصود نہیں ہوتا بلکہ اعانت ضبط وحفظ کے لئے صرف مذکورات کا شمار کرنا، ولہٰذا ہم اس حدیث دوم کی زیادات یعنی ختان وانتضاح کو بھی خصال فطرت سے مانتے ہیں اور حدیث اول کو باآنکہ اس میں عدد مذکور ہے اس کا نافی نہیں جانتے **عشر من الفطرۃ** (دس کام فطرت میں سے ہیں۔ت) نہیں **الفطرۃ عشر** (فطرتی کام دس ہیں۔ت) ہوتا جب بھی زیادہ کے منافی نہ تھا ولہٰذا ابوبکر ابن نے شرح ترمذی میں العربی خصال فطرت کا عدد تیس تک پہنچایا، اتحاف السادۃ المتقین میں ہے:

مفهوم العدد ليس بحجة لانه اقتصر فی حديث ابی هريرة علی خمس وفی حديث ابن عمر علی ثلث وفی حديث عائشة علی عشر مع ورود غيرها وقد تقدم انها الثلثة عشر واوصلها ابوبكر بن العربی الی ثلثين[1]	عدد کا مفہوم حجت نہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں صرف پانچ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں تین پر اور ام المومنین سیدہ عائشہ (رضی اللہ تعالٰی عنہا) کی حدیث میں دس کا ذکر ہے حالانکہ ان کے علاوہ بھی امور وارد ہوئے ہیں (لہٰذا اگر مفہوم عدد حجت ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ مترجم) اور اس سے قبل ذکر ہوا کہ امور فطرت تیرہ ہیں۔علامہ ابوبکر ابن عربی نے انھیں تیس تک پہنچایا ہے۔(ت)

فتاوٰی فقیر کے مجلد رابع میں مسئلہ بوجوہ افضلیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تفصیل بازغ دیکھنی ہو تو فقیر کا رسالہ البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص ملاحظہ کیجئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی فرمایا:

فضلت علی الانبياء بست، مسلم[2] **عن ابی هريرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔**	میں چھ باتوں میں تمام انبیاء پر فضیلت دیا گیا۔(مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

کہیں فرمایا:

اعطيت خمسا لم يعطهن احد من قبلی۔	مجھے پانچ چیزیں وہ عطا ہوئیں کہ مجھ سے پہلے کسی کو

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الطہارۃ فصل فی اللحیۃ عشر الی آخرہٖ دارالفکر بیروت ۲/ ۴۲۹

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹

الشیخان [1] عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	نہ ملیں (امام بخاری ومسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

فضلت علی الانبیاء بخصلتین۔ البزار [2] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں انبیاء پر دو باتوں میں فضیلت دیا گیا۔(بزار نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راویت کیا۔ت)

دوسری میں ہے:

ان جبرئیل بشرنی بعشر لم یؤتھن نبی قبلی [3] ابن ابی حاتم وعثمان الدارمی وابونعیم عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جبریل نے مجھے دس چیزوں کی بشارت دی کہ مجھ سے پہلے کسی کو نہ ملیں۔(ابن ابی حاتم وعثمان الدارمی وابونعیم نے عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

طرفہ یہ کہ ان سب احادیث نہ صرف عدد کہ معدود بھی مختلف ہیں کسی میں کچھ فضائل شمار کے گئے کسی میں کچھ کیا یہ حدیثیں **معاذاللہ** باہم متعارض سمجھی جائیں گی یا دو یا دس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی فضیلتیں منحصر، حاش للہ ان کے فضائل نامقصور اور خصائص نامحصور، بلکہ حقیقۃً ہر کمال ہر فضل ہر خوبی میں عموما اطلاقا انھیں تمام انبیاء مرسلین وخلق اللہ اجمعین پر تفضیل تام وعام مطلق ہے کہ جو کسی کو ملا وہ سب انھیں سے ملا اور جو انھیں ملا وہ کسی کو نہ ملا، ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(یارسول اللہ! جو جو خوبیاں تمام انبیاء کو دی گئیں وہ تمام تنہا آپ کو دے دی گئیں۔ت)

بلکہ انصافاً جو کسی کو ملا آخر کس سے ملا، کس کے ہاتھ سے ملا، کس کے طفیل سے ملا، کس کے پرتو سے ملا، سی اصل ہر فضل و منبع ہر جو دوسرا ایجاد و تخم وجود سے۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

---

[1] حیح البخاری کتاب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸، صحیح مسلم کتاب المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹

[2] مجمع الزوائد بحوالہ البزار کتاب النبوۃ باب عصمۃ من القرین دارالکتاب بیروت ۸/ ۲۲۵

3

ع فانما اتصلت من نورہ بھم

(اس کے نور سے ہی یہ سب کچھ ان تک پہنچا ہے۔ت)

ع انما مثلوا صفاتك للناس کما مثل النجوم الماء

(تمھاری صفات لوگوں کے لئے منعکس ہوگئیں جیسے ستارے پانی میں منعکس ہوجاتے ہیں۔ت) [یعنی اصل صفات تو آپ کو بفضلہٖ تعالٰی عطا ہوئیں البتہ دیگر اہل فضل وکمال میں آپ کی صفات کا پرتو اور عکس ہے جیسا کہ پانی میں اس کے صاف وشفاف ہونے کی وجہ سے ستاروں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ مترجم]

یہ تقریر فقیر نے اس لئے ذکر کی یہ حدیث **خمس من الفطرۃ** (پانچ کام فطرت سے ہیں۔ت) یا **الفطرۃ خمس** (فطرتی کام پانچ ہیں۔ت) یا قول ابن عباس خمس کلھا فی الراس (پانچ کام سب سر کے متعلق ہیں۔ت) دیکھ کر سفہا کو سودا نہ اچھلے۔

(۷) کمال سفاہت یہ کہ ایک سند کے سب راویوں کو جدا جدا شمار کرکے حکم لگادیا ان نودس رواۃ نے یوں روایت کی حالانکہ سلسلہ سند میں اگر یکے از دیگرے ہزار تک عدد رواۃ پہنچے تو وہ ایک ہی راوی کی روایت ہے اس میں تعدد نہیں ہوسکتا جب تک مرتبہ واحدہ میں متعدد رواۃ نہ ہوں ورنہ سند عالی سے نازل اشرف ہو خصوصا ان کے نزدیک جو کثرت رواۃ سے ترجیح مانتے ہیں حالانکہ یہ بالبداہۃ باطل، وہ تو خیر گزری کہ یہ شخص خود سلمہ تک کوئی سند متصل نہ رکھتا تھا ورنہ آپ سمیت کوئی تیس چالیس گن دیتا کہ اتنے راویوں نے اعفاء ذکر نہ کیا۔

(۸) کچھ پڑھا لکھا ہوتا تو اپنی ہی نقل کردہ عبارت دیکھتا کہ ابوداؤد نے **لم یذکر اعفاء اللحیۃ** (اس نے داڑھی بڑھانے کا ذکر نہ کیا۔ت) بصیغہ واحد فرمایا ہے کہ اس راوی نے اعفاء لحیہ کا ذکر نہ کیا یا **لم یذکروا** بصیغہ جمع ظاہرا اپنی نقل میں جو **لم یذکروا اعتقاء اللحیۃ** واقع ہوا اور واؤ طفرہ کو واو جمع سمجھا اور سابق ولاحق کے تمام صیغ مفردہ ذکر زاد قال **لم یذکر** سے آنکھیں بند کرکے صاف "**لم یذکروا**" بنالیا کہ تمام رجال سند کو شامل ہو۔

(۹) لطیف تر یہ کہ ان سب رواۃ نے یہ روایت کی کہ آنحضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حدیث میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہ کیا بے علم بے چارہ " قولھم "کے معنی بھی نہیں جانتا اور ناحق وناروا آثار موقوفہ ومقطوعہ کہ قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ٹھہرائے دیتا ہے۔ ابن عباس صحابی ہیں اور مجاہد وبکر وطلق تابعین یہ آثار خود انھیں حضرات کے اپنے قول ہیں نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

وسلم وسلم کے ارشاد۔

تنبیہ: طلق سے ان کا قول بھی دونوں طرح مروی۔ نسائی [1] نے بسند صحیح ان سے دس کامل روایت کیں جن میں توفیر اللحیہ موجود۔

(۱۰) لطف بر لطف یہ کہ ان سب نے اس کی جگہ مانگ روایت کی۔ اللہ اللہ اتنا بے ادراک اور ایسا بیباک، ذرا کسی ذی علم سے عبارت ابی داؤد کا ترجمہ کرا کر دیکھئے کہ وہ مانگ کا ذکر صرف اثر ابن عباس میں بتاتے ہیں یا ان سب کی روایت یہی ٹھہراتے ہیں۔ بے علم کے نزدیک گویا عدم ذکر اعفاء لحیہ کے معنی ہی یہ ٹھہرے ہیں کہ اس کی جگہ مانگ کا ذکر کیا۔

(۱۱) جب جہالت کی یہ حالت تو اس کی کیا شکایت کہ اپنے اس زعم باطل میں فرق واعفاء کا ذکر وشمار میں تبادل سمجھ کر دونوں کا حکم یکساں ٹھہرا دیا۔ ایسا ہوتا بھی تو اس کا حاصل صرف اتنا نکلتا کہ جس بات کا یہاں تذکرہ ہے یعنی خصال فطرت سے ہونا، اس میں دونوں شریک ہیں نہ یہ کہ سب احکام میں یکساں ہیں۔ عمدۃ القاری وفتح الباری وارشاد الساری شروح صحیح بخاری وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

واللفظ للخطیب ھذا الخصال منھا ماھو واجب کالختان وما ھو مندوب ولا مانع من اقتران الواجب بغیرہ کما قال تعالٰی کلوا من ثمرہ اذا اثمر واتواحقہ یوم حصادہ فایتاء الحق واجب والاکل مباح [2]	الفاظ خطیب بغدادی کے ہیں ان خصائل میں سے بعض واجب ہیں جیسے ختنہ، اور بعض مستحب ہیں، اور کسی واجب کو دوسرے کے ساتھ جوڑنے اور ملانے میں کوئی مانع نہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کھاؤ ان کا پھل جب وہ پھل لائیں اور کٹائی کے دن ان کا حق ادا کرو (یہاں آیت میں) حق ادا کرنا واجب ہے جبکہ کھانا مباح ہے (یہاں واجب، غیر واجب دونوں کا یکجا ذکر ہوا)۔ (ت)

(۱۲) پھر چالاکی یہ کہ اس کے متصل جو امام ابوداؤد نے دوسری حدیث مرفوع حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ایک اثر امام ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر کیا کہ ان میں بھی داڑھی بڑھانے کو شمار فرمایا: ناقل عاقل اسے اڑا گیا۔ عبارت سنن یہ ہے:

وفی حدیث محمد بن عبداللہ بن ابی مریم عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ عن	محمد بن عبداللہ بن ابن مریم کی حدیث میں بواسطہ ابو سلمہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ

[1] سنن النسائی کتاب الزینۃ باب من السنن الفطرۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۷۴

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس باب قص الشارب دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۴۶۲

النبی صلی تعالٰی علیہ وسلم واعفاء اللحیۃ عن ابراھیم النخعی نحوہ وذکر اعفا اللحیۃ والختان[1]	انھوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی اور داڑھی بڑھانا، ابراہیم نخعی سے اسی طرح کی روایت ہے، انھوں نے داڑھی بڑھانا اور ختنہ کرنا دونوں کا ذکر فرمایا۔ (ت)

(۱۳) کمال جہالت دیکھئے کہ اپنے مقام اجتہاد سے تنزل کرکے داڑھی بڑھانے کو فرض منڈانے کو حرام تسلیم کرتا اور اس تسلیم کی تقدیر پر امر اباحت کے لئے ہونے سے جواب دیتا ہے بے عقل سے کون کہے کہ جب حرمت تسلیم پھر اباحت کہاں۔

(۱۴، ۱۵، ۱۶) اللہ عزوجل کے پاک مبارک رسولوں سے استہزاء انھیں بے اعتدالی کا مرتکب بتانا شرع مطہر کو بے اعتدالیوں کا پسند کرنے والا ٹھہرانا، موسٰی کلیم اللہ وہارون نبی اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نسبت وہ ملعون الفاظ کہ دشمن نے بڑھی داڑھی، الخ۔ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مطہر بڑی ہونا قرآن عظیم سے ثابت جان کر پھر وہ ناپاک ملعون شعر دو تین بال پر اعتدال بند اور شریعت وانبیاء کو بڑھانا پسند، ان باتوں کا جواب کفرستان ہند میں کیا ہوسکتا ہے۔ مگر صبح قیامت قریب ہے۔

"وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[2] "قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ"[3] "وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾"[4]	عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹ جایا کرتے تھے یا انھیں کس کروٹ پر پلٹنا ہوگا۔ فرمادیجئے کیا اللہ تعالٰی اس کی آیات اور اس کے رسولوں کے ساتھ ہنسی مزاح کرتے ہو اور جو لوگ اللہ تعالٰی کے رسول کو دکھ دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (ت)

جب جہل وجہالت وشیوہ جاہلیت وبقیدی وجرأت کی یہ نوبت تو کلام وخطاب کا کیا محل اور حق کے حضور گردن جھکانے کی کیا امل مگر قرآن عظیم نے جہاں اعراض کا حکم بتایا "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ"[5] (کھول کر بیان کردو جیسا کہ تم کو حکم دیا جاتا ہے۔ ت) "لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ"[6] (لوگوں کے لئے واضح

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۵

[4] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[5] القرآن الکریم ۱۵/ ۹۴

[6] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۷

طور پر) بیان کردہ،ت) بھی ارشاد فرمایا، لہذا ایضاح حق وازاحت باطل واستیصال شبہات و استحصال دلائل کے لئے یہ چند **تنبیہیں** مکتوب اور مسلمانوں کے حق میں حضرت حق سے حق پر استقامت مطلوب، **وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب،** (مجھے توفیق نہیں ہوسکتی سوائے اللہ تعالٰی کے فضل و کرم کے، اور میرا اسی پر بھروسا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ت)

تنبیہ اول: مسلمانو! تمہارے رسول کریم سید عالم عالم اعلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو رب عزوجل نے علم اولین وآخرین عطا فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن عظیم اتارا "**تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ**"[1] ہر چیز کا روشن بیان "**تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ**"[2] ہر شیئ کی کامل شرح، "عــــہ **مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ**"[3] ہم نے کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ اس میں تمام احکام جزئیہ تفصیلیہ ہی نہیں بلکہ ازلا ابدا جمیع کوائن وحوادث بالاستیعاب موجود ہیں۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے مروی کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کتاب اللہ فیہ نبأ ماقبلکم وخبر مابعد کم وحکم مابینکم رواہ الترمذی[4]۔	قرآن اس میں خبر ہے ہر اس چیز کی جو تم سے پہلے ہے اور ہر اس شے کی جو تمہارے بعد ہے اور حکم ہے ہر اس امر کا جو تمہارے درمیان ہے۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا۔ت)

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

لوضاع لی عقال بعیر لوجدتہ فی کتاب اللہ ذکرہ ابن ابی الفضل المرسی	اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہوجائے تو قرآن عظیم میں اسے پالوں (ابن ابی الفضل مرسی نے

عــــہ: ذکر الامام السیوطی ھذہ الایۃ فی النوع الخامس والستین من کتابہ الاتقان مفید ان المراد بالکتاب القرآن ۱۲۔	امام سیوطی نے اپنی مشہور تفسیر الاتقان فی علوم القرآن کی پینسٹھویں نوع میں اس آیت کریمہ کا ذکر فرمایا ہے اور یہ فائدہ بیان فرمایا کہ (یہاں) آیت میں کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ ۱۲(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۱۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۳۸

[4] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۴

نقل عنه فی الاتقان [1]۔	اسے ذکر فرمایا الاتقان میں ان سے نقل کیا گیا۔(ت)

امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لوشئت لاوقرت من تفسیر الفاتحة سبیعن بعیرا [2]۔	میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھروادوں۔

ایک اونٹ کے من بوجھ اٹھاتا ہے اور ہر من میں کے ہزار اجزاء حساب سے تقریبًا پچیس لاکھ جزآتے ہیں۔یہ فقط سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے پھر باقی کلام عظیم کی کیا گنتی۔پھر یہ علم علم علی ہے۔اس کے بعد علم عمر،اس کے بعد علم صدیق کی باری ہے"ذھب عمر به تسعة اعشار العلم"عمر علم کے نوحصے لے گئے۔کان ابوبکر اعلمنا ہم سب میں زیادہ علم ابوبکر کو تھا پھر علم نبی تو علم نبی ہے۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غرض قرآن عظیم وفرقان کریم میں سب کچھ ہے جسے جتنا علم اتنی ہی فہم،جس قدر فہم اسی قدر علم۔

"وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾" [3]	ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں مگر انھیں صرف علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں(ت)

کہاوتیں ارشاد تو سب کے لئے ہوئی ہیں پر ان کی سمجھ انھیں کو ہے جو علم والے ہیں۔پھر علم کے مدارج بے حد متفاوت "وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾" [4] (ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔ت) عالم امکان میں نہایت نہایات حضور سید الکائنات علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوۃ والسلام والتحیات۔ولہذا ارشاد ہوا:

"اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ" [5]	ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو کچھ آپ کو اللہ تعالٰی دکھادیا ہے اس کی روشنی میں(ت)

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الخامس والستون مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۶
[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۸۶
[3] القرآن الکریم ۲۹/ ۴۳
[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۷۶
[5] القرآن الکریم ۴/ ۱۰۵

تو حضور کا جو کچھ حکم جو کچھ رائے جو کچھ طریقہ جو کچھ ارشاد ہے سب قرآن عظیم سے ہے "اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾"[1] (یقینا تمھارے پروردگار کی طرف ہی ہر کام کی انتہاء ہے۔ت) سب قرآن عظیم میں ہے "اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴿۴﴾"[2] (وہ تو صرف وحی ہے جو ان پر کی گئی۔ت) مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے علم تام وشامل سے جانا کہ آخر زمانہ میں کچھ بددین مکار بدلگام فاجر ایسے آنے والے ہیں کہ ہمارا جو حکم اپنی اندھی آنکھوں سے بظاہر قرآن میں نہ پائیں گے منکر ہو جائیں گے۔

"بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۹﴾"[3]	بلکہ انھوں نے اس کو جھٹلایا جس کو بذریعہ علم وہ احاطہ نہ کرسکے حالانکہ ابھی ان کے پاس اس کی کوئی تاویل نہیں آتی تھی۔یونہی ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر، دیکھو ظالموں کا کیسا (عبرتناک) انجام ہوا۔(ت)

لہٰذا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صاف ارشاد فرمایا:

الا انی اوتیت القراٰن ومثله معه الا یشك رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بھذا القراٰن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوہ وماوجدتم فیه من حرام فحرموہ وان ماحرم رسول الله کما حرم الله رواہ الائمة احمد والدارمی[4] وابوداؤد والترمذی و ابن ماجة بالفاظ متقاربة عن المقدام بن معدیکرب رضی الله تعالٰی عنه۔	سن لو مجھے قرآن عطا ہوا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل۔خبردار نزدیک ہے کہ کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے یہی قرآن لئے رہو اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو جو حرام پاؤ اسے حرام جانو، حالانکہ جو چیز رسول اللہ نے حرام کی وہ اسی کی مثل ہے جو اللہ نے حرام فرمائی۔(ائمہ کرام مثلا امام احمد، دارمی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے تقریبا ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۴۲

[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۴

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۹

[4] جامع الترمذی ابواب العلم ۲/ ۹۱ وسنن ابی داؤد کتاب السنة باب لزوم السنة ۲/ ۲۷۶، مسند احمد بن حنبل عن المقدام ۴/ ۱۳۱ وسنن ابن ماجه مقدمة الکتاب ص ۳، سنن الدارمی باب السنة قاضیة علی کتاب الله دار المحاسن القاہرہ ۱/ ۱۱۷

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاالفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر مما امرت بہ اونہیت عنہ فیقول لاادری ماوجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔ رواہ احمد[1] وابوداؤد والترمذی و ابن ماجۃ والبیہقی فی الدلائل عن ابی رافع رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	خبردار! میں نہ پاؤں تم میں کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگائے کہ میرے حکم سے کوئی حکم اس کے پاس آئے جس کا میں نے امر فرمایا یا اس سے نہی فرمائی ہو، تو کہنے لگے میں نہیں جانتا ہم تو جو کچھ قرآن میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔ (امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس کو حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا۔ت)

اور ایک حدیث میں ہے حضور والاصلوٰۃاللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے فرمایا:

ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ قدیظن ان اللہ لم یحرم شیئا الا مافی ھذا القراٰن الا وانی واللہ قد امرت ووعظت ونہیت عن اشیاء انہا لمثل القراٰن او اکثر۔ رواہ ابوداؤد[2] عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیا تم میں سے کوئی اپنے تخت پر تکیہ لگائے گمان کرتا ہے کہ اللہ نے بس یہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں لکھی ہیں سن لو خدا کی قسم میں نے حکم دئے اور نصیحتیں فرمائیں اور بہت چیزوں سے منع فرمایا کہ وہ قرآن کی حرام فرمائی اشیاء کے برابر بلکہ بیشتر ہیں (امام ابوداؤد نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا۔ت)

اس منکر کا داڑھی بڑھانے کے حکم کو کہنا قرآن میں کہیں نہیں اور اسی بناء پر احادیث صحیحہ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ کہہ کر رد کردینا کہ داڑھی بڑھانا اخلاق میں ہوتا تو قرآن میں کیوں نہ آتا وہی پیٹ بھرے بے فکرے بے نصیبے بے بہرے کی بات ہے جس کی پیشگوئی حضور

[1] جامع الترمذی ابواب العلم ۲/ ۹۱ و سنن ابی داؤد کتاب السنۃ ۲/ ۲۷۹ وسنن ابن ماجہ مقدمۃ الکتاب ص ۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب الخراج والامارۃ باب التعشیر اھل الذمۃ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۷۶

عالم ماکان ومایکون فرماچکے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔سچ فرمایارب جل وعلانے:

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾" [1]	تمھارے پروردگار کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ آپس کے جھگڑوں میں تمھیں حاکم تسلیم نہ کرلیں۔پھر تمھارے فیصلہ سے اپنے دلوں میں ذراسی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ اسے دل وجان سے بغیر کسی کھٹک کے مان لیں۔(ت)

قرآن عظیم قسم کھا کر فرماتا ہے کہ اے نبی!جب تک تیری باتیں دل سے نہ مان لیں ہر گز مسلمان نہ ہوں گے طوطے کی طرح زبان سے لاکھ کلمہ رٹے جائیں کیاہوتاہے۔

تنبیہ دوم: مسلمانو!یہ گمراہ قوم جن کی پیشگوئی احادیث مذکورہ میں گزری صرف حدیثوں ہی کے منکر نہیں بلکہ حقیقۃً قرآن عظیم کو عیب لگانے والے اور دین متین کو ناقص وناتمام بتانے والے ہیں حدیثیں تو یوں چھوڑ دیں کہ انبیاء صرف درستی اخلاق کے لئے آتے ہیں حدیثوں کی باتیں اخلاق سے ہوتیں۔تو قرآن میں کیوں نہ آتیں ورنہ قرآن اخلاقی احکام سے خالی اور دین ناقص ٹھہرتا ہے۔جب مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں یوں بیکار گئیں پھر اور کسی کی بات کا کیاذکر۔

"فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾" [2] (پھر وہ اس کے بعد(قرآن مجید کے بعد)اور کس چیز پر ایمان لائیں گے۔ت)

اب گنتی کے وہ احکام رہ گئے جن کی صاف تصریح کتاب اللہ میں ہے ان کے سواسب اخلاق سے خارج تہذیب واخلاق کے ہزاروں احکام جن میں کوئی ذی عقل نزاع نہ کرسکے **معاذاللہ** اسلام کے نزدیک مہمل ومعطل اور تمامی دین باطل ومختل،مثلاً مردوں کا داڑھی مونچھ منڈواکر بال بڑھا کر چوٹی گندھواکر ہاتھ پاؤں میں مہندی رچا کر زنانہ کپڑے گوٹہ پٹھے مسالے کے پہن کر سر سے پاؤں تک جڑاؤں گہنوں سے بن ٹھن کر ہزاروں کے مجمع میں ناچنا بھاؤ بتانا کس آیت میں حرام لکھا ہے اعضائے رجولیت کٹاکر زنخنہ بننا ناک پر انگلی رکھ کر تالیاں بجانا کس سورۃ میں منع آیا ہے۔**وعلی ھذا القیاس** ہزاروں افعال وسواس خناس اب منکر متکبر سے پوچھا جائے کہ ان افعال اور ان کے امثال کو **معاذاللہ** ملت اسلام میں حلال بتا کر دین کو عیاذاً باللہ سخت بیہودہ ونامہذب بنائے گا یا شرما شرمی حرام ٹھہرا کر نصوص قرآنیہ خالی پاکر **معاذاللہ** قرآن عظیم کو ناقص ناتمام بتائے گا ایسے حضرات کی تمام جدید تحقیقات شقیہ کا اندرونی بخاروہی پادریوں کو خفیہ اعانت دینا اور دین متین کا مضحکہ اڑانا ہوتا ہے "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾" [3] (عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

[2] القرآن الکریم ۷۷/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) بہت اچھا اگر داڑھی منڈانا حرام نہیں کہ قرآن عظیم میں اس کے احکام نہیں تو جہاں اس پر عمل ہے یہ پوری شرافت کے افعال بھی برت کر دکھادیں کہ ان کی تحریم بھی قرآن میں کہیں نہیں۔پوری ہی گائے نہ کھایئے کہ دین نیچر کے کامل مومن کہلایئے، اچھانہ سہی قرآن میں کہیں ناک کٹانا بھی حرام نہیں لکھا **الانف بالانف** (ناک کے بدلے ناک۔ت) میں دوسرے کی ناک کاٹنے پر سزا ہے اپنی قطع کرانے کا ذکر کیا ہے ایک کاٹ کر دوسری کہاں سے لایئے گا کہ **الانف بالانف** کا محل پایئے گا جہاں داڑھی منڈائی ہے۔یہ اونچی گوٹ آنکھوں کی اوٹ جس نے ناحق چہرہ ناہموار کر رکھا ہے اسے بھی دھتابتائیں لوگ چار ابرو کا صفایا بولتے ہیں یہ پانچوں گانٹھ کمیت ہوجائیں خیر آپ اس پر عمل نہ کریں مگر آپ کی تحریر تو ضرور ہانکے پکارے کہے گی کہ دین اسلام ایسا ناقص دین ہے جس میں ناک کٹانا حرام نہیں یا قرآن عظیم ایسی کتاب ہے جس میں ایسے جرموں پر کچھ الزام نہیں۔

تنبیہ سوم: منکر متکبر کا اثبات حرمت میں قرآن عظیم کے ساتھ حدیث متواتر و مشہور کا نام لے دینا محض عیاری ودنیاسازی یا عجب کورانہ تناقض بازی ہے ہم پوچھتے ہیں جو کسی حدیث متواتر یا مشہور میں آئے قرآن عظیم میں بھی موجود ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو حدیث کی کیا حاجت، اور اس تردید سے کیا منفعت اور اگر نہیں تو اب پوچھا جائے گا کہ وہ حکم داخل اخلاق ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو قرآن عظیم احکام اخلاق سے خالی اور دین معرض نقص و بے کمالی، اور نہیں تو تمھارا مطلب حاصل کہ ایسے حکم کا شرعی ہونا باطل۔بہت ہو تو مچھلی کا ساشکار سہی، حرمت فرضیت کس نے کہی، مسلمانو! دیکھتے جاؤ کہ ان حضرات کے تمام خیالات کا حاصل بے حاصل وہی ابطال شرع مطہر و اکمال بیقیدی اہل نیچر ہے وبس، "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ"[1] (وہ لوگ جو ظالم ہیں انھیں جلد ہی معلوم ہوجائے گا کہ وہ کس کروٹ پلٹا کھانے والے ہیں۔ت)

تنبیہ چہارم: بعینہٖ اسی دلیل سے اجماع بھی باطل، پھر قیاس کس گنتی شمار میں رہے، اور امر قرآنیہ منکر نے "اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا"[2] (جب احرام سے نکلو تو شکار کرسکتے ہو۔ت) سے اس کا جواب بھی گھڑ دیا۔ہر امر میں یہی احتمال قائم، کیا معلوم کہ یہ انھیں احکام میں ہو جن کا نہ کرنا عقاب در کنار موجب عتاب بھی نہیں پھر ایک یہی چلتا فقرہ تمام نواہی قرآنیہ کو بس ہے کہ جس طرح امر کبھی اباحت کے لئے ہوتا ہے یونہی نہی بھی ارشادی ہوتی ہے غرض ایک ہی کرشمے میں شریعت محمدیہ کے تمام اوامر ونواہی بیکار اور معطل ہو کر رہ گئے۔سچ ہے انسانی آزادی اس کی منادی قید ملت کہاں کی علت، مگر افسوس یہ آنکھوں کے اندھے عقل کے اوندھے سمجھے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۶ /۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۵ /۲

آزاد ہوئے اور حقیقت دیکھو تو برباد ہوئے۔اللہ واحد قہار کی بندگی سے سر نکالا اور ابلیس لعین کا پٹا گلے میں ڈالا بندگی تو ہر حال رہی اللہ کی نہیں ابلیس کی سہی ع

ببیں کہ از کہ بریدی و باکہ پیوستی

(دیکھو تو سہی کہ تم نے کس سے تعلق توڑا اور کس سے جوڑا یعنی کس سے کٹ کر جدا ہو گئے اور کس سے وابستہ ہو کر مل گئے۔ت)

تنبیہ پنجم: مخالفت مشرکین کے وہ معنی لینا اور داڑھی رکھنے منڈانے دونوں میں مخالفت بتانا کلام پاک حضور سید لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کھلا استہزاء و تمسخر ہے۔اللہ اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد اطہر اور ایک ناپاک بیباک بے ادراک کا کہنا کہ **فیہ نظر** (اس میں ایک اعتراض واشکال ہے۔ت) پھر اسے دیدہ ودانستہ بازیچہ بنانا " **یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ** " [1] (وہ لوگ کتاب کو سمجھنے کے بعد اسے بدل ڈالتے ہیں جبکہ وہ (اس حقیقت کو) اچھی طرح جانتے ہیں۔ت) کا شیوہ دکھانا۔

اوّلاً: دنیا میں کون اندھے سے اندھا خلاف مشرکین کا یہ مطلب سمجھے گا کہ مشرکین روٹی کھاتے ہیں تم بھوکے رہو، وہ پانی پیتے ہیں تم پیاسے مرو، خلاف مشرکین شعار مشرکین میں ہے نہ یہ کہ کوئی مشرک ہمارے بعض افعال اختیار کرے، یا جس فعل کو ہماری شرع مطہر نے پسند فرمایا وہ کسی فرقہ مشرکہ سے بھی واقع ہو تو ہم چھوڑدیں۔

ثانیاً: یہی معنی مراد ہوتے تو معاذاللہ حکم کس قدر فضول و مہمل تھا۔جو بات ایک کام کرو تو بھی حاصل نہ کرو تو بھی حاصل، اس کے لئے اس کام کا حکم دینا تحصیل حاصل۔

ثالثاً: ترجیح بلا مرجح اس کے عکس کا کیوں نہ حکم ہوا کہ خلاف مشرکین اس میں بھی تھا۔

رابعاً: بلکہ ترجیح مرجوح کہ داڑھی منڈے مشرک مہینوں کی راہ دور ایران وغیرہ میں تھے اور داڑھی والے اہل عرب اپنے ہی وطن میں اپنے ہی شہروں میں۔تو خلاف مشرکین انھیں کے خلاف ظاہر ہوتا یوں تو کوئی ایرانی کبھی اتفاق سے آجاتا تو اپنی مخالفت پاتا پھر بھی خلاف مذہبی نہ سمجھتا بلکہ قومی و ملکی کہ اس ملک کے مسلم وکافر سب کو اپنے خلاف دیکھتا۔

خامساً: اللہ اکبر اگر حدیث فقط اس قدر ہوتی کہ **خالفوا المشرکین** مشرکوں کا خلاف کرو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۷۵

تو شاید کسی کچے جنونی پکے مجنونی کو ایسے جنون جاگتے مجنون لے بھاگتے، مگر حدیث میں تو صراحۃً خود اس خلاف کی شرح فرمادی تھی۔ اعفوا الشوارب واعفوا اللحی مشرکین کا یوں خلاف کرو کہ لبیں ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ اس کے یہ معنٰی لینا کہ ان کا خلاف کرکے بڑھاؤ خواہ ان کی مخالفت کرکے منڈاؤ کیسی کھلی تحریف اور کیسا صریح استہزاء ہے۔ اللہ اکبر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وسعت علم جس طرح عجائب قرآن عظیم غیر متناہی ہیں یوہیں عجائب حدیث کی حد نہیں۔ کریمہ: "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵" [1] (کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کا بوجھ (بروز قیامت) نہیں اٹھائے گا اور ہم جب تک کوئی رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں دیتے یعنی اتمام حجت کے بغیر مبتلائے عذاب نہیں کرتے۔ ت) کے لطائف سے امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے شمار فرمایا کہ دونوں جملے دو۲ ہمشکل مسائل مختلف فیہا کا فیصلہ فرماتے ہیں۔ پہلا مسئلہ اطفال مشرکین اور دوسرا اہل فترت پر دلیل شافی ہے ان دونوں کا ایک جگہ ارشاد ہونا نظم قرآنی کے عجب دقیقہ سے ہے ذکرہ فی رسالۃ فی الابوین الکریمین (امام سیوطی نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین کریمین کے اسلام کے موضوع پر جو رسالہ تحریر فرمایا۔ اس میں اس کا ذکر فرمایا۔ ت) فقیر کہتا ہے امام احمد وطبرانی وضیاء نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تسرولوا وائتزروا وخالفوا اھل الکتاب قصوا سبالکم ووفروا عثانینکم وخالفوا اھل الکتاب [2]۔	پاجامہ پہنو اور تہبند باندھو اور یہود ونصارٰی کا خلاف کرو اور لبیں ترشواؤ اور داڑھیاں وافر کرو یہود ونصارٰی کا خلاف کرو۔

یہود ونصارٰی کے یہاں ستر کچھ ضروری نہیں ان کی قومیں اب تک ننگے نہانے کی عادی ہیں حدیث میں ان دو جملوں کا ایک جگہ ارشاد ہونا ایسے گمراہوں گمراہ پرستوں کے جنون کا کافی علاج ہے جس طرح داڑھی میں مخالفت اہل کتاب کے وہ معنی تراشے یونہی پاجامہ وتہبند میں یہی مطلب پہنائے کہ اہل کتاب ستر عورت کرتے بھی ہیں تو چاہے اس عادت کا خلاف کرکے پاجامہ پہنو چاہے اس کی مخالفت سے ننگے پھرو اور پورے مہذب جنٹلمین بنو۔ "وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۲۷" [3]

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۵

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی امامہ باہلی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۶۴۔۲۶۵

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

(عنقریب ظالم جان جائیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

تنبیہ ششم: فرض وواجب اور اسی طرح حرام ومکروہ تحریمی میں فرق دربارہ اعتقاد ہے کہ فرض وحرام کا منکر کافر ٹھہرتا ہے۔

امامطلقًا کما علیہ ظواھر کلمات الفقھاء الامجاد او علی تفصیل فیہ کما علیہ الاعتماد۔	یا مطلقًا جیسا کہ بزرگ فقہاء کرام کے ظاہری کلمات اس پر دلالت کرتے ہیں یا اس میں تفصیل ہے جیسا کہ اس پر اعتماد ہے۔(ت)

بخلاف اخیرین، مگر عمل میں دونوں کا ایک حکم مخالف میں گناہ واثم امتثال میں رجائے ثواب خلاف میں استحقاق غضب و عذاب۔ کما صرح فی کل کتاب (جیسا کہ تمام کتب میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ت) اہل اسلام اپنے رب کے غضب سے ڈریں اور ان گمراہان گر کی چرب زبانیوں پر توجہ نہ کریں بالفرض اصطلاح حنفی میں "ف رض یا ح رام" کا اختلاف نہ ہوا تو یہ فرض اصطلاحی تمہارے کس کام آئے گا جبکہ غضب جبار وعذاب نار کا استحقاق بہر حال موجود **والعیاذ باللہ الغفور الودود،** یقین جانو اس دن کو داڑھی منڈا واحد قہار کے حضور تمہارا حمایتی نہ بنے گا وہ آپ اپنی بھڑکائی آگ میں جلے بھنے گا آئندہ اختیار بدست مختار، مسلمانو! اس کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ کوئی گندہ ناپاک بھینس کا گوبر گدھے کی لید کھایا کرے۔ جب اس سے کہا جائے تو (۰۰) کھاتا ہے کہے اسے (۰۰) (۰۰) نہیں کہتے یہ تو لید گوبر ہے اس نجس سے یہی کہا جائے گا کہ یونہی سہی مگر ہر طرح تیرے منہ میں تو گندگی رہی، مسلمانو! مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ سہی مگر بعد اصرار کبیرہ اور ہلکا جانتے ہی فورا اشد کبیرہ۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاصغیرۃ مع الاصرار[1] رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اصرار سے کوئی گناہ چھوٹا نہیں ہوجاتا (بلکہ بڑا ہوجاتا ہے) دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے اس کو روایت کیا ہے اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو۔ (ت)

پھر یہ ظالمین براہ چالاکی حرام حرام کی اصطلاح لئے ہوئے ہیں حقیقۃً مباح محض شیر مادر جانتے ہیں جب تو "اِذَاحَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ"[2] (جب تم حلال ہو جاؤ یعنی احرام کی پابندی ختم ہوجائے

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی حدیث ۷۹۴۴ ابن عباس دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۱۹۹

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

اور احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔(ت) [یعنی حدود حرم سے باہر شکار تمھاری پسند اور چاہت پر موقوف ہے مترجم] کی مثال اور عقاب در کنار عتاب بھی نہ ہونے کا خیال ہے۔ شیطان کے بڑھاوے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

"یَعِدُهُمۡ وَیُمَنِّیۡهِمۡ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾ "[1]	شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے اور انھیں امید دلاتا ہے اور شیطان ان سے سوائے دھوکے اور فریب کے کوئی وعدہ نہیں کرتا (یعنی اس کا ہر وعدہ سبز باغ اور فریب ہوتا ہے)۔(ت)

انتباہ: سنا گیا کہ اس منکر متکبر کی طرح کوئی اور حضرت بھی اس مسئلہ میں مخالفت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تلے ہوئے ہیں اس نے اباحت محضہ کا ڈنڈا پکڑا اور وہ اپنے زور زور میں اور راہ چلے ہیں کہ داڑھی منڈانا حرام نہیں۔اور مکروہ تحریمی میں خود اختلاف ہے کہ وہ حرمت سے قریب ہے یا حلت سے نزدیک مسلمانو! راہ فریب سے دور

"لَا یَغُرَّنَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۵﴾ "[2] (اور ہر گز تمھیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی) یہ ان قائل صاحب کا محض افترائے گندہ وایجاد بندہ ہے آج تک جہاں میں کسی عالم نے مکروہ تحریمی کو قریب۔بحلت نہ بتایا تمام کتب مذہب موجود ہیں حضرات شیخین وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم میں یہ اختلاف بتایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک مکروہ تحریمی عین حرام ہے اور ان کے نزدیک اقرب بحرام۔ تنویر الابصار وغیرہ عامہ اسفار میں ہے:

کل مکروہ حرام عند محمد وعندھما الی الحرام اقرب[3]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہر مکروہ حرام ہے جبکہ امام صاحب اور امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک حرام سے قریب تر ہے۔(ت)

اور عند التحقیق یہ بھی صرف اطلاق لفظ کا فرق ہے معنی سب کا ایک مذہب خود امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ناقل کہ انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی: اذا قلت فی شیئ اکرہ فما رأیك فیه جب آپ کسی شیئ کو مکروہ فرمائیں تو اس میں آپ کی کیا رائے ہوتی ہے؟ قال التحریم فرمایا حرام ٹھہرانا ذکر فی ردالمحتار[4] عن شرح التحریر

---

[1] القرآن الکریم ۴ /۱۲۰

[2] القرآن الکریم ۳۵ /۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۴

للامام ابن امیر الحاج عن مبسوط الامام محمد رحمھم اللہ تعالٰی (فتاوٰی شامی میں اس کو شرح التحریر کے حوالے سے ذکر فرمایا جو امام ابن امیر الحاج کی تصنیف ہے انھوں نے مبسوط امام محمد سے نقل فرمایا (اللہ تعالٰی ان سب پر رحم فرمائے)۔ت)

تنبیہ ہفتم: آیات قرآنیہ میں۔ حق فرمایا ہمارے رب جل وعلانے:

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾"[1]	ہے یوں کہ آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

ان بے بصیرتوں کو اگر کبھی کھلی آنکھوں سے قرآن عظیم کی زیارت نصیب ہوتی تو جانتے کہ داڑھی بڑھانے کی طرف اشارہ اس میں ایک دو نہیں بلکہ بکثرت آیات کریمہ میں موجود ہے اس میں دو ۲ طریق ہیں: **اول طریق عموم**: یہ دو ۲ وجہ پر ہے:

وجہ اول: کہ صحابہ کرام وائمہ اعلام رضی اللہ تعالٰی عنھم امثال مقام میں استعمال فرماتے رہے۔ **آیت ۱: قال اللہ عزوجل**:

"مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ"[2]	جو کچھ یہ رسول کریم تمھیں دے اختیار کرو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

آیت ۲: قال تعالٰی:

"اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ"[3]	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اپنے علما کی۔

آیت ۳: قال عزوجل:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ"[4]	جو رسول کے فرمانے پر چلا اس نے اللہ کا حکم مانا۔

رب تبارک وتعالٰی ان آیات اور ان کے امثال میں نبی کا حکم بعینہٖ اپنا حکم اور نبی کی اطاعت بعینہٖ اپنی اطاعت بتاتا ہے تو تمام احکام کہ احادیث میں ارشاد ہوئے سب قرآن عظیم سے ثابت ہیں جو اخلاقی حکم حدیث میں ہے کتاب اللہ اس سے ہرگز خالی نہیں اگرچہ بظاہر تصریح جزئیہ ہماری نظر میں نہ ہو۔

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[4] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

احمد و بخاری و مسلم وابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ سب ائمہ اپنی مسند و صحاح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا:

لعن اللہ الواشمات والمستوشمات و المتنمصات و المتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ۔	اللہ کی لعنت بدن گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور منہ کے بال نوچنے والیوں اور خوبصورتی کے لئے دانتوں میں کھڑکیاں بنانے والیوں اللہ کی بنائی چیز بگاڑنے والیوں پر۔

یہ سن کر ایک بی بی خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: میں نے سنا ہے آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ____فرمایا:

مالی لا العن من لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو فی کتاب اللہ۔	مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اور جس کا بیان قرآن عظیم میں ہے۔

ان بی بی نے کہا: میں نے قرآن اول سے آخر تک پڑھا اس میں کہیں اس کا ذکر نہ پایا__ فرمایا:

اِنْ کُنتِ قَرَأْتِیْہِ لَقَدْ وَجَدْتِیْہِ اما قراتِ مااتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا۔	اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا یہ بیان اس میں ضرور پاتیں۔ کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی کہ جو رسول تمھیں دے وہ لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

انھوں نے عرض کی: ہاں ___ فرمایا: فانہ قد نھی عنہ[1] تو بے شک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان حرکات سے منع فرمایا: منکر دیکھے کہ اس کا خیال وہی ان بی بی کا خیال اور ہمارا جواب بعینہٖ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جواب ہے یا نہیں۔ یہ بی بی ام یعقوب اسدیہ ہیں کبار تابعین وثقات مصالحات سے

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۳۴، صحیح البخاری کتاب اللباس باب الموصولۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۹، سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب صلۃ الشعر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۸، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی الواصلۃ الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۲، سنن نسائی کتاب الزینۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۹۲

ہونے میں تو کلام نہیں اور حافظ الشان نے فرمایا: صحابیہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ بہر حال ان کی فضیلت وصلاح قبول حق پر باعث ہوئی سمجھ لیں اور اس کے بعد حدیث کو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتیں

کما رواہ البخاری [1] من طریق عبدالرحمٰن بن عابس عنھا رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جیسا کہ امام بخاری نے عبدالرحمٰن بن عابس کے طریقہ سے۔اس نے بی بی صاحبہ سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے۔(ت)

ابنائے زمانہ سے گزارش کرنی چاہئے کہ ع

دلا مردانگی زین زن بیاموز

(اے دل! اس عورت سے مردانہ جرأت سیکھ۔ت)

ولٰکن الھدایۃ لن تنالا   بلا فضل من المولٰی تعالٰی

(لیکن تو ہرگز ہدایت نہں پاسکے گا اللہ تعالٰی کے فضل کے بغیر۔ت)

ایک بار عالم قریش سے سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مکہ معظّمہ میں فرمایا: مجھ سے جو چاہو پوچھو میں قرآن سے جواب دوں گا۔ کسی نے سوال کیا: احرام میں زنبور کو قتل کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ما اٰتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا وحدثنا سفیٰن بن عیینہ عن عبدالملك بن عمیر بن ربعی بن حراش عن حذیفۃ بن الیمان عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر وعمر	بسم اللہ الرحمن الرحیم، جو کچھ تمھیں رسول کریم عطا فرمائیں اسے لے لو اور جس سے تمھیں منع فرمائیں اس سے باز رہو "اللہ عزوجل نے تو فرمایا کہ ارشاد رسول پر عمل کرو" (ہم سے سفیان بن عیینہ نے فرمایا اس نے عبدالملک بن عمیر سے اس نے ربعی بن حراش سے اس نے حذیفہ بن یمان سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ ت) کہ رسول اللہ

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب الواشمہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۹

حدثنا سفین عن مسعر بن کدام عن قیس بن مسلم عن طارق بن شھاب عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه انه امر بقتل المحرم الزنبور ذکرہ الامام السیوطی فی الاتقان [1]"	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہمیں حدیث پہنچی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان دو کی پیروی کرو جو میرے جانشین ہونگے۔(ہم سے سفیان بن مسعر بن کدام نے بیان کیا انھوں نے قیس بن مسلم سے انھوں نے طارق بن شہاب سے روایت کی) اور ہمیں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث پہنچی کہ انھوں نے احرام باندھے ہوئے کو قتل زنبور کا حکم دیا(امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اسے الاتقان فی علوم القرآن میں ذکر فرمایا۔ت)

وجہ ثانی: اقول: وبالله التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت)

آیت ۴: قال جل ذکرہ (اللہ جل جلالہ نے فرمایا:)

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾" [2]	البتہ بیشک تمھارے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چال طریقہ میں اچھی ریت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور پچھلے دن سے اور بہت یاد کرے اللہ کی۔

اس آیہ کریمہ میں مولٰی جل وعلا اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے طریق وروش پر چلنے کی ہدایت فرماتا اور مسلمانوں کو یوں جوش دلاتا ہے کہ دیکھو ہماری یہ بات وہ مانے گا جس کے دل میں ہمارا خوف ہماری یاد ہم سے امید قیامت سے دہشت ہوگی اور موافق مخالف حتی کہ نصارٰی ویہود ومجوس وہنود تمام جہاں جانتا ہے کہ اس سرور جہاں وجہانیاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت دائمہ مستمرہ داڑھی رکھنی تھی جس پر تمام عمر مداومت فرمائی محافظت فرمائی تاکید فرمائی ہدایت فرمائی معاذ اللہ کبھی تجویز خلاف نے گنجائش نہ پائی، ہم یہاں بعض احادیث جلیلہ کریمہ یاد کریں کہ ذکر حبیب نور عین وسرور جان وشادابی دل وسیرابی ایمان ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی النوع الخامس والستون مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۶

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۲۱

حدیث ۱: جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کثیر شعر اللحیۃ۔رواہ مسلم [1] وعنہ عند ابن عساکر [2] کثیر شعر الراس واللحیۃ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ریش مبارک میں بال کثیر وانبوہ تھے (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ابن عساکر کے نزدیک انہی جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک کے بال زیادہ تھے۔ت)

حدیث ۲: ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فخما مفخما یتلالؤ وجہہ تلالؤالقمر لیلۃ البدر ازھر اللون واسع الجبین کث اللحیۃ رواہ الترمذی [3] فی الشمائل والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی الشعب و رواہ ایضا الرؤیانی والبیہقی فی الدلائل وابن عساکر فی التاریخ۔	حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عظمت والے نگاہوں میں عظیم دلوں میں معظم تھے چہرہ مبارک ماہ دوہفتہ کی طرح چمکتا جگمگاتی رنگ، کشادہ پیشانی گھنی داڑھی (اس کو امام ترمذی نے شمائل نبوی میں امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔نیز رؤیانی نے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عساکر نے تاریخ میں روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۳: امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

بابی وامی کان ربعۃ ابیض مشربا بحمرۃ کث اللحیۃ رواہ ابن عساکر [4] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میرے ماں باپ ان پر قربان، میانہ قد کے تھے، گورا رنگ جس میں سرخی جھلکتی، گھنی داڑھی، (ابن عساکر نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب اثبات خاتم النبوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵۶

[2] تھذیب تاریخ ابن عساکر باب صفۃ خلقہ ومعرفۃ خلقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۲

[3] شمائل الترمذی جامع الترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ امین کمپنی دہلی ص ۲

[4] کنز العمال برمز کر "عن ابی ہریرہ حدیث ۱۸۵۶۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۱۷۲

حدیث ۴: وہی فرماتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضخم الھامۃ عظیم اللحیۃ رواہ البیہقی[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سر مبارک بزرگ اور ریش بڑی تھی (اسے امام بیہقی نے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵: امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابیض اللون مشربا بحمرۃ ادعج العینین کث اللحیۃ[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رنگ گورا، سرخی آمیز آنکھیں بڑی، خوب سیاہ داڑھی گھنی۔

حدیث ۶: انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احسن الناس قواما واحسن الناس وجھا واطیب الناس ریحا والین الناس کفا وکانت لہ جمۃ الی شحمۃ اذنیہ وکانت لحیتہ قد ملأت من ھھنا الی ھھنا وامرید یہ علی عارضیہ[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم پاک کی بناوٹ تمام جہان سے بہتر چہرہ تمام عالم سے خوب تر مہک سارے زمانے سے خوشبو تر، ہتھیلیاں اپنے رخساروں سے نرم تر، بال کانوں کی لو تک، پھر اپنے رخساروں پر اشارہ کرکے بتایا کہ) ریش مبارک یہاں سے یہاں تک بھری ہوئی تھی۔

حدیث ۷: وہی فرماتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابیض الوجہ کث اللحیۃ احمر الاماق اھدب الاشفار، رواہا جمیعا ابن[4] عساکر الکل مختصرًا۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا منہ گورا، داڑھی گھنی، آنکھوں کے سرخی، پلکیں دراز، (ان سب کو ابن عساکر نے مختصر طور پر روایت کیا ہے۔ت)

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب صفۃ راس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۱۶

[2] تہذیب تاریخ ابن عساکر باب صفۃ خلقہ ومعرفۃ خلقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۸

[3] تہذیب تاریخ ابن عساکر باب صفۃ خلقہ ومعرفۃ خلقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۱

[4] تہذیب تاریخ ابن عساکر باب صفۃ خلقہ ومعرفۃ خلقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۲

امام قاضی عیاض شفاشریف میں فرماتے ہیں: **کث اللحیۃ تملؤ صدرہ**[1]۔ ریش مطہر گھنی سینہ منورہ کو بھرے ہوئے۔ یہاں "سینہ" سے مراد اس کا بالائی کنارہ ہے کہ گلے کی انتہا ہے **صرح بہ الشراح وھوا لواضح الصراح** (شارحین نے اس کی تصریح فرمائی جو بالکل واضح اور صاف ہے۔ت) اور عادت کریمہ تھی کہ کوئی امر کیساہی مرغوب وپسندیدہ ہو جب شرعا لازم ضروری نہ ہوتا تو بیان جواز کے لئے گاہے ترک بھی فرمادیتے یا قولا خواہ تقریرا جواز ترک بتادیتے اس لئے علمائے کرام نے سنت کی تعریف میں مع الترک احیانا اضافہ کیا یعنی جسے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اکثر کیا اور کبھی کبھی ترک بھی فرمادیا ہو۔ ولہذا محققین فرماتے ہیں کہ ایسی مواظبت دائمہ ہمیشہ دلیل وجوب ہے۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر باب الاذان میں فرماتے ہیں:

عدم الترك مرة دليل الوجوب[2]۔	ایک مرتبہ بھی نہ چھوڑنا وجوب کی دلیل ہے۔(ت)

نیز باب الاعتکاف میں فرمایا:

ھذہ المواظبۃ المقرونۃ بعدم الترک مرۃ لما اقترنت بعدم الانکار علی من لم یفعلہ من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم کانت دلیل السنۃ والاکانت دلیل الوجوب[3]۔	یہ دوام یعنی ہمیشگی جو کبھی ایک دفعہ بھی نہ چھوڑنے سے مقرون ہو جب ان صحابہ کرام سے جنھوں نے اسے نہ کیا ہو ان سے عدم انکار پر مقترن ہو تو دلیل سنت ہے ورنہ دلیل وجوب ہے۔(ت)

دوم طریق خصوص: اس میں بھی بحمد اللہ تعالٰی فیض جلیل قرآن جلیل سے آیات کثیرہ عبد ذلیل پر فائض برکات ہوئیں **فاقول: وباللہ التوفیق** (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق ومدد سے ہی کہتا ہوں۔ت) یہ نفیس طریق وجوہ عدیدہ رکھتا ہے جن سے احیائے لحیہ کا امر یا طلب یا اس کے خلاف پر وعید یا مذمت ثابت ہو۔

وجہ ثالث ___ آیت ۵: قال تعالٰی وتقدس:

"وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ	کافر نہیں پوجتے مگر شیطان سرکش کو جس پر خدا نے لعنت کی اور وہ بولا میں ضرور لے لوں گا تیرے

[1] الشفاء لحقوق المصطفٰی فصل ان قلت الخ عبدالتواب اکیڈمی ملتان ۱/ ۳۸

[2] فتح القدیر باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان ۱/ ۲۰۹

[3] فتح القدیر باب الاعتکاف مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان ۲/ ۳۰۵

نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ"[1]	بندوں میں سے اپنا ٹھہرا ہوا حصہ اور میں ضرور انھیں بہکا دوں گا اور ضرور خیالی لالچوں میں ڈالوں گا اور ضرور انھیں حکم دوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور بیشک انھیں حکم دوں گا کہ اللہ کی بنائی چیز بگاڑیں گے۔

یہی وہ آیہ کریمہ ہے جس کی رو سے حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زنان مذکورہ پر لعنت فرمائی اور اس کی علت یہی خدا کی بنائی چیز بگاڑنی بتائی، بعینہٖ یہی کیفیت داڑھی منڈانے کی ہے۔منہ کے بال نوچنے والیاں تغیر خلق اللہ کرتی ہیں یوں ہی داڑھی منڈوانے والے تو یہ سب اسی **فلیغیرن خلق اللہ** (تو وہ اللہ تعالٰی کی بناوٹ میں تبدیلی کرینگے۔ت) میں داخل اور شیطان کے محکوم اور اللہ ورسول کے ملعون ہیں۔امام جلال الدین سیوطی اکلیل فی استنباط التنزیل میں زیر آیہ کریمہ فرماتے ہیں:

یستدل بالاٰیة علی تحریم الخصاء والوشم وما یجری مجراہ من الوصل فی الشعر وبرد الاسنان و التنمص وھو نتف الشعر من الوجه[2]۔	آیۃ مذکورہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ خصی کرنے،بدن گودنے اور ان جیسے دیگر اعمال مثلا بال جوڑنے،دانتوں میں کشادگی پیدا کرنے اور چہرے کے بال نوچنے کی حرمت پر۔(ت)

تفسیر مدارک شریف میں ہے:

فلیغیرن خلق اللہ بالخصاء اوالوشم او تغیر الشیب بالسواد والتخنث اھ[3] باختصار۔	اللہ تعالٰی کی بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کریں گے یعنی خصی کرنے،بدن گدوانے سفید بالوں کو سیاہ کرنے اور زنانہ اوصاف اپنانے میں۔(مختصراً عبارت مکمل ہوئی)۔(ت)

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں زیر حدیث مذکور **المغیرات خلق اللہ** (اللہ کی بناوٹ کو بدلنے والی عورتیں۔ت) فرماتے ہیں:

علت وحرمت مثلہ وحلق لحیہ وامثال آں	مثلہ یعنی حلیہ بگاڑنا اور داڑھی مونڈنے یا منڈوانے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۹،۱۲۰

[2] الاکلیل فی استنباط التنزیل تحت آیۃ ۴/ ۱۱۹ مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ کوئٹہ ص ۸۲

[3] مدارك التنزیل(تفسیر نسفی) تحت آیۃ ۴/ ۱۱۹ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۲

نیز ہمیں ست [1]۔	اور اس قسم کے دوسرے کام کرنے کے حرام ہونے کی یہی علت اور سبب ہے۔(ت)

وجہ رابع ___ آیت ۶: قال مجدہ:

"ذٰلِكَ ۗ وَ مَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾" [2]	بات یہ ہے اور جو بڑائی کرے دین الٰہی کے شعاروں کی تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔

آیت ۷: قال عزشانہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ" [3]	اے ایمان ولو! حلال نہ ٹھہرالو دین خدا کے شعاروں کو۔

شک نہیں کہ داڑھی شعار دین اسلام سے ہے۔امام بدر محمود عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں ختنہ کی نسبت نقل فرماتے ہیں:

انه شعائر الدین کالکلمة وبه یتمیز المسلم من الکافر [4]۔	ختنہ کرنا کلمہ شریف کی طرح شعائر اسلام میں سے ہے اس سے مسلمان اور کافر میں باہم امتیاز ہوتا ہے۔(ت)

جب ختنہ حالانکہ امر خفی کلمہ طیبہ کے شعائر دین اور وجہ امتیاز مومنین وکافرین قرار پایا یہاں تک کہ مسلمانان ہند نے اس کا نام بھی "مسلمانی" رکھ لیا۔تو داڑھی کہ امر ظاہر ہے اور پہلی نظر اسی پر پڑتی ہے بدرجہ اولٰی شعائر الاسلام ومابہ الامتیاز کرام ولیام ہے اور بعض کفار کا اس میں شریک ہونا منافی شعاریت اسلام نہیں جس طرح ختنہ کرنے میں یہود شریک مسلمین ہیں خود نفس آیات کریمہ ہی میں دیکھئے مورد نزول جانوران ہدی میں کہ حرم محترم کو قربانی کے لئے بھیجے جاتے ہیں انھیں شعار دین الٰہی فرمایا حالانکہ تمام مشرکین عرب اس فعل میں شریک تھے اور جب داڑھی شعار دین ہے اور بے شک یونہی ہے تو بحکم قرآن اس کے ازالہ کو حلال ٹھہرالینا حرام اور اس کی تعظیم تقوی قلوب کا کام۔

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

[4] عمدہ القاری شرح البخاری کتاب اللباس باب قص الشارب ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۲/ ۴۵

وجہ خامس__ آیت ۸: قال عزمجدہ:

"اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًاؕ"[1]	میں نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین کو اپناؤ (یعنی دین ابراہیمی کی پیروی کرو) جو ہر قسم کے باطل سے الگ تھلگ رہنے والے تھے (ت)

آیت ۹: قال سبحانہ وتعالٰی:

"قُلْ بَلْ مِلَّۃَ اِبْرٰھٖمَ حَنِیْفًاؕ"[2]	تم فرماؤ بلکہ ہم ابراہیم کا دین لیتے ہیں۔ (ت)

آیت ۱۰: قال جلت الاؤہ (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ جس کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں۔ ت):

"وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرٰھٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗؕ"[3]	اور ملت ابراہیمی سے کون بے رخی کرسکتا ہے سوا اس کے جس کو اس کے نفس نے بیوقوف بناڈالا ہو۔ (ت)

آیت ۱۱: قال توالت نعماءہ (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا بندوں پر جس کے انعامات مسلسل اور لگاتار ہیں):

"قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ ج"[4]	بے شک تمھارے لئے حضرت ابراہیم اور ان اہل ایمان حضرات کی زندگیوں میں جو ان کے ساتھی تھے۔ بہترین اقتداء ہے۔ (ت)

آیت ۱۲: قال جل ذکرہ (اللہ تعالٰی جس کا ذکر بڑا ہے۔ ارشاد فرمایا):

"لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْھِمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ع"[5]	بے شک تمھارے لئے ان میں (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں میں) بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالٰی اور قیامت پر یقین رکھتا ہو اور جو کوئی ہمارے حکم سے منہ پھیرے تو بیشک اللہ تعالٰی ہی بے پرواہ اور لائق تعریف ہے۔ (ت)

ہر ذی علم جانتا ہے کہ داڑھی بڑھانا ملت ابراہیمی کا مسئلہ شریعت ابراہیمی کا طریقہ ہے اور ان

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۰

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۴

[5] القرآن الکریم ۶۰/ ۶

آیات میں رب جل وعلانے ہمیں ملت ابراہیم علی ابنہ الکریم وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی اتباع کا حکم دیا اور معاذاللہ اس سے اعراض کو سخت حماقت اور سفاہت فرمایا اور ان کی رسم وراہ اختیار کرنے کی کمال ترغیب دی اور آخر میں فرمادیا کہ جو ہمارے حکم سے پھرے تو اللہ بے نیاز بے پرواہ ہے اور ہر حال میں اسی کے لئے حمد ہے۔

وجہ سادس ___ آیت ۱۳: قال تقدست اسماؤہ (اللہ تعالٰی جس کے اسماء پاک ہیں، نے ارشاد فرمایا):

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ"[1]	یہ انبیاء وہ ہیں جنھیں اللہ عزوجل نے راہ دکھائی تو تو انھیں کی راہ کی پیروی کر۔

صدر کلام میں احمد ومسلم وابوداؤد ونسائی وترمذی وابن ماجہ کی حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے گزری کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ[2] الحدیث۔	دس چیزیں شرائع قدیمہ مستمرہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہیں ازانجملہ لبیں ترشوانی اور داڑھی بڑھانی۔ الحدیث۔

مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ داڑھی بڑھانی راہ قدیم حضرات رسل علیہم الصلوۃ والتسلیم ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ راہ انبیاء کی پیروی کرو۔ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ آیہ کریمہ "لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ"[3] (میری داڑھی نہ پکڑو۔ت) میں لحیہ کا فقط ذکر ہی نہیں بلکہ داڑھی بڑھانے کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انبیائے کرام بلکہ بالخصوص ان اٹھارہ رسولوں میں ہیں جن کا نام پاک اس رکوع میں بالتصریح ذکر فرما کر ان کی اقتداء کا حکم ہوا،

قال سبحانہ "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۸۴﴾"[4]۔	پاک پروردگار نے ارشاد فرمایا اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسٰی اور ہارون علیہم السلام ہوئے ہیں یونہی نیکی کرنیوالوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹۰

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب السواك من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸

[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۹۴

[4] القرآن الکریم ۶/ ۸۴

وجہ سابع___ آیت ۱۴:قال جل ثناؤہ(اللہ تعالیٰ بہت زیادہ تعریف کا حق رکھنے والی ذات،جس کی تعریف بڑی ہے۔نے ارشادفرمایا):

"وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ " [1]	جوخلاف کرے رسول کا حق واضح ہوئے پر اور چلے راہ مسلمانان کے سواراہ ہم اسے اس کے حال پر چھوڑدیں اور جہنم میں ڈالیں اور کیابری پلٹنے کی جگہ۔

مسلم تو مسلم کفار تک جانتے ہیں کہ روز ازل سے مسلمانوں کی راہ داڑھی رکھنی ہے۔اہلبیت کرام وصحابہ عظام وائمہ اعلام اور ہر قرن وطبقہ کے اولیائے امت وعلمائے ملت بلکہ قرون خیر میں تمام مسلمان داڑھی رکھتے تھے یہاں تک کہ ازالہ توازالہ اگر خلقۃً کسی کی داڑھی نہ نکلتی اس پر سخت تاسف کرتا اور یہ ہر عیب سے بدتر عیب سمجھا جاتا علمائے کرام علامات قیامت میں گنا کرتے کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے کہ داڑھیاں منڈائیں کتروائیں گے۔اس پیشگوئی کے مطابق یہ داڑھی منڈوں مخرشوں مترشوں کی تراشیں خراشیں کافروں مشرکوں کی دیکھا دیکھی مدتہا مدت کے بعد مسلمانوں میں آئیں وہ بھی رندواوباش وبدوضع لوگوں میں،پھر ان میں بھی جو ایمان سے حصہ رکھتے ہیں اب تک اپنی اس حرکت کو مثل اور معاصی وکبائر کے براجانتے ہیں اور طریقہ اسلامی سے جدا سمجھتے بلکہ ان میں بعض خوش عقیدہ اپنے معظمین دینی کے سامنے لجاتے انھیں منہ دکھاتے شرماتے ہیں۔الحمدللہ یہ ان کے ایمان کی بات ہے شامت نفس سے گناہ کریں لیکن اسے گناہ وقبیح جانیں مگرچوری سرزوری والوں سے خدا کی پناہ کہ داڑھی رکھنے پر قہقہے اڑاکر شعار اسلام کے ساتھ نفس اسلام وایمان بھی مونڈ کر پھینک دیں۔امام اجل عارف باللہ سیدی محمد بن علی بن عباس مکی قدس سرہ الملکی کتاب مستطاب طریق المرید للوصول الی مقام التوحید پھر امام ہمام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

وھذا لفظ المکی قال فی ذکر سنن الجسد ذکر ما فی اللحیۃ من المعاصی والبدع المحدثۃ قد ذکر فی بعض الاخبار ان للہ تعالٰی ملئکۃ یقسمون والذی زین	یعنی یہ ذکر ہے کہ ان معصیتوں اور نوپیدا بدعتوں کا جولوگوں نے داڑھی میں نکالیں حدیث میں ہے اللہ عزوجل کے کچھ فرشتے ہیں کہ قسم یوں کھاتے ہیں اس کی قسم جس نے فرزند ان آدم کو داڑھی سے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

بنی آدم باللحی وفی وصف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان کث اللحیۃ وکذلك ابو بکر وکان عثمان طویل اللحیۃ دقیقھا وکان علی عریض اللحیۃ قد ملأت مابین منکبیہ ووصف بعض بنی تمیم من رھط الاحنف بن قیس قال(وعبارۃ الاحیاء قال اصحاب الاحنف بن قیس)وددنا انا اشترینا للاحنف اللحیۃ بعشرین الفافلم یذکر حنفہ فی رجلہ ولا عورہ فی عینہ وذکر کراہیۃ عدم لحیتہ وکان عاقلا حلیما وقدروینا من غریب تاویل قولہ تعالٰی یزید فی الخلق مایشاء قال اللحی وذکر عن شریح القاضی قال(ولفظ الاحیاء قال شریح)وددت لو ان لی لحیۃ بعشرۃ اٰلاف ففی اللحیۃ من خفایا الھوٰی ودقائق اٰفات النفوس ومن البدع المحدثۃ ثنتا عشرۃ خصلۃ من ذلك النقصان منھا وذلك مثلۃ وذکر عن جماعۃ ان ھذا من اشراط الساعۃ[1] اھملخصًا۔	زینت بخشی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حلیہ شریف میں سے ریش مبارک گھنی تھی اور ایسے ہی ابوبکر صدیق وعثمان غنی کی داڑھی دراز وباریک مولٰی علی کی داڑھی چوڑی سارا سینہ بھرے ہوئے رضی اللہ تعالٰی عنہم، احنف بن قیس (کہ اکابر ثقات تابعین وعلماء وحکمائے کاملین سے تھے زمانہ رسالت میں پیدا ہوئے ۶۷ھ یا ۷۲ھ میں وفات پائی) عاقل وحلیم تھے (پاؤں میں کج تھا ایک آنکھ جاتی رہی تھی داڑھی خلقۃً نہ نکلی تھی) ان کے اصحاب نہ اس کج پر افسوس کرتے نہ یک چشمی پر بلکہ داڑھی نہ ہونے کی کراہت ذکر کرتے اور کہتے ہمیں تمنا ہے کاش اگر بیس ہزار کو ملتی تو احنف کیلئے داڑھی خریدتے۔ اور تفسیروں سے یہ آیۃ یزید فی الخلق مایشاء کی تفسیر میں ہمیں روایت پہنچی کہ اللہ تبارک وتعالٰی بڑھاتا ہے صورت میں جو چاہے اس سے داڑھی مراد ہے۔ شریح قاضی (کہ اجلہ ائمہ واکابر تابعین سے ہیں زمانہ رسالت میں ولادت پائی بلکہ کہا گیا صحابی ہیں امیر المومنین عمر فاروق پھر امیر المومنین مولی علی کی سرکار میں قاضی تھے امیر المومنین علی فتاوٰی میں ان سے رائے لیتے ۸۰ ہجری سے پہلے یا بعد انتقال ہوا داڑھی خلقۃً نہ تھی) وہ فرماتے کہ مجھے آرزو ہے کہ کاش دس ہزار دے کر داڑھی مل جاتی تو داڑھی میں شیطانی خواہشوں کے خفایا اور نفسانی

[1] قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب الفصل السادس والثلاثون دار صادر بیروت ۲/ ۱۴۲تا ۱۴۴، احیاء العلوم النوع الثانی فیما یحدث فی البدع الخ مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۴۴

آفتوں کے دقائق اور نو پیدا بدعتوں سے بارہ باتیں لوگوں نے ایجاد کی ہیں ازانجملہ داڑھی کم کرنی اور یہ مثلہ یعنی صورت بگاڑنی ہے اور ایک جماعت علماء سے مروی ہوا کہ یہ قیامت کی نشانیوں سے ہے۔انتہی۔مدارج شریف میں ہے:

آوردہ اند کہ لحیہ امیر المومنین علی پر میکرد سینہ راو ہمچنیں لحیہ امیر المومنین عمر وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ودر حلیہ حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نوشتہ اند کہ کان طویل اللحیۃ عریضہا[1]۔	منقول ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی داڑھی مبارک ان کے سینہ اقدس کو ڈھانپ دیتی تھی یا ڈھانپے ہوئی تھی۔اور اسی طرح امیر المومنین عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کی مبارک داڑھیاں تھیں کہ بڑی اور گنجان ہونے کی وجہ سے ان کے سینوں کو ڈھانپ دیتی تھیں۔ اور حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حلیہ مبارک میں تحریر کیا گیا ہے کہ آپ کی ریش مبارک دراز اور چوڑی تھی صلی اللہ تعالٰی علی ابیہ الکریم وعلیہ وبارک وسلم۔(ت)

وجہ ثامن ___ آیت ۱۵،۱۶: قال تبارك شانه فی البقرة وفی الانعام (اللہ تعالٰی جس کی شان بابرکت ہے۔نے سورۃ بقرہ اور سورۃ انعام میں ارشاد فرمایا):

"وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾"[2]	شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بیشک شیطان وہ تمہارا دشمن ہے۔

آیت ۱۷: قال عزوعلا (اللہ تعالٰی غالب اور بزرگ وبرتر ذات نے ارشاد فرمایا):

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ"[3]	اے ایمان والو! شیطان کے رستے پر نہ چلو اور جو شیطان کی راہ چلے تو وہ یہی بے حیائی اور بری بات کا حکم کرتا ہے۔

آیت ۱۸: قال عزمن قائل (کہنے والوں پر جو غالب اور حاوی ہے اس نے ارشاد

---

[1] مدارج النبوۃ باب اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۸

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۱

فرمایا):

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ " "فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ "[1]	اے ایمان والو! پورے اسلام میں داخل ہو اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو یقینا وہ تمھارا صریح بدخواہ ہے پھر اگر اس کی طرف جھکو بعد اس کے کہ تمھارے پاس آچکیں الٰہی حجتیں تو جان رکھو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے یہ لوگ کس انتظار میں ہیں مگر یہ کہ آئے ان پر عذاب خدا کا بادل کی گھٹائیں اور فرشتے اور ہوجائے ہونیوالی اور اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں سب کام۔

جلالین میں ہے:

نزل فی عبداللہ بن سلام واصحابہ لما عظموا السبت وکرھوا الابل بعد الاسلام یا ایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم الاسلام کافۃ حال من السلم ای فی جمیع شرائعہ فان زللتم ملتم عن الدخول فی جمیعہ عزیز لایعجزہ شیئ عن انتقامہ منکم ھل ینظرون ینتظر التارکون الدخول فیہ قضی الامر تم امر اھلاکھم[2]۔	یعنی جب حضرت عبداللہ سلام اور ان کے ساتھی رضی اللہ تعالٰی عنہم کہ اکابر علمائے یہود سے تھے مشرف بہ اسلام ہوئے عادت سابقہ کے باعث تعظیم روز شنبہ کاارادہ کیااور گوشت شتر کھانے سے کراہت ہوئی، رب عزوجل نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ اے ایمان والو! اسلام لائے ہو تو پورا اسلام لاؤ اسلام کی سب باتیں اختیار کرو، یہ نہ ہو کہ مسلمان ہو کر کچھ عادتیں کافروں کی رکھو، اور اگرنہ مانا تو خوب جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے تم پر عذاب لاتے اسے کوئی روک نہیں سکتا پھر فرمایا جو مسلمان ہو کر بعض کفری خصلتیں اختیار کریں وہ کاہے کا انتظار کررہے ہیں یہی ناکہ آسمان سے ان پر عذاب اترے اور ہونے والی ہوچکے یعنی ہلاک وہ تمام کردئے جائیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸تا۲۱۰

[2] تفسیر جلالین تحت آیۃ۲/ ۲۰۸ اصح المطابع دہلی ص۲۱

ان آیات میں رب العزت جلا وعلا نے خصلت کفار اختیار کرنے پر کیسی تہدید اکید و وعید شدید فرمائی، اور شک نہیں کہ داڑھی منڈانا کترنا خصلت کفار ہے۔ عنقریب بعونہٖ تعالٰی بکثرت احادیث معتمدہ سے اس کا بیان آتا ہے۔ اور خود بیان کی حاجت کیا ہے کہ امر آپ ہی واضح اور نیز تقریرات سابقہ سے لائح، اصل میں یہ خصلت ملعونہ مجوس ملاعنہ کی تھی ان سے اور کفار نے سیکھی، جب عہد معدلت مہد امیر المومنین غیظ المنافقین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں عجم فتح ہوا اور کسرٰی خبیث کا تخت ہمیشہ کے لئے الٹ دیا گیا۔ مجوس منحوس کچھ اسلام لائے کچھ بقبول جزیہ رہے کچھ پریشان و سرگرداں دارالکفر ہندوستان میں آنکلے یہاں کے راجہ نے ان سے تعظیم گاؤ و تحریم مادر ودختر وخواہر کا عہد لے کر جگہ دی ہنود بے بہبود نے داڑھی منڈانا نوروز ومہرگان بنام ہولی ودیوالی منانا، ان میں آگ پھیلانا وغیرہ ذلک من الخصال الشنیعۃ ان سے اڑایا مجوس ایران کہ مسلمان ہوئے تھے ان میں بہت بد باطن اپنی تباہی ملک وافسر وتاراج مال ودختر کے باعث دلوں میں حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کینہ رکھتے تھے مگر مسلمان کہلا کر اسلام کی عزت وشوکت اسلام کی قوت ودولت اسلام کے تاج ومعراج یعنی امیر المومنین کی شان میں گستاخی کی کیا مجال تھی جب ابن صبا یہودی خبیث نے مذہب رفض ایجاد کیا اور شدہ شدہ یہ ناشدنی مذہب ایرانیوں تک پہنچا ان آتش پرست مغبچوں کی دبی آگ نے موقع پایا کہ اہا اسلام میں بھی ایسا مذہب نکلا کہ امیر المومنین پر تبرا کہے اور خاصے مومنین بنے رہیے۔ انھوں نے بہزار جان لبیک کہی اور نئے دین کی تاصیل تفریع بڑھ چلی، باپ دادا کی قدیم سنتیں اپنا رنگ لائیں۔ نوروز منائے، داڑھیاں کتروائیں، اتیان ادبار واباحت واعارت واجارت فرج کی کیا گنتی نکاح محارم تک منظور رہا مگر پردہ حریر [عـــہ] میں مستور رہا۔

عـــہ: اہلسنت شیعہ را ببعضے مسائل قبیحہ طعن میکردند جمعے از علمائے مذہب ایشاں تدبیر دفع بایں صورت کردہ اند کہ از کتب خود آں مسائل محو نمودند وکتب قدیمہ را مخفی ساختند مثل لواطت با مملوک وبامادر وخواہر لف حریر [1] ۱۲ تحفہ اثنا عشریہ ملخصًا۔

شیعان کے بعض قبیح مسائل پر اہلسنت طعن کرتے ہیں تو ان کے مذہبی علماء کے ایک گروہ نے ان باتوں کے جواب کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ اپنی کتابوں سے ان مسائل کو حذف کردیا (یعنی نکال دیا) اور پرانی کتابوں کو چھپالیا۔ اپنے غلام کے ساتھ بدکاری کرنا، ماں بہن کے ساتھ ریشم لپیٹ کر ہمبستری کرنا وغیرہ جیسے مسائل ۱۲ تحفہ اثنا عشریہ کی تلخیص۔

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب ثانی کید سی وپنجم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۵

ادھر اسلامی فاتحوں کی شیرانہ تاخت نے سیاہان ہند کے منہ سپید کردئے ہزاروں مارے لاکھوں قید کئے یہاں تک کہ ہندو کے معنی ہی غلام ٹھہر گئے۔ یہاں کے نو مسلم مسلم تو ہو گئے مگر ہزاروں اپنے آبائی خصال کے پابند رہے۔ داڑھیاں منڈائیں، بسنت منائیں، سادنی کریں، چنریاں رنگائیں، عورتیں بدلحاظی کے کپڑے پہنیں، کنبے بھر کی سب غیریں سامنے آنے کے واسطے نہیں، شادیوں میں **معاذ اللہ** فحش، سالی بہنوئی میں ہنسی کی ریت، یہاں تک کہ بہت پوربی اضلاع میں چھوت اور چوکا تک مشہود، اور اکثر دیہات میں ہولی دیوالی، بلکہ اس سے زائد شیطنت موجود، پھر اس عملداری میں شیوع نیچریت بے قیدی شرع آزادی نفس کے لئے سونے میں سہاگہ، کچھ اتباع فرنگ، کچھ زنانی امنگ صفائی رخسار کا نصیب جاگا۔ لاجرم اس حرکت کے عادیوں کو چند حال سے خالی نہ پائے گا۔ نسلاً مجوسی یا مذہباً رافضی یا پوربی تہذیب کا دلدادہ نیچری یا جھوٹے متصوفہ یا مبتلائے رفض خفی یا باپ دادا ہندو نو مسلم غافل یا ان صحبتوں کا بگڑا آوارہ نیچری بہر حال اس کا مبدا، ومنبع ومرجع وہی خصلت کفار جس سے خدا ناراض رسول بیزار، جس پر قرآن عظیم میں وہ سخت وعید وہ قاہر مار، آئندہ ماننے نہ ماننے کا ہر شخص مختار، والتوفیق باللہ العزیز الغفار۔

تنبیہ ہشتم: احادیث میں:

حدیث ۱: امام مالک واحمد وبخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وطحاوی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واوفروا اللحیۃ[1]۔	مشرکوں کا خلاف کرو مونچھیں خوب پست اور داڑھیاں کثیر ووافر رکھو۔

یہ لفظ صحیحین میں ہے صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے:

انھکوا الشوارب واعفوا اللحی[2]۔	مونچھیں مٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

مسلم، ترمذی ابن ماجہ، طحاوی کی ایک روایت میں ہے:

احفوا الشوارب واعفوا اللحی[3]۔	خوب پست کرو مونچھیں اور چھوڑ رکھو داڑھیاں۔

روایت امام مالک وابی داؤد۔

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

[3] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی اعفاء اللحیۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

اور ایک روایت مسلم وترمذی میں ہے:

ان رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب واعفا اللحی [1]۔	بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا مونچھیں خوب پست کرنے اور داڑھیاں معاف رکھنے کا۔

حدیث ۲: احمد مسند، مسلم صحیح، طحاوی آثار، ابن عدی کامل، طبرانی اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جزوا الشوارب وارخوااللحی خالفوا المجوس [2]۔	مونچھیں کترو اور داڑھیاں بڑھنے دو آتش پرستوں کاخلاف کرو۔

امام احمد کی روایت میں ہے:

قصوا الشوارب واعفوا اللحی [3]۔	مونچھیں ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

طبرانی کی روایت میں ہے:

وفرو اللحی وخذوا من الشوارب [4]۔	کثیر کرو داڑھیاں اور مونچھوں میں سے لو۔

دوسری روایت میں زائد کیا۔

وانتفوا الابط وقصوا الاظافیر [5]۔	اور بغلوں کے بال اکھاڑو اور ناخن کاٹو۔

ابن عدی کی روایت ہے:

واعفوا الشوارب واعفوا اللحی [6]۔	مونچھیں خوب کٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطھارت باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی اعفاء اللحیۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰، سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی اخذ الشارب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۱

[2] صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۶۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۹

[4] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۵۰۵۸ المکتبۃ المعارف ریاض ۶/ ۲۹

[5] کنز العمال بحوالہ طس عن ابی ہریرہ حدیث ۱۷۲۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۵۲

[6] الکامل لابن عدی ترجمہ حفص بن واقد بصری دارالفکر بیروت ۲/ ۷۹۹

حدیث ۳: امام ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

احفوا الشوارب واعفوا اللحی ولا تشبھوا بالیھود [1]۔	مونچھیں خوب پست کرو اور داڑھیوں کو معافی دو۔ یہودیوں کی سی صورت نہ بنو۔

حدیث ۴: امام احمد مسند، طبرانی کبیر، بیہقی شعب الایمان ضیا صحیح مختارہ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قصوا سبالکم ووفروا عثانینکم وخالفوا اھل الکتاب [2]۔	مونچھیں کترواؤ اور داڑھیوں کو کثرت دو۔ یہود ونصارٰی کا خلاف کرو۔

حدیث ۵: طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اوفوا اللحی وقصوا الشوارب [3]۔	پوری کرو داڑھیاں اور تراشو مونچھیں۔

حدیث ۶: ابن حبان صحیح میں اور طبرانی اور بیہقی میمون بن مہران سے راوی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہمانے فرمایا:

ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المجوس فقال انھم یوفرون سبالھم ویحلقون لحاھم فخالفوھم [4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجوسیوں کا ذکر فرمایا وہ اپنی لبیں بڑھاتے اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تم ان کا خلاف کرو۔

حدیث ۷: ابن عدی کامل۔ بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

احفوا الشوارب واعفوا اللحی [5]۔	مونچھیں خوب پست کرو اور داڑھیاں خوب بڑھاؤ۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الکراھیۃ باب حلق الشارب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۷

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی امامہ بیروت ۵/ ۲۶۵ وشعب الایمان حدیث ۶۴۰۵ بیروت ۵/ ۲۱۴

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۳۵ و ۱۱۷۲۴ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۱۵۲ و ۲۷۷

[4] السنن الکبرٰی کتاب الطھارۃ باب کیف الاخذ من الشارب دار صادر بیروت ۱/ ۱۵۱

[5] شعب الایمان حدیث ۶۴۳۰ ۵/ ۲۱۹ و الکامل لابن عدی ترجمہ حفص بن واقد بصری ۲/ ۷۹۹

حدیث ۸: ابوعبید اللہ محمد بن مخلد دوری اپنے جزء حدیثی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خذوا من عرض لحاکم واعفوا طولها[1]۔	داڑھیوں کے عرض سے لو اور ان کے طول کو معاف رکھو۔

حدیث ۹: خطیب بغدادی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایاخذن احدکم من طول لحیته[2]۔	ہر گز کوئی شخص اپنی داڑھی کے طول سے کم نہ کرے۔

حدیث ۱۰: ابن سعد طبقات میں عبداللہ بن عبداللہ سے مرسلا راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لکن ربی امرنی ان احفی شاربی واعفی لحیتی[3]۔	مگر مجھے میرے رب نے حکم فرمایا کہ میں اپنی لبیں پست کروں اور داڑھی بڑھاؤں۔

اس حدیث کا واقعہ وہ ہے جو کتاب الخمیس فی احوال الانفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے کہ جب حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہدایت اسلام کے فرامین بنام سلاطین جہاں نافذ فرمائے قیصر ملک روم نے تصدیق نبوت کی مگر بجہت دنیا اسلام نہ لایا مقوقش بادشاہ مصر نے شقہ والا کی کمال تعظیم کی اور ہدایا حاضر بارگاہ رسالت کئے سگ ایران خسرو پرویز قتلہ اللہ نے فرمان اقدس چاک کردیا اور باذان صوبہ یمن کو لکھا دو۲ مضبوط آدمی بھیج کر انھیں یہاں بلائے۔ باذان نے اپنے داروغہ بانویہ اور ایک پارسی خرخسرہ نامی کو مدینہ طیبہ روانہ کیا۔

انهما حین دخلا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانا قد حلق لحاهما واعفیا شواربهما فکرہ النظر الیهما	یہ دونوں جب بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے داڑھیاں منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے تھے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کی طرف

[1] کنز العمال حدیث ۱۷۲۲۵ بحوالہ ابی عبداللہ محمد بن مخلد فی جزئہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۵۳

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ۲۶۴۱ احمد بن الولید دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۱۸۷

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر اخذ الرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من شاربہ دار صادر بیروت ۱/ ۴۴۹

وقال ویلکما من امرکما بھذا قالا ربنا یعنیان کسرٰی فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکن ربی امرنی باعفاء لحیتی وقص شواربی [1]۔	نظر فرماتے کراہت آئی اور فرمایا خرابی ہو تمھارے لئے کس نے تمھیں اس کا حکم دیا۔وہ بولے ہمارے رب یعنی خسرو پرویز خبیث نے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مگر مجھے میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور لبیں تراشنے کا حکم فرمایا۔

مسلمان اس حدیث کو یاد رکھیں کہ بانویہ خرخسرہ اس وقت تک نہ اسلام لائے تھے نہ احکام اسلام سے آگاہ تھے ان کی یہ وضع دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی صورت دیکھنے سے کراہت کی تو جو مسلمان احکام حضور جان بوجھ کر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف مجوسیوں کے موافق ایسی گندی صورت بنائے وہ کس قدر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کراہیت وبیزاری کا باعث ہوگا۔آدمی جس حال پر مرتا ہے اسی حال پر اٹھتا ہے۔اگر روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ مجوس کی صورت دیکھ کر نگاہ فرمانے سے کراہیت فرمائی تو یقین جان کہ تیرا ٹھکانا کہیں نہ رہا،مسلمان کی پناہ،امان،نجات،رستگاری جو کچھ ہے ان کی نظر رحمت میں ہے،اللہ کی پناہ اس بری گھڑی سے کہ وہ نظر فرماتے کراہیت لائیں۔والعیاذ باللہ ارحم الراحمین،اس کے بعد حدیث میں معجزہ مصطفٰی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ظہور خسروپرویز مردود کا ہلاک باذان وبانویہ وخرخسرہ وغیرہم بہت اہل یمن کا مشرف باسلام ہونا مذکور ہے۔رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

حدیث ۱۱: سنن نسائی شریف میں ہے:

اخبرنا محمد بن سلمۃ(ثقۃ ثبت)ثنا ابن وہب(ثقۃ حافظ عابد)عن حیوۃ بن شریح(ثقۃ ثبت فقیہ زاھد)وذکر اخرقبلہ عن عیاش بن عباس(القتبانی ثقۃ)ان شییم	محمد بن سلمہ نے ہم کو بتایا اور وہ معتبر اور عادل راوی ہے۔ابن وہب نے ہم سے بیان کیا وہ مستند،حافظ اور عبادت گزار راوی ہے اس نے حیوۃ ابن شریح سے روایت کی جبکہ وہ معتبر،عادل،فقیہ اور زاہد یعنی دنیا سے بے رغبتی کرنے والا راوی ہے۔دوسروں نے اسے عیاش بن عباس سے پہلے ذکر کیا ہے۔یہ

[1] تاریخ الخمیس کتاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی کسرٰی مؤسسۃ شعبان بیروت ۲/ ۳۵

بن بیتان(القتبانی ثقۃ)حدثہ انہ سمع رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال یا رویفع لعل الحیاۃ ستطول بك بعدی فاخبر الناس انہ من عقد لحیتہ اوتقلد وترااواستنجی برجیع دابۃ او عظم فان محمدا بریئ منہ [1]۔	القتبانی ہے جو معتبر و مستند آدمی ہے شییم بن بیتان القتبانی مستند و معتبر راوی ہے اس نے بتایا کہ اس نے رویفع بن ثابت کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ت) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: اے رویفع! میں امید کرتا ہوں کہ تو میرے بعد عمردراز پائے تو لوگوں کو خبر دینا کہ جو اپنی داڑھی باندھے یا کمان کا چلا گلے میں لٹکائے یا کسی جانور کی لید، گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرے تو بے شک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس سے بیزار ہے۔

حدیث ۱۲: سنن ابی داؤد شریف میں اس حدیث کو روایت کرکے فرمایا:

حدثنا یزید بن خالد(ثقۃ)نا مفضل(ھو ابن فضالۃ المصری ثقۃ فاضل عابد)عن عیاش(ذاك ابن عباس الثقۃ)ان شییم بن بیتان اخبرہ بھذا الحدیث ایضا عن ابی سالم الجیشانی(سفین بن ھانی محضرم وقیل لہ صحبتہ)عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما یذکر ذٰلك وھو معہ مرابط بحصن باب الیون [2]۔	یزید بن خالد نے ہم سے بیان کیا اور وہ معتبر و مستند راوی ہے۔ مفضل(جو فضالہ مصری کے بیٹے معتبر، فاضل اور عابد ہیں)نے ہم سے بیان کیا اس نے عیاش(وہ ابن عباس اور ثقہ ہے)سے شییم بن بیتان نے اسے یہ حدیث ابوسالم جیشانی کے حوالے سے بتائی(یعنی سفیان بن ہانی محضرم۔یہ بھی کہا گیا کہ اس کے لئے شرف صحبت ثابت ہے)اس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ وہ یہ حدیث بیان فرماتے تھے جبکہ یہ ان کے ساتھ "باب الیون" کے قلعہ میں قید تھا۔(ت)

[1] سنن النسائی کتاب الزینۃ من السنن باب عقد اللحیۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۷۷-۲۷۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب ماینھٰی عنہ ان یستنجی بہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶

یعنی اس طرح یہ حدیث حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما نے روایت فرمائی، حضرت شیخ محقق و مولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات التنقیح میں فرماتے ہیں:

عقد لحیتہ الاکثرون علی ان المراد تجعید اللحیۃ بالمعالجۃ وانما کرہ ذٰلک لانہ فعل من لیس من اھل الدین وتشبہ بھم وقیل کانوا یعقدون فی الحروب فی زمن الجاھلیۃ تکبرا و تعجبافامروا بارسالھا وذٰلک من فعل الاعاجم وقال التورپشتی یفتلونھا کذافی مجمع البحار والاول ھو الوجہ[1] اھ مختصرًا۔	داڑھی باندھنے سے مراد اکثر اہل علم کے نزدیک کسی دوا وغیرہ سے اسے پیوست کرنا یا جوڑنا ہے اور اسے بایں وجہ ناپسند فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا فعل ہے اور طریقہ ہے جو دیندار نہیں اور ان کی مشابہت اختیار کرنی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت کے ایام گرما میں ازراہ تکبر وعجب اپنی داڑھیوں کو باندھ دیا کرتے تھے اس لئے انھیں داڑھیاں کھلی اور آزاد چھوڑے رکھنے کا حکم دیا گیا اور یہ عجمیوں کی روش تھی اور طریقہ تھا اور علامہ تورپشتی نے فرمایا لوگ ان کو مثل فتیلہ کے بٹ دیا کرتے تھے یونہی مجمع البحار میں مذکور ہے۔ اور پہلا قول ہی اصل سبب اور وجہ ہے عبارت مختصر مکمل ہوئی)۔ (ت)

علامہ طیبی حاشیہ مشکوٰۃ پھر علامہ طاہر مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

عقد ای جعدھا بالمعالجۃ ونھی عنہ لما فیہ من التشبہ بمن فعلہ من الکفرۃ[2]۔	یعنی داڑھی باندھنے سے مراد اس کا مجعد و مرغول بنانا ہے کہ یہ کافروں کا فعل ہے اور اس میں ان سے تشبہ ہے۔

داڑھی چڑھانے والے حضرات کو ڈھانے باندھ باندھ کر داڑھی مجعد و مرغول کرتے اور متکبر ٹھاکروں جاٹوں کی صورت بنتے ہیں ان صحیح حدیثوں کو جن کے ہر ہر راوی کی ثقاہت وعدالت ہم نے تقریب التہذیب امام خاتم الحفاظ ابن حجر سے نقل کردی یاد رکھیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بیزاری وبے علاقگی کو ہلکا نہ جانیں اور داڑھی منڈانے کترنے والے زیادہ سخت عذاب وآفت کے منتظر رہیں جب داڑھی باقی رکھ کر اس کی صفت وہیئت میں کافروں سے تشبہ اس درجہ باعث بیزاری محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوا تو سرے سے داڑھی قطع یا حلق کردینا اور پورے پورے مجوسیوں مچھندروں کی صورت

---

[1] لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب آداب الخلا الفصل الثانی مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۵۰

[2] مجمع بحار الانوار باب العین مع القاف (عقد) مکتبہ دار الایمان ریاض ۳/ ۶۴۰

بننا جس قدر موجب غضب و ناراضی واحد قہار ورسول کردگار جل وجلالہ وصلی اللہ تعالٰی وسلم ہو بجا ہے۔

الآثار: حدیث ۱۳ و ۱۴: امام ابوطالب مکی قوت القلوب اور امام حکیم الامہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

رد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه و ابن ابی لیلی قاضی المدینة شهادة من کان ینتف لحیته[1]۔	یعنی امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ و عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی قاضی مدینہ طیبہ (کہ اکابر ائمہ تابعین واجلہ تلامذہ امیر المومنین عثمان غنی و امیر المومنین مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہیں ان دونوں ائمہ ہدٰی نے) داڑھی چننے والے کی گواہی رد فرمادی۔

حدیث ۱۵: یہی دونوں امام مکی وغزالی فرماتے ہیں:

شهد رجل عند عمر بن عبدالعزیز بشهادة وکان ینتف فینکیه فرد شهادته[2]۔	ایک شخص نے سادس خلفاء راشدین امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کے یہاں کسی معاملہ میں گواہی دی اور وہ اپنی داڑھی کا ایک خفیف حصہ جسے کوٹھے کہتے ہیں چنا کرتا تھا امیر المومنین نے اس کی شہادت رد فرمادی۔

حدیث ۱۶ و ۱۷: امام محمد بن ابی الحسین علی مکی دقائق الطریقہ میں حضرت کعب احبار وابی الجلد (جیلان بن فرادہ اسدی) رحمہم اللہ تعالٰی سے ذکر فرماتے ہیں:

یکون فی اٰخر الزمان اقوام یقصون لحاهم اولئك لاخلاق لهم[3]۔	آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ داڑھیاں کتریں گے وہ نرے بے نصیب ہیں یعنی ان کے لئے دین میں حصہ نہیں آخرت میں بہرہ نہیں والعیاذ باللہ رب العالمین (ہذا مختصر)

تنبیہ نہم: نصوص ائمہ کرام وعلمائے اعلام میں:

نص ۱ تا ۵: امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر پھر علامہ زین بن نجیم

---

[1] احیاء العلوم کتاب اسرار الطہارۃ النوع الثانی فصل فی اللحیۃ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۴۴

[2] احیاء العلوم کتاب اسرار الطہارۃ النوع الثانی فصل فی اللحیۃ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۴۴

[3] احیاء العلوم عن کعب الاحبار النوع الثانی فصل فی اللحیۃ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۴۵

مصری بحر الرائق پھر علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی غنیہ ذوی الاحکام، پھر علامہ مدقق محمد بن علی دمشقی درمختار پھر علامہ سیدی احمد مصری حاشیہ مراقی الفلاح سب علماء کتاب الصوم میں فرماتے ہیں:

المعنی للکل واللفظ للحاشیۃ الدرر والغرر الاخذ من اللحیۃ وھی دون القبضۃ کما فعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل مجوس الاعاجم والیھود والھنود بعض اجناس الافرنج[1]۔	(مفہوم سب کا ایک ہے البتہ الفاظ حاشیہ الدرر والغرر کے ہیں) یعنی جب داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اس میں کچھ لینا جس طرح بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں یہ کسی کے نزدیک حلال نہیں اور سب لے لینا ایرانی مجوسیوں اور یہودیوں اور ہندیوں اور بعض فرنگیوں کا فعل ہے۔

نص ۶ تا ۱۲: امام برہان الملۃ والدین فرغانی ہدایہ پھر امام زیلعی تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق پھر علامہ نجم الدین طوری تکملہ بحر الرائق پھر علامہ شرنبلالی غنیہ پھر سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین حاشیہ کنز پھر علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ تنویر پھر علامہ سیدی محمد امین افندی ردالمحتار علی الدرالمختار سب علماء کتاب الجنایات مسئلہ جنایت بحلق لحیہ میں فرماتے ہیں:

یؤدب علی ذٰلك لارتکابہ المحرم (ھذا ھو الکل الا الطرفین فلفظھما) یؤدب علی ارتکاب مالایحل[2]۔	داڑھی مونڈنے والے کو سزادی جائے کہ وہ فعل حرام کا مرتکب ہوا (یہ سب کے الفاظ ہیں سوائے طرفین کے پس ان کے الفاظ یہ ہیں اسے ایسے کام کے کرنے پر سزادی جائے جو حلال نہیں۔ت)

نص ۱۳ تا ۱۷: علامہ تورپشتی مصابیح پھر علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری مکی مرقاۃ پھر علامہ فتنی مجمع البحار پھر شیخ محقق لمعات میں فرماتے ہیں:

قص اللحیۃ کان من صنع الاعاجم وھو	داڑھی تراشنا پارسیوں کا کام تھا اور اب تو بہت

[1] غنیہ ذوی الاحکام کتاب الصوم باب موجب الافساد مھری کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۸ و بحر الرائق ۲/ ۲۸۰، حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۷۲ و درمختار ۱/ ۱۵۲ و فتح القدیر ۲/ ۲۷۰

[2] الھدایہ کتاب الدیات مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۸۴ و تبیین الحقائق ۶/ ۱۳۰ و بحر الرائق ۸/ ۳۳۱، غنیہ ذوی الاحکام مع الدرر کتاب الدیات ۲/ ۱۰۴ و طحطاوی علی الدرالمختار ۴/ ۲۸۰، فتح المعین ۳/ ۴۸۷ و ردالمحتار ۵/ ۳۷۰

الیوم شعار کثیر من المشرکین کالا فرنج والھنود ومن لاخلاق لھم فی الدین من الفرق الموسومۃ بالقلندریۃ طھر اللہ عنھم حوزۃ الدین[1]۔	کافروں کا شعار ہے جیسے فرنگی، اور ہندو اور وہ فرقہ جس کا دین میں کچھ نہیں جو قلندریہ کہلاتے ہیں اللہ تعالٰی اسلامی حدود کو ان سے پاک کرے۔

نص ۱۸ و ۱۹: کواکب الدراری شرح صحیح بخاری امام کرمانی و مجمع میں ہے:

فسبحٰنہ مااسخف عقول قوم طولوا الشارب واحفوا اللحی عکس ما علیہ فطرۃ جمیع الامم قد بدلوا فطرتھم نعوذ باللہ[2]۔	سبحان اللہ کس قدر پوچ عقل ہے ان لوگوں کی جنھوں نے مونچھیں بڑھائیں اور داڑھیاں پست کیں بر عکس اس خصلت کے جس پر تمام امم الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی فطرت ہے انھوں نے اپنی اصل خلقت ہی بدل دی خدا کی پناہ۔

نص ۲۰ تا ۲۲: امام ابوالحسن علی ابن ابی بکر بن عبدالجلیل مرغینانی نے کتاب التجنیس والمزید میں اس کے عدم جواز کی تصریح فرمائی۔ لمعات شرح مشکوٰۃ و نصاب الاحتساب باب السادس میں ہے:

ھل یجوز حلق اللحیۃ کما یفعلہ الجوالیقون الجواب لایجوز ذکرہ فی جنایۃ الھدایۃ وکراھۃ التجنیس[3]۔	یعنی سوال، کیا داڑھی منڈانا جائز ہے جیسے جھولا شاہی فقیر کرتے ہیں؟ جواب: ناجائز ہے ھدایہ کتاب الجنایات اور تجنیس کتاب الکراہیۃ میں اس کی تصریح ہے۔

نص ۲۳ و ۲۴: تبیین الحارم و ردالمحتار میں ہے:

ازالۃ الشعر من الوجہ حرام الااذا نبت للمرأۃ لحیۃ اوشوارب فلاتحرم ازالۃ بل تستحب[4]۔	منہ کے بال دور کرنا حرام ہے مگر جب کسی عورت کے داڑھی یا مونچھ نکل آئے تو اسے حرام نہیں بلکہ مستحب ہے۔

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک مکتبۃ المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۶۷ و ۶۸، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۴، شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۲

[2] مجمع بحار الانوار باب الفاء مع الطاء تحت لفظ "فطر" مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۴/ ۱۵۸

[3] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۶۷

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۹

نص ۲۵و۲۶: مفہم شرح صحیح مسلم للعلامۃ القرطبی پھر اتحاف السادۃ المتقین میں ہے:

لایجوز حلقھا ولانتفھا ولاقص الکثیر منھا [1]۔	داڑھی کا نہ مونڈنا جائز نہ چننا نہ زیادہ کترنا۔

نص ۲۷: امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

لایحل للرجل ان یقطع اللحیۃ [2]۔	مرد کو حلال نہیں کہ داڑھی کاٹے۔

نص ۲۸تا۳۰: بعینہٖ یہی الفاظ امام ابوبکر نے فرمائے اور ان سے نوازل اور نوازل سے نصاب الاحتساب باب ثامن میں منقول ہوئے۔ **نص ۳۱و۳۲:** درمختار میں ہے:

فیہ (ای المجتبٰی) قطعت شعر راسھا اثمت ولعنت فی البزازیۃ ولو باذن الزوج لانہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ والمعنی المؤثر التشبہ بالرجال [3]۔	یعنی مجتبٰی شرح قدوری میں ہے عورت اپنے سر کے بال کاٹے تو گنہگار وملعون ہوجائے۔ بزازیہ میں فرمایا کہ اگرچہ شوہر کی اجازت سے اس لئے کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں اسی لئے مرد پر داڑھی کاٹنا حرام ہے اور علت گناہ مردوں کی وضع بنانی ہے یعنی عورت کو موئے سرتراشنے کی حرمت میں یہ علت ہے کہ یہ مردانی وضع ہے جس طرح مرد کو ریش تراشنی حرام ہونے کی علت کہ عورتوں سے تشبہ ہے اور وہ دونوں ناجائز۔

نص ۳۳: علامہ علی قاری شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

حلق اللحیۃ منھی عنہ [4]۔	داڑھی مونڈنے کی شرع میں ممانعت ہے۔

نص ۳۴: علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

اماحلقھا فمنھی عنہ لانہ عادۃ المشرکین [5]۔	داڑھی مونڈنا منع ہے کہ یہ کافروں کی عادت ہے۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الطہارۃ واما السنن فعشرۃ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۱۹، المفھم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ دار ابن کثیر بیروت ۱/ ۵۱۲

[2] درمختار بحوالہ البزازیہ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

[3] درمختار بحوالہ البزازیہ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

[4] شرح الشفاء للقاری علی ہامش نسیم الریاض فصل واما نظافۃ جسمہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۴۳

[5] نسیم الریاض فصل واما نظافۃ جسمہ الفکر بیروت ۱/ ۳۴۳۔۳۴۴

نص ۳۵: اشعۃ اللمعات سے گزرا:

علت در حرمت حلق لحیہ ہمیں ست [1]۔	داڑھی مونڈنے کی وجہ حرمت یہی ہے۔(ت)

ص ۳۶: اسی میں ہے:

حلق کردن لحیہ حرام ست درویش فرنج وہنود جوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند [2]	داڑھی مونڈنا حرام ہے اور یہ فرنگیوں، ہندیوں اور جھولا شاہیوں جو قلندریہ کہلاتے ہیں، کا طریقہ اور روش ہے۔(ت)

نص ۳۷: فتح المعین بشرح قرۃ العین میں ہے: **یحرم حلق لحیۃ** [3] داڑھی مونڈنا حرام ہے۔

فائدہ: جس طرح داڑھی مونڈنا کتروانا بالاتفاق حرام وگناہ ہے یونہی ہمارے ائمہ وجمہور علماء کے نزدیک اس کا طول فاحش کہ بے حد بڑھایا جائے جو حد تناسب سے خارج وباعث انگشت نمائی ہو مکروہ وناپسند ہے۔ امام قاضی عیاض پھر امام ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

تکرہ الشہرۃ فی تعظیمہا کما تکرہ فی قصہا وجزہا [4]۔	داڑھی کو حد شہرت تک بڑھانا یعنی بہت زیادہ طویل کرنا مکروہ ہے جیسا کہ اس کا کتروانا اور کاٹنا مکروہ ہے۔(ت)

اسی میں ہے: **وکرہ مالک طولہا جدا** [5] (امام مالک نے داڑھی کا بیحد لمبا کرنا ناپسند فرمایا ہے۔ت) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت عبداللہ بن عمر وحضرت ابوہرہ وغیرہما صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے افعال واقوال اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ ومحرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما وعامہ کتب فقہ وحدیث کی تصریح سے اس کی حد یکمشت ہے۔ ابھی نصوص علماء سے گزرا کہ اس سے کم کرنا کسی نے حلال نہ جانا، قبضہ سے زائد کا قطع ہمارے نزدیک مسنون ہے بلکہ نہایہ میں بلفظ وجوب تعبیر کیا۔ تفصیل اس کی بحر ونہر ودرمختار اور اس کے حواشی وغیرہا کتب فقہ اور مرقاۃ ولمعات ومنہاج وغیرہ کتب حدیث اور قوت القلوب واحیاء العلوم وغیرہا کتب سلوک میں دیکھئے قول عرب کہ اس ناقل ناعاقل نے لکھا اور نہ اس کا قائل جانا نہ مقولہ ہی ٹھیک نقل کیا اس میں

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۲

[2] اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب السواک مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۲

[3] فتح المعین شرح قرۃ العین مسائل الاکتحال والخضاب الخ مطبعۃ عامر الاسلام پورہرس ص ۲۱۹

[4] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب السواک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

[5] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب السواک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

اسی طول فاحش ومفرط کی ناپسندی ہے ورنہ نفس طول تو سبزہ آغاز ہوتے ہی حاصل کہ بال اگرچہ ذرہ بھر ہو آخر جسم ہے اور جسم بے طول ناممکن تو مطلق طول کے مذمت نفس لحیہ کی مذمت ہوگی حالانکہ تمام عالم جانتا ہے کہ عرب کی قدیم قومی وملکی ومذہبی عادت ہمیشہ داڑھی رکھنی رہی ہے وہ اس کے نہ ہونے کی مذمت کرتے اور اسے سخت عیب جانتے جس کا کچھ ذکر اقوال امام شریح واصحاب امام احنف سے گزرا، قوت القلوب شریف میں امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

من عظمت لحیته جلت معرفته [1]۔	جس کی داڑھی عظیم یعنی بڑی ہو اس کی معرفت بڑی ہوگی۔(ت)

اس میں بعض ادیبوں سے نقل فرمایا:

فی اللحیة خصال نافعة منها تعظیم الرجل والنظر الیه بعین العلم والوقار ومنها رفعه فی المجالس والاقبال علیه ومنها تقدیمه علی الجماعة وتعقیله [2]۔	داڑھی کے بہت فوائد ہیں جن میں سے (۱) ایک یہ کہ لوگوں میں داڑھی والے آدمی کی عزت ہوتی ہے (۲) لوگ اس کو عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (۳) مجالس میں اسے اچھی نشست دی جاتی ہے۔(۴) لوگ اس کی بات توجہ سے سنتے ہیں (۵) جماعت میں اسے آگے کرتے ہیں (۶) داڑھی کے بغیر آدمیوں کے مقابلے میں داڑھی والے کو فضیلت دی جاتی ہے(ت)

اسی طرح احیاء العلوم میں ہے۔یہ زنخداں کے دو تین بال جو اس خلیع العذار کے نزدیک حد اعتدال عرب اسے منحوس ومذموم جانتے اور عجم کیا اچھا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اس پر مثلیں زباں زد ہوئیں اور ہر عاقل جانتا ہے کہ:

خیر الامور اوسطها [3] قال تعالٰی: "وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾" [4] قال تعالٰی:	سب سے بہتر کام میانہ روی والا ہوتا ہے۔اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نیک بندے تنگی اور فراخی یعنی کنجوسی اور فضول خرچی

---

[1] قوت القلوب لابی طالب المکی الفصل السادس والثلاثون دار صادر بیروت ۲/ ۱۴۳

[2] قوت القلوب لابی طالب المکی الفصل السادس والثلاثون دار صادر بیروت ۲/ ۱۴۳

[3] السنن الکبرٰی کتاب صلٰوۃ الخوف باب ماورد من التشدید فی لبس الخز دار صادر بیروت ۳/ ۲۷۳

[4] القرآن الکریم ۲۵/ ۶۷

" وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ "[1]۔وقال تعالٰی: " عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ "[2]۔	کے درمیان راہ اعتدال پر رہتے ہیں۔اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان دونوں کے درمیان راستہ اختیار کرو،اللہ تعالٰی نے فرمایا: (وہ گائے) نہ بوڑھی ہونہ بچھیا بلکہ درمیانی عمر رکھتی ہو۔(ت)

کو سچ کے بارے میں امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقوال ووقائع بیہقی نے مناقب میں روایت اور امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں زیر حدیث: ایاکم والاشقر الازرق[3] (لوگو! گہری نیلی آنکھوں والے سے بچو۔ت) ذکر کئے جسے دیکھنا ہو وہاں دیکھے۔

تنبیہ دہم: بقیہ دلائل تحریم میں دلیل اول داڑھی منڈانا مثلہ یعنی صورت بگاڑنا ہے اور مثلہ حرام۔اب کتب فقہیہ سے کتاب الحج کا احرام باندھئے۔

نص ۳۸: ہدایہ میں ہے:

حلق الشعر فی حقہا مثلۃ کحلق اللحیۃ فی حق الرجال[4]۔	عورت کا بال مونڈنا مثلہ یعنی حلیہ بگاڑنے کے مترادف ہے جیساکہ مردوں کاداڑھی مونڈنا(ت)

نص ۳۹: کافی شرح وافی:

لاتحلق ولکن تقصرلان الحلق فی حقہا مثلۃ والمثلۃ حرام وشعر الراس زینۃ لہا کاللحیۃ للرجل کما لایحلق لحیتہ عنہ الخروج من الاحرام فکذ الاتحلق شعرہا[5]۔	(احرام کھولتے وقت) عورت سر کے بال نہ مونڈے بلکہ چوٹی سے کچھ بال کترڈالے کیونکہ بال مونڈنا اسکے حق میں بمنزلہ مثلہ ہے اور مثلہ حرام ہے۔سر کے بال عورت کی زینت ہیں جیسے داڑھی مرد کے لئے زینت ہے۔جس طرح احرام کی پابندی سے آزاد ہونے کے لئے مرد کو داڑھی مونڈنے کا حکم نہیں اسی طرح عورت کے لئے سر کے بال مونڈنے کا حکم نہیں۔(ت)

نص ۴۰و۴۱: امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاسانی بدائع پھر علامہ قاری مسلک متقسط

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۱۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۶۸

[3] المقاصد الحسنہ حرف الھمزۃ تحت حدیث ۲۷۴ دار الفکر بیروت ص ۱۳۶

[4] الھدایہ کتاب الحج فصل وان لم یدخل المحرم الخ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۲۳۵

[5] کافی شرح وافی

میں فرماتے ہیں:

حلق اللحیۃ من باب المثلۃ[1]۔	داڑھی مونڈنا از قسم مثلہ کے ہے۔(ت)

نص ۴۲و۴۳: تبیین الحقائق وابوالسعود مصری:

حلق راسہا مثلۃ کحلق اللحیۃ فی الرجل[2]۔	کسی عورت کا اپنے سر کے بال مونڈنا مُثلہ ہے(حلیہ بگاڑنا ہے) جیسے مرد کاداڑھی مونڈنا(ت)

نص ۴۴: نیز تبیین میں ہے:

لایاخذ من اللحیۃ شیئا لانہ مثلۃ[3]۔	مرد داڑھی کا کوئی ضروری حصہ نہ کترائے کیونکہ ایسا کرنا مثلہ کے زمرے میں آتا ہے۔(ت)

نص ۴۵و۴۶: بحر الرائق وطحطاوی علی الدر واللفظ للبحر:

لاتحلق لکونہ مثلۃ کحلق اللحیۃ[4]۔	کوئی عورت بال نہ مونڈے اس لئے کہ ایسا کرنا مثلہ ہے جیسے مرد کے لئے داڑھی مونڈنا مثلہ ہے۔(ت)

نص ۴۷: برجندی شرح نقایہ:

حلق الرأس فی حقہا مثلۃ کحلق اللحیۃ فی حق الرجل۔[5]	عورت کے لئے اپنے سر کے بال مونڈنا مثلہ ہے جیسے مرد کے لئے داڑھی مونڈنا۔(ت)

نص ۴۸: شرح لباب:

اما المرأۃ فلیس لہا الاالتقصیر لما سبق من ان حلق رأسہا	عورت کے لئے صرف بال کترنے جائز ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ عورت کااپنے سرکے بال

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحج فصل واما الحلق والتقصیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۱، المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری دار الکتب العربی بیروت ص ۱۵۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الحج فصل من لم یدخل مکہ الخ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۲/ ۳۹، فتح المعین کتاب الحج فصل مسائل شتی تتعلق بافعال الحج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۹۶

[3] تبیین الحقائق کتاب الحج باب الاحرام المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۲/ ۳۳

[4] بحر الرائق کتاب الحج فصل من لم یدخل مکۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۵

[5] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الحج نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۴۳

مثلۃ کحلق الرجل اللحیۃ[1]۔	مونڈنا مرد کے داڑھی مونڈنے کے مترادف ہے اور ایسا کرنا مثلہ ہے۔

نص ۴۹: طریق المرید سے گزرا کہ **النقصان منہا مثلۃ**[2] (داڑھی (حد ضرورت سے) کم کرنا مثلہ ہے۔ت)

ان سب عبارات کا حاصل یہی ہے کہ مرد کے کو داڑھی منڈانا کترنا مثلہ ہے جیسے عورت کو سر منڈانا، یہ مسئلہ واضحہ جلیلہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام خواص وعوام اس سے آگاہ ہیں ہر ذی عقل مسلم جانتا ہے کہ جیسے عورت کے حق میں گیسو بریدہ گالی ہے یونہی مرد کے لئے داڑھی منڈا، ہاں ناپاک طبائع کا ذکر نہیں، بہتیرے مرد زنانے بنتے محافل میں ناچتے۔ اپنی ماں بہن کے پیچھے طبلہ بجاتے ہیں اور ان حرکات سے اصلا عار نہیں رکھتے جس طرح داڑھی رکھنا افعال قدیمہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہے یونہی یہ اشارہ بھی اقوال قدیم رسل عظام سے:

اذالم تستحی فاصنع ماشئت[3] بیحیا باش وہرچہ خواہی کن۔	جب تم میں حیانہ رہے تو پھر جو مرضی آئے کرتے رہو۔ (ت)

اب امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی کا ارشاد ابھی گزرا کہ **المثلۃ حرام** (مثلہ کرنا یعنی اپنا حلیہ بگاڑنا حرام ہے۔ت) اشعۃ سے گزرا علت در حرمت مثلہ ہمیں ست[4] (مثلہ کے حرام ہونے کی یہی علت اور وجہ ہے۔ت)

احادیث لیجئے کہ امید کرتا ہوں مجموعا اس تحریر کے سوا شاید نہ ملیں:

حدیث ۱۸: امام احمد وبخاری ومسلم ونسائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ من مثل بالحیوان[5]۔	اللہ کی لعنت اس پر جو کسی جاندار کے ساتھ مثلہ کرے۔

طبرانی نے بسند حسن ان سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتقسط مع ارشاد الساری دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۵۱

[2] قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب الفصل السادس والثلاثون دار صادر بیروت ۲/ ۱۴۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۷، ۶۵۹۔۶۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷، ۲۳۸

[4] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۲

[5] صحیح البخاری کتاب الذبائح ۲/ ۸۲۹ و مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر ۱/ ۳۳۸

من مثل بالحیوان فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین [1]۔	جو کسی جاندار کے ساتھ مثلہ کرے اس پر اللہ وملائکہ وبنی آدم سب کی لعنت۔

حدیث ۱۹: شافعی، احمد، دارمی، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طحطاوی، ابن حبان، بیہقی، ابن الجار وحضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کوئی لشکر بھیجتے سپہ سالار کو وصیت فرماتے:

اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ اغزوا ولاتغلوا ولاتغدروا ولاتمثلوا ولاتقتلوا ولیدا [2]۔	جہاد کرو اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ اللہ کے منکروں سے جہاد کرو اور خیانت نہ کرو۔ نہ عہد توڑو، نہ مثلہ کرو۔ نہ کسی بچے کو قتل کرو۔

حدیث ۲۰: امام احمد مسند اور ابن ماجہ سنن اور قاضی عبدالجبار بن احمد اپنی امالی میں حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا فرمایا:

سیروا بسم اللہ وفی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ ولاتمثلوا ولاتغدروا ولاتغلوا ولاتقتلوا ولیدا [3]۔	چلو خدا کے نام پر خدا کے راہ میں جہاد کرو خدا کے منکروں سے اور نہ مثلہ کرو نہ بدعہدی نہ خیانت نہ بچے کا قتل۔

حدیث ۲۱: حاکم مستدرک میں حضرت ابن الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خذ فاغز فی سبیل اللہ فقاتلوا من کفر باللہ لاتغلوا ولاتمثلوا ولاتقتلوا ولیدا	لے خدا کی راہ میں لڑ منکران خدا سے جہاد کرو، خیانت نہ کرو نہ مثلہ نہ بچوں کو قتل

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن عمر حدیث ۳۹۹۷۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۳۸

[2] صحیح مسلم کتاب الجہاد ۲/ ۸۲ و سنن ابی داؤد کتاب الجہاد ۱/ ۳۵۲، جامع الترمذی ابواب الدیات ۱/ ۱۶۹ ابواب السیر ۱/ ۱۹۵ وسنن ابن ماجہ کتاب الجہاد ص ۲۱۰، مسند احمد بن حنبل ۴/ ۲۴۰ و ۵/ ۳۵۸

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ص ۲۱۰ ومسند احمد بن حنبل ۴/ ۲۴۰

فھذا عھد اللہ وسیرۃ نبیہ [1]۔	کہ یہ اللہ تعالٰی کا عہد اور اس کے نبی کا شیوہ ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۲۲: بیہقی سنن میں امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ سے حدیث طویل میں راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کوئی لشکر کفار پر بھیجتے فرماتے:

لاتمثلوا باٰدمی ولا بھیمۃ [2]۔	مثلہ نہ کرو نہ کسی آدمی کو نہ چوپائے کو۔

حدیث ۲۳تا۲۵: احمد و بخاری حضرت عبداللہ بن زید اور احمد وابوبکر ابن ابی شیبہ حضرت زید بن خالد اور طبرانی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن النھبۃ والمثلۃ [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوٹ اور مثلہ سے منع فرمایا۔

حدیث ۲۶و۲۷: ابن ماجہ ابوسعید خدری اور امام ابوجعفر طحاوی وسلیمان بن احمد طبرانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولفظ الطحاوی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینھٰی ان یمثل بالبھائم [4]۔	(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا اور طحاوی کے الفاظ ہیں کہ میں نے سنا ہے۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چوپایوں کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔

حدیث ۲۸تا۳۰: ابوبکر بن ابی شیبہ وامام طحاوی وحاکم حضرت عمران بن حصین اور اولین وطبرانی حضرت مغیرہ بن شعبہ اور صرف اول حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ نے مثلہ سے

[1] کنزالعمال برمزک عن ابن عمر حدیث ۱۱۲۸۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۴۳۴، المستدرک للحاکم کتاب الفتن دار الفکر بیروت ۴/ ۵۴۱
[2] السنن الکبرٰی کتاب السیر باب ترک قتل من اقتال فیہ الخ دار صادر بیروت ۹/ ۹۱
[3] صحیح البخاری کتاب الذبائح باب مایکرہ من المثلہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۹، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن زید انصاری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۰۷
[4] سنن ابن ماجہ کتاب الذبائح باب النھی عن صبر البھائم وعن المثلۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۷، شرح معانی الآثار کتاب الجنایات باب کیفیۃ القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۱۷

عن المثلة [1] ھذا حدیث الحاکم عن عمران ومثلہ لفظ الطبرانی عن ابن عمر وحدثنا المغیرۃ واسماء۔	منع فرمایا۔ (حضرت عمران کے حوالے سے یہ حاکم کی روایت ہے اور اس جیسے الفاظ امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالے سے روایت کئے ہیں اور حضرت مغیرہ اور سیدہ اسماء نے ہم سے بیان فرمایا۔ت)

حدیث ۳۱: طبرانی امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینھٰی عن المثلة ولو بالکلب العقور [2]۔	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا کہ مثلہ کرنا منع فرماتے تھے اگرچہ سگ گزندہ کو۔

حدیث ۳۲و۳۳: ابن قانع وطبرانی وابن مندہ بطریق موسٰی بن ابی حبیب حضرت حکم بن عمیر وحضرت عائذ بن قرط رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتمثلوا بشیئ من خلق اللہ عزوجل فیہ روح [3]۔	خلق اللہ میں سے کسی ذی روح کو مثلہ نہ کرو۔

حدیث ۳۴و۳۵: ابوداؤد وطحاوی حضرت سمرہ بن جندب اور بخاری ومسلم قتادہ سے مرسلا راوی:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یحثنا علی الصدقة وینھانا عن المثلة وھذا لفظ ابی داؤد [4] ولفظ الطحاوی قلما خطب خطبة الا امرنا فیھا	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدقہ کرنے کی ترغیب دیا کرتے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔اور امام طحاوی کے یہ الفاظ ہیں کہ کوئی ایسا خطبہ

[1] شرح معانی الآثار کتاب الجنایات ۲/ ۱۱۷ و المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۷۹۸۴ ۹/ ۴۲۳، المعجم الاوسط حدیث ۵۷۳۵ مکتبہ المعارف ریاض ۶/ ۳۴۴، المعجم الکبیر حدیث ۱۳۴۸۵ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۲/ ۴۰۳، کنز العمال برمزك عن عمران حدیث ۱۱۰۶۸ مؤسسة الرسالہ بیروت ۴/ ۳۹۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۶۸ المکتبہ الفیصلیة بیروت ۱/ ۱۰۰

[3] المعجم الکبیر حدیث ۳۱۸۸ المکتبہ الفیصلیة بیروت ۳/ ۳۱۸

[4] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی النہی عن المثلة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۶

بالصدقة ونهانا فيها عن المثلة[1] ولفظهما فى حديث العرينين عن قتادة بلغنا ان النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان بعد ذٰلك يحث على الصدقة وينهٰى عن المثلة[2] وبمعناه لابن ابى شيبه والطحاوى عن عمران فى الحديث المار۔	نہیں ہوتا تھا جس میں صدقہ کرنے کا حکم نہ فرماتے ہوں اور مثلہ کرنے سے منع نہ کرتے ہوں ان دونوں کے الفاظ حدیث "عرینین" میں بحوالہ حضرت قتادہ یہ ہیں: ہمیں یہ اطلاع پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعدازیں صدقہ کرنے کی ترغیب دلاتے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے۔اور اسی کی ہم معنی ابن ابی شیبہ اور طحاوی کی گزشتہ حدیث بروایت حضرت عمران مذکور ہے۔(ت)

حدیث ۳۶: طبرانی کبیر میں حضرت یعلٰی بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لاتمثلوا بعباداللّٰه[3] اللہ کے بندوں کو مثلہ نہ کرو۔

حدیث ۳۷و۳۸: ابن عساکر وابن النجار حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور ابن ابی شیبہ مصنف میں عطا سے مرسلا راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لامثل به كذا فيمثل الله بى يوم القيمة[4]۔	حاصل یہ کہ جو یہاں مثلہ کرے گا روز قیامت اسے اللہ تعالٰی مثلہ بنائے گا۔

حدیث ۳۹: بیہقی سنن میں صالح بن کیسان سے حدیث طویل میں راوی حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالٰی عنہما کو سپہ سالاری پر بھیجتے وقت وصیت میں فرمایا:

---

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الجنایات باب کیفیۃ القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۱۷، سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی النھی عن المثلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۶

[2] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قصہ عکل وعرینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۰۲

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۹۷و۶۹۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۲/ ۲۷۲

[4] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر وابن النجار حدیث ۴۴۷ ۱۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۴۰۸، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب المغازی حدیث ۱۸۵۸۶ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴/ ۳۸۷

لاتغدروا ولاتمثلوا ولاتجبنوا ولاتغلوا[1]۔	نہ عہد توڑنا، نہ مثلہ کرنا، نہ بزدلی نہ خیانت۔

حدیث ۴۰: سیف کتاب الفتوح میں متعدد شیوخ سے راوی، امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صوبہ ملک یمامہ مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرمان بھیجا جس میں ارشاد ہے:

ایاك والمثلة فی الناس فانها ماثم ومنفرة الا فی قصاص[2]۔	لوگوں کو مثلہ کرنے سے بچو کہ وہ گناہ ہے اور نفرت دلانے والا مگر قصاص وعوض میں۔

اللہ اکبر! جب چوپایوں سے مثلہ حرام، چوپائے درکنار کٹکھنے کتے سے ناجائز کتے سے بھی گزریئے حربی کافر سے بھی منع، تو مسلمان کا خود اپنے منہ کے ساتھ مثلہ کرنا کس درجہ اشد حرام وموجب لعنت وانتقام ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

حدیث ۴۱: طبرانی معجم کبیر میں بسند حسن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مثل بالشعر فلیس له عندالله خلاق[3]۔	جو بالوں کے ساتھ مثلہ کرے اللہ عزوجل کے یہاں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

والعیاذ باللہ رب العالمین ــــــ یہ حدیث خاص مسئلہ مثلہ مومیں ہے بالوں کا مثلہ یہی جو کلمات ائمہ سے مذکور ہوا کہ عورت سر کے بال یا مرد داڑھی یا مرد خواہ عورت بھنویں **کما یفعله کفرة الهند فی الحداد** (جیسے ہندوستان کے کفار لوگ سوگ مناتے ہوئے ایسا کرتے ہیں۔ت) یا سیاہ خضاب کرے **کما فی المناوی والعزیزی والحفنی شروح الجامع الصغیر**، یہ سب صورتیں مثلہ مومیں داخل ہیں اور سب حرام۔

دلیل دوم: داڑھی منڈانا، زنانی صورت بنانا اور عورتوں سے تشبہ پیدا کرنا ہے اور مرد کو عورت عورت کو مرد سے کسی لباس وضع، چال ڈھال میں بھی تشبہ حرام نہ کہ خاص صورت وبدن میں ظاہر کہ عورت ومرد کا جسم ظاہر میں مابہ الامتیاز یہی چوٹی داڑھی ہے۔اسی طرح تسبیح ملائکہ میں اشارہ وارد ہوا۔امام زیلعی تبیین الحقائق علامہ اتقانی غایۃ البیان علامہ طوری تکملہ بحر، سب علماء کتاب الجنایات

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب السیر باب ترك قتل من لا قتال فیه من الرهبان الخ دار صادر بیروت ۹/ ۹۰

[2] تاریخ الامم والملوك للطبری ذکر خبر حضرموت فی ردتهم دار القلم بیروت ۳/ ۲۷۷

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۹۷۷ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۱/ ۴۱

اور امام حجۃ الاسلام محمد غزالی کیمیائے سعادت میں ذکر کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للہ ملئکۃ تسبیحھم سبحن من زین الرجال باللحی والنساء وبالقرون والذوائب [1] (لیس عند الاتقانی فی نسختی لفظ القرون)	بے شک اللہ عزوجل کے کچھ فرشتے ہیں جن کی تسبیح یہ ہے پاکی ہے اسے جس نے مردوں کو زینت دی داڑھیوں سے اور عورتوں کو گیسوؤں سے، بلکہ داڑھی چوٹی سے بھی زیادہ وجہ امتیاز ہے کہ مرد چوٹی بناسکتا ہے اور عورت داڑھی نہیں نکال سکتی۔ (میرے نسخہ میں اتقانی کے نزدیک "قرون" کا لفظ نہیں ہے)۔ (ت)

ولہٰذا نص ۵۰ و ۵۱: امامین جلیلین قوت واحیاء میں فرماتے ہیں:

اللحیۃ من تمام خلق الرجال وبھا تمیز الرجال من النساء فی ظاھر الخلق [2]۔	داڑھی آفرینش مرد کی تمامی سے ہے اور اسی سے متمیز ہوتے ہیں مرد عورتوں سے ظاہری صورت میں۔

لاجرم بزازیہ و در مختار و ردالمحتار کے نصوص گزرے کہ عورت کو موئے سر مرد کو داڑھی کا قطع کرنا حرام ہے کہ اس میں ایک کا دوسرے سے تشبہ ہے۔

نص ۵۲: سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

الحکمۃ فی تحریم تشبہ الرجل بالمرأۃ وتشبہ المرأۃ بالرجل انھما مغیرات لخلق اللہ [3]۔	مرد عورت کا باہم تشبہ حرام ہونے کی حکمت یہ ہے کہ وہ دونوں اس میں خدا کی بنائی چیز بدلتے ہیں۔

یہ اشارہ ہے اسی آیہ کریمہ "فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ ؕ" [4] کی طرف، یہ تو آیت تھی اب بتوفیق اللہ تعالٰی احادیث لیجئے۔

حدیث ۴۲: امام احمد و دارمی و امام بخاری و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجۃ و طبرانی

[1] تبیین الحقائق کتاب الجنایات ۶/ ۱۳۰ و بحر الرائق کتاب الجنایات ۸/ ۳۳۱

[2] قوت القلوب الفصل السادس والثلاثون ۲/ ۱۴۲ و احیاء العلوم النوع الثانی ۱/ ۱۴۴

[3] الحدیقہ الندیہ ومن الآفات اضاعۃ الرجل اولادہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۵۸

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۹

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشابھات من النساء بالرجال [1]۔	اللہ کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں کی وضع بنائیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی۔

طبرانی کی روایت یوں ہے:

ان امرأۃ مرت علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم متقلدۃ قوسافقال لعن اللہ المتشبھات من النساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساء [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت شانے پر کمان لٹکائے گزری، فرمایا: اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو مردانی وضع بنائیں اور ان مردوں پر جو زنانی۔

حدیث ۴۳: بخاری، ابوداؤد و ترمذی انھیں سے راوی:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوھم من بیوتکم [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی زنانہ مردوں اور مردانی عورتوں پر۔ اور فرمایا انھیں اپنے گھروں سے نکال باہر کرو۔

حدیث ۴۴: بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اخرجوا المخنثین من بیوتکم [4]۔	زنانوں کو اپنے گھروں سے نکال باہر کرو۔

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس ۲/ ۸۷۴۔ سنن ابی داؤد کتاب اللباس ۲/ ۲۱۰۔ جامع الترمذی ۲/ ۱۰۲، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب فی المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۸، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۳۹

[2] الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی الترھیب من تشبہ الرجل بالمرأۃ الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۰۳

[3] صحیح البخاری کتاب اللباس ۲/ ۸۷۴ و سنن ابی داؤد کتاب الادب ۲/ ۳۱۸ جامع الترمذی ابواب الادب ۲/ ۱۰۲

[4] سنن ابن ماجہ ابواب الحدود باب المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۱، کنز العمال بحوالہ احمد خ، د، ہ حدیث ۴۵۰۶۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۹۶

حدیث ۴۵: ابوداؤد ونسائی، وابن ماجہ وابن حبان بسند صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرجل یلبس لبسۃ المرأۃ والمرأۃ تلبس لبسۃ الرجل[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اس مرد پر کہ عورت کا پہناوا پہنے اور اس عورت پر کہ مرد کا۔

حدیث ۴۶: ابوداؤد بسند حسن عبداللہ بن ابی ملیکہ سے راوی:

قال قیل لعائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا ان امرأۃ تلبس النعل قالت لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرجلۃ من النساء[2]۔	ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ عنھا سے عرض کی گئی کہ ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مردانی عورتوں پر لعنت فرمائی۔

حدیث ۴۷: امام احمد بسند صحیح ایک تابعی ہذیلی سے راوی میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خدمت میں حاضر تھا ایک عورت کمان لٹکائے مردانی چال چلتی سامنے سے گزری عبداللہ نے پوچھا یہ کون ہے میں نے کہا ام سعید دختر ابو جہل، فرمایا میں نے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

لیس منا من تشبہ بالرجال من النساء ولا من تشبہ بالنساء من الرجال[3] ورواہ الطبرانی عن عبد اللہ مختصرًا۔	ہمارے گروہ میں سے نہیں وہ عورت کہ مردوں سے تشبہ کرے اور نہ وہ مرد کہ عوتوں سے (اور اسے طبرانی نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مختصرًا روایت کیا۔ت)

حدیث ۴۸: امام احمد بسند حسن اور عبدالرزاق مصنف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مخنثی الرجال الذین یتشبھون بالنساء والمترجلات من النساء	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی زنانہ مردوں پر جو عورتوں کی صورت بنیں اور مردانی عورتوں پر جو مردوں کی شکل بنیں اور جنگل کے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۰

المتشابهات بالرجال وراکب الفلاة وحده [1]۔	اکیلے سوار کو یعنی جو خطرہ کی حالت میں تنہا سفر کو جائے۔

حدیث ۴۹: طبرانی کبیر میں بسند صالح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة ابدا الدیوث و الرجلة من النساء ومدمن الخمر [2]۔	تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے دیوث اور مردانی عورت اور شراب کا عادی۔

حدیث ۵۰: احمد، نسائی، حاکم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لاینظر الله الیهم یوم القیمة العاق لوالدیه والمرأة المترجلة المتشبهة بالرجال ؏ والدیوث [3]۔	تین شخصوں پر اللہ تعالٰی روز قیامت نظر رحمت نہ فرمائے گا ماں باپ کا نافرمان اور مردانی عورت مردوں کی وضع بنانے والی اور دیوث۔

حدیث ۵۱: نسائی سنن اور بزار مسند اور حاکم مستدرک اور بیہقی شعب الایمان میں ان سے راوی:

؏: وفی طریقة لاحمد وروایة عبدالرزاق بعد هذا والمتبتلین الذین یقولون لانتزوج والمتبتلات اللاتی یقلن ذٰلك وراکب الفلاة وحده والبائت وحده [4] ۱۲منه	امام احمد کی دوسری سند کے ساتھ اور مصنف عبدالرزاق کی روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ مذکور ہیں وہ مرد جو عورتوں سے لا تعلق ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم شادی نہیں کرتے اور الگ تھلگ رہنے والی عورتیں جو یہی کچھ کہتی ہیں اور جنگل و بیابان میں اکیلا سفر کرنے والا سوار اور قوت مردی کے باوجود تنہا رہنے والا مرد۔ (ت)

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۸۹۔۲۸۷

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر کتاب النکاح باب فیمن یرضی لاہلہ بالخبث دار الکتاب بیروت ۴/ ۳۲۷

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۳۴، سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۵۷

[4] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۸۹

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث ورجلة النساء[1]۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ سے عاق اور دیوث اور مردانی عورت۔

حدیث ۵۲: بیہقی شعب الایمان میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اربعة یصبحون فی غضب اللہ ویمسون فی غضب اللہ المتشبهون من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال والذی یاتی البهیمة والذی یاتی بالرجل[2]۔	چار شخص صبح کریں تو اللہ کے غضب میں شام کریں تو اللہ کے غضب ہیں زنانی وضع والے مرد اور مردانی وضع والی عورتیں اور جو چوپائے سے جماع کرے اور اغلامی۔

حدیث ۵۳: طبرانی کبیر میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

اربعة لعنهم اللہ فوق عرشه وامنت علیهم ملئکة الذی یحصن نفسه عن النساء ولایتزوج ولا یتسری لان لایولد له ولد الرجل یتشبه بالنساء وقد خلقه اللہ ذکرا والمرأة تتشبه بالرجال وقد خلقها اللہ انثی ومضل المسکین[3] وفی اخری	حاصل یہ کہ چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے بالائے عرش سے دنیا وآخرت میں لعنت بھیجی اور ان کی ملعونی پر فرشتوں نے آمین کہی وہ مرد جسے خدائے تعالٰی نے نر بنایا اور وہ مادہ بنے عورتوں کی وضع بنائے اور عورت جسے خدا نے مادہ بنایا اور وہ نر بنے مردانی وضع اختیار کرے اور اندھے کو بہکانے یا مسکین

عـــه: هذا وعید اٰخر غیر مافی قرینة فالظاهر تعداد الورود ولا تغییر العبارة من الصحابی او راو بعده واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه	یہ دوسری وعید ہے جو ساتھ والی روایت میں نہیں ہے بظاہر تعداد ورود مراد ہے صحابی سے تبدیلی عبارت مراد نہیں یا اس کے بعد کوئی اور راوی ہے اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔(ت)

[1] شعب الایمان للبیہقی باب فی الغیرة والمذاق حدیث ۱۰۷۹۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۷/ ۴۱۲، سنن النسائی کتاب الزکوٰة ۱/ ۳۵۷ و المستدرك للحاکم کتاب الایمان ۱/ ۷۲

[2] شعب الایمان باب فی تحریم الفروج حدیث ۵۳۸۵ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۳۵۶

[3] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۹۴ المکتبه الفیصلیة بیروت ۸/ ۱۱۷

عنہ اربعۃ لعنوا فی الدنیا والاخرۃ وامنت الملئکۃ رجل جعلہ اللہ ذکرا فانث نفسہ وتشبہ بالنساء وامرأۃ جعلھا اللہ انثی فتذکرت وتشبھت بالرجال والذی یضل الاعمی ورجل حصور ولم یجعل اللہ حصورا الایحیی بن زکریا علیہ السلام [1]۔	کو راستہ بھلانے والا اور وہ جو اولاد ہونے کے خوف سے نکاح نہ کرے نہ کنیز حلال رکھے راہبان نصاری کی طرح بن رہے۔

حدیث ۵۴: ابن عساکر ابن صالح وہ اپنے بعض شیوخ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الملئکۃ رجلا تأنث وامراۃ تذکرت [2]۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔	اللہ عزوجل اور فرشتوں نے لعنت کی اس مرد پر جو عورت بنے اور اس عورت پر جو مرد۔

دلیل سوم: داڑھی منڈانا کتروانا شعار کفار میں ان سے تشبہ ہے اور وہ حرام۔

تنبیہ ہشتم کی متعدد احادیث میں گزرا کہ یہ خصلت شیعہ مجوس ویہود ومشرکین کی ہے اور نہم کے نصوص عدیدہ میں کہ مجوسیوں یہودیوں ہندؤوں فرنگیوں کی اور حدیث اول وسوم وچہارم میں گزرا مشرکوں کا خلاف کرو یہودیوں کی صورت نہ بنو اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

نص ۵۳ تا ۵۵: لمعات سے گزرا کہ داڑھی باندھنے والے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی بیزاری اس وجہ سے ظاہر فرمائی کہ اس میں بے دینوں سے تشبہ ہے۔[3] علامہ طیبی وعلامہ طاہر سے گزرا کہ وجہ نہی مشابہت کفار ہے [4]۔

نص ۵۶ و ۵۷: بدائع امام ملک العلماء وشرح منسک متوسط میں ہے:

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۴۸۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۴۲

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن ابن صالح حدیث ۴۳۹۸۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۷

[3] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک مکتبہ المعارف العلمیہ ۲/ ۶۸

[4] شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۶

حلق اللحیۃ تشبہ بالنصارٰی [1]۔	داڑھی منڈانی نصارٰی کی سی صورت بنانی ہے۔

نص ۵۸: جب در مختار میں فرمایا داڑھی نہ رکھنا یہود وہنود کا کام ہے [2] علامہ طحطاوی نے فرمایا: التشبہ بھم حرام [3] ان سے تشبہ حرام ہے۔

نص ۵۹ و ۶۰: علامہ اسمٰعیل بن عبدالغنی حاشیہ درر وغرر پھر علامہ عبدالغنی بن اسمٰعیل حاشیہ طریقہ محمدیہ نوع ثامن آفات لسان میں فرماتے ہیں:

لبس زی الافرنج کفر علی الصحیح [4] اھ مختصرًا۔	فرنگیوں کی وضع پہننی صحیح مذہب میں کفر ہے اھ مختصرًا۔

حدیث ۵۵: صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ابغض الناس الی اللہ ثلثۃ ملحد فی الحرم ومتبغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ ومطلب دم امرئ بغیر حق لیھریق دمہ [5]۔	اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ دشمن تین شخص ہیں حرم شریف میں الحاد وزیادتی کرنے والا اور اسلام میں جاہلیت کی سنت چاہنے والا اور ناحق کسی کی خونریزی کے لئے اس کے قتل کی تلاش میں رہنے والا۔

علامہ طیبی سے مجمع البحار میں ہے:

اذا ترتب ھذا الوعید علی طالبہ فعلی المباشر اولی [6]۔	جب سنت جاہلیت کی طلب پر یہ وعید ہے تو برتنے والا بدرجہ اولٰی۔

حدیث ۵۶ و ۵۷: بخاری تعلیقا اور احمد وابویعلی وطبرانی کاملا حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور جملہ اخیرہ ابوداؤد ان سے اور طبرانی معجم اوسط میں بسند حسن حضرت حذیفہ

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحج فصل واما الحلق والتقصیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۱، المنسک المتوسط علی لباب المناسک مع ارشاد الساری دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۵۲

[2] درمختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۶۰

[4] الحدیقہ الندیہ النوع الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

[5] صحیح البخاری کتاب الدیات باب من طلب دم الخ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۲/ ۱۰۱۶

[6] مجمع بحار الانوار باب السنن مع النون تحت لفظ السنن مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۳/ ۱۳۲

صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جعل الذل والصغار علی من خالف امری ومن تشبہ بقوم فھو منھم [1]۔	رکھی گئی ذلت اور خواری اس پر جو میرے حکم کا خلاف کرے اور جو کسی قوم سے تشبہ کرے وہ انھیں میں سے ہے۔

علامہ طیبی سے مجمع وغیرہ میں ہے:

ای من تشبہ بالکفار فی اللباس وغیرہ فھو منھم [2] اھ باختصار۔	یعنی جو کافروں سے لباس وغیرہ میں مشابہت کرے وہ انھیں کافروں میں سے ہے اھ باختصار

حدیث ۵۸: ترمذی وطبرانی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من تشبہ بغیر نا لاتشبھوا بالیھود ولا بالنصارٰی فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصارٰی الاشارۃ بالاکف [3]۔	ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیر سے تشبہ کرے، نہ یہود سے تشبہ کرو نہ نصرانیوں سے کہ یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ ہے اور نصارٰی کا ہتھیلیوں سے۔

حدیث ۵۹: مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من عمل بسنۃ غیرنا [4]۔	جو ہمارے غیر کی سنت پر عمل کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب ماقیل فی الرماح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۸، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۰ و ۹۲، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳، المعجم الاوسط حدیث ۸۳۲۳ مکتبہ المعارف ریاض ۹/ ۱۵۱

[2] مجمع بحار الانوار باب الشین مع الباء مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۳/ ۱۷۸

[3] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی تبلیغ الاسلام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۹۴

[4] الفردوس بماثور الخطاب عن ابن عباس حدیث ۵۲۶۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۱۵

حدیث ۶۰: ابن حبان اپنی صحیح میں ابوعثمان سے راوی ہمارے پاس پیشگاہ خلافت فاروقی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمان والا شرف صدور لایا جس میں ارشاد ہے: **ایاکم وزی الاعاجم**[1] پارسیوں کی وضع سے دور رہو،

تذییل حدیث ۶۱: ابن ماجہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یعمل بسنتی فلیس منی[2]۔	جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔

حدیث ۶۲: ابن عساکر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من رغب عن سنتی فلیس منی[3]۔	جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ میرے گروہ سے نہیں۔

حدیث ۶۳: خطیب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من خالف سنتی فلیس منی[4]۔	جو میری سنت کا خلاف کرے وہ میرے زمرے سے نہیں۔

حدیث ۶۴: ابن عساکر حضرت ابن الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ بسنتی فھو منی ومن رغب عن سنتی فلیس منی[5]۔	جو میری سنت اختیار کرے وہ میرا اور جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ میرا نہیں۔

حدیث ۶۵: بیہقی شعب میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند صحیح راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] کشف الخفاء بحوالہ ابن حبان تحت حدیث ۱۰۱۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸۳

[2] سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب ماجاء فی فضل النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر ابی ایوب حدیث ۱۸۱۴۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۹۸

[4] تاریخ بغداد الخطیب ترجمہ ۳۶۷۸ دار الکتب العربی بیروت ۷/ ۲۰۹

[5] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۹۳۴ ۱/ ۱۸۴ وحدیث ۲۲۷۵۴ ۸/ ۲۴۴ موسسۃ الرسالہ بیروت

ان لکل عمل شرۃ و لکل شرۃ فترۃ فمن کانت فترتہ الی سنتی فقد اھتدی و من کانت الی غیر ذٰلك فقد ھلك [1]۔	یعنی ہر کام کا ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش کو ایک فتور تو جو فتور کے وقت بھی میری سنت ہی کی طرف رہے ہدایت پائے اور جو دوسری جانب ہو ہلاک ہو جائے۔
ربنا بقدرتك علینا وعجزنا لدیك وبغناك عنا وفاقتنا الیك لاتھلکنا بذنوبنا ولا تواخذنا بما عملنا ولا تجعلنا فتنۃ للقوم الظلمین ربنا انك رؤف رحیم اٰمین والحمد ﷲ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولانا محمد شفیع المذنبین والہ وصحبہ اجمعین، اٰمین۔	اے ہمارے پروردگار! ہم پر جو تجھے قدرت کاملہ حاصل ہے اس کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں اور ہمارا تیری بارگارہ میں عجز و نیاز اور تیری ہم سے بے نیازی اور ہمارا تیری طرف احتیاج، ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہ کرنا اور جو کچھ ہم نے کیا اس پر ہماری گرفت نہ کرنا اور ہمیں ظالموں کے لئے آزمائش نہ بنانا، اے ہمارے پروردگار! یقینا تو بڑی شفقت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ہماری دعا قبول فرما (آمین)، سب تعریف اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا مالک و پروردگار ہے اور ہمارے آقا و مولٰی پر اللہ تعالٰی کی بے پایاں رحمتیں ہوں جو (حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) روز قیامت گناہگاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں اور ان کی تمام اولاد اور سب ساتھیوں پر، مولا! اس دعا کو قبول فرما، آمین! (ت)

خاتمہ

رزقنا اللہ حسنہا (اللہ تعالٰی اسے (یعنی خاتمہ کو) حسن و جمال سے نوازے۔ت) اب کہ بحمد اللہ تعالٰی کلام اپنے منتہی کو پہنچا اکثر ابنائے زماں کی ہمت اور دین و علم کی جانب رغبت معلوم کسی دینی تحریر کے چند ورق دیکھنے بھی ان پر بار گراں اور راستانوں دیوانوں کے دفتر الٹ جائیں سیری کہاں، لہٰذا ہم بعض مضامین رسالہ کا ایک جدول میں خلاصہ لکھتے ہیں جنھیں اللہ و رسول پر ایمان اور روز قیامت پر ایقان ہے ملاحظہ کریں کہ قرآن و حدیث و نصوص ائمہ و علمائے کرام قدیم و حدیث میں داڑھی منڈانے کتروانے پر کیا کیا ہولناک سزائیں وعیدیں، مذمتیں، تہدیدیں وارد ہیں، ایمانی نگاہ کو یہ جدول ہی کافی۔ اور جو تفصیل چاہے تو یہ

[1] کنز العمال بحوالہ ھب عن ابن عمرو حدیث ۵۳۴۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۲۷۶

فتوٰی وافی اب جس میں عذاب الٰہی کی طاقت ہو نیچریان عنود کی بات سنے، مجوس وہنود کی صورت بنے،ان جانگزاآفتوں کو گوارا کرے اور جسے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے محبت ہواپنامنہ اسلامی بنائے شعائر اللہ کی حرمت بجالائے شعائر کفر سے کنارہ کرے۔واللہ الھادی وولی الایادی (اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ دکھانے والا گوناگوں احسانات وانعامات کامالک ہے۔ت)

جدول ان سزاؤں وعیدوں مذمتوں کی جوداڑھی منڈانے کتروانے والوں کے حق میں آیات واحادیث ونصوص مذکورہ سے ثابت ہیں

نمبر شمار	سزاومذمت	فرمان عدالت	میزان فرامین
۱	اللہ ورسول کے نافرمان ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	نو ۹۔آیات ۱۵،۱۳،۸،۷،۲،اتا۱۸،۳۲، حدیث ا تا۱۰،۱۹تا۳۸،۴۰تا۵۸	۴۱
۲	شیطان لعین کے محکوم ہیں۔	آیت ۵	۱
۳	سخت احمق ہیں۔	آیت ۱۰نص ۱۸،۱۹	۳
۴	اللہ ان سے بیزار ہے۔	آیت ۱۴	۱
۵	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیزار ہیں۔	حدیث ۱۱،۱۳	۲
۶	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوایسی صورت دیکھنے سے کراہت آتی ہے۔	حدیث ۱۰	۱
۷	یہودی صورت ہیں۔	حدیث ۳،۴ نص اتا۵	۷
۸	نصرانی وضع ہیں فرنگیوں سے مشابہ ہیں۔	حدیث ۴نص اتا۵،۱۳تا۱۷،۳۶،۵۶،۵۷	۱۴
۹	مجوس کے پیرو ہیں۔	حدیث۶،۲۔نص اتا۵،۱۳تا۱۷	۱۲
۱۰	ہندوؤں کی صورت مشرکین کی سیرت ہیں۔	حدیث ا۔نص اتا۵،۱۳تا۱۷،۳۴،۳۶	۱۳
۱۱	مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گروہ سے نہیں۔	حدیث ۴۷،۵۸،۵۹،۶۱تا ۶۴	۷
۱۲	انھیں اپنے ہم صورتوں نصارٰی ویہود ومجوس وہنود کے گروہ سے ہیں۔	حدیث ۵۶،۵۷	۲

۱۳	واجب التعزیر ہیں شہر بدر کرنے کے قابل ہیں۔	حدیث ۴۳، ۴۴۔ نص ۶تا۱۲	۹
۱۴	مبدلین فطرت ہیں مغیر خلق اللہ ہیں۔	نص ۱۸، ۱۹، ۳۵، ۳۸تا ۴۹، ۵۲	۱۲
۱۵	زنانے مخنث ہیں۔	حدیث ۴۳، ۴۸۔ نص ۱تا۵	۷
۱۶	خدا کے عہد شکن ہیں۔	حدیث ۲۱	۱
۱۷	ذلیل وخوار ہیں۔	حدیث ۵۶، ۵۷	۲
۱۸	گھنونے قابل نفرت ہیں۔	حدیث ۴۰	۱
۱۹	مردود الشہادت ہیں۔	حدیث ۱۳، ۱۴، ۱۵	۳
۲۰	پورے اسلام میں داخل نہ ہوئے۔	آیت ۱۸	۱
۲۱	ہلاکت میں ہیں مستحق بربادی ہیں۔	آیت ۱۸ حدیث ۶۵	۲
۲۲	دین میں بے بہرہ آخرت میں بے نصیب ہیں۔	حدیث ۱۶، ۱۷، ۴۱	۳
۲۳	عذاب الٰہی کے منتظر۔	آیت ۱۸	۱
۲۴	اللہ عزوجل کو سخت دشمن ومبغوض ہیں۔	حدیث ۵۵	۱
۲۵	صبح ہیں تو اللہ کے غضب میں، شام ہیں تو اللہ کے غضب میں۔	حدیث ۵۳	۱
۲۶	قیامت کے دن ان کی صورتیں بگاڑی جائیں گی۔	حدیث ۳۷، ۳۸	۲
۲۷	اللہ ورسول کے ملعون ہیں دنیا وآخرت میں ملعون ہیں، اللہ وملائکہ وبشر سب کی ان پر لعنت ہے، فرشتوں نے ان کے لعنتی ہونے پر آمین کہی۔	ہشت احادیث ۱۸، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۵۳، ۵۴۔	۸
۲۸	اللہ تعالٰی ان پر نظر رحمت نہ فرمائے گا۔	حدیث ۵۰	۱
۲۹	وہ بہشت میں نہ جائیں گے۔	حدیث ۴۹، ۵۱	۲
۳۰	اللہ عزوجل انھیں جہنم میں ڈالے گا۔ والعیاذ باللہ تعالٰی	آیت ۱۴	۱

الحمدللہ یہ مختصر رسالہ جس میں علاوہ زوائد کے اصل مقصد میں اٹھارہ [۱۸] آیتوں بہتر [۷۲] حدیثوں

ساٹھ ارشادات علماء جملہ ڈیڑھ سو نصوص نے باطل کا ازہاق، حق کا احقاق کیا، غرہ رجب روز جمعہ مبارک **۱۳۰۵ھ** ہجریہ قدسیہ کو قمر التمام وبدر سماء اختتام اور بلحاظ تاریخ **لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی** (چاشت کی روشنی داڑھیاں بڑھانے میں۔ت) نام ہوا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالٰى على خير خلقه وسراج افقه سيدنا و مولٰنا محمد واله وصحبه اجمعين اٰمين واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين والله سبحانه وتعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	اے ہمارے پروردگار! ہم سے (اس خدمت کو) قبول فرما، بے شک تو سب کچھ سننے جاننے والا ہے اللہ تعالٰی ان کی ان پر (بے حساب) رحمتیں ہوں **جو تمام مخلوق سے بہتر اور علم ودانش کا (روشن) چراغ** ہیں جو ہمارے آقا و مولا محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور ان کی سب آل اور تمام صحابہ کرام پر بھی ہو (مولائے کریم) دعا قبول فرما اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ تمام خوبیاں اور تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے مربی ہے۔اللہ تعالٰی کی ذات برتر اور سب سے زیادہ جاننے والی ہے۔ اور اس جلیل القدر کا علم سب سے زیادہ تام (کامل) اور بڑا محکم ہے۔(ت)

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ
بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ
عبد المصطفٰی احمد رضا خان

رسالہ
لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللّحٰی
ختم شد

مسئلہ ۲۲۸: مسئولہ عزیز الحسن طالب علم مدرسہ اہلسنت شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

سر کے بال مونڈھے سے زیادہ بڑھالینا جس طرح کہ آج کل کے متصوفوں نے اختیار کیا ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

صحاح احادیث میں لعنت فرمائی ان مردوں پر جو عورتوں کی وضع بنائیں اور عورتوں پر جو مردوں کی لہٰذا یہ حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: ابوبکر علی محمد نو روز چہار شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

ایک شخص کھتری کا کام کرتا ہے اور کپڑے میں کنڈیں باندھنے کے لئے چند ناخون رکھوانے کی بہت ضرورت پڑتی ہے تو اب وقت ضرور ناخن رکھوانے کے لئے کیا حکم ہے۔ تحریر فرمائیں فقط۔

الجواب:

چالیس ۴۰ روز سے زیادہ ناخن یا موئے بغل یا موئے زیر ناف رکھنے کی اجازت نہیں، بعد چالیس ۴۰ روز کے گنہگار ہوں گے، ایک آدھ بار میں گناہ صغیرہ ہوگا عادت ڈالنے سے کبیرہ ہو جائیگا فسق ہوگا، صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

وقت لنا لفظه عنداحمد وابی داؤد و الترمذی و النسائی وقت لنارسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی قص الشارب وتقلیم الاظفار ونتف الابط و حلق العانة ان لانترك اكثر من اربعین لیلة[1]۔	ہمارے لئے وقت مقرر فرمایا (مسلم شریف کے الفاظ) مسند احمد، ابوداؤد، جامع الترمذی اور سنن النسائی کے الفاظ یہ ہیں وقت لنا یعنی ہمارے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مونچھیں کترنے، ناخن کاٹنے، زیر بغل بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑے۔ (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی اخذ الشارب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۱، سنن النسائی ذکر التوقیت فی ذٰلك نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۷، جامع الترمذی ابواب الآداب باب ماجاء فی تقلیم الاظفار امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

درمختار میں ہے:

کرہ ترکہ وراء الاربعین [1]۔	چالیس روز سے زیادہ چھوڑ دینا مکروہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای تحریما لقول المجتبٰی ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید [2]۔	یہاں کراہت سے مکروہ تحریمی مراد ہے۔المجتبٰی کے اس قول کی وجہ سے کہ چالس دن سے زیادہ دیر لگانے میں کوئی عذر (مقبول) نہیں، لہذا اگر ایسا کیا گیا تو پھر عذاب کی دھمکی کا مستحق ہے اھ (ت)

پیتل وغیرہ کے ناخن بنوا کر ایسے کہ انگلیوں پر چڑھ سکیں مثلا ایک پورے کے قدر انگلی کی شبیہ جسے انگلی میں پہن لیا جائے اور اس پر ناخن بنا ہوا ان سے کام لیا جائے یہ سونے چاندی کے جائز نہیں۔ حتی کہ عورتوں کو بھی احتراز چاہئے کہ یہ صرف پہننا نہیں بلکہ دوسرے کام میں استعمال۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۰: از شہر بریلی مسئولہ خورشید حسین ۲۵ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے ہاتھ میں رعشہ ہے وہ استرہ نہیں لے سکتا خوف زخمی ہونے کا ہے تو وہ کیا کرے۔

الجواب:

نورہ استعمال کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۱: مرسلہ مرزا عبدالرحیم بیگ مدرس مدرسہ جماعت نارواڑی محلہ رنچھوڑ لین کراچی بندر ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک ہندو نومسلم ہوا ہے اب اس کا ختنہ کرنا شرع شریف سے کیا حکم ہے۔ آیا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کون سی دلیل ہے اور کس ترتیب سے؟ اور اگر ناجائز ہے تو کس وجہ سے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ)

الجواب:

ہاں ختنہ کا حکم ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

الق عنك شعر الکفر واختتن [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اپنے آپ سے کفر کے بال دور کردے اور ختنہ کرے، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۳۲و۲۳۳: از موضع بھوٹا بھوٹی بسوٹولانڈ علاقہ جام نگر کاٹھیاواڑ مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صدیقی حنفی قادری ابن حاجی امیر میاں ۲۲صفر المظفر ۱۳۳۶ھ

(۱) زید سوال کرتا ہے کہ اکثر عربستان میں لڑکیوں کو ختنہ کرنے کارواج ہے۔اور ہند میں کیوں رواج نہیں؟

(۲) مسلمان کو مونچھ بڑھانا یہاں تک کہ منہ میں آئے کیا حکم ہے؟ زید کہتا ہے ترکی لوگ بھی مسلمان ہیں وہ کیوں مونچھ بڑھاتے ہیں؟

الجواب:

(۱) لڑکیوں کے ختنہ کرنے کا تاکیدی حکم نہیں اور یہاں رواج نہ ہونے کے سبب عوام اس پر ہنسیں گے اور یہ ان کے گناہ عظیم میں پڑنے کا سبب ہوگا اور حفظ دین مسلمانان واجب ہے لہذا یہاں اس کا حکم نہیں۔اشباہ میں ہے:

لایسن ختانہا وانما ھو مکرمۃ [2]۔	لڑکیوں کا ختنہ کرنا سنت نہیں بلکہ وہ ایک عمدہ کام ہے۔ (ت)

منیۃ المفتی پھر غمز العیون میں ہے:

وانماکان الختان فی حقہا مکرمۃ لانہ یزید فی اللذۃ [3]۔	لڑکیوں کے حق میں ختنہ ایک عمدہ فعل ہے کیونکہ اس سے لذت جماع میں اضافہ ہوتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ختان المرأۃ لیس سنۃ بل مکرمۃ للرجال وقیل	عورت کا ختنہ سنت نہیں بلکہ وہ مردوں کے لئے ایک اچھا طریقہ ہے۔اور یہ بھی کہا گیا کہ

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارت باب الرجل یسلم یؤمر بالغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۵۲، مسند احمد بن حنبل عن ابی کلیب رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۱۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۷۰

[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۷۰

سنة [1] اھ وجزم به البزازی فی وجیزه والحدادی فی سراجه وقال فی الهندیة عن المحیط اختلف الروایات فی ختان النساء ذکر فی بعضها انه سنة هکذا حکی عن بعض المشائخ وذکر شمس الائمة الحلوانی فی ادب القاضی للخصاف ان ختان النساء مکرمة [2] اھ ورأیتنی کتبت علیه ای فیکون مستحبا وهو عند الشافعیة واجب فلا یترك ما اقله الاستحباب مع احتمال الوجوب لکن الهنود لایعرفونه ولو فعل احد یلومونه و یسخرون به فکان الوجه ترکه کیلا یبتلی المسلمون بالاستهزاء بامر شرعی وهذا نظیر ماقال العلماء ینبغی للعالم ان لایرسل العذبة علی ظهره وان کان سنة اذا کان الجهال یسخرون منه ویشبهون بالذنب	سنت ہے اھ اور بزازی نے وجیز میں اس پر اظہار یقین کیا اور حدادی نے اپنی سراج میں اور فتاوٰی عالمگیری میں محیط سے نقل کیا ہے کہ عورتوں کے ختنہ میں اختلافات روایات ہے، چنانچہ بعض میں یہ ذکر کیا گیا کہ وہ سنت ہے۔ چنانچہ بعض مشائخ سے اسی طرح حکایت کی گئی، اور شمس الائمہ حلوانی نے خصاف کی ادب القاضی سے ذکر کیا کہ عورتوں کا ختنہ عمدہ فعل ہے اھ، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس پر تحریر کیا ہے کہ عورتوں کا ختنہ کرنا مستحب ہے لیکن شافعیوں کے نزدیک واجب ہے لہٰذا ایسے کام کو نہ چھوڑا جائے جو کم سے کم مستحب ہے باوجود یہ کہ اس میں وجوب کا احتمال ہے لیکن ہمارے ہاں کے ہندی لوگ اس کو نہیں پہچانتے، لہٰذا اگر یہاں کوئی ایسا کرے تو لوگوں اس کو ملامت کریں گے اور اس کا مذاق اڑائیں گے۔ لہٰذا عمدہ وجہ اسے چھوڑ دینا ہے تاکہ لوگ ایک حکم شرعی کے ساتھ ہنسی مذاق میں مبتلا نہ ہو جائیں، اور اس کی نظیر (مثال) وہ ہے کہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا کہ عالم کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی پیٹھ پر (دستار کا) شملہ نہ چھوڑے اگرچہ یہ کام سنت ہے۔ اگر ناواقف لوگ (اس فعل سے) مذاق اڑائیں اور اس کو

[1] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیة الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

فیقعون فی شدید الذنب هذا واحتج البزازی علی استنانه بان لوکان مکرمة لم تختن الخنثی لاحتمال ان یکون امرأة ولکن لا کالسنة فی حق الرجال [1] اه وتعقبه العلامة ش فقال ختان الخنثی لاحتمال کونه رجلا وختان الرجل لایترك فلذا کان سنة احتیاطا ولایفید ذلك سنیته للمرأة تأمل [2] اه وکتبت فیما علقت علیه اقول:کان یتمشی هذالولم یختن منها الا الذکر اذ لامعنی لختان الفرج قصدا الی الختان لاحتمال الرجولیة وقد صرح فی السراج ان الخنثی تختن من کلا الفرجین ولا شك ان النظر الی العورة لاتباح لتحصیل مکرمة [3] اه	دم سے تشبیہ دیں۔پھر اس طرح کی حرکت سے شدید گناہ میں پڑ جائیں۔اور امام بزازی نے (ختنہ کے) سنت ہونے پر استدلال کیا(اور دلیل پیش کی)اگر یہ کام صرف عمدہ اور اعزازی ہوتا تو پھر ہیجڑے کا ختنہ نہ کیا جاتا اس احتمال پر کہ شاید عورت ہو لیکن یہ اسی طرح نہیں جیسے مردوں کے حق میں سنت ہے۔اھ علامہ "ش" نے بزازی کا تعاقب کیا اور فرمایا کہ ہیجڑے کا ختنہ کرنا اس کے مرد ہونے کے احتمال پر ہے۔اور مرد کا ختنہ کبھی متروک نہیں،پھر اس لئے یہ احتیاطی سنت ہے۔اور یہ بات عورت کے لئے سنیت کا فائدہ نہیں دیتی،غور اور سوچ کیجئے اھ میں نے اپنی تعلیق میں اس کے متعلق تحریر کیا ہے۔میں کہتا ہوں کہ یہ بات چل سکتی تھی جبکہ ان میں سے سوائے مرد کے کسی کا ختنہ نہ کیا جاتا کیونکہ فرج(شرمگاہ)کے قصدا ختنہ کرنے کا صرف اس کی مردانگی (رجولیت)کے احتمال پر کوئی مفہوم اور مطلب نہیں۔اور سراج میں یہ صراحت کی گئی کہ ہیجڑے کے دونوں فرجوں (شرمگاہوں)کا ختنہ کیا جائے،اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ محل ستر (عورۃ) کو کسی عمدہ کام کے حصول کے لئے دیکھنا مباح نہیں ہو سکتا اھ

[1] ردالمحتار بحوالہ البزازی مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۹

[2] ردالمحتار بحوالہ البزازی مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۹

[3] السراج

لکن هذا هو نص الحدیث فقد اخرج احمد عن والدابی الملیح والطبرانی فی الکبیر عن شداد بن اوس وکابن عدی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهم بسند حسن حسنه الامام السیوطی ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال الختان سنة للرجال ومکرمة للنساء[1] **اقول**: ولایندفع الاشکال بما فعل الامام البزازی فانه ان فرض سنة فلیست کل سنة یباح لها النظر الی العورة ومسها الاتری ان الاستنجاء بالماء سنة ولا یحل کشف العورة فان لم یجد سترا وجب علیه ترکه وانما ابیح له ذٰلك فی ختان الرجل لانه من شعائر الاسلام حتی لو ترکه اهل بلدة قاتلهم الامام کما فی فتح القدیر یرو

لیکن یہ صراحۃً حدیث ہے کہ امام احمد نے ابوالملیح کے والد کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں شداد بن اوس کی سند سے جیسا کہ ابن عدی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے نیز امام سیوطی نے اس کی تحسین فرمائی (یعنی اس کو حدیث حسن قرار دیا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ختنہ مردوں کے حق میں سنت ہے اور عورتوں کے لئے ایک عمدہ کام ہے۔

میں کہتاہوں کہ امام بزازی کی کارروائی سے اشکال دفع نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس کام کو سنت بھی فرض کرلیا جائے تو بھی نظر الی الفرج کا جواز کیسے ہوگا) اس لئے ہر سنت میں بھی یہ گنجائش نہیں کہ اس کی وجہ سے محل ستر (عورۃ) کو دیکھنا اور مس کرنا مباح ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ پانی سے استنجا کرنا سنت ہے لیکن اگر کوئی باپردہ جگہ نہ ہو تو پھر بر سرعام کھلی جگہ ستر ننگا کرکے استنجا کرنا جائز اور مباح نہیں۔ بلکہ اس صورت میں ترک استنجا واجب ہے۔ اور مردوں کے ختنہ میں اس کی اس لئے اجازت دی گئی کہ یہ کام شعائر اسلام میں سے ہے حتی کہ اگر کسی شہر والے اسے چھوڑ دیں تو امام ان سے جنگ

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث اسامة الهذلی ۵/ ۷۵ والمعجم الکبیر ۱۱۲۷ و۱۱۳ ۷/ ۷۴-۲۷۳

التنویر وغیرہما ولیس ھذا منھا فان الشعار یظھر والخفاض مأمور فیه بالاخفاء فسقط الاحتجاج ولا مخلص الا فی قصر ختانھا علی الذکر خلافالما فی السراج الا ان یحمل علی ماذا اختتنت قبل ان تراھق۔واللہ تعالٰی اعلم۔	لڑے (تاکہ وہ اسے قائم کرنے پر آمادہ ہوجائیں) جیسا کہ فتح القدیر اور تنویر اور ان دو کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے۔اور یہ اس میں سے نہیں۔اور شعار کو ظاہر کیا جاتا ہے۔اور اس میں اخفاء کا حکم دیا گیا ہے اور استنجا کرنے میں بصورت پستی شرمگاہ چھپانے کا حکم دیا گیا لہٰذا استدلال ساقط ہوگیا۔اور اس سے کوئی چارہ کار نہیں کہ ختنہ کرنا، مرد پر بند رکھا جائے بخلاف اس کے جو کچھ سراج میں ہے، مگر یہ کہ اس کا قول اس پر حمل کیا جائے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ لڑکی کا ختنہ اس کے قریب البلوغ ہونے سے پہلے کرلیا جائے۔اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے۔(ت)

(۲) مونچھیں اتنی بڑھانا کہ منہ میں آئیں حرام وگناہ وسنت مشرکین ومجوس ویہود ونصارٰی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلٰی درجہ کی حدیث صحیح میں فرماتے ہیں:

احفوا الشوارب واعفوا اللحی ولاتشبھوا بالیھود۔ رواہ الامام الطحاوی [1] عن انس بن مالك ولفظ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما جزوا الشوارب وارخوااللحی وخالفوا المجوس [2]۔	مونچھیں کتر کر خوب پست کر اور داڑھیاں بڑھاؤ یہودیوں اور مجوسیوں کی صورت نہ بنو۔(امام ابوجعفر طحاوی نے حضرت انس بن مالک سے اس کو روایت کیا ہے۔اور مسلم شریف کے الفاظ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہیں: ___ مونچھیں کترو اور داڑھیاں چھوڑو اور مجوس کی مخالفت کرو۔ت)

فوجی جاہل ترکوں کا فعل حجت ہے۔یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد۔واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراہیۃ باب حلق الشارب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۷

[2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

مسئلہ ۲۳۴: از علی گڑھ کٹرہ سعید خاں مرسلہ حافظ سعید احمد صاحب لکھنوی معرفت حافظ محمد عمر صاحب مسجد عطا شہید ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

طحطاوی حاشیہ درمختار جلد رابع میں ہے:

ورد فی بعض الاٰثار النھی عن قص الاظافر یوم الاربعاء فانہ یورث البرص[1]۔	بعض آثار میں بدھ کے دن ناخن کترنے کی ممانعت آئی ہے کہ اس کام سے مرض برص (پھلبہری) پیدا ہوتا ہے۔ت)

اس کی سند کیا ہے اور یہ روایت کس درجہ کی ہے۔ اور یہ روایت بظاہر معارض ہے روایت دیلمی کی:

ومن قلمھا یوم الاربعاء خرج منہ الوسواس و الخوف دخل فیہ الامن والشفاء[2]۔	جس نے بدھ کے روز ناخن کاٹے اس سے شیطانی وسوسے اور خوف نکل جائیں گے اور اس میں امن اور شفاء داخل ہو جائیں گی(ت)

تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہے اور بدھ کے دن ناخن تراشنا کیسا ہوگا؟ درصورت امتناع حافظ ابن حجر کے قول انہ یستحب کیفما احتاج الیہ (بال کاٹنے مستحب ہیں جس کیفیت (اور نوعیت سے) اس کی ضرورت پڑے۔ ت) کی صحت کی کیا صورت اور درصورت استحباب حافظ کے قول:

ولم یثبت فی کیفیتہ شیئ ولا فی تعیین یوم لہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔	ناخن کترنے کی کیفیت (کہ کس طریقے اور ترتیب سے کترے جائیں) اور کس دن کترے جائیں اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ ثابت اور مروی نہیں۔(ت)

کی صحت کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:

اصل مسئلہ یہی ہے کہ وہ کیف ما اتفق مستحب ومسنون ہے اور دن کی تعیین یا منع میں کوئی حدیث ثابت نہیں، یوم الاربعاء ممانعت کی حدیث دونوں ضعیف ہیں، اگر روز چہار شنبہ وجوب کا دن آجائے مثلاً انتالیس ۳۹ دن سے نہیں تراشے تھے آج بدھ کو چالیسواں دن ہے اگر آج بھی نہیں تراشتا

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۲۰۲

[2] الموضوعات لابن الجوزی دار الفکر بیروت ۳/ ۵۳

[3] المقاصد الحسنہ حدیث ۷۷۲ ص ۳۶۲

توچالیس دن سے زائد ہو جائیں گے اور یہ ناجائز ومکروہ تحریمی ہے **کما فی القنیۃ والھندیۃ وغیرھما** (جیسا کہ قنیہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) تو اس پر واجب ہوگا کہ بدھ کے دن تراشے لیکن اگر حالت سعت واختیار کی ہے تو بدھ کے دن نہ تراشنا مناسب کہ جانب خطر کو ترجیح رہتی ہے۔اور حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر حدیث صحیح صحیح بخاری **وقد قیل**[1] (اور بیشک اس بارے میں کہا گیا ہے۔ت) اس کی مؤید ہے۔امام ابن الحاج مکی علیہ الرحمہ نے بدھ کے دن ناخن تراشنے چاہے پھر خیال کیا کہ حدیث میں ممانعت آئی ہے پھر کہا یہ سنت حاضرہ ہے اور حدیث ضعیف، تراش لئے فورا ابتلائے برص ہوگئے۔شب کو زیارت اقدس سے مشرف ہوئے سرکار میں فریاد کی، ارشاد ہوا کیا تمھیں حدیث نہ پہنچی تھی؟ عرض کی حضور میں نے خیال کیا کہ یہ سنت حاضرہ ہے اور حدیث ضعیف، ارشاد ہوا کیا تم نے نہ سنا تھا کہ ہم نے فرمایا ہے۔پھر دست اقدس ان کے بدن پر مس فرمایا کہ فورا اچھے ہوگئے اٹھے تو اچھے تھے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: از قادر گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین حسینی قادری رزاقی ۲۲ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

تمام سر کا منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حضور سرور کائنات یا حضرت مولائے کائنات سیدنا امام علی مرتضی یا حضرت امامین مطہرین یا حضرات صحابہ کرام یا اولیائے عظام ان حضرات نے سر منڈایا ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواز فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت تمام سر کے بال رکھنا ہے اور امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی سنت سارا سر منڈانا۔

وقد روی رضی تعالٰی عنہ ان تحت کل شعرۃ جنابۃ[2] **ثم قال من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی**[3]۔	بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راویت کی ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا اس وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ ۱/ ۳۳ وجامع الترمذی ابواب الطہارۃ ۱/ ۱۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳

دونوں صورتیں جائز ہیں آدمی اپنے لئے جس میں مصلحت سمجھے، اور اول اولٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۶: از جونپور محلّہ ملاٹولہ مرسلہ شاہ نظام الحق یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

مردوں کو مثل عورتوں کے لمبے بال کندھے سے نیچے رکھنے جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب:

حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء و المتشبهات من النساء بالرجال، رواه الائمة احمد[1] و البخاری و ابوداؤد والترمذی و ابن ماجة عن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	اللہ کی لعنت ان مردوں پر کہ کسی بات میں عورتوں سے مشابہت پیدا کریں اور ان عورتوں پر کہ مردوں سے، (ائمہ حدیث مثلاً امام احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے روایت کیا ہے۔ت)

ایک عورت مردوں کی طرح کمان کندھے پر لگائے جاتی تھی اسے دیکھ کر یہ فرمایا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر[2] عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت فرمایا۔ت) ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے عرض کی گئی کہ ایک عورت مردانہ خود پہنتی ہے فرمایا:

لعن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الرجلة من النساء	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر کہ کوئی وضع مردانی

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۵۴، صحیح البخاری کتاب اللباس باب المتشبھین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰، جامع الترمذی کتاب الآداب باب ماجاء فی المتشبھات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۲

[2] مجمع الزوائد کتاب الادب باب فی المتشبھین الخ دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۰۳۔۱۰۲

رواہ ابوداؤد [1] عن ابن ابی ملکیۃ عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	اختیار کرے۔ (امام ابوداؤد نے ابن ابی ملیکہ کے حوالے سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمائی۔ ت)

کمان یا جوتا اجزائے بدن نہیں۔ جب ان میں مشابہت پر لعنت فرمائی تو بال کہ اجزائے بدن ہیں ان میں مشابہت اور کس درجہ سخت تر ہوگی۔ ولہٰذا عورت کو حرام ہے کہ اپنے بال تراشے کہ اس میں مردوں سے مشابہت ہے یونہی مردوں کو حرام ہے کہ اپنے بال عورتوں کی طرح بڑھائیں اور وجہ دونوں جگہ وہی مشابہت ہے کہ حرام و موجب لعنت ہے۔ درمختار میں ہے:

قطعت شعر راسھا اثمت ولعنت و المعنی المؤثر التشبہ [2]۔	کسی عورت نے اپنے سر کے بال کاٹے تو وہ اس کام کی وجہ سے گناہگار ہوگی اور اس پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہوگی اور اس میں معنی موثر "تشبہ" ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای العلۃ الموثرۃ فی اثمھا التشبہ بالرجال فانہ لایجوز کالتشبہ بالنساء حتی قال فی المجتبٰی یکرہ غزل الرجل علی ھیأۃ غزل النساء [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	عورت کے گناہگار ہونے میں اثر انداز ہونے والی علت مردوں سے مشابہت ہے اس لئے کہ وہ جائز نہیں۔ جیسے مردوں کی عورتوں سے مشابہت درست نہیں۔ یہاں تک کہ "المجتبٰی" میں فرمایا کہ مردوں کا عورتوں کی ہیئت پر سوت کاتنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷: از موضع سران ڈاکخانہ بشندور تحصیل و ضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لحیہ دارز کو چار انگل زنخدان سے نیچے رکھ کر کٹانی چاہئے یا قبضہ مع استخوان لحیین رکھ کر کٹائی جائے؟

الجواب:

مسترسل چار انگل چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

[3] ردالمحتار کتاب الحظر ولاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

مسئلہ ۲۳۸: داڑھی کی حد شریعت نے کہاں تک مقرر کی ہے اور اگر کوئی شخص حد مقررہ سے کم رکھے تو کیا وہ منڈانے کے برابر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ، اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

داڑھی کم از کم چار انگل چھوڑنا واجب ہے۔ اور اس سے کم رکھنا جائز نہیں حرام ہونے میں یہ بھی منڈانے کے مثل ہے اگرچہ منڈانا خبیث تر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۹: ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی ایھا العلماء الکرام اندریں مسئلہ کہ مروی وماثور است کہ موئے مرغول سرآن سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغیر از حلق بستہ کیفیت متکیف بودند یعنی گاہ بگوش وگاہ بدوش وگاہ از گوش فرد وآمدہ ونزدیک بدوش رسیدہ آیا رجل امت اجابت آن تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم را نیز لازم است کہ ہمیں جادہ مستقیم را اخذ نمودہ سالک شوند باز وبر تقدیر اول آیا کدام صنف است از اصناف سنن ہدی ست کہ تارکش مستحق لوم وعتاب است یا زائد کہ تارکیش لائق ایں امر نبود چنانچہ در رسالہ منار می نویسند وھی نوعان سنۃ الھدی وتارکھا یستوجب اساءۃ کالجماعۃ و الاذان والزوائد وتارکھا لایستوجب اسائۃ کسیر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی لباسہ وقعودہ	اے علماء کرام! اللہ تعالٰی تم پر رحمت کے پھول برسائے تمہارا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ کے بارے میں کہ مروی اور منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر مبارک کے (کسی قدر) گھنگریالے مقدس بال منڈائے بغیر، تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے متصف تھے (۱) یعنی کبھی کانوں تک (۲) کبھی کندھوں تک (۳) اور کبھی کانوں سے نیچے لٹکے ہوئے اور کندھوں کے قریب پہنچے ہوئے تھے (اب سوال یہ ہے کہ) کیا تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت اجابت (یعنی امت مسلمہ) کے کسی مسلمان فرد کے لئے بھی یہی لازم اور ضروری ہے کہ وہ اسی ٹھیک طریقہ کو اختیار کرکے اس پر چلے۔ نیز پہلی صورت میں یہ سنن ہدی میں سے کونسی قسم ہے کہ جس کا چھوڑ دینے والا ملامت اور سرزنش کے لائق ہے یا سنت زائدہ ہے کہ جس کا ترک کرنے والا سزا مذکور کے لائق نہیں چنانچہ رسالہ "منار" میں لکھتے ہیں سنت کی دو ۲ قسمیں

وقیامه [1] الخ رسالہ شرح نور الانوار قمر الاقمار۔	ہیں (۱) ایک سنت ہدٰی، جس کا تارک مستحق اساءت ہے۔ جیسے نماز باجماعت اور اس کے لئے اذان۔ (۲) دوسری قسم سنت زوائد کہ جس کا تارک اساءت کا سزاوار نہیں جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک عادات، پہننے، بیٹھنے اور قیام میں الخ ۱۲ قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار (از مولانا عبدالحکیم لکھنوی)۔(ت)

الجواب:

عادت کریمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر تمام سر موئے داشتن است از گوش تادوش در غیر حج وحجامت ہیچ گاہ حلق ثابت نیست امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم دائما حلق فرمودہ واز ان روکہ زیر ہر موجنابت ست مباد کہ آب بجائے نرسد وے فرمود ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی [2] وسنت خلفائے راشدین نیز سنت ست ہر چہ مناسب حال خود میبند برآں عمل کنند موئے راا کرام باید فی الحدیث من کان له شعر فلیکرمه [3] اگر اکرام تواند وبحد اسراف نرساند موئے داشتن بہتر ست ورنہ در حلق فارغ البال وبرہر چہ ازیں عمل کند مستحق لوم وعتابے نیست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت عالیہ اپنے پورے سر مبارک پر بال رکھنے کی تھی اور یہ کیفیت کان سے کندھوں تک ہوتی، لہٰذا بغیر حج کبھی سر منڈوانا ثابت نہیں البتہ مومنوں کے امیر حضرت مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم ہمیشہ بال منڈواتے اس وجہ سے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں تک پانی نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے یہی وجہ ہے کہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں، اسی وجہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بال رکھنے کا مخالف ہوں، اور خلفائے راشدین کی سنت بھی درجہ سنت رکھتی ہے لہٰذا جو بھی اپنے حال کے مناسب سمجھے وہی روش اختیار کرے، بہر حال بالوں کا احترام کرنا چاہئے، چنانچہ حدیث پاک میں مذکور ہے جس آدمی کے بال ہوں اسے ان کا احترام واکرام کرنا چاہئے لہٰذا اگر عزت توقیر کرسکے اور اسے اسراف کی

[1] نور الانوار شرح المنار بحث سنن الهدی والزوائد مطبع علیمی دہلی ص ۱۶۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطهارة باب فی الغسل من الجنابة آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳

[3] سنن ابی داؤد کتاب الرجل باب فی اصلاح الشعر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۸، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس الفصل الثانی المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۳۰

حد تک نہ پہنچائے تو پھر بال رکھنے بہتر ہیں ورنہ منڈوا کر فارغ البال ہو جائے لہٰذا ان میں سے جو طریقہ اپنائے (اور اس پر عمل کرے) تو ملامت اور عتاب کا سزاوار نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۰: از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خاں صاحب رضوی ۲۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ داڑھی منڈایا کترنے والا یا داڑھی چڑھانے والا میلاد شریف پڑھ سکتے ہے یا نہیں اور داڑھی چڑھا کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ان لوگوں سے میلاد شریف نہ پڑھوایا جائے، تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[1]۔	اس لئے کہ اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ لوگوں پر شرعی طور پر اس کی توہین ضروری ہے۔ (ت)

نماز پڑھنا بہرحال فرض ہے اس میں داڑھی چڑھی رکھنا مکروہ ہے۔ کس قدر بیباکی ہے کہ عین حاضری دربار میں صورت مخالف حکم ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۱: از فیروز آباد ضلع آگرہ جامع مسجد مسئولہ جناب محمد ناظم علی صاحب ۲۱ رجب المرجب ۱۳۳۹

علمائے دین وفضلائے واثقین ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ داڑھی کتنی نیچی رکھنا چاہئے اور ریش مبارک حضور سرور عالم صلعم (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ تعالٰی عنہ نیز باقی اصحابہ کبائر رضوان اللہ تعالٰی عنہم کی کس قدر نیچی تھی؟ جواب سے معہ حوالہ کتب بہت جلد معزز فرمایئے، **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ایک مشت نیچی رکھنا واجب ہے اور اس کا تارک فاسق۔ فتح القدیر و درمختار میں ہے:

اما الاخذ منھا وھی دون ذٰلک (ای القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ[2]۔	داڑھی جب مشت بھر سے کم ہو تو اسے تراشنا اور کترنا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑہ صفت مرد کرتے ہیں کسی نے اس کو مباح نہیں کہا۔ (ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الحدث فی الصلوٰۃ مکتبہ الکبرٰی مصر ۱/ ۱۳۴

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وامیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی ریش مبارک اوائل سینہ تک تھی۔امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ریش مبارک زیادہ تھی۔ریش تراشی کی مذمت میں ہمارا رسالہ **لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی** شائع ہوچکا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ صلعم یا ص یاء م یا صللم وغیرہار موز لکھنا ممنوع اور سخت بیدولتی ہے امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں پہلا شخص جس نے ایسا اختصار کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا،درود پورا لکھنا لازم ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

نوٹ

جلد ۲۲ داڑھی و حلق وقصر وختنہ وحجامت کے بیان پر ختم ہو گئی۔

جلد ۲۳ اِن شاء اللہ نماز وطہارت کے عنوان سے شروع ہو گی۔